بلیک شلوار قمیض پہنے کندھوں پر بادامی رنگ کی شال ڈالے وہ کافی غصے اور مضطرب انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔۔گاڑی اونچے نیچے راستے پر تقریباً دوڑ رہی تھی۔سر سبز پہاڑوں کے درمیان سڑک کافی خستہ حال تھی۔جس کے ایک اطراف میں گہری کھائیاں تھیں۔مگر زران خان کو اس کی ذرا برابر پراواہ نہیں تھی۔۔

زاران خان نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔ ۔وہ بہت کوشش کر رہا تھا اپنے غصے پر کنٹرول کرنے کی مگر غصہ اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔ ۔۔

گاڑی ایک بہت بڑی حویلی کے گیٹ پر آ کر رکی تھی۔ ۔زاران خان کے ہارن دینے پر چوکیدار نے جلدی سے گیٹ کھولا تھا۔

گاڑی کے ٹائر حویلی کے سرخ اور طویل ترین ڈائیوے پر آ کر چرچرائے تو وہاں موجود تمام ملازم چوکنا ہوے تھے۔ ۔

زاران خان کے غصے سے تو سب کی ہی جان جاتی تھی۔ ۔

زاران نے گاڑی سے نکلتے غصے سے اپنی شال کو دونوں ہاتھوں سے زور سے جھٹکا دیا تھا اور تیز تیز قدموں سے حویلی کے داخلی دراوازے کی طرف بڑھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کے قدموں کا رخ ڈائینگ ہال کی طرف تھا۔۔

ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی زاران نے آگے بڑھتے ہی پانی کا گلاس ٹیبل سے اٹھا کر زمین پر زور سے دے مارا۔

شیشے کا گلاس چکنا چور ہوتا دور تک بکھر چکا تھا۔

امینہ خانم اور روزینہ خانم شور سن کر ڈائینگ ہال میں داخل ہوئی تھیں۔

زاران خان کا سرخ اشتعال زدہ چہرہ دیکھ کر دونوں ہی ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھتے ہوے پریشانی سے آگے بڑھیں۔

کیا ہو زاران بیٹا؟؟امینہ خانم نے آگے بڑھتے پوچھا۔۔

یہ بات مجھ سے مت پوچھیں مورے۔۔۔۔

یہ بات اس بے غیرت سے پوچھیں جس نے شاہ نواز کی گاڑی پر حملہ کیا ہے۔۔زاران غصے سے دھاڑا۔۔

امینہ خانم نے دہلتے ہوے سینے پر ہاتھ رکھے بابرک خان کو دیکھا جو اطمینان سے چیئر پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔اسے اس سب سے جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑھ رہا تھا۔۔

روزینہ خانم یہ سنتے بابرک کی طرف بڑھیں۔۔یہ کیا سن رہی ہوں میں بابرک؟؟ ..روزینہ خانم نے غصے سے بابرک سے پوچھا۔۔

شکر الحمدللہ،،، بابرک نے کھانا کھا کر ہاتھ منہ پر پھیرتے اونچی آواز میں کہا تو زاران غصے اور ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

بابرک اپنی شال کندھوں پر لپیٹتے زاران خان کی طرف بڑھا۔۔

اب پوچھو لالا "کیا پوچھنا ہے تمھیں؟

اس رزق کے لیے سارا سارا دن تم ادھر اسلام آباد میں کنٹریکٹ کنٹریکٹ کھیلتا ہے۔۔

اپنے گھر سے دور رہتا ہے۔۔۔کس لیے؟؟ اس رزق کے لیے۔۔۔تمھیں اتنا تو لحاظ کرنا چاہیے تھا کہ ہم کھانا کھا رہا تھا۔۔اللہ

کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کر رہا تھا اور تم ہے کہ آتے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔۔

کبھی تو گھر آتے ہوے اپنا غصہ باہر چھوڑ کر آیا کرو ۔۔۔اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔۔پھر تم کو بھی داجی کی طرح بی پی کی بیماری ہو جائے گا۔۔اور تم ان نعمتوں کو ترسے گا۔۔

بابرک زاران کے قریب آتے اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوے ٹھنڈے مگر سلگانے والے لہجے میں بولا۔

اپنی بکواس بند کرو ۔۔سیدھی طرح جواب دو شاہ نواز پر حملہ کیوں کروایا؟؟

اگر اس کی جان چلی جاتی تو۔۔زاران خان نے اب کی بار بابرک کا گریبان دونوں ہاتھوں سے جکڑا تھا۔۔

تو کیا ہو جاتا؟؟زمین سے ایک ناپاک ہستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ بابرک نے اپنا گریبان ایک ہی جھٹکے میں چھڑوایا تھا۔

بابرک اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنی آواز بھی نیچی رکھو۔۔بھولو مت شاہ نواز فرشتے کا شوہر ہے۔۔

زاران طیش و اشتعال سے دھاڑا۔۔

ایسے شوہر سے اچھا ہے فرشتے بیوہ ہو جائے۔۔بابرک نے سفاکیت سے کہتے ہوے آنکھ ماری۔۔

بابرک یہ کیا کہہ رہا ہے تم؟؟

فرشتے بہن ہے تمھارا۔۔روزینہ خانم نے ناگواریت سے بابرک کو ٹوکا تھا۔۔

وہ ہمارا بہن نہیں ہے۔ارحام لالا کا بہن ہے،، ہمارا تو تایا کا بیٹی ہے صرف۔۔

اگر وہ ہمارا سگا بہن بھی ہوتا تو ہم یہی کہتا ایسے شوہر سے اس کا بیوہ ہونا ہی اچھا ہے۔۔

بابرک اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

پھر تو عابیر کا بیوہ ہونا بھی زیادہ بہتر ہے ۔۔زاران کے طنز پر بابرک کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔

لالا ہم تمھارا لحاظ کرتا ہے۔ کیونکہ تم ہم سے بڑا ہے ۔۔ بھولو مت کہ ہم تمھاری بہن کا شوہر ہے۔ اس ناطے تمھارا ہماری عزت کرنا بنتا ہے۔۔بابرک کے چہرے پر پرہمی کے آثار نمودار ہوے تھے۔زران خان کا طنز اسے آگ لگا گیا تھا۔

تم میری بہن کے شوہر ہو اور یہی سب سے بڑی غلطی ہوئی دا جی سے۔۔۔۔ جنہوں نے عابیر کا نکاح تم جیسے خودغرض اور جاہل انسان سے کر وا دیا جسے رشتوں کا لحاظ نہیں ہے۔۔

تم نے اتنا نہیں سوچا شاہ نواز تمھارے حملے کا غصہ بیچاری فرشتے پر اتارے گا۔۔زاران نے اپنے مضبوط ہاتھ کا مکہ ڈائینگ ٹیبل کی شیشے کی میز پر دے مارا تھا۔بس نہیں چل رہا تھا بابرک کا چہرہ بیگاڑ کر رکھ دے۔

تمھیں کیوں اتنی تکلیف ہو رہی ہے لالا؟؟۔۔اگر تمھیں فرشتے کی اتنی ہی فکر تھا تو کر لیتے فرشتے سے شادی اس وقت تو تم نے داجی کی بات نہیں مانی تھی۔۔

بابرک ایک لفظ اور مت بولنا فرشتے بہن ہے میری۔۔زاران بابرک کی بات کاٹتے ہوے چلایا۔

فرشتے ارحام لالا کا بہن ہے۔۔جب اسے کوئی تکلیف نہیں تو تمھیں کیا مسئلہ ہے؟؟۔۔

ارحام لالا میں دم خم ہوتا ناں تو فرشتے کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا ۔۔اسے تو پری گل بھابھی کے آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔۔جورو کا غلام بنا پھرتا ہے ہر ٹائم۔۔

پری گل بھابھی کی لگامیں کس کر رکھتا تو فرشتے بھی خوش ہوتی۔۔۔وہ تو پری گل بھابھی کے نیچے لگا ہوا ہے۔۔۔

اللہ اللہ پری گل بھابھی تو فتنہ ہے فتنہ۔۔۔۔

بیچاری فرشتے کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اس میں پری گل بھابھی کا ہاتھ ہوتا ہے۔۔بابرک نے استھزائیہ ہنستے ہوے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

تمیز سے بات کرو بابرک۔۔۔ پری گل ہماری بھابھی ہے اور ارحام لالا تم سے بڑے ہیں۔۔زاران نے بابرک کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

دیکھو لالا،،، شاہ نواز کے ساتھ ہمارا دشمنی اب قبر تک جائے گا۔۔وہ زمینیں ہماری ہیں۔۔داجی نے فرشتے کی خاطر وہ زمینیں شاہ نواز کے نام کی تھیں۔مگر ہوا کیا فرشتے تو اب بھی شاہ نواز کے ہاتھوں پٹتا ہے۔۔

فرشتے بیوہ ہو یا طلاق یافتہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنی زمینیں شاہ نواز کو ہڑپنے نہیں دوں گا۔۔بابرک ہٹ دھرمی سے اپنی بات پر قائم تھا۔۔

زاران غصے اور بے بسی سے اپنے ایک ہاتھ کا مکہ دوسری ہتھیلی پر مار کر رہ گیا تھا۔۔داجی کا لحاظ تھا اور سب سے بڑھ کر اپنے اور بابرک کے درمیان رشتے نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ورنہ

بابرک کی حرکتوں پر زاران خان کا اس کی جان لینے کو دل کرتا تھا۔

اور ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو۔۔۔عابیر میرے نکاح میں ہے۔۔ایک بار یہ رخصتی ہو جانے دو۔۔جس طرح تمھاری زبان چلتی ہے میرے سامنے ۔۔۔پھر نہیں چلے گی ۔کیونکہ میں اپنی عورت کو کنٹرول کرنا جانتا ہوں۔۔عابیر کی لگامیں میں پہلی رات ہی کھینچ دوں گا۔۔تاکہ تمھاری آنکھیں میرے سامنے جھکی رہیں اور تمھارا زبان حلق میں ہی دم توڑ دے۔۔۔۔

کیا کہتے ہیں؟؟۔پہلی رات ہی خلاص۔۔۔۔۔بابرک اپنے گلے پر چھری کی طرح ہاتھ رکھ کر پھیرتے ہوے ہنسا تو روزینہ خانم بابرک کی بات پر نظریں چرا گئی تھیں۔

اس سے پہلے ہی تمھاری موت میرے ہاتھوں لکھی جائے گی۔جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔۔۔۔زاران بابرک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے غرایا۔۔

ارے ارے لالا یہ انگلش ونگلش ہم کو سمجھ نہیں آتا۔

کیا انگریزی میں گالی دے رہا ہے؟؟

پشتو میں گالی دیتا تو ہم بھی آگے سے جواب دیتا۔۔

قسم سے بہت مزا آتا۔۔بابرک کی ہنسی کی آواز گونجی تو زاران اس پر تاسف اور اشتعال بھری نگاہ ڈالتا غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔۔

زاران کے جانے کے بعد بابرک کے چہرے پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

بابرک اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنا سر تنفر سے جھٹکتے وہاں سے چلا گیا۔۔

روزینہ خانم اور امینہ خانم گہری سانس بھرتی رہ گئی تھیں۔۔۔۔

ابرش تم کیوں پاکستان نہیں جانا چاہتی؟؟۔یہ ملک ہمارا نہیں ہے اور نہ ہی یہاں کے لوگ ہمارے ہیں۔

زحلے خاتون نے ابرش کو آج پھر سمجھانا چاہا تھا۔ ۔وہ پچھلے کچھ دنوں سے ابرش کو کنونیس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ پاکستان کے نام پر ہی بھڑک اٹھتی تھی۔

ماما پاکستان ہمارا ملک کیسے ہو گیا؟؟۔۔آپ ایکسپلین کرنا پسند کریں گی۔۔

میں اس ملک میں پیدا ہوئی بڑی ہوئی ۔۔یہاں اپنی تعلیم حاصل کی۔۔اب آپ یہ کہہ رہی ہیں یہ ملک ہمارا نہیں ہے۔یہاں کے لوگ ہمارے نہیں ہیں۔

پاکستان کے لوگ ہمارے ہیں کیا؟؟ ابرش نے استھزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ استفہامیہ لہجے میں سوال کیا۔

ہم زندہ بھی ہیں یا مر گئے ہیں۔ کسی نے ہمارا آج تک پتہ نہیں کیا تو وہاں کے لوگ کیسے ہمارے ہو گئے؟؟ ۔۔ابرش نے غصے سے بولتے ہوے اپنے براؤن سلکی بالوں کی اونچی سی پونی بنا کر سمیٹا تھا۔ ۔

ابرش تمھارے تایا نے کتنا ہمارا ساتھ دیا ہے۔وہ بھول چکی ہو کیا؟؟انہوں نے ہمارا ہمیشہ خیال رکھا۔۔

ابھی بھی وہ ہمیں پاکستان بلا رہے ہیں۔ پاکستان میں تمھارے پاپا کی بہت سی جائیداد ہے وہ ہمیں تمام جائیداد سونپنا چاہتے ہیں۔زحلے خاتون نے تحمل سے کہا۔۔

ماما جانتی ہوں تایا ابو نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے۔۔

لوگ یہاں سے ڈالر پاکستان بھیجتے ہیں۔ایک ہم تھے ہمارے لیے پاکستان سے پیسہ آتا تھا۔۔کیونکہ ہمارے باپ کو ہماری پرواہ تھی ہی نہیں۔وہ تو ہماری ذات سے ایسے لاپرواہ تھے جیسے ہم لوگ ان کے کچھ نہیں لگتے۔۔

لیکن اب جب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو چکی ہوں۔

آہل جاب کر رہا ہے۔عنایہ یہاں پڑھ رہی ہے تو اب ہم امیریکہ چھوڑ کر پاکستان کیوں جائیں۔۔

تایا ابو کو بولیں کہ ہمارا حصہ بیچ کر ہمیں دے دیں۔۔ہم یہاں ہی کچھ کر لیں گے۔۔

ابرش نے دو ٹوک انداز میں کہا۔۔

تم کیا چاہتی ہو میرے پاکستان جانے کے تمام راستے بند ہو جائیں۔۔وہ ہماری ساری جائیداد بیچ کر ہمیں پیسہ دے دیں ۔۔کیا ہو گا وہ روپیہ ڈالر کا مقابلہ کر پائے گا۔۔کچھ دنوں میں وہ تمام روپیہ خرچ ہو جائے گا۔۔اور ہم یہاں ساری عمر بھی رہیں گے تو اپنا کچھ نہیں بنا سکیں گے۔۔

یہ ملک پرایا تھا پرایا ہی رہے گا۔۔زحلے کی بات پر ابرش کے ہونٹوں پر پھر سے استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

اور کیا کہہ رہی ہو تم؟؟تم پیروں پر کھڑی ہو چکی ہو ۔ایک ڈھنگ کی جاب تک تمھارے پاس نہیں ہے۔۔آئے دن تمھاری جاب بدلتی رہتی ہے۔

زحلے خاتون نے غصے سے بھڑکتے ہوے کہا۔۔ابرش کی ڈھٹائی پر انھیں بہت غصہ آ رہا تھا۔۔وہ ابرش کے والد کی موت کے بعد یہاں سے جانا چاہتی تھیں۔مگر پچھلے چھ مہینوں سے وہ ابرش کو قائل نہ کر سکیں تھیں۔اس لیے آج نہ چاہتے ہوے بھی ان کا لہجہ تلخ ہو چکا تھا۔

ڈھنگ کی جاب اس لیے نہیں ہے میرے پاس۔۔ ۔کیونکہ پندرہ سال کی عمر سے مختلف جاب کر رہی ہوں۔۔

پاپا کو ہماری پرواہ تھی نہیں اور آپ اپنی بیماری کی وجہ سے مزید جگہ جگہ نوکری نہیں کر سکتی تھیں۔کیونکہ آپ کو ہمیشہ جاب سے واپس گھر آنے کے بعد اٹیک آتے تھے۔۔

اور پھر آپ دنوں بستر پر پڑ جاتی تھیں۔آپ کو مجھے سنبھالنا پڑتا تھا۔

میں اپنی تعلیم مکمل کرتی کہ عنایہ آہل اور آپ لوگوں کو پالتی۔۔ابرش کا لہجہ بھیگا تھا۔

اس لیے تو کہہ رہی ہوں ابرش؟؟پاکستان چلنا چاہیے وہاں پر تمھیں جاب نہیں کرنی پڑے گی۔۔وہاں تمھارے باپ کا بزنس ہے وہ تم سنبھالنا۔۔زحلے خاتون نے ابرش کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔۔

ماما جانتی ہوں میں۔۔آپ پاکستان کیوں جانا چاہتی ہیں؟؟

آپ کو اپنے رشتے یاد آ رہے ہیں۔جنھیں آپ کبھی نہیں بھولیں۔دن رات آپ نے انھیں یاد کیا ہے۔۔لیکن انہوں نے کبھی آپ کا پتہ نہیں کیا۔۔ابرش کی بات پر زحلے کے چہرے پر کئی رنگ آئے تھے۔

کیسے پتہ کرتے وہ میرا۔۔۔میں انھیں بغیر بتائے ایک انجان آدمی کے ساتھ نکاح کر کے یہاں چلی آئی۔۔زحلے کے چہرے پر کرب و اذیت کی ایک داستان تھی۔

تو کیا ہوا ماما آپ نے نکاح کیا تھا۔کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

وہ آپ کے سوکالڈ بھائی اور آپ کے بابا جان کتنے بڑے آدمی ہیں۔وہ آپ کو ڈھونڈ سکتے تھے۔آپ کو معاف کر سکتے تھے۔۔لیکن نہیں وہ ایسا کیوں کریں گے؟؟

آپ کو معاف کرنے کی صورت میں آپ کو آپ کے حصے کی جائیداد دینی پڑتی۔۔اسی لیے انہوں نے یہی سوچا ہو گا کہ ایسے ہی زحلے سے جان چھڑوانا بہتر ہے۔۔ابرش نے تلخ لہجے میں کہا۔۔زحلے نے غور سے اپنی بے پناہ حسین بیٹی کو دیکھا جو ابھی صرف اکیس سال کی تھی۔۔جسے قدرت نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔۔

مگر اکیس سال کی عمر میں اس نے کافی تلخ اور کھٹن زندگی گزاری تھی۔ اس عمر میں اس کے چہرے پر کسی کی محبت کے رنگ ہونے

چاہیے تھے مستقبل کے خوبصورت خواب ہونے چاہیے تھے۔ مگر اب وہاں پر صرف اپنے سے جڑے رشتوں کی فکر تھی۔اور وہ اسے اسی ذمہ داری اور فکر سے آزاد کرنا چاہتی تھیں۔تاکہ پاکستان جا کر وہ اپنے بزنس کو سنبھال سکے اور ان پریشانیوں سے آزاد ہو جائے۔۔مگر وہ یہ ملک چھوڑ کر جانے کو تیار نہ تھی۔

میں جانتی ہوں خان فیملیز کے بارے میں۔۔

کافی ریسرچ کی ہے میں نے ان لوگوں کے متعلق۔۔ یہ خان کیسے ہوتے ہیں؟؟وہ اپنی عورتوں کو کیسے رکھتے ہیں؟؟جائیداد باہر نہ چلی جائے اپنی بیٹی کی شادی برداری سے باہر نہیں کرتے۔۔عورتوں کو تعلیم حاصل نہیں کرنے دیتے۔۔عورتوں کو پردہ کرواتے ہیں۔اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں۔

آئی ہیٹ خان۔۔۔ابرش نے اپنا حسین چہرہ بگاڑا تھا۔

ابرش تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو۔۔تم نے کہاں سے یہ فضول اور بے بنیاد تحقیق کی ہے۔تم جانتی ہی کیا ہو خانزادہ فیملیز کے بارے میں۔۔وہاں کے لوگوں کے بارے میں۔۔۔۔

میرے بھائی اور بابا جان ایسے نہیں ہیں۔

تم نے جو ریسرچ کی ہے وہ بلکل غلط اور غیر حقیقی ہے۔۔اگر وہ اپنی عورتوں کو پردہ کرواتے ہیں تو وہ پردہ خدا نے ہی عورت پر فرض قرار دیا ہے۔۔خدا نے عورت کو تہذیب والا لباس پہننے کو کہا ہے جس میں عورت کا جسم نمایاں نہ ہو۔۔وہ خدا کا دیا ہوا حکم ہی

عورتوں پر لاگو کرتے ہیں۔عورت کا خود کو چھپا کر رکھنا ہی اصل حسن ہے۔اسی میں عورت کی عزت ہے۔

برداری سے باہر بھی شادیاں ہوتی ہیں۔لیکن اگر برداری میں اچھے لڑکے ہیں تو برداری میں شادی کرنے میں کیا مضائقہ
ہے۔۔عورتوں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔۔اس لیے اپنی عورت پر کسی کی گندی نظر برداشت نہیں کر سکتے۔۔اسے تحفظ دیتے ہیں۔۔گھر کا سکھ دیتے ہیں۔

تمھارے باپ کی طرح نہیں جو اپنی بیوی اور بیٹی سے بے پردگی میں نوکریاں کروائے۔اسے اپنی احساس ذمہ داری کا پتہ نہ ہو۔۔۔کیونکہ تمھار باپ ہمارا خرچہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔۔اسی لیے اس نے ہم سے برائے نام ہی تعلق رکھا تھا۔۔جب جب اسے ایک

گھر کی ضرورت ہوتی بیوی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے حقوق لینے کے لیے آ جاتا۔۔

باہر گرل فرینڈ رکھنے سے اچھا ہے کہ انسان ایک سے زائد شادیاں کر لے۔۔چار چار شادیاں کرنا بھی جائز ہے۔یہ قانون بھی خدا کا ہی لاگو کردہ ہے۔۔

او ہر کوئی ایک سے زائد شادیاں نہیں کرتا۔۔بابا نے بھی دو شادیاں کی تھیں۔کیونکہ ان کی پہلی بیوی سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔اس لیے انہوں نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کی۔

تمھارے باپ کی طرح نہیں جس نے یہاں پر اپنی گرل فرینڈز رکھی ہوئیں تھیں۔

برسوں پہلے غلطی میری تھی۔۔

میرے بابا نے مجھے پڑھایا لکھایا اچھی تعلیم دلوائی۔۔اپنے شہر کی میں پہلی لڑکی تھی جو کوایجوکیشن میں پڑھتی تھی۔صرف اپنے بابا جان کی وجہ سے۔۔

غلطی مجھ سے ہوئی تھی۔مان میں نے توڑا تھا ان کا۔

میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی ورنہ کب سے ان کے قدموں میں گر جاتی۔

پاشا سے شادی کرنا میری زندگی کی سنگین غلطی تھی۔۔یہاں آ کر مجھے بے پردہ ہونا پڑا۔۔ٹکے ٹکے کی نوکری کرنے کے لیے مجھے

گھنٹوں کام کرنا پڑا۔۔۔ یہاں نوکری کی وجہ سے میں مکمل حجاب نہیں کر سکتی تھی۔

میں نے کبھی حجاب اتارا نہیں تھا۔۔مگر یہاں حجاب کے بغیر نوکری کرتی رہی۔۔صرف تم لوگوں کو پالنے کی خاطر ۔۔۔۔

اب پاشا اس دنیا میں نہیں رہا اور وہاں پاکستان میں تمھارے باپ کا گھر ہے بزنس ہے۔۔تمھارے تایا کی یہ اچھائی ہے وہ ہمیں یہ سب دے رہیں ہیں۔ورنہ وہ ہمیں ہمارا حق نہ بھی دیتے تو ہم کیا کر لیتے۔۔

میرا آخری فیصلہ ہے۔ہم پاکستان جا رہے ہیں اور اسی ہفتے جا رہے ہیں۔تم یہاں کا کام جتنی جلدی ہو سکے سمیٹ لو۔۔زحلے نے سخت لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔

واٹ ایور ماما۔۔ آپ کچھ بھی کہیں میں پاکستان نہیں جاؤں گی۔

اور میں عنایہ کو سکول سے لینے جا رہی ہوں۔بہت دیر ہو چکی ہے۔ابرش سپاٹ انداز میں کہتے چلی گئی تو زحلے خاتون گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

ابرش اپنے ہی دھیان میں سڑک پر چل رہی تھی۔

ہیلو کی آواز پر چونکی تھی۔۔

ہیلو ۔۔۔۔ابرش خوشگواریت سے مسکرائی تھی۔۔

آپ یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟؟ابرش نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

یہ کوسچن میں بھی آپ سے پوچھ سکتا ہوں۔آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟۔جوابًا مسکراتے ہوے کہا تو ابرش کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

اسفند یار خان مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔۔یہ نہیں تھا اس نے آج تک حسین چہرہ نہیں دیکھا تھا۔۔ان کے علاقے میں ایک سے ایک حسین چہرہ تھا۔۔مگر ابرش میں ایک عجیب سی کشش تھی جو اسفند یار خان کو اپنی طرف کھینچتی چلی جا رہی تھی۔

وہ جتنی خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ اس میں کشش پائی جاتی تھی۔۔ابرش کی شہد رنگ آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔اس نے آج تک اتنی خوبصورت گہری آنکھیں نہیں دیکھی تھی۔۔سفید رنگت جس میں سنہرا رنگ سا گھلا تھا۔۔

شہد رنگ مقناطیسی آنکھیں ستواں ناک۔۔۔۔خوبصورت کٹاو دار ہونٹ جن کا نیچرل کلر ہی گلابی تھا۔۔۔ خوبصورت گلابی گال جو آج سردی کی وجہ سے سرخ ہو رہے تھے۔براؤن سلکی کمر تک آتے بال۔۔متناسب سراپہ وہ بلا شبہ بہت حسین لڑکی تھی۔

اس وقت ابرش بلیک جینز پر براؤن لانگ کوٹ پہنے ہوے تھی۔براؤن کلر کی گرم کیپ لی ہوئی تھی۔۔اپنے سلکی براؤن بال کھلے چھوڑ رکھے تھے جو اس کی کمر پر بکھرے تھے کچھ لٹیں کیپ کی اطراف میں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔

کیا ہوا؟؟ابرش نے مسکراتے ہوے اسفند یار خان کے آگے چٹکی بجائی تو اسفند یار ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔

کچھ نہیں۔۔۔ میں پوچھ رہا تھا۔ آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟اسفند یار نے اپنا سوال دہرایا۔ ۔

میرا پاس ہی میں گھر ہے۔ ۔گھر میں دل نہیں لگ رہا تھا سوچا تھوڑی سی واک کر لوں۔۔ابرش نے سردی سے کانپتے ہوے اپنے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیکٹ میں ڈالے تھے۔

اسفند یار اس کی حالت دیکھتا مسکرا گیا تھا۔۔

آپ کو سردی نہیں لگتی۔ اس دن بھی میں نے آپ کو ہلکی سی جیکٹ میں دیکھا تھا۔۔آج بھی آپ نے صرف ایک جیکٹ پہنی ہوئی ہے۔جو اتنی گرم بھی نہیں لگ رہی ۔۔آپ نے مفلر بھی نہیں لیا۔ گلوز بھی نہیں پہنے ہوے اور کیپ بھی نہیں پہنی ۔۔ابرش اسے ایسے دیکھتی جھرجھری لے کر رہ گئی تھی۔

یہ سردی تو کچھ نہیں۔۔ہمارے علاقے میں اس سے کہیں زیادہ سردی پڑتی ہے۔۔ہمیں عادت ہے ایسے رہنے کی۔۔اسفند یار خان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

کہاں سے ہیں آپ؟؟ابرش سٹریٹ کے کورنر پر ایک بینچ پر بیٹھ چکی تھی ۔۔

اسفند یار خان بھی مسکراتے ہوے ابرش کے پاس بینچ پر بیٹھ گیا۔

خیبر پختنخواہ یعنی سوات سے۔۔اسفند یار خان کے بتانے پر ابرش کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

آپ خان فیملی سے ہیں؟؟ابرش نے حیرت و استعجاب سے پوچھا۔چہرے پر یکدم سنجیدگی چھائی تھی۔

ہاں میں خان فیملی سے ہوں۔اسفند یار خان کے بتانے پر ابرش کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا جسے وہ چھپا گئی تھی۔

کیا ہوا ابرش؟؟آپ کی مسکراہٹ کیوں سمٹ گئی۔۔

اسفند یار خان نے اس کے سنجیدہ چہرے کو بغور دیکھتے ہوے پوچھا۔۔جہاں پر نہ صرف سنجیدگی چھائی تھی بلکہ ہلکی ہلکی ناگواری کا تاثر بھی تھا جسے وہ لب بھینچے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ایکچوئلی میری ماما بھی وہیں سے ہیں۔انفیکٹ ان کی بہت بڑی حویلی ہے وہاں۔۔۔وہ بہت سی باتیں بتاتی رہتی ہیں وہاں کے لوگوں کے بارے میں۔۔۔ابرش نے مسکراتے ہوے خود کی کیفیت پر قابو پایا تھا۔۔

اسفند یار کے لیے اب اس کے چہرے پر ناگواری اور پسندیدگی کے تاثرات تھے۔جو اس سے چھپائے نہیں چھپ رہے تھے۔ اسے اب اسفند زہر لگ رہا تھا۔

اسے ابھی ابھی پتہ چلا تھا وہ خان فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

رئیلی۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے آپ ہمارے علاقے سے ہیں۔۔کیا نام ہے آپ کے پاپا کا؟؟۔۔۔اسفند یار نے پوچھا۔

میرے پاپا نہیں میری ماما کی فیملی ادھر ہے۔۔

آئی مین میرے نانا وغیرہ کی فیملی۔۔اور اب تو وہ لوگ زندہ بھی نہیں ہیں۔آئی مین میرے نانا جان اس دنیا میں نہیں رہے اور نہ

ہی ان کی کوئی دوسری اولاد ہے۔۔ابرش نے لب کاٹتے ہوے جھوٹ بولا تھا۔۔

میں اس دن کے لیے آپ کو تھینکیو بولنا چاہتی تھی۔

آپ نے میرا پرس اس چور سے واپس لا کر دیا تھینکس۔۔

یہاں امیریکہ میں بھی کرائم کتنا بڑھ گیا ہے ناں۔

ابرش نے بات بدلی تھی ۔۔اسفند یار نے کچھ دن پہلے اس کی کافی مدد کی تھی ۔۔اگر اس کا بیگ وہ چور سے واپس نہ لاتا اس کے پیسوں کے ساتھ اس کے امپورٹنٹ ڈاکومنٹ بھی چوری ہو جاتے۔۔ایک یہی وجہ تھی جو وہ اس وقت اسفند کی موجودگی کو

برداشت کر رہی تھی۔ورنہ اس کے خان فیملی سے تعلق ہونے پر اس کے دل میں اسفند خان کے لیے ناپسندیدگی پیدا ہوئی تھی۔

اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں۔اچھا ہوا اس دن آپ کے ساتھ وہ حادثہ ہوا اور اس انجان شہر میں آپ میری دوست بن گئی۔۔

اسفند یار نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

اچھا یہ بتائیں آپ یہاں پر کیا کرتے ہیں؟؟ابرش کے سوال پر اسفند یار گہرا مسکرایا تھا۔۔اسے ابرش کا سوال کرنا اچھا لگ رہا تھا۔۔

ایکچوئلی میں ادھر پڑھنے کے لیے آیا تھا۔۔میری پڑھائی مکمل ہو چکی ہے مگر میں یہاں پر بزنس کرنا چاہتا ہوں۔

پاکستان میں ہمارا بہت بڑا بزنس ہے۔۔میں چاہ رہا تھا یہاں پر بھی اپنا بزنس ایکسپینڈ کروں۔۔میرا یہ آئیڈیا زاران کو بھی بہت پسند آیا ہے۔اسفند یار نے مسکراتے ہوے بتایا۔۔ابرش نے اسفند یار کو غور سے دیکھا تو اسے اندازہ ہوا تھا وہ کافی ہنس مکھ سا انسان ہے۔

زاران کون؟؟ابرش نے یونہی پوچھا تھا۔۔وہ اس سے کیا بات کرے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔وہ مروتًا اس سے باتیں کر رہی تھی۔

ابرش کے پوچھنے پر اسفند یار کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔

زاران خانزادہ میرا جگری یار،، میرا سب کچھ میرا دوست ۔۔میرے تایا کا بیٹا۔ ۔ون اینڈ اونلی زران خانزادہ جس کی سحر انگیز

شخصیت کو کوئی بیٹ نہیں کر سکتا۔۔اسفند کے لہجے میں زاران کے لیے کافی محبت تھی۔

آپ کی پرسنیلٹی بھی کافی اچھی ہے۔۔ابرش نے سادگی سے تعریف کی تو اسفند یار خان کے لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔اس نے بہت غور سے ابرش کے حسین چہرے کو دیکھا جو کسی بھی بناوٹ سے پاک تھا۔

وہ اب سامنے سڑک پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔اس کی سادگی سے کہی ہوئی بات پر اسفند کے دل نے ہلکی سی بیٹ مس کی تھی۔

وہ بھی ادھر میرے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ مجھ سے دو سال پہلے ہی اس نے اپنی تعلیم مکمل کی ہے ۔اب پاکستان میں اپنا بزنس سنبھال

رہا ہے۔اسفند اپنی بات جاری رکھتے ہوے اسے آہستگی سے زاران کے متعلق بتا رہا تھا۔

دفعتًا اسفند کا فون رنگ ہوا تھا۔اسی کا فون ہے اسفند نے مسکراتے ہوے ابرش سے کہا تو ابرش ایکسکیوزمی کہتی ہوئی بینچ سے اٹھ کر اس سے کافی فاصلے پر کھڑی ہو گئی تھی۔اسفند نے ایک نظر ابرش کو دیکھا جو اس سے دور کھڑی تھی ایک نظر موبائل کو دیکھا جو مسلسل رنگ ہو رہا تھا۔۔

اسفند یار نے گہرا سانس بھرتے فون اٹینڈ کیا جانتا تھا زاران خان اس کی جان نہیں چھوڑے گا۔۔

کیسا ہے؟؟ اسفند نے کال اٹینڈ کرتے زاران کو ویڈیو کال پر دیکھتے ہوے کہا۔۔

یہ بتا میرا فون اٹھانے میں اتنی دیر کیوں کی؟زاران نے اسفند کی بات اگنور کرتے سپاٹ لہجے میں پوچھا تو اسفند یار خان زاران کے تشویشی انداز پر چڑ سا گیا تھا۔

ویسے تو ہر وقت بیویوں کی طرح تشویش کیوں کرتا رہتا ہے؟؟۔۔اسفند یار کے جواب پر زاران خان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

میری جان تجھ پر مجھے بڑا یقین ہے۔

کیونکہ تجھے میرے علاوہ کوئی جھیل نہیں سکتا۔۔

اس لیے تیری طرف سے میں بے فکر ہوں۔۔تو اکیلا تھا اکیلا ہی مرے گا۔۔زاران نے اپنی مسکراہٹ دبائے کہا تو اسفند یار نے ابرش کو دیکھا جو اس سے کافی فاصلے پر کھڑی اپنے سیل فون میں مصروف تھی۔

بکواس بند کر اپنی،،، کام کی بات کر۔۔

میرے اکیلا ہونے کا چھوڑ تو اپنی بتا۔۔۔۔یہاں تو تجھے کوئی پسند نہیں آئی۔۔وہاں کوئی پسند آئی ہے یا میری طرح تیرا بھی اکیلے ہی مرنے کا آرادہ ہے۔۔

ویسے اچھی بات ہے تو اکیلا ہی مرے کیونکہ تجھے تو میں بھی جھیل نہیں سکتا کوئی اور جھیل لے یہ ناممکن ہے۔۔اسفند یار نے جوابی کاروائی کی تو زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

زاران کے قہقہ لگانے پر اسفند کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھری تھی۔

آج موڈ بڑا خوشگوار ہے لگتا ہے واقعی میں کوئی پسند آ گئی ہے جناب کو،،، اسفند یار کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

زاران کی پسند عام نہیں ہوتی۔ بہت خاص ہوتی ہے۔ اس لیے وہ چہرہ بنا ہی نہیں جو مجھے امپریس کر سکے یا پھر اس دل کو کوئی اٹریکٹ کر سکے ۔۔۔نہ ہی میں محبت اور دل لگی پر یقین رکھتا ہوں۔اس لیے مجھے کوئی پسند آ جائے یہ ناممکنات میں سے ہے۔۔

میں خود بھی یہی چاہتا ہوں مجھے کبھی کوئ پسند نہ آئے ۔۔اس دل کو کبھی کسی سے محبت نہ ہو۔۔تو جانتا ہے جو چیز زاران کو پسند آ جائے تو وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اور زاران اپنی چیزوں کے بارے میں بہت پوزیسیو ہے۔۔جس پر وہ کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

اور یہی بات میرے لیے نہیں اس کے لیے مسئلہ ہو گا۔۔میری جنونیت سہنا آسان نہیں۔۔۔زاران خان کا ہونا آسان نہیں ہے۔۔زاران خان نہ کسی کا ہو سکتا ہے نہ کسی کو اپنا بنا سکتا ہے۔

اس لیے میں مورے کی پسند سے شادی کروں گا۔۔اور وہ صرف زاران خان کی بیوی ہو گی زاران خان کی عورت اس سے آگے اس کا کوئی مقام نہیں ہو گا۔۔

زاران کی بلند آواز اور اس کے جملے ابرش کے کانوں کو بخوبی سنائی دیے تھے۔ ابرش کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔حسین چہرے کے نقوش بگڑے تھے بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات نے یکدم برہمی کا تاثر لیا تھا۔۔

ابرش کا دل کیا تھا فون کے اس پار جو بھی شخصیت ہے اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دے ۔اگر وہ اس کے سامنے ہوتا تو یقینًا وہ اس کا چہرہ اپنے لمبے ناخنوں سے بگاڑنے میں پل نہ لگاتی۔

وہ وہاں مزید ٹھہری نہیں تھی۔پیر پٹختی غصے سے آگے بڑھی۔

ابرش کو جاتا دیکھ کر اسفند یار خان نے جلدی سے فون کاٹا تھا اور ابرش کی طرف بڑھا۔

مگر وہ اسفند کی پکار پر بھی رکی نہیں تھی تقریباً بھاگتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی۔۔

اسفند یار خان حیرانگی سے اسے یوں بھاگتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

سمیع اللہ خان کے تین بیٹے ہیں۔جن کے نام نوریز خان ،اربد خان، اور درید خان ہیں۔

نوریز خان سب سے بڑے بیٹے تھے وہ اور ان کی اہلیہ ایک کار حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ارحام خان اور فرشتے ان کی اولاد ہیں۔

اربد خان جو نوریز سے چھوٹے ہیں۔اربد اور امینہ خانم سے زاران خان اور شہرام خان اور ایک بیٹی ہے جس کا نام عابیر ہے ۔

سب سے چھوٹے درید خان ہیں۔درید خان اور روزینہ خانم سے اسفند یار خان اور بابرک خان اور گل بہارے ہیں۔

بچپن میں ہی بابرک اور عابیر کا نکاح ہو چکا ہے اور

شہرام اور گل بہارے کا نکاح ہو چکا ہے۔۔

سمیع اللہ نے ایک بہت بڑے حادثے کے بعد اپنے پوتے پوتیوں کا نکاح کرنے کا سوچا تھا۔۔

انہوں نے شہرام اور گل بہارے کا نکاح کر دیا تھا اور بابرک اور عابیر کا نکاح کر دیا تھا۔۔

ان کا بہت بڑا بزنس ہے جو زران خان اور ارحام خان اور اسفند یار خان سنبھال رہے ہیں۔۔

ارحام خانزادہ اندھی طوفان بنا حویلی داخل ہوا تھا۔۔خوبرو سنجیدہ چہرے پر شدید برہمی کے تاثرات تھے۔۔شاہ نواز پر حملے کی خبر

اسے مل چکی تھی اور یہ بھی کہ فرشتے کو شاہ نواز نے گھر سے نکال دیا ہے۔۔

کیمل کلر کی شلوار قمیض میں اس کا سرخ و سفید چہرہ طیش و اشتعال سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔۔کندھے پر بلیک شال ڈالے ہوے وہ اس وقت مردانہ وجاہت کا اعلی شاہکار لگ رہا تھا۔۔ وہ اپنی آئی برو کو مسلسل اپنے انگوٹھے سے مسلتے ہوے اپنے اندر اٹھتے غیض و اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔غصہ اور اشتعال تھا جو مسلسل بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

فرشتے کو گھر سے نکالنے کی خبر سن کر وہ اپنی بہت امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کر یہاں پہنچا تھا۔۔

بابرک سے بحث کرنا اور اسے سمجھانا بیکار تھا۔۔زران نے اسے اپنی اور بابرک سے بحث کے متعلق تمام بات اس کے گوش گزار دی تھی۔۔وہ بھی عابیر کی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا۔۔عابیر اسے فرشتے کی طرح ہی عزیز تھی۔

وہ اپنے غیض و غضب پر قابو پاتے سیدھا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

خان تم آ گیا۔۔پری گل مسکراتی ہوئی ارحام خان کی طرف بڑھی۔

ارحام خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔۔

پری گل ارحام کا سرد سنجیدہ رویہ دیکھ کر وہیں پر رک گئی تھی۔

کیا ہوا ہے خان؟؟تم اتنا سنجیدہ کیوں ہے؟؟اتنے دنوں بعد تم گھر آیا ہے اور مجھے دیکھتے ہی تمھارا منہ بن گیا ہے۔پری گل نے سنجیدگی سے کہا۔۔

کیا چاہتی ہو گل ؟؟میں کمرے میں آ کر تمھیں گلے سے لگاتا۔بہت پیار کرتا کیونکہ میری بہن کو تمھارے بھائی نے گھر سے نکال دیا ہے۔

ارحام خان نے بہت ضبط سے کہا تھا۔۔ورنہ اس وقت اس کا پوری دنیا کو آگ لگانے کو کر رہا تھا۔

واہ خان واہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی بہن کا بدلہ اب تم ہم سے لے گا۔۔اپنی بیٹی پریزے سے لے گا۔۔

ایسا کرو خان تم بھی ہمیں گھر سے نکال دو تاکہ تمھارے دل کو چین آ جائے۔۔

پری گل نے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

گل میں نے کب تم سے بدلہ لیا؟؟شاہ نواز نے پہلی دفعہ نہیں فرشتے کو گھر سے نکالا۔۔کتنی دفعہ گھر سے نکال چکا ہے۔ارحام خان نے پری گل کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر بے بسی سے اپنے ہاتھ کا مکہ بنا کر دیوار پر دے مارا تھا۔۔

اسی لیے میں نے تم سے کہا تھا خان۔۔۔ یہ وٹہ سٹا نہ کرو۔۔بھول جاؤ مجھے ،،،تم نے کہا تھا میں کبھی تمھیں شاہ نواز کی کسی غلطی کی سزا نہیں دوں گا۔۔لیکن جب بھی فرشتے یہاں آتی ہے تم مجھے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔

مجھے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی بجائے تمھیں بابرک کا گریبان پکڑنا چاہیے تھا کہ کیوں اس نے تمھارا بہن کے شوہر پر فائرنگ کی۔۔اگر میرے بھائی کو کچھ ہو جاتا اس کا ذمہ دار کون ہوتا۔۔خان بولو جواب دو۔۔پری گل چیخی تھی۔۔

پری گل آرام سے بولو۔۔یہ چیخ کس لیے رہی ہو؟؟میں تم سے بہت تحمل سے بات کر رہا ہوں۔۔۔تم اس طرح چیخ کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟؟۔آرحام خان نے آگے بڑھتے پری گل کی کلائی کو غصے سے اپنی آہنی گرفت میں لیا۔۔

کیونکہ خان میں آن پڑھ ہوں۔۔تمھاری طرح امریکہ سے پڑھ لکھ کر نہیں آیا۔اس لیے مجھے بولنے کی تمیز نہیں ہے۔کہا تھا تم سے،،،مجھ جیسی ان پڑھ سے شادی نہ کرو۔۔مگر تم پر تو محبت کا

بھوت سوار تھا۔۔اب کچھ ہی سالوں میں تمھارا محبت کا بھوت اترا چکا ہے۔۔ہم برا لگنے لگا ہے تمھیں خان۔۔۔اچھی بات ہے میں پریزے کو لے کر یہاں سے چلی جاتی ہوں۔۔تم رہو یہاں اپنی بہن کے ساتھ ۔۔۔پری گل اب اونچا اونچا رونے لگی تھی۔

پری گل میں برداشت کر رہا ہوں۔۔اس کا یہ مطلب نہیں تم میرے سر پر سوار ہو جاؤ۔۔۔اپنی آواز نیچے رکھو۔۔اگر اب تمھاری آواز کمرے سے باہر نکلی تو یہ زبان کاٹ دوں گا میں۔۔۔

تمھارے بھائی کی عقل میں دو منٹ میں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔۔میں برداشت کر رہا ہوں تو اسے وہ میری کمزوری سمجھتا ہے۔۔جس دن

میں بگڑا تو تمھارے بھائی کو زمین کے نیچے پہنچانے میں پل نہیں لگاؤں گا۔۔

مجھے بار بار مت یاد دلاؤ کہ میں نے کیا کہا تھا؟؟

میں نے تم سے محبت کی تھی جس پر میں آج بھی قائم ہوں۔میں اپنی بیٹی اور تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔

شاہ نواز کے کسی عمل سے بھی میں اپنی بیوی کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔۔کیونکہ داجی کی یہ تربیت نہیں ہے کہ کسی کی غلطی کی سزا کسی بے گناہ کو دوں۔۔

اب اپنے بھائی کو فون کرو فرشتے کو آ کر یہاں سے لے جائے۔۔ورنہ میری دھمکی اسے صاف الفاظ میں پہنچا دو۔۔ارحام خان ایک ایک لفظ غصے سے چباتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔۔

ارحام خانزادہ کے جانے کے بعد پری گل نے غصے سے شاہ نواز کو فون ملایا۔۔

شاہ نواز کتنی مرتبہ سمجھایا ہے تم کو فرشتے کو گھر سے مت نکالا کرو تمھیں میرا بات ایک دفعہ سمجھ نہیں آتا۔۔پری گل شاہ نواز کے فون اٹھانے پر غصے سے بولی۔۔

کیا ہوا تم اتنا بھڑک کیوں رہا ہے؟؟شاہ نواز کی سپیکر پر اطمیان بھری آواز گونجی۔۔

شاہ نواز کیا ہوا ہے ؟یہ تم کہہ رہا ہے۔۔تم فرشتے کو گھر سے نکالے گا۔۔ارحام مجھے پھولوں کے ہار پہنائے گا کیا۔

اس نے مجھے کتنی باتیں سنایا ہے۔۔ کیا بتاؤں میں؟؟۔پری گل کو شاہ نواز کا اطمیناں آگ لگا گیا تھا۔۔

پھولوں کے ہار نہیں پہنائے گا۔۔مگر یہ بھی جانتا ہے ہم۔۔۔ وہ تم کو کچھ بھی نہیں کہے گا۔۔

بہت پیار کرتا ہے تم سے اور پریذے سے۔۔شاہ نواز کی بات پر پری گل نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔۔

تھوڑا پیار تم بھی اپنا بیوی کے لیے دکھا دیا کرو۔

شاہ نواز کچھ ہوش کے ناخن لو۔۔۔۔ارحام بہت اچھا ہے ہمارے ساتھ،،، مگر یہ مت بھولو فرشتے اس کا بہن ہے۔۔پری گل نے گہرے سانس لیتے شاہ نواز کو سمجھانے کی کوشش کی۔۔

نہیں آتا ہمیں اس فرشتے پر پیار۔۔۔اللہ میاں کی گائے تم لوگوں نے مل کر ہمارے سر پر تھوپ دیا۔۔یہ سارا کیا دھرا تمھارا ہے ۔۔تمھیں بھابھی نہیں خود کے لیے نوکرانی چاہیے تھا۔۔اور مورے کو بھی بہو نہیں اپنی خدمت گزار چاہیے تھا۔۔اس سب میں تم بھول گیا کہ ہم کیا چاہتا ہے۔۔اور تم ہی تو ہم کو بولتا ہے فرشتے کو ٹائٹ کر کے رکھوں تو پھر کیا مصیبت ہے۔۔بابرک نے

مجھ پر گولی چلائی ہے تو کیا فرشتے کو اس بات کے لیے سر پر بٹھاتا۔۔شاہ نواز پری گل کی باتوں پر بھڑکتے ہوے بولا۔

شاہ نواز میں نے کب کہا کہ تم فرشتے کو سر پر بٹھاتا اسے جو بھی کہنا تھا کہتا مگر گھر سے نکالنے کی کیا ضرورت تھا۔

اب تم یہاں آ کر فرشتے کو لے کر جاؤ۔۔۔ورنہ خان کی گاڑنٹی میں نہیں دیتی۔۔اب اگر خان نے تم پر حملہ کروایا تو اس کا نشانہ کبھی نہیں چونکتا یہ بات تم اچھی طرح جانتا ہے۔۔پری گل نے غصے سے کہتے ہوے فون بند کر دیا تھا۔۔

ارحام خان رات گئے لوٹا تو اس کے قدموں کا رخ پریذے کے کمرے کی طرف تھا۔وہ پانچ دن بعد حویلی آیا تھا مگر صبح پری گل سے جھڑپ کے بعد وہ پریذے سے ملے بغیر ڈیرے پر چلا گیا تھا۔۔شاہ نواز پر گولی چلانے پر بابرک سے باز پرس کی تھی اور اسے کافی سختی سے سمجھایا تھا اس کی اس طرح کی حرکت وہ برداشت نہیں کرے گا۔۔بابرک اس سے تھوڑا دبتا تھا اس لیے اس نے خاموشی سے اس کی باتیں سن لی تھیں۔مگر وہ جانتا تھا بابرک اپنی حرکتوں سے کبھی باز نہیں آ سکتا۔

اب وہ حویلی واپس آیا تو پریذے سے ملنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔۔

کمرے کا دراوزہ ناک کرنے پر درخشاں نے دروازہ کھولا ۔

اسلام و علیکم لالا۔۔۔۔۔درخشاں نے نظریں جھکائے سلام کیا تھا ۔

پریذے سو رہی ہے۔۔ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

جی لالا وہ سو رہی ہے۔

اسے پتہ چل گیا تھا آپ آئے ہوے ہیں بہت مشکل سے سوئی ہے۔پری گل بی بی نے بہت ڈانٹا تھا پریذے کو۔۔

وہ روتا ہوا سویا ہے۔درخشاں کے بتانے پر ارحام خانزادہ اپنے لب سختی سے بھینچے۔

وہ جانتا تھا پری گل نے اس کا غصہ پریذے پر اتارا ہو گا۔۔وہ اچھی طرح جانتی تھی وہ پریذے کا رونا برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر وہ ہمیشہ اس کا غصہ پریذے پر اتارتی تھی۔

ٹھیک ہے تم جاؤ تھوڑی دیر بعد آ جانا۔۔آرحام خانزادی سنجیدگی سے بولتا کمرے میں داخل ہو گیا۔

درخشاں سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

ارحام خانزادہ کمرے میں داخل ہوا تو پانچ سالہ پریذے بیڈ پر سو رہی تھی۔

ارحام نے آگے بڑھ کر سوئی ہوئی پریذے کے ماتھے پر پیار کیا اور اسے بغور دیکھتا ہوا نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔

پریذے کی آنکھ ارحام کے نرم لمس پر کھلی تھی۔اسے ہی تو یاد کرتے وہ سوئی تھی۔ اپنے سامنے ارحام خانزادہ کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی۔۔اپنی بڑی بڑی آنکھیں معصومیت سے پٹپٹائیں

تھیں۔شائد اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے سامنے ارحام خانزادہ بیٹھا ہوا ہے۔ارحام اس کے یوں دیکھنے پر گہرا مسکرایا تھا۔۔

بابا جان۔ ۔۔۔پریذے خوشی سے ارحام خانزادہ سے ساتھ لپٹ گئی۔۔

کیسی ہے میری پری۔ ۔۔۔۔ارحام نے پریذے کو اپنی گود میں بٹھاتے ہوے اس کے گال کو چوما۔

بابا جان۔۔۔۔۔۔میں آپ سے اینگری ہوں۔ ۔پریذے نے منہ پھلایا۔۔اس کے اس طرح منہ پھلانے پر ارحام کے عنابی لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔سرخ و سفید رنگت براؤن بال

پھولے پھولے گال۔۔اور گال پر پڑنے والا چھوٹا سا ڈمپل۔۔پریذے نے تمام ناک نقشہ پری گل کا چرایا تھا۔۔مگر ڈمپل ارحام خانزادہ سے لیا تھا۔۔ایسا ہی چھوٹا سا ڈمپل ارحام خانزادہ کے بائیں طرف پڑتا تھا جب کبھی وہ کھل کر گہرا مسکراتا۔

اچھا تو پریذے مجھ سے ناراض ہے تو پھر پریذے کو وہ چاکلیٹ بھی نہیں ملیں گی جو میں اس کے لایا ہوں۔

ارحام خانزادہ نے پریذے کو دیکھتے ہوے کہا جو منہ پھلا کر اس کی گود میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

پریذے ارحام خانزادہ کی بات سن کر منہ پر ہاتھ رکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔یہ عندیہ دیا تھا کہ وہ اب اس سے ناراض نہیں ہے۔۔چاکلیٹس کے نام پر وہ جھٹ سے مان جاتی تھی۔

نو۔۔۔ بابا جان میں آپ سے ہیپی ہوں۔ ۔پریذے نے معصومیت سے کہا تو ارحام خانزادہ نے اس کے سرخ پھولے ہوے گالوں پر باری باری کس کی تھی۔

اپنی پاکٹ سے چاکلیٹ نکال کر اسے دی۔

پری یہ چاکلیٹ آپ نے ابھی نہیں کھانی۔ صبح ناشتے کے بعد کھانی ہیں۔ ابھی رات بہت ہو گئی ہے ابھی آپ بنا کوئی ضد کیے سو جاؤ گی اور درخشاں کو تنگ نہیں کرو گی۔ ارحام نے پریذے کے ماتھے پر پیار کرتے ہوے ہدایت دی تھیں۔

اوکے بابا جان۔ ۔۔۔پریذے چاکلیٹ کو پکڑے خوشی سے بولی۔ ۔

اوکے بیٹا گڈ نائٹ صبح ملاقات ہو گی۔ ۔ارحام نے ایک بار پھر سے پریذے کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔

گڈ نائٹ بابا۔ ۔۔۔پریذے نے مسکراتے ہوے کہا اس کا سارا دھیان اب چاکلیٹس کی طرف تھا۔ ۔ارحام خانزادہ مسکراتے ہوے کمرے سے نکل گیا

ارحام خانزادہ اپنے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھولتا اندر داخل ہوا تو پری گل بیڈ پر لیٹی سو رہی تھی۔

ارحام نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اپنی کلائی سے گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اور اپنی شال اتار کر صوفے پر اچھال دی۔

اور ایک نظر بیڈ پر سوئی اپنی بیوی پر ڈالی جو گہری نیند سو رہی تھی۔

ارحام نے لب بھینچ کر پری گل کو دیکھا وہ نیلے ویلوٹ کے سمپل سے ڈریس میں خود سے لاپرواہ بغیر کمبل لیے سو رہی تھی۔۔

اس کا ہوش ربہ سراپہ دیکھ کر ارحام کے بھینچے ہوے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

ارحام خانزادہ نے اپنی شرٹ اتار کر صوفے پر اچھالی اور واش روم میں گھس گیا۔۔گرم پانی سے شاور لے کر واش روم میں بنی الماری سے بلیک ٹراوزر پہنے شرٹ لیس باہر آیا تھا۔۔اس کے برہنہ سینے کے ایبس تک نمایاں ہو رہے تھے۔

اس کی پرسنیلٹی میں سب سے زیادہ اس کی مضبوط چوڑی کسرتی ورزشی باڈی اٹریکٹ کرتی تھی وہ شہر میں باقاعدگی سے جم کرتا تھا۔۔بلکہ وہ جب جب یہاں آتا تھا تو روزانہ صبح پہاڑوں کے اونچے نیچے راستوں پر ایک گھنٹہ واک تو ضرور کرتا تھا اور سخت پتھروں پر ورزش بھی کافی ہیوی کرتا تھا۔۔اس لیے اس کا ایبس پر مشتمل مضبوط چوڑا سینہ شرٹ لیس میں کافی نمایاں ہو رہا تھا۔۔ گھنی بئیرڈ اس کے وجیح چہرے پر کافی سوٹ کرتی تھی.

اس کے خوبرو چہرے کے طلسماتی نقوش سامنے والے کو اس کے سحر انگیز پرسنیلٹی میں فورًا سے جکڑ لیتی تھی۔۔

چہرا کافی بارعب اور سنجیدہ دکھتا تھا جو مقابل کو پل میں اس سے مرعوب کر دیتا تھا۔

سمیع اللہ خان کے تمام پوتے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مگر ارحام خانزادہ کی بات ہی الگ تھی۔شائد اس کی نرم خو طبعیت کا اثر تھا جو اس کی شخصیت پر حاوی تھا جو اسے سب سے منفرد دکھاتا تھا۔

کمرے میں آتے ہی اس نے کمرے کی تمام لائٹس آن کر دیں۔ اب ارحام خانزادہ کا بڑا سا عالی شان کمرہ پوری طرح روشن تھا۔ڈریسنگ کے سامنے کھڑے اپنے سینے پر ٹاول رگڑتے ہوے

اسے خشک کیا۔۔گھنے بالوں سے پانی ابھی بھی ٹپک رہا تھا۔۔اپنے گھنے بال اسی ٹاول سے خشک کرتے ٹاول بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

وہ بہت نفاست پسند تھا کمرے میں گندگی اسے بلکل بھی پسند نہیں تھی۔۔مگر اب وہ یہ سب کچھ صرف پری گل کو ستانے کے لیے کر رہا تھا جو گہری نیند سو رہی تھی۔ ۔یہی بات ارحام خانزادہ کو چبھ رہی تھی کہ وہ پانچ دن بعد گھر آیا ہے پری گل کو اس کا انتظار کرنا چاہیے تھا اور وہ تھی کہ سو رہی تھی۔ ۔

ارحام خانزادہ نے ڈریسنگ کے ڈرار سے ڈرائیر نکال کر اسے اپنے گھنے بالوں میں چلایا تو پری گل کی آنکھ تیز روشنی اور ڈرائیر کی آواز پر کھلی تھی۔ ۔

کمرے میں آرحام خانزادہ کو دیکھ کر پری گل نے منہ بناتے ہوے کروٹ لتے اپنا رخ پلٹا تھا۔۔کلائیوں میں پہنی کانچ کی چوڑیوں کی کھنک بھی گونجی تھی۔چوڑیوں کی کھنک پر ارحام کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

ارحام نے ڈریسنگ مرر میں اسے نروٹھے انداز میں رخ پلٹتے دیکھا تو سرد سانس کھینچ کر رہ گیا۔۔

جانتا تھا ہر بار کی طرح اسے ہی اپنی بیوی کو منانا تھا۔ ۔۔ڈریسنگ مرر سے پری گل کی پتلی کمر کے نشیب و فراز نمایاں ہو رہے تھے۔۔۔شادی کے چھ سال بعد بھی وہ بلکل ویسی ہی تھی جیسی آج سے چھ سال پہلے تھی جب ارحام خانزادہ نے فرشتے کی شادی پر اسے دیکھا تھا اور پاگل ہو گیا تھا۔ارحام خانزادہ ڈریسنگ مرر

سے اس کی پشت دیکھتا گہرا مسکرایا تھا۔وہ اپنے لاپرواہ حلیے سے اس کے اندر سوئے جذبات پوری شدو مد سے جگا چکی تھی۔

ارحام ڈرائیر بند کرتا پری گل کی طرف بڑھا۔۔

اس کے پاس بیڈ پر لیٹتے اس نے اپنے اور پری گل پر کمبل اچھی طرح لیتے پری گل کو سیدھے کرتے اس پر جھکا۔

چھوڑو خان۔ ۔۔رات کو تم کو ہم پر پیار آ جاتا ہے۔۔۔۔ ۔ صبح تم بھول جاتا ہے کہ ہم تمھارا بیوی ہے .پری گل نے اپنے اوپر جھکے ارحام خانزادہ کو دیکھتے ہوے اسے خود سے دور دھکیلا ۔۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس پر جھک کر اپنا پر تپش لمس بکھیرنے لگا

ارحام خان کافی دیر تک اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے اس کی سانسوں کو انہیل کرتا رہا۔۔

پری گل کی بے جان ہوتی حالت کو محسوس کرتے اس نے اس کے لبوں کو آزاد کیا۔

پری گل نے گہرے سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے آرحام خانزادہ کو دیکھا۔۔

گل میں کب بھولا کبھی کہ تم میری بیوی ہو۔۔

تم اچھی طرح جانتی ہو تم اور پریذے میری کمزوری ہو۔۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔۔لیکن فرشتے میری بہن ہے۔۔اس کے ساتھ کوئی بھی زیادتی میں برداشت نہیں کر سکتا۔

ارحام نے پری گل کے ماتھے پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

پری گل ارحام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلتی اٹھ کر بیٹھی تھی۔

کیا فائدہ ایسی کمزوری کا ایسی محبت کا۔۔جب تم نے فرشتے کے ساتھ ہر زیادتی کا بدلہ مجھ سے لینا ہوتا ہے۔۔

شاہ نواز فرشتے کا بہت خیال رکھتا ہے۔۔بابرک نے شاہ نواز پر حملہ کروایا تو اسے غصہ آ گیا تھا۔اسی لیے اس نے غصے میں فرشتے کو

گھر سے جانے کا کہہ دیا۔۔فرشتے بھی منہ اٹھا کر یہاں چلی آئی۔۔اب صبح تم نے ہمیں کتنی باتیں سنایا تو ہم کیا کرتا منہ اٹھا کر گھر چھوڑ دیتا۔۔خان تمھیں فرشتے کو بھی سمجھانا چاہیے تھا۔۔

یا پھر تم خان لوگوں کا زور صرف اپنی بیوی پر چلتا ہے۔۔

پری گل نے غصے سے کہا تو ارحام خانزادہ اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

فرشتے ایسی نہیں ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔وہ کتنی صابر اور شاکر ہے۔۔اور تم شاہ نواز کو بھی اچھی طرح جانتی ہو اس نے صرف فرشتے کو آرام سے گھر سے نکل جانے کو نہیں کہا ہو گا۔۔ارحام خان نے پری گل کی باتوں پر کافی تحمل سے کہا۔ورنہ پری گل کی باتیں اسے کافی اشتعال دلا چکی تھیں۔ وہ جانتے بوجھتے اس کے سامنے اپنے بھائیوں کے کرتوتوں پر پردہ ڈالتی تھی۔

ہاں ہاں۔۔۔خان ہم ہی برا ہے۔

تمھارا بہن اچھا ہے۔۔اب کیا چاہتا ہے تم ہم سے ۔۔۔

شاہ نواز داجی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر فرشتے کو لے تو گیا ہے۔۔اگر تم چاہتا ہے میں اور پریذے بھی یہاں سے چلا جائے تو چلا جائے گا۔۔پری گل تکیے پر اوندھے منہ لیٹی زارو قطار رونے لگی تھی۔۔

پری گل سے بحث کرنے کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا تھا۔ ۔وہ اس کی باتوں پر ایسے ہی رونا شروع کر دیتی تھی ۔۔جانتی تھی کہ ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتا۔ ۔ارحام خانزادہ کی شدید محبت پر کافی اکڑتی تھی۔ پوری حویلی پر اس کا کافی رعب و دبدبہ تھا یہاں تک کہ وہ اپنے سامنے امینہ خانم اور روزینہ خانم کو بھی کچھ نہیں سمجھتی تھی۔۔

ارحام اسے روتا دیکھ کر غصے سے بیڈ سے اٹھتا کمرے سے ملحقہ ٹیرس کی طرف بڑھ گیا۔۔

ٹیرس پر آ کر اس نے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا۔۔

پری گل کے رونے کی آواز ٹیرس تک آ رہی تھی۔۔پہاڑی علاقے کی سرد برفیلی ہوا اس کے چٹانی سینے سے ٹکرائی تھی مگر وہ بے نیاز بنا سگریٹ پیتا رہا۔۔

پری گل پر غصہ اتار نہیں سکتا تھا اسی لیے اپنا غصہ ایسے اتار رہا تھا۔

ارحام غصے سے کافی دیر تک سگریٹ پیتا رہا۔پری گل کے رونے میں کمی نہ آئی تو جھنجھلاتے ہوے سگریٹ زمین پر پھینکتا پری گل کی طرف بڑھا۔۔

پری اب رونا بند کرو۔۔۔کب تک روتی رہو گی۔ارحام خانزادہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوے نرمی سے کہا۔

پری گل کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تو ارحام خانزادہ اسے سیدھا کرتے ہوے اس پر جھکا تھا اور نرمی سے اس کے گالوں پر اپنے لب رکھے۔۔پری گل نے اس کے ہاتھ غصے سے جھٹکے تو ارحام اسے نرمی سے اپنے حصار میں قید کیے اس اپنی محبت کا جادوئی لمس بکھیرنے لگاد۔۔تھوڑی دیر بعد پری گل اپنی مزاحمت ترک کرتے

ارحام خانزادہ کی پناہوں میں خود کی سپردگی مکمل طور پر دے چکی تھی۔۔

عابیر نے اپنے لمبے گھنے بالوں میں برش کرتے ہوے انھیں کیچر میں سمیٹا تھا۔۔وائٹ دوپٹہ خود پر اچھی طرح اوڑھتے ہوے اس نے اپنی بڑی سی بلیک کڑھائی والی شال سے خود کو اچھی طرح کور کیا تھا۔۔اپنا کالج بیگ کندھے پر لٹکائے وہ اپنے کمرے سے باہر آئی ہی تھی کہ کسی نے اسے کلائی سے پکڑتے ہوے خود کی طرف کھینچا ۔۔

وہ کٹی ہوئی ڈال کی طرح بابرک کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔شال اس کے کندھوں سے پھسلتی زمین بوس ہوئی۔۔وہ

آنکھیں پھاڑے بابرک کو دیکھ رہی تھی۔جو ایک ہاتھ سے اپنی گھنی مونچھوں کو بل دیتے ہوے اسے کافی بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

عابیر نے اپنے کالج کے دوپٹے کو اچھی طرح اپنے سینے پر کور کیا تھا۔۔

بابرک کے لبوں پر کمینی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔اس سے پہلے عابیر کچھ سمجھتی بابرک اسے کلائی سے کھینچتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔۔

اس وقت حویلی کے زنان خانہ میں کوئی بڑا نہیں تھا۔۔سردی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔۔سب ہی نماز پڑھ کر ابھی بھی

گرم کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ کچھ ملازمائیں تھیں جو یہ سب دیکھ کر اپنی نظریں چرا گئی تھیں۔

بابرک چھوڑو مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو تم؟؟۔۔عابیر پوری قوت سے چلائی۔

بابرک اس کے چیخنے کی پرواہ کیے بغیر اسے لیے اپنے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

کمرے کا دروازہ بند کرتے اس نے عابیر کو بیڈ پر پٹخا۔۔عابیر بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی۔۔بالوں سے کیچر نکل چکا تھا۔۔سفید دوپٹہ بھی کمرے میں ہی گر چکا تھا۔وہ اب اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت بابرک کے سامنے تھی۔۔بے یقینی سے وہ اپنی ہیزل گرے بڑی

بڑی آنکھیں پھیلائے بابرک کو دیکھ رہی تھی۔جو اپنی گھنی مونچھوں کو بل دیتا اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

بابرک کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر عابیر جلدی سے بیڈ سے اٹھتی دروازے کی جانب بڑھی ۔۔اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی بابرک نے اس کی کوشش ناکام بناتے اسے اسے کلائی سے پکڑتے دیوار کے ساتھ لگایا۔

کہاں بھاگ رہی ہو میری بلبل؟؟۔۔۔

وہ بغیر دوپٹے کے اور کھلے بالوں میں اس کے سامنے تھی۔۔۔اس کا ہوش ربہ سراپہ دیکھ کر بابرک کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔

عابیر نے غصے سے بابرک کو دیکھا ہیزل گرے آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔۔وہ گہرے سانس لیتے بابرک کو کاٹ دار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔سانسوں کے مدھم زیرو بم سے اس کے نشیب و فراز میں ارتعاش سا برپا تھا اور آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔

افففففف۔۔۔۔۔افففففف۔۔۔ میں کہیں مر ہی نہ جاؤں تمھارے حسن پر۔۔۔۔۔واللہ کیا حسن رکھتی ہو تم۔۔۔۔

یہ حسن جب میرا ہے یہ جوانی جب میری ہے تو اتنی دور کیوں رہتی ہو مجھ سے؟؟؟۔۔۔۔اتنے نخرے کیوں دکھاتی ہو؟؟۔۔بابرک اس کی گردن پر جھکتے مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔

عابیر نے پوری قوت سے بابرک کو خود سے دور دھکیلا ۔۔

یہ تمھاری بھول ہے بابرک میں تمھاری ہوں۔۔۔نہ میں کل تمھاری تھی نہ کبھی آئیندہ تمھاری ہو گی۔۔عابیر نے شعلہ اگلتی آنکھوں سے کہا۔۔وہ بابرک کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا بابرک کی جان لے لے۔ مگر نکاح نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ ۔بے بسی ہی بے بسی تھی جو وہ اس وقت اس انسان کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی۔

کیوں باہر کوئی دیکھ رکھا ہے۔؟؟۔بابرک عابیر کے دھکا دینے پر لڑکھڑایا تھا۔عابیر کے جواب پر سلگتے ہوے اس نے عابیر کو سلگانا چاہا۔

اگر دیکھ بھی رکھا ہے تو تمھیں اس سے کیا؟؟عابیر نے دو بدو جواب دیتے اسے مزید سلگایا تھا۔۔وہ خود سلگتی تو تب جب وہ اسے کچھ سمجھتی۔۔اس کے نزدیک بابرک کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

وہ اس پر طنزیہ مسکراہٹ اچھالتے دروازے کی جانب بڑھی ۔

مگر بابرک نے آگے بڑھتے پھرتی سے اسے اپنے قابو میں کیا۔۔

بابرک چھوڑو مجھے وہ بابرک کی بانہوں میں مچلی تھی۔۔

..بابرک نے پوری قوتہسے اسے دیوار کے ساتھ پٹخا

عورت ہو تو عورت بن کر رہو۔۔مرد ہوں تمھارا اپنے مرد کے سامنے تمھیں یوں زبان چلانا زیب نہیں دیتا۔۔یہ تمھاری زبان دو منٹ میں تمھارا حلق میں ہاتھ ڈال کر کھینچ سکتا ہوں۔۔بابرک نے غصے سے غراتے ہوے اپنے اور اس کے درمیان اپنے رشتے کو واضح کیا۔

عابیر کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی ۔یہ رشتہ تو اس کے گلے کا پھندہ تھا جو بچپن سے اسے سولی پر لٹکائے ہوے تھا۔۔

عابیر کے چہرے کے کڑوے تاثرات بابرک کو آگ لگا گئے۔

ابھی کیا بکواس کیا تم نے ؟؟؟نکاح میں ہو تم ہمارا ۔۔۔بہت جلد رخصت ہو کر اس کمرے میں آ جاؤ گی۔۔یہ تم جو بہت اونچا ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔۔ہم تمھارے پر بہت جلد کاٹ ڈالے گا۔۔کرتا ہے داجی سے بات تمھاری رخصتی کی۔۔بابرک غصے سے گرج اٹھا۔۔

یہ تمھاری بھول ہے بابرک یہ رخصتی ہو گی۔۔

میرا تمھارے ساتھ نکاح بچپن میں ہوا تھا۔جب میں گڈی گڈے کا کھیل سمجھتے خوشی خوشی تم سے نکاح کر بیٹھی تھی۔۔مگر اب مر جاؤں گی یہ رخصتی نہیں کروں گی۔۔

عابیر گہرے سانس لیتے بابرک کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

کیوں نہیں کرو گی یہ رخصتی ۔۔۔تم ہوتا کون ہے یہ رخصتی نہ کرنے والا۔

بابرک غصے سے اس کا منہ دبوچ اٹھا۔

میں کون ہوں؟؟۔میں بھی تمھاری طرح جیتی جاگتی انسان ہوں۔جس کے پاس اختیار ہے تم جیسے بدفطرت بدکردار سے اپنی جان چھڑوالوں۔۔

بد فظرت، بدکردار کیا کہا تم نے؟؟۔۔بابرک نے غصے سے پوری قوت سے اپنا ہاتھ عابیر کو مارنے کے اٹھایا تھا جسے عابیر نے بیچ میں ہی اس کی کلائی پکڑے روک دیا۔۔

ہاں بدکردار، بدفطرت، بے حس جاہل انسان۔۔۔عابیر نے اس کی کلائی جھٹکتے ہوے اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں مارتے ہوے اسے دھکا دیا۔

بابرک کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔وہ ایک عورت تھی وہ بھی اس کی عورت جسے وہ چیونٹی کی طرح مسلنا چاہتا تھا مگر وہ ہمیشہ ایسے ہی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

اور تم دیکھنا کبھی بھی میری رخصتی تم سے نہیں ہو گی۔۔خدا کبھی تمھیں میرا جیون ساتھی نہیں بنائے گا۔عابیر کے لہجے کی مضبوطی بابرک کے سینے پر سانپ لوٹا گئی۔

اچھا تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے خدا تمھارا رخصتی میرے ساتھ نہیں ہونے دے گا۔۔جب نکاح ہو گیا ہے تو رخصتی بھی ہو گی۔۔بابرک

نے ابرو اچکائے استھزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوے اس کا مذاق اڑایا۔

کیونکہ پاک مردوں کے لیے پاک عورتیں ہیں اور ناپاک مردوں کے ناپاک عورتیں۔۔عابیر بابرک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے طنزیہ مسکرائی۔

اچھا مجھے تو لگا تھا تم ایک پاکباز عورت ہو۔ مگر تم نے ابھی ابھی بتایا کہ تم ایک ناپاک عورت ہو۔۔مطلب تمھارا واقعی میں کسی کے ساتھ ٹانکا جڑا ہے۔۔بابرک آنکھ مارتے ہوے کمینگی سے ہنسا۔۔

تمھارے دوست کی بہن میرے کالج میں پڑھتی ہے اس نے بتایا مجھے تم اپنے دوستوں کے ساتھ ہفتے کی رات شہر کیا کرنے گئے تھے۔۔زاران بھائی کے فلیٹ میں تم لوگ ایک لڑکی لے کر گئے تھے۔۔

تمھارے دوست کی تو جوتوں سے اچھی خاصی دھلائی ہو چکی ہے اس کے والد سے،،اب تمھاری دھلائی رہتی ہے داجی سے ۔۔۔داجی یہ سب سن کر تمھیں اس گھر سے نکال دیں گے۔۔

جب تم اس گھر میں ہی نہیں رہو گے تو رخصتی کیسے کرو گے۔۔بابرک خانزادہ۔۔۔۔عابیر ایک ایک لفظ چباتے ہوے اسے اسے کے کرتوت بتائے۔۔مگر اثر کسے ہونا تھا۔وہ تو اب بھی عابیر کو دیکھتے مسکرا رہا تھا۔۔اپنے کسی فعل پر بابرک کب شرمندہ ہوتا تھا۔

رخصتی تو ہو گی ہر حال میں ہو گی۔۔۔دیکھتی جاؤ تم عابیر ۔۔۔۔تم سچ بتاؤ گی داجی کو۔۔۔۔مگر میں جھوٹ بتاؤں گا داجی کو کیسے تم نے باہر چکر چلا رکھا ہے۔اسی لیے تم ہم پر الزام لگا رہا ہے۔۔

تم سے یہی امید تھی جو کرنا ہے کر لو میں تمھاری کسی دھمکی سے نہیں ڈرتی۔۔عابیر نے بابرک کی دھمکی پر کوئی خاص رد عمل ظاہر نہ کیا تو بابرک اس کے اطمینان پر پاگل ہوا تھا۔

اپنا ایک ایک لفظ کا تم حساب چکاؤ گی۔۔وہ بھی اس بیڈ پر۔۔۔۔۔۔۔بابرک کمینگی سے گہرا مسکرایا۔۔عابیر کے دیکھنے پر اس نے اسے نازیبا اشارہ کرتے آنکھ ونک کی تھی۔

زاران لالا مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں۔وہ یہ رخصتی کبھی نہیں ہونے دیں گے۔۔عابیر نے سپاٹ لہجے میں بولتے ہوے اپنے دوپٹے کی تلاش میں کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

عابیر کی بات پر بابرک کے منہ سے ہنسی کا فوارہ گونجا تھا۔۔وہ اب تھوڑا جھکتے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ مارتے پاگلوں کی طرح ہنستا ہی جا رہا تھا۔۔عابیر اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالتے ہوے زمین سے اپنا دوپٹہ اور بیگ اٹھانے لگی۔

زاران خانزادہ ۔۔۔ تمھاری رخصتی ہونے سے روکے گا۔۔جس طرح اس نے تمھارا میڈیکل کالج میں داخلہ کروایا تھا۔۔بابرک کی ہنسی رک نہیں رہی تھی۔وہ بمشکل ہی بول رہا تھا۔۔اس کی ہنسی میں عابیر کے لیے کافی تضحیک تھی۔

جانتی ہو تب بھی تمھارے بھائی نے تم سے ایسے ہی وعدہ کیا تھا۔ مگر ہوا کیا ؟؟داجی نے میری سنی۔۔

کیونکہ میں اپنی بیوی کا داخلہ لڑکوں کے کالج میں نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔۔بابرک کی سیاہ آنکھوں سے اب شدید ہنسی کے باعث پانی نکلنا شروع ہو چکا تھا۔۔

عابیر اس کی باتوں کو اگنور کرتے دروازے کی طرف بڑھی ۔بابرک نے اس کی طرف بڑھتے جلدی سے دروازہ بند کیا۔۔

تم آج یہاں سے نہیں جا سکتی تمھاری رخصتی کی وجہ میں آج ہی سب کو دے دوں گا۔۔پھر وہ تمھارا لالا جو خود کو کوئی بہت اونچی

شے سمجھتا ہے۔۔ کچھ نہیں کر سکے گا۔۔الٹا میرے قدموں میں گر کر تمھیں رخصت کروانے کی بھیک مانگے گا۔۔

بابرک نے سرخ آنکھوں کے ساتھ غراتے ہوے اس کے دوپٹے میں ہاتھ ڈالا۔۔۔

عابیر نے اسی لمحے اپنے بیگ سے پیپر سپرے نکالتے ہوے بابرک کی آنکھوں میں ڈھیر سارا سپرے چھڑک دیا۔۔

بابرک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوے چیخ پڑا تھا۔۔

یہ کیا ڈالا ہے تم نے؟؟بابرک چیخا۔۔

کچھ دن پہلے ہی شوقیہ طور پر خریدا تھا لیکن یہ نہیں سوچا تھا یہ تمھارے کام آئے گا۔۔

مجھے اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے بابرک خانزادہ کہ تم نکاح کے نام پر میرے ساتھ کچھ بھی کرو گے۔۔میں برداشت کروں گی۔۔آئیندہ تمھارے ناپاک ہاتھوں نے مجھے چھوا بھی تو کاٹ ڈالوں گی۔۔

عابیر غصے سے ایک ایک لفظ بولتے کمرے سے نکل آئی تھی۔

عابیر نے بابرک کے کمرے سے باہر آتے ہی زنان خانہ کے لاونج سے اپنی گری ہوئی شال زمین سے اٹھاتے اس سے اچھی طرح خود

کو کور کیا اور باہر کار پورچ کی طرف آئی جہاں کار پورچ میں ڈارائیور اس کا ہی انتظار کر رہا تھا۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہارے کی پکار پر گاڑی کے دروازے کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ رکا تھا۔۔۔

عابیر نے پلٹ کر بہارے کو دیکھا۔ بہارے کا حلیہ دیکھ کر عابیر کے چہرے پر ناگواری بڑھی تھی۔اس نے کافی ناگواری اور غصے سے بہارے کے سراپے پر نگاہ ڈالی۔۔۔

جو پنک کلر کے ٹراوزر اور شرٹ میں ملبوس تھی۔۔پنک جارجر کا دوپٹہ اس نے سر پر اوڑھا ہوا تھا۔۔بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا جو باریک دوپٹے سے پوری طرح نظر آ رہے تھے۔پنک دوپٹے میں اس کا گلابی رنگ پوری طرح دھمک رہا تھا۔۔

پنک لائٹ سی لپ سٹک لگائے ہوے وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوے عابیر کی طرف بڑھی۔۔۔کارپورچ میں اور بھی ملازم تھے جو اسے دیکھتے نظریں جھکا گئے تھے۔۔مگر وہ اپنے حلیے سے مکمل لاپرواہ تھی۔

عابیر نے اس ٹائم بلیک شال سے خود کو اچھی طرح کور کیا ہوا تھا اور چہرے پر نقاب بھی ڈالا ہوا تھا۔

عابیر میں کل سے آئی ہوں اور تم مجھ سے ملی بھی نہیں۔۔۔میں نے اندر تمھیں آواز بھی دی تھی تم رکی نہیں۔۔

تمھیں بابرک لالا کے کمرے سے نکلتے ہوے دیکھا میں نے۔۔ تمھارا رنگ سرخ اور سانس بری طرح پھولا ہوا تھا۔۔بہارے کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔۔

عابیر بہارے کی بات پر لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔۔وہ اتنی تیز بات کر رہی تھی کہ آس پاس کھڑے ملازموں تک بھی اس کی آواز بخوبی پہنچ رہی تھی۔۔

عابیر نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوے ایک نظر وہاں کھڑے ملازموں کو دیکھا تھا۔دوسرے لمحے وہ اس کلائی پکڑے داخلی دروازے سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

عابیر نے اندر داخل ہوتے اپنا بیگ اٹھا کر زنان خانہ کے لاونج کے صوفے پر پٹخا اور اپنی شال اتار کر صوفے پر رکھی۔۔اور سر

دونوں ہاتھوں میں تھامتے وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ چکی تھی۔

آج ان دونوں بہن بھائیوں نے اس کا موڈ غارت کر دیا تھا۔ اس لیے وہ کالج جانے کا پروگرام کینسل کر چکی تھی۔

بہارے صوفے کے سامنے کھڑی اپنی بڑی بڑی براؤن آنکھیں پٹپٹاتے ہوے عابیر کو دیکھ رہی تھی۔باہر جو دوپٹہ سر پر تھا اب وہ گلے میں لہرا رہا تھا۔۔

کیا ہوا عابیر؟؟بہارے کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھی تک رقصاں تھی۔۔

عابیر اس کی مسکراہٹ کا مطلب بخوبی سمجھتی تھی۔

کچھ نہیں ہوا بہارے۔۔یہ کس طرح کے حلیے میں تم باہر آئی تھی۔۔

اگر شہرام لالا تمھیں ایسے دیکھ لیتے تو جانتی ہو ناں وہ کیا کرتے۔۔۔عابیر نے اسے اس کی لا پروائی پر ٹوکا تھا۔۔

شہرام کے نام پر بہارے کے حسین چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا ۔۔

جانتی ہوں وہ کیا کرتا؟؟تمھاری طرح میری کلائی پکڑتے اندر لے آتا اور کیا کرتا۔۔ بہارے لا پروائی سے بولتے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

عابیر گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔۔بہارے کا کوئی علاج نہ تھا اسے خراب کرنے میں شہرام کا ہی تو ہاتھ تھا۔۔عابیر نے اس کے حسین چہرے پر نظریں جماتے ہوے سوچا۔

تم نے بتایا نہیں کہ تم بابرک بھائی کے کمرے میں کیا کر رہی تھی۔۔بہارے نے دوبارہ سے ایکسائیٹڈ ہوتے پوچھا۔ عابیر کے بابرک کے کمرے میں موجود ہونے کی وجہ جاننے کے لیے وہ بے تاب ہو رہی تھی۔

میں تمھارے لالا کے کمرے میں اس پر یہ پیپر سپرے کرنے گئی تھی۔۔

بیچارہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے بہت چیخ رہا تھا۔

جا کر دیکھو آنکھ وانک ضائع نہ ہو گیا ہو اس کا۔۔عابیر نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے گہرا مسکراتے ہوے پیپر سپرے بیگ سے نکالتے ہوے اسے دکھایا۔

بہارے عابیر کی بات سنتے غصے سے صوفے سے اٹھی۔۔۔

یہ کیا کیا ہے تم نے عابیر؟؟۔۔۔بہارے چیخی ۔۔

وہی کیا ہے جو وہ ڈیزرو کرتا ہے۔۔

آئیندہ وہ مجھ پر اپنا حق جماتے ہوے سو بار سوچے گا۔۔عابیر نے مسکراتے ہوے صاف گوئی سے کہا۔۔بابرک کی حالت کا سوچ کر اب اسے کافی مزا آ رہا تھا۔

حق تو تمھارا لالا بھی مجھ پر جماتا ہے بلکہ پوری ڈھٹائی سے جماتا ہے۔۔اگر میں بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں تو۔۔۔بہارے نے غصے سے تلملاتے ہوے کہا۔

بہارے کی بات پر عابیر صوفے سے اٹھتے ہوے اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔۔

تمھارے لالا اور شہرام لالا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔۔اگر وہ تم پر حق جتانے میں ہر حد سے گزر بھی جائیں تو تمھاری ہمت نہیں پڑے گی اس کے ساتھ وہ سلوک کرنے کی جو میں نے بابرک کے ساتھ کیا۔۔

کیونکہ شہرام لالا تم پر حق جتاتا ہے تو اس رشتے کے فرائض بھی پوری کیے ہیں اس نے۔۔۔وہ بھی تم پر بنا کوئی احسان جتلائے ۔۔۔

اس کی آنکھوں میں تمھارے لیے جتنا پیار ہے اس سے کہیں زیادہ عزت ہے۔

آج جو تم اپنی میڈیکل کی تعلیم مکمل کرکے ہاؤس جاب کر رہی ہو اور خود پر اتراتی پھرتی ہو کہ تم ایک ڈاکٹر ہو وہ صرف شہرام لالا کی بدولت ممکن ہوا ہے۔۔یہ جو تم گلے میں دوپٹہ ڈال کر پورے گھر میں گھومتی ہو وہ بھی شہرام لالا کی ہی بدولت ہے۔۔۔وہ تم پر کسی کو ایک انگلی اٹھانے نہیں دیتے۔۔

عابیر نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اسے جتلایا۔

میں نے میڈیکل کی تعلیم اسفند لالا کی وجہ سے مکمل کی ہے۔ وہی داجی کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوے تھے۔۔شہرام تو مجھ سے نفرت کا دعویدار ہے۔۔جانتی ہو تم یہ سب۔۔بہارے گل کی تلملاہٹ میں مزید آضافہ ہوا تھا۔شہرام کی تعریف ہضم نہیں ہوئی تھی۔وہ جو کچھ تھی اپنی محنت کی بدولت تھی مگر ہر کوئی شہرام کو ہی کریڈٹ دیتا تھا۔

اسفند لالا کی وجہ سے تم نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی ہے۔۔عابیر نے آبرو اچکائے استفہامیہ نگاہوں سے بہارے کو دیکھا۔۔لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

عابیر کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سے بہارے کو آگ لگی تھی۔

بہارے تمھارے میڈیکل کالج میں جانے کے بعد میں نے بھی یہی سوچا تھا میں بھی ڈاکٹر بنوں گی۔۔میری بچپن کی خواہش تھی ڈاکٹر بننا۔اپنے علاقے میں ہسپتال کھولنا۔مگر کیا ہوا میرے سارے سپنوں کو تمھارے لالا نے آگ لگا دی۔عابیر بات کرتے کرتے رکی تھی۔زخموں پر نمک سا چھڑکتا محسوس ہوا۔۔

تم جانتی ہو میرے تم سے زیادہ اچھے نمبر آئے تھے۔۔

زران لالا کے سپورٹ کی وجہ سے بھی میں میڈیکل میں داخلہ نہ لے سکی۔۔۔کیوں؟؟ کبھی سوچا تم نے۔۔۔

زران لالا کی تو زیادہ اس گھر میں چلتی ہے۔۔۔۔داجی ارحام لالا کے بعد زاران لالا سے کتنا پیار کرتے ہیں۔کتنا امپورٹنس دیتے ہیں۔اس حویلی میں کتنی دھاک ہے ان کی۔۔

تم تو اچھی طرح جانتی ہو یہ بات۔۔

بس فرق اتنا تھا تمھارے ساتھ شہرام لالا تھا اور میرے ساتھ بابرک نہیں تھا۔بلکہ اس نے ہر طرح کی رکاوٹ کھڑی کی میرے ڈاکٹر بننے میں۔۔دیکھو آج میں گرلز کالج میں پڑھ رہی ہوں۔۔کیونکہ تمھارے لالا کو میرا لڑکوں کے کالج میں پڑھنا پسند نہ تھا۔۔

بابرک نے داجی کو زحلے پھوپھو کی مثالیں دیں کہ کیسے وہ کو ایجوکیشن میں پڑھنے گئی تھی اور اپنی مرضی سے نکاح کر لیا۔۔

مگر شہرام لالا نے تمھارے میڈیکل کالج میں داخلے پر اپنی ضد پر اڑ چکے تھے۔ہر طرح کی ذمہ داری انہوں نے اپنے سر پر لی تھی۔۔تم تو ان دنوں بھوک ہڑتال کرتے کمرہ نشین ہو چکی

تھی۔ہم سب نے دیکھا کیسے شہرام لالا نے داجی سے لڑ کر تمھارا داخلہ کروایا۔عابیر نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے سچ اس کے منہ پر مارا تو بہارے غصے سے اپنا منہ پھیر گئی تھی۔۔

بہارے کے منہ پھیرنے پر عابیر کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

شہرام لالا تم سے نفرت کے دعویدار اس لیے ہیں۔

کتنی ہی مرتبہ تم ان سے نفرت کا اظہار کر چکی ہو۔۔اب وہ تمھارے نفرت کے اظہار پر تم سے عشق کرنے سے تو

رہے۔۔عابیر نے سپاٹ لہجے میں اس کے دوسرے سوال کا بھی جواب دیا تھا۔

تم اپنے لالا کی سائیڈ نہیں لو گی تو کون لے گا؟؟۔اپنے جاہل اور ان پڑھ بھائی کی۔۔۔بہارے کے حقارت ذدہ الفاظ سنتے عابیر جو اپنے کمرے میں کی طرف بڑھ رہی تھی رکی تھی۔۔

جانتی ہو ان پڑھ اور جاہل میں کیا فرق ہوتا ہے۔؟؟عابیر کے سوال پر بہارے نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

کیا فرق ہوتا ہے؟؟ بہارے نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔۔

ویسے تو بہت سی مثالیں دے سکتی ہوں۔۔

مگر ابھی کے لیے دو مثالیں ہی بہتر ہیں۔عابیر پھر سے بہارے کی طرف بڑھی تھی۔

شہرام بھائی ان پڑھ ہیں مگر جاہل نہیں۔۔اسی لیے تم آج ڈاکٹر ہو۔۔

اور تمھار بھائی ان پڑھ اور جاہل بھی ہے اسی لیے میں نے اس کے منہ پر پیپر سپرے کیا۔۔

ایک اور جاہل بھی ہوتا ہے جسے پڑھا لکھا جاہل کہتے ہیں۔عابیر کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

بہارے نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

پڑھا لکھا جاہل یعنی کہ تم۔۔۔۔۔۔عابیر طنزیہ مسکرائی ۔۔عابیر ۔۔۔۔۔۔۔بہارے چلائی۔۔

چلاؤ مت میرے سامنے۔۔ عابیر نے صوفے سے اپنا بیگ اٹھا کر اس میں سے پیپر سپرے نکال کر بہارے کے ہاتھوں میں تھمایا۔۔

یہ لو یہ شہرام لالا کی آنکھوں میں سپرے کر کے تم اپنے لالا کا بدلہ پورا کر لینا۔۔مگر جانتی ہوں میں تم یہ نہیں کر سکو گی۔۔اور کیوں نہیں کر سکو گی یہ سوچنا ضرور تمھیں خود ہی شہرام بھائی اور بابرک میں فرق پتہ چل جائے گا۔

عابیر غصے کہتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

بہارے نے غصے سے وہ پیپر سپرے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا۔

شہرام خانزادہ رات گئے حویلی میں داخل ہوا تو اس کے قدموں کا رخ زنان خانہ کی طرف تھا۔۔کل سے وہ خود کو روکے ہوے تھا۔۔مگر آج وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا۔۔ایک ماہ سے اسے نہیں دیکھا تھا۔۔کل ہی تو وہ آئی تھی ہاسٹل سے۔۔

کچھ مصروفیت کی وجہ سے وہ اسے اس مرتبہ لینے بھی نہیں جا سکا تھا۔۔ورنہ وہ جتنا بھی مصروف ہو ہمیشہ اس کے کالج کی چھٹیوں پر وہ اسے خود لینے جاتا تھا۔۔

کل اس نے دیکھا تھا ڈائینگ روم میں بہارے کو ڈنر کرتے ہوے وہ اس کے وہاں آتے ہی ڈنر چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔۔

اور وہ کل سے ہی ڈیرے پر موجود جلتی ہوئی گیلی لکڑی کی مانند دھیما دھیما سلگ رہا تھا۔۔اس کی بے اعتنائی اس کی بلاوجہ کی نفرت اسے ہمیشہ ایسے ہی جلاتی تھی۔۔

وہ اس ٹائم سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔۔بلیک لیدر جیکٹ اس نے پہن رکھی تھی۔۔شلورا قمیض میں اس کا دراز قد کافی نمایاں ہو رہا تھا۔۔ہلکی ہلکی بئیرڈ گھنی مونچھیں اس کے خوبرو اور سرخ سفید چہرے پر کافی جچ رہی تھیں۔۔

اپنی جیکٹ سے کمرے کی ڈپلی کیٹ چابی نکالتے ہوے اس نے دروازہ کھولا ۔

اور بہت آہستگی سے وہ بیڈ کی جانب بڑھا جہاں اس کے دل کا قرار دل کا چین گہری نیند میں محو استراحت تھا۔کتنے ہی سالوں

سے وہ اکثر رات گہری ہوتے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے کمرے میں چلا آتا تھا۔پھر وہ گھنٹوں اسے دیکھتا رہتا تھا۔۔

وہ بے قراری سے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ رکھتے اس پر جھکا۔

سائیڈ لیمپ کی مدھم نیلی سی روشنی ان تھی۔۔وہ پنک ڈریس میں کمبل سینے تک اوڑھے بال تکیے پر بکھیرے سیدھا لیٹے سو رہی تھی۔۔

شہرام نے بے اختیار جھکتے ہوے اس کی گھنیری پلکوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔

اس کی آنکھوں کو چھونے کی دیر تھی اس کے لب بے قراری اور بے خودی میں اس کے ایک ایک نقوش پر اپنا حق بہت نرمی سے جتاتے چلے گئے۔۔ وہ اس کے چہرے پر جھکتا اپنا پر حدت مگر نرم لمس دیوانگی کے عالم میں بکھیرنے لگا۔۔

وہ نیند میں ہلکا سا کسمسائی تھی۔۔۔شہرام مسکراتے ہوے اس سے علیحدہ ہوا اور نرمی سے اب اپنی انگلیاں اس کے گلابی شفاف رخ پر پھیرنے لگا۔۔

اس کی انگلیاں سرسراتے ہوے اس کے عنابی بھرے بھرے ہونٹوں پر آکر رکی تھیں۔۔

شہرام گہری سانس بھرتا سیدھا ہوا تھا۔۔وہ کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھا اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا۔۔

اس سے پہلے وہ وہاں سے اٹھتا بہارے کی آنکھ کھلی تھی۔۔اپنے سامنے شہرام کو دیکھ کر اس کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی۔۔وہ ہڑبڑاتے ہوے اٹھ کر بیٹھی۔۔ اپنے سرہانے پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا کر جلدی سے خود پر لپیٹا۔۔

تم تم،،، یہاں پر کیا کر رہے ہو؟؟بہارے نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے گہری سانسیں لیں۔اس کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔رات کے اس پہر اس کے کمرے میں اس کی موجودگی اس کے لیے حیران کن تھی۔حیران کن سے زیادہ خطرے کی بات تھی۔

میں اپنے کمرے میں جا رہا تھا مگر پتہ نہیں کیسے تمھارے کمرے میں آ گیا۔۔شہرام نے اس کی بڑی بڑی براؤن کرسٹل آنکھوں میں دیکھتے ہوے سنجیدگی سے مگر بہت معصومیت سے کہا۔۔

وہ اس کے سامنے بلکل بہت قریب بیٹھا ہوا تھا۔تھوڑا سا اس سے دور ہوتا وہ پیچھے کو ہوا اس کی اتنی نزدیکی اس سے زیادہ بہارے کے لیے خطرناک تھی۔۔اس کی خوبصورتی جوانی شہرام کے لیے تباہی تھی اور شہرام کے دل میں پنپتا بے پناہ عشق بہارے کے لیے تباہی تھا۔دونوں صورتوں میں نقصان صرف بہارے کے لیے ہی تھا۔

اپنی بیوی کے نازک سراپے پر گہری نظر ڈالتے اس کے مونچھوں تلے لب مبہم سا مسکرائے۔

اس نے دور ہوتے بہارے گل کی آنکھوں کو بغور دیکھا جہاں اس وقت خوف اور بے یقینی بیک وقت پھیلی ہوئی تھی۔۔خوفزدہ تو وہ اس سے ہوتی نہیں تھی۔ شائد وہ اس وقت اس کے کمرے میں موجودگی پر خوفزدہ تھی۔۔مانتی نہیں تھی مگر جانتی تو تھی کہ وہ اس پر اس سے کہیں زیادہ حق رکھتا ہے۔

تمھارا کمرہ مردان خانے کی طرف ہے۔ تم یہاں پر کیسے آ سکتے ہو؟؟۔نیند میں چلنے کی بیماری بھی ہوتی تم کو تب بھی تم میرے کمرے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔بہارے نے اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوے اسے شعلہ اگلتی آنکھوں سے گھورا تھا۔۔اپنا دوپٹہ اور بھی اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔

شہرام نے لب بھینچے تھے اس کے بار بار اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے پر۔۔۔۔۔۔جب اس کی تھی تو یہ پرداہ داری کس چیز کی تھی۔

دوسرے ہی لمحے شہرام خانزادہ نے بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی ٹانگیں بیڈ پر پھیلائے اسے کلائی سے پکڑے خود کی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی۔

بہارے نے اپنی آنکھیں پھیلائے اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا ۔۔۔اس کے آرادے کیا ہیں؟؟وہ کیوں اس وقت اس کے کمرے میں ہے۔مختلف خیالات اس کے دل میں سمائے تھے۔۔جن کا جواب تو ایک ہی تھا۔۔بہارے گل کے ماتھے پر شبنم سی چمکی تھی۔

شہرام اس کی براؤن کرسٹل آنکھوں میں دیکھتے اسے بے اختیار اپنے سینے کے ساتھ لپٹا چکا تھا۔۔آج وہ بے اختیار ہو رہا تھا شائد

ایک مہینے بعد دیکھا تھا اسے یا پھر اس کی کل کی بے اعتنائی پر وہ اسے جتانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس پر کتنا اختیار رکھتا ہے۔

شہرام چھوڑو مجھے ۔۔۔۔بہارے گل چیخی۔۔

اس کے حلق پھاڑ کر چیخنے پر شہرام کے چہرے پر ناگواریت کا تاثر ابھرا۔۔۔

شہرام نے اسے اپنے حصار سے آزاد کیا تو جلدی سے بیڈ سے اٹھتی دروازے کی جانب بڑھی ۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔شہرام کی سرد آواز پر دروازے کے پاس رکتے اس نے شعلہ بار نگاہوں سے شہرام کو دیکھا۔۔

شہرام ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ ورنہ میں شور مچا کر سب کو اٹھا دوں گی۔۔بہارے نے شہرام کو قطعیت بھرے انداز دھمکی دیتے میں کمرے سے باہر نکل جانے کو کہا اور ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا۔

بہارے کی دھمکی پر شہرام کی ہنسی گونجی تھی۔۔

بہارے گل نے لب کچلتے شہرام کو دیکھا جو اس کے بیڈ پر بیٹھے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے استھزائیہ نگاہوں سے ہنستے ہوے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے بیڈ سے اٹھتا بہارے گل کی جانب بڑھا۔

بہارے اسے خود کی طرف بڑھتا دیکھ کر دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔مگر اپنی براؤن آنکھیں ابھی بھی شہرام پر ہی گاڑھی ہوئی تھیں۔و

بہارے تم اتنی تکلیف کیوں اٹھاؤ گی۔اتنی رات کو چیخیں مارو گی۔گلے میں درد ہو جائے گا۔

ایک کام کرو یہ لو میرا فون۔۔۔داجی کو کال کرو کہ میں تمھارے کمرے میں موجود ہوں۔۔شہرام نے مسکراتے ہوے اپنا فون بہارے کی جانب بڑھایا۔

بہارے نے غصے سے اس کا فون جھپٹتے اسے بیڈ پر اچھال دیا تھا جی تو کیا تھا زمین پر پٹخ دے۔۔مگر شہرام پر وہ ایک حد تک ہی اپنا

غصہ دکھا سکتی تھی۔ جانتی تھی وہ اس کا غصہ اتنا ہی برداشت کرتا ہے جتنا وہ خود کرنا چاہتا ہے۔

شہرام نے ایک نظر اپنے موبائل کو دیکھا جو بہارے نے بیڈ پر پھینکا تھا اور دوسرے لمحے اس نے دروازے کو بند کرتے اسے لاک لگایا۔۔اس سے پہلے بہارے کچھ سمجھتی وہ بہارے کو سختی سے اپنی بانہوں میں بھر چکا تھا۔

بہارے اس کی سخت گرفت میں مچل کر رہ گئی تھی۔

چھوڑو مجھے شہرام خانزادہ۔۔۔بہارے ایک بار پھر سے چیخی تھی۔

وہ اس کے چیخنے پر اپنے اندر امڈتے غصے پر بمشکل ہی قابو کیا تھا۔۔

اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے اس کے راستے میں اس طرح کھڑا ہو گیا کہ وہ اسے کراس کر کے گزر نہیں سکتی تھی۔

بہارے شہرام کے پہاڑ جیسے وجود کو گھورتے ہوے دیوار کے ساتھ جا لگی جو اس کے قریب کھڑا اسے لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔

اچھا ہی ہو گا جب داجی کو پتہ چلے گا میں تمھارے کمرے میں موجود ہوں۔۔یقیناً وہ یہ رخصتی جلد کروالیں گے۔۔اب تم اچھی طرح جانتی ہو داجی کب سے میرے پیچھے پڑے ہوے ہیں کہ میں تمھاری رخصتی کروا کر تمھیں اپنے کمرے میں لے آؤں۔۔۔مگر میں ہی نہیں مان رہا کیونکہ مجھے شوق نہیں۔۔۔۔تم جیسے سر درد کو

اپنے کمرے کی زینت بنانے کا۔۔۔شہرام بہارے کے قریب ہوتا اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی نما آواز میں بولا۔

میں سر درد ہوں تو تم اتنی رات کو میرے کمرے میں کیا کرنے آئے ہو شہرام خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہارے نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

تم سر درد تو ہو مگر میرے سر درد کا علاج بھی ہو۔۔۔۔شہرام نے اسے خود کے قریب کرتے اسے بانہوں میں بھرتے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگایا۔۔وہ پنک ڈریس میں کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔آنکھوں میں سرخی بھی کافی حد تک نمایاں تھی جو شائد نیند سے اٹھنے کے باعث تھی۔۔مگر وہ اس وقت اتنی حسین لگ رہی

تھی کہ شہرام خانزادہ خود پر اختیار کھو رہا تھا۔ وہ اپنے بے پناہ حسن سے اس کے بے قابو ہوتے جذبوں میں آگ لگا چکی تھی۔۔۔

چھوڑو مجھے شہرام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمھاری ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے بار بار چھونے کی۔۔ بہارے گل اس کے حصار میں مچلی تھی۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔ تمھیں چھونے کا حق ہے میرے پاس۔۔۔ جب جب تم مجھے احساس دلاتی ہو کہ میں تم پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ تب تب تمھیں ایسے چھو کر تمھاری بے بسی دیکھنے کا جو لطف مجھے آتا ہے۔۔ وہی لطف سرور حاصل کرنے کے لیے میں اس وقت تمھارے پاس اس کمرے میں ہوں۔۔ شہرام نے اسے اپنی بانہوں سے آزاد کرتے اس کے تپے ہوے چہرے کو دیکھا جو غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔

شہرام میں کوئی چیز نہیں ہوں نہ ہی تمھاری ملکیت ہوں۔۔جس پر تم اپنا حق جتا کر سرور حاصل کرو۔۔۔ایک بات یاد رکھنا ایک دن تمھیں اتنا بے بس کردوں گی تم مجھے طلاق دے دو گے۔۔بہارے نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اسے چیلنج کیا۔

شہرام اس کی بات پر مدھم سا مسکرایا تھا۔۔اس کے لفظوں پر چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوے تھے۔جسے وہ کمال مہارت سے چھپا گیا تھا۔۔بچپن سے اس کے منہ سے یہی الفاظ سنتا آیا تھا۔۔اس کی بلاوجہ کی نفرت برداشت کرتا آیا تھا۔۔اب تو وہ اپنے ایکسپریشن چھپانے میں کافی مہارت حاصل کر چکا تھا۔

بہارے۔۔۔۔۔۔یہ تو بھول جاؤ میں تمھیں کبھی چھوڑوں گا۔۔ہاں تمھیں اتنا بے بس کردوں گا تم رخصتی کر کے میرے پاس چلی آؤ گی۔۔شہرام نے بھی مسکراتے ہوے جوابًا چیلنج کیا۔

یہ کبھی نہیں ہو سکتا شہرام خانزادہ۔۔۔۔ بہارے ایک ان پڑھ انسان سے کبھی کوئی رشتہ قائم نہیں رکھ سکتی۔۔

میں ڈاکٹر بن چکی ہوں۔۔اور تم کیا ہو ایک میٹرک پاس۔۔ایک میٹرک پاس انسان کو کبھی اپنا شوہر نہیں چن سکتی۔۔بہارے کے لفظوں میں کافی حقارت تھی۔۔وہ مقابل کا احسان ماننے کو تیار ہی نہ تھی کہ آج وہ جو کچھ تھی اسی ہی کی بدولت تھی۔

شہرام ایک بار پھر سے مسکرا گیا تھا۔۔

جانتی ہو بہارے میں نے میٹرک کے بعد تعلیم کیوں نہیں حاصل کی۔۔

تمھیں یاد ہو گا۔۔میرے میٹرک میں اچھے نمبر نہیں آئے تھے۔۔تھوڑا ایورج سٹوڈنٹ تھا۔۔

زاران لالا، ارحام لالا ۔اسفند لالا کی طرح بہت ذہین نہیں تھا۔۔مگر تم نے میرے میٹرک کے نمبر دیکھ کر میرا کتنا مذاق بنایا تھا کہ مجھے کسی کالج میں داخلہ نہیں ملے گا اور مجھے کالج میں داخلہ نہیں ملے گا تم مجھ سے طلاق لے لو گی۔۔

یاد ہے کتنی مرتبہ تم نے یہ الفاظ دہرائے تھے۔۔

تمھاری ضد میں میں نے کالج میں داخلہ نہیں لیا تھا۔۔آگے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔۔اور تمھیں تب چیلنج بھی کیا تھا کہ اب مجھ سے طلاق حاصل کر کے دکھاؤ۔۔تم داجی کے پاس پہنچ گئی تھی مجھ سے طلاق لینے کے لیے۔۔داجی نے تمھارے گال پر کھینچ کر تھپڑ لگایا تھا۔۔

سچ بتاؤں اس دن بہت سکون ملا تھا۔۔

تم جب جب مجھ سے طلاق مانگتی ہو تو میری آنکھوں کے پردوں پر تمھارا سرخ سوجا ہوا گال آتا ہے اور کانوں میں اسی تھپڑ کی گونج سنائی دیتی ہے۔۔

جی تو کرتا ہے تمھارے گال پر کھینچ کر ایک ویسا ہی تھپڑ لگا دوں۔۔شہرام نے بلند آواز میں کہتے ہوے اپنا ہاتھ اٹھایا تو بہارے نے چیخ مارتے ہوے اپنے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

شہرام اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا مسکرا گیا تھا۔۔

کیا ہوا بہارے؟؟ابھی تو یہ ہاتھ تم پر اٹھا نہیں تم اتنا ڈر گئی ہو۔۔سوچو جب شہرام خانزادہ یہ بھاری ہاتھ تم پر اٹھائے گا تو تمھارے نازک گال کا کیا حال ہو گا۔۔یقین مانو ہفتوں تمھارے نازک گال سے شہرام خانزادہ کی انگلیوں کا نشان نہیں جائے گا۔شہرام اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے ہوے غرایا۔

وہ گہرے سانس لیتی شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔دوپٹہ سر سے اتر کر گلے میں جھول رہا تھا وہ ہرنی کی طرح خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام خانزادہ کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔وہ اسے ایسے سہمی ہوئی کافی پیاری لگی تھی۔۔ کبھی کبھی تو یہ نظارہ دیکھنے کو ملتا تھا ورنہ وہ ہی اسے اپنی حسین آنکھوں سے گھورتے اس کے دل پر کاری وار کرتی رہتی تھی۔اور اس کا بیچارہ دل ان قاتل آنکھوں کے وار سے ہر بار دھڑکنا بھول جاتا تھا۔

شہرام کے ایک ٹک دیکھنے پر بہارے نے گہرے سانس لیتے نفرت سے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔۔

بہارے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اتنی ہی نفرت کرو جتنی میری نفرت سہن کر سکو۔۔۔خود کو میری ضد مت بناؤ۔۔۔ضد اور نفرت میں تم سے بھی آگے جا سکتا ہوں۔۔جو تمھاری ضد میں اپنی تعلیم بیچ میں چھوڑ سکتا ہے سوچو وہ کیا کیا کر سکتا ہے۔۔وہ بہارے گل کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

مجھے نفرت کی وجہ بھی ہر بار تم خود ہی دیتے ہو۔۔اب مجھے رات کے اس پہر ڈرا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔اگر ضد کے تم پکے ہو تو میں بھی دو ہاتھ تم سے آگے ہوں۔

یہ رخصتی تو کبھی نہیں ہو گی تم دیکھتے جاؤ شہرام۔۔بہارے نفرت سے پھنکارتی شہرام خانزادہ کے غصے کو ہوا دے چکی تھی۔

مگر وہ اس کی بات پر ظبط سے گہرا مسکرایا گیا تھا۔جیسے ہر بار مسکرا جاتا تھا۔۔

مگر آج اس کی سیاہ آنکھیں بھی بھر پور مسکرائی تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ بہارے کے گلے سے دوپٹہ اتار کر زمین پر پھینک چکا تھا۔ ہہارے کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو پیچھے سے اپنی مٹھی میں جکڑے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس کی گردن پر جھکا تھا۔ اس کی دودھیا شفاف گردن پر اپنے دانت شدت سے گاڑھ دیے۔۔

شہرام نے اتنی شدت سے اپنے دانت گاڑھے تھے بہارے کی دردناک چیخ برامد ہوئی تھی اور اس کی دودھیا گردن پر اس کا بے رحم لمس سرخ مگر گہرا نشان چھوڑ چکا تھا۔۔اس نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تو وہ دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

بہارے دیوار کے ساتھ لگی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لیے اسے سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اگر دن کا اجالا ہوتا تو وہ اسے اس کا بھر پور جواب دیتی ۔۔رات کی تنہائی میں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ہر کوئی تو ہزاروں مرتبہ اسے یہ ضرور بتاتا تھا کہ وہ شہرام خان کی ہے۔ ۔۔اس کی مورے تو ہر بات پر اسے شہرام خان کے حوالے کرنے کی دھمکی دیتی تھی۔ ۔جانتی تھی اس وقت

شہرام کو یہاں دیکھ کر کوئی اس سے سوال جواب نہیں کرے گا۔الٹا کل ہی اس کی رخصتی کر دیں گے۔

وہ اس کی آنکھوں کی نمی کو بغور دیکھتا ہوا اس کے گرد دیوار پر اپنے ہاتھ جمائے اس کے چہرے پر جھکا۔۔

شہرام کی سرد سانسیں اس کے چہرے پر بکھر رہی تھی۔۔بہارے اپنی باتوں سے ہمیشہ اس کے اندر برف اتار دیتی تھی۔ ابھی بھی وہ برف کے گلیشئر کی طرح خود کو محسوس کر رہا تھا۔جس کے سرد پن سے اس کی رگوں میں دوڑتا خون تک منجمند ہو چکا تھا۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یاد ہو گا تمھیں ایک مرتبہ تمھارے سامنے تین چار لڑکوں کو بہت مارا تھا۔۔ارے وہی جو تمھارے گرلز کالج کے باہر ایک لڑکی کو چھیڑ رہے تھے۔۔

سنا تھا میں نے جب تم اپنی سہیلی کو کہہ رہی تھی آج شہرام خانزادہ اپنے خوبصورت چہرے کو ہفتوں چھپاتا پھرے گا۔۔بہت پٹے گا ان سے لڑکوں سے۔۔۔پھر کبھی اپنا یہ چہرہ لے کر مجھے کالج چھوڑنے نہیں آئے گا۔۔

کیا ہوا تھا ان لڑکوں کا حال؟؟۔۔۔؟؟۔۔۔۔بیچارے کتنے دن چلنے پھرنے سے محروم رہے۔۔ان کی ہڈی پسلی ایک کر دی تھی میں نے ۔ہفتوں تم ڈر کے مارے میرے سامنے نہیں آئی تھی۔۔

بلکہ کالج تک نہیں گئی تھی۔دل میں مجھ سے ڈرتی تھی۔۔جیسے آج تمھاری آنکھوں میں وہ ڈر صاف دکھائی دے رہا ہے۔۔مگر زبان سے کبھی اقرار نہیں کرو گی کہ شہرام خانزادہ سے تم بہت ڈرتی ہو۔۔

اس دن تمھیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ شہرام خانزادہ کیا چیز ہے۔

تبھی تو تم مجھے ان پڑھ جاہل کے ساتھ سفاک اور ظالم بھی کہنا شروع ہو چکی تھی۔۔۔۔اسی ظالم اور جابر جس نے کچھ آوارہ بدمعاش لڑکوں کو ان کی اوقات یاد دلائی تھی۔۔مگر تمھارے نزدیک وہ لڑکے ترحم کے قابل تھے اگر کوئی نہیں تھا تو وہ شہرام خانزادہ تھا۔

شہرام تم جاہل اور ان پڑھ نہیں ظالم بھی ہو اس لیے ماڑ دھاڑ کرتے رہتے ہو۔۔اگر تم پڑھ لکھ جاتے تو تم ارحام لالا زاران لالا اسفند لالا کی طرح بزنس سنبھالتے یوں ڈیرے پر سارا سارا دن چارپائیاں نہ توڑتے۔۔بہارے نے شہرام کی بات بیچ میں ہی کاٹ

دی تھی۔ ۔اس کی ایسی باتوں پر شہرام کی آنکھوں میں جو تکلیف اترتی تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھی۔ ۔اس نے اپنی گردن پر شہرام کے دی ہوئی سوغات پر ہاتھ رکھتے اپنا حساب برابر کیا۔

بہارے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔تمھاری زبان کچھ بھی کہے مگر اس وقت تمھاری آنکھوں میں جو ڈر ہے ناں وہ مجھے بہت لطف دے رہا ہے۔

۔

خدا کی قسم یہ ڈر تمھاری حسین آنکھوں کو اور حسین بنا رہا ہے۔۔شہرام اس کی تلخ کڑوی باتوں کو ہمیشہ کی طرح امرت کی طرح پی گیا تھا اور مسکراتے ہوے اس کی گھنیری پلکوں کو چھونے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو بہارے گل نے اس کا ہاتھ نفرت سے جھٹک دیا۔

شہرام نے دفعتًا اس کا منہ دبوچا تھا مگر ہاتھ کی گرفت بہت ہلکی رکھی تھی ۔۔اپنی بہارے کی نازک طبعیت سے واقف تھا ذرا سی سختی اس کی نازک جان برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ابھی بھی یہی ہوا تھا اس کی ہلکی گرفت پر بھی اس کی آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہوا تھا۔

تمھیں بتا دوں بہارے۔۔۔۔ میں آج بھی اتنا ہی ظالم اور سفاک ہوں۔۔

مجھے اتنا ہی غصہ دلاؤ جتنا تم میرے غصے کو سہن کر سکو۔۔۔شہرام اسے دروازے سے دور دھکیلتے دروازہ کھولتا چلا گیا تھا۔

پری گل بلیک کلر کی شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔جس پر شیشے کا ورک ہوا تھا۔۔سر پر نیٹ کا دوپٹہ اچھی طرح اوڑھا ہوا تھا۔۔ہونٹوں پر ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔کانوں میں بڑے بڑے سونے کے جھمکے پہنے ہوے تھے۔۔کلائیوں میں جڑاو دار کنگھن پہنے ہوے تھی۔۔۔

آنکھوں میں بھر بھر کر کاجل ڈالا ہوا تھا۔۔اس نے ڈریسنگ مرر سے ارحام خانزادہ کی طرف نگاہ ڈالی جو شرٹ لیس الٹا سو رہا تھا۔۔پری گل کے چہرے پر شرمیلی مسکان ٹھہر سی گئی تھی۔اور ساتھ ہی آنکھوں میں خفگی بھی ٹھہر تھی۔

ساری رات ارحام خانزادہ نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔۔اب وہ خود مزے سے سو رہا تھا۔۔اس کی نیند نہیں پوری ہوئی تھی مگر ارحام کی سختی سے ہدائت تھی کہ وہ صبح اٹھ کر سب کو سلام کرے اور یوں دن چڑھے تک نہ سوئے۔۔

ارحام خانزادہ جب حویلی نہیں ہوتا تھا تب تو وہ اپنی مرضی کرتی تھی مگر ارحام خانزادہ جب حویلی میں موجود ہوتا تھا تو وہ مجبوری اور ارحام کی ناراضگی کے ڈر سے اٹھ جاتی تھی۔

پری گل نے ایک نظر ارحام کو دیکھا اور دوسرے پل اس کی آنکھوں میں شرارت سی ناچی تھی۔

پری گل اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ارحام خانزادہ کی طرف بڑھی تھی۔اور سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر ارحام کے سر انڈیل دیا تھا۔۔

ٹھنڈے پانی سے ارحام ہڑبڑاتا ہوا اٹھا تو پری گل شرارت سے کھل کھلا کر ہنسی تھی۔۔

پری۔۔۔۔۔ارحام غصے سے چیخا تھا۔۔

پری گل ارحام کے غصے کی پرواہ کیے بغیر اپنی ہنسی روکتے بیڈ سے اٹھی تھی۔

پری گل کو بیڈ سے اٹھتا دیکھ کر ارحام خانزادہ نے اسے پھرتی سے اپنے قابو کیا تھا۔۔اسے بیڈ پر پٹختا وہ اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔

خان یہ کیا کیا تم نے ہم گیلا ہو چکا ہے۔۔ہم نے ابھی کپڑے بدے تھے۔

پری گل نے غصے سے ارحام کو گھورا تھا۔

پھر بدل لینا۔۔۔ارحام اس پر جھکتا مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔

تکیے پر سر رکھ کر پری گل کو کلائی سے پکڑ کر اپنے قریب کیا تھا اور اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا۔۔

خان ہمارے کپڑے گیلے کر دیے تم نے۔۔پری گل نے ارحام کے سینے پر ٹھوڑی رکھتے ہوے نازو ادا سے شکوہ کرتے ہوے اسے دیکھا۔

پانی تم نے پھینکا تھا گل ۔۔۔۔ارحام گہرا مسکرایا تھا۔۔

اچھی لگ رہی ہو۔۔ارحام نے مسکراتے ہوے تعریف کی تو پری گل نظریں جھکائے شرما گئی تھی۔

گل میں سوچ رہا ہوں پریذے پانچ سال کا ہو چکی ہے۔اب ہمیں بچے کے متعلق سوچنا چاہیے۔۔ارحام کی بات پر پری گل کرنٹ کھا کر اس کے سینے سے اٹھی تھی۔

کیا ہوا ہے؟؟ارحام نے اس کے چہرے پر پھیلی ناراضگی کو دیکھ کر اپنے لب بھینچے تھے۔۔آواز میں بھی سرد پن نمایاں تھا۔۔

جسے محسوس کرتے پری گل نے اپنے ایکسپریشن پر کنٹرول کیا تھا۔۔

خان پریذے ابھی چھوٹی ہے اسے ہمارا ضرورت ہے۔۔میں دوسرے بچے کی ذمہ داری کیسے اٹھا پاؤں گی۔۔پری گل نے ارحام

کے اوپر جھکتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے تھے۔ارحام نے غصے سے پری گل کو خود سے دور جھٹکا تھا اور بیڈ سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا۔۔

خان اس میں اتنا غصہ کرنے کیا بات ہے۔۔تم مرد لوگ تو صرف آرام سے بچے کی خواہش کر دیتا ہے۔۔مگر نو ماہ عورت کو عذاب جھیلنا پڑتا ہے۔۔درد اسے سہنا پڑتا ہے اور پھر ساری ساری رات بچے کو پالنا پڑتا ہے۔۔

پری گل کی باتوں پر ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

کیا کہا تم نے؟؟تم مجھے برداشت کرتی ہو۔ ۔ارحام خانزادہ نے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے کھینچتے بیڈ سے اتارا تھا۔ ۔پری گل

اس کی سخت گرفت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔وہ زور سے ارحام خانزادہ کے آہنی چٹانی سینے سے آ لگی۔

خان تمھارا سینہ نہیں پتھر ہے کیوں ہماری جان لینا چاہتا ہے۔۔پری گل اپنے ماتھے کو اپنے ہاتھ سے مسلتے بولی۔۔

گل بات کو مت گھماؤ ۔۔۔کیا کہا ہے تم نے۔ ۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔ ۔

خان تمھارا بات کا جواب تمھارے سوال میں ہی چھپا ہے۔ ۔تم ہمیں لے کر کتنا جنونی ہے اتنی سی بات تم ہمارا برداشت نہیں کر سکا۔۔بچہ کیسے تم ہمارے اور اپنے درمیان برداشت کرے گا۔۔

پری گل نے ارحام خانزادہ کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کی تھیں۔

گل پریذے کے آنے کے بعد میرے دل میں تمھارے لیے محبت بڑھی ہے۔۔بچہ ماں باپ کے درمیان نہین آتا۔۔اور مجھے ایک بات بتاؤ تم نے کب پریذے کو سنبھالا ہے۔۔اسے تو ملازماؤں نے پالا ہے۔۔ابھی بھی وہ درخشاں کے پاس سوتی ہے۔۔جبکہ میں نے تمھیں کہا تھا اسے اپنے پاس سلایا کرو۔۔مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔۔تم انوکھی عورت نہین ہو جو بچہ پیدا کرے گی۔۔یہاں عورتوں کے دس دس بچے ہوتے ہیں۔تم دوسرا بچہ پیدا کرنے پر ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے تم کوئی انوکھا کام کرو گی۔۔ارحام خانزادہ نے اس کی بانہیں اپنی گردن سے دور جھٹکی تھین۔

خان اسی وجہ سے ہم بچہ پیدا نہین کرنا چاہتا تاکہ تم ہم سے دور نہ ہو جائے۔۔اب دیکھو ناں تم بار بار ہم کو خود سے دور جھٹکتا ہے۔ ۔بچہ آنے کے بعد تم ہم سے لاپرواہ ہو جائے گا۔ ۔پری گل کی انوکھی منطق پر ارحام خانزادہ اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالتا واش روم کی طرف بڑھا۔ ۔واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند ہوا تو پری گل کانپ کر رہ گئی تھی۔

خان تم کو ہمیں منانا آتا ہے۔ ۔ابھی ہمیں بچہ نہین چاہیے تو مطلب نہیں چاہیے۔ ۔ہم بچہ پالنے اور پیدا کرنے والی مشین نہیں ہے۔ تم نے کہہ دیا تو بچہ ہو گیا۔ ۔پریذے ہی کافی ۔ہے۔ ہم جانتا ہے تم پریذے اور مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔۔پریذے اور کل تمھارا لیے کافی ہیں۔ابھی تو ہم نے تمھارا ساتھ پوری دنیا گھومنا

ہے۔۔بس ایک بار تم ہمارا بات مان کر داجی سے اپنا حصہ لے لو۔۔پھر ہم تم کو یہاں سے لے کر چلا جائے گا۔۔ہم تمھارے ساتھ شہر رہے گا۔۔۔یہاں کیا رکھا ہے اس چھوٹا سا گاؤں میں۔۔پری گل واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی اور پھر غصے سے کمرے سے نکل گئی ۔۔پری گل نے اتنی ..ذور سے دروازہ بند کیا تھا

ارحام خانزادہ جو واش روم میں شاور کے نیچے کھڑا اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔دروازے کی دھاڑ پر وہ اپنے ہاتھ کا مکہ بنا کر شیشے کی وال پر دے مارا۔۔۔پری گل پر یا پھر اپنے کسی بھی رشتے پر وہ غصہ نہیں کر سکتا تھا۔۔اسی لیے پری گل کی باتوں پر وہ کڑوب گھوونٹ بھر کر رہ جاتا تھا۔۔داجی کی تربیت

ہی یہی تھی کہ عورت کو ہمیشہ عزت اور احترام دینا چاہیے۔۔وہ ہر روپ میں صرف عزت دینے کے قابل ہوتی ہے۔۔وہ نہیں جانتا تھا عنقریب وہ اپنے اسی رشتے کو جو اس کی عزت ہو گی سب سے زیادہ تکلیف دینے والا ہے۔۔جس پر وہ سفاکیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے گا۔۔

زاران خان سمیع اللہ خان کے کمرے کا دراوزہ ناک کرتے اندر داخل ہوا تو داجی گرم شال اوڑھے اپنے کمرے کے گلاس ڈور سے سر سبز پہاڑوں پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔۔

جی داجی آپ نے مجھے بلایا۔۔زاران خان نے داجی کے قریب جاتے پوچھا۔۔

سمیع اللہ خان نے پلٹتے ہوے زاران خان کو دیکھا جو اس وقت بلو کلر کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر آف وائٹ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔

بلو کلر میں اس کی سفید سرخ رنگت مزید نمایاں ہو رہی تھی۔ گھنی بئیرڈ اس کے وجیح چہرے کو مزید خوبرو بنا رہی تھی۔

وہ اس وقت کافی بردباری سے ان کے سامنے کھڑا تھا

سمیع اللہ خان نے دل ہی دل میں زاران خان کی نظر اتاری تھی۔

۔

تمام پوتوں میں ان کی جان بستی تھی۔۔ مگر ارحام اور زاران کے قریب وہ سب سے زیادہ تھے۔۔ کیونکہ ارحام اور زاران جتنا انھیں

سمجھتے تھے کوئی نہیں سمجھتا تھا یہاں تک ان کے بیٹے بھی انھیں کبھی سمجھ نہ سکے تھے اس لیے وہ اپنے بیٹوں سے کہیں زیادہ پوتوں کے قریب تھے سوائے بابرک کے علاوہ سب ہی ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور انھیں بہت مان دیتے تھے۔۔

آج بھی جو بات انہوں نے زاران سے کرنے کا سوچا تھا وہ چاہ کر بھی اپنے بیٹوں سے کر سکے تھے وہ جانتے تھے یہ سچویشن صرف زاران خان ہی سنبھال سکے گا۔۔

داجی کیا ہوا؟؟ آپ ٹھیک ہیں۔۔ آپ آج باہر ناشتے پہ بھی نہیں آئے۔۔ زاران خان نے داجی کو کب سے خود کی طرف محویت سے تکتا پاکر کافی نرمی سے پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں۔۔مجھے کیا ہونا ہے۔۔ تمھارا دونوں دادی جب سے اوپر گیا ہے میں زیادہ اچھا ہو گیا ہوں۔۔اب مجھے کچھ نہیں ہونا کیونکہ میری تمام پریشانیوں کی وجہ اوپر چلا گیا ہے۔۔ سمیع اللہ نے مسکراتے ہوے کہا تو زاران کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

داجی کی طبعیت جتنی سخت تھی وہ اتنا ہی نرم تھے۔۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو بہت یاد کرتے تھے۔ جن سے ان کی کوئی اولاد بھی نہ تھی۔ ۔لیکن پھر بھی وہ آخر تک ان کی بہت عزت کرتے تھے بہت محبت کرتے تھے۔ ۔

بیٹھو داجی نے زاران خان کو کمرے میں پڑے ہوے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔۔زاران خان نے صوفے پر بیٹھتے ہوے داجی کو غور سے دیکھا جو اب کافی سنجیدہ ہو چکے تھے۔

داجی اس سے فاصلے پر صوفے پر ہی بیٹھ گئے۔۔

زاران جب سے تمھاری پھوپھو ازمارے کا انتقال ہوا ہے۔۔تب سے میرا دل بہت ڈر گیا ہے۔۔ سمیع اللہ خان کے لہجے میں کافی اضطراب تھا

کیا ہو داجی؟؟کس بات کا ڈر ہے آپ کو۔۔زاران خان نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔۔

زاران مجھے زحلے کی بہت فکر ہو رہی ہے۔۔میں اس سے اپنی زندگی میں ملنا چاہتا ہوں۔۔

برسوں سے اپنے دل پر پتھر رکھب ہوا تھا مگر جب سے ازمارے کا انتقال ہوا ہے مجھے لگتا ہے جیسے میں زحلے کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو

دوں گا۔میں اسے دیکھے بغیر اس دنیا سے نہ چلا جاؤں کہیں۔ سمیع اللہ کی بات پر زاران خان تڑپ اٹھا تھا۔۔

کیسی باتیں کر رہے ہین داجی آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔۔آپ بہت لمبی عمر پائیں گے۔۔زاران خان کی بات پر وہ مسکرائے تھے۔

زاران تمھارے بابا اور تایا زحلے کا نام بھی سننا پسند کرتے۔۔اس لیے میں تم سے یہ سب کہہ رہا ہوں۔۔

میں بھی زحلے سے بہت خفا رہا۔۔مگر میں نے ہمیشہ اسے یاد کیا ہے۔۔وہ میری سب سے چھوٹی بیٹی تھی تمھاری بڑی دادی کی بھی لاڈلی تھی۔۔

اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا اسی لیے ہم نے اس کا یونیورسٹی میں داخلہ کروایا تھا۔۔مگر اس نے اپنی مرضی سے نکاح کر لیا۔۔جب مجھے پتہ چلا تو میں نے تمھارا تایا اور تمھارے بابا کی مخالفت کے باوجود اس کا دوبارہ سے نکاح ادھر حویلی سے کر کے ہمیشہ کے لیے رخصت کر ڈیا۔۔پھر بس کا کبھی پتہ نہیں کیا۔۔بہت دکھ پہنچا تھا زحلے نے ہمارا اعتماد توڑا۔۔۔

ازمارے کے مرنے کے بعد ہم نے زحلے کو معاف کر دیا ہے۔میں چاہتا ہوں۔۔تم زحلے کا پتہ کرو وہ کہاں ہے ۔۔میں بس سے ملنا چاہتا ہوں۔اس کا حق اپنی زندگی میں اسے دینا چاہتا ہوں۔ورنہ ہم کیا منہ دکھائے گا خدا کو۔۔ سمیع الل خان کا لہجہ نم ہوا تھا۔۔زاران خان نے ان کے گھٹنے پر نرمی سے ہاتھ رکھا .

آپ فکر نہ کرین داجی میں زحلے پھوپھو کا پتہ لگا لوں گا۔۔آپ کا بہت اچھا فیصلہ ہے۔۔آپ فکر نہ کریں میں بابا جان اور چچا جان سے بھی بات کروں گا۔۔زاران نے انھیں تسلی دیتے ہوے کہا۔۔

مجھے یقین تھا زاران تم ہماری بات ضرور سمجھے گا اللہ تمھین خوش رکھے۔۔سمیع اللہ خان خوشی سے صوفے سے اٹھے تھے زاران بھی ان کی تائید میں صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔۔سمیع اللہ خان نے آگے بڑھ کر زران کو گلے سے لگایا تھا۔

زاران خان اسلام آباد کی ایک ہاؤسنگ سوسایٹی میں داخل ہوا تھا ۔۔اس کے ساتھ ایک اور گاڑی بھی تھی جس میں اس کے دو گارڈ تھے۔۔

وہ جب سے حویلی سے آیا تھا زحلے خاتون کے بارے میں ہی پتہ کر رہا تھا۔۔دو دن سے وہ ان کے متعلق مکمل تحقیق کر رہا تھا کل ہی اسے پتہ چلا تھا وہ برسوں سے امیریکہ میں تھی ایک مہینہ پہلے وہ لوگ یہاں اسلام آباد کے ایک ہاؤسنگ سوسائٹی میں شفٹ ہوے ہیں۔

وہ پہلی دفعہ ان سے ملنے جا رہا تھا اس لیے اس نے فروٹ کی پیٹیاں اور مختلف قسم کے تحائف منگوائے تھے۔اسے ایسے خالی ہاتھ جانا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ویسے بھی یہ ان کے علاقے کی یہ روایات بھی تھی وہ لوگ کسی سے ملنے جاتے تھے خالی ہاتھ نہیں جاتے تھے اور بیٹی یا بہن یا پھوپھو کے گھر تو خالی ہاتھ جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔۔

ازمارے پھوپھو کے گھر جانے پر بھی داجی بہت فروٹ بور تحالف بجھواتے تھے۔۔

زران خان ایک گھر کے سامنے رکا تھا۔۔یہ ایک کنال کا گھر تھا جو تھوڑا پرانا تھا مگر کافی اچھا تھا۔۔اسے رینوویشن کروا کر بہتر بنایا جا سکتا تھا۔۔

زاران ڈرایئگ روم میں بیٹھا زحلے خاتون کا انتظار کر رہا تھا۔۔گیٹ ایک چھوٹی سی بچی نے کھولا تھا جو اسے ڈرائینگ روم میں بٹھا کر چلی گئی تھی۔۔

ڈرائینگ روم مین ایک خوبصورت نقوش والی خاتون داخل ہوئیں۔جس نے بہت اچھی طرح سر پر دوپٹہ جما کر رکھا تھا۔۔

زاران انھین دیکھ کر کھڑا ہوا تھا۔۔

کون ہیں بیٹا آپ میں نے آپ کو پہچانا نہیں آپ کو۔۔زحلے زاران کو حیرانگی سے دیکھتے ہوے پوچھا۔۔

آپ کا نام زحلے ہے۔۔زاران نے صوفے سے کھڑے ہوتے انھیں سلام کرنے کے بعد پوچھا۔۔

ہاں میں ہی زحلے ہوں ۔۔زحلے نے حیرانگی سے کہا۔۔

وہ لوگ اسلام آباد میں کسی کو بھی نہین جانتے تھے۔۔سوائے ابرش کے تایا کی فیملی کے علاوہ۔۔۔وہ لوگ بھی اسی سوسائٹی میں رہتے

تھے۔۔جن کے گھر کے ہر فرد سے ان کی ملاقات ہو چکی تھی بلکہ ان لوگوں کا کافی آنا جانا بھی تھا۔۔مگر اپنے سامنے کھڑے انسان کو انہوں نے نہیں ڈیکھا تھا۔۔اور زاران خان کی پرسنیلٹی سے بھی نہ کافی مرعوب ہو گئی تھیں۔جو ابرش کے تایا کی فیملی سے بلکل نہیں لگ رہا تھا۔۔اس کی پرسنیلٹی اور رعب و دبدبہ سے ظاہر ہو رہا تھا وہ بہت اونچے گھرانے سے ہے۔

میں زاران خان زاران اربد خان سمیع اللہ خان کا پوتا۔ ۔زاران کے تعارف کروانے پر زحلے خاتون کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ ۔اس سے پہلے وہ گرتی زاران خان نے آگے بڑھ کر انھیں سہارا دیا تھا۔ ۔

آپ ٹھیک تو ہیں۔ زاران خان نے زحلے کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

تم تم زاران ہو۔ ۔۔زحلے نے بھرائے لہجے میں پوچھا۔ ۔

جی میں زاران ہوں۔ ۔زاران نے شائستگی سے جواب دیا۔ ۔

زحلے زاران کا ہاتھ پکڑ کر رونا شروع ہو چکی تھیں۔

زاران نے ان کی حالت دیکھتے انھیں بازو سے تھام کر صوفے پر بٹھایا۔ ۔

تم تم زاران ہو۔ ۔وہ ایک بار پھر سے رونا شروع ہو چکی تھیں۔

وہ صوفے پر بیٹھی کافی دیر تک روتی رہیں۔۔زاران خاموشی سے ان کے پاس بیٹھا رہا۔۔

کافی دیر بعد ان کا جی ہلکا ہوا تو انہوں نے زاران کا ہاتھ تھام کر ہاتھ کی پشت کا بوسہ لیا۔

زاران تمھیں تو میں یاد ہوں گی۔جب میں حویلی سے رخصت ہوئی تھی تم آٹھ سال کے تھے۔۔زحلے نے اپنی آنکھیں دوپٹے سے خشک کرتے ہوے کہا۔

جی پھوپھو مجھے یاد ہے۔۔۔زاران نے آہستگی سے کہا۔۔

زحلے پھر سے رونا شروع ہو گئی تھیں۔

بابا بابا کیسے ہیں؟؟۔۔زحلے نے کانپتے لہجے میں پوچھا۔۔

وہ بلکل ٹھیک ہین۔انہوں نے ہی مجھے بھیجا ہے۔۔زاران کے مسکرا کر بتانے پر وہ بے یقین ہوئی تھیں۔

زاران نے ان کا ہاتھ تھام کر انھیں یقین دلایا تھا۔

زحلے خاتون کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوئی تھی۔۔مجھے یقین نہیں آ رہا بابا نے مجھے معاف کر دیا ہے۔۔زحلے ابھی تک بے یقین تھیں۔

زاران مسکراتے ہوے انھیں داجی کے متعلق بتانے لگا۔

ابرش کی گاڑی ابھی ابھی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔۔وہ گیٹ کھلا دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔اپنی گاڑی چھوٹے سے کارپورچ میں کھڑی کرتی وہ گاڑی سے اتری تھی۔۔وہ اس وقت آفس سے آئی تھی۔۔اندر داخل ہونے سے پہلے اس کے قدم رکے تھے۔۔

باہر لان میں کوئی بلیک تھری پیس پہنے آنکھوں پر گلاسز لگائے فون کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھا۔۔

یہ کون موصوف ہیں؟؟ابرش نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔۔

گیٹ کے باہر اس نے بہت بڑی لینڈ کروزر بھی دیکھی تھی۔۔اور ایک اور گاڑی بھی کھڑی دیکھی تھی جس میں دو گارڈز بھی بندوقیں لیے دیکھے تھے۔۔

یہ تایا ابو کے کوئی جاننے والے ہیں کیا؟؟ابرش اب باقاعدہ گھورتے ہوے اس کا موازنہ کر رہی تھی۔۔

زاران خان کو فون پر بات کرتے کسی کی نظروں کا ارتکاز خود پر محسوس ہوا تو زاران نے رخ پلٹتے سامنے نگاہ ڈالی تھی۔

وائٹ کیپری کے ساتھ یلو سٹائلش سے شارٹ کرتے ایک دوشیزہ کو دیکھا جو سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھ کم گھور زیادہ رہی تھی۔۔

زاران نے مسکراتے ہوے اسے ہاتھ سے اسے ہیلو کا اشارہ کیا تو ابرش غصے سے پیر پٹختے اندر کی جانب بڑھ گئی۔۔

زاران حیرانگی سے کندھے اچکا گیا تھا۔

ابرش لاونج میں داخل ہوتے چونکی تھی۔۔ڈھیروں فروٹ کی باسکٹ مٹھائیاں کچھ گفٹ باکسز رکھے تھے ۔ان کا چھوٹا سا لاونج تقریباً بھر گیا تھا۔۔

ماما ابرش نے زحلے خاتون کو پکارا تھا۔۔

زحلے ابرش کی پکار پر کچن سے باہر آئی تھیں۔

ماما یہ سب کیا ہے اور باہر کون ہے۔۔ابرش نے پوچھا تو زحلے کے چہرے پر مسکان چھائی تھی۔۔

ابرش یہ سب زاران لے کر آیا ہے۔۔زحلے نے خوشی سے چہکتے ہوے بتایا۔۔

ابرش زحلے خاتون کو اتنا خوش دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔کون زاران ؟؟ابرش نے نا سمجھی سے پوچھا۔۔

زاران میرا بھتیجا۔۔۔بابا نے بھیجا ہے اسے۔ انہوں نے ہمیں بلایا ہے وہ ہمیں لینے آیا ہے۔۔زحلے کے بتانے پر ابرش کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔۔

او۔۔۔۔۔۔تو آپ کا وہ سوکالڈ بھتیجا اپنی آمارات کا رعب جھاڑنے آیا ہے۔۔یہ سب کچھ لے کر آیا ہے۔۔کیا ہم اس سب کے بھوکے ہیں جو وہ یہ سب لایا ہے۔۔ابرش نے تلخ ہوٹے کہا

ابرش کیا کہہ رہی ہو تم؟؟۔وہ یہ سب کچھ بہت پیار سے لایا ہے۔۔زحلے کے چہرے پر بھی برہمی کا تاثر ابھرا تھا۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں ماما۔۔۔دیکھا میں نے اسے باہر کھڑا بہت شو مار رہا تھا جیسے کسی ملک کا پرائم منسٹر ہو۔۔اور باہر اپنے گارڈ کے ساتھ آیا ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟؟

اسے یہاں ہم سے کوئی خطرہ تھا کیا؟ ؟ابرش نے اپنے حسین نقوش بگاڑے۔۔

ابرش آہستہ بولو وہ سن نہ لے۔۔زحلے نے اسے ٹوکا۔۔

سنتا ہے تو سن لے مائی فٹ ۔۔اب ان لوگوں کو ہماری کیوں یاد آئی ہے۔۔ساری عمر ہمارا پتہ نہیں کیا۔۔

اتنا مشکل اور کڑا وقت گزارا ہم نے۔۔

آپ کے اتنے امیر باپ اور بھائیوں کے ہوتے آپ نے ٹکے ٹکے کی نوکری کی ۔۔تب یہ کہاں تھے؟؟۔۔اب جب ہمیں ان کی ضرورت نہیں تو یہ موصوف آ گئے۔۔۔ڈھیر سارے پھلوں اور مٹھائیوں کے ساتھ۔۔

لگتا ہے آپ سے آپ کے حصے کی جائیداد پر دھوکے سے سائن کروانے کا آرادہ ہے۔۔ماما کہہ دے اس پرنس چارمنگ سے آپ اس کے ساتھ نہیں جائیں گی۔۔اور یہ فروٹ اور مٹھائیاں بھی اپنے ساتھ لے جائے۔۔راستے میں صدقہ خیرات کر لے۔۔ہمیں اس کی خیرات کی ضرورت نہیں۔

وہ یہ سب کسی مستحق کو دے گا تو اس پر خدا کی سلامتی بنی رہے گی۔۔پھر اسے اپنے ساتھ گارڈز رکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔

ابرش اونچا اونچا ایک ہی سانس میں بنا رکے بول رہی تھی۔۔۔ڈھیر سارا فروٹ اور مٹھائیاں دیکھ کر ابرش کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔

ابرش ۔۔۔زحلے خاتون نے اسے بے بسی سے پکارا۔۔

ماما پلیز مجھے اب آپ لیکچر مت دیجیے گا کہ آپ کے بھائی اور بابا بہت اچھے ہیں۔

آپ کے بابا بلکل اچھے نہیں ہیں۔نہ ہی آپ کے بھائی اچھے ہیں۔وہ لوگ خود غرض مطلبی ہیں۔چھوٹے دل کے مالک بڑے لوگ۔۔آپ کی ایک غلطی معاف نہ کرسکے۔۔۔

مجھے تو سمجھ نہیں آتا خدا ایسے لوگوں کو کیسے اتنا نواز دیتا ہے جو اس قابل بھی نہیں ہوتے کمزرف لوگ سطی اور خود غرض مطلبی لوگ۔۔۔

اور یہ زاران خان انتہائی سطی ٹائپ کا مرد لگا ہے ۔بلکل ویسا جیسے میں نے آپ کو ریسرچ سے بتایا کہ یہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔

کیا کہتی تھیں آپ؟؟

یہ لوگ عورتوں کو بہت عزت دیتے ہیں۔باہر جس طرح مجھے گھور رہا تھا اندازہ ہو رہا تھا کتنی عزت دیتے ہیں یہ لوگ۔۔اپنے گھر کی عورت کو پردہ کرواتے ہیں مگر باہر کی عورتوں کو اوپر سے نیچے تک اپنی غلیظ نگاہوں سے گھورنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔۔ابرش کو اس کی نظریں یاد آئیں تھیں جو اس نے اس پراوپر سے نیچے تک ڈالی تھیں۔پہلے اس کا اگنور کرنا گراں گزرا تھا پھر اس کا دیکھنا سخت ناگوار گزرا تھا۔جو بھی تھا اسے زاران خان ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔۔

آپ تو بتاتی تھیں آپ کے بھائی اور بابا بہت بہادر ہیں۔ آپ کے علاقے کے لوگ بہت بہادر ہیں۔مگر یہ موصوف تو بہت ڈرپوک واضح ہوے ہیں۔ اپنے ساتھ گارڈز لے لے کر پھرتے ہیں۔۔۔۔ب۔۔۔ل۔۔۔ڈ۔۔۔ی۔۔۔اجڈ گنوار۔۔۔۔۔سنکی۔۔۔۔جاہل۔۔۔خا۔۔۔۔

ابرش نے غصے سے بولتے ہوے زحلے خاتون کو دیکھا جو سرخ رنگت کے ساتھ داخلی دروازے کی طرف نگاہ کیے سانس روکے کھڑی تھیں۔

ابرش نے ان کی نظروں کے ارتکاز میں دیکھا تو اس کا رنگ بھی سرخ پڑا تھا۔۔

داخلی دروازے کے بیچ وبیچ زاران خان کھڑا تھا۔۔جس کا چہرہ بے انتہا سرخ پڑ رہا تھا۔۔ہونٹ بھینچے ہوے تھے۔

اس کے چہرے کے تنے ہوے سرخ نقوش سے صاف پتہ چل رہا تھا وہ سب کچھ سن چکا ہے۔

زاران بیٹا آؤ اندر آؤ رک کیوں گئے ہو۔۔زحلے شرمندگی سے بولیں۔

ابرش رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔۔سامنے کھڑے انسان کے ایکسپریشن دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کے دل کی دھڑکن معدوم ہوئی تھی۔دوسرے لمحے وہ نارمل ہو گئی تھی۔۔اسے اس کی

کیا پرواہ؟؟ وہ کچھ بھی سوچے کچھ بھی محسوس کرے۔۔۔ بھلا اس کی جان کو کیا پرواہ۔۔۔۔

زاران اپنے تاثرات پر قابو پاتے اندر داخل ہوا۔۔

زاران بیٹا تم بیٹھو میں تمھارے لیے کچھ پینے کو لاتی ہوں۔زحلے کو کچھ سمجھ نہ آیا تو اپنی خفت مٹانے کو کچن کی طرف چل پڑی تھیں۔۔

ابرش زاران کو ایک نظر دیکھتے اسے نظر انداز کرتے آگے کی جانب بڑھی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کی وحشی گرفت میں اپنی کلائی دیکھ کر ابرش کی آنکھیں خطرناک حد تک کھل گئی تھیں۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔جس نے اس کی کلائی کو اتنی زور سے جھٹکا دیا تھا کہ وہ اس کے سینے کے ساتھ آ لگی تھی۔۔

ابرش کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔یہ پہلی دفعہ تھا وہ کسی مرد کے اتنے قریب ہوئی تھی۔۔امریکہ جیسے ملک میں بھی اس نے کسی کو اتنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔۔لیکن اس کے کلائی جھٹکے سے کھینچنے پر وہ جس طرح اس کے سینے کے ساتھ لگی تھی۔۔ابرش کو خفت میں مبتلا کر گیا تھا۔مگر مقابل کو اندازہ نہ تھا وہ کس پوزیشن میں اس کے سینے کے ساتھ ٹچ ہوئی ہے۔۔کیونکہ اس کی آنکھوں میں غصے کی شدید لہریں دیکھائی دے رہی تھیں۔جس سے اس کا سنجیدہ چہرہ مزید سنجیدہ ہو چکا تھا۔۔باہر لان میں اس کے چہرے پر سرخی تھی۔مگر یہاں تو اس کی آنکھوں میں بھی سرخی کا عنصر شامل تھا۔اس نے اس سے پہلے کبھی کسی مرد کی سرخ آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔

زندگی میں پہلی مرتبہ ابرش کو کسی سے خوف محسوس ہوا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باہر کی عورت میں دیکھنے کے لیے کچھ تو خاص ہونا چاہیے۔۔اور تمھیں خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔۔زاران خانزادہ اس کے بدن پر اپنی گہری نظریں جمائے بولا۔ ۔ابرش اس کی نگاہوں کا مرکز محسوس کر کے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی.

Khansada_swag🔥🔥🔥🔥🔥

ہاؤ ڈیر یو ٹچ می۔۔آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔

ابرش نے غصے سے بولتے ہوے اپنی کلائی اس کی گرفت سے کھینچی۔۔

زاران خانزادہ نے پہلے سے بھی زیادہ اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔۔اس بار ابرش نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر جماتے ہوے اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ قائم کیا۔۔

تم جتنی بدتمیز ہو تمھارے منہ سے آپ سن کر میں حیران ہوا ہوں۔۔زاران طنزیہ مسکرایا۔۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔ابرش نے غصے سے پوری قوت سے اپنی کلائی اس کی گرفت سے کھینچی تھی۔۔جسے وہ چھوڑنے کو تیار ہی نہ تھا۔۔

ہم لوگ اجڈ، گنوارُ جاہل ,سنکی ہیں تو تمھیں چھونے کے لیے ہمت کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ سنکی اور گنوار ہونا ہی کافی ہے۔۔میں ایک سطی سوچ والا گھٹیا مرد ہوں۔جو اپنی عورتوں کو چھوڑ کر باہر کی عورتوں کو ایسے ہی چھوتا ہے ایسے ہی دیکھتا ہے۔۔زاران اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غرایا تھا۔۔

ابرش اس کی بدتمیزی پر بے یقینی سے اسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کوئی کیسے پہلی ملاقات میں اتنا بدتمیز اور سٹریٹ فارورڈ بھی ہو سکتا ہے؟؟؟۔وہ بھی کسی لڑکی کے ساتھ کوئی کیسے اتنے جاہلانہ طریقے سے پیش آ سکتا ہے؟؟۔۔

وہ جو اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ ایک ایک بات سچ ثابت کر چکا تھا۔ وہ واقعی میں اجڈ گنوار دیہاتی تھا۔ ۔جسے بات تک کرنے کی بھی تمیز نہ تھی۔ اس کی پرسنلیٹی کا اچھا ہونا صرف اس کے بے تحاشا پیسے کی وجہ سے تھا۔ ۔اس کے اونچے خاندان کی وجہ سے تھا۔ورنہ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ وہ شہد رنگ آنکھیں اس پر گاڑھے سوچ رہی تھی۔

ابرش کی شہد رنگ آنکھوں میں پھیلی بے یقینی اور تحیر دیکھ کر وہ استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔ ۔ابھی تو اس نے اس اجڈ گنوار اور سطی ٹائپ مرد کی آج اچھی طرح پہچان کرنی تھی تاکہ آئیندہ یہ بدتمیز لڑکی کسی کے متعلق بات کرتے ہوے سو بار سوچے۔ وہ اسے معاف کرنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔

زاران خانزادہ نے ابرش کو اب کی بار اس کے بازو سے پکڑتے مزید اپنے قریب کیا۔۔وہ اب اس کے اتنے قریب تھی کہ دونوں کے بدن سے اٹھتی دلفریب مہک تک دونوں محسوس کر سکتے تھے۔۔

ابرش نے اپنی شہد رنگ خوبصورت بڑی بڑی آنکھیں زاران خانزادہ کے وجیح چہرے پر جمائی ہوئی تھیں۔۔جس پر طیش و اشتعال واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔۔ابرش خوف سے جھرجھری لے کر رہ گئی۔۔

وہ اس کی آنکھوں میں چھائی اپنے لیے ناگواری اور ڈھیر ساری ناپسندیدگی محسوس کر چکا تھا۔۔اور یہ بھی کہ وہ اس کے لیے بولے گئے اپنے لفظوں پر مزید اپنا یقین پختہ کر چکی ہے۔۔مگر زران

خانزادہ اپنا بدلہ پورا کیے بغیر کسی کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرتا تھا۔ ۔یہی اس کی فطرت تھی۔ ۔

زاران نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں پھیلے استعجاب کو نظر انداز کرتے اسے اپنے مزید قریب کیا۔۔وہ اب اس کے اتنی قریب تھی کہ وہ مزید اس کو جھٹکا دیتا تو ابرش کے لب اس کی گردن کو ٹکرا جاتے۔۔

ابرش کی آنکھیں مزید کھل گئی تھیں۔۔وہ اس کی گرفت میں اب ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔اس سے پہلے وہ اسے اس کی بدتمیزی پر اس کے چودہ طبق روشن کرتی۔۔زاران خانزادہ کی صور پھونکتی دہشت ناک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔۔

باہر کی عورت میں دیکھنے کے لیے کچھ تو خاص ہونا چاہیے۔۔اور تمھیں خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔۔زاران خانزادہ اس کے بدن پر اپنی گہری نظریں جمائے بولا۔ ۔ابرش اس کی نگاہوں کا مرکز محسوس کر کے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔

۔

تمھارے پاس حسن کی کمی نہیں ہے اور جو تمھارے پاس ہے تم اس کی بھر پور نمائش کرنا بھی جانتی ہو تو تمھیں کیسے کوئی مرد بنا دیکھے چھوڑ دے گا۔ ۔۔ہاں بولو جواب دو۔ ۔زاران ابھی بھی اس کے بدن کو اپنی شعلہ بار نگاہوں کی گرفت میں لیے ہوے تھا۔۔اس کا بازو ابھی بھی اس کی وحشی گرفت میں تھا۔

اس نے ایک بار بھی ابرش کے چہرے پر نظر نہیں ڈالی تھی ۔۔۔یہی بات ابرش کے لیے کافی انسلٹنگ تھی۔وہ اس کو خوبصورت کیوں کہہ رہا تھا ابرش کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔۔ابرش کو آج پہلی دفعہ اپنے حلیے پر شرم آئی تھی۔

تم نے میرے بارے میں جو کہا مجھے فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ تم جیسی لڑکی کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔جسے بات کرنے کی تمیز نہ ہو۔۔

مگر تم نے میرے گھر والوں کے بارے میں جو کہا ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔یہ ان لوگوں کی تربیت ہے میں تمھاری فضول باتیں سن کر بھی یہاں پر موجود ہوں کیونکہ میں بڑوں کی

عزت کرنا جانتا ہوں۔میں صرف زحلے پھوپھو کی وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں ۔۔

زاران نے ایک ہی جھٹکے میں اسے چھوڑا تھا۔۔

تمھاری تربیت میں نے تمھاری آنکھوں میں دیکھ لی ہے اور تمھارا لب و لہجہ بھی چیخ چیخ کر بتا رہا ہے۔ تمھاری تربیت اصل میں کس انداز میں ہوئی ہے۔جس طرح تم عورتوں کو دیکھتے ہو۔۔اس سے بھی پتہ چلتا ہے تم کہاں سے بلونگ کرتے ہو۔

تمھیں بات کرنے کی تمیز تو دور کی بات دیکھنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔۔ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے جوابی کاروائی کرتے اپنا حساب برابر کیا تھا۔اس کی آج تک کسی نے اتنی انسلٹ

نہیں کی تھی۔جتنی سامنے کھڑے اس انسان نے دو منٹوں میں کر دی تھی۔وہ توہین و خجالت کے مارے بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔

اب کی بار ابرش نے اسے آپ کہنے سے بھی گریز کیا تھا۔

ویسے بھی اس کے نزدیک یہ انسان عزت دینے کے قابل ہی نہ تھا۔۔

تم نے جس طرح کی ڈریسنگ کر کے رکھی ہے تمھیں لگتا ہے تمھارے لیے میری نظروں میں عزت ہونی چاہیے۔۔اس نے طنزیہ نگاہ اس کی باریک سی شرٹ پر ڈالی۔جس میں اس کے بدن کی رعنائیاں کچھ حد تک واضح ہو رہی تھیں۔

ابرش اس کی طنزیہ نگاہوں پر دانت پیس کر رہ گئی تھی۔جی کیا تھا اسے اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دے۔۔مگر باہر کھڑے گارڈ نے اس کی سوچوں پر پانی پھیر دیا تھا۔۔شائد یہ گارڈ لایا ہی اس لیے ہے۔۔ابرش نے اس کے سرخ و سفید چہرے پر نظریں جمائے دانت پیسے تھے۔

اچھا چھوڑو یہ بتاؤ ابھی تم باہر سے آ رہی ہو۔ مجھے بتاؤ تمھیں دیکھ کر کتنے لوگوں نے نظریں جھکائی تھیں۔زاران کے سوال پر اس کا سرخ چہرہ لہو چھلکانے لگا تھا۔۔اس نے آج سے پہلے تو یہ بات کبھی سوچی نہیں تھی۔واقعی میں آفس میں بھی ہر ایک انسان اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا اپنا فرض سمجھ رہا تھا۔۔

زاران اس کے چہرے کی بڑھتی سرخی دیکھ کر استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا۔۔

لگتا ہے تمھیں صرف میرے ہی نظریں بری لگی ہیں۔یا پھر کہہ سکتا ہوں تمھیں اپنے اوپر ہر نظر اٹھتی گورا ہے۔۔سوائے ایک خان کے۔۔۔

دیکھو مسٹر اب تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ابرش نے اس کی طرف انگشت شہادت کی انگلی اٹھاتے اس کی بات کاٹی۔

تمھارے امریکہ میں ہوتا ہو گا۔ وہاں نکاح کے بغیر بھی لوگ رہ لیتے ہیں۔ مگر یہاں باپ کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کو بھی

جائز نہیں سمجھا جاتا۔۔زاران نے اس کی انگلی اپنے ہاتھ سے پکڑ کر نیچے کی تھی۔اور نظروں میں واضح اشارہ دیا تھا اب اس نے ایک بار اور انگلی اٹھائی وہ توڑ دے گا۔۔ابرش بے بسی کے احساس سے لب کچل کر رہ گئی۔

میں کہنا تو نہیں چاہتا مگر تم نے مجھے مجبور کیا ہے میں یہ سب کہوں۔۔زحلے پھوپھو کی ایک غلطی نے داجی کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔۔وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔یہاں آج بھی ایک عورت کے نکاح کا حق اس کے باپ بھائیوں کو ہے۔۔اگر کوئی عورت اپنی حد تجاوز کرتی ہے بدلے میں اس کی جان لینے کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔۔کیونکہ اپنی عزت پر کوئی آنچ برداشت نہیں کر سکتا۔۔میرے داجی نے تو زحلے پھوپھو کی نہ صرف غلطی

معاف کی بلکہ بہت عزت اور احترام سے انھیں گھر سے رخصت کیا تھا۔ایک انگلی تک اٹھانے نہ دی کسی کو ان پر۔۔

زحلے پھوپھو کی غلطی چھوٹی نہیں تھی جو بھول جانا آسان ہوتا۔۔ان کی ایک غلطی کی سزا نہ صرف داجی کو ملی بلکہ تم لوگوں کو بھی ملی۔۔

نکاح کا فیصلہ داجی کی مرضی سے ہوتا تو آج زحلے پھوپھو خوش ہوتیں۔۔زاران کی باتوں پر ابرش کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔وہ سمجھتی تھی وہ شائد ٹھیک کہہ رہا ہے۔مگر اس کی باتوں سے روائتی پن صاف جھلک رہا تھا۔۔ابرش کے نزدیک وہ

واقعی میں ایک سطحی مرد تھا جو آج بھی فرسودہ روایات میں جکڑا ہے۔

دوسرا ہم خان واقعی میں سر پھرے ہوتے ہیں۔دوسروں کو دو منٹ میں اس کی اوقات یاد دلا دیتے ہیں۔۔کوشش کرنا میرے سامنے آئیندہ مت آنا ورنہ ہم اصل میں کیسے ہیں۔۔تمھیں بتانے میں پل نہیں لگاؤں گا۔۔

میں روز صدقہ خیرات دے کر ہی گھر سے باہر نکلتا ہوں۔مگر صرف آج دینا بھول گیا تھا اور آج ہی میرا تم سے پالا پڑ گیا۔۔

زاران خان اپنی بات مکمل کرتا رکا نہیں تھا۔۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔۔اس کی بھاری قدموں کی دھمک ابرش کو کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔۔اس کا غصہ تو اس کے قدموں کی دھمک میں بھی جھلک رہا تھا۔۔اتنا غصیلہ مرد اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

ابرش کا رنگ احساس توہین کے مارے سرخ پڑ رہا تھا۔اتنی انسلٹ۔۔۔وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کبھی کوئی اس کی اتنی انسلٹ کرے گا۔وہ بھی ایک خان۔۔۔۔

سچ میں اجڈ گنوار ہے۔۔جسے نہ بات کرنے کی تمیز ہے دیکھنے کی۔۔میری ریسرچ بلکل ٹھیک تھی۔۔اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے

اس کے باقی گھر والے کیسے ہوں گے۔۔وعدہ ہے میرا تم سے زاران خانزادہ میں کبھی تمھارے سامنے نہیں آؤں گی۔۔ابرش غصے سے بولتے اپنی مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔۔زحلے ابرش کی اونچی آواز سنتے کچن سے باہر آئیں۔۔

ابرش زاران کہاں گیا ؟؟زحلے نے ابرش سے پوچھا۔۔

ابرش وہاں پر رکی نہیں تھی۔۔وہ بنا کوئی جواب دیے پیر پٹختی غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔۔۔۔

زاران کا اپنے فلیٹ میں آنے کے بعد بھی غصہ اتر نہیں رہا تھا۔۔وہ زحلے خاتون کو لیے بغیر ہی آ گیا تھا۔کچھ دن پہلے

امپورٹنٹ کنٹریکٹ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا. کمپنی میں اپنے ایک بہت پرانے وفادار ایمپلائے نے ان لوگوں کو چیٹ کیا تھا ان کی اسی کنٹریکٹ کی تمام پرسنل ڈٹیلز اس نے کسی دوسری کمپنی کو فراہم کی تھی۔۔اسے یہی خبر آج ملی تھی۔وہ جو پہلے ہی تپا ہوا تھا ابرش کی باتوں پر اسے مزید غصہ آ گیا تھا۔۔اس نے جو داجی کے متعلق کہا اسے برداشت نہیں ہوا تھا اور جب اس نے کہا وہ اسے غلیظ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اس بات نے اس کے اندر تندو تیز بھانبھڑ جلا دیے تھے۔

وہ جس حلیے میں تھی اس کی نظریں بے اختیار اس پر ٹھہر گئی تھی۔۔پہلی نظر بے اختیار اٹھی تھی۔ دوسری نظر میں صرف اس

کے لیے ناگواریت اور ناپسندیدگی تھی ۔۔جسے پتہ نہیں وہ کیا سمجھ بیٹھی تھی۔۔

وہ غصے سے صوفے پر بیٹھا اپنی جان جلا رہا تھا۔ ابرش کے لیے اس کی ناپسندیدگی بہت بڑھ گئی تھی۔۔

زاران خان اس وقت وائٹ وائٹ ٹراوزر اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ابھی ابھی شاور لیا تھا۔۔اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوے وہ ابرش کی فضول باتوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔۔کوئی اتنا بدتمیز کیسے ہو سکتا ہے۔ان کے خاندان کی لڑکیوں کی آواز نہیں نکلتی تھی۔۔یہ نہیں تھا وہ کوئی دقیانوسی مرد تھا۔۔عابیر اس کی بہن ہر ٹاپک پر اس سے بات کر لیتی تھی۔یہاں تک کہ اس کا نکاح نہ ہوتا تو وہ اسے امیریکہ کی یونیورسٹی میں تعلیم دلوانے

کا آرادہ رکھتا تھا۔مگر اس کی گھر کی عورتیں کب ایسے چیخ چیخ کر غیر مردوں کے متعلق بات کرتی تھیں۔وہ بھی بنا سوچے سمجھے کسی کے کردار کی بخیے ادھیڑنا۔۔۔زاران نے اپنے عنابی لب سختی سے اپنے دانتوں میں پیوست کیے۔۔

وہ اس بدتمیز جاہل لڑکی کے متعلق مزید سوچنا نہیں چاہتا تھا۔وہ اتنی امپورٹنٹ نہیں تھی کہ زاران خانزادہ اس کے متعلق سوچ کر اپنا وقت برباد کرتا۔۔۔اس کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔

اس نے غصے میں اپنا لیپ ٹاپ آن کیا۔۔اپنے آفس سے ریلیٹڈ کام کرنا شروع کر دیا۔۔کام ہی اس کا سٹریس اور غصہ ختم کرتا تھا۔۔

وہ لیپ ٹاپ پر بھی کام کرتے ہر تھوڑی دیر بعد اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر اپنے اشتعال کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔اس لڑکی کی زبان کافی زہریلی تھی۔۔زاران کے کانوں میں پھر سے اس کے الفاظ گونجے تھے۔زاران غصے سے دانت کچکچا کر رہ گیا تھا۔

دفعتًا زاران کے لیپ ٹاپ پر اسفند یار کی ویڈیو کال آنا شروع ہوئی

۔

بس اس کی کمی تھی۔۔زاران غصے سے بڑبڑایا۔۔اسے جب جب غصہ آتا تھا اسفند یار کو دیکھ کر اس کا غصہ اور بڑھ جاتا تھا یا یوں کہہ سکتے ہیں وہ اپنا سارا غصہ اسفند یار پر اتار دیتا تھا۔۔

اسی لیے اب اس کے فون پر جھنجھلا کر رہ گیا۔

کچھ سوچ کر اس کے لب کمینگی سے مسکرائے تھے۔۔اسے اپنا غصہ نکالنے کا ذریعہ مل گیا تھا۔۔

زاران نے کال اٹینڈ کر کے غصے سے اسفند کو ہیلو کہا۔۔

اسفند یار زاران کو غصے میں دیکھ کر چونکا تھا۔۔

دوسرے ہی پل وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔

چل بول جو بھی بولنا ہے۔۔میں تیار ہوں سننے کو۔۔اسفند یار نے سنجیدگی سے کہا۔۔

زاران لب بھینچے کافی دیر تک اسے گھورتا رہا۔۔پھر دونوں کا مشترکہ قہقہ گونجا تھا۔۔

قسم سے تو آج یہاں پر ہوتا تو بہت پٹتا میرے ہاتھوں سے۔۔زاران نے صوفے کے ساتھ ٹیک لگاتے کہا۔۔

جوابًا تو بھی پٹتا بھول گئے میرے ہاتھوں کے مکے۔۔اسفند یار کی بات پر زاران نے اپنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔سچ میں بہت بھاری ہاتھ ہے تیرا۔۔زاران نے معصومیت سے منہ بنایا تو اسفند یار گہرا مسکرایا تھا۔۔زاران کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔۔جتنا بھی غصہ ہو اسفند یار کو دیکھ کر اتر جاتا تھا۔۔

اب بتا کیا مسئلہ ہے۔؟؟کیا تم اس کنٹریکٹ کو لے کر پریشان ہو جو ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔۔اسفند یار سنجیدہ ہوا تھا۔۔

نہیں میں بزنس کے نقصانات کا زیادہ نہیں سوچتا۔۔مجھے غصہ سرفراز پر ہے جس نے ہمیں دھوکہ دیا۔۔اب ساری عمر جیل میں

سڑے گا۔۔ایسا کیس بناؤں گا میں اس پر وہ کبھی جیل سے باہر نہیں نکل سکے گا۔زاران کی آواز میں غراہٹ نمایاں تھی۔۔

زاران اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔۔جتنی اس کی سزا بنتی ہے وہ کافی ہے اس کے لیے۔۔اسفند یار نے زاران کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھتے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔۔

یہ بات اسے سوچنی چاہیے تھی۔۔ہماری کمپنی کی طرف سے اسے گھر اچھی سیلری یہاں تک کہ گاڑی تک ملی ہوئی تھی۔۔کس مجبوری کے تحت اس نے یہ کیا۔۔

اب اس کی لالچ کو ڈیفنڈ نہ کرنا میرے سامنے،،ورنہ بہت برا پیش آؤں گا۔۔زاران نے غصے سے تنبیہ کی۔اس نے دھوکہ دیا ہے مجھے یعنی زاران خانزادہ کو۔۔۔ اور تو چاہتا ہے میں اسے چھوڑ دوں۔تو

اچھی طرح جانتا ہے میرا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔۔میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔۔زاران انگاروں کی تپش لیے بولا۔۔

اسفند زاران کی بات پر لب بھینچ گیا تھا..وہ جانتا تھا زاران جو کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ ۔وہ اپنی بات اور آردوں کا بہت پکا تھا۔اسے سمجھانا بیکار تھا۔ ۔الٹا وہ اسی کے ساتھ ہی الجھ پڑتا۔

اچھا چھوڑ یہ بتا تو آج زحلے پھوپھو کی طرف گیا تھا۔ کیا ہوا ملاقات ہوئی ان سے۔۔اسفند کے پوچھنے پر زاران کے بھنچے ہوے لب مزید بھینچ گئے تھے۔زاران نے جھنجھلاتے ہوے ٹیبل پر مکہ دے مارا۔۔

اب کیا ہوا؟؟اسفند زاران کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔جو یکدم ہی سرخی چھلکانے لگا تھا۔

زاران نے ایک ایک بات اس کے گوش گزار دی تو اسفند نے بہت مشکل سے اپنی مسکراہٹ دبائی۔۔

میں نے تجھے گھٹیا جوک نہیں سنایا جو تو اپنی ہنسی ظبط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔۔

زاران نے چڑتے ہوے کہا۔۔

مجھے تو بس اسی وجہ سے ہنسی آ رہی ہے محترمہ کو خان سے کیوں الرجی ہے۔۔اسفند اب کی بار کھل کر مسکرایا تھا۔

یکدم اسفند کی آنکھوں کے سامنے ابرش کا چہرہ آیا تھا اس کے مکمل تعارف پر کیسے اس کے حسین چہرے پر ناگواری کے تاثرات

چھائے تھے۔۔اس دن کے بعد اس کی ابرش سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔نہ ہی اس کے پاس اس کا کانٹیکٹ نمبر تھا۔

کہاں کھو گیا؟؟ زاران نے گلہ کھنکار کر اسفند کو متوجہ کیا۔۔کہیں نہیں تو بتا وہ حسین تھی کیا؟؟اسفند اپنے اندر کے اضطراب پر قابو پاتے بولا۔۔

حسین نہیں حسین بلا تھی۔۔زاران نے لب بھینچے کہا۔۔

کیا واقعی حسین تھی؟؟اسفند کی آنکھوں میں چمک ابھری ۔۔۔لہجہ شرارتی ہوا۔

بلا کہا ہے اور بلائیں کیا حسین ہوتی ہیں؟؟۔زاران نے منہ بناتے ہوے کہا اور لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔۔نظروں کے پردوں پر

ابرش کا حسین چہرہ لہرایا تھا۔۔جس نے اس کے اندر تک کڑواہٹ بھر دی تھی۔

آج ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا زحلے نے ابرش سے بات نہیں کی تھی۔۔

ابھی بھی وہ آفس سے آتے ہی کچن میں کھڑی زحلے خاتون کے ساتھ پیچھے سے لپٹ گئی تھی۔۔پچھلے ایک ہفتے سے وہ ان کی بے رخی سہہ رہی تھی۔۔وہ اس کے گھر میں موجود ہونے پر کمرے سے ہی باہر نہ آتی تھیں۔

ابرش کو لگا تھا وہ ہمیشہ کی طرح ایک دو دن بعد ٹھیک ہو جائیں گی۔مگر اس بار ان کی ناراضگی طویل ہوتے دیکھ کر آج وہ انھیں منانے آئی تھی۔

زحلے اس کے ہاتھ جھٹکتے کچن سے باہر نکل آئی۔۔

ماما اب کتنے دن مجھ سے ناراض رہنے کا آرادہ ہے ۔اب اپنے بھتیجے کی وجہ سے کیا ساری عمر مجھ سے بات نہیں کریں گی۔۔ابرش ان کے پیچھے لاونج میں آتے جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔۔

لاونج میں صوفے پر بیٹھا آہل ٹی وی دیکھتا مسکرا گیا تھا۔بلکل ماما کو تم سے اب کبھی بات نہیں کرنی چاہیے جو تم نے کیا ہے ابرش وہ بہت غلط کیا ہے۔۔اہل اپنی مسکراہٹ دباتا بولا تو ابرش اسے گھور کر رہ گئی تھی۔۔

آہل شرم کرو تم مزید آگ مت لگاؤ۔۔اور کتنی بار کہا ہے مجھے آپی کہہ کر پکارا کرو۔۔بڑی ہو تم سے۔۔۔

ابرش نے غصے سے اسے ٹوکا۔۔

صرف ایک سال بڑی ہو اور دیکھنے میں تم پانچ سال سال بڑا لگتا ہوں ۔آہل اس کے نازک سے سراپے پر چوٹ کرتا بولا۔۔

دوسرا میری پیاری آپی جان کیوں شرم کروں آگ لگانے والا کام تم نے کیا ہے۔گھر آئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں ۔ویری بیڈ ابرش۔۔۔ ماما نے تمھاری تربیت ایسے نہیں کی تھی۔۔

آہل میں تمھاری جان لے لوں گی۔۔اب تم نے مزید بکواس کی۔۔آہل کو نان سٹاپ بولتا دیکھ کر ابرش غصے سے چیخی ۔۔

کیا غلط کہہ رہا ہے وہ،، بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا ہے۔۔میں نے تمھاری ایسی تربیت تو نہیں کی تھی کہ تم گھر آئے مہمان کے لیے یہ نازیبا الفاظ استعمال کرو۔۔مجھے زاران کے سامنے کتنی شرمندگی ہوئی میں بتا نہیں سکتی۔جسے تم سطی گھٹیا کہہ رہی تھی وہ اتنا سب کچھ سن کر خاموشی سے چلا گیا۔۔یہ ہوتی ہے تربیت جو میرے بابا نے اس کی۔۔اور میری تربیت بھی اس نے دیکھ لی۔زحلے خاتون نے ابرش کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔

زحلے خاتون کی بات پر ابرش غصے سے لب بھینچ گئی تھی۔۔وہ اب زحلے کو کیا بتاتی ان کا وہ بھتیجا اسے کتنی باتیں سنا کر گیا ہے۔۔جس تربیت پر وہ فخر کر رہی ہیں۔کیسے بنا لحاظ کیے اس پر طنز کے تیر چلا کر گیا ہے اور اس کے دیکھنے کے انداز پر ابرش نے جھر جھری لی

تھی۔اجڈ گنوار سنکی جاہل وحشی۔۔یہ ساری باتیں زاران خان کی پرسنیلٹی کو سوٹ کرتی ہیں۔ابرش ناگواری سے اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔

ماما آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔۔میں تو صرف آپ سے بات کر رہی تھی۔ابرش نے وضاحت دی۔

تم مجھ سے بات ہی کیوں کر رہی تھی ابرش؟؟زحلے نے اس کی بات بیچ میں ٹوکی۔

مجھے ایک بات بتاؤ ابرش میں نے کب آپ لوگوں سے کچھ چھپایا ۔۔میں نے تم سب کو بتا دیا تھا کہ دھوکہ میں نے اپنے بھائیوں اور

بابا کو دیا۔۔میں نے بغیر بتائے کسی سے نکاح کیا۔۔اس سب میں وہ سب غلط کیسے ہو گئے۔۔اگر انہوں نے رابطہ نہیں کیا۔۔میں نے بھی کبھی ان سے رابطہ نہیں کیا۔۔اس سب میں ان لوگوں کا کیا قصور۔تم ہر بار ان سب کو کیوں قصور وار ٹھہراتی ہو؟؟زحلے غصے سے بولتے رکی تھیں۔ابرش کی بدتمیزی یاد آئی تھی جو اس دن اس نے کی تھی اور زاران کا سرخ چہرہ بھی۔۔۔زحلے کا پارہ مزید ہائی ہوا تھا۔اس لیے پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں مخاطب ہوئیں۔

لیکن تم ہر بار اس طرح کی باتیں کرتی ہو۔۔کاش زاران ادھر آتا ہی ناں جو سلوک تم نے کیا ہے وہ مجھے بھول ہی نہیں رہا زحلے خاتون کی آواز بھرا گئی تھی۔۔

ماما آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔۔۔مجھے آپ کا رات رات بھر رونا یاد آتا ہے۔آپ کا جگہ جگہ بے حجاب نوکری کرنا یاد آتا ہے۔۔آپ گھر میں ہمارے سامنے بھی سر سے دوپٹہ نہیں اتارتی تھیں۔۔مگر جاب پر جب بے حجاب جاتی تھیں۔تو آپ کی وہ سرخ آنکھیں میں نہیں بھول سکتی۔۔

جب پاپا آپ پر ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ کی وہ بے بسی یاد آتی ہے۔جب آپ تایا ابو سے فون پر پیسے مانگتی تھیں۔ وہ سب مجھے یاد آتا ہے۔۔مجھے تب آپ کے بابا اور بھائیوں کی بے حسی پر غصہ آتا تھا کہ وہ کیسے آپ کو بھول سکتے ہیں۔جب کہ وہ اتنے پیسے والے ہیں۔

جب میں نے آپ کے بھتیجے کے ٹھاٹھ دیکھے تو مجھے اس پر غصہ آ گیا۔۔ابرش نے نم آنکھوں سے وضاحت دی۔

بس کر دو ابرش یہ جتانا کہ تمھیں میری فکر ہے۔۔اس دن میں کتنی خوش تھی تم نے ایک بار بھی میری خوشی کا خیال نہیں رکھا۔

میں پچھلے ایک ہفتے سے رو رہی ہوں۔۔تم نے ایک بار بھی میرے کمرے میں جھانکا تک نہیں۔آج تمھیں ایک ہفتے بعد اپنی ماں کا خیال آ گیا۔۔

میری بہن اور مورے اس دنیا سے چلی گئیں ہیں۔میں کتنی تکلیف میں ہوں۔تمھیں احساس ہے۔

میرا دکھ بانٹنے کی بجائے تم نے وہ سب کیا۔۔

زحلے اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔آہل صوفے سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھا تھا اور انھیں اپنی بانہوں کے حصار میں لیے صوفے پر بیٹھا ساتھ میں وہ ابرش کو گھورنا بھولا نہیں تھا۔۔

ابرش بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گئی تھی۔۔

زحلے کے آنسوؤں میں آضافہ ہوا تو ابرش گہری سانس بھرتی زحلے کی طرف بڑھیں۔۔آئی ایم سوری ماما۔۔۔ میرا ایسا کوئی آرادہ نہیں تھا۔مجھے نہیں پتہ تھا وہ یہ سب کچھ سن لے گا۔ابرش نے ان کے قریب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے ان کے گھٹنے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔۔

مجھے تمھاری معذرت نہیں چاہیے ابرش۔۔۔

میں کچھ نہیں جانتی ابرش۔۔۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے بات کروں اور میرے اور تمھارے درمیان سب ٹھیک ہو جائے تو ہم لوگ اس ہفتے حویلی جائیں گے۔۔

میری بہن ازمارے کی بیٹی کی شادی ہے۔۔بابا کی فون پر مجھ سے بات ہوئی ہے انہوں نے مجھے بلوایا ہے۔۔ ہم جا رہے ہیں۔ تم تمیز کے دائرے میں وہاں رہو گی اور زاران سے معافی بھی مانگو گی۔۔زاران سے معافی مانگنے کی بات پر ابرش بدک کر کھڑی ہوئی تھی۔

ماما میں کبھی اس گنوار اور مغرور انسان سے معافی نہیں مانگوں گی۔۔نہ ہی میں وہاں جاؤں گی۔ابرش کی آنکھوں کے آگے زاران

کا چہرہ آیا تھا۔ ۔اب اس کے حویلی نہ جانے کی وجہ صرف زاران خانزادہ تھا۔جسے وہ اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

آہل نے ابرش کی ڈھٹائی پر اسے غصے سے گھورا تھا جو زحلے کی اتنا رونے کے باوجود بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

ٹھیک ہے اگر تم نے نہیں جانا تو مت جاؤ۔ مگر میرے باقی دو بچے میرے ساتھ جائیں گے اور حویلی میں مجھ سے کوئی پوچھے گا تو کہہ دوں گی کہ میرے دو ہی بچے ہیں۔ زحلے غصے سے بولتے وہاں سے چلی گئی۔۔

آہل بھی ان کی تقلید میں اسے گھورتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ابرش جھنجھلاتے ہوے صوفے پر سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی تھی۔

ایک تو ماؤں کے یہ اموشنل ڈرامے ختم ہی نہیں ہوتے۔۔ابرش نے صوفے سے کشن اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔۔

عنایہ میری جان یہ ٹی وی بند کر دو پلیز یا پھر اس کی آواز سلو کر دو۔۔۔ابرش نے پاس بیٹھی عنایہ سے کہا جو اونچی آواز میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

آپی آپ جانتی ہیں مجھے سلو آواز میں ٹی وی دیکھنا نہیں پسند۔۔عنایہ نے آواز مزید تیز کی تھی۔

عنایہ اٹھو اپنے کمرے میں جاؤ۔۔ جا کر پڑھو۔۔۔ ابرش نے اس سے ریموٹ لیتے ٹی وی آف کر دیا تھا۔۔

آپی آپ مجھے ایسے ڈانٹتی ہیں جیسے میں چھوٹی سی بچی ہوں۔۔ تیرہ سال کی ہونے والی ہوں۔۔ میری ہائٹ بھی دیکھیں۔۔ آپ تک پہنچنے والی ہے۔۔ عنایہ نے غصے سے منہ پھلاتے ہوے کہا۔۔

جی ہاں آپ سب لوگ ہی مجھ سے بڑے ہیں۔ اس گھر میں صرف میں ہی چھوٹی ہوں۔۔ سب کا مجھے باتیں سنانا فرض ہے چاہے وہ پھر ماما ہو یا پھر آہل ۔۔۔۔ اب ایسا کرو تم بھی مجھے ہی باتیں سنا دو۔۔ ابرش غصے سے بولی۔۔

کیا مصیبت ہے آپی ؟؟۔۔ وہاں ماما کا موڈ خراب ہے اور یہاں آپ کا۔۔ عنایہ جھنجھلاتے ہوے صوفے سے اٹھتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

ابرش نے گہری سانس لیتے ٹی وی آن کیا۔ اپنا دھیان اپنے فیورٹ ٹی وی شو پر لگایا جو اس وقت ایل ای ڈی پر چل رہا تھا۔۔ بظاہر لاونج میں بیٹھی وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن مختلف سوچوں کی اماجگاہ بنا ہوا تھا۔ زحلے کا غصہ ابھی تک نہیں اترا تھا۔ انہوں نے قسم کھا رکھی تھی اس سے بات نہ کرنے کی۔ اور ابرش اس سچویشن میں جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں بری طرح گم تھی پتہ نہیں کب زعیم عباسی اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔۔ اسے پتہ ہی نہ چلا تھا۔۔

زعیم نے ابرش کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی تھی۔۔

زعیم تم کب آئے؟؟ ابرش نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

جب تم گہری سوچ میں گم تھی۔۔ زعیم نے صوفے سے کشن اٹھا کر اپنی گود میں رکھا تھا اور ریلیکس انداز میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔۔

تایا ابو کیسے ہیں؟؟ ابرش نے مسکراتے ہوئے زعیم کی طرف نگاہ کی تھی۔۔

ابو بلکل ٹھیک ہیں۔۔ اور آج تمھاری بہت تعریف کر رہے تھے۔۔ تم اپنا کام بہت اچھے طریقے سے کر رہی ہو۔۔ وہ تم سے کافی ایمپریس ہیں۔ اور میں بھی۔۔ زعیم نے ابرش کے حسین چہرے پر گہری نگاہیں گاڑھیں تھیں۔

وہ تو ان کا بڑا پن ہے۔۔ وہ میری تعریف کر رہے تھے۔۔ وہ سچ میں بہت اچھے ہیں۔ جتنا انہوں نے ہمیں سپورٹ کیا۔۔ مجھے نہیں لگتا آج کے زمانے میں کوئی کسی کے لیے اتنا بھی سوچ سکتا ہے۔۔ اگر تایا ابو ہمیں یہ سب کچھ نہ دیتے تو پاکستان میں ہمارے پاس سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی نہ ہوتا۔۔ وہی

سٹر گل کرنی پڑتی جو ہم نے امیریکہ میں کی۔۔ بلکہ ابھی تک کر رہے تھے۔ ابرش پھیکا سا مسکرائی تھی۔۔

کیسی باتیں کر رہی ہو ابرش؟؟۔۔ ابو نے تم لوگوں پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ تم لوگوں کا حق تھا جو دیا۔ یہ سب کچھ چچا کا تھا۔۔ مگر زحلے چچی سے شادی کے بعد دادا ابو نے انھیں گھر سے نکال دیا تھا۔۔ انہوں نے مرتے دم تک چچا کو معاف نہیں کیا تھا۔ ورنہ ابو تو کب کے تم لوگوں کو تمھارا حق دے دیتے۔

دادا ابو کے مرنے کے بعد ابو نے تم لوگوں کو یہ سب کچھ سونپ دیا۔۔ یہ سب تم لوگوں کا ہی تو تھا۔۔ تم اتنا کیوں سوچتی ہو۔۔ زعیم کی بات پر وہ گہرا مسکرائی تھی۔۔۔

تم سب بہت اچھے ہو زعیم۔ لیکن میں جانتی ہوں۔ تائی کو ہمارا پاکستان آنا اچھا نہیں لگا۔۔ وہ ہمارے یہاں آنے سے خوش نہیں ہیں۔۔ زعیم ابرش کی بات پر چونکا تھا۔

تمھیں کچھ کہا ہے امی نے ؟؟۔۔ زعیم پریشان ہوا۔۔

نہیں کہا تو کچھ نہیں مگر اس دن دعوت پر ان کا رویہ ہمارے ساتھ بہت روکھا سا تھا۔۔ وہ ماما کی باتوں کا صیح طرح جواب بھی نہیں دے رہی تھیں۔ ابرش نے آہستگی سے بتایا تو زعیم نے گہرا سانس لیا تھا۔۔

ابرش ایسا کچھ نہیں ہے۔ امی کا سبھاؤ ہی ایسا ہے۔۔ ورنہ وہ تم لوگوں کے آنے پر بہت خوش ہوئی ہیں۔ تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہو۔۔ زعیم نے مسکراتے ہوے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔۔

ابرش ہلکا سا مسکرا کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔۔

چچی نظر نہیں آ رہی۔۔ کہاں ہیں وہ؟؟ زعیم نے لاونج میں نظریں دوڑاتے ہوے پوچھا۔۔

وہ اپنے کمرے میں ہیں۔۔ ابرش نے لب بھینچے کہا تو زعیم نے سیدھے ہوتے ابرش پر نظر ڈالی وہ اسے کافی اداس لگی تھی۔۔

کیا ہوا ابرش تم کسی بات کو لے کر پریشان ہو۔۔ کل بھی میں آیا تھا چچی اپنے کمرے میں تھی۔۔ تمھارے اور چچی کے درمیان سب ٹھیک ہے۔۔ زعیم نے ابرش کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوے پوچھا۔۔

ہاں ٹھیک ہے سب کچھ۔۔ ابرش نے کہا اور پھر زعیم کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

ایکچوئلی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔۔ابرش نے منہ بنایا تھا۔۔زعیم ہلکا سا ہنس پڑا تھا۔۔

کیا ہوا ہے بتاؤ مجھے ؟؟ ہو سکتا ہے میں تمھاری مدد کر سکوں۔۔۔زعیم نے سنجیدگی سے کہا۔۔

زعیم ماما چاہتی ہیں میں ان کے ساتھ حویلی جاؤں۔۔کیونکہ ان کے بابا اور بھائیوں نے انھیں معاف کر دیا ہے۔اس دن ان کا بھتیجا لینے آیا تھا۔۔۔میں ماما سے بات کر رہی تھی۔۔۔اس نے وہ سب کچھ سن لیا جو میں نے ان لوگوں کے خلاف کہا۔۔ماما اس بات کو لے کر مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں کہ میں نے ان کے پرنس چارمنگ بھتیجے کو ناراض کر دیا۔۔زاران کے ذکر پر ابرش نے ایسے منہ بنایا تھا جیسے دانتوں کے نیچے کوئی کڑوی گولی آ گئی ہو۔۔۔

یہ کیا کہہ رہی ہو تم ابرش؟؟ چچی پاگل ہو گئی ہیں کیا؟؟۔ وہ کیسے اپنے باپ اور بھائیوں کو معاف کر سکتی ہیں۔ جنھوں نے ساری عمران کا پتہ نہیں کیا۔۔

اب آچانک سے وہ کیسے انھیں معاف کر سکتی ہیں۔

اگر انہوں نے جانا ہے تو وہ جائیں۔ تمھیں کیسے مجبور کر سکتی ہیں۔۔ تم نے بلکل صیح کیا اس کے ساتھ۔۔۔ وہ لوگ یہی ڈیزرو کرتے ہیں۔۔ زعیم غصے سے کافی اونچی آواز میں بولا۔۔ ابرش اس کے اتنے غصے میں آنے پر حیران ہوئی تھی۔۔

ریلیکس زعیم کیا ہو گیا ہے؟؟۔۔ ماما کے وہ بھائی اور بابا ہیں۔

وہ اپنے بابا سے بہت محبت کرتی ہیں۔۔ اتنا عرصہ ان سے دور رہیں ہیں۔۔

ظاہر ہے انہوں نے تو معاف کرنا ہی تھا۔۔ ابرش کو زعیم کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اسے زحلے کے لیے اس کا لہجہ کافی ہارش لگا۔۔ جو اسے بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

ابرش مانتا ہوں چچی کی وہ فیملی ہے۔۔ مگر ان لوگوں نے ان کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔۔ اگر ابو ان کی مدد کر سکتے تھے تو وہ لوگ چاہتے تو آج تم لوگ بھی ویسی ہی زندگی گزار رہے ہوتے۔۔ جو وہ لوگ گزار رہے ہیں۔۔

دیکھا تھا میں نے تمھارے کزن کو۔۔ کتنی بڑی گاڑی میں آیا تھا ساتھ گارڈز کی گاڑی الگ تھی۔۔

ان لوگوں نے بلکل ٹھیک نہیں کیا۔ تم لوگوں نے صرف اور صرف ان لوگوں کی خود غرضی کی وجہ سے ایسی زندگی گزاری۔۔ وہ لوگ اتنے با اثر ہیں کہ چچا کو منٹوں میں ٹھیک کر سکتے تھے۔۔ وہ لوگ زحلے پھوپھو کے سر پر

ہاتھ رکھتے۔۔ چچا کی ہمت نہ ہوتی زحلے پھوپھو کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی۔۔

۔تمھیں وہاں کسی بھی قیمت میں نہیں جانا چاہیے۔۔

چچی جاتی ہیں جائیں تم ان کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔۔ کسی بھی قیمت میں نہیں جاؤ گی۔۔ زعیم کے لہجے میں تحکم محسوس کرتے ابرش کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔ اس نے خود پر قابو پاتے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔ جو بھی تھا اسے زعیم کی باتیں کافی حد تک ٹھیک لگی تھیں۔ واقعی میں ماما جانا جاتی ہیں جائیں لیکن وہ کبھی نہیں جائے گی۔۔ وہ اس زاران خانزادہ کی شکل نہیں دیکھے گی۔۔

ابرش صوفے سے ٹیک لگائے لب کاٹتے مسلسل سوچ رہی تھی۔

زعیم عباسی ابرش کے چہرے پر نظریں ٹکائے اس کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔

وہ ابرش کے حویلی جانے سے کافی ڈر گیا تھا۔۔اس نے اس دن زاران خانزادہ کو گیٹ سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔۔وہ اس کی پرسنیلٹی اور اس کی شان و شوکت سے کافی مرعوب ہو گیا تھا۔۔وہ ابرش کو حویلی کسی قیمت پر جانے نہیں دے سکتا تھا۔۔

سب سے زیادہ ابرش کو ان کا حصہ دینے پر وہ اپنے ابو سے لڑا تھا وہ نہیں چاہتا تھا ان لوگوں کو کسی بھی قیمت پر ایک روپیہ دیا جائے۔۔ساری عمر ان لوگوں نے اپنے دادا دادی کو سنبھالا تو ابرش اور اس کی فیملی کیسے حصہ دار بن گئے۔۔اس بات کو لے کر اس کی امی یعنی ابرش کی تائی نے بھی کافی واویلا کھڑا کیا تھا۔۔مگر اس کے ابو عباسی صاحب اس بات پر ڈٹے رہے وہ اپنے

بھتیجے بھتیجیوں کو ان کا حصہ دیں گے۔۔ مگر زعیم اور اس کی ماں کے بہت دباو ڈالنے پر عباسی صاحب نے مجبور ہو کر ان لوگوں کو بہت کم حصہ دیا تھا۔۔ صرف ایک گھر اور آفس میں بھی اس کے بہت تھوڑے شیئرز ظاہر کیے تھے۔۔

کچھ پلاٹس اور اسلام آباد میں دکانیں تھیں۔ وہ بھی زعیم نے انھیں نہیں دینے دیں۔۔ مگر ابرش کو دیکھتے ہی وہ اس کی خوبصورتی پر دل و جان سے فدا ہو گیا تھا۔

پہلی ملاقات میں ہی اس نے اسے اپنا بنانے کا سوچ لیا تھا۔ یہ سن کر عباسی صاحب تو بہت خوش ہوے تھے۔۔ مگر اس کی ماں اس بات پر بہت برہم ہوئی تھی کہ وہ کسی بڑے گھر سے بہو لانا چاہتی ہیں۔ جو بینک بیلنس ساتھ لے کر آئے نا کہ وہ لوگ اپنی بہو اور اس کے گھر والوں کو پالیں۔ دوسرا وہ

ابرش کی بے پناہ خوبصورتی سے بھی خائف ہو گئی تھیں۔ جس نے آتے ساتھ ہی ان کے بیٹے کو اپنا دیوانہ بنالیا تھا۔۔ اگر شادی ہو جاتی تو زعیم بلکل پاگل ہو جاتا جو جائیداد بچ گئی ہے کہیں اپنی بیوی کی خوبصورتی اور اس کے پیار میں پاگل ہو کر وہ بھی اس کے نام نہ کر دے۔۔

زعیم نہیں چاہتا تھا ابرش وہاں پر جائے۔۔ وہ کسی بھی قیمت پر ابرش کو اب کھو نہیں سکتا تھا۔۔ وہ واقعی میں زاران خانزادہ کی پرسنیلٹی سے مرعوب ہو گیا تھا اور ابرش کی خوبصورتی بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔۔ کچھ زحلے حاتون کی اپنے گھر والوں سے شدید محبت پر بھی وہ پریشان ہوا تھا۔۔ زعیم صوفے سے ٹیک لگائے کافی پریشانی سے ابرش کے چہرے پر نظریں جمائے سوچ رہا تھا۔۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ خود زحلے سے بات کرے گا کہ

اگر ابرش نہیں جانا چاہتی تو اس کے ساتھ زبردستی نہ کرے وہ اسے ان لوگوں کے گھر بھی چھوڑ کر جا سکتی ہیں۔۔

دیکھو ابرش میری بات سنو تم وہاں پر نہیں جاؤ گی۔۔ وہ لوگ جتنے امیر ہیں اور اتنے ہی با اثر ہیں۔۔ تم نہیں جانتی وہاں کے رہنے والے لوگوں کو،،، وہ بہت کنزرویٹیو ہیں۔ تم لوگ ہمیشہ سے امیریکہ میں رہے۔ تم سب کی سوچ لباس رہن سہن میں بہت فرق ہے۔۔ اب تم دیکھو تم لوگوں کو لینے کے لیے وہ تمھارا کزن اکیلا ہی آ گیا۔۔ اصولاً تو تمھارے نانا کو تم لوگوں کو خود لینے آنا چاہیے تھا۔۔ اگر وہ نہیں آئے تو ان کے گھر کی کسی خواتین کو ساتھ آنا چاہیے تھا۔۔ لیکن ان میں سے کوئی نہیں آیا۔ اس کا صاف مطلب ہے انہوں نے چچی کو دل سے معاف نہیں کیا۔ یقیناً ان کا کوئی اور مقصد

ہے۔۔اور یہاں سے ہی تم دیکھو وہ اپنی عورتوں کو کیسے رکھتے ہیں۔انھیں گھر سے باہر بھی نہیں نکلنے دیتے۔۔ہو سکتا ہے وہ تم لوگوں کو بھی واپس نہ آنے دیں۔۔زعیم ہر ممکن کوشش کر کے اسے روکنا چاہتا تھا۔

اسے پتہ تھا ابرش ان لوگوں کو صیح نہیں سمجھتی۔۔وہ اس کا مزید برین واش کرنا چاہتا تھا۔

اب ایسی بھی بات نہیں ہے زعیم کہ وہ لوگ ہمیں واپس نہیں آنے دیں گے۔۔ایسا ہوتا تو وہ ماما کو کبھی رخصت نہ کرتے۔۔اور وہ اپنی عورتوں کے لیے ہوں کے ویسے جیسے تم کہہ رہے ہو۔۔مگر میں ان کی گھر کی عورت نہیں ہوں۔۔نہ ہی وہ مجھے سمجھتے ہیں۔۔ابرش کے ذہن میں زاران کی نظریں آئیں تھیں جو اس نے اسے باہر کی عورت کہہ کر ڈالی تھیں۔جو بھی

ہے ابرش تم وہاں نہیں جاؤ گی۔۔زعیم کے اٹل لہجے پر ابرش کو غصہ آیا تھا جو اس کے چہرے سے صاف جھلک رہا تھا۔۔جسے محسوس کرتے زعیم نے خود پر قابو پایا۔۔۔

ابرش میں تم لوگوں کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ان کچھ ہی دنوں میں تم آہل چچی عنایہ مجھے بہت عزیز ہو گئے ہو۔۔زعیم نے اپنا لہجہ ہموار کرتے ہوے کہا۔۔

ابرش گہری سانس بھرتے صوفے سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

پری گل کچن میں کھڑی درخشاں اور دوسری ملازماؤں پر چلا رہی تھی۔۔ امینہ خانم نے پری گل کی بلند آواز سن کر کچن کا رخ کیا تھا۔۔

وہ بے حد اونچی آواز پر ملازماؤں پر چلا رہی تھی۔۔

پری گل کیا ہو گیا ہے؟؟۔۔ تم اتنا اونچا بول کر کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔۔ تمھارا آواز باہر تک آ رہا ہے۔۔ شہر سے مہمان آتا ہی ہو گا۔۔ وہ تمھارا اونچا آواز سنے گا تو کیا کہے گا۔۔ امینہ خانم نے ناگواری سے اسے ٹوکا تھا۔۔

شہر سے مہمان نہیں آ رہا بلکہ بدنامی کا ٹوکرا آ رہا ہے۔۔

کیا ضرورت تھا داجی کو ان سب کو بلانے کا۔۔ کیا یہاں یتیم خانہ کھول رکھا ہے داجی نے۔۔ جو سب یتیم ادھر ہی آ رہا ہے۔۔ پہلے اس خجستہ کی شادی

داجی ادھر سے کر رہا ہے۔۔ کیونکہ اس کا ماں باپ نہیں ہے۔۔ ازمارے پھوپھو کو ان کا حصے کا جائیداد دے تو دیا تھا۔۔ اب اس کا بیٹی خجستہ کی شادی پر اتنا کچھ دینے کا کیا ضرورت تھا۔۔

اب زحلے بدنامی کا ٹوکرا آرہا اپنے بچوں کے ساتھ۔۔۔ اب داجی کو ہمدردی کا بخار چڑھ گیا ہے۔۔ اس کو بھی داجی جائیداد میں حصہ دے دے گا۔۔ ہم سب کو کیا ملے گا؟؟ داجی تو ہم سب کو کنگلا کر دے گا۔۔ بڑا ہی بغیرت ہے حویلی کا مرد جو اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی اس زحلے کو گلے سے لگا رہا ہے۔ پری گل کی بدتمیزی اور زہر اگلتی زبان پر امینہ خانم کا رنگ سرخ پڑا۔۔

پری گل کچھ تو شرم کرلو۔۔ تم یہ سب باتیں حویلی کے مردوں کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ وہ بھی اس طرح سب کے سامنے۔۔ امینہ خانم نے اسے پاس کھڑی ملازماؤں کی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

کیوں ہم کیوں شرم کرے۔۔ کسی اور کو شرم کیوں نہیں آتا۔۔ ہمارا شوہر ادھر شہر میں دن رات کام کرتا ہے۔

داجی کے کاروبار کو پھیلایا اور داجی سب بانٹتا پھرتا ہے۔۔

وہ خان شادی پر حویلی نہیں آرہا کیونکہ اس کو شہر میں بہت کام ہے۔۔ اپنا بیوی بچی کو وہ نظر انداز کرتا ہے اس کاروبار کے واسطے اور داجی کو کچھ خیال نہیں ہمارا۔۔ پری گل نے غصے سے شیلف سے برتن اٹھا کر زور سے پٹخا تھا۔۔

پری گل ہم کہنا تو نہیں چاہتا تھا مگر تم نے ہم کو مجبور کیا ہے ہم یہ سب کہے۔۔ جب شاہ نواز کے نام داجی نے زمینیں کیں تھیں۔ تب تو تم نے یہ سب نہیں بولا تھا۔۔

داجی نے کوئی احسان نہیں کیا اپنی پوتی کو وہ زمینیں دی ہیں۔۔ اس کا احسان ہم پر نہیں ہے پری گل امینہ خانم کی بات کاٹتے تیز لہجے میں بولی۔۔

تم پر اس بات کا احسان نہیں تو پھر کس پر ہے۔ وہ زمینیں فرشتے کے نام نہیں ہوا بلکہ تمھارا بھائی کے نام ہوا ہے۔۔ یہ پٹی بھی تم نے اپنے بھائی کو پڑھایا تھا ہم اچھی طرح جانتا ہے۔۔ ہم ارحام کو کچھ نہیں بتاتا کیونکہ ہم پریذے کا سوچتا ہے۔۔ مگر اب تم ہم کو مجبور کرتا ہے کہ ہم تمھارا حرکتیں ارحام کو بتادے۔۔ امینہ خانم نے غصے سے دھمکی دی۔۔

ہمارا اساس تو اللہ کو پیارا ہو گیا مگر تم بھی ہمارا اساس سے کم نہیں ہے۔ کیا بتائے گا تم ارحام کو؟؟ ہم بھی بتائے گا تم لوگ کیسے ہمارا اور پریذے کے ساتھ سوتیلا سلوک کرتا ہے۔

ہم تو پاگل ہے دن رات ادھر کام کرے۔۔ اور ادھر شہر میں ہمارا میاں کام کرے۔۔ شادی پر زاران تو آگیا ہے مگر خان نہیں آیا۔۔ تم سب ارحام کا بھی سوتیلا ہے۔۔ اللہ ہم کو اٹھالے پریزے کو بھی اٹھالے پھر تم سب کو چین آجائے گا۔۔ پری گل اب اونچی آواز میں کوسنے دینے لگی تھیں۔ امینہ خانم نے سر پیٹ لیا تھا۔۔ وہ کیوں آخر پری گل کے ساتھ الجھی۔۔

پری گل تمھارا زبان نہیں خندق ہے خندق ہے جس کا کوئی حد نہیں۔۔ امینہ خانم اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالتی چلی گئی۔۔

شہرام ہاسپٹل کے گیٹ سے باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا کب سے بہارے گل کا انتظار کر رہا تھا۔۔ مگر پچھلے ایک گھنٹے سے وہ باہر نہیں آئی تھی۔۔ وہ جانتا تھا وہ جان بوجھ کر کر رہی ہے۔۔ وہ ہر بار اسے ایسے ہی گھنٹوں انتظار کرواتی تھی۔۔

شہرام خانزادہ گاڑی سے نکل کر ہاسپٹل کے آحاطے میں داخل ہوا۔۔ وہ اس وقت بلیک شلوار قمیض اور بلیک لیدر کی جیکٹ پہنے ہوے تھا۔۔

وہ اندر داخل ہوا تو بہارے کوریڈور میں کسی لڑکے کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔۔ لائٹ گرین ڈریس کے ساتھ گرین دوپٹہ سر پر لیا ہوا تھا۔۔ کندھوں پر اچھی طرح شال لی ہوئی تھی۔۔ جس نے پورے جسم کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔

وہ اس لڑکے سے باتیں کرنے میں اتنی محو تھی کہ گرین دوپٹہ اس کے سر سے پھسل کر اس کے کندھوں پر آ گیا تھا مگر بہارے کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔

اس نے شہرام کو دیکھ لیا تھا مگر وہ اسے مکمل نظر انداز کیے ابھی بھی اس لڑکے سے باتیں کر رہی تھی۔۔ مسکراہٹ میں پہلے سے کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔۔

شہرام یہ دیکھ کر اپنی مٹھیاں بری طرح بھینچ گیا۔۔

وہ ایک ہی جست میں بہارے تک پہنچا۔۔

شہرام کی آنکھوں سے لپکتے شرارے دیکھ کر بہارے کے سلگتے دل کو راحت ملی تھی۔ اس دن سے اپنی گردن پر اس کا دیا ہوا نشان وہ کئی دنوں تک چھپاتی

رہی تھی۔۔ آج اس نے اس دن کی بد تمیزی کا بدلہ لے لیا تھا وہ بھی سود سمیت۔۔۔ جانتی تھی وہ شہرام کی عزت ہے۔۔ اور شہرام جیسے ان پڑھ جاہل انسان کے لیے یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل ہو گا۔۔

شہرام نے بہارے کے قریب جا کر اسے قہربار نظروں سے گھورا تھا۔۔ بہارے نے اسے استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ابرو اچکائی۔

شہرام نے ایک نظر بہارے کو دیکھا تھا دوسری نظر اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا تھا۔۔

اسلام و علیکم،،، شہرام نے مسکراتے ہوئے اس لڑکے کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا.. بہارے کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی شہرام اسے کسی لڑکے کے ساتھ بات کرتے برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ سر سے دوپٹہ اتارے اس لڑکے کے ساتھ مسکراتے ہوئے

باتیں کر کے اپنا بدلہ لینے کے ساتھ ساتھ اسے اشتعال میں مبتلا کرنا چاہتی تھی۔۔ تاکہ شہرام گھر جا کر ہنگامہ کھڑا کر دے۔

وہ اپنی مورے اور سب کو جتا سکے۔۔ شہرام اس کے قابل نہیں ہے۔۔ وہ جب تک ڈاکٹر نہیں بنی تھی تب تک وہ شہرام کے دباؤ میں پھر بھی آ جاتی تھی۔۔ اب اسے جو تھوڑا بہت ڈر تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔۔ اب تو وہ تقریباً ڈاکٹر بن گئی تھی۔۔ اس کا ہاؤس جاب چل رہا تھا پھر اسے ڈاکٹری کی ڈگری مل جاتی۔۔ پھر اسے شہرام کے ساتھ اس بے نام تعلق کی بھی ضرورت نہ تھی۔ وہ حویلی سے دور رہ کر بھی گزارا کر سکتی تھی۔۔ وہ اب اپنے پیروں پر کھڑی ہو چکی تھی۔ اسے شہرام تو کیا حویلی کے کسی بھی مرد کی ضرورت نہ تھی۔۔

بہارے گل پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے چہرے کے تاثرات بلکل نارمل تھے۔۔ بلکہ اس کے لبوں پر میٹھا سا تبسم مچل رہا تھا۔

میں شہرام خانزادہ ہوں۔۔۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اس لڑکے سے مصافحہ کرتے ہوے اپنا تعارف کروایا۔۔ تم کسی ملک کا وزیر اعظم نہیں ہے جو تم اپنا تعارف کرواتے پھر رہے ہو کہ تمھارا نام سنتے ہی یہ لوگ تم سے متاثر ہو جائیں۔۔۔۔

بہارے نے شہرام کی طرف ہلکا سا جھکتے سرگوشی نما آواز میں طنز کیا۔

شہرام اس کی بات پر گہرا مسکر کر رہ گیا تھا۔

میں شہرام خانزادہ بہارے کا شوہر۔۔۔۔۔۔۔ شہرام کی اگلی بات پر بہارے کے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے ہونٹ سمٹے تھے۔ رنگ خطرناک حد تک سفید پڑا تھا۔۔

شہرام کی گرفت میں جکڑا ہاتھ بھی لرزا تھا۔۔ جسے شہرام نے محسوس کرتے اس پر اپنے ہاتھ کی گرفت خطرناک حد تک مضبوط کی تھی۔۔ اپنی سرد نظریں اس نے اپنے سامنے کھڑے لڑکے پر گاڑھی ہوئی تھیں۔۔ جس کی نظروں میں وہ بہارے کے لیے پسندیدگی دیکھ چکا تھا۔۔

مم میں۔۔ یہاں پر ڈاکٹر ہوں۔۔۔۔۔ میرا نام واصف ہے۔ بہارے کے ساتھ ہی میری آج ڈیوٹی تھی۔۔ وہ شہرام خانزادہ کی سرد نظروں سے خائف ہوتا بمشکل ہی بولا تھا۔۔۔۔۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ شہرام سے چھڑوانے کی کوشش کی۔ جس پر وہ اپنی آہنی گرفت بڑھائے جا رہا تھا اس کا ہاتھ شہرام

کے ہاتھ میں تقریباً ٹوٹنے والا ہو گیا تھا۔۔ درد کی شدت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

بہارے ڈاکٹر واصف کے چہرے کی بڑھتی سرخ رنگت دیکھ کر پریشان ہوئی ۔۔ شہرام چھوڑو۔۔۔ ڈاکٹر واصف کا ہاتھ۔۔ بہارے نے اپنا ہاتھ شہرام کے ہاتھ پر رکھ کر ڈاکٹر واصف کا ہاتھ چھڑاوانا چاہا۔۔ مگر شہرام نے اس کا ہاتھ بیچ میں ہی پکڑ لیا تھا۔۔۔ اور اسے زور سے جھٹکا دیا۔۔ بہارے شہرام کے ہاتھ جھٹکنے پر لڑکھڑائی تھی۔۔ ڈاکٹر واصف کے سامنے اسے بے انتہا شرمندگی ہوئی۔۔ اگر اس کے ساتھ یہ صرف اس کا کزن کرتا اسے شرمندگی نہ ہوتی۔۔ بلکہ یہ سب کچھ تو اس کا شوہر کر رہا تھا جو اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل چکا تھا۔

آج تمھارا ہاتھ کسی غیر مرد کے ہاتھ کو چھو لیتا تو بہارے۔۔۔۔۔۔ آج ہی تمھارا یہ ہاتھ میں کاٹ ڈالتا۔۔ شہرام نے اس کے ہاتھ کو بری طرح ایک بار پھر سے جھٹکا دیا تھا۔۔ شہرام کی بات پر بہارے کا رنگ سرخ پڑا وہ یہ سب کچھ ڈاکٹر واصف کے سامنے کہہ رہا تھا۔۔ پہلے اس نے اپنا تعارف اس کے شوہر کی حیثیت سے کروایا اب وہ یہ سب کچھ کہہ رہا تھا۔۔ آج اس کی عزت کا جنازہ نکلنے لگا تھا۔۔ اب آس پاس کھڑے لوگ بھی متوجہ ہونا شروع ہو چکے تھے۔

بہارے اپنے چکراتے سر کو تھامتے پیچھے ہو گئی تھی۔ وہ اب پچھتا رہی تھی کہ اس نے شہرام سے پنگا ہی کیوں لیا۔۔ یہاں کوئی نہیں جانتا تھا وہ شہرام کے نکاح میں ہے۔ اس نے سب سے اس کا تعارف ان پڑھ جاہل کزن کے طور پر کروایا تھا۔۔ جب اس کی کوئی فرینڈ شہرام کی پرسنیلٹی سے متاثر ہوتی تو وہ

سب کو شہرام کے جاہل اور ان پڑھ کے قصے بڑے مزے سے سناتی۔۔اب وہ سب کیا کہیں گی کہ ایک ان پڑھ جاہل اس کا شوہر ہے۔۔بہارے گل کی آنکھوں میں اب آنسوؤں کی چادر جمع ہوئی تھی۔۔واقعی میں شہرام ایک ان پڑھ جاہل انسان تھا جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہ تھی۔جو اس نے خود کیا وہ ہمیشہ کی طرح بھول چکی تھی۔شہرام کا کیا یاد رہا تھا۔وہ اپنی سوچوں میں گم تھی شہرام کی سرد آواز پر چونکی۔

یہ بہارے نہیں ہے مسسز شہرام ہے۔۔آئیندہ اسے مسسز شہرام پکارنا اور اسے دیکھنا بھی مسسز شہرام کی نظر سے۔۔اگر تم نے میری بہارے کو ان نظروں سے دیکھا جس سے تم کچھ دیر پہلے دیکھ رہے تھے۔۔وعدہ ہے میرا تم سے تمھاری کلائی کے ساتھ تمھارا ہاتھ اور تمھارے چہرے پر تمھاری

آنکھیں نہیں رہیں گی۔۔ شہرام سرد انداز میں بولتا بہارے کا ہاتھ پکڑتا وہاں سے چلا گیا۔۔۔

شہرام لب بھینچے پچھلے ایک گھنٹے سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ بہارے کی ہچکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل رو رہی تھی۔۔

شہرام نے غصے میں گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھاتے ہوئے سٹیرنگ کو ایک طرف گھماتے ہوئے گاڑی کو زوردار جھٹکا دیا تو بہارے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا لگی۔۔ بہارے کی چیخ بلند ہوئی۔

شہرام۔۔اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو سیدھی طرح ایک دفعہ ہی کیوں نہیں مار دیتے۔۔بہت اچھا موقع ہے ان پہاڑوں سے مجھے دھکہ دے دو تا کہ تمھاری ایک دفعہ ہی مجھ سے جان چھوٹ جائے۔۔بہارے روتے ہوے پوری قوت سے حلق پھاڑ کر چیخی تھی۔۔

صیح کہہ رہی ہو تم بہارے۔۔۔۔دل تو یہی کر رہا ہے اس پہاڑ سے اس گاڑی کو گرا کر ایک دفعہ ہی اپنی اور تمھاری جان لے لوں۔شہرام نے بھی چیختے ہوے گاڑی اس انداز میں گھمائی کہ وہ گھومتی ہوئی سڑک کے کنارے پر آ گئی تھی جس کے دوسری طرف گہری کھائی تھی۔۔اگر وہ ایکسلیٹر پر پاؤں رکھتا گاڑی گہری کھائی میں جا گرتی۔۔شہرام نے ہینڈ بریک کھینچتے ہوے اپنا رخ بہارے کی طرف کیا جو سانس روکے گاڑی سے نظر آتی گہری کھائی کو دیکھ رہی تھی۔

تمھیں کیا لگتا ہے بہارے۔۔۔۔۔۔ مجھ سے جان چھڑوانا اتنا آسان ہے کہ تمھیں اتنی آسان موت دے دوں۔ گا۔ یہاں سے نیچے گر کر تمھارا کام تو ایک منٹ میں تمام ہو جائے گا۔۔ موت تو ایسی ہونی چاہیے کہ تم ایک ایک سانس کے لیے تڑپو۔۔۔ سسکو۔۔۔۔۔ گڑگڑاؤ۔۔۔ موت کی بھیک مانگو۔۔ مگر تمھیں موت نہ آئے۔۔

شہرام نے نیچے جھک کر اپنے شوز میں چھپایا ہوا ایک چھوٹا سا چاقو نکال کر بہارے کی گردن پر رکھا تھا۔۔ بہارے کا رکا ہوا سانس مزید رکا تھا۔۔ سامنے گہری کھائی تھی اور شہرام اس پر اپنی سرد سپاٹ نظریں گاڑھے چاقو کی نوک اس کی گردن پر رکھے ہوئے تھا۔۔ بہارے اپنا سانس روکے اپنی کرسٹل آنکھوں سے شہرام کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں سرد اور سپاٹ پن نمایاں تھا۔۔ جہاں کوئی جذبہ کوئی ہمدردی

نہ تھی۔۔ بہارے گل کی آنکھیں خوف سے خطرناک حد تک پھیلیں۔۔ اب اس کی نظریں چاقو کی طرف تھیں۔۔ جس کی نوک کا دباؤ وہ اپنی گردن پر محسوس کر رہی تھی۔

شہرام نے اس چاقو کی نوک اس کی نازک دودھیا گردن پر بڑھائی تھی۔۔ چاقو گردن سے نیچے دوسری گہرائیوں میں اتارا بہارے گل کے منہ سے سسکی برامد ہوئی۔۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے اس کے عارض سے ہوتے گردن پر بہنے لگے۔۔ شہرام استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔۔

اچھی طرح جانتا تھا اس کی خود غرض بیوی کو اپنی جان کتنی پیاری ہے۔۔

شہرام اس کے آنسو اور اس کی آنکھوں میں خوف یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔۔ آج اس نے جو کیا وہ اس بے رحم کو اتنی آسانی سے معاف کرنے کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ جو ہر بار اس کے جذبوں کا مذاق اڑاتی

تھی۔۔وہ جانتا تھا اس نے جان بوجھ کر اپنا دوپٹہ سر سے اتارا تھا۔۔اور ڈاکٹر واصف سے بھی بلاوجہ فری ہو رہی تھی۔وہ جانتا تھا وہ اسے تکلیف پہنچا کر خوشی محسوس کرتی ہے۔مگر یہ نہیں جانتا تھا وہ اسے تکلیف دینے میں اس حد تک گر جائے گی کہ ڈاکٹر واصف کی آنکھوں سے چھلکتے جذبے تک اگنور کر دے گی۔اپنے آپ کو یوں آرزاں کرے گی۔

شہرام نے ڈاکٹر واصف کی نظریں یاد کر کے چاقو کی نوک اس کی گردن میں مزید چبھوئی تھی۔۔بہارے کا خوف سے اب رنگ زرد پڑا تھا۔آج سے پہلے اس نے شہرام کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔۔اس سے پہلے وہ اس کے آگے گڑگڑا کر اپنی جان کی بھیک مانگتی۔شہرام کی بے تاثر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔میں اس چاقو سے تمھارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کروں گا۔۔پہلے تمھاری گردن پر اس چاقو کو چلاؤں گا۔۔پھر اس کے نیچے

شہرام چاقو کی نوک اس کی گردن سے نیچے کی طرف لایا تو بہارے کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکے تھے۔۔وہ آنکھیں تک نہیں جھپکا رہی تھی۔۔وہ اتنا شہرام سے ڈر گئی تھی۔۔

شہرام اس کے ماتھے پر پسینہ چمکتا دیکھ کر خفیف سا مسکرا گیا۔۔

کیا ہوا بہارے؟؟ اتنا ڈر کیوں رہی ہو یہ ماتھے پر پسینہ کیوں چمک رہا ہے۔۔ایسی موت نہیں چاہیے۔۔۔اس پہاڑی سے کودنا ہے تمھیں۔۔ چلو پھر تمھیں اس پہاڑی سے دھکا دوں۔۔ شہرام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو گاڑی ذرا سی ڈولی تھی۔۔۔

شہرام یہ گاڑی گر جائے گی۔۔ پلیز اسے پیچھے کرو۔۔۔ مم مجھے ڈر لگ رہا ہے بہارے نے کانپتے ہوئے کہا۔۔

لیکن ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ تمھیں مرنا ہے۔۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے ہوئے معصومیت سے کہا۔۔

مم میں مذاق کر رہی تھی۔ شہرام پلیز گاڑی پیچھے کرو ورنہ خوف سے ہی میں مر جاؤں گی۔۔ بہارے کی اب خوف سے آواز تک نہیں نکل پا رہی تھی۔

آئیندہ تم نے مجھے جلانے کے لیے ایسی ویسی حرکت کی خود کو اس حد تک گرایا تو تم نہ صرف میری نظروں سے گرو گی بلکہ وعدہ کرتا ہوں تمھیں اس پہاڑ سے اپنے ہاتھوں سے دھکا دے دوں گا۔۔ تمھاری لاش تک نہیں ملے گی۔۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اس سڑک سے پار کی گہرائی۔۔ شہرام نے اسے گھورتے ہوئے گاڑی بیک کرتے ہوئے سٹارٹ کی۔۔

بہارے کی اب ہلکی ہلکی سسکیاں شروع ہو چکی تھیں۔۔

شہرام کا رویہ اسے کافی زک پہنچا چکا تھا۔۔وہ تو اس کے ساتھ کچھ بھی کر لے وہ اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔۔

آج تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔وہ اسے اس پہاڑ سے دھکا دینے لگا تھا۔۔وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

اس کی سسکیاں سنتے شہرام نے غصے سے گاڑی میں میوزک ان کر دیا تھا۔۔

بہارے کی سکیاں نہ رکی تو جھنجھلاتے ہوے میوزک آف کیا۔۔

کیا مصیبت ہے کب تک مجھے یہ بے سرا میوزک سناؤ گی۔۔شہرام نے زچ ہوتے کہا۔۔

مجھے یقین نہیں آرہا شہرام تم نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔۔ بہارے نے بے یقینی سے کہا۔۔

مجھے بھی یقین نہیں آرہا تھا جب تم نے سر سے دوپٹہ جان بوجھ کر اتارا تھا اور مجھے غصہ دلانے کے لیے تم بلاوجہ اس ڈاکٹر سے فری ہو رہی تھی۔۔ شہرام کی بات پر بہارے ایک پل کے لیے گڑبڑائی۔۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ شہرام نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے یہ سب جان بوجھ کر کیا۔۔۔ کمبخت تھا میٹرک پاس۔۔ مگر بلا کا ذہین تھا۔۔ اپنے لب و لہجے اور کسی بھی بات سے وہ میٹرک پاس نہیں لگتا تھا۔۔ نظروں کا اتنا تیز تھا کہ عقاب کی نظر بھی اس کے آگے کچھ نہیں ہو گی۔۔ بہارے غصے سے دانت کچکچا کر رہ گئی تھی۔۔۔

میں نے یہ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ وہ میرا کولیگ ڈاکٹر ہے میں اس سے کسی پیشنٹ کے متعلق بات کر رہی تھی۔۔ بہارے نے لڑکھڑاتی زبان سے صفائی پیش کی۔

یہ مجھ سے بہتر تم جانتی ہو تم کیا باتیں کر رہی تھی۔۔ شہرام نے طنزیہ انداز میں کہا۔

تم پڑھے لکھے نہیں ہو اس لیے تمھیں کیا پتہ کولیگ کیا ہوتے ہیں۔ وہ پڑھائی میں کتنی مدد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر واصف مجھ سے سینیر ہیں۔ انہوں نے میری کافی مدد کی ہے۔

تم صرف گندا ہی سوچ سکتے ہو۔۔ شہرام کا نرم لہجہ محسوس کرتے اور گاڑی کو ہموار راستوں پر دیکھ کر بہارے پھر سے اپنی ٹون میں واپس آچکی تھی۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے کچھ نہیں پتہ میں گندا انسان ہوں اور گندا ہی سوچ سکتا ہوں۔۔ تم پڑھی لکھی ڈاکٹر ہو۔۔ جس کی سوچ بہت صاف ستھری ہے۔۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں تم میری عزت ہو تم پر کسی کی بھی نظر میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ چاہے وہ نظر اچھی ہو یا چاہے وہ بری ہو۔۔۔ مگر شہرام خانزادہ کو تم پر کسی کی بھی نظر گورا نہیں۔۔ شہرام نے سڑک پر نظریں جمائے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔۔

میری عزت کا کیا شہرام۔۔۔۔۔ جو تم نے تماشہ لگایا۔۔۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میرا نکاح ہوا ہے۔۔۔ تمھیں اچھی طرح پتہ تھا میں نے کسی کو

نہیں بتایا کہ تمھارا اور میرا نکاح ہو چکا ہے۔ تم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گے میں تمھارے نکاح میں ہوں۔۔

تم نے آج اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔۔۔ میری ساری فرینڈز میرا کتنا مذاق بنائیں گی۔۔ میں کیسے سب کا سامنا کروں گی۔ بہارے ایک بار پھر سے رونا شروع ہو چکی تھی۔ آج شہرام نے جو کیا وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔۔

جانتا ہوں یہ نکاح تمھارے لیے نہیں بلکہ میری ذات تمھارے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔۔۔ اب تم کیسے بتاؤ گی سب کو کہ بہارے گل جو کہ ایک قابل ڈاکٹر ہے۔ اس کا شوہر صرف میٹرک پاس ہے۔۔ یقیناً تم نے سب کو میرے میٹرک پاس ہونے کا بتا دیا ہو گا۔۔۔ اس بات پر میرا خوب مذاق بھی بنایا ہو گا۔۔۔ شہرام کی سپاٹ طنزیہ آواز گونجی۔۔ بہارے اس کے طنز میں چھپا مطلب بخوبی سمجھ چکی تھی۔ یعنی وہ ہر چیز سے باخبر تھا۔۔

اب جو بھی ہے بہارے۔۔۔سب کو پتہ تو چل گیا ہے۔۔اب جتنا مرضی سوگ منالو۔۔اب تمھیں وہاں سب مسسز شہرام کہہ کر پکاریں گے۔۔شہرام نے اس کا مذاق اڑایا۔۔۔

بہارے نے بے بسی سے شہرام پر اپنی نفرت امیز آنکھیں گاڑھیں۔

شہرام نے اس کی آنکھوں میں نفرت دیکھ کر اپنا غصہ بمشکل ہی ظبط کیا تھا۔۔اگر اسے اسے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی سے عشق نہ ہوتا تو وہ کب کا اسے آزاد کر چکا ہوتا۔ مگر یہ لڑکی اس کا عشق ہی نہیں اس کی زندگی بھی تھی۔ جس سے دوری کسی بھی قیمت پر گوارا نہیں تھی۔۔اس کا کسی لڑکے سے بات کرنا اسے نہ چبھا تھا۔ بہارے نے لڑکوں کے ساتھ ہی میڈیکل کی تعلیم حاصل کی تھی۔اس سب میں اس کی مکمل رضامندی شامل

تھی۔۔ بلکہ اس نے ہی اس کا میڈیکل کالج میں داخلہ کروایا تھا۔۔ داجی کی بھرپور مخالفت کے باوجود۔۔۔ یہاں تک کہ بہارے کے بابا بھی اس کے میڈیکل کی تعلیم کے حق میں نہ تھے۔۔ مگر وہ کیسے اپنی بہارے کی آنکھوں کے خواب ضائع کر سکتا تھا۔۔ زحلے کی غلطی کی سزا کیسے اپنی بہارے کو بھگتتا دیکھ سکتا تھا۔۔ اس لیے اس نے اپنی ذمہ داری پر بہارے کا میڈیکل کالج میں داخلہ کروایا۔۔

مگر آج بہارے کے ایکٹ سے اسے بے انتہا تکلیف پہنچی تھی۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو بہارے کو اس بات کی سخت سزا دیتا۔۔ اگر آج وہ اس پر سختی نہ کرتا تو وہ مزید نڈر ہو جاتی۔۔۔ دوبارہ اس سے بڑھ کر ایسی کوئی حرکت کر سکتی تھی۔۔ بہارے کی ہر غلطی ہر بدتمیزی معاف کر سکتا تھا۔ مگر

اس پر کسی کی ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔وہ نفرت میں ہر حد سے گزر جائے گوارا تھا۔۔مگ ہر حال میں صرف اس کی رہے۔۔۔۔۔

اب وہ جانتا تھا اس کی بہارے کبھی ایسی حرکت کرنے کا سوچے گی بھی نہیں۔اتنا سبق اس کے لیے کافی ہے۔

اس نے ایک نظر بہارے کو دیکھا جو سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔۔یقیناً وہ کچھ ایسا ویسا ہی سوچ رہی تھی جس سے وہ اسے مزید تکلیف پہنچا سکے۔۔

بہارے۔۔۔۔۔ایک بات یاد رکھنا تم صرف میری ہو۔اگر آئیندہ تم کسی لڑکے کے قریب بھی گئی میں اسی پل رخصتی کروا کر تمھارا حویلی سے باہر نکلنا بھی بند کر دوں گا۔۔شہرام کا لہجہ اٹل اور مضبوطی لیے ہوے تھا۔۔

تم مجھے دھمکی دے رہے ہو شہرام۔۔۔۔میں اتنا پڑھ لکھ کر صرف تمھاری بیوی بن کر رہوں گی یہ تمھاری بھول ہے۔۔۔میں تمھارے نکاح تمھاری زندگی اور اس حویلی سے بھاگ جاؤں گی۔۔بہارے نے چیختے ہوے دھمکی دی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کا دل جو اس نے مشکل سے پر سکون کیا تھا پھر سے آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔چہرہ سرخ پڑا تھا۔۔

شہرام نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ہمیشہ تمھیں تمھاری مرضی کرنے

دی۔۔میری نرمی کا تم نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔۔جس دن میں نے

تمھاری لگامیں کھینچی بات کرنے کے تو کیا سر اٹھانے کے قابل بھی نہ رہو

گی۔۔۔آئیندہ مجھے دھمکی دی تو میں قسم کھاتا ہوں اپنی مورے کی۔۔۔۔۔

تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔۔۔سمجھ آئی میری بات

تمھیں۔۔شہرام بے حد اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔۔۔بہارے اس کی دھاڑ

پر لرز کر رہ گئی تھی۔۔یہ پہلی دفعہ تھا شہرام اس پر اتنی بری طرح چلایا

تھا۔۔۔وہ جانتی تھی وہ اپنے مورے سے بہت پیار کرتا ہے وہ ان کی جھوٹی

قسم نہیں کھا سکتا۔۔۔بہارے شہرام کا سرخ سنجیدہ چہرہ دیکھ کر خاموش ہو

گئی۔۔

شہرام کچھ پل اسے گھورتا رہا پھر لب بھینچے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔

دونوں نے سارے راستے ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔۔۔

شہرام نے فل سپیڈ میں گاڑی بھگائی تھی۔۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی بہارے گاڑی سے اتر کر اندر داخل ہوئی تو شہرام گاڑی بیک کرتا حویلی سے نکالتا گاڑی بھگا کر لے گیا۔۔ اب رات بھر ڈیرے پر اس کے لفظوں کا زہر اپنے اندر اتار کر خود کو جلانا تھا۔

ابرش حویلی میں داخل ہوتے اس کی شان و شوکت کو دیکھ رہی تھی۔۔ زحلے نے بہت مرتبہ حویلی کا ذکر کیا تھا۔۔۔ مگر حویلی اتنی خوبصورت اور اتنی بڑی ہو گی۔ ابرش کو اندازہ نہ تھا۔۔ حویلی کا لان کئی کنال پر مشتمل تھا۔ جس پر حد نگاہ کرنا مشکل تھا۔۔ سرسبز لان میں میں گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔۔ حویلی کے لان میں ایک طرف ابشار تھا۔۔ جس میں خوبصورت

پتھر لگے ہوے تھے۔۔ اتنا بڑا کار پورچ تھا جس میں کتنی ہی بڑی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

ابرش کو حویلی سے زیادہ یہاں کی جگہ بہت خوبصورت لگی تھی۔۔ سرسبز پہاڑ۔۔۔ جس کے اطراف میں گہری کھائیاں۔۔ اونچے نیچے راستے خطرناک راستے اسے کافی اٹریکٹ کیے تھے۔۔ جگہ جگہ بہتے دریا سب سے بڑھ کر یہاں کا خوبصورت موسم جو اسلام آباد کی نسبت کافی ٹھنڈا تھا۔۔ ابرش کو یہاں کا موسم بھی بہت بھایا تھا۔۔ امیریکہ جیسے ملک میں اس نے کبھی اتنی خوبصورت جگہ نہیں دیکھی تھی۔۔ وہ یو ایس اے میں کبھی ایک شہر سے گئی ہی کہاں تھی۔

عنایہ اور آہل حویلی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔۔ وہ تو حویلی اور ان لوگوں سے کافی حد تک مرعوب نظر آرہے تھے۔ زحلے خاتون پورے راستے

روتے آئیں تھیں۔ حویلی میں داخل ہوتے بھی انہوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔۔ آہل نے انھیں اپنی بازو کے حلقے میں لیا ہوا تھا۔۔

حویلی کے اندر داخل ہوتے ابرش کو اندازہ ہوا تھا۔ وہ جتنی باہر سے خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ اندر سے خوبصورت تھی۔۔ بہت بڑا لاونج جس میں بہت قیمتی صوفے اور جدید اور قیمتی آرائش سے ڈیکوریشن پیسز تھے۔۔ جگہ بڑے بڑے گلاس ڈور لگے تھے۔۔ جہاں سے ڈائینگ حال نظر آرہا تھا جہاں چوبیس کرسیوں پر مشتمل ڈائینگ ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔۔ خوبصورت لاونج جس کی بڑی بڑی گلاس ونڈو سے نظر آتے سرسبز پہاڑ۔۔۔۔

زحلے خاتون سب سے مل کر رو رہی تھی۔۔ عنایہ اور آہل سب سے بہت خوشگواری سے مل رہے تھے۔۔ وہ سب سے الگ تھلگ کھڑی تھی۔۔

آمینہ خانم اور روزینہ خانم نے خود آگے بڑھ کر ابرش کو پیار کیا تھا۔۔

ماشاءالہ زحلے تمھارا بیٹی تو چاند کا ٹکرا ہے۔۔ امینہ خانم نے ابرش کو دیکھتے ہوے تعریف کی۔۔ کیا نام ہے اس کا؟؟ امینہ خانم نے زحلے خاتون سے پوچھا۔

ابرش۔۔۔ زحلے خاتون نے مسکراتے ہوے بتایا۔۔۔

ماشاءاللہ اس کا نام بھی اس کے نام کی طرح بہت خوبصورت ہے۔۔ امینہ خانم نے دل سے تعریف کی تھی۔

ابرش اس وقت جینز کے اوپر بلیک لانگ شرٹ پہنے ہوئی تھی۔۔ جس پر اس نے آتے ہوے سٹالر لے لیا تھا۔۔ کیوں لیا تھا؟؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

مگر زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے سٹالر لیا تھا۔۔اس نے مفلر سٹائل میں نہ صرف سٹالر لیا تھا بلکہ اس سے بہت اچھی طرح خود کو کور بھی کیا تھا۔

وہ اپنے ہاف بال کیچر میں قید کیے ہوے تھی۔۔وہ سمپل سی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔۔پری گل سے اس کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔۔اس نے زحلے کی خوبصورتی کے متعلق سن رکھا تھا مگر اس کی بیٹی تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔۔

یہ سچ میں چاند کا ٹکرا ہے بلکل زحلے پھوپھو کی طرح۔۔مگر ہم کو ڈر لگتا ہے یہ بھی زحلے پھوپھو کی طرح اپنی خوبصورتی پر گرہن نہ لگا دے۔۔پری گل نے مسکراتے ہوے زہر اگلا تو پورے لاونج میں سانپ سونگھ گیا تھا۔۔

زحلے کا رنگ سرخ پڑا تھا نظریں خود بخود جھک گئیں۔۔

ابرش کا رنگ بھی سرخ پڑا تھا وہ پری گل کی بات کا مطلب بخوبی سمجھ چکی تھی۔۔سب یکدم خاموش ہوے تھے۔۔۔

حویلی کے اندر زنان خانہ کے لاونج میں داخل ہوتے ہی زاران خانزادہ نے پری گل کی بات سن لی تھی۔۔ماحول میں تناؤ کی کیفیت بھی محسوس کر لی تھی۔۔سامنے کھڑی ابرش کے حسین چہرے پر برہمی کے تاثرات بھی واضح تھے۔۔وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔۔یقیناً زحلے خاتون اسے کافی سمجھا کر لائی تھی۔۔ورنہ وہ اس دن اس لڑکی کی فطرت سے اتنا تو واقف ہو چکا تھا کہ وہ کسی کی بات اتنی آسانی سے برداشت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔۔

اسلام و علیکم پھوپھو۔۔۔۔زاران نے زنان خانہ کے لاونج میں پھیلی گھمبیر خاموشی کو توڑا تھا۔۔

زحلے نے آگے بڑھ کر خود پر قابو پاتے زاران کو گلے سے لگایا۔ آہل نے بھی آگے بڑھ کر زاران خانزادہ کو سلام کیا۔۔وہ حویلی کی شان و شوکت سے مرعوب ہونے کے ساتھ ساتھ زاران خانزادہ کی پرسنیلٹی سے بھی کافی مرعوب ہو گیا تھا۔۔زاران خانزادہ نے آگے بڑھ کر عنایہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔۔مگر ابرش کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ابرش نے بھی اسے مکمل نظر انداز کر رکھا تھا۔۔

سب مسکراتے ہوے صوفے پر بیٹھ گئے۔۔زاران خانزادہ نے بھی ایک صوفے پر براجمان ہوتے صوفے سے ٹیک لگاتے پری گل کو ایک نظر دیکھا۔۔

گل بھابھی کیا کہہ رہی تھیں آپ؟؟زحلے پھوپھو کی خوبصورتی پر گرہن لگا ہے۔۔زاران خانزادہ کی سرد اور بارعب آواز میں سوال گونجا تو پری گل کی رنگت فق پڑی تھی۔۔وہ حویلی کی عورتوں کے سامنے تو سب کچھ کہہ دیتی تھی مگر حویلی کے مردوں کے سامنے اپنی زبان پر قابو ہی رکھتی تھی۔۔۔

زاران خانزادہ سے تو وہ ویسے بھی خوف کھاتی تھی۔۔زاران خانزادہ نے اسے آج تک کبھی کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کا حویلی پر کافی رعب و دبدبہ تھا۔۔سب ہی اس سے خوف کھاتے تھے۔کیونکہ وہ ارحام کی طرح نرم مزاج ہرگز نہ تھا۔۔جو بات بری لگتی سب کے سامنے برملا اظہار کر دیتا تھا وہ بھی کافی سخت لفظوں سے۔۔۔۔۔۔

ہاں وہ خانم چچی نے کہا ابرش چاند کا ٹکڑا ہے۔۔ تو ہم نے کہا چاند میں تو گرہن ہوتا ہے۔۔ پری گل نے فق رنگت سے بمشکل ہی وضاحت دی تھی۔۔

پری گل کے ابرش کو چاند کا ٹکرا کہنے پر زاران خانزادہ اور ابرش کی نظریں چار ہوئی تھیں۔ دونوں نے فوراً ہی اپنی نظریں پھیر لی تھیں۔

مجھے کسی اور کا تو پتہ نہیں۔۔۔ مگر زحلے پھوپھو واقعی میں چاند کا ٹکرا ہے۔۔ چاند میں گرہن ہو سکتا ہے مگر زحلے پھوپھو میں نہیں۔۔۔ ان کا پرنور چہرہ دیکھ کر کہا جا سکتا ہے۔۔ وہ کتنی پاک اور خوبصورت ہیں۔ زاران کے سنجیدگی سے کہنے پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔

زحلے کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔۔زاران نے ان کا مان پل میں بڑھا دیا تھا۔۔

پری گل زاران کی بات پر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔۔

موصوف کا یہاں پر بھی کافی رعب و دبدبہ ہے۔۔۔ابرش نے منہ بناتے ہوے سوچا۔۔۔ایک نظر زاران کو دیکھا جو سنجیدہ تاثرات چہرے پر سجائے سب سے باتیں کر رہا تھا۔۔ابرش کو اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر پورا یقین ہوا تھا زاران کبھی بھی مسکرایا نہیں ہو گا۔۔

ابرش بیٹا بیٹھو تم کیوں کھڑا ہے۔۔روزینہ خانم نے اسے کھڑا دیکھ کر کہا۔۔

وہ سب کی نظروں کو خود پر محسوس کرتے گڑبڑا گئی تھی۔۔۔زاران نے اس دوران اس کی طرف نہیں دیکھا تھا

مجھے بہت نیند آرہی ہے۔۔۔میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔۔ابرش نے زحلے کی آنکھیں نکالنے کے باوجود کہا۔۔وہ زاران خانزادہ کے سامنے مزید نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔

درخشاں۔۔۔۔۔۔۔امینہ خانم نے درخشاں کو پکارا۔۔

جی خانم بی۔۔۔۔۔۔درخشاں فوراً اسے حاضر ہوئی تھی۔۔

تم ابرش بیٹا کو اس کا کمرہ دکھا دو۔۔۔امینہ خانم نے کہا تو درخشاں نے سر ہلایا تھا۔۔ابرش درخشان کی تقلید میں اس کے ساتھ چل پڑی۔۔

ابرش کچھ دیر آرام کرنے کے بعد زحلے کے حکم پر مردان خانہ کی طرف آئی تھی۔وہ تقریباً سب سے مل چکی تھی۔۔ سمیع اللہ خان سے ملنا باقی تھا۔

وہ اب داجی کے کمرے کے باہر شش و پنج میں کھڑی تھی۔زحلے آہل اور عنایہ اندر داجی کے کمرے میں موجود تھے۔۔اسے اندر جانے میں ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔۔وہ بہت کانفیڈنٹ لڑکی تھی۔۔ مگر یہاں کا ماحول دیکھ کر اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔۔سب عورتیں گھر میں بھی اچھی طرح دوپٹے اوڑھے ہوئیں تھیں۔ذنان خانہ الگ،، مردان خان الگ،،، اسے کچھ

سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ دیکھنے میں سب عورتیں اسے بہت اچھی لگی تھیں۔۔ سوائے پری گل کے۔۔

دوسرا وہ دل سے کسی کو بھی قبول نہیں کر پا رہی تھی۔۔ نہ ہی اسے کسی سے انسیت محسوس ہوئی تھی۔۔ جو اپنایت محبت اسے اپنے تایا کی فیملی سے محسوس ہوتی تھی۔۔ یہاں آ کر مفقود تھی۔۔ نہ ہی اس کا داجی سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔۔ جن کی خود غرضی اور آنا پرستی کی وجہ سے اس کی ماں نے اپنے گھر والوں سے دور ایک انجان ملک میں بہت مشکل زندگی گزاری۔۔ اس لیے وہ اپنے دل میں ان سب کے لیے وسعت نہیں پا رہی تھی۔۔۔

وہ داجی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی کہ زاران خانزادہ سکائے کلر کی شلوار قمیض پہنے کندھوں پر بلیک مردانہ شال ڈالے داجی کے کمرے کی ہی طرف آرہا تھا۔

اسے داجی کے کمرے کے باہر گم صم کھڑا دیکھ کر چونکا

وہ لب بھینچے ابرش کی طرف بڑھا۔۔ ابرش جو دروازہ ناک کرنے لگی تھی۔۔

زاران خانزادہ کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رکی۔۔ چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔۔ حسین نقوش کے زاویے اس نے بگاڑے۔

زاران اس کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھتا اس کے پاس رکا۔۔ زاران کے چہرے کے تاثرات بھی کم و بیش ابرش جیسے ہی تھے۔

سنو داجی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اپنی زبان باہر چھوڑ کر جانا۔۔زاران اس کے چہرے پر بڑھتی ناگواری دیکھ کر بولا۔۔

ایسا کرتی ہوں میں جاتی ہی نہیں۔ابرش نے کہتے ہوے اسے سرد نظروں سے گھورا۔۔

یہ تو بہت اچھی بات ہو گی۔۔تم سے مل کر داجی کریں گے بھی کیا؟؟وہ تو صرف زحلے پھوپھو سے ملنا چاہتا تھے۔اگر تم ان سے نہیں بھی ملو گی تو انھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔

زاران خانزادہ ابرش کو دیکھتا طنزیہ مسکرایا۔۔

ابرش اس کی بات پر لب بھینچ کر خاموش ہو گئی تھی۔۔

لگتا ہے تم واقعی اپنی زبان اسلام آباد چھوڑ آئی ہو۔۔ زاران کے طنز پر جو وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے ہوے تھی۔۔ مزید خود پر کنٹرول نہ کر سکی تھی۔۔

میری زبان کو چھوڑیں لگتا ہے آپ۔۔۔۔ وہ یکدم آپ کہتے کہتے رکی تھی۔۔ اس کی پر اثر اور بارعب شخصیت کا اثر تھا جو اسے تم کہنے سے روکتا تھا۔۔ مگر اس دن کا لب ولہجہ اور اس کی گہری نظریں اسے آپ کہنے نہ دیتی تھیں۔۔ وہ اس کے خاموش ہونے پر اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔۔

لگتا ہے حویلی آتے ہوے تم بھی اپنی نظریں باہر چھوڑ آئے ہو۔۔۔ شائد یہاں تمھارے گھر کی عورتیں ہیں اس لیے۔۔۔ ابرش نے "تم" پر خاص طور پر زور دیتے اس پر اس دن کی نظروں کا ٹونٹ کیا تھا جو وہ اس پر گاڑھے

ہوے تھا۔۔ آج اس نے ایک بار بھی اس پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔۔ ابھی بھی اس کی نظریں کافی بے ضرر تھیں۔ اس دن اس کی بے باک نگاہوں سے تو وہ سر تا پیر سلگ کر رہ گئی تھی۔

ابرش کے طنز پر زاران کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی۔

تو میں غلط تھا تم زبان ساتھ لائی ہو۔۔ زاران نے آبرو اچکائے اس کی طرف دیکھا۔۔

ابرش اس کے طنز پر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی تھی۔ زحلے نے اسے اپنی قسمیں نہ دی ہوتی تو وہ یقیناً اس کے طنز کے حساب تو ضرور برابر کرتی۔۔

کچھ وہ اس کے اس دن والے رویے سے بھی ڈر گئی تھی۔۔ جو اس کے گھر میں اس کے چودہ طبق روشن کر سکتا ہے۔۔ وہ اپنے گھر میں کیا نہیں کر سکتا

تھا۔۔وہ اس کے ادھر رعب و دبدبے سے بھی اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔۔پری گل جیسی عورت اس کے سامنے کچھ نہ بول سکی تو وہ کیا چیز تھی۔۔

وہ اس کے خاموش ہونے پر مزید حیران ہوا تھا۔۔اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے لگا۔۔جو سخت برہمی کا تاثر لیے ہوے تھے۔۔۔عارض شدید سرخ پڑ رہے تھے۔

وہ ابرش کے مزید قریب ہوا۔ابرش اسے دور ہوتے دو قدم پیچھے کو ہوئی تھی۔۔

آج تم میں دیکھنے کے لائق کچھ ہے ہی نہیں ورنہ میں ضرور دیکھتا.. زاران کی نظریں اس کے سٹالر پر تھیں۔۔ ابرش اس کی بات کا مطلب سمجھتے مزید سرخ پڑی۔۔

ابرش نے اپنا سٹالر مزید ٹھیک کیا تھا۔۔ زاران اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بخوبی محسوس کر چکا تھا۔۔ اور اس کا لال ٹماٹر چہرہ دیکھ کر وہ طنزیہ مسکرا گیا۔۔

تم میرے گھر کی عورت نہیں ہو اور نہ کبھی ہو سکتی ہو۔۔۔۔ ہم خان تم جیسی عورت کو اپنی عورت نہیں بناتے۔۔ زاران نے اب کی بار ابرش کی طرف جھکتے اس کی کان میں مدھم سرگوشی کی تھی۔۔ اور بنا رکے وہ داجی کے کمرے کا دروازہ کھولتا چلا گیا۔۔

ابرش توہین اور غصے کے احساس سے اندر تک سلگ گئی تھی۔۔وہ بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ زاران خانزادہ کی جان لے لے۔۔اسے اپنے سینے میں زاران خانزادہ کے لیے نفرت کے آلاؤ بھڑکتے محسوس ہوے۔

اسے زحلے پر بھی غصہ آیا جو اسے یہاں زبردستی لے آئی تھی۔

اب تو وہ اندر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔زاران خانزادہ جیسے بدتمیز اور سنکی انسان کے سامنے وہ ٹھہر بھی نہیں سکتی تھی اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتی۔۔زحلے خاتون دروازہ کھولتی باہر آئی۔۔

ابرش تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟۔اندر آؤ زحلے کی پکار پر وہ خاموشی سے اندر ان کے ساتھ ہی داخل ہو گئی۔۔

زاران خانزادہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔۔ مگر اس کے اندر آنے پر اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔ ابرش کو ایک اور بات کا بھی اندازہ ہوا تھا وہ اپنے گھر والوں کے سامنے بہت سنجیدہ اور مودب ہوتا ہے۔۔

ابرش کے اندر داخل ہونے پر داجی اپنے بیڈ سے اٹھتے ابرش کی طرف بڑھے۔

آؤ آؤ بیٹا انہوں نے آگے بڑھ کر ابرش کا سر چوما۔

ابرش نے بھی آہستگی سے انھیں سلام کیا تو داجی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔۔۔ اور اسے بیٹھنے کو کہا۔۔ صوفے پر زاران بیٹھا تھا اس کے ساتھ ہی آہل بیٹھا ہوا تھا۔۔ ایک طرف کرسی پر زحلے بیٹھی تھیں۔۔ جس کے کنارے پر عنایہ ٹکی ہوئی تھی۔۔

صوفے پر جگہ تھی مگر ابرش کا دل اس صوفے پر بھی بیٹھنے کو نہیں کیا تھا جس پر زاران خانزادہ تھا۔۔ زاران خانزادہ کی موجودگی سے اسے اس کمرے میں بھی گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ یونہی کھڑی رہی تو داجی جو بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ابرش کو دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔۔

زحلے نے اسے آنکھوں کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ ابرش سے کافی خوفزدہ تھیں۔ وہ اسے اچھی طرح سمجھا بجھا کر لائی تھیں۔ مگر پھر بھی ان کا دل سہما ہوا تھا کہ ابرش کسی سے بدتمیزی نہ کر ڈالے۔ زاران خانزادہ زحلے کو اشارہ بھی کرتا دیکھ چکا تھا۔۔ مگر ابرش یونہی ڈھیٹوں کی طرح کھڑی تھی۔۔ زاران کو اب اس لڑکی پر غصہ آ رہا تھا جو منہ بنا کر ایسے کھڑی تھی جیسے اس نے اپنے حسین چہرے کا دیدار کرنے کا سب کو اعزاز بخشا ہو۔۔

زاران خانزادہ یہ بھی سمجھ رہا تھا وہ کیوں کھڑی ہے۔ وہ اس صوفے پر بھی بیٹھنا نہیں چاہتی جس صوفے پر وہ بیٹھا تھا۔۔ مگر اس نے داجی کی بات کو بھی سیریس نہیں لیا تھا اسے اپنے سامنے کھڑی چھٹانک بھر لڑکی پر بے انتہا غصہ آرہا تھا۔۔ جس کی زبان گز بھر لمبی تھی۔۔ اور ایٹیٹوڈ تو ایسے تھا جیسے مس ورلڈ ہو۔۔۔ زاران نے اسے قہربار نظروں سے گھورا۔۔

ابرش بیٹا۔۔۔ صوفے پر بیٹھ جاؤ۔۔ داجی نے دوبارہ نرمی سے کہا تو ابرش آہستگی سے چلتے ہوے داجی کے پاؤں کی طرف بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔۔

زاران اس کے داجی کے پیروں کے پاس بیٹھنے پر چونکا تھا۔۔ اسے حیرت ہوئی تھی اس جیسی نک چڑی مغرور لڑکی جو اس دن داجی کے بارے بارے

میں بنا سوچے سمجھے فضول بول رہی تھی۔۔ آج کافی آرام سے ان کے پیروں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔۔

ابرش بیٹا تم صوفے پر بیٹھ جاؤ۔۔ داجی نے اپنے پاؤں اوپر کی طرف کھینچے تھے۔۔۔

نہیں داجی میں ٹھیک ہوں۔۔ آپ میری وجہ سے بے آرام نہ ہوں۔۔۔ ابرش نے آہستگی سے جواب دیا تو زاران خانزادہ غش کھانے کو تھا۔۔

وہ اتنی تمیز کے دائرے میں بھی بات کر سکتی ہے۔۔ اسے حیرانگی ہوئی تھی۔۔

ہم تمھارا داجی تو نہیں ہوا۔۔ ہم تو تمھارا نانا ہوا۔۔۔ عنایہ اور آہل نے مجھے نانا کہا ہے تم نے ہم کو کیوں داجی کہا۔۔ داجی مسکرائے تھے۔۔

وہ زاران نے باہر آپ کو داجی پکارا تو مجھے لگا سب آپ کو داجی کہتے ہیں۔ ابرش نے صاف گوئی سے کہا۔۔

زاران ایک بار پھر سے چونکا تھا وہ اس کا نام با آسانی لے رہی تھی۔

اسے اندازہ ہوا تھا کہ یہ لڑکی دل میں جو بھی ہو وہ با آسانی کہہ دیتی ہے۔۔ ورنہ جتنی ناگواری اس کے چہرے پر اس کے لیے تھی۔۔ کوئی اور ہوتا کبھی اس کا نام نہ لیتا۔۔

زاران اسے بغور دیکھتا داجی سے آجازت لیتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔۔

ابرش نے گرین اینڈ ییلو کلر کا جدید اور سٹائلش لہنگا پہن رکھا تھا۔۔ لہنگے پر بہت خوبصورت ورک ہوا تھا۔۔ ساتھ میں بے گرین کلر کی بے حد شارٹ سی شرٹ تھی جو بلکل سمپل تھی مگر اس کے فل سلیوز پر کٹ ورک ہوا تھا۔ جس میں اس کے دودھیا بازو لشکارے مار رہے تھے۔۔ آج زحلے کی بہن جو اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔ اس کی بیٹی کی مہندی تھی ابرش کل رات سے کمرے میں ہی تھی۔۔ وہ باہر نہیں نکلی تھی۔ ایک دو مرتبہ ملازمہ اسے ناشتے اور کھانے پر بلانے آئی تھیں۔ مگر اس نے بھوک نہیں کہہ کر منع کر دیا تھا۔۔ اب شام ہو رہی تھی زحلے کی ڈانٹ پر وہ تیار ہو رہی تھی۔۔ یہاں سب ہی بہت اچھے تھے۔۔۔ جو تھوڑا بہت اس کے دل میں

سب کے لیے قدورت تھی۔ وہ زحلے کو بے انتہا خوش دیکھ کر دور ہو گئی تھی۔ اس نے زحلے کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا جتنا اب دیکھ رہی تھی۔۔

ویسے بھی اس نے کدورت رکھ کر کرنا بھی کیا تھا یہ اس کا حویلی پہلا اور آخری چکر تھا۔۔ وہ اب زحلے کے مجبور کرنے پر آگئی تھی۔۔ مگر اسی شرط پر کہ اس کے بعد وہ اسے مجبور نہیں کریں گی۔۔

اس نے آئینے میں خود کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا وہ بغیر میک اپ کے بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ بالوں کو سٹریٹ کر کے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ جیولری میں صرف چوکر پہن رکھا تھا۔۔ اسے کسی چیز کی کمی لگ رہی تھی۔۔ وہ کمی کیا تھی؟؟ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔

اسے اپنا ڈریس بلکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔۔۔ ابرش نے یہ ڈریس اور باقی ڈریسز اپنے تایا کی بیٹی کی شادی پر لیے تھے۔۔ بلکہ اس نے زعیم اور اس کی

فیملی کے ساتھ جا کر شاپنگ کی تھی۔ وہاں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک ڈریس لیے تھے جو جتنے سٹائلش تھے اتنے ہی ماڈ اور جدید تھے۔ بیک لیس گہرے گلے اور سلیو لیس پر مشتمل ڈریسز تھے۔ اور شادی پر بھی کم و بیش سب کی ایسی ہی ڈریسنگ تھی۔۔ کچھ لڑکیوں اور خواتین کی اس طرح کی ڈریسنگ تھی کہ ابرش امیریکہ میں رہنے کی باوجود اس طرح کی ڈریسنگ کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

اس کا اس ڈریس کا گلہ پیچھے سے تھوڑا بڑا تھا جو اس نے اپنے بالوں سے چھپایا تھا۔۔ یہاں اس نے تمام خواتین کو دوپٹوں میں دیکھا تھا۔ اسے ابھی نہیں پتہ تھا وہ شادی پر کس طرح کی ڈریسنگ کریں گی مگر اسے اتنا یقین تھا کہ وہ اچھی اور سلجھی ڈریسنگ کریں گی بلکل زحلے خاتون کی طرح۔۔

یہ نہیں تھا زحلے نے اسے کبھی ڈریسنگ پر ٹوکا نہیں تھا بہت دفعہ ٹوکا تھا اسے دوپٹہ اوڑھ کر رکھنے کو کہتی تھیں۔۔ مگر وہ انھیں جوابًا ایسی نظروں سے دیکھتی کہ وہ اپنی نظریں چرا جاتی۔۔ اس نے پندرہ سال کی عمر میں امریکہ میں جاب کرنی شروع کر دی تھی۔ جہاں جینز اور شرٹ پہنا ضروری تھا۔۔ بعض جگہوں پر شارٹ سکرٹ کا تقاضہ ہوتا مگر وہ انکار کر دیتی اور وہ نوکری چھوڑ دیتی۔ شائد زحلے کی تربیت کا اثر تھا۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ وہ گھر کے ماحول اور باہر کے تلخ حقائق دیکھتے ہوئے خود بھی تلخ اور خود سر ہو گئی تھی۔۔

اس نے اپنے اوپر پڑنے والی نظروں کو سرے سے ہی اگنور کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ خوبصورت تھی۔۔ اسے ہر کوئی اوپر سے نیچے تک دیکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور وہ ایسے میں بے حس اور لاپرواہ بن جاتی۔۔ اتنی نظروں کا سامنا

کرنا پڑا کہ اب اسے احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ کیسے لباس اور کس طرح کی نظروں کے حصار میں ہے۔۔۔ مگر جب اس دن زاران خانزادہ نے اسے جن نظروں سے دیکھا اور احساس دلایا تو اسے بہت ذلت اور توہین محسوس ہوئی۔۔ اسے اب بھی اس کی نظریں نہیں بھولتی تھیں۔۔۔ اس کی براؤن بے باک آنکھیں اسے اپنے آر پار ہوتی محسوس ہوتیں۔

اس نے خود کو دیکھتے ہوئے ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہوئے کر اپنا نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھا۔۔ جس پر اس کا خوبصورت چہرہ گرین دوپٹے کے حالے میں مزید دھمکنے لگا تھا۔۔ مگر اس نے جھنجھلاتے ہوئے وہ دوپٹہ سر سے اتار کر گلے میں ڈالا تھا۔۔ اب نیٹ کے دوپٹے میں اس کی فٹنگ شرٹ میں اس کے بدن کے نشیب و فراز نمایاں ہونے لگے تھے۔۔ اس نے جھنجھلاتے ہوئے اب کی بار دوپٹہ گلے سے اتار کر بیڈ پر رکھ دیا تھا..

افففف کیا مصیبت ہے؟؟؟ یہ زاران خانزادہ تو میرے لیے کسی نائٹ میئر سے کم نہیں ہے۔۔۔اس کی گہری اور بے باک نظریں یاد آئی تھیں۔اگر اس نے ایک بار اور مجھے ان نظروں سے دیکھ لیا تو میں شائد اپنی جان سے ہی چلی جاؤں۔۔ابرش نے جھرجھری لیتے ہوئے سوچا۔۔

اصولاً تو اسے اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے تھا مگر وہ اس کے الفاظ اور اس کی نگاہیں بھول ہی نہیں پا رہی تھی۔۔یا آج تک کسی نے ایسے اس کے لیے توہین امیز آلفاظ استعمال کیے نہیں تھے۔۔اگر کوئی اسے خوبصورت کہتا تو اس کے چہرے کو دیکھ کر کہتا۔۔اگر کوئی اس کے جسم کو دیکھتا بھی تھا مگر اسے ایسے احساس نہ دلاتا تھا۔۔زاران خانزادہ کے توہین میں لپٹے الفاظ اسے بھلائے نہیں بھولتے تھے۔

ابرش نے دوبارہ سے دوپٹہ اٹھا کر اسے بیک سے اس طرح لیا کر آگے سینے کو اچھی طرح کور کیا تھا۔۔ اتنا خاص فائدہ تو نہیں ہوا تھا مگر کچھ حد تک کور ہو گیا تھا۔۔

وہ باہر آئی تو حویلی میں بہت سے مہمان آ چکے تھے۔۔

خجستہ کو لاونج میں صوفے پر ہی بٹھایا ہوا تھا۔۔ ابرش کے اندازے کے مطابق سب عورتوں نے بہت اچھی ڈریسنگ کی ہوئی تھی سب نے سروں پر دوپٹے لیے ہوے تھے۔۔۔ اس طرف کوئی مرد نہیں تھا۔۔ ابرش حیرانگی سے سب دیکھ رہی تھی۔ وہاں تایا کی بیٹی کی شادی پر ایسا ماحول نہیں تھا وہاں تو مرد عورت اکھٹے ہی تھے۔۔

اسے اپنا آپ سب میں مس فٹ لگا تو وہ زحلے کی پکار پر بھی رکی نہیں تھی بلکہ وہاں سے چلی آئی۔۔رات حویلی کو دیکھا نہیں تھا تو وہ حویلی کو اچھی طرح دیکھنے لگی۔۔

وہ ابھی زنان خانہ سے ہوتی مردان خانہ کی طرف آئی ہی تھی کہ اسے زاران خانزادہ آتا دکھائی دیا۔بلیک شلوار قمیض میں کندھوں پر بلیک مردانہ شال اوڑھے اپنی بھاری قدموں کی دھمک سے ادھر ہی آرہا تھا۔۔اس کے بھاری قدموں کی دھمک سے اس کا دل بھی لرز اٹھا تھا۔۔

پتہ نہیں کیسا خوف تھا جو اس پر اس کا چھاتا جارہا تھا۔اس کی رعب دار پر اثر شخصیت کا اثر تھا یا پھر اس کی کڑوی اور سٹریٹ فارورڈ زبان۔۔۔۔۔۔۔۔جو بھی تھا وہ اس سے خوف کھانے لگی تھی۔۔اس کے سامنے وہ ایک پل نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی نہ اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہی ایک پلر کے پیچھے چھپ گئی۔ وہ جانتی تھی وہ اسے دیکھتے ہی اس پر طنز ضرور کرے گا۔۔ اس کے مزاج سے وہ اچھی طرح اندازہ کر چکی تھی۔ وہ کافی منتقم مزاج تھا جو اتنی آسانی سے بات نہیں بھولتا تھا۔۔

وہ پلر سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتی بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوے تھی۔۔ مردان خانے میں اس وقت اس حصے میں کوئی نہیں تھا۔۔ ابرش نہیں چاہتی تھی اسے زاران خانزادہ کی نظروں کا سامنا کرنا پڑے۔۔ اسے اپنا حلیہ اس قابل نہیں لگا تھا کہ وہ زاران خانزادہ جیسے بے باک بے شرم اور غصیلے مرد کے سامنے جائے۔۔ غصیلے مردوں سے اس کی تو ویسے ہی جان جاتی تھی۔۔ ساری عمر اپنے باپ پاشا کو زحلے پر غصہ کرتے اسے مارتے ہی

دیکھا تھا۔۔ بلکہ کتنی مرتبہ پاشا نے اس پر بھی ہاتھ اٹھایا تھا۔۔ تب سے ہی وہ مردوں سے دور بھاگتی تھی اور غصیلے اور سخت قسم کے مردوں سے اس کی جان جاتی تھی۔۔

زاران خانزادہ جو اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ ابرش کو ادھر مردان خانے کی طرف آتا دیکھ کر ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔ وہ اسے دیکھ کر پلر کے پیچھے چھپ گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ کے سنجیدہ چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری۔۔ وہ رات سے اسے حیران کر رہی تھی۔۔ رات اسے تمیز کے دائرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔۔ جیسے وہ اس دن زحلے خاتون کے سامنے کھڑی چلا رہی تھی۔۔ اسے لگا تھا وہ کافی بدتمیز اور خودسر ہے۔۔ مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔۔ وہ اتنی بھی بدتمیز نہیں تھی۔۔ اب وہ اسے دیکھ کر جس طرح چھپی تھی۔۔ وہ اسے ایک چھوٹی سی بچی لگی تھی۔۔۔ وہ

ابرش کو اگنور کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا مگر پلر کے پیچھے سے نظر آتا سبز انچل نے دوبارہ سے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدموں کا رخ اس سبز انچل کی طرف بڑھا۔۔

ابرش جو سانس روکے کھڑی تھی۔۔ بھاری قدموں کی آواز قریب محسوس ہوتے اور سٹرونگ مردانہ خوشبو محسوس کرتے اپنی آنکھیں بند کرلی تھی۔

۔اپنا دوپٹہ اچھی طرح سے خود پر شال کی طرح لپیٹا تھا۔۔ زاران خانزادہ پلر کے قریب آیا تھا تو ابرش کی گہری ہوتی سانسوں کو سن کر حیران ہوا تھا۔

۔اس کی تیز سانسیں اس کی سماعتوں کو بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔

زاران خانزادہ حیرت سے اس کی سانسوں کی آواز سنتا ابرش کے سامنے آیا تو وہ پلر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے گہری سانسیں لے رہی تھی۔۔ دوپٹہ اس نے سینے سے اچھی طرح اپنی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا۔۔ اور

اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔۔۔۔زاران خانزادہ نے غور کیا تو پتہ چلا کہ محترمہ کوئی دعا پڑھ رہی ہیں۔۔۔

وہ ابھی بھی اپنی آنکھیں سختی سے میچے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔سانسوں کا مدھم زیر و بم،، ہلکے ہلکے لرزتے ہونٹ،، دوپٹہ آگے سے مٹھیوں میں جکڑے وہ زاران خانزادہ کی دھڑکنوں میں بری طرح ارتعاش بھر پا کر چکی تھی۔۔اس کی دھڑکنوں میں ہلچل اس کی بے پناہ خوبصورتی نے مچایا تھا یا پھر اس کا معصومانہ ایکٹ وہ نہیں جانتا تھا مگر جو بھی تھا اس کے دل پہلی مرتبہ یوں تیزی سے دھڑکا تھا۔۔

وہ اس سے چھپ رہی تھی اور دوپٹہ بھی اس سے خائف ہوتے اپنے دوپٹے کو ایسے پکڑے ہوے تھی۔۔اس بات نے زاران خانزادہ کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ کو اور گہرا کیا تھا۔

زاران خانزادہ بے اختیار ہوتے اس کے قریب ہوا۔ اور اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیکھے گیا۔۔۔ یہ بلکل بے اختیار عمل تھا۔ وہ اس کی کزن تھی اس کے لیے احترام کا بھی باعث تھی۔۔ مگر اس دن جو کچھ اس نے کہا وہ اسے کافی سخت اور بے باک گفتگو فرما کر آیا تھا۔۔ جس کا اسے کوئی افسوس نہ تھا۔۔ کیونکہ وہ واقعی میں منتکم مزاج بندہ تھا کسی کو اتنی آسانی سے معاف نہ کرتا تھا۔ اب اس کے قریب ہونا بے اختیار عمل تھا جس پر زاران خانزادہ کو خود پر اختیار نہ تھا۔

اپنے بہت پاس سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو جو ابرش کو اپنی سانسوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ابرش نے پٹ سے آنکھیں کھولی تو زاران خانزادہ کو پلر کے دونوں اطراف میں پلر پر ہاتھ جمائے خود پر جھکا پایا۔۔ ابرش کی آنکھیں زاران خانزادہ کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔۔ ابرش

مزید پلر میں سمٹی تھی۔۔وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ وہ ذرا سے آگے ہوتی تو یقیناً زاران خانزادہ کے لبوں سے اس کے لب ٹکرا جاتے۔۔۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟؟۔۔زاران خانزادہ کی سنجیدہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔۔

مم میں یہاں حویلی دیکھنے آئی تھی۔۔ابرش نے اب دونوں ہاتھوں سے اپنے دوپٹے کو سینے سے جکڑا۔

زاران خانزادہ یہ محسوس کرتا اس سے دور ہوا تھا۔۔وہ اسے پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھی تھی۔۔شائد وہ اسے بدکردار عیاش خان سمجھ رہی تھی۔۔جو باہر کی عورتوں پر بری نظر رکھتا ہے۔۔جس طرح وہ اسے دیکھ کر سہمی تھی اور دوپٹہ سینے سے جکڑے کھڑی تھی اس سے تو یہی ثابت ہو رہا تھا کہ وہ اسے

عیاش قسم کا مرد سمجھتی ہے۔۔زاران خانزادہ کو اب یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔۔۔

ابرش اس کو دور ہوتا دیکھ کر پلر کے دوسری طرف سے جانے لگی تو زاران خانزادہ کے ہاتھ میں اس کی کلائی آ چکی تھی۔۔

ابرش نے حیرانگی سے زاران کو دیکھا۔۔

او۔۔۔۔۔ہیلو محترمہ۔۔۔۔۔کہاں؟؟؟وہ مردان خانہ ہے وہاں آگے بہت سارے مرد ہیں۔۔کیا آپ اس حلیے میں مردوں کے سامنے جائیں گی۔۔اور ویسے بھی یہ حویلی ہے کوئی باغ نہیں جو آپ یہاں چہل قدمی کریں۔۔زاران خانزادہ نے مسکراہٹ دبائے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکتے کہا۔۔

اسے اس کی آنکھیں کافی اچھی لگی تھیں۔۔ جن میں حیرانگی واضح تھی۔۔ زاران نہ چاہتے بھی شرارتی ہوا۔۔

مگر لہجہ سنجیدہ ہی رکھا تھا۔۔ اب وہ اسے ایک سخت اجڈ گنوار سنکی خان سمجھتی تھی تو وہ اس کی اتنی جلدی غلط فہمی دور کرنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔ بلکہ اسے یہ غلط فہمی دور کرنی ہی نہ تھی۔ وہ جانتا تھا یہاں سے جانے کے بعد شائد ہی وہ یہاں کبھی آئے۔۔ وہ دونوں پھر کبھی ملے۔۔ وہ بھی اسے آئندہ زندگی میں ملنا نہیں چاہتا تھا۔

میں گارڈن میں نہیں ہوں۔ مگر آپ بھی میرے شوہر نہیں ہیں جو اتنے حق سے میری کلائی پکڑے ہوے ہیں۔ ابرش کی بات پر زاران خانزادہ حیرانگی سے اسے دیکھے گیا۔۔

وہ بہت اتنی آسانی سے یہ بات کہہ گئی تھی۔اور اس بات پر اس کے چہرے پر کوئی خفت نہیں تھی بلکہ صرف ناگواری تھی اسے اس کی کلائی پکڑنا پسند نہیں آیا تھا۔

اتنا تو سمجھ گیا محترمہ کچھ زیادہ ہی سٹریٹ فارورڈ ہیں۔۔۔

زاران نے اس کی کلائی کھینچ کر اسے دوبارہ پلر سے لگایا۔۔میں تمھارا شوہر نہیں ہوں نا ہی مجھے تمھارا شوہر بننے کا شوق ہے۔۔کہا تھا تمھیں رات کو ہم خان تم جیسی عورتوں کو اپنی عورت نہیں بناتے۔۔زاران خانزادہ اس کے چہرے پر نظریں دوڑائے بولا۔۔

ابرش کا رنگ توہین کے مارے سرخ ہوا تھا۔۔کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے ؟؟۔۔۔کہنا کیا چاہتے ہیں کھل کر کہیں ؟؟۔۔میرا مطلب ہے تم

کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔۔ ابرش نے تم کہہ کر اسے وہ عزت دینا ضروری نہیں سمجھا تھا جو وہ اسے آپ کہہ کر دے چکی تھی۔۔

وہ اسے تم """ کہہ کر اپنے لب پھیلائے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی زاران خانزادہ کے لیے اپنی مسکراہٹ چھپانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

وہ صرف سٹریٹ فارورڈ ہی نہیں بلکہ اس کے ایکسپریشن بھی بہت صاف اور واضح ہوتے تھے وہ جو سوچتی تھی مقابل کے لیے جاننا مشکل نہ ہوتا تھا۔۔

چلو میں کھل کر کہتا ہوں۔۔۔ زاران خانزادہ نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے تھے۔ وہ انتہائی سنجیدہ ہوا۔۔

ابرش بھی لب بھینچے اسے سنجیدگی سے دیکھے گئی۔۔

سب سے پہلے تمھیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔۔ تم بنا سوچے سمجھے بولتی ہو۔۔ تم اپنے لفظوں پر شرمندہ بھی نہیں ہوتی۔۔ دوسرا تمھیں ڈریسنگ کرنے کی تمیز بلکل نہیں ہے۔۔ زاران نے اب کی بار اس کے نشیب و فراز پر اپنی نگاہیں گاڑھیں۔۔ ابرش جس نے دوپٹہ مٹھیوں میں جکڑا تھا مزید اچھی طرح خود کو کور کیا۔۔ زاران یہ دیکھتا گہرا مسکرا گیا۔۔۔ اس نے جان بوجھ کر یہ بات کر کے اسے زچ کیا تھا اور وہ زچ ہو بھی گئی تھی۔۔ اس کی تلملاہٹ اور لال چہرہ زاران خانزادہ کو مزا دے گیا تھا۔

تم ایک مغرور بد تمیز لڑکی ہو۔۔۔ زاران نے اس کی مزید برائیاں گنوائیں۔ ۔ دیکھو مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوے پکارا۔۔

ابھی تمھاری تعریفیں ختم نہیں ہوئیں۔۔ مزید سن لو۔۔ زاران نے اسے بیچ میں ہی ٹوکا۔۔

تم نہ صرف مغرور بلکہ خود پسند بھی ہو۔ تمھیں اپنی خوبصورتی پر بے حد غرور ہے۔۔ اور یہ تمھیں لگتا ہے تم خوبصورت ہو۔۔۔ اصل میں تم بلکل خوبصورت نہیں ہو۔۔۔

اگر تمھیں کوئی نہ دیکھے تو تمھیں اس پر غصہ آتا ہے۔۔ اگر تمھیں کوئی دیکھے تو تمھیں مزید غصہ آتا ہے۔۔ تمھیں خود ہی نہیں پتہ تم کیا چاہتی ہو تم ایک کنفیوژن پرسن ہو۔۔

ابرش منہ کھولے سب سن رہی تھی۔۔۔اس نے آخری بات بلکل سچ کہی تھی۔۔اسے اس دن پہلے اس کے نہ دیکھنے پر غصہ آیا تھا بعد میں اس کے دیکھنے پر غصہ آیا تھا۔۔

سب سے بڑی برائی تم دل میں مقابل کی ہر بات سچ تسلیم کرتی ہو منہ سے اقرار نہیں کرتی۔۔زاران نے کہا تو ابرش کا رنگ مزید سرخ پڑا تھا۔۔وہ اس کے دل کی بات بھی جان گیا تھا۔

تم اپنے بارے میں کیا کہو گے۔؟؟۔۔ابرش تڑخ کر بولی۔۔وہ مزید اس کی باتیں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

کیا کہوں گا میں ؟؟میں جو ہوں سامنے ہوں۔۔۔بلکل پرفیکٹ۔۔۔زاران نے سنجیدگی سے ابرو اچکایا تھا۔۔

تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش بول ہی رہی تھی کہ زاران نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔۔

میں مغرور انسان ہوں جسے اپنی دولت شان و شوکت پر غرور ہے۔ جسے دیکھنے تک کی تمیز نہیں ہے۔۔جو صرف اپنی گھر کی عورتوں کو عزت دیتا ہے۔۔۔میں ایک خان ہوں۔۔اس لیے میں سفاک ظالم جنگلی وحشی اجڈ گنوار بھی ہوں۔۔۔ تمھاری ریسرچ بالکل میرے بارے میں ٹھیک تھی۔۔میں واقعی میں ایسا ہی ہوں۔۔۔وہ ابرش کے دل کی تمام باتیں خود کے لیے کہہ چکا تھا۔۔ابرش مزید تلملا کر رہ گئی تھی۔۔وہ تو ایسے اپنی برائیاں گنوا رہا تھا جیسے وہ اچھائیاں ہوں۔اسے تو بلکل شرم نہ تھی۔

اب بات یہ ہے مس امیریکہ۔۔۔۔بے شک تم ہمارے گھر کی عورت نہیں ہو مگر پھر بھی آپ مردان خانے میں مردوں میں نہیں جا سکتی۔۔۔ آپ یہاں کچھ دن کی مہمان ہیں۔۔تو مہمان بن کر رہیں تو بہتر ہو گا۔۔۔زاران اسے گھورتا وہاں سے چلا گیا۔۔

ابرش اس کے جانے کے بعد وہاں کافی دیر تک کھڑی رہی۔۔وہ جو زاران خانزادہ کے متعلق سوچ رہی تھی وہ اس کے سوچ اور اندازوں پر مہر لگا چکا تھا۔۔پہلے سے کہیں زیادہ زیادہ اس کے دل میں اس کے لیے ناپسندیدگی پیدا ہو چکی تھی۔۔

شہرام خانزادہ بہارے کے روم کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تو وہ کمرے میں موجو نہیں تھی۔وہ ہاتھ میں پکڑا پیکٹ جس میں گلاب کے گجرے

تھے۔ وہ لیے بیڈ کی جانب بڑھا اور بیڈ پہ بیٹھ کر بہارے کا انتظار کرنے لگا جو ڈریسنگ روم میں موجود تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ڈریسنگ روم میں بیلو کا مدار میکسی پہنے ہوے نکلی تھی۔۔ اس نے ڈریسنگ سے نکلتے ہوے شہرام خانزادہ کو بیڈ پر بیٹھا دیکھ لیا تھا۔۔ مگر اسے مکمل طور پر اگنور کیے وہ ڈریسنگ مرر کی جاب بڑھی۔۔

اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے بے تاحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

وہ کل سے مسلسل رو رہی تھی۔۔ اس نے گھر آکر روزینہ خانم کو بڑھا چڑھا کر سارا قصہ ان کے گوش گزارا تھا۔ جس میں اس نے شہرام کو قصوروار ٹھہرایا تھا۔۔ اور یہ بھی اسے شہرام سے طلاق چاہیے۔۔ مگر روزینہ خانم سے اسے طلاق کی بات پر زوردار تھپڑ پڑا تھا۔۔ انہوں نے پری گل اور امینہ خانم کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔۔ اسے تھپڑ کے ساتھ کافی کچھ سنا بھی ڈالا تھا۔۔ وہ

کل سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔۔نہ ہی اس نے کھانا کھایا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے روزینہ خانم نے آکر اس کی پھر کلاس لی تھی۔۔ جس کی وجہ سے وہ اب نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہو رہی تھی۔۔۔ شہرام خانزاہ اس وقت بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔۔۔

اس نے بیڈ پر بیٹھے ہی لب بھینچے بہارے کو دیکھا جو اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔۔ وہ اس کے وجود کو مکمل اگنور کیے ہوئے تھی۔ جیسے وہ وہاں پر ہے ہی نہیں یا پھر اس کے لیے اس کا ہونا یا نہ ہونا بلکل معنی نہیں رکھتا۔۔ وہ بنا دوپٹے کے اس سے بے نیاز کھڑی تھی۔۔ ورنہ اسے دیکھتے ہی وہ دوپٹہ لینا اپنا فرض سمجھتی تھی۔۔

شہرام اب بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے غور سے دیکھنے لگا۔۔ بہارے نے بال بنا کر سر پر اچھی طرح دوپٹہ لیا تھا۔۔

ہونٹوں پر لپ سٹک لگائے وہ اسے مکمل اگنور کرتے باہر جانے لگی۔۔ شہرام نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ لاک کیا تھا۔ اور اسے اپنی بانہوں میں بھرا۔۔ وہ اب خاموشی سے اس کی بانہوں کے حصار میں نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ آج اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔۔ شہرام اس کی کمر پر اپنے دونوں بازو لپیٹے ہوے تھا۔۔ وہ اس کی بانہوں میں بلکل بے حس و حرکت نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔

اتنی سعادت مندی۔۔۔۔۔۔۔ کیوں مجھے ہارٹ اٹیک کرنے کا آرادہ ہے۔۔۔ شہرام اس کی جھکی نظروں کو دیکھ کر شرارتاً بولا۔۔

بہارے کو کوئی ری ایکٹ نہ کرتے دیکھ کر شہرام سنجیدہ ہوا تھا۔۔ اس کے ایک گال پر انگلیوں کا نشان واضح تھا۔۔ کل جو ہوا اسے خبر ہو چکی تھی۔۔

شہرام نے اس بات پر کافی ہنگامہ بھی کھڑا کیا تھا کہ اس کی بیوی پر ہاتھ اٹھانے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔۔ وہ اس کا اور اس کی بیوی کا مسئلہ ہے وہ دیکھ لے گا۔۔

شہرام نے اس کے گال کے نشان پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیریں۔۔

یکدم بہارے نے اس کی انگلیاں اپنے گال سے جھٹکی تھیں۔۔

مذاق اڑانے آئے ہو میرا۔۔۔۔۔۔۔ مجھے بتانے آئے ہو کہ میں کتنی بے بس ہوں۔۔۔ مجھ پر کوئی بھی ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔۔ جب جب میں تم سے طلاق مانگوں گی۔۔ ایسے ہی کئی تھپڑ میرا مقدر رہوں گے تو خوش ہو جاؤ

شہرام خانزادہ کل مجھے لاونج میں ملازماؤں کے سامنے تھپڑ پڑا ہے۔۔۔ بہارے گل اس کی بانہوں میں کھڑی چیخ پڑی تھی۔۔

آئندہ تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔۔۔میں نے بات کی ہے تمھاری مورے سے،، شہرام نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کے کمر پر اپنا حصار مضبوط کیا تھا۔۔وہ اس کی بانہوں میں اب کھڑی اس کی بات پر جھٹپٹائی تھی۔۔

مجھ پر یہ احسان بھی تمھارا کیا دھرا ہو گا۔۔سب مجھے دن میں ہزاروں بار جتاتے ہیں۔۔میں آج جو کچھ ہوں تمھاری وجہ سے ہوں۔۔۔میں صرف تمھاری ہوں۔۔وہ مجھے جلد تمھارے حوالے کر دیں گے۔۔جیسے میں کوئی گائے بیل یا بکری ہوں جو مجھے تمھارے کھونٹے سے باندھ دیں گے۔۔۔بہارے گل اس کی بانہوں میں مچلی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو بہارے۔۔۔۔۔۔۔تم صرف اس لیے مجھ سے طلاق چاہتی ہو کیوں کہ میں نے تعلیم حاصل نہیں کی۔۔تمھارے نزدیک شہرام خانزادہ

کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔۔ میرے جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔۔۔ کیا ہو جاتا اگر میں اعلی تعلیم یافتہ ہوتا۔۔۔۔ میں امیریکہ لندن یا پھر یہاں کی اچھی یونیورسٹی سے پڑھا ہوتا۔۔۔۔ کیا تمھارے دل میں میرے لیے جذبات بدل جاتے۔۔۔ کیا دلوں کے رشتے اتنے خود غرض ہوتے ہیں جو دکھاوے اور خواہشات سے جڑے ہوتے ہیں۔۔

ہاں دلوں کے رشتے خود غرض ہوتے ہیں۔۔۔ یہ دل بھی اسی طرف راغب ہوتا ہے جو دل کو بھاتا ہے تم مجھے کبھی نہیں بھائے۔۔۔۔ کیسے تمھیں پسند کر سکتی ہوں جس کی اپنی کوئی پہچان نہ ہو۔ بہارے اس کی بانہوں سے خود کو چھڑواتے ہوے چیخی تھی۔۔

لیکن میں نے تو تم سے تب محبت کی جب تم صرف بہارے تھی۔۔ میں نے تو ڈاکٹر بہارے سے کبھی محبت نہیں کی۔۔ شہرام کی کرب سے کہی ہوئی بات پر وہ استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

ہمیشہ مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے آئے ہو۔۔ یہاں تک کہ میری ضد میں تم نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی۔۔۔ مجھ سے محبت کا دعوہ کیسے کر سکتے ہو تم شہرام ؟؟؟۔۔۔۔۔۔ بہارے نے تلخی سے سوال کیا۔۔

تمھاری ضد میں پڑھائی چھوڑی تھی کیونکہ میں چاہتا تھا تم مجھ سے محبت کرو نا کہ میری کامیابی سے۔۔۔۔ لیکن مجھے نہیں پتہ تھا تم ایک خود غرض لڑکی نکلو گی۔ جسے صرف خود سے پیار ہے۔۔۔ شہرام نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اسے اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔

اگر میں خود غرض ہوں تو طلاق دو مجھے۔۔ آزاد کرو مجھے۔۔۔ بہارے حلق کے بل چیخی۔۔۔۔

شہرام کے دھواں دھواں چہرے پر نظریں گاڑھتے وہ استھزائیہ ہنسی تھی ۔۔رخ پلٹے دروازے کی طرف بڑھی۔۔

دفعتاً شہرام نے اس کا دوپٹہ پکڑ کر کھینچا تھا۔۔اس نے اتنی زور سے دوپٹہ کھینچا تھا اس کے بالوں میں بری طرح کھینچ پڑی۔۔ دوپٹہ پنز سے اٹیچ کیا ہوا تھا۔۔۔ جسے شہرام نے بے دردی سے کھینچ ڈالا تھا۔۔

اس نے بے یقینی سے رخ پلٹتے شہرام کو دیکھا جو اس کا دوپٹہ ہاتھ میں لیے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

اسے شہرام سے خوف سا محسوس ہوا وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔وہ اندر تک لرز گئی تھی۔۔وہ جلدی سے دراوازے کی جانب بڑھی ۔۔۔اسے شہرام سے خوف محسوس ہوا تھا۔۔اس کے نزدیک وہ ان پڑھ گنوار تھا جس کا تہذیب سے دور دور واسطہ نہ تھا۔۔وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔۔اپنے نکاح میں ہونے کا فائدہ بٹھا سکتا تھا۔۔دوسرا وہ باہر ایسی حالت میں بنا دوپٹے کے جا کر فنکشن میں سب کو شہرام کے کرتوت بتانا چاہتی تھی۔۔تھپڑ کھا کر بھی وہ سنبھلی نہیں تھی۔۔اس سے پہلے وہ دراوازہ کھولتی شہرام نے اسے پیچھے سے بالوں سے دبوچا تھا۔۔اس نے بالوں سے دبوچ کر اسے اپنے مقابل کیا۔وہ اس کی سخت گرفت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔اس نے بہت بے دردی سے اپنی مٹھی میں اس کے بالوں کو جکڑا ہوا تھا جس پر وہ اپنی گرفت مسلسل بڑھائے جا رہا تھا۔

چھوڑو مجھے جنگلی وحشی انسان۔۔۔۔ بہارے اپنے بال چھڑواتے ہوے چلائی۔۔

میں نے کبھی تمھیں اپنا جنگلی اور وحشی پن دکھایا ہی تو نہیں ہے۔۔ تبھی تو تمھاری زبان اتنی فراٹے بھرتی ہے۔۔ مگر آج میں تمھیں اپنا جنگلی اور وحشی پن دکھاؤں گا۔۔ تاکہ تمھیں اچھی طرح اندازہ ہو اصل میں ایک گنوار انسان جب وحشی پن پر اترتا ہے کیسا محسوس ہوتا ہے۔۔۔

شہرام نے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔۔ بہارے نرم گدے پر بری طرح گری تھی۔

اس سے پہلے بہارے بیڈ سے اٹھتی۔۔۔ شہرام نے آگے بڑھ کر بہارے کی کلائیوں کو اپنی گرفت میں لے کر انھیں بیڈ سے لگایا تھا۔۔ اور اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔۔

بہارے اب اس کے بھاری وجود کے نیچے سانس تک نہیں لے پا رہی تھی۔۔اس کی کلائی میں چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی کو زخمی کر چکی تھی۔۔

مگر شہرام کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔۔۔

شہرام یہ کیا کر رہے ہو تم ؟؟ ہوش میں تو ہو۔۔۔۔ بہارے نے صدمے کی کیفیت میں تقریباً چیختے ہوے کہا۔۔وہ تو آج سچ میں جنگلی بنا ہوا تھا۔

آج ہی تو ہوش میں آیا ہوں۔میں ہی پاگل بے وقوف تھا جسے لگا تھا تمھیں محبت کی بات سمجھ میں آتی ہے۔۔لیکن نہیں یہ میری بھول تھی تمھیں صرف وہ رویہ سمجھ میں آتا ہے جو اب میں تمھارے ساتھ کر رہا ہوں۔۔شہرام نے اس کی نازک کلائیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کی کان میں جھکتے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کھینچ کر کاٹا۔۔بہارے درد سے چلا اٹھی تھی۔۔

کہا تھا میں نے مجھے اتنا غصہ دلاؤ جتنا سہن کر سکو۔۔۔

شہرام نے بہارے کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے ذرا سا اوپر کیا تھا۔۔ ایک ہاتھ سے اس کی دونوں کلائیاں جکڑی ہوئی تھیں۔ اس کی کمر کو اٹھاتے اس کی زپ کھینچ ڈالی تھی۔۔ بہارے کی آنکھیں خطرناک حد تک کھل گئی تھیں۔۔ مکیسی اب اس کے شولڈرز سے ڈھیلی ہو چکی تھی۔۔

شہرام یہ تم کیا کر رہے ہو؟؟۔ بہارے کی صدمے سے اب آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔۔ وہ وحشی جنگلی ہی نہیں پہاڑی بھی تھا۔۔ اس کے پہاڑ جیسے وجود کے نیچے اس کا حرکت کرنا بھی محال ہو چکا تھا۔۔

تمھیں نہیں پتہ میری پڑی لکھی بیوی۔۔۔۔۔۔ میں اپنا حق لے رہا ہوں۔۔ پڑھا تو ہو گا ناں شوہر کے حقوق۔۔۔۔۔ یہ بھی پڑھا ہو گا۔۔ شوہر کے حقوق نہ پورے کرنے والی بیوی جہنمی ہے۔۔ میں تمھیں صرف دوزخ

کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں۔۔ میری نازک بہارے کچن میں چولہے کے آگے کھڑی ہو جائے اس کی تپش سے اس کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔۔ میں کیسے برداشت کروں گا۔۔ جب جہنم میں تم جلو گی۔۔۔۔۔۔

بہارے نے روتے ہوئے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں۔ اپنے اوپر کمبل لیتے وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کے ہونٹوں پر جھکا۔۔۔ وہ اتنی شدت سے اس کے ہونٹوں پر قابض ہوا تھا بہارے اس کی شدت اور اس کی سختی پر پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔۔ مگر وہ مسلسل اس کے لبوں پر اپنی سختی بڑھا رہا تھا۔ بہارے کی آنکھوں سے سیال مادہ جاری تھا۔۔

وہ گہرا کٹ لگا کر پیچھے ہوا بہارے اپنی حالت اور اس کے وحشی لمس سے اتنی خوفزدہ ہو چکی تھی وہ حرکت بھی نہ کر پا رہی تھی۔۔ وہ اس کے سامنے

دوپٹہ نہیں اتارتی تھی۔۔ آج اس طرح وہ اس کی گرفت میں تھی۔۔ بے بسی کے احساس سے اس کا مرنے کو دل کر رہا تھا۔

جی تو میرا یہی کر رہا ہے آج تمھیں اصل میں تمھاری اوقات یاد دلاؤں۔ مگر میں تمھاری طرح اتنا نہیں گر سکتا. لیکن تمھارے لیے اتنا ٹرائل کافی ہے۔۔۔ آئیندہ منہ سے طلاق کا لفظ نکالتے یہ سین اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔۔۔ آج تمھاری اس لیے بچت ہو گئی کیونکہ میں واقعی میں ان پڑھ ہوں۔۔ پڑھا لکھا ہوتا تو تمھیں اچھی طرح بتاتا کہ میں تم پر کتنا حق رکھتا ہوں۔۔ ایک پڑھا لکھا شوہر اپنا حق کیسے لیتا ہے۔۔ یہ جو تم باہر جا کر سب کو بتانا چاہتی تھی کہ میں تمھارے ساتھ کیا کرنے والا تھا اب ضرور بتانا۔۔۔ چیخ چیخ کر بتانا۔۔۔ کل خجستہ کے ساتھ تمھاری بھی رخصتی ہو جائے گی۔۔ اور پھر یہ سب کچھ نہیں ہو گا اور بھی بہت کچھ ہو گا۔۔ جو تمھاری یہ

خود غرض جان برداشت نہیں کرے گی۔۔۔کیونکہ ایک دیہاتی اور ان پڑھ کو کسی بات کی تمیز تو ہوتی نہیں۔۔

تو شہرام خانزادہ اپنی بدتہذیبی اور جاہلانہ پن تمھارے پور پور میں اتار دے گا۔اور ناتجربہ بھی کار ہوں۔۔سارے تجربے تم پر ہی کروں گا۔۔پہلی رات ہی تم کہیں مر ہی نا جاؤ اس جاہل اور وحشی انسان کے ستم سے۔۔۔۔۔۔شہرام اس کے کان میں پھنکارتا اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔اور کمرے سے باہر نکل گیا۔۔بہارے کمبل اچھی طرح خود پر لیتی تکیے پر سر پٹختے رونے لگی تھی۔۔

ابرش نے کمرے میں آکر ڈریس چینج کر کے ہلکا پھلکا ڈریس پہنا تھا۔۔وہ اس وقت سمپل سے بلو ڈریس میں موجود تھی۔۔زاران سے جھڑپ کے بعد وہ

اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔۔رات کا کھانا اس کے کمرے میں ہی بجھوا دیا گیا تھا۔۔ مگر زحلے نے کمرے میں آکر اسے بہت ڈانٹا تھا کہ اگر اسے ایسا رویہ رکھنا تھا تو وہ یہاں آتی ہی ناں۔۔ عنایہ اور آہل سب سے کیسے گھل مل گئے ہیں۔ اور اس کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے ہیں۔۔ ہمیشہ کی طرح انہوں نے آخر میں رونا اپنا فرض سمجھا تھا۔۔ ابرش سرد سانس کھینچتے سب سنتی رہی تھی۔۔ زحلے کے جانے کے بعد اس نے ڈریس چینج کر کے سونے کے لیے ہلکا پھلکا ڈریس پہنا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد اس کے کمرے میں کھانا بجھوا دیا گیا تھا۔ ملازمہ نے بتایا امینہ خانم نے اس کے لیے کھانا بجھوایا ہے۔۔ اسے محسوس ہوا تھا یہاں سب بہت اچھے مہمان نواز ہیں۔ سوائے اس زاران خانزادہ کے۔۔۔ ایک بار پھر سے اس کی باتیں یاد آئیں تو ابرش کو نئے سرے سے غصہ آنا شروع ہو گیا۔۔

وہ زاران خانزادہ پر لعنت بھیج کر گلاس ونڈو سے پہاڑ دیکھنے لگی۔۔رات کے اندھیرے میں پہاڑوں پر کہیں کہیں لائٹس آن دکھائی دے رہی تھیں۔شائد وہ گھر تھے جہاں سے۔ جلتی لائٹ جگنوؤں کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔۔ابرش مبہوت ہو کر اتنا خوبصورت منظر دیکھ رہی تھی۔ابرش نے گلاس ونڈو کھولی تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے اندر تک سرائت کر گیا تھا۔۔ابرش نے جلدی سے گلاس ونڈو بند کر کے پردے برابر کیے۔۔حویلی کے اندر تو اتنی سردی کا احساس نہیں ہو رہا تھا اور کمروں میں بھی نہیں۔۔۔۔مگر باہر رات کے ٹائم اچھا خاصہ ٹھنڈا موسم تھا۔۔

ابرش بیڈ پر لیٹنے ہی لگی تھی کہ کمرے کا دروازہ ناک ہونے پر ابرش نے دروازے کی طرف نگاہ کی۔۔جہاں سے بہت خوبصورت لڑکی اندر داخل

ہوئی تھی۔ جس نے سمپل سا ڈریس زیب تن کیا تھا۔۔ جس پر بڑا سا دوپٹہ اس نے سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مختلف شاپنگ بیگز تھے۔۔

اسلام و علیکم... میرا نام عابیر ہے۔۔ عابیر نے اندر داخل ہوتے اپنا تعریف کروایا۔۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اس نے بیڈ پر رکھے۔۔

و علیکم اسلام۔۔۔ میرا نام ابرش ہے۔۔ ابرش نے بھی جوابًا اپنا تعارف کروایا۔۔

تم واقعی میں بہت پیاری ہو۔۔۔ عابیر نے ابرش کو دیکھتے ہوئے کھلے دل سے تعریف کی تو ابرش ہلکا سا مسکرا گئی تھی۔۔

تم بھی بہت پیاری ہو۔۔ ابرش نے بھی مسکراتے ہوئے جوابًا عابیر کی تعریف کی تھی۔۔

میں نے تمھیں باہر ابھی دیکھا تھا مگر تم سیدھا کمرے میں چلی آئی۔۔اس لیے ملاقات نہیں ہو سکی۔۔

رات پھوپھو سے ملاقات ہوئی تھی تم سے نہ ہو سکی۔۔میں تھوڑی دیر بعد اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔۔میرا آج پیپر تھا۔اس لیے کل مجھے تیاری کرنی تھی۔عابیر مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔۔ابرش اس کی سادگی سے بات کرنے پر حیران ہو رہی تھی۔۔وہ اس سے ایسے بات کر رہی تھی جیسے وہ اسے جانتی ہو۔۔۔

اچھا کیا پڑھ رہی ہو تم؟؟۔۔ابرش نے بھی اس کے بے تکلفی محسوس کرتے مسکراتے ہوئے پوچھا۔۔میں بی اے کر رہی ہوں۔۔عابیر کے بتانے پر ابرش ہلکا سا مسکرائی تھی۔۔

میں تمھارے ماموں اربد خان کی بیٹی ہوں۔زاران لالا میرے لالا ہیں

۔۔۔عابیر نے مزید بتایا تھا۔۔۔زاران کے نام پر ابرش کا حلق کڑوا

ہوا۔۔۔۔

عابیر نے بیڈ سے ایک پیکٹ اٹھا کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔

یہ کیا ہے ؟؟ابرش نے وہ تھامتے ہوے پوچھا۔۔

یہ مورے نے تمھارے لیے بھیجے ہیں۔۔مورے نے عنایہ پھوپھو اور

تمھارے لیے بھی شادی کے کپڑے بنوائے تھے۔۔عابیر کے بتانے پر اس

نے شاپنگ بیگ سے وہ ڈریس نکال کر دیکھا جو ریڈ کلر کی لانگ شرٹ تھی

جس پر بہت خوبصورت شیشوں اور دبکے کا کام ہوا تھا۔ساتھ میں کھلا سا

ٹراوزر تھا۔۔جس پر ریڈ دوپٹہ۔۔جس کے بارڈر پر سہنری دبکے کا کام ہوا

تھا۔۔ ساتھ میں جیولری بھی تھی جس میں ماتھا پٹی اور بڑے بڑے جھمکے بھی تھے جو بہت خوبصورت تھے۔

یہ تو بہت پیارا ڈریس ہے۔۔ ابرش کو وہ ڈریس پسند آیا تھا۔۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑی۔۔

یہ تم اس لیے لائی ہو کیونکہ تم سب کو میری ڈریسنگ اچھی نہیں لگی۔۔ ابرش نے وہ ڈریس بیڈ پر رکھتے ہوئے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

اسے خود رات سے ہی محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ان لوگوں جیسی ڈریسنگ نہیں کی۔۔ حتی کہ اس کا ڈریس بلکل ٹھیک تھا۔۔ وہ تھوڑا سا بیک لیس تھا جو اس نے بالوں سے چھپایا تھا۔۔ مگر وہ پھر بھی محسوس کر رہی تھی۔

نہیں ایسی بات نہیں ہے۔۔ یہ تو مورے کی طرف سے تم سب کے لیے گفٹ ہیں۔ اگر تم یہ نہیں بھی پہنو گی تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ تمھاری ڈریسنگ کیوں بری لگے گی کسی کو۔۔۔ وہ تمھاری چوائس تھی۔۔ تم اس ڈریس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ لیکن اگر تم یہ پہنو گی تو مورے کو بہت اچھا لگے گا۔۔ مجھے لگتا ہے تم اس میں زیادہ پیاری لگو گی۔۔ اگر تمھیں تیار ہونے میں میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں کر دوں گی۔۔ اور بھی کپڑے ہیں ان پیکٹس میں جس میں لانگ میکسی بھی ہیں۔ مورے نے شہر کی بوتیک سے بنوائے ہیں یہ سارے کپڑے۔۔۔۔۔

عابیر ابرش کی بات سنتے مبہم سا مسکراتے اسے بتانے لگی۔

ابرش کو عابیر بہت اچھی لگی تھی۔۔ وہ بہت سمپل اور پیارے طریقے سے بات کر رہی تھی۔۔ ابرش اس کی باتوں پر اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔۔

عابیر اس کے کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھ گئی۔۔اور تمام گھر والوں کے بارے میں بتانے لگی۔۔کچھ لوگوں سے ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ابرش اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔۔ابرش بھی تھوڑی دیر بعد اس سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔

ابھی ابھی عابیر اسے تیار کر کے گئی تھی۔۔ریڈ ٹراوزر جس پر ڈیپ ریڈ کھلتی ہوئی کام والی لانگ شرٹ پہن رکھی تھی۔۔بالوں کو سمپل سے جوڑے میں قید کیا تھا۔۔سر پر دوپٹہ اور ماتھا پٹی عابیر نے سیٹ کی تھی۔گلے میں چوکر پہنے۔۔۔۔کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہنے ہوے تھے۔۔ابرش کو میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔۔ریڈ دوپٹے اور ماتھا پٹی پہنے وہ دمکنے لگی تھی۔۔

عابیر نے اسے صرف ریڈ لپ سٹک لگائی تھی۔۔ ابرش خود کو آئینے میں دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی۔۔ اس نے آج سے پہلے اپنا ایسا روپ نہیں دیکھا تھا۔۔ اس نے آج سے پہلے سر پر دوپٹہ نہیں لیا تھا۔ نہ اتنی ہیوی جیولری پہنی تھی۔۔ نہ ہی ٹرڈ شنل ڈریس پہنا تھا نہ کبھی تیز رنگ کی لپسٹک لگائی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی نظر بھر کر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔۔۔

وہ باہر آئی تو زحلے اور آمینہ خانم دونوں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تھا۔۔ امینہ خانم نے تو اس کا صدقہ بھی اتارا تھا۔۔ ابرش خوامخواہ ہی شرمندہ ہو گئی تھی۔۔

ابرش سب سے ایکسکیوز کرتی عابیر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔۔ خجستہ دلہن بنی عابیر کے کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔۔ تھوڑی دیر بعد خجستہ کا نکاح تھا۔۔ زنان خانہ میں کافی تعداد میں خواتین آچکی تھیں۔۔۔

عابیر نے اورنج کانٹراسٹ میں لانگ میکسی پہن رکھی تھی۔۔ دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمائے بہت پیاری لگ رہی تھی۔۔۔ وہ آج کافی مصروف تھی۔۔ خجستہ کو بھی اس نے ہی تیار کیا تھا۔۔ ابرش نے محسوس کیا تھا۔ عابیر بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ جو ہر کام میں ماہر ہے۔۔ ہر کوئی کام کے لیے صرف اسے ہی پکار رہا تھا۔۔ وہ ہر کسی کی بات خندہ پیشانی سے سن رہی تھی۔۔

عابیر نے اسے بتایا تھا اس کی ایک اور کزن بھی ہے بہارے جو ڈاکٹر ہے مگر ابرش نے اسے کل سے نہیں دیکھا تھا۔۔۔

امینہ خانم نے ابرش سے پھولوں کے گجروں کا پیکٹ منگوایا تھا۔۔ بارات میں آئی تمام خواتین کو پھولوں کے گجرے پہنانے تھے۔۔ وہ پیکٹ عابیر کے کمرے میں تھا۔ اور دیگر ملازمائیں بھی مختلف کام کر رہی تھیں۔ عابیر مصروف تھی وہ امینہ خانم سے پوچھ کر گجروں کا پیکٹ لینے عابیر کے کمرے کی طرف آئی۔۔

خجستہ کا نکاح ہو چکا تھا۔ اب وہ باہر لاونج میں بیٹھی ہوئی تھی۔۔ تھوڑی دیر بعد اس کی رخصتی تھی۔

وہ عابیر کے کمرے میں آئی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ پھولوں کا پیکٹ تلاش ہی کر رہی تھی کہ آچانک سے لائٹ چلی گئی۔۔۔۔۔ اس وقت شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔ کمرے میں گہرا اندھیرا ہوا تو ابرش جھنجھلا کر رہ گئی۔۔ اس کا سیل فون بھی اس کے پاس نہیں تھا۔۔ یہاں لائٹ کافی جاتی تھی۔ مگر جنریٹر کا انتظام تھا۔۔ لائٹ جانے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں جنریٹر آن ہو جاتا تھا۔ ابھی بھی وہ گپ اندھیرے میں کھڑی لائٹ آنے کا انتظار کر رہی تھی۔۔

کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی داخل ہوا۔۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔۔۔ کمرے میں داخل ہونے والی ہستی نے پکارا تو اس کی کی آواز سنتے ابرش کا دل خوف سے دھڑک اٹھا تھا۔

زاران خانزادہ کا اس اندھیرے کمرے میں اس کے ساتھ تن تنہا موجود ہونا کسی خطرے سے کم نہ تھا۔۔

ابرش نے اندھیرے میں ہی اپنا دوپٹہ اچھی طرح ٹھیک کیا۔ جو آج اس نے اچھی طرح لیا ہوا تھا۔۔۔

ابرش کی زاران کی طرف پشت تھی۔۔ زاران نے کمرے میں داخل ہوتے موبائل ٹارچ آن کی..

ابرش کے جواب نہ دینے پر وہ اس کی طرف بڑھا۔۔۔ وہ اندھیرے میں ابرش کو عابیر سمجھ بیٹھا تھا۔۔ ویسے بھی ابرش نے آج اچھی طرح دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔۔ اور ابرش جیسی لڑکی کا کیا کام ادھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ نک چڑھی مغرور لڑکی بیٹھی ہو گی اپنے کمرے میں یا پھر کسی کونے میں اس کا ادھر کیا کام ؟؟؟ وہ تو اس کے بارے میں یہی سوچ رکھتا تھا۔۔ کل بھی وہ زنان خانے میں کہیں موجود نہیں تھی۔۔ زحلے عنایہ آہل اور ساری فیملی کل رات کافی دیر تک لاونج میں بیٹھے رہے تھے۔۔ مگر وہ نہیں تھی۔

اسے نہیں پتہ تھا اس کی طرف پشت کیے ابرش کھڑی ہے۔

جیسے ہی وہ ابرش کی طرف بڑھا تو ابرش اس کے قدموں کی دھمک سن کر گھبراتے ہوے بے اختیار پلٹی تھی۔ ہڑبڑاہٹ میں اور کمرے میں مدھم روشنی ہونے کے باعث وہ زاران خانزادہ کے سینے سے بری طرح ٹکرا گئی۔۔

زاران خان کے ہاتھ سے موبائل زمین بوس ہوا تھا۔۔ وہ بہت بری طرح اس کے سینے سے ٹکرائی تھی۔ اس کا نرم و نازک وجود اس کے سینے سے

ٹکرایا تو برقی روسی زاران خانزادہ کے جسم میں دوڑی۔ ساتھ ہی ابرش کی کلائی میں کانچ کی چوڑیوں کی کھنک کمرے میں گونجی تھی۔

دونوں کے بدن سے اٹھتی مہک ایک دوسرے سے ٹکرانے سے ان کی سانسوں میں انہیل ہوئی تھی۔۔ کمرے میں زمین پر پڑے موبائل کی ٹارچ کی روشنی ان تھی۔۔۔ ابرش زاران خانزادہ سے دور ہوتے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔۔

ابرش دیوار کے ساتھ چپکی آنکھیں پھاڑے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو بنا پلکیں جھپکائے اس کے کافی قریب کھڑا اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔۔

اس کے ایسے دیکھنے پر وہ مزید گھبرا گئی تھی۔ وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اس کے سامنے ایک پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔۔ سب سے بڑھ کر وہ تو اپنی نگاہیں ہی نہیں جھپکا رہا تھا۔ جیسے وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں ہو۔۔ حیرت یہ بھی تھی وہ صرف اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم چکی تھیں۔۔ وہ مجسم بنا تھا۔۔ کمرے میں موبائل کی ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس کا روپ چاندنی کی کرنوں سے متشابہ لگ رہا تھا۔۔ وہ خوبصورت تھی وہ جانتا تھا مگر اس کی خوبصورتی زاران خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں بھی بڑھا سکتی ہے۔۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا۔۔

ابرش نے زاران خانزادہ کے ایسے سٹل پتھرائی آنکھوں سے دیکھنے پر کانپتے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا جو شولڈرز سے پنز کے ذریعے اٹیچ کیا تھا۔ مگر زاران خانزادہ کی وہ بے باک گہری نظریں وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔ جو اس

دن اس نے بڑے دھڑلے سے بے شرمی کی ساری حدیں پار کرتے اس کے بدن کے نشیب و فراز پر گاڑھی تھیں۔۔نہ صرف گاڑھیں تھیں بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے جتایا بھی تھا کہ اس میں دیکھنے کے لائق صرف اس کا بدن ہے۔۔

ابرش کے دوپٹہ ٹھیک کرنے پر اس کی کلائی میں پہنی کانچ کی چوڑیوں کی کھنک اس اندھیرے کمرے میں پھر سے گونجی تو زاران خانزادہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔۔اس کی چوڑیوں کی کھنک سے زاران خانزادہ کا دل بھی جیسے ڈوب کر ابھرا تھا۔۔

زاران خانزادہ کے وجود میں ہلچل محسوس کر کے ابرش نے بھی حرکت کی تھی۔۔وہ جلدی سے اس کے پاس سے گزرتے جانے لگی تو زاران خانزادہ نے دیوار پر اس کے دونوں اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے اس کا

راستہ محصور کیا۔۔ ابرش جو پہلے ہی اس کے ساتھ اندھیرے کمرے میں موجود ہونے پر پریشان تھی۔۔ اس کے ایسے راستہ روکنے پر وہ مزید پریشان ہوئی تھی۔۔

وہ اس بے باک، بے شرم، بد تمیز اکھڑ مزاج، جو کہ انتہائی غصیلہ بھی تھا۔۔ جسے وہ عیاش مرد بھی سمجھتی تھی۔ اس کے ساتھ کمرے میں اکیلی تھی۔۔ اب وہ اس کا راستہ بھی روک چکا تھا۔۔۔ اس کا پریشان ہونا تو بنتا تھا۔۔۔

اوپر سے اس خان نے لگتا تھا پرفیوم کی پوری بوتل خود پر انڈیل دی ہو ۔۔ اس کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ خوشبو سے ابرش کا سانس بند ہو رہا تھا۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی مرد اس کے اتنا نزدیک آیا تھا۔۔۔ اور وہ

بھی ایک خانزادہ۔۔۔ابرش کو اس کی طرح اس کا پرفیوم بھی سخت ناپسند آیا تھا۔

ابرش کی آنکھوں میں اس کے قریب آنے پر حیرانگی واضح تھی۔۔اس نے پھر سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا تو اب کی بار زاران خانزادہ جھنجھلایا تھا۔۔اس کی یہ حرکت کافی ناگوار گزری تھی۔۔

دوپٹہ کیوں ٹھیک کر رہی ہو بار بار؟؟؟۔۔۔ٹھیک تو ہے۔۔۔زاران نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔۔ویسے بھی آج میری نظر کہیں اور ہے۔۔زاران کی نظریں اس کے خوبصورت نقوش پر ٹھہر گئی تھیں۔

ہاں کک کیا کہہ رہے ہیں؟؟ابرش کی شہد رنگ آنکھوں میں حیرانگی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

کچھ نہیں کہہ رہا۔۔۔زاران خان اس کے ماتھے پر چمکتی شبنم دیکھ کر اس سے دور ہوا۔۔۔بلکہ وہ اپنی حالت کے پیش نظر بھی اس سے دور ہوا تھا۔۔۔

یہ پہلی لڑکی تھی جس نے نہ صرف اس کی دل کی دھڑکنیں بڑھائی تھیں۔ بلکہ زاران خانزادہ کے دل کی سرزمین پر بہت سے جذبات بھی سر دھننے لگے تھے۔۔جس میں سرفہرست اس کے سرخ ہونٹوں کی لالی چرانا تھا۔۔عجیب سی پیاس اسے ابرش کو دیکھتے محسوس ہو رہی تھی۔۔اس کے حلق میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔۔وہ اس کے ساتھ اندھیرے کمرے میں تن تنہا ہے۔۔۔مخالف صنف میں ہر مرد کشش محسوس کرتا ہے۔۔اگر عورت خوبصورت ہو تو مرد شائد ایسے ہی اٹریکٹ ہوتا ہے۔۔

یہ نیچرل ہے۔۔

شائد اس لیے وہ ایسا محسوس کر رہا ہے۔۔۔وہ اپنے دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں کو اگنور کر گیا تھا۔

اس سے دور ہوتے اس نے موبائل اٹھا کر رمضان کو کال ملائی۔

ابھی تک جنریٹر کیوں آن نہیں ہوا۔۔زاران غصے سے گرجا۔۔

زاران نے اپنا سارا غصہ جھنجھلاہٹ رمضان پر اتاری۔۔وہ کب بھلا کسی کے لیے اتنا بے بس ہوا تھا؟؟اور آج وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر بے بس ہو رہا تھا۔اس لیے اس کی آواز کافی اونچی اور سختی لیے ہوئی تھی۔۔

وہ خان صاحب کوئی مسئلہ آرہا ہے۔۔ سمجھ نہیں آرہا۔ ٹھیک کر رہے ہیں۔۔ ابھی ہو جاتا ہے۔۔ رمضان نے کہا تو زاران نے غصے سے فون بند کر دیا۔۔

ابرش اس کے اتنا غصہ کرنے منہ بنا گئی تھی۔۔ موصوف کو سوائے غصہ کرنے اور اپنا رعب جھاڑنے کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔۔ بیچارے نوکروں کو بھی نہیں چھوڑتا۔۔ ابرش اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے سوچ رہی تھی۔

وہ دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تو برش اس کے ایک سائیڈ سے ہو کر جانے لگی۔۔ زاران نے جلدی سے اس کی کلائی پکڑی تھی۔۔ عجیب مصیبت تھی اس لڑکی کے ساتھ وہ کمرے میں مزید ٹھہرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر اس کا کمرے سے جانا بھی گوارا نہیں تھا۔۔ زاران اپنی ہی کیفیت سے جھنجھلایا۔۔

کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ ؟؟۔۔ کیوں بار بار میری کلائی پکڑتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ اندھیرے کمرے میں اکیلی تھی۔۔ اس لیے تمیز کے دائرے میں اسے آپ کہہ کر پکارا تھا۔۔ اس کی نظروں سے تو وہ ویسے ہی خائف تھی۔۔ اس کا مضبوط پہاڑ جیسا وجود بھی اگنور کرنے کے قابل نہ تھا۔۔ اپنی کلائی پر اس کی گرفت سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ وہ یہاں کے پہاڑوں کی طرح کافی مضبوط اور سخت ہے۔۔ ویسے بھی اس کے نزدیک زاران خانزادہ ایک بے باک اور عیاش انسان تھا۔ جو باہر کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے۔۔ پہلی ملاقات اور ہر ملاقات میں یہی تو امپریشن ڈالا تھا۔۔

اوہاں سوری۔۔۔۔ تمھاری کلائی پکڑنے کا حق تو صرف تمھارے شوہر کو ہو گا۔۔ زاران کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔۔ مگر سامنے کھڑی لڑکی کے حسین چہرے کے نقوش پر ناگواری اور برہمی دیکھ کر اس نے اپنی

مسکراہٹ پر قابو پایا۔۔اپنے بارعب چہرے پر مزید سنجیدگی طاری کی۔۔زاران خانزادہ جو دوسروں سے لیتا تھا وہ بدلے میں سود سمیت لٹانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔۔اگر سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر ناگواری تھی۔۔تو وہ اس مغرور حسینہ کے لیے کبھی بھی مسکرا نہیں سکتا تھا۔۔

اور آپ میرے شوہر کبھی نہیں ہو سکتے۔۔زاران کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ اس کی حیرانگی میں اضافہ ہوا تھا۔ مگر اگلے ہی پل اس کے چہرے کی سنجیدگی بڑھتے دیکھ کر اسے اندازہ ہوا۔۔۔وہ صرف اس کا وہم تھا۔

ابرش کی بات پر اس نے اپنی مسکراہٹ پر بہت مشکل سے ہی قابو پایا تھا۔۔۔

محترمہ کچھ زیادہ ہی سٹریٹ فارورڈ ہیں۔ اور شائد شوہر کا حق صرف کلائی پکڑنے تک کا سمجھتی ہیں۔ اس لیے بڑے دھڑلے سے اس کے سامنے ایسی بات کر جاتی ہے۔۔ زاران نے اس کی کلائی کو جھٹکا دیتے اپنے قریب کیا تھا۔

۔

رات سے کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں۔۔ ہم خان تم جیسی عورت کو اپنی عورت نہیں بناتے۔۔ زاران اس کے سرخ سوفٹ لبوں پر گہری نظریں جمائے بولا۔۔

آپ مجھ جیسی عورت کو اپنی عورت تو تب ہی بنائیں گے۔۔ جب میں ایسا کوئی اختیار کبھی آپ کو دوں گی۔ میں بھی ایک خان کو کبھی اپنا شوہر نہیں چنوں گی۔۔ اور مسٹر زاران خانزادہ کبھی میری خواہش نہیں ہو سکتا۔۔ وہ

اگر دنیا میں آخری مرد بھی ہوا تو ابرش پاشا اس کی بیوی بننے سے بہتر خودکشی کرنا پسند کرے گی۔

ابرش نے جوابی کاروائی کرتے اس کی غلط فہمی دور کی تھی۔۔شائد وہ سمجھ رہا تھا وہ جیسے اس کی بیوی بننے کے لیے مری جا رہی ہے۔۔۔ابرش نے اپنے حسین نقوش بگاڑے تھے

ابرش کی بات پر زاران خانزادہ کے لب بھینچے تھے۔۔

عابیر کے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟؟کیا چوری کرنے آئی تھی یہاں پر۔

۔زاران نے ابرش کے پچھلے لفظوں کی بھرپائی اپنے اس سوال سے کرنا چاہی۔۔۔آخر وہ منتقم مزاج بندہ تھا۔۔۔۔۔سامنے کھڑی لڑکی کو زیر تو کرنا تھا یا مزید تپانا تھا۔۔جیسے وہ اسکی بات پر تپ اٹھا تھا۔۔وہ زاران خانزادہ کی شخصیت کی نفی کر رہی تھی۔۔۔اس کی ذات کی نفی سامنے کھڑی یہ نازک

سی حسینہ کرے کہاں گوارا تھا۔۔جو اس کے نزدیک مغرور اور خود سر تھی۔۔وہ تو خود اس لڑکی کو کبھی اپنا نہ بنائے۔۔۔۔مر کر بھی کبھی اپنا نہ بنائے۔۔۔زاران اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتے خفیف سا مسکرایا۔

زاران کے سوال پر اس کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھیلی تھیں۔۔

زاران اس کی آنکھوں کو دیکھ کر مبہوت ہوا تھا۔شہد رنگ گہری آنکھیں جو ہر تھوڑی دیر ان میں حیرانگی بڑھتی تو وہ اپنی پلکوں کو بھی معصومیت سے جھپکاتی تھی۔۔۔

میں کیوں چوری کروں گی؟؟۔۔۔میں آپ کو میرا مطلب ہے تمھیں چور لگتی ہوں۔۔۔تم نے مجھے اپنا جیسا سمجھ رکھا ہے۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے کہا۔۔

میں نے کیا چوری کیا ہے ذرا بتانا مجھے۔۔؟؟اس ٹائم میرے گھر میں تم کھڑی ہو۔اپنے گھر میں تو کوئی بھی چوری نہیں کرتا۔۔زاران نے اس کے حسین چہرے پر نظر ڈالتے ہوے آبرو اچکائی۔ابرش کا چہرہ اس کی بات پر شدید غم و غصے کا شکار تھا۔۔

وہ اسے تپانے اور جلانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔۔

تو میں نے کیا چوری ہے ؟؟۔ ابرش اب کی بار ناگواریت سے جھنجھلائی تھی۔

۔

تم نے کیا چوری کیا ہے ؟؟ گڈ کو سچن۔۔۔۔۔ اب کی بار وہ مسکرایا تھا۔۔ اسے اپنے تھوڑا اور قریب کیا۔۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ آ لگی تھی۔۔ مگر اس نے ایک ہاتھ اس کے سینے پر جماتے خود کو اس کے سینے سے ٹکرانے سے روکا تھا۔۔ کمرے میں اب کی بار پھر سے چوڑیوں کی کھنک گونجی تھی۔۔ زاران خانزادہ کو آج سے پہلے چوڑیوں کی کھنک اتنا دل کو نہیں بھائی تھی۔۔ شائد دنیا کا سب سے سریلا میوزک تھا۔۔۔ زاران نے اس کی حیران آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

تم نے تو بہت کچھ چوری کر لیا ہے۔ شائد تمھیں خود اندازہ نہیں۔۔۔ زاران خانزادہ کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔۔ وہ اپنے لفظ اور اس کی گھمبیر تا سنتا حیران ہوا۔۔ جتنے سخت لفظ اس لڑکی نے کچھ دیر پہلے بولے تھے۔ اس کی سزا اتنی تو نہیں بنتی تھی۔۔ اسے تو اس لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلانی چاہیے تھی۔۔ تاکہ وہ کبھی اس کی ذات کی نفی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ کر سکے۔۔ مگر اس کا دل اس کے اختیار سے باہر ہو رہا تھا۔۔ اپنے دل کی اس بے وفائی سے وہ بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ نہ صرف واقف ہو رہا تھا۔۔ بلکہ سر تسلیم خم بھی کر رہا تھا۔۔

تمیز کے دائرے میں رہو۔۔۔ ابرش اس کی بات پر سرخ چہرے کے ساتھ چلائی۔ زاران اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈالی جو غصے میں مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

کیا ہے ناں مس امیریکہ۔۔۔ جس لڑکی میں اتنی اچھائیاں ہو وہ کیسے ہو سکتا ہے وہ چور نہ ہو۔۔۔ زاران کا لہجہ سنجیدہ تھا۔۔ بنا کسی شرارت کے۔ ابرش نے غصے میں اپنی کلائی جھٹکے سے اس سے چھڑوائی تھی۔۔ جسے اس نے اب چھوڑ دی تھی۔۔

مجھ میں جتنی بھی برائیاں سہی میں نہ چور ہوں اور نہ میں جھوٹ بولتی ہوں۔ مجھے یہاں ایسا کچھ اٹریکٹو نہیں لگا کہ میں کچھ چوری کرنے کا سوچوں۔۔ آپ کی یہ شان شوکت والی حویلی نہ آپ لوگوں کے ٹھاٹ باٹ کی میرے نزدیک کوئی حیثیت ہے۔۔۔۔ میں یہاں پر آنٹی کے کہنے پر پھولوں کے گجرے لینے آئی تھی۔۔ اور آپ مجھ سے ٹکرا گئے۔۔ زاران کی بات اسے کافی ناگوار لگی تھی۔۔ اس لیے کافی تلخی سے بولی۔۔ زاران اس

کے آپ کہنے پر مسکرایا تھا۔۔اس کا آپ کہنا اچھا لگا تھا۔۔پتہ نہیں کیوں اس لڑکی کے منہ سے اب وہ تم سننا نہیں چاہتا تھا۔۔وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سے عزت کا خواشمند تھا۔۔وہ کیوں آچانک سے اس لڑکی سے بہت کچھ چاہنے لگا تھا؟؟زاران خانزادہ کب کچھ کسی سے چاہتا ہے؟؟۔وہ کب کسی سے کچھ خواہش کرتا ہے؟؟۔۔وہ کب کسی کی خواہش کرتا ہے؟؟

زاران اس کے حسین چہرے کو دیکھ کر اپنے لب بھینچ گیا۔۔اتنی جلدی وہ ہار ماننے والا نہ تھا۔وہ اس لڑکی کے آگے کبھی جھکنے والا نہیں تھا۔۔وہ پہاڑوں میں رہنے والا تھا۔پہاڑوں کی طرح مضبوط اپنی جگہ پر جما ہوا۔۔تو یہ لڑکی اسے کبھی ہرا نہیں سکتی تھی۔

آچانک سے لائٹ آئی تو دونوں کی نظریں تیز دودھیا دوشنی میں چار ہوئیں۔۔۔زاران ایک بار پھر سے مبہوت ہوا تھا۔۔وہ تو بے انتہا

خوبصورت لگ رہی تھی۔ اندھیرے میں تو اس کی آدھی خوبصورتی بھی نمایاں نہ تھی۔۔

دوپٹہ سر پر لیے ماتھا پٹی لگائے ریڈ ڈریس میں اسے دیکھ کر آسمان سے اتری کسی اپسرا کا گمان ہو رہا تھا۔۔ زاران کے دل نے ایک بات تو قبول کی تھی آج سے پہلے اس نے اتنی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی۔۔

وہ زاران کو گھورتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تو زاران خانزادہ پھر سے اس کے راستے میں آیا تھا۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ جو لینے آئی تو وہ تو لے لو۔۔ زاران نے پھولوں کے گجروں کی طرف اشارہ کیا۔۔ وہ اس کے نظروں کے سامنے ہی رہے۔۔ دل نے ایک اور خواہش کی۔۔۔

مجھے نہیں لینا کچھ بھی کیونکہ مجھے تمھارے ساتھ اس کمرے میں مزید نہیں ٹھہرنا۔۔ ابرش ناگواری سے کہتے چلی گئی۔۔

زاران کو اس کا تم کہنا بڑا چبھا تھا۔۔۔ وہ غصے سے اپنی شال دونوں ہاتھوں سے جھٹکتا وہاں سے چلا گیا۔۔

عابیر اپنی لانگ میکسی کو سنبھالتے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ بابرک نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھتے عابیر کی میکسی جو سیڑھیوں سے ٹچ ہو رہی تھی اس پر اپنا شوز والا پاؤں رکھ دیا۔۔ عابیر آگے کو ہوتی لڑکھڑائی تھی۔۔ اس سے پہلے وہ سیڑھیوں سے گرتی بابرک نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے گرنے سے روکا۔۔۔ عابیر نے مڑ کر دیکھا بابرک اپنی آنکھوں میں خباثت لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

کہاں جارہاہے تم؟؟ واللہ کتنا حسین لگ رہاہے۔۔۔یہ آنکھیں نہیں سمندر ہے سمندر کسی دن ہم تمھارا حسین آنکھوں میں ڈوب ہی جائے گا۔۔بابرک نے اپنی مونچھوں کو بل دیتے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔۔

تمھارا آنکھیں صیح سلامت ہو گیا۔۔مجھے تو لگا تھا اب تم اپنی گندی آنکھوں سے کسی بھی لڑکی کو دیکھنے کے قابل نہیں رہے گا۔۔عابیر نے اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ہوے اسی کی طرح بولتے ہوے مسکراتے ہوے جواب دیا۔۔

عابیر کی بات پر بابرک کا قہقہ گونجا تھا۔عابیر کی کلائی ابھی تک بابرک کی گرفت میں تھی۔۔اس کی میکسی پر اس کا پاؤں بھی رکھا ہوا تھا۔۔

تم ہم کو بہت پسند ہے قسم سے۔۔۔تمھارا دیدہ دلیری پر کسی دن بابرک خانزادہ اپنی جان سے جائے گا۔۔۔بابرک نے ایک ہاتھ دل پر رکھتے ہوے سرد آہ بھری تھی۔

انشاءاللہ۔۔۔عابیر نے بابرک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے بے حد اونچی آواز میں کہتے انشاءاللہ پر کافی ذور دیا تھا۔۔

بابرک کی آنکھوں میں غصے کی لہریں اٹھی تھیں۔۔۔وہ مسکراتے ہوے بنا پلکیں جھپکائے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے ہی پل بابرک کے لبوں پر کمینگی بھری مسکراہٹ بکھری۔۔۔

عورت کی ادائیں مرد کو دیوانہ بناتی ہیں۔۔ مگر وہ عورت باہر کا ہو تو۔۔۔گھر کی عورت کی نظریں اپنے مرد کے سامنے جھکی رہیں اور وہ اس سے ڈرتا رہے تو ایسی عورت کو عورت کہا جاتا ہے۔۔۔تم بہت حسین ہے مگر تمھارا آنکھوں میں جو بغاوت ہم کو نظر آتا ہے۔۔وہ ہم کو پسند نہیں ہے۔۔
بابرک نے کہتے ہوے اس کی کلائی کو جھٹکا دیا تھا۔۔عابیر لڑکھڑائی تھی۔۔

عابیر کی آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔۔وہ تیسری سیڑھی پر کھڑی تھی۔۔آگے کافی سیڑھیاں تھیں۔اس نے ہیل بھی پہنی ہوئی تھی۔۔اگر بابرک اس کی کلائی چھوڑتا وہ لڑھکتے ہوئے نیچے جاتی۔۔۔۔اس کی میکسی پر وہ ابھی تک اپنا پاؤں رکھ کہ کھڑا تھا۔۔اس لیے وہ اپنی کلائی اس سے چھڑوا نہیں رہی تھی کہ وہ خود ہی چھوڑ دے گا اور یہاں سے چلا جائے گا۔۔

افففف افففف۔۔۔۔۔۔تمھارا آنکھوں میں ڈر تو بہت اچھا لگتا ہے ۔۔بابرک اس کی آنکھوں میں ڈر دیکھ کر گہرا مسکرایا۔۔

بابرک میری میکسی سے پاؤں اٹھاؤ۔۔عابیر نے اسے سختی سے کہا۔۔

ابھی سے ڈر گیا تم۔۔۔ابھی تو ان آنکھوں میں مجھے خوف دیکھنا ہے تاکہ تم جب ہم کو دیکھے تمھارا حسین آنکھیں خوف سے لرز جائے۔۔۔۔جھک جائے۔۔۔بابرک نے اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے گرج کر کہا۔۔

عابیر نے اسے نا سمجھی سے دیکھا تھا۔۔

ہم اپنا بدلہ سود سمیت لیتا ہے۔ تمھیں کیا لگا تھا تم ہماری آنکھوں میں مرچیں پھینکے گا۔۔ ہم نامردوں کی طرح خاموش بیٹھا رہے گا۔۔ وقت آ گیا ہے تم اپنا اس دن کا کیے کا حساب چکاؤ۔۔۔ بابرک نے کہتے ہوے عابیر کی میکسی پر اپنا شوز اچھی طرح مسلتے ہوے اپنا پاؤں اٹھایا۔۔ اس سے پہلے عابیر کچھ سمجھتی وہ اس کی کلائی چھوڑتے اسے زور درار دھکا دے چکا تھا۔ عابیر جسے یقین نہیں تھا بابرک ایسا بھی کر سکتا ہے۔۔ وہ تیسری سیڑھی سے کمر اور سر کے بل گری تھی۔ اس کی دلخراش چیخیں پورے حویلی میں گونجی تھیں۔ وہ تیسری سیڑھی سے بری طرح لڑکھڑاتے زمین پر آ گری۔

اس کے سر سے خون بہتا دیکھ کر بابرک اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا جلدی سے اوپر کی طرف بڑھ گیا۔۔

عابیر کی چیخیں سنتے سب بھاگتے ہوے آئے تھے۔۔ امینہ خانم عابیر کی حالت دیکھتے چیخ اٹھی تھیں۔۔۔ مردانہ خانہ سے اربد خان، درید خان، داجی، زاران اور شہرام بھی چیخ و پکار سنتے آ گئے تھے۔۔ عابیر خون میں لت پت بیہوش پڑی تھی۔۔ اس کے سر سے بہت خون بہہ رہا تھا۔۔ ابرش پھٹی پھٹی آنکھوں سے عابیر کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی حالت کافی نازک تھی۔۔ امینہ خانم اسے کب سے ہلا رہی تھی۔۔ وہ بلکل بے سدھ پڑی تھی۔

عابیر کی حالت دیکھتے شہرام نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھا۔ زاران نے رمضان کو فون کر کے گاڑی نکالنے کو کہا۔۔ امینہ خانم کی حالت ہی غیر ہو گئی تھی۔۔ زحلے اور روزینہ خانم انھیں

سنبھال رہی تھی۔۔ بہارے جلدی سے اپنی چادر لانے کے لیے اندر بھاگی۔۔

وہ چادر اچھی طرح لیتے اپنا منہ چادر سے چھپائے بھاگ کر باہر آئی تھی۔۔ عابیر کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا تھا۔ بہارے بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھے اپنی چادر سے اس کا خون روکے روئے جا رہی تھی۔۔

زاران گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ شہرام اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا بار بار عابیر کو دیکھ رہا تھا۔۔

وہ لوگ وہاں پاس ہی چھوٹے سے ہاسپٹل لے کر گئے تو وہاں اس ٹائم کوئی ڈاکٹر نہ تھا۔۔

بہارے تم عابیر کو دیکھو۔۔۔ شہرام ہاسپٹل سے باہر آتے گاڑی میں بیٹھتے عابیر سے بولا۔۔

شہرام اسے ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا۔۔ جہاں تمام فیسلیٹیز ہوں۔۔ اس کی حالت بہت خراب ہے وہاں بہت قابل ڈاکٹر ہیں۔۔۔ بہارے نے روتے ہوے کہا۔۔

زاران نے جلدی سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔ وہ اب لب بھینچے کافی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔

رات کا ٹائم تھا۔۔۔ مگر زاران بہت تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ وہ جلد از جلد ہاسپٹل پہنچنا چاہتا تھا جو یہاں سے کافی دور تھا۔۔

شہرام بار بار پیچھے مڑ کر عابیر کو دیکھتے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے خود پر قابو پا رہا تھا۔۔ عابیر کی حالت سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔۔

لالا گاڑی تیز چلائیں۔۔ مجھے عابیر کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔ شہرام کی آواز پر زاران نے پیچھے مڑ کر عابیر کو دیکھا تو گاڑی زاران کے ہاتھوں سے ان بیلنس ہوئی تھی۔۔ گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔۔

سب بری طرح اچھلے تھے۔۔

لالا کیا کر رہے ہیں ؟؟۔ عابیر کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔۔ اگر گاڑی کا ایکسڈینٹ ہو گیا تو ہم عابیر کو کیسے لے کر جائیں گے۔۔ بہارے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

بہارے تم تو رونا بند کرو۔۔۔۔ زاران گاڑی سٹارٹ کرتے ہوے غصے سے چیخا تھا۔۔ عابیر کی حالت دیکھتے سب اپنا کنٹرول کھو رہے تھے۔۔

میں کیسے رونا بند کروں۔۔۔ عابیر میری بہنوں جیسی ہے۔۔ بچپن میں اس کے ساتھ کھیلا ہے۔۔ اس کو کچھ ہو گیا۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔۔ لالا۔ ۔ بہارے نے روتے ہوے کہا۔۔

بہارے کچھ نہیں ہو گا۔۔ اللہ پر یقین رکھو۔۔۔ شہرام نے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں مسلتے ہوے اسے تسلی دی۔۔ یا پھر خود کو دی تھی۔۔ مگر جو بھی تھا وہ اپنی بہن کو ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا..

شہرام کی بات پر "انشاء اللہ" سب کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

۔بہارے اب اونچی آواز میں قرآنی آیات پڑھنے لگی تھیں۔۔

وہ لوگ ہاسپٹل پہنچے تو عابیر کو شہرام بانہوں میں اٹھائے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوا۔۔ اسے اندر داخل ہونے پر سٹریچر پر لٹایا گیا تھا۔۔ بہارے کو وہاں بہت سے ڈاکٹر جانتے تھے۔۔ سب جلدی سے عابیر کی طرف بڑھے تھے۔۔

عابیر کو لیے وہ اپریشن تھیٹر کی طرف بڑھے۔۔ بہارے بھی باقی ڈاکٹر کے ساتھ اپریشن تھیٹر میں داخل ہوئی تھی۔۔

زاران اور شہرام اپریشن تھیٹر کے باہر پریشانی سے چکر لگا رہے تھے۔۔ تھوڑی دیر بعد بہارے باہر آئی تھی۔۔ اور روتے ہوے زاران کی طرف بڑھی۔۔ شہرام اسے روتا دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

کیا ہوا بہارے؟؟ زاران نے پریشانی سے پوچھا۔۔

عابیر ٹھیک ہے لالا۔۔ ابھی اسے کمرے میں شفٹ کر دیا جائے گا۔۔ اسے کچھ دیر تک ہوش بھی آجائے گا۔۔ بہارے ابھی تک رو رہی تھی۔۔ زاران نے خدا کا شکر کرتے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ اور فون کان سے لگائے باہر چلا گیا۔۔ حویلی سے فون آرہے تھے۔۔ اسے سب کو بتانا تھا کہ عابیر خیریت سے ہے۔۔

تمھارا دل تو بہت چھوٹا ہے۔۔ جب تم بڑی ڈاکٹر بن جاؤ گی تو یہ جو چیر پھاڑ کرتے ہیں ڈاکٹر۔۔۔ تم کیسے کرو گی۔۔ ایسے ہی رویا کرو گی کیا؟؟۔۔ ایک ڈاکٹر کو تو بہت مضبوط ہونا چاہیے۔۔

زاران کے جانے کے بعد شہرام نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے بہارے کے گال سے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔۔

عابیر میری بہن ہے۔۔ اسے اس حالت میں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ میرا دل بہت مضبوط ہے۔۔ بہارے نے اس کی انگلیاں جھٹکی تھیں۔

تمھارا دل مضبوط نہیں پتھر ہے۔۔۔ شہرام اس کی انگلیاں جھٹکنے پر خفیف سا مسکرایا تھا۔۔

بہارے اس کی بات کا جواب دیے بغیر جانے لگی تو شہرام کی بات پر رکی تھی۔۔ اگر کبھی میں مرنے لگوں ایسے ہی خون کی طرح لت پت پڑا ہوں۔۔ کیا میرے لیے بھی ایسے ہی آنسو بہاؤ گی۔۔ بہارے گل۔۔۔

شہرام کی بات پر بہارے نے مڑتے ہوے شہرام کو دیکھا جو اسے سرخ ہوتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

تمھارے لیے بہارے کبھی ایک آنسو نہیں بہائے گی۔۔ ایک آنسو نہیں بہائے گی۔۔ بلکہ تمھیں بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دوں گی۔۔ کیونکہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔۔ جو اپنے مریض کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔۔ میں کیوں تمھارے لیے رونے لگی۔۔ عابیر سے میرا دل کا رشتہ ہے۔ تم سے میرے دل کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بہارے نے شہرام کے قریب آتے کہا۔۔

شہرام بہارے کی بات پر مسکرا گیا تھا۔۔

چلو اچھا ہے تم مجھے بچاؤ گی۔۔ مجھے تو لگا تھا تم کہو گی میں مر ہی جاؤں تو اچھا ہے۔۔ تمھاری جان مجھ سے چھوٹ جائے گی۔۔ شہرام بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے مسکرایا۔۔

مجھے تم سے طلاق چاہیے۔۔۔۔ لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا کہ کبھی تمہیں کچھ ہو جائے۔۔ کیونکہ تم ایک بھائی، بیٹے بھی ہو۔۔ حویلی میں سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔۔ میں اتنی خود غرض نہیں کہ تمھیں بد عائیں دوں گی۔۔ میں تو ہر روز ایک ہی دعا کرتی ہوں۔۔ میں صبح اٹھوں اور تمھارے نکاح میں نہ رہوں۔۔ میں بہارے شہرام نہیں بہارے گل ہی رہنا چاہتی ہوں۔۔ بہارے سفاکی سے بولی۔۔

میں بھی روز ایک ہی دعا کرتا ہوں۔۔۔۔ کسی دن تم مجھ سے محبت کی بھیک مانگو۔۔ اور شہرام خانزادہ کے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ شہرام اسے دیکھتا وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔۔

عابیر کو ہوش آ گیا تھا۔۔ ڈاکٹر نے ایک ہی پرسن کو اندر جانے کی آجازت دی تھی۔

زاران عابیر کے کمرے میں داخل ہوا تو عابیر زاران کو دیکھتے ہلکا سا مسکرائی تھی۔۔

کیسی ہو عابیر ؟؟ اسے مسکراتا دیکھ کر زاران کے دل میں ڈھیروں سکون اترا۔۔

مجھے کیا ہو سکتا ہے ؟؟۔۔ میرے دو دو بھائی ہیں۔۔

مجھے پتہ تھا میرے دونوں بھائیوں نے میرے لیے بہت دعا کی ہو گی۔۔ جو مجھے موت کے منہ سے کھینچ کر لے آئے گی۔۔ یہ تو بس چھوٹا سا چوٹ تھا۔۔ عابیر نے آہستگی سے کہا تو زاران نے آگے بڑھ کر اس کے پٹی بندھے ہوے ماتھے پر بہت نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔

وہ اس کے پاس چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔۔

تم کیسے گری عابیر؟؟اتنی بے احتیاطی مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔۔تم نے تو ہم سب کی جان نکال دی تھی۔۔زاران نے لب بھینچے کہا۔۔

جب میری زندگی کا فیصلہ ہی داجی اور بابا نے کرتے ہوے بے احتیاطی کی تو یہ سب کچھ تو میرے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔۔عابیر تلخی سے مسکرائی تھی۔

کیا ہوا ہے عابیر؟؟زاران اس کی بات پر چونکا تھا۔۔وہ کوئی بھی بات بلاوجہ نہیں کرتی تھی۔۔اس کے گرنے پر بھی وہ حیران ہوا تھا۔۔حادثے پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا مگر عابیر جتنے برے طریقے سے گری تھی۔وہ اتنی لاپرواہ لڑکی نہیں تھی کہ اسے پتہ نہ چلتا۔۔وہ سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی گرتی اسے شائد اتنی چوٹ نہ آتی۔۔اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ اوپر والی سیڑھی سے ڈائریکٹ نیچے آئی ہو۔۔اس کی بات پر پریشان ہونا بنتا تھا۔۔

کیا ہوا ہے عابیر مجھے بتاؤ؟؟۔۔۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اپنی ہر پریشانی مجھے بتاؤ گی۔۔ کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی۔۔ زاران تیز لہجے میں بولا۔۔

لالا آپ نے بھی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دیں گے۔۔ مگر آپ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔۔ عابیر کی آنکھوں سے آنسو بہے تھے۔

عابیر کیا ہوا ہے ؟؟ مجھے بتاؤ پلیز۔۔۔ زاران اب پریشان ہوا تھا۔۔

مجھے دھکا بابرک نے دیا تھا۔۔ عابیر نے بتایا تو زران چیئر چھوڑ کر اٹھا تھا۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ زاران نے بے یقینی سے عابیر کو دیکھا۔۔

ایسے مت دیکھو لالا۔۔۔۔ وہ آدمی نہیں جانور ہے جس کے ساتھ تم لوگوں نے میرا مقدر جوڑ دیا۔۔۔ آپ میرے لالا ہیں۔۔ مگر آپ کے ہاتھ

بھی بندھے ہیں ان رسموں سے۔۔ جس نے مجھ سے میرے خواب چھین لیے۔۔اب آپ لوگوں نے مجھے اسے سونپا تو ایک دن وہ مجھے جان سے مار دے گا۔۔اور تم سب لوگ ایسے ہی مجھے دیکھنا مگر تب میں تم سب کو جواپ دینے کے قابل نہیں رہوں گی۔۔

عابیر نے تلخی سے کہتے منہ پھیر لیا تھا۔۔

عابیر میری گڑیا۔۔ مجھ پر یقین کرو۔۔ میں تمھاری رخصتی نہیں ہونے دوں گا۔۔زاران نے آگے بڑھتے اس کا ہاتھ پکڑتے کہا۔۔

کیسے یقین کروں لالا؟؟۔۔۔میرا جب میڈیکل میں داخلہ ہونا تھا۔تب بھی آپ نے یہی کہا تھا۔۔ مگر کیا ہوا مجھ سے میرا ہر خواب چھین لیا۔۔اب رخصتی نہیں ہو گی تو اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔۔۔رہوں گی تو میں اس کی

ہی۔۔وہ ایسے ہی مجھ پر اپنا حق جتاتا رہے گا۔۔ کبھی مجھے کمرے میں لے جا کر۔۔ کبھی مجھے ایسے سیڑھیوں سے دھکا دے کر۔۔۔

عابیر کی بات پر زاران خانزادہ کی آنکھیں سرخ ہوئیں تھیں۔۔

کیا کہہ رہی ہو عابیر ؟؟اس نے تمھارے ساتھ۔۔زاران اس سے آگے کچھ کہہ ہی نہ سکا تھا۔۔رنگ اشتعال کے مارے سرخ پڑا تھا۔۔

اس نے میرے ساتھ کچھ نہیں کیا۔۔کیونکہ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔۔ مگر کب تک لالا۔۔کب تک۔۔۔۔۔عابیر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران خانزادہ بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔رسموں اور اپنوں نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔

میرا وعدہ ہے تم سے عابیر۔۔۔بابرک تمھارے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں کرے گا۔۔اسے ہر حال میں تمھاری زندگی سے جانا ہو گا۔۔۔زاران مٹھیاں بھینچے غرایا تھا۔۔

عابیر پھر سے رو دی تھی۔۔

عابیر تم گھر میں کسی کو بھی نہیں بتاؤ گی۔۔ تمھیں بابرک نے دھکا دیا۔۔زاران کی بات پر عابیر تلخی سے مسکرائی تھی۔۔

آپ کو لگتا ہے میں بتاؤں گی اور سب مجھ پر یقین کریں گے۔۔وہ بہت شاطر ہے اس نے کچھ سوچ کر رکھا ہو گا۔۔وہ سب کو کہہ دے گا۔۔میں اس سے جان چھڑوانے کے لیے بہانے بنا رہی ہوں۔۔اور کچھ نہیں تو میرے کردار پر وار کر دے گا۔۔عابیر آج بہت تلخ ہو رہی تھی۔ مگر وہ زاران سے ہر بات کر لیتی تھی۔۔اس لیے وہ آج بابرک کا سچ نہ چھپا سکی۔۔

اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔۔۔ تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔۔ اب جو کروں گا۔ میں کروں گا۔۔ زاران کے اٹل اور مضبوط لہجے پر عابیر نے آنکھیں موندیں تھیں۔۔

ارحام خانزداہ آج اپنی تمام میٹنگز ختم کرتے حویلی کے لیے نکلا تھا۔۔ وہ اس وقت بلو جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر بلو کوٹ اس نے پہن رکھا تھا۔۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اپنا کوٹ اتار اس نے پچھلی سیٹ پر ہینگ کر دیا تھا۔۔ آج خجستہ کا ولیمہ تھا۔۔ وہ ولیمہ پر تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔۔ عابیر کا سن کر اس نے اپنا کام جلد ختم کیا تھا۔۔ شادی پر نہ آنے کی وجہ سے پری گل اس سے بہت ناراض تھی۔۔ پریذے کو وہ بہت یاد کر رہا تھا۔ اس لیے موسم کی خرابی کے باوجود وہ آج حویلی کے لیے نکل آیا

تھا۔۔وقفے وقفے سے برف باری ہو رہی تھی۔۔ابھی نومبر کا سٹارٹ تھا مگر اس بار برف باری جلدی شروع ہو چکی تھی۔۔وہ اس وقت مردان کے علاقے تھا۔۔برف باری بحرین کے علاقے میں شروع تھی۔شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔وہ منگورہ کے مقام پہنچا ہی تھا کہ تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔۔اس نے اب گاڑی کی سپیڈ بہت ہلکی رکھی تھی۔۔

آچانک سے اس کے سامنے کوئی بھاگتا ہوا آیا اور اس کی گاڑی سے ٹکرا گیا۔ ۔ارحام نے جلدی سے بریک لگائی تھی۔۔اگر اس کی گاڑی فل سپیڈ میں ہوتی تو یقیناً جو کوئی گاڑی سے ٹکرایا تھا۔وہ آج جان سے جاتا۔۔ارحام جلدی سے گاڑی سے اترا۔۔سڑک پر کوئی لڑکی سمپل سے ڈریس پر بلیک نیٹ کے دوپٹے میں لپٹی اپنے پاؤں کو پکڑے بیٹھی تھی۔۔

مس آپ ٹھیک ہیں۔۔ ارحام خانزادہ نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس سے پوچھا۔۔ تیز بارش کے باعث وہ سیکنڈ میں ہی بھیگ گیا تھا۔۔ یہی حال لڑکی کا تھا۔۔ وہ مکمل بھیگ چکی تھی۔۔ مگر نیٹ کا باریک دوپٹہ خود پر اچھی طرح لپیٹے ہوے تھی۔۔

اس نے اپنے پاؤں سے نظر اٹھا کر ارحام کو دیکھا تو وہ ایک پل کے لیے ٹھٹھک گیا تھا۔۔ اس نے آج تک اتنا خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا تھا۔۔ وہ لڑکی بلاشبہ خوبصورت تھی۔ بلکہ بے حد خوبصورت تھی کہ ایک پل کے لیے ارحام خانزادہ جیسا بندہ ہل کر رہ گیا تھا۔۔ ارحام نے اپنی نظریں پھیریں تھیں۔۔

لیکن وہ لڑکی مسلسل اس پر نظریں گاڑھے ہوے تھی۔۔ ارحام نے دوبارہ اسے دیکھا تو اسے محسوس ہوا اس کے چہرے پر صرف بارش کے قطرے

نہیں بلکہ بہتے آنسو تھے۔۔ مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی کرسٹل براؤن آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔۔

مس آپ ٹھیک ہیں۔۔ ارحام نے دوبارہ سے اس لڑکی سے پوچھا۔۔ جو شائد اپنے حواس میں نہیں تھی شائد اسے بہت چوٹ آئی تھی۔۔ جو بھی تھا وہ جھنجھلا گیا تھا۔۔ رات کا ٹائم تھا اور باہر شدید بارش پڑی رہی تھی اور سردی بھی غضب کی تھی۔۔ یہاں تک ارحام خانزادہ جیسے مضبوط انسان کو سردی لگنا شروع ہو چکی تھی۔ مگر حیرت تھی وہ لڑکی سمپل سے ڈریس میں ایک باریک نیٹ کے دوپٹے میں تھی۔۔ اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو۔ جس میں کوئی ہلچل نہ تھی۔۔ وہ اپنی گہری آنکھوں سے اسے دیکھ کر صرف آنسو بہا رہی تھی۔۔ اب اس نے روتے ہوئے ہچکی لی تو ارحام خانزادہ پریشان ہوا تھا۔۔

آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔اس نے اس بار اس لڑکی کا کندھا ہلایا۔۔

ہاں ٹھیک ہوں۔۔مجھے چوٹ آئی ہے۔۔اس نے بمشکل ہی کہا تھا۔۔ارحام کو اس پر شدید غصہ آیا۔۔اس نے یہ بتانے میں دس منٹ صرف کیے تھے۔۔وہ تو سمجھا تھا شائد یہ لڑکی گونگی ہے۔۔

کہاں چوٹ آئی ہے؟؟ارحام نے خود پر ضبط کرتے پوچھا۔۔ایک تو وہ اس کی گاڑی سے آ ٹکرائی تھی۔جو کہ سراسر غلطی اس لڑکی کی ہی تھی۔۔وہ ہی اس برستی بارش میں بھاگتے آرہی تھی۔۔دوسرا وہ بے انتہا خوبصورت اور کم عمر لڑکی تھی۔۔اس کے چہرے سے واضح ہو رہا تھا وہ کافی کم عمر ہے۔بمشکل ہی اٹھارہ سال کی ہو گی۔۔وہ کسی بھی صورت اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔۔وہ بے انتہا خوبصورت تھی کوئی بھی اسے دیکھ کر اس کے ساتھ

برا کرنے کا سوچ سکتا تھا۔۔ وہ خوبصورت نہ بھی ہوتی۔۔ رات کے اندھیرے میں اس کا لڑکی ہونا ہی کافی تھا۔۔

اسے حیرت بھی ہوئی کہ اس ٹائم یہاں کے علاقے میں ایک عورت کا اس طرح کے حلیے میں ہونا عجیب اور کافی معیوب تھا۔۔ وہ ٹورسٹ ہوتی تو یقیناً ایسے حلیے میں نہ ہوتی۔۔ وہ جینز شرٹ کوٹ میں ہوتی. اس کے ساتھ کوئی تو ہوتا۔۔ اگر وہ اس علاقے سے بلونگ کرتی تو یقیناً وہ پورے پردے میں ہوتی۔۔ کبھی یوں تنہا رات کے ٹائم باہر نہ نکلتی۔۔ وہ لڑکی کو دیکھ کر کافی حیران تھا۔

آپ اٹھ سکتی ہیں کیا؟؟ ارحام نے اسے دیکھ کر کہا جو ابھی بھی اپنے پاؤں پر ہاتھ رکھے آنسو بہا رہی تھی۔۔

آپ تھوڑی سی ہیلپ کر دیں پلیز۔۔اس نے بہتے آنسوؤں سے

کہا۔۔ارحام کو اس کے بات کرنے کے انداز سے ظاہر ہوا تھا۔۔وہ پڑھی

لکھی اور کسی سلجھے گھرانے سے ہے۔ مگر رات کے وقت یہاں ہونا اسے

شکوک و شہبات میں مبتلا کر رہا تھا۔۔یہ لڑکی اس کے لیے مسٹیریس تھی۔

۔ارحام نے اسے کلائی سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ کراہتی ہوئی اس کے سہارے

سے اٹھی تھی۔۔ارحام نے اس کی حالت دیکھتے جلدی سے اپنی نظریں

چرائیں تھیں۔۔وہ بلیک جینز پر بلیک شرٹ میں ملبوس تھی۔باریک نیٹ کا

دوپٹہ اس کے خوبصورت خدوخال چھپانے سے قاصر تھا۔۔اس کی شرٹ

بھیگ کر اس کے جسم کے ساتھ چپک گئی تھی۔۔وہ نیٹ کا دوپٹہ ایسے

اوڑھے ہوے تھی۔ جیسے سب کچھ چھپا ہو۔۔۔۔ مگر باریک نیٹ کے بیٹس

لگے دوپٹے میں وہ ایک چاند کی طرح دھمک رہی تھی۔۔اس کا شعلہ جواں

بدن قیامت تھا۔۔ ارحام خانزادہ کو اندازہ ہوا تھا۔۔ وہ لڑکی اپنے آپ میں ایک تباہی تھی۔۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اسے خود کو چھپا کر رکھنا چاہیے تھا۔ اور کچھ نہیں تو پراپر ڈریسنگ کرنی چاہیے تھی۔۔ اس باریک دوپٹے میں بھلا کیا چھپ سکتا تھا۔۔ ارحام کو اس کے گھر والوں پر بھی غصہ آیا تھا۔ ۔جنھوں نے اسے یہاں اکیلا بھیج دیا تھا۔۔ وہ اسے ٹورسٹ کالج گرل سمجھ رہا تھا۔۔ جو شائد اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرنے آئی ہے۔۔ مگر اس کا حلیہ ایسا تھا جیسے وہ گھر سے خود بھاگی ہو۔۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ بھی تھا۔۔ ارحام نے اسے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بٹھایا۔۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔۔

ڈرائیونگ کرتے ہوے اس نے لڑکی کی طرف نگاہ کی۔۔ جو سیٹ سے ٹیک لگائے ابھی بھی آنسو بہا رہی تھی۔۔

کیا بہت چوٹ لگی ہے؟؟۔۔ارحام کی آواز پر وہ ہڑبڑائی تھی۔

کک کیا؟؟وہ بری طرح سہمی تھی۔اپنے دوپٹے کو بھی اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔۔ارحام نے گاڑی میں ہیٹر ان کر دیا تھا۔۔اس نے اپنا دوپٹہ کیوں لپیٹا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔۔ارحام نے لب بھینچے اپنا کوٹ پچھلی سیٹ سے اٹھا کر اسے دیا۔۔وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔۔

یہ لو اسے پہن لو۔۔۔ارحام نے اس کے چہرے کو ایک نظر دیکھتے ہوے کہا۔اس نے وہ کوٹ جلدی سے تھام لیا تھا۔۔

اس نے وہ کوٹ پکڑتے اسے جلدی سے پہنا۔

ارحام نے نوٹ کیا تھا۔ وہ کوٹ پہنتے اسے کن اکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام بظاہر سنجیدہ انداز میں ونڈ سکرن پر نظریں جمائے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔ مگر لڑکی کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوے تھا۔۔

کہاں جانا ہے آپ کو؟؟ ارحام نے تھوڑی دیر بعد پوچھا تو وہ پھر سے ہڑبڑائی تھی۔

کک کیا؟؟ اس نے پھر سے وہی لفظ دہرائے تو ارحام خانزادہ کو غصہ آیا تھا۔۔

وہ ایک مصیبت کی طرح اس کے گلے پڑ گئی تھی۔۔ وہ تو اس کی گاڑی میں ایسے بیٹھی تھی جیسے اس نے اس کے ساتھ ہی جانا ہو۔۔ اگر وہ لڑکی نہ ہوتی تو اتنا مسئلہ نہ ہوتا مگر مسئلہ ہی یہی تھا کہ وہ ایک لڑکی تھی۔۔

کہاں جانا ہے آپ کو؟؟ ارحام نے اس بار کافی سخت آواز میں کہا۔۔

وہ مم مجھے۔۔۔۔۔وہ اتنا کہہ کر پھر سے خاموش ہو گئی تھی۔۔

ارحام نے اب کی بار گاڑی ایک جھٹکے سے روکی تھی۔۔

اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔وہ اسے سنجیدہ دیکھ کر کافی گھبرا گئی تھی۔ارحام نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتا دیکھ کر خود کے تاثرات پر قابو پایا۔۔

دیکھیں مس۔۔۔بات یہ ہے کہ اگر آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ کو کہاں جانا ہے تو میں آپ کو وہاں ڈراپ کر دیتا ہوں۔میرا سفر تو ابھی بہت لمبا ہے۔۔ارحام نے نرم لہجے میں کہا۔۔

کہاں جانا ہے آپ کو؟؟اس نے اپنی گہری خوبصورت آنکھوں سے دیکھتے ہوے اتنی معصومیت سے پوچھا کہ ارحام پھر سے اپنی نظریں چرا گیا تھا۔۔وہ سچ میں بے انتہا خوبصورت تھی اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔۔

مجھے کلام سے آگے جانا ہے۔۔ آپ اپنا بتایئے۔۔ارحام پھر سے سنجیدہ ہوا تھا۔۔

مم ۔۔۔۔مجھے کہاں جانا ہے؟؟۔۔وہ خود سے ہی مخاطب ہوئی تھی۔ارحام خانزادہ اس کی بات پر چونکا تھا۔۔وہ گہری سوچ میں گم ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔

ارحام نے ہاتھ بڑھا کر اسے کندھے سے ہلایا تو وہ بدک کر گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا لگی۔۔اب وہ سہمی سہمی نگاہوں سے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑا تھا۔۔دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا۔۔چہرے پر بھیگے بالوں کی لٹیں چپکی ہوئی تھی۔۔بال کھلے تھے۔جو کچھ کمر کچھ ایک سائیڈ کندھے پر جھول رہے تھے۔۔

وہ اسے سہمی نگاہوں سے دیکھتے کوٹ کو اچھی طرح خود پر لپیٹے جیسے خود کو اس کی نگاہوں سے چھپا رہی ہو۔۔

ارحام نے گہرا سانس لے کر اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پایا۔۔وہ اس کے ساتھ اپنی مرضی سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔۔مگر اب ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔۔جیسے اس نے زبردستی بٹھایا ہو۔۔وہ اسے دیکھ کر کیوں سہم رہی تھی۔۔وہ سمجھ رہا تھا۔۔وہ اسے غلط سمجھ رہی ہے۔

کہاں جانا ہے تمھیں؟؟ وہ آپ سے تم پر آیا تھا۔۔اس لڑکی نے مجبور کر دیا تھا وہ اس سے سختی سے پیش آئے۔۔ عجیب سی لڑکی تھی۔ ارحام غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔۔

اس نے ایک نظر ارحام کو دیکھا مگر بہت گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔

۔ارحام اس کی گہری نظر پہچان گیا تھا۔۔ ابھی اس سے ڈر رہی تھی۔ اب اسے تسلی سے گھور رہی تھی۔۔ ارحام کا بس نہیں چل رہا تھا اسے گاڑی سے اٹھا کر باہر پھینک دے۔۔ جو اپنی حرکتوں سے اسے زچ کر رہی تھی۔

کہاں جانا ہے تمھیں؟؟ ارحام خانزادہ غصے سے دھاڑا۔۔ وہ سیٹ سے اچھلتے اس کی دھاڑ پر لرز کر رہ گئی۔۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ وہ اپنی آنکھیں جھپکتے اپنے آنسوؤں پر مشکل سے ہی قابو پا رہی تھی۔۔ اس کا بدن ہلکا ہلکا لرز رہا

تھا۔۔ ارحام سٹیرنگ پر مکہ مارتے دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔۔ وہ اس کے سٹیرنگ پر مکہ مارنے پر ایک بار پھر سے لرز گئی تھی۔۔

دیکھو تم مجھے جب تک بتاؤ گی نہیں تمھیں کہاں جانا ہے۔۔ تو میں تمھیں کیسے ڈراپ کروں گا۔۔ پلیز مجھے بتاؤ۔۔۔ ارحام نے بہت نرمی سے کہا۔۔

ارحام خانزادہ کا نرم لہجہ سنتے اس نے پر سکون ہوتے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔۔۔ اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے ارحام کو دیکھا جو کافی نرمی سے اب اسے دیکھ رہا تھا۔۔

میرا گھر۔۔۔وہ بات کرتے اٹکی تھی۔۔پھر گہرا سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ارحام اپنی مٹھی بھینچے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

میرا کوئی گھر نہیں ہے۔میں کہاں جا سکتی ہوں۔۔اس نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اب کی بار کافی کانفیڈنس سے کہا تھا۔۔

کیا مطلب؟؟ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔۔میرے پاس ایک چھوٹا سا گھر تھا۔۔جس میں میں رہ رہی تھی۔۔وہ مجھ سے میرے ایک دور کے رشتہ دار نے چھین لیا۔۔میرا مطلب ہے اس نے دھوکے سے مجھ سے سائن کروا کر میرے گھر کے پیپرز ہتھیا لیے۔اس نے مجھے اس ٹائم گھر سے نکال دیا تو میں آپ کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔۔

ارحام نے کافی سنجیدگی اور تحمل سے اس کی کہانی سنی تھی۔۔ جس طرح اس نے فراونی سے بنار کے بات کی تھی۔۔ اس سے تو یہی ثابت ہو رہا تھا کہ وہ کہانی بنا رہی ہے۔۔

کہاں رہتی ہو تم ؟؟۔ ارحام نے ایک اور سوال کیا۔۔ وہ اس بار پھر سے گھبرا گئی تھی۔۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا تھا۔ ۔اب وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ جہاں میں آپ کو ملی تھی۔۔ وہاں بہت پیچھے میرا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔۔ میں بہت غریب ہوں۔۔ ایک گھر ہی تھا وہ بھی مجھ سے چھین لیا۔۔ پلیز میری مدد کریں۔۔ مم مجھے نوکری اور رہائش چاہیے۔۔ پلیز میری مدد کریں.. وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔۔

نام کیاہ نے اس کے ایکسپریشن سے نوٹ کر لیا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔وہ مجبور ضرور تھی مگر غریب نہیں تھی۔۔اس کی ڈریسنگ سے صاف لگ رہا تھا وہ یہاں کی رہائشی نہیں ہے۔۔اس کی لینگویج سے بھی اندازہ ہو رہا تھا وہ اس علاقے کی ہر گز نہیں ہو سکتی۔۔۔

کیا کیا ہے تم نے؟میرا مطلب کیا تعلیم حاصل کی ہے۔۔ارحام نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوے پوچھا۔۔

وہ کافی کانفیڈنٹ لڑکی تھی۔۔کچھ دیر پہلے والی سچویشن سے بلکل ہٹ کر تھی اب وہ۔۔۔شائد اس نے کچھ سوچ کر خود پر قابو پالیا تھا۔۔

میں میڈیکل میں۔۔۔۔اس نے بولتے ہوے لب دانتوں تلے دبایا تھا۔۔ارحام خانزادہ نے اس کا یہ ایکٹ بغور دیکھا تھا۔۔

آئی مین۔۔میں میڈیکل میں جانا چاہتی تھی۔مگر گھر کے حالات کی وجہ سے نہیں جا سکی۔۔

میں نے ایم اے کیا ہے۔۔ایم اے اکنامکس۔۔۔۔اس نے یہ بات بھی ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے کہی تھی۔

ارحام غصے سے اپنے لب بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔وہ کہیں سے بھی اتنی عمر کی نہیں لگ رہی تھی۔۔وہ ایک کھلتی کلی تھی۔۔جسے دیکھ کر صاف اندازہ لگایا جا سکتا تھا وہ کم عمر ہے۔۔

کیا عمر ہے تمھاری؟؟احام نے اس کے ایکسپریشن پر نظریں جمائے پوچھا۔

میں پچیس سال کی ہوں۔۔اس بار بھی کانفیڈنٹ سے جواب دیا۔ایم اے کب کیا؟؟ارحام نے اس کا جھوٹ پکڑنا چاہا تھا۔۔اسی سال پیپرز دیے۔۔ابھی رزلٹ آنا باقی ہے۔۔اب کی بار وہ مسکرائی تھی۔۔اس کے گال میں ننھا سا گڑھ بھی اپنی جھلک دکھا کر چھپ گیا تھا۔۔بی اے سمپل کیا ہے؟؟۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کیا۔۔ہاں سمپل کیا ہے۔مگر میں ٹائپنگ جانتی ہوں۔

بہت سے شارٹ کورسز کیے ہیں میں نے۔میں آفس میں سیکرٹری کے طور پر بھی کام کر سکتی ہوں۔۔لیکن مجھے رہائش بھی چاہیے۔۔اس کا لہجہ اب کی بار التجائیہ ہوا تھا۔۔

نام کیا ہے تمھارا۔۔اس سوال پر بھی وہ گڑبڑائی تھی۔۔

میرا نام عش۔۔۔۔۔عشق ہے۔۔اگلے ہی لمحے پٹ سے جواب آیا۔۔

ارحام کو اندازہ ہوا وہ جھوٹ بولنے میں ماہر نہیں تھی۔۔جو منہ میں آرہا تھا بول رہی تھی۔۔لیکن پورے کانفیڈنس سے۔۔۔لیکن جو بھی تھا وہ لڑکی جھوٹ بول رہی تھی۔مگر مجبور لگ رہی تھی۔۔ورنہ وہ بار بار رہائش کی بات کیوں کرتی۔۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس لڑکی کو لے کر کہاں جائے۔۔۔نہ وہ اسے یہاں چھوڑ سکتا تھا۔۔اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ لگ جاتی تو ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کی باتوں پر یقین کر کے اس پر رحم کھاتا۔۔

آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آرہا ہے کیا؟؟اس نے ارحام کو سنجیدگی سے خود کی طرف تکتا پا کر پریشانی سے پوچھا۔۔ارحام نے اس کی معصومیت دیکھ کر اپنا ماتھا سہلایا تھا۔۔

یقیناً وہ یہاں کسی لڑکے کے ساتھ آئی تھی۔۔اس نے اسے دھوکا دے دیا اپنا مطلب پورا کر کے وہ بھاگ گیا۔۔اب اس لڑکی کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔۔شائد یہ اپنے گھر واپس نہیں جا سکتی۔۔ارحام اسے دیکھ کر یہی سوچ رہا تھا۔۔

آرہا ہے مجھے تم پر یقین۔۔۔مگر تمھارا نام؟؟ارحام نے اس کے معصومانہ سوال پر سنجیدگی سے کہا۔۔

میرا نام عشق ہے۔۔واقعی میں آپ یقین کریں۔۔۔میرے پاس میرے ڈاکومنٹس نہیں ہیں۔ورنہ آپ کو ضرور دکھاتی۔۔۔مما بتاتی ہیں کہ میری خوبصورتی دیکھ کر انہوں نے میرا نام عشق رکھا۔۔ارحام نے اس کی بات پر اسے بغور دیکھا یعنی اسے اپنی خوبصورتی کا احساس تھا۔۔

اس کے پاس ڈاکومنٹس نہیں تھے۔۔۔وہ جھوٹ بول رہی تھی کیونکہ وہ اپنے اوریجنل ڈاکومنٹس نہیں دکھانا چاہتی تھی۔۔ارحام نے لب بھینچے ڈرایبونگ سٹارٹ کی۔۔

ارحام کے گاڑی سٹارٹ کرنے پر اس لڑکی نے گہرا سانس لیتے سیٹ سے ٹیک لگائے پرسکون ہوتے آنکھیں موندیں تھیں۔۔

وہ بے شک نرم مزاج تھا مگر بیوقوف ہرگز نہ تھا۔۔نہ ہی اس کی نظروں سے کوئی چیز اوجھل ہو سکتی تھی۔۔وہ ارحام خانزادہ تھا۔۔ایک ایک باریکی پر نظر رکھنے والا۔۔مقابل کے اندر تک جھانک لینے والا۔۔وہ تجربہ کار ایک کامیاب بزنس مین تھا۔۔اپنے علاقے کے جرگوں کے تمام فیصلے کرنے والا۔۔عقاب سے بھی تیز نظریں تھیں۔اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا تھا۔۔وہ اس کے جھوٹ سے باخوبی واقف ہو چکا تھا۔۔مگر ایک اکیلی لڑکی کو وہ تن تنہا

چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔۔یہی اس کی تربیت تھی۔یہی اس کا مزاج تھا۔۔یہی اس کے علاقے کی روایت تھی۔۔وہ عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔۔اس لیے ارحام نے اسے حویلی لے کر جانے کا سوچا تھا۔۔اس کے ساتھ جو بھی مسئلہ ہے وہ گھر کی خواتین جان لیں گی۔۔اس مطابق اس کی مدد کر دی جائے گی۔

ارحام کب سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔بارش صرف منگورہ کے مقام پر ہو رہی تھی۔اب آگے کا راستہ صاف تھا۔اس نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی پر ڈالی۔۔جو گہری نیند سو رہی تھی۔۔ارحام بہت حیران ہو رہا تھا وہ کب سے گہری نیند سو رہی تھی۔۔۔جیسے کتنے دنوں سے ٹھیک طرح سے سوئی نہیں۔۔۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔۔ دل میں پری گل کا خیال آیا تھا۔ اس کے لب خود بخود مسکرانے لگے تھے۔۔ وہ جیسی بھی تھی وہ اس کی محبت تھی اور وہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔۔ وہ اب اس سے اتنی ناراض ہو چکی تھی کہ اب اس کا فون بھی نہیں اٹھا رہا تھی۔

حویلی جا کر پری گل کو منانا بھی تھا۔۔ ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی جب بحرین کے علاقے میں داخل ہوئی تو برف باری بہت تیز ہو رہی تھی۔۔ اب ڈرائیونگ کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔

ان کے آگے بھی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اب برف باری رکنے کے بعد صبح کی روشنی میں ہی یہ برف باری سڑکوں پر صاف ہونی تھی۔۔۔

ارحام اب پچھتا رہا تھا کہ اسے کل صبح نکلنا چاہیے تھا۔۔ اگر وہ کل دن کی روشنی میں نکلتا تو یقیناً حویلی جلدی پہنچ جاتا اور یہ مصیبت بھی اس کے گلے نہ پڑتی۔۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر سوچا۔۔

گاڑی کے رکنے پر وہ لڑکی بھی نیند سے جاگ گئی تھی۔۔

ہم کہاں ہیں؟؟۔ اس نے اچھی طرح کوٹ خود پر لیتے پوچھا۔۔

ہم ابھی راستے میں ہی ہیں۔۔ برف باری شروع ہو چکی ہے۔۔ کچھ دیر گاڑی میں ویٹ کرنا پڑے گا۔۔ اگر راستہ کلیر نہ ہو سکا تو ہم آج رات پاس ہی ایک ہوٹل ہے وہاں پر رکیں گے۔۔۔۔۔۔۔

ہوٹل میں رکنے پر وہ کرنٹ کھا کر سیٹ پر اچھلی تھی۔

کک کیا مطلب؟؟ مم میں آپ کے ساتھ ہوٹل رکوں گی۔۔ مم مجھے رہائش چاہیے۔۔ میں آپ کے ساتھ کیوں ہوٹل رکنے لگی۔۔ مم میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔۔

وہ اس کے گھبرانے پر سمجھ چکا تھا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے۔۔۔ اس کی بات پر اس کے اندر غصے کی لہریں اٹھیں۔۔ وہ سٹیرنگ پر اپنا مضبوط ہاتھ کا دباؤ ڈالے خود پر قابو پانے لگا۔۔ رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھی۔۔ جسے وہ لڑکی بھی محسوس کر چکی تھی۔ اس کی رنگت میں سرخیاں گھلتے دیکھ کر وہ مزید سہم گئی تھی۔

ارحام نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تو وہ گھبراتے ہوئے اپنی نظریں جھکا گئی۔

تمھیں کیا لگتا ہے میں تمھیں ہوٹل لے جا کر تمھارا فائدہ اٹھانے لگا ہوں۔۔ مجھے تم میں اور تمھارے حسن میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔ مدد تمھیں چاہیے۔۔ رہایش تمھیں چاہیے۔۔ اس لیے میں تمھیں اپنے گھر لے کر جا رہا تھا۔۔ جہاں میرے گھر کی اور بھی خواتین ہیں۔ تاکہ تمھیں کسی بھی پریشانی سے بچایا جا سکے۔۔ میری نہ فطرت ایسی ہے اور نہ ایسی تربیت ہوئی ہے کہ میں کسی عورت کو پریشانی اور مصیبت میں دیکھ کر اپنی نظریں پھیر لوں۔۔ میرے لیے ہر عورت کی عزت سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔۔ یہ گاڑی آگے نہیں جا سکتی۔۔ تم نے یہاں بیٹھنا ہے بیٹھو۔۔ میں گاڑی لاک کر جاتا ہوں۔۔ تم یہاں سیف رہو گی۔۔ مگر میں یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتا۔۔ ارحام نے اپنی سیٹ بیلٹ اتارتے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔ اسے اس لڑکی کی بات پر بے حد غصہ آیا تھا جو اسے نہ جانے کیا

سمجھ بیٹھی تھی۔اسے اب یہ لڑکی کسی عذاب سے کم نہیں لگ رہی تھی۔۔وہ اسے طیش واشتعال سے گھورتا گاڑی سے اترا تو وہ بھی جلدی سے گاڑی سے اتری تھی۔۔

مم میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔۔جہاں آپ جائیں گے۔۔وہ ارحام کو دیکھتے ہوے بولی تو ارحام سرخ چہرے کے ساتھ سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔۔

ارحام نے پاس ہی ہوٹل میں ایک روم بک کروایا۔۔

وہ اس دوران ہوٹل کے لاونج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے پاس جا کر اسے پکارا تو وہ اپنے دھیان میں یونہی بیٹھی رہی۔۔وہ صوفے پر بیٹھی اپنے ناخن چبھاتے زمین کو گھور رہی تھی۔۔۔ایک ٹانگ اضطرابی کیفیت میں ہل رہی تھی۔

عشق۔۔۔۔ارحام نے دوبارہ پکارا تو وہ ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔۔جیسے اسے سنائی نہ دیا ہو یا پھر اس کا یہ نام ہی نہ ہو۔۔۔عشق۔۔۔۔۔ارحام نے اب کی بار کافی اونچی آواز میں پکارا تھا۔۔وہ ہڑبڑاتے ہوئے صوفے سے اٹھی تھی۔۔

کک کیا؟؟۔۔اس نے اپنا مخصوص جملہ دہرایا تو ارحام کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا۔۔

تمھارا نام ہی عشق ہے۔۔ارحام نے اب کی بار اسے قہربار نظروں سے گھورا تھا۔۔

ہاں میرا ہی نام عشق ہے۔۔ آپ یقین کریں میرا۔۔۔ وہ جلدی سے ہراساں ہوتے بولی۔ اپنی نظریں جھکاتے ہوے ارحام کے کوٹ اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔۔ دوپٹہ وہ گاڑی میں ہی چھوڑ آئی تھی۔۔ بال گیلے اس کی کمر پر بکھرے تھے۔۔

اس کے دوپٹہ نہ لینے پر بھی اسے اندازہ ہوا تھا وہ یہاں کی ہرگز نہیں تھی۔۔

ہاں میرا نام ہی عشق ہے گاڑی میں بتایا تو تھا آپ کو۔۔ اس بار اس کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔۔ جب جب وہ جھوٹ بولتی تھی تو کافی پر اعتماد نظر آتی ۔۔ ورنہ تو اس کا کانفیڈنس پتہ نہیں کہاں چلا جاتا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے سوچا۔

ارحام نے اپنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے اسے غضب ناک نگاہوں سے گھورا تھا۔

ہوٹل میں صرف ایک ہی کمرہ مل سکا ہے۔۔۔ ارحام کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ چکی تھی۔

مم میں کبھی آپ کے ساتھ ایک کمرے میں سٹے نہیں کروں گی۔۔ وہ گھبراتے ہوئے اس سے دو قدم دور ہوتے پیچھے کو ہوئی تھی۔۔ اس کی آواز بھی کافی اونچی تھی۔۔

ہوٹل میں موجود دوسرے لوگ بھی اس کی اونچی آواز پر متوجہ ہوئے تھے۔۔ ارحام کا اشتعال کے مارے رنگ سرخ ہوا۔۔ وہ اس کے ساتھ یہاں تک چلی آئی۔۔ اس کے گھر تک جانے کو تیار تھی۔۔ مگر اس پر اعتبار نہیں کر رہی تھی۔۔

میری بات سنو۔۔ ارحام نے آگے بڑھ کر اس کا بازو دبوچ کر اسے اپنے مقابل کیا۔۔

اپنی آواز نیچے رکھو۔۔۔ یہاں تماشہ مت لگاؤ۔۔ تم نے جانا ہے تو چلی جاؤ۔۔ میں نے فلاحی ادارہ نہیں کھول رکھا جہاں تم جیسی مجبور عورتوں کو پناہ دوں۔

ہوٹل کا روم تمھارے لیے بک کروایا ہے۔ میں یہاں لاونج میں ہی ٹھہروں گا۔۔ اگر تم نے رکنا ہے رکو۔۔ نہیں تو یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ میری جان چھوڑو۔۔ ارحام اس کا بازو دبوچے غرایا۔۔

آپ میرے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں نہیں جائیں گے۔۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔۔

اس کی آنکھوں میں حیرتنگی دیکھ کر ارحام اس کی کلائی چھوڑ تارخ موڑے غصے سے اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔۔

ارحام خود پر کنٹرول کرتے اس کی طرف مڑا تھا۔۔اس کا ہاتھ پکڑتے اسے روم کی چابی پکڑائی۔یہاں سے سیدھا جا کر لیفٹ سائیڈ پر آگے جا کر کمرہ ہے۔۔اس چابی پر روم کا نمبر لکھا ہے۔۔ارحام نے اسے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے چابی پکڑائی تھی۔ہوٹل میں موجود باقی لوگ ان کی طرف متوجہ ہونا شروع ہو چکے تھے۔۔اس کا حلیہ اس کی خوبصورتی سب کو اپنی طرف متوجہ کیے ہوئے تھی۔سب سے بڑھ کر لوگ ان دونوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔۔یقیناً وہ دونوں کپل ہرگز نہیں لگ رہے تھے۔۔ارحام کا کمرے میں ساتھ نہ جانا بھی سب کو مشکوک کر گیا تھا۔جس

طرح اس نے اونچی آواز میں کہا تھا۔۔وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں ٹھہرے گی۔۔وہ سب کے شکوک وشہبات پر مہر لگا چکا تھا۔۔

ارحام کی بارعب شاندار پرسنیلٹی سے ظاہر ہو رہا تھا وہ عام انسان نہیں ہے۔۔اس لیے کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔۔وہ اس سے باز پرس کرتے۔۔ارحام سب کی نظروں کو اگنور کیے لاونج میں بڑے صوفے کی جانب بڑھا۔۔۔صوفے پر بیٹھتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ نکال اسے لائٹر سے سلگا کر لبوں میں دبائی تھی۔۔۔۔

زاران خانزادہ بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے کار پورچ میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔۔موسم قدرے ابر آلود تھا۔۔رات ہلکی

پھلکی برف باری ہوئی تھی۔۔اب بارف باری تورک گئی تھی۔ مگر موسم میں خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔۔

عابیر کی طبعیت بہت بہتر تھی۔۔ خجستہ کے ولیمے کے اگلے ہی دن زحلے نے اپنی فیملی کے ساتھ واپس جانا تھا۔۔ سمیع اللہ اور سب کے روکنے کے باوجود وہ ابرش کی ضد پر واپس جانے کے لیے تیار ہوئیں تھیں۔۔ سمیع اللہ نے زحلے کو گارڈز اور اپنے بہت پرانے وفادار ملازم رحیم خان جو ان کے بہت قریب بھی تھے۔۔ جنھیں سب کاکا رحیم کہتے تھے۔انھیں ساتھ جانے کو کہا تھا۔۔

زاران خانزادہ کو جب پتہ چلا تو اس نے سمیع اللہ خان سے زحلے کی فیملی کو خود اسلام آباد تک چھوڑ کر آنے کی ہامی بھری تھی۔۔

اس نے یہ سب کیوں کہا؟؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ حتی کہ زحلے اور اس کی فیملی اسلام آباد سے بھی رحیم کاکا اور گارڈز کے ہمراہ آئے تھے۔ جنھیں سمیع اللہ نے بھیجا تھا۔ مگر زاران کا اب دل نہیں مان رہا تھا ان لوگوں کو وہ ایسے بھیجے۔ اور وہ کیوں زحلے اور سب کو لے کر پرواہ کر رہا تھا وجہ وہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ وجہ بہت خاص تھی۔۔ اسے کس کی فکر ہو رہی تھی وہ سمجھتا تو تھا مگر شائد ماننے سے انکاری تھا۔

لیکن وہ کسی بھی صورت انھیں کسی اور کے ساتھ جانے نہیں دے سکتا تھا۔۔۔

وہ اپنے کار پورچ میں کھڑا ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔۔ زاران کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی بھی تیار کھڑی تھی۔۔ جس میں ابرش کی فیملی نے جانا تھا۔۔

زاران کی گاڑی نے ساتھ ساتھ ہی رہنا تھا۔۔

زاران اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے بڑھتے رکا تھا۔۔ ابرش زحلے اور باقی سب کے ساتھ آتی دکھائی دی۔۔

وہ وائٹ ٹائٹس پر سمپل سی گلابی شیفون کے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جو پرنٹڈ تھا۔ جس کی لینتھ پیروں تک تھی۔۔ گلے میں سٹالر مفلر کی صورت میں لپیٹا ہوا تھا۔

اپنے آدھے بال سمیٹ کر سینٹر سے چھوٹے سے کیچر میں مقید کیے ہوے تھے۔۔ باقی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔

باہر آتے ہی ابرش کو سردی کا احساس ہوا۔۔ وہ غصے سے یہاں آتے ہوے اپنے گرم کپڑے بھی ساتھ نہیں لائی تھی۔ زحلے نے کہا بھی تھا کہ وہ گرم

کپڑے رکھ لے مگر اس نے سنی ان سنی کر دی تھی۔۔ حویلی کے اندر تو سردی نہیں تھی مگر باہر تو وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔۔ وہ اپنے سٹالر کو ٹھیک کرتے گاڑی کی طرف بڑھی۔۔ سٹالر تو ٹھیک کرنا ہی تھا سامنے ہی تو زاران خان کھڑا تھا۔۔

بنا کسی میک اور زیب و آرائش میں وہ بہت سمپل تھی۔۔ زاران نے بڑی گہری نظر ڈالی تھی اس پر۔۔

وہ زاران خانزادہ کو مکمل اگنور کرتے گاڑی کی طرف بڑھی۔۔

زاران اسے دیکھ کر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔ان کے گھر کی عورتیں باہر آتے ہوے پیروں تک چادر اور برقعے میں لپٹی ہوتی تھیں۔۔یہاں تک کہ اپنا چہرہ بھی چھپاتی تھیں۔۔زحلے نے بھی اپنے آپ کو ایسے ہی ڈھانپا ہوا تھا۔۔

زاران کو وہ یوں بے پردہ ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔یہاں تک کہ اس پر ایک نظر ڈال کر اس کا دوسری نظر ڈالنے کا دل نہیں کیا تھا۔۔کل تک وہ اسے اپنی گھر کی عورتوں میں شمار کرنے کا روادار نہ تھا۔۔آج اس کا اپنی گھر کی عورتوں سے موزانہ کر رہا تھا۔۔نہ صرف موازنہ کر رہا تھا۔۔بلکہ بری طرح کڑھ بھی رہا تھا۔۔زاران نے غصے سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔۔بیک مرر ویو سے اپنے پیچھے کھڑی گاڑی پر ایک نظر ڈالی۔۔

آہل ڈرائیور کے ساتھ ہی آگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔۔ پیچھلی سیٹ پر زحلے عنایہ اور ابرش بیٹھے تھے۔۔

وہ اس طرح سارے راستے ایک غیر مردان کے گھر کے ملازم کے ساتھ بیٹھ کر جائے گی۔۔

زاران مزید بے چین ہوا تھا۔۔

وہ بنا کسی آرائش کے کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔۔ یہی حال ابرش کا تھا وہ اگر وہ پورے پردے میں بھی ہوتی تو اس کا روپ چھپائے نہیں چھپنا تھا۔۔ کمبخت آنکھیں ہی اس کی قاتلانہ روپ رکھتی تھیں۔۔ زاران نے اپنی شال گلے میں دونوں ہاتھوں سے جھٹکتے گاڑی سٹارٹ کی۔ اس سے پہلے وہ اپنی گاڑی گیٹ سے باہر نکالتا۔۔ ابرش گاڑی سے نکلتے دوبارہ سے حویلی کے اندر داخل ہوئی. وہ اپنا موبائل اندر چھوڑ آئی

تھی۔۔زاران جلدی سے گاڑی سے اتر کر زحلے خاتون کی گاڑی کی طرف بڑھا۔

پھوپھو ابرش میرے ساتھ آجائے گی۔۔آپ لوگ بے آرام ہوں گے ۔۔سفر لمبا ہے۔۔زاران نے گاڑی کا دروازہ کھولتے گاڑی میں موجود زحلے سے کہا تو زحلے نے پریشانی سے زاران کو دیکھا۔۔ابرش زاران سے کتنا چڑتی تھی وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔

زاران بیٹا گاڑی میں کافی جگہ ہے ہم لوگ بے آرام نہیں ہوں گے۔۔تم فکر نہ کرو۔۔زحلے نے سہولت سے انکار کیا تھا۔۔

پھوپھو عنایہ ڈسٹرب ہو گی۔۔ سفر لمبا ہے۔۔ ابرش میرے ساتھ آجائے گی۔۔ زاران نے دوٹوک انداز میں کہتے کریم کو گاڑی سٹارٹ کرنے کا حکم دیا۔۔

کریم نے گاڑی سٹارٹ کرتے حویلی سے باہر نکالی۔۔ زاران اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا ابرش کا انتظار کرنے لگا۔۔

ابرش باہر آئی تو صرف زاران کی گاڑی کو وہاں کھڑا دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔

ابرش کو یوں ہونقوں کی طرح کھڑے دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا۔۔

چلیں مس امیریکہ۔۔۔۔۔۔ زاران نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے کہا۔

۔اس کی نظریں صرف اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں.. ابرش نے

ناگواری سے اپنا سٹالر ٹھیک کیا تھا۔۔اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری دیکھ کر زاران خانزادہ کا مسکراتا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔۔

ماما لوگوں کی گاڑی کہاں گئی؟؟۔۔ابرش نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔

وہ لوگ چلے گئے۔۔لب بھینچے جواب دیا۔۔

واٹ؟؟وہ لوگ کیسے جاسکتے ہیں؟؟مجھے لیے بنا۔۔ابرش صدمے کی زیادتی سے چیخی تھی۔۔دوسرے ہی لمحے ابرش نے زحلے کا نمبر ملاتے فون کان سے لگایا۔۔زاران سینے پر ہاتھ باندھے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

ماما آپ لوگ مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں؟؟زحلے کے فون اٹھاتے ہی ابرش نے غصے سے کہا۔

زحلے کے جواب پر ابرش کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔۔یعنی اس کے سماعتوں تک یہ خبر پہنچا دی گئی تھی کہ وہ زاران کے ساتھ آئے گی۔۔صدمہ اتنا بڑا تھا کہ وہ کتنے ہی لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔۔زاران اب اپنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے ابرش کا صدمے کی زیادتی سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔زحلے اس کی خاموشی محسوس کرتے فون بند کر چکی تھی۔۔

ابرش زاران کو کچھ لمحے دیکھتی رہی۔پھر اسے اگنور کرتے آگے کی جانب بڑھی تھی۔۔۔وہ کبھی بھی اس عیاش خان کے ساتھ جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی..جو سارے راستے اسے اپنی بے باک نظروں سے ہی سلگاتا رہے گا۔۔زاران لب بھینچے اس مغرور نک چڑھی حسینہ کے انداز دیکھ رہا تھا جو واقعی میں اپنے آپ کو مس ورلڈ سمجھتی تھی۔۔

ابرش طویل ترین ڈارئیوے کو عبور کرتی حویلی کے گیٹ کی طرف بڑھی۔۔زاران دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔۔

زاران کے اشارے پر چوکیدار نے سر اثبات میں ہلاتے حویلی کا گیٹ کھول دیا۔۔

ابرش زاران کی نظروں کے سامنے حویلی کا گیٹ عبور کر گئی تھی۔۔۔

زاران کافی دیر تک اطمینان سے اپنی گاڑی کے بونٹ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا رہا۔۔وہ ان اونچے نیچے راستوں پر اس نازک حسینہ کو ذرا تھکانا چاہتا تھا۔۔جو ہیل پہن کر گئی تھیں۔ محترمہ نے کوئی گرم کپڑا بھی نہیں لیا تھا۔۔نازکی تو کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔اسے باہر آتے سردی سے ٹھٹھرتے دیکھ لیا تھا۔۔زاران نے ایک نظر آسمان کو دیکھا جہاں سے برف باری ہونا شروع ہو چکی تھی۔۔

زاران اپنے کندھے پر گری برف کو جھاڑتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ گاڑی سٹارٹ کرتا وہ حویلی سے باہر آیا تھا۔۔ جہاں سامنے سڑک بلکل خالی اور ویران تھی۔۔ وہ اپنی گاڑی میں آگے بڑھا تو ابرش کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ سڑک کے دائیں طرف کافی اونچا نیچا راستہ تھا۔۔ جہاں بہت بڑا بہتا دریا تھا۔۔ وہاں تو ابرش کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔۔ راستہ کافی خطرناک تھا۔۔

وہ اپنی گاڑی کو سڑک کی سیدھ کی طرف بڑھاتا کافی دور تک آگیا تھا۔ مگر ابرش کا نام ونشان نہیں تھا۔۔ وہ اب جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔ اس کے پاس ابرش کا نمبر بھی نہیں تھا ورنہ وہ فون کر کے محترمہ سے پوچھ لیتا وہ ہائی ہیل کے ساتھ کہاں مٹر گشت کرنے نکلی ہیں۔۔

برف باری اب کافی تیز ہو چکی تھی۔۔ سڑکوں کو سفید پڑتا دیکھ کر وہ اب صحیح معنوں میں پریشان ہوا تھا۔۔ خود پر غصہ بھی جی بھر کر آیا تھا اس بیوقوف حسینہ کو اکیلے آنے ہی کیوں دیا۔۔

زاران ابرش کو تلاش کرتے مسلسل یہی سوچ رہا تھا۔ وہ کہاں جا سکتی ہے؟؟۔۔ اتنی جلدی وہ اس طویل سڑک کو عبور نہیں کر سکتی تھی۔۔ نہ ہی پیدل وہ زیادہ دور جا سکتی تھی۔ ابرش کا یہاں موجود نہ ہونا ایک ہی بات کی طرف آشارہ کر رہا تھا کہ اس نے کسی سے لفٹ لی ہے۔ ورنہ وہ پیدل کسی صورت یہاں سے نکل نہیں سکتی تھی۔

کیا اس نے واقعی میں کسی سے لفٹ لی ہے؟؟۔ یہ خیال آتے ہی زاران کی سٹیرنگ پر گرفت مضبوط ہوئی تھی۔۔ وہ کسی کے ساتھ بھی کیسے جا سکتی ہے؟؟۔ بے شک وہ امیریکہ سے آئی ہے؟؟۔ مگر اسے پتہ ہونا چاہیے کہ

ایک عورت یوں کسی پر بھی اعتبار کرتے کسی کی بھی گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتی۔۔زاران کا غصہ اشتعال سوا نیزے پر پہنچ رہا تھا۔اس کے ساتھ وہ گاڑی میں بیٹھنے کو تیار نہیں ہوئی۔۔اور کسی کے ساتھ بھی وہ منہ اٹھا کر چل پڑی۔۔وہ اس بات پر یقین کر چکا تھا کہ ابرش نے کسی سے لفٹ لی ہے۔۔اگر وہ یہاں ہوتی تو اسے نظر آجاتی۔۔وہ سڑک کے دائیں بائیں دونوں اطراف میں اچھی طرح اسے تلاش چکا تھا۔۔

اوپر سے اس کا حلیہ؟؟اس کا حلیہ یاد کر کے وہ نئے سے سلگ اٹھا۔

کیا ہمارے گھر کی عوتیں ایسی حرکتیں کرتی ہیں۔۔جیسے یہ ابرش کر رہی ہے؟؟۔۔وہ پھر سے اسے اپنے گھر کی عورت کہہ رہا تھا۔جسے خود ہی احساس نہ تھا وہ اسے اپنے گھر کی عورت مان چکا تھا۔۔

زاران نے کچھ سوچ کر اپنی گاڑی واپس حویلی کی طرف موڑی۔اس کا دل کہہ رہا تھا وہ خود سر مغرور حسینہ جیسی بھی ہو مگر بیوقوف ہر گز نہیں تھی۔۔وہ کافی حساس بھی تھی۔۔اس کے ایک مرتبہ ہی احساس دلانے پر اس کی ڈریسنگ میں زمین آسمان کا فرق آچکا تھا۔۔یہاں تک کہ اس نے خجستہ کے ولیمے پر بھی دوپٹہ اچھی طرح سر پر اوڑھ رکھا تھا۔

اس کی گاڑی کا رخ اب دریا کی طرف جانے والے راستے کی طرف تھا۔۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔وہ دریا کے کنارے پر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھی آسمان کی طرف نگاہ کیے برستی ہوئی برف کو دیکھ رہی تھی۔۔سردی سے ٹھٹھرتے وہ اپنے سٹالر کو خود پر اچھی طرح لپیٹے ہوے تھی۔۔جس کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔۔زاران سر نفی میں ہلاتا اپنی گاڑی سے نکلتا ابرش کی

طرف بڑھا جو اسے آتا دیکھ چکی تھی۔۔ مگر اسے دیکھتے نروٹھے انداز میں اپنا رخ موڑ گئی۔۔ اس کے اس انداز پر زاران کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔۔ دریا کے کنارے بڑے سے پتھر پر بیٹھی وہ تھوڑا گھبرائی سی غصے اور سردی کی شدت سے سرخ ہوتی زاران کے دل کی دنیا ہلا چکی تھی۔۔

وہ پھر سے مجسم ہوا تھا۔۔ اتنا مکمل اور شفاف حسن بھلا کہاں دیکھا تھا؟؟۔۔ وہ بہتے دریا کی مانند شفاف اور گہری معلوم ہو رہی تھی۔۔

سرسبز پہاڑ بہتا دریا اور آسمان سے گرتی برف۔۔۔ یہ منظر تو وہ بہت بار دیکھ چکا تھا مگر آج اس منظر میں کیا خاص تھا۔۔ جو اس کے دل کی دنیا کو تہہ بالا کر چکا تھا۔۔ کیوں اس کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہ تھیں۔ کیا اس منظر کا خوبصورت اور دلکش ہونا اس ہستی کے ساتھ جڑا تھا؟؟ جو اس وقت پتھر پر بیٹھی اس سے نروٹھی سی دکھائی دیتی تھی۔۔

وہ زاران خانزادہ تھا جو امیریکہ سے تعلیم حاصل کر کے آیا تھا۔۔ وہ ایک آٹھائس سال کا کامیاب بزنس مین میچور مرد تھا۔ کوئی ٹین ایج لڑکا نہیں جو اپنے دل کی بڑھتی دھڑکنوں کو وقتی طور پر اٹریکشن کا نام دے دے۔۔۔ یا کسی لڑکی کے حسن سے متاثر ہوتے وہ اس کی طرف اٹریکٹ ہو جائے۔۔ امیریکہ میں کتنی ہی لڑکیاں اس کی شاندار پرسنیلٹی اور ایشیائی ہونے کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے منڈلاتی تھیں۔ مگر وہ مغرور انسان کسی لڑکی کے حسن کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ نہ اس کی دھڑکنوں نے کبھی اس سے ایسی بیوفائی کی تھی۔۔

وہ اپنے دل میں اٹھتے شور سے بخوبی واقف ہو چکا تھا کہ وہ دل اب اس کا نہ رہا تھا۔۔ اس دل کی ملکیت کو چپکے سے کسی نے اپنے نام کروالیا تھا۔۔ وہ اپنے دل میں پنپتے جذبوں سے انجان نہ تھا مگر ابھی بھی ماننے سے انکاری تھا کہ

کیسے کوئی اتنی جلدی اسے زیر کر سکتا ہے۔۔ وہ ایک صنف نازک سے کیسے شکست کھا سکتا ہے۔۔ کیا زاران خانزادہ جیسے مغرور اور سخت قسم کے انسان کو خود پر اتنا بھی اختیار نہ تھا کہ وہ خود کو روک سکتا۔۔ کیا صرف حسن کی کشش اسے اس لڑکی کی طرف کھینچ رہی ہے۔۔ جسے کل تک وہ مر کر بھی اپنانے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔ آج یہ آنکھیں صرف اس کو ہی کیوں دیکھنا چاہتی تھیں۔ دل تو پتہ نہیں کیا کیا چاہتا تھا؟؟؟ زاران خانزادہ اب دل کے تقاضوں سے پریشان ہو گیا تھا۔۔ یہ دل اب تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔۔ ان لبوں کی پیاس اب بڑھتی جا رہی تھی۔

نظر چاہتی ہے دیدار کرنا

یہ دل چاہتا ہے تمھیں پیار کرنا

مہکنے لگے گا بدن یہ تمھارا

ہم آنکھوں سے ایسی شرارت کریں گے

زاران خانزادہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔ اسے کیوں لگ رہا تھا یہ لڑکی صرف اس کی ہے۔۔ اسے دیکھنے کا حق صرف اس کا ہے۔۔۔۔

زاران اسے گہری نظروں سے دیکھتا اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔۔

زاران کو اپنی طرف نہ بڑھتا دیکھ کر ابرش نے اس کی طرف نگاہ کی۔۔ اسے اپنے سے تھوڑے فاصلے پر جما دیکھ ابرش کا دل خوف سے لرزا تھا۔۔ وہ اسے گہری گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ ابرش نے اپنے سٹالر کو مزید اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے زاران سے مزید رخ موڑ لیا تھا۔۔ ابرش نے بہتے دریا کو دیکھا جس میں اس کا موبائل گر کر گم ہو چکا تھا۔۔ اور اپنی ٹوٹی ہیل کو دیکھا

۔۔۔

وہ نہ واپس جا سکتی تھی۔۔۔نہ زاران خانزادہ سے دور بھاگ سکتی تھی۔۔۔وہ اس ٹھنڈے پانی میں ڈوب کر اپنی جان نہیں دے سکتی تھی۔۔۔وہ ایسی موت تو کبھی مرنا نہیں چاہتی تھی۔۔ مگر اس خان کے آرادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔۔ جس کی براؤن آنکھوں کی سرخی آج کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔

ابرش نے ڈرتے ہوے اپنا ایک پاؤں بہتے پانی میں رکھا۔ مگر اسی لمحے اپنا پاؤں واپس کھینچ لیا تھا پانی تو برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔۔

زاران ابرش کی طرف بڑھا وہ اسے اپنی طرف اتا دیکھ کر بدحواس ہوتے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔ مگر درد سے کراہتی وہ واپس اسی پتھر پر بیٹھ چکی تھی۔۔ آنکھوں میں ڈھیروں پانی جمع ہوا تھا۔۔

زاران اس کے قریب آکر دو قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ ابرش نے اسے کن اکھیوں سے دیکھتے اپنے ساٹلر کو اچھی طرح خود پر لپیٹا۔۔ زاران نے غصے سے اپنی مٹھی بھینچی۔۔ اسے ابرش کی یہ حرکت اب بہت ناگوار لگنے لگی تھی۔۔ اگر اسے خود کی نسوانیت کا اتنا ہی خیال تھا تو خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹ کر باہر آتی۔۔ پھر اسے یوں خود کو چھپانا نہ پڑتا۔۔

یہاں اس برف باری میں تن تنہا اس سنسان جگہ پر بیٹھنا قبول ہے۔ مگر میرے ساتھ ایک گاڑی میں جانا قبول نہ تھا۔۔ زاران نے اس کے قریب آتے اسے پتھر پر جما دیکھ کر گہرا طنز کیا۔

ہاں کیونکہ مجھے لگتا ہے میں یہاں پر زیادہ سیف ہوں۔۔ ابرش نے غصے سے کہتے ہوے اپنے سٹالر کو دونوں ہاتھوں سے اگے سے جکڑا۔

زاران نے اس کی حرکت پر بمشکل ہی خود کے غصے پر کنٹرول کیا تھا۔۔

اوکے اگر تمھیں لگتا ہے تم یہاں سیف ہو تو یہیں پر رہو۔۔ کچھ ہی دیر میں اندھیرا ہو جائے گا۔۔ پھر یہاں مختلف خوفناک جانور نکل آئیں گے۔۔ یقیناً آج رات کے ڈنر میں وہ تمھیں اپنی خوراک بنانا ضرور پسند کریں گے۔۔ اس لیے بیٹھی رہو یہاں۔۔ میں چلتا ہوں۔۔ زاران کی بات پر ابرش نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔۔ یہاں کیسے خوفناک جانور ہو سکتے ہیں؟؟ ابرش نے کہتے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ابرش کا رنگ خوف سے زرد پڑا۔

آج رات یہاں گزار لو تمھیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ یہاں کتنے خوفناک جانور ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ صبح تک تم زندہ بچی۔۔ اگر ان جانوروں سے بچ

بھی گئی تو یقیناً سردی سے ہی مر جاؤ گی۔۔ زاران نے طنزیہ انداز میں اسے سردی سے ٹھٹھرتا دیکھا۔۔

زاران اسے وہیں چھوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ وہ چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ ابرش جلدی سے پتھر سے اٹھی۔۔ درد سے کراہتے ہوئے اس کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی۔۔ اس نے تکلیف کی شدت اور دھندلائی آنکھوں سے دوبارہ سے پتھر پر بیٹھنا چاہا تھا۔۔ مگر وہ پیچھے کو ہوتی لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ دریا کے ٹھنڈے پانی میں گرتی.. زاران نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے کمر سے تھامتے اسے ٹھنڈے پانی کی نظر ہونے سے روکا۔۔ وہ اسے کمر سے تھامے ہوئے تھوڑا سا جھکا ہوا تھا۔ وہ سہمی ہوئی اس کی شال کو دونوں ہاتھوں سے دبوچے ہوئے تھی۔۔ اس کے خوبصورت سلکی بال نیچے کی طرف لہرا رہے تھے۔

دونوں کی نظریں چار ہوئی تھیں۔ زاران کا دل ان کرسٹل براؤن ہرنی کی طرح سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر ڈوب کر ابھرا تھا۔۔ برف باری شدید تیز شروع ہو چکی تھی۔۔ برف ان کے بالوں ان کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔۔ ابرش منہ کھولے سہمی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔ اس کی کمر نیچے کی جانب بینڈ تھی۔۔۔ زاران اسے سنبھالا دیے ہوے تھا۔۔ وہ خود سیدھی نہیں ہو سکتی تھی۔۔ شدید درد اس کے پاؤں میں اٹھ رہا تھا۔۔ اوپر سے مسٹر خانزادہ پاگلوں کی طرح اسے گھورے جا رہے تھے۔ اوپر سے یہ برف باری اس کے اوسان خطا کی ہوئی تھی۔۔

ابرش کی آنکھوں سے اب آنسو لڑیوں کی طرح بہنے شروع ہو چکے تھے۔ ابرش نے روتے ہوئے درد سے ہچکی لی تو زاران خانزادہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔۔۔

اسے کمر سے پکڑ کر سیدھا کیا۔۔ ابرش بے تحاشا رو دی تھی۔۔ ساتھ میں زاران کے گلے میں لٹکتی شال کو وہ ابھی تک دبوچے ہوئے تھی۔ زاران نے نوٹ کیا وہ زمین پر پاؤں نہیں رکھ پا رہی۔۔۔۔ زاران نے اسے کمر سے تھام کر پتھر پر بٹھایا تو وہ درد سے سسک کر رہ گئی۔۔

کیا ہوا ہے ابرش؟؟۔۔ زاران نے اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے پوچھا۔۔ ساتھ میں اس کے چہرے اور بالوں سے برف بھی اتاری تھی۔

۔ ابرش بے تحاشا روتے ہوئے اپنے پاؤں کو دیکھ رہی تھی۔۔ جہاں سے درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں۔

ورنہ وہ زاران کا یہ ایکٹ دیکھ کر یقیناً اس کے ہاتھ ضرور جھٹکتی۔۔

زاران نے اب اس کی پاؤں کی طرف نگاہ کی جو پمپز کے بغیر

تھے۔۔۔زاران خانزادہ اس وقت دریا کے بہتے پانی مین پنجوں کے بل بیٹھا

ہوا تھا۔۔یہ دریا کا کنارہ تھا۔۔جہاں پانی بلکل گہرا نہ تھا۔۔مگر اس طرح

بیٹھنے بر زاران کے کپڑے اور شوز گیلے ہو چکے تھے۔۔

زاران نے اس کا پاؤں پکڑ کر دیکھا جہاں شائد موچ آئی تھی۔۔ابرش اس

کے پاؤں کو ہاتھ لگانے پر درد سے چیخ پڑی تھی۔۔

شوز کہاں ہیں تمھارے اور یہ موچ کیسے آئی؟؟۔زاران نے اسے دیکھتے

ہوے پوچھا۔۔

میرا پاؤں مڑ گیا تھا اور وہ ہیلز میں نے اتار دیے۔ ابرش نے بمشکل ہی بتایا تھا۔۔ درد کی شدت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔۔

تو ہیل پہن کر تمھیں کس نے کہا تھا یہاں کیٹ واک کرو۔۔ زاران اس کے چہرے پر تکلیف دیکھ کر غصے سے بولا۔۔

ابرش اس کی بات پر بری طرح رو دی تھی۔۔ پتھر سے اٹھتے ایک بار پھر سے اس کا پاؤں بری طرح مڑ چکا تھا۔۔ پہلے والی تکلیف پھر بھی برداشت ہو رہی تھی۔۔ مگر اب تو اسے لگ رہا تھا وہ مر جائے گی۔۔

زاران نے اس کا پاؤں ہاتھ میں پکڑ کر معائنہ کرنا چاہا مگر ابرش کی خطرناک چیخ پر وہ اپنے جبڑے بھینچ گیا۔

ابرش دیکھنے دو۔۔ ورنہ یہ موچ میں کیسے ٹھیک کروں گا۔۔ زاران کی بات پر اس کا رنگ سفید پڑا۔۔

کک کیا مطلب؟؟ آپ کیسے ٹھیک کریں گے؟؟۔۔ یہ موچ تو ڈاکٹر ہی ٹھیک کرے گا۔۔ ابرش نے تھوڑا نیچے ہوتے اس کے ہاتھ اپنے پاؤں سے پیچھے کرنے چاہے تھے۔۔ اسے اتنا درد ہو رہا تھا وہ اپنا پاؤں ہلا بھی نہیں پا رہی تھی۔ زاران نے اس کے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے اس کی طرف نگاہ کی تو زاران کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔۔ اس کا سٹالر گر چکا تھا۔۔ گہرے گلے سے نظر آتے نشیب و فراز پر نظر پڑتے وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے اپنی نگاہیں جھکا گیا۔۔ مگر اس لڑکی پر اسے شدید غصہ آیا تھا۔۔۔ زاران نے زمین سے اٹھتے اپنی شال کندھوں سے اتار کر اس کے گرد اچھی طرح لپیٹی تو ابرش حیران نگاہوں سے دیکھے گئی۔ جو بھی تھا اسے اس خان سے ایسی امید نہ تھی۔

زاران نے پھر سے نیچے بیٹھتے اس کا پاؤں پکڑا تھا۔۔

ابرش پھر سے چیخ اٹھی تھی۔۔

لیٹ می سی۔۔ڈونٹ بی ہیولائک آچائلڈ۔۔۔اب اگر تم چیخی تو تمھیں اس بہتے دریا کے سپرد کر دوں گا۔۔اسے صرف دھمکی مت سمجھنا۔۔میں جو کہتا ہوں کرتا بھی ہوں۔۔اگر یقین نہیں آتا۔ایک بار اور چیخ کر دیکھ لو تم۔۔

زاران نے اب کی بار سختی سے کہا تو ابرش بہتے آنسوؤں کے ساتھ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔زاران کا چہرہ کافی سنجیدہ تھا۔۔زاران نے اس پر سرد نظر ڈال کر اس کا پاؤں پکڑا۔۔اب کی بار ابرش چیخی نہیں تھی۔۔مگر درد کی شدت سے زاران کا کندھا پکڑ لیا تھا۔۔زاران نے اس کا پاؤں پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے موڑا تو ابرش کے منہ سے دردناک چیخ نکلی۔۔۔زاران نے اس کے چہرے کو دیکھا جو بے تحاشا رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

۔وہ درد سے سسکتے ہوئے ابھی تک اس کے کندھے سے شرٹ مٹھی میں دبوچے ہوئے تھی۔۔۔زاران نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے الگ کیا۔۔اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔۔

زاران نے کھڑے ہوتے ابرش کو دیکھا جو اب زارو قطار رو رہی تھی۔۔ مگر اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔۔یقیناً وہ اس سے ناراض تھی۔۔

تمھارے پاؤں کی ہڈی مڑ گئی تھی اب واپس اپنی جگہ پر آ گئی ہے۔۔ تھوڑی دیر تک یہ درد بھی ٹھیک ہو جائے گا۔۔ابرش اس کی بات کا بنا کوئی جواب

دیے اس کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے آنسو صاف کرتے بہتے دریا کو دیکھنے لگی۔۔

ابرش یہاں اس طرح کی موچ ایسے ہی ٹھیک کی جاتی ہے۔۔اگر میں ایسے نہ کرتا تو درد کی شدت بڑھ جانی تھی۔۔میں جانتا ہوں تمھیں بہت درد ہوا ہے۔مگر یہ کرنا ضروری تھا۔۔

چلو اب اٹھو شاباش ہری اپ۔۔۔۔۔ہم آگے بہت لیٹ ہو چکے ہیں۔۔زاران کا لہجہ اب کافی نرم تھا۔۔

ابرش سنی ان سنی کرتی سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی رہی۔۔جو تکلیف اس نے دی وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔۔وہ اتنی ڈر گئی تھی وہ ابھی تک اپنا پاؤں نہیں ہلا رہی تھی۔۔

زاران اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر جھنجھلا گیا تھا۔۔اس کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ اسے ادھر ہی چھوڑ کر چلا جاتا۔۔ نہیں تو دو چار تھپڑ لگا کر اسے تیر کی طرح سیدھا کر دیتا۔ لیکن وہ اپنی عادت کے برعکس یہ سب کچھ کر رہا تھا۔۔ بلکہ اس کے ساتھ کافی نرمی برت رہا تھا۔۔

ابرش کم ان.....برف باری اب ختم ہو چکی ہے۔۔اگر یہ دوبارہ شروع ہو گئی تو یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔۔ کم ان لیٹس گو۔۔۔زاران نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اب کی بار بھی کافی نرم لہجے میں کہا۔۔ مگر ابرش نے جواب دینا گوارا نہیں سمجھا تھا۔۔

وہ یہاں سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اسے چھوڑ کر یہاں سے چلا جائے۔۔وہ سردی سے ٹھٹھر کر مرنا نہیں چاہتی تھی۔نہ ہی یہاں کے جانوروں کی خوراک بننا چاہتی تھی۔۔اور نہ ہی اس سر

پھرے خان کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔۔ ابرش کی آنکھوں سے پھر سے آنسو بہے تھے۔۔ اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔۔ جتنا آج وہ خود کو کر رہی تھی۔۔

زاران وہیں پر کھڑا کافی دیر تک اسے روتا دیکھتا رہا۔ وہ روتے ہوئے بار بار اپنے آنسو صاف کرتے صرف بہتے دریا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اندر سے کافی ڈر گئی ہے۔۔ اس کے ادھر سے جانے پر وہ ضرور اس کے پیچھے آتی۔ کبھی بھی اب یہاں تنہا نہیں رہتی۔۔ مگر زاران اسے مزید ڈرانا نہیں چاہتا تھا۔۔

زاران اپنے اور اس کے درمیان دو قدموں کا فاصلہ طے کرتے اس کے قریب ہوا۔۔ ابرش نے نگاہیں اٹھا کر اسے اپنے قریب دیکھا تھا۔۔ اس سے

پہلے وہ کچھ سمجھتی۔۔زاران نے اس کی طرف جھکتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھالیا تھا۔۔ابرش کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔وہ گپ چپ مہر بے لب ہوئی تھی۔۔پہلی مرتبہ کسی مرد نے اسے یوں چھوا تھا۔۔امیریکہ جیسے ملک میں اس نے کسی کو کبھی اپنا ہاتھ تک پکڑنے نہیں دیا تھا۔۔اور وہ اسے یوں اپنی گود میں اٹھا چکا تھا۔۔ابرش کا دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔اس کا بدن لرزنا شروع ہو چکا تھا۔۔زاران اس کے دل کی دھڑکنیں سنتا اور اس کے بدن کی کپکپاہٹ محسوس کرتا زیر لب مسکرا گیا تھا۔۔اس کا سرخ پڑتا چہرہ ایک نظر دیکھتے وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔۔گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔

صبح ہوتے ہی ہوٹل سے چیک آؤٹ کرتے ارحام خانزادہ حویلی کے لیے نکل پڑا تھا۔۔ برف باری اب رک گئی تھی۔۔

وہ خاموشی سے سپاٹ چہرہ لیے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

وہ لڑکی اس کے ساتھ خاموش سی بیٹھی ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔ رات والے لباس میں موجود تھی جو اب شکن زدہ ہو چکا تھا۔۔ وہ ابھی تک ارحام کے کوٹ کو پہنے ہوے تھی۔۔ آنکھوں میں رت جگے کی سرخی واضح تھی۔۔ یقیناً وہ ہوٹل کے گرم کمرے میں بھی ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی تھی۔۔ گاڑی جھٹکے سے رکی تو اس نے حیران ہوتے ارحام خانزادہ کو دیکھا۔۔ جو گاڑی کے ڈیش بورڈ پر پڑے والٹ سے پیسے نکال رہا تھا۔۔ پانچ پانچ ہزار کے اس نے کافی نوٹ نکالے تھے۔۔ وہ پیسے ہاتھ میں پکڑے باہر نکلا اور سڑک پر بیٹھی ایک بدحال پھٹے پرانے لباس میں موجود

عورت کی جھولی میں وہ پیسے ڈال دیے۔۔جو اتنی سردی میں اپنے نومولود بچے کو بھی ساتھ لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔۔ارحام اسے پیسے دے کر خاموشی سے گاڑی میں آکر بیٹھ گیا تھا۔۔

وہ بھی خاموشی سے اپنی سائیڈ کی ونڈو سے سڑک پر گری برف کو دیکھنے میں محو ہو گئی تھی۔۔

جب وہ لوگ حویلی میں داخل ہوے تو شام گہری ہو رہی تھی۔۔

وہ اتنی شاندار حویلی کو دیکھ کر تھوڑا حیران ہوئی تھی۔اس کا رنگ بھی خوف سے سفید پڑا تھا۔۔۔اس نے حویلی کے لوگوں کے متعلق اور یہاں کی رسموں وغیرہ کے خلاف کافی کچھ سن رکھا تھا۔مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر قابو پا گئی تھی۔

گاڑی طویل ترین ڈرائیوے پر رکی تو وہاں کھڑے ایک ملازم نے ارحام کی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔ ارحام گاڑی سے نکلتے حویلی کے بڑے سے داخلی دروازے سے ہوتے اندر کی جانب بڑھ گیا۔۔ وہ بھی اسی کی تقلید میں اندر داخل ہوئی۔۔

امینہ خانم ارحام خانزادہ کو دیکھتے خوش ہوتے آگے بڑھی تھیں۔ مگر ارحام کے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوتے وہیں پر رک گئی۔۔ ارحام ان کا حیرت زدہ چہرہ بھانپ گیا تھا۔۔

مورے۔۔۔ ارحام ان کی طرف بڑھا۔۔ وہ امینہ خانم کو اپنی ماں کی جگہ ہی سمجھتا تھا۔۔ اس کے والدین کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ہی تو اسے پالا تھا۔۔

مورے یہ بہت مجبور ہے۔اس کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اسی لیے مجھے مجبوری میں اسے یہاں لانا پڑا۔۔۔ آپ اسے مہمان خانہ میں ٹھہرائیں۔ ۔میں کپڑے بدل لوں۔۔ پھر مجھے ایک جرگے کا فیصلہ بھی کرنا ہے۔۔ داجی کب سے میر امر دان خانے میں انتظار کر رہے ہیں۔۔ ارحام عجلت میں بولتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

امینہ خانم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوے درخشاں کو آواز دی تھی۔۔ اور درخشاں سے اسے کمرے میں مہمان خانہ میں پہنچانے کو کہا۔۔

انہوں نے اس لڑکی سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔۔ وہ لڑکی کافی سہمی سی لگ رہی تھی۔۔

اس کی کم عمری اور خوبصورتی دیکھ کر وہ چونکی ضرور تھی۔۔ مگر انھیں ارحام پر پورا یقین تھا۔۔ وہ جو کہہ رہا تھا سچ کہہ رہا تھا۔۔

جاؤ بچہ تم درخشاں کے ساتھ جاؤ۔۔ ہم تمھارے لیے کھانا بجھواتا ہے۔۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

درخشاں اسے لیے ایک طرف بنے کمروں کی طرف آئی۔۔ اور ایک کمرے میں داخل ہوئی۔۔

وہ کمرے میں داخل ہوتی کمرے کو دیکھ رہی تھی۔۔ جب درخشاں کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔۔ تم آرحام لالا کا جاننے والا ہے کیا؟ درخشاں اسے گھورتے ہوے اس کا اوپر سے نیچے تک معائنہ کر رہی تھی۔۔

نہیں۔۔۔۔ اس نے ایک لفظی جواب دیا۔

ہاں ہم جانتا ہے ارحام لالا کسی بھی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔۔ مگر تم مجھے اتنا خوبصورت لگا۔۔ پھر تمھارا بدن پر ارحام لالا کا کوٹ بھی ہے۔۔ ہم سمجھا۔۔۔۔

درخشان بات کرتے کرتے ہنس پڑی تھی۔۔ وہ درخشاں کی باتوں کو اگنور کرتے کمرے کی گلاس ونڈو سے سرسبز پہاڑوں کو دیکھنے لگی۔۔

ہم کتنا پاگل ہے ناں۔۔ کیا کیا سوچ بیٹھا تھا؟؟۔ بھلا ارحام لالا کبھی ایسا کر سکتا ہے۔ رحام لالا جیسا انسان تو اس پوری حویلی میں کہیں نہیں ہو گا۔۔ درخشان کی بات پر وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔۔ یہ تو اسے کل رات سے ہی پتہ چل گیا تھا کہ اس جیسا انسان اس حویلی میں تو کیا شائد پوری دنیا میں کہیں نہیں ہو گا۔۔

کیسے ہیں تمھارے ارحام لالا۔۔ اس نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔۔

ارحام لالا بہت ہی اچھا ہے۔۔ ہم ملازموں کا بہت خیال رکھتا ہے۔۔ اس گاؤں سے ونی کا رسم ختم کر دیا۔۔ عورتوں کی بہت عزت کرتا ہے۔۔ ارحام لالا کے ہوتے کوئی کسی عورت کی طرف بری نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔۔ درخشاں کی اس بات پر وہ پھر سے چونکی تھی۔۔ یہاں سب ہی بہت اچھے ہیں۔۔ داجی بھی بہت اچھے ہیں۔۔ وہ بلکل ارحام لالا کی ہی طرح ہیں۔۔ درخشاں کو شائد بولنے کا بہت شوق تھا۔۔ اس نے تھوڑی ہی دیر میں اسے پورے گھر والوں کی مکمل تفصیل فراہم کر دی تھی۔۔ وہ بہت حیران تھی یہ سب سن کر۔۔۔۔ بہارے کا ڈاکٹر ہونے کا سن کر بھی حیران ہوئی تھی۔۔ درخشاں حویلی والوں کی شان میں قصیدے ابھی بھی جاری رکھے ہوے تھی۔۔ مردان خانے میں کوئی جرگے کا فیصلہ ہونے والا ہے اس کا فیصلہ بھی ارحام لالا نے کرنا ہے۔ سب گاؤں والا ان پر پورا اعتماد کرتا

ہے۔ ارحام لالا بہت اچھا ہے۔۔ بہت نرم دل۔۔۔۔۔۔ بہت نرم مزاج۔۔ وہ عورت پر کبھی چلاتا نہیں ہے۔۔ جتنا وہ اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے مگر اتنا ہی وہ باہر کے دشمنوں کے لیے وہ ظالم بھی ہے۔۔ اللہ ہر لڑکی کو ارحام لالا جیسا شوہر عطا فرمائے۔۔ درخشاں کی بات پر اس نے زیر لب آمین کہا تھا۔۔

پری گل بھابھی تو بہت خوش قسمت ہے۔۔ اس سے پہلے وہ مزید بولتی۔۔ اسے باہر سے پکار پڑی تھی۔۔ وہ جلدی سے چلی گئی۔۔

وہ آہستگی سے بیڈ کی جانب بڑھتی اس سے ٹیک لگا گئی۔۔ آخر اس کا مقدر کیا تھا؟؟۔۔ اس کا ٹھکانہ کیا تھا؟؟۔ وہ یہاں کتنے دن رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد کیا ہو گا؟؟۔ یہاں سے جانے کے بعد وہ کہاں جائے گی۔۔ اس نے اپنے دکھتے سر کو دبایا۔۔

وہ بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں ہوے تھی کہ دروازہ دھاڑ سے کھلا۔اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا سامنے ایک لڑکی کھڑی اسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔۔

پری گل نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے دبوچ کر بیڈ سے کھینچا۔۔وہ اس آچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی۔۔وہ بیڈ سے گھسٹی ہوئی اٹھی تھی۔۔

کون ہو تم خان کی؟؟اور یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟۔پری گل اس کا بے تحاشا حسن دیکھ کر جل کر راکھ ہوئی تھی۔

اس کے جسم پر ارحام کا کوٹ دیکھ کر وہ سلگ اٹھی۔۔

مگر خود پر بہت حد تک قابو پایا۔۔ایک تو یہاں کی مہمان تھی۔دوسرا ارحام خان کے ساتھ آئی تھی۔۔ارحام کو اگر یہ سب پتہ چل جاتا تو وہ بہت برا

پیش آتا۔۔وہ ایک حد تک نرم مزاج تھا مگر جب غصہ آتا تو وہ بہت خطرناک ہوتا تھا۔۔امینہ خانم نے اسے بتایا تھا کہ یہ لڑکی کافی مجبور ہے۔۔اس لیے وہ اسے یہاں پر لایا ہے۔۔وہ تو لڑکی کا سن کر ہی پاگل ہوئی تھی۔۔مگر یہ تو بے تحاشا حسین بھی تھی۔۔پہلی بار پری گل کا دل خوف سے دھڑکا تھا۔

مگر وہ خود پر قابو پا گئی تھی۔ورنہ پری گل کا بس نہیں چل رہا تھا اسے یہاں سے نکال باہر کرے۔۔

تم خان کے ساتھ کیوں آیا؟؟کیا لگتا ہے تم خان کا؟؟یہ کوٹ کیا کر رہا ہے تمھارا بدن پر؟؟۔۔خانم بی نے کہا کہ تم بہت مجبور ہے۔مگر تم ہم کو کہیں سے مجبور نہیں لگتا۔۔دیکھو تم ہم کو سیدھی طرح بتا دو یہ تمھارا لیے اچھا ہو گا۔۔پری گل نے گہرے سانس لیتے کافی تحمل سے پوچھا۔۔

میں ارحام کی منگیتر ہوں۔۔وہ مجھے یہاں شادی کرنے کے لیے لایا ہے۔۔اس کا یہ کوٹ اس لیے میرے بدن پر ہے کیونکہ کل رات وہ میرے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں تھا۔۔وہ کہنا تو ایسا ہی کچھ چاہتی تھی۔۔ مگر اسے اس وقت خود بھی سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہہ رہی ہے۔۔۔اس کے لب ہل رہے تھے اور وہ اپنے لفظوں کو سنتے خود بے یقین تھی۔۔

درخشاں کا کہا ہوا جملہ اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔۔ارحام جیسا شوہر قسمت والوں کو ملتا ہے۔۔پری گل پر سکتہ طاری ہوا تھا۔۔وہ بے یقینی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

تم کیا کہہ رہا ہے؟ تم ہوش میں تو ہے۔۔پری گل کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے تھے۔۔

بلکل ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔۔۔اس نے نظرین چراتے ہوے کہا۔

۔جھوٹ بولنے کے لیے اس کے چہرے پر اعتماد ہوتا تھا۔مگر کسی کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کے لیے وہ اعتماد کہاں سے لاتی۔

اگلے ہی لمحے پری گل کے چہرے پر غیض و غضب نمودار ہوا۔۔وہ اسے بازو سے دبوچتی باہر کی جانب بڑھی۔۔

نکلو ادھر سے ہمارا حویلی سے۔۔۔وہ اسے گھسیٹتے ہوے باہر لائی تو وہ مزید ڈر گئی تھی۔۔وہ یہاں سے کہاں جائے گی؟؟۔

دیکھو مجھے اس حویلی سے مت نکالو۔میں کہاں جاؤں گی؟؟۔۔ارحام مجھے یہاں نکاح کرنے کے لیے لایا ہے۔۔میرے گھر والوں نے بھی مجھے نکال دیا ہے میں کہاں جاؤں گی۔۔ڈر اور خوف سے اسے اپنے جھوٹ پر قائم رہنا

پڑا۔۔ ارحام سے نکاح کی صورت میں ہی تو وہ یہاں رہ سکتی تھی۔ وہ یہاں سے کسی صورت جانا نہیں چاہتی تھی۔۔

امینہ خانم روزینہ خانم شور سنتے لاونج میں بھاگتے ہوے آئیں۔

پری گل تم ہوش میں تو ہے۔ یہ کیسا سلوک کر رہا ہے گھر آئے مہمان کے ساتھ ؟؟۔۔ امینہ خانم نے پری گل کو دیکھ کر غصے سے کہا۔۔

مہمان نہیں یہ اس حویلی کا مالکن بننے آیا ہے۔۔ پری گل چیخی تھی۔

پری گل کچھ تو شرم اور لحاظ کرو۔۔ مردان خانہ میں جرگہ کا فیصلہ ہو رہا۔۔ گھر میں ابھی تک شادی کا مہمان ہے۔۔ پوری برادری ہے یہاں پر تم گلہ پھاڑ کر چیخ رہا ہے۔ انہوں نے ناگواری سے ٹوکتے ہوے اس کے ہاتھ سے عشق کا ہاتھ چھڑوایا۔۔

جرگہ کا فیصلہ ہو رہا ہے۔۔اب اس بات کا فیصلہ بھی جرگے میں ہو گا۔۔۔پری گل نے قہر بھری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو گھورا ۔جو اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے اب کافی پر اعتماد تھی۔۔یا پھر نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔اندر سے تو اس کا پورا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔

پری گل اس کا ہاتھ پکڑے مردان خانہ کی طرف بڑھی۔۔امینہ خانم اور روزینہ خانم اسے پکارتی رہ گئی۔۔مگر پری گل سنی ان سنی کرتے آگے بڑھ گئی۔۔

مردان خانہ میں پری گل کو دیکھ کر داجی ارباب خان درید خان سب اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے۔

اس وقت مرادن خانہ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔ مگر ارحام خانزادہ اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔

پری گل بڑی سی چادر میں موجود تھی۔۔ مگر پردے میں نہ تھی۔۔ اس کا منہ ڈھکا ہوا نہیں تھا۔

اور اس کا یہاں آنا بھی تعجب خیز تھا۔ اسے پتہ تھا یہاں جرگے کا فیصلہ ہونے والا ہے۔۔ اور وہ منہ اٹھا کر چلی آئی۔۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر بھی سب حیران ہوے تھے۔۔ جو بہت گھبرائی سی سرخ چہرے کے ساتھ کافی بدحواس سی کھڑی تھی۔ اس کے بدن کی لرزاہٹ بخوبی دیکھی جا سکتی تھی۔

پری گل نے اب اپنی چادر سے نقاب کرتے اپنا چہرہ چھپایا۔ یہ سب سن کر اس کے اندر تند و تیز بھانبڑ دہک اٹھے تھے۔۔ وہ غم و غصے سے پاگل ہوئی تھی۔۔ اس لیے وہ غصے سے پاگل ہوتے بنا سوچے سمجھے یہاں پر آگئی۔۔

یہاں پہ کیا کر رہا ہے تم؟؟ داجی نے اربد خان اور درید خان کو اشارہ کرتے کافی تحمل سے پوچھا۔۔

داجی آج یہاں جرگے کا فیصلہ ہو رہا ہے تو اس لڑکی کا فیصلہ بھی آج ہو گا ۔۔ خان نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔۔ ہم خان کو معاف نہیں کرے گا۔ کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔۔ یہ لڑکی کہہ رہا ہے یہ خان کا منگیتر ہے۔۔

خان نے اس کے ساتھ ہوٹل میں رات گزارا ہے۔۔اس لڑکی کو ابھی اسی وقت کو دھکے دے کر حویلی سے نکالو۔

پری گل غم وغصے سے بولی۔۔

پری گل نے داجی کا احترام کرتے اب کی بار نسبتاً اپنی آواز آہستہ رکھی تھی۔۔۔۔

پری گل کی بات پر پورے جرگے میں بیٹھے ہوے لوگوں نے جے مگوئیاں شروع کر دی تھیں۔۔پری گل عشق کے بے تحاشا حسن سے کافی ڈر گئی تھی۔۔اسے پورا یقین ہو چلا تھا۔ارحام اسے نکاح کرنے کے لیے لایا ہے۔۔جرگے میں اس کے بھائی اور والد بھی تھے۔۔اس لیے وہ دھڑلے سے وہاں پہنچ گئی تھی۔۔وہ غم وغصے اور حسد سے پاگل ہوتے ارحام کو سزا

دلوانا چاہتی تھی۔۔وہ اب ارحام کو معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی نہ ہی اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو۔۔۔

پری گل کے بھائی اور گھر والے اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوے تھے۔۔

یہ کیا کہہ رہا ہے پری گل ؟؟ داجی۔۔۔شاہ نواز چیخا۔۔

اربد خان درید خان اپنی مٹھیاں بھینچ گئے۔۔پورے جرگے میں ان کا تماشہ بن چکا تھا۔۔انھیں ارحام سے زیادہ پری گل پر غصہ آیا تھا۔۔اسے یہاں پر نہیں آنا چاہیے تھا۔

داجی کے اشارے پر مردان خانہ خالی کروایا گیا۔۔

پری گل اپنا منہ چادر سے چھپائے بے آواز رونے لگی۔۔

ہم تم کو کبھی معاف نہیں کرے گا خان۔۔۔اس بیوفائی کی سزا ابھی تو بہت بڑا ہے۔۔ تمھیں کیا لگا تھا تم یہاں کے مردوں کی طرح چپ کر کے شادی کر لے گا۔۔اور ہم خاموشی سے سوکن برداشت کرے گا۔۔ آج جرگے میں پورے گاؤں کے سامنے تمھیں سر اٹھانے کے قابل نہیں ۔چھوڑا۔۔۔سب کو پتا چل گیا تم نے زنا کیا ہے۔۔تم زناکار ہے۔۔اب دیکھتا ہے تم کیسے اپنی شادی مناتا ہے۔

پری گل دل ہی دل میں ارحام خانزادہ سے مخاطب تھی۔۔

عشق تو اب صیح معنوں میں پریشان ہوئی تھی۔۔

سب کے چہرے غصے اور غیض و غضب سے سرخ تھے۔۔ جسے سب داجی کہہ رہے تھے۔ وہ بھی کافی غصے میں لگ رہے تھے۔۔

اس نے تو یہی سوچا تھا اس کے اور ارحام کے بیچ تعلق کا سن کر داجی اس کی بات سنتے ارحام کا نکاح اس سے کر دیں گے۔۔ درخشاں نے بھی تو یہی بتایا تھا داجی عورت کی بات کو اہمیت دیتے ہیں۔۔ اسے لگا تھا وقتی طور پر سب غصہ ہوں گے۔۔ مگر اس کا نکاح ارحام خانزادہ سے ضرور کیا جائے گا۔۔۔ بعد میں وہ ارحام خانزادہ کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لے گی۔۔

اسے ارحام خانزادہ جیسا مضبوط انسان مل جائے گا۔۔۔ اور ایک مضبوط سائباں۔۔ اسے تو ایسا ہی کچھ لگا تھا۔۔ اسی لیے تو وہ بنا سوچے سمجھے یا پھر سوچ سمجھ کر یہ سب کر چکی تھی۔۔

مگر اسے یہ نہیں پتہ تھا اسے یہاں جرگے میں مردوں کے سامنے لے آیا جائے گا۔۔اور یہ لڑکی کون ہے؟؟اس کا ارحام سے کیا تعلق ہے؟؟۔اس کا دماغ بلکل مفلوج ہو چکا تھا۔۔

وہ اپنی سمجھ کے مطابق یہ سب کچھ کر تو چکی تھی۔۔مگر اب وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔۔۔اسے سچ میں خود نہیں پتہ چل رہا تھا وہ کیا کر رہی ہے۔یا پھر اس نے کیا کیا ہے؟؟۔۔

داجی اب اس کی طرف بڑھے تھے۔۔

بچہ یہ پری گل جو کہہ رہا ہے۔یہ سچ ہے کیا۔۔داجی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ زارو قطار رونے لگی تھی۔۔

بچہ تم گھبراؤ مت اگر ارحام تمھیں نکاح کرنے کے لیے لایا ہے تو ہم خود تمھارا نکاح ارحام سے کروائے گا۔۔ داجی کی بات پر پری گل نے بے یقینی سے انھیں دیکھا تھا۔۔ شاہ نواز، دل نواز اور برکت خان کا بھی یہی حال تھا۔۔

عشق نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو داجی اس کا سر تھپک کر رہ گئے تھے۔۔ اس کا دماغ اب بلکل کام کرنا چھوڑ چکا تھا۔۔ آہستہ آہستہ اس کے قدم بھی اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا ۔۔ وہ کیا کر رہی ہے۔۔ کیا کہہ رہی ہے ؟؟ شائد وہ اپنی موت کے بہت قریب ہے۔ اس نے سب کے چہروں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔۔

داجی یہ تم یہ کیا کہہ رہا ہے؟ بھولو مت فرشتے ہمارا بیوی ہے۔۔ شاہ نواز غصے سے گر جاتھا۔۔ ارحام خانزادہ جو مردان خانہ میں داخل ہو رہا تھا۔ شاہ نواز کے چیخنے پر اپنی مٹھیاں غصے سے بھینچ گیا تھا۔۔

اس کا سرخ اشتعال ذدہ چہرہ اس بات کا غماز تھا۔ اسے مردان خانے میں ہونے والے واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔۔ مگر اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔ پری گل اس طرح جرگے کے درمیان یہاں چلی آئی ہے۔

پری گل کو وہاں دیکھ کر ارحام خانزادہ نے قہربار نظروں سے اسے گھورا تھا۔۔

کیا خان کیا دیکھ رہا ہے ہمیں؟؟۔ تم کو ذرا شرم نہ آیا۔ اس لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوے۔ تم شادی شدہ ہے ایک بچی کا باپ ہے۔۔ پری گل ارحام خانزادہ کا گریبان پکڑتے چیخی تھی۔۔

عشق نے پری گل کی بات پر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔۔وہ شادی شدہ ہے اور ایک بچی کا باپ ہے۔۔اسے یہ نہیں معلوم تھا۔۔

ارحام خانزادہ کی لہو اتری آنکھیں دیکھ کر اس کا خون رگوں میں منجمند ہوا ۔۔وہ اپنی سرخ ہوتی آنکھیں اس پر گاڑھے ہوے تھا۔۔اسی لمحے وہ اپنے حواس کھوتے زمین بوس ہوئی تھی۔

مردان خانہ میں اس وقت داجی،، درید خان اربد خان، پری گل کے والد برکت خان، پری گل کے دونوں بھائی شاہ نواز، دلنواز خان صوفوں پر تنے ہوے چہروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔پری گل اور فرشتے بھی ادھر ہی موجود

تھیں۔۔ فرشتے کو شاہ نواز نے بلوایا تھا۔۔ وہ فرشتے کے ذریعے ارحام خانزادہ کو زیر کرنا چاہتا تھا۔

ارحام خان صوفے پر بیٹھا اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچے ہوے تھا۔۔ رنگ غیض و غضب سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔

اسے کل رات اندازہ نہیں تھا وہ اس لڑکی پر رحم کھا کر اپنی ہی زندگی کو مشکل میں ڈال دے گا۔۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا اس سے ایک بدترین غلطی ہو چکی ہے۔۔ جس کا خمیازہ اسے اب یوں بھگتنا پڑ رہا تھا کل تک جو لوگ اسے دیکھ کر آنکھیں جھکا لیتے تھے۔ آج وہ اسے کٹھرے میں کھڑا کیے ہوے تھے۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا وہ لڑکی جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ مکار بھی ہے تو وہ اس جھوٹی مکار لڑکی کو وہیں سڑک پر چھوڑ کر

آتا۔۔ بلکہ اسی سڑک پر اس کا گلہ دبا دیتا۔۔ ارحام خانزادہ اس کا چہرہ ہاد کرتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔

وہ اپنے علاقے اپنی برادری میں بدنام ہو چکا تھا۔۔ یہاں تک اپنے گھر والوں کی نظروں میں وہ چاہ کر بھی وہ اعتبار ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔۔ جو سب کو اس پر دکھانا چاہیے تھا۔۔ اس لڑکی کی خوبصورتی اس کے کریکٹر پر سوالیہ نشان کھڑا کر چکی تھی۔ ارحام خانزادہ کو اس کے حسین چہرے سے کراہیت محسوس ہوئی تھی۔

داجی اربد خان درید خان اس سے سخت ناراض تھے۔۔ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی نے بھی اس پر اعتبار نہیں کیا تھا۔۔ اگر پری گل جرگے میں نہ آتی تو یہ معاملہ کبھی اتنا پیچیدہ نہ

ہوتا۔۔پری گل کمرے میں آکر اس کا گریبان پکڑ کر چیختی چلاتی تو وہ اسے پورا یقین دلاتا مگر وہ تو پورے گاؤں کے سامنے چلی آئی۔۔ارحام نے سرخ آنکھوں سے پری گل کو دیکھا جو سپاٹ چہرہ لیے سب کے درمیان کھڑی تھی۔۔ارحام کی نظر فرشتے پر پڑی جو اپنی ہچکیاں روکے بمشکل ہی کھڑی تھی۔۔شاہ نواز اپنی مونچھوں کو بل دیتے اپنی خونخوار نظریں فرشتے پر گاڑھے ہوے تھا۔۔آج وہ بنا کسی کا لحاظ کیے جن نظروں سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا۔ارحام خانزادہ کا دل کر رہا تھا۔۔شاہ نواز کی آنکھیں نکال لے۔۔۔یہاں فرشتے کے موجود ہونے کا سبب بھی وہ سمجھ رہا تھا۔۔وہ اس کی نظریں جھکانا چاہتے تھے۔۔اسے زیر کرنا چاہتے تھے۔۔

ارحام یہ شادی کبھی نہیں کرے گا۔۔فیصلہ ہو چکا ہے۔۔برکت خان کی سرد آواز گونجی۔۔

میں خود یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔۔ ارحام اپنے اشتعال پر قابو پاتے تحمل سے بولا۔۔

بس کر دو خان۔۔۔۔۔ یہ تماشہ کرنے کی یہ ثابت کرنے کی کہ تم بہت نیک ہے۔۔ تم اس لڑکی کے ساتھ رات گزار چکا ہے۔۔ بلکہ کتنی ہی راتیں گزار کر اپنا منہ کالا کر چکا ہے۔۔ اب سب کے سامنے اچھا بننے کو کہہ رہا ہے کہ تم یہ شادی نہیں کرے گا۔۔ یقیناً تم اب اسے شہر میں رکھنا چاہتا ہے۔۔ تم یہ صرف اپنی منحوس بہن کو بچانے کے لیے کر رہا ہے تا کہ شاہ نواز فرشتے کو طلاق نہ دے دے۔۔ پری گل پھنکاری تھی۔۔

گل۔۔۔۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اب اگر تم نے ایک بار اور مجھ پر الزام لگایا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔ مجھے فرشتے کی دھمکی مت دینا سمجھی تم۔۔۔۔ ارحام اپنی جگہ سے کھڑا ہو تا چیخا تھا۔۔ پری گل کی زہر اگلتی زبان

سے وہ مزید زہر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ پریذے اس کی کمزوری تھی۔۔ پری گل اس کی محبت ضرور تھی مگر کمزوری کبھی نہیں رہی۔۔ وہ اس کی برداشت کو بھی شائد کمزوری سمجھ رہی تھی۔

سب ہی اپنی اپنی جگ سے کھڑے ہو چکے تھے۔۔

میرا بہن پر چیخنے کی ضرورت نہیں ہے جو تم نے کیا ہے۔۔ اس کے بعد تمھارا یوں چلانا نہیں بنتا۔۔ شاہ نواز فرشتے کو غضبناک نگاہوں سے گھورتے اونچی آواز میں بولا۔۔۔

میرا اس لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے وقت اور حالات کی نازکی دیکھ کر خود کے اشتعال

پر قابو پایا تھا۔۔ وہ اپنی وجہ سے اپنی بہن کے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہونے دے سکتا تھا۔۔ پھر اسے پریذے کا بھی خیال آیا تھا۔۔ وہ جھوٹی مکار لڑکی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے اتنے اہم رشتوں کو دکھ دے۔۔

ہمارا ماتھے پر بیوقوف لکھا ہے ہم تمھارے بات پر یقین کرے گا۔۔ اس لڑکی کو تم شہر سے یہاں لے آیا۔۔ وہ لڑکی خود کہہ رہا ہے تم اس کے ساتھ رات گزار چکا ہے۔۔ اور دیکھا ہم نے وہ کتنا خوبصورت ہے۔۔ عورت کی خوبصورتی کے آگے آگے بڑے سورما گھٹنے ٹیک دیتا ہے تو تم کیا چیز ہے۔۔ شاہ نواز ارحام کی نرمی دیکھ کر اس پر حاوی ہوتا کافی طنزیہ آواز میں بولا۔۔

ہر کسی کو اپنا جیسا سمجھتے ہو شاہ نواز۔۔۔۔۔۔ ارحام نے شاہ نواز کو گھورتے ہوے اس پر گہرا طنز کیا۔

ہمارا بھائی تم سے اچھا ہے خان۔۔۔ تم ہم سے جھوٹی محبت جتاتا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے جھوٹی محبت جتا کر بیوفائی کی مار نہیں مارتا جیسے تم نے آج ماری۔۔ پری گل سرخ ہوتی آنکھوں سے ارحام کے قریب جا کر بولی تھی۔۔

ارحام پری گل کی بات پر طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

گل تمھیں کیا لگتا ہے میں شہر رہتا ہوں مجھے یہاں کی خبر نہیں.. شاہ نواز کتنا اچھا ہے یا نہیں مجھ سے اچھی طرح تم جانتی ہو۔۔ شاہ نواز تو اپنے گھر کی

ملازماؤں کو نہیں چھوڑتا۔۔اس کے لیے تو صرف عورت ہونی چاہیے خوبصورت ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ارحام طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

ارحام کی بات پر پری گل نے نظریں جھکائی تھیں۔ وہ سب جانتی تھی مگر ہمیشہ فرشتے کو ہی صبر کرنے کو کہتے تھی۔۔ الٹا اسے بانجھ ہونے کا طعنہ دے کر خاموش کروا دیتی تھی۔۔ ارحام کی بات سنتے فرشتے کے لبوں سے سسکیاں برامد ہوئی تھیں۔

یہ بھی جانتا ہوں تم یہ سب جانتی ہو۔۔ مگر چپ رہا صرف اپنی بہن اور پریذے کی وجہ سے۔۔۔ اور تم سے محبت کی وجہ سے۔۔۔ جانتا تھا تم کبھی اس بات کو نہیں مانو گی۔۔ الٹا مجھے غلط کہو گی۔۔ میں غلط تھا میری نرمی کی

وجہ سے تم آج اتنی شیر ہو گئی کہ آج تمھارے ہاتھ میرے گریبان تک آ گئے۔۔ ارحام کی بات پر مردان خانے میں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔۔

برکت خان اپنے بیٹوں کی حرکتوں سے واقف تھے۔۔ وہ آج اس تماشے پر خوش بھی نہیں تھے۔۔ انھیں پری گل کے جرگے کے درمیان آنے پر بھی کافی غصہ تھا۔۔۔ وہ شاہ نواز کو بھی جانتے تھے وہ فرشتے کے دم پر اکڑ رہا ہے۔۔

جو بھی تھا وہ خود اپنی بیٹی کے ساتھ یہ ناانصافی نہیں ہونے دے سکتے تھے ۔۔ انھیں اب پری گل کے باپ ہونے کی حیثیت سے ارحام کی دوسری شادی کو روکنا ہی تھا۔۔ وہ کسی بھی صورت ارحام پر دباؤ ڈال کر یہ شادی کو

روکنا چاہتے تھے۔۔ یہ بھی جانتے تھے اگر ارحام نے دوسری شادی کر لی تو پری گل اور شاہ نواز فرشتے کو کسی بھی صورت خوش نہیں رہنے دیں گے۔۔

سمیع اللہ خان اربد خان اور درید خان بھی فی الوقت خاموش تھے۔۔۔ ارحام نے انھیں بولنے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔۔ ان کے نزدیک اگر ارحام خانزادہ نے شادی کرنی تھی تو کرتا اس طرح بغیر نکاح کے اس لڑکی کے راتیں گزارنا یا پھر نکاح کے بغیر حویلی لانے کی کیا ضرورت تھی۔۔

خان تم بات مت بدلو تم نے ہمارا ساتھ بیوفائی کی ہے۔۔ تم اس لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔۔ پری گل چیخی تھی۔۔

گل نہیں کروں گا۔۔ تمھاری قسم کھاتا ہوں پریذے کی قسم کھاتا ہوں۔۔اس سے شادی تو دور کی بات میں اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔۔ارحام نے گہرا سانس لیتے مفاہمت سے کہا۔۔وہ بہت مشکل سے خود کے اشتعال پر قابو پا رہا تھا۔۔ آج وجہ اس کی بیٹی اور بہن تھی۔۔بیوی تو شائد اس کی رہی نہیں تھی۔۔ابھی بھی وہ اس پر یقین نہیں کر رہی تھی۔۔بلکہ آنکھوں میں نفرت لیے کھڑی چیخ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ پاگل سمجھ رکھا ہے ہم کو کیا؟؟تم جھوٹی قسمیں کھائے گا ہم سب یقین کرے گا۔۔اگر ایسی بات ہے تو اس لڑکی کی ابھی اور اسی وقت کسی سے بھی شادی کرواؤ۔۔۔تاکہ یہ ثابت ہو سکے اس کا تمھارا ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔۔برکت خان نے غصے سے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔

بس۔۔۔برکت خان تمھارا ہمت بھی کیسے ہوا یہ بات کرنے کا۔۔وہ عورت ہے کوئی بے جان چیز یا بھیڑ بکری نہیں ہے کہ تم لوگوں کو یقین دلانے کے لیے ہم اس کا نکاح کسی سے بھی کر دیں۔۔

وہ بچی اب ہمارا پناہ میں ہے۔اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔۔داجی اپنا ہاتھ اٹھاتے گرجے تھے۔۔

اگر ایسی بات ہے تو داجی ہم فرشتے کو طلاق دے گا۔۔شاہ نواز نے دھمکاتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا۔۔آخر ان کی بانجھ بیٹی کو وہ ہی تو صرف برداشت کر سکتا تھا۔۔اس بانجھ کو برداشت کرنے کی صورت میں ارحام کو اس کے سامنے جھکنا چاہیے۔۔۔اور وہ آج ارحام خانزادہ کو جھکانے ہی تو آیا تھا اس سے اس کی سرداری چھین کر۔۔۔۔

تم ہمارے سامنے ایسا بات کرتے ہو۔ ہم تمھارا منہ توڑ دے گا۔۔ فرشتے ہماری بچی ہے لاوارث نہیں جسے تم یوں چھوڑ دو گے۔۔ تم نے ایسا سوچا بھی وعدہ ہے تمھیں آج زندہ سلامت نہیں چھوڑوں گا۔۔

اربد خان نے آگے بڑھتے شاہ نواز کا گریبان پکڑا تھا۔۔

داجی اور برکت خان نے آگے بڑھ کر اربد خان کے ہاتھوں شاہ نواز کا گریبان چھڑوایا تھا۔۔

ارحام یہ سب دیکھتا غصے سے مردان خانے سے نکلتا زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔

اس کے بھاری قدموں کا رخ مہمان خانے کی طرف تھا۔۔

امینہ خانم اور روزینہ خانم ارحام کو طیش و اشتعال سے مہمان خانے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کے پیچھے گئی تھیں۔

ارحام بیٹا کہاں جا رہا ہے۔۔ وہ لڑکی کا طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس کو بہت تیز بخار ہے۔۔ وہ بیچارہ بخار میں پھنک رہا ہے۔ امینہ خانم نے دہلتے ہوے کہا۔۔ ارحام خانزادہ کا رنگ غصے اور اشتعال سے لہو چھلکا رہا تھا۔۔ مردان خانے کی ساری گفتگو وہ سن چکی تھیں۔

ارحام سب کی باتوں کو اگنور کرتا دھاڑ سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تو عشق بیڈ پر لیٹی اٹھ کر بیٹھی۔۔ سہم کر ارحام خانزادہ کو دیکھنے لگی۔ جو خونخوار آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ جتنا رات کو اس کے ساتھ تحفظ محسوس کر رہی تھی۔۔ آج اتنی ہی اس سے دہشت کھا رہی تھی۔

وہ جتنا کل رات سے اس کے لیے نرم تھا۔۔ آج وہ اتنا اس کے لیے غضب ناک تھا۔۔۔ عشق کو ارحام خانزادہ سے خوف محسوس ہوا۔۔ بے تحاشا خوف محسوس ہوا۔۔ وہ اب یہاں سے جانا چاہتی تھی۔۔۔ ہر حال میں جانا چاہتی تھی۔۔ اس کا ننھا سا دل خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔۔

اب یہ حویلی اس کے لیے گہرا کنواں ثابت ہو رہی تھی۔۔ وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ اس نے ایسی آنکھیں کہیں نہیں دیکھی تھی۔۔ اس نے تو کبھی کسی کا اونچی آواز بھی نہیں سنی تھی۔۔ آج زندگی نے کیا کیا روپ دکھایا تھا۔۔ وہ کرب سے اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

اس نے ابھی تک ارحام کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔۔ وہ کوٹ کو خود پر لپیٹتے خوف سے سسک کر رہ گئی تھی۔

ارحام نے آگے بڑھتے اس کی کلائی سے پکڑ کر اسے کھینچا۔ تو وہ بیڈ سے نیچے آ گری تھی۔۔ زمین پر اوندھے منہ گرتے اس نے رخ پلٹ کر ارحام کو دیکھا جو چٹانوں کی سختی لیے اسے دیکھ رہا تھب۔۔ عشق کا پورا بدن لرز اٹھا تھا ۔۔ اعصاب ساکت ہوے تھے۔

امینہ خانم نے ارحام کو روکنا چاہا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔۔

خبر دار۔۔۔۔۔ مورے کوئی بیچ میں آیا تو ورنہ آج میں سارے لحاظ بھول جاؤں گا۔۔ ارحام خانزادہ کی سرد دہشت ناک گونجی تو عشق کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

امینہ خانم دہل کر وہیں رک گئی تھیں۔۔ ارحام کو غصہ بہت کم آتا تھا جب آتا تھا تو اس سے زیادہ بے رحم کوئی نہیں ہوتا تھا۔۔ انھیں اس معصوم سی ملکوتی حسن رکھنے والی لڑکی پر غصے کے ساتھ ساتھ ترس بھی آیا تھا۔۔

امینہ خانم کو ارحام پہ پورا یقین تھا۔۔ اور انھیں خود اس لڑکی پر بہت غصہ تھا۔۔ مگر اس کی حالت بلکل ٹھیک نہیں تھی۔۔ نہ چاہتے ہوے بھی انھیں اس پر رحم آگیا تھا۔۔

ارحام اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھا تو وہ کھسکتے ہوے پیچھے کو ہوتی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

کیوں کیا تم نے ایسا؟؟۔ ارحام چیخا تھا۔۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اب سسک اٹھی تھی۔۔ اسے ارحام سے اتنا خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی زبان تالو کے ساتھ جیسے چپک گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کے قریب ہوتے اس کے بالوں کو پکڑ کر اپنی مٹھی میں دبوچتے ہوے اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو عشق کی چیخیں تک اس کے منہ میں دب گئی تھیں۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی چیخ بھی نہ سکی۔ امینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

یہ کیا کر رہا ہے تم ؟؟ ایک عورت پر ہاتھ اٹھا رہا ہے۔۔ امینہ خانم نے صدمے کی کیفیت میں کہا۔۔ انھیں ارحام سے اس بات کی امید نہیں تھی.

یہ عورت نہین ہے۔۔ عورت کے نام پر دھبہ ہے۔۔ ارحام اسے دیکھتا نفرت سے پھنکارا تھا۔۔

وہ بلک بلک رو پڑی تھی۔۔ ارحام نے اسے بازو سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا تھا۔۔ وہ لرزتی ارحام کے سامنے کھڑی تھی۔ شکن زدہ لباس بدن پر ارحام کا کوٹ بکھرے بال، بخار کی حدت سے سرخ چہرہ۔۔ گلابی ہوتی آنکھیں وہ سرخ یاقوتی لب جو بری طرح لرز رہے تھے۔۔ امینہ خانم نے اس کے دہکتے روپ سے نظریں چرائی تھیں۔ پتہ نہیں ایسی کیا مجبوری تھی؟؟ جو اس لڑکی نے ایسا کیا۔۔ امینہ خانم سوچ کر رہ گئی تھی۔

ارحام اسے بازو سے پکڑتے مردان خانے کی طرف بڑھا۔ اس کی سخت انگلیاں اس کے بازو میں گڑھی جا رہی تھیں۔

وہ صرف ارحام کے ساتھ گھسٹتے جا رہی تھی اور خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

ارحام نے مردان خانے میں داخل ہوتے اسے زمین پر پھینکا تو وہ سب کے قدموں میں جا گری تھی۔ داجی آپ اس کی کسی سے بھی شادی کروادے اور اسے یہاں سے چلتا کریں۔۔ ارحام غصے سے چیخا۔۔

عشق زمین پر اوندھے منہ گرتی سسک اٹھی۔۔ اتنی ذلت اس نے آج تک محسوس نہیں کی تھی۔ جتنی اسے آج محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے مردوں کے درمیان وہ ان کے قدموں کی دھول بنی ہوئی تھی جیسے۔۔ اس کی اتنی ہمت نہیں تھی اپنے سہارے اٹھ سکتی۔۔۔

ارحام یہ کیا طریقہ ہے؟؟ داجی غصے سے گرجے تھے۔۔ اربد خان نے ارحام کو غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے عشق کو زمین سے اٹھا کر کھڑا کیا تھا۔۔ وہ اربد خان کے سہارے سے اٹھتی کانپتی کھڑی تھی۔۔ اربد خان نے

اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔۔وہ ایک عورت تھی ارحام کا یہ سلوک انھیں بہت ناگوار گزرا تھا۔۔اپنی غلطی چھپانے کو وہ اب اس لڑکی کے ساتھ یہ سلوک کر رہا تھا۔۔انھیں اپنے بھتیجے پر یقین نہیں آرہا تھا جو پہلے اسلام آباد میں عیاشی کرتا رہا اور اب اپنی بہن اور بچی کی وجہ سے یہ سب ڈرامہ کر رہا تھا۔۔سب کے ساتھ اربد کو بھی ارحام پر یقین نہیں تھا۔۔عشق کے وجود پر اس کا کوٹ عشق کی بے گناہی ثابت کر رہا تھا۔۔اگر ارحام کو ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ عشق کے وجود پر اس کا کوٹ سب کی نظروں میں مشکوک بنا چکا ہے تو وہ عشق کے بدن سے اپنا کوٹ کب سے اتار ہو چکا ہوتا۔۔

شاہ نواز نے عشق کو گہری نگاہوں دیکھتے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔اس کا عشق پر دل آچکا تھا۔۔اتنا مکمل اور ڈرا سہما سا حسن کہاں دیکھا تھا۔۔

داجی اگر آپ سب چاہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے۔۔ ارحام لالا اس لڑکی کے ساتھ اپنا تعلق سے انکار کر رہا ہے تو ہم اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار ہے۔۔ فرشتے بانجھ ہے۔۔ یہ بات سب جانتا ہے۔۔ ہمارا دوسری شادی کرنا جائز ہے۔۔ اس لڑکی سے ہم نکاح کرے گا۔۔ اور فرشتے کو بھی ہم

سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔۔ اس لڑکی سے ہمیں اولاد مل جائے گا اور فرشتے کو ماں بننے کا سکھ۔۔۔

شاہ نواز عشق کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔۔

شاہ نواز کی بات پر عشق نے خوفزدہ ہوتے شاہ نواز کو دیکھا۔۔ جس کی گھنی مونچھیں اور سخت قسم کا چہرہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔۔ سب سے بڑھ کر وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔ عشق نے ارحام کے کوٹ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑتے اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔۔

داجی نے اس کی بات پر اپنا غصہ مشکل سے ہی ظبط کیا تھا۔۔

شاہ نواز خان یہ لڑکی اب ہمارا ذمہ داری ہے۔ اگر اس کا ارحام کے ساتھ نکاح نہیں ہو گا تو کسی کے ساتھ بھی نہیں ہو گا۔۔

داجی گرج دار آواز کے ساتھ بولے۔۔

داجی اپنی بوتی پر بات آیا تو کیسے آپ کو تکلیف ہوا۔۔ شاہ نواز کا حق ہے دوسری شادی کرنا۔۔ اور اس لڑکی کو تو لگتا ہے شادی شدہ مرد پسند

ہے۔۔خان سے نکاح کرنے یہاں تک آسکتا ہے تو شاہ نواز میں کیا برائی ہے۔۔

یا پھر داجی آپ اس لڑکی کو ادھر رکھ کر خان کی رکھیل بنانا چاہتا ہے۔۔پری گل کی بات پر سب کے رنگ سرخ بڑے تھے۔ سمیع اللہ خان اربد خان درید خان کو ایک بات کا یقین ہوا تھا ارحام نے پری گل کو بہت زیادہ سر پر چڑھا رکھا ہے۔اسے پری گل جیسی عورت کی لگامیں کھینچ کر رکھنے کی ضرورت تھی۔۔

اسی لمحے کمرے میں بھاری تھپڑ کی آواز گونجی تھی۔۔۔

پری گل لڑکھڑاتے ہوے صوفے پر جا گری تھی۔۔وہ گال پر ہاتھ رکھے نم آنکھوں سے بے یقینی سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔شاہ نواز غصے سے چیخا تھا۔۔عشق کی حالت پھر سے خراب ہو چکی تھی۔۔وہ شدید کانپ رہی تھی۔اربد خان نے درخشاں کو زنان خانے سے بلوا کر عشق کو وہاں سے لے جانے کو کہا۔۔

آواز نیچے۔۔۔۔۔ورنہ تمھارے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھینچ ڈالوں گا۔۔بھولو مت تم میری حویلی میری زمین پر کھڑے ہو۔۔ورنہ تمھاری اوقات میرے سامنے کچھ نہیں ہے۔میرے سامنے بھی کھڑی ہونے کی تمھاری اوقات نہیں ہے۔۔جانتے تو ہو گے میری پاور کو۔۔

تم میری بہن کے شوہر ہو اس لیے تمھیں معاف کر رہا ہون ورنہ تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لیتا۔۔۔ ارحام غصے سے گر جا تو زنان خانے میں بھی ارحام کی گرج گونجی تھی۔۔ درخشاں کے سہارے مہمان خانے کی طرف جاتی عشق ایک بار پھر سے زمین بوس ہوتی اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔۔

شاہ نواز کا چہرہ توہین و احساس سے سرخ پڑا تھا۔۔

اس کی اس حویلی میں ہمیشہ عزت ہوتی تھی۔۔ داجی سب فرشتے کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتے تھے۔۔ آج اس کے سامنے اس کی بہن پر ہاتھ اٹھایا اور اس پر ارحام ایسے چلایا تو وہ توہین و خجالت کے مارے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ کچھ سمجھ نہ آیا تو ارحام کی طرف بڑھتے اس کا گریبان دبوچ

گیا۔۔ ارحام نے اپنا گریبان چھڑواتے شاہ نواز کو ایک مکہ جڑ دیا تھا۔۔ شاہ نواز کے ناک سے بل بل خون بہنا شروع ہو چکا تھا۔۔

سمیع اللہ اور برکت خان ان دونوں کے بیچ آئے تھے۔۔ داجی کے احترام میں ارحام خاموش ہو کر پیچھے ہو گیا۔۔ شاہ نواز اپنے ناک سے خون صاف کرتے پیچھے ہوا مگر فرشتے پر اپنی غضبناک نگاہ ڈالنا نہ بھولا تھا۔۔

وہ ارحام خانزادہ کے ہاتھوں یہ بے عزتی معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ اسے اب فرشتے جیسی بانجھ عورت کسی بھی صورت قبول نہیں تھی۔۔

مردان خانے کا ماحول بہت سرد ہو چکا تھا۔۔ سمیع اللہ خان اور برکت خان بہت پریشان ہو گئے تھے۔۔ وہ لوگ کسی بھی صورت میں یہ سب نہیں چاہتے تھے۔۔ سمیع اللہ خان کی پوتی فرشتے کی زندگی کا سوال تھا اور برکت خان کی بیٹی پری گل کی زندگی کا سوال تھا۔۔ بات اب ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھی۔

پری گل ارحام خان کی طرف بڑھی۔۔ تم نے اچھا نہیں کیا اس لڑکی کے لیے ہم پر اور ہمارا لالا پر ہاتھ اٹھا کر اس کا حساب دینا پڑے گا۔۔ پری گل کی بات پر ارحام اس کے قریب ہوا تھا۔۔

میں قبول کرتا ہوں۔۔میں اس لڑکی کو یہاں نکاح کرنے کے لیے لایا ہوں۔۔اور اب میں تمھاری نظروں کے سامنے اس سے شادی بھی کروں گا جو کرنا ہے کرلو۔۔ارحام پری گل کو دیکھتا غصے سے غرایا تھا۔۔

پری گل ارحام کی بات پر غم وغصے سے پاگل ہوئی تھی۔۔ٹھیک ہے خان تم نے شادی کرنا ہے تو کرو پہلے ہم کو طلاق دو۔۔اگر تم میں غیرت ہے ہم کو طلاق دو خان۔۔۔۔

پری گل کی بات پر ارحام کا رنگ اب غضبناک ہوا تھا۔۔

ارحام غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوے رخ پلٹ گیا۔۔۔

پری گل یہاں سے جاؤ۔۔ تم ہم بات کر رہا ہے۔۔ برکت خان غصے سے بولا۔۔

مین اپنے ہوش و حواس سے فرشتے کو طلاق دیتا ہوں۔۔ طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں۔۔ شاہ نواز ایک ایک لفظ چبا تا وہاں سے چلا گیا تھا۔

سب بے یقینی سے وہاں پر کھڑے تھے۔۔ فرشتے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔۔

امینہ خانم فرشتے کو وہاں سے لے گئی تھیں۔۔ برکت خان ارحام کی طرف بڑھے تھے۔۔ ارحام بیٹا جو کچھ ہوا وہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔

میں اس سب کے لیے معافی مانگتا ہوں۔۔

میں پری گل کو طلاق دیتا ہوں۔۔میں پری گل کو طلاق دیتا ہوں۔۔طلاق دیتا ہوں۔۔ارحام کی سرد آواز گونجی تھی۔۔پری گل کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔

مردان خانے میں اب قیامت سی بھرپا تھی۔۔۔سب پتھر بنے کھڑے تھے۔۔۔یکدم دلنواز خان نے ارحام خانزادہ پر فائر کرنے کے لیے بندوق اٹھائی تھی۔

برکت خان نے دلنواز سے بندوق لے کر دور پھینک دی تھی۔۔وہ دلنواز کو وہاں سے لے کر چلے گئے تھے۔۔پری گل پریذے کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی تھی۔۔

گھر کے مرد سب مردان خانے میں بیٹھے تھے۔۔ ارحام صوفے پر بیٹھا اپنی مٹھیاں بھینچے سرخ آنکھوں سے زمین کو گھور رہا تھا۔۔

وہ یکدم وہاں سے اٹھا تو داجی کی پکار پر رکا تھا۔۔ ارحام تھوڑی دیر تک تمھارا اس بچی کے ساتھ نکاح ہے۔۔

داجی یہ کیا کہہ رہے ہیں۔؟؟ میں آپ کو سب حقیقت بتا چکا ہوں۔ میں اس لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا۔۔ آپ نے اس کی ذمہ داری لی ہے تو اس کا کسی کے ساتھ بھی نکاح کر کے یہاں سے چلتا کرے۔۔ کیونکہ وہ مجھے نظر آئی تو میں اسے گولی مار دوں گا ارحام غصے سے غرایا تھب۔۔

بس ارحام بس۔۔۔۔۔۔۔ داجی اپنے صوفے سے اٹھتے دھاڑے تھے۔۔

آج جو کچھ ہوا اس میں تمھارا قصور ہے۔۔ ایک لڑکی تم شہر سے لے آیا وہ کہتا ہے کہ وہ تمھارا منگیتر ہے۔۔ تم کہتا ہے ہم تم پر یقین کرے۔۔ وہ بچی کیوں ایسا بولے گا۔

تم نے کچھ تو کیا ہو گا۔۔ داجی کی بات پر ارحام کی آنکھوں میں کرب لہرایا تھا۔۔

داجی آپ بھی۔۔ ارحام صرف اتنا ہی بول سکا تھا۔۔

ارحام ہم کو تم پر یقین ہے۔ مگر آج جو کچھ گاؤں والوں کے سامنے ہوا اس کے بارے میں تم کیا کہے گا۔۔ اگر ہم تم پر یقین بھی کر لیتا ہے تو پورے گاؤں کو برادری کو کیسے یقین دلائے گا۔۔ ہم یہاں انصاف کرتا ہے مگر اپنے گھر آئی بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکا۔۔ تم کو یہ نکاح کرنا ہی ہو گا۔۔ ورنہ تم ہمارا مرا ہوا منہ دیکھے گا۔۔۔ داجی اپنا فیصلہ سنا کر چلے گیے تھے۔۔ ارحام

نے اپنی دکھتی کنپٹیاں دباتے ہوے طیش و اشتعال سے دیوار پر مکہ دے مارا تھا۔۔

وہ سرخ لباس میں ریڈ نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہوے بیٹھی تھی۔۔اس کا نازک بدن کانپ رہا تھا۔۔بغیر کسی میک اپ کے سرخ سادہ سے سوٹ میں وہ چودھویں کی چاند کی طرح دمک رہی تھی۔۔اس کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی۔۔ابھی کچھ دیر پہلے درخشاں اور روزینہ خانم نے زبردستی کھانا کھلا کر دوائی دی تھی۔۔اس کی حالت سنبھلنے پر اسے لال جوڑا دیا تو اس نے روتے ہوے اس نکاح سے انکار کیا تھا۔۔وہ گھر کی عورتوں کے قدموں میں گر گئی تھی۔۔اسے مضبوط سائباں کی ضرورت تھی۔جو اسے تحفظ دیتا مگر اسے احساس ہوا تھا۔۔وہ اب کسی صورت اسے تحفظ نہیں دے گا۔۔جس

سے اس نے اس کا سب کچھ چھین لیا یقیناً وہ اس کی جان لینے میں پل نہیں لگائے گا۔۔

وہ تھوڑی دیر پہلے یہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔۔ مگر اب وہ اس حویلی سے واپس جانا چاہتی تھی۔ اسے اگر پتہ ہوتا کہ ارحام شادی شدہ ہے اور ایک بچی کا باپ ہے۔۔ وہ کبھی یہ سب نہ کرتی۔۔ کل تک جو انسان اسے مہربان لگ رہا تھا۔۔ آج وہ اسے سفاکی کی حد تک ظالم لگ رہا تھا۔۔ جب اس نے اسے سب کے سامنے قدموں میں پھینکا تھا۔۔

اسے اپنا آپ بہت آرزاں لگا تھا۔۔

اس کے جلاد روپ سے وہ ڈر گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ اسے تنہائی میں مار ڈالے گا۔۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ اسے درخشاں نے بتایا کہ آج دو دو طلاقیں ہوئی ہیں۔۔ صرف اس کی وجہ سے۔۔۔

امینہ خانم نے اسے بہت باتیں سنائی تھیں کہ اس کی وجہ سے دو دو طلاقیں ہو گئی اب وہ کیا تماشہ کرنا چاہتی ہے۔۔ اس نے تو معصوم بچی کو بھی نہیں چھوڑا۔۔

اس نے اب کچھ بھی کیا تو اسے جان سے مار دیا جائے گا۔

مجبورًا اس نے یہ جوڑا پہنا تھا۔۔

نکاح خواں کے کمرے میں آنے کے بعد اس پر بڑی سی چادر ڈال دی گئی تھی۔۔

پانچ لاکھ حق مہر کے عوض اسے ارحام کے نکاح میں دے دیا گیا تھا۔۔۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے سائن کیے تھے۔۔بہت مشکل سے قبول ہے کے لفظ ادا کیے تھے۔۔

ارحام خانزادہ کیا آپ تمام گواہان کی موجودگی میں حور ولد سطان احمد کو پانچ لاکھ حق مہر کے عوض اپنے نکاح میں لیتے ہیں۔

ارحام خانزادہ مولوی کے منہ سے عشق کا نام حور سلطان سن کر غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

اس نے لب بھینچے اسے اپنی ذوجیت میں قبول کیا تھا۔۔ نکاح نامے پر سائن کرتے ہوے ایک بار پھر سے ارحام خانزادہ کے طیش و اشتعال میں اضافہ ہوا تھا۔۔ حور کی عمر نکاح نامے پر ستائس سال تھی۔۔ وہ جانتا تھا وہ بمشکل اٹھارہ سال کی تھی۔۔ یعنی وہ بھول چکی تھی کل رات اس نے اسے اپنی عمر پچیس سال بتائی تھی۔۔

اس کے شادی شدہ کا سن کر اور ایک بچی کا باپ کا سن کر اس نے جان بوجھ کر اپنی عمر زیادہ لکھوائی تھی۔ اپنا نام تک تو غلط بتایا تھا اس نے۔۔۔ ارحام خانزادہ کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔۔ آنکھیں غیض و غضب سے لہو چھلکا رہی تھی۔ اس کی دماغ کی پھڑکتی رگیں اس کے بھاری

ہوتے اعصاب کچھ بھی تو اس کے قابو میں نہ تھے۔۔رگوں میں دوڑتا خون شرارے کی مانند اس کے پورے بدن کو دہکائے ہوے تھا۔۔اس نے صوفے سے ٹیک لگائے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔اس کے نزدیک حور ایک جھوٹی اور مکار کریکٹر لیس لڑکی تھی۔۔وہ اس کی زندگی جہنم بنانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔جس نے اس کی جنت جیسی زندگی کو پل میں دوزخ بنادیا تھا۔

ارحام خانزادہ غم وغصے کی کیفیت میں اپنے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولتے اندر داخل ہوا تو حور بیڈ پر بیٹھی جی جان سے لرزا اٹھی تھی۔

ریڈ شلوار قمیض پر ریڈ ہی نیٹ کا دوپٹہ تھا جو سر پر اوڑھا ہوا تھا۔۔بغیر کسی میک اپ کے اور جیولری کے وہ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔۔

چہرے پر شرم وحیا کی سرخی سے زیادہ ڈر اور خوف کی دہشت چھائی تھی۔۔

اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اس انسان کا ایسا روپ دیکھا تھا جس نے اس کی رگوں میں دوڑتے لہو کو منجمند کر دیا تھا۔۔۔

اسے آج تک کسی انسان سے اتنا خوف محسوس نہیں ہوا تھا جتنا اپنے سامنے کھڑے انسان سے محسوس ہو رہا تھا۔۔

وہ ارحام کی لہو اتری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔۔

وہ نیٹ کے دوپٹے کو خود پر اچھی طرح اوڑھے ہوئے تھی۔۔ جس طرح کل رات وہ خود کو چھپاتے ہوئے اپنے باریک سے دوپٹے سے خود کو کور کر رہی

تھی۔۔ فرق صرف اتنا تھا کل رات اس انسان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔۔ آج وہ اس کے جسم و جاں کا مالک تھا۔۔ مگر حیرت تھی کل رات اسے انسان سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا مگر آج اسے انسان سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔۔ جبکہ وہ اس کی عزت بن چکی تھی۔

ارحام خان نے آگے بڑھتے ہی اس کا دوپٹہ اتار کر دور اچھال دیا تھا۔۔ کل بھی تو وہ ایسے ہی ایکٹ کرتے خود کو بہت پاک بہت شرم و حیا والا ظاہر کر رہی تھی۔۔

کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا؟؟۔۔ میری زندگی تم نے مجھ سے چھین لی کیوں؟ مجھے برباد کر دیا کیوں؟؟؟

ارحام خان اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے دھاڑا تھا۔۔جی کیا تھا اپنے سامنے کھڑی بے تحاشا پریوں کا حسن رکھنے والی لڑکی کا منہ کا نقشہ بگاڑ دے۔ جس نے پل بھر میں اس کا اس سے سب کچھ چھین لیا۔۔

مم مجھے نہیں پتہ تھا۔۔ مم میں نہیں جانتی تھی۔ یہ سب ایسے ہو جائے گا۔۔

حور خوف کے عالم میں دیوار میں سمٹتی ہوئی بمشکل بولی۔ ارحام خانزادہ کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے اس کے اعصاب منجمند ہو رہے تھے۔

مم مجھے معاف کر دو پپ پلیز۔۔۔ حور نے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں اور کانپتے لہجے سے التجا کی۔۔

کیسے معاف کروں۔۔ میری بہن کی بربادی پر تمھیں معاف کر دوں۔۔ یا پھر اپنی بربادی پر تمھیں معاف کر دوں۔۔ میری محبت چھین لی۔۔ مجھ سے میری پریذے چھین لی۔۔ پوری برادری کے سامنے میرے کردار کی تم نے دھجیاں بکھیر دی۔۔ کل تک جن لوگوں کی نظروں میں میری عزت ہوتی تھی۔۔ آج ان لوگوں کی نظروں میں میرے لیے حقارت ہے۔۔ میں اپنے بھائیوں اپنی بہنوں کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا اور تم مجھے کہہ رہی ہو۔۔ تمھیں معاف کر دو۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ بولو جواب دو۔۔۔۔ وہ پوری قوت سے چیخا تھا۔۔

حور خوف کے عالم میں مزید دیوار میں سمٹی تھی۔۔

تم نے جو کیا ہے۔ تمھیں اس کا حساب دینا پڑے گا۔ ارحام خانزادہ نے اس کا منہ اپنی گرفت میں لیے دبوچا تھا۔۔

حور میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس کی آہنی گرفت جو اس کے نازک گالوں پر بڑھتی جا رہی تھی چھڑواتی۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنے ہاتھ سے اس کا جبڑہ جتنا دبوچ سکتا تھا وہ دبوچ رہا تھا۔۔۔

حور نے ہمت کر کے ارحام کے ہاتھوں پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھا۔۔ اسے اپنے گالوں میں اس کی نازک انگلیاں گڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ اب یہ تکلیف اس کی برداشت سے باہر تھی۔۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بارش کی طرح برس رہے تھے۔۔

ارحام نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اسے چھوڑا تو اس کے گالوں پر اس کی انگلیوں کے نشان واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ درد کی شدت سے اس کی سسکاریاں اب کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

یہ درد تو کچھ نہیں ہے ابھی تو تمھیں بہت درد سہنے ہیں۔۔ چچ چچ۔۔۔۔۔ کیسے سہو گی تم۔۔۔۔ مجھے تو تم پر ترس آرہا ہے۔۔ تم تو بہت نازک ہو۔۔۔ ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کے گال پر اپنی انگلی نرمی سے ٹریس کی تھی۔۔ حور کا رنگ خوف کے عالم میں مزید سفید پڑا تھا۔۔

خدا کے لیے مم مجھے معاف کر دو۔۔ مم مجھے جانے دو۔۔ حور اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑتے گڑگڑائی تھی۔

جانے دوں تمھیں۔۔ابھی تھوڑی دیر پہلے تمھارااور میرا نکاح ہوا ہے۔۔اور یہ نکاح تم نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔۔

جانتی ہو ایک مرد نکاح کیوں کرتا ہے؟؟۔۔اسے عورت سے کیا چاہیے ہوتا ہے؟؟

ارحام پھر سے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔۔

اسے اس پر بلکل ترس نہیں آرہا تھا۔۔اس کے نزدیک وہ ترس کھانے کے قابل ہی نہیں تھی۔۔وہ شائد اپنے کسی گناہ یا پھر اپنی عزت چھن جانے کا کفارہ اس کے سر ڈالنا چاہتی تھی۔۔اسی لیے تو اس نے یہ کھیل رچایا۔۔

ا

وہ اس کی آہنی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔بہت سے آنسو آنکھوں سے ٹوٹ کر رخ بر پھر برسنے لگے تھے۔۔یہ آنسو تو آج رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔شائد اب یہ آنسو اس کے مقدر تھے۔

یہ سوال میں تم سے کیوں کر رہا ہوں؟؟۔۔تم جیسی لڑکی کو تو سب کچھ پتہ ہو گا۔۔آخر تم نے مجھ سے نکاح اسی مقصد کے لیے تو کیا ہے۔یا یہ مقصد کوئی مجھ سے پہلے ہی پورا کر چکا ہے۔

ارحام اس کا جبڑہ چھوڑتے سرد لہجے میں ذو معنی انداز میں بولا۔۔

کک کیا کہہ رہے ہیں؟؟وہ نا سمجھی کی کیفیت میں بولی۔

ارے اتنی معصوم کیوں بن رہی ہو؟؟جو میں کہنا چارہا ہوں تم نہیں سمجھی۔۔وہ آچانک ہی اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

حور خوف کے عالم میں کانپتی ہوئی اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔اس کی تیز ہوتی دھڑکنیں ارحام خان کے سینے کا حصہ بن گئی تھیں۔

اس کی دھڑکنیں ارحام خان کو اپنے سینے میں بجتے اپنے کانوں تک بھی بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔اس کا کانپنا محسوس کر کے ارحام خانزادہ کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔۔۔

ارحام خان نے اسے خود سے الگ کرتے ہوے اسے زمین پر دھکا دیا تھا۔اسے وہ اچھوت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔۔مگر وہ اسے آج چھوڑنے کا

آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔اس کے اندر آلاؤ دہک رہے تھے۔ جس نے یہ آلاؤ دہکائے تھے آخر اسے بھی تو اس آلاؤ میں دہکانا تھا۔۔

وہ اوندھے منہ جا گری تھی۔۔اس سے پہلے وہ سیدھی ہوتی ارحام خان نے اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھتے اسے بالوں سے دبوچتے سیدھا کیا۔۔

بند کرو یہ ڈارامے۔۔یہ اتنا ڈرنے کی ایکٹنگ۔۔۔۔

تم جیسی لڑکیاں اس طرح گھبراتی ڈرتی اچھی نہیں لگتی۔۔ایسے ایکٹ مت کرو جیسے تمھیں پہلے کسی نے چھوا نہیں۔۔تم نے مجھ سے پہلے کوئی مرد دیکھا نہیں۔جانے کتنے مردوں کو اپنے حسن اور معصومیت کے جال میں پھنسا کر بیوقوف بنا چکی ہو۔ارحام خان کے ذلت بھرے الفاظ سن کر حور کا اس ٹھنڈی زمین میں سمانے کو دل کیا تھا۔۔۔

مم میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ حور یکدم چیخی تھی۔ کردار پر بات آئی تو وہ بلبلا اٹھی تھی۔۔۔اس کے چلانے پر مقابل کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔۔وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی تھی۔۔ کل تک یہ آنکھیں اور یہ لمس کسی مہرباں سے کم نہیں لگا تھا۔۔ مگر آج پتہ چلا تھا اس سے بڑھ کر ظالم کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

ارحام پر سکون ہوتا گہرا مسکرا اٹھا تھا۔۔۔اس کا تڑپ کر چلانا اسے اندر تک سکون دے گیا تھا۔۔

ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے جھٹکا دے کر اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔

میرے سامنے اگر دوبارہ تمھاری آواز اونچی ہوئی تو تمھارا وہ حال کروں گا تم دوبارہ بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔

اور تم کیسی لڑکی ہو یہ ابھی پتہ چل جائے گا۔

وہ اس کے وجود پر نظریں گاڑھتے سفاکی سے بولا۔۔

کک کیا مطلب؟؟۔۔ حور اس کی بات سے زیادہ اس کے دیکھنے کے انداز سے خوفزدہ ہوئی تھی۔

مطلب یہ کہ ابھی پتہ چل جائے گا۔ تمھیں مجھ سے پہلے بھی کسی نے چھوا بھی ہے یا نہیں۔۔۔ ارحام طنزیہ لہجے میں بولتے اسے سسکنے پر مجبور کر گیا تھا۔۔

پپ پلیز مجھے معاف کر دو۔۔ ممم مجھے جانے دو پلیز۔۔۔ حور اس کے قدموں کے ساتھ اب لپٹ پڑی تھی۔۔ ارحام نے نے اسے بالوں سے دبوچ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔

تمھیں جانے دوں۔۔ جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔۔۔

جانتی ہو کتنی زندگیاں برباد کی ہیں تم نے۔

چار چار زندگیاں برباد کیں تم نے۔۔۔ وہ بھی بلا مقصد۔۔۔۔ شائد یہ سب تمھارے لیے انٹیرٹینگ تھا۔

تمھارا اب تک پہاڑوں اور اس میں رہنے والوں انسانوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔۔

اب تمھیں میں بتاؤں گا پہاڑوں میں کیسے رہا جاتا ہے۔ ایک خان کی بیوی بننا کیسا ہوتا ہے؟؟۔۔ اور کسی کی زندگی کے ساتھ کھیلنا کیسا ہوتا ہے؟؟

آج تمھیں بتاؤں گا وحشی پن کیا ہوتا ہے۔۔

آج تمھارا ہر آرمان پورا کروں گا۔ تاکہ تمھیں کوئی حسرت نہ رہے۔ آج مجھ جیسے وحشی کا اچھی طرح نظارہ کرلو۔۔ میرے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے۔ جہاں سے اب رہائی ممکن نہیں۔۔

سسک سسک کر تڑپتے ہوے مر جاؤ گی۔ مگر ان اونچی حویلی کی یواروں کو کبھی عبور نہیں کر سکو گی۔ ارحام اتنی شدت سے دھاڑا تھا کہ اسے اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوے۔ اس نے خوف و دہشت کے عالم میں اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے۔۔

اس نے کب کسی کا ایسا غصہ ایسا روپ دیکھا تھا۔۔

اب میری بیوی بن کر تمھیں پل پل حساب دینا ہو گا۔۔

ارحام خان تم سے ہر روز ہر پل اپنی بربادی کا حساب لے گا۔۔اس نے سرخ آنکھوں کے ساتھ طیش و اشتعال میں دھاڑتے ہوے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔اور پھوٹ پھوٹ کر دو دی۔۔

ارحام خان نے اپنے ہاتھ کا مکہ بنا کر ڈریسنگ پر زور سے دے مارا۔۔اس کا ہاتھ لہولہان ہو چکا تھا۔۔ آج اس لڑکی نے اسے اس کی فطرت کے خلاف بننے پر مجبور کر دیا تھا۔۔وہ کس کس بات کا ماتم بنائے اپنی محبت چھن جانے کا

اپنی زندگی کے چھن جانے کا۔۔۔ کس کس بات کا ماتم منائے۔۔ وہ اس وقت صرف ایک پتھر تھا جس میں کوئی احساسات جذبات نہ تھے۔۔ رحم جیسا جذبہ تو بلکل ہی مفقود تھا۔۔

اسے اس لڑکی سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے روتے ہوے حور شیشے کے چکنا چور ہونے کی آواز سن کر خوف کے عالم میں اپنی سسکیاں تک روک چکی تھی۔۔

ارحام اس کی دبی دبی سسکیاں سنتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچ گیا تھا۔۔ اندر دہکتی ہوئی بدلے کی آگ بھڑک رہی تھی۔۔ اس لڑکی سے بے انتہا نفرت محسوس ہو رہی تھی۔۔ پری گل جیسی بھی تھی مگر وہ ایک پاک

صاف عورت تھی۔۔سب سے بڑھ کر اس کی بچی کی ماں اس کی محبت تھی۔۔اور یہ لڑکی جواب اس کی بیوی تھی جس سے وہ صرف نفرت کا رشتہ محسوس کر رہا تھا۔۔

یہ اسے اندھیری رات پر سڑک پر جس حلیے میں ملی تھی اور جو سب کچھ اس نے حویلی آکر کیا اس سے ثابت ہوتا تھا وہ کیسے کردار کی لڑکی ہے۔۔ایک کریکٹر لیس لڑکی ارحام خانزادہ کی بیوی تھی۔۔ارحم۔خانزادو کو خود کے کردار اور ذات پر بے حد غرور تھا کہ وہ کبھی گندگی میں نہیں گرا۔۔آج گندگی کا ڈھیر اس کے ہی وجود کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔۔

ارحام خان نے آگے بڑھتے اپنے خون بہتے ہاتھ سے اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا اور اس پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنی سخت گرفت میں لیتے اس کی

سانسوں کو اپنی سانسوں میں قید کیا تھا۔۔اس نے نازک لبوں پر ظلم ڈھاتے اسے گہرا زخم دیتے پیچھے ہوا تو حور نے درد سے کراہتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ایک بار پھر سے رحم کی درخواست کی تھی۔۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے زخمی لب پر اپنا انگوٹھا نرمی سے پھیرا تھا۔۔

یہ تو کچھ نہیں ہے۔۔ابھی تو بہت سے زخم تمھیں دینے ہیں۔۔ارحام نے کہتے ہوے اس کے نازک گردن پر اپنا وحشی دہکتا لمس بکھیرا تھا۔۔اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کرتے وہ ہر جگہ اپنا دہکتا لمس بکھیرتے بنا اس پر رحم کھائے اس کے وجود کی گہرائیوں میں اترتے اس میں سمایا تو حور کے لبوں سے دردناک چیخ برامد ہوئی تھی۔۔اس کے زخمی لبوں پر اپنے دانت گاڑھتے اس نے وہ چیخ اس کے حلق میں ہی روک دی تھی۔۔

دوسرے ہی لمحے ارحام خانزادہ کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔

اس کی تکلیف سے بند ہوتی آنکھیں دیکھتے ارحام کا لمس شدت اختیار کر گیا تھا۔۔۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے زاران نے ابرش کی طرف نگاہ ڈالی جو خاموشی سے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔۔

پاؤں کا درد کیسا ہے؟؟زاران نے ابرش کو گہری نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہے۔ایک لفظی جواب آیا۔۔

زاران ابرش کا سپاٹ چہرہ دیکھتا خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔۔

تھوڑی دیر بعد زاران نے ابرش پر پھر سے نگاہ ڈالی تھی۔۔

وہ اس کی شال اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوے تھی۔

اسے اپنی شال میں دیکھ کر زاران کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ ٹھہری تھی۔۔

ابرش کمفرٹیبل ہو۔۔۔زاران کے لہجے سے ٹپکتی مٹھاس محسوس کر کے ابرش خود پر زاران کی شال اچھی طرح لپیٹتے دروازے کے ساتھ کھسک گئی تھی۔۔اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

زاران نے اس کی حرکت پر بہت مشکل سے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔۔

غصے اور اشتعال سے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔نہ صرف سپیڈ بڑھائی تھی۔۔سٹیرنگ کو گھماتے ہوے اسے زور دار جھٹکا دیا تو ابرش مزید گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا ٹکرائی تھی۔۔سر زور سے گاڑی کے تھرتھراتے شیشے سے لگا تھا۔۔پورا وزن جیسے پیروں پر پڑا تھا۔۔

پیروں میں ایک بار پھر سے درد اٹھا تھا۔۔ابرش درد سے کراہتے چیخ اٹھی تھی۔۔

اس کے چیخنے پر زاران نے جلدی سے گاڑی روکی تھی۔

کیا ہوا ہے ابرش؟؟زاران نے اسے زار و قطار روتے ہوے پوچھا۔۔وہ اپنے پیر کو پکڑے رو رہی تھی۔۔

مجھے پھر سے درد ہو رہا ہے وہ بھی شدید درد۔۔۔۔۔ابرش نے درد سے بمشکل ہی کہا تھا۔۔

زاران نے جھکتے ہوے اس کے پیر کو ہاتھ لگانا چاہا تو ابرش نے اس کا ہاتھ بری طرح سے جھٹک دیا تھا۔۔

رہنے دیں میں خود دیکھ لوں گی۔۔یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ابرش نے غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔۔

میری وجہ سے ہوا ہے۔۔میں نے تمھیں کہا تھا تم ہیل پہن کر حویلی سے نکل پڑو۔۔مجھے بتاؤ ذرا ان علاقوں میں کون ہیل پہنتا ہے۔۔۔۔

تمھیں میرے ساتھ گاڑی میں نہیں جانا تھا۔۔تم خود ہی حویلی سے منہ اٹھا کر نکل آئی۔۔۔اور پھر منہ اٹھا کر دریا کی طرف نکل پڑی۔۔سامنے سیدھی

سڑک تمھیں نظر نہیں آئی۔۔ان اونچے نیچے راستے میں تمھیں ہی شوق ہو رہا تھا خود کو چوٹ پہنچانے کا۔۔اب ایک چھوٹی سی بچی کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہو۔۔

زاران کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔اس کا ہاتھ جھٹکنا بہت برا لگا تھا۔۔وہ جب اس سے دور ہوتی کھسکی تھی تب بھی ایسے ہی اس کے اندر اشتعال غصہ برپا ہوا تھا۔۔

ابرش اسے نم آنکھوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی تھی۔وہ بہت بری طرح چلایا تھا۔۔پیر میں اٹھتے درد سے زیادہ اس کے یوں چلانے پر تکلیف ہوئی تھی۔۔ اس وقت اس وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔اس لیے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کرتے رخ پلٹے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔زاران کافی دیر تک لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔وہ خاموشی سے اپنی سائیڈ سے باہر دیکھ رہی تھی۔۔اب اس

کی آنکھ سے آنسو بھی نہیں بہہ رہے تھے۔۔زاران نے بھی خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

زاران کے چہرہ پر شدید قسم کی سرخی چھائی تھی۔۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا چیز بری لگ رہی ہے۔۔اسے ابرش کا ہاتھ جھٹکنا اتنا ناگوار کیوں لگا تھا۔

اب اس کی خاموشی بھی کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔۔اس کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے شدید درد ہو رہا ہے۔۔مگر اب اس کے آنسو چھپانا بھی بہت برا لگ رہا تھا۔۔

زاران نے پاس ہی ایک چھوٹے سے ہاسپٹل کے پاس گاڑی روکی تھی۔۔

ابرش یونہی سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی رہی۔۔

زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

ابرش کی طرف آتے اس کا دروازہ کھولا تو ابرش نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔۔

تمھارے پاؤں میں درد ہے تو ڈاکٹر کو چیک کروالوں۔۔ زاران نے کہا۔۔

مجھے نہیں چیک کروانا۔۔۔ آپ مجھ پر مہربانی کریں مجھے میرے گھر تک لے جائیں۔۔ اس سے آگے مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔۔

ابرش نے تلخی سے کہا۔۔

ابرش میں کوئی احسان نہین کر رہا۔۔ تمھیں درد ہو رہا ہے۔۔ سفر ابھی لمبا ہے۔۔۔ یہ درد بڑھ جائے گا۔۔ چیک کروالو۔۔

زاران نے اپنے مزاج کے برعکس کافی نرمی سے کہا تھا۔۔

ابرش کے چہرے پر کافی درد کی شدت کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔۔اس لیے وہ اس کی تلخ رویہ اگنور کر گیا تھا۔۔

اگر درد ہو بھی رہا ہے تو یہ میرا مسئلہ ہے آپ کا نہیں ہے۔اتنے سے درد سے میں مر نہیں جاؤں گی۔۔میں اس وقت آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔۔اس لیے آپ کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھی ہوں۔۔ورنہ کبھی آپ کا ایسا چلانا برداشت نہ کرتی۔۔ابرش کی آواز بھیگی تھی۔۔

اسے پیر میں شدید درد ہو رہا تھا۔۔۔پچھلے آدھے گھنٹے سے جس طرح وہ برداشت کر رہی تھی وہ ہی جانتی تھی۔۔

زاران اس کا بھیگا لہجہ اور اس کے چہرے پر اٹھتا درد کو دیکھے گیا۔۔پھر وہ سیٹ پر جھکا تو ابرش پیچھے کو ہوتی تھوڑا سا کھسکی تھی۔۔۔زاران نے اس کی کوشش ناکام بناتے اس کا بازو دبوچے اسے خود کی طرف کھینچا تھا اور تھوڑا سا

اس کے اور قریب ہوا۔۔ ابرش کی آنکھیں زاران کی آنکھوں سے ٹکرائی تھیں۔

تم نے بلکل ٹھیک کہا تم میرے رحم و کرم پر ہو۔۔ سوچو اگر میں تمھیں اس سڑک پر چھوڑ کر چلا جاؤں تو کیا کرو گی تم۔۔۔ یقیناً پیدل چل کر تم اسلام آباد تو جانے سے رہی۔۔ نہ تمھارے پاس سیل فون ہے نہ ہی تمھارے پاس پیسے۔۔۔۔۔۔ کیا کرو گی تم۔۔۔۔۔ زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد آواز میں پوچھا۔۔

آپ مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔۔ ابرش نے بے یقینی سے پوچھا۔۔

میرے اور تمھارے درمیان ابھی تک ایسا کوئی خوشگوار تجربہ نہین ہوا تم مجھے ایسے بے یقینی سے دیکھو۔

پہلی ملاقات یاد ہے تمھیں۔۔زاران نے اسے سرد نگاہون سے دیکھا۔۔

ابرش اس کی بات جزبز ہوتی اپنی شال کو اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔۔

گڈ یاد ہے۔۔زاران نے اس کا عمل بغور دیکھتے ہوا کہا۔۔

جب تمھیں اچھی طرح پتہ ہے کہ میں اتنا سویلائزڈ نہیں ہوں تو تمھیں

یہاں اسی سڑک پر تنہا چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔۔اس لیے شاباش ہری اپ۔۔

دو منٹ سے پہلے گاڑی سے اترو۔۔۔زاران نے اب کی بار سرد لہجے میں حکم

دیا۔۔

کیسے اتروں میں نے شوز نہیں پہنے۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں بھیگی

آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔

زاران نے بے اختیاری میں اس کی پلکوں پر بھیگی شبنم کو چننے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھر سرعت سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

اترو تو صیح یہ جگہ صاف ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا زاران نے کہتے ہوے سیدھا ہونے لگا تو ابرش کی آواز پر رکب تھا۔۔

مم مجھے درد ہو رہا ہے زاران۔۔۔۔ ابرش نے بے بسی سے کہا۔۔ زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اسے بازوؤں میں بھرتے اپنی گود مین اٹھاتے ہوے گاڑی سے نکالا تو ابرش کا رنگ خفت سے سرخ پڑا تھا۔۔

یہ کیا بد تمیزی ہے۔۔ اتاریں مجھے۔۔ ابرش نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔۔

اسلام آباد کے سفر میں ابھی تقریباً چار گھنٹے باقی ہیں۔ برف باری کی وجہ سے گاڑی کی سپیڈ بھی سلو ہے۔۔ ہمیں اسلام آباد پہنچنے میں اس سے بھی زیادہ ٹائم لگ سکتا ہے۔۔ تب تک میں تمھارا بے سرا میوزک نہیں سن سکتا جو ہر تھوڑی دیر بعد تم مجھے سسکیوں کی صورت میں سناتی ہو۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا تو ابرش کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا

زاران مجھے نیچے اتارو۔۔ مجھے بلکل پسند نہین آیا جو آپ مجھے یوں بار بار چھویں۔۔۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا میں اس کا منہ توڑ دیتی۔۔ ابرش دبے آواز میں چیخی تھی۔ وہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔۔ لیکن ابرش پھر بھی دبی آواز میں چیخی تھی۔۔

اچھا مجھ پر یہ مہربانی کیوں ؟؟ زاران اپنی مسکراہٹ دبائے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوا۔۔

دوبارہ ایسی کبھی حرکت کی تو آپ کا بھی منہ توڑ دوں گی۔۔ ابرش کی بات پر زبران نے غصے سے دیکھا تو ابرش اپنا منہ موڑ گئی تھی

ہاسپٹل اندر سے بلکل بھی سنسان تھا۔۔ زاران اسے لیے ایک کمرے میں داخل ہوا۔۔ اور اسے چیئر پر بٹھایا۔۔ کمرہ خالی تھا۔۔ وہاں کوئی بھی ڈاکٹر نہیں تھا۔۔ تم یہاں بیٹھو۔۔ میں کاونٹر پر چیک کرتا ہوں۔۔۔ کوئی ڈاکٹر اویلیبل ہے تو اسے یہاں بھیجیں۔۔ زاران کہتے ہوے چلا گیا۔۔

ابرش غصے اور بے بسی سے جھنجھلا گئی تھی۔۔

ابرش کو ایک لیڈی ڈکٹر نے چیک کرتے ہوے پٹی کر دی تھی۔۔اور پین کلر کا انجکشن بھی لگا دیا تھا۔۔

زاران اس دوران کمرے سے باہر تھا۔۔۔

ڈاکٹر کے بلوانے پر وہ اندر گیا..

آپ کی مسسز کے پاؤں کی پٹی کر دی ہے۔۔کل تک بلکل ٹھیک ہو جائیں گی۔۔پین کلر کا انٹکشن لگا ڈیا ہے۔۔میں کچھ میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں۔۔ایک دو دن بیڈ ریسٹ کرنا پڑے گا۔۔ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز میں کہتے پرسکرپشن زاران کی طرف بڑھائی تھی۔

لیڈی ڈاکٹر کے مسسز کہنے پر ابرش کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا جسے زاران دیکھتا مبہم سا مسکرایا تھا۔۔

میں ان کی مسسز نہیں ہوں۔ انفیکٹ میں ان کی گھر کی عورت بھی نہیں ہوں۔۔ کیونکہ ایک خان مجھ جیسی عورت کو کبھی اپنی عورت نہیں بناتا۔۔۔ ابرش نے طنزیہ انداز میں کہا تو زاران کے چہرے پر مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

لیڈی ڈکٹر حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

آئی ایم سوری مجھے ایسا لگا۔۔۔ ڈاکٹر شرمندگی سے بولی تھی۔۔۔

زاران ابرش کو گھورتے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابرش کے پاؤں کی تکلیف کافی حد تک ٹھیک تھی۔۔ اس کے پاؤن پر وزن بھی پڑ رہا تھا۔۔

ابرش آہستگی سے چلتے باہر آئی تھی۔۔ زاران کوریڈور میں ہی کھڑا تھا۔۔ وہ ابرش کی طرف بڑھا تھا۔۔

میں چل سکتی ہوں۔۔۔مجھے اب تکلیف نہیں ہو رہی۔۔مجھے اٹھانے کی ضرورت نہیں۔۔ابرش زاران کا خود کی طرف بڑھنے کا یہی مطلب سمجھی تھی۔۔اس لیے دو قدم پیچھے ہوے تھی۔۔پاؤں پر بیلنس نہ ہونے کی وجہ سے وہ لڑکھڑائی تو زاران نے اسے تھاما تھا۔۔

تمھیں گود میں نہیں اٹھا رہا صرف سہارا دے رہا ہوں۔۔وہ بھی صرف گاڑی تک۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہتے اس کا ہاتھ تھامتے باہر گاڑی تک لایا تھا۔۔

اسے احتیاط سے گاڑی میں بٹھاتے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔۔

ارحام کی صبح آنکھ کھلی تو رات کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔۔وہ رات اس پر وحشی بربریت ڈھانے کے بعد کافی دیر تک آنکھوں پر بازو رکھے سیدھا لیٹا رہا۔۔اپنے پہلو میں پڑی بیہوش وجود پر اس کا غصہ لمحہ بالمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔۔اسے اس کا وجود اپنے پاس بھی گوارا نہیں تھا۔۔۔مگر اس بیہوش ساکت وجود کو وہ نفرت سے دیکھتا رخ پلٹ گیا تھا۔۔

نیند میں جانے سے پہلے اس کی نظروں کے سامنے پریذے کا چہرہ آیا تھا۔۔وہ اتنے دنوں بعد حویلی آیا تھا مگر پریذے کو دیکھ بھی نہ سکا تھا۔۔

پری گل کو طلاق دینے کے بعد وہ پریذے کو چاہتا تو روک سکتا تھا۔۔مگر جانتا تھا۔وہ اگر پریذے کو روکتا تو پری گل بہت تماشہ کرتی۔۔وہ نہیں چاہتا تھا بریذے کے معصوم ذہن پر کسی چیز کا اثر پڑے۔۔۔

ارحام نے ایک نظر پھر سے اپنے پاس پڑے وجود پر نظر ڈالی تو اس کے جسم اور چہرے پر اپنے وحشی شدتوں پر نظریں چرا گیا تھا۔۔

نہ چاہتے ہوے بھی اس نے اس پر جھکتے اس کے لبوں کو دیکھا جن پر گہرا زخم تھا۔۔

صرف لبوں پر ہی نہیں اس کی گردن۔۔اس سے نیچے نظر آتی گہرائیوں پر بھی اس کی شدتوں کے بے رحم نشان تھے۔۔

ارحام اسے دیکھتا اپنے لب بھینچ گیا تھا۔رات اس کی غیر ہوتی حالت سے وہ اندازہ لگا چکا تھا۔۔وہ ایک معصوم اور کم عمر لڑکی ہے۔۔۔۔۔جس کو اس سے پہلے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔مگر یہ اس کی بے گناہی کے لیے کافی نہیں تھا۔۔یقیناً وہ اس رات کسی سے اپنی عزت بچا کر بھاگی تھی۔۔شائد اپنے کسی بوائے فرینڈ سے۔۔۔ارحام کے لبوں پر نفرت امیز مسکراہٹ

دوڑی تھی۔۔ اسے اس پر بلکل ترس نہیں آرہا تھا۔۔ جو وہ کر چکی تھی۔ کیا کوئی بات کوئی دلیل اس کے دل میں اس لڑکی کی نفرت کم کر سکتا تھا۔۔ اس نے بے شرموں کی طرح اس کے ساتھ رات گزارنے کا بتایا۔۔ اس کے کردار پر وار کیا۔۔۔۔۔ کیا اب وہ ساری عمر اپنے کردار کو اپنے گھر والوں کی نظروں میں بلند کر سکے گا۔۔ سب سے بڑھ کر اگر اس کی بیٹی کو کبھی یہ پتہ چلا تو وہ کیسے اپنی بیٹی سے نظریں ملا سکے گا۔۔ اسے پورا یقین تھا۔۔ پری گل پریذے کے دماغ میں اس کے لیے نفرت ضرور بھرے گی۔۔ ارحام یہ سوچتا مزید بے چین ہوا تھا۔۔

ارحام حور کے بیہوش وجود پر نفرت بھری نگاہ ڈالتا واش روم کی طرف چلا گیا۔۔

ارحام شاور لینے کے بعد کمرے میں آیا تو ڈریسنگ روم سے بلیک شلوار قمیض پہن کر نکلا تھا۔۔ وہ اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے باہر کی جانب بڑھا تھا ۔۔۔ کمرے سے باہر جاتے ہوے اس کی نظر پھر سے حور کے ساکت وجود پر پڑی تھی۔۔۔

حور کی حالت دیکھتا وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ وہ اس کے نکاح میں تھی۔۔ اس کی عزت اس پر گھر کی عورتیں بھی نظر ڈالیں۔۔۔ اسے یہ بات مناسب نہیں لگی تھی۔

وہ نہ چاہتے ہوے بھی اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ زمین پر پڑے اس کے لباس کو دیکھا تھا۔۔

اس کے ساکت وجود کو ایک نظر دیکھتے ارحام خانزادہ اس کی طرف بڑھا تھا ارحام نے گہرا سانس بھرتے اس کا لباس زمین سے اٹھا کر بہت نرمی اور احتیاط سے اسے زیب تن کروایا تھا۔

وہ مزید اس کی سختی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ جہاں جہاں اس کے کھردرے ٹھنڈے ہاتھ چھو رہے تھے۔۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں بھی سسک جاتی۔

اس دوران اس نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔۔ وہ مزید اپنی بے رحمی اور بربریت نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ اس کی شدتیں پری گل کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا حتی کہ اس کا لمس اور اس کی شدتیں اس کے لیے کافی نرمی لیے ہوے ہوتی تھیں۔۔ اور وہ حور پر اس کی کم عمری اور کے نازک بدن کا خیال کیے بغیر کل رات کافی سختی اس پر کر چکا تھا۔۔۔

ارحام اس پر کمبل اچھی طرح اوڑھا کر اس کے پاس سے اٹھتے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ کمرے میں موجود صوفے پر اسے حور کا ہینڈ بیگ پڑا ہوا ملا۔۔۔۔ جو اس رات اس نے اس کے ہاتھ میں دیکھا تھا۔ ارحام کچھ سوچتے ہوا صوفے کی جانب بڑھا تھا۔۔ اس نے وہ بیگ اٹھا کر کھولا تو اس کی ایک پاکٹ سے اس کے کالج کا آئی ڈی کارڈ ملا تھا۔۔ وہ آئی کارڈ دیکھ کر چونکا تھا۔۔ یہ ایک میڈیکل کالج کا آئی ڈی کارڈ تھا۔۔ جو کہ بہت ہی مہنگا انسٹیٹوٹ تھا۔۔ جس کی سالانہ فیس کڑوڑوں میں تھی۔۔ وہ میڈیکل کے فرسٹ ائیر میں تھی۔۔ اس کا اندازہ بلکل درست نکلا تھا۔۔ وہ ابھی اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔۔ اسے اٹھارہ سال کا ہونے کے لیے بھی ابھی دو مہینے باقی تھے۔۔ ارحام خانزادہ ایک بار پھر غیض و غضب سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ کہیں نا کہیں اسے لگا کہ شائد اس نے اپنی عمر صیح بتائی

ہو۔۔۔ مگر وہ تو سچ میں اتنی کم عمر نکلی۔۔ وہ اتنی کم عمر لڑکی کے ساتھ یہ سب کر چکا تھا۔۔۔ ارحام غیض و غضب سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا

یہ لڑکی آخر کیا چھپا رہی تھی؟؟۔۔

ارحام نے غصے سے اس کا بیگ زمین پر پھینک دیا تھا۔۔ اسے اس جھوٹی مکار لڑکی کے بارے میں جاننے کی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔۔۔ اسے ایک بار پھر سے اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ اسی نفرت اور غصے سے وہ پاگل ہوتا حور کی جانب بڑھا تھا.. ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ کو اس نے ایک ہی جست میں حور پر انڈیل دیا تھا۔۔ ٹھنڈا پانی اس کے چہرے پر پڑا تو بے

ہوشی میں پڑا اس کا نیم وجود ہلکا سا کسمسایا تھا۔ اس نے بمشکل ہی آنکھیں کھولی تھیں۔ ارحام نے آگے بڑھ کر بازو سے پکڑ کر جھٹکے سے اٹھایا تو وہ کٹی ہوئی ڈال کی طرح ارحام کے چوڑے وجود میں آن سمائی تھی۔۔ ارحام نے اسے ایک ہی جھٹکے سے اپنے سینے سے علیحدہ کیا تھا مگر اس کا بازو ابھی تک اس کی وحشی گرفت میں تھا۔۔

حور جو ابھی تک بمشکل ہی اپنے وجود کو سنبھالا دیے ہوے تھی۔۔ نقاہت اور جسم میں اٹھتے درد سے اس سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔۔ آنکھیں کھولنے پر ارحام کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ سہمتی ہوئی بیڈ کے کراؤن کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

وہ رات سے ارحام سے بہت ڈر گئی تھی۔۔ اتنی تو وحشی بربریت دکھائی تھی اس نے۔۔ اسے کب کہاں پھولوں کی چھڑی سے بھی کسی نے چھوا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کا اتنا ڈر خوف تھا کہ وہ اپنے بدن میں اٹھتے درد تک کو بھول چکی تھی۔۔ وہ اپنی آنکھیں بڑی کیے صرف ارحام خانزادہ کو دیکھے جا رہی تھی۔۔ جو اسے اپنی سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔۔

حور خوف سے دوسری سائیڈ کی طرف تھوڑا سا کھسکی تو ارحام نے اس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کی کوشش ناکام بناتے اس کے قریب ہوا تھا۔۔ اب وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ ارحام کی تپش زدہ سانسیں حور کے زخمی ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔ اور سرخ آنکھیں اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھی۔۔ حور نے خوف کے عالم میں اپنی آنکھیں میچنا چاہی تو ارحام کی سرد آواز پر اس کے وجود کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی سٹل ہوئی تھیں۔

خبردار تم نے اپنی آنکھیں بند کیں تو میری بات مکمل ہونے سے پہلے اگر تم نے بے ہوش ہونے کا ڈرامہ کیا تو رات سے کئی گنا سنگدلی سے پیش آؤں گا۔۔رات تو تم پر رحم کھایا تھا مگر ابھی وہ رحم بھی نہیں کھاؤں گا۔۔

ارحام غصے سے پھنکارا تو وہ اپنی سانسیں تک روک چکی تھی۔۔اس سے بھی بڑھ کر بے رحمی ہو سکتی تھی بھلا؟؟اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں نے سوال کیا تھا جیسے۔۔

اس کی دھمکی سنتے وہ پتھر ہوئی تھی۔۔جس طرح اس نے اس کا رات اس کا کم سن نوخیز بدن بھنبوڑا تھا وہ دوبارہ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔اس لیے اس کی بات سنتے اب وہ صرف اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔۔

ارحام نے اس کی سینے میں اٹکتی سانسوں کو محسوس کیا تھا۔۔وہ اس کی دھمکی کے خوف سے سانسیں تک روک چکی تھی۔۔وہ اسے دیکھتا غصے سے اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔۔اس کا ڈر جائز تھا۔۔وہ سچ میں بہت نازک تھی۔۔یہ کل رات بے تحاشا غصے میں ہونے کے باوجود وہ اندازہ لگا چکا تھا۔۔اس کی شدتیں پری گل کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا حتی کہ اس کا لمس ہمیشہ اس کے لیے بہت نرمی لیے ہوتا تھا۔۔وہ کل رات تو اپنا سارا جنون سارا غصہ اشتعال پوری قوت سے اس پر اتار چکا تھا۔۔اس سے پہلے حور اپنی سانسوں سے جاتی ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کے زخمی لبوں پر اپنا تسلط جماتے اس میں اپنی سانسیں

انہیل کی تھیں۔۔اور بہت نرمی سے اس کی کمر پر اپنا ہاتھ پھیرتے وہ اس میں اپنی سانسیں انڈیل رہا تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد اسے حور کی حالت سنبھلتی محسوس ہوئی۔۔اس کے وجود میں سانسوں کی روانگی محسوس کرتے ارحام نے اسے خود سے الگ کیا تو وہ گہرے سانس لیتی بیڈ سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔ آنکھیں بند کیے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔

سفید سرخ رنگت جو اتنے تشدد کے بعد بھی دمک رہی تھی۔۔ سرخ نشان زدہ عارض پر گھنیری پلکیں جو خمدار بھی تھیں۔۔ ستواں ناک سرخ ہونٹ جو اس کی شدت سے لہو چھلکا رہے تھے۔۔نچلے لب پر گہرا زخم۔۔۔اس کے چہرے پر پڑے نشان تک اس کی حوبصورتی کو کئی گنا بڑھا چکے تھے۔۔ارحام کی نظریں اس کے چہرے سے پھسلتی اس کی گردن اور اس کے کندن سراپے پر جا ٹھہری تھیں۔اس کی سانسوں میں ہلکا سا طلاتم برپا تھا

۔جو اس کے سراپے کو مزید دلکش اور جاذب نظر بنا رہا تھا۔۔وہ سچ میں بے پناہ خوبصورت تھی۔۔ارحام خانزادہ نے اپنی شعلہ بار نگاہوں سے کافی نفرت سے اس کے پورے وجود کا ایکسرے کیا تھا۔۔اسے سانسیں دینے کا مقصد صرف اسے زندہ رکھنا تھا۔۔وہ اسے اتنی آسانی سے مرنے نہیں دے سکتا تھا۔۔جس نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا۔۔

کون ہو تم؟؟ارحام کی سرد آواز پر وہ کانپتے ہوئے سختی سے اپنی آنکھیں میچی تھیں۔

آنکھیں کھولو۔۔ارحام کی ایک ہی پکار پر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔۔وہ مر بھی رہی ہوتی تو وہ اسے پکارتا تو وہ پٹ سے اپنی آنکھیں کھول لیتی۔۔۔وہ اس پر اپنی اتنی دہشت طاری کر چکا تھا۔۔

کون ہو تم ؟؟ کہاں سے آئی ہو۔۔ ارحام نے دوبارہ سے سرد لہجے میں سوال کیا۔

مم میں نے بب بتایا تو تھا۔۔ بمشکل ہی اٹکتی سانسوں سے بتایا۔۔

تم نے تو مجھے اپنا نام بھی بتایا تھا۔۔ کیا نام تھا؟؟ مجھے بھول گیا ہے۔۔۔ تم بتا سکتی ہو۔۔ ارحام کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ چھائی تھی۔۔

عشق۔۔۔۔۔ حور نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔۔

عشق ہے تمھارا نام ؟؟۔۔ ارحام دھاڑا۔۔

حور اس کی دھاڑ پر ڈر کے مارے کانپ کر رہ گئی تھی۔۔

نک۔۔۔نک۔۔۔۔نک نیم ہے۔۔۔حور کے بتانے پر ارحام اس کے قریب ہوا تو حور کی بدن کی کپکپاہٹ میں مزید اضافہ ہوا تھا۔۔

جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔۔تم جتنے جھوٹ بول چکی تھی وہ تم بول چکی ہو۔۔اب ایک ایک بات سچ بتاؤ گی۔۔اگر تم نے ذرا سا بھی جھوٹ بولا تو جس طرح تمھیں سانسیں دی ہیں۔اب بہت ظالمانہ طریقے سے تمھاری سانسیں اکھیڑوں گا۔۔تم ایک ایک سانس کے لیے تڑپو گی۔۔اس لیے نو مور لائنگ۔۔۔ارحام نے اس بار انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کیا تھا۔

اس نے سہمی ہوئی آنکھوں سے میکانکی انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔۔

کہاں رہتی ہو تم؟؟ارحام نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔۔

حور خاموشی سے ارحام کو دیکھے جا رہی تھی۔۔سچ وہ بتا نہیں سکتی تھی۔۔ جھوٹ مقابل کے خوف سے بولا نہیں جا رہا تھا۔۔

خاموش مت رہو۔۔۔جواب دو۔۔ارحام گرجا تھا۔۔

مم میں وہیں جج جہاں آپ کو ملی تھی۔۔حور نے ارحام کی گرج پر ایک ہی سانس میں بتایا۔حور کی بات پر ارحام نے اسے قہربار نظروں سے گھورا تھا۔۔حور کی آنکھوں سے اب سیال مادہ جاری ہوا تھا۔۔

مم مجھے معاف کر دیں۔۔حور نے بیڈ کے کراؤں میں سماتے التجا کی۔۔رخ پر آنسو ٹوٹ کر برس اٹھے تھے۔

تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمھارے پیرنٹس بہت غریب تھے اتنے مہنگے کالج کی پھر فیسیں کون بھر رہا تھا۔۔ ارحام کو اس کے رونے کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔ ارحام پہلے سے بھی زیادہ قوت سے چلایا تھا اور کالج آئی ڈی کارڈ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔۔

حور چیختے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ اسے لگا ارحام نے شائد اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہے۔۔ اسے تو درخشاں نے یہی بتایا تھا کہ وہ عورت پر چلاتا نہیں ہے نہ ہی عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔۔ مگر اس کے سامنے ہی تو پری گل پر ہاتھ اٹھایا تھا۔۔ اس کے ساتھ بھی تو کل اتنا بے رحمانہ سلوک کیا تھا۔۔ اور اب چلا بھی رہا تھا۔۔

جواب دو مجھے۔۔۔ ورنہ تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔۔ ارحام دھاڑا تو حور لرز اٹھی تھی۔

پپ پپ پاپا نے مم اپنا دوسرا گھر سیل کر کے مم میری فیسیں بھری تھیں۔۔ حور بمشکل بولتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

سٹرینج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت مکاری سے جھوٹ بولتی ہو۔۔

ارحام کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی۔۔ اسے اس لڑکی پر مزید غصہ آیا تھا جو اس سے اتنی خوفزدہ تھی کہ اس نے اپنی سانسیں تک روک دی تھیں۔۔ مگر اپنے جھوٹ پر ابھی تک پوری شدومد سے قائم تھی۔ ارحام خانزادہ کے رگوں میں بھڑکتے خون میں آلاو بھڑکا تھا۔۔ دماغ کی رگیں پھڑک کر اسے مزید اشتعال میں مبتلا کر چکی تھیں۔

تمھاری حقیقت یہ نہیں ہے۔۔۔جو تم ہو اور جو تم دکھا رہی ہو۔۔۔ تمھاری حقیقت یہ ہے تمھاری فیسیں تمھارا کوئی بوائے فرینڈ دے رہا تھا۔۔ جس کا ہرجانہ وہ تم سے اس رات وصول کرنا چاہتا تھا۔۔ تم اپنی عزت بچاتے وہاں سے بھاگ آئی۔۔ کتنے لوگ تھے وہ جن سے ڈر کر تم اس رات بھاگتی آرہی تھی۔۔ ارحام کی باتوں پر اس نے تڑپتے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔

مم میرا یقین کریں۔۔ مم مم ایسی لڑکی نہیں ہوں۔۔ مم میری زندگی میں کبھی کوئی نہیں آیا۔۔ حور کانوں پر ہاتھ رکھتے شدت گریہ سے بلک بلک کر رودی تھی۔

تم پر یقین کروں۔۔ جو لڑکی سر سے پیر تک صرف ایک جھوٹ ہے فریب ہے اس عورت پر یقین کروں۔۔ ارحام استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کے الزامات پر حور کی سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔۔ اسے احساس ہوا تھا جسمانی تشدد سے زیادہ ذہنی تشدد زیادہ تکلیف دیتا ہے۔۔ سامنے بیٹھا انسان کا لمس جتنا بے رحم تھا۔۔ الفاظ اس سے زیادہ بے رحم اور سنگدل تھے۔۔

ارحام نے اس کے ہاتھ کانوں سے ہٹاتے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچا۔

تم کانوں اور منہ پر ہاتھ رکھ کر میری باتوں سے اب چھٹکارا نہیں پا سکتی۔۔ ساری عمر اب تمھیں میرے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا۔۔ گل کو میں نے طلاق دے دی۔۔ مگر تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ کیونکہ تم میری نفرت ہو۔۔ میں محبت تو ٹوٹ کر کرتا ہوں۔۔ مگر نفرت کرنے میں مجھ سے بڑھ کر بے رحم کوئی نہیں ہو سکتا۔۔ اب ارحام خانزادہ کا نفرت

اس کا دہکتا بے رحم لمس اب ہر رات تمھیں برداشت کرنا ہو گا۔۔۔اس سے چھٹکارا نہیں۔۔ارحام نے اس کا منہ ایک جھٹکے سے چھوڑا تو اب کی بار اس نے منہ پر ہاتھ بھی نہیں رکھا تھا۔۔

تمھیں آسرا دیا۔۔ تمھیں پناہ دی۔۔ تمھیں بحفاظت اپنے گھر تک لایا۔۔۔تم نے کیا کیا؟؟میرے کرادر کو مشکوک بنا دیا۔۔۔کیا کہا تھا تم نے سب سے کہ میں نے تمھارے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں رات بتائی۔۔تب تمھیں ایک بار بھی احساس نہیں ہوا تم ایسی لڑکی نہیں ہو۔۔ چلو مان لیتا ہوں تم ایسی لڑکی نہیں ہو۔۔۔تم خود ہی بتاؤ شریف لڑکیاں تمھاری جیسی ہوتی ہیں۔۔ تمھاری جو بھی مجبوری تھی۔۔میں تمھیں اپنے گھر تک لا سکتا تھا تو تمھاری مجبوری سن کر اس کا بہتر حل بھی نکال سکتا تھا۔۔

اگر اس رات تمھاری حفاظت کرنے کے لیے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑتی تو میں دیتا۔۔ میرے لیے ایک عورت کی عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔۔۔ مگر تم نے آج مجھے میری فطرت کے خلاف بنا دیا۔۔ مجھے وہ بننے پر مجبور کر دیا جو میں نہیں ہوں۔۔۔۔ میری بیٹی مجھ سے جدا کر دی۔۔ کیا کروں بتاؤ مجھے ؟؟ ۔۔۔ اسے اس کی ماں سے چھین لاؤں اور تم جیسی عورت کے سپرد کر دوں۔۔۔ جو سر سے لے کر پاؤں تک صرف فریب ہے۔۔ ارحام پوری قوت سے چلایا تھا۔۔ حور اب منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر پھر سسک پڑی تھی۔۔

نفرت کرتا ہوں تم سے بے حد نفرت۔۔ مجھے تمھارے وجود تمھاری حقیقت سے۔۔ مجھے تمھارے بارے میں اب کچھ نہیں جاننا۔۔ نفرت ہے

مجھے تم جیسی بے رحم عورت سے۔۔۔ ارحام غصے سے پھنکارتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔ حور اوندھے منہ لیٹی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

موبائل رنگنگ پر زاران خانزادہ نے اپنا فون ڈیش بورڈ سے اٹھاتے ہوے کان سے لگایا تو اگلی طرف سے جو خبر ملی وہ اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔۔ زاران نے گہری سانس بھرتے خوشگواری کے انداز میں اپنی انگلیاں سٹیرنگ پر تھرتھرائی تھیں۔ وہ اپنے آفس جانے کے لیے اپنے فلیٹ سے نکلا ہی تھا کہ یہ خبر سننے کو ملی۔۔ اب اس کی گاڑی کا رخ حویلی کی طرف تھا۔۔ کل ابرش کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد وہ اپنے فلیٹ آ گیا تھا۔۔ کل رات ہی اسے حویلی میں ہوے تمام واقعے کی خبر مل چکی تھی۔۔ زاران کو ارحام خانزادہ پر پورا یقین تھا۔۔ اسلام آباد میں اس کے

شب روز اس کے سامنے ہی گزرتے تھے۔ وہ بزنس میں ہی اتنا مصروف رہتا تھا کہ اسے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔۔ پھر اسے اتنا تو یقین تھا ارحام پر وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ اسے فرشتے کی طلاق کا کوئی افسوس نہیں تھا۔۔ اس کے نزدیک یہ سب سے اچھا ہوا تھا۔۔ انجانے میں ہی سہی اس لڑکی نے فرشتے کو اس پھندے سے نجات دلا دی تھی۔ جسے کئی سالوں سے وہ گلے میں لٹکائے ہوئے تھی۔۔ زاران کو افسوس صرف پریذے کا تھا۔۔ اور ارحام خانزادہ کے کردار پر اٹھنے والے سوالوں پر بھی وہ بہت پریشان تھا۔۔

وہ جانتا تھا اب جرگے کے لوگوں اور گاؤں کے معززین کو ارحام خانزادہ پر اعتبار نہیں رہا تھا۔۔ یقیناً اب داجی ارحام خانزادہ کے بعد بڑا ہونے کے ناطے گاؤں کی سرداری اسے سونپے گے۔۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا وہ ارحام

خانزادہ کی جگہ کبھی نہیں لینا چاہتا تھا۔۔نہ اسے اس سرداری اور حکومتی عہدے کا کوئی خاص شوق تھا۔۔وہ شروع سے ہی ان معاملات سے دور رہتا تھا۔۔۔

زاران اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ارحام خانزادہ کو لے کر کافی پریشان تھا۔۔وہ نہ صرف ارحام خانزادہ کی عزت کرتا تھا بلکہ بے حد محبت بھی کرتا تھا۔

مگر اب جو خبر اسے ملی تھی وہ اس کے دل کو کافی تقویت پہنچا گئی تھی۔۔

آخر اب اسے اپنی بہنوئی کی عیادت کے لیے حویلی جانا ہی تھا۔۔

زاران نے سرشاری کے احساس سے گاڑی میں میوزک آن کیا۔۔وہ جلد از جلد اپنی منزل مقصود پر پہنچنا چاہتا تھا۔۔زاران نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

زاران حویلی میں داخل ہوا تو اس کے قدموں کا رخ بابرک کے کمرے کی طرف تھا۔۔

بابرک بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں ہوے تھا۔۔

سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔۔۔بازو پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔۔

زاران نے آگے بڑھ کر بابرک کے پٹی بندھے بازو پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو بابرک درد سے چلا اٹھا تھا۔۔زخم سے بھل بھل خون بہنے لگا تھا۔۔

یہ کیا کر رہا ہے لالا تم ؟؟۔ بابرک چلایا تھا۔۔

کچھ نہیں زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔۔ گولی زیادہ اندر تو نہیں گئی۔۔ کہیں بازو کی ہڈی ہمیشہ کے لیے فریکچر تو نہیں ہو گئی۔۔ زاران نے اس کے زخم پر مزید اپنا دباؤ بڑھایا۔۔

بابرک درد کی شدت سے چلاتے زاران کو خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگا۔۔ زاران گہرا مسکراتے ہوے اس سے دور ہوا اور کمرے کے وسط سے چیئر گھسیٹ کر بابرک کے پاس ہی بیٹھ گیا۔۔

بابرک اپنے زخم پر ہاتھ رکھے زاران کو اپنی سرخ سرد نظروں سے گھور رہا تھا۔۔

زاران ٹانگ پر ٹانگ رکھے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

تو یہ حملہ تم نے کروایا ہے؟؟ بابرک کے سوال پر کمرے میں زاران کا فلک شگاف قہقہ گونجا تھا۔۔

ایک کمینہ انسان دوسرے کی کمینگی کو بہت جلدی پہچان لیتا ہے۔۔ زاران نے چیئر سے ٹیک لگائے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بابرک کو آنکھ ماری تھی۔۔

لیکن ایک کمینہ انسان کبھی بھی خود کو کمینہ کہلوانا پسند نہیں کرتا۔۔ بابرک نے کہتے ہوے اطمینان سے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

میں ذرا مختلف ہوں۔۔ مجھے اپنی کمینگی ظاہر کرنا بہت پسند ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں پر جب تک اپنا آپ ظاہر نہ کیا جائے۔۔ وہ اپنی اوقات میں نہیں آتے۔۔ جیسے تم اپنی اوقات بھول گئے تھے۔۔۔ کیا سمجھے تھے تم؟؟ عابیر

لاوارث ہے۔۔ جس کے ساتھ تم کچھ بھی کرو گے۔۔ کوئی تمھیں کچھ نہیں کہے گا۔۔۔ زاران خانزادہ غرایا تھا۔۔

اوقات میں تو ہم ابھی آیا ہی کہاں ہے؟؟۔ جس دن ہم اپنی اوقات میں آ گیا تم سب اپنی اوقات بھول جائے گا۔۔۔ جس دن تمھارا بہن اس کمرے میں آ گیا۔۔۔۔ یہ جو تم ہمارا سامنے سٹائل دکھا رہا ہے۔۔ یہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

بابرک اپنی مونچھوں کو بل دیتے گہرا مسکرایا تھا۔

یہ تمھاری بھول ہے بابرک کہ تم عابیر کو رخصت کرواسکو گے۔۔ ابھی اس کا بھائی زندہ ہے۔۔ جو حالت تم نے عابیر کی تھی۔۔ اس سے زیادہ بری حالت میں نے تمھاری کر دی۔۔۔۔ اگلی بار تم نے عابیر کو اپنے ناپاک

ہاتھوں سے چھوا تو یہ ہاتھ کٹوا دوں گا۔۔۔زاران کرسی پر سیدھا ہوتے دھاڑا۔۔

اگلی بار تمھارا بہن کا اس سے بھی زیادہ برا حال کروں گا۔ تم دیکھتے جاؤ۔۔۔یہ اچھا بات ہے تم ہمارا ہاتھ کٹوا دے گا۔۔ پھر تمھارا بہن کو ساری عمر ایک معذور انسان کے ساتھ گزارا کرنا ہو گا۔۔

بابرک نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کمینگی سے آنکھ ماری۔۔

زاران کا رنگ طیش و اشتعال سے سرخ پڑا۔۔

بابرک ایک بات یاد رکھنا اگر عابیر کا اب بال بھی بیکا ہوا تو میں اس بار تمھیں جان سے مروا دوں گا۔۔۔عابیر کا تمھارے ساتھ رخصتی کرنے سے بہتر

ہے وہ بیوہ ہو جائے۔۔ تم دیکھتے جاؤ۔۔ اب جو گولی تمھیں چھوے گی۔۔ میرے آدمی خاص خیال رکھیں گے۔۔ وہ تمھارے دل کے مقام پر پیوست ہو جائے۔۔ زاران نے چیئر سے اٹھتے طیش والم میں دھاڑتے ہوے کرسی کو لات ماری تھی۔

بابرک استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنی گھنی مونچھوں کو بل دے رہا تھا۔۔۔

یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا لالا۔۔۔ اس بار تو ہم جواب نہ دے سکا۔۔ کیونکہ تم نے ہمارے پیچھے سے وار کیا تھا۔۔۔ ہم کو پتہ نہ تھا کہ تم ایسا کچھ کرے گا۔۔ اگلی بار تم نے ایسا کچھ بھی کیا تو ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دے گا۔۔ بابرک جواباً غیض وغضب سے دھاڑا تھا۔۔

بابرک تمھیں میں اس لیے برداشت نہیں کرتا کہ عابیر تمھارے نکاح میں ہے۔۔ بلکہ اس لیے برداشت کرتا ہوں۔۔ تم اسفندیار کے بھائی ہو۔۔ وہ صرف میرا دوست نہیں بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے مجھے۔۔۔ اگر تم اس کے بھائی نہ ہوتے تو کب کا تمھیں زمین میں زندہ گاڑھ چکا ہوتا۔۔ میرے ہاتھ صرف اپنوں نے باندھے ہوے ہیں۔۔ بدل لو خود کو اس سے پہلے میں اسفندیار سے اور اس گھر والوں سے اپنا اور تمھارا رشتہ بھول جاؤں۔۔ زاران غصے سے بولتا دروازے کی جانب بڑھا۔۔

تمھارا ہاتھ اپنوں نے باندھ رکھا ہو گا۔۔ مگر ہمارا ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ اگر تم نے ہم کو مارنا ہوتا تو وہ گولی ہمارے سینہ پر لگتی ادھر بازو پر نہ لگتی۔۔ اور جو ڈنڈے تم نے ہمارے سر پر مروائے ہیں۔۔ وہ ہمارا مغز جب تک باہر نہ آجاتا تم تب تک برساتا رہتا۔۔۔ تم ہم کو ڈرانا چاہتا تھا۔۔ مگر یہ

سب کر کے تم نے اپنا بہن کا زندگی مشکل بنایا ہے۔۔ بابرک اونچی آواز میں بولتے گرج اٹھا تھا۔۔

زاران نے رخ پلٹتے اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالی تھی۔

عابیر کی رخصتی کبھی نہیں ہو گی۔۔ یہ بات تم اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لو۔۔ یہ بھی جانتا ہوں تم اسے کبھی چھوڑو گے نہیں۔۔۔ مگر عنقریب تمھارے بدن کے ساتھ تمھاری یہ سانسیں دغا کر جائیں گی۔۔۔ طلاق یافتہ نہ سہی میری بہن ایک دن تمھاری بیوہ ضرور بنے گی۔۔ یہ وعدہ ہے تم سے میرا۔۔۔ زاران اپنی بات مکمل کرتے چلا گیا تھا۔۔

زاران کے جانے کے بعد بابرک نے غصے سے پانی کا جگ اٹھا کر زمین پر پھینک دیا تھا۔۔ تم نے جو کیا اس کا حساب تمھارا بہن کو دینا پڑے گا۔۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔۔ اپنی بہن کی حالت۔۔۔۔۔۔ اسے ہم نہ زندوں میں چھوڑے گا نہ مردوں میں۔۔ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر تم بھی بے موت مر جائے گا۔۔ بابرک اپنے زخم پر ہاتھ رکھتے اونچی آواز میں پھنکارا۔۔

بہت ہو گیا اب داجی سے بات کرنا پڑے گا۔۔۔۔ عابیر کو اس کمرے میں لا کر ہی اس زاران خانزادہ کی اکڑ کو ہم توڑ سکے گا۔۔ بابرک اپنی مونچھوں کو بل دیتا گہرا مسکرا اٹھا تھا۔۔

زاران خانزادہ کو دبئی سے آئے ہوے آج سات دن ہو گئے تھے۔۔اس دن بابرک سے مل کر وہ سیدھا اسلام آباد ایرپورٹ سے دبئی کے لیے نکل آیا تھا۔۔یہاں اس کی بزنس میٹنگز تھیں۔

سمیع اللہ خان نے زحلے کے نام پر اس کے حصے کی جائیداد کی تھی۔۔یہ کام بھی انہوں نے زاران کے سپرد کیا تھا۔۔تمام کاغذات تیار تھے۔۔صرف ان کاغذات پر زحلے کے سائن ہونے باقی تھے۔۔

زحلے نے وہ جائیداد اپنے تینوں بچوں کے نام کرنے کو کہا تھا۔۔زاران خانزادہ نے وکیل کے ہاتھ وہ کاغذات بجھوا کر ان پر سائن کروا دیے تھے۔۔مگر ابرش نے ان کاغذات پر سائن نہیں کیے تھے کہ اسے کچھ نہیں چاہیے۔۔

زاران اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا انھی کاغذات کو دیکھ رہا تھا جس پر صرف ابرش کے سائن ہونا باقی تھے۔۔

اس دن کے بعد اس کی ابرش سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔۔نہ ہی وہ اس مغرور حسینہ سے ملنے کا خواہشمند تھا۔جس کے مزاج نہیں ملتے تھے۔۔۔۔

مگر سمیع اللہ خان کے اصرار پر اسے یہ کام کمپلیٹ کرنا ہی تھا ۔۔۔اس کے لیے اس کا ابرش سے ملنا ضروری تھا۔۔پچھلے ایک ہفتے سے وہ مختلف میٹنگ اور بزنس کے معاملات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔۔۔۔اس کے پاس سانس لینے کا بھی ٹائم نہیں تھا کہ وہ کوئی اور معاملات کو دیکھتا یا پھر سوچتا۔۔ابرش کو وہ اپنے دل و دماغ

سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔اور وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔۔۔وہ خود کو یقین دلانے میں کامیاب رہا تھا کہ ابرش میں وہ صرف وقتی طور پر اٹریکشن محسوس کر رہا تھا۔۔وہ شائد اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوا تھا۔۔ورنہ ابرش میں ایسی کوئی کوالیٹی نہیں تھی۔۔جس کی وجہ سے وہ اسے اپنی زندگی میں خاص مقام دیتا۔۔۔مگر پچھلے کچھ دنوں سے عجیب سی بے چینی نے اس کے اندر ڈھیرہ ڈال رکھا تھا۔۔جسے چاہتے ہوے بھی وہ کوئی نام نہ دے سکا۔۔یا پھر وہ کوئی نام دینا نہیں چاہتا تھا۔۔

زاران نے فائل بند کر کے چیئر کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔آنکھوں کے پردوں پر وہ منظر چپک کر رہ گیا تھا۔۔دریا کے کنارے پتھر پر

بیٹھی ہوئی تھوڑی روٹھی سی تھوڑی غصے سے آسمان سے گرتی برف باری کو دیکھتے ہوے۔۔

زاران ٹیبل پر پڑی فائل کو دیکھتے ہوے اس منظر کو بھلانے کی کوشش کرنے لگا۔۔جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔۔

سیکرٹری نے فون پر اسے میٹنگ ممبران کے آنے کی اطلاع دی۔۔زاران نے انھیں میٹنگ روم میں بٹھانے کو کہا تھا۔۔

آج اس کی ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں میٹنگ تھی۔۔اس کمپنی کے ساتھ تمام معاملات ارحام خانزادہ دیکھ رہا تھا۔۔مگر پچھلے ایک ہفتے سے اس کے تمام پروجیکٹ اور میٹنگز وہی ہینڈل کر رہا تھا۔۔۔

زاران میٹنگ روم میں داخل ہوا تو جانی پہچان آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔۔وہ بری طرح چونکا تھا۔

زعیم یہ کمپنی بہت بڑی ہے۔۔میں نے بہت نام سنا ہے اس کمپنی کا۔۔۔ تمھیں لگتا ہے یہ پروجیکٹ ہماری کمپنی کو مل جائے گا۔۔

ہاں اس کمپنی کے مالک ارحام خانزادہ نے یہ پروجیکٹ ہمیں ہی دینے کی یقین دہانی کروائی تھی۔۔مگر اب سنا ہے اس پروجیکٹ کو اس کا چھوٹا بھائی زاران خانزادہ ہینڈل کر رہا ہے۔۔۔

زاران خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش زیر لب یہ نام دہراتے ہوے چونکی تھی۔۔۔۔

زاران اسی لمحے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ابرش اور زعیم عباسی اپنی اپنی چیئرز سے کھڑے ہوئے تھے۔۔

ابرش پر تو حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔یہی حال زعیم عباسی کا تھا۔۔وہ اپنے سامنے زاران خانزادہ کو دیکھ کر حیران تھا۔۔۔اسے بلکل بھی اندازہ نہیں تھا یہ کمپنی ابرش کے کزن کی ہے۔۔۔۔زعیم نے بے چینی سے زاران خانزادہ کی سحر انگیز پرسنیلٹی کا جائزہ لیا۔۔وہ اس وقت بلو جینز اور بلو شرٹ میں ملبوس تھا۔۔اور بلو ہی کوٹ پہنا ہوا تھا۔۔جس میں اس کی پسینلٹی مزید سحر انگیز لگ رہی تھی۔۔اس دن دور سے ہی اس نے زاران کو دیکھا تھا۔۔مگر آج زعیم کو محسوس ہوا تھا وہ جتنا دور سے بارعب اور شاندار دکھتا تھا۔۔اس سے کہیں زیادہ قریب سے اس کی پرسنیلٹی سراہے جانے کے قابل تھی۔۔

زاران کی شعلہ اگلتی نگاہیں ابرش کا طواف کر رہی تھین۔

جو بلیک ٹراوزر پر بلیک لانگ شرٹ پہنے ہوے تھی جس پر بلیک ہی دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا۔۔

زاران کو ایسے خود کی طرف دیکھتا پا کر ابرش نے نامحسوس انداز میں اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا تھا۔۔ جو دوپٹہ تھوڑی دیر پہلے گلے میں جھول رہا تھا۔ اب وہ اچھی طرح سینہ کور کیے ہوے تھا۔

یہ دیکھ کر زاران نے اپنی مٹھی غیض و غضب سے دبوچی تھی۔۔

یہ دوپٹہ ٹھیک کرنے کا خیال اسے دیکھ کر ہی کیوں آیا تھا؟؟۔۔ وہ کب سے ایک غیر محرم ایک انجان شخص کے ساتھ بیٹھی تھی تب تو دھڑلے سے دوپٹہ گلے میں ڈال کر بیٹھی ہوئی تھی۔ تب تو ایسی کوئی شرم و حیا اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔۔

زاران نے قہربار نظروں سے ابرش کے پہلو میں کھڑے زعیم عباسی کو گھورا

۔

اسلام و علیکم۔۔۔زعیم نے اپنے تاثرات پر قابو پاتے زاران خانزادہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔وہ کسی بھی صورت یہ پراجیکٹ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا تھا۔۔یہ پرجیکٹ اس کی کمپنی کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا۔

زاران لب بھینچے زعیم کے بڑھے ہوے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔۔۔

ابرش سانس روکے زاران خانزادہ کے سرد برفیلے تاثرات کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔جس کے چہرے کے نقوش انھیں دیکھ کر تن گئے تھے۔۔آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔۔ابرش کو اس کے برفیلے تاثرات دیکھ کر برف سی اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔۔۔وہ زاران کا رویہ

سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ تو ایسے بی ہیو کر رہا تھا جیسے ان لوگوں کو اپنے آفس دیکھ کر اسے خوشی نہیں ہوئی بلکہ کافی غصہ آیا ہے۔۔ مگر کیوں؟؟؟۔۔ ابرش نے زاران کے سرد سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے گہری سانس لیتے سوچا۔۔

زاران نے تنے ہوے نقوش کے ساتھ زعیم سے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

بیٹھیے مسٹر۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران نے آئی برو کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔۔۔

زعیم عباسی۔۔۔۔۔ زعیم نے اپنا تعارف کروایا۔۔

اس دوران زاران نے ابرش کو بلکل ہی اگنور کر رکھا تھا۔۔

جیسے وہ اسے جانتا ہی نہیں۔۔

زعیم ابرش کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے زاران کی سامنے والی چیئر پر بیٹھا۔۔

ابرش بھی خاموشی سے زعیم کی ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گئی۔۔

زاران خانزادہ چیئر سے ٹیک لگائے اپنی سرد نگاہیں ابرش پر ہی گاڑھے ہوے تھا۔۔ جسے ابرش محسوس کرتی اس سے نظریں چراتی زعیم کو مسکراتے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔

اس وقت اس گرم کمرے کا ماحول باہر کے موسم کی طرح کافی سرد تھا۔۔

کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔ کمرے کی دیوار پر لگے وال کلاک کی گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔۔

زاران کی نگاہوں کا مرکز محسوس کرتے زعیم عباسی بے چینی سے پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا۔ وہ مسلسل اپنی نظریں پورے حق سے ابرش پر گاڑھے ہوے تھا۔

زاران کو ابرش کا ایسے اپنے آفس آنا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔۔ وہ آفس میں بھی کام کرتی ہے اس بات کا زاران کو اندازہ نہیں تھا۔۔۔ زعیم ابرش کے ساتھ کافی بے تکلف تھی۔۔ وہ آفس میں داخل ہوتے ان کی کنورسیشن سن چکا تھا۔۔ جس میں اسے بہت فرینڈلی نام لے کر پکار رہی تھی۔۔ ابھی بھی وہ اسے دیکھتے ہوے جیسے مسکرا رہی تھی۔۔ باس اور امپلائے کا رشتہ تو ہر گز نہیں لگ رہا تھا۔

کیا رشتہ ہے ان دونوں کا؟؟۔۔۔ باس اور امپلائے یا پھر اس سے بڑھ کر ۔۔۔۔۔۔ زاران بے چین ہوا تھا۔۔ دل میں بھانبھڑ سے جلے تھے۔۔ وہ

اسے اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد اس کی نگاہوں سے پزل ہوتے زعیم کو خفیف سا مسکراتے ہوے دیکھتی تو زاران کے سینے میں جلتے یہ بھانبھڑ تیزی سے اپنی لپیٹ میں آ کر اسے مزید دہکاتے۔۔

حسد و جلن کا یہ جذبہ پہلی دفعہ اس کے اندر سرائت کیا تھا۔۔ پہلی مرتبہ اس کے اندر آگ کے شعلے سے بھڑک رہے تھے۔۔۔۔ وہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ اپنی کیفیت کو وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ اسے تو آج محسوس ہوا تھا سامنے بیٹھی لڑکی اس کے دل میں بہت اونچا مقام پا چکی ہے۔۔ وہ تو شائد اس کے لیے اس کی جنونیت بن چکی ہے۔۔ اسی چیز سے وہ ڈرتا تھا۔۔ مگر آج اسے احساس ہوا تھا۔ اس بات اس احساس سے وہ دور

نہیں بھاگ سکتا تھا۔۔ وہ اس کی تھی اور اسے اس کی جنونیت کے حصار میں آنا ہی تھا۔

اب ہر صورت اسے اپنی ملکیت میں لینا ہی تھا۔۔ جو فیصلہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے نہ کر سکا مگر آج اسے دیکھ کر ہی وہ یہ فیصلہ وہ پورے دل سے لے چکا تھا۔۔

اسے آج زحلے پر بھی غصہ آیا تھا جس کا ابرش پر کوئی رعب نہیں تھا جسے کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔۔ بھلا ان کے خاندان کی عورتیں یوں مردوں کے درمیان کام کرتی ہیں۔۔ وہ بھی ایسے بے پردہ۔۔۔ زاران اپنے اندر اٹھتے غصے کو بمشکل ہی قابو کیے اپنے سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔

آپ کی کمپنی تو لاس میں جا رہی ہے۔۔نہ ہی آپ کی کمپنی کی کوئی ورتھ ہے۔۔خانزادہ انڈسٹریز پاکستان کی نمبر ون کمپنی ہے۔۔۔نہ صرف پاکستان میں باہر کے ممالک میں بھی ہماری کمپنیز ہیں۔۔مجھے نہیں لگتا آپ ہماری کمپنی کے ساتھ کام کر سکیں گے۔۔میری طرف سے معذرت ہے۔۔۔زاران نے بغیر لگی لپٹی کے وہ فائل ٹیبل پر پٹختے درشت لہجے میں کہا تو زعیم کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔

مسٹر ارحام خانزادہ یہ کانٹریکٹ تقریباً ہمیں دے چکے تھے۔۔آج فائنل ڈیسیژن لینا تھا۔۔آئی تھنک صرف پیپرز پر سائن کرنا رہتا تھا۔۔زعیم نے اپنے لہجے کو حتی الہموار نرم رکھا تھا۔۔مقابل کی رعب دار پرسنیلٹی کا اثر تھا جو اس نے خود پر قابو پا کر رکھا ہوا تھا۔۔ورنہ زاران خانزادہ کا لہجہ کافی انسلٹنگ تھا۔۔جو زعیم سے برداشت کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔

یہی حال ابرش کا تھا جس سے خود زاران کا ہتک امیز رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ مگر وہ اس کے غصے اور فطرت سے بخوبی واقف ہو چکی تھی۔۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں رکھتا تھا۔۔۔ زاران کی پرسنیلٹی سے وہ خود بھی بہت مرعوب تھی۔۔ جو اسے مقابل کی اتنی بدتمیزی کے باوجود اسے تم کہنے سے روکتی تھی۔۔ کہیں نہ کہیں اس کی بارعب شخصیت کا تسلط اس پر قائم ہو چکا تھا۔۔۔ اس کی ذات پر زاران خانزادہ کی سحر انگیز شخصیت پہلے ہی دن اپنا جھنڈا گاڑھ چکی تھی۔۔ جسے وہ ماننے سے انکاری تھی۔۔ آج زاران خانزادہ کی اگنورنس اسے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔ اس دن گاڑی میں تو وہ اسے جن والحانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ ابرش ابھی تک وہ نگاہیں بھول نہیں پا رہی تھی۔۔ اسے محسوس ہوا تھا یہ انسان دوہری شخصیت رکھتا ہے جو پل پل

اپنا روپ بدلتا ہے۔ اس لیے وہ سرخ چہرہ لیے بیٹھی رہی۔۔ جانتی تھی وہ لوگ اس ٹائم زاران خانزادہ کے آفس میں ہیں۔۔۔۔ وہ ان کے ساتھ بہت بدتمیزی سے پیش آسکتا ہے۔

اس لیے اس نے نظروں ہی نظروں میں زعیم کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا تھا۔۔ اگر یہ پروجیکٹ خود زاران انھیں آفر کرتا۔۔ وہ خود اس پروجیکٹ کے لیے منع کر دیتی یا پھر زعیم کا اس پروجیکٹ میں ساتھ نہ دیتی۔ وہ کبھی بھی زاران خانزادہ کے ساتھ کام نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ زاران کا انسلٹنگ رویہ اس کے لیے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

زاران کی نظریں مسلسل ابرش کے سرخ چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ جو اپنی ناگواری چھپانے کی ناکام سعی کر رہی تھیں۔ ابرش کا سارا دھیان اس

ٹائم زعیم عباسی کی طرف تھا۔۔ابرش کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا اسے زعیم کی انسلٹ پسند نہیں آئی۔۔

یہ محسوس کرتے زاران کے اندر تند و تیز غصے کے بھانبھڑ بھڑکے تھے۔

اس لیے زاران اپنے لہجے کو مزید تیکھا بناتے زعیم کی طرف متوجہ ہوا۔

ویل مسٹر زعیم۔۔۔۔۔۔۔۔مسٹر ارحام خانزادہ کو نیکیاں کرنے کا بہت شوق ہے۔ابھی کچھ دن پہلے ہی انہوں نے ترس کھا کر کسی پر احسان کیا تھا۔۔آج وہ نیکی ان کے گلے کی ہڈی بن چکی ہے۔مگر زاران خانزادہ کسی پر ترس نہیں کھاتا۔۔نہ ہی کسی پر احسان کرتا ہے۔۔۔نہ بزنس کے معاملات میں نہ رشتے داری میں۔۔۔۔یہی میری فطرت ہے۔۔۔۔زاران

نے اب کی بار ابرش کو اپنی شعلہ لپکتی نگاہوں کے حصار میں رکھتے ہوے گہرا طنز کیا۔۔ ابرش زاران کی باتوں کو سرے سے اگنور کرتے زعیم عباسی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ریلیکس رہنے کو کہہ رہی تھی۔۔

یہ دیکھتے زاران نے ٹیبل پر پڑے پیپر ویٹ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔۔۔۔۔۔

ابرش کا اس انسان کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟؟۔۔ آخر کس رشتے سے وہ آپس میں اتنے فرینک ہیں۔

اس سوال کا جواب جاننے کے لیے اس کے اندر بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔

تھینکس مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔بہت بہت شکریہ آپ نے ہمیں اتنا قیمتی ٹائم دیا۔۔۔ابرش نے چیئر سے اٹھتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔۔زاران کی تمام باتوں کا جواب یہی تھا اس کے نزدیک۔۔۔۔۔زاران کو ابرش کا مسکراتا پرسکون چہرہ آگ لگا گیا۔۔کیا وہ اس کے نزدیک اتنی بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کا رویہ اس کی باتیں اس پر اثر انداز نہ ہوں۔۔وہ تو ابرش کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات محسوس کرتا تھا۔۔

زعیم بھی ابرش کی تقلید میں چیئر سے اٹھا تھا۔۔

ابرش نے ٹیبل پر رکھی فائل اٹھانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو زاران کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ ٹچ ہوا تھا۔۔ابرش اور زاران کی نگاہیں چار ہوئی

تھی۔۔زاران کی آنکھوں میں گہرے جذبات امڈے تھے۔۔جسے وہ چاہتے ہوے بھی اپنے غصے میں چھپا نہ سکا تھا۔۔زاران کی گہری نظریں ابرش کے حسین چہرے پر جم چکی تھیں۔

زعیم نے زاران خانزادہ کے چہرے پر جلن کے اثار اور ابرش کے لیے اس کی آنکھوں سے ٹپکتے جذبات دیکھ لیے تھے۔۔

زعیم کو کچھ دیر پہلے زاران کی کی ہوئی بے عزتی کا بدلہ سود سمیت چکانے کا راستہ مل چکا تھا۔۔

زعیم کے لبوں پر کمینگی بھری مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

یہ بات تو طے تھی۔ ابرش تو صرف اس کی تھی۔۔ بہت جلد وہ اسے اپنا بنانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ جو انسلٹ آج اس کی زاران خانزادہ نے کی۔۔ وہ اس کا بدلہ تو عنقریب چکانے ہی والا تھا۔ وہ بھی سود سمیت۔۔۔ بہت جلد زاران خانزادہ کو اپنی اور ابرش کی شادی کا کارڈ بھیج کر۔۔۔ مگر آج تھوڑا سا تو سلگانا بنتا تھا۔

چلیں ابرش۔۔۔۔۔۔۔ زعیم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوے کہا۔۔۔ زاران چیئر پر یکدم سیدھا ہوا تھا۔۔۔ آنکھوں کی سرخی نے یکدم شدت اختیار کی تھی۔۔ وہ اس کے ساتھ اس حد تک فرینک ہے۔۔۔ اس بات کی توقع زاران خانزادہ نہیں کر رہا تھا۔۔

ابرش نے حیرت اور ناگواری سے زعیم کا یہ عمل دیکھا تھا۔۔ اسے زعیم کا ہاتھ پکڑنا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔۔ نہ ہی وہ اس کے ساتھ اتنی فرینک تھی وہ

اس کا ہاتھ پکڑتا۔۔۔زاران خانزادہ کے سامنے وہ یہ برداشت کر گئی تھی۔۔ابرش نے اپنا ہاتھ زعیم کے ہاتھوں سے چھڑوایا۔۔

چلیں۔۔۔۔ابرش نے زعیم کو دیکھتے ہوئے دانت پیسے تھے۔۔

ابرش کہیں نہیں جائے گی۔۔۔۔زاران کی سرد آواز پر زعیم اور ابرش کے دروازے کی طرف بڑھتے قدم رکے تھے۔۔ابرش نے رخ پلٹے حیرت و استعجاب سے زاران خانزادہ کو دیکھا۔۔

ایکسکیوزمی۔۔۔کیا مطلب؟ ابرش نے حیرت سے کہا۔۔

مطلب یہ کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔۔زاران نے پرسکون انداز میں کہتے چیئر سے ٹیک لگائی۔۔پیرویٹ اب بھی اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔۔

اور میں کیوں نہیں جاؤں گی۔۔ ابرش کے چہرے پر اب غصے کی جھلکی نمودار ہوئی تھی۔۔ اسے مقابل پر سخت غصہ آیا تھا جو پتہ نہیں اس سے کیا چاہتا تھا؟؟

ابرش نے سینے پر ہاتھ باندھتے زاران کو آبرو اچکائے دیکھا۔۔ اگر وہ زاران خانزادہ تھا تو وہ بھی ابرش پاشا تھی۔۔ اتنی آسانی سے تو وہ بھی نہیں جھکتی تھی۔

کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔۔ مجھے نہیں لگتا اس سے آگے کچھ بھی کہنے کی ضرورت رہتی ہے۔۔۔ زاران بھی ابرش کے انداز میں جواب دیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

اس سے آگے بھی کہنے کی ضرورت رہتی ہے۔۔ آپ اس کمپنی کے اونر ہیں۔۔ میرے اونر نہیں ہیں۔ جو آپ کے کہنے پر میں کہیں نہیں جاؤں

گی۔۔ ابرش کو زاران کی ڈھٹائی پر غصہ آیا تھا جو ایسے اس پر حکم چلا رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی ملکیت ہو۔۔۔

فی الوقت اونر نہیں ہوں۔ مگر عنقریب تم میری ملکیت میں آجاؤ گی۔۔ پھر میرا ہی حکم چلے گا۔۔ زاران کی بات پر ابرش نے غصے سے زاران کو دیکھا۔۔

دیکھیں سر۔۔۔ آپ نے ڈیل ہماری کمپنی کو نہیں دی ہم آپ کے فیصلے کا احترام کرتے ہیں۔۔ ہم اس وقت آپ کے آفس میں ہیں۔ اس بات کو بھی سمجھتے ہیں۔۔ مگر آپ کا یہ دھونس بھرا رویہ میں مزید برداشت نہیں کروں گی۔۔

ابرش کے لہجے کی اجنبیت بڑھی تھی۔۔ اور زاران کی مٹھی کی گرفت پیپر ویٹ پر بڑھتی جا رہی تھی۔۔

ابرش کا سر کہنا بلکل اچھا نہیں لگا تھا۔

دوسرے ہی پل زاران سر کو خفیف سا جھٹکتا خود پر قابو پا گیا۔

ابرش تم کہیں نہیں جاؤ گی۔۔ میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔۔ زاران بے حد نرم لہجے میں بولتے ہوے چیئر پر سیدھا ہوا۔۔ پیپر ویٹ ٹیبل پر رکھتے وہ چیئر سے اٹھتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

ابرش مجھے تم سے ضروری کام ہے۔۔ کچھ پیپرز پر تمھارے سائن چاہیے۔۔ میں تمھیں ڈراپ کر دوں گا۔۔ زاران کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ نرم تھا۔۔

ابرش کی حیرانگی اور غصہ مزید بڑھا تھا۔۔ مقابل تو سچ میں دوہری شخصیت رکھتا تھا۔۔ کچھ دیر پہلے اپنی سرخ ایسے گھور رہا تھا۔۔ جیسے بنا دیر کیے اس پر گولی چلا دے گا۔۔ مگر اب اس کے لہجے سے شہد ٹپک رہا تھا۔۔

آخر کیا چاہتا تھا اس سے ؟؟ ابرش بری طرح جھنجھلائی تھی۔

ابرش یہاں کسی قیمت پر نہیں رکے گی۔ زعیم نے درشت لہجے میں بولتے ہوے ابرش کی کلائی تھامنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ زاران نے بیچ میں ہی اس کا ہاتھ اپنی آہنی گرفت میں لیا۔۔

اب ایک بار اور اسے مت چھونا۔۔ ورنہ تمھاری کلائی کے ساتھ یہ ہاتھ نہیں رہے گا۔۔ زاران اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوے غرایا تھا۔۔ زعیم سرخ چہرے

کے ساتھ زاران کو گھورنے لگا۔۔زاران کی آہنی گرفت سے وہ اندازہ لگا چکا تھا مقابل اس پر کافی بھاری ہے۔۔اس لیے اب وہ خاموش کھڑا صرف اسے گھور رہا تھا۔

زاران مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ ؟؟ کیوں کر رہے ہیں یہ سب ؟؟۔۔۔ابرش دبے آواز میں چیخی۔۔عجیب سا سین کریٹ کر دیا تھا زاران نے۔۔جو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

محبت کرتا ہوں تم سے۔۔۔۔۔بے حد محبت کرتا ہوں۔۔زاران خانزادہ کی ہو صرف تم۔۔۔۔۔۔۔اس لیے تمھیں کوئی اور چھوے کوئی اور دیکھے اب یہ مجھے گوارا نہیں۔۔۔زاران نے ابرش کا ہاتھ بہت نرمی سے تھامتے اس آنکھوں میں دیکھتے ہوے گھمبیر لہجے میں کہا تو ابرش کا رنگ شدید قسم کا

سرخ پڑا تھا۔۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں اور دھڑکتے دل سے زاران خانزادہ کا اظہار محبت سن رہی تھی۔۔

تمھاری اتنی ہمت تم یہ سب ابرش سے کہو۔۔۔زعیم غراتے ہوے زاران کی طرف بڑھا تو زاران نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے کالر سے جکڑا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔ابرش منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخی تھی۔

اپنی حد میں رہو سمجھے تم۔۔۔۔ابرش میری ہونے والی بیوی ہے۔۔اس لیے دور رہو۔۔۔میرے اور ابرش کے معاملات سے۔۔۔اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔ابرش تمھارے ساتھ کہیں نہیں جائے گی۔۔اگر تم یہاں سے نہ گئے تو میں دھکے دے کر تمھیں اس آفس سے نکلواؤں گا۔۔تم یہاں پیروں پر چل کر تو آ گئے ہو مگر جا نہیں سکو گے۔۔اس لیے دو

سیکنڈ سے پہلے یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔۔۔۔زاران اس کا کالر ایک جھٹکے سے چھوڑتے غرایا تھا۔

ابرش نے لب بھینچے انگشت شہادت کی انگلی سے اپنا ماتھا سہلایا تھا۔۔وہ اپنے لب کاٹتے زاران خانزادہ کا یہ جنونی اور اشتعال انگیز روپ دیکھ رہی تھی۔۔

وہ خود اندر سے کافی ڈر گئی تھی۔۔زاران خانزادہ کے اس جنگلی روپ سے۔۔مگر وہ مزید زعیم کی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

زعیم تم جاؤ۔۔۔میں زاران کے ساتھ آجاؤں گی۔۔ابرش نے لب بھینچتے ہوے کہا۔۔

لیکن ابرش۔۔۔۔زعیم نے دبے انداز میں کمزور سا احتجاج کیا۔۔

زاران کے غصے سے وہ کافی ڈر گیا تھا۔۔ مگر ابرش کو ادھر چھوڑ کر بھی جانا نہیں چاہتا تھا۔۔ پلیز زعیم میں آجاؤں گی۔۔ مجھے اپنے گھر جانے کے لیے کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں زاران سے بات کر کے آتی ہوں۔۔ ابرش نے کہا تو زعیم کچھ پل ابرش کو دیکھتا رہا پھر غصے سے آفس کا دروازہ کھولتا چلا گیا۔۔

زاران یہ سب کیا ہے ؟؟ کیا کہہ رہے تھے تم ؟؟ اب کہو۔۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے کہا۔۔

تم نہیں آپ بولو۔۔۔۔ کیونکہ کچھ ہی دنوں میں تم میرے نکاح میں آنے والی ہو۔۔ اس لیے ابھی سے عزت دینا سیکھ لو ورنہ نکاح کے بعد مجھے سختی سے پیش آنا پڑے گا۔ تمھارا مزاج اور تمھارا لباس ٹھیک کرنے کے لیے ۔۔۔ زاران ابرش کو دیکھتے سرد انداز میں مخاطب ہوا۔۔

زعیم کی آنکھوں میں وہ ابرش کے لیے پسندیدگی دیکھ چکا تھا۔۔سینے کے اندر پنپتا غصہ اور کھولن شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔اب وہ خود پر اپنا اختیار کھو رہا تھا۔۔

نکاح۔۔۔۔۔۔زاران آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔۔میں کیوں نکاح کرنے لگی آپ سے ؟؟۔۔۔زاران کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے وہ تم سے آپ پر آئی تھی۔مگر اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر اب نکاح کرنے سے تو رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ کا یہ دھونس بھرا رویہ ابرش برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔۔ ساری عمر اپنے والد پاشا کو زحلے پر دھونس جماتے اور غصہ کرتے ہی تو دیکھا تھا۔۔ اس لیے تو وہ زاران کے غصے سے کافی ڈرتی تھی۔۔ بلکہ وہ ہر غصیلے مرد سے ڈرتی تھی۔۔ وہ کبھی اپنی زندگی میں پاشا کے قریب نہیں گئی۔۔ وجہ ڈر تھا جو اسے پاشا کے قریب جانے ہی نہیں دیتا تھا۔

وہ کبھی بھی ایسے انسان کی بیوی نہ بنتی جو اس پر ابھی سے اپنا رعب جما رہا تھا۔۔

کیونکہ میں تمھیں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں۔۔ ابرش۔۔۔۔ زاران نے پیار اور نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ زاران نے خود پر کافی حد تک قابو پا لیا تھا۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی زندگی تھی۔۔ وہ اب ہر صورت اسے اپنی ملکیت

میں لینا چاہتا تھا۔۔ اگر وہ پیار سے مانتی تو ٹھیک تھا۔ ورنہ وہ اپنے طریقے سے اسے ہینڈل کرنا چاہتا تھا۔

زاران آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں کہنا آپ سے۔۔ ابرش نے اپنا ہاتھ ایک ہی جھٹکے میں چھڑوایا۔۔

اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے؟؟ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ زاران نے بہت پیار سے کہتے اس کے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔۔ زاران کی حرکت پر ابرش گلابی ہوئی تھی۔ گھنیری پلکوں نے جھکتے ہوے اٹھنے سے انکار کیا تھا۔ آپ مجھ سے نکاح نہیں کرنا چاہتے بلکہ آپ مجھے اپنی ملکیت میں لینا چاہتے ہیں۔۔۔۔ آپ نے اچھا نہیں کیا زعیم کے ساتھ۔۔ اور مجھے یوں محصور کر کے صرف آپ مجھ پر اپنی دھونس جما رہے ہیں۔۔۔۔ پہلے دن آپ نے جو سلوک کیا۔۔۔ نکاح کرنے کے بعد بھی

وہی سب کچھ کرنا چاہتے ہیں ناں۔۔۔ ابرش نے خود کی کیفیت پر قابو پاتے کہا۔۔ اتنی جلدی وہ اس کی میٹھی باتوں میں نہیں آسکتی تھی۔۔ یہ جادو گری تو وہ اس بہتے دریا پر اس کا دل دھڑکاتے اس پر چلا چکا تھا۔۔ مگر جب جب وہ اس پر غصہ کرتا تھا۔۔ وہ اس کی سحر انگیزی سے نکل آتی تھی۔

تمھیں یہ یاد ہے میں نے کیا کہا۔۔ مگر جو تم نے کہا وہ تم بھول چکی ہو۔۔ کس طرح تم گلہ پھاڑ کر مجھے اور میری فیملی کو گالیاں دے رہی تھی۔۔ زاران نے لب بھینچے کہا تھا۔۔۔

میں کچھ نہیں بھولی اور آپ سے بھی یہی چاہتی ہوں۔۔ کچھ مت بھولیں۔۔۔ میں کبھی آپ سے نکاح نہیں کروں گی۔۔ آپ اپنی باتوں پر قائم نہیں رہتے۔۔ مگر میں دوسروں کی باتیں بلکل نہیں بھولتی۔۔۔ ایک خان مجھ جیسی عورت کو کبھی اپنی عورت نہیں بناتا۔۔۔ یہی کہا تھا نہ آپ نے

مجھ سے۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے ایک ایک لفظ چباتے دروازے کی جانب بڑھی۔۔

زاران نے اسے کلائی سے پکڑے دروازے کے ساتھ لگایا اور اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اس کا راستہ محصور کیا۔۔

اب وہ اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ جمائے اس کی گہری حیرت زدہ آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔

زاران مزید ابرش کے قریب ہوا تو ابرش نے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔۔ آئی لائک یور ایکٹ۔۔۔۔۔۔ مس امیریکہ۔۔۔۔۔ زاران گھمبیرتا سے بولا تو ابرش نے پٹ سے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔۔ زاران کے عنابی لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

ابرش اب میں ہی یہی کہہ رہا ہوں۔۔ میں زاران خانزادہ صرف تم جیسی عورت کو ہی اپنی عورت بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تم ہی وہ پہلی عورت ہو جو اس خان کی دل کی سرزمین پر اپنا قبضہ جما چکی ہے۔۔۔ یہ خانزادہ اب صرف تمھارا ہو چکا ہے۔۔ زاران نے اس کی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر لہجے میں کہا۔۔

ابرش اس بات کا احساس مجھے بہت پہلے ہو چکا تھا کہ تم میرے دل میں بہت خاص مقام حاصل کر چکی ہو۔۔

تم میرے لیے بہت معنی رکھتی ہو۔۔ میرا جنون میری محبت ہو۔۔۔۔ میں اپنی ہی فیلنگ سے نظریں چرا رہا تھا۔۔

کیونکہ زاران خانزادہ کا بننا اتنا آسان نہیں ہے۔۔ میں تمھیں اپنی جنونیت سے بچانا چاہتا تھا۔۔ مگر آج پتہ چلا اس خان کی جنونیت محبت صرف تم نے ہی تو سہنی ہے۔۔ کیونکہ تم میری ہو۔۔ صرف میری۔۔۔

جب زعیم نے تمھارا ہاتھ پکڑا تو ایک آگ سی میرے اندر مجھے بھڑکتی محسوس ہوئی۔ مجھے احساس ہوا میں تو تم پر کسی کی نظر تک برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔۔ اب تمھیں ہر پل میرے پاس صرف میرا بن کر رہنا پڑے گا۔۔۔ تم پر کسی کی نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ تم اب یہ نوکری نہیں کرو گی۔۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تم ایسے مردوں کے درمیان ایسے حلیے میں رہو۔۔۔ زاران اس کے گلابی گال پر اپنی انگلی نرمی سے ٹریس کرتا بھاری آواز میں بولتے اسے خمار آلود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ ابرش زاران کی باتوں پر وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

یہ اظہار محبت تھا یا پھر عمر قید وہ جو اسے سنا رہا تھا۔ ابرش کی دل کی دھڑکنوں نے اب گھبراہٹ میں اپنی سپیڈ پکڑی تھی۔۔ وہ واقعی میں اس خانزادہ کی جنونیت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ ابھی وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی تو اس کا یہ حال تھا۔۔ جب وہ اس کی مکمل ہو جاتی تو وہ تو اس پر کسی مرد کی ایک نظر بھی پڑنے نہ دیتا۔۔ بلکہ وہ اسے اپنے خاندان کی عورتوں کی طرح سر سے پیر تک پردہ کرواتا۔۔

یہ اظہار محبت تھا یا پھر عمر قید وہ جو اسے سنا رہا تھا۔ ابرش کی دل کی دھڑکنوں نے اب گھبراہٹ میں اپنی سپیڈ پکڑی تھی۔۔ وہ واقعی میں اس خانزادہ کی جنونیت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ ابھی وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی تو اس کا یہ حال تھا۔۔ جب وہ اس کی مکمل ہو جاتی تو وہ تو اس پر کسی مرد کی ایک

نظر بھی پڑنے نہ دیتا۔۔ بلکہ وہ اسے اپنے خاندان کی عورتوں کی طرح سر سے پیر تک پردہ کرواتا۔۔

آپ کو بیوی نہیں ایک پپٹ چاہیے۔۔۔ جو آپ کے اشاروں پر ناچ سکے۔۔۔ مجھ جیسی عورت واقعی میں ایک خان کی عورت نہیں بن سکتی۔۔۔ آپ اپنے جیسی ہی عورت سے شادی کر لیں۔۔۔ جسے آپ برقع پہنا کر سر سے پاؤں تک پردہ کروا سکیں۔۔ کیونکہ میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں۔۔۔ میں آفس میں کام بھی کروں گی۔۔ اور اس حلیے میں باہر بھی جاؤں گی۔۔ آپ اپنی برداری کی کسی عورت سے نکاح کر لیں۔۔ مجھ جیسی لڑکی آپ کو ڈیزرو نہیں کرتی۔۔ ابرش نے زاران کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔۔

زاران اس سے دور ہوتا اسے سرخ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اپنے آپ کو جھکاتے اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ چکا تھا۔۔ اور وہ اسے دھتکار رہی تھی۔۔ زاران کے طیش والم میں اضافہ ہوا۔۔

نکاح تو تم سے ہی کروں گا۔۔ اور تمھیں برقع بھی پہناؤں گا۔۔۔ نہ تم آئندہ مردوں کے درمیان کام کرو گی۔۔ نہ مجھے اس خچر کے آس پاس نظر آؤ۔۔۔ سمجھی تم۔۔ ابرش کی باتوں پر زاران کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔ اس لیے اب وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے غصے سے دھاڑا۔

ابرش اس کی دھاڑ اور دھونس پر اپنی آنکھیں بڑے کیے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اس کے قریب اس پر جھکا اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے چلا رہا تھا۔۔

زعیم میرا تایا کا بیٹا ہے۔۔ جیسے آپ میرے کزن ہیں۔ ویسے وہ بھی میرا کزن ہے۔۔ آپ کا کوئی حق نہیں ہے مجھ پر اور نہ کبھی ہو گا۔۔ ابرش نے زاران خانزادہ کو دیکھتے بمشکل ہی کہا۔ وہ اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔۔ یہاں تک کہ اس کے بدن سے اٹھتی مہک اس اپنی سانسوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ وہ اس کی اتنی قربت سے گھبرا رہی تھی۔۔

وہ کزن ہے تمھارا محرم نہیں ہے۔ مگر میں عنقریب تمھارا محرم بنوں گا۔۔ یہ حق کی بات تب کرنا مجھ سے۔۔ تب میں تمھیں اچھی طرح حق کا مطلب سمجھاؤں گا۔۔ زاران اس پر پہلے سے زیادہ جھکتے اس کی ٹھوڑی پر اپنے لب رکھ گیا۔۔

ابرش کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔۔زاران کی یہ حرکت اسے مزید سلگا چکی تھی۔

یوں دھونس جما کر نکاح کریں گے مجھ سے۔۔میں آپ کے قبیلے کی مجبور بے بس لاچار عورت نہیں ہوں۔۔جو یوں آپ کی دھمکیوں میں آ کر آپ سے نکاح کر لے۔۔میں زعیم سے ملوں گی بھی اور اس کے آفس میں کام بھی کروں گی۔۔اس سے بدتر حلیے میں باہر بھی نکلوں گی۔۔۔دیکھتی ہوں کیا کر لیتے ہیں آپ۔۔ابرش نے غصے سے بولتے ہوئے اسے دور دھکیلا تھا اور دروازہ کھولتی چلی گئی۔۔

ابرش کے جانے کے بعد زاران نے اپنا کوٹ اتار کر کرسی پر اچھالا۔۔ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے گہرے سانس لیتے وہ خود پر قابو پانے لگا۔۔

دوسرے ہی لمحے اس نے ٹیبل سے موبائل اٹھائے سمیع اللہ کو کال ملائی تھی۔۔

داجی مجھے ابرش کل ہی اپنے نکاح میں چاہیے۔زاران بنا کسی تمحید کے بولا تھا۔۔

ارحام اپنے فلیٹ میں اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا کب سے ٹھنڈی برفیلی ہواؤں کو اپنے اندر اترتا محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ شرٹ لیس بے حس سا سگریٹ پی رہا تھا۔

رات کی سیاہی میں سردی کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز تھا۔۔۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ حویلی نہیں گیا تھا۔۔ کرتا بھی کیا جا کر ادھر نہ اس کی بیٹی تھی اور نہ ہی اس کی محبت۔۔۔ جو لوگ وہاں تھے وہ بھی تو اس کے نہ رہے تھے۔۔ ان کی آنکھوں میں اس کے لیے اعتبار نہ رہا تھا۔۔ داجی اور گاؤں کے معززین نے اب جرگے کے فیصلوں کی ذمہ داری زاران خانزادہ کو سونپ دی تھی۔۔ حویلی نہ جانے کا مقصد وہ وجود بھی تھا جس سے وہ بے پناہ نفرت کرتا تھا۔۔ اتنی نفرت کرنے کے باوجود وہ اس پر مزید ظلم نہیں ڈھانا چاہتا تھا۔۔ وہ اس کی عزت تھی۔ اس کے نکاح میں اس کے گھر اس کے کمرے میں اس کی بیوی کے حیثیت کے طور پر۔۔۔۔

وہ جانتا تھا جب جب وہ اس کے حسین مکرو چہرے کو دیکھے گا تو اپنے اندر دہکتا لاوا اس پر ہی انڈیلے گا اور وہ اب ایسا نہیں چاہتا تھا۔۔۔

اس دن وہ حویلی سے سیدھا پریزے سے ملنے گیا تھا۔۔ مگر پری گل کے بھائی دلنواز خان اور اس کے آدمیوں نے اسے دیکھتے ہی اس پر بندوقیں تان لی تھیں۔۔ وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ اگر وہ بھی جوابًا دلنواز کا قدم اٹھاتا تو یقینًا اس کا بوجھ پریذے کو ہی بھگتنا پڑتا۔۔۔۔

وہ اپنی پریذے کے لیے مشکلات نہیں کھڑا کرنا چاہتا تھا۔۔ نہ ہی وہ خون خرابہ چاہتا تھا۔۔۔۔ معاملات مزید خراب ہو جاتے تو ایسے میں وہ پریذے سے ساری عمر کے لیے ہاتھ دھو سکتا تھا۔۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے ؟؟۔۔ پریذے برکت خان کی حویلی میں نہیں تھی۔۔ وہ کہاں تھی وہ ابھی تک یہ پتہ نہیں لگا سکا تھا۔۔ اسے ایک مرتبہ پریذے کا پتہ چل جاتا تو وہ پریذے کو پھر اپنے طریقے سے اپنے پاس

لے آتا۔۔ مگر دلنواز خان اور شاہ نواز نے اسے زیر کرنے کے لیے راتوں رات پریذے کو کہیں دور بھیج دیا تھا۔۔

ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی۔۔ موبائل فون کی وائبریشن پر اس نے اپنی ٹراوزر کی پاکٹ سے فون نکال کر نمبر دیکھا تو اس کے ماتھے کے بل گہرے ہوے تھے۔۔ سگریٹ تلا دبا نچلا لب بھینچا تھا۔

بولو کیوں فون کیا مجھے۔؟؟۔ ارحام نے سگریٹ منہ سے نکالتے اسے اپنے جوتے کے نیچے مسلا۔۔

واہ خان۔۔۔۔ تم مرد لوگ کی محبت صرف بستر کی حد تک محدود ہوتی ہے۔۔ جب تک عورت تم مرد لوگ کا بستر گرم رکھتی ہے تم مرد لوگ کو اس پر بہت پیار آتا ہے۔۔۔ جب دوسری عورت تم مرد کا ضرورت پوری

کرنے آجاتا ہے تم پہلی کو بھول جاتا ہے۔۔ سپیکر پر پری گل کی استھزائیہ آواز گونجی تھی۔۔

گل جو بھی کہنا ہے صاف لفظوں میں کہو۔۔ بھولو مت تمھارے ساتھ میرا ایسا کوئی تعلق نہیں رہا جو تم مجھ سے ایسی باتیں کرو۔۔۔ ارحام نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔۔

سپیکر پر پری گل کی استھزائیہ ہنسی گونجی تھی۔۔

خان جب تعلق تھا وہ کون سا تم نے نبھایا۔۔ بہت محبت کا دم بھرتا تھا تم ہم سے۔۔ گل تم ہمارا محبت ہے۔۔ تم ہماری بچی کا ماں ہے۔۔ ہم تم سے بہت پیار کرتا ہے۔۔ یہی کہتا تھا نہ تم ہم سے۔۔۔۔ پری گل کی نم آواز سپیکر پر محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے فون پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔۔۔

کیا ہوا تمھارا وعدوں کا؟؟ تمھارا محبت کا؟؟۔۔ ہم کو نہیں معلوم تھا خان۔۔۔ ایک کم عمر عورت کی خوبصورتی کے آگے تم اپنا محبت اپنا وعدوں کو بھول جائے گا۔۔ پری گل استھزائیہ انداز میں چیخی تھی۔

مجھے بھی نہیں پتہ گل ایک عورت کی خوبصورتی مجھ پر تمھارا اعتبار ختم کر دے گی۔

میں تو محبت کا دعوی کرتا تھا۔۔ مگر تم نے بھی تو مجھ سے محبت کی تھی۔ کیا ہوا اس محبت کا؟؟۔۔۔ جب نبھانے کی بھاری آئی تم نے پورے گاؤں کے سامنے اپنی ہی محبت کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔۔ ارحام نے کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی۔

ہم نے نہیں تمھارا حرام خوری۔۔۔۔ تمھارا ذناکاری نے تمھیں سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔ پری گل پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

آواز نیچے رکھو گل۔۔۔اب میرا تمھارے ساتھ ایسا کوئی رشتہ نہیں جو میں تمھاری اونچی آواز اور یہ لب ولہجہ برداشت کروں۔۔ارحام اونچی آواز میں غرایا۔۔۔

ٹھیک کہہ رہا ہے تم خان۔۔کوئی رشتہ نہیں ہے ہمارا تمھارے ساتھ ۔۔۔مگر ایک بات کا جواب دو تم ہم کو۔۔یہ جو تم اعتبار کی بات کرتا ہے تم ہماری جگہ پہ ہوتا کیا کرتا۔۔۔ہم ایک مرد کو تمھارے سامنے لا کھڑا کرتا اور وہ مرد کہتا ہم اس کے رات گزار چکا ہے تو تم کیا کرتا۔۔جواب دو خان۔۔۔تم کیا کرتا۔۔پری گل اس بار بھی چیخی تھی۔

میں اس آدمی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔۔مگر تم پر اعتبار کرتا۔۔۔تمھارا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے جاتا تم پر شائد ہاتھ بھی اٹھالیتا۔مگر تمھیں یوں

سارے گاؤں کے سامنے ذلیل نہ کرتا۔۔ ارحام نے درشت لہجے میں گل کو جواب دیا۔۔

یہ سب کہنے کا باتیں ہیں۔ جس پر جو گزرتی ہے یہ وہی جانتا ہے۔۔ تمھارا دیا ہوا بے وفائی کا زخم بہت گہرا تھا۔۔ اس سے بھی زیادہ گہرا زخم تم نے ہم کو طلاق کی صورت میں دیا ہے۔۔ پری گل کرب سے بولی

ہم تمھارا محبت پر بہت اکڑتا تھا۔۔۔ بہت زعم تھا تمھارا محبت پر کہ تم حویلی کے تو کیا گاؤں کے کسی بھی مرد جیسا نہ تھا۔۔ اس لیے ہم حویلی میں ہر کسی کو ایک بات کے جواب میں ہزار جواب دیتا تھا۔ تمھارا مورے سے بھی زبان درازی کرتا۔۔ صرف تمھارا محبت کے سر پر۔۔۔۔

فرشتے کو ہم نے کبھی شاہ نواز کے ساتھ خوش نہیں رہنے دیا۔۔ کیونکہ ہم فرشتے پر بھی اپنا رعب رکھنا چاہتا تھا۔۔ ہم یہ بھی جانتا تھا کہ تم کو یہ سب پتہ

ہے۔۔۔ لیکن تم پھر بھی ہم کو کچھ نہیں کہتا تھا۔۔ جانتا تھا تم پریذے کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے۔۔ پریذے تمھارا کمزوری اور ہم تمھارا محبت تمھارا سب کچھ ہے۔۔۔۔ تم کسی تیسرے کی خاطر ہم کو کبھی دکھ نہیں دے گا۔۔ اس سے اچھا تھا تم ہم پر حویلی کے باقی مردوں کی طرح سختی کرتا۔۔ تاکہ ہم اپنی اوقات نہ بھولتا۔۔۔۔ تم نے اچھا نہیں کیا خان ہمارے ساتھ۔۔۔۔ ہم کبھی نہیں بھولے گا جو تم نے ہمارے ساتھ۔۔ کیوں کیا خان؟؟ کیوں کیا تم نے یہ ظلم ہمارے ساتھ؟؟ پری گل روتے ہوے چیخی تھی۔

گل یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا۔۔ بلکہ تمھاری خود غرضی اور تمھارے منافق پن نے کیا ہے۔۔ میری محبت پر اکڑنے کے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔۔ اس کا یہ مطلب نہیں تم میری معصوم بہن کے ساتھ یہ

سب کچھ کرتی۔۔ میں جانتا تھا فرشتے کے ساتھ ہونے والے سلوک میں کہیں نہ کہیں تمھارا ہاتھ بھی ہے۔ مگر یقین نہیں تھا۔۔ میرا دل کہتا تھا گل میری اتنی محبتوں کا احسان ایسے نہیں چکائے گی۔ میں سب کچھ تمھاری محبت میں نہیں برداشت کرتا تھا۔۔ بلکہ پریذے کی وجہ سے برداشت کرتا تھا۔ میری کمزوری پریذے ہے۔۔ تم کبھی میری کمزوری نہیں رہی۔۔ تم نے میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔۔ اس دن مردان خانہ میں تم فرشتے کو بلوا کر میری آنکھیں جھکانا چاہتی تھی۔ مجھے کمزور کرنا چاہتی تھی۔۔ تم چاہتی تھی شاہ نواز حور سے شادی کر لے۔۔۔ تم چاہتی تھی شاہ نواز تو فرشتے کو طلاق دے دے۔۔ مگر تمھیں طلاق نہ ہو۔۔۔۔۔ جو کچھ ہوا ہے وہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔۔ اس بات کا ذمہ دار مجھے مت ٹھہراؤ۔۔ ارحام پری گل کی باتوں پر بھڑکتے ہوئے بولا۔۔۔۔

آج جو کچھ ہوا اس میں پری گل کا ہی ہاتھ تھا۔۔ مگر وہ اسے ہی ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔۔ اگر وہ اس دن یہ تماشہ نہ کرتی آج بات اس حد تک نہ پہنچتی ۔۔ مگر اس نے جان بوجھ کر اسے ذلیل کروایا تاکہ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے آگے زیر ہو جائے۔۔ ارحام نے غصے سے اپنی مٹھی دبوچتے ہوے فون بند کرنا چاہا مگر پری گل کی سرد آواز پر وہ رکا تھا۔۔

خان۔۔۔ آج جو کچھ تمھارے ساتھ ہو چکا ہے اور آگے جو کچھ تمھارا ساتھ ہو گا۔۔ دیکھتی ہوں خان اس سب کا الزام تم کس پر لگاتا ہے۔۔

کیا مطلب؟؟۔۔۔ ارحام پری گل کے لہجے میں کچھ عجیب سا محسوس کرتے چونکا تھا۔

مطلب یہ خان۔۔۔ہم نے آج تمھارا چار ماہ کا بچہ اپنے پیٹ میں مار دیا ہے۔۔۔ تمھارا بیوفائی کی سزا تمھارا بچے کو دے دیا۔۔پری گل کی برف سی آواز پر ارحام خانزادہ کے قدم لڑکھڑائے تھے۔

کیا کہہ رہی ہو گل؟؟ارحام کو اپنی آواز گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔۔

ہاں خان ہم تمھیں یہ بات بتانا چاہتا تھا۔۔مگر تم نے تو مجھے شہر سے واپسی پر اتنا اچھا تحفہ دیا کہ میں بتا ہی نہ سکی۔۔گل کی سپیکر پر زہریلی آواز گونجی۔

تم ایسا نہیں کر سکتی گل۔۔۔میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔۔ارحام حلق کے بل چیخا تھا۔۔

میں نے ایسا کر دیا ہے خان۔۔یقین نہیں آتا تو ہسپتال آ کر دیکھ لو۔۔۔۔ تمھارا بچہ ہم نے مار دیا ہے۔۔جو بیوفائی تم نے ہمارا ساتھ کیا۔۔اس کا تم سے بدلہ لے لیا ہے۔۔اس کا قصوروار ہے صرف تم۔۔۔

ہم اب دوسرا شادی کرے گا۔۔۔ تمھارا عدت سے بھی آج ہم نکل گیا ہے۔اب تم ساری زندگی پریذے کو بھی ملنے کو ترسو گے۔۔پریذے کہاں ہے یہ تمھیں اب ساری عمر پتہ نہیں چل سکے گا۔۔اگر تم نے ہم کو ڈرایا یا پھر ہمارا بھائیوں کو تنگ کیا۔۔ہم پریذے کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے گا جو تمھارا اس بچے کے ساتھ کیا۔۔پری گل نے نفرت امیز لہجے میں دھمکی دی۔

گل تم ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔۔ تم اتنی بے رحم ماں نہیں ہو سکتی۔۔ارحام بے بسی کے احساس سے چیخ پڑا تھا۔

خان تم نہیں جانتا جب ایک عورت بدلہ لینے اور بیوفائی پر اتر آئے تو اس سے بڑا بیوفا اور سنگدل کوئی نہیں ہو سکتا۔۔ تمھارا بیوفائی نے ہمیں سنگدل بنا دیا ہے۔۔ماں رہنے ہی کب دیا ہے۔۔

اب تم رہو اس حسین مورت کے ساتھ۔۔۔۔۔پری گل فون بند کر چکی تھی۔۔۔ارحام فون پوری قوت پر زمین پر مارتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیخا تھا۔۔۔گل نے اس کے بچے کو مار دیا۔۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔ارحام نے غیض و اشتعال میں اپنے فلیٹ کا نقشہ بگاڑ دیا تھا۔۔وہ کافی دیر تک اپنا غصہ بے جان چیزوں پر اتارتا رہا۔۔مگر غصہ اشتعال نہ کم ہونا تھا نہ ہوا تھا۔۔غم اتنا بڑا تھا اس کا سینہ درد سے پھٹ رہا تھا۔۔۔

وہ اپنی شرٹ پہنتے گاڑی کی چابیاں اٹھائے باہر آیا۔۔اب اس کی گاڑی کا رخ حویلی کی طرف تھا۔۔

ارحام پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔وہ جلد از جلد حویلی پہنچنا چاہتا تھا۔۔سینے میں اٹھتے طوفانوں پر مشکل سے ہی قابو پائے ہوے تھا۔۔گل نے اس کے بچے کو مار دیا۔۔کیا قصور تھا جو اس کے بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے مار دیا۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ گل کو اس بے رحمی کی سفاکی پر مبنی سزا دے۔۔اپنی پسٹل کی تمام گولیاں وہ پری گل کے سینے میں اتارنا چاہتا تھا۔۔۔اسے آج احساس ہوا تھا وہ اس کی محبت کے قابل نہیں تھی۔۔اس نے اسے سزا دینی تو دیتی وہ اس کے سینے میں گولیاں اتار دیتی تو شائد وہ اف بھی نہ کرتا۔۔جو بھی تھا حور پر یقین کر کے اس کو گھر لانے کا ذمہ دار تو وہی ٹھہرا تھا۔ مگر اتنی بڑی سزا کا وہ حقدار نہیں تھا کہ اس کے بچے

کو ہی مار دیا جائے۔۔ گل کو وہ معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ لیکن پہلے اپنی پریذے کو اپنے پاس لانا تھا۔

گل۔۔۔۔ پریذے کو جلد میں اپنے پاس لے آؤں گا۔۔ اس کے بعد تمھیں اپنی سفاکی کا حساب دینا پڑے گا۔۔ ارحام خانزادہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے چلایا تھا۔۔۔

حویلی کے قریب پہنچتے ہوے کتنی ہی بار اس کا دل کیا تھا۔ وہ اپنی گاڑی واپس موڑ لے۔ جتنا غصہ اضطراب اس کے پورے وجود کو ایک دہکتے ہوے تندور کی مانند دہکائے ہوے تھا۔۔ آج اس دہکتی بھٹی میں اس نازک وجود نے جھلس جانا تھا۔۔ اس وجود سے جتنی بھی نفرت سہی مگر اس کا ضمیر اس پر ظلم کرنے کی آجازت نہیں دے رہا تھا۔ اس کا غم بہت بڑا تھا۔ اس غم کی بھرپائی تو اسی وجود سے کرنی تھی۔۔ حور کا بے پناہ حسین چہرہ اس کی نظروں

کے سامنے آیا تو ارحام خانزادہ نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔۔۔ گاڑی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی تو وہ سڑک کے ایک سائیڈ بنے گھنے درخت سے جا ٹکرائی تھی۔۔۔

ارحام نے غصے سے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کرتے ہوئے گاڑی کا رخ حویلی کی طرف کیا۔۔

وہ جب حویلی پہنچا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔۔ پوری حویلی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔ وہ تن فن کرتا دروازہ دھاڑ سے کھولتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ کمرے میں نیم اندھیرہ پھیلا ہوا تھا۔ بیڈ کے دونوں اطراف میں لیمپ کی مدھم روشنی آن تھی۔۔ چھت کے وسط میں ایک ایل ای ڈی لائٹ بھی آن تھی۔۔ جس کی روشنی بیڈ پر پڑ رہی تھی۔۔

وہ بیڈ پر کمبل سینے تک لپیٹے چت لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔۔ کمرے میں پھیلی نیلگوں روشنی میں اس کا دمکتا حسن مزید دمک رہا تھا۔۔ ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر خود پر قابو پاتے صوفے پر بیٹھ کر گہرے سانس لیتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ صوفے سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھا۔۔ نیم گرم پانی سے شاور لے کر وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرنے لگا۔۔ واش روم میں بنے شیشے کے کیبن کے ساتھ ماتھا ٹکائے وہ بہتے پانی کو اپنے بالوں اور پورے وجود پر پھسلتا محسوس کر رہا تھا۔۔۔

اس کا غصہ اضطراب کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ رہا تھا۔۔ وہ جب جب اپنے معصوم بچے کی موت کا سوچتا تو اس کا پوری دنیا کو آگ لگانے کو کرتا۔

حور جو بیڈ پر گہری نیند میں محو تھی۔۔اس کی آنکھ کمرے میں ہوے کھٹکے سے کھل چکی تھی۔۔۔دل کی دھڑکنوں نے خوف سے سپیڈ پکڑی تھی۔۔۔۔وہ پچھلے پندرہ دنوں سے اس ڈراونی رات کے سحر سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔جسے یاد کرتے اس کے بدن پر لرزا طاری ہو جاتا تھا۔وہ آنکھیں بند کیے کمبل سینے تک جکڑے یونہی پڑی رہی۔۔مگر بدن پر لرزا ایک بار پھر سے طاری ہو چکا تھا۔۔ارحام کے واش روم میں جانے کے بعد حور گہرے سانس لیتی اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔اتنی سردی کے موسم میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار تھے۔۔بیڈ کی سائیڈ سے اپنا دوپٹہ اٹھا کر اس نے اچھی طرح اوڑھتے واش روم کے بند دروازے کو ایک نظر دیکھا۔۔وہ اتنا ڈر گئی تھی کہ اس کی دھڑکنوں کی طرح اس کا وجود بھی ساکت ہوا تھا۔۔ایک پل کے لیے سوچا خود کو اس وحشی درندے سے

بچانے کے لیے اس کمرے سے راہ فرار حاصل کر لے۔ مگر دوسرے ہی پل خیال آیا وہ اس سے بھاگ کر جائے گی بھی تو کہاں جائے گی۔۔۔اس اونچی دیواروں والی حویلی کے بڑے بڑے کمروں میں کون اسے پناہ دے گا۔۔اسے اس کے ہی حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اب وہی تو اس کے جسم و جاں کا مالک تھا۔۔

اس کے بدن پر پڑے اس وحشی درندے کی بربریت کے نشان گھر کی عورتیں دیکھ کر بھی اپنی نظریں چرا گئی تھیں۔ کسی نے ایک لفظ اس سے نہیں کہا تھا۔۔وہ پورا ہفتہ بخار میں پھنکتی رہی۔۔ درخشاں اسے ایک ٹائم کا کھانا دے جاتی تھی۔۔۔باقی کسی نے اس کے کمرے میں جھانکا تک نہیں تھا۔

طبعیت سنبھلنے پر وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ مگر کوئی اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔۔ وہ سارا سارا دن اس کمرے میں بیٹھ کر گلاس ونڈو سے سرسبز پہاڑوں کو دیکھتی رہتی۔۔

اپنے گناہ کی وہ سزا ہر لمحہ ہر پل کاٹ رہی تھی۔۔ اس ظالم انسان کا ظلم یاد کر کے کتنی مرتبہ اس کا دل اس حویلی سے نکل جانے کو چاہا مگر ہمت نہیں پڑی تھی۔۔ اس کا ڈر ایسا دل میں سمایا تھا کہ اسے یاد کر کے وہ سانس لینا بھول جاتی تھی۔۔ وہ اس کے گھر اس کی جگہ سے کیسے بھاگ سکتی تھی۔

حور تکیے پر اوندھے منہ گرتی سسک کر بری طرح رو پڑی تھی۔۔ واش روم کے دروازے کے کھٹکے کی آواز سن کر وہ اپنی دبی دبی سسکیاں بھی روک چکی تھی۔

ارحام خانزادہ واش روم میں بنی الماری سے ٹراوزر پہن کر باہر آیا۔۔ شرٹ لیس میں اس کا چٹانی سینہ پوری طرح روشن تھا۔ جس کے ایبس تک نمایاں ہو رہے تھے۔۔۔۔

گھنے بالوں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔۔۔ گھنی بئیرڈ جس پر وہ ہاتھ پھیرتے صوفے کی طرف بڑھا۔۔ اس نے اب ایک بار بھی بیڈ کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔۔ جانتا تھا ایک بار اور اس حسین مکار لڑکی کا چہرہ دیکھ لیا تو آج وہ ہر حد سے گزر جائے گا۔۔ اس دن تو وہ شائد اس پر رحم کھاتے پیچھے ہٹ گیا تھا۔۔ مگر آج اس پر ذرا برابر رحم نہیں کھائے گا۔۔ اس دن تو صرف اپنی محبت اپنے ہنستے بستے گھر اجڑنے کا غم منایا تھا۔۔ آج تو اس کی دنیا ہی اجڑ چکی تھی۔۔

ارحام اپنا سگریٹ کیس اور لائٹر ڈریسنگ روم کے ڈرار سے لیتے صوفے کی جانب بڑھا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا تھا۔۔ سگریٹ کا دھواں اپنے اندر اتارتے اپنا غم غلط کرنے لگا جو اس کے سینے کو چیر رہا تھا۔۔۔

کمرے میں پھیلی سگریٹ کی سمیل محسوس کرتے حور کے پورے بدن پر لرزاطاری ہوا تھا۔۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

یہ سمیل وہ کیسے بھول سکتی تھی۔۔ اس دن گاڑی میں بھی تو ایسی ہی سگریٹ کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔۔

وہ تو اس ستم گر کے وجود سے اٹھتی مہک سے بھی بخوبی واقف ہو چکی تھی۔۔ ابھی تک وہ اپنے بدن سے اس کا لمس اور اپنے بدن سے اٹھتی اس کی مہک نہ مٹا سکی تھی۔۔ اب کمرے میں اس کی دبی دبی سسکیاں بکھر رہی تھیں۔ جو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر مسلسل دبانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔

کمرے میں دبی دبی سسکیوں کی آواز سن کر ارحام خانزادہ کی لہو چھلکاتی آنکھوں سے مزید لہو ٹپکا تھا۔۔

رات کی تنہائی میں گونجتی اس کی دبی دبی سسکیاں ارحام خانزادہ کے بھڑکتے اعصابوں کو مزید بھڑکا چکی تھیں۔ وہ جو خود کے ضبط اور برداشت پر کڑے پہرے بٹھائے ہوے تھا۔۔۔ یہ روح پرور سسکیاں سن کر اس کا ضبط کا دامن چھوٹا تھا۔۔۔ ظلم اس کے ساتھ ہوا تھا۔۔ سفاکی اور بے رحمی اس مکار لڑکی نے دکھائی تھی۔۔ مگر اس کی دبی دبی سسکیاں یہ ظاہر کر رہی

تھیں۔ جیسے ظلم اس پر ہوا ہو۔۔ ارحام ایک ہی جھٹکے سے صوفے سے اٹھتا اس کی طرف بڑھا اور اسے کلائی سے کھینچ کر اٹھایا تو حور سہمتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔۔

اب بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے دوپٹہ خود پر اچھی طرح لپیٹے خوفزدہ بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام ایک بار پھر سے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی بظاہر طور پر معصوم دکھتی تھی۔۔ اسی معصومیت سے تو وہ دغا کھا گیا تھا۔۔ ابھی بھی وہ جس طرح سہمی ہوئی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ کوئی بھی اس کے مکر و فریب سے دغا کھا کر اس پر رحم کھا لیتا۔

ارحام نے اسے کلائی سے کھینچ کر بیڈ سے اٹھایا تو وہ اس کے چوڑے سینے میں آسمائی تھی۔۔ پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔۔ جسے ارحام خانزادہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

ارحام نے اسے اپنے سینے سے الگ کرتے ہوئے دھکا دیا تو حور ڈریسنگ مرر سے جا ٹکرائی تھی۔۔ ڈریسنگ مرر کی ٹیبل کا کورنر اس کے ماتھے پر لگا تھا۔۔ حور درد سے چیخ اٹھی۔۔ ماتھے پر خون کے ننھے ننھے قطرے ابھرے تھے۔۔ حور ماتھے پر ہاتھ رکھے سسکتے ہوئے ارحام خانزادہ کو دیکھتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے بہتے آنسوؤں کے ساتھ دیوار کے ساتھ لگے کانپتے ہوئے ارحام کو دیکھے جا رہی تھی۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کے ماتھے سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا جہاں سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی..

چچ چچ۔۔۔ درد ہو رہا ہے تمھیں۔۔۔ ارحام نے بے رحمی سے مسکراتے ہوے اس کے ماتھے کو ہاتھ لگایا تو حور خوف کے عالم میں اس طرح دیوار میں سمائے تھی کہ جیسے دیوار کے پیچھے بھی کوئی جگہ ہو جس میں سماتے وہ خود کو اس سفاک ظالم سے بچا لے گی۔۔

دوپٹہ اس نے ابھی تک خود پر اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا۔۔

جسے دیکھتا ارحام کا فلک شگاف قہقہ گونجا تھا۔۔

کس سے خود کو چھپا رہی ہو؟؟ یہاں تمھارا فائدہ اٹھانے والا تمھارا بوائے فرینڈ نہیں ہے۔ جس نے اس رات تمھارا سودا کر دیا تھا۔۔۔ جن سے تم اپنی

عزت بچا کر بھاگ رہی تھی۔۔ شوہر ہوں تمھارا۔ تمھارے پورپور پر حق رکھتا ہوں۔۔ اب یہ پردہ داری کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ تمھارے حسن کا میں اچھی طرح نظارہ کر چکا ہوں۔ اب یہ شرم کیسی۔؟؟ ارحام اس کا دوپٹہ کھینچ کر زمین پر پھینک چکا تھا۔

اب وہ اس کے سامنے اسی دن والے ریڈ جوڑے میں بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔۔۔۔

ارحام اس کے خوبصورت بدن پر گہری نظریں جمائے اس کے قریب ہوا۔۔ بہت خوبصورت ہو تم یقین مانو میں نے آج تک اتنی خوبصورتی نہیں دیکھی۔۔ مجھے یقین ہے تم سے خوبصورت اس دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔۔ ارحام نے اس کی دودھیا گردن پر اپنے لب رکھے تو حور نے تڑپتے ہوے اپنی آنکھیں بند کیں۔ وہ اندر تک کانپ کر رہ گئی تھی۔۔ وہ تو اس کا

نرم لمس بھی سہنے کے بھی خود میں سکت نہ پاتی تھی۔۔جو آگ کی طرح دہکتا ہوا تھا۔۔

ایک بات اور بھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں تم سے زیادہ مکرو چہرہ بھی اس روئے زمین پر کسی کا نہیں ہو سکتا۔

ارحام نے اس کے زخمی لب پر اپنا انگوٹھا بے دردی سے رگڑا۔۔درد سے بھری سسکاری حور کے لبوں سے برامد ہوئی تھی۔

ارحام اس کے لبوں سے سسکاریاں سنتا پر سکون ہوا تھا۔۔

میں کب سے سگریٹ کا دھواں اپنے اندر اتارتا خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا میرا سکون تو تمھاری درد سے گونجتی

سسکاریوں میں ہے۔۔ ارحام بے رحمی سے بولتے اس کے زخمی لبوں پر جھک گیا۔۔

ارحام کی شدت پر حور کی آنکھوں سے گرم سیال مادہ جاری ہوا تھا۔۔

اس کا لمس جتنا دہکتا ہوا تھا اتنا ہی اس دن کی طرح وحشی بھی تھا۔۔ وہ بنا اس کے نچلے لب کے زخم کی پرواہ کیے اس کے نازک لبوں کو اپنی شدت کا نشانہ بنائے ہوے تھا۔۔ آج واقعی میں اس نے اس کی ایک ایک سانس چرائی تھی۔۔۔

حور میں مزاحمت کرنے کی نہ ہمت تھی اور نہ ہی طاقت۔۔ وہ بہت جلد ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے اس کی ہی مضبوط بانہوں میں جھول گئی۔۔

ارحام نے اس کے ساکت وجود کو نفرت سے دیکھتے بیڈ پر لٹایا اور اپنا سگریٹ کا کیس اور لائٹر ٹیبل سے اٹھاتے اپنے کمرے کی ٹیرس کی طرف بڑھ گیا۔

ارحام خانزادہ اپنی عادت کے مطابق پہاڑوں پر صبح سویرے ورزش اور جاکنگ کے لیے نکل گیا تھا۔۔ وہ اس وقت بلیک کلر کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔۔ جس پر اس نے بلیک ہی گرم شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔

اتنی سردی میں واک کرنے سے اس کی سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ وہ رات سے آیا ہوا تھا مگر کسی سے بھی نہیں ملا تھا۔ نہ ہی اس کا ملنے کا آرادہ تھا۔۔

وہ واک کر کے واپس آیا تو کسی سے بھی ملے بغیر اپنے

کمرے میں داخل ہونے لگا تو امینہ خانم کی پکار پر رکا تھا۔۔

جی مورے۔۔۔۔۔ ارحام نے ان کی طرف پلٹتے مودبانہ انداز میں کہا۔۔

تم رات سے حویلی آیا ہے۔۔ اپنی مورے سے ملنا گوارا بھی نہیں کیا۔۔ اب ہم بھی تمھارا لیے سب کی طرح غیر ہو گیا۔۔ ہم نے تو تم سے نہ سوال کیا اور نہ ہی تم پر کوئی بات اٹھایا تو ہم کو کس بات کی سزا دے رہا ہے۔۔ یا ہم تمھارا سگا ماں نہیں ہے اس لیے ہم سے یہ سلوک کر رہا ہے

امینہ خانم کی بات کرتے کرتے آواز بھیگی تھی۔۔

ارحام ان کی بھیگا لہجہ محسوس کرتے تڑپ کر ان کی طرف بڑھا۔۔

مورے ایسی بات نہیں ہے۔۔میں آپ سے ملنے آنے ہی والا تھا۔۔ارحام نے شرمندگی سے وضاحت دی۔۔

ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔گل سے تم کتنی محبت کرتا تھا۔مگر کبھی ہم سے ملے بغیر تم نے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔۔اب کیا تم اپنا نئی بیوی کے حسن کا شکار ہو گیا ہے جو ہم سب کو بھول گیا۔۔امینہ خانم کے شکوے پر ارحام خانزادہ نے انھیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔

مورے آپ بھی ایسی باتیں کر رہی ہیں۔۔وہ حسین چہرہ میرے لیے صرف گھن کھائے جانے کے قابل ہے۔۔وہ کبھی بھی میری بیوی کا درجہ نہیں پا سکتی۔۔ارحام بے پناہ نفرت لیے بولا۔۔

بیوی کا درجہ تو تم اسے دے چکا ہے۔۔ اور اس کا ثبوت گھر کا ملازماؤں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔۔۔ امینہ خانم ارحام کے سرخ چہرے پر نظریں جمائے بولیں تو امینہ خانم کی بات پر ارحام اپنی نظریں چرا گیا تھا۔۔

ارحام نظریں مت چراؤ۔۔۔ تم نے ایک مرد کی طرح مردانگی کا ثبوت دیتے ہوے اپنا حق لیا تھا۔۔ اب یہ شرم کیسا؟؟۔۔ اب جب تم اسے اپنی بیوی کا درجہ دے چکا ہے۔۔ تو یہ نفرت کیسا؟؟؟ امینہ خانم نے گہرا طنز کیا۔۔

مورے اس نے مجھے برباد کر دیا۔۔۔ میری پریذے کو مجھ سے چھین لیا۔۔۔ پورے گاؤں برداری کے سامنے مجھے ذلیل کر کے رکھ دیا۔ یہ وجہ کم ہے اس سے نفرت کرنے کے لیے۔۔ ارحام نے غصے سے امینہ خانم کی بات کاٹی تھی۔۔ جو اسے ہی مودرالزام ٹھہرا رہی تھی۔

جانتا ہے اس نے یہ سب کیا۔۔ تم پر جھوٹا الزام لگایا۔۔ ہمھیں اپنی تربیت پر پورا بھروسہ ہے۔۔ تم کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔۔ مگر تم یہ بھی ایک بات جان چکا ہے۔۔ وہ لڑکی بہت معصوم ہے۔۔۔ وہ کردار کا برا نہیں ہے۔۔ اس کا کوئی بہت بڑا مجبوری رہا ہو گا۔۔ اس نے یہ سب کیا۔۔ امینہ خانم نے رسانیت سے ارحام کے سرخ چہرے کو دیکھتے اسے سمجھانا چاہا۔۔ جہاں حور کے لیے غیض و غضب کے ساتھ شدید نفرت بھی تھی۔۔

اس کی کوئی بھی مجبوری رہی ہو مگر اس کا یہ اقدام کسی طور پر معافی کے لائق نہیں ہے۔۔ وہ صرف نفرت کے قابل ہے۔۔ ارحام نفرت سے بولتے پھنکار اٹھا تھا۔۔

اگر وہ نفرت کے قابل ہے تو اسے چھوڑ دو۔۔۔ مگر اپنی عزت کے ساتھ یہ سب کرتے تمھیں زیب نہیں دیتا۔۔ تم ایسا نہیں ہے۔۔۔ یہ تمھارا فطرت نہیں ہے۔۔

حویلی میں تمھارا چھوٹی بہنیں ہیں۔ یہ سب وہ دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔ حویلی میں بہت سی ملازمائیں ہیں۔۔ یہ بات اس حویلی سے نکلے گا بر داری تک جائے گا۔ تو سب کیا کہے گا کہ ارحام خانزادہ اتنا بزدل ہے اپنی بربادی کا حساب کسی عورت سے لے رہا ہے۔۔ تو تمھارا دادا جی کا نام اور خراب ہو گا۔۔ تم اگر اس سے اتنی ہی نفرت کرتا ہے تو اسے چھوڑ دو۔ ہم تمھارا ایسی لڑکی سے شادی کروائے گا جو تمھارے لائق ہو۔ اس گل اور حور جیسا نہ ہو۔۔۔ امینہ خانم نے رسانیت اور نرمی سے کہا۔۔

مورے۔۔۔ ہر بار عورت ہی مظلوم نہیں ہوتی۔۔ اس کے ساتھ زیادتی میں ایک مرد کا ہاتھ نہیں ہوتا۔۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ آپ سب کو نظر آ گیا۔ مگر جو اس نے میرے ساتھ کیا وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔۔ کیونکہ آپ سب کو میں ایک مضبوط مرد لگتا ہوں۔۔ جس پر کچھ اثر ہی نہیں کرتا۔۔ مگر اس مضبوط مرد کے سینے میں ایک دل بھی ہے۔۔ جسے اس کی زندگی میں آئی ہوئی دو عورتوں نے پتھر بنا دیا۔

گل میری محبت تھی۔ میری بیٹی کی ماں تھی۔۔ اسے چھوڑنا میرے لیے آسان نہ تھا۔۔ مگر اس لڑکی کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا۔۔۔ اب حور کو مرتے دم تک اس کا مداوہ کرنا ہے۔۔ وہ جھوٹ بول کر مجھ سے نکاح کرنا چاہتی تھی۔۔ اب اسے مرتے دم تک میرے نکاح میں رہنا پڑے گا۔ حور اب ارحام خانزادہ کی نفرت ہے۔ اب مرتے دم تک اسے اس نفرت

میں جلنا پڑے گا۔۔ مجھے اب کسی بھی عورت پر اعتبار نہیں رہا۔۔ عورت صرف ڈسنا جانتی ہے۔۔ مختلف چہرے مختلف رنگ ہیں ہر عورت کے۔ مگر تکلیف وہ صرف ادھر ہی پہنچاتی ہے۔۔۔ ارحام نے اپنے سینے پر زور سے دو تین بار مکہ مارا تھا۔۔

ارحام ہم تمھارا تکلیف سمجھتا ہے۔۔ ہم بھی پریذے کے لیے تڑپ رہا ہے۔۔ بلکہ دن رات روتا ہے پریذے کے لیے۔۔ ہمیں بھی اس لڑکی سے نفرت محسوس ہوتا ہے۔۔۔۔ جس نے کچھ ہی لمحوں میں ہمارا ہنستا کھیلتا گھر برباد کر دیا۔۔ سارا برداری ہم پر تھو تھو کرتا ہے۔۔

مگر ہم تمھارا مورے ہے۔۔ ہم چاہتا ہے تم اس نفرت میں نہ جلے۔۔ تمھارا حالت دیکھ کر ہمیں تکلیف پہنچتا ہے۔۔ تم ہمیں زاران اور شہرام سے کہیں

زیادہ عزیز ہے۔۔ امینہ خانم دوپٹہ منہ پر رکھے رونا شروع ہو چکی تھیں۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے ان کی طرف بڑھتے انھیں اپنے بازو کے حلقے میں لیا تھا۔۔ اور انھیں لیے وہ زنان خانہ کے لاونج کی طرف بڑھا اور انھیں صوفے پر بٹھایا۔۔

مورے میں جانتا ہوں۔۔۔ آپ مجھے بہت پیار کرتی ہیں۔۔ زاران اور شہرام سے کہیں زیادہ۔۔۔ میں بھی آپ سے بہت پیار کرتا ہوں۔۔ ارحام امینہ خانم کے آنسو صاف کرتے بولا۔۔

جب تم کو معلوم ہے تو پھر ہمارا ساتھ یہ سوتیلوں والا سلوک کیوں کیا؟؟۔ عابیر کا کتنا طبعیت خراب تھا۔۔۔ تم اس سے ایک دفعہ بھی نہیں ملا۔۔ وہ روز تمھارا پوچھتا ہے۔۔ نہ تم اپنا بہن فرشتے کو پوچھتا ہے۔۔ ہم سب

تمھارا ہے۔۔ وہ گل نہیں ہے تو تم ہم سب کو بھی بھول گیا۔۔ تم ہم سب سے کیوں کٹ گیا ہے۔۔۔ امینہ خانم نے نم لہجے میں شکوہ کیا۔۔ وہ ارحام خانزادہ سے اپنے سگے بیٹوں زاران اور شہرام سے کہیں زیادہ محبت کرتی تھیں۔ وہ بھی ایسا ہی تھا انھیں بہت مان بہت عزت دیتا تھا۔۔ نہ صرف امینہ خانم سے بہت محبت کرتا تھا۔ بلکہ زاران اور شہرام سے بھی بہت محبت کرتا تھا۔۔ زاران اور شہرام بھی اسے بڑے بھائیوں کی ہی طرح عزت دیتے تھے۔ ارحام امینہ خانم کو روتے دیکھ کر بہت شرمندہ ہو گیا تھا۔۔ وہ اپنی تکلیف میں ان کی تکلیف نظر انداز کر گیا تھا۔۔

مورے میں وعدہ کرتا ہوں۔۔ آئیندہ ایسا نہیں ہو گا۔۔ مگر آپ بھی وعدہ کریں آپ آئیندہ ایسے آنسو نہیں بہائیں گی۔۔ ارحام نے ان کے ہاتھ اب نرمی سے تھامے تھے۔۔

ارحام تمھارا کہنے پر ہم نے اس لڑکی سے عابیر بہارے کسی کو بھی نہیں ملنے دیا۔۔وہ سارا وقت تمھارا کمرے میں ہی رہتا ہے۔۔ مگر کل وہ لڑکی درخشاں کے آگے رو رہا تھا کہ اس نے ادھر نہیں رہنا۔۔وہ اسے اس حویلی سے نکال دے۔۔ تم جانتا ہے درخشاں ادھر کا بہت وفادار ملازم ہے۔۔اس نے ہم کو یہ سب کچھ بتا دیا۔۔

ہم کو ڈر لگتا ہے۔۔ کہیں وہ لڑکی موقع ملتے بھاگ نہ جائے۔۔اگر ایسا ہوا تو پورا گاؤں اور برادری کے سامنے ہمارا عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔۔امینہ خانم کی بات پر ارحام خانزادہ کی رگوں میں دوڑتے خون میں اتش فشاں مادہ پھٹا تھا۔۔۔اشتعال کے مارے اس کی ماتھے کی نیلی وینز ظاہر ہوئی تھیں۔ارحام نے بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔. وہ بہت مشکل سے خود پر ظبط کیے امینہ خانم کی باتیں سن رہا تھا۔۔

وہ لڑکی ادھر کا نہیں لگتا۔۔اس کا بولنے کے انداز سے لگتا ہے وہ شہر کا ہے۔۔وہ سب کچھ اپنے بارے میں جھوٹ بولتا ہے۔۔اس کا معصوم چہرہ اس کا جھوٹ کا ساتھ نہیں دیتا۔۔اندھا بھی پہچان جائے کہ وہ سب جھوٹ کہتا ہے۔۔

درخشاں بتا رہا تھا کہ وہ بہت پڑھا لکھا ہے۔۔وہ کتنا ہی لفظ انگریزی کا بھی بولتا ہے۔۔پتہ نہیں اس نے ایسا کیوں کیا؟؟۔۔مگر اب وہ اس سب کے لیے پچھتا رہا ہے۔۔وہ تم سے بہت ڈر گیا ہے.. تمھارا نام سنتے ہی وہ بچی کا رنگ مردے کی طرح سفید پڑ جاتا ہے۔۔ہم چاہتا ہے تم اس کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھو۔۔جو کچھ ہوا اس کو بھول جاؤ۔۔

کل زاران اور ابرش کا نکاح ہے۔۔ بہت سے مہمان ہوں گے۔۔ اس کو سب سے ملنا ہو گا۔۔۔ برادری کو پتہ نہ چلے تم نے اس کے ساتھ جو کیا۔۔ سب کو یہی لگنا چاہیے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش ہے۔۔

اس لیے اسے نرمی سے سمجھاؤ۔۔ اسے بتاؤ یہاں کیسے رہتے ہیں؟؟ اور اس کا حلیہ بھی ٹھیک کرو۔۔۔ ہم نہیں چاہتا کسی کی بھی نظر اس کے بدن کے زخموں پر پڑے۔۔۔ امینہ خانم نے ارحام سے سیدھے لفظوں میں دوٹوک بات کی تھی۔ اپنی بات مکمل کرتے وہ ارحام کے اشتعال زدہ چہرے پر نظر ڈالتے گہرا سانس بھرتے وہاں سے جا چکی تھیں۔۔

حور کی آنکھ کھلی تو خوف کے عالم میں پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں تو وہ ستم گر کہیں نظر نہیں آیا تھا۔۔وہ کتنی دیر تک ایسے ہی لیٹی رہی۔۔پھر ہمت کر کے اٹھ کر بیٹھی تھی۔پورے کمرے کو ایک بار پھر سے سہمتے ہوے دیکھا جہاں اس ظالم کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔۔

کیا وہ چلا گیا ہے ؟؟حور نے اپنے دکھتے سر کو دباتے ہوے سوچا۔۔

درخشاں تو یہی بتا رہی تھی۔۔اسلام آباد میں اس کا فلیٹ ہے۔۔تو کیا وہ سچ میں چلا گیا؟؟۔۔حور نے کمرے میں لگی وال کلاک کو دیکھا تھا۔۔جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔کھڑکیوں سے باہر نظر آتے منظر کو دھند نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔۔ہاں وہ چلا گیا ہو گا۔۔ورنہ اتنی صبح کہاں جا سکتا ہے ؟؟۔۔۔حور نے گہری سانس بھرتے ہوے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں تھیں۔اپنے زخمی لب کو انگلیوں سے چھو کر

دیکھا۔۔ جہاں زخم پھر سے ہرا ہو گیا تھا۔ حور نے درد سے سسکی لی تھی۔۔ اس نے تو یہ سب صرف تحفظ کے لیے یہ سب کیا تھا.. تحفظ ملا تھا مگر صرف سائبان کی حد تک۔۔

حور اپنے ناتواں وجود کو گھسیٹتے ہوئے بیڈ سے اٹھتی

ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔۔ الماری سے اپنا ڈریس نکالا تھا۔۔ اس کے پاس صرف دو ہی ڈریس تھے۔۔ ایک وہ جو وہ پہن کر حویلی آئی تھی۔۔ دوسرا اس کے نکاح کا جوڑا جو اس نے اس وقت زیب تن کر رکھا تھا۔ ڈریسنگ روم کی کبرڈ پری گل کے زرق برق ملبوسات سے بھری پڑی تھی۔ اس کا سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔۔ اس نے اس کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی کسی کی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔۔ بلکہ کسی دوسرے کی چیز کی طرف نگاہ بھی ڈالنا وہ اپنی

توہین سمجھتی تھی۔۔ کسی کی اترن پہننے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔ مگر آج زندگی نے اسے کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔۔ وہ کسی کے گھر کسی کے کمرے میں کسی کی جگہ پر کھڑی تھی۔

اسے معلوم ہوتا ارحام خانزادہ پری گل کا شوہر ہے۔۔ وہ اپنی جان گنوا دیتی مگر کبھی یہ سب نہ کرتی۔۔۔ وہ پری گل کا لباس میک اپ اس کی جیولری اس کی پرائیوٹ چیزیں دیکھ کر الماری سے ٹیک لگائے سسک پڑی۔

۔احساس جرم اسے اندر سے مار رہا تھا۔۔ وہ کسی کے گھر کے اجڑنے کا سبب بن گئی تھی۔۔۔ ایک بچی کو اس کے ماں باپ سے جدا کر دیا۔۔ یہ احساس یہ جرم اسے پل پل اندر سے مار رہا تھا۔ اس کا تو اب زندہ رہنے کو بھی دل نہیں کرتا تھا۔۔

وہ اپنا لباس لیے واش روم چلی گئی۔۔ اچھی طرح شاور لے کر باہر آئی۔۔

ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی وہ اپنے گیلے بال سلجھا رہی تھی۔۔ دروازہ دھاڑ سے کھلا تو اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے حور نے دروازے کی طرف نگاہ کی جہاں سے ارحام خانزادہ اندر داخل ہوا تھا۔۔ اس کی سرخ سرد نظروں سے خائف ہوتے کانپتی ہوئی دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ غصے اشتعال سے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھا اور اسے کلائی سے جکڑے اس کے گال پر زوردار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔

بھاری تھپڑ سے نہ صرف اس کا گال بلکہ کمرے کے در و دیوار بھی جھنجھنا اٹھے تھے۔ اسے کمرے کے در و دیوار گھومتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔۔ وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔ وہ بند ہوتی آنکھوں سے سر میں اٹھتے درد کو برداشت کر رہی تھی کہ ارحام خانزادہ نے اسی لمحے اسے کلائی سے جکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔۔

اس حویلی سے بھاگنا چاہتی ہو تم۔۔۔۔ درخشاں سے تم یہاں سے بھاگنے کے لیے مدد مانگ رہی تھی تم ہاں۔۔۔ ارحام حلق کے بل چیخا۔۔ حور گال پر ہاتھ رکھے اس کے سامنے لرزتے کانپتے کھڑی تھی۔۔

مم میں تو وہ پپ پلیز۔۔۔۔ حور ڈر کے مارے اب زار و قطار رونا شروع ہو گئی تھی۔ آنکھوں سے نکلتے آنسو اس کے رخ پر بہے تو شدید جلن ہونا شروع ہو

چکی تھی۔۔ جہاں اس ستم گر نے بہت بے رحمی سے اپنا بھاری ہاتھ اٹھایا تھا۔۔

کیا ہوا؟؟؟ ہو گیا شوق پورا میری بیوی بننے کا۔۔۔۔۔۔ صرف چند گھنٹے میری قربت میں گزارے ہیں تم نے۔۔ اور تمھارا یہ حال ہو گیا۔۔ اب یہاں سے جانا چاہتی ہو۔۔۔ گل نے پانچ سال میرے ساتھ گزارے ہیں۔۔ اس بیڈ پر اس نے کتنی مرتبہ اپنا بیوی ہونے کا حق ادا کیا ہے۔۔ تم چند گھنٹے برداشت نہ کر سکی۔۔۔ گل کی جگہ لینے آئی تھی تم ناں۔ تو اب یہاں سے کیوں جانا چاہتی ہو؟؟ بولو جواب دو۔۔ ارحام اسے دونوں بازوؤں سے جکڑتے ہوئے دھاڑا تھا۔

مم مجھے نہیں پتہ تھا آپ شادی شدہ ہیں۔۔ورنہ میں کبھی یہ سب نہ کرتی۔۔حور نے کپکپاتے لبوں سے روتے ہوے کہا۔۔

اگر میں شادی شدہ نہ ہوتا تو کیا پھر بھی یہ سب کچھ تمھیں زیب دیتا تھا۔۔۔تمھارے لیے بہت آسان ہے کسی پر بھی الزام لگا کر اس کے ساتھ نکاح کر لینا۔۔ارحام کی گرج پر اس نے سسکی لی تھی۔

جب یہ سب کچھ تم نے کیا ہے تو تمھیں پتہ بھی ہو گا۔۔اس رشتے کے کیا تقاضے ہیں؟؟اب یہ ڈر کیسا؟؟یہ گریز کیسا؟؟۔۔۔جواب دو مجھے۔۔۔۔ارحام اسے جھنجھوڑتا پوری قوت سے چیخا تھا۔۔

کیا لگا تھا تمھیں تم مجھ پر الزام لگا کر مجھ سے نکاح کر لو گی۔۔ اور میں تمھاری خوبصورتی کے آگے اپنا دل ہار کر تمھیں معاف کر دوں گا۔۔

تم نے بہت دفعہ یہ طریقہ آزمایا ہو گا۔۔ بہت سے لڑکے تمھاری خوبصورتی کے جال میں پھنسے بھی ہوں گے۔۔ میں ارحام خانزادہ ہوں جسے تمھاری خوبصورتی سے صرف گھن آتی ہے۔۔ اتنا آسان نہیں ہے ارحام خانزادہ کو اپنے خوبصورت چہرے کے جال میں جکڑنا۔۔ میرے نزدیک تمھارا خوبصورت چہرہ صرف گھن کھانے کے لائق ہے۔۔ ارحام نے چلاتے ہوے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو وہ زمین پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

حور اوندھے منہ زمین پر گرتی بلک بلک کر رو پڑی تھی۔۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے گالوں سے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ایک ہی جست میں زمین سے اٹھتے ارحام خانزادہ کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔

آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میرے کردار پر بار بار انگلی اٹھانا۔۔ آپ کو میری بے گناہی کا ثبوت اس رات مل چکا ہے۔۔ جب آپ نے مجھے بے رحمی سے بھنبوڑا تھا۔۔ یہی کہا تھا ناں آپ چیک کریں گے۔۔ مجھے آپ سے پہلے کسی نے چھوا بھی ہے کہ نہیں۔۔ تو پتہ چل گیا ہو گا آپ کو کہ میرے قریب آنے والے آپ ہی پہلے مرد تھے۔۔ مجھے جتنا مارنا ہے مار لیں۔۔ مگر میرے کردار پر اب انگلی مت اٹھایئے گا۔۔

حور ارحام کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے بے دردی سے اپنے بہتے آنسو صاف کرتے چیخی تھی۔۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔ خبر دار میرے سامنے تم نے اپنی آواز نکالی۔۔۔۔یا پھر اس کمرے میں سے تمھاری آواز باہر نکلی تو تمھارا گلہ میں اپنے ہاتھوں سے دبا کر تمھارا کام ایک ہی بار میں تمام کر دوں گا۔۔ ارحام اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔۔

تمھارے نزدیک تمھارے کردار کا ثبوت یہ ہو گا۔۔ مگر میرے نزدیک تم بے حیا بے شرم لڑکی ہو۔۔ جو کسی کے ساتھ بھی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں بھی جا سکتی ہے۔۔ اور اس کے ساتھ رات گزارنے کا سر عام اعلان بھی کر سکتی ہے۔۔ ارحام نے اس کا جبڑہ چھوڑتے اس کے بال اپنی مٹھی میں دبوچے تھے۔۔ حور اس کی گرفت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔

آپ مجھے میرے کیے کی سزا دے چکے ہیں۔۔۔اب مجھے جانے دیں یہاں سے۔۔۔مجھے نہیں رہنا آپ جیسے وحشی انسان کے ساتھ۔۔۔حور اپنے بال چھڑواتے سسکتے ہوے بولی۔

اچھا میں وحشی ہوں۔۔جب مجھ سے نکاح کا منصوبہ بنا رہی تھی۔۔تب تمھیں نہیں لگا تھا میں وحشی ہو سکتا ہوں۔تب کیا دیکھا تھا مجھ میں ہاں بولو۔۔کیا چیز مجھ میں ایمپریس کی تھی۔۔۔۔

ارحام اس کے بالوں کو چھوڑتے ہوے استھزائیہ ہنسا۔۔

مجھے درخشاں نے بتایا تھا آپ بہت اچھے ہیں۔۔آپ عورت پر چلاتے نہیں ہیں۔نا ہی عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔۔آپ جیسا پوری حویلی میں کوئی

نہیں۔۔مجھے بھی یہی لگا تھا آپ جیسا پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ مگر آپ میں ایسی کوئی کوالیٹی نہیں ہے۔۔ آپ عورت پر چلاتے بھی ہیں اور اس پر ہاتھ بھی اٹھاتے ہیں۔۔ آپ بہت ظالم ہیں۔۔ حور نے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا تو وہ کچھ پل کے لیے اس کی باتوں پر خاموش ہو گیا تھا۔۔

وہ بلیک ڈریس میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جو گیلا ہونے کی وجہ سے اس کے بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ جس سے اس کے بدن کے خدوخال بہت واضح تھے۔۔ گیلے بال جو کمر سے نیچے آتے تھے۔۔ وہ پشت اور چہرے پر بکھرے تھے۔ گال پر اس کی انگلیاں پوری بے رحمی سے اپنا نشان چھوڑ چکی تھی۔۔ ماتھے اور نچلے لب پر زخم۔۔۔۔۔۔ وہ اس وقت جتنی حسین لگ رہی تھی اس سے کہیں زیادہ ترحم کے قابل لگ رہی تھی۔۔

ارحام اسے دیکھتا اپنا نچلا لب بے دردی سے کچل گیا تھا۔۔۔یہ سب اس نے کیا اسے یقین نہیں آیا تھا۔۔

مگر دوسرے ہی پل اپنے سود و زیاں یاد آیا تھا۔۔ جس کی ذمہ دار سامنے کھڑی لڑکی تھی جو ہر گز ترحم کھانے کے قابل نہیں تھی۔اسی لمحے وہ اس کے قریب ہوا تھا۔۔اسے کمر سے تھام کر اپنے قریب کرتے ہوئے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے قریب کیا۔۔حور کی آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔۔

پپ پلیز۔۔۔۔مم مجھے۔۔۔بہت پین ہو رہی ہے۔۔۔حور نے روتے ہوئے اپنے زخمی لب پر زبان پھیرتے ہوئے رحم کی درخواست کی تھی۔۔اسے لگا یہ ظالم سفاک ستم گر پھر سے اس کے زخمی لبوں کو بے

دردی سے اپنا نشانہ بنائے گا۔اب اس کے اندر اس ستم گر کی ستم ظریفی مزید سہنے کی ہمت نہیں تھی۔۔

تم نے میری محبت میری گل کو مجھ سے دور کر دیا۔۔ تم نے میری بیٹی جو کہ میری زندگی تھی۔۔ اسے مجھ سے دور کر دیا۔ میری بہن کا گھر اجاڑ دیا۔۔۔ میرا بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے اس کی ماں نے اپنی کوکھ میں مار دیا۔۔ اس سب کے پیچھے تمھارا وہ جھوٹ ہے جو تم نے بہت آسانی سے بول دیا تھا۔۔۔۔

اب بتاؤ مجھے کون بے رحم اور ظالم ہے۔ ارحام اس کی کرسٹل براؤن گہری شفاف آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں مخاطب ہوا۔۔

حور اپنے زخمی لب پر اپنے دانتوں کی گرفت بڑھاتے بری رو پڑی تھی۔۔

بہت تکلیف ہوتی ہے تمھیں جب میں تمھارے کردار پر وار کرتا ہوں ۔۔تم بلبلا اٹھتی ہو۔۔۔کردار صرف ایک عورت کا نہیں ہوتا ہے۔۔کردار میں مرد عورت کی تمیز نہیں ہوتی۔۔جتنا عورت کا کردار اہمیت رکھتا ہے۔۔اتنا ہی مرد کا کردار بھی اہمیت رکھتا ہے۔۔

پورے گاؤں کے سامنے تم نے مجھے بدکردار ثابت کر دیا۔

مجھے زناکار ایک ہوس پرست مرد بنا دیا۔جو تمھاری خوبصورتی اور کم عمری کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے فلیٹ اور ہوٹل کے کمروں میں تمھارے ساتھ

عیاشی کرتا رہا۔۔ تمھیں نکاح کے لیے اپنی حویلی لے آیا۔۔ مگر بعد میں اپنی بیوی کے دباؤ میں آتے مکر گیا۔۔۔ تم نے نہ صرف میرے کردار بلکہ مجھے ایک ظالم اور بزدل مرد بھی ٹھہرا دیا۔۔ پوری برادری مجھ پر تھو تھو کرتی ہے۔۔ میں نے ایک عورت کی خاطر،،، اپنی حوس پرستی کی خاطر ایک بے گناہ عورت کو طلاق دے دی۔۔ یہاں تک کہ اپنی بچی کا بھی نہ سوچا۔۔۔ اور پتہ ہے گل نے کیا کیا؟؟

ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی اور حور کی سسکیوں کی رفتار۔۔۔۔

مجھے میری بیوفائی کی سزا دیتے میرے بچے کو مار دیا۔۔ ہر طرف سے میں ہی قصوروار ہوں۔۔ ارحام اس کے بال پوری شدت سے دبوچتے کھینچ چکا

تھا۔۔۔ حور درد سے تڑپتے اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو،،، دیکھو میری آنکھوں میں دیکھو تم نے مجھ سے کیا کیا چھینا ہے۔۔۔ ارحام غرایا تو حور نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھول کر ارحام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

میری بربادی کی ذمہ دار ایک کمزرف عورت بند کمرے میں میرے چند آلفاظ برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔ ہاں بولو جواب دو۔۔۔ ارحام اس کی گہری آنکھوں میں دیکھتے ایک بار پھر سے پوری قوت سے چلایا تھا۔۔ نفرت تھی اسے ان سفاک آنکھوں سے۔۔۔ اس رات ان شفاف آنکھوں نے ہی اسے اٹریکٹ کیا تھا۔۔ اس کے لبوں سے جھوٹ سنتے وہ صرف اس کی

آنکھوں کی شفافیت کو دیکھ رہا تھا۔۔ جہاں اسے صرف معصومیت دکھی تھی۔

مجھے بتاؤ ذرا۔۔۔ تمھارا باپ کون ہے۔۔ تم جائز ہو ناجائز ہو مجھے کچھ نہیں پتہ۔۔ وہ لڑکی جو راتوں رات میری زندگی میں داخل ہو گئی۔۔ اندھیری سڑک جہاں رات کو مرد بھی تنہا نکلتے ہوئے سوچتا ہے۔۔ تم بیہودہ حلیے میں سڑک پر بھاگ رہی تھی۔۔ ایسی عورت کو کون سر پر بٹھاتا ہے۔۔ جو سر سے لے کر فریب ہو مکار ہو۔۔۔ ارحام نے نفرت سے اس کے پورے وجود کو سلگتی شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا تو وہ اندر تک اس کی سلگتی نگاہوں سے اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح مچل اٹھی تھی۔

اب ساری عمر تم نے یہ سب سہنا ہے۔۔۔ تم نے اگر اس حویلی سے بھاگنے کی کوشش کی تو تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔ میری مزید بدنامی ہوئی میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا۔۔ ارحام نے غراتے ہوی اس کے بالوں پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی تو حور اپنے بال چھڑواتے درد سے کراہ اٹھی تھی۔

تم نے میرا وحشی پن ابھی دیکھا ہی کہاں ہے۔۔ چند گھنٹوں کی قربت میں سمجھو تم نے کچھ نہیں سہا۔۔ میں جتنا ظالم ہوں تمھیں آہستہ آہستہ پتہ چلے گا۔

کہا تھا تم سے۔۔۔ ایک خان کا بیوی بننا آسان نہیں ہوتا۔۔۔ گل کی جگہ آئی ہو تو اب اس کے فرائض بھی تم ہی نبھاؤ گی۔۔

آئیندہ اس کمرے سے باہر اس کمرے کی کوئی بات نہیں نکلے گی۔۔۔میری ماں بہنوں کے سامنے تمھاری زبان کے جوہر کھلے یا پھر تمھارے بدن کے زخم دکھے۔۔میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔۔۔ارحام کی سرد لہجے میں دیے گئے حکم پر اور اس کی لہو چھلکاتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔۔

کسی بھی ملازم سے تم آئیندہ بات نہیں کرو گی۔۔اب جاؤ ایک بہو کی ڈیوٹی نبھاؤ۔۔سب کے لیے ناشتہ بناؤ۔۔۔ارحام خان نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔اپنے آپ کو سنبھالتے ہوے اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کرتے اپنا دوپٹہ گلے میں ڈالے دروازے کی طرف بڑھی۔۔

رکو۔۔۔۔۔ارحام کی پکار پر وہ لرزتے ہوے رکی۔۔ مگر رخ پلٹ کر اسے نہیں دیکھا تھا۔۔اس کی اتنی ہمت نہیں تھی رخ پلٹ کر پھر سے اس ظالم کی سفاک نگاہوں میں دیکھتی۔۔۔جہاں اس کے لیے صرف نفرت ہی تھی۔۔

ارحام نے آگے بڑھ اس کے مقابل آتے ہوے اس کا دوپٹہ گلے سے اتار کر اس کے سر پر اوڑھایا۔۔بلیک نیٹ کے بیٹس لگے دوپٹے میں اس کا چاند چہرہ دمک اٹھا تھا۔

ارحام اس کے خوبصورت دمکتے شعلہ جوالہ روپ کو نفرت امیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔۔

یہ دوپٹہ صرف تن ڈھانپنے کے لیے نہیں ہوتا۔بلکہ اس سے سر بھی ڈھانپا جاتا ہے۔۔ایک خانزادہ کی بیوی ہو۔ تمھیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہاں اس حویلی کی عورتیں کیسے رہتی ہیں۔اب یہ دوپٹہ میں کبھی بھی تمھارے سر

سے اترانہ دیکھوں۔۔۔۔ سمجھ رہی ہو میری بات۔۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے ہوے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔ حور نے اپنی جھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس کے آنکھوں کے سرد پن سے گھبراتے ہوے اپنی نظریں دوبارہ جھکالی تھیں۔ اب اس کی آنکھوں کا سرد پن اس کی روح تک میں سرائت کر رہا تھا۔ اس کے بھاری ہوتے اعصاب ساکت ہو رہے تھے۔

میں بار بار بات دہرانے کا قائل نہیں ہوں۔ آئیندہ صبح چھ بجے تم کچن میں ہو گی۔ مورے سے پوچھ کر ہر کام کرو گی۔۔ اذاٹ کلیر ؟؟؟۔۔۔ ارحام نے اس کی جھکی نظروں کو دیکھتے ہوے استفسار کرتے تنبیہ کی۔۔ حور نے اپنے آنسو صاف کرتے اس کی طرف ایک نگاہ ڈالتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

اور یہ آنسو بھی اس کمرے سے باہر نہ بہیں۔۔ ارحام نے سخت نظروں سے دیکھتے ہوے دوسری تنبیہ کی۔ حور نے جلدی سے اپنے آنسو دونوں ہاتھوں سے صاف کرتے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔۔

ارحام نے بغور اس کا چہرہ دیکھا اس کے گلابی گال پر اس کی انگلیوں کا نشان اب نیلا پڑ رہا تھا۔۔ اور ماتھے کا زخم بھی نمایاں تھا۔۔ نچلے لب کے زخم پر بھی خون کی بوندیں چمک رہی تھی۔

حور اس کی نظروں کی تپش سے گھبراتے اچھی طرح دوپٹہ سر پر اوڑھے باہر جانے لگی تو ارحام کی پکار پر پھر سے رکی تھی۔۔

اپنے گال پر یہ نشان میک اپ سے چھپاؤ۔۔ اور ان ہونٹوں پر لپ سٹک لگاؤ۔۔ ارحام نے اسے سرد انداز میں حکم دیا۔

مم میرے پاس میک اپ نہیں ہے۔۔ حور نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوے کہا۔۔ جو بار بار سر سے پھسل رہا تھا۔۔

گل کا میک اپ ہو گا۔۔ وہ استعمال کر لو۔۔ ارحام نے کہتے ساتھ ڈریسنگ کی طرف بڑھتے اس کے ڈرار سے مختلف میک اپ کے پروڈکٹس نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے تھے د۔

حور لرزتے قدموں سے ڈریسنگ مرر کے سامنے آئی اور کانپتے ہاتھوں سے فاؤنڈیشن اٹھا کر چہرے پر لگانے لگی۔۔ ساتھ ساتھ وہ اپنا دوپٹہ بھی ٹھیک کر

رہی تھی۔۔ ارحام صوفے پر بیٹھا اس کے ہاتھوں کی لرزش اور اس کا بار بار دوپٹہ ٹھیک کرنا دیکھ رہا تھا۔۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھ چکی ہے۔۔ اب یہ دوپٹہ کبھی سر سے نیچے نہیں اترے گا۔۔ اور نہ ہی بیڈ روم کی باتیں باہر نکلے گی۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے فاؤنڈیشن لگا کر ہلکا سا بلشر گالوں پر لگایا تھا۔۔ اور پنک کلر کی لپ سٹک بھی اچھی طرح ہونٹوں پر لگائی۔ اچھی طرح دوپٹہ اوڑھتے ارحام کی طرف مڑتے اسے بھیگی نگاہوں سے ہچکی لیتے ہوے دیکھا۔۔۔

ارحام کی نظر اس کے خوبصورت چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔۔ ذرا سے میک اپ نے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیے تھے۔۔ جس طرح روتے

ہوے اپنی گہری گلابی ہوتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جہاں ڈھیروں شکوے اور درد کی گہری رمک تک نمایاں ہو رہی تھی۔۔۔

ارحام اس کی آنکھوں سے اپنی نظریں چرا گیا تھا۔ جو شکوہ کناں تھی۔۔ مگر گہری شفاف بھی تھیں۔۔ جہاں کسی بھی کسی قسم کی کوئی ریاکاری نہ تھی۔۔

ماتھے کے زخم پر ریسنگ کے ڈرار میں ایک بینڈج ہو گی وہ لگاؤ۔۔۔ لگانا تو آتی ہو گی۔۔۔ یقیناً آتی ہی ہو گی۔۔ آخر میڈیکل کی سٹوڈنٹ ہو۔۔ ارحام بے اختیاری میں صوفے سے اٹھتے اس کے قریب گیا۔۔۔ ڈریسنگ ڈرار سے وہ بینڈج نکال کر احتیاط سے اس کے ماتھے کے زخم پر لگائی۔۔

اب باہر کوئی بھی پوچھے گا۔ تو تم کہو گی۔۔ تمھیں چکر آ گیا تھا۔ جس کے باعث تم گر گئی اور یہ چوٹ تمھیں لگی۔۔ ویسے بھی بار بار چکر کھا کر بیہوش ہونا تمھیں خوب آتا ہے۔ ویسے تو سب تمھیں جھوٹی اور مکار لڑکی سمجھتے ہیں۔۔ مگر اس بات پر یقین کر لیں گے۔۔ ارحام طنزیہ مسکرایا تو حور نے سسکی لیتے ہوئے اپنی آنکھیں میچی تھیں۔

میری جان۔۔۔۔۔۔ یہ سسکیاں یہ آنسو کچھ رات کے لیے بھی چھوڑ دو۔ یہ کیا سارے آنسو ابھی بہا لو گی۔۔ ارحام نے اس کے ماتھے کے زخم پر اپنی انگلی کا دباو بڑھایا تو حور نے خوف سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے ارحام کو دیکھا۔۔

گل کی جگہ پہ آئی ہو ناں۔۔۔۔۔۔ تو گل کی طرح تم بھی بیوی ہونے کا حق ادا کرو گی۔۔۔ اب جب تک میں یہاں موجود ہوں۔۔ میری ضرورت کا

خیال کون رکھے گا۔۔ ارحام نے اسے کمر سے تھام کر اپنے قریب کرتے اس کے خوف سے پڑتے سفید چہرے پر پھونک ماری۔۔

اگر آج رات تم نے بیہوش ہونے کا ڈرامہ کیا تو تمھارے ساکت وجود سے تمھاری سانسیں کھینچ لوں گا۔۔۔ ذرا رحم نہیں کھاؤں گا۔۔ ارحام اس کے کان کے قریب جھکتے پھنکارا۔۔ حور اس کی پھنکار پر ڈرتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔۔

ارحام نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں استفسار بھری سرد نگاہوں سے جھانکا تو حور نے کانپتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

گڈ اب جاؤ۔۔ مجھے شکایت کا کوئی موقع نہ ملے۔۔۔

ارحام نے سرد انداز میں کہتے اسے چھوڑا تو حور اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے جلدی سے روم سے باہر چلی گئی تھی۔۔

بہارے ہوٹل کے روم کی ونڈو سے گرتی ہوئی برف باری کو دیکھ رہی تھی کہ شہرام کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ بہارے غصے سے تنتناتی ہوئی شہرام کی طرف بڑھی۔

میں نے باہر ہوٹل کے لاونج میں تمھیں کچھ نہ نہیں کہا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی باہر کوئی تماشہ لگے۔۔ تم نے ایک ہی کمرہ کیوں بک کروایا۔۔ جبکہ ہوٹل میں اور بھی روم خالی تھے۔

یہ سب تم نے جان بوجھ کر کیا ہے ناں۔۔ تم ہوٹل کے بند کمرے میں اپنی عیاشی پوری کرنے کے لیے مجھے یہاں لائے ہو۔ بہارے شہرام کے مقابل کھڑی چیخ کر بولی تھی۔۔

بہارے کی بات اور اس کے چلانے پر شہرام کے سفید رنگت میں سرخیاں گھلی تھی۔ مگر وہ اپنا غصہ ضبط کر گیا تھا۔۔

تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ باہر برف باری ہو رہی ہے۔۔ جس کی وجہ سے سڑکیں جام ہو چکی ہیں۔۔ رات بہت ہو گئی تھی اس لیے مجبورًا ہمیں یہاں رکنا پڑا۔۔ اس میں عیاشی کی بات کہاں سے آ گئی۔۔ شہرام نے نرمی سے جواب دیتے اپنی لیدر کی جیکٹ اتار کر صوفے پر اچھالی۔۔

تم بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آج برف باری ہو رہی ہے تو مجھے پھر کیوں لینے آئے بولو۔۔۔ بہارے نے اونچا بولتے ہوئے اپنا لب ولہجہ برقرار رکھا تھا۔۔۔

اس کے چلا کر بولنے پر شہرام کے ماتھے کے بل گہرے ہو رہے تھے۔۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔۔ اور اسی نرمی کا بہارے ہمیشہ فائدہ اٹھاتی تھی۔

جب تمھیں اچھی طرح پتہ تھا موسم کبھی بھی خراب ہو سکتا ہے تو تم آج رحیم کاکا کے ساتھ کیوں آئی۔۔۔ تمھارا ہاؤس جاب مکمل ہو چکا ہے۔۔ اب تمھارا شہر میں کیا کام؟؟ شہرام نے بہارے کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جوابًا سوال داغا۔۔

میرا ہاؤس جاب کمپلیٹ ہو چکا ہے۔۔ڈاکٹر کی ڈگری میں نے گھر بیٹھنے کے لیے نہیں حاصل کی۔۔اتنی پڑھائی اتنی محنت اس لیے نہیں کی کہ میں اس حویلی میں بیٹھ جاؤں اور اپنی رخصتی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں۔ ۔میں ہسپتال میں جاب کے سلسلے میں آئی تھی۔۔بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

تم نے اتنی محنت اتنی پڑھائی اس لیے کی تھی کہ تم خود سر ہو جاؤ۔۔اپنے آگے کسی کو کچھ بھی سمجھو نہ۔۔۔تم نے داجی یا پھر مجھ سے آجازت لی۔ ۔یہاں شہر کے ہسپتال میں جاب کرنے کے لیے۔۔تم بنا بتائے منہ اٹھائے کسی کو بھی بتائے بغیر یہاں کیسے آسکتی ہو۔۔۔۔شہرام نے غصے سے بولتے ہوئے بہارے کو سخت نظروں سے گھورا۔

میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔۔ڈاکٹر بہارے خانزادہ ہوں۔۔مجھے کسی کی بھی آجازت کی ضرورت نہیں اور تمھاری تو بلکل بھی نہیں۔۔بہارے شہرام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے طنزیہ لہجے میں بولی۔

اچھا جو عورت پڑھ لکھ جاتی ہے وہ رشتوں کا تقدس ان کا احترام بھول جاتی ہے۔۔تم کسی ملک کی وزیر اعظم بھی بن جاؤ گی تب بھی تمھیں میری آجازت کی ضرورت ہو گی۔۔کیونکہ تب بھی تم بہارے شہرام کہلواؤ گی۔ تمھاری کوئی بھی پہچان ہو مگر سر نیم میرا ہی لگے گا۔۔چاہ کر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ تم بیوی ہو میری اور میں تمھارا شوہر ۔۔شہرام نے بہارے کو بازو سے پکڑے خود کے قریب کیا۔۔

میں نہیں مانتی تمھیں اپنا شوہر۔۔بہارے خود کو چھڑواتے ہوے چیخ پڑی۔

اچھا اگر شوہر نہیں مانتی تو پھر اپنی مورے سے جھوٹ کیوں بولا کہ تم میرے ساتھ شہر جا رہی ہو۔۔۔ شہرام کی بات پر بہارے ایک پل کو گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔۔

کیا ہوا بہارے خاموش کیوں ہو؟؟ تمھیں کسی کی آجازت کی ضرورت نہیں تو حویلی سے باہر نکلنے کے لیے میرا نام کیوں استعمال کیا؟؟۔۔ بولو جواب دو جبکہ مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ تم رحیم کاکا کے ساتھ شہر آئی ہوئی ہو۔۔ شہرام کی بہارے کی بازو پر گرفت سخت ہوئی تھی۔۔

تو کیا کرتی؟؟ میرے گھر والوں کو مجھ سے زیادہ تم پر اعتبار ہے۔۔ مجھے اپنی مرضی سے حویلی کا گیٹ عبور کرنے کی آجازت نہیں ہے۔۔ تم مجھے دنیا کے دوسرے کونے تک بھی لے جاؤ۔۔ کوئی تم سے سوال نہیں کرتا۔۔ ہر وقت ہر کوئی یہی کہتا رہتا ہے۔۔۔ میں تمھاری ہوں۔۔ بہارے نے شہرام کے

سینے پر دونوں ہاتھ مارتے ہوے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔ مگر وہ اس کے بازو پر اپنی انگلیاں گاڑھے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔

بہارے کے سر سے چادر پھسلتی اس کے کندھوں پر آگئی تھی۔۔ کندھوں پر بھی شال پھسل کر زمین بوس ہونے کو تیار ہی تھی۔ جسے بہارے نے بمشکل ہی سنبھالا ہوا تھا۔۔

سچ ہی تو سب کہتے ہیں تم صرف میری ہو۔۔۔ تمھارے گھر والوں کو اس نکاح کے رشتے کی مضبوطی اور پاکی کا خیال ہے۔۔ جو تمھارے نزدیک ایک بوجھ اور گالی ہے۔۔ کاش آج تمھارے پاس یہ ڈاکٹری کی ڈگری نہ ہوتی۔۔ تم بھی حویلی کی باقی عورتوں کی طرح پڑھی لکھی نہ ہوتی تو تمھیں

اپنی حدود کا پتہ ہوتا۔۔ شہرام بہارے کی چادر اس کے کندھوں سے اتار کر بیڈ پر اچھال چکا تھا۔۔

شہرام۔۔۔ بہارے دبی آواز میں غرائی تھی۔۔ وہ نارنجی رنگ کے گرم کلیوں والے فل آستینوں والے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس کے گلے پر گولڈن موتیوں کا کام ہوا تھا۔۔ نارنجی رنگ میں اس کی سفید رنگت دمک رہی تھی۔۔ غصے اور خفت میں اس کے گال لال ٹماٹر ہوے تھے..

شہرام بے خودی میں اس کے خوبصورت چہرے کو ایک ٹک دیکھے گیا۔۔

شہرام کی نظروں کی تپش سے بہارے نے جھٹپٹاتے ہوے اس سے دور ہونا چاہا تو وہ اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔

تمھیں اپنی حدود کا پتہ ہے مسٹر شہرام خانزادہ۔۔۔ تم اس بند کمرے میں میرا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔۔ اسی لیے تم نے ایک ہی کمرہ بک کروایا ہے۔۔۔ بہارے شہرام کی بانہوں میں کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔ وہ اپنی مضبوط بانہوں میں اسے قید کیے ہوے تھا۔۔ بہارے نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے ہوے بمشکل ہی خود کو اس کے چوڑے سینے میں سمانے سے روکا ہوا تھا۔۔۔ وہ اس کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط کرتا اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی بے بسی کا حظ اٹھا رہا تھا۔۔

مجھے اپنی حدود کا اچھی طرح پتہ ہے۔۔ اپنی حدود میں ہی ہوں۔ جو تمھاری قینچی کی طرح چلتی زبان ابھی تک تمھارے منہ میں ہے۔۔۔ ایک کمرہ اس لیے لیا ہے۔۔ میں تمھیں اکیلے کمرے میں نہیں رکنے دے سکتا تھا۔۔ اب

اسے تم میری دقیانوسی سوچ کہو یا حق ملکیت۔۔۔میں اپنی بیوی کو ہوٹل کے کمرے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔

جہاں تک بات ہے آج اس بند کمرے میں عیاشی کرنے کی تو اپنی حسین جائز بیوی کے ساتھ عیاشی کرنے میں آخر حرج ہی کیا ہے؟؟۔۔۔شہرام نے اس کی دودھیا گردن پر اپنی انگلیاں بے باکی سے ٹریس کرتے ہوے مدہوشی کے عالم میں کہا۔۔

کک کیا مطلب؟؟شہرام کی انگلیاں گردن سے نیچے کی جانب محسوس کرتے بہارے لال سرخ ہوتے بمشکل ہی بولی تھی۔۔شہرام مسکراتے ہوے اس کے بالوں کو پیچھے سے اپنے ایک ہاتھ کی نرم گرفت میں لیتے اس کے لبوں پر جھک پوری شدت سے جھکتے اس کی خوشبودر سانسوں کو اپنی سانسوں میں قید کر گیا۔۔

بہارے کی آنکھیں شہرام کی جسارت پر ضرورت سے زیادہ کھلی تھیں۔۔رنگ سرخ آنار ہوا تھا۔۔بہارے اس کے حصار میں بری طرح جھٹپٹاتے ہوے مچلی۔۔۔۔

اپنے ناخنوں سے اس کی گردن نوچ ڈالی تھی۔۔شہرام اس کے ہاتھوں کو جکڑے اس کی کی کلائیاں اس کی کمر کے ساتھ لگائے پہلے سے بھی زیادہ شدت اس کے لبوں پر دکھانے لگا۔۔قطرہ قطرہ اس کی سانسیں انہیل کرتے مدہوش ہونے لگا۔۔اس کا لمس جتنا نرمی لیے ہوے تھا۔۔اس سے کہیں زیادہ اس میں گہرے جذبوں کی آنچ دیتی لو تھی۔۔جس سے بہارے کا پورا وجود جھلس رہا تھا۔۔جیسے کوئی دہکتا انگارہ اس کے لبوں پر رکھ گیا ہو۔

بہارے کی بے جان ہوتی حالت محسوس کرتے شہرام نے اس کی کلائیاں آزاد کرتے اس کے لبوں کو بھی آزادی دی تھی۔۔اس کی کمر پر نرمی سے اپنا حصار باندھے وہ اسے اپنی بانہوں میں قید کرتے اپنے سینے کے ساتھ نرمی سے لپٹا گیا تھا۔۔

شہرام اپنا بگڑا تنفس درست کرتے بہارے کو سینے سے لپٹائے بہت نرمی سے اس کی کمر کے گرد اپنا حصار باندھے ہوے تھا۔

بہارے نے سسکتے ہوے شہرام کی گردن کو اپنے ناخنوں سے نوچتے ہوے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔۔

شہرام اپنی گردن پر ہاتھ رکھے اپنی جنگلی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

جھوٹ بولتے ہو تم شہرام۔۔۔ تمھیں میری پرواہ ہے تم نے صرف اسی لیے ایک کمرہ بک کروایا ہے۔۔ کیونکہ تم صرف میری بے بسی کا مذاق اڑانا چاہتے تھے کہ میں کتنی بے بس ہوں تمھارے آگے۔۔ میں تمھارے پہاڑ جیسے وجود کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔۔۔ اور یہ بات سچ بھی ہے میں نہیں مقابلہ کر سکتی تمھاری طاقت کا۔۔۔ تم چاہو تو اس بند کمرے کا فائدہ اٹھا کر میری عزت تار تار کر دو۔۔ میں کچھ نہیں کر سکوں گی کیونکہ تمھارے پاس نکاح کا سرٹیفیکیٹ جو ہے۔ جو تمھیں میرے ساتھ سب کچھ کرنے کی آجازت دیتا ہے۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں چلائی تھی۔۔

شہرام بہارے کی باتوں پر تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔۔ اپنی پڑھی لکھی بیوی اسے کبھی کبھی کسی جاہل سے کم نہیں لگتی تھی۔

صیح کہہ رہی ہو نکاح کا سرٹیفیکیٹ تو ہے میرے پاس جو مجھے تمھارے ساتھ سب کچھ کرنے کی آجازت دیتا ہے۔۔جب مانتی ہو تو یہ رونا کیسا؟؟اپنے اور میرے رشتے کو نکاح کا نام بھی دیتی ہو۔۔اور عزت تار تار ہونے کا واویلا بھی مچاتی ہو۔شہرام تلخی سے ہنسا۔۔

اور جہاں تک بات ہے تمھاری بے بسی کا فائدہ اٹھانے کی۔تو تم نے جو آج کیا ہے ناں اسی بات کو بنیاد بنا کر تمھارا حویلی سے باہر نکلنا بند کر سکتا تھا۔۔وہ ہوتا تمھاری اصل بے بسی کا مذاق اڑانا۔۔ابھی اسی بیڈ پر دو منٹ میں تمھاری اکڑ کو توڑ سکتا ہوں۔۔پتہ ہے رکا کیوں ہوا ہوں؟؟؟۔۔شہرام بہارے کے نزدیک ہوا تھا۔۔بہارے اس سے دو قدم دور ہوئی تھی۔۔شہرام کی آنکھوں میں چھائی سرخی دیکھ کر اب وہ سچ میں خوفزدہ ہوئی تھی۔۔

اس دن کا اس کا جارحانہ انداز یاد آیا تھا۔۔

شہرام نے اسے بازو سے پکڑے خود کے قریب کیا۔۔میں رکا اس لیے ہوں۔میرے پاس تمھاری طرح کوئی ڈگری جو نہیں ہے۔۔میں جاہل ان پڑھ ضرور ہوں مگر اپنی جاہلیت میں تمھاری طرح نہیں گر سکتا۔۔جیسے تم ہر بار اپنی زبان استعمال کرتے جاہلوں کو بھی مات دے دیتی ہو۔شہرام اس کا بازو جکڑے غرایا

ایسا بھی کیا کر دیا میں نے جو تم میرا حویلی سے نکلنا بند کر دیتے۔۔۔بہارے شہرام کی ساری باتیں نظر انداز کرتے اس کے حویلی سے نکلنا بند کرنے والی دھمکی پر الجھی ہوئی تھی۔اس کا دھونس بھرا رویہ برداشت نہیں ہو رہا

تھا۔۔ وہ ہوتا کون تھا اس پر پابندیاں لگانے والا۔۔ بہارے غصے سے تلملائی تھی۔

ایسا بھی کیا کر دیا تم نے ؟؟۔ اچھی طرح جانتی ہو تم۔۔۔ تم میری ذمہ داری ہو۔۔ میرے نکاح میں ہو۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی میری آجازت کے بغیر حویلی کا گیٹ عبور کرنے کی۔۔ میں نرمی دکھا رہا ہوں تو میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ بہارے۔۔۔ شہرام بہارے کی بات پر سرد انداز میں گویا ہوا۔۔

شہرام تم میرے ساتھ نرمی برتتے ہو ایسا تمھیں لگتا ہے۔۔ اس دن بند کمرے میں تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔۔ آج یہاں ابھی یہ سب تمھاری نرمی ہے۔۔ بار بار مجھ پر چلا رہے ہو۔۔ بہارے کی نازک طبعیت شہرام کا اتنا ہی غصہ اور اتنی ہی باتیں برداشت کر سکتی تھی۔۔ شروعات

ہمیشہ خود کرتی تھی۔۔جب شہرام اپنا آپ دکھاتا تو پھر اس کا کیا ہوا سلوک یاد رہ جاتا تھا۔۔خود جو کہتی تھی کرتی تھی وہ بھول جاتی تھی۔۔

میرے ہونٹوں کے ساتھ تم نے یہ نرمی برتی ہے۔میرے ہونٹوں پر کتنی جلن ہو رہی ہے۔۔ تمھاری مونچھیں نہیں کانٹے ہیں۔بہارے اپنے لبوں کو بے دردی سے رگڑتے اس کا لمس مٹاتے ہوے بولی تو شہرام کے لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔۔وہ اس کے خوبصورت سراپے پر نظریں جمائے اس کے قریب ہوا۔۔۔

بہت جلد بہارے تم پر اپنا مکمل اپنا حق جتاؤں گا۔۔ مگر جب تمھیں اپنے کمرے میں رخصت کروا کر لے کر جاؤں گا۔۔۔تب بات ان چھوٹی موٹی گستاخیوں تک نہیں رہے گی۔۔ان کانٹے جیسے مونچھوں کی چبھن تم نے ہی

تو برداشت کرنی ہے۔۔ شہرام اس کی کمر میں بازو حمائل کرتے اس کی بیوٹی بون کو اپنے دہکتے لبوں سے چھونے لگا۔۔ بہارے اس کے حصار میں اس کے دیوانگی بھرے لمس پر تڑپ اٹھی تھی۔۔۔ وہ جگہ جگہ اپنا لمس پوری شدت سے بکھیرے اس کی گردن کو سرخ کر چکا تھا۔۔ وہ اتنا ظالمانہ طریقے سے اپنا آگ جیسے لمس کی شدت دکھا رہا تھا بہارے کی ہمت نہیں پڑی تھی مزاحمت کرنے کی۔۔ بہارے کی دودھیا گردن پر اپنی شدت کی گہری سوغات دیتے پیچھے ہوا تو بہارے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے سسک پڑی تھی۔۔۔

میں نے کبھی تمھاری بے بسی کا مذاق نہیں اڑایا۔۔ میرے نزدیک تم کبھی بے بس نہیں ہوئی۔۔ ہمیشہ تم نے مجھے بے بس کیا ہے۔۔ شرمندہ کیا ہے اپنی باتوں سے اپنی حرکتوں سے بہارے۔۔ آج تم منہ اٹھا کر شہر چلی آئی۔

۔داجی کے سامنے مجھے جھوٹ بولنا پڑا کہ تم میری آجازت سے شہر کالج کے کسی کام سے آئی ہو۔۔انھیں ایک بار بھی پتہ چل جاتا تم بغیر بتائے شہر ہسپتال میں نوکری کرنے کے لیے آئی ہو تو وہ تمھاری اگلے دن ہی رخصتی کر کے مجھے سونپ دیتے۔۔۔

اور تمھیں بے بس کرنے اور تمھاری اکڑ توڑنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا میں تمھارے دوستوں کے سامنے تمھیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوے لاتا۔۔جن کے ساتھ تم آج ہوٹل میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔شہرام نے اس کا سسکنا نظر انداز کیے سرد لہجے میں اسے احساس دلایا جو آج اس نے حرکت کی۔۔۔

دوستوں کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھانا گناہ نہیں تھا. جس کی پاداش میں تم مجھے گھسیٹتے ہوے لاتے۔۔۔ تم جاہل ان پڑھ گنواروں والی سوچ رکھتے ہو شہرام۔۔۔۔ بہارے گل شہرام کی بات کاٹتے چلائی۔۔

اس کب بار بار چھونا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ اس کی گردن اور لبوں پر شدید جلن ہو رہی تھی اس کے بے رحمانہ شدت بھرے انداز پر۔۔ اس لیے ایک بار پھر سے اپنا آپا کھویا تھب۔۔

دوستوں کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر مرد دوستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج ہے بہارے۔۔۔۔۔۔ شہرام اس کی بات برظبط سے بولا۔

وہاں صرف مرد ہی نہیں میری فرینڈز بھی تھیں۔۔ میں پورے پردے میں تھی تو کیا حرج تھا اگر میں وہاں کھانا کھا لیتی۔۔۔ بہارے ڈھٹائی سے اپنی بات پر قائم تھی۔۔

اگر ایسی ہی بات تھی تو تمھارا مجھے دیکھ کر رنگ کیوں مردے کی طرح سفید پڑا تھا۔۔۔ شہرام نے طنزاً ابرو اچکائی۔۔

کیونکہ میں جانتی تھی جس نے آج تک کالج کی شکل نہ دیکھی ہو جس میں تمیز نہ ہو۔۔ جو جاہل ہو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے دوبدو جواب دیا۔۔ اس کے لہجے کو نرم محسوس کرتے بہارے اپنی ٹون میں واپس آئی تھی۔۔

نہیں بہارے تمھیں میری جاہلیت اور ان پڑھ ہونے کا خوف نہیں تھا۔ بلکہ تمھیں پتہ تھا تم جو کر رہی ہو وہ ٹھیک نہیں ہے۔۔ یہ ہمارا ماحول ہمارے طور

طریقے ہماری روایات نہیں ہیں۔۔ ہمارے گھر کی عورتیں مردوں کے ساتھ تو دور کی بات عورتوں کے ساتھ بھی باہر کھانا کھانے نہیں جاتیں۔۔۔

وہ جب گھر سے باہر نکلتی ہے وہ سر سے پاؤں تک نہیں بلکہ منہ لپیٹ کر گھر سے نکلتی ہے۔۔ ہسپتال نوکری کرنے آئی تھی تو وہاں ہوٹل میں کیا کر رہی تھی تم۔۔۔ شہرام نے اس کی کلائی کو جکڑتے جھٹکا دیا تھا۔۔

بس نہیں چل رہا تھا بہارے کو اس کی اوقات آج بند کمرے میں دکھا دے۔۔ بتا دے کہ وہ اس کی کون ہے۔۔ ہو وہ اس پر کتنا حق رکھتا ہے اس بات کا حق اسے اس کا خدا دیتا تھا۔ اور یہاں تک کہ اس کے گھر والے بھی بہارے کو کب سے اسے سونپ چکے تھے۔۔ وہ تو رخصتی کے بغیر بہارے کو اس کے حوالے کر چکے تھے۔۔ مگر وہ ہی نہیں مانا تھا۔۔۔ اس کے نزدیک

بہارے کی رضامندی سب سے زیادہ ضروری تھی۔ مگر بہارے کی دن بدن خودسری اور سرکشی اسے مجبور کر رہی تھی وہ کوئی سخت فیصلہ لے۔۔

میری فرینڈ مجھے ہوٹل زبردستی لے گئی تھی۔ مجھے نہیں پتہ تھا۔ اس نے اپنے باقی دوستوں کو بھی انوائٹ کیا ہوا ہے. اور تم نے کونسا مجھے کھانا کھانے دیا۔۔ میرا ہاتھ پکڑ کر لے آئے تم وہاں سے۔۔۔ بہارے نے شکوہ کناہ نگاہوں سے دیکھتے ہوے شکوہ کیا۔۔۔ اس نے صبح گھر سے نکلتے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب رات ہونے کو آئی تھی۔۔ شہرام نے ایک مرتبہ بھی اسے کھانے کا پوچھا نہیں تھا۔ وہ اس کی شکوہ کرتی گہری آنکھوں میں ایک پل کے لیے ڈوب گیا تھا جیسے۔۔۔ وہ بے اختیاری میں اس کے قریب ہوا۔۔

میں جانتا ہوں بہارے خود سے زیادہ تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔اس لیے تو تمھارے جھوٹ کا پردہ رکھا۔۔سب کو یقین دلایا کہ تم میرے ساتھ ہی شہر آئی ہو۔۔۔

میری بہارے خود سر ہو سکتی ہے۔۔بد تمیز بھی ہو سکتی ہے۔۔مگر اپنی حدود کبھی کراس نہیں کر سکتی۔۔شہرام نے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

بہارے اس کے لمس پر مچلتے ہوے اس سے دور ہوئی مگر اس نے اسے کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔وہ شہرام کے حصار سے دور نہیں جا سکی۔۔

تم مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتی بہارے؟؟۔۔۔میرے پاس ڈگری نہیں اس بات سے تمھیں فرق کیوں پڑتا ہے؟؟۔ تمھیں میرے ساتھ چلنے میں شرم کیوں آتی ہے۔؟؟۔میری اتنی شخصیت میری جو پہچان ہے۔وہ تمھارے لیے معنی کیوں نہیں رکھتی۔۔۔شہرام نے کرب سے سوال کیا۔۔

کیا ہے تمھاری شخصیت بتاؤ مجھے؟؟۔اگر تم ظاہری شخصیت کی بات کرتے ہو تو سچ میں تمھارے جیسا شہر میں بھی میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھا۔۔بہت سحر انگیز پرسنیلٹی ہے تمھاری۔۔۔کوئی بھی تمھاری شخصیت دیکھ کر دھوکا کھا جائے کہ تم میٹرک تک پڑھے لکھے ہو۔۔مگر تمھاری پہچان تو یہی ہے ناں کہ تمھاری پہچان کچھ نہیں ہے۔۔۔میں ساری عمر ایک ان پڑھ انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔۔۔گل بھابھی سے ارحام بھائی نے کتنی

محبت کی مگر گل بھابھی نے کیا کیا۔۔ جرگے میں ارحام لالا کی عزت دو کوڑی کی رکھ دی۔۔ کیونکہ ارحام لالا اور گل بھابھی کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔۔ اس طرح تمھارا اور میرا جوڑ کوئی نہیں ہے۔۔ بہارے نے استھزائیہ لہجے میں کہا۔

تمھیں لگتا ہے یہ سب کچھ گل بھابھی کے پڑھا لکھا نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔۔ بلکہ گل بھابھی کی فطرت ہی ایسی تھی۔ جو ارحام لالا آج تک نہ پہچان سکے۔۔ یا جانتے بوجھتے بھی گل بھابھی کو اپنے سر پر بٹھایا جس کا خمیازہ انہوں نے بھگت لیا۔۔ کیونکہ کچھ لوگ اس قابل ہی نہیں ہوتے انھیں سر پر بٹھایا جائے۔۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے گہرا طنز کیا تھا۔۔

بہارے اس کے طنز پر جز بز ہوئی تھی۔۔۔۔

فرشتے بھی تو پڑھی لکھی نہیں ہے۔ مگر پڑھی لکھی لڑکیوں سے ہزار گنا بہتر ہے۔۔۔ پھر چاہے وہ ہمارے ارحام لالا کی نئی بیوی ہو یا پھر ڈاکٹر بہارے۔۔۔ شہرام کا طنز اس بار تو بہارے کو آگ لگا گیا تھا۔۔

ہاں تو کر لو فرشتے سے شادی۔۔۔۔۔ تمھیں تمھاری جیسی ان پڑھ لڑکی ہی سوٹ کرتی ہے اور میری جان چھوڑ دو۔۔۔ بہارے سرخ چہرے کے ساتھ غصے سے چلائی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا تھا۔۔ بہارے دو قدم سہمتے ہوے پیچھے ہوے تھی۔۔ شہرام غصے سے اپنے ہاتھ کی مٹھی بناتے اسے پہلو میں گرا گیا تھا۔۔ فرشتے اس کے لیے بہنوں سے بھی بڑھ کر تھی۔ بہارے نے جس طرح اسے فرشتے سے شادی کرنے کا طعنہ

دیا۔۔ایک پل کے لیے اسے لگا جیسے اس نے اسے عابیر کا طعنہ دے دیا ہو۔۔اس لیے وہ اپنے غصے پر کنٹرول نہ کر سکا تھا۔۔

اب وہ غصے سرد سرخ نظروں سے بہارے کو قہربار نظروں سے گھور رہا تھا۔

رک کیوں گئے شہرام مارو مجھے ؟؟۔ہاتھ اٹھاؤ مجھ پر۔۔۔ نکاح میں ہوں ناں تمھارے۔۔ حق جتلاؤ مجھ پر۔۔۔اس دن تم نے میرے ساتھ کمرے میں جو سلوک کیا۔۔وہ کم تھا کیا؟؟جو آج مجھ پر ہاتھ اٹھا رہے ہو۔۔۔۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسو پھسلتے گالوں پر بہے تھے۔

بہارے میرے نزدیک تم ایک جاہل سے بھی بدتر ہو۔۔۔۔مجھے آج تمھاری اس بات سے احساس ہوا ہے۔کاش میں تمھارے لیے کسی سے نہ لڑتا۔۔۔۔ تم ایک خود غرض عورت ہو جسے اپنی پڑھائی کے زعم میں کسی رشتے کے تقدس کا خیال نہیں رہا۔۔ فرشتے بہنوں جیسی ہے میرے لیے

۔۔ جس کا نام تم نے بڑے دھڑلے سے میرے ساتھ جوڑ دیا۔۔۔ چلو تم مجھے کچھ نہیں سمجھتی میں مانتا ہوں۔۔ مگر داجی،، ارحام لالا ان کی عزت بھی تم بھول گئی۔۔۔ یوں شہر منہ اٹھا کر چلی آئی۔۔

کسی سے بھی آجازت لینا گورا نہیں کی۔۔ اب بنا کسی شرم کے میرے ساتھ بحث کر رہی ہو۔۔ اپنی حرکت کو جسٹفائے کر رہی ہو میرے سامنے۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا تم جتنی مرضی ڈگریاں حاصل کر لو ۔۔۔ حویلی کے مردوں کی فطرت سے تم آج تک واقف نہیں ہو سکی۔۔۔

چاہیں تو دو منٹ میں تمھاری نظروں کے سامنے تمھاری ڈگری آگ کی نظر کر دیں۔۔ تم اس حویلی سے تو نکلنا تو دور کی بات کمرے سے بھی باہر نہیں نکل سکو گی۔۔ اور ایک بات یاد رکھنا۔۔ میں بھی حویلی کے مردوں میں سے ہی ایک ہوں۔۔ جس دن میں نے تمھاری لگامیں کھینچ ڈالی ناں اس دن

تمھارے سارے خواب میں پل میں بکھیر کر رکھ دوں گا۔۔ شہرام بہارے کو آنکھوں میں دیکھتے ہوے غرایا تھا۔۔۔اس سے دور ہوتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے غصے اور اشعال پر قابو پانے لگا۔۔۔ کھانا بجھواتا ہوں کھالینا۔۔ شہرام کہتے ہوے تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔۔

ماما میں آپ لوگوں کے ساتھ حویلی نہیں جاؤں گی۔۔ ابرش نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔

ابرش بابا نے ساری فیملی کو حویلی بلایا ہے۔۔ تمھارا خاص طور پر کہا ہے۔۔ تمھارے بغیر میں حویلی کیسے جاسکتی ہوں؟؟۔زحلے نے رسانیت سے کہتے ابرش کو دیکھا۔۔

ماما یہی تو کہہ رہی ہوں۔۔ ایسا بھی کیا ہو گیا جو دادا جی نے آپ کو حکم دے دیا کہ ہم حویلی آجائیں۔ اور آپ نے بھی بنا پوچھے ہامی بھر لی۔۔ ابرش بری طرح جھنجھلائی تھی۔۔

سمیع اللہ خان نے زحلے کو فون پر پوری فیملی کے ساتھ حویلی آنے کا حکم دیا تھا۔۔ زحلے ان کے ایک حکم پر حویلی جانے کو تیار ہو گئی تھی۔۔ انہوں نے زحلے کو ابھی ابرش اور زاران کے نکاح کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔۔ وہ زحلے سے آمنے سامنے بات کرنا چاہتے تھے۔۔ بلکہ اپنا فیصلہ سنانا چاہتے تھے۔۔ انھیں پورا یقین تھا کہ زحلے کو ان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔۔ حویلی والوں نے ابرش اور زاران کے نکاح کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔

آہل عنایہ کسی کو حویلی جانے پر اعتراض نہیں تھا۔۔وہ سب بہت خوش تھے بشمول زحلے خاتون کے۔۔۔۔

ابرش سمیع اللہ کا سب کو حویلی بلانے کا مقصد کسی حد تک سمجھ چکی تھی۔۔زاران نے اس دن صاف لفظوں میں اس سے نکاح کرنے کی دھمکی دی تھی۔وہ کسی صورت حویلی نہیں جانا چاہتی تھی۔۔وہ کبھی زاران خانزادہ کی قید میں اس کی ملکیت بن کر نہیں رہ سکتی تھی۔۔وہ سمجھ گئی تھی نکاح کے بعد زاران اس پر اپنا مکمل حق جتائے گا۔۔جو اسے گوارا نہیں تھا۔۔

ابرش وہ میرے بابا ہیں۔وہ مجھے حویلی بلا رہے ہیں۔میں اس بات پر بحث کروں کہ وہ مجھے کیوں بلا رہے ہیں۔جو بھی وجہ ہے وہ حویلی جا کر پتہ چل جائے گی تم بحث مت کرو۔۔جاؤ تیار ہو جاؤ۔زاران ہمیں لینے آتا ہی ہو گا۔

۔زحلے کے منہ سے زاران کا نام سنتے ابرش کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔

ماما میں آپ کو بتا رہی ہوں۔۔ میں حویلی نہیں جاؤں گی۔ کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی۔۔ میں نے حویلی سے آتے ہوئے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں اب اپنی زندگی میں اس حویلی اور وہاں کے مکینوں کی شکل نہیں دیکھوں گی۔۔ جس میں سر فہرست اس زاران خانزادہ کا نام ہے۔۔ ابرش اونچی آواز میں بولی۔۔

ابرش تمھیں مسئلہ کیا حویلی کے لوگوں سے ؟؟ سب اتنے اچھے ہیں۔ اتنا خیال رکھا ہمارا سب نے ادھر۔۔ زحلے کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات لہرائے تھے۔

مسئلہ مجھے حویلی کے مکینوں سے نہیں بلکہ آپ کے سو کالڈ بھتیجے زاران خانزادہ سے ہے۔ جو ایک نمبر کا مغرور خود پسند انسان ہے۔۔ جو میں نے ریسرچ کی تھی خانزادہ فیملی کے بارے میں وہ اس پر پورا اترتا ہے عورت کو

اپنی جاگیر سمجھنے والا ب۔۔ل۔۔ڈ۔۔ی گنوار۔۔۔۔ابرش نے غصے سے

ایک ایک بات چباتے چباتے ہوے سامنے نگاہ کی تو اس کی سانسیں سینے میں

اٹکی تھیں۔۔اس سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تو زاران خانزادہ کھڑا

تھا۔۔سکائے بلو شلوار قمیض پر آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے بہت

سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔سفید رنگت میں سرخی نمایاں تھی۔۔جس کا

صاف مطلب ظاہر تھا۔۔وہ اس کی آج پھر ساری باتیں سن چکا

ہے۔۔ابرش کا دل پہلو میں ڈوب کر ابھرا تھا۔۔ابرش اس کے سنجیدہ

چہرے پر تنے ہوے نقوش دیکھ کر اپنا رخ پلٹ گئی تھی۔۔زحلے شرمندہ

سی ہوتی صوفے سے کھڑی ہوئی۔۔زاران بیٹا آؤ رک کیوں

گئے؟؟۔۔زحلے نے شرمندگی سے کہتے ہوے ابرش کو کھا جانے والی

نظروں سے دیکھا جواب سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی اپنے ہونٹ بری طرح کاٹ رہی تھی۔۔

پھوپھو گاڑی تیار ہے۔۔باہر ڈرائیور آپ لوگوں کا انتظار کر رہا ہے۔۔۔زاران نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔۔

بیٹا میں آہل اور عنایہ کو بلاتی ہوں۔وہ بلکل تیار ہیں۔۔ابرش ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔۔اور نہ میں چاہتی ہوں۔ابرش حویلی جائے۔۔زحلے نے ابرش کو گھورتے ہوئے غصے سے اپنا فیصلہ سنایا۔۔جس نے انھیں شرمندہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

ابرش کیوں نہیں جائے گی؟؟۔۔ابرش کا جانا بہت ضروری ہے۔۔داجی نے خاص طور پر آپ کو ابرش کو ساتھ لے کر آنے کو کہا ہے۔۔زاران نے ابرش کی جھکی نظروں کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔۔

بابا نے کہا ہے مگر مجھے لگتا ہے یہ حویلی کے مکینوں اور خاص طور پر بابا کی محبت کے قابل نہیں ہے۔۔اس لیے میں خود چاہتی ہوں۔یہ ہمارے ساتھ نہ ہی جائے تو بہتر ہے۔۔میرے لیے میرے دو ہی بچے کافی ہیں۔زحلے نے غصے سے ابرش کو اچھی خاصی سنائی تھی۔۔زاران خانزادہ کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ دیکھ کر زحلے کو اندازہ ہوا تھا۔۔اسے ابرش کی باتیں کافی بری لگی ہیں۔اس لیے انہوں نے زاران کا لحاظ کیے بغیر ابرش کو اچھی خاصی سنا ڈالی تھیں۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں حویلی کے مکینوں کے تو کیا کسی کی محبت کے قابل نہیں ہوں۔۔۔اس لیے میں مر کر بھی حویلی نہیں جاؤں گی اب کبھی۔۔ابرش اپنی بات مکمل کرتے زاران کو ایک نظر دیکھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔۔

پھوپھو آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں۔۔میں ابرش کو لے آؤں گا۔۔زاران نے زحلے کے پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔۔

زاران وہ بہت ضدی ہے وہ نہیں آئے گی۔۔مجھے لگتا ہے اسے یہاں ہی رہنے دیتے ہیں۔وہ اپنی تایا کی فیملی کے گھر رہ لے گی۔۔جب تک ہم حویلی سے واپس نہیں آجاتے۔۔وہ وہاں پر رہ لے گی۔۔زحلے کے الفاظ سنتے زاران کے ماتھے کے بل گہرے ہوئے تھے۔۔

پھوپھو آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں میں ابرش کو لے آؤں گا۔۔اب وہ میری ذمہ داری ہے۔۔زاران نے دوٹوک انداز میں کہا تو زحلے نہ چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔۔ابرش کی ضدی طبعیت سے وہ واقف تھیں۔زاران کا مزاج بھی سنجیدہ اور بارعب تھا۔۔وہ خود چاہتی تھیں ابرش ان کے ساتھ حویلی جائے۔۔اسے ادھر چھوڑ کر جانا ان کا دل

نہیں مان رہا تھا۔۔ زاران پر انھیں پورا بھروسہ تھا کہ وہ ابرش کو لے آئے گا۔۔ اس لیے وہ خاموشی سے آہل اور عنائیہ کو بلانے ان کے کمروں کی طرف چل پڑیں۔

ابرش اپنے کمرے میں بیڈ پر اوندھے منہ تکیے پر لیٹی رو رہی تھی۔ زحلے نے اسے زاران کے سامنے بنالحاظ کیے ڈانٹ دیا تھا۔۔ جو اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ وہ کسی قیمت پر بھی حویلی نہیں جانا چاہتی تھی۔ زاران اسے حویلی کیوں لے کر جانا چاہتا تھا وہ سمجھ گئی تھی۔ مگر زحلے اس کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہ تھی۔۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر ابرش کے آنسوؤں میں مزید روانگی آئی تھی۔۔

چلی جائیں ماما یہاں سے۔۔۔ آپ کو مجھ سے زیادہ اپنا وہ بھتیجا پیارا ہو گیا ہے۔۔ آپ کو اس کی اصلیت نہیں پتہ۔۔ آپ سب کے سامنے وہ بہت مہذب بنا پھرتا ہے۔۔ مگر مجھے جن نظروں سے گھورتا ہے میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔۔ اب مجھے وہ اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تاکہ دن رات پورے حق سے مجھے گھور سکے مجھ پر اپنا حق جتا سکے۔۔

اس کا محبت کا اظہار ایسا تھا جیسے کوئی جج کسی بے گناہ ملزم کو عمر قید کی سزا سنا رہا ہو۔۔۔ اگر اظہار ایسا تھا تو محبت کیسی ہو گی۔۔ میں مر کر بھی کبھی اس کی نہیں ہوں گی۔۔ کہہ دیں اپنے مہذب بابا جان سے۔۔ میں یہ نکاح کبھی نہیں کروں گی۔۔

ابرش تکیے میں منہ دیے روتے ہوئے چلائی۔۔

صرف گھورنے کے لیے تمھیں اپنی بیوی نہیں بنانا چاہتا۔۔ تمھارے ساتھ بہت کچھ کرنے کے لیے تمھیں اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ میری محبت واقعی میں تمھاری نازک جان برداشت نہیں کر پائے گی۔۔ عمر قید تو تمھیں ہو چکی۔۔ اب ساری عمر تمھیں اس اجڈ گنوار خانزادہ کی پناہوں میں گزارنی پڑے گی۔ صرف اس کی بن کر مکمل طور پر سر سے لے کر پاؤں تک صرف زاران خانزادہ کی ہو کر۔۔۔۔ کمرے میں زاران کی بھاری آواز گونجی تھی۔۔

ابرش کے دل کی دھڑکنیں ساکت ہوئی تھیں۔ ابرش نے بے یقینی سے مڑتے ہوئے دیکھا۔۔۔ اپنے سامنے زاران خانزادہ کو دیکھ کر ابرش کا رنگ خوف سے سفید پڑا تھا۔۔ وہ جلدی سے سیدھے ہوتے زاران کو اپنے کمرے میں دیکھ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔ وہ اس کے کمرے کے وسط میں کھڑا

اپنی براؤن آنکھوں سے اسے گہری گہری نظروں سے پورے حق سے دیکھ رہا تھا۔۔ جیسے وہ سچ میں اس کی ہو۔۔ ابرش کو اس کی ایکسرے کرتی نگاہوں سے جھرجھری محسوس ہوئی تھی۔

ابرش کو اپنا حلیہ دیکھ کر شرم کے ساتھ خفت کا بھی احساس ہوا تھا۔۔۔ وہ آف وائٹ کلر کے نفیس سے سمپل سے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جو تھوڑا باریک تھا۔۔ وہ اس وقت بغیر دوپٹے کے تھی۔۔۔۔ ابرش نے اپنے ارد گرد دوپٹہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر نتیجہ ندارد۔۔ اس فراک کے ساتھ دوپٹہ تھا ہی نہیں۔۔ نہ ہی آج سارا دن اس نے دوپٹہ لیا تھا۔۔ یہ تو زاران کو دیکھ کر اسے دوپٹے کا خیال آیا۔۔ زاران کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر ابرش بیڈ کی دوسری سائیڈ سے اترتے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔۔ آرادہ واش روم میں بند ہو کر اس خانزادہ سے اپنی جان بچانے کا

تھا۔۔ جس کے بارے میں وہ صبح سے جتنی گوہر افشانیاں کر چکی تھیں۔ وہ اپنے بارے میں اس کے ندارد خیالات سن بھی چکا تھا۔۔ اب یقیناً وہ بدلہ لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ آخر منتقم مزاج بندہ تھا۔۔۔ ابرش کو اس کے ساتھ پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔۔ جب اس نے اپنی باتوں اور اپنی بے باک نگاہوں سے اس کا پورپور سلگایا تھا۔۔

زاران اس کا آرداہ بھانپ کر جلدی سے ابرش کی طرف بڑھا اور اسے کلائی سے کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگایا۔۔ ابرش کے منہ سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ اپنے چہرے بر زاران خانزادہ کی تپش ذدہ سانسیں محسوس کر کے اپنی آنکھیں بھی میچ لی تھیں۔ اس کی ادا پر زاران خانزادہ کا دل ایک پل کے لیے ساکت ہوا تھا۔۔ لمحوں میں اس کی ادا پر گھائل ہوتے اس کا دل پہلے سے بھی زیادہ اس خوبصورت حسینہ کا اسیر ہوا۔۔

زاران اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے مسکراتی نگاہوں سے اس کے ایک ایک نقش کو دیوانہ وار دیکھے گیا۔۔

نظر اس کے سٹرابیری رس بھرے ہونٹوں پر آکر ٹھہر گئی تھی۔۔وہ بے اختیاری میں اس کے قریب ہوا۔۔اپنے لب بہت نرمی سے اس کے لبوں پر رکھے۔۔

ابرش جس نے اپنی آنکھیں میچی ہوئیں تھیں۔زاران کی حرکت پر اس نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔اس کی حرکت اور اس کی اتنی نزدیکی پر چہرہ لہو چھلکانے لگا تھا۔۔زاران ہی پہلا مرد تھا جو ہمیشہ اس کے اتنے قریب آجاتا تھا۔۔اب اس کی یہ حرکت۔۔۔ابرش کی پیشانی غرق آلود ہوئی تھی۔۔دل کی دھڑکنیں سرپٹ دوڑی تھیں۔

زاران کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مرانہ خوشبو سے ابرش کے حواس معطل ہوے تھے۔۔

یہ کیا بے ہودگی ہے؟؟۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔۔ ابرش غصے سے پھولتی سانسوں کے درمیان بولی۔۔ زاران کی حرکت اسے سر تا پیر سلگا گئی تھی۔۔ سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا تھا۔۔

تمھیں چھونے کا حق مجھے تو ہی ہے جان من۔۔۔۔۔

یہ بیہودگی نہیں محبت ہے میری۔۔۔ اب پتہ چلا میری محبت کیسی ہو گی؟؟ تم تو اتنی سی گستاخی سے سرخ گلاب کی کلی بن گئی ہو۔۔ میری محبت میری شدتیں کیسے سہو گی؟؟۔۔۔ زاران اس کے قریب ہوتا اس کے کان میں جھکتے بھاری مگر سرگوشی نما آواز میں بولا۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔ پیچھے ہو کر مجھ سے بات کریں۔۔ آپ کا مجھ پر ایسا کوئی حق نہیں جو آپ میرے قریب آئیں۔مجھے بلکل پسند نہیں آپ کا قریب آنا۔۔ ابرش نے زاران کو خود سے دور دھکیلتے کپکپاتے لبوں سے کہا۔۔اس کی سحر انگیز پرسنیلٹی کا جمود ہمیشہ کی طرح اس پر چھانے لگا تھا۔۔

اس لیے تو تمھیں اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ تاکہ پورے حق سے تمھیں چھو سکوں تمھیں پیار کر سکوں۔زاران کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔۔

زاران کی بھاپ چھوڑتی سانسیں اور آنچ دیتا لہجہ محسوس کرتے ابرش کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوے تھے۔

مجھے حویلی لے جا کر زبردستی نکاح کریں گے مجھ سے۔۔اس طرح اپنا بنائیں گے۔۔ ابرش نے تلخی سے کہتے زاران کی بے انتہا نزدیکی پر بھیگی شکوہ کناں

نگاہوں سے دیکھا جو بنا کسی رشتے کے اس کے اتنا نزدیک تھا کہ اس کی گرم سانسیں اب اس کی گردن پر بکھر رہی تھی۔۔ ابرش کا پورا بدن کپکپانا شروع ہوا تھا۔۔۔ جسے محسوس کرتے وہ مسکراتے ہوے اس سے دور ہوا۔۔

ابرش میں نے تمھیں دل کھول کر اپنی تمام فیلنگز بتادی تھیں۔ تم سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی تو میں کیا کر سکتا ہوں ؟؟۔۔ مجھے جلد از جلد تم اپنی ملکیت میں اپنے گھر اپنے کمرے میں چاہیے ہو۔۔ زاران نے دو ٹوک انداز میں کہتے اسے آنکھ ونک کی۔۔۔

ویسے اگر تم مجھ سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تو میرے نزدیک آنے پر تمھارا دل دھڑک دھڑک کر باہر آنے کو کیوں بے تاب ہوتا ہے۔۔ اور یہ ماتھے

پر ننھی ننھی شبنم کیوں چمک رہی ہے۔۔بتاؤ مجھے ذرا۔۔۔میرے نزدیک آنے پر ایسی حالت کیوں ہو رہی ہے تمھاری۔۔

اس کا لرزتا بدن اور لہو چھلکاتا چہرہ دیکھ کر اسے سوالیہ نگاہوں سے آبرو اچکائے دیکھتے ہوے گہری مسکراہٹ سے پوچھا۔۔

کیونکہ آپ ہی وہ بے شرم انسان ہیں. جو میرے اتنے قریب آنے کی جرات کر سکتا ہے۔ آپ سے پہلے کبھی کوئی میرے اتنے نزدیک نہیں آیا۔۔

نہ کبھی کوئی اب آسکتا ہے۔۔کیونکہ تم صرف زاران خانزادہ کی ہو۔۔۔اور مرتے دم تک صرف اس کی ہی رہو گی۔۔زاران ابرش کی بات کاٹتے بے حد سرد آواز میں بولا تو ابرش کا رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوا تھا۔۔اس

کی باتیں اس کا محبت کرنے کا انداز اس کی آنکھوں میں ٹھہری جنونیت تو سچ میں ابرش کو اس کی محبت عمر قید محسوس ہوئی تھی۔۔

زاران یہ آپ کی بھول ہے کہ میں کبھی آپ سے نکاح کروں گی۔۔ ابرش نے بھی جوابًا غصے سے بولتے دوٹوک لہجہ اختیار کرتے زاران کو اس کی حد میں رکھنا چاہا۔

ابرش تم نے میرے بارے میں بہت سے اندازے لگائے ہیں۔ مگر ایک اندازہ نہیں لگا پائی۔ جو چیز ایک بار زاران خانزادہ کی ہو جاتی ہے۔۔ وہ صرف زاران خانزادہ کی ہی رہتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے چھین نہیں سکتی۔۔ تم تو میری محبت ہو۔۔۔ تم سے دستبرداری میں اب مر کر بھی نہ کروں۔۔ تمھارا انکار کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔ تمھیں میرا ہی بننا

ہے۔۔اب چاہے تم خوشی خوشی مجھے قبول کرو یا پھر رو کر۔۔۔رہو گی تو تم صرف زاران خانزادہ کی ہی۔۔

زاران ابرش سے دور ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ اپنی شال گلے میں جھٹک گیا تھا۔۔اس کا بار بار ٹھکرانا اس کے دل کے ٹکڑے کر رہا تھا۔۔

ٹھیک ہے پھر دیکھتی ہوں آپ مجھ سے نکاح کیسے کرتے ہیں؟؟۔مجھے حویلی لے کر کیسے جاتے ہیں؟؟۔ابرش سرخ چہرے کے ساتھ بولتی وہاں سے جانے لگی تو زاران خانزادہ کی آواز پر رکی تھی۔۔

حویلی تو تم جاؤ گی ہی۔۔۔کل ہی میرے نام بھی ہو جاؤ گی۔۔۔دیکھتی جاؤ اب تم۔۔۔زاران کی بات سنتے اس نے پلٹ کر زاران کو دیکھا۔۔

جو دھمکیاں آپ مجھے دے رہے ہیں۔۔ میں ابھی جا کر ماما کو بتاتی ہوں۔ آپ کے کیا آرادے ہیں؟؟۔ ابرش کی دھمکی پر زاران کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔

مائی ڈیئر فیوچر وائف۔۔۔۔۔۔۔۔ پھوپھو تو اب تک اسلام آباد کراس بھی کر چکی ہوں گی۔۔۔ زاران نے گہرا مسکراتے ہوئے کہا تو ابرش بے یقین ہوئی تھی۔

کک کیا کہہ رہے ہیں؟؟۔ ماما مجھے یہاں چھوڑ کر بھی چلی گئیں۔۔ ابرش روہانسی ہوئی تھی۔۔ دوسرے ہی لمحے اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی۔۔ وہ مسٹر خانزادہ کے ساتھ اس گھر میں اکیلی ہے۔۔ اس کے خوف سے رونگھٹے کھڑے ہوئے تھے۔۔

ابرش زاران کو ایک نظر دیکھتے جلدی سے دراوزے کی جانب بڑھی۔۔وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔اس کے لیے یہ کمرہ اس انسان کے ساتھ عقوبت خانہ تھا۔۔جس میں اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔

کہاں جا رہی ہو؟؟زاران نے اسے کمرے سے باہر نکلتے دیکھ کر لب بھینچے پوچھا۔۔زاران کے لہو میں مارے اشتعال کے ابال اٹھے تھے۔۔

اس لڑکی کا تو مزاج ہی نہیں ملتا تھا۔۔وہ اس کے آگے جھک گیا تھا۔۔پتہ نہیں وہ کیا چاہتی تھی۔۔

ابرش اس کا سوال اگنور کرتے کمرے سے باہر نکل گئی۔زاران ابرش کے ایٹیٹوڈ پر اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ابرش داخلی دروازہ عبور کرنے ہی لگی تھی۔۔جب اس کی کلائی کو مضبوط گرفت نے جکڑا۔۔

کہاں جارہی ہو؟زاران خانزادہ نے اس بار کافی سکون اور تحمل سے پوچھا۔۔غصہ تو شدید تھا مگر ابرش کا حسین چہرہ دیکھ کر غصہ لمحوں میں اتر جاتا تھا۔۔وہ سمجھ گیا تھا ایک دفعہ یہ لڑکی اس کی زندگی میں اس کی بن کر آ گئی تو وہ شائد غصہ کرنا تو دور کی بات وہ اس کی قربت میں ساری دنیا بھول سکتا تھا۔۔۔اتنی بری طرح سے وہ اس کے دل کی مسند پر برجمان ہوئی تھی۔۔اس بات کا ابرش کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ مغرور شہزادہ کبھی کسی کے آگے پیچھے ایسے نہیں پھرتا تھا۔نہ ہی کسی کے اتنے نخرے برداشت کر سکتا تھا۔۔ سمجھتی تو اس کی محبت کو کبھی عمر قید نہ کہتی۔۔۔وہ تو بیچارہ خود اس کی محبت اس کے حصار میں بری طرح قید ہو چکا تھا۔۔

میں آپ کو بتانے کی پابند تو نہیں ہوں۔ مگر پھر بھی آپ کو بتا دیتی ہوں۔۔ تاکہ آپ کو اپنی حیثیت اچھی طرح میری زندگی میں واضح ہو جائے۔۔

میں آپ کے ساتھ اس گھر میں مزید تنہا نہیں ٹھہر سکتی۔۔ کیونکہ مجھے آپ پر ذرا برابر بھروسہ نہیں ہے۔۔ اس لیے میں اپنے تایا کے گھر جا رہی ہوں۔۔ جب تک ماما واپس نہیں آجاتیں۔ میں وہیں پر رکوں گی۔۔ ابرش نے اپنی کلائی چھڑواتے ہوئے کہا۔۔

تمھیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ اس زعیم پر بھروسہ ہے۔ تم میرے ساتھ اس گھر میں تنہا نہیں رک سکتی۔۔ مگر اپنے تایا کے گھر رکو گی۔۔ کس حیثیت سے رکو گی۔۔ زعیم تمھارے لیے غیر محرم ہے۔۔ اس کے وہاں ہوتے کیسے وہاں رک سکتی ہو۔ زاران آنچ دیتے سلگتے لہجے میں بولا۔۔

یہ تو طے تھا اس مقابل کا چہرہ دیکھ کر غصہ جتنی جلدی اترتا تھا اتنی ہی جلدی مقابل کی باتوں پر پہلے سے زیادہ قوت سے غصہ عود کر آتا تھا۔

ہاں مجھے زعیم پر مکمل بھروسہ ہے۔۔ جہاں تک غیر محرم کی بات ہے۔۔ میرے لیے آپ بھی غیر محرم ہیں۔ یہ بات ماما کو مجھے آپ کے ساتھ یہاں تنہا چھوڑ کر جانے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔۔ مگر انھیں تو آپ لوگوں کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔۔ ابرش کی بات پر وہ پھر سے لب بھینچ گیا تھا۔۔

ابرش عنقریب تم میری محرم کا درجہ پالو گی۔۔ اس لیے بات کرتے ہوے لفظوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا۔۔ ایک لفظ اور زعیم کی وکالت کے لیے لبوں سے مت نکالنا۔۔

مجھے تمھارے لبوں سے کسی کی حمائت میں ایک لفظ نہیں سننا۔۔۔

زاران انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کر گیا۔۔ ابرش زاران کے سنجیدہ چہرے کو ایک نظر دیکھتے دروازے کی جانب بڑھی۔۔

زاران کا مارے اشتعال کے رنگ سرخ پڑا تھا۔ ابرش کی کلائی پکڑ کر وہ اسے دروازے کے ساتھ لگا گیا تھا۔۔۔

جانتی ہی کیا ہو تم ؟؟ زعیم کے بارے میں ہاں۔۔۔ جو تم اسے مجھ سے زیادہ بھروسے کے قابل گردان رہی ہو۔۔ زاران اس پر جھکے سرد انداز میں دھاڑا۔۔

ابرش اس کی دھاڑ پر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔

وہ ایک خود غرض انسان ہے۔۔جو بزنس دنیا کی کامیابی کے لیے ہر حد تک جا سکتا ہے۔۔کسی کے بھی تلوے چاٹ سکتا ہے۔۔ضرورت پڑنے پر وہ اپنے رشتوں کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔۔زاران کی بات پر ابرش نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔۔

ایسے مت دیکھو ابرش۔۔۔۔اس دن تمھیں اپنے ساتھ لانے کا مقصد صرف تمھاری خوبصورتی کو کیش کروا کر یہ پروجیکٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔

زاران آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔آپ صرف زعیم کو میری نظروں میں گرانے کے لیے اتنی گھٹیا بات کر رہے ہیں۔۔شرم آنی چاہیے یہ سب کچھ آپ کو کہتے ہوے۔۔ابرش زران کی بات کاٹتے ہوے ناگواری سے چلائی۔۔

ابرش اگر تمھیں مجھ پر یقین نہیں ہے تو تم زعیم سے پوچھ سکتی ہو۔۔ پچھلے سال وہ ایک لڑکی کو اپنی منگیتر کے نام سے انٹرڈیوس کروا کر ہر پارٹی میں لاتا تھا۔۔ اس نے اس کے دم پر کتنے ہی پروجیکٹ حاصل کیے تھے۔۔۔

اور تمھارے پاپا کی کتنی ہی جائیداد ہے جو اس نے تم لوگوں سے چھپائی۔۔ تم لوگوں کو صرف ایک گھر دیا ہے۔۔ اور آفس میں بھی تمھارے پاپا کے شئیرز چند پرسنٹ ظاہر کیے ہیں۔۔۔

زاران نے چبھتے لہجے میں زعیم کی حقیقت ظاہر کی۔

زاران مجھے پتہ ہے اس کی انگیجمنٹ ٹوٹ گئی تھی۔۔ مجھے زعیم نے یہ بات بتائی ہے۔۔ رہی بات جائیداد کی۔۔۔ ان لوگوں نے جتنی بھی جائیداد ہمیں دی وہ ان کا احسان ہے۔۔ اگر وہ یہ بھی نہ دیتے تو ہم کیا کر لیتے۔۔۔ مجھے آپ کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ اس لیے اب راستہ چھوڑیں مجھے

جانا ہے۔۔ ابرش نے سختی سے کہا تو زاران کچھ پل لہو چھلکاتی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔۔ زاران نے غصے اپنی آئی برو انگوٹھے سے مسلتے ہوے اپنے اندر اٹھتے غصہ اظطراب پر قابو پایا۔۔ اس نے شائد ہی اتنی ڈھٹائی کسی عورت کی دیکھی ہو۔۔ برداشت کرنا تو دور کی بات تھی۔۔ وہ نکاح کے بعد ابرش کے تمام کس بل نکال لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔ جو اس کی کسی بھی بات کو سننے اور سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔

تم جاؤ گی مگر صرف میرے ساتھ حویلی۔۔۔ یہ تمھاری بھول ہے کہ میں تمھیں تمھارے تایا کے گھر جانے دوں گا۔۔ زاران سرد لہجے میں بولتے اس سے دور ہوا۔۔

اچھا کیسے جاؤں گی میں آپ کے ساتھ؟ کیسے روکیں گے آپ مجھے؟؟

ابرش نے طنزیہ نگاہوں سے چیلنجنگ انداز میں زاران کو دیکھتے ہوے اپنے سینے پر ہاتھ باندھے۔۔زاران نے اس کے انداز پر اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔۔

جان من۔۔۔۔تم ایک خانزادہ کو بہت ہلکے میں لے رہی ہو۔۔کوئی بات نہیں ایک دفعہ میرے نکاح میں آجاؤ۔۔۔پھر تمھارے لبوں سے اپنے ہر حکم پر جی کیسے نکلواتا ہوں۔تم بس دیکھتی جانا۔پھر ایسے چیلنجنگ انداز میں ایسے لکس دیتے ہوے سو بار سوچو گی۔۔میری ہر نافرمانی پر بڑی گھمبیر اور بے باک سزا تمھیں ملے گی۔۔

زاران ابرش کے کان کے قریب جھکتے مسکراتے ہوئے گھمبیر لہجے میں

ذو معنی انداز میں بولا۔۔

کک کیسی سزائیں۔۔ ابرش نے نا سمجھی سے زاران کو دیکھا جس کے لبوں پر

معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی۔۔ وہ اسے بازو سے جکڑے باہر کی طرف بڑھا۔۔

زاران یہ کیا کر رہے ہیں؟؟۔ چھوڑیں مجھے۔۔ ابرش غصے سے سرخ چہرے

کے ساتھ چلائی۔۔

زاران سنی ان سنی کرتا آگے بڑھا تھا۔۔ ابرش اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی جا

رہی تھی۔۔ گیٹ کے پاس رک کر زاران نے ایک نظر اسے دیکھا

تھا۔۔ دوسرے پل اپنی شال اتار کر ابرش کو اچھی طرح اوڑھائی اور اسے لیے باہر کی جانب بڑھا۔۔

زاران۔۔۔ ابرش اپنی کلائی چھڑواتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔ زاران نے اس کے چلانے پر سرد نظروں سے اسے گھور کر اسے دیکھا۔۔۔ آواز مت نکالنا ابرش۔۔۔ ورنہ آج کی رات حویلی تو نہیں پہنچ پاؤ گی۔۔ مگر قبرستان ضرور پہنچ جاؤ گی۔۔ زاران کی دھمکی پر ابرش نے بے یقینی سے زاران کو دیکھا جو بلکل سنجیدہ تھا۔۔ زاران اس کی بے یقین نظروں کی پرواہ کیے بغیر اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر دھکیلا تھا۔۔ اور خود جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔۔

درخشاں اتنا ٹائم ہو گیا۔۔ آج مردان خانے میں چائے کیوں نہیں بجھوایا ابھی تک ؟؟۔۔ امینہ خانم نے غصے سے اونچی آواز میں درخشاں کو پکارا تھا۔۔

خانم بی چائے کہاں سے بنے گا؟؟ سارا دودھ ضائع ہو گیا ہے۔۔ درخشاں نے امینہ خانم کے پاس آتے ہوے جواب دیا جو اس وقت زنان خانہ کے لاونج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

کیا مطلب دودھ ضائع ہو گیا؟؟ دس کلو دودھ منگوایا تھا۔۔ جس میں رات کے لیے کھیر بھی بننا تھا۔ درخشاں کی بات پر حیرت زدہ ہوتے روزینہ خانم نے جواب دیا تھا۔۔

ہم نے اتنی محنت سے دس کلو دودھ ابال کے رکھا تھا۔۔ حور بھابھی کچن میں آیا تو ہم نے اسے دس لوگوں کی چائے بنانے کو کہا۔۔۔ حور بھابھی نے دس کلو دودھ والے پتیلے میں پورا چائے کا پتی کا ڈبہ ڈال دیا۔۔ اب بتاؤ ہم چائے

کہاں سے بنائے۔۔ دس کلو دودھ میں پورا کلو چائے کا پتی ڈال دیا۔۔ اب اس چائے کو پکاتے پکاتے ہم کو رات ہی ہو جانا ہے۔۔ درخشاں نے منہ بگاڑتے ہوے کہا۔۔

حور کے کچن میں آنے سے اس کا بہت کام بڑھ گیا تھا۔۔ اس لیے وہ اچھی خاصی تپی ہوئی تھی۔

حور بھابھی کو تو کچھ بھی نہیں آتا۔۔ چائے کیسے بنتی ہے؟؟۔۔ پیاز کیسے کاٹتے ہیں؟؟۔ پیاز کا چھلکا اتارے بغیر وہ پیاز کاٹ رہا تھا۔۔ اور پھر اپنی انگلی بھی کاٹ ڈالا۔۔ ہم کچن کا کام کر لے گا۔۔ حور بھابھی کو رہنے دو۔۔ ہمیں اس کا ضرورت نہیں ہے۔۔ درخشاں نے منہ بناتے ہوے کہا۔۔

اچھا ٹھیک ہے۔۔ تم جاؤ کچن میں ہم دودھ کا انتظام کرواتا ہے۔۔ امینہ خانم نے درخشاں کو سنجیدگی سے جواب دیا۔۔ درخشاں منہ بناتے ہوے چلی گئی تھی۔۔

یہ لڑکی کیا پاگل ہے۔۔ جسے اتنا نہیں پتہ دس آدمی کا چائے بنانے کے لیے کتنا دودھ استعمال ہوتا ہے۔۔ چلو مان لیتا ہے بھابھی اس کو نہیں پتہ ہو گا۔۔ مگر اتنا بڑا پتیلا تو نظر آیا ہو گا ناں۔۔ اس میں کلو پتی ڈال دیا۔۔ ہم کہہ رہا ہے بھابھی یہ لڑکی ضرورت سے زیادہ معصوم ہے یا پھر ضرورت سے زیادہ ہوشیار۔۔۔ روزینہ خانم نے ناگواری سے کہا۔۔

اس میں ہوشیار ہونے کی بات کہاں سے آگیا؟؟۔ وہ بچی کالج میں پڑتا تھا۔ ۔اسے نہیں پتہ ہو گا۔۔ سیکھ جائے گا آہستہ آہستہ۔۔۔۔۔۔ امینہ خانم نے اہستگی سے کہا۔۔

کالج میں تو ہمار بچیاں بھی پڑتا ہے۔۔ بہارے، عابیر کو باورچی خانہ کا ہر کام آتا ہے۔۔ ادھر کتنا ملازمائیں ہیں۔ مگر ہمارا بچیاں ہر کام کرنا جانتا ہے۔۔ وہ لڑکی کہتا ہے اس کا باپ بہت غریب تھا۔۔ وہ بہت غریب ہے اس کا کوئی نہیں۔ ایسی لڑکی کو تو زمانے کی ٹھوکریں ہی سب کچھ سکھا دیتا ہے۔۔ اسے تو ہر کام آنا چاہیے تھا۔۔ گل سے جان چھوٹا تو اس حسین بلا میں ہمارا بچہ ارحام کی جان پھنس گیا۔۔ ہم کو تو ارحام پر بہت ترس آتا ہے۔۔ بیچارہ پریذے کو کتنا یاد کرتا ہے۔ ابھی صبح بھی وہ فون پر کسی کو پریذے کا پتہ لگانے کو کہہ رہا تھا۔۔ سنا ہے پری گل اور پریذے برکت خان کی حویلی میں نہیں ہیں۔۔ روزینہ خانم کی بات پر امینہ خانم کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔۔

ارے بھابھی آپ کیوں روتا ہے۔۔ ارحام پریذے کا پتہ لگا لے گا۔

۔۔ روزینہ خانم نے امینہ خانم کو تسلی دی تھی۔۔ ہم تو ہر نماز میں اپنے بچے

ارحام کی خوشیوں کی دعا مانگتا ہے۔۔ پریذے ہم کو بہت یاد آتا ہے۔۔ گل جیسا بھی تھا۔ مگر پریذے کا ماں تھا۔۔ جو بھی ہوا اس میں سب سے زیادہ نقصان پریذے کا ہوا ہے۔۔ ارحام اسے یہاں لے بھی آئے گا۔ مگر وہ اپنی ماں سے تو دور ہو جائے گا۔

امینہ خانم کا لہجہ بھیگا تھا۔

ارحام خانزادہ جو داجی سے ملنے کے بعد اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔ سب کی باتیں سنتا چند لمحے کے لیے رکا تھا۔۔ پھر سر جھٹکتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔۔

ارحام خانزادہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو نظر کمرے میں ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی حور پر پڑی جو اپنا ہاتھ پکڑے بری طرح سسک رہی تھی ۔۔ارحام کو دیکھتے ہی حور نے جلدی سے گھبراتے ہوے اپنا دوپٹہ سر پر جمایا تھا۔۔ارحام کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی اس کے انگوٹھے سے خون بہہ رہا تھا۔۔ارحام نظر انداز کرتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔

ڈریسنگ روم سے وائٹ شلوار قمیض پر آف وائٹ مردانہ شال اوڑھے وہ باہر نکلا تھا۔۔۔کمرے میں حور کی دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھی۔ارحام کی کمرے میں موجودگی کی وجہ سے وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔مگر شدید تکلیف کی وجہ سے اس کا درد سسکیوں کی صورت میں کمرے میں گونج رہا تھا۔۔پورا بدن ہچکولوں کی زد میں تھا۔۔کہاں سہے تھے اس نے اتنے درد اتنی تکلیفیں۔۔اب شائد یہ درد یہ تکلیفیں اس کا مقدر

تھیں۔ ارحام حور کی درد سے بھری سسکاریاں مکمل طور پر اگنور کرتے ڈریسنگ مرر سے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھانے کے لیے بڑھا تو حور ارحام کی اتنی نزدیکی پر یکدم گھبرا گئی تھی۔۔ خون بہتے ہاتھوں سے ہی دوپٹہ ٹھیک کیا جو سر سے پھسل رہا تھا۔۔ یکدم حور کو زوردار چکر آیا تھا۔ کل دوپہر سے کھانا نہیں کھایا تھا۔۔ اب انگوٹھے پر کافی گہرا کٹ لگا تھا۔۔ خون بھی کب سے بہہ رہا تھا جو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔۔ نقاہت اور ارحام کے خوف سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔ اس سے پہلے وہ چکر کھا کر گرتی ارحام خانزادہ نے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں سنبھالا۔۔ ارحام کے سینے کے ساتھ لگی حور نے خوف کے عالم میں ارحام سے دور ہونا چاہا تھا۔۔ حور کے انگوٹھے سے بہتا خون ارحام کی وائٹ شال کو داغدار کر چکا تھا۔۔

جسے دیکھتے حور کی رنگت مزید خوف سے سفید پڑی تھی۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ مم مجھے پتہ نہیں چلا کیسے مجھے چکر آ گیا۔۔ حور نے دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹتے کپکپاتے لبوں سے بمشکل کہا تھا۔۔

دوپٹے میں لگے بیٹس زخمی انگوٹھے کو مزید زخمی کر گئے تھے۔۔ حور اپنے انگوٹھے کو دیکھتی بری طرح سسک پڑی تھی۔۔ جس کے گہرے زخم میں دوپٹے کا بیٹس بہت زور سے لگا تھا۔۔ ارحام اپنی شال پر لگا خون دیکھ کر لب بھینچ گیا۔۔ اس کی وائٹ شال پر کافی خون لگا تھا۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا کہ حور کے ہاتھ کا زخم بہت گہرا ہے۔۔ جسے وہ ڈر کے مارے ہاتھ بھی نہیں لگا رہی تھی۔۔ حور کی شرٹ اور دوپٹے پر بھی خون لگ چکا تھا۔۔ وائٹ ماربل پر بھی جگہ جگہ خون کے قطرے گرے تھے۔ ارحام نے ایک نظر اس کے

چہرے کو دیکھا وہ دوپٹہ سر پر اوڑھے بری طرح رو رہی تھی۔۔شدید تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی۔۔

ارحام نے اس کا زخمی ہاتھ پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو حور بدحواس ہوتی دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔ابھی تک مقابل زخم ہی تو دیتا آیا تھا۔۔زخم پر مرہم رکھنے کی امید نہیں تھی۔۔اس لیے خوفزدہ ہوتے سرعت سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔۔

مم میں دیکھ لوں گی۔۔حور نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے اپنی کرسٹل براؤن گہری شفاف آنکھیں ارحام کی سرد آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔پھر اسی لمحے اس کی آنکھوں کے سرد پن سے گھبراتے نظریں جھکالی تھیں۔

ارحام نے اس کے خوف کو نظر انداز کرتے اس کے زخمی ہاتھ کو اپنی سخت گرفت میں لیا تو اب کی بار حور مزاحمت بھی نہ کر سکی تھی۔۔۔

ارحام نے اس کے زخم کا معائنہ کیا تو انگوٹھے کا زخم کافی گہرا تھا۔۔خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔۔حور کا ہاتھ بری طرح ارحام کے ہاتھ میں کپکپا رہا تھا۔درد سے زیادہ اب سامنے کھڑے ستم گر سے خوف آ رہا تھا جو اس کا زخمی ہاتھ پکڑے سنجیدہ نگاہوں سے اس کے زخم کا معائینہ کر رہا تھا۔۔

ارحام کچھ پل اس کے زخم کا معائنہ کرتا رہا۔۔۔پھر اس کا کانپنا محسوس کر کے اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا۔۔

ارحام کے ہاتھوں کی نرمی محسوس کرتے حور اب باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔۔امید نہیں تھی اس سفاک انسان سے کہ وہ اس کے ساتھ نرمی برتے گا۔۔

حور بیڈ پر بیٹھی اپنے زخمی ہاتھ کو دیکھتے ہوے دوسرے ہاتھ سے بار بار اپنا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی۔۔جو سر سے پھسلتے کندھوں سے بھی پھسل جاتا تھا۔۔ارحام کا خوف اس پر بہت بری طرح حاوی ہوا تھا۔۔۔۔اس کے دیے ہوے حکم سے وہ روگردانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔اسے کیا پتہ تھا کسی انسان کا لمس اتنا وحشی بھی ہو سکتا ہے۔۔کسی کی قربت اتنی جان لیوہ بھی ہو سکتی ہے۔جو جان لمحوں میں لبوں پر سجا دے۔۔وہ بھی اپنے محرم کی قربت۔۔۔۔۔۔اس ایک رشتے کا سکھ پانے کے لیے اس نے اپنی

زندگی داؤ پر لگائی تھی۔۔ مگر اب اسی رشتے سے سب سے زیادہ خوف آتا تھا۔

ارحام نے لب بھینچے اسے دیکھا جو اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے کے چکر میں اپنا انگوٹھا مزید زخمی کر چکی تھی۔۔

ارحام نے اس کے دوپٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حور مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔ ارحام نے اس کا دوپٹہ نرمی سے اتار کر بیڈ کی سائیڈ پر رکھا۔۔ حور خود میں سمٹتے ہوے اپنے زخمی لب کو کاٹتے نظریں جھکا گئی تھی۔

بکھرے بال سرخ چہرہ کپکپاتا وجود۔۔۔۔ ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔

ڈریسنگ روم سے فرسٹ ایڈ باکس ہاتھوں میں تھامے وہ کمرے میں آیا اور حور کے قریب بیٹھتے اس کے انگوٹھے کے زخم پر کاٹن رکھ کر خون روکنے کی کوشش کی۔۔ حور نے درد سے سسکی لی تھی۔۔

تم تو میری سوچ سے بھی کہیں زیادہ نازک ہو۔۔ تمھاری شکل وصورت ہی نہیں بلکہ تمھارے طور اطوار بھی کسی ریاست کی شہزادی کے ہیں۔۔ ارحام نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے گہرا طنز کیا۔۔

حور بہتے آنسوؤں سے صرف اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو ارحام خانزادہ کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔۔ شدید درد کے باوجود وہ اس کے خوف سے اپنا ہاتھ چھڑوا بھی نہیں پا رہی تھی۔۔

حیرت ہے تمھیں کوئی بھی کام نہیں آتا۔۔ ایک غریب باپ کی بیٹی کو چائے تک بنانا نہیں آتی۔۔ لگتا ہے اپنی خوبصورتی کے زعم میں کبھی کوئی کام نہیں

کیا۔۔ تمھیں لگتا ہو گا۔۔ تمھاری خوبصورتی دیکھ کر تمھیں کوئی شہزادہ بیاہ کر لے جائے گا۔۔ چچ چچ۔۔۔۔ تمھاری قسمت تم ایک وحشی ظالم کے ہاتھ چڑھ گئی۔۔ ارحام خانزادہ نے بے دردی سے اس کے انگوٹھے کے زخم پر کاٹن کا دباؤ بڑھایا تو حور درد سے کراہ اٹھی۔۔

مجھے کام کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں پڑی کیونکہ ہمارے گھر میں بہت سے شیف۔۔۔۔ حور نے درد سے سسکتے ہوئے اپنا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔۔

حور کی آدھی ادھوری بات پر ارحام کی سنجیدہ سرد نظریں اس کی طرف اٹھی تو حور کا رنگ زرد پڑا تھا۔۔

ممم میرا مطلب ہے۔۔ پاپا کسی رسٹورنٹ میں شیف تھے۔۔ وہ وہاں سے کھانا لے آتے تھے۔۔ مم مجھے کبھی کھانا بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ۔حور نے ارحام کی سرد آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔۔

حور کی بات پر ارحام کا رنگ غصے سے سرخ پڑا تھا۔۔ اس کا زرد چہرہ اس کے کپکپاتے لب سب سے بڑھ کر اس کی آنکھیں صاف کہہ رہی تھی۔۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔

شدید غصہ اشتعال سامنے بیٹھے نازک وجود پر آیا تھا۔۔ جی کیا تھا اس لڑکی کا منہ تھپڑوں سے لال کر دے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولتی تھی۔۔ مگر مقابل کی نازک ہوتی حالت کے پیش نظر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔۔ جانتا تھا اب وہ اس کی مزید سختی

برداشت نہیں کر پائے گی۔۔اس کا کپکپاتا وجود لمحوں میں اسی کی بانہوں میں ساکت ہو جائے گا۔۔

اچھا تو تمھیں جھوٹا کھانے کی بچپن سے عادت ہے۔اسی لیے ایک شادی شدہ بچے کا باپ تمھارا انتخاب ٹھہرا تھا۔۔ارحام نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوے استھزائیہ لہجے میں طنز کیا تھا۔۔ارحام کے طنز کا مطلب سمجھتے ہوے حور نے خفت سے سرخ پڑتے اپنا ہاتھ ارحام کے ہاتھ سے کھینچا ۔۔اس کا طعنہ انگوٹھے پہ لگے زخم سے زیادہ تکلیف پہنچا گیا تھا۔۔ارحام نے اپنی گرفت مزید مضبوط کرتے اس کے زخمی انگوٹھے کو اپنے شکنجے میں لیا تو حور کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی۔۔۔ارحام کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔۔اب تم نے شور کیا تو تمھارا زخمی انگوٹھا تمھارے ہاتھ سے جدا کر دوں گا۔۔چھوٹے بچوں کی طرح ری ایکٹ مت کرو۔۔تمھاری یہ

تکلیف میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ بلکہ تم جتنی تکلیف میں ہوتی ہو مجھے اتنا ہی سکون ملتا ہے۔۔ تمھاری جگہ اگر گل ہوتی تو اس کی تکلیف سیدھا دل پر لگتی۔۔ ارحام نے سرد آواز میں کہتے فرسٹ ایڈ باکس سے سپرٹ نکالتے حور کے زخمی انگوٹھے پر کاٹن کی مدد سے لگائی تو حور نے اپنی چیخیں گلے میں ہی گھونٹ دی تھیں۔ مگر درد سے سامنے بیٹھے ستم گر کا کندھا تھام گئی تھی۔۔

زخم کافی گہرا ہے۔۔۔۔ تمھیں ایک ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔۔ اس کے لیے تمھیں حویلی سے باہر نکلنا پڑتا۔۔ جو مجھے گوارا نہیں تھا۔۔ ایک خانزادہ ہوں۔ اپنی حسین بیوی پر کیسے کسی کی نظر پڑنے دے سکتا ہوں؟؟؟۔۔ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ یہ حسین آنکھیں اب میرے علاوہ

کسی غیر مرد کو دیکھیں۔ ارحام نے طنزیہ مسکراتے ہوئے حور کی آنکھوں سے بہتے شبنم کے قطرے چنتے ہوئے اس کی بے بسی کا حظ اٹھایا تھا۔۔۔ حور کا بری طرح سسکنا اس کے تڑپتے دل کو سکون دے گیا تھا۔۔

اب تم مرتے دم تک اس حویلی میں ہی رہو گی۔۔ کبھی باہر کھلی ہوا میں سانس نہیں لے سکو گی۔۔ اگر تم نے کبھی اس حویلی سے باہر کھلے آسمان کے نیچے قدم بھی رکھا تو تمھارا بد سے بدتر حال کروں گا کہ تمھیں اپنے زندہ رہنے پر افسوس ہو گا۔۔ ارحام نے اس کے زخمی انگوٹھے پر مزید سپرٹ لگائی تو حور نے اب کی بار درد سے سسکی بھی نہیں لی تھی۔۔ وہ اپنے سامنے بیٹھے ظالم بے حس انسان کو دیکھے جا رہی تھی۔۔ جس کے سینے میں دل کی جگہ شائد پتھر تھا۔

حور کی آنکھوں میں ٹھہرے خوف اور پانی کو دیکھتے ارحام اس کے قریب ہوا تو حور پیچھے کو ہوتی بیڈ کے کراؤن کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ ارحام کی سرد سانسوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے وہ اپنی آنکھوں کو بھی میچ گئی تھی۔۔

سرخ متورم، چہرہ، بکھرے بال، سانسوں کا چلتا مدھم زیر و بم

۔۔۔۔۔۔۔ دلکش نشیب و فراز جیسے گہرے سمندر میں اٹھتی طغیانی

۔۔۔۔۔۔

ارحام کچھ پل کے لیے اس کے حسین سراپے میں الجھ سا گیا تھا۔۔ تمھیں پتہ ہے تمھارا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟؟ ارحام اس کی گردن پر جھکتے اس کی بیوٹی بون کو اپنے لبوں سے کاٹ گیا تھا۔۔ حور کا پورے بدن پر لرزا

طاری ہوا تھا۔۔ مقابل اپنے لمس سے اس کے وجود کو ہر طرح سے تکلیف دینے کا ہنر جانتا تھا۔۔ اس کی اتنی سی قربت سے وہ مرنے کے قریب ہو گئی تھی۔۔ سانسیں سینے میں ہی اٹکی تھیں۔

تمھاری دشمن تمھاری بے پناہ خوبصورتی ہے۔۔ تم سے بے پناہ نفرت کے باوجود تمھاری خوبصورتی مجھے تمھاری طرف کھینچتی ہے۔۔۔ اب سزا کے طور پر میری قربت تمھارا مقدر ٹھہرے گی۔۔ جس میں تم قطرہ قطرہ جھلسو گی۔۔ تڑپو گی مگر مجھ سے نجات نہیں ملے گی۔۔ ارحام اس کی گردن کو اپنے لبوں کی تپش سے بری طرح سرخ کرتا پیچھے ہوا تو حور بری طرح رو دی تھی۔

اب تمھیں ایسی چھوٹی موٹی تکلیفوں کی عادت ڈال لینی چاہیے۔

۔۔کیونکہ اس سے زیادہ گہرے زخم تمھارے بدن کا حصہ بنے

گے۔ ۔اور ان زخموں کا علاج اسی بے رحمی سے کیا جائے گا۔ ۔ا

اس حویلی کی بہو اور ایک خانزادہ کی بیوی ہو اب تم۔۔یہ زندگی تم

نے خود چنی ہے۔۔اس لیے جتنی جلدی ایڈجسٹ ہو جاؤ تمھارے

لیے بہتر ہو گا۔آئیندہ اگر تمھار ہاتھ کچن میں جلا یا کٹا تو تمھیں اسی

زخمی ہاتھ کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔۔ارحام اس کا ہاتھ بے رحمی

سے تھامے پٹی کر چکا تھا۔۔حور کو سرد نظروں سے دیکھتا وہ اپنا

موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھائے وہاں سے چلا گیا۔۔

ارحام کے جانے کے بعد حور تکیے پر اوندھے منہ لیٹی پھوٹ پھوٹ کر رو

دی۔۔

کیا بات ہے ؟؟ آج اس غریب خانے کو ارحام خانزادہ نے کیسے رونق بخشی۔۔ ایس پی دریاب خان جو اپنی گاڑی مین بیٹھنے ہی لگا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کو اس کی گاڑی سے نکلتا دیکھ کر خوشگواری سے اس کی طرف بڑھا۔۔

ارحام خانزادہ مسکراتے ہوے دریاب خان کے گلے لگا تھا۔۔

مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے۔۔ تمھارا قیمتی وقت چاہیے۔۔ ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا تو دریاب خان ارحام خان کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ دیکھ کر چونکا تھا۔۔

قیمتی وقت تو تمھارا ہے۔۔۔ میں تو تمھارے لیے ہمیشہ حاضر ہوں۔۔ دریاب نے جوابًا کہا تو ارحام اپنی گلاسز اتارتا ہلکا سا مسکرا گیا تھا۔۔

اندر چلو وہاں چل کر بات کرتے ہیں۔ دریاب خان ارحام خانزادہ کو لے کر اپنے گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔۔

بولو کیا بات ہے۔۔ اتنے سنجیدہ کیوں نظر آرہے ہو۔۔ ایسی کیا بات ہو گئی کہ آج تمھیں میری خدمات کی ضرورت پڑ گئی۔۔

دریاب نے ارحام کو خاموش بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔۔ ارحام خان دریاب خان کے گھر کے عالی شان ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔۔

مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔۔ میں نے اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوے پوری کوشش کر لی ہے۔۔ مگر میں پتہ نہیں لگا سکا۔۔ شاہ نواز خان نے پریذے کو کہاں رکھا ہوا ہے۔۔ وہ برکت خان کی حویلی میں نہیں ہے۔ ۔ارحام بنا کوئی تمحید باندھے سیدھا اپنی بات پر آیا جس کے لیے وہ خاص طور

پر دریاب خان سے ملنے آیا تھا۔ ارحام خان کی بات پر دریاب خان صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔

کیا مطلب پریذے کو کہاں رکھا ہوا ہے؟؟ دریاب خان نے حیرانگی سے پوچھا۔

اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں تمھارے پاس کیوں آتا۔۔ چاہوں تو شاہ نواز کے سینے پر بندوق رکھ کر پریذے کا پتہ لگالوں۔۔ مگر مجھے گل نے دھمکی دی ہے۔۔ اگر میں نے ایسا کچھ بھی کیا تو وہ پریذے کو نقصان پہنچادے گی۔۔ ارحام نے لب بھینچے کہا۔۔

گل بھابھی ماں ہے پریذے کی وہ کیسے نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔ طلاق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بھابھی تمھارے کیے کی سزا پریزے کو دے گی۔

وہ عورت کچھ بھی کر سکتی ہے۔۔۔۔وہ اپنی ہی بیٹی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔مجھے اس پر یقین نہین رہا۔۔میں اپنی بیٹی کو ان لوگوں کے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔۔مجھے ہر حال میں پریذے اپنے پاس چاہیے۔۔ارحام غصے گرجتے ہوے بولا۔۔

ارحام اگر تمھیں پریذے کی اتنی پرواہ تھی تو تمھیں یہ سب کچھ کرتے ہوے سوچنا چاہیے تھا۔۔دریاب خان ارحام کی گردن کی پھوگتی رگوں اور اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولا۔۔

تم تک بھی خبر پہنچ گئی۔۔ارحام نے طنزیہ مسکراتے ہوے صوفے سے ٹیک لگائے اپنی جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکال کر اسے سلگاتے ہوے لبوں سے لگایا۔۔

ظاہر ہے پہنچنی ہی تھی۔۔دریاب نے اہستگی سے کہا۔

اگر تمھیں دوسری شادی کرنی ہی تھی تو تم شہر میں کر لیتے۔۔ تم اپنی دوسری بیوی کو یہاں کیوں لائے۔۔ یہ سب کچھ مجھے سمجھ نہیں آیا۔۔ دریاب نے الجھن بھرے انداز میں پوچھا۔۔

دریاب تم ان باتوں کو چھوڑو مجھے یہ بتاؤ تم پریذے کا پتہ لگانے میں میری مدد کر سکتے ہو کہ نہیں۔۔ ارحام نے سرد انداز میں پوچھا۔۔

میں اپنی ہر ممکن کوشش کروں گا۔۔ پریذے کا پتہ لگانے کا۔۔۔۔ تم فکر نہ کرو انشاءالہ بہت جلد پریذے کا پتہ چل جائے گا۔۔ دریاب خان نے مضبوطی سے کہا تو ارحام نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

۔زاران نے ڈرائیو کرتے ہوے ابرش کو ایک نظر دیکھا جو اس کی شال لپیٹے سپاٹ چہرہ لیے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔زاران نے اس کے چہرے کے نافہم تاثرات دیکھ کر اپنے بیرڈ پر ہاتھ پھیری۔۔اس کے چہرے کے تاثرات اسے تھوڑا الجھا چکے تھے۔۔وہ خاموشی سے بنا کوئی بحث کیے گاڑی میں بہت سکون سے بیٹھی تھی۔۔

یقیناً وہ کچھ سوچ رہی تھی۔۔لیکن کیا؟؟زاران خانزادہ نے ایک بار پھر سے ابرش کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالی۔۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ آسانی سے اس کے ساتھ بیٹھ کر اتنا لمبا سفر طے کر لیتی۔۔یا ممکن تھا وہ اس کی دھمکی سے ڈر گئی ہو۔۔زاران نے اپنی آئی برو انگوٹھے سے مسلتے ہوے سوچا۔۔

اس سے پہلے اس کی گاڑی انٹر چینج کراس کرتی۔۔زاران نے انٹر چینج سے بہت پیچھے ایک سائیڈ پر گاڑی روکی تھی۔۔

کیا سوچ رہی ہو؟؟زاران نے گاڑی روکتے ہی ابرش کے حسین نقوش اپنے دل میں اتارتے ہوے بہت نرمی سے پوچھا۔

جو سوچ رہی ہوں۔۔وہ ابھی آپ کو کچھ دیر میں پتہ چل جائے گا۔ابرش نے لب پھیلائے کہا تو زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔وہ اس کے انداز پر کافی محظوظ ہوا تھا۔۔

ہممم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو مائی ڈیئر فیوچر وائف۔۔۔جو آپ سوچ رہی ہیں۔۔اس پر عمل کرنے کا سوچنا بھی مت۔۔۔۔۔ورنہ یہ پسٹل کی گولی تمھاری کنپٹی سے آر پار ہو جائے گی۔۔زاران نے اپنی سیٹ کے نیچے سے پسٹل نکالتے ابرش کی کنپٹی پر پسٹل کی نوک رکھی تھی۔

ابرش نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے یقینی سے زاران کو دیکھا جو اپنی مسکراہٹ دبائے بظاہر گہری سنجیدگی سے ابرش کے بے یقین چہرے کو دیکھ رہا تھا۔۔

اس کی گہری براؤن آنکھوں میں نمکین پانی جما ہوا تھا۔ اور زاران خانزادہ کا دل ان جھیل سی آنکھوں میں جیسے ڈوب کر ابھرا تھا۔۔

تم مجھ پر گولی چلاؤ گے ؟؟۔۔ ابرش کے لہجے میں بے یقینی تھی۔۔ زاران کے ایکٹ پر ابرش کے لبوں نے اسے آپ کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔ بلکہ دل میں شدت سے تمنا جاگی تھی۔ کہ اگر یہ پسٹل اس کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ مقابل کے سینے میں گولیاں اتارنے میں پل نہ لگاتی۔۔

ہمممم۔۔۔۔ جان من تم نہیں آپ کہو۔۔۔۔ ورنہ تمھیں اپنا بنانے کے لیے کچھ گھنٹے بھی صبر نہیں کروں گا۔۔ یہاں سے کچھ میل کے فاصلے پر ہی

میرا فلیٹ ہے۔۔جو نکاح کل ہونا ہے۔۔۔وہ لمحوں میں ہو جائے گا۔ فکر نہ کرنا ہمارے بڑے ویڈیو کال پر ہمیں جوائن کر لیں گے۔۔ گواہان کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔ صرف ایک مولوی ارینج کرنا پڑے گا۔۔زاران نے پسٹل کی نوک اس کی کنپٹی سے لاتے اس کے گردن پر رکھتے ہوے اس کی بیوٹی بون پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھایا تھا۔۔

ابرش کی دھڑکنیں ساکت ہوئی تھیں۔۔اسے زاران خانزادہ جیسے پاگل انسان سے سب کچھ کی توقع تھی۔۔اس لیے وہ اس کی دھمکی کو کافی حد تک سیریس لے گئی تھی۔

میں آپ کو انٹر چینج کر اس کرنے نہیں دوں گی۔۔میں سکیورٹی کو بتا دوں گی کہ آپ مجھے اغوا کر کے لے کر جا رہے ہیں۔میں مرنے سے نہیں ڈرتی۔

۔۔اس لیے اس بے جان چیز سے مجھے ڈرانے کی کوشش مت کریں۔

۔ابرش نے گہرے سانس بھرتے پسٹل کی نوک اپنی گردن سے ہٹاتے

زاران خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بظاہر مضبوط لہجے میں کہا۔۔

ابرش کے آپ کہنے پر زاران کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔

۔اس کا نڈر ہونا اس کے لبوں سے آپ سن کر اس پر بخوبی اشکار ہو چکا تھا۔

۔زاران نے اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبائے ابرش کی طرف دیکھا جس کے

ماتھے پر ننھے ننھے شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔۔

ویسے مائی ڈارلنگ مس ابرش پاشا۔۔۔اگر آپ اس بے جان چیز سے ڈرتی

نہیں ہیں تو یہ خوبصورت پیشانی پر یہ موتی کیوں چمک رہے ہیں۔زاران اس

کی حالت سے محظوظ ہوتے گہرا مسکرایا تھا۔۔

میں ان بے جان چیزوں سے نہیں ڈرتی مگر مجھے خانزادہ سے ڈر لگتا ہے۔۔۔ آپ لوگوں کے نزدیک عورت کی جان کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔۔ میں جانتی ہوں اچھی طرح۔۔۔۔ ابرش نے گہرا سانس لیتے تلخی سے کہا تو زاران کے لبوں پر بکھری مبہم سی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی تھی۔۔

تمھاری جانکاری بہت ناقص ہے۔۔ عورت کی جان کی ویلیو عورت کی عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا ایک خانزادہ کے لیے۔۔۔۔۔۔۔ زاران خانزادہ اس کی گردن سے اپنی پسٹل ہٹا کر اسے ڈیش بورڈ پر رکھ چکا تھا۔

مجھے ڈرا کر دھمکا کر اغواء کر کے آپ مجھے لے کر جا رہے ہیں۔ یہ ہے عورت کی عزت آپ کے نزدیک؟؟ کچھ دیر پہلے میری کنپٹی پر پسٹل رکھی ہوئی تھی۔۔ یہ ہے آپ کے نزدیک عورت کی زندگی کی ویلیو۔۔ ابرش غصے سے

ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولی۔۔ پسٹل ڈیش بورڈ پر دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔

میں تمھیں ہوٹل کے بند کمرے میں عیاشی کرنے کے لیے اپنے ساتھ زبردستی نہیں لے کر جا رہا۔۔ تمھیں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں۔۔ اس سے بڑھ کر میرے نزدیک تمھاری عزت کیا ہو گی؟؟۔ اس سے بڑھ کر مقام کیا ہو گا؟؟ تم ہی سمجھ نہیں پا رہی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔۔ زاران نے کہتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔ شدید غصے کے عالم میں وہ اپنی بیرڈ پر ہاتھ تب ہی ہاتھ پھیرتا تھا۔۔ جب وہ کبھی خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔۔ مگر ابرش کی باتوں پر وہ خود کو کچھ بھی غلط کہنے سے مسلسل خود کو روک رہا تھا۔۔ جس کے باعث اس کا کی سفید رنگت میں سرخیاں سی گھل گئی تھیں۔۔

اپنی محبت کو اپنا بنانے کے لیے میں ہر حد سے گزر سکتا ہوں۔ جان لے سکتا ہوں۔۔۔۔ جان دے سکتا ہوں۔۔۔۔

جب تمھیں میرا ہی بننا ہے تو یہ دن مہینوں کا انتظار میں نہیں کر سکتا۔۔۔۔ میرے لیے لمحہ لمحہ بھاری ہے۔۔ تم مجھے اپنی دسترس اپنی پناہوں میں چاہیے ہو۔۔۔ یہی میرے عشق کی حد ہے۔۔۔۔ میرے نزدیک اپنے محبوب کو اپنا بنانے کے لیے ایک عاشق کو ہر حد سے گزر جانا چاہیے۔۔ جو عشق آپ سے دور چلا جائے وجہ کوئی بھی ہو۔۔ وہ مقدر کا فیصلہ نہیں بلکہ ایک عاشق کی ناکامی ہوتی ہے۔۔ ایسے عاشق کو عشق کرنے کا کوئی حق نہیں۔ محبوب سے جدائی صرف موت کی صورت میں ہونی چاہیے۔۔ زاران کے بھاری سرد لہجے میں عجیب سی تپش تھی۔۔ وہ تپش ابرش کو اپنی روح میں سرائت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ اس نے ہمیشہ

اپنے لیے ایک کیرنگ محبت کرنے والا لائف پارٹنر کا سوچا تھا۔۔ ایسا جنونی فلموں کے ہیرو کی طرح کا نہیں۔۔ جس کی باتیں ہی اس کے مساموں سے دھواں نکال دیتی تھیں۔۔ ابرش کے گال دہک کر آنار ہوے۔ ابرش دہکتے گالوں کے ساتھ منہ کھولے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی آنکھوں کا رنگ تک سرخی مائل ہو گیا تھا۔۔

ابرش کا دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔ بدن کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

زاران ممم مجھے وقت چاہیے۔۔ میں ابھی یہ سب کچھ قبول نہیں کر پا رہی۔۔ ابرش کو زاران کی باتوں سے خوف محسوس ہوا تھا۔۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا وہ ہر صورت اسے اپنا بنا کر ہی چھوڑے گا۔۔ اگر وہ ایک بار وہ حویلی چلی گئی تو واپسی کے سارے راستے اس کے لیے بند ہو جائیں گے۔۔۔

میں تو نکاح کے بعد تمھیں اپنے پاس بہت قریب دیکھنا چاہتا تھا۔۔ اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو ٹھیک ہے تم نکاح کے بعد سوچنے کا ٹائم لے سکتی ہو۔۔ زاران نے اپنی بات دوٹوک انداز میں مکمل کی۔۔

زاران میں نکاح سے پہلے کا وقت مانگ رہی ہوں۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ میں آپ کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گی۔۔ ابرش جھنجھلائی تھی۔۔

وہ نکاح ہی تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔ مسٹر خانزادہ کی ملکیت ہی تو نہیں بننا چاہتی تھی۔۔

مائی ڈیر فیوچر وائف۔۔۔۔۔۔ عنقریب تمھیں مجھ سے محبت ہو جائے گی۔۔ پھر کچھ بھی تمھارے لیے کوئی معنی نہیں رکھے گا۔۔ یہ کمزور سے اعتراضات ہیں۔۔ مجھے ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ کاح تو ہو

گا۔۔۔میری جان اور کل ہی ہو گا۔۔۔زاران نے دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔۔

مجھے کبھی آپ سے محبت نہیں ہو گی۔۔مجھے ایسے انسان سے کبھی محبت نہیں ہو گی۔ جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے مجھے سانس تک اس سے پوچھ کر لینی پڑے۔۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے بمشکل ہی کہا تھا۔۔۔زاران کی آنکھوں میں اپنا عکس لہراتے دیکھ کر اپنی نظریں جھکالی تھیں۔

سانسیں چرانا سانسیں مہکانا یہ تو محبت کا کھیل ہو گا جان من۔۔۔۔سانس تو تب لو گی جب میں تمھیں ایک پل کے لیے بھی اپنی قربت سے رہائی دوں گا۔۔۔ہر لمحہ ہر پل تمھاری سانسوں پر قابض رہوں گا۔۔تم نہیں جانتی

کتنی پیاس ہے مجھے تمھارے نرم گلابی لبوں کی۔۔ زاران نے ہاتھ بڑھا کر ابرش کے نچلے لب کو نرمی سے اپنی انگلی سے چھوا۔۔

ابرش زاران کی حرکت پر کان کی لوؤں تک سرخ ہوئی تھی۔۔ پلکیں شفاف عارض پر نہ چاہتے ہوے بھی سجدہ ریز ہوئیں تھیں۔

زاران مجھے اس طرح کی باتیں بلکل پسند نہیں ہیں۔ آپ کو بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔۔ آپ مجھ پر فی الحال ایسا کوئی حق نہیں رکھتے کہ اس طرح کی فضول باتیں کریں۔ ابرش نے غصے سے کہتے اپنا منہ پھیرا تھا۔۔

دل دھڑک دھڑک کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔۔ وہ کافی بے باک تھا۔۔ یہ تو پہلے دن اس کی آنکھوں کی بے باکی سے وہ اندازہ لگا چکی تھی۔۔ اب اس کے لفظ بھی اس کے لیے ناقابل سماعت تھے۔۔۔

یہی حق تو لینا چاہتا ہوں۔۔ تمھاری پناہوں میں ہر حد سے گزر کر تمھیں بتانا چاہتا ہوں تم میرے لیے کتنی خاص ہو۔۔۔ چلو کوئی بات نہیں ایک دن کی تو ہی بات ہے۔۔ نکاح کے بعد تمھیں بتاؤں گا۔۔۔ میرے حق کی کیا تجاوز ہے۔۔ زاران نے ذو معنی انداز میں کہتے سرد آہ بھری تھی۔۔

ابرش اب کی بار جھنجھلاتے ہوے اپنا منہ پھیر چکی تھی۔۔

ابرش تمھارا نگاہوں کا پھیرنا تمھارے چہرے کی سرخی یہی ظاہر کر رہی ہے کہ تمھارے دل میں بھی صرف زاران خانزادہ ہے۔۔ زاران نے بے اختیاری میں اپنا ہاتھ ابرش کی طرف بڑھاتے اس کے سرخ گال پر اپنے ہاتھ کی پشت نرمی سے پھیری۔۔

یہ گال سرخ آپ کی بے شرمی پر ہوے ہیں۔ ابرش نے زاران کا ہاتھ بری طرح جھٹکا تھا۔۔

ابرش کے ہاتھ جھٹکنے پر وہ اپنا غصہ ظبط کر گیا تھب۔۔ کل نکاح کے بعد وہ اس پر اپنا اچھا خاصہ حق جتا کر اسے اپنی بے شرمی کی لمٹس بتانے کا آرادہ رکھتا تھا کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے۔۔ اب اسے صرف کل کا انتظار تھا۔۔۔

ایک بات ابرش میری کان کھول کر سن لو۔۔۔۔۔۔۔ یہاں کی سکیورٹی اچھی طرح زاران خانزادہ کو جانتی ہے۔۔ اس لیے فضول میں تماشہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ اپنے لیے مشکلات مزید مت بڑھانا۔۔۔ جو بھی بات ہو گی اب حویلی چل کر ہو گی۔۔۔

زاران کی سرد آواز پر اس کی سماعتیں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں تھیں۔۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ کہاوت تو شائد اس مسٹر خانزادہ پر ہی

پوری اترتی ہے۔۔ ابرش اس کے نرم لہجے کو سرد لہجے میں تبدل ہوتے دیکھ کر سوچ کر رہ گئی تھی۔

زاران نے سرد انداز میں اپنی بات مکمل کرتے گاڑی سٹارٹ کی

ابرش نے بری طرح لب کاٹتے زاران کو ایک نظر دیکھا تھا اور اپنی گاڑی کے پیچھے آتی گارڈز کی گاڑی کو دیکھ کر وہ خاموشی سے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ کی پاور سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔۔ یہ بھی یہاں کی سکیورٹی زاران خانزادہ کو روکنے کی بجائے اسے مسکراتے ہوے سلام کرتی ہے۔۔ ابرش نے خاموشی میں ہی عافیت جانی تھی۔۔ زاران کی بات اسے صیح لگی تھی۔۔ اب جو بھی بات ہو گی حویلی چل کر ہو گی۔۔ اور وہ بھی اب جو بھی بات کرنا چاہتی تھی۔۔۔ حویلی پہنچ کر زحلے اور سمیع اللہ خان سے ہی کرنا چاہتی تھی۔۔

زاران اور ابرش جب حویلی پہنچے تو اس وقت شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔ زاران ابرش کے ساتھ حویلی کے اندر داخل ہوا تو امینہ خانم نے آگے بڑھ کر ابرش کو بہت پیار سے گلے لگاتے ہوے اس کا ماتھا چوما تھا۔۔

مجھے تو پہلی نظر میں ہی تم اپنے زاران کے لیے بھا گیا تھا۔۔۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔۔ چاند سورج کی جوڑی ہے۔۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔۔ امینہ خانم نے بھرائی آواز میں دعا دی تھی۔ زاران نے مسکراتے ہوے انھیں گلے سے لگایا تھا۔۔ وہ ان کے اداس چہرے کو دیکھ کر سمجھ چکا تھا۔۔ وہ پریذے اور ارحام کے لیے بہت پریشان رہنے لگی ہیں۔

مورے یہ خوشی کا موقع ہے۔۔ایسے آنسو بہاتے آپ اچھی نہیں لگتیں۔۔زاران نے ابرش کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوے کہا جو سپاٹ سا چہرہ لیے کھڑی تھی۔

مردان خانہ میں سمیع اللہ کے کمرے سے آتی زحلے کی آنکھیں نم تھیں۔۔اور پورا بدن خوشی سے کپکپا رہا تھا۔۔

وہ ابرش اور زاران کو دیکھتے ان کی طرف بڑھیں۔۔اور زاران کے گلے لگ کر رونے لگیں۔۔

مجھے تو یقین نہیں آرہا زاران۔۔۔۔۔۔تم اور ابرش۔۔۔۔۔۔تمھیں دیکھتے ہی میرے دل نے ابرش کے لیے تمھاری خواہش کی تھی۔۔مگر میری ہمت

نہیں پڑی کہ کبھی یہ بات زبان پر بھی لاؤں۔۔۔بہت قسمت والی ہے میری ابرش جو اسے تم ملے۔۔۔۔زحلے نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران کی پیشانی چومی تو ساتھ کھڑی ابرش کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت لہرائی تھی۔۔

زحلے اس کی مرضی کے بغیر اس کی زندگی کا فیصلہ بھی کر چکی تھی۔۔۔

ابرش نے اپنی بھیگی بے یقین آنکھیں زحلے پر گاڑھیں۔۔زحلے مسکراتے ہوے ابرش کی طرف بڑھی تو ابرش دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔اور سر نفی میں ہلاتے تیز تیز قدم اٹھاتی زنان خانہ کا لاونج عبور کرتے حویلی کے مہمان خانہ میں بنے کمروں کی جانب بڑھ گئی۔۔ابرش کے رویے پر زحلے کا رنگ شرمندگی سے سرخ پڑا تھا۔۔زاران بھی ابرش کی حرکت پر اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔

زنان خانہ کے لاونج میں برداری کی کچھ مہمان خواتین بھی تھیں۔ ملازمائیں تک ادھر ہی موجود تھیں۔

امینہ خانم تمھارا ہونے والا بہو کا مزاج ہی نہیں ملتا۔۔ ہمیں تو یہ گل کا دوسرا کاپی لگتا ہے۔۔۔ ذرا خیال رکھنا گل تو ادھر کا رہنے والا تھا۔۔ اس کا مزاج نہیں ملتا تھا۔۔ یہ تو باہر سے آیا ہے۔۔ ہمیں نہیں لگتا یہ ادھر رہ سکے گا۔۔ برداری کی ایک بڑی عمر کی خواتین نے منہ پھاڑ کر امینہ خانم کو جتایا تو زاران نے بمشکل ہی خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھا تھا۔۔ وہ خاتون داجی کی بہن تھیں۔۔ جس کا احترام سب پر لازم و ملزم تھا۔۔۔ زاران لب بھینچے غصے سے مردان خانے کی طرف بڑھ گیا۔۔

ایسا بات نہیں ہے۔۔ وہ بچی تھکا ہوا تھا۔۔۔ کچھ شرما بھی رہا تھا اس لیے یہاں سے چلا گیا۔۔ ورنہ وہ بچی بہت سعادت مند ہے۔۔ امینہ خانم نے بہت

آہستگی سے کہا۔۔انھیں بھی ابرش کا رویہ ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔۔ان کی نظریں شرمندگی سے جھک گئی تھیں۔۔گل اور ارحام کے واقعے کے بعد وہ ویسے ہی مضمحل سی رہنے لگی تھیں۔ابرش کے چہرے کی سنجیدگی اور اس کے رویے نے ان کے دل کو کافی تکلیف پہنچائی تھی۔۔ہمارا ارحام کو سب جانتا ہے۔وہ نرم مزاج ہے۔۔عورت پر سختی اس کا فطرت نہیں۔۔اس لیے گل اس کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔۔مگر یہ زاران ہے۔۔آپ اچھی طرح جانتا ہے زاران کے مزاج کو۔۔۔وہ ٹیڑھے سے ٹیڑھے مزاج کو سیدھا کرنا جانتا ہے۔۔ویسے بھی گل کا تجربہ ہمارے لیے کافی ہے۔۔ہم کو پتہ ہے کس کو کیسے رکھنا ہے۔۔ابرش ادھر ایڈجسٹ بھی کرے گا۔۔اور تیر کی طرح سیدھا بھی رہے گا۔۔اور یہ سب تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔۔

روزینہ خانم نے امینہ خانم کی جھکی نظریں دیکھ کر تڑخ کر جواب دیا۔۔

اور ساتھ میں زحلے کو غصے سے دیکھتے بہت کچھ جتایا بھی تھا۔۔۔ابرش کی حرکت روزینہ خانم کو بھی ناگوار لگی تھی۔۔امینہ خانم کے آنکھیں نکالنے کے باوجود روزینہ خانم نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔امینہ خانم کی طرح ان کا مزاج نرم اور صلح جو ہر گز نہ تھا۔۔۔وہ اگلے کو ہمیشہ ان کی اوقات کے مطابق ہی ٹریٹ کرتی تھیں۔۔

روزینہ خانم کی بات پر سب خاموش ہو گئے تھے۔۔زحلے غصے سے ابرش کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔

ابرش بیڈ پر سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھی تھی۔۔اسے زحلے سے یہ امید نہیں تھی۔انہوں نے ایک دفعہ اس سے پوچھنے کی بھی زحمت محسوس نہیں کی تھی۔۔ابرش کو اپنی ذات بہت ارزاں لگی تھی۔۔اس کی قسمت کا اچھا ہونا زاران کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔۔اس کی اپنی ویلیو کچھ نہیں تھی۔۔

زاران اسے یہاں زبردستی لے آیا تھا۔۔وہ یہاں خاموشی سے چلی آئی تھی۔۔کیونکہ اسے یقین تھا۔زحلے کبھی بھی اس سے پوچھے بغیر اس کی زندگی کا فیصلہ نہیں کرے گی۔۔۔مگر زحلے اس کے معاملے میں اتنی خود غرض ہو گی اس نے سوچا نہیں تھا۔۔

وہ اپنے آنسو ظبط کرتے اپنے بدن کی لرزاہٹ پر بمشکل ہی قابو پائے ہوے تھی۔۔

زحلے دروازہ دھاڑ سے کھولتی اندر داخل ہوئی۔۔ تو ابرش نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔۔

یہ کیا طریقہ تھا ابرش؟؟ میں نے تمھاری تربیت اس انداز میں تو کبھی نہیں کی کہ تم اپنے بڑوں کا لحاظ بھول جاؤ۔۔۔ زحلے نے غصے سے کہا۔۔

آپ نے میری تربیت کی ہی کب ہے۔۔۔ آپ تو ہمیشہ اپنی اس غلطی کا ماتم کرتے آئی ہیں۔۔ جس نے آپ سے آپ کے تمام رشتے چھین لیے تھے۔۔ ابرش نے تلخی سے کہتے اپنی بھرائی آواز پر قابو پایا۔۔ جب اس کی ماں ہی کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔۔ وہ رو کر خود کو ان کے سامنے کمزور نہیں ثابت کرنا چاہتی تھی۔

تم مجھے طعنہ دے رہی ہو ابرش۔۔۔ زحلے نے کرب سے کہا۔۔

طعنہ نہیں دے رہی۔۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔۔۔ کل بھی آپ کو صرف اپنے رشتے چھوٹنے کا غم تھا۔۔ جس میں آپ اپنے بچوں کو ہی بھول گئیں تھیں۔۔ آج آپ اپنے رشتوں کو واپس پا لینے میں اتنی مگن ہیں۔ اپنی بیٹی کو ہی بھول گئیں۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں زحلے کو جتایا۔۔ وہ مزید اپنے لہجے پر قابو نہ پا سکی تھی۔۔ جو اپنی ماں کی سفاکی پر بھیگ رہا تھا۔۔

بھول گئی ہوں تمھیں۔۔۔ تمھیں آباد کر رہی ہوں ابرش۔۔ زاران جیسا لڑکا پوری دنیا میں کہیں نہیں ہو گا۔۔ امیریکہ سے بڑھ لکھ کر آیا ہے۔۔ پورا بزنس سنبھال رکھا ہے۔۔ پوری حویلی میں زاران کا رعب و دبدبہ ہے۔۔ بابا کتنی اہمیت دیتے ہیں زاران کو۔۔۔ زاران خود تمام رشتوں سب کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔۔ شہزادوں جیسی پرسنیلٹی ہے میرے زاران کی۔۔ اور کیا چاہیے تمھیں۔ زحلے کے لہجے میں زاران کے لیے بے تحاشا محبت

تھی۔۔ جسے محسوس کرتے ابرش کا دکھ مزید بڑھا تھا۔۔۔ اتنی محبت تو کبھی بھی زحلے نے اس سے نہیں جتائی تھی۔۔ بچپن سے ہی وہ اسے ہمیشہ اس کی ذراسی ضد پر ذراسی بات پر بے تحاشا سنا دیتی تھیں۔۔

ابرش خود پر قابو پاتے زحلے کی طرف بڑھتے ان کے مقابل آئی تھی۔

ماما وہ اپنے سے جڑے ان رشتوں کو اہمیت دیتا ہے۔۔ جو اس کے لیے تعظیم کے قابل ہیں۔ جیسے اس کی ماں بہن۔۔ مگر بیوی اس کے لیے جاگیر کی حیثیت رکھتی ہے۔۔۔ یہ بات وہ مجھے جتا چکا ہے۔۔ وہ نکاح کے بعد مجھے اپنی ملکیت میں لینا چاہتا ہے۔۔ مجھے پردہ کروانا چاہتا ہے۔۔ مجھے اپنی مرضی کے مطابق رکھنا چاہتا ہے۔۔ ماما میں اتنے ڈومینیٹنگ انسان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ ابرش نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔۔۔

ابرش اگر تمھیں وہ پردہ کروانا چاہتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے۔۔ یہاں کی تمام عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ اگر تم بھی کر لو گی تو کیا مضائقہ ہے اس میں۔ تم اس بات کو بنیاد بنا کر زاران کو ٹھکرا رہی ہو۔۔ زحلے نے ناگواری سے کہا۔۔ انھیں ابرش کے اعتراضات بے بنیاد لگے تھے۔۔

اتنی سی بات ہے آپ کے نزدیک۔۔۔ یہاں کی عورتیں اس لیے پردہ کرتی ہیں۔ وہ یہاں کی ہیں۔۔ میں نے ساری زندگی امیریکہ میں گزاری ہے۔۔ بنا کسی روک ٹوک کے۔۔

اب یہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟؟۔ صرف اس کی بیوی بن کر۔۔۔۔۔ اس کے احکامات کی تکمیل کرتے ہوے۔۔۔ بات صرف پردے کی نہیں ہے ماما۔۔۔ وہ بہت ڈومینیٹنگ ہے۔۔۔ میں پاپا جیسے کسی بھی انسان کو اپنی

زندگی کا حصہ نہیں بناؤں گی۔۔ زحلے ابرش کی بات پر گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔۔

ابرش ہر کسی میں اپنے باپ کو تلاش کرنا چھوڑ دو۔۔ اگر تم پاشا جیسے کسی انسان کو نہیں اپنانا چاہتی تو اس بات کو کیسے اگنور کر سکتی ہو۔۔ تمھارا باپ میرے پردے کا مذاق بناتا تھا۔۔ مجھے اپنے ساتھ بے پردہ لباس میں پارٹیز میں لے جانے کے لیے مجھے کیسے مجبور کرتا تھا۔۔ مجھے نوکری کرنے پر بھی پاشا نے مجبور کیا تھا۔۔

مگر زاران تو تمھیں پردہ کرنے کو کہتا ہے۔۔ یہ شال تمھارے بدن پر موجود ہونا اس بات کی گواہی ہے کہ تم اس کے لیے کتنی معتبر کتنی اہمیت رکھتی ہو۔۔ زحلے نے ابرش کو زاران کی شال میں لپٹے دیکھ کر کہا تو ابرش نے جز بز ہوتے زاران کی شال خود پر مزید اچھی طرح لپیٹی تھی۔۔ پتہ نہیں کیا بات

تھی۔۔وہ چاہتے ہوے بھی زاران کی شال خود سے علیحدہ نہیں کر پاتی تھی۔۔جب جب زاران اسے اپنی شال اوڑھاتا تھا۔۔اسے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔۔۔اس کی شال سے اٹھتی اس کی مہک تک اسے اپنے وجود کا حصہ معلوم ہونے لگتی تھی۔۔

ماما کچھ بھی ہو میں زاران سے نکاح نہیں کر سکتی۔۔مجھے اس سے خوف آتا ہے۔۔وہ غصے کا بہت تیز ہے۔۔میں اپنی زندگی اس کے غصے کے خوف سے نہیں گزار سکتی۔۔ابرش نے اپنے دل کا ڈر ظاہر کیا تھا۔۔۔

ابرش کسی کو بھی جانے بغیر تم اس کے بارے میں رائے کیسے قائم کر سکتی ہو؟؟۔۔اس کا مزاج ہے تھوڑا تیز۔۔ مگر وہ اپنی ماں اور بہنوں کے لیے تو ایسا نہیں ہے۔۔ ظاہر ہے اپنی بیوی کے لیے بھی وہ ایسا نہیں ہو گا۔۔۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمھارے لیے بہت محبت دیکھی ہے۔۔ شادی کے بعد تھوڑا بہت تو ہر لڑکی کو اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے۔۔ تم زاران کے مزاج مطابق ایڈجسٹ کر لینا۔۔ زحلے نے نرمی سے بولتے ہوے ابرش کا ہاتھ تھاما۔۔

یعنی آپ چاہتی ہیں میں اس کی مرضی کے مطابق کپڑے پہنوں.. اس کی مرضی کے مطابق بات کروں۔ اس کی مرضی کے مطابق اسی حویلی کی عورتوں کی طرح رہوں۔ ہر وقت سر پر دوپٹہ لے کر۔۔۔ کسی بھی غیر مرد کے سامنے نہ جاؤں۔۔۔ کیونکہ زاران ایسا نہیں چاہتا۔۔ سانس تک اس

کی مرضی سے لوں۔۔ ابرش اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے بدک ہی پڑی تھی۔۔ وہ کسی کی بھی خاطر خود کو بدلنا نہیں چاہتی تھی۔۔ اور اس مسٹر خانزادہ کے لیے تو کبھی نہیں۔۔۔ زحلے کے چہرے پر شدید غصے کے تاثرات لہرائے تھے۔۔ جسے محسوس کرتے ابرش نے گہری سانس لی تھی۔۔

ماما۔۔۔ مجھے ایک بات بتائیں۔ وہ مجھے نکاح کے بعد آفس میں کام کرنے دے گا۔۔ یقیناً کبھی نہیں کرنے گا۔۔ میرے ذمے آہل عنائیہ کی ذمے داری ہے۔۔ میں کیسے آپ سب کو چھوڑ کر صرف زاران خانزادہ کی بن کر رہ جاؤں۔۔ ابرش نے رسانیت سے کہتے زحلے کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔۔

ابرش آہل تم سے صرف ایک سال چھوٹا ہے۔۔اور بھائی دس سال بھی چھوٹا ہو تو وہ بڑا ہی ہوتا ہے۔۔یہ ذمہ داری تمھاری نہیں آہل کی ہے۔

وہ ابھی اپنی پڑھائی مکمل کر رہا ہے۔۔مگر عنقریب اس کی پڑھائی مکمل ہو جائے گی۔۔پھر وہی سب کچھ سنبھالے گا۔۔۔بابا جان نے اتنی جائیداد ہمیں دے دی ہے آہل کچھ نہ بھی کرے تو ساری عمر ہم بیٹھ کر کھا سکتے ہیں ۔۔بابا اور زاران کے ہوتے تمھیں ہم سب کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔میری ذمہ داری ہے تمھیں اپنے گھر رخصت کرنے کی۔۔مجھے وہ نبھانے دو۔۔۔ہماری فکر تم مت کرو۔۔زحلے نے سرد انداز میں اپنا حکم سنایا۔۔

ایک بوجھ کی طرح اپنی ذمہ داری اتارنا چاہتی ہیں۔یا پھر آپ لالچ میں آگئی ہیں۔۔میرے بہن بھائی کی ذمہ داری میری ہے۔۔مجھے آپ کے بابا یا پھر

اس زاران کا احسان نہیں چاہیے۔۔ آپ بھی سن لیں۔۔ میں یہ نکاح نہیں کروں گی۔۔ کسی بھی قیمت پر نہیں کروں گی۔۔ ابرش غصے سے چیخ پڑی تھی۔۔

ابرش تم یہ نکاح کرو گی ہر صورت میں کرو گی۔۔ میں نے بابا کو اپنی زبان دے دی ہے۔۔ اب میں اپنی زبان سے پھر نہیں سکتی۔۔ نہ ہی میرے اندر اتنی ہمت ہے کہ میں انکار کر کے اپنے سب رشتوں سے ہاتھ دھوں دوں۔۔ وہ بھی تمھارے فضول سے اعتراضات کی بنیاد پر۔۔ میں اپنے اندر ہمت ایک ہی بات کی پاتی ہوں کہ تمھارے انکار پر اپنی جان لے لوں۔۔ زحلے نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

ماما۔۔۔۔ ابرش نے نم آنکھوں سے زحلے کو بے یقینی سے پکارا۔ اسے زحلے سے اس اموشنلی بلیک میلنگ کی امید نہیں تھی۔۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی

کرتی تھیں۔۔ آج اس کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ تھا۔۔اس میں بھی زحلے اسے اموشنلی بلیک میل کر رہی تھی۔۔ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

اگر تم نے اس نکاح سے انکار کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔۔یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔۔زحلے اس کی بھیگی بے یقین آنکھوں کو دیکھتی سپاٹ لہجے میں کہتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے وجود سے زاران خانزادہ کی شال اتار کر دور اچھال دی تھی۔۔بیڈ پر اوندھے منہ گر کر تکیے منہ چھپائے زار و قطار رونے لگی تھی۔

زاران شاور لے کر واش روم سے بلیک ٹراوزر میں شرٹ لیس باہر نکلا تھا۔۔ اپنے سینے کو رگڑتے ہوے اس نے اپنے گھنے بالوں میں بھی تولیہ اچھی طرح رگڑا تھا۔۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے وہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے انھیں سنوار رہا تھا۔۔ دروازے پر دستک کی آواز پر زاران نے بیڈ پر پڑی بلیک ٹی شرٹ پہنتے ہوے دستک دینے والے کو اندر آنے کی آجازت دی۔۔

ابرش کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر زاران خانزادہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔۔ وہ ابھی ابھی اپنے کمرے میں آیا تھا۔۔ آتے ساتھ ہی شاور لیا تھا۔۔ زاران کا کمرہ بھی مردان خانے کی طرف تھا۔۔ اس وقت اس کا کمرے میں آنا تعجب خیز تھا۔۔

وہ اپنی حیرانگی پر قابو پاتا ابرش کی طرف بڑھا۔۔جو صبح والے وائٹ فراک میں ملبوس تھی۔۔مگر اب اس کے بدن پر اس کی شال موجود نہیں تھی۔۔

وہ کافی مظطرب سی ان کمفرٹیبل سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔

زاران نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالتے ہوے اپنے لب بھینچے تھے۔وہ اس کی ضد میں اپنے حلیے کی پرواہ کیے بغیر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔۔وہ کافی ضدی تھی اس بات کا زاران کو بخوبی اندازہ ہوا تھا۔۔

بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟؟؟۔۔جو تمھیں اس وقت میرے کمرے میں آنے کی ضرورت پڑی۔۔۔ویسے اگر تم کل نکاح کے بعد میرے کمرے میں آتی تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔پھر میں تمھیں اپنی بانہوں میں قید کر کے اس کمرے سے باہر کبھی نکلنے نہ دیتا۔۔

زاران اس کے حسین سراپے سے نظریں چراتے بھاری گھمبیر لہجے میں بولا۔۔زاران کی بات پر ابرش کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔جسے دیکھتا زاران گہرا مسکرایا تھا۔۔یہ رنگ ہی تو اس کے چہرے پر دیکھنے تھے۔۔۔وہ صرف اس کی باتوں سے ہی لال ہو جاتی تھی۔جب وہ نکاح کے بعد اپنا حق اس پر اپنے شدت بھرے لمس سے جتائے گا۔۔۔تو کیا حال ہو گا اس نازک حسینہ کا۔۔زاران اس کی گالوں کی سرخی دیکھتا سرد آہ بھر کر رہ گیا تھا۔۔کل تک کا انتظار بہت مشکل تھا اب اس کے لیے۔۔

زاران۔۔۔۔۔ابرش نے اپنی بھیگی ہتھیلیاں سختی سے دبوچتے ہوے گہرا سانس لیا تھا۔۔۔وہ جو کہنے آئی تھی پتہ نہیں مقابل کا کیا ری ایکشن ہو۔۔۔یہ تو اندازہ تھا کہ ری ایکش بہت شدید ہو گا۔۔مگر اسی ایک بات سے وہ اس سے نکاح سے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔۔

جب تم اپنے گلابی لبوں سے میرا نام لیتی ہو تو کیسے میرا دل دھڑکا جاتی ہو تمھیں شائد اندازہ نہیں۔۔ ورنہ تم کبھی میرا نام نہ پکارتی۔ زاران نے شوخ لہجے میں کہتے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما۔۔۔

میں آپ سے یہ نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ میں زعیم کو پسند کرتی ہوں۔۔ ابرش نے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے ایک ہی سانس میں اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔۔۔ مگر زاران کی آنکھوں کی سرخی اور اس کے سرد پن سے گھبراتے ہوے اس نے اپنے لبوں کو دانتوں میں پیوست کرتے ہوے اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے تھے۔

تم مجھ سے نکاح کو انکار کرنے کا یہ جواز بناؤ گی۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ کسی بھی لڑکی کے لیے اپنی عزت،، اپنی ذات اپنے غرور اپنی ضد سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔۔ اسے مرتا مر جانا چاہیے مگر اپنے آپ کو کبھی کسی کے

ساتھ یوں جوڑ کر آرزاں نہیں کرنا چاہیے۔۔زاران نے اس کے سہمتی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے تاسف سے سر ہلایا تھا۔۔

میں بلاوجہ کا غلط جواز نہیں پیش کر رہی بلکہ میں سچ میں زعیم سے۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔ایک لفظ اور نہیں ورنہ تمھاری بات پورے ہونے سے پہلے تمھاری زبان کھینچ ڈالوں گا۔۔زاران خانزادہ اس کے قریب ہوتا دھاڑا۔۔

ابرش پیچھے کو ہوتی اس کی دھاڑ پر لرز کر رہ گئی تھی۔۔اسی غصے اسی ری ایکشن سے اس کی جان جاتی تھی۔۔۔وہ کبھی زاران سے یہ نکاح نہیں کر سکتی تھی۔۔اس کا غصے اس کے لیے سہنا آسان نہیں تھا۔

وہ مزید پیچھے کو ہوئی تو زاران اسے بازو سے پکڑے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔۔۔۔

کیا چاہتی ہو ابرش؟؟۔۔۔کیوں اس نکاح سے انکار کرنے کے لیے تم کسی تیسرے انسان کو ہمارے بیچ لا رہی ہو۔؟؟۔زاران کی سرخی چھلکاتی آنکھوں میں گہرہ شکوہ پنہاں تھا۔۔ابرش کے منہ سے یہ الفاظ سنتے اس کا دل جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آیا تھا۔۔جانتا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔مگر پھر بھی یہ الفاظ اس کے لبوں سے برداشت نہیں ہوے تھے۔۔یہ لفظ تو ان گلابی لبوں سے وہ خود کے لیے سننے کا تمنائی تھا۔۔مگر وہ اس کے سامنے اس

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی اور کے لیے بول چکی تھی۔۔ آخر کیوں؟؟اس کی ذات کی اتنی ناقدری کیوں؟؟؟

وہ کیا ابھی تک اس کی پسندیدگی کا درجہ بھی حاصل بھی نہ کر سکا تھا۔۔اس کی پرسنیلٹی اس کے سچے جذبات اس سفاک لڑکی کے نزدیک کچھ بھی معنی نہیں رکھتے تھے۔۔زاران اس کے تیکھے نقوش پر نظریں گاڑھے کرب سے سوچ رہا تھا۔

ہمارے بیچ۔۔۔۔۔ابرش زاران کے لفظ دہراتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔زاران۔۔۔ہم دو سے ایک کب ہوے جو ہمارے بیچ کوئی تیسرا نہیں آسکتا۔۔۔ابرش نے بھیگی آنکھوں سے سوال کیا۔۔زاران کی نزدیکی اب اس کے اوسان خطا کر رہی تھی۔وہ نہ اس کا غصہ سہن کرنے کی خود کو متحمل پاتی تھی نہ اس کی قربت۔۔۔۔۔دونوں ہی اس کے لیے جان لیوہ

تھے۔۔۔اس کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو میں اس کی سانسیں الجھی تھیں۔

ابرش محبت ہو تم میری۔۔۔۔۔یہ بات کہنے اور اسے قبول کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے۔میرے جذبات تمھارے لیے بہت خالص اور شفاف ہیں۔اسی لیے تمھیں پانے کے لیے میں نے نکاح جیسے پاک رشتے کو چنا۔۔۔۔

تمھیں مجھے لے کر جو بھی اعتراضات ہیں۔میں نکاح کے بعد اپنی محبت بھرے لمس سے دور کر دوں گا۔۔زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے عاجزی سے کہا۔۔

وہ مغرور "خود پسند" منتقم مزاج بندہ پھر سے جھک گیا تھا۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا۔۔ محبت بہت گہرا جذبہ ہے۔۔ جس کے آگے انسان کی اپنی ذات بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔۔

زاران میرے اعتراضات دور کرنے کے لیے آپ کو مجھے چھونا پڑے گا۔۔ میرے قریب آنا پڑے گا۔۔ اس لیے یہ نکاح کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔۔ تاکہ اپنی فتح کا جشن منا سکیں۔۔ جیسے نکاح کریں گے ایسے ہی میرے جسم پر بھی اپنی فتح مندی کا جھنڈا گاڑھیں گے۔۔ اور مجھ سے کہیں گے اب یہ رخصتی کرنا میرے لیے لازم ملزم ہو گیا ہے۔۔ کیونکہ میرے پاس کوئی آپشن نہیں رہے گا۔۔۔ ابھی نکاح کے لیے بلیک میلینگ۔۔ پھر رخصتی کے لیے بلیک میلینگ۔۔۔۔

یہی اہمیت ہے آپ کے نزدیک میری۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چلائی تھی۔

ساری عمر اپنے باپ اور ماں کا یہی ریلیشن تو اس نے دیکھا تھا۔ جو صرف جسمانی تعلقات تک مبنی تھا۔۔ جب جب پاشا کو زحلے کی ضرورت پڑتی تو وہ دھڑلے سے گھر آکر ابرش کے سامنے اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے جاتا۔ پاشا کے جانے کے بعد زحلے کی تادیر سسکیاں گونجتی رہتی۔۔۔ اسے اس نکاح جیسے پاک رشتے سے نفرت ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جس کا مقصد شائد صرف جسمانی حقوق تک تھا۔۔۔

زاران ابرش کی باتوں پر اپنا غصہ ضبط کرتے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔۔ ابرش کے بارے میں جو اس نے پہلے دن اندازہ لگایا تھا۔۔ وہ آج اپنی باتوں اور اپنی بے وجہ کی ضد سے اسے سچا ثابت کر رہی تھی۔۔۔ اگر اس

کے سامنے کھڑی لڑکی اس کی محبت نہ ہوتی تو وہ دو منٹ میں اسے اس کی اوقات یاد دلا دیتا۔۔ مگر کیا کرتا وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا جو اس کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا۔۔۔

تمھارے نزدیک نکاح کی اہمیت جسمانی رشتے تک محدود ہو گی۔۔ میرے نزدیک یہ دو دلوں اور دو روحوں کا ملن ہے۔۔ زاران استھزائیہ مسکراتے اس سے دور ہوا۔۔

زاران میں سچ میں زعیم سے محبت کرتی۔۔۔۔۔ ابرش کی بات منہ میں ہی تھی کہ زاران اس کے قریب ہوتا اس کا جبڑہ اپنے آہنی شکنجے میں دبوچ چکا تھا۔۔

اس میں اتنی ہی برداشت تھی۔۔ وہ مزید برداشت کرتا تو شائد اس کی دماغ تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔۔ اس کی دماغ کی رگیں بھڑک اٹھی

تھیں۔اس لیے اپنا اشتعال اس نازک وجود پر اتارنا ہی تھا۔۔جو اس کے نزدیک ضرورت سے زیادہ سفاک تھی۔

ایک لفظ اور نہیں ابرش۔۔۔۔۔اور نہیں۔۔۔ورنہ تمھاری سانسیں اب کی بار میں سچ میں کھینچ لوں گا۔۔۔ سمجھتی کیا ہو تم خود کو؟؟۔۔۔۔۔ آسمان سے اتری کوئی اپسرا ہو تم۔۔۔جو تم بار بار زاران خانزادہ کے جذبوں کا مذاق اڑاؤ گی۔۔اور زاران خانزادہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر برداشت کرے گا۔۔زاران نے اپنی آہنی گرفت بڑھائی تو ابرش کی آنکھیں بے یقینی اور اس کی سختی پر بھیگ اٹھی تھیں۔

تم بار بار میری محبت کی بے عزتی کر کے مجھے ٹھکراؤ گی اور کسی تیسرے کو بیچ میں لاؤ گی تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔۔۔جو چیز میں چاہتا ہوں اسے حاصل کر کے رہتا ہوں۔۔اگر وہ چیز میری نہیں تو پھر کسی کی بھی نہیں ہوتی

۔۔کیونکہ میں اسے کسی کے قابل رہنے ہی نہیں دیتا۔زاران اس کا جبڑہ دبوچے غرایا تھا۔۔

ابرش نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹنے کی ناکام سعی کی تھی۔۔

وہ مزید اس کے گالوں میں اپنی انگلیاں دھنسا چکا تھا۔۔

یہ تو طے تھا وہ اب کبھی بھی ایسے جنونی خانزادہ سے نکاح نہیں کرے گی۔۔زاران کا یہ عمل ابرش کو اس سے مزید متنفر کر چکا تھا۔۔زاران کی سختی پر ابرش کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوئی تھی۔۔

ابرش کی گالوں پر بہتی نمی دیکھ کر زاران پیچھے ہوتے اسے کاٹ دار نگاہوں سے دیکھنے لگا۔۔ جو اپنے بہتے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی سے صاف کرتے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔۔

زاران نے رخ پلٹے اپنے آپ کو ریلیکس رکھنے کی ناکام سعی کی۔۔ جانتا تھا یہ لڑکی ابھی اس کے اشتعال میں مزید آضافہ کرے گی۔۔ اس لیے اس نے اپنے قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔۔ تاکہ اس کمرے سے چلا جائے وہ مزید اس پر غصہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر کمرے کے وسط میں اس کی بھرائی آواز پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

میں۔۔۔۔۔ مسٹر زاران خانزادہ کے نزدیک صرف ایک چیز ایک شے کی حیثیت رکھتی ہوں۔۔۔ یہی ہے حیثیت میری ذات کی آپ کے نزدیک۔۔ مجھ پر زبردستی کرنا میرے کنسرن کے بغیر مجھے چھونا۔۔ مجھے لگتا

ہے میں ایک چابی والی گڑیا ہوں۔ میری حیثیت ایک بے جان چیز سے بڑھ کر کچھ نہیں۔۔۔ ابرش نے روتے ہوئے سسکی بھری تو زاران اس کے رونے اور اس کی باتوں پر تاسف سے سر ہلاتے بے بسی سے گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔

وہ اپنی حیثیت اس کی زندگی میں سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ نکاح کر کے اسے اپنے گھر کی اپنی ملکہ بنانا چاہتا تھا۔۔ یہ پاگل لڑکی خود کو خود ہی آرزں کرنے پر تلی تھی۔

آپ مجھے اپنی باتوں اپنے عمل سے بارہاں بتا چکے ہیں ۔۔۔ میری حیثیت کچھ نہیں۔۔ پہلی ملاقات میں مجھے میری اوقات یاد

دلائی۔۔مجھے جتلایا میں کسی خانزادہ کی عورت نہیں بن سکتی۔پھر یکدم مسٹر خانزادہ کو مجھ سے راتوں رات دھواں دار عشق ہو گیا۔۔

اور مسٹر خانزادہ مجھے اپنی عورت بنانے کو اب اتاولا ہو رہا ہے۔۔۔کیوں صرف مجھے یہ بتانے کے لیے جو چیز وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔۔وہ کر کر رہتا ہے۔۔۔یہ محبت ہے آپ کے نزدیک۔ابرش بھرائے لہجے میں چلائی۔۔

میری محبت یہی ہے۔۔اگر تم میں محبت کو سمجھنے کی حس ہوتی تو میری نکاح کی پیشکش کو ہی میرے جذبوں کی سچائی سمجھ لیتی۔۔مگر تم ایک خود سر بد تمیز بگڑی ہوئی لڑکی ہو۔۔۔جو میری محبت کو کبھی نہیں سمجھ سکتی۔۔اگر تمھارے نزدیک میری محبت تمھیں اپنی پناہوں میں قید کرنے کی ہے تو ہے پھر ہے۔۔

اگر تمھارے نزدیک یہ نکاح جسمانی ریلیشن ہے تو پھر ہے۔۔۔۔۔۔اگر تمھارے نزدیک یہ میری ضد ہے تو پھر ہے۔۔۔۔اگر تمھارے نزدیک یہ وقتی اٹریکشن ہے تو پھر ہے۔۔۔۔۔تم نے جو سوچنا ہے سوچ لو۔۔۔یہ نکاح ہر حال میں ہو گا۔۔تم نے زعیم کا نام لے کر اپنے لیے مزید مشکلات بڑھالی ہیں۔۔اب تو تم مجھے جلد از جلد اپنی دسترس میں چاہیے ہو۔۔یہ نکاح کل ہو گا اور یہ رخصتی بھی کل ہی ہو گی۔۔۔زاران نے ایک ہی جست میں اس کے اور اپنے درمیان چند قدموں کا فاصلہ طے کیا تھا اور اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے سرد انداز میں دھاڑا۔۔

اور مجھے یہ بتاؤ کیسے چھوا میں نے تمھیں جو مجھے تمھاری کنسرن کی ضرورت پڑتی۔۔۔مجھے بتاؤ میں نے بیڈ ٹچ کیا تمھیں جو تم یوں تڑپتے ہوے سسک رہی ہو۔۔۔

نکاح کے بعد تمھیں بتاؤں گا۔۔ چھونا کسے کہتے ہیں۔مجھے یقین ہے تب بھی تم ایسے ہی روؤ گی۔۔۔زاران نے غصے کہتے اسے سخت نظروں سے گھورا۔۔

وہ کل اپنے لب اس کے لبوں سے نرمی سے مس کر گیا تھا۔۔یہ ایک بے اختیار عمل تھا۔۔اس کے نزدیک وہ اس کے نکاح میں آنے والی تھی۔۔صرف اس کی تھی۔۔اس لیے وہ چھوٹی سی گستاخی کر گیا تھا۔۔مگر وہ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔۔جیسے پتہ نہیں اس نے کیا کر دیا ہو۔۔۔

ابرش نے اس بے باک انسان کو دیکھا جو صرف ابھی بھی نکاح کے بعد اپنے حق کی بات کر رہا تھا۔۔اور یہی بات ابرش کو بری طرح کوچھ رہی تھی۔

دیکھتی ہوں میں یہ نکاح کیسے کرتے ہیں۔ میں بھی آپ کو چیلنج کرتی ہوں یہ نکاح نہیں ہو گا۔۔ ابرش پاشا نام ہے میرا۔۔۔۔ میں جس چیز کو اپنی ضد بنا لیتی ہوں۔ ٹوٹتی ٹوٹ کر بکھر جاتی ہوں۔۔ اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹتی۔۔۔ اب آپ سے نکاح نہ کرنا میری ضد ہے۔۔۔ ابرش نے زاران کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ضدی لہجے میں اسے چیلنج کیا تھا۔۔۔ اس کی دھاڑ اور اس کی آنکھوں کی گہری ہوتی سرخی سے اس کا نازک دل سہم کر رہ گیا تھا۔۔ بدن میں بھی واضح لرزش تھی۔۔ مگر وہ کسی صورت اس خانزادہ کا کھلونا بن کر زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔۔

زاران کے سنجیدہ سرد چہرے کو ایک نظر دیکھتے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

مگر اس کی کی کلائی پر زاران خانزادہ کی مضبوط گرفت آن ٹھہری تھی۔۔

جب تم اپنی ضد سے ٹوٹ کر بکھر جاؤ گی۔۔ تو تمھارے بکھرے وجود کو صرف میری محبت ہی سمیٹے گی۔۔ تم ضد سے پیچھے نہیں ہٹو گی۔۔ میں محبت سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔۔ تم سے محبت کرنا میرے دل کا عمل ہے۔۔ تمھیں پانا اب میری ضد ہے۔۔ میری ضد میں میری محبت اور جنونیت شامل ہے۔۔۔۔ تمھاری ضد میں صرف ضد۔۔۔۔ دیکھتے ہیں کس کی جیت کس کی ہار ہوتی ہے۔۔ زاران اسے کلائی سے کھینچ کر اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔ ابرش اس کی سرخی چھلکاتی آنکھوں سے نظریں چرا گئی تھی۔۔ جس میں آنچ دیتے جذبوں کی گہری رمک تھی۔

واللہ۔۔۔۔۔۔ بہت حسین لگتی ہو جب تم اپنی نظریں جھکاتی ہو۔۔ کل دلہن بنی میری پناہوں میں ایسے ہی شرماؤ گی تو تمھیں اپنی محبت اور شدتوں

سے بتاؤں گا کہ تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔۔۔شائد تمھارے دماغ کا خناس نکل جائے۔۔۔ تمھیں احساس ہو کہ یہ مسٹر خانزادہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔زاران کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔۔

ابرش نے اس کی تپتی جھلستی اس کی سانسوں کی گرمائش سے سٹپٹاتے ہوے اسے پیچھے کرنا چاہا تو زاران نے اسے مزید اپنے قریب کیا تھا۔۔

کبھی میری ضد میں خود کو گرانا مت ابرش۔۔ تمھاری ذات کا غرور صرف تمھاری عزت ہے۔۔۔زاران نے کہتے ہوے بیڈ سے شال اٹھا کر اس کے گرد اچھی طرح لپیٹی تھی۔۔ابرش نے زاران کی شال اپنے گرد لپیٹے دیکھ کر اسے ایک نظر بھیگی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔وہ اس کے حصار میں بری طرح مچل اٹھی تھی۔۔یہی بے بسی تو وہ اس کے حصار اس کی باتوں میں محسوس کرتی تھی۔۔۔۔

تم میری ضد میں اس کمرے میں بغیر دوپٹے کے آسکتی ہو۔۔ مگر میری محبت تمھیں اس کمرے سے باہر ایسے نہیں جانے دے سکتی۔۔۔ میرا غصہ میرا جنون میری ضد میں بھی تمھارے لیے ہمیشہ عزت شامل ہو گی۔۔ کیونکہ میں دل سے تمھیں اپنی عزت مان چکا ہوں۔ اس لیے اب تم پر اٹھتی کسی کی نظر بھی مجھے گوارا نہیں۔۔۔ کیونکہ تم زاران خانزادہ کی ہو چکی ہو۔۔ زاران نے نرمی سے ابرش کی ٹھوری تھامے بہت نرم لہجے میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔۔

ابرش فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سوئی نہیں تھی۔ بلکہ اسے ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔۔ وہ اس وقت ییلو شرٹ ٹراوزر میں ملبوس تھی۔۔ گرم شال اچھی طرح خود پر لپیٹے وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔ یہاں حویلی

میں سب جلدی اٹھ جاتے تھے۔۔ ابھی خواتین اپنے کمروں میں ہی تھیں۔ ابرش کا رخ مردان خانے کی طرف تھا۔۔ وہ جانتی تھی سمیع اللہ فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے آ گئے ہوں گے۔۔ وہ سب کے اٹھنے سے پہلے سمیع اللہ سے بات کرنا چاہتی تھی۔۔

ابرش سمیع اللہ کے کمرے کا دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوئی تو سمیع اللہ سامنے بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔۔ کمرے میں موجود صوفے پر زاران خانزادہ کو بیٹھا دیکھ کر ابرش کا رنگ فق ہوا تھا۔۔ زاران ابرش کو سمیع اللہ کے کمرے میں دیکھ کر سرد نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔۔ اسے ابرش کا سمیع اللہ کے کمرے میں آنا کافی کھٹک گیا تھا۔۔ بلکہ وہ کافی مضطرب بے چین ہو گیا تھا۔۔ وہ خود کے اضطراب پر قابو پاتے پہلو بدل کر رہ گیا۔۔

ابرش نے لب کاٹتے ہوے اپنی شال کو اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔ اسے ذرا بھی خبر ہوتی زاران کی ادھر موجودگی کی تو وہ یقیناً کبھی بھی سمیع اللہ کے کمرے کا رخ نہ کرتی۔۔

اسلام و علیکم داجی۔۔ ابرش نے زاران کی سرد نظروں سے خائف ہوتے خشک حلق تر کرتے ہوے کہا۔

وعلیکم اسلام۔۔۔ کیسا ہے میری بیٹی ؟؟۔۔ سمیع اللہ خان نے بیڈ سے اٹھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

ٹھیک ہوں میں داجی۔۔۔ ابرش نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

بیٹھو بچے۔۔۔۔ داجی نے مسکراتے ہوے ابرش کو زاران کے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔۔

ابرش کچھ لمحے لب کاٹتے کھڑی رہی پھر آہستگی سے چلتے زاران سے کافی فاصلے پر صوفے کے کنارے پر ٹک گئی۔۔

زاران نے وائٹ شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔

وہ سنجیدہ سا صوفے پر بیٹھا اپنے گھنی ئیر ڈ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔۔ ابرش کا اتنی صبح سمیع اللہ کے کمرے میں آنا اسے کافی پریشان کر چکا تھا۔۔ اس کے آنگ آنگ میں اب بے چینی اظطراب جھلک رہا تھا۔۔ جسے سمیع اللہ کی جہاندیدہ نگاہیں محسوس کر چکی تھیں۔ وہ ویسے بھی کچھ پریشان تھا۔۔ وہ سمیع اللہ کے ساتھ ہی نماز پڑھ کر آیا تھا۔۔ مگر ان کے کمرے میں بیٹھا بھی وہ وہاں نہیں تھا۔۔ اب اس کی چہرے سے واضح پریشانی جھلک رہی تھی۔

کیا یہ لڑکی وہی بکواس کرنے آئی ہے جو رات مجھ سے کی تھی۔۔۔زاران نے ابرش پر سرد نظر ڈالتے ہوئے پہلو بدلا تھا۔۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ زعیم کا نام لے کر خود کو ڈی گریڈ کرے۔۔سب کی نظروں میں رسوا ہو۔۔۔ابرش کا ہر لفظ اب اس کی عزت سے ہی تو جڑا تھا۔کیونکہ اب سب کی نظروں میں وہ اس کی ہی تو عزت تھی۔

ابرش زاران کی سرد نظر جس میں کچھ حد تک سرخی کی امیزش بھی شامل تھی محسوس کرتے اندر تک لرز گئی تھی۔۔

ابرش بچے۔۔۔۔صبح صبح کیوں اٹھ گیا۔۔رات تھکا ہوا آیا تھا آرام کرتا۔۔۔یا اتنی صبح تم ہم سے ملنے آیا ہے۔

داجی نے ابرش کو دیکھتے ہوئے بہت نرمی سے پوچھا۔۔

ابرش سمیع اللہ کی بات پر فقط مسکرا گئی تھی۔

جی دا جی ابرش آپ سے ہی ملنے آئی ہے۔۔رات ملاقات نہیں ہوئی تو اس لیے اتنی صبح ملنے چلی آئی۔۔زاران نے کہتے ابرش کو گھورتے صوفے سے ٹیک لگائی۔۔

دا جی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔۔ابرش نے گہرا سانس لیتے جلدی سے کہا۔۔

وہ خود پر مسلسل زاران کی سرد نظریں محسوس کر رہی تھی۔۔مگر جو بھی تھا۔۔اسے سمیع اللہ سے بات کرنی ہی تھی۔۔دوپہر میں اس کا نکاح تھا۔۔سب اٹھ جاتے تو سمیع اللہ سے بات کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو جاتا۔

ابرش داجی کو آرام کرنا چاہیے۔۔ تمھیں جو بھی بات کرنی ہے۔۔ وہ ہمارے نکاح کے بعد کر لینا۔۔ زاران نے دانت پیستے ہوے ابرش کو سخت نظروں سے تنبیہ کی تھی۔۔

کیا ہو گیا ہے زاران ؟؟؟۔۔۔ ابرش اگر کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے دو۔۔۔۔ ہمارا آرام کا کیا ہے۔۔ ساری رات آرام ہی کیا ہے۔۔ سمیع اللہ نے مسکراتے ہوے زاران کی بات کاٹی تھی۔۔ وہ زاران کا ابرش کو گھورنا محسوس کر چکے تھے۔۔

بولو بیٹا کیا کہنا ہے ؟؟۔۔ سمیع اللہ ابرش کی طرف پوری طرح متوجہ ہوے۔

ابرش خبردار تم نے نے کوئی بھی فضول بات کی داجی سے۔۔ میں قسم کھاتا ہوں۔۔۔ میں داجی کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔۔ بہت بری طرح پیش آؤں

گا تم سے۔۔۔۔زاران ابرش کی طرف جھکتے سرگوشی نما آواز میں غرایا تھا۔۔

اپنے حق کے لیے بولنا آپ کے لیے فضول بات ہو گی۔۔۔میں اپنے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دے سکتی۔۔ابرش نے بھی جوابًا آہستگی سے کہتے ہوے زاران کو دیکھا تھا۔۔زاران ابرش کی بات پر اسے سرد نظروں سے دیکھے گیا۔۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو کاٹ دار نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔

سمیع اللہ خان نے گلاہ کھنکار کر دنوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔۔

زاران صوفے پر سیدھا ہوتے سمیع اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔۔زاران اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے اب زمین کو گھور رہا تھا۔۔

اس کے چہرے کے تاثرات بہت حد تک سنجیدہ اور سرد تھے۔۔وہ سمیع اللہ کالحاظ کیے خاموش ہو گیا تھا۔۔ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔۔ابرش کو اس کمرے سے باہر نکال دے۔۔

سمیع اللہ نے سنجیدگی سے ابرش کو دیکھا جو لب کاٹتے ہوے سرخ چہرہ لیے بیٹھے تھے۔۔

سمیع اللہ جہاندیدہ انسان تھے۔۔۔ان دونوں کے بیچ سرد مہری کو وہ بھانپ گئے تھے۔۔انھیں لگا تھا ابرش سے نکاح کرنا صرف زاران کا فیصلہ ہی نہیں بلکہ ابرش کا بھی ہے۔۔

مگر دونوں کے چہروں کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔

ابرش کہو تمھیں جو بھی کہنا ہے۔۔ تم بلا تکلف اپنے داجی سے کہہ سکتی ہو۔ تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ سمیع اللہ نے بارعب آواز میں کہا۔

لیکن داجی۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران نہ چاہتے ہوے بھی بول پڑا تھا۔۔ وہ ابرش کو بیوقوفی نہیں کرنے دے سکتا تھا۔ ابرش کے لبوں سے نکلے لفظ نہ صرف اسے بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی تکلیف سے دوچار کر جاتے۔۔

زاران تم نے جو بھی کہنا ہے۔ ابرش کی بات مکمل ہونے کے بعد کرنا۔۔ اب تم ابرش کی بات کے درمیان نہیں بولے گا۔۔ سمیع اللہ نے سنجیدگی سے زاران کی بات کاٹی۔۔

جی داجی۔۔ زاران نے سمیع اللہ کو دیکھتے ہوے آہستگی سے کہا مگر ابرش کو سرد نظروں سے دیکھتے ہوے اسے ایک بار پھر سے وارن کیا تھا۔۔

ابرش اس کی سرد سرخ نگاہوں سے نظریں چراتی سمیع اللہ کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔ سمیع اللہ نے سرد آواز مین زاران کو تنبیہ کی تو زاران کا خود کے ضبط پر قابو پانا ممکن ہو گیا تھا۔۔ اس لیے وہ اپنی مٹھیاں سختی دبوچتے خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

زاران کے کمرے سے جانے کے بعد ابرش کی جان میں جان آئی تھی۔۔ زاران کی موجودگی میں سمیع اللہ سے بات کرنا بہت مشکل تھا۔۔

کہو بیٹا۔۔۔ سمیع اللہ نے نرمی سے ابرش کو پکارا۔۔

داجی میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی۔۔ ابرش کی بات پر سمیع اللہ بیڈ پر سیدھے ہوے تھے۔۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم؟؟ سمیع اللہ کی پریشان آواز گونجی۔۔

داجی میرا مطلب ہے یہ سب اتنی جلدی ہو رہا ہے۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔ میں اپنی زندگی کا فیصلہ ایسے نہیں کر سکتی۔۔ ابرش نے آہستگی سے کہا۔۔

بچے۔۔۔۔۔ ہم جانتا ہے تمھارا زندگی ہے۔۔ تمھیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔۔ مگر ماں باپ کا فیصلہ اولاد کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ ہم پر یقین رکھو۔۔۔ یہ فیصلہ تمھارا زندگی خوشیوں سے بھر دے گا۔۔ ہمارا زاران بہت اچھا ہے۔۔ سب سے بڑا بات۔۔۔۔ وہ تم سے بہت پیار کرتا ہے۔۔ تم کیوں پریشان ہے۔۔ زاران نے تمھیں کچھ کہا ہے۔۔ ہمیں بتاؤ ہم اس کا کان کھینچتا ہے۔۔ سمیع اللہ نے بہت نرمی سے ابرش کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔

داجی آپ لوگ بڑے ہیں۔۔ میری زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق بھی ہے۔۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں۔۔ ابھی کے لیے یہ نکاح روک دیا جائے۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔ آپ میری اور زاران کی منگنی کر دیں۔۔۔۔ میں فی الحال یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی۔۔ میں امید کرتی ہوں داجی۔۔۔۔۔ آپ میری بات سمجھیں گے۔۔ ابرش نے رسانیت سے اپنی بات سمیع اللہ کے سامنے رکھی تھی۔۔

وہ اس رشتے سے انکار کر کے زحلے کی ناراضگی کا سبب نہیں بن سکتی تھی۔۔۔ اگر وہ ڈائریکٹ نکاح سے انکار کرتی تو شائد زبردستی اس کا نکاح کر دیا جاتا۔۔ کیونکہ حویلی میں نکاح کی تیاریاں عروج پر تھیں۔۔ مہمان تک حویلی میں رات سے آئے ہوے تھے۔۔ ایسے میں زحلے یقیناً اپنی دھمکی پر عمل پیرا ہونے میں دیر نہ لگاتی۔۔ وہ زحلے کو جانتی تھی۔۔ وہ اپنے رشتوں

کو لے کر بہت حساس ہے۔۔۔وہ یہ سب برداشت نہ کر پاتی۔۔ مگر مگنی پر زحلے خاموش ہو جاتی۔۔اس دوران اسے موقع مل جاتا کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔۔۔اس زاران خانزادہ سے اپنی جان کیسے چھڑوانی ہے۔۔

سمیع اللہ سنجیدگی سے ابرش کو دیکھ رہے تھے۔۔جو صوفے پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔۔

وہ گہری سانس کھینچ گئے تھے۔پوری برادری جمع تھی۔۔سب کو زاران کے نکاح کا دعوت نامہ مل چکا تھا۔کچھ ہی دیر میں اور لوگ بھی آجاتے۔۔نکاح کا فنکشن بہت اونچے پیمانے پر کیا جارہا تھا۔۔ایسے میں نکاح کی جگہ مگنی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔برادری کو کیا جواب دیتے۔۔۔

ارحام کے واقعے کے بعد آگے برادری میں کافی جگ ہنسائی ہوئی تھی۔۔اب یہ سب کچھ۔۔۔۔۔ سمیع اللہ سچ میں بہت پریشان ہوے تھے۔۔ مگر وہ

ابرش کی بات بھی رد نہیں کر سکتے تھے۔۔اس کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا۔۔۔یہ بات بھی سمیع اللہ خان کے اصولوں کے خلاف تھی۔۔وہ زحلے پر حق رکھتے تھے۔۔مگر ابرش پر تو زحلے ہی حق رکھتی تھی۔۔۔وہ ابرش کو مجبور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ٹھیک ہے بچے۔۔جیسا تم چاہتا ہے۔۔ویسا ہی ہو گا۔۔تم فکر نہ کرو۔۔جاؤ خوشی خوشی مگنی کی تیاری کرو۔۔سمیع اللہ کی بات پر ابرش نے بے یقینی سے سمیع اللہ کو دیکھا تھا۔۔

شکریہ داجی۔۔۔۔آپ بہت اچھے ہیں۔۔ابرش بھیگی آنکھوں سے بولتے کمرے سے چلی گئی تھی

خوش رہو بچہ۔۔۔۔سمیع اللہ نے کہتے ہوئے پریشانی سے اپنی سفید داڑھی میں انگلیاں پھیریں۔انھیں سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔وہ زاران سے کیا کہیں

گے۔۔اسے کیسے سمجھائیں گے۔۔ سمیع اللہ کی نظروں کے سامنے زاران کا مسکراتا چہرہ آیا تھا۔۔وہ سرد سانس کھینچتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گیے تھے۔۔

حور اپنے نکاح والے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔ جس پر ریڈ نیٹ کا دوپٹہ تھا۔۔بالوں کو کیچر میں مقید کیے وہ دوپٹہ سر پر اچھی طرح جمائے بلکل ریڈی تھی۔ تھوڑی دیر میں ابرش اور زاران کی مگنی تھی۔۔وہ اس فنکشن میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوئی تھی۔

وہ کل سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔۔اس کے ماتھے اور ہونٹوں کا زخم دیکھ کر امینہ خانم نے اسے کمرے سے باہر آنے سے منع کر دیا تھا۔۔رات

سے ارحام خانزادہ حویلی نہیں آیا تھا۔۔ حور رات سے تھوڑا سکون میں تھی۔

۔

اب اس کے زخم بہت بہتر تھے۔ انگوٹھے کے زخم میں ویسے ہی تکلیف تھی۔

اس نے پین کلرز بھی لی تھیں۔ مگر آفاقہ نہیں ہوا تھا۔

ابھی درخشاں نے کمرے میں آکر اسے امینہ خانم کا حکم پہنچایا تھا کہ وہ اچھی طرح تیار ہو کر باہر تمام مہمانوں سے ملنے کو آئے۔۔۔

حور نے ریڈ ڈریس پہن کر ڈریسنگ مرر میں خود کو دیکھا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔ وہ کیسے تیار ہو۔۔ یہاں کی عورتیں کیسے تیار ہوتی ہیں۔ اسے کچھ معلوم

نہیں تھا۔۔ وہ دوپٹہ سر پر جمائے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر لپسٹک لگا رہی تھی۔۔ کمرے کا دروازہ کھلنے پر حور کا ہاتھ کپکپایا تھا۔

ارحام کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر حور نے جلدی سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے کانپتے ہاتھوں سے ہونٹوں پر لپ سٹک کا ٹچ دیا۔۔

ارحام حور کو مکمل اگنور کرتے صوفے کی جانب بڑھا۔۔ اپنی شال کندھوں سے اتار کر صوفے پر رکھتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگاتے آنکھیں موندتے خود کو پر سکون کیا تھا۔۔ اس نے رات بھر اپنے ذرائع سے پریذے کا پتہ لگانے کی پوری کوشش کی تھی۔۔ جہاں اسے گل اور پریذے کے ہونے کی توقع تھی۔۔ اس کے گارڈز ان جگہوں پر پریذے کو تلاش کر چکے تھے۔۔۔ مگر وہ ناکام رہے تھے۔۔۔ ارحام کا انگ انگ تھکن اور اضطراب سے چور تھا۔۔۔ وہ اپنی

سرخ آنکھیں مسلتا سگریٹ پھونکتے اپنے تھکن زدہ اضطراب کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حور نے لپ سٹک لگا کر سر پر ریڈ دوپٹہ اچھی طرح جمائے ایک نظر ارحام پر ڈالی تھی۔۔ جو صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں سگریٹ انگلیوں میں دبائے ہوے تھا۔۔ حور اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے جلدی سے دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔ وہ اس سنگدل بے رحم انسان کے ساتھ اس کمرے میں مزید نہیں ٹھہر سکتی تھی۔۔ جس کی موجودگی سے اس کے بدن کا رواں رواں سلگتے اسے جھلسانے لگتا تھا۔۔

رکو۔۔۔۔۔۔۔ ارحام کی سرد آواز پر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوے حور کے ہاتھ کپکپائے تھے۔۔

جج جی۔۔۔ حور نے کپکپاتے لبوں سے رخ پلٹتے ارحام کو دیکھا۔۔ جو صوفے پر سیدھے ہوتے سگریٹ لبوں میں دبائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ ارحام نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوے پوچھا۔۔

وہ۔۔۔ وہ۔۔۔۔ آنٹی نے۔۔۔۔۔ کک۔۔۔۔۔ کہا

ہے۔۔ مم۔۔۔۔ میں اچھی طرح۔۔۔۔۔ تت۔۔۔۔ تیار ہو کر۔۔۔

باہر مہمانوں سے ملوں۔۔۔ حور نے نظریں جھکائے ٹوٹے لفظوں سے

جواب دیا۔۔ ارحام خانزادہ کی طرف ایک نظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں

لرزتے جھک گئی تھیں۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھیں بے انتہا سرخ

تھیں۔ اسے اپنے نکاح کی رات یاد آئی تھی۔۔ تب بھی ان آنکھوں سے

ایسے ہی تو لہو ٹپک رہا تھا۔۔

یہ اچھی طرح تیار ہو تم؟؟ ارحام نے حور پر سرد تنقیدی نظر ڈالی تھی۔۔

وہ ریڈ پیور کے سمپل سے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔ نیٹ کا دوپٹہ سر پر جمائے پنک کلر کی لپسٹک لگائے وہ بلاشبہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔ مگر ارحام کی نظر اس کے نیٹ کے دوپٹے سے نظر آتی آستین پر تھی۔۔ جو کندھے کے پاس سے پھٹی ہوئی تھی۔۔ نہ کوئی زیور... نہ کوئی اور زیب و آرائش.....۔۔۔ وہ بلکل بھی اس حویلی کی عورتوں کی طرح تیار نہیں لگ رہی تھی۔۔ گل تو ایسے تیار نہیں ہوتی تھی۔۔ وہ کسی بھی فنکشن پر سونے میں لدی ہوتی تھی۔۔ ارحام اسے سرد سرخ نظروں سے اوپر سے نیچے تک گھور رہا تھا۔۔۔

وہ حویلی آتے سیدھا امینہ خانم کے کمرے میں گیا تھا۔۔ جنھوں نے اسے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ حور اچھے سے تیار ہو کر فنکشن میں شریک ہو۔۔ اور حور کی طرف سے انھیں کسی بھی شکائت کا موقع نہ ملے۔۔

ارحام صوفے سے اٹھتا حور کی جانب بڑھا۔۔ ارحام کے بھاری قدموں کی دھمک پر حور کا دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔ وہ اس کے سیاہ بوٹوں کی چمک پر نظریں جمائے ساکت ہوتے اعصابوں کے ساتھ بمشکل اپنے قدموں کے سہارے پر کھڑی تھی۔۔

ارحام کے قریب آنے پر اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔ وہ اپنے لڑکھڑاتے قدموں کو سنبھالتے ہوئے اسی سنگدل کو تھام چکی تھی۔۔ جس کی قربت کے خوف سے اس کا معصوم دل لرز رہا تھا۔۔

حور نے ارحام کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچتے خود کو سہارا دیا تھا۔۔ ارحام کی بے حد سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوے جلدی سے وہ اس سے دور ہوتے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے ہوے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کیا۔۔

ایک بار تم میری برادری میں میری عزت کی دھجیاں آڑا چکی ہو۔۔۔ آج اگر تم نے کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کی تو میں تمھاری قبر اسی کمرے میں بنواؤں گا۔۔ ارحام اس کی خوف سے سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوے غرایا تھا۔۔

حور نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

ارحام نے ایک ہی جھٹکے میں حور کا دوپٹہ تن سے جدا کیا تو ارحام کی آنکھوں کی غضبناکی بڑھی تھی۔۔ حور کی شرٹ گلے سے بھی پھٹی ہوئی تھی۔۔ جسے اس نے سیفٹی پن لگا کر چھپانے کی ناکام سعی کی تھی۔۔۔ مگر پھر بھی اس کے گلے سے نظر آتی رعنائیوں پر نظر پڑ رہی تھی۔۔

یہ پھٹا ہوا لباس پہن کر تم باہر جانے لگی تھی۔۔ یہ نیا طریقہ ڈھونڈا ہے میرے گھر والوں کی بے عزتی کرنے کا۔

ارحام نے اس کے بازو پر اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھتے ہوئے اس کا منہ دبوچا۔۔۔ وہ اس طرح کا لباس پہن کر باہر جا رہی تھی۔۔ ارحام کے بھڑکتے اعصاب مزید بھڑک گئے تھے۔

مم۔۔۔۔۔میرے۔۔۔۔۔پاس ایک یہی ڈریس تھا۔۔ آنٹی نے بولا کہ میں تیار ہو جاؤں۔۔۔۔اس لیے یہ پہن لیا۔۔ یہ ڈریس آپ نے ہی پھاڑی تھی ہمارے نکاح کی رات کو۔۔۔۔۔۔ حور نے ڈرتے ہوئے سامنے کھڑے سنگدل کو اس کی ستم ظریفی یاد دلائی تھی۔۔۔اس کی بھیگی گہری آنکھوں میں درد کی گہری چھاپ کے ساتھ شکوے بھی پنہاں تھے۔۔ وہ سنگدل ظالم بے رحم تھا۔۔۔۔ مگر وہ اپنے اور اس کے بیچ رشتے سے تو واقف تھی کہ وہ اس کی عزت تھی۔۔ کسی بھی حالات میں اسے حق نہیں تھا۔۔ وہ اس کے ساتھ ایسا وحشیوں جیسا سلوک کرے۔۔

ارحام نے اس کے بازو پر اپنی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے بغور اس کے بھیگے گلابی چہرے کو دیکھا۔۔۔ جہاں اس کی بھیگی آنکھیں شکوہ کناں تھیں۔

تمھاری یہ خوبصورت آنکھیں تو ایسے مجھ سے شکوہ کرتی ہیں۔ جیسے میں تمھارا عاشق ہوتا ہوں۔۔ نفرت ہے مجھے تمھاری ان آنکھوں سے۔۔۔ خبردار مجھے آئندہ ان نگاہوں سے دیکھا تو۔۔۔۔ ارحام اسے اپنے قریب کرتے سرد آواز میں پھنکارا۔۔ حور نے سسکی لیتے ہوے اپنی آنکھیں میچی تھیں۔۔

جاؤ..... گل کے کپڑوں میں سے کوئی ڈریس پہنو۔۔۔ ارحام نے اسے چھوڑتے ہوے کہا۔ لہجہ تھوڑا نرم تھا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ باہر مہمانوں کے سامنے کوئی بھی تماشہ بنے۔۔۔ نازک جان تھی۔۔ اس کے غصے کے خوف سے ہی وہ اپنی سانسیں روکتے ساکت ہو جاتی تھی.۔۔ اس لیے اب کی بار اس کے بھیگے چہرے پر نظر ڈالتے بہت نرمی سے کہا۔

مم میں گل کے کپڑے نہیں پہنوں گی۔۔ میں نے کبھی کسی کی اترن نہیں پہنی۔۔ حور نے اپنے گالوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔۔ آواز قدرے اونچی تھی۔۔

ارحام نے اس کی اونچی آواز پر اسے سرخ نظروں سے گھور کر دیکھا تو وہ خوف سے نظریں جھکا گئی۔۔

مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ یہ کپڑے سس۔۔۔ سی کر پہن لیتی ہوں۔۔۔ مگر میں گل کے کپڑے نہیں پہنوں گی۔۔۔ حور کے کپکپاتے بھیگے لہجے میں چٹانوں کی سی مضبوطی تھی۔۔

اس کے لہجے اور اس کی بات سنتا ارحام کا استھزائیہ قہقہہ گونجا تھا۔۔

اترن نہیں پہنو گی تم؟ ارحام حور کی طرف بڑھا تو حور پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

ارحام اس کے قریب ہوتا اس کے اطرف میں اپنے ہاتھ جماتا اس کے بے حد قریب ہوا تو حور ارحام کی دہکتی سانسوں کی تپش سے گھبراتے اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

ارحام اس کے حیسن نقوش کو دیکھتا طنزیہ مسکرا اٹھا تھا۔۔

جس کمرے میں تم کھڑی ہو وہ گل کا تھا۔۔ جس بیڈ پر تم سوتی ہو وہ گل کے جہیز کا ہے۔ اسی کے شوہر کے ساتھ تم نے بے شرمی سے راتیں گزارنے کا ذکر بڑے دھڑلے سے کرتے اسی کے شوہر کو اپنے جھوٹ فریب سے اپنا شوہر بنالیا۔۔ یعنی تمھارے حصے میں شوہر بھی گل کا آیا۔ جھوٹن۔۔۔۔۔۔ اترن۔۔۔۔۔۔۔ ہی تو تمھارے حصے میں آئی ہے۔۔۔ ایسی باتیں

تمھارے منہ سے سوٹ نہیں کرتی۔۔ ارحام حور کا مذاق اڑاتے استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

حور ارحام کی باتوں پر تکلیف سے تڑپتے اپنا لب کاٹ گئی تھی۔۔

اب تم ساری عمر گل کے ہی کپڑے پہنوں گی۔۔۔ ارحام برفیلے سرد لہجے میں بولتے اس سے دور ہوا تھا۔۔ حور اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ ارحام اس پر طنزیہ نظر ڈالتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔

ڈریسنگ روم سے وہ گل کا ایک ڈریس ہاتھوں میں پکڑے باہر آیا تھا۔۔

ارحام نے وہ ڈریس حور کے منہ پر دے مارا تھا۔۔ حور بھیگی آنکھوں سے زمین پڑے ڈریس کو دیکھ رہی تھی۔۔

یہ وہ ڈریس ہے جسے گل نے صرف ایک بار پہنا ہے۔۔ اسے ابھی تک واش بھی نہیں کیا تم اسی قابل ہو کہ اس کے بدن کی اترن ہی پہنو۔۔۔

ارحام نے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے استھزائیہ لہجے میں کہا تو حور نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔۔ حور کی بھیگی گلابی آنکھوں میں دیکھتے ارحام کی سفاکی سے بھرپور مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔ اس کی بھیگی زخمی نظروں نے اس کے دل پر بھی کہیں وار کیا تھا۔۔ مگر وہ سفاکی اور نفرت کی حد پر خود کو محسوس کرتے دل کی ہلکی سی گزارش کو اگنور کر گیا تھا۔۔

ویسے بھی اس کے نزدیک حور کی بے پناہ خوبصورتی ہی اسے اٹریکٹ کرتی تھی۔۔ یہ قاتل آنکھیں تو پہلی نظر میں ہی اسے گھائل کر چکی تھیں۔۔ جن کی خوبصورتی اور شفافیت سے وہ تب بھی ایسے ہی نظریں چرا گیا تھا۔

چینج کرو۔۔۔ ارحام نے سپاٹ انداز میں حکم دیا۔۔

میں گل کا ڈریس نہیں پہنوں گی۔۔۔ آپ چاہتے ہیں میں اس کمرے سے اس حلیے میں باہر نہ جاؤں۔۔ میں نہیں جاؤں گی۔۔ مگر گل کا لباس نہیں پہنوں گی۔۔ حور نے روتے ہوئے ضدی لہجے میں کہا۔۔

حور کی ضدی انداز پر ارحام کے خون میں ابال اٹھے تھے۔۔ ارحام نے حور کی طرف بڑھتے حور کی شرٹ کندھوں سے چاک کر ڈالی۔۔۔ حور نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ارحام کو سسکتے ہوئے دیکھا۔۔

ارحام نے اسے کلائی سے پکڑتے بیڈ پر دھکا دیا تو حور اوندھے منہ بیڈ پر گرتی خوف سے اپنی سانسیں روک چکی تھی۔۔ ارحام اسے سیدھا کرتے ہوئے اس پر مکمل طور پر سایہ فگن ہوا۔۔ اس کی ٹانگوں پر اپنی ٹانگیں جماتے اس کی کلائیاں تک اپنی گرفت میں لاک کر گیا۔۔

حور نے سہمتے ہوے اپنے اوپر جھکے ہوے ارحام کو دیکھا

تھا۔۔ مم۔۔۔۔۔۔پپ۔۔ پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔جیسا۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔

کہیں۔۔۔۔گے۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ویسا۔۔۔۔۔ہی۔۔ حور کے

لفظ اس کے لبوں میں ہی تھے کہ وہ اس کی گردن پر جابجا اپنے دہکتا لمس

چھوڑتا اس کے لفظ گلے میں گھونٹتے اسے سسکنے پر مجبور کر گیا تھا۔۔۔ ارحام

کے باک لمس کو محسوس کر کے حور کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

مم۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔سے۔۔۔ معافی۔۔۔۔مانگتی

ہوں۔۔۔ آپ جیسے کہیں۔۔۔۔گے۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔ویسے

۔۔۔۔۔۔۔۔ہی کروں۔ گی۔۔۔ حور نے ارحام کے شدت بھرے لمس پر

تڑپتے ہوے کہا۔۔

ارحام اس کے خوف سے زرد پڑتے چہرے کو دیکھتا مسکرا گیا تھا۔۔

بہت دیر ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ بات تمھیں مجھ سے بحث کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔۔اب یہ ممکن نہیں رہا کہ اتنے نزدیک آکر میں تم سے دور ہو جاؤں۔۔۔۔۔۔۔کہا تھا تم سے تمھاری خوبصورتی تمھاری دشمن ہے۔۔۔۔یہ ممکن نہیں کہ اتنی خوبصورت عورت میری ملکیت میں ہو تو اس کے حسن سے میں مستفید نہ ہوں۔۔

میں تم پر رحم نہیں کھا سکتا۔۔کیونکہ مجھے تم پر رحم آتا ہی نہیں ہے۔۔ارحام کی آنکھوں میں شدید سرخی چھائی تھی۔۔جسے دیکھتے حور کی آنکھیں خوف سے مزید پھیلی تھیں۔

جانتی ہو میں ساری رات کہاں تھا؟؟ا۔۔ارحام نے اس کی کلائیوں پر اپنا دباؤ بڑھایا تو حور نے درد سے سسکی روکتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

ممم۔۔۔کیسے پتہ ہو گا؟؟۔تم تو ساری رات سکون سے سوتی رہی۔۔۔ارحام نے ایک ہاتھ سے بہت نرمی سے اس کے گال سے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔۔حور اس کے نرم لمس پر مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔اس سنگدل سفاک انسان کی نرمی بھی کسی سختی سے کم نہ تھی۔۔

میں اس ٹھنڈی قہر برستی رات میں ساری رات سڑکوں پر اپنی بیٹی کو تلاش کرتا رہا۔۔۔جتنی بے بسی،،اذیت،،ذلت۔۔۔میں نے اپنی زندگی میں تمھارے آنے کے بعد محسوس کی ہے۔۔کبھی نہیں کی۔۔۔ارحام اس کے کانوں میں پھنکارتے اس کے کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ گیا۔۔

پپ پلیز۔۔۔۔ممم مجھے۔۔۔معاف کر دیں۔۔حور نے ایک بار پھر سے خوف سے کپکپاتے لبوں سے اپنے اوپر جھکے بے رحم سے درخواست کی تھی۔۔جس کے بدن سے اٹھتی چنگاریوں سے اس کا پورا وجود جھلس رہا

تھا۔۔اور اس کے برف سے لہجے کی ٹھنڈک اسے اپنی رگوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔۔اسے اپنا خون تک منجمند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

اپنی حکم عدولی پر میں تمھیں سفاکیت سے بھرپور سزا دینا چاہتا تھا۔۔

مگر گھر میں مہمانوں کی موجودگی کی وجہ سے تمھاری بچت ہو گئی ہے۔۔مگر کوئی بات نہیں بہت موقعے آئیں گے۔۔جب جب تم میرا حق ادا کرتے میری ضرورت کا سامان بنو گی۔۔۔تو تمھیں سزائیں ملتی رہیں گی۔۔

حورا رحام خانزادہ کی باتوں پر تڑپتے ہوئے رو پڑی تھی۔۔

خبردار یہ آنسو مزید بہے تو بیوی ہو میری۔۔۔۔۔۔اپنی مرضی سے نکاح کیا ہے مجھ سے۔۔اب یہ رونا کیسا؟؟؟۔۔حق ادکرو میرا۔۔۔۔۔ارحام دھاڑا تو حور نے ہچکی لیتے ہوے اپنے آنسو روکے تھے۔۔

ارحام نے اس کے گالوں سے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھے۔اور کمبل خود پر اوڑھے وہ بہت نرمی سے حور کو خود میں سمیٹ گیا تھا۔۔کمرے میں گونجتی حور کی دبی دبی سسکیاں اس بات کی گواہ تھیں کہ ارحام حانزادہ کی نرمی بھی وہ سہن نہیں کر سکتی تھی۔۔

درخشاں نے بہارے کو روٹی بیلتے ہوے حیرت سے دیکھا تھا۔۔ جس کا روٹی کے ساتھ دور دور کوئی تعلق نہیں لگ رہا تھا۔۔ توے پر ڈالتے ہوے روٹی کا نقشہ پہلے سے بھی زیادہ بگڑ چکا تھا۔۔ یہی حال چولہے پر رکھی چائے کا تھا۔۔ جسے چائے کے علاوہ سب کچھ کہا جا سکتا تھا۔۔ بہارے نے کڑاہی میں چمچ چلاتے ہوے چمچ کڑاہی میں زور سے پٹخا تو بہارے کی کلائی میں پہنی چوڑیاں بھی زور سے کھنک اٹھی تھیں۔

درخشاں نے بہارے کے خوبصورت چہرے پر نگاہ ڈالی جو غصے کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔۔

بہارے باجی۔۔۔۔ تم کس کا غصہ کس پر آتار رہا ہے۔۔ تم رہنے دیتا ہم کر لیتا یہ سب کچھ۔۔ درخشاں نے بہارے کے بنے سنورے وجود پر نظر ڈالتے ہوے کہا۔۔

جو گلابی کامدار لانگ فراک میں ملبوس تھی۔۔ سر پر نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہلکی پھلکی جیولری پہنے ہوے تھی۔۔

نفاست سے کیے ہوے میک اپ میں وہ دمک رہی تھی۔۔ مگر پچھلے ایک گھنٹے سے وہ کچن میں کام کرتے ہوے بلند آواز میں کسی کو کوسنے دے رہی تھی۔۔ یہ سنتے کچن میں موجود ملازمائیں کانوں کو ہاتھ لگاتے اپنی ہنسی چھپانے کی ناکام سعی کر رہی تھیں۔

اگر تم یہ کھانا بناتی تو بہت لذیذ بناتی۔۔ میں یہ کھانا اس لیے بنا رہی ہوں۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں آج اس کا یہ آخری کھانا ہو۔۔ بہارے نے دانت پیستے ہوے کڑاہی میں نمک کے بھر بھر کر چمچ ڈالے تھے۔۔

اللہ کا خوف کرو بہارے باجی... کیوں شہرام لالا کی جان لینے پر تلا ہوا ہے تم؟؟۔۔۔یہ بکرے کا گوشت اتنے نمک سے زہر بن گیا ہو گا۔ درخشاں نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔۔

میں خوف کروں۔۔۔اسے خوف نہیں اللہ کا۔۔میں اتنا تیار ہو کر کچن میں اس کے لیے کھانا بنا رہی ہوں۔۔کیونکہ اسے میرے ہاتھ کا کھانا کھانا تھا۔۔

ایک تو میری مورے کسی جلاد سے کم نہیں ہے۔۔شہرام نے میرے ہاتھ کے کھانے کی فرمائش کی تو مورے نے مجھے کچن میں بھیج دیا۔ ذرا ترس نہیں آیا مجھ پر۔۔بہارے نے بھیگے لہجے میں دہائی دی تو کچن میں کھڑی ملازماؤں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔

تم لوگ دیکھنا یہ اس کا آج آخری کھانا ہو گا انشاء الہ۔۔بہارے نے کہتے ہوے چائے کی کیتلی میں چچ بھر کر مرچوں کا ڈالا تھا۔۔

بہارے کھانے کی ٹرے پکڑے شہرام کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

۔۔شہرام صوفے پر بیٹھا اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے سیدھے ہوا تھا۔۔گہری نظروں سے بہارے کو دیکھا جو گلابی سوٹ میں دہکتا انار لگ رہی تھی۔۔گلابی دپٹے کے حالے میں اس کا دمکتا دہکتا سرخ چہرہ شہرام کے تپتے دل پر پھوار سی نچھاور کر گیا تھا۔۔

بہارے نے شہرام کے سامنے رکھی ہوئی ٹیبل پر کھانے کی ٹرے زور سے پٹخی تھی۔

یہ کیا طریقہ ہے کھانا پیش کرنے کا؟؟۔۔شہرام نے بہارے کے تپے ہوے چہرے کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔۔

یہ وہی طریقہ ہے جو تم ڈیزرو کرتے ہو۔۔ بہارے نے تنک کر جواب دیا۔۔

میں کیا ڈیزرو کرتا ہوں کیا نہیں۔۔۔ وہ تم سے بہتر تمھاری مورے جانتی ہے۔۔۔ مجھے تو صرف تم ہی ڈیزرو کرتی ہو۔۔ تبھی تو تم نے اتنا بن سنور کر کچن میں میرے لیے یہ شہکار بنایا۔۔ شہرام نے جلی ہوئی روٹی کو اٹھا کر دیکھا۔۔ جسے سب کچھ بھی کہا جا سکتا تھا مگر روٹی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

شہرام نے چائے کا کپ کو اٹھا کر لبوں سے لگایا تو بہارے کے لبوں کو میٹھی مدھم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔

چائے کا ایک گھونٹ شہرام کے حلق میں اترنا تھا اور بہارے کے جلے ہوے دل کو سکون مل جانا تھا۔

شہرام اپنے لبوں تک چائے کا کپ لے جاتے ہوے رکا تھا۔۔ بہارے کے لبوں پر پھیلی دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر شہرام نے چائے کا کپ بغیر گھونٹ بھرے واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ پیوناں رک کیوں گئے۔۔۔ بہارے نے عجلت بھری بے چینی سے کہا۔۔

چائے کا جو کلر ہے۔ اس کے کلر نے مجھے چونکایا تھا۔ کیونکہ اس کلر کی چائے میں نے آج تک نہیں دیکھی۔۔ پھر سوچا ڈاکٹر بہارے تو یہاں کی لڑکیوں کی طرح بلکل نہیں ہے۔۔ پڑی لکھی ایم بی بی ایس ہے۔۔ یقیناً شہر میں ایسی ہی چائے ہوتی ہو گی۔ مجھ جیسے اجڈ گنوار کو کیا پتہ شہر کے کھانوں کا۔۔۔ مگر جو مسکراہٹ تمھارے چہرے پر ہے اس نے مجھے زیادہ چونکا دیا ہے۔۔۔ مجھے دیکھ کر تمھارے نک چڑے چہرے پر مسکراہٹ آجائے

ناممکن۔۔۔۔۔۔کچھ تو گڑبڑ ہے۔۔۔۔شہرام نے تحیر زدہ لہجے میں کہتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔

گڑبڑ چائے میں نہیں شہرام۔۔۔گڑبڑ تمھارے دماغ میں ہے۔۔

تم نے جان بوجھ کر مورے سے کہا کہ تمھیں میرے ہاتھ کا کھانا کھانا ہے۔۔ابھی تھوڑی دیر میں مگنی کا کھانا ہے۔۔مگر نہیں تم نے مجھے اذیت دینے کے لیے یہ سب کیا۔۔سب باہر انجوائے کر رہے ہیں۔میں تمھارے لیے کچن میں کھانا بنا رہی تھی۔۔تم دیکھنا شہرام تم میرا دل دکھا کر کبھی خوش نہیں رہو گے۔۔بہارے نے بھیگے لہجے میں اسے بدعا دی۔

جب سے تمہارے ساتھ نکاح ہوا ہے۔۔تمھاری بدعاؤں کے حصار میں ہوں۔۔مگر افسوس تمھاری کوئی بدعا مجھے آج تک نہیں لگی۔۔یہ بھیگی خوبصورت آنکھوں میں ٹھہرے آنسو مجھے کچھ پسند نہیں آئے۔۔انھیں تو

تمھارے رخسار کا حصہ بننا چاہیے۔۔۔ شہرام چائے کا کپ پکڑتے صوفے سے اٹھتے بہارے کے مقابل جا کھڑا ہوا تھا۔۔

پیو اسے۔۔۔۔۔ شہرام نے کپ اس کے سامنے کیا۔۔

تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔ میں کیوں پینے لگی اسے۔۔ تم نے اپنے لیے بنوایا ہے تم پیو۔۔ بہارے یکدم گڑبڑائی تھی۔

مجھے لگتا ہے تم نے اس میں زہر ڈالا ہے۔پہلے اسے پی کر میری تسلی کرواؤ۔۔ پھر ہی میں پیوں گا۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

شہرام تمھارا دماغ سچ میں خراب ہو چکا ہے۔۔ تمھاری حیثیت میرے نزدیک صفر برابر بھی نہیں ہے کہ میں تمھیں قتل کر کے خود پھانسی پر چڑھ

جاؤں۔۔ڈاکٹر بہارے نے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔۔بہارے نے ناک چڑھایا تھا۔۔

ہمممم۔۔۔۔۔ڈاکٹر بہارے پھانسی پر نہیں چڑھنا چاہتی۔ مگر شہرام خانزادہ تو چاہتا ہے ڈاکٹر بہارے ہر وقت خود کو سولی پر لٹکا محسوس کرے۔۔اسی لیے تو تمھاری رخصتی کروا رہا ہوں۔۔۔تاکہ اس کمرے میں میری پناہوں میں تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔۔شہرام نے ٹھنڈے پر سکون لہجے میں کہتے ہوے کپ واپس ٹیبل پر رکھا اور بہارے کو کلائی سے کھینچ کر اپنے سینے میں بھینچا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔بے شرم انسان یہ کیا کر رہے ہو؟؟۔۔شہرام کے بھینچنے کے انداز پر بہارے کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔

اپنا حق استعمال کر رہا ہوں۔ اور کیا کر رہا ہوں۔۔۔۔ شہرام نے مزید اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔ بہارے اس کے سینے کا حصہ بنتی اس کی دھڑکنوں کو سنتے سرخ پڑ رہی تھی۔

تمھیں احساس دلا رہا ہوں۔۔ میں تمھارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی۔۔۔۔ جب جب میرے پاس آیا کرو تو اپنی زبان کو تالا لگا کر آیا کرو۔۔ مگر تمھیں اپنی زہریلی زبان کے جوہر میرے سامنے ضرور ظاہر کرنے ہوتے ہیں۔ شہرام نے اور بھی سختی سے بہارے کو خود میں بھینچا تھا۔۔ بہارے کے بنائے ہوئے کھانے سے کہیں زیادہ اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری نے شہرام کے اشتعال میں اضافہ کیا تھا۔

شہرام چھوڑو مجھے۔۔۔ بہارے۔۔۔۔۔ شہرام کے حصار میں بری طرح پھڑ پھڑائی تھی۔

ٹھیک ہے چھوڑ دوں گا۔۔۔پہلے چائے کا کپ ختم کرو۔۔۔شہرام نے بہارے کے کمر کے گرد اپنا حصار مزید مضبوط کیا تھا۔۔

شہرام کی قربت میں بہارے کی سانسیں رک رہی تھی۔وہ اسے خود میں بھینچتا جا رہا تھا جیسے۔۔۔

ٹھیک ہے شہرام۔۔۔۔چھوڑو مجھے مم میں چائے پینے کو تیار ہوں۔۔بہارے نے اس کے حصار میں مچلتے ہوے کہا۔

میری بانہوں میں رہنے سے زیادہ تمھیں یہ چائے پینا بہتر لگا۔۔۔شہرام کے چبھتے لہجے میں کرب کی امیزش تھی۔

یہ تو صرف بدمزہ چائے ہے۔۔۔۔مجھے یقین ہے تم مجھ سے جان چھڑوانے کے لیے زہر بھی پی سکتی ہو۔۔ شہرام نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔۔

اس سے پہلے بہارے کمرے سے باہر نکلتی شہرام نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ لاک کیا تھا۔

کیا چاہتے ہو شہرام؟؟ باہر مگنی کا فنکشن ہے تم نے مجھے یہاں محصور کر کے رکھا ہوا ہے۔۔ بہارے غصے سے چلائی۔۔

چائے پیو اور یہاں سے چلی جاؤ۔۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتا ہوا آگے بڑھا

۔۔

بہارے پیر پٹختی پھر سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔۔۔اس چائے میں اس نے کتنے ہی مصالحہ جات ڈالے تھے۔۔اسے پینے کا سوچ کر ہی اسے متلی ہو رہی تھی۔ بہارے کو دروازے کی جانب بڑھتے دیکھ کر شہرام نے اسے کلائی سے پکڑ کر صوفے پر پٹخا۔

بہارے بری طرح صوفے پر آگری تھی۔۔ بہارے نے حیرت سے اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے انسان کو دیکھا۔۔جو آج فضول سی ضد لگائے بیٹھا تھا۔۔اتنا ضدی تو وہ کبھی نہیں تھا۔۔

شہرام کرسی کھینچ کر اس کے مقابل کرتے ہوے صوفے پر بیٹھا۔اپنی شرٹ ٹھیک کرتے آستین کے کف کھولتے ہوے اسے کہنیوں تک چڑھایا تھا۔ بہارے کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکتے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا۔۔

بہارے نے روہانسے ہوتے شہرام کو التجائیہ نظروں سے دیکھات

چائے پیو۔۔۔ شہرام نے بہارے کی آنکھوں کی التجا نظر انداز کرتے ٹیبل پر رکھے چائے کے کپ کی طرف اشارہ کیا۔۔

مم میں نہ پیو تو۔۔۔۔۔۔۔۔ بہارے نے منمناتے ہوے گھبراتے لہجے میں پوچھا۔۔ مقابل سگریٹ لبوں میں دبائے بہت سرد نظروں سے اس کے وجود پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔ اس کی گہری نظریں اسے اپنے آر پار ہوتے محسوس ہو رہی تھیں۔

تو میں پیار سے اپنی گود میں اٹھائے تمھیں بیڈ پر لے جاؤں گا۔۔

اطمینان سے جواب آیا۔۔۔

بہارے شہرام کی بات سنتے سرخ پڑی تھی۔ دانت پیستے ہوے سامنے بیٹھے پہاڑی انسان کو دیکھا جس کے تاثرات سخت چٹانوں جیسے ہی تھے۔

بہارے نے گہری سانس بھرتے چائے کا کپ اٹھا کر اسے لبوں سے لگایا تھا۔۔

ایک ہی سانس میں یہ ساری چائے پیو۔۔ ورنہ آج تم مگنی کے فنکشن میں شرکت کرو گی یہ بھول جاؤ۔۔ شہرام نے بہارے کی طرف جھکتے ہوے اپنے سگریٹ کا دھواں اس کی گردن پر چھوڑتے ہوے اس کی گردن پر لب رکھے تھے۔۔

بہارے اس کے لمس پر سلگ اٹھی تھی۔۔

دور رہو مجھ سے چائے پی تو رہی ہوں۔۔ بہارے نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔۔

جلدی سے پیو یہ چائے اور یہ کھانا ختم کرو۔۔ ورنہ یہ لب تمھاری شہہ رگ کو ہی نہیں چومیں گے۔ ان کا سفر بہت طول اور بہت جارحانہ ہو گا۔۔ شہرام نے اس کی گردن پر لو بائٹ چھوڑی تھی۔

بہارے نے غصے سے شہرام کو خود سے دور دھکیلتے ہوئے اس کے دیے ہوئے نشان پر ہاتھ رکھا جہاں میٹھی سی چبھن ہو رہی تھی۔

شہرام کچھ تو خیال کرو۔۔۔ باہر کتنے مہمان ہیں۔۔۔ سب کیا کہیں گے۔۔ ہم دونوں اس کمرے میں کیا کر رہے ہیں۔۔ بہارے کو چائے پینے کے خیال سے ہی پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ کھانا کھانے کا بھی کہہ رہا تھا۔۔

کچھ نہیں سوچیں گے۔۔۔ جو سوچیں گے وہ آج رات لگے ہاتھ تمھاری رخصتی کر دیں گے۔۔ تم اسی کمرے میں میرے پاس ہمیشہ کے لیے آ جاؤ گی۔۔ پھر روز میرے لیے اسی طرح کھانے کی ٹرے سجا کر کمرے میں لایا کرو گی۔

اور میں بڑے پیار سے پہلے تمھیں کھلاؤں گا۔۔ پھر خود کھاؤں گا۔۔ چلو منہ کھولو۔۔۔ شہرام نے بائٹ بنا کر بہارے کی طرف بڑھائی تھی۔۔ بہارے نے سختی سے اپنے لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔۔

منہ کھولو بہارے۔۔۔۔۔ورنہ میں زبردستی بھی تمھارا منہ کھلوا سکتا ہوں۔۔مجھے جانتی ہو تم اچھی طرح۔۔۔۔اس دن تمھارے کمرے میں تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا۔ آج وہ میرے کمرے میں ہو جائے گا۔ویسے بھی میں بہت بے چین ہو رہا ہوں یہ جاننے کے لیے آج تم نے کیا میچنگ کی ہے۔۔شہرام کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے بہارے شرم سے سرخ پڑی تھی۔۔

شہرام اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اپنے لب دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔اس کا شرم و خفت سے سرخ پڑتا چہرہ شہرام کا دل بری طرح دھڑ گیا تھا۔

شہرام کرسی پر بیٹھے ہی اس کی طرف جھکا تو وہ کپ ہاتھوں میں تھامے سہمتے ہوے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے آج جب میں تمھارے قریب آؤں گا تو فرق صرف اتنا ہو گا۔اس دن تو کچھ نہیں ہوا تھا آج بہت کچھ ہو جائے گا۔۔ چلو شاباش منہ کھولو۔۔۔ شہرام نے اس کے کان کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی کرتے بہارے سے چائے کا کپ لیا۔جو کسی بھی وقت بہارے کے ہاتھوں میں لرزتے اس کے ڈریس کو داغدار کر سکتا تھا۔۔ شہرام نے بہارے کو سرد نظروں سے گھورتے ہوے بائٹ بہارے کی طرف بڑھائی۔۔ شہرام کی دھمکی سن کر بہارے اندر تک لرز اٹھی تھی۔۔اس لیے جلدی سے منہ کھولا۔

بہارے نے بمشکل وہ نوالہ اپنے گلے کے اندر اتارا تھا۔۔ شدید نمک اور مرچ ہونے کے باعث اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہوا تھا۔۔۔

مرچ تھوڑی زیادہ ہے لگتا ہے۔۔ چلو کوئی بات نہیں یہ چائے پیو۔۔۔ شہرام نے بہارے کی بھیگی آنکھیں دیکھتے طنزیہ مسکراتے ہوئے چائے کا کپ بہارے کی طرف بڑھایا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں شہرام کو پکارا۔۔

چائے پیو۔۔۔۔۔ ایسے مت دیکھو۔۔۔ شہرام نے سرد سخت لہجے میں کہتے بہارے کی طرف چائے کا کپ بڑھایا تھا۔۔

بہارے نے کپکپاتے ہاتھوں سے چائے کا کپ تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔

ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے کھانسی کا شدید دورا پڑا تھا۔۔

بہارے منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی تھی۔۔

شہرام اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی شعلہ جوالہ بیوی کا انتظار کرنے لگا۔۔

کچھ دیر بعد بہارے دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ باہر آئی تھی۔۔

وہ غصے سے شہرام کی طرف بڑھی۔۔ تم نے جان بوجھ کر یہ سب کیا ہے۔۔ تم چاہتے تھے کہ میں مگنی میں شریک نہ ہوں۔ تو خوش ہو جاؤ میں نہیں شریک ہو رہی۔۔۔ میرا سارا ڈریس خراب ہو گیا۔۔ میرا میک آپ خراب ہو گیا ہے۔۔ خجستہ کی برات بھی میں نے تمھاری وجہ سے اٹینڈ نہیں کی تھی۔۔ میری ہر خوشی برباد کر کے تمھیں کیا ملتا ہے۔ بہارے روتے ہوے چیخی تھی۔

وہی جو تمھیں ملتا ہے یعنی سکون۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام نے آنکھیں موندتے سکون سے جواب دیا۔۔

میں نفرت کرتی ہوں تم سے۔۔ بہارے چیخی۔۔

می ٹو مائی سویٹ وائف۔۔۔۔۔ شہرام نے اسی سکون سے جواب دیا۔۔

میں کبھی یہ رخصتی نہیں کروں گی۔۔ میں اس حویلی سے بھاگ جاؤں گی۔۔ بہارے نے شہرام کو پر سکون دیکھ کر غصے سے تلملاتے ہوے اسے آگ لگانے کی کوشش کی۔۔

یہ کوشش بھی کر کے دیکھ لینا میری پڑھی لکھی جاہل بیوی۔۔۔۔۔۔۔ پھر شہرام خانزادہ اپنی اوقات پر آتے ہوے تمھیں بھی تمھاری اوقات دکھا دے گا۔۔ تم میرے ان پڑھ ہونے کا ماتم ہی نہیں مناؤ گی۔ بلکہ میرے جنگلی ہونے کا ماتم تم گھر والوں سے خود کو چھپا کر رکھتے ہوے مناؤ گی۔۔۔ وہ حال کروں گا کہ تم کسی کے سامنے جانے کے قابل نہیں رہو گی۔۔ شہرام صوفے سے اٹھتے بہارے کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔۔

شہرام کے لہجے کے سرد پن اور آنکھوں کی سرخی نے اسے مزید بولنے سے روکا تھا۔۔

بہارے خاموشی سے دروازے کی جانب بڑھی تو شہرام کی سرد آواز پر رکی تھی۔۔

تمھارے پکائے ہوئے لذیذ کھانے کی تصویریں تمھاری مورے کے موبائل پر سینڈ کر دی تھیں۔ بہت طعریف بھی کی ہے میں نے تمھارے سگھڑاپے کی۔۔ جاؤ بہت بے چین ہو رہی ہیں وہ یہ کھانا کھانے کو۔۔ شہرام نے طنزیہ کہتے ہوئے کھانے کی ٹرے بہارے کے ساکت وجود کی طرف بڑھائی تھی۔

بہارے کی رنگت یہ سن کر سفید پڑی تھی۔۔ بہارے نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ ٹرے تھامی اور خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔۔ بہارے کے جانے

کے بعد شہرام نے چائے کا کپ اٹھا کر بہارے کے ہونٹوں کی لپسٹک مارک والی جگہ پر اپنے لب رکھتے ہوے ایک گھونٹ لیا تھا۔۔شدید جلن سی اسے اپنے گلے میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔۔

بیوقوف لڑکی۔۔۔۔۔۔۔۔شہرام نے بڑبڑاتے ہوے کپ واپس ٹیبل پر رکھا تھا۔۔اپنی گرم شال کندھوں پر ڈالے باہر نکل گیا۔۔

عابیر اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر عابیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بابرک کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر عابیر کی رنگت

فق ہوئی تھی۔۔عابیر نے جلدی سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح خود پر لپیٹا تھا۔

بابرک کو کمرے کا لاک لگاتے دیکھ کر عابیر اپنے خوف پر قابو پاتے بابرک کی طرف بڑھی۔

یہ کیا کر رہے ہو تم ؟؟عابیر نے چیختے ہوے بابرک سے سوال کیا۔۔

عابیر مجھے احساس ہو گیا ہے جو میں نے تمھارے ساتھ کیا؟؟تم بہت اچھا ہے۔۔مجھے معاف کر دو۔۔بابرک عابیر کے مقابل آتے ہوے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے التجائیہ لہجے میں بولا

عابیر حیرانگی سے بابرک کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے نادم سا کھڑا تھا۔۔اس کا نم لہجہ عابیر کو چونکا گیا تھا۔۔

عابیر مجھے معاف کر دو۔۔ میں جانتا ہوں۔ میں تمھارے لائق نہیں ہے۔ میں معافی مانگنے کے بھی لائق نہیں ہے۔۔ بلکہ میں تمھارے سامنے کھڑا ہونے کے بھی لائق نہیں ہے۔۔ میں نے تمھیں سیڑھیوں سے دھکا دے دیا۔۔ ہم اتنا ظالم کیسے ہو گیا۔۔ تم جیسا حسین پری جو صرف پیار کرنے کے قابل ہے۔۔ اس کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کیسے کر سکتا ہے ہم۔۔ لعنت ہو ہم پر۔۔۔۔ بابرک نے عابیر کے شولڈر پر بے باکی سے اپنی انگلیاں پھیریں تھیں۔

عابیر غصے سے سرخ ہوتے پیچھے ہوئی تھی۔۔

دور رہو بابرک مجھ سے۔۔۔ عابیر نے سختی سے تنبیہی لہجے میں کہا۔۔

دیکھو عابیر بھروسہ کرو ہم پر..... آج رات ہم صرف تم کو پیار کرنے آیا ہے۔۔اس بیڈ پر ہم تمھارا سارا گلہ شکوہ دور کر دے گا۔۔بابرک اس کی طرف بڑھا تو وہ پیچھے کو ہوئی تھی۔۔

بابرک تم جیسا شیطان کبھی نہیں بدل سکتا۔۔عابیر اس کی بات سنتے پیچھے کو قدم بڑھاتے پوری قوت سے چیخی۔۔

بابرک نے اسے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر اسے دونوں شولڈرز سے جکڑے اسے اپنی آہنی گرفت میں لیا۔

کیا سمجھا تھا تم؟؟ہم تم سے معافی مانگنے آیا ہے۔۔بابرک غرایا۔۔

ٹھیک سمجھا تم نے۔۔۔ہم کبھی نہیں بدل سکتا۔۔ہم وہ کرنے آیا ہے جو ہم اتنے عرصے سے کر نہ سکا۔۔ تمھارا بھائی نے جو ہمارے ساتھ کیا.. آج تم اس کا حساب چکائے گا۔۔بابرک غصے سے گرجا۔۔۔

بابرک.....عابیر اس کا اپنے دوپٹے کی طرف بڑھتا ہاتھ دیکھ کر چیخی تھی۔۔

مچاؤ شور جتنا تم آج شور مچا سکتا ہے۔ تمھارا شور اسی کمرے میں دب جائے گا۔۔میں تمھارا وہ حال کروں گا کہ تم اپنی پہچان بھول جائے گا۔۔بابرک نے اس کا دوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکا...اسے بالوں سے پکڑ کر اپنے مقابل کرتے اس کے لبوں پر جھکا تو عابیر نے اسے پوری قوت سے دھکا دیتے

ہوے اسے تھپڑ مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا تھا۔ جسے بابرک نے بیچ میں روک کر اس کی کلائی پکڑ کر مڑوڑ دی تھی۔

بابرک چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے۔۔ عابیر روتے ہوے درد سے چیخی تھی۔ بہت ہو گیا تمھارا نخرہ اور بہت سہہ لیا ہم نے۔۔ عابیر نے اس کی کلائی موڑتے ہوے اسی کی پشت اپنے سینے کے ساتھ لگائی۔ عابیر درد سے کراہ کر رہ گیی تھی۔۔

بس اتنا دم خم ہوتا ہے تم عورت لوگ میں۔۔۔۔۔... آہ۔۔۔۔

آوچ۔۔۔۔۔ یہی تو تم لڑکیوں پر سوٹ کرتا ہے۔۔ اب تم تھوڑی دیر تک دردناک سسکیاں بھی بھرے گا۔۔ وہ حال کرے گا ہم تمھارا تم اپنی پہچان بھول جائے گا۔

بابرک نے پھنکارتے ہوے عابیر کو بیڈ پر دھکا دیا۔ اس سے پہلے عابیر ابیڈ سے اٹھ کر اس وحشی درندے سے اپنی جان چھڑواتی وہ اس پر مکمل طور پر حاوی ہوتا اسے قابو کر گیا۔۔

عابیر کی چیخ وہ اس کے جبڑے پر اپنی آہنی گرفت جمائے گھونٹ چکا تھا۔

زاران جو عابیر کے کمرے میں کسی کام کے لیے آیا تھا۔۔ کمرے سے آتی گھٹی گھٹی چیخیں سن کر زاران پریشان ہوا تھا۔۔ دوسرے ہی پل زاران کے خون میں دہکتا آلاؤ بھڑکا تھا۔۔ اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے اسے گھمایا تو وہ لاکڈ تھا۔

عابیر دروازہ کھولو۔۔۔زاران نے عابیر کے کمرے کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ گھٹی گھٹی چیخیوں کی آواز بڑھی تھی اور زاران دروازے کے باہر کھڑا طیش والم میں پاگل ہوا تھا۔۔

زاران نے پوری قوت سے ہینڈل کو گھمایا اور دروازے کو زور سے دھکا دیا تھا۔۔

دروازہ کھولو ورنہ میں تمھیں جان سے مار دوں گا بابرک۔۔۔زاران زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوے غرایا۔۔

بابرک کی توجہ زاران کے چلانے اور دروازہ کھٹکھٹانے پر ذرا سی بھٹکی تھی۔۔عابیر نے اس کی گرفت ڈھیلی محسوس کر کے اسے پوری قوت سے دھکا دیا تھا اور دروازے کی جانب بڑھی۔۔بابرک عابیر کے پیچھے بھاگا

تھا۔۔ بابرک نے اسے پیچھے سے بالوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا مگر اتنی دیر میں عابیر دروازہ کھول چکی تھی۔

زاران کو دیکھتے وہ اپنی حالت کی پرواہ کیے بغیر اس کے سینے میں سما گئی۔

عابیر کو بغیر دوپٹے اور پھٹی ہوئی آستین کے ساتھ دیکھ کر زاران کا چہرہ لہو چھلکانے لگا تھا۔۔

وہ کمرے میں موجود بابرک کی طرف بڑھا جو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے استھزائیہ انداز میں زاران کو دیکھ رہا تھا۔۔

زاران نے آگے بڑھتے بابرک کو کالر سے جکڑتے اس کے منہ پر بے دریغ مکے جڑ دیے تھے۔

لالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم ہوش میں تو ہے یہ کیا کر رہا ہے تم ؟؟۔۔۔ بابرک اپنا گریبان چھڑواتے ہوے چلایا۔۔

وہی کر رہا ہو جو تم جیسے بے شرم بے غیرت انسان کے ساتھ کرنا چاہیے۔۔ زاران نے اسے کالر سے دبوچتے ہوے گھسیٹا تھا۔

بے غیرت میں نہیں تم ہے جو میاں بیوی کے بیچ آ گیا۔۔ یہ جو تم شور کر رہا ہے بھولو مت نیچے مہمان ہے.. برادری کا لوگ ہے۔۔ وہ سب مجھ پر نہیں تم پر تھو تھو کرے گا۔۔ مجھے نہیں تم اپنی بہن کو گندا کر رہا ہے۔۔ اس لیے اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھو۔۔ نیچے تک شور گیا ہم سب کچھ قبول کرتے عابیر کی رخصتی کروالے گا۔۔ وہ بھی آج اور ابھی۔۔ بابرک اپنا گریبان چھڑواتے ہوے کمینگی سے مسکرایا۔۔

لالا چھوڑ دیں اسے۔۔بات ختم کریں نیچے بہت سارے مہمان ہیں۔۔اگر بات ان تک پہنچ گئی تو وہ پتہ نہیں کیا کیا سوچیں گے۔۔عابیر اپنا دوپٹہ زمین سے اٹھاتے زاران کی طرف بڑھی تھی۔۔

جو بھی سوچتے ہیں سوچیں۔۔مگر آج میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔۔اس کا وہ حال کروں گا یہ یاد رکھے گا۔۔دیکھتا ہوں کیسے کرواتے ہو تم یہ رخصتی۔۔عابیر کا بھائی ابھی زندہ ہے۔۔زاران نے اپنے سینے پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔۔بابرک زاران کی بات سنتے گہرا مسکرایا تھا اور دوسرے ہی لمحے بابرک نے اپنی قمیض کی جیب سے پسٹل نکال کر زاران کے سینے پر تانی۔۔عابیر نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ روکی تھی۔

زاران خود پر پسٹل تانے دیکھ کر طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

چلاؤ گولی۔۔۔زاران چیخا۔

تمھیں کیا لگتا ہے لالا۔۔ ہم نے یہ پسٹل شور مارنے کے لیے تمھارے سینے پر تانی ہے۔۔ اس سے ہم نے تمھیں مارنا ہی ہے۔۔ مگر ہم بس یہ سوچ رہا ہے۔۔ تمھارا خون کر کے ہم سب سے کیا کہے گا۔۔ تمھارا گندے خون کا الزام کس پر لگائے گا۔۔ بابرک اپنی کنپٹی پر انگلی پھیرتے ہوے بولا۔۔

تمھیں مار کر ہم تمھارا خون کا الزام تمھارا بہن پر لگا دے کیسا۔۔؟؟ بابرک پسٹل زاران کی طرف کیے قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔۔

زاران نے سرخ ہوتی آنکھوں سے بابرک کو دیکھا۔

پتہ ہے ہم کیا کہے گا؟؟ تمھیں عابیر کے کسی عاشق کے بارے میں پتہ چلا ۔تم غیرت میں عابیر کو مارنے آیا تھا۔۔اور تمھاری پسٹل سے عابیر نے تم پر ہی گولی چلا دی.. بابرک اپنی بات مکمل کرتے پھر سے قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔۔

زاران کے ماتھے کی وینز نمایاں ہو کر ابھری تھیں۔بابرک کی بات سنتے لہو میں شرارے اٹھے تھے۔۔

زاران نے ایک ہی جست میں بابرک کے ہاتھ سے پسٹل چھینتے ہوے اس کے زخمی بازو کو مڑوڑ دیا تھا۔۔

بابرک اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔۔بازو میں اٹھتے درد سے وہ بری طرح چلایا۔۔

لالا چھوڑ دیں اسے۔۔خوامخواہ تماشہ بن جائے گا۔۔عابیر نے ملتجی لہجے میں درخواست کی۔وہ کبھی بھی اس وحشی انسان کے ساتھ رخصت نہیں ہونا چاہتی تھی۔۔

عابیر بہن ہو تم میری۔۔۔مر تا مر جاؤں گا۔۔اس کے ساتھ تمھاری رخصتی نہیں ہونے دوں گا۔۔زاران نے عابیر کے سر پر ہاتھ رکھا۔

زاران بابرک کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لایا تھا اور بے رحمی سے سیڑھیوں سے نیچے دھکا دیا تھا۔۔بابرک تمام سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے نیچے آیا تھا۔۔زنان خانہ کے لاونج میں بیٹھی تمام مہمان خواتین شور سنتے ہوئے بابرک اور زاران کی طرف بڑھیں۔۔بابرک زمین پر لیٹا بری طرح چیخ رہا تھا۔۔اس کے بازو سے خون رس رہا تھا۔۔سر سے بھی خون بہہ

رہا تھا۔۔ زاران بری طرح اس کے پہلو میں اپنے بھاری بوٹ والے پاؤں مار رہا تھا۔۔

زاران کو شدید غصے میں دیکھ کر کوئی خواتین آگے نہیں بڑھی تھی۔۔ روزینہ خانم بابرک کی حالت دیکھتے غش کھانے کو تھیں۔ مگر زاران کو روکنے کی انہوں نے بھی ہمت نہیں کی تھی۔۔

وہ اپنے بیٹے کی حرکتوں سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لیے زاران کو غصے میں دیکھ کر تڑپتے ہوے بھی آگے نہیں بڑھی تھیں۔

زاران نے بابرک کو کالر سے جکڑے اٹھایا اور زور دار پنچ اس کے منہ پر دے مارا۔۔ وہ زمین پر گرے درد سے آہ پکار کرنے لگا۔۔

زاران یہ کیا کر رہا ہے تم؟؟ امینہ خانم آگے بڑھیں۔ خبر دار مورے کوئی بھی آگے بڑھا۔۔۔ میں آج سارے لحاظ بھول جاؤں گا۔۔۔ زاران اونچی آواز میں دھاڑا۔

ابرش جوٹی پنک کلر کی لانگ میکسی میں دلہن بنی کھڑی تھی۔۔ زاران کا یہ عمل دیکھ کر وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔۔ زاران کو بابرک کو سیڑھیوں سے دھکا دیتے ہوے بھی ابرش نے دیکھ لیا تھا۔۔ کوئی اتنا بے رحم اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے زاران کو غصے میں دیکھ رہی تھی۔۔ جو بے دردی سے بابرک کو مار رہا تھا۔۔

ابرش نے بھیگی آنکھوں سے لرزتے ہوئے شکوہ کناں نظروں سے زحلے کو دیکھا جو ابرش کی آنکھوں میں ٹھہری سراسیمگی دیکھ کر وہ اپنی نظریں چرا گئی تھیں۔ زاران کو اتنے غصے میں دیکھ کر وہ خود حیران تھیں۔

زاران نے بابرک کے منہ پر زوردار پنچ مارا تو بابرک کی چیخ کے ساتھ ابرش کی چیخ بھی گونجی تھی۔۔۔ زاران نے رخ پلٹتے ہوئے اپنی خونخوار نظریں ابرش پر گاڑھیں۔ ابرش نے زاران کی سرخ نظروں پر کانپتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

زاران بابرک کو کالر سے گھسیٹتے ہوے مردان خانے کی طرف بڑھا۔۔

ابرش زحلے کو دیکھتی سر نفی میں ہلاتے بھاگتے ہوے مہمان خانہ کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے بڑھی تھی۔

ارحام بلیک ٹراوزر پہنے شرٹ لیس بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔۔ حور واش روم سے شاور لیے بھیگی زلفوں اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ گل کا ڈریس پہن کر نکلی تھی۔۔۔۔۔ ارحام اور اس کی نظریں چار

ہوئی تھیں۔ حور نے ارحام کو ایک نظر دیکھتے اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے صوفے کی جانب بڑھتے اپنا دوپٹہ اٹھا کر سر پر جمایا۔

مقابل سے کیسا رشتہ تھا۔۔اس کے اتنے ستم ڈھانے کے باوجود بھی اس کی گہری آنکھیں اسی سے شکوہ کرتی تھیں۔ ارحام اس کی گہری آنکھوں میں پنہاں شکوے اور درد کو اگنور کرتے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔۔

حور ڈل گولڈن کلر کی لانگ میکسی میں ملبوس تھی۔ جس کی لینتھ پیروں تک آتی تھی۔

پوری میکسی پر نفیس سا کام ہوا تھا۔ گلے پر میرون بیٹس لگے تھے۔۔ یہ ایک بہت بڑے ڈیزائنر کی میکسی تھی جو ارحام نے دس لاکھ میں گل کے لیے

بنوائی تھی۔ گل نے ایک بار پہن کر دوبارہ پہننا پسند نہیں کیا تھا۔۔ گل کے فنکشن پر پہننے والے ڈریسز زکم و بیش اتنے ہی مالیت کے ہوتے تھے۔۔

حور دوپٹہ اوڑھے ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی ہونٹوں پر لپ سٹک لگا رہی تھی۔۔

یہ دوپٹہ اتارو اور میرے پاس آؤ۔۔۔۔۔۔ ارحام نے نرم لہجے میں جانے کس احساس سے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ خود نہیں سمجھ سکا تھا۔۔ شائد کچھ دیر پہلے اپنی سختی پر اس کا لہجہ نرم ہوا تھا یا پھر اس کا بھڑکتہ دو آتشہ روپ وہ دیکھنا چاہتا تھا۔۔

حور اس کی بات سنتے خوف سے زرد پڑی تھی۔۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے دوپٹہ اتار کر ارحام کی طرف بڑھی۔

جج جی۔۔۔۔ حور نے اس کے پاس کھڑے آہستگی سے انگلیاں چٹخاتے ہوے کہا۔ ارحام اس کا خوف محسوس کر چکا تھا۔۔۔ پہلے اپنے بال اچھی طرح ڈرائے کرو۔۔۔ پھر تیار ہونا۔۔ ارحام نے اس کے نشیب و فراز پر گہری نظریں گاڑھے کافی نرم لہجے میں کہا۔

اس کے لہجے میں نہ چاہتے ہوے بھی نرمی در آئی تھی۔۔۔۔ وہ تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ نرمی اختیار کرتے کرتے کافی سختی کر چکا تھا۔۔

وہ اس کی نرمی سہنے کی مجاز نہ تھی کجا کہ سختی سہہ سکتی۔۔۔ اس کی گردن پر اپنے دیے گئے بے رحم نشانوں کو بغور دیکھتے ہوے ارحام نے اپنے لب بھینچے تھے۔

ارحام کو اتنا تو احساس تھا وہ بہت نازک ہے۔۔ مگر وہ اس لڑکی کے ساتھ چاہ کر بھی نرمی نہیں برت سکتا تھا۔ جس نے پل بھر میں اس کا اس سے سب کچھ چھین لیا تھا۔

ارحام کے لہجے کی نرمی محسوس کرتے اس کی آنکھوں میں جمع شبنم ایک بار پھر سے عارض پر بہی تھی۔۔ نظریں اٹھا کر ستم گر کو دیکھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی حق ملکیت جتاتے اس پر کافی سختی کر چکا تھا۔۔

ارحام اس کی گہری آنکھوں میں چھپے شکوں کو دیکھتے گہرا مسکرایا تھا

میری جان۔۔۔ مت دیکھا کرو مجھے ایسی نگاہوں سے۔۔۔

غلطی میری نہیں تم ہی بہت نازک اور کم عمر ہو۔۔۔ ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی۔۔۔

اب شادی شدہ مرد سے شادی کی ہے۔۔ یہ سب تو سہن کرنا ہو گا۔ مجھے برداشت کرنا یقیناً تمھارے بس کی بات نہیں۔۔ مگر افسوس اب تمھیں ہی یہ سب کچھ برداشت کرنا ہے۔۔ وہ بھی پوری زندگی کے لیے۔۔ مجھ سے نرمی کی توقع نہ رکھنا کبھی۔۔ میری نرمی میری محبت کی حقدار صرف گل تھی۔۔ کوئی اور عورت کبھی گل کی جگہ نہیں لے سکتی۔۔ تم تو کبھی نہیں۔۔ اب اس خان کو تمھیں ایسے ہی قبول کرنا ہو گا۔۔ ارحام اس کی طرف تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتا مسکرایا۔۔ ارحام کی باتیں حور کو اپنے منہ پر پڑتے طمانچے محسوس ہوتے تھے۔۔

حور ارحام کی بات پر اپنے بہتے آنسو صاف کرتے خاموشی سے ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔ وہ ارحام سے بے تحاشا خوف زدہ ہو چکی تھی۔ اس لیے اب اس کا ہر حکم بنا تاخیر کیے مان رہی تھی۔۔ ابھی تھوڑی

دیر پہلے وہ اسے اس کی اوقات اچھی طرح یاد دلا چکا تھا۔۔اور وہ اچھی طرح سمجھ بھی چکی تھی۔اس کی ہر نافرمانی پر وہ کیسے کیسے اسے اذیت دے سکتا تھا۔۔اس کی قربت کا خوف اس کے دل و دماغ میں رچ بس چکا تھا۔

حور ارحام کی بات پر اپنے بہتے آنسو صاف کرتے خاموشی سے ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔وہ ارحام سے بے تحاشا خوف زدہ ہو چکی تھی۔اس لیے اب اس کا ہر حکم بنا تاخیر کیے مان رہی تھی۔۔ابھی تھوڑی

دیر پہلے وہ اسے اس کی اوقات اچھی طرح یاد دلا چکا تھا۔۔اور وہ اچھی طرح سمجھ بھی چکی تھی۔اس کی ہر نافرمانی پر وہ کیسے کیسے اسے اذیت دے سکتا تھا۔۔اس کی قربت کا خوف اس کے دل و دماغ میں رچ بس چکا تھا۔

ارحام خانزادہ نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوے حور کو ایک نظر دیکھا جو ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بال ڈرائیر سے خشک کر رہی تھی۔۔

مرر میں سے نظر آتا اس کا عکس ارحام خانزادہ کو اسے دیکھنے پر پر مجبور کر گیا تھا۔۔ڈل گولڈن کلر کی میکسی میں اس کی رنگت کندن کی طرح دمک رہی تھی۔بے تحاشہ رونے کی وجہ سے سنہری رنگت میں گلابی پن بکھرا تھا۔گہری آنکھوں کا گلابی پن بھی بہت بڑھ گیا تھا۔۔مرر کے آگے کھڑے اس کے وجود میں ہلکی ہلکی لرزاہٹ تھی۔۔شدید رونے اور بدن میں اٹھتی تکلیف کی وجہ سے اس کے منہ سے ابھی بھی دبی دبی سسکیاں خارج ہو رہی تھی۔۔جنھیں دبانے کی وہ ناکام سعی کر رہی تھی۔۔اس کا سنگ مرر سامر مریں بدن میکسی میں قیامت ڈھا رہا تھا۔۔وہ بغیر دوپٹے کے اپنا دو آتشہ

روپ لیے مرر کے سامنے کھڑی تھی۔ بالوں سے ٹپکتا پانی اس کی پشت کو بھی گیلا کر چکا تھا.. جس کے باعث اس کی سفید دودھیا پشت واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

گیلی میکسی سے نظر آتی برہنہ پشت پر ارحام کی شدتوں کے نشان واضح طور پر نظر آرہے تھے۔ جنھیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوے ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔۔

چاکلیٹی براؤن سلکی بال جو کمر سے نیچے آتے تھے۔۔ اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔۔

ارحام اس کے بہکتے روپ سے نظریں چرائے سگریٹ پینے میں مشغول ہو گیا تھا۔ مگر یہ ارحام خانزادہ کے لیے اب کافی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔

حور نے اپنے بالوں کو ڈرائے کرنے کے بعد انھیں برش کر کے کیچر میں مقید کیا۔ بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح سر پر اوڑھا تھا۔۔

میں باہر جاؤں۔۔ حور نے ارحام کی طرف دیکھتے ہوے نم لہجے میں پوچھا۔۔

ارحام نے سگریٹ کا دھواں خارج کرتے اسے ایک نظر دیکھا۔

ڈریسنگ روم میں گل کا جیولری باکس ہو گا۔۔ اس میں گل کی سونے کی کافی جیولری ہے وہ لے کر آؤ۔۔ ارحام نے اس کے گولڈن کامدار دوپٹے کے حالے میں دمکتے معصوم سے چہرے کو ایک نظر دیکھنے کے بعد سرد انداز

میں حکم دیا۔۔ حور اثبات میں سر ہلاتے خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔۔

ڈریسنگ روم سے واپسی پر حور کے ہاتھوں میں ایک لکڑی کا خوبصورت سا جیولری باکس تھا۔۔ جو کافی بڑا اور ہیوی تھا۔۔ حور نے بمشکل ہی اٹھایا ہوا تھا۔ حور نے وہ ارحام کے سامنے بیڈ پر خاموشی سے رکھ دیا۔۔

وہ نظریں جھکائے ارحام کے سامنے کھڑی تھی۔

ارحام نے اس کی جھکی لرزتی گھنی پلکوں کی جنبش کو بغور دیکھا تھا۔ جس پر شبنم ٹھہر سی گئی تھی۔

جو دل کرتا ہے اس میں سے پہن لو۔۔ ارحام نے سرد انداز میں کہتے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا۔

حور ارحام کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر جیولری باکس سے اپنی مرضی کی جیولری تلاش کرنے لگی۔

ارحام اس کی حرکات کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔۔وہ نظریں جھکائے کانپتے ہاتھوں سے جیولری میں سے پتہ نہیں کیا تلاش کر رہی تھی۔۔اس باکس میں گل کی کافی ہیوی جیولری شامل تھی۔۔جس میں بھاری چوکرز کڑے جھمکے نیکلس اور سونے کی مالا بھی تھیں۔

حور نے اس میں سے چھوٹے چھوٹے گولڈ کے ٹاپس نکال کر کانپتے ہاتھوں سے کانوں میں پہنے۔اور جیولری باکس بند کر کے رکھ دیا۔۔

ارحام کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا۔۔وہ اپنے کسی بھی عمل سے غریب گھر کی لڑکی نہیں لگتی تھی۔اسے کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔۔کسی چیز کے لیے اس کی آنکھوں میں حرص نہیں ہوتا تھا۔گل تو ایسی نہیں تھی۔ اسے گولڈ کی جیولری کا کریز تھا۔۔ہر مہینے ارحام اس کی فرمائش پر اس کے لیے لاکھوں کی جیولری بنواتا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتی ارحام اسے کلائی سے پکڑتے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔۔وہ ارحام کے برہنہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔خوف اور شرم سے سرخ پڑتے حور نے اپنی آنکھیں میچیں۔

ارحام نے اس کے بازو پر اپنی گرفت سخت کرتے اسے اپنی لیپ پر بٹھایا۔۔ حور کانپتے ہوئے اس کی لیپ پر بیٹھی تھی۔ ارحام کے برہنہ سینے پر ہاتھ رکھے وہ اس کی گود میں بیٹھی شدید کانپ رہی تھی۔۔

ارحام اس کے حسین نقوش کو غور سے دیکھے گیا۔۔ سرخ سفید دمکتی رنگت، بند آنکھوں پر گھنیری پلکیں لرز رہی تھی۔۔ مسحور کن بدن سے اٹھتی دلفریب خوشبو میں ارحام خانزادہ کچھ دیر الجھا تھا۔۔

میری طرف دیکھو۔۔ ارحام کی آواز پر حور نے اپنی بند آنکھوں کو جھٹ سے کھولتے سراسیمگی سے ارحام کو دیکھا۔۔

ارحام نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر سگریٹ کا دھواں چھوڑا تھا۔۔ حور نے اب کی بار اپنی پلکیں بھی بھی نہیں جھپکی تھیں۔

اتنی فرمانبرداری۔۔۔۔ارحام نے طنزیہ کہتے اس کی گہری کرسٹل براؤن آنکھوں کو دیکھا جو اب ذرا سی بھی جنبش نہیں کر رہی تھیں۔

ٹوٹ گئی تمھاری ساری اکڑ؟؟۔۔۔۔ارحام طنزیہ مسکرایا۔

تمھاری اکڑ توڑنا تو بہت آسان ہے۔۔۔زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑے گا تمھیں صرف بستر پر لے جانا پڑے گا۔۔ارحام نے اس کا دوپٹہ تن سے جدا کرتے دور اچھال دیا تھا۔حور کے خوف میں آضافہ ہوا۔۔وہ دوبارہ ان تکلیف دہ لمحات سے نہیں گزرنا چاہتی تھی۔۔ارحام کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر اس نے یہی سمجھا تھا۔وہ دوبارہ سے سزا کے نام پر اس کے جسم کو بے دردی سے روندھے گا۔ارحام اس کی ساکت آنکھوں میں ٹھہرے خوف کی بابت لمحوں میں جان چکا تھا۔۔۔اتنی تو شفاف آنکھیں تھیں۔.

ارحام مسکراتے ہوے اسے اپنے سینے میں بھینچے اس کی گیلی پشت پر اپنے بے باک ہاتھوں کا لمس چھوڑ گیا تھا۔۔ حور بے بسی سے سسک کر رہ گئی تھی۔۔ اس کا ہاتھ رکا نہیں تھا وہ اس کی بے بسی سے حظ اٹھاتے اسے اچھی طرح باور کروا رہا تھا کہ اس کے جسم و جاں کا اب وہ مالک ہے۔۔ اس کے ہاتھ اچھی طرح اب اس کے جسم کے ہر حصے کو محسوس کر رہے تھے۔ حور اس کے سینے کے ساتھ لگی بے آواز رو رہی تھی۔ وہ اس کی ہاتھوں کی سختی بھی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ جو اس پر اچھی طرح اپنا حق جتا رہے تھے۔

اس کے بدن کی لرزاہٹ محسوس کرتے ارحام کے غصے میں آضافہ ہوا۔۔

بند کرو یہ معصومیت کے ڈرامے کہ تمھیں مجھ سے بہت خوف آتا ہے۔۔ ارحام اسے اپنے سینے میں بری طرح بھینچے اس کے کان میں پھنکارا

۔۔اس کی کان کی طرف ہاتھ بڑھاتے تقریباً نوچ کر اس کے کانوں سے ٹاپس اتار کر دور پھینکے تھے۔۔ حور نے درد سے سسکاری بھرتے ارحام کی کمر پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھایا۔ ارحام کے بے دردی سے ٹاپس نوچ کر اتارنے پر کانوں میں شدید درد اٹھا تھا۔۔ ارحام نے جھٹکے سے اسے اپنے سینے سے الگ کیا۔

تم اب کالج گرل نہیں بلکہ اس حویلی کی بہو ہو۔۔ یہاں کے طور طریقے اپناؤ۔۔ ارحام نے جیولری باکس سے بہت ہیوی گولڈ کا چوکر نکال کر حور کے گلے میں وہ چوکر پہنایا۔۔

حور کی بیک سے وہ ڈوری کھینچتے ہوے اس کا چوکر گلے میں ایڈجسٹ کیا.. حور ارحام کے شرٹ لیس سینے کے ساتھ لگی سرخ پڑتے اپنا نچلا زخمی ہونٹ کاٹ بے دردی سے کاٹ رہی تھی۔۔

ارحام کی دھڑکنیں تک اسے اپنے سینے میں بجتے محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی مہک تو ویسے ہی اس کے جسم میں رچ کر اس کے ہی وجود کا حصہ بن گئی تھی۔ اس کے بدن پر وہ اپنا ہر حق جتاتے اس کی بدن کی گہرائیوں میں اترتے اپنا حق اچھی طرح جتا چکا تھا۔۔ اس کے بدن کی مہک اس کے وجود کا حصہ تو بنی ہی تھی۔ مقابل کی قربت اور لمس اسے آگ کی مانند محسوس ہوتا تھا۔۔ اس وقت وہ اس کی پناہوں اور گرم سانسوں کی تپش کے حصار میں اپنے لبوں پر ہی ظلم ڈھا سکتی تھی۔۔ وہ جو بے رحمی سے ڈھا رہی تھی۔۔

ارحام نے اسے نچلا لب کاٹتے دیکھ کر انگلی سے اس کا نچلا لب چھڑوایا تھا۔۔

میری جان۔۔۔۔۔ تمھیں بہت شوق ہو رہا ہے اپنے زخمی ہونٹ کو زخمی کرنے کا تو میں مہمانوں کے جانے کے بعد یہ شوق تمھارا اچھی طرح پورا کر

دوں گا۔ ارحام کی بات پر حور نے فق رنگت کے ساتھ سر نفی میں ہلاتے اپنے لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔

حور کے اس طرح کے معصومیت بھرے ایکٹ پر وہ اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔ اتنی مکاری اور سفاکی دکھانے کے باوجود وہ کہیں سے بھی سفاک اور مکار نہیں لگتی تھی۔ حور کے بے تحاشا حسن سے زیادہ حور کی معصومیت ارحام خانزادہ کو اس کی طرف اٹریکٹ کرنے لگتی تھی۔ ارحام اس کے حسین نقوش کو غصے سے دیکھتے اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔۔

وہ اس لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کرے اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔

آئندہ میں تمھیں تمھارے ہونٹوں کے ساتھ یہ کرتے نہ دیکھوں۔۔ ارحام نے سختی سے تنبیہ کی۔۔ پتہ نہیں کیوں اسے حور کی یہ

حرکت سخت ناگوار گزری تھی۔۔وہ اس لڑکی پر اب اپنا مکمل حق سمجھنے لگا تھا.

حور نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

ارحام نے جیولری باکس سے گل کے سب سے ہیوی گوگڈ کے جھمکے نکال کر حور کے کانوں میں پہنائے تو حور نے درد سے سسکاری بھری تھی۔۔

اب کیا ہوا ہے؟؟ارحام نے اس کے چہرے کو نرمی سے ٹھوری سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا۔۔وہ گولڈ جیولری میں کندن کی طرح دمک اٹھی تھی۔۔ارحام کا لہجہ نہ چاہتے ہوے بھی پھر سے نرم ہوا تھا۔۔ کبھی

معصومیت کبھی اپنے حسن سے وہ اسے زیر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔۔ ارحام نے اپنی سرد سرخ آنکھیں اس پر گاڑھیں۔

گلے میں چوکر کانوں میں بڑے بڑے جھمکے۔۔ اتنی سی ہی تیاری نے اس کا روپ دو آتشہ کر دیا تھا۔ مم مجھے عادت نہیں ہے.... اتنی ہیوی جیولری کی عادت نہیں ہے۔۔ مجھے گولڈ سوٹ نہیں کرتا۔۔ حور اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر سسک پڑی تھی۔۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔۔ اس کے کان ہیوی جھمکوں کا بوجھ برداشت نہیں کر پا رہے۔ مگر وہ ارحام کے ڈر سے اتار نہیں رہی تھی۔

اچھا گولڈ کی عادت نہیں ہے تو کیا ڈائمنڈ پہننے کی عادت ہے۔۔ ارحام اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے استھزائیہ مسکرایا۔۔

ہاں ڈائمنڈ پہننے کی ہی عادت ہے.

حور نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنے آنسو صاف کیے۔ ارحام کا ہر طنز اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔ نہ چاہتے ہوے بھی اس کا لہجہ شکوہ کناں ہو جاتا تھا۔

وہی ڈائمنڈ جو تمھیں تمھارے چاہنے والے دیتے تھے۔

ارحام کی بات پر حور نے زخمی انداز میں ہچکی لیتے ہوے ارحام کو دیکھا۔۔

ایسے مت دیکھو میری جان.... یہ ایٹیٹوڈ تم پر سوٹ نہیں کرتا۔۔۔ ساری عمر تمھارے باپ نے تمھیں جوٹھا کھلا کر پالا ہے۔۔ جوٹھن کھانے والی لڑکی کو یہ نخرہ سوٹ نہیں کرتا۔

ارحام کے زہریلے لہجے پر حور نے ارحام کو ایک نظر دیکھا جو شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔۔ حور نے اس کی نگاہوں کی تپش سے سہمتے ہوے نظریں جھکائیں۔

وہ خاموشی سے ارحام کی گود سے اٹھتی ڈریسنگ مرر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اپنے زخمی انگوٹھے پر لپٹی پٹی کو دیکھا جو گیلی ہونے کے باعث تقریباً کھل چکی تھی۔ حور نے وہ پٹی بے دردی سے کھینچ کر اتار دی تھی۔۔ وہ بے رحم سفاک انسان کو کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔۔ مگر خود پر تو اختیار تھا۔۔ خود کو تکلیف تو پہنچا سکتی تھی۔

ارحام اس کی حرکات بغور دیکھ رہا تھا۔۔ اپنے زخمی انگوٹھے کو دیکھ کر وہ بری طرح تڑپتے ہوئے رو رہی تھی۔۔ جس میں سے پھر خون رسنا شروع ہو چکا تھا۔۔ ارحام لب بھینچے غصے سے بیڈ سے اٹھا۔۔ اسے اس لڑکی کا ہر انداز اسے مشتعل کر دیتا تھا۔

اس کے زخمی انگوٹھے سے نکلا خون اس کے ڈریس کو بھی داغ دار کر رہا تھا۔۔ ارحام نے ڈریسنگ کے ڈرار سے بینڈج نکال کر اس کا ہاتھ تھاما تو حور نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا۔۔

میں کر لوں گی رہنے دیں آپ۔۔ حور نے شبنمی لہجے میں کہتے ہوے ارحام سے بینڈیج لینی چاہی۔

ارحام نے سختی سے اس کا ہاتھ اپنی آہنی گرفت میں جکڑا تھا۔

یہ نخرے مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی مجھے تمھارے درد کی پرواہ ہے۔ باہر مہمان ہیں اسی لیے تمھارا ایٹیٹوڈ معاف کر رہا ہوں۔۔ ورنہ بستر پر لے جا کر تمھیں تمھاری اوقات اچھے سے بتاتا۔۔ ارحام نے سفاکی سے کہتے بے دردی سے اس کے انگوٹھے پر پٹی کی تھی..

۔۔

کاش یہ زخم میرا ناسور بن کر میری جان لے لے۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہتے ہوئے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا۔۔ اتنے درد اور تکلیف میں بھی مقابل کا حکم ہی اس کے لیے معنی رکھتا تھا۔

ناسور تو بنے گا تمھارا پورا وجود۔۔۔۔۔۔۔ جب قطرہ قطرہ میں تمھیں درد دوں گا۔۔ ہمممم۔۔۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے اس کا کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔۔ حور نے ہچکی لیتے ہوئے ارحام کو دیکھا۔۔

اب یہ ہچکیاں بند کرو۔۔ اچھا سا میک اپ کرو۔۔۔ ان آنکھوں میں کاجل لگاؤ۔۔ رو رو کر تم نے اپنی خوبصورت آنکھوں کا حشر بیگاڑ دیا ہے۔ مہمانوں کے سامنے تمھاری آنکھوں سے مزید آنسو نہ بہیں۔۔۔ ان لبوں پر صرف مسکراہٹ ہو۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوری نرمی سے تھامے سرد لہجے

میں حکم دیا تو حور اس کی آنکھوں کے سرد پن سے گھبراتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی جلدی سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ ارحام کا ڈر خوف اس کے انگ انگ میں سماتے اسے اس کا ہر حکم ماننے پر مجبور کرتا تھا۔۔

گڈ۔۔۔۔۔۔ میک اپ کرو۔۔۔ مجھے ہمیشہ تمھارے ہونٹوں سے صرف جی کا لفظ سننا ہے۔۔ باقی جتنے لفظ تمھارے منہ سے نکلیں گے۔ تمھاری مشکلات اتنی ہی بڑھیں گی۔۔ ارحام کہتے ہوئے صوفے کی جانب بڑھتے اس پر بیٹھ کر حور کو دیکھنے لگا جو باقاعدہ کانپتے ہوئے بری طرح سسکاریاں بھر رہی تھی۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے لپسٹک اٹھا کر لبوں پر لگانا شروع کی تھی۔۔

بند کرو یہ سسکیاں۔۔۔۔ ارحام سرد انداز میں دھاڑا۔۔

پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یہ سسکیاں سن رہا تھا۔۔ اسے اب ناگوار گزرنے لگا تھا

یہ ساونڈ۔۔

حور کی خوف سے سسکیاں تھم چکی تھیں۔ ارحام صوفے کی پشت کے ساتھ

ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا

۔

جانتا تھا اب مقابل اپنا سانس تک روک دے گی۔۔ مگر سسکیاں نہیں

بھرے گی۔

وہ صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے ہاتھ کا مکہ بنائے ہلکا ہلکا اپنے

ہونٹوں پر مار رہا تھا۔

حور نے ڈرار سے کاجل نکال کر اپنی آنکھوں میں اچھی طرح لگایا۔

میں اب جاؤں۔۔۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے پھر سے اس سے آجازت چاہی۔

جاؤ۔۔۔۔۔۔۔ مجھے تمھاری کوئی شکایت نہ ملے۔ اگر مورے یا پھر کسی کو بھی تم سے کوئی شکائت ہوئی۔۔ وعدہ ہے تم سے آج کی رات تمھاری آخری ہو گی۔۔ ارحام نے آنکھیں کھولتے صوفے سے ٹیک لگائے اسے اوپر سے نیچے گھورتے سرد نظروں سے تنبیہ کی تھی۔۔

حور اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ حور کے جانے کے بعد ارحام نے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا تھا۔۔

زحلے ابرش کے کمرے میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔۔ ابرش کا دوپٹہ زمین پر پڑا تھا۔۔ تمام جیولری ابرش نے نوچ نوچ کر اتار پھینکی تھی۔

زحلے کو دیکھ کر ابرش نے غصے سے اپنے ماتھے سے بندیا نوچ کر زحلے کے قدموں میں پھینکی تھی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے ابرش؟؟۔۔ زحلے غصے سے چیخی۔

یہ بدتمیزی ہے آپ کے نزدیک۔۔۔ اور جو باہر زاران نے کیا اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟؟؟

ابرش زحلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چلائی تھی۔

آہستہ بولو ابرش۔۔ باہر کتنے مہمان ہیں۔ کیوں تماشہ بنا رہی ہو؟؟۔ زحلے ناگواری سے بولی۔

ابھی بھی کوئی تماشہ ہونا باقی ہے۔ زاران نے باہر کیا کیا ہے؟؟؟۔۔ کچھ اندازہ ہے آپ کو۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے بولی

وہ زاران کا بے رحم جنگلی انداز بھول نہیں پا رہی تھی۔۔

کیا تماشہ کیا ہے اس نے؟؟۔۔ تم بتاؤ مجھے۔۔ اس نے تمھیں کچھ کہا ہے کیا جو تم اتنا اوور ری ایکٹ کر رہی ہو۔

زحلے کی بات سنتے ابرش نے بھیگی نگاہوں سے زحلے کو دیکھا جو ابھی بھی زاران کی سائیڈ لے رہی تھی۔

ماما اس نے اپنے ہی کزن کو اپنی بہن کے شوہر کو جانوروں کی طرح مارا پیٹا ہے۔ آپ نے دیکھا اس کو اپنے کسی رشتے کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ سب اس سے کتنا ڈرتے ہیں۔ کسی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی اسے آگے بڑھ کر روک سکے۔ وہ اجڈ گنوار نہیں ایک جنگلی اور وحشی انسان بھی ہے۔ ابرش اپنے بال نوچتے ہوئے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

ابرش یقیناً اس میں غلطی بابرک کی ہی ہو گی۔ اس لیے زاران نے اسے مارا ہو گا۔۔ ورنہ زاران بہت سلجھا ہوا اور اچھا انسان ہے۔۔ زحلے نے ابرش کی حالت دیکھتے اس بار نرمی سے کہا۔ اس کا پورا جسم شدت گریہ سے کانپ رہا تھا۔۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتے بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوئے تھی۔۔

ماما۔۔ کوئی بھی انسان غصے میں اپنی اصلیت ظاہر کرتا ہے جو وہ ہوتا ہے۔۔۔ زاران ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ اپنے آپ کو ظاہر کر چکا ہے

جیسا وہ اصل میں ہے۔۔اسے کسی رشتے کا لحاظ نہیں ہے۔۔اس کی ماں تک اس کے سامنے بول نہیں سکیں۔

ماما کچھ بھی ہو جائے میں یہ منگنی نہیں کروں گی۔میں ساری عمر اس کا غصہ نہیں سہن کر سکتی۔۔مجھے تو اس سے عجیب سا ڈر خوف محسوس ہو رہا ہے۔۔ابرش نے زاران کا غیض و اشتعال سے سرخ چہرہ یاد کر کے بھیگے لہجے میں کہا۔

ابرش تم ہوش میں ہو تو تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔۔زحلے آگے بڑھ کر ابرش کے بازو پر اپنی سخت گرفت جمائی تھی۔۔

ہوش میں آچکی ہوں۔ماما میں آپ کی خود غرضی کے بھینٹ خود کو ساری عمر کے لیے سولی پر نہیں چڑھا سکتی۔۔ساری عمر آپ نے پاپا کی مار کھائی ہے۔۔

اب میں زاران کے غصے کی بھینٹ چڑھتے اس کی مار کھاتے ہوے اپنی زندگی نہیں گزار سکتی۔۔ابرش نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔۔۔

وہ تمھیں کیوں مارے گا ابرش؟؟ہر کسی کو اپنے باپ سے کمپیئر کرنا چھوڑ دو۔۔۔زاران ایسا بلکل نہیں ہے جیسا پاشا تھا۔۔زحلے ابرش کی کیفیت کو سمجتی رسانیت سے بولی۔۔

اس نے بابرک کو کیوں مارا؟؟۔بتا سکتی ہیں آپ۔۔۔ایسی کیا غلطی اس سے ہو گئی ہو گی کہ زاران نے اسے یوں پاگلوں کی طرح مارا۔۔اور اپنے باپ سے کیوں نہ کمپیئر کروں زاران کو۔۔۔آپ ہی تو پاپا کے رویے پر ہم سب کو یہی سمجھاتی تھیں وہ غصے کے تیز ہیں۔اس لیے وہ غصے میں ایسا کر جاتے ہیں۔ ورنہ وہ ایسے نہیں ہیں۔زاران کے بارے میں بھی آج آپ یہی کہہ رہی

ہیں۔۔ کیا فرق ہے پاپا اور زاران میں بتائیں مجھے۔۔ ابرش نے سرخ چہرے کے ساتھ تنک کر سوال کیا۔۔

ابرش تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے جو تمھیں صیح اور غلط کی پہچان نہیں ہو رہی۔۔

اور جہاں تک بات ہے خود غرضی کی۔۔ خود غرض میں نہیں خود غرضی تم دکھا رہی ہو۔ تم اپنے باپ پر گئی ہو۔ اسی کی طرح خود غرض۔۔۔ جسے صرف اپنی خوشیوں اپنی ذات سے غرض ہے۔۔

میں خود غرض ہوں ماما۔۔ ابرش کے بھیگے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چھنک نمودار ہوئی تھی۔

ہاں تم خود غرض ہو جسے کسی سے کوئی سروکار نہیں۔۔ تمھیں صرف اپنی پرواہ ہے۔۔ زحلے نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ہمیشہ آپ کی ہی تو بات مانی ہے۔ آپ کے اور اپنے بہن بھائیوں کے علاوہ میں نے تو کبھی کچھ نہیں سوچا۔۔ پھر بھی آپ یہ سب کچھ کہہ رہی ہیں۔ اس زاران کی وجہ سے۔۔۔ ابرش نم لہجے میں بولتے سسک پڑی تھی۔

ہاں تم خود غرض ہو۔۔۔ تم نے نکاح سے انکار کر کے مجھے سب کے سامنے شرمندگی سے دوچار کیا۔۔ بابا اور زاران کو بھی کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔۔ کچھ اندازہ ہے تمھیں۔ سب کو دعوت نامہ تمھارے اور زاران کے نکاح کا بھیجا تھا۔۔ صبح سے برادری کے لوگ کتنی باتیں کر رہے ہیں۔ تمھیں

احساس نہیں۔۔۔اب تم مگنی سے انکار کر رہی ہو۔۔جانتی ہو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔۔بابا یہ سب کچھ سہن نہیں کر سکے گے۔۔

اگر انھیں کچھ ہو گیا میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔

جو تمھارے دل میں آتا ہے کرو تم ابرش۔۔۔میں بھی اپنے بابا کی قسم کھاتی ہوں۔۔اگر تم رسم کے لیے اگلے پانچ منٹ میں باہر نہ آئی تو تمھیں کمرے میں میرے مرنے کی اطلاح ملے گی۔۔اسے صرف دھمکی مت سمجھنا۔۔۔چاہے تو ازما کر دیکھ سکتی ہو۔

زحلے اپنی بات مکمل کرتے رکی نہیں تھی۔

زحلے کے جانے کے بعد ابرش کافی دیر تک پتھریلے تاثرات لیے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی رہی۔۔ ابرش نے گہری سانس لے کر زمین سے جیولری اٹھا کر پہنی تھی۔۔ سر پر دوپٹہ پنز سے دوبارہ اٹیچ کیا تھا۔۔

مرر کے سامنے کھڑے ہو کر گہرے سانس لیے تھے۔

مسٹر زاران خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کے نام کی انگوٹھی تو میں پہن رہی ہوں۔۔ مگر ابرش پاشا کبھی بھی خود کو آپ کی ملکیت نہیں بننے دے گی۔۔ یہ وعدہ ہے میرا خود سے۔۔ ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے مسلتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

تمام مہمانوں کے جانے کے بعد مردان خانے کی بڑی سی بیٹھک میں درید خان، اربد خان، سمیع اللہ خان ارحام خان اور زاران خان اور بابرک موجود تھے۔۔

مردان خانہ کی بیٹھک کا ماحول کافی تناؤ کا شکار تھا۔۔

سمیع اللہ خان نے خشمگیں نگاہوں سے زاران کو گھور کر دیکھا تھا۔۔جو ان کے سامنے والے صوفے پر ارحام کے ساتھ بلیک شلوار قمیض پہنے سرد سرخ نظروں سے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے زمین کو دیکھ رہا تھا۔

اربد خان اور درید خان بھی تنے ہوے چہروں کے ساتھ زاران کو ہی گھور رہے تھے۔ مردان خانے میں موجود سب کو ہی زاران پر بے انتہا غصہ تھا۔ جس نے مہمانوں کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔۔

ایک صرف ارحام خانزادہ تھا جو سرد نظریں بابرک پر گاڑھے ہوے تھا۔۔ جو اپنے سر اور بازو کی ڈریسنگ کیے صوفے پر بیٹھا کراہ رہا تھا۔۔

عابیر نے ارحام خانزادہ کو سب کچھ بتا دیا تھا۔۔ نہ صرف بابرک کی آج کی کارستانی بتائی تھی۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اسے سیڑھیوں سے بے رحمی سے دھکا بھی بابرک نے دیا تھا۔ جو سنتے ارحام خانزادہ کا غصہ اشتعال بابرک پر بڑھتا جا رہا تھا۔۔ بابرک کی تمام حرکتوں سے وہ بخوبی واقف تھا۔۔ اس لیے اسے زاران کا یہ ایکٹ بالکل غلط نہیں لگا تھا۔۔

زاران میں پوچھ سکتا ہوں۔ ایسا کیا ہو گیا جو تم نے مہمانوں کے سامنے یہ سب کیا؟؟۔۔ سمیع اللہ خان کی بارعب آواز گونجی تھی۔

زاران سمیع اللہ کی بات پر خاموشی سے نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔ کچھ پوچھ رہے ہیں بابا تم سے جواب دو۔۔ درید خان زاران کو خاموش بیٹھا دیکھ کر گرجے تھے۔

یہ کیا بتائے گا؟؟۔ ہم بتاتا ہے آپ سب کو۔۔۔۔۔ ہم عابیر کے کمرے میں صرف اس سے بات کرنے گیا تھا۔۔ لالا نے ہم کو ادھر دیکھ کر جنگلیوں کی طرح مارنا شروع کر دیا۔ عابیر ہمارا بیوی ہے۔ کیا ہم کو اتنا بھی حق نہیں ہم اس سے دو گھڑی بات کر سکے؟؟۔۔ خود تو لالا ابرش کے ساتھ اسلام آباد سے ادھر حویلی اکیلے آجاتا ہے۔۔ نکاح کے بغیر پتہ پتہ نہیں کیا کیا کرتا

پھرتا ہے۔۔ ہم اپنی بیوی کے کمرے میں بھی نہیں جا سکتا۔۔۔ زاران جو

بابرک کی بات پر سب کا لحاظ کرتے غصے سے اپنی مٹھیاں دبوچے ہوے تھا۔

وہ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ وہ غصے سے بابرک کی طرف

بڑھا۔۔ خبردار تم نے اپنی گندی زبان سے ابرش کا نام بھی لیا۔۔ عزت ہے

وہ میری۔۔۔ زبان کاٹ ڈالوں گا تمھاری۔۔۔۔ اگر ایک بار اور اس کا نام

لیا۔ زاران نے بابرک کی طرف بڑھتے اس کا گریبان پکڑا تھا۔۔

درید خان اور اربد خان نے زاران کے ہاتھوں بابرک کا گریبان

چھڑوایا۔۔ ہم لوگ ادھر موجود ہیں۔۔ زاران کیا تم سب کا لحاظ بھول گیے

ہو۔ سمیع اللہ صوفے سے اٹھتے گرجے تھے۔ زاران اپنے اشتعال پر قابو

پائے بابرک کو سرخ آنکھوں سے گھورتے صوفے پر بیٹھ گیا۔۔ مگر غصے سے

اپنی مٹھیاں دبوچی ہوئی تھیں۔

ارحام نے زاران کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے غصے پر قابو پانے کو کہا تھا۔۔وہ ارحام کی بات سمجھتے سر ہلا گیا تھا۔

داجی ہم کچھ نہیں جانتا۔۔ آپ عابیر کی رخصتی کر دیں۔۔بہت انتظار کر لیا ہم نے۔۔بابرک اپنے زخمی بازو کو ہاتھ لگاتے کراہتے ہوے بولا۔۔جہاں پھر سے شدید درد اٹھا تھا۔۔

مجھے بھی یہی لگتا ہے۔اب عابیر اور بابرک کی رخصتی کر دینی چاہیے۔۔

سمیع اللہ خان نے زاران کو گھورتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔

داجی آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔ارحام صوفے پر سیدھا ہوتے پر سکون لہجے میں بولا۔۔

ارحام تم میرے فیصلے کے خلاف جاؤ گے۔۔ سمیع اللہ خان نے ارحام کو غصیلی نظروں سے دیکھا تھا۔۔

نہیں میں آپ کے فیصلے کے خلاف نہیں جا رہا بلکہ آپ کو غلط فیصلہ کرنے سے روک رہا ہوں۔ ارحام نے پہلے سے بھی زیادہ پر سکون لہجے میں کہا۔۔

درید خان اور اربد خان کی غصیلی نظروں کا رخ اب ارحام خانزادہ کی طرف ہوا تھا۔۔ جو کافی ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں بات کرتے مسکرا رہا تھا۔۔

بابرک نے بھی ارحام کے عجیب و غریب چہرے کے تاثرات کو دیکھتے اپنی گھنی یونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔ بلکہ ارحام کے چہرے کے تاثرات دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔

کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔۔ سمیع اللہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھتے ہوے بولے۔۔۔

ارحام نے اپنی قمیض کی جیب سے اپنا موبائل نکال کر اسے ان لاک کرتے کچھ سکرول کیا تھا۔۔

داجی یہ میرے فلیٹ کی سی ٹی وی ویڈیو ہے۔۔ جس میں صاف دیکھا جا سکتا ہے۔۔ بابرک میرے فلیٹ پر ایک لڑکی لے کر آیا تھا۔۔ ارحام نے موبائل سمیع اللہ خان کی طرف بڑھایا۔۔

ویڈیو دیکھتے سمیع اللہ کی آنکھیں غیض و غضب سے سرخ بڑی تھیں۔

داجی بابرک نے پچھلے ہفتے مجھ سے میرے فلیٹ کی چابی مانگی تھی کہ اسے اپنے کچھ دوستوں کو ٹھہرانا ہے۔ میں نے اسے دے دی۔۔ مگر اسے یہ

معلوم نہیں تھا۔۔میرے فلیٹ میں سی سی ٹی وی کیمرے لگے ہیں۔یہ تو لاونج کی ویڈیو ہے۔۔بیڈروم کی ویڈیو اس قابل بھی نہیں تھی دیکھی جا سکتی۔۔ورنہ میں ضرور دکھاتا۔۔۔

ارحام نے بابرک کو گھورتے ہوے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔۔

سمیع اللہ غصے سے سرخ ہوتے وہ ویڈیو دیکھ رہے تھے۔

جس میں بابرک کے بے شرمی کے مظاہرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

موبائل فون سمیع اللہ خان سے ہوتا درید خان اور اربد خان کے ہاتھوں پہنچا تھا۔۔

اربد خان نے ویڈیو دیکھتے ہی بابرک کے منہ پر زوردار طمانچہ جڑ دیا تھا۔۔

زاران نے اب اطمینان سے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔۔بابرک کو دیکھتے زاران نے استھزائیہ مسکراہٹ اس پر اچھالی تھی۔

داجی۔۔۔بابرک کتنی مرتبہ زاران کے فلیٹ میں بھی لڑکیاں لے کر گیا ہے۔اپنے دوستون کے ساتھ وہاں عیاشی کرتا رہا ہے۔۔

ارحام نے بابرک کو گھورتے اپنی بات مکمل کی تھی۔۔ارحام کا بھی بس نہیں چل رہا تھا بابرک کے سینے میں اپنی پسٹل کی ساری گولیاں اتار دے۔

جی داجی میں نے آج اسے یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔۔الٹا یہ مجھے دھمکانے لگا کہ وہ عابیر کو سب کی نظروں میں بدنام کر دے گا۔۔یہ عابیر پر بہت ہی گھٹیا اور گندے الزامات لگا رہا

تھا۔۔مجھے غصہ آگیا اور میرا ہاتھ اٹھ گیا۔۔اپنی پاکباز بہن پر میں ایک بات برداشت نہیں کر سکتا۔۔اگر اس نے دوبارہ کبھی ایسی بات کی تو میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔۔زاران غصے سے غرایا۔۔

اربد خان نے یہ سنتے بابرک کے منہ پر ایک اور طمانچہ جڑ دیا تھا۔۔

تمھیں شرم آنی چاہیے اپنی بیوی پر گھٹیا الزام لگاتے ہوے اربد خان نے پھولتی رگوں کے ساتھ کہا۔۔

بابا تم اب اس گھٹیا آدمی کی جھوٹی باتوں میں آکر اپنے بیٹے پر ہاتھ اٹھائے گا۔۔بابرک منہ پر ہاتھ رکھے چیخا تھا۔

میں کسی کی باتوں میں نہیں آرہا۔۔تمھاری حرکتیں مجھے بہت سے لوگوں نے بتائی ہیں۔مگر میں خاموش رہا تھا۔

مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ ہمارا خون اتنا گندا بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ مگر یہ ویڈیو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔۔ تم یہ سب کچھ کرتا پھرتا ہے۔۔ ہمارا عزت ہمارا نام خراب کرنے کی ہمت کیسا ہوا تمھارا؟؟۔ ارید خان پھر سے بابرک کی طرف بڑھے تو درید خان نے روکا تھا۔

داجی میں چاہتا ہوں۔ بابرک عابیر کو طلاق دے دے۔

بس زاران بس۔۔۔ سمیع اللہ خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بات کرنے سے روکا تھا۔۔

اس گھر میں اب ایک اور طلاق نہیں ہو گی۔۔

کیا چاہتا ہے تم ؟؟ ہم برادری میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔۔ ہمارے خاندان میں ہم مر جاتا ہے مگر طلاق نہیں ہوتا۔۔۔

مرد کا بچہ کبھی بھی طلاق نہیں دیتا اپنی عورت کو۔۔ اپنی عزت کو۔۔۔۔۔۔

سمیع اللہ خان نے ارحام پر طنزیہ نظر ڈالی تھی۔ ارحام نے غصے سے سرخ ہوتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

لیکن داجی۔۔۔ زاران نے احتجاجی لہجے میں سمیع اللہ کو پکارا۔۔

عابیر کی رخصتی تب تک نہیں ہو گی۔۔ جب تک بابرک اپنی حرکتیں درست نہیں کر لیتا۔۔۔ مگر عابیر کو کسی صورت طلاق نہیں ہو گا۔۔ چاہے ساری عمر

اس کا رخصتی نہ ہو۔۔ سمیع اللہ اپنا فیصلہ سناتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

زاران بے بسی کے احساس سے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے ایک ہاتھ کا مکہ بنائے دوسری ہتھیلی پر مار کر رہ گیا تھا۔۔۔

ابرش اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے امینہ خانم نے اسے زاران کے نام کی انگوٹھی پہنائی تھی۔ ابرش نے بھیگی نگاہوں سے انگوٹھی کو دیکھتے اسے اتارنا چاہا تھا۔۔ مگر انگوٹھی اترنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔۔ اس نے کافی بے رحمی سے انگوٹھی اتارنے کی کوشش کی ۔۔ اس نتیجے میں اس کی انگلی سرخ ہو چکی تھی۔۔ مگر انگوٹھی نہیں اتری

تھی۔۔ ابرش بے بسی کے احساس سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زاران مردان خانے سے غصے سے نکلتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ مردان خانے کے لاونج سے باہر برامدے میں بنی ریلینگ کے پاس کھڑی ابرش کو دیکھ کر چونکا تھا۔۔ جو ریلینگ پر ہاتھ جمائے حویلی کے سرسبز باغ کو دیکھ رہی تھی۔۔

وہ ابھی تک مگنی والے لباس میں ملبوس تھی۔ کھلے سلکی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔ وہ دوپٹے کے بغیر خود سے لاپرواہ حلیے میں کھڑی تھی۔۔ جیولری

ابھی تک اس نے نہیں اتاری تھی۔۔زاران ایک ٹک اس حسین اپسرا کو دیکھے گیا۔۔وہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔اس نے یہ لباس اپنی مرضی سے اس کے لیے خریدا تھا۔۔۔آرادہ تو نکاح کے بعد اس دشمن جاں کے بے پناہ حسن کو اپنی شدتوں بھرے لمس سے خراج تحسین پیش کرنے کا تھا۔۔مگر اس ظالم حسینہ کی فضول سی ضد نے اس کے تمام جذبوں اور ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

زاران کے چہرے پر یکدم نرم گرم جذبات کی جگہ غصے کی حدت نے لی تھی۔۔۔کیونکہ غور کرنے پر معلوم ہوا تھا محترمہ آنسو بہا رہی ہے۔وہ بابرک کی وجہ سے ویسے ہی شدید اشتعال میں تھا۔۔

ابرش کو یہاں کھڑا آنسو بہاتے دیکھ کر زاران کی دماغ کی پھڑکتی رگیں مزید پھڑکیں تھیں۔

وہ اپنی انگوٹھی بے دردی سے اتارتے ہوے اپنے ہونٹ بے دردی سے کچلتے آنسو بہا رہی تھی۔

زاران ایک ہی جست میں ابرش کی طرف بڑھا اور اپنی شال اتارتے اس کے گرد لپیٹ گیا۔۔

ابرش نے زاران کی شال کو اپنے سینے سے جکڑے بھیگی آنکھوں سے حیرانگی سے زاران کو دیکھا۔۔۔ سردی بہت ہے بیمار ہو جاؤ گی۔۔۔ اور جہاں تم کھڑی ہو یہ مردان خانہ ہے۔۔ یہاں بہت سے ملازم ہیں۔ کوئی تمھیں ایسے بے پردہ آنسو بہاتے دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔

اگر تمھارا سوگ منانے کو اتنا ہی دل کر رہا تھا اپنے کمرے میں منا لیتی۔۔۔ یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔۔

زاران نے کاٹ دار نگاہوں سے ابرش کو دیکھتے کہا۔۔ ٹی پنک میکسی میں دلہن کی طرح اس کے سجے سنورے روپ نے زاران کے دل میں برچھیاں سی چلا دی تھیں۔

وہ پورے حق سے اس کے سجے سنورے روپ پر اپنی محبت کی مہریں لگانا چاہتا تھا۔۔ مگر اس بے رحم لڑکی نے یہ ہونے نہ دیا۔۔

ٹھیک ہے چلی جاتی ہوں یہاں سے۔۔ ابرش نے زاران کو دیکھتے ہوے آہستگی سے کہتے اپنے قدم زنان خانے کی طرف بڑھائے تھے۔

اتنی فرمانبرداری کیوں دکھا رہی ہو؟؟ یہ فرمانبرداری داجی اور پھوپھو کی بات مانتے ہوے دکھاتی تو آج یہ سرد رات بہت حسین ہوتی۔۔ زاران نے تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوے گہرا طنز کیا۔۔ اس کے حسین روپ کو دیکھتے وہ بھڑ بھڑ اندر سے تندور کی مانند جلا تھا۔۔

ایسی کوئی بھی رات آپ کے حصے میں کبھی نہیں آئے گی۔ ابرش اس کی بات سنتے بلبلاتے ہوے اس کی طرف بڑھی تھی۔۔ وہ ہمیشہ اس سے یہی بات تو کرتا تھا۔۔ جسے وہ محبت کا نام دے دیتا تھا۔۔ وہ اس کی ملکیت میں آکر اس کے حوس کا نشانہ ہی تو نہیں بننا چاہتی تھی۔۔۔

زاران ابرش کی بات سنتے مزید سلگا تھا۔۔ بابرک کی وجہ وہ ویسے ہی تپا ہوا تھا یہ لڑکی اسے مزید تپاتے دہکتا تندور بنا چکی تھی۔۔

کیوں کر رہی ہو یہ سب ؟؟ کیوں بار بار میری محبت میرے جذبوں کا مذاق بناتی ہو۔۔ کیا تم سچ میں زعیم کو چاہتی ہو ؟؟۔۔ زاران نے ابرش کو بازو سے پکڑتے اپنے مقابل کیا تھا۔۔ دل میں مچلتے سوالوں نے پریشان کیا تو وہ زبان پر لے ہی آیا تھا۔

ابرش زاران کی لہو چھلکاتی آنکھوں اور اس کے سرد پتھریلے تاثرات دیکھ کر گھبرائی تھی۔۔ اپنے بازو پر اس کی وحشی گرفت محسوس کرتے ابرش کا سر نا چاہتے ہوے بھی نفی میں ہلا تھا۔۔

جانتی تھی اقرار میں گردن ہلانے پر مقابل اسے سخت سزا دیتا۔۔۔ آج اس کا جو جلاد روپ دیکھا تھا وہ اسے اس سے مزید خوفزدہ کر چکا تھا۔

زاران کی نظریں ابرش کے کپکپاتے لبوں پر تھیں۔ اس سے نکلنے والے لفظوں پر ہی ابرش اور اس کے مستقبل کا تعین تھا۔۔

نن نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش کے لب ہلکی سی جنبش میں ڈھلے تھے۔

اس کا سر نفی میں ہلتا دیکھ کر اور اس کے لبوں سے نکلے لفظوں نے زاران کے جلتے تپتے دل پر پھوار سی ڈالی تھی۔

زاران نے بے قراری میں ہاتھ بڑھا کر اس کے مانگ ٹیکے کو چھوا۔۔۔جو کب سے اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

ابرش نے سراسیمگی سے پیچھے ہونا چاہا تو زاران نے اسے اپنے مزید قریب کیا تھا۔۔

جانتی ہو تم جتنی خوبصورت ہو۔ اتنی ہی بے رحم بھی ہو۔۔ اگر آج تم زعیم کا نام اپنے ہونٹوں سے لے لیتی تو کبھی پلٹ کر تمھاری طرف نگاہ بھی نہ کرتا۔۔ مجھے تمھارا جسم ہی نہیں بلکہ تمھارا دل بھی اپنی ملکیت میں چاہیے۔

تمھارے دل میں کسی کی بھی چاہت ہونا تو دور کی بات..... مجھے تمھاری زبان پر بھی کسی غیر مرد کا نام گوارا نہیں۔۔۔ زاران کی آواز ابرش کے دمکتے روپ کے زیر اثر بوجھل اور مدھم ہوئی تھی۔۔۔ ابرش اس کا بوجھل مدھم لہجہ سنتے بری طرح گھبرائی تھی۔۔ رات کی تنہائی میں اسے اب اس خانزادہ سے بہت خوف محسوس ہوا تھا۔۔ جس کا لہجہ گھمبیر اور بوجھل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی سرخ اور بوجھل محسوس ہو رہی تھیں۔

مگر اب تم نے اپنے لیے خود ہی مشلات کھڑی کر دی ہیں۔ مرتے دم تک اب تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔۔ تم پر صرف میرا حق ہے۔۔ تم صرف

زاران خانزادہ کی ہو۔۔زاران اس کے گلابی لپسٹک سے سجے کٹاؤ دار لبوں پر اپنی گرم نرم سانسیں بکھیرتے جذب کے عالم میں بولا تھا۔

ابرش اپنا بازو اس کے شکنجے سے چھڑاوتے ہوے مچلی تھی۔۔

اس کے کانوں میں پہنے بڑے بڑے آویزے بھی ہلے تھے۔۔جن میں لٹکتے موتیوں میں زاران خانزادہ کا دل بھی الجھ کر بری طرح دھڑکا تھا۔۔سلکی بال ہوا سے لہراتے اس کے عارض کو نرمی سے چھو رہے تھے۔زاران نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سلکی بالوں کی نرماہٹ کو چھونا چاہا تو ابرش نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔۔

زاران پپ پلیز چھوڑو مجھے۔۔کک کوئی آجائے گا۔۔۔ابرش اس کی جذبے لٹاتی مدہوش ہوتی نگاہوں سے گھبراتے ہوے بولی۔۔

زاران کے اتنے قریب آنے پر اس کا دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔ گالوں کی سرخی بڑھتے حدت اختیار کر گئی تھی۔۔ وہ اس کے نکاح میں نہیں تھی۔۔ مگر وہ اپنے نام کی انگوٹھی پہنوا کر اسے عجیب سے احساس میں مبتلا کر چکا تھا۔۔ اس سے خوفزدہ ہونے کے باوجود اس کی سحر انگیز بارعب پرسنیلٹی اسے اپنے سحر میں جکڑ رہی تھی۔۔۔ مگر اس کا عضیلہ جنونی روپ اسے اس کی طرف بڑھنے ہی نہیں دیتا تھا۔۔ عجیب سے دوراہے پر وہ خود کو کھڑا محسوس کرتی تھی۔۔ دل اس کی باتوں اور اس کی وجیح پرسنیلٹی کی طرف کھنچتا تھا۔ مگر دماغ اسے اس خانزادہ سے دور رہنے کو کہتا تھا۔۔ جو چٹانوں کی طرح سخت اور کھردرا معلوم ہوتا تھا۔۔ جس کے بوجھ تلے وہ دب کر اپنی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔

زاران نے اس کی آنکھوں میں ٹھہرے نمکین پانی پر گہری نظر جمائی تھی۔اس کا گلابی دمکتا چہرہ دیکھ کر زاران کے عنابی لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

مقابل کی آنکھوں کی آنسوؤں کی چادر کی دھندلاہٹ میں اسے اپنا عکس پوری طرح دکھائی دیا تھا۔دل کی دھڑکنوں کا مدھم رقص زاران کے کانوں تک بخوبی پہنچا تھا۔

ابرش۔۔۔ تمھاری دل کی دھڑکنیں مجھے کیوں سنائی دے رہی ہیں؟؟۔میری باتوں سے تمھارا چہرہ سرخ گلاب کیوں ہو رہا ہے؟؟۔زاران نے اس کی جھلملاتی پلکوں کے رقص کو دیکھتے ہوئے مدھم گھمبیر آواز میں پوچھا۔۔

آپ کو کک کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں کریں گے تو یہ نیچرل ہے ایسا ہونا۔۔ مم مجھ سے کبھی کسی نے اس طرح کی باتیں نہیں کی۔۔۔

ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بے حد معصومیت سے کہا تھا۔۔ زاران اس کے بازو پر اپنی گرفت نرم کرتے بے ساختہ پیچھے ہوا تھا۔۔ مقابل اپنے حسن سے اسے زیر کرتے کوئی گستاخی کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔۔

خود سے جھوٹ بولتے اپنے ہی جذبوں سے نظریں چراتے پہلی دفعہ کسی کو دیکھا ہے۔۔ زاران اس کے گریز پر طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

خود پر اتنا یقین رکھنا بھی پہلی مرتبہ کسی کو دیکھا ہے۔۔ آپ خود پسندی کے زعم میں مبتلا ہیں۔ آپ کو لگتا ہے آپ کی سحر انگیز پرسنیلٹی مجھ پر اپنا جادو

چلا چکی ہے۔۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ ابرش کی بات پر زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔ وہ انجانے میں اس کی پرسنیلٹی کی تعریف کر چکی تھی۔۔

زاران میرے نزدیک یہ مگنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔۔ یہ بات آپ جتنی مرضی قبول کر لیں بہتر ہو گا۔۔ میں نے ماما کی خاطر یہ مگنی کی ہے۔ آپ میری مجبوری کو محبت کا نام مت دیں۔۔ میں ایک پل کے لیے مان بھی لوں کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔۔ مگر آپ کے اور میری سوچ میرے ماحول میں بہت فرق ہے۔۔ جیسے پاپا اور ماما کی سوچ میں فرق تھا۔۔ اگر میں سوچوں غلطی صرف پاپا کی تھی تو یہ غلط ہو گا۔۔ انہوں نے ماما کو اپنی مرضی پر چلانے کی

کوشش کی۔ مگر ماما ان کے مطابق ایڈجسٹ نہ کر سکی۔۔ نتیجہ مار پیٹ کی صورت میں نکلتا تھا۔۔وہ دونوں محبت بھول کر صرف اپنے خسارے یاد کرتے ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہے۔۔زاران کو مسکراتے دیکھ کر ابرش نے خود پر قابو پاتے کافی تحمل سے زاران کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔ساتھ ہی انگوٹھی اتارنے کی ایک بار پھر سے ناکام سعی کی ۔۔جو اترنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔۔

زاران اس کی بات سے زیادہ اس کا ایکٹ اسے جلتے توے پر کھڑا کر چکا تھا۔۔وہ چاہتا تھا ابرش کے تمام ڈر اور غلط فہمیاں دور کرنا۔۔ مگر اسے انگوٹھی اتارتے دیکھ کر وہ اپنا آرادہ ملتوی کر چکا تھا۔۔

ایک بات اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھالو۔۔۔میں اپنے جذبوں میں سیدھا اور کھرا ہوں۔۔۔میں دوسروں کی طرح کنفیوزن کا شکار نہیں ہوتا۔

میرے دل میں جو ہے وہی زبان پر ہوتا ہے۔۔۔نہ ہی میں خساروں کے بارے میں سوچتا ہوں۔ تم میری ہو جاؤ گی۔۔میرے لیے کوئی خسارہ کوئی نقصان معنی نہیں رکھتا۔۔

سیدھے اور آسان لفظوں میں تمھیں وارن کر رہا ہوں۔۔تم زاران خانزادہ کی عزت بن چکی ہو۔۔ تمھارے ہر قدم کے ساتھ میری عزت میرے جذبات جڑے ہیں۔ جنھیں پامال کرنے کا بھی سوچنا مت۔۔۔ورنہ میرا وہ روپ دیکھو گی۔۔جو تم سہن نہیں کر سکو گی۔۔زاران نے اس کے قریب ہوے اسے سخت لہجے میں وارن کیا تھا۔۔۔اپنی طرف سے اس نے ابھی بھی کافی نرمی سے بات کی تھی۔۔ورنہ جتنا وہ تپا ہوا تھا۔۔۔وہ اپنا غصہ ویسے

ہی کسی پر نکالنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ ابرش اپنی حرکتوں اور باتوں سے اس کے کھولتے دماغ کو مزید بھڑکا رہی تھی۔ آپ کا روپ وہی ہے۔ جو میں نے باہر دیکھا۔۔۔ ظالم بے رحم۔۔ ابرش زاران کے قریب ہونے پر اپنے قدم بے ساختگی میں پیچھے کو بڑھا گئی تھی۔۔۔

بلکل یہی روپ ہے۔۔ جو جیسا ڈیزرو کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں۔ وہ تو کچھ بھی نہیں تھا میرا بس چلتا تو میں اسے قتل کر دیتا۔۔ زاران نے ابرش کی آنکھوں میں ٹھہری سراسیمگی کو بغور دیکھا تھا۔۔

وہ اس سے ڈر رہی تھی۔ اسے اب سمجھ آیا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا ڈر دیکھ کر زاران خانزادہ کا دل پہلو میں ڈوب کر ابھرا تھا۔۔ وہ اسے ایسے ڈری سہمی کافی اٹریکٹ کر گئی تھی۔

میں آپ جیسے بے رحم ظالم انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔۔۔ مم مجھے اپنے لیے سوفٹ سپوکن کیرنگ لائف پارٹنر چاہیے تھا۔۔۔ میں آپ کے ساتھ آگے نہیں چل سکتی۔۔ پلیز زاران آپ مجھے چھوڑ دیں۔۔ ابرش کی بھیگی آنکھوں میں التجا تھی۔۔ زاران کا سرد برفیلا لہجہ سنتے ابرش کا لہجہ شدید بھیگا تھا۔۔

زاران اس کے دل میں چھپے تمام ڈر اور خوف لمحوں میں جان چکا تھا۔ زاران کے عنابی لبوں پر اب مدھم سی مسکان رقصاں تھی۔۔ وہ اسے جنگلی بلی سمجھا تھا مگر وہ تو بھیگی بلی نکلی تھی۔۔۔۔

ابرش کے گریز اور انکار کی وجہ سب کچھ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔۔۔ ۔سامنے کھڑی پاگل لڑکی اتنا نہیں سمجھتی تھی۔۔ وہ کیرنگ لائف پارٹنر

چاہتی تھی وہ تو اس سے عشق کرتا تھا۔۔ وہ اس بیوقوف لڑکی کا ابھی ڈر خوف دور کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہراڈر اسے کتنا حسین بنا رہا تھا یہ کوئی زاران خانزادہ سے پوچھتا..

زاران نے گہری سانس بھرتے ایک نظر برامدے سے نظر آتے سرسبز لان کو دیکھا تھا۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ ابرش کا ہاتھ پکڑے مردان خانہ کے لاونج کے گلاس ڈور سے اندر داخل ہوا اور ایک طرف بنے پلر کے قریب آیا جہاں ان دونوں پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔۔ ابرش اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی آئی تھی۔ زاران نے پلر کے قریب آتے ہی اسے پلر سے لگایا تو ابرش نا سمجھی کی کیفیت اور سراسیمگی سے پیچھے کو ہوتی پلر میں جا سمائی تھی۔۔ وہ جتنی بھی بہادر بننے کی کوشش کرے۔ ۔ مگر اس پاگل خان سے بہت ڈرتی تھی۔۔ جو آج اس کا وحشی جلاد روپ

دیکھا تھا۔ وہ اس کے دل میں اس کا خوف مزید بڑھا چکا تھا۔۔ اوپر سے اس کے بے باک پن سے اس کے رہے سہے اوسان بھی ختم ہو جاتے تھے۔ وہ اب اسے پلر سے لگائے اس کے چہرے کو گہری گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ اس کی نظروں کی تپش سے گھبراتے ہوئے پلر کی دوسری سائیڈ پر کھسکی تھی۔۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے اسے کلائی سے جکڑے اپنی طرف کیا۔۔ ابرش اس کے سینے سے ٹکراتی ٹکراتی بچی تھی۔۔ ابرش نے گھبراتے ہوئے زاران کی شال مزید اچھی طرح خود پر لپیٹی تھی۔ زاران اس کی آداؤں کا مزید دیوانہ ہو رہا تھا۔۔۔

زاران کی آنکھیں اس ظالم بے وقوف حسینہ کے دو آتشہ ڈرے سہمے روپ کو دیکھتے بوجھل ہوئیں تھیں۔

تم میری ہو چکی ہو ابرش۔۔۔۔ تمھیں چھوڑ دوں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔ یہ تمھیں میرے نکاح میں آنے کے بعد پتہ چل جائے گا۔۔۔۔ اس وقت تک مجھے لگتا ہے تمھاری ان حسین آنکھوں میں میرے لیے یہ خوف ہی رہے تو اچھا ہے۔۔ جو تمھاری ضد کو توڑنے میں کام آئے گا۔۔ زاران نے ابرش کی بھیگی آنکھوں میں ٹھہرے خوف کو دیکھ کر سرد لہجے میں کہا۔۔

وہ ابرش پر نرمی دکھا کر اسے بے خوف نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ اتنا تو سمجھ چکا تھا۔۔ وہ اس کی ضد میں کچھ نہ کچھ تو ضرور کرے گی۔۔ وہ ڈرپوک تھی مگر ساتھ ساتھ تھوڑی ضدی بھی تھی۔۔ اسی ضد کو وہ نکاح ہونے تک قابو میں رکھنا چاہتا تھا۔۔ نکاح کے بعد وہ اس کی ملکیت اس کی دسترس میں آجاتی تو

وہ اپنی محبت اور تھوڑی سختی سے اسے قابو کر سکتا تھا۔۔ مگر ابھی یہ ناممکن تھا۔۔

آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔ ابرش نے پلر سے لگے بے یقینی سے پوچھا تھا۔۔۔

نہیں تمھیں سمجھا رہا ہوں۔۔ ابرش اپنی ضد میں اس حد تک ہی جانا جتنا میں برداشت کر سکوں۔۔۔۔ تم میری منگیتر ہو عنقریب میرے نکاح میں بھی آ جاؤ گی۔۔ یہ مگنی کی انگوٹھی پہن کر تم خود کو میرے نام کر چکی ہو۔ اسے اتارنے کا سوچنا بھی مت۔۔۔۔۔

زاران اس کی ہرنی کی طرح سہمی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔۔

زاران یہ مگنی۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں میرا مطلب یہ صرف مگنی ہے۔۔ نن نکاح تو نہیں ہے جو آپ مجھ پر ایسے حق جتا رہے۔۔

ہمارے ہاں مگنی کا مطلب بھی نکاح ہی ہوتا ہے۔۔ تمھارے نزدیک یہ صرف مگنی ہو گی۔ جسے تم توڑ سکو۔۔ مگر میرے نزدیک یہ نکاح ہی ہے۔ تم میری عزت میری منگیتر بن چکی ہو۔۔

زاران ابرش کی بات کاٹتے تیز لہجے میں بولا تھا۔۔

آپ کی نظر میں مگنی نکاح کی حیثیت رکھتی ہو گی۔۔ مگر میری نظر میں یہ مگنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔۔

ابرش نے زاران کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوے تنک کر جواب دیا۔اس کا بلاوجہ دھونس بھرا لہجہ ابرش کو بھی غصے میں مبتلا کر چکا تھا۔۔اسی رعب اور اس کے حق ملکیت جتانے کی وجہ سے اس نے نکاح سے انکار کیا تھا۔۔ مگر وہ تو مگنی کو ہی نکاح کہہ رہا تھا۔

لگتا ہے تمھاری سماعتیں خراب ہے۔جو تمھیں میری بات سمجھ نہیں آرہی۔ ۔تم اب میری عزت بن چکی ہو۔۔۔میری ہو چکی ہو۔۔یقین نہیں آتا تو یہ انگوٹھی اتار کر دکھاؤ۔۔۔زاران نے ابرش کا ہاتھ تھامتے استہزائیہ لہجے میں کہا۔۔

آپ نے یہ جان بوجھ کر ایسی رنگ بنوائی ہے جو میں اتار نہ سکوں۔ ابرش نے روہانسے ہوتے بے یقینی سے کہا۔۔

بالکل اب چاہ کر بھی تم یہ انگوٹھی اتار نہیں سکو گی۔ یہ انگوٹھی تمھیں پل پل احساس دلائے گی کہ تم زران

خانزادہ کی ہو چکی ہو۔۔۔ زاران گہرا مسکرایا تھا۔

ابرش نے زاران کو ایک نظر دیکھتے غصے سے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتارنے کی کوشش کی۔۔ مگر وہ انگوٹھی اتارنے میں ناکام رہی تھی۔۔

ابرش میں نے تمھارے بارے میں ایک اندازہ لگایا ہے۔۔ تم وہی سوچتی ہو جو تمھیں ٹھیک لگتا ہے۔۔ یعنی تم ضدی اڑیل اور خود سر لڑکی ہو۔ یقیناً یہاں سے جانے کے بعد تم کچھ نہ کچھ کرنے کا آرادہ رکھتی ہو۔۔ اس لیے تم

نے نکاح کی جگہ یہ مگنی کی ہے۔۔ایسا کچھ مت کرنا جو تمھارے ساتھ مجھے بھی ہرٹ کرے۔۔زاران نے اسے انگلی اٹھائے سرد لہجے میں تنبیہ کی تھی۔۔وہ اس کے دھمکانے کے باوجود بھی انگوٹھی اتار رہی تھی۔۔زاران بمشکل ہی اب خود پر قابو پائے ہوے تھا۔نہ چاہتے ہوے بھی اس کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔وہ مزید اس بیوقوف لڑکی کے ساتھ نرمی نہیں برت سکتا تھا۔

کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟؟مم میرا ایسا کچھ بھی کرنے کا آرادہ نہیں ہے۔۔ابرش اس کا سخت لہجہ محسوس کرتے آہستگی سے بولی۔۔۔

ابرش میں جانتا ہوں تمھارے دل میں اس زعیم کے لیے کچھ نہیں ہے۔۔مگر وہ ٹھیک انسان نہیں ہے۔۔۔۔وہ اپنے کسی بھی مقصد کے لیے تمھارا استعمال کر سکتا ہے۔۔تو دور رہنا اس

سے۔۔۔مجھے تمھارا اس سے ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔۔زاران نے اس سرڈ سپاٹ لہجے میں اسے تنبیہ کی تھی۔۔۔زاران بھولیں مت ہماری مگنی ہوئی ہے۔۔آپ مجھ پر ایسا کوئی حق نہیں رکھتے مجھے روک سکیں۔ یہ حق تب جتایئے گا۔۔جب آپ مجھ سے نکاح کریں گے۔۔ابرش زاران کی بات سنتے بھڑک ہی اٹھی تھی۔ سارا ڈر سارا خوف دور جا سویا تھا۔۔زاران کی یہ بات اسے سوئی کی طرح چبھی تھی۔

آپ مرد عورت کی زبان سے کسی غیر مرد کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے۔۔مگر بڑی آسانی سے عورت کا نام کسی بھی مرد سے جوڑ کر اپنی شدت پسندی اور پوزیسیونیس کا نام دیتے ہیں۔ابرش نے تلخی سے کہا۔۔

میں نے تمھارا نام کسی کے ساتھ نہیں جوڑا۔۔زاران نے ابرش کی بات پر لب بھینچے تھے۔۔وہ اس کی بات کا ہمیشہ کی طرح غلط مطلب نکال چکی تھی۔

تو پھر یہ سب کیا ہے؟؟۔جب میں بتا چکی ہوں۔۔میرا زعیم سے کوئی تعلق نہیں پھر کس بات کا آپ کو ڈر ہے۔۔کیوں مجھے روک رہے ہیں۔ایک بات یاد رکھیے گا۔۔مسٹر زاران خانزادہ میں دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر نہیں چلاتی۔ نہ ہی مردوں کا سہارا لیتی ہوں۔۔ آپ سے جان چھڑوانے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں میرے پاس۔۔ابرش نے بھڑکتے لہجے میں کہا۔۔

ابرش میری بات کا تم غلط مطلب لے رہی ہو۔۔۔زعیم کے ساتھ تمھارا نام میں نے نہیں تم نے خود کل جوڑا تھا۔۔میں نے وہ سب سن کر بھی تم پر اعتبار کیا تھا۔۔۔میں تمھارے بارے میں شدت پسند ضرور ہوں۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم پر اعتبار نہ کروں۔۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں تمھیں کوئی بھی بری نظروں سے نہ دیکھے۔۔میری بات سنو ۔۔۔دور رہنا اس زعیم سے۔ ۔۔۔۔وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ ۔اگر غلطی سے بھی اس نے تمھیں ہرٹ کیا۔یا پھر تمھیں اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال کیا۔ ۔میں اسے قتل کرنے میں پل نہیں لگاؤں گا۔ ۔۔زاران نے نرمی سے کہتے انگلی سے اس کی پلکوں پر ٹھہری شبنم چنی تھی۔۔زاران کے حق جتانے

پر اس کی آنکھیں بھیگی تھیں۔اسے زاران کا ایسے حق جتانا پسند نہیں آیا تھا۔۔

مجھ پر آپ کا ایسا کوئی حق نہیں جو آپ مجھ پر پابندیاں لگائیں۔ زاران کے نرم لہجے پر وہ مزید بھڑک اٹھی تھی۔۔ کبھی سرد کبھی نرم اسے دھوپ چھاؤں جیسا ہمسفر نہیں چاہیے تھا۔

میری بات کے خلاف جا کر دیکھ لینا۔۔۔ تمھیں تب سمجھ آجائے گا۔میں تم پر کتنا حق رکھتا ہوں۔بلکہ میں اب چاہوں گا تم میری بات کے خلاف جاؤ۔۔ تاکہ تمھیں میں بتا سکوں میرا تم پر کتنا حق ہے۔زاران ابرش کی ایک ہی رٹ پر اپنا غصہ دبا نہ سکا تھا۔۔اس لیے سرد انداز میں اسے وارن کیا۔۔۔

ٹھیک ہے میں بھی دیکھوں گی آخر آپ کرتے کیا ہیں؟

اور کس حد تک جاتے ہیں۔؟ ابرش تلخی سے کہتی بھاگتے ہوے زنان خانہ کی طرف بڑھی تھی۔

زاران غصے اور اشتعال سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

ارحام کمرے میں آیا تو وہ صوفے پر اپنے نکاح والے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔ ارحام اسے دوبارہ سے پھٹے ہوے لباس میں دیکھ کر اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔ وہ لباس بڑے ہی بے ڈھنگے طریقے سے اس نے کندھے اور گلے سے سلائی کیا ہوا تھا۔۔

وہ اسے اگنور کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھنے لگا مگر اس کی دبی دبی سسکیاں سن کر ارحام کے بھاری ہوتے اعصاب مزید بھاری ہوے

تھے۔مگنی میں برادری کے مہمانوں کی عجیب و غریب طنزیہ نظریں خود پر محسوس کر کے وہ ویسے ہی کافی مشتعل تھا۔۔رہی سہی کسر سمیع اللہ خان نے سب کے درمیان اسے طعنہ دے کر پوری کر دی تھی۔۔ارحام اپنے ظبط پر کنٹرول کھوتے اس کی طرف بڑھا۔۔

حور ارحام کو خود کی طرف بڑھتا دیکھ کر جلدی سے صوفے سے اٹھتی کھڑی ہوئی تھی۔۔ارحام کے قہربار نظروں سے خائف ہوتے اپنا دوپٹہ سر پر اوڑھا تھا۔۔ارحام نے حور کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے مقابل کیا۔

کیا چاہتی ہو تم؟؟کیوں مجھے مجبور کرتی ہو کہ میں اپنا سارا غصہ تم پر اتار کر تمھاری کھال تمھارے جسم سے کھینچ کر علیحدہ کر دوں۔۔ارحام اس کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے غرایا۔۔حور کی آنکھوں میں شدید خوف آن ٹھہرا تھا۔۔کیا وہ سچ میں ایسا کر سکتا تھا؟؟۔حور کے دھڑکتے دل نے سوال کیا

تھا۔۔ہاں وہ کر سکتا ہے اتنا ظالم بے رحم تو ہے یہ سفاک انسان۔۔۔۔۔۔جو جتنا خوبرو اور وجیح تھا اس کے کہیں زیادہ سفاک اور ظالم۔۔۔۔حور نے اس کی سرد سرخ سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔۔

ایسا کیا ظلم ہو گیا ہے تم پر؟؟جو تمھارا ماتم ہی ختم نہیں ہو رہا۔۔میں نے زبردستی تم سے نکاح کیا بولو جواب دو۔۔ارحام نے حور کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر سلگتے سرد لہجے میں سوال کیا۔۔

نن نہیں۔۔۔۔. حور نے لرزتے لبوں کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔۔

میں نے تمھارے ساتھ راستے میں زبردستی کی۔۔۔ تمھیں زبردستی اپنے گھر لایا۔۔ارحام کے قہربار لہجے نے ایک اور سوال داغا۔۔

نہیں کی۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ زبردستی گھر لائے۔۔۔ حور نے ٹوٹے لفظوں سے بولتے اپنی آنکھیں میچی تھیں۔۔

آنکھیں کھولو۔۔۔۔۔۔۔ ارحام شیر سی غراہٹ لیے گرج اٹھا تھا۔۔

حور نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

میں نے گاڑی میں یا راستے میں کہیں بھی تم پر بری نظر ڈالی۔ تھاری مجبوری کا فائدہ اٹھا کر تمھارے ساتھ کچھ بھی غلط کیا۔۔۔ ارحام کے ایک اور سوال پر حور سر نفی میں ہلاتے سسک پڑی تھی۔

کم عمر ہو تم۔۔۔۔۔ مانتا ہوں۔ بہت نازک بھی ہو۔۔۔ مگر معصوم تو نہیں ہو۔۔۔ سمجھتی ہو تم سب کچھ۔۔۔۔ یہ رو کر کس کی ہمدردیاں حاصل کرنا

چاہتی ہو۔۔۔ ارحام اس کے بہتے آنسوؤں پر نظریں گاڑھتے شعلہ بار لہجے میں دھاڑا۔

حور نے سر نفی میں ہلاتے جلدی سے اپنے شفاف عارض پر بہتے آنسو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے صاف کیے۔۔

جتنی تم خوبصورت ہو۔۔۔ یقیناً تم نے بہت سی گندی حوست پرست نظریں خود پر محسوس کی ہوں گی۔۔ اس دن بھی تم اپنی عزت ہی بچا کر ہی بھاگ رہی تھی ناں بولو جواب دو۔۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں کو اپنی سخت گرفت میں لیتے اب کی بار آنچ دیتے لہجے میں سوال کیا۔۔ وہ اس کی معصومیت بھرے ڈھونگ میں نہیں آسکتا تھا۔۔ اس کی حرکتیں معصوم تھیں۔۔ مگر تھی تو وہ شاطر چالیں چلنے والی بے رحم عورت۔۔۔۔

نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔۔ میں نے جو آپ سے کہا وہ سچ ہے۔۔ میرے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے یہ سب کیا تا کہ آپ کی صورت میں مجھے محفوظ پناہ گاہ مل جائے۔۔ مجھے در بدر بھٹکنا نہ پڑے۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مضبوط لہجے میں کہا۔ ارحام اس کے مضبوط لہجے اور بنا اٹکے ہوے بولنے پر استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔۔

جھوٹ بولتے ہوے اس کا لہجہ ہمیشہ ایسے ہی مظبوظ ہوتا تھا۔۔ مگر یہ آنکھیں آج بھی اس کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ ارحام کا دل کیا تھا اس کی آنکھیں نوچ ڈالے۔

تو مل گئی تمھیں مظبوط پناہ گاہ۔۔۔۔۔تو رونا کس بات کا ہے۔۔ یہاں سے بھاگنے کا کیوں سوچ رہی تھی؟؟۔۔ بولو جواب دو۔۔۔۔ ارحام کی گرفت اس کے بالوں پر بڑھی تھی۔۔

مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔ نہیں پتہ تھا آپ اتنے ظالم نکلیں گے۔۔ میرے ساتھ وہ سب کچھ کریں گے۔۔ مجھے پتہ ہوتا آپ اتنے وحشی ہوں گے میں اس رات اس سڑک پر مر جاتی کبھی آپ کی مدد نہ لیتی۔۔۔ حور نے اپنے بال چھڑواتے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا۔۔ ارحام کی لمحہ بالمحہ اس کے بالوں پر گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ درد کی انتہا پر حور بلبلاتے ہوئے چیخ پڑی تھی۔

ظالم ہوں میں؟؟ حیرت ہے ایسا کیا ظلم کر دیا میں نے تم پر؟؟۔۔۔۔۔ جب تم نے میرے نکاح میں آنے کے بارے میں سوچا تھا۔۔ کیا تمھیں میاں

بیوی کے ریلیشن کے بارے میں کچھ نہیں پتہ تھا۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں استفسار کیا۔۔

حور نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔ وہ صرف ظالم بے مہر سفاک انسان کی آنکھوں میں دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔

جب سب معلوم تھا یہ واویلہ کیوں؟؟ یہ آنسو کیوں۔۔؟؟ حور کی خاموشی پر ارحام نے اس کے بالوں کو زور سے جھٹکا دے کر چھوڑا تو وہ گرتے گرتے بچی تھی۔

حور نے گہرے سانس بھرتے اپنے آنسو بے رحمی سے صاف کیے۔۔ اس نے تحیہ کیا تھا وہ اب مزید اس ستم گر کے سامنے آنسو نہیں بہائے گی۔۔

تم اس کمرے میں میری بیوی کی حیثیت سے موجود ہو۔۔ آج مورے نے تمھیں میری بیوی کی حیثیت سے سب سے تعارف کروایا۔۔

تمھیں ایک بہو کی حیثیت سے عزت دی۔۔ کس بات کا تمھیں رونا آرہا ہے۔۔ جو تمھارے آنسو ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔۔ ارحام اسے دونوں کندھوں سے تھامے جھنجھوڑ گیا تھا۔۔

انسان ہوں میں مجھے بھی درد ہوتا ہے۔۔ آپ کی دی ہوئی ذلت اور زخموں پر مجھے آنسو بہانے کا بھی کوئی حق نہیں ہے کیا؟؟؟۔ حور نے زخمی لہجے میں چٹختے ہوے سوال کیا تھا۔۔ وہ درد دے کر بھی کیسے انجان بن سکتا تھا؟؟

ذلت۔۔۔۔ ارحام یہ لفظ دہراتے استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

ذلت کیا ہوتی ہے یہ مجھ سے پوچھو؟؟۔۔۔ آج تمھاری وجہ سے میں اپنی ہی برادری میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔۔ دوسری شادی کرنا غلط نہیں تھا مگر ناجائز رشتہ بنا کر دوسری شادی کرنا غلط ہی نہیں زنا کے زمرے میں آتا ہے۔۔ تم نے مجھے زانی بنا دیا۔۔ ارحام کی بات پر حور کی نظریں شرمندگی سے جھکی تھیں۔

زخم کیا ہوتے ہیں؟؟ یہ میری بہن سے پوچھو۔۔۔۔۔ جو بنا کسی قصور کے ان سب کے بیچ آ گئی۔۔۔

سب رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی بے سائبان ہونا کسے کہتے ہیں یہ میری بیٹی سے پوچھو۔۔۔ پریذے کے ذکر پر ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں مزید سرخی چھلکی تھی۔

میری بیٹی کہاں ہے؟ مجھے کچھ نہیں پتہ۔۔ پانچ سال کی ہے

وہ۔۔۔۔۔۔ بہت معصوم ہر چیز سے انجان۔۔۔۔۔۔۔ میرے بغیر دو دن

اسے رہنا پڑتا تھا۔۔ اس کی جان پر بن آتی تھی۔ میں ہفتے میں دو بار صرف

اپنی پریذے کی وجہ سے اتنا لمبا سفر کر کے حویلی آتا تھا۔۔۔۔ اسے اپنے

پاس اس لیے نہیں رکھ سکتا تھا۔۔ کیونکہ میں چاہتا تھا اسے یہاں ہر رشتے کا

پیار ملے۔۔ مگر آج وہ اپنے ہر رشتے سے دور پتہ نہیں کہاں ہے۔۔ ارحام

کرب سے بولتے اسے صوفے پر دھکیلتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا

تھا۔۔

اسے تھوڑی دیر پہلے دریاب کا فون آیا تھا کہ اس کی معلومات کے مطابق

پریذے کو شائد آوٹ آف کنٹری بھیج دیا گیا ہے۔۔ ارحام یہ سن کر بہت

پریشان ہو گیا تھا۔۔تکلیف دہ بات یہ تھی۔۔گل ادھر ہی موجود تھی۔۔اس کی چھوٹی سی معصوم بیٹی کو اکیلے ہی آؤٹ آف کنٹری بھیج دیا گیا تھا۔۔وہ باپ سے تو دور تھی ہی اب ماں سے بھی دور ہو گئی تھی۔

بے بسی کا احساس یہ تھا وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔۔جو اس کی بیٹی کو اتنی دور بھیج سکتے تھے۔۔وہ پریذے کو نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔۔گل انتقام میں کتنی اندھی ہو سکتی ہے۔۔وہ اس کا اپنے پیٹ میں بچے کو مارنے سے ہی اندازہ لگا چکا تھا۔۔

ارحام نے ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اپنی لوڈڈ پسٹل اپنے ڈرار سے نکال کر اپنی جیب میں ڈالی تھی۔۔

آج رات اس کا شاہ نواز کو اغوا کرنے کا آرادہ تھا تاکہ اس سے اگلوایا جا سکے کہ پریذے کہاں ہے۔۔دریاب کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ غصے سے

پاگل ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بیٹی سے مزید دور نہیں رہ سکتا تھا اس کے لیے اسے شاہ نواز یا پری گل کا قتل بھی کرنا پڑتا وہ پیچھے نہ ہٹتا۔۔۔

ارحام اپنی پسٹل جیب میں ڈالے اور گرم شال اوڑھے باہر آیا۔۔ اس کی نظریں بے اختیار صوفے کی طرف اٹھی تھیں۔۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ صوفے پر آڑھی ترچھی پڑی تھی۔ حور کا ساکت وجود دیکھتے وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا تھا۔

حور کے انگوٹھے کی پٹی کھل چکی تھی۔۔ زخمی انگوٹھے سے خون رس رہا تھا۔۔ ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑے اس کے زخم کا معائنہ کیا جو کافی حد تک خراب ہو چکا تھا۔۔ انگوٹھا دو حصوں میں تقسیم ہوتا نظر آ رہا تھا۔۔ ارحام اس کے زخم کو دیکھتا اب واقعی میں پریشان ہوا تھا۔

ارحام نے اپنی شال اچھی طرح حور کے وجود کے گرد لپیٹی تھی۔۔

اسے بانہوں میں اٹھائے باہر کی جانب بڑھا۔۔ حور کے ساکت وجود کو اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا۔۔۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

ارحام نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے بہت احتیاط سے حور کے ساکت وجود کو اپنی بانہوں میں بھرتے باہر نکالا تھا۔۔

وہ حور کو وہاں کے نزدیکی کلینک اور ہاسپٹل نہیں لے کر گیا تھا۔ وہاں اس ٹائم فی میل ڈاکٹر اویلیبل نہیں تھی۔۔ حور کی کنڈیشن کے باعث وہ اس کا میل ڈاکٹر سے چیک اپ نہیں کروانا چاہتا تھا۔۔ اس لیے وہ اسے اپنے ایک دوست کی وائف کے کلینک لے آیا تھا۔ جو کہ بہت معروف اور بہت بڑا تھا۔

وہ اسے لیے کلینک میں داخل ہوا تو اسے دیکھتے ہی ایک فی میل نرس اس کی طرف بڑھی تھی۔۔ وہ اپنی سینیر ڈاکٹر کے کہنے پر باہر ہی ان کا انتظار کر رہی تھی۔۔

وہ نرس کی ہمراہی میں حور کو لیے پرائیویٹ روم میں داخل ہوا تھا۔۔۔

حور کو بیڈ پر احتیاط سے لٹانے کے بعد وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگا جو پچھلے تین گھنٹوں سے ہوش میں نہیں آئی تھی۔۔

وہ اب اس کی کنڈیشن دیکھتے پریشان ہوا تھا۔۔ وہ بیڈ کے پاس کھڑا اسے دیکھ رہا تھا کہ دروازہ ناک کرتے ڈاکٹر ماہم اندر داخل ہوئی۔۔

اسلام علیکم۔۔۔۔۔ارحام کیسے ہیں آپ؟؟ڈاکٹر ماہم ارحام کو دیکھتے خوشگواری سے مسکرائی..

وعلیکم اسلام... میں ٹھیک ہو...ں۔ آپ سنائیں۔ارحام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

مجھے منان کی کال آئی تھی کہ آپ نے اپنی وائف کا چیک اپ کروانا ہے۔ کیا ہوا ہے انھیں؟؟

ڈاکٹر ماہم بولتے ہوے حور کی طرف بڑھی۔۔

حور کے زخمی انگوٹھے کا معائنہ کرنے لگیں۔ جو بہت بری کنڈیشن میں تھا۔

ارحام فون بیل پر ایکسکیوز کرتے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

ارحام۔۔۔ آپ کی وائف کی کنڈیشن اب بہت بہتر ہے۔۔ان کے انگوٹھے کا زخم بہت گہرا تھا اسی لیے سٹیچز لگانے پڑے۔۔

ڈاکٹر ماہم نے اپنے سامنے بیٹھے ہوے ارحام خانزادہ سے کہا۔۔ارحام اس وقت ڈاکٹر ماہم کے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔۔حور کا ٹریٹمنٹ کرنے کے بعد ڈاکٹر ماہم نے ارحام کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔

ارحام کو فون میں مصروف دیکھ کر ڈاکٹر ماہم لب بھینچ گئی تھی۔۔

اسے اپنے سامنے بیٹھے اس وجیح بارعب شاندار سحر انگیز پرسنلیٹی والے مغرور انسان پر بہت غصہ آیا تھا۔۔ جو اس کے نزدیک بہت بے حس واقع ہوا تھا۔

۔ جسے اپنی بیوی کی طبعیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔۔ وہ بے دھیانی میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ بلکہ اس کی پوری توجہ فون کی طرف تھی۔ آج سے پہلے وہ ارحام کی سحر انگیز ڈیسنٹ پرسنیلٹی سے بہت متاثر تھی۔۔ مگر حور کی حالت دیکھتے وہ ارحام خانزادہ سے کافی حد تک متنفر ہو چکی تھیں۔

وہ حور کو دیکھ کر بہت پریشان ہو گئی تھیں۔۔ وہ ارحام کو بہت عرصے سے جانتی تھیں۔ یہ بھی جانتی تھی ارحام کی ایک پانچ سال کی بیٹی بھی ہے۔۔

حور کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ حور بہت کم عمر ہے۔۔ حور کے بدن پر پھٹا ہوا لباس گہری شدتوں کے بے رحم نشان دیکھ کر وہ بہت پریشان ہوئی تھی۔۔

اس نے منان کو کال کر کے اچھی خاصی سنائی تھیں کہ ارحام خانزادہ سے پوچھے اس لڑکی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔۔

اس کے انگوٹھے کے زخم کے ساتھ اتنی لاپروائی کیوں برتی ہے؟؟؟ مگر منان فون پر منمنا کر رہ گیا تھا کہ وہ کیسے اس سے اس کی بیوی کے بارے میں کوئی بات پوچھ سکتا ہے۔۔ اسے بھی منع کیا تھا کہ وہ ارحام خانزادہ سے ایسی ویسی کوئی بات نہ کرے۔۔

مگر ڈاکٹر ماہم بہت بے چین ہو رہی تھی یہ جاننے کے لیے کہ اتنی خوبصورت لڑکی سے ارحام کب کیسے ملا۔۔ کیا اس نے حور کی خوبصورتی دیکھ کر اپنی بیوی کو دھوکہ دیا یا وجہ کچھ اور ہے۔۔۔

ارحام آپ نے دوسری شادی کر لی ہے۔۔ آئی نو یہ کوسچن تھوڑا پرسنل ہے۔۔ مگر مجھے منان نے بتایا تھا کہ آپ اپنی وائف سے بہت پیار کرتے تھے۔۔۔ ڈاکٹر ماہم نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔۔

آئی تھنک... مجھے اب گھر چلنا چاہیے۔۔ حور کا ٹریٹمنٹ مکمل ہو گیا ہے۔۔ مجھے ایک ضروری کام بھی ہے۔۔ ارحام موبائل میں کچھ ٹائپ کرتے سنجیدگی سے بولا۔۔

ابھی انھیں ڈرپ لگی ہے وہ جیسے ختم ہوتی ہے تو آپ گھر جاسکتے ہیں۔ڈاکٹر ماہم نے سرخ چہرے کے ساتھ سنجیدگی سے کہا تھا۔۔

ارحام موبائل سے ایک نمبر ڈائل کرتے ہوے اسے کان سے لگائے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔۔

ڈاکٹر ماہم گہری سانس بھرتی اپنا کام کرنے لگی..

ارحام کے کمرے میں داخل ہونے پر حور بمشکل ہی اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔ارحام آہستگی سے چلتا اس کے قریب آیا..

اٹھو.... حویلی چلنا ہے۔۔ ارحام نے اسے ایک نظر دیکھتے ہوے سرد لہجے میں کہا۔۔

حور نے ارحام کی شال اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوے اپنے کھلے بالوں کا جوڑا بنایا تھا۔۔ انگوٹھے میں سٹیچز لگنے کی وجہ سے کھچاؤ پڑ رہا تھا۔ اس نے بہت مشکل سے ہی اپنے بال لپیٹے تھے جو پھر سے کھل کر اس کے کمر پر بکھر چکے تھے۔

ایک ہاتھ کے سہارے سے بیڈ کو تھامے آہستگی سے اٹھی تھی۔۔ نقاہت سے ابھی بھی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔۔ بیڈ سے اترتے ہی حور نے اپنے جوتوں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں..

کیا ڈھونڈ رہی ہو؟؟ ارحام نے حور کو بیڈ کے پاس ہی جمے دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

میرے جوتے۔۔۔۔ حور نے ارحام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے آہستگی سے پوچھا۔

جوتے نہیں ہیں۔۔۔۔ ایسے ہی چلو۔۔۔۔۔ گاڑی تک ہی تو چلنا ہے۔۔ ارحام سرد آواز میں کہتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔۔ ارحام کی بات پر حور نے اپنے لب بری طرح کاٹے تھے۔۔

زمین انتہائی ٹھنڈی تھی۔ اور ننگے پاؤں گاڑی تک جانا۔۔۔ حور کی آنکھیں لبالب پانی سے بھری تھیں۔ اس نے ننگے پاؤں کبھی اپنے گھر کے فرش پر بھی پاؤں نہیں رکھا تھا۔۔ آج قسمت نے اسے کیا کیا نہیں دکھا دیا تھا۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے آنکھیں میچے درد سے سسکاری بھرتے پکارا۔

ارحام حور کی درد بھری سسکاری سنتار کا تھا۔۔اسے آنکھیں میچے آنسو بہاتا دیکھ کر غصے سے رخ پلٹتے اس کی طرف بڑھا۔۔

ارحام کو اپنی طرف غصے سے بڑھتا دیکھ کر حور اپنے آنسو صاف کرتے خوف سے پیچھے کو ہوئی تھی۔۔

نقاہت اور ارحام کے ڈر کے خوف سے وہ لڑکھڑائی تھی۔۔اس سے پہلے وہ گرتی ارحام نے جلدی سے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھر کر اسے گرنے سے بچایا تھا۔

حور اس کے مضبوط حصار میں اس کے سینے کے ساتھ لپٹ پڑی تھی۔۔

وہ اس کے سینے کے ساتھ لپٹے کپکپا رہی تھی۔ ارحام کی قربت تو زیادہ اس پر لرزہ طاری کرتی تھی۔۔ مقابل کی اتنی نزدیکی پر اس معصوم جان کا گھبرانا تو بنتا تھا۔

جو اپنی قربت کے جان لیوہ لمحات اس پر اپنا وحشی لمس اور بے رحم شدتیں اس طرح نچھاور کر چکا تھا کہ صرف اس کے قفس سے روح پرواز کر نا رہ جاتی تھی۔۔۔ اس کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ خوشبو مزید حور کی نازک جان پر کپکپی طاری کر رہی تھی۔

ارحام نے اس کا کپکپانا محسوس کر کے اس کی کمر پر نرمی سے اپنا ہاتھ پھیرا۔

اس کا مظبوط مگر نرم حصار محسوس کر کے حور نے اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچے اس کی طرف بھیگی نگاہوں سے بہت حیرانگی سے دیکھا۔۔

ارحام نے اس کے گرد اپنی بانہیں ابھی تک لپیٹی ہوئی تھیں۔ حور اس کے شرٹ کو اپنی دونوں مٹھیوں میں دبوچے ایک ٹک بے یقین شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھی جا رہی تھی۔۔

جو بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے پر اپنی نظریں جمائے ہوے تھا۔۔۔

دونوں کی گرم نرم سانسیں ایک دوسرے کے چہرے پر بکھر رہی تھیں۔۔۔

حور کے لمبے ابشار کی مانند سلکی بال جو اس وقت تھوڑا سا الجھے سے تھے۔ اس کے چہرے اور کمر پر بکھرے تھے۔۔ سرخ متورم چہرہ، حسین پری پیکر چہرہ ۔۔۔ گہری کرسٹل براؤن آنکھیں جو ہر وقت بھیگی رہتی تھیں۔۔

وہ گہری سانسیں لیتی کانپتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اسے بے یقین نگاہوں سے بنا پلکیں جھپکائے دیکھ رہی تھی۔۔۔

وہ کب نرمی سے اسے تھامتا تھا؟؟؟ بے یقین ہونا تو بنتا تھا۔۔۔

ارحام نے بے اختیاری میں ہاتھ بڑھا کر اس کی بھیگی پلکوں پر ٹھہری شبنم اپنی انگلی پر چنی تھی۔۔ حور نے اس کی اتنی نرمی پر آنکھیں میچتے ہچکی لی تھی۔۔

ارحام نے نرمی سے اسے اپنے حصار سے الگ کیا۔۔۔

چلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام نرمی سے اس کی کلائی تھامتے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے رک ایک نظر پھر سے حور پر ڈالی تھی۔۔۔

حور نے اس کی شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا۔۔

ارحام نے اس کے خوبصورت چہرے کو نظر بھر کر دیکھتے ہوے اپنے دونوں ہاتھوں سے نرمی سے شال اس کے سر پر اوڑھائی۔۔۔۔

حور کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس نے شال سر پر نہیں اوڑھی ہوئی۔۔ حور نے گھبراتے ہوے جلدی سے اچھی طرح وہ شال اپنے سر پر جمائی۔۔

اب ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ حور نے معصومیت سے پوچھا۔۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ منہ بھی ڈھک لو۔۔ ارحام نے بغور اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوے سنجیدگی سے کہا۔۔

کککک۔۔۔ کیسے ؟؟ گھونگھٹ لے لوں کیا؟؟ حور نے ناسمجھی سے معصومیت بھرا سوال کیا۔۔۔

ارحام اس کے معصومیت بھرے سوال پر گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی معصوم بھی تھی۔۔

گھونگھٹ نکالنے کو نہیں کہہ رہا۔۔ نقاب کرنے کو کہہ رہا ہوں۔۔ دیکھا تو ہو گا لڑکیوں کو حجاب کرتے ہوے۔۔ ارحام نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے اپنی شال اس کے سر پر پھر سے اوڑھائی تھی۔۔ جو بھاری ہونے کی وجہ سے اس کے سر سے سرک رہی تھی۔

مم میری ایک فرینڈ حجاب کرتی تھی۔۔ مگر وہ عبایا پہنتی تھی۔۔ جس پر وہ سٹالر لیتی تھی۔۔ مگر مجھے نقاب نہیں کرنا آتا۔۔ اور اس شال سے کیسے نقاب کروں؟؟

حور نے کپکپاتے لہجے میں پوچھا۔۔۔وہ سراسیمگی سے ارحام کی آنکھوں میں نظریں جمائے ہوے تھی۔۔ جس کی سرخی سے اس کی جان جاتی تھی۔ آج بھی ان آنکھوں میں سرخی تھی۔ مگر سرد پن کی جگہ تھوڑی نرمی تھی۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اپنی شال سے اس کے چہرے پر نقاب کرتے شال کے ایک سرے کو چہرے کے پاس سے پکڑنے کو کہا۔۔

ارحام کے سمجھانے پر اس نے ویسے ہی کیا۔۔ مگر اس سے شال بھاری ہونے کی وجہ سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔۔ ارحام اس کی کلائی پکڑے باہر کی جانب بڑھا تھا۔۔

ہاسپٹل کے کوریڈور سے گزرتے اس کا نقاب کھل چکا تھا بلکہ شال بھی اس کے سر سے سرک کر کندھوں پر آچکی تھی۔۔۔

حور کا حجاب کھل جانے پر ارحام نے اسے سرد نظروں سے گھور کر دیکھا تھا۔۔ سامنے سے ہی کچھ مرد آرہے تھے۔۔

حور نے ارحام کی نظروں سے گھبراتے ہوے شال اوڑھنی چاہی۔ جو گھبراہٹ میں اس کے وجود سے بھی پھسل کر زمین بوس ہوئی تھی

۔۔ارحام کا رنگ غصے سے سرخ پڑا تھا۔۔ حور کا پھٹا ہوا لباس اسے کافی مشتعل کر چکا تھا۔۔

ارحام اسے اپنے حصار میں لیتے اس کے سامنے اس طرح آیا تھا کہ اس کا نازک وجود اس کے چوڑے وجود کے آگے چھپ گیا تھا۔۔

شال زمین سے اٹھائے اس نے حور کے گرد اچھی طرح لپیٹی مگر اس پر سرد سرخ نظر ڈالنا وہ بھولا نہیں تھا۔۔

حور گھبراتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ارحام اس کی کلائی تھامے باہر کی جانب بڑھا۔ مگر اب اس کی گرفت کافی سخت تھی۔۔

اس کی کلائی اس کی گرفت میں جیسے ٹوٹنے والی ہو گئی تھی۔۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہا تھا۔۔حور کا اس کے قدموں کا ساتھ دینا بہت مشکل تھا۔۔۔

وہ اس کے ساتھ گھسٹتی چلی جا رہی تھی۔۔

ارحام نے گاڑی کے پاس فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر دھکیلا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

ارحام نے تھوڑا آگے جا کر ایک سنسان جگہ پر گاڑی روکی تھی۔۔

حور کی طرف جھکا تو حور جو پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی۔وہ گاڑی کے دروازے کی طرف کھسکتی دروازے کے ساتھ جا لگی۔۔

ارحام نے اس کے بازو پر اپنی گرفت جماتے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی۔۔

حور نے نظریں اٹھا کر ستم گر کو دیکھا جس کی آنکھیں بے حد سرد تھیں۔

آئیندہ میں تمھارے بدن پر یہ پھٹا ہوا لباس نہ دیکھوں۔۔ اگر تم نے غلطی سے بھی یہ لباس پہنا میں نہ صرف اس لباس کے چھیتڑے کروں گا۔ بلکہ تمھارے بدن کے بھی اتنے چیتھڑے کروں گا کہ گننا مشکل ہو جائے گا۔۔ ارحام نے اس کے بازو پر اپنی گرفت سخت کرتے برفیلے لہجے میں وارن کیا۔۔

حور نے ارحام کے برفیلے لہجے پر جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

۔مقابل کے لہجے کی برف ہمیشہ اسے اپنے اندر اترتے محسوس ہوتی تھی۔اپنا خون رگوں میں منجمند ہوتا محسوس ہوتا۔

بہارے یا عابیر سے نقاب کرنا سیکھو۔۔۔ارحام خانزادہ کی بیوی ہو اب تم۔۔۔۔. عزت ہو میری۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمھیں اب میرے مطابق یہاں کی روایات کے مطابق رہنا ہو گا۔۔ آج تو معاف کر دیا ہے۔ مگر آئیندہ تمھارا چہرہ ایسے کسی غیر مرد کے سامنے نہ کھلے۔۔ارحام نے اسے سختی سی تنبیہ کی تھی۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔حور نے آہستگی سے کہا۔۔

ارحام نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو وہ دروازے کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

حور نے جلدی سے شال سر پر اوڑھی۔۔

ارحام اسے سرد نظروں سے گھورتا گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔۔

رات بہت گہری اور سرد ہو چکی تھی۔۔ ارحام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے سنجیدگی سے ڈرائیو کرتے ہوئے پریذے کے متعلق سوچ رہا تھا۔۔ کیا سچ میں پریذے کو آوٹ آف کنٹری بھیج دیا ہے؟؟۔۔ یا پھر اسے ڈاج کرنے کا یہ طریقہ ہے۔۔ ہو سکتا ہے پریذے ادھر ہی ہو۔۔ لیکن کہاں؟؟۔۔۔ ارحام نے جبڑے بھینچتے بے بسی اور غصے کے ملے جلے احساس کے تحت سٹیرنگ پر زور سے مکہ دے مارا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے؟؟۔

وہ اپنی بیٹی کو کسی بھی حال میں ان لوگوں کے پاس مزید رہنے نہیں دے سکتا تھا۔۔ اسے خبر ملی تھی آج رات شاہ نواز شہر جا رہا ہے۔

اسی دوران اس کا شاہ نواز کو اغوا کرنے کا آرادہ تھا۔ مگر افسوس وہ یہ نہ کر سکا۔۔ اس کے گارڈز اس کی تمام حکمت عملی سب کچھ تیار ہی تھی۔۔۔ مگر عین وقت پر حور کو ہاسپٹل لانا پڑا۔ ارحام نے ڈرائیو کرتے ہوے اچٹتی سی نظر حور پر ڈالی جو سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے سو چکی تھی۔۔

ارحام کے غصے میں شدید آضافہ ہوا تھا۔۔اگر حور وہ سب کچھ نہ کرتی اس پر گھٹیا الزام نہ لگاتی تو آج اس کی پریذے اس کے ساتھ ہوتی۔۔ارحام نے قہربار نظر حور پر ڈال کر گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

آچانک سے اس کا سٹیرنگ پر ہاتھ ڈگمگایا تھا۔۔۔شدید قسم کی فائرنگ اس کی گاڑی کے اطراف میں ہونا شروع ہو چکی تھی۔

ارحام نے سٹیرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

فائرنگ کی آواز سنتے حور اٹھ چکی تھی۔۔اب خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔جو سرخ چہرہ لیے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔فائرنگ شدید ہوتی جا

رہی تھی۔۔ ابھی وہ لوگ بہت پیچھے تھے مگر وہ کسی بھی لمحے ان تک پہنچ سکتے تھے۔۔ ارحام نے اپنی گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔۔

گاڑی اونچے نیچے راستوں پر تھی۔۔ اتنی سپیڈ میں گاڑی کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔۔ حور فائرنگ سے ڈری ہوئی تھی۔۔ اب گاڑی کو خطرناک راستوں پر بری طرح دوڑتے دیکھ کر اس کا رنگ خوف سے مزید زرد پڑا تھا۔۔

ارحام کے غصے میں شدید آضافہ ہوا تھا۔۔ اگر حور وہ سب کچھ نہ کرتی اس پر گھٹیا الزام نہ لگاتی تو آج اس کی پریذے اس کے ساتھ ہوتی۔۔ ارحام نے قہربار نظر حور پر ڈال کر گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

آچانک سے اس کا سٹیرنگ پر ہاتھ ڈگمگایا تھا۔۔۔شدید قسم کی فائرنگ اس کی گاڑی کے اطراف میں ہونا شروع ہو چکی تھی۔

ارحام نے سٹیرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

فائرنگ کی آواز سنتے حور اٹھ چکی تھی۔۔اب خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔جو سرخ چہرہ لیے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔فائرنگ شدید ہوتی جا رہی تھی۔۔ابھی وہ لوگ بہت پیچھے تھے مگر وہ کسی بھی لمحے ان تک پہنچ سکتے تھے۔۔ارحام نے اپنی گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔۔

گاڑی اونچے نیچے راستوں پر تھی۔۔اتنی سپیڈ میں گاڑی کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔۔حور فائرنگ سے ڈری ہوئی تھی۔۔اب گاڑی کو خطرناک راستوں پر بری طرح دوڑتے دیکھ کر اس کا رنگ خوف سے مزید زرد پڑا تھا۔۔

ارحام نے ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کر کال ملاتے فون کان سے لگایا۔۔

میں نے لوکیشن بھیج دی ہے.. جلدی سے ٹریس کرتے مجھ تک پہنچو۔۔ارحام نے غصے بلند آواز بولتے فون ڈیش بورڈ پر پٹخا۔۔۔۔

تمھیں میں چھوڑوں گا نہیں شاہ نواز.... ارحام سرخ چہرے کے ساتھ حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تو حور اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے خوف سے

چیخ پڑی تھی۔۔شدید قسم کی فائرنگ پہلے ہی اس کے اوسان خطا کیے ہوے تھی۔اوپر سے ارحام کی شیر سی دھاڑ پر وہ بیچاری لرز کر رہ گئی تھی۔

۔اس کا کب ایسی سچویشن سے پالا پڑا تھا۔۔پورے وجود تو زلزلوں کی زد میں تو تھا ہی دل کی دھڑکن شدید تیز ہوئی تھی۔۔ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔حور کے ایسے چیخنے پر ارحام نے خونخوار نظر حور پر ڈالی۔۔۔جس کا نازک وجود خوف سے لرز رہا تھا۔

ارحام نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔

شاہ نواز اور اس کے گارڈز اب بلکل پیچھے تھے۔۔

حور نیچے جھکو۔۔۔ ارحام نے ڈیش بورڈ کے ڈرار سے پسٹل نکالتے حور کو کہا۔۔

حور تو اس سچویشن میں بہت بری طرح گھبرا گئی تھی۔۔ ان کی گاڑی اس وقت بہت خطرناک راستوں پر تھی۔۔ تنگ سڑکیں اور ایک اطراف میں گہری کھائیاں۔۔۔۔ گہرا اندھیرا۔۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں جس کی وجہ سے کچھ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔۔

شدید فائرنگ اور گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھی ہوئی تھی ایسا لگتا تھا ابھی گاڑی کسی گہری کھائی میں گر جائے گی۔۔

وہ سیٹ پر بری طرح کانپ رہی تھی۔۔ ارحام کی بات پر اسے نے پھٹی پھٹی خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔

آرحام نے بھی اپنی سائیڈ والے شیشے سے ان کی گاڑی پر فائر کرنا شروع کر دیے تھے۔

حور کی سایئڈ پر گاڑی کے دروازے پر گولی آکر لگی تو حور کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے چیخ پڑی تھی۔۔۔

حور آئی سیڈ۔۔۔ بین ڈاؤن۔۔ ارحام اپنی سائیڈ والی ونڈو سے شاہ نواز کی گاڑی پر فائر کرتے چیخا تھا۔۔

حور خوف سے ساکت ہوئی تھی۔۔۔ارحام ایک نظر حور پر ڈال کر اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔جو کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔۔ارحام نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوے شاہ نواز کی گاڑی کے اگلے ٹائر کا نشانہ لیتے فائر کیا تھا۔۔گولی شاہ نواز کے ٹائر پر جا کر لگی تھی۔۔شاہ نواز کی گاڑی بری طرح ڈولی تھی۔۔

اسی دوران ایک فائر ان کی گاڑی کو آ کر لگا تھا۔ارحام نے ہلکا سا جھکتے حور کو دیکھا جو زرد پڑتے بری طرح کانپ رہی تھی۔

ڈیم اٹ۔۔۔۔۔نیچے جھکو۔۔۔۔ارحام نے پوری قوت سے دھاڑتے ہوے حور کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے خود نیچے کی طرف جھکایا تھا۔۔

ورنہ پیچھے سے آتا فائر یقیناً حور کے سر سے آر پار ہو جاتا۔۔

شاہ نواز کی گاڑی کے ٹائر پر گولی لگنے کی وجہ سے وہ آگے نہیں آئی تھی۔۔ ارحام نے اب کی بار شاہ نواز کے گارڈز کی گاڑی کو نشانہ بناتے فائر کیا تو گولی ان کے بھی اگلے ٹائر کو جا کر لگی تھی۔۔۔

ان کی گاڑی کی سپیڈ کم ہوئی تو ارحام نے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔

ارحام کے گارڈز اس کی لوکیشن ٹریس کرتے اس تک پہنچ چکے تھے۔۔۔وہ لوگ اب شاہ نواز اور ان کے گارڈز پر جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔۔

ارحام نے گہرا سانس بھرتے گاڑی کی سپیڈ کم کی تھی۔۔

فائرنگ کی آواز اب دور سے سنائی دے رہی تھی حور گہرے سانس لیتی سیٹ سے ٹیک لگائے ہوے تھی۔

موبائل رنگنگ پر ارحام نے کال اٹھاتے فون کان سے لگایا۔۔خان صاحب۔۔۔۔شاہ نواز اور اس کے گارڈز نے اپنا راستہ بدل لیا ہے۔۔۔

ارحام یہ سنتا غصے سے پاگل ہوا تھا۔۔مجھے ہر حال میں آج وہ

۔۔۔خ۔۔۔۔۔ چاہیے۔۔۔ پیچھا کرواس کا۔۔۔۔ارحام شاہ نواز کو گالی

دیتے ہوے گر جا تھا۔۔

خان صاحب شاہ نواز نے ایک اور گاڑی گارڈز کی منگوائی ہے۔۔وہ لوگ

کافی تعداد میں ہیں

۔مجھے لگتا ہے وہ پھر سے آپ کا پیچھا کریں گے۔۔مجھے لگتا ہے آپ کو حویلی

کے لیے نکلنا چاہیے۔۔میں ایک گارڈ کی گاڑی آپ کے لیے بھیج دیتا

ہوں۔۔

نہیں ضرورت نہیں ہے۔۔ تم لوگ شاہ نواز کا پیچھا کرو۔

جب تک میں اس کتے کی لاش اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتا۔ میں بزدلوں کی طرح حویلی نہیں جا سکتا۔۔ وہ حرام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے آج ہر حالت میں چاہیے ارحام نے غصے سے ایک اور گالی دی تھی..

ارحام کی گرج پر حور کی سانسیں مزید رکی تھیں۔ ارحام خانزادہ کا ہر روپ ہی دہشت ناک تھا۔۔۔ وہ مزید اس سے خوفزدہ ہوئی تھی۔

ارحام نے فون کاٹتے ہوئے پوری قوت سے ونڈ سکرین پر دے مارا تھا۔۔ حور نے اپنی چیخ منہ پر ہاتھ رکھ کر روکی تھی۔۔

میں تمھیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا شاہ نواز۔۔۔ارحام نے چیختے ہوے اپنی گاڑی بیک پر لے کر احتیاط سے موڑی۔اب وہ لوگ پیچھے کی نسبت صاف ستھری اور کھلی سڑک پر تھے۔۔

ارحام نے اپنی گاڑی کا رخ دوبارہ ان راستوں کی طرف کیا تھا۔۔وہ شاہ نواز کو چھوڑنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔

شدید غصہ اشتعال سے اس کے جسم کا رواں رواں آگ کا گولہ بنا ہوا تھا۔۔وہ جبڑے بھینچے ڈرائیو کرتے ہر تھوڑی دیر بعد سٹرینگ پر مکہ مارتا تو حور کا بدن مزید خوف سے کانپنا شروع ہو جاتا۔شدید فائرنگ ابھی تک اسے جیسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

ارحام نے غصے سے حور پر نظر ڈالی جو سیٹ پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ارحام کی گاڑی پر پھر سے فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔۔

ارحام کے غیض و غضب میں آضافہ ہوا تھا۔۔

شاہ نواز نے جان بوجھ کر راستہ بدلا تھا تاکہ ارحام کو اکیلے میں پکڑ سکے۔۔۔اس کا آرادہ ارحام کو مار کر حور کو اغواہ کرنے کا تھا۔۔وہ حور کا اس دن کا شعلہ جوالہ روپ بھول نہیں پا رہا تھا۔۔اپنی بہن کی طلاق کا بدلہ بھی اسی صورت لے لیتا۔۔جب ارحام کی خوبصورت بیوی اس کی بانہوں میں ہوتی۔۔۔وہ آج ارحام کو چھوڑنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔۔

اس نے اپنا راستہ بدل کر ارحام کے گارڈز کو ڈاج کیا تھا۔۔

اتنا تو ارحام کی فطرت کو جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی بزدلوں کی طرح بھاگے گا نہیں۔۔۔

ارحام نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تو حور نے روتے ہوے خوف سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

فائرنگ ابھی کافی دور سے ہو رہی تھی۔۔وہ لوگ ان سے کافی پیچھے تھے۔۔

آج تمھاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے یا پھر میری موت تمھارے ہاتھوں لکھی ہے۔

میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں شاہ نواز۔۔۔۔۔۔یہ چوہے بلی کا کھیل میں مزید نہیں کھیل سکتا۔۔۔ تمھارے سامنے آکر تمھارے سینے پر گولی ماروں گا آج میں۔

ارحام نے غصے سے گرجتے ہوے اپنی گاڑی ایک سائیڈ پر روکی تھی۔۔وہ غصے سے گاڑی سے نکلنے لگا تو حور کی سسکیوں کی آواز سن کر وہ ایک لمحے کو رکا تھا۔۔اسے احساس ہوا وہ اکیلا نہیں ہے۔اس کے ساتھ اس کی عزت اس کی بیوی بھی ہے۔۔

اگر اسے کچھ ہو گیا تو شاہ نواز حور کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اس ٹائم حور کی جان اور اس کی عزت سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔

ارحام نے دوبارہ سے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔

پاس بیٹھی اپنی بیوی کا خیال ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے شدید نفرت اور اشتعال بھی وہ محسوس کر رہا تھا۔۔ جس کی وجہ سے وہ آج اس حال تک پہنچا تھا۔

آج وہ شاہ نواز کو اغوا کر لیتا تو شاہ نواز یہ سب نہ کرتا..

شائد اسے پریذے کا پتہ بھی مل جاتا۔یقیناً اسے خبر مل چکی تھی وہ حور کے ساتھ اکیلا ہے۔اس لیے اس نے اس پر حملہ کیا۔ارحام نے منہ پر ہاتھ پھیرتے غصے سے سٹیرنگ پر مکہ دے مارا۔۔۔

ارحام نے غیض واشتعال سے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔اس کے گارڈز اس تک دوبارہ سے پہنچ چکے تھے۔۔

اب وہ اس کی گاڑی کے پیچھے شاہ نواز اور اس کے گارڈز پر جوابی کاروائی کرتے فائرنگ کر رہے تھے۔

ارحام کافی آگے آچکا تھا۔۔آچانک سے ارحام کی گاڑی کا کنٹرول ارحام کے ہاتھوں سے چھوٹا تھا۔۔

شائد کوئی فائر گاڑی کے ٹائر کو لگ گیا تھا۔۔

ارحام نے بہت مشکل سے گاڑی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی مگر نتیجہ ندارد۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور کے حواس جواب بحال ہوے تھے۔۔ گاڑی کے ڈگمگانے پر پھر سے اس کا رنگ زرد پڑا تھا۔۔

ارحام نے بہت کوشش کی گاڑی کو سنبھالنے کی مگر گاڑی سنبھل نہیں رہی تھی۔۔

سامنے ہی گہری کھائی تھی گاڑی کی سپیڈ بھی تیز تھی۔۔۔

ارحام نے پوری قوت سے بریک لگائی۔۔ مگر سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے گاڑی رکی نہیں تھی۔۔۔ حور نے خوف کے عالم میں سامنے سے نظر آتی کھائی کو دیکھا تھا اور خوف سے چیختے آنکھیں بند کی تھیں۔۔

ارحام نے سٹیرنگ کو گھماتے گاڑی کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔۔۔ ان کی گاڑی آچانک سے رک گئی تھی۔۔۔

مگر ان کی گاڑی اس طرح رکی تھی کہ گاڑی کے ایک طرف گہری کھائی تھی اور دوسری سائیڈ پر سڑک تھی۔۔ حور والی سائیڈ پر کھائی تھی۔۔ گاڑی کے ٹائر بھی آدھے سے زیادہ کھائی کی طرف لٹکے ہوے تھے۔

حور نے اپنی سائیڈ سے گہری کھائی کو دیکھتے خوف سے چیخنا شروع کر دیا تھا۔۔۔

گاڑی ابھی تک ڈگمگا رہی تھی۔۔

حور سٹاپ شاؤٹنگ۔۔۔۔۔ڈونٹ موو۔۔۔۔۔۔ارحام غصے سے چیخا۔۔

حور چیخنا بند کر چکی تھی۔۔ مگر وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

حور میری طرف آؤ۔۔۔ارحام نے آہستگی سے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔

مم میں نہیں آؤں گی۔۔۔۔ مم میں نے ذرا سی موومنٹ کی تو گاڑی گر جائے گی۔۔ حور نے خوف سے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔۔

نہیں گرے گی گاڑی۔۔۔۔ تم میری طرف آرام سے بڑھو۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کی کلائی پکڑنے کی کوشش کی۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا حور پینک ہو۔۔۔ ورنہ گاڑی کسی بھی لمحے کھائی میں گر سکتی تھی۔۔ وہ بہت آسانی سے گاڑی سے نکل سکتا تھا۔ مگر حور کے لیے یہ مشکل تھا۔۔ اسے ارحام کی سائیڈ سے نکلنا تھا۔۔ مگر وہ خوف سے ہل بھی نہیں رہی تھی۔۔

مم میں نہیں آؤں گی۔۔ حور نے کہتے ہی رونا شروع کر دیا تھا۔۔

حور کم ان۔۔۔۔۔ میری طرف آہستگی سے بڑھو۔۔۔ میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔۔ ارحام نے بہت نرم لہجے میں اسے پچکارا۔۔ مم میں نہیں

آؤں گی۔۔یہ گاڑی گر جائے گی۔۔حور نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا۔۔۔

ٹھیک ہے رہو یہیں پر۔۔۔۔ تمھیں مرنے کا شوق ہو رہا ہے تو مرو۔۔مجھے لگتا ہے تمھارے لیے یہی موت بہتر ہے۔۔ارحام مزید اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا تھا۔۔

تھوڑی دیر وہ اور گاڑی میں رہتے دونوں ساتھ میں ہی گہری کھائی میں گاڑی سمیت گرتے۔۔

ارحام کی بات سنتے حور کے آنسوؤں کی روانی بڑھی تھی۔۔۔اس سے پہلے حور کا وجود خوف سے ساکت ہوتا

ارحام نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوے حور کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔۔ گاڑی مزید کھائی کی طرف کھسکی تھی۔۔۔وہ چیختے ہوے ارحام کے سینے کے ساتھ آ لگی۔۔ ارحام اسے اپنے ساتھ لگائے ہی گاڑی سے نیچے اترا تھا۔۔ گاڑی سے اترنے کی دیر تھی گاڑی ان دونوں کے سامنے ہی کھائی میں جا گری۔۔۔۔

حور چیختے ہوے ارحام کے سینے کے ساتھ لپٹ پڑی۔۔

شال اس کے ایک کندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔۔وہ آنکھیں میچے تھر تھر کانپتے ارحام کے سینے میں سمائی ہوئی تھی۔۔ ارحام کا چہرہ شدید سرخ پڑ رہا تھا۔۔ دو سیکنڈ کی دیر تھی ان کا کھیل تمام ہو سکتا تھا۔

حور اپنے بازو ارحام کے گرد سختی سے لپیٹے آنکھیں بند کیے کانپتے کھڑی تھی۔۔

اسی اثناء میں ارحام کی گارڈز کی گاڑی ان لوگوں کے پاس آکر رکی۔۔ گارڈز گاڑی سے نکلتے ارحام کی طرف بڑھے۔۔۔

خان صاحب۔۔۔۔شاہ نواز اور اس کے آدمی بھاگ چکے ہیں۔۔ایک گارڈ نے آگے آتے ارحام کو بتایا۔۔

ارحام یہ سنتے اپنی مٹھی سختی سے دبوچ گیا۔۔

ارحام نے حور کو خود سے علیحدہ کرتے شال اچھی طرح اس کے گرد لپیٹی ۔۔اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے ہی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ حور کی

کنڈیشن ایسی نہیں تھی وہ اپنے قدموں کے سہارے کھڑی رہ پاتی وہ اس کا سہارا لیے بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔

وہ ذرا سا اسے چھوڑتا وہ یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔۔ ارحام اسے اپنے سینے کے ساتھ لگائے گاڑی کی طرف بڑھا۔۔

پچھلی سیٹ پر احتیاط سے حور کو بٹھایا اور خود بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا ۔۔ ایک گارڈ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔۔۔ باقی گارڈز نے اپنی اپنی بندوقیں سنبھالتے گاڑی کی سب سے پچھلی سیٹ کی نشستیں سنبھالی تھیں۔۔

ابرش کی ضد پر زحلے مگنی کے اگلے دن ہی اسلام آباد جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ وہ لوگ صبح صبح ہی جانے کے لیے تیار تھے۔۔

زنان خانے کے لاونج میں اس وقت عابیر، امینہ خانم، درخشاں، زحلے آہل اور عنایہ، ابرش موجود تھے۔۔

زحلے تم لوگ تھوڑے دن اور رکتا۔۔ اتنی جلدی کیوں جا رہا ہے؟؟۔۔ امینہ خانم نے زحلے کو دیکھتے کہا۔۔

بس بھابھی ہمیں کچھ کام تھا اس لیے جانا پڑ رہا ہے۔۔

زحلے نے ابرش کو گھورتے ہوے امینہ خانم کو جواب دیا۔۔

ابرش ایک کونے میں سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھی۔۔

وائٹ لباس میں چھوٹا سا سٹالر اپنے گلے میں مفلر کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔۔ کھلے بالوں اور بغیر کسی میک اور زیبایش کے وہ کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔۔

چلو جیسا تم لوگوں کو ٹھیک لگتا ہے۔۔ زحلے نے کہتے ہوے درخشاں کو اشارہ کیا تو درخشاں اور ساتھ کھڑی دو ملازمائیں بھی درخشاں کے ہمراہ چل پڑی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد درخشاں اور دوسری ملازمائیں بہت سے شاپنگ بیگز اور جیولری کے باکسز اور مٹھائیوں کے ٹوکروں کے ہمراہ زنان خانہ میں داخل ہوئی تھیں۔ زحلے یہ ابرش کے لیے کچھ سونے کے سیٹ ہیں۔۔۔ کل مجھے موقع نہیں ملا۔۔ اس لیے میں یہ ابرش کو دے نہ سکا۔ امینہ امینہ خانم نے درخشاں کے ہاتھ سے جیولری باکسز لے کر زحلے کی طرف بڑھائے۔۔

بھابھی اس کی کیا ضرورت تھی؟۔۔زحلے امینہ خانم کی اتنی محبت اور مان پر جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی۔۔

ابرش کا سرد سپاٹ رویہ گھر کے ہر فرد کے ساتھ تھا۔۔

وہ کسی سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھی۔۔ابرش کے اس طرح کے رویے کے باوجود بھی امینہ خانم کا رویہ ان سب کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

۔۔

مگر وہ ابرش سے تھوڑا سا کھنچ سی گئی تھی۔۔یہی بات زحلے کو پریشان کر رہی تھی۔۔۔آج یا کل اس نے زاران کی بیوی بن کر آنا ہی تھا۔۔اگر ایسے ہی رہا تو ابرش کے لیے ہی مشکلات بڑھتیں۔۔۔امینہ خانم نے مگنی کے بھاری

ڈریس کے ساتھ بھی ابرش کو بہت بھاری سونے کا سیٹ دیا تھا۔۔اب پھر انہوں نے بہت بھاری سیٹ اور کڑے دہے تھے۔۔

اس کا ضرورت تھا۔۔یہ سب کچھ میرا زاران کی دلہن کا ہے۔۔۔۔۔۔اس کا حق ہے۔۔ہم کونسا کچھ نیا کر رہا ہے۔۔جب ہم دلہن بن کر آیا تھا تمھارا مورے نے بھی تو ہمیں یہ سب کچھ دیا تھا۔۔یہ تو مگنی کا شگن ہے۔۔شادی پر تو ہم اس سے بھی زیادہ اپنی بیٹی ابرش کو دے گا۔۔امینہ خانم ایک باکس سے کڑے نکالتے ابرش کی طرف بڑھیں۔۔انہوں نے ابرش کی کلائی پکڑے وہ کڑے پہنائے تھے۔۔اللہ نظر بد سے بچائے تمھیں اور زاران کو ۔۔۔امینہ خانم نے ابرش کا ماتھا چوما تھا۔۔ابرش اپنے لب کچلتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

امینہ خانم ابرش کی جھکی نظریں دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔۔ جہاں شرم وحیا یا خوشی کی کوئی رمک نہیں تھی۔۔

اسلام علیکم۔۔۔۔ زاران کی بھاری آواز گونجی تو سب کی نظریں بے اختیار زاران کی طرف اٹھیں تھیں۔

وہ اس وقت گرے شلوار قمیض پر وائٹ کلر کی شال کندھوں پر اوڑھے ہوے ذنان خانے میں داخل ہوا تھا۔۔ وجیح شاندار پرسنلیٹی مغرور چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ سجائے وہ امینہ خانم کی طرف بڑھا۔۔

امینہ خانم نے ماشاءاللہ کہتے بہت سی صورتیں پڑھ کر زاران پر پھونک ماری تھی۔۔

اللہ تمھیں اپنے حفظ و آمان میں رکھے۔۔ امینہ خانم نے زاران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے دعا دی تھی۔۔

زحلے نے بھی دل ہی دل میں ڈھیروں دعائیں پڑھتے زاران پر پھونک ماری ۔۔ زحلے کے لب ہلتے دیکھ کر اور زاران کی طرف پھونک مارتے دیکھ کر ابرش اندر تک جل گئی تھی۔۔ پتہ نہیں اسے سب ایسے کیوں ٹریٹ کرتے ہیں؟؟ جیسے کسی سلطنت کا شہزادہ ہو یہ۔۔۔۔۔ اب اتنی اچھی بھی پرسنیلٹی نہیں ہے۔۔ ابرش نے زاران کو گھورتے ہوے سوچا۔۔

اس کی طرف نظر پڑھتے ہی دل نے بیٹ مس کی تھی۔۔ سرخ و سفید رنگت، براؤن آنکھیں ستواں ناک۔۔۔۔۔ چہرے پر گھنی بیرڈ۔۔ سب سے بڑھ کر کسرتی چوڑا جسم جو زاران کی پرسنیلٹی مزید بارعب اور خوبرو بناتی تھی۔۔ وہ اس وقت بہت وجیح اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔۔ زنان خانے میں اس وقت اس کی مخصوص پرفیوم کی سمیل پھیلی ہوئی تھی۔۔ جو ابرش کے اوسان مزید خطا کر رہی تھی۔ برش کو خود کی طرف تکتا پا کر زاران کے لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا۔۔

زاران کو خود کی طرف معنی خیز نگاہوں سے مسکراتے دیکھ کر ابرش سرخ پڑتے بری طرح سٹپائی تھی اور اپنی نظریں پھیر گئی۔۔

زاران نے ابرش کا بھرپور گہری نظروں سے تفصیلی معائنہ کیا۔زاران کے عنابی مسکراتے لب بھینچے تھے۔۔

مورے۔۔۔۔۔زاران کی سرد سپاٹ آواز گونجی تو

سب زاران کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔ابرش کی سماعتیں بھی اس مغرور شہزادے کی طرف متوجہ ہوئیں۔جس کی بھاری بلند آواز میں اب سرد پن نمایاں تھا۔

ہمارے گھر کی عورتیں جب اس حویلی سے باہر قدم رکھتی ہیں۔۔تو وہ کس حلیے میں ہوتی ہیں؟؟۔۔زاران کے سنجیدگی سے کیے گیے سوال پر سب کی نظریں بے اختیار ابرش کی طرف اٹھی تھیں۔ابرش کا رنگ شدید سرخ پڑا

تھا۔۔زاران کے سوال پر وہ سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے بری طرح جھنجھلائی۔۔دل کیا تھا زاران کا منہ نوچ لے۔۔۔۔۔۔۔۔۔جس کی بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔۔ابرش نے اپنا سٹالر گلے سے اتارتے اچھی طرح خود پر لپیٹا۔۔

مگر مسٹر خانزادہ کی خونخوار نگاہوں کو سٹل خود پر جمے دیکھ کر ابرش نے غصے سے وہ سٹالر بھی کھینچ کر اتار دیا تھا۔۔زحلے زاران کی بات پر مزید شرمندہ ہوئی تھیں۔انہوں نے ابرش کو ٹوکا بھی تھا کہ اب وہ اس گھر کی ہونے والی بہو ہے۔۔حویلی کے باہر کتنے ملازم اور گھر میں کچھ مہمان بھی ہیں تو باہر نکلتے وقت وہ بڑی سی چادر اوڑھ لے۔۔۔مگر ابرش یہ سنتے ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔۔وہ کبھی چادر نہیں اوڑھے گی۔۔چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔

زاران بیٹا۔۔۔۔۔۔رہنے دو۔۔جب نکاح کر کے ادھر ابرش بیٹا آئے گا تو سب کچھ سیکھ جائے گا۔۔امینہ خانم نے ابرش کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر زاران کو سمجھانا چاہا تھا۔۔مگر وہ جانتی تھیں یہ ناممکن ہے۔۔۔۔

مورے۔۔۔۔ابرش میری منگیتر میری عزت ہے۔۔یہ بات گھر کا ہر فرد جان لے۔۔اسے ابھی سے اس حویلی کی روائتوں کو اپنانا پڑے گا۔۔ورنہ جو نکاح کل ہوتا ہوتا رہ گیا۔۔وہ میں ابھی کر لوں گا۔۔زاران نے ابرش کو گھورتے ہوے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

ابرش زاران کی بات پر اپنے لب کچل کر رہ گئی۔۔زحلے کو جتاتی شکوہ کناں نظروں سے دیکھ کر انھیں جتانے کی کوشش کی کہ ان کا بھتیجا کس طرح کا

ہے۔۔۔وہ کتنا ڈومینیٹنگ ہے اور میل شاونزم ہے۔۔۔۔ مگر زحلے ابرش کو جوابًا گھور کر رہ گئی تھی۔۔۔

مورے۔۔۔۔ آپ ابرش کو اتنا کچھ دینے کی بجائے ایک چادر دے یتی تو زیادہ بہتر رہتا۔۔ اکیونکہ اسے اس وقت اسی چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔۔ اور عقل میں اسے نکاح کے بعد خود دے دوں گا۔۔ ابرش کا زحلے کو گھورتے دیکھ زاران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔

زاران کی بات پر آہل اور عنائیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔ درخشاں کی ہنسی چھوٹی تھی۔۔ امینہ خانم نے گھور کر درخشاں کو دیکھا تو وہ اپنی مسکراہٹ روک گئی۔۔

ابرش کا رنگ سرخ پڑا تھا زاران کی بات پر۔۔۔ آہل اور عنایہ کو مسکراتے دیکھ کر اس کا غصہ بڑھا تھا۔۔

مجھے نہ ان چیزوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی چادر کی۔۔ ابرش نے سرخ چہرے کے ساتھ اپنی کلائی میں پہنے کڑے اتار کر ٹیبل پر رکھے تھے۔۔ اور زاران کو جتاتے ہوئے اپنی انگوٹھی بھی انگلی سے اتارنی چاہی۔۔ زاران ابرش کی حرکت پر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔۔ مگر آج وہ اپنی ضدی اڑیل منگیتر کو چادر اوڑھا کر ہی چھوڑنے والا تھا۔

امینہ خانم بھی ابرش کو کڑے اتارتے دیکھ کر اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی تھی۔

زحلے یہ سب دیکھتے غصے سے ابرش کی طرف بڑھیں۔۔یہ کیا بدتمیزی ہے ابرش؟؟یہ کیا طریقہ ہے؟؟۔۔اٹھاؤ یہ کڑے اور پہنو انھیں۔۔۔۔۔زحلے نے غصے سے بلند آواز میں کہا۔۔

زحلے کا ایسے سب کے سامنے چلانے پر ابرش کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

۔عابیر اندر سے چادر لاؤ۔۔۔زاران نے ابرش کی نم آنکھوں پر نظریں جمائے سرد انداز میں حکم دیا تھا۔۔

عابیر گہرا سانس بھرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔۔

ذنان خانے میں سب خاموشی سے کھڑے تھے۔۔ آہل عنایہ خاموشی سے کھڑے سب کو دیکھ رہے تھے۔۔۔

ذنان خانے کا ماحول باہر کی طرح کافی سرد تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد عابیر ایک بڑی سی چادر لے کر آئی تھی اور زاران کی طرف بڑھائی۔۔

زاران وہ چادر لیے ابرش کی طرف بڑھا اور سب کے سامنے وہ چادر ابرش کو اوڑھائی تھی۔۔

ابرش بے بسی کے احساس سے زاران کو نم آنکھوں سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔ زحلے اور زاران کی سرد نظروں سے خائف ہوتے ابرش خاموش ہو گئی تھی۔۔ وہ کچھ بھی کہتی یہاں تماشہ لگ جاتا۔۔

ابرش نے خاموشی سے وہ چادر اچھی طرح اپنے سر پر جمائی تھی۔۔اور بنا کسی سے بھی ملے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔۔ابرش کے باہر جانے پر زحلے اور عنایہ آہل بھی خاموشی سے باہر کی طرف بڑھ گئے تھے۔۔

زاران سب سے ملتا باہر کار پورچ میں آیا تھا۔۔سن گلاسز لگائے ایک نظر ابرش کو دیکھا جو زحلے کے ساتھ پچھلی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

۔ان سب کے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد رحیم کاکا نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔

زاران لب بھینچے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔۔

ابرش زعیم کے ساتھ ایک بہت بڑے گرینڈ ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔۔۔وہ اس وقت بلیک ساڑھی میں ملبوس تھی۔۔جس کا بلاوز بلیک ویلویٹ میں فل آستین پر مشتمل تھا۔

سائیڈ میسی جوڑ بنائے آنکھوں پر سموکی میک اپ کیے وہ حسن کا مجسمہ لگ رہی تھی۔ساڑھی اس کے دلکش وجود کی دلکشی بڑھاتے اس کے بدن کی رعنائیوں میں آضافہ کر رہی تھی۔

زعیم نے اپنے ساتھ چلتے ابرش پر گہری نظر ڈالی جو آج اپنے حسن سے بجلیاں گرا رہی تھی۔۔۔

اس ساڑھی میں اس کا مرمریں بدن قیامت کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔مگر وہ ابرش کی تیاری سے تھوڑا سا مایوس ہوا تھا۔آج وہ ابرش سے اس سے بھی زیادہ کی توقع رکھتا تھا۔۔بے شک وہ ساڑھی میں بہت خوبصورت لگ رہی

تھی۔ مگر ساڑھی ایک قسم سے اس کے پورے وجود کو لپیٹے ہوے

تھی۔۔ جو دیکھتے زعیم کو تھوڑا ناگوار گزرا تھا۔۔

لیکن وہ جو چاہتا تھا وہ اس ساڑھی میں بھی ممکن تھا۔ زعیم ابرش کے نشیب

وہ فراز پر گہری نظریں جمائے گہرا مسکرایا تھا۔۔

جس دن سے اسے پتہ چلا تھا کہ ابرش کی زاران خانزادہ کے ساتھ مگنی ہو چکی

ہے۔۔ وہ جلتے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

وہ ابرش کو کسی صورت کسی دوسرے کا ہونے نہیں دے سکتا تھا۔ اس

زاران خانزادہ کا تو بالکل نہیں۔۔۔ جس نے اسے اپنے آفس سے بے بے

عزت کر کے نکالا تھا۔۔

وہ اس دن زاران کی آنکھوں میں ابرش کے لیے جنونیت دیکھ چکا تھا۔۔یقیناً آج کی پارٹی میں وہ ابرش کو اس کے ساتھ دیکھ کر سلگ کر راکھ ہو جائے گا۔۔اسی جلتی بجھتی راکھ میں اس کا اور ابرش کا رشتہ بھی راکھ میں اٹھتی چنگاریوں کی نذر ہو جائے گا۔۔۔۔زعیم نے ابرش کی انگلی میں زاران کے نام کی انگوٹھی پر قہر بھری نظر ڈالی۔۔

وہ زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے ابرش کے ہمراہ ہوٹل کے ایک بہت بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں آج کی گرینڈ پارٹی منعقد تھی۔

ابرش مسکراتے ہوئے زعیم کے بزنس سرکل کے لوگوں سے مل رہی تھی۔۔آچانک سے اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

سامنے ہی زاران خانزادہ بلیک ڈنر سوٹ پہنے ایک ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کا گلاس تھامے کچھ لوگوں کے ساتھ کھڑا مسکراتے ہوئے باتیں کر رہا تھا۔۔

زاران کو دیکھتے ہی ابرش کا رنگ فق پڑا تھا۔۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔۔ وہ نامحسوس انداز میں دو قدم پیچھے ہوتے رخ پلٹ گئی۔۔ اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے اپنی گھبراہٹ اور اپنی دھڑکنوں کی ارتعاش پر قابو پانے لگی۔

زاران خانزادہ کا خوف اس پر اس قدر حاوی تھا کہ اس کا دل اسے اپنے کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا تھا۔ نظریں بے اختیار اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی پر ٹھہر گئی تھیں۔

ابرش نے خود پر قابو پاتے رخ پلٹ کر دوبارہ سے زاران کو دیکھا. جو اپنے بزنس سرکل کے لوگوں کی طرف متوجہ ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔۔

ابرش کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔ اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو ایک نظر دیکھتے اپنی گردن کو اپنی انگلیوں سے سہلایا ۔۔ اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں تھیں۔۔ اسے اندازہ تھا اگر زاران اسے ادھر دیکھ لیتا تو یقیناً قیامت آجانی تھی.۔۔

ابرش تیز تیز قدم اٹھاتے ہوٹل ہال سے باہر نکل آئی۔۔ وہ لابی سے گزرتے باہر کھلے آسمان کے نیچے آئی۔ ابرش کو باہر جاتا دیکھ کر زعیم تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا۔

ابرش کہاں جارہی ہو؟۔۔زعیم بھاگتا ہوا ابرش تک پہنچا جو تیز تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہی تھی۔

ابرش زعیم کی پکار پر بھی رکی نہیں تھی۔۔بلکہ اس کے قدموں کی روانی میں تیزی آئی تھی۔۔

زعیم نے ابرش تک پہنچتے اس کے بازو کو اپنے شکنجے میں لیے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔۔

کہاں جارہی ہو؟زعیم اسے اپنے مقابل کرتے غصے سے بولا۔

ابرش نے ناگواری سے اپنا بازو ایک ہی جھٹکے میں زعیم کی گرفت سے چھڑوایا تھا۔

تم جانتے تھے اس پارٹی میں زاران آرہا ہے۔۔ ابرش نے زعیم کو گھورتے ہوے جوابًا سوال کیا۔۔ اسے زعیم کا چھونا پسند نہیں آیا تھا یہ اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا۔

ابرش مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے ؟؟ کیسی باتیں کر رہی ہو ؟؟ زعیم ابرش کی بات سنتا جھنجھلا اٹھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا ابرش زاران کو دیکھ کر ایسے ری ایکٹ کرے گی۔۔

تمھیں پتہ نہیں تھا مگر مجھے تو پتہ ہونا چاہیے تھا کہ اس پارٹی میں زاران خانزادہ آسکتا ہے۔۔ وہ اتنا بڑا بزنس مین ہے۔۔ جب اس شہر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی بزنس میں اس پارٹی میں موجود ہو سکتے ہیں۔۔ تو اس کا یہاں ہونا تعجب خیز تو نہیں۔ مجھے سوچنا چاہیے تھا کہ وہ یہاں موجود ہو سکتا ہے۔ میں یہ بات کیسے اگنور کر سکتی ہوں۔

ابرش نے اپنے گلابی ہونٹ کاٹتے ہوے اپنے میسی جوڑے میں سختی سے ہاتھ ڈالا۔۔جو اور میسی ہوتے اس کے کندھے تک ڈھلک آیا تھا۔

وہ کچھ ہی دیر میں اپنے گلابی ہونٹ کاٹ کاٹ کر قندھاری کر چکی تھی۔۔

اگر وہ اس پارٹی میں ہے بھی تو تمھیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔۔زعیم ابرش کے چہرے پر زاران خانزادہ کا ڈر دیکھ کر دبے انداز میں چیخا۔۔اسے ابرش کا اتنا خوفزدہ ہونا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

ابرش زعیم کی بات کا جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔۔

زعیم جھنجھلاتے ہوے ابرش کی طرف بڑھا۔وہ اپنے پلین پر ابرش کو اتنی آسانی سے پانی نہیں پھیرنے دے سکتا تھا۔۔

ابرش کیا مسئلہ ہے؟؟ تم زاران خانزادہ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟؟ زعیم نے اس کے مقابل آتے سوال کیا۔

میں تمھاری کسی بھی بات کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔۔ مجھے گھر جانا ہے۔۔ ابرش رکھائی سے بولتے آگے بڑھ گئی۔۔

زعیم کے چہرے پر غصے کی حدت سے سرخیاں گھلی تھیں۔

ابرش تم پاگل ہو چکی ہو۔ تم زاران خانزادہ کی وجہ سے پارٹی چھوڑ کر جا رہی ہو۔۔ اور اتنی رات کو اکیلے گھر جاؤ گی۔۔ زحلے چچی کو میں کیا جواب دوں گا۔۔ زعیم نے اس کی طرف بڑھتے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔۔ ابرش نے

پیچھے ہٹتے ہوے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اشارے سے اسے خود کو چھونے سے منع کیا تھا۔۔

زعیم لب بھینچے ابرش سے دو قدم کے فاصلے پر ٹھہر گیا۔

ابرش میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں۔ تم زاران سے اتنا خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو؟؟۔ تم جیسی کانفیڈنٹ لڑکی جو امیریکہ سے آئی ہے۔۔ وہ کسی سے کیسے اتنا ڈر سکتی ہے۔۔ زعیم نے اس سے دو قدم کے فاصلے پر ٹھہرے کہا۔۔

میں زاران خانزادہ سے نہیں ڈر رہی۔۔ میں اپنے اور اس کے بیچ اس رشتے سے ڈر رہی ہوں۔ جو وہ یہ انگوٹھی مجھے پہنا کر قید کر چکا ہے۔

اپنی عزت مجھے کہتا ہے وہ۔۔۔۔مجھے جب اس حلیے میں دیکھے گا وہ بہت برا طرح ری ایکٹ کرے گا۔۔میں پارٹی میں اپنا تماشہ نہیں بنا سکتی۔۔

ابرش اپنی انگوٹھی اسے دکھاتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

تو توڑ دو یہ رشتہ جو تمھارا تماشہ بنائے۔۔۔۔وہ تمھارے قابل نہیں ہے۔

مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔کیا نہیں۔مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔تم مجھے گھر ڈراپ کر سکتے ہو یا نہیں۔ابرش نے آچانک سے برستی ہوئی بارش کو دیکھتے آسمان کی طرف نگاہ کی۔۔جہاں سے جل تھل بارش شروع ہو چکی تھی۔۔ابرش بھاگتے ہوے سائیڈ پر ہوتی ایک طرف بنے ایک شیڈ کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔۔

زعیم اپنے کندھوں پر سے بارش کی بوندیں جھاڑتے ہوے اپنے غصے پر کنٹرول کرتا ابرش کی طرف بڑھا۔۔

ابرش میں سمجھتا ہوں تمھاری بات۔۔۔ لیکن میں یہ پارٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔۔ ورنہ ہمدانی صاحب کو بہت برا لگے گا۔۔ تم جانتی ہو مجھے اپنے پروجیکٹ کے لیے ہمدانی صاحب کی مدد کی کتنی ضرورت ہے۔۔ دیکھو بارش کتنی تیز ہو رہی ہے۔۔ ایسے میں کیب بھی مشکل سے ہی آئے گی۔۔ میں تمھیں اکیلے نہیں جانے دے سکتا.. پلیز اندر چلو۔۔ میں ہمدانی صاحب سے بات کر لوں۔۔ پھر چلتے ہیں۔ زعیم خود کی کیفیت پر قابو پاتے کافی نرمی سے گویا ہوا۔۔

ابرش اندر جانے پر تذبذب کا شکار تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی زاران اسے دیکھے۔۔ وہ زاران کے غصے کا شکار نہیں بننا چاہتی تھی۔ جس نے اسے اس

دن سب کے سامنے چادر اوڑھائی تھی۔ جو پورے پردے کے لباس میں بھی اسے کسی غیر مرد کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ اتنے مردوں کے سامنے اسے اس لباس میں کیسے برداشت کرے گا۔ پھر اسے زاران کی دھمکی یاد آئی تھی جو زعیم کے حوالے سے اس نے دی تھی

پلیز ابرش اندر چلو۔۔۔ زعیم نے ابرش کو سوچوں میں گم دیکھ کر لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔

ابرش گہری سانس بھرتے زعیم کے ہمراہ ہوٹل ہال کی طرف چل پڑی۔۔ ابرش کے پیچھے چلتے زعیم کے لبوں پر گہری شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

ابرش پارٹی میں واپس آ تو چکی تھی۔ مگر وہ ایک طرف ایک کونے میں رکھی ٹیبل اور اس کے گرد رکھے صوفوں کی طرف بڑھی۔۔ ابرش نے صوفے پر بیٹھتے موبائل میں ٹائم دیکھا جہاں رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اسے زعیم کی بات ٹھیک لگی تھی۔ اس وقت اس کا اکیلے جانا مناسب نہیں تھا۔۔ زعیم ابرش کو ایک طرف کونے پر بیٹھا دیکھ کر استھزائیہ مسکراتے ہوئے ڈرنک کاونٹر کی جانب بڑھ گیا۔۔

ہال میں گونجتے گانے کے لرعکس پر ابرش کی نظریں بے اختیار زاران خانزادہ کی طرف اٹھیں تھیں۔ وہ بلیک ڈنر سوٹ میں انتہائی ڈیشنگ لگ رہا تھا۔۔ ابرش کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔

ابرش کا دل اس گانے کے لرعکس میں الجھا تھا۔

تیری ہو کہ مراں

جند جان کراں

ہیریے ہیریے آ

نیند اں وے ٹوٹ ٹوٹ گیا

سوچاں وچ تیرے پیاں

ساری ساری رات جگائے

یاداں نوں ذکر تیرا ہانیاں

تیری ہو کہ مراں

جند جان کراں

وہ یہ لرعکس سنتے اپنی سوچوں میں گم تھی کہ زعیم اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

۔

ابرش نے چونکتے ہوے زعیم کو دیکھا جو مسکراتے ہوے اسے دیکھ رہا تھا۔

چلیں زعیم۔۔۔ابرش زعیم کو دیکھتے فوراً ٹیبل سے کھڑی ہوئی۔۔

ہاں چلو۔۔۔زعیم بھی کرسی سے کھڑا ہوا تھا۔۔

زعیم کیسے ہو تم؟؟۔۔زعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھے کسی نے پکارا تو زعیم نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔جہاں اس کا دوست شہریار اور اس کی گرل فرینڈ ماریہ کھڑے تھے۔

شہریار کو دیکھتے زعیم نے آنکھ ماری تھی۔۔شہریار نے بھی ذو معنی اشارہ کیا تھا۔دونوں مسکراتے ہوے بغل گیر ہوے۔۔

ماریہ ابرش کے گلے لگی تھی۔

شہریار یہ ابرش ہیں میری کزن۔۔اور ابرش یہ میرا یونیورسٹی فرینڈ اور اس کی گرل فرینڈ ماریہ۔۔۔زعیم نے تعارف کروایا۔

ابرش نے مسکراتے ہوے سر ہلایا تھا۔

شہریار اور ماریہ ان کے سامنے ہی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔۔زعیم ابرش کو دو منٹ کا اشارہ کرتے واپس اپنی جگہ پر براجمان ہوا۔

ابرش گہری سانس بھرتے واپس اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔

اسی اثناء میں ویٹر ان کی ٹیبل کی طرف ڈرنک کے گلاس لے کر حاضر ہوا۔ جس میں دو جوس کے گلاس دو ڈرنک کے گلاس تھے۔

ویٹر نے زعیم اور شہریار کے سامنے حرام مشروب کے گلاس رکھے تھے۔اور ابرش اور ماریہ کے سامنے جوس کے گلاس رکھے تھے۔

سب نے اپنے اپنے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگائے۔۔

ابرش آپ بھی لیں۔یہ آپ کے لیے ہی ہے۔۔ماریہ نے گلاس اٹھا کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔

ابرش نے شکریہ کے ساتھ وہ گلاس تھاما۔۔

ابرش گلاس ہاتھوں میں تھامے جوس کے گھونٹ گھونٹ بھرتے اپنے حلق میں اتارنے لگی۔

ابرش کو جوس کے گھونٹ بھرتا دیکھ کر شہریار نے زعیم کو "تھمبس ڈاؤن" کا اشارہ کیا۔زعیم کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

موبائل رنگنگ پر شہریار ایکسکیوزمی کرتا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ماریہ بھی مسکراتے ہوئے سب سے ایکسکیوز کرتے شہریار کے پیچھے چلی گئی تھی۔

زعیم اب اپنا گلاس لبوں سے لگائے ابرش کو دیکھ رہا تھا جو آدھے سے زیادہ گلاس خالی کر چکی تھی۔۔

اس نے جوس میں نشہ آور گولیاں ملائی تھیں۔۔ جس کا اثر ہونے کے بعد ابرش نے اپنے حواس میں نہیں رہنا تھا۔۔

اور وہ نشے میں پارٹی میں تماشہ کرتی۔ جو زاران خانزادہ کی غیرت پر کاری وار ہوتا تو وہ یقیناً ابرش سے اپنا ہر رشتہ ختم کر لیتا۔۔ اگر ابرش پارٹی میں تماشہ نہ بھی کرتی تو زعیم کا آج ابرش کو پوری طرح اپنانے کا آرادہ تھا تاکہ ابرش ہر صورت میں اسی کی ہو جائے۔۔ وہ کسی اور کے پاس جانے کے قابل نہ رہے۔ اپنی عزت گنوا کر ابرش کے پاس اس سے شادی کرنے کا کوئی چارہ نہ رہتا۔

دیکھتا ہوں اب کیسے بناتا ہے وہ تمھیں اپنی عزت۔۔۔ تم صرف زعیم عباسی کی ہو۔۔ زعیم نے کرسی سے ٹیک لگائے ابرش کو دیکھا جو اپنی آنکھیں کھولتے بند کرتے اپنے سر کو جھٹک رہی تھی۔۔

ابرش نے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھاما۔۔ اسے چکر سے آرہے تھے۔ ہر چیز گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔

زعیم۔۔۔۔ ابرش نے نشے میں ڈوبی آواز میں زعیم کو پکارا۔۔ جس کا چہرہ اسے دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

ابرش نے اپنے سر کو جھٹکتے اپنے سامنے رکھے باقی بچے ہوے آدھے جوس کے گلاس کو لبوں سے لگاتے ایک ہی سانس میں خالی کر ڈالا تھا۔

گلاس خالی کرنے کے بعد اس نے وہ گلاس ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھا۔

اپنے گھومتے سر کو دونوں ہاتھوں میں پھر سے تھاما تھا۔۔

زعیم کے لبوں پر مسکراہٹ لمحہ بالمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ کی نظر پارٹی میں آئے ہوے زعیم کی طرف کب سے تھی۔زعیم ابرش کا کزن ہے۔اور ابرش کی ہی سوسائٹی میں رہتا ہے۔۔زعیم زاران خانزادہ کی چیکنگ لسٹ پر سب سے اوپر تھا۔۔ابرش اس کے منع کرنے کے باوجود ابھی تک زعیم کے آفس میں کام کر رہی تھی۔یہ زاران خانزادہ کے لیے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔۔مگر وہ ابرش پر اختیار نہ رکھنے کے باعث خاموش ہو گیا تھا۔۔مگر اس کی زعیم کی ہر حرکت پر گہری نظر تھی۔

ابرش کبھی بھی اس پارٹی میں نہیں آ سکتی۔زاران خانزادہ کو اس بات کا پورا یقین تھا۔اس لیے وہ کافی ریلیکس تھا اس وقت۔۔مگر زعیم کو ادھر موجود دیکھ کر اس کا رواں رواں زعیم کی طرف متوجہ ہوا۔

اس نے زعیم کے ساتھ ایک لڑکی کو بھی دیکھا تھا۔جو ساڑھی میں ملبوس تھی۔مگر وہ اسے اس کی پشت سے ہی دیکھ سکا تھا۔۔

زاران اپنے دوست حمزہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھا کہ اس کی دور بیٹھے زعیم کی طرف نظر پڑی جو ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں پکڑے مسکرا رہا تھا۔۔اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔

زاران کو زعیم کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ نے چونکایا تھا۔۔وہ سر جھٹکتا حمزہ کی طرف متوجہ ہوا۔اسی اثناء میں اس لڑکی نے اپنا سر اوپر اٹھایا

تھا۔۔اس کے چہرے پر نظر پڑتے زاران کا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔

آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

ابرش۔۔۔۔زاران کے لبوں نے ہلکی سی جنبش کرتے یہ نام بے یقینی سے دہرایا۔اس کے مضبوط مردانہ قدم لڑکھڑائے تھے۔۔۔چہرہ لہو چھلکاتے اپنا ظبط کھونے لگا۔۔زاران کی گرفت ہاتھ میں پکڑے گلاس پر مضبوط ہوئی تھی۔۔

ابرش اپنی پلکیں جھپکتے بمشکل ہی اپنی آنکھیں کھولے ہوے تھی۔۔

زعیم۔۔۔ابرش زعیم کو پکارتے اپنی جگہ سے اٹھی۔ مگر وہ لڑکھڑاتے ہوے صوفے پر گر چکی تھی۔

کیا ہوا ابرش؟؟ زعیم اپنی آواز میں پریشانی سموئے ابرش کو گہری نظروں سے دیکھتے اس کے قریب ہوا۔۔زعیم کے ہاتھ میں موجود ڈرنک کا گلاس چھلک کر ابرش کی ساڑھی پر گرتے اس کی ساڑھی کے بلاوز اور پلو کو خراب کر چکا تھا۔۔زعیم کی گہری نظر اس کی دودھیا شفاف گردن پر تھی۔۔جہاں سے ڈرنک قطرے کی دھار کی طرح بہتا ابرش کے بلاوز کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا۔۔زعیم کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں۔ہونٹوں پر زبان پھیرتے وہ ابرش کو تھامنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھا۔

زاران کی آنکھیں یہ سب دیکھتے خون چھلکانے لگیں۔۔گلاس ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔۔

زاران تیز تیز قدموں سے ان دونوں کی طرف بڑھا۔۔

ابرش کی طرف بڑھتے زعیم کے ہاتھ پر زاران خانزادہ کی مضبوط پکڑ آن ٹھہری۔۔

اپنی سرخ آنکھوں کے اشارے سے سر نفی میں ہلاتے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیتے ابرش سے دور رہنے کی تنبیہ کی۔

زاران خانزادہ کی آنکھوں سے لہو ٹپکتا دیکھ کر زعیم دو قدم پیچھے ہو گیا۔

وہ ابرش کی کنڈیشن کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں تو اس لیے۔۔ زاران خانزادہ کی بارعب پرسنیلٹی اور اس کے کسرتی وزشی باڈی کا کمال تھا۔ وہ منمناتے ہوے وضاحت دینے لگا۔

خبردار۔۔۔۔۔ تم نے کبھی بھی اسے اپنے ناپاک ہاتھوں سے چھوا بھی۔۔۔۔ زران زعیم کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھتے سخت لہجے میں وارن کرتے بولا۔۔ ابرش کو بازو سے جکڑتے اسے صوفے سے اٹھاتے اپنے مقابل کیا جو پلکیں جھپکاتے اپنی سرخ مدہوش آنکھوں سے بے یقینی سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

اس کی خمار آلود نشے میں ڈوبی آنکھوں میں زاران خانزادہ کو دیکھ کر خوف لہرایا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے سہارے کھڑی زاران خانزادہ کو بے

یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زاران کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے زاران کے سینے کے ساتھ لپٹ پڑی۔۔

اس کے سینے کے ساتھ لپٹنے پر زاران خانزادہ کے ماتھے کے بل پہلے سے بھی زیادہ گہرے ہوئے تھے۔ اس کے خون میں ابال اٹھے تھے۔ اپنے سینے پر اس کے نازک وجود کی دلکشی محسوس کرتے زاران کا دل کیا تھا ایک ہی جھٹکے سے اسے خود سے علیحدہ کر کے اس کے بخیے ادھیڑ دے۔۔۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنے بدن کی رعنائیوں سے زعیم کی حوس پرست آنکھوں کی پیاس بجھا رہی تھی۔۔ وہ ہوش میں ہوتی تو زاران خانزادہ یقیناً اس کے ساتھ کچھ ایسا ہی کرتا۔۔ چھوڑنے کا آرادہ تو وہ ابھی بھی نہیں رکھتا تھا۔

زاران تم کون ہوتے ہو؟؟ مجھے ابرش سے دور رہنے کو کہنے والے۔۔۔۔

ابرش کو زاران کے سینے پر سر رکھے دیکھ کر وہ غصے سے ابرش کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے زاران خانزادہ کے غیض و غضب کو دعوت دے گیا تھا۔

وہ ابرش کی عزت کی خاطر خود پر کنٹرول کیے ہوے تھا مزید خود پر قابو نہ رکھ سکا۔

زاران نے الٹے ہاتھ سے پوری قوت سے زعیم کے گال پر اپنے بھاری ہاتھ کا نشان چھوڑا۔۔

زعیم کو پڑنے والے تھپڑ پر ابرش نے زاران کے سینے سے سر اٹھا کر ایک نظر زعیم کو دیکھا جو اپنے پھٹے ہوے ہونٹ پر ٹشو پیپر رکھے ہوے تھا۔ دوسری نظر زاران کو دیکھا جو ابھی تک زعیم کو گھور رہا تھا۔

ابرش کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔۔

مم۔۔۔۔مجھے بھی مارو گے۔۔۔ابرش نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچتے ہرنی کی طرح سہمتے ہوے معصومیت سے پوچھا۔۔

زاران خانزادہ کے لب مزید بھینچے تھے۔۔اس نے بے اختیار سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

زاران کے سر کو نفی میں ہلتا دیکھ کر وہ مسکراتے ہوے اس کے سینے سے لپٹتے اس کے سینے پر اپنا سر رکھ گئی۔وہ اس کی شرٹ کو اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں دبوچے مسکراتے ہوے اس کے سینے سے لپٹے کھڑی تھی۔

زعیم یہ منظر دیکھ کر اپنی سدھ بدھ کھو رہا تھا۔۔ابرش اس کے سامنے کھڑی زاران خانزادہ کے سینے کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔

زاران خانزادہ کے بھاری ہاتھ سے اس کا ہونٹ زخمی ہو چکا تھا۔

زعیم نے سبکی سے سرخ پڑتے ہال میں چاروں اطراف چور نظریں دوڑائیں

۔۔

کوئی نہیں متوجہ تمھاری طرف۔۔۔۔۔ مگر اب تم نے ایک بار اور اپنی گندی زبان سے ابرش کا نام بھی لیا تو تمھارا وہ حال کروں گا۔ پارٹی میں آیا ہوا ایک ایک انسان تمھاری درگت بنتے دیکھے گا۔۔ زاران ابرش کو اپنے سینے کے ساتھ سختی سے لگائے زعیم کو دیکھتے غرایا۔۔

وہ اسے وارن کرتے ابرش کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے کی جانب بڑھا۔۔۔ دو قدم چلنے کے بعد وہ دوبارہ سے زعیم کی طرف پلٹا تھا۔

ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ اگر ابرش کی حالت کے ذمہ دار تم ہوے تو۔۔۔ تم اس دنیا میں بھی رہنے کے قابل نہیں رہو گے۔

زمین کے نیچے دو گز جگہ کو بھی تمھارے غلیظ وجود کا حصہ بننے نہیں دوں گا۔۔۔ زاران زعیم پر اپنی سرد سپاٹ نظریں گاڑتا ہوا بولا۔۔۔ ابرش کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے وہ ہال سے باہر نکل گیا تھا۔

زاران ابرش کی حالت دیکھتا خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی ہر تھوڑی دیر بعد اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے مسکراتے ہوے دیکھتی۔ اور پھر اس کے سینے کے ساتھ لگے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیتی۔۔

زاران اپنا ماتھا مسلتے ہوے بہت پریشان ہوا تھا۔۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا ابرش کو لے کر کہاں جائے۔۔ابرش کی حالت دیکھتے لگ رہا تھا۔وقت کے ساتھ اس کا خود پر کنٹرول ختم ہو جانا تھا۔۔نشہ اس پر مزید حاوی ہو جانا ہے۔وہ اسے گھر نہیں ڈراپ کر سکتا تھا۔۔زحلے یہ سب برداشت نہ کر سکتی ۔۔

مگر آج پہلی مرتبہ زاران کو زحلے پر شدید غصہ آیا تھا۔

زحلے کیسے ابرش کو زعیم کے ساتھ رات کے اس پہر جانے کی آجازت دے سکتی ہے۔وہ بھی اس لباس میں۔۔

زاران کی نظر اس کی نازک کمر پر پڑی تھی۔۔جو بلاوز سے نیچے تھوڑا سا جھانکتی اپنا دیدار کروا رہی تھی۔

ابرش کو ایسے بے پردہ دیکھ کر زاران کے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔ وہ اپنی مٹھیاں دبوچے ضبط کی انتہا پر تھا۔

زاران ابرش کو لیے ہوٹل ہال سے باہر آیا۔۔ بارش نے تیزی اختیار کر لی تھی۔

وہ اسے لیے ایک کونے کی طرف آیا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کے بزنس سرکل سے کسی کی بھی نظر ابرش پر پڑے۔ وہ ابرش کو ساتھ لیے ریسیپشن تک بھی نہیں جا سکتا تھا۔۔

کچھ سوچ کر اپنی پاکٹ سے فون نکالتے اپنے دوست حمزہ کو کال ملائی۔۔

حمزہ۔۔۔مجھے اس ہوٹل میں ایک کمرہ چاہیے۔۔ خیریت ہی ہے۔۔۔۔مجھے ابھی اور اسی ٹائم ایک کمرہ بک کرواکے دو۔۔زاران درشت لہجے میں اس کی بات کاٹتے فون بند کر چکا تھا۔۔

تھوڑی دیر بعد حمزہ ہوٹل کے کمرے کی کیز ہاتھوں میں پکڑے زاران خانزادہ کی طرف آیا جو ہوٹل کی لابی میں کسی دوشیزہ کو اپنی بانہوں میں لیے کھڑا تھا۔۔

زاران خانزادہ اور کسی لڑکی کے ساتھ وہ بھی ایسے۔۔یہ بات ہضم کرنا خاصا مشکل تھا۔

زاران خانزادہ کے قریب آنے پر۔۔۔۔وہ ابرش کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا ۔۔وہ زعیم عباسی کے ساتھ کچھ دیر پہلے پارٹی میں آئی تھی۔

زاران یہ کون ہے ؟؟۔۔ حمزہ کا لہجہ متجسس لیے ہوے تھا۔

کیز دو مجھے۔۔ زاران نے حمزہ کے ہاتھ سے کیز جھپٹنے کے انداز میں لی۔۔ وہ ابرش کو اپنے سینے کے ساتھ لگائے تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔

۔۔۔

مدہوش کن نشیلی آواز اس کی سماعتوں میں پگھلے ہوے سیسے کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔

ابرش اس کے سینے کے ساتھ لگی مسلسل مدہوشی کے عالم میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔۔۔

زاران اسے لیے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی زاران نے ابرش کو پوری قوت سے بیڈ پر دھکا دیا تھا۔۔ وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری۔۔ رخ پلٹے اس نے زاران کو بے یقین نگاہوں سے دیکھا۔

تم نے مجھے کہا تھا کہ تم مجھے مارو گے نہیں۔۔ ابرش اٹھ کر بیٹھتے ہوے پیچھے کو کھسکتی بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔

اب وہ سہمی ہوئی ہرنی کی طرح اپنی مدہوش کن نگاہوں سے بنا پلکیں جھپکائے زاران خانزادہ کو دیکھے جا رہی تھی۔۔ جو خون آشام نگاہوں سے گھورتے اس کے نازک دل کی دھڑکنیں بڑھا رہا تھا۔۔ ابرش نے زور سے آنکھیں کھولتے بند کرتے اپنی دھڑکنوں کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

دیکھو تم نے مجھے کتنا ڈرا دیا ہے۔۔ میرا دل تیز تیز دھڑک رہا ہے۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش نے بچوں کی طرح نچلا ہونٹ باہر نکالتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔

زاران کی نظر بے اختیار اس کے نازک وجود پر اٹھی تھی۔۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے زعیم اپنی نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔ زاران نے غصے سے دیوار پر مکہ دے مارا۔

میرا اندازہ تمھارے بارے میں بلکل ٹھیک تھا۔ تم اجڈ گنوار وحشی ہو۔۔۔ مجھے دھکا دیتے تمھیں ذرا ترس نہیں آیا مجھ پر۔۔۔ زاران کے دیوار پر مکہ مارنے پر وہ جی جان سے لرز اٹھی تھی۔ اس لیے زاران کی طرف مدہوش کن نگاہوں سے دیکھتے اسے بھیگے لہجے میں جتایا۔

تم ترس کھانے کی بات کر رہی ہو۔ میرا دل کر رہا ہے تمھیں زندہ زمین میں دفن کر دوں۔۔ زاران اس کی طرف بڑھتے اپنا ایک گھٹنہ اس کے ایک طرف رکھتے اس کا جبڑہ سختی سے دبوچ گیا۔۔

کبھی کبھی تو میرا دل کرتا ہے۔۔ تمھیں اپنے وحشی پن سے اچھی طرح روشناس کروادوں۔۔ تمھیں بھی پتہ چلے جب ایک مرد وحشت اور اپنے گنوار پن پر آتا ہے تو تم جیسی نازک لڑکی کو کیسا محسوس ہوتا ہے۔

ابرش کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر زاران نے اسے چھوڑا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگا ہی تھا کہ ابرش اسے شرٹ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے سختی سے جکڑے اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔

اسے ابرش سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔۔ وہ اپنے پورے وزن کے ساتھ اس پر آگرا تھا۔۔۔ اس کا نازک وجود اس کے چوڑے وجود میں چھپ گیا تھا۔ زاران جلدی سے اس کے اوپر سے اٹھا۔ مگر ابرش اس کی کوشش کو ناکام بناتے اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر چکی تھی۔

ابرش یہ کیا کر رہی ہو؟؟ چھوڑو مجھے۔۔ زاران اس کے چہرے پر جھکا سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

وہ اس کے بے انتہا قریب تھا۔۔ زاران کی نرم گرم سانسیں ابرش کے گلابی لبوں پر بکھر رہی تھیں۔

زاران کے پورے بدن میں سپارک سا ہوا۔۔ وہ چاہتا تو خود کو بہت آسانی سے ابرش کی گرفت سے چھڑوا سکتا تھا۔۔ مگر ابرش کی بے پناہ خوبصورتی اسے ایسا کرنے نہیں دے رہی تھی۔۔ وہ بے پناہ خوبصورت تھی اتنی خوبصورت کہ زاران خانزادہ جیسا مغرور انسان پہلی مرتبہ بے بس ہوتے خود پر اختیار کھو رہا تھا۔

ابرش کی اتنی نزدیکی اس کے اوسان خطا کر چکی تھی۔۔ اس کی سانسوں کی خوشبو میں وہ الجھا تھا۔۔ اس کے جسم سے اٹھتی مہک سے زاران کے جذبات اس کے قابو سے باہر ہوے تھے۔۔ ابرش کی آنکھوں کی مدہوشی اور سرخی جیسے زاران خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی کا حصہ بنی تھی۔ اس کی دل کی دھڑکنیں تک زاران خانزادہ کے سینے کا حصہ بنتی اسے خود میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

زاران نے خمار بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

کیا چاہتی ہو۔؟؟۔زاران کی آواز بھاری ہوئی تھی۔۔زاران کے لب ابرش کے لبوں سے ٹکرانے کو بے قرار ہوے تھے۔

دونوں کی سانسیں تیز ہوتی ایک دوسرے کی سانسوں میں الجھی تھیں۔

تمھیں چاہتی ہوں۔۔ابرش کی نم آواز پر زاران کی مدہوش کن آنکھوں میں بے یقینی کی لہریں ابھریں۔۔

کیا کہا تم نے؟؟زاران نے بے یقینی سے بولتے ابرش کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھنسائیں۔

ابرش نے سائیڈ پلٹتے زاران کو بیڈ پر دھکا دیا تھا۔۔

زاران مسکراتے ہوے بیڈ پر گرنے والے انداز میں لیٹے نازک حسینہ کی بے باک حرکتیں دیکھنے لگا۔ جو آج اسے مدہوش کر رہی تھیں۔ ابرش اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے اس کے چہرے کے قریب ہوئی۔

زاران کی شرٹ کے بٹن کے ساتھ کھیلتے زاران کو دیکھا جو اسے ہی سرخ بوجھل نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

میں ابرش پاشا اقرار کرتی ہوں۔۔ میں مسٹر خانزادہ سے پیار کرتی ہوں۔۔ بہت پیار کرتی ہوں۔۔ ابرش نے نظریں جھکائے مسکراتے ہوے کہا تو زاران خانزادہ کے لب گہرا مسکرائے تھے۔

لیکن میں تم سے نکاح نہیں کر سکتی۔ ابرش کی آنکھیں نم ہوئیں۔

کیوں نہیں کر سکتی؟؟۔۔زاران نے طمانیت سے مسکراتے ہوے معصومیت سے پوچھا۔

کیونکہ مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔۔ تمھارے غصے سے ڈر لگتا ہے۔۔ابرش نے روہانسے ہوتے کہا۔

لیکن میں نے کب تم پر غصہ کیا؟؟۔۔زاران کے معصومیت بھرے سوال پر گہرے نشے میں بھی ابرش کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹنے کی حد تک کھل گئیں۔ان آنکھوں میں حیرت کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔جسے دیکھتے زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

یہ پوچھو تم نے کب مجھ پر غصہ نہیں کیا؟؟ابرش نے اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

کب نہیں کیا؟؟ زاران نے نرمی سے اس کے گال پر اپنی انگلیاں پھیرتے اس کی نرماہٹیں محسوس کیں۔

ایسا کوئی لمحہ مجھے یاد ہی نہیں۔۔۔ جب تم نے مجھ پر غصہ نہ کیا ہو۔۔ ابرش کی شہد رنگ آنکھوں میں گہرے شکوے پنہاں تھے۔۔

میں نے پیار کا اظہار بھی تو کیا تھا۔۔ زاران اس کی آنکھوں کی نمی میں چھپے شکوے اور ناراضگی کو بغور دیکھتے بولا۔۔

وہ اظہار نہیں تھا۔ عمر قید تھی جو تم مجھے سنا رہے تھے۔ ابرش زاران کے سینے پر سر رکھ کر اب آنکھیں موند چکی تھی۔

میں تمھیں اپنی بانہوں میں عمر بھر کے لیے ہی قید رکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم محبت میں میری پناہوں کی عمر قید قبول نہیں کر سکتی؟؟ زاران کے بھاری لہجے میں کیے گئے سوال پر ابرش نے سینے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔۔

ابرش کی مدہوش کن نگاہوں کو دیکھتے زاران خانزادہ کی آنکھیں مزید خمار آلود ہوئیں۔ پورے بدن میں سپارک سا محسوس ہوا۔۔ زاران خانزادہ کے جذباتوں میں طوفان امڈ آیا تھا۔ جیسے خود پر کنٹرول ختم ہوا تھا۔۔ وہ بے اختیاری میں اس کے ہونٹوں کی طرف اپنا انگوٹھا بڑھاتے نرمی سے سہلانے لگا۔

تم مجھے شادی کے بعد مارو گے۔۔۔ ابرش نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اپنی طرف کھینچتے سوال داغا۔

میں کیوں ماروں گا تمھیں؟؟زاران نے مسکراتے ہوے الٹا سوال کیا۔۔ساتھ میں ہاتھ بڑھا کر اس کا سائیڈ جوڑا کھول دیا تھا۔۔ابرش کے سلکی بال اس کی کمر اور چہرے کے اطراف میں بکھرے۔۔زاران نے بہت نرمی سے اس کے بال اس کے کان کے پیچھے اڑسے۔۔

کیونکہ تم نے بابرک کو بھی مارا تھا۔۔ابرش نے اسے اس کا ظالمانہ ایکٹ یاد کروایا۔۔جس کے باعث وہ اس سے کتنا ڈر گئی تھی۔

اسے تو اس لیے مارا تھا۔کیونکہ اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔زاران نے اس کے کان کے اویزے کو اب نرمی سے چھیڑا۔۔

میں غلطی کروں گی تو مجھے بھی تو مارو گے۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے اپنی بات پر قائم تھی۔

تم نے آج کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ میں نے تو تمھیں نہیں مارا۔۔ زاران نے اس کی سرخ مدہوش کن آنکھوں میں جھانکتے اپنا لب دانتوں تلے دبایا۔۔ وہ اپنی معصومیت اپنی اداؤں سے اس کا دل دھڑکاتے اسے اپنا مزید دیوانہ بنا رہی تھی۔

کونسی غلطی کی میں نے ؟؟؟۔۔ ابرش نے معصومیت سے پوچھتے اپنی آنکھیں جھپکتے ہوے سر کو دائیں بائیں جھٹکا دیا۔۔۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

زاران کی نظر اس کی ساڑھی کے پلو سے نظر آتے اس کے بلاوز کی طرف اٹھیں۔۔۔ جس کی جدید تراش خراش اور بے حد فٹنگ میں اس کی رعنائیاں پورے جوبن پر تھیں۔۔

زاران کا چہرہ یکدم لہو چھلکانے لگا تھا۔ سارا خمار بھک سے اڑا تھا۔ زعیم کی آنکھیں یاد آئیں جن میں صرف ابرش کے لیے حوس تھی۔

زاران نے اس کے بالوں کو پیچھے اسے اپنی گرفت میں لیتے اس کا چہرہ اپنے روبرو کیا۔

کیسے کر سکتی ہو ابرش تم یہ ؟؟ کیسے تم اس پارٹی میں یہ گھٹیا لباس پہن کر آ سکتی ہو ؟؟ کیا کہا تھا تم سے میں نے کہ میری عزت ہو۔۔۔ تم نے میری کسی

بات کا مان نہیں رکھا۔۔ تم اس زعیم کے ساتھ اس پارٹی میں چلی آئی۔۔ اور تم نے ڈرنک بھی کی؟؟ کیوں کیا تم نے ایسا بولو جواب دو؟؟۔۔ زاران خانزادہ اس کا چہرہ اپنے روبرو کرتے دھاڑا۔

ابرش اس کی دھاڑ پر لرزی تھی۔

تم مجھے ہرٹ کر رہے ہو؟؟ ابرش نے ہچکی لی تھی۔۔

تم نہیں آپ بولو۔۔۔۔ ورنہ تمھیں آج ہرٹ کا اصل مطلب بتاؤں گا۔۔ ہرٹ ہونا کہتے کسے ہیں۔ وہ اس کے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غرایا ۔زاران بھول ہی نہیں پا رہا تھا کہ جب زعیم اس کے پاس بیٹھا اس کے بدن پر اپنی غلیظ نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ بہت برے ہیں۔۔۔ ابرش نے درد سے سسکی لیتے اس کے سینے پر سر رکھا۔

زاران گہرا سانس بھرتے اپنے غصے پر کنٹرول کرنے لگا۔۔ ابرش کا سر اپنے سینے پر محسوس کرتے اس کا دل پہلو میں دھڑکنے لگا تھا۔ اس کا نازک پھولوں کی ڈالی سا مہکتا وجود اس کے بدن کا حصہ بنا ہوا تھا۔ وہ اپنا سارا بوجھ اس پر ڈالے ہوے تھی۔

وہ اس کے بالوں پر اپنی گرفت نرم کرتے اس کے بالوں پر نرمی سے اپنی انگلیاں چلانے لگا۔۔ وہ اپنی مسحور کن قربت سے اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔ وہ پھر سے نرم پڑا تھا۔۔ اسے محسوس ہوا تھا ابرش کی قربت اس کی کمزوری ہے۔۔۔ یہ نازک اندام لڑکی اسے اپنے جادوئی سحر میں پوری طرح جکڑ چکی تھی۔

ابرش نے اس کے سینے پر اپنے لب نرمی سے رکھے تو زاران خانزادہ کے دل میں پنپتے جذبات بھڑک کر شعلہ اختیار کر گئے۔۔۔ پورا وجود پسینے میں تر ہوا۔۔

زاران کا خود پر کنٹرول ختم ہوا تھا۔۔ وہ اسے بانہوں میں لیے رخ پلٹ گیا۔۔ ابرش کے چہرے پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرتے وہ اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھ گیا۔

ابرش نے اس کے لمس پر اپنی آنکھیں بند کیں۔۔ زاران اس کے گال پر اب نرمی سے اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ وہ اس کی گردن میں اپنا منہ چھپائے گہرے سانس لیتے اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگا۔۔ ابرش کی انگلیاں اپنے بالوں میں چلتی محسوس کر کے وہ کرنٹ کھا کر اس سے تھوڑا دور

ہوا۔۔ ابرش کے چہرے کو بغور دیکھا وہ مدہوش سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زاران کی نظریں اس کے گلابی لبوں پر تھیں۔۔ بہکتے پیاسے جذبات اب اس کے کنٹرول میں نہ تھے۔۔ وہ دیوانہ بے قرار ہوا تھا اس کے آنگ انگ کو چھو کر اس میں سمانے کو۔۔۔ زاران اپنا ماتھا اس کے ماتھے کے ساتھ ٹکائے اس کے قریب ہوا۔

زاران خانزادہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔۔ اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ میری محبت اتنی کمزور نہیں جو کسی کمزور لمحے کے اثر میں آتے اپنی ہی محبت کا غرور مان سب کچھ اس سے چھین لے۔

لیکن عنقریب تمھیں بتاؤں گا۔۔ تم میرے لیے کیا ہو۔ تم میرا جنون ہو ۔۔۔ میرا عشق ہو۔۔ تب تم میری شدتیں سہہ نہیں سکو گی۔۔ میری جان۔۔۔۔ مگر آج وہ رات اور وہ لمحات نہیں آئے۔۔ قسم خدا کی۔۔۔۔۔۔

آج اگر تم میرے نکاح میں ہوتی تمھارے ہوش میں اس طرح ٹھکانے لگاتا کہ تم دوبارہ کبھی نشے کی حالت میں بھی میرے پاس آتے ہوئے سو بار سوچتی۔۔زاران اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھتے گھمبیر لہجے میں بولتے اس سے علیحدہ ہوا۔۔وہ اس کے اوپر سے اٹھتے بیڈ سے نیچے اترا۔۔وہ بنا ابرش کی طرف دیکھے واش روم کی طرف بڑھ گیا..

وہ کافی دیر بعد واش روم سے باہر آیا تو اس کی آنکھیں شدید سرخ تھیں۔۔۔وہ کافی دیر تک واش روم کے بیسن کے آگے کھڑا اپنی سرخ نشیلی آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارتا رہا۔۔۔بن پیے بھی انسان بہک سکتا

ہے۔ یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔۔ وہ اس کی نشیلی آنکھوں میں ڈوبتے مدہوش ہو چکا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ وہ خود کے جذبات پر کنٹرول کھو رہا تھا۔ اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہوا تھا۔ اس نازک خوبصورت وجود سے دور ہونا کسی ننگی تلوار پر چلنے کے مترداف ثابت ہوا تھا۔۔ وہ انسان تھا فرشتہ نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اس پر اثر نہ کرتا۔۔ اس کی ول پاور بہت مضبوط تھی۔۔ مگر ابرش تو آج اس کی ول پاور تک کمزور کر چکی تھی۔ مگر وہ اپنی محبت کی خاطر ہی اس سے دور ہو گیا تھا۔۔۔

وہ نشے میں اسے اپنا آپ سونپ بھی دیتی۔ لیکن کل صبح جب اس کا خمار اترتا تو وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہتی۔۔ اپنی محبت اپنی عزت کی جھکی نظریں وہ کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ ابرش کے نشے میں ہونے کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔۔ ابرش اپنے سینسیز میں نہیں تھی۔ مگر وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں تھا۔۔ اس کی محبت نے اسے یہ سب کرنے نہ دیا تھا۔ وہ اسے عزت کہتا نہیں تھا مانتا بھی تھا۔۔ زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے لب سختی سے دانتوں میں پیوست کیے ابرش کی طرف بڑھا جو بیڈ پر آڑھی

ترچھی حالت میں گہری نیند میں محو تھی۔۔۔ مدھم سے سانسوں کے زیر و بم سے اس کا نازک وجود ارتعاش لیے ہوے تھا۔۔

اس کی ساڑھی کا پلو اس کے کندھے سے ریموو ہوتے زمین پر پڑا تھا۔ زاران نے اس کے دلکش وجود کی رعنائیوں سے نظریں چراتے کمبل اس کے وجود پر دیا۔۔ اور خود کمرے میں رکھے صوفے کی طرف بڑھ گیا۔۔

اپنا کوٹ اتار کر بیڈ پر اچھالا۔۔ اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے" اپنے کف لنکس نکال کر اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے۔ وہ صوفے پر بیٹھتے اپنی سرخ آنکھیں مسلنے لگا۔

زعیم ابرش کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟؟۔۔ کیا ابرش نے خود ڈرنک کی تھی۔؟؟ یا پھر زعیم نے اس کی ڈرنک میں کچھ ملایا تھا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا؟؟ زاران نے اپنا ماتھا مسلتے سوچا۔۔

زعیم کو وہ چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ ابرش کی آج کی حرکت کے بعد جلد از جلد وہ اسے اپنے نکاح میں لینا چاہتا تھا۔ زعیم ابرش کو مزید نقصان پہنچا سکتا تھا۔۔ یہ پاگل لڑکی اپنی فضول سی ضد اور بلاوجہ کے ڈر سے خود کو مشکل میں ڈال سکتی تھی۔

ابرش کے محبت کے اظہار کے باوجود اس کا دل جلتے شعلوں کی نذر تھا۔۔اس کی ابرش اس کی منگیتر یہاں اس پارٹی میں ساڑھی میں لپٹی نشے کی حالت میں اسے ملی تھی۔

وہ اس کے چہرے پر بھی اب کسی کی نظر پڑنا گوارا نہیں کرتا تھا۔اور وہ اس حلیے میں پارٹی میں چلی آئی۔۔اگر زعیم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو کیا رہ جاتا زاران کے پاس۔۔۔وہ تو بے موت مر جاتا۔۔۔۔

زاران صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔اس کا غصہ لمحہ بالمحہ ابرش پر بڑھتا جا رہا تھا۔

بھاری ہوتے سر کو ہاتھوں میں تھامے اس نے بمشکل ہی اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔تکیے پر سر پٹختے اس نے کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔۔اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا۔وہ ہاتھوں کے سہارے بیڈ کا سہارا لیے اٹھ کر بیٹھی۔۔بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موند گئی جو کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اپنی آنکھوں کو بمشکل حرکت دیتے انھیں کھولتے کمرے میں پھر سے نظریں دوڑائیں۔۔ابرش کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔کچھ اجنبی سا۔۔۔

آنکھیں کھولتے کمرے میں نظریں دوڑاتے اسے چکر سا آیا تھا۔سر میں اٹھتی درد کی ٹھیسوں کو اپنے ہاتھ سے دباتے بمشکل ہی برداشت

کیا۔۔۔ابرش کی نظر خود پر پڑی تھی۔۔ساڑھی کا پلو اس کے کندھے سے اترتے بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔۔ابرش بیڈ سے اٹھتی ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔بکھرے بال سرخ آنکھیں، مٹا مٹا میک اپ۔۔ابرش نے اپنی ساڑھی کا پلو اپنے کندھے پر ڈالتے کمرے کو دیکھا اسے احساس ہوا۔۔وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔۔

وہ سراسیمہ ہوتے پیچھے کو ہوتی ڈریسنگ مرر کے ساتھ جا لگی۔

دفعتاً اس کی نظر صوفے پر موجود ہستی پر پڑی تھی۔۔ابرش کو زمین و آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔

اس کے لبوں نے بے اختیار حرکت کرتے بے یقینی سے اس کا نام دہرایا۔۔۔زاران خانزادہ۔۔۔۔

وہ نم آنکھوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ جو صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے سو رہا تھا۔۔ اس کا کوٹ بیڈ پر پڑا تھا۔۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے وہ گہری نیند میں محو تھا۔

ابرش نے آنکھیں جھپکتے ہوے یاد کرنے کی کوشش کی کہ رات کو کیا ہوا تھا۔۔

اسے یاد آیا تھا وہ زعیم کے ساتھ پارٹی میں آئی تھی۔ اس نے جوس کا گلاس پیا تھا اور پھر زاران خانزادہ اس کی طرف آیا تھا۔۔ زعیم کو تھپڑ مارا تھا زاران نے۔۔۔ ابرش نے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

زاران نے یہ سب کیا؟؟یعنی وہ مجھے جان بوجھ کر کمرے میں لایا اور میرے ساتھ اس نے یہ سب کیا۔۔۔خود کی طرف نظر دوڑائی اس کی ساڑھی کا پلو اس کے کندھے سے پھر سے ڈھلک گیا تھا۔

اسے یاد آیا تھا اس نے تو ساڑھی کے پلو کو کندھے سے پن سے اٹیچ کیا تھا۔اور بالوں کا جوڑا بھی بنایا تھا۔۔

دفعتًا اس کی آنکھوں کے آگے کل رات کا دھندلا سا منظر لہرایا۔۔زاران نے اس کے ماتھے پر کس کی تھی اور پھر اس کے گال سے ہوتے اس کی گردن کی طرف آیا تھا۔۔

اس کے آگے وہ کچھ بھی سوچنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

نہ وہ سوچنا چاہتی تھی۔

ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اسے اپنے اندر زاران کے لیے نفرت اشتعال کے دھویں اٹھتے محسوس ہوے۔

وہ سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے پانی کا جگ زاران کے چہرے پر الٹ چکی تھی۔

زاران ہڑبڑاتا ہوا اٹھا۔۔۔ آنکھیں کھولنے پر ابرش کو دیکھا جو بھیگی آنکھیں لیے اسے گہرے سانس بھرتے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے پورے وجود پر کپکپی طاری تھی۔۔ وہ بمشکل ہی کھڑی تھی۔۔ یہ محسوس کرتے

زاران صوفے سے اٹھتا اپنے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس کے قریب ہوا تو ابرش پیچھے کو ہوتے لڑکھڑائی۔

زاران اس کی طبعیت کے پیش نظر اسے اپنی بانہوں میں تھام گیا۔ اس کے تھامنے پر ابرش کو اس کا لمس زہریلے سانپ کے ڈھنگ کی طرح محسوس ہوا۔ زاران کو دھکا دیتے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے جگ کو زمین پر زور سے دے مارا تھا۔۔

جس کا کانچ دور دور تک بکھرتے کمرے میں عجیب سا ساز بکھیر گیا۔

زاران حیرانگی سے ابرش کو دیکھ رہا تھا جو پیچھے کو قدم بڑھاتے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔۔

اپنے چکراتے سر کو تھامتے ابرش پھر سے لڑکھڑائی تو زاران اس کی طرف بڑھا۔

خبردار میرے قریب بھی آئے تو۔۔ ابرش نے ہاتھ کے اشارے سے زاران کو خود کی طرف بڑھنے سے روکا۔

ابرش کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ تم اتنا چیخ کیوں رہی ہو؟

زاران اس کے عجیب و غریب رویے پر پریشان ہوا تھا۔

واٹ آپر فامنس۔۔۔۔۔ داد دینی چاہیے آپ کو۔۔۔ آپ کی ایکٹنگ پر۔۔۔۔ کیا داکاری کرتے ہیں آپ؟؟۔۔۔ ویل پلیڈ۔۔۔۔۔ ابرش تالی مارتے استھزائیہ ہنسی۔۔

زاران آنکھوں میں الجھن لیے اس کی استھزائیہ ہنسی سن رہا تھا۔

تم نے ثابت کر دیا کہ تم ایک عیاش خان ہو۔۔۔ جسے اپنی ضرورت اپنی خواہش سے غرض ہے۔ جس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ تم ایک حوس کے پجاری انسان ہو۔ جس کے لیے ہر عورت کھلونا ہوتی ہے۔۔ ابرش حلق کے بل چیخی۔۔

ابرش ڈونٹ کر اس یور لمٹس۔۔۔۔ اوکے۔۔۔ زاران نے اس کے چیخنے پر انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کی۔

کیوں لمٹس کر اس کرنے کا حق صرف تمھیں ہے۔۔۔ میرے جسم کے ساتھ کھیلتے مجھے نوچتے تمھیں اپنی لمٹس کا کوئی خیال نہیں تھا۔

ابرش۔۔۔۔۔۔زاران اس کی بات ختم ہونے سے پہنے چلا اٹھا تھا۔

مجھ پر چلاؤ مت مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ تم اپنی حیثیت مجھ پر کھو چکے ہو۔۔ تم جیسے مرد کو میں اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ وہ میرے سامنے کھڑا بھی ہو سکے۔۔ ایک چیپ گھٹیا مرد ہو تم۔۔۔۔ ابرش حلق کے بل چیختے نفرت سے پھنکاری تھی۔

زاران مزید ابرش کے منہ سے اپنے لیے توہین امیز القابات برداشت نہ کر سکا تھا۔ سرخ و سفید رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔

وہ اپنے اور اس کے درمیان کچھ قدموں کا فاصلہ ختم کرتے اس کے قریب ہوا۔۔

ابرش اسے نفرت سے دیکھتے پیچھے کو ہوئی تھی۔

تم اپنے بارے میں کیا کہو گی؟؟ تم کیا ہو؟ تم کیسی عورت ہو؟؟ جو کسی کے ساتھ بھی منہ اٹھا کر کہیں بھی چل سکتی ہے۔ ایک گھٹیا لباس پہن کر خود کو شو پیس کی طرح سجا کر ایک غیر مرد کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی آئی۔ اگر وہ تمھیں کہیں اور لے جاتا تو۔۔۔۔۔ اس کے الزامات سنتے وہ مزید اپنے غصے اشتعال پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ اس لیے چیختے ہوئے اس سے وہ سوال کیے جو اسے کل رات سے عذاب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

مگر وہ مجھے کہیں نہیں لے کر گیا۔۔۔۔ابرش اس کی بات کاٹتے چلائی۔۔

زاران لب بھینچے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

یہ گھٹیا حرکت تم نے کی ہے۔۔مجھے اس کمرے میں لا کر مجھ سے اپنی حوس پوری کی۔۔تم نے مجھے غیرت کے نام سزا دیتے میرے وجود کو روندا ہے۔۔اب اس سب کو اب تم اپنی غیرت کا نام دو گے۔۔تم ایک گھٹیا ،ذ۔۔ل..ی۔۔ل۔۔۔مرد ہو۔۔۔گھٹیا خان۔۔۔جو عورت کو صرف اپنا کھلونا سمجھتا ہے۔۔مجھے صرف ایک بتاؤ۔۔رات کو بستر پر مجھ سے اپنی پیاس بجھاتے ہوے تم نے مجھے اپنی منگیتر اپنی غیرت سمجھا تھا یا ایک رکھیل سمجھ کر مجھ سے وہ سب کرتے رہے۔۔۔

ابرش کی بات پر زاران کا بھاری ہاتھ ابرش کے گال کا سختی سے حصہ بنا۔۔۔ابرش کے گال پر اس کی انگلیوں کے نشان بے رحمی سے ثبت ہوے تھے۔پورا کمرہ زران کی تھپڑ سے گونج اٹھا۔۔ابرش کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔وہ لڑکھڑاتے ہوے ڈریسنگ مرر کے ساتھ جا لگی۔۔ساڑھی کا پلو زمین بوس ہوا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے لرزتے بدن کے ساتھ اپنے گال پر ہاتھ رکھے بہتے آنسوؤں کے زاران کو دیکھ رہی تھی۔جو خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اگر تم نے ایک لفظ اور بھی منہ سے نکالا تو تمھاری زبان مزید لفظ ادا کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔۔ زاران اس کے مقابل آتے چیخا تو ابرش سہمتے ہوے اپنے دوسرے گال پر ہاتھ رکھے سسک پڑی تھی۔ وہ اپنے غصے میں اس پر ہاتھ اٹھا کر مزید اپنا ڈر اس کے دل میں جاگزیں کر چکا تھا۔۔

مجھے شرم آتی ہے خود پر،،، میں نے تم جیسی لڑکی کو اپنی عزت بنانے کا سوچا۔ جس کا عزت لفظ سے دور دور کوئی واسطہ نہیں ہے۔۔۔

کس حیثیت سے تم اس زعیم کے ساتھ پارٹی میں آئی۔۔۔ بولو جواب دو مجھے۔۔ کیا کہا تھا تم سے کہ اس سے دور رہنا۔۔۔ ارے میری بات کا نہیں تو اس انگوٹھی کا ہی مان رکھ لیتی۔۔۔

زاران نے آگے بڑھ کر اس کی انگوٹھی والا ہاتھ پکڑتے غصے سے جھٹکا دیا۔۔ ابرش اسے غصے میں چیختا دیکھ کر سر نفی میں ہلاتے وہ فیصلہ کر چکی تھی۔۔ جو اپنے دل میں زاران کی محبت اسے کرنے نہ دے رہی تھی۔

کیا کہہ رہی تھی؟؟ رات میں نے تمھارا فائدہ اٹھایا۔۔۔ تمھارے بدن سے اپنی حوس پوری کی۔۔ اگر میں تم سے اپنی حوس پوری کرتا تو یہ ساڑھی تمھارے تن پر نہ ہوتی۔۔ اور تم میرے سامنے بولنے کے قابل بھی نہ رہتی اگر میں سچ میں تمھیں اپنی رکھ۔۔۔۔ زاران اپنے بال اپنی مٹھی میں جکڑے ضبط کی انتہا پر اپنے ایک ہاتھ کی مٹھی دبوچ گیا۔۔ وہ یہ لفظ اپنے منہ سے نکال نہیں سکا تھا جو ابرش نے بڑی آسانی سے خود کے لیے لیا تھا۔

ہمت کیسے ہوئی تمھاری اپنے لیے یہ گھٹیا لفظ منہ سے نکالنے کی؟؟۔۔زاران اس کا جبڑا دبوچتے دھاڑا۔

ابرش اس کی گرفت پر مچل کر رہ گئی تھی۔

چچ چھوڑو مجھے۔۔ابرش نے گھٹی گھٹی آواز میں بولتے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔

اگر تم میرے سامنے بنا لباس کے بھی آجاتی میں تمھیں تب بھی نہ چھوتا۔۔کیونکہ تمھیں عزت کہتا نہیں ہوں۔۔ سمجھتا بھی ہوں۔۔زاران اس کا منہ جھٹکے سے چھوڑتا اس سے دور ہوا۔

ابرش اسے سرخ آنکھوں سے زخمی نظروں سے دیکھنے لگی.

شکر کرو تم میرے نکاح میں نہیں ہو۔۔ اگر میرے نکاح میں ہوتے تم پارٹی میں آجاتی تو تمھارے عمل کی اتنی سخت سزا دیتا کہ تمھاری روح کانپ جاتی۔ تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دیتا۔۔ زاران حلق کے بل دھاڑا۔

زاران اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ ابرش اس کے جانے کے بعد چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

واش روم کے بڑے سے مرر کے آگے کھڑی اپنے بال

دونوں ہاتھوں سے جکڑے ظبط کی انتہا پر تھی۔ زاران خانزادہ کو لے کر اس کے دل و دماغ میں جو منفی خیالات تھے۔ وہ اسے تھپڑ مار کر ان پر مہر لگا چکا تھا۔۔ تذلیل کے احساس سے ابرش کا پورا بدن ارتعاش کی کیفیت میں

تھا۔ ابرش نے روتے ہوئے اپنی پوری قوت لگاتے ہوئے انگوٹھی اتارنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اتار نہ سکی تھی۔ بے بسی اور توہین و خجالت کے احساس سے وہ بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھا کر چلا گیا۔ وہ ابھی تک شاک کی کیفیت میں تھی۔ وہ اس پر کیسے ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟؟۔ ابھی تو صرف اس کے نام کی انگوٹھی اپنی انگلی میں سجائی تھی۔۔ جب وہ مکمل اس کی ہو جائے گی۔۔ وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہو گا۔ جب وہ اس کی ملکیت میں آ جائے گی۔ تب تو وہ اپنا حق اپنا غصہ ایسے ہی اس پر اتارے گا کیا؟؟ ابرش اپنے بال دونوں ہاتھوں سے جکڑے شدت گریہ سے رو پڑی تھی۔

اپنے بدن پہ لپٹی ساڑھی کو دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ رات شائد ایسا کچھ نہیں ہوا۔ مگر وہ دھندلا سا منظر جب زاران خانزادہ اس کے قریب آیا تھا وہ اس کے ذہن سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ ابرش نے اپنے چکراتے سر کو تھامتے

یاد کرنے کی کوشش کی کہ کل رات کیا ہوا تھا۔۔ مگر ذہن پر بہت زور دینے کے بعد اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔۔

واش بیسن کا ٹیپ کھولتے ابرش نے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوے مرر میں خود کو دیکھتے ہوے اپنی آنکھیں مسلیں جو سرخ ہو رہی تھیں۔۔۔ اپنی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ابرش کو زاران کی آنکھوں کی سرخ یاد آئی تھی۔ کل رات اس کی خمار آلود سرخ آنکھیں جن سے وہ اسے بہت گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش اپنی آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارتے ہوے سلیب کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے سسک اٹھی۔

اس کا لمس یاد آیا تھا جو اس نے اس کی پیشانی پر بکھیرا تھا۔۔ ابرش نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اس کی انگلیاں تھرتھراتی ہوئی گال پر آ کر ٹھہری

تھیں۔۔ پھر اس کا لمس اپنی گردن پر یاد آیا تھا۔ ابرش نے اپنی گردن اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالی۔۔۔ وہ واش بیسن کی سلیب کو پکڑے ہچکیوں سے رو رہی تھی کہ اسے اپنی سماعتوں میں اپنی ہی آواز سنائی دی۔۔

"میں ابرش پاشا اقرار کرتی ہوں۔۔۔ مسٹر خانزادہ سے پیار کرتی ہوں بہت پیار کرتی ہوں"۔۔ ابرش نے اپنے چکراتے سر کو تھامتے ہوئے مرر میں خود کو دیکھتے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔۔۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کو قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ رات کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔۔ زاران خانزادہ اس کی طرف نہیں۔۔۔۔ بلکہ وہ زاران کی طرف بڑھی تھی۔۔

وہ تو کل رات نشے میں اسے اپنا آپ سونپ چکی تھی۔زاران کی محبت میں ڈوبی سرگوشی یاد آئی۔۔۔

”زاران خانزادہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔۔اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔۔میری محبت اتنی کمزور نہیں جو کسی کمزور لمحے کے اثر میں آتے اپنی ہی محبت کا غرور مان سب کچھ اس سے چھین لے۔۔“

ابرش منہ پر ہاتھ رکھے لرزتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔۔

میں یہ کیسے کر سکتی ہوں؟؟۔۔میں کیسے خود کو زاران خانزادہ کو سونپ سکتی ہوں۔مم میں یہ کیسے کر سکتی ہوں؟؟

وہ وہ کیا سوچ رہا ہو گا میرے بارے میں ؟؟۔۔۔میں کیسی لڑکی ہوں ؟؟۔میں کیسے اسے خود کے قریب آنے دے سکتی ہوں۔۔میں اب اس سے کیسے نظریں ملا سکوں گی۔

میں یہ کیسے کر سکتی ہوں ؟؟۔۔ابرش گھٹنوں میں منہ دیے سسک اٹھی تھی۔

زاران ہوٹل کی لابی میں ٹہلتا ہوا اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ کیسے اس کے لیے اتنا گھٹیا لفظ بول سکتی ہے۔اسے وہ اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے کہ وہ اس کا بے ہوشی میں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔۔زاران اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے صوفے پر بیٹھ کر خود کے اشتعال پر قابو پانے لگا۔۔اس کے زہر میں ڈوبے لفظ زہریلے نشتر کی طرح اسے چبھ رہے تھے۔کیا اس کی

ذات اس کے لیے ذرا بھی قابل اعتبار نہیں؟؟۔وہ زعیم پر یقین کر کے اس حلیے میں اس کے ساتھ پارٹی میں چلی آئی۔۔ مگر خود کو ساڑھی میں پوری طرح لپٹا دیکھ کر بھی وہ اس پر یقین نہ کر سکی۔۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اس کی سطح پر سر رکھے آنکھیں موند گیا تھا۔

اس کے لفظ اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دیے تو وہ مزید بے چین ہوا تھا۔ مم مجھے بھی مارو گے؟؟۔وہ اس کی شرٹ دونوں ہاتھوں میں جکڑے معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ مسکراتے ہوے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی آنکھیں موند گئی تھی۔زاران یہ سب یاد کر کے بے چین ہوا تھا۔وہ آنکھیں موندیں اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں میں پیوست کیے اپنے اظطراب پر قابو پانے لگا۔۔ مگر رات کا ایک ایک منظر اس

کے ذہن کے ساتھ چپک گیا تھا جیسے۔۔۔وہ اس کی قربت اس کی مہکتی سانسوں کی گرمائش بھول نہیں پا رہا تھا۔اس کی حرکتیں،اس کا اظہار محبت ۔اس کی ہر اک ادا اسے اپنے سحر میں مزید جکڑ چکی تھی۔

۔اس کے نازک لبوں کا لمس اس کا پھول جیسا وجود وہ ابھی تک اپنے سینے پر محسوس کر رہا تھا۔۔زاران نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے اس کا لمس محسوس کرنا چاہا۔

ابرش کی بھیگی آنکھیں پھر سے یاد آئی تھیں۔

شادی کے بعد تم مجھے مارو گے ؟؟۔۔اس کے بھیگے لہجے میں کیے گئے سوال زاران خانزادہ کے دل پر برچھیاں چلا چکے تھے۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے کیسے روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ زاران اپنی آنکھیں کھولتے صوفے پر سیدھا ہوا۔۔۔

ابرش نے اگر غلط لفظ بولے تھے۔۔ اس کا ایکٹ بھی بلکل ٹھیک نہیں تھا۔۔۔ وہ کیسے اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔۔ زاران نے ضبط سے اپنی مٹھی بھینچی۔ اس کے ڈر کو وہ حقیقت میں اس کے سامنے لے آیا تھا۔۔ وہ اس سے مزید متنفر ہو چکی ہو گی۔۔ اسے اس کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔ وہ غصے میں اس پر ہاتھ اٹھا آیا تھا۔۔ زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے اپنی اضطرابی کیفیت پر قابو پانے لگا۔۔۔ اس کے لفظ یاد آتے تو ایک تھپڑ بھی اس کے لیے کم لگتا۔۔ زعیم کی حوس پرست گندی نظریں یاد آتیں جو وہ اس کے نشیب وہ فراز پر جمائے ہوئے تھا تو دل کرتا زعیم کے ساتھ ابرش کی بھی جان لے لے۔ جس نے زعیم پر بھروسہ کرے اپنی

عزت خطرے میں ڈالی۔۔وہ تھپڑ مار کر گلٹ میں ضرور تھا۔ مگر ابرش پر اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا کہ کیسے وہ خود کے لیے اتنا گرا ہوا لفظ استعمال کر سکتی ہے۔۔۔میں کیسے یہ برداشت کر سکتا تھا۔۔ابرش کا "رکھیل" لفظ یاد کر کے وہ ایک بار پھر سے اپنے لہو میں اٹھتے ابال پر قابو کرنے لگا۔۔

زاران نے اپنی اضطرابی کیفیت پر قابو پاتے صوفے سے اٹھتے کمرے کا رخ کیا۔۔اسے پورا یقین تھا اس بیوقوف حسینہ نے تھپڑ کے غم میں رو رو کر اپنا برا حال کر دیا ہو گا۔۔اپنی انگلی سے انگوٹھی اتارتے ہوے خود کو ہلکان کر رہی ہو گی۔

زاران کمرے کا دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوا تو ابرش بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ شفاف عارض پر آنسو بہہ رہے تھے۔ زاران گہرا سانس بھرتے آہستگی سے قدم بڑھاتے اس کی جانب بڑھا۔

ابرش۔۔۔۔۔۔۔ زاران نے اس کے قریب جا کر اسے نرمی سے پکارا۔۔

زاران کی آواز سنتے ابرش نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تو رات کا منظر یاد کرتے وہ سرخ ہوئی تھی۔ ابرش نے اپنی نظریں جھکائے نچلا لب بے دردی سے کچلتے اسے مزید سرخ کیا تھا۔۔

زاران نے ناگواری سے اس کی حرکت دیکھی تھی۔۔وہ اپنے لب کاٹ کاٹ کر پہلے ہی کافی سرخ کر چکی تھی۔ابھی اس کے سامنے جتنی بے دردی سے اس نے اپنا نچلا لب کچلا تھا۔۔زاران کو اس کا یہ عمل سخت زہر لگا۔۔وہ اس کا غصہ اپنے نازک لبوں پر کیوں اتار رہی تھی۔۔رات ان لبوں کو اس نے انگوٹھے سے سہلاتے ان کی نرمی اور نازکی وہ محسوس کر چکا تھا۔ان نازک پنکھڑیوں کے ساتھ اسے یہ سلوک گوارا نہ تھا۔۔

ابرش زاران کی نظریں خود پر محسوس کر کے بیڈ کے دوسرے کنارے سے اترتے رخ موڑ کر کھڑی ہو کر اپنی ساڑھی کا پلو ٹھیک کرنے لگی۔۔جو بار بار کندھے سے ڈھلک جاتا تھا۔۔۔

ابرش میں نے ناشتہ آرڈر کیا ہے۔۔ناشتہ کر کے میں تمھیں تمھارے گھر ڈراپ کر دوں گا۔۔زاران ابرش کی پشت پر بکھرے اس کے سلکی بالوں کو دیکھتے بولا۔

ابرش نے رخ پلٹے اپنے بالوں کو جوڑے کی صورت میں لپیٹا۔۔وہ زاران خانزادہ کو مکمل اگنور کرتے اس کے قریب سے گزرتے دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔زاران نے اس کی کلائی پر نرمی سے اپنی پکڑ کی تھی۔

میں تم سے بات کر رہا ہوں ابرش۔۔۔زاران ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے مقابل کر گیا۔۔۔ نظریں بے اختیار اس کے سرخ گال پر ٹھہر گئی تھیں۔جہاں اس کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے۔زاران نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اس کے گال کو چھونا چاہا تو ابرش کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔

مجھے مت چھویں۔۔ابرش سراسیمگی سے لرزتے لبوں سے نظریں جھکائے بولی۔۔وہ اس کے چھونے پر بے تحاشا سرخ پڑی تھی۔۔عارض پر گھنی پلکیں لرز رہی تھیں۔۔وہ اپنے لبوں کو پھر سے بری طرح کاٹ رہی تھی۔زاران اب اس کے ایکسپریشن پر حیران ہوا تھا۔یہ ایکسپریشن تھپڑ کھا کر نہیں ہو سکتے تھے۔۔وہ اس سے ڈر نہیں رہی تھی۔۔۔اس کے چہرے پر ناراضگی تھی مگر اب ناگواری اور نفرت نہیں تھی۔اس کی جھکی نظریں شرم وخفت پر محمول تھیں۔۔جن میں گہری شرمندگی کا عنصر شامل تھا۔۔زاران اس کی شرمندگی سے جھکی نظریں اور خفت سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر منٹوں میں جان چکا تھا۔محترمہ کو سب یاد آچکا ہے۔وہ نشے میں کی ہوئی اپنی ہی حرکتوں پر اب شرمندہ ہو رہی ہے۔۔

ابرش نے نظریں اٹھائے زاران کو ایک نظر دیکھا جو لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ سجائے گہری گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ابرش اس کی نظروں سے اندر تک سلگ اٹھی تھی۔۔ اس کی نگاہیں اسے اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہوئیں۔

ابرش غصے سے دروازے کی جانب بڑھی۔

ابرش کے دروازے کے ہینڈل پر رکھے ہاتھ پر زاران خانزادہ کا نیلی رگوں سے ابھرا ہوا ہاتھ نرمی سے آن ٹھہرا تھا۔۔

جب تمھیں سمجھ آگیا ہے کہ رات ہمارے درمیان کچھ نہیں ہوا تو اس ایٹیٹوڈ کا مطلب۔۔۔زاران دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے ذو معنی انداز میں بولا۔۔

زاران مجھے جانے دیں۔۔ابرش سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

اتنا کیوں پریشان کر رہی ہو خود کو؟؟ مجھ پر اعتبار نہیں کیا؟؟زاران نے ابرش کی طرف جھکتے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کی تھی۔۔

دروازے سے ہٹیں مجھے گھر جانا ہے۔۔ابرش اس کی سرگوشی کا مفہوم سمجھتے سپاٹ انداز میں چلائی۔۔۔مگر اس کی طرف دیکھنے سے گریز برتا تھا۔

کیسے جاؤ گی؟؟زاران نے اس کی سرخ متورم آنکھوں کو دیکھتے کافی نرمی سے پوچھا۔۔وہ اس کا چلانا اگنور کر گیا تھا۔۔اپنے تھپڑ کر مداوہ بھی تو کرنا تھا۔۔

چلی جاؤں گی آپ کو مطلب نہیں ہونا چاہیے؟؟ابرش نے نظریں جھکائے اب اتنے دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا کہ زاران کو بہت مشکل ہوئی تھی اس کے گلابی لبوں سے نکلے ہوے لفظوں کو سننے میں۔۔۔۔۔۔

میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔۔پہلے ناشتہ کر لو۔۔زاران نے اس کے ستے ہوے چہرے کو بغور دیکھا۔جہاں غصہ ناراضگی کے ساتھ گہری شرمندگی تھی۔۔وہ اس سے نظریں اٹھا کر بات بھی نہیں کر رہی تھی۔۔

زاران اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔۔جو ابھی بھی نظریں جھکائے ہوے تھی۔

مجھے ناشتہ نہیں کرنا۔۔۔ ابرش نے ایک نظر زاران کو دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے ہی اس نے رخ پلٹے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے دروازہ کھولا...۔ زاران نے اپنا مضبوط چوڑا ہاتھ دروازے پر جماتے کھلے دروازے کو زور سے بند کیا۔۔

ٹھیک ہے چلتے ہیں۔۔۔۔ تم یہ کوٹ پہن لو میں تمھیں خود گھر چھوڑ آتا ہوں۔۔ زاران نے بیڈ کی طرف بڑھتے کوٹ اٹھا کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔ ابرش نے زاران کو دیکھتے ہچکچاتے ہوئے وہ کوٹ پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔۔

دونوں کا آئی کانٹیکٹ ہوا تھا۔۔ ابرش کی آنکھوں میں شرمندگی کے ساتھ شکوہ بھی تھا جسے محسوس کرتے زاران خانزادہ اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں تلے پیوست کر گیا۔۔ گہرا سانس بھرتے اس کے نازک گال کو پھر سے دیکھا جہاں اس کی انگلیوں کے بے رحم نشان ثبت تھے۔۔

ابرش زاران کے ہاتھوں سے کوٹ لیتے اسے سینے سے جکڑے کچھ لمحے نظریں جھکائے لرزتے بدن کے ساتھ ویسے ہی کھڑی رہی۔۔ زاران اس کی جھکی نظریں اور اس کی گہری ہوتی سانسوں کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہی ہے۔۔۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی آنکھیں بے رحمی سے مسلتے ان میں آئی نمی کو گالوں کا حصہ بننے سے روکا تھا دوسرے لمحے وہ زاران کا کوٹ زمین پر پھینک چکی تھی۔ زاران سمجھ چکا تھا وہ بیوقوف لڑکی کیا فیصلہ لے چکی ہے۔

مجھے آپ سے اب کچھ نہیں چاہیے۔ تھوڑی دیر پہلے جو آپ نے مجھے دیا۔ وہ مجھے ساری عمر یاد رہے گا۔ میں ساری عمر یہ تھپڑ بھولوں گی نہیں۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے زاران کو ایک نظر دیکھتے نم لہجے میں کہا۔

دوسرے لمحے وہ دروزاہ کھولتی کمرے سے چلی گئی۔۔

وہ کمرے نکلتے بھاگتے ہوے لفٹ کی جانب بڑھی۔۔ کل رات جو بھی ہوا تھا۔۔ مگر وہ زاران کا تھپڑ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔۔ وہ اس سے بے تحاشا محبت کرنے کے باوجود ایسے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ جو اس پر ہاتھ اٹھائے۔۔ وہ ایسی ذلت بھری زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ جو اس کی ماں نے گزاری تھی۔۔ وہ ایسے کتنے ہی تھپڑ اپنے باپ پاشا سے کھا چکی تھی۔۔ اپنے سامنے اپنی ماں کو پٹتے ہوے دیکھ چکی تھی۔۔ اپنے پسندیدہ شخص کے ہاتھوں پٹنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہ زاران کا ایک تھپڑ اسے بخوبی احساس دلا چکا تھا۔

بے شک اس نے کل رات اس کا مان رکھا تھا۔۔ اس کی عزت کا مان رکھا تھا۔۔ مگر صبح اس نے جو کیا وہ بھول نہیں سکتی تھی۔۔ ابرش اپنے آنسو صاف کرتے بھاگتے ہوے لفٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

وہ لفٹ کے ذریعے نیچے آئی۔۔ اس ہوٹل سے نکلتی چلی گئی۔

وہ سڑک پر تیز تیز قدم اٹھاتے چلتی جا رہی تھی۔۔ اپنی انگوٹھی کو دیکھتے ہوے ابرش کی آنکھوں سے جل تھل آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے۔۔

وہ چاہ کر بھی اس انسان کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتی تھی۔۔ جو پتہ نہیں کب چپکے سے اس کے دل میں بر جمان ہو چکا تھا۔۔ شائد تب جب اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اٹھایا تھا۔۔ یا پھر تب جب اس نے اپنی شال اسے اوڑھائی تھی۔ اس کی مہک اس کے بدن کا حصہ بنتی اس کی سانسوں کو مہکاتے اس میں رچ بس چکی تھی۔۔

ابرش نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔۔

رکشہ قریب آنے پر وہ اس میں بیٹھنے لگی تھی کہ زاران خانزادہ نے اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کیا تھا۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ ابرش نے زاران کو خود سے دور دھکیلتے نم لہجے میں کہا۔۔

رکشے والے کو اشارے سے جانے کا کہہ کر زاران خانزادہ نے اسے مزید اپنے مقابل کیا۔۔ وہ اس کے کشادہ سینے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ وہ اس کے بازو کو جکڑے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر کھڑا تھا۔

چچ چھوڑو مجھے۔۔۔ زاران کی آنکھوں سے گہرے جذبے امڈتے دیکھ کر وہ ٹوٹے لفظوں سے کپکپاتے لہجے میں بولی۔

نہیں چھوڑ سکتا یہ میرے بس میں نہیں ہے۔۔۔۔

اگر تمھیں چھوڑنا ہوتا تو کل رات ہی چھوڑ دیتا۔۔ جب تم مجھے نشے کی حالت میں ملی تھی۔۔

زاران کی بات پر وہ اس کی گرفت میں مچل اٹھی تھی۔

یہ بات آپ کی غیرت پر تازیانے کے طور پر لگی ہو گی۔ مجھ جیسی لڑکی کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہو گا جو نشے کی حالت میں آپ کو ملی۔۔۔

ابرش نے طنزیہ لہجے میں تلخی سے کہا۔۔

تو کیا یہ بات چھوٹی تھی تمھارے نزدیک جو مجھے بری نہ لگتی۔۔۔۔ تم نشے میں تھی کل رات ڈیم اٹ۔۔۔۔۔۔ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ کوئی بھی تمھارا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔۔ میری غیرت تمھاری عزت سے جڑی ہے۔۔

تمھیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی۔۔ زاران اسے کندھوں سے جکڑتے اپنے مقابل کرتے غرایا۔۔

کل رات یہی عزت میں مدہوشی کے عالم میں آپ پر وار رہی تھی۔۔ ابرش زاران کو دیکھتے سسک پڑی تھی۔

زاران اسے سسکتا دیکھ کر اپنے لب بھینچ گیا۔۔

کمرے میں ابرش کی آنکھوں میں شرمندگی دیکھ کر سمجھ گیا تھا۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا ہے۔۔ اس کا آپ کہنے سے بھی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنی باتوں پر شرمندہ ہے۔۔ مگر وہ تو یہ بات اپنے دل پر لے چکی تھی۔ جو اذیت ناک الفاظ وہ کچھ دیر پہلے اس کے لیے بول چکی تھی۔ یقیناً اب وہ اذیت ناک لفظ وہ خود کے لیے سوچ رہی تھی۔ اسے سمجھ آیا تھا وہ ضدی ہونے کے ساتھ کافی ایموشنل بھی ہے۔

گاڑی میں بیٹھو۔۔۔۔ گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ زاران نے اس کی کلائی نرمی سے پکڑے کہا۔۔

مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔۔ ابرش ضدی لہجے میں بولتے اپنی کلائی چھڑواتے آگے بڑھ گئی۔۔

زاران اپنے ایک ہاتھ کا مکہ اپنے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مار کر رہ گیا تھا۔

وہ بہت ضدی تھی اس بات کا اسے اندازہ ہو چلا تھا۔۔ اپنی باتوں اور اپنے ایکٹ پر بہت زیادہ شرمندہ ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔۔ اس کا ضدی انداز اسے باور کروا رہا تھا کہ اگر وہ اپنا ایکٹ بھول نہیں پا رہی تھی۔۔ اس کا تھپڑ بھی وہ معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لیتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔زاران چھوڑو مجھے۔۔ابرش چیخی۔۔ابرش بے ہیویور سیلف۔۔۔۔۔سڑک پر تماشہ مت کرو۔۔۔تم جس حلیے میں سڑک پر کھڑی ہو۔۔یہ مجھے بہت تکلیف دے رہا ہے۔تم پر غیر مردوں کی اٹھتی نظریں میں کیسے برداشت کر رہا ہوں یہ مجھ سے پوچھو۔۔۔پھر اگر غصے میں نے تمھیں کچھ کہہ دیا یا پھر سڑک پر چلتے کس کو کچھ کہہ دیا تم مجھے اجڈ، گنوار، وحشی کا خطاب دے کر اس مگنی کو توڑنے کا بہانہ بناؤ گی۔۔۔زاران نے اس کے حلیے پر پر سرد نگاہ ڈالی۔۔۔وہ بکھرے بالوں، سرخ متورم چہرہ، سوجھی ہوئی سرخ بھیگی آنکھیں۔۔۔۔سلوٹ زدہ ساڑھی جس کے پلو کو وہ بار بار اپنے کندھے پر ڈالتے اپنی ساڑھی کو بمشکل سنبھالتے بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ابرش کو اپنے حلیے پر

شرمندگی سی محسوس ہوئی۔زاران کی سرخ سرد آنکھیں اور تنا ہوا چہرہ اس بات کا گواہ تھا وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے ہے۔۔۔ابرش اس کے تنے ہوے سپاٹ نقوش اور ماتھے کے گہرے ہوتے بل دیکھتے بنا کوئی بحث کیے گاڑی کا دروازہ کھولتے اس میں بیٹھ گئی۔۔

زاران نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

جتنی دفعہ دیکھوں تمھیں

دھڑکے زوروں سے

ایسا تو کبھی ہوتا نہیں مل کے غیروں سے

دور جانا نہیں تم کو ہے قسم

خود سے زیادہ تمھیں چاہتے ہیں صنم

گاڑی میں چلتے سونگ کے لر عکس سنتے زاران نے ابرش پر گہری نظر ڈالی تھی۔

ابرش زاران کی نظریں خود پر محسوس کر کے سرخ پڑتی اپنے لب کاٹنے لگی۔۔

زاران نے بے اختیاری میں ہاتھ بڑھاتے اس کے نچلے لب کو اپنی انگلی سے چھڑایا۔۔

یہ مت کرو پلیز۔۔۔۔زاران کی آواز بھاری ہوئی۔۔

زاران کی بھاری آواز میں گھمبیر پن محسوس کر کے ابرش گھبراتے ہوے کھسکتے ہوے دروازے کے ساتھ جا لگی۔۔دل کی دھڑکنوں نے سپیڈ پکڑی

تھی۔رات کا اس کا لمس یاد آیا تھا۔۔کیسے وہ اس کے وجود کا حصہ بنا اس کی دھڑکنوں میں دھڑک رہا تھا۔۔

جانتی ہو ابرش۔۔اگر تم آج میرے نکاح میں ہوتی تو بہت حق سے تمھیں ان گلابی پنکھڑیوں پر ظلم کرنے سے روکتا۔۔یہ بہت سوفٹ ہیں۔۔۔ان گلاب کی پنکھڑیوں تو بہت نرمی سے چھونا چاہیے۔۔۔زاران کی بات پر ابرش کے گال تپ کر قندھاری ہوے تھے۔

ویسے بہت ظلم کیا ہے تم نے مجھ پر یہ نکاح نہ کر کے۔۔۔تم سچ میں بہت ظالم ہو۔۔۔۔زاران اس کے خوبصورت مہکتے دلکش وجود پر نظر ڈالتے بولا تو ابرش نے اپنی ساڑھی کے پلو کو پیچھے سے اچھی طرح لپیٹ کر آگے کی طرف کیا۔

زاران اس کے معصومانہ ایکٹ پر ہنس پڑا تھا۔۔ یہ لڑکی اپنی ہر ادا سے اس کا دل دھڑکانا جانتی تھی۔

اگر میرے پاس شال ہوتی تو میں تمہیں اوڑھا دیتا تمھیں یوں خود کو مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہ پڑتی۔۔ زاران نے دھیمی آواز میں کہتے اس کے چہرے کی لٹ کو ہلکا سا چھوا۔۔

مت چھویں مجھے۔۔ ابرش نے زاران کا ہاتھ جھٹکا۔۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو خود پر شرم آرہی تھی کہ مجھے اپنی عزت بنانے کا کیوں سوچا۔۔ کیونکہ میرا تو عزت لفظ سے بھی دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔۔ ابرش کے بھیگے لہجے میں کیے گئے شکوے پر وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ اپنے لفظ بھولتے اس کے الفاظ یاد رکھے ہوے تھی۔

مجھے زمین میں زندہ گاڑھنے کی دھمکی دی تھی۔۔ اگر میں کے آپ کے نکاح میں ہوتی تو آپ تو مجھے اب تک اچھی خاصی سزا دے چکے ہوتے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر آپ ثابت کر چکے ہیں کہ میرا آپ سے نکاح نہ کرنے کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔ ابرش نے زاران کو زخمی نظروں سے دیکھتے شکوہ کیا۔۔

زاران نے ابرش کی بات پر ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔۔

زاران کے گاڑی روکنے پر ابرش نے اسے آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی۔ وہ اس بے مہر ستم گر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ جس نے رات اسے جتنا مان دیا تھا۔۔ صبح تھپڑ مار کر اس کا مان توڑ چکا تھا۔

زاران کچھ پل اس کی پشت پر بکھرے سلکی الجھے ہوے بالوں کو دیکھتا رہا پھر گہرا سانس بھرتے ابرش کا ہاتھ نرمی سے تھاما تھا۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔۔۔مجھے ایسا کوئی حق نہیں تھا کہ تم پر ہاتھ.

اٹھاتا۔۔۔۔۔۔۔

مگر جب حق ہو گا تب تو آپ کو اپنے ایکٹ پر کوئی شرمندگی بھی نہیں ہو گی۔۔ایسے ہی مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے۔۔ابرش نے بھرائی آواز میں کہتے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔۔مگر زاران کی گرفت سخت ہونے پر وہ چھڑوا نہ سکی۔۔

ابرش اپنے دل سے یہ بات نکال لو میں تم پر کبھی ہاتھ اٹھاؤں گا۔۔

مگر آپ مجھ پر ہاتھ اٹھا چکے ہیں۔۔ابرش زاران کی بات کاٹتے چیخ پڑی۔۔

ابرش تم نے اپنے لیے وہ گھٹیا لفظ کہا میں یہ برداشت نہ کر سکا اور غصے میں میرا ہاتھ اٹھ گیا۔۔اس سے پہلے تم نے مجھے کتنا برا بھلا کہا۔۔۔کس طرح کے الزامات لگائے شائد تمھیں یاد بھی نہ ہوں۔ لیکن یقین مانو تمھاری باتوں نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔

زاران کی بات پر ابرش کی شرمندگی سے نظریں جھکی تھیں۔

آئی ایم سوری زاران۔۔۔۔مجھے رات کے کچھ ہی پل یاد تھے۔ جس نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں مفقود کر دی تھیں۔ابرش نے نظریں جھکائے کہا۔۔

بلکل مجھے بھی کچھ ایسے ہی فیل ہوا۔۔۔اور میں تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔۔زاران نے اس کی جھکی نظروں کو بغور دیکھتے کہا۔۔

ابرش تمھارے دل میں مجھے لے کر جو غلط فہمیاں ہیں پلیز اسے دور کر لو۔۔۔میں محبت کرتا ہوں تم سے۔۔میں کبھی بھی اپنی محبت کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔۔میں کبھی بھی تمھیں ہرٹ نہیں کروں گا۔۔زاران نے ابرش کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوا تو ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران نے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے نرمی سے ہٹائے۔۔جب اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔۔۔اتنی ضد کس بات کی ہے پھر۔۔۔۔۔۔۔زاران نے ابرش کی گال پر بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں کی پوروں سے چنے۔۔

ضد نہیں ہے یہ۔۔۔۔۔ جن سے محبت کی جائے ان کی دی ہوئی اذیتیں بہت تکلیف دیتی ہیں۔۔ میں اسی اذیت سے بچنا چاہتی ہوں۔۔ ابرش کی نم لہجے میں کی ہوئی بات سنتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔

یعنی کہ اقرار کرتی ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

نہیں کرتی محبت۔۔ نہ کبھی کروں گی آپ سے۔۔ ابرش نے نروٹھے لہجے میں کہتے اپنے ہاتھ زاران کی گرفت سے چھڑوائے۔

لیکن کل رات کوئی مدہوشی کے عالم میں مجھ سے اپنی محبت کا اقرار کر چکا ہے۔ زاران نے لب دانتوں تلے دبائے ابرش پر گہری نظر ڈالی۔

ابرش زاران کی بات پر سرخ پڑتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔

کل رات ایسا کچھ نہیں ہوا جو تم یوں شرمندہ ہوتی پھرو۔۔۔۔۔ تم نے نشے میں اپنی محبت کا اقرار کیا تھا۔۔ اس سے آگے ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔ جو تمھیں اپنی نظریں میرے سامنے جھکانی پڑیں۔۔۔ زاران کی بات پر ابرش نے اسے نم آنکھوں سے دیکھا۔۔ تمھاری جھکی نظریں مجھے گوارا نہیں ابرش۔۔۔۔۔ تم اگر یہ نظریں شرم سے سرخ پڑتے جھکاؤ گی تو مجھے تم زیادہ اٹریکٹ کرو گی۔۔ زاران نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کی ہتھیلی نرمی سے اپنے انگوٹھے سے سہلائی۔۔

ابرش کی آنکھیں پھر سے پانی سے لبریز ہوئی تھیں۔ وہ رات اس کا غرور مان رکھ کر ابھی پھر سے اسے مان دے چکا تھا۔۔ شائد وہ اسے سمجھنے میں غلطی کر رہی تھی۔۔ وہ غصے کا تیز ہے۔۔ مگر اپنے سے جڑے رشتوں کے لیے وہ

اتنا ہی سینسٹو بھی ہے۔۔وہ یقیناً اسے کبھی ہرٹ نہیں کرے گا۔۔ابرش کی بھیگی آنکھیں مسکرائی تھیں۔زاران اس کی نم آنکھیں مسکراتا دیکھ کر گہرا مسکرایا۔

محبت کرتی ہو مجھ سے۔۔زاران نے ابرش کی شہد رنگ آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے پھر سے سوال کیا۔۔

میں ابرش پاشا اقرار کرتی ہوں۔۔میں مسٹر خانزادہ سے پیار کرتی ہوں ۔۔بہت پیار کرتی ہوں۔۔ابرش نے زاران کو دیکھتے بھیگے لہجے میں اقرار کیا۔

زاران ابرش کے اقرار پر ہنس پڑا تھا۔۔

مجھ سے وعدہ کریں زاران۔۔۔۔ آپ کبھی مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔۔نہ ہی مجھ پر کبھی غصہ کریں گے۔۔ابرش نے دھیمے لہجے میں زاران کو دیکھتے کہا۔۔

میں کبھی تم پر غصہ نہیں کروں گا۔۔ مگر کچھ باتیں تمھیں میری ہر حال میں ماننی پڑیں گی۔۔ حویلی کی روایات کو تمھیں دل سے اپنانا پڑے گا۔۔ تم ان روایات کو اپنالینا۔۔زاران خانزادہ وعدہ کرتا ہے تم سے۔۔وہ سانس بھی تم سے پوچھ کر لے گا۔زاران اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے بھاری آواز میں بولا۔۔

ابرش زاران کی بات پر گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔۔ابرش میں زیادہ نہیں صرف یہ چاہتا ہوں۔۔ تم جب بھی گھر سے باہر نکلو۔۔ تمھارے وجود پر کسی کی گندی نظریں نہ اٹھیں۔ تم پورے پردے میں نکلو۔۔۔ حویلی کی عورتوں

کی طرح مکمل پردہ کرو۔۔۔اس بات سے میں کسی بھی صورت پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔۔زاران نے اٹل لہجے میں بولتے ابرش کے ہاتھ کو تھاما۔۔

ابرش نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا۔۔زاران اس کے اثبات میں سر ہلانے پر طمانیت سے مسکرا اٹھا۔

ابرش مجھے یہ دوریاں مٹانی ہیں۔۔۔میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا۔مجھے تم سے نکاح کرنا ہے۔۔زاران نے ابرش کے خوبصورت چہرے کو نظر بھر کر دیکھا۔۔اس کا اقرار اس کے اندر کے جذبات میں آگ لگا چکا تھا۔۔وہ ابرش کو پورے حق سے چھونے کو بے قرار ہوا تھا۔۔

لیکن زاران۔۔۔۔۔ابرش زاران کی نظروں سے گھبراتے ہوے ہچکچائی تھی۔۔وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔۔۔وہ سرخ پڑتی نظریں جھکا گئی تھی۔

لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔میں پھوپھو سے بات کرتا ہوں ہم آج ہی حویلی چلتے ہیں۔زاران نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔۔

لیکن زاران میں یہ نکاح کروں گی مگر میں ابھی رخصتی نہیں چاہتی۔۔جب تک آہل اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا۔

یعنی تب تک تم زعیم کے آفس میں کام کرو گی۔۔زاران ابرش کی بات کاٹتا بھڑک اٹھا۔۔۔وہ اسے زعیم کے ارد گرد بلکل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔کل رات زعیم کی حوس پرست نگاہیں اسے اچھی طرح سمجھا چکی تھیں۔وہ ابرش کو کبھی بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

زاران وہ زعیم کا آفس نہیں تایا ابو کا بھی ہے۔۔۔میں اس کے انڈر کام نہیں کرتی۔۔۔۔ابرش نے اس کے بھڑکتے چہرے کو دیکھ کر آہستگی سے کہا۔۔

تم اس کے انڈر کام نہیں کرتی۔۔ مگر پارٹیز میں اس کے ساتھ ضرور جاتی ہو ۔۔زاران نے گہرا طنز کیا۔۔

زاران یہ پہلی مرتبہ تھا میں اس کے ساتھ پارٹی میں آئی۔۔وہ بھی ماما کی آجازت سے۔۔ابرش نے زاران کے طنز پر اپنے لب کاٹے تھے۔

اور پہلی مرتبہ ہی تم نے ڈرنک کی تھی۔۔زاران نے طنزیہ لہجے میں کہتے ابرش پر سرد نظریں گاڑھیں۔

زاران میں نے کبھی ڈرنک نہیں کی۔۔ میں امیریکہ سے آئی ضرور

ہوں۔۔ مگر میں حرام مشروب سے نفرت کرتی ہوں۔۔ میں ایسی لڑکی

نہیں ہوں۔۔ جیسی آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ کل رات میں ہوش میں نہیں تھی

اس لیے۔۔۔ اور شائد میرے دل میں آپ کے لیے وہ محبت تھی جو مجھے

آپ کے قریب لے آئی۔۔ ورنہ میں نے کبھی کسی کو اپنا ہاتھ بھی پکڑنے

نہیں دیا۔۔ ابرش کے بھیگے لہجے پر وہ گہرا سانس بھرتا اس کا ہاتھ تھام گیا..

میں اگر تمھیں ویسی لڑکی سمجھتا تو تمھیں کبھی اپنانے کا سوچتا بھی

نہ۔۔۔۔ میں پہلی نظر میں تمھیں کتنا ہی غلط کیوں نہ سمجھا ہوں۔ مگر اس

کے باوجود بھی کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ تم ایسی ویسی لڑکی ہو۔ اور تم سے ہوئی

ہر ملاقات مجھ پر یہ باور کرواتی رہی تم ویسی نہیں ہو جیسا میں سمجھا تھا۔۔ تم

ضدی مغرور ضرور ہو مگر بہت صاف دل کی مالک لڑکی ہو۔۔ جسے اپنی عزت

خود سے بڑھ کر عزیز ہے۔ کل رات ابرش پاشا میرے نزدیک نہیں آئی تھی۔۔ بلکہ وہ لڑکی آئی تھی اپنے دل میں میری محبت چھپائے بیٹھی تھی۔۔۔ تمھیں مجھے وضاحت دینے کی ضرورت نہیں۔۔ زاران نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی شرمندگی دور کی۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔۔

ابرش تم نے پارٹی میں ایسی کیا چیز استعمال کی۔۔ میرا مطلب ہے تمھاری طبعیت کب خراب ہوئی۔۔ زاران نے سنجیدگی سے پوچھا۔

میں نے جوس پیا تھا۔۔ اس کے بعد میرا سر بھاری ہونے لگا تھا۔۔۔ ابرش نے آہستگی سے بتایا۔

ابھی بھی تمھیں لگتا ہے وہ زعیم قابل اعتبار ہے۔۔ جس نے تمھارے جوس میں نشہ آور گولیاں ملائیں۔ زاران ابرش کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھا

تھا۔۔یعنی اس کا شک صحیح نکلا تھا کہ زعیم نے اس کے گلاس میں ہی نشہ آور گولیاں ملائی تھی۔

زاران ہو سکتا ہے کہ یہ سب زعیم نے نہ کیا ہو۔اس کے دوست یا پھر کسی ویٹر نے کیا ہو۔یا وہ گلاس زعیم کے دوست کی گرل فرینڈ ماریہ کے لیے ہو۔۔زعیم ایسا کیوں کرے گا؟؟۔۔وہ ماما سے آجازت لے کر بہت رسپانسبیلٹی سے مجھے اس پارٹی میں لے کر آیا تھا۔۔اس نے کبھی مجھ پر ایک غلط نگاہ نہیں ڈالی۔۔وہ بہت عزت کرتا ہے میری۔۔ابرش کی بات پر زاران استھزائیہ ہنسی ہنسا تھا۔۔

جتنی وہ تمھاری عزت کرتا ہے۔وہ میں کل رات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔۔زاران نے غصے سے بھڑکتے کہا

مگر زاران۔۔۔۔۔۔۔۔میری بات سمجھنے کی کوشش کرو زعیم۔۔۔

ابرش آئندہ کبھی بھی میرے سامنے اس کا نام مت لینا۔۔اس کی حمایت کرنا تو دور کی بات ہے۔۔مجھے تم اب سے اس کے آس پاس بھی نظر نہیں آنی چاہیے ہو۔۔ورنہ میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہوں گا۔۔زاران نے ابرش کی بات کاٹتے درشت لہجے میں اسے تنبیہ کی۔۔۔۔

ابرش اس کی بات پر خاموشی سے اپنا رخ موڑ گئی تھی۔۔

زاران نے سٹیرنگ پر غصے سے ہاتھ مارتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

۔۔۔۔۔

ارحام کی آنکھ کھلی تو اس نے موبائل میں ٹائم دیکھا جہاں صبح کے چھ بج رہے تھے۔شدید سردی کی وجہ سے باہر ابھی تک گھپ اندھیرا تھا۔۔کھڑکی سے نظر آتی دھند نے ہر چیز اپنی لپیٹ میں لے رکھی تھی۔اپنے گھنے بالوں میں

ہاتھ پھیرتے وہ اٹھ کر بیٹھا۔۔ صبح خیزی کی عادت تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھ صبح سویرے ہی کھل جاتی تھی۔۔ اونچے نیچے پہاڑوں کی چڑھائی اور پتھروں پر ورزش کرنا اس کی عادت تھی۔

ارحام نے بیڈ سے اٹھتے واش روم کا رخ کیا۔۔ شاور لے کر وہ اپنے گھنے بالوں کو ٹاول سے خشک کرتے باہر آیا۔۔ کمرے کی لائٹ جلاتے وہ ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھا۔۔ اس وقت وہ صرف بلیک ٹراوز پہنے ہوے تھا۔۔ ٹاول سے بال خشک کرنے کے بعد اچھی طرح اس سے اپنا چٹانی سینہ بھی رگڑا تھا۔ ٹاول بیڈ پر اچھالتے وہ کپڑے پہنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھنے لگا تو اس کی نظر بے اختیار گہری نیند میں محو حور پر پڑی۔ جو گل کی بلیک پھولوں والی فراک میں ملبوس سائیڈ کروٹ لیے سو رہی تھی۔ مدھم

سی سانسوں کا چلتا زیر و بم اس کے کندن نشیب و فراز کی دلکشی بڑھائے ہوے تھا۔

ارحام نہ چاہتے ہوے بھی اسے دیکھے گیا۔۔ کمرے میں ہیٹر آن ہونے کے باعث کمرہ بہت گرم تھا۔ اسی لیے وہ بنا کمبل کے ہی سو رہی تھی۔

اس کے بدن کی دلکشی ارحام کو اس سے نظریں ہٹانے ہی نہیں دے رہی تھی۔۔ ارحام کی نظر اس کے آگے سے کھلے ہوے دو بٹنوں سے نظر آتے گہرے گلے پر تھیں۔ جہاں اس کی شدتوں کے گہرے نشان تھے۔۔ جو اس کے سفید نرم و ملائم بدن کو داغدار کر چکے تھے۔۔ ارحام کی نظر اس کے گلے سے نظر آتی گہرائیوں پر تھیں۔۔ جہاں اس کی شدتوں کے نشان سب سے زیادہ گہرے تھے۔

شاہ نواز کے حملے کے بعد وہ حور کو حویلی چھوڑنے کے بعد گھر نہیں آیا تھا۔۔شاہ نواز پر اس نے بھی کئی حملے کروائے تھے۔ مگر شدید سکیورٹی کی وجہ سے وہ بچ نکلا۔۔

دو دن بعد وہ حویلی آیا تھا۔ آتے ساتھ ہی وہ حور پر کوئی بھی نظر ڈالے بغیر سو گیا تھا۔۔

مگر اب وہ اس کے وجود کو اگنور نہیں کر پا رہا تھا۔۔وہ اپنے قیامت خیز سراپے سے اس کے اندر سوئے جذبات جگا چکی تھی۔۔ارحام بے اختیاری میں اس کی طرف بڑھتا اس کے پورے وجود پر قابض ہوا۔۔

اپنے اوپر پہاڑ جیسے وجود کو محسوس کرتے حور کی سانسیں رکی تھیں۔ حور نے آنکھیں کھولتے اپنے اوپر جھکے ارحام کو دیکھا جو اپنی گرم سانسوں کی تپش اس کے چہرے پر بکھیرتے پوری طرح اس پر حاوی تھا۔۔اس کی نظریں

اس کے چہرے کا طواف کرتے اور اس کے ہاتھ اس کے پورے وجود کو بے باکی سے محسوس کر رہے تھے۔۔ حور کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی ارحام کے سینے میں دھڑکنے لگیں ۔۔۔ اس کی تیز ہوتی دھڑکنوں کو محسوس کرتے ارحام کے ہاتھوں کی بے باکی بڑھی۔

ارحام اپنے انگوٹھے سے بے دردی سے اس کے نچلے لب کو مسلتے اس کے خوف سے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔۔

اس کا زرد پڑتا رنگ دیکھ کر ارحام گہرا مسکرایا۔ اسے اپنی بانہوں میں قید کرتے وہ رخ پلٹ گیا تھا۔۔ حور کو اپنے سینے پر گرائے اس کے بالوں کو پیچھے سے بے دردی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

مجھے دیکھتے یہ حسین چہرہ مرجھایا گلاب کیوں بن جاتا ہے؟؟۔۔ سرخ گال زرد کیوں پڑتے ہیں؟؟۔ ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

آہ۔۔۔۔۔۔۔ حور نے درد سے سسکی لی۔۔

حور کی درد بھری سسکاری پر ارحام کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ ابھری ۔۔

جان من۔۔۔۔۔ یہ زندگی تو بہت لمبی ہے۔۔ تمھیں تو بہت سے درد سہنے ہیں میری ہمراہی میں۔۔۔۔۔ یہ چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر سسکاریاں بھرنا چھوڑ دو۔۔ ارحام نے اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا جہاں نمی کی ہلکی سی تہہ تھی۔۔ وہ گہرے سانس لیتے بمشکل ہی اپنے آنسوؤں کو اپنے عارض کا حصہ بننے سے روکے ہوے تھی۔۔۔

گڈ ایکٹ۔۔۔۔۔مجھے تمھارے آنسو بلکل پسند نہیں ہیں۔یہ تمھاری آنکھوں میں تو بہت جچتے ہیں۔ مگر یہ بہہ کر اپنی وقعت کھو دیتے ہیں۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں کے گوشوں پر ابھرتی ہوئی نمی کو اپنی انگلی سے چنا۔۔

حور ارحام کے برہنہ چٹانی سینے کا حصہ بنی نم آنکھیں لیے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی۔۔۔

انگوٹھے کا زخم کیسا ہے؟؟۔۔ڈریسنگ کی تھی۔ارحام نے اس کی ٹھوری کو نرمی سے چھوتے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔کانچ سی آنکھوں میں نمی اسے کافی اٹریکٹ کر رہی تھی۔

اس کے نرمی سے پوچھنے پر حور کی آنکھوں میں پھر سے شبنم آن ٹھہری۔۔

جی کی تھی۔۔ حور نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔۔

وہ حور کا پورا وجود اپنے سینے پر منتقل کر چکا تھا۔۔

حور کے بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔

درد تو نہیں ہے۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں میں نرمی سے اپنی انگلیاں پھنسائے اس کی کان کی لو کو اپنے دانتوں سے کاٹا۔

نن نہیں۔۔۔۔۔۔ حور نے آنکھیں میچتے ہوئے اپنی سسکی روکی۔۔

اس کی نرمی سختی میں بدلتے شدت اختیار کرنے میں پل نہیں لگاتی تھی۔۔۔۔۔۔ وہ اس کی شدتیں ابھی تک بھولی نہیں تھی۔۔ اس کے بدن پر اس کی بے رحمی سے ثبت ہوئی شدتوں کے نشان اسے بھولنے ہی کہاں دیتے تھے۔ وہ اس کے نازک وجود کو خود میں سختی سے بھینچے ہوئے اس کی

ناز کی محسوس کر رہا تھا۔ حور اس دیو کے سخت حصار میں بری طرح کپکپا رہی تھی۔

ارحام نے اس کا کپکپانا محسوس کر کے اس کے بالوں پر اپنی گرفت جمائے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

اتنا ڈرتی کیوں ہو؟؟ کچھ نیا تو نہیں کرتا تمھارے ساتھ۔۔۔ اپنا حق لیتا ہوں۔۔۔ ارحام کا سوال حور کی آنکھوں کی نمی بڑھائے اسے اس کا جواب دے چکا تھا۔۔

کیا کروں میری جان۔۔۔۔ تم نازک شہری جان۔۔۔۔ کہاں اس پہاڑی کے شکنجے میں پھنس گئی۔۔۔ جانتا ہوں مجھے برداشت کرنا تمھارے لیے آسان نہیں ہے۔ مجھے برداشت کرنا تو گل کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔۔ حتی کہ اس کی قربت میں میری شدتوں میں صرف پیار ہوتا تھا۔۔ گل سے اپنا حق کافی

نرمی سے لیتا تھا۔۔ مگر تم پر لٹائی گئی میری شدتوں میں نرمی اس لیے نہیں ہوتی۔۔ کیونکہ تم زبردستی میری زندگی میں گھس کر مجھ سے میرا سب کچھ چھین کر لے گئی۔۔ تمھارے لیے میری شدتوں میں غصہ ہوتا ہے۔اس لیے میری نرمی سختی میں بدل جاتی ہے۔

دوسرا تمھاری بے پناہ خوبصورتی تمھارا یہ قیامت خیز بدن ہے۔۔۔ جو مجھے میرے حواس میں نہیں رہنے دیتا۔۔ مجھے جنونی کر دیتا ہے۔ارحام کی آنکھیں سرخ اور لہجہ کافی بھاری ہوا تھا۔۔ ارحام کی سرخ آنکھیں دیکھ کر حور اپنی سانسیں روک گئی تھی۔۔

جسے محسوس کرتے ارحام اسے بانہوں میں لیے رخ پلٹ گیا۔۔ اس کے لبوں پر نرمی سے قابض ہوتے اس میں اپنی سانسیں انہیل کیں۔۔۔

حور کی سانسوں میں روانی محسوس کرتے اس کی نرمی سختی میں بدلی تھی۔ وہ اس کی سانسوں پر بری طرح قابض ہوا تھا کہ حور کی مدھم ہوتی سانسیں وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔۔ مگر ارحام نے اسے چھوڑا نہیں تھا۔۔

حور کی بے جان حالت محسوس کرتے وہ پھر سے اس میں سانسیں انڈیل گیا۔۔ اس کے لبوں سے خون کی بوند وہ اپنے لبوں سے چنتے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو ایک نظر دیکھا تھا۔۔ حور گہرے سانس بھرتے ارحام کو دیکھ رہی تھی وہ پھر سے اس کی سانسوں پر قابض ہوا۔۔

وہ بے رحم بنا کبھی اس کی سانسیں چھینتا کبھی اپنی ہی سانسیں اس میں انڈیلتے اس کی سانسوں کے ساتھ بری طرح کھلواڑ کر رہا تھا۔۔

اس کی بے باک ہاتھ اب اس کے اگلے بٹنوں پر تھے۔۔ جسے محسوس کرتے حور کی سانسیں پھر سے اٹکی تھیں۔ ارحام کا دہکتا لمس اس کی گردن کو

داغدار کرنے لگا۔۔ حور کی آنکھوں سے بہتے آنسو وہ نظر انداز کرتے اپنے لب وہ اس کی دھڑکنوں کی مقام پر رکھ گیا تھا۔ حور نے تڑپتے ہوے ارحام کو روکا۔۔ حور کی مزاحمت پر اس کا لمس شدت اختیار کر گیا۔۔۔ اپنے اوپر کمبل لیتے وہ اس کی کلائیوں کو سختی سے جکڑے حور میں پوری طرح سمائے وہ اسے اپنے بدن کا حصہ بنا گیا تھا۔۔ حور نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کرتے خود کو اس ستم گر کے حوالے کیا۔۔ جو اپنی شدتیں ہر جگہ پر بے رحمی سے بکھیرتے اپنا حق بہت بے رحمی سے لے رہا تھا۔۔

ارحام بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی مردانہ شال کندھوں پر ڈالے ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو ایک نظر کمبل میں دبکے وجود پر ڈالی۔۔ جس کی سسکیاں

ابھی تک اسے سنائی دے رہی تھیں۔ ارحام نے غصے سے حور کے وجود سے کمبل اتار کر سائیڈ پر پھینکا۔۔

حور اپنی حالت دیکھتے سرخ پڑتے کمبل کو جلدی سے پکڑتے خود پر اچھی طرح لپیٹتے بیڈ کراون کے ساتھ جا لگی۔

اب وہ نظریں جھکائے اس ستم گر کے اگلے حکم کی منتظر تھی۔۔ جو اپنا مطلب پورا کرنے کے بعد اسے خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

صبح کے نو بج رہے ہیں۔ میں نے تمھیں بولا تھا۔ صبح سات بجے تم کچن میں موجود ہو۔۔ شوہر کے حقوق تو پورے کرتے تمھاری جان جاتی ہے۔۔ بہو کے فرائض ہی پورے کر لو۔۔

حور نے نم آنکھوں سے ستم گر کو دیکھا جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو اپنی پناہوں سے آزادی دی تھی۔۔

اور اپنے حقوق بھی وہ بہت بے دردی سے لے چکا تھا۔۔

حور کی آنکھوں میں شکوے دیکھتے وہ غصے سے اس کی طرف بڑھا۔ حور کی آنکھوں میں ٹھہرا درد اور شکوے اسے عجیب سی جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیتے تھے۔۔ حور اس کے خود کی طرف بڑھنے پر اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

آنکھیں کھولو۔۔۔۔ ارحام اس کا جبڑہ بھینچتے غرایا۔۔

حور نے اس کی غراہٹ پر جھٹ سے آنکھیں کھولیں۔۔ مجھے شکوہ کناں آنکھوں سے دیکھنے کا تمھیں کوئی حق نہیں ہے۔ نہ میں تمھیں کبھی اتنا حق

دوں گا کہ تم مجھ سے کوئی شکوہ کرو۔۔۔ آئندہ مجھے ان آنکھوں سے ایسے مت دیکھنا۔۔ ارحام نے اسے درشت لہجے میں تنبیہ کی۔۔

نہیں کروں گی۔۔ کبھی شکوہ نہیں کروں گی۔۔ آپ جیسے ظالم بے حس انسان سے میں زندگی بھر شکوہ نہیں کروں گی۔۔۔ حور اپنا جبڑہ چھڑواتے گھٹی گھٹی بھیگی آواز میں بولی۔۔ وہ اسے ظالم بے حس کہہ کر اس کے ظلم اور بے حسی کا پھر سے شکوہ کر گئی تھی۔ اب آنکھوں میں شکوہ نہیں تھا۔۔ وہ معصومیت سے لبوں سے ہی شکوہ کر گیئی تھی۔

اس کے معصومیت بھرے شکوہ کن انداز پر ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی ۔۔۔ وہ اپنی شال اپنے کندھے سے اتار کر دور اچھالتے حور کے وجود سے

کمبل اتارتے اس کے وجود کا حصہ بنے اس پر قابض ہوا۔ حور نے سہمتے ہوے ارحام کو دیکھا جو پھر سے اس پر قابض تھا۔۔

تمھاری زبان اس لیے چل رہی ہے تمھیں لگتا ہے کہ میری ضرورت پوری ہو گئی ہے۔۔ اب تمھیں میری قربت نہیں سہنی پڑے گی۔۔ تو ایسی بات بلکل نہیں ہے میری جان۔۔۔۔ تم پر ترس آجاتا ہے۔۔ ورنہ رات دن تمھیں اپنے وجود کا حصہ بنائے رہوں۔۔ لیکن کوئی بات نہیں تم ایسے زبان چلاتی رہو گی تو ایسی سزائیں ملتی رہیں گی۔۔ ارحام اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں پر قابض ہوا تو حور خوف سے لرز اٹھی تھی۔۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی وہ مزید اسے برداشت کرتی۔۔

حور کی سانسیں اکھیڑتے اسے آزادی بخشی تو وہ گہرے سانس لیتے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔ جس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتے دیکھ کر حور کی جان لبوں پر سجی تھی۔

پپ۔۔۔۔ پلیز مم۔۔۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔۔ حور نے کانپتے لہجے میں رحم کی درخواست کی۔۔ ارحام اس کا خوف سے زرد پڑتا چہرہ دیکھ کر اس سے الگ ہوا تھا۔

اب یہ درد کا بہانہ بند کرو۔۔۔۔۔۔ اٹھو شاور لو۔۔۔۔ کچن میں چل کر درخشاں سے کھانا بنانا سیکھو۔۔

ارحام اس سے الگ ہوتے بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔۔

سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگائے حور کے وجود پر گہری نظر ڈالی۔ حور ارحام کی نظروں سے سرخ پڑتے نظریں جھکائے کمبل خود پر لپیٹ گئی۔۔

اب تمھیں ہی یہ کچن سنبھالنا ہے۔۔ اس حویلی کی بڑی بہو ہو۔۔ میں تمھاری طرف سے کوئی بھی کوئی کمی کوتاہی نہ دیکھوں۔۔ مورے کی ہر بات ماننا تم پر فرض ہے۔۔ کبھی بھی میں تمھیں کسی بھی بات پر ان سے بحث کرتا نہ دیکھوں۔۔ ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔۔

اب اٹھو جاؤ یہاں سے۔۔۔ کیوں چاہتی ہو۔۔ میں تمھیں پھر سے درد دوں۔ ارحام نے حور کے چہرے پر نظر ڈالی جو خون چھلکا رہا تھا۔۔ اس کے بال اس کے چہرے پر بکھرے تھے۔۔ لبوں اور اس کے شفاف عارض پر

بھی اس کی شدت کے نشان تھے۔ وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے کمبل اپنی گردن تک لپیٹے ہوے تھی۔

میں ظالم ہوں۔۔۔ ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کا زخمی لب نرمی سے سہلاتے پوچھا۔

بہت زیادہ۔۔۔۔ حور نے بہتی آنکھوں سے ہچکی لیتے کہا۔۔ ارحام کچھ پل کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے خوبصورت نقوش میں وہ بری طرح الجھا تھا۔۔

ارحام نے اس کے بال نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑسے۔۔۔باہر جاتے ہوے ہلکا سا میک اپ کر لینا۔۔ارحام نے اس کے گال پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیریں۔۔۔۔اوکے۔۔۔۔۔

جی۔۔۔حور نے اثبات میں سر ہلایا۔۔وہ اس کے قریب آنے پر پھر سے گھبرا گئی تھی۔۔

گڈ۔۔۔اب اٹھو شاباش اچھا سا ڈریس پہنو۔۔لبوں پہ مسکراہٹ سجائے مورے سے جا کر سلام کرو۔۔۔کسی کو بھی ہمارے کمرے کی کوئی بات نہیں پتہ چلنی چاہیے۔۔کسی بھی ملازمہ سے دوستی کرنے کی یا باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔۔نہ ہی درخشاں سے یہاں سے بھاگنے کے لیے کوئی مدد لینے کی۔۔۔۔کیونکہ یہاں سے تم ساری عمر بھاگ نہیں سکتی۔۔۔نہ ہی

میں تمھیں کہیں جانے دوں گا۔۔ ہم خان اپنی عزت کو کبھی نہیں چھوڑتے۔۔۔ بہت غلط اور ظالم انسان کے ہاتھوں تم نے اپنی زندگی سونپی ہے۔۔ ارحام نے حور کو استھزائیہ نظروں سے دیکھتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

گل کو تو آپ نے بہت جلدی چھوڑ دیا تھا۔۔ وہ تو آپ کی عزت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی محبت بھی تھی۔۔ حور کی بات پر ارحام کے ماتھے کے بل گہرے ہوے تھے۔۔ سفید رنگت میں سرخیاں گھلیں۔

ارحام نے حور کو جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تو وہ ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح اس کے کشادہ سینے میں آن سماتے اس کی دھڑکنوں کا حصہ بنی۔ رنگ شدید سرخ پڑا۔۔ وہ اس کی شرم محسوس کرتے اپنے اور اس کے گرد کمبل لپیٹ گیا تھا۔۔

اسے چھوڑ دیا مگر تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔۔ گل میری محبت تھی مگر تم میری نفرت ہو۔۔۔۔ میں محبت میں اتنا شدت پسند نہیں تھا۔۔ مگر تم سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا۔ ارحام خانزادہ نفرت میں حد سے آگے بڑھ سکتا ہے۔۔۔ نفرت کا جذبہ وہ جتنی شدت پسندی سے نبھانا جانتا ہے۔ اتنا کوئی جذبہ نہیں نبھانا جانتا۔۔ تمھیں اب میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ سسک سسک کر میری بانہوں میں جان دو گی تم۔۔۔ ارحام سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر چھوڑتے غرایا۔۔

اٹھو یہاں سے شاور لو۔۔۔۔۔۔ ورنہ تم پر ترس بلکل نہیں کھاؤں گا۔۔ ارحام نے دھاڑتے ہوے اسے خود سے الگ کیا تو حور لرزتے ہوے

بسی سے ارحام کو دیکھتے اپنے لباس کو دیکھ کر رہ گئی جو اس سے کافی دور پڑا تھا۔۔

ارحام نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے اس کی طرف دیکھا۔ جو اپنے لب کاٹتے اپنے آنسوؤں پر کنٹرول کر رہی تھی۔۔

تمھارے پاس دس منٹ ہیں تیار ہو کر باہر آؤ۔۔۔ ارحام بیڈ سے اٹھتے اپنی شال کندھوں پر ڈالتے باہر نکل گیا تھا۔۔ حور گہرے سانس بھرتی بیڈ سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

بہارے اچھی طرح دوپٹہ اوڑھتے مردانہ خانہ میں داخل ہوئی۔ وہ مردان خانے کی بیٹھک میں داخل ہوئی تو سمیع اللہ خان کے سامنے والے صوفے پر

بیٹھے شہرام کو دیکھ کر ٹھٹک کر رکی تھی۔۔ شہرام صوفے سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے بہارے کو دیکھنے لگا۔ اسے دیکھ کر بہارے کے چہرے پر ناگواری کے رنگ لہرائے۔۔۔ جنھیں چھپانے کی اس نے ذرا زحمت نہیں کی تھی۔ وہ غصے سے تیکھی نظروں سے شہرام کو دیکھنے لگی جو مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ سمیع اللہ خان نے کھنکارتے ہوئے دونوں کو متوجہ کیا جو ان کی وہاں موجودگی بھی بھول گئے تھے۔۔

سمیع اللہ کی کھنکار پر شہرام صوفے پر سیدھا ہوا

۔ بہارے کو ایک نظر دیکھتے وہ مسکراتے ہوئے نظریں جھکائے اپنے سیاہ چمکتے بوٹوں کو دیکھنے لگا۔۔ بہارے کی متوقع بے عزتی اس کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔۔

اور وہ یہ حسین نظارہ مس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسلام و علیکم داجی

۔۔۔ بہارے نے شہرام کے لبوں پر چپکی مسکراہٹ کو دیکھتے دانت پیستے

سمیع اللہ خان کو سلام کیا۔۔

شکر ہے تم کو سلام کرنے کا خیال آ گیا۔۔ ورنہ ہم تو سمجھا تھا تم صرف ہمیں

یہاں اپنی شکل دکھانے آیا ہے۔۔ سمیع اللہ کی بات پر شہرام کے لبوں کی

مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔۔

بہارے کا رنگ سرخ پڑا۔۔۔ اور شہرام کے لبوں کی مسکراہٹ بڑھی۔

جس طرح تم نے سلام کرنے میں آدھا گھنٹہ لگایا ہے اس طرح بات کرنے

میں کتنا دیر لگائے گا۔۔ یا صبح سویرے تم اپنا یہ چہرہ ہمیں دکھانے آیا

ہے۔۔ اب ہم نے تمھارا چہرہ دیکھ لیا ہے۔۔ ہم کو کوئی خاص خوشی نہیں

ہوا۔۔اس لیے تم جا سکتا ہے ادھر سے۔۔۔ سمیع اللہ خان اپنی شال کندھوں پر ڈالتے سنجیدگی سے بولے۔۔

شہرام نے اب کی بار اپنی ہنسی کھانسی کرتے کنٹرول کی تھی۔۔

شہرام کے سامنے اپنی بے عزتی پر بہارے کو آگ لگی۔۔۔وہ اب پچھتا رہی تھی وہ شہرام کو دیکھ کر یہاں سے چلی کیوں نہیں گئی۔

سمیع اللہ نے بہارے کو خاموش کھڑا دیکھ کر گھورا تھا۔۔وہ اپنی اس پوتی کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔۔اس لیے وہ اسے اسی طرح ڈیل کرتے تھے۔۔انھیں پورا یقین تھا وہ صبح صبح کوئی ایسی ہی بات کرنے آئی ہے۔۔جسے سنتے ان کا بی پی ہائی ہو جانا ہے۔۔ویسے بھی ان کے نزدیک بہارے کو سر پر ان کا پوتا اچھا خاصہ چڑھا چکا تھا۔۔کوئی اور اس کے نخرے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اب بولو بھی کیا بات کرنا ہے تم نے۔۔۔یا ہم یہاں سے جائے۔۔ سمیع اللہ بہارے کو شہرام کو گھورتا دیکھ کر گرجے تھے۔

جی دا جی۔۔۔میں وہ آپ سے کہنے آئی تھی۔۔مجھے شہر کے ہسپتال میں جاب کرنا ہے۔۔بہارے نے جلدی سی اپنی عرضی سنائی۔۔جسے کہنے کے لیے وہ صبح صبح ادھر آئی تھی۔۔شہرام اب صوفے سے ٹیک لگائے اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے بہارے کو دیکھنے لگا۔۔اس کے لبوں پر اب مبہم سی مسکراہٹ تھی۔بہارے اس مونچھوں تلے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر سلگی۔

اور جو تمھارا رخصتی کا تیاریاں کرنے کا ہم سوچ رہا ہے اس کا کیا؟؟ سمیع اللہ نے بہارے کو گھور کر دیکھا۔۔

داجی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔۔ ہم کونسا بھاگے جا رہا ہے ادھر سے کہ آپ سب کو ہمارا رخصتی کا پڑ گیا ہے۔۔ بہارے نے شہرام کو گھورتے دانت کچکچاتے کہا۔۔

بہارے کی ضول سی بات پر شہرام کو بلکل غصہ نہیں آیا تھا۔۔ اسے پتہ تھا اب کیا ہونا ہے ؟؟ جو ہونا تھا وہ شہرام کو بہت تقویت پہنچانے والا تھا۔۔۔

تم بھاگ کر دکھاؤ تو ذرا۔۔۔ ہم تمھارا ٹانگیں توڑ کر تمھیں اس حویلی کے کونے میں ڈال دے گا۔۔ سمیع اللہ صوفے سے اٹھتے گرج اٹھے۔

داجی۔۔۔ میں تو بس ایک بات کر رہی تھی۔۔ بہارے سمیع اللہ کی گرج پر لرز اٹھی۔۔۔

مجھے سمجھ نہیں آتا تم بات کرتا ہی کیوں ہے؟ جب تمھیں اپنی زبان پر کنٹرول نہیں۔۔۔ ایک زبان ہی ہوتا ہے۔۔ جس پر انسان کو کنٹرول ہوتا ہے۔ لیکن تم جب بھی بولتا ہے۔۔ غلط ہی بولتا ہے۔۔ ہم کو سمجھ نہیں آتا تم نے اتنا سال شہر میں جھک مارا ہے۔۔ پتہ نہیں تم کو ڈاکٹر کس نے بنا دیا؟؟۔۔ سمیع اللہ نے بہارے کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی۔۔ شہرام نے پر سکون ہوتے صوفے سے ٹیک لگاے بہارے کو آنکھ ونک کی۔۔ جو آنکھوں میں آنسو لیے شہرام کو ہی دیکھ رہی تھی۔۔

داجی۔۔۔ میرا مطلب تھا۔۔ یہ رخصتی شہرام کرنا نہیں چاہتا۔۔ آپ پوچھ لیں شہرام سے اس نے کتنی بار مجھے یہ کہا۔۔ شہرام کے چہرے پر دل جلانے والی مسکراہٹ دیکھ کر اس نے ساری بات شہرام کے کھاتے میں ڈالنی چاہی

۔۔۔۔۔شہرام نے اس بار مسکراتے ہوے بہارے کو فلائنگ کس کرتے اور تپایا تھا۔۔۔

شہرام کیا چاہتا ہے کیا نہیں ہم اچھی طرح جانتا ہے۔۔ تم اپنی بات کرو۔۔۔۔ تم کیا چاہتا ہے۔۔ سمیع اللہ نے درشتگی سے کہا۔

مم میں داجی۔۔۔ میں تو صرف ہسپتال میں نوکری کرنا چاہتا ہوں۔۔ بہارے نے منمناتے ہوے کہا۔۔

تم شہر کے ہسپتال میں نوکری نہیں کرے گا۔۔ کیونکہ تمھارا دماغ ڈاکٹر کی پڑھائی کر کے ہی خراب ہو چکا ہے۔ دو دن تم شہر کے ہسپتال میں جب سچ میں ڈاکٹر بن جائے گا تو تم تو اپنے آپ کو حواہی سمجھے گا۔۔ آگے تمھارا شوہر تمھارا بہت دماغ خراب کر چکا ہے۔۔ جو تم کسی کو کچھ سمجھتا نہیں۔۔ بھاگنے کی بات کرتا ہے ہمارے سامنے۔۔۔۔۔ شرم لحاظ بھول گیا ہے۔۔ سمیع اللہ

غصے سے سرخ ہوتے بہارے کو گھورتے بول رہے تھے۔۔ ہٹو ہماری نظروں کے سامنے سے۔۔ ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کس نے تم کو ڈاکٹر بنا دیا ہے۔۔ شہرام پتہ کرو اس کا ڈگری جعلی تو نہیں۔۔۔ سمیع اللہ بہارے کو گھورتے وہاں سے چلے گئے۔۔ شہرام کار کا ہوا قہقہہ مردانے خانے کی بیٹھک میں گونجتا بہارے کا تن من مزید سلگا گیا۔۔

بہارے ظبط سے گہرے سانس بھرتے اسے نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔ شہرام کے سامنے اتنی بے عزتی پر وہ توحین و خجالت سے بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔ شہرام ہنستا ہوا صوفے سے اٹھتا بہارے کے قریب آیا۔۔

اگر تم یہ عرضی اپنے شوہر کے پاس لے کر آئی ہوتی۔۔۔ تمھارا کام بہت آسانی سے بن جاتا۔۔ تمھیں صرف کرنا یہ تھا بہت پیار سے تمیز سے مجھ

سے آجازت لینی تھی۔۔ شہرام بہارے کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی میں بولا۔

میں مر جاؤں گی۔ کبھی تم سے آجازت نہیں لوں گی شہرام۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے چیخی۔۔

میں تمھیں مرنے نہیں دوں گا۔۔۔ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔۔۔ تمھاری زندگی کسی کے لیے بہت قیمتی ہے۔۔ شہرام نے اس کے گال سے آنسو نرمی سے چنے

اور وہ کسی تم ہو۔۔ بہارے پیچھے کو ہوتی چیخ پڑی۔

نہیں میرے لیے کیوں ہو گی تمھاری زندگی قیمتی۔۔ میں تو تمھارے پیشنٹس کی بات کر رہا ہوں۔۔ جن کے لیے ڈاکٹر بہارے جیسی قابل ڈاکٹر بہت قیمتی ہے۔۔

مذاق اڑا رہے ہو میرا۔۔۔۔ بہارے شہرام کی بات پر بلبلاتے ہوے بولی۔۔

نہیں سچ کہہ رہا ہوں۔۔ شہرام نے اپنی لیدر کی جیکٹ میں ہاتھ ڈالتے بہت غور سے اس کے گلابی تپے ہوے چہرے کو دیکھا۔

کون کرنے دے گا مجھے ہسپتال میں کام؟؟ بولو جواب دو۔۔۔ جب یہی سب کچھ کرنا تھا۔۔ کیوں مجھے ڈاکٹر بننے دیا؟۔ بہارے نے روتے ہوے سوال کیا۔۔

تم بہت بے صبری ہو بہارے۔۔۔۔۔ تم ڈاکٹر بن گئی۔۔ کیا تمھاری راہ میں کوئی رکاوٹ آئی۔۔۔ جواب آئے گی۔۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

تم ہسپتال میں جاب کرو گی۔۔ ضرور کرو گی۔ مگر اس سے پہلے مجھے چیک کرنا پڑے گا تمھاری ڈاکٹری کی ڈگری جعلی تو نہیں۔۔۔ شہرام نے بہارے کے قریب ہوتے اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کرتے مسکراہٹ دبائے کہتے اسے آنکھ ماری۔۔

بہارے نے غصے سے سرخ پڑتے شہرام کو خود سے دور دھکیلا تھا۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے اپنی گرفت اور مضبوط کی۔ بہارے کے سر سے دوپٹہ پھسلتا کندھوں پر آگیا تھا۔ شہرام نے اس کے بالوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر انھیں کیچر سے آزاد کرتے اسے دور پھینک دیا۔۔ بہارے کے بال کھل کر اس کے چہرے کے اطراف اور کمر پر بکھر گئے۔۔

چھوڑو مجھے بد تمیز انسان۔۔۔ بہارے بری طرح جھٹپٹائی۔۔۔ شہرام بہارے کے چیخنے پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرتے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا۔۔ بہارے اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔

تم بہت بد تمیز ہو۔۔۔ شہرام۔۔۔ تم چاہتے ہو میں تمھاری بیوی بن کر کچن میں تمھارے لیے کھانے بناؤں۔۔ اور تم ڈیرے پر سارا سارا دن اپنے دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرو۔۔

شہرام نے بہارے کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کرتے اس کی چلتی زبان کو قابو کیا تھا۔۔ وہ اس کی سانسیں خود میں انہیل کرتے اس کی سانسیں چرائے اس کے لبوں کا جام پینے لگا۔۔ شہرام کے بے رحمانہ ایکٹ پر بہارے کے مزاحمت کرتے ہاتھ ساکت ہوے تھے۔۔

۔وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں قید کیے اس کے لبوں کا جام پی رہا تھا۔وہ اس کی مزاحمت پر اس کے ہاتھ دیوار کے ساتھ پن کیے سختی سے جکڑ گیا ڑھا۔وہ اپنی من مانی کرتے پیچھے ہٹا تو بہارے گہرے سانس لیتی شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔۔ تمھاری زبان قابو کرنے کا طریقہ مل گیا ہے۔

رخصتی کے بعد تمھیں ایسے ہی قابو کروں گا۔شہرام اس کے لبوں کو انگوٹھے سے سہلاتا بھاری آواز میں بولا۔

نہ یہ رخصتی ہو گی نہ تمھارے ارمان پورے ہوں گے۔۔وہ شہذام

کو دھکا دیتے چلائی تھی وہ شہرام کو ایک انچ نہیں ہلا سکی تھی۔۔ شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

بہارے دلہن بھی بنے گی۔۔۔ اور شہرام خانزادہ سیج پر اپنا حق بھی گے گا۔ شہرام خانزادہ اپنا حق کبھی نہیں چھوڑتا۔۔ وہ اس کے لبوں کو چومتے پیچھے ہوا تھا۔ تمھاری سیج میں تمھیں ضرور میں زہر ملا کر دے دوں گی۔ بہارے کا لمس اپنے ہونٹوں پر رگڑتی چلائی تھی۔

کوئی بات نہیں مل کر پی لیں گے۔۔۔ زندگی ساتھ نہ گزری موت تو ایک دوسرے کی بانہوں میں آئے گی۔ وہ رک کر ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

شہرام اللہ کرے تم کبھی خوش نہ رہو۔ بہارے نے چیختے ہوئے بد عادی۔۔

تمھارے میرے زندگی میں آنے کے بعد کیسے خوش رہ سکتا ہوں۔۔ تم میرے لیے سر تا پا بد عا ہو۔۔۔ وہ سنجیدگی سے کہتے چلا گیا تھا۔

بہارے غصے اور بے بسی کے احساس سے روتے ہوئے پیر پٹختی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔۔۔

ارحام زنان خانے میں امینہ خانم اور فرشتے کے ہمراہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا

اسلام و علیکم۔۔۔۔۔ حور نے لاونج میں داخل ہوتے سب کو سلام کیا۔ ارحام نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی نظر حور پر ٹھہر سی گئی تھی۔ حور بے بی کلر کی پنک کلر کی فراک میں ملبوس تھی گلابی نیٹ کا ہم رنگ دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمائے پنک کلر کی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔ کلائیوں

میں گولڈ کی چوڑیاں پہن رکھی تھی۔ گیلے بل کمر پر بکھرے تھے جو نیٹ کے ضوپٹے سے پوری طرح عیاں تھے۔ وہ پنک کلر میں کھلتی نازک سی ان چھوئی کلی لگ رہی تھی۔ ارحام کی گہری نظروں کی تپش سے گھبراتے ہوے حور نے اچھی طرح دوپٹہ سر پر لیا۔ ہاتھوں میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ رنگ تپ کر آنار ہوا۔

ارحام اس کی گھبراہٹ اور اس کے چہرے کی بڑھتی سرخی کو دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔۔ بے اختیار لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔

ماشاءاللہ۔۔۔۔۔۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ ہمارا ارحام کا دلہن تو سچ میں جنت کا حور ہے۔ امینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے حور کے ماتھے پر لب رکھے تو حور کی آنکھیں جھلملائیں تھیں۔ امینہ خامم کی محبت پر وہ چاہ کر بھی اپنی آنکھین نم ہونے سے روک نہ سکی تھیں۔

مگر سامنے بیٹھے ستم گر کی سخت نظروں سے خایف ہوتے حور نے اپنے لب کچلتے اپنے آنسو روکے تھے۔ ارحام نے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے حور کے آنسوؤں کو بغور دیکھا۔۔۔ وہ اپنے امڈتے آنسوؤں کو روکنے کے لیے اپنے کپکپاتے لبوں پر ظلم کر رہی تھی۔ جو ارحام خانزادہ کو کافی ناگوار گزرا تھا۔۔ اس کے چھونے پر وہ تڑپ اٹھتی تھی۔ اب اپنے لبوں کو کاٹ کاٹ کر خود ہی زخمی کر رہی تھی۔ ارحام کی نظریں ابھی تک حور پر گڑھی تھیں۔ جسے محسوس کرتے وہ نظریں نہیں اٹھا رہی تھیں۔

فرشتے حور کو دیکھتے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ فرشتے کو وہاں سے جاتا دیکھ کر حور نے نے اپنے لبوں پر مزید ظلم کیا تھا۔۔ فرشتے کو دیکھ کر یہ احساس جرم مزید بڑھنے لگتا۔۔۔ حور نے گہرا سانس لیتے اپنی آنکھیں مسلیں۔ سامنے بیٹھا انسان اس کے ہر ایکٹ پر گہری نظریں جمائے ہوے

تھا۔۔اس کا سختی سے حکم تھا باہر آنسو نہ بہیں۔ حور نے بھیگی نگاہیں اٹھا کر ارحام کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

ارحام تم حور کو کچھ خریداری کروادو۔۔کچھ کپڑے دلوادو۔۔وہ تم گل کے لیے کرتا کیا تھا۔۔گل موبائل سے کپڑے پسند کرتا تھا تم منگوا کر دیتا تھا۔۔حور کو بھی منگوادو۔۔امینہ خانم نے حور کو گل کے کپڑوں میں دیکھ کر کہا۔

امینہ خانم کو حور کے عمل پر بہت غصہ تھا۔ مگر اب وہ ارحام کی بیوی تھی۔ پھر اس کی کم عمری اور معصومیت دیکھ کر وہ اس کے ساتھ سرد رویہ برقرار نہ رکھ سکی تھی۔

اس کا ڈرا سہما روپ اور اس کے بدن پر ارحام کی شدتیں دیکھ کر انھیں اندازہ ہوا تھا۔۔ارحام حور کے ساتھ کافی سختی کرتا ہے۔ایسے میں وہ بھی

حور کے ساتھ سخت رویہ اپناتی تو وہ اور ڈر جاتی۔۔ حور کو دیکھ کر انھیں عابیر یاد آتی تھی۔۔وہ کسی کی بیٹی کے ساتھ ظلم نہیں کر سکتی تھی۔

مورے۔۔۔ حور کو گل کے کپڑے بہت پسند آئے ہیں۔اسے گل کی ہر چیز بہت پسند ہے۔میں نے کہا اسے مگر اس نے منع کر دیا ارحام نے حور کو دیکھتے طنزیہ کہا۔ حور کے دیکھنے پر ارحام کی طنزیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔۔

مورے ویسے بھی حور کو حویلی سے باہر نکلنا پسند نہیں ہے آپ کو پتہ ہے ناں اس نے اس حویلی میں رہنے کے لیے کیا کچھ کیا ہے اب تو اس حویلی سے اس کا جنازہ نکلے گا۔ارحام کے طنز پر اس بار وہ اپنے آنسو نہ روک سکی تھ۔۔ی

ارحام کے خوف سے وہ رخ پلٹے اپنے اپنے بہتے آنسو نیٹ کے دوپٹے سے بے دردی کے صاف کرنے لگی۔ ارحام حور کی پشت کو گھور کر رہ گیا۔۔ اس کا لرزتا بدن محسوس کر کے ارحام کا غیض و غضب بڑھا تھا۔

حور۔۔۔ ارحام کی سرد پکار پر حور کے آنسو آنکھوں میں ٹھہرے تھے۔ وہ خوف سے اپنی سانسیں روک گئی تھی۔

جج جی۔۔ حور نے رخ پلٹے بمشکل کہا۔۔ ارحام کی سرد نظریں اسے اچھی طرح باور کروا گئی تھی کہ اس کا اسے یہاں رونا پسند نہیں آیا۔

کچن میں جا کر دذخشاں کی ہیلپ کرو۔۔ ارحام نے خشمگیں نگاہون سے گھورتے حکم دیا۔

جی۔۔۔۔ حور کہتے کچن کی طرف بڑھی

ارحام کرلے گا وہ کچن کا کام۔۔۔ابھی پورا زندگی پڑا ہے

اس کا انگوٹھا کا زخم تو ٹھیک ہونے دو۔۔اس کو کہاں کوئی کام آتا ہے۔

ادھر آؤ بچے تم ہمارے پاس آکر بیٹھو۔۔امینہ خانم نے حور کو اپنے پاس بلایا

۔۔۔حور آہستگی سے چلتی امینہ خم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

اسلام و علیکم لالا۔۔بابرک نے لاونج میں قدم رکھتے بلند آواز میں سلام کیا۔

۔حور کو گہری نظروں سے دیکھتے ارحام کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھا۔

بابرک نے آج پہلی مرتبہ حور کو دیکھا تھا۔حور کو روتا ہوا بھی دیکھ چکا تھا۔

۔حور کی بے پناہ خوبصورتی اور کم عمری اسے کافی اٹریکٹ کر گئی تھی۔کیسا

ہے تم حور بھابھی؟؟بابرک نے حور کو غور سے دیکھتے پوچھا۔

مم میں ٹھیک ہوں۔۔ حور نے ایک نظر ارحام کو دیکھتے اٹکتے ہوے جواب دیا۔ وہ سامنے صوفے پر بیٹھا اس پر ہی اپنی سرد نظریں جمائے ہوے تھا۔

حور بھابھی تم اتنا ڈر کیوں رہا ہے لالا سے ؟؟ گل بھابھی تو بلکل نہیں ڈرتا تھا لالا سے۔۔۔ لالا تو بہت پیار کرتا تھا گل بھابھی سے۔۔۔۔۔۔۔ تم تو اتنا خوبصورت ہے۔۔ تم پر تو لالا مرتا ہو گا۔۔ بابرک کی بات پر حور کا رنگ سرخ پڑا۔۔ امینہ خانم کے چہرے پر ناگواری دوڑی تھی۔

ارحام کا رنگ بھی ظبط سے سرخ پڑا۔۔ بابرک کا حور کو دیکھنا کافی چبھا تھا۔

حور سنا نہیں تم کچن میں جاؤ۔۔۔ ارحام کے درشت لہجے پر وہ صوفے سے اٹھتی جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

امینہ خانم بھی صوفے سے اٹھتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

لالا بھابھی بہت ڈرتا ہے تم سے۔۔۔رحم کرو تھوڑا بیچاری پر۔۔۔۔

بابرک صوفے سے ٹیک لگائے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بولا۔۔

لگتا ہے تم زاران کی مار بھول گیا ہے۔۔میرا ہاتھ زاران سے زیادہ بھاری ہے۔اپنی نظروں کو کنٹرول میں کرو۔۔ورنہ میں زاران کی طرح گولی تمھارے بازو میں نہیں بلکہ سینے میں ماروں گا۔۔

میرا نشانہ کتنا پکا ہے یہ مجھے تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔

اس لیے اپنی نظروں کو میرے سامنے تو آئیندہ کنٹرول میں رکھنا۔۔میری غیر موجودگی میں بھی ان نظروں کو کنٹرول میں رکھنا۔۔ارحام بابرک کو گھورتا وہاں سے چلا گیا۔۔

بابرک ارحام کے جانے کے بعد مسکراتے ہوے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔۔

میرا نشانہ بھی پکا ہے۔ جس دن ہم گولی چلائے گا میری ایک گولی سے زاران خانزادہ اور ارحام خانزادہ دونوں ڈھیر ہو جائے گا۔۔ بابرک کا بھاری قہقہ گونجا تھا۔

زاران خانزادہ حویلی داخل ہوتے سیدھا مردان خانے کی طرف بڑھا۔۔۔ جو خبر اسے حویلی داخل ہوتے ملے تھی۔۔ اس کے قدم بے اختیار مردان خانے کی طرف بڑھے۔ وہ اپنی بھاری قدموں کی دھمک لیے مردان خانے میں داخل ہوا تو مردان خانے کی بیٹھک میں بیٹھے اسفندیار خان کو دیکھتے وہ

گہرا مسکرایا تھا۔۔جو بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔۔

زاران کو دیکھتے وہ مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اس کے گلے سے لگ گیا۔۔

تم آچانک کیسے آگئے ؟؟۔زاران نے اسفند سے الگ ہوتے پوچھا۔۔

میرے یار کی شادی ہو اور میں نہ ہوں۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟تو مجھے بھول سکتا ہے۔۔مگر اسفند یار خان سب کچھ بھول سکتا ہے۔مگر اپنی یاری نہیں۔۔کیونکہ اسفند یار خان یارو کا یار ہے۔اور دشمنوں کا دشمن۔۔۔اسفند خان نے اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے ہوے سنجیدگی سے کہا۔۔ساتھ ہی زاران پر سرد نظر ڈالتے اسے بہت کچھ باور بھی کروایا تھا۔

زاران نے لب بھینچتے ہوے اسفندیار خان کو دیکھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے زاران کے بھاری ہاتھ کا مکہ اسفندیار خان کے جبڑے پر پڑا تھا۔۔

یہ کس لیے تھا؟؟۔۔ اسفندیار خان نے اپنا جبڑہ سہلاتے ہوے پوچھا۔ جہاں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔۔

یہ تیری سوچ پر کہ جو تجھے لگا کہ میں تیرے بغیر نکاح کر سکتا ہوں۔۔ زاران کے چہرے کی سنجیدگی بڑھی تھی۔۔

اسفندیار خان نے کچھ پل زاران کو دیکھا۔۔ دوسرے ہی لمحے ایک زوردار مکہ زاران کے منہ پر پڑا تھا۔۔

یہ کس لیے تھا؟؟ زاران نے اپنے ہونٹ سے نکلے خون کو انگوٹھے سے صاف کرتے ہوے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔

یہ تیرے جھوٹ پر کہ تو میرے بغیر نکاح نہیں کر سکتا۔۔۔اسفندیار خان نے سنجیدگی سے کہتے زاران کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

ایسی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔اگر تو نہ آتا تو میں یہ نکاح کبھی نہ کرتا۔۔یقین کر مجھ پر۔۔۔زاران کی سنجیدگی بڑھی تھی۔وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھا۔

اچھا کل تیرا نکاح ہے۔۔مجھے یہ خبر داجی سے ملی۔

تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔۔اور مجھے کہہ رہا ہے کہ تو میرے بغیر نکاح نہیں کرتا۔اسفندیار خان نے زاران پر اب بھی اپنی شعلہ بار نگاہیں گاڑھی ہوئی تھیں۔جو ڈھٹائی سے اس کے سامنے جھوٹ بول رہا تھا۔

زاران مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے اسفندیار کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر ابھی بھی غیض و غضب چھایا ہوا تھا۔۔

اب غصہ تھوک دو۔۔۔۔میرا نکاح ہوا تو نہیں۔۔۔اسفندیار خان کا چہرہ دیکھتے زاران نے بہت مشکل سے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

یقین نہیں آرہا مجھے۔۔۔۔تم میرے بغیر نکاح کر سکتے ہو۔اسفندیار خان نے صوفے پر بیٹھتے زاران خانزادہ کو کڑے تیوروں سے گھورا۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا زاران کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دے جو اس کے بغیر نکاح کرنے چلا تھا۔

تیری ساری خصوصیت بیویوں جیسی ہیں۔مجھے تو لگتا ہے تمھیں میرا تمھارے بغیر نکاح کرنا نہیں۔۔بلکہ نکاح ہی کرنا برا لگ رہا ہے۔۔زاران نے اسفندیار خان کے تپے ہوے چہرے سے حظ اٹھاتے کہا۔۔

بکواس بند کرو۔۔۔ تمھاری کوئی بھی بات تمھاری حرکت پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔۔ تم نے جو کیا ہے وہ مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔۔ اسفند کے لہجے میں بھی اب چنگاریاں تھیں۔

زاران اسفند کی بات پر کندھے اچکاتا مسکرا گیا تھا۔۔

بھول جا۔۔۔۔ دیکھ تو اپنے نکاح میں مجھے بالکل انوائٹ نہ کرنا بلکہ دھکے دے کر نکال دینا۔۔ زاران کی بات پر اسفند کی تیوریاں مزید چڑھی تھیں۔

تیری طرح میں ذلیل نہیں ہو سکتا۔۔ اسفند نے زاران کو غصے سے گھورا۔۔ زاران کو ڈھیٹوں کی طرح مسکراتے دیکھ کر اس نے اپنے غصے پر

قابو پایا۔۔سامنے بیٹھے انسان کو کسی چیز کا اثر ہونا ہی نہ تھا۔۔اس لیے مزید اپنے خون کو جلانے سے روکا تھا۔

اتنی جلدی کیا تھی نکاح کی۔۔۔اسفندیار خان نے ابرو اٹھائے پوچھا۔۔۔

تجھے امیریکہ سے بلانا تھا اس لیے جلدی کی۔۔زاران کی بات پر اسفند خان اسے گھور کر رہ گیا تھا۔۔

اب گھورنا بند کرو۔۔۔کل کے فنکشن کی تیاریاں کرو

کل میرا صرف نکاح نہیں ہے۔بلکہ تمھاری بھابھی کو رخصت بھی کروا رہا ہوں۔۔زاران نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اسفندیار خان کو چونکایا تھا۔

لیکن میں نے تو سنا ہے کہ تمھارا صرف نکاح ہے۔۔ داجی نے بھی مجھے یہی بتایا ہے۔۔ اسفند نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

سب کو یہی پتہ ہے۔۔ مگر نکاح کے بعد میں ابرش کی رخصتی بھی کروا رہا ہوں۔۔ اسفند صوفے پر سیدھے ہوتے ابرش کے نام پر بری طرح چونکا تھا۔۔ دل میں واہمے سے اٹھتے اس کے پورے وجود پر کپکپی سی طاری کر چکے تھے۔۔۔ خوش فہم دل نے اپنے ہی واہموں کو جھٹلا دیا تھا۔۔

اپنے ہی خیالوں کو جھٹلاتے وہ زاران خانزادہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے خوبرو وجیہ چہرے کی چمک ہی کچھ اور تھی۔

اچھا یہ بات تو یقیناً بھابھی کو بھی پتہ نہیں ہو گی۔۔ اسفندیار خان زاران کی رگ رگ سے واقف تھا۔۔ وہ جانتا تھا وہ کبھی اپنی منکوحہ کو خود سے دور نہیں رکھے گا۔۔ اسے اندازہ تھا زاران صرف نکاح ہی نہیں کرے گا۔ بلکہ رخصتی بھی کروائے گا۔۔ اور وہی ہوا جو اس نے سوچا تھا۔

ہاں اسے نہیں پتہ کیونکہ وہ فی الحال رخصتی نہیں چاہتی۔۔ مگر نکاح کے بعد اسے پتہ چل جائے گا۔۔ آج اس کی رخصتی بھی ہے۔

زاران یہ بات کچھ مناسب نہیں ہے۔۔ اگر ابر۔۔۔۔ ش وہ یہ نام لیتے اٹکا تھا۔۔ وہ یہ نام کسی اور کے لیے کیسے لے سکتا تھا۔۔ وہ اس نام کے ساتھ کسی دوسرے کی ملکیت کیسے ظاہر کر سکتا تھا۔۔ وہ تو صرف اس کی تھی۔۔ اپنے نام اور اپنے پورپور کے ساتھ۔۔۔۔۔ صرف اسفندیار خان کی۔۔ ابرش کا چہرہ یاد کرتے اسفندیار خان کے بھینچے ہوئے لب مسکرائے میں ڈھلے۔

وہ خود پر قابو پاتے زاران کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے لبوں پر سجی مسکراہٹ دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرا رہا تھا۔

زاران اگر تم بھابھی کو پہلے بتا دیتے تو مناسب ہوتا۔۔ اسفندیار خان نے اس کی معنی خیز مسکراہٹ اگنور کرتے اس کے سامنے اپنی بات رکھی۔

ہاں بتا دیتا تو ٹھیک تھا مگر یہ اس کی غلطی ہے جو ایسا سوچتی ہے کہ نکاح کے بعد بھی وہ مجھ سے دور جا سکتی ہے۔۔ یہ اس کی غلط فہمی ہے کہ اسے لگتا ہے کہ نکاح کے بعد میں اسے خود سے دور رہنے دوں گا۔۔ اسے کسی بھی صورت خود سے دور نہیں کر سکتا۔ جب وہ میری ہو جائے گی تو ظاہر ہے میرے پاس ہی رہے گی۔۔ اب ابرش حویلی سے کہیں نہیں جائے گی۔ زاران کے سنجیدہ لہجے کی مضبوطی محسوس کرتے اسفندیار خان نے گہرا سانس لیا تھا۔۔

وہ جانتا تھا زاران کی پوزیسیو نیچر کو۔۔۔ وہ اپنی چیزوں کو لے کر کتنا حساس تھا۔۔ ابرش تو اس کی محبت تھی۔۔ زاران کے لہجے میں ابرش کے لیے حق ملکیت کے علاوہ شدید محبت بھی تھی۔۔۔

لیکن تم بھابھی سے پہلے بات کر لیتے تو ٹھیک تھا۔۔ یہ نہ ہو کہ یہی بات تم دونوں کے درمیان مسئلہ کرے۔۔ اسفند نے اسے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

نکاح کے بعد کر لوں گا۔۔ لیکن ابھی مجھے صرف اسے جلد از جلد اپنی ملکیت میں لینا ہے۔۔ بہت مشکل سے مانی ہے نکاح کے لیے۔۔۔ زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تم انسکیور ہو رہے ہو کہ وہ تمھیں کہیں چھوڑ نہ دے۔ اسفندیار خان نے حیرت سے زاران کے پر سوچ چہرے کو دیکھا۔ یہ بات ناقابل یقین تھی۔ وہ شدت پسند ہو سکتا تھا۔۔ وہ پوزیسیو بھی ہو سکتا تھا۔ مگر وہ کبھی کسی سے انسیکیور نہیں ہو سکتا تھا۔

پتہ نہیں مگر اس کے دور جانے کے خیال سے دل لرز اٹھتا ہے۔۔ زاران نے آہستگی سے کہا۔

اسفندیار خان نے بمشکل ہی اس کے الفاظ سنے تھے۔

سٹرینج۔۔۔۔ زاران خانزادہ بھی انسیکور ہوتا ہے۔۔ وہ زاران خانزادہ جو کسی چیز سے نہیں ڈرتا تھا۔۔ آج کسی کو کھونے کے خیال سے ڈرنے لگا ہے۔

اسفندیار خان نے گہرا مسکراتے ہوئے زاران کی حالت پر چوٹ کی۔

زاران خانزادہ نہیں ڈرتا۔۔۔زران خانزادہ کی محبت ڈرتی ہے۔۔جو اسے انسیکورٹی فیل کرتی ہے۔مجھے یہ قبول کرنے میں کوئی عار نہیں وہ صرف میری کمزوری ہی نہیں میری انسیکورٹی بھی ہے۔۔زاران نے بے بسی سے کہا تھا۔۔

اسفند زاران کی باتوں پر مسکرا گیا تھا۔۔

کھانا کھایا؟؟زاران نے اسفند کو دیکھتے پوچھا۔۔

نہیں تیرا انتظار کر رہا تھا۔۔اور ڈیرے پر تیرے نکاح کی خوشی میں آج دعوت ہے۔۔ہم سب دوستوں کی طرف سے تیرے لیے بہت بڑی دعوت ہے۔۔۔میرے بے وفا دوست۔۔۔۔اسفند کا قلق ہی ختم نہیں ہو

رہا تھا وہ اس کے بغیر نکاح کر رہا تھا۔۔ اسفند کی بات پر زاران کا بھاری قہقہ گونجا۔۔

اسفند نے اسے گھورتے ہوئے اپنی جیب سے سگریٹ نکال کر اسے سلگائے لبوں سے لگایا۔۔

یہ لت کب لگی؟۔۔۔ زاران نے اسفند یار خان کو سگریٹ پیتے دیکھ کر غصے سے گھورا۔۔۔

جب سے دل کو لگی۔۔۔ اسفند خان نے کہتے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔

اسفند یار خان کے زنان خانے میں داخل ہوتے قدم ٹھٹھک کر رکے تھے۔۔۔ اس کے سامنے ہی تو دشمن جاں کھڑی تھی۔۔ جس نے کچھ

مہینوں سے اس کا چین و سکون سب کچھ لوٹ لیا تھا۔۔ دل بے یقین ہوا تھا۔۔ اس چہرے کو اس نے کتنا تلاشا تھا۔۔ مگر وہ تو اس کی حویلی اس کے گھر میں ہی موجود تھا۔۔ اسے پتہ ہوتا وہ اس کے اتنے قریب ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں کب سے چلا آتا۔۔ اسفندیار خان دور کھڑا ابرش کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔ اسے دیکھ کر دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا وہ اندازہ ہی نہیں کر پایا تھا۔ وہ یہاں کس حیثیت سے اور کیوں موجود ہے۔۔۔

وہ آتشی گلابی سوٹ پہنے اس پر ہم رنگ دوپٹہ سر پر جمائے کھڑی تھی۔۔ لبوں پر مدھم مسکان اور چہرے پر گلال بکھرا تھا۔۔ اس سے وہ پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا اس کے اور ابرش کے بیچ کوئی چٹان کی طرح حائل ہوتے ہر منظر دھندلا کر گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ اس کی طرف پشت کیے ہوے تھا۔۔ ابرش کا ہاتھ نرمی سے تھامے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔۔ ابرش کی نظریں جھکی تھیں۔ ابرش کے گالوں کی بڑھتی سرخی اسفندیار خان کا رواں رواں آگ میں جھونکتے اس کا سب کچھ تباہ کر گئی۔۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے کو ہوا تھا۔۔ دل کے ساتھ آنکھوں کی جوت بھی ماند پڑتے سیاہ ہو چکی تھی۔

وہ وہاں پر رکا نہیں تھا۔۔ لمبے لمبے ڈگ بھر تارات کے اندھیرے میں ہی حویلی سے باہر نکل آیا تھا۔۔

سیاہ شال کندھوں پر ڈالتے اپنی جیپ میں بیٹھتا وہ سرد سیاہ رات میں سیاہ سڑکوں کی تاریکی کا حصہ بنا۔۔

اسفندیار خان سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے دھندلی آنکھوں سے ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔

اک آگ غم تنہائی کی

جو سارے بدن میں پھیل گئی

جب جسم ہی سارا جلتا ہو

پھر دامن دل کو بچائیں کیا

کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں

پھر سچا شعر سنائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

اب اس کا حال بتائیں کیا

اک ہجر جو ہم کو لاحق ہے

تادیر اسے دوہرائیں کیا

وہ زہر جو دل مین اتار لیا

پھر اس کے ناز اٹھائیں کیا۔

اسفندیار خان اپنی سرخ بھیگی آنکھوں کو مسلتا مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا۔۔

سرد ہوا کے تھپیڑے اس کے چہرے پر لگتے اس کے سارے وجود کو بھی سرد کر چکے تھے۔

اس کی محبت اس کے جان سے پیارے دوست کی محبت بھی تھی۔ یہ بات اسفند کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچا رہی تھی۔۔۔ یہ کیسا ادراک تھا جو اس کی جان لے رہا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتا ڈرائیو کر رہا تھا کہ اس کی جیپ کا

کنٹرول اس کے ہاتھوں سے چھوٹا تھا۔۔ جیپ سامنے بڑے پتھر سے جا ٹکرائی تھی۔ جیپ الٹ کر دور جا گری تھی۔

سفید شلوار قمیض پہنے وہ اپنے سینے اور بازو پر لگے زخم اپنے دل کے زخموں کی طرح چھپا گیا تھا۔ وہ ساری رات حویلی نہیں آیا تھا۔۔ زاران ڈیرے سے اسے ساری رات ہی فون کرتا رہا۔ زخم تازے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کوئی ان زخموں کی اصل وجہ جانے۔۔ وہ سرد ٹھٹرتی رات کا حصہ بنے سگریٹ سلگائے خود کو پرسکون کرتا رہا جو کہ ناممکن تھا۔ بدن پر لگے زخموں سے رستے خون کی اسے ذرا پرواہ نہیں تھی۔۔ مگر دل کے زخم تو آچانک سے ناسور بن گئے تھے۔۔ وہ ان کا کیا کرتا جن کا اب کوئی علاج نہیں تھا۔

وہ اپنے کمرے سے نکلتا زنان خانے کی طرف بڑھا۔ وہ نکاح ہونے سے پہلے ابرش سے اکیلے میں ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ وہ زاران خانزادہ سے اپنے دل کی تمام فیلنگز شئیر کر چکا تھا۔۔ اگر زاران کو یہ پتہ چل گیا وہ اور ابرش امیریکہ میں مل چکے ہیں۔ اسے یہ جاننے میں لمحہ نہیں لگے گا کہ ابرش ہی وہی لڑکی ہے۔۔ جس کے لیے اس کے دل میں فیلنگز ہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا ان دونوں کی دوستی میں ذرا برابر بھی دراڑ آئے۔۔ اتنا تو سمجھتا تھا زاران کی پوزیسیو نیچر یہ سب برداشت نہیں کر پائے گی۔۔ اسفندیار خان کے قدموں کا رخ ڈائینگ حال کی طرف تھا۔ جہاں تمام خواتین ناشتہ کر رہی تھیں۔

اسلام و علیکم اسفندیار خان کی بھاری بارعب آواز گونجی تو سب نے اسے دیکھتے اس کے سلام کا جواب دیا۔۔ وہ رات میں ہی سب سے ملاقات کر

چکا تھا۔ صرف ابرش سے ہی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔۔ ابھی بھی ڈائینگ ہال میں وہ موجود نہیں تھی۔۔

مورے آپ ٹھیک ہیں۔۔ اسفند نے آگے بڑھ کر روزینہ خانم کو گلے سے لگایا جو اسے وہاں دیکھتے ہی اپنی کرسی سے کھڑی ہوئی تھیں۔

عابیر اپنی چیئر سے اٹھ کر اسفندیار خان کی طرف بڑھی۔۔ اس کی کل رات اسفند سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اسلام و علیکم لالا؟ کیسے ہیں آپ۔۔۔ عابیر کے سلام پر اسفندیار خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک ہوں... تم ٹھیک ہو۔۔ اسفندیار نے ایک نظر عابیر کو دیکھا جو کالج یونیفارم میں سر پر سفید دوپٹہ لیے ہوے تھی۔۔ عابیر کے قریب آنے پر

روزینہ خانم نامحسوس انداز میں دو قدم پیچھے ہوئی تھیں۔ چہرے پر برہمی اور ناگواری کے تاثر تھے۔ جسے اسفندیار خان نے بخوبی محسوس کیے تھے۔ عابیر اسفندیار خان سے سلام کرنے کے بعد ڈائینگ روم سے باہر چلی گئی تھی۔

اسفندیار خان ابرش کو وہاں نہ پا کر زیادہ دیر وہاں رکا نہیں تھا۔۔ ڈائینگ روم کے دروازے سے باہر ہی ابرش سے وہ ٹکرا ٹکرا تے بچا۔۔ وہ یکدم پیچھے ہوا تھا ورنہ ابرش اس کے چوڑے سینے میں آسماتی۔۔ ابرش بلو کلر کے ڈریس میں ہم رنگ دوپٹہ گلے میں ڈالے ہوے تھی۔۔ شائد اس نے تازہ تازہ شاور لیا تھا۔۔ کھلی بھیگی زلفوں میں وہ دمکتا روپ لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اسفندیار خان نے اپنی نظریں چرائی تھیں۔۔ وہ زاران حانزادہ کی عزت پر دوسری نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔۔ اسے اپنی محبت سے زیادہ اپنی

دوستی عزیز تھی۔وہ کسی بھی صورت اپنی دوستی میں خیانت نہیں کر سکتا تھا۔۔

اسفندیار خان۔۔۔ابرش نے اسفندیار خان کو دیکھتے چمکتی آنکھوں سے حیرانگی سے کہا۔۔

کیس ہیں ابرش آپ؟؟اسفندیار خان کی نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔

دوستی نظریں اٹھانے نہ دیتی تھی۔دل نظریں جھکانے نہ دے رہا تھا۔۔

آئی کانٹ بلیو۔۔۔۔آپ زاران کے کزن ہیں۔ابرش نے چہکتے ہوے کہا۔

زاران نے کل رات مجھے بتایا تھا کہ آپ امیریکہ سے آئے ہوے ہیں۔ مگر میرا دھیان ایک مرتبہ بھی آپ پر نہیں گیا۔۔ ابرش کی حیرانگی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

میرا بھی ایک مرتبہ بھی دھیان آپ پر نہیں گیا تھا۔۔ شائد دل کے معاملے میں سب میری طرح ہی خوش فہم ہوتے ہیں۔ اسفندیار خان کے لبوں پر یاسیت بھری مسکراہٹ ٹھہری۔۔

جی۔۔۔۔۔۔ ابرش نے الجھن بھرے انداز میں اسفندیار خان کو دیکھا۔ جس کے چہرے کے تاثرات کچھ عجیب سے تھے۔

ابرش مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔۔ اسفند کا سنجیدہ چہرہ دے کھ کر وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔ اسفند نے

ایک نظر ابرش کو دیکھتے اپنی گھنی بئیرڈ بے چینی سے سہلائی۔۔۔وہ اسے دیکھتے بے چین ہوا تھا۔

ابرش۔۔۔میں چاہتا ہوں کہ آپ زاران کے سامنے یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم امیریکہ میں مل چکے ہیں۔

واٹ؟؟ابرش اسفند کی بات پر پہلے سے زیادہ حیران ہوئی۔۔

لیکن کیوں؟؟میں یہ بات اس سے کیوں چھپاؤں؟؟۔۔۔ابرش نے حیرانگی سے پوچھا۔۔

وہ آپ کو لے کر بہت حساس ہے۔۔۔۔مجھے لگتا ہے زاران کو یہ بات پسند نہیں آئے گی۔۔اسفند کی عجیب و غریب بات پر ابرش کے چہرے پر غصے کی سرخی جھلکی تھی۔

میں جانتی ہوں زاران کی نیچر پوزیسیو ہے۔ مگر وہ اتنی کنزرویٹیو اور سطحی سوچ نہیں رکھتا کہ میری آپ سے امیریکہ میں ہوئی سرسری طور پر اتفاقی ملاقاتوں کو بنیاد بنا کر وہ اس طرح کی کوئی بھی بات دل میں لائے۔

اسفندیار خان آپ میرے لیے اس لیے اہمیت نہیں رکھتے کہ آپ مجھے امیریکہ میں ملے۔ نہ اس لیے اہمیت رکھتے ہیں کہ آپ میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔ آپ کی اہمیت صرف اس لیے ہے۔ کیونکہ آپ زاران کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔ میں آپ کی ایک بے بنیاد اور غلط سوچ کی وجہ سے زاران سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آئی ایم سوری۔۔۔۔ میں زاران سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ابرش کے صاف انکار پر کچھ پل اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔۔ جہاں زاران خانزادہ کی محبت کے بہت گہرے رنگ تھے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ زاران خانزاہ سے اسے رشک محسوس ہوا تھا۔۔

وہ ابرش کو دیکھتا ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔ اب جو وہ اس سے کہنے والا تھا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ اس سے کبھی یہ بات ایسے بھی کہے گا۔۔ اسفندیار خان کے دل میں گرہیں پڑی تھیں۔۔ وہ خود پر ظبط کرتے اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔ ظبط کے کڑے مراحل سے گزرنا آسان نہیں تھا اور وہ گزر رہا تھا۔

اگر زاران کو کبھی یہ بات پتہ چلے کہ اس کا دوست اس کی محبت سے محبت کرتا ہے تو؟؟۔۔۔۔ اسفند کے سوال پر وہ گنگ ہوئی

تھی۔ اس کی وحشت ٹپکتی آنکھوں کو دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں؟؟ آپ ہوش میں تو ہیں؟ قدموں کے ساتھ آواز بھی لڑکھڑائی تھی۔ اسفند کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر وہ اپنی نظریں بھی چرا گئی تھی۔

اسفند کی خون رنگ بھیگی آنکھوں میں دیکھنے کی اس کی ہمت نہ تھی۔۔۔

ابرش۔۔۔ زاران کی بھاری آواز پر اپنی پشت پر محسوس کرتے ابرش کا رنگ فق پڑا۔

ابرش نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھ سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

اسفندیار خان بھی پریشان ہوا تھا کہ کہیں زارن نے کچھ سن تو نہیں لیا۔

زاران کی بھاری قدموں کی لرز سے ابرش کے دل کی دھڑکنیں بھی بڑھ رہی تھیں۔۔

زاران نے ابرش کے قریب آکر ابرش پر گہری محبت بھری نگاہیں ڈالیں۔۔۔جو بلو ڈریس میں غضب ڈھا رہی تھی۔۔زاران کی نظروں کی تپش سے گھبراتے ابرش نے سر پر یونہی دوپٹہ لیا۔۔۔۔عجیب سی سچویشن تھی جس میں وہ خفت محسوس کر رہی تھی۔۔

زاران اس کی اس ادا پر گھایل ہوا۔۔وہ صرف اس کی محبت میں خود کو بدل رہی تھی۔زاران کی دھڑکنوں میں ارتعاش بھرپا ہوا تھا۔۔وہ تو اسے خرید چکی تھی۔۔۔وہ تو مکمل اس کا ہوا تھا۔

زاران کی جذبیں لٹاتی نگاہیں ابرش پر گڑھی دیکھ کر اسفند یار خان پیچھے کی طرف اپنے قدم بڑھانے لگا۔۔منظر صاف اور مکمل تھا اس کی ادھر گنجائش نہیں تھی۔

اس سے پہلے وہ پلٹتا زاران کی بات پر رکا۔

اسفند تم ابرش سے مل چکے ہو۔۔ مگر یہ تعارف میں خود کروانا چاہتا تھا۔۔

ہاں وہ ڈائینگ روم میں مورے سے ملنے آیا تھا تو ان سے یہاں ملاقات ہو گئی۔۔اسفند نے ابرش کو ایک نظر دیکھتے آہستگی سے کہا۔۔

ٹھیک ہے تم لوگ مل چکے ہو مگر میں یہ تعارف خود کروانا چاہتا تھا۔ کیونکہ جو تعارف میں کرواؤں گا۔۔وہ بہت خاص ہو گا۔۔زاران نے مسکراتے ہوے دونوں کو دیکھا۔

ابرش اور اسفند مسکرا بھی نہ سکے تھے۔

ابرش یہ میرا دوست اسفند یار خان ہے۔۔جو مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔زاران خانزادہ کی بات پر ابرش اب کی بار مدھم سا مسکرائی۔۔مگر اسفند یار خان کو دیکھنے سے اب بھی احتراز برتا تھا۔۔

فون رنگ پر اسفند جلدی سے ایکسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا۔۔وہ رکنا نہ چاہتا تھا۔۔رکنے کی وجہ بھی نہ رہی تھی۔اسے وہاں سے جانے کا بہانہ مل گیا تھا۔۔۔

ابرش ڈیپ ریڈ لہنگا جس پر ریڈ ہی کلر کا بلاوز تھا پہنے ہوے تھی۔۔دوپٹہ سر پر سیٹ کیے۔۔ہیوی جیولری پہنے ہوے تھی۔مانگ ٹیکہ لگائے۔۔گلے میں

چوکر اور مالا سیٹ پہنے ہوے تھی۔ کانوں میں ہیوی جھمکے پہنے ہوے تھی۔۔ کلائیوں میں جڑاؤ کنگھن اور سونے کی چوڑیاں پہن رکھی تھی۔۔ نازک سی کمر پر کمر باندھے وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنے دو آتشہ روپ کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ زاران کی باتیں یاد کر کے اس کے لبوں پر سجی سرمیلی مسکان گہری ہوتی جا رہی تھی۔

وہ نکاح کے بعد اس کی ہو جائے گی۔۔ وہ مکمل طور پر اس پر حق رکھے گا۔ یہ سوچ کر دل یکبارگی خوف سے دھڑکا تھا۔۔ وہ اپنا حق کیسے کیسے استعمال کرے گا؟۔۔ یہ سوچ کر دل کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ گلابی عارض کی سرخی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ گھنیری پلکیں شفاف عارض پر لرز رہی تھیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پلٹی تو زاران خانزادہ کو دیکھ کر اس کی دل کی دھڑکنیں ایک پل کے لیے تھم سی گئیں۔

وہ بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال اوڑھے بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔۔اس کی سحر انگیز پرسنیلٹی کا جمود تو پہلی ملاقات میں اس پر اس طرح چھایا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس کے سحر سے نکل ہی نہ سکی تھی۔وہ اپنے بھاری قدموں کی دمک لیے اس کی طرف بڑھا تو ابرش دھڑکتے دل کے ساتھ رخ پلٹ گئی تھی۔وہ پورپور اس کے لیے سجی سنوری تھی۔۔یہ احساس بہت انوکھا اور نیا تھا۔۔اسے زاران خانزادہ سے عجیب سی شرم محسوس ہو رہی تھی۔

زاران اس کے رخ پلٹنے پر مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔۔ابرش کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے اس کا رخ اپنی طرف کیا تو ابرش چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔اس کی ادائیں زاران خانزادہ کی جان کس طرح لیتی تھی۔وہ کوئی اس سے پوچھتا۔۔۔۔وہ پاگل ہوا تھا اس کے ایسا کرنے پر۔۔۔۔۔۔۔

زاران خانزادہ نے مسکراتے ہوے اس کے چہرے سے اس کے ہاتھ نرمی سے ہٹائے۔۔

اس کا چہرہ ٹھوری سے پکڑے نرمی سے اوپر اٹھایا۔۔

کیوں چاہتی ہو میں جان سے جاؤں ؟؟۔زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھاری آواز میں کہا۔

کیا؟؟ ابرش نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔

یہ قاتلانہ ادائیں کم ہیں مجھے قتل کرنے کے لیے۔۔۔جواب ان تیکھی تلواروں کا سہارا لینا چاہتی ہو۔۔زاران نے نرمی سے اس کی کاجل لگی آنکھوں کو چھوا۔۔

ابرش زاران کی بات پر گہرا مسکرائی تھی۔ابرش کے لبوں کو سرخ لپسٹک سے سجا دیکھ کر اس کے لبوں کو اپنے انگوٹھے سے نرمی سے چھوا۔۔وہ جب جب اس کے قریب ہوتا تو اس کے نقوش کو ایسے ہی چھوتا رہتا تھا۔

میرے علاوہ بھی تمھیں کسی نے اس روپ میں دیکھا ہے کیا؟؟۔زاران نے اس کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے سوال کیا۔۔

میک اپ ارٹسٹ نے مجھے تیار کیا ہے۔۔۔اس نے مجھے دیکھا ہے۔ابرش نے مسکراہٹ دبائی تھی۔۔وہ سب سے پہلے اسے دیکھنا چاہتا تھا۔کل سے اس نے اسے ہزاروں میسجز کیے تھے۔۔جس میں اسے سب سے پہلے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

زاران یہ سن کر جھلایا۔

اتنی خوبصورت ہو تمھیں کیا ضرورت تھی کسی سے بھی میک اپ کروانے کی۔۔زاران نے جھنجھلاتے کہا۔۔

زاران وہ فی میل میک اپ ارٹسٹ تھی۔۔ابرش نے اس کے جھنجھلاہٹ بھرے انداز کو حیرانگی سے دیکھا۔۔۔

جانتا ہوں فی میل تھی۔ میل ہو بھی نہیں سکتا تھا۔۔ زاران نے اسے اس کی فضول سی بات پر گھورا۔۔

پھر کیا مسئلہ ہے آپ کو؟؟۔۔۔ اب کی بار ابرش نے جھنجھلاتے ہوے پوچھا۔۔

وہ تو اس کے قریب کسی لڑکی کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

میں چاہتا تھا مجھ سے پہلے تمھارا یہ روپ کوئی نہ دیکھے۔۔ زاران نے اس کے کان کے جھمکے کو چھیڑا..

زاران آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ نکاح ہونے کا تو انتظار کر لیتے۔۔ زاران کی گہری نظروں اور اس کے بار بار چھونے سے گھبراتے ہوے ابرش رخ پلٹ گئی۔۔۔ اپنی شرم کو اب تھوڑا غصے کے لبادے میں چھپایا تھا۔ اپنے سجے سنورے روپ سے اسے خود سے شرم آرہی تھی اور وہ تھا کہ اپنی جذبے لٹاتی مدہوش نگاہوں سے اس کی گھبراہٹ اور شرم میں مزید آضافہ کر رہا تھا۔

زاران نے اب کی بار اس کے مقابل آتے اس کا ہاتھ پکڑتے اس کے ہاتھ میں اپنے نام کی پہنی ہوئی انگوٹھی پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔

ابرش نے بلش ہوتے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔۔

تم ابھی سے بلش کر رہی ہو۔ ابھی تو میں نے کچھ نہیں کیا۔۔ زاران نے اس کے کپکاتے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔۔

ابرش کا شرم سے سرخ پڑتا چہرہ اسے کافی محظوظ کر رہا تھا۔۔

زاران سب کیا کہیں گے ؟۔۔۔ کسی نے آپ کو ادھر دیکھ لیا تو ابرش نے بند دروازے کو دیکھتے روہانسے ہوتے کہا۔۔

اس کے دیکھنے کا انداز اس کے ہاتھ پیر پھلا رہا تھا۔۔ ابھی نکاح نہیں ہوا تھا اور اس کی نظروں کی بے باکی بڑھتی جا رہی تھی۔ پتہ نہیں نکاح کے بعد وہ اس بے باک انسان کو کیسے جھیلے گی۔۔ ابرش پریشان ہوئی تھی۔

ابرش کے سرخ چہرے کو دیکھ کر وہ اس کے اور قریب ہوا تھا۔۔ وہ مزید پیچھے کو ہوتی ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرا گئی۔۔ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرانے سے چوڑیوں کی کھنک گونجی تھی۔۔ زاران خانزادہ کا دل اس کھنک سے بے ترتیبی سے دھڑکا۔ وہ اس کے قریب آنے پر گہری سانسیں لیے اپنی کاجل لگی گہری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کی نزدیکی پر وہ ایسے ہی

گھبرانے لگتی تھی۔ زاران کو وہ ایسے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگی آنکھیں پھیلائے دیکھتی ہوئی بہت خوبصورت لگی۔۔۔

زاران کے دل کی ہر دھڑکن اس کے لفظوں کا اظہار بنی تھی۔

دل کی ہر ایک دھڑکن تجھ کو پہچانتی ہے۔

میری چاہت ہے اب کیا تو نہیں جانتی ہے۔۔

عمر بھر کے لیے آ تو میرا ساتھ دے دے

تیرا ہو جاؤں گا میں ہاتھوں میں ہاتھ دے دے۔

زاران نے گنگناتے ہوئے ابرش کے دونوں ہاتھ نرمی سے تھامے۔ وہ اس کا ساتھ مانگ رہا تھا۔۔ وہ تو کب سے اسے اپنا آپ دے چکی تھی۔

ابرش نے مسکراتے ہوے اسے دیکھا۔۔وہ لفظوں سے اظہار کر رہا تھا وہ نگاہوں سے اظہار کر رہی تھی۔

زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔وہ اس کے سجے سنورے روپ کو دل میں اتار گیا تھا۔

ابرش میں چاہتا ہوں۔۔ تمھیں اس طرح سجا سنورہ میرے علاوہ کوئی بھی نہ دیکھے۔۔۔زاران نے اس کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی کی۔۔

زاران کی بات پر ابرش پریشان ہوئی۔۔۔اب بھلا یہ کیا منطق تھی۔؟؟یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔۔مسٹر خانزادہ کے مطالبات تو بڑھتے جا رہے تھے۔

کیا مطلب زاران؟؟گھر میں کتنی عورتیں ہیں۔میں کیسے کسی کو خود کو دیکھنے سے منع کر سکتی ہوں؟۔اب میں گھونگھٹ نکالنے سے تو رہی۔

زاران کی بے تکی بات پر ابرش نے اسے گھور کر دیکھا۔

گڈ آئیڈیا۔۔۔ گھونگھٹ نکال لو۔۔۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا۔۔

زاران آپ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ ابرش نے خفگی سے اسے دیکھا۔

میری جان۔۔۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ میرا خود پر اختیار نہیں۔۔ میرا بس چلے تو تمھیں ایسے خود میں قید کروں کہ تم پر کسی کی نظر بھی نہ پڑنے دوں۔ زاران نے گہری سانس بھری تھی۔۔۔

ایسا ممکن نہیں ہے۔ ابرش نے رخ پلٹتے بلاوجہ ہی اپنا مانگ ٹیکہ ٹھیک کیا تھا۔۔ مسٹر خانزادہ نے ادھر سے جانا نہیں تھا۔۔ اس کی باتوں اور اس کی نظروں سے اس کے گال دہکتا تندور بن چکے تھے۔ وہ مزید اس کے سامنے

شرما نہیں سکتی تھی۔۔ پتہ نہیں وہ کیا سمجھتا؟؟ اب اسے خود پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ آخر اسے اس سے کیوں اتنی شرم آ رہی تھی۔ کیا ہر دلہن ایسے ہی شرماتی ہے۔ وہ اپنے کپکپاہٹ بھرے وجود پر قابو پاتے سوچ رہی تھی۔

کیوں ممکن نہیں ہے۔؟ زاران نے اس کا عکس شیشے میں دیکھ کر ابرو اچکائے پوچھا۔

کیونکہ ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے۔ آپ مجھے خود میں قید کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کی اس حویلی میں بھی فی الحال قید نہیں رہ سکتی۔ ابرش نے اسے خاص طور پر جتایا تھا۔

وہ فی الحال مسٹر خانزادہ کی پناہوں میں نہیں رہ سکتی تھی۔۔وہ اس کی جان لیوہ قربت نہیں سہہ سکتی تھی۔ پھر آہل جب تک اپنی پڑھائی کمپلیٹ نہیں کرلیتاوہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔۔ آہل اس سے ایک ہی سال چھوٹا تھا۔۔ مگر وہ اسے بہت چھوٹا لگتا تھا۔

دیکھتاہوں تم کیسے نہیں رہتی اس حویلی میں۔ نکاح تو ہو جانے دو۔۔۔ زاران کے سنجیدگی بھرے انداز پر وہ چونکتی ہوئی اس کی طرف مڑی۔

یہ آپ ہر بات میں نکاح کو کیوں بیچ میں لے آتے ہیں۔ ایسا کیا ہو جائے گا نکاح کے بعد۔۔۔۔

ابرش نے زران کی طرف مڑتے تیوری چڑھائی۔۔

ابرش کے سوال پر زاران کا قہقہ گونجا تھا۔۔

نکاح کے بعد تو بہت کچھ ہو گا۔۔ تمھاری سوچ سے بھی زیادہ۔۔ زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔۔۔

کیا مطلب؟؟ ابرش کی الجھن بڑھی تھی۔

مطلب۔۔۔۔ مجھے تمھارے یہ سرخ یاقوتی نازک لب بہت اٹریکٹ کر رہے ہیں۔ میں نکاح کے بعد سب سے پہلے ان پر اپنا حق جتاؤں گا۔ اب بتاؤ نکاح سے پہلے کیا میں ان پر حق جتا سکتا ہوں۔۔ کیا آجازت دو گی تم مجھے ۔۔ میں انھیں چھو کر تمھاری سانسوں کو مہکا دوں۔۔۔ زران نے بے باکی سے کہا تو ابرش اس کی اتنی کھلی بات پر سرخ پڑی۔

میں نکاح کے بعد بھی آجازت نہیں دوں گی۔ ابرش خفت سے جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔

نکاح کے بعد تم سے آجازت کون لے گا؟؟ میری ملکیت بن جاؤ گی۔۔ تمھیں لگتا ہے تمھیں چھونے کے لیے مجھے آجازت لینی پڑے گی۔۔ زاران ابرش کے قریب ہوا تو ابرش پھر سے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ پیچھے ڈریسنگ مرر سامنے زاران خانزادہ کا پہاڑ جیسا وجود آخر وہ جائے تو کہاں جائے۔۔۔۔

زاران کی نظروں کی بے باکی بڑھتے دیکھ کر ابرش کے گال دہک کر انار ہو رہے تھے۔۔ بدن پر لرزہ الگ طاری ہوا تھا۔

زاران پلیز جائیں یہاں سے۔۔۔۔ ابرش نے نظریں جھکائے کہا۔۔ ابرش کی گھبراہٹ بڑھی تھی۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا وہ مقابل کی نزدیکی زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی دہکتی سانسوں سے وہ جھلس رہی تھی۔

چلا جاتا ہوں۔ مگر نکاح کے بعد یہ دوریاں ختم کرنی ہوں گی

ابرش۔۔۔۔۔۔ تم ابھی رخصتی نہیں چاہتی۔۔ مگر میں اب تمھارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا۔۔۔۔ میں تمھیں اب کہیں نہیں جانے دوں گا۔۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔۔۔۔ تمھیں میرے پاس میرے کمرے میں میری بانہوں میں آنا ہی ہو گا۔۔۔ زاران کے گھمبیر لہجے اور اس کی اتنی نزدیکی پر پر ابرش حواس باختہ ہوئی تھی۔۔ وہ اس کے اتنا نزدیک تھا اگر وہ ذرا سا بھی ہلتی اس کے سرخ لب اس کی ٹھوڑی پر اس کی لپسٹک کا مارک چھوڑ دیتے۔ وہ سانس روکے اپنی شہد رنگ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے

ہوے تھی۔۔وہ اپنی پوزیشن کے باعث ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔وہ تھا اپنی سانسوں کی تپش اس بر بکھیر تا اس کے بہت قریب اپنے سوالات کا جواب چاہ رہا تھا۔۔

زاران کی نزدیکی سے گھبراتے ابرش نے اثبات میں سر ہلایا تو زاران کے سنجیدہ چہرے پر دلکش مسکراہٹ بکھری۔۔

مائن گرل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زاران نے سرشار ہوتے اپنے لب اس کے مانگ ٹیکے پر رکھے۔۔

اب میں اپنی جان سے اپنے کمرے میں ہی ملوں گا۔اور آج رات میں تمھیں بتاؤں گا تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔۔مگر لفظوں سے

نہیں۔۔اپنی شدتوں سے تمھارے مہکتے وجود پر اپنی محبتوں کی مہر لگاؤں گا۔۔زاران نے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کی۔

ابرش کی سانسیں اٹکی تھیں۔۔۔۔وہ اس کی باتوں پر اور کیا کر سکتی تھی۔اس کا تو دل اب کانوں میں بجنے لگا تھا۔

میں مورے کو کہہ دوں گا۔ تمھارا خوبصورت چہرہ گھونگھٹ میں چھپا لیں۔۔یہ چاند چہرہ صرف میں ہی آج دیکھوں گا۔۔زاران نے اس کی ٹھوڑی کو تھامتے نرمی سے کہا تو ابرش کے پاس سر اثبات میں ہلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔زاران کے بدن سے اٹھتی اس کی مہک سے ابرش کی سانسیں مدھم ہوئی تھیں۔۔۔

آئی لو یو۔۔۔۔زاران نے اس کی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے۔۔

ابرش زاران کے لمس پر سمٹی تھی۔اس کے اظہار پر اس کی گھنیری پلکیں خود ہی سجدہ ریز ہوتے عارض کو چھو گئی۔۔

تم کچھ نہیں کہو گی۔۔زاران نے اس کی جھکی نظریں دیکھ کر خمار آلود آواز میں پوچھا۔۔

نہیں۔۔۔۔ابرش نے نفی میں سر ہلایا تھا۔۔

کیوں؟؟ابرو اچکاے پوچھا۔

پتہ نہیں۔۔نگاہیں اٹھا کر جھکالی تھیں۔

تم مجھ سے دوبار اظہار کر چکی ہو۔۔اب کیسی شرم۔۔۔۔وہ بے چین ہوا تھا۔۔اس کے سرخ یاقوتی لبوں سے وہ اظہار محبت سننے کے لیے بے چین ہوا تھا۔۔سامنے کھڑی لڑکی کو لے کر وہ ہر معاملے میں کافی جذباتی تھا۔

اب کبھی نہیں کروں گی۔۔ مقابل کی تڑپ کچھ سکون دے گئی تھی۔ کب سے وہ اسے محصور کیے اس کی جان لبوں پر لایا ہوا تھا۔۔

کوئی بات نہیں آج کی پوری رات پڑی ہے۔۔ ان لبوں سے میں اظہار کروا کر ہی رہوں گا۔۔ عجب ضد تھی ابرش جھنجھلائی۔۔

میں آج کی رات اور نہ آئیندہ زندگی میں کبھی اظہار کروں گی۔۔۔۔ اس نے نظریں اٹھائے چیلجنگ انداز میں کہا۔۔

ابرش کے چیلنج پر زاران نے قہقہ لگایا۔

جان من۔۔۔۔ مجھ سے شرط مت لگاؤ ہار جاؤ گی۔۔ تمھاری سانسیں چھین کر اسی شرط میں واپس کروں گا۔ جب تم مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرو

گی۔۔زاران اس کے قریب ہوتے سرگوشی نما آواز میں بولا۔ابرش کے لہو چھلکاتے چہرے کو دیکھتے وہ اسے آنکھ ونک کرتا چلا گیا تھا۔

بدتمیز، بے ہودہ انسان ابرش غصے سے بڑبڑائی۔۔۔

ابرش نے گہرے سانس بھرتے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے اپنی دھڑکنوں پر قابو پایا۔۔۔وہ اپنی ساری باتیں منوا کر چلا گیا تھا۔۔اور وہ اس کی ہر بات پر ہامی بھی بھر چکی تھی۔۔وہ کیوں اس کے سامنے آخر بے بس ہو جاتی تھی؟؟۔۔کیوں وہ اسے بے بس کر دیتا تھا؟؟۔۔ کبھی مدہوشی میں اور کبھی ہوش وحواس میں وہ کیوں اس کے سامنے اپنا آپ ہار دیتی تھی۔اس نے غصے سے اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی اتارنی چاہی۔۔ مگر نہ اتار سکی۔۔۔۔۔۔وہ انگوٹھی بھی زاران خانزادہ کی طرح ڈھیٹ تھی۔۔جو اترنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ابرش روہانسی ہوئی۔۔

اس کی قربت اس کے لیے سچ میں جان لیوہ تھی۔۔اس کی دہکتی سانسیں ابھی تک اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔۔رات کا سوچ سوچ کر اب اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔وہ کیسے برداشت کرے گی زاران حانزادہ کی قربت اور اس کی جان لیوہ سرگوشیاں۔۔۔جو اس کی جان نکال کر رکھ دیتی تھیں۔۔۔۔ابرش نے اپنے لب بری طرح کاٹے تھے۔غصے سے بیڈ کی طرف بڑھتی اپنا سیٹ کیا ہوا دوپٹہ اتارنے لگی۔۔جس کا اسے گھونگھٹ لینا تھا۔۔

امینہ خانم کے حکم پر حور کو بھی دلہن کی طرح تیار کیا گیا تھا۔ابرش کو تیار کرنے کے والی میک آپ آرٹسٹ نے حور کو دلہن کی طرح سجایا تھا۔۔وہ گل کی میرون میکسی میں ملبوس تھی۔کامدار خوبصورت باریک بارڈر والا دوپٹہ

سر پر اچھی طرح سیٹ کیا ہوا تھا۔ گولڈ کی ہیوی ماتھا پٹی لگائے۔ ہیوی چوکر جو جدید ڈیزائن کا بنا ہوا تھا وہ میں گلے پہنے وہ کانچ سی نازک گڑیا لگ رہی تھی۔

حور نے اپنے شعلہ جوالہ روپ پر نظر ڈالتے میرون کلر کی نفیس سی پشمینہ شال اچھی طرح خود پر لپیٹی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے شال سے نہ صرف اپنا حسین سراپہ کور کیا تھا بلکہ اچھی طرح اپنا چہرہ بھی چھپایا تھا۔ ارحام اس وقت حویلی میں نہیں تھا۔ وہ صبح صبح دریاب خان کے فون پر بہت عجلت میں حویلی سے نکل گیا تھا۔ ابھی تک اس کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ اس حویلی سے بھاگنے کا یہ اس کے پاس سب سے اچھا موقع تھا.

حور اپنا منہ چھپائے جلدی سے مردان خانے کی طرف بڑھی۔ زنان خانے کے لاونج میں گھر کی خواتین کے ساتھ کچھ مہمان خواتین بھی موجود

تھیں۔ درخشاں نے اسے باتوں باتوں میں بتایا تھا۔۔ مردان خانے میں باہر جانے کا ایک دروازہ بیٹھک کی مخالف سمت بھی ہے۔ جو حویلی کے پچھلے لان کی طرف کھلتا ہے۔۔۔ ارحام حویلی میں موجود نہیں تھا۔۔ مہمان اس ٹائم حویلی کی بیٹھک میں موجود تھے۔ اس کے لیے آسان تھا اس ٹائم حویلی سے نکلنا۔۔ وہ خود کو ایک نکاح میں آئی مہمان خاتون شو کروا کر اس حویلی سے نکلنا چاہتی تھی۔۔ چوکیدار کے کسی بھی سوال پر پر صرف اسے اپنے کپکپاتے لہجے پر قابو پانا تھا۔۔ یہاں کے لوگ کس انداز میں بات کرتے ہیں۔ اسے اتنے دنوں سے اندازہ ہو چکا تھا۔۔ اب صرف اسے گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو یقین دلانا تھا وہ مہمان ہے۔۔ وہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں اپنے گھر واپس جا رہی ہے۔

اس صورت میں یقیناً چوکیدار کو اس پر شک نہ ہوتا۔۔

وہ جلدی سے تیز تیز قدم اٹھاتی مردان خانے کی طرف بڑھی۔ مردان حانہ کافی بڑا تھا مگر درخشاں کی زبانی اسے تمام راستے ازبر ہو چکے تھے۔ اس وقت مردان خانے کے اس حصے میں کوئی نہیں تھا۔ تمام مہمان مرادن خانے کے بیرونی دروازے سے ہوتے لاونج یا بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ اس طرف زنان خانے کی طرف جانے والا راستہ تھا۔۔ ادھر اگر کوئی بھی اسے ملتا تو وہ یقیناً گھر کا کوئی مرد ہی ہوتا۔۔ اس سے پہلے اس حصے کی طرف کوئی آتا وہ جلدی سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوے آگے بڑھ رہی تھی کہ کسی سے بری طرح آ ٹکرائی۔

حور نے سہمتے ہوے اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے۔۔

اس کی چادر سر اور چہرے سے ڈھلکتی اس کے کندھوں پر آئی۔۔اس کے دیکھنے کے انداز سے گھبراتے ہوے حور نے اپنی بڑی سی چادر کو کندھوں سے گرنے سے بچایا تھا۔۔

بابرک نے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بے باکی سے حور کے خوبصورت چہرے پر نظر ڈالی۔۔

یہاں کیا کر رہا ہے تم حور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھابھی؟۔۔بابرک نے حور کے شعلہ جوالہ روپ پر ایک بار پھر سے گہری نظر ڈالتے لفظ بھابھی پر کافی ذور دیا۔

بابرک کی بے باک نظروں نے اس کے پورے وجود میں کپکپی کی لہر دوڑادی تھی۔ اپنی شال کو سینے سے جکڑے اسے زمین بوس ہونے سے بچایا..

بابرک نے حور کی گھبراہٹ اور اس کے ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کو بغور دیکھا..

اتنا تو سمجھ گیا تھا ارحام اور حور کے بیچ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔ حور ارحام کے ڈر سے اس حویلی میں رہ رہی ہے۔ آج جس طرح بدحواسی کے عالم میں وہ بھاگتی آرہی تھی. اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔۔۔ وہ یہاں سے بھاگ رہی ہے۔۔ کیونکہ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اتنا بن سنور کر ان کے گھر کی خواتین کم از کم آج کے دن مردان خانے میں قدم رکھیں۔۔

حور کو یہاں دیکھ کر بارک کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ دوڑی۔ ارحام خانزادہ نے اسے بے عزت کیا تھا۔ آج اس کی عزت اس کی بیوی اتنا بن

سنور کر حویلی سے بھاگنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔۔اس سے اچھا منظر اور کیا ہو سکتا تھا۔بابرک کے اس دن ک زخموں پر مرہم رکھا تھا جیسے کسی نے۔۔۔

اگر حور حویلی کے گیٹ تک بھی آج پہنچ جاتی تو ارحام کی عزت کی دھجیاں اڑ جانی تھیں۔برادری میں وہ پھر سے ذلیل ہو جاتا کہ اس کی نئی نویلی خوبصورت بیوی بھاگ رہی تھی۔بابرک تو یہی چاہتا تھا ارحام منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔اس کی ویڈیو دکھا کر اسے گھر والوں کے سامنے بے عزت کیا تھا. اس کے پاس اچھا موقع تھا اپنی بے عزتی کا سود سمیت بدلہ لینے کا۔۔حور ارحام کی عزت تھی اس لیے بابرک بھی اسے حویلی سے باہر نہیں نکال سکتا تھا نہ اس پر گندی نظر رکھ سکتا تھا۔۔مگر اسے گیٹ تک آرام سے پہنچا سکتا تھا اور گیٹ پر ہنگامہ ہو جانا تھا۔گیٹ پر کھڑے چوکیدار دلدار

خان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا آسان نہیں تھا۔ جتنا سامنے کھڑی لڑکی نے سوچ لیا تھا۔۔

بابرک کی پر سوچ گہری نظروں سے حور اب خائف ہونا شروع ہو گئی تھی۔۔ چہرے پر سرخی کے ساتھ ناگواری کی لہر بھی تھی۔ بابرک کا ایسے دیکھنا اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔۔ وہ بارک سے نامحسوس انداز میں دور ہوئی۔

بتایا نہیں پھر بھابھی تم یہاں پر کیا کرنے آیا تھا؟؟

مم میں تو ویسے ہی آئی تھی یہاں۔۔۔ مم مجھے ارحام سے ملنا تھا۔ حور نے لڑکھڑاتی زبان سے جھوٹ بولا۔۔

بابرک کا زوردار قہقہ گونجا۔

ویسے تم جتنا خوبصورت ہے. اتنا ہی مہارت سے جھوٹ بھی بولتا ہے۔۔۔کافی کچھ سنا تھا تمھارے بارے میں۔۔ تم اتنا بھی معصوم نہیں ہے جتنا دکھتا ہے۔۔ تم نے ایک ہی دن میں گل جیسی عورت کو مات دے دیا۔۔بڑی پہنچی ہوئی چیز ہے تم۔۔۔بابرک اس کی طرف جھکے سرگوشیانہ انداز میں بولتے استھزائیہ انداز میں ہنسا تھا۔

دور رہ کر بات کرو مجھ سے۔۔ حور نے دو قدم پیچھے لیتے بارک کو گھورتے کہا۔۔

افففف تم تو غصے میں بھی کافی خوبصورت لگتا ہے۔کیا قسمت پائی ہے لالا نے۔۔۔۔بابرک نے سرد آہ بھری۔

اگر تم یہاں سے بھاگنا چاہتا ہے ہم تمھاری مدد کر سکتا ہے۔

بابرک نے یہ جملہ بھی سرگوشی نما آواز میں بولا تھا۔ بابرک کی بات پر حور کے بدن کا تمام خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا۔ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ بری طرح گھبرائی تھی۔۔

میں ایسا کیوں کروں گی؟؟۔ ہوش میں تو ہو تم؟؟ حور بابرک کی آنکھوں میں دیکھتے دبی آواز میں چلائی۔ مگر چاہ کر بھی اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پا نہ سکی۔۔

اس کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ محسوس کرتے بابرک کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھری۔

یہ تو تمھیں پتہ ہو تم ایسا کیوں چاہتا ہے ؟؟۔۔ مگر ہم تمھاری مدد کر سکتا ہے۔بابرک کہتے حور کے قریب ہوا..

اس سے پہلے حور کوئی جواب دیتی مردان خانے میں گونجتی بارعب آواز نے دونوں کے رنگ ایک پل کے لیے متغیر کیے تھے۔

بابرک۔۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام کی پکار حور کی پشت پر ابھری تھی۔۔ جسے سنتے حور کے قدم زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔

آنکھوں میں شدید خوف آن ٹھہرا تھا۔ماتھے پر شبنم کے قطروں میں آضافہ ہوا تھا۔ جسے بابرک گہری نگاہوں سے دیکھتے استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔۔

ارحام خان ابھی ابھی حویلی آیا تھا۔ امینہ خانم سے ملنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے کے چلا گیا تھا۔۔ حور کمرے میں نہیں تھی. اسے یہی لگا کہ وہ عابیر بہارے کے ساتھ ہو گی۔ وہ اس وقت سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ بلیک مردانہ شال کندھوں پر ڈالے وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے مردان خانے کی طرف آیا ہی تھا کہ بابرک کو کسی لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا پایا۔۔ اس لڑکی کی پشت ارحام خانزادہ کی طرف تھی۔۔ بابرک اس کے بہت قریب کھڑا کچھ کہہ رہا تھا جو ارحام کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔

ارحام کو دیکھ کر بابرک بھی ایک لحظہ کے لیے پریشان ہوا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ مسکراتے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔۔۔

وہ حور کے پاس نہیں بلکہ حور اس کے قریب کھڑی تھی۔۔ حور کا یہاں پایا جانا تشویش ناک تھا اس کا حور کے اتنے نزدیک کھڑا ہونا نہیں۔۔۔۔ حور کا زرد پڑتا چہرہ اس کا ڈرا سہما روپ بابرک کی مسکراہٹ میں آضافہ کر رہا تھا۔

حور کی اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ رخ پلٹ سکتی بلکہ وہ ہلنے سے بھی قاصر تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے اپنے خوف پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ جو اس کے اعصاب تک ساکت کر چکا تھا۔

ارحام کے لیے مردان خانے میں کسی عورت کا ہونا تھوڑا عجیب تھا۔ پہلا خیال یہی آیا بابرک کسی مہمان خواتین کا راستہ محصور کیے اسے پریشان کر رہا ہے۔۔ اس لیے وہ نہ چاہتے ہوے بھی بابرک کی طرف بڑھا۔

ارحام کے بھاری قدموں کی دھمک سے حور کا پورا وجود لرز اٹھا تھا۔۔ حور نے اپنے چکراتے سر کو بمشکل ہی سنبھالا تھا۔۔ میرون خوبصورت پھولوں والی پشمینہ شال زمین بوس ہوئی تھی۔

تم یہاں پر کیا کر رہے ہو؟؟ ارحام نے بابرک کے قریب آتے اسے سرد نظروں سے گھورتے کہا۔۔ مگر حور پر نظر پڑتے اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔ حور دلہن کی طرح سجی سنوری بابرک کے بہت قریب کھڑی تھی۔۔ حور تو اب صرف پتھرائی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی آنکھوں کا رنگ اس کے سامنے ہی سرخ ہوا تھا۔۔ اس کی سرد کاٹ دار نظروں سے اس کی رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوا تھا۔

حور کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے وہ بابرک کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اب مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

لالا میں یہاں پر کیا کر رہا ہوں؟؟ یہ سوال معنی نہیں رکھتا۔۔ سوال یہ اہم رکھتا ہے بھابھی یہاں پر کیا کر رہا ہے؟؟۔۔ وہ بھی اتنا سج دھج کر۔۔۔۔ بابرک نے کہتے ہوئے حور پر ایک بار پھر سے نظر ڈالی جو بت بنی آنکھوں میں نمی لیے بلکل ساکت سی کھڑی ارحام کو دیکھے جا رہی تھی۔۔

ارحام نے ضبط سے اپنی مٹھی بھینچی۔۔ بابرک کا حور کو دیکھنا ارحام کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔ حور کا مردان خانے میں موجود ہونا ہی اس کے اشتعال میں آضافہ کر رہا تھا۔۔ اوپر سے بابرک نہ جانے کب سے اس پر اپنی غلیظ نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔۔ ارحام کی گردن کی نیلی رگیں تک اجاگر ہونے لگی تھیں۔ دل کر رہا تھا سامنے کھڑی لڑکی کی سفید چمڑی آج ادھیڑ کر رکھ دے۔ جواب پتہ نہیں کیا کرنا چاہ رہی تھی۔

ارحام کی آنکھوں میں غیض و غضب بڑھتا دیکھ کر بابرک نے اپنی نظروں پر قابو پایا۔۔

لالا میں تو ادھر آرہا تھا حور بھابھی مجھے یہاں مل گیا۔۔ میں بس ان سے یہی پوچھ رہا تھا کہ یہ ادھر کیا کر رہا ہے۔

بابرک نے جلدی سے ارحام کو وضاحت پیش کی۔۔۔ جس کا چہرہ بھی اب ضبط سے سرخ پڑنے لگا تھا۔ وہ ارحام کے غصے سے کافی ڈرتا تھا۔۔ سامنے کھڑا زاران خانادہ نہیں تھا بلکہ ارحام خانزادہ تھا جس کا نشانہ واقعی میں بہت پکا تھا۔

کیا کہا تھا تم سے اس دن۔۔۔۔۔ میری غیر موجودگی میں بھی اپنی نظروں پر قابو رکھنا۔۔ ارحام حور پر ایک قہربار نظر ڈالتے بابرک کی طرف متوجہ

ہوا۔۔ دانت پیستے بابرک سے سرد لہجے میں حور کے قریب کھڑے ہونے پر جواب طلب کیا۔۔

حور نے اپنی مٹھی بھینچتے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پایا۔۔ ارحام کے لہجے کی ٹھنڈک سے وہ اندر تک سرد پڑی تھی۔

لالا قسم کھاتا ہے ہم۔۔ ہم نے ایک نظر دیکھ کر دوسرا نظر بھی بھابھی پر ڈالنا گوارا نہیں کیا۔۔ ہم تو بس حیران ہوا تھا کہ بھابھی ادھر کیا کرنے آیا ہے۔۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ادھر سے بھاگ رہا تھا۔

بابرک اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنی بات مکمل کرتے جلدی سے وہاں سے چلا گیا۔ وہ کچھ دیر ادھر اور ٹھہرتا یقیناً ارحام اس کی جان لے لیتا۔ ویسے بھی جو آگ وہ لگانا چاہتا تھا وہ لگا چکا تھا۔۔

بابرک کی بات پر حور کے جسم کا سارا خون جیسے نچڑ گیا تھا۔ وہ فق رنگت کے ساتھ ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

ارحام نے بابرک کی پشت کو گھورتے حور پر قہر بار نگاہ ڈالی۔۔ جو ایک دلہن کی طرح سجی سنوری کھڑی تھی۔ حور نے ارحام کو دیکھتے جلدی سے سر نفی میں ہلایا۔

ارحام کی کاٹ دار نظریں اسے اندر سے کاٹ رہی تھیں جیسے۔۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ مم میں بھاگ نہیں رہی تھی۔۔ مم میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ آپ یقین کریں میرا۔۔۔ حور پیچھے کو قدم بڑھاتے کانپتے لہجے میں بولی۔

ارحام کو خاموش دیکھ کر حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا۔۔اس کی شعلہ اگلتی نگاہیں اسے باور کروا رہی تھیں وہ آج اسے چھوڑے گا نہیں۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے چکراتے سر کو تھاما تو ارحام نے اسے کلائی سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

سیدھی کھڑی رہو خبردار تم بے ہوش ہوئی تو۔۔۔ارحام نے غراتے ہوے اس کی کلائی سختی سے دبوچی۔۔

ارحام نے اس کی شال زمین سے اٹھاتے اس کے گرد اچھی طرح اوڑھائی اور اسے کلائی سے جکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

مم میری بات سنیں۔۔۔۔میں بھاگ نہیں رہی تھی۔حور ارحام کی سخت گرفت میں اس کے ساتھ گھسٹتے ہوے کانپتے لہجے میں بولی۔

میرا یقین کریں میں بھاگ نہیں رہی تھی۔ ارحام کے خوف سے پوری قوت سے چلاتے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

Dont pretend here.Hoor don't .....

(یہاں تماشہ مت کرو۔۔ حور مت کرو)

ارحام نے رک کر اسے سرنظروں سے گھورتے سپاٹ انداز میں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر تنبیہ کی۔۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا مگر ایک برف سی اس کے لہجے میں اتری تھی۔ جو حور کو اندر سے جما رہی تھی۔

حور اس کے لہجے کے سرد پن سے خائف ہوتے خاموش ہو گئی۔۔۔ اس کا لرزتا بدن اس کے ساتھ گھسٹتا چلا گیا تھا۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے کمرے میں لایا دروازہ دھاڑ سے بند کرتے اسے پوری قوت سے ٹھنڈے ماربل پر پٹخا۔۔وہ زمین پر اوندھے منہ بری طرح گرتے سسک اٹھی۔۔کانچ کی چوڑیاں ٹوٹتے ہوے کلائیوں میں پیوست ہوئیں۔تکلیف اور خوف سے حور کے لبوں سے دلسوز چیخ برامد ہوئی۔

آواز نہ نکلے تمھارے منہ سے۔۔۔۔اگر تم نے ذرا سی بھی آواز نکالی اسی زمین میں زندہ گاڑھ دوں گا۔۔ارحام اس کے قریب زمین پر پنجوں کے بل بیٹھتے غرایا۔۔

حور زمین پر سیدھی ہوتی ارحام کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

مم میرا یقین کریں۔۔ میں بھاگ نہیں رہی تھی۔ حور نے سر نفی میں ہلاتے بھیگے لہجے میں بولتے اسے پھر سے یقین دلانا چاہا تھا۔۔

تو پھر کیا کر رہی تھی تم وہاں پر؟؟ اب کی بار وہ اس طرح دھاڑا تھا کہ کمرے کے درود دیوار تک لرز اٹھے تھے۔۔ خوف سے حور کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوئیں۔۔ آنکھوں میں ٹھہرا پانی بھی ساکت ہوا تھا۔ مقابل کا ہر انداز اس پر دہشت طاری کر دیتا تھا۔

جواب دو مجھے..... حور کو ساکت ہوتا دیکھ کر اارحام پوری قوت سے چلایا۔۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس چھٹانک بھر لڑکی کی جان لے لے۔ جو آج پھر سے اس کی عزت کا تماشہ بنانے چل پڑی تھی۔ اگر اسے تھوڑی سی دیر اور ہو جاتی تو یقیناً حور حویلی کے گیٹ تک پہنچ جاتی۔۔ یہ خبر مہمانوں تک پہنچنے

میں کتنی دیر لگنی تھی۔۔ بابرک کی نظریں یاد کرتے بھی اس کی رگوں میں شرارے اٹھ رہے تھے۔ وہ اس کی حویلی میں اس کی ہی بیوی پر اپنی نظریں گاڑھے ہوے تھا اور یہ موقع اس کی بیوی نے خود دیا تھا اسے۔۔۔۔۔

بہت شوق ہے تمھیں خود کو بھری محفل میں تماشہ بنوانے کا۔۔ میری عزت کا نہیں تو اپنی عزت کا ہی سوچ لیتی۔۔۔۔ پکڑے جانے پر کیا جواب دیتی سب کو؟؟۔۔ لگتا ہے تمھیں شوق ہے اندھیری سڑکوں پر بھاگنے کا۔۔ اب کونسا نیا شکار ڈھونڈنے جا رہی تھی تم۔۔

وہ اس کا جبڑہ چھوڑتے غرایا۔ لفظ نہیں تھے کوڑے تھے جو حور کو اپنے وجود پر لگتے محسوس ہوے۔۔۔ حور زمین پر پیچھے کی طرف کھسکتی بیڈ کے ساتھ جا لگی۔۔

آپ کو اچھی طرح پتہ ہے میں ایسی نہیں ہوں۔۔ میری زندگی میں آپ ہی پہلے مرد ہیں۔۔ اور آپ کے بعد کبھی کوئی نہیں آئے گا۔۔ کیونکہ آپ نے مجھے دنیا کے ہر مرد سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔۔ ارحام کی بات پر بلبلاتے ہوئے چیخ پڑی۔۔ وہ دس سفاک انسان کی اپنے کردار پر بات کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے سب کچھ اس کالے کر وہ ابھی بھی اس کے کردار پر کیسے سوال اٹھا سکتا تھا۔ جبکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہے۔

ارحام اس کے چیخنے پر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔ اسے جوابًا سرد کڑے تیوروں سے گھورتے ایک بار پھر سے اس کا جبڑہ بری طرح دبوچا۔

اب تم ایک بار اور چیخی تو زبان کھینچ لوں گا میں۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میں یہ کر سکتا ہوں۔۔ مجھے میرے سوال کا جواب دو کیا کر رہی تھی تم

مردان خانے میں ؟؟۔ دھیما لہجہ مگر آگ کی تپش لیے ہوے

تھا۔۔ آنکھوں سے نکلتی چنگاریوں سے حور کو اپنا آپ جھلستا محسوس ہوا۔۔

وہ اس انسان کی وحشت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔ وہ اس سے کچھ بھی

کہتی وہ سزا کے طور پر اپنی آگ جیسی وحشی قربت اسے نوازتا جو حور کا

نازک بدن سہنے کے قابل نہ تھا۔۔

مم میں تو وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ اتنا سا بولتے بے بسی سے بے آواز رو پڑی۔۔۔

Dont bull shit.....answer me dam it..

(بکواس بند کرو سیدھی طرح جواب دو)

ارحام پوری قوت سے دھاڑا۔۔۔

۔

حور نے اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اپنی آنکھیں بے دردی سے صاف کیں۔

مم میں آپ کو بلانے آئی تھی۔۔ آنٹی کو ضروری کام تھا آپ سے۔۔ انہوں نے ہی مجھے کہا کہ میں آپ کو مردان خانے سے بلا لاؤں۔۔ حور نے روانی سے ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کی..

ارحام اس کے جھوٹ پر لب بھینچ کر رہ گیا۔۔ ایک جھوٹ ہی تھا جو وہ بنا لڑکھڑائے بولتی تھی۔

ارحام غصے سے زمین سے اٹھتا اپنے اشتعال پر قابو پانے لگا۔ مگر غصہ کسی طور پر کم نہیں ہو رہا تھا جو وہ آج کرنے جا رہی تھی۔ صرف اس کی ہی نہیں

اس کے گھر والوں کی عزت کا بھی تماشہ لگ سکتا تھا۔۔۔اس کے بھاگنے پر لوگ حور کے کردار پر نہیں بلکہ اس کی عزت پر وار کرتے جو اسے کسی صورت قبول نہیں تھا۔

مم میرا یقین کریں میں۔۔بھاگ نہیں رہی تھی۔میں آپ کو مردان خانے بلانے گئی تھی۔حور ہمت مجتمع کر کے زمین سے اٹھتی ارحام کی طرف بڑھی۔۔جو منہ پر ہاتھ پھیرتے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔

حور کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر ارحام نے اسے گھور کر دیکھا وہ ارحام کی نظروں سے گھبراتے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔

اب وہ دیوار میں سمائے بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔جس کے چہرے کے سپاٹ نافہم تاثرات اس کا دل بند کر رہے تھے۔۔پیچھے دیوار کا سہارا تھا ورنہ شائد وہ کب کا زمین بوس ہو جاتی۔

ارحام کی خاموشی پر حور کا دل اب بند ہونے لگا تھا۔۔

مم میرا یقین کریں ارحام۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ بابرک جھوٹ کہہ رہا تھا۔۔ الزام لگا رہا تھا مجھ پر۔۔۔۔

آپ کو اس پر نہیں اپنی بیوی پر یقین کرنا چاہیے۔۔ حور کی معصومیت سے کہی بات پر وہ کمرے میں چکر لگاتا ایک پل کو ٹھہر سا گیا۔۔۔ اس کی بات سنتے وہ اسے دیکھنے لگا جو دیوار میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

حور نے گہرے سانس لیتے ارحام کے تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کی شائد اس نے اس کی بات پر یقین کر لیا ہو مگر وہ ابھی بھی اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

آپ یقین کرتے ہیں نا مجھ پر؟؟ حور نے روتے ہوے معصومیت بھرا سوال کیا۔۔

ارحام نے نہ چاہتے ہوے بھی اپنے غصے پر قابو پایا...

یہ وقت بہت نازک تھا۔۔ اس ٹائم وہ اس پر ذرا سا بھی اور غصہ کرتا۔ اسے کچھ کہتا یقیناً وہ اپنے ہوش کھونے میں پل نہ لگاتی۔۔ اس کا کانپتا بدن اور خوف سے لٹھے کی مانند سفید پڑتا چہرہ اس کی اندرونی اور بیرونی حالت سب عیاں کر رہا تھا۔ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی ہے۔

یہ تو جانتا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ امینہ خانم کسی بھی صورت اسے مرادن خانے نہیں بھیج سکتی تھیں۔ وہ بھی اس وقت جب مردان خانہ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔۔ اور وہ آتے ساتھ ہی سب سے پہلے امینہ خانم سے ہی تو مل کر آیا تھا۔

حور دیوار میں سمائے بری طرح کپکپاتے اپنی ایک مٹھی کو سختی سے دبوچے ہوے تھی۔

ارحام کی زیرک نظروں نے دیکھ لیا تھا وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ارحام نے اس طرف بڑھتے اس کی کلائی پکڑے اس کی بند مٹھی نرمی سے کھولی۔ مزاحمت کرنے کی اس میں سکت نہ تھی۔ اس نے آرام سے وہ مٹھی کھول دی تھی۔

پانچ ہزار کے دو نوٹ اس کی ہتھیلی میں مڑی تڑی حالت میں پڑے تھے۔

--

وہ یہ مجھے باہر زمین سے ملے تھے۔ حور نے فق رنگت کے ساتھ بتایا۔

اسے ایک پل نہیں لگا تھا سمجھنے میں وہ یہاں سے بھاگنے کے لیے ان پیسوں کا استعمال کرنا چاہتی تھی۔۔یقیناً یہ پیسے اس نے اس کے ہی والٹ سے نکالے تھے۔۔وہ یہاں سے بھاگنے کا بہت پہلے سے پلان بنا رہی تھی۔۔ارحام کا چہرہ غصہ اشتعال سے مزید سرخ ہوا۔۔۔یہ تو جانتا تھا وہ کسی بھی قیمت یہاں سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔۔مگر اس طرح اسے اتنا بنا سنورہ مردان خانے میں آئے ہوے مہمان دیکھ لیتے۔۔یا پھر کسی کو بھی ذرا سی بھنک پڑ جاتی تو اس کے نتائج بہت سنگین ہونے تھے۔

آپ کو میری بات کا یقین آرہا ہے نا؟؟حور نے ارحام کو خاموش دیکھ کر بھرائی آواز میں پوچھا۔۔

ارحام نے اپنے غصے پر قابو پائے اس پر نگاہ ڈالی۔ لرزتا بدن فق رنگت۔۔۔ آنکھوں میں ٹھہرا پانی۔۔ ماتھے پر ننھے ننھے پسینے کے قطرے۔۔

اتنی شدید سردی میں اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے دیکھ کر ارحام کو اس پر ترس سا آیا تھا۔۔ وہ اس وقت قابل رحم لگ رہی تھی۔۔۔ مگر اپنی اس حالت کی ذمہ دار وہ خود تھی۔ وہ اس پر ترس کسی صورت نہیں کھا سکتا تھا۔

وہ بے اختیاری میں اس کے اور قریب ہوا۔۔

ارحام نے نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے چنے۔۔۔ حور نے ارحام کے قریب آنے پر ڈرتے ہوئے اپنی

آنکھیں میچی۔۔۔ارحام کے نرم لمس پر بے یقین ہو کر آنکھیں کھولی تو اس کی آنکھوں میں نرمی دیکھ کر وہ مزید بے یقین ہوئی تھی۔

بابرک جھوٹ بول رہا تھا۔۔حور نے ایک بار پھر ارحام کو یقین دلانے کی کوشش کی۔۔مقابل کی نرمی بھی کسی سختی سے کم نہ تھی۔کیا پتہ کب وہ اپنی درندگی پر اتر آئے۔۔وہ ابھی تک اس سے خوف کھائے بیٹھی تھی۔

ارحام کی نظریں اس کے چہرے سے ہوتے اب اس کے سراپے میں الجھ گئی تھیں۔اس کے کندن نشیب و فراز میکسی کی فٹنگ میں بہت جاذب نظر لگ رہے تھے۔۔

میرون دوپٹے کے ہالے میں وہ دمک رہی تھی۔۔آنکھوں پر گولڈن گلٹری میک اپ،،میرون لپسٹک سے سجے کپکپاتے لب۔۔۔اور ماتھا پٹی لگائے وہ

نظر لگ جانے تک حسین لگ رہی تھی۔۔اوپر سے اس کا ڈرا سہارو پ پانی میں جیسے آگ لگا رہا تھا۔۔وہ بھڑکتا شعلہ لگ رہی تھی۔

ارحام بے اختیاری میں اس کے اور قریب ہوا اور اس کی ماتھا پٹی کو چھوا۔۔جو ارحام کو بری طرح اٹریکٹ کی تھی۔وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ ارحام کی دھڑکنیں تک حور کو سنائی دینی لگی تھیں۔

حور اس کے قریب آنے پر اپنی سانس روک گئی۔۔

اس کی مدھم ہوتی دھڑکنیں اور اس کی رکی سانسیں محسوس کرتے ارحام نے اس کے گال پر بہت نرمی سے اپنا ہاتھ جمایا۔

کچھ کہہ نہیں کہہ رہا میں تمھیں۔۔سانس لو۔۔۔۔۔ارحام نے نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ کی پشت پھیری۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔۔ ارحام نے نرمی سے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

آپ آپ یقین کرتے ہیں نا مجھ پر میں بھاگ نہیں رہی تھی۔۔ حور نے ارحام کی شرٹ مٹھی میں دوچتے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے سینے کے ساتھ لگے کپکپاتے ہوے پوچھا۔

ہاں میں یقین کرتا ہوں تم پر،،، تم بھاگ نہیں رہی تھی۔۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کی پشت پر اپنا ہاتھ سہلایا۔۔

بابرک جھوٹ بول رہا تھا۔۔ حور نے اب ہچکی لیتے ایک اور جھوٹ بولا۔۔

ہاں میں جانتا ہوں وہ جھوٹ بول رہا تھا۔۔ اس کے جھوٹ کا ساتھ دیتے ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی..

یہ پیسے بھی مجھے باہر زمین سے ملے تھے۔۔ میں آپ کو دینے ہی لگی تھی۔۔ حورا بھی بھی اس کے سینے کے ساتھ لگی مسلسل جھوٹ بول رہی تھی۔

ہاں میں یہ بھی جانتا ہوں تم مجھے ہی دینے لگی تھی۔ ارحام نے اب کی بار اس کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرہ مضبوط کرتے کہا۔۔ پتہ نہیں اسے خود میں بھینچے خود کو سکون پہنچایا تھا یا پھر اس کا ڈر دور کرنا چاہا تھا۔۔

میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔ مجھے جھوٹ سے ہمیشہ سے نفرت تھی۔۔ پاپا کہتے تھے کہ صرف اپنی جان بچاتے وقت آپ جھوٹ بول سکتے ہیں۔۔ ورنہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔۔ اب وہ سچ بول رہی تھی۔۔ ارحام جانتا تھا آج بھی تو اس کے ڈر سے جھوٹ بول رہی تھی۔۔ یعنی اسے اپنی جان کا بھی اس سے خطرہ تھا۔ اسے لگتا تھا وہ اسے جان

سے بھی مار سکتا ہے۔۔ ارحام کو یہ بات بہت چبھی۔ وہ اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا۔

رحام نے بہت نرمی سے اسے اپنے سینے سے الگ کیا۔۔

فی الحال وہ اس کانچ سی گڑیا پر سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو پہلے ہی اس سے ڈری بیٹھی تھی۔۔ لیکن اس کا عمل کسی طور پر معاف کرنے کے قابل نہ تھا۔

اب یہ آنسو بہانہ بند کرو۔۔۔۔ مجھے اب تمھاری آنکھوں میں آنسو نظر نہ آئیں۔۔ اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں سے صاف کرتے سختی سے تنبیہ کی۔

اب مورے کے پاس جاؤ۔۔ان سے پوچھو کوئی کام تو نہیں ہے۔۔اچھے سے تمام مہمانوں سے ملو۔۔بڑی بہو کے جو فرائض ہیں۔وہ نبھاؤ۔۔۔مجھے تمھاری کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے۔۔اوکے۔۔نرمی سے اس کی ٹھوری پکڑے کہا۔

کک کوئی شکایت نہیں ملے گی۔۔حور نے جلدی سے کہا۔

گڈ۔۔۔۔۔۔۔یہ آنسو بھی مہمانوں کے سامنے نہیں بہنے چاہیے۔۔

نہیں بہیں گے۔۔ارحام کی بات مکمل ہونے سے پہلے جواب آیا تھا۔۔

ارحام کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری۔وہ معصوم تھی یا زیادہ خوبصورت۔وہ ابھی تک اس بات کا اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔۔یا وہ ضرورت

سے زیادہ ہوشیار تھی۔۔ ارحام اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

ارحام اسے گہری نظروں سے دیکھتے اس کی شال کی طرف بڑھا جو کافی فاصلے پر زمین پر پڑی تھی۔۔ اسے اٹھائے اس نے نرمی سے اس کی گرد اوڑھائی۔

سردی بہت ہے اسے اوڑھ کر رکھو۔۔۔ تمھیں کتنا بھی ضروری کوئی کام ہی کیوں نہ ہو۔۔ یہاں تک کہ تم مر بھی رہی ہو۔۔ آئیندہ تم مردان جانے کا کسی بھی حال میں رخ نہیں کرو گی۔ ارحام کے درشت لہجے میں کی ہوئی تنبیہ پر حور کی پھر سے سانسیں اٹکی تھیں۔

ارحام نے اس کی سانسیں رکتی دیکھ کر اپنے چہرے کے تاثرات بہت حد تک نرم کیے۔ جتنا غصہ اشتعال اسے اس وقت حور پر محسوس ہو رہا تھا وہ وہی

جانتا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ رہی تھی۔۔ یہ سوچ ہی اس کے اندر تند و تیز بھانبھڑ جلا چکی تھی۔ اس کی عزت اس کی بیوی اس کی حویلی سے بھاگ رہی تھی۔۔ اتنی آسانی سے وہ اسے چھوڑنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔ مگر اس ٹائم اسے کچھ کہہ کر وہ اپنا تماشہ نہیں بنا سکتا تھا۔ حور کا ابرش اور زاران کے نکاح میں شامل ہونا بہت ضروری تھا۔

بابرک کی نگاہیں یاد کر کے بھی اس کے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔۔ وہ اس کے سامنے بنا شال کے کھڑی تھی۔۔ بابرک اس کے سامنے اپنی نظروں پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس نے کن نظروں سے حور کو دیکھا ہو گا۔۔ یہ اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔۔

اب جاؤ یہاں سے۔۔۔میں تم سے رات میں بات کروں گا کہ تم مردان خانے میں کیا کر رہی تھی۔۔ارحام کی بات پر حور پھر سے ساکت ہوئی تھی۔۔

میں نے بتایا تو ہے آپ کو۔۔۔مجھے آنٹی نے بھیجا تھا۔۔۔آپ نے کہا بھی کہ آپ کو مجھ پر یقین ہے۔۔لہجے میں پھر سے کپکپاہٹ در آئی۔

میں نے بھی یہی کہا ہے۔مجھے تم پر یقین ہے۔۔مگر مورے نے مجھے بلانے کے لیے تمھیں ہی کیوں بھیجا؟؟۔۔ساری ملازمائیں کہاں تھی؟؟۔جو انہوں نے تمھیں بھیج دیا۔۔ارحام کے خشک لہجے میں کیے گئے سوال پر اس کا خون خشک پڑا تھا۔۔

اب جاؤ رات بات ہو گی۔مگر ابھی کے لیے مجھے کوئی شکایت نہ ملے۔۔ارحام نے دوٹوک انداز اختیار کرتے اسے حکم دیا۔۔حور مرے

قدموں سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ کو دیکھتے ارحام کے غصے میں آضافہ ہوا تھا۔۔وہ یہاں سے بھاگ رہی تھی یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی جو وہ آسانی سے اگنو کر دیتا۔۔۔۔

ارحام اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

بابرک اپنی جیپ پر بیٹھا حویلی سے نکل آیا تھا اسے کوئی شوق نہیں تھا زاران خانزادہ کے نکاح میں شرکت کرنے کا۔۔

وہ حویلی کے گیٹ سے باہر آیا تو آہل کو دریا کی طرف جاتے دیکھ کر چونکا تھا۔

یہ کمبخت ادھر کیا کر رہا ہے ؟؟ بابرک آہل کو دیکھتے بولا۔۔

آپ کو نہیں پتہ چھوٹے خان۔۔ اس کا سعید خان کی بہن زرتاج کے ساتھ ٹانکا چل رہا ہے۔۔ بابرک کے ساتھ بیٹھا اس کے خاص آدمی پیروز خان نے جواب دیا۔

کیا کہہ رہا ہے تم ؟؟ یہ ہمارا گاؤں کی لڑکی پر نظر رکھے گا۔۔ اس کی جان نہ نکال دے گا ہم۔۔ بابرک ایک ہی جھٹکے میں اپنی جیپ روک چکا تھا۔

اور وہ سعید خان اتنا بے غیرت ہو چکا ہے جو اسے کچھ خبر نہیں۔۔ بابرک نے غصے سے کہتے اپنی قمیض کے اطراف میں پہنی بیلٹ سے اپنی بندوق نکال کر چیمبر چڑھایا۔

اسے کچھ خبر نہیں ہے وہ بیچارہ کیا کہے گا۔۔ پیروز کی بات پر بارک نے غصے سے اسے گھورا۔

سعید خان بیچارہ نہیں بے غیرت ہے جو اپنی بہن کو نہیں سنبھال سکتا۔۔ مگر ہم بغیرت نہیں ہے جو اس شہری کی حرکتیں برداشت کرے گا۔۔۔ آج سعید خان کی بہن زرتاج اور یہ آہل پاشا دونوں ہماری بندوق کی گولی سے مرے گا۔۔ بابرک جیپ سے اترتا آہل کی طرف بڑھا۔۔۔ پیروز بھی بابرک کی تقلید میں اس کے پیچھے گیا تھا۔۔

بابرک نے دریا کی طرف آسمان کی طرف فائر کیا۔۔ آہل نے بری طرح بدحواس ہوتے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بابرک اس اسے بندوق ہاتھ میں پکڑے اسے گھور رہا تھا۔۔

آہل اپنی جیکٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے بابرک کی طرف بڑھا۔۔

تمھیں مسئلہ کیا ہے میرے ساتھ ؟؟ میرے ہی پیچھے کیوں لگے رہتے ہو ہر ٹائم۔۔۔ بزدلوں کی طرح بندوق کی گولی سے ڈرا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ آہل نے بابرک کے قریب آتے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔ یہ بابرک کے ساتھ اس کی دوسری جھڑپ تھی ایک حویلی کے مردان خانے میں ہو چکی تھی جس میں بابرک نے اسے حویلی سے دفع ہونے کو کہا تھا۔

تم سے مسئلہ ہے یہ ہے کہ تم اس زاران خانزادہ کا سالا ہے۔۔ اپنی بہن کا نکاح کرو اور یہاں سے اپنا منحوس چہرہ لے کر دفعہ ہو جاؤ۔۔ شرم آنا چاہیے

تم کو اپنی بہن کے سسرال میں ڈیرہ ڈال کر بیٹھا ہے۔ تم شہری لوگ بہت ہی بے غیرت ہوتا ہے۔ بابرک نے مسکراتے ہوے آہل کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

یہ میری بہن کا سسرال نہیں میرے نانا کی بھی حویلی ہے۔ آہل سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔۔۔

بکواس بند کرو اپنی اور اپنا شکل آج رات لے کر دفعہ ہو جاؤ۔۔ ہم تمھیں زرتاج کے گرد بھی نہ دیکھے۔۔ ورنہ تم اپنے پیروں پر چل کے جانے کے قابل نہیں رہے گا۔۔ بابرک نے اونچی آواز میں اسے وارن کیا۔

تم ہوتے کون ہو مجھے زرتاج سے دور رہنے کو کہنے والے ؟؟۔ شکل تم اپنی گم کرو۔۔ میں بھی آئیندہ تمھاری گندی زبان سے زرتاج کا نام نہ سنوں۔ آہل بابرک کی زبان سے زرتاج کا نام سنتے بھی وہ بھڑک اٹھا۔

آہل کے بھڑکنے پر بابرک کا قہقہہ گونجا تھا جس میں پیروز نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔

یہ جو عشق کا بھوت تم پر سوار ہے اس کا بھوت ہم منٹوں میں اتار سکتا ہے۔۔بس یہ گولی چلنے کا دیر ہے۔۔بابرک نے آہل کے سینے پر بندوق تانی۔۔

اسی لمحے پیروز کا فون بجا تھا۔ پیروز نے نمبر دیکھ کر جلدی سے فون اٹھایا۔

جی خان صاحب۔۔۔۔جی میں دیتا ہوں۔۔ پیروز نے جلدی سے فون بابرک کی طرف بڑھایا۔

کس کا ہے فون؟؟ بابرک نے آہل کو گھورتے پیروز سے کہا۔۔

زاران خان صاحب کا؟؟ پیروز کے بتانے پر بابرک نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اس سے فون چھین کر کان سے لگایا۔

بولو۔۔۔۔۔ بابرک نے فون کان سے لگائے کہا۔

اپنی بندوق ایک سیکنڈ میں نیچے کر لو ورنہ تم لمحوں میں زمین پر ڈھیر ہو جاؤ گے۔۔ میرے آدمی اس وقت تم پر بندوق تانے ہوے ہیں۔ یقین نہیں آ رہا تو گردن گھما کر دیکھ لو۔۔۔ زاران کی بات سنتے بابرک نے اپنی گردن گھمائی.. دور کھڑے زاران خان کے گارڈ کو دیکھتے اس نے جلدی سے اپنی بندوق نیچے کی۔

میں تو مذاق کر رہا تھا لالا۔۔ تمھارا سالا کو ذرا تفریح کروا رہا تھا۔ اسے سمجھا رہا تھا شہر اور ادھر کی روایات میں کیا فرق ہے۔۔۔ تم تو ہم پر ایسے نظر رکھے ہوے ہے۔ جیسے ہم پتہ نہیں کتنے قتل کر چکا ہے۔۔ ہم کیوں مارے گا اپنے

سالے کے سالے کو۔۔۔بابرک نے مسکراتے ہوے دانت پیستے لفظ سالے پر زور دیا۔۔

تم قتل نہیں کروگے۔عنقریب قتل ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں... دو منٹ سے پہلے یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ورنہ تمھارا منحوس وجود اس بہتے دریا کی نظر ہو جائے گا۔۔زاران اپنی بات مکمل کرتے فون بند کر چکا تھا۔۔

بابرک نے غصے اپنی بندوق اپنی بیلٹ میں لٹکائی۔

تمھیں میں چھوڑوں گا نہیں۔۔ تمھاری اور زرتاج کی قبر میں اسی گاؤں میں بنواؤں گا۔۔بابرک پیروز کو اشارہ کرتے اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔۔

آہل اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈالتے اپنے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔وہ پتھر پر بیٹھ کر زرتاج کا انتظار کرنے لگا جسے ملنے کے لیے اس نے اسے ادھر بلوایا تھا

ابرش اپنے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ابھی نکاح ہونے میں کافی ٹائم تھا۔۔ وہ کافی دیر پہلے اپنا میک اپ کروا چکی تھی۔ جو میک اپ آرٹسٹ اپائنٹ کی گئی تھی۔ اسے ایک ایمرجنسی آگئی تھی جس کے باعث اسے جلدی نکلنا تھا۔۔ ابرش نے اس کی ریکویسٹ پر جلدی میک اپ کروالیا تھا۔ مگر اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اتنی جلدی میک اپ کیوں کروایا۔ اتنا بھاری ڈریس بھاری جیولری اب وہ کمرے میں بیٹھی بیٹھی تھکنے لگی تھی۔۔

زاران ٹھیک کہہ رہا تھا کہ میں خود ہی میک اپ کر لیتی۔ ایک لپسٹک بھی لگا لیتی تو میں اچھی ہی لگتی۔۔ وہ اپنا دوپٹہ بیڈ پر پھینکتی ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتی بری طرح جھنجھلائی۔۔

انتظار طویل ہو رہا تھا۔۔ زاران خانزادہ کی باتیں یاد کر کے دل ایک عجیب لے میں دھڑک رہا تھا۔ اس کی قربت کا سوچ کر ابھی سے ہی اس کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں۔

دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔

ابرش بیڈ کی طرف بڑھتے اپنا دوپٹہ اٹھانے ہی لگی تھی۔

کمرے میں داخل ہونے والی ہستی کو دیکھ کر ابرش کے سر پر کمرے کی چھت گری تھی جیسے۔۔

زعیم۔۔۔۔۔ اس کے لبوں نے بے یقینی سے حرکت کی۔۔

وہ اپنا دوپٹہ بیڈ پر ہی چھوڑ کر غصے سے اس کی طرف بڑھی۔

تم یہاں پر کیا کر رہے ہو؟؟ہمت کیسی ہوئی تمھاری میرے کمرے میں آنے کی؟؟۔۔۔ابرش زعیم کے مقابل آتے غصے سے چیخی۔

ابرش تم مجھ سے اتنی بدگمان ہو جاؤ گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ابرش کو دلہن کے لباس میں دیکھ کر زعیم کے اندر جلن کی لہریں اٹھیں تھیں۔اس کا دو آتشہ روپ اس کے اندر حسد کے شعلے بھڑکا چکا تھا۔۔

اپنی بکواس بند کرو زعیم؟؟تم ہوتے کون ہو مجھ سے سوال جواب کرنے والے؟؟نکلو میرے کمرے سے ابھی کہ ابھی۔۔۔ابرش زعیم کی ڈھٹائی کو دیکھتے ناگواری سے بولی۔۔جو بنا آجازت ہی اس کے کمرے میں گھس آیا تھا۔

ابرش کیسی باتیں کر رہی ہو؟؟ ہم دوست ہیں۔ دوستی کے ناطے میں تمھاری اس رویے کی وجہ بھی پوچھنے کا حق نہیں رکھتا کیا؟؟۔۔ تم مجھے کیوں اگنور کر رہی ہو؟؟

تم یہاں کیسے آئے۔؟؟۔ میرے کمرے میں تمھیں آنے کس نے دیا؟؟ ابرش نے سینے پر ہاتھ باندھتے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔ زعیم کے سوالات اس نے مکمل طور پر اگنور کر دیے تھے۔

زعیم ابرش کے ایٹیٹوڈ پر اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔ اسے دلہن کے لباس میں دیکھ کر وہ اپنی سدھ بدھ کھو رہا تھا۔ مگر ابھی اسے خود پر ظبط کرنا تھا جو اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

ابرش پھوپھو سے مل کر ہی تمھارے کمرے میں آیا ہوں۔ انہوں نے ہی مجھے تمھارے کمرے کا بتایا ہے۔ زعیم نے خود پر قابو پاتے کافی تحمل سے

کہا۔ وہ اپنا ظبط کھو کر ابرش کو مزید خود سے بدگمان نہیں کر سکتا تھا۔ ابرش کو کیسے ڈیل کرنا ہے وہ جانتا تھا۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟؟ کس حیثیت سے اس حویلی آئے ہو؟؟۔۔ میں نے یا زاران نے تو تمھیں انوائٹ نہیں کیا۔ ابرش نے زعیم کو خاموش کھڑا دیکھ کر اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوے پوچھا۔ لہجے میں پہلے سے زیادہ درشتگی در آئی تھی۔۔

وہ زعیم کو دیکھ کر اتنے غصے میں آگئی تھی کہ اپنا دوپٹہ تک لینا بھول چکی تھی۔ وہ بلاوز اور لہنگا پہنے اپنا قیامت خیز روپ لیے زعیم کے سامنے کھڑی تھی۔ زعیم کی نظریں اب اس کے قیامت خیز سراپے پر ٹک گئی تھیں۔ اتنی حسین لڑکی کو صرف اسی کا ہونا چاہیے تھا۔ وہ اپنی گردن کو پیچھے سے رب کرتے اس کے بدن پر نظریں گاڑھے سوچ رہا تھا۔

پھوپھو نے انوائٹ کیا تھا ہم سب کو۔۔ تم بھول سکتی ہو مجھے،،، ابو کو،،، مگر ہم لوگ تمھیں نہیں بھول سکتے۔ زعیم کی آنکھیں یکدم بھیگی تھیں۔ اپنی نظروں پر قابو پاتے اس نے اپنے لہجے میں آنسوؤں کی امیزش شامل کی۔

تایا ابو بھی آئیں ہیں۔ ابرش نے زعیم کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے حیرانگی سے پوچھا۔ عباسی صاحب کے ساتھ وہ کافی اٹیچ تھی۔۔ زعیم اب ابرش کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے لگا تھا۔

کاش آسکتے۔۔ مگر انھیں ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ زعیم کی بات پر وہ بے اختیار اس کے قریب ہوئی۔

کیسے ہوا یہ سب؟؟ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟۔ تایا ابو ٹھیک تو ہیں نا؟؟ ابرش کے لہجے میں شدید پریشانی جھلکی تھی۔ جسے محسوس کرتا زعیم طنزیہ مسکرا گیا تھا۔

انھیں ہارٹ اٹیک کیسے آیا؟؟ یہ تم زاران خانزادہ سے پوچھو۔۔ زعیم نے طنزیہ کہتے ابرش کو کٹیلی نظروں سے دیکھا۔۔

کیا کیا ہے زاران نے؟؟ ابرش نے سرسراتے لبوں سے ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔ زاران کے غصے سے واقف تھی یہ بھی کہ پارٹی میں زعیم کی کی ہوئی حرکت کو وہ کسی بھی صورت معافی کے قابل نہیں گردانتا تھا۔۔ اس نے صاف لفظوں میں اسے باور کروایا تھا وہ زعیم کو اس کی سخت سزا دے گا۔۔

ابرش کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔۔یقیناً زاران نے کچھ بہت غلط کیا ہو گا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ زعیم کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں نمی لیے ہوے تھیں۔چہرے پر بے انتہا کرب تھا۔

زاران نے ہماری کمپنی کے تمام پروجیکٹ چھین لیے ہیں۔

مارکیٹ میں ہمارے شئیرز بہت گر چکے ہیں۔اس بات کو پاپا نے دل پر لے لیا ہے۔انھیں ہارٹ اٹیک آیا ہے۔

زعیم کی باتوں پر ابرش نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا۔۔۔زاران یہ سب کچھ کر رہا تھا اسے اندازہ نہ تھا۔بلکہ اسے بہت تکلیف پہنچی تھی زاران کے ایکٹ پر۔۔۔اسے زاران کا یہ عمل بہت چھوٹا اور سطحی لگا۔۔وہ کمپنی صرف زعیم

کی ہی نہیں بلکہ عباسی صاحب کی بھی تھی۔۔ پھر وہ بھی تو منسلک تھی اس کمپنی سے۔۔۔۔

کیا ہوا چپ کیوں لگ گئی تمھیں ؟؟۔ اپنے ہونے والے شوہر کی گھٹیا حرکتوں نے لگتا ہے تمھیں بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ یا پھر تم بھی اس کے کارناموں میں ملوث ہو۔۔ زعیم استھزائیہ ہنسا تھا۔

مجھ پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لو ذرا۔۔۔ مسٹر زعیم عباسی۔۔۔۔ زاران کا ایکٹ اگر گھٹیا ہے تو تمھارا ایکٹ گھٹیا ترین تھا۔ ابرش نے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

کس ایکٹ کی بات کر رہی ہو تم ؟؟ کیا کیا ہے میں نے ؟

۔ وضاحت ڈالو گی کچھ تم ؟؟ زعیم نے انجان بنتے پوچھا۔

زعیم تم اتنے انجان کیوں بن رہے ہو؟؟ یا پھر تمھارے لیے یہ عام بات ہے۔ کسی بھی لڑکی کی ڈرنک میں نشہ آور گولیاں ملانا۔ کیا مقصد تھا زعیم تمھارا؟؟ کیا کرنا چاہتے تھے تم؟؟ کیوں ملائی تم نے میری ڈرنک میں گولیاں؟؟ ابرش نے سپاٹ لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیے۔

تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔

میں تمھیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ میں نے زران کو بھی جھٹلایا تھا مگر کون کر سکتا ہے تمھارے علاوہ یہ حرکت؟؟

تم نے ہی یہ ڈرنکس آرڈر کیے تھے۔۔ ڈرنکس آنے سے پہلے تم ہی ڈرنکس کاونٹر پر کھڑے تھے۔۔ ابرش نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے کہا۔

زعیم کی معصومیت پر اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

ابرش زاران کے ہاتھوں سے تھپڑ کھانے کا مجھے اتنا دکھ نہیں ہوا۔ جتنا تمھاری باتوں سے ہوا ہے۔۔ اگر تم مجھ پر الزام لگانے کی بجائے ایک بار مجھ سے بات کر لیتی تو میں تمھاری غلط فہمی دور کر دیتا۔ مگر تم نے تو زاران کی باتوں میں آ کر مجھ سے ہر رابطہ منقطع کر دیا۔۔

وہ جوس کا گلاس ماریہ کے لیے تھا۔۔ شہریار نے اپنی گرل فرینڈ کے گلاس میں وہ گولیاں ملائی تھیں۔ وہ اس کی بے ہوشی کا فائدہ اٹھا کر اس کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مگر غلطی سے تم نے وہ جوس کا گلاس پی لیا۔۔ یہ بات مجھے خود شہریار نے بتائی ہے۔ یہ سب سن کر میں نے اس سے ہمیشہ کے لیے دوستی ختم کر لی ہے۔ میں ایسے انسان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھ سکتا جو عورتوں

کی عزت نہ کرتا ہو۔۔وہ ڈرنک کا گلاس تمھارے لیے نہ سہی مگر ماریہ کے لیے تو تھا۔۔

لیکن زاران نے بنا کسی تحقیق کے مجھ پر الزام لگا کر مجھے پارٹی میں سب کے سامنے تھپڑ مار کر منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔

تم نے بھی مجھ پر یقین نہیں کیا۔۔میں بلکل انجان تھا۔تم ایک پل کے لیے سوچو۔۔وہ جوس پی کر تم نے ایک لڑکی کی عزت بچالی۔۔سوچو اگر وہ جوس ماریہ پی لیتی تو اس کے پاس کیا بچتا۔۔جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔مگر یہ ماریہ کے لیے شائد اچھا ہو گیا۔اس زاران کے لیے بھی اچھا ہو گیا۔۔مگر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟؟میری دوست مجھ سے روٹھ گئی۔میری محبت مجھ سے روٹھ گئی۔مجھ سے میرا بزنس چھین لیا۔کیا غلطی تھی میری

ابرش؟؟۔۔کیا قصور تھا میرا؟؟اور میری فیملی کا کیا قصور تھا جنھیں ان سب کی کی یہ سزا ملی۔۔

زعیم نے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں مسلی تھیں۔ابرش زعیم کی باتوں کو سنتے شاک کے عالم میں کھڑی تھی۔۔

ابرش کو گنگ دیکھ کر زعیم کی بھیگی سرخ آنکھوں میں استھزائیہ پن جھلکا تھا۔

وہ زاران کو کسی قیمت پر بھی خود سے جیتنے نہیں دے سکتا تھا۔ابرش کے نکاح کا سن کر اسے اپنا آپ پتنگے کی طرح ہوا میں بکھرتا محسوس ہوا۔۔۔وہ اسے پانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔

یہاں تک اس کے ساتھ وہ ابرش کی عزت کے ساتھ بھی کھیل سکتا تھا۔۔اسے ابرش ہر حال میں اپنے پاس چاہیے تھی۔۔زاران خانزادہ نے اسے تھپڑ مار کر ابرش کو اس کی محبت کے ساتھ ساتھ ضد بھی بنا دیا تھا۔۔زاران نے اس کے سارے کنٹریکٹ چھین لیے۔مارکیٹ میں اس کی ساکھ گرا دی۔۔جس کی وجہ سے عباسی صاحب کو ہارٹ اٹیک آ گیا تھا یہ سب صرف زاران خانزادہ کی وجہ سے ہوا تھا۔اب صرف اسے کچھ بھی کر کے ابرش کو حاصل کرنا تھا۔۔باہر اس کے دوست گاڑی میں اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ایک دفعہ ابرش اس کی باتوں میں آ کر حویلی سے باہر قدم نکال لیتی۔وہ اسے بے ہوش کر کے اس کی عزت داغدار کرنا چاہتا تھا۔وہ انجام کی پرواہ کیے بغیر یہاں چلا آیا تھا۔اسے بالکل بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا۔۔مقصد صرف ابرش اور زاران کو جدا کرنا تھا۔۔اس کے لیے شائد

اس کی جان بھی چلی جاتی اسے پرواہ نہیں تھی۔اس وقت صرف زاران کو منہ کے بل گرانا ہی اس کا مقصد تھا۔۔وہ صیح اور غلط کی ہر تمیز بھول چکا تھا۔

زعیم مجھے اندازہ نہیں تھا یہ حقیت ہے آئی ایم سوری۔ابرش جھکی نظروں سے شرمندگی سے بولی۔۔

ابرش تم نے ابو کی محبت کا یہ صلہ دیا۔۔ابو نے اس وقت تم لوگوں کو سپورٹ کیا جب کوئی بھی تم لوگوں کو پوچھتا نہیں تھا۔کہاں تھے یہ حویلی والے ؟۔کہاں تھا یہ زاران خانزادہ۔؟؟۔۔۔صرف ابو ہی تھے جو دادا ابو کی مخالفت کے باوجود تم لوگوں کے ساتھ کھڑے رہے۔۔جتنا بھی ہوتا وہ تم لوگوں کی مدد کرتے۔۔ہمارے پاس زاران خانزادہ جتنی جائیداد نہیں

ہے۔نہ ہی زاران خانزادہ جیسا اسٹیٹس ہے۔ مگر ایک عزت ہے جو زاران خانزادہ نے ہم سے چھین لی۔

گنی چنی جائیداد ہے ابو کی۔۔۔۔ مگر ابو نے پھر بھی پوری ایمانداری سے وہ جائیداد تم لوگوں کے حوالے کی۔۔ دادا ابو کی وصیت تھی کہ تم لوگوں کو ایک ٹکہ نہ دیا جائے۔ مگر ابو نے کسی کی ایک نہ سنی۔۔ مگر کیا ہو؟؟ ابو کی عزت کو تم نے اور زاران نے ایک ٹکے کا نہ رہنے دیا۔۔ وہ احسان جتلانے کے ساتھ ساتھ اسے اموشنل بلیک میل بھی کر رہا تھا۔۔ ابرش کی شرمندگی سے جھکی نظریں اسے باور کروا رہی تھیں تیر نشانے پر لگا ہے۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ زعیم مجھے اندازہ نہیں تھا زاران یہ سب کرے گا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔ عباسی صاحب کا سوچ کر ہی اس کا دل بھر آ رہا تھا۔۔ اسے شدت

سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ حویلی آنے سے پہلے اسے ایک مرتبہ زعیم سے ملاقات کرنی چاہیے تھی۔۔

ابرش پلیز۔۔۔ مجھے غلط مت سمجھنا۔۔ چھوڑ دو اس زاران خانزادہ کو۔۔ وہ تمھارے لائق نہیں ہے۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ وہ تمھاری عزت نہیں کرے گا۔۔ وہ ایک مغرور انسان ہے۔۔ جسے اپنی طاقت اور اونچے رتبے پر غرور ہے۔۔ یہ خان لوگ عورتوں کی عزت کرنا نہیں جانتے۔ جو انسان بنا تحقیق مجھ پر انگلی اٹھا سکتا ہے۔ وہ کل کو تم پر بھی انگلی اٹھا سکتا ہے۔۔ زعیم نے ابرش کی جھکی نظریں اور ان نظروں میں آنسو دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ تھامے۔۔۔

زعیم تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ تمھاری ساری باتیں بلکل ٹھیک ہیں۔۔ مگر میں زاران سے محبت کرتی ہوں۔ اس نے جو کچھ کیا وہ میری

محبت میں کیا۔۔ اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ میں اس سے بات کروں گی۔ وہ سب ٹھیک کر دے گا۔۔ میں تایا ابو سے معافی مانگ لوں گی۔۔ میں تمھیں صرف اپنا کزن سمجھتی ہوں۔۔ تم کبھی میرے دوست بھی نہیں رہے۔۔ ابرش نے غصے سے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے۔۔ وہ صرف اسے اپنا کزن سمجھتی تھی۔۔ وہ بہت گلٹی ہونے کے باوجود اس کی اس طرح کی باتیں نہیں سن سکتی تھی۔

ابرش کی بات پر زعیم پاگل ہوا تھا۔۔

ابرش میری بات سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔۔۔۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ وہ زاران خانزادہ کبھی تم سے میری جتنی محبت نہیں کر

سکتا۔۔ پلیز میرے پاس چلی آؤ۔۔۔۔ وہ کبھی تمھاری عزت نہیں کرے گا۔۔ زعیم نے آگے بڑھتے ابرش کا ہاتھ سختی سے تھاما۔

ابرش حیرت سے زعیم کی آنکھوں میں اترا جنون دیکھ رہی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح اس کے آگے گڑگڑا رہا تھا۔۔ وہ اس کی ضد کو اس کا جنون سمجھ رہی تھی۔ مگر وہ صرف اب اس کی ضد تھی۔۔ جس کے لیے وہ اپنی جان داؤ پر لگانے کو تیار تھا۔

زعیم نے اب اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑے تھے۔۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

ابرش نے فق رنگت کے ساتھ سامنے دیکھا۔ زاران خانزادہ سرخ آنکھیں لیے ابرش کو ہی دیکھ رہا تھا۔۔۔ ابرش نے سراسیمگی کے عالم میں جلدی سے اپنے ہاتھ زعیم کے ہاتھ سے چھڑوائے تھے۔

زاران خانزادہ کے بدن میں شرارے سے پھوٹے تھے۔۔ تند و تیز بھانبڑ جلتے دہکتا آلاؤ اختیار کر چکے تھے۔وہ بغیر دوپٹے کے اپنا شعلہ جوالہ روپ لیے زعیم کے بہت قریب کھڑی تھی۔زعیم اس کے ہاتھ پکڑے ہوے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

زاران خانزادہ لمحوں کے ہزارویں حصے سے پہلے زعیم تک پہنچا۔۔زعیم کو کالر سے پکڑتے پوری قوت سے اس کے منہ پر زوردار مکہ جڑ دیا۔۔وہ زمین پر منہ کے بل گرا۔۔۔ابرش تو سفید رنگت کے ساتھ زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔جس نے اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔مگر اس کا سرخ تنا ہوا چہرہ اور اس کی گردن کی نیلی رگیں دیکھ کر ابرش کو اپنی دھڑکنیں سینے میں ہی خاموش ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔۔اس نے کبھی اس سے پہلے زاران خانزادہ کو اتنا غصے میں نہیں دیکھا تھا جتنا وہ آج دیکھ

رہی تھی۔۔تب بھی نہیں جب اس نے بابرک کو مارا تھا۔۔اس کا چہرہ اس سے پہلے اتنا سرخ اس نے نہیں دیکھا تھا۔وہ رکا نہیں تھا اس نے زعیم کو گریبان سے جکڑتے اس کے منہ پر مکوں کی بارش کر دی تھی۔۔زعیم کے منہ سے بل بل خون بہنے لگا تھا۔۔ابرش ٹرانس کی کیفیت میں ایک طرف جمی زاران کو جانوروں کی طرح زعیم کو مارتا دیکھ رہی تھی۔۔زعیم زاران کا مقابلہ نہیں کر سکا تھا۔زاران کا کسرتی ورزشی بدن کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔اور نہ وہ زاران کی جنونیت کا مقابلہ کر سکتا تھا۔۔زاران کے چند ہی مکوں سے وہ ڈھیر ہو چکا تھا۔

مجھے چھوڑ دو پلیز۔۔۔۔میں نے کیا بگاڑا ہے تمھارا؟؟۔۔تم ایک وحشی انسان ہو۔۔ابرش کے لائق نہیں ہو تم۔۔

زاران کے بھاری بوٹ کی چوٹ اپنے پہلو میں محسوس کرتے وہ درد سے بلبلاتے زمین سے اٹھتے زاران کے مقابل کھڑا ہوا۔۔

کون قابل ہے اس کے تم،؟؟۔زاران نے غصے سے چیختے اپنے بھاری ہاتھ کا مکہ بنائے زعیم کے منہ پر پوری قوت سے مارا تھا۔۔اس کی ناک سے اب خون بہنا شروع ہو چکا تھا۔۔وہ بری طرح چیخنے لگا تھا۔

زعیم کی آہ پکار پر وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔۔وہ جلدی سے زاران کی طرف بڑھی۔۔

زاران چھوڑیں اسے کیا کر رہے ہیں؟؟۔وہ مر جائے گا۔۔ابرش اس کی طرف بڑھی ہی تھی مگر اس کی سرخ کاٹ دار نظروں سے گھبراتے وہ وہیں پر رک گئی تھی۔

زاران نے قہربار نظروں سے ابرش پر نظر ڈالی جو ابھی بھی بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔۔اسے اپنی ہوش تک نہ تھی۔

رک جاؤ وہیں پر۔۔۔دو قدم بھی تم نے اور بڑھائے تو تمھارا اس سے بھی برا حال کروں گا۔۔زاران دھاڑا۔ابرش اس کی دھاڑ سے زیادہ اس کے لفظوں سے لرزی تھی۔۔

وہ وہیں پر سٹل ہوئی تھی۔۔قدموں کے ساتھ اس کی زبان بھی جکڑی جا چکی تھی۔مان غرور سب کچھ ٹوٹا تھا۔۔

اسی اثناء میں زنان خانے سے شور سنتی امینہ خانم رُوزینہ خانم زحلے بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھیں۔۔۔ابرش سجی سنوری دلہن کے لباس میں بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔زعیم زخمی حالت میں زمین پر پڑا درد سے بری طرح کراہ رہا تھا۔۔زاران خانزادہ غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ابرش پر اپنی نظریں گاڑھے ہوے تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟زاران یہ سب کیا ہے؟؟باہر تک شور آرہا ہے۔ہم نے مہمانوں کو یہی کہا کہ یہ شور حویلی کے باہر سے آرہا ہے۔۔گیٹ پر دلدار خان کا جھگڑا ہو رہا ہے کسی کے ساتھ۔

امینہ خانم نے آگے بڑھتے زاران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔۔۔زحلے زعیم کو دیکھتے ابرش کو دیکھ رہی تھیں۔جو بت بنی کھڑی تھی۔روزینہ خانم بھی شاک کے عالم میں کھڑی تھیں۔

زاران بنا کوئی جواب دیے زعیم کو کالر سے گھسیٹتا باہر کی طرف بڑھا۔۔

ابرش زاران کے جانے کے بعد اپنا دوپٹہ بیڈ سے اٹھائے خود پر لپیٹے زاران کے پیچھے بھاگی۔۔

ابرش کہاں جارہا ہے تم؟؟وہ بھی ایسا حلیہ میں۔۔امینہ خانم نے ابرش کو ٹوکا تھا۔ابرش نے دروازے کے پاس رکتے امینہ خانم کو استھزائیہ نگاہوں سے دیکھا۔

مجھے ٹوکنے کی بجائے آپ کو اپنے بیٹے کو روکنا چاہیے تھا جو حیوان بنا کسی بے گناہ کو مار رہا تھا۔۔ ابرش رخ پلٹتے غصے سے بولی۔

یہ کس لہجے میں بات کرتا ہے تم ہم سے ؟؟ ہمارا زاران کبھی کچھ غلط نہیں کرتا۔ اگر اس نے اس کو حیوانوں کی طرح مارا ہے تو ہم کو یقین ہے اس نے ایک حیوان کو ہی مارا ہو گا۔۔ امینہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔۔

ابرش تلخی سے مسکراتی بنا کوئی جواب دیے باہر کی جانب بڑھنے لگی۔

اب کی بار زحلے نے ابرش کو بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔۔

کہاں جا رہی ہو ابرش ؟؟ تم دلہن ہو زاران کی۔۔ ایسے بے پردہ تم باہر جاؤ گی۔۔ سب کیا کہیں گے ؟؟۔۔ زحلے نے ابرش کو ناگواری سے ٹوکا۔

بھاڑ میں جائے یہاں کے رسم ورواج اور پردہ جو کسی کی جان سے بڑھ کر ہو۔۔اپنے بھتیجے کے آگے آپ کو کچھ نظر نہیں آتا۔۔غلط کو غلط کہنا بھی آپ بھول چکی ہیں۔زعیم سے آپ کا خون کا رشتہ نہ صیح مگر احسنات کا رشتہ تو ہے۔آپ تو وہ بھی بھول گئیں۔۔مگر میں نہیں بھول سکتی۔ابرش ایک ایک لفظ چباتی اپنا بازو زحلے کے ہاتھ سے چھڑاواتی کمرے سے نکل گئی تھی۔

زحلے شرمندگی سے نظریں جھکا کر رہ گئی تھی۔

توبہ توبہ گل سے بھی دو ہاتھ آگے ہے یہ لڑکی تو۔۔۔زاران بیچارہ کی تو قسمت ہی پھوٹ گیا۔۔اس کو تو کوئی شرم لحاظ نہیں ہے۔زحلے کیا تربیت کیا ہے تم نے اپنی بیٹی کا؟؟جس کو کسی کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔روزینہ خانم کانوں کو ہاتھ لگائے وہاں سے چلی گئی تھی۔زحلے شرمندگی سے امینہ خانم کی طرف بڑھیں۔۔۔وہ زحلے سے کوئی بھی بات کیے بغیر باہر چلی گئی تھیں۔زحلے

پریشانی کے عالم میں سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے لرزتے ہوے بیڈ پر بیٹھی۔۔۔۔

زاران زعیم کو حویلی کے پچھلے حصے کی طرف لایا۔۔ حویلی کے مہمان خانے کی طرف پچھلی طرف ایک دروازہ کھلتا تھا۔۔ زاران مہمانوں کے سامنے کوئی سین کریٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ زعیم کو ابرش کے ہاتھ پکڑے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔۔ ورنہ وہ کبھی کمرے میں تماشہ نہ کرتا۔۔

بہت غصے کے باوجود اسے ابرش کی عزت کا خیال تھا جو اب اس کی ہی عزت تھی۔۔ اس کی طرف اٹھنے والی انگلی سیدھا اس کی

طرف ہی اٹھتی۔۔زعیم اور ابرش کو ساتھ میں ایسے کوئی اور دیکھ لیتا تو آج صرف ابرش ہی نہیں بلکہ اس پر بھی کئی سوال اٹھتے۔۔

زاران غم وغصے سے پاگل ہو رہا تھا۔۔زعیم ابرش کا ہاتھ پکڑے اس سے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔۔وہ باہر آکر بھی اس پر مکوں اور لاتوں کی بارش کر رہا تھا۔۔اسے اپنے مساموں سے دھواں نکلتے محسوس ہو رہا تھا۔۔اس کی دلہن اس کی ہونے والی بیوی جو اس کی محبت بھی ہے اس پر زعیم اپنی گندی نظریں رکھے ہوے تھا۔۔پارٹی میں اس کی ذرنک میں نشہ آور گولیاں ملا کر وہ کیا کرنا چاہتا تھا وہ زعیم کی حوست پرست نظریں اسے اچھی طرح سمجھا چکی تھیں۔زاران کا دل کر رہا تھا اپنی بندوق کی تمام گولیاں اس کے سینے میں اتار دے۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔ چھوڑ دیں زعیم کو پلیز۔۔۔ ابرش کی آواز سنتے اس نے بے یقینی سے پیچھے مڑ کر دیکھا جو دوپٹہ گلے میں ڈالے دلہن کے لباس میں تیز تیز قدم اٹھاتے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

چھوڑ دیں اسے زاران۔۔۔۔ مارنا چاہتے ہیں کیا اسے ؟؟ ابرش نے زاران کے قریب آتے اسے بازو سے پکڑے روتے ہوئے کہا۔۔ زاران طیش و اشتعال سے جبڑے بھینچے ابرش کو دیکھ رہا تھا جو اس کے قریب کھڑی زعیم کے لیے روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

۔۔ وہ اسے آج کے دن عورتوں سے بھی چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ زعیم کے سامنے بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔ اب وہ ایسے ہی حویلی کے پچھلے لان کی طرف چلی آئی تھی۔ جہاں زاران کے کچھ پرسنل گارڈ بھی کھڑے

تھے۔۔وہ زعیم کو بچانے آئی تھی جو اس دن اس کی ڈرنک میں گولیاں ملا کر اسے بے آبرو کرنا چاہتا تھا۔جو اس سے اس کی عزت چھینا چاہتا تھا۔۔وہ اس کی جان کے لیے اس کی ہر بات ہر خواہش پس وپشت ڈال کر یوں بے پردہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر باہر چلی آئی۔۔زاران کے اندر ابرش کے لیے غصہ شدت اختیار کرتے جا رہا تھا۔

زاران پلیز چھوڑ دیں اسے۔۔۔اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔۔

ابرش نے زاران کی سرد سپاٹ آنکھوں میں دیکھتے بھرائے لہجے میں التجا کی۔

دور رہو تم اس معاملے سے اندر جاؤ تم۔۔زاران ابرش کو دیکھتے ضبط کی کیفیت میں جبڑے بھینچے بولا۔اپنی شال کندھوں سے اتار کر ابرش کو اوڑھائی۔۔

میں اندر نہیں جاؤں گی۔ جب تک آپ زعیم کو چھوڑ نہیں دیتے۔۔ ابرش نے زاران کی شال کو سینے سے جکڑے زعیم کو دیکھتے کہا جو زمین پر زخمی حالت میں لیٹا کراہ رہا تھا۔

زاران نے غصے سے زعیم کے پہلو میں ایک اور ٹانگ رسید کی تو اس کی چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔

ابرش اسے درد سے کراہتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھی۔

زاران نے اس کی کلائی کو جکڑے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔

ابرش اس کی خون آشام نگاہوں کو دیکھتے وہیں پر منجمند ہوئی تھی۔خوف سے اس نے زاران کی گرفت سے اپنی کلائی بھی نہیں چھڑاوائی تھی۔

رمضان۔۔۔زاران حلق کے بل چیخا تھا۔۔

ابرش اس کی دھاڑ پر کانپتے اپنی آنکھیں میچ گئی۔

جی صاحب۔۔وہ مستعدی سے نظریں جھکائے آگے بڑھا۔

اس کو حویلی سے باہر اٹھا کر پھینک دو۔۔دلدار خان سے بولو کہ اب یہ حویلی کے آس پاس بھی نظر آئے تو اسے گولیوں سے بھون ڈالے۔۔زاران سرد سپاٹ انداز میں حکم دیتے ابرش کی کلائی جکڑے اندر کی جانب بڑھا۔۔

ابرش خاموشی سے زاران کے ساتھ چل پڑی تھی۔۔اس میں ابھی اتنی سکت اور ہمت نہ تھی جو اس کا مقابلہ کرتی یا اس سے بحث کرتی۔۔زعیم کی جان بخشی پر اس کی جان میں جان آئی تھی۔۔

کمرے میں داخل ہوتے زاران نے ابرش کو بیڈ پر پٹخا۔ابرش بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

بیڈ پر گرتے ابرش نے اپنے آنسوؤں پر بندھ باندھنے کی کوشش کی جو رخ پر ٹوٹ کر برسنے لگے تھے۔۔

وہ جانتی تھی زاران غصے کا تیز ہے۔مگر اتنا غصے کا تیز ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔اس کی آنکھوں میں خون اترے دیکھ کر ابرش کی رگوں میں دوڑنے والا خون بھی ساکت ہو رہا تھا۔

کیوں آئی تم باہر ابرش وہ بھی اس حلیے میں ؟؟۔۔زاران چیخا تھا۔۔

ابرش نے سیدھے ہوتے زاران کو آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں دیکھا وہ اس پر چلا رہا تھا۔ان چند دنوں میں اس نے کتنے وعدے کیے تھے اس سے کہ وہ کبھی اس پر چلائے گا نہیں۔۔اس پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔۔وہ اپنا ایک وعدہ توڑ چکا تھا۔

کس حق سے وہ اس حویلی آیا تھا؟؟۔۔ہمت کیسے ہوئی اس کی تمھارے کمرے میں آنے کی ؟؟۔۔زاران نے ابرش کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے بیڈ سے کھینچ کر اتارتے اپنے مقابل کھڑا کیا۔۔

زاران کی شال ان دونوں کے قدموں میں زمین بوس ہوئی تھی۔ابرش کا دوپٹہ بھی پھسلتا ہوا ان کے قدموں میں پڑا تھا۔۔وہ کچھ دیر پہلے اسی حلیے

میں زعیم کے سامنے کھڑی تھی۔۔ یہ سوچ آتے ہی زاران کی دماغ کی رگیں پھڑک اٹھی تھیں۔۔

ابرش کو وہ ایک ہی جھٹکے سے چھوڑتا دروازے کی طرف بڑھا۔۔ وہ مزید یہاں نہیں رک سکتا تھا۔۔ ورنہ اس کے غصے کے عتاب کا نشانہ ابرش ضرور بنتی جس پر اسے بے انتہا غصہ آرہا تھا۔۔

کہاں جارہے ہیں؟؟ اپنے سوالوں کا جواب لیے بغیر۔۔۔ یہ سوال نہیں بے اعتباری ہے۔ جو مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا رہی ہے۔ ابرش زاران کے مقابل آتے ہوے بھیگے لہجے میں بولی۔۔

تم زعیم کے ساتھ کمرے میں موجود تھی۔ وہ تم سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ تم اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے کھڑی۔ تھی۔ مجھے سوال کرنے کا حق بھی نہیں ہے کیا؟؟

زاران نے شرربار نگاہوں سے سرد لہجے میں پوچھا۔

سوال کرنے کا حق ہے۔ مگر شک کرنے کا حق نہیں ہے۔۔ ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہچکی لی۔ اس کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ اپنے لیے عجیب سی سرد مہری دیکھی تھی۔۔ جو ابرش سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اچھا تو مجھے میرے سوال کا جواب دو پھر۔۔۔۔میری ہر بات کو پس پشت ڈال کر تم باہر کیوں آئی۔۔کیا تعلق ہے تمھارا زعیم سے؟؟۔زاران نے اسے کندھوں سے تھامتے اپنے مقابل کرتے سرد لہجے میں پوچھا۔

آپ کے جنگلی اور وحشی پن نے مجھے مجبور کیا کہ میں باہر آؤں۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے نم لہجے میں چیخ کر کہا۔۔وہ زعیم سے اس کے تعلق کی بابت پوچھ رہا تھا۔اس سوال نے اسے آگ لگا دی تھی۔

کیا جنگلی وحشی پن دکھایا ہے؟؟بتا سکتی ہو مجھے۔۔زاران نے ابرش کو ایک ہی جھٹکے سے چھوڑتے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔

زعیم کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ کیا تھا؟؟

وہی سلوک تھا جو وہ ڈیزرو کرتا تھا۔۔اس کی ہمت کیسے ہوئی میری حویلی میں قدم رکھنے کی۔۔زاران نے غصے سے بولتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلدان اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔

ابرش خوف سے لرز کر رہ گئی تھی۔شدت غم سے اس کا رواں رواں تڑپ رہا تھا۔وہ اس سے آخر سوال جواب کر ہی کیوں رہا تھا؟کیا اسے اس پر یقین نہیں تھا۔۔

وہ کیسے تمھارے کمرے میں آسکتا ہے؟؟تم نے اسے آنے ہی کیوں دیا کمرے میں؟؟۔۔زاران نے ابرش کے قریب آتے سرد لہجے میں پھر سے سوال داغا۔۔

زاران کا رواں رواں بھی سلگ رہا تھا کہ وہ کیسے کسی کو اپنا ہاتھ بھی پکڑنے دے سکتی ہے؟؟۔۔وہ کیسے کسی کے سامنے ایسے کھڑے ہو سکتی ہے؟؟

سوال دونوں کے دل و دماغ میں ہی کھلبلی مچا رہے تھے۔

بات اعتبار کی نہیں مان کی تھی جو دونوں کا ٹوٹا تھا۔

زاران وہ خود آیا تھا۔۔اس نے کمرے میں آنے سے پہلے پرمیشن ہی نہیں لی کہ میں اسے روکتی۔۔ابرش نے روتے ہوئے کہا۔۔وہ مزید اس کے سوال برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اوہ۔۔۔۔۔۔تم نے اسے اتنی آجازت دے رکھی ہے کہ وہ بنا پرمیشن کے ہی تمھارے کمرے میں آجائے۔۔اتنی گہری دوستی ہے۔مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔۔زاران استھزائیہ ہنسا۔۔

مطلب کیا ہے آپ کی بات کا؟؟۔۔زاران کے لفظوں سے زیادہ اس کا لہجہ چبھا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ جب اتنی ہی گہری دوستی تھی۔۔تو اس بیچارے کو ناکام و مراد کیوں لٹایا۔۔۔اس کے بدن کے زخم تم سے برداشت نہیں ہو رہے تھے۔دل کے زخموں پر بھی مرہم رکھ دیتی۔۔زاران نے کاٹ دار لہجے میں کہتے اسے شرربار نگاہوں سے گھورا۔

زاران آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟؟۔آپ ہوش میں تو ہیں۔ابرش چلائی۔

چلاؤ میرے سامنے۔۔۔۔اس رات وہ تمھاری ڈرنک میں گولیاں ملا کر تمھارے ساتھ کیا کرنا چاہتا تھا۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ پھر بھی تم نے اسے اپنے کمرے میں آنے دیا۔۔وہ تمھارے ہاتھ پکڑے تم سے اظہار محبت کر رہا تھا۔۔ تم نے اسے اتنی آجازت کیسے دے دی وہ تمھارا ہاتھ پکڑے ؟؟ ۔۔ تم بغیر دوپٹے کے اس کے سامنے کمفرٹیبل کھڑی تھی۔۔ایک لڑکی کو اپنی عزت سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ مگر تمھیں دیکھ کر ایسا نہیں لگتا۔۔زاران کے لفظ اسے اپنی روح پر تازیانے کے طور پر لگے۔۔

آپ یہ کیا کر رہے ہیں ؟؟۔۔ آپ میرے کریکٹر پر انگلی اٹھا رہے ہیں۔ ابرش نے بے یقینی سے کہا۔

کریکٹر ہے کیا تمھارا؟ زاران چلایا۔۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی زعیم کو ابرش کے بدن کا معائنہ کرتے دیکھ لیا تھا۔۔ مگر افسوس وہی نہ پہچان سکی۔۔ یہی بات اسے آگ لگا رہی تھی۔

زعیم کے ساتھ کمرے میں دیکھ کر آپ میرے کردار پر انگلی اٹھا رہے ہیں؟؟۔ ابرش نے روتے ہوئے بے یقینی سے کہا۔

تمھارے کردار پر میں انگلی نہیں اٹھا رہا تم نے خود موقع دیا۔۔ جو انسان تمھارے تھپڑوں کا حقدار تھا تم اس کے ساتھ کمرے میں کھڑی اس کا اظہار محبت سن رہی تھی۔

میرے علاوہ کوئی اور کمرے میں آجاتا تو تمھارا کردار مشکوک ٹھہرتا یا نہیں۔۔۔ بولو جواب دو۔۔ زاران نے غصے سے بولتے اپنے سوالوں کے جواب چاہے۔

کوئی کچھ بھی کہتا۔ مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی آپ کی باتوں سے ہو رہی ہے۔۔ ابرش نے بھرائے لہجے میں کہا۔۔

مجھے تم سے کہیں زیادہ تکلیف پہنچی ہے۔ اسے تمھارا ہاتھ پکڑے دیکھ کر۔۔۔ تمھیں اس حلیے میں بغیر دوپٹے کے اس کے سامنے دیکھ کر۔۔۔ زاران ابرش کے سجے سنورے روپ پر نظر ڈالے تپش زدہ لہجے میں بولا۔

زاران وہ سب کچھ زعیم نے نہیں کیا تھا۔ میری ڈرنک میں اس نے گولیاں نہیں ملائی تھیں۔۔ وہ بیچارہ بے قصور ہے۔۔ ابرش زاران کی بات کاٹتے ہوے بولی۔ ابرش کی بات پر زاران کے غیض و غضب میں آضافہ ہوا تھا۔

اب ایک لفظ بھی مت نکالنا اپنی زبان سے اس انسان کے لیے۔۔۔ورنہ میں کیا کر ڈالوں گا مجھے خود نہیں پتہ۔۔زاران نے سرد لہجے میں انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کی۔۔

ورنہ کیا کریں گے ؟ مجھے ماریں گے۔۔ویسے ہی جیسے زعیم کو مارا۔۔ آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ میری سوچ آپ کے بارے میں بلکل ٹھیک تھی۔ آپ ایک ظالم وحشی اجڈ گنوار انسان ہیں۔ جسے اتنا نہیں پتہ ایک عورت کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ آپ مجھے ڈیزرو ہی نہیں کرتے۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چٹختے کہا۔۔وہ مزید اس کے الزام نہیں برداشت کر سکتی تھی۔

اچھا میں ڈیزرو نہیں کرتا تو پھر کون کرتا ہے؟؟۔۔زاران نے غصے اس کی کلائی دبوچتے اپنے مقابل کیا۔۔

میرے منہ سے کیوں سننا چاہتے ہیں؟؟خود ہی بول دیں مجھے کون ڈیزرو کرتا ہے۔میرے کریکٹر پر انگلی اٹھا چکے ہیں۔کسی کا بھی نام میرے ساتھ جوڑ دیں زعیم کا جوڑ دیں یا پھر رمضان کا جوڑ دیں یا پھر اسفندیار خان کا۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔زارن کا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا۔۔

ابرش کی چلتی زبان زاران کی دھاڑ اور اس کا اٹھا ہوا ہاتھ دیکھ کر رکی تھی۔

ابرش نے سہمتے ہوئے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔وہ بے یقینی سے زاران کا اٹھا ہوا ہاتھ دیکھ رہی تھی۔۔جو اس نے اپنی مٹھی بنا کر بھینچتے ہوئے اپنے پہلو میں گرا دیا تھا۔

وہ اسے ایک بار پھر سے مارنے لگا تھا۔۔ ابرش پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ لگی اسے بہتے آنسوؤں کے ساتھ دیکھنے لگی۔۔

You deserved this۔

(تم اس کی مستحق تھی)

وہ اس کے قریب ہوا تھا۔۔ اس کی بے یقین آنکھوں میں اپنی خون رنگ آنکھیں گاڑھیں۔

تم میرا پیار نہیں ڈیزرو کرتی۔۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو۔۔۔ تم سے پیار کیا جائے۔۔ زاران اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتا چلا گیا تھا۔

وہ بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی جو وہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ بند کر کے چلا گیا تھا۔۔

زاران غصے سے ڈیرے پر چلا آیا تھا. اب وہ غصے سے منہ پر ہاتھ پھیرتے چکر لگا رہا تھا۔

ابرش کے لفظ کانوں میں گونجتے اس کے دماغ کی پھڑکتی رگوں کو اور بھڑکا رہی تھیں۔ وہ بری طرح سلگ رہا تھا۔۔

زعیم ابرش کے ہاتھوں کو تھامے اظہار محبت کر رہا تھا اور وہ اس کا اظہار سن رہی تھی۔۔ یہ منظر اس کی آنکھوں کے آگے سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔۔

زاران نے جبڑے بھینچتے خود کے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کی۔۔ وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پلٹا ہی تھا کہ اپنے جبڑے پر پڑنے والے زور

دار مکے نے ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا کر دیا تھا۔

وہ ابھی سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ ایک اور مکہ اس کے منہ پر پڑا تھا۔۔ زاران خانزادہ نے اپنے ہونٹ سے نکلے خون کو انگوٹھے سے صاف کرتے اسفندیار خان کو خشمگیں نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔ وہ آگے ہی تپا ہوا تھا اس ٹائم اسفندیار خان کے مکوں نے اس کے اشتعال میں مزید آضافہ کیا تھا۔۔

اس سے پہلے اسفندیار خان اسے ایک اور مکہ جڑتا۔ زاران خانزادہ نے اس کے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑے اس کے وار کو روکا تھا۔۔ دوسرے ہاتھ سے مکہ بنائے اسفندیار خان کے منہ پر جڑ دیا تھا۔ زاران کی ضرب اسفند

یار خان کی ضرب سے کافی شدید تھی۔ اسفند یار خان کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ زاران نے پہلے سے بھی زیادہ قوت سے اسفند یار خان کے جبڑے پر اپنے بھاری ہاتھ کے مکے کی ایک اور ضرب لگائی۔۔

کوئی شرم کوئی لحاظ ہے تم میں۔۔ اسفند یار خان اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھتے غصے سے چیخا۔۔

اسفند اپنی بکواس بند کرو۔۔۔ میرا دماغ آگے ہی بہت خراب ہے۔۔ آج میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ اس لیے یہاں سے چلے جاؤ۔۔ زاران اسفند کو گھورتے قہربار لہجے میں بولا۔۔

میری جان لے لیتے تو اچھا تھا۔ جو تم لفظوں کی مار مار کر آئے ہو ابرش کو ۔۔۔وہ نہ کرتے۔۔ اسفندیار خان نے جواباً زاران کو کڑے تیوروں سے گھورا۔۔۔

زاران نے لب بھینچتے ہوئے اسفند کی بات سنی تھی۔

تمھیں یہ سب کس نے بتایا؟؟ ابرش نے کچھ کہا ہے تم سے ؟؟ زاران خانزادہ کے لہجے کا سرد پن بڑھا تھا۔

وہ کیوں کچھ کہے گی مجھ سے ؟؟ میرا رشتہ تم سے ہے۔ ابرش سے نہیں جو وہ مجھ سے تیری شکائتیں کرتی پھرے۔

اسفندیار خان کی آنکھوں کا بھی سرد پن بڑھا تھا۔۔

تو پھر؟؟زاران نے ابرو اچکاتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

مجھے مورے نے زعیم کے متعلق بتایا تھا۔میں وہ سب سن کر تمھارے پیچھے آیا تھا۔میں نے دروازے پر وہ سب سنا جو تم ابرش سے کہہ رہے تھے۔۔اسفندیار خان نے غصے سے کہا۔

تمھیں میرے پیچھے نہیں آنا چاہیے تھا۔وہ میرا اور ابرش کا معاملہ تھا۔۔زاران نے ناگواریت سے کہا۔۔

زاران تم نے جو یہ سب کیا تمھیں لگتا ہے۔وہ تمھارا اور ابرش کا معاملہ ہے۔تمھاری آواز باہر تک آرہی تھی۔۔کوئی اور سن لیتا تو کیا کہتا۔اسفند نے لب بھینچے کہا۔۔

میں کسی کو وضاحت دینے کا پابند نہیں ہوں۔اور تمھیں تو بلکل بھی نہیں۔۔۔اس لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔

زاران نے کہتے غصے سے رخ موڑا۔

مجھے مت وضاحت دو۔جا کر اسے وضاحت دو اپنے لفظوں کی۔جس سے تم شدید محبت کا دعوی کرتے ہو۔

اسفندیار خان کی بات پر زاران نے رخ پلٹے اسے سرد نظروں سے گھورا۔۔

دور رہو میرے اور ابرش کے معاملے سے۔۔زاران نے اس کے قریب آتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔۔

محبت کا دعوا بھی کرتے ہو۔ اور اپنی محبت کو کٹہرے میں کھڑا بھی کرتے ہو۔۔ یہ کیسی محبت ہے تمھاری؟؟۔۔ اسفندیار خان طنزیہ مسکرایا۔۔

میں نے اسے کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا۔ اپنے سلگتے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے کچھ سوالات کیے تھے۔۔ زاران غصے سے بولا۔۔

ان سوالات میں بے اعتباری کی بدبو آ رہی تھی۔ اسفند کا لہجہ کٹیلا ہوا تھا۔۔

بے اعتباری کی بو نہیں ان سوالات میں جلتے شعلے بھی تھے جو کب سے مجھے جلا کر خاکستر کر رہے ہیں۔ وہ شائد تم نے محسوس نہیں کیے۔۔ زاران نے اپنی سرخ آنکھیں اسفند پر گاڑھتے اپنے لب بری طرح بھینچے تھے۔۔

زعیم کا ابرش کے ہاتھ پکڑے ہوے منظر ایک بار پھر سے آنکھوں کے آگے لہرایا تو زاران بے بسی سے دیوار پر زور دار مکہ مار کر رہ گیا۔۔

میں خود سے زیادہ اعتبار کرتا ہوں اس پر۔۔۔۔ اگر اس پر اعتبار نہ ہوتا اسے کبھی اپنی عزت بنانے کا نہ سوچتا۔۔ وہ محبت ہی نہیں جنون ہے میرا۔۔۔ آئندہ یہ بات کبھی نہ کرنا مجھ سے۔۔۔۔ بھول جاؤں گا کہ تم میرے دوست ہو۔۔ زاران نے اسے سخت لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

اعتبار کرنے والے یوں کبھی بھی اپنے لفظوں سے دل چھلنی نہیں کرتے۔۔۔ ابرش کو اپنا جنون بنانے کی بجائے صرف اسے اپنی عزت سمجھو۔۔۔ اسفند ایک ایک لفظ چباتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ غصے سے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ زاران خانزادہ کی گاڑی کا رخ حویلی کی طرف تھا۔

زاران خانزادہ وائٹ شلوار قمیض پہنے کندھوں پر وائٹ شال اوڑھے اپنے کمرے سے نکلتا مردان خانے کی طرف بڑھا تھا۔۔ تھوڑی دیر میں اس کا اور ابرش کا نکاح تھا۔۔

مردان خانے میں داخل ہوتے زاران خانزادہ نے غیر معمولی خاموشی محسوس کی تھی۔۔

سیع اللہ خان کے چہرے پر سرخی کی امیزش شامل تھی۔۔

درید خان اور اربد خان بھی ضرورت سے زیادہ خاموش تھے۔۔ ارحام خانزادہ بھی خاموشی سے لب بھینچے بیٹھا تھا۔ اس کے آتے ہی شہرام خانزادہ مردان خانے سے نکل گیا تھا۔۔

زاران نے سب کے چہروں کو دیکھتے پریشانی سے پہلو بدلا۔۔ اپنے غصے اور اشتعال میں اس نے حویلی میں داخل ہوتے نوٹ ہی نہیں کیا تھا کہ مردان خانے میں اس وقت صرف گھر کے افراد ہی تھے۔۔ تمام مہمان جا چکے تھے۔۔

زاران نے ایک بار پھر سے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ اسے کچھ انہونی کا احساس ہوا تھا۔۔ سب کے تنے ہوے چہروں کو دیکھتے وہ یکدم چونکا تھا۔۔ مردان خانے کی بیٹھک میں کوئی بھی مہمان نہیں تھا۔۔ اسے احساس ہوا تھا۔ جب وہ حویلی میں داخل ہوا تھا مہمانوں کی گاڑیاں باہر گیٹ پر نہیں تھی۔۔ نکاح میں چند ہی کچھ عزیزوں کو بلایا گیا تھا مگر وہ لوگ اب نہیں

تھے۔سب کے سرخ تنے ہوے اشتعال زدہ چہرے اس بات کا غماز تھے کہ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

زاران خانزادہ کو ایک لمحے میں ہی سب سمجھ آ گیا تھا۔۔وہ سب کو سرخ آنکھوں سے دیکھتا غیض و غضب سے زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔

زنان خانے میں روتی ہوئی امینہ خانم کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر دروازے میں ہی رکا۔زحلے ایک طرف شرمندگی سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔۔عابیر بہارے سب کے چہرے ستے ہوے تھے۔۔

ابرش کہاں ہے ؟؟زاران خانزادہ کو اپنی ہی آواز کھائی سے آتے محسوس ہوئی۔

امینہ خانم صوفے سے اٹھتی زاران کی طرف بڑھیں۔ابرش کہاں ہے مورے ؟؟اب کی بار زاران چیخا تھا۔

وہ حویلی سے بھاگ گیا ہے۔۔امینہ خانم کی بات پر وہ آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔زاران نے مٹھیاں بھینچتے ہوے سب کو ایک نظر دیکھا دوسرے لمحے وہ امینہ خانم کی پکار نظر انداز کرتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے پسٹل نکالتے وہ تیزی سے روم سے نکلتے حویلی سے باہر آیا تھا

گیٹ کھولو دلدار خان۔۔۔۔زاران پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

دلدار خان نے جلدی سے گیٹ کھولا۔

رمضان بھاگتے ہوے زاران کی طرف آیا تھا۔۔زاران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا تھا۔۔

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھتا حویلی سے باہر نکل آیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ سرخ چہرے کے ساتھ اپنے جبڑے بھینچے بہت ریش ڈرایبونگ کر رہا تھا۔۔زاران نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھاتے سٹیرنگ پر زور سے ہاتھ مارا۔

جان سے مار ڈالوں گا تمھیں میں۔۔۔کیسے کر سکتی ہو تم یہ؟؟وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔۔میری عزت کا تماشہ بنا کر تم میری زندگی سے نہیں جا سکتی۔۔۔زاران نے غصے سے لگاتار سٹیرنگ پر ہاتھ مارے۔

ابرش رات کے اندھیرے میں حویلی سے نکل آئی تھی۔۔وہ پاگلوں کی طرح گاڑی چلاتے سڑکوں پر اسے تلاش کر رہا تھا۔۔

وہ کہیں بھی نہیں دکھی تھی۔۔۔وہ اس کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کر کے چلی گئی تھی۔۔ مگر اس اندھیری رات میں حویلی سے بھاگتے ہوئے اسے اپنی عزت کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔۔ یہ بات زاران کو زیادہ مشتعل کر رہی تھی۔

زاران گہرے سانس لیتا ابرش کو ہر جگہ تلاش کر رہا تھا۔۔ اپنی پسٹل کا چیمبر چڑھاتے ہوئے اس نے پسٹل ڈیش بورڈ پر پٹخی۔۔ اگر وہ اسے کہیں بھی نظر آتی وہ یقیناً اسے آج گولی مار دیتا۔۔ اس وقت اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔

وہ اس کے ساتھ کیسے ایسا کر سکتی ہے ؟؟۔۔ وہ عین نکاح کے ٹائم کیسے بھاگ سکتی ہے ؟۔۔

سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی شریانیں پھٹنے کو قریب تھیں۔ زاران خانزادہ نے اپنی قمیض کی جیب سے فون نکال کر نمبر ڈائل کرتے فون کان سے لگایا۔۔

رمضان تمام گارڈز کو لے کر ہر جگہ پر اسے ڈھونڈو۔ مجھے وہ ہر حال میں چاہیے۔۔ وہ فون پر چیخا تھا۔۔

تمھیں ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا ابرش۔۔ میری محبت میرے جذبوں کا تم نے اتنی بری طرح مذاق بنایا۔۔ وہ دل ہی دل میں ابرش سے مخاطب تھا۔

وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

کہاں جاسکتی ہے؟؟ وہ اتنی جلدی کہاں جاسکتی ہے؟!۔۔ زاران اب ابرش کے لیے بھی پریشان ہوا تھا۔۔ وہ یہاں سے اکیلے کسی بھی صورت نہیں نکل سکتی تھی۔۔ پھر وہ کہاں گئی؟؟ زاران نے اضطرابی کیفیت میں گاڑی کی سپیڈ اور بڑھائی۔۔

وہ کافی دور نکل آیا تھا جگہ جگہ گاڑی روک کر اس نے چیک کیا تھا۔۔

زاران نے غصے سے گاڑی بیک لی۔۔ اب اس کا رخ دریا کی طرف تھا۔۔ دل میں ایک امید سی جگی تھی کہ وہ شائد دریا کے کنارے ہو گی۔۔ اگر وہ آج وہاں بھی ہوتی وہ اسے چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ اسے حویلی سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہیے تھا۔

وہ ریش ڈرایبونگ کرتا دریا کے کنارے پہنچا۔۔ گاڑی سے نکل کر وہ دریا کی طرف بڑھا۔۔ اسے وہاں بھی نہ پا کر اس کے اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔۔ کیسے کر سکتی تھی وہ اس کے ساتھ ایسا؟؟ اس کی برداری خاندان میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔۔ وہ اپنے بال جکڑے بری طرح چیخا تھا۔۔

زاران نے غصے سے پھر سے اپنی گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔ اس کا رخ شہر کی طرف تھا اگر وہ اسلام آباد جا چکی تھی۔ وہ اسے واپس لانے کا آرادہ تھا۔۔

مسلسل بجتے فون کو اس نے غصے سے ڈیش بورڈ پر دے مارا۔۔

اسے اب سب پر غصہ آ رہا تھا۔۔ ابرش حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ مگر کسی نے اسے بتانا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔۔ مہمانوں کو واپس بھیج دیا گیا تھا۔ مگر ابرش کے پیچھے کوئی نہیں گیا تھا۔ کیسے اس کی دلہن اس کی ہونے والی بیوی کو وہ لوگ اتنی آرام سے جانے دے سکتے ہیں؟۔۔ اسے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی عزت اس کی جان کو بھی تو خطرہ ہو سکتا ہے۔۔

وہ زعیم بھی تو اسلام آباد میں موجود ہے۔۔ یہ خیال آتے وہ مزید بے چین ہوا۔

زاران نے بے اپنے اندر اٹھتے اشتعال غصہ کو دباتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

مسلسل بجتے فون کو اٹھاتے اس نے کال رسیو کرتے کان سے لگایا۔۔

مگر ہیلو کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جو زاران خانزادہ سمیع اللہ خان اسے اس طرح پیش آ رہا تھا۔

زاران کی خاموشی محسوس کرتے سمیع اللہ خان غصے سے اپنے لب بھینچ گیے۔

حویلی واپس آو۔۔ سمیع اللہ خان کی سنجیدہ آواز سپیکر پر گونجی تھی۔

میں ابرش کو لیے حویلی واپس نہیں آؤں گا۔۔ زاران نے سپاٹ لہجے میں جواب دیتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

ابرش کو میں نے رحیم خان کے ساتھ اسلام آباد بھیجا ہے۔۔ سمیع اللہ کی بات پر اس کی سٹیرنگ پر گرفت چھوٹی تھی۔۔اس کی گاڑی بری طرح ڈولی تھی۔۔

آپ یہ کیسے کر سکتے ہیں؟؟۔زاران گاڑی سنبھالتے غصے سے بولا۔۔

حویلی واپس آؤ۔۔بیٹھ کر بات کرتے ہیں سمیع اللہ خان کے اطمینان پر وہ سلگا اٹھا۔۔

میں ابرش کو ہر قیمت پر حویلی لے کر آؤں گا۔۔اگر اسے زندہ واپس نہ لا سکا تو اپنی اور اس کی جان لے لوں گا۔زاران اب کی بار بولا نہیں تھا بلکہ گرجا تھا۔۔

اگر تم ابھی کہ ابھی حویلی واپس نہ آیا تو ہم قسم کھاتا ہے۔ ہم خود کو گولی مار دے گا۔ فیصلہ تم کو کرنا ہے تم ہمارے جنازے میں شریک ہونا ہے کہ ہم سے بیٹھ کر بات کرنا ہے۔۔ سمیع اللہ خان اپنی بات کرتے فون بند کر چکے تھے۔ زاران نے فون ڈیش بورڈ پر پٹختے گاڑی کا رخ حویلی کی طرف کیا۔۔

وہ جب حویلی پہنچا تو بیٹھک میں صرف سمیع اللہ خان موجود تھے۔

آپ ایسا کر سکتے ہیں؟؟ آپ نے ابرش کو کیسے جانے دیا؟؟۔۔ زاران نے بیٹھک میں قدم رکھتے ہی سوال داغا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ اس کی آواز سمیع اللہ کے سامنے اونچی ہوئی تھی۔

تم ہمارا بات کا پہلا جواب دو۔۔ آج کیا تماشہ لگایا تھا تم نے؟؟۔ سمیع اللہ خان نے زاران کو کڑے تیوروں سے گھورتے انتہائی درشتگی سے پوچھا۔۔

داجی۔۔۔ اس بات کو چھوڑیں مجھے میری بات کا جواب دیں۔۔ ابرش میری عزت ہے۔ آپ نے اسے جانے کیسے دیا؟؟۔ وہ حویلی کا گیٹ کیسے عبور کر گئی؟۔۔ میری آجازت کے بغیر اس کو رحیم خان کے ساتھ کیوں بھیجا؟؟۔ زاران نے لب بھینچتے پوچھا۔۔

زاران ایک بات یاد رکھنا کسی بھی طوفان کو روکا نہیں جا سکتا۔۔ جس طوفان نے آنا ہے وہ آکر رہتا ہے۔ ابرش کو ہم نے نہیں بھیجا۔ وہ خود یہ حویلی چھوڑ کر گیا ہے۔ سمیع اللہ کی بات پر زاران کے طیش و اشتعال میں آضافہ ہوا۔

وہ کیسے جاسکتی ہے؟؟ دلدار خان کہاں تھا؟؟ زاران کی آواز اونچی ہوئی۔۔

سمیع اللہ خان نے سرد آنکھوں سے زاران کو گھور کر دیکھا۔ زاران اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے صوفے پر بیٹھ کر اپنے اضطراب پر قابو پانے لگا۔

سمیع اللہ خان زاران کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد اس کے سامنے صوفے پر بیٹھے۔

بیٹھک میں چھائی گھمبیر خاموشی زاران کے بھاری ہوتے اعصاب مزید بھاری کر رہی تھی۔

وہ گہرے سانس بھرتے اپنے اندر چھپے اضطراب پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

سمیع اللہ خان زاران کا سرخ چہرہ دیکھ کر گہرا سانس بھر کر رہ گیے۔۔

زاران ہم کو ابرش سے کہیں زیادہ تم پیارا ہے۔۔ تمھارا اور اس حویلی کا عزت پیارا ہے۔ ہم جانتا ہے جو کچھ آج ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مگر ہم یہ نہ کرتا تو ہمارا رہا سہا عزت بھی ختم ہو جاتا۔

عین نکاح کے وقت میرا نکاح کینسل ہو گیا۔۔ حویلی آئے ہوے مہمانوں کو واپس بھیج دیا۔۔ اس سے میری عزت میں آضافہ ہوا ہے کیا؟؟ کیا کہا

مہمانوں سے کہ زاران خانزادہ کی دلہن اس کی منگیتر بھاگ گئی۔۔زاران سمیع اللہ کی بات کاٹتے استھزائیہ لہجے میں بولتے اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔

ہم نے سب مہمانوں کو یہی کہا ہے کہ تم کو شہر میں کوئی کام آ گیا تھا۔تم وہاں چلا گیا ہے اس لیے یہ نکاح ابھی نہیں ہو سکتا۔۔ سمیع اللہ خان نے زاران کے مشتعل چہرے کو دیکھتے رسانیت سے جواب دیا۔

سب کیا میری طرح بیوقوف تھے جو اس بات پر یقین کر گئے۔۔زاران بھڑکتے ہوے بولا۔۔

زاران ہم تمھارا لہجہ کب سے برداشت کر رہا ہے!؟؟۔ تمیز بھول گیا ہے تم اپنے داجی سے بات کرنے کا۔ سمیع اللہ اس بار درشت لہجے میں بولے۔

داجی۔۔۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔جی کر رہا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔۔ میری منگیتر اس حویلی سے رات کے اندھیرے میں نکاح کے وقت چلی گئی۔۔ میرے ہی گھر والوں نے اسے جانے دیا۔۔ ابرش نے مجھے دھوکہ نہیں دیا۔۔

آپ سب نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔زاران نے سرخ آنکھیں سمیع اللہ خان کی آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔

ہم نے تمھیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔۔ ابرش اس حویلی سے خود گیا ہے۔ہم نے تو اسے بحفاظت اسلام آباد پہنچایا ہے۔

سمیع اللہ خان تحمل سے بولے تھے۔۔

کیسے داجی یہ کیسے ممکن ہے؟؟وہ کیسے حویلی سے باہر جاسکتی ہے؟؟۔۔دلدار خان کہاں تھا؟؟۔آپ سب کہاں تھے؟زاران خانزادہ نے طیش والم میں سوال کیا۔

دلدار خان تھوڑی دیر کے لیے کسی کام سے اندر آیا تھا۔وہ اسی ٹائم حویلی سے نکلا تھا۔اسے راستے میں رحیم خان نے دیکھا تھا۔۔۔وہ پیدل ہی یہاں سے چلا جارہا تھا۔۔۔وہ تنہا سڑکوں پر رات کے اندھیرے میں دلہن کے لباس میں جارہا تھا۔۔یہ سب کچھ رحیم خان نے بتایا مجھے۔۔۔اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔۔اگر رحیم خان اسے نہ دیکھتا سوچو کچھ بھی ہو سکتا تھا ابرش کے ساتھ۔۔

میرے ہی حکم پر رحیم خان اسے اسلام آباد چھوڑنے کے لیے گیا۔۔ سبع اللہ نے آہستگی اور رسانیت سے ساری بات بتائی۔۔

وہ دلہن کے لباس میں نکل گئی۔۔ زاران خانزادہ کے کرب میں آضافہ ہوا تھا۔۔ دل میں بھڑ بھڑ بھانبھڑ جلے تھے۔۔ وہ دہکتا تندور بنا تھا۔

آپ نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟!۔۔ اسے اسلام آباد کیوں بھیجا؟۔۔ زاران نے مٹھی بھینچتے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔۔

زاران ایک بات یاد رکھنا۔۔ جب کوئی عورت مرد کی زندگی سے جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔۔ ابرش رات کے اندھیرے میں بنا کسی خوف کے یہاں سے نکل گیا۔۔

وہ میرے یا تمھارے روکنے سے نہ رکتا۔۔ اگر اس کے ساتھ زبردستی کرتے جو بچا کچھا عزت ہے ہمارا وہ بھی خاک میں مل جاتا۔۔

آپ کو کیا لگتا ہے؟؟ یہ سب اتنا آسان ہے کہ میں اسے جانے دوں گا۔۔ اسے ہر حال میں واپس لاؤں گا۔۔ آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔۔۔

ابرش کو جانے نہیں دینا چاہیے تھا۔۔ مجھے خبر ملتی تو اپنی پسٹل کی ساری گولیاں میں اس کے سینے میں اتار دیتا۔۔ وہ میری عزت میرے جذبات کے ساتھ کھیل گئی ہے۔ جس کی سزا موت ہے۔۔ زاران خانزادہ غصے سے بولتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

۔۔۔

اس مہمان خاتون کے چہرے پر استھزائیہ مسکراہٹ حور کو اندر تک کاٹ گئی تھی۔۔ یہ میکسی اب اسے اپنے بدن پر بری طرح چبھ رہی تھی۔۔ عجیب سی آگ کی لپیٹیں اسے اس میکسی سے نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ جس میں وہ جھلس رہی تھی۔۔ اپنا آپ بہت توقیر بہت حقیر معلوم ہو رہا تھا۔۔ وہ گل کی شادی کے جوڑے میں ملبوس تھی اس سے کم مائیگی اور کیا ہو گی۔۔۔

اسے ارحام سے اس سفاکیت کی توقع نہ تھی کہ اس نے اسے گل کی بارات کی میکسی میں دیکھ کر بھی کچھ نہیں کہا تھا۔

اگر وہ اسے بتا دیتا تو وہ کچھ اور پہن لیتی۔ حور نے سلگتے ہوئے خود کو سامنے لگے بڑے سے فینسی مرر میں دیکھا۔۔ اپنے دمکتے بہکتے روپ سے اسے نفرت ہوئی تھی۔۔ جانتی تھی کچھ دیر بعد اس کا یہ روپ کسی کی حوس کا نشانہ بنے گا۔۔ وہ کبھی اسے اس روپ میں دیکھ کر نہیں چھوڑے گا۔۔ اس کا اپنا روپ ہی اس کے لیے ایک تباہی تھا۔۔ جس کی سزا اسے ہر لمحہ ہر گھڑی مل رہی تھی۔ ڈریسنگ روم میں کھڑی آئینے میں دیکھ کر وہ خود پر ایک بار پھر سے استھزائیہ ہنسی۔

وہ کچھ بھی پہنتی.... ہوتی تو گل کی ہی اترن۔۔۔۔۔۔ ساری عمر اسے گل کی ہی اترن کو اپنے بدن کا حصہ بنانا تھا پھر وہ چاہے لباس ہو یا کسی کا سفاک لمس۔۔۔ حور نے سسکی لیتے ہوئے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔۔

اپنی بے پناہ خوبصورتی سے اسے اس سے پہلے کبھی نفرت نہیں ہوئی تھی ۔جتنی آج ہو رہی تھی۔۔

"تمھاری دشمن تمھاری بے پناہ خوبصورتی ہے" ارحام خانزادہ کے الفاظ کانوں میں گونجے تھے۔

حور اپنا دو آتشہ روپ آئینے میں دیکھتی تلخی سے نم آنکھوں سے مسکرائی۔

وہ جانتی تھی اس کی خوبصورتی ہی اس کی دشمن تھی۔۔اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کبھی دربدر نہ ہوتی۔۔۔

اور یہی خوبصورتی ہی تو ارحام خانزادہ کی حوس کا سبب بنتی تھی۔۔حور نے اپنا دوپٹہ بے دردی سے کھینچ کر اتارتے ہوئے زمین پر پھینکا۔۔

کلائی میں پہنی چوڑیاں اتار کر اس نے آئینے پر دے ماری تھیں۔ اپنا چوکر اتار کر اس نے ڈریسنگ مرر کے دروازے پر دے مارا تھا۔۔

بے بسی اور خجالت کے احساس سے وہ بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔۔۔

حور نے بیک پر ہاتھ لے جا کر ایک ہی جھٹکے سے اپنی

اپنی میکسی کی بیک زپ کھولی دی تھی۔۔ وہ کبرڈ کی طرف بڑھتے کوئی آرام دہ ڈریس نکال رہی تھی۔۔

کبرڈ کھولتے سامنے گل کے کپڑے گل کی ہر چیز نظر آئی تو حور نے غصے سے اس کے تمام کپڑے ایک ایک کر کے زمین پر پھینک دیے تھے۔۔ کچھ بھی تو اس کا نہ تھا۔۔۔

اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس نے ایک لباس پہن کر کبھی دوبارہ پہنا ہو۔۔ آج وہ کسی کی اترن بار بار پہن رہی تھی۔۔ حور کبرڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر اونچا اونچا رونے لگی تھی۔۔ماتم کدہ دلسوز چیخیں جو اس کا اپنا ہی دل چیر رہی تھیں۔

ارحام خانزادہ کمرے میں داخل ہوا تو ڈریسنگ روم سے آتی حور کی چیخیں اسے مشتعل کر چکی تھیں۔ ابرش کی وجہ سے اس کا انگ انگ غصے کی حدت سے جل رہا تھا۔۔ وہ اس کے بھائی کو عین نکاح کے وقت دھوکہ دے کر چلی گئی۔۔۔ یہ بات ارحام خانزادہ کو طیش والم میں مبتلا کر گئی تھی۔۔ کتنا خوش تھا زاران خانزادہ کل تک۔۔۔ آج اس کی وحشت ٹپکاتی آنکھیں اسے آگ میں جھونک چکی تھیں۔

کسی بھی عورت کے لیے شائد عزت کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ مرد اپنی عزت کے لیے اپنی جان لٹانے سے دریغ نہیں کرتا۔۔ وہی عورت اپنی عزت کا خود ہی تماشہ بنا دیتی ہے۔۔

گل اس کی اور اپنی عزت کا تماشہ بناتے بھرے جرگے میں چلی آئی۔۔ حور نے اس پر اور خود پر گندے الزامات لگا دیے۔۔ اس نے ایک پل کے لیے نہ سوچا یہ الزامات اسے ہی دوسرے کی نظروں میں گرا دیں گے۔ جرگے میں موجود کسی بھی مرد کی آنکھوں میں حور کے لیے عزت نہ تھی۔۔۔ اگر اس کی عزت خراب ہوئی تھی تو انگلیاں حور پر بھی اٹھیں تھیں۔ بابرک کی آنکھوں میں حور کے لیے ذرا عزت نہ تھی یہ وہ دیکھ چکا تھا یہی بات ارحام کو

اس دن چبھی تھی۔۔۔وہ صرف اس کی خوبصورتی سے متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ اسے لگتا تھا حور کا کریکٹر ہی ٹھیک نہیں ہے۔۔

رہی سہی کسر وہ بھاگ کر پورا کر رہی تھی۔اب ابرش زاران کو سزا دینے کے لیے رات کے اندھیرے میں حویلی سے نکل گئی ایک پل کے لیے نہ سوچا اس کے ساتھ کچھ ہو گیا تو کیا رہ جائے گا۔۔ارحام کو عورت نام سے ہی نفرت ہونے لگی تھی۔۔

حور کی چیخیں سنتا وہ دھاڑ سے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا..

ارحام کو دیکھتے ہی حور اپنی چیخیں گلے میں گھونٹ گئی۔کبرڈ کے ساتھ لگے لرزتے سسکتے اپنے کندھوں سے کھسکتی میکسی کو سنبھالا۔۔

وہ اب گہرے سانس لیتے کبرڈ کے ساتھ ٹیک لگائے سختی سے آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔وہ اس ستم گر کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ جس کے دیے ہوے زخم بہت گہرے تھے۔

ارحام نے ڈریسنگ روم کو ایک نظر دیکھ کر اپنی غیض واشتعال سے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلی۔

ڈریسنگ روم کا بگڑا نقشہ اسے مزید غصے میں مبتلا کر چکا تھا۔اس کی چوڑیاں،، جیولری اس کا دوپٹہ اس کے سینڈل زمین پر پڑے تھے۔۔ گل کے تمام کپڑے زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ڈریسنگ روم میں پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

حور کا بدن ہچکیوں کی زد میں بری طرح لرز رہا تھا۔۔ میکسی سینے سے جکڑے وہ آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔

میرون لپ سٹک سے سجے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ جوڑے میں بندھے بال جوڑے سے نکل کر گردن اور چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے۔۔ کچھ لٹیں آنسوؤں کی نمی کی وجہ سے گردن سے چپکی ہوئی تھیں۔۔

کندھوں سے ڈھلکی میکسی جو وہ سینے سے جکڑے ہوے تھی۔۔ وہ زمین پر گرنے کو بے تاب تھی۔۔ وہ بمشکل ہی سنبھالے ہوے تھی۔

کندھوں اور گہرائیوں کے اطراف پر اس کی شدتوں کے نشان۔۔۔ ارحام خان کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔۔ وہ سچ میں اپنے آپ میں ایک تباہی تھی۔۔ اس کا کم سن حسن ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔

اس کا گہرائی سے جائزہ لیتے وہ پوری طرح اس کے وجود کی رعنائیوں میں گم تھا۔۔ کمرے میں گونجتی اس کی ہلکی سی سسکی سے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔

ارحام کے لبوں پر اسے دیکھ کر اب تلخ مسکراہٹ بکھری تھی۔۔۔ وہ کیسے سب کچھ بھول سکتا ہے۔؟؟۔ زاران کے نکاح کے کینسل ہونے کے بعد سمیع اللہ خان کے ایک بہت قریبی دوست نے انھیں باتوں ہی باتوں میں جتایا کہ جب سے گل کے ساتھ ارحام نے ناانصافی کی ہے۔۔

اسی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے کہ برداری میں سمیع اللہ کی عزت ختم ہو چکی ہے۔۔۔۔یہ خدا کی طرف سے عذاب ہے۔اب گاؤں کی سربراہی اسے چھوڑ دینی چاہیے۔۔

ارحام یہ سن کر غصے سے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔

وہ کوئی بھی تماشہ کر کے سمیع اللہ کی عزت مزید نہیں گھٹا سکتا تھا۔اس لیے کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔حور کو دیکھ کر وہ غصہ پھر سے عود کر آیا۔

کس بات کا ماتم منایا جا رہا ہے کہ تم آج حویلی کی دہلیز عبور نہ کر سکی اور وہ ابرش کر گئی۔۔ارحام نے سلگتے لہجے میں غراتے ہوئے سوال کیا۔

دماغ میں تپش زدہ لہریں اٹھ رہی تھیں۔اس کا ماتم کدہ روپ دیکھ کر اسے آگ لگی تھی۔

میرے ماتم منانے کے لیے یہ کم ہے کیا کہ میرے تن پر گل کی بارات کی میکسی ہے۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ نے اسے چونکتے ہوے دیکھا۔اسے بلکل اندازہ نہ تھا یہ گل کی بارات کی میکسی ہے۔

اسے حور کو دیکھ کر ایک پل کے لیے بھی خیال نہیں آیا تھا یہ گل کا شادی والا جوڑا ہے۔۔

آپ مجھے بتا سکتے تھے کہ یہ گل کی بارات کا ڈریس ہے۔ میں کبھی یہ لباس نہ پہنتی۔۔ حور نے زخمی نظروں سے ارحام کو دیکھتے شکوہ کیا۔۔

اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟؟ جب اس کا شوہر ہتھیا چکی ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟ ارحام نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔۔ وہ اس سے کوئی بھی سوال کرنے کا حق نہ رکھتی تھی۔۔ نہ ہی وہ اسے اتنی اہمیت دیتا تھا تو پھر کیوں کر رہی تھی وہ کوئی سوال۔۔

آپ کو فرق نہیں پڑتا۔۔ اس میکسی کے ساتھ آپ کی محبت کی کتنی یادیں جڑی ہوں گی۔۔ یہ آپ کی فرسٹ نائٹ کا جوڑا تھا۔ جو آپ کی محبت نے پہنا تھا۔ کیسے پہننے دے سکتے ہیں آپ مجھے یہ لباس ؟؟۔۔۔ حور نے بھرائے لہجے میں کہا۔

ارحام نے اس کی بات پر اس کے قریب ہوتے اس کے گرد کبرڈ کے اطراف میں اپنے ہاتھ پن کیے۔۔۔۔ تمھیں کس بات کا غم ہے۔۔ میری فرسٹ نائٹ کا جو گل کے ساتھ منائی یا پھر گل کے میرے محبت ہونے کا۔۔ تمھیں کیا بات تمھیں تکلیف دے رہی ہے؟؟۔۔ ارحام نے اس کے تڑپنے پر استھزائیہ لہجے میں پوچھا۔۔

اس کی اترن پہنے پر بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے۔۔۔۔ مگر آج اس کا فرسٹ نائٹ کا لباس مجھے میری نظروں میں گرا چکا ہے۔

ارحام کے قریب آنے پر حورنے نے میکسی کو دونوں ہاتھوں سے سینے سے مضبوطی سے پکڑتے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے کہا۔۔

ارحام خانزادہ کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

میں سرپرائزڈ ہوں۔۔ تم جیسی عورت کا بھی ضمیر ہے۔۔ ارحام کے لفظوں نے اسے چابک مارا تھا۔۔ تذلیل کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ پڑا۔

ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکراتے اس سے دور ہوا۔۔

یہ گل کی سہاگ رات کا جوڑا تھا۔ یعنی کہ اس کے سہاگ کا جوڑا۔۔۔ اس کا سہاگ تم نے اس سے چھین لیا۔ اب یہ لباس بہت بے معنی ہو گیا ہے

میرے لیے ؟؟ تم پہنو یا پھر اس گھر کی ملازمہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ ارحام کی بات پر وہ نم آنکھوں سے خود اذیتی سے مسکرا کر رہ گئی۔

اس سے زیادہ ذلت اور کیا ہو سکتی تھی۔ وہ اسے گھر کی ملازموں کے ساتھ ملا رہا تھا۔ وہ اسے لفظوں کے چابک مارتے لہولہان کر رہا تھا۔۔ یہ اس کی شدتیں سہنے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔۔

گھر کی ملازمائیں بستر پر آپ کی ضرورت نہیں پورا کرتیں۔ وہ ضرورت آپ صرف مجھ سے پورا کرتے ہیں۔ کچھ تو مارجن دے دیتے مجھے۔۔ بیوی ہوں میں آپ کی۔۔ حور ارحام کی بات پر تڑپتے ہوئے چلائی تھی۔

کیا بات ہے؟؟ آج تمھیں کچھ زیادہ ہی اس بات کا احساس نہیں ہو رہا کہ تم میری بیوی ہو۔۔ ارحام نے اسے بازو سے جکڑے خود کی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔۔ اس کی کندھوں سے ڈھلکتی میکسی میں اس کا چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا روپ ارحام کو نرم کر چکا تھا۔۔۔ وہ اگنور کرنے کے قابل تو نہ تھی۔۔ وہ بھی مزید اس کا مخملی کندن روپ اگنور نہ کر سکا تھا. آنکھیں خمار آلود ہوئیں۔ لہجہ بوجھل اور بھاری ہوا۔۔

ارحام کی گرفت پر میکسی ڈھلک کر کندھوں سے نیچے آئی تھی۔۔ حور ارحام کے سینے کو مضبوطی سے جکڑے اس میں سما گئی۔۔ اگر وہ اس سے دور ہوتی تو بھاری میکسی زمین بوس ہونے میں دیر نہ لگاتی۔۔ حور شرم و خفت سے اب

بری طرح سرخ پڑی۔ اپنے لبوں پر بے دردی سے ظلم کرتے اس نے ڈھلکتی میکسی کو دوبارہ سے اپنے قابو میں کیا۔

اس کی برہنہ پشت پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ارحام نے اسے سختی سے خود میں بھینچا۔۔ اس کی سخت گرفت میں وہ اس کے حصار میں بری طرح مچلی۔۔ اس کا مچلنا محسوس کر کے ارحام نے اسے خود سے الگ کیا۔۔

حور کو کبرڈ کے ساتھ لگائے اسے بغور دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ وہ ابھی بھی اپنی میکسی کو سینے سے جکڑے ہوے تھی۔۔ جو بمشکل ہی اس کے وجود پر اٹکی تھی۔ ارحام کی گہری نظریں اس

کے کندھے سے نیچے نظر آتے تل پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ جس مقام پر تھا۔۔ وہ ارحام کو مزید بہکا چکا تھا۔۔ اس کے دہکتے روپ نے کچھ پل کے لیے ارحام خانزادہ کو سب کچھ بھلا دیا تھا۔۔ وہ اس کی ضرورت تھی یا نشہ۔۔۔ وہ نہیں جانتا تھا۔۔ مگر اس کا بہکا تا روپ اسے مسمرائز کر رہا تھا۔۔ اور وہ مکمل طور پر بہک چکا تھا۔

کب تک خود کو بچاؤ گی مجھ سے ؟؟۔ یہ کمزور سی مزاحمت مجھے نہیں روک سکتی۔۔ ارحام نے اس کے کپکپاتے ہاتھوں پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا۔۔ حور نے سر نفی میں ہلاتے اسے روکا۔۔

ارحام نے اس کی التجا نظر انداز کرتے اس کے ہاتھ اس میکسی سے ہٹائے تو حور نے بھیگی آنکھوں سے ارحام سے پھر سے التجا کی۔۔

کیا ہوا؟؟ جان من اب تمھیں خیال نہیں آرہا کہ تم میری بیوی ہو۔۔ اب یہ التجائیں کیوں؟؟۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے۔۔ حور اس کے دہکتے لمس پر کانپ کر رہ گئی تھی ارحام کے لمس کی شدت میں آضافہ محسوس کرتے حور نے ہچکی لی۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کی تڑپ محسوس کرتے اپنے دہکتے لمس کی شدت میں آضافہ کیا تو حور کی آنکھوں سے آنسو بے مول ہوتے اس کی عارض سے ہوتے اس کی گردن کو بھگونے لگے۔۔۔۔ حور میں مزید اس کے لمس کی تاب لانے کی ہمت نہ تھی۔ ارحام نے اس کا کپکپانا محسوس کر کے اسے سیدھا کیا تھا۔

میکسی ابھی تک وہ جکڑے ہوے تھی۔۔۔

آخر کب تک ؟؟ ارحام نے میکسی پر ایک نظر ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔

وہ اس کے سوال پر اپنی میکسی مزید مضبوطی سے جکڑ گئی۔۔ ارحام اس کی کوششوں پر گہرا مسکرایا۔

اس کے میرون لپ سٹک سے سجے لبوں کو اپنی قید میں لیتے وہ اس کی سانسوں پر قابض ہوا۔۔ اس کی خوشبودار سانسیں وہ خود میں قید کر گیا تھا۔ حور کے نچلے لب پر ہلکا سا زخم دیتے وہ پیچھے ہوا تھا۔ حور نے بہتے آنسوؤں سے ارحام کی خمار بھری آنکھوں میں دیکھتے اپنی نظریں جھکالی تھیں۔

اس کے لبوں پر اپنا انگوٹھا مسلتے اس کے سرخ لبوں کو دیکھا جہاں اب لپسٹک تو نہیں تھی۔ مگر وہ اب اس کی شدت سے سرخ تھے۔۔حور میں اب اتنی طاقت نہ تھی وہ اپنی میکسی کو سنبھال سکتی ۔۔ارحام اس کی بے بسی محسوس کرتے گہرا مسکرایا تھا۔۔اس کی کلائیوں کو کبرڈ کے ساتھ لگائے ارحام نے اسے ذومعنی اشارہ کیا تھا۔حور اپنا نچلا لب خفت سے کچل کر رہ گئی تھی۔۔وہ اسے اس کی بے بسی کا احساس بخوبی کروا چکا تھا۔۔وہ اس دیو کی بے رحم قربت کا کہاں مقابلہ کر سکتی تھی۔۔

اس نے بے باکی سے اس کے وجود پر اپنی نظریں گاڑھیں تو حور کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔۔ وہ اپنی جیت پر فتح مندی سے مسکرایا۔۔ وہ اس کی گردن پر جھکے اس کی بیوٹی بون میں اپنے دانت شدت سے گاڑھ گیا ۔۔۔ حور کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔۔ اس کی شدت پر تڑپتے ہوے بہتے آنسوؤں سے اس نے ارحام کی بیک پر اپنے ناخن گاڑھ دیے۔۔۔ ارحام نے اسے خود سے الگ کرتے اسے کبرڈ سے لگائے اس کندھے سے نیچے تل پر اپنے دانت گاڑھے تو وہ سرخ پڑتے اسی ستمگر کے سینے سے لپٹ گئی جس کی قربت کے خوف سے وہ ابھی تک لرز رہی تھی۔ ارحام اپنی شرٹ اتارتے حور کو گود میں اٹھائے ڈریسنگ روم میں رکھے صوفے کی طرف بڑھا تھا۔ اپنی شدتیں اس پر لٹائے وہ اسے اپنے روم روم میں سما چکا تھا۔۔

ارحام سگریٹ سلگائے حور کا ہی انتظار کر رہا تھا۔۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز سنتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔

اسے اتنی دیر کیوں لگ رہی تھی؟؟ وہ سمجھ چکا تھا۔

قربت کی ساعتوں کا سرور حاصل کرنے کے بعد وہ اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے اس پر یہ باور کروا چکا تھا کہ اسے اپنے سوالوں کے جواب چاہیے کہ وہ مردان خانے میں کیا کر رہی تھی۔۔

جان من۔۔۔۔ تم باہر آؤ گی یا میں اندر آؤں۔۔ ارحام نے سگریٹ لبوں سے لگائے اونچی آواز میں کہا تو واش روم سے پانی گرنے کی آواز آنا بند ہو چکی تھی۔ اس کی دھمکی پر فوراً عمل درامد ہوا تھا۔

ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔ اسے یقین تھا وہ اب دو منٹ میں باہر ہو گی۔۔ وہی ہوا وہ اس کے سگریٹ ختم ہونے سے پہلے باہر آ چکی تھی۔

سفید سلک کی لانگ نائٹ گاؤن میں ملبوس وہ باہر نکلی تھی۔ گیلے بال پشت پر بکھرے تھے۔۔ پہلے سے کہیں زیادہ نکھرے حلیے میں تھی۔۔ بالوں سے ٹپکتا پانی اس کی سفید سلک کی نائٹی کو بھگو چکا تھا۔۔

ارحام کو ایک نظر دیکھتے اپنی گلابی آنکھیں رگڑتے وہ بیڈ کی طرف بڑھی۔

۔اس کی آنکھیں آج ارحام کی قربت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے سوالوں کے خوف سے بھیگ رہی تھیں۔

بیڈ کی طرف بڑھتے کمبل خود پر لپیٹتے وہ ارحام کی طرف پشت کیے لیٹ چکی تھی۔

ارحام نے اس کی پشت کو گھور کر دیکھا تھا۔وہ اس کے سوالوں کے خوف سے لیٹ چکی تھی اور یہ ناممکن تھا اس کی بچت ہو جاتی۔

ارحام نے کمبل ایک جھٹکے سے اس کے اوپر سے اتار کر دور اچھالا اور اسے بازو سے جکڑے بٹھایا۔۔

حور سہمتی ہوئی اٹھ کر بیٹھتے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔ جس نے آج اپنی قربت اور لمس میں کافی نرمی دکھائی

تھی۔ مگر اب وہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتا اس کا خون خشک کر چکا تھا۔

حور بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی.

مجھے میرے سوالوں کے جواب دیے بغیر تم سکون سے سو نہیں سکتی۔۔ ارحام نے اس کی گردن پر سگریٹ کا دھواں چھوڑتے کہا۔۔

کک کون سے سوال؟؟ فق رنگت کے ساتھ لڑکھڑاتی زبان سے پوچھا۔۔

اچھی طرح جانتی ہو۔۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟؟۔۔ یہ معصومیت کا ڈرامہ بند کرو۔۔۔ ارحام نے سپاٹ لہجے میں کہتے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلہ تھا۔

بتایا تو تھا آپ کو۔۔۔۔ آپ نے کہا تھا آپ کو مجھ پر یقین ہے۔۔ حور نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔۔

کیا بتایا تھا؟؟ ارحام نے اس کی بھیگی زلفیں کان کے پیچھے اڑسی۔۔ وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ ان چھوئی نازک کلی کی طرح۔۔۔

مم میں حویلی سے بھاگ نہیں رہی۔ تھی۔ ارحام کے لمس پر وہ نامحسوس انداز میں اس سے تھوڑا دور کھسکی تو ارحام کو اس کی حرکت ناگواری میں مبتلا کر چکی تھی۔۔

جان من۔۔۔۔۔ مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی؟؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمھیں اس بات کا اندازہ تو ہو چکا ہو گا۔۔

ارحام نے ذو معنی انداز میں کہتے اسے خود کے قریب کیا۔۔ حور ارحام کی بات کا مطلب سمجھتے شرم سے سرخ پڑی۔۔

پہلے نہیں بھاگ رہی تھی۔ اب تو خیال آرہا ہو گا کہ تم بھی حویلی سے بھاگ جاتی ابرش کے ساتھ۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں کو پیچھے سے اپنی گرفت میں لیتے اس کی کرسٹل گہری براؤن آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

نن نہیں مجھے ایسا کوئی خیال نہیں آرہا۔۔ حور نے بنا پلکیں جھپکائے جلدی سے کہا۔۔

گڈ۔۔۔۔۔ آنا بھی نہیں چاہیے..... ابرش زاران کی منگیتر تھی. تم میرے نکاح میں ہو۔۔۔بیوی ہو میری۔۔اگر تم نے کبھی ایسا کرنے کا سوچا بھی میں تمھیں زندہ زمین میں

گاڑھ دوں گا۔

ارحام نے سرد انداز میں کہتے نرمی سے اس کا گاؤن ریموو کیا تھا۔۔حور کی آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔۔ارحام اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتا مبہم سا مسکرایا.

رکھو گی کبھی بھی تم اس حویلی سے باہر قدم۔؟؟ارحام نے اس کی سلیولیس شرٹ کی سٹریپ میں اپنی انگلی پھنسائی۔

مم میں کبھی بھی کک۔۔۔ کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے کہا۔۔ ارحام کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی اسے خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔۔

میں جانتا ہوں تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ کیونکہ تم چاہ کر بھی کہیں نہیں جا سکتی۔ ارحام خانزادہ کو دھوکہ دینا اتنا آسان نہیں ہے۔

ایک مرتبہ تمھاری معصومیت سے دھوکا کھا چکا ہوں۔ اگر تمھیں لگتا ہے کہ تم مزید مجھے دھوکہ دے سکو گی یہ تمھاری غلط فہمی ہے۔ ارحام نے اس کی آنکھوں کے گوشوں پر ابھرتی نمی اپنی انگلی سے چنی۔

اس کی کلائی کو تھامتے بہت نرمی سے اس کی سفید کلائی پر اپنی انگلی پھیری۔ جہاں چوڑیاں ٹوٹنے کے باعث ابھری ہوئی سرخ لکیر تھی۔۔

درد ہوا تھا۔۔ ارحام نے اس کی کلائی پر نرمی سے انگلی پھیرتے ہوے پوچھا۔۔

کس درد کا پوچھ رہے ہیں؟؟۔ آپ نے مجھے اتنے درد دیے ہیں۔ ان کا حساب مشکل ہے۔۔ بہتی آنکھوں کے ساتھ شکوہ کناں لہجے میں کہا۔۔ وہ اس سے پھر سے شکوہ کر چکی تھی۔۔ شائد نادانستہ طور وہ اس کی قربت کے خوف سے اسے احساس دلا رہی تھی اس کی زیادتیوں کا۔۔ اس کی ہاتھوں کی

بے باکی بڑھتے دیکھ کر وہ اس سے بری طرح خوفزدہ ہو رہی تھی۔ دل میں مبہم سی امید جاگی شائد وہ اس پر رحم کر ڈالے۔۔ اس لیے لبوں سے شکوہ برامد ہوا۔

ارحام حور کی بات پر گہرا مسکرایا تھا۔۔

تمھارے دیے ہوے زخموں کی بھی میرے پاس ایک لمبی لسٹ ہے۔۔۔ مجھ سے حساب کتاب نہ ہی مانگو تو اچھا ہو گا میری جان۔۔۔ اس کی شکوہ کرتی آنکھیں آج پھر سے آگ لگا گیی تھیں۔ اس لیے گہری مسکراہٹ میں اپنا سلگتا لہجہ چھپایا تھا۔

مردان خانے میں کیوں آئی تھی آج؟؟ ارحام نے اسے اب اپنے سینے میں بھینچتے ہوے پوچھا..

حصار نرم مگر لہجہ سرد تھا۔۔ حور کا خون رگوں میں منجمند ہوا۔۔

بتایا تھا آپ کو؟؟ میں آپ کو بلانے آئی تھی۔۔ حور نے ارحام کے سینے کے ساتھ لگے آہستگی سے کہا۔۔

کیوں؟؟ ارحام نے ایک اور سوال کیا۔۔ اس بار لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سرد تھا۔

آنٹی نے کہا تھا آپ کو بلانے کا۔۔۔ حور کی آواز پہلے سے بھی زیادہ دھیمی ہوئی تھی۔ ارحام کی سماعتوں نے مشکل سے ہی سے اس کے لفظ سنے تھے۔

مورے تمھیں کبھی بھی وہاں نہیں بھیج سکتیں۔ اگر انہوں نے مجھے بلانا ہوتا تو وہ مجھے فون کرتیں یا کسی ملازمہ کو بھیجتیں۔ تمھیں کبھی نہ کہتی کیونکہ ہمارے ہاں مردان خانے میں گھر کی عورتوں کو نہیں بھیجا جاتا۔

ارحام نے اسے ایک ہی جھٹکے سے خود سے الگ کیا۔

مم میں سچ کہہ رہی ہوں ارحام۔۔۔ حور نے روتے ہوئے کہا تھا۔ ارحام کا ٹھنڈا برف لہجہ اس پر اشکار کر چکا تھا کہ وہ اس کے جھوٹ پر یقین نہیں کرے گا۔۔

بکواس بند کرو حور۔۔۔۔اب ایک لفظ تم نے جھوٹ کہا تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔۔ارحام دھاڑا تھا۔وہ جی جان سے کانپ کر رہ گئی۔

ارحام میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ آپ نے مجھ پر یقین بھی کیا تھا۔اب کیوں پوچھ رہے ہیں یہ سب ؟؟۔۔وہ اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے بولی۔

ارحام نے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچا۔۔ مگر گرفت کافی ہلکی رکھی تھی۔۔اس کا لرزتا بدن اس کی آنکھوں میں ٹھہرا خوف اسے مزید اس پر سختی نہیں کرنے دے رہا تھا۔

حور میری بات سنو۔۔۔ تم نے جتنے جھوٹ بولنے تھے. بول لیے۔۔۔ مجھے تمھارے بارے میں کوئی سچ نہیں جاننا۔۔ مجھے صرف اس بات سے مطلب ہے تم اب میری عزت ہو۔ بیوی ہو میری۔۔۔ اگر اب تمھاری وجہ سے میری عزت پر حرف آیا تو میں تمھارا وہ حال کروں گا تم اپنی پہچان بھول جاؤ گی۔۔

ارحام نے اسے سرد انداز میں تنبیہ کی۔

حور کی آنکھوں سے برستے آنسو دیکھ کر وہ بری طرح مشتعل ہوا۔۔ اس سے زیادہ وہ اس کے ساتھ نرمی نہیں دکھا سکتا تھا۔۔

اس حویلی سے بھاگ کر آخر وہ کہاں جانا چاہتی تھی۔۔ اسی محفوظ چھت کے لیے اس نے اتنا ناٹک کیا تھا۔۔ یہاں سے بھاگ کر کہاں جاتی آخر؟؟ یہ سوالات ارحام کے اندر غصے کی شدت کو بڑھا رہے تھے۔۔

اب یہ رونا دھونا بند کرو میں فریش ہو کر آ رہا ہوں۔۔۔بیوی ہونے کا حق ادا کرو۔۔۔ صبح سے تمھیں آج میری بیوی ہونے کا بہت خیال آ رہا ہے۔۔

اب اس بیڈ پر بھی اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دو۔۔۔ جس طرح گل دیتی تھی۔۔اور بار بار دیتی تھی۔۔اب یہ ناز کی ختم کرو۔۔۔

کم عمر ہو مگر اب اتنا تو سمجھ آ گیا ہو گا۔۔۔بستر پر شوہر کو کیسے خوش رکھتے ہیں۔۔ارحام کی بات پر

حور نے بہتی آنسوؤں کے ساتھ دیکھا۔۔ابھی وہ کچھ دیر پہلے اپنا حق لے تو چکا تھا اب پھر سے۔۔۔

ایسے مت دیکھو میری جان۔۔۔۔۔ڈریسنگ روم میں جا کر وہ پہنو جو مجھے خوش کرے۔۔۔۔ تا کہ آج رات تم کم ہی میرے عتاب کا نشانہ بن سکو۔۔ ارحام سلگتی نظر اس پر ڈال کر واش روم میں داخل ہو گیا تھا۔

حور نے گہرا سانس بھرتے اپنے آنسو صاف کرتے ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زاران بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔ چہرے پر اضطرابی کیفیت پھیلی ہوئی تھی۔ دو دن سے ابرش اسلام آباد میں تھی۔ زحلے

کی فیملی کو اسی رات اسلام آباد واپس بھیج دیا گیا تھا۔

دو دنوں سے وہ خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ مگر اب وہ مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔

سمیع اللہ کے منع کرنے کے باوجود وہ آج اسلام آباد جا رہا تھا۔۔

ابرش نے زعیم کا آفس دوبارہ جوائن کر لیا تھا۔ اس بات نے زاران کے بدن پر کھولتا پانی انڈیل دیا تھا۔ دل میں تند و تیز آلاؤ دہک اٹھے تھے۔ وہ اسے کسی بھی صورت زعیم کے قریب نہیں رہنے دے سکتا تھا۔۔

وہ اسے منا کر واپس حویلی لانا چاہتا تھا اگر وہ مان جاتی تو ٹھیک تھا۔۔ ورنہ وہ کسی بھی قیمت پر اسے واپس لانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے اپنی اور ابرش کی جان بھی لینی پڑتی وہ لیتا۔ مگر اپنی محبت سے دستبرداری

اسے کسی قیمت پر گوارا نہ تھی۔۔زاران نے اپنے اندر اٹھتے اشتعال کو دباتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

ابرش اپنے آفس روم میں بیٹھی کچھ فائلز چیک کر رہی تھی کہ ابرش کو انٹر کام پر زاران خانزادہ کے آنے کی اطلاع دی گئی۔۔

ابرش کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔ہاتھ میں انٹر کام لرزا تھا۔ابرش نے خود پر قابو پاتے انٹر کام پر موجود اسسٹنٹ سے زاران خانزادہ کو پانچ منٹ بعد اندر آنے کو کہا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے اپنی دھڑکنوں پر قابو پایا جو اس ستمگر کے نام سنتے ہی سینے سے نکلنے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔

وہ اس وقت وائٹ جینز کے ساتھ ییلو شارٹ فراک پہنے ہوے تھی۔ جس پر وائٹ گرم سٹالر لیا ہوا تھا۔۔۔ ہونٹوں پر پنک لپسٹک لگائے اپنے ہاف بالوں کو کیچر میں مقید کیا ہوا تھا۔

ابرش نے گلے سے سٹالر اتار کر کمرے میں موجود ٹو سیٹر صوفے پر اچھالا ۔۔۔ ایسا کرنے کا مقصد اسے جتانا تھا وہ اس کی پابندیوں سے آزاد ہو چکی ہے۔۔ اس کی زندگی میں اس کی خواہشات اس کی کوئی بھی بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔

وہ اس سے ہر رشتہ ہر تعلق اسی رات توڑ آئی تھی۔ جب وہ رات کے اندھیرے میں اس کی حویلی سے نکلی تھی۔ وہ محبت اور پوزیسونیس کے نام پر اپنی مزید تذلیل برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

مگر آج یہی تعلق اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توڑنا تھا۔۔ اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔ مگر جب اس سے ہر تعلق ختم ہو جائے گا۔ تو وہ کس رشتے کس حیثیت سے اس پر حق جتائے گا۔۔ اب زاران خانزادہ کے پاس اس پر حق جتانے کی غصہ کرنے کی کوئی وجہ بچتی نہیں تھی۔۔

زحلے نے ان دو دنوں میں ابرش کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔وہ شاید ابرش کو کھونے کے خوف سے اپنی ضد سے پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ابرش نے اپنی مگنی کی انگوٹھی ٹیبل سے اٹھاتے ٹیبل ڈرار میں رکھی۔۔

وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے گہرے سانس بھرتے خود کو نارمل کر رہی تھی کہ وہ معًا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

زاران کو ایک نظر دیکھتے ہی ابرش لرزتے ہاتھوں سے ٹیبل پر رکھی فائل میں پیپر ایڈجسٹ کرنے لگی۔

اس کی طرف دیکھنے سے مکمل احتراظ برتا تھا۔وہ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے زاران خانزادہ کے بولنے کی منتظر تھی۔

کمرے میں بڑھتی خاموشی اور اس کی نظروں کی تپش سے گھبراتے اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ نظریں اٹھائے زاران کو دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کی سرد سپاٹ نظروں سے گھبراتے اپنی نظریں پھیر گئی تھی۔۔

وہ اس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا کافی سنجیدگی سے سرد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی استھزائیہ سرد نظروں کی تپش سے وہ خفت کا شکار ہوئی تھی۔۔ وہ اس کے بدن پر اپنی نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتا استھزائیہ پن اسے کافی شرمندہ کر گیا تھا۔

زاران کے چہرے کی ناگواری اور سنجیدگی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔۔ اسے اس کی ڈریسنگ کسی طور پر پسند نہیں آئی تھی۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوے سامنے صوفے پر رکھے سٹالر پر نظریں دوڑائیں۔ اسے اپنی غلطی کا احساس

ہوا تھا۔۔اب اس کی سپاٹ مگر گہری نظروں سے وہ خفت سے سرخ پڑ رہی تھی۔۔

ابرش اپنا نچلا لب کچلتے خود کو ڈپٹتے زاران کی طرف متوجہ ہوئی۔

بیٹھیے مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ابرش نے زاران کو دیکھتے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے کہا۔۔خود کے ڈر خوف پر قابو پاتے زاران کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھا۔

کیا بات ہے تمھاری مس ابرش پاشا؟؟۔۔جو تم میرے ساتھ کر کے آئی ہو۔ تمھارے چہرے پر ذرا ندامت نہیں۔کیسے تم میری آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بات کر سکتی ہو؟؟۔۔زاران خانزادہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ زور سے مارتے تھوڑا سا آگے جھکتے غرایا۔۔

اس کے لباس میں چھلکتی اس کے بدن کی رعنائیاں اس کے تن بدن کو بھڑکتا گولہ بنا چکی تھی۔۔وہ اسی حلیے میں اتنے مردوں کے ساتھ کام کر رہی تھی۔۔ان مردوں کی فہرست میں زعیم بھی تو تھا۔۔جسے وہ آفس میں داخل ہوتے دیکھ چکا تھا۔

جس طرح آپ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہے ہیں۔جب آپ کو اپنے ایکٹ پر کوئی شرمندگی نہیں ہے تو میں کیوں شرمندہ ہونے لگی؟؟ابرش کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔اس بار زاران کی سرد سرخ آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے جواب دیا۔۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟زاران نے اسے کڑے تیوروں سے گھورتے سرد لہجے میں سوال کیا۔

کچھ رہ گیا ہے کرنے کو؟؟۔ابرش نے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پایا تھا۔وہ اس انسان کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔جسے اس پر اعتبار ہی نہ ہو۔۔مگر لہجے نہ چاہتے ہوے بھی بھیگ اٹھا۔۔اپنے بھرائے لہجے پر اسے اس سے پہلے کبھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی جتنی آج ہو رہی تھی۔۔

یہ آنسو مت بہانا میرے سامنے ابرش۔۔۔جو تکلیف تم نے مجھے پہنچائی ہے۔میری عزت کا تماشہ لگا کر تم چلی آئی۔۔وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔۔زاران نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

عزت صرف آپ کی نہیں میری بھی ہے۔۔یہ بات آپ بھول گئے تھے۔۔ابرش نے اپنی نم آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔

تمھیں جو بھی کہنا تھا ابرش وہ مجھ سے کہتی۔۔۔تم نکاح سے بھاگ گئی۔۔یہ کیسی محبت ہے تمھاری؟؟زاران نے کرب سے شکوہ کیا۔

مجھے اپنے نکاح میں لے کر آپ کبھی بھی میری نہ سنتے۔ میں صرف آپ کے لیے آپ کی ملکیت بن جاتی۔ جس کے ساتھ کچھ بھی کرنا آپ کا حق ہوتا۔ جو انسان نکاح ہونے سے پہلے اپنی ہونے والی دلہن سے یہ کہے کہ وہ تھپڑ کھانے کی مستحق ہے۔۔ وہ نکاح کے بعد وہی تھپڑ اس کے مقدر بنا دیتا۔۔ میں ان تھپڑوں سے بچنے کے لیے آپ کے نکاح سے بھاگ آئی۔۔ ابرش نے بھی جوابًا کرب سے شکوہ کرتے چیختے ہوئے کہا۔

زاران خانزادہ اس کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم اس کے شکوے پر خاموش ہوا تھا۔۔ اپنے لفظوں کی سفاکی پر وہ شرمندہ تھا مگر اس کے لفظ زیادہ سفاک تھے جو اس نے اس دن خود کو دوسروں کے ساتھ جوڑتے اسے تکلیف پہنچائی تھی۔ مگر مقابل کو اپنے لفظوں کی سفاکی کا اندازہ ہی نہ تھا۔

ابرش کے لہجے میں نمی محسوس کرتے زاران خانزادہ نرم پڑا۔۔ورنہ اسے زعیم کے آفس میں اس حلیے میں دیکھ کر ہی اس کے خون میں شرارے پھوٹ رہے تھے۔

میری جگہ پر کوئی بھی ہوتا اس کا رد عمل یہی ہوتا۔۔زاران نے اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر خود پر قابو پاتے نرمی سے کہا۔

مگر اپنے لہجے کے سپاٹ سرد پن پر قابو نہ پا سکا تھا۔جو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا اسے سامنے دیکھ کر تمام زخم ادھڑے تھے۔۔

دکھ اسی بات کا ہی تو ہے کہ آپ کی جگہ کوئی اور نہیں

تھا۔ ابرش کے لبوں پر تلخ کرب امیز مسکراہٹ دوڑی۔۔

محبت کرتا ہوں تم سے وہ بھی حد سے زیادہ۔۔ کیسے برداشت کرتا وہ سب کچھ ؟؟۔۔ آگ لگ گئی تھی میرے سینے میں تمھیں اس کے قریب کھڑا دیکھ کر۔۔۔ زاران نے ابرش کے قریب ہوتے اسے بازو سے پکڑے اپنے مقابل کیا۔۔

مجھ پر شک کیا آپ نے ؟؟۔۔ ابرش کے بھیگے لہجے میں مان ٹوٹنے کا کرب تھا۔

ابرش میں نے تم پر شک نہیں کیا۔ تم پر صرف اپنے اندر کی کھولن اتاری تھی۔۔ زاران نے اس کے خوبصورت چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں بکھیرتے ایک لفظ لفظ چبایا تھا۔۔

اس کا خوبصورت چہرہ بھی اس کا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔۔ آگ کی لپیٹیں محسوس ہو رہی تھیں اسے اپنے گرد۔۔

اسی کھولن میں مجھ پر ہاتھ اٹھاتے وقت آپ اپنا ہر وعدہ مجھ سے توڑ چکے ہیں۔ اس لیے اب آپ کو کوئی حق نہیں کہ میرے قریب بھی آئیں۔۔ ابرش نے خود کو زاران کی گرفت سے چھڑواتے ہوئے کہا۔۔

یہ تمھاری بھول ہے کہ میں تم پر اپنا کوئی بھی حق ختم کروں گا۔۔۔زاران نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اور مضبوط کی۔

جب ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہے گا کس حق سے جتائیں گے مجھ پر کوئی حق ؟؟۔ابرش نے اس کی سخت گرفت پر سسکتے خود کو پوری قوت سے چھڑاوانے کی کوشش کی۔

زاران کی انگلیاں اس کے بازو میں مزید سختی سے پیوست ہوئی تھیں۔

"You hurting me"

آپ مجھے ہرٹ کر رہے ہیں۔

اس کی وحشیانہ گرفت پر ابرش کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی۔۔

جو تم نے کیا ہے اس بات کا احساس ہے تمھیں؟؟؟۔ تم نے کس طرح مجھے تکلیف پہنچائی؟۔۔ تم جیسی سفاک عورت کے منہ سے لفظ ہرٹ اچھا نہیں لگتا۔۔

زاران نے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے ایک ہی جھٹکے میں چھوڑا تھا۔۔ جی کر رہا تھا اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ جو اس کی عزت کا تماشہ بنا آئی۔۔ اور اسے اس بات کا احساس بھی نہ تھا۔

ابرش اس کے چھوڑنے پر لڑکھڑائی تھی۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ ابرش نم لہجے کے ساتھ چلائی۔

زاران اس کی آنکھوں کی نمی دیکھتے استھزائیہ ہنسا۔۔۔

میری عزت میرے جذبات کے ساتھ کھلواڑ کر کے چلی آئی۔۔ عین نکاح کے ٹائم تم دلہن کے لباس میں حویلی سے بھاگ گئی۔۔ پھر بھی مجھ سے پوچھ رہی ہو کیا کیا ہے تم نے ؟؟ تمھیں اندازہ ہے کہ کیا گزری ہو گی مجھ پر۔۔ جب مجھے پتہ چلا ہو گا کہ میری محبت دلہن کے لباس میں میری حویلی سے مجھے دھوکہ دے کر بھاگ گئی۔۔

میری عزت دو ٹکے کی نہیں رہنے دی تم نے۔۔ جانتی ہو تمھارے عمل کی سزا کیا ہے؟؟۔۔۔ زاران نے اسے دونوں کندھوں سے تھامے خود کے مقابل کرتے غراتے ہوے سوال کیا۔

کیا ہے سزا؟؟ ابرش نے اس کی سخت گرفت پر سسکی لیتے پوچھا۔

سزائے موت۔۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے برف سے لہجے میں بولا۔۔

آپ کے ساتھ زندگی گزرانے کا مطلب بھی میرے لیے پھندے پر لٹکتی ایک لاش کی طرح ہی ہے۔۔ ایک بار کی سزائے موت میرے لیے بہتر سزا ہے۔۔ اس کی گرفت میں کپکپاتے لبوں سے کہا۔

زاران کچھ پل اس کی بھیگی مگر سپاٹ آنکھوں میں سرد نگاہوں سے دیکھتا رہا۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ سرد لہجے میں سوال کیا۔۔

رہائی۔۔۔ بھیگے لہجے میں جواب آیا۔۔

کس سے محبت سے میری؟؟۔۔ زاران کی آنکھوں میں سرخی نے شدت اختیار کی۔۔

زندگی سے آپ کی۔۔ آنکھوں نے عین ٹائم دغا کھایا تھا۔ آنسو ٹوٹ کر رخ پر برستے اسے دھوکہ دے گئے تھے۔ آنکھوں کی بے وفائی اسے ذرا پسند نہیں آئی تھی۔

رہ لو گی میرے بغیر؟؟۔۔۔زاران نے چبھتے لہجے میں اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتے سوال کیا۔

محبت کے بغیر رہ سکتی ہوں۔ مگر عزت کے بغیر نہیں۔۔ابرش نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے اسے دور دھکیلا تھا۔۔ مگر وہ اسے ایک انچ بھی دور نہ کھسکا سکی تھی۔

اپنی بے بسی پر وہ بری طرح رو دی تھی۔۔وہ اس کی بے بسی کا بخوبی احساس دلاتا اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

نظریں چار ہوئی تھیں۔سانسیں گہری ہوئیں۔لبوں سے لب ٹکرانے کو بے قرار ہوے۔

اب اس کی آگ برساتی سانسیں اس کے گلابی لبوں پر بکھر رہی تھیں۔ ابرش کو اپنا آپ ان سانسوں کی تپش میں جھلستا محسوس ہوا۔۔

اس کی گرفت میں مچلتے ہوے دور ہونا چاہا مگر وہ اسے مضبوطی سے تھامے اس پر جتا گیا تھا کہ وہ اس کے حصار سے چاہ کر بھی نہیں نکل سکتی۔۔

عزت کا مطلب بھی جانتی ہو تم؟؟ زاران نے اسے پہلے سے بھی زیادہ خود کے قریب کرتے سوال داغا۔

جانتی ہوں۔۔ عزت کہنے کو تو ایک لفظ ہے۔۔ مگر اس کے معنی مرد اور عورت کے لیے الگ ہوتے ہیں۔۔ میرے لیے میری عزت میری ذات ہے اور آپ کے لیے آپ کی عزت مجھے قید کرنا ہے۔ ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔

تمھارے لیے عزت اگر تمھاری ذات ہوتی تو کبھی رات کے اندھیرے میں سجی سنوری میری حویلی کی دہلیز عبور نہ کرتی۔۔

اس آفس میں قدم نہ رکھتی۔۔ اس زعیم کے منہ پر تمھیں تھوکنا چاہیے تھا تم اس کے آفس میں کام کر رہی ہو۔

یو فول می بلڈی وومن۔۔۔۔۔۔زاران نے غصے سے بولتے ہوے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تھا۔۔

عزت کی بات کرتی ہو مجھ سے۔۔۔اتنی ہی اپنی عزت عزیز ہے تو کیا کر رہی ہو اس ذلیل انسان کے آفس میں جواب دو مجھے۔۔۔زاران نے ٹیبل پر رکھی فایل ہاتھ مارتے ہوے گرا دی تھیں۔

ابرش سہمتے ہوے زاران سے دو قدم دور ہوئی تھی۔گہرے سانس لیتے زاران کو دیکھا جس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے اسے غیض و اشتعال سے دیکھتے بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔ کیا نہیں یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔ ابرش سپاٹ لہجے میں بولی۔۔ وہ اس انسان کے سوالوں کا جواب آخر کیوں دے؟؟۔ جسے اس پر یقین نہیں تھا۔۔

تمھیں میرے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا۔۔ بتانا پڑے گا کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟؟ کیوں میرے جذبات کے ساتھ کھیلا؟؟۔۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑی۔۔

کیونکہ آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔ مجھ پر شک کیا۔۔ ابرش اپنی کلائی جھٹکے سے چھڑواتے چلائی تھی۔۔

میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا ابرش۔۔ تم نے مجھے مجبور کیا تھا میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں۔۔ زاران نے اب کی بار نرمی سے کہا تھا۔۔

وہ اسے منا کر ہر حال میں اپنے ساتھ حویلی لے جانا چاہتا تھا سامنے کھڑی لڑکی محبت ہی نہیں اس کا جنون تھی۔۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔۔ نہ اس پر کسی کا سایہ برداشت کر سکتا تھا۔

آپ کے اسی قدم نے مجھے مجبور کیا میں اس نکاح سے بھاگ جاؤں۔۔ جو شخص نکاح سے پہلے میرے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا ہے۔ وہ نکاح کے بعد بھی مجھے اپنے قدموں کی دھول سمجھے گا۔۔ ابرش نے تلخی سے بولتے اپنے عارض سے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔

ابرش ایسا کچھ نہیں ہو گا۔۔میں وعدہ کرتا ہوں تم سے پلیز بات ختم کرو۔۔میرے ساتھ حویلی چلو۔۔زاران نے اب کی بار اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر نرمی سے کہا۔

ایسے کئی وعدے آپ مجھے حویلی لے جاتے ہوے کر چکے ہیں۔۔۔میں محبت کے نام پر آپ کے جھوٹے وعدوں کو اب سچ نہیں سمجھ سکتی۔۔میں اپنی محبت سے اپنی تذلیل نہیں کرواسکتی۔۔۔میں آپ کے تھپڑ کھاتے زندگی نہیں گزار سکتی۔۔ابرش نے اپنے چہرے سے زاران کے ہاتھ ہٹائے تھے۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ بات ختم نہیں کرو گی کیا؟؟ زاران نے لب بھینچے کہا۔

بات ختم ہو چکی ہے۔۔ ابرش نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔۔

زاران اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے ابرش سے دور ہوتے اپنے غصے اشتعال پر قابو پانے لگا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ غصے میں کوئی ایس قدم اٹھائے جو ابرش کو مزید تکلیف دے۔۔ مگر اس کا زعیم کے آفس میں ہونا ہی اس کے اشتعال کا سبب بن رہا تھا۔۔ اوپر سے وہ بات ختم کرنے کی بجائے بڑھا رہی تھی۔

زاران کا سرد سرخ چہرہ دیکھ کر ابرش تلخی سے مسکرائی

ابرش نے ٹیبل کے ڈرار سے رنگ نکالتے ہوے ٹیبل پر رکھی۔۔

رنگ کو دیکھتے زاران کی آنکھوں میں غیض و غضب بڑھا تھا۔۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچے خود پر قابو پا گیا۔

یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ رنگ میری انگلی سے اتر کیسے گئی؟؟ ابرش نے استھزایہ مسکراتے زاران کے سٹل پھترائے وجود کو دیکھا۔۔۔ جس کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا۔۔ مگر اب اسے اس انسان سے ڈرنا نہیں تھا یہ نام نہاد تعلق ہر حال میں ختم کرنا ہی تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے قدم نامحسوس انداز میں پیچھے کی جانب بڑھائے تھے۔ مگر اپنی آنکھیں اس کی لہو اتری آنکھوں میں گاڑھ کر رکھی تھیں۔

کل تک یہ رنگ اس لیے میری انگلی سے نہیں اترتی تھی۔ کیونکہ میں اسے دل سے کبھی اتارنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ آج میں اسے اپنی انگلی میں نہیں دیکھنا چاہتی۔۔ آپ کو سمجھ آجانا چاہیے آپ میری زندگی میں اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔ ابرش نے اپنی بات مکمل کرتے اپنا موبائل اٹھا کر نمبر ڈایل کیا تھا۔۔

ہاں زعیم۔۔۔۔۔۔ ہم لنچ آج ساتھ ہی کریں گے۔۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں تمھیں ملتی ہوں۔۔ ابرش نے مسکراتے ہوے فون بند کر کے ایک نظر

زاران کو دیکھا جو ابھی تک سٹل کھڑا تھا۔۔ ابرش کو اس کے نافہم تاثرات کچھ سمجھ نہیں آئے تھے۔۔

مگر اس کی سرد سرخ آنکھوں نے اس کے اندر کپکپی کی لہر دوڑائی تھی۔۔ مگر اسے ہر تعلق اس سے توڑنا ہی تھا۔۔ اس کے لیے یہ کرنا ضروری تھا۔۔

ابرش اپنا موبائل اور بیگ اٹھائے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے دروازے کی طرف بڑھی۔

اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی وہ اسے بازو سے جکڑتے آفس میں رکھے صوفے پر پٹخ چکا تھا۔۔ ابرش صوفے پر اوندھے منہ گری تھی۔

یہ کیا بے ہودگی ہے؟؟ ابرش سرخ رنگت کے سیدھی ہوتی زاران کو دیکھتے چلائی۔۔

بے ہودگی یہ نہیں بے ہودگی وہ تھی جو تم نے تھوڑی دیر پہلے دکھائی ہے۔۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑتے پوری قوت سے زمین پر دے مار۔ ابرش نے اپنی چیخ منہ پر ہاتھ رکھتے گلے میں گھونٹی۔۔

زاران نے اسے بازو سے جکڑے صوفے سے اٹھاتے اپنے مقابل کھڑا کیا۔۔

تم یہ سب کر کے مجھے سزا دینا چاہتی ہو۔۔۔مجھے آگ لگانا چاہتی ہو۔۔۔ویلڈن مس ابرش پاشا ویلڈن۔۔۔۔۔زاران تالی بجا کر کر استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

تم کامیاب ہو چکی ہو مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے۔۔اندر تک جل کر راکھ ہو چکا ہوں۔۔

لیکن یہ تمھاری بھول ہے کہ میں اس آگ میں اکیلا جلوں گا۔۔اگر مجھے جلانے کی کوشش کرو گی میرے بدن سے نکلتی چنگاریوں میں تم بھی راکھ ہو جاؤ گی۔۔۔وہ برف سے لہجے میں بولتا اس کا لہو رگوں میں منجمند کر گیا۔

میں آپ کی بے اعتباری سے کب کی راکھ ہو چکی ہوں۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے بھرائے لہجے میں بولی۔۔

یہ بے اعتباری بھی تم نے مجھے دی ہے۔۔ آج یہ سب کر کے تم اس پر یقین کی مہر لگا چکی ہو۔۔ زاران کی بات پر ابرش کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔

جب اس بے اعتباری پر مہر لگ چکی ہے تو پھر یہاں کیا کر رہے ہیں جائیں یہاں سے۔۔۔ ابرش اس کی بات پر تڑپتے ہوئے بولی۔

تمھیں اتنا بتانے آیا تھا جو چیز ایک بار میری ہو جائے۔ میں اس پر اپنی ملکیت مر کر بھی نہیں چھوڑتا۔ ایک رنگ اتارنے سے تمھارا رشتہ مجھ سے ٹوٹ نہیں جائے گا۔ زاران اسے سرد نظروں سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔۔

رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوط لہجے میں کہا۔

ابرش یہ تمھاری بھول ہے تم مجھ سے یہ تعلق توڑ سکتی ہو۔۔ زاران نے دھیمے لہجے میں کہتے اس پر استھزائیہ مسکراہٹ اچھالی۔

زعیم مجھے کل رات پرپوز کر چکا ہے اور میں اس کے پرپوزل پر ہامی بھر چکی ہوں۔

بس۔۔۔۔۔۔ زاران کی گرج پر وہ لرزتے خاموش ہوئی تھی۔۔

ایک لفظ تم نے اور منہ سے نکالا میں تمھاری یہاں ہی قبر بنادوں گا۔ زاران نے ابرش کی طرف بڑھتے اس کا جبڑہ اپنی وحشی گرفت میں دبوچا۔۔

تمھیں لگتا ہے تم ایک رنگ اتار کر اور یہ سب بکواس کرو گی اور میں تمھیں چھوڑ دوں گا تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔ تم کل بھی صرف میری تھی۔ تم آج بھی صرف میری ہو۔۔۔ زاران نے اپنی وحشی گرفت اس کے نازک گالوں پر بڑھائی۔۔

ابرش اس کی وحشی گرفت میں بری طرح مچل اٹھی۔۔ اس کی لہو اتری آنکھیں دیکھ کر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے جبڑے سے ہٹانے کی ناکام سعی کی اس کی گرفت میں اس کا جبڑہ ٹوٹنے والا ہو گیا تھا۔

تکلیف کی شدت سے آنکھیں لڑیوں کی صورت میں اس کے شفاف عارض پر بہے۔۔بے بسی اور ذلت کا احساس ہر ڈر ہر خوف پر غالب ہوا تھا۔۔وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتے ہوے چیخ پڑی۔

مم میں تمھاری آنکھوں کے سامنے تمھیں اس کی ہو کر دکھاؤں گی۔۔ابرش نے گھٹی گھٹی آواز میں جواب دیتے اس کی سرد سرخ آنکھوں میں اپنی گلابی آنکھیں گاڑھیں۔

زاران نے اس کی بات پر ایک ہی جھٹکے سے اسے چھوڑا تو وہ صوفے پر جا گری تھی۔ابرش گہرے سانس لیتے خود پر قابو پانے لگی۔۔مقابل کی آنکھوں میں بغاوت دیکھتے اس کے اندر تند و تیز بھانبھڑ دہکے۔۔اس کی بات اس کے اندر ابلتا لاوا انڈیل چکی تھی۔

زاران نے اشتعال سے اس کی طرف بڑھتے اس کے بال پیچھے سے اپنی مٹھی میں جکڑے تھے۔

تمھارے ہاتھوں پر مہندی صرف زاران خانزادہ کے نام کی ہی لگے گی۔۔ اگر کبھی تم نے ایسا سوچا بھی تمھاری ڈولی کی جگہ تمھارا جنازہ اٹھے گا۔

یقین نہیں آتا تو تم آج زعیم سے مل کر دیکھ لو۔۔۔ میری گولی سے صرف تم ہی نہیں بلکہ وہ زعیم بھی اپنی جان سے جائے گا۔۔

زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

ابرش بہتی آنسوؤں سے زاران خانزادہ کی لہو اتری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔ مقابل اپنے غصے سے اس پر ایک بار پھر سے اس پر اپنی دھاک بٹھا

چکا تھا۔۔وہ اس سے ڈر ضرور گئی تھی۔ مگر اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹی تھی۔۔

اس نے زعیم کے پرپوزل پر ہامی نہیں بھری تھی مگر اب اسے ہر حال میں جلد از جلد زعیم کا ہونا ہی تھا۔

چلو میں تمھیں گھر چھوڑ دوں۔۔زاران نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت نرم کرتے اس کے سسکتے وجود پر نظر ڈالی۔

اس کی آنکھوں میں بغاوت دیکھتے اس نے جان بوجھ کر اس پر سختی دکھائی تھی۔۔فی الحال وہ اسے اس طرح ہی قابو کر سکتا تھا۔وہ نرمی سے کبھی اس کی بات نہ سمجھتی۔۔وہ اسے اس کی ضد میں خود کو تکلیف پہنچانے نہیں دے

سکتا تھا۔۔ زعیم اسے نقصان نہ پہنچا دے اسے اس سے دور رکھنا ہی تھا۔ مگر زاران خانزادہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اپنے ہر عمل سے اس کے دل میں بغاوت کی لہروں کو اکسا رہا ہے۔

نہیں جاؤں گی تمھارے ساتھ کہیں بھی۔۔ تم جیسے جنگلی انسان کی میں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔۔

ابرش نے روتے ہوئے نفرت سے اسے دیکھتے اپنا منہ پھیرا۔۔

شکل تو تمھیں میری ہی ساری عمر دیکھنی پڑے گی مگر تمھارا حسین چہرہ میرے علاوہ کوئی نہیں دیکھے گا۔۔

زاران نے اپنی شال اتار کر اس کے گرد لپیٹی۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے اس کی شال کو سینے سے اپنی مٹھی سے جکڑا۔۔ وہ چاہتے ہوے بھی اس کی شال خود سے اتار نہ سکی تھی۔۔۔ اس کی سرد نظریں اور اس کی نزدیکی پر وہ خائف ہو گئی تھی۔۔۔ بے بسی سے وہ اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

وہ اس کی بے بسی پر طنزیہ انداز میں گہرا مسکرایا تھا۔۔۔ چلو میرے ساتھ میں تمھیں گھر ڈراپ کر دوں۔۔ زاران نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔۔ جسے ابرش نے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

ابرش یہ میری محبت ہی ہے۔ جو میں یہ سب برداشت کر رہا ہوں۔۔ ورنہ تم نے جو کیا ہے وہ جرم ناقابل معافی ہے۔۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا ہی ہو گا۔۔ میں تمھیں کسی صورت اس زعیم کے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔۔ تم اس آفس میں مزید کام نہیں کرو گی۔ زاران نے سخت لہجے میں کہتے اپنا اٹل فیصلہ سنایا۔

ٹھیک ہے میں اس آفس میں کام نہیں کروں گی۔۔ مگر میں تمھارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔۔

ابرش اپنے آنسو صاف کرتے صوفے سے اٹھی تھی۔

زاران نے لب بھینچتے اس کے ضدی انداز کو دیکھا۔ وہ اپنا بیگ اٹھائے اسے مکمل اگنور کرتے آفس سے نکل گئی تھی۔۔ زاران ابرش کے جانے کے بعد بے بسی سے ٹیبل پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔ وہ جھلاتے ہوئے اس کے پیچھے آفس سے باہر آیا تھا۔

مورے مجھے اپنی سہیلی کی مہندی پر ہر حال میں جانا ہی ہے۔۔ نزرانہ میری بچپن کی سہیلی ہے۔ اسے کتنا برا لگے گا اگر میں نہیں جاؤں گی۔۔ بہارے روزینہ خانم سے ضدی لہجے میں بولی۔۔

گھر کا ماحول تم دیکھ رہا ہے بہارے۔۔۔ امینہ بھابھی کا طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔ سب کتنا اداس ہے۔۔ اور تم کو اپنی سہیلی کی مہندی پر جانے کا پڑا ہے۔۔ روزینہ خانم غصے سے بولیں۔

اگر امینہ خانم کا طبعیت خراب ہے تو اس میرا کیا قصور؟؟

وہ ابرش حویلی سے بھاگ گئی۔ سزا مجھے کیوں مل رہی ہے۔ میں تو اس حویلی سے نہیں بھاگی۔۔ بہارے نے منہ بناتے ہوے کہا۔

کیا بکواس کر رہا ہے تم؟؟ تم میں شرم لحاظ ہے کہ نہیں۔ اور بھابھی کا نام کیوں لے رہا ہے؟؟۔۔ تمھارا اساس ہے وہ۔۔ مورے۔۔۔ بولا کرو انھیں۔

روزینہ خانم نے بہارے کو گھورتے ہوے کہا۔

ہمارے لیے ہمارا ایک ہی اماں کافی ہے۔جو کسی ہٹلر سے کم نہیں ہے۔۔اس لیے میں کبھی بھی شہرام کی مورے کو اپنی مورے نہیں کوں گی۔۔بہارے نے تنک کر جواب دیا تھا۔۔

آہستہ بولو بہارے۔۔ تمھارا یہ بکواس شہرام نے سن لیا تو کیا سوچے گا تمھارے بارے میں۔روزینہ خانم دبی آواز میں غرائی۔۔

یہ شہرام کہاں سے آگیا بیچ میں ؟؟۔شہرام کے نام پر بہارے کا حلق کڑوا ہوا تھا۔

آ

نہیں گیا وہ تمھارا خاوند ہے۔۔ تمھارا سر کا سائیں۔۔ شہرام کی وجہ سے ہی ہم اس عابیر اور زاران خانزادہ کو برداشت کرتا ہے۔۔ ورنہ جو مار زاران نے ہمارے بابرک کو مارا ہم کبھی بھول نہیں سکتا۔۔ روزینہ خانم کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

شہرام کی وجہ سے کیوں برداشت کرتی ہو؟؟ شہرام کا کونسا اس گھر میں رعب ہے؟؟ اتنا سا بھی نہیں چلتا اس کا اس حویلی میں۔۔ وہ غنڈہ گردی صرف مجھ پر اور حویلی سے باہر دکھانا جانتا ہے۔۔ بہارے نے غصے سے کہا۔

بہارے تمھارا عقل گھاس چرنے گیا ہے۔۔اس کا گھر میں بہت رعب ہے تم کو ہی نظر نہیں آتا۔۔وہ گھر میں اس لیے نہیں بولتا وہ سب کا احترام کرتا ہے۔۔شہرام زاران اور ارحام کے سامنے نظریں جھکائے رہتا ہے۔۔اور تو اور وہ اسفند کے سامنے بھی زیادہ نہیں بولتا کیونکہ وہ سب کا دل سے احترام کرتا ہے۔۔اگر اس کا اس گھر میں نہ چلتا تو تم کبھی بھی شہر جا کر ڈاکٹر نہ بنتا۔۔روزینہ خانم کی باتوں پر بہارے کے غصے کا گراف مزید بلند ہوا تھا۔

مورے۔۔۔یہ بات آپ کا لازمی کرنا بنتا تھا۔۔آپ لوگوں نے ایک ان پڑھ بندے کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔۔اوپر سے اس کی عظمت کے کارنامے مجھے سنائے جاتے ہیں۔میرے ساتھ جو ناانصافی ہوئی وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔۔بہارے کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

تمھارے ساتھ زیادتی نہیں ہوا بلکہ تمھارا زندگی سنورا ہے۔اس حویلی کے پڑھے لکھا مردوں سے وہ ہزار گنا بہتر ہے۔۔روزینہ خانم نے بہارے کی عقل پر ماتم کیا تھا۔۔

تو کیا شہرام اسفند لالا سے بھی بہتر ہے کیا؟؟ بہارے نے غصے پوچھا۔۔

ہاں اگر ہم سے پوچھتا ہے تو ہمارا جواب ہاں میں ہے۔۔ شہرام لاکھوں میں ایک ہے۔۔ جس طرح تمھارا قینچی کی طرح زبان چلتا ہے۔کوئی اور حویلی کا مرد ہوتا تو کب کا کاٹ چکا ہوتا۔۔روزینہ خانم نے بہارے کو دیکھتے تلملاتے ہوے کہا۔

مورے مجھے ہر حال میں نزرانہ کی مہندی پر جانا ہے۔۔وہ مزید شہرام کی تعریفیں نہیں سن سکتی تھی۔۔

تم کہیں نہیں جائے گا۔۔یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔۔روزینہ خانم نے اپنا فیصلہ سنایا۔

لیکن مورے۔۔۔۔۔۔

بہارے تم کہیں نہیں جاے گا۔۔روزینہ خانم بہارے کے آنسو نظر انداز کرتے اس کی بات کاٹتے بولی۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔۔شہرام کے سلام پر روزینہ خانم نے گڑبڑاتے ہوے سامنے دیکھا وہ زنان حانہ کے لاونج کے وسط میں کھڑا تھا۔۔اس کے چہرے

کی سنجیدگی سے انھیں اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ ساری باتیں سن چکا ہے۔۔

وعلکیم سلام شہرام بیٹا کیسا ہے تم؟؟روزینہ خانم نے اپنی گڑبڑاہٹ چھپاتے مسکراتے ہوے کہا۔

بہارے تیار ہو جاؤ تم۔۔۔میں تمھیں تمھاری سہیلی کی شادی پر لے چلوں گا۔۔وہ اپنی بات کرتے رکا نہیں تھا۔۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔۔

لگتا ہے شہرام نے سب کچھ سن لیا ہے۔۔روزینہ خانم نے تشویش زدہ انداز میں کہا۔

سنتا ہے تو سن لے۔۔ میں نے وہی کہا ہے جو سچ ہے۔۔ بہارے نے اپنے حسین نقوش بگاڑے تھے۔۔

بہارے تمھارا کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ اب تو تم کو سمجھ آ جانا چاہیے کہ شہرام کیسا ہے۔۔ اتنا سب کچھ سننے کے بعد بھی اسے تمھارا خواہش عزیز ہے۔۔ روزینہ خانم نے ملامت بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔۔

میں شہرام کے ساتھ نزرانہ کی مہندی پر نہیں جاؤں گی۔۔ بہارے نے کلستے ہوے کہا۔

ٹھیک ہے تو مت جاؤ۔۔۔ روزینہ خانم غصے سے بولتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔۔ بہارے نے شہرام کو کوستے ہوے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا

بہارے نے ایک نظر شہرام کو دیکھا جو انتہائی سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا ۔بلو شلوار قمیض پر اس نے وائٹ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔ ہلکی گھنی بئیرڈ تراشیدہ مونچھوں تلے عنابی لب۔۔۔ اونچی تیکھی ناک۔۔ بلاشبہ وہ ایک وجیہہ خوبرو برسنیلٹی کا حامل مرد تھا۔ مگر اس کے ان پڑھ ہونے پر اس کی ساری مردانہ وجاہت ماند پڑ جاتی تھی۔ اور بہارے کو اس کی خوبرو پرسنیلٹی بھی زہر لگنے لگتی تھی۔۔

کیا معائنہ کر رہی ہو کہ کاش میں ان پڑھ نہ ہوتا تو تمھیں یوں ہر کسی کے آگے رونا نہ پڑتا۔۔ میری عظمت کے کارنامے سن کر تمھارا حلق کڑوا نہ ہوتا۔۔ شہرام کی سنجیدہ آواز پر بہارے گل نے گڑبڑاتے ہوئے اپنی نظریں پھیریں۔۔

ایسی بات نہیں ہے میں تو اس لیے تمھیں دیکھ رہی تھی تم آج بہت سنجیدہ ہو کیا بات ہے۔۔ بہارے نے اپنی چادر اچھی طرح سر پر جماتے کہا۔

حویلی میں رہنے والے لوگ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ اگر وہ پریشان ہوں گے تو میں کیسے خوش رہوں گا۔۔ میری مورے بخار میں جل رہی ہے۔۔ میرا لالا پریشان ہے تو میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں۔۔ شہرام نے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

مجھے جتا رہے ہو کہ تمھیں حویلی میں سب کی پرواہ ہے۔۔ مجھے نہیں ہے۔۔ بہارے نے شہرام کو دیکھتے کہا۔۔

ہاں بہارے تمھیں اپنے علاوہ کسی کی پرواہ نہیں ہے۔۔ میری مورے کا نام لیتے تمھیں ایک پل کے لیے خیال نہیں آیا۔۔ وہ صرف میری مورے ہی نہیں تمھارا بھی ان سے کوئی رشتہ ہے۔۔ میں تمھیں اتنا برا لگتا ہوں کہ تم میرے گھر والوں کی عزت کرنا بھی بھول گئی۔۔ شہرام کی بات پر بہارے نے گڑبڑاتے ہوے اپنی نظریں چرائیں۔۔

ایسی بات نہیں ہے میں نے تمھاری مورے کا نام ایسے ہی لیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کی عزت نہیں کرتی۔۔ بہارے نے شرمندگی سے وضاحت دی۔۔

بہارے انسان کی زبان اس کی عزت کرواتی اور گھٹاتی ہے۔۔ میری نظروں میں آج تمھاری عزت گھٹی ہے۔۔ میرے دل میں ہمیشہ تمھارے لیے غصہ رہا ہے۔۔ جسے میں نے کبھی نفرت میں نہیں بدلہ وہ غصہ ہی رہا جو ہمیشہ وقت کے ساتھ ختم ہو گیا۔۔ مگر آئیندہ تم نے میری مورے میرے لالا کے خلاف کچھ بھی کہا۔۔ وہ غصہ نفرت میں تبدیل ہونے سے میں روک نہیں پاؤں گا۔۔

میری نفرت تمھارے لیے سہنا آسان نہیں ہو گی۔۔ پھر تمھارا اس شہرام سے پالا پڑے گا۔۔ جو سچ میں گنوار ہو گا۔۔ جس کا گنوار پن تم برداشت نہیں کر پاؤ گی۔۔ یہ بات یاد رکھنا۔۔ شہرام کی سرد سپاٹ لہجے میں کی گئی

ہوئی بات پر بہارے لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔ پہلی مرتبہ اس کے سرد انداز پر بہارے کا دل لرزا تھا۔۔

ابرش کے آفس سے نکلنے کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ جا رہا تھا کہ رمضان کی کال پر زاران نے فون اٹھائے کان سے لگایا۔۔

بولو رمضان۔۔۔ زاران خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔۔

کیا کہہ رہے ہو تم؟؟ زاران نے ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔۔

آنکھیں میچتے اس نے اپنی مٹھی بھینچتے خود پر قابو پایا۔۔

تم لوگ بابرک کا پیچھا کرو۔۔۔ اگر وہ کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کرے ۔۔۔ اس کی گاڑی پر فائر کر دو۔۔ مگر بابرک کو کچھ بھی نہ ہو۔۔۔ تم لوگ

اسے صرف میرے آنے تک روکو گے۔۔۔جو بھی کروں گا اس کے ساتھ میں ہی کروں گا۔۔بابرک کو میں اپنے ہاتھوں سے میں خود موت دوں گا۔زاران کہتے ہوئے فون بند کر چکا تھا۔

زاران خانزادہ نے اپنے موبائل سے آہل کا نمبر ڈائل کرتے موبائل کان سے لگایا تھا۔

جی بھائی۔۔۔آہل کی سپیکر پر آواز ابھری تھی۔

کہاں ہو تم آہل؟؟۔زاران نے اپنا لہجہ حتی الامکان نارمل رکھا تھا۔

بھائی میں اسلام آباد میں ہوں۔۔ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ خیریت آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔

آہل کے جھوٹ پر زاران خانزادہ نے اپنے لب بھینچتے خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا تھا۔۔

آہل جھوٹ مت بولو۔۔ تم اس وقت زرتاج کے ساتھ ہو۔ زاران نے تحمل سے کہا تو سپیکر پر کچھ دیر کے لیے خاموشی چھائی تھی۔

آہل زرتاج کو اس کے گھر واپس ڈراپ کرو۔۔ یہ تم اچھا نہیں کر رہے۔۔۔ اگر زرتاج کے گھر والوں کو خبر ہو گئی۔۔ وہ تم دونوں کو جان سے

مار دیں گے۔ آہل کی خاموشی محسوس کرتے زاران نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

بھائی میں زرتاج سے محبت کرتا ہوں۔ اور زرتاج مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں زرتاج کو کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔۔ زرتاج کے گھر والوں نے اس کا زبردستی رشتہ طے کر دیا ہے۔ کچھ دنوں بعد اس کی شادی ہے۔۔ ہم دونوں کے پاس اس سے بہتر آپشن نہیں ہے کہ ہم بھاگ کر شادی کر لیں۔ آہل کا مضبوط آٹل لہجہ محسوس کرتے زاران پریشان ہوا تھا۔۔

آہل تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔۔ یہ شادی محبت کا وقت نہیں ہے پہلے تمھیں کچھ بننا چاہیے پھر شادی کے متعلق سوچنا۔۔

زرتاج کو واپس اس کے گھر چھوڑ دو اس سے پہلے اس کے گھر والوں کو خبر ہو۔۔اب کی بار زاران نے سختی سے کہا۔۔

سوری بھائی میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔میں زرتاج کو اپنے ایک دوست کی طرف لے کر جا رہا ہوں۔اس کے بعد ہم دونوں امیریکہ چلے جائیں گے۔آہل اپنی بات کہتے فون بند کر چکا تھا۔۔

زاران نے جلدی سے آہل کا نمبر دوبارہ ڈائل کیا۔۔مگر دوسری طرف اب آہل کا نمبر آف آ رہا تھا۔زاران نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے موبائل ڈیش بورڈ پر پٹخا۔۔

زاران نے کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اپنا ماتھا مسلتے ڈیش بورڈ سے فون اٹھائے رمضان کو کال ملائی۔

رمضان آہل کو پروٹیکٹ کرو۔۔ کسی بھی صورت بابرک، آہل اور زرتاج کو نقصان نہ پہنچا پائے۔۔

خان صاحب آپ فکر نہ کریں۔ میری بابرک پر پوری نظر ہے۔

خان صاحب مجھے ایسا لگ رہا ہے۔۔ بابرک کو خبر ہو چکی ہے میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔ اس نے دو مرتبہ اپنا روٹ چینج کیا ہے۔۔ اب اس کی گاڑی آہل کی گاڑی کے پیچھے نہیں ہے۔۔ مگر ایسا لگ رہا ہے۔۔

وہ مجھے ڈاج کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔۔۔وہ آہل کی گاڑی کو فی الحال یہاں سے نکلنے دینا چاہتا ہے۔ تاکہ یہ سب دیکھ کر میں اس کا پیچھا کرنا چھوڑ دوں۔۔

رمضان نے زاران کو مکمل سچویشن سے اگاہ کیا۔

جانتا ہوں میں،،وہ اتنی آسانی سے آہل اور زرتاج کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ مگر تم بابرک کی گاڑی پر نظر رکھو۔۔وہ بہت چالاک ہے۔وہ بڑی آسانی سے تمھیں دھوکہ دے سکتا ہے۔ تم بابرک پر پوری نظر رکھو۔۔وہ آہل اور زرتاج کو کسی بھی قسم کا نقصان نہ پہنچا پائے۔۔زاران نے حکم دیتے فون بند کیا تھا۔۔

زاران ابھی ان لوگوں سے کافی دور تھا۔۔ مگر رمضان کی لوکیشن بتا رہی تھی۔ وہ لوگ اب منگورہ کے علاقے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسے وہاں تک پہنچتے پہنچتے بھی ابھی پونہ گھنٹ لگنا تھا۔۔ اتنی دیر میں بابرک آہل اور زرتاج کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔۔ یہ سوچ سوچ کر زاران کی جان پر بنی ہوئی تھی. اس نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی ۔۔ وہ جلد از جلد بابرک تک پہنچنا چاہتا تھا۔۔

زاران بہت عجلت میں منگورہ میں موجود اپنے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا تھا۔ رمضان کے فون پر وہ پریشانی اور عجلت میں یہاں پہنچا تھا۔۔ رمضان نے فون پر بتایا تھا۔۔ بابرک نے راستے میں آہل کی گاڑی پر فائر کیا تھا۔ جس

کے نتیجے میں اس نے بابرک کی گاڑی پر فائر کرتے اسے روکا تھا۔۔ وہ رک گیا تھا۔۔ مگر تھوڑی دیر بعد بابرک نے اپنا روٹ چینج کر لیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس نے بابرک کا پیچھا کیا۔۔ مگر آگے جا کر بابرک کی خالی گاڑی ملی تھی۔۔

رمضان کے مطابق اس نے اپنی گاڑی بدلی ہے۔۔یعنی یہ سوچی سمجھی پلینگ کے مطابق تھا۔۔ اس نے پہلے سے ہی کسی اور گاڑی کا بندوبست کر رکھا تھا۔

بابرک رر مضان کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔۔

اب آہل کی گاڑی بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

زاران کا سب سے پہلا شک منگورہ میں موجود اپنے گیسٹ ہاؤس کی طرف گیا تھا۔۔اسی لیے وہ بنا تاخیر کیے یہاں پہنچا تھا۔

زاران جب گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی ملازم نہیں تھا۔۔گیسٹ ہاؤس مکمل خالی تھا۔۔زاران ایک کمرے سے آتی آوازوں کو سنتے اندر داخل ہوا۔۔اندر کا منظر دیکھ کر وہ دروازے میں ہی منجمند ہوا تھا۔

آہل زخمی حالت میں زمین پر پڑا تھا۔۔اس کی ٹانگوں پر فائر کیے گئے تھے۔اس کے خون سے پورا فرش بھیگ رہا تھا۔

بابرک سفاک مسکراہٹ لبوں پر سجائے زرتاج کی کنپٹی پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔۔زرتاج کی کمرے میں گونجتی سسکیاں اور آہل کی دردناک چیخیں سنتے وہ اور پیروز اب قہقہے لگا رہے تھے۔

پیروز نے زاران خان کو دیکھتے ہی اپنی بندوق کا رخ زاران کی طرف کیا۔۔

زاران خانزادہ بے یقینی سے پتھرائی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔۔اسے بابرک سے اتنی بے رحمی کی توقع نہیں تھی۔۔جو بنا کسی وجہ کے آہل کو اتنی بے دردی سے گولیاں مار چکا تھا۔۔زرتاج کی شال اس کے قدموں میں پڑی تھی۔۔

پیروز جن نظروں سے زرتاج کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھتے زاران خانزادہ نے ظبط سے اپنی مٹھی بھینچی۔۔ بابرک تو شائد کسی بھی عورت کی عزت تک کرنا بھول چکا تھا۔۔ وہ اس سے اپنی دشمنی میں صیح اور غلط کی تمیز بھول چکا تھا۔

کیا ہوا لالا؟؟رک کیوں گیا تم،، آگے بڑھو۔۔

گولی چلاؤ ہم پر۔۔ بابرک نے گونج دار آواز میں دھاڑتے ہوے کہا۔ یہ کیا کیا ہے تم نے بابرک؟؟ تم نے آہل کو کیوں مارا؟؟ زاران نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل کا رخ بابرک کی طرف کیا تھا۔

لالا اپنی پسٹل نیچے کر لو۔۔ ورنہ پیروز تمھیں مار ڈالے گا۔ اور میں زرتاج کو۔۔ بابرک اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے عجب سے انداز میں مسکرایا۔۔

زاران نے اپنی پسٹل کا رخ ابھی تک بابرک پر کر رکھا تھا۔ اور پیروز کی بندوق زاران کا رخ زاران کی طرف تھا۔

لالا تم امیریکہ سے پڑھ لکھ کر آیا ہے۔۔ مگر آج تم ہم جیسے ان پڑھ انسان کے ہاتھوں بیوقوف بن گیا۔۔

آہل اور زرتاج تو بہانہ تھا۔۔ ہم تمھیں یہاں بلانا چاہتا تھا۔۔ تاکہ تمھیں یہاں بلا کر تمھیں تمھاری موت دے سکوں۔۔

جس کا ہم جانے کب سے انتظار کر رہا ہے ؟؟۔ تم نے ہم پر حملہ کروایا تھا۔۔ ہم نے اسی دن فیصلہ کر لیا تھا۔ تمھیں ایسی موت دے گا کہ موت کو بھی تم پر ترس آجائے گا۔۔

بابرک دہشت ناک آواز میں دھاڑا تھا۔۔ بابرک کی دھاڑ پر زرتاج کے بدن میں کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا۔ وہ ہچکیوں کی صورت میں رونے لگی۔

باکرک تم نے مجھے ہی مارنا تھا۔اس سب میں آہل اور زرتاج کو کیوں گھسیٹا؟؟۔۔زاران نے بابرک کو سرخ آنکھوں سے گھورتے سوال کیا۔۔

کیونکہ ہمیں تمھارے قتل کا الزام بھی تو کسی پر لگانا تھا۔اب ہم تمھارے قتل کا الزام آہل پر لگا دے گا۔۔ایک تیر سے دو شکار۔۔۔۔بابرک کے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ بکھری۔۔۔

اچھا میرے قتل کا الزام آہل پر لگا کر سب سے کیا کہو گے؟؟۔۔مجھے آہل نے کیوں مارا؟؟۔۔زاران نے پوچھتے ہوے پسٹل کے ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھایا۔۔

نہ نہ لالا یہ غلطی نہ کرنا۔۔ ادھر تم گولی چلائے گا۔ ادھر زرتاج اور آہل کو ہم ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دے گا۔۔ بابرک نے زاران کی ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھتے دیکھ کر تنبیہ کی۔

بابرک انھیں چھوڑ دو تم کسی بھی صورت یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔۔ نہ ہی تم میرے قتل کا الزام آہل پر لگا سکتے ہو۔۔ جانے دو انھیں۔۔ اب کی بار زاران چیخا تھا۔

لالا ساری پلینگ کر چکا ہے ہم۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔ ہم کہہ دے گا کہ تم نے ابرش کی بھاگنے کی سزا آہل کو دینی چاہی تھی۔ بدلے میں آہل نے تم پر گولی چلا دی۔۔

اور تم دونوں ایک دوسرے کو مارتے کتے کی موت مر گئے۔۔ بابرک اپنی بات کرتے کمینگی سے ہنسا جس میں پیروز نے اس کا پورا ساتھ دیا تھا۔

اور زرتاج کے بارے میں سب کو کیا کہو گے۔۔ زاران نے زرتاج کو دیکھتے ہوے کہا جو بابرک کے قریب کھڑی آہل کو دیکھتے زاراو قطار رو رہی تھی۔۔ زاران نے اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھے اسے بازو سے سختی سے جکڑ رکھا تھا۔ وہ آہل کو دیکھتے ایک بچے کی طرح تڑپتے ہوے اس کی طرف بڑھنے کے لیے ہمک رہی تھی۔

یہی کہوں گا کہ وہ اپنے کسی یار کے ساتھ بھاگ گئی۔۔ بابرک نے اپنی پسٹل کی نوک زرتاج کی کنپٹی پر بڑھائی۔۔

بارک میری بات سنو۔۔ تمھاری جو بھی دشمنی ہے وہ میرے ساتھ ہے۔۔۔ تم نے جو بھی کرنا ہے میرے ساتھ کرو۔۔ زرتاج اور آہل کو جانے دو۔ اس میں ان دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔۔ زاران نے آہل کی حالت دیکھتے کہا جو درد سے کراہتے اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔۔ اس کی ٹانگوں پر فائر کیے گئے تھے۔۔ آہل کے خون سے پورا فرش داغدار ہو چکا تھا۔۔

اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو لالا۔۔ ورنہ زرتاج اور آہل پر بنا کوئی رحم کھائے ان کے سینے میں ہم ساری گولیاں اتار دے گا۔۔ جہاں تک بات ہے ان کے بے قصور ہونے کی۔۔ یہ دونوں قصوروار ہیں۔۔ یہ ہمارا گاؤں کی لڑکی بھگا کر لے جا رہا تھا۔۔ اس کو سزا دینا بنتا تھا۔۔ بابرک چیخا۔۔

بابرک تمھاری کہانی پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔۔ تم یہ سب کہو گے اور تمھیں لگتا ہے سب اس بات پر یقین کریں گے کہ آہل نے مجھے مار دیا۔۔

آہل اکیلا مجھے کیسے مار سکتا ہے ؟؟۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تم آہل کو پسند نہیں کرتے۔۔ سارا شک تم پر ہی جائے گا۔۔ تم مجھے مار کر بچ نہیں سکو گے۔۔

ارحام لالا تمھیں نہیں چھوڑے گا۔۔ زاران نے اپنی پسٹل بابرک پر تانے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔۔ وہ رمضان کے آنے تک بابرک کو روک کر رکھنا چاہتا تھا۔۔ اس کے موبائل کی لوکیشن آن تھی۔۔

یقینًا تھوڑی دیر تک رمضان اس تک ضرور پہنچ جاتا۔۔تب تک اسے خود پر قابو پانا تھا۔اس کی ذراسی غلطی سے آہل اور زرتاج اپنی جان سے جاسکتے تھے۔

بات تو تم ٹھیک کہہ رہا ہے لالا۔۔دم خم ہے تمھاری بات میں۔۔یہ چوزا تمھیں کہاں مار سکتا ہے۔؟؟۔بابرک آہل کی طرف اشارہ کرتے عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

کیا کروں پیروز خان؟؟ بابرک نے پیروز کی طرف دیکھا۔۔ پیروز بابرک کی بات پر مسکرایا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے بابرک کی پسٹل سے نکلتی گولی پیروز کا سینہ چیر چکی تھی۔۔ پیروز اسی لمحے زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔

زاران نے اپنی پسٹل پر گرفت مضبوط کرتے بابرک کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔ اسے بابرک سے ہر چیز کی توقع تھی۔ خدا کے لیے ہم کو جانے دو۔۔۔ زرتاج یہ دیکھتے تھر تھر کانپتے بولی۔۔

جانے دوں گا۔۔ پہلے میں اپنے لالا کو اوپر پہنچاؤں گا۔۔ پھر تمھیں بھی اوپر پہنچاؤں گا۔۔۔ بابرک نے کہتے ہوئے زرتاج کے بازو کو سختی سے دبوچتے اسے اپنے قریب مزید کیا تھا۔

لالا اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو۔ ورنہ زرتاج بھی پیروز کی طرح اپنی جان سے جائے گا۔۔ تمھیں پتہ چل گیا ہو گا۔۔ ہم کسی کو بھی جان سے مار سکتا ہے۔۔ اس لیے تمھارا بہتری اسی میں ہے۔ اپنا پسٹل زمین پر پھینک دو۔۔ تمھاری وجہ سے ایک معصوم سا خوبصورت لڑکی جان سے جائے گا۔

ہم کو یقین ہے تم اتنا حسین لڑکی کا جان اپنے سر پر کبھی نہیں لے گا۔۔ اس لیے اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو۔۔ بابرک نے اپنی پسٹل کی ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھایا تھا۔ زاران نے یہ دیکھتے فورًا اسے پسٹل زمین پر پھینکی تھی۔۔

۔ سمجھدار ہے تم۔۔ بابرک نے کہتے اونچا قہقہ لگایا۔

اب تم سوچ رہا ہو گا کہ ہم نے پیروز کو کیوں مارا؟؟۔۔بابرک نے فلگ شگاف قہقہ لگایا۔۔

زاران اس کے فلگ شگاف قہقے سنتے اسے سرد سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔۔

تمھیں آہل نہیں مار سکتا۔ مگر پیروز تو مار سکتا ہے ناں۔۔۔۔

پیروز زرتاج سے محبت کرتا تھا۔اس نے آہل اور زرتاج کا پیچھا کیا۔۔اور زرتاج اور آہل کو مار دیا۔تم نے آہل اور زرتاج کو بچاتے ہوے اپنی جان گنوادی۔۔پیروز نے مرتے مرتے تمھارے سینے پر گولی چلادی۔۔اور تم موقع پر ہی ڈھیر ہو گیا۔۔

جب تک ہم پہنچا تم سب کا کام خلاص ہو گیا تھا۔۔ بابرک نے اپنی گردن پر چاقو کی طرح ہاتھ رکھتے زاران کو کمینگی سے آنکھ ماری۔۔ زاران نے اپنی نظروں کا رخ اپنے قدموں کے پاس پڑی پسٹل پر کیا۔۔ بابرک کو مارنا اب اس کے لیے آسان تھا۔۔ پیروز کو مار کر بابرک نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔۔

صرف ایک بار یہ پسٹل زاران کے ہاتھوں میں آجاتی۔۔ زاران نے بابرک کو دیکھا جو زرتاج پر پسٹل تانے اپنی باتوں میں مگن تھا۔۔

ہمارا اس بات پر سب یقین کریں گے۔۔ اور مرنے کے بعد تمھیں سب ہیرو کے طور پر یاد رکھیں گے۔۔

اپنی بھاگی ہوئی منگیتر کے بھائی کی خاطر تم نے اپنی جان گنوا دی۔۔ تم تو سچا عاشق نکلا۔۔ لوگ ہیر رانجھے کی جگہ تمھارا داستان یاد رکھے گا۔۔ تم مر کر بھی سب کی نظروں میں زندہ رہے گا۔۔

بابرک اب پاگلوں کی طرح اونچا اونچا ہنس رہا تھا۔۔

زرتاج نے بابرک کی توجہ باتوں پر محسوس کرتے بابرک سے پسٹل چھینے کی کوشش کی۔۔

بابرک نے زرتاج کے منہ پر زورادر تھپڑ جڑتے اسے دھکا دیا۔۔وفرش پر اوندہے منہ گری تھی۔۔

اسی اثناء میں زاران نے زمین سے اپنی پسٹل اٹھاتے بابرک کی ٹانگ پر فائر کر دیا۔۔

بابرک دردر سے بلبلاتے بری طرح چیخ اٹھا تھا۔۔

۔بابرک نے اپنی پسٹل سے زاران کا نشانہ لیا ہی تھا کہ معًار مضان اندر داخل ہوا۔اس نے سچویشن کو سمجھتے بابرک کے سینے پر فائر کر دیے تھے۔۔۔۔۔۔۔

رمضان۔۔۔۔۔۔زاران نے رمضان کو روکنا چاہا مگر وہ اس پر یکے بعد دیگرے کئی فائر کر چکا تھا۔

زاران گہرے سانس لیتا بابرک کو دیکھ رہا تھا جو بے جان حالت میں زمین پر ڈھیر تھا۔۔ لمحوں کے کھیل میں سب ختم ہو گیا تھا۔۔زمین پر تین لوگ بے حس و حرکت پڑے تھے۔

زاران نے بابرک کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے اس کی سانسیں چیک کی۔۔جو ساکت ہو چکی تھیں۔

زاران نے اپنی آنکھیں میچتے گہرا سانس لیا اور آہل کی طرف بڑھا جس کی سانسیں بہت مدھم چل رہی تھیں۔۔۔

اسفندیار خان مردان خانے کے لاونج میں بیٹھا سنجیدہ نظروں سے زاران خانزادہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو خاموشی سے سب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔۔ آج بابرک کا سوئم تھا۔۔

مردان خانے کے بڑے سے لاونج میں اس وقت بہت سے لوگ تعزیت کے لیے آئے ہوے تھے. اسفندیار خان کی سرخ آنکھیں زاران خانزادہ پہ ہی گڑھی ہوئی تھیں۔ بابرک کی موت کی خبر زاران خان نے سب کو دی تھی۔ وہی اس کی لاش حویلی لایا تھا۔

زاران خان نے سب کو یہی بتایا کہ ڈیرے پر پیروز اور بابرک میں کسی بات کا جھگڑا ہوا۔ جس کے نتیجے میں دونوں نے ایک دوسرے کو شوٹ کر دیا۔۔ مگر کل جب وہ ڈیرے پر گیا۔ اسے وہاں ایسا کوئی ثبوت کوئی نشان نہیں ملا جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ پیروز خان اور بابرک خان کا کسی بھی قسم کا جھگڑا ہوا ہو۔۔۔ جس کے نتیجے میں دونوں نے ایک دوسرے پر فائر کیے ہوں۔ اسفندیار خان کے لیے یہ بھی اچھنبھے کی بات تھی۔

زاران خانزادہ تو بابرک کی موت والے دن صبح ہی اسلام آباد چلا گیا تھا۔ پھر وہ یہاں پر اس دن کیا کر رہا تھا؟؟۔۔

وہ اسلام آباد سے اتنی جلدی کیوں واپس آیا،؟؟۔۔ اسفندیار خان ان سوالات کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے مل نہیں رہے

تھے۔۔ مگر اسے پورا یقین تھا بابرک کی موت میں کوئی تو ایسا راز ہے جو اسے زاران خانزادہ سب سے چھپا رہا ہے۔۔۔

اسفندیار خان نے زاران خانزادہ کو سرد نظروں سے گھورتے صوفے سے اٹھتے مردان خانے سے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔۔۔

اپنی جیب سے اپنا فون نکالتے اس نے اپنے خاص ملازم جو اس کا پرسنل باڈی گارڈ بھی تھا۔۔ اسے کال ملاتے بابرک کی موت کے متعلق تمام شواہد اکٹھے کرنے کو کہا تھا۔۔

اسفندیار خان اپنے کمرے سے ملحقہ ٹیرس پر کھڑا جانے کب سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔۔سینے میں آگ لگی تھی۔۔

جو شواہد مصطفی نے اکٹھے کیے تھے۔۔اس میں زاران خانزادہ گلٹی ثابت ہو رہا تھا۔۔ مصطفی کے مطابق بابرک اور پیروز کی ڈیتھ ڈیرے پر نہیں. بلکہ منگورہ میں موجود ان کے گیسٹ ہاؤس میں ہوئی ہے۔۔بابرک چار دن پہلے اپنی گاڑی میں آہل کی گاڑی کا پیچھا کرتا رہا تھا۔اور بابرک کی گاڑی کا پیچھا زاران کا پرسنل گارڈ رمضان کرتا رہا تھا۔۔

راستے میں ان دونوں نے ایک دوسرے کی گاڑی پر فائر بھی کیے تھے۔ مصطفی سے ہی اسے پتہ چلا تھا۔ آہل گاؤں کی کسی لڑکی زرتاج کو پسند

کرتا تھا۔ اسی بات کو لے کر بابرک اور آہل کی زاران کے نکاح والے دن جھڑپ بھی ہوئی تھی۔۔۔

اسفندیار خان نے اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے بے دردی سے رگڑیں ۔اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا زاران خانزادہ نے اس کے بھائی کو مار دیا۔ وہ بھی اس آہل کے لیے۔۔

اسفندیار کچھ حد تک واقف تھا بابرک کی حرکتوں کے بارے میں۔۔ مگر اس سب کی سزا اس کے بھائی کے لیے موت نہیں ہو سکتی تھی۔۔ زاران خانزادہ نے ابرش کے بھائی کو بچانے کے لیے اس کے بھائی کو مار دیا۔ اپنی محبت پر اپنی دوستی قربان کر دی۔۔

اسفندیار خان نے اپنے بازو سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی ایک بار پھر سے صاف کی تھی۔۔۔اس نے اپنے بھائی کے ساتھ آج اپنے دوست کو بھی کھو دیا تھا۔

یہی بات اس کا سینہ چیر رہی تھی۔۔جس دوست کی خاطر اس نے اپنی محبت تک قربان کر دی تھی۔۔اسی دوست نے اس کے بھائی کو مارتے ہوے ایک پل بھی اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔۔۔

اسفندیار خان نے گہرے سانس لیتے فضا میں سگریٹ کا دھواں چھوڑا..اس کے اندر کی گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔

زاران اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا؟؟۔وہ اسے دھوکہ نہیں دے سکتا؟؟۔۔بابرک صرف اس کا بھائی نہیں بلکہ عابیر کا شوہر بھی تو تھا۔۔

وہ کیسے اپنی بہن کے شوہر کو مار سکتا ہے؟؟۔۔اسفندیار خان نے سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے اپنے شوز کے نیچے مسلا۔۔وہ اپنے کمرے سے نکلتے زاران خانزادہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔اسے زاران سے بات کرنی ہی تھی۔اس سے پوچھنا تھا اس نے کیوں اس کے بھائی کو مارا؟؟۔۔وہ اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔۔اسفند زاران خان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔وہ اسے تلاش کرتے مردان خانے میں آیا۔۔

مردان خانے کے لاونج سے ملحقہ برامدے میں ریلنگ کے پاس کھڑے وہ شہرام خانزادہ اور زاران خانزادہ کو دیکھ کر رکا تھا۔۔

زاران خانزادہ اور شہرام کی پشت اسفندیار خان کی طرف تھی۔ان دونوں کی باتوں نے اسے ٹھٹھک کر رکنے پر مجبور کیا تھا۔

لالا مجھے سمجھ نہیں آرہا میں بابرک کی موت کی خوشی مناؤں یا پھر غم؟۔۔۔۔شہرام نے زاران خانزادہ کو دیکھتے بہت کرب سے کہا۔

بابرک کی موت نا صرف اس حویلی کے لیے بلکہ عابیر کی زندگی میں بھی سکون لے کر آئی ہے۔۔اگر بابرک زندہ رہتا تو عابیر شائد اسی طرح سولی پر

لٹکی رہتی۔۔ بابرک کا انجام یہی تھا۔۔ اچھا ہوا اسے پیروز نے مار دیا۔ زاران خانزادہ کی سفاکی سے مبنی گفتگو سن کر اسفندیار خان کا اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔۔ اس نے برامدے میں موجود پلر کا سہارا لیا تھا۔

لالا مجھے ایک بات اور سمجھ نہیں آ رہی۔ پیروز نے کیوں بابرک کو مارا؟۔۔ پیروز تو بابرک کا خاص بندہ تھا۔۔ شہرام نے الجھن بھرے انداز میں زاران خانزادہ سے سوال کیا۔۔

تم اس کے متعلق زیادہ نہ سوچو۔۔ اس کی موت ایسی ہی لکھی تھی تم یا میں کچھ نہیں کر سکتے۔۔ پیروز اور بابرک کے بیچ کیا ہوا اس بات کو یہیں ختم کر دو۔۔ بابرک جیسا بھی تھا۔ مگر بارک کی موت کا گہرا صدمہ داجی اسفند،، اربد کا کا کو پہنچا ہے۔۔

یہ بات مجھے بھی بہت تکلیف دے رہی ہے۔۔اس طرح کی باتیں کر کے ان سب کو زیادہ تکلیف ہو گی۔۔زاران نے سنجیدگی سے بات ختم کی تھی۔زاران خانزادہ کا لہجہ جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا۔جسے اسفندیار خان بخوبی محسوس کر چکا تھا۔۔وہ شہرام کے سوال کا جواب کیوں نہیں دے سکا کیونکہ بابرک کو مارنے والا وہی تو تھا۔اسفندیار خان اپنے تمام سوالوں کے جواب مل چکے تھے۔

اسفندیار خان مزید وہاں رکا نہ تھا۔۔وہ خود کو گھسیٹتا اپنے کمرے تک لایا ۔قدم من من بھر کے ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان نے اپنے کمرے میں آتے ہی کمرے میں رکھی ایک ایک چیز اٹھا کر زمین پر پھینک دی تھی۔۔ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے تمام پرفیومز باڈی سپریز اس نے ایک ہی بار میں سب زمین پر ڈھیر کر دیے تھے۔۔وہ رکا نہیں تھا۔۔کمرے میں رکھے قیمتی واز بیڈ پر موجود کمبل تکیے کشن وہ پاگلوں کی طرح زمین پر پھینک رہا تھا۔۔زاران خانزادہ اتنا سیلفش اتنا ظالم ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔۔۔اس نے اپنی بہن اور اپنی محبت کے لیے اس کے بھائی کی قربانی دے دی۔سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔دوستی اعتماد مان سب کچھ ٹوٹ کر چکنا چور ہو چکا تھا۔

دل بنجر ہوا تھا۔۔سالوں کی دوستی اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔

اسفندیار خان نے بری طرح چیختے ہوے اپنا سینہ رب کیا تھا۔۔ جہاں اسے شدید درد ہو رہا تھا۔۔ وہ اپنے حواس کھو رہا تھا۔۔

زاران خانزادہ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔۔ تم نے اپنی محبت کے لیے یہ سب کیا۔۔ میں تمھیں تمھاری محبت کے ہاتھوں ہی ایسا درد دوں گا۔ تم تڑپ کر مر جاؤ گے۔۔ مگر اف نہیں کر سکو گے۔۔ ابرش تمھاری محبت نہیں میری محبت بھی ہے۔۔

اب میں اسے تمھاری نظروں کے سامنے اپنا بناؤں گا۔۔ تم نے یہ گھٹیا گیم کھیل کر میرے بھائی کو مجھ سے جدا کر دیا۔ اب میں بھی تمھارے ساتھ ایسی ہی گیم کھیلوں گا۔ تم درد سے بلبلا کر رہ جاؤ گے۔۔ کل کا سورج تمھارے لیے اندھیری رات لے کر آئے گا۔۔ تم دیکھتے جاؤ زاران خانزادہ میں کرتا

کیا ہوں تمھارے ساتھ۔۔۔۔۔۔ تمھیں تمھاری محبت کے ہاتھوں بے وفائی اور نارسائی کا ایسا کرب دوں گا۔۔ تم تڑپ کر آپنی ایک ایک سانس گنوا دو گے۔۔۔

اسفندیار خان اپنا سینہ رب کرتے چلایا تھا۔۔ اس کی آنکھوں کی بہتی نمی میں سب کچھ بہہ چلا تھا یہاں تک کہ ابرش کے لیے سچی محبت بھی۔۔

اسفندیار خان سگریٹ سلگائے لبوں سے لگائے کل کے بارے میں سوچنے لگا جب اس نے زاران خانزادہ کے قدموں تلے سے زمین اور سر سے آسمان کھینچنا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ابرش تم ایک بار پھر سے سوچ لو،،، تم یہ سب بہت جلد بازی میں کر رہی ہو۔۔ زحلے نے اپنے سامنے صوفے پر بیٹھی ابرش کو سمجھانے کی کوشش کی۔ جو پچھلے ایک گھنٹے سے صوفے پر ٹانگیں اوپر کو سمیٹے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔۔ لاونج میں زعیم کے گھر سے آئے تحفے تحائف رکھے ہوے تھے۔۔ وہ لوگ ابھی کچھ دیر پہلے ابرش کو زعیم کے نام کی انگوٹھی پہنا کر گئے تھے۔

کل رات کو زعیم اور ابرش کے نکاح کے ساتھ رخصتی بھی تھی۔۔

زحلے بابرک کے جنازے اور قل میں شرکت کر کے واپس آگئی تھی۔۔ حویلی میں امینہ خانم اور سمیع اللہ خان کا اس کے ساتھ رویہ بالکل ٹھیک نہیں تھا۔۔ وہ ابرش کی وجہ سے خود کسی کے سامنے نظریں اٹھانے کے قابل نہ رہی تھیں۔۔

مگر جب ابرش رات کے اندھیرے میں حویلی سے بھاگی تو زحلے کو اس وقت صرف ابرش کی فکر تھی۔۔ اپنی بیٹی سے زیادہ انھیں کسی چیز کی فکر نہ رہی تھی۔۔ اگر ابرش کو کچھ ہو جاتا وہ خود کو کبھی معاف نہ کرتی۔۔

اس لیے انہوں نے ابرش کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔۔ مگر ابرش اب زعیم سے نکاح کرنا چاہتی تھی۔۔ انھیں زعیم میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی۔ مگر ان کا دل مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔۔

میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔ مزید سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ ابرش نے غیر مرئی نقطے پر ہی نظریں جمائے جواب دیا۔

لیکن ابرش تمھیں اتنی جلدی کرنے کی کیا ضروت ہے؟؟۔۔ یہ نکاح کچھ دنوں بعد بھی ہو سکتا۔ ہے۔ تب تک آہل بھی امیریکہ سے آجاتا۔۔ زحلے نے ابرش کی گم صم کیفیت کو دیکھتے گہرا سانس لیتے کہا۔۔

ماما آہل فون تک تو اٹھا نہیں رہا۔۔ کیا پتہ وہ کب آئے؟؟۔ تب تک بہت دیر ہو جانی تھی۔ اس سے پہلے زاران خانزادہ کو خبر ہو۔۔۔ میں یہ نکاح کرنا چاہتی ہوں۔۔ ابھی وہ حویلی میں ہے۔۔

اگر وہ اسلام آباد آگیا تو وہ یہ نکاح مجھے کبھی نہیں کرنے دے گا۔۔ ابرش نے اس بار زحلے کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

ابرش میں زاران کی سائیڈ نہیں لے رہی۔ مگر تمھیں ایک بار پھر سے سوچنا چاہیے۔۔ تم زاران سے محبت کرتی ہو۔۔ پھر یہ سب باتیں معنی نہیں رکھتی۔ مجھے یقین ہے زاران تمھیں کبھی ہرٹ نہیں کرے گا۔۔ زحلے نے ابرش کو رسانیت سے سمجھایا۔۔

ہرٹ وہ مجھے کر چکا ہے ماما۔۔ ایک بار نہیں بار بار اس نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔۔ جہاں محبت ہو وہاں ہی تو سب کچھ معنی رکھتا ہے۔۔ اگر میں زاران سے محبت نہ کرتی تو مجھے اتنی تکلیف اتنی اذیت نہ ہوتی۔ جتنی اب میں محسوس کر رہی ہوں۔ اور محبت کی بات آپ کر رہی ہیں مجھ سے ؟؟۔۔۔ آپ نے پاپا سے محبت کی شادی کی تھی۔۔ پاپا کی محبت کے لیے

آپ نے اپنے ماں باپ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔۔ کیا ملا آپ کو رسوائی،،۔

ذلت۔۔۔۔

جو انسان شادی سے پہلے مجھے اپنی زر خرید غلام کی طرح ٹریٹ کرتا ہے۔۔ وہ شادی کے بعد مجھ سے کیسا رویہ رکھے گا؟؟۔۔ کبھی سوچا آپ نے؟؟ ابرش نے اب کی بار اپنے ہاتھ میں پہنی زعیم کے نام کی انگوٹھی کو دیکھتے کہا۔۔ آنکھیں یکدم بھیگی تھیں۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔۔ یہ آپ کے لیے چھوٹی بات ہے کیا؟؟۔۔ آپ کو پتہ ہے وہ اس سب کو اپنی محبت کہتا ہے۔۔

آپ ہی مجھے بتائیں محبت کے نام پر میں نے اس کی ہر بات مانی۔۔ اس نے مجھ سے نکاح کرنے کو کہا میں نے اس کی محبت میں سر تسلیم خم کیا۔۔

اس نے رخصتی کا کہا میں نے مانا۔ وہ مجھے پردہ کرنے کو کہہ رہا تھا۔۔ میں وہ بھی ماننے کو تیار تھی۔۔ مگر اس نے کیا کیا؟؟ زعیم کے ساتھ دیکھ کر مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی۔ اپنے لفظوں سے میری تذلیل کی۔۔

میں اسے اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔۔ میں نے پاپا کے اتنے تھپڑ کھائے ہیں کہ میں گنتی بھول چکی ہوں۔ اب میں اپنے شوہر کے تھپڑ نہیں کھا سکتی۔ میں ڈر ڈر کر خوف کے عالم میں زندگی نہیں گزار سکتی۔۔۔ دن میں تھپڑ کھا کر رات کو اس کے بستر کی زینت نہیں بن سکتی۔۔ میں آپ کی طرح ذلت بھری زندگی نہیں گزار سکتی۔ مجھ میں اتنا

حوصلہ نہیں ہے۔۔ابرش اپنی بات مکمل کرتے رکی نہیں تھی۔۔وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔

زحلے جانتی تھی وہ کمرے میں جاکر آخری مرتبہ اپنی محبت کا ماتم منانا چاہتی ہے۔۔

زحلے نے اپنی نم آنکھیں اپنے دوپٹے سے رگڑیں۔ان کی زندگی کا ایک غلط فیصلہ کیسے اس کی بیٹی کی خوشیوں کے آگے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ابرش کا ننھا دماغ اسے پٹتے دیکھ کر کیسی تکلیف سے گزرتا تھا۔۔

وہ پاشا سے پٹنے کے بعد ہر دفعہ اونچا اونچا بین کرتے اپنی غلطی کا ماتم مناتی تھیں۔۔اس سب میں وہ بھول جاتی تھی کونے قدرے میں چھپی اس کی بیٹی کس طرح سہمتے ہوے اس کے چیخیں سنتی تھی۔۔انھیں آج پھر سے اپنی غلطی کا شدومد سے احساس ہوا تھا۔۔جو پاشا سے شادی کر کے اس نے کی تھی۔وہ گہرے سانس بھرتے خود پر قابو پانے لگیں۔۔مگر ان کے دل کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔۔انھیں کافی عرصے بعد پھر سے پینک اٹیک آیا تھا۔۔وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے اپنی میڈیسن نکالتے منہ میں ڈال کر پانی سے نگلیں۔۔

ڈائینگ ٹیبل کے گرد سب مرد حاضرات اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ناشہ کر رہے تھے۔۔ اسفندیار خان کب سے خالی پلیٹ میں چمچ پھیر رہا تھا۔۔

کیا ہوا؟؟ اسفند تم ناشتہ نہیں کر رہے؟؟ اربد خان نے اسفندیار خان کے چہرے پر چھائے غیر معمولی تاثرات کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ ڈائینگ ٹیبل پر موجود سب نفوس اسفندیار خان کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔ زاران خان جو اسفندیار خان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔

زاران نے ناشتے سے ہاتھ روک کر اسفند پر نگاہ ڈالی۔۔ جو بابرک کی موت کے بعد ضرورت سے زیادہ خاموش ہو گیا تھا۔۔ اسفند کی بات چیت اس کے ساتھ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ زاران نے اسفند کی خاموشی کی وجہ بابرک کی موت کو قرار دے دیا تھا۔ اس لیے اس نے اسے زیادہ کریدا

نہیں تھا۔۔ مگر آج اس کے چہرے کے نافہم تاثرات دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔۔ اسفندیار خان کو خود کی طرف سپاٹ نظروں سے دیکھتا پا کر زاران مسکرایا۔۔۔

اسفند بھی جوابًا مسکرایا تھا۔ مگر پر سرار سرد مسکراہٹ۔۔ جسے زاران نے ناسمجھی سے دیکھتے کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلا۔۔ اسے کچھ غیر معمولی ہونے کا احساس ہوا تھا۔۔۔ یہ اسفندیار کی آنکھیں تو نہ تھیں۔۔

زاران مجھے ایک بات جاننی ہے تم سے۔۔ بابرک کی موت کیسے ہوئی؟؟ اسفند نے اربد خان کی بات اگنور کرتے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔

زاران نے گہری سانس لیتے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

سب ناشتے سے ہاتھ کھینچتے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔ اسفند یار خان کا سوال عجیب نہیں تھا۔ بلکہ اس کا لہجہ عجیب تھا۔۔ سرد برف سی مانند ٹھنڈا۔۔۔۔ چہرے کے تاثرات بھی کچھ عجیب سے تھے۔۔

میں نے بتایا تھا آپ سب کو۔۔ مجھے ڈیرے پر پیروز اور بابرک کی خون میں لت پت لاشیں ملیں تھیں۔۔۔ زاران نے سب کو دیکھتے تحمل سے بتایا۔۔

زاران نے اسفندیار کو دیکھنے سے گریز برتا تھا۔ وہ اسفندیار کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ بابرک کی موت کا ذمہ دار نہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو ان سب کا قصوروار سمجھ رہا تھا۔

لیکن تم تو اسلام آباد میں تھے۔ تم اسلام باد سے اتنی جلدی کیوں واپس آئے ؟؟ اسفندیار خان نے چبھتے لہجے میں ایک اور سوال داغا۔۔۔ اسفند کے سوال پر زاران ایک بار پھر سے اضطرابی کیفیت میں کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔۔

مجھے رمضان نے فون پر بابرک اور پیروز کے مرنے کی اطلاع دی تو میں یہ سنتے ہی فورًا اسلام آباد سے واپس آیا تھا۔۔ زاران نے اس بار بھی قدرے تحمل سے جواب دیا۔۔ وہ شائد سب سے ان سوالوں کی توقع کرتا تھا۔۔

مگر اسفند سے نہیں۔۔۔۔۔۔وہ سوال نہیں کر رہا تھا بلکہ تفتیش کر رہا تھا۔۔اس تفتیش میں صرف اس کے لیے بے یقینی تھی۔زاران نے اپنی اضطرابی کیفیت پر قابو پاتے بظاہر خود کو پر سکون کیا۔۔

لیکن رمضان نے تمھیں ہی کیوں کال کی؟؟۔اس نے مجھے کیوں نہیں کی؟؟ تمھیں اس نے اتنی دور سے بلایا مگر ہم سب میں سے کسی کو انفارم کرنا کیوں ضروری نہیں سمجھا۔ تمھیں وہاں سے آنے میں چار گھنٹے لگے۔ جبکہ ہم دس منٹ میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔۔اسفند کے سرد چبھتے لہجے میں گہرے طنز کی بھی امیزش تھی۔۔جسے وہاں بیٹھے ایک ایک نفوس نے محسوس کیا تھا۔۔

زاران نے اسفند کے انداز پر لب بھینچے۔۔

اسفند کیا کہنا چاہتے ہو؟؟ کھل کر کہو۔۔ یہ سب زاران بتا چکا ہے کہ وہ بابرک کی موت کی خبر سن کر گہرے شاک میں چلا گیا تھا۔۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے؟؟۔۔ اسی لیے اس نے ہی رمضان کو سب کو بتانے سے منع کیا تھا۔۔ ارحام نے اسفند کے انداز پر سنجیدگی سے اسے ٹوکا

۔۔

لالا اس بات پر آپ یقین کر سکتے ہیں۔ گھر والے کر سکتے ہیں۔ مگر میں نہیں۔۔ بابرک کی لاش ڈیرے پر چار گھنٹے پڑی رہی۔

مگر ہم سب کو پتہ نہیں چلا. مگر زاران خانزادہ کو اسلام آباد بیٹھے بیٹھے اطلاع مل گئی۔۔۔اس بات میں کوئی سینس بنتی ہے ؟؟۔۔اسفند نے غصے سے چمچ پلیٹ میں زور سے پٹخا۔۔

زاران اسفند کے انداز پر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

اسفند یہ کس طرح بات کر رہا ہے تم ارحام سے ؟؟۔۔کیا کہنا چاہتا ہے تم ؟؟اگر ہمیں دیر سے خبر ملا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟؟ہمارا بابرک تو اس دنیا سے چلا گیا تھا۔۔

دیر سے خبر ملتی یا جلدی کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔ اربد خان ضبط کی کیفیت میں انتہائی تکلیف کے عالم میں بولے۔۔ بابرک کے مرنے کے بعد وہ کافی مضمحل ہو چکے تھے۔

یہی حال سمیع اللہ کا تھا۔۔ وہ پریشانی اور اضطراب میں اسفند اور زاران کو دیکھ رہے تھے۔ بات اتنی سیدھی نہیں تھی جتنا سب سمجھ رہے تھے۔ سمیع اللہ اسفند کے نافہم سرد تاثرات اور زاران کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر زمین پر نظریں گاڑھے خود پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہے تھے۔۔

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسفند کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھ رہا تھا۔ جہاں اس کے لیے عجیب سی نفرت غصہ اشتعال تھا۔۔ زاران اب صبح

معنوں میں پریشان ہوا تھا۔۔ یہ وہ اسفندیار نہیں تھا جس میں زاران کی جان بستی تھی۔۔

شہرام ارحام سب اسفندیار خان کو ہی دیکھ رہے تھے۔۔ جس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

بابا بات یہ ہے کہ زاران جھوٹ بول رہا ہے۔۔ اس نے بابرک کی موت کی اصل وجہ اور جگہ سب سے چھپائی ہے۔۔ اسفندیار خان نے زاران کو گھورتے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔ اسفند کی بات پر سب نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔

اسفند جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو۔۔۔یوں پہیلیاں مت بجھواؤ۔۔ہم آگے ہی بہت غم میں ہے۔اس طرح کی باتیں کر کے تم ہمیں مزید پریشان کر رہا ہے۔ سمیع اللہ مزید خاموش نہیں رہ سکے تھے۔اس لیے بھاری بارعب لہجے میں اسفند کو ٹوکا۔۔

داجی بابرک کو پیروزنے نہیں۔بلکہ آہل نے مارا ہے۔۔اسفند کی بات پر سب شاکڈ کے عالم میں اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔۔۔ صرف زاران خانزادہ ہی تھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔۔وہ اسفند کو سنجیدگی سے دیکھتے بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔اسے اسفند کے سوالات سے لگ رہا تھا۔اسفندیار خان بابرک کی موت کا ذمہ دار اسے ٹھہرائے گا۔۔۔مگر وہ آہل کو قصوروار گردان رہا تھا؟؟

لیکن کیوں؟؟۔۔ایسی کیا بات اسفند کو پتہ چلی ہے جو وہ یہ سب کہہ رہا ہے۔

تم ہوش میں تو ہے۔۔۔۔ تم یہ کیا کہہ رہا ہے ؟؟۔۔ درید خان شاکڈ کی کیفیت میں بولے۔

جی کاکا میں ہوش میں ہی ہوں۔۔ میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں۔۔ پوری تحقیق اور اپنے ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔

بابرک اور پیروز نے اس دن آہل کی گاڑی کا پیچھا کیا تھا۔۔ جس میں وہ سعید خان کی بہن زرتاج کو بھگا کر لے کر جا رہا تھا۔۔ آہل منگورہ میں موجود ہمارے گیسٹ ہاؤس میں رکا تھا۔۔

یقیناً اس کی چابیاں اسے زاران نے ہی دی ہوں گی۔ کیونکہ زاران کو اس سب قصے کے متعلق پہلے سے خبر تھی۔۔ وہ آہل کے ساتھ ملا ہوا تھا۔۔ بابرک نے آہل کو کچھ دن پہلے وارن کیا تھا وہ اس کے گاؤں کی لڑکی زرتاج سے دور رہے۔۔ مگر آہل نے بابرک کی بات نہیں سنی تھی۔۔۔ اس بات کی خبر بھی زاران کو ہے۔۔ اسفند نے طنزیہ مسکراتے ہوئے زاران کو چیئر پر اطمینان سے بیٹھے دیکھتے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔۔ زاران کا اطمینان اسے آگ لگا گیا تھا۔

جب آہل زرتاج کو گیسٹ روم میں لے کر داخل ہوا تو وہاں پہلے سے ہی بابرک اور پیروز موجود تھے۔ زرتاج کو اس کے گھر سے بھگانے پر آہل اور بابرک کے بیچ جگڑا ہوا۔۔ جس کے نتیجے میں آہل نے بنا سوچے سمجھے بابرک

اور پیروز پر گولیاں چلا دیں۔۔ بابرک صرف وہاں آہل کو ڈرانے گیا تھا۔ اس کا مقصد آہل اور زرتاج کو نقصان پہنچانے کا نہیں تھا۔ مگر آہل نے بابرک اور پیروز پر بنا سوچے سمجھے گولیاں چلا دیں تھیں۔

اور وہ خود زرتاج کو لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔۔ زاران نے آہل کو بچانے کے لیے ہم سب سے جھوٹ بولا۔۔ اسفندیار خان نے زاران کو سرد سرخ نظروں سے دیکھتے ساری حقیقت کو مڑوڑ تڑوڑ کر بیان کی تھی۔۔ اس نے جان بوجھ کر آہل پر بابرک کی موت کا الزام لگایا تھا۔۔ کیونکہ وہ زاران خانزادہ کو بابرک کی موت کی الگ طریقے سے سزا دینا چاہتا تھا۔۔

اسفند تمھاری ساری انفارمیشن غلط ہے۔ تمھیں لگتا ہے آہل بابرک کو مار سکتا ہے؟۔۔

آہل اور بابرک کا جھگڑا ضرور ہوا تھا۔۔ مگر میرے نکاح والے دن کے بعد بابرک اور آہل نہیں ملے۔۔ بابرک اور پیروز کی لاشیں مجھے ڈیرے پر ہی ملیں تھیں۔۔ تم نے بابرک کی موت کا گہرا صدمہ لیا ہے۔۔ اس لیے تم ضرورت سے زیادہ سوچ رہے ہو۔۔ زاران نے چیئر سے اٹھتے سکون سے کہا۔۔

میں کوئی صدمہ نہیں لے رہا۔۔ میرے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ جس دن بابرک کی موت ہوئی۔ آہل اس دن ادھر ہی موجود تھا۔ وہ جن راستوں سے گزرا ہے۔۔ وہاں کی فوٹیج میرے پاس ہے۔

کہو تو جس گاڑی میں آہل اور زرتاج موجود تھے۔ اس کا نمبر بھی تمھیں دے دوں۔ اسفند نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے ذرا سا جھکتے زاران کو سرد نظروں سے گھورتے سرد لہجے میں کہا۔۔ وہ دونوں ٹیبل کے آمنے سامنے ہی کھڑے تھے۔۔۔ زاران اسفند کے انداز دیکھتا اب نظریں جھکائے سر نفی میں ہلاتے پھیکا سا مسکرایا۔۔۔ بابرک کی موت کے بعد زرتاج بھی اپنے گھر سے غائب ہے۔۔ آہل بھی زحلے پھوپھو کے ساتھ اسلام آباد میں نہیں ہے۔ اسفند یار خان زاران کے اطمینان کو دیکھتے ٹیبل پر زور سے ہاتھ مارتے چلایا۔۔

آہل امیریکہ میں ہے۔۔ زاران نے اسفند کے چلانے پر سمیع اللہ کو دیکھتے دھیمے پر سکون لہجے میں بتایا۔۔۔

زحلے پھوپھو کے مطابق آہل نے آج سے چار دن پہلے امیریکہ کی فلائٹ لی ہے۔۔میں نے پتہ کروایا ہے پچھلے چار دنوں میں آہل نام کے کسی پیسینجر نے امیریکہ کی کوئی فلایٹ بک نہیں کروائی۔۔

اسفند کی بات پر سب نے اب مشکوک نظروں سے زاران کو دیکھا۔۔

ٹھیک ہے تمھاری ہر بات کو صیح مان لیتے ہیں۔تو پھر سب کو بتاؤ آہل ہے کہاں؟؟۔۔کیا اس کے لیے اتنا آسان تھا کہ بابرک اور پیروز کو مار کر یہاں سے بھاگنا۔۔بچوں جیسی باتیں مت کرو اسفند۔۔۔بی پریکٹیکل۔۔۔۔۔بابرک کی موت کا ذمہ دار وہ پیروز تھا۔دونوں میں جھگڑا ہوا۔دونوں نے ایک دوسرے کو مار دیا۔۔بات اتنی سی ہے۔۔تم کسی بے قصور کو قصوروار ثابت نہیں کر سکتے۔۔زاران نے اب کی بار ٹیبل پر دون

ہاتھ جماتے تھوڑا جھکتے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے سرد انداز میں کہا۔۔

اسفند کا طنزیہ سرد انداز اس کے ظبط سے باہر ہوا تھا۔۔اسی لیے اس کے انداز میں جواب دیتے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورتے وارن کیا۔

زاران کے لہجے میں جھلکتا اعتماد محسوس کرتے اسفند کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی۔اپنی اتنی سالوں کی دوستی پر پشیمانی ہوئی تھی۔۔اس نے ایک خود غرض انسان سے اتنے سال دوستی نبھائی۔۔جو اس کی بے غرض دوستی کے قابل نہ تھا۔۔آہل کے لیے آسان نہیں تھا۔یہاں سے بھاگنا مگر زاران خانزادہ کے لیے تو آسان تھا آہل کو یہاں سے بھگانا۔۔اسفند نے زاران کو دیکھتے گہرا طنز کیا۔

اسفند تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو اور یہ بات میں بلکل برداشت نہیں کروں گا۔۔ زاران اب اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ اس لیے اپنی انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے سخت لہجے میں تنبیہ کی۔

تم لوگ یہ سب کیا کہہ رہے ہو؟؟ ہم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔ سمیع اللہ خان اپنے دل پر ہاتھ رکھتے کرسی پر بیٹھے تھے۔۔

شہرام نے سمیع اللہ کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے جلدی سے آگے بڑھتے انھیں پانی پلایا۔۔باقی سب ششدر کھڑے اسفندیار خان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔

مجھے بھی لگتا ہے اسفند بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔ہمارا بابرک کی موت کی وجہ جان کر ہم کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔وہ پیروز کیوں مارے گا بابرک کو؟؟وہ دنوں بہت اچھا دوست بھی تھا۔۔

اسفند یہ ساری بات کہہ رہا ہے۔۔یقیناً اس میں کچھ تو سچ ہو گا۔ورنہ اسفند کو کیا پڑا ہے یہ سب کہنے کا؟؟

اربد خان زاران کو اپنی سخت نظروں کے حصار میں بولے تھے۔

لیکن کاکا آہل نے اگر بابرک کو مارا بھی ہے تو زاران آہل کو کیوں بچائے گا؟؟۔۔بابرک سے زیادہ زاران کو آہل تو عزیز نہیں ہو سکتا۔۔ارحام نے بات بگڑتی دیکھ کر تحمل سے اربد خان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لالا آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ زاران ایسا کیوں کرے گا۔۔آہل ابرش کا بھائی ہے۔۔زاران خانزادہ آہل کو نہیں بلکہ ابرش کے بھائی کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ابرش کو بیچ میں مت لاؤ۔۔اسفندیار خان۔۔۔۔تمھیں مجھ پر شک ہے مجھ سے بات کرو۔۔میں ہر الزام کا جواب بھی دوں گا۔۔اور یہ ثابت بھی کروں گا۔میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔۔زاران نے اپنی مٹھیاں

بھینچتے بہت تحمل سے کہا مگر اس کے ماتھے کی پھولتی رگیں اس بات کی غماز تھیں وہ اسفندیار خان کے الزام اب مزید برداشت نہیں کرے گا۔

چلو مان لیتے ہیں زاران کہ تمھارا اس سب میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔۔۔۔

مگر آہل کا تو ہے اس بات کو تو مانتے ہو۔۔ اب کی بار اسفند نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت سکون سے پوچھا۔۔ زاران خانزادہ کا طیش اشتعال سے سرخ چہرہ اسفند کو پر سکون کر گیا تھا۔ ابھی تو وہ زاران خانزادہ کو وہ تکلیف دینے والا تھا کہ وہ درد سے بری طرح بلبلا اٹھتا۔۔

اگر تمھیں ایسا لگتا ہے کہ آہل نے یہ سب کیا ہے۔ ٹھیک ہے تم اسے ڈھونڈ کر لاؤ اور اسے سزا دے دو۔۔ زاران کی بات پر اسفند یار خان کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔۔

میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا اس کی تم فکر نہ کرو۔۔ مگر اب جبکہ وہ یہاں سے فرار ہو گیا ہے تو گاؤں کے قانون کے مطابق مجھے اپنے بھائی کے موت کے بدلے خون بہا چاہیے۔۔

اسفند کی بات پر سب نے حیرانگی اور نا سمجھی کے ملے تاثرات سے اسے دیکھا۔۔

زاران کی الجھن بھی بڑھی تھی۔۔ اسفند خان کے لبوں پر گہری ہوتی مسکراہٹ دیکھتے زاران نے اس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی۔

مگر وہ ناکام رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟؟ وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔۔ جو وہ سمجھا تھا وہ اسفند یار مر کر بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ آخر اتنا تو اپنی دوستی پر یقین تھا۔

داجی میں بابرک کی موت کے بدلے ابرش کو ونی میں چاہتا ہوں۔۔ اسفند نے زاران کو اپنی سرخ سپاٹ نظروں کے حصار میں لیے زاران خانزادہ کے سر پر حویلی کی دو منزلہ چھت گرائی تھی۔

زاران کی آنکھوں میں غصہ۔ اشتعال، بے یقینی لہو بن کر اترا تھا۔۔ وہ بے یقینی سے اسفندیار خان کو دیکھ رہا تھا۔۔ جو اپنے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔.

یقین مان ٹوٹا تھا۔۔ جس نے کچھ لمحوں کے لیے زاران سے قوت گویائی ہی چھین لی تھی۔۔ وہ اسفندیار خان کو پتھرائے وجود کے ساتھ کھڑا بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔۔

داجی۔۔۔مجھے اپنے بھائی کے موت کے بدلے ابرش ہر حال میں اپنی ونی میں چاہیے۔۔مجھے ابرش سے نکاح کرنا ہے۔۔وہ زاران کے پتھرائے وجود پر تنفر بھری نگاہ ڈالتا پھنکارہ تھا۔۔

اس کی زہر خند پھنکار پر زاران کے وجود میں ہلچل ہوئی تھی۔اسفند خان کے الفاظ سنتے اسے اپنا آپ آتش گیر مادے کی طرح پھٹتا محسوس ہوا تھا۔۔دماغ کی رگیں پھڑکتی آگ کا گولہ بنی تھیں۔وہ ایک ہی جست میں آگے بڑھتے اسفند کے گریبان کو اپنی مٹھیوں میں دبوچ گیا۔۔۔

تمھاری ہمت کیسے اسفندیار خان۔۔۔اپنی ناپاک زبان سے میری محبت میری منگیتر کا نام بھی لینے کی؟۔۔زاران اسفند کا گریبان جکڑتے بولا نہیں دھاڑا تھا۔

اسفند کے لبوں پر صرف سفاک مسکراہٹ تھی۔۔وہ خاموش کھڑا زاران کو سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ارحام درید خان اور شہرام نے آگے بڑھ کر زاران کے ہاتھوں سے اسفند یار خان کا گریبان چھڑوایا۔۔

کیا کر رہے ہو زاران؟؟تم تمیز بھول گئے ہو؟؟درید خان غصے سے گرج اٹھے۔۔

میں تمیز نہیں اسفند یار خان سارے لحاظ بھول گیا ہے۔میری دوستی بھول گیا ہے۔۔۔۔

جو میری منگیتر کو اپنی ونی میں لانے کی بات کر رہا ہے۔۔ زاران اسفند کو طیش و اشتعال سے گھورتے گلے کی پھوگتی رگوں کے ساتھ چلایا۔۔۔ زاران کے لہجے میں کرب و اذیت کی گہری رمک بھی شامل تھی۔۔ جسے وہاں کھڑے ہر انسان نے بخوبی محسوس کی تھی۔۔

تمھاری منگیتر تھی وہ اب نہیں ہے۔۔ تمھارے نکاح سے بھاگ کر وہ یہ رشتہ تمھارے منہ پر مار کر چلی گئی تھی۔۔۔

ابرش تمھاری محبت نہیں میری محبت ہے۔اسفند یار خان سرخ چہرے کے ساتھ اپنے سینے پر ہاتھ مارتا چلایا۔۔۔

کیا بکواس کر رہے ہو تم؟؟اسفند میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔زاران نے غصے سے بے قابو ہوتے ٹیبل پر پڑے تمام برتن زمین پر الٹ دیے تھے۔۔۔۔

کانچ کے نازک برتن زمین پر گر کر چکنا چور ہوے تھے۔۔جن کی کرچیاں دور تک پھیلتی مردان خانے کا نقشہ ہی بیگاڑ چکی تھیں۔

مردان خانے سے شور کی آواز سنتے زنان خانہ میں موجود امینہ خانم اور روزینہ خانم حواس باختہ بھاگتی ہوئیں مردان خانے میں داخل ہوئیں۔

درید خان نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔وہ مردان خانے کے وسط میں ہی رک گئی تھیں۔

بکواس نہیں کر رہا حقیقت بیان کر رہا ہوں۔۔ابرش ہی وہی لڑکی ہے۔جو مجھے امیریکہ میں ملی تھی۔۔

ہم دونوں میں وہاں عہد و پیمان ہوے تھے۔۔ مگر جب مجھے پتہ چلا تم ابرش کو پسند کرتے ہو میں تمھاری خاطر اپنی محبت سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔۔ بلکہ ابرش کو بھی مجبور کیا کہ وہ تمھیں ہاں کہہ دے۔۔

تم۔۔ تم۔۔ جھوٹ بول رہے ہو۔۔ یہ سچ نہیں ہے۔۔ زاران نے لڑکھڑاتی زبان سے بولتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچے۔۔

یہی سچ ہے۔۔ وہ تمھاری محبت نہیں میری محبت ہے۔۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔۔ اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو جاؤ پوچھو اس سے۔۔۔

اس نے تم سے کیوں چھپایا؟؟ وہ مجھ سے امیریکہ میں ملی تھی؟؟۔۔ کیوں تمھیں اس بات سے بے خبر رکھا وہ مجھے پہلے سے جانتی ہے؟؟۔۔۔ کیوں وہ مجھے دیکھتے انجان بن گئی؟؟ کیوں وہ ہر بار تمھاری محبت تمھارے حصار سے بھاگتی رہی؟؟

کیوں وہ عین نکاح کے وقت حویلی سے بھاگ گئی؟؟ اسفند سوال نہیں کر رہا تھا وہ زاران خانزادہ کے دل میں زہر میں بجھے تیر پیوست کر رہا تھا۔۔ یہ سوال نہیں کھولتا ہوا پانی تھا جو وہ اس پر انڈیل رہا تھا۔

اس سوالوں کے جواب شائد تمھیں اس سے نہ مل سکیں۔۔ مگر میرے پاس ہیں تمھارے ان سوالوں کے جواب۔۔۔ ابرش کے دل میں چور ہے۔۔۔۔ اس لیے اس نے تم سے میرے بارے میں حقیقت چھپائی۔۔۔

وہ تم سے نہیں مجھ سے محبت کرتی ہے۔۔۔۔اسفندیار خان زاران کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔۔زاران کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ اب ہلکی سی نمی اترنا شروع ہوئی تھی۔۔۔جسے اسفندیار خان دیکھتا استھزائیہ مسکر کر رہ گیا۔۔زاران خانزادہ کو حویلی کی دیواریں دھڑ دھڑ خود پر گرتی محسوس ہوئیں۔

مردان خانے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔اسفندیار خان کی سفاکیت پر شہرام اور ارحام لب بھینچے اسے دیکھ رہے تھے۔

سمیع اللہ خان کو آج احساس ہوا تھا ان کے پوتوں کے قد ان سے اونچے ہو گئے ہیں۔۔۔وہ اپنے اونچے قد کے احساس میں ان کی ذات تک فراموش کر چکے ہیں۔

داجی۔۔۔۔مجھے ابرش ونی کے طور پر اپنے نکاح میں چاہیے۔۔اسفند یار خان نے گرجتے ہوے کہا۔۔

سمیع اللہ درید خان اور اربد خان اسفند کے مطالبے پر پریشان ہوے ۔۔امینہ خانم اور روزینہ خانم نے دہلتے ہوے سینے پر ہاتھ رکھا۔۔

کوئی بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا اس صورت حال کو کیسے ہینڈل کیا جائے۔۔سب بے بسی سے اسفند اور زاران کو دیکھ رہے تھے۔زاران خانزادہ پتھرائی

کیفیت میں کھڑا خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جو اس نے سنا وہ سچ نہیں۔۔ ابرش اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے ؟؟۔ وہ اسے اتنا بڑا دھوکہ کیسے دے سکتی ہے ؟؟ وہ اس سے اقرار کر چکی ہے اپنی محبت کا۔۔۔۔ نشے کی کیفیت میں اس کے لبوں پر اسفند کا نام نہیں بلکہ اس کا نام تھا۔۔

وہ سب کیا تھا؟؟۔۔ جھوٹ، دھوکہ، فریب۔۔۔۔ کیا تھا وہ سب ؟؟

کیا اس لیے وہ بار بار اس کی محبت سے بھاگتی رہی۔۔۔ کیونکہ اس نے اس سے محبت کبھی کی ہی نہیں تھی۔۔

زاران خانزادہ نے گہرے سانس بھرتے کرسی کا سہارا لیا۔۔۔ کرسی کی سطح پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھے اس کے ہاتھوں کی گہری نیلی رگیں واضح ہوئیں تھیں۔۔۔ ماتھے کی پھولتی رگیں اس کے اندر غیض و اشتعال کی لہریں دوڑا چکی تھیں۔۔۔۔

رگوں میں خون لاوے کی طرح ابلنے لگا تھا۔۔۔ چہرے پر گلیشیر سے بھی سرد برفیلے تاثرات چھائے تھے۔۔۔۔۔

جو بھی تھا زاران خانزادہ کے نزدیک بے وفائی کی سزا بہت دردناک تھی۔۔ اور وہ سزا ابرش کو مل کر ہی رہنی تھی۔۔۔۔۔ زاران اسفند کو لہو رنگ آنکھوں سے دیکھتے اس کی طرف بڑھا۔۔ اسفند کی آنکھوں میں اپنی خون رنگ آنکھیں گاڑھی۔۔

زاران کے لبوں سے نکلے لفظ اسفند کو ہی وہاں موجود سب کو ساکت کر گئے تھے۔

وہ تمھارے نکاح میں ونی کی حیثیت سے نہیں۔۔ بلکہ میرے نکاح میں ونی کی حیثیت سے آئے گی۔۔ زاران کی شیر سی غراہٹ پوری حویلی میں گونجی۔۔۔۔۔

بھائی میرا مرا ہے۔۔ اسفندیار خان بھی جوابًا غرایا تھا۔۔

بہن میری بیوہ ہوئی ہے۔ زاران کی غراہٹ میں آگ کی تپش نمایاں تھی۔۔

آہل تمھارا مجرم نہیں۔۔۔۔میرا مجرم بھی ہے۔۔اور یہ بات یاد رکھنا وہ میری منگیتر ہے۔۔یہ بات پورا گاؤں جانتا ہے۔۔

میرے نکاح سے وہ بھاگی تھی۔۔اب سزا کے طور پر وہ میرے ہی نکاح میں آئے گی۔۔چاہے ونی کے طور پر ہی سہی۔۔۔۔زاران برف سے لہجے میں بولتا اپنا اٹل فیصلہ سب پر واضح کر چکا تھا۔اس کا فیصلہ تم نہیں داجی کریں گے۔۔اسفندیار خان نے مٹھی دبوچتے غصے سے کہا۔۔

اس کا فیصلہ صرف زاران خانزادہ کرے گا۔۔وہ میری تھی اور میری ہی رہے گی۔۔جو بیچ میں آیا اسے زاران خانزادہ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔۔زاران غصے سے گرجتا اپنی چادر گلے میں جھٹکتا اپنے بھاری بوٹوں کی دمک کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

غصے سے حویلی سے نکل آیا تھا۔اس کی گاڑی ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی اونچے نیچے راستوں پر ہچکولے کھاتے ہوے۔۔ اسفند کے لفظ اس کے دل میں نوکیلے بالے چبھو گئے تھے۔جو اس کے دل کو فگار کر رہے تھے۔

ایسی تپش محسوس کر رہا تھا جو اس کے پیروں سے دماغ تک پہنچ رہی تھی۔۔اسے اپنے مساموں سے دھواں نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔وہ سرخ چہرے کے ساتھ لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈرائیو کرنا اس کے لیے اس وقت بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔ مگر اسے ہر حال میں اپنے دل میں پنپتے سوالوں کے جواب چاہیے تھے۔

اسفند کے لفظ اسے اپنے سماعتوں میں پڑتے سنائی دیے تھے۔۔

"وہ تم سے نہیں مجھ سے محبت کرتی ہے"

زاران خانزادہ کو اپنے دل میں برچھی سی پیوست ہوتی محسوس ہوئی۔۔

زاران نے سٹیرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔۔۔

میں ابرش پاشا اقرار کرتی ہوں۔۔ میں زاران خانزادہ سے پیار کرتی ہوں۔۔ بہت پیار کرتی ہوں۔۔ اس کا مدہوشی میں کیا ہوا اقرار یاد آیا تھا۔۔

دونوں کے الفاظ گڈمڈ ہوتے اس کے دل کی دنیا تہہ بالا کیے ہوے تھے۔ اس وقت اس کے اندر اک طوفان سا برپا تھا۔۔ اپنے اندر اٹھتی آگ لپیٹوں میں اپنا آپ بھسم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

زاران نے جبڑے بھینچتے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔

سٹیرنگ کو پوری طرح گھماتے اس نے سامنے سے آتی گاڑی سے خود کو بمشکل ہی بچایا تھا۔۔ورنہ جتنی تیز اس کی گاڑی کی سپیڈ تھی بری طرح ٹکراؤ ہوتا۔۔زاران نے بہت مشکل سے اپنی گاڑی سنبھالتے اب اس کی سپیڈ کم کی تھی۔۔

اتنی جلدی میری موت نہیں آسکتی.."ابرش پاشا" تمھیں تمھاری بیوفائی کی سزا میں دے کر رہوں گا۔۔زاران حلق کے بل پھولتی سانسوں سے چیخا تھا۔۔

دل و دماغ اسفند کی کسی بات پر یقین نہیں کر رہا تھا..

مگر اس نے اس سے کیوں چھپایا وہ اسفند سے امیریکہ میں مل چکی ہے۔۔؟؟

کیوں؟؟ کیوں؟؟ زاران خانزادہ نے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے خود سے ہی سوال کیا تھا۔۔

کیوں وہ اسفند کو دیکھتے اس کے سامنے انجان بن گئی؟؟

اس سوالات نے زاران کو جلتے توے پر جیسے بٹھا دیا تھا۔

فون رنگ ہونے پر زاران نے ڈیش بورڈ سے اٹھا کر کان سے لگایا۔۔

دوسری طرف ملنے والی خبر سے اس نے پوری قوت سے بریک پر پاؤں رکھا تھا۔۔ گاڑی فل سپیڈ میں تھی۔۔ یکدم بریک لگانے سے گاڑی دور تک پھسلتی گئی تھی۔۔

جسے زاران خانزادہ نے بہت مشکل سے کنٹرول کیا۔۔

یہ خبر تم مجھے ابھی دے رہے ہو۔۔ وہ مشتعل ہوتے پوری قوت سے چلایا۔۔

سوری سر۔۔۔ نکاح کا فنکشن بہت سادگی سے رکھا گیا ہے۔ اس لیے اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ دونوں طرف سے نکاح چھپایا جا رہا ہے۔۔۔

دوسری طرف سے وضاحت دی تو زاران خانزادہ نے فون بند کرتے اسے پوری قوت سے ونڈ سکرین پر دے مارا..

ایک ایک بات کا حساب دو گی تم مس ابرش پاشا آج کی رات مسسز زاران خانزادہ بن کر۔۔۔ زاران گاڑی سٹارٹ کرتے غیض و اشتعال سے دھاڑا۔۔

ابرش دلہن بنی اپنے کمرے میں بیٹھی نم آنکھوں سے اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس پر زاران خانزادہ اپنے نام کی مہندی لگے دیکھنا چاہتا

تھا۔۔ مگر آج یہ مہندی زعیم کے نام کی لگ چکی تھی۔ نہ صرف مہندی بلکہ وہ زعیم کے لائے ہوے دلہن کے لباس میں اس کے لیے پورپور سجی تھی۔

ریڈ دلہن کے لباس میں وہ کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ سفید دھمکتا رنگ، ریڈ لہنگا چولی میں غضب ڈھا رہا تھا۔ باریک ریڈ نیٹ کے دوپٹے کے حالے میں اس کا حسن دمک رہا تھا۔۔

پچھلا گلا کافی ڈیپ تھا۔۔ اس کی پشت باریک نیٹ کے دوپٹے میں پوری طرح عیاں تھی۔۔ زعیم نے اپنی پسند سے اس کے یہ لباس خریدا تھا۔۔ جس میں اس کی رعنائیاں دیکھنے والے کو مبہوت کر رہی تھیں۔ ابھی کچھ دیر میں اس کا زعیم کے ساتھ نکاح تھا۔۔ جس کے بعد رخصتی ہونی تھی۔۔ گھر میں ہی چھوٹی سی تقریب تھی۔ چند مہمان تھے جو صرف زعیم

کی طرف سے تھے جو باہر لاونج میں ہی بیٹھے تھے۔۔وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے گہری سوچ میں گم تھی کہ آچانک ہی اس کے کمرے میں کچھ گارڈز ہتھیاروں سے لیس داخل ہوے تھے۔

جنھوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر بندوقیں تان لی تھی۔

کک کون ہو تم لوگ ؟؟ مم میرے کمرے میں کیوں آئے ؟؟

ابرش حواس باختہ بیڈ سے اٹھی تھی۔

آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔۔ان میں سے ایک گارڈ مودبانہ انداز میں نظریں جھکائے بولا۔۔

کم و بیش سب گارڈز نظریں جھکائے کھڑے تھے۔۔ کسی نے اس پر نظر نہیں ڈالی تھی۔

میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔۔ تم لوگ یوں مجھے بندوقوں سے ڈرا نہیں سکتے۔۔۔

اور تم لوگ اندر کیسے داخل ہوے۔۔۔ ماما کہاں ہیں؟؟

ماماماما۔۔۔۔ ابرش پوری قوت سے چیخی تھی۔

خود سے زیادہ اسے زحلے اور عنایہ کا خیال تھا۔۔

تمام مہمان اور آپ کی ماما بلکل صیح سلامت ہیں۔۔ مگر آپ ہمارے ساتھ نہ آئیں تو کسی کے صیح سلامت ہونے کی گارنٹی نہیں رہے گی۔۔ ایک گارڈ اس کے سر پر بندوق تانے سرد لہجے میں بولا۔۔

میں نہیں جاؤں گی تم لوگوں کے ساتھ،،، چاہے تم مجھے جان سے مار دو ۔۔ ابرش اس بار حلق کے بل چیختے ہوے آگے بڑھی۔۔

رک جائیں۔۔۔۔۔

اگر آپ نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو آپ کی چھوٹی بہن کو مار ڈالا جائے گا۔۔ اگر آپ نے زیادہ شور کیا تو پسٹل کی گولی آپ کی بہن کا سینہ چیر دے گی۔۔ ابرش یہ الفاظ سنتے ساکت ہوئی تھی۔۔۔

عنایہ کہاں ہے؟ کانپتی آواز میں پوچھا۔۔

وہ باہر لاونج میں ہے۔۔ مگر آپ کی ایک غلطی کی وجہ سے اس پر فائر کر دیا جائے گا۔۔۔ ابرش یہ سن کر بے بسی سے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

کچھ توقف کے بعد وہ گہرے سانس لیتے اپنے آنسو صاف کرتے ہوے گارڈز کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلی۔۔

باہر لاونج میں مہمانوں اور اس کی بہن پر بھی گارڈز بندوقیں تانے کھڑے تھے۔۔۔ ڈرائینگ روم میں موجود زعیم اور عباسی صاحب کو بھی گارڈز اپنے بندوقوں کے حصار میں لیے کھڑے تھے۔۔۔

ابرش نے ایک نظر عنایہ اور اس کے ساتھ کھڑی زحلے کو دیکھا۔۔جو آنسو بہاتی بے بسی کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔۔

ابرش کو دیکھتے زحلے تڑپتے ہوے آگے بڑھی تو ایک گارڈ نے عنایہ کے سر پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھایا تھا۔۔عنایہ روتے ہوے بری طرح کانپ رہی تھی۔۔جسے دیکھتے زحلے وہیں پر منجمند ہوئی۔انھیں زاران خانزادہ سے اس سب کی ہر گز توقع نہ تھی۔۔گارڈز کے سنجیدہ اور سفاک چہروں کو دیکھتے وہ پیچھے کو اپنے قدم بڑھانے پر مجبور ہوئیں۔۔انھیں سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کس بیٹی کو بچائیں۔

کک کچھ نہ کرنا عنایہ کو۔۔ ممم میں چل رہی ہوں۔۔ ابرش نے کانپتے لہجے میں کہتے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔ زحلے نے روتے ہوے ابرش کو پکارا تھا۔

ابرش زحلے کی پکار سنی ان سنی کرتے خاموشی سے ان گارڈز کے ہمراہ گیٹ سے باہر نکل آئی۔۔

وہ دلہن کے لباس میں گارڈز کے ہمراہ باہر آئی تو سامنے گاڑی سے نکلتے زاران کو دیکھ کر بری طرح چونکی تھی۔ آنکھیں میچتے گہرے سانس لے کر بہت سے آنسو اس نے آنکھوں کے راستے عارض پر بہائے۔۔ وہ سچ میں اس

کی محبت کے لائق نہ تھا۔ آج سے پہلے اسے اس سے محبت کرنے پر اتنا افسوس نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہوا تھا۔

بلیک شلوار قمیض پہنے کندھوں پر مردانہ شال ڈالے چہرے پر مخصوص مغروارانہ مسکراہٹ سجائے وہ گاڑی سے ٹیک لگائے استھزائیہ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش تیز تیز قدم اٹھاتے زاران کی طرف بڑھی۔

یہ سب تم نے کیا؟ تم ایسے کیسے کر سکتے ہو؟؟ تم اتنا گر جاؤ گے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

وہ اس کی طرف بڑھتے صدمے کی کیفیت میں ہزیانی انداز میں چیخی۔۔

تم نے سوچ بھی کیسے لیا؟؟ تم کسی اور کی ہو جاؤ گی۔ اور زاران خان ایسا ہونے دے گا۔

زاران خان اپنی چیزوں پر بھی کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تم تو زاران خان کی محبت ہو۔۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی اس طرح کسی دوسرے کے لیے سجنے کی؟؟" کسی دوسرے کے نام کی مہندی لگانے کی۔۔ زاران خان نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی کو اپنی وحشی گرفت میں لیا۔۔ اسے دلہن کے لباس میں یوں سجا سنورہ دیکھ کر وہ پاگل ہوا تھا۔

کیونکہ یہ میری زندگی ہے۔میری مرضی میں جس سے مرضی شادی کروں۔۔جس کے لیے بھی سجوں سنوروں۔تم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے؟؟۔۔وہ اپنی کلائی اس کی وحشی گرفت سے چھڑاواتے ہوے چیخی۔

میری محبت "میری منگیتر ہو تم۔۔۔۔۔۔۔زاران خان اس سے بھی زیادہ حلق کے بل چیخا تھا۔اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوے ابرش کی نتھ کھینچ کر اتارتے دور اچھال دی۔۔

ابرش اس کے سفاک عمل سے درد سے سسک کر رہ گئی تھی۔آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسنے لگے تھے۔

مت روؤ میری جان۔۔۔ابھی تمھیں بہت سے حساب دینے ہیں۔۔۔ آج رات تم پر قیامت سی گزرنے والی ہے۔۔میرے نکاح میں آنے کے بعد تمھاری بیوفائی کا حساب میں تم سے پل پل لوں گا۔زاران خان پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

میں کبھی تم سے نکاح نہیں کروں گی۔۔

تمھیں لگتا ہے تم زبردستی مجھ سے نکاح کرسکتے ہو تو یہ تمھاری بھول ہے۔

ابرش نے اپنی گلابی ہوتی شہد رنگ آنکھیں اس کی براؤن آنکھوں میں گاڑھیں۔۔۔

تم نکاح کرو گی۔۔وہ بھی آج اور ابھی کرو گی نکاح۔۔کیونکہ تم میرے نکاح میں ونی کی حیثیت سے آرہی ہو۔۔زاران کے سرد لہجے میں کہے گئے ہوے الفاظ پر ابرش ساکت ہوئی تھی۔۔

ونی۔۔۔اس کے منہ سے سراسراتے ہوے نکلا۔۔

زاران خان استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔۔

رمضان۔۔۔۔۔۔۔وہ حلق کے بل چیخا۔۔

جی چھوٹے خان۔۔۔رمضان اس کے قریب آتے ہوے نظریں جھکائے بولا۔۔

زاران خان کے اشارے پر اس نے ایک پیکٹ زاران کی طرف بڑھایا اور دوبارہ سے اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔۔

زاران نے اس کی کلائی دبوچتے ہوے اس کی ہتھیلی پر اس پیکٹ سے مہندی نکال کر اس کے حنائی ہاتھوں پر مل دی۔

کہا تھا تمھیں ان ہاتھوں پر مہندی صرف میرے ہی نام کی لگے گی۔۔ زاران اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے ہوے بولا۔۔

تم نے بہت غلط کیا۔۔۔ کسی اور کے نام کی مہندی لگا کر۔۔ کسی اور کے لیے خود کو سجا کر۔۔۔ تم نے آج ساری حدیں پار کر دی ہیں۔ زاران خان آج کی رات تم سے پل پل اس کا حساب لے گا۔۔ وہ اس کا منہ دبوچتے ہوے دھاڑا تھا۔۔

ابرش نے نفرت سے اس کا ہاتھ اپنے منہ سے جھٹکنے کی کوشش کی۔۔زاران نے سلگتی نظریں اس کے شعلہ جوالہ روپ پر ڈالتے اسے چھوڑا تھا۔۔وہ اس کے چھوڑنے پر بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔

وہ ابھی سنبھل بھی نہیں پائی تھی

اسے کلائی سے پکڑ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوے اندر دھکیل گیا۔اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔

زاران خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر حویلی کے کارپورچ پر آکر چرچرائے تھے۔ابرش کی گاڑی میں گونجتی سسکیاں بھی تھمی تھی۔اس نے خوف و

ہر اس سے حویلی کو دیکھا جہاں سے وہ بہت مشکل سے بھاگی تھی۔۔اس انسان کے حصار سے بھاگی تھی۔۔ مگر آج پھر اس انسان نے اس کی ہر کوششوں کو ناکام بناتے اسے اس حویلی اس زندان میں پھر سے لا پٹخا تھا۔۔ابرش کے لیے یہ حویلی کسی زندان سے کم نہ تھی۔۔زاران خانزادہ کا ہونے سے ہی اس کی سانسیں ساکت ہوتے سینے میں دب رہی تھیں۔

ابرش کے اندر زاران خانزادہ کے لیے نفرت کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔وہ جس طرح اسے یہاں لایا تھا۔۔ابرش ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے اپنے حواس کھو رہی تھی۔۔وہ اگر اس کے ساتھ نہ آتی وہ اس کی بہن کو مار ڈالتا۔۔ابرش کو اس سے اس سفاکی کی توقع نہ تھی۔۔یا پھر اس نے اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔وہ ایک ظالم سفاک خانزادہ نکلا تھا۔۔

زاران نے گاڑی سے اترتے ابرش کو بازو سے جکڑتے گاڑی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

ابرش اس کے سخت حصار سے کھنچتی چلی گئی تھی۔

چھوڑو مجھے وحشی انسان۔۔۔وہ حلق کے بل اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی چیخی ۔۔

چیخیں مار مار کر اور رو رو کر اب تو اس کا گلہ دکھنے لگا تھا۔۔ گاڑی میں زاران اس کی چیخیں سسکیاں نظر انداز کیے ہوے تھا۔۔اس نے چار گھنٹوں کا سفر تین گھنٹوں میں طے کیا تھا۔۔وہ پورے راستے روتے ہوے آئی تھی۔

وہ اس کی سسکیاں اور ہچکیاں ابھی بھی پوری طرح نظر انداز کیے اسے کلائی سے جکڑے زنان خانہ میں داخل ہوا۔

ابرش کو دیکھتے امینہ خانم دھک سے رہ گئیں۔

دلہن کے لباس میں وہ بکھری حالت میں زاران خانزادہ کے ہمراہ کھڑی تھی۔بے تحاشہ رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔مٹامٹامیک اپ۔۔ ہچکیوں میں لرزتا بدن۔۔ آنکھوں میں بے تحاشا نمی لیے وہ کھڑی تھی۔۔

زاران خانزادہ نے اس کی کلائی ابھی بھی تھام رکھی تھی۔۔ جسے اب وہ چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔۔وہ غم کی مورت بنی بے بسی

سے کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔۔ ایسا لگ رہا تھا وہ پل میں زمین بوس ہو جائے گی۔۔ امینہ خانم کو اس پر ترس سا آیا تھا۔

زاران یہ سب کیا ہے؟؟ امینہ خانم نے زاران اور ابرش کی طرف بڑھتے پوچھا۔۔

مورے۔۔۔ اسے اندر لے کر جائیں۔ کچھ ہی دیر میں میرا اور اس کا نکاح ہے۔۔ زاران نے ابرش پر ایک نظر ڈالتے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔۔

اس کا فیصلہ تم نہیں جرگا کرے گا کہ ابرش کا نکاح کس سے ہو گا۔۔۔ اسفند بھاری قدم لیے زاران کی طرف بڑھا.

میری منگیتر کسی بھی جرگے کا حصہ نہیں بنے گی۔۔نہ ہی ابرش کا نام جرگے میں آئے گا۔۔۔میرے ہی نکاح میں ابرش آئے گی۔۔اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔۔زاران ابرش کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غرایا۔

زاران خانزادہ ابرش کس کے نکاح میں آئے گی اور کس کے نکاح میں نہیں۔اس کا فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہو گا۔۔

آہل نے ہی بابرک کو مارا ہے۔یہ میں جرگے میں ثابت کر چکا ہوں۔۔مردان خانے میں تمھارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔۔۔اسفندیار خان زاران خان کے مشتعل چہرے کو دیکھتا استھزائیہ مسکرایا۔

اسفندیار خان تم نے اچھا نہیں کیا یہ سب کر کے۔۔ یہ جرگہ یہ برادری کوئی بھی ابرش کو میرا ہونے سے روک نہیں سکے گا۔۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے میرا ہونے سے روک نہیں سکتی۔۔

تمھیں کیا لگتا تھا میں تمھاری باتوں پر یقین کر کے ابرش کو چھوڑ دوں گا۔۔ تم مجھے کہو گے ابرش تم سے محبت کرتی ہے میں یقین کروں گا۔۔

زاران نے اسفند کے مقابل آتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ انداز میں سوال کیا۔

زاران کی بات پر ابرش نے حیرانگی سے اسفندیار خان کو دیکھا.. جو اس کے دیکھنے پر اپنی نظریں چرا گیا تھا۔

اس نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ یہ تم سے امیریکہ میں مل چکی ہے۔۔ میں کچھ دیر بعد اس سے سارے سوالوں کے جواب لوں گا۔

ویسے بھی بہت سے حساب کتاب بنتے ہیں اس کی طرف میرے۔۔۔ زاران نے سلگتی قہربار نظر ابرش کے بھڑکتے روپ پر ڈالی۔۔ جسے آج اس نے کسی اور کے لیے سجایا تھا۔

اس کی خون رنگ آنکھیں دیکھتے ابرش کو اپنے بدن میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔۔ ابرش نے ہچکی لیتے نفرت سے اپنی نظریں پھیرتے خود کو کمپوز کیا۔ وہ اس کے سامنے اپنا ڈر ظاہر کر کے خود کو کمزور نہیں ثابت کر سکتی تھی۔ اب ہی تو اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔

تم اس سے سوالوں کے جواب تب لو گے۔ جب کوئی حق اس پر رکھو گے۔۔۔ میں تمھیں اس کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دوں گا۔۔ میرے بھائی کے خون کے بدلے میں ابرش میری ہی ونی میں آئے گی۔۔ اسفندیار خان ابرش پر ایک نظر ڈالتا چلا گیا تھا۔ اسفند کے جانے کے بعد زاران خانزادہ نے غصے اور اشتعال سے بے قابو ہوتے لاؤنج کی گلاس ونڈو پر پوری قوت سے ہاتھ کا مکہ بنائے دے مارا تھا۔ شیشہ تڑختے اس کے ہاتھ کو بری طرح زخمی کر گیا تھا۔ زاران کے ہاتھ سے خون بھل بھل کرتا چمکتے ماربل پر بہنے لگا۔

ابرش نے منہ پر دونوں ہاتھ رکھتے اپنی چیخ گلے میں گھونٹی۔۔زاران کے اس روپ سے وہ دہشت کھائے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

زاران گہرے سانس لیتا خود کے اشتعال پر قابو پا رہا تھا۔جو اسے اسفند پر آ رہا تھا۔۔وہ اس کے سامنے اس کی منگ اس کی ابرش پر حق جتا رہا تھا۔

یہ کیا کیا زاران تم نے ؟؟ امینہ خانم تڑپتے آگے بڑھیں۔

رک جائیں مورے۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔۔مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔زاران نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں اپنی طرف بڑھنے سے روکا.. میں جرگے میں جا رہا ہوں۔۔

ابرش کسی بھی صورت جرگے میں نہیں آئے گی۔۔کچھ بھی ہو جائے یہ مردان خانے میں قدم نہ رکھے۔۔میں سنبھال لوں گا سب کچھ۔۔زاران سرد انداز میں کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

وہ زنان خانے کے لاونج میں مردان خانے سے آتی آوازیں سن رہی تھیں۔امینہ خانم اسے کئی مرتبہ کہہ چکی تھیں کہ وہ اندر چلی جائے۔۔مگر وہ یونہی شکستہ حال مردان خانے اور زنان خانہ کے بیچ بڑے سے لکڑی کے دروازے کے ساتھ استادہ اپنی قسمت کا فیصلہ ہوتے سن رہی تھی۔

جرگے میں یہ ثابت ہو چکا تھا بابرک کو مارنے والا آہل ہے۔۔ ابرش نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیے...

آہل نے بابرک کو مارا اس بات پہ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔

آہل کچھ دن پہلے امیریکہ جا چکا تھا۔۔ پھر وہ بابرک کو کیسے مار سکتا ہے؟؟ اگر اس نے بابرک کو مارا ہے تو وہ کہاں ہے؟؟ آہل کا سوچتے ابرش کا دل بری طرح پریشان ہوا۔۔

اس نے گاڑی میں چیختے ہوئے زاران سے پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اسے کس جرم میں اپنی ونی میں لے رہا ہے۔ مگر اس کی سرد دھاڑ پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

ابرش بیٹا اندر چلو۔۔ تمھارا حالت ٹھیک نہیں ہے؟؟ زاران تمھیں یہاں کھڑا دیکھے گا تو بہت غصہ کرے گا۔۔ امینہ خانم نے ابرش کے قریب آتے نرمی سے کہا جو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچے لرزتی کھڑی تھی۔۔

مجھے یہاں کھڑے رہ کر اپنی قسمت کا فیصلہ ہوتے دیکھنا ہے۔۔ میں کس کے نکاح میں جاتی ہوں۔ زاران یا پھر اسفندیار خان کے۔۔ ابرش نے تلخی سے کہا۔۔

امینہ خانم ابرش کی بات پر نظریں چرا گئی تھی۔۔

بے شک یہ ثابت ہو چکا ہے۔ آہل نے مارا ہے بابرک کو۔۔۔ مگر ابرش میری منگیتر ہے۔۔ بابرک میرا بھی بھائی تھا۔ میری بہن بیوہ ہوئی ہے۔ ۔میرا نقصان زیادہ ہوا ہے۔۔ اس لیے ابرش میری ہی ونی میں آئے گی۔ ۔زاران کی بھاری گونج دار آواز زنان خانے میں بھی سنائی دی تو ابرش کے لبوں پر نفرت امیز مسکراہٹ دوڑی۔۔۔ تن بدن میں اس انسان کے لیے صرف نفرت کے شعلے بھڑکتے محسوس ہوے تھے۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا اور جھٹکے سے مڑتے لکڑی کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔۔

یہ کیا کر رہا ہے تم؟؟ کہاں جا رہا ہے تم؟؟ امینہ خانم نے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ابرش کو روکتے پوچھا۔۔

یہ میری زندگی ہے میری زندگی کا فیصلہ یہ جرگے والے اور زاران خانزادہ نہیں کر سکتا۔ ابرش نے غصے سے کہتے ہینڈل پر ہاتھ جماتے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔۔

ابرش تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ تم مردان خانے جائے گا۔۔ وہ بھی ایسا حلیہ میں۔۔ زاران تمھیں مار ڈالے گا۔۔ امینہ خانم نے ابرش کی ضد پر ناگواری سے اسے دیکھا۔۔

کیوں آپ کا بیٹا کس حق سے مجھے مارے گا؟؟۔ یہ نکاح ابھی ہوا نہیں۔۔۔ جس کی وجہ سے میں آپ کے بیٹے کی مار کھاؤں گی۔۔ وہ مجھے میرے گھر سے زبردستی اٹھا کر لایا ہے۔۔۔۔ میں جرگے میں جا کر اس کے کرتوت بتاؤں گی اور اس نکاح سے انکار کروں گی۔۔

ابرش چیخی۔۔

آہستہ بولو ابرش تمھارا آواز مردان خانے تک جائے گا تو سب کیا کہے گا۔۔ تم زاران کا منگیتر ہے۔۔ نکاح والے دن تم اس کی عزت پر بھٹہ لگا کر بھاگا تھا یہ کم تھا جو آج پھر سے تم اسے رسوا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ امینہ خانم کی بات پر ابرش استہزائیہ ہنسی تھی۔

منگیتر تھی۔۔۔ ہوں نہیں میں نے مگنی کی انگوٹھی آپ کے بیٹے کے منہ پر دے ماری تھی۔ اگر وہ مجھے اب بھی منگیتر کہتا ہے یہ اس کا قصور ہے۔۔ اس کی یہی غلط فہمی میں آج جرگے میں دور کروں گی۔۔ ابرش غصے سے بولی۔۔

یہاں کی مگنیاں ایسے نہیں ٹوٹتی۔۔ تم نے کہہ دیا تو ٹوٹ گیا۔ لیکن جو تم نے کیا ہے اس کا سزا بہت زیادہ تھا جو زاران نے تمھیں ابھی تک نہیں دیا۔ اس لیے اس کے غصے کو زیادہ ہوا مت دو۔۔ اپنے لیے مشکلیں مت بڑھاؤ۔ عورت ہو عورت کی طرح رہو۔۔ مرد مت بنو۔۔ امینہ خانم نے ابرش کی کلائی پر ہاتھ جماتے اسے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔

آپ خود بھی ایک عورت ہیں بھولیں مت۔۔ جو کچھ آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ کیا آپ کو اسے روکنا چاہیے تھا مگر آپ تو اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔۔ کیسی عورت ہیں آپ؟؟ ابرش نے چیختے ہوے سوال کیا۔

میں ایک عورت ہوں۔ اس لیے تمھارا بہتری کے لیے تمھیں سمجھا رہی ہو۔۔ مرد کے مقابل آنے سے نقصان صرف عورت کا ہی ہوتا

ہے۔۔ تمھیں لگتا ہے ہم اسے روکتا وہ رک جاتا۔۔ اس کو بڑھاوا تم نے دیا۔۔ اگر وہ تم کو نہیں پسند تھا۔۔ جس طرح تم آج اکڑ رہا ہے۔۔ بھرے جرگے میں تن کر کھڑا ہونے کی بات کرتا ہے۔۔ اس رشتے سے تم اسی دن انکار کرتا۔۔ جب وہ تمھیں پہلی دفعہ حویلی لایا تھا۔۔ اس دن تو تم کمزور پڑ گیا۔۔ اب جب وہ تم سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو آج یہ واویلہ کیوں؟؟

مرد کا نیت بھی عورت خراب کرتی ہے۔ کبھی اپنا باتوں سے کبھی اپنا بے باک سراپے سے۔۔ اور کبھی خود کو مرد کا ضد بنا کر۔۔ امینہ خانم نے ابرش کے بدن سے جھلکتی رعنائیوں پر ناگواری سے نظر ڈالی۔۔ آپ کے بیٹے نے اس دن بھی میرے ساتھ زبردستی کی تھی۔ اور آج بھی وہ زبردستی کر رہا ہے۔۔ اس دن میں اپنی ماں کے آگے کمزور پڑ کر اس رشتے کو ہاں کر بیٹھی

تھی۔ مگر اب اپنا مزید نقصان نہیں کروں گی۔ میں مر جاؤں گی مگر زاران سے نکاح نہیں کروں گی۔۔ ابرش نے اٹل لہجے میں کہتے امینہ خانم کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاوائی۔۔

اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی امینہ خانم کی بات پر رکی تھی۔۔

تمھارا بھائی نے بابرک کو مارا ہے۔۔ اگر تم زاران سے نکاح نہیں کرے گا تو جرگے کے قانون کے مطابق آہل کو جان سے مار دیا جائے گا۔۔

یہ نہیں ہو سکتا۔۔ میرا بھائی کسی کا خون نہیں کر سکتا۔۔

ابرش نے رخ پلٹے امینہ خانم سے کہا۔۔

اس کا فیصلہ تم نہیں یہ جرگے والا کرے گا۔اور فیصلہ ہو چکا ہے آہل نے ہی بابرک کو مارا ہے۔۔ آہل کو بچانے کے لیے تمھیں یہ نکاح کرنا ہی ہو گا۔۔امینہ خانم نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ ان کی بات کاٹ چکی تھی۔

ٹھیک ہے میں یہ نکاح کروں گی مگر زاران سے نہیں اسفندیار خان سے ۔۔۔۔ابرش نے سپاٹ انداز میں کہتے لکڑی کے بھاری دروازے کو کھولا۔۔

کیا مطلب؟؟امینہ خانم نے ابرش کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر نا سمجھی سے پوچھا۔

بابرک زاران کا نہیں اسفند یار خان کا بھائی تھا۔ تو میں اسی کے ہی نکاح میں جاؤں گی.. ابرش اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے لاونج کا دروازہ کھولتے مردان خانے میں داخل ہو چکی تھی۔

مردان خانے کے لاونج میں سمیع اللہ خان درید خان اربد خان اور برداری اور گاؤں کے چند معززین موجود تھے۔

زاران اپنی مٹھیاں بھینچے اسفند یار خان کو سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ جس کی وجہ سے جرگے میں بار بار ابرش کا نام گونج رہا تھا۔

ابرش نکاح والے دن اس حویلی سے بھاگ کر زاران سے ہر رشتہ توڑ کر چلی گئی تھی۔اس لیے زاران کا ابرش پر اب کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔۔

اسفندیار خان کی بات پر زاران کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔

اپنی بکواس بند کرو اسفندیار خان۔۔تم امیریکہ میں رہ کر بھول چکے ہو کہ یہاں مگنیاں ایسے نہیں ٹوٹتی۔۔منگ ہے وہ میری۔۔میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔۔چاہے میری جان چلی جائے۔۔وہ ونی میں صرف میرے ہی آئے گی۔۔زاران صوفے سے اٹھتے دھاڑا تھا۔۔

زاران جو بھی بات کرنا ہے وہ تمیز کے دائرے میں کرو۔۔یوں تماشہ مت لگاؤ۔۔

داجی کی ہی عزت کا خیال کر لو۔۔ ارحام نے زاران کو صوفے سے اٹھتے دیکھ کر اسے سنجیدگی سے ٹوکا۔۔ ساتھ میں اسفند کو گھورتے ہوے دیکھا تھا۔

لالا تماشہ میں نہیں یہ اسفند کر رہا ہے۔۔ کیا ضرورت تھی اسے جرگہ بلانے کی ؟؟۔۔ زاران نے صوفے پر بیٹھتے اسفند کو گھورتے ہوے ارحام سے کہا۔۔

اسفند خان "زاران کی دھاڑ پر صوفے سے ٹیک لگائے اسے دل جلانے والی مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔

زاران کی تلملاہٹ اسے بہت سکون دے رہی تھی۔۔وہ اس کی عزت کا تماشہ بنا چکا تھا۔۔ابرش نکاح والے دن حویلی سے بھاگی۔۔جسے گاؤں کے لوگ جانتے ہوے بھی کہنے سے ڈرتے تھے۔۔مگر اسفند بھرے جرگے میں یہ کہہ چکا تھا۔۔زاران کا سرخ چہرہ اسے سکون پہنچا رہا تھا۔۔

زاران نے اپنی محبت اور اپنی بہن کے لیے اس کے بھائی کو بے رحمانہ موت دی تھی۔۔۔وہ اس سے زیادہ تکلیف زاران کو پہنچانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔جس نے دوستی جیسے پاکیزہ رشتے کے اعتبار کو توڑا تھا۔یکدم اسفندیار خان کی آنکھوں میں نمی اتری تھی۔۔زاران خانزادہ نے اسے دھوکہ دیا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔وہ زاران خانزادہ کو درد دینا چاہتا تھا اسے اکیلا کرنا چاہتا تھا۔۔

مگر وہ خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا۔۔ کوئی بھی تو نہ تھا اس کا۔۔ نہ بھائی نہ دوست اور نہ ہی اس کی محبت۔۔۔

تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ زاران خانزادہ۔۔۔۔ مگر میں تم سے آج تمھاری سب سے قیمتی چیز چھینوں گا۔۔ اسفندیار خان نے اپنی سرخ آنکھوں کو بے دردی سے مسلا۔

اسے پورا یقین تھا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق ابرش کو اس کے ہی نکاح میں دیا جائے گا۔۔

سمیع اللہ خان نے اسفند اور زاران کو دیکھتے پریشانی سے اپنی داڑھی میں ہاتھ پھیرا۔۔انھیں کبھی کوئی فیصلہ کرنے میں اتنا سوچ بچار نہیں کرنا پڑا تھا۔۔ مگر اس فیصلے کو لے کر وہ جتنا سوچ رہے تھے۔ان کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔۔

بابرک اسفندیار کا بھائی تھا۔۔تو ابرش کا اسفندیار خان کے نکاح میں جانا بنتا تھا۔۔ مگر ابرش زاران کی منگیتر تھی۔۔اگر وہ ابرش کو اسفند کے نکاح میں دے دیتے تو ان کے گھر کا شیرازہ بکھر جاتا۔۔

زاران اسفندیار خان کو یا خود کو مار ڈال دیتا۔اس کی آنکھوں میں ابرش کے لیے جنون وہ دیکھ چکے تھے۔اسفندیار خان کے لہجے میں صرف ضد تھی۔۔۔جسے وہ ہر حال میں پورا کرنا چاہتا تھا۔وہ اپنے ایک پوتے کو کھو چکے

تھے۔اب اپنے دونوں پوتوں کو نہیں کھونا چاہتے تھے۔۔دوسرا ابرش کو وہ کسی صورت ونی میں نہیں دینا چاہتے تھے۔وہ بہت عزت سے اس کا نکاح زاران سے کرنا چاہتے تھے۔

درید خان اربد خان پریشانی سے اپنے بیٹوں کو دیکھتے سمیع اللہ کا جھکا ہوا سر دیکھ رہے تھے۔۔جو انھیں بہت تکلیف دے رہا تھا۔۔

اربد خان کسی بھی صورت اسفندیار خان کا نکاح ابرش سے نہیں چاہتے تھے۔۔اگر آہل نے بابرک کو مارا تھا انھیں آہل کا سر چاہیے تھا۔۔مگر اپنے بیٹے کے لیے ابرش کسی بھی صورت ونی کے لیے قبول نہ تھی۔۔

بہارے کا سوچ کر بھی وہ پریشان ہوے تھے۔۔ ابرش اسفند کے نکاح میں چلی جاتی تو حویلی کی خوشیاں بکھر جانی تھیں۔ وہ رات سے ہی ایک فیصلہ لے چکے تھے۔

میں ابرش کا نکاح اسفند یار خان سے نہیں چاہتا۔۔ مجھے بابرک کی موت کے بدلے اگر کچھ چاہیے تو وہ ہے آہل کا خون۔۔

زاران بھی میرا بیٹا ہے۔۔ اگر ابرش کو ونی میں ہی لانا ہے تو میں ابرش کا نکاح زاران سے کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ اربد خان کی آواز نے مردان خانے میں پھیلی گھمبیر خاموشی کو توڑا تھا۔

بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اسفند یہ سنتے بے یقینی سے اپنی نشست سے کھڑا ہوا تھا۔۔

اسفند میں نے جو بھی کہا ہے سوچ سمجھ کر کہا ہے۔۔ باقی فیصلہ جرگے اور بابا پر چھوڑ دیا ہے۔ تم اپنی جگہ پر بیٹھو جو فیصلہ ہو گا۔ جرگے کے قانون کے مطابق تمھیں قبول کرنا ہو گا۔

اربد خان نے کڑک دار آواز میں کہتے اسفند یار خان کو گھورا۔۔

اسفند اپنی جگہ پر واپس بیٹھو۔۔ ابھی ہم موجود ہیں۔ جو فیصلہ کرنا ہے۔۔ وہ ہم لے گا تمھیں اور زاران کو قبول کرنا ہو گا۔۔ سمیع اللہ خان کی دوٹوک سرد انداز پر وہ غصے سے جھنجھلاتے اپنی جگہ واپس بیٹھا۔

اس سے پہلے سمیع اللہ خان اپنا فیصلہ سناتے ابرش لاونج کے گلاس وال کا دروازہ اندر کی طرف دھکیلتے اندر داخل ہوئی تھی۔

زاران ارحام اور درید خان اور اربد خان صوفوں سے کرنٹ کھا کر کھڑے ہوے تھے۔

وہ دلہن کے لباس میں بے پردہ پورے جرگے کے سامنے کھڑی تھی۔۔

زاران غصے سے بل کھاتا آنکھوں میں غیض و اشتعال کی سرخی لیے ابرش کی طرف بڑھا۔ جو گہرے سانس لیتی سپاٹ چہرہ لیے لاونج کے وسط میں کھڑی تھی۔۔ زاران کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر بھی اس کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ اسے دیکھتے نفرت سے اپنا منہ پھیر گئی۔۔

گل کے بعد ابرش ہی ان کے گھر کی پہلی عورت تھی جو جرگے میں ایسے چلی آئی تھی۔

ابرش کا باریک نیٹ کا دوپٹہ سر سے پن آپ کیے پیچھے کی طرف بیک پر تھا۔۔اس کے فٹنگ بلاوز میں اس کی تمام رعنائیاں پورے آب و تاب سے ظاہر تھیں۔۔۔بہت سے لوگوں کی نظریں ابرش پر محسوس کرتے زاران کا تن من سلگ اٹھا۔

زاران نے اس کی طرف بڑھتے اپنی شال کندھوں سے اتار کر ابرش کو اوڑھائی۔

ابرش اس کی شال میں لپٹے زاران کو آنکھوں میں غصے کی حدت لیے دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی شال آج اسے اپنے گرد بدن پر لپٹی چیونٹیوں کی مانند رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ منع کیا تھا تمھیں یہاں آنے سے۔۔۔ زاران نے اس کی کلائی کو اپنی وحشی گرفت میں لیتے اس پر سرد سلگاتی نظر ڈالتے دانت پیسے تھے۔۔

اسے سرخ سرد نظروں سے گھورتے وہ اس کی کلائی جکڑے دروازے کی طرف بڑھا۔۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔ مجھے داجی سے بات کرنی ہے۔۔

ابرش پوری قوت سے زاران خانزادہ سے اپنی کلائی چھڑواتے ہوے نفرت سے پھنکاری..

اسفند ابرش کو دیکھتے صوفے پر ہی بیٹھا رہا تھا۔ اس کا مقصد صرف زاران خانزادہ کو تکلیف پہنچانا تھا۔۔ اور زاران کا سرخ چہرہ تنے ہوے نقوش اسے سکون دے گئے تھے۔۔ یہاں تک کہ وہ ابرش کی تکلیف ابرش کا وجود بھی اگنور کر گیا تھا۔

ابرش بیٹا تم جاؤ یہاں سے ہم تم سے بعد میں بات کرتا ہے۔۔ یہ جگہ تمھارا لیے نہیں ہے۔۔ سمیع اللہ خان نے صوفے سے اٹھتے ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا۔

کب بات کریں گے آپ ؟؟۔۔ تب جب آپ کے دونوں پوتوں میں سے مجھے کسی ایک کے نام کر دیا جائے گا۔۔ ابرش نے سمیع اللہ کی آنکھوں میں دیکھتے سوال داغا۔

۔

تم میری منگ ہو۔ تم صرف میرے ہی نام ہو گی۔۔ کسی کی اتنی ہمت نہیں میری منگ کا فیصلہ کرے۔۔ زاران نے پورے جرگے پر نظر ڈالتے گرجتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا۔

میں تمھاری ہوں یا نہیں اس بات کا فیصلہ صرف میں کروں گی۔۔ ابرش اپنے آنسو صاف کرتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے زہر خند لہجے میں بولی تو پورے جرگے میں ایک پل کے سانپ سونگھ گیا تھا۔۔ وہ زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اس کے سامنے جم کر کھڑی تھی۔

زاران اس کی آنکھوں میں ٹھہری نفرت دیکھ کر اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

چلو یہاں سے۔۔۔زاران نے دانت پیستے ہوے ابرش کی کلائی کو دوبارہ سے اپنی سخت گرفت میں جکڑتے اسے قہر برساتی نگاہوں سے گھورا... آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے وارننگ دی تھی کہ وہ مزید ایک لفظ نہ بولے۔۔اس کی سرخ آنکھیں ابرش کی رگوں میں دوڑتا خون ساکت کر رہی تھیں۔۔مگر فیصلہ لینے کا یہی وقت تھا۔۔وہ مر کر بھی اب اس کا ہونا نہیں چاہتی تھی۔

داجی۔۔۔اگر آپ لوگ مجھے ونی میں ہی دینا چاہتے ہیں تو مجھے اسفندیار خان کی ونی میں دے دیں۔۔بابرک اسفندیار کا بھائی تھا۔۔زاران خانزادہ کا نہیں۔۔اصولاً میرا کسی بھی طور پر زاران خانزادہ کی ونی میں آنا بنتا نہیں ہے۔۔ابرش نے اپنی کلائی چھڑواتے زاران کو آنکھوں میں غصے کی سرخی

لیے دیکھتے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔زاران کی اس کی کلائی پر گرفت خطرناک حد تک مضبوط ہوئی تھی۔۔

آنکھوں میں خون کی لالی بڑھی تھی۔ابرش کو اپنی کلائی اس کی گرفت میں چٹختے ہوے محسوس ہوئی۔۔تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں کی شبنم بڑھتے عارض کا حصہ بنی۔ مگر اس نے اپنے چہرے پر درد کی رمک نہیں آنے دی تھی۔۔۔نہ ہی اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑوائی تھی۔۔

وہ آنکھوں میں نمی کے ساتھ نفرت لیے استہزائیہ انداز میں زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

پورے جرگے کے سامنے ابرش نے جیسے زاران کے منہ پر تماچہ مار دیا تھا۔۔

جرگے میں بیٹھے افراد کی آپس میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھی۔۔ کچھ لوگوں کے چہروں پر استہزائیہ مسکراہٹ بھی تھی۔۔ کچھ لوگ ابرش کی اتنی بدزبانی پر اسے غصے اور نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ جو اپنا عورت ہونا ہی بھول چکی تھی۔۔ مردوں کے درمیان تن کر کھڑی تھی۔

ابرش تم اندر چلو.. ہم ہیں فیصلہ کرنے والے۔۔ جاؤ یہاں سے تم۔۔ درید خان مزید اپنے غصے پر کنٹرول نہ کر سکے۔۔ انھیں سامنے کھڑی چھٹانک بھر لڑکی پر شدید غصہ آیا تھا۔۔

وہ ابرش کے حویلی سے بھاگنے کے بعد اس سے شدید متنفر ہو چکے تھے۔۔رہی سہی کسر ابرش نے جرگے میں آکر کر پوری کر دی تھی۔

میں اندر نہیں جاؤں گی. کسی بھی صورت نہیں.. یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے۔میرے نکاح کا فیصلہ کرنے والے آپ لوگ ہوتے کون ہیں؟۔بابرک کو آہل نے مارا ہے۔اس کا فیصلہ پولیس کرے گی آپ لوگ نہیں۔۔

ابرش نے جرگے میں موجود سب کو دیکھتے چیخ کر کہا۔۔

اپنی کلائی وہ زاران کی گرفت سے چھڑوا چکی تھی۔زاران خانزادہ اس کی کلائی چھوڑ کر رخ پلٹے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے کھڑا تھا۔۔دماغ کی رگیں

آگ کا گولہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ضبط پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔۔ مگر آنکھوں میں خون اتر کر اس کی نیلی رگوں کو اجاگر کر چکا تھا۔

اومارا۔۔۔ تم پاگل ہو گیا ہے تم کو تمیز بھی ہے یا نہیں۔۔ یہاں فیصلہ ہم لوگ کرے گا اور تمھارا بھائی نے سمیع اللہ کے پوتے اور اربد خان کے بیٹے بابرک کو مارا ہے۔۔

اور مار کر بھاگ گیا ہے۔ اگر تم کو یہ نکاح نہیں کرنا جاؤ اپنے بھائی کو پیش کرو۔۔ اس لیے جاؤ یہاں سے ہم کو قانون نہ سکھاؤ۔۔ برادری کے ایک بزرگ اٹھتے ابرش کو دیکھتے ناگواریت سے بولے۔۔

داجی۔۔۔میں زاران سے کسی قیمت پر نکاح نہیں کروں گی۔۔میں نکاح والے دن صرف اس لیے یہ حویلی چھوڑ کر گئی تھی۔زاران خانزادہ جیسے خود غرض انسان سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔لیکن اسے سمجھ نہیں آئی۔۔یہ آج پھر مجھے یہاں لے آیا ہے۔اسے کیا لگتا ہے میں یہ نکاح کروں گی۔کبھی نہیں کروں گی۔

میں زاران سے نکاح کرنے سے بہتر مرنا پسند کروں گی۔۔وہ نفرت سے پھنکارتی مردان خانے میں موجود مردوں کے غصے کے گراف کو بلند کر چکی تھی۔۔زاران کی مٹھیاں خوبخود بھنچ گئی تھی۔اب اس کے ماتھے کی نیلی رگیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔یہ لڑکی آج اس کا ظبط بری طرح آزما رہی تھی۔

ابرش نے اپنے گرد سے شال اتارتے زاران خانزادہ کے قدموں میں پھینک دی۔۔

میرے نزدیک تمھاری عزت اور تمھاری یہ اہمیت ہے۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ ابرش نے نفرت امیز لہجے میں کہتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

اگر میں نکاح کروں گی تو صرف اسفندیار خان سے کیونکہ میں اسفندیار خان سے محبت۔۔۔۔ ابرش کے لفظ منہ میں ہی تھے کہ زاران کے تھپڑ کی گونج پوری حویلی میں گونجی تھی۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھے وہ آنکھوں میں نفرت کی سرخی لیے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

بدن میں کپکپی طاری ہو چکی تھی۔۔ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے پر کھڑی تھی۔۔

جرگے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔ سمیع اللہ کے چہرے پر غیض و غضب بڑھا تھا۔۔ اسفندیار خان ابرش کی حالت دیکھتے ضبط سے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ وہ کبھی بھی ابرش کے ساتھ ایسا نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر زاران کی نفرت میں وہ ہر چیز کو جلا کر بھسم کرنا چاہتا تھا۔۔ یہاں تک کہ اپنی محبت بھی۔۔ زاران ابرش کے لرزتے وجود پر قہربار نظر ڈالتے اسے کلائی سے جکڑے زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ ابرش حلق کے بل چیختی اپنی کلائی زاران خانزادہ کی گرفت سے چھڑوا رہی تھی۔

زاران خانزادہ نے اسے زنان خانے میں لا کر صوفے پر پٹخا۔

وہ صوفے پر اوندھے منہ گرتی بری طرح رو دی۔۔

مورے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔چادر اوڑھائیں اسے مولوی آتا ہی ہو گا۔۔

زاران نے کہتے مردان خانے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔۔

میں تم سے نکاح نہیں کروں گی زاران خانزادہ۔۔۔چاہے تم میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔۔۔ابرش صوفے پر سیدھے ہوتے چیخی۔۔ابرش کی بات سنتے زاران کے قدم کچھ پل کے لیے ٹھہرے تھے۔۔پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

تم ایک بار اس حویلی کا بہو بن جاؤ۔۔

ہم تمھارا زبان کیسے کاٹتا ہے۔۔ تم دیکھنا بس۔۔۔ دعا کرو تم ہمارا اسفند کی دلہن نہ بنو۔۔ اگر تم اسفند کے نکاح میں آ گیا۔ ہم تمھارا وہ حال کرے گا کہ تم کسی کے سامنے بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔۔ روزینہ خانم نفرت حقارت سے بولتے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

ابرش نے بری طرح روتے اپنے کانوں میں پڑے اویزوں کو نوچا تھا۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتے بے سی سے چیخیں مارتے رو دی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کمر میں اپنی انگلیاں گاڑھے اسے مزید اپنے قریب کیا۔۔اب اس کی انگلیوں کی سختی بلاوز کے نیچے اس کی کمر پر تھیں۔وہ اس کی نازک کمر اپنی مٹھی میں بھر رہا تھا۔۔

۔اس کی سختی پر ابرش کی آنکھوں میں پھر سے شبنم آن ٹھہری تھی۔

ابرش اس کی سانسوں سے بھی زیادہ اس کے قریب تھی۔۔

پتہ ہے ابرش اس رات کے لیے میں نے بہت سے ارمان سجائے تھے۔مرد ہو کر بھی ہمیشہ خود پر قابو رکھا۔کبھی خود کو بہکنے نہیں دیا۔۔میرا سب کچھ میرے حلال رشتے کے لیے۔تھا۔

مگر آج تمھیں دیکھ کر بھی میرے اندر کوئی جذبہ کوئی ارمان نہیں جگ رہا۔یہاں تک کہ حوس بھی نہیں۔۔

میں کبھی ایسی لڑکی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ جو نشے میں مجھ سے محبت کا اقرار کرتی ہے۔۔ بھری محفل میں کسی اور کے لیے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے۔ اور نکاح کسی اور سے کرنا چاہتی ہے۔ تم قابل نہیں ہو میری سچی محبت کے۔۔ زاران نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو

ابرش نے لڑکھڑاتے ہوئے دیوار کا سہارا لیا۔۔

اس لباس کو اپنے تن سے جدا کرو۔۔ میں اس لباس کو تمھارے بدن پر مزید نہیں دیکھ سکتا۔ آزاد کرو اس لباس کو۔۔۔ زاران اسے سرد انداز میں حکم دیتے صوفے کی جانب بڑھا۔۔ صوفے سے اپنی لیدر جیکٹ اٹھا کر پہنی تھی۔ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائے وہ بنا اس پر کوئی بھی نظر ڈالے کمرے سے نکل گیا تھا۔

زاران کے جانے کے بعد وہ اپنے مردہ وجود کو گھسیٹتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔

ہوٹل گرینڈ ایوینیو کے میٹنگ ہال میں ارحام خانزادہ آف وائٹ تھری پیس سوٹ میں ملبوس بیٹھا تھا۔۔

جہاں بہت سی کمپنیوں کے نمائندے موجود تھے۔یہ ایک بہت بڑا ٹینڈر تھا ۔۔جو تقریباً پانچ سو کروڑ کی مالیت کا تھا۔۔ پچھلے کچھ سالوں سے ٹینڈر ایک ہی کمپنی کو مل رہا تھا۔۔وہ تھی ساحر خانزادہ کی کمپنی۔۔

ارحام نے اپنے سامنے بیٹھے ہوے ساحر خانزادہ کو دیکھا جو جتنا ینگ تھا۔ اتنا ہی ٹیلنڈڈ بھی تھا۔ گرین آنکھوں والا ساحر خانزادہ جو اپنی آنکھوں کی طرح ساحرانہ شخصیت کا مالک تھا۔

وہ یوتھ کا سینسیشن بھی تھا۔۔ اتنا بڑا بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت پاپولر سنگر بھی تھا۔ جس کے کنسرٹ باہر کے ممالک میں منعقد ہوتے تھے۔ جس میں غیر ملکیوں کی بڑی تعداد شامل ہوتی تھیں۔ وہ گرلز میں کافی مقبولیت رکھتا تھا۔۔ کیسے نہ مقبولیت رکھتا اس کی شاندار وجیح پرسنیلٹی کوئی بھی لڑکی اگنور ہی نہیں کر سکتی تھی۔۔ پھر وہ خوبصورت سریلی آواز کا مالک تھا۔

اگر ساحر خانزادہ نہ ہوتا تو یہ ٹینڈر ارحام خانزادہ کی کمپنی کو ہی ملتا۔ ارحام نے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ایک بار پھر ساحر خانزادہ کو دیکھا۔ جو بلو

جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ وائٹ شرٹ اس نے کہنیوں تک فولڈ کر رکھی تھی۔۔ جس میں اس کے سفید بازو کے بھورے بال واضح تھے۔ وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے کافی سنجیدگی سے اپنی کرسی پر بیٹھے اپنے موبائل میں کچھ سکرول کر رہا تھا۔

یہاں جتنے بھی بزنس پرسن تھے۔ کم و بیش سب ہی سوٹ میں ملبوس ٹائی لگائے ہوئے تھے۔۔ صرف ساحر خانزادہ ہی تھا۔۔ جو جینز پر شرٹ پہنے ہوئے تھا۔۔ اس کے چہرے پر مغرورانہ تاثرات بھی تھے۔۔ جیسے اسے کسی کی پرواہ نہیں۔

وہ بے پرواہ حلیے میں کافی سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھا ہوا تھا۔۔

میٹنگ حال کے بڑے سے دروازے سے احمد صاحب اپنے گارڈز کے ہمراہ اندر داخل ہوے تو تمام میٹنگ ممبران اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوے تھے۔۔

احمد صاحب کا نام ہی کافی تھا۔۔ سب کو اپنی اپنی نشست کو چھوڑ دینے کے لیے۔۔ وہ آج خود اس میٹنگ میں شریک ہونے پاکستان آئے تھے۔۔ ورنہ وہ پاکستان کم ہی آتے تھے۔ جو سب کے لیے سرپرائزنگ تھا۔۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے انڈسٹریلسٹ تھے۔۔ جن کی بڑی بڑی انڈسٹریز دنیا کے ہر ملک میں تھی۔۔

اس ٹینڈر کی منظوری بھی احمد صاحب ہی دیتے تھے۔

وہ بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔۔ سرخ و سفید رنگت،، بالوں میں گرے کلر کہیں کہیں نمایاں تھا۔ جو ان کی پرسنیلٹی کو مزید بارعب بناتا تھا۔۔ وہ اس عمر میں بھی کافی پر اثر پرسنیلٹی کے حامل شخص تھے۔۔

احمد صاحب سب سے مل کر اپنی جگہ پر بیٹھے۔۔

انہوں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوے ساحر خان پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔۔ جس نے اٹھ کر ان سے ملنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔ بلکہ اپنے موبائل سے نظریں اٹھا کر ایک بار ان پر نگاہ ڈالنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

احمدی صاحب کی گرے آنکھوں میں ہلکی سی تکلیف کی رمک نمایاں ہوئی تھی۔۔ جسے وہ کمال ہوشیاری سے چھپا گئے تھے۔

میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔۔ سب نے اپنی اپنی کوٹیشن فائل کر دی تھی۔

کچھ ہی دیر میں اناؤسمنٹ تھی۔۔ آج یہ ٹینڈر جیتنے والا کون خوش نصیب تھا۔۔سب جانتے تو تھے مگر پھر بھی اپنی قسمت پر سب چھوڑتے خوش گمان سے تھے۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔۔۔یہ ٹینڈر پھر سے ساحر خانزادہ کو مل چکا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے ٹیبل پر ہلکا سا ہاتھ مارتے گہرا سانس لیا تھا۔۔ارحام خانزادہ کی کمپنی ٹاپ میں کمپنیوں میں شامل تھی۔۔بہت بڑے بڑے پروجیکٹ حاصل کرنے کے لیے اس کا نام ہی کافی تھا۔ مگر وہ سامنے بیٹھے اس انسان سے ہار جاتا تھا۔۔ آخر کیا بات تھی ساحر خانزادہ میں؟؟

سب ساحر خانزادہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔اس سے پہلے ارحام خانزادہ بھی اس کی طرف بڑھتا وہ شان بے نیازی سے اپنی چیئر سے اٹھا تھا۔۔۔

مجھے یہ ٹینڈر نہیں چاہیے۔۔میں اس ٹینڈر سے کوٹ کرتا ہوں۔ساحر خانزادہ نے ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے ذرا سا جھکتے احمد صاحب کی آنکھوں میں اپنی سبز آنکھیں گاڑھتے غراتے ہوے کہا۔۔

وہ یہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا۔بلکہ اپنا کوٹ چیئر سے اتارتے اسے بازو پر ڈالتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

سب حیران اور ششدر نگاہوں سے ساحر خانزادہ کی پشت دیکھ رہے تھے۔۔جو اتنی بڑی مالیت کا پروجیکٹ بنا کسی وجہ کے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔۔

مگر جو لوگ ساحر خانزادہ کو جانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے یہ ساحر خانزادہ ہی کر سکتا ہے۔ جو نفع نقصان سے بہت آگے کی سوچتا تھا۔۔

وہ ایک چوٹ کھایا ہوا انسان تھا۔۔ جسے اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔۔ یہاں تک کہ اب خود کی بھی نہیں۔۔۔

اسفندیار خان گرے ٹراوزر اور گرے ہڈی پہنے گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی سفید رنگت میں شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔ جو کہ سردی کی شدت اور جاکنگ کی وجہ سے تھیں۔ اسی ٹائم زاران خانزادہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی۔۔ اسفندیار خان زاران کی گاڑی دیکھ کر کچھ لمحوں کے لیے رکا تھا۔ زاران خانزادہ نے گاڑی میں بیٹھے ہی اسفند کو سرد نگاہوں سے

دیکھا۔۔ اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں زاران خانزادہ کے لیے صرف نفرت ہی تھی۔۔

زاران خانزادہ کی براؤن آنکھوں میں بھی اسفندیار خان کے لیے کم و بیش یہی تاثرات تھے۔۔ وہ زاران کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتا اندر چلا گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ نے اسفندیار خان کے جانے کے بعد سیٹ سے ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موندے خود کے اظطراب پر قابو پایا تھا۔۔ جو کہ اسفندیار خان کو دیکھتے بہت بڑھ گیا تھا۔۔

اسفندیار کے لفظ پھر سے اس سماعتوں میں سنائی دیتے اسے شدید تکلیف سے دوچار کر گئے تھے۔۔

"وہ تم سے نہیں مجھ سے محبت کرتی ہے"

زاران نے سٹیرنگ پر اپنے آہنی ہاتھ کی گرفت مضبوط کی۔۔

پھر سے کچھ لفظوں کی بازگشت کانوں میں سنائی دی تھی۔

لفظ وہی تھے مگر کہنے والا بدل گیا تھا۔۔

"میں اسفندیار خان سے محبت کرتی ہوں"

زاران کی سفید رنگت میں سرخی کی امیزش شامل ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھے اکسیجن کی مقدار کم لگی تھی۔۔۔وہ گہرے سانس لیتا جلدی سے گاڑی سے نکلتا اندر داخل ہوا تھا۔۔زنان خانے میں داخل ہوتے وہ سب کو اگنور کیے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ درید خان کی پکار پر اسے رکنا پڑا۔۔

زنان خانے کے لاونج میں درید اربد خان سمیع اللہ خان امینہ خانم روزینہ خانم سب ہی بیٹھے ہوے تھے۔۔

وہ درید خان کی پکار پر کچھ پر قابو پاتے ان کی طرف بڑھا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔۔۔زاران نے سب کو دیکھتے سلام کیا۔۔

وعلیکم اسلام۔۔یہ تم کہاں سے آرہا ہے؟؟درید خان نے زاران کے حلیے کو دیکھتے ہوے پوچھا۔

وہ بلیک ٹراوزر پر بلیک لیدر کی جیکٹ میں ملبوس تھا۔۔آنکھوں میں رت جگے اور اضطراب کی سرخی نمایاں تھی۔

میں ڈیرے پر تھا۔زاران خانزادہ جواب دیتے صوفے پر بیٹھا۔۔

امینہ خانم زاران کی حالت دیکھتے گہری سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

زاران تم ابرش کو بابرک کی موت کے بدلے اپنی ونی میں لے کر آیا ہے۔۔ صبح کا نو بج رہا ہے۔ اور وہ مہارانی ابھی تک اپنے کمرے میں آرام فرما رہا ہے۔۔ ونی میں آیا لڑکی کا یہ طور طریقہ نہیں ہوتا۔ اسے اٹھاؤ وہ سب گھر والوں کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کرے۔ کیونکہ ناشتہ کا ٹائم تو ختم ہو چکا ہے۔۔ روزینہ خانم زاران کو دیکھتے نفرت سے ایک ایک لفظ چباتے بولیں۔۔

مورے۔۔۔۔ بابرک کی موت کا بدلہ اسی سے لیا جائے گا۔۔ جو اصل میں قصوروار ہے۔۔ ابرش سے اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔۔ اسفند لاونج میں داخل ہوتے زاران کو دیکھتے بہت کچھ جتا گیا تھا۔۔ زاران اس کے لبوں سے ابرش کا نام سن کر مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ وہ سمیع اللہ خان کا لحاظ کر گیا تھا۔۔ ورنہ ابرش کا نام بھی اب اسفندیار خان کے لبوں سے سننا گوارا

تھا۔۔اب وہ صرف اس کی منگیتر ہی نہیں اس کی بیوی بھی تھی۔ جس پر اب کسی کی غلطی سے ڈلی ہوئی نظر بھی کہاں گوارا تھی۔۔

اسفند یار زاران کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے زاران کے اشتعال ذدہ چہرے کو دیکھ کر زیر لب مسکرایا تھا۔۔

میں آتا ہوں۔۔۔۔زاران لب بھینچے بولتے اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ اسفند کی بات پر اسے رکنا پڑا۔۔

مجھے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔۔عابیر کے بڑے بھائی ہونے کے ناطے تمھارا یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔۔

زاران اسفند کے منہ سے عابیر کا نام سن کر ٹھٹک کر رکا تھا۔

بلکہ سب ہی بری طرح چونکے تھے۔۔روزینہ خانم کے منہ میں کڑواہٹ گھلی تھی۔۔

زاران دوبارہ سے اپنی نشست پر براجمان ہوا تھا۔ابرش کے نام کے ساتھ اپنی بہن کا نام بھی اس خود غرض انسان کے لبوں سے گوارانہ تھا۔

داجی۔۔۔مجھے عابیر سے نکاح کرنا ہے۔۔اسفند نے سب کی سماعتوں پر بم پھوڑا تھا۔۔

سب ششدر نگاہوں سے اسفند کو دیکھ رہے تھے۔

میں پوچھ سکتا ہوں لالا۔یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی؟؟۔۔کل تک تو آپ کچھ اور چاہتے تھے۔آج میری عابی سے نکاح کرنے کا خیال کیسے آگیا؟؟۔شہرام جو

ابھی بھی لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔ اسفندیار خان کی بات سنتے اس کے نقوش تنے تھے۔۔

وہ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ جس پر بلیک شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اسفندیار خان کے مقابل آ بیٹھا تھا۔

اب سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

عابیر کا نام اسے اسفندیار خان کے منہ سے اچھا نہیں لگا تھا۔۔ یہی حال زاران خانزادہ کا تھا۔۔

دونوں بھائیوں کے چہرے پر غصے کی سرخیاں گھلی دیکھتے اسفندیار خان اطمینان سے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

روزینہ خانم پہلی مرتبہ شہرام خانزادہ کو غصے میں دیکھ رہی تھیں۔ ورنہ وہ بڑوں کے سامنے ہمیشہ اپنے غصے پر کنٹرول رکھتا تھا۔

ورنہ وہ بھی زاران خانزادہ سے کم غصے کا تیز نہ تھا۔۔ شاہنواز اور دلنواز خان پر سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کافی مرتبہ حملہ کر چکا تھا۔۔

سمیع اللہ خان،، درید خان،، اربد خان یہاں تک حویلی کا ہر مرد دشمنی سے پیچھے ہٹ جاتا تھا۔۔ مگر شہرام کسی کو آسانی سے معاف نہیں کرتا تھا۔۔ وہ سب کے سامنے خاموش ضرور ہو جاتا تھا۔ مگر کرتا اپنی مرضی ہی تھا۔۔ سب سے زیادہ وہ نرمی صرف بہارے گل کے لیے ہی دکھاتا تھا۔۔ یہ گھر کا ہر فرد جانتا تھا۔ بہارے گل اس کی کمزوری ہے۔۔

روزینہ خانم شہرام کو غصے میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئی تھی۔ اسفند کا مطالبہ سن کر بھی وہ پریشان ہوئی تھیں۔ وہ کبھی عابیر کو اسفند کی دلہن کے لیے قبول نہیں کر سکتی تھیں۔

شہرام ہم ادھر موجود ہے۔۔ ہم بات کرے گا اسفند یار خان سے۔۔ تم خاموش رہو۔۔ سمیع اللہ خان نے شہرام کو غصے میں دیکھ کر کہا۔

داجی۔۔۔۔ یہ میری عابی کا معاملہ ہے۔۔۔ پہلے بھی ایک مرتبہ آپ بڑے اس کی زندگی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہم دونوں بھائی کریں گے۔۔ میں اپنی عابی کو ڈاکٹر بناؤں گا۔۔ اس کا نکاح کرنے کا ہمارا کوئی آرادہ نہیں ہے۔۔ شہرام ابھی بھی اسفند یار خان کو اپنی سخت نظروں کے حصار میں لیے ہوے تھا۔

کیا چاہتے ہو اسفند کھل کر اپنا مدعا بیان کرو۔۔ یہ بیٹھے بٹھائے تمھیں میری بہن سے نکاح کا خیال کیوں آ گیا؟۔۔

زاران نے اسفند کو گھورتے صوفے سے ٹیک لگائے سکون سے پوچھا۔۔ وہ کیا چاہتا تھا؟؟ کل تک وہ ابرش سے نکاح چاہتا تھا۔۔ آج عابیر سے۔۔ وہ اس کی دشمنی میں اسے تکلیف پہنچانا چاہتا تھا یا اس کے رشتوں کو۔۔ آخر اسفند یار کا مقصد کیا تھا؟؟۔ زاران خانزادہ نے اسفند کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔

اپنے بھائی کی بیوہ کو سہارا دینے کا خیال آ گیا مجھے۔۔

اسفند نے بھی جواباً اطمینان سے کہا۔۔

عابیر کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔۔زاران مشتعل ہوتے اونچی آواز میں دھاڑا۔۔

درید خان،، اربد خان،۔ سمیع اللہ خان تنے ہوے سپاٹ نقوش کے ساتھ ان سب کو دیکھ رہے تھے۔۔جو بھول ہی چکے تھے وہ لوگ بھی وہاں پر موجود ہیں۔

زاران، شہرام ہم ابھی زندہ ہے۔۔اگر تم سب کو لگتا ہے کہ ہم مر چکا ہے تو پھر تم اپنی مرضی سے تمام فیصلہ لے لو۔۔ہم تم کو نہیں روکے گا۔۔ویسا بھی ایک مرے ہوے انسان پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔اس کی باتوں کو اہمیت نہیں دیا جاتا۔۔ سمیع اللہ خان گرجتے ہوے صوفے سے اٹھے تھے۔۔

درید خان اور اربد خان بھی سمیع اللہ خان کی تقلید صوفوں سے اٹھ کھڑے ہوے تھے۔اب اپنے سپوتوں کو غصے سے دیکھ رہے تھے۔۔جو بڑے چھوٹوں کا لحاظ بھول چکے تھے۔

سمیع اللہ خان کے بدن میں کپکپاہٹ واضح تھی۔۔وہ سرخ چہرہ لیے بمشکل ہی خود پر قابو پائے لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے۔۔ان بدن میں کپکپاہٹ دیکھتے زاران صوفے سے اٹھا۔۔

داجی۔۔۔۔زاران پریشانی سے ان کی طرف بڑھا۔۔شہرام اور اسفندیار خان بھی جلدی سے صوفوں سے اٹھے تھے۔۔

روزینہ خانم اور امینہ خانم پریشانی سے سمیع اللہ خان کی طرف بڑھیں۔۔

سمیع اللہ خان نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو غضبناک نگاہوں سے گھوتے اپنی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔

اس حویلی میں کوئی بڑا ہے یا نہیں۔۔ جس کا جو دل میں آتا ہے۔۔ وہ کرتا ہے۔۔ درید خان اور اربد خان نے بھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔۔ مگر تم لوگوں کی طرح نہیں تھا۔

تم لوگوں کا جہاں دل کرتا ہے وہاں ہی بپھرے سانڈ کی طرح گھس جاتا ہے۔۔ سمیع اللہ خان کی شیر سی غراہٹ پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔

سمیع اللہ خان کی گردن اور ماتھے کی رگیں تک واضح تھیں۔ ان کی طبعیت کے پیش نظر اب سب خاموشی سے کھڑے تھے۔۔ مگر ایک دوسرے کو ابھی بھی گھور رہے تھے۔

وہ ارحام خانزادہ جو بڑا غیرت مند بنا پھرتا ہے۔ مگر جرگے میں اپنا ہی بیوی کو طلاق دیتے ہوے اس کا غیرت پتہ نہیں کہاں سو گیا تھا۔

اور تم زاران اپنا نکاح کے دن تماشہ لگا بیٹھا۔۔ ایک عورت کو کیسے سنبھالتے ہیں۔ تم کو پتہ ہی نہیں ہے۔۔ اتنا ہی غیرت مند اور غصے کا تیز تھا تو اس سے نکاح کرنے کی بجائے اس کی لاش حویلی لے کر آتا۔۔ ہم تب مانتا تم میں کتنا غیرت ہے۔

سمیع اللہ خان نے غصے سے زاران کے سرخ چہرے پر نظر ڈالی جو سمیع اللہ خان کی بات پر مزید سرخ ہوا تھا۔۔

اور اسفندیار خان تم نے تو سارے شرم لحاظ ہی ختم کر ڈالا۔۔۔

اپنا بھائی کا منگیتر اپنا ونی میں مانگ لیا۔۔اب ہم تمھارا منہ سے کبھی بھی ابرش کا نام نہ سنے۔

سمیع اللہ خان نے اب اسفندیار خان کو لتاڑتے ہوے اسے تنبیہ کی۔۔

پورا برادری کے سامنے تم سب نے ہم کو منہ اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔۔اگر تم سب کو ہمارا وجود گوارا نہیں ہے ہم چلا جاتا ہے یہاں سے۔۔ سمیع اللہ خان گرجتے ہوے بول رہے تھے۔ان کی آنکھوں کی سرخی اور ماتھے کی رگوں سے واضح تھا۔ان کا بی پی شوٹ کر رہا ہے۔

اس خاندان کے لیے ایک ہی ڈاکٹر کافی ہے۔ڈاکٹر بہارے۔۔۔ جس کا مزاج ہی نہیں ملتا۔۔۔ آج کتنا دن ہو گیا وہ اپنا کمرے سے نہیں نکلا۔۔کوئی مر بھی جائے وہ اپنا کمرے سے نہیں نکلتا۔۔پہلے تم اپنا عورت کا مزاج ٹھیک

کرو۔۔ پھر بات کرنا ہم سے۔۔ سمیع اللہ خان نے گہرے سانس لیتے خشمگیں نگاہوں سے شہرام کو گھورا تھا۔

عابیر تم دونوں کا بہن نہیں۔۔ ہمارا بھی پوتی ہے۔۔ ہم عابیر کا نکاح اسفندیار خان سے کرے گا۔۔ جس کو ہمارا فیصلہ پر اعتراض ہے۔ وہ بتا سکتا ہے۔۔ ہم اس کا اعتراض اپنے سینے پر گولی مار کر ہی دور کرے گا۔ سمیع اللہ خان اپنا فیصلہ سنا کر وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

اربد خان درید خان سب کو ہی گھورتے چلے گیے تھے۔۔ روزینہ خانم بھی غصے سے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

لاونج میں اب زاران اسفندیار خان اور شہرام خانزادہ تھے۔۔

لالا مجھے یہ فیصلہ قبول نہیں ہے۔۔ میں عابیر کی زندگی کو مزید کسی مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔۔ شہرام اسفندیار خان کو گھورتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

زاران غصے سے اسفندیار خان کی طرف بڑھا ہی تھا کہ درخشاں کی بات پر رکا۔۔

زاران لالا۔۔ ابرش بھابھی اوپر کمرے میں بیہوش پڑا ہے۔۔ ہم نے بہت کوشش کیا مگر وہ اٹھ ہی نہیں رہا۔۔

زاران درخشاں کی بات سنتے اسفند کو سرخ سرد نظروں سے گھورتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔

ساحر خان میٹنگ ادھوری چھوڑ کر اپنے آفس چلا آیا تھا۔۔ سگریٹ لبوں سے لگائے وہ اپنے آفس کے گلاس ڈور سے سر سبز پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

گلاس ڈور پر دھند کی وجہ سے نمی سی تھی۔۔ جسے وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہلکا سا مسکرایا۔۔ بڑا واضح منظر آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔

دروازہ ناک ہونے پر ساحر خان اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آتے پلٹا تھا۔

اندر داخل ہونے والی ہستی کو دیکھ کر وہ چونکا۔۔۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں زرمش ؟؟۔ اس نے اپنے سامنے بلیک چادر میں لپٹی زرمش خان کو دیکھتے حیرانگی سے پوچھا۔۔۔

میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔۔ ساحر خان۔۔۔ آپ کتنے دنوں سے گھر نہیں آئے۔۔ چچا آپ کو یاد کر رہے تھے۔۔ زرمش خان، ساحر کو دیکھتے بولی۔۔

مگر اس وقت تو آپ کو یونیورسٹی میں ہونا چاہیے تھا۔۔ یہاں نہیں۔۔ وہ سنجیدگی سے کہتا اپنی چیر کی طرف بڑھا۔۔

میں جانتی ہوں آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔۔ مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں چلی آئی۔۔ زرمش خان نے اپنی نیلی آنکھیں ساحر خان کی آنکھوں میں گاڑھتے جواب دیا۔۔

ایسی بات نہیں ہے مجھے کیوں برا لگے گا؟؟۔۔ آپ کا یہاں آنا۔۔ یہ آفس جتنا میرا بھی ہے اتنا آپ کا بھی ہے۔ آپ کا پورا حق ہے اس آفس

پر۔۔۔ آپ کبھی بھی یہاں آسکتی ہیں۔ ساحر زرمش خان کو دیکھتے ہلکا سا مسکرایا۔

ساحر خان کے گال میں پڑنے والے گڑھے کو دیکھتے زرمش مبہوت ہوئی تھی۔۔ دل بے اختیار اس گڑھے کو چھونے کے لیے مچلا تھا۔۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح دل کی پکار کو نظر انداز کر گئی تھی۔۔

وہ سامنے بیٹھے انسان پر حق رکھنے کے باوجود کبھی اپنا حق جتا ہی نہ سکی تھی۔۔ مقابل نے کبھی اتنا اختیار دیا ہی نہیں تھا۔

مجھے اس آفس پر نہیں آپ پر حق چاہیے۔۔ بولیے دیں گے آپ مجھے حق۔۔ زرمش نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سامنے بیٹھے ستمگر سے مخصوص سوال کیا۔۔ جو ہر بار نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کر بیٹھتی تھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح اس کے جذبوں سے انجان بنتا اپنی نظریں چرا گیا تھا۔

آپ سب جانتے ہوئے بھی بار بار ایک ہی بات کیوں کرتی ہیں؟؟۔ساحر کی آنکھوں میں غصے کی پرچھائی لہرائی تھی۔۔

آپ اسے بھول کیوں نہیں جاتے ساحر خانزادہ؟؟۔۔۔زرمش نے ہچکی بھرتے ہوئے سوال کیا۔۔

اسے بھولنا آسان نہیں ہے۔۔ آپ مجھ سے میری سانسیں چھیننے کی بات کر رہی ہیں زرمش ضرار خان۔ساحر خان کرسی سے اٹھ کر چیخا تھا۔۔

زرمش ضرار خان نہیں۔۔زرمش ساحر خان۔۔۔زرمش خان بھی جوابًا چیخی تھی۔۔

اپنی آواز پر قابو پایئے۔۔ آواز نیچے رکھیں میرے سامنے۔۔ ساحر خان نے ناگواری سے ٹوکا۔۔

ساحر میں آپ کی دوسری بیوی بننے کو تیار ہوں۔ پلیز مجھے کبھی اپنی زندگی سے باہر نہ نکالیے گا۔۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔ زرمش خان بے بسی سے اس ستم گر کے سامنے پھر سے رو پڑی تھیں۔ جس کے سامنے نہ رونے کی وہ سارے راستے عہد کرتی آئی تھی۔

مجھے بھی یہی لگتا تھا وہ میری زندگی سے چلی گئی میں مر جاؤں گا۔ دیکھو میں آج بھی زندہ ہوں۔۔ کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔۔ ساحر خان برفیلے لہجے میں بولتے زرمش خان کے وجود میں برف اتار گیا تھا۔

اگر کبھی وہ اپ کو مل گئی تو کیا آپ مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں گے۔۔زرمش نے آج اس سوال کا جواب جاننا چاہا تھا۔۔جو اس کی راتوں کی نیند حرام کر دیتا تھا۔۔

آپ کو لگتا ہے میں اپنے عشق سے کبھی بیوفائی کروں گا۔۔وہ میری منگیتر ہی نہیں۔۔بلکہ ساحر خانزادہ کا عشق تھی۔

اس کے لیے میں جنت چھوڑ دوں۔دنیا کیا چیز ہے۔۔۔۔ساحر خان کی بات پر زرمش نے آنکھیں میچے آنسو بہائے تھے۔۔

کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں۔۔۔۔۔مجھے تو سب بہت خوبصورت کہتے ہیں۔زرمش کے معصومانہ سوال پر ساحر خان نے کی نظریں اس پر بے اختیار اٹھیں۔

سفید گلابی رنگت۔۔ نیلی گہری آنکھیں۔۔۔۔ گھنی خمدار پلکیں،، کٹاودار گلابی ہونٹ وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔۔ کسی بھی مرد کی آئیڈیل ہو سکتی تھی۔ مگر وہ وہ نہیں تھی جس سے ساحر خانزادہ عشق کرتا تھا۔۔

جس کے لیے میں جنت تک چھوڑ دوں۔ وہ جنت کی حور ہی ہو سکتی ہے۔۔ اس جیسا حسن آپ میں کہاں؟۔ وہ میرے لیے حور ہی تھی۔۔ میرا عشق۔۔۔

ہاں عشق۔۔ میرا عشق۔۔ وہ زیر لب یہ لفظ دہراتے اس کے خوبصورت معصوم چہرے کو یاد کرنے لگا۔

عشق ہی تو بلاتا تھا وہ اسے۔۔۔۔ ساحر خان کی آنکھوں میں نمی پھر سے اس کا حصہ بنی تھی۔

زرمش نے ساحر خان کی آنکھوں میں اس نمی کو دیکھا جو ایک انسان کے چلے جانے کے بعد اب ان سبز آنکھوں کا ہی حصہ بن گئی تھی۔

چلتی ہوں میں۔۔زرمش نے اپنے لب کاٹتے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔۔

رکیں زرمش۔۔۔۔میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔۔ساحر خان نے آگے بڑھتے زرمش کے بازو کو نرمی سے اپنی گرفت میں لیا۔۔

اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔۔بدن میں کپکپاہٹ چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔۔

ساحر خان میں آپ کو کبھی بھی خود کو چھوڑنے نہیں دوں گی۔۔ کیونکہ زرمش خان آپ سے عشق کرتی ہے۔۔ زرمش خان کے عشق کی حدت میں آپ ایک دن ضرور جلیں گے۔۔ اور زرمش ساحر خان اتنا دھتکار کھانے کے باوجود بھی خود کو آپ کے سپرد کر دے گی۔۔ زمش ساحر خان کے لیے آپ کی دی ہوئی تذلیل بھی سر آنکھوں پر۔۔۔۔ زرمش خان ساحر خان کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔۔ پھر اپنی نیلی نکھوں کو رگڑتے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو وہ ڈریسنگ روم کے دروازے کے پاس بے سدھ زمین پر پڑی تھی۔۔ وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

اسے بانہوں میں نرمی سے اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔ اسے احتیاط اور نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس کی پیشانی پر اپنی ٹھنڈی انگلیوں کا لمس رکھا تو پیشانی جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔۔ ابرش کا پورا بدن آگ کی بھٹی کی مانند تپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔۔

وہ بے سدھ ہوش و حواس سے بیگانہ پڑی تھی۔۔ زاران اس کے وجود پر نگاہ ڈالتے سختی سے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

وہ ابھی تک زعیم کے دیے ہوئے لباس میں موجود تھی۔۔ جسے دیکھ کر زاران کے دماغ کی رگیں پھڑک اٹھیں۔۔ اس ڈریس میں اس پر نگاہ ڈالنے سے صرف اس کے بدن میں شرارے ہی پھوٹتے تھے۔ یہاں تک کہ اس

کی طبعیت کی بھی اسے پرواہ نہیں رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اس ڈریس سے ابرش کا جسم آزاد کرنا چاہتا تھا۔

وہ آنکھوں میں غصے کی حدت لیے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔۔۔ڈریسنگ روم کی کبرڈ میں ابرش کے پہننے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہاں اس کا کوئی بھی سامان نہیں تھا۔۔ وہ اپنی ایک شرٹ نکال کر کمرے میں واپس آیا ۔۔اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کا بے جان وجود اپنے سینے سے لگائے اس کی بلاوز کی ڈوریاں اور سائیڈ زپ کھولتے بلاوز اس کے جسم سے ایک ہی جھٹکے سے ریموو کیا۔۔ اس کی طرف دیکھنے سے وہ مکمل احتراظ برت رہا تھا۔

مگر نگاہ پھسلتے اس کے شفاف مومی بدن پر آن ٹھہری تھی۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔۔ اس قیامت خیز بدن سے نگاہ پھیرنا کہاں آسان تھا؟؟؟

اپنی نظریں مستعدی سے چراتے اس کے ہاتھ لہنگے میں الجھے تھے۔ دل و دماغ میں حق ملکیت کی گردش کی گردان ہونا شروع ہو گئی تھی۔ خود پر ضبط مشکل ہوا تھا۔ غصہ اور اشتعال کی جگہ بدن میں اب بہت سے تقاضوں نے آچانک سر دھننا شروع کیا تھا۔ اس کی بے پناہ خوبصورتی نے اپنی طرف کھینچتے کچھ پلوں کے لیے تمام نفرت غصہ کہیں دور جا سلایا تھا۔۔۔ وہ بے بے اختیاری میں اس کے نزدیک ہوتے اس پر گھٹا بن کر چھایا۔۔

اپنے سخت ہاتھوں سے اس کے بدن کی نازکی محسوس کرتے اس کی نرماہٹوں میں کھوئے اپنا حق جتانے لگا۔۔۔ بے ہوشی میں بھی وہ اس کے لمس اور

قربت پر جیسے جھٹپٹائی سی تھی۔ اسے اس کا وجود بیہوشی میں بھی گوارا نہیں وہ اس کے جھٹپٹانے پر غصے سے اس کے نچلے لب کو اپنی سخت گرفت میں دبا گیا۔

اس کی بیوفائی کا بدلہ جیسے وہ اس کے نازک لبوں پر اتارتے اپنی تپتی آگ جیسی سانسیں اس کے اندر انڈیل کر پورا کر رہا تھا۔۔ ابرش اس کی سختی پر پھڑپڑا کر رہ گئی تھی۔۔ اس کی نیم بیہوشی میں بھی کسمساہٹ اور مزاحمت کہاں گوارا تھی بھلا۔؟؟؟۔۔۔ جسم و جاں میں اس کی بیوفائی کا زخم ناسور بنتے اس کی رگوں میں خون کی جگہ آگ کا آلاؤ دوڑنے لگا تھا۔۔۔ اس کی بے رحم لمس پر اس کا بے جان ہوتا جسم مزید بے جان ہوا تھا۔۔ زاران کے حلق میں خون کا ذائقہ اترا تو اس نے اپنے وحشی لمس سے اسے آزادی دی تھی۔ اس کے نچلے لب پر اس کا دیا ہوا سفاک لمس گہرے زخم کے طور پر

موجود تھا۔۔ ایک بار وہ پھر سے اس کے لبوں پر جھک کر اپنے لمس سے اس کے زخم پر مرہم سا رکھ گیا۔ جتنی سختی پہلے تھی اب اتنی ہی نرمی تھی۔ اس کی سانسوں کی مہک اپنی سانسوں میں گھولتے وقتی طور پر وہ ہر چیز سے انجان ہوتے اس کی قربت میں اپنا سکون ڈھونڈنے لگا۔۔ لبوں سے لب ٹکرائے۔۔۔ سانسوں سے سانس ٹکرائی تو وہ اس کی آتش فشاں قربت میں مزید بہکتے اس کی شفاف گردن پر آیا۔۔۔ اس کی نازک گردن پر جگہ جگہ دانت سختی سے گاڑھتے وہ اس کے سسکنے کی پرواہ کیے بغیر مکمل طور پر اس میں گم اپنا حق جتاتے اس کے بدن پر اپنی محبت کی مہر لگا رہا تھا۔۔ عجیب سی تشنگی عجیب سا نشہ اس کی سانسوں میں مہکتے اسے ہر چیز سے بے نیاز کر گیا تھا۔۔ اس کے لب اب نرمی سے اس کی دھڑکنوں کے مقام پر محو سفر ہوے۔۔ آنکھیں سرخ نشیلی ہوئیں۔ دہکتے لمس کی حدود اور تجاوز بڑھنے

لگیں۔ نیم بیہوشی میں بھی اس کا وجود سسکنے لگا تھا۔۔ اس کا تڑپنا سسکنا محسوس کرتے اس کے ہاتھوں میں لہنگے کی سلوٹیں بڑھنے لگیں۔۔۔ دفعتاً اس کے ہاتھ رکے تھے۔

وہ لفظوں کی بازگشت میں پھر سے الجھا تھا۔۔

اس کے کہے ہوئے لفظ نہ صرف اس کی سماعتوں میں بلکہ اس کے بدن پر بھی پگھلا ہوا سیسہ انڈیل رہے تھے۔۔ لفظوں کے داؤ پیچ میں الجھا تو لمس نے شدت اختیار کی تھی۔

اس کی بیوٹی بون میں اس کے دانتوں نے بے رحمی سے اپنا لمس اتارا تو خون کی ننھی ننھی بوندیں اس کی نازک دودھیا گردن پر چمکنے لگی۔۔ تکلیف کی شدت سے نیم وجود بیدار ہونا شروع ہوا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے جھٹکنے کی کوشش کی۔۔

زاران بھی کرنٹ کھا کر اس سے سے دور ہوا تھا۔ جیسے کسی اچھوت کو چھو لیا ہو۔۔

اس کے بے رحم لمس سے آزادی ملی تو وہ پھر سے نیم جاں ہوئی تھی۔

ابرش کے لفظ پھر سے زہریلے ناگ کی طرح ڈستے اسے اس سے صدیوں کے فاصلے پر لے گئے تھے۔ زاران اس سے دور ہوتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے اندر اٹھتے تقاضوں کو سلاتے خود پر قابو پانے لگا۔۔ یہ لڑکی کسی صورت اس کی شدتوں اور جنون کی حقدار نہ تھی۔ وہ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد خود پر قابو پاتے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اب کی بار کمرے کی لایٹ آف کرتے اس نے اسے اپنی شرٹ پہنائی تھی۔ اس کی انگلیاں اس کے تپتے بدن کو چھو کر اسے احساس دلا رہی تھیں کہ اسے بہت تیز

ٹمپریچر ہے۔۔وہ صیح معنوں میں پریشان ہوا تھا۔۔وہ تو بالکل بے جان بے سدھ پڑی تھی۔۔اسے ہوش میں لانا ضروری تھا۔

زاران کمرے کی لایٹ ان کرتے اس کی طرف آیا تو ایک بار پھر سے اسے اس کے مسحور کن بدن سے نظریں چرانی پڑی تھیں۔

اس کی سفید شرٹ جو گھٹنوں تک آرہی تھی۔اس میں اس کا قیامت سا بدن غضب ڈھا رہا تھا۔۔وہ اب جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔اپنی نظریں چاہ کر بھی ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

ابرش رنگ بخار کی شدت سے تمتماتا سرخ پڑ رہا تھا۔۔جس کی وجہ سے گال سرخ گلاب لگ رہے تھے۔جس پر گھنی خمدار پلکیں، کٹاؤ دار سرخ ہونٹ،،ابرش بلاشبہ ایک پری پیکر حسن رکھتی تھی۔وہ مکمل حسن کا مجسمہ تھی۔۔

اس کا حسن اسے اپنی طرف اٹریکٹ ضرور کر رہا تھا۔۔ مگر اس کا دل موم نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ وقتی طور پر اس کے حسن سے گھائل ہوتے بہک ضرور گیا تھا۔ مگر وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔۔ جس نے صرف اس کے مقابل آنے کے لیے اس سے بیوفائی کی۔ وہ اس کے زعیم سے نکاح کرنے کو اس کی ضد اس کی خودسری قرار دے سکتا تھا۔ مگر جرگے میں اس کے لبوں سے اسفند کے لیے نکلے گئے لفظ معاف نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ زاران نے اپنے سرخ ہوتے چہرے پر ہاتھ پھیرتے کاٹ دار نگاہوں سے اس کے قیامت خیز سراپے پر نگاہ ڈالی۔

اسے وہ کسی قریبی ہاسپٹل نہیں لے کر جا سکتا تھا۔۔ وہ یقیناً ہوش میں آتے ہاسپٹل میں کوئی بھی تماشہ کر سکتی تھی۔۔ وہ سختی کر کے اس پر قابو تو پا سکتا

تھا۔ مگر اس کی اتنی نازک حالت میں فی الحال اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔

زاران نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا جگ اٹھائے بڑی سفاکی سے اس کے چہرے پر انڈیلا تو ابرش کی ساکت پلکوں میں جنبش ہوئی تھی۔۔ اپنی آنکھیں بمشکل کھولتے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ زاران پر نظر پڑھتے وہ یکدم ہڑبڑاتے ہوئے اٹھی تھی۔۔ نقاہت کے سہارے اٹھنا مشکل تھا۔۔ مگر زاران سرد سرخ نگاہوں نے اس کے اندر جیسے برقی رو دوڑائی تھی۔۔ وہ گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ مقابل کہیں اپنا غصہ اشتعال اس کے بدن پر نہ اتار دے۔۔ وہ انجانے میں اس سے یہی خوف کھائے بیٹھی تھی۔۔ اچھی طرح جانتی تھی شوہر نامی بلا اپنی مردانگی حق کی آڑ میں زبردستی ہی تو جتاتا ہے۔۔

ابرش نے گہرے سانس بھرتے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا.. اسے نقاہت کمزوری خوف کے باعث اسے اپنا سر گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ دفعتاً ابرش کی نگاہ زمین پر پڑے اپنے بلاوز اور لہنگے پڑ پڑی تو آنکھوں میں حیرانگی کے ساتھ خوف وہراس لیے اس نے زاران کو دیکھا تھا۔ اپنے بدن پر اس کی شرٹ دیکھ کر اس نے سرخ چہرے کے ساتھ ایک بار پھر سے زاران کو دیکھا تھا۔۔ جو بتھریلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ اس کی سرد پتھریلی نگاہوں سے نظریں چراتے وہ اپنے لب کاٹتے کمبل سینے تک لپیٹ چکی تھی۔ نچلے لب پر تکلیف سی محسوس ہوئی تھی۔۔ ابرش نے اپنی کانپتی انگلیاں نچلے لب پر رکھی جہاں گہرائی سی محسوس ہوئی۔۔ انگلی پر خون کی ننھی بوند آن ٹھہری تھی۔۔۔

اٹھو شاور لو۔۔۔ تاکہ تمھارا بخار اترے۔۔۔ زاران اس کی حیرانگی نظر انداز کیے حکم دیتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔۔

مگر ابرش کو بیڈ پر ہی جمے دیکھ کر وہ ٹھہرا تھا۔۔

کیا کہہ رہا ہوں میں تم سے ؟؟ اٹھو اور شاور لو۔۔ زاران نے پلٹتے ہوئے درشت آواز میں اپنے الفاظ دہرائے تو وہ اس کی سرد آواز پر جلدی سے بیڈ سے اٹھی۔ مگر چکر آنے پر وہ بیڈ کراؤن کی سطح تھامے بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔۔ وہ دو قدم چل لیتی بڑی بات تھی۔۔ وہ اسے شاور لینے کو کہہ رہا تھا۔ اپنا سراپہ دیکھتے اس کے قدم اٹھنے مشکل تھے۔

وہ صرف اس کی شرٹ میں ملبوس تھی۔۔اس حلیے میں اس کے سامنے وہ لب کاٹتے شرم وخفت سے سرخ پڑ رہی تھی۔۔ایک رات ہی تو ہوئی تھی اس کے نکاح میں آئے ہوے۔۔ جھجھک مانع تھی۔۔

وہ اس کا گریز شرم محسوس کرتے بنا اس پر غلط نگاہ ڈالے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔۔اپنی ناقدری پر اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ اٹھی تھیں۔اس میں اتنی ہمت نہیں تھی وہ دو قدم بھی چل پاتی۔۔وہ اسے شاور لینے کو کہہ رہا تھا۔ بھلا بخار میں کون شاور لیتا ہے؟؟؟۔۔وہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھی تو لے کر جا سکتا تھا..

وہ کیوں لے کر جائے گا اسے ڈاکٹر کے پاس؟؟۔۔۔میں ونی میں آئی ہوئی اس کی بیوی ہوں۔۔ کل رات وہ مجھ پر جتا تو چکا ہے کہ میں ونی میں آئی ہوئی ایک حقیر سی لڑکی ہوں۔۔۔ابرش نے تلخی سے خود سے سوال وجواب کرتے ہوے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔

اپنے ناتواں وجود کو بمشکل ہی گھسیٹتے ہوے وہ واش روم کی طرف بڑھی

اسفند تم یہ نکاح نہیں کرے گا۔۔روزینہ خانم نے اسفند کو دیکھتے کہا جو کمرے میں رکھے ان کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھا تھا۔ آپ مجھے کیوں روک رہی ہیں مورے؟؟۔یہ تو اچھی بات ہے. میں بابرک کی بیوہ کو اپنا رہا ہوں۔۔ آپ کو کیا اعتراض ہے؟؟۔۔اسفند نے تحمل سے کہتے صوفے کی

پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی کنپٹی سہلائی تھی۔۔ جہاں شدید درد اٹھ رہا تھا۔۔

آنکھیں بھی ضرورت سے زیادہ سرخ تھیں۔۔ اج کل وہ سب کچھ اپنی فطرت کے برعکس کر رہا تھا۔۔ جس کی وجہ سے اس کی کنپٹیوں میں شدید درد اٹھنے لگتا تھا۔

اس لڑکی نے کبھی زندگی میں ہمارا بیٹا بابرک کو اپنا شوہر نہیں مانا۔۔ اس نے کبھی اس سے سیدھا منہ بات نہیں کیا۔۔ پھر وہ اس کی بیوہ کیسے ہو گیا۔۔؟؟ روزینہ خانم زہر خند لہجے میں بولیں۔۔

بہارے نے بتایا تھا اس نے کیسے ہمارا بابرک کی آنکھوں میں مرچیں پھینکا تھا۔۔ کتنا دن اس کی آنکھوں کی سرخی نہیں گیا تھا۔۔ جو تکلیف اسے ہوا تھا وہ الگ۔۔ روزینہ خانم کے لہجے کے ساتھ شدت غم سے آنکھیں بھی بھیگ اٹھی تھیں۔

آپ فکر نہ کریں مجھے وہ اپنا شوہر بھی مانے گی۔۔ اور ہر چیز کا حساب بھی دے گی۔۔ اس کے سارے کس بل اس کی اکڑ میں منٹوں میں نکال دوں گا۔۔ آخری جملہ اس نے دانت پر دانت جمائے زیر لب کہے تھے۔۔ مگر آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔

تم یہ سب بابرک کی موت کا بدلہ لینے کے لیے کے لیے کر رہا ہے۔۔ مگر عابیر پھر بھی ہمیں اپنا بہو کے روپ میں گوارا نہیں ہے۔ روزینہ خانم عابیر کے غیر معمولی حسن سے خائف تھیں۔۔ زاران کی بہن ہونے کی وجہ سے

وہ اس سے نفرت بھی کرتی تھیں۔۔وہ کسی صورت اسے صفدر کی بیوی کے روپ میں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

تم نے بدلہ ہی لینا ہے تو تم آہل کا بہن عنائیہ کو اپنی ونی میں لے آؤ۔۔وہ آہل جہاں بھی چھپا ہوا ہے وہ واپس آجائے گا۔۔اور ہمارا سینہ میں بدلہ کی دہکتی آگ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔۔اس آہل کی موت کی صورت میں۔

روزینہ خانم کی بات پر اسفند کرنٹ کھا کر صوفے سے کھڑا ہوا۔۔مورے یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟ آپ ہوش میں تو ہیں۔وہ پندرہ سال کی چھوٹی سی بچی ہے۔۔یہ بات آپ سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟؟۔اسفند نے بے یقینی سے روزینہ خانم سے کہا۔۔

ونی میں دس دس سال کا بچیاں آجاتا ہے۔۔وہ تو پندرہ سال سے اوپر کا ہے۔۔

مگر مورے۔۔۔۔ابرش زاران کے نکاح میں ونی کے طور پر آچکی ہے۔۔وہ روزینہ خانم کی بات غصے اور اشتعال سے بیچ مین ہی کاٹ چکا تھا۔۔اسے روزینہ خانم سے اس حد تک سفاکی کی امید نہ تھی۔

اسفند تم بیوقوف بن سکتا ہے۔۔مگر ہم نہیں۔۔زاران نے اسے اپنے نکاح میں لینے کے لیے ونی کا ڈرامہ کیا ہے۔۔کیونکہ وہ کسی بھی صورت اسے تمھارے نکاح میں نہیں دینا چاہتا تھا۔۔

اور تم بھی اسے اپنے نکاح میں لینے کے لیے کیوں تڑپ رہا تھا.. ہم اچھی طرح جانتا ہے۔۔روزینہ خانم کا لہجہ طنزیہ ہوا تھا۔

وہ روزینہ خانم کے بات پر چونکا۔۔

کیا کہنا چاہتی ہیں آپ مورے؟؟ اسفند نے ان کے طنزیہ انداز پر سنجیدگی سے دریافت کیا۔ یہی کہ تم ابرش کو اپنی ونی میں لانے کے بعد کبھی اسے تکلیف نہ پہنچاتا۔۔ یہ وہی لڑکی ہے ناں جس کا تم نے ایک مرتبہ فون پر ذکر کیا تھا۔۔

روزینہ خانم کی بات سنتے وہ رخ پلٹ گیا تھا۔۔ اپنا نچلا لب دانتوں دبائے اس نے اپنی گھنی بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے اندر اٹھتی طغیانی پر قابو پانے کی ناکام سعی کی تھی۔۔۔ وہ بھول چکا تھا وہ ابرش کے لیے اپنی محبت کا ذکر روزینہ خانم سے کر چکا تھا۔۔

منہ مت چھپاؤ اسفندیار خان۔۔۔ تم عابیر سے نکاح نہیں کرے گا۔۔ یہ ہمارا حکم ہے۔۔ تم عنائیہ سے نکاح کر لو۔ دیکھنا وہ آہل منہ کے بل چلتا ہوا آئے گا۔

ابرش اپنا بہن سے بہت پیار کرتا ہے۔۔ ہم نے دیکھا تھا جب وہ ادھر آیا تھا۔۔ عنایہ کو ذرا سا چوٹ لگا تھا۔۔ وہ ساری رات روتا رہا تھا۔۔

عنائیہ کو تکلیف میں دیکھ کر ابرش تڑپے گا۔۔ اور اسے دیکھ کر زاران تڑپے گا۔۔ زاران نے اگر آہل کو چھپایا بھی ہے تو وہ ضرور آہل کو ہمارے سامنے پیش کرے گا۔

مورے۔۔۔۔ میں کبھی بھی ایک چھوٹی سی بچی پر ظلم نہیں کروں گا۔۔ نہ اس سے نکاح کروں گا۔۔ میں اپنے بدلے کے لیے اتنا نہیں گر سکتا کہ ایک

چھوٹی سی بچی کو استعمال کروں۔جو بلکل معصوم اور بے گناہ ہے۔۔اسفند یار خان روزینہ خانم کی طرف پلٹتے دبے انداز میں چلایا۔۔

پھر تو بے گناہ وہ عابیر بھی ہے۔۔اس سے نکاح کر کے تم کس چیز کا بدلہ لے گا؟۔روزینہ خانم نے استھزائیہ بولی۔۔

وہ بے گناہ نہیں ہے۔۔اس کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔وہ زاران خانزدہ کی بہن ہے۔۔اسفند اپنے لفظوں پر زور دیتے وہاں پر مزید رکا نہیں تھا۔۔

شاور سے گرتے ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑے ہوتے وہ گلاس وال کے ساتھ ٹیک لگائے بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

تم صرف ایک ہی چیز کی مستحق ہو۔۔۔ ابرش کے کانوں میں اس کی بولے ہوے جملے کی بازگشت سنائی دی تھی۔۔

بابرک میرا بھی بھائی تھا۔۔ بہن میری بیوہ ہوئی ہے۔ دیکھا جائے میرا نقصان زیادہ ہوا ہے۔۔ ابرش کو میں ہی اپنی ونی میں لوں گا۔۔ اس کے بولے گئے لفظ یاد کرتے ابرش نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔۔

عنایہ کے سر پر بندوق رکھ کر اس کا اغوا کرنا یاد آیا تو ابرش بے بسی کے احساس سے منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

آہل کی زندگی چاہتی ہو تو یہ نکاح کر لو۔۔ کیا تھا یہ انسان؟؟ جس کے اتنے روپ تھے۔۔ ابرش کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔۔ وہ اس وحشی انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس کی ہچکیوں اور سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔۔

ڈریسنگ روم سے باہر آنے پر بہتے پانی کے آواز کے ساتھ اسے ابرش کی سسکیاں بھی سنائی دی تھیں۔

وہ بے اختیاری میں واش روم کی طرف بڑھا۔۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔۔

وہ گلاس کیبن میں شاور کے نیچے لرزتے بدن کے ساتھ آنسو بہاتے آنکھیں موندے کھڑی تھی۔۔زاران اس پر نظر ڈالتے اپنی نظریں چرا گیا تھا۔۔وہ جس طرح واش روم میں داخل ہوا تھا۔۔الٹے قدموں وہ واپس باہر آیا.

اسے آنسو بہاتے دیکھ کر اس کے اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ جس حلیے میں اس کے سامنے تھی اس کا اشتعال غصہ کسی اور صورت ہی اس پر اترنا تھا۔۔پھر اپنے غصے اور جنون میں وہ کس حد تک چلا جاتا وہ نہیں جانتا تھا۔۔

وہ کمرے میں چکر لگائے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اب اس کا اونچا اونچا بین سن رہا تھا۔۔

آخر کس چیز کا ماتم منا رہی تھی؟۔۔۔اسے اپنے نکاح میں میں لینے کے بعد بھی کسی قسم کا حق نہیں جتایا تھا اس پر۔۔۔

چاہتا تو وہ کل رات اپنے اندر کی کھولن اس پر اتارتے اپنا حق اس سے لے لیتا۔۔ مگر اتنے غصے اور اشتعال میں ہونے کے باوجود اس نے ایسا نہیں کیا۔۔ پھر کس چیز کا ماتم منا رہی تھی اور کیوں؟؟

وہ اپنی مٹھیاں دبوچے کمرے سے باہر جانے لگا۔ وہ مزید اس کا ماتم نہیں سن سکتا تھا۔۔ یکدم واش روم سے چھناکے سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ یہ شور سنتے جلدی سے

واش روم کی طرف بڑھا۔۔ دروازہ کھولنے پر اندر کا منظر دیکھ کر وہ دروازے پر ہی منجمند ہوا تھا۔۔۔ وال مرر ٹوٹ کر کانچ کی صورت میں واش روم کے فرش پر بکھرا پڑا تھا۔۔ ابرش باتھ روب گاؤن پہنے اپنی

گردن پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی جہاں اس کی شدتوں کے گہرے نشان تھے۔

ابرش نے اپنی گردن کے زخم پر ہاتھ رکھے اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں ٹھہرے شکوے اور بدگمانی کو پل میں سمجھ گیا تھا۔۔ وہ سمجھ رہی تھی وہ بیہوشی میں اس کا فائدہ اٹھا چکا ہے۔

زاران کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے اس نے جھکتے ہوئے ایک کانچ کا ٹکڑا زمین سے اٹھایا۔۔ زاران لب بھینچے دروازے کے پاس ہی کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔۔۔ وہ اس کی نگاہوں میں چھپے مفہوم پر اپنے اشتعال پر قابو پا رہا تھا۔۔ جو اسے اس کے پاس جانے کے لیے بھی روک رہا تھا۔۔۔ یہ لڑکی ساری دنیا پر یقین کر سکتی ہے۔۔ اگر نہیں تو صرف اس پر۔۔۔

دفعتاً ابرش نے آنکھیں میچے وہ ٹکڑا اپنی کلائی پر رکھا۔۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔زاران اس کی حماقت پر پوری قوت سے دھاڑتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔۔

اس کی دھاڑ سن کر وہ خوف سے لرز اٹھی تھی۔۔ شیشے کا ٹکڑا ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔۔ بدحواسی اور سراسیمگی کے عالم میں وہ کئی قدم پیچھے بڑھا گئی۔۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔ قدموں نے زمین کا ساتھ چھوڑا تھا۔ اس سے پہلے زاران اسے تھامتا۔۔ کانچ کی بکھری کرچیوں پر وہ اپنے حواس کھوتی زمین بوس ہو چکی تھی۔ اب کی بار آواز زیادہ خطرناک تھی۔۔ جو زاران کو پل میں بدحواس کر چکی تھی۔

زاران ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ گیا تھا۔

وہ منہ کے بل زمین پر کانچ کی کرچیوں پر گری تھی۔۔بصد شکر اس کے چہرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔۔

مگر اس کی دھڑکنوں کے مقام کے پاس باتھ روب سرخ ہو چکا تھا۔۔وہ اسے بانہوں میں اٹھائے واش روم سے باہر آیا اور بیڈ کی طرف تیزی سے بڑھتے بہت نرمی اور احتیاط سے بیڈ پر لٹایا۔۔

سفید باتھ روب گاؤن دھڑکنوں کی مقام پر سرخ تھا۔۔

زاران نے لب بھینچتے باتھ روب گاؤن کی ڈوری کھولتے چیک کیا تو اس کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

کانچ کے ٹکڑے نے اس کے نازک حصے کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔۔گردن سے تھوڑا نیچے سینے کے قریب کانچ کا چھوٹا سا ٹکڑا پیوست تھا۔۔

جسے بنا کسی دیر کے زاران نے کھینچ کر باہر نکالا تو وہ بیہوشی کے عالم میں تکلیف سے پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔۔

زاران اس کی تکلیف پر اپنے جبڑے بری طرح بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔

اس کا ساتھ اس کے لیے اتنا گھٹن زدہ تھا۔ وہ خود کو تکلیف پہنچانے کے لیے خود کی جان بھی لے سکتی ہے کیا؟؟ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اسے ابرش سے اس حماقت کی تو کم از کم توقع نہ تھی۔۔

کیا وہ سچ میں اسفندیار خان سے محبت کرتی ہے؟؟ دل و دماغ میں ایک بار پھر سے جنگ چھڑتے اسے بے چین کر گئی۔۔

زاران ہاتھ میں موجود کانچ کے ٹکڑے کو سختی سے اپنی مٹھی میں دبوچ گیا۔۔جو اس کی ہتھیلی میں پیوست ہوتے اس کی ہتھیلی کو داغ دار کر چکا تھا۔۔زاران نے اس کے بدن پر موجود زخم کو دیکھا جہاں سے خون رس رہا تھا۔۔وہ کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔اس کی گاؤن کی ڈوری باندھتے اس پر کمبل ڈالا تھا۔۔وہ مزید اس کے پاس رکا نہیں تھا۔۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے باہر آتے داخلی دروازہ عبور کر گیا۔۔

گاڑی میں بیٹھتے اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔۔اس سے پہلے وہ حویلی کا بڑا سا گیٹ بھی عبور کر جاتا۔۔

۔آنکھوں کے سامنے اس کا زخمی بے جان وجود آیا تھا۔۔وہ اسے اس حالت میں کیسے چھوڑ کر جا سکتا تھا؟؟۔وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔وہ اس کے معاملے میں بے بس تھا۔۔

اس نے بے بسی اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے گاڑی کے سٹیرنگ اپنا زخمی ہاتھ مارا۔۔وہ کیوں اس بے حس لڑکی سے نفرت نہیں کر پا رہا تھا؟؟۔اس کی تکلیف سے اسے اپنا آپ کیوں آرے کی طرح کٹتا محسوس ہو رہا تھا؟؟وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے پھر سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی زاران ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا ۔۔فرسٹ ایڈ باکس نکالتے اس کے زخم سے رستے خون پر کاٹن پیڈ رکھ کر دبایا تھا۔۔کاٹن سے زخم صاف کرنے کے بعد آئنمنٹ لگائی۔اس دوران اس کے وجود سے وہ اپنی نظریں بمشکل ہی چرائے ہوے تھا۔اس کی قربت کی طلب سانسوں میں اترتی اسے بے بس سی کر رہی تھی۔۔

وہ جرگے میں وہ سفاک بے رحم لفظ نہ بولتی تو شائد وہ زعیم سے نکاح کرنے پر اسے سزا اپنی قربت کی صورت میں دیتا۔۔ وہ سمجھتا تھا وہ یہ نکاح اس کی ضد پر کر رہی تھی۔۔ مگر وہ لفظ جو اس نے اسفندیار خان کے لیے بولے وہ چاہ کر بھی بھول نہیں پا رہا تھا۔۔ ایسے میں اس کے قریب جانا زیادہ اذیت ناک ثابت ہوتا۔۔ جتنا اس سے دور رہنا ہو رہا تھا۔۔ وہ اس کی آنا پر بڑا کاری وار کر گئی تھی۔۔۔

دروازہ ناک ہونے پر زاران نے دروازہ کھولتے درخشاں سے ناشتے کی ٹرے لیتے اسے امینہ خانم سے ابرش کے لیے ایک ڈریس اور بڑی سی چادر لانے کو کہا تھا۔۔

وہ اثبات میں سر ہلاتی دروازے سے ہی چلی گئی تھی۔۔ زاران نے نکاح پر ابرش کے لیے بہت سے کپڑے بنوائے تھے۔۔ جو امینہ خانم کے کمرے میں

ہی موجود تھے۔اس نے تب کسی کو بتایا نہیں تھا وہ نکاح کے ساتھ رخصتی بھی چاہتا ہے۔۔اس لیے ان کپڑوں کو زاران کے کمرے کی کبرڈ میں سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ابرش کے حویلی سے بھاگنے کے بعد تو یہ ممکن ہی نہیں رہا تھا وہ کپڑے زاران کے کمرے کی کبرڈ کا حصہ بنتے۔۔

ابرش۔۔۔۔زاران نے نرمی سے اس کے گیلے بالوں میں انگلیاں سہلائی۔۔اس کی طبیعت دیکھتے اور اسے سوسائیڈ اٹمیپٹ کرتے دیکھ کر وہ نرم پڑا۔۔۔

جانتا تھا اس کے غصے سے اس کی جان جاتی ہے۔۔اس کی طبعیت سنبھلنے پر وہ اس کے اس عمل کی سخت سزا دینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔۔جو وہ آج کرنے جا رہی تھی۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ یہ حماقت دوبارہ دہرائے۔۔یہ بھی سمجھتا تھا فی الحال اس پر سختی کر کے ہی اپنی بات منوائی جا سکتی ہے۔۔

اس کی دھاڑ پر ہی اس نے وہ کانچ کا ٹکڑا چھوڑا تھا۔۔ ورنہ وہ بہت بے رحمی اور سختی سے وہ ٹکڑا اپنی کلائی پر رکھے کھڑی تھی۔۔ اسے اس کانچ کے ٹکڑے سے خوف نہیں آیا تھا۔۔ مگر اس کی سخت پکار پر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

ابرش۔۔۔ زاران نے ایک بار پھر سے اس کے بالوں کو سہلاتے اسے نرمی سے پکارا۔۔

بخار ابھی بھی تھا۔ شاور لینے سے اس میں کمی ضرور آئی تھی۔۔ مگر ختم نہیں ہوا تھا۔۔ کل رات سے وہ بار بار چکر کھا رہی تھی۔۔ یقیناً بخار کے ساتھ بی

پی لو تھا۔۔ جس کی وجہ سے وہ بار بار بیہوش ہو رہی تھی۔۔ وہ کل تقریباً آٹھ بجے اسے حویلی لے کر پہنچا تھا۔ اب تقریباً دس بج رہے تھے۔ زاران نے گہرا سانس لیتے ابرش کے گال کو تھتھپاتے اسے ایک بار پھر سے پکارا تھا۔۔ مگر نتیجہ ندارد۔۔۔۔۔

زاران نے اسے کمر سے جکڑتے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔۔ وہ اپنے ڈھیلے وجود سے اس کے چوڑے سینے میں آسمائی تھی۔۔

ناشتے کی ٹرے سے جوس کا گلاس اس کے لبوں سے لگاتے اسے پلانے کی کوشش کی وہ ناکام رہا تھا۔۔

وہ بلکل ہی ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔۔ دروازہ ناک ہونے پر وہ دروازے کی جانب بڑھا۔۔ درخشاں سے ڈریس لیتے وہ دروازہ لاک کرتے ابرش کی طرف آیا تھا۔

اس کے وجود سے باتھ روب گاون اتارتے نرمی سے آتشی گلابی رنگ کا ہلکا کام والا فراک زیب تن کروایا تھا۔

اس پر کمبل اوڑھاتے وہ دروازے کی دستک پر ایک بار پھر سے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

دروازے پر اس بار بہارے تھی۔۔ جسے زاران نے ہی بلوایا تھا۔۔

اسلام و علیکم لالا۔۔۔ بہارے نے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر جماتے نظریں جھکائے کہا۔۔

زران کی طرف اس کا دیکھنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔۔ وہ کبھی اس کے کمرے میں قدم نہ رکھتی۔۔ مگر جو بھی تھا زاران کو اس نے اسفندیار خان سے کم

جگہ ہر گز نہ دی تھی۔۔اس کا حکم نظر انداز کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔۔

دوسرا ابرش کی طبعیت کا سن کر وہ چلی آئی تھی۔۔

وعلیکم اسلام۔۔۔۔زاران نے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھا۔۔

کیا ہوا ہے بھابھی کو؟؟ بہارے کو زاران کا سر پر ہاتھ رکھنا کافی ناگوار گزرا تھا۔وہ اپنے لہجے میں بھی ناگواری در آنے سے روک نہ سکی تھی۔۔

اسے بخار ہے۔جس کی وجہ سے وہ ہوش میں نہیں آرہی۔۔زاران نے دروازے سے ہٹتے ہوے اسے اندر آنے کی جگہ دی۔۔

بہارے جلدی سے ابرش کی طرف بڑھی۔۔

بیڈ پر بیٹھے فرسٹ ایڈ باکس سے تھرمامیٹر نکالتے اس کا ٹمپریچر چیک کیا۔۔

ابرش کے گردن پر زاران کے دیے ہوے بے رحم نشان اس کے ہونٹ پر موجود زخم پر نظر پڑتے بہارے کی رنگت سرخ پڑی تھی۔

اس کی گردن سے نیچے گہرائی کی طرف اس کے فراک سے نظر آتی بینڈج پر نظر پڑی تو بہارے گل کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ ہوئی۔۔ یہ حویلی کے مرد اتنے ظالم اور سفاک کیوں ہیں؟۔۔ بہارے گل کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہوئی تھی۔

حور کی بھی تو ایسی ہی حالت تھی۔۔ ارحام سے نکاح سے اگلے دن۔۔۔۔ جگہ جگہ زخم۔۔۔ کیا زاران نے بھی ابرش کے ساتھ۔۔۔ اس سے آگے کا سوچتے ہی بہارے کی آنکھوں کی نمی اس کے سرخ شفاف عارض کا حصہ بنی۔

یہ کیا ہوا ہے لالا بھابھی کو؟؟ بہارے کی آواز میں نمی کے ساتھ درشتگی بھی شامل تھی۔۔ جسے زاران نے بخوبی محسوس کی تھی۔۔۔ وہ اس کے لہجے کی نمی کے ساتھ اس میں امڈتے سوالوں پر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

بہارے کی جگہ کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا۔۔ اس کی گردن اور اس کے ہونٹوں پر زخم ہی کافی تھا۔۔ رہی سہی کسر اس کی دھڑکنوں کے مقام کی طرف زخم نے پوری کر دی تھی۔

واش روم میں پاؤں پھسل گیا تھا۔۔ جس کے باعث اسے چوٹ آگئی۔۔ تم اس کے زخم کا اچھی طرح معائنہ کر لو۔۔ میڈیسن اور کچھ بھی ضرورت ہوا مجھے بتا دینا۔ میں منگوا دوں گا۔۔ زاران کہتے ہوئے وہاں رکا نہیں تھا۔۔ ابرش کے جس مقام پر زخم تھا۔۔ وہ بہارے کے سامنے رک نہیں

سکتا تھا اور نہ بہارے اس کے سامنے چیک کر پاتی۔۔اس لیے وہ انھیں کمرے میں چھوڑتے نکل آیا تھا۔۔

زران اپنے کمرے سے نکلتا مردان خانے کی طرف بڑھا تھا کہ مردان خانے کے لاونج کے وسط میں اسفند کو پایا۔

وہ لاونج کی بڑی سی گلاس ونڈو سے سرسبز پہاڑوں کو دیکھتے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔۔

زاران چاہتے ہوے بھی خود کو اس کی طرف بڑھنے سے روک نہیں پایا تھا۔۔

وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اس کے گریبان کو دبوچ گیا..

زاران کی اس حرکت پر اسفندیار خان کا رنگ طیش والم سے سرخ پڑا۔۔

اس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنا گریبان زاران کے ہاتھوں سے چھڑوایا۔۔

اپنی حد میں رہو زاران۔۔۔۔۔میں پہلے والا اسفندیار خان نہیں جو تمھارا غصہ اور بدتمیزی برداشت کرتا تھا۔۔یہ بدتمیزی بھی اس لیے برداشت کر گیا ہوں۔داجی کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔ورنہ تمھیں اس کا جواب ضرور دیتا۔

اسفند اپنا کالر جھٹکتے ہوئے غصے سے بولا۔۔۔آواز دانستہ آہستہ رکھی تھی۔۔سمیع اللہ کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔۔اور ان کا کمرہ مردان خانے میں بنے کمروں کی طرف تھا۔۔

وہ نہیں چاہتا تھا وہ مزید ان کی وجہ سے پریشان ہوں۔

سمیع اللہ کی طبعیت کا سن کر زاران نے انگوٹھے سے اپنی آئی برو مسلتے اپنے غصے پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کی۔

اسفند میری بات سنو۔۔۔عابیر کا نکاح میں تم سے کبھی نہیں ہونے دوں گا۔یہ بات یاد رکھنا تم۔۔انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کی۔۔

اچھا کیسے روکو گے ؟؟۔۔ذرا وضاحت کرو گے۔۔اسفند نے جوابًا استھزائیہ انداز میں ابرو اچکائے تھے۔۔

میں جو بھی کروں گا مگر یہ نکاح نہیں ہونے دوں گا۔۔

زاران تم کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔۔ اسفند یار خان اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ گیا تھا۔۔

اگر کر سکتے تو بہت پہلے بابرک سے اپنی بہن کی جان ڈائیورس کی صورت میں چھڑوا دیتے۔۔ لیکن تم ایسا نہیں کر سکے کیونکہ تم یہاں کے رسم ورواج میں جکڑے ہوے ہو۔۔۔ تم کل بھی مجبور تھے تم آج بھی مجبور ہو۔ اسفند نے ستھزائیہ نظروں سے زاران کو دیکھتے جیسے اس کی بے سی کا مذاق اڑایا تھا۔۔

میں ان رسم ورواج کو نہیں مانتا۔۔ نہ ہی میں اپنی بہن کو ان رسم وراوج کی بھینٹ کبھی چڑھنے دوں گا۔ جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔۔۔ زاران نے سختی سے اپنے لفظوں پر زور دیتے اسفند کی نیلی آنکھوں میں اپنی براؤن آنکھیں گاڑھیں۔

تم ان رسم ورواج کو مانتے بھی ہو اور ان میں بری طرح جکڑے بھی ہوے ہو۔۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم ابرش کو اپنے نکاح میں لینے کے لیے ونی کا ڈرامہ نہ کرتے۔۔ ڈنکے کی چوٹ پر یہ نکاح کرتے۔۔ اسفند نے کاٹ دار لہجے میں بولتے اسے بہت کچھ باور کروایا تھا۔۔

اسفند آخری مرتبہ تم سے کہہ رہا ہوں۔۔ آئیندہ اپنی زبان سے میری بیوی اور میری بہن کا نام نہ لینا۔۔ ورنہ بازی پلٹنا مجھے خوب آتا ہے۔۔۔ بابرک سے میری بہن کی جان طلاق کی صورت میں نہیں چھوٹی۔۔۔ مگر موت کی صورت میں تو چھوٹ گئی ناں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر تجھے لگتا ہے میں یہ نکاح ہونے دوں گا تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔ اس لیے خود ہی اس نکاح سے انکار

کر دے۔۔ورنہ میری گولی ہو گی۔۔ تیرا سینہ۔۔۔۔زاران نے سرخ چہرے کے ساتھ وارن کیا تھا۔۔

ضروری نہیں ہر بار تیری پسٹل سے نکلی ہوئی گولی ہو۔اس بار میری پسٹل سے نکلی گولی بھی تیرے سینے کا مقدر بن سکتی ہے۔۔عابیر سے میں اب ہر صورت نکاح کروں گا۔۔اور تیری نظروں کے سامنے اسے رخصت کر کے اپنے کمرے میں بھی لے کر جاؤں گا۔۔۔اسفند سرد لہجے میں پھنکارا تھا۔

اس سے پہلے زاران کچھ کہتا درید خان کے لاونج میں آنے پر اسفندیار خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔زاران بھی مزید وہاں رکا نہیں تھا۔۔وہ اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے لاونج سے باہر نکل گیا تھا۔

ساحر خانزادہ اپنے عالی شان محل میں آج تقریباً دو مہینے بعد داخل ہوا تھا۔۔لاونج میں داخل ہوتے اس نے با آواز سب کو سلام کیا ربعیہ بیگم بے یقینی سے صوفے سے اٹھتی ساحر خان کی طرف بڑھیں۔۔۔

شاہزیب خان کی آنکھیں بھی بے یقین ہوئیں تھیں۔ان کا دل بھی بے اختیار اپنے بیٹے کو گلے لگانے کو چاہا تھا۔۔ مگر وہ بے حس بنے اپنے دل پر کڑے پہرے بٹھائے بیٹھے رہے۔۔ پچھلے کچھ عرصے سے دونوں کے درمیان سرد مہری سی آن ٹھہری تھی۔ عجیب سی خلیج جسے دونوں پاٹ نہ سکے تھے۔۔یا پھر یہ خلیج یہ سرد پن وہ دور کرنا ہی نہ چاہتے تھے۔ان سب کے پیچھے شاہزیب خان کے نزدیک اس لڑکی کا وجود تھا جو ان کے بیٹے کے دل پر بری طرح براجمان تھی۔۔

کیسی ہیں مام؟؟ساحر خان نے آگے بڑھ کر انھیں گلے سے لگایا۔

تمھیں دیکھ کر جی اٹھی ہوں۔۔ربعیہ بیگم اپنی نم آنکھیں صاف کرتے مسکراتے ہوئے بولی۔باپ بیٹے کی بیچ وہ پس گئی تھیں۔

آپ کیسے ہیں ڈیڈ؟۔۔۔ساحر خان نے شاہزیب خان کو سامنے لگی ایل ڈی میں چلتی نیوز میں انہماک پاتے ہوئے پوچھا..

ٹھیک ہوں میں۔انھوں نے سرد لہجے میں جواب دیتے ایل ای ڈی پر ہی نظریں مرکوز رکھی تھیں۔

ساحر بیٹا میں تمھارے لیے ڈنر کا ارینج کرواتی ہوں۔۔ربعیہ بیگم نے شاہزیب کے سرد رویے پر انھیں گھورتے ہوئے ساحر خان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

نہیں مام میں ڈنر نہیں کروں گا۔۔مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے۔ساحر خان نے سنجیدگی سے بولتے ہوے اپنے قدم اپنے کمرے کی جانب بڑھائے۔۔

اسی پارٹی میں جارہے ہو۔۔جو ارحام خانزادہ اس ٹینڈر کو جیتنے کی خوشی میں دے رہا ہے۔۔جسے تم نے بلاوجہ ہی چھوڑ دیا۔۔شاہزیب کی طنزیہ آواز پر اس نے رخ پلٹتے ان کی طرف دیکھا۔

تو آپ کو خبر ہو گئی۔۔۔ساحر خان نے لب بھینچے طنزیہ مسکراتے ہوے کہا۔۔

کیوں نہ ہوتی خبر؟؟۔تم ایک سٹار ہو یہ خبر میڈیا میں سرکولیٹ کر رہی ہے۔۔دوسرا احمد سے میرے رشتے کی نوعیت تم اچھی طرح جانتے

ہو۔۔ تمھیں لگتا ہے یہ ممکن تھا میں اس خبر سے انجان رہتا۔۔ شاہزیب خان ساحر خان کے مقابل آ کھڑے ہوے تھے۔

اتنی مالیت کا پروجیکٹ تم نے بلاوجہ ہی چھوڑ دیا۔۔ احمدی کے ساتھ کام کرنا کتنی بڑی بات ہے۔۔ اب یہ خوش نصیبی ارحام خان کی کمپنی کو مل گئی ہے۔۔ جانتے ہو اس بات سے ہماری کمپنی کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔۔ شاہزیب دبی آواز میں غرائے۔۔

اپنا بزنس اپنا ایمپائر کسی احمدی صاحب کی دی ہوئی خیرات کے نتیجے میں میں نے کھڑا نہیں کیا۔ میری کمپنی ٹاپ کمپنیوں میں آتی ہے۔۔ یہ میری دن رات کی محنت کا نتیجا ہے۔۔

نہیں رہے گی یہ کمپنی ٹاپ کمپنیوں میں،،، اگر اسی طرح یوزلیس ڈسیزین لیتے رہے۔۔۔ شاہزیب خان ساحر خان کی بات کاٹتے گرج اٹھے۔۔

شاہزیب یہ کس طرح بات کر رہے ہیں؟؟وہ آج کتنے مہینوں بعد گھر آیا ہے کچھ تو خیال کریں۔۔ربعیہ بیگم بیچ میں آئی تھی۔۔

تم بیچ میں مت آؤ۔۔۔مجھے بات کرنے دو اس سے۔۔۔اس کی بے وقوفیاں اس کا یہ جوگ ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔۔

شاہزیب کا غصے سے چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔۔

ساحر خان اب خاموشی سے سرد سپاٹ چہرہ لیے انھیں دیکھ رہا تھا۔۔اس کی آنکھوں میں اجنبیت بڑھی تھی۔۔

جسے دیکھتے شاہزیب نرم پڑے۔۔

دیکھو ساحر صرف تم نے اسے نہیں کھویا۔۔ احمد نے اپنی بیٹی بھی کھوئی ہے۔۔ مگر دیکھو احمدی آج بھی اپنے بزنس کو لے کر کتنا سیریس ہے۔۔ شاہزیب نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔۔

سارا کچھ اس احمد انکل کی وجہ سے تو ہوا ہے۔ ان کی خود غرضی کی وجہ سے وہ مجھ سے دور ہوئی۔۔ جب تک میں اسے ڈھونڈ نہیں لیتا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔۔ نہ ہی احمد انکل کو معاف کروں گا۔۔

ساحر خان غصے سے بولتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

ساحر خان شاور لے کر شرٹ لیس بلیک ٹراوز پہنے واش روم سے باہر آیا تو اپنے کمرے میں موجود کرسی پر زرمش کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔

زرمش کا کمرے میں موجود ہونا اس کے لیے حیرت کا باعث نہیں تھا۔۔ بلکہ اس کی اتنی تیاری نے اسے چونکانے پر مجبور کر گئی تھی۔۔

وہ بلیک کلر کی خوبصورت سی ساڑھی میں ملبوس تھی۔۔ جس کا بلاوز کافی چھوٹا تھا۔۔ ساڑھی کا پلو بھی کافی باریک تھا۔۔ بلاوز سے نیچے اس کی دودھیا بل کھاتی کمر جھانکتے اپنا دیدار کروا رہی تھی۔ گلہ تھوڑا گہرا تھا۔۔ نیٹ کے فل سلیوز میں اس کے دودھیا بازو لشکارے مار رہے تھے۔۔

کھلے بالوں اور لائٹ سے میک اپ میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ وہ اپنی انگلیاں چٹخاتے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔۔

ساحر کے کمرے میں آنے پر بھی نظریں نہیں اٹھائی تھی۔۔

ساحر اس کا جھکی نظریں دیکھتا لب بھینچتے اس کی طرف بڑھا۔

کیا کر رہی ہیں یہاں؟؟ کیوں آئی ہیں میرے کمرے میں؟؟ ساحر خان اس کے بدن کی رعنائیوں پر نظر ڈالتے ناگواری سے بولا۔

مم۔۔۔ مجھے اپنی دوست کی مہندی پر جانا تھا۔۔ آپ سے کہنے آئی تھی کہ پارٹی میں جاتے ہوئے مجھے بھی ڈراپ کر دیں گی تو مجھے ڈرائیور کے ساتھ نہیں جانا پڑے گا۔۔ زرمش نے اپنی لرزتی پلکیں اٹھائے بمشکل ہی کھڑے ہوتے کہا تھا۔۔ اس کی کانپتی ٹانگیں اس کا لرزتا بدن ساحر خان پر عیاں کر گیا تھا۔۔ وہ اس ساڑھی میں ہرگز کمفرٹیبل نہیں ہے۔۔

آپ سیریس ہیں زرمش؟؟ ساحر خان نے اس کے بازو کو دبوچتے اس کے حلیے پر نگاہ ڈالتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔۔

زرمش نے اس کے سوال پر نظریں اٹھائے اسے دیکھا تھا۔۔ اس کی نظروں میں ناگواری کی لہر دیکھتے دوبارہ اپنی نظریں جھکا گئی تھیں۔۔۔

اس کی کاٹ دار نظریں اسے اندر تک کاٹ گئی تھیں۔۔ اس کے لہجے کی کاٹ سے زیادہ اس کی نظریں اسے تکلیف سے دوچار کر گئی تھیں۔

اس کا برہنہ سینہ جو سکس پیک پر مشتمل تھا۔۔ اسے دیکھتے اس کے عارض تپ کر انگار ہوے۔۔ گرتی اٹھتی لرزتی پلکوں کی چلمن نے مزید اٹھنے سے انکار کیا تھا۔۔ کرسی کو پکڑتے اپنی لڑکھڑاہٹ پر قابو پایات۔۔ یہ انسان تو اس کا نشہ تھا جس کی سانسوں کی طلب اب اس کی تشنگی بنتی جا رہی

تھی۔۔اسے پور پور چھونے کو دل مچلتے بے تاب ہو رہا تھا۔۔سامنے کھڑا انسان اس کی دیوانگی تھا۔۔اس کا جنون اس کا عشق تھا۔۔

زرمش خان اپنا آپ ہار گئی تھی اس کے سامنے۔۔

زرمش کی سرخ رنگت اور جھکی نظریں دیکھ کر وہ استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا۔

مجھے شرٹ لیس دیکھ کر آپ سرخ پڑ رہی ہیں۔ مگر آپنے سراپے پر آپ نے شائد ایک بار بھی نگاہ ڈالنا گوارا نہیں سمجھا۔۔جو آپ کے لیے شرم سے ڈوب کر مرنے کا مقام ہے۔۔اتنی بے حیائی کی مجھے آپ سے توقع نہ تھی۔۔ساحر خان کے تضحیک زدہ جملے سنتے زرمش کو اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل لگا تھا۔۔وہ یہ کیا کہہ رہا تھا؟؟۔۔یہ سب تو اس نے اس کے لیے

ہی تو کیا تھا۔۔ وہ اسے بے حیا کہہ رہا تھا۔۔ زرمش خان کی آنکھوں کی شبنمی بڑھی تھی۔۔ اسی شبنم میں ساحر خان کا عکس دھندلا ہوا تھا۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟؟ آپ مجھے بے حیا کہہ رہے ہیں۔ زرمش اپنی تضحیک پر سرخ پڑتے احتجاجاً چلائی۔۔

تو پھر کیا کہوں آپ کو ؟؟۔۔۔ آپ اس حلیے میں اپنی سہیلی کی مہندی پر جانے کی بات کر رہی ہیں۔۔۔ شائد آپ نے نظر بھر کر خود کو دیکھا نہیں ہے۔۔ چلیے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔۔ آپ اس لباس میں کیسی لگ رہی ہیں ؟؟۔۔ ساحر خان نے زرمش کو بازو سے جکڑے ڈریسنگ مرر کے سامنے کیا تھا۔۔

زرمش کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نظر اٹھا کر خود کو دیکھ لیتی۔۔

دیکھیے زرمش،،، کیسے آپ ایک ہاٹ کیک لگ رہی ہیں۔ شوبز کی گھٹیا چیپ ماڈل سے بھی بدتر۔۔ ساحر خان نے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

آپ مجھے گھٹیا ماڈلز سے ملا رہے ہیں۔ بھولیے مت میں آپ کی منکوحہ ہوں۔۔ زرمش چٹختے اعصابوں کے ساتھ دبی آواز میں چلائی۔۔

میں یہ بات نہیں بھولا زرمش۔۔۔ مگر آپ بھول چکی ہیں آپ نہ صرف میری منکوحہ ہیں۔ بلکہ خانزادہ فیملی سے ہیں۔۔ جہاں پردے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔۔ ٹھیک ہے ہماری فیملی میں کسی چیز کی سٹرکنس نہیں ہے۔۔ مگر مناسب لباس میں ہماری خواتین گھر سے باہر قدم رکھتی ہیں۔ آپ کا یہ لباس بدن پر موجود ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔۔ کس چیز کی

نمایش کرنا چاہتی ہیں آپ۔۔۔۔۔اپنی خوبصورتی کی یا پھر اپنے جسم کی۔۔۔۔۔

ساحر خان نے غصے سے بولتے ہوے سوال داغا تھا۔۔

میں نے یہ لباس اپنی نمائش کے لیے نہیں۔۔۔بلکہ آپ کے لیے پہنا تھا۔۔مجھے کسی شادی پر جانا نہیں ہے۔۔بلکہ آپ کے لیے پہنا ہے۔۔تا کہ آپ مجھے ایسے دیکھ کر پگھل جائیں۔اور میرے قریب آتے مجھے اپنا لیں۔

زرمش غصے سے چیختے بے بسی کے احساس سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔کتنا مشکل تھا عورت کے لیے اپنے حقوق کی بات کرنا اور لینا۔۔۔بات بہت آسانی سے اس کے کردار پر آن ٹھہرتی تھی۔زرمش کا وجود ہچکولوں کی زد میں تھا۔۔

زرمش آپ کی سوچ کتنی گھٹیا ہے۔۔ آپ کو لگتا ہے میں آپ کو ایسے دیکھ کر آپ کے قریب آجاؤں گا۔۔ آپ مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہیں۔۔ ساحر خان ناگواری سے بولا۔۔

ساحر آپ میرے شوہر ہیں۔۔ مجھے حق ہے آپ کے لیے بننا سنورنا ۔۔۔ آپ کو اپنی طرف راغب کرنے کا حق رکھتی ہوں۔۔ ایک بیوی کبھی بے حیا نہیں ہوتی۔۔ بے حیا وہ تھی جس نے اپنی خوبصورتی اور معصومیت سے اپنے جال میں آپ کو پھنسایا۔۔

زرمش۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ساحر خان اس کی بات کاٹتے حلق کے بل چلایا تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھا تھا جو ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔۔ اپنے پہلو میں گراتے وہ اپنی مٹھی بھینچے بیڈ کی طرف بڑھتے اپنی شرٹ اٹھائے پہنے لگا۔۔

زرمش بے یقینی سے ساحر کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔۔

ساحر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ آپ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوں۔۔ زرمش ساحر کی ناراضگی کے ڈر سے اس کی طرف بڑھی۔۔

آپ نے اپنی حد پار کی ہے۔۔۔ جانتی ہیں وہ میرے لیے کیا معنی رکھتی ہیں۔۔۔ پھر بھی آپ نے اسے گالی دی۔۔

آپ نے مجھے بھی تو گالی دی۔۔ زرمش نے بھرائے لہجے میں کہتے اس کی بات کاٹی تھی۔

آپ اس طرح میرے کمرے میں آئیں گی۔۔ تو کیا چاہتی تھیں میں آپ کو بیڈ پر لے جا کر آپ کے بدن کی رعنائیوں کو اعزاز بخشتا۔۔۔ میرے ساتھ رات گزار کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتی تھیں آپ۔۔۔۔ ساحر خان نے غصے سے گرجتے ہوئے پوچھا۔

اب آپ میری تذلیل کر رہے ہیں۔ میری محبت کو گالی مت بنائیں۔۔ زرمش ساحر کی بات سنتے روتے ہوئے چیخ پڑی۔۔

میں آپ کی تذلیل نہیں کر رہا۔۔ اگر کرنی ہوتی تو ابھی تک آپ کو بیڈ پر لے جا کر تذلیل کر بھی چکا ہوتا۔۔ آپ کو لگتا ہے نکاح کے رشتے میں یہ سب ہی ہوتا ہے۔۔ صرف بدن کی بھوک ہوتی ہے۔۔ اگر آپ کو ایسا لگتا ہے تو بہت غلط لگتا ہے۔۔ ساحر خان نے تاسف بھری نگاہوں سے زرمش کو دیکھا وہ اس کی بات پر اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔ سچی محبت اس سے کہیں بڑھ کر ہوتی

ہے۔۔میں آج آپ کے ساتھ اپنا یہ تعلق استوار کر بھی لیتا۔۔ صبح ہوتے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیتا۔ گزری رات کے لمحات بھلا دیتا تو بولیے کیا کر لیتی آپ؟؟۔۔۔اس جسم کو نہیں اپنے دل کو میرے قابل بنایئے مس زرمش خان۔۔۔۔۔ساحر خان نے زرمش کے دل کے مقام پر انگلی رکھتے سپاٹ لہجے میں اپنے لفظ چبائے تھے۔

۔۔۔

اس دل پر تو اس کا قبضہ ہے۔۔میں کیسے وہاں جگہ پا سکتی ہوں؟؟۔۔۔زرمش کی آنکھوں سے آنسو بہتے اس کی شفاف عارض اور اس کی گردن کو بھگونے لگے تھے۔

زرمش خود کو مت تھکائیں۔۔میں آپ کو آزاد کر دیتا ہوں۔۔ آپ اپنے بارے میں سوچ سکتی ہیں۔

ساحر کے لفظ سنتے زرمش کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔۔

کیسے کہہ سکتے ہیں آپ یہ سب؟؟ میں آپ کی عزت ہوں۔۔ مجھے چھوڑنے کی بات کیسے کر سکتے ہیں؟؟ جبکہ میں آپ کا انتظار ساری زندگی کر سکتی ہوں۔۔ زرمش ساحر کی طرف بڑھتی اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچ گئی تھی۔۔

زرمش آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ جب یہ نکاح ہوا ہم دونوں کو اس نکاح کے مفہوم کا بھی نہیں پتہ تھا۔۔۔ مجھے تو بہت بعد میں خبر ہوئی کہ آپ میری منکوحہ ہیں۔۔ تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ یہ دل اس کا ہو چکا تھا۔۔ ساحر خان نے اس کے آنکھوں سے بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنے۔۔

زرمش نے اس کے لمس پر اپنی آنکھیں میچی تھیں۔

آپ کو نہیں خبر تھی۔۔ مگر مجھے تو تھی اور میں نے بچپن میں ہی آپ کو اپنا سب کچھ مان لیا تھا۔۔ اتنی محبت آپ سے کی کہ خود سے بھی چھپاتی رہی۔۔ کہیں میری محبت کو میری نظر نہ لگ جائے۔۔ کاش میں اسے سب کچھ بتا دیتی تو وہ آپ کو خود کی طرف بڑھنے سے روک دیتی۔۔

زرمش ہچکیاں لیتے ساحر خان کے سینے پر سر رکھ چکی تھی۔۔

تو مانتی ہیں وہ معصوم تھی۔۔ وہ بے حیا نہیں تھی۔۔ وہ اب بھی صرف اس کی ہی بات کر رہا تھا۔۔ اس کے لیے ایک لفظ سننا اسے گوارا نہ تھا۔۔ وہ کب

اسے اپنے دل میں جگہ دے گا۔۔زرمش نے ہچکیاں بھرتے نرمی سے نامحسوس انداز پر اس ستم گر کے سینے پر اپنے لب رکھے۔۔

ساحر خان اس کے نرم لمس پر گہری سانس کھینچ گیا تھا۔۔

میں صرف آپ سے ہمدردی ہی کر سکتا ہوں۔کیونکہ میرے دل میں آپ کے لیے ہمدردی کے علاوہ کوئی جذبہ نہیں ہے۔۔ساحر خان اس کے ہاتھوں کو اپنی شرٹ سے جدا کرتے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

اس کے جانے کے بعد زرمش بیڈ پر گرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اس کی خوشبو جو تھوڑی دیر پہلے اس کے بدن کا حصہ بنی تھی میں وہ

روتے ہوے بھی گہری سانسیں بھرتے اپنے اندر اتار رہی تھی۔اب پتہ نہیں کب اس ستم گر کی خوشبو محسوس کرنے کو ملے

------پارٹی کی گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔ارحام خانزادہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔۔جس میں اس کی سرخ وسفید رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔تیکھے مغرورانہ نقوش پر گھنی بیئرڈ اس کی وجیح پرسنیلی پر بہت سوٹ کرتی تھی۔وہ آج پوری پارٹی میں آئے ہوے لوگوں کی مرکز نگاہ تھا۔پانچ سو کڑوڑ کی مالیت کا پروجیکٹ حاصل کرنا چھوٹی بات نہیں تھی۔۔پارٹی میں آئے ہوے لوگ ارحام خانزادہ کو رشک وحسد بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

آج کی پارٹی میں دوسرے شہر کے بھی تمام بڑے بڑے بزنس مین تھے۔۔ یہ پارٹی ارحام خانزادہ نے تھرو کی تھی۔۔ مگر احمد صاحب کی بھی اس پارٹی میں آمد متوقع تھی۔ ان سے ملنے کو بہت سے بزنس مین کافی بے چین تھے۔۔

ان سے ملنا کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔۔ ارحام خانزادہ واقعی میں خوش قسمت تھا جو احمد کے ساتھ کام کر رہا تھا۔۔ اور احمدی نے آج اس پارٹی میں آنے کی ہامی بھی بھر لی تھی۔

ارحام اپنا ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اپنے کچھ بزنس سرکل کے لوگوں کے بیچ کھڑا ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھا کہ امتیاز رحمان کا بلند آواز میں کیا گیا تبصرہ وہاں کھڑے سب کو اپنی طرف متوجہ کر گیا۔۔

آپ کی قسمت کا ستارہ بہت بلند ہو چکا ہے۔ یہ

روجیکٹ ملنا بہت بڑی بات ہے۔پانچ سو کڑوڑ مالیت کا پرجیکٹ حاصل کرنا چھوٹی بات نہیں ہے۔۔۔۔

"You achieve a big achievment"

ارحام کے ایک بزنس حریف نے مسکراتے ہوے کہا تو سب نے ارحام خانزادہ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھا۔

تھا۔

ارحام بھی زیرلب مسکرا گیا تھا۔۔بات تو سچ تھی وہ واقعی میں خوش قسمت تھا جس نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔۔

امتیاز صاحب کی نگاہوں میں وہ اپنے لیے رشک و حسد کے شعلے بھڑکتے دیکھ کر اپنی مسکراہٹ لبوں کے گوشوں میں دبائے انھیں محظوظ نگاہوں سے

دیکھ رہا تھا۔۔ امتیاز رحمان اس کا سب سے بڑا بزنس حریف تھا۔ جس سے اس کی ٹکر کی مقابلہ بازی تھی۔

آئی تھنک۔۔۔۔ مسٹر ارحام کو ساحر خان کا شکریہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ یہ پروجیکٹ نہ چھوڑتے تو کبھی مسٹر ارحام کو نہ ملتا۔۔ چاہے مسٹر ارحام کتنی ہی ایڑیاں کیوں ناں رگڑ لیتے۔ امتیاز رحمان کے لہجے میں جلن کے ساتھ تضحیک بھی شامل ہوئی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ امتیاز رحمان کو اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

اس لیے ارحام خانزادہ کے چہرے کی مسکراہٹ چھینی چاہی تھی۔۔ جس میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔

ارحام خانزادہ کی مسکراہٹ سمٹتی تھی۔ چہرے میں سرخی سی گھلی۔۔۔

وہاں کھڑا ہر انسان کچھ پلوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ امتیاز کے لفظوں سے زیادہ اس کا لہجہ کافی انسلٹنگ تھا۔ جو وہاں کھڑے ہر انسان نے محسوس کیا تھا۔

وہ یہ پروجیکٹ چھوڑتا یا نہ چھوڑتا یہ میرے ہی مقدر کا تھا۔۔ میرا ماننا ہے جو انسان کی قسمت کا ہو اسے مل کر رہتا ہے۔ اس میں کسی انسان کا ہاتھ نہیں بلکہ اوپر والے کا کمال ہوتا ہے۔ ارحام سنجیدگی سے جواب دیا۔ سب نے مسکراتے ہوئے ارحام کی بات کی تائید کی تھی۔

اب دیکھیں ناں۔۔۔ اس ٹینڈر کو حاصل کرنے کے لیے مسٹر امتیاز آپ نے کتنی کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ اپنی سطح سے گرتے۔۔۔۔ ارحام لب سکوڑتے رکا تھا۔۔ سوری۔۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ سب کچھ کیا جو آپ کی نیچر نہیں تھی۔۔

سننے میں آیا تھا لندن میں احمد صاحب سے ملنے کے لیے ان کے گھر کے سامنے آپ نے چھ گھنٹے ویٹ کیا تھا۔۔ بد قسمتی سے آپ کی ملاقات نہ ہو سکی۔۔ لیکن کوئی بات نہیں آج پارٹی میں وہ آرہے ہیں مل لیجیے گا۔۔ شائد کوئی چھوٹا موٹا پرجیکٹ آپ کو مل ہی جائے۔۔ مگر مجھے لگتا ہے یہ ممکن نہیں ہو گا۔۔ کیونکہ جس طرح آج کل آپ کو ہر جگہ سے ناکامی مل رہی ہے۔۔ اس سے لگتا ہے آپ کی قسمت کا ستارہ کافی گردش میں ہے۔

ارحام نے ٹھنڈے لہجے میں بولتے اپنا حساب برابر کیا۔۔۔ امتیاز رحمان کا سرخ چہرہ سب کو باور کروا گیا تھا۔۔ حساب برار ہو چکا ہے۔۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی حساب لے لیا تھا ارحام خانزادہ نے۔۔ ماحول میں یکدم گہری

کشیدگی چھائی تھی۔۔ ارحام نے پاس گزرتے ویٹر سے ڈرنک کا گلاس پکڑے مسکراتے ہوئے امتیاز صاحب کی طرف بڑھایا۔۔

امتیاز رحمان اپنی ٹائی ٹھیک کرتا ارحام کو گھورتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔ ارحام نے کندھے اچکاتے ہوئے وہ ڈرنک کا گلاس ویٹر کو واپس پکڑایا۔۔

میں نے سنا ہے کہ ساحر خانزادہ کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار تھا۔۔ جب سے وہ لڑکی اس کی زندگی سے گئی ہے۔۔ وہ اسی طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔۔ اب دیکھو اس لڑکی کے لیے پانچ سو کروڑ کو لات مار دی۔۔۔

شہباز صاحب نے ماحول کی کشیدگی کم کرنے کی کوشش کرتے کہا۔۔۔

"عشق نے کر دیا ہم کو نکما ورنہ ہم بھی چیز بڑی کمال کے تھے"۔ کسی اور نے بھی ساتھ دیتے ٹکڑا لگایا تو سب ہنس پڑے تھے۔ ارحام خانزادہ کے لبوں پر بھی مدھم مسکراہٹ دوڑی۔۔

وہ سب سے ایکسکیوز کرتا ڈرنک کاونٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

ہیلو۔۔۔۔۔ آئی ایم نشا۔۔۔ وہ ڈرنک کاونٹر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا کہ ایک بہت خوبصورت سی لڑکی نے ارحام خانزادہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

اسلام و علیکم۔۔۔۔میں ارحام خانزادہ۔۔۔ارحام اس کے بڑھے ہوے ہاتھ کو نظر انداز کر گیا تھا۔۔

نشا کے چہرے پر بہت گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔

اس نے اپنے برہنہ شولڈر سے اپنے کندھوں سے نیچے آتے سلکی شولڈر کٹ بال اک ادا سے جھٹکے تھے۔۔وہ ارحام خانزادہ کی شاندار پرسنیلٹی کے سحر میں اسی لمحے جکڑی جا چکی تھی۔جس میں کمال ارحام خانزادہ کی روڈنیس کا تھا۔ورنہ نشا کی ہاٹ بیوٹی کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔خود کو نظر انداز کرنا کھلا تو نشانہ چاہتے ہوے بھی ارحام خانزادہ کا گہرائی سے مشاہدہ کرنے لگی۔۔وہ دور سے اس کی پرسنیلٹی سے کافی ایمپرس ہوئی تھی۔۔نزدیک سے ارحام کو دیکھتے وہ اس پر مر مٹی تھی۔

اسے خود کا بہت گہری نظروں سے مطالعہ کرتے دیکھ کر ارحام نے بیزاری سے اس پر نظر ڈالی۔۔جو بلیک سکنی سکرٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔۔

سکرٹ اور شرٹ کی فٹنگ میں اس کا جسم نمایاں ہوتے بہت سے مردوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔۔جس کی اسے ذرا پرواہ نہیں تھی۔۔شائد یہ ڈریس مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہی پہنا گیا تھا۔ارحام اسے مکمل اگنور کرتے اپنی ڈرنک کے گھونٹ بھرنے لگا۔۔

آئی لائک یور ایٹیٹیوڈ۔۔۔۔اب سمجھ آیا ڈیڈ نے آپ میں کیا دیکھا۔۔نشا نے ارحام کی وجیح پرسنیلٹی کو مسکراتی نگاہوں سے بغور دیکھتے ہوے کہا۔۔

کیا مطلب؟؟آپ احمد صاحب کی بیٹی ہیں۔ارحام اس کی بات پر چونکا تھا۔۔

جی میں نشا۔۔۔۔احمد صاحب کی ون اینڈ اونلی ڈاٹر۔۔۔

اب تو مجھ سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں۔۔نشا نے ایک بار اپنا خوبصورت ہاتھ پھر سے ارحام کی طرف بڑھایا۔۔۔

ارحام نے ایک نظر اس کے بڑھے ہوے ہاتھ کو دیکھا۔۔پھر وہ گہرا مسکرایا تھا۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔آپ کس کی بیٹی ہیں کس کی نہیں۔۔میں کسی کے لیے بھی اپنے اصول نہیں بدلتا۔۔۔ارحام نے مبہم سا مسکراتے ہوے اپنی ڈرنک کا گلاس نشا کے گلاس کے ساتھ ٹچ کیا تھا۔۔

ارحام کے انداز پر نشا کا قہقہ گونجا

"I like you ..I lke this attitude"

آپ نے تو مجھے پہلی نظر میں ایمپریس کر دیا۔۔مجھے آپ جیسے ہی مرد پسند ہیں۔۔لگتا ہے میری آپ کی خوب بنے گی۔

نشانے اس کی طرف مڑتے اس کا کالر اک ادائے بے نیازی سے ٹھیک کرتے ارحام کے عنابی لبوں پر پھونک ماری۔۔

ارحام اس کی حرکت پر لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔

ارحام اسے مکمل طور پر اگنور کرتے اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہوا۔۔

نشانے ڈرنک کاونٹر کی طرف مڑتے اپنی ڈرنک کا آرڈر دیا تو ارحام خانزادہ کے لیے اپنی ڈرنک کو گلے سے اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ لڑکی ہو کر اتنی ایڈوانس تھی۔۔اس نے مرد ہو کر کبھی حرام مشروب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔

احمد صاحب جیسے صوبر انسان کی بیٹی ایسی تھی۔۔ تھی یہ ہضم کرنا کافی مشکل تھا۔۔وہ اس کی برہنہ پشت کو دیکھتے سوچ کر رہ گیا تھا۔

اب احمد صاحب کی بیٹی ایسی نہیں ہو گی تو کس کی ہو گی۔۔امیریکہ لندن کی پیداوار ایسی ہی ہو سکتی تھی۔۔ارحام اپنی ہی سوچ پر زیر لب مسکرایا تھا

ارحام کو خود کی طرف مسکراتا دیکھ کر نشانے اسے آنکھ ماری۔۔

اس کی حرکت پر ارحام اب تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔۔

اس لڑکی کے ساتھ اس کی نہیں بن سکتی تھی۔۔وہ مزید اس کے ساتھ کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ پارٹی میں آئے ہوے مہمانوں کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ ساحر خان کی پارٹی میں آمد ہوئی۔۔۔

وہ وائٹ جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ شرٹ آج بھی کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھی۔۔ اپنا کوٹ بازو پر ڈالے ہوے تھا۔۔ اسے دیکھتے پارٹی میں آئی ہوئی خواتین اس کی طرف بے قراری سے لپکی تھیں۔ آج کی پارٹی میں میڈیا بھی موجود تھا وجہ ساحر خان اور احمدی صاحب کی آمد تھی۔۔ تمام کیمرے حرکت میں آئے تھے۔

ہائے۔۔۔۔۔۔ نشانے ساحر خان کو دیکھتے دل پر ہاتھ رکھا..

ارحام نے اس کی آہ بھرنے پر اسے مڑ کر دیکھا۔

یہ میری زندگی کا پہلا کرش ہے۔۔ میری پہلی محبت۔۔۔۔ نشانے دل پر ہاتھ رکھ کر پھر سے آہ بھری تھی۔۔

ارحام کو وہ کھسکی ہوئی لگی تھی۔۔ جو کسی بھی مرد کے متعلق ایڈوانس گفتگو کرتے ذرا ہچکچاتی نہیں تھی۔

آپ مجھے ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟؟ میں سچ میں ساحر خان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مگر ساحر خان کسی اور کا دیوانہ نکلا..

وہ سچ میں بہت لکی تھی۔۔ جتنی وہ خوبصورت تھی۔۔ اتنی ہی لکی کہ ساحر خانزادہ جیسا انسان اس پر مرتا ہے۔۔

مگر افسوس وہ جتنی خوبصورت تھی۔۔ وقت کے ساتھ وہ اتنی ہی بدقسمت ٹھہری کہ اس کی زندگی میں ساحر خانزادہ نہ رہا۔۔ اب ساحر خانزادہ جیسا بندہ کسی کی زندگی میں نہ رہے۔۔ وہ بدقسمت ہی ہو گا ناں۔۔

نشانے ساحر خانزادہ کو دیکھتے کھوئے کھوئے لہجے میں بولتے ارحام خانزادہ سے سوال کیا تھا۔۔

ارحام اس کے سوال کو نظر انداز کر ساحر خانزادہ کی طرف بڑھا۔۔ اس سے پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا ساحر خانزادہ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔۔ ساتھ ساتھ کیمرہ مین رپورٹرز بھی ان کی طرف بڑھے تھے۔۔ جنھیں ساحر خان نے ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔

وہ خود ارحام کی طرف بڑھا۔

کانگریجولیشن۔۔۔ مسٹر ارحام خانزادہ۔۔۔ آپ اس ٹینڈر کو ڈیزرو کرتے تھے۔۔ ساحر نے دلکشی سے مسکراتے ہوے ارحام کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔

جسے ارحام خانزادہ نے شائستگی سے تھام لیا۔۔

تھینکس۔۔۔۔۔۔۔ مگر مجھے لگتا ہے یہ ٹینڈر چھوڑ کر آپ نے غلطی کی ہے۔ ارحام نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

غلطی تو وہ ہوتی ہے جس میں انسان پچھتاتا ہے۔۔ مجھے تو کوئی پچھتاوہ نہیں ہے۔۔۔ ہاں اس ٹینڈر کو حاصل کرنا غلطی ہو سکتی تھی.. ساحر خانزادہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔۔ مسکرانے پر اس کے گال پر گڑھا سا ابھر کر معدوم ہوا تھا۔۔ اس منظر نے دور کھڑے کیمرہ مینز نے اپنے کیمروں میں محفوظ کیا تھا۔

اس کا کا مطلب ہے آپ نہ غلطیاں کرتے ہیں۔ اور نہ پچھتاتے ہیں۔۔ ارحام نے جوابًا مسکراتے ہوے کہا۔۔

ساحر خانزادہ کی ایک ہی غلطی اس کی جان کا روگ بن گئی ہے۔۔ وہ تھی کسی معصوم کو بہت سارے زہریلے بچھوؤں میں تنہا چھوڑ دینا۔۔۔ اس کا جو نقصان مجھے ہوا ہے۔۔ اس کے بعد کوئی غلطی کوئی نقصان معنی نہیں رکھتا۔۔۔ ساحر خان کی سبز آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔

ہیلو ساحر۔۔۔۔ نشا نے آگے آتے ہوے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

کیسی ہو نشا؟؟ ساحر نے مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔۔ اسی لمحے وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ سبز آنکھوں میں اب سرخی کہیں نہیں تھی۔

اب بلکل ٹھیک ہوں۔۔ نشا ادائے دلربہ سے مسکرائی تھی۔۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی ساحر ارحام کی طرف متوجہ ہوا۔

میں چلتا ہوں۔۔ ساحر نے ارحام سے دوبارہ ہاتھ ملایا۔

اتنی جلدی۔۔ ابھی تو آپ آئے ہیں۔۔۔ ارحام نے حیرانگی سے پوچھا

میں یہاں صرف آپ کو کانگریٹس کرنے آیا تھا۔ ورنہ میرا یہاں کیا کام۔؟؟۔۔۔ ساحر سنجیدگی سے کہتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ارحام اس کی پشت کو دیکھ کر نا سمجھی سے کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔۔ ساحر خانزادہ کو واقعی میں سمجھنا مشکل تھا۔ مگر اس لڑکی کو دیکھنے کا اشتیاق ارحام خانزادہ کے لیے دل میں بہت بڑھ گیا تھا۔۔ جس نے ساحر خانزادہ جیسے انسان کا یہ حال کر دیا تھا۔۔۔

شہرام ہم چاہتا ہے۔۔ تمھارا اور بہارے کا اب رخصتی ہو جائے۔۔ یہ کام اب جتنا جلدی ہو جائے اچھا ہے۔ اسی لیے ہم نے عابیر اور اسفند کے نکاح کے ساتھ تمھارا اور بہارے کا رخصتی بھی رکھ دیا ہے۔۔ درید اور اربد کو بھی ہمارا فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سمیع اللہ خان شہرام سے سنجیدگی سے بولے۔۔ انہوں نے آج شہرام کو خاص طور پر اپنے کمرے میں بات کرنے کے لیے بلوایا تھا۔۔

شہرام،، عابیر اور اسفند کے نکاح کی بات پر اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔

داجی۔۔ آپ عابیر اور اسفند کے نکاح میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔۔ آپ کو اس کے متعلق سوچنا چاہیے۔۔۔ شہرام خود پر مزید قابو نہ رکھ سکا تھا۔ سمیع اللہ خان کی طبعیت کے پیش نظر خون کے گھونٹ بھرتے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی۔۔ مگر اس کے لہجے میں در آنے والی درشتگی سمیع اللہ خان سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔۔۔

تم ہم کو بتاؤ تمھیں کیا اعتراض ہے ؟؟۔ چلو ہم مان لیتا ہے بابرک عابیر کے قابل نہ تھا۔ مگر اسفندیار خان تو عابیر کے قابل ہے۔۔ پھر تم بلاوجہ کا اعتراض کیوں اٹھا رہا ہے ؟۔۔

اگر تم کو لگتا ہے کہ اسفند نے اپنا ونی میں ابرش کو مانگ کر غلط کیا۔۔ تو ہاں۔۔۔۔ اس بات پر ہم کو بھی اسفند پر بہت غصہ گلہ ہے۔ مگر کچھ زخموں کو بھرنے میں ٹائم لگتا ہے۔ بابرک کی موت کا غم سہنا اس کے لیے

آسان نہیں تھا۔۔اس لیے آہل سے بدلہ لینے کے لیے اس نے یہ سب کیا۔۔ سمیع اللہ نے رسانیت سے شہرام کو سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن داجی۔۔۔۔اتنی جلدی سب۔۔۔۔۔۔

لیکن۔۔ویکن کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔عابیر اسفند کا ہی دلہن بنے گا۔یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔درید اور ارید بھی اس بات پر متفق ہیں۔تم دونوں بھائیوں کا اعتراض اب کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔ سمیع اللہ درشتگی سے اس کی بات کاٹتے اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔

جب آپ نے تمام فیصلے کر لیے ہیں۔پھر مجھے کیوں یہاں بلایا ہے؟۔۔شہرام کی سفید رنگت پر سرخی کی جھلک واضح تھی۔۔

ہم بہارے اور تمھارا رخصتی کی بات کر رہا ہے۔۔ تم نے یہ رخصتی بہارے کے ڈاکٹر بننے تک ملتوی کر رکھا تھا۔

اب بہارے ڈاکٹر بن گیا ہے تو رخصتی میں مزید تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔۔ سمیع اللہ نے سنجیدگی سے کہا۔۔

ٹھیک ہے جیسا آپ کو مناسب لگے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔ شہرام اپنی بات مکمل کرتے صوفے سے اٹھتے کھڑا ہوا۔۔

رکو شہرام۔۔۔۔ ہمیں تم سے ایک اور بات بھی کرنا ہے۔ سمیع اللہ اسے صوفے سے اٹھتا دیکھ کر بولے۔

شہرام سنجیدگی سے دوبارہ سے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

جی کہیں۔۔۔۔۔ شہرام کا چہرہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

تم اپنا زمین پر ہسپتال بنوا رہا ہے اور ہم کو بتانا ضروری بھی نہیں سمجھا۔۔ سمیع اللہ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔۔

داجی کیا بتاتا آپ کو۔۔۔۔ بہارے نے اتنی محنت اس لیے نہیں کی تھی کہ وہ گھر بیٹھ جائے۔۔ شہر میں وہ جاب نہیں کر سکتی۔۔ مگر اپنے ہسپتال میں تو کر سکتی ہے۔۔

ویسے بھی وہ زمین میری ہے۔۔ اس پر جتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہے۔۔ وہ بھی میرا ہے۔ کسی کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔۔ شہرام نے لب بھینچتے کہا۔

عاپیر اور اسفند کے نکاح والی بات پر وہ مشتعل ہو چکا تھا۔ چاہ کر بھی وہ اپنے مشتعل لہجے پر قابو نہ پا سکا تھا۔۔

تم ہم پر اپنا پیسے کا رعب جھاڑ رہا ہے۔ جانتا ہے تمھارا پاس بڑا پیسہ ہے۔۔ اسی لیے شائد تم بات کرنے کا تمیز بھول گیا ہے۔ شہرام کے درشت لہجے پر سمیع اللہ خان بھڑک اٹھے۔۔

داجی۔۔ میں اپنے پیسے کا رعب نہیں جھاڑ رہا۔۔ اگر میں کسی کو بتاتا سب سو اعتراضات اٹھاتے۔۔ مگر میں اپنی بیوی کو دن رات کلستے ہوے نہیں دیکھ سکتا۔۔ شہرام نے اب کی بار نرم لہجے میں کہا تھا۔۔

آپ اس دن کہہ رہے تھے کہ بہارے کمرے سے باہر نہیں آتی۔۔ کیوں آئے گی وہ کمرے سے باہر ؟؟ جب اس کے احساسات کی کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔۔۔ اس کی ساری سہلیاں شہر میں اچھے ہسپتال میں کام کر رہی ہیں۔ اور وہ یہاں اس حویلی میں بند ہے۔۔ کیونکہ آپ اور کاکا نہیں چاہتے وہ

شہر کے ہسپتال میں کام کرے۔۔ شہرام نے سمیع اللہ کی آنکھوں میں دیکھتے تلخی سے کہا۔

ہم کیوں ایسا نہیں چاہتے ؟؟ یہ بات ہم سے بہتر تم جانتا ہے۔۔ ڈاکٹر بن کر اس کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے۔۔ شہر کے ہسپتال میں کام کر کے وہ تم کو جو گھاس ڈالتا ہے۔ وہ بھی نہیں ڈالے گا۔ سمیع اللہ نے شہرام کی بات پر ناگواری سے پر گہرا طنز کیا تھا۔

داجی۔۔۔ یہ میرا اور بہارے کا مسلہ ہے۔ میں اسے ہینڈل کر لوں گا۔۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہرام سرد سپاٹ لہجے میں بولتے صوفے سے کھڑا ہوا۔۔ سمیع اللہ کا طنز پینا مشکل ہوا تھا اس کے لیے۔۔۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اس کا لہجہ اتنا گستاخانہ ہوا تھا۔۔ اسے غصہ بہت کم آتا تھا مگر جب بھی آتا حویلی کے تمام مردوں سے کہیں زیادہ آتا تھا۔۔

تم اس کو کنٹرول کرتے تو پھر کیا ہی بات تھی۔۔۔رخصتی کا سن کر اس نے پورا حویلی میں تماشہ کیا ہے۔۔۔یہاں مردان خانے تک اس کی آواز آرہا تھا۔۔حویلی کے ملازموں تک نے اس کی زبان کے جوہر سنے ہیں۔۔اربد خان سے تھپڑ کھا کر وہ سنبھلا ہے۔۔ورنہ اس حویلی سے بھاگنے کی بات کر رہا تھا۔۔سمیع اللہ کی گرج دار آواز پر دروازے کی طرف بڑھتے شہرام ظبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔۔۔بند مٹھی کی نیلی موٹی رگیں تک ظاہر ہونے لگی تھیں۔۔وہ بنا کچھ بھی کہے غصے سے سمیع اللہ کے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔۔۔

شہرام غضبناک سرخ چہرہ لیے اپنے کمرے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ رہا تھا۔۔ بہارے نے جو کیا وہ اس پر کھولتا پانی انڈیل چکا تھا۔۔ مگر اس کو تھپڑ مارنے کا سن کر اس کا غیض و اشتعال آسمان کو چھو رہا تھا۔

اس کی بیوی کو اس کی ہی حویلی میں تھپڑ مارا گیا۔۔ اگر اس کی چلتی زبان کے جوہر حویلی کے ملازموں نے دیکھے تھے تو یقیناً اسے تھپڑ پڑتا ہوا بھی دیکھا ہو گا۔ شہرام کا بس نہیں چل رہا تھا پوری حویلی کو آگ لگا دے۔۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کے بہارے کو اپنے کمرے سے باہر موجود پایا۔ جو بڑی سی کالی چادر میں خود کو لپیٹے ہوے تھی۔۔ اسے دیکھتے ہی بری طرح وہ گھبرا گئی تھی۔۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام نے دفعتاً چونکتے ہوے پوچھا۔۔۔ ڈرا سہما گھبرایا انداز بہارے کا نہ تھا۔

میں اپنی قبر دیکھنے آئی تھی۔ جہاں میرے گھر والے مجھے دفن کرنا چاہ رہے ہیں۔۔ بہارے نے شہرام کی براؤن آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کہا تو شہرام کے ماتھے پر بلوں کا جال گہرا ہوا تھا۔

تمھاری قبر میں اپنے وجود میں بناؤں گا۔۔ مسسز بہارے شہرام خانزادہ۔۔۔ جو زمینی قبر سے کہیں زیادہ گہری ہو گی۔ شہرام اسے کمر سے جکڑے اس کے کان میں سرد گھمبیر تا آواز میں سرگوشی کرتے اس کی کنپٹی پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

بہارے مقابل کے لمس پر بری طرح جھٹپٹائی تھی۔ اس کے جھٹپٹانے پر شہرام نے اس پر سلگتی نظر ڈال کر اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔۔ وہ اس کے دھکا دینے پر دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ سر سے چادر پھسلتی کندھوں

پر آئی تھی۔اس کے گال پر جمی ہوئی انگلیوں کا نشان دیکھ کر شہرام خانزادہ ظبط سے اپنی مٹھی بھینچ گیا۔

سمیع اللہ کی باتوں سے وہ کافی مشتعل تھا۔۔بہارے پر شدید غصہ بھی آیا تھا۔۔مگر اب بہارے کا سوجا ہوا گال دیکھ کر اس کے تن من میں جیسے آگ جھونک گئی تھی۔۔اربد خان کا بہارے کو تھپڑ مارنا اسے جلتے توے پر گھسیٹ گیا تھا۔۔اس کی بیوی پر ہاتھ اٹھانے والے وہ ہوتے کون تھے؟؟وہ اس کے سوجے ہوے انگلیوں کے نشان سے مزین گال کو سرد سرخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔اس سے پہلے وہ اس کے گال کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا۔

بہارے اسے سپاٹ نظروں سے دیکھتے تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی تھی۔

بہارے کے جانے کے بعد شہرام نے غصے سے پوری قوت سے دیوار پر مکہ دے مارا۔۔وہ مزید اس حویلی میں رکتا تو آج وہ شائد اربد خان کے مقابل آ جاتا۔۔سب کچھ گوارا تھا مگر اپنی لاڈلی بیوی پر ایک آنچ بھی گورانہ تھی۔کمرے میں داخل ہوتے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھائے وہ باہر آیا تھا۔کار پورچ کی طرف بڑھتے اپنی گاڑی میں بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔وہ اتنا غصے میں تھا کہ یہ سوچ ہی نہ سکا تھا کہ بہارے اس کے کمرے کے باہر کیوں کھڑی تھی۔۔اس کا کمرہ بھی مردان خانے کی طرف تھا۔۔وہ صبح صبح اس کے کمرے کے باہر آخر کیا کر رہی تھی؟؟

شہرام غصے سے گاڑی سٹارٹ کرتا حویلی کا گیٹ عبور کر گیا تھا۔۔

وہ غصے سے ڈیرے پر چلا آیا تھا۔۔ سگریٹ پر سگریٹ پھونکتے کافی دیر ہو چکی تھی۔ جب جب بہارے کا سوجا ہوا گال سامنے آتا تو غصہ اور بڑھ جاتا تھا۔ غصہ اشتعال کسی طرح کم نہ ہوا تو گاڑی لے کر وہاں سے بھی نکل آیا تھا۔

وہ کافی دیر سے سوات کی سڑکوں پر ریش ڈرائیونگ کرتے اپنے غصے پر قابو پانے کی سعی کر رہا تھا۔

وہ جبڑے بھینچے ڈرایو کر رہا تھا کہ یکدم گاڑی جھٹکے سے رکی۔

شہرام نے حیرت سے چلتی گاڑی کو رکتے دیکھا تھا۔۔ دو چار بار سٹارٹ کرنے پر گاڑی سٹارٹ نہ ہوئی تو شہرام نے زور دار مکہ سٹیرنگ پر دے مارا۔۔ آج کا دن ہی شائد اس کے برا تھا۔ وہ جھنجھلاتا ہوا گاڑی سے باہر نکلا۔۔

اپنی قمیض کی پاکٹ سے موبائل نکال کر رحیم کاکا کو فون ملایا۔

رحیم کاکا۔۔۔۔میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔۔میں آپ کو لوکیشن بھیج دیتا ہوں۔۔ آپ گاڑی لے کر آجائیں۔ شہرام نے فون کان سے لگاتے ہی حکم دیا۔

لیکن۔۔۔۔شہرام بیٹا میں بہارے بیٹی کو لے کر ان کے ہاسٹل آیا ہوں۔۔ آپ نے ہی تو مجھے میسج کر کے کہا تھا میں بہارے بیٹی کو ان کے ہاسٹل لے جاؤں۔۔فون پر رحیم کاکا کی حیران کن آواز گونجی۔ جس میں پریشانی کا عنصر واضح تھا۔

میں نے آپ کو میسج کیا؟؟ شہرام نے تحیر زدہ لہجے پوچھا۔۔ رحیم کاکا کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ لمحوں میں سب کچھ سمجھ چکا تھا۔

شہرام کی فون پر مردانہ گرفت مضبوط ہوئی تھی۔۔ اسے اب سمجھ آیا تھا کہ وہ اس کے کمرے کے باہر کیا کر رہی تھی۔

کہاں ہے بہارے؟؟ شہرام نے گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔

وہ پچھلے تین گھنٹوں سے اندر ہی ہیں۔۔ میں نے کچھ دیر پہلے فون کیا تھا۔۔ بہارے بیٹی نے کال کاٹ دی۔۔۔ ابھی تک باہر نہیں آئیں۔۔۔ وہ مجھے بتا کر گئی تھیں کہ انھیں دیر ہو جائے گی۔۔

رحیم کاکا کی بات سنتے وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ بمشکل ہی کچھ بھی غلط کہنے سے خود کو روکا تھا۔۔

رحیم کاکا۔۔۔ میری بات غور سے سنیں۔۔ گھر میں کسی کو بھی پتہ نہیں چلنا چاہیے۔۔ بہارے آپ کے ساتھ آئی ہے۔۔ سب کو یہی بتانا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہے۔۔ شہرام حکم دیتا فون بند کر چکا تھا۔۔ فون بند کرتے ہی اس نے بہارے کا نمبر ملایا جو کہ آف جا رہا تھا۔۔

شہرام غصے سے گاڑی کی بونٹ پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔۔ گہرے سانس لیتے اپنے سرخ چہرے پر ہاتھ پھیرتے خود پر قابو پاتے اپنے دوست جہانگیر کا نمبر ڈائل کیا جو اسلام آباد میں ایس پی تھا۔۔

جہانگیر۔۔۔ میں تمھیں ایک نمبر سینڈ کر رہا ہوں۔ اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔۔ فی الحال تو یہ نمبر بند جا رہا ہے۔۔ مجھے بتاؤ یہ نمبر ایگزیکٹ کسی پلیز پر

آف ہوا اور کب ہوا۔۔ شہرام بنا کسی تمہید کے اپنے دوست جہانگیر کو ہدایت دیتا فون بند کر چکا تھا۔۔

شہرام نے فون بند کرتے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔ جو دو تین بار کی کوشش سے سٹارٹ ہو چکی تھی۔۔

شہرام نے ڈرائیونگ کرتے ایک بار پھر سے بہارے کا نمبر ڈائل کیا۔ جو ابھی بھی آف جا رہا تھا۔۔

" I swear bahaary... I will not leave you this time..you have already tested my self control

alot..not any more baby....Now you will get brutel punishment."

میں قسم کھاتا ہوں بہارے میں تمھیں اس بار نہیں چھوڑوں)
گا۔۔تم میرا پہلے بھی کئی بار ضبط آزما چکی ہو۔اب اور نہیں بے
بی۔اب تمھیں اس کی سفاک سزا ملے گی۔

شہرام ڈیش بورڈ پر فون پٹختے چلایا تھا)

وہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے دانت پر دانت جمائے ڈرائیو کر رہا
تھا۔۔اس کی گاڑی کا رخ اسلام آباد کی طرف تھا۔۔مگر وہ جانتا تھا وہ ادھر
نہیں ہو گی۔۔

وہ ہاسٹل تو نہیں تھی یہ کنفرم تھا۔۔ اپنی بیسٹ فرینڈ فرح کے پاس بھی نہیں گئی ہو گی۔۔ کیونکہ وہ ایک مرتبہ بہارے کے ساتھ حویلی آچکی تھی۔ شہرام کو سو فیصد یقین تھا حویلی کا رعب و دبہ اور شان و شوکت دیکھ کر وہ کبھی بہارے کی اس بیوقوفی میں اس کا ساتھ نہیں دے گی۔۔

شہرام نے نے کچھ سوچ کر فرح کا نمبر ڈائل کیا۔۔

اس کی نیند میں ڈوبی آواز سن کر شہرام کا اندازہ ٹھیک ثابت ہوا تھا۔۔ بہارے کے بارے میں اسے کچھ نہیں پتہ۔۔

ارے کون ہے کچھ بولو بھی۔۔ ابھی ہاسپٹل میں ڈیوٹی نبھا کر آئی ہوں ۔۔ فون کرنے والوں کو چین کیوں نہیں آتا۔

سپیکر پر فرح کی نیند میں ڈوبی جھنجھلائی آواز سنائی دی۔۔

بہارے تمھارے ساتھ ہے۔۔ شہرام نے بلا تمحید سنجیدگی سے دریافت کیا۔

بہارے کا میرے پاس کیا کام؟؟ اس کے اس گنوار ہسبنڈ سے پتہ کرو یار۔۔۔ فرح نیند میں غصے سے بولتی فون بند کر چکی تھی۔

شہرام خود کو گنوار کہنے پر لب بھینچ گیا تھا۔۔ جانتا تھا اس کی بیوی نے اپنی دوستوں میں اسے گنوار ہی مشہور کر رکھا تھا۔ مگر آج یہ لفظ بڑا چبھا تھا۔۔ شائد اس کے برداشت کی حد واقعی ختم ہو چکی تھی۔۔

شہرام کی گاڑی کا رخ سوات کے ایک مشہور ہوٹل کی طرف تھا۔۔ جہانگیر کے مطابق بہارے کا نمبر سوات کی اینٹرس پر آف ہوا تھا۔۔ اور نمبر آدھا

گھنٹہ پہلے آف ہوا تھا۔۔جب وہ تین ساڑھے تین گھنٹے پہلے اسلام آباد پہنچی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا سوات کے مقام پر آدھا گھنٹہ پہلے اس کا نمبر آف ہو۔اس سے صاف ظاہر تھا بہارے نے اسلام آباد پہنچتے دوبارہ سے سوات کا ہی رخ کیا تھا۔۔

اسے پتہ تھا رحیم کاکا کی دی ہوئی انفارمیشن کے مطابق سب اسے اسلام آباد اور اس کے آس پاس کی جگہ پر ڈھونڈیں گے۔۔کسی کا دھیان اس بات پر نہیں جائے گا کہ وہ واپس سوات آئی ہے۔

ایمپریسو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تمھارا جواب نہیں بیوی۔۔۔۔آج تمھارا وہ حال کروں گا۔۔تم اپنا سب کچھ استعمال کرو گی۔مگر آئیندہ دماغ کبھی غلطی سے بھی استمال نہیں کرو گی۔

وہ پھنکارتے ہوے ایک بار پھر سے سٹیرنگ پر پوری قوت سے مکہ مار گیا۔

کچھ دن پہلے بہارے کو اس نے موبائل میں سوات کے ہوٹلز سرچ کرتے دیکھا تھا۔۔

وہ اسے دیکھتے اپنا موبائل فون آف کر چکی تھی۔۔ مگر وہ اتنی دیر تک ہوٹل کا نام اس کی موبائل سکرین پر دیکھ چکا تھا۔۔ اس وقت اس نے غور نہیں کیا تھا کہ وہ کیوں اس ہوٹل کو سرچ کر رہی ہے۔۔ مگر آج اسے پتہ چلا تھا وہ کیوں سرچ کر رہی تھی۔

شہرام کے تن بدن میں دہکتی آگ دہک رہی تھی۔۔ خون میں تند و تیز بھانبھڑ بھڑک رہے تھے۔۔ وہ آج اس کی عزت کے ساتھ کھیل گئی تھی۔ جو اسے کسی قیمت گوارا نہ تھا۔۔ بہارے کی ہر غلطی معاف تھی۔۔ اس

کا دیا ہوا ہر زخم گوارا تھا۔۔ مگر جو آج اس نے کیا وہ اس کے اندر اس شہرام خانزادہ کو جگا گیا تھا۔ جس سے بہارے ابھی ناواقف تھی۔

وہ سمجھتا تھا اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔۔ اس کے آرمانوں کا قتل کیا جا رہا ہے۔۔ اس کے ساتھ زیادتی تھی کہ میڈیکل تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی اسے جاب نہیں کرنی دی جا رہی تھی۔۔ بابرک کی موت کے بعد وہ اسے کافی مرتبہ یقین دہانی کروا چکا تھا۔ وہ اس پر یقین رکھے وہ کبھی بھی اس کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا۔۔ رخصتی کے بعد وہ اس کا ہر خواب پورا کرے گا۔۔

وہ رخصتی کے بعد اسے لے کر اسلام آباد شفٹ ہونے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ تاکہ وہ وہاں کسی ہاسپٹل میں جاب کر سکے۔۔ تب تک یہاں ہاسپٹل بھی تعمیر ہو جاتا۔۔

اب اس کا یہ اقدام اس کے اندر کا جنگلی انسان جگا چکا تھا۔۔ وہ اس حویلی سے نہیں بلکہ اس کی پناہوں سے فرار ہوئی تھی جو کہ ناممکن تھا۔۔

تمھیں آج میں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔ بہارے گل۔۔۔ وہ اپنی کنپٹی دباتے ایک بار پھر سے غیض غضب سے دھاڑا تھا۔۔۔ شہرام خان کے جسم کا سارا خون سمٹ کر جیسے اس کے چہرے پر آیا ہوا تھا۔ چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔ اس وقت شہرام کو کوئی بھی دیکھ لیتا تو یقین کرنا مشکل ہو جاتا یہ وہی شہرام خانزادہ ہے۔ جو جتنا بھی غصے میں ہو بہارے کو دیکھ کر نرم پڑ جاتا تھا۔۔ آج اس کے چہرے پر چھائی وحشت اور جنون یقیناً بہارے کے لیے بہت خطرناک ثابت ہونے والی تھی۔۔۔

ارحام اپنے فلیٹ میں ٹیرس پر کھڑا بہت دیر سے سگریٹ لبوں میں دبائے ہوے تھا۔۔ دل میں اک آگ سی لگی تھی۔۔ جو اسے کسی پل چین نہیں لینے دی رہی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے گل نے اپنی دلہن بنی تصویریں اس کے نمبر پر سینڈ کی تھیں۔ اسے گل کی شادی کرنے سے تکلیف پہنچی تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ تکلیف اس بات سے پہنچی تھی کہ اس نے عدت بھی پوری نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا شرعی لحاظ سے چار ماہ کا حمل ضائع ہونے پر عورت پر عدت واجب نہیں رہتی۔۔ جس دن گل نے اس کا چار ماہ کا بچہ اپنے پیٹ میں مارا تھا۔ وہ اسی دن اس کی عدت سے نکل گئی تھی۔۔ مگر دنیا دکھاوے کی خاطر ہی وہ عدت پوری کر لیتی۔۔

اب گل کی شادی کا سن کر برداری اور اس کے اپنے گھر میں سو سوال اٹھیں گے۔۔وہ کس کس کے سوالوں کے جواب دے گا۔۔

امینہ خانم کا بھی آج اسے فون آیا تھا۔۔انہوں نے اس سے ڈائریکٹ پوچھا تھا گل کو جب طلاق ہوا تو کیا وہ حاملہ تھی۔۔اس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔۔۔اب اسے سمجھ آیا تھا وہ کیوں پوچھ رہی تھیں۔گل نے عدت پوری ہونے سے پہلے شادی کر کے سب کے منہ کھول دیے تھے۔۔اب وہ کیسے سب کے منہ سے بار بار اپنے بچے کی موت کا سنے گا۔۔

ایک بار پھر سے اس کے زخم ہرے ہو چکے تھے۔ کچھ بھی تو نہ رہا تھا اس کے پاس۔۔ نہ اس کی بیٹی۔۔ نہ اس کی عزت رہی تھی برادری میں۔۔ شاہنواز اور گل اس سے بدلہ لینے کے لیے انسانیت سے نیچے گر چکے تھے۔ اس کی بیٹی اس سے دور رکھ کر اسے ہی دھمکیاں دے رہے تھے۔۔ پریذے کی جان کا ڈر نہ ہوتا وہ کب سے شاہنواز کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس سے پریذے کا پتہ جان لیتا۔۔ مگر گل کا اپنے پیٹ میں بچہ مارنے کے بعد وہ پریذے کے متعلق انسیکیور ہو گیا تھا۔۔ گل پر اسے پریذے کے معاملے میں اعتبار نہ رہا تھا۔

یقیناً اب اپنی شادی پر بھی گل نے اپنی ہی مظلومیت کی کوئی کہانی گڑھی ہو گی کہ اس کے بچے کو مارنے والی اس کی اپنی ذات نہیں۔۔۔ بلکہ اس کا باپ ہے۔۔ یہ سب کر کے وہ اسے مزید بدنام کرنا چاہتی تھی۔

وہ اس کی بیوی رہ چکی تھی۔ اس کی محبت تھی۔۔ اس نے اگر شادی کر بھی لی تھی۔ اسے تصویریں نہیں بھیجنی چاہیے تھی۔۔

وہ واقعی میں ایک خود غرض عورت تھی۔ جسے صرف اپنی پرواہ تھی۔۔ اس کی اتنی محبت بھی وہ بھول گئی۔۔

شائد دنیا کی ہر عورت ہی خود غرض ہوتی ہے۔۔اس نے اس رات حور کی بھی تو مدد ہی کی تھی۔۔وہ اس کی بے غرض مدد اور رحم کو بھول کر اپنی کسی غرض کو آگے لے آئی تھی۔۔۔

جو حور نے کہا اگر وہ یہ الفاظ بھری محفل میں اس کے لیے کہتا۔۔اپنے لفظوں سے اس کی عزت چھین لیتا۔۔اس سے اس کے رشتے چھین لیتا تو وہ کیا اسے اپنا شوہر مانتی۔۔اس کی عزت کرتی۔۔اس کے ساتھ رہتی۔۔ارحام سگریٹ کو انگلیوں کی پوروں سے بجھاتے تلخی سے مسکرایا تھا۔۔

اس وقت وہ اپنے دل میں دو ہی عورتوں کے لیے بے پناہ نفرت محسوس کر رہا تھا۔۔بد قسمتی سے دونوں ہی کا اس کے ساتھ تعلق کافی گہرا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام غصے اور اشتعال سے ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال اوڑھے وہ اپنی سحر انگیز پرسنیلٹی سے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ اس پر متضاد کہ اس کے چہرے پر غصہ اس کی پرسنیلٹی کو مزید بارعب بنائے ہوے تھا۔۔ ریسیپشن پر پہنچتے ہی اس نے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنا کارڈ نکال کر ریسیپشنسٹ کے سامنے رکھا تو ریسپشسنٹ نے حیرانگی اور خوشگواری کے ملے جلے تاثرات سے شہرام خانزادہ کو دیکھا۔۔

گڈ ٹو سی یو سر۔۔۔ ہاو کین آئی ہیلپ یو۔۔۔ ریسیپشنسٹ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

مجھے صرف اتنا بتائیں۔۔ آج یہاں کسی بہارے گل نام کی خاتون نے چیک ان کیا ہے۔ شہرام نے اپنی سیاہ آنکھوں میں غصے کی حدت لیے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

رسیپشنسٹ نے حیرانگی سے شہرام کی سرد سرخ آنکھوں کو دیکھا تھا۔۔ مقابل کی سیاہ آنکھوں کی ساحرانہ کشش سے وہ پل میں مرعوب ہوئی تھی۔۔ مرعوب ہونے کے لیے اس کا نام ہی کافی تھا۔۔ آخر کافی جانی پہچانی شخصیت رکھتا تھا وہ یہاں۔۔

جی سر۔۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نام کی لیڈی نے اپنے لیے کمرہ بک کروایا ہے۔۔ رسیپشنسٹ نے شہرام کی سرد آنکھوں کو دیکھتے گڑابڑاتے ہوے ایک ہی سانس میں بتایا۔۔

آئی وانٹ ایکسٹرا کی آف دس روم۔۔۔۔۔شہرام نے سنجیدگی سے کی مانگی تھی۔

آف کورس سر۔۔۔۔۔رسیپشنسٹ نے اسے کمرے کی کی پکڑائی۔۔

تھینکس۔۔۔شہرام کی پکڑتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

بہارے نے اپنے سیل فون سے سم نکال کر اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے اسے ڈسٹ بن کی نظر کی۔۔۔اپنے سیل فون میں اس نے نئ سم ڈالی تھی۔۔جو اس نے آج راستے سے خریدی تھی۔

وہ یہ رخصتی کر کے ابرش اور حور کی طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔۔ ارحام اور زاران خانزادہ امیریکہ کے اعلی تعلیم یافتہ مرد تھے۔ مگر عورت کے معاملے میں وہ سطی سوچ رکھتے تھے۔ اور وہ شہرام خانزادہ جو میٹرک تک تعلیم حاصل کر سکا۔ وہ اس سے اچھے کی کیا امید رکھ سکتی تھی۔ جس نے اس کی ضد میں اپنی تعلیم کو خیر آباد کہہ دیا وہ کیا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اتنا پڑھ لکھ کر حویلی کی چار دیواری میں قید نہیں رہ سکتی تھی۔ آج حویلی کے کمزرف مردوں کی وجہ سے اسے اپنا گھر چھوڑنا پڑا تھا۔

بہارے نے تلخی سے سوچتے کسی کا نمبر ملایا تھا۔

ڈاکٹر افروز۔۔۔۔۔۔۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا آپ میرے دبئی جانے کا انتظام کر دیں گے۔۔ میری رہائش اور ہاسپٹل میں جاب کا بندوبست بھی کر دیں گے۔۔۔ ابھی اس کی بات منہ میں ہی تھی کہ دروازے سے شہرام

خانزادہ کو داخل ہوتا دیکھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل گر کر زمین بوس ہو چکا تھا۔۔

وہ دل پر ہاتھ رکھے سہمتے ہوے بے احتیاری میں کئی قدم پیچھے ہوئی۔

شہرام خانزادہ کی آنکھوں میں خون اترا دیکھ کر اس کا رگوں میں دوڑتا خون برف کی مانند منجمند ہوا تھا۔۔

اس سے پہلے کہاں دیکھا تھا مقابل کی آنکھوں میں ایسی وحشت اور جنون۔۔۔۔

شش۔۔۔۔ شہرام وہ مم میں۔۔۔۔ بہارے اسے خود کی طرف قدم باقدم بڑھتا دیکھ کر ہکلائی۔۔

شہرام اس کے اور اپنے درمیان فاصلہ سمیٹتے اس کی گردن اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔

شش شہرام۔۔۔ بہارے اس کی گرفت میں بری طرح پھڑ پھڑائی۔۔

وہ خون اتری آنکھوں کے ساتھ اس کی گردن پر اپنی گرفت بتدریج بڑھائے جا رہا تھا۔۔ وہ اس کے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑواتے بے حال ہو چکی تھی۔۔ مگر مقابل کو رحم نہ آ رہا تھا۔

بہارے خود کو چھڑاواتی ساکت ہوئی۔۔ ہاتھ اس کے کھردے ہاتھوں پر ڈھیلے پڑے۔ بھلا اس پہاڑی کا مقابلہ کرنا کہاں آسان تھا۔۔ آج تو مقابل کی آنکھوں میں خون کا دریا دوڑ رہا تھا۔۔ جو بہارے کی سانسیں اکھاڑنے کے لیے کافی تھا۔

سانسوں سے تپش نکلتی اسے جھلسا رہی تھی۔۔ بہارے کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔۔۔۔ اس سے پہلے وہ ساکت ہوتے ڈھیر ہوتی۔۔ شہرام نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تھا۔ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گری۔

بری طرح کھانستے وہ اپنی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جو اس کے سامنے کھڑے بے رحم نے نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔

بہارے نے اپنی اکھڑتی بکھرتی سانسوں کو بحال کرتے شہرام کے چمکتے سیاہ بوٹوں کو دیکھا۔ جہاں وہ اس کے قدموں کی دھول بنی ہوئی تھی۔۔

وہ اسے آج اپنے قدموں میں لے آیا تھا۔۔ آخر تھاناں حویلی کے مردوں کی طرح آنا پرست سفاک مرد۔۔۔ جو عورت کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔۔

ایک بار بہارے اگر اپنی آنکھوں سے نفرت اور بدگمانی کی پٹی اتار کر اس کے قدموں سے نظر ہٹا کر اس انسان کی آنکھوں میں دیکھ لیتی جہاں اشتعال، وحشت، غصے کے ساتھ ساتھ اسے کھونے کا ڈر بھی شامل تھا۔۔ جو وحشت جنون سے بڑھ کر کہیں زیادہ تھا۔

اگر وہ یہ دیکھ لیتی تو یقیناً اس کے گریبان تک آجاتی۔۔ اسی بات کی تو وہ اسے آج تک سزا دیتی آئی تھی۔ اس سے عشق کرنے کی۔۔۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ابھی تک گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔ آنکھوں سے گرم سیال مادہ جاری تھا۔

شہرام بنا اس پر رحم کھائے اسے بے دردی سے بازو سے جکڑے اپنے سامنے کھڑا کر گیا۔۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے بہتے آنسوؤں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔

بہارے کی چادر ایک کندھے پر لٹک رہی تھی۔ اس کے کیچر لگے بال کھل کے اس کی کمر اور چہرے کے گرد بکھر چکے تھے۔

شہرام نے اس کے بازو پر اپنی بے رحم گرفت مضبوط کرتے جھٹکے سے اپنے قریب کیا۔۔ اس کی سخت گرفت پر بہارے کے لبوں سے سسکاری برامد ہوئی تھی۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے گال پر اپنے ہاتھ کی پشت پھیری۔ جہاں اربد خان کی انگلیوں کا نشان ابھی تک موجود تھا۔۔ دودھیا گردن پر بھی اس کی انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ گردن سرخ پڑ چکی تھی۔

وہ سہمتے ہوے شہرام خانزادہ کی کھردری انگلیوں کا نرم لمس اپنے گال پر محسوس کر رہی تھی ۔جو گال سے ہوتا گردن پر جا رہا تھا۔اس کا لمس نرم تھا۔مگر اس کی سیاہ آنکھیں سرد اور پتھریلی تھیں۔ بہارے کا روان رواں خوف سے کھڑا ہوا تھا۔۔

پتہ ہے بہارے۔۔۔جب مجھے پتہ چلا کہ کاکا نے تمھیں تھپڑ مارا تو میرا دل کیا تھا پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔۔میری بیوی۔۔۔میری بہارے کو آخر تھپڑ مارنے والے وہ ہوتے کون ہیں؟؟؟۔۔مگر اب مجھے لگ رہا ہے تمھیں ایک تھپڑ نہیں کئی تھپڑ مارنے چاہیے تھے۔۔۔شہرام اس کی گردن ایک بار پھر سے جکڑے اس کے چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتا غرایا۔۔۔

شہرام یہ تم۔۔۔کک۔۔۔۔کیا کہہ رہے ہو؟؟۔۔تم۔۔۔مم۔۔۔مجھے یہاں دیکھ کر غلط سمجھ رہے ہو۔۔مم مم میں یہاں اپنی دوست سے ملنے آئی تھی۔۔بہارے خود کو اس کی سفاک گرفت سے چھڑواتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی۔۔

اچھا واقعی میں۔۔۔تم یہاں اپنی ایک دوست سے ملنے آئی تھی۔۔کون سی دوست؟؟شہرام اسے چھوڑتا استہزائیہ لہجے میں گویا ہوا۔۔جھک کر بہارے کا موبائل زمین سے اٹھاتے ڈایلڈ لسٹ سے نمبر ملایا تھا۔

شہرام یہ تم کیا کر رہے ہو؟؟میرا فون دو مجھے۔۔بہارے نے جھپٹتے اپنا فون شہرام سے لینا چاہا۔۔وہ سرعت سے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔اسے پوری قوت سے دھکا دیا تو وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔

شہرام نے ایک بار پھر سے وہ نمبر ڈائل کیا جو کچھ ہی بیلز کے بعد اب کی بار اٹھالیا گیا تھا۔

مس بہارے۔۔ آپ نے فون بند کیوں کر دیا تھا؟؟۔ فون پر مردانہ آواز سن کر شہرام نے سرخ آنکھوں سے بہارے کو دیکھا جو بے بیڈ پر بیٹھی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آواز نکالتی یا پھر شہرام سے فون لیتی۔۔ شہرام کے دیکھنے پر وہ روتے ہوے اپنی نظریں پھیر گئی تھی۔

شہرام سپیکر ان کیے بہارے کی طرف بڑھا۔۔ بہارے پیچھے کو کھسکتی بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔

شہرام بیڈ پر اپنا گھٹنہ جماتے بہارے کی طرف جھکتے اس کی طرف فون بڑھایا۔۔

بہارے نے ہچکی لیتے شہرام کو دیکھا تھا۔۔

شہرام نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے سرخ آنکھوں سے وارن کرتے اشارے سے فون پر بات کرنے کو کہا۔۔

بہارے نے کانپتے ہاتھوں سے فون پکڑتے شہرام کو بے بسی سے دیکھا ۔۔ جس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی نرمی کا تاثر نہ تھا۔۔۔

ہی۔۔۔۔ ہیہ۔۔۔۔ ہیہ ہیلو۔۔ بہارے نے اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے بمشکل ہی کہا تھا۔۔

مس بہارے کہاں گم ہو گئی تھیں؟؟۔میں کب سے آپ کے بولنے کا منتظر تھا۔۔اینی تھنگ پرابلم۔۔۔

نن۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔ڈاکٹر افروز کوئی پرابلم نہیں ہے۔۔اپنے اوپر جھکے شہرام کو خون اشام نگاہوں سے گھورتے پا کر جھرجھری لیتے کانپتے لبوں سے کہا۔

مم۔۔۔۔میں نے پوچھنا تھا کہ آپ کی ڈیوٹی تو نہیں اس وقت۔۔بہارے نے گھبراتے ہوے بات بنائی۔۔دل ہی دل میں کئی دعائیں کی تھیں۔۔ڈاکٹر افروز سمجھ جائے۔۔۔وہ مشکل میں ہے۔۔وہ اس کے دبئی جانے کے متعلق کوئی بات نہ کرے۔

اگر اس پاگل خان کو پتہ چل گیا تو وہ یقیناً آج اس کی قبر اس کمرے میں ہی بنائے گا۔۔

مس بہارے۔۔۔۔میں بلکل فری ہوں۔۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں کل تک آپ کے دبئی جانے کے تمام انتظامات کر دوں گا۔۔ڈاکٹر افروز کی بات پر بہارے کی سانسیں مدھم ہوئیں۔۔

بہارے نے خوفزدہ ہوتے حلق تر کرتے شہرام کو دیکھا۔۔جواب سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔وہ سمجھ نہیں پائی تھی اس کے سرد سپاٹ تاثرات۔۔۔۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔بہارے اسے پکارتے بے بسی اور خوف کے عالم میں رو دی تھی۔۔

شہرام نے اس کے ہاتھ سے فون لے کر پوری قوت سے زمین پر دے مارا۔۔بہارے نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ روکی۔

شہرام اب کمرے کے وسط میں چکر لگائے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے گہرے سانس بھر رہا تھا۔۔

بہارے کی کمرے میں سکیاں گونج رہی تھیں۔ حویلی کی روایات سے واقف تھی۔۔ ابرش تو صرف نکاح سے بھاگی تھی۔۔ اسے بے دردی سے دوبارہ اسی حویلی میں ونی کے نام پر لا پٹخا تھا۔۔ اور وہ تو اس انسان کی منکوحہ اور عزت تھی۔۔ اس نے اگر چھوڑ بھی دیا تو حویلی کے باقی مرد تو اسے نہیں چھوڑیں گے۔۔ وہ اپنا انجام سوچتے زار و قطار رونے لگی۔۔

شہرم نے اس کی ہچکیاں سنتے غصے سے دیوار پر پے در پے کئی مکے دے جڑ دیے۔۔

شہرام میری بات سنو۔۔میں تو صرف۔۔۔۔بہارے ہمت مجتمع کرتے بیڈ سے اترتی اس کی طرف بڑھی۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔۔۔ورنہ میں کیا کر ڈالوں۔۔۔۔مجھے کچھ پتہ نہیں۔شہرام اسے تنبیہ کرتا دھاڑا۔۔۔

بہارے اس کی دھاڑ پر اس سے خوف کھاتے اس سے دور ہوئی۔۔۔۔مگر دوسرے ہی پل ازلی غصہ عود کر آیا تھا۔۔جو اس کی فطرت تھا۔۔آخر اس کی رگوں میں بھی خانزادہ خون دوڑتا تھا۔۔۔مقابل سے ڈر کر خاموش ہونا کہاں سیکھا تھا اس نے۔۔۔

جب ہر صورت مرنا ہی لکھا تھا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیوں نہیں؟؟۔۔وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس کی طرف بڑھی۔

کیا کرو گے مارو گے۔۔مجھے۔مار ڈالو۔۔۔۔ایک دفعہ ہی مار ڈالو۔۔مجھے تا کہ میری تم سے جان چھوٹے۔۔۔بہارے اس کے قریب ہوتے اس کا ہاتھ پکڑتے اپنی گردن پر رکھے ہزیانی چیخی۔۔۔۔۔یہی اس کی غلطی تھی وہ شہرام خانزادہ کو وہی شہرام سمجھ بیٹھی تھی۔جو اس کی ہر جائز ناجائز بات پر غصے سے لب بھینچ جاتا تھا۔۔کبھی حد پار نہیں کرتا تھا۔

شہرام کا ہاتھ اٹھتے اس کے نازک گال کا حصہ بنا۔۔وہ گال پر ہاتھ رکھتے سہم کر پیچھے ہوئی تھی۔۔

شہرام نے اپنی طرف سے بہت ہلکا تھپڑ مارا تھا۔۔۔ اتنے غصے میں ہونے کے باوجود وہ اس پر پوری قوت سے ہاتھ نہ اٹھا سکا تھا۔۔ مگر اس کا سخت پہاڑی ہاتھ اس نازک جان کے لیے برداشت کرنا مشکل ہوا تھا۔۔۔

شہرام اس کی طرف بڑھا تو وہ مزید پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔

تمھیں کیا لگتا ہے تمھیں اتنی آسان موت دوں گا۔۔

نہیں بہارے گل۔۔۔۔۔۔ میں تمھیں ایسی سزا دوں گا تمھاری روح کانپ اٹھے۔۔۔ تم موت کی بھیک مانگو گی۔۔۔ تمھیں موت نہیں ملے گی۔۔ تمھیں میں اپنے وجود میں ایسے دفن کروں گا تم سانس لینے کے لیے بھی اب میری محتاج ہو گی۔

۔شہرام سرد برفیلے لہجے میں بولتے اسے ساکت کر گیا تھا۔۔

اب تم حویلی سے تو کیا کمرے سے بھی میری آجازت کے بغیر نہیں نکلو گی۔۔۔ سمجھی تم۔۔۔ شہرام دھاڑا تو بہارے نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔فی الوقت وہ اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

شہرام نے اس سے دور ہوتے کمرے میں رکھے ڈریسنگ مرر پر اپنا. ہاتھ کا مکہ بنا کر پوری قوت سے دے مارا۔۔

شیشہ ٹوٹتا کئی حصوں میں تقسیم ہوتا اس کے ہاتھ کو زخمی کر چکا تھا۔۔

بہارے منہ پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے شہرام کی جنونیت اور پاگل پن کو دیکھ رہی تھی۔اس شہرام سے وہ واقعی میں واقف نہیں تھی۔

یہ تمھیں تھپڑ مارنے کی میں نے خود کو سزا دی ہے۔۔۔ جتنی تکلیف تم سہو گی اس سے زیادہ میں سہوں گا۔۔۔ تم نے دوبارہ ایسا کچھ بھی کیا تو تمھاری جان تو میں لوں گا ہی بعد میں خود کو بھی موت کے حوالے کر دوں گا۔۔ شہرام اپنے ہاتھ میں پیوست شیشے کے ٹکڑے نکالتا سرد لہجے میں پھنکارتے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا تھا۔

بہارے تو اس کے تھپڑ مارنے کے بعد ہی اس سے کافی ڈر گئی تھی۔۔ اب اس کا یہ جنون دیکھ کر وہ مزید اس سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔

شہرام نے اس کے قدموں میں گری اس کی چادر اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔۔ جسے بہارے نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑتے اچھی طرح اوڑھتے نقاب کیا۔

شہرام اس کا بیگ بیڈ سے اٹھاتے اس کی کلائی پکڑے کمرے سے نکلتے لفٹ کی جانب بڑھا۔۔

ابرش شاور لے کر واش روم سے باتھ روب گاؤن پہن کر نکلی تو بیڈ پر بیٹھے زاران کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رکی تھی۔ سنہری رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ زاران بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔ زاران کو خود کی طرف تکتا پا کر وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔۔ باتھ روب گاؤن گھٹنوں تک آ رہا تھا۔ ابرش نے نظریں جھکائے اپنے باتھ روب گھٹنوں سے کھینچ کر نیچے کیا تھا۔۔ اس کی سرخ بہکی بہکی نظروں کا ارتکاز اپنے سراپے پر محسوس کرتے ابرش کے قدم جیسے زمین میں جکڑے جا چکے

تھے۔اسے اندازہ نہیں تھا وہ کمرے میں ہو گا۔ورنہ وہ کبھی اس حلیے میں کمرے میں نہ آتی۔وہ کل صبح کا گیا آج کمرے میں آیا تھا۔۔

بلو شلوار قمیض میں ملبوس وہ اسے گہری مگر سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ انگلیوں میں دبائے ہوے تھا۔۔

اس کی انگلیوں میں سگریٹ دیکھ کر بھی وہ ایک لمحے کو چونکی تھی۔۔زاران سگریٹ نہیں پیتا تھا۔۔پھر وہ آج سگریٹ نوشی کیوں کر رہا تھا؟؟

وہ اس پر ایک نظر ڈال کر جلدی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

ڈریسنگ روم کی کبرڈ سے اس نے اپنے لیے نارنجی رنگ کا ہلکا کامدار سوٹ نکالا۔۔

بہارے اور عابیر کی آج رخصتی تھی۔۔ امینہ خانم کے کہنے پر وہ تیار ہو رہی تھی۔۔۔

کپڑے بدلتے اس کی نظر اپنے سینے کے پاس زخم پر پڑی۔ جس سے ہلکا ہلکا خون رسنے لگا تھا۔۔

شاور لینے کی وجہ سے بینڈج اتر گئی تھی۔۔ اس سے پہلے وہ اپنے زخم کو صاف کرتے بینڈج کرتی۔۔ اس کی نظر اپنی گردن پر زاران کے دیے ہوے نشان پر پڑی جو اب نیلا پڑ چکا تھا۔

ابرش کا ہاتھ بے اختیار اپنے نچلے لب کے مدھم سے زخم پر جا ٹھہرا تھا۔۔

کیا مطلب تھا اس سب کا؟؟۔۔۔ کل سے دل و دماغ میں ایک سوال کھلبلی مچائے ہوے تھا۔ گردن اور ہونٹوں پر اس کے دیے گئے زخم،، اور اس کی

شرٹ میں ملبوس ہونا۔۔بے ہوشی کے عالم میں اس کا بے رحم لمس بھی اسے یاد تھا جیسے۔۔۔کیا وہ کل اپنا حق لے چکا ہے؟؟؟۔۔ابرش کے دل میں مچلتا سوال بے اختیاری میں لبوں پر آیا تھا۔۔اس کا حق تھا اس کے قریب آنا۔وہ کسی بھی صورت اسے منع نہیں کر سکتی تھی۔۔م

گر اس کے ہی لفظ سماعتوں میں زہر بن کر کل سے اتر رہے تھے۔۔

"آج تمھیں دیکھ کر بھی میرے اندر کوئی جذبہ کوئی ارمان نہیں جگ رہا۔ یہاں تک کہ حوس بھی نہیں۔۔

میں کبھی ایسی لڑکی کے قریب نہیں جاؤں گا۔جو نشے میں مجھ سے محبت کا اقرار کرتی ہے۔۔بھری محفل میں کسی اور کے لیے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے۔اور نکاح کسی اور سے کرنا چاہتی ہے۔تم قابل نہیں ہو میری سچی محبت کے"""

اس کے لفظ یاد کرتے ابرش کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی ت۔۔۔یہ لفظ کل تک اگر زاران خانزادہ کے لبوں سے نکلتے گوارا تھے۔۔مگر آج جب وہ اس کے نکاح میں تھی۔اپنے شوہر کے لبوں سے سننا کسی قیمت بھی گوارا نہیں تھے۔۔۔اس کے لفظ بہت چبھے تھے۔اس نے جو کچھ بھی کیا تھا مگر دل تو صرف زاران خانزادہ کو دیا تھا۔۔جو اس کی اتنی ستم گری کے بعد بھی صرف اس کے لیے ہی دھڑکتا تھا۔

حق لینا ہی تھا تو ہوش میں لیتا اس طرح بیہوشی میں کیوں اس کے ساتھ ایسا کیا۔ابرش کی آنکھوں میں نمکین پانی آن ٹھہرا تھا۔

آخر کیوں نہ لیتا وہ اپنا حق ؟؟ وہ حویلی کا وحشی سفاک مرد جو تھا۔۔

ابرش نے سسکی بھرتے بے رحمی سے اپنی گردن کھروچ کر اس پر پھر سے زخم دیا تھا۔ زاران خانزادہ پر یقین کرنے کی خود کو سزا دی تھی۔

وہ کپڑے بدل کر باہر آئی تو زاران سگریٹ انگلیوں میں دبائے بازو آنکھ پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔۔

جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں کو بھی جلا رہا تھا۔۔ جسے اسے مطلعق پرواہ نہیں تھی۔۔

ابرش نے بے اختیاری میں اس کی طرف بڑھتے اس کی انگلیوں میں دبا ہوا سگریٹ نکالا۔ زاران نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر سرخ آنکھوں سے اسے استفہامیہ نگاہوں سے گھورا۔۔

مم۔۔ میں۔۔۔ وہ سگریٹ نکال رہی تھی۔۔ آپ کی انگلیوں کو جلا رہا تھا۔۔ ابرش زاران کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔ اس کی سرد سرخ نظریں دیکھ کر اس کے لبوں سے بے ساختہ آپ نکلا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتی وہ اسے کلائی سے جکڑے خود کی طرف کھینچ چکا تھا۔

وہ اس کے سینے پر آ گری تھی۔۔۔میرا تو پورا بدن ایک ان دیکھی آگ میں جل رہا ہے۔سب سے زیادہ تو یہ دل جل رہا ہے۔۔کہاں کہاں سے یہ آگ بجھاؤ گی تم؟؟

زاران اس کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط کرتے استھزائیہ ہنسا۔

ابرش بمشکل ہی خود کو اس کے سینے کا حصہ بننے سے روکے ہوے تھی۔۔زاران کے سینے پر دونوں ہاتھ جمائے وہ اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔جو اس کے رت جگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔۔

ابرش کو یوں خود کی طرف معصومیت سے تکتا پا کر زاران کی آنکھوں سے مزید شعلے لپکے تھے۔زاران نے سے بازو سے جکڑے خود میں بھینچا تو ابرش کے لبوں سے سسکاری نکلی۔۔آنکھوں سے آنسو نکلتے شفاف عارض کو بھگونے لگے۔اس کے آنسوؤں پر وہ مزید سلگا تھا۔۔کیا اس کی قربت اس

کے لیے آنسوؤں کا باعث ہے؟؟۔۔وہ سلگتی نگاہوں اسے کافی دیر دیکھتا رہا ۔۔وہ ابھی تک اس کے سینے پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔۔اس کے رونے سے اندازہ ہوا تھا۔۔وہ اس کی قربت میں آنسو نہیں بہا رہی۔۔بلکہ وجہ کچھ اور ہے۔۔وہ اسے بانہوں میں ہی لیے رخ پلٹ گیا تھا۔۔

زاران کی نظر اس کی سنہری آنکھوں کی نمی سے ہوتے اس کے دھڑکنوں کے مقام پر آن ٹھہری۔

جہاں سے شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔زاران نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر کو اٹھاتے بٹھایا۔۔ابرش کی قمیض کی زپ کھولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکائی تو ابرش نے سرخ پڑتے زاران کا ہاتھ تھامے اسے روکنے کی کوشش کی۔۔

زاران اس کی مزاحمت کی پرواہ کیے بغیر اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا گیا تھا۔۔

ابرش کی رنگت شدید سرخ پڑی۔۔۔۔زاران کے ہاتھ اپنی دھڑکنوں کے مقام پر محسوس کرتے اس نے سختی سے آنکھیں میچیں۔زاران نے اس کے زخم کو دیکھا جہاں سے خون پھر سے رس رہا تھا۔۔کامدار ڈریس پہننے کی وجہ سے زخم دوبارہ سے چھل چکا تھا۔۔

ڈریسنگ نہیں کی۔زاران نے لب بھینچتے پوچھا۔

نہیں۔۔۔۔اور اس کی ضرورت بھی نہیں۔۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔۔ابرش نے بند آنکھوں کو کھولتے شرٹ کندھوں سے اوپر کرتے کانپتے ہاتھوں سے زپ بند کی۔۔ نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔زاران اس کے بے انتہا قریب تھا۔۔وہ اس کی نظروں کی تپش کے ساتھ ساتھ اس کی سانسوں کی گرمایش

میں خود کو جھلستا محسوس کر رہی تھی۔زاران کی اتنی نزدیکی سے اس کی ہتھیلیاں بھیگ رہی تھیں۔

زاران اس کی جھکی نظروں کو دیکھنے کے بعد بیڈ سے اٹھتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش نے بیڈ سے اٹھتے جلدی سے دوپٹہ گلے میں ڈالا تھا۔۔۔وہ دروازے کی جانب بڑھی۔۔زاران کے کمرے میں موجودگی اس کے اوسان خطا کر رہی تھی۔

اوپر سے اس کی سرد و سپاٹ نظریں اس کی جان نکالنے کے درپہ تھیں۔۔

زاران میڈیکل باکس پکڑے ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو ابرش دوپٹہ گلے میں ڈالے بھیگی زلفوں کے ساتھ کمرے سے باہر قدم رکھ رہی تھی۔۔

اس کی بھیگی زلفیں اس کی پشت کو تقریباً بگھو چکی تھیں۔

زاران ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔ اسے کلائی سے پکڑے دیوار کے ساتھ پٹختے دروازہ زور سے بند کیا۔۔ ابرش نے پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ زاران کو دیکھا جو کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا

کک کیا ہوا زاران ؟؟ ابرش نے سہمتے ہوے پوچھا۔۔ زاران کی آنکھوں کی سرخی پہلے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے قہربار نظروں سے گھور رہا تھا۔

ہوش میں ہو ابرش۔۔۔ اچھی طرح جانتی ہو آج حویلی مہمانوں سے بھری پڑی ہے۔۔ یہاں کی روایات سے بھی بخوبی واقف ہو۔۔ پھر اس حلیے میں باہر جانے کا مطلب۔؟؟۔

زاران کی آنکھوں سے شعلے لپکے تھے۔۔ اسفندیار خان کا کمرہ اسی راستے پر تھا۔۔ جہاں سے گزر کر نیچے لاونج میں جانا پڑتا تھا۔۔ اگر اسفند اسے ایسے دیکھ لیتا تو اس سے آگے کا سوچتے ہی زاران کو اپنی کنپٹیاں پھٹتے ہوے محسوس ہو رہی تھیں۔۔

زاران۔۔۔ مم۔۔۔ میں نے۔۔۔ یہ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ مجھے خیال نہیں رہا۔۔۔ ابرش نے اسے شدید غصے میں دیکھ کر منمناتے ہوے وضاحت دی۔۔

تم کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کرتی۔ بلکہ تم سے ہو جاتا ہے۔۔ پھر چاہے وہ زعیم کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس کا اظہار محبت سننا ہو۔ یا پھر اس کے ساتھ نکاح کرنا ہو۔۔ یا پھر بھرے جرگے میں بے حیائی سے اسفندیار سے چیخ چیخ کر اپنی محبت کا اظہار کرنا۔۔ زاران اس کے گرد دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے غرایا تو ابرش نے بے ساختہ چیختے ہوے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔۔

وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے گہرے سانس بھرتے سہمی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔ اسے لگا تھا زاران اس پر ہاتھ اٹھانے لگا ہے۔

اس کے ایکٹ پر زاران لب بھینچتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے پیچھے ہوے تھا۔

مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ سچ کہہ رہی ہوں زاران۔۔۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ مم۔۔۔۔ مجھے عادت نہیں۔۔ اس سب کی۔۔۔ میں آہستہ آہستہ ادھر

کی راویات میں خود کو ڈھال لوں گی۔۔ زاران کے مشتعل چہرے کو دیکھتے ابرش نے نم لہجے کے ساتھ وضاحت دی۔

وہ تو تمھیں ڈھالنا پڑے گا ابرش۔۔۔۔ خود کو ہر قیمت پر۔۔۔ تمھاری ہر غلطی جو زاران خانزاہ معاف کرتا تھا۔۔ وہ تم سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اب جو تمھارے سامنے کھڑا ہے۔ وہ حویلی کا سفاک وحشی، اجڈ،، گنوار خان ہے۔ جو غلطی سے بھی اپنی بیوی کی غلطی معاف نہیں کرے گا۔۔ زاران نے سپاٹ لہجے میں اسے تنبیہ کی۔۔

ساری غلطیاں میری تو نہیں تھیں۔۔ آپ ہر غلطی سے بری زمہ ہو کر صرف مجھے قصوروار کیسے کہہ سکتے ہیں؟۔۔ ابرش نے شبنمی لہجے میں شکوہ کیا۔

اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی تم خود کو معصوم کہہ رہی ہو؟۔۔ دیٹس گریٹ۔۔۔ زاران استھزائیہ ہنسا۔

مجھے یہ بتاؤ۔۔۔۔ اسفند سے تم امیریکہ میں ملی تھی۔ میرے سامنے اسے دیکھتے انجان بننے کا ناٹک کیوں کیا؟؟ زاران نے کے اس قریب ہوتے سرد انداز میں سوال داغا۔۔۔

مجھے یاد نہیں رہا تھا بتانے کا۔۔ میں صرف امیریکہ میں ایک ہی مرتبہ اسفند سے ملی تھی۔۔ وہ بھی اس نے میرا بیگ ایک روبر سے واپس لا کر دیا تھا۔۔ وہ ملاقات اتنی سرسری تھی۔۔ میں نے ضروری نہیں سمجھا بتانا۔۔ ابرش نے آدھا سچ اور آدھا جھوٹ بتایا تھا۔۔

اسفند اسے محبت کا اظہار کر چکا ہے۔۔۔ یہ سب زاران کو بتا کر وہ اسے مزید مشتعل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ ملاقات اتنی بھی سرسری نہیں تھی۔جو تمھیں اپنے ہونے والے شوہر کو بتانا یاد نہ رہے۔۔تم ایک مرتبہ نہیں امیریکہ میں کئی مرتبہ اس سے ملی تھی۔۔زاران اس کے جھوٹ پر یکدم بھڑکتے ہوے چیخا تھا۔۔

آئی سویر۔۔۔زاران صرف دوبار اسفند سے ملاقات ہوئی تھی۔میرا یقین کریں۔ابرش نے اس کے بھڑکنے پر جلدی سے روتے ہوے. سچ بتایا۔۔اس کا چلانا اس کے کان کے پردے پھاڑ رہا تھا۔اس کے غصے سے خائف ہوتے اس کا روم روم لرز رہا تھا۔۔

دوبار کی ملاقات پر تم میرے سامنے خاموس رہی کیوں؟؟؟۔۔دل کے جلتے بھانبھڑوں سے مجبور ہوتے سلگتے لہجے میں سرد انداز میں ایک مرتبہ پھر سے سوال کیا۔۔

اسفند نے مم۔۔۔۔ مجھ سے کہا تھا یہ بات۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کو نہ بتاؤں۔۔ کیونکہ وہ مم۔۔۔ مجھ۔۔۔۔۔ سے مم۔۔۔ محبت کرتا ہے۔۔ یہ بات کو آپ کو اچھی نہیں لگے گی۔۔ ابرش ٹوٹے لفظوں سے بولتی چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی..

اسفند اس کی بیوی اس کی محبت سے محبت کرتا ہے۔۔ یہ سن کر زاران کا وجود مزید آگ کے گولوں میں لپٹا تھا۔

آپ مجھے جیسے ٹریٹ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ جانتی ہوں ونی میں آئی ہوئی لڑکی کے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا ہے۔۔ مگر بار بار مجھے اسفند اور زعیم کا

نام لے کر میرے کریکٹر پر سوال نہ اٹھائیں۔۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ ابرش نے ہچکیوں کے درمیان بمشکل کہا۔۔

اپنے کریکٹر پر سوال اٹھانے پر تم نے خود مجھے مجبور کیا ہے۔۔ ہمارے درمیان جتنے بھی اختلافات، بدگمانیاں صحیح۔۔ مگر یہ شک نہیں تھا۔۔ جو تم نے خود میرے اندر منتقل کیا ہے۔۔۔۔ جو مجھے اذیت کی انتہا پر پہنچا رہا ہے۔۔ زاران کرب زدہ انداز میں بولا تو ابرش کے آنسوؤں کی روانی میں اضافہ ہوا تھا۔

زاران لب بھینچے اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑے اسے بیڈ پر بٹھایا۔۔

اس کا دوپٹہ گلے سے اتارتے سایڈ پر رکھا تھا۔۔ اس کی زپ کھولتے شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکائی۔۔

مم میں ڈریسنگ کرلوں گی۔۔۔ابرش نے نظریں جھکائے کہا۔۔

تم نے کرنا ہوتا تو تم پہلے کرلیتی۔۔یقیناً تم یہ خود کو اذیت پہنچا کر مجھ پر ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمھارے لیے یہ رشتہ طوق سے زیادہ نہیں۔۔زاران نے سرد انداز میں کہتے کاٹن سے اس کا زخم صاف کیا۔زخم پر زاران کی انگلیوں کا دباؤ بڑھتا محسوس کر کے ابرش نے سسکی لی تھی۔

مجھے تمھارے زخموں اور تمھاری اذیت سے کوئی مطلب نہیں ہے۔۔زاران کے لہجے میں ٹھنڈک بڑھی تھی۔

تمھارا زخم دیکھ کر کل بہارے نے مجھے جن نظروں سے دیکھا تھا۔۔وہ مجھے زمین میں گاڑھ چکا تھا۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ آج یہ زخم دیکھ کر تمام گھر والوں اور برادری والوں کی نظروں کا سامنا کروں۔۔ زاران نے ابرو اچکائے برفیلے لہجے میں سوال کیا۔

ابرش اس کے سوال پر سر نفی میں ہلاتے نظریں جھکا گئی تھی۔

یہ زخم میں نے تمھیں دیا۔۔ یا پھر تم نے خود کو خود ہی دیا۔۔ دونوں طرف سے عزت میری ہی گھٹے گی۔۔ زاران نے سرد لہجے میں کہتے اس کے زخم پر آئنمنٹ لگائی۔۔

اس کا برف سا لہجہ محسوس کرتے ابرش خاموشی سے نظریں جھکائے آنکھیں میچ چکی تھی۔۔ اس کی انگلیاں اس کی دھڑکنوں کے مقام کو چھوتی اس کے بدن میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔۔ جسے زاران بخوبی محسوس کر رہا تھا۔

سرد سرخ نظروں سے اس قیامت خیز مسحور کن سراپے کو دیکھتے زاران نے بے ساختہ اپنے اندر اٹھتی طغیانی پر قابو پاتے اس کی شرٹ کندھوں سے اوپر کرتے زپ بند کی تھی۔۔

ابرش آنکھیں بند کیے لرز رہی تھی۔۔ سنہری رنگت پر عارض شدید سرخ پڑ رہے تھے۔

زاران اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔۔ا

اسے بازو سے جکڑے خود کی طرف کھینچا تو وہ کٹی ہوئی ڈال کی طرح اس کے سینے سے آن لگی تھی۔

ابرش نے آنکھیں کھولتے زاران کو دیکھا جو سرد نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

تمھارا حسن اب کسی بھی غیر مرد کے سامنے نہ کھلے۔۔ غلطی سے بھی اسفند کے سامنے تمھارے سر سے دوپٹہ نہ اترے۔۔ اگر تمھارے سر کا ایک بال بھی کسی غیر مرد نے دیکھا تو تمھیں زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔۔ وہ اس کا منہ دبوچے غرایا۔۔۔ جہاں وہ ہو گا۔۔ وہاں تم ٹھہرو گی بھی نہیں۔۔۔ اڈ اٹ کلیر۔۔۔ زاران نے سرد لہجے میں تنبیہ کرتے اسے بیڈ کراؤن کی طرف دھکیلا۔۔

یہ ڈریس بھی چینج کرو۔۔ کوئی ہلکا پھلکا ڈریس پہنو کوئی ضرورت نہیں اتنا بننا سنورنے کی۔۔۔ نہ ہی میک اپ کرنے کی ضرورت ہے۔۔ زاران نے غصے سے نارنجی فراک میں اس کی سنہری رنگت کو دمکتے ہوے دیکھ کر بھڑکتے ہوے کہا۔

وہ نہیں چاہتا تھا اسفند کی غلطی سے بھی اس کی بیوی پر نظر پڑے۔۔وہ ابرش کو لے کر اسلام آباد شفٹ ہونے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ مگر اب عابیر کی وجہ سے مجبور تھا ادھر رکنے کو۔۔۔۔زاران اسے سرد نظروں سے گھورتے بیڈ سے اٹھا۔۔

تمھاری زبان کے جوہر میری ماں اور بہنوں کے سامنے بلکل نہ کھلے۔۔ان کے سامنے جتنی تمیز کے دائرے میں رہو گی۔۔اتنا ہی اس کمرے میں سکون سے رہو گی۔۔۔

زاران اس پر قہربار نظر ڈالتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش اپنی آنکھوں کی نمی بے دردی سے صاف کرتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔۔

ابرش چوڑی دار پاجامے کے سفید انگرکھا سمپل سا فراک پہنے ہوے بنا کسی بھی زیب و آرائش کے نیچے آئی تھی۔۔۔اس ٹائم دن کے بارہ بج رہے تھے۔عابیر اور اسفند کا شام میں نکاح تھا۔اس کے بعد رخصتی تھی۔

برادری کے چند ہی لوگوں کو انوائٹ کیا تھا۔۔جو بہت قریبی تھے۔۔

لاونج میں برادری کی چند ہی بزرگ خواتین بیٹھی تھیں۔ جنھیں سلام کرنے کے بعد وہ امینہ خانم کی تلاش میں کچن کی طرف بڑھ گئی۔

اسلام و علیکم آنٹی۔۔ ابرش نے کچن میں داخل ہوتے امینہ خانم سے سلام کیا۔۔

امینہ خانم اور روزینہ خانم اس وقت کچن میں ہی موجود تھیں۔۔۔ ملازموں کو رات کے کھانے کے لیے ہدایت دے رہی تھیں۔ مہمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اس وجہ سے گھر میں ہی رات کی ضیافت کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ درخشاں کے علاوہ کچن مین دو تین اور بھی ملازمائیں تھیں۔

وعلیکم اسلام۔۔۔۔ امینہ خانم نے ابرش کو دیکھتے روکھائی سے جواب دیا۔۔ ابرش کا مردان خانے میں جا کر تماشہ کرنے پر امینہ خانم کے دل مین ابرش کے لیے بہت سخت گرہ پڑ چکی تھی۔۔

ابرش کو دیکھ کر ان کے چہرے پر سنجیدگی اور کرختی چھائی۔۔لہجے میں بھی کافی ناگواری اور سنجیدگی در آئی تھی ج۔سے وہاں کھڑی ہر ملازمہ نے محسوس کیا تھا۔۔کیونکہ یہ ان کی طبعیت کا خاصہ نہیں تھا۔

روزینہ خانم کے لبوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ دوڑی۔۔

جانتا ہے ہم۔۔ تمھارا اس نکاح میں کوئی مرضی شامل نہیں تھا۔۔ مگر تم دو دن کی دلہن ہے۔۔یہ کیا سفید لباس پہن کر تم ماتم منا رہا ہے۔۔

ابرش کو انتہائی سادگی میں دیکھ کر امینہ خانم نے ناگواری سے کہا۔

امینہ خانم کا سرد لہجہ محسوس کرتے ابرش کی آنکھیں نم ہوئیں۔۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا انہوں نے اس سے اس لہجے میں بات کی تھی۔۔

زاران نے مجھے تیار ہونے سے منع کیا ہے۔ابرش نے بھیگے لہجے میں بتایا۔

غلطی ہو گئی ہم سے جو زحلے کی بیٹی کو ہم نے بہو بنانے کا سوچا۔۔ ہمارا زاران کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر لڑکی تھا۔۔ ہمارا بھائی کا بیٹی پلوشہ کے لیے ہمارا بھائی نے خود ہم سے کہا۔۔ مگر سمجھ نہیں آتا۔۔ زاران کو تم میں ایسا کیا نظر آیا۔۔ جو تمھیں پسند کر بیٹھا۔۔ ورنہ ہمارا پلوشہ صورت میں بھی اور گنوں میں بھی تم سے کئی گنا بڑھ کر تھا۔۔ امینہ خانم نے ملازموں کی پرواہ کیے بغیر ابرش کو اچھا خاصہ لتاڑا تھا۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوئے خاموشی سے امینہ خانم کی ڈانٹ سنی تھی۔

زاران ۔۔۔ بیچارہ بھی تم کو اس لیے سجنے سنورنے سے منع کرتا ہے ۔وہ بھی بیچارہ اب کیا کرے؟؟۔۔۔ اب اس کا نصیب ایسی عورت سے پھوٹا ہے۔جو اس کے ہی بھائی پر نظر رکھتی ہے۔ اب

ایسے میں وہ بیچارہ تمھیں زیادہ تیار ہونے سے منع ہی کرے گا ناں۔۔۔۔ تمھارا کیا پتہ تم بن سنور کر مردان خانے میں اسفند کا نکاح روکنے کے لیے پہنچ جاؤ۔ ۔روزینہ خانم نے ابرش کی فق رنگت دیکھتے جلتی پر تیل ڈالا تو ابرش کی رنگت توہین و خجالت سے شدید سرخ پڑی تھی۔

آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ سے اس لہجے میں بات کریں۔۔ آنٹی کی کڑوی باتیں میں نے اس لیے سنی کیونکہ وہ زاران کی ماں ہیں۔۔ آپ کا رشتہ میرے لیے اتنا قابل احترام نہیں کہ میں فضول میں آپ کی باتیں سنوں۔۔ ابرش کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ روزینہ خانم کا ہاتھ اٹھتا ابرش کے گال پر نشان چھوڑ گیا تھا۔۔

ابرش گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے روزینہ خانم کو دیکھ رہی تھی۔۔ امینہ خانم نے اپنے لب سختی سے بھینچے۔۔ ملازماؤں کے سامنے انھیں یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔

جب سے اسفند اور عابیر کا رشتہ طے ہوا تھا۔ روزینہ خانم کا رویہ ان کے ساتھ بھی بہت تلخ ہو گیا تھا۔۔ انہوں نے امینہ خانم سے دبنا چھوڑ دیا تھا۔۔ وہ ایک بات کی سوسنانے لگی تھیں۔

تم یہاں پر زاران کی بیوی بعد میں ہو۔۔ پہلے میرا بابرک کی موت کے بدلے میں ونی کے طور پر آیا ہے۔ تمھارا ذلیل بھائی نے ہمارا جوان بیٹا کو مارا ہے۔۔ خون کے بدلہ میں ہم یہاں خون لیتا ہے۔۔ یا پھر خون بہا میں قاتل کے گھر کا عورت۔۔ جس سے اس قتل کا حساب لیا جاتا ہے۔۔ تم کو کیا لگتا

ہے ہم تمھارا بد تمیزی برداشت کرے گا۔؟؟۔زبان کاٹ ڈالے گا تمھارا۔۔۔۔روزینہ خانم نفرت سے پھنکاری تھیں۔

زیادہ زبان چلانا ہے۔۔۔یہاں مہارانی بن کر رہنا ہے تو اپنا غیرت بھائی کو یہاں پیش کرو۔۔۔تاکہ اسے بھی بابرک کی طرح موت دی جائے۔پھر اس دن تم حویلی کی عورتوں کی طرح ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا۔روزینہ خانم غصے سے گرجی۔۔حویلی کی ملازمائیں لب دانتوں تلے دبائے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

آج کے بعد تم ونی میں آیا ہوا عورتوں کی طرح یہاں کچن میں کام کرے گا۔۔۔۔برتن دھوئے گا۔۔کھانا بنائے گا۔۔کمرے میں آرام کرنے کی بجائے اب تم کچن میں سارا وقت گزارے گا۔۔

روزینہ خانم نے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے حکم دیا۔۔ ابرش نے روزینہ خانم کے حکم پر پر امینہ خانم کو نم آنکھوں سے دیکھا۔۔۔

ٹھیک کہہ رہا ہے روزینہ خانم۔۔۔۔ تم یہاں پر ونی کے طور پر آیا ہے۔۔ ونی میں آیا لڑکیوں کا یہ طور طریقہ نہیں ہوتا۔۔ امینہ خانم سپاٹ لہجے میں کہتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

درخشاں۔۔۔ ابرش کو کام سونپو۔۔۔ بلکہ آج کا بکرے کا کڑاہی اس سے ہی بناؤ۔۔۔ رات سے پہلے یہ کچن سے باہر نہیں آنا چاہیے۔۔۔۔ روزینہ خانم درخشاں کو حکم دیتی ابرش پر استھزائیہ نگاہیں ڈالتی چلی گئی تھیں۔

تمام ملازموں کے چہرے پر بھی استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔ جسے دیکھتے ابرش اپنی نم آنکھیں رگڑتے درخشاں کی طرف بڑھی جو مٹن بنانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔۔

بھابھی آپ برتن دھولیں۔۔یہ گوشت ہم بنالے گا۔۔

پندرہ پندرہ کلو کے حساب سے بڑے بڑے پتیلے بن رہا ہے کڑاھی کے۔۔۔آپ کو کہاں آتا ہو گا یہ سب کچھ ؟؟۔۔۔درخشاں نے ابرش پر ترحم بھری نگاہ ڈالی تھی۔۔

ٹھیک ہے میں برتن دھولیتی ہوں۔۔ابرش اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے سنک کی جانب بڑھی۔۔جہاں گندے برتنوں کا ڈھیر پڑا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کمرے میں داخل ہوا تو حور بلیک کڑھائی والا فراک پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔وہ بلیک فراک پر لیب کوٹ پہنے ہوے تھی۔

بالوں میں برش کرتے ہوے وہ بار بار مدھم سا مسکاتی۔۔

وہ برش کرتے ہوے خود کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ ارحام خانزادہ کے اندر داخل ہونے پر بھی اسے احساس نہیں ہوا تھا۔

وہ بچوں کی طرح لیب کوٹ پہنے خوش ہو رہی تھی۔۔ اپنے سلکی خوبصورت بالوں کو وہ کبھی کمر پر اک ادا سے جھٹکتی۔ کبھی اپنے شولڈر پر ڈالے برش کرنے لگتی۔۔

کانچ جیسی کرسٹل براؤن آنکھیں نم تھیں۔۔ مگر کٹاؤ دار لبوں پر مدھم سی مسکان رقصاں تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا ارحام نے اسے مسکراتے ہوے دیکھا تھا۔

ارحام نے اسے دیکھتے ڈریسنگ ٹیبل پر موبائل رکھا تو حور بری طرح چونکی۔۔۔ارحام کی خوشبو اپنے گرد محسوس کرتے حور کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔جو ارحام خانزادہ نے مرر میں اس کے نظر آتے عکس کو دیکھتے بخوبی محسوس کیا تھا۔۔ مسکراہٹ پل میں سمٹی تھی۔۔ مرر میں ارحام کو دیکھتے حور کے ہاتھوں سے برش گرتا زمین بوس ہوا۔۔

ارحام نے حور کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوے صوفے پر بیٹھتے ہوے اس کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

حور نے لیب کوٹ اتارتے بیڈ پر رکھا اور جلدی سے دوپٹہ اٹھائے اسے سر پر اوڑھا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ حور نے نظریں جھکائے کہا۔۔

یہ کہاں سے آیا؟؟ ارحام نے اس کے سلام کو اگنور کرتے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔۔ اپنی شعلہ بار نگاہیں حور کے دو آتشہ روپ پر جمائیں۔۔ جو بلیک فراک میں کندن کی مانند دمک رہی تھی۔

یہ لیب کوٹ بہارے آپی کا ہے۔۔ بہارے آپی کے پاس دو تھے۔ ایک میں نے لے لیا۔۔ حور نے ارحام کی سرد نگاہوں سے گھبراتے ہوئے جلدی سے بتایا۔

ہمممم۔۔۔۔ ارحام نے ہنکار بھرتے سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگایا۔۔

کیوں لیا؟؟ ابرو اچکائے پوچھا تھا۔۔

مجھے یہ پہننا بہت اچھا لگتا ہے۔۔ڈاکٹر کی فیلنگ آتی ہے۔۔میں میڈیکل کی فرسٹ ایر میں تھی۔۔میرے پاس بہت سے لیب کوٹ تھے۔۔حور نے معصومیت سے بتاتے لب دانتوں تلے دبایا۔۔۔

وہ بھول ہی چکی تھی اس نے ارحام کو اپنی تعلیم اور عمر غلط بتائی تھی۔۔۔

اب اپنا جھوٹ یاد آنے پر وہ دور کھڑی ارحام کو سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ پتہ نہیں وہ اسے اس بات کی کیا سزا دے۔۔

ارحام اس کا سرخ پڑتا چہرہ اور جھکی نظروں کو دیکھتے استھزائیہ مسکرایا.

ارحام خانزادہ کمرے میں داخل ہوا تو حور بلیک کڑھائی والا فراک پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔وہ بلیک فراک پر لیب کوٹ پہنے ہوے تھی۔

بالوں میں برش کرتے ہوے وہ بار بار مدھم سا مسکاتی۔۔

وہ برش کرتے ہوے خود کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ ارحام خانزادہ کے اندر داخل ہونے پر بھی اسے احساس نہیں ہوا تھا۔

وہ بچوں کی طرح لیب کوٹ پہنے خوش ہو رہی تھی۔۔اپنے سلکی خوبصورت بالوں کو وہ کبھی کمر پر اک ادا سے جھٹکتی۔ کبھی اپنے شولڈر پر ڈالے برش کرنے لگتی۔۔

کانچ جیسی کرسٹل براؤن آنکھیں نم تھیں۔۔ مگر کٹاؤ دار لبوں پر مدھم سی مسکان رقصاں تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا ارحام نے اسے مسکراتے ہوے دیکھا تھا۔

ارحام نے اسے دیکھتے ڈریسنگ ٹیبل پر موبائل رکھا تو حور بری طرح چونکی۔۔۔ ارحام کی خوشبو اپنے گرد محسوس کرتے حور کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔ جو ارحام خانزادہ نے مرر میں اس کے نظر آتے عکس کو دیکھتے بخوبی محسوس کیا تھا۔۔ مسکراہٹ پل میں سمٹی تھی۔۔ مرر میں ارحام کو دیکھتے حور کے ہاتھوں سے برش گرتا زمین بوس ہوا۔۔

ارحام نے حور کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوے صوفے پر بیٹھتے ہوے اس کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

حور نے لیب کوٹ اتارتے بیڈ پر رکھا اور جلدی سے دوپٹہ اٹھائے اسے سر پر اوڑھا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ حور نے نظریں جھکائے کہا۔۔

یہ کہاں سے آیا؟؟ ارحام نے اس کے سلام کو اگنور کرتے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔۔ اپنی شعلہ بار نگاہیں حور کے دو آتشہ روپ پر جمائیں۔۔ جو بلیک فراک میں کندن کی مانند دمک رہی تھی۔

یہ لیب کوٹ بہارے آپی کا ہے۔۔ بہارے آپی کے پاس دو تھے۔ ایک میں نے لے لیا۔۔ حور نے ارحام کی سرد نگاہوں سے گھبراتے ہوئے جلدی سے بتایا۔

ہمممم۔۔۔۔ ارحام نے ہنکار بھرتے سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگایا۔۔

کیوں لیا؟؟ ابرو اچکائے پوچھا تھا۔۔

مجھے یہ پہننا بہت اچھا لگتا ہے۔۔ڈاکٹر کی فیلنگ آتی ہے۔۔میں میڈیکل کی فرسٹ ایر میں تھی۔۔میرے پاس بہت سے لیب کوٹ تھے۔۔حور نے معصومیت سے بتاتے لب دانتوں تلے دبایا۔۔۔

وہ بھول ہی چکی تھی اس نے ارحام کو اپنی تعلیم اور عمر غلط بتائی تھی۔۔۔

اب اپنا جھوٹ یاد آنے پر وہ دور کھڑی ارحام کو سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ پتہ نہیں وہ اسے اس بات کی کیا سزا دے۔۔

ارحام اس کا سرخ پڑتا چہرہ اور جھکی نظروں کو دیکھتے استھزائیہ مسکرایا.

لیب کوٹ لے کر میرے پاس آؤ۔۔ارحام نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔

جی۔۔۔حور نے ناسمجھی سے ارحام کو دیکھا تھا۔۔

میں کہہ رہا ہوں۔۔اس کوٹ کو ادھر لاؤ۔۔ارحام نے اس بار بلند آواز میں کہا۔۔

حور اس کی بلند آواز پر جلدی سے کوٹ اٹھائے ارحام کی طرف بڑھی۔۔

اس کے قریب آتے وہ کوٹ ارحام کی طرف بڑھایا۔۔ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔۔جسے دیکھتا ارحام گہرا مسکرایا تھا۔

یہ پکڑو اور اسے جلاؤ۔۔ارحام نے لائٹر حور کی طرف بڑھایا۔۔

کک کیا؟؟۔حور حیران ہوئی۔۔

"I said burn it with out delay"

)اسے بنا تاخیر کیے جلاؤ(

۔۔ارحام دھاڑا تھا۔۔

حور نے لرزتے ہوے جلدی سے لائٹر پکڑ کر اس لیب کوٹ کو شعلہ دکھانے کی کوشش کی۔۔

مگر ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے اس سے لائٹر جل نہیں رہا تھا۔۔

I said burn it_other wise no one worse then me..

اب کی بار پوری قوت سے چلایا تھا۔

حور نے ہچکی بھرتے لائٹر جلانے کی کوشش کی جو اس سے ابھی بھی جل نہیں رہا تھا۔۔

ارحام یہ مم۔۔۔ مجھ۔۔۔۔سے نہیں جل رہا۔۔ حور نے ہچکی لیتے ہوے کہا۔

جلاؤ حور اسے۔۔۔ ورنہ آج میں تمھیں جلا دوں گا۔۔ ارحام سرد آواز میں پھنکارا۔۔

حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے لائٹر جلانے کی ایک بار پھر سے کوشش کی تھی۔۔ بصد شکر اس بار لائٹر جل گیا تھا۔۔ حور نے گہرا سانس لیتے لیب کوٹ کو شعلہ دکھایا۔

بہت سے آنسو ٹوٹ کر اس کے رخ پر گرتے بے مول ہو رہے تھے۔ لیب کوٹ جواب جل رہا تھا۔۔ ابھی بھی اس کے ہاتھوں میں تھا۔

ارحام صوفے سے اٹھتا اس کے قریب ہوا تھا۔ حور دو قدم پیچھے کو ہوتی اس سنگدل سے دور ہوئی۔۔

ارحام نے اس کے ہاتھ سے لیب کوٹ لیتے زمین پر پھینکا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا۔۔وہ اس کے کشادہ سینے سے آ لگی تھی۔۔

اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو ارحام کی شرٹ کو بھگونے لگے۔

کیا ہوا ڈیر وائفی؟؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اتنی سی چیز کے لیے اتنے آنسو۔۔۔ارحام نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے اسے خود میں سختی سے بھینچا۔۔

یہ اتنی سی چیز نہیں تھی میرے لیے۔۔۔آپ نے یہ کیوں کیا؟؟حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لیتے سوال کیا۔۔۔

حور کے سوال پر ارحام خانزادہ کا قہقہہ گونجا تھا۔

تاکہ تمھیں احساس ہو۔۔ قیمتی چیزیں کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔۔ اپنے ارمانوں کو خود کے سامنے جلتے ہوے دیکھ کر کیسا محسوس ہوتا ہے؟؟۔۔ ارحام اس کے کان کی لو دانتوں سے بے رحمی سے کھینچتا پھنکارہ ۔۔

حور اس کے بے رحم لمس پر سسکی بھر کر رہ گئی تھی۔

احساس ہے مجھے۔۔۔۔ میرا سب کچھ مجھ سے چھن گیا ہے۔ میرا سب سے قیمتی رشتہ،، میرے اپنے سب کچھ ہی تو مجھ سے چھن گئے ہیں۔ اب کچھ بھی مجھ سے چھن جائے مجھے پرواہ نہیں۔۔۔ حور نے ارحام کے حصار سے نکلتے ہوے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔

ٹھیک کہا تم نے۔۔ تمہیں کیوں پرواہ ہو گی؟؟ تمھارا کچھ بھی تو یہاں نہیں ہے۔۔ تمھارے بدن پر لباس تک تو تمھارا اپنا نہیں۔۔۔ ارحام طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

ارحام کے طنز پر اسے آگ لگی تھی۔۔ پری گل کا لباس سوئیوں کی مانند چبھا تھا۔ حور نے روتے ہوئے بے دردی سے اپنا دوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکا۔۔ وہ بکھرے بالوں کے ساتھ گلابی آنکھیں لیے گہرے سانس بھرتے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

ارحام اس کے ایکٹ پر استھزائیہ ہنسا تھا۔

یہ دوپٹہ پھنکو یا پھر اس لباس کو تن سے جدا کرو۔۔۔ لباس تو تمھیں پری گل کا ہی پہننا پڑے گا۔۔ ارحام نے اس کے قریب ہوتے سرد لہجے میں کہا۔۔۔

حور نے بے بسی سے اپنا نچلا لب کچلتے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کی جو بہت روانی سے آنکھوں سے گرتے اپنی وقعت کھو رہے تھے۔۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اسے اپنی بانہوں میں بھرا۔ میری جان۔۔۔ کیوں ان شبنمی قطروں کو بے مول کر رہی ہو؟؟؟۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں سے گرتے موتی نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنے۔۔

حور نے ارحام کا ہاتھ جھٹکتے اسے شکوہ کناں بھیگی نگاہوں سے دیکھا ۔۔۔ ارحام کا سفاک قہقہہ پھر سے گونجا تھا۔۔

قیمتی تو یہ لیب کوٹ تمھارے لیے بہت تھا۔۔ اب دیکھو ناں۔۔۔ کبھی تمھاری ہمت نہیں پڑی مجھے خود سے دور جھٹکو۔۔ چاہے تمھیں میں کتنا ہی درد کیوں نہ دوں۔۔ مگر آج تم نے مجھے خود سے دور جھٹکا ہے۔۔ ایسا ہی ہوتا

ہے جب کوئی اپنی قیمتی چیزیں،، رشتے کھوتا ہے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔۔ ارحام نے اس کے نچلے لب کو دو انگلیوں میں پکڑتے مسلتے ہوے بے دردی سے کھینچا تو حور نے درد سے اپنی آنکھیں میچیں۔

آنکھیں کھولو۔۔۔ ارحام اس کی کمر پر اپنی انگلیوں کا دباو بڑھاتے دھاڑا تو حور نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

دیٹس آلائک آگڈ گرل۔۔ ارحام گہرا مسکرایا تھا۔

تمھارے پاس ابھی بھی کچھ ایسا ہے جو بہت قیمتی ہے۔۔ اور وہ بد قسمتی سے تمھارا ہی ہے۔۔۔ آج رات جب تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ارمانوں کو آتش کی نظر کرو گی۔۔ تو تمھارے چہرے پر وہ تکلیف ضرور نظر آئے گی۔ جو اس وقت میرے چہرے پر ہے۔۔ ارحام نے سرد انداز میں کہتے اس کے بالوں کی لٹ اپنی انگلی پر لپیٹتے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی

کرتے وہ لٹ بے دردی سے کھینچ ڈالی تھی۔۔۔ حور نے اپنا درد چھپائے اپنا لب کچلتے ارحام کو دیکھتے اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ آخر کیا کہہ رہا تھا؟؟

اس کے پاس کچھ بھی تو اپنا نہ تھا۔۔ پھر وہ کس چیز کی بات کر رہا تھا۔۔ یہ بدن اس کے پاس تھا جس پر وہ اپنا ہر حق جتا کر اسے اپنے نام کر چکا تھا۔۔ اب کیا تھا اس کے پاس؟؟۔۔۔ اس کے پاس تو صرف اس کا نام ہی تھا۔۔ کیا وہ اسے آج رات اپنے نام سے آزاد کرے گا؟۔۔ حور کی آنکھوں میں کئی سوال لیے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

آج رات کمرے کا آتش دان جلا کر رکھنا اس کی ضرورت پڑے گی۔۔ سویٹ ہارٹ۔۔۔ ارحام حور پر قہربار نظر ڈالتے ہوئے اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔۔

ڈریسنگ روم کا دروازہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ بند ہوا تو حور اس دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔۔ وہ اپنا دوپٹہ بیڈ سے اٹھائے خود پر لپیٹتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔۔ اب رات سے پہلے وہ اس ستم گر کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔۔

بہارے ڈیپ ریڈ کلر کے لہنگا چولی میں ملبوس تھی۔۔ مانگ ٹیکہ لگائے۔ گولڈ کا ہیوی چوکر سیٹ پہن رکھا تھا۔۔ جس کے ساتھ بھاری ہونے کے جھمکے تھے۔۔ نفیس سی چھوٹی سی نتھ پہنے وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ سفید رنگت ریڈ دلہن کے دوپٹے کے حالے میں دھمک رہی تھی۔۔

کبھی میک اپ کیا نہیں تھا۔۔ آج نفیس سے میک اپ سے اس کا روپ دو آتشہ ہو گیا تھا۔

بلاوز اور کا مدار لہنگے ٹوٹ کر روپ برسا تھا اس پر۔۔۔۔ویلوٹ کے بلاوز اور کاملا میں اس کا متناسب سراپہ غضب ڈھا رہا تھا۔۔۔ اسے ابھی ابھی شہرام کے کمرے میں لا کر بٹھایا گیا تھا۔ کمرے میں مدھم سی نیلگوں روشنی جل رہی تھی۔ جگہ جگہ خوبصورت کینڈل واز رکھے گئے تھے۔ کینڈلز کی خوشبو کے ساتھ پورا کمرہ گلاب کے پھولوں کی مہک سے معطر ہو رہا تھا۔ بہارے کو اس مہک میں سانس لینا دشوار لگ رہا تھا۔

بیڈ کو اور پورے کمرے کو سرخ گلابوں سے سجا دیکھ کر بہارے گل کا دل اس کمرے کی ہر سجاوٹ کو تہس نہس کرنے کو کر رہا تھا۔

شہرام نے کل اسے حویلی لانے کے بعد ہی رخصتی کا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ سب نے اس کی بات مان بھی لی تھی۔ جو رخصتی ایک ہفتے بعد ہونی تھی۔ وہ ایک ہی دن میں ہو گئی تھی۔۔

ایک ہی دن میں اس سے پوچھے بغیر اس طرح سجا سنوار کر شہرام کے کمرے میں لا بیٹھایا تھا۔ اسے اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا

No: شہرام کا کل کا روپ دیکھ کر وہ اس سے دل ہی دل میں دہشت کھائے بیٹھی تھی۔ ورنہ کبھی بھی اس کے لئے یوں سج سنور کر نہ بیٹھتی۔۔

شہرام کی قربت کا سوچ کر ہی اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔

پتہ نہیں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے؟

یہ سوچ کر ہی اس کا دل پسلیوں میں دھڑک رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر بہارے گل کی ہتھیلیاں پسینے سے نم ہوئیں۔

اپنے دھڑکتے دل پر قابو پاتے وہ خود میں سمٹی تھی۔ شہرام کے بھاری قدموں کی آواز سنتے بہارے کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔

شہرام نے کمرے میں داخل ہوتے اپنی آف وائٹ مردانہ شال اتار کر صوفے پر رکھی اور اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔ وہ اس کے لیے سج سنور کر بیٹھی تھی یہ یقین کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔ کل کے واقعے کا اثر تھا جو وہ بہت آرام سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

شہرام کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

شہرام نے بہارے کے پاس بیڈ پر بیٹھ کر اسے گہری اور استحقاق بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

[:وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔۔

شہرام کی نظروں سے پزل ہوتے خود میں سمٹتی بری طرح پزل ہو رہی تھی۔ گھنی پلکیں عارض پر لرز رہی تھیں۔

شہرام کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتے بہارے نے نظریں اٹھائے اسے دیکھا۔۔۔جو اسے گہری اور گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پورے استحقاق سے نشیلی بہکی بہکی نگاہوں سے اس کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔۔ آج سے پہلے شہرام کی نظروں نے ایسے اس کا ایکسرے نہیں کیا تھا۔ بہارے نامحسوس انداز میں پیچھے کی طرف کھسکی۔۔

وہ محبت پاش گہری گہری گرم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں نرمی اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر بہارے نے

نروٹھے انداز میں اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے جھٹکے سے چھڑواتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔۔

بہارے کے انداز پر شہرام کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔۔

بس اتنا ہی غصہ۔۔۔۔۔مجھے تو لگا تھا کمرے میں آکر بہارے گل وائلڈ وومن کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑے گی۔۔اپنے لمبے ناخنوں سے میرا منہ تو ضرور نوچے گی۔۔شہرام نے شرارتی لہجے میں کہتے بہارے گل کا جھمکہ نرمی سے چھیڑتے اس پر اپنے لب رکھے۔۔بہارے نے شہرام کی بات پر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے اسے خود سے دور جھٹکا تھا تو شہرام نے پیچھے ہوتے ڈرنے کی شاید ایکٹنگ کی۔۔

شہرام کی حرکت پر بہارے کا مزاج مزید بگڑا تھا۔۔۔

وائلڈ ہونا صرف حویلی کے مردوں کو جچتا ہے۔۔ یہاں عورت کی کیا

اوقات۔۔۔ جو اپنا غصہ تم جیسے مردوں پر اتارے۔۔۔۔ جو نکاح کے نام پر

عورت کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتے ہیں۔۔۔

[شہرام نے مسکراتے ہوئے بہارے کے ہاتھ نرمی سے پکڑتے اس کی

ہتھیلیوں پر مہندی سے بنے نقش و نگار کو دیکھتے ان پر نرمی سے اپنے لب

رکھے۔۔۔ بہارے نے اس کے نرم لمس پر حیرانگی سے شہرام کو دیکھا۔۔ جو

مسکراتی نگاہوں سے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔

آنکھیں جھپکتے شہرام کو بے یقینی سے دیکھا۔۔۔ جس کے لبوں پر میٹھی سی

مسکان رقصاں تھی۔۔ کل کی کسی بات کا کوئی اثر تک نہ تھا۔۔

[جس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کا تم مردوں کو حق ہوتا ہے۔۔ بہارے گل

نے بھڑکتے ہوئے کہا۔۔۔۔

ممم۔۔۔۔۔۔۔یہ تو ہے۔۔ نکاح کے بعد عورت مرد کی ہو جاتی

ہے۔۔اس کی ہر چیز پر حق تو مرد کو ہی ہوتا ہے۔۔اور نکاح کے بعد مرد کو

عورت کے ساتھ سب کچھ کرنے کا حق ہوتا ہے۔۔ بہارے گل تو کافی

سمجھدار ہے۔۔۔یقیناً بہارے گل آج کی رات مجھے زیادہ تنگ نہیں کرے

گی۔۔ شہرام نے اس کے نازک سراپے کو بے باکی سے دیکھتے معنی خیز انداز

میں اس کی بات کی تائید کی تو بہارے اس کی بات کا مطلب سمجھتے بھڑ بھڑ

جلی تھی۔۔۔

:اس کی گہری بے باک نگاہوں پر بہارے گل مزید خود میں سمٹتی

تھی۔۔ جس طرح اس کی نگاہیں بے باکی سے اس کے سراپے کا طواف کر

رہی تھیں۔۔ بہارے کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی آنکھیں نکال

لے۔۔۔وہ اس کا نرم رویہ دیکھتے سوچ بیٹھی تھی کہ وہ آج رات اسے قریب

نہیں آنے دے گی۔۔۔ شہرام اس کے چہرے کے اتار چڑھاو دیکھتے بمشکل ہی اپنی ہنسی کنٹرول کئے ہوئے تھا۔۔ وہ اس کی سوچوں میں جیسے گھس چکا تھا۔۔ اپنی بیوی کو کیسے مات دینی ہے وہ جانتا تھا۔۔ آج کی رات وہ اپنی بیوی کی بیوقوفی اور فضول سی ضد کی وجہ سے خراب نہیں کر سکتا تھا۔۔۔

[: شہرام اس کی نازک کمر میں ہاتھ ڈالتے ایک ہی جھٹکے سے اسے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔

میری جنگلی بلی۔۔۔۔ اگر تمھیں یہ لگتا ہے کہ تمھارا شہرام آج تمھیں خود سے دور جانے دے گا تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔ آج رات شہرام کی دھڑکنوں کا رقص بہارے سنے گی۔۔ اور بہارے کی دھڑکنوں کا رقص شہرام سنے گا۔

شہرام نے خماری سے کہتے جھکتے ہوئے اس کی دھڑکنوں کے مقام پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔ بہارے اس کے بے باک لمس پر تڑپ اٹھی۔ جو اس نے پورے استحقاق سے چھوڑا تھا۔۔

: شہرام۔۔۔۔م۔۔میں۔۔۔ابھی سب کچھ نہیں چاہتی۔۔مجھے اس سب کے لیے ٹائم چاہیے۔۔ بہارے نے نظریں جھکائے لرزتے ہوئے کہا۔۔اس کی بے باکی پر وہ سر تا پیر لرز اٹھی تھی۔۔ جو اس نے ابھی ابھی بہت بے باکی سے اس کے وجود پر مہر لگاتے ساتھ ہی گستاخ شرارت کی تھی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کا فلک شگاف قہقہ گونجا۔۔۔ بہارے نے اس کے قہقہے پر نظریں اٹھائے اسے حیرانگی بھری نظروں سے غصے سے دیکھا تھا۔۔۔

سوری۔۔۔میری جان۔۔۔تم نے بات ہی ایسی کی ہے کہ میری ہنسی چھوٹ گئی۔۔شہرام نے اپنی ہنسی دبائی۔۔۔

میں نے کوئی جوک نہیں سنایا۔۔بہارے بگڑی۔۔،

میرے نزدیک یہ بات کسی جوک سے کم نہ تھی۔۔

کیونکہ کوئی بھی مرد ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے عورت کے بغیر رہ لے۔۔یہ صرف انڈین سوپ میں ہی ممکن ہے۔۔۔اصل زندگی میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔۔

کیونکہ مرد کو جس طرح کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔

اور اگر بیوی بے انتہا خوبصورت ہو تو کون کافر آج کی رات اپنی بیوی کو چھوڑے گا۔۔ شہرام نے بہارے کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے گال پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ اور وہ رکا نہیں تھا۔۔۔

اس کا چہرہ تھامے وہ دیوانوں کی طرح اس کے چہرے پر اپنا لمس بکھیرنے لگا۔۔۔

:وہ بے خود ہوتا اس کے ایک ایک نقش کو نرمی سے چھو رہا تھا۔۔

بہارے نے پوری قوت سے شہرام کو دھکا دیا۔۔ شہرام جو بے خودی میں پوری طرح بہکتے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر لب رکھ رہا تھا۔۔۔ بہارے کے دھکا دینے پر وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔۔

شہرام کی آنکھوں میں خمار کی جگہ شدید غصے کی جھلک نمودار ہوئی۔ بہارے کا ایسے جھٹکنا سخت ناگوار گزرا تھا۔۔

شہرام نے مٹھی بھینچتے خود پر قابو پایا۔۔

:شہرام کی آنکھوں میں غصے کی سرخی دیکھ کر بہارے نے سٹپٹاتے ہوئے نظریں جھکائیں۔ بدن میں کپکپاہٹ دوڑی تھی۔۔

:شہرام کچھ پل اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔۔ اپنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔ وہ آج کی رات اپنے کسی بھی عمل سے اسے ڈرانا نہیں چاہتا تھا۔۔ جانتا تھا آج کی رات عورت کا ڈرنا ایک فطری عمل ہے۔ مگر اپنی بیوی کا ڈر دور کر کے اسے کمفرٹ کرنا اس کا کام تھا۔۔

وہ خود پر قابو پاتے ہوئے اس کے دوبارہ قریب ہوا۔۔

: تمھیں لگتا ہے میں اتنا شریف مہذب ہو سکتا ہوں کہ آج کی رات اپنی خوبصورت بیوی کو چھوڑ دوں۔ تمھارے بغیر اس کمرے میں اپنی جواں راتیں کیسے گزرای ہیں یہ میں ہی جانتا ہوں۔ یہ ممکن نہیں ایک کمرے میں رہتے ہوئے مجھے تمھاری طلب نہ ہو۔۔۔ میں انسان ہوں۔۔۔۔ فرشتہ نہیں۔۔۔۔

: شہرام نے گھمبیر لہجے میں مدھم سرگوشی کرتے اس کی کنپٹی پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ وہ اب بہارے کی نازک کمر میں ہاتھ ڈالے آنکھیں موندے اس کے بلاوز کی زپ کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہا تھا۔۔

: تم میرے ساتھ زبردستی کرو گے۔۔ بہارے اس کی بے باک حرکتوں پر روہانسی ہوئی۔۔ اس کا ہاتھ زپ سے ہوتا اس کی کمر پر بے باکی سے سفر کر رہا تھا۔۔ وہ اسے نرمی سے خود میں بھینچے ہوے تھا۔۔ بہارے کی اتنی ہمت

نہیں تھی اب اسے خود سے دور جھٹکتی۔۔ کچھ دیر پہلے اس کی آنکھوں میں غصے کی حدت دیکھ چکی تھی۔۔ جو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا تھا۔۔ بالکل نہیں جو بھی کروں گا پیار سے کروں گا۔۔ زبردستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔ تم موقع دے کر تو دیکھو۔۔

شہرام نے بے باکی سے کہتے آنکھ وِنک کی۔۔۔ اب وہ احتیاط سے اس کی جیولری اتار رہا تھا۔۔۔

:میری مرضی کے بغیر جو بھی ہو گا زبردستی ہی ہو گا۔۔ بہارے نے پیچھے کو کھسکتے اپنی بات پر زور دیا۔۔۔

جہاں حق ہو وہاں زبردستی نہیں ہوتی۔۔ شہرام سنجیدہ تھا۔۔ دوسرے ہی لمحے اسے اپنی طرف کھینچتے جھک کر اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔

ہاتھوں کی بے باکی بڑھتے شدت اختیار کر رہی تھی۔۔اس کے لمس اور ہاتھوں کی بے باک حرکات پر بہارے کی سانسیں اٹکی تھیں۔۔۔

شہرام نے اس کی اٹکی سانسوں کو بغور دیکھتے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔۔۔۔

:اس کے چہرے کی سرخی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اس کی فضول سی ضد بہت مشکل سے برداشت کر رہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔بہارے نے کانپتے دونوں ہاتھوں سے اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ رکھ کر دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔یہ الگ بات تھی۔وہ اس کے پہاڑ جیسے وجود کو ایک انچ بھی نہیں کھسکا سکی تھی۔

شہرام نے اس کے اور قریب ہوتے نرمی سے اس کا دوپٹہ اتارتے سائیڈ پر رکھا۔۔اس کے چوکر کی ڈوری کھینچتے اس کی گردن کو چوکر سے آزاد کیا تھا

۔۔

:تم بہت بے وقوف ہو بہارے۔۔ تمھیں ٹائم دینے کا مطلب ہے۔۔اپنے رشتے کو کمزور کرنا۔۔اگر نکاح جیسے بندھن کی اہمیت سمجھتی تو آج اپنی مرضی سے مجھے خود کو سونپتی۔۔نا کہ یہاں بیٹھ کر مجھ سے ٹائم مانگتی۔۔ تمھیں جتنا بھی ٹائم مل جائے۔۔تم نہیں سمجھو گی۔۔

تمھاری ناقص العقل کو ٹھکانے لگانے کے لیے مجھے اس رشتے کو مکمل کرنا ہی ہو گا۔۔۔شہرام نے سنجیدگی سے کہتے اس کے دوپٹے سے پنز اتارنا شروع کیں۔اب اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔۔اس کی ایک ہی تکرار پر وہ بری طرح مشتعل ہوا تھا۔۔

: بہارے اب بغیر دوپٹے اور جیولری کے اس کے سامنے تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔اس رشتے کی خوبصورتی ہی ایک دوسرے کی قربت ہے۔۔تم میرے اتنے قریب ہو اور میں تمھیں نہ چھووں یہ کیسے ممکن ہے۔۔؟؟کیوں ظلم کرتی ہو مجھ پر؟؟۔۔۔

ہمممممم۔۔۔۔۔، شہرام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے اس کی گہری براون آنکھوں میں دیکھتے بھاری لہجے میں کہا۔۔۔

: تم میرے قریب آئے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔بہارے نے ضدی انداز میں روہانسے ہوتے شہرام کو دھمکی دی۔۔۔

بہارے تمھیں مجھ پر یقین رکھنا چاہیے۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے اس کی جھیل سی گہری نم آنکھوں میں سنجیدگی سے دیکھا۔۔۔

کس بات کا یقین ؟؟؟ بہارے نے اس کی نرم گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑوائے۔۔۔

یہی کہ میں کبھی تم سے اس بات کی معافی نہیں مانگوں گا۔۔

شہرام نے مبہم سا مسکراتے کہا۔۔

: شہرام کی آنکھوں میں ناچتی شرارت دیکھ کر وہ بھڑ بھڑ جلتے توہین و خجالت سے سرخ پڑی۔۔۔ دانت پیستے شہرام کو گھور کر دیکھا تھا۔۔ شہرام کو دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے وہ بیڈ سے اتری۔۔ اس سے پہلے وہ ایک قدم آگے

بڑھاتی۔۔ شہرام اسے کلائی سے جکڑتے اپنے اوپر کھینچ چکا تھا۔۔۔ وہ اس کے چٹانی سینے میں آسمائی تھی۔۔

شہرام نے ہاتھ بڑھا کر اس کے جوڑے سے لپٹا پھولوں کا گجرا اتارا۔۔۔ جس کے پھول پتیوں کی صورت میں بیڈ پر گرے تھے۔۔ شہرام کی سخت گرفت میں جوڑا کھل کر ڈھیلا ہوا تھا۔۔۔ بہارے نے اس کی سخت گرفت میں سسکی بھری تھی۔۔

:سائیڈ پلٹتے بہارے کو نرمی سے بیڈ پر لیٹایا۔۔ اس کی کلائیاں لاک کرتے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر نرمی سے جھکا۔۔۔

بہارے کی پینک ہوتی ٹانگوں کو بھی وہ اپنی ٹانگوں میں لاک کر چکا تھا۔۔۔

بہارے اس کے حصار میں حرکت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسوں کو اپنے اندر انڈیلتے اس کی سانسیں چھین رہا تھا۔۔۔

کافی دیر بعد بہارے کو اپنے لمس سے آزادی دی تو بہارے نے کمرے میں پھیلی مدھم نیلگوں روشنی میں گہرے سانس لیتے نم آنکھوں سے اسے شاکی نظروں سے دیکھا۔۔۔

:شہرام نے اسے بازوؤں میں بھرتے اپنے سینے سے سختی سے لپٹائے اس کے انگ انگ کو محسوس کیا تھا۔۔۔

شش۔۔۔۔شہرام چھوڑو مجھے۔۔۔۔

بہارے اس کے حصار میں مچلی تھی۔۔

شہرام اس کے بلاوز کی زپ ایک جھٹکے سے کھول چکا تھا۔۔

شہرام۔۔۔ بہارے نے روہانسے ہوتے شہرام کو دیکھا جو سرخ نشیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔

شہرام نے اس کی آنکھوں کی شبنمی اگنور کرتے سائیڈ ٹیبل کے لیمپ کی طرف ہاتھ بڑھاتے لیمپ آف کیا۔۔۔

ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔۔ جو تم مجھے ایسے دیکھو۔۔۔

یہ موتی کچھ دیر کے لیے سنبھال کر رکھو۔۔ بہت درد دیا ہے تم نے مجھے۔۔ آج رات میری محبت میں تمھیں بھی درد سہنا پڑے گا۔۔۔ سارے حساب چکتا کروں گا۔۔۔

شہرام نے بھاری لہجے میں کہتے اس کے لبوں پر اپنا انگوٹھا مسلا تھا۔۔۔

کک۔۔۔ کون سا درد؟؟؟ بہارے کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔۔۔۔

:جو تمھیں اور مجھے ایک کرے گا۔۔ معنی خیزی سے کہتے شہرام اس کی گردن پر جھکے اپنی شدتیں بکھیرنے لگا تھا۔۔۔

شہرام کا جنونیت بھرا لمس سہتے بہارے کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔ ساری مزاحمتیں اس کے حصار میں کمزور پڑیں۔۔۔

شہرام کی آنکھوں میں ٹھہری سرخی اور اس کے لمس میں جنونیت محسوس کرتے بہارے نے مزاحمت ترک کرتے خود کو اس کے سپرد کیا تھا۔۔ حور اور ابرش کا حال وہ دیکھ چکی تھی۔۔ اسے اس ٹائم شہرام سے خوف سا محسوس ہوا تھا۔۔ اس کی بہکی بہکی سرخ آنکھیں دیکھتے وہ اسے خود سے دور نہ کر سکی تھی۔۔۔

:بہارے کا ڈھیلا پڑتا وجود محسوس کرتے شہرام نے ایک نظر اسے دیکھا۔۔ وہ آنکھیں میچے اس کے حصار میں لرز رہی تھی۔۔ شہرام نے

اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی اور بہارے کے ماتھے پر عقیدت بھرے لب رکھے۔۔اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتے اس کے لبوں پر نرمی سے جھکا۔۔۔

اس کے جسم کو ہر پردے سے آزاد کرتا وہ اس میں سمایا تو بہارے کی آنکھوں سے آنسو بے مول ہوئے تھے۔۔۔وہ شہرام کے کندھے پر ناخن مارتے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔۔۔اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی کلائیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔۔

:وقت کے ساتھ بہارے کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔۔شہرام نے اس کے لبوں کو اپنی نرم گرفت میں لیتے اسے پر سکون کرتے ہوئے اس کے آنسوؤں کا گلہ گھونٹا تھا۔۔گزرتی رات کے ساتھ شہرام کی شدتوں میں

اضافہ ہو رہا تھا۔۔ بہارے بے حال ہوتے اس کی پناہوں میں ہی سمٹ رہی تھی۔۔ کیونکہ راہ فرار کے تمام راستے وہ مسدود کر چکا تھا۔

عابیر دلہن بنی اسفندیار کمرے میں بیٹھی تھی۔۔ گولڈن کلر کے لہنگا چولی میں خوبصورت انٹیکس کی جیولری پہنے وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس بر۔۔

گولڈن کلر کے خوبصورت ڈیزائنر ڈریس میں اس کا خوبصورت متناسب سراپہ قیامت ڈھا رہا تھا۔۔

ریڈ نیٹ کا کامدار دوپٹہ خوبصورت انداز میں سیٹ کیا ہوا تھا۔۔

مانگ ٹیکا پہنے خوبصورت موتیوں کی نتھ پہنے ہوے تھی۔ گلے میں ریڈ پرل کا خوبصورت گلوبند پہنا ہوا تھا۔

عابیر کا پورا بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔۔ اسفند کو ہمیشہ اس نے بڑے بھائی کے روپ میں دیکھا تھا۔۔ آج وہ اس کا شوہر بن بیٹھا تھا۔۔ ایک عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں سرپٹ دوڑتی اسے بحال کر رہی تھیں۔۔ خشک حلق تر کرتے اس نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں ۔کمرے میں کہیں بھی پانی نہیں تھا۔ پورا کمرہ بے حد سادہ تھا۔ کہیں بھی پھو ل کی ایک پتی نہیں تھی۔ اسے پتہ چلا تھا کہ یہ نکاح اسفندیار خان کی پسند پر ہوا ہے۔۔ مگر اتنا بے رونق کمرہ دیکھ کر اس کے دل کو نجانے کیوں ٹھیس سی پہنچی تھی۔۔ شاہد شہرام کے سجے ہوئے کمرے کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا یا پچھلے کچھ دنوں سے وہ لاشعوری طور پر اسفندیار خان کے بارے میں

سوچنے لگی تھی۔۔۔بابرک کے متعلق اس کے دل میں کبھی کوئی جذبہ نہیں پیدا ہو سکا تھا۔۔۔مگر اسفندیار خان کے نام سے ہی اس کا دل سینے سے دھڑک کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔۔جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔

اس کے چوڑیوں سے بھری کلائی کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کر گہرے سانس لیے تھے۔۔اور خود کو کمپوز کیا۔۔

اسفندیار خان کمرے کا دروازہ لاک کرتے اپنی بھاری قدموں کی دھمک لیے سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھا تھا۔۔اور ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔۔

بلیک شلوار قمیض میں اس کے سفید رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔

اسفندیار خان نے اس تک پہنچتے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوے بیڈ سے اتارا تھا۔۔ اور اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔ عابیر اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی۔ بھاری لہنگا پاؤں میں الجھا تھا۔۔ وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

پھٹی پھٹی آنکھوں سے مقابل کی نیلی آنکھوں میں دیکھا جہاں شدید غصہ اشتعال تھا۔۔

اسفندیار خان ایک پل کے لیے اس کا حسن دیکھ کر چونکا تھا۔

وہ اتنی حسین تھی اسے اندازہ نہ تھا۔۔۔ مگر افسوس یہ خوبصورتی اسفندیار خان پر کچھ اثر نہ کر سکی تھی۔۔۔ اسی لمحے اسفندیار خان نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا۔۔۔۔

عابیر اس کے بھاری ہاتھ کے تھپڑ سے بیڈ پر چکراتے ہوئے گری تھی۔۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا تھا۔۔۔ عابیر نے رخ پلٹے بے یقینی سے اسفندیار کو دیکھا جو آنکھوں میں شرارے لیے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

عابیر تکلیف کی شدت بھلاتے بیڈ سے اٹھتی اسفندیار کے مقابل کھڑی ہوئی ۔۔۔ آنکھوں میں نمی کے ساتھ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔۔۔ کیا وہ کنویں سے نکل کر گہری کھائی میں جا گری تھی

ہونٹ کا کنارہ پھٹ چکا تھا جہاں سے ہلکا ہلکا خون رسنا شروع ہو گیا تھا۔۔ وہ اپنی ہیزل گرے آنکھوں میں شبنم لیے اسفندیار کو دیکھے جا رہی تھی۔۔

اب باہر جاؤ اور سب کو اس پھٹے ہوے ہونٹ کی وضاحت دو۔۔ وہ کمینگی سے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔۔

عابیر کچھ پل اسے دیکھتی رہی پھر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ سے چھری اٹھائی تھی۔

جسے دیکھ کر مقابل کی آنکھوں میں استھزائیہ مسکراہٹ چھائی تھی۔

خودکشی کرنے لگی ہو۔۔۔۔وہ طنزیہ ہنسا تھا۔۔یقین مانو تمھارا خودکشی کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ میرے ساتھ بتایا ہر لمحہ تمھارے لیے موت سے بدتر ہو گا۔وہ اس کے قریب ہوتا اس کے کان میں جھکتا غرایا تھا۔

اگلے ہی لمحے عابیر نے وہ چھری پوری قوت سے اس کی کلائی پر دے ماری تھی۔۔

اسفندیار خان کی چیخ بلند ہوئی تھی۔۔اس نے بے یقینی سے اپنی کلائی پر ہاتھ رکھا جہاں خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔۔

چلو باہر چلتے ہیں آپ اپنی کلائی سے بہتے ہوے خون کی وضاحت دیجیے گا اور میں اپنے پھٹے ہوے ہونٹ کی۔۔ وہ اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ اسفند اپنی کلائی پر ہاتھ رکھے کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر غصے سے واش روم کا دروزاہ دھاڑ سے کھولتا اندر داخل ہو گیا تھا۔۔ عابیر گہرے سانس لیتے بیڈ پر بیٹھی تھی۔۔ وہ باہر آکر اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا ۔۔۔ وہ نہیں جانتی تھی۔۔ مگر اتنا جانتی تھی۔۔۔ وہ اسے چھوڑے گا نہیں ۔۔۔ عابیر اپنی آنکھیں بے دردی سے صاف کرتے اپنی جیولری نوچ نوچ کر اتارنے لگی۔۔۔

اسفندیار واش روم سے اپنی کلائی کی ڈریسنگ کرتے باہر نکلا۔۔ اب وہ بلیک ٹی شرٹ اور بلیک ٹراوزر میں ملبوس تھا۔۔ چہرے پر پہلے سے زیادہ غصہ اور

اضطراب پھیلا ہوا تھا۔۔وہ چٹانوں سی سختی لیے عابیر کی طرف بڑھا۔۔جو ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنی جیولری اتار رہی تھی۔۔

وہ بغیر دوپٹے کے لہنگا چولی میں کھڑی تھی۔۔اس کے سنہری سلکی بال جو الجھے سے تھے اس کی کمر پر لہرا رہے تھے۔۔

اسفندیار خان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے تھے۔دل کی دھڑکنوں نے بڑھتے شدت اختیار کی تھی۔۔وہ اس کے سامنے جتنی بھی بہادری کا مظاہرہ کرتی۔۔آخر تھی تو ایک عورت۔۔مقابل کوئی اور نہیں اس کا شوہر تھا۔۔وہ آج اس کے کمرے میں مکمل طور پر اس کی بنی کھڑی تھی۔۔وہ اس بند کمرے میں اس کے ساتھ سب کچھ کرنے کا

مجاز تھا۔۔وہ کہاں اس کے چٹان جیسے وجود سے مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی تھی؟؟۔۔

مر رمیں اس کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی چھائے دیکھ کر اس کی ہتھیلیاں نم ہوئیں۔۔ مگر یہ تو طے تھا وہ اپنی تذلیل شوہر نامی حیوان سے نہیں کروا سکتی تھی۔۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔۔

اسفندیار خان نے اس کی طرف بڑھتے اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف کیا۔۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ آ لگی تھی۔۔ کلائیوں میں پہنی چوڑیوں کی چھنک پورے کمرے میں گونجی تھی۔۔ وہ گہرے سانس بھرتے ہیزل گرے آنکھوں سے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔ جہاں شدید غصہ اشتعال پھیلا ہوا تھا۔۔

جو سلوک تم بابرک کے ساتھ کرتی تھی۔۔ تمھیں کیا لگا کہ وہ میں بھی خاموشی سے برداشت کروں گا۔۔ وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

مت کریں برداشت۔۔۔۔۔۔ وہ چھری پڑی ہے۔۔ آپ چاہیں تو سزا کے طور پر میرے دل میں اتار دیں۔۔ عابیر نے اسفند کو خود سے دور دھکیلتے پاس پڑی چھری اٹھا کر اسفندیار کے ہاتھ میں تھمائی۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے تمھاری سزا صرف یہی ہے۔۔ نہیں تمھاری سزا کچھ اور ہے۔۔ اسفندیار اس کے قریب ہوتے اسے کمر سے تھامے اسے خود کے بے حد قریب کر گیا۔

وہ اب اس کے اتنے قریب تھی کہ اسفندیار کی سانسوں کی خوشبو اس کی سانسوں میں گھل رہی تھی۔ اسفندیار خان کے عنابی لب اس کے سرخ لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔۔

کیا سزا ہے میری؟؟۔۔۔ عابیر نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے آہستگی سے پوچھا۔۔ اسفند کے سرد پن پر اس کی آنکھوں میں مدھم سی خوف کی پرچھائی لہرائی۔۔

اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں ہلکا سا خوف دیکھ کر اسفندیار خان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

میری قربت آج رات تمھاری سزا بنے گی۔۔ وہ اس کے لبوں پر پھونک مارتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

عابیر اس کی بات پر نظریں نیچے کیے سر کو ہلکا سا جھٹکتے مدھم سا مسکرائی تھی۔

قربت تو غیر محرم کی سزا ہوتی ہے۔۔ محرم کی قربت سزا نہیں انعام ہوتی ہے۔۔۔ وہ جوابًا اس کی آنکھوں میں دیکھتے بہت کچھ جتاتے ہوئے بولی۔۔

ایمپریسو۔۔۔۔۔۔ وہ مبہم سا استھزائیہ مسکرایا۔۔ بابرک بھی تمھارا محرم تھا۔۔ تم سے بات کرنے پر تمھارے بھائی نے اسے جانوروں کی طرح مارا پیٹا تھا۔۔ یہ بات میری بیوی بنتے تمھیں کیوں یاد آئی ہے۔ اسفند اس کے پرسکون لہجے پر بھڑک اٹھا تھا۔۔

میں اس کی بیوی نہیں۔۔ صرف منکوحہ تھی۔۔ آپ کے سامنے صرف آپ کی منکوحہ نہیں آپ کی بیوی کھڑی ہے۔ آپ کو اپنا سب کچھ سونپنے کے لیے جو ذہنی طور پر خود کو تیار کر کے آپ کے کمرے میں آئی ہے۔۔۔

۔ آج کی رات کے کیا تقاضے ہیں؟؟ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔۔ میں ایک بیوی کے طور پر اپنے شوہر کے حقوق کی روگردانی نہیں کر سکتی۔۔ یہی میرے خدا کا حکم ہے۔۔ عابیر اب کی بار بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تھی۔۔

اپنے شوہر کو چاقو مارتے ہوئے تمھیں خدا کا حکم یاد نہیں آیا تھا۔۔ وہ اس کے بازو میں اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھتے دھاڑا تھا۔۔

اس کی سخت گرفت اور اس کی سرد دھاڑ پر عابیر کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی جھلکی تھی۔۔ جسے وہ اپنے لبوں کو سختی سے ایک دوسرے میں پیوست کرتے اپنی آنکھوں میں اتری نمی پیچھے کی طرف دھکیل گئی۔۔

ظلم برداشت کرنا کہیں نہیں آیا۔۔ ظالم کا ظلم برداشت کرنا گناہ ہے۔۔ عابیر نے سپاٹ لہجے میں کہتے اپنے لہجے کی نمی چھپائی۔

اچھا تو میں ظالم ہوں۔۔ اسفندیار نے طنزیہ لہجے میں ابرو اچکاتے اس کے بازو میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے اپنی انگلیاں گاڑھیں۔۔ اب کی بار عابیر نے اس کی سخت گرفت پر اپنے چہرے پر درد کی رمک نہیں آنے دی تھی۔۔ وہ ہنوز اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔۔

یہی بات اسفندیار خان کو بری طرح کھل رہی تھی۔۔ اسے تو لگا تھا وہ اس کے سامنے روئے گی گڑگڑائے گی۔ اپنا قصور پوچھے گی۔۔ مگر وہ تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔۔ اسے اتنی بے رحمی سے اپنے چاقو مارنے پر بھی کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔۔ وہ منٹوں میں اسے مسل کر رکھ سکتا تھا۔۔ آج رات وہ اسے اس عمل کی سخت سزا دے سکتا تھا۔ اسے اپنی نازک جان پر ترس کیوں نہیں آرہا۔ تھا۔ وہ جھک کیوں نہیں رہی تھی۔۔

جو شخص اپنی سجی سنوری دلہن کو اپنی ہی سیج پر بنا کسی قصور کے تھپڑ مارے اس کو پھر کیا کہتے ہیں۔ آنکھوں کے ساتھ عابیر کے لہجے میں بھی نمی جھلکی تھی۔۔ جواب کی بار وہ چھپا نہیں سکی تھی۔ جسے محسوس کرتے اسفندیار خان کا قہقہ گونجا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھتے اسفندیار خان کی مردانہ آنا کو اب کی بار سکون پہنچا تھا۔

ابھی تو ایک تھپڑ پڑا ہے تمھارا یہ حال ہے۔۔ جانے کتنے تھپڑ تمھارے مقدر ہیں۔ اسفندیار خان اس کے سوجے ہوے گال پر نرمی سے انگلیاں ٹریس کرتے ہوے بولا۔۔ اس کا گال نیلا پڑ چکا تھا۔۔ وہاں سوجن بھی کافی تھی۔ اس نے بہت بے رحمی سے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔۔ اس کے نازک گال کی حالت دیکھتے اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

جانتی ہوں۔۔۔میرے لالا مجھے کنویں میں گرنے سے بچاتے بچاتے مجھے گہری کھائی میں دھکیل چکے ہیں۔اب یہی میرا مقدر ہے۔۔وہ اس کے حصار سے نکلتی ڈریسنگ مرر کی طرف پلٹتے اپنا گلوبند اتارنے لگی۔جو اتر ہی نہیں رہا تھا۔۔اپنے بالوں کی ابشار کو ایک طرف کرتے اس نے گلوبند کی ڈوری کھولنے کی کوشش کی۔۔جو گرہ لگنے کے باعث کھل نہیں رہی تھی۔۔اسفند کی نظریں اس کی بیک کے گہرے گلے سے نظر آتی اس کی سفید بے داغ پشت پر ٹھہریں۔۔اسفند کی آنکھوں میں اس کا بے داغ حسن دیکھ کر شرارے سے لپکے تھے۔۔اس کی بات سنتے اس کے چہرے نے شدید غضبناکی اختیار کی۔۔کیا وہ اپنے بھائی کے گناہ میں شریک تھی؟؟۔۔یہ سوال اسفندیار کے خون میں لاوا انڈیل گیا۔۔

اسفندیار خان اسے بے رحمی سے بازو سے جکڑے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگا گیا۔۔وہ بری طرح ڈریسنگ ٹیبل سے آ ٹکرائی تھی۔۔اس کے ہاتھ لگنے سے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی پرفیوم کی بوتل ٹوٹ کر چکنا چور ہوئی۔۔کمرے میں پرفیوم کی مہک پھیلی تھی۔۔وہی مہک جو اسفندیار خان کے وجود سے اٹھتی عابیر کی سانسوں میں گھل کر اس کے اوسان خطا کر رہی تھی۔۔۔جو اسفند کے جسم کی خوشبو میں رچ کر بہت لیوہ ہو گئی تھی۔۔

تمھارے بھائی نے تمھیں کنویں میں گرنے سے بچانے کے لیے میرے بھائی کی جان لے لی۔۔۔اب اس کی سزا تم چکاؤ گی۔ہر لمحہ ہر پل۔۔وہ اس پر جھکتے غرایا تھا۔

اگر بابرک کا قتل لالا نے کیا ہے تو انھیں سزا دیتے۔مجھے سزا کیوں؟؟حویلی کے مرد اب اتنے کمزور ہو چکے ہیں۔اپنا بدلہ ایک عورت سے لیں گے۔

۔لالا تو کہتے تھے اسفندیار خان جیسا کوئی نہیں۔۔ مگر لالا کو آپ کو پہچاننے میں غلطی ہو گئی۔۔

عابیر نے اسفند کو خود سے دور دھکیلتے چیخ کر کہا۔۔۔

ہاں جیسے تمھارے لالا کو مجھے پہچاننے میں غلطی ہوئی۔۔ دوستی کے نام پر اس نے میرے پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔ اسے مارنا میرے لیے بہت آسان تھا۔ اپنے بھائی کی موت کا بدلہ میں اسے اذیت ناک موت دے کر لے سکتا تھا۔۔ مگر میں اسے زندہ رکھ کر بتاؤں گا۔۔ کسی اپنے کے چھن جانے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے ؟؟!۔ جب تمھاری سانسیں تک میں اپنی مٹھی میں قید کروں گا۔۔ وہ بے بسی سے پھڑ پھڑ کر رہ جائے گا۔ تب پوچھوں گا تکلیف اذیت کیا ہوتی ہے ؟؟ جو کسی اپنے کو کھونے سے ہوتی ہے۔ جو اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں۔۔ اسفندیار خان نے اس کے گلوبند کو ایک ہی جھٹکے سے

اس کی گردن سے کھینچا تو اس کی ڈوری ٹوٹتے گلوبند اسفند کے ہاتھوں میں آیا ۔۔اس کے وحشیانہ عمل سے عابیر کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی۔اس نے ایک پل کے لیے اس کی سانسیں جیسے اس سے چھین لی تھیں۔عابیر نے سرخ چہرے کے ساتھ نم آنکھوں سے گہرے سانس لیتے اسفند کو دیکھا۔۔وہ تو بابرک سے بھی زیادہ سفاک نکلا تھا۔

بہت باتیں کر رہی تھی۔۔آج کی رات کے تقاضوں کے۔۔۔۔مجھے میرا حق چاہیے۔وہ اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹتے سرد انداز میں پھنکارا۔۔

عابیر نے اس کے مطالبے پر لرزتے ہوئے اپنی آنکھیں میچیں۔

اس کے آنکھیں میچنے پر اسفندیار کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھری۔

کیا ہوا؟؟؟۔بیوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرے جائز مطالبے پر یہ لرزاہٹ کیوں۔۔یہ ماتھے پر چمکتی بوندیں کیوں؟؟ں م تو ذہنی طور پر خود کو تیار کر کے آئی ہو۔۔اسفند استھزائیہ بولا۔

آپ کے مطالبے نے نہیں آپ کی آنکھوں میں خود کے لیے تذلیل اور سفاکی دیکھ کر یہ لرزاہٹ طاری ہوئی ہے۔۔

اگر آپ صرف اپنا حق لیں گے تو میں دینے کو تیار ہوں۔۔اگر اپنے حق کے نام پر میری تذلیل کی۔۔مجھے بستر پر روندا۔۔اپنے حقوق سے تجاوز کیا۔۔کسی صورت برداشت نہیں کروں گی۔۔عابیر نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کی تھی۔۔

اسفندیار خان اس کے انداز پر گہرا مسکرایا تھا۔۔

ایمپریسیو۔۔۔حویلی میں بھی ایسی لڑکی موجود ہے..مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔۔

I like your mod..i will exmine your hidden side "today night very deeply"

(مجھے تمھارا انداز پسند آیا۔۔آج رات میں تمھارے چھپے ہوے ہر پہلو کا گہرائی سے جائزہ لوں گا)

اسفندیار نے اس کی نازک انگلی کو سختی سے اپنی مٹھی میں بھینچتے بے باکی سے آنکھ مارتے اسے اپنے قریب کیا۔۔وہ اس کے چٹانی سینے سے آ ٹکرائی تھی۔اسفند کی معنی خیز بات سنتے وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی..

حق سے زیادہ نہیں لوں گا تم سے۔۔وعدہ کرتا ہوں تمھاری تذلیل بھی نہیں کروں گا۔۔ مگر تم مجھے برداشت کر جاؤ۔۔یہ تمھاری نازک جان کے بس کی بات نہیں۔۔وہ اس کے کان میں جھکتے مدھم سی سرگوشی کر گیا تھا۔۔

عابیر کی سنہری رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔جسے دیکھتا وہ استھزائیہ مسکرایا تھا۔

۔۔

"Today you will know how brave you are"

۔وہ اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کرتے اس کے بالوں کو نرمی سے پیچھے سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا۔

عابیر اس کی برف جیسی انگلیاں اپنی نازک کمر پر سختی سے گڑھی محسوس کرتے اس کے حصار میں جھٹپٹائی تھی۔ وہ اپنا حصار اور مضبوط کرتے اس کی ذراسی مزاحمت بھی روک گیا تھا۔

چاقو مارا تھا مجھے۔۔۔ وہ اس کی ہیزل گرے گہری آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔ ساتھ ہی اسے اور خود کے قریب کیا تھا۔ عابیر کے سرخ ہونٹ اس کی ٹھوڑی سے ٹکراتے وہاں نرمی سے اپنا لمس چھوڑ گئے تھے۔

"Your punishment is the closness of your husband"

تمھاری سزا)

(تمھارے شوہر کی قربت

ہے

کمرے کی لائٹ آف کرتے وہ اسے نرمی سے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔۔کمرے میں جانے کا سوچ کر ہی اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔اس کی قربت اس کی شدتیں سہنا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔اب وہ کیا کرنا چاہتا تھا؟؟۔۔اس کی کس چیز کو وہ نذر آتش کرنا چاہتا تھا۔کیا رہا تھا اس کے پاس؟؟جو وہ اس سے چھیننا چاہتا تھا۔

حور اپنی آنکھیں بے بے دردی سے صاف کرتے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تو وہ ستمگر وائٹ ٹراوزر اور وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس سامنے صوفے پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔۔

حور کو دیکھتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔اس کی مسکراہٹ میں چھپی سفاکی کو محسوس کرتے حور کو اپنی رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔وہ ارحام کو ایک نظر دیکھتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے ہی اس نے الماری سے گل کی بلو سلک کی نائٹی نکالی ۔۔جس پر فل سلیوز میں گاؤن تھا۔

ارحام کا سختی سے حکم تھا۔۔وہ جب رات کو اس کے پاس موجود ہو۔۔وہ سلیپنگ سوٹ پہنا کرے۔۔جس میں کچھ نائٹیز ایسی تھیں۔جنھیں ارحام

کے سامنے پہننے سے ہی اس کی حالت خراب ہو جاتی تھی۔۔ مگر اس کے حکم پر وہ مجبورًا پہنتی تھی۔ ارحام کے سرد تاثرات محسوس کرتے حورنے کانپتے ہاتھوں سے سلیولیس نایٹی زیب تن کی۔۔۔

اس پر گاؤن پہنتے اس کی ڈوری بند کی۔۔ نائٹی پہنتے ہوے اس کا دل اپنی ہی تذلیل پر ماتم کدہ تھا۔ مگر وہ مجبور تھی۔ اس کے حکم سے انخراف کی صورت میں وہ اس کے عتاب کا نشانہ نہیں بن سکتی تھی۔ وہ اپنی بھیگی آنکھوں کے گوشے بے رحمی سے رگڑتے دروازے کی جانب بڑھی۔

مگر دروازے تک آتے آتے وہ کچھ پل ٹھہری تھی۔۔ گہری سانسیں بھرتے اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔۔ مگر وہ ہمت نہ کر سکی تھی باہر جانے کی۔۔

ارحام سے اسے شدید خوف محسوس ہو رہا تھا نہ جانے وہ کیا سزا دے ؟؟؟۔۔ آج اس کی آنکھوں کی سرخی اور سفاکی کچھ الگ ہی تھی۔۔۔۔۔۔ جیسے نکاح کی رات اس کی آنکھوں کی سرخی تھی۔۔ نکاح کی رات یاد آتے ہی حور کے بدن پر بری طرح لرزا طاری ہوا۔۔ وہ اس کی اس رات والی سفاکیت، اس کی اذیت دوبارہ سہنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔ حور کے لبوں نے سسکی بھری تھی۔۔ وہ زمین پر دوزانو بیٹھتی چلی گئی۔۔ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ بری سسکنے لگی تھی۔۔۔

.----------

ارحام سگریٹ لبوں کو لگائے کب سے حور کا انتظار کر رہا تھا۔۔ جو پچھلے آدھے گھنٹے سے ڈریسنگ روم میں بند تھی۔۔ وہ سمجھ چکا تھا وہ اس کے ڈر اور خوف سے ڈریسنگ روم سے باہر نہیں آ رہی۔۔۔ وہ آج کمرے میں بھی کافی

دیر سے آئی تھی۔۔ ارحام کا غصہ اب حدوں کو چھونے لگا تھا۔۔ آج وہ کسی بھی طرح اس سے بچ نہیں سکتی تھی۔۔ اس سفاک لڑکی کے چہرے پر وہ وہ درد دیکھنا چاہتا تھا۔ جو اس نے اسے اس کے قیمتی رشتوں سے دور کر کے اسے بڑی آسانی سے دے دیا۔

حور۔۔۔۔۔ وہ پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔ اندر بیٹھی حور اس کی دھاڑ پر بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔

وہ جلدی سے زمین سے اٹھتی اپنے آنسو صاف کرتے ڈریسنگ روم سے باہر آئی۔۔

ڈریسنگ روم سے باہر آتے وہ خود کو گھسیٹتے ہوے مرے قدموں سے ارحام کے طرف بڑھی۔

جو صوفے سے ٹیک لگائے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

بلو سلک کی نائٹی میں کھلے بالوں کے ساتھ اس کا شعلہ جوالہ قیامت سا سراپہ غضب ڈھا رہا تھا۔ اس پر قیامت اس کی بھیگی گلابی آنکھیں۔۔۔۔ جن میں خوف ہو ہر اس پھیلا تھا۔ جو اسے مزید حسین بنا رہا تھا۔۔۔۔ وہ اتنی حسین تھی کسی بھی عابد و زاہد کا ایمان آرام سے ڈگمگا سکتی تھی۔

ارحام کی نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مخملی سراپے سے ہوتے اس کے حسین چہرے پر ٹک سی گئی تھیں۔۔ جہاں صرف معصومیت سی تھی۔۔ اور اس کا شدید ڈر۔۔۔

وہ اس کے قریب کھڑی پلکیں جھپک جھپک کر اپنے امڈ آنے والے آنسوؤں پر قابو پاتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بدن کی ارتعاش پر بمشکل ہی قابو پائے ہوے تھی۔۔ اس کے بدن کی لرزاہٹ ارحام سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔

ارحام کی نظریں اب اس بدن کے نشیب و فراز پر تھیں۔۔ وہ گہرے سانس بھرتی ارحام کو بے چین سی کر گئی تھی۔۔ آج کی اس اذیت ناک رات میں تو ویسے بھی اس کے حسن کی پناہوں میں وہ اپنے لیے سکون کا متلاشی تھا۔۔ وہ حسین تھی۔ بے حد حسین تھی۔ سر سے پیر تک صرف اس کی تھی۔

وہ مکمل طور پر اس پر حق رکھتا تھا۔ یہی حق ملکیت اور اس کا شعلہ بھڑکاتا حسن اسے اس کے پاس جانے پر مجبور کرتا تھا۔

اس سے اتنی نفرت کے باوجود اس کے حسن میں ہی وہ اپنا سکون ڈھونڈتا تھا۔۔

ارحام نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے سلگتی نظر اس کے سراپے پہ ڈالتے اس کے حسین نقوش پر ڈالی تھی۔ جہاں وہ آج اس حسین چہرے پر ایسی درد کی رمک دیکھنا چاہتا تھا۔۔ جو آج تک اس نے نہ دیکھی تھی۔۔

حور اس کی نظروں کی تپش سے سرخ پڑ رہی تھی۔۔ جو باریک بینی سے اس کے بدن کے خدوخال کا گہرائی سے جائزہ لے رہی تھیں۔ مگر اس کی آنکھوں میں آج خماری نہیں سرد پن سا تھا۔۔ جو حور کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا رہا تھا۔۔

جانتی تھی آج وہ گل کی شادی کا ماتم اس کے بدن کے ساتھ کھیل کر منانا چاہتا تھا۔اس کی سرخ آنکھیں دیکھتے حور کے قدم بمشکل ہی زمین پر جمے تھے۔

اٹھاؤ اسے۔۔۔ارحام نے اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے ٹیبل پر رکھی ایک فائل کی طرف اشارہ کیا۔۔

حور نے ارحام کے سامنے پڑی ہوئی ٹیبل پر رکھی فائل کو اچھنبھے سے دیکھا۔۔۔بلیک کلر کی فائل کو اسے پہچاننے میں زیادہ ٹائم نہیں لگا تھا۔۔وہ سمجھ چکی تھی وہ اسے کیا سزا دینا چاہتا ہے؟؟۔۔وہ اتنا بے رحم ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔۔یا پھر وہ اتنا ہی ظالم اور بے رحم تھا۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے وہ فائل اٹھائی۔۔ فائل اٹھاتے کانپتے ہاتھوں سے اسے کھول کر دیکھا۔۔ جیسے جیسے وہ دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔

وہ تو یہ فائل دیکھتے ہی پہچان چکی تھی۔۔ مگر دل میں مبہم سی امید بندھی تھی۔۔ وہ اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے وہ فائل اپنے سینے سے لگائی۔۔

ارحام کو دیکھتے سر نفی میں ہلائے ہچکی بھری تھی۔۔ ارحام کے لبوں پر بکھری سفاک مسکراہٹ گہری ہوئی۔

کیا کرو گی ان کاغذ کے ٹکڑوں کا؟؟ اب تم کبھی اپنا خواب پورا نہیں کر سکتی۔۔ مرتے دم تک اس حویلی سے باہر قدم نہیں نکال سکو گی۔۔ کیا کرو

گی انھیں سنبھال کر؟؟۔۔۔ارحام حور کو دیکھتے سفاکی سے بولا۔۔اس کے چہرے پر بکھرا ڈر دیکھ کر اسے کافی سکون دے گیا تھا۔

جب ایسی بات ہے تو پھر آپ کو کیا کہہ رہی ہے یہ بے ضرر سی فائل۔۔اسے میرے پاس ہی رہنے دیں۔۔

حور نے وہ فائل سینے سے لگائے پیچھے کی جانب قدم بڑھاتے ملتجی لہجے میں کہا۔۔

مجھے تم سے ہر وہ چیز چھینی ہے جو تمھیں خوشی دے۔۔بنا کسی بحث کے ان پیپرز کو نذر آتش کرو۔۔ارحام نے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حور نے بھیگے لہجے میں اس ستمگر کو بہت آس سے پکارا تھا۔۔

نو ارگیو منٹس حور۔۔۔۔۔۔۔۔ڈواٹ۔۔۔۔وہ سگریٹ لائٹر سے سلگاتے اسے لبوں میں دبائے دوٹوک لہجے میں بولا۔۔

اس کا سرد دوٹوک لہجہ محسوس کرتے وہ ارحام کے قریب صوفے کے نزدیک گھٹنوں کے بل بیٹھی۔۔

ارحام یہ دیکھیں۔۔۔یہ میرے اولیول کے گریڈز پورے بورڈ میں نے ٹاپ کیا تھا۔۔۔حور نے فائل سے ایک پیپر نکال کر ارحام کی طرف بڑھایا۔۔وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا بے حس بنا بیٹھا تھا۔۔

اپنے کالج میں بھی ایف ایس سی میں نے ٹاپ کیا تھا۔۔حور نے ایک اور پیپر ارحام کی طرف بڑھایا۔۔جسے ارحام نے تھام کر بنا دیکھے ہی صوفے پر رکھ دیا تھا۔۔اس نے ایک بار بھی حور کے ڈاکومنٹس نہیں دیکھے تھے۔

اب ارحام آنکھیں موندیں صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔۔۔

ارحام یہ میری فورتھ سٹینڈر کی آسائمنٹ ہے۔۔کلاس میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔۔حور نے ایک پیپر ارحام کی طرف بڑھایا۔۔ارحام کو آنکھیں موندے دیکھ کر وہ بے بسی سے آنسو بہانے لگی۔

ارحام یہ سکیچ دیکھیں۔میں نے کلاس میں فرسٹ پوزیسن لی تھی۔پتہ ہے لندن میں۔۔۔۔۔۔

حور جو کہا ہے کرو۔۔مجھے زیادہ غصہ مت دلاؤ۔۔ہمم۔۔۔۔۔ارحام نے سیدھے ہوتے حور کی بات کاٹتے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑے کہا۔۔اس کا لہجہ نرم تھا مگر اس کی آنکھوں میں سرد برفیلے تاثرات تھے

۔جہاں کوئی رحم کوئی نرمی کوئی لچک نہ تھی۔۔وہ خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔جسے دیکھتے حور کی رگوں میں دوڑتا خون منجمند ہوا۔

پلیز۔۔۔۔۔حور نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ التجا کی۔۔

جو کہا ہے وہ کرو۔۔۔ورنہ میرا وہ روپ دیکھو گی۔۔جو آج تک نہیں دیکھا۔۔ارحام اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے اب کی بار غرایا ۔۔۔اس کی آنسو بہاتی آنکھوں میں التجائیں اسے کمزروسی کر رہی تھیں۔۔لیکن کیوں؟؟اس کی التجائیں اسے اس کے سامنے زیر کر رہی تھیں۔

ارحام اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔۔

کونسا روپ نہیں دیکھا میں نے ؟؟ حور نے ہچکی لیتے ہوے ارحام کو دیکھا تھا۔۔ ارحام اسے سرد نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔۔

ظالم جابر۔۔ درندہ، وحشی،، سفاک،، ہر روپ تو دکھایا ہے آپ نے مجھے۔۔ اور کون سا روپ دکھانا رہتا ہے مجھے۔۔ حور نے گلابی ہوتی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہچکی بھرتے سوال کیا۔۔

مجھے ظالم جابر تم نے بنایا ہے۔۔ ارحام اس کی بات پر یکدم چیخ اٹھا تھا۔۔

جھوٹ۔۔۔ آپ ظالم اور جابر تھے۔۔۔ میں نے تو صرف آپ کو آپ کی شخصیت کا آئینہ دکھایا ہے۔۔ جس میں آپ کا ہر روپ واضح ہو گیا۔ حور نے

چٹختے ہوے کہا۔۔ صوفے سے اپنے تمام ڈاکومنٹس سمیٹتے اسے فائل میں لگایا تھا۔ فائل کو سختی سے اپنے کانپتے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑا۔ وہ کسی بھی قیمت پر ارحام کی بات نہیں مان سکتی تھی۔۔ اور فائل سینے سے لگائے ارحام کو ضدی انداز میں دیکھتے جتا بھی دیا تھا۔

حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں میں طیش و اشتعال کی غضبناکی بڑھی تھی۔

ارحام نے صوفے سے کھڑے ہوتے اس کے بالوں کو جکڑتے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔

جس انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیا جائے۔۔ اس سے کیا امید رکھو گی تم ؟؟ جواب دو مجھے۔۔ کیا کہا تھا تم نے کہ میں تمھارے ساتھ راتیں گزار چکا ہوں۔۔ ارحام اس کے بالوں پر اپنی گرفت بڑھائے غرایا۔۔

اس کی گرفت پر حور کی آنکھوں کی شبنمی بھڑتے موتیوں کی صورت میں عارض پر گرنے لگی۔۔وہ درد سے سسکتے بھی اپنی فائل سینے سے کسی قیمتی متاع کی طرح لگائے ہوے تھی۔۔۔

ظالم جابر تب میں ہوتا جب تمھارے الزامات پر تم سے نکاح کے بغیر وہ سب کچھ کرتا۔۔جسے کہتے ہوے تمھیں ذرا شرم نہ آئی۔۔ارحام کی آنکھوں میں خون اترنے کے ساتھ ساتھ اس کی گرفت ظالمانہ حد تک سخت ہوئی تھی۔

حور نے اس کی وحشی گرفت پر کراھتے ہوے اپنی آنکھیں میچیں۔

آنکھیں کھولو دیکھو۔۔۔ تمھارے سامنے وہ انسان کھڑا ہے جو کبھی ہارا نہیں تھا۔۔ مگر تمھاری وجہ سے یہ ہار میرا مقدر بن چکی ہے۔۔ ارحام خانزادہ ابھی تک اپنی ہی بیٹی کو ڈھونڈ نہیں سکا۔۔ اس کے بالوں کو زور سے جھٹکا دیا تو حور نے شبنمی آنکھیں کھولتے سسکی بھرتے ارحام کو دیکھا تھا۔

تمھاری وجہ سے وہ شاہنواز جو میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات نہیں کرتا تھا۔ آج میری بے بسی پر وہ مجھے دھمکیاں دیتا ہے۔۔ میری ہی بیٹی کو وہ مہرہ بنائے مجھے اپنے قدموں میں جھکانا چاہتا ہے۔۔۔ صرف تمھاری وجہ سے۔۔ ارحام نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو حور پیچھے کو ہوتی لڑکھڑائی۔

میں داجی کی وجہ سے مجبور ہوا۔۔ ورنہ تم جیسی عورت جو دوسروں کی عزت کے ساتھ کھیلے۔۔۔ کسی کا ہنستا بستا گھر اجاڑ دے۔۔ جو خود پر تہمت

لگوائے۔۔جو رات کے اندھیرے میں بدتر حلیے میں سڑک پر ملے۔۔وہ

نکاح کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔۔وہ عزت بنانے کے قابل نہیں

ہوتی۔۔۔ارحام اس پر نفرت بھری نگاہ ڈالتا پھنکارا تھا۔۔

ارحام کی نفرت بھری دھتکار پر اس کے لفظ سنتے وہ پاگل ہوئی تھی۔۔

جب عزت بنانے کے قابل نہیں ہوں۔۔کیوں رکھا ہوا ہے

مجھے ؟؟۔۔مجھے سزا دیں۔جیسے گل کو دی تھی طلاق کی صورت

میں۔۔۔اس نے آپ کی عزت بھرے جرگے میں اچھالی تھی۔۔میں نے

بھی آپ کی عزت اچھالی۔۔گل کا مقدر طلاق اور میرا مقدر آپ کا ساتھ

کیوں ؟؟؟۔حور ارحام کی بات پر ہزیانی انداز میں چلائی۔۔

وہ اس کے چلانے پر مشتعل ہوتے اس کی طرف بڑھا۔۔کہاں گوارا تھا اس

لڑکی کا خود کے سامنے آواز اٹھانا۔۔اس کا اپنے مقابل آنا۔۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔۔۔۔۔۔۔اب ایک بار اور تمھاری آواز بلند ہوئی تو تمھاری زبان حلق سے کھینچ نکالوں گا۔۔۔ارحام نے حلق کے بل دھاڑتے اسے بازو سے جکڑتے دیوار کے ساتھ پٹخا۔اس کے منہ سے نکلا لفظ طلاق سوئی کی مانند چبھا تھا۔۔

گل کو چھوڑ دیا تھا تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا میں۔۔ تمھاری سزا میرا ساتھ ہے۔۔ جس کی سزا تم ساری عمر پاؤ گی۔۔ارحام اس کے قریب ہوتے اس کی گردن کو

دبوچ گیا۔۔۔ گل کا بھرے جرگے میں طلاق مانگنا اتنا مشتعل نہیں کیا تھا۔ جتنا اس لڑکی کا بند کمرے میں کر گیا تھا۔

گل محبت تھی آپ کی؟؟اس کو آسانی سے چھوڑ دیا۔۔ میں نفرت ہوں مجھے کیوں رکھا ہوا ہے آپ نے؟؟حور اس کی گرفت میں مچلتے ہوے ایک ہاتھ سے خود کو چھڑواتے ہوے گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بولی تھی۔۔۔

اس کی گرفت اس کی گردن پر بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ حور کی رنگت شدید سرخ پڑ رہی تھی۔۔ جسے دیکھتے ارحام نے اسے چھوڑ دیا تھا۔۔ مگر اس سے دور نہیں ہوا تھا۔۔ اپنے ہاتھ اس کے دونوں اطراف میں جمائے اسے سرد نظروں سے گھور رہا تھا۔۔

دل کر رہا تھا اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو ادھیڑ کر رکھ دے۔۔ مگر وہ چاہتے ہوے بھی ایسا کر نہ سکا تھا۔۔

حور ایک ہاتھ اپنی گردن پر رکھے بری طرح کھانس رہی تھی۔۔فائل ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔۔وہ اپنے گلے کو جکڑے آنسوؤں بھری شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

تم عزت ہو میری۔۔۔ نکاح میں ہو میرے۔۔ ہم لوگ اپنی عزت کو نہیں چھوڑتے۔۔۔۔۔میری ہی قید میں اب تم اپنی جان دو گی۔۔ ارحام اسے دیوار میں پٹختے ہوئے غصے سے گرجا۔۔۔

حور دیوار کے ساتھ لگی بری طرح رو دی تھی۔۔

وہ اسے اپنی عزت بھی کہتا تھا اور اس کی تذلیل بھی کرتا تھا۔۔

عزت تو گل بھی تھی آپ کی۔۔ آپ کی بیٹی کی ماں بھی۔۔۔

محبت کو چھوڑ سکتے ہیں۔۔ نفرت کو کیوں نہیں۔۔ حور نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سوال داغا تھا۔

کیونکہ میں نے گل سے محبت اتنی شدت سے نہیں کی۔۔ جتنی شدت سے تم سے نفرت کی ہے۔۔ جس چیز میں شدت شامل ہو جائے۔۔ وہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔۔ میری انتہا یہ ہے کہ تمھیں نفرت میں تل تل اذیت دیتے ہوے اپنے قریب بہت قریب دیکھنا۔۔۔۔۔ ارحام اس کے قریب ہوتا اس کی کرسٹل براؤن کانچ سی گہری آنکھوں میں دیکھتے سفاکی سے مسکرایا ۔۔۔

اب جاؤ۔۔۔۔۔ یہ ڈاکومنٹس جلاؤ۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ آج رات بہت اذیت ناک ہو گی تمھارے لیے۔۔۔ ارحام نے اسے سرد انداز میں حکم دیا۔۔

آپ خود ہی یہ پھینک دیں۔۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔۔ حور نے اپنے آنسو صاف کرتے وہ فائل ارحام کی طرف۔ بڑھائی۔

ایسے تھوڑی مزا آئے گا۔۔۔ جب تم انھیں ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں سے نظر آتش کرو گی۔ تمھارے چہرے پر درد دیکھتے جو سکون مجھے ملے گا ۔۔۔ وہ میرے ہاتھوں سے جلانے میں کیا مزا۔۔۔ ارحام پتھریلے لہجے میں بولتا صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

اب جاؤ ان پیپرز کو جلاؤ۔۔ ورنہ آج کی رات تمھارے لیے قیامت سے بھی بدتر بنا دوں گا۔ ارحام سرد آواز میں پھنکارہ تھا۔۔

حور نے ارحام کو دیکھتے ایک نظر اپنے سینے کے ساتھ جکڑی فائل کو دیکھا ۔۔ دوسرے لمحے وہ آتش دان کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ ارحام کو واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

آتش دان کی طرف بڑھتے اسے اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھاتا محسوس ہوا تھا۔۔ اپنے چکراتے سر کو سنبھالتے اس نے دیوار کا سہارا لیا۔۔

اس کو اپنا سر تھامتے دیکھ کر سگریٹ کا کش لیتے ارحام کا ہاتھ بے اختیار رکا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ سر کو جھٹکتے خود پر بے حسی کی چادر اوڑھ گیا.

آتش دان کے پاس پہنچ کر حور نے ایک ایک پیپر جلتی آگ میں پھینکا۔۔ وہ بہت بے دردی سے ایک ایک پیپر پھاڑتے ہوے آگ میں پھینک رہی تھی ۔اس کے چہرے پر وہی درد وہی اذیت تھی جسے دیکھنے کے لیے وہ بے چین ہو رہا تھا۔۔

مگر اس کے چہرے پر بکھرا درد دیکھ کر وہ مزید بے چین ہوا تھا۔ سگریٹ کے گہرے کش لیتا وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔۔ جو بہتے آنسوؤں کے ساتھ آگ میں جلتے اب پیپرز کو دیکھ رہی تھی۔۔ سٹل سی مجسمہ بے جان مورت کی طرح کھڑی تھی۔۔ جس کی آنکھوں سے اب آہستہ آہستہ آنسو خشک ہو رہے تھے۔ سسکیاں تھم رہی تھیں۔

ارحام نے جھنجھلاتے ہوے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا۔۔ دل شدید گھبراہٹ کا شکار ہوا تھا۔۔ اسے اذیت دے کر وہ خوش کیوں نہیں ہو پا رہا تھا؟؟ کیوں وہ ایسے بے جان سی کھڑی اس کی اذیتوں میں مزید اضافہ کر گئی تھی۔۔

وہ بے اختیاری میں صوفے سے اٹھتے اس کی طرف بڑھا۔۔

ارحام کو دیکھتے اس کے پتھر وجود میں ہلچل ہوئی۔۔ مل گیا سکون آپ کو؟

؟کچھ نہیں رہا اب میرے پاس،، میرا سب کچھ چھن گیا مجھ سے۔۔۔ خوش

ہو جائیں۔۔ آج سب سے زیادہ اذیت پہنچائی ہے آپ نے مجھے۔۔ حور بھیگے

لہجے میں بولی۔۔ لہجہ بھیگا تھا مگر اب آنکھیں خشک تھیں۔ جن میں غم غصہ

شدید نفرت سی ارحام کو دکھی تھی۔۔

ارحام اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا تھا۔

یہ اذیت کچھ نہیں ہے۔۔ میں جانتا ہوں تمھیں اذیت کیسے پہنچانی

ہے۔۔ ارحام نے کہتے ہوے اس کے گاؤن کی ڈوری کھولی۔۔

حور نے تڑپتے ہوے ارحام کو دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔۔۔

ارحام اس کی تڑپ پر گہرا مسکراتے اس کی گاؤن ایک جھٹکے سے کندھوں سے نیچے کھسکا تا ریموو کر چکا تھا۔۔

وہ نفرت کرے یا پھر جتنی مرضی اذیت محسوس کرے۔۔ تھی تو صرف اس کی۔۔اس سے آگے ارحام خانزادہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔۔یہی وہ آج اسے باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے پور پور پر کتنا حق رکھتا ہے۔۔

ارحام آج نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آج اتنی اذیت محسوس کر رہی ہوں کہ آپ کی قربت مجھے مار دے گی۔۔حور کی آنکھوں سے پھر سے جل تھل بارش ہوئی۔۔مقابل کی قربت آج اسے کسی قیمت گوارا نہ تھی۔

آج جس اذیت پر میں ہوں۔۔مجھے آج تمھاری بہت ضرورت ہے۔۔ارحام کے آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی۔۔

مقابل اسے ٹھکرا رہی تھی۔۔اس کا دل اس کا جسم اس کی قربت پانے کے لیے مچل رہا تھا۔کیوں وہ اسے پانے کے لیے تڑپ رہا تھا؟؟۔۔کیوں وہ اسلام آباد سے صرف اس کی ہی قربت میں سکون ڈھونڈنے چلا آیا تھا؟؟۔۔یہ سوال اس کے غم وغصے کو بڑھا رہے تھے۔

گل کی شادی کا ماتم منانے کے لیے میری ضرورت ہے آپ کو،،،حور نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔۔

وہ اس کے سوال پر چونکا تھا۔۔۔اسے اذیت پہنچانے میں گل کی شادی کا ماتم منانے کی وجہ ضرور تھی۔۔مگر اس کی آنکھوں میں ٹھہری نفرت نے اس کے اندر اس کی قربت کی پیاس بڑھا دی تھی۔۔وہ اس لمحے اس رات صرف

اس پر ثابت کرنا چاہتا تھا وہ صرف اس کی ہے۔۔وہ نفرت کرے یا چیخے

چلائے اس کا مقدر صرف وہی ہے۔۔۔

جو مرضی سمجھو۔۔مجھے تمھاری ضرورت ہے۔مجھے سکون تم ہی پہنچاؤ گی۔

۔ارحام نے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔

۔اس کا انکار اس کے اندر کی آگ کو بھڑکا رہا تھا۔

مجھے بے سکون کر کے آپ میری ہی قربت میں کیسے سکون پا سکتے ہیں

۔۔حور نے ارحام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

تمھارے بد سکونی میں میرا سکون۔ہے۔وہ سفاکی سے کہتے اس کی گردن پر

جھکا تھا۔۔

نہیں ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ آج نہیں میں مر جاؤں گی۔۔ حور اس کے لمس پر بری طرح تڑپ اٹھی۔۔ اس کی تڑپ پر ارحام غیض و اشتعال سے سرخ پڑتے اس کی گردن پر جگہ جگہ اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھتے اسے ازبر کروا رہا تھا کہ وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہے۔۔ وہ اب روئے تڑپے اسے پرواہ نہیں ہے۔۔ ارحام نے اسے غصے سے پوری قوت سے بیڈ پر دھکیلا ۔۔ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائیاں لاک کیے وہ اس کی نائٹی کی سٹرپ نیچے کی طرف کھسکاتے اس کے برہنہ کندھوں پر اب اپنا وحشی لمس چھوڑنے لگا۔

آپ کو خدا کا واسطہ ہے ارحام۔۔۔۔۔ مجھے آج تنہائی دے دیں۔۔ آپ کی قربت مجھے مار ڈالے گی۔ میں نہیں سہن کر سکوں گی آپ کو آج۔

۔۔۔میں مر جاؤں گی آرحام۔۔۔حور پوری قوت سے اس کے حصار مین تڑپتے چیخی تھی۔۔

اس کی چلانے سے زیادہ اس کی باتیں اس کے تن من میں شعلے بھڑکا رہی تھیں۔۔وہ ہوتی کون تھی اسے جھٹکنے والی؟؟۔۔اس کی قربت سے انکار کرنے والی؟؟۔۔اس کی باتوں میں اذیت نہیں بلکہ اس کے لیے نفرت تھی۔یہی نفرت ارحام خانزادہ کو آگ لگا رہی تھی۔

سمجھتی کیا ہو خود کو؟؟ تمھاری قربت کے لیے میں مرا جا رہا ہوں۔

۔۔تمھاری قربت میں نہیں،، تمھارے حسین بدن میں میرا سکون ہے

۔۔تم میری ضرورت ہو۔۔۔جب میرا دل کرے گا میں تمھارے قریب

آؤں گا۔۔اگر کبھی تمھیں دھتکاروں گا تو صرف میں۔۔۔۔۔ سمجھی تم۔۔ارحام اس کی کرسٹل آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

آج مجھے آپ کی دھتکار بھی قبول ہے۔۔۔مگر نہیں قبول تو آپ کی قربت ۔۔۔۔۔آپ کا لمس نہیں۔۔۔مجھے اس قہر برساتی سردی میں ٹیرس پر کھڑا کر دیں۔۔ساری رات خاموشی سے کھڑی رہوں گی۔۔افف نہیں کروں گی۔۔مگر آج آپ کو سہوں گی تو مر جاؤں گی میں.۔۔۔۔۔حور نے چیختے ہوے کہا۔۔

ارحام اس کی آنکھوں میں نفرت دیکھتا پاگل سا ہوا تھا۔۔

ارحام نے اس کے بالوں کو جکڑتے اسے جھٹکا دیتے اس کے لبوں پر جھک کر اس کی سانسوں پر قبضہ کیا۔۔اس کے سخت گرفت میں حور بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔وہ پوری شدت سے اس کے لبوں کو اپنی قید میں لیے اس کے نازک لبوں پر اپنا قہر برپا کر رہا تھا۔اس کے نچلے لب پر گہرا زخم دیتے اسے چھوڑا تھا۔۔وہ درد کی شدت سے ارحام کو اب خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔جو اس کی کلائیاں جکڑے اسے خون اشام نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

حور اس کے وحشی لمس پر ساکت ہوئی تھی۔میرے سامنے آئیدہ بولنے سے پہلے سو بار سوچنا۔۔ورنہ اس سے زیادہ برا حال کروں گا۔۔اس کے لبوں سے خون کے قطرے وہ نرمی سے اپنے لبوں سے چنتے پھنکارہ تھا۔۔

اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑتا وہ اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔ اپنی چابیاں سائیڈ ٹیبل سے اٹھائے وہ بنا اس پر کوئی نگاہ ڈالے کمرے سے باہر نکل گیا۔۔

زاران وائٹ ٹراوزر پر بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر بلیک لیدر کی جیکٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ وہ ڈیرے پر جا رہا تھا۔۔ صبح ہوتے ہی اس کا واپس آنے کا آرادہ تھا۔ مگر رات وہ یہاں اس کمرے میں ابرش کے ساتھ نہیں بتا سکتا تھا۔ جتنا بھی وہ اس سے نفرت کا دعویدار ہو مگر وہ بیوی تھی اس کی۔۔ اس پر مکمل حق رکھتا تھا۔۔ ایسے میں ایک کمرے میں رہ کر اس سے دور رہنا اس کے لیے مشکل تھا۔

وہ ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑا خود پر فیوم چھڑک رہا تھا کہ ابرش واش روم سے شاور لے کر نکلی تھی۔۔ وائٹ سمپل سے صبح والے ڈریس میں ملبوس

تھی۔ بال گیلے پشت پر بکھرے تھے۔۔۔ وہ کافی دیر سے واش روم میں تھی۔ وہ جب کمرے میں آیا تھا وہ تب سے واش روم میں بند تھی۔

اب وہ شاور لے کر نکلی تھی۔۔ چہرہ اور آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ جیسے شاور کے نیچے کھڑی کافی دیر تک روتی رہی ہو۔ زاران اسے ایک نظر دیکھتا غصے سے اپنے لب بھینچ گیا تھا۔ سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔۔ بے شک حویلی مکمل طور پر ہیٹڈ تھی۔ مگر ابرش کا بار بار شاور لینا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ اس کا زخم بھی ابھی بھرا نہیں تھا۔ ایسے میں وہ بار بار گیلا ہونے کے باعث مزید خراب ہو سکتا تھا۔ وہ زاران کو مکمل اگنور کرتے اس کے قریب سے گزرتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زاران اپنی گاڑی کی چابیاں ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے دروازے کی طرف بڑھتے رکا تھا۔۔۔ اس کا موبائل کپڑے بدلنے کے دوران ڈریسنگ روم

میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تو ڈریسنگ روم کی دیوار گیر مرر میں ابرش کا نظر آتا عکس دیکھ کر ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔

وہ مرر کے آگے کھڑی اپنے گیلے بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔ اس کے دائیں گال پر انگلیوں کے نشان نے اسے ٹھٹھک کر رکنے پر مجبور کیا تھا۔

صبح تک اس کے چہرے پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔

وہ تنے ہوئے چہرے کے ساتھ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔۔

اسے بازو سے جکڑتے جھٹکے سے اس کا رخ اپنے سامنے کیا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ زاران نے اس کے گال پر ہاتھ جماتے غصے سے پوچھا۔۔

کچھ نہیں ہوا۔۔ ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہتے زاران کو خود سے دور دھکیلا تھا۔ اس کے دور دھکیلنے پر زاران نے غصے سے جبڑے بھینچے تھے۔۔

وہ اس کے اور قریب ہوا تھا۔۔ ابرش پیچھے کو ہوتی وال مرر کے ساتھ جا لگی۔

جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔۔۔ کس نے کیا یہ ؟؟ زاران کی آواز میں غراہٹ نمایاں تھی۔

کیا پوچھنا چاہتے ہیں یہی کہ مجھے تھپڑ کس نے مارا؟؟۔۔

ونی میں آئی ہوئی لڑکی کی قسمت میں ایک تھپڑ نہیں کئی تھپڑ اس کا مقدر ہوتے ہیں۔ تو پھر کس نے مارا کیوں مارا؟!۔۔ اس کی وجہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ آپ مجھے بھرے جرگے میں تھپڑ مار سکتے ہیں تو کوئی بھی مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ یقین مانیں آپ کے مارے ہوئے تھپڑ سے اس تھپڑ کی ذلت بہت کم تھی۔۔ ابرش اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔۔زاران حلق کے بل دھاڑا۔۔وہ ابھی تک اپنی ہی بات اور اپنی ہی ہٹ دھرمی پر قائم تھی۔اس کا لب ولہجہ اور اس کی بات زاران خانزادہ کو مشتعل کر چکی تھی۔

ابرش اس کی اونچی دھاڑ پر اسے زخمی نظروں سے دیکھتے ہوے وہ رخ پلٹ گئی تھی۔۔زاران اس کے بے حد قریب تھا۔ابرش کی پشت زاران کے سینے سے لگ رہی تھی۔۔زاران کی سانسیں اس کی گردن پر بکھر رہی تھیں۔

مرر میں اس کا عکس بخوبی نمایاں تھا۔وہ گہرے سانس بھرتی آنکھیں میچے کھڑی تھی۔

نہیں بتاؤ گی تم۔۔زاران اس کے اطراف میں وال مرر پر ہاتھ جماتے اس کی کان میں جھکتے غرایا..

نہیں۔۔۔۔ابرش نے مرر میں زاران کا عکس دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوے دوٹوک لہجے میں کہتے نفی میں سر ہلایا۔۔

اوکے۔۔۔۔۔وہ سنجیدگی سے کہتے اس سے دور ہوا تھا۔۔ مگر نظریں ابھی تک ابرش پر گاڑھ رکھی تھیں۔جواب اس کی طرف رخ پلٹے اسے دیکھ رہی تھی۔۔زاران کی سرد سرخ نظروں سے خائف ہوتے وہ وہاں سے جانے لگی تو وہ اسے بازو سے جکڑے وال مرر میں پٹخ چکا تھا۔

اس کے بے دردی سے وال مرر میں پٹخنے پر ابرش کے لبوں سے سسکاری نکلی تھی۔

تمھیں زخم دینے کا حق صرف مجھے ہے۔۔ تمھیں تھپڑ مارنے کا حق بھی صرف مجھے ہے۔کیونکہ تم سر سے پیر تک صرف میری ملکیت ہو۔۔۔کسی کی بھی اتنی ہمت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ تمھیں آنکھ ٹیڑھا کر کے بھی

دیکھے۔۔ جس نے بھی یہ کیا ہے۔۔ وہ اس کی قیمت ضرور چکائے گا۔۔ زاران اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے سرد آواز میں پھنکارا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ابرش کی کلائی پکڑے اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ وہ اس کے کشادہ سینے کا حصہ بنی تھی۔۔

اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی۔۔ زاران نے اس کا دوپٹہ گلے سے اتار کر اس کے سر پر اوڑھایا۔۔ اس کی کلائی پکڑے وہ باہر کی جانب بڑھا۔۔

زاران کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے ؟؟؟ ابرش اس کی سخت گرفت میں کھنچتی ہوئی بولی۔

اس سوال کا جواب مانگنے جو تم نے نہیں دیا۔۔زاران سپاٹ لہجے میں کہتے دروازہ کھولتے باہر کی جانب بڑھا۔۔

زاران چھوڑیں مجھے۔۔۔کیوں تماشہ بنا رہے ہیں؟؟۔۔سب اس وقت سو رہے ہیں۔۔ابرش اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے بولی تھی۔

میری بیوی پر ہاتھ اٹھا کر سکون سے کیسے سو سکتے ہیں سب۔۔۔میں آج سب کی نیندیں حرام کر دوں گا۔

زاران درشت لہجے میں بولتا اس کی کلائی پر اپنی سخت گرفت کرتا سیڑھیاں اترنے لگا۔۔

ابرش اس کی سختی پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہا تھا۔۔ایک سیڑھی پر ابرش کا پاؤں لڑکھڑایا تھا۔۔ابرش نے ریلنگ تھامی تھی۔۔وہ بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔

زاران رہنے دیں پلیز۔۔۔۔مجھے اس سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ابرش آخری سیڑھی پر تقریباً چیختی ہوئی بولی تھی۔

زاران اس کی بات کا بنا کوئی جواب دیے اسے کھینچتا ہوا زنان خانے کے لاونج کی طرف بڑھا۔۔

مورے۔۔۔۔۔مورے۔۔۔۔۔زاران نے لاونج کے وسط میں کھڑے ہوتے اونچی آواز میں امینہ خانم کو پکارا

امینہ خانم جو ملازماؤں سے کچن کا کام مکمل کروانے کے بعد اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔۔زاران کی اونچی آواز پر وہ جلدی سے زنان خانے کی طرف آئیں۔

زاران۔۔۔زنان خانے کے لاونج کے وسط میں ابرش کی کلائی تھامے کھڑا تھا۔۔

زاران پلیز۔۔۔۔ابرش نے بھیگی آنکھوں سے ملتجی لہجے میں اسے پکارا۔

ششش۔۔۔۔۔زاران نے اس کی طرف سرخ آنکھوں سے دیکھتے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔۔۔ابرش اس کی بے انتہا سنجیدگی اور سرد سرخ نظریں دیکھتے خاموش ہو گئی۔

کیا ہوا ہے زاران ؟؟ امینہ خانم تشویش سے زاران کی طرف بڑھیں۔ جس کے چہرے پر شدید غیض و غضب چھایا تھا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ اس حویلی کی بڑی ہیں آپ۔۔۔ آپ کے ہوتے ابرش پر کس نے ہاتھ اٹھایا؟؟۔۔ جواب دیں مجھے۔۔۔ زاران نے امینہ خانم سے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

امینہ خانم زاران کے سوال پر خاموش ہوئی تھی۔

زاران کا لہجے میں احترام تھا مگر آنکھوں میں شدید غصہ اور اشتعال تھا۔۔

آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ اس بات کا مجھے یقین ہے۔۔ ابرش پر ہاتھ اٹھایا گیا اس کے متعلق آپکو معلوم نہ ہو اس بات کا بھی مجھے یقین ہے۔۔۔ زاران

نے ابرش کی کلائی چھوڑتے امینہ خانم سے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی سے پوچھا۔

زاران ایسا چھوٹا موٹا باتیں گھر میں ہو جاتا ہے۔۔ یہ اس حویلی کا بہو ہے اب۔۔ اس کو بھی چاہیے اپنا زبان قابو میں رکھے۔۔۔۔ یہ اب امریکہ میں نہیں رہتا۔۔ یہاں اس حویلی میں رہتا ہے۔۔ اس کو ادھر رہنا پڑے گا تو کچن کا کام بھی کرنا پڑے گا۔۔ اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں گی۔ ایک بیوی کی ذمہ داریاں تو یہ سنبھال نہیں سکتا تو کیا اب ایک بہو کے فرائض بھی نہیں نبھائے گا۔ امینہ خانم ابرش کو دیکھتے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولیں۔۔ زاران کے دن رات مردان خانے میں گزرتے تھے یا پھر ڈیرے پر۔۔۔ امینہ خانم کو ابرش پر سب سے زیادہ غصہ اسی بات پر تھا۔

ابرش اس حویلی کی صرف بہو نہیں۔۔میری بیوی بھی ہے۔۔اب میری بیوی پر ہاتھ اٹھایا جائے گا۔۔اور آپ کے نزدیک یہ اتنی سی بات ہو گی۔۔زاران یکدم بھڑک اٹھا۔

زاران پلیز۔۔۔ابرش آگے بڑھی تھی۔۔زاران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں پر رکنے کو کہا۔

یہ اس حویلی میں رہ کر اپنے بہو ہونے کا ہر فرائض نبھائے گی۔۔اس میں کسی بھی قسم کی کوتاہی کی صورت میں آپ مجھ سے بات کریں گی۔۔مگر اس پر ہاتھ اٹھایا جائے یا پھر اس کی بے عزتی کی جائے مجھے کسی قیمت پر قبول نہیں ہے۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

امینہ خانم لب بھینچتے خاموش ہو گیئی تھیں۔

کس نے ہاتھ اٹھایا اس پر مورے ؟؟۔۔۔زاران نے اپنا سوال بے انتہا سنجیدگی سے دوبارہ دہرایا تھا۔

یہ روزینہ سے بدتمیزی کر رہا تھا۔۔اس لیے اس نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔۔امینہ خانم نے آہستگی سے بتایا۔

کیا مطلب ہے اس بات کا؟؟وہ کیسے میری بیوی پر ہاتھ اٹھا سکتی ہیں۔ ۔زاران غصے سے گرجا۔

زاران آہستہ بولو۔۔۔ہم نے تمھیں بتایا ہے کہ یہ بدتمیزی کر رہا تھا۔ ۔اس لیے اس نے ہاتھ اٹھا دیا۔

امینہ خانم نے ناگواری بھری نظر ابرش پر ڈالی جو زاران کے قریب کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

اگر یہ بدتمیزی کر رہی تھی تو وہ اس سے زبان سے بات کرتی۔۔ان کی ہمت کیسی ہوئی میری بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی؟؟۔۔زاران کی آواز پہلے سے بھی زیادہ اونچی ہوئی۔ تھی۔

زاران تم اچھی طرح جانتا ہے۔۔بابرک کی موت کی وجہ سے وہ بہت غمزدہ ہے۔۔ابرش بابرک کی موت کے بدلے میں ونی کے طور پر آیا ہے۔۔اس لیے اس نے اپنا غم و غصہ ابرش پر اتارا ہے۔۔امینہ خانم نے زاران کو شدید غصے میں دیکھ کر اسے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زاران کی آواز حویلی کے کمروں تک جائے اور عابیر اور اسفند کی زندگی میں کوئی تلخی آئے۔۔آگے ان کا دل عابیر کی شادی اسفندیار خان

کے ساتھ ہونے پر لرز رہا تھا۔ روزینہ خانم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔۔ اسفندیار خان کا بھی سرخ سپاٹ چہرہ یاد آیا تھا۔ جب وہ اپنے کمرے کی طرف گیا تھا۔

نہیں آئی یہ ونی کے طور پر۔۔۔ یہ ونی نہیں بیوی ہے میری۔۔۔ زاران نے لب بھینچتے کہا۔۔ زاران کے الفاظ سنتے ابرش نے آنسوؤں کی چادر سے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اس دن مردان خانے میں وہ سب کی موجودگی میں اسے ونی کے طور پر اپنے لیے مانگ رہا تھا۔ کمرے میں بھی وہ اس پر واضح کر چکا تھا کہ وہ ونی میں آئی ہوئی لڑکی ہے۔۔ اب یہ کیا کہہ رہا تھا۔

زاران تم اس لڑکی کا خاطر ہم سے سوال جواب کر رہا ہے۔ امینہ خانم نے نم لہجے میں ابرش کو گھورتے پوچھا۔

نہیں مورے میں آپ سے سوال وجواب نہیں کر رہا۔۔مجھے صرف یہ یہ جاننا ہے میری مورے کے ہوتے ہوے کیسے کوئی میری ہی بیوی پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے ؟؟۔۔زاران نے امینہ خانم کو دیکھتے اس بار اپنے لب ولہجے پر قابو پاتے نرمی سے استفسار کیا۔۔مگر وہ اپنے سوال سے پیچھے نہیں ہٹا تھا۔۔اس کا لہجہ نرم تھا مگر آنکھوں میں غصے کی حدت واضح تھی۔

زاران مان لیتا ہے یہ ونی کے طور پر نہیں آیا۔۔لیکن ابرش کو بھی چاہیے اپنی زبان پر قابو رکھنا سیکھے۔۔۔تم اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا زبان کتنا لمبا ہے۔۔کچن میں ملازماؤں کے سامنے اس نے روزینہ کو جواب دیا۔۔اس نے غصے سے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔۔

یعنی اس پر کچن میں ملازموں کے سامنے ہاتھ اٹھایا۔۔زاران یہ سن کر مزید غم وغصے سے پاگل ہوا تھا۔

ہاں ہم نے کچن میں اس پر ملازماؤں کے سامنے ہاتھ اٹھا کر اسے اس کی اوقات بتایا۔۔روزینہ خانم لاونج میں آتے ہوے زاران کو دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولی تھی۔۔

اور کیا اوقات ہے اس کی؟؟زاران نے روزینہ خانم کو دیکھتے استفہامیہ لہجے میں سرد انداز میں پوچھا۔۔

ایک ونی میں آیا ہوا لڑکی کا اوقات جو ہوتا ہے۔۔روزینہ خانم نے نفرت امیز لہجے میں جواب دیا۔۔

یہ صرف زاران خانزادہ کی بیوی ہے۔۔اس کی اوقات زاران خانزادہ کی اوقات سے جڑی ہے۔۔غلطی سے بھی آئیندہ اس پر ہاتھ اٹھانے کی غلطی نہ کیجیے گا۔۔ورنہ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔زاران نے لہجے میں چٹانوں سی سختی سموئے روزینہ خانم کو تنبیہ کی تھی۔

یہ بات مت بھولو۔۔۔۔۔۔۔ تمھارا بہن اب میرا اسفندیار کا بیوی ہے ۔۔ ہم وہ روزینہ خانم نہیں رہا جو تمھارا ہر زیادتی پر خاموش ہو جاتا تھا۔۔ تمھارا بہن کا لگا میں اب ہمارا ہاتھ میں ہیں۔۔ امینہ خانم غصے سے بولیں۔۔

یہ بھول جائیں زاران خانزادہ کے ہوتے ہوے اس کی بہن کے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتا ہے۔۔ مجھے آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔۔۔

زاران سرد لہجے میں غراتے ہوے امینہ خانم کو بہت کچھ جتا گیا تھا۔

زاران۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ تم بھولو مت۔۔۔ تمھارا بیوی اسفند سے نکاح کرنے جرگے میں پہنچ گیا تھا۔۔ ایسا عورت رکھنے کے قابل نہیں ہوتا اور تم اس کے لیے ہم سب سے سوال وجواب کر رہا ہے۔ روزینہ خانم نے زاران پر اپنی

زبان سے ایسا کاری وار کیا تھا کہ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ زاران کا رنگ شدید سرخ پڑتا دیکھ کر وہ استھزائیہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔۔

ابرش نے روزینہ خانم کی بات پر اپنے لب بے دردی سے کاٹے تھے۔۔

خبردار آپ نے ایک لفظ اور کہا۔۔۔ زاران گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا۔۔۔ آنکھوں کا رنگ تیزی سے لہو رنگ میں تبدل ہوا تھا۔ زاران کی دھاڑ پر ابرش کے ساتھ امینہ خانم اور روزینہ خانم بھی لرز اٹھی تھیں۔۔

زاران نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے روزینہ خانم کو دیکھتے اپنے غصے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

مگر غصہ اشتعال کسی صورت کم نہ ہوا تھا۔۔ماتھے کی نیلی رگیں تک ظاہر ہونے لگی تھیں۔

روزینہ خانم کی بات نے اس کے لہو میں شرارے دوڑا دیے تھے۔۔ جیسے گرم لاوا کسی نے اس کے جسم پر انڈیل دیا ہو۔۔

زاران نے غصے سے بے قابو ہوتے پوری قوت سے لاونج میں رکھی شیشے کی سینٹرل ٹیبل پر اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ دے مارا۔۔ سینٹرل ٹیبل کا شیشہ چکنا چور ہوا تھا۔۔

زاران کے ہاتھ سے خون بہتا دیکھ کر امینہ خانم غم سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔زاران کو اذیت میں دیکھ کر ان کی آگے بڑھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی تھی۔ابرش کے آنسوؤں کی روانگی میں آضافہ ہوا تھا۔

زاران نے گہرے سانس لیتے لہو اتری آنکھوں سے ابرش پر ایک نظر ڈالی تھی۔۔ابرش اس کی لہو اتری آنکھیں دیکھ سراسیمگی سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔

ایک لفظ اور نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش میری بیوی ہے خبردار آپ نے اس کا نام کسی کے ساتھ جوڑا۔۔ورنہ میں بھول جاؤں گا آپ میری کون ہیں؟؟؟۔زاران غصے سے ایک ایک لفظ چباتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا زنان خانے کا داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔

بہارے واش روم سے شاور لیے نکلی تھی۔ وہ گلابی کلر کی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس کے گلے پر شیشے کا نفیس سا کام ہوا تھا۔۔ بہارے نے روہانسے ہوتے شرٹ لیس بیڈ پر الٹے لیٹے سوئے ہوے شہرام کو دیکھا۔

جس نے ساری رات اپنی پناہوں میں اسے سانس لینے کا موقع نہیں دیا تھا۔۔ وہ اسے اپنے حصار میں قید کیے اس کے ہی بدن پر اپنی من مرضیاں چلاتا رہا تھا۔۔ جو آنسو رات اس نے اس کی قربت میں بہائے تھے۔ وہ اب پھر سے اس کی آنکھوں میں جمع ہونے شروع ہوے تھے۔۔

شہرام کی بیک پر اپنے ناخنوں کے نشان دیکھ کر وہ گزری رات یاد کر کے شرم سے سرخ ہوئی تھی۔۔

وہ شہرام کو غم وغصے سے نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ دفعتاً شہرام سیدھا ہوا تھا۔۔ آنکھیں کھولے بہارے کو خود کی طرف تکتا پا کر وہ گہرا مسکرایا

۔۔

بہارے اسے دیکھتے غصے سے رخ پلٹ گئی۔۔

شہرام مسکراہٹ لبوں میں دبائے اس کے حسین روپ کو دیکھنے لگا۔ وہ گلابی پٹھانی فراک میں دمک رہی تھی۔۔ براؤن گیلے بال پشت پر لہرا رہے تھے۔۔ چہرے پر غم وغصے کے ساتھ شرم وحیا کی سرخی بھی تھی۔۔ جسے دیکھتا شہرام محظوظ ہوا تھا۔ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے گہری اور بے باک نظروں سے دیکھا۔۔ بہارے اس کے دیکھنے پر مزید سرخ

ہوئی تھی۔۔ شہرام کا سارا غصہ اپنے بالوں پر اتارا تھا۔۔۔ وہ ٹاول سے بال بے دردی سے خشک کرتے انھیں جھٹک رہی تھی۔۔

شہرام کا اب اپنی مسکراہٹ دبانا مشکل ہوا تھا۔۔ نگاہوں کی تپش مزید گہری اور بے باک ہوئی تھی۔۔ وہ بغیر دوپٹے کے کھڑی شہرام پر اپنی حسن کی بجلیاں گراتے اس کی نگاہیں مخمور کر چکی تھی۔

وہ بیڈ سے اترتا بہارے کی طرف بڑھا۔

کیوں میرا غصہ اپنے خوبصورت بالوں پر اتار رہی ہو؟؟۔۔ میری بہارے گل۔۔۔ ان بالوں کی نرماہٹیں ان کی خوشبو نے مجھے رات بھر سونے نہیں

دیا۔۔وہ اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ جماتے اسے سختی سے اپنے ساتھ لپٹا چکا تھا۔۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔بہارے اس کی گرفت سے خود کو چھڑواتے ہوے مچلی تھی۔۔

رات کتنی کوشش کر چکی ہو۔۔۔مگر میری بانہوں کا حصار کتنا مضبوط تھا۔۔بلکل میری محبت کی طرح۔۔تم میرے حصار سے نہیں نکل سکی۔۔آخر میرے ہی سینے سے لپٹ کر تم پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔۔شہرام اس کا رات کو بری طرح رونے پر چوٹ کرتے ہوے بولا تو بہارے کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔۔

تمھاری حیوانیت کو سہنا آسان کام نہیں تھا۔تم سچ میں جنگلی ہو تم یہ رات کو ثابت کر چکے ہو۔بہارے نے اپنے پیٹ پر اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوے غصے

سے کہا۔۔اس سے پہلے وہ وہ وہاں سے جاتی. وہ اسے بازو سے کھینچ کر اپنے سینے کے ساتھ لپٹا چکا تھا۔۔

میری حیوانیت کے نشان تو دکھانا ذرا۔۔۔ کس کس حصے پر چھوڑے ہیں میں نے۔۔۔ شہرام نے بہارے کے لبوں کو نرمی سے اپنے انگوٹھے سے سہلاتے ہوے پوچھا۔۔

بہارے اس کے حصار میں گلابی چہرہ لیے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا وہ شہرام کے حصار میں نظریں جھکائے گلابی پڑ رہی تھی۔۔یہ گزری رات کا کمال تھا۔۔جو اسے اس کے سامنے نظریں اٹھانے ہی نہیں دے رہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔ چھوڑو مجھے تمھیں ایک بات سمجھ نہیں آتی۔۔ بہارے نظریں جھکائے ہی بولی تھی۔۔ آواز بھی کافی نیچی تھی۔اب وہ مزاحمت بھی نہیں کر رہی تھی۔۔اس کی کمر پر شہرام کی گرفت کافی نرم تھی۔

شہرام اس کے نظریں جھکانے پر قہقہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔۔

بہارے نے اس کے قہقے پر اسے غصے سے گھور کر دیکھا۔۔

شہرام اس کے گھورنے پر اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبا گیا تھا۔۔

قسم سے جب ایسے گھورتی ہو میں سچ میں تم سے ڈر جاتا ہوں۔وہ اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے اسے سختی سے خود میں بھینچے بے باکی سے اس کی نازکی محسوس کر رہا تھا۔۔اس کے لپٹانے کے انداز پر بہارے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی۔۔

تمھارا یہ شرمایا لجھایا روپ مجھ سے ہضم نہیں ہو رہا۔ تم مجھ سے شرما بھی سکتی ہو مجھے یقین نہیں آرہا۔۔ شہرام نے شرارتی لہجے میں کہتے اس کے چہرے کو نرمی سے تھاما تھا۔

میں کیوں تم سے شرمانے لگی؟؟ تمھیں یہ خوشفہمی کیوں لاحق ہو گئی کہ میں تم سے شرما رہی ہوں۔۔

بہارے نے اب کی بار اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔۔ اس کی نگاہیں خود کا بے باکی سے معائینہ کرتے دیکھ کر وہ سرخ گلاب ہو رہی تھی۔۔ مگر اب کی بار شہرام کو دیکھ کر اپنی نظریں جھکائی نہیں تھیں۔۔

شہرام اس کے چہرے پر چھائی سرخی دیکھ کر بہت مشکل سے اپنی ہنسی دبائے ہوے تھا.

ابھی نہیں شرمارہی مگر اب جو میں کروں گا۔۔ تم ضرور شرماؤ گی۔۔ شہرام اس کے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں اٹھا چکا تھا۔۔ شہرام چھوڑو مجھے.... بہارے نے چیختے ہوے اس کے سینے پر مکے جڑے۔۔۔ شہرام اسے گود میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا..

اسے بیڈ پر لٹائے اس پر مکمل طور پر سایہ فگن ہوا تھا۔۔

بہارے کی اس آچانک افتاد پر سٹی گم ہوئی تھی۔۔ دل خوف سے دھڑکتے باہر آیا تھا۔ رات اسے کس طرح برداشت کیا تھا۔ وہ وہی ہی جانتی تھی۔۔ ابرش اور حور کی نکاح کی پہلی رات کی صبح کو ان کی حالت دیکھتے وہ خوف کے مارے شہرام کو خود کو سونپ جکی تھی۔۔ مگر رات اس کی شدتوں اور اس کے لمس میں چھپی اپنے لیے شدید محبت اور جنونیت وہ محسوس کر

چکی تھی۔۔اس لیے پہلے سے زیادہ خود سری اس میں آگئی تھی۔۔وہ اب کہاں اس پہاڑی خان کو خاموشی سے برداشت کر سکتی تھی۔

شہرام چھوڑو مجھے۔۔۔۔بہارے اس کے پہاڑی سینے کو خود سے دور کھسکاتے روہانسی ہوئی تھی۔۔

شہرام مسکراتے ہوے اس کی کلائیاں لاک کرتے اس کی گردن پر جھکا ۔بہارے نے اس کے کندھے کو اپنے ناخنوں سے ایک بار پھر سے زخمی کیا تھا۔۔

مگر وہاں پرواہ کسے تھی وہ اس کی گردن پر جھکے جگہ جگہ نرمی سے اپنے دانت گاڑھ رہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے اس کے بے باک لبوں کے لمس کی حدود بڑھتے دیکھ کر روہانسے ہوتے اسے پکارا۔

وہ اس کی آواز میں نمی محسوس کر کے رخ پلٹے اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے اس کے نازک وجود کو اپنے اوپر منتقل کر گیا تھا۔ اس کی نازک کمر کو سختی سے جکڑے اس کی تمام مزاحمت کو روک گیا۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔۔ کیا اب میری بے بسی کا فائدہ تم ایسے اٹھایا کرو گے۔۔ بہارے نے شہرام کے سینے میں اپنے ناخن پوری قوت سے گاڑھے تھے۔

میری حیوانیت کے نشان تو تمھیں نہیں ملے گے میری جان۔۔ مگر میری کمر اور سینے پر تمھاری حیوانیت کے نشان پوری آب و تاب سے چمک رہے ہیں۔۔ اب بتاؤ کون بے بس ہوا؟؟ میں یا تم۔۔۔۔

شہرام نے اپنا زخمی سینا دکھاتے ہوے بہارے کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔

بہارے کی نظر اس کے سینے پر پڑی۔۔ جہاں ابھی ابھی اس نے ناخن بہت بے رحمی سے گاڑھے تھے۔۔ وہاں سے اس کا سینہ چھل چکا تھا۔۔

بہارے اس کا سینہ دیکھتے اپنا نچلا لب دانتوں میں دبا گئی تھی۔

میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ تم مجھے مجبور کرتے ہو۔۔ یہ سب کرنے کو۔۔۔ بہارے نے اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس سے بھی زیادہ سختی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

ہر ایکشن کا ایک ری ایکشن ہوتا ہے۔اب تم نے مجھے یہ زخم دیا ہے بدلے میں مجھے بھی کچھ چاہیے۔۔ شہرام اسے سینے سے لپٹائے مدہوش لہجے میں بولا۔۔

کک کیا چاہیے ؟؟ بہارے اس کی مدہوش آواز سن کر بری طرح گھبرائی تھی۔۔

شہرام رخ پلٹے بہارے پر گھٹا بن کر چھایا۔

تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے تم سے کیا چاہیے۔۔۔ شہرام اس کے گلابی لبوں کو مسلتے ہوے گھمبیر لہجے میں بولا۔۔

شہرام مم۔۔۔۔ میں نے ابھی ابھی شاور لیا ہے۔۔ بہارے نے اسے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلتے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

اب کی بار ہم دونوں اکٹھے شاور لے لیں گے۔۔ شہرام نے ذو معنی انداز میں بولتے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔

مم میں تمھارے ساتھ کبھی شاور نہیں لوں گی۔۔ بہارے نے غصے سے اس کے سینے پر پھر سے مکہ مارا تھا۔ مگر اس کی بے باک بات پر وہ سرخ پڑی تھی۔۔ اس کی طرف دیکھنے سے احتراظ برتا تھا۔

چلو تم نہ لینا میں لے لوں گا۔۔ شہرام اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔۔

تم بہت بد تمیز ہو شہرام۔۔ تمھیں شرم چھو کر بھی نہیں گزری۔۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

میں کیوں شرم کرنے لگا۔۔ تم جو ہو شرمانے کے لیے۔۔ شہرام نے اس کے گال پر اپنے دانت گاڑھے۔۔

میں تم سے نہیں شرماتی۔۔ نہ کبھی شرماؤں گی۔۔ بہارے نے اپنا گال رگڑتے اس کا لمس مٹایا تھا۔

جان من۔۔۔۔۔۔ کہاں کہاں سے میرا لمس مٹاؤ گی۔۔ اب تو تم سے خوشبو بھی میری آنے لگی ہے۔۔ شہرام نے گھمبیر لہجے میں کہتے اس کی دھڑکنوں کے مقام پر اپنے لب رکھے۔۔ بہارے اس کی بے باک جسارت پر تڑپ کر رہ گئی۔ شہرام کی بات پر اس کا دھاڑے مار مار کر رونے کا دل کیا تھا۔۔ واقعی میں اسے اپنے انگ انگ سے اس کی ہی خوشبو پھوٹتے محسوس ہو رہی تھی۔۔

شہرام نے اس کے چہرے کو دیکھتے اس کی نم آنکھوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔اس کی کلائیاں اپنی آہنی گرفت میں قید کیے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں کا گلہ گھوٹ چکا تھا۔۔

رات کی طرح بہارے کی تمام مزاحمتیں دم توڑ گئی تھیں۔۔وہ بہت نرمی سے اس پر اپنی محبتوں کی بارش میں بھگوتے اس کے پور پور اپنی محبتون کی مہر لگاتے اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔۔

...---------.---

عابیر کی آنکھ کھلی تو خود کو اسفندیار خان کی مضبوط پناہوں کے حصار میں پایا۔۔وہ اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھے اسے اپنے سینے کے

ساتھ لپٹائے سو رہا تھا۔۔ عابیر کی پشت اسفندیار خان کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

عابیر اس کا ہاتھ اپنے پیٹ سے آہستگی سے ہٹاتے اٹھی۔ اس سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتی۔ وہ اس کی کلائی پکڑے اسے اپنے سینے پر گرا چکا تھا۔۔

عابیر کے عارض تپ کر قندھار ہوے۔۔ پلکوں کی بھاری چلمن عارض پر لرزنے لگی۔۔ وہ سرخ انار ہوئی تھی۔

وہ اس وقت صرف اسفندیار خان کی شرٹ میں ملبوس تھی۔۔ اس کے چہرے پر رات کے اسفندیار خان کی گہری شدتوں کے رنگ بکھرے تھے۔۔ وہ اس کے چٹانی سینے کا حصہ بنی اس کے برہنہ سینے پر ہاتھ رکھے نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔

اسفندیار خان نے دلچسپی سے اس کی سنہری رنگت میں سرخیاں سی گھلتی دیکھیں تھیں۔۔وہ سرخ گلاب بنی ہوئی تھی۔۔

جو لڑکی رات کو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔۔اب اس سے نظریں اٹھانا محال تھا۔۔اس کے حصار میں اس کا نازک بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔وہ اس کے مضبوط چٹانی سینے کا حصہ بنی ہلکا ہلکا لرز رہی تھی۔اس کے دل کی دھڑکنیں تک اسفندیار خان کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں۔

اس کی سنہری رنگت میں گلابی پن کے ساتھ زردیاں بھی تھیں۔۔رات کو اس نے اس پر بنا ترس کھائے اپنا حق پوری شدت سے اور ضرورت سے

زیادہ ہی لیا تھا۔۔اس کے نازک پن کا احساس اسے رات کو اچھی طرح ہو گیا تھا۔۔وہ بظاہر جتنی مضبوط تھی اتنی ہی نازک بھی تھی۔۔

کیا ہوا بیوی؟؟رات بڑی زبان چل رہی تھی۔۔۔اب نظریں کیوں نہیں اٹھا رہی۔۔اور یہ چہرے پر زردیاں کیوں گھلی ہیں۔۔میں نے تو رات اپنے حقوق سے تجاوز نہیں کیا۔۔ تمھارا تو ایک رات میں ہی یہ حال ہو گیا۔۔ آگے کیا کرو گی؟؟۔۔اسفندیار خان استہزائیہ لہجے میں بولا۔۔

عابیر اسفندیار خان کی بات پر وہ مزید سرخ پڑی تھی۔اس کی بات کا بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔۔

اسفندیار خان غصے سے اس کی کلائی کھینچتے اسے دوبارہ سے اپنے چٹانی سینے پر گرا چکا تھا۔

بڑے حقوق کی بات کی جارہی تھی رات کو۔۔۔ مگر اب لگتا ہے تم میں دم خم اتنا ہی تھا کہ صرف مجھے ایک ہی رات برداشت کر سکو۔۔ وہ اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچتے غرایا۔۔

میرے خیال سے ایک رات کی دلہن کو اتنا تو شرمانے کا حق ہوتا ہی ہے۔۔ عابیر نے ایک نظر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔ دوسرے ہی پل اپنی نظریں پھر سے جھکا گئی تھی۔۔۔ عابیر کی بات پر اسفندیار خان کا قہقہ گونجا تھا۔۔

اچھا تو تم شرما رہی ہو۔۔ مجھے لگا تھا رات جیسے دبنگ طریقے سے مجھے چاقو مارا تھا۔۔ اسی طرح تم میری شدتوں میں پوری طرح میرا ساتھ دو گی۔۔ وہ اس کا چہرہ ٹھوڑی سے اپنی انگشت شہادت کی انگلی سے اوپر کرتے آنکھ مارتا بے باکی سے بولا۔۔

عابیر اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے مزید گلابی ہوئی۔۔

مگر رات تمھیں آنسو بہاتے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔۔ اسفندیار خان اسے بیڈ پر لٹاتا اس پر جھکا تھا۔۔

اسفندیار خان کو خود پر جھکا دیکھ کر عابیر اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

جس طرح اس نے اسے رات کو سونپا تھا۔ اب وہ پھر سے اپنی آنکھیں میچتے اسے سونپ چکی تھی۔۔

اس کی بند آنکھوں پر لرزتی پلکیں اور لرزتا بدن اس بات کا گواہ تھا وہ اسے مزید برداشت نہیں کر سکتی۔۔

مگر وہ بنا کسی مزاحمت کے خود کو اس کے حوالے کر چکی تھی۔۔ اسفندیار خان نے بہت حیرانگی سے اس سنہری رنگت والی بے پناہ خوبصورت لڑکی کو دیکھا تھا۔ جو رات سے ہی اسے حیران کر رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔۔

اسفندیار خان پورے حق سے اس کے گلابی لبوں پر جھکا۔۔

اس کے نچلے لب کو اپنی گرفت میں لیتے وہ اس کی خوشبودار سانسوں کو اپنی سانسوں میں سمائے اس کے لبوم کی نرماہٹیں محسوس کرنے لگا۔۔

اس کے لبوں کو اپنی قید میں لیے وہ آہستہ آہستہ اس کی سانسیں چرا رہا تھا۔ سانسیں چرانے کا یہ عمل آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔۔ جس میں بے رحمی کا عنصر بڑھتا جا رہا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک اس کے لبوں کو اپنی سخت گرفت میں لیے اس کی سانسوں میں اپنی سانسیں اور اپنی

سانسوں میں اس کی سانسیں انڈیلتے اس کی اور اپنی سانسیں بے ترتیب کر رہا تھا۔۔

اسفندیار خان یکدم اس کے نچلے لب پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔۔عابیر کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔۔

اسفندیار خان اس کے نچلے لب پر ہلکا سا زخم دیتا پیچھے ہوا۔۔

عابیر نے نم آنکھوں سے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھا۔۔

سوری بیوی۔۔۔۔یہ میرا آخری لمس تھا۔۔سوچا کچھ تو نشانی چھوڑ جاؤں۔۔اسفندیار خان اس کی آنکھوں کی نمی اپنی انگلی پر نرمی سے چنتا بولا۔۔

عابیر اس کی بات پر نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اب تم سوچ رہی ہو گی آخری لمس۔۔۔۔۔۔کیا میں تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں؟؟؟۔ ہمممم۔۔۔۔۔اسفندیار نے ابرو اچکائے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکتے بہت نرمی سے اس کی ٹھوڑی کو اپنی دو انگلیوں سے چھوا۔۔

مگر ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔ تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔۔میں تمھارے پاس رہ کر ہی تمھاری زندگی جہنم بناؤں گا۔۔میں تو رات تمھاری بڑی بڑی باتوں کو سنتے تم سے اپنا حق لینے پر مجبور ہو گیا۔۔

ورنہ میرا تمھارے قریب آنے کا کوئی آرادہ نہیں تھا۔۔

اسفندیار خان اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکتے ہوے بولا۔ جہاں آنکھوں میں آنسوؤں کی دھندلاہٹ چھائی تھی۔۔ وہ اس کی آنکھوں کی نمی بڑھتا دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔

کیا ہوا بیوی؟؟؟ ان خوبصورت آنکھوں میں نمی ٹھہر سی کیوں گئی ہے۔۔ کہیں ایک ہی رات میں مجھ سے پیار ویار تو نہیں ہو گیا۔ اسفندیار خان نے آنکھ مارتے اس کی آنکھ کے گوشوں سے نمی اپنی انگلی سے چنی۔۔

میرے جذبے اتنے ارزاں نہیں کہ میں ایک سفاک انسان پر لوٹا دوں۔ عابیر اسفندیار خان کو خود سے دور دھکیلتے ہوے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

رات آپ کی قربت میں میں نے آنسو ضرور بہائے تھے۔ مگر ایک بار بھی آپ کو خود سے دور جھٹکا نہیں تھا۔۔ میں نے بیوی ہونے کا اپنا فرض پوری ایمانداری سے نبھایا تھا۔۔

امید کرتی ہوں آپ اپنی بات پر قائم رہ کر اپنے مرد ہونے کا ثبوت دیں گے۔ جس طرح آپ اپنے بدلے کے لیے اپنی ہی بیوی کو استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ اسفندیار خان کے نزدیک اس کی کسی بھی بات کا کوئی بھی پاس ہو گا۔ عابیر اپنے لفظوں سے اسفندیار خان کے خون میں آگ بھڑکا چکی تھی۔۔۔۔ اسفند نے بیڈ پر لیٹے قہربار نگاہوں سے اس کی پشت کو گھور کر دیکھا تھا۔۔۔

اس سے پہلے عابیر بیڈ سے اترتی وہ اسے اسے کلائی سے پکڑ کر دوبارہ بیڈ پر پٹخ چکا تھا۔

تمھیں اب میں کبھی نہیں چھوؤں گا۔۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے۔۔ مگر اسفندیار خان کو تمھاری اب کبھی طلب ہو۔۔۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔۔ کیونکہ تم وہ لڑکی ہی نہیں ہو۔۔۔ جس پر اس کا شوہر ایک بار

نگاہ ڈالنے کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ آج کی رات تمھارے ساتھ بتانے کے بعد یہ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے۔۔

You have lost your charm and beauty to me "

"I will never come you" never ever my beautiful women "

(تم اپنی خوبصورتی اور کشش میرے نزدیک کھو چکی ہو۔میں کبھی تمھارے قریب نہیں آؤں گا کبھی بھی نہیں۔۔۔ میری خوبصورت عورت)

اسفندیار اس پر جھکے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے شعلہ بار لہجے میں بولا۔۔

"Hope so you will keep your promise"

(امید کرتی ہوں اپ اپنا وعدہ نبھائیں گے)

عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے مدھم سا مسکرائی۔۔ اسفندیار خان اسے کچھ دیر شرربار نگاہوں سے گھورتا رہا پھر اس کے اوپر سے اٹھتا واش روم میں داخل ہو چکا تھا۔

اس کے دروازہ دھاڑ سے بند کرنے پر عابیر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔۔ اپنے نم عارض اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتے وہ بیڈ سے اٹھتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔۔

زاران خانزادہ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ڈائینگ روم میں داخل ہوا تھا۔

عابیر میرون فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر میرون دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا ہوا تھا۔ میرون پشمینہ شال ایک کندھے پر ڈال رکھی تھی۔۔ میرون لپسٹک لگائے ہوے تھی۔۔ جو اس نے ہونٹ کے زخم کو چھپانے کے لیے لگائی ہوئی تھی۔۔ اس وقت ڈائینگ روم میں وہ اسفندیار خان کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی تھی۔ ڈائینگ روم میں امینہ خانم، روزینہ خانم،، شہرام اور بہارے بھی موجود تھے۔۔ جو عابیر اور اسفندیار خاں کے سامنے ہی بیٹھے تھے۔

اسلام و علیکم لالا۔۔۔عابیر زاران خانزادہ کو دیکھتے چیئر سے اٹھتی اس کی طرف بڑھی۔

کیسا ہے میرا بچہ۔۔۔زاران نے عابیر کو اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

ٹھیک ہوں لالا۔۔عابیر مسکرائی تھی۔۔

زاران نے مسکراتے ہوے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے تو عابیر زاران کے لمس پر مدھم سا مسکرائی۔۔وہ اسے لے کر بہت حساس ہو رہا تھا وہ سمجھتی تھی۔۔

اسفندیار خان جوس کا گلاس لبوں سے لگائے زاران خانزادہ اور عابیر پر ہی نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

وہ جانتا تھا زاران عابیر سے بہت محبت کرتا ہے۔۔ مگر اتنی محبت کرتا ہے یہ پہلی بار اندازہ ہوا تھا۔ زاران بار بار بے چینی سے عابیر کے چہرے کو دیکھتے گزری رات کے رنگ ڈھونڈ رہا تھا۔

اسفندیار خان زاران کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے چیئر گھسیٹتے ہوئے اٹھا تھا۔۔

عابیر میرا ناشتہ کمرے میں لے آکر آؤ۔۔ دو منٹ ہیں تمھارے پاس۔۔ اسفندیار خان سرد انداز میں کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

روزینہ خانم اسفند کے انداز پر مبہم سا مسکراتے اپنا ناشتہ کرنے لگی تھیں۔

اسفند کے انداز پر امینہ خانم کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔

زاران اور شہرام لب بھینچ کر رہ گئے تھے۔

عابیر زاران کو دیکھتے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسفند کا ناشتہ ٹرے میں سجانے لگی۔

عابیر تم ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔۔ اسفند کا ناشتہ درخشاں دے آئے گی اس کے کمرے میں۔۔ زاران اسے بازو کے حلقے میں لیے چیئر کی طرف بڑھا اور اسے اپنے ساتھ والی چیئر پر بٹھایا۔

مورے۔۔۔ آج میری عابیر کی پسند کا ناشتہ بنوانا تھا آپ

نے۔۔۔۔ زاران عابیر کو ایک نظر دیکھتے امینہ خانم سے مخاطب ہوا۔۔

آج سب کی پسند کا ناشتہ بنا ہے۔۔ عابیر کی پسند کا ناشتہ بھی ہے۔۔ لیکن عابیر پہلے تم اسفند کا ناشتہ لے جاؤ۔۔ وہ کمرے میں انتظار کر رہا ہو گا۔ امینہ خانم نے عابیر سے سنجیدگی سے کہا۔

مورے۔۔۔ کچھ فرق نہیں پڑتا اگر وہ تھوڑی دیر انتظار کر لے گا۔ زاران نے بھی جواباً سنجیدگی سے کہا۔

زاران اب یہ صرف تمھارا بہن ہی نہیں۔۔ بلکہ اسفند کا بیوی بھی ہے ۔ اسفند کا حق اس پر سب سے زیادہ ہے۔۔ امینہ خانم کو زاران کا عابیر کو یہاں روکنا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

جانتا ہوں عابیر اس کی بیوی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب عابیر پر کسی کا حق نہیں رہا۔ عابیر سب سے پہلے میری بہن میرا بچہ ہے۔۔۔ پھر وہ

اسفند کی بیوی ہے۔زاران نے لب بھینچتے کہا تھا اور عابیر کو یونہی بیٹھا دیکھ کر ناشتہ کرنے کا اشارہ کیا۔۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں لالا۔۔۔عابیر ہماری بہن پہلے ہے۔۔ویسے بھی جب بہارے پر میں نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی۔مجھے لگتا ہے اسفند لالا بھی عابیر پر کوئی پابندی نہیں لگائیں گے۔۔کیوں کاکی؟؟۔۔۔شہرام نے سنجیدگی سے کہتے روزینہ خانم کو پکارا تھا۔۔

روزینہ خانم نے شہرام کی بات پر زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے اثبات میں سر ہلایا۔۔

تم مجھ پر پابندی لگا بھی نہیں سکتے شہرام۔۔۔ بہارے نے اسے دیکھتے آہستگی سے دانت پیستے تھے۔۔

میں تم پر پابندی لگانا بھی نہیں چاہتا میری جان۔۔۔ شہرام نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سی سرگوشی کی۔

بہارے اسے خفگی سے گھور کر رہ گئی تھی۔۔

شہرام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔۔۔ بہارے کی خفگی رات کے بعد اور بڑھ گئی تھی۔۔ جس میں تھوڑی دیر پہلے شہرام کی شدتوں کا ہاتھ تھا۔۔

باقی سب کہاں ہیں؟؟۔ زاران نے کیٹل سے اپنے کپ میں چائے ڈالتے ہوے پوچھا۔۔ تمھارا بابا لوگ نے داجی کے ساتھ مردانہ خانہ میں ناشتہ کر لیا ہے۔۔ ارحام تو رات ہی اسلام آباد کے لیے نکل گیا تھا۔۔

لالارات ہی چلے گئے تھے۔۔زاران چونکا تھا..

اس کو ابھی ہم نے فون کیا تو اس نے بتایا اس کا جانا ضروری تھا۔۔ آج اس کا کوئی ضروری میٹنگ ہے۔۔ امینہ خانم کی بات پر زاران نے تشویش زدہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔

عابیر کا نیٹ کا دوپٹہ بے دھیانی سے سر سے پھسلتا کندھوں پر آیا تھا۔ جسے وہ سر پر جمانے لگی تو زاران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تھا۔۔

عابیر نے چیرانگی سے زاران کو دیکھا جو سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا لالا؟؟ عابیر زاران کی آنکھوں میں یکدم سرخی چھاتی دیکھ کر پریشان ہوئی۔

زاران اپنی چیئر گسھیٹا ہوا اٹھا تھا۔۔اور کرسی کو پاؤں کی ٹھوکر مارتے اسے دور دھکیلا۔۔

زاران کے تاثرات دیکھتے سب ہڑبڑاتے ہوے اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھے۔

کیا ہوا ہے تمھارے گال کو؟؟ تمھیں تھپڑ کس نے مارا ہے؟؟۔۔زاران غصے سے چیخا تھا۔سب کی نظریں عابیر کے گال پر تھیں۔جہاں سوجن اور نیلاہٹ واضح تھی۔عابیر نے سب کی نظریں خود پر محسوس کرتے گہرے سانس بھرتے خود کو کمپوز کیا۔۔

لالا ایسا کچھ نہیں ہے۔جو آپ سمجھ رہے ہیں۔یہ کل میک اپ کیا تھا۔۔مجھے الرجی ہو گئی ہے۔۔عابیر نے جلدی سے بتایا۔۔

مجھے بیوقوف مت بناؤ۔۔میں تھپڑ کے نشان اور الرجی میں فرق جانتا ہوں۔۔زاران نے اب کی بار گلاس اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔زاران کے غصے سے سب ہی واقف تھے۔۔عابیر بھی اسے غصے میں دیکھتے پریشان ہوئی تھی۔

تم پر اسفند نے ہاتھ اٹھایا ہے۔۔زاران نے عابیر کے قریب ہوتے اس کے گال پر اپنا ہاتھ جمایا۔

لالا مجھ پر ہاتھ اسفند نے نہیں۔۔۔ بہارے نے ہاتھ اٹھایا تھا۔ عابیر نے شہرام کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ایک ہی سانس میں کہا۔

کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ زاران نے اب کی بار شہرام پر اپنی غصیلی نظریں گاڑھیں۔

مم میں سچ کہہ رہی ہوں لالا۔۔ کل میرا اس سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ ۔اس نے غصے سے مجھے تھپڑ لگا دیا تھا۔۔ آپ شہرام لالا سے پوچھ لیں ۔۔عابیر نے اب کی بار بھی شہرام کو دیکھتے ہوے آنکھوں سے التجا کی تھی۔۔۔

لیکن میں نے کب عابیر تم پر ہاتھ اٹھایا؟؟ بہارے، شہرام کو دیکھتے الجھن بھرے انداز میں آگے بڑھی ہی تھی۔۔ شہرام اس کا ہاتھ پکڑے روک چکا تھا۔ بہارے تم خاموش رہو گی۔ کسی بھی بات میں نہیں بولو گی۔۔ شہرام نے اس کی طرف جھکتے مدھم سی سرد آنداز میں سرگوشی کی تھی۔۔

لیکن شہرام۔۔۔۔ بہارے نے اپنے لب کھولے ہی تھے۔۔ شہرام نے اسے گھورتے ہوے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

جی لالا۔۔۔۔ کل میرے سامنے ہی عابیر اور بہارے کی لڑائی ہوئی تھی۔۔ ہبہارے کا ہاتھ اٹھ گیا تھا عابیر پر۔۔ شہرام نے عابیر کو گھورتے دانت پیستے کہا تھا۔۔

عابیر نے شہرام کی بات پر اپنی رکی ہوئیں سانسیں بحال کیں۔۔

یہ کونسا جاہلانہ طریقہ ہے بہارے؟؟ تم نے عابیر پر کیسے ہاتھ اٹھایا۔۔ زاران نے بہارے کو گھورتے ہوے سرد لہجے میں اسے ڈپٹتے ہوے پوچھا۔

روزینہ خانم اور امینہ خانم حیرانگی سے سارا ماجرہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

زاران کی ڈانٹ پر بہارے گل شہرام کو نم آنکھوں سے دیکھتے وہاں سے پیر پٹختی چلی گئی تھی۔۔۔

اپنی بیوی کو قابو میں رکھو۔۔ آج تو اس نے عابیر پر ہاتھ اٹھا دیا ہے آئیندہ ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔ زاران نے شہرام کو تنبیہ کی تھی۔

جی لالا۔۔۔ شہرام کی سرد سرخ نظریں ابھی تک عابیر پر تھیں۔۔ اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا اس پر ہاتھ اسفندیار نے اٹھایا ہے۔ مگر عابیر کا چھپانا اسے اشتعال میں مبتلا کر چکا تھا۔

شہرام نے ضبط کے مارے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

زاران کچھ پل عابیر کے سوجے ہوے گال کو دیکھتا رہا

پھر عابیر کے قریب ہوا تھا۔۔۔

ایک بات یاد رکھنا عابیر۔۔۔۔۔ یہ تھپڑ اگر تمھیں اسفندیار نے مارا ہوا اس کی جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔۔ زاران

اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ بلیک گرے کمبینیشن کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس احمد صاحب کے بہت بڑے اور شاندار آفس میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ آفس بہت شاندار اور بہت بڑا تھا۔۔ آفس کی تمام والز گلاس پر مشتمل تھیں۔ یہاں کا پورا ایمپئیر ہی احمد صاحب کا تھا۔۔ جو کہ بہت بڑا تھا۔۔ کتنے ہی مارلے پر یہ شاندار آفس مشتمل تھا ارحام نے یہاں اسلام آباد میں اتنا شاندار اور بڑا آفس نہیں دیکھا تھا۔ ہر چیز سے احمد صاحب کی آمارات اور شان و شوکت جھلکتی تھی۔

آج اس کی احمد صاحب کے ساتھ میٹنگ تھی۔۔ مگر وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ان کا ویٹ کر رہا تھا۔۔ مگر وہ نہیں آئے تھے۔ ارحام حیران ہوا

تھا۔۔اس نے تو سنا تھا احمدی صاحب بہت پروفیشنل اور پنکچوئل ہیں۔۔ مگر وہ آج کی میٹنگ میں وہ لیٹ تھے۔۔

ارحام خانزادہ کی احمدی صاحب کے ساتھ پرسنلی طور پر یہ پہلی ملاقات تھی۔وہ پارٹی میں بھی نہیں آسکے تھے۔۔

ارحام نے اب جھنجھلاتے ہوے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔۔۔پونا گھنٹہ ہو گیا تھا مگر احمدی صاحب کا کچھ نہیں پتہ تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر ارحام اپنی کرسی سے کھڑا ہوا تھا۔۔احمدی صاحب بلیک ٹو پیس میں ملبوس اپنی شاندار پرسنیلٹی کے ساتھ اندر داخل ہوے تھے۔۔

سوری جنٹلمین۔۔۔ تمھیں انتظار کرنا پڑا۔۔ آج بہت امپورٹنٹ کام تھا ورنہ میں تمھیں کبھی انتظار نہ کرواتا۔۔ احمد صاحب نے ارحام خانزادہ سے ہاتھ ملایا۔۔

Its ok

"Its honor to meet you"Its a great pleasure"

ارحام خوشگواری سے مسکرایا تھا۔

مجھے بھی خوشی ہوئی تم سے مل کر مسٹر۔۔۔۔ احمد صاحب بات کرتے رکے تھے۔

ارحام خانزادہ۔۔۔۔ ارحام نے اپنا تعارف کروایا۔۔

"Yes I forget that"

عمر کے جس حصے میں ہوں بھول جاتا ہوں۔۔ احمد صاحب مسکراتے ہوے

اپنی چیئر پر بیٹھے تھے

ارحام خانزادہ بھی مبہم سا مسکراتا ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

میں جانتا ہوں تمھیں بہت انتظار کرنا پڑا۔۔ مگر آج مجھے ایک ہاسپٹل کی

اوپننگ سرمنی پر جانا تھا۔

احمدی صاحب نے لیپ ٹاپ کھولتے کہا۔۔

کہیں یہ وہی ہاسپٹل تو نہیں جو پاکستان کا سب سے بڑا ویلفیر ہاسپٹل ہے۔۔ جو

آپ نے تیار کروایا ہے۔۔ ارحام نے اپنی بات کہتے پذیرائی نظروں سے

احمد صاحب کو دیکھا۔ یہ بہت بڑا ویلفیئر ہاسپٹل بننے جا رہا تھا۔۔ جس میں تمبم سہولیات ایک پرائیویٹ ہاسپٹل کی طرح مہیا کی جانی تھیں۔

اس نے پارٹی میں ہی اس ہاسپٹل کے بارے میں سنا تھا جو اپنی بیٹی کے نام پر بنوا رہے تھے۔۔

ہاں وہی ہاسپٹل ہے۔۔ میری بیٹی کی دو ماہ پہلے سالگرہ تھی۔۔ وہ دو ماہ پہلے ہی پورے اٹھارہ سال کی ہوئی ہے۔۔ میں اسے اس کی برتھڈے پر سرپرائز کرنا چاہتا تھا۔۔ مگر ہاسپٹل کی اوپننگ میں دیر ہو گئی۔۔ احمد صاحب کی بات کرتے آنکھوں میں نمی کے ساتھ درد و کرب کی پرچھائی لہرائی۔۔ جسے ارحام خانزادہ کی زیرک نگاہوں نے پل میں دیکھ لی تھی۔ وہ بظاہر تو مسکرا رہے تھے۔۔۔ مگر ان کی آنکھوں میں ایک کرب تھا۔ آپ کی بیٹی بہت لکی

ہے جو آپ اس سے اتنا پیار کرتے ہیں۔ ارحام خانزادہ نے مسکراتے ہوے کہا۔

پتہ نہیں وہ خوش قسمت ہے یا میں بد قسمت ہوں۔۔

احمد صاحب زیر لب دھیمے لہجے میں بولتے ارحام خانزادہ کو چونکا گئے۔۔ وہ ان کے دھیمے لہجے میں بولے گئے لفظوں کو سنتے شش و پنج میں پڑا۔۔

جی۔۔۔۔۔۔ ارحام کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔۔

کچھ نہیں۔۔۔ احمدی صاحب نے چونکتے ہوے کرسی پر پہلو بدلا۔۔ کچھ فائلز ارحام خانزادہ کی طرف بڑھاتے میٹنگ سٹارٹ کی۔۔

ابھی انھیں میٹنگ شروع کیے ادھا گھنٹہ ہی ہوا تھا۔ احمد صاحب ایک امپورٹنٹ پرسنل کال پر میٹنگ ملتوی کرتے چلے گیے۔۔

ارحام خانزادہ کی نظر ٹیبل پر رکھی ایک بکلیٹ پر پڑی۔۔ جس پر "حور ویلفئر ہاسپٹل" لکھا تھا۔ ارحام کے ہاتھ بے اختیاری میں اس بک لیٹ کی طرف بڑھے۔۔

جس میں اس ویلفئیر ہاسپٹل کی تمام ڈٹیلز لکھی تھیں۔۔ یہ وہی ہاسپٹل تھا جو احمد صاحب نے تعمیر کروایا تھا۔۔

تھیں۔ وہ نام دیکھ کر چونکا تھا.

احمد صاحب کی بیٹی کا نام تو نشا تھا۔۔ یہاں حور لکھا ہوا تھا۔۔ یہ اتنے بڑے ایمپائر کا نام بھی حور سٹیٹ آف بلڈرز تھا۔ احمد صاحب کی پاکستان میں بہت بڑی انڈسٹری تھی۔ جس کا نام بھی حور انڈسٹریلسٹ تھا۔

ہو سکتا ہے احمد صاحب کی ایک اور بیٹی بھی ہو.. اس دن نشا نے اس سے جھوٹ بولا ہو۔۔ ارحام نے اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوے سوچا۔۔ ارحام کو نشا کے ساتھ پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔۔ اس سر پھری لڑکی نے یقیناً اس سے جھوٹ بولا تھا۔ ارحام سر جھٹکتے اپنا موبائل پکڑے آفس سے باہر نکل گیا تھا۔

ابرش اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔۔وہ کل رات کے تماشے کے بعد کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔زاران بھی کل رات کے بعد کمرے میں نہیں آیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آتا تھا۔اس کی بولڈنیس اس کا کانفیڈنس تیز طراری کہاں چلا گئی ہے۔۔اسے ایسا لگتا تھا کہ جیسے زاران نے اس کے پر کاٹ دیے ہوں۔۔اسے اب اس لڑائی جھگڑے سب سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔۔اپنے باپ پاشا کو اس نے چیختے چلاتے اکثر دیکھا تھا۔۔مگر زاران خانزادہ جتنے غصے کے تیز نہیں تھے۔۔۔جتنا خوف زاران سے محسوس ہوتا تھا کبھی اپنے باپ سے نہیں ہوا تھا۔

وہ پہلی ملاقات میں ہی اس پر اپنا آپ ظاہر کر چکا تھا۔۔اس نے اپنی زندگی میں اتنا غصیلا مرد نہیں دیکھا تھا۔ابرش کی آنکھوں کے آگے کل رات کا منظر لہرایا۔جب اس نے اپنا ہاتھ شیشے کی ٹیبل پر دے مارا تھا۔۔کانچ کی

کرچیاں کس طرح اس کے ہاتھ میں پیوست ہوئی تھیں۔ مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔۔اس کے ہاتھ میں چبھی کرچیوں نے اسے بھی بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ابرش نے اپنی ناہموار سانسوں کو ہموار کرتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچی تھیں۔

اسے ابھی تک نہیں پتہ چلا تھا کہ آہل کہاں ہے۔۔وہ امیریکہ میں ہے یا پھر زاران خانزادہ کے پاس ہے۔اگر زاران کے پاس ہے تو اس نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا ہے؟؟اس کے پاس موبائل بھی نہیں تھا وہ زحلے اور عنائیہ کا پتہ کرتی۔۔کچھ دن پہلے اس نے کچن کی ایک ملازمہ سے مدد مانگتے ہوے اس سے موبائل لیا تھا۔۔زحلے کا موبائل نمبر آف تھا۔۔لینڈ لائن نمبر تک آف تھا۔۔آہل کا نمبر بھی آف تھا۔۔زاران کے خوف کی وجہ سے اس نے زعیم کو کال نہیں کی تھی۔۔ورنہ وہ اس سے زحلے اور عنائیہ کا پوچھ

لیتی۔۔اگر اسے بھنک بھی پڑ جاتی کہ اس نے زعیم کو کال کی ہے تو یقیناً اب کی بار وہ اسے زندہ نہیں چھوڑتا۔

وہ اپنے خیالوں میں گم تھی کہ امینہ خانم درخشاں کے ہمراہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

ابرش انھیں دیکھتے بیڈ سے اٹھی تھی۔

درخشاں کے ہاتھ میں کچھ پیکٹس تھے۔وہ یہ پیکٹس بیڈ پر رکھتے کمرے سے نکل گئی۔۔

یہ تمھارا ولیمہ کا سوٹ ہے۔اس میں تمھارا زیور سب کچھ ہے۔۔آج تمھیں بھی دلہن بننا ہے۔۔امینہ خانم نے ابرش کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میرا ولیمہ۔۔۔۔ابرش نے حیرانگی سے بیڈ پر پڑے سازوسامان کو دیکھتے پوچھا۔

ہاں تمھارا ولیمہ۔۔۔۔۔یہ سب کچھ تمھارا لیے زاران نے بجھوایا ہے۔۔اس نے ہی کہا ہے کہ آج تم بھی عابیر اور بہارے کے ساتھ دلہن بنو گی۔۔

ہم کو سمجھ نہیں آتا اس کو کیا ہو گیا ہے۔جو تمھارا لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔۔ہم جانتا ہے وہ تم کو دلہن بنوا کر سب کو بتانا چاہتا ہے۔۔تم بھی عابیر اور بہارے کی طرح اس گھر کا بہو ہے۔۔اس حویلی کا عزت ہے۔لیکن تم ہمارا بیٹے کے قابل نہیں ہے۔امینہ خانم تنفر بھری نظر ابرش پر ڈالتے ہوے بولیں۔

آپ صرف مجھے قصوروار کیوں ٹھہرا رہی ہیں؟؟۔آپ کے بیٹے نے میرے ساتھ جو کیا۔۔

کیا کیا ہے اس نے تمھارا ساتھ؟ امینہ خانم نے ابرش کی بات کاٹتے تند و تیز لہجے میں پوچھا۔

میری بہن اور میرے گھر والوں کو یرغمال بنا کر مجھے اغوا کیا۔۔ مجھے ونی کے نام پر اپنے نکاح میں لیا۔ مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ تب اس کو یاد نہیں تھا میری ایک عورت ہونے کے ناطے بھی عزت ہے۔ مجھے حق تھا میں اپنی مرضی سے شادی کرتی۔

آپ کے نزدیک یہ باتیں کچھ معنی نہیں رکھتی۔۔ ابرش نے امینہ خانم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیے۔۔

کس سے کرنا چاہتی تھی تم شادی۔۔ زعیم سے یا پھر اسفند سے۔۔۔۔ امینہ خانم کے لہجے میں کاٹ دار طنز تھا۔

امینہ خانم کی بات پر ابرش کا رنگ لمحوں میں خطرناک حد تک سرخ پڑا۔۔

ابرش تم بڑا عزت عزت کی بات کرتا ہے۔۔ تم نے ایک بار بھی سوچا اس حویلی سے بھاگنے سے پہلے کہ تمھارا ایسا بھاگنے سے زاران کا کیا عزت رہ جائے گا۔۔ تم عین نکاح کے وقت بھاگا تھا۔۔

اس دن زاران نے تم سے جو بھی کہا وہ بند کمرے میں کہا مگر تم نے پورا گاؤں کے سامنے اس کی عزت کا تماشہ بنا دیا۔۔ اگر ہمارا زاران اس گاؤں کے مردوں کی طرح ہوتا تمھیں اور زعیم کو بند کمرے میں دیکھ کر سب سے پہلے گولی تمھارا سینے پر مارتا۔۔ کوئی بھی مرد اپنا ہونے والا دلہن کو کسی بھی غیر مرد کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔

آپ ایک عورت ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ان بلیو ایبل۔۔ابرش نے تاسف بھری نظروں سے امینہ خانم کو دیکھا۔

ہاں ہم عورت ہے۔۔اس لیے یہ سب باتیں کر رہا ہے۔۔اگر تم نے زاران کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔۔تم اپنا مگنی والا دن ڈٹ جاتا۔۔تب ہم تمھارا ساتھ دیتا۔۔تم زاران کو اس حد تک لے کر ہی کیوں آیا؟؟جب تم نے یہ تعلق نہیں نبھانا تھا۔۔تم اس کے ساتھ نکاح کرنے کیوں حویلی آیا؟؟۔تب تو اس نے تمھارا سر پر بندوق نہیں رکھا تھا۔۔امینہ خانم نے ابرش کو دیکھتے سوال کیے۔۔

بھرے جرگے میں تم نے اس کے ہی بھائی کے ساتھ نکاح کرنے کو کہہ دیا ۔۔تم کو ایک بار بھی تب اپنے عورت ہونے کا خیال نہیں آیا۔

تم بار بار اپنا ونی ہونے کا بات کرتا ہے۔۔ اگر تم ونی میں ہوتا تو کبھی اس کمرے میں مہارانی کی طرح نہ رہتا۔ ونی میں آئی ہوئی لڑکی کے لیے اس کا شوہر ایسے چیخ چیخ کر آدھی رات کو تھپڑ کا حساب نہیں مانگتا۔

تم جانتا ہے۔ تمھیں دلہن بنانے پر روزینہ خانم نے کتنا واویلہ کیا ہے۔۔ اس سب کا اثر عابیر پر پڑے گا۔۔ مگر زاران اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹا۔۔ وہ اپنا ولیمہ کر کے سب پر تمھاری حیثیت کا تعین کرنا چاہتا ہے۔۔ ابھی بھی تم اپنے ونی ہونے کا ماتم منا رہا ہے۔

اگر تم ونی میں آیا ہوا لڑکی ہوتا۔ ہم سب تو تم سے بعد میں حساب لیتے۔ پہلے میرا بیٹا بستر پر سب سے پہلے تم سے حساب لیتا۔ اس کا دن رات مردان

خانے میں گزارنے سے ثابت ہوتا ہے اس نے تم سے ابھی تک اپنا حق نہیں لیا۔۔

اور وہ تم کو کیسے عزت دے؟؟۔۔ کیا چاہتا ہے تم؟؟ امینہ خانم سوال کرتے ابرش پر اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔ جو زاران خانزادہ کے بے رونق چہرے کو دیکھتے ان کے اندر شدت اختیار کر رہی تھی۔۔۔

آپ سب جھوٹ بولتے ہیں میرا بھائی قاتل نہیں ہے۔ اس لیے کوئی بھی مجھ سے حساب لینے کا حق نہیں رکھتا۔۔ ابرش چیختے ہوے بولی۔۔

قاتل کا جرم عدالت ثابت کرتی ہے۔۔ یا پھر یہاں کا جرگہ۔ تمھارا بھائی کا قتل ثابت ہو چکا ہے۔۔ تمھارا رونا اور چیخنے سے کچھ نہیں ہو گا۔

اب ان سب باتوں کو چھوڑ کر اپنا رشتہ پر توجہ دو۔۔ زاران شوہر ہے تمھارا۔۔ وہ دن رات مران خانے میں یا پھر ڈیرے پر گزارتا ہے۔۔ کبھی سوچا ہے اس میں تمھارا اور اس کا عزت کتنا گھٹ رہا ہے۔۔

آج دلہن کی طرح بن سنور کر زاران کو اس کا حق دو۔۔ تاکہ تمھارا عزت ہمارا نظروں میں بھی بڑھ سکے۔۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتا تو بتا دو ہم اپنا بیٹا کی دوسری شادی کروا لیتا ہے۔۔ امینہ خانم غصے سے بولتے ہوئے چلی گئی تھی۔

عابیر ڈل گولڈن کلر کی میکسی پہنے ہوئے تھی۔۔ جیولری میں گولڈ کا میرون زرقون میں گلوبند اور جھمکے پہن رکھے تھے۔۔ مانگ ٹیکہ لگائے نازک سی

موتیوں والی نتھ پہن رکھی تھی۔۔ آنکھوں پر گولڈن گلٹری میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہیزل گرے آنکھوں میں آج کاجل بھی بہت گہرا لگایا ہوا تھد۔ نیوڈ لپسٹک لگائے وہ آسمان سے اتری اپسر الگ رہی تھی۔۔

اس وقت زنان خانے میں صرف ابرش اور عابیر ہی موجود تھیں۔ مہمان تقریباً سارے ہی چلے گئے تھے۔ بہارے بھی شام کو ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔۔

ابرش اور عابیر ابھی بھی لاونج میں دلہن کے لباس میں موجود تھیں۔

ابرش جو گرے کلر کی میکسی میں ملبوس تھی۔۔ ہیرے کا نازک سا نیکلس جس کے ساتھ ٹاپس پہن رکھے تھے۔۔ نازک سا مانگ ٹیکہ لگایا تھا۔۔ آنکھوں پر سموکی میک اپ کیا ہوا تھا۔۔ وہ نظر لگ جانے تک حسین

لگ رہی تھی۔متناسب سراپے میں سٹائلش اور جدید میکسی میں اس کا سنگ مرمر سا بدن قیامت ڈھا رہا تھا۔

دوپہر سے ہی وہ یہاں بیٹھی تھی۔بیٹھ بیٹھ کر اس کی کمر تختہ ہو چکی تھی۔۔بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔کل دوپہر میں اس نے چند لقمے درخشاں کے کہنے پر زبردستی زہر مار کیے تھے۔اس کے بعد اب تک اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔نہ کسی نے اس سے کھانے کا پوچھا تھا۔عابیر اور بہارے نے اس کے سامنے ہی کھانا کھایا تھا۔۔درخشاں نے اس سے پوچھا تھا۔۔مگر اس نے منع کر دیا تھا۔۔عابیر اور بہارے کو امینہ خانم نے زبردستی کھانا کھلایا تھا۔۔ابرش نے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی بے دردی سے صاف کی۔۔اسے صبح سے زحلے بہت یاد آ رہی تھی۔۔یہاں کسی کو بھی اس

کی پرواہ نہیں تھی۔۔اس ستم گر کو بھی نہیں جو اس سے محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتا تھا۔اس کا ہر دعوا اس کے ہر وعدے کی طرح جھوٹا ثابت ہوا تھا۔۔ابرش کی کانچ سی آنکھیں ایک بار پھر سے شدت گریہ سے گلابی ہوئیں۔

ابرش نے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔۔درخشاں کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ خود سے اٹھ کر یہاں سے جانا اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔۔وہ شائد کچھ دیر اور ادھر بیٹھتی تو اپنے حواس کھو بیٹھتی۔بھوک اور مسلسل ذہنی دباؤ میں رہنے سے اسے اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہو رہے تھے۔۔ابرش گہرا سانس لے کر صوفے سے اٹھی ہی تھی کہ زاران مردان خانے والے حصے سے آتا دکھائی دیا۔۔اس کے بھاری قدموں میں اس کی بارعب شخصیت کی جھلک نمایاں تھی۔

آف وائٹ شلوار قمیض پر آف وائٹ ہی مردانہ شال اوڑھ رکھی تھی۔۔وائٹ شلوار قمیض میں اس کا دراز قد اور سرخ و سفید رنگت نمایاں ہو رہی تھی۔ گھنی بئیرڈ اس کے وجیح چہرے کو اور خوبرو بنا رہی تھی۔۔وہ اپنے مخصوص سٹائل اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے زنان خانے کی طرف آ رہا تھا۔ ابرش کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔بدن میں کپکپاہٹ طاری ہوئی. زاران کی نظر ابرش پر پڑی۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک کر رکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اپنی نظریں پھیرتا اس کے وجود سے مکمل انجان بن چکا تھا۔۔

ابرش اپنی منتشر ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے دوبارہ سے صوفے پر بیٹھی۔ اس کی اب اتنی ہمت نہیں تھی وہ اس کی موجودگی میں اپنے کمرے

میں جاتی۔۔زاران کو دیکھتے ہی عابیر چمکتے چہرے کے ساتھ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔۔۔

اس کی عادت تھی وہ جب زاران کو دیکھتی تھی۔اس سے کھڑے ہو کر ملتی تھی۔۔وہ بھی اسے سب کے سامنے بہت محبت اور مان سے گلے لگاتا تھا۔

کیسا ہے میرا بچہ ؟زاران نے عابیر کو اپنی بانہوں کے حلقے میں لیے ہمیشہ کی طرح اس کے ماتھے پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔۔

ٹھیک ہوں لالا۔۔۔میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔۔صوفے پر بیٹھ بیٹھ کر اب میری کمر بھی دکھ رہی ہے۔۔عابیر نے اس کے سینے کے ساتھ لگے بچوں کی طرح منہ بناتے کہا۔زاران اس کے نخرے اٹھاتا تھا۔۔وہ نخرے اٹھواتی تھی۔

تو تمھیں کس نے کہا تھا تم یہاں بیٹھو۔۔۔ تم اپنے کمرے میں چلی جاتی۔۔ زاران نے اسے بازو کے حلقے میں لیے ہی پیار سے کہا۔۔

آپ نے ہی تو کہا تھا لالا آپ مجھے دلہن بنا دیکھنا چاہتے ہیں۔۔ اسی لیے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ عابیر نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہاں تو میں اپنے بچے کو اس کے کمرے میں آ کر دیکھ لیتا۔

زاران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عابیر زاران کی بات پر گہرا مسکرائی تھی۔۔

میں کیسی لگ رہی ہوں لالا۔؟۔۔ عابیر نے زاران سے دور ہوتے پوچھا تھا۔

بلکل ایک شہزادی کی طرح۔۔۔۔۔۔زاران نے پیار سے کہتے اپنی جیب سے ہزار کی نوٹوں کی گڈی نکال کر عابیر کے سر سے واری۔۔۔۔

زاران کے اتنے پیار پر اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

کیا ہوا ہے عابیر تم رو کیوں رہی ہو؟ زاران بے حد پریشانی سے اس کے گال پر ہاتھ جماتے پوچھا تھا۔۔وہ اسے لے کر پہلے بھی حساس تھا۔ مگر اسفندیار خان سے نکاح کے بعد وہ بہت زیادہ حساس ہو گیا تھا۔۔

وہ اب تک خود کو معاف نہیں کر پاتا تھا کہ جب تک وہ بابرک کے نکاح میں تھی۔وہ اس کی خواہشات کے لیے سٹینڈ نہ لے سکا۔۔جب اس کا میڈیکل کالج میں داخلہ ہونے سے روکا گیا تھا۔وہ اس وقت امیریکہ میں۔ تھا۔ سمیع اللہ درید خان نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔اس کی مرضی کے خلاف جا کر اس کا بی اے میں گرلز کالج میں ایڈمیشن کروادیا تھا۔زحلے کا اپنی مرضی

سے چھپ کے نکاح کرنے کے بعد درید خان "کو ایجوکیشن" کے خلاف تھے۔۔ جس میں بابرک جلتی پر تیل کا کام کرتا تھا۔۔ وہ ڈھٹ گیا تھا کہ وہ کسی صورت عابیر کو "کو ایجوکیشن" میں داخلہ نہیں لینے دے گا۔۔

بابرک کی حرکتوں پر بھی وہ خاموش رہا تھا۔ صرف اسفندیار خان کی وجہ سے۔۔ اب وہ پھر اس کی وجہ سے اسفندیار خان کے نکاح میں چلی گئی تھی۔۔ مگر اب اس پر وہ ایک آنچ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

لالا آپ کے اتنے پیار پر میری آنکھیں بھیگ گئی۔ عابیر نے نم لہجے میں جواب دیا۔۔

زاران نے اسے پھر سے اپنی بانہوں میں بھرا تھا۔۔ اب وہ اس کے سینے پر سر رکھے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھی۔۔۔

ابرش نے اپنی گلابی ہوتی آنکھوں کو ٹشو سے رگڑا۔۔اسے زحلے، عنائیہ، آہل کی یاد شدت سے آئی تھی۔۔زاران کے اگنور کرنے پر بھی اس کا دل بھر آیا تھا۔۔وہ ایسے ری ایکٹ کر رہا تھا جیسے وہ وہاں ہے ہی نہیں۔۔

یہاں کوئی بھی اس کا نہ تھا۔۔ابرش کو اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔جسے وہ ٹشو سے بے رحمی سے رگڑ رہی تھی۔

اسفندیار خان لاونج میں داخل ہوا تو عابیر کو زاران کے سینے کے ساتھ لگے دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔۔

اسفند ایک ہی جست میں آگے بڑھتا اسے زاران خانزادہ کی بانہوں کے حصار سے کھینچ چکا تھا۔۔عابیر اسفندیار خان کے فراخ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔عابیر نے اسفند کے سینے پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو زاران کو سرد نظروں سے گھور رہا تھا۔

یہ کیا حرکت ہے؟؟۔۔زاران نے لب بھینچتے ہوے پوچھا۔۔یہ تمھاری اب بہن ہی نہیں۔۔میری بیوی بھی ہے۔۔۔دور رہو اس سے۔۔مجھے تمھارا اس کے قریب آنا بلکل پسند نہیں ہے۔۔اسفندیار خان شرربار نگاہوں سے زاران کو گھورتا ہوا بولا۔۔عابیر کے آگے بڑھنے پر اس نے اس کی کلائی دبوچتے ہوے اسے سرد نظروں سے زاران کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔۔۔عابیر اس کی سرد نظروں میں چھپی سرزنش محسوس کرتے وہیں رک گئی تھی۔

اس کی سخت کھردری انگلیاں عابیر کی چوڑیاں پہنی کلائی میں گڑھی جا رہی تھیں۔ کانچ کی کئی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی میں پیوست ہوئیں۔ مگر اسفندیار اشتعال اور سفاکی سے مسلسل اپنی گرفت بڑھائے جا رہا تھا۔

جس کی تکلیف وہ اپنے لب کاٹتے ہوئے بہت مشکل سے برداشت کر رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ بھی خود کو اسفندیار خان کے حصار سے چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔

زاران خانزادہ کی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی مخفی نہ رہ سکی۔ وہ پلکوں کو جھپکتے اپنے آنسو امڈ آنے سے روک رہی تھی۔ زاران نے عابیر کی کلائی پر اس کی وحشی گرفت دیکھتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

درخشاں۔۔۔۔۔۔زاران غصے سے دھاڑا تھا۔اس کی دھاڑ پر صوفے پر بیٹھی ابرش تک لرز اٹھی تھی۔۔

درخشاں زاران کی دھاڑ پر بھاگتی ہوئی آئی تھی۔۔

جی لالا۔۔۔۔۔۔۔درخشاں نے پاس آتے کہا۔

ابرش کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔۔زاران کی سرد نظریں اسفندیار خان پر جمی تھی۔۔وہ ابرش کے صوفے کے آگے کھڑا تھا تاکہ ابرش کے سجے سنورے روپ پر اس کی نظر نہ پڑے۔۔اس سے جتنا بھی لاتعلق ہو جائے۔۔اس پر کسی کی بھی نظر پڑے بھلا یہ کہاں برداشت تھا؟؟اور اسفند کی نظر تو کسی طور پر بھی گوارا نہ تھی۔۔

درخشاں نے ابرش کی میکسی سنبھالتے اسے اٹھنے میں مدد کی۔۔ اسے لیے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ بہن ہے میری عابیر۔۔۔ تم کیسے اسے میرے قریب آنے سے روک سکتے ہو؟؟۔۔ زاران نے غصے سے کہتے اسفند کی گرفت عابیر کی کلائی سے آزاد کروائی۔۔ اس سے پہلے وہ اسے اپنی طرف کھینچتا۔۔ اسفند اسے بازو سے پکڑے اپنی پشت کے پیچھے کر چکا تھا۔

بہن تھی۔۔۔ اب میری بیوی ہے۔۔ میں جسے چاہوں گا۔۔ یہ ملے گی۔۔ جسے چاہوں گا یہ نہیں ملے گی۔۔ اسفند نے قہربار نگاہوں سے زاران کو گھورتے اسے اپنا فیصلہ سنایا۔۔۔

تم مجھے میری ہی بہن سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔۔ زاران نے اسفند کو غصے سے پرے دھکیلا تھا۔۔ اسفند پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔

اسفند نے زور ادر مکہ اس کے جبڑے پر جڑ دیا تھا۔۔ زاران کے ہونٹوں سے خون تیزی سے بہنے لگا

لالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عابیر تڑپ کر آگے بڑھی۔۔

اسفند یار خان اسے اب بازو سے جکڑ چکا تھا۔۔

اسفند۔۔۔۔۔ لالا۔۔۔۔۔ عابیر نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔۔

عابیر کمرے میں جاؤ۔۔۔۔ اسفند نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اسفند لالا کے ہونٹوں سے خون نکل رہا ہے۔۔ عابیر نے تڑپتے ہوے زاران کو دیکھا تھا۔۔

زاران اب خاموشی سے کھڑا اپنے ہونٹوں سے نکلتے خون کو اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے اسفندیار خان کو دیکھ رہا تھا۔ عابیر جس طرح اسے دیکھتے رو رہی تھی۔۔ وہ خود پر قابو پائے خاموش ہو گیا تھا۔

عابیر کمرے میں جاؤ۔۔ اب کی بار اسفند دھاڑا تھا۔۔

عابیر نے لب کاٹتے بے بسی سے زاران کو دیکھا۔۔ جس نے اسے آنکھوں سے اشارہ کرتے کمرے میں جانے کو کہا۔

عابیر اپنے آنسو صاف کرتے خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔۔

عابیر کے جانے کے بعد زارن نے پوری قوت سے مکہ اسفندیار خان کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

تمھیں کیا لگتا ہے تم مجھے اپنی بہن سے ملنے سے روکو گے۔ اور میں رک جاؤں گا۔۔ دیکھتا ہوں تم مجھے کیسے روکتے ہو۔۔ زاران غصے سے چیخا تھا۔۔

اسفندیار خان نے جوابی کاروائی کرتے ہوے زاران کے منہ پر اکٹھے دو تین مکے جڑ دیے تھے۔۔

میں روکوں گا۔۔ میں اسے ہر چیز سے روکوں گا۔ جو اسے خوشی دے۔۔ تم سے وہ بہت محبت کرتی ہے۔۔ میں اسے تم سے دور رکھوں گا۔ جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسفند نے غصے سے گرجتے ہوے کہا۔۔

پتہ ہے میں تمھارے اتنے وار کیسے سہہ گیا ہوں۔۔ تم میری عابیر کے شوہر ہو۔۔۔ چاہتا تو تمھارا چہرہ بگاڑ سکتا تھا۔۔ مگر میں نہیں چاہتا تمھیں تکلیف پہنچا کر اسے تکلیف پہنچاؤں۔۔ کیونکہ اس کی آنکھوں میں میں نے تمھارے لیے محبت دیکھی ہے۔۔ حتی کہ تم جیسا انسان اس کی محبت کے لائق نہیں ہے۔۔ زاران پھولتی رگوں کے ساتھ بولا۔۔

محبت تو وہ تم سے بھی بہت کرتی ہے۔۔ لائق تو تم بھی اس کی محبت کے نہیں ہو۔۔ اسفند طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

دیکھو اسفند عابیر بے قصور ہے۔۔ اسے غلطی سے بھی کوئی تکلیف نہ پہچانا ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم اس کے شوہر ہو۔۔۔ زاران نے اسفند کے قریب ہوتے اس کا گریبان جھکڑا۔۔

یہ کیا ہو رہا ہے ؟؟ درید خان زنان خانے کے لاونج میں داخل ہوتے گرجتے ہوے بولے۔

تم لوگوں کو کچھ شرم لحاظ کرنا چاہیے۔۔ ابھی مردان خانہ میں کتنے ہی مہمان بیٹھے ہیں۔ تم لوگوں کی آواز ادھر تک آرہی ہے۔۔ کیا سوچ رہیں ہوں گے سب۔ بڑوں کا لحاظ تم دونوں بھول چکے ہو۔ اپنے بیچ رشتے کا ہی لحاظ کر لو۔۔ درید خان نے قریب آتے ان دونوں کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوے لتاڑا۔

اور زاران تم اس علاقے کے سردار ہو۔ مگر تمھاری حرکتیں دیکھ کر لگتا نہیں تم سردار ہو۔۔ درید خان نے اب کی بار زاران کو سرد نگاہوں سے گھورا تھا۔۔

زاران اسفند پر قہر بار نظر ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے زنان خانے کا داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔

درید خان کی سخت نظروں کا رخ اب اسفند یار کی طرف تھا۔ اسفند یار بھی خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اسفند یار خان غصے سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ وہ کمرے میں کہیں بھی نہیں تھی۔۔ وہ شدید طیش و اشتعال سے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔

عابیر اپنی میکسی کی زپ کھولتے اسے اتارنے ہی لگی تھی کہ اسفندیار کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر سرخ پڑتے اس نے رخ پلٹے اپنی برہنہ پشت چھپائی تھی۔۔

اسفندیار خان کی نگاہ اس کی دودھیا برہنہ شفاف پشت پر پڑ چکی تھی۔۔ سامنے لگے مرر میں بھی اس کی پشت کا عکس نمایاں تھا۔

اسفند نے اس کی پشت سے نگاہیں ہٹاتے غصے سے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی وہ کچھ لمحوں کے لیے اپنی نگاہیں ہٹانا بھول چکا تھا۔۔ عابیر کے سلکی سنہری بال کھلے تھے۔۔ وہ جیولری پہنے نفاست سے کیے ہوے میک اپ میں غضب ڈھا رہی تھی۔۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔۔ جو اس کے رونے کی وجہ سے تھوڑا پھیل چکا تھا۔ پھیلا ہوا کاجل اور آنکھوں کا گلابی پن اس کی گہری آنکھوں کی خوبصورتی کئی گنا بڑھا چکا

تھا۔۔اس پر متضاد اس کے شولڈرز سے پھسلتی میکسی جسے وہ بمشکل ہی ہاتھوں سے جکڑے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کی گہرائیوں میں اس کی شدتوں کے نشان موجود تھے۔۔جسے دیکھتے اسفندیار خان کی نگاہوں میں کل رات کا ایک ایک پل گھوما تھا۔۔

اسفندیار خان نے بہت مشکل سے اپنی نظریں عابیر کے سراپے اور اس کے معصوم حسن سے ہٹائیں تھیں۔جو اسے پل میں بے چین کر چکا تھا۔

وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے عابیر کے قریب ہوا تھا۔

تم آئندہ زارن کے قریب نہیں جاؤ گی۔جہاں اسے دیکھو گی اسے مکمل اگنور کرو گی۔۔اسفندیار نے عابیر کو سرد نظروں سے گھورتے تنبیہ کی۔

یہ کیسے ممکن ہے۔۔ میں اپنے لالا کو دیکھتے ان کے قریب نہ جاؤں؟؟ اور آپ نے کیوں میرے لالا پر ہاتھ اٹھایا؟؟ وہ آپ سے آرام سے بات کر رہے تھے۔۔ پھر میرے لالا پر کیوں ہاتھ اٹھایا۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کے گریبان کو اپنے ہاتھوں سے جکڑے بھیگی آنکھوں سے پوچھا۔۔ زاران پر وہ ایک آنچ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

عابیر کی میکسی شولڈر سے پھسلتی سینے تک ڈھلکی۔۔ جسے دیکھتے عابیر کی رنگت لمحوں میں سرخ پڑی۔۔ اس نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں پھیلائے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔

ہیزل گرے آنکھوں میں بیک وقت شرم وخفت، نمی سراسیمگی چھائی تھی۔ جسے دیکھتے وہ محظوظ ہوا۔

اسفندیار خان نے سامنے مرر میں اس کی برہنہ کمر کے لشکارے دیکھتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔اسے خود سے الگ کرتے دیوار کے ساتھ لگایا۔

یہ میرے قریب آنے کا کونسا طریقہ ہے؟؟۔۔ تمھیں لگتا ہے یہ سب کر کے تم پھر سے میرے قریب آجاؤ گی تو یہ تمھاری بھول ہے. اسفند اس کے اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے غرایا۔

کل رات بھی آپ میرے قریب آئے تھے۔میں نہیں۔۔۔۔ آپ شائد بھول رہے ہیں۔اس وقت بھی آپ ڈریسنگ روم میں داخل ہوے ہیں۔۔ جبکہ آپ کو پتہ تھا میں یہاں موجود ہوں۔۔عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے جتایا۔

ہاں مجھے پتہ ہے تم یہاں موجود ہو۔۔ مگر ڈریسنگ روم میں ایک عدد دروازہ ہوتا ہے۔۔ جس سے گزر کر میں آیا ہوں۔۔ اسے لاک کر کے کپڑے بدلتی۔۔ جبکہ تمھیں پتہ تھا کہ میں یہاں آسکتا ہوں۔۔ اسفندیار خان نے استھزائیہ لہجے میں جوابی کاروائی کی۔۔

تم اتنی بھی سیدھی نہیں ہو جتنی دکھتی ہو۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا تمھاری یہی سزا ہے۔ تم اب تاعمر صرف ایک رات کی دلہن رہو گی۔۔ جسے اب کبھی اپنے شوہر کی محبت اور قربت نہیں ملے گی۔۔ اسی حویلی میں میری دوسری بیوی بن کر رہو گی۔۔ جس پر میں دوسری نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کروں گا۔

میں تمھارے بھائی اور تمھارے سامنے دوسری شادی کروں گا۔۔اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔۔ تمھاری تڑپ دیکھ کر تمھارا بھائی کیسے بے بسی سے پھڑ پھڑا کر رہ جائے گا۔

اسفندیار خان عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں کہتے گہرا مسکرایا تھا۔

بھولیں مت آپ کی بہن میرے بھائی کی بیوی ہے۔۔جو تکلیف آپ میرے بھائی کو دینا چاہتے ہیں۔ کہیں آپ ہی بے بسی سے پھڑ پھڑا کر نہ رہ جائیں۔۔عابیر بھی دوبدو جواب دیتے ہوے مسکرائی تھی۔

عابیر۔۔۔۔۔اسفندیار خان نے دھاڑتے ہوے عابیر کے اطراف میں زور سے مکہ مارا۔۔وہ اتنی تیزی سے دھاڑا تھا کہ عابیر کی رنگت پل میں زرد ہوئی.. آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہوا۔

آئندہ میری بہن کا نام بھی اپنی زبان سے نہ نکالنا سمجھی تم۔۔۔۔۔ورنہ بہت برا پیش آؤں گا۔۔۔۔ سمجھی تم۔۔ اسفندیار خان نے برفیلے لہجے میں وارن کیا۔۔

عابیر اسے شدید غصے میں دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

عابیر اسفند کو دونوں ہاتھوں سے خود سے پرے دھکیلتے الماری کی جانب بڑھی۔۔ اپنی میکسی کو کندھوں سے اوپر کرتے کبرڈ سے اپنی شال نکالتے خود پر اچھی طرح لپیٹتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔۔۔

رکو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسفندیار خان کی سرد پکار پر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ رکی تھی۔ وہ رکی ضرور تھی

مگر پلٹ کر اسفند کو نہیں دیکھا تھا۔

اسفند بھاری قدموں سے چلتا ہوا عابیر کے مقابل آیا۔۔

تم نے مجھ سے پوچھا تھا کیسے ممکن ہے کہ تم زاران کو دیکھو اور اس کے قریب نہ جاؤ... اچھا سوال تھا تمھارا۔۔ ہمممم۔۔۔۔۔۔اس نے عابیر کو گہری نظروں سے دیکھتے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہنکار بھرا تھا۔۔

تم اب اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گی۔۔۔۔نہ ہی تمھیں زاران خانزادہ دکھے گا۔۔نہ تم اس کے قریب جاؤ گی۔۔یہ میرا حکم ہے۔۔تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گی۔۔اسفندر عونت بھرے انداز میں حکم دیتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

عابیر نے اپنی آنکھیں میچتے کتنے ہی آنسو اپنے دل میں اتارے تھے۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ابرش دلہن بنی بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ کمرے میں آکر اس نے لباس چینج نہیں کیا تھا۔ وہ زاران خانزادہ کا انتظار کر رہی تھی۔ کل سے اس کا دھیان زاران کی طرف ہی تھا۔۔ جب وہ امینہ خانم اور روزینہ خانم سے باز پرس کر رہا تھا۔۔ اسے احساس ہوا تھا شائد اسے زاران کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔۔۔ اس کے زخمی ہاتھ کے متعلق سوچتے ہوے بھی اسے تکلیف ہو رہی تھی۔۔ روزینہ خانم کے طعنہ دینے کے بعد اسے احساس ہوا تھا۔ اس دن جرگے میں جو ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی حماقت میں بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

وہ اس کی بیوی تھی۔۔اس حویلی میں اس کمرے میں اب وہ اس کی بیوی کی حیثیت کے طور پر تھی۔۔اس حقیقت سے اب وہ نظریں نہیں چرا سکتی تھی۔

وہ زاران سے سب کلیر کرنا چاہتی تھی۔اسے اپنا آپ سونپنا چاہتی تھی۔

مگر اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔ہتھلیاں پسینے سے نم تھیں۔پچھلے دو گھنٹوں سے وہ کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔۔مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔۔اب اپنی بے بسی اور ذلت پر اسے رونا آرہا تھا۔نقاہت کے باعث چکر بھی آرہے تھے۔

وہ روز کی طرح شائد آج بھی کمرے میں نہیں آنے والا تھا۔۔ابرش گہری سانس بھرتے بیڈ سے اٹھنے ہی والی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر ابرش سنبھل کر بیٹھی۔ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپاتے گہرے سانس بھرتے خود کو کمپوز کیا۔۔

زاران ابرش کو بیڈ پر دلہن کے لباس میں بیٹھے دیکھ کر حیران ہوا۔۔ پھر سر جھٹکتا واش روم میں داخل ہو گیا تھا۔۔ وہ کافی دیر بعد شاور لیے وائٹ ٹراوزر اور بلیک ہاف سلیوز ٹی شرٹ پہنے باہر آیا تو وہ ابھی بھی بیڈ پر بیٹھی تھی۔

زاران نے جبڑے بھینچتے ہوے ابرش کو دیکھا۔ جو بیڈ پر کافی گھبرائی سی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

وہ غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑا ٹاول بیڈ پر اس کے قریب غصے سے پھینکا۔ گیلا ٹاول ابرش کے قریب آکر گرا تو وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔۔ سراسیمگی سے نظریں اٹھا کر اس ستم گر کو دیکھا جو آنکھوں میں شرارے لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

یہ کیا نیا ناٹک ہے؟؟ کیوں بیٹھی ہو اس طرح؟؟۔۔ میری سینٹمینٹس میرے سٹیمنے کا مذاق اڑا رہی ہو یا مجھے آزما رہی ہو۔ زاران اسے دیکھ کر مشتعل ہوتے چیخا تھا۔

زنان خانے میں اسے ایک نظر دیکھ کر جو اس کی حالت ہوئی تھی وہ وہی جانتا تھا۔۔ کس طرح اس نے اپنی نظروں اور اپنے منہ زور جذباتوں کو کنٹرول کیا تھا۔ اب وہ ایسے سجی سنوری اس کے ضبط کا کڑا امتحان ہی لے رہی تھی۔

اسے تو یہی لگا تھا ابرش نے اب تک کپڑے بدل لیے ہوں گے۔۔ مگر وہ تو دلہن کے لباس میں پورپور سجی سنوری بیڈ پر براجمان تھی۔۔

مم۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں آپ کے جذبوں کا مذاق نہیں اڑا رہی۔ میں تو صرف آپ کا انتظار کر رہی تھی۔۔ ابرش نے اپنی بھیگی ہتھیلیاں مسلتے

کپکپاتے لبوں سے وضاحت دی۔۔زاران کا سرد رویہ اس کے جسم سے جان ہی نکال گیا تھا۔

کیوں انتظار کر رہی تھی میرا؟؟زاران نے اسے گھورتے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

مم۔۔۔میں وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ابرش نے گہرے سانس لیتے بے بسی سے زاران کو دیکھا جو اسے ابھی تک سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرش کی آنکھیں شدت گریہ سے بھیگ اٹھیں..۔کیا وہ اتنا نہیں سمجھ پایا تھا۔۔وہ دلہن کے لباس میں ابھی تک کیوں ہے۔۔

آ۔۔۔پ۔۔۔۔۔۔کی۔۔۔۔م۔۔۔۔۔۔۔م۔۔مورے نے کہا تھا کہ

مم۔۔۔۔میں آپ کو آپ کا حق دوں۔۔

ابرش نے بمشکل ہی کہتے اپنی نظریں جھکائیں تھیں۔اس سے زیادہ آسان لفظوں سے وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر سکتی تھی۔۔اسی میں ہی اس کے عارض تپ کر قندھار ہوے تھے۔۔

زاران کا یہ سن کر مزید پارہ ہائی ہوا۔۔

وہ اس کی مورے کے کہنے پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔اس سب میں اس کی اپنی رضامندی اس کی خواہش کوئی نہیں تھی۔۔یہ سب کہتے ہوے بھی مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔۔اس دن جرگے میں تو گلہ پھاڑ پھاڑ کر بکواس کر رہی تھی۔

تب تو کوئی شرم ولحاظ نہیں آیا تھا۔ زاران نے اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچیں ۔۔ ابھی تک اس کے لفظ اس پر ہتھوڑے کی مانند برستے تھے۔

۔

ابرش اٹھو چینج کرو۔۔۔ میں یہ سب نہیں چاہتا۔۔ میں ابھی خود میں اتنا ظرف نہیں پا رہا کہ تمھارے قریب آسکوں۔۔ تمھاری قربت میرے لیے اذیت کے سوا کچھ نہیں ہو گی۔ میں تمھارے قریب آکر وہ سب نہیں بھول سکتا۔۔ نہ تمھاری بیوفائی مجھے کبھی بھولنے دے گی۔

زاران کے الفاظ سنتے ابرش کا چہرہ دھواں دھواں ہوا۔۔

بیوفائی۔۔۔۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے زیر لب زاران کا ادا کیا ہوا لفظ دہرایا تھا۔ لفظ "بیوفائی" پھانس کی طرح چبھا تھا۔

وہ اپنی بھاری میکسی دونوں ہاتھوں سے سنبھالتی بیڈ سے اٹھتے زاران کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔۔

میری حماقت میری غلطی کو آپ بیوفائی کا کیسے نام دے سکتے ہیں؟؟؟۔ابرش نے نم آنکھوں سے چیختے ہوے پوچھا۔

جس دن تم نے کسی اور سے شادی کا کرنے کا سوچا تھا۔۔ تم اسی دن بیوفائی کی مرتکب ہوئی تھی۔۔۔زاران نے زخمی لہجے میں کہتے اپنے لفظوں پر زور دیا۔۔۔

اب تم سونے کی بھی بن کر آجاؤ۔۔۔۔میرے نزدیک تمھاری ویلیو پیتل سے بھی کم رہے گی۔۔ تمھارا یہ خوبصورت بدن تمھارے حسن کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہی۔۔ تم اب کبھی بھی زاران خانزادہ کے دل کی

دھڑکنیں نہیں بڑھا سکتی۔۔ تمھاری قربت کبھی اب میرے اندر کوئی پیاس نہیں جگا سکتی۔۔ یہاں تک کہ تم میری کبھی ضرورت بھی نہیں بن سکتی۔۔

زاران کے لفظ تھے کہ نوکیلے بھالے جو اسے اپنے دل میں پیوست ہوتے محسوس ہوے۔۔ ابرش کو اپنا وجود شعلوں میں لپٹا محسوس ہوا۔۔

توہین و ہتک کے احساس سے اس کا رنگ خطرناک حد تک سرخ پڑا۔ اپنی کم مائیگی اپنی تذلیل پر اس کا بدن آندھیوں کی زد میں آیا۔

اگر یہی ویلیو ہے تو کیوں مجھ سے نکاح کیا؟؟۔ مجھے کیوں اس حویلی میں قید کر کے رکھا ہے؟؟؟ جانے دیں مجھے۔۔۔ ابرش اس کی بات سنتے شدت گریہ سے مٹھیاں بھینچتے چیخی تھی۔

کیونکہ تم جیسی بھی ہو۔۔۔ اب صرف میری ہو۔ میری ملکیت ہو۔۔ جس کے ایک بال پر بھی میں کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا۔

نہیں جانے دوں گا تمھیں کہیں بھی۔۔۔ اب تم یہی رہو گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔ یہی تمھاری زندگی ہے۔۔ اسے قبول کر لو تو اچھا ہے تمھارے لیے۔۔۔ زاران سپاٹ لہجے میں کہتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ابرش تیز تیز قدموں سے چلتے اس کے مقابل آئی۔۔۔

سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔۔ اس حویلی کی عورتوں کی طرح جو آپ کا ہر ظلم سہے گی اور کچھ نہیں کہے گی۔۔ میں صرف آپ کی مورے کے کہنے کی وجہ سے

اس رشتے کو آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ جیسے سک مینٹیلٹی والے انسان کے ساتھ رہنے کا۔۔۔ جو عورت کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھے۔۔ میں مجبور ہوئی آپ سے نکاح کرنے کو۔۔۔۔ اپنے بھائی آہل کی وجہ سے۔۔ مگر اب اور نہیں برداشت کروں گی۔۔۔

آپ بھول رہے ہیں میں امریکہ کی شہری ہوں۔ آپ مجھے یہاں ایسے نہیں رکھ سکتے۔۔۔ اگر میں نے اپنی ایمبیسی فون گھما دیا تو خانزادہ فیملی کی کوئی عزت نہیں رہے گی۔۔۔

۔ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے ہزیانی انداز میں چیخی تھی۔۔

اتنے دنوں سے وہ یہ سب سہتے سہتے جس ذہنی دباؤ سے گزر رہی تھی۔۔ اس کا خود پر ضبط ختم ہوا تھا جیسے۔۔۔

آج زاران کے ہتک میز لفظوں نے اس کے اندر لاوا انڈیل دیا تھا۔۔ جب وہ اپنی غلطی مانتے اس کے آگے جھک رہی تھی۔۔ وہ اسے ٹھکرا کر اس کی تذلیل کر رہا تھا۔ اس سے یہ سب برداشت نہیں ہوا تھا۔۔ اپنی ناقدری اپنی ذلت پر جیسے وہ اپنے ہوش و حواس کھو رہی تھی۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔۔۔ ورنہ جان لے لوں گا تمھاری۔۔ زاران اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑواتا حلق کے بل دھاڑا۔۔۔

اس کی خوفناک دھاڑ پر ابرش کا دلہن بنا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

تمھاری ایمبیسی ابھی زاران خانزادہ کو نہیں جانتی۔۔۔۔ نہ ہی ابھی تم جانتی ہو۔۔ جس دن جان جاؤ گی۔۔ اونچی آواز میں بات کرنا تو دور کی بات میرے سامنے نظریں اٹھانا بھول جاؤ گی۔۔۔

غلطی سے بھی یہ حماقت نہ کرنا۔۔۔ورنہ زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔وہ اس کے دونوں بازوؤں پر اپنی آہنی انگلیاں پیوست کیے اس کی کانچ سی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

ایک مرتبہ بھاگ کر یہاں سے حماقت کر چکی ہو۔۔کیا ہوا؟؟یہیں لا کر میں نے تمھیں پٹخا ہے۔۔۔۔۔اب کی بار زمین کی سات تہوں میں تمھارا زندہ وجود گاڑھ دوں گا۔۔تم اب مرتے دم تک زاران خانزادہ کی بن کر رہو گی۔۔میں تمھیں چھوؤں یا نہ چھوؤں۔۔۔مگر اب تمھاری پرچھائی بھی کوئی غیر مرد نہیں دیکھے گا۔۔یہی رہو گی تم۔۔۔یہی اب تمھارا مقدر ہے۔۔زاران نے اسے بیڈ پر بری طرح پٹخا تھا۔۔وہ اوندھے منہ بیڈ پر گرتے پھوٹ پھوٹ کر ماتم کدہ انداز میں روئی تھی۔

"Now you wiil never ever able to show your beaty to other mens ""bu ld d y women"

ابرش کے باریک دوپٹے سے اس کی دودھیا پچھلی گردن سے نیچے ہلکی سی جھانکتی بے داغ سفید پشت کو دیکھتے وہ بھڑکتے ہوے بولا تھا۔اس دن مردان خانے میں کس بیہودہ حلیے میں وہ چلی آئی تھی۔۔وہ یاد کرتے ہی زاران کے لہو میں تندو تیز بھانبھڑ جلے تھے۔

زاران اس پر قہربار نظر ڈالتے اپنی جیکٹ اٹھائے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔

ابرش بیڈ سے اٹھتی بھاگتی ہوئی اس کی جانب بڑھی تھی۔۔ میکسی میں پاؤں الجھا تھا۔ بری طرح پاؤں لڑکھڑایا تھا۔۔ اس سے پہلے وہ گرتی..

زازاران خانزادہ اس کے لرزتے روتے وجود کو مضبوطی سے اپنی بانہوں میں تھام چکا تھا۔۔۔ نفاست سے کیا گیا میک اپ۔۔۔ جو اب آنسوؤں کی نظر ہوتا اس کے خوبصورت چہرے کو مزید نکھار گیا تھا۔۔۔ سموکی کاجل لگی گلابی آنکھیں اس پر متضاد گھنیری پلکیں۔۔۔۔ پنک لپ سٹک سے سجے کپکپاتے ہونٹ۔۔۔۔۔

۔۔ ہچکیاں بھرتا لرزتا بدن فٹنگ میکسی میں قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ اسے زخمی بھیگی نگاہوں سے دیکھتے گہرے سانس بھر رہی تھی۔ کندن نشیب و فراز سمندر میں موجوں کی صورت کا گمان محسوس ہو رہے تھے۔۔ زاران اس کے لاپرواہ بکھرے شعلہ جوالہ روپ سے نظریں چرا گیا تھا۔

۔۔ابرش نے دونوں ہاتھوں سے اسے دور جھٹکا تھا۔۔زاران نے اسے احتیاط اور نرمی سے چھوڑا تھا۔اس نے محسوس کیا تھا وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔۔۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے اب بہت بری طرح ہچکیاں لے رہی تھی۔۔اس کا پورا وجود ہچکولوں کی زد میں تھا۔۔

اس کی طبعیت اس وقت بلکل ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

تم۔۔۔تم۔۔۔۔۔کتنے۔۔۔۔پارسا بن رہے

ہو۔۔یہی۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔کہا تھا تم نے۔۔۔۔۔نکاح کی رات کو۔۔۔۔

کہ۔۔۔۔۔تم کبھی میرے۔۔۔۔۔قریب نہیں آؤ گے۔۔ابھی بھی

۔۔۔۔۔یہی بول رہے تھے کہ تم خود میں ظرف نہیں پاتے کہ۔۔۔۔

میرے قریب آسکو۔۔۔لیکن تم کمزرف ہو زاران خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔سنا

تم نے۔۔۔تم کمزرف ہو۔۔۔۔۔وہ اس سے دور ہوتی چیخی تھی۔۔ابرش

کے قدم پھر سے لڑکھڑائے تھے۔۔زاران اسے سنبھالنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا۔۔وہ ہاتھ کے اشارے سے سر نفی میں ہلاتے اسے روک چکی تھی۔۔

زاران اس کے انداز پر لب بھینچ کر اسے سرد نگاہوں سے دیکھے گیا۔۔

تم میری۔۔۔۔۔۔بیہوشی کا فائدہ اٹھا کر میرے قریب۔۔۔۔۔آ چکے ہو۔۔۔اب صرف تم۔۔۔۔۔ناٹک کر رہے ہو۔۔۔۔یہ ثابت کر رہے ہو..... تم جیسا کوئی نہیں۔۔میں اچھی طرح جانتی ہوں تم خان عورت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔بیہوشی میں اپنی حوس پوری کرتے ہو۔۔جاگتے میں پارسا بن جاتے ہو۔۔ابرش گلے میں ہاتھ رکھے ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں کے درمیان بمشکل بولتے چیخی تھی۔

تم ہوش میں ہو۔۔۔ کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ میں تمھارے قریب نہیں آیا۔ اپنی زبان پر قابو پاؤ ابرش۔۔۔ آخری بار وارن کر رہا ہوں۔۔ زاران نے انگلی اٹھائے تنبیہ کی تھی۔

جب تم میرے قریب نہیں آئے تو یہ سب کیا ہے پھر۔۔ ابرش نے اپنا نیکلس بے رحمی سے کھینچ کر اتارا تھا۔۔ اس طرح بے دردی سے کھینچنے پر اس کے چہرے کی رنگت کے ساتھ اس کی گردن بھی سرخ پڑی تھی۔

ابرش نے اپنی گردن کے نشان پر ہاتھ رکھا۔۔ جہاں زاران کا دیا ہوا بے رحم نشان ابھی تک موجود تھا۔۔

زاران وہ نشان دیکھتا خاموشی سے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔۔ مجھے غلط کہتے ہو۔۔۔ تم نے۔۔۔۔۔ کب میرے ساتھ اچھا سلوک کیا؟؟۔۔ تمھیں مجھ سے پیار ہو گیا میں تمھاری ملکیت بن گئی۔۔۔ میری مرضی جانے بغیر مجھے زبردستی حویلی لے آئے۔۔ مجھے اموشنلی بلیک میل کروا کر مجھ سے زبردستی مگنی کر لی۔۔

امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی جس نے ساری عمر اپنی مرضی سے زندگی گزاری۔۔۔۔ اسے تم نے اپنی مٹھی میں قید کرنا چاہا۔۔ اور میں تمھاری بند مٹھی کو تمھارا دل سمجھ کر قید ہو بھی گئی۔۔۔ مگر

۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔ جب میرا سانس گھٹنے لگا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ تو تمھاری مٹھی ہے۔۔۔۔ جہاں سانس بھی تم چاہتے تھے میں تم سے پوچھ کر لوں۔۔

اگر اپنے پیار میں قید کرتے تو میں کبھی تمھارے حصار سے نہ بھاگتی۔۔۔ تمھاری پیار کی بیڑیاں مضبوط ہوتی تو میں کبھی ان بیڑیوں کہ توڑ کر اس حویلی سے بھاگ نہ سکتی۔۔۔۔ مگر افسوس تمھاری گرفت ہی کمزور نکلی۔۔ ابرش استھزائیہ ہنسی تھی۔۔۔ زاران نے اپنے لب دانتوں میں سختی سے پیوست کیے ابرش کو دیکھا جس کی مینٹلی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

میں حویلی چھوڑ کر گئی شائد یہ میری غلطی ہو سکتی ہے۔۔ مگر مجھے پیار سے کب منایا تم نے۔۔ آفس میں آکر بھی مجھے دھمکایا۔۔ مجھ پر غصہ کیا۔۔ مجھے اغوا کروایا۔۔۔ میری بہن پر بندوق رکھی۔۔ تم جانتے تھے کہ میں عنائیہ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔۔۔ میرا بھائی کہاں ہے؟؟ تم نے مجھے ابھی

تک نہیں بتایا۔۔۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں صرف تم سے پیار کرتی ہوں۔۔ نشے میں تم سے محبت کا اقرار کیا تھا۔۔ میرے لبوں سے تم نے اس رات زعیم اور اسفند کا نام کیا ایک بار بھی سنا۔۔۔ پھر کیسے مجھے بیوفا کہہ سکتے ہو۔۔۔ عورت کا دل تم مردوں کی طرح نہیں ہوتا۔۔۔ جہاں نام بدلتے رہتے ہیں۔۔۔ تم جتنے بھی سفاک سہی۔۔۔۔ مگر اب مرتے دم تک تم ہی اس دل میں رہو گے۔۔ وہ اس کا گریبان مٹھیوں میں دبوچتے ہزیانی انداز میں چیخی تھی۔۔

زاران نے نامحسوس انداز میں اس کی کمر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔۔ اس کے بدن کے ارتعاش سے لگ رہا تھا وہ کسی بھی پل زمین بوس ہو جائے گی۔

۔۔

مجھے۔۔۔ یہاں۔۔۔۔لا کر تم۔۔۔۔۔لا پرواہ ہو گئے ہو۔۔ میں مروں

جیوں تمھیں۔۔۔۔پرواہ۔۔۔۔۔ہی نہیں۔۔ میں نے کل دوپہر صرف دو

لقمے لیے تھے۔۔ ابھی تک بھوکی ہوں کسی نے مجھے نہیں

پوچھا۔۔ تمھیں۔۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔۔میری۔۔۔۔۔۔۔پرواہ نہیں

۔۔۔۔ تم سچ میں سفاک، اجڈ،، گنوار۔۔۔۔ وحشی خان ہو۔۔۔۔ ابرش اس

کی شرٹ تھامے ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔۔

یکدم وہ زاران کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔۔

شہرام کمرے میں داخل ہوا تو بہارے کہیں نہیں دکھی تھی۔ شہرام اسے

دیکھنے کے لیے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا تو وہ وہاں بھی نہیں تھی۔۔ وہ لب

بھینچتے ہوئے ڈریسنگ روم سے باہر آیا تھا۔۔ بہارے کی ویڈنگ میکسی صوفے پر پڑی تھی۔۔ اس کی جیولری بھی ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی تھی۔

شہرام غصے سے اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اس نے آج صبح سے رات کا کتنا انتظار کیا تھا۔۔ وہ اسے دلہن کے لباس میں سجا سنورہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ کیسے اس کے دیکھنے سے پہلے اپنا لباس تبدیل کر سکتی تھی۔۔ شہرام نے غصے سے واش روم کے بند دراوزے کو گھورا۔ بہارے کا نیکلس اٹھا کر اس نے واش روم کے بند دروازے پر دے مارا تھا۔۔ بیڈ پر بیٹھکر سگریٹ سلگائے اپنا غصہ کم کرنے لگا۔۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا بہارے ابھی تک واش روم سے باہر نہیں آئی تھی۔۔

شہرام تشویش زدہ انداز میں بیڈ سے اٹھتا واش روم کی طرف بڑھا۔۔وش روم کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ کھلتا چلا گیا تھا۔۔خالی واش روم دیکھ کر شہرام پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔۔

وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنے کمرے سے نکلتا بہارے کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

بہارے کا روم کا دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ خالی تھ taken ارے وہاں بھی نہیں تھی۔۔شہرام کے خون میں ابال اٹھے تھے۔شدید اشتعال سے ماتھے کی وینز ظاہر ہوئی تھیں۔۔

شہرام نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکال کر بہارے کا نمبر ملایا تھا۔۔جو اٹھایا نہیں گیا تھا۔۔

Pick up the call danm it" i will kill you"

شہرام بہارے کا نمبر ڈائل کاٹتے ہوے چیخا تھا۔۔

اب کی بار اس کی کال کاٹ دی گئی تھی۔۔

شہرام کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا۔۔

شہرام نے ایک بار پھر سے بہارے کا نمبر ڈائل کیا جو پھر سے کاٹ دیا گیا تھا۔۔ شہرام نے دانت پیستے پھر سے کال ملائی تھی جو پھر سے کاٹ دی گیی تھی۔۔

شہرام کے دماغ کی پھڑکتی رگیں بھڑک اٹھیں تھیں۔۔ شہرام نے فون اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔۔

Iff you were in front of me deffinetly I, would

have take your life"

(اگر تم میرے سامنے ہوتی تو یقینًا میں تمھاری جان لے لیتا)

شہرام اپنا ماتھا سہلاتے ہوے غرایا...۔

ایک نظر زمین پر پڑے ہوے اپنے موبائل کو دیکھا جو دو ٹکروں میں تقسیم ہو چکا تھا۔وہ غیض و غضب سے دیوار پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔۔

شہرام نے کمرے میں آکر اپنے دوسرے موبائل سے بہارے کو کال ملائی جو بنا کسی توقف کے کاٹ دی گئی تھی۔ شہرام نے ظبط کے مارے اپنی مٹھی دبوچی تھی۔

میرے لیے تمھارا پتہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔۔

یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ اس لیے بنا تاخیر کیے میرا فون اٹھاؤ۔۔ ورنہ میں تمھارا وہ حال کروں گا۔۔ تم اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر بھی پہچان نہیں سکو گی۔۔ مسسز شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے دانت کچکچاتے ہوے بہارے کو میسج سینڈ کیا تھا۔

شہرام نے میسج سینڈ کرنے کے دو منٹ بعد اسے کال ملائی جو اٹینڈ کر لی گئی تھی۔۔

شہرام کے نیلے رگوں والے ہاتھ کی گرفت فون پر مضبوط ہوئی تھی۔۔

کہاں ہو تم؟؟ شہرام نے خود پر قابو پاتے تحمل سے پوچھا تھا۔

مگر فون پر دوسری طرف خاموشی تھی۔۔۔

کہاں ہو بہارے؟؟ بہارے کی خاموشی محسوس کرتے شہرام نے اپنا ماتھا مسلتے ہوے اپنے لہجے کو حتی المکان نرم ہی رکھا تھا۔۔ اس نے فون اٹھالیا تھا۔۔ یقیناً وہ حویلی سے بھاگی نہیں تھی۔۔

شہرام میں اپنی دوست رابعہ کے پاس ہوں۔۔ بہارے کی فون پر آواز گونجی...

وہاں کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔

کل رات تم نے ہی کہا تھا کہ تم میری ڈگری کو ضائع نہیں ہونے دو گے۔۔نہ ہی میرے ہسپتال میں جاب کرنے پر تمھیں کوئی اعتراض ہو گا۔۔بہارے اتنا کہہ کر خاموش ہوئی۔

ہاں کہا تھا پھر۔۔۔۔۔شہرام اس کی خاموشی پر دانت پیستے غرایا تھا۔

پھر سمجھو۔۔۔۔۔آج رات میں ڈیوٹی پر ہوں۔۔رابعہ کی مورے کی طبعیت بہت خراب ہے۔۔میں انھیں چیک کرنے آئی ہوں۔۔اس لیے میں آج رات ادھر ہی رکوں گی۔۔تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔۔تم اچھی طرح جانتے ہو رابعہ کی فیملی کو۔۔۔ان کے گھر میں کوئی مرد بھی نہیں ہے۔

اس لیے۔۔۔۔۔

بکواس بند کرو گی تم اپنی۔۔۔۔۔۔ شہرام اس کی بات کاٹتے حلق کے بل دھاڑا۔۔

شہرام کی دھاڑ پر بہارے فون پر بھی لرز اٹھی تھی۔۔۔

میں دس منٹ میں تمھارے پاس ہوں گا۔۔ شرافت سے باہر آجانا بہارے۔۔ تم نے مزید کوئی بحث یا بکواس کی۔۔ میں تمھارے ساتھ وہ سلوک کروں گا۔۔ جس کی تم اصل میں مستحق ہو۔۔ اور تم کس سلوک کی مستحق ہو۔۔ مجھ سے زیادہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ شہرام نے سرد و سپاٹ انداز میں کہتے فون بند کر دیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام تھوڑی دیر بعد رابعہ کے گھر کے سامنے اپنی گاڑی میں موجود تھا۔۔اس نے فون پر بہارے کو باہر آنے کو کہا۔۔وہ پانچ منٹ بعد پڑی سی چادر میں خود کو لپٹائے اپنے چہرے کو بھی مکمل طور پر چھپائے باہر آگئی تھی۔۔خاموشی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔اس دوران شہرام نے ایک بار بھی بہارے پر نظر نہیں ڈالی تھی۔۔گاڑی میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔بہارے نے اچٹتی سی نظر شہرام پر ڈالی۔۔جس کا رنگ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔چہرے کے تاثرات بھی سرد سپاٹ ہونے کے ساتھ کافی خطرناک تھے۔۔بہارے کا دل خوف سے دھڑکا تھا۔وہ تو صرف شہرام کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ زور زبردستی نہیں کر سکتا۔اور نہ ہی وہ آج کی رات اس کے لیے بن سنور کر اس کی شدتوں کا نشانہ بن سکتی تھی۔کل رات شہرام اپنی شدتوں اور بھرپور محبتوں

سے اس پر باور کروا چکا تھا۔ وہ اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔۔ اسے پورا یقین تھا شہرام اسے کچھ نہیں کہے گا۔ وہ صرف اسے اذیت پہنچانا چاہتی تھی۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ وہ اذیت میں ہے۔۔ مگر اس کے تنے ہوئے نقوش دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنوں نے شدت اختیار کی تھی۔

شہرام وہ۔۔۔۔۔۔ میں رابعہ کی مورے۔۔۔۔۔۔ بہارے نے اس کے سرد سپاٹ چہرے پر نظر ڈالتے وضاحت دینے کی کوشش کی۔۔

Will you please shut up??don't bother me any more...

شہرام سٹیرنگ پر مکہ مارتے حلق کے بل دھاڑا۔۔۔ بہارے اس کی خوفناک دھاڑ پر سیٹ پر اچھل کر رہ گئی۔

باقی کا سارا راستہ خاموشی سے گزرا تھا۔۔ شہرام اسے لیے حویلی میں داخل ہوا۔۔

پوری حویلی میں سناٹوں کا راج تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔

وہ لوگ ابھی زنان خانے کے لاونج میں داخل ہوے تھے۔ اربد خان کو لاونج میں ٹہلتے ہوے پایا۔ اربد خان کو دیکھ کر بہارے کا رنگ فق ہوا تھا۔۔ وہ بے اختیار شہرام کی پشت کے پیچھے چھپی تھی۔

اربد خان،، شہرام اور بہارے کو دیکھتے ان کی طرف بڑھا۔۔

کہاں گئی تھی تم؟؟ انہوں نے شہرام کے پیچھے چھپی ہوئی بہارے کو کلائی سے کھینچتے اپنے مقابل کیا۔۔

وہ ممم میں وہ۔۔۔ بہارے کی حوف سے رنگت زرد ہوئی تھی۔۔ اربد خان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

یہ میرے ساتھ باہر گئی تھی۔ میں اسے گھمانے لے کر گیا تھا۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

جھوٹ مت بولو شہرام۔۔۔۔ میں نے تمھیں ابھی حویلی سے باہر جاتے دیکھا تھا۔۔ تم اکیلے گئے تھے۔۔ تم اس کی حرکتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔۔۔ اربد خان غصے سے گرجتے بہارے کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے

وہ بہارے پر ہاتھ اٹھاتے۔۔ شہرام چٹان کی طرح بہارے اور ان کے بیچ حائل ہوا۔

چچا۔۔۔ آپ بہارے پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔۔ آپ پہلے بھی ایک مرتبہ اس پر ہاتھ اٹھا چکے ہیں۔۔ تب میں برداشت کر گیا تھا۔۔ کیونکہ تب یہ صرف میرے نکاح میں تھی۔۔ اب یہ میری بیوی ہے۔ اسے جو بھی کہنا ہو گا میں خود کہوں گا۔ میں کسی کو اختیار نہیں دیتا۔۔ اسے کوئی کچھ بھی کہے۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

ٹھیک کہہ رہے ہو یہ صرف تمھاری بیوی ہے۔۔ لے جاؤ اسے ہمارا نظروں کے سامنے سے ورنہ آج ہم اس کا خون کر دے گا۔۔ اربد خان بہارے کو خون اشام نگاہوں سے گھورتے ہوے گرج اٹھے۔۔۔

بہارے شہرام کے پیچھے چھپی آنسو بہا رہی تھی۔۔

شہرام خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔۔۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی شہرام نے کمرے کو لاک کرتے بہارے کو پوری قوت سے بیڈ پر دھکیلا تھا۔

وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔۔ بہارے کو سیدھا کرتے اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔۔

شش۔۔۔۔۔ شہرام۔۔۔۔۔۔اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے بہارے کے لفظ حلق میں ہی دم توڑ چکے تھے۔۔

ہمت کیسے ہوئی تمھاری مجھ سے پوچھے بغیر اس حویلی سے باہر قدم بھی نکالنے کی۔۔۔وہ اس کا منہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔۔

شہرام تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے۔۔بہارے گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بولی۔۔

کل رات تمھیں اپنے سر پر بٹھایا۔۔اتنی عزت اتنا مان دیا تمھیں دیا ۔۔۔۔تمھیں ایک شوہر کی دی ہوئی عزت تو راس آئی نہیں۔۔اب اسی سلوک کی مستحق ہو تم۔۔۔تمھارے ساتھ گنواروں والا ہی سلوک کرنا چاہیے تھا۔۔تمھیں بتانا چاہیے تھا کہ ایک پہاڑی ان پڑھ شوہر اصل میں ہوتا کیسا ہے۔

آج تم تیر کی طرح سیدھی ہوتی۔۔شہرام نے اس کے جبڑے پر اپنا شکنجہ مزید سخت کیا تو بہارے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہا تھا۔۔

میری بات آج کان کھول کر سن لو۔۔۔ تمھیں جو بھی مجھے کہنا ہے۔۔ جتنی بھی بد تمیزی کرنی ہے۔۔جتنے بھی نخرے کرنے ہیں۔۔اس کمرے میں کرو گی۔. میری آجازت کے بغیر آئیندہ اس حویلی سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔۔ سمجھی تم۔۔۔۔

شہرام اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچتے غرایا۔۔

بہارے نے درد کی شدت سے کراہتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

شہرام اس کا جبڑہ چھوڑتا بیڈ سے اٹھا۔۔

بہارے رخ پلٹے زارو قطار رونے لگی۔۔

میں فریش ہونے جارہاہوں۔۔واپس آؤں تو تم مجھے ایک دلہن کی طرح تیار ملو۔۔۔شہرام اسے سرد انداز میں حکم دیتاواش روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

کافی دیر بعد نیم گرم پانی سے شاور لینے کے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تھا۔۔ورنہ بہارے کی آج کی حرکت اسے کافی مشتعل کر چکی تھی۔۔

وہ گرے ٹراوزر پہنے باہر آیاتو بہارے صوفے پر کمبل منہ تک لپیٹے لیٹی ہوئی تھی۔۔اس کی سسکیاں ہنوز جاری تھیں۔

ولیمے کاڈریس زمین پر پڑا۔ تھا۔ تمام جیولری بھی زمین پر پڑی تھی۔۔

شہرام نے اپنی مٹھی دبوچ کر اپنے اشتعال پر قابو کیا تھا۔

آج کی حرکت پر اسے شرمندہ ہونا چاہیے تھا۔وہ الٹا اکڑ رہی تھی۔۔شہرام کے خون میں ابال اٹھے تھے۔۔وہ جتنا خود پر قابو پا رہا تھا۔۔وہ اتنا سر پر چڑھ رہی تھی۔۔

وہ صوفے کی طرف بڑھتے اس پر سے کمبل کھینچ چکا۔تھا۔۔

کیا بدتمیزی ہے شہرام؟؟مجھے سونے دو۔۔یہ تمھاری بھول ہے میں تمھارے لیے تیار ہوں گی۔۔آج رات میں تمھیں اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔۔بہارے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

بہارے کے چلانے پر شہرام کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا تھا۔۔

اس نے بہارے کو کلائی سے کھینچتے اپنے مقابل کھڑا کیا۔۔

اگر تم یہ لباس نہیں پہنو گی تو میں تمھیں خود پہناؤں گا۔۔ میں نے سوچا تھا کہ آج رات بھی کل کی طرح تم سے نرمی برتوں گا۔۔ مگر مجھے یقین ہو چکا ہے تم انتہائی ڈھیٹ لڑکی ہو۔۔ جس کا پیار اور نرمی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔۔ اگر تم نہیں چاہتی کہ بہارے میں تمھارے ساتھ جنگلیوں جیسا سلوک کروں۔۔ دو منٹ میں یہ میکسی پہن کر دلہن کی طرح سج دھج کر بیڈ پر پہنچو۔۔ وہ اس کے بازو کو جکڑے غرایا۔۔

میں نہیں پہنوں گی۔۔ بہارے نے اپنی کلائی چھڑواتے ہوے ضدی انداز میں کہا۔۔

اوکے۔۔۔۔۔۔۔ جیسے تمھاری مرضی۔۔ شہرام بہارے کو اپنے قریب کرتا اس کی بیک زپ ایک ہی جست میں کھینچ چکا تھا۔۔ چرر کی آواز کے ساتھ زپ کھلی تو بہارے نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہرام کو دیکھا۔۔

شہرام یہ کیا کر رہے ہو؟؟۔۔ بہارے کی رنگت سرخ پڑی۔۔

تمھیں یہ میکسی پہنانے لگا ہوں۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتا

اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا چکا تھا۔

شہرام تمھیں بلکل شرم نہیں ہے۔ خبردار میرے ساتھ ایسی ویسی حرکت کی تو۔۔ بہارے نے اپنی شرٹ کندھوں سے اوپر کرتے لب کاٹتے تنبیہ انداز میں کہا۔

شہرام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب مزید کھسکا چکا تھا۔ وہ شہرام کے چوڑے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔ اس کے شرٹ لیس سینے سے ٹکرانے پر بہارے کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

مم۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔خود پہن لوں گی۔۔شہرام کی آنکھوں میں مستحکم پن دیکھتے لرزتے لبوں سے کہا۔

گڈ۔۔۔۔آج رات میں تم سے اسی طرح کی فرمانبرداری کی امید رکھتا ہوں۔۔اب بنا دیر کیے بلکل ویسے ہی تیار ہو۔جیسے تم آج سجی تھی۔۔آگے تمھاری بیوقوفیوں کی وجہ سے رات آدھے سے زیادہ بیت چکی ہے۔۔اس لیے جلدی کرو۔۔۔شہرام درشت آواز میں کہتا بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

بہارے میکسی اٹھا کر اونچا اونچا روتے ہوئے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔ڈریسنگ روم کی ایسکٹرا چابی ہے میرے پاس۔۔شہرام نے سگریٹ لبوں میں دبائے سنجیدگی سے اسے باور کروایا۔۔بہارے اس کی بات سنتے ایک پل کے لیے رکی تھی۔اگلے ہی لمحے وہ پوری قوت سے دروازہ دھاڑ کی آواز سے بند کر چکی تھی۔۔

شہرام نے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔

بہارے ڈریسنگ روم سے میکسی پہن کر باہر آئی۔۔ٹی پنک میکسی میں اس کا مومی متناسب سراپہ غضب ڈھا رہا تھا۔رونے کی وجہ سے اس کے گال اور ناک سرخ ہو رہے تھے۔وہ بغیر دوپٹے کے شہرام کے سامنے ضدی انداز میں کھڑی تھی۔۔

پہن لی ہے میکسی۔۔۔اپنی حوس ہی مٹانی ہے ایسے ہی مٹالو۔۔بہارے نے روتے ہوے کہا۔۔

شہرام نے اس کے خوبصورت سراپے کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔۔اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے غصہ جھاگ کی مانند بیٹھتا محسوس

ہوا۔۔سامنے کھڑی لڑکی کے معاملے میں وہ بے بس تھا۔وہ اس کا عشق تھی۔۔وہ چاہتے ہوے بھی اس پر سختی نہیں کر سکتا تھا۔۔نہ ہی اس کی محبت اسے اس بات کی آجازت دیتی تھی۔۔وہ اپنی بیوی اپنی ہی محبت کو تکلیف دے۔۔۔

شہرام نے اسے کلائی سے پکڑے اپنی طرف کھینچ کر اسے اپنے کشادہ سینے کا حصہ بنایا۔۔اس کی نازک کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اس کے نازک وجود کو اپنے سینے پر منتقل کیا۔

کل رات حوس مٹائی تھی کیا میں نے تم سے ؟؟شہرام نے نرمی سے اس کے بالوں کو اپنی گرفت میں لیے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

۔۔

ہاں وہ تمھاری حوس تھی۔۔اگر حوس نہ ہوتی کبھی میری مرضی کے بغیر تم میرے قریب نہ آتے۔۔شہرام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے نروٹھے انداز میں کہا۔۔

شہرام کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری۔۔وہ نروٹھی سی کافی اٹریکٹو لگی تھی۔

تمھاری مرضی کب ہونی ہے۔تم مجھے ایک پیریڈ بتادو۔۔پھر میں تب تک تمھارے پاس نہ آنے کا خود کو پابند بنالیتا ہوں۔وہ رخ پلٹے اسے بیڈ پر لٹائے نرمی سے اس کی سرخ ناک پر اپنے لب رکھتا ہوا بولا۔۔

پپ پانچ سال۔۔۔۔۔ بہارے کے منہ سے نکلا تھا۔۔ جوابًا شہرام نے جن نظروں سے گھورا تھا۔۔ وہ نظریں جھکاتے اپنے لب کاٹ گئی۔۔

اچھا ٹھیک ہے تین سال کا ٹائم دے دو۔۔ بہارے کے الفاظ منہ میں ہی تھے۔۔ وہ اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں کو دسترس میں لیے اس کا جام پیتا رہا۔۔

بہارے کے گلابی لبوں کو قند ھاری کرتے وہ پیچھے ہوا تو بہارے نے اپنے بھیگے ہونٹ رگڑتے اسے غصے ناراضگی سے دیکھا تھا۔۔

غصے سے تم مجھے دیکھ رہی ہو۔۔ حالانکہ کہ غصہ مجھے تمھیں دکھانا چاہیے.

۔ایک سوفٹ سی کس کرنے پر میرا کندھا تم نے ناخنوں سے نوچ ڈالا

ہے۔۔ شہرام نے تاسف سے بہارے کو دیکھا۔۔ جس نے اپنے ناخنوں سے اس کا کندھا بے رحمی سے نوچ ڈالا تھا۔

سوچ لو۔۔۔۔۔۔۔۔ آج کی رات میں تمھارا بہت برا حال کروں گی۔۔ بہارے نے دھمکی دی۔۔

سوچ لیا۔۔ شہرام لب دانتوں میں دبائے مبہم سا مسکراتے ہوے بولا۔۔

کیا سوچ لیا وہ اس کی معنی خیز مسکراہٹ کو دیکھتے پریشان ہوئی تھی۔۔

یہی کہ آج رات مجھے تمھارا "وائلڈ ومن" والا روپ دیکھنا ہے۔۔ دیکھتا ہوں تم اپنا بدلہ کیسے لیتی ہو۔۔ شہرام نے ذو معنی انداز میں کہتے ہوے اس کی بیوٹی بون میں نرمی سے اتنے دانت گاڑھے تھے۔۔

بہارے نے غصے سے اب کی بار جوابًا شہرام کی گردن میں پورے قوت سے اپنے دانت گاڑھ دیے۔۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ سرخ پڑی تھی۔۔ شہرام کی گردن پر اس کے دانتوں کی گڑھی بنی تھی۔ اس نے بہت بے رحمی سے وہاں دانت گاڑھے تھے۔۔ مگر شہرام کو مسکراتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔۔۔

میری جان۔۔۔ ایسی حرکتیں کرو گی تو کیسے دور رہوں گا تم سے۔۔ وہ مدہوشی کے عالم میں بولتا اس کے بھیگے عارض پر اپنے لب نرمی سے رکھتے چلا گیا۔۔ بہارے کی مزاحمت دیکھتے وہ اس کی کلائیاں اپنے آہنی شکنجے میں لاک کر چکا تھا۔

سوری میری جان۔۔۔۔ تمھیں تین سال تو کیا تین منٹ کا بھی ٹائم نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں اب تمھارے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ شہرام

اس کی آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر تا لہجے میں بولا۔۔ شہرام کی جسارتیں بڑھ رہی تھیں۔ بہارے کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔ شہرام نرمی سے اس کی میکسی کی زپ کھولتے اسے کندھوں سے نیچے کھسکائے اس کی گردن پر جنون خیزیاں رقم کرنے لگا۔۔ وہ مدہوش ہوتے اس کی کلائیوں پر اپنی گرفت نرم کر چکا تھا۔ اس کے لب دیوانہ وار اس کے پورے بدن پر محو رقص تھے۔

میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی شہرام۔۔۔ میں اپنی دوست کے گھر اس کی مورے کو چیک کرنے گئی تھی۔۔ مگر تم نے مجھ پر جس طرح غصہ کیا مجھ پر چلائے میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ بہارے نے اس کی بے لگام جسارتوں کو لگام لگانے کی کوشش کرتے پوری قوت سے چیختے ہوئے اسے خود سے دور جھٹکا۔

اس کے چیخنے پر ساری خماری بھک سے اڑی تھی۔۔اس کے جھٹکنے پر غصہ پوری قوت سے عود کر آیا تھا۔۔وہ ہمیشہ کی طرح اس کی نرمی کا پھر سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی۔

تم آئیندہ کبھی میری آجازت کے بغیر اس حویلی سے باہر نکلی تو صرف چلاؤں گا یا غصہ نہیں کروں گا۔۔پھر تمھیں اس طریقے سے ہی سمجھاؤں گا۔۔جو تمھیں سمجھ آتا ہے۔شہرام نے اسے سرد نظروں سے دیکھتے وارن کیا۔

کیا کرو گے تم؟؟کیا کر سکتے ہو یہی کرو گے ناں حویلی کے مردوں کی طرح اپنی مردانگی تم بستر پر ہی دکھاؤ گے۔جیسے تم نے کل رات دکھائی تھی۔جیسے تمھارے لالازاران خانزادہ نے دکھائی تھی۔۔بیچاری ابرش کو اپنے نکاح

میں زبردستی لے کر اس بیچاری پر بستر پر اپنی مردانگی دکھائی۔۔ بہارے غصے سے پھنکاری۔

بہارے۔۔۔ لالا کو بیچ میں مت لاو سمجھی تم۔۔۔۔ شہرام اس کے اوپر سے اٹھتا سپاٹ لہجے میں بولا۔

کیوں نہ لاؤں تمھارے لالا کو؟۔۔۔ میں نے خود تمھارے لالا کے حیوانیت کے نشان دیکھے تھے۔۔ تم اور تمھارے لالا ایک ہی جیسے ہو۔ میرے لالا کو مارنے والے قاتل کا ساتھ دیا۔۔ میرا دل کرتا ہے تمھارے لالا کو جان سے مار ڈالوں۔ بہارے اٹھتی ہوئی چیخی تھی۔

۔بہارے۔۔۔۔۔۔شہرام کا ہاتھ بلند ہوا تھا۔۔۔بہارے نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے بے یقینی سے اسے دیکھا۔۔

جس کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑ رہا تھا۔

شہرام اپنے ہاتھ کی مٹھی بھینچتے پہلو میں گرا چکا تھا۔۔

تم یہ سب بکواس اس لیے کر رہی ہو تا کہ میں تمھارے قریب نہ آؤں۔تم اس میں کامیاب ہو چکی ہو۔۔۔اس وقت تمھارا حسین چہرہ مجھے انتہائی بدصورت لگ رہا ہے۔۔تم اس قابل ہی نہیں ہو۔۔تم پر میں اپنا پیار نچھاور کروں۔۔وہ اس کے قریب ہوتا اس کے شانوں پر دباؤ ڈالتے غرایا۔۔

ایک بات یاد رکھنا بہارے۔۔۔میں تمھیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔۔آخری مرتبہ وارن کر رہا ہوں۔۔جتنی بدتمیزی کرنی ہے مجھ سے کرنا۔۔مگر

میرے لالا میری مورے کے متعلق تم نے کبھی کبھی بھی ایک لفظ منہ نہ سے نکالا۔۔میں تمھاری زبان کھینچ لوں گا۔۔تم نے ابھی تک صرف شہرام خانزادہ کا پیار ہی دیکھا ہے۔۔

لیکن آئیندہ تم نے کچھ بھی میرے لالا کے متعلق کہا میں وہی حال تمھارا کروں گا۔۔جو بقول تمھارے حویلی کی عورتوں کا ہوا ہے۔۔۔

وہ اسے پیچھے کو دھکیلتا بیڈ سے اٹھا تھا۔اپنی شال اور گاڑی کی چابیاں اٹھائے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

امینہ خانم کی بات سنتے ارحام خانزادہ صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔ وہ ابھی ابھی اسلام آباد سے حویلی آیا تھا۔۔ سمیع اللہ خان کے فون کال پر اسے حویلی آنا پڑا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق سب سے پہلے وہ امینہ خانم سے ملنے زنان خانے میں ہی آیا تھا۔۔ وہ زنان خانے کے لاونج میں امینہ خانم کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا ان کی بات سنتے پریشان ہوا تھا۔۔

کیا کہہ رہی ہیں مورے آپ؟؟ ارحام خانزادہ نے الجھن بھرے انداز میں استفسار کیا۔

یہ تو خوشی کی بات ہے ارحام تم پریشان کیوں ہو رہا ہے؟؟ فرشتے کا قسمت کھل گیا ہے۔۔

لڑکا والوں نے بہت عاجزی اور احترام سے تمھارا دادا جی سے فرشتے کا ہاتھ مانگا ہے۔۔

حاکم خان کا بیٹا حیدر خان۔۔ جو اسی سال اپنے علاقے سے الیکشن جیت کر علاقہ کا چیئر مین بنا ہے۔

سب سے بڑا بات لڑکا کنوارہ ہے۔۔ ان کا کہنا تھا انھیں فرشتے بہت پسند ہے۔۔ ان کا گھر کا کسی عورت نے فرشتے کو بہت پہلے پسند کر لیا تھا۔۔ فرشتے کی شادی کے بعد وہ بہت مایوس ہو گیا تھا۔۔ ان کو آج تک اپنا بیٹا کے لیے کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آیا تھا۔ جب ان کو پتہ چلا کہ فرشتے کا طلاق ہوا ہے تو انہوں نے بہت پیار سے محبت سے فرشتے کا رشتہ مانگا ہے۔۔ حق مہر میں وہ اپنا زمینیں فرشتے کے نام لکھنے تک کو تیار ہے۔۔ حاکم خان تمھارا دادا جی کا بہت عزت کرتا ہے۔۔ تمھارا بھی بہت تعریف کر رہا تھا۔۔ وہ بہت مان اور عزت سے فرشتے کا رشتہ مانگ کر گئے ہیں۔

ارحام خان نے امینہ خانم سے ساری تفصیل سنتے پر سوچ انداز میں سر ہلایا

۔۔

حیدر خان کو وہ پرسنلی طور بھی جانتا تھا۔۔ ایک دو بار بزنس پارٹیز میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔۔ وہ واقعی میں ایک بہت اچھا انسان تھا۔

ہم چاہتا ہے تم لڑکا والوں کا گھر بار دیکھ آؤ۔۔ لڑکا سے مل لو پھر کوئی فیصلہ لے لیتے ہیں۔۔ ویسے تو تمھارا دادا جی تمھارا کا اس رشتے کے لیے حامی بھر چکا ہے۔۔ مگر تمھارا رضامندی ضروری ہے۔۔ فرشتے کا بڑا بھائی تو تم ہے۔ آخری فیصلہ تو تم نے کرنا ہے۔۔ امینہ خانم نے کہا۔۔

ٹھیک ہے میں مل لیتا ہوں۔۔ کیا آپ نے فرشتے سے اس کے متعلق پوچھا ہے۔۔ جو بھی فیصلہ ہو گا۔۔ وہ فرشتے کی رضامندی پر ہی ہو گا۔۔ ارحام نے امینہ خانم کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ارحام تم جانتا ہے وہ بیچارہ بہت سیدھا اور معصوم ہے۔ اس معصوم نے کیا کہنا ہے۔۔۔ اس کا فیصلہ تم نے ہی کرنا ہے۔۔

ہم لڑکا کے گھر کی عورتوں سے ملا ہے۔۔ سب بہت اچھا ہے۔ فرشتے کے لیے اس سے بڑھ کر رشتہ نہیں ہو سکتا۔۔

لیکن پھر بھی آپ اس سے ایک بار پوچھ لیں۔ میں اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں چاہتا۔۔

ارحام سنجیدگی سے کہتا صوفے سے اٹھا تھا۔۔

۔۔ارحام وہ تو ہم پوچھ لے گا۔۔ مگر اس سے پہلے ہم چاہتا تم لڑکا کے گھر جا کر سب سے مل لو۔۔ انھیں اچھی طرح پرکھ لو۔۔ تم حور کو بھی اپنا ساتھ لے کر جاؤ۔۔ امینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے ارحام کا چہرہ بغور دیکھا جہاں اس بات سے ناگواری چھائی تھی۔۔

حور کا کیا کام ؟؟ ارحام نے بھنویں اچکائے استفسار کیا۔

ارحام وہ تمھارا بیوی ہے۔ اس گھر کا بہو ہے۔۔ فرشتے کی خاطر تمھیں اس کو ساتھ لے کر جانا پڑے گا۔۔

اس کی گھر کی عورتوں سے ہم مل چکا ہے۔۔ حور بھی تمھارا بیوی کے طور پر مل چکا ہے۔۔

ان کو حور بہت پسند آیا ہے۔۔ وہ خاص طور پر حور کو اپنا گھر آنے کو کہہ کر گیا ہے۔ امینہ خانم کی بات پر ارحام کی پیشانی پر بل نمودار ہوا تھا۔۔

حور بہت پسند آئی ہے۔۔ یہ الفاظ سخت زہر لگے تھے۔۔

اس کو اچھی طرح سمجھا کر لے کر جانا۔۔ وہاں کوئی بھی ایسا ویسا بات نہ کرے۔۔ ہم بھی چلتا تمھارا ساتھ۔۔۔ مگر ہمارا طبعیت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ ہم چاہتا ہے تم کل ہی حیدر خان سے مل لو۔۔ امینہ خانم کے انداز میں فرشتے کے لیے پریشانی دیکھ کر وہ مبہم سا مسکرایا تھا۔ انہوں نے ایک

ماں کی طرح ہی ان دونوں کو پالا تھا۔۔ فرشتے کے لیے وہ دن رات پریشان رہتی تھیں۔۔ وہ فرشتے کو لے کر ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہی تھیں۔ اس لیے عجلت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

ٹھیک ہے لے جاؤں گا۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔۔ وہ کچھ بھی ایسا ویسا نہیں کہے گی۔۔۔

ارحام نرمی سے کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا.

ارحام خانزاہ کمرے میں داخل ہوا تو کمرے میں نیم اندھیرہ چھایا تھا۔ شدید سردی کی وجہ سے کمرے کا آتش دان جل رہا تھا۔

کمرے میں ہلکی سی مدھم سی سائیڈ لیمپ کی روشنی بھی جل رہی تھی۔ ارحام نے اپنی شال اتارتے صوفے پر رکھی۔۔۔ ارحام کے قدم بے اختیار بیڈ کی طرف بڑھے تھے۔ جہاں وہ نازک مومی وجود سو رہا تھا۔ وہ اپنی بے اختیاری پر حیران ہوا تھا۔۔ اتنے دنوں سے وہ اس کی نفرت میں سلگ رہا تھا۔۔ مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی آنکھیں اسے ہی دیکھنے کو متلاشی تھیں۔

وہ بغیر کمبل کے ایک تکیہ سینے کے ساتھ لپٹائے کروٹ کے بل لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔۔ ارحام کچھ پل اس کے معصومیت بھرے حسین چہرے کو دیکھتا رہا۔ تکیے کے ساتھ اسے لپٹے دیکھ کر اس کی پیشانی پر ننھا سا بل نمودار ہوا تھا۔

وہ ہاتھ بڑھا کر تکیہ اس سے علیحدہ کر چکا تھا۔۔ یہ ایک بے اختیاری عمل تھا۔۔ وہ تکیے کے ساتھ جس طرح لپٹی تھی۔۔ وہ ارحام خانزادہ کو کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

حور نے ہلکا سا کسمساتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔۔ ارحام کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ ہڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔۔

ہلکی گلابی رنگت پل میں زرد پڑی۔۔ پھر یکدم اسی رنگت نے شدید سرخی اختیار کی تھی۔۔ ارحام نے دلچسپی سے اس کی بدلتی رنگت کو دیکھا تھا۔ اس کے تاثرات اسے محظوظ کر چکے تھے۔۔

وہ سفید سلک کی سلیولیس گہرے گلے والی نائیٹی میں ملبوس تھی۔۔ جو صرف گھٹنوں تک آتی تھی۔۔ حور خفت کے مارے اب نظریں بھی نہیں اٹھا رہی تھی۔

یہ کونسا ٹائم ہے سونے کا؟؟ دن کے بارہ بج رہے ہیں۔۔۔ ارحام اس کے ہوش ربہ سراپے سے نظریں چراتے ہوے بولا۔۔

نظریں بار بار بھٹک کر اس کے چہرے سے ہوتی اس کے نازک سراپے پر ٹھہر رہی تھیں۔

میری طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ مجھے ٹائم کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ حور نے نظریں جھکائے ہی جواب دیا۔۔

یہ کس حلیے میں ہو؟؟ کچھ تو شرم ہونی چاہیے۔۔ کمرے کا دروازہ بھی لاک نہیں تھا۔۔ سفید سلک نائٹی میں اس کا نازک سانچے میں مومی سراپہ قیامت ڈھا رہا ہے۔ اب کی بار اس کی بدن کی رعنائیوں کو قہر بار نگاہوں سے دیکھتے درشتگی سے کہا۔۔

حور کو سلیو لیس نائٹی میں دیکھ کر اسے بلکل اچھا نہیں لگا تھا۔ کمرے میں کوئی بھی ملازمہ کوئی گھر کی خواتین آسکتی تھی۔۔ اس حلیے میں گھر کی کوئی خواتین یا ملازمہ بھی اسے دیکھے کہاں گوارا تھا۔

اس لڑکی کو دیکھ کر ایک ہی جذبہ پوری شدت سے اس کے اندر سرائت کرتا تھا۔۔ وہ تھا حق ملکیت۔۔۔۔۔۔۔۔

مم۔۔۔ مم۔۔۔ میری۔۔۔ طبعیت۔۔ ٹھیک نہیں تھی۔ میڈیسن لی تھی۔۔ رات گھبراہٹ کے باعث مم۔۔۔ میں نے گاؤن اتار دیا تھا۔۔ اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں چلا کب نیند آگئی۔۔ حور نے فق رنگت کے ساتھ شرمندگی سے بتایا۔۔۔

ہممم۔۔۔ ارحام نے اس کا چہرہ بغور دیکھا جو بخار کی وجہ سے شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ تیز بخار میں پھنک رہی ہے۔

اب تو طبعیت ٹھیک ہے تمھاری۔۔۔ ارحام اس کی ظاہری نقاہت زدہ حالت دیکھتے ہوے بھی انجان بن گیا تھا۔۔

جی۔۔۔ حور نے ایک نظر ارحام کو دیکھا جو سرد سپاٹ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ٹھیک ہے میری طبعیت اب۔۔۔۔ حور نے نظریں جھکائے ہی جواب دیا۔۔ جب سامنے کھڑے ستم گر کو پرواہ نہیں تھی تو وہ کیوں کر اپنی طبعیت کا واویلا کرتی۔۔ یہاں کون تھا اس کے نخرے اٹھانے والا۔۔۔۔۔۔

ناز نخرے اٹھانے والا باپ تو تھا نہیں۔۔۔۔جو اس کے ذرا سے چھینکنے پر ہی اپنی بزنس میٹنگ کینسل کر کے آجاتا تھا۔

حور کی آنکھیں پل میں بھیگی تھیں۔۔۔

پاپا۔۔۔۔اس کے گلابی لبوں نے سرگوشی میں جنبش کی

ارحام اس کے لبوں سے لفظ پاپا سنتے چونکا تھا۔۔

حلیہ درست کرو۔۔۔۔میرے لیے چائے لے کر آؤ۔۔ارحام درشت انداز میں حکم دیتا واش روم کی جانب بڑھا۔۔

حور اپنے چکراتے سر کو تھامتے بیڈ سے اٹھی۔ جس دن سے ارحام کے کہنے پر اس نے اپنے ڈاکومنٹس جلائے تھے۔۔اس دن سے اس نے سب سے زیادہ یاد اپنے پاپا کو کیا تھا۔۔

ان کی خواہش تھی وہ ورلڈ کی بیسٹ ڈاکٹر بیسٹ سرجن بنے۔۔۔

بخار کی شدت اور کچھ ارحام کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے حواس سلب ہوے تھے۔۔۔۔اسی لیے ایسے ہی بوکھلائے سے انداز میں دروازے کی جانب بڑھی۔۔

ارحام ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اسے دروازے کے ساتھ غصے سے دھکیل گیا۔۔

حور کی کمر دروازے کے ساتھ بری طرح لگی۔۔ درد کی لہر کمر سے اٹھتی پورے بدن میں سرایت کر گئی۔۔

کہاں جا رہی ہو۔۔۔ ارحام نے اس خون اشام نگاہوں سے گھورتے ہوے پوچھا۔۔

آپ کے لیے چائے بنانے۔۔۔ حور نے کمر میں اٹھتے درد کو لب کچلتے دبایا۔۔

تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے اس حلیے میں باہر جاؤ گی۔۔ ارحام اس کی کلائی کو دبوچتے غرایا۔۔

کلائی چھونے پر ہی اسے اندازہ ہو چکا تھا۔۔ وہ بخار میں جل رہی ہے۔۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح خود پر بے حسی کا لبادا اوڑھ گیا۔

ویسے بھی اس وقت اس کے ایسے حلیے میں باہر جانے پر وہ شدید اشتعال کا شکار ہوا تھا۔۔جی کر رہا تھا اس نازک جان کے بخیے ادھیڑ دے۔۔اور رحم جیسا جذبہ اسے ایسے باہر جاتے دیکھ کر ہی مفقود ہو چکا تھا۔۔

مم مجھے بلکل اندازہ نہیں تھا۔۔ مم مجھے پتہ نہیں چلا۔۔ حور نے لب کچلتے نظریں جھکائے کہا۔۔

اپنا حلیہ درست کرو۔۔۔۔اور پھر باہر جانا۔۔ آج تو معاف کر رہا ہوں۔۔ آئیندہ غلطی سے بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔۔

ارحام اس پر سلگتی نظر ڈالتا واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند ہوا تھا۔۔ دھاڑ کی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کتنا غصے میں ہے۔۔ حور اپنی آنکھیں رگڑتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

۔

ارحام شاور لے کر کمرے میں آیا تو حور کمرے میں نہیں تھی۔۔ ارحام نے اپنی استین فولڈ کرتے کہنیوں تک چڑھائی تھی۔۔ اپنے گیلے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوے خود پر پرفیوم چھڑکنے لگا۔

حور چائے لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اب وہ گلابی کلر کے پلین گرم سوٹ میں ملبوس تھی۔ جس پر بلیک سلیولیس اوپن جرسی پہن رکھی تھی۔۔ سر پر گلابی دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ گلابی دوپٹے کے حالے میں اس کی سرخ و سفید رنگت دمک رہی تھی۔ بخار اور فلو کی وجہ سے گال زیادہ ہی سرخ تھے۔ ۔ آنکھیں بھی گلابی ہو رہی تھیں۔ جیسے کچن میں روتی رہی ہو۔ وہ سردی کی وجہ سے ہلکا ہلکا کانپ بھی رہی تھی۔

ارحام نے ایک ہی نظر میں اس کا سر تا پیر جائزہ لیا تھا۔۔

ارحام اسے گہری نظروں سے دیکھتا صوفے کی جانب بڑھا۔۔

۔صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے ایک بار پھر سے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔۔اس کی نظریں گہرائی سے اس کے ایک ایک نقش کو کھوج رہی تھیں۔۔دل ہی دل میں وہ پوری سچائی سے اعتراف بھی کر رہا تھا کہ اس سے حسین چہرہ پوری کائنات میں کسی کا نہیں ہو سکتا۔۔

حور اس کی نظروں کی گہرائی سے پزل ہوئی تھی۔۔ہاتھ میں چائے کا کپ لرزا تھا۔۔جس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے وہ ارحام کی طرف بڑھی۔۔

آپ کی چائے۔۔۔حور نے کپ ارحام کی طرف بڑھایا۔ٹیبل پر رکھ دو... اس کے ہاتھوں کی لرزش کو بغور دیکھتے ارحام نے کہا۔

حور کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے جانے لگی تھی کہ اس کی کلائی ارحام کی آہنی گرفت میں آئی۔۔

یہ کیا ہوا ہے ؟؟۔۔ ارحام نے اس کی ہتھیلی کو دیکھتے کہا جو سرخ ہو رہی تھی۔ جس پر آبلہ سا پڑا تھا۔۔

آپ کی چائے بناتے وقت گرم ساس پین میرے ہاتھ پر الٹ گیا۔۔ گرم گرم چائے میری ہتھیلی پر گر گئی۔۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں سسکتے ہوے بتایا۔۔ اس کا ہاتھ بہت بری طرح جلا تھا۔۔ ہاتھ کی جلد جیسے اتر گئی تھی۔

اس کے آنسو اس کی سسکیاں نظر انداز کر گیا تھا۔۔ اسے دیکھتے ہی اس دن والا اس کا انکار یاد آیا تھا۔۔ اس کے پاس آنے پر وہ کیسے تڑپ اٹھی تھی۔۔۔ ارحام جب جب یاد کرتا سلگ اٹھتا۔۔ آج تو اسے دیکھ کر سارے زخم ہرے ہوے تھے جیسے۔۔۔۔

کتنی دیر ہو گئی ہے ہمارا نکاح ہوے۔۔ ارحام نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوے پوچھا۔۔

چائے کا پہلا گھونٹ بھرتے ہی حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔۔ چینی کی جگہ وہ نمک ڈال کر لے آئی تھی۔

پتہ نہیں برزخ میں جلتے کون دن رات گنتا ہے۔ حور نے اپنی بھیگی آنکھیں ارحام خانزادہ پر گاڑھیں۔۔ ارحام کو اپنے حلق میں اترتا ہوا وہ گھونٹ زہر کی طرح لگا تھا۔۔

حور کے لفظ انی کی طرح گڑھے تھے دل میں۔۔۔

ارحام نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔وہ اس کی سرد نگاہیں دیکھتے وہاں سے جانے لگی مگر وہ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔

حور کی سرخ رنگت میں زردیاں سی گھلی تھیں۔

اس کی رنگت میں زردی گھلتی محسوس کرتے وہ استھزائیہ مسکرایا تھا۔

برزخ میں جلنا کیا ہوتا ہے؟؟ ابھی میں نے تمھیں محسوس ہی نہیں کروایا۔۔۔ایک دن بھی تمھیں جلنا پڑتا ناں تو تمھاری زبان لفظ ادا کرنا بھول جاتی۔۔۔۔وہ اس کے گال پر اپنی کھردری انگلی ٹریس کرتا بولا۔

کھردری انگلی کا لمس جتنا نرم تھا۔۔ اتنا ہی نرم لہجے میں سرد پن تھا۔۔ اور یہ سرد پن حور کو اپنے رگ وپے میں اترتا محسوس ہوا۔

حور اس کی گود میں لرزتے ہوئے بیٹھی تھی۔۔ وہ سراسیمگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو اس کا دوپٹہ نرمی سے اتار کر صوفے پر رکھ چکا تھا۔ ارحام کا ہاتھ اس کی کمر پر اب نرمی سے سرایت کر رہا تھا۔

اس وقت اس کی اتنی ہمت نہیں تھی۔۔ وہ اس کی جنون خیزیاں سہتی۔۔ اس لیے وہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

بہت ڈرتی ہو مجھ سے۔۔۔ ارحام نے اس کا کانپنا محسوس کر کے استھزائیہ مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ظالم سے کون نہیں ڈرتا۔۔کانچ سی آنکھوں کی نمی شدت اختیار کرتے گالوں پر بہنے لگی۔۔

کیا ظلم کیا تم پر؟؟وہ سراپا سوال تھا۔۔

حور کو اس کے سوال سے زیادہ آنکھوں نے حیران کیا تھا۔جہاں بے حسی طاری تھی۔۔اسے اپنے ظلم کا احساس ہی نہیں تھا۔۔وہ اب کیا شکوہ کرتی۔۔وہ صرف اسے نم زدہ خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔۔

میں ظالم ہو سکتا ہوں. مگر تم مظلوم نہیں ہو۔۔وہ اس کی نم آنکھوں میں دیکھ کر بے حسی سے مسکرایا تھا۔۔

یقیناً ایسا ہی ہے۔۔حور نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے مستحکم لہجے میں کہا۔۔

گڈ۔۔۔۔۔۔ تمھارے لب اب روانی سے لفظ ادا کرتے ہیں۔ ٹوٹ ٹوٹ کر بولنا چھوڑ دیا ہے تم نے۔۔ وہ استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

آپ کی بے حسی نے بولنا سکھا دیا۔ نم لہجے میں ٹھک سے جواب آیا۔ ارحام کی بھنویں تنی تھیں۔

اس کی آنکھوں میں چھایا سرد پن محسوس کرتے وہ اندر تک سلگ رہا تھا۔ اوپر سے اس کی باتیں اسے بری طرح مشتعل کر رہی تھیں۔ وہ اس کی خالی خالی نگاہوں جس میں نفرت کی آنچ بھی تھی۔۔ دیکھتا پاگل ہو رہا تھا۔۔

ہمارے نکاح کو چار ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔۔ مگر تم ایک چائے بھی بنانا نہیں سیکھ سکی۔۔

یہ چائے بنائی ہے تم نے ؟؟ ارحام نے سخت لہجے میں استفسار کرتے اسے سرد نظروں سے گھورا۔۔

حور کی نظر بے اختیار بھاپ اڑاتے ہوئے مگ کی طرف اٹھی تھی۔اس نے تو آج بہت محنت سے چائے بنائی تھی۔۔

جواب دو میری بات کا؟؟ وہ اب سرد آواز میں پھنکارہ تھا۔

کک کون سی بات ؟؟ حور کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی اس دن مجھے انکار کرنے کی ؟؟ ارحام نے پھنکارتے ہوئے پوچھا۔۔

وسوال بدلتے اسے عذاب میں ڈال چکا تھا۔۔وہ سمجھ چکی تھی۔۔ آج وہ ہر حال میں اپنا جواب حاصل کر کے رہے گا۔

اس دن سے اس کا دل لرز رہا تھا کہ وہ اس بات پر واپسی پر اسے جانے کیا سزا دے,؟؟؟۔۔ارحام کی سرد آواز میں پھنکار محسوس کرتے حور کی آنکھوں کے سامنے وہ رات آئی تھی۔۔جس کے ایک ایک لمحے میں وہ ذلت کی موت مری تھی۔جسے سوچتے آج بھی اس کے اندر سرد لہر اتر جاتی تھی۔۔کیا وہ پھر سے اسے ایسی ہی سزا دے گا۔؟؟حور کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائی لہرائی۔

اپنے ڈاکومنٹس جلتے دیکھ کر وہ اتنی اذیت کی انتہا پر تھی۔اس انتہا پر جاتے اسے صرف ارحام سے نفرت ہوئی تھی۔۔ارحام کا ڈر خوف سب کہیں دور جا سویا تھا۔۔اس کا لمس اسے اس پل زہریلے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو رہا تھا۔۔تکلیف کی شدت سے وہ بلبلا اٹھی تھی۔۔مگر اس کے جانے کے بعد وہ مزید اس سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔

وہ نفرت کرتی یا اپنے لیے آواز اٹھاتی۔۔ مگر سچ تو یہی تھا وہی اس کا سائبان تھا۔۔اس کے جسم و جاں کا مالک تھا۔۔

باہر کی دنیا تو اس کے لیے درندوں سے بھری پڑی تھی۔۔وہ اپنی جان بچا کر جاتی بھی تو کہاں جاتی۔۔

یہ چائے پیو۔۔۔ارحام نے اس کے خوبصورت چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے وہ چائے کا کپ تھاما۔۔

پیو اسے۔۔۔ارحام نے اپنی بات پر زور دیتے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔

حور نے وہ کپ منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر ڈالا۔۔

ارحام نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔۔ جس کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔ مگر وہ گپ چپ مہر بے لب تھی۔۔

اس کے آرام سے چائے پینے پر وہ بری طرح لب بھینچ گیا تھا۔۔ اتنی کڑوی چائے جس کا ایک گھونٹ وہ حلق سے نہ اتار سکا۔۔

وہ گرم کڑوی چائے ایک ہی سانس میں اپنے حلق سے اتار چکی تھی۔

اتنی کڑوی چائے ایک ہی سانس میں پی گئی ہو۔۔ ایمپریسیو۔۔۔۔۔ ارحام لب سکوڑے طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

زندگی اس سے کہیں زیادہ کڑوی ہے۔۔ حور کی بات ارحام کے بدن میں شعلے سے بھڑکے تھے۔

گڈ۔۔۔۔۔۔بہت سٹیمنا آگیا ہے تم میں۔۔۔یقیناً آج رات میرا غصہ برداشت کرلو گی۔۔ارحام نے داؤ کھیلا تھا۔۔اس کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا پسند نہیں آیا تھا۔۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔بات آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی نہیں تھی۔۔بات اس کرب کی تھی۔۔جو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔مگر اب اس کی آنکھوں میں ٹھہرا درد کرب اسے اپنی آنکھوں میں ریت کی طرح چبھ رہا تھا۔یہی بات اسے پھانس کی طرح چبھ رہی تھی۔

۔۔

اس کی فق رنگت اور اس کے بدن کی بڑھتی کپکپاہٹ نے ارحام کی رگوں میں گویا سکون اتارا۔

میرے سامنے آواز تب ہی اٹھانا جب مجھے برداشت کرنے کے قابل ہو جاؤ۔۔ ارحام اس کی کمر پر گرفت مضبوط کرتے اسے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا۔۔۔ حور کے لب ارحام کی ٹھوڑی سے ٹکرائے تھے۔۔ گلابی نرم لبوں کا محسوس کرتے ارحام کے پورے وجود میں سکون سا اترا تھا۔

وہ اسے اپنی گود سے جھٹکے سے اتارتا صوفے سے یکدم کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی صرف ضرورت تھی۔۔ سکون کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔۔ پھر سے اس کا اس دن کا تڑپنا یاد آیا تھا۔۔ وہ کیسے اس کے نزدیک آنے پر اسے دھتکار سکتی ہے۔۔ دل و ماغ میں پچھلے کچھ دنوں سے یہی جنگ چھڑی تھی۔۔ اس لڑکی کی اتنی سی بات اسے کیوں اتنی تکلیف دے رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا

تھا۔اس کے تڑپنے پر اس کے چیخنے پر اس نے اپنا حق کیوں نہیں لیا۔۔کیوں وہ اس دن واپس چلا گیا تھا۔۔ارحام اسے گھورتے اپنے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا تھا۔۔

حور ارحام کو دیکھتے اپنے لب کاٹتے صوفے سے کھڑی ہوئی۔وہ اس پر غصیلی نظر ڈالتے وہاں سے جانے لگا مگر اس کے بخار سے تمتماتے چہرے پر ڈالتے وہ رکا تھا۔۔وہ سردی سے ٹھٹھرتی بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔۔

کھانا کھایا تھا۔۔۔اس کی طبعیت کے پیش نظر وہ نہ چاہتے ہوے بھی پوچھ بیٹھا تھا۔

نہیں۔۔۔۔حور نے آہستگی سے کہا۔۔

کچن میں جاؤ کھانا کھاؤ۔۔ پھر میڈیسن لو۔۔۔ شام تک تمھارا بخار اتر جانا چاہیے۔۔ شام میں اچھا سا تیار ہو جانا۔۔ ارحام نے اپنے کف فولڈ کرتے اس کے چہرے کو دیکھا۔ جہاں اس کی بات سنتے خوف وہراس سا پھیلا تھا۔۔ وہ اس کی باتوں کا مطلب کچھ اور ہی سمجھی تھی۔

شام میں ہمیں کہیں جانا ہے۔۔۔ شام تک تمھارا بخار اتر جانا چاہیے۔۔ ارحام نے اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھتے نرمی سے کہا۔

اسے اس پر ترس سا آیا تھا جیسے۔۔۔

جی۔۔۔۔ حور نے اثبات میں سر ہلایا۔۔

اب جاؤ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔۔ شام سے پہلے کمرے میں نہ آنا۔۔ وہ اس کے سراپے پر نظریں جمائے سرد لہجے میں بولا۔۔ یقیناً وہ اس کمرے

میں موجود ہوتی وہ آرام نہ کر پاتا۔۔ اسے دیکھتے ہی اس کے بدن میں اس کی قربت کی چاہ انگڑائیاں لینے لگی تھی۔۔ وہ اتنا تو جان چکا تھا سامنے کھڑی لڑکی اب اس کی جیسے ضرورت سی بن گئی تھی۔۔ جس کی پناہوں میں اسے سکون ملتا تھا۔

حور اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے جانے لگی۔۔

ارحام کی پکار پر رکی تھی۔ پلٹ کر ارحام کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ آئیندہ میں تمھیں دیر تک کمرے میں آرام کرتا نہ دیکھوں۔۔ یہی اصول گل کے لیے تھا۔۔ رات اسے میرے حقوق ادا کرتے چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جاتی تھی۔۔ صبح سات بجے وہ زنان خانے میں ہوتی تھی۔ مورے دل کی بہت اچھی ہیں۔ وہ کبھی تم پر سختی نہیں کریں

گی۔۔ مگر اب تم اس حویلی کی بہو ہو۔۔ تمھیں پتہ ہونا چاہیے تمھاری کیا ذمہ داریاں ہیں۔۔۔۔۔۔ مجھے اب تم بلا ضرورت کمرے میں نظر نہ آؤ۔۔۔ تمھارا ٹائم کچن میں زیادہ گزرنا چاہیے۔۔ تاکہ تم کھانا بنانا سیکھ سکو۔۔ اگلی بار میرے لیے ایسی چائے بنائی تو سزا کے طور پر صرف چائے پینا تمھارے مقدر میں نہیں ہو گی۔۔ اس پر قہری بھری نظر ڈالتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔۔ وہ اسے اس ٹائم اپنے پناہوں میں چاہیے تھی۔۔ مگر اس کی مراد نہ آنا اسے اس کے پاس جانے نہیں دے رہی تھی۔۔ اس لیے اپنا غصہ ایسے اس پر نکالا تھا۔۔ دوسرا وہ اسے مکمل طور پر اس حویلی کی عورتوں کے سانچے میں ڈالنا چاہتا تھا۔۔ وہ اب ہمیشہ اسے صرف اپنا بنا کر اس حویلی میں رکھنا چاہتا تھا۔۔

وہ کمرے کی لائٹ آف کرتا بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

حور خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

.----------

حور بلیک ویلوٹ کی لانگ کام دار فراک پر بلیک بڑا سا نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔ سلکی بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ یہ ڈریس درخشاں اس کے لیے نکال کر گئی تھی۔۔ امینہ خانم نے اسے بہت اچھا سا تیار ہونے کو کہا تھا۔۔ اسے سونے کی جیولری بھی پہننے کو کہا تھا۔۔ سب کچھ آج درخشاں نے ہی سلیکٹ کیا تھا۔۔ حور نے گلے میں ہیوی سونے کا گلوبند پہن رکھا تھا۔۔ جس کے ساتھ سونے کے ٹاپس تھے۔۔ سونے کے کڑے پہنے تھے۔ لائٹ سا میک اپ کیے وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ میڈیسن لینے کی وجہ سے وقتی طور پر بخار اتر چکا تھا۔۔ مگر اسے سردی

بہت لگ رہی تھی۔۔شاور لینے کی وجہ سے اب سردی کی وجہ سے اسے جھرجھریاں سی آرہی تھیں۔مگر اسے ہر حال میں ارحام کا حکم ماننا ہی تھا۔۔

حور نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے خوبصورت سی شال ایک کندھے پر ڈالے باہر کار پورچ میں آئی۔جہاں گاڑی میں ارحام اس کا انتظار کر رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس بلیک شال کندھوں پر ڈالے گاڑی میں بیٹھا حور کا انتظار کر رہا تھا۔۔جسے وہ پانچ منٹوں تک باہر آنے کا حکم دے کر آیا تھا۔۔

پانچ سے دس منٹ ہو چکے تھے۔۔وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔۔

ارحام لب بھینچے اس کا انتظار کر رہا تھا۔۔ وہ آتے دکھائی دی۔۔ ارحام کا رنگ غیض و غضب سے سرخ پڑا تھا۔۔

وہ کھلے چہرے کے ساتھ ہی باہر آچکی تھی۔۔ یہاں کتنے ہی ملازم کھڑے تھے۔۔ ارحام جلدی سے گاڑی سے اترتا حور کی طرف بڑھا۔۔ حور کو کلائی سے دبوچے وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر کی جانب بڑھا۔۔

حور سہمتے ہوئے ارحام کے ساتھ کھنچتی ہوئی اندر آئی تھی۔۔ ارحام کی تنی ہوئی بھنویں اور اس کی ماتھے کی ابھری ہوئی وینز اس کے شدید اشتعال میں ہونے کا ظاہر کر رہی تھیں۔ حور کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ اسے اپنا کوئی قصور کوئی غلطی نظر نہیں آئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اتنا غصے میں آتا۔ وہ تو طبعیت کی خرابی کے باعث بھی تیار ہوئی۔۔ مگر وہ اتنا غصے میں کیوں تھا۔ وہ اس کے ساتھ کھنچتی اس کے سرخ و سفید دیکھتے سوچ رہی تھی۔

ارحام۔۔۔۔۔اس نے سسکتے ہوے پکارا۔۔جوابًا اس نے اسے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا۔وہ اسی پل خاموش ہو گئی تھی۔

ارحام اسے کلائی سے دبوچتے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسے بیڈ پر بری طرح پٹخا تھا۔

حور اوندھے منہ گرتی سیدھی ہو کر ارحام کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔۔دوپٹہ سر سے پھسلتا شانوں پر آیا تھا۔۔شال کمرے کے وسط میں ہی گر چکی تھی۔۔

وہ سراسیمہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔۔جو خون اشام نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

کک کیا ہوا؟؟ حور نے ارحام کے سرخ چہرے کو دیکھتے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا تھا۔

ارحام ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کے بال اپنی مٹھی میں دبوچ چکا تھا۔

یہ کس حلیے میں آئی تھی تم باہر ہاں۔۔۔ وہ غرایا تھا۔۔

ارحام کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟؟ جس طرح آپ کی مورے نے کہا میں تو ویسے ہی تیار ہوئی ہوں۔۔ دوپٹہ بھی سر پر لیا ہوا تھا۔۔ حور نے اس نے فق رنگت کے ساتھ نا سمجھی سے پوچھا۔۔

حور تم پچھلے چار ماہ سے یہاں پر ہو۔ تمھیں ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ یہاں کی عورت کس طرح خود کو چھپا کر باہر نکلتی ہے۔ تم اس طرح تیار ہو کر کھلے منہ کے ساتھ باہر چلی آئی۔۔ ارحام کی گرفت اس کے بالوں پر مضبوط ہوئی تھی۔

ارحام آپ نے کہا تھا کہ فرشتے آپی کے رشتے کے سلسلے میں ان کے ہونے والے سسرال جانا ہے۔۔ آپ کی مورے نے بھی اچھا سا تیار ہونے کو کہا تھا۔۔ حور نے لرزتے لبوں سے کہتے اپنے بال اس کے شکنجے سے چھڑوانے کی کوشش کی۔۔

وہ غصے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے اس کے بالوں کو جھٹکا دے گیا تھا۔

حور کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔ وہ اس کے آنسو دیکھتا اس کے بالوں پر اپنی گرفت نرم کر چکا تھا۔۔

نظر اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔ ذرا سی تیاری نے اس کا روپ دو آتشا کر دیا تھا۔۔ کانچ سی کرسٹل براؤن آنکھوں میں کاجل کی باریک سی لکیر اس کی آنکھوں کی خوبصورتی کئی گنا بڑھا چکی تھی۔

ارحام خانزادہ کو اپنا آپ ان گہری شفاف آنکھوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے اس سے دور ہوا تھا۔

اس سے دور ہوتے اسے ایک نظر دیکھا جو ابھی بھی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام نے اپنی آئی برو مسلتے ہوے اپنا غصہ ظبط کرنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ تو گیا تھا اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔۔ وہ چار ماہ سے اس کے ساتھ

تھی۔۔ مگر اس کے ساتھ ایسے کبھی باہر نہیں گئی تھی۔۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کے گھر جا رہی تھی۔ مگر وہ کیا کرتا باہر کھڑے ملازموں کی نظر وہ اس پر برداشت نہیں کر سکا تھا۔۔ لہو میں ابال سے اٹھتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ اسے ایک نظر دیکھتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔

کبرڈ سے گل کی بڑی سی چادر نکال کر وہ باہر آیا۔

بیڈ پر بیٹھی حور کی طرف بڑھائی۔۔ جسے اس نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑا۔۔ بخار کی وجہ سے ویسے ہی اس کی طبعیت خراب تھی۔۔ اوپر سے ارحام کو

غصے میں دیکھ کر وہ مزید اس کی طبعیت خراب ہو چکی تھی۔۔اب وہ شدید کانپ رہی تھی۔

اسے اوڑھو اچھی طرح۔۔۔ارحام نے سرد آواز میں حکم دیا۔۔

حور نے بیڈ سے اٹھتے وہ چادر اچھی طرح خود پر لپیٹی۔۔

میری بات سنو حور۔۔۔۔فرسٹ اینڈ لاسٹ ٹائم تم سے کہہ رہا ہوں۔ ۔آئیندہ تمھیں لفظوں سے بالکل نہیں سمجھاؤں گا۔میرا ہاتھ تم پر اٹھ جائے گا۔جو میں اٹھانا نہیں چاہتا۔۔اگر اب میرا ہاتھ تم پر غلطی سے بھی اٹھ گیا میں بلکل رحم نہیں کھاؤں گا۔

۔ارحام اس کا بازو سختی سے دبوچے قریب ہوتا غرایا

غصہ اشتعال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔۔کچھ دیر پہلے وہ سلیو لیس نائیٹی میں باہر جا رہی تھی۔۔اب اس طرح کھلے منہ کے ساتھ باہر چلی آئی تھی۔۔رگوں میں دوڑتے خون میں شعلے دہکنے لگے تھے۔۔وہ اس کی عزت اس کی بیوی تھی۔۔اب اس پر کسی کی ایک نظر بھی برداشت نہیں تھی۔

حوردم سادھے کھڑی تھی۔۔اسے ابھی بھی سمجھ نہیں آیا تھا وہ کیوں اتنا غصہ کر رہا ہے؟؟

آئیندہ کسی بھی غیر مرد کی تمھارے ایک بال پر بھی نظر نہ پڑے۔۔تم گھر میں بھی نیٹ کا دوپٹہ نہیں اڑھو گی۔۔چادر اوڑھو گی یا پھر ایسا دوپٹہ اوڑھو

گی۔۔ جس میں تمھارا ایک بال بھی نظر نہ آئے۔۔۔ ارحام نے اس کے خوبصورت چہرے پر نظر ڈالتے چٹانوں سے سخت لہجے میں حکم دیا۔

حور نے ہچکی لیتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔۔

اب یہ آنسو صاف کرو۔۔۔ مجھے کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔۔۔ تم وہاں عورتوں والے حصے کی طرف ہو گی۔۔ وہاں خواتین سے اچھی طرح ملنا۔۔ اوکے۔۔۔۔

اس نے نرمی سے کہتے اس کے گال کو بھی نرمی سے ٹچ کیا۔۔۔ اس کا بری طرح کانپنا محسوس کرتے وہ اپنے اشتعال پر قابو پا چکا تھا۔

چلو اب اپنا چہرہ اس چادر میں چھپاؤ۔۔ ارحام نے اس بار بھی نرمی سے کہا۔۔

حور کانپتے ہاتھوں سے اس چادر سے نقاب کرنے لگی۔

کیا ہوا ہے کانپ کیوں رہی ہو۔؟؟۔ ارحام نے اسے بری طرح ٹھٹھرے دیکھ کر پوچھا۔

وہ کب سے کانپ رہی تھی۔۔ اسے لگا وہ اس کے خوف سے کانپ رہی ہے۔۔ مگر بغور دیکھنے پر معلوم ہوا تھا۔۔ وہ شدید سردی سے ٹھٹھر رہی ہے۔

مجھے سردی لگ رہی ہے۔۔ حور نے ٹھٹرتے ہوے خشک لبوں پر زبان پھیرتے کہا۔۔

ارحام بے اختیار اس کے قریب ہوا۔۔ اپنی ٹھنڈی انگلیاں اس کے ماتھے پر رکھیں۔ وہ بخار میں جل رہی تھی۔۔

ارحام کچھ دیر اسے گہری اور گرم نگاہوں سے دیکھتا رہا۔۔ حور اس کی گہری نظریں خود پر محسوس کرتے نظریں جھکا گئی تھی۔

تم آرام کرو ہم کل چلیں جائیں گے۔۔ میں ان لوگوں کو فون کر کے منع کر دیتا ہوں۔ ارحام اسے گہری نظروں سے دیکھتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

حور اس کی نرمی پر حیران ہوئی تھی۔ مگر اس کی نظروں کی گہرائی دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی۔۔ وہ اتنا نرم کیوں ہوا تھا۔۔ حور نے ڈرار سے میڈیسن نکال کر پانی سے نگلی۔۔ رات تک اسے ٹھیک ہونا ہی تھا۔۔ اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے وہ بیڈ پر لیٹ کر اپنا دایاں بازو آنکھوں پر رکھ گئی۔۔ کمبل

لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔۔وہ بے حس بن کر خود کو رات کے لیے تیار کر رہی تھی۔

ابرش ڈریسنگ مرر سے بلیک نائٹی جس پر بلیک ہی گاؤن تھا۔زیب تن کیے ہوے نکلی تھی۔۔اپنے بالوں کو جوڑے میں لپیٹتے وہ واش روم میں داخل ہوئی۔۔واش روم میں داخل ہونے پر زاران خانزادہ سے بری طرح ٹکرائی ۔۔جو کمر پر ٹاول باندھے اپنے بالوں کو تولیے سے رگڑتے باہر ہی آرہا تھا۔۔زاران خانزادہ کے چٹانی برہنہ سینے پر ہاتھ جماتے ہوے ابرش کی نگاہیں زاران کے وجیح چہرے سے آ ٹکرائی تھیں۔ابرش کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔چہرے میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔گال سرخ گلاب ہوے۔۔وہ شرٹ لیس ٹاول کمر پر باندھے ہوے تھا۔۔اس کے جسم سے

اٹھتی مردانہ خوشبو محسوس کرتے ابرش کو اپنے حواص معتل ہوتے محسوس ہوے۔۔۔زاران کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے ابرش کی آنکھوں میں انسوؤں کی جھلملاہٹ ہوئی۔۔وہ یکدم اس سے دور ہوئی تھی۔۔وہ ہی اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اس کے قریب کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔۔اس نے ایک بار بھی اس کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔۔بلکہ وہ اسے صرف سرد سپاٹ نظروں سے گھور رہی رہا تھا۔وہ روہانسے ہوتے اس سے دور ہوتے واش روم سے باہر نکل آئی تھی۔مگر واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کرنا نہ بھولی تھی۔زاران کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑی تھی۔وہ وال مرر کے آگے کھڑا ہو کر اپنے گیلے بالوں کو ڈرائیر سے خشک کرنے لگا۔

ابرش غصے سے باہر ٹیرس کی طرف آئی۔باہر آتے ہی سرد ہواؤں کے تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا۔سردی کی لہر اسے اپنے وجود میں اترتی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہوئی۔۔مگر وہ بے حس بنی کھڑی دور نظر آتے پہاڑوں کو دیکھنے لگی۔ جہاں سے رات کے اندھیرے میں گھروں میں جلنے والی لائٹس جگنوؤن کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔۔وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے سردی کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔جو اس کی جان لینے کے درپے تھی۔ دو دن پہلے اس نے اپنے ہوش زاران کی بانہوں میں گنوائے تھے۔۔اس کی آنکھ کھلی تو خود کو بیڈ پر موجود پایا تھا۔۔اس وقت درخشاں اس کے پاس تھی ۔وہ کہیں بھی نہیں تھا۔۔دو دن سے درخشاں ہی اس کا خیال رکھ رہی تھی۔۔وہ دو دن بعد آج کمرے میں آیا تھا۔۔ابرش

کو اس کی بے حسی پر رونا سا آ رہا تھا۔۔اس کے لفظ کانوں میں صور سے پھونکتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ سونے کی بھی بن کر آ جائے۔۔اس کی ویلیو اس کے نزدیک پیتل سے بھی کم کی رہے گی۔۔وہ اسے کبھی ہاتھ نہیں لگائے گا۔وہ اپنی حماقت پر بری طرح پچھتا رہی تھی کہ اس نے خود کو کیوں اس کے سامنے پیش کیا۔وہ اتنی آرزاں تو نہیں تھی۔وہ اسے یوں ٹھکرا کر چلا جاتا۔۔

مسٹر خانزادہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔تم اب خود میرے قریب آؤ گے۔۔تمھیں اتنا بے بس نہ کر دیا تو میرا نام بھی ابرش پاشا نہیں۔۔۔۔

وہ اتنی غصے میں تھی خود کے نام کے ساتھ بھی زاران کا نام لگانا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

وہ توہین و خجالت بے بسی کے احساس سے زخمی پرندے کی مانند پھڑ ھڑا رہی تھی۔

زاران واش روم میں بنی کبرڈ سے بلیک ٹروازر اور بلیک ٹی شرٹ پہنے باہر آیا تھا۔۔ ابرش کمرے میں کہیں نہیں تھی۔۔ ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

وہ نایٹی میں ہی ٹیرس پر چلی گئی تھی۔ اور باہر سردی بھی شدید پڑ رہی تھی۔۔ وہ اپنی کنپٹی سہلاتے اپنے غصے کو کم کرنے لگا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا اب وہ اپنا غصہ اس پر اتارے۔۔ وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ٹیرس کی طرف بڑھا

۔۔اسے بازو سے جکڑے کمرے میں لایا تھا۔ ٹیرس کا دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے بند کیا۔

اب میں نے کیا کر دیا ہے مسٹر خانزادہ؟؟ ابرش نے زاران کے تنے ہوے نقوش کو دیکھتے سرد و سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

یہ کس حلیے میں تم ٹیرس پر کھڑی تھی۔۔ بہت شوق ہے تمھیں اپنی خوبصورتی غیر مردوں کو دکھانے کا۔۔۔ جرگے میں تمھارا دل نہیں بھرا تھا۔۔ اب گھر کے ملازموں کو بھی اپنے جلوے دکھانا چاہتی ہو۔۔ زاران اس پر قہر بھری نظر ڈالتا غرایا تھا.

زاران کی بات پر ابرش کی آنکھیں لبالب نمکین پانی سے بھریں۔۔۔ وہ زاران پر زخمی نظر ڈالتے بیڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ زاران گہری سانس بھرتے اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر قابو پانے لگا۔۔ ابرش کی زخمی نظریں

اسے بھی کافی تکلیف پہنچا گئی تھی۔۔ لیکن وہ کیا کرتا وہ ابھی تک ابرش کی غلطیاں معاف کرنے کا ظرف خود میں نہیں پا رہا تھا۔۔ اسفندیار کے لیے بولے گیے لفظ یاد کرتے ہر بار اس کے دل کے زخم ہرے ہو جاتے۔۔ وہ خود کو شعلوں میں لپٹا محسوس کرتا۔۔۔۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی شعلہ جوالہ بیوی کو دیکھا جو اب بیڈ پر پڑے کمبل پر اپنا سارا غصہ اتار رہی تھی۔۔ کمبل اٹھا کر زمین پر پھینک دیا تھا۔۔ بیڈ پر پڑے کشن تکیے تک اس نے زمین پر پھینک دیے تھے۔۔ زاران کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری۔۔

مگر اگلے ہی پل یہ مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلدان اسے نے غصے سے پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔۔

زاران ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا۔۔ وہ زاران کے شرٹ لیس سینے کے ساتھ آ لگی تھی۔

کک کیا مسئلہ ہے ؟؟۔۔ چھوڑو مجھے۔۔ ابرش اس کے حصار میں مچلتے ہوے بولی۔ تم اپنا غصہ ان بے جان چیزوں پر اتارو قبول ہے مجھے۔۔ مگر خود پر اتارو یہ مجھے قبول نہیں ہے۔۔ کسی بھی صورت قبول نہیں ہے۔۔ زاران اس کی دھڑکنوں کے مقام پر نظریں جمائے بولا۔ نائٹی سے نظر آتے اس کے زخم پر خون کے ننھے ننھے قطرے تھے۔ زاران کی بات پر اس نے اپنے زخم کو کھرید ڈالا تھا۔

ابرش اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ زاران کے حصار سے نکلنا چاہا وہ اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑو مجھے زاران کیا چاہتے ہو تم ؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں اپنی سپاٹ آنکھیں گاڑھیں۔

جو تم سوچ رہی ہو وہ بلکل بھی نہیں چاہتا۔۔ زاران اس کے سراپے پر گہری نظریں جمائے طنزیہ بولا تو ابرش اس کی بات کا مطلب سمجھتے خجالت سے سرخ پڑی۔۔

تم اب چاہو گے بھی میں تمھیں اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں اپنی انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے جتایا۔۔۔

زاران اس کی آنکھوں میں نمی اور اس کے انداز پر مبہم سا مسکرایا۔۔ اس کی بھیگی آنکھیں اور اس کا تڑپنا اس کے جلتے دل کو سکون دے گیا تھا۔

ابرش کے اظہار کے بعد بھی اس کا تن من سلگ رہا تھا۔۔وہ چاہ کر بھی اس کی خطا معاف نہیں کر پا رہا تھا۔وہ اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس نے اس کے جذبوں کے ساتھ ساتھ اس کا بھی مذاق بنوایا ہے۔۔وہ اس کے لبوں سے کسی غیر کا نام سن نہیں سکتا تھا۔۔وہ کس طرح کسی اور کے لیے سج سنور سکتی تھی۔۔کسی اور کے لیے محبت کا اظہار کر سکتی تھی۔۔وہ اسے احساس دلانا چاہتا تھا۔محبت میں سوچوں میں بھی بیوفائی کی گنجائش نہیں ہوتی ۔۔۔غلطی کی معافی ہوتی ہے۔۔بیوفائی کی نہیں۔۔۔

تمھارے قریب آنے کے لیے مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں ہے۔۔تمھار جسم اب تمھارا نہیں میری ملکیت ہے۔۔اس لیے میں تمھیں اس میں خیانت کرنے نہیں دوں گا۔۔زاران نے سپاٹ انداز میں کہتے اس کا گاؤن ریمو کیا۔۔

زاران۔۔۔۔۔ابرش نے گلابی پڑتے اسے دیکھا۔زاران کی انگلیاں سختی سے اس کے دل کے مقام کو چھو گئی تھی۔

ابرش نے تکلیف کے احساس سے اپنی آنکھیں میچی۔۔

ابرش کا زخم بگڑ چکا تھا۔۔اس نے بینڈج اور آئنمنٹ لگانا چھوڑ دی تھی۔۔اپنی عادت کے مطابق وہ غصے میں بار بار شاور لیتی تھی۔۔بار بار گیلا ہونے کے باعث زخم خراب ہو رہا تھا۔اوپر سے اس نے اپنا زخم اس کے سامنے ہی کھروچ ڈالا تھا۔

زاران نے تاسف سے اسے دیکھا۔

کیا ہے یہ سب؟؟زاران نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

تمھیں کیا میں مروں یا جیوں۔۔۔۔ابرش نے غصے سے خود کو اس کے حصار سے چھڑوایا۔۔

زاران نے کچھ پل اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد اپنی گرفت نرم کرتے اسے چھوڑ دیا۔۔وہ اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتی وہاں سے جانے لگی۔۔مگر سسکاری بھرتی بیڈ پر بیٹھی تھی۔۔

ٹوٹے ہوے گلدان کی کرچی اس کے پیروں میں چبھ گئی تھی۔زاران اس کے پیروں میں جھکتے پنجوں کے بل بیٹھا۔۔

ابرش زارو قطار رو رہی تھی۔

کیوں رو رہی ہو اتنا؟؟کوئی بھی حماقت کرنے سے پہلے سوچ لو تو اتنے زخم ہی نہ سہنے پڑیں تمھیں۔

زاران اس کے رونے پر جھنجھلایا۔۔

جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو صرف زخم ہی رہ گئے ہیں میرے حصے میں۔۔۔ کیا تھی میں زاران تم نے مجھے کیا بنا دیا ہے؟۔ ابرش نے اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے اس کے ہاتھ جھٹکتے تھے۔۔

ان زخموں کی وجہ میں کبھی نہیں بنا۔۔ تمھیں شوق ہے خود کو زخم دینے کا۔۔ اور دوسروں کو بھی زخم دینے کا۔ زاران اس کا پاؤں سختی سے پکڑے اس میں سے کانچ بے رحمی سے کھینچ چکا تھا۔۔ ابرش کے منہ سے فلک شگاف چیخ بلند ہوئی تھی۔۔ وہ کچھ پل زاران کو ہچکیوں سے روتا دیکھتی رہی۔۔ پھر بیڈ پر اوندھے منہ گر کر زار و قطار رونے لگی تھی۔۔

اس کے پاؤں سے خون بھل بھل کرتا بہہ رہا تھا۔ جسے زاران نے بھی اب روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔

زاران نے زمین سے اٹھتے ابرش کے بری طرح لرزتے وجود کو جبڑے بھینچتے دیکھا تھا۔ دوسرے پل وہ وہ اس تک پہنچتے اسے کندھے سے سیدھا کرتے اس پر مکمل حاوی ہوا تھا۔۔

ابرش سیدھی ہوتی اپنے آنسو روکے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔۔ جو اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

زاران اس کی دونوں ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں بے رحمی سے لاک کر چکا تھا۔۔ سفید بیڈ شیٹ ابرش کے پاؤں سے نکلتے خون سے داغ دار ہو رہی تھی۔

کیا کہہ رہی تھی تم ؟؟ میں نے تمھیں زخم دیے ہیں۔ جتنے تم نے اس دل میں کچوکے لگائے ہیں۔ ان کا کوئی حساب نہیں۔۔ مسسز زاران

خانزادہ۔۔۔زاران اس کی کلائیوں کو جکڑے اس کے چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں بکھیرتے غرایا تھا۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ ابرش اس کے پہاڑ جیسے وجود کے نیچے پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ ہچکی لیتے پوچھا۔

آج تمھیں یہی بتانے تمھارے قریب آیا ہوں تم نے کیا کیا ہے۔۔ میں سارے حساب کتاب بے باک ہی کرنے آیا ہوں۔ کیا کہہ رہی تھی ؟؟ اس دن کہ میں بے رحم ہوں۔۔ میں وحشی ہوں۔۔ زاران اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

ہاں تم ہو وحشی مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔ ابرش چلائی۔۔

اگر میں وحشی ہوتا تو تمھیں اس بستر پر اچھی طرح اپنی وحشی ہونے کا ثبوت دیتا۔ لیکن لگتا ہے تمھیں آج بتانا پڑے گا اگر مرد اپنی وحشت پر اتر آئے تو عورت کیسا محسوس کرتی ہے۔

زاران کہتے ہی اس کی بیوٹی بون میں اپنے دانت گاڑھ گیا۔ زاران چھوڑو مجھے۔۔ ابرش اس کے حصار میں مچلتے ہوے بولی۔۔ اس کی گرم سانسوں اور اس کے وحشی لمس سے وہ اندر تک سلگ اٹھی تھی۔

تم سے زعیم نے جو کہا تم نے اس پر یقین کر لیا۔۔ ایک بار بھی سوچا کہ تمھاری ڈرنک میں گولیاں ملانے والا شخص زعیم ہی ہو اتو کیا عزت ہوتی اس سے نکاح کے بعد تمھاری۔۔۔ زاران نے غراتے ہوے سوال کیا تو ابرش اس کی سختی اپنی کلائیوں پر محسوس کرتے سسک کر رہ گئی تھی

ہر بات پر عزت تذلیل کو بیچ میں لے آتی ہو۔۔ سوچا ایسے انسان کے پاس اس عورت کی کیا عزت ہو گی۔۔ جو عورت کو اپنے مقاصد کے لیے شادی سے پہلے استعمال کرتے اس کی آبرو لوٹنا چاہے۔۔

تمھیں اس کے ہاتھوں ذلیل ہونا گوارا تھا۔ مگر مجھ سے اپنی محبت سے نکاح کرنا گوارا نہ تھا۔۔ یہ کیسی محبت ہے تمھاری۔۔۔ اس کو تم محبت کا نام دیتی ہو۔۔

Bl ۔u d۔d y muhabbat ۔۔۔۔۔blu۔۔ddy۔۔۔۔ woman

زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے زہر خند لہجے میں بولا۔۔

ابرش اس کی باتوں پر اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

میں تمھیں لے کر حد سے زیادہ شدت پسند ہوں۔۔ میں اتنی محبت نہیں کرتا تم سے۔۔ جتنا تمھیں لے کر شدت پسند ہوں۔ میں اپنی پسندیدہ چیزوں کی شیئرنگ برداشت نہیں کر سکتا تو تم تو محبت ہو میری۔۔۔ جنون ہو میرا۔۔ بولو کیسے برداشت کرتا۔۔ یہ سب کچھ۔۔ میری دلہن بن کر تم کسی اور کا اظہار محبت سن رہی تھی۔۔ زاران آنکھوں میں وحشت لیے چلایا تھا۔۔

مم میں کوئی چیز نہیں ہوں زاران۔۔۔ ابرش اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھ کر منمنائی تھی۔۔

چیز نہیں ہو اس لیے اس روئے زمین پر تمھارا وجود ہے۔۔ ورنہ کب کا تمھیں زمین کے اندر پہنچا دیتا۔۔ زاران اب کی بار اس کا منہ دبوچ گیا تھا۔

تم نے مدہوشی میں مجھ سے محبت کا اظہار کیا۔۔ مگر ہوش میں تم نے اسی محبت کی دھجیاں بکھیر۔ دی۔ تم نے ایک بار بھی میرے متعلق نہیں سوچا کہ مجھے کیسا لگے گا۔۔ زاران نے کرب ذدہ انداز میں سوال کرتے اس کے منہ پر اپنے آہنی ہاتھ کا دباؤ بڑھایا تھا۔۔

مارے تکلیف کے ابرش کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوے تھے۔

تم نے مجھے گن پوائینٹ پر اغواہ کیا۔ عنائیہ کے سر پر بندوق رکھی۔

۔تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ جانتے تھے عنائیہ میں میری جان بستی ہے۔۔ مم ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس کے آہنی ہاتھ کا دباؤ اپنے جبڑے پر بڑھتے دیکھ کر ابرش نے گھٹی گھٹی آواز میں بہتی آنکھوں سے شکوہ کیا۔

بے بسی اور درد کی شدت سے اس کی آنکھوں کے سیل رواں جاری ہوا تھا۔

تمھیں اپنا بنانے کے لیے مجھے اس کی جان بھی لینی پڑتی تو میں وہ بھی لے لیتا۔۔۔ تم گن رکھنے کی بات کرتی ہو۔۔ وہ دھاڑا تھا۔

تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟؟۔۔ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔۔ ابرش کی صدمے سے آواز گنگ ہوئی تھی۔۔ وہ اب پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے یقینی سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔ زاران اس کا جبڑہ چھوڑ چکا تھا۔۔

مگر وہ اس کے حصار میں ساکت تھی۔۔

میں ایسا ہی کر سکتا ہوں۔۔۔ تم صرف میری ہو تمھیں کسی بھی قیمت پر زاران خانزادہ کسی اور کا ہونے نہیں دے سکتا تھا۔۔ زاران سفاکیت سے بولا۔۔

تت۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔ تم نے بابرک کو مارا ہے۔۔ الزام میرے بھائی پر لگا دیا تا کہ... تم۔۔۔۔ تم مجھے اپنی ونی میں لے سکو۔۔ مم میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ابرش بہتے اشکوں کے ساتھ بولتے رخ پلٹ گئی تھی۔

زاران اس کے ہچکولے لیتے وجود پر نظر ڈالتے اس کے اوپر سے اٹھتا بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا تھا۔۔۔ وہ اس کی طرف پشت کیے سسکیوں سے رو رہی تھی۔

زاران لب بھینچے کافی دیر تک اس کی سسکیاں سنتا رہا۔

جب اس کے رونے کے دورانیے میں کمی نہ آئی تو وہ جھنجھلاتے ہوئے اس کی طرف مڑا تھا۔

زاران اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کا رخ اپنی طرف کرتے خود میں بھینچ گیا۔۔ ابرش نے اس کے سینے پر پوری قوت سے مکے برساتے ہوے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔ زاران پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔ چھوڑو مجھے۔۔۔۔۔ مسٹر خانزادہ ابرش اس کی مضبوط بانہوں میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ بے بسی کے احساس سے وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔۔

اس کے یوں چلانے پر زاران خانزادہ کا دماغ منٹوں میں گرم ہوا تھا۔

اپنی آواز نیچے رکھو میرے سامنے ابرش۔۔ زاران اسے خود میں سختی سے بھینچے گرج اٹھا۔ برش اس کی گرج پر اس کے حصار میں بری طرح کانپ اٹھی۔۔۔ وہ اپنی مزاحمت ترک کرتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی بری طرح رو دی تھی۔۔

وہ کافی دیر تک اس کے سینے کے ساتھ لپٹی روتی رہی۔

آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں مدھم پڑنا شروع ہوئیں۔

۔

زاران نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا تھا۔اس کا چہرہ دیکھ کر وہ گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ آنکھیں سرخ سوجی ہوئیں۔۔لب کاٹ کاٹ کر اس نے قندھاری کر دیے تھے۔

کیا حال بنالیا ہے تم نے اپنا؟؟۔۔زاران نے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کرتے نرم لہجے میں کہا۔۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔نے بنایا ہے میرا یہ حال۔۔زاران کے حصار میں شکوہ کناں لہجے میں سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

زاران کے لبوں کو مدھم سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔۔وہ صرف اس کے خوف کی وجہ سے اسے آپ کہتی تھی۔اس کے گرجنے پر وہ اس کے حصار میں ساکت ہوئی تھی۔اب تمیز کے دائرے میں رہ کر بات بھی کر رہی تھی۔

میں نے بابرک کو نہیں مارا۔۔نہ ہی مجھے پتہ ہے آہل کہاں ہے؟؟زاران نے اس کی کمر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

آپ نے کہا تھا کہ آہل آپ کے پاس ہے۔۔مم مجھے دھمکی دی تھی۔۔میں یہ نکاح نہیں کروں گی تو آپ آہل کو مار دیں گے۔۔ابرش نے کہتے بے یقینی سے زاران کی آنکھوں میں دیکھا۔۔

وہ سب میں نے جھوٹ کہا تھا۔۔زاران اس کی بے یقین آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں گویا ہوا۔

کیوں کیوں زاران ؟؟ آپ نے یہ سب کیوں کیا؟؟ کیوں مجھ سے جھوٹ بولا ۔۔اگر میرا بھائی آپ کے پاس نہیں ہے تو پھر کہاں ہے ؟؟؟۔۔ابرش نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے بہتے اشکوں سے سوال کیے۔۔

وہ امیریکہ میں ہے۔۔اور بلکل ٹھیک ہے.. زاران نے کہا تو ابرش ایک بار پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

مم۔۔۔۔میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔۔۔ آپ نے مجھے دھوکہ دیا۔۔مجھے اپنا بنانے کے لیے میرے رشتوں کو تکلیف دی۔۔میری غلطی صرف اتنی ہے کہ میں آپ کی محبت ہوں۔ہر بار میری تذلیل کرتے

ہیں۔۔ مم مجھے اس دن آپ نے ٹھکرایا۔۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے اشک بار لہجے میں بولی۔۔

زاران ابرش کی بات سنتے اس پر جھکا تھا۔

تم نے غلطی نہیں گناہ کیا ہے۔۔ جس کی معافی میں تمھیں کبھی نہیں دوں گا۔۔ وہ اس کی براؤن آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد لہجے میں بولا۔۔

تم اس دن یہی چاہتی تھی کہ میں تم سے اپنا حق لوں۔۔ مگر کیا تم میں اتنا سٹیمنا ہے کہ مجھے برداشت کر لو۔ زاران نے ابرو اچکائے سوال کیا۔

ابرش نے اس کے سوال پر نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

میں تمھیں بتاتا ہوں میں تمھارے قریب اس دن کیوں نہیں آیا

۔۔۔ازاران سپاٹ لہجے میں کہتا ابرش کے لبوں پر جھکا تھا۔۔زاران کا لمس پوری شدت لیے ہوے تھا۔۔ابرش بری طرح مچلی تھی۔۔وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کی سانسوں کو قید کیے ہوے تھا۔۔ابرش بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھا۔۔اس کے لمس میں آگ برساتا ہوا تھا۔ایک جنون ایک تڑپ تھی۔۔ابرش جھلس کر راکھ ہو رہی تھی۔

زاران بے رحم بنا اس کے ہونٹوں پر جھکے اس کی سانسوں کو انہیل کیے ہوے تھا۔

ابرش کا وجود کچھ ہی منٹوں میں ساکت ہوا تھا۔۔زاران اپنے حلق میں خون کا ذائقہ اور اس کا وجود ساکت محسوس کرتے پیچھے ہوے تھا۔

اس کی شدت پر اس کی آنکھو سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر بکھرے تھے۔۔

زاران اس کے آنسو اپنی انگلی کے گوشوں پر چنتا استھزائیہ مسکرایا۔۔

میرے اندر تمھارے لیے اس سے کہیں زیادہ غصہ ہے ابرش۔۔ تمھارے قریب آیا تو تمھارے وجود کو ریزہ ریزہ کر دون گا۔ تم نے مجھ سے بیوفائی کی ہے۔۔ جو میں کبھی معاف نہیں کر سکتا۔۔ تم اب یہیں پر رہو گی۔۔۔ اس حویلی میں صرف میری بن کر۔۔ مگر تمھارے قریب آؤں گا یہ بھول جاؤ۔۔ تم اپنے شوہر کی محبت اور اس کی قربت کبھی نہیں پا سکو گی۔۔

زاران اس کے لرزتے وجود پر قہر بھری نظر ڈالتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

۔۔

ابرش رخ پلٹے بری طرح سسکنے لگی تھی۔ تمھارا یہی غرور میں خاک میں ملاؤں گی۔۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔۔

تم میری بہت تذلیل کر چکے ہو۔۔ کبھی اپنے تھپڑوں سے کبھی اپنے لفظوں سے مگر اب اور نہیں۔۔۔

۔تم دیکھنا تم خود میرے قریب آؤ گے۔۔۔ پھر تمھارے ہی الفاظ میں تمھارے منہ پر ماروں گی۔۔ پھر اس دن تم مجھے روندو یا ریزہ ریزہ کرہ مجھے پرواہ نہیں۔۔ ابرش اوندھے منہ سسکتے خود سے مخاطب تھی۔

ارحام رات گیے کمرے میں آیا تو کمرے میں سائیڈ لمیپ کی مدھم سی روشنی جل رہی تھی۔۔ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کمرہ کافی گرم تھا۔۔ سینٹرل ہیٹر چل رہا تھا۔۔ ارحام نے کمرے کا ہیٹر آف کیا۔۔

وہ بھاری قدموں کی دھمک لیے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔۔ حور بنا کمبل کے کافی گہری نیند میں محو تھی۔۔ ماتھے پر ننھے ننھے پسینے کے قطرے نمودار تھے۔۔۔ بخار اترنے کے باعث اس کا پورا وجود پسینے میں تر تھا

وہ اسی بلیک ڈریس میں سو گئی تھی۔۔ جو اس نے آج زیب تن کیا تھا۔۔ جس میں آج وہ اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر کر چکی تھی۔۔ یہ لباس اس کے مومی سانچے میں ڈھلے ہوے وجود پر کافی جچ رہا تھا۔۔ وہ اس وقت بھی

قیامت ڈھا رہی تھی۔ ارحام اس کے ہوش ربا سراپے سے نظریں چرا گیا تھا۔ حق ملکیت کا احساس اس پر خماری طاری کر رہا تھا۔

یہ احساس کافی فرحت بخش تھا۔۔ اتنا خوبصورت وجود صرف اس کا ہے۔

۔سامنے لیٹے پری پیکر وجود کو دیکھتے ہی اس کے اندر ایک یہی جذبہ عود کر آتا تھا۔۔ وہ تھا حق ملکیت کہ وہ سر سے پیر تک صرف اس کی ہے۔

ارحام نے بے اختیاری میں اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔۔۔ اس کی پیشانی ٹھنڈی تھی۔۔ وہ اس کے چہرے پر آئے ہوے بالوں کو نرمی سے پیچھے کرتے اس کے سراپے پر گہری اور گرم نظر ڈالتا واش روم میں گھس گیا تھا۔۔

گرم پانی سے شاور لے کر وہ اپنی تھکن اتارنے لگا۔ جو حور کو دیکھ کر کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ وہ گلاس کیبن کے ساتھ سر ٹکائے ہوے تھا۔۔ شاور سی گرتی بوچھاڑ اس کے برہنہ سینے پر پھسل رہی تھی۔ ارحام کی نگاہوں میں آج ایک منظر جم کر رہ گیا تھا۔ وہ تھا اس کا ڈرا سہما وجود۔۔۔۔۔۔

جب اس نے اسے کمرے میں لا کر پٹخا تھا۔ ان کانچ جیسی کرسٹل آنکھیں جن میں ارحام خانزادہ کو اپنا دل کچھ پلوں کے لیے ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔۔ وہ اپنی گلابی ہوتی آنکھیں اس پر گاڑھے معصومیت سے لرزتے ہوے اسے ناسمجھی سے دیکھ رہی تھی

وہ مردانے میں آج جتنی دیر بیٹھا رہا۔ حور کا سہما ہوا روپ اس کا بخار میں لرزتا وجود ہی اس کے نظروں کے سامنے رہا تھا۔۔ وہ وہاں ہو کر بھی نہیں

تھا۔۔ اپنی اس کیفیت سے وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔ نفرت تو وہ اب بھی اس سے شدومد سے کرتا تھا۔ مگر اس کے ہی وجود کو پانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔۔ گل کے ساتھ ان پانچ سالوں میں وہ کبھی اس کے لیے ایسے تڑپا نہیں تھا۔۔

اس لیے وہ کافی دیر سے کمرے میں آیا تھا۔۔ اپنا غصہ جھنجھلاہٹ وہ مردانے میں موجود سگریٹ پی کر اتارتا رہا۔۔ اس کے قریب اب جانا اس کی مردانہ آنا کو ٹھیس پہنچانے کے مترداف تھا۔۔ مگر اس کے رگ وپے میں بے چینیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ رگ وجاں اس کی قربت پانے کو مچل رہا تھا۔۔ گل سے طلاق کے بعد وہ جب بھی اس کے قریب گیا۔۔ اپنا غم غلط کرنے اس پر اپنا غصہ اتارنے یا پھر اپنی ضرورت پوری کرنے۔۔

مگر وہ اس کی ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا سکون بھی بن گئی تھی۔ اس کی بے پناہ خوبصورتی اور کم عمری ارحام خانزادہ کو اپنی طرف بری طرح کھینچ چکی تھی۔

وہ جتنے دن اسلام آباد رہا۔۔ اس کا غصہ حور پر بڑھتا ہی گیا تھا۔ اس دن اس کا خود سے دور کرنا پسند نہیں آیا تھا یا اس کی آنکھوں میں ٹھہری نفرت۔۔ وہ نہیں جانتا تھا۔۔ مگر ان آنکھوں میں ڈر دیکھنا تو گوارا تھا۔۔ مگر نفرت نہیں ۔۔ یہی بات بہت بری طرح چبھی تھی۔

ارحام خانزداہ کافی دیر تک گرم پانی سے شاور لے کر اپنے سینے کی کھولن کم کرتا رہا۔

وہ بلیک ٹراوزر بلیک ہی ٹی شرٹ پہن کر اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا باہر آیا تھا۔ حور پر ایک بھی نظر ڈالے بغیر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کی ڈبی اور لائٹر نکال کر باہر ٹیرس کی طرف بڑھ گیا۔۔

شدید قہر برساتی سردی ہڈیوں کے اندر گھس رہی تھی۔۔ مگر وہ بے حس بنا کھڑا تھا۔ دل و دماغ متضاد کیفیت میں گھرا تھا۔۔

جس دن سے اس کی بیٹی اس سے دور ہوئی تھی۔۔ وہ حقیقی سکون کو ترس گیا تھا۔

آج ہی اسے پتہ چلا تھا پریذے یہاں پاکستان میں ہی ہے۔ اور بلکل سیف ہے۔۔۔ مگر کہاں ہے وہ ابھی تک معلوم نہ کر سکا تھا۔۔ کیونکہ پریذے کی رہائش بار بار بدل لی جاتی تھی۔۔

شاہنواز کھلم کھلا دشمنی پر اتر آیا تھا۔۔ پریذے کہاں ہے۔۔ کچھ دن پہلے دریاب نے اسے ساری انفارمیشن ے دی تھی۔۔ مگر وہ جب اس مقام پر پہنچا تو اسے پتہ چلا پریذے کو یہاں سے بھی کہیں اور منتقل کر دیا ہے۔۔ یہ ساری انفارمیشن شاہنواز نے خود جان بوجھ کر دریاب خان کو پہنچائی تھی۔۔ کیونکہ وہ اسے وہاں پر بلوا کر اسے جان سے مارنا چاہتا تھا۔۔ وہ جب دریاب خان کے بتائے ہوے پتے پر پہنچا تو اس پر شاہنواز کے بندوں نے فائر کیے تھے۔

۔۔ وہ تو بصد شکر تھا وہ اپنے گارڈز کے ہمراہ گیا تھا۔۔

آج اسلام آباد سے یہاں آتے ہوے بھی اس کی گاڑی پر فائر کیے گئے تھے۔۔شاہنواز کا مقصد صرف اسے جان سے مارنا تھا۔۔ مگر پریذے نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔

ایک مرتبہ پریذے اس کے پاس آجاتی وہ خود شاہنواز کو جان سے مارنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

ارحام خانزادہ سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتا اپنے دل میں اٹھتے درد پر قابو پانے لگا۔۔پریذے کی یاد نے بہت بری طرح دل و دماغ پر حملہ کیا تھا۔اس کے ساتھ ہی اندر سوئے وجود پر اس کا غصہ اشتعال بڑھا تھا۔۔۔اگر وہ سب کچھ نہ ہوتا تو آج اس کی بیٹی اس کے ساتھ ہوتی۔۔اگر وہ اپنی جان سے زیادہ کسی سے محبت کرتا تھا۔تو وہ صرف پریذے تھی۔

۔اندر سویا وجود اس کی ضرورت ہو سکتا تھا۔۔۔ مگر وہ کبھی بھی اس کی محبت نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔

سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے جوتے کے نیچے مسلتے ہوئے وہ کمرے کی جانب بڑھا۔

بیڈ کی طرف بڑھتے حور پر بنا کوئی نظر ڈالے بیڈ پر لیٹ کر آیک بازو آنکھوں پر رکھے آنکھیں موندے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔۔ پاس لیٹے مخملی وجود کی مدھم سی سانسیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔

وہ یونہی آنکھوں پر بازو رکھے چت لیٹا رہا۔ جیسے جیسے رات گہری ہو رہی تھی۔۔ ویسے ویسے سردی کی شدت بڑھ رہی تھی۔۔ کمرے کا ہیٹر آف

تھا۔۔اس لیے کمرے کا درجہ حرارت بھی کم ہو گیا تھا۔۔وہ نیند میں کمبل کو تلاشتے سردی سے ٹھٹھرتے اس کے وجود میں گھسنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ اس کے قریب ہوتے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔۔۔ارحام خدنزادہ کے سینے کا حصہ بنی وہ اپنی نازکی کا اسے بھرپور احساس دلا چکی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے بدن میں کرنٹ سا دوڑا تھا۔۔وہ آنکھوں سے بازو ہٹائے اسے دیکھنے لگا جو اس کے سینے پر سر رکھے اس کے گرد اپنا بازو سختی سے لپیٹے ہوے تھی۔اپنی دائیں ٹانگ بھی وہ اس کے اوپر رکھے ہوے تھی۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا وہ خود اس کے قریب آئی تھی۔۔ارحام خانزادہ کمرے میں پھیلی مدھم سی روشنی میں اس کے چہرے کو دیکھنے لگا جہاں صرف معصومیت تھی۔۔وہ بے اختیاری میں نرمی سے اس کے گلاب سے گالوں پر اپنے ہاتھ

کی پشت پھیرتے اس کے نرم و نازک گال کی نرماہٹیں محسوس کرنے لگا۔۔ ارحام خانزادہ اس کی کمر میں ہاتھ سختی سے ڈالے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔۔ وہ اب مزید اس سے خود دور نہیں رہ سکتا تھا۔

اسے خود سے لپٹائے اس کی نازکی محسوس کرنے لگا۔۔ وہ نیند میں ہلکا سا کسمسائی تھی۔ اس کی سختی پر وہ نیند میں ہی اس سے خود سے دور کرنے لگی۔۔ جو ارحام خانزادہ سے برداشت نہیں ہوا تھا۔۔ وہ اس پر جھکتے اس پر مکمل طور پر ہاوی ہوا تھا۔۔ اس کے گلابی لبوں پر جھکتے وہ اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔۔

حور کی آنکھ اس کے بے رحم لمس پر کھلی تھی۔ تڑپ کر ارحام خانزادہ کو دور کرنا چاہا۔۔ وہ اس کی کلائیاں لاک کرتے اس پر مکمل طور پر اپنی دسترس جما

گیا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسوں کو پیتا مکمل مدہوش تھا۔۔ ایک ہاتھ سے اس کی کلائیاں جکڑے دوسرے ہاتھ سے وہ اس پر مکمل اپنا ہاتھ حق جتاتے اسے باور کروا رہا تھا۔۔ وہ اس کے جسم و جاں پر اس سے کہیں زیادہ حق رکھتا ہے۔

حور اس کی گرفت میں مچلتے ہوئے ساکت ہوئی۔ وہ بے رحم بنا اس کے ساکت وجود سے سانسیں چراتے اپنا غصہ اشتعال اس کے نازک لبوں پر اتارتا رہا۔ جو اس دن اس کے دور جھٹکنے پر اس کے رگ و پے میں استراحت تھا۔ اس کے نازک لبوں پر قیامت ڈھانے کے بعد وہ پیچھے ہوا تو اس کے نازک ہونٹ گلاب کی طرح سرخ تھے۔ ارحام خانزادہ کی نظریں اس کے لبوں سے ہوتی اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں پر جا ٹھہریں۔۔ جہاں

خوف اور پانی بیک وقت ٹھہرے اسے مزید حسین بنا چکا تھا۔۔ ارحام کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔ وہ ہرنی کی مانند سہمی سی معلوم ہو رہی تھی۔

حور آنکھوں میں نمی اور خوف لیے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام اس کے عارض پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔ وہ اپنی سرخ مخمور نگاہیں حور پر گاڑھے ہوئے تھا۔ وہ حور کی آنکھوں میں لاشعوری طور پر وہ جذبہ ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو اس دن اس کے اندر ایک لاوا سا دہکا چکا تھا۔

حور کی آنکھوں میں اس وقت اسے نمی اور وہی خوف دکھائی دیا تھا جو نکاح کے بعد دکھائی دیا تھا۔۔ ارحام کے اندر کی مردانہ حس کو تسکین سی پہنچی تھی۔۔۔ لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ چھائی۔۔ اس لڑکی کے چہرے اور

آنکھوں میں ٹھہرا خوف اسے احساس دلاتا تھا کہ وہ اس کے عتاب کا نشانہ بنتے اس کے بدلے کی حس کو تسکین پہنچا رہی ہے۔۔

ارحام اس کی گردن پر جھکتے اپنا لمس بکھیرتے اسے پوری طرح خود میں سما چکا تھا۔۔۔کمرے میں گونجتی مدھم سسکیاں ارحام خانزادہ کو پرسکون سی کر رہی تھیں۔۔وہ مزید شدت سے اپنی شدتیں اس پر نچھاور کرنے لگا۔

اسفندیار کمرے میں آیا تو عابیر کمرے میں کہیں نہیں دکھی تھی۔۔وہ سختی سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔وہ اس کی آجازت سے کمرے سے کیسے نکل سکتی ہے۔۔وہ اپنے ہونٹ بھینچے سیڑھیاں اترتے نیچے آیا تھا۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

اسفند. کی دھاڑ پر امینہ خانم اپنے کمرے سے سینے پر ہاتھ رکھے دہلتے ہوے باہر آئی تھیں۔

اسفند بیٹا کیا ہوا ہے؟؟۔۔امینہ خانم نے اسفند کے اشتعال زدہ چہرے کو دیکھتے پوچھا۔۔

عابیر کہاں ہے؟اسفند نے درشتگی سے پوچھا۔

وہ تو صبح سے کچن میں ہے۔۔ امینہ خانم نے اس کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال دیکھتے آہستگی سے بتایا تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔ امینہ خانم اسفند کے تیور دیکھتے خود پر قابو پائے زنان خانے کے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ اسفند اور روزینہ خانم کا رویہ عابیر کے ساتھ کافی ہتک امیز اور سخت تھا۔۔ اسفند سے نکاح کے بعد وہ عابیر کو جیسے اپنا غلام ہی سمجھ بیٹھی تھیں۔ عابیر کو وہ سارا سارا دن زرا زرا سے کام کے لیے دوڑائیں پھرتی تھی۔۔ امینہ خانم نے اسفندیار خان کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا۔۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کچن کی طرف بڑھ رہا تھا

کچن کے دروازے کے بیچ اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ حویلی کا بڑا سا شاندار کچن بکھرا تھا۔۔

چولھے پر بڑے بڑے پتیلے چڑھے تھے۔۔ ساتھ میں کٹنگ بورڈ پر ڈھیر ساری سبزیاں کٹی ہوئی تھیں۔ سنک میں برتنوں کا انبار تھا۔

وہ کالج یونیفارم میں ملبوس سفید دوپٹہ گلے میں ڈالے کام کر رہی تھی۔۔ بالوں کو کیچر میں مقید کیے جوڑے کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ کچھ لٹیں اس کے صبیح چہرے پر بکھری تھیں۔

وہ پرات میں ڈھیر سارا آٹا ڈالے گوندھ رہی تھی۔۔۔ جنھیں وہ آٹا گوندھتے ہوے الٹے ہاتھ سے بار بار پیچھے کر رہی تھی۔ جس کے چکر میں بہت سارا آٹا اس کے گالوں پر بھی لگ چکا تھا۔۔

اسفندیار خان اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھتا اس کی طرف بڑھا۔

اسے بازو سے کھینچ کر اپنے مقابل کیا وہ اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔ آٹے میں لٹے ہوے ہاتھوں نے اسفندیار خان کی بلیک شرٹ پر داغ چھوڑے تھے۔

وہ حیرانگی سے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ جہاں شدید غصہ اشتعال تھا۔

کیا کر رہی ہو یہاں پر؟؟ میں نے تمھیں کمرے سے باہر نکلنے کو منع کیا تھا۔۔ وہ اس کا بازو دبوچے غرایا۔

یہ آپ اپنی مورے سے پوچھے میں یہاں پر کیا کر رہی ہوں؟؟۔۔ عابیر اس کے حصار سے نکلتی ہوئی مدھم لہجے میں بولی۔

ہیزل گرے آنکھوں میں نمی تھی۔ چہرے پر شدید تھکان بھی تھی جو صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

عابیر اپنے ہاتھ سنک پر لگے نلکے سے اچھی طرح دھونے کے بعد کٹنگ بورڈ پر پیاز کاٹنے لگی۔۔

وہ اپنی آنکھوں سے نکلتے آنسو بار بار ہاتھ کی پشت سے بے دردی سے صاف کرتی جا رہی تھی۔۔۔ پیاز کاٹتے ہوئے وہ اس پر جتا رہی تھی کہ یہ آنسو نہیں ہیں۔۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا وہ عابیر کو یوں روتا ہوا دیکھ رہا تھا۔۔

کیا کہا ہے مورے نے ؟؟ اسفندیار خان نے اسے ایسے روتے دیکھ سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔ عابیر بنا کوئی جواب دیا اپنا کام کرتی رہی. شفاف عارض پر آنسو شدمد سے جاری تھے۔۔

کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے ؟؟ اسفندیار خان کا لہجہ سخت ہوا تھا۔

میں کالج جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آئی تھی۔۔ انہوں نے منع کر دیا کہ میں کالج نہیں جا سکتی۔۔ آپ کے دوستوں کی دعوت ہے۔ جس کا سارا انتظام انہوں نے مجھے کرنے کو کہا ہے۔۔ یہاں تک کہ انہوں نے کسی بھی ملازمہ کو میری مدد کرنے کو منع کر دیا ہے۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں اسفند یار کو بتایا۔۔ بتانے کا انداز شکایت کرنے کا سا تھا۔

اسفند نے ابرو اچکائے اسے دیکھا تھا۔۔

تم مجھ سے میری مورے کی شکائت کر رہی ہو۔۔ اسفند نے استھزائیہ لہجے میں سوال کیا۔۔

میں کیوں کرنے لگی آپ سے آپ کی مورے کی شکایت۔۔ عابیر اسفند یار کے لہجے میں درشتگی اور سرد پن محسوس کرتے مدھم سے لہجے میں بولی۔۔

ایسا سوچنا بھی مت کیونکہ میں اپنی مورے کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتا۔۔ ان کی ہر بات ماننا تم پر فرض ہے۔۔۔ میں کبھی بھی تمھاری کوئی شکایت نہ سنوں۔۔ اسفند نے درشت لہجے میں اسے تنبیہ کی تھی۔۔

جی۔۔۔۔۔ عابیر نے سپاٹ لہجے میں کہتے پتیلے کا ڈھکن اٹھایا تھا۔۔ گرم گرم بھاپ اس کے ہاتھ کو جلا گئی تھی۔ ڈھکن ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔۔ وہ ہاتھ پکڑے شلیف کے ساتھ لگے بری طرح رونے لگی تھی۔

اسفند اس کے رونے پر چڑ اٹھا تھا۔۔ وہ تو اسے بہت بہادر سمجھتا تھا مگر کچن کا ذرا سا کام کرنے پر وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

میں تمھیں تو بہت بہادر سمجھتا تھا ذرا سا کام کرنے پر تم بچوں کی طرح رو رہی ہو۔۔ اسفند یار خان اس کے یوں رونے پر جھنجھلاتے ہوے بولا۔

یہ ذرا سا کام نہیں ہے۔۔ اتنی بڑی دعوت کا انتظام آج سے پہلے کبھی گھر پر نہیں کیا گیا۔ اگر گھر میں کرنا بھی پڑ جائے تو درجنوں ملازموں کی مدد درکار ہوتی ہے۔۔ مگر انہوں نے سب کو میری مدد کرنے سے منع کر دیا ہے۔۔ رات سے پہلے یہ سب تیار کرنا ہے۔۔ اب بتائیں آپ۔۔ یہ سب کیسے تیار ہو گا۔ عابیر نے شبنمی لہجے میں استفسار کیا۔

وہ کیوں ایسا کریں گی؟؟ اسفندیار خان نے الجھن بھرے لہجے میں سوال کیا۔۔ اسفندیار خان کے لہجے میں حیرانگی بجا تھی۔

کیونکہ یہ دعوت بہت بڑی تھی۔ صرف اس کے دوست ہی نہیں بہت سارے عزیز و اقارب بھی تھے۔۔ مہمان خواتین بھی تھیں۔

یہ سچ تھا دعوت کا کھانا تیار کرنے کے لیے بہت سارے ملازموں کی مدد درکار تھی۔ عابیر اکیلے یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔

کیونکہ وہ مجھے آپ کی بیوی ہونے کی سزا دینا چاہتی ہیں۔ عابیر نے اسفندیار خان کو دیکھتے بھیگے لہجے میں جواب دیا۔

تمھیں لگتا ہے میں تمھاری خاطر اپنی مورے سے سوال جواب کروں گا۔۔ اور اتنا رونا کیوں آرہا ہے تمھیں؟؟ تم کوئی انوکھا کام تو نہیں کر

رہی۔۔۔یہ کچن کا کام سنبھالنا عورتوں کا ہی کام ہوتا ہے۔۔اتنا سا کام کرنے پر تمھاری جان نکل رہی ہے۔۔اسفندیار خان سفاکیت سے بولا۔۔

عابیر گہرا سانس بھرتے اپنے جلے ہوے ہاتھ کو دیکھتے رخ موڑ گئی تھی۔۔وہ شکوہ بھی آخر کس سے کر رہی تھی۔

حویلی کے مرد بہت سفاک تھے۔۔وہ شائد اپنی ماں بہن کے لیے بہت نرم ہو سکتے تھے۔۔مگر اپنی بیویوں کے لیے نہیں۔۔پھر چاہے وہ ارحام خانزادہ ہو یا پھر زاران خانزادہ۔۔

عابیر اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے سٹوو پر چڑھے بڑے بڑے پتیلوں کو دیکھنے لگی۔۔ ابھی کتنی ہی ڈشز اسے تیار کرنی تھیں۔ یہاں تک کہ روزینہ خانم نے دعوت کے لیے روٹیاں بھی اسے تیار کرنے کو کہا تھا۔۔

ویسے سچ میں تمھارے رونے پر حیران ہوں۔۔ جس عابیر خانم کا میں نے پہلی رات روپ دیکھا تھا۔۔ وہ عابیر تو اس عابیر سے بہت مختلف تھی۔۔ یہ عابیر تو بہت بے بس بہت لاچار دکھ رہی ہے۔ چچ چچ۔۔۔۔۔۔ اسفند اس کی پشت پر گہری نظریں جمائے استھزائیہ انداز میں بولا۔۔

میں رو رہی نہیں رہی اسفند۔۔۔ میں نے آپ کی مورے سے کہا بھی مجھے کالج جانے دیں۔۔ میں واپسی پر آکر کام کرلوں گی۔۔ مگر انہوں نے مجھے کالج جانے سے منع کر دیا کہ میری شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوے

ہیں۔اس لیے میں ایک مہینے سے پہلے کالج نہیں جا سکتی۔۔شادی کی وجہ سے میری پڑھائی آگے بہت متاثر ہوئی ہے۔۔ آج میرا کالج میں ٹیسٹ تھا۔نیکسٹ منتھ میرے پیپرز ہیں۔۔اگر میں کالج نہیں جاؤں گی تو پیپرز کیسے دوں گی۔۔عابیر اب بے تحاشہ روتے ہوئے اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کر رہی تھی۔۔

کیا پڑھتی ہو؟؟اسفند اس کے بے تحاشہ رونے پر چونکا تھا۔اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ پڑھائی کو لے کر بہت سیریس اور حساس ہے۔

بی اے کے پارٹ ون میں ہوں۔ہیزل گرے آنکھوں کو بے دردی رگڑتے جواب دیا۔

مورے نے جو کہا ہے وہی کرو۔۔ جھے شکایت کا کوئی موقع نہ ملے۔۔ اسفند نے اس کے قریب ہوتے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ پلٹے اسے شیلف سے لگاتے سخت الفاظ میں باور کروایا۔

میں پوری کوشش کروں گی انھیں شکایت کا کوئی موقع نہ ملے۔ مگر میں اپنی پڑھائی کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کروں گی۔۔ عابیر نے اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

اسفند یار خان کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ چھائی تھی۔

تم تو ایسے بات کر رہی ہو۔۔ جیسے تم ڈاکٹر بن رہی ہو۔۔ بی اے ہی تو کر رہی ہو۔۔ اسفند استھزائیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے دل جلانے والے انداز میں بولا۔۔

ڈاکٹر بھی بن جاتی۔۔اگر آپ کا بھائی میرے راستے میں کانٹے نہ بچھاتا۔۔عابیر اسے خود سے دور کرتے چیختے ہوئے بولی

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔اس کے بازو پر وہ سختی سے اپنی انگلیاں گاڑھ گیا۔تھا۔۔عابیر اس کی سختی پر مچل اٹھی۔۔ہیزل گرے آنکھوں پر خمدار بھیگی پلکیں مزید نم ہوئی تھیں۔

کانٹے کیا ہوتے ہیں یہ میں تمھیں بتاؤں گا۔۔آج کے بعد تمھارا کالج جانا بند۔۔تم اس حویلی سے قدم بھی باہر نہیں نکالو گی۔۔اسفند نے اسے خود سے بے دردی سے دور جھٹکا تو وہ کاونٹر سلیب کے ساتھ آلگی تھی۔۔کمر میں شدید درد نے سرائت کیا تھا۔وہ کمر میں اٹھتا درد لب دانتوں تلے پیوست کیے برداشت کر گئی تھی۔

آپ ایسے نہیں کر سکتے۔۔ می کسی قیمت آپ کا یہ حکم نہیں مانوں گی۔۔ عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔

اسفند عابیر کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر گہرا مسکرایا تھا۔۔

تم مانو گی ہر حال میں مانو گی۔۔ کیونکہ میں تمھارے پاس کوئی آپشن ہی نہیں چھوڑوں گا۔۔ تمھیں میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہو گا۔۔ اس بار تو سزا بہت کم ہو گی۔۔ لیکن آئیندہ میرے کسی فیصلے سے انحراف کیا۔ سزا بہت سخت ہو گی۔۔ اسفندیار خان ایک ایک لفظ چباتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ وائٹ کلر کے ٹروازر اور شرٹ میں ملبوس تھی۔۔ جس پر بڑا سا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا۔۔ وہ ہونٹوں پر لپ سٹک لگا رہی تھی۔ جب ارحام سفید شلوار قمیض پہنے کندھوں پر آف وائٹ شال اوڑھے ڈریسنگ روم سے باہر آیا تھا۔۔

تیار ہو تم ؟؟ ارحام نے گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔ جو سفید رنگ میں دمک رہی تھی۔۔ ہونٹوں پر ریڈ کلر کی لپسٹک لگا رکھی تھی۔

ارحام کو خود کو گہری نظروں سے دیکھتا پا کر وہ سرخ پڑی تھی۔ حور نے بنا کوئی جواب دیے بیڈ پر پڑی چادر سے خود کو اچھی طرح ڈھانپا۔۔

وہ اس چادر سے نقاب کرنے لگی تھی۔ جب ارحام نے اس کی کلائی سے پکڑے خود کے قریب کرتے اس کی نازک کمر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔۔

حور اس کے حصار میں نظریں جھکا گئی تھی۔۔ رات اس کا شدت بھرا انداز یاد آیا تھا۔۔ بخار میں بھی اس نے بنا اس پر کوئی رحم کھائے اپنا پورا پورا حق وصولا تھا۔

یہ اتنی تیز لپ سٹک کس خوشی میں لگائی ہے؟؟ ارحام نے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

سرخ لپ سٹک اس کے یاقوتی ہونٹوں پر بہت دلکش لگ رہی تھی۔۔ مگر ارحام خانزادہ کو کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔ اس کا زیادہ بننا سنورنہ اسے پسند نہیں تھا۔۔ وہ گل کے معاملے میں ایسا نہیں تھا۔ اس پر کبھی اس نے

اتنی روک ٹوک نہیں کی تھی۔۔ مگر حور کو زیادہ بننا سنورہ دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

صاف کرو اس لپ سٹک کو۔۔ آئیندہ میں تمھارے ہونٹوں پر اتنا گہرا رنگ نہ دیکھوں۔۔ ارحام نے سرد انداز میں حکم دیا۔۔

حور اثبات میں سر ہلاتے ہوے اس سے دور ہوئی تھی۔۔ ٹشو پیپر سے اچھی طرح اپنی لپ سٹک صاف کی۔۔

چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھکا تھا۔۔

ارحام اسے ایک نظر دیکھتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

حور گہرا سانس لیتے اس کی تقلید میں باہر کی جانب بڑھی۔۔

ارحام اور حور حاکم خان کی بڑی سی شاندار حویلی میں داخل ہوے تھے

۔ اینٹرس پر ہی حیدر خان اور حاکم خان ان کا انتظار کر رہے تھے۔ حور گھر کی

ایک ملازمہ کے ہمراہ زنان خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حیدر خان اور حاکم خان بہت خوش اسلوبی سے ارحام خانزادہ سے ملے

تھے۔۔ وہ ارحام خانزادہ کو لیے حویلی کے مردانے کی طرف

بڑھے۔۔ مردانے کی بڑی سی شاندار اور جدید بیٹھک میں داخل ہوتے

ارحام خانزادہ چونکا تھا۔ بیٹھک میں ایک صوفے پر ساحر خانزادہ اپنی شاندار

اور سحر انگیز پرسنیلٹی کے ساتھ براجمان تھا۔ بلیک پینٹ پر بلیک شرٹ پہنے

ہوے تھا۔۔ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں۔۔

ارحام کو دیکھتا وہ مسکراتے ہوے صوفے سے اٹھا۔ مسکرانے پر اس کے

گال پر ننھا سا دلکش گھڑا ابھر کر معدوم ہوا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ساحر خانزادہ نے کھڑے ہوتے ارحام سے مصافحہ کیا۔۔

واٹ آ پلیسنٹ سرپرائز۔۔۔۔مجھے یقین نہیں آرہا ہم پھر سے مل رہے ہیں۔

ارحام خانزادہ ساحر خانزادہ کو دیکھتے خوشگواری سے مسکرایا۔

آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔۔۔حیدر خان نے حیرانگی سے پوچھا ۔۔

حیدر لالا،،،ارحام خانزادہ اتنے بڑے بزنس مین ہیں۔یہ کیسے ہو سکتا ہے بزنس کی دنیا میں ان سے ملاقات نہ ہو۔۔ایک پارٹی میں میری ملاقات ہوئی تھی۔

ساحر خان نے مسکراتے ہوے بتایا۔

ہممم۔۔۔۔مجھے لگا ارحام بھی تمھارے مداحوں میں سے ایک ہے۔

حیدر خان نے ہنکار بھرتے ہوے ساحر خان کو مسکراتے ہوے دیکھا تھا۔

مجھے اس بات پر کافی افسوس ہے کہ میں نے ان کا آج تک کوئی گانا نہیں سنا۔۔ارحام کی بات پر ساحر خان نے برجستہ قہقہ لگایا تھا۔۔

مجھے اس بات کی کافی خوشی ہے آپ نے آج تک میرا گانا نہیں سنا۔۔میں نہیں چاہتا میرے مداحوں میں ایک اور مداح کا اضافہ ہو۔۔اب کی بار قہقہ ارحام خان نے لگایا تھا۔

ارحام یہ میرے چچازاد بھائی ہیں۔۔ساحر بلکل میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہے۔بلکہ میرا بھائی ہی ہے۔حیدر خان نے آگے بڑھتے ہوے ساحر

خان کا متعارف کروایا۔۔حیدر خان کی آنکھوں میں ساحر خان کے لیے ڈھیروں محبت تھی۔

بیٹھو ارحام۔۔۔۔۔حاکم خان سنجیدگی سے کہتے ہوے صوفے پر بیٹھے۔۔

ارحام حاکم خان کے لہجے کی سنجیدگی پر ٹھٹھکا تھا۔۔

وہ باہر جتنے خوشگواری سے ملے تھے۔۔ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی ان کے نقوش تن گئے تھے۔۔ساحر خان کو دیکھتے ہی ان کے چہرے کے تاثرات سرد دور سپاٹ ہوے تھے۔۔ارحام خاموشی سے صوفے پر بیٹھا تو سب ہی اس کی تقلید میں صوفے پر بیٹھے تھے۔۔

ارحام بیٹا اس دن تم سے ملاقات نہیں ہو سکی۔۔ہم نے تمھارے داجی سے تمھاری بہن فرشتے کا ہاتھ مانگا تھا۔

انھیں کوئی اعتراض نہیں تھا مگر انہوں نے کہا کہ آخری فیصلہ تمھارا ہی ہو گا۔۔حاکم خان نے سنجیدگی سے بات شروع کی۔

داجی کے فیصلے کے آگے اعتراض کرنے والا میں کون ہوتا ہوں۔۔اگر وہ اس رشتے کے لیے ہامی بھر چکے ہیں۔مجھے بھی یہ رشتہ قبول ہے۔۔تھوڑے بہت دل میں خدشات تھے۔۔آج آپ سب سے مل کر وہ بھی دور ہو گئے ہیں۔یہ ہماری خوش نصیبی ہو گی میری بہن کا نصیب آپ جیسے خاندان اور حیدر خان جیسے اچھے انسان سے جڑے گا۔۔ارحام نے جواباً مسکراتے ہوے کہا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔۔

حیدر خان جو آف وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔جس پر براؤن مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔صوفے پر اطمینان سے یکدم ٹیک لگا گیا۔۔تراشدہ مونچھوں تلے عنابی لب گہرا مسکرائے تھے۔

مسٹر ارحام میرے حیدر لالا جیسا انسان پوری دنیا میں کہیں نہیں ہو سکتا۔

۔واقعی میں آپ کا خاندان خوش قسمت ہے۔۔ساحر خانزادہ نے مسکراتے

ہوے کہا تو حیدر خان کا جی دار قہقہہ بیٹھک کے درور دیوار سے ٹکرایا تھا۔

میں نے آج ساحر کو انوائٹ ہی اس لیے کیا تھا کہ وہ میری تعریفیں کر سکے۔

۔حیدر خان نے ساحر خان کو دیکھتے شرارتی لہجے میں کہا تو ساحر خان کی

مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ارحام بھی مدھم سا مسکرایا تھا۔

ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو سب ڈائینگ روم کی طرف بڑھ گئے

تھے۔۔

ارحام ڈنر کرنے کے بعد حویلی کے لان میں ساحر خانزادہ کو کھڑا دیکھ کر چلا آیا تھا۔۔ وہ بلیک لیدر جیکٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

ارحام کے پکارنے پر وہ اپنی سوچوں کی دنیا سے باہر آیا۔ ارحام خانزادہ کو دیکھتا وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔

جن کے ہونٹوں پر ہو مسکراہٹ وہ دل میں بہت بڑا پہاڑ کی طرح کا غم چھپائے ہوتے ہیں۔ یہ آپ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔۔ ارحام نے ساحر کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے کہا۔

مگر مجھے اپنے غموں کا اشتہار لگانا پسند نہیں ہے۔۔ یقیناً آپ نے میرے بارے میں کچھ نہ کچھ سنا ہو گا۔۔ ان باتوں پر یقین مت کیجیے۔۔ میڈیا میرے متعلق کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہے۔۔ آخر انھیں بھی تو اپنی ٹی آر پی

بڑھانی ہے۔۔ساحر کے عنابی لبوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔۔مگر گرین آنکھوں میں نمی تھی۔۔جو ارحام خانزادہ نے اندر بیٹھے بھی محسوس کی تھی۔

میں میڈیا کی نہیں آپ کی آنکھوں کی بات کر رہا ہوں جہاں سب دکھائی دے رہا ہے۔۔آپ کی مسکراہٹ میں آپ کی آنکھیں آپ کا ساتھ نہیں دیتی۔۔

ارحام خان کی بات پر ساحر خان کا دلکش قہقہہ گونجا۔

ارحام اس کا قہقہہ سنتا مسکرایا تھا۔۔

اسے آج اس بات پر یقین ہوا تھا۔۔زیادہ ہنسنے والے چہروں کے پیچھے غم کی گہری سیاہی ہوتی ہے۔۔ساحر خان کے بات بہ بات پر قہقہہ لگانے سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔

دکھائی بھی کیوں دے گی مسکراہٹ۔۔ میری آنکھوں میں وہ عکس بن کر رہتی ہے۔۔ ساحر خان نے اپنی پاکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مبہم سا مسکراتے ہوے کہا۔

جس سے محبت کی جائے۔۔ اسے اتنی آسانی سے چھوڑا نہیں جاتا۔۔ آپ کو دیکھ کر لگتا ہے۔۔ وہ آپ کی محبت ہی نہیں آپ کا عشق بھی تھی۔ ارحام اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا۔۔ وہ حیران تھا کسی سے اتنی محبت کی جائے تو کیسے اسے چھوڑا جا سکتا ہے۔۔۔ آخر ساحر نے اس لڑکی کو جانے ہی کیوں دیا۔

وہ میرا عشق ہے نہیں۔۔۔۔ میں اسے کہتا بھی عشق تھا۔ کیونکہ میرے لیے وہ سراپا عشق ہی ہے۔۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے جیسے وہ آج میرے

بہت قریب ہو بہت پاس۔۔ میں اسے آج اتنی شدت سے کیوں محسوس کر رہا ہوں؟؟۔۔

ساحر خانزادہ کی مدھم آواز گونجی۔۔ جیسے وہ خود سے ہی مخاطب ہو۔ ارحام خانزاہ بمشکل ہی اس کی آواز سن پایا تھا۔

وہ اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو چھپاتے ہوے رخ موڑ گیا تھا۔۔ اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی پھر مسکراتے ہوے ارحام خانزادہ کی طرف متوجہ ہوا۔

بہت کچھ پتہ ہے آپ کو عشق کے بارے میں۔۔ لگتا ہے آپ نے جس سے محبت کی ہے۔۔ وہ آپ کے پاس ہے۔۔ یقیناً آپ نے اسے خود سے دور جانے نہیں دیا ہو گا۔۔ ساحر خان کی بات پر ارحام خانزادہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔

اس کی محبت تو گل تھی۔۔اور اس نے تو بہت آسانی سے اسے جانے دیا تھا۔

۔۔

فون رنگنگ پر ارحام ایکسکیوز کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور بڑی سی چادر میں لپٹے اپنا چہرہ اچھی طرح ڈھانپے ملازمہ کی تقلید میں باہر آئی۔حویلی کے بڑے سے برامدے سے گزرتے وہ یکدم رکی تھی۔

ساحر۔۔۔۔اس کے لبوں نے بے اختیار جنبش کی۔۔حویلی کے درودیوار اسے خود پر گرتے محسوس ہوے۔۔

۔قدموں نے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔۔اس کے قدم زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔۔

یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔۔وہ یہاں کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔ساحر خانزادہ کو دیکھ کر اس کے زخم ہرے ہوے تھے۔۔

حور نے جلدی سے پلر کے پیچھے چھپتے پناہ لی۔۔ پلر سے ٹیک لگائے وہ گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔نقاب کھل چکا تھا۔۔۔اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں آنسو تھے۔

ملازمہ حیرانگی سے حور کو دیکھ رہی تھی۔۔جو گہرے سانس بھرتے اپنی آنکھیں میچے ہوے تھی۔

کیا ہوا حور باجی۔۔ ملازمہ نے اس کے چہرے پر سراسیمگی دیکھ کر پوچھا ۔۔۔اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

کک کچھ نہیں چلو۔۔۔۔۔ حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا نقاب ٹھیک کیا۔ ۔اپنا چہرہ اس نے مکمل ڈھک لیا تھا۔

ملازمہ کی ہمراہی میں وہ آگے بڑھی۔۔ ساحر خان کے پاس سے گزرتے وہ رکی تھی۔۔ اپنی جھیل سی گہری آنکھیں ساحر خانزادہ کی نیلی آنکھوں میں گاڑھی۔

ساحر جو اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔وہ ٹھٹھک کر رکا تھا۔

عشق۔۔۔۔ساحر خان کے عنابی لبوں نے آہستگی سے پکارا۔۔

ساحر خان کے جنبش میں ڈھلے لبوں کو دیکھتے وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔۔وہ ساحر خان کو مکمل اگنور کرتے آگے بڑھ گئی تھی۔

برامدے کے دوسرے سٹیپ پر حور کا پاؤں لڑکھڑایا تھا۔ساحر خان کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی۔۔۔وہ بے تابی سے حور کی طرف بڑھا۔۔اس سے پہلے وہ حور کی طرف بڑھتا۔دو مضبوط بانہوں نے اسے تھام لیا تھا۔

حور کے چہرے کا نقاب کھل گیا تھا۔اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی ارحام خان لمحوں کے ہزارویں حصے سے پہلے اس کی طرف بڑھا۔اسے اپنی مضبوط

بانہوں میں تھام کر اس کے سر سے کھسکتی چادر کو پکڑا تھا۔۔۔ حور نے ارحام کے مضبوط سینے میں پناہ لیتے ہوئے سراسیمگی سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلائے اسے دیکھا۔۔ ارحام نے اسے نرمی سے اپنی کمر کے گھیرے میں لے کر اس کی چادر کو اچھی طرح اس کے سر پر دیا۔۔

چہرہ ڈھانپو حور۔۔۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں کی ٹھہری نمی کو بغور دیکھتے نرمی سے کہا۔۔ اس کے بدن کی کپکپاہٹ محسوس کرتے وہ اسے ابھی تک اپنی مضبوط بانہوں میں تھامے ہوئے تھا۔

حور نے جلدی سے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھکا۔

ارحام کی نظریں ساحر خانزادہ پر اٹھیں.. جو حور کی پشت کی طرف کافی فاصلے پر کھڑا تھا۔۔ ارحام کا سنجیدہ چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔۔ اگر حور کا نقاب ساحر خانزادہ کے سامنے کھل جاتا۔۔ وہ غلطی سے بھی حور کے چہرے کو دیکھ لیتا تو اسے بلکل اچھا نہیں لگتا۔۔ ارحام عجیب سا شدت پسند ہو رہا تھا حور کو لے کر۔۔۔ اب اس کے چہرے پر بھی کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔۔

ساحر خان کو ایک نظر دیکھتے ارحام خانزادہ نے حور کے گرد اپنے بازو کا حلقہ مضبوط کیا اور اسے لیے کار پورچ کی طرف بڑھا۔۔

ساحر خان ساکت و جامد کھڑا تھا۔

نقاب میں جھیل سی گہری آنکھیں اسے پہچاننے میں پل نہیں لگا تھا۔۔ مگر ان آنکھوں میں اجنبیت اور سرد پن نیا تھا اس کے لیے۔۔

اگر وہ اس کی حور تھی تو اس نے اسے دیکھ کر پہچانا کیوں نہیں۔۔۔ ان آنکھوں میں اجنبیت کیوں تھی؟؟؟

ساحر خانزادہ نے جلتی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔۔ وہ اس کی پرچھائی کو بھی کسی کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتا تھا۔۔ جو لڑکی اسے حور سے تشابہ لگی ہو اسے کسی کے ساتھ دیکھنا بھی سوہان روح تھا۔۔ وہ روز جلتا روز مرتا تھا۔۔ لبوں پر ایک ہی دعا ہوتی تھی۔۔ وہ جہاں بھی ہو صیح سلامت ہو اور صرف اس کی ہو۔۔۔

وہ ارحام کی مضبوط پناہوں میں چلتے چلتے رکی تھی۔۔۔یکدم رخ پلٹے ساحر خانزادہ کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں سے نمی جاری تھی۔۔وہ نم زدہ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

کیا ہوا؟؟ارحام نے اسے رکتا دیکھ کر پوچھا۔۔

کک کک کچھ بھی نہیں۔۔حور نے کانپتے لبوں سے کہا۔۔

ارحام نے اس کی نظروں کی تقلید میں پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔جہاں اب کوئی نہیں تھا۔۔

ارحام نے نرمی سے دوبارہ سے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا اور اسے لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔مگر حور کی نظروں کے سامنے اس کی ماضی کے ورک پلٹنا شروع ہوے تھے۔

پاسٹ۔۔۔۔۔۔۔

وہ گہری نیند میں اپنے خوبصورت کمرے میں عالی شان بیڈ جو راؤنڈ شیپ میں تھا۔۔گہری نیند میں محو تھی۔

پنک کلر کی سلک کی نایٹی جس پر پنک گاؤن تھا۔وہ ملبوس تھی۔براون بال سلکی بال اس کے اطراف میں بکھرے تھے۔۔وہ اپنے فیورٹ پنک ٹیڈی بئیر کو اپنے سینے سے لگائے ہوے تھی۔۔خوبصورت کمرہ کانچ کا محل سا معلوم ہوتا تھا۔۔جہاں کی ہر چیز عالی شان اور اعلی تھی۔۔

سائیڈ ٹیبل پر رکھا الارم کلاک بول بول کر تھک گیا تھا۔ مگر اس کی گہری نیند نہ ٹوٹی تھی۔۔ اب اس کے موبائل پر کالز آنا شروع ہو گئی تھیں۔

اس نے ایک ہاتھ سے اپنے پاس رکھے موبایل کو نیند میں ہی تلاشا۔ اور موبائل کو پکڑ کر مندی مندی آنکھوں سے سکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا

۔۔

عیشا۔۔۔۔۔۔ حور نے سکرین پر جگمگاتے نمبر کو گھور کر دیکھا تھا۔

اس نے غصے سے کال کاٹتے ہوے موبائل بیڈ پر پٹخا۔۔ وہ دوبارہ سے آنکھیں موندے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ منٹوں میں پھر سے سو گئی تھی۔۔اب کی بار اس کی آنکھ میسج بیپ پر کھلی تھی۔۔کیونکہ میسج کرنے والی اس کی ڈھیٹ فرینڈ عیشا ہی تھی۔۔۔جس نے کچھ سیکنڈ میں اسے کتنے ہی میسج کر ڈالے تھے۔۔

حور نے موبائل کو گھورتے میسج سین کیا ہی تھا۔۔وہ کرنٹ کھا کر بیڈ سے اٹھی۔۔۔

او۔۔۔۔۔نو میں یہ کیسے بھول سکتی ہوں۔۔حور اونچی آواز میں خود سے مخاطب ہوئی۔۔

وہ جلدی سے واش روم کی طرف بڑھی۔۔شاور لے کر وہ ٹاول سے خود کو لپیٹتے باہر آئی۔۔جلدی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔۔

بلیک جینز پر وائٹ شارٹ شرٹ اور بلیک شارٹ جیکٹ پہن کر وہ باہر آئی تھی۔۔اپنے سلکی بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔

میک اپ میں اس نے ہونٹوں پر گلابی لپ سٹک لگا رکھی تھی۔۔ہائی ہیل پہنتے وہ باہر آئی۔۔

وہ اپنے کمرے سے باہر آتے ڈائننگ روم کی طرف بڑھی۔۔۔ڈاینگ ٹیبل کے گرد چیئر پر بیٹھے سلطان احمد کو دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔.

ہیلو مائی موسٹ ہینڈسم پاپا۔۔۔حور نے پیچھے سے سلطان احمد کے گلے میں بانہیں حمائل کیں۔

حور کتنی مرتبہ کہا ہے ہیلو نہیں سلام کرتے ہیں۔سلطان صاحب نے ہمیشہ کی طرح اسے ٹوکا تھا۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میرا موڈ مت خراب کریں۔۔۔حور نے برا سا منہ بنایا تھا۔۔

احمد صاحب نے گہرا سانس لیتے حور کو دیکھا جو ان کے سامنے والی چیئر پر منہ پھلائے بیٹھی تھی۔۔

اوکے میری جان سوری۔۔۔اب تم مجھ سے ناراض ہو کر میرا دن خراب مت کرو۔۔جانتی ہو ناں اگر میری گڑیا مجھ سے ناراض ہو تو میرا دن کیسے گزرتا ہے۔۔اور آج میری بہت اہم میٹنگ بھی ہے۔احمدی صاحب اپنی چیئر سے اٹھتے حور کی طرف بڑھے۔۔جو ابھی بھی منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

احمد صاحب نے مسکراتے حور کو بازو سے پکڑ کر چیئر سے کھڑا کرتے اپنے سینے کے ساتھ لگایا۔۔

سترہ سال کی ہو۔۔۔ مگر حرکتیں آج بھی ویسے ہی کرتی ہو جب تم پانچ سال کی تھی۔۔ تب بھی مجھ سے ایسے ہی ناراض ہو کر بیٹھ جاتی تھی۔ تب تو چاکلیٹس ڈول لینے پر مان جاتی تھی۔۔

آج کیا چاہیے میری گڑیا کو؟؟ احمد صاحب نے حور کے نروٹھے چہرے پر نظر ڈالتے ہوے مبہم سا مسکراتے ہوے پوچھا۔

مجھے ساحر خان کے کنسرٹ پر جانا ہے۔۔ حور نے کن انکھیوں سے احمد صاحب کو دیکھتے کہا۔۔ چہرے پر ہنوز ناراضگی طاری تھی۔

لیکن بیٹا یہ کنسرٹ تو رات تک جاری رہے گا۔۔ احمدی صاحب نے پریشانی سے کہا۔۔

پاپا یہ پاکستان نہیں لندن ہے۔۔پاکستان میں تو آپ مجھ پر پابندیاں لگاتے ہی تھے۔۔اب کیا لندن میں بھی میں کہیں آجا نہیں سکتی۔۔اور پریشانی کس بات کی ہے۔۔ آپ کے گارڈز کی ایک فوج ہو گی میرے ساتھ.. حور ہنوز منہ پھلائے بولی تھی۔۔

حور اگر تمھیں ساحر خان سے ملنا ہے تو میں تمھاری ملاقات کروا دیتا ہوں۔۔وہ گھر آکر تم سے مل لے گا۔۔احمد صاحب نے حور کے آگے تجویز رکھی۔

اوہ۔۔۔۔۔پاپا یعنی کہ آپ اسے خریدیں گے۔۔اسے یہاں آنے پر پاؤنڈز سے نوازیں گے۔

ہاں تو بلکل اسے جتنے کنسرٹ سے پیسے نہیں ملیں گے۔۔اس سے ڈبل ٹرپل میں اسے ایک ایک منٹ کی پیمنٹ دے سکتا ہوں۔۔احمد صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔۔

پاپا ساحر خانزادہ ایسا بندہ نہیں جسے خریدا جا سکے۔۔۔اس کے زیادہ تر چیئرٹی کنسرٹ ہوتے ہیں۔ آج کے کنسرٹ سے جو پیسہ کمایا جائے گا۔۔وہ پاکستان کی ایک اور فنیج ویلفیئر سوسائٹی کو ڈونیٹ کیا جائے گا۔۔حور نے منہ بناتے احمدی صاحب کی غلط فہمی دور کی تھی۔۔

حور کے انداز پر وہ گہرا مسکرائے تھے بھلا ان سے زیادہ کون ساحر خان کو جان سکتا تھا۔

جانتا ہوں وہ ایسا انسان نہیں ہے۔۔ تمھاری معلومات میڈیا تک ہیں۔اور میری معلومات پرسنلی ہیں۔وہ میرے ایک فون کال پر بھاگا آئے گا۔۔بیٹے

کی طرح ہے میرے لیے وہ۔۔۔شاہزیب خان کے جیسے مان دیتا ہے وہ مجھے۔۔احمدی صاحب فخریہ بولے۔۔

افففف پاپا پلیز۔۔۔مجھے نہیں ملنا آپ کے ساحر خانزادہ سے۔۔

مجھے اس ساحر خانزادہ سے ملنا ہے جو ورلڈ کا بیسٹ سنگر ہے۔۔مجھے اسے لائیو پرفارم کرتے دیکھنا ہے۔حور نے لب پھیلائے احمدی صاحب کی آفر مسترد کی۔

یعنی تم میری بات نہیں مانو گی۔۔احمدی صاحب نے آبرو آچکائے حور کو سنجیدگی سے دیکھا۔

بلکل۔۔۔چانس ہی نہیں ہے۔۔حور نے لب پھیلائے کندھے اچکائے تھے۔

یعنی ہر بار کی طرح ہار میں ہی مانوں گا۔۔ احمدی صاحب نے لب بھینچے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

جی بلکل۔۔۔ حور نے مسکراتے ہوے احمدی صاحب کے گلے میں بانہیں حمائل کیں۔

احمد صاحب پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ ہوے تھے۔۔

بس کریں پاپا۔۔ آپ کے چہرے پر یہ سنجیدگی اچھی نہیں لگتی۔

حور لاپروائی سے شانے اچکاتے اپنی چیئر پر بیٹھ گیی۔۔

ٹیبل پر نگاہ ڈالتے حور کا مزاج بگڑا تھا۔

جولی۔۔۔۔۔۔ جولی۔۔۔ حور غصے سے چلائی۔۔

یس میم۔۔۔۔۔ جولی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

Where is my olives??

حور غصے سے چلائی تھی۔۔

Mam i m Sorry i forget i will۔۔۔

پاپا مجھے کھانا نہیں کھانا۔۔ میں جا رہی ہوں۔۔ حور جولی کی بات کاٹتے ہوے احمدی صاحب سے مخاطب ہوئی۔۔

چیئر گھسیٹ کر اٹھی تھی۔۔ حور کا مزاج بگڑا دیکھ کر انہوں نے جولی کو جانے کا اشارہ کیا۔۔ جولی جلدی سے وہاں سے چلی گئی۔۔

گڈ آفٹر نون۔۔۔ ماہ جبین بیگم نے جمائیاں لیتے ڈائینگ روم میں قدم رکھا تھا۔۔ وہ اس وقت وائٹ ڈیپ گلے والی نایٹی میں ملبوس تھی۔

ہیلو ماما۔۔۔ حور ماہ جبین بیگم کے گلے لگیں۔۔

مائی پریٹی ڈول۔۔۔ماہ جبین نے حور کے ماتھے پر کس کی۔۔

اوکے پاپا اوکے ماما بائے۔۔۔۔حور اپنا بیگ اٹھائے باہر کی جانب چل دی تھی۔۔

احمد صاحب نے فون پر جلدی سے اپنے گارڈ کو ہمیشہ کی طرح چند ہدایات کیں۔۔

احمد صاحب کیوں پریشان ہوتے ہیں۔۔وہ بچی نہیں رہی۔۔بڑی ہو گئی ہے۔اور یہ پاکستان نہیں ہے۔۔پھر کس بات کا ڈر۔۔ماہ جبین بیگم نے احمدی صاحب کے پریشان چہرے کو دیکھتے نرمی سے کہا

ہاں بڑی تو ہو گئی ہے۔۔اس لیے سوچ رہا ہوں اٹھارہ سال کے ہونے پر اپنی تمام جائیداد حور کے نام کر دوں۔۔احمدی صاحب کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھے تھے۔۔

احمد صاحب کی بات پر ماہ جبین کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرایا تھا۔۔

انہوں نے جلدی سے خود پر قابو پاتے مسکراتے ہوئے احمد صاحب کی بات پر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ساحر خانزادہ وائٹ جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر وائٹ ہی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ سٹیج پر جیسے ہی آیا تالیوں اور چیخوں سے پورا ہال گونج اٹھا تھا۔۔

اس نے مسکراتے ہوے سب کو ہاتھ ہلایا تو ہال میں ہر طرف نسوانی چیخیں گونجی تھیں۔ لڑکیاں لڑکے سب پاگل ہو رہے تھے۔۔

ساحر خانزادہ نے مائک پکڑے گانا گانا شروع کیا۔

تیرا فتور جب سے چڑھ گیا رے

تو جو میرے سنگ چلنے لگے

دیکھوں نہ ایک پل تجھے

میری بانہیں تڑپنے لگیں

ساحر خانزادہ کے گانے کے لر عکس پر شور میں اضافہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی سب نے لہک لہک کر گانا شروع کیا۔۔

حور بھی اپنی فرینڈز کے ساتھ موجود منہ پر ہاتھ رکھے چیخیں مار رہی تھیں۔

ساحر خان نے مسکراتے ہوے اپنی جیکٹ اتار کر ہال میں پھینکی۔

وہاں کھڑی سب لڑکیوں نے اس جیکٹ کو پکڑنے کی کوشش کی۔۔ساحر خان کی جیکٹ حور پر آکر گری تھی۔۔

حور نے چیخ مارتے ہوے وہ جیکٹ تھامی۔۔

ساحر خان نے مسکراتے ہوے انگلی کے اشارے سے اسے سٹیج پر بلایا تھا۔۔

ہر طرف سے شور اٹھا تھا۔۔سب کی نظریں حور پر تھیں۔

حور وہ جیکٹ تھامے جلدی سے سٹیج کی طرف بڑھی۔ہال میں موجود لوگوں نے حور کو سیٹج تک جانے کی رسائی دی۔سب لڑکیاں رشک سے حور کو دیکھ رہی تھیں۔۔ساحر خانزادہ ہمیشہ اپنے لایو کنسرٹ کے دوران اپنی

جیکٹ ہال میں پھینکتا تھا۔۔ جس پر بھی وہ گرتی تھی۔۔ وہ جیکٹ تو اس کی ہوتی تھی۔۔ اسے سٹیج پر موجود ساحر خان کے ساتھ پرفارم کرنے کا موقع بھی ملتا تھا۔ آج یہ خوش نصیبی حور کے حصے میں آئی تھی۔

حور بھاگتے ہوئے سٹیج تک پہنچی۔۔ ساحر خان نے ہاتھ پکڑ کر حور کو سٹیج پر چڑھنے پر مدد کی۔۔

پورے حال میں لڑکے لڑکیوں کی ہوٹنگ شروع ہوئی۔۔

ساحر خان نے حور کا ہاتھ پکڑے گانا گانا شروع کیا۔۔

تیرا فتور جب سے چڑھ گیا رے

ہاتھوں سے لکیریں یہی کہتی ہیں

لکیریں یہی کہتی ہیں۔۔

کہ زندگی ہے جو میری تجھ میں رہتی ہیں

لبوں پہ لکھی ہے میرے دل کی خواہش

لفظوں میں کیسے بتاؤں

اک تجھ کو ہی پانے کی خاطر

سب سے جدا ہو جاؤ

ساحر خان مایک پکڑے حور پر نظریں جمائے لر عکس گا رہا تھا۔

ساتھ ہی اس نے حور کو ہاتھ سے پکڑے گھمایا۔۔۔ حور ہنستے ہوے اس کے گھمانے پر گھوم رہی تھی۔۔۔

حور کی ہائی سینڈل ہیل لڑکھڑائی تو وہ بیلنس نہ رکھ سکی۔۔۔ ساحر خانزادہ کے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔۔ ہال میں ایک بار پھر سے شور گونج اٹھا۔۔ اب کی بار پہلے سے بھی زیادہ ہوٹنگ شروع ہوئی۔۔

حور نے جلدی سے ساحر خان سے الگ ہونا چاہا۔ ساحر خان کی اس کی کمر پر گرفت مضبوط ہوئی تھی۔۔

حور نے سرخ ہوتے ساحر کو دیکھا۔۔ جس کی سبز آنکھیں مسکرائی تھیں۔۔ عنابی لب بھی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔۔ گال میں دلکش گڑھا ابھرا تھا۔۔

وہ ٹرانس کی کیفیت میں حور کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

دیکھے تو جو خواب

وہ تجھ میں دکھنے لگلگے

تیرا فتور جب سے چڑھ گیا رے

سانسو کے کنارے بڑے تنہا تھے

تو آ کے چھو لے مجھے

یہی تو ارماں تھے

تیرا فتور جب سے چڑھ گیا رے

ساحر خان ابھی بھی اسے کمر سے تھامے ہوے تھا۔۔اس کی گرین آنکھیں حور کے خوبصورت چہرے پر جمی تھیں۔

بہت سے کیمروں کی لائٹ اب صرف حور اور ساحر خان پر تھی۔۔۔وہ لوگ نیلی روشنی کے دائرے میں تھے۔

حال میں ہوٹنگ بڑھتی جارہی تھی۔۔

حور نے پیچھے مڑتے سٹیج سے نظر آتے وسیع عریض کراوڈ کو دیکھا۔۔۔وہ اب اس سچویشن سے خفت سے گلابی ہو رہی تھی۔۔پورے مجمعے اور لائیو شو کے سامنے ساحر خانزادہ اسے جس طرح کمر سے جکڑے ٹرانس کی کیفیت میں اسے گھور رہا تھا۔اب وہ گانا گانا بھی بھول چکا تھا۔۔ سٹیج پر صرف خوبصورت میوزک کی دھنیں بکھر رہی تھیں۔کمیرے کی فلیش لایٹ ان پر چمک رہی تھیں۔

یہ سب اس کے لیے کافی ایمبریسنگ تھا۔۔

یکدم حور نے پوری قوت سے اپنی ہائی ہیل ساحر خان کے پاؤں پر دے ماری

۔۔

ساحر نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔۔اس نے ردرد سے کراہتے حور کو

چھوڑات

حور جلدی سے آگے کی جانب بڑھی۔۔ سٹیج سے نیچے اترتے اس نے پلٹتے

ہوے ساحر خان کو دیکھ کر مسکراتے ہوے افسوس سے سر ہلایا تھا۔

چچ چچ۔۔۔وہ ہونٹوں کو سکیڑتے اسے دیکھ کر مدھم سا ہنسی تھی۔

ساحر خان اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوے مبہم سا شرمندگی سے مسکرایا

۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا کسی لڑکی کو دیکھ کر اس کا خود پر ضبط چھوٹا تھا۔۔وہ اس

لڑکی کی جادوئی سحر زدہ آنکھوں کا دیوانہ ہوا تھا۔ وہ ہال کے کراوڈ کو دیکھتے جلدی سے بیک سٹیج کی طرف بڑھا۔۔ پلٹ کر ایک مرتب پھر سے دیکھا تھا۔۔ مگر وہ ساحرانہ جادو گرنی کہیں نہیں تھی۔

.----------

عابیر کمرے میں آئی تو تھکن سے اس کا برا حال تھا۔۔ کالج یونیفارم ملگجا ہو چکا تھا۔۔

اپنی حالت دیکھتے شاور لینے کی غرض سے وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔

شاور لے کر وہ رائل بلو پٹھانی فراک میں ملبوس باہر آئی تھی۔۔ سنہرے گیلے بال پشت پر بکھرے تھے۔۔ ہیزل گرے آنکھیں تھکن اور رونے کی

وجہ سے ہلکی گلابی تھیں۔ سنہری رنگت جس میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔
اس کا روپ کندن کی طرح دہکا رہی تھیں۔ گھیرے دار سمپل سے فراک
میں اس کا سراپہ نوخیز کلی کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ بغیر دوپٹے کے
کمرے کے وسط میں کھڑی ٹاول سے اپنے گیلے بال خشک کر رہی تھی کہ
اسفندیار کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ عابیر کی گیلی پشت دیکھ کر وہ کمرے کے
دروازے میں ہی ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔ وہ دلکش خدوخال بے حد خوبصورت
سراپے کی مالک تھی۔۔ اس کا جسم سنگ مرر کی طرح تراشا ہوا محسوس ہوتا
تھا۔۔ گیلے فراک سے اس کی پشت کی رعنائیاں صاف ظاہر ہو رہی
تھیں۔ اس کی جگمگاتی دودھیا کمر نمایاں ہوتے لشکارے مار رہی تھی۔ اپنی
پشت پر کسی کی تپش زدہ نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے وہ پلٹی تھی۔ اس
کے ٹاول بال خشک کرتے ہاتھ رکے تھے۔۔

اسفندیار کی آنکھوں کا خود کا گہرائی سے ایکسرے کرتے دیکھ کر وہ سرخ پڑی تھی۔۔ نظریں جھکائے وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

اس کا خوبصورت نکھرا چہرہ دیکھتے اسفندیار کی گہری نظریں اس کے خوبصورت نقوش سے ہوتیں اس کے کندن سے نشیب و فراز پر جا ٹھہریں تھیں۔

فراک کافی فٹنگ میں تھا۔۔ گلا گہرا تھا۔ گہرے گلے سے نظر آتی رعنائیاں دیکھتے وہ بمشکل ہی اپنی نظریں پھیر پایا تھا۔۔

کبھی کسی لڑکی کو دیکھتے اس کے احساسات اس طرح کے نہیں ہوے تھے۔ امیریکہ میں اس سے کہیں زیادہ حسین اور بے باک جلوے دیکھنے کو

ملتے تھے۔۔ مغربی حسن ایشیائی نوجوانوں کے گلے کا ہار بننے کو ہر دم تیار رہتا تھا۔ مگر اسفندیار نے کبھی ایک غلط نگاہ کسی پر نہیں ڈالی تھی۔

مگر وہ اب بہک رہا تھا۔۔ شائد وہ ایک رات کی قربت کا اثر تھا۔۔ جو وہ چاہ کر بھی بھلا نہیں پا رہا تھا۔۔ یا پھر حلال رشتے کا استحقاق تھا۔۔ جو اسے کسی بھی شرم و لحاظ بلائے طاق رکھتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔۔ وہ جب بھی اس کے سامنے ہوتی کسی بھی حلیے میں ہوتی وہ ہمیشہ گہری اور بھرپور نظر پورے حق سے اس پر ڈالتا تھا۔۔ ابھی بھی لمحوں میں اس نے اس کے ایک ایک خدوخال کو گہرائی سے جیسے حفظ کیا تھا۔

اسفند کو کمرے کے دروازے میں یونہی جمے دیکھ کر وہ ٹاول صوفے پر رکھتے بیڈ کی جانب بڑھ گئی۔

کمبل اچھی طرح خود پر لپیٹے وہ آنکھیں موند گئی تھی۔۔

اسفند سر جھٹکتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

ڈریسنگ روم سے وہ بلیک ٹراوزر اور بلیک ہی ٹی شرٹ میں ملبوس باہر آیا ۔۔روز کی طرح وہ آج صوفے کی جانب نہیں بڑھا تھا۔۔اس کے بھاری قدموں کا رخ بیڈ کی جانب تھا۔

بیڈ کی طرف بڑھتے اس نے بے دردی سے عابیر کے اوپر سے کمبل ایک ہی جھٹکے سے اتار کر دور پھینکا تھا۔۔

عابیر شدید تھکن کے زیر اثر گہری نیند سو چکی تھی۔۔وہ کروٹ کے بل ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے ایک ہاتھ سینے پر باندھے سو رہی تھی۔۔۔اس کی سانسوں کا مدھم زیر و بم سے اندازہ ہو رہا تھا۔۔وہ شدید تھکن کے زیر اثر گہری نیند میں ہے۔اسفندیار نے اس کے شہزادیوں کے جیسے حسن پر ایک نظر ڈالی تھی۔۔اس کی ہیزل گرے آنکھیں جتنی خوبصورت تھیں۔اس

سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس کی گھنیری خمدار پلکیں تھیں۔ جو اس کی آنکھوں کی خوبصورتی کئی گنا بڑھا دیتی تھیں۔ اسفندیار نے اس کے سوئے ہوئے وجود کو ایک نظر دیکھا۔

دوسرے ہی پل وہ بنا اس پر رحم کھائے بے دردی سے اس کی کلائی پکڑے اسے اپنے سامنے کھڑا کر چکا تھا۔۔ وہ نیند سے حواس باختہ ہوتے بمشکل آنکھیں کھولے لڑکھڑائی تھی۔ وہ اسفند کے چٹانی سینے سے آ لگی۔

اپنی گلابی آنکھیں بمشکل کھولتے اسفندیار کے سنجیدہ سرخ و سفید چہرے کو ناسمجھی سے دیکھا تھا۔

وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

کک کیا ہوا ہے ؟؟۔وہ گہری نیند کے زیر اثر تھی۔دل میلوں کی رفتار سے جیسے دھڑک رہا تھا۔۔گہرے سانس بھرتے اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔۔

کیا کہہ رہی تھی تم ؟؟کچن میں کہ تم کسی بھی صورت میں میری بات نہیں مانو گی۔۔اسفند نے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے غراتے ہوے پوچھا۔۔

ہاں میں آپ کی ہر بات مان سکتی ہوں۔۔جو کہ جائز ہو گی۔۔مگر ناجائز بات کسی طور پر نہیں مانوں گی۔۔نیند کا اثر زائل ہو چکا تھا۔۔عابیر نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً اٹل لہجے میں کہا۔۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھیں اسفند کی نیلی آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔۔اسفند کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر بھی اس نے اپنی نظریں نہیں جھکائی تھیں۔

اسفند اس کے لہجے کا اٹل پن محسوس کرتے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

کیا ایج ہے تمھاری؟؟۔۔ اسفند نے اس کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

وہ چہرے سے کافی کم عمر لگتی تھی۔ مگر وہ کم عمر لڑکیوں کی طرح امیچور حرکتیں بلکل نہیں کرتی تھی۔

آٹھارہ سال کی ہوں۔ دو ماہ بعد انیس سال کی ہو جاؤں گی

عابیر نے اسفند کے سوال پر اسے بتایا۔۔ وہ حیران ہوئی تھی اس کے سوال پر۔۔۔۔

وہ اس سے اس وقت اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔۔

اسفند اس کی عمر جان کر چونکا تھا۔۔وہ جانتا تھا وہ کم عمر ہو گی۔ مگر اتنی کم عمر اسے اندازہ نہ تھا۔۔وہ ایکسپیکٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ اتنی کم عمر لڑکی سے اس کا نکاح ہو گیا ہے۔۔ان کے خاندان میں اتنی کم عمری میں شادی ہونا عام بات تھی۔۔ مگر وہ پھر بھی اتنی کم عمر لڑکی کو اپنی بیوی نہیں بنانا چاہتا تھا۔

میرے نزدیک یہ جائز بات ہی ہے۔۔میں نہیں چاہتا تم اس حویلی سے قدم باہر بھی نکالو۔۔میری اتنی خوبصورت اور کم سن بیوی کو کوئی نظر بھر کر بھی دیکھے۔۔یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ جانتی ہو ناں ایک خان ہوں میں۔۔۔اسفند نے اسے کلائی سے پکڑے خود کے قریب کرتے آنکھ ونک کی۔

میں پردے میں جاتی ہوں اسفند۔۔۔۔اور میں گرلز کالج میں پڑھتی ہوں۔عابیر نے اسفند کے سینے پر ہاتھ رکھتے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے

سرد لہجے میں کہا۔اس کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔۔جیسے وہ اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہو۔۔اس کی گہری مسکراہٹ عابیر کا دل جلا رہی تھی۔

ہاں مگر یہ خوبصورت آنکھیں تو پردے میں نہیں ہوتی۔۔اسفند پر سرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔۔

کیا چاہتے ہیں؟؟سیدھی طرح کہیں...۔عابیر جھنجھلاتے ہوے اسفند کے حصار سے دور ہوئی.. مگر وہ اس کی کمر کے گرد اپنی بانہیں مضبوطی سے حمائل کر گیا تھا۔۔

عابیر کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اسے سخت ناپسند تھا۔۔

تم کالج نہیں جاؤ گی۔۔ میں نہیں چاہتا کہ میری خوبصورت بیوی کو لڑکیاں بھی دیکھیں۔ اسفند نے اب اسے جھٹکے سے خود کے قریب کرتے اسے سختی سے خود میں بھینچا تھا۔۔

عابیر اس کی سخت گرفت پر پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے خود میں بھینچے اس کی ناز کی محسوس کرتے اسے اس کی بے بسی کا خوب احساس دلا رہا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔۔ اس کی فولادی گرفت میں اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

اسفند نے کچھ لمحوں کے بعد اسے خود سے الگ کیا تو وہ اس کی بے باکی پر سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔

اسفند استہزائیہ نگاہ اس کی جھکی نظروں اور اس کے شرم سے سرخ پڑتے چہرے پر ڈالتے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔۔۔

کیا فائدہ آپ کے پڑھے لکھے ہونے کا۔۔ امیریکہ سے ڈگری حاصل کرنے کا۔۔ سوچ آپ کی وہی جاگیر دارانہ اور سطحی ہے۔۔ آپ کے بھائی نے تو مجھے کو ایجوکیشن میں پڑھنے سے روکا تھا۔ مگر آپ تو اپنے بھائی سے بھی زیادہ سطحی ثابت ہوے ہیں۔ عابیر کے الفاظ پر اس کے باہر جاتے قدم رکے تھے۔۔ رنگ شدت اشتعال سے سرخ پڑا۔۔

بابرک کے لیے اس کے بولے گئے لفظ اس کے اندر طیش و اشتعال کا اک آگ دہکاؤ چکے تھے۔۔ وہ اپنے لیے تو یہ لفظ برداشت کر لیتا۔ مگر اپنے مرے ہوے بھائی کے لیے وہ ایک لفظ سن نہیں سکتا تھا۔۔ جسے مارنے میں اس کے ہی بھائی کا ہاتھ تھا۔

اسفند اس کی طرف ایک ہی جست میں پہنچا تھا۔ وہ اس کا جبڑہ آہنی گرفت میں سختی سے دبوچ گیا۔۔ خبر ار میرے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی بولا۔۔ زبان حلق سے کھینچ لوں گا تمھاری۔۔ وہ حلق کے بل دھاڑا...

عابیر اس کی وحشی گرفت اور اس کی خوفناک دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔۔ اپنے جبڑے کو اس کی گرفت سے اپنے ہاتھوں سے چھڑوانا چاہا۔۔ وہ ایک ہاتھ سے ہی اس کی دونوں کلائیاں اس کی کمر پر جکڑ گیا تھا۔۔ جتنی بے دردی سے اس نے اس کی کی کلائیاں اور جبڑہ جکڑا ہوا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ بے دردی سے اسے دیوار میں پٹخ گیا تھا۔۔

عابیر دیوار کے ساتھ لگی اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اس کی کلائیاں بے دردی سے جکڑے ہوے تھا۔۔ عابیر کو اپنی کلائیاں اس کی

گرفت میں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ مگر وہ اس کی کلائیاں اپنی وحشی

گرفت میں بے دردی سے جکڑے اس کا جبڑہ دبوچے اس کے چہرے پر اپنی

انگارہ سانسیں چھوڑتے اس کا چہرہ جھلسا رہا تھا۔۔

تکلیف کے مارے عابیر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے

تھے۔۔ عابیر نے آنکھیں میچتے سسکاری بھری۔

تمھاری یہ زبان اور تمھارے ہاتھ پہلی رات ہی کاٹ دینے چاہیے

تھے۔۔ جب تم نے مجھے چاقو مارا تھا۔۔ مگر میں برداشت کر گیا۔۔ اسفند

اس کی میچی ہوئی آنکھیں دیکھ کر غرایا تھا۔

آنکھیں کھولو۔۔۔۔ میری آنکھوں میں دیکھو۔۔ اسفند چلایا تھا۔۔

عابیر نے آنکھیں کھول کر اسفند کو دیکھا۔۔وہ پلکیں جھپکتے اپنے آنسوؤں پر کنٹرول کر رہی تھی۔۔مگر شدید تکلیف کی وجہ سے آنسوؤں پر بندھ باندھنا مشکل تھا۔

یہی ہے تمھاری اوقات کہ تم اس طرح آنسو بہاؤ۔۔لڑکی ہو لڑکی بن کر رہو۔۔بیوی ہو بیوی بن کر رہو تو بہتر ہو گا۔آئیندہ میرے سامنے میرے بھائی کے خلاف تم نے کچھ بھی کہا میں تمھاری جان اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔

اپنی زبان کو میرے سامنے قابو میں رکھو تو بہتر ہو گا تمھارے لیے۔۔۔۔

۔اسفند اس کے اطراف میں مکہ مارتا غرایا۔۔۔

بابرک کے مرنے کا زخم ابھی تک بھرا نہیں تھا۔۔جو تکلیف وہ محسوس کرتا تھا۔۔وہ وہی جانتا تھا۔۔۔اس وقت اس کا دل کر رہا تھا۔سامنے کھڑی لڑکی

کے بخیے ادھیڑ دے۔۔ جس نے بڑی آسانی سے اس کے بھائی کے لیے ایسے ہتک امیز لفظ بولے۔

اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورتے اس کی کلائیاں آزاد کی تھیں۔۔ وہ اس پر قہربار نگاہ ڈالتے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اشتعال پر قابو پانے لگا۔ مگر اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں۔ اس کا غیض و غضب مسلسل بڑھ رہا تھا۔

میں اپنی اوقات پر آنسو نہیں بہا رہی.. بلکہ اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی ہوں۔۔ آپ کے بھائی کی منکوحہ تھی تو بہت سے پتھر میری راہ میں تھے۔۔ جن پر چلتے چلتے میں نے خود کو زخمی ہونے سے کسی حد تک بچا لیا تھا۔ مگر آپ کی بیوی بن کر اندازہ ہوا ہے۔۔ ابھی بھی خار دار کانٹے ہی

میرے حصے میں آئے ہیں۔ جنھوں نے میرے وجود کے ساتھ میرا دل بھی زخمی کر ڈالا ہے۔۔

عابیر نے زخمی لہجے میں کہتے سسکاری بھری۔۔۔ وہ اسے کیسے بتاتی بابرک کی دی ہوئی بے رحم اذیتوں نے کبھی اتنی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔۔ جتنی اسفند کی دی ہوئی اذیتیں دیتی تھیں۔ کیونکہ وہ سامنے کھڑے وجیح خوبرو یونانی دیوتا جیسے مغرور انسان کو اپنا دل دے بیٹھی تھی۔

وہ اس کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم اور اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر مسکرا اٹھا تھا۔۔ عابیر کی آنکھوں میں وہ پہلی رات ہی اپنا عکس دیکھ چکا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں دیوار پر اپنے ہاتھ جما گیا۔

یہ بے بسی تو کچھ نہیں ہے۔ ابھی تو تم بے بسی کی انتہا محسوس کرو گی۔۔ تمھارے بھائی نے اس لیے میرے بھائی کو مار ڈالا تا کہ تمھیں تکلیف سے بچا سکے۔۔ لیکن وہ نہیں بچا سکا۔۔۔ میں تمھیں پل پل اذیت دوں گا۔۔ وہ خود اقرار کرے گا سب کے سامنے بابرک کو مارنے میں اس کا ہاتھ ہے۔۔ اور جس قبیلے جس گاؤں کا وہ سردار ہے.. اسی گاؤں کے سامنے اس کی سزا میں تجویز کروں گا۔۔ اسفند نے کاٹ دار لہجے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

بابرک کی حرکتوں سے واقف ہونے کے باوجود بھی آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔۔ عابیر چیخی تھی۔۔ زاران کے خلاف وہ ایک بات نہیں سن سکتی تھی ۔۔۔ جان سے بڑھ کر محبت کرتی تھی وہ زاران سے۔۔۔

ہاں کیونکہ وہ میرا بھائی تھا۔۔ جیسا بھی تھا۔۔ اس کی جان لینے کا حق کسی کو بھی نہ تھا۔۔ اسفند عابیر سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چلایا تھا۔۔ عابیر اس کے چلانے پر آنکھیں میچ گئی۔۔

اسفند نے عابیر کو بازو سے جکڑے بیڈ پر دھکا دیا۔۔۔ عابیر اوندھے منہ بیڈ پر جا گری تھی۔۔

اسفند طیش و اشتعال سے کبرڈ کی طرف بڑھا۔۔۔ عابیر سیدھے ہوتے اسفند یار خان کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔ یہ روپ تو اس نے پہلی رات بھی نہیں دیکھا تھا جب اس نے اسے چاقو مارا تھا۔۔ چاہتا تو اپنا بدلہ رات بستر پر پل پل اس کے لیے اذیت ناک بنا کر لے سکتا تھا۔۔۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔۔ مگر آج یہ اسفند کوئی اور ہی تھا۔۔ اس کی لہو اتری آنکھیں دیکھ کر ہی عابیر خوف سے جھرجھریاں لے رہی تھی۔

عابیر آنسوؤں بھری آنکھوں سے اسفند کو دیکھ رہی تھی۔ جو الماری سے ایک ایک چیز نکال کر زمین پر پھینک رہا تھا۔

تمام کپڑے جیولری ہر چیز اس کی نیچے پھینک دی تھی۔ وہ کیا تلاش رہا تھا ۔۔وہ نہیں جانتی تھی۔۔ وہ صرف بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔۔

اسفند نے اس کالا کر کھولتے اس کے بہت سے امپورٹنٹ پیپرز زمین پر پھینکے تھے۔۔۔۔ وہ اس کے پرانے نوٹس اس کی فرینڈز کے دیے ہوے برتھڈے کارڈ تھے۔۔ اس کی پرسنل ڈائریاں تھیں۔ جنھیں وہ ایک ایک کر کے نیچے پھینک رہا تھا۔۔ وہ ابھی بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ کیا تلاش کر رہا ہے؟؟

اسفند ایک فائل نکالے اسے کھولتے اس کے ورک پلٹ رہا تھا۔۔۔ اسفند کے چہرے پر چمک آئی تھی۔ مگر عابیر کی سانسیں اٹکی تھیں۔

وہ بیڈ سے اٹھتے اسفند کی طرف بھاگتے ہوے بڑھی۔

یہ کیا کر رہے ہیں؟؟۔۔ یہ میری ڈاکومنٹس ہیں۔۔ مجھے دیں۔ عابیر نے اسفند کے ہاتھوں سے وہ فائل چھینے کی کوشش کی۔۔ اسفند نے اس کے ہاتھ جھٹکتے اسے زمین پر دھکا دیا تھا۔۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گری تھی۔

عابیر نے رخ پلٹے اسفند کو دیکھا جو اس کی فائل لے کر آتش دان کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔۔ عابیر بھاگتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔۔ اس سے پہلے وہ اسے روکتی اسفند اسے آتش دان میں پھینک چکا تھا۔۔۔ عابیر نے آتش دان کی طرف بڑھتے وہ فائل جلدی سے نکالی۔۔ اس کا ہاتھ جل چکا تھا۔ مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔۔ اس نے اپنے فراک کے دامن سے اس فائل پر جلتی

آگ بجھائی۔۔۔اس کے دامن میں آگ بھڑکی تھی۔ مگر اسے مطلعق پرواہ نہیں تھی۔وہ فائل کھولتے ایک ایک پیپر چیک کر رہی تھی۔

فائل اندر پیپر سلامت تھے۔۔عابیر وہ فائل سینے سے لگائے ہچکیاں لیتے اب اسفند کو دیکھ رہی تھی۔۔

جو حیرانگی سے عابیر کو دیکھ رہا تھا جس کا ہاتھ جل چکا تھا۔۔ مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔۔

اسفند اس کے فراک کے دامن میں بھڑکی ہوئی آگ دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔وہ اپنے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی تھی۔۔

نہیں اسفند یہ مت کرنا مجھ سے میرے خواب مت چھیننا۔۔یہ پیپرز زندگی ہیں میرے لیے۔۔۔آپ نہیں جانتے کتنی محنت کی تھی میں نے ایف ایس

سی میں۔۔۔ٹاپ کیا تھا میں نے اپنے کالج میں۔۔۔۔۔۔پھر بھی مجھے میڈیکل میں ایڈمشن نہیں لینے دیا۔۔کیونکہ آپ۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔۔کا بھائی نہیں چاہتا تھا۔۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا۔اس کی سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔۔جیسے ٹوٹ رہی ہوں۔۔وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بے ربط آواز میں جملے ادا کر رہی تھی۔۔

اسفند سائیڈ ٹیبل سے پانی کا بھرا ہوا جگ اٹھاتے اس کی طرف بڑھا۔۔۔اس کے دامن میں بھڑکتی آگ پر پانی ڈالا۔۔

عابیر نے پیچھے ہوتے اپنی فائل سینے میں مزید بھینچی تھی۔۔ وہ اسفند پر یقین نہیں کر پا رہی تھی۔۔ اسے اسفند سے شدید خوف محسوس ہو رہا تھا۔

حور کے ڈاکومنٹس ارحام نے جلائے تھے۔ اسے یہ بات حور کی زبانی ہی پتہ چلی تھی۔۔ اسے حویلی کے مردوں سے اسی سفاکی کی امید تھی۔۔ اسفندیار خان بھی سفاک ثابت ہوا تھا اس کے لیے۔۔ جس نے اس کی برسوں کی محنت بے دردی سے آگ میں پھینک دی تھی۔

آپ کو مجھ سے دشمنی ہے۔۔۔ تو مجھ پر غصہ نکالیں۔ ہر وار برداشت کروں گی۔۔ جو۔۔۔ جو۔۔۔۔ کہیں گے وہی کروں گی۔۔

مم۔۔۔۔۔ میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔۔ مم۔۔۔۔ میں آپ کی مورے۔۔۔۔۔۔ مورے کی بھی ہر بات مانوں گی۔۔ آپ کو مجھ سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔۔ مم میں زاران بھائی سے بھی نہیں ملوں

گی۔۔ مگر میں اپنی پڑھائی نہیں چھوڑوں گی۔۔ میرا خواب ہے

پڑھنا۔۔۔ میں اپنی پڑھائی نہیں چھوڑوں گی۔۔ عابیر نے گلے پر ہاتھ رکھتے

بمشکل آلفاظ کہے۔۔ اب اسے سانس بھی بہت مشکل سے آرہا تھا۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔ اسفندیار اس کی طبعیت دیکھتے اس کی طرف پریشانی سے

بڑھا۔۔

مت قریب آنا اسفندیار علی خان۔۔۔ میرے پیپرز کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ کاٹ

دوں گی۔۔ عابیر پیچھے کو ہوتی یکدم بپھری شیرنی کی طرح غرائی۔۔

اسفند اس کے انداز و اطوار دیکھتے حیران ہو رہا تھا۔۔ ابھی

ابھی وہ اس کی منت سماجت کر رہی تھی۔۔اب بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

بکھرے بال، سرخ آنکھیں۔۔ سرخ چہرہ۔۔۔ گہرے سانس بھرتے کندن نشیب و فراز۔۔وہ سچ میں شعلہ جوالہ تھی۔۔حویلی کے لڑکی کے ایسے انداز بھی ہو سکتا تھا۔۔یہ یقین کرنا مشکل تھا۔۔اسفندیار کے دل کی دھڑکنیں اس کا یہ روپ دیکھ کر ایک پل کے لیے منتشر سی ہوئی تھیں۔

وہ اسے بغور دیکھتا اس کی طرف بڑھا۔۔اس نے اپنے قدم مزید پیچھے کو بڑھائے تھے۔۔اسفند نے اسے ایک ہی جست میں کمر سے تھامے اس کے ہاتھ سے فائل اچکی۔۔عابیر کا رنگ لمحوں میں سفید پڑا۔۔اس نے جھٹپٹاتے ہوے اپنی فائل اسفندیار خان کے ہاتھوں سے لینے کے کی کوشش کی۔۔۔مگر وہ اپنا ہاتھ سرعت سے پیچھے کر گیا تھا۔۔

کیسے ہاتھ توڑو گی میرا۔۔۔میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔اسفند اس کا پل پل بدلتا روپ دیکھ کر حیران تھا۔۔وہ بکھرے بالوں بھیگی آنکھوں بکھرے بالوں کے ساتھ سرخ چہرہ لیے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ان پیپرز کو ایک اور بار نذر آتش کر کے دکھائیں۔۔جان لے لوں گی آپ کی۔۔۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے دھاڑی تو اسفندیار خان کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔

کیسے لو گی جان؟؟۔۔۔ایک فائل تو مجھ سے لے نہیں سکتی۔۔۔جان کیسے لو گی؟؟۔۔اسفندیار خان نے اسے کمر پر دباؤ ڈالتے اسے مزید اپنے قریب کیا۔۔عابیر بے بسی سے اس کے ہاتھ میں وہ فائل دیکھ کر رہ گئی۔۔وہ سچ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔یہ اسے آج بخوبی اندازہ ہوا تھا۔۔وہ اس

کے سامنے بہت نازک سی تھی۔۔اس کے ورزشی پہاڑی وجود کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

کیا کرو گی بتایا نہیں تم نے ؟؟۔۔ جیسے اپنا ہاتھ جلایا ہے ایسے مجھے بھی کہیں نذر آتش کرنے کا آرادہ تو نہیں ہے۔۔اسفند عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا۔۔۔

ہاں کر سکتی ہوں۔۔ایک بار اور کوشش کر کے دیکھ لیں۔۔عابیر اسفند کی شرٹ کو دونوں مٹھیوں میں جکڑے اسے اپنی طرف کھینچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتا مبہم سا مسکرایا تھا۔۔اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ نرمی سے چھڑاوائی تھی۔۔

تم کچھ نہیں کر سکتی۔۔۔ مسسز اسفند یار خان۔۔۔ تم اس بند کمرے میں بیٹھ کر آنسو تو بہا سکتی ہو۔۔ مگر اس سے آگے کچھ نہیں.....جو میں چاہوں گا

وہی ہو گا۔۔۔ اسفند نے عابیر کو بیڈ پر ایک بار پھر سے بے دردی سے دھکا دیا وہ بیڈ پر جا گری تھی۔۔۔۔ اسفند اس کی فائل لیے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

شہرام جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بہارے کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ وہ پچھلے دو دن سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔ مگر بہارے نے اسے ایک کال بھی کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

دو راتیں بہارے کے بغیر عذاب تھی اس کے لیے۔۔ وہ آج خود ہی حویلی آ گیا تھا۔۔ اور بہارے کو منانے کا بھی آرادہ رکھتا تھا۔ اب اسے کمرے میں نہ پا کر وہ مزید بے چین ہوا تھا۔۔ اس کے قدم بے اختیار زنان خانے کی طرف بڑھے۔ وہ زنان خانے کے لاونج میں کہیں نہیں دکھی تھی۔

اسلام و علیکم مورے۔۔ شہرام نے لاونج میں قدم رکھتے با آواز بلند سلام کیا۔۔

وعلیکم سلام۔۔۔۔۔ امینہ خانم صوفے سے اٹھتی شہرام کی طرف بڑھیں۔ اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

کہاں تھا تم شہرام دو دن سے،، امینہ خانم نے شہرام کے وجیح چہرے پر نظریں دوڑائے پوچھا۔۔ ساتھ ہی اپنے بیٹھے شہرام کی دل ہی دل میں کتنی بلائیں لے ڈالی تھیں۔۔۔

مورے مجھے شہر میں ضروری کام تھا۔ شہرام نے کہتے بے چینی سے پھر سے پورے لاونج میں نظریں دوڑائیں۔

امینہ خانم اس کی بے چینی محسوس کرتے مدھم سا مسکرائی تھیں۔

بہارے کچن میں ہے۔۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے بتایا تو شہرام مبہم سا مسکرایا تھا اور جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

امینہ خانم نے گہری سانس بھرتے شہرام کی پشت کو دیکھا تھا۔۔

شہرام کو خوش دیکھ کر ان کا دل سکون میں آیا تھا۔۔ عابیر اور زاران کے چہرے دیکھ کر ہی ان کا دل ہولتا تھا۔۔

روزینہ خانم اور اسفند کا عابیر کے ساتھ رویہ دیکھ کر خاموش تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں زاران اور اسفندیار ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں۔

بہارے کو وہ پریشان کرتی تو تکلیف شہرام کو ہی پہنچنی تھی۔۔ جانتی تھی شہرام بہارے کو لے کر بچپن سے ہی کتنا حساس ہے۔۔۔

بہارے کے ساتھ وہ کچھ بھی کرتی عابیر کو ڈبل سزا ہی ملنی تھی۔۔۔ شہرام بہارے کے پیچھے پاگل تھا۔ اسفندیار کے لیے عابیر کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

اس بات سے روزینہ خانم بخوبی واقف تھیں۔۔ اسی لیے تو ان کا رویہ عابیر کے ساتھ بہت تلخ تھا۔

شہرام کچن میں داخل ہوا تو بہارے کو دیکھ کر اندر تک اس کے رگ و جاں میں سکون اترا تھا۔۔

ریڈ فراک میں وہ ملبوس تھی ریڈ ہی دوپٹہ سر پر اوڑھا ہوا تھا۔۔ ریڈ لپسٹک ہونٹوں پر لگائے ہوے تھی۔

شہرام بے خودی میں اسے دیکھے گیا۔۔

بہارے کو کسی کی نظروں کا تپش کا احساس ہوا تو رخ پلٹے شہرام کو دیکھا جو گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

بہارے اسے ایک نظر دیکھ کر رخ پلٹ گئی تھی۔ اپنا کام کرنے لگی۔۔ جیسے شہرام کی موجودگی سے اسے فرق ہی نہ پڑا ہو۔۔

شہرام گہرا سانس بھرتے اپنے بھاری قدم لیے اس کی طرف بڑھا۔۔

کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام نے اس کے سپاٹ چہرے پر نظریں دوڑائے پوچھا۔۔

کام کر رہی ہوں نظر نہیں آرہا۔۔ بہارے نے منہ بنا کر تڑخ کر جواب دیا۔۔ جانتا ہوں کام کر رہی ہو۔ مگر اتنا بن سنور کر کیوں آئی کچن

میں۔۔ شہرام نے اس کے چہرے پر بکھری لٹ کو نرمی سے چھوا۔۔ وہ اس کا تلخ لہجہ اگنور کر گیا تھا۔

آج دعوت تھی گھر میں اس لیے تیار ہوئی ہوں۔۔ زیادہ تر کام تو عابیر نے کیا ہے۔۔ میں تو ابھی ہی آئی ہوں کچن میں۔۔ بہارے سپاٹ لہجے میں کہتے کاونٹر سلیب کپڑے سے صاف کرنے لگی۔

مجھے یاد کیا تم نے ؟؟۔۔۔ شہرام نے اس کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے پوچھا۔ وہ ناراض سی اکھڑی سی بھی سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ دو دن اس سے دور رہنے پر ساری ناراضگی غصہ کہیں دور جا سویا تھا۔ بلکہ خود پر غصہ آیا تھا کہ وہ تو بچپن سے ہی ایسی تھی۔۔ وہ ہی برداشت کر لیتا۔۔ اپنی نئی نویلی دلہن کو کون ایسے ناراض کرتا ہے بھلا۔۔۔

تم دو دن بعد آئے ہو۔۔۔ دو سال بعد نہیں جو میں تمھیں یاد کرتی۔۔ دو سال بعد بھی آتے ناں تو میں تمھیں پھر بھی یاد نہ کرتی۔۔ جو سلوک تم میرے ساتھ کر کے گئے تھے۔ تمھیں لگتا ہے میں نے تمھیں یاد کیا ہو گا۔۔ بہارے نے اس بار بھی تڑخ کر جواب دیا۔۔

شہرام نے اس کی بات پر اپنے لب بھینچے تھے۔۔ وہ جو خود سے عہد کر کے آیا تھا وہ اس کی باتوں پر غصہ نہیں کرے گا۔۔ مگر اس کی بات پر اسے غصہ عود کر آیا تھا۔۔ وہ اپنی آئی برو مسلتے خود پر قابو پا گیا۔۔

خود پر قابو پاتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے خود کے قریب کیا۔۔۔

کیا ہے چھوڑو مجھے ؟؟ بہارے اس کے حصار میں جھٹپٹائی۔

نہ چھوڑوں تو۔۔۔ شہرام نے اس کی کمر کے گرد اپنا حصار اور مضبوط کیا تھا۔۔ اس کے بدن کی روح پرور خوشبو محسوس کرتے اس کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں۔ وہ سچ میں اس کا ایڈکٹ تھی۔۔ جس سے دور رہنا اس کے اپنے لیے ہی جان لیوہ تھا۔

تو میں تمھارا منہ نوچ لوں گی۔۔ بہارے نے اسے دھمکی دیتے ہوئے اسے خود سے دور جھٹکنے کی کوشش کی۔۔ مگر وہ اسے اور اپنے قریب کرتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

وہ تو تم آج کی رات ویسے بھی نوچو گی۔۔ شہرام نے ذو معنی انداز میں بولتے اس کی کنپٹی پر اپنے لب رکھے۔ بہارے اس کی بات کا مطلب سمجھتے غصے سے سرخ پڑی تھی۔

تمھاری خوش فہمی ہے میں تمھیں اپنے قریب آنے دوں گی۔۔ شہرام کے فولادی سینے پر ہاتھ جماتے اسے ایک بار پھر سے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔۔ وہ مبہم سا مسکراتا اسے اپنے اور قریب کر گیا تھا۔ اب تو بہارے کی اس کی وحشی گرفت میں سانسیں ہی اٹکی تھیں۔

خوش فہمی شہرام خانزادہ نہیں پالتا۔۔۔۔ آج رات تمھیں یہ بات اچھی طرح پتہ چل جائے گی۔۔ شہرام نے خمار آلود آواز میں کہتے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے اس کے سرخ گلاب گال پر اپنے تشنہ لب رکھے۔۔ وہ رکا نہیں تھا دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقوش پر اپنے لب رکھ گیا۔

بہارے نے غصے سے اس کی گردن پر اپنے ناخن گاڑھے تھے۔۔

مگر شہرام کے لب رکے نہیں تھے وہ ٹرانس کی کیفیت میں مدہوش ہوتا اس کی کان کی لو کو چومنے لگا۔۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔ بہارے حلق کے بل چیخی۔۔۔

شہرام اس کے چیخنے پر بری طرح مشتعل ہوتے اس سے دور ہوا۔

آواز نیچے بہارے۔۔۔۔۔۔ اپنے جبڑے بھینچتے بہت تحمل سے کہا۔ مگر آنکھوں سے پھوٹتی چنگاریاں اب بہارے کے سرخ چہرے کا ہی احاطہ کیے ہوے تھیں۔ اس کے لمس پر بہارے کے چہرے پر ناگواری صاف دکھ رہی تھی۔۔ جو شہرام سے برداشت نہیں ہو رہا تھا

کیوں آواز نیچے رکھوں؟؟۔ اب اپنی حوس یہاں کچن میں پوری کرو گے۔ ۔ بہارے پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں بولی۔۔

۔

بہارے بکواس بند کرو اپنی ورنہ تمھاری جان لے لوں گا میں۔۔۔۔ شہرام نے حلق کے بل دھاڑتے کاونٹر سلیب پر پوری قوت سے ہاتھ دے مارا۔

بہارے لرزتے ہوے پیچھے ہوے تھی۔۔ شہرام کا ہاتھ ابھی تک زخمی تھا۔۔ کاونٹر سلیب پر ہاتھ مارنے کی وجہ سے درد کی لہر اسے اپنے ہاتھ میں سرایت کرتے محسوس ہوئی تھی۔

مگر وہ برداشت کر گیا تھا۔۔

بہارے اس کے چلانے پر اب باقاعدہ اونچا اونچا رونے لگی تھی۔۔

کاونٹر سلیب سے ٹیک لگائے وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

شہرام لب بھینچے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔۔ بہارے کا رونا عروج پر تھا۔

وہ کچھ پل اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتا رہا۔۔ اسے روتے دیکھ کر وہ اپنے غصہ پر کنٹرول کرنے لگا۔۔

دوبارہ سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے خود کے قریب کیا۔۔

یہ کیا طریقہ ہے بہارے ؟؟ دو دن بعد آیا ہوں۔۔ اس طرح چیخ چلا کر شوہر کا استقبال کرتے ہیں کیا؟؟۔ شہرام نے نرمی سے اس کے آنسو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنے۔

کس طرح کرتے ہیں پھر؟؟ بہارے نے اس کے حصار میں روتے ہوے پوچھا۔۔

اس کے چلانے پر اب وہ شرافت سے اس کی بانہوں کے حصار میں کھڑی تھی۔اب اسے خود سے دور نہیں جھٹکا تھا۔

شوہر کی خدمت کرتے ہیں۔۔اس کی تھکن اتارتے ہیں۔شہرام نے اس کے سر سے دوپٹہ نرمی سے اتار کر اس کے بالوں پر اپنے لب رکھے تھے۔

اب تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں تمھارے پاؤں دباؤں۔۔۔بہارے نے اپنی آنکھیں صاف کرتے نروٹھے لہجے میں کہا۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

شوہر کی خدمت ایسے تھوڑی کرتے ہیں۔۔۔بیوقوف بہارے۔۔۔۔۔

تمھیں واقعی میں ڈاکٹر کس نے بنادیا۔۔۔شہرام نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر کہا تو بہارے نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔۔

شہرام مسکراتے ہوے اس کے چہرے کو اپنے پیالے کے ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکا تھا۔۔

اب کی بار بہارے نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔۔اس کا شدت بھرا لمس اس نے اس کی شرٹ کو اپنی مٹھیوں میں جکڑے برداشت کیا تھا۔۔

بہارے کی مزاحمت نہ پا کر وہ دیوانگی کے عالم میں اس کے لبوں کو اپنی دسترس میں لے گیا تھا۔۔اس کی مہکتی سانسوں میں وہ اپنی سانسیں نرمی

سے انڈیل رہا تھا۔ وہ لمحہ بالمحہ اپنی شدت بڑھا رہا تھا۔۔۔ وہ اسے کمر سے جکڑے کافی دیر تک اس کے لبوں کو اپنی گرفت میں نرمی لیے اس پر اپنی شدت نچھاور کرتا رہا۔ بہارے کے بدن میں کپکپاہٹ محسوس کرتے وہ اس سے الگ ہوا تھا۔۔۔ بے شک اس کا لمس نرمی لیے ہوے تھا۔ مگر اس کی نازک بہارے کے لیے برداشت کرنا مشکل تھا۔

شہرام نے گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی وہ اس کے حصار میں نظریں جھکائے ہوے تھی۔ اس کے ہونٹوں کی سرخی اب غائب تھی۔۔ اس کی جگہ اس کی شدت سے اس کے لبوں کا رنگ قدرتی طور عنابی ہوا تھا۔

شہرام اس کی جھکی نظریں دیکھ کر گہرا مسکرایا۔

تم جب اس طرح فرمانبرداری دکھاتی ہو تو میرا دل پہلے سے بھی زیادہ تمھارا دیوانہ ہو جاتا ہے۔۔۔ میری خوبصورت بہارے۔۔۔ تم مجھ پر جتنا مرضی

غصہ کر لیا کرو۔۔ مجھے تم جنگلی بلی کے طور پر ہی پسند ہو۔۔ مگر میری قربت میں اچھی بیویوں کی طرح فرمانبرداری دکھا کر مجھے سکون پہنچا دیا کرو۔۔۔ یقین مانو تمھارا شہرام تمھارا اور دیوانہ ہو جائے گا۔۔ شہرام اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھائے گھمبیر لہجے میں مخاطب ہوا۔

یعنی تمھیں صرف مجھ سے وہی سب کچھ چاہیے۔۔ تم بھی ارحام لالا،، زاران لالا کی طرح ہو۔۔۔ بیوی تمھارے نزدیک صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے۔۔ بہارے نے بھیگی آواز کے کہا۔۔

شہرام اس کی سوچ پر تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔۔ پتہ نہیں وہ ایسا کیوں سوچتی تھی۔۔ اس نے تو ابھی تک اسے بہت پیار اور مان سے قربت بخشی تھی۔ وہ لب بھینچے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

بہارے۔۔۔۔۔۔شوہر اپنی بیوی کے پاس نہیں آئے گا۔۔تو کس کے پاس جائے گا۔اگر یہ ضرورت ہے تو خدا نے ضرورت کا ساماں بھی بیوی کو ہی بنایا ہے۔۔

چاہے تم اسے ضرورت سمجھو۔۔سکون یا ایک شوہر کی شدید محبت سمجھو۔۔خوش قسمت ہوتی ہے وہ عورت جب اس کا شوہر اپنی بیوی پر نگاہ ڈالے تو اس کی قربت کے لیے اس کے شوہر کا دل مچل جائے۔۔اور تم خوش قسمت عورت ہو۔۔

تم پر نگاہ پڑتے ہی تم انگ انگ میں میرے پیاس بن کر دوڑنے لگتی ہو۔۔اب وہی پیاس مٹانے میں تمھارے پاس آتا ہوں تو تم مجھے ایسے محسوس کرواتی ہو جیسے میں گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں۔۔شہرام نے بہت نرمی سے اس کا چہرہ تھامتے کہا۔۔

بہارے شہرام کی بات پر بنا کوئی جواب دیے اس کے ہاتھ جھٹکتے وہاں سے جانے لگی تو شہرام نے اسے کمر سے جکڑ کر خود کے قریب کیا۔۔

تمھارا منہ دکھائی کا تحفہ میں تمھیں ہماری ویڈنگ نائٹ کو نہیں دے سکا تھا۔۔ میں اپنی بہارے کو کچھ ایسا دینا چاہتا تھا۔۔ جو میری بہارے کے قابل ہو۔۔۔ اس لیے میرے ساتھ کل تمھیں کہیں جانا ہے۔۔۔ تمھارے لیے سرپرائز ہے۔۔ شہرام نے کہتے ہی اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے تھے۔

مجھے تم سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔۔ کیا دو گے مجھے ؟؟ بھاری سونے کا سیٹ یا ہیرے کا سیٹ۔۔ جو تم داجی کے پیسوں کا لا کر دو گے مجھے۔۔۔ مجھے ہسپتال میں جاب کرنی تھی۔ مگر میں صرف تمھاری بیوی بن کر رہ گئی ہوں۔۔ جس کا کام صرف تمھیں بستر پر خوش رکھنا ہے۔۔ اگر میری شادی تم سے نہ ہوتی

تو کسی پڑھے لکھے انسان سے ہوتی تو یقیناً وہ سمجھتا میری تکلیف کو۔۔۔ میری ڈگری ایسے یوں ضائع نہ ہونے دیتا۔۔ مگر تمھیں صرف میرے جسم سے مطلب ہے۔۔۔ وہ روتے ہوئے بولی مگر شہرام کی سنجیدہ نگاہوں میں سرخی کی امیزش دیکھ کر اس کی چلتی زبان رکی تھی۔۔

وہ اس کی سرخ نظروں سے خائف ہوتے وہاں سے جانے لگی تو شہرام اسے بازو سے جکڑ گیا تھا۔

تم صرف اسی قابل ہو۔۔ تمھارا شوہر تم سے صرف اپنی حوس پوری کرے۔۔ میری ایک رات کی قربت کو تم نے میری حوس بنا دیا ہے۔۔ اگر تمھیں ایسا لگتا ہے تو ایسا ہی سہی۔۔ کمرے میں آؤ۔۔۔ آج رات تمھیں کسی صورت معافی نہیں ہے۔۔ میری شدتوں میں ہمیشہ تمھارے لیے محبت ہو گی۔ تم اسے جو بھی سمجھو۔۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔۔ مگر تم کسی بھی صورت

میرے حقوق مجھے لینے سے روک نہیں سکتی۔۔ نرمی سے نہ سہی سختی سے ہی سہی۔۔ اب تمھارے ساتھ وہی زبان بولوں گا۔۔ جو تمھیں سمجھ میں آتی ہے۔۔ دو منٹ سے پہلے کمرے میں پہنچو۔۔۔۔ ورنہ میں سچ میں جاہلیت پر اتر آؤں گا۔۔ تمھارا ماتم ایک جاہل ان پڑھ سے شادی کرنے پر آج رات مزید شدت اختیار کر جائے گا۔

شہرام ایک ایک لفظ چبا تا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔ بہارے نے روہانسے ہوتے سلیب سے کانچ کا گلاس زمین پر دے مارا تھا۔۔ وہ کچن میں کھڑی روتے ہوے کتنی دیر شہرام کو کوستی رہی۔۔ پھر پیر پٹختی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔۔ جانتی تھی وہ ایک حد تک ہی نرمی دکھاتا ہے۔۔ وہ مزید اسے غصہ دلا کر اپنے پر ظلم نہیں کر سکتی تھی۔۔

ابرش واش روم سے شاور لیے باتھ روب میں ملبوس باہر آئی تھی۔۔ گیلے بالوں میں ٹاول لپیٹا ہوا تھا۔۔ وہ کمرے میں موجود ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی تھی۔۔ گیلے بالوں سے ٹاول اتار کر ابرش نے صوفے پر پھینکا تھا۔

وہ اب ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔

بیڈ پر لیٹا زاران جو ایل ای ڈی پر انگلش مووی دیکھ رہا تھا۔۔ اس نے بمشکل ہی اپنا دھیان سکرین پر مرکوز کیا تھا۔۔

اسے اس ٹائم اتنی سردی میں ابرش کا شاور لینا سمجھ نہیں آیا تھا۔۔ رات کے دس بج رہے تھے۔۔ آوائل جنوری کے دن تھے باہر شدید برف باری ہو رہی تھی۔۔ سردی کی شدت میں آضافہ ہو گیا تھا۔۔

وہ تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے میں آیا تھا۔۔ ابرش اسے دیکھتے ہی واش روم چلی گئی تھی۔۔ آدھے گھنٹے بعد وہ باتھ روب میں لپٹی باہر آئی تھی۔۔

زاران نے اب بے چینی سے بیڈ پر پہلو بدلا تھا۔ وہ گھٹنوں سے بھی اوپر آتے باتھ روب میں ملبوس تھی۔۔ اس کی سفید سڈول ٹانگیں نمایاں ہوتے زاران کے چودہ طبق روشن کر چکی تھی۔ اس قہر برساتی سردی میں اسے پسینے چھوٹے تھے۔

وہ اب اپنی نظریں سکرین پر مرکوز کر نہیں پا رہا تھا۔۔ بہت کوششوں کے باوجود بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا۔۔ سامنے ہی تو اس کی بیوی شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی۔۔

وہ کمرے سے بھی باہر نہیں جا سکتا تھا۔۔ فرشتے کی شادی کے دن مقرر کیے جا چکے تھے۔۔ گھر آہستہ آہستہ مہمانوں سے بھر رہا تھا۔ داجی کے حکم پر وہ

آج اپنے کمرے میں موجود تھا۔۔ وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو باتیں بنانے کا موقع ملے۔۔ مگر ایک کمرے میں ابرش کے ساتھ رہنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔۔ کیونکہ وہ انسان تھا کمرے میں موجود لڑکی نہ صرف اس کی ملیکیت تھی۔ بلکہ اس کی محبت بھی تھی۔

ہر مرد کی طرح وہ بھی اپنی پسندیدہ عورت کے دل تک ہی نہیں بلکہ اس کے جسم تک بھی رسائی چاہتا تھا۔۔

سامنے کھڑی لڑکی کی قربت کی پیاس تو کب سے اس کے انگ انگ میں سمائی تھی۔۔

زاران نے لب بھینچے سکرین کو گھورا تھا۔۔ اسے سمجھ تو آنا دور کی بات بلکہ اب نظر آنا بھی بند ہو گیا تھا۔۔

زاران نے ڈریسنگ مرر میں نظر آتے ابرش کا خوبصورت عکس دیکھا تھا۔۔

گیلے بالوں میں گلابی چہرے کے ساتھ وہ نکھری سی دمک رہی تھی۔۔گلابی کلر کا باتھ روب اس کے سراپے پر کافی جچ رہا تھا۔۔

ابرش نے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے ہی اپنے باتھ روب گاؤن کی ڈوری کھول کر اسکے دوبارہ سے باندھا تو زاران کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔۔ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔

زاران نے بے چینی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پہلو بدلا تھا۔۔وہ اسطرح کیوں بے ہیو کر رہی تھی جیسے وہ وہاں پر ہے ہی نہیں۔۔اس کے ذرا سا قریب آنے پر وہ گلابی پڑ جاتی تھی۔اب اتنے شارٹ گاؤن میں اطمینان سے کھڑی تھی۔

ابرش کو بیڈ کی طرف آتا دیکھ کر زاران نے اپنی پوری توجہ سکرین پر مرکوز کی۔۔

ابرش بیڈ کی طرف بڑھتے کمبل لیے اس کی طرف پشت کیے لیٹ گئی تھی۔۔زاران مزید بے چین ہوا تھا۔۔وہ باتھ روب گاؤن پہنے ہی بیڈ پر لیٹ چکی تھی۔۔

تم ایسے ہی سوؤ گی۔زاران نے اس کی پشت کو گھورتے ہوے سنجیدگی سے پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔۔ابرش نے ایک لفظی جواب دے کر آنکھیں موندیں تھیں۔

باتھ روب میں کون سوتا ہے۔۔زاران نے لب بھینچے کہا۔

میں۔۔۔۔ابرش نے سپاٹ لہجے میں ایک لفظی جواب دیا۔

تم ایسے نہیں سو سکتی۔۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔۔

کیوں نہیں سو سکتی میں ایسے ؟؟!۔۔ابرش کمبل اپنے اوپر سے ہٹاتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔

زاران نے غصے سے اس کے جلوے بکھیرتے حسن کو دیکھا تھا۔

کیونکہ میں کہہ رہا ہوں ؟۔۔۔زاران نے بمشکل ہی اپنی نظریں سکرین پر مرکوز کیں۔

کمرے سے باہر میرا بغیر دوپٹے کے جانا تمھارا اعتراض سمجھ میں آتا ہے۔ ۔اپنے کمرے میں جس بھی حلیے میں رہوں۔ تمھارا اعتراض مجھے سمجھ نہیں آرہا۔۔مجھے عادت ہے رات کو ایسے ہی سونے کی۔۔۔میں ایسے ہی سوؤں گی۔ابرش نے طمینان سے کہتے اپنے بال جوڑے کی شکل میں لپیٹے تھے۔۔

میں تمھیں کمرے میں بھی اتنے چیپ حلیے میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔اس لیے جاؤ چینج کرو۔۔زاران نے سرد لہجے میں حکم دیا۔

یہ چیپ باتھ روب بھی آپ نے ہی خریدے ہیں۔۔ابرش نے طنزیہ لہجے میں کہتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

میں نے خریدے تھے۔اب میں ہی کہہ رہا ہوں چینج کرو۔۔۔زاران نے ابرش کو سرد نظروں سے گھورتے ہوئے اپنی بات پر زور دیا۔۔

اوکے جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ابرش نے دانت پیستے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

وہ بیڈ سے اٹھتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔۔زاران نے قہربار نظروں سے اس کی پشت کو گھورا تھا۔۔زاران نے غصے اور جھنجھلاہٹ کے باعث

اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے تھے۔ آچانک سے اسے کمرے میں اکسیجن کی مقدار کم لگنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ابرش ڈریسنگ روم سے ریڈ کلر کی نائٹی میں ملبوس کمرے میں آئی تھی۔ جس میں فل سلیوز میں پیروں کو چھوتا گاؤن تھا۔۔ اس کا سراپہ پہلے سے زیادہ نکھرا لگ رہا تھا۔۔ رنگت کندن کی مانند دمک رہا تھا۔۔ مگر وہ پیروں تک آتے گاؤن میں ملبوس تھی۔۔

زاران نے اسے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔۔ مگر یہ اطیمنان کچھ پلوں کا تھا۔

ابرش نے بیڈ کی طرف بڑھتے ہی اپنا گاؤن ریموو کرتے ایک سائیڈ پر رکھا تھا۔۔

وہ اب گھٹنوں سے بھی اوپر آتی سلیو لیس سلک کی نائٹی میں ملبوس تھی۔۔ جس کی بیک اور فرنٹ نیٹ کی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ بکھرے حلیے میں تھی۔۔ اس کا چاندی سا سراپہ شعلہ جوالہ روپ کی طرح دہک رہا تھا۔

وہ اس کے قریب ہی کمبل ٹانگوں تک لپیٹے اس کی طرف پشت کیے لیٹ چکی تھی۔۔ زاران کی نظر اس کی شفاف دودھیا کمر پر پڑی۔۔ جہاں صرف ہلکی سی نیٹ کے سوا کچھ نہ تھا.

زاران کے اب سہی معنوں میں پسینے چھوٹے تھے۔ زاران جلدی سے بیڈ سے اٹھتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا..

الماری سے اپنی جیکٹ نکال کر پہنی۔۔

کمرے میں آتے ہی ڈریسنگ روم سے سائیڈ ٹیبل سے گاڑی

کی چابیاں پکڑتا اپنی جیکٹ کی پاکٹ میں ڈالی تھی۔ اور دراز سے کمرے کی

چابی تلاش کی.. مطلوبہ چابی ملنے پر وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔۔ کمرے کا

دروازہ باہر سے لاک کرتے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

زاران بلو شلوار قمیض میں ملبوس، وائٹ مردانہ شال کندھوں پر ڈالے

مردان خانے میں داخل ہوا تھا۔۔ وہ ڈیرے سے آیا تھا۔

داجی اور سب سے ملتے وہ ڈائینگ روم میں داخل ہوا تھا۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔۔زاران نے ڈائینگ روم میں داخل ہوتے با آواز بلند سلام کیا تھا۔

اس وقت ڈائینگ روم میں اسفندیار خان عابیر روزینہ خانم اور امینہ خانم موجود تھے۔۔

و علیکم سلام۔۔۔. زاران بیٹا۔۔امینہ خانم نے کرسی سے اٹھتے زاران کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔۔۔

عابیر زاران کو دیکھتے اپنی چیئر سے اٹھنے لگی تھی کہ

اسفند نے اس کی کلائی تھامے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے اسے زاران سے ملنے کو منع کیا تھا۔۔

عابیر ایک ہی جھٹکے میں اپنی کلائی اسفندیار خان کے ہاتھوں سے چھڑواتے ہوے کھڑی ہوئی۔۔۔

اسفند اس کا ایٹیٹوڈ دیکھ کر اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔۔وہ آتشی گلابی کلر کے سوٹ میں ملبوس تھی۔۔آتشی گلابی دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔۔رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔۔آنکھیں گلابی تھیں۔۔وہ رات بھر روتی رہی تھی۔۔اسفند رات کمرے میں جب آیا تو وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی رو رہی تھی۔۔وہ کافی دیر تک صوفے پر لیٹا اس کی دبی دبی سسکیاں سنتا رہا تھا۔۔صبح اٹھتے ہی وہ اس سے مکمل طور پر انجان تھی۔۔شادی کے بعد وہ اس کا ایک ایک کام خود کرتی تھی۔۔اس کے کپڑے جوتے وہ ہی رکھتی تھی۔۔جب وہ تیار ہوتا تھا۔وہ ہی مطلوبہ چیز اسے تھماتی تھی۔مگر صبح سے وہ اس سے مکمل انجان تھی۔۔اسفند کو اس کا یہ رویہ کافی چبھا تھا۔

اسلام و علیکم لالا۔۔ عابیر نے کھڑے ہوتے کہا۔۔

و علیکم سلام میرا بچہ۔۔۔۔ زاران نے عابیر کی طرف بڑھتے اسے بازو کے حلقے میں لیے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔

اسفندیہ دیکھ کر اندر تک بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔ اسے عابیر کے قریب زاران خانزادہ بلکل برداشت نہیں ہوتا تھا۔

کیا ہوا ہے تمھیں روئی ہو کیا؟؟ زاران نے عابیر کی سرخ متورم آنکھوں کو دیکھتے ہوے پوچھا۔۔ ساتھ میں اسفندیار خان پر قہربار نگاہ ڈالی تھی۔ جو چیئر سے ٹیک لگائے زاران کو ہی گھور رہا تھا۔۔

نہیں لالا میں کیوں رونے لگی؟؟۔۔ رات دیر سے سوئی تھی شائد اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔۔ عابیر نے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئی نمی پیچھے دھکیلتے

ہوے کہا۔۔ مگر زاران کو دیکھتے ہی اس کا دل اس کے ساتھ لپٹ کر رونے کو کر رہا تھا۔

ہمم۔۔۔زاران نے پر سوچ نگاہ عابیر کے چہرے پر ڈالی جو کافی مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔

زاران اسے بانہوں کے حلقے میں لیے ہی اپنی چیئر کی طرف بڑھا تھا۔۔اپنے پاس چیئر گھسیٹ کر بٹھایا۔۔

اسفند کی شعلہ بار نگاہیں عابیر پر ہی تھیں۔جو اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوے تھی۔

بہت کمزور ہو گیا ہے میرا بچہ۔۔۔زاران نے عابیر کے چہرے کو بغور دیکھتے کہا۔۔

اپنے ہاتھوں سے پراٹھے اور آملیٹ کی بائٹ بنا کر اس کے منہ میں ڈالی تھی۔

لالا۔۔۔۔۔۔۔میں کھالوں گی۔۔عابیر نے نم لہجے میں کہا۔۔

بلکل نہیں آج میں خود تمھیں سارا ناشتہ کرواؤں گا۔۔تم اپنا بلکل خیال نہیں رکھتی۔۔زاران نے پیار سے کہتے عابیر کے منہ میں ایک اور بائٹ ڈالی

۔۔

اسفند زیادہ دیر بھائی بہن کا پیار دیکھ نہیں سکا تھا۔

اسفند یار غصے سے اپنی چیئر گھسیٹ کر اٹھتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

روزینہ خانم اسفند کے ایسے جانے پر گہرا مسکرائی تھیں۔عابیر کا اترا چہرہ آج انھیں کافی سکون دے گیا تھا۔۔

امینہ خانم نے عابیر کو گھورتے اسے اشارے سے اسفند کے پیچھے جانے کو کہا تھا۔۔اپنی مورے کو اشارہ کرتے زاران خانزادہ دیکھ چکا تھا۔۔

اس لیے زاران نے عابیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھتے اسے آنکھوں سے اشارہ کرتے ریلیکس رہنے کو کہا تھا۔۔

عابیر کی آنکھیں پھر سے بھیگی تھیں۔کل رات کے بعد اس کی آنکھیں ایسے ہی بھیگ رہی تھیں۔زاران کو وہ اسفندیار کے متعلق بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔نہ ہی وہ چاہتی تھی اسفند اور زاران ایک دوسرے کے جان

کے دشمن ہو جائیں۔ اگر زاران کو کچھ بھی پتہ چلتا یقیناً وہ اسفند کی جان کو آجاتا۔

مورے۔۔۔۔ ارحام لالا ناشتے پہ کیوں نہیں آئے۔۔۔ وہ ابھی تک سو رہے ہیں۔۔ وہ ٹھیک تو ہیں۔ زاران نے ارحام کی غیر موجودگی محسوس کرتے کہا۔

ہاں وہ ابھی تک اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلا۔۔۔ ہم کو بھی اس کا فکر ہو رہا ہے۔۔ وہ اس وقت اٹھ جاتا ہے۔۔ امینہ خانم نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ ساتھ میں عابیر کو یونہی جمے دیکھ کر اسے گھورنا نہیں بھولی تھیں۔

ارحام اپنا نیا نویلا بیگم کو لگتا ہے پیارا ہو گیا ہے۔۔ گل جب تک اس کا بیوی تھا ۔وہ کبھی بھی اتنی دیر تک اپنے کمرے میں نہیں رہا۔۔ مگر اس مرتبہ تو وہ جب سے حویلی آیا ہے نظر ذرا کم ہی آتا ہے۔۔ اپنے کمرے میں ہی زیادہ تر پایا جاتا ہے۔۔ وہ کیا کہتا ہے ہاں ہنی مون۔۔۔ اس کا تو وہی ختم نہیں ہو رہا۔۔ اپنا بیٹی تک کو بھول گیا ہے۔۔ اپنا خوبصورت بیوی کے آگے۔۔

روزینہ خانم نے طنزیہ لہجے میں بے باک جملے کہے تو عابیر سرخ پڑی تھی۔۔ زاران خانزادہ کا چہرہ ناگواری سے سرخ پڑا تھا۔ روزینہ خانم کا انداز اسے بلکل پسند نہیں آیا تھا۔۔ ارحام صرف اس کا تایا کا بیٹا ہی نہیں تھا۔۔ وہ اس کو بلکل بڑے بھائیوں کی طرح سمجھتا تھا۔۔ شہرام سے بھی کہیں زیادہ پیار کرتا تھا وہ ارحام خان سے۔۔ اس لیے وہ ان کے لیے یہ الفاظ سن نہیں سکا تھا۔

جی چاچی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ ارحام لالا جیسے حور بھابھی کو پیارا ہو گیا ہے۔ ایسے ہی شہرام بہارے کو پیارا ہو گیا ہے۔۔ ویسے ہی لالا بھی ہو گئے ہیں۔۔۔ کیونکہ آج سے پہلے شہرام نے بھی کبھی اتنی دیر کمرے میں نہیں گزاری۔۔

زاران کی بات پر امینہ خانم کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔

ہاں ٹھیک کہہ رہا ہے تم۔۔۔ ہم دعا کرتا تم بھی اپنا عورت کو پیار ہو جاؤ ۔۔۔ لیکن تمھارا تو ایسا کوئی اثار نہیں لگ رہا۔۔ کیونکہ تم ہر جگہ پایا جاتا ہے سوائے اپنا کمرہ کے۔۔۔۔ امینہ خانم نے خود پر قابو پاتے طنزیہ کہا تو زاران کے ہونٹ سختی سے بھینچے تھے۔

زاران نے کچھ سخت کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ عابیر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اس سے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کی التجا کی۔

زاران عابیر اور امینہ خانم کو دیکھتے خاموش ہو گیا تھا۔۔

روزینہ خانم سب کے چہروں کو تنفر بھری نگاہوں سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

زاران تم کیوں الجھتا ہے روزینہ خانم سے۔۔۔بڑا ہے وہ تم سے رشتے میں تمھارا چچی ہے۔۔تم اپنا کاکا کے منہ کے آگے خاموش ہو جایا کرو۔۔وہ تم کو کتنا پیار کرتا ہے۔۔۔امینہ خانم نے زاران کو رسانیت سے سمجھایا۔

اس لیے تو خاموش ہو گیا ہوں۔۔ورنہ چچی کی کڑوی باتیں میری برداشت سے باہر ہیں۔زاران نے غصے سے کہتے ہوے اپنی آئی برو مسلی تھی۔۔روزینہ خانم کا طنز پینا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔۔

لالا کیوں غصہ کر رہے ہیں اتنا؟؟۔۔ چچی کی عادت ہے۔۔ عابیر نے زاران کو پریشان دیکھتے کہا۔۔

زاران نے عابیر کے یکدم پھیکے پڑتے چہرے پر نظر ڈالی۔۔ وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ زاران نے گہرا سانس بھرتے اپنا چہرہ پر سکون کیا تھا۔

تم ناشتہ کرو میری گڑیا۔۔ میں بلکل پریشان نہیں ہوں۔۔ مجھے ٹھیک کرنا آتا ہے سب کو۔۔۔ زاران نے عابیر کے سر پر ہاتھ رکھتے نرمی سے کہا۔۔

مجھے یہ بتاؤ تم کالج کیوں نہیں جا رہی۔۔ زاران کے سوال پر عابیر بوکھلائی تھی۔

وہ لالا آج میری طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے نہیں گئی۔۔ کل سے جاؤں گی انشاء اللہ۔۔ عابیر نے آہستگی سے کہا۔۔

ٹھیک ہے کل تیار رہنا میں تمھیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔۔

زاران سنجیدگی سے کہتا اپنی چیئر گھسیٹ کر اٹھتے ڈائینگ روم سے نکل گیا تھا۔

زاران کا رخ کچن کی طرف تھا۔۔وہ حویلی جب آیا تھا سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔۔ابرش کمرے میں کہیں نہیں تھی۔یقیناً وہ کچن میں تھی۔۔ابرش کی ڈائینگ روم میں غیر موجودگی زاران کو پہلی مرتبہ بہت کھلی تھی۔وہ خود چاہتا تھا ابرش اسفند کی موجودگی میں نہ رہے۔۔مگر پھر بھی وہ گھر والوں کی طرح ڈائینگ ٹیبل پر کھانا نہیں کھاتی تھی۔۔اسے اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔

وہ اس دن کیسے شکوہ کر رہی تھی کہ وہ بھوکی ہے اور اسے اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔۔وہ کب کھاتی ہے کہاں کھاتی ہے۔۔اسے خبر ہی نہیں تھی۔

وہ کچن میں داخل ہوا تو ابرش کو دیکھ کر دروازے میں ہی ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔

وہ بلیک کلر کی سمپل سی گرم فراک میں ملبوس تھی۔۔دوپٹہ اچھی طرح سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ سمپل سی بغیر کسی زیب و آرائش کے کھڑی تھی۔۔۔نکاح کے بعد اس نے اسے کمرے سے باہر اچھی طرح دوپٹے میں لپٹے ہی دیکھا تھا۔۔اس وقت بھی دوپٹے نے اس کے پورے وجود کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔آنکھوں کے سامنے اس کا رات کا بے باک سراپہ آیا تھا۔۔زاران نے اسے اپنی گہری اور گرم نگاہوں کے حصار میں لیتے اس کے رات کا شعلہ جوالہ روپ یاد کیا تھا۔۔آخر اس کی بیوی چاہتی کیا تھی؟؟۔۔۔اتنی بے

باک تو وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔۔امیریکہ سے آئی تھی مگر اس کے قریب آنے پر گلاب کی طرح سرخ پڑتی تھی۔۔ مگر رات وہ اسے ابرش بلکل نہیں لگ رہی تھی۔۔

کیا وہ رات کو اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔۔یہ سوچ آتے ہی زاران کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ دوڑی۔۔

خود پر گہری نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ابرش نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں زاران خانزادہ اسے اپنی گرم نگاہوں کے حصار میں لیے ہوے تھا۔۔ابرش کی رنگت سرخ گلاب ہوئی تھی۔

رات کا منظر اس کی آنکھوں کے آگے بھی لہرایا تھا۔۔ابرش زاران کو دیکھتے رخ موڑ گئی تھی۔

زاران نے اس کا سرخ گلاب ہونا محسوس کر لیا تھا۔ مگر اب اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی

وہ کاونٹر سلیب کے پاس کھڑی تھی۔۔اس وقت کچن میں کوئی موجود نہیں تھا۔

وہ سلیب پر پڑی چھوٹی سی ٹرے سے چھوٹی چھوٹی بائٹ بریڈ اور آملیٹ کی بنا کر منہ میں ڈال رہی تھی۔

وہ اتنا سمپل ناشتہ کر رہی۔ تھی۔ وہ بھی ایسے کھڑے ہو کر زاران کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

زاران کچھ پل ابرش کو دیکھنے کے بعد اس کی طرف بڑھا۔۔

زاران کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر ابرش کا بائٹ لیتا ہاتھ رکا تھا۔۔ وہ بایٹ واپس پلیٹ میں رکھتے رخ موڑ گئ تھی۔

وہ اپنا ناشتہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے جانے لگی تو ابرش کی نازک کلائی زاران کی سخت گرفت میں آئی تھی۔۔

اتنا سمپل سا ناشتہ کیوں کر رہی ہو۔۔ چائے اور جوس کیوں نہیں لیا ساتھ میں۔۔۔۔ نہ ہی کوئی فروٹ لیا ہے ساتھ میں۔

زاران نے ابرش کے سادہ مگر دلکش چہرے پر گہری نظریں جمائے پوچھا۔۔

یہی میری اوقات ہے۔۔۔ آپ سب کی طرح عالی شان ناشتہ ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھ کر میں نہیں کر سکتی۔۔ یہی میرے شوہر کا حکم ہے۔۔ ابرش نے تلخی سے کہا۔۔

یہ کس نے کہا تم سے کہ تم ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ نہیں کر سکتی۔۔زاران نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کو دیکھتے کہا۔۔ نظریں اس کی نم آنکھوں پر ہی تھیں۔

بعض باتیں کہیں نہیں جاتی۔۔رویے ہی بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں۔۔

ابرش سپاٹ انداز میں کہتے سنک کی طرف بڑھی۔۔۔

کیا رویہ رکھا ایسا میں نے تمھارے ساتھ۔۔جو تم یہ سب کہہ رہی ہو۔۔زاران نے اس کے بازو کو دبوچے اسے اپنے مقابل کیا تھا۔۔

فرشتے کی شادی پر آپ کا پورا خاندان انوائٹڈ ہے۔۔ مگر میری ماما نہیں۔۔کیوں؟؟ آہل نے بابرک کو نہیں مارا۔۔میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔۔ آپ کو اس بات کا دل سے یقین ہے آہل بے گناہ ہے۔۔ پھر میری

ماما حویلی کیوں نہیں آسکتی۔۔میں حویلی سے باہر قدم کیوں نہیں رکھ سکتی۔۔

میرے پاس سیل فون تک نہیں ہے۔۔سارا سارا دن اس اونچی حویلی کی دیواروں اور اونچے سرسبز پہاڑوں کو دیکھتے میرا دن گزرتا ہے۔۔اس سے بھی لمبی راتیں مجھے ڈستی ہے۔۔

ابرش نے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا تھا۔۔

میں یہ دن اور راتیں تمھیں اپنی پناہوں اور اپنی قربت میں لیے گزارنا چاہتا تھا۔۔تمھیں یہ دن رات پھر لمحوں کی مانند گزرتے محسوس ہوتے۔۔میرے لیے بھی تم نے ایک ایک پل صدیوں کی مانند بنا دیا ہے۔تم نے سب برباد کر دیا ابرش۔۔زاران کے لہجے میں بھی شکوہ نمایاں تھا۔۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ سرد دن اور راتیں ہمیشہ کے لیے میرا مقدر ہیں۔۔ میری اوقات اچھی طرح بتا چکے ہیں کہ اس علاقے کا سردار زاران خانزادہ کو اپنی بیوی کا وجود ایک پیتل سے بھی گیا گزرا معلوم ہوتا ہے۔۔ میں امید رکھوں گی میرے نزدیک نہ آنے کی قسم پر آپ ہمیشہ قائم رہیں گے۔۔ ابرش طنزیہ انداز میں کہتے سنک کا ٹیپ کھولتے برتن دھونے لگی۔۔ ابرش کے وجود کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ زلزلوں کی زد میں تھا۔۔ زاران کے ہتک امیز لفظ اسے بھولتے نہیں تھے۔ ایک بیوی کے لیے یہ لفظ گالی ہوتے ہیں۔ یہ اس دن اسے بخوبی محسوس ہوا تھا۔

زاران نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے بے چینی سے اپنی آئی برو مسلی تھی۔۔ اس کے لفظ اسے کافی تکلیف پہنچا چکے تھے۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ زاران گہرا سانس بھرتا اس کے قریب ہوا۔

یہ کیا کر رہی ہو؟ زاران نے آگے بڑھتے سنک کا نلکا بند کیا۔

برتن دھو رہی ہوں۔۔ ابرش نلکا کھولتے پھر سے برتن دھونے لگی۔۔

یہ کام تمھارا نہیں۔۔ درخشاں کہاں ہے؟؟ باقی ملازمائیں کہاں ہیں۔ زاران نے ابرش کی کلائی پکڑتے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔۔

آپ نے ہی کہا تھا کہ اس گھر کی بہو ہونے کے ناطے مجھے تمام ذمہ داریاں اٹھانی ہیں۔۔ مجھے کچن کا کام بھی کرنا ہے۔۔ یہ بھی جانتے ہیں مجھے یہ دیسی کھانا بنانا نہیں آتا۔۔ اس لیے آپ کی مورے نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں سب کے جھوٹے برتن دھوؤں۔۔ اور جب سے میرا آپ سے نکاح ہوا ہے۔۔ اس سے اگلے دن سے ہی میں ڈھیروں برتن دھو رہی ہوں۔۔ اس

لیے حیران ہونے کا ناٹک مت کریں۔ ابرش شبنمی لہجے میں بولتے ہی رخ پلٹ گئی تھی۔۔

تمھیں مورے نے برتن دھونے کو کہا۔۔

زاران نے اس کی پشت کو گھورتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

جی آپ کی مورے نے کہا ہے۔ ابرش کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔۔

زاران کچھ پل ابرش کو دیکھتا رہا سپاٹ چہرے کے ساتھ برتن دھو رہی تھی۔ مگر آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔۔

زاران ابرش کی کلائی پکڑے باہر کی جانب بڑھا تھا۔۔

زاران کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے ؟!۔۔ ابرش دبے لہجے میں چلائی تھی۔۔ زاران اس کی بات کا جواب دیے بغیر ڈائینگ روم کی طرف بڑھنے لگا۔۔

زاران اس کی کلائی تھامے ڈائینگ روم میں لایا تھا۔۔ اسے چیئر پر بٹھایا۔۔

امینہ خانم ابرش کو ایک نظر دیکھتے ناگواری سے ایک نظر دیکھتے اپنی چیئر سے اٹھیں۔

بیٹھیں مورے۔۔۔۔۔۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔۔ زاران خانزادہ نے امینہ خانم کو اٹھتے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔۔

عابیر تم جاؤ یہاں سے۔۔۔ زاران نے عابیر کو دیکھتے کہا۔۔

جی لالا۔۔۔عابیر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

مورے۔۔۔۔ابرش کو کچن کے برتن دھونے کو آپ نے کہا تھا۔

زاران نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

ہاں میں نے کہا تھا اسے۔۔امینہ خانم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

مورے۔۔۔ابرش آئیندہ سے کچن کے برتن نہیں دھوئے گی۔۔۔یہ بات آپ اور روزینہ چچی بھی جان لیں کہ ابرش یہاں میری بیوی کی حیثیت سے ہے۔مجھے یقین ہے آپ ابرش کو وہی عزت دیں گی..جو اس حویلی کی بہو کی حیثیت سے اس کی ہونی چاہیے۔۔زاران نے امینہ خانم کو دیکھتے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

اس کو کھانا بنانا نہیں آتا۔۔تو کچن کے برتن دھونے کو کہہ دیا تو اس میں اتنا بڑا بات بھی نہیں ہے۔۔امینہ خانم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

مورے اس گھر کی عورتیں کب سے برتن دھونے لگی ہیں۔جو آپ کو اس میں بڑی بات ہی نہیں لگ رہی۔۔۔اگر اسے کھانا بنانا نہیں آتا تو آپ بڑی ہیں۔۔اسے سکھائیں۔جیسے آپ نے عابیر کو سکھایا تھا۔اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ ملازموں کی طرح کچن میں برتن دھوئے گی۔۔ابرش بیوی ہے میری۔۔۔میں کسی طور پر اس کی بے عزتی برداشت نہیں کروں گا۔۔زاران نے لب بھینچے سختی سے کہا۔۔

زاران کو بے انتہا سنجیدہ دیکھ کر امینہ خانم خاموش ہو گئی تھیں۔مگر ان کا دل پہلے سے بھی زیادہ ابرش کے لیے برا ہو گیا تھا۔زاران غصے کا تیز تھا۔اس کا فیصلہ ہمیشہ حرف بے آخر ہوتا تھا۔امینہ خانم اس کے ہر فیصلے پر ہمیشہ

خاموش ہو جاتی تھیں۔ مگر اس نے آج سے پہلے کبھی امینہ خانم سے سوال جواب طلب نہیں کیے تھے۔۔ ابرش کی وجہ سے اس نے دو مرتبہ ان سے سوال جواب مانگیں تھے۔ یہ بات امینہ خانم کو بہت تکلیف پہنچا گئی تھیں۔ زاران کا ابرش سے دور رہنا بھی امینہ خانم کے دل میں ابرش کے لیے کڑواہٹ بڑھاتا جا رہا تھا۔۔۔ انھیں اب ابرش کسی بھی صورت زاران کی زندگی میں قبول نہ تھی۔۔ امینہ خانم ابرش کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔ زاران ان کے چہرے پر خفگی دیکھ چکا تھا۔۔

زاران نے بے چینی سے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔۔ وہ انھیں خفا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر ابرش کے ساتھ یہ سلوک اسے بلکل گوارا نہ تھا۔

امینہ خانم کے جانے بعد ابرش اپنی چیئر سے اٹھی ہی تھی کہ زاران نے اسے کلائی سے کھینچ کر دوبارہ چیئر پر بٹھایا تھا۔۔

بیٹھی رہو یہاں پر۔۔۔۔۔زاران اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غرایا۔۔

ابرش جھنجھلاتے ہوے واپس بیٹھ گئی تھی۔۔

درخشاں درخشاں۔۔۔۔۔زاران نے اونچی آواز میں درخشاں کو پکارا وہ زنان خانے کے لاونج میں ڈسٹنگ کر رہی تھی۔۔بھاگتے ہوے آئی تھی۔

جی لالا۔۔درخشاں نے زاران کے پاس آتے کہا۔

ابرش کے لیے اچھا سا ناشتہ بنا کر لاؤ۔زاران نے حکم دیا تو درخشاں سر ہلاتے ہوے وہاں سے چلی گئی تھی۔

مجھے نہیں کرنا ناشتہ.... ابرش نے کہتے اپنی کلائی زاران کے ہاتھوں سے چھڑوائی۔۔

بیٹھی رہو یہاں پر۔۔۔ خبردار یہاں سے ہلی بھی تو ابرش بہت سختی سے پیش آؤں گا۔ زاران نے ابرش کو چیئر سے اٹھتا دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔۔

تم آئیندہ ڈائینگ ٹیبل پر سب کے ساتھ بیٹھ کر ہی ناشتہ کرو گی۔۔ کچن میں کھانا نہیں کھاؤ گی۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

اچھا واقعی میں۔۔۔۔ وہ جو تمھارا حکم ہے کہ میں کسی غیر مرد کے سامنے نہیں جاؤں۔۔ اسفندیار خان کے سامنے نہ جاؤں۔۔ برداشت کر لو گے۔۔ ابرش نے طنزیہ کہا۔۔ ابرش کے منہ سے اسفندیار کا نام سن کر زاران کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی تھیں۔

تم کل سے میرے ساتھ ہی ناشتہ کرو گی اور کھانا بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ کر کھاؤ گی۔ زاران نے کہتے ابرش کے سر سے کھسکتا دوپٹہ اس کے سر پر اچھی طرح جمایا تھا۔۔

اور میں تمھارے سر سے دوپٹہ اترا نہ دیکھوں۔۔۔۔ ہمممم۔۔۔زاران نے اس کی ٹھوری کو نرمی سے چھوا تھا۔

ابرش اس کا ہاتھ جھٹکتے نروٹھے انداز میں اپنا رخ موڑ گئی تھی۔۔

زاران کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔کچھ دنوں سے وہ ایسے ہی جنگلی بلی بنی ہوئی تھی۔۔اور یہ غصہ کیوں تھا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔

اسفندیار کمرے میں آیا تو عابیر ڈیپ ریڈ کلر کی میکسی میں ملبوس تھی۔۔اپنے سنہری بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔۔باریک نیٹ کے دوپٹے کے

حالے میں سنہری سلکی بال پشت پر بکھرے نظر آرہے تھے۔ڈیپ ریڈ کلر کی لپ سٹک لگائے کانوں میں بڑے بڑے جھمکے پہنے وہ بلکل تیار تھی۔۔اسفندیار کو دیکھتے وہ کمرے سے نکلنے لگی تو اسفندیار اس کے مقابل آیا تھا۔۔

یہ کیا طریقہ ہے؟؟ کس بات کا ایٹیٹوڈ دکھا رہی ہو مجھے۔۔ تمھیں لگتا ہے تمھارے اس طرح کے ایٹیٹوڈ سے مجھے فرق پڑتا ہے۔۔اس طرح کی حرکتیں وہ بیویاں کرتی ہیں۔ جن کے شوہر ان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ان کے ناراض ہونے پر ان کی جان پر بن آتی ہے۔تم میرے لیے بلکل بھی اہمیت نہیں رکھتی۔۔ جانتی ہو اچھی طرح تم۔۔اسفند اس کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے بولا۔ گہری گرم نگاہوں کا مرکز اس کے

سرخ یاقوتی ہونٹ تھے۔۔ جنھیں دیکھتے اسفندیار خان کے گلے میں جیسے کانٹے سے اگ آئے تھے۔

اسے بلکل اچھا نہیں لگ رہا تھا عابیر کا خود کی طرف سے لاپرواہی برتنا۔۔ وہ اس کا کوئی کام نہیں کر رہی تھی۔۔ ورنہ وہ اس کے جوتے تک الماری سے نکال کر اس کے پاؤں کے پاس رکھا کرتی تھی۔۔

بلکل میں اپنی حیثیت جانتی ہوں۔۔ اگر آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تو مجھے روک کر کیوں کھڑے ہیں؟؟۔۔ مجھ سے سوال وجواب کیوں کر رہے ہیں؟؟۔ عابیر نے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

میں تمھیں تمھاری اوقات بتا رہا تھا صرف۔۔۔۔ اسفندیار خان کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ مگر اس کی ہیزل گرے آنکھوں پر

کاجل کی گہری تہہ دیکھ کر اسے اپنا آپ ان گہری آنکھوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔۔

عابیر کے ساتھ گزری ہوئی ایک رات نے اسے ابرش کی محبت تک بھلا دی تھی۔۔ جس دن سے وہ زاران کے نکاح میں گئی تھی۔۔ اس کا دل ہی نہیں مانا تھا کہ وہ ابرش کے متعلق ایک لمحے کو بھی سوچے۔۔ مگر اس کا دل اسے بھلائے نہیں بھولتا تھا۔

اس نے بہت سی راتیں اپنی محبت کا سوگ مناتے گزاری تھیں۔ مگر محرم کے ساتھ گزری ایک رات نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا جیسے۔۔ اب تو وہ انجانے میں بھی ابرش کے متعلق سوچتا تھا تو عابیر کے ساتھ گزری رات کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے آگے آجاتا تھا۔۔ وہ آہستہ آہستہ اس لڑکی کا اسیر ہو رہا تھا۔۔۔ مگر وہ ماننے سے انکاری تھا۔

میرے نزدیک بھی آپ کی یہی اوقات ہے۔۔مجھے آپ کی کسی بھی بات سے فرق نہیں پڑتا۔۔۔ آپ کو لگتا ہے میرے ڈاکومنٹس جلا کر یا اسے اپنے پاس رکھ کر مجھے کالج جانے سے روک سکتے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے۔۔میرا لالا منٹوں میں میرے ڈاکومنٹس بنوا دے گا۔۔کالج میں ہر حال میں جاؤں گی۔۔ آپ دیکھتے جائیں۔عابیر نے اٹل لہجے میں کہا تو اسفندیار خان کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

اپنے بھائی کا نام میرے سامنے مت لیا کرو۔۔۔ سمجھ آئی تمھیں۔۔۔۔اسفند اس کا بازو دبوچے غرایا تھا۔۔

لوں گی اپنے لالا کا نام بھی لوں گی۔۔ان سے ملوں گی بھی دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہیں مجھے۔۔عابیر ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔

اسفند اسے کلائی سے دبوچتے بیڈ پر پٹخ چکا تھا۔

عابیر نے رخ پلٹے اسفندیار خان کو دیکھا۔۔ دوپٹہ سر سے اتر کر کندھوں پر آیا تھا۔۔ سنہری بال چہرے پر بکھرے تھے۔

وہ اسفند کو جوابًا شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

اسفند نے گہری نظر اس کے دہکتے روپ پر ڈالی تھی۔

اس کمرے سے نکل کر دکھاؤ تم مجھے۔۔ آج کے دن تم ادھر ہی رکو گی۔۔ اسفندیار خان نے اس کی طرف بڑھتے اس کی ٹھوری کو چھوتے اس کے بھڑکتے روپ کو اپنے دل میں گہرائی سے اتارا تھا۔۔

عابیر نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

آپ ہوش میں تو ہیں۔۔ آج فرشتے کی بارات ہے۔۔ سب کیا کہیں گے۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کو گھورتے کہا۔

اسفند کی نظریں اس کی ہیزل گرے آنکھوں پر جمی تھیں۔ جہاں سے شعلے سے لپک رہے تھے۔۔ اسفند اس کے آنکھوں سے نکلتے شعلے دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔

کوئی کچھ بھی کہے مجھے فرق نہیں پڑتا۔

آج کے فنکشن میں تم شریک نہیں ہو گی۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔ اسفندیار خان نے مضبوط لہجے میں اپنا حکم سنایا۔۔

آپ مجھے نہیں روک سکتے میں شریک ہوں گی۔۔ ہر حال میں ہوں گی۔۔ عابیر حلق کے بل چیخی تھی۔

اسفند اس کے یوں حلق کے بل چیخنے پر چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر اسے کلائی سے پکڑے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔۔

ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولتے عابیر کو فرش پر دھکا دیا۔۔ عابیر کے منہ سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔۔ وہ بنا اس پر کوئی نظر ڈالے ڈریسنگ روم کا دروازہ بند کر چکا تھا۔۔ سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے ڈریسنگ روم کی چابی نکالتے وہ دروازہ باہر سے بند کرتے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

فرشتے ریڈ لہنگہ چولی میں ملبوس تھی۔۔ دلہن کی طرح سجی سنوری بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ اس کا معصومانہ حسن جلوے بکھیرتا سا معلوم ہو

رہا تھا۔۔ مگر وہ دلہن بنی بلکل خاموش بیٹھی تھی۔ صرف پتھرائی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ حیدر خان کے نام ہو چکی تھی۔ مگر وہ اپنے دل میں خوشی کی کوئی رمک محسوس نہیں کر رہی تھی۔ وہ 23 سال کی عمر میں پھر سے دلہن بن بیٹھی تھی۔۔ جب شاہنواز کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی۔۔ وہ بمشکل اٹھارہ سال کی تھی۔۔ شاہنواز نے اس کی معصومیت اور کم عمری کا خوب فائدہ اٹھایا تھا۔۔

اس کے سامنے شاہنواز کے ساتھ شادی کے بعد کا ہر پل گھوم رہا تھا۔۔ جس میں اس نے ہر لمحہ صرف اذیت محسوس کی تھی۔۔ وہ اس کے نقوش کا اس کے سراپے کا صرف مذاق بناتا تھا۔۔ شادی سے پہلے اس کی سہیلیاں اس کی کزنیں سب اسے خوبصورت کہتے تھے...۔۔ اس کے حسن کو پریوں کی

طرح کا کہتے تھے۔۔اس کی مورے اسے پری ہی کہتی تھیں ہمیشہ یہی کہتی تھیں۔میری بیٹی پری کی طرح خوبصورت ہے۔

شاہنواز کے ساتھ گزرے کچھ سالوں میں وہ اپنے آپ کو بہت کم صورت سمجھنے لگی تھی۔۔جس کا احساس اسے ہر پل شاہنواز اور اس کی مورے کرواتی تھیں۔گل بھی اسے ہی قصوروار کہتی تھی۔۔اس کا قصور یہ تھا اسے آج کل کی لڑکیوں کی طرح بولنا نہیں آتا تھا۔۔اس میں وہ تیز طراری نہیں تھی۔۔شاہ نواز کو اس کی معصومیت اور سادگی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

اسے پورا یقین تھا اس کی قسمت بدلے گی نہیں بلکہ صرف مرد بدلے گا۔۔۔حیدر خان تو کنوارا تھا۔۔۔بھلا اس جیسی پانچ سال بھرتائی ہوئی عورت میں اسے کیا دلچسپی ہو گی۔وہ بھی ایک بانجھ عورت سے۔۔۔یقیناً اب کی زندگی پہلے سے کہیں زیادہ بدتر ہو گی۔۔

فرشتے کا پورا بدن کپکپاہٹ کا شکار تھا۔۔ اپنی قسمت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل کر رہا تھا۔۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ بہارے اور اس کی چند سہلیاں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ رخصتی کا ٹائم ہو چکا تھا۔ وہ زندہ لاش کی طرح ان کے ہمراہ چل پڑی تھی۔۔

زنان خانے کے لاونج میں داخل ہوئی تو امینہ خانم روتے ہوے اس کے گلے لگی تھیں۔ وہ ویسے ہی بے حس بنی کھڑی تھی۔۔ ارحام خانزادہ اور زاران خانزادہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس بلیک شال کندھوں پر ڈالے زنان خانے

کے لاونج میں داخل ہوے تھے۔۔زاران نے آگے بڑھتے فرشتے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ارحام نے فرشتے کو گلے لگایا تو فرشتے مزید خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔۔ارحام کے سینے کے ساتھ لپٹے بے تحاشا رو دی تھی۔ارحام کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئی تھی۔۔ارحام نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے خود سے الگ کرنے کی کوشش کی۔مگر وہ مزید اس کے ساتھ لپٹ پڑی تھی۔۔زنان خانے میں فرشتے کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔سب کی آنکھیں نم تھیں۔

حور جو فرشتے کے قریب کھڑی تھی۔۔فرشتے کو یوں روتا دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔۔احساس جرم سے شرمندگی کے مارے وہ زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح سسک پڑی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے حور کو روتا دیکھ کر اس کی طرف نگاہ کی جو فرشتے سے کہیں زیادہ رو رہی تھی۔۔

اورنج کلر کی میکسی میں ملبوس تھی۔ اورنج ہی کلر کا بیٹس والا دوپٹہ سر پر اچھی طرح جمایا ہوا تھا۔ لایٹ سا میک اپ میں وہ سیدھا ارحام کے دل میں اتری تھی۔۔ مگر اسے اس طرح روتے دیکھ کر وہ پریشان ہوا تھا۔۔ فرشتے کے کانپتے بدن کو وہ اپنے مضبوط بانہوں میں سنبھالا دیے ہوے تھا۔ مگر حور کا بدن بھی بری طرح لرز رہا تھا۔۔۔ ارحام نے لب بھینچے اسے دیکھا جو صبح سے ہی وقفے وقفے سے رو رہی تھی۔۔ کمرے میں بھی وہ اسے روتے ہوے دیکھ چکا تھا۔ جو وہ اگنور کر گیا تھا۔ اس کی عادت تھی اس کی قربت میں آنسو بہانا۔۔ رات کے بعد وہ آنسو ہی بہا رہی تھی۔۔ مگر وہ اب جس طرح رو رہی تھی ارحام اس کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔ ارحام کی نظر اس کی

کرسٹل براؤن آنکھوں سے ٹکرائی تو وہ منہ پر ہاتھ رکھے وہاں سے چلی گئی

۔۔

ارحام کی گہری نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

فرشتے۔۔۔۔ارحام نے نرمی سے فرشتے کو پکارا۔۔۔جواب اس کے سینے کے ساتھ لگی ہچکیاں لے رہی تھی۔۔

فرشتے میری گڑیا ادھر دیکھو میری طرف۔۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

تمھیں اپنے لالا پر یقین ہے۔۔۔ارحام نے اس کے آنسو اس کے عارض سے نرمی سے صاف کرتے پوچھا تھا۔۔

فرشتے نے بچوں کی معصومیت سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔۔

ارحام اس کے انداز پر مبہم سا مسکرایا۔۔ فرشتے بہت معصوم تھی۔۔ بچپن سے ہی ایسی تھی۔۔۔ ہر بات بہت جلد مان جاتی تھی۔۔ اس کی یہی عادت سے لوگ اس کا فائدہ اٹھاتے تھے۔۔

میری گڑیا۔۔۔ یہ فیصلہ تمھارے لالا کا ہے۔۔۔ تمھارا لالا تمھیں یقین دلاتا ہے تمھارے ساتھ اب زیادتی نہیں ہو گی۔۔ یہ وعدہ ہے تمھارے لالا کا۔۔ حیدر خان بہت اچھا انسان ہے۔۔ ساری دنیا ایک جیسی نہیں ہوتی۔۔۔ یقین رکھنا پڑتا ہے۔۔ تمھیں یقین اعتماد کے ساتھ حیدر خان کی زندگی میں شامل ہونا پڑے گا۔ پچھلی زندگی کا کوئی لمحہ تم اپنے ساتھ لے کر حیدر خان کی زندگی میں شامل نہیں ہو گی۔۔ نہ ہی تم اپنے سسرال میں ایسے رووٴ گی۔۔۔

تم انھیں دل سے اپنا مان کر ان کی زندگی میں شامل ہو گی۔۔ ہممم

۔۔۔ارحام نے نرمی سے کہا تو فرشتے نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا

تھا۔۔اور اپنی ہتھیلیوں سے اپنے آنسو صاف کیے۔۔

سب کے چہروں پر اس کی معصومیت بھرے انداز مسکراہٹ دوڑی

تھی۔۔وہاں کھڑے ایک ایک انسان نے فرشتے کے لیے دل سے دعا کی

تھی۔۔شاہنواز ہیرے کو ٹھکرا چکا تھا۔۔شاہنواز کی قسمت پر سب کو

افسوس ہوا تھا۔

بہارے نے آگے بڑھ کر بڑی سی بلیک چادر اس کے سر پر ڈال دی

تھی۔۔اس کا چہرہ اور بدن مکمل طور پر چھپ چکا تھا۔

ارحام اسے بانہوں کے حصار میں لیے باہر کی طرف بڑھا تھا۔جہاں حیدر

خان اپنی فیملی کے ہمراہ فرشتے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔۔

فرشتے کی رخصتی اور تمام مہمانوں کے جانے کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے پیروں کے نیچے حور کا چوکر آیا تھا۔۔ ارحام نے پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں تو حور کی کانچ کی چوڑیاں زمین پر ٹوٹی پڑی تھیں۔ سونے کے کنگھن جھمکے اس کا دوپٹہ تک زمین پر پڑا تھا۔۔ بیڈ سے تمام کشن تکیے یہاں تک کمبل بھی زمین پر پڑا تھا۔۔ خود وہ اسی لباس میں اوندھے منہ بیڈ پر پڑی تھی۔ اس کا بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔

ارحام نے جبڑے بھینچے کمرے کو دیکھا تھا۔۔ حور کا دوپٹہ اٹھا کر اس نے صوفے پر رکھا تھا۔۔ سب سے زیادہ اس کا دوپٹہ زمین پر پڑے دیکھ کر اسے غصہ آیا تھا۔۔ وہ دوپٹہ نہیں اس کی عزت تھا۔۔

اسے روتا دیکھ کر بھی اس کے نقوش تنے تھے۔۔ چہرہ سرد سپاٹ ہوا تھا۔۔ وہ زمین پر بکھری چیزوں سے بچتا بچاتا اس تک پہنچا۔ کافی دیر تک اس کے روتے ہوئے لرزتے وجود کو دیکھتا رہا۔۔ وہ ارحام کی موجودگی محسوس کر چکی تھی۔۔ مگر وہ یونہی اوندھے منہ لیٹی روتی رہی تھی۔۔ بلکہ اس کے رونے میں آضافہ ہی ہوا تھا۔ ارحام نے جھکتے ہوئے

اسے کندھے سے پکڑتے سیدھا کیا تو وہ ارحام کا ہاتھ بری طرح جھٹکتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔

اس کے اس طرح ہاتھ جھٹکنے پر ارحام نے لب بھینچے تھے۔۔ اس لڑکی کا وہ نیند میں بھی جھٹکنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ اس پر عجیب طرح کی حق ملکیت سمجھتا تھا۔۔ جیسے وہ خود کی بھی نہ ہو۔۔ صرف اس کی ہو۔

اس کے براون سلکی بال کمر اور چہرے پر بکھرے تھے۔۔ مٹا مٹا میک اپ ۔۔ سرخ متورم آنکھیں۔۔ سرخ ہونٹ جنھیں وہ بے دردی سے کاٹ کاٹ کر سرخ کر چکی تھی۔ بغیر دوپٹے کے وہ اس کے سامنے تھی۔۔ وہ ہچکیوں سے بے تحاشا رو رہی تھی۔ ارحام نے گہری نگاہ اس کے بہکتے حسن پر ڈالی تھی۔۔ گہرے سانس بھرتے اس کے کندن نشیب و فراز پوری طرح نمایاں تھے۔۔ وہ اس کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈال رہی تھی۔۔ کچھ نروٹھی سی تھی۔۔ چہرے پر شدید غم و غصہ بھی تھا۔

ارحام اس کے انداز دیکھتا حیران ہوتا اس کے قریب سامنے ہی بیڈ پر بیٹھا تھا۔۔

کیا ہوا کیوں رو رہی ہو ایسے ؟؟ ارحام نے بہت نرمی سے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے۔۔ نکاح کے بعد پہلی مرتبہ تھا ارحام نے اس کے

رونے کی وجہ پوچھی تھی۔۔ ورنہ وہ رات رات بھر روتی رہتی تھی۔ وہ پرواہ نہیں کرتا تھا..

مگر آج اس کا رونا برداشت نہیں کر سکا تھا۔۔

حور نے روتے ہوے ارحام کے ہاتھ جھٹکے تھے۔۔ ارحام جبڑے بھینچے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اب اس کا ہاتھ جھٹکنا برداشت نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کے چہرے سے صاف عیاں ہوا تھا۔ چہرہ لمحوں میں سرخ پڑا۔۔۔

مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا... مجھے طلاق چاہیے۔۔ حور ارحام کو دیکھتے ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔۔

ارحام حور کے منہ سے لفظ طلاق سن کر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔ دماغ کی رگیں یکدم بھڑک اٹھیں تھیں۔۔ آنکھیں لہو چھلکانے لگی تھیں۔

وہ اپنی آہنی گرفت میں اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔

کیا بکواس کی ہے تم نے مجھ سے ؟؟۔۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے طلاق مانگنے کی ؟؟۔۔۔ تمھارا جینا مرنا اب میرے ساتھ لکھا ہے۔۔ تمھارے لیے یہ نکاح کھیل تھا۔۔ مگر میرے لیے نہیں ہے۔۔ مرتے دم تک تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔۔ اب تم نے ایسی فضول بات اپنی زبان سے نکالی قسم کھاتا ہوں پریذے کی۔۔۔ تمھاری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔۔ پریذے کی قسم میں کبھی جھوٹی نہیں کھاتا۔۔ ارحام گہرے سانس لیتے اس کا جبڑہ ایک ہی جھٹکے سے چھوڑتا کھڑا ہوا تو وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔۔ ارحام کا دل تو کر رہا تھا اس کے بخیے ادھیڑ دے۔۔۔ آج اسے مسل کر رکھ دے۔۔ وہ کیسے اس سے طلاق مانگ سکتی ہے۔۔

تو پھر مار ڈالیں مجھے ایک ہی مرتبہ مار ڈالیں۔ اس بوجھ نما زندگی سے چھٹکارا ملے مجھے۔۔۔ پل پل مرتی ہوں۔ احساس جرم مجھے جینے نہیں دیتا۔۔ میں نے آپ کی بیٹی کو آپ سے جدا کر دیا۔۔ آپ کی محبت کو آپ سے دور کر دیا۔۔ آپ کی بہن کی زندگی برباد کر دی۔۔ آپ کی بہن کا ہنستا کھیلتا گھر برباد کر دیا۔۔۔ آپ کی بہن کی ہچکیاں میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔۔ آپ کی آنکھوں میں آپ کی محبت کے کھونے کا غم مجھے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔۔

میں اتنی بے حس کیسے ہو سکتی ہوں؟!۔۔ میں نے چار چار زندگیاں برباد کر دیں۔۔ کیسے کر سکتی ہوں میں؟؟۔۔ حور بیڈ سے کھڑی ہوتی حلق کے بل چیخی تھی۔۔

ارحام اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔

وہ اس کے خساروں پر آنسو بہا رہی تھی۔۔ پریذے کو کھونے کے علاوہ کوئی خسارہ تو تھا ہی نہیں۔۔۔۔ گل تو اب اس کے لیے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی تھی۔۔ مگر سامنے کھڑی لڑکی اس کی محبت نہیں تھی۔۔ مگر اس کے طلاق مانگنے پر اس کا دل غم و غصے کا کیوں شکار ہوا تھا؟؟۔ کیوں اس پر اب وہ کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ کیوں اسے طلاق کا لفظ نیزے کی مانند چبھا تھا؟؟۔ اگر کبھی وہ اس کی دستبرداری سے چلی جائے۔۔ وہ اگر اس پر اپنی حق ملکیت کبھی کھو دے تو وہ کیسے اس پر کسی کی نگاہ برداشت کرے گا؟؟۔۔ کیسے وہ اس پر کسی اور کا حق برداشت کرے گا۔ اسے جب جب وہ کھونے کا سوچتا۔۔ یہی ایک جذبہ اس کے اندر آگ بھڑکا دیتا تھا۔

کیوں وہ اسے لے کر حد سے زیادہ پوزیسیو ہو رہا تھا؟؟۔ کیا خانزادہ خون کا اثر تھا اپنی عزت پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔۔ یا پھر وجہ کچھ اور تھی۔۔

کیوں آج اس لڑکی کا ایسے آنسو بہانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔

ارحام لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے رو رہی تھی۔ وہ بری طرح سسکیاں بھر رہی تھی۔

حور نے بے تحاشا روتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی بوتل اٹھائی تھی۔ اس سے پہلے ارحام کچھ سمجھتا وہ پرفیوم کی بوتل ڈریسنگ ٹیبل پر پوری قوت سے مار چکی تھی۔ پرفیوم کی بوتل چکنا چور ہو کر اس کا ہاتھ زخمی کر گئی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ارحام اس کے ہاتھ سے بہتا خون دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔۔حور کانچ کا ایک ٹکڑا اپنی کلائی پر رکھ چکی تھی۔۔

حور کیا بچپنا ہے یہ؟؟ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑتے اس سے کانچ کا ٹکڑا چھینا جو ارحام کے ہاتھ کو بھی زخمی کر گیا تھا۔

چھوڑیں مجھے زندہ نہیں رہنا۔۔مجھے مرنا ہے۔۔۔حور حلق کے بل چیخی تھی۔

حور بکواس بند کرو اپنی آواز نیچے رکھو۔۔۔۔۔۔ارحام اب اس کا پاگل پن دیکھتے دھاڑا تو وہ رخ پلٹ کر اب رونا شروع ہو چکی تھی۔

ارحام اس کی پشت کو گھورتا رہا۔۔۔پھر اسے کندھے سے نرمی سے تھامے اس کا رخ اپنے مقابل کیا۔

کیا ہوا ہے کیوں ایسے کر رہی ہو؟؟ ارحام نے اس کی طبعیت اور اس کے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھتے نرمی سے پوچھا۔

میں مرنا چاہتی ہوں۔ تاکہ آپ میرے مرنے کے بعد گل سے شادی کر لیں۔۔۔ حور نے روتے ہچکیوں کے درمیان کہا۔۔

تمھارا دماغ ٹھیک ہے۔۔۔ گل کی شادی ہو چکی ہے۔۔ ارحام نے اسے دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔۔۔ نظریں اس کے ہاتھ سے بہتے خون پر تھیں۔

ہاں تو طلاق بھی ہو سکتی ہے۔۔ پھر تو کر سکتے ہیں۔ اس سے شادی۔۔ اس طرح پریذے کو اس کے ماں اور باپ دونوں مل جائیں گے۔۔ آپ گل سے بات کریں۔ وہ طلاق لے لے گی۔۔ ویسے بھی عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی۔۔ وہ ابھی تک آپ کو نہیں بھولی ہو گی۔۔ وہ ضرور آپ کی بات مانے گی۔ حور کی بات پر ارحام کی آئی بروتنی تھیں۔

اگر مجھے گل سے شادی کرنی ہوئی میں تمھارے مرنے کا انتظار نہیں کروں گا۔۔ میں تمھاری موجودگی میں اس سے شادی کرلوں گا۔۔ سمجھ آئی بات۔ ۔اپنے مشورے اپنے پاس۔رکھو۔ارحام نے غیض وغضب سے حور کو گھورتے اس ہاتھ تھاما۔جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔۔

اس کے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھ کر اس کے اشتعال میں اضافہ ہوا تھا۔

میری بات سنو۔۔۔ آئیندہ تم نے اس طرح خود کو تکلیف پہنچائی تو بہت برا پیش آؤں گا۔۔ تم نے اب تک میرا جتنا بھی روپ دیکھا ہے وہ سمجھوون پرسنٹ نہیں تھا۔ تمھیں ایسی سزا دوں گا کہ تمھاری روح کانپ جائے گی۔ ۔مگر موت نہیں دوں گا۔تم پر اب تمھارا کوئ حق نہیں ہے۔۔ تمھاری آتی جاتی سانسوں پر صرف ارحام خانزادہ کا حق ہے۔ تمھارے رواں رواں پر صرف میرا حق ہے۔ تمھیں تکلیف دینے کا حق بھی صرف مجھے ہے۔۔۔

میرے علاوہ تمھیں کوئی سرد نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اب ایسی حرکت کرتے سو بار سوچنا۔۔۔ ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے سرخ لبوں پر جھک چکا تھا۔۔

ارحام بہت بری طرح اس کی سانسوں پر قابض ہوا تھا۔ اس کے لبوں کو بے رحمی سے اپنے دانتوں سے کچلا تھا۔ حور تکلیف کی شدت سے سسک کر رہ گئی تھی۔

ارحام اس کا سسکنا محسوس کرتے اس سے دور ہوا تھا۔۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے لہو چھلکاتے لبوں پر بے دردی سے انگوٹھا رگڑا۔۔

یہ سزا ہے تمھارے لیے جو تم نے ان کے ساتھ سلوک کیا۔ تھا۔

مجھے بلکل پسند نہیں تم ان کو ایسے چھوؤ۔۔ ارحام نے اس کے نچلے لب کو اس کے دانتوں سے چھڑوایا تھا۔۔

حور اس کے حصار میں کھڑی اب صرف آنسو بہا رہی تھی۔

ارحام اسے نرمی سے سینے سے لگا چکا تھا۔

ارحام کے سینے کے ساتھ لگنے کی دیر تھی۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔۔

ارحام گہرا سانس بھرتے مزید اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹا چکا تھا۔

۔ گزرتے وقت کے ساتھ حور کے رونے میں آضافہ ہو رہا۔ تھا۔

حور سٹاپ اٹ۔۔۔ غصہ مت دلاؤ مجھے۔ پھر سارے آنسو تمھیں میری قربت میں بہانے پڑیں گے۔۔ وعدہ کرتا ہوں۔ بھرپور وقع دوں گا۔۔ آج رات اس سے کہیں زیادہ آنسو بہانے کا۔۔ ارحام اس کے بری طرح رونے

پر مشتعل ہوتے بولا تو حور کے آنسو اور ہچکیاں فوراً سے تھمی تھی۔۔اس کی فرمانبرداری پر ارحام کے عنابی لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

اسے خود سے الگ کرتے بیڈ پر بٹھایا اور خود ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

ڈریسنگ روم سے میڈیکل باکس نکال کر لایا.. اس کے ہاتھوں سے بہتے خون کو اچھی طرح کاٹن سے صاف کرتے نرمی پٹی کی تھی۔

بیڈ کی طرف بڑھتے کمبل خود پر لپٹے لیٹ گیا تھا۔۔۔پاس بیٹھی حور کو بازو سے پکڑتے خود پر گرایا تھا۔۔وہ ارحام کے سینے پر آن گری تھی۔

حور پر اچھی طرح کمبل دیے وہ اسے پنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔۔

ارحام۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔۔حور نے اس کے جنون خیزیوں پر بندھ باندھنا چاہا وہ رخ پلٹے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی کلائیاں اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔۔

حور اس کے مضبوط حصار میں ہمیشہ کی طرح بے بس ہوتے خود کو اسے سونپ چکی تھی۔۔ مگر آنکھوں سے بہت سے آنسو بے مول ہو کر اس کے شفاف عارض کا حصہ بنے تھے۔

۔۔۔۔۔...

اللہ جی ہماری مورے اور درخشاں کو ملوا دو میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے۔۔ میں گھر جا کر سو نفل ادا کروں گی۔۔ وہ سوات کی ایک سڑک پر کھڑی زارو قطار رو رہی تھی۔۔ پورا بدن ایک بڑی سی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا۔۔ صرف براؤن کانچ سی آنکھیں نمایاں تھی۔۔ مگر درخشاں اور اس کی

مورے تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہی تھیں۔ سڑک پر صرف مرد ہی چلتے نظر آ رہے تھے۔۔ وہ حیران تھی ابھی تو درخشاں اور مورے اس کے ساتھ تھیں۔۔ اب وہ کہاں چلی گئیں۔

وہ زار و قطار روتے ہوئے آگے بڑھی۔۔ سڑک پر وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی۔۔ وہ کبھی اپنی حویلی سے اکیلی باہر نہیں آئی تھی۔۔ مگر آج اپنی شادی کی شاپنگ کے لیے اپنی مورے اور اپنی ملازمہ جو اس کی سہیلیوں جیسی تھی اس کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی تھی۔۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ کھو گئی تھی۔۔ وہ سڑک پر روتے ہوئے اللہ سے دعا کر رہی تھی۔۔ نفلوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔۔ اس نے اب دو سو نفلوں کی منت مانگ لی تھی۔۔ اگر تھوڑی دیر اور اس کی مورے اور درخشاں نہ ملتے تو یقیناً یہ نفل ہزاروں کی تعداد میں پہنچ جانے تھے۔

وہ روتے ہوے آسمان کی طرف دیکھے اب اللہ سے دعا کر رہی تھی۔۔ یکدم وہ سڑک پر چلتی گاڑی سے ٹکرا گئی۔۔ گاڑی کی سپیڈ کافی سلو تھی۔۔ مگر پھر بھی وہ دور جا گری تھی۔۔

گاڑی میں بیٹھے شخص نے جلدی سے گاڑی روکی اور گاڑی سے اتر کر اس دوشیزہ کی طرف بڑھا جو سڑک پر بیٹھی کراہتے ہوے زارو قطار رو رہی تھی۔۔

سنیے محترمہ۔۔۔۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔۔

اس نے پریشانی سے اس دوشیزہ کو پکارا جو سڑک پر بیٹھے رو رہی تھی مگر ساتھ ساتھ اس کے لب اللہ سے دعا مانگ رہے تھے۔۔

اللہ جی۔۔۔ میری مورے سے مجھے ملا دیں۔ میں پانچ سو نفل پڑھوں گی۔۔ آپ جانتے ہیں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔ میں نے ہمیشہ نفل ادا کیے ہیں۔۔ انگلش کے پیپر میں پاس ہونے کے لیے میں ہزار نفل مانے تھے۔۔ آپ نے مجھے پاس نہیں کیا پھر بھی میں نے ہزار نفل پڑھے تھے کہ آپ ناراض نہ ہو جائیں۔۔ اس کی معصومانہ دعائیں سنتے مقابل کے چہرے پر گہری مسکراہٹ چھائی۔۔ دل نے شدت سے تمنا کی تھی اس کے چہرے کو دیکھنے کی۔۔ آواز اتنی میٹھی تھی وہ خود کیسی ہو گی۔۔

وہ مکمل طور پر چادر میں چھپی ہوئی تھی۔۔ اس کی طرف رخ پلٹے وہ سڑک پر بیٹھی تھی۔

دیکھیں یہاں سے اٹھ جائیں۔۔ورنہ کوئی اور گاڑی آپ کو نقصان پہنچا دے گی۔۔بلا آخر وہ بول پڑا تھا۔۔

وہ جانتا تھا اسے اٹھنے میں تکلیف ہو گی کیونکہ اسے بہت زور سے گاڑی لگی تھی۔۔مگر وہ اس کی اٹھنے میں مدد نہیں کر سکتا تھا۔۔یہ شہر نہیں تھا اس کا سوات تھا جہاں عورت سے سر عام بات کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔۔

وہ کراہتے ہوے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔اس نے اس کی حالت دیکھتے اسے سہارا دینے کی کوشش کی وہ یوں بدکی تھی جیسے کسی بچھو نے چھو لیا ہو۔۔مقابل اس سے جلدی سے دور ہوا تھا۔

کیوں چھوا آپ نے مجھے۔۔۔۔جب کوئی غیر محرم کسی لڑکی کو چھوتا ہے تو جہنم کی آگ ستر مرتبہ زیادہ دہکتی ہے۔

وہ اپنا بازو رگڑنے لگی جہاں اس کی انگلیوں نے نرمی سے اسے چھوا تھا۔۔وہ اپنے چادر میں لپٹے بازو کو بہت زور سے رگڑ رہی تھی۔۔یقیناً اس کا لمس مٹا رہی تھی۔

جہنم کی آگ۔۔وہ زیر لب اس کے لفظ دہراتا حیران ہونے کے ساتھ ساتھ گہرا مسکرایا بھی تھا۔۔وہ بہت معصوم تھی۔۔

جی ہاں۔۔۔۔کسی بھی لڑکی کو جب کوئی غیر محرم چھوتا ہے تو دوزخ میں اسے اللہ جی بہت سخت سزا دیتے ہیں۔اور دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تیز ہے۔۔وہ معصومیت سے بولتے اس کی معلومات میں آضافہ کر رہی تھی۔۔

وہ اس کی میٹھی معصومیت بھری آواز سنتے اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں کھویا تھا۔۔اس کی آنکھوں میں بھی دنیا جہاں کی معصومیت تھی۔

وہ اس کا چہرہ دیکھنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا وہ کسی دوشیزہ کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔۔اس کی باتیں اس کا لہجہ بہت معصوم تھا مگر اس کی گہری غلافی آنکھیں تو بہت خوبصورت تھیں۔وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔۔مقابل حیران تھا اس کی پرسنیلٹی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔ورنہ آج تک کسی لڑکی نے اسے نظر انداز نہیں کیا تھا۔

وہ اس کی گہری کانچ سی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جہاں کاجل کی گہری تہہ تھی۔اب وہ صرف ایک مرتبہ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔

آچانک سے اس کے رب نے اس کی خواہش پوری کی تھی۔۔ تیز ہوا سے اس کے چہرے کا نقاب ڈھلکا تھا۔۔

اس کا خوبصورت چہرہ عیان ہوا تھا۔۔ وہ اس کی ٹھوری کے سیاہ بھنور تل میں ڈوبا تھا۔۔

اس نے جلدی سے اپنا چہرہ ڈھکا۔۔ مگر وہ مقابل کا سب کچھ لے ڈوبی تھی۔ وہ اس کے سحر میں گنگ سا کھڑا تھا۔ اتنا خوبصورت چہرہ اتنی پاکیزگی اتنی معصومیت کہاں دیکھی تھی بھلا۔۔۔

وہ آچانک سے مڑی اور کسی کے گلے لگ کر رو پڑی۔۔

مورے کہاں چلی گئی تھیں آپ؟؟ میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔۔ وہ ہچکیوں کے درمیان بچوں کی طرح رو رہی تھی۔۔

وہ وہاں سے کب سے چلی گئی تھی۔۔

مگر وہ دیر تلک وہاں کھڑا اسے سوچتا رہا تھا۔

فرشتے بیڈ پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔۔ دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔ فرشتے نے پورے کمرے پر طائرانہ نگاہ ڈالی.. عالیشان کمرہ جس کی ہر چیز ہی نہائت شاندار اور پر زوق تھی۔۔ جو کمرے کے مالک کے اعلی ذوق کو ظاہر کر رہی تھی۔

کمرہ بہت بڑا تھا۔ مگر اتنا ہی پر آسائش تھا۔ پورے کمرے کو سفید پھولوں سے ڈیکور کیا گیا تھا۔۔ کمرے کا فرنیچر بھی سفید کلر کا تھا۔۔۔ کمرے سے معلوم ہوتا تھا وہ سادہ طبعیت کا مالک ہے۔۔۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ جب سے حیدر خان کی حویلی میں آئی تھی۔۔۔ زنان خانے میں ہی سب کے درمیان دلہن بنی بیٹھی تھی۔۔ جہاں بہت سی رسمیں اس کے ساتھ نبھائی گئی تھیں۔۔

حیدر خان کی فیملی میں سب بہت اچھے تھے۔۔ اس کی کزنیں اس کی بہنیں بہت پیار اور عزت دے رہی تھیں۔۔ مگر حیدر خان کی مورے کا رویہ اس کے ساتھ بہت سرد تھا۔۔ جسے محسوس کرتے فرشتے کی آنکھیں بار بار بھیگ جاتی تھیں۔ ابھی بھی حیدر خان کی مورے کا سرد سپاٹ چہرہ یاد کر کے اس

کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔اس کا معصوم دل توحیدر خان کی مورے کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھ کر ہی خوف سے سہم رہا تھا۔

اب پتہ نہیں حیدر خان اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔

شاہنواز کے ساتھ گزری ہر رات میں ایک پل کا سکون میسر نہیں آیا تھا۔۔حیدر خان بھی صرف اپنا حق وصولے گا..وہ بھی انتہائی نفرت سے اس کا وجود روندے گا۔۔اسے جتلائے گا وہ کم صورت عورت ہے۔۔جو صرف اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے۔۔محبت کرنے کے لیے نہیں۔۔

فرشتے نے سامنے رکھے ڈریسنگ مرر میں اپنا عکس دیکھا وہ چاند کی طرح دمک رہی تھی۔۔اتنا روپ تو اسے اپنی پہلی شادی پر نہیں آیا تھا۔۔جتنا آج آیا تھا۔۔جب شاہ نواز کی دلہن بنی تھی چہرے پر شرمیلی مسکان تھی۔۔نئی

زندگی کو لے کر بہت سے سہانے سپنے سجائے تھے۔۔ ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں تھی۔۔ ایف اے کرتے ہی اس کی شادی شاہ نواز سے طے کر دی۔۔ شوہر کی محبت کے خواب سجا کر وہ شاہنواز کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔۔ مگر اس نے پہلی رات ہی ثابت کر دیا تھا کہ عورت پاؤں کی جوتی تو ہو سکتی ہے۔۔ سر کا تاج اور محبت نہیں۔

آج اس کی آنکھوں میں سپنے نہیں تھے۔۔ صرف ڈر خوف تھا۔ آج وہ ڈری سہمی سی تھی۔۔ بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں ڈر تھا۔۔ جو اسے مزید حسین بنا رہا تھا۔ فرشتے نے ایک مرتبہ پھر سے اپنی پلکیں جھپک کر اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔۔۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر فرشتے نے جلدی سے اپنی نظریں جھکائیں۔۔ کمرے میں داخل ہونے والی شخصیت کے ساتھ ہی پورا کمرا سحر انگیز جان لیوہ خوشبو

سے مہک اٹھا تھا۔۔ فرشتے نے گہرے سانس لیتے وہ خوشبو اپنے اندر اتارتے اس کے بھاری قدموں کی دھمک سنی تھی۔۔

اس کے قدموں کی دھمک سے فرشتے کا پورا وجود لرز اٹھا تھا۔

حیدر خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی مردانہ شال کندھوں سے اتار کر کمرے میں موجود صوفے پر رکھی تھی۔۔ وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بیڈ کی جانب بڑھا۔

اس کی جھکی نظروں اور اس کے لرزتے بدن کو بغور دیکھتے وہ فرشتے کے سامنے بیڈ پر بیٹھا۔ فرشتے نامحسوس انداز میں پیچھے کو کھسکی تھی۔ بدن مزید زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔

اس کا شدید کانپنا مقابل محسوس کر چکا تھا۔ مقابل کا سنجیدہ چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔۔ چہرے کے تاثرات سخت ہوے تھے۔۔

اتنا کانپ کیوں رہی ہو؟؟ حیدر خان کی بارعب آواز گونجی تو فرشتے کی کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔ اس کی آواز اتنی بارعب تھی مقابل کیسا ہو گا۔۔ اس کا معصوم دل سوچ کر رہ گیا۔

مم میں نہیں کانپ رہی۔۔ فرشتنے نے جھکی نظروں اور کپکپاتے لبوں سے بمشکل ہی الفاظ کہے تھے۔۔ وہ اتنی آہستگی سے بولی تھی کہ وہ بمشکل ہی سن پایا تھا۔

حیدر خان نے اس کے قریب ہوتے اس کے چہرے کو ٹھوری سے پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تو فرشتے اپنی آنکھیں سختی سے میچ چکی تھی۔۔

حیدر خان کتنی ہی دیر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا۔۔ وہ یونہی آنکھیں میچیں لرز رہی تھی۔۔ شفاف عارض پر گھنی پلکیں لرز رہی تھی۔ سرخ یاقوتی ہونٹ کپکپا رہے تھے۔۔ مگر حیدر خان کی گرم نگاہیں ٹھوڑی کے سیاہ بھنوار تل پر تھیں۔ جو آج سے پانچ سال پہلے اس کا دل لے ڈوبا تھا۔

حیدر خان نے اس کی ٹھوری کے گہرے سیاہ تل پر اپنے پیاسے دہکتے لب رکھے تھے۔

فرشتے اس کے دہکتے لب اپنی ٹھوڑی پر محسوس کرتے جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔۔ بند آنکھوں سے آنسو جاری ہوے تھے۔۔

حیدر خان کے لبوں کا رخ اب اس کے شفاف عارض پر تھا جہاں وہ بہتے موتیوں کو اپنے لبوں سے چن رہا تھا۔

فرشتے حیرانگی سے اس کا معتبر لمس محسوس کر رہی تھی۔۔ان پانچ سالوں میں شاہ نواز نے اس کے بدن کے ساتھ کھیلنے کے علاوہ کب اسے معتبر لمس بخشا تھا۔۔اسے یاد نہیں پڑتا تھا قربت کے پلوں میں اس نے کبھی اس کے چہرے کے نقوش کو چھوا ہوا۔۔اس کے نزدیک یہ چہرہ اس قابل ہی نہ تھا۔ لیکن حیدر خان تو دیوانگی کے عالم میں اس کے ایک ایک نقوش کو چھو رہا تھا۔۔

فرشتے کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔ کسی کا لمس دل کی دھڑکنیں ایسے بھی منتشر کرتا ہے یہ اسے آج محسوس ہوا تھا۔۔

حیدر خان نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا وہ آج بھی ویسی ہی تھی جیسے سوات کی سڑک پر اسے دیکھ کر وہ اپنا دل کھو بیٹھا تھا۔۔وہی معصومیت وہی خوبصورتی۔۔وہی ڈرا سہما روپ۔۔۔۔۔

اس کی مورے اور اس کی بہنیں فرشتے کا رشتہ مانگنے گئی تھیں۔ مگر وہ تب تک کسی کی ہو چکی تھی۔۔ پانچ سال لگے اسکی دعائیں قبول ہونے میں۔۔۔ آج وہ اس کے کمرے میں اس کی محرم بن کر اس کے سامنے تھی۔۔

فرشتے۔۔۔۔۔۔۔ حیدر خان نے گھمبیر آواز میں اسے پکارا۔

وہ مزید سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

آنکھیں کھولو۔۔ حیدر خان نے نرمی سے کہا۔

فرشتے نے لرزتی پلکوں سے اپنی آنکھیں کھولیں تو حیدر خان کو ایک نظر دیکھ کر اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔

مقابل کی شخصیت اتنی سحر انگیز ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔۔اس کے لمس نے ہی اس کے دل کی دنیا تہہ بالا کر دی تھی۔۔

مقابل کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں فرشتے کو اپنا دل ڈوب کر ابھرتا محسوس ہوا تھا۔

حیدر خان نے مسکراتے ہوے اس کی جھکی نظریں دیکھی تھیں۔

حیدر خان نے نرمی سے اس کا حنائی ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھاما۔وہ اس کی ہتھیلی پر بہت نرمی سے اپنی انگلیاں پھیر رہا تھا۔

فرشتے لگتا ہے تم نے مجھے پہچانا نہیں۔۔۔حیدر خان نے نرمی سے سوال کیا۔

فرشتے نے حیرانگی سے اس کا سوال سنا اس نے آج سے پہلے شخص کو نہیں دیکھا تھا۔۔

اس لیے فرشتے نے ذرا سی نظریں اٹھا کر حیدر خان کو دیکھا مگر کچھ یاد نہیں آیا تھا۔۔ وہ جلدی سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ اس کی مقناطیسی آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔

میں بھی کتنا بیوقافانہ سوال کر رہا ہوں۔ تم مجھے پہچانتی تو یہ زیادہ حیران کن تھا۔۔ جو لڑکی کسی غیر محرم کے ذرا سے چھونے پر اللہ کے عذاب سے اتنا ڈرتی ہو۔ وہ کیسے کسی غیر محرم کو یاد رکھ سکتی ہے۔۔ حیدر خان نرمی سے بولتے ہلکا سا ہنس دیا۔

فرشتے حیران ہو رہی تھی اتنا نرم لہجہ۔۔۔ کیا شوہر اتنی نرمی سے اتنی محبت سے بھی بات کر سکتا ہے۔۔۔۔ وہ بھی اتنی عام اور کم صورت لڑکی سے۔

۔۔وہ بھی طلاق یافتہ بانجھ عورت سے۔۔۔فرشتے کی آنکھوں سے پھر سے آنسو جاری ہوے تھے۔

حیدر خان نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اپنی انگلی کی پوروں سے بہت نرمی سے صاف کیے تھے۔۔۔

وہ نظریں جھکائے یونہی روتی رہی۔۔حیدر خان کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔وہ بیڈ سے اٹھتا بیڈ کی دوسری سائیڈ کی جانب بڑھا تھا۔۔

وہ تکیے پر سر رکھ کر سیدھا لیٹا تھا۔۔

فرشتے مزید خود میں سمٹی تھی۔۔وہ اس کے قریب لیٹا ہوا اسے بہت گہرائی سے دیکھ رہا تھا۔

حیدر خان کی نظریں بے باکی سے اسے اپنے وجود میں گڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ اس کا بدن مزید کپکپاہٹ کا شکار ہوا۔ مقابل کی بارعب شخصیت یونانی دیوتاؤں جیسا مغرور حسن اس کے بدن سے اٹھتی جان لیوہ خوشبو۔۔ فرشتے تو اپنا سب کچھ،،، کچھ ہی لمحوں میں ہار گئی تھی۔۔

حیدر خان مسکراتی اور گرم نگاہوں سے دیکھتا رہا۔۔ وہ تو آج بھی مہکتا گلاب تھی۔۔ جیسے ان چھوا گلاب ہو۔۔ جس طرح وہ لرزتے ہوئے خود میں سمٹ رہی تھی۔۔ حیدر خان کو وہ سوات کی سڑک پر اس کی گاڑی سے ٹکرانے پر معصوم فرشتے ہی معلوم ہوئی۔۔ جسے گزرے پانچ سال چھو کر بھی نہ گزرے ہو۔۔۔ جیسے یہ پانچ سال ان دونوں کے بیچ آئے ہی نہ ہوں۔

حیدر خان نے اسے بازو سے کھینچ کر جھٹکے سے خود پر گرایا۔۔وہ اس کے چوڑے کشادہ سینے پر ان گری تھی۔۔اس کی چوڑیوں کی کھنک پورے کمرے میں گونجی تھی۔

فرشتے شرم کے مارے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔۔

حیدر خان نے اس کی نازک کمر پر اپنی بانہوں کا حصار مضبوط کیا تھا۔۔اس کے نازک پھولوں جیسے مہکتے وجود کو اپنے سینے پر منتقل کیا۔

فرشتے میری طرف دیکھو۔۔۔حیدر خان نے بھاری آواز میں اسے پکارا۔

۔۔

فرشتے نے اپنا چہرہ اس کے سینے سے اٹھا کر حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھا ۔۔وہ ٹرانس کی کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔اس کی سیاہ آنکھوں نے فرشتے کو

بے بس کیا تھا۔۔ جیسے وہ کسی جادوئی سحر کے اثر میں ہو۔۔ وہ ایک ٹک حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔

بہت خوبصورت ہو تم۔۔ بلکل ایک پری کی طرح۔۔۔ حیدر خان نے گھبیر آواز میں کہتے اس کی نتھ نرمی سے اتاری..

فرشتے نے اتنے عرصے بعد خود کی تعریف سنی تھی۔۔ وہ بھی اتنے وجیح خوبرو انسان کے منہ سے جو خود شہزادوں جیسی آن بان رکھتا تھا۔۔

فرشتے اس کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

فرشتے۔۔۔۔ حیدر خان نے نرمی سے پکارا تھا۔۔

وہ اس کا نرم لہجہ سنتے اور شدت سے رو دی تھی۔۔

فرشتے۔۔۔۔۔حیدر خان نے اب کی بار سختی سے پکارا تو وہ اسی لمحے خاموش ہوئی تھی۔۔اس کی شرٹ کو مضبوطی سے اپنی مٹھیوں میں دبوچا۔

ادھر دیکھو میری طرف۔۔حیدر خان کی آواز میں سختی ابھی تک نمایاں تھی۔۔

فرشتے نے جلدی سے سر اٹھا کر حیدر خان کی طرف دیکھا جو سرد سخت تاثرات سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔

فرشتے کا معصوم دل سہما تھا۔۔کیا کچھ دیر پہلے حیدر کا نرم رویہ نرم تاثرات اس کا خواب تھے کیا؟؟۔وہ پلکیں جھپک جھپک کر حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔

اب میں تمھاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔۔ حیدر خان نے سخت لہجے میں کہا تو فرشتے نے سر نفی میں ہلاتے جلدی سے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کیے۔۔ حیدر اس کی معصومانہ ادا پر ہنس پڑا۔۔ اسے اپنے سینے کے ساتھ شدت سے لپٹا گیا۔۔

فرشتے۔۔۔۔۔۔۔ مورے ذرا سخت طبعیت کی مالک ہیں۔۔ وہ تمھاری مجھ سے شادی ہونے پر ناخوش ہیں۔

وہ میری خالہ کی بیٹی اوزگل کی شادی مجھ سے کرنا چاہتی تھیں۔۔ وہ خالہ کے مرنے کے بعد بچپن سے ادھر ہی پلی بڑھی ہے۔

مگر میری ضد کے آگے انھیں تمھیں لانا پڑا۔۔۔ وہ تم پر اپنا غصہ اتاریں گی۔ ہو سکتا ہے تمھیں برا بھلا بھی کہیں۔ تمھیں طعنے بھی دیں۔۔ میری خاطر سن لینا۔ مورے ہیں میری۔۔۔ میں انھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر

اپنے کمرے میں اپنی فرشتے کے ہر غم ہر تکلیف کا مداوہ کروں گا۔۔ سارے دن کی کڑواہٹ اپنے پیار بھرے لمس سے دور کر دوں گا۔۔۔ مگر تم کبھی مورے کو آگے سے جواب مت دینا۔۔ جتنا میں تم سے پیار کرتا ہوں۔۔ اس سے کہیں زیادہ اپنی مورے سے پیار کرتا ہوں۔۔ ان کی نافرمانی میں برداشت نہیں کروں گا۔

حیدر خان اس کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نرمی سے مخاطب تھا۔۔

فرشتے کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں یہ سب سنتے خوف کی گہری رمک تھی۔۔ حیدر خان دیکھتا گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ جتنا وہ فرشتے کو جانتا تھا یا اب تک جان پایا تھا۔۔ وہ سمجھتا تھا وہ بیچاری اتنی معصوم ہے۔۔ وہ کیا اس کی مورے کو جواب دے گی۔۔ یقیناً اس کی مورے اور اوزگل ہی فرشتے کو

ٹف ٹائم دیں گی۔ مگر وہ مجبور تھا اپنی مورے سے شدید محبت کرتا تھا

۔۔اوزگل سے شادی نہ کرنے پر وہ ڈٹ گیا تھا۔۔ مگر ان کے آگے وہ کم ہی

بولتا تھا۔۔یہی بات وہ برداشت نہیں کر پ رہی تھیں۔

وہ مورے تھیں اس کی۔۔ ہر ماں کی طرح وہ کنواری لڑکی اس کے لیے لانا

چاہتی تھی۔ فرشتے بانجھ تھی یہ بہت بڑا غم تھا اس کی مورے کے

لیے۔۔ مگر اسے صرف اپنی فرشتے سے سروکار تھا۔ان پانچ سالوں میں وہ

اس کے لہو میں عشق بن کر دوڑی تھی۔۔

حیدر خان نے سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک چھوٹا سا مخملی کیس پکڑا

تھا۔۔اس میں سے رنگ نکال کر فرشتے کے ہاتھ کی انگلی میں پہنائی۔۔

کیسا لگ رو نمائی کا تحفہ۔۔۔۔ حیدر خان نے اس کا جھومر نرمی سے اتارا

تھا۔۔

اچھا ہے۔۔ فرشتے نے حیدر خان کے حصار میں نظریں جھکائے کہا۔۔ حیدر خان کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں خمار کی سرخی دیکھتے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔۔۔ دل پہلو میں بے تحاشا دھڑکنے لگا تھا۔۔ اس کے دل کی دھڑکنیں حیدر خان کو بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ حیدر خان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

حیدر خان اب نرمی سے اس کا مانگ ٹیکہ اتار رہا تھا۔ فرشتے اس کے سینے پر ہاتھ جمائے نظریں جھکائے ہوے

تھی۔ میں صرف اپنی فرشتے کا ہوں۔۔ ہر حال میں ہر سچویشن میں صرف تمھارا رہوں گا۔۔

کبھی تم پر انجانے میں غصہ کر بیٹھوں تو تم صرف مجھ سے لپٹ جانا تمھارے خان کا غصہ فوراً ختم ہو جائے گا۔۔ کیونکہ حیدر خان تمھاری قربت تمھاری

محبت تمھاری معصومیت کا دیوانہ ہے۔ مجھے صرف اپنی فرشتے کی محبت چاہیے۔۔ اپنی فرشتے کی قربت چاہیے۔۔ اپنی فرشتے کا مہکتا بدن چاہیے۔۔ بولو کرو گی نہ مجھ سے محبت۔۔۔ حیدر خان اس کی ٹھوڑی کے سیاہ بھنورہ تل پر اپنا انگوٹھا نرمی سے پھیر رہا تھا۔۔

فرشتے نے حیدر خان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا تو حیدر خان کا دلکش قہقہ گونجا تھا۔ وہ معصوم ہے اسے اندازہ تھا مگر وہ اتنی معصوم ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔

فرشتے حیدر خان کے دلکش قہقے کے سحر میں کھوئی تھی۔۔ وہ ایک ٹک حیدر خان کو دیکھے جا رہی تھی۔۔ مرد کا یہ روپ بھی ہوتا ہے اسے تو پتہ ہی نہ تھا۔

کیا ہوا مجھ سے محبت تو نہیں ہو گئی۔۔ حیدر خان اس کے ایک ٹک دیکھنے پر محظوظ ہوتے بولا تو فرشتے سرخ پڑتے اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا گئی ۔۔ حیدر خان اس کے ایسے لپٹنے پر پاگل ہوا تھا۔۔ رات بیت رہی تھی۔۔ وہ اپنی فرشتے کے پور پور پر اپنے لب رکھنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

حیدر خان کے پورے بدن میں سپارک ہوا۔۔ فرشتے کے بدن سے گلاب سی خوشبو اسے اس کا دیوانہ بنا رہی تھی۔۔

فرشتے آجازت دیتی ہو مجھے۔۔۔ میں تمھارے وجود کی گہرائیوں میں اتر کر تمھیں بتاؤں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔ حیدر خان اسے اپنے سینے میں بھینچتے بھاری آواز میں بولا تو فرشتے حیدر خان کی دل کی گہرائیوں سے اثیر ہوئی تھی۔۔

وہ اس کے جسم و جاں کا مالک تھا۔۔۔وہ اس کی ملکیت تھی۔۔اس کی عورت۔۔ مگر وہ اس سے آجازت مانگ رہا تھا اتنا مان اتنی عزت۔۔۔۔۔کیا عورت بیوی کے طور پر بھی عزت کے قابل ہوتی ہے. یہ اسے آج معلوم ہوا تھا۔۔فرشتے

حیدر خان کے ساتھ شدت سے لپٹتے فرشتے نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔۔۔۔ مگر اس کے بدن میں شدید کپکپاہٹ طاری ہوئی تھی۔۔۔وہ اس کے شدت سے لپٹنے میں اس کی رضامندی جان چکا تھا۔۔

حیدر خان نے رخ پلٹے اسے تکیے پر لٹایا۔۔۔۔وہ آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔حیدر خان نے مسکراتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھاتے بٹھایا تھا۔۔اس کے دوپٹے سے پنز اتارتے اس کا دوپٹہ اتار کر سائیڈ پر رکھا۔۔اس کے جوڑے میں لپٹے بال کھولے تو فرشتے کے سنہری

کمر تک آتے بالوں کو دیکھ کر حیدر خان اس کا مزید دیوانہ ہوا تھا۔۔ وہ تو بے انتہا خوبصورت تھی۔۔ اس کے بال وہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔۔ حیدر خان نے گہری نگاہوں سے اس کے نازک سراپے کا جائزہ پورے استحقاق سے لیا تھا۔۔۔ فرشتے ابھی تک آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔ حیدر خان نرمی سے اس کی آنکھوں پر اپنے لب باری باری رکھ گیا تھا۔۔ اس کے جھمکے اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے۔۔ اس کے گلے کا چوکر اتارتے حیدر خان نے اپنے دہکتے لب اس کی شفاف دودھیا گردن پر رکھے تھے۔۔۔

اس کے ہر لمس پر فرشتے کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔۔ شاہنواز کے ساتھ گزارا ہر لمحہ اس کی آنکھوں کے راستے آج بہہ نکلا تھا۔۔۔ اب ان آنکھوں کو بھی گوارا نہ تھا وہ شاہنواز کے دیے ہوے دکھوں پر آنسو

بہائے۔۔یہ آخری آنسو تھے جو اس کے دی ہوئی اذیتوں پر اس کی آنکھوں نے بہائے تھے۔

اب ان آنکھوں میں صرف حیدر خان کی محبت کا عکس تھا۔۔اس کی آنکھیں اس سے وعدہ کر چکی تھیں۔ان آنکھوں کا ہر آنسو صرف حیدر خان کے لیے بہے گا۔۔چاہے حیدر خان کی محبت پر بہے یا حیدر خان کی دی ہوئی تکلیفوں پر۔۔۔اب اس کے ہر زخم ہر تکلیف پر۔۔۔اس کے انگ انگ پر صرف حیدر خان کا حق تھا۔۔

حیدر خان اس کی کے بلاوز کی زپ کھولتا۔۔اس کے وجود کو ہر طرح کے پردے سے آزاد کرتے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹائے اس پر جھک چکا تھا۔

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔۔حیدر خان کی دیوانگی سے بھری جنون خیزیاں عروج پر تھیں۔فرشے کو اندازہ ہوا تھا۔۔حیدر خان کی جنون

خیزیان سہنا آسان نہ تھا اس کے لیے۔۔۔۔۔۔ مگر وہ حیدر خان کی پناہوں میں سمٹے اس کی دیوانگی برداشت کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ خود حیدر خان کی دیوانی ہو چکی تھی۔

زاران خانزادہ کب سے بے چینی سے زنان خانے کے لاونج میں ٹہل رہا تھا۔۔ عابیر کو آج اس نے سارا دن نہیں دیکھا تھا۔ فرشتے کی رخصتی کے وقت بھی وہ وہاں نہیں تھی۔

یہ اس کے لیے بہت تشویشناک بات تھی۔ اب رات کے اس پہر اس کے کمرے میں جانا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔۔ وہ اظطرابی انداز میں ٹہل رہا

تھا۔۔ اظطراب اور تھکن اس کے انگ انگ سے نمایاں تھی۔۔ ابرش سے نکاح کے بعد یہ تھکن اور اضطرابی کیفیت اس کے وجود کا حصہ بن گئی تھی جیسے۔۔ کل رات اس کا بہکتا سراپہ وہ بھول نہیں پا رہا تھا۔۔ آج ڈارک میرون میکسی پہنے دوپٹہ سر پر اوڑھے اسے مزید بے چین کر گئی تھی۔۔ فرشتے کی رخصتی کے ٹائم اس پر نگاہ پڑی تھی۔۔ وہ ایک نظر اسے دیکھتا اپنی نظریں پھیر گیا تھا۔۔ دوبارہ اس پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ مگر اس کا خوبصورت چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

وہ بے چینی سے لاونج میں ٹہل رہا تھا۔۔ امینہ خانم اسے لاونج میں آتی دکھائی دیں۔۔ زاران ان کی طرف بڑھا۔۔

مورے آپ اس وقت یہاں خیریت۔۔۔زاران نے ان کے ہاتھ تھامے تشویش زدہ انداز میں پوچھا۔۔

ہم کو نیند نہیں آرہا زاران۔۔فرشتے کا خیال آرہا ہے بار بار۔۔

وہ ہمارا سگا بیٹی نہیں ہے۔۔مگر عابیر سے کم ہمیں پیارا نہیں ہے۔۔پانچ سال کا تھا فرشتے۔۔جب تمھارا تایا اور تائی ایک کار حادثے میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔۔ارحام اس وقت چودہ سال کا تھا۔۔مگر فرشتے بہت چھوٹا تھا۔وہ ہم کو مورے کہتا ہے۔۔ہم بھی اسے اپنا بیٹی سمجھتا ہے۔۔شاہ نواز نے بیچاری کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔۔مگر اس نے پانچ سال اف بھی نہیں کی۔۔اپنی تکلیف ہم کو نہیں بتائی کہ ارحام کا گھر خراب نہ ہو۔۔شاہ نواز نے کتنی دفعہ اسے مارا پیٹا اسے گھر سے نکالا۔۔بیچارہ کبھی گل کی وجہ سے کبھی سب کے سمجھانے پر واپس چلا جاتا تھا۔۔اب پتہ نہیں حیدر اس کے ساتھ کیا سلوک

کرے گا۔ وہ بہت معصوم ہے اسے تو جواب بھی نہیں دینے آتا۔۔۔ بڑا سا بڑا بات پر رو کر خاموش ہو جاتا ہے۔۔ پتہ نہیں اللہ اتنا پیارا انسان کو اتنا کیوں ازماتا ہے۔۔ امینہ خانم زاران کے حصار میں کھڑی رو پڑی تھیں۔

مورے آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں ؟؟۔ حیدر خان بہت اچھا انسان ہے۔ وہ شاہنواز جیسا بلکل نہیں ہے۔۔ زاران نے انھیں نرمی سے صوفے پر بٹھایا۔۔

کیا تھا زاران۔۔۔ تم فرشتے سے شادی کر لیتا۔۔ اتنا نیک بیوی قسمت والوں کو ملتا ہے۔۔ تم نے دو مرتبہ اتنا اچھا لڑکی کو ٹھکرایا۔۔ امینہ خانم نے شکوہ کیا۔

مورے کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟؟۔۔ فرشتے میری بہنوں جیسی ہے۔۔ میں نے اسے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔۔ اب یہ باتیں کرنا اچھا نہیں

ہے۔۔ فرشتے حیدر خان کی بیوی ہے اور میں بھی شادی شدہ ہوں۔۔ زاران نے لب بھینچے کہا۔

تم شادی شدہ ہے مگر لگتا نہیں ہے۔۔۔ رات کے اس ٹائم تم ادھر کیا کر رہا ہے۔۔۔ اپنے کمرے میں کیوں نہیں ہے۔۔ امینہ خانم کے سوال پر وہ اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔

۔رنگ لمحوں میں تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔۔

امینہ خانم زاران کے سرخ چہرے کو دیکھتے گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

زاران تم ابرش کو اپنے نکاح میں چاہتا تھا۔۔ وہ تمھارے نکاح میں ہے۔۔ تمھارا بیوی بن کر تمھارا حویلی میں ہے۔۔ تم دوسرا شادی کر لو۔۔ اپنا ماموں کی بیٹی سے۔۔ وہ کالج سے پڑھا ہے پھر اتنا خوبلورت ہے

پلوشہ۔۔۔۔۔۔۔وہ ابھی بھی بہت خوشی خوشی تمھارا نکاح پلوشہ سے کر دیں گے۔۔ تم نے دیکھا آج پلوشہ کو کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔۔ بلکل ایک شہزادی کی طرح۔۔۔وہ بہت فرمانبردار بیوی ثابت ہو گا تمھارے لیے۔۔

مورے میری شادی ہو چکی ہے۔ ابرش بیوی ہے میری۔۔ وہ بہت فرمانبرار ہے۔۔ اگر میں کمرے میں اس ٹائم نہیں ہوں۔۔ اس کی وجہ ابرش نہیں عابیر ہے۔۔ وہ امینہ خانم کی بات سنتے تحمل سے بولا۔۔۔۔

مورے میں اس ٹائم عابیر کی وجہ سے پریشان ہوں۔۔ آج وہ سارا دن نظر نہیں آئی کہاں تھی وہ۔۔ زاران نے لب بھینچے سوال بدلا۔۔۔

وہ ادھر ہی تھا سارا دن۔۔۔۔امینہ خانم نے نظریں چراتے ہوے کہا۔۔

عابیر آج سارا دن اپنے کمرے میں ہی تھی انھیں معلوم تھا۔ نہوں نے اسفند سے عابیر کے متعلق پوچھا تھا۔

اسفند نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا وہ آج فرشتے کی رخصتی میں شریک نہیں ہو گی۔۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا وہ شریک ہو۔۔۔۔امینہ خانم خاموش ہو گئی تھیں۔

اب زاران کو یہ سب بتا کر وہ نہیں چاہتی تھی۔۔ پورا گھر جنگ کا میدان بن جائے۔۔ زاران سیر تھا تو اسفند سوا سیر تھا۔۔

پھر وہ عابیر کی زندگی میں مزید تلخی نہیں چاہتی تھی۔۔ وہاں کی عورتوں کی طرح وہ عابیر کو ہی صبر کا کہتی تھیں۔

اگر ادھر تھی تو مجھے نظر کیوں نہیں آئی۔۔ وہ تو ہمیشہ تیار ہو کر مجھے اپنی تیاری ضرور دکھاتی ہے۔۔ بچپن سے ایسا کرتی ہے۔۔ جب بھی بنتی سنورتی ہے اپنے لالا کے پاس آتی ہے۔۔ میں اپنی عابیر کے سر سے پیسے نہ وار دوں مجھے سکون نہیں آتا۔۔ مگر آج وہ مجھے نظر ہی نہیں آئی۔۔ میں دو مرتبہ زنان خانے میں آیا تھا۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔۔

وہ تب کی بات ہے جب تک اس کا شادی نہیں ہوا تھا۔ اب اس کا شادی ہو چکا ہے۔ اب یہ پیسے اس کا شوہر اس پر سے وارے گا۔۔ تم رہنے دو یہ سب کچھ۔۔ امینہ خانم کی بات پر زاران صوفے سے غصے سے کھڑا ہوا۔۔

مورے وہ میری بہن ہی نہیں بلکہ میری بیٹی جیسی ہے۔۔ میرا بچہ ہے۔۔ سب سے پہلا حق میرا ہے میری عابیر پر۔۔ پھر کسی اور کا۔۔ ابھی رات بہت ہو گئی ہے۔ اس وقت اس کے کمرے میں جانا مناسب نہیں

ہے۔ مگر صبح ہوتے میں اس سے بات کروں گا۔۔ زران غصے سے کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اسفندیار خان رات گئے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظریں بے اختیار ڈریسنگ روم کی جانب اٹھیں تھیں۔

وہ صبح سے بھوکی پیاسی ہی ڈریسنگ روم میں بند تھی۔۔ اسفندیار کے قدم بے اختیار ڈریسنگ روم کی جانب اٹھے تھے۔۔ وہ چابی سے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تو عابیر کو ڈریسنگ روم کے فرش پر اوندھا گرا دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا تو اس کے ماتھے سے پر چوٹ کا نشان تھا۔۔ وہ بے حس و حرکت پڑی تھی۔۔ اسفند نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔۔ وہ چل رہی

تھی۔۔۔اسفند نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔۔ڈریسنگ روم میں پڑی ٹیبل کے کارنر پر بھی خون کا نشان تھا۔۔یعنی جب اس نے عابیر کو دھکا دیا تو وہ اس ٹیبل سے آ ٹکرائی تھی۔۔اس کے لبوں سے دلخراش چیخ بھی برامد ہوئی تھی۔۔جسے وہ اگنور کر گیا تھا۔۔وہ صبح سے ادھر بند تھی۔۔زخم کی تاب نہ لاتے بے ہوش ہو گئی تھی۔۔اسفند اس کی حالت دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔۔وہ اتنا ظالم کب سے ہو گیا تھا اپنی ہی محرم وہ بھی ایک لڑکی کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔۔جو اس کے مقابلے میں کمزور تھی۔

اسفند اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے باہر لایا بیڈ پر احتیاط سے لٹایا تھا۔۔سائیڈ ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ سے عابیر کے چہرے پر پانی پھینکا۔۔

مگر عابیر کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ عابیر اسفندیار خان نے اس کے چہرے کو تھپتپاتے اسے بے تابی سے پکارا تھا۔۔

عابیر یونہی ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔۔ اسفند جلدی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔۔ عابیر کی بڑی سی چادر الماری سے نکال کر وہ لایا۔۔ عابیر کے گرد اچھی طرح اوڑھائے وہ اسے بانہوں میں اٹھائے باہر کی جانب بڑھا تھا۔۔

عابیر نے آنکھیں کھول کر ہاسپٹل کے کمرے کو دیکھا تھا۔ بینڈج لگے ماتھے کو ہاتھ لگایا جہاں ہاتھ لگنے سے درد کی چبھن سی محسوس ہوئی۔۔

عابیر بمشکل ہی اٹھ کر بیٹھی تھی۔ کمرے میں نگاہ دوڑائی تو کوئی بھی نہیں تھا۔۔ عابیر بیڈ سے اٹھنے ہی لگی تھی اسفندیار خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

بلیک شلوار قمیض میں ملبوس سفید مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔ گرین آنکھیں سرخ و سفید رنگت دار از قد شاندار پرسنیلٹی جتنی طلسماتی اس کی پرسنیلٹی تھی اتنا ہی وہ اس کے لیے بے حس انسان ثابت ہوا تھا۔۔ جس نے اسے نہ صرف جسمانی بلکہ اس کے دل کو بھی تکلیف پہنچائی تھی۔۔

وہ اس کے دل کا مالک بن بیٹھا تھا اس لیے اس کی دی ہوئی ہر اذیت اسے بہت تکلیف پہنچاتی تھی۔۔ عابیر کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہوئی۔۔

وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتی بیڈ سے نیچے اترنے لگی تو زوردار چکر آیا تھا۔۔ اسفندیار خان یہ دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھام گیا۔۔

وہ میرون ڈریس میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ سر سے اتر گیا تھا جو عابیر نے اپنے کندھوں پر ڈال رکھا تھا.. میرون لپ سٹک سے سجے ہونٹ ہیزل گرے آنکھوں میں بکھرا کاجل۔۔ نازک سراپہ اسفندیار خان ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔۔

مجھے ہاتھ مت لگائیں۔۔ عابیر نے غصے سے خود کو اسفندیار خان کے حصار سے چھڑوایا۔۔ اسفند نے نرمی سے اس کی حالت دیکھتے اسے اپنے حصار سے آزاد کیا۔۔۔ عابیر جلدی سے دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ اسفند نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

وہ ننگے پیر بغیر چادر کے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ ڈالے کھڑی تھی۔

ہاسپٹل میں لینڈ لائن ہو گا۔۔۔ اپنے لالا کو کال کرنے جا رہی ہوں مجھے یہاں سے آ کر لے جائیں۔۔

عابیر نے پلٹے بغیر ہی ٹپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

ایسے جاؤ گی۔۔۔ بے پردہ جاؤ گی تم باہر۔۔ اسفند یار خان نے عابیر کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے دروازے سے لگاتے ہوئے اسے اپنے مقابل کیا۔۔

آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟؟ میں جس مرضی حلیے میں جاؤں۔۔ عابیر نے کاٹ دار لہجے میں جوابًا استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

بیوی ہو میری،، عزت ہو میری مجھے ہی تو فرق پڑتا ہے۔۔ اسفند نے اس کی شعلہ اگلتی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کا یہ دبنگ جنگلی بلی والا روپ اسے کافی محظوظ کرتا تھا۔۔ اب بھی وہ جس طرح کاٹ دار نگاہوں سے گھور رہی تھی اسفند اپنی مسکراہٹ چھپاتے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا۔

اگر آپ کو فرق پڑتا تو اس طرح کا بے رحمانہ سلوک مجھ سے نہ کرتے۔۔ عابیر نے اسفند کا ہاتھ غصے سے جھٹکتے کہا جو اس نے اس کے گال پر نرمی سے رکھا تھا۔

میں شرمندہ ہوں عابیر۔۔۔۔میں کبھی نہیں چاہتا تھا تمھیں ایسے تکلیف پہنچے۔۔۔مجھے اگر اندازہ ہوتا تم ٹیبل کے کارنر سے ٹکرا جاؤ گی میں تمھیں کبھی دھکا نہ دیتا۔۔اسفندیار نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔وہ واقعی میں اسے ایسے تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

اوہ۔۔۔۔۔۔اچھا اگر آپ کو اندازہ ہوتا کہ مجھے چوٹ لگ سکتی ہے آپ مجھے دھکا نہ دیتے۔عابیر استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

پلیز۔۔۔۔یہ شرمندہ ہونے کا ناٹک مت کریں میرے سامنے۔۔مجھے لگا تھا آپ بابرک سے بہتر ہیں۔ مگر آپ تو اس جیسے ہی نکلے۔۔عابیر نے نم زدہ لہجے میں کہتے اسفند کو خود سے دور دھکیلا تھا۔

خبر دار عابیر۔۔۔۔۔۔ تم نے بابرک کا نام بھی لیا۔ میرے مرے ہوے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی بولا میں تمھاری زبان کھینچ ڈالوں گا۔۔ اسفند یار خان اس کا منہ دبوچے غرایا۔۔

کیوں نہ لوں اس کا نام؟؟ وہ بھی درندہ تھا اور آپ بھی درندے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی میرے سامنے تھا اپنے گناہوں اپنی سفاکی پر وہ شرمندہ ہونے کا ناٹک نہیں کرتا تھا۔ عابیر اپنا منہ اسفند یار خان کی گرفت سے چھڑواتے ہوے چیخی تھی۔۔

اس کی حالت کے پیش نظر اسفند یار خان نے اس کا جبڑہ چھوڑ دیا تھا۔۔

چوٹ اور نقاہت کے باعث اس کا نازک سراپہ کانپ رہا تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔۔

اسفند اسے چھوڑ تارخ پلٹے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے غصے پر کنٹرول کرنے لگا۔ مگر بابرک کے خلاف عابیر کی زبان سے نکلے لفظ اس کے اندر غصے کی آگ بڑھکا رہے تھے۔۔ وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے ہوے تھا۔۔

تھوڑی دیر پہلے جو ہمدردی اس لڑکی سے ہو رہی تھی۔ وہ اب مفقود ہو چکی تھی۔۔

میری بات کان کھول کر سن لو عابیر۔۔۔۔ اب تم نے ایک اور لفظ کبھی بھی میرے بھائی کے خلاف کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔ تم پر ایسی درندگی کی چھاپ چھوڑوں گا۔ تمھاری زبان لفظ ادا کرنے کے قابل نہ رہے گی اور تم کسی کے سامنے جانے کے قابل نہ رہو گی۔۔ اسفند نے پلٹے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے سرد لہجے میں وارن کیا۔۔

ثابت ہوا آپ اپنے ہی بھائی کی پرچھائی ہیں.. وہ بھی ایسی ہی دھمکیاں مجھے دیتا تھا۔ عابیر نے بھیگے لہجے اسفند کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

عابیر۔۔۔۔ اسفند اس کے اطراف میں مکہ مارتے دھاڑا۔

تھا۔ عابیر اس کی خوفناک دھاڑ اور اس کی لہو اتری آنکھوں کو دیکھ کر ایک پل کے لیے لرزی ضرور تھی۔ مگر اپنی ہیزل گرے شبنمی آنکھیں اسفندیار خان کی لہو اتری آنکھوں میں گاڑھ رکھی تھیں۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔۔ اسفندیار خان کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جارہی تھی اور عابیر کی آنکھوں میں شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔

میں عابیر خان ہوں۔۔۔۔مجھے ڈرانا یا دھمکانا آسان نہیں ہے۔۔۔میرے قریب آپ جب آئے ایک بیوی کی حیثیت سے خود کو آپ کو سونپا تھا۔۔آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک نکاح کی وجہ سے مجھے روندنا، میرا استحصال کرنا آپ پر جائز ہے تو یہ بھول ہے آپ کی۔۔۔۔۔۔۔میرے قریب آکر تو دکھائیں۔۔

عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔

اچھا تم مجھے روکو گی اپنے قریب آنے سے۔۔اسفند اس کے مزید قریب ہوا تھا۔ہاں روکوں گی۔۔۔۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔

۔

اس کے چیلنج زدہ انداز پر اسفندیار خان کا پارہ ہائی ہوا۔۔ دماغ کی پھڑکتی رگیں مزید پھڑکیں۔۔۔۔۔

کیسے روکو گی ذرا وضاحت کرو؟؟۔۔۔ اسفندیار خان اس کے مزید قریب ہوا تھا۔۔ وہ اب اس کے اتنے قریب تھا کہ اسفندیار خان کی گرم جھلساتی سانسیں عابیر کے میرون لپ سٹ سے سجے ہونٹوں کو چھو رہی تھی۔۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا۔۔ وہ ذرا سا بھی ہلتی اس کے لب اسفندیار خان کی ٹھوڑی سے ٹکرا جاتے۔۔۔ اس لیے وہ ہل بھی نہیں رہی تھی۔۔۔ اس کے نازک ہاتھ اسفندیار خان کے پہاڑی سینے پر جمے تھے۔۔ مگر وہ اسے ایک انچ بھی دور کھسکا نہ سکی تھی۔۔

تم کچھ بھی نہیں کر سکتی عابیر اسفند خانزادہ۔۔ اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے تمسخرانہ ہنسا تھا۔

اسے اس کے پورے نام سے پکارتے اسے جتلایا بھی تھا وہ عابیر خان نہیں بلکہ عابیر اسفندیار خان ہے۔۔

دور رہو مجھ سے اسفندیار خان۔۔۔ عابیر دروازے میں سماتے چیخی تھی۔ اپنی ہی بے بسی پر جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔ وہ چاہتی تو اسفندیار خان کا منہ نوچ سکتی تھی۔۔ بنا اپنے انجام کی پرواہ کیے بغیر۔۔۔ اس کے بعد چاہے اسفند جو بھی سزا دیتا۔۔ اسے اسفند کے غصے کی پرواہ نہیں تھی۔۔ وہ دل سے اسفند کو اپنا شوہر مان چکی تھی اس کی دل سے بے پناہ عزت کرتی تھی وہ کبھی بھی اس کی بے عزتی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اس کے چیخنے پر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

تم سے دور رہنا میرا فیصلہ تھا۔۔ مگر اب تم مجھے چیلنج کر چکی ہو تو اب میں تمھیں بتاؤں گا۔۔ تم مجھے کبھی بھی خود کے قریب آنے سے روک نہیں

سکتی۔۔ تمھیں ابھی یہاں صرف ڈیمو دکھاؤں گا۔۔ باقی کا پروسیس اپنے کمرے میں کروں گا۔ وعدہ ہے میرا اپنی ویڈنگ نائٹ کو تم پر رحم کھا بیٹھا تھا ۔۔۔ مگر آج نہیں۔۔۔۔ اسفند سرد لہجے میں کہتے اس کی کلائیاں اس کے دونوں اطراف میں جماتے اس کے لبوں پر جھک کر اس کی سانسیں بے دردی سے گھونٹ گیا تھا۔

عابیر اس کی سختی پر پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔ وہ اس کا نچلا لب بے دردی سے اپنے دانتوں میں کچل گیا تھا۔

تکلیف کی شدت سے عابیر کی آنکھوں سے سیال مادہ جاری ہوا تھا۔۔ عابیر کی ٹانگیں پینک ہوئی تھیں۔۔ اسفند دردی سے اس کی ٹانگوں پر اپنی ٹانگیں جمائے اس کی ہر مزاحمت روک گیا۔۔

عابیر اس کی گرفت میں مچلتے ہوے ساکت ہوئی تھی۔۔وہ اس کے نچلے لب پر کٹ لگا کر پیچھے ہوا تو عابیر نے درد سے ہچکی لیتے گہرے سانس بھرے تھے۔۔اس کی وحشت پر عابیر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔اس سے پہلے وہ گرتی اسفند اسے اپنی بانہوں میں تھام گیا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔عابیر نے گہرے سانس بھرتے اپنی آنکھیں کھولتے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

وہ اتنی نقاہت اور اس بکھری حالت میں بھی جھکی نہیں تھی۔۔وہ ابھی بھی اس کی آنکھوں میں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

چھوڑ دوں گا۔۔مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمھارے قریب آنے کا۔۔۔ایک رات تمھارے ساتھ بتا چکا ہوں۔اندازہ ہو گیا تھا تم میں کوئی خاص بات ہی نہیں ہے۔۔جو میرا دل تمھاری قربت کے لیے مچلے۔۔۔لگتا ہے اس کے

لیے مجھے دوسری شادی کرنی پڑے گی۔۔ اسفند خان اس کے زخمی ہونٹ پر اپنی گہری نگاہیں جمائے بولا تھا۔۔ نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے سے ہوتے اس کے سراپے پر جا ٹھہریں تھیں۔۔ دل اس کے لبوں کا جام پھر سے پینے کو بے تاب ہوا تھا۔۔

کرلیں دوسری شادی شوق سے کریں۔۔۔ مگر اس کے لیے آپ کو مجھ پر ہر اختیار ہر حق ختم کرنا پڑے گا۔۔ عابیر سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

کیسے ختم ہو گا میرا حق میرا اختیار تم پر ذرا کھل کر بکواس کرو۔۔۔ اسفند اس کی بات پر سیخ پا ہوا تھا۔۔

اس پر اختیار ختم کرنے کی بات اسے سوئی کی طرح چبھی تھی۔

طلاق کی بات نہیں کر رہی۔۔۔ جانتی ہوں خان ہیں آپ۔۔۔ طلاق کا لفظ سن کر ہی مشتعل ہو جائیں گے۔ آپ کی نام نہاد غیرت جاگ جائے گی۔۔ عابیر استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

پھر کیا کہنا چاہتی ہو تم؟؟ اسفند نے غراتے ہوے پوچھا۔

دوسری شادی کے بعد میرے اتنے قریب بھی نہیں آئیں گے۔۔

عابیر نے انگلی کے اشارے سے اپنے اور اس کے درمیان فاصلے کی وضاحت کی۔ وہ اسے ابھی تک کمر سے تھامے ہوے تھا۔۔ عابیر کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔۔

عابیر کے چہرے پر اس کی دوسری شادی والی بات پر جو اذیت پھیلی تھی.. وہ اسفندیار خان کی زیرک نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اتنی تکلیف تو

اس کے چہرے پر اس کے بے دردی سے اس کا نازک لب کچلنے سے نہیں آئی تھی۔ جتنی اذیت اب رقصاں تھی۔۔اس کے بھیگے لہجے میں تڑپ نمایاں تھی۔۔جسے محسوس کرتے اسفند کے لب مسکرائے تھے۔۔۔زاران کو چوٹ پہنچانے کا طریقہ مل گیا تھا۔

میرے ساتھ ایک کمرہ شئیر نہیں کریں گے۔۔میں مروں یا جیوں۔۔آپ کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔۔۔

عابیر بھیگے لہجے میں اپنی شرطیں گنوا رہی تھیں۔اس کے معصومیت بھرے انداز پر اسفندیار خان کا دلکش قہقہہ گونجا تھا۔۔

ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔سویٹ ہارٹ۔۔۔۔۔تمھارے قریب آنے کا مجھے کوئی شوق بھی نہیں ہے۔۔وعدہ ہے تم سے تمھارے کمرے میں بھی نہیں آؤں گا۔۔لیکن اس سے پہلے تمھیں میرا کمرہ خالی کرنا

ہو گا۔۔ جہاں میں تمھاری سوتن کو رکھوں گا۔۔ اسفند نے اس کے چہرے پر گہری نظریں جمائے اسے مزید سلگایا۔۔

سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر خود کے لیے تڑپ دیکھنا۔۔ اس کی مراد نہ آنا کو کافی تسکین پہنچا گیا تھا۔

چادر اوڑھو حویلی چلتے ہیں۔۔۔ بابرک کے خلاف اس کے منہ سے لفظ سنتے اس کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔۔ اب سامنے کھڑی لڑکی اس کے لیے صرف زاران خانزادہ کی بہن تھی۔۔

۔اسفندیار خان نے اسے کلائی سے پکڑے بیڈ پر بے دردی سے دھکا دیا۔۔

عابیر بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔ ماتھا بیڈ کے گدے سے ٹکرایا تھا۔۔ زخم کچا تھا بینڈج لگی جگہ سے پھر سے خون رسنا شروع ہوا تھا۔۔

عابیر نے درد سے آنکھیں میچتے ہاتھ لگا کر خون کی بوندیں اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنیں تھیں۔۔

دل اس کی دوسری شادی کی بات پر ہی بھڑ بھڑ جل رہا تھا۔۔اس کے بے حسی پر عابیر کے خون میں آگ بھڑکی تھی۔

وہ طیش و اشتعال سے سیدھی ہوتی بلبلا اٹھی۔

آپ بابرک کی طرح ہی بے حس ظالم ہیں۔۔۔

وہ بھی مجھ پر ایسے ہی حق جتاتا تھا۔۔اپنے ناجائز تعلقات کا میرے سامنے اعتراف کر کے میری بے بسی کا مذاق اڑاتا تھا۔۔آپ دوسری شادی کی

دھمکی دے کر میری بے بے بسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے آپ اور آپ کے بھائی میں۔ عابیر سیدھی ہوتی چیخی تھی۔۔

عابیر خاموش ہو جاؤ۔۔ اسفندیار خان اس کی طرف اشتعال سے بڑھا اس کے ماتھے سے رستے خون دیکھ کر وہ رکا تھا۔۔

نہیں خاموش رہوں گی۔۔ آپ کا بھائی آپ کی طرح درندہ تھا۔

اس نے مجھے بے رددی سے سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا۔ سر کے بل گری تھی کتنے ہی گھنٹے میری کنڈیشن کرٹیکل رہی۔ صرف اس وجہ سے کہ میں نے اسے اس کا حق لینے نہیں دیا تھا۔۔ عابیر اب کی بار روتے ہوئے بولی تھی۔۔

کیا بکواس کر رہی ہو تم عابیر؟۔۔۔ اسفندیار غصے سے اب خود کو عابیر کی طرف بڑھنے سے روک نہیں سکا تھا۔۔

وہ اپنے بھائی کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتا تھا۔۔ وہ اس پر الزام لگا رہی تھی۔

بکواس نہیں کر رہی۔۔۔ حقیقت بیان کر رہی ہوں۔۔ جہاں ملتا تھا مجھ سے دست رازی کرتا تھا۔۔ کبھی کالج جاتے ہوے اپنے کمرے میں کھینچ کر لے جاتا تھا۔۔ کبھی میرے کمرے میں آجاتا تھا۔۔

یہی کہتا تھا۔۔ وہ میرا وہ حال کرے گا کہ میرا لالا اس کے قدموں میں جھک کر میری حالت دیکھتے رحم کی بھیک مانگے گا۔۔ آپ بھی تو یہی چاہتے ہیں۔۔ میرا وہ حال کرنا کہ میرے لالا آپ کے سامنے جھک جائیں۔ بولیں کیا فرق ہے آپ اور آپ کے بھائی میں ؟؟۔۔۔ عابیر بیڈ سے اٹھتے اسفندیار خان کے مقابل آئی تھی۔۔

ایک بات یاد رکھیے گا میرے لالا کو اپنے قدموں میں جھکانا آسان نہیں ہے۔۔۔ موت کے منہ میں چلی گئی تھی۔ مگر آپ کے بھائی کو کبھی خود کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ آپ بھی کسی بھول میں نہ رہیے گا۔۔ عابیر اپنی انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے وارن کرتے ہوے بولی۔۔

اسفندیار خان اس کے بولے ہوے سنگین لفظوں کی بازگشت میں الجھا ہو تھا کہ بابرک اس سے دست رازی کرتا تھا۔۔

یہ بات اسفندیار خان کے لہو میں شعلے بھڑکا چکی تھی۔۔

بے شک وہ بابرک کے نکاح میں رہ چکی تھی۔۔ مگر پھر بھی اسفندیار خان سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔ سامنے کھڑی لڑکی کو اس کے علاوہ کسی اور نے کبھی چھوا بھی ہو۔۔ یہ برداشت کرنا مشکل تھا۔۔

اسے اس کا بھائی چھوتا تھا۔۔ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ صرف زاران سے نفرت کے باعث ہی اسے عابیر کا زاران کے قریب جانا برداشت نہیں ہوتا تھا۔۔ بلکہ وہ اس پر کسی اور کا حق برداشت نہیں کر سکتا تھا یہ اسے اندازہ ہو چکا تھا۔۔

یہ جذبہ عابیر سے نکاح کے بعد ہی اس کے اندر پنپنا شروع ہوا تھا۔۔۔

اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں سچائی اور اذیت کی تحریر رقم تھی۔۔

لبوں پر گہرا زخم ماتھے سے رستا خون۔۔۔۔ بکھرے بال۔۔۔ لرزتا نقاہت زدہ بدن۔۔۔ وہ بظاہر مضبوط دکھ رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے عیاں تھا یہ سب برداشت کرنا اس کے لیے آسان نہیں ہے۔۔

عابیر کی حالت دیکھتے وہ اس کی طرف بڑھا تو عابیر اپنی انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے سر نفی میں ہلاتے پیچھے ہوئی تھی۔۔۔ قریب مت آنا میرے ۔۔۔۔۔ بھیگے لہجے میں کہا۔۔

اسفند نے آگے بڑھ کر اسے بہت نرمی سے اپنی بانہوں میں تھامتے اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچا۔۔

عابیر اس کے حصار میں مچلی وہ اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔۔۔

ڈونٹ پینک عابیر۔۔۔۔ تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔زخم کچا ہے۔ایسے کرو گی تو بار بار تکلیف ہو گی۔اس کے ماتھے سے رستے خون پر نرمی سے اپنی سفید چادر رکھی تھی۔۔اس کے ماتھے پر نرمی سے پھونک ماری۔۔۔

دھکا آپ نے دیا تھا۔۔عابیر اس کی نرمی پر بھرائے لہجے میں بولی۔۔۔اس کی نرمی پر دل کو زیادہ تکلیف پہنچی تھی۔۔

سختی سے زیادہ کبھی کبھی نرمی زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے یہ اسے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے بخوبی اندازہ ہوا تھا۔۔سامنے کھڑا آن بان والا انسان اس کے وجود کے ساتھ اس کے دل کو بھی پلٹ چکا تھا۔۔وہ جانتی تھی اس کا دیا ہوا یہ زخم اب کبھی نہیں بھرے گا۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔اسفند اس کی نم آنکھیں دیکھتے بولا۔۔۔

میں وعدہ کرتا ہوں میں کبھی تمھیں جسمانی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔۔وہ اس کی پیشانی کے نم زدہ زخم پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوے بولا۔۔

بابرک نے اس سے غیر انسانی سلوک کیا۔۔اسے جان بوجھ کر سیڑھیوں سے دھکا دیا۔۔اسفندیار خان کو اس بات سے بھی کافی تکلیف پہنچی تھی۔

سامنے کھڑی نازک سی لڑکی جو بہت بہادر تھی۔۔اس سلوک کی حقدار نہ تھی۔۔۔زاران خانزادہ کو چھوڑنے کا آرادہ تو اس کا ابھی بھی نہ بدلا تھا ۔۔۔اپنے بھائی کے قتل کی سزا اسے ہر حال میں ملنی ہی تھی۔۔سامنے

کھڑی لڑکی زاران خانزادہ کی بہن نہ ہوتی تو وہ اسے اب تک دل سے قبول کر چکا ہوتا.. مگر وہ زاران خانزادہ کی بہن کو کبھی دل سے قبول نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کی عزت تھی اس لیے اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ مگر اسے اپنانے کا آرادہ بھی کبھی نہیں تھا۔۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا۔۔ عنقریب وہ وقت دور نہیں جب اس کا دل سامنے کھڑی لڑکی کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گا۔۔ جس کی قربت کی چاہ اس کے لیے دیوانگی اختیار کر جائے گی۔۔ اب صرف اپنے جذبوں کا ادراک ہونا باقی تھا۔۔

اسفند نے بیڈ سے عابیر کی چادر اٹھا کر اچھی طرح اس کے سر اور وجود پر اوڑھائی تھی۔۔

اسفند اس کی کلائی تھامتے آگے بڑھا۔۔عابیر نے اپنے ننگے پاؤں دیکھے جو بغیر جوتے کے تھے۔۔اسفند نے اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے اسے نرمی سے اپنے بازوں میں اٹھایا۔۔

اسفند۔۔۔۔۔۔عابیر نے سرخ ہوتے اسے پکارا۔اس طرح وہ اسے گود میں اٹھالے گا۔۔اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں حیرانگی تھی۔

مجھے نیچے اتاریں سب کیا سوچیں گے۔۔۔۔عابیر نے اس کی سبز آنکھوں سے نظریں چراتے ہوے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

فرش بہت ٹھنڈا ہے تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے اسفند سنجیدگی سے کہتا آگے بڑھا تھا۔۔باہر راہداری سے گزرتے پاس سے گزرتے لوگوں کو دیکھ کر عابیر نے خفت اور شرم سے اسفند یار کے سینے میں منہ چھپایا تھا۔۔۔

ارحام کمرے میں آیا تو حور سفید پیروں تک چھوتے اوپن لانگ گاؤن میں ملبوس تھی۔۔

اپنے لمبے بالوں کا سمپل سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔۔ گلے میں سفید موتیوں کا گلوبند پہنا ہوا تھا۔۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہن رکھے تھے۔۔

لائٹ سا میک اپ کیا ہوا تھا۔۔ ہونٹوں کو سرخ رنگ سے سجایا ہوا تھا۔۔ ارحام اسے دیکھ کر مبہوت ہوا تھا۔۔ اپنی جگہ پر سٹل جمے وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

حور نے ارحام کو دیکھ کر جلدی سے بیڈ سے دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح سر پر اوڑھتے خود کو اس میں چھپایا۔۔

ارحام کو اس کی حرکت سخت ناگوار گزری تھی۔

وہ اس سے خود کو کیوں چھپاتی تھی؟؟ اب بھی بھلا کچھ چھپانا رہتا تھا۔۔ اس کا گریز بھی اب ارحام کو چبھنے لگا تھا۔۔ ساری ساری رات وہ اس کی بانہوں میں رہتی تھی۔۔ مگر اس کے دور ہونے پر وہ ایسے بیہیو کرتی تھی۔ ایسے اجنبی بن جاتی جیسے وہ کبھی اس کے نزدیک ہی نہیں آیا۔۔ قربت کے پل کبھی ان کے بیچ آئے ہی نہیں۔

ابھی بھی وہ خود کو اس کے سامنے اچھی طرح ڈھانپے ہوے تھی۔۔

ارحام اس کے قریب ہوتے اسے اپنی بانہوں میں تھام کر اس کا دوپٹہ اس کے وجود سے الگ کر گیا تھا۔۔

کیوں چھپاتی ہو خود کو مجھ سے ؟؟۔۔۔ساری رات کس حالت میں میری بانہوں میں تھی یاد کرواؤں تمھیں۔۔۔ارحام کی بات پر حور کا رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔۔ گھنی پلکیں شفاف عارض پر سجدہ ریز ہوئیں تھیں۔

ارحام اس کا رنگ سرخ پڑتا دیکھ اور اس کی جھکی نظریں کر مبہم سا مسکرایا۔۔

یہ کیا پہنا ہے ؟؟ارحام نے اس کے ڈریس کو بغور دیکھتے ہوے پوچھا۔۔

یہ گل کا ڈریس ہے۔۔ الماری میں رکھا تھا میں نے پہن لیا۔۔ آپ کی مورے نے کہا تھا بہت بھاری ڈریس پہن کر فرشتے آپی کے ولیمے میں جانا ہے۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔ وہ اس کی ٹھوری کو نرمی سے پکڑتے اس کا چہرہ اوپر کو اٹھائے ہوے تھا۔۔ حور نہ چاہتے ہوے بھی اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھنے پر مجبور تھی۔۔ مگر اس بے باک اور بے رحم انسان کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ترین امر تھا اس کے لیے۔۔۔

میری مورے تمھاری کیا لگتی ہیں؟؟ ارحام کو اس کے لبوں سے آپ کی مورے کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔۔ اس کا ہر رشتہ اب اس کا ہی تھا۔۔ کیونکہ وہ صرف اب اس کی تھی۔۔

وہ چاہتا تھا وہ مکمل طور پر اس کے رنگ میں رنگ جائے۔۔ اس کی ہر بات ہر ادا اس کے ہر لفظ اس کے پور پور پر صرف اس کا حق ہو۔۔۔

میری کیا لگتی ہیں؟؟۔۔۔۔۔۔۔حور نے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا تھا۔۔

میری مورے کو صرف مورے بولا کرو۔۔وہ میری مورے ہیں۔۔مجھ سے جڑا اب ہر رشتہ تمھارا بھی ہے۔۔ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔حور نے نظریں جھکائے کہا۔۔

کیا جی؟؟ارحام نے اس کے سرخ لبوں پر نرمی سے انگوٹھا پھیرتے استفسار کیا۔۔

آپ کی مورے کو مورے ہی کہوں گی۔۔حور نے ارحام کو دیکھتے کہا..اس کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ پن ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔۔۔

ہمممممم۔۔۔ارحام نے اسے بغور دیکھتے اپنی بانہوں سے آزاد کیا۔

حور بیڈ سے دوپٹہ اٹھائے سر پر اوڑھنے لگی۔

یہ ڈریس تم پر بلکل سوٹ نہیں کر رہا۔۔۔ اتنا ہلکا کلر فرشتے کے ولیمے پر پہن کر جاؤ گی۔۔ ارحام کی بات پر حور کا دوپٹہ سیٹ کرتا ہاتھ رکا تھا۔

سامنے لگے مرر میں اس کا عکس دمک رہا تھا۔۔ اپنی بے پناہ خوبصورتی سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔ اسی خوبصورتی کی وجہ سے وہ دربدر ہوئی تھی۔۔ یہی خوبصورتی کسی کی شدید محبت کی وجہ بنی تھی۔۔ اسی خوبصورتی نے کتنے مردوں کے اندر درندگی جگائی تھی۔۔ اور یہی خوبصورتی ہی تو تھی جو اس کا شوہر نفرت کے باعث بھی اس کے قریب آنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ وہ دن رات اس سے اپنی حوس پوری کرتا تھا۔۔ حور آئینے میں اپنے دمکتے روپ کو دیکھ کر استہزائیہ مسکرائی تھی۔

چینج کر کے آؤ۔۔ ارحام نے اسے اوپر سے نیچے گہری نگاہوں سے دیکھتے حکم دیا۔۔

وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ بلکل ابر نیساں کے پہلے قطرے کی طرح شفاف۔۔۔۔۔ چاند کی ٹھنڈی کرنیں اس کے دمکتے روپ سے جیسے برس رہی تھیں۔ ارحام سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ اسے اس کے علاوہ کوئی اور دیکھے چاہے عورتیں ہی کیوں نہ ہوں۔۔

حور اس کی بات سنتے خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔۔ ارحام سگریٹ سلگاتا صوفے پر بیٹھا۔۔

اس کی اتنی فرمانبرداری بھی اب چبھنے لگی تھی۔ وہ حور سے کیا چاہتا تھا وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔۔

اپنی فیلنگز وہ ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔۔

تھوڑی دیر بعد حور ڈریسنگ روم سے ریڈ ٹائٹس پر ریڈ شارٹ فراک پہن کر باہر آئی تھی۔۔

فراک بہت فٹنگ میں تھا اور شارٹ بھی تھا ریڈ کلر میں

پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ ارحام اسے دیکھتا سگریٹ لبوں تلے دبا گیا تھا۔۔

حور اب ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی ہو کر اپنی جیولری چینج کر رہی تھی۔۔ اس نے ریڈ پرل سے مزین سونے کا چوکر پہنا تھا۔۔ ساتھ میں بھاری سونے کے جھمکے پہنے۔۔

ولیمہ فرشتے کا ہے تمھارا نہیں۔۔ جو اتنا تیز رنگ پہن کر جاؤ گی۔۔ کچھ اور پہن کر آؤ۔۔ ارحام نے سلگتی نظر اس کے دو آتشہ روپ پر ڈالی تھی۔۔

حور نے گہرا سانس لیتے ارحام کو ایک نظر دیکھا تھا اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔۔۔

ارحام نے غصے سے ایش ٹرے میں سگریٹ مسلا تھا جانتا تھا وہ جو بھی پہن کر آئے گی قیامت ہی لگے گی۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ گرے کلر کی میکسی میں ملبوس باہر آئی تھی۔۔

دوپٹہ بھی وہ ڈریسنگ روم سے سیٹ کر کے باہر آئی تھی۔۔

ارحام اسے دیکھتا جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔ اس کا روپ پہلے سے کہیں زیادہ دمک رہا تھا۔۔۔ ایک پل کو تو خیال آیا کہ وہ اسے ساتھ لے کر ہی نہ جائے۔۔ مگر وہ فرشتے کی خاطر اپنی سوچ کو جھٹلا کر رہ گیا تھا۔۔

میک اپ صاف کرو اپنا۔۔ بلکل اچھا نہیں لگ رہا۔۔ ارحام نے جھنجھلاتے ہوے کہا۔۔

حور نے ٹشو پکڑے اپنی لپ سٹک ریمووکی تھی۔۔ اس نے زیادہ میک اپ تو کیا نہیں تھا۔۔

اب ٹھیک ہے۔۔ حور نے ارحام کی طرف مڑتے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔ آنکھوں میں اب غصے کی رمک تھی جو ارحام خانزادہ کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

ارحام کی نظریں ایک بار پھر اس کے خوبصورت نقوش پر ٹکی تھیں۔

وہ بے اختیاری میں صوفے اٹھتا اس کی طرف بڑھا۔۔

اس کمرے سے باہر اپنا چہرہ ڈھانپ کر آنا اور یہ کاجل بھی ریموو کرو۔۔ ارحام نے اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں بارک سی کاجل کی تہہ کو دیکھتے حکم دیا تھا۔۔ گہری کانچ سی شفاف آنکھیں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں۔ حور نے اب کی بار جھنجھلاتے ہوے اپنے کان مین پہنے جھمکہ نکال کر ڈریسنگ پر پٹخا تھا۔۔

آپ کا آرادہ ہی نہیں مجھے ساتھ لے کر جانے کا۔۔ مجھے جانا ہی نہیں ہے آپ کے ساتھ۔۔۔۔ حور نے لب بھینچے کہا۔۔

آواز اونچی ہوئی تھی۔۔ چہرے پر ناراضگی کی شدید جھلک تھی۔۔ وہ پہلی مرتبہ بیویوں کی طرح اس سے ناراض ہوئی تھی۔۔۔ اور ایسے وہ بے تحاشا خوبصورت لگی تھی۔۔ اس کا یہ روپ دل میں سمایا تھا۔۔

مگر وہ اپنے جذبوں سے انجان بن گیا تھا۔۔ اس کا روپ جہاں دل میں سمایا تھا وہاں اس کا انکار بھی پسند نہیں آیا تھا۔

۔۔ ابھی اس کی فرمانبرداری چبھی تھی اور اب اس کا انکار۔۔۔ اس لڑکی کی ہر بات کیوں افیکٹ کرنے لگی تھی۔۔ ارحام کی آنکھون میں غصے اور جھنجھلاہٹ طاری ہوئی۔۔

ارحام اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا۔۔

جانتا ہوں۔۔ ہر عورت کی طرح تمھیں بھی شوق ہے تمھاری خوبصورتی کو سراہا جائے۔۔۔ مگر تمھیں سراہنے کے لیے میں کافی ہوں۔۔ میرا انداز مختلف ہے۔ رات رات بھر تمھارے بہتے آنسوؤں سے مجھے اندازہ ہے تمھیں میرے سراہنے کا انداز پسند نہیں ہے۔۔ مگر اب تمھاری ساری زندگی ایسے ہی گزرے گی۔۔ کوئی ضرورت نہیں کہیں بھی میک اپ کر کے جانے کی۔۔ ان ہونٹوں کو رنگنے کی۔۔ نقاب کرو اور باہر آؤ۔۔ ارحام اسے سرد انداز میں حکم دیتا چلا گیا تھا۔۔

حور نے غصے سے اپنا کاجل ٹشو سے ریموو کیا تھا۔ چادر سر پر اچھی طرح اوڑھتے اپنا چہرہ چھپایا اور کمرے سے باہر نکلی۔۔

شہرام خانزادہ شاور لے کر بلیک ٹراوزر پہنے شرٹ لیس باہر آیا تو بہارے گل کو دیکھ کر ٹھٹک کر رکا تھا۔۔ وہ بلیک ساڑھی میں ملبوس تھی۔۔ جس کا بلاؤز فل سلیوز پر مشتمل تھا۔۔ بلاوز نے کمر کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔ ساڑھی کا پلو سلک کا تھا۔۔ اپنے لمبے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔۔ کانوں میں بڑے بڑے اویزے پہنے وہ شہرام کا دل زوروں سے دھڑکا گئی تھی۔۔

یہ کیا پہنا ہے بہارے؟؟ شہرام گیلا ٹاول بیڈ پر پھینکتے اس کی طرف بڑھا۔۔

ساڑھی پہنی ہے۔۔ بہارے نے بے رخی سے جواب دیا۔۔ وہ اس سے کم ہی سیدھے منہ بات کرتی تھی۔۔ اب تو زیادہ تر ناراض ہی رہتی تھی۔۔ اس کی شدتوں پر رات کو ہی نہیں دن کو بھی منہ سجائے رہتی تھی۔۔ وہ اس کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر اپنی شدتیں اس پر نچھاور کرتا تھا۔۔ وہ جانتا تھا وہ خود کو کبھی بھی اپنی مرضی سے اسے نہیں سونپے گی۔۔ اور اس سے دور رہنا

اس کے لیے ناممکن تھا۔۔اس کی بے رحم بیوی کے دل میں کبھی اس کے لیے محبت یا رحم جاگ جائے ناممکن تھا۔۔

جانتا ہوں ساڑھی پہنی ہے۔۔ مگر بہارے بال کیسے کور کرو گی۔۔ چادر کیسے اوڑھو گی؟؟۔۔ شہرام نے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے کہا۔۔

شہرام میں بتا رہی ہوں۔۔ میں ساڑھی چینج نہیں کروں گی۔۔ عورتوں کے سامنے ہی تو پہننی ہے۔۔ کونسا مردوں کے سامنے پہن کر جانا ہے۔۔ چادر باہر جاتے ہوے میں اوڑھ لوں گی۔۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔۔ میں نے ساڑھی پہنی ہے۔۔ بہارے نے شہرام کی گرفت سے نکلتے کہا۔۔

کس نے کہا میں تمھیں ساڑھی چینج کرنے کو کہوں گا۔۔ میری جان اپنے بال اچھی طرح ڈھک لو۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔ شہرام نے اس کے نازک سراپے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔۔

میں اس کے ساتھ الگ سے دوپٹہ لوں گی۔۔ پیچھے سے جس سے بال کور ہو جائیں گے۔۔ میں نے موبائل میں دیکھا تھا کسی انڈین ایکٹرس نے ایسے ساڑھی پہنی تھی۔۔ شہرام کا نرم لہجہ دیکھتے وہ خوش ہوئی تھی۔۔ اگر شہرام نہ پہننے دیتا تو اس کا ساڑھی پہننے کا خواب خواب ہی رہ جاتا۔

شہرام اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتا پر سکون ہوا تھا۔۔ پچھلے تین دنوں سے اس سے منہ سجائے ہوے تھی۔۔ رخصتی کے بعد پہلی مرتبہ ہی اس کے چہرے پر مسکان دیکھی تھی۔

یہ ساڑھی تم نے کہاں سے لی؟؟ شہرام نے اسے کمر سے تھامے ہی پوچھا۔۔

اپنی کالج کی سہیلی سے منگوائی تھی۔ مگر مورے نے پہننے ہی نہیں دی۔۔ کمرے میں پہنی تھی دو تین مرتبہ۔۔۔ بہارے نے معصومیت سے بتایا۔۔

ویسے اگر تم یہ ساڑھی اب بھی اپنے کمرے میں پہنتی تو مجھے زیادہ اچھا لگتا۔۔ شہرام نے اس کے بالوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔

کمرے میں پہن کر کس کو دکھاتی ؟؟۔۔۔ بہارے نے شہرام کے ہاتھ اپنی کمر سے ہٹانے چاہے تھے۔۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

کیوں بہانے ڈھونڈتی ہو مجھ سے دور جانے کے میری بہارے۔۔ تمھیں اس روپ میں دیکھ کر پاگل ہو رہا ہوں۔۔ میری شدید محبت کہہ رہی ہے کہ

تمھیں کہیں نہ جانے دوں۔۔ تم پر کسی کی نظر نہ پڑنے دوں۔۔ شہرام اسے سینے میں بھینچتے گھمبیر آواز میں بولا۔۔

تم مجھے یہ ساڑھی نہیں پہننے دو گے۔۔ بہارے گل کی آواز بھیگی تھی۔۔ جانتی تھی حویلی کے مردوں اور یہاں کے رسم ورواجوں کو۔۔ اگر شہرام اسے روکے گا وہ کبھی ساڑھی پہن کر باہر قدم نہیں رکھ سکے گی۔۔۔

میں کیوں روکوں گا تمھیں بہارے؟۔۔۔ تمھاری ہر خواہش سر آنکھوں پر۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کی آنکھیں چومی تھیں۔۔

میری مورے کو بھی تم ہی سمجھاؤ گے۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہہ گونجا تھا۔۔

اور کوئی حکم مادام۔۔۔۔۔۔ شہرام نے جھکتے ہوے اس کی دودھیا گردن پر اپنے لب رکھے۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔۔ بہارے نے شہرام کو خود سے جھٹکتے دھکا دیا۔۔۔ یہ حکم تمھارا ابھی تو مان سکتا ہوں۔ رات کو نہیں مان سکتا میری جان۔۔۔ شہرام نے اسے کمر سے تھامے اپنے مزید قریب کرتے اس کی کان کی لو پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

جانتی ہوں اس لیے تو میرے ساتھ اتنی نرمی دکھاتے ہو۔۔ رات رات بھر مجھ سے اپنی حوس جو پوری کرنی ہوتی ہے۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کے نقوش تنے تھے۔۔

تمھیں لگتا ہے میں تم پر نرمی اس لیے دکھاتا ہوں۔۔ کیونکہ مجھے تم سے تمھارے بدن کی لالچ ہے۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے سوال کیا۔۔

ہاں۔۔۔ بہارے نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔۔

اگر تمھیں یہ لگتا ہے تم سے نرمی نہیں برتوں گا تو تم مجھے میرا حق لینے سے روک لو گی تو یہ تمھاری غلط فہمی ہے بہارے۔۔ میں جتنی بار بھی تمھارے قریب آیا تمھاری مرضی کے بغیر ہی آیا ہوں۔ جس کا مجھے بے انتہا افسوس ہے۔۔ تمھیں میرا حق ہنسی خوشی ادا کرنا چاہیے۔۔ وہ تم زار و قطار روتے ہوے ادا کرتی ہو۔۔

تم جان بوجھ کر روتی ہو یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ شہرام نے اسے اپنی بانہوں کے حصار سے آزاد کرتے لب بھینچے کہا۔۔ اس کی ایک ہی بات پر وہ اپنا غصہ ضبط نہیں کر سکا تھا۔

جان بوجھ کر نہیں روتی۔۔۔ تمھیں برداشت کرنا آسان نہیں۔ ہے۔

بہارے نے تڑخ کر جواب۔ دیا۔

برداشت کرو گی تو آسان ہو گا ناں تمھارے لیے۔۔۔ تمھارے قریب آتا نہیں تمھاری آنکھیں پہلے ہی برسنے کو تیار ہوتی ہیں۔ شہرام غصے سے بھڑکتے ہوے چیخا تھا۔۔۔ جس دن اس رشتے کو سمجھو گی شوہر کے حقوق کو جانو گی۔۔ اس دن سمجھ پاؤ گی تم کتنے قیمتی لمحات اپنی فضول سی ضد اور آنا میں برباد کر رہی ہو۔۔۔ میرا پیار تمھیں حوس نظر آتا ہے۔۔ اس طرح کی باتیں کر کے تم ہمارے بیچ اس مقدس رشتے کو گالی دیتی ہو۔۔ خدا نے میاں بیوی کے درمیان گزرے قربت کے لمحات کو اپنی عبادت تک سے مشروط کر دیا ہے۔۔ تم ہر بار ان پاکیزہ لمحات کو حوس کہہ کر خود کو کتنا گنہگار کرتی ہو ۔۔ تمھیں اندازہ ہی نہیں۔۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا تمھاری ڈگری لینے کا۔۔ تمھارے ڈاکٹر بننے کا۔۔ تم سے اچھی تو اس گاؤں کی ان پڑھ گنوار عورتیں ہیں۔ جو شوہر کی دن رات مار کھا کر اس کی نافرمانی کرتے ہوے سو

بار سوچتی ہیں۔ شہرام غصے سے بولتے ہوئے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔۔

تو کر لیتے کسی ان پڑھ لڑکی سے شادی۔۔ بہارے نے روہانسے ہوتے کہا۔۔ شہرام کا غصہ برداشت نہیں ہوا تھا دو دن سے اس کے نخرے اٹھا رہا تھا۔۔ اب اس پر کیسے غصہ کر رہا تھا۔۔ یہی حال رہا تو کر لوں گا شادی۔۔۔ رہنا تم اس حویلی میں اس کمرے میں۔۔۔ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا۔۔ شہرام نے پلٹتے ہوئے کہا۔۔

کیسے گزار سکتی ہوں اس حویلی میں اپنی مرضی کی زندگی۔۔ جہاں میرے خواب نذر آتش کر دیے۔۔ کسی کو میری پرواہ نہیں ہے تمھیں بھی نہیں ہے۔۔۔ بہارے روتے ہوئے بولی تھی۔۔

شہرام غصے سے ڈریسنگ روم میں داخل ہو گیا تھا۔۔ دروازہ دھاڑ سے بند کیا تھا۔۔

بہارے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے زارو قطار رونے لگی۔۔ آواز اتنی اونچی تھی ڈریسنگ روم میں شہرام تک بخوبی پہنچ رہی تھی

زاران خانزادہ بلیک شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ بلیک ہی مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔ اس وقت سب زنان خانہ کے لاونج میں موجود تھے۔۔ کار پورچ میں گاڑیاں تیار تھیں۔۔ گارڈز مستعدی سے تیار کھڑے تھے۔۔ فرشتے کا ولیمہ تھا۔۔ تمام گھر والے اور خاندان کے کچھ عزیز و اقارب نے ساتھ ہی نکلنا تھا۔۔ حیدر خان نے بہت بڑے پیمانے پر ولیمے کا فنکشن ارینج کر رکھا تھا۔۔

ارحام حور کو لیے گارڈز کے ہمراہ تھوڑی دیر پہلے نکل گیا تھا۔۔

اس وقت زنان میں امینہ خانم پلوشہ ان کے بھائی کی بیٹی اور چند عزیز و اقارب ہی موجود تھے۔۔

زاران زنان خانے میں موجود ابرش کا انتظار کر رہا تھا جو ابھی تک کمرے سے نیچے نہیں آئی تھی۔۔

ابرش کا ابھی تک نیچے نہ آنا امینہ خانم کا پارہ ہائی کر رہا تھا۔۔ انہوں نے اپنے پاس بیٹھی پلوشہ پر گہری نظر ڈالی جو گولڈن کلر کے لباس میں دمک رہی تھی۔۔ پٹھانی تھی تو سرخ و سفید رنگت ہونا تو لازمی تھا۔

مگر سرخ و سفید رنگت پر تیکھے نقوش اس کی خوبصورتی بڑھا رہے تھے۔ کم عمر تھی اس لیے جوانی کا جوبن عروج پر تھا۔۔ سب سے بڑھ کر بہت ہی

فرمانبردار اور سلیقے والی تھی۔۔ فرشتے کی شادی پر رہنے آئی تھی۔۔ امینہ خانم کا ہر کام اپنے سر پر لیا ہوا تھا۔ ان کو دوائی دینے سے لے کر رات کو ان کے پاؤں دبانا سب پلوشہ ہنستے مکسراتے کرتی تھی۔۔

بے اے پاس تھی کافی سلجھی تھی۔ بنا چہرے پر کوئی شکن لائے وہ ان کا ہر کام کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ وہ سمجھتی تھی وہ زاران خانزادہ کی وجہ سے ان کا اتنا خیال رکھتی ہے۔۔۔ مگر ان کے لیے یہ بات زیادہ تقویت کا باعث تھی کہ پلوشہ ان کے بیٹے کی محبت میں یہ سب کر رہی ہے۔۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے یہی چاہتی تھیں کہ زاران کی زندگی میں جو لڑکی آئے۔۔ وہ زاران کو سکون پہنچائے۔۔ باقی ساسوں کی طرح انھیں اپنی خدمت کروانے کا شوق نہیں تھا۔۔ وہ صرف زاران کی خوشی زاران کا سکون چاہتی تھیں۔۔ ابرش نے انھیں کافی مایوس کیا تھا۔۔ جب ان کا بیٹا ہی خوش نہ تھا انھیں ابرش کہاں

سے اچھی لگتی۔ پلوشہ کی آنکھوں میں زاران کے لیے ان گنت جذبات

دیکھتے امینہ خانم کو اب اپنے فیصلے کی حماقت کا احساس ہو رہا تھا.. ان کے بھائی

ھا بھی کتنی مرتبہ پلوشہ اور زارن کے نکاح یا مگنی کا کہہ چکے تھے۔۔ اگر وہ

ان کی بات مان لیتی تو شائد ابرش کی طرف زاران کبھی نہ بڑھتا۔۔ انہوں

نے گہری سانس لے کر پلوشہ کو دیکھا جو نم نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی

تھی۔۔ زاران کی سحر انگیز پرسنیلٹی پلوشہ کے اوسان خطا کر رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ پر اپنی نظریں جمائے وہ سب کے درمیان بیٹھی بھول گئی تھی

کہ اس کی آنکھوں سے امڈتے جذبے پوری طرح عیاں ہو رہے

تھے۔۔ پلوشہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے اپنی نم آنکھیں دوپٹے کے کارنر

سے رگڑیں۔۔۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی زاران نے اس کی طرف نگاہ

اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ وہ اس کے کتنے ہی کام کر رہی تھی۔۔ اس کے لیے چائے کافی وہ ہی وقتاً فوقتاً مردانے میں پہنچا رہی تھی۔۔

اس کے کلف لگے سوٹ اس نے رات رات بیٹھ کر پریس کیے تھے۔۔ زاران کو ہلکی سی شکن بھی کپڑوں پر گوارا نہ تھی۔ بھاری استری اس کے کپڑوں پر کرتے اس کی کلائیوں میں درد ہونا شروع ہو گیا تھا۔۔

رات جب تک وہ زنان خانے میں بیٹھا تھا۔ اس کے بنا کہے وہ اس کے لیے کافی بنا کر لے آئی تھی جو اس نے شکریہ کے ساتھ اس سے لے لی تھی مگر وہ اسے بنا پیے ہی باہر چلا گیا تھا۔۔

جس کے بعد وہ کافی دیر تک روتی رہی تھی۔ بلکہ ساری رات ہی روتی رہی تھی۔۔ بچپن سے اسے پسند کرتی تھی۔۔ اس کے شادی کرنے کے بعد بھی وہ اسے دل سے نکالنے کو تیار نہ تھی۔۔۔ وہ نکلتا ہی نہ تھا دل سے۔۔ پلوشہ

نے زاران کو دیکھتے گہری سانس بھری۔۔اگر یہ انسان اس کا مقدر ہوتا تو وہ جہاں جہاں پاؤں رکھتا وہ اپنا دل رکھتی۔۔ابرش اسے بہت ناشکری عورت لگی تھی۔۔جو زاران خانزادہ کی قدر ہی نہ جان پائی تھی۔۔پلوشہ نے آہ بھرتے زاران کو دیکھ کر نظریں جھکائیں۔۔

زاران نے اپنی ی رسٹ واچ پر بندھی گھڑی پر نظریں دوڑائے سیڑھیوں پر نگاہ ڈالی ۔۔اب اس کے چہرے پر غصہ اور سنجیدگی کی گہری رمک چھائی تھی۔۔

اس نے درخشاں کے ہاتھ پیغام پہنچایا تھا وہ نیچے جلدی آئے۔۔۔اس کی ایسی کونسی تیاری تھی جو ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔درخشاں سے کہلوایا تھا کہ اسے اس کی طرف سے سختی سے منع کرے کہ زیادہ میک اپ کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔۔وہ سمپل سا کوئی کامدار ڈریس پہن کر ہلکی سی جیولری پہن کر نیچے آجائے۔۔اس دن اسے اتنا تیار دیکھ کر وہ بے چین ہو گیا تھا۔

اسے لے کر وہ ویسے بھی بہت پوزیسیو تھا۔وہ اپنے حسن کی نمائش عورتوں کے سامنے بھی کرے یہ زاران خانزادہ کو کہاں گوارا تھا۔

وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سیڑھیوں کی جانب بڑھا ہی تھا کہ ابرش آتی دکھائی دی۔۔سی گرین کلر کی ویلوٹ کی لانگ سٹائلش سی پیروں تک چھوتی میکسی میں ملبوس تھی۔۔آنکھوں پر گرین سموکی میک اپ کیے ہوے تھی۔۔ہونٹوں پر پنک شائنگ لپ گلوز لگایا ہوا تھا۔۔گرین نیٹ کا بیٹس کا دوپٹہ سر پر اوڑھا ہوا تھا۔۔جس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔۔نیٹ کے باریک دوپٹے سے اس کے سنہری بال صاف دکھ رہے تھے۔۔انٹیکس کی گولڈ کی ہیوی جیولری پہنی ہوئی تھی۔۔جو ضرورت سے زیادہ ہی پہن رکھی

تھی۔۔ بھاری چوکر گردن کی زینت تھا۔۔ ناف تک آتی خوبصورت انٹیکس گولڈ کی مالا پہن رکھی تھی۔۔۔ جس میں گرین اور میرون زرقون لگا ہوا تھا۔۔ بلیک چادر جو باہر جاتے اوڑھنی تھی۔۔ وہ اس نے تہہ کی ہوئی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔۔

زاران اسے دیکھتا جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اتنا تیار ہو کر آئی تھی اور ضرورت سے زیادہ تیار ہو کر آئی تھی۔۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا وہ یہ سب جان بوجھ کر کرتی تھی۔۔ یہ اتنی تیاری بھی صرف اس کے لیے کر رکھی تھی۔۔

زاران کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری۔۔۔ یہ سوچ ہی کافی روح پرور تھی۔۔۔ وہ اس کے لیے تیار ہوئی ہے۔۔ صرف اس پر اپنے حسن کے جلوے بکھیرنے کے لیے۔۔۔

ابرش سیڑھیوں سے اترتے ہوے سامنے کھڑے زاران کو دیکھ چکی تھی.

مگر اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے سیڑھیوں سے اترنے لگی۔۔ زاران اس کی بے نیازی والی ادا پر اسے غصے سے گھور کر رہ گیا تھا۔۔ کمرے میں اسے شارٹ نائیٹیز پہننے سے فرصت نہ تھی اور باہر بھی وہ اپنے حسن کی بھرپور نمایش کرتے آئی تھی۔۔ مگر اس کی ادا پر دل گھائل بھی ہوا تھا۔۔ جس طرح وہ ایک ایک سیڑھی نزاکت سے اتر رہی تھی۔۔ چہرے پر اپنی خوبصورتی کا غرور بھی تھا۔۔ جسے زاران دیکھتا ہونٹوں پر دو انگلیاں رکھے اپنی مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔۔

سر پر اوڑھے ہوے دوپٹے کو پنز لگانا ضروری نہیں سمجھا تھا اس لیے وہ بار بار سر سے ڈھلک رہا تھا۔۔ ابرش اپنے دوپٹے کو سنبھالتی سڑھیاں اتر رہی تھی کہ لانگ میکسی قدموں کے نیچے آئی تھی۔۔

ابرش بری طرح لڑکھڑائی.. اس سے پہلے وہ گرتی زاران ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا.. کتنی ہی سڑھیاں وہ اکٹھے ہی پھلانگ گیا تھا۔

اپنی بیوقوف پلس حسینہ کو اپنے مضبوط بانہوں میں مضبوطی سے تھاما۔۔

زاران ابرش کو دیکھتے مبہوت ہوا تھا۔ وہ دور سے جتنی حسین لگ رہی تھی. نزدیک سے اس سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

ابرش نے غصے سے زاران کے ہاتھ جھٹکے تھے.. وہ اسے اور مضبوطی سے تھام گیا تھا۔۔ ابرش کی آنکھوں میں غصے کی جگہ شرم وخفت کی سرخی نے لی تھی۔ سامنے ہی زنان خانے کے لاونج میں چند مہمان خواتین کے ساتھ امینہ خانم اور روزینہ خانم بھی براجمان تھیں۔۔۔۔ امینہ خانم کے چہرے پر ناگواری کا تاثر صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔ جسے ابرش نے بھی دور سے ہی محسوس کر لیا تھا۔۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔۔ ابرش نے گلابی پڑتے کہا۔ زاران اسے کمر سے تھامے ہپٹائز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش کے بولنے پر زاران ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔

منع کیا تھا اتنا تیار ہو کر نیچے مت آنا۔۔ کیوں اتنا تیار ہوئی ہو۔۔ زاران نے سنجیدگی سے پوچھا نظریں ابرش کے خوبصورت نقوش پر جمی تھیں۔

میرا دل کیا اتنا تیار ہونے کا۔۔ اس لیے تیار ہوئی۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔ آنکھوں میں شدید خفگی کی جھلک تھی۔۔ بلکہ شدید غصہ بھی تھا۔۔

ابرش کے سر سے دوپٹہ پھر سے پھسلا تھا۔۔ سنہری بال شفاف عارض سے ٹکرائے تھے۔۔ زاران کا دل زور سے دھڑکا تھا۔۔ زاران نے نرمی سے اس

کے گال سے اس کی زلفیں ہٹائی تو ابرش نے پھر سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ زاران اس کے چہرے کے برہم تاثرات کچھ پل دیکھتا رہا پھر اس کی کلائی پکڑے اوپر کی جانب بڑھا۔۔۔

زاران کہاں لے کر جا رہے ہیں؟؟۔۔ ابرش اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دبے انداز میں بولی۔۔ زاران بنا کوئی جواب دیے اسے لیے سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی زاران دروازہ بند کرتے ابرش کو کلائی سے پکڑے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا تھا۔۔

زاران مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟؟ ابرش نے اپنی کلائی غصے سے چھڑوائی تھی۔

بال باندھو اور دوپٹہ اچھی طرح سیٹ کرو۔۔۔ اتنی لانگ ڈریس پہنا ہے تم نے۔۔۔ اسے سنبھالو گی یا پھر اپنے دوپٹے کو۔۔۔ ایسے ہی گرتی پڑتی رہو گی۔۔ اس لیے اپنا دوپٹہ پنز سے اٹیچ کرو۔۔۔ زاران نے ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے حکم دیا۔۔

آئی کانٹ بلیو دس۔۔۔۔ امیریکہ سے پڑھ کر آئے ہو۔۔ مگر سوچ وہی جاگیرادانہ روائتی ہے۔۔ عورت کو ہزار پردے میں رکھنا ہے اور خود کے لیے کوئی اصول کچھ معنی نہیں رکھتا۔۔ مگر حویلی کے مردوں کو سب کچھ زیب دیتا ہے۔ پھر چاہے وہ آدھی آدھی رات کو غیر عورتوں سے گفتگو کرنا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔

ابرش نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

زاران اس کی فضول بے معنی باتوں پر اپنے لب بھینچ کر رہ گیا۔۔اس کے چہرے پر پھیلی شدید سرخی کی حدت اسے حیران کر رہی تھی۔۔اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا کہ جو ابرش تانبے کی مانند سرخ پڑ رہی تھی۔۔ آنکھوں سے شرارے سے پھوٹ رہے تھے۔

کیا کہنا چاہتی ہو؟؟ کھل کر کہو۔۔۔زاران ابرش کے قریب ہوا تھا۔۔ابرش پیچھے کو ہوتے الماری کے ساتھ جا لگی۔۔

مجھے نہیں پتہ۔۔۔یہ تمھیں خود پتہ ہونا چاہیے میں کیا کہہ رہی ہوں؟؟!۔۔ابرش نے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیتے اسے گھور رہی تھی۔

مجھے واقعی میں نہیں پتہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔ابرش سیدھی طرح کہو جو بھی کہنا ہے۔۔زاران نے تحمل سے پوچھا۔

تم آدھی رات کو کہاں تھے؟؟۔۔ابرش نے شعلہ اگلتی آنکھوں سے زاران کو دیکھتے دانت پیسے تھے۔

میں آدھی رات کو لاونج میں تھا اور کہاں تھا؟؟۔۔زاران نے ابرش کی بات پر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے آئی برو اچکایا تھا۔۔۔

اسے ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا۔۔ابرش کیا کہہ رہی ہے؟اور اس کی آنکھوں سے چنگاریاں کیوں پھوٹ رہی ہیں۔

تم جہاں بھی ہو جس کے ساتھ بھی ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ سمجھے تم۔۔۔۔۔زارن کے انجان بننے پر ابرش کا تن من سلگا تھا۔۔وہ اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کو دھکیلتی ڈریسنگ روم سے باہر نکل گئی۔۔باہر

آتے ہی ابرش نے اپنا دوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکا تھا۔۔ اور ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی ہوتے اپنا جھمکہ اتارتے ہوے ڈریسنگ مرر پر دے پوری قوت سے دے مارا تھا۔۔

وہ کل رات سے بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔۔ زاران کل رات کے بعد اج کمرے میں آیا تھا۔۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا زاران کو آگ لگا دے۔۔۔ کل رات سے وہ اس آگ میں جل رہی تھی۔

زاران نے کمرے میں آتے ابرش کو دیکھا۔۔ جو بے دردی سے اپنی جیولری نوچ نوچ کر اتارتے ڈریسنگ مرر پر غصے سے مار رہی تھی۔۔

اسے ابھی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔۔ وہ ڈریسنگ روم میں کیا کہہ رہی تھی ۔اس کا یہ فضول سا ایٹیٹوڈ زاران کے دماغ کی پھڑکتی رگیں گرم کر رہا تھا۔

یہ کیا جاہلانہ پن ہے ابرش؟؟۔۔۔نیچے سب انتظار کر رہے ہیں اور تم جیولری اتار رہی ہو۔۔۔ زاران نے ابرش کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے کہا۔۔

وہ بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔۔ اپنی تمام جیولری وہ اتار چکی تھی۔۔ اب گلے میں صرف ناف تک مالا ہار پہن رکھا تھا۔

مجھے نہیں جانا کہیں بھی تمھارے ساتھ۔۔۔۔۔ ابرش بلند آواز میں چیخی۔۔

ابرش اپنی آواز آہستہ رکھو۔۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔ زاران نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کیا۔۔۔

تم سے برا ہے بھی کوئی نہیں۔۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔۔ ساری پابندیاں میرے لیے ہیں۔۔ تم کچھ بھی کرو تمھیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔۔۔ ابرش نے ابھی بھی چیختے ہوے کہا تھا۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ مجھے بھی پتہ چلے۔۔ جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو۔۔ زاران نے اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کیا تھا۔۔ وہ اس کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی۔۔

ابرش نے غصے سے اسے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا۔۔

زاران لب بھینچے اس کے طیش و اشتعال سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔۔۔

تم کل رات کہاں تھے ؟؟ ابرش نے زاران کو گھورتے ہوئے پوچھا۔۔ اس کے ایک ہی سوال پر وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔

میں ڈیرے پر تھا۔۔۔ زاران نے لب بھینچے کہا۔۔ ابرش کا تفتیشی انداز مشکل سے ہی برداشت کر رہا تھا۔۔

او.... اچھا کسے بیوقوف بنا رہے ہو۔۔۔ ابرش استھزائیہ مسکرائی۔۔۔

اچھا میں ڈیرے پر نہیں تھا تو پھر میں کہاں تھا؟؟ تم بہت عقلمند ہو تم ہی بتا دو مجھے۔۔۔ زاران نے ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

تم کل رات لاونج میں تھے۔۔۔ ابرش نے سینے پر ہاتھ باندھتے زاران کو شرربار نگاہوں سے گھورا۔۔۔

لاونج میں تھا تو۔۔۔۔ زاران نے ابرش کے انداز دیکھتے حیران ہوتے ابرو اچکائی۔۔

او۔۔۔۔ تو تمھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ تم کل رات اپنی کزن پلوشہ سے باتیں کر رہے تھے۔۔ اس کے ہاتھوں کی کافی پی جا رہی تھی۔۔۔ میں اس کمرے سے باہر دوپٹے کے بغیر نہیں جا سکتی۔۔۔۔ جب تک تم مجھے ٹینٹ نہ اوڑھا لو۔۔۔ تمھیں چین نہیں آتا۔۔ میری ذرا سی تیاری برداشت نہیں ہوتی۔۔۔ ابرش نے خود کی طرف اشارہ کرتے کہا۔۔ مجھے اتنا تیار ہو کر عورتوں کے درمیان رہنا تھا۔۔ پھر بھی تمھیں یہ سب پسند نہیں ہے۔۔۔ مگر آدھی رات کو اپنی کزن کے ہاتھوں کی کافی پینا۔۔ اس

کے ساتھ تن تنہا لاونج میں پایا جانا تمھارے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔۔ دیٹس گریٹ مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش اب کی بار استھزائیہ ہنسی تھی۔۔

تمھیں میرا میری کزن کے ساتھ کافی پینا ناپسند آیا ہے یا پھر میں تمھیں اس کمرے سے باہر بے پردہ بے حیا بن کر نہیں جانے دیتا۔۔ زاران نے اس کے جلن زدہ چہرے کو دیکھ کر محظوظ ہوتے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

مجھے صرف یہ بات پسند نہیں ہے۔۔ یہاں پاکستان میں بلکہ دنیا کی ہر جگہ پر جو چیز مرد کے لیے جائز۔۔۔ عورت کے لیے نہ ناجائز کیوں ہوتی ہے۔ اگر ایسے میں کسی کے ساتھ آدھی رات کو کافی پیتی تو تم یقیناً مجھے گولی سے مار دیتے۔۔ ابرش نے طنزیہ کہا۔

اپنی بات کی تصیح کر لو۔۔ایک گولی نہیں بلکہ کئی گولیاں میں تمھارے سینے میں اتار دیتا۔۔۔زاران نے اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کیا تھا۔۔

تم پلوشہ کے ساتھ رات کیا کر رہے تھے ؟۔!رش نے بھیگے لہجے میں روہانسے ہوتے پوچھا۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے میں کیا کر رہا تھا؟؟۔۔زاران نے نرمی سے اس کے گلابی لبوں پر انگوٹھا پھیرا۔اس کا تفتیشی انداز برا لگا تھا اس کا چیخنا چلانا غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔۔ مگر اس کے چہرے پر شدید قسم کی جلن دیکھتا وہ نرم پڑ گیا تھا۔۔یہ جلن یہ تڑپ اس کی محبت ہی تو تھی۔۔اس کا محبت کرنے کا ہر انداز گوارا تھا۔۔پھر چاہے وہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر ڈالے۔۔

تمھارا اس کے ساتھ افیئر چل رہا ہے ناں۔۔۔۔ابرش کی بات پر زاران نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔۔

ابرش بولنے سے پہلے سوچ سمجھ لیا کرو۔۔پلوشہ میرے ماموں کی بیٹی ہے۔۔زاران نے اس بار سختی سے کہا۔۔اس کی غلط فہمی دور کرنا لازم تھا۔

تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ وہ تمھاری بہنوں جیسی ہے مگر تم نے نہیں کہا ۔۔۔جانتی ہوں تم دوسری شادی کرنا چاہتے ہو۔۔۔ تمھاری مورے بھی یہی چاہتی ہے۔۔ابرش کی آواز شدت سے بھیگ اٹھی۔۔۔

ابرش مورے ایسا چاہتی ہے۔۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔زاران نے اس کا تڑپنا محسوس کرتے نرمی سے کہا۔

جھوٹ۔۔۔۔سب جھوٹ۔۔۔۔ مسٹر خانزادہ جھوٹ۔۔۔۔۔

تم مجھے سزا دینا چاہتے ہو۔۔ ساری زندگی مجھے اپنی بیوی بنا کر رکھو گے۔۔ اور دوسری شادی کر کے تم اپنی ضرورت پوری کرو گے۔۔ اپنی راتیں رنگین کرو گے اپنی دوسری بیوی کے ساتھ۔۔۔ اور مجھے اس حویلی میں قید کرو گے۔۔ تم خان ایسے ہی ہوتے ہو سنگدل اور ظالم وحشی اجڈ گنوار۔۔ امیریکہ سے پڑھ لکھ کر آنے سے بھی کچھ نہیں بدلا۔۔ تمھاری اور اس حویلی کے مردوں کی مینٹلی ایک جاہل انسان سے بھی بدتر ہے۔۔۔۔ سک اور جاہل ہو تم سب مرد۔۔۔۔۔ اس حویلی کے تمام مرد تو اس گاؤں کے جاہل مردوں سے بھی زیادہ گنوار ہیں۔۔۔

اپنی زبان کو لگام دو۔ خبردار تم نے ایک لفظ اور بھی کہا۔۔۔ زاران طیش و الم میں دھاڑا۔۔۔

ابرش کی چلتی زبان اس کی دھاڑ پر رکی تھی۔۔اس نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے تھے۔۔

تم مجھے یوں چیخ چلا کر خاموش نہیں کرواسکتے۔۔تم سب جاہل ہو۔۔ابرش اپنی بات پر قائم رہتے روہانسے ہوتے بولی۔۔زاران کا غصے سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اس کی ٹون نیچے ہوئی تھی۔۔مگر وہ ابھی تک اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھی۔

اس حویلی کے مرد گنوار ہوتے تو زحلے پھپھو کے حفیہ نکاح کا پتہ چلنے پر انھیں گولیوں سے بھون ڈالتے نا کہ ان کا نکاح اس حویلی سے کر کے انھین

عزت و تکریم سے رخصت کرتے۔۔زاران نے ابرش کے قریب ہوتے سنجیدگی سے کہا۔شدید غصہ ابرش پر آیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ اپنے اشتعال پر کنٹرول کر گیا تھا۔

کیا فائدہ ان کا نکاح کرنے کا۔۔۔جب برسوں ان کو پوچھا تک نہیں۔۔۔کس طرح کی زندگی گزاری ہے ہم نے امیریکہ میں تم کبھی نہیں سمجھ سکتے۔۔۔ابرش کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے۔۔۔۔۔

جو زخلے پھوپھو نے کیا۔۔۔اس کی سزا انہوں نے ہی کاٹنی تھی۔۔اس میں کوئی حصہ دار نہیں بن سکتا تھا۔۔

جب مان یقین ٹوٹتا ہے تو انسان ٹوٹ جاتا ہے۔ دلوں پر لگے زخم ایسے نہیں مندمل ہو جاتے۔۔۔ زاران نے کہتے اپنی گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ابرش کے سسکتے وجود کو ایک نظر دیکھا۔۔

اگر میں بھی اس اجڈ گنوار ہوتا تو جو تم نے کیا تمھین زندہ زمین میں گاڑھ دیتا۔۔۔ تمھیں اپنی بیوی بنا کر یہاں نہ رکھتا۔۔ زاران کی اگلی بات ابرش بن آپ مچھلی کی طرح تڑپی تھی۔۔

تم ہر بار میری یوں بے عزتی نہیں کر سکتے۔۔ مجھے یوں باتیں نہیں سنا سکتے۔۔ مجرم میں نہیں تم بھی تھے۔۔ تمھیں اب بھی میرے گناہ یاد آتے ہیں۔ تم جو میرے ساتھ کر رہے ہو اس کا کیا۔۔ تم اجڈ گنوار ہو حویلی کا ہر مرد ہے۔۔۔ جنھوں نے میرا نکاح تم جیسے پتھر دل انسان سے کروا دیا۔۔

سمیع اللہ خان درید خان۔۔ اربد خان تم سب ظالم جابر گنوار ہو۔۔

ابرش آگے بڑھتے زاران کا گریبان تھامتے ہزیانی چیخی۔۔

زاران ابرش کی بات پر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ وہ جتنی نرمی برت رہا تھا وہ اتنا سر پر چڑھ رہی تھی۔

کیا کر رہا ہوں تمھارے ساتھ۔۔ تمھیں مارتا ہوں۔۔ تمھاری گھر والوں کے سامنے بے عزتی کرتا ہوں۔۔۔ یا پھر تمھارے ساتھ زبردستی کرتا ہوں۔۔ زاران نے اپنا گریبان جھٹکے سے چھڑوایا تھا۔۔

تم نے مجھے ایک فرنیچر کی طرح یہاں پر رکھا ہوا ہے۔۔۔ن جیسے نیے فرنیچر کو گمرے کی زینت بنا کر رکھا جاتا ہے۔۔بس یہی مقام ہے میرا تمھارا زندگی میں۔ابرش ہزیانی چیخی تھی۔

یہی مقام رہے گا تمھارا۔۔۔زاران اس کے چیخنے پر بری طرح مشتعل ہوا۔۔میں زاران خانزادہ ہوں۔۔جسے اپنے سامنے جھکانا آسان نہیں ہے۔

یہ جو تم بن سنور کر مجھے زیر کرنا چاہتی ہو۔۔

بھول جاؤ میں تمھارے قریب آؤں گا۔۔زاران کے طنز پر ابرش خجالت سے سرخ پڑی۔

میں تمھارے لیے بنتی سنورتی نہیں ہوں سمجھے تم۔

تمھارا میری زندگی میں کوئی مقام نہیں ہے۔۔۔اس کمرے میں میں ویسے ہی رہوں گی۔ جیسے میں رہتی ہوں۔۔ تمھیں پرابلم ہے تم کمرے میں مت آیا کرو۔۔۔۔

اپنی مورے کی بات سنتے اپنی کزن پلوشہ سے شادی کرلو۔۔ کیونکہ تم اپنی جاہل گنوار کزن کو ہی ڈیزرو کرتے ہو۔ ابرش توہین و خجالت کے احساس سے بھڑ بھڑ جلتے بولی۔۔

کرلوں گا پلوشہ سے شادی۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ اور تم کمرے میں جیسے بھی حلیے میں رہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔ تم کچھ بھی کرلو تم مجھے بہکا نہیں سکتی۔۔ یہ تمھیں اندازہ ہو گیا ہو گا۔۔

"You r norhing to me"

زاران استھزائیہ بولا۔۔

تم بھی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ تم ایک چھوڑ چار شادیاں کرو۔۔ آئی ڈونٹ کیئر۔۔۔۔۔ میرے قریب بھی مت آنا کبھی اتنا بھی نہیں۔۔۔ ابرش نے اپنے اور اس کے درمیاں فاصلے کا تعین کرتے شبنمی لہجے میں کہا۔۔

زاران اس کی بات پر اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کرتے اس کے لبوں کو سختی سے اپنی گرفت میں لے گیا۔۔۔

ایک ہاتھ سے اس کی کمر جکڑے دوسرا ہاتھ سے اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑے اس کے گلابی لبوں کو اپنی شدت کا نشانہ بنائے ہوے تھا۔۔

ابرش نے مچلتے ہوے اپنے ہاتھوں سے اس کے سینے پر مکے برسائے تھے۔۔ زاران یونہی اس کے لبوں سے لپٹے ہوے اس کی کلائیاں اپنے مضبوط ہاتھ سے جکڑے اس کی کمر پر لاک کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں کی سخت گرفت میں لیتے اس کی سانسیں قطرہ قطرہ انہیل کرنے لگا۔۔

ابرش اس کی بے رحم گرفت میں ساکت سی ہوئی تھی۔۔ زاران نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے بے دردی سے بیڈ پر دھکا دیا۔۔ ابرش اوندھے منہ گرتے زارو قطار رونے لگی۔۔

اس کے ہچکولے لیتے بدن کو زاران نے قہر بار نگاہوں سے گھورا تھا۔۔

روسٹ کس آف مائی لائف۔۔زاران اپنے بھیگے ہونٹ رگڑتے بولا تو بیڈ پر گری ابرش غصے سے سسکتے ہوے اپنی مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔

تمھیں میرا میرے کزن کے ساتھ ایک کافی پینا پسند نہیں آیا۔۔سوچو میں نے کیسے برداشت کیا ہو گا۔زاران بیڈ پر اس پر اس کی کمر پر جھکتے اس کے کان میں پھنکارا تھا۔

آئی ہیٹ یو۔۔۔ابرش اوندھے منہ لیٹے چیخی۔۔۔

می ٹو مائے لیڈی لو۔۔۔۔زاران نے اسے سیدھا کرتے اس کے سرخ قندھاری لبوں پر پھونک ماری۔

اب سے میں اس کمرے میں ہی سوؤں گا۔۔ تمھارے ساتھ اس بیڈ پر ۔۔۔. ہوپ تم خود کو کور کر کے رکھو گی۔۔ زاران ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ بولا۔

اگر نہیں بھی کر کے رکھو گی۔۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ زاران نے اسے آنکھ ماری۔۔ ابرش نفرت سے منہ پھیر کر رہ گئی تھی۔

زاران اس کے اوپر سے اٹھتا اپنی شال کندھوں پر جھٹکتا دروازہ دھاڑ سے بند کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ابرش رخ پلٹے سسکنے لگی تھی۔

زاران نیچے آکر اپنا غصہ کنٹرول کرنے لگا۔ ابرش کو ساتھ لے جانے کا اس کا آرادہ نہیں تھا نہ ہی اس نے جانا تھا۔۔

زاران کا چہرہ ابھی بھی غصے سے سرخ تھا۔۔اس نے کل رات صرف پلوشہ کا دل رکھنے کی خاطر اس سے کافی لی تھی۔جسے اس نے ٹیسٹ بھی نہیں کیا تھا۔۔کافی کی شدید طلب ہوتے ہوئے بھی اس نے کافی کا ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا۔۔وہ اس کے دل میں کسی بھی کسی قسم کی غلط فہمی نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا۔۔پلوشہ کے ساتھ اس کی بچپن سے کافی بنتی تھی۔۔ایک حد میں رہتے وہ گفتگو بھی کر لیتے تھے۔۔مگر ابرش سے نکاح کے بعد اس نے اس سے بات بھی کرنا بند کر دی تھی۔۔کل رات وہ اس کے سامنے والے صوفے پر انگلیاں چٹخاتے کافی دیر تک بیٹھی رہی تھی۔۔مگر اس کا سخت رویہ دیکھتے وہ بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔۔تھوڑی دیر بعد وہ ڈیرے پر چلا آیا تھا۔۔ابرش نہ صرف اس پر الزام لگا رہی۔۔تھی ڈھٹائی سے اسے اور حویلی کے مردوں کو گالیاں بھی دے رہی تھی۔۔

ابرش اتنی ضدی اور خود سر ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔۔

وہ کسی بھی صورت جھکنے کو تیار نہ تھی۔۔وہ اپنے رویے کی معذرت کرتی ۔۔وہ الٹا ہر چیز کے لیے اسے ہی الزام دے رہی تھی۔۔ آسان نہین تھا اس کے لیے ابرش سے دور رہنا۔۔ ننگی تلوار پر چلنے کے مترادف تھا۔۔

اسفندیار خان کے سامنے جانا یا پھر برداری کے مردوں سے آنکھیں ملا کر بات کرنا بھی اس کے لیے آسان نہیں تھا۔۔ ابرش کا وہ جھوٹا اقرار محبت یاد آجاتا تھا۔۔وہ اظہار جھوٹا تھا مگر یہ وہ سمجھتا تھا اس حویلی کے مرد اور برداری کے لوگ تو نہیں۔۔۔ہو سکتا ہے اسفندیار خان بھی کچھ ایسا سمجھتا ہو کہ ابرش اسے پسند کرتی ہے۔۔ یہ باتیں سوچتے ہی اس کے خون میں فشار بلند ہوتے تھے۔اس کے قریب جانے سے ہی اس کے رگوں میں خون لاوے کی طرح ابلنے لگتا تھا۔۔

وہ چاہتی تو نرمی سے اپنی محبت سے اس رشتے کو آگے بڑھاتی۔۔ الٹا وہ اس سے مقابلے پر اتر آئی تھی۔۔

شائد ابرش کے قریب جانے سے ہی اس کے بھڑکتے خون کو راحت مل جائے۔۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ ہر روز اپنا غصہ اس کے وجود پر اتارتا پھرے گا۔۔ اسی ایک بات کی وجہ سے وہ اس کے قریب نہیں جا پا رہا تھا۔۔ وہ اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ مگر اسے سزا دینے کے لیے یا اپنی کوئی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کا پلوشہ سے شادی کرنے کا بلکل آرادہ نہ تھا۔ ابرش اتنی شکی ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔۔ یا اس کی شدید محبت تھی ۔۔ یہ سوچتے ہی زاران تلخی سے مسکرایا تھا۔۔ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کر رہی تھی۔۔ اگر وہ سچ میں اس سے محبت کرتی اسے چھوڑ بے شک

دیتی۔۔۔ مگر کسی کی طرف کبھی نہ بڑھتی۔۔ زاران خانزادہ کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔۔ ہر بار کی طرح یہ سب سوچتے وہ اذیتوں کی انتہا پر تھا۔۔

زاران عابیر کو دیکھتا اپنے اشتعال پر قابو پاتے اس کی طرف بڑھا۔۔

اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پایا تھا۔ عابیر بلو کلر کی کام دار پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر بڑا سا نیٹ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔۔

زاران عابیر کے ماتھے پر بینڈج دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔۔

یہ کیا ہوا ہے؟؟ زاران کی اونچی آواز پر زنان خانہ میں موجود تمام افراد ان کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔ امینہ خانم پریشانی سے زاران کی طرف بڑھی تھیں۔

زنان خانے میں اس وقت کچھ عزیز و اقارب بھی بیٹھے تھے۔۔ عابیر کے ماتھے پر چوٹ کے نشان سے زیادہ وہ زاران کے غصے سے پریشان ہوئی تھیں۔

کچھ نہیں لالا۔۔ وہ مجھے کل چکر آگیا تھا تو میں گر پڑی تھی۔۔ جس کی وجہ سے میرا ماتھا ڈریسنگ ٹیبل کے کارنر سے ٹکرا گیا۔ عابیر نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے کہا۔۔

ایسے کیسے تمھیں چکر آگیا عابیر۔۔۔ زاران نے اس کے ماتھے کی بینڈج پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے نرمی سے استفسار کیا۔۔

وہ کل فرشتے کی رخصتی پر مجھے کھانا کھانے کا ٹائم نہیں ملا تو اسی وجہ سے رات چکر آ گیا تھا۔۔ عابیر نے مضبوط لہجے میں کہا۔۔

خیال رکھا کرو عابیر اپنا تم۔۔ زاران نے پریشانی سے کہتے عابیر کے بینڈج لگے ماتھے پر نرمی سے اپنے لب رکھے تو عابیر کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

چلیں مورے۔۔۔ اسفندیار خان اسی اثناء میں زنان خانے میں داخل ہوتے بولا۔۔

اسفند کا لہجہ سخت تھا۔۔ شعلہ بار نگاہوں کا ارتکاز زاران خانزادہ پر تھا جو اس کی بیوی کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے ہوے تھا۔۔

سخت ناپسند تھا اسے زاران کا عابیر کا بچوں کی طرح لاڈ اٹھانا۔۔

روزینہ خانم اسفند کو دیکھتے اپنی بڑی سی چادر کو سنبھالتے اسفند کی طرف بڑھیں۔۔

چلو ہم تیار ہے۔۔۔روزینہ خانم نے سی چادر سے اپنا چہرہ اچھی طرح ڈھکتے ہوے کہا۔۔

اسفند یار خان کی سرد نظریں عابیر پر تھیں جو اسے دیکھتے بھی بڑی ڈھٹائی سے زاران کے بازو کے حلقے میں کھڑی تھی۔

عابیر چلو تمھیں الگ سے دعوت نامہ دینا پڑے گا۔۔۔اسفند نے دانت پر دانت جماتے عابیر کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

تم جاؤ عابیر۔۔میرے ساتھ آجائے گی۔۔زاران نے اسفند کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

اسفند زاران کی بات پر غصے سے لب بھینچ گیا تھا۔۔

عابیر بیوی ہے میری۔۔۔۔وہ میرے ساتھ ہی جائے گی۔۔۔اس لیے یہ حق اپنی بیوی پر جتاؤ تو زیادہ اچھا ہو گا۔۔میری بیوی سے دور رہا کرو۔۔۔

اسفند نے دانت پیستے ہوے عابیر کو بازو سے جکڑتے زاران کے حصار سے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔

عابیر نے گہرا سانس بھرتے اسفند اور زاران کے چہروں کو دیکھا جو سخت برہمی لیے ہوے تھے۔۔دونوں ہی ایک دوسرے کو سرد نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

زاران اسفندیار کے تپے ہوے چہرے کو دیکھتے خاموش ہو گیا تھا۔۔

چادر اوڑھو۔۔۔ اسفندیار نے عابیر کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے حکم دیتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔۔

عابیر نے اپنے کندھوں پر پڑی شال اپنے سر پر اوڑھتے اپنا چہرہ چھپاتے اسفندیار خاں کی تقلید میں اس کی طرف بڑھی

درخشاں۔۔۔ زاران نے بلند آواز میں درخشاں کو پکارا وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی۔۔

جی لالا۔۔۔۔

وہ زرق برق لباس میں ملبوس تیار تھی۔۔ درخشاں تم ابرش کے پاس رکو گی۔۔ زاران کے حکم پر درخشاں کا رنگ پھیکا پڑا تھا۔۔ وہ فرشتے کے ولیمے پر جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔۔ فرشتے اس کی پکی سہیلی تھی۔۔ زاران نے

درخشاں کا پھیکا چہرہ محسوس کر لیا تھا جسے وہ اگنور کر گیا تھا۔۔ ابرش کے پاس کسی کا ہونا ضروری تھا حویلی میں اور بھی ملازمائیں تھیں۔ مگر درخشاں کے علاوہ اسے کسی پر بھروسہ نہ تھا

زاران امینہ خانم پلوشہ کے ہمراہ باہر کار پورچ کی طرف بڑھا تھا۔۔ امینہ خانم اور پلوشہ پیچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔۔ زاران نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔ آگے پیچھے گارڈ کی گاڑیاں بھی آگے بڑھی تھیں۔

اسلام و علیکم مورے زرمش رقیہ خانم کو دیکھتے ان کی طرف بڑھی۔۔ رقیہ خانم نے زرمش کو دیکھتے ہی بے رخی سے منہ پھیر لیا تھا۔۔ مورے ایسے

بھی کیا غلطی ہو گئی مجھ سے کہ میرے بغیر ہی آپ لوگ میری بھابھی بھی لے آئے۔۔زرمش بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔۔

ہم نے آج بھی تم کو نہیں بلایا تھا تم کیوں آیا ہے یہاں پر؟؟۔رقیہ خانم سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

مورے آپ اتنی سخت کیوں ہیں؟؟۔۔جب سے میری رخصتی ہوئی ہے میں آپ سب کو دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔۔بابا اور آپ نے میرا یہاں داخلہ تک بند کر دیا ہے۔کل میرے لالا کی بارات تھی آپ لوگ میرے بغیر چلے گئے۔۔۔میں نے کتنا انتظار کیا۔۔آپ اور بابا نے مجھے ایک فون تک نہیں کیا۔۔۔مگر کسی نے نہیں کیا۔۔۔حیدر لالا نے بھی مجھے ایک کال نہیں کی۔۔زرمش ہچکیوں کے درمیان بولی۔۔

حیدر کو ہم نے منع کیا تھا تمھیں فون نہ کرے۔۔جب ہم نے تمھیں نہیں بلایا تو کیوں آئی ہو یہاں؟؟رقیہ خانم نے گرجدار آواز میں کہا۔۔

خالہ آہستہ بولیں گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے۔۔۔اوزگل نے رقیہ خانم کے بازو پر آہستگی سے ہاتھ رکھتے نرمی سے انھیں سمجھایا۔۔

وہ لوگ اس وقت حویلی کے ایک طرف سٹائلش سے سٹنگ ایریا میں موجود تھے۔

اوزگل اسے بولو یہاں سے چلی جائے۔۔ہم اس کا شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔۔اس نے ہمارا منع کرنے کے باوجود اس ساحر کے ساتھ رخصتی کروایا۔۔

اس ساحر جس نے پورا برادری کے سامنے اسے رخصت کروانے سے منع کیا۔۔اسی برادری کے سامنے اس نے ہمارا اپنے بھائی اپنے بابا کے خلاف جا کر یہ رخصتی کروایا۔۔کیا عزت رہ گیا ہمارا برادری میں ؟؟۔۔رقیہ خانم بھڑک اٹھی تھیں۔

زرمش کی آنکھوں سے سیلاب کا ریلا جاری ہوا تھا۔۔

وہ اپنی بھیگی آنکھیں اپنے دوپٹے سے رگڑتے سسک اٹھی تھی۔۔۔رقیہ خانم زرمش پر قہر بھری نگاہ ڈالتی چلی گئی۔۔

اوزگل زرمش پر ترحم بھری نگاہ ڈالتی رقیہ خانم کے پیچھے گئی تھی۔۔

زرمش صوفے پر بیٹھی زاروقطار رو رہی تھی کہ حیدر خان سٹنگ ایریا کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

لالا۔۔۔زرمش صوفے سے اٹھتی حیدر خان کی مضبوط بانہوں میں سما گئی۔

زرمش میرا بچہ خاموش ہو جاو۔۔حیدر خان زرمش کے رونے پر تڑپ اٹھا تھا۔۔

لالا۔۔مورے سگی مورے ہی میری۔۔مگر ان کا دل اتنا سخت کیوں ہے؟؟۔۔اگر وہ مجھے معاف کر دیں گی تو بابا بھی مجھے معاف کر دیں گے۔ ۔زرمش حیدر خان کے سینے میں سماتے ہوے بے تحاشا روتے ہوے بولی۔

زرمش تم جانتی ہو مورے کو.....وہ اوپر سے سختی کا دکھاوا کرتی ہیں۔۔ ورنہ وہ تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔حیدر خان نے نرمی سے زرمش کے سر پر اپنے لب رکھے تھے۔

مجھے مورے سے ہی نہیں آپ سے بھی گلہ ہے۔۔ آپ نے میرے بغیر سہرا کیسے باندھا؟؟۔۔ میرے بغیر کیسے میری بھابھی لے آئے۔۔ زرمش نے حیدر خان کے سینے سے سر اٹھاتے آنسوؤں بھری آنکھوں سے شکوہ کیا۔

زرمش میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر مورے اور بابا کی طرح میں بھی تم سے بہت خفا تھا۔۔ تمھیں یوں برداری کے سامنے ساحر کے ساتھ رخصتی کی ہامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔۔ وہ تمھیں ٹھکرا کر کسی اور سے مگنی کر چکا تھا۔۔ تمھیں اپنانے کو تیار نہ تھا۔۔ تم بابا اور ہمارا فیصلہ رد کر کے چچا کے ساتھ چلا گئی تھی۔۔۔ حیدر خان نے نرمی سے بولتے اسے اس کی غلطی کا احساس کروایا۔

لیکن لالا ساری ناراضگی مجھ سے ہی کیوں ؟؟ ساحر خان سے تو آپ آج بھی محبت کرتے ہیں۔ زرمش نے معصومیت سے شکوہ کیا۔۔

زرمش اس سب میں اس کا کیا قصور ؟؟۔۔ تم اس کے نکاح میں تھی اسے خبر ہی نہ تھی۔۔ اس کو جب پتہ چلا تم اس کے نکاح میں ہو تب تک اس کا دل کسی اور کا غلام ہو چکا تھا۔ اس نے وہی کیا جو اس کے دل نے کہا۔۔ لیکن اس سب کے لیے میں اس سے بہت لڑا تھا۔۔ مگر جب مجھے پتہ چلا وہ لڑکی اس کی زندگی میں نہیں رہی۔۔ میں اسے اتنے درد میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ چھوٹے بھائی کی طرح ہے وہ میرے لیے۔۔۔۔ تم جانتی ہو اس نے آج تک میرے علاوہ کسی کو دوست بھی نہیں بنایا۔۔

اب تم ہی بتاؤ کیسے اس کے بغیر شادی کرتا۔۔ حیدر خان نے نرمی سے استفسار کیا۔

پھر تمھاری خاطر بھی اس کو معاف کر دیا تھا۔۔ اگر ساحر سے یہ رنجش شدت اختیار کرتی تو وہ تمھارے لیے نقصان دہ ہوتی۔۔ اب وہ میرے منہ کی خاطر تمھارا خیال رکھے گا۔۔ حیدر خان نے سنجیدگی سے کہا تو زرمش نے اپنے آنسو صاف کرتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

مجھے بھابھی سے نہیں ملائیں گے۔۔ زرمش نے آنسو صاف کرتے کہا۔

وہ اپنے کمرے میں ہے تم جا کر مل لو۔۔ میں مردانے میں جا رہا ہوں۔۔ مجھے اوزگل نے فون پر بتایا تھا تم آئی ہو اور مورے نے تمھیں بہت ڈانٹا ہے اس لیے میں یہاں چلا آیا۔۔ زنان خانے میں بہت سی عورتیں ہیں۔۔۔ میرا اب اندر جانا مناسب نہیں ہے۔۔ حیدر نے پیار سے زرمش کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور وہ وہاں سے چلا گیا۔۔

فرشتے ٹی پنک کلر کی لانگ سٹائلش میکسی میں ملبوس غضب ڈھا رہی تھی۔۔ٹوٹ کر روپ آیا تھا اس پر۔۔

جو دیکھتا مبہوت ہو جاتا۔۔زنان خانے میں موجود وہ صوفے پر نظریں جھکائے گھبرائی سی بیٹھی تھی۔۔

جو بھی فرشتے کو دیکھتا رقیہ خانم سے فرشتے کی خوبصورتی اور معصومیت کی تعریف ضرور کرتا۔۔ فرشتے کا معصوم چہرہ قوس و قزاح کے رنگ بکھیر رہا تھا.. جس میں حیدر کی محبت کے رنگ صاف نظر آ رہے تھے۔۔

امینہ خانم فرشتے کے واری صدقے جا رہی تھیں۔اسے خوش دیکھ کر وہ بہت پر سکون تھیں۔۔ مگر رقیہ خانم کا سنجیدہ چہرہ ان کا دل ہولائے جا رہا

تھا۔ فرشتے رقیہ خانم کی وجہ سے ہی گھبرائی ہوئی تھی۔۔ رقیہ خانم کا گھر میں بہت رعب دبدبہ تھا یہ فرشتے نے محسوس کر لیا تھا۔۔

فرشتے کا دمکتا روپ دیکھ کر رقیہ خانم مزید فرشتے سے سنجیدگی برت رہی تھیں۔۔ یقیناً ان کا بیٹا ایک ہی رات میں فرشتے کا مزید اسیر ہو گیا تھا۔۔ یہ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ فرشتے کا روپ ایسا تھا جیسے اس کی پہلی شادی کی صبح ہو۔۔۔ وہ اتنی معصوم اتنی نکھری لگ رہی تھی۔۔ رقیہ خانم کو صرف فرشتے کا بانجھ روپ دکھائی دے رہا تھا۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا رویہ فرشتے کے ساتھ سب کے سامنے بھی خشک اور کھردرا تھا۔۔

جو مہمان خواتین صاف محسوس کر رہی تھیں۔۔ امینہ خانم نے گہرے سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

اپنی فرشتے پر پیسے وار کر اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھ کر اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔۔ امینہ خانم کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے۔۔ پہلی مرتبہ فرشتے کے چہرے پر خوشی کے رنگ دیکھے تھے۔۔ وہ دل میں ڈھیروں دعائیں مانگ رہی تھیں۔۔

حور کافی دیر سے ایک صوفے پر بیٹھی سب مہمان خواتین کو دیکھ رہی تھی۔۔ عابیر،، بہارے سب سے بہت خوش اخلاقی اور پٹھانی میں گفتگو کر رہی تھیں۔۔

حور نے نم زدہ نگاہوں سے سب کو دیکھا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح اسے اپنا آپ سب میں مس فٹ لگا تھا۔۔۔

کیا تھا اس کا یہاں ؟؟۔۔۔ نہ لباس نہ زبان نہ رشتے۔۔۔ ایک شوہر تک اس کا اپنا نہ تھا۔۔ جس کی صرف وہ ضرورت تھی اور شائد اس کی ضد تھی

۔۔۔جسے وہ اپنی عزت کہتا تھا۔۔اسے سزا دینے کے لیے وہ اسے ہمیشہ اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا تھا۔۔

حور خاموشی سے وہاں سے اٹھتی زنان خانے کے لاونج سے سے نکل آئی تھی۔۔

حویلی بہت بڑی اور شاندار تھی۔۔حور قدرے خاموش اور پر سکون جگہ پر آئی تھی۔۔یہ زنان خانے والے حصے کا اوپن ایریا تھا۔۔جہاں بڑی سی ریلنگ لگی تھی۔۔جس کے نیچے ایک ڈھلوان تھی۔۔جہاں سے بہتا دریا صاف نظر آرہا تھا۔۔سر سبز پہاڑ بہتا دریا اور ہڈیوں کو چیرتی یخ ٹھنڈی ہوا۔۔حور نے اپنی گرم پشمینہ شال اچھی طرح خود پر لپیٹی۔۔ہمیشہ سے اسے ناردان ایریا بہت پسند رہے تھے۔۔۔لندن امیریکہ سے زیادہ اسے پاکستان میں رہنا بہت پسند تھا۔

مگر اب یہ خوبصورت علاقہ اس کے لیے قبر بن گیا تھا۔۔ حویلی سے باہر اس نے برامدے میں بھی کبھی قدم نہیں رکھا تھا۔ ارحام نے شروع دن سے اسے سختی سے منع کیا تھا۔۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے کبھی قدم نہیں رکھے گی۔۔

اور اس نے ان چار ماہ میں کبھی قدم بھی باہر نہیں رکھا تھا۔۔ کمرے کے ٹیرس پر بھی کبھی کھڑی نہیں ہوئی تھی۔

وہ کھلی ہوا میں گہرے سانس لے رہی تھی کہ کسی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔۔

آپ یہاں پر مت کھڑی ہوں۔۔ادھر مردوں کی گزر گاہ بھی ہے۔۔شادی والا گھر ہے بہت سے مرد ہیں۔۔کسی کی نظر پڑ گئی تو اچھا نہیں لگے گا۔۔یہ آواز سن کر وہ پلٹی تھی۔۔

زرمش کو چویلی کی دیواریں خود پر گرتی محسوس ہوئیں۔۔

حور۔۔۔۔زرمش کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی۔

حور نم زدہ نگاہوں سے زرمش کو دیکھتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔کیا کچھ نہیں یاد آیا تھا۔۔

ساحر کو اس دن دیکھنے کے بعد وہ کیوں بھول گئی تھی کہ زرمش سے اس کا سامنا نہیں ہو گا۔۔وہ اپنی زندگی میں کچھ لوگوں سے کبھی نہیں ملنا چاہتی تھی جس میں زرمش ساحر خانزادہ بھی شامل تھی۔۔

تم تم یہاں پر کیسے ؟؟زرمش نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔۔

اتنا حیران کیوں ہو رہی ہو زرمش ؟؟مجھے زندہ دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔۔اپنی بیسٹ فرینڈ کو دیکھ کر تمھیں خوشی نہیں ہوئی۔۔حور زخمی سے لہجے میں بولتے تلخی سے مسکرائی۔۔۔۔

مم میں ایسا کیوں چاہوں گی ؟؟۔۔تم ٹھیک ہو۔۔مجھے خوشی ہوئی ہے۔۔زرمش نے نظریں جھکاتے ہوے کہا۔۔

اگر تم مجھے دیکھ کر خوش ہوتی تو تمھارا چہرہ مجھے دیکھ کر فق نہ پڑتا۔۔۔تم نظریں نہ جھکاتی۔۔حور نے طنزیہ کہا۔۔

تمھاری نظریں صرف میرے سامنے ہی جھکی ہیں یا پھر ضمیر کی عدالت میں بھی تم شرمندہ ہو۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔

میں نے تمھارے ساتھ کچھ ایسا نہیں کیا کہ میں شرمندہ ہوں۔۔ زرمش نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے اب کی بار سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

مجھے اس رات تمھاری مدد کی ضرورت تھی زرمش۔۔۔ جانتی ہو خدا کے بعد میں نے اپنی دوست کو مدد کرنے کے لیے پکارا تھا۔۔ مگر تم نے میرا فون کاٹ دیا۔۔ حور کی آنکھیں شدت غم سے بھیگ اٹھی تھیں۔۔

اس اندھیری برستی بارش میں میرے ساتھ کوئی نہیں تھا نہ میرا باپ۔۔۔ نہ ساحر خانزادہ اور نہ تم۔۔۔۔ یہ تین رشتے ہی تو تھے میرے پاس۔۔ مگر سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔۔

تم نے ایسا کیوں کیا زرمش؟؟۔۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

مم میرے فون کی بیٹری آف ہو گئی تھی۔۔ زرمش کپکپاتے لبوں سے بولتے نظریں جھکا گئی تھی۔ حور کی درد بھری آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔۔

پتہ ہے میں تمھیں فون کرنے کے بعد میں کتنی دیر ایک شٹر کے نیچے کھڑی تمھاری مدد کا انتظار کرتی رہی۔۔ مگر تم نے نہ کرنی تھی اور نہ تمھاری مدد آئی۔۔ حور کی آواز شدت غم سے پھٹ پڑی۔۔۔

کتنی راتیں کتنے دن مجھے یاد بھی نہیں زرمش۔۔۔ میں نے کیسے گزارے؟؟ میرے اندر زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو گئی تھی۔۔ صرف اپنی عزت بچانے کے لیے میں دربدر ہوتی رہی۔۔۔ کیوں کیا تم سب نے ایسا میرے ساتھ؟؟۔۔۔ حور ٹوٹے کانچ سے لہجے میں سوال کرتے چیخی اٹھی۔۔۔

تم کیا کہہ رہی ہو؟؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔۔ مجھے نہیں پتہ تم اس رات کیا کہہ رہی تھی فون پر۔۔۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ تھا۔ زرمش نے ہونٹ کاٹتے وضاحت دی۔ مگر لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔۔

میں نے فون پر تم سے کہا تھا میری عزت اور جان دونوں خطرے میں ہیں۔ ۔۔ تم نے یہ لفظ سنے تھے۔۔ زرمش جھوٹ مت بولو۔۔ تم نے جان بوجھ کر فون کاٹا تھا۔۔ زندگی نے سب کے ایسے چہرے دکھائے ہیں کہ مجھے ہر کھرے کھوٹے کی پہچان ہو گئی ہے۔۔ حور تلخی سے ہنسی۔۔

کوئی بات نہیں جو ہوتا ہے۔ اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ میرے سامنے تم سب کے چہرے آگئے۔ حور نے کہتے اپنے آنسو اپنے عارض سے بے دردی سے صاف کیے۔۔

اور دیکھو خدا نے میری عزت آج بھی محفوظ کر کے رکھی ہے۔۔ میری عزت بھی محفوظ ہے اور میں صیح سلامت بھی ہوں۔ ساحر خان سے ہزار گنا بہتر ہے ارحام خانزادہ۔۔۔ جس نے مجھے چھوڑنے کی کبھی بات نہیں کی۔ ۔ساحر خانزادہ نے تو پوری دنیا کے سامنے اعلان کیا تھا کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر ارحام خانزادہ کبھی مجھے چھوڑنے کی بات نہیں کرتا۔۔ نہ ہی مجھے کبھی چھوڑے گا۔۔ میری عزت کے لیے وہ اپنی جان دے سکتا ہے۔۔ مجھے کسی بھی حال میں کسی سچویشن میں وہ مجھ سے دستبرداری کا اعلان نہیں کرتا۔۔ خدا نے ایک کمزور مرد سے میری جان چھڑوانی تھی۔۔۔ اس لیے ارحام خانزادہ میری زندگی میں آیا۔۔ اور میں بہت خوش ہوں۔۔ میری زندگی کا محافظ ارحام خانزادہ ہے۔۔۔ حور زرمش پر نفرت بھری نگاہ ڈالتی وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

زرمش نے ریلنگ پر ہاتھ سختی سے جمائے اپنی آنکھیں سختی سے میچیں۔۔بہت سے آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے اس کے رخسار کا حصہ بننے لگی۔

.----------

پاسٹ

مہرماہ پیروں تک چھوتی سفید میکسی میں رقص کر رہی تھی۔۔جس کی بیک کافی ڈیپ تھی۔۔اس کا بدن سفید لباس میں بھی جھلک رہا تھا۔۔اس کے خوبصورت خدوخال دیکھتے مرد پاگل ہو رہے تھے۔

مرد حضرات اس کے رقص کو داد دیتے ہزاروں روپے اس پر وار رہے تھے۔۔ تمام رقاصائیں حیران تھی آج کا رقص نازنین بیگم نے صبح کے ٹائم کیوں رکھا ہے۔۔ مہر ماہ کا نازک دل رقص کرتے ہوئے سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔۔ سلطان احمد نے اسے سختی سے ہدائت کی تھی وہ کسی مرد کے سامنے نہیں جائے گی۔۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ کسی مرد کے سامنے نہیں آئی تھی۔۔ مگر آج نازنین بیگم کے حکم پر وہ رقص کر رہی تھی۔۔ مگر سلطان احمد کا غصہ سوچتے وہ رقص کرتے ہوئے بھی کانپ رہی تھی۔۔ سلطان احمد اس کے ساتھ کیا کرے گا وہ نہیں جانتی تھی۔۔ مگر سلطان احمد کے جنونیت سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔ پندرہ دن پہلے وہ اس کوٹھے پر آیا تھا اور ان پندرہ دنوں میں سیکنڈوں کے حساب سے وہ نازنین

بیگم کا اکاونٹ لاکھوں روپے سے بھر رہا تھا۔۔ صرف اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔۔

ابھی اسے رقص کرتے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سلطان احمد اپنے گارڈز کے ہمراہ اندر طیش و اشتعال سے داخل ہوا تھا۔۔

مہر ماہ رقص کرتے رک گئی تھی۔۔

اب فق رنگت سے گہرے سانس لیتے سلطان احمد کو دیکھ رہی تھی۔ جس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔۔ مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔

سلطان احمد نے آگے بڑھتے مہر ماہ کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔ مہر ماہ اوندھے منہ فرش پر جا گری تھی۔۔ مہر ماہ کی بیک لیس دیکھ کر سلطان احمد شاہ کے خون میں شرارے پھوٹے تھے۔۔

سلطان احمد نے ایک نظر ہال میں موجود مردوں پر ڈالی جو اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے حیرانگی سے سب دیکھ رہے تھے۔۔

یہاں سے سب نکل جاؤ اس سے پہلے سلطان احمد تم سب کو اپنی گولیوں سے بھون ڈالے۔۔ سلطان احمد طیش و اشتعال سے دھاڑا تو سب وہاں سے خاموشی سے نکل گئے تھے۔۔ پورا ہال سلطان احمد کے گارڈز سے بھرا پڑا تھا۔۔ وہ اپنی بندوقیں تانے کھڑے تھے۔

نازنین بیگم بھی اب ڈر گئی تھی۔۔اس نے یہ رقص صبح کے ٹائم رکھا تھا کہ سلطان احمد کو خبر نہیں ہو گی۔۔ مگر وہ بھول گئی تھی کہ سلطان احمد شاہ پل پل کی خبر رکھتا تھا مہر ماہ پر۔۔۔۔۔اب اس کوٹھے میں اس کے ہی بندے تعینات تھے۔

شاہ صاحب میری بات سنیں۔۔میں آپ کو سب سمجھاتی ہو؟۔۔نازنین بیگم سطان کی طرف بڑھتے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے کی کوشش کی۔

سلطان احمد نے نازنین بیگم کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ کا تھپڑ جڑ دیا تھا۔

ذلیل۔۔فاحشہ عورت تمھیں میں ہر روز پیسے ادا کر رہا تھا۔۔لاکھوں روپے روز تمھارے آکاونٹ میں ٹرانسفر ہو رہے ہیں۔

صرف اس لیے مہر کسی مرد کے سامنے رقص نہیں کرے گی۔۔ہمت کیسے ہوئی میری مہرماہ کو کسی کے سامنے یوں پیش کرنے کی۔۔۔سلطان احمد غرایا

۔۔

تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر ٹھیک نہیں کیا سلطان احمد۔۔۔میں گئی گزری نہیں ہوں تم جیسے کتنے ہی مرد میرے تلوے چاٹتے ہیں۔ تمھیں اس کا حساب چکانا پڑے گا۔۔نازنین بیگم اپنے گال پر ہاتھ رکھتے غرائی تھی۔۔

وہ تلوے چاٹتے ہوں گے۔۔ مگر سلطان احمد کسی کے تلوے نہیں چاٹتا۔۔۔الٹا اپنے پیروں کی دھول چٹانے پر مجبور کرتا تم جیسی حرافاؤں کو۔۔سلطان احمد نازنین بیگم کے بال دبوچتے غرایا تھا۔

مہرماہ صرف میری ہے۔۔ صرف میری۔۔سلطان احمد شاہ غیض و غضب سے پوری قوت سے دھاڑا تھا تو کوٹھے کے در و دیوار لرز اٹھے تھے۔۔

مہر ماہ سلطان احمد کی دھاڑ سن کر کانپتے ہوے دیوار کا سہارا لیا۔ وہ بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔ سلطان احمد کے تھپڑ سے نازک گال نیلا ہو چکا تھا۔ ہونٹ کے کنارے سے خون نکل رہا تھا۔۔

سلطان احمد نے ایک نظر مہر ماہ کو دیکھا۔۔ اپنی چادر اتار کر مہر ماہ کے بدن پر اوڑھائی۔۔

نازنین بیگم غراتے ہوے مہر ماہ کی طرف بڑھی تھی۔۔ سلطان احمد نے مہر ماہ کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا۔ خبر دار تمھارے ناپاک ہاتھوں نے میری مہر ماہ کو چھوا بھی تو کاٹ کے رکھ دوں گا۔ سلطان احمد بلند آواز میں چیخا۔۔

شہنشاہ۔۔۔ نازنین بیگم نے چیختے ہوے اپنے گارڈز کو پکارا۔۔

تمھارا وہ شہنشاہ نیچے اپنی ٹانگوں سے محروم درد سے زمین پر پڑا کراہ رہا ہے۔

اور تمھارے سارے کتے بھی ایسے ہی پڑے ہیں زمین پر ساکت۔۔۔

سلطان احمد نازنین بیگم کے میک اپ سے لتھڑے کراہیت زدہ چہرے کو دیکھتے تمسخرانہ ہنسا۔

اپنی جیب سے چیک بک نکالتے سلطان احمد نے پچاس کڑوڑ کا چیک سائن کرتے نازنین بیگم کے منہ پر مارا تھا۔۔

یہ تمھاری اوقات سے بڑھ کر تمھیں دے رہا ہوں۔۔

یہ میری مہرماہ کی قیمت نہیں ہے۔۔ کیونکہ میری مہرماہ کی کوئی قیمت ہو بھی نہیں سکتی۔۔ یہ اس کا صدقہ ہے۔۔ جو تمھیں دے کر جا رہا ہوں۔۔۔ اگر

میری مہرماہ کے قریب بھی کبھی نظر آئی تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔ سلطان احمد اسے نازنین بیگم کو زمین پر دھکا دیتا ہوا بولا تھا۔۔

سلطان احمد مہرماہ کا ہاتھ پکڑے اسے وہاں سے لے آیا تھا۔

مہرماہ ریڈ دلہن کے لباس میں سلطان احمد کے کمرے میں اس کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔۔ پورا بدن لرز رہا تھا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔ وہ کسی کی کبھی بیوی بھی بنے گی۔ مگر سلطان احمد نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔۔ کوٹھے پر آئے ہوے بہت سے مردوں نے اس سے وعدے کیے تھے۔۔ مگر کوئی اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تھا۔

نازنین بیگم نے کسی کو کبھی اس کی طرف بڑھنے ہی نہ دیا تھا۔۔۔ کتنے ہی مردوں نے اسے اپنی دلہن بنانے کے لیے نازنین بیگم کو کڑوڑوں کی قیمت ادا کرنے کی کوشش کی۔۔ مگر نازنین بیگم نے تمام آفر مسترد کر دی تھیں۔۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ اس کی قیمت وصول نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ ساری عمر اس کی خوبصورتی کا خراج کڑوڑوں روپے کی صورت میں چاہتی تھیں۔

سلطان احمد نے نازنین بیگم کو کڑوڑوں روپے کی آفر کی تھی۔۔ نازنین بیگم نے وہ آفر مسترد کر کے اسے صرف ایک رات کے لیے سلطان احمد کو سونپنے کو کہا تھا۔ مگر سلطان احمد نے انکار کر دیا تھا۔۔ وہ مہر ماہ کے قریب نہیں گیا تھا۔ مگر وہ نازنین بیگم کو لاکھوں روپے دے رہا تھا کہ وہ کسی کے سامنے رقص نہ کرے۔۔

آج وہ اسے وہاں سے لے آیا تھا اور اپنے محل جیسے گھر میں لا کر نکاح کر لیا تھا۔

مہر شاہ کا پورا بدن خوف سے لرز رہا تھا۔۔وہ کوٹھے کی زینت ضرور تھی مگر کبھی کوئی مرد اس کے نزدیک نہیں آیا تھا۔۔وہ صرف ایک رقاصہ تھی۔ ۔نازنین بیگم اس کی خوبصورتی دکھا کر مردوں کو بہکانا چاہتی تھی۔۔تاکہ اس کی ایک ایک رات کا کڑوڑوں روپے وصول کر سکے۔۔وہ اتنی خوبصورت تھی کہ مرد اس کے ساتھ ایک رات بتانے کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار تھے۔۔

سلطان احمد کا پلڑا بھاری رہا تھا۔۔وہ اسے ایک رات کے لیے نہیں بلکہ اپنی دلہن بنا کر لے آیا تھا اپنے پاس۔۔۔۔

مہر شاہ نے سامنے رکھے ڈریسنگ مرر میں خود کو دیکھا وہ ایک ہیرا تھی. ۔۔چاند ستارے اس کی خوبصورتی کے آگے ماند پڑتے تھے۔۔وہ جتنی خوبصورت تھی نصیب اتنا ہی بدصورت تھا۔۔ماں باپ کے مرنے کے بعد وہ دردبدر ہوتے نازنین بیگم کے ہاتھ لگ گئی۔۔جس نے اسے پالا تھا۔۔اب وہ اٹھارہ سال کی ہونے والی تھی۔۔جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔۔سولہ سال کی عمر سے ہی اس کی قیمت لگ رہی تھی۔۔آج پچاس کڑوڑوں کے عوض اس کا سودا ہو گیا تھا۔۔مہر ماہ کو اپنا آپ بہت کم قیمت لگا۔۔سلطان احمد کا نازنین بیگم کو پیسے دینا پسند نہیں آیا تھا۔۔

وہ جس جگہ رہی تھی اس نے دیکھا تھا۔۔ ہر کوئی انھیں اپنے بستر کی زینت بننے کو تیار ہوتا تھا۔۔ نکاح کر کے اگر لے بھی جاتا تو وہ جلد یا بدیر اس کوٹھے کی زینت ضرور بنتی تھی۔۔ کیا سلطان احمد بھی اس کے بدن سے کھیلے گا۔ دل بھرنے پر اسے چھوڑ دے گا۔۔ وہ واپس اس گندگی میں کیسے جائے گی۔۔ مہر ماہ اب رونا شروع ہو چکی تھی۔۔ اس نے تو اس گندگی سے ذھیر سے نکلنے کا سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔۔ سلطان احمد رحمت کا فرشتہ تھا اس کے لیے مگر وہ اس پر اعتبار نہیں کر پا رہی تھی۔۔ یا پھر اپنی قسمت پر اسے یقین نہیں تھا۔۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔

مہر ماہ کا نازک بدن خوف سے ہچکولوں کی زد میں تھا۔۔ کوٹھے پر موجود کئی لڑکیاں جب بھاری قیمت کے عوض کسی کو سونپی جاتی تو ان کا کیا حال ہوتا تھا۔۔ وہ بخوبی واقف تھی۔۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر مہر نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو صاف کیے۔۔

اپنے لرزتے بدن پر قابو پاتے وہ خود میں سمٹی تھی۔۔۔ مگر سلطان احمد کی بھاری قدموں کی آہٹ سے اس کا انگ انگ لرز رہا تھا۔

سلطان احمد کی شخصیت سے وہ ایسے ہی مرعوب تھی۔۔ جس دن سے سلطان احمد نے اسے کوٹھے پر دیکھا تھا۔ اس کا رقص دوسرے مردوں کے سامنے بند ہو چکا تھا۔۔ سلطان احمد ہر روز لاکھوں روپے نازنین بیگم کو دیتا کہ وہ کسی مرد کے سامنے رقص نہیں کرے گی۔۔ نازنین بیگم کو کیا چاہیے تھا اس کا آکاؤنٹ پیسوں سے بھر رہا تھا۔ اور دوسرے مرد اس کا رقص دیکھنے کے

لیے بے تاب ہوتے اس کی قیمت میں آضافہ کر رہے تھے۔۔ سلطان کی حیثیت سے وہ واقف ہو چکی تھی۔۔ اسے کوٹھے میں موجود لڑکیوں نے بتایا تھا۔۔ وہ بہت امیر کبیر با اثر شخص ہے۔۔۔

سلطان احمد اس بھاری قدموں سے چلتے اس کے سامنے آکر بیٹھا۔۔

مہر ماہ مزید خود میں سمٹی بیڈ کراون کے ساتھ جا لگی۔۔۔ سلطان احمد مزید اس کے قریب ہوا تھا۔۔ سلطان احمد نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے نرمی سے پکڑتے اوپر اٹھایا تو مہر سلطان احمد کی گرے آنکھوں میں دیکھتے گھبراتے ہوے اپنی آنکھیں بند کر چکی تھیں۔ ان آنکھوں کی وہ اسیر زدو تھی جب پہلی مرتبہ سلطان نے اسے دیکھ کر اپنی نظریں جھکالی تھیں۔۔ اتنی پاکیزگی ایک مرد کی نظر میں اس کے لیے یہ کہاں دیکھا تھا۔۔

مہر آنکھیں کھولو۔۔۔سلطان احمد کی نرم آواز پر مہر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر برسے تھے۔۔

سلطان احمد نے اپنی انگلی کے پوروں سے اس کے آنسو نرمی سے صاف کیے۔

میری بیوی بننے پر یہ آنسو ہیں تمھارے چہرے پر۔۔سلطان احمد کی بھاری سپاٹ انداز پر مہر کی آنکھوں میں آنسو خوف کی مانند ٹھہر سے گئے تھے۔

نن نہیں تو مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ نازنین بائی مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔۔مجھے واپس نہ لے جائے۔۔مہر نے کانپتے لبوں سے اپنا ڈر بتایا۔۔

نازنین بیگم اب تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی.. تم اب مہر نہیں مہر سلطان احمد شاہ ہو۔۔سلطان احمد نے غضب ناک ہوتے کہا۔۔

سلطان احمد کا رنگ سرخ پڑتا دیکھ کر مہر کا رنگ خوف سے سفید پڑا۔۔

مہر ماہ تم کیوں ڈر رہی ہو۔اب تمھیں ہوا بھی میری مرضی کے بغیر چھو نہیں سکتی۔۔تم صرف میری ہو۔۔۔سلطان احمد اس کا دو آتشہ روپ دیکھ کر گھمبیر آواز میں بولا۔۔

ریڈ لہنگا چولی میں بغیر کسی میک اپ کے وہ دمک رہی تھی۔

۔سلطان احمد نے اس کے نازک گال پر اپنی انگلیاں نرمی سے ٹریس کیں۔جہاں اس کی انگلیوں کا نشان تھا۔۔اس کے ہونٹوں کے زخم پر اپنے لب رکھے تو مہر ماہ کے دل کی دھڑکنیں شدت اختیار کرتی اس کے کانوں میں بجنے لگیں۔۔

سلطان احمد کا لمس اس کے دھڑکنوں میں انتشار بھر پا کر گیا تھا۔۔ سلطان احمد کا لمس سے جیسے وہ معتبر ہوئی تھی۔۔ مہر ماہ نے آنکھیں بند کرتے خدا کا شکر ادا کیا اسے چھونے والا اس کا محرم تھا۔۔

مہر ماہ تم میری عزت ہو میری محبت ہو۔۔۔ میری عزت میں کبھی خیانت نہ کرنا۔۔۔ یہ چہرہ یہ بدن میری آمانت ہیں۔۔ اب کسی غیر مرد پر اس کی نظر نہ پڑے۔۔ سلطان احمد نے مہر ماہ کے اور قریب ہوتے اس کے کان کی لو پر اپنے لب رکھے۔۔

جی۔۔۔ مہر ماہ نے کانپتے ہوے کہا۔۔ وہ تو خود سلطان احمد کی بانہوں میں مرنا چاہتی تھی۔۔ سلطان احمد اسے ایک کمرے میں ایک کپڑے میں بھوکا پیاسا بھی رکھتا تو ہونٹوں پر شکوہ لائے بغیر سلطان احمد کی قدموں کی داسی بن کر رہ

لیتی۔۔وہ کس جہنم سے نکل کر آئی تھی۔۔یہ سلطان احمد شائد سمجھ نہیں سکتا تھا۔۔

میں وعدہ کرتا ہوں تمھیں بہت محبت مان دوں گا۔۔بہت پیار دوں گا۔۔سلطان احمد مہرماہ کو بیڈ پر لٹائے اس پر جھک چکا تھا۔کمرے کی بتیاں گل ہو چکی تھیں۔ہر پردہ ہر گریز ختم ہو چکا تھا۔۔مہرماہ سلطان احمد کی محبتوں کی بارش میں بھیگ رہی تھیں۔سلطان احمد کی شدتوں میں محبت اور عزت بھی شامل تھی۔۔جو سلطان احمد کے ہر لمس پر مہرماہ کو محسوس ہو رہا تھا۔سلطان احمد کی شدتوں سے مہرماہ کی آنکھوں سے درد اور تکلیف کے ساتھ ساتھ تشکر کے آنسو بھی شامل تھے۔

مہر ماہ بلیک نائیٹی میں ملبوس اپنے براؤن سلکی بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔ آئینے میں خود کو دیکھتے مسکرا رہی تھی۔۔ وہ ان تین ماہ میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔۔ سلطان احمد نے اسے پوری دنیا گھمائی تھی۔۔ آج ہی وہ یورپ کے ٹور سے واپس آئے تھے۔ مہر ماہ کے چہرے پر سلطان احمد کی محبت کے رنگ بکھر رہے تھے۔۔ اس کا کندن سا چہرہ دمک کر گلنار ہو رہا تھا۔ نظر نہیں ٹک رہی تھی اس پر۔۔

سلطان احمد کے کمرے میں داخل ہونے پر مہر ماہ نے مسکراتے ہوے سلطان احمد کو دیکھا۔۔

سلطان احمد مہر ماہ کو بلیک نائٹی اور کھلے بالوں میں دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔۔

سلطان احمد نے آگے بڑھتے بے تابی سے مہر ماہ کو اپنی بانہوں میں بھرتے اسے سینے میں شدت سے بھینچا۔۔

میری مہرماہ آج کا دن بہت مشکل اور کٹھن تھا۔۔ تمھارے بغیر تو میں ایک پل نہیں رہ سکتا۔۔ سلطان احمد بھاری آواز میں بولتے اس کی شفاف گردن پر جھکے اپنا لمس شدت سے بکھیرنے لگا۔۔

شاہ کیا کر رہے ہیں؟؟ مہرماہ سلطان احمد کی شدتوں سے گھبرا اٹھی تھی۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی گردن کو چوم رہا تھا۔۔

مہرماہ کا اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہوا تھا۔۔۔ سلطان احمد اسے بیڈ پر دھکا دیتے اس پر جھکے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھنے لگا۔۔

وہ بے تابی سے اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھتے اس کی گردن پر آیا تھا۔۔اب اس کے لبوں کا رقص اس کی گردن سے نیچے تھا۔۔مہرماہ کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔سلطان احمد کے بدن سے اٹھتی مردانہ اور پرفیوم کی ملی جلی خوشبو سے اسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا۔۔

شاہ پیچھے ہٹیں۔۔۔مہرماہ نے چلاتے ہوئے اسے خود سے دور دھکیلا تو سلطان احمد کی آنکھیں شدت سے سرخ پڑی تھیں۔

یہ پہلی مرتبہ تھا مہرماہ نے اسے خود سے یوں دور دھکیلا تھا۔۔مہرماہ کے چہرے پر ناگواری بھی تھی۔

جسے دیکھتے سلطان احمد غصے سے اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔مہرماہ اسے یوں دھکیلے یا پھر اس کے قریب آنے پر ناگواری ہو یہ سلطان احمد کو کہاں گوارا تھا۔

سلطان احمد مہرماہ پر سرد نگاہ ڈالتا بیڈ سے اٹھا۔

مہرماہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔۔وہ جلدی سے اٹھتی سلطان احمد کی طرف بڑھی جو کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

مہرماہ بھاگتی ہوئی سلطان احمد کے پیچھے گئی تھی۔۔جو غصے سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔۔

شاہ میری بات سنیں۔۔مہرماہ نے تیز تیز سیڑھیان اترتے ہوے سلطان احمد کا ہاتھ پکڑا۔۔۔

جسے سلطان احمد نے جھٹکے سے چھڑوایا تھا۔۔مہرماہ کی آنکھوں سے آنسو اب برسات کی طرح برس رہے تھے۔۔وہ سلطان احمد کی دیوانگی کے بارے میں

جانتی تھی۔۔جانتی تھی وہ اسے لے کر کتنا حساس ہے۔۔وہ اس پر اس کا حق برداشت نہیں کرتا تھا۔۔کیسے اس کا جھٹکنا برداشت کر سکتا تھا۔۔

مہر ماہ نے سیڑھیاں اترتے اپنے پہلو پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد اٹھا تھا۔۔وہ سلطان احمد سے بہت محبت کرتی تھی۔۔۔بلکہ سلطان احمد سے عشق کرتی تھی۔۔مگر کچھ دنوں سے سلطان احمد کی قربت اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔طبعیت پر عجیب سی بیزاری چھا جاتی تھی۔۔آج بھی ایسا ہی محسوس ہوا تو اس نے سلطان احمد کو جھٹک دیا تھا۔۔مگر اب سلطان احمد کی ناراضگی اس کی جان پر بن رہی تھی۔۔

مہر ماہ اپنے پہلو میں اٹھتے درد کو نظر انداز کرتے سلطان احمد کے پیچھے بھاگتے ہوے سیڑھیاں اتری۔۔۔اس سے پہلے سلطان احمد لاونج کراس کرتا مہر ماہ آگے بڑھتے سلطان احمد کے سینے سے لگتے بے تحاشا رو دی تھی۔۔

شاہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔۔ورنہ آپ کی مہر مر جائے گی۔۔پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔۔مجھے معاف کر دیں۔۔مگر مجھ سے ناراض نہ ہوں۔۔۔مہر ماہ بے تحاشا روتے ہوے بولی۔

میں نوٹ کر رہا ہوں مہر ماہ تمھیں میرا نزدیک آنا پسند نہیں آ رہا۔۔تمھارے چہرے پر بیزاری چھا جاتی ہے۔۔

کل رات بھی تمھارے چہرے پر ناگواری تھی۔۔تم کل رات میری بانہوں میں ہوتے ہوے بھی میرے پاس جیسے نہیں تھی۔۔تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے تمھاری ذرا سی توجہ کسی اور طرف برداشت نہیں ہوتی۔۔تم خود کو بھی

توجہ دو مجھے برداشت نہیں ہے۔۔ میرے قریب آنے پر تمھارے چہرے پر یہ ناگواری کیوں ہے۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھے خود سے دور جھٹکنے کی۔۔

سلطان احمد اس کے بالوں کو گدی سے پکڑے اس کی گردن کو بری طرح جھٹکا دے گیا تھا۔۔

مہر ماہ بری طرح سسک پڑی۔

سلطان احمد نے اس کے سسکتے وجود پر ایک نظر ڈالتے اسے چھوڑا تھا۔۔ اور غصے سے وہاں سے جانے لگا۔۔ مہر ماہ سلطان احمد کے مقابل آتے اس کے گلے لگ گئی۔۔۔ سلطان احمد کے سینے سے لگے اس کی شرٹ کو اپنی مٹھیوں میں سختی سے دبوچا۔۔

مجھے آپ کی قربت سے کوئی مسئلہ نہیں ہے شاہ۔۔ آپ جانتے ہیں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔ آپ مجھ سے دور ہوں۔ مجھے گوارا نہیں ہے۔۔ پلیز مجھ سے دور مت جائیں شاہ۔۔ مہر ماہ سلطان کے سینے سے شدت سے لپٹی۔۔ سلطان احمد گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔۔

پھر کیوں مجھے خود سے دور کیا۔۔ کیوں تھی چہرے پر بیزاری۔۔۔ سلطان احمد نے اسے خود سے الگ کرتے نرمی سے پوچھا۔۔ مہر ماہ سلطان کا نرم رویہ دیکھتے پھر سے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی۔۔

مم۔۔۔ مجھے آپ کا پرفیوم نہیں پسند۔۔۔ پتہ نہیں پچھلے کچھ دنوں سے مجھے آپ کا پرفیوم بہت برا لگ رہا ہے۔۔ شاہ مجھ سے دور مت جائیں۔۔ میں

آپ کے پرفیوم کی سمیل برداشت کرلوں گی۔۔ آپ مجھ سے دور مت جائیں شاہ۔۔۔

میں آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔ مہرماہ سلطان احمد کے سینے پر اپنے لب رکھتے بھیگی آواز میں بولی۔۔

سلطان احمد سے کہیں زیادہ وہ سلطان احمد سے محبت کرتی تھی۔۔۔ سلطان احمد اس کا مسیحا تھا۔۔ اسے اس ذلت بھری زندگی سے نجات دی۔۔ وہ آج اگر ادھر ہوتی تو پتہ نہیں اب تک کتنے مردوں کی درندگی کا نشانہ بن جاتی۔۔

وہ کیسے سلطان احمد کو ناراض کر سکتی تھی

سلطان احمد مہرماہ کی بات پر چونکا تھا۔

کیا کہہ رہی ہو مہر ماہ؟؟۔۔ تمھیں میرا پرفیوم نہیں پسند۔۔ سلطان احمد نے اسے خود سے الگ کرتے پوچھا۔۔

ہاں مجھے بہت برا لگتا ہے آپ کا پرفیوم۔۔ ابھی بھی اس کی سیمیل سے میرا سر چکرا رہا ہے۔۔ مہر ماہ نے سسکی لیتے ہوئے کہا۔۔ واقعی میں سلطان احمد کے دور جانے سے دل ہول رہا تھا۔۔ مگر سلطان کا پرفیوم اس کے جان لے رہا تھا۔۔ وہ بہت مشکل سے برداشت کر رہی تھی۔

سلطان احمد کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔ مہر ماہ کم عمر تھی۔۔ مگر وہ میچور تھا وہ سمجھ گیا تھا۔۔ مہر ماہ کی ایسی طبعیت کیوں ہے۔

سلطان احمد نے اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچا۔۔

مہر میری جان۔۔۔میں یہ پرفیوم آئندہ نہیں لگاؤں گا۔۔بلکہ کوئی بھی پرفیوم نہیں لگاؤں گا۔۔ مگر مجھے خود سے دور نہ کیا کرو۔۔ تمھارا شاہ تمھارے لیے پاگل ہے۔۔ تمھارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا۔۔ آج آفس میں میرا دل ہی نہیں لگا۔۔

میں نے سوچا تھا ہم دوبارہ سے ورلڈ ٹور پر جاتے ہیں۔۔ جہاں تم اور صرف میں ہوں۔۔یہ آفس وغیرہ نہ ہو۔۔ کوئی تیسرا نہ ہو۔۔ مگر اب لگتا ہے یہ ممکن نہیں رہا کوئی تیسرا ہمارے درمیان جلد آنے والا ہے۔۔ سلطان احمد کے ذو معنی انداز اور گہری مسکراہٹ کو دیکھتے مہر ماہ نے الجھن بھری نگاہوں سے سلطان احمد کو دیکھا۔

کون آنے والا ہے شاہ؟؟ مہر ماہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

ابھی پتہ چل جائے گا۔۔ کون آنے والا ہے ؟؟ سلطان احمد گہرا مسکرایا تھا۔۔

مہرماہ ابھی بھی ناسمجھی سے سلطان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو بھی آئے گا وہ میری مہر پر اپنا حق جتائے گا

اور وہ مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔۔ سلطان احمد نے اسے قریب کیا۔

لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو۔۔ مجھے کبھی اگنور نہیں کرو گی۔۔ ایسے ہی مجھ سے محبت کرو گی۔۔ سلطان احمد اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتا اس کے لبوں پر جھکا تھا۔۔

مہرماہ سلطان احمد کی گردن میں اپنی بانہیں حمائل کرتے سلطان احمد کی شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی۔۔

سلطان احمد کی ناراضگی کے ڈر سے وہ مزید سلطان کے قریب ہوئی تھی۔۔ سلطان احمد اپنی شدت اس کے لبوں پر ڈھا کر پیچھے ہوا تو مہر ماہ سلطان احمد کے سینے سے لپٹی سلطان احمد کی گردن پر اپنے لب رکھ گئی۔۔ وہ کچھ دیر پہلے والی غلطی کا آزالہ کر رہی تھی۔۔

سلطان احمد اس سے کبھی بھی دور ہو۔۔۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔ اس لیے سلطان احمد کو اپنی محبت اور خدمت سے وہ ہمیشہ اپنا بنائے رکھنا چاہتی تھی۔۔

سلطان احمد کے پاؤں دبانے سے لے کر وہ رات رات بھر اس کی بانہوں میں اس کی شدتیں مسکراتے ہوے سہتی تھی۔

سلطان احمد کی وجیح پرسنیلٹی اور اس کے اتنے اونچے سٹیٹس سے بھی مہر ماہ کا دل گھبراتا رہتا تھا۔۔ کہیں سلطان احمد کسی اور کی زلفوں کا آسیر نہ ہو

جائے۔۔ سلطان احمد نے کوٹھے پر اسے دیکھا تھا۔یعنی سلطان احمد بھی عام مردوں کی طرح تھا۔۔وہ کوٹھے پر جا سکتا تھا کل کو کوئی بھی اسے پسند آ سکتی تھی۔

مہر ماہ کا نازک دل اسی خوف سے لرز تا رہتا تھا۔۔وہ سلطان احمد کو کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔نہ ہی سلطان احمد کو کسی کے ساتھ بھی شئر کر سکتی تھی۔

مگر وہ اپنی بے پناہ خوبصورتی اور سلطان احمد کی شدید محبت سے واقف ہی نہ تھی کہ سلطان احمد مر تو سکتا تھا اس سے بیوفائی نہیں کر سکتا تھا۔۔

سلطان احمد مہرماہ کی گردن پر جھکا اپنا لمس بکھیر رہا تھا کہ لاونج میں شاہزیب خان داخل ہوا۔۔

سلطان احمد نے مہرماہ کو اپنے حصار سے آزاد کرتے شاہزیب خان کو ناگواری سے دیکھا تھا۔۔ آج پہلی مرتبہ شاہزیب خان کو دیکھ کر سلطان احمد کو خوشی نہیں ہوئی تھی۔۔ سلطان احمد جلدی سے مہرماہ کے آگے آیا تھا۔۔ مہرماہ سلطان احمد کے چوڑی پشت کے پیچھے چھپ گئی تھی۔۔

آئی ایم سوری سلطان۔۔۔۔۔۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔۔۔ کہ تم۔ اس طرح۔۔ آگے کا جملہ وہ مکمل نہ کر سکا تھا۔۔ سلطان احمد کو غصے میں دیکھ کر وہ پہلی مرتبہ پریشان ہوا تھا۔۔ تمھارے ملازموں نے مجھے اندر آنے دیا ۔۔۔ تم جانتے ہو مجھے اس گھر میں آنے کے لیے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔

شاہزیب نے شرمندگی سے وضاحت دی۔۔

سلطان احمد نے اپنی آئی برو سہلاتے اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔۔وہ ٹھیک کہہ رہا تھا شاہزیب خان اس کا دوست تھا وہ ایسے ہی اندر آجاتا تھا۔۔۔ مگر اب مہرماہ ادھر تھی۔اس لیے سلطان احمد نے سوچ لیا تھا کہ شاہزیب خان کو آجازت ملنے پر ہی گھر میں داخل ہونے دیا جائے گا۔۔ ٹھیک ہے تم ڈرائینگ روم میں بیٹھو میں آتا ہوں۔۔ سلطان احمد سنجیدگی سے بولا۔شاہزیب خان خاموشی سے چلا گیا۔

سلطان نے مڑتے مہرماہ پر غصیلی نظر ڈالی۔۔وہ بلیک فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی مگر شاہزیب خان یا پھر کسی کے سامنے بھی اسے مہرماہ اس حلیے میں گورا نہ تھی۔۔

مہر آئندہ تم بیڈ روم سے باہر کبھی بھی ایسے حلیے میں باہر نہیں آؤ گی۔۔ اچھی طرح خود کو ڈھانپ کر آؤ گی۔۔ سلطان احمد مہر ماہ کو بازو سے جکڑے غرایا تو مہر ماہ کا رنگ یکدم سفید پڑا تھا۔۔

وہ شدید کانپ رہی تھی۔۔ کیا ہوا ہے ؟؟ مہر سلطان احمد پریشان ہوا۔۔ وہ یکدم سلطان کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔۔

شاہزیب خان ڈرائنگ روم میں بیٹھا مہر ماہ کی ایک جھلک کا دیوانہ ہو چکا تھا۔۔ اتنی خوبصورتی اس نے کہاں دیکھی تھی۔۔ سوائے نازنین بائی کے کوٹھے کے علاوہ۔۔۔۔

اس مہر ماہ کا وہ تو بھی دیوانہ تھا۔۔اس کے ساتھ ایک رات بیتانے کو وہ کڑوڑوں روپے دینے کو تیار تھا۔۔ مگر نازنین بائی نے اسے سلطان احمد کو دے دیا۔۔شاہزیب خان اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔

مہر ماہ کو سلطان احمد کے ساتھ لپٹے دیکھ کر اسے بلیک نائٹی میں دیکھ کر شاہزیب خان مہر ماہ کو پانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔۔شاہزیب خان غصے سے وہاں سے نکل آیا تھا۔۔

سلطان احمد کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔۔مہر ماہ امید سے تھی۔۔ابھی ابھی ڈاکٹر مہر ماہ کا چیک آپ کر کے گئی تھی۔۔

سلطان احمد کمرے میں داخل ہوا تو مہر ماہ لیٹے ہوے شرم سے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

سلطان احمد مسکراتے ہوے مہر ماہ کے پاس لیٹ کر اسے بازو سے کھینچتا اپنے اوپر کر گیا۔۔

اب کیوں شرما رہی ہو؟؟ یہ سب تمھاری کارستانیاں ہیں۔۔ سلطان احمد اسے سینے میں بھینچتے گھمبیر لہجے میں بولا تو مہر ماہ نے سلطان احمد کے سینے سے سر اٹھا کر حیرانگی سے سلطان احمد کے چہرے کو دیکھا۔۔ جہاں شرارت کی کوئی رمک نہ تھی۔

میں نے کیا کیا ہے؟؟۔۔ جو کچھ کیا آپ نے کیا ہے۔۔ مہر ماہ شرم سے سرخ پڑتے بولی تو سلطان احمد کا قہقہ گونجا تھا۔۔ مہر ماہ روہانسے ہوتے سلطان احمد کے سینے منہ چھپا گئی تھی۔

مگر تم رات رات بھر جس طرح میرے ساتھ چپکتی ہو۔۔۔مجھے خود سے دور نہیں ہونے دیتی تو ایسے میں مجھ جیسا شریف بندہ کیا کرے گا۔۔رات رات بھر محنت ہی کرے گا۔۔اور پھر اس محنت کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔۔

سلطان احمد شرارتی لہجے میں بولا تو مہرماہ سرخ پڑتے مزید سلطان احمد کے ساتھ لپٹی۔۔

اب دیکھو ابھی بھی یہی کر رہی ہو کیسے لپٹ رہی ہو مجھ سے۔۔اب میں بہک رہا ہوں۔۔تم مجھے بہکا رہی ہو۔۔

سلطان احمد نے مسکراتے ہوے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔ اپنی مہر ماہ کی شدید محبت سے وہ واقف تھا وہ دیوانوں کی طرح اس سے محبت کرتی ہے۔۔۔

سلطان احمد کو اپنی قسمت پر رشک محسوس ہوا تھا۔۔ اتنی محبت اور خدمت کرنے والی بیوی کے متعلق کہاں سوچا تھا۔۔ اور اتنی خوبصورت عورت اس کا مقدر ٹھہرے گی۔۔ سلطان احمد کو اپنی قسمت پر رشک ہو رہا تھا۔

مہر میری جان مجھے بیٹی چاہیے۔۔ بلکل تمھاری کاپی۔۔۔ اور اس کا نام ہم حور رکھیں گے۔۔ وہ رخ پلٹے اسے بیڈ پر لٹائے اس پر جھکے شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔

مہر ماہ سلطان احمد کا انتظار کرتے کرتے لاونج میں ہی سو گئی تھی۔۔ سلطان احمد نے پانچ بجے تک آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔۔ مہر ماہ سمپل سے بلیک کلر کے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔ دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے گہری نیند میں محو تھی کہ اسے اپنی گردن پر کسی کا پر تپش لمس محسوس ہوا تھا۔۔ مہر ماہ کے لب نیند میں مدھم سا مسکرائے تھے۔۔

شاہ۔۔۔۔ مہر ماہ نے نیند میں ہی میٹھی آواز میں پکارا۔۔

مہر ماہ کو اپنی گردن پر جنونی لمس بڑھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔۔

یہ مہک۔۔ میرے شاہ کی نہیں۔۔ مہر ماہ کے لبوں نے جنبش کی تھی۔۔ مہر ماہ کی نیند بھک سے اڑی۔۔ اپنے اوپر جھکے انسان کو دیکھ کر مہر ماہ نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

اپنا دوپٹہ جو زمین پر پڑا تھا مہر ماہ اٹھاتے ہوے کفن کی طرح خود پر لپیٹ گئی تھی۔۔

مہینوں بعد کسی غیر مرد کی آنکھوں میں حوس دیکھی تھی۔۔ مہر ماہ کا رنگ مردے کی مانند سفید پڑا تھا۔

تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی؟؟۔ مہر ماہ شاہزیب کو دیکھتے غصے سے غرائی۔

یہ اتنا شریف ہونے کا ناٹک کیوں کر رہی ہو؟؟۔۔ طوائف ہو تم۔۔ طوائف کی طرح پیش آؤ۔۔ اور طوائف کبھی شریف نہیں ہوتی۔۔ شاہزیب خان کمینگی سے ہنسا..

طوائف صرف مجبور ہوتی ہے۔ ہوتی وہ بھی ایک عورت ہے۔۔۔ طوائف کا دوسرا نام مجبوری ہے۔۔ مہرماہ شاہزیب کے منہ سے اپنے لیے لفظ طوائف سنتے چیخ اٹھی۔۔

مجبوری ہو یا جو بھی ہو۔۔۔۔ ہو تو طوائف۔۔ مہرماہ کو تڑپتے دیکھ کر شاہزیب خان مہر کو آنکھ ونک کرتے ہنسا۔۔

میں جائز ماں باپ کی جائز اولاد ہوں۔۔ سنا تم نے۔۔۔۔۔ تم اپنے گھر میں ذرا جھانک لو کہیں تم تو ناجائز نہیں ہو۔۔ کیونکہ تمھارے چہرے کی کمینگی دیکھ کر لگتا ہے تمھاری رگوں میں دوڑتا خون ہلال نہیں ہے۔۔ مہرماہ جوابًا غرائی تو شاہزیب خان اس کی بات پر بلبلا اٹھا تھا۔۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی مہر ماہ؟؟۔۔۔یہ سب کہنے کی؟؟ تمھارا وہ حال کروں گا۔۔تم اپنی پہچان بھول جاؤ گی۔۔

شاہزیب کف اڑاتے ہوے بولا۔۔مہر ماہ کے منہ سے اپنے لیے لفظ ناجائز برداشت نہیں ہوا تھا۔۔شاہزیب خان بھوکے درندے کی مانند غرا اٹھا تھا۔۔

اسے یوں بلبلاتا دیکھ کر مہر ماہ استھزائیہ ہنسی تھی۔

آواز اور نظریں نیچی۔۔۔۔۔شاہزیب خان۔۔۔میں اب کوٹھے والی مہر ماہ نہیں۔۔مہر شاہ ہوں۔۔۔سلطان احمد کو تمھارے ارادوں کی خبر بھی ہو گئی ۔۔وہ تمھارے ٹکرے ٹکرے کر دے گا۔۔مہر ماہ شاہزیب کی آنکھوں میں دیکھتے دھمکی امیز لہجے میں بولی۔۔

وہ تمھیں خرید کر لایا ہے۔۔۔ تم کبھی بھی اس کی عزت نہیں بن سکتی ۔۔۔ اگر وہ تمھیں اپنی عزت سمجھتا تو اپنا ولیمہ کرتا۔۔ تمھارا اپنے سرکل میں تعارف کرواتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تمھاری پہچان پر شرمندہ ہے۔۔ تم سے دل بھر جانے پر وہ جلد یا بدیر تمھیں دوبارہ اسی کوٹھے کی زینت بنا دے گا۔۔

میرے ساتھ ڈیل کر لو۔۔۔ ایک رات کے لیے خود کو میرے سپرد کر دو۔۔۔ میں تمھیں اس کوٹھے کی زینت نہیں بننے دوں گا۔۔ سلطان سے میں تمھیں خرید لوں گا۔۔ اور پھر تمھیں تما عمر ملکہ بنا کر رکھوں گا۔۔۔ صرف آج کی رات کے لیے مجھے سونپ دو۔۔ وہ کمینگی سے بولتا مہر ماہ کی طرف بڑھا۔۔

گارڈز۔۔۔۔۔ مہر ماہ پیچھے کو ہوتی حلق کے بل چیخی۔

تمھاری مدد کرنے آج کوئی نہیں آئے گا۔۔ سلطان کو آج دیر ہو جائے گی۔۔ وہ ایک بہت امپورٹنٹ میٹنگ میں مصروف ہے۔ اور گارڈز گیٹ پر ۔۔۔۔۔۔ شاہزیب خان ماہ کی بسی پر مسکرایا۔۔

مہر ماہ، شاہزیب کی بات سنتے پریشان ہوئی تھی۔۔ وہ اس وقت اس محل نما گھر میں اکیلی تھی۔

مہر ماہ کی ذاتی ملازمہ آج کسی وجہ سے چھٹی پر تھی۔۔ گیٹ پر چوکیدار اور گارڈز طعینات تھے۔۔۔

شاہزیب خان بنا آجازت اندر آجاتا تھا۔۔اس لیے ملازموں نے اسے روکا نہیں تھا۔۔

مہرماہ جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگی تاکہ اوپر جاکر سطان شاہ کو فون کرسکے یا پھر کسی کمرے میں خود کو لاک کرسکے۔۔

شاہزیب, مہرماہ کو سیڑھیوں کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا۔۔۔مہرماہ بھاگتے ہوے کئی سیڑھیاں ایک ساتھ ہی چڑھ گئی تھی۔۔اس کے پہلو میں شدید درد اٹھا تھا۔۔۔مگر اس وقت اسے اپنی عزت سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہ تھی۔

مہرماہ نے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ بند کرنا چاہا مگر شاہزیب کے پاؤں سے ٹھوکر مارنے پر وہ زمین پر منہ کے بل گری تھی۔۔

شاہزیب اندر داخل ہو چکا تھا۔۔ مہر ماہ سیدھی ہوتی کھسکتی ہوئی پیچھے کو ہوئی۔ مہر ماہ اپنا دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوے پیچھے کو کھسک رہی تھی۔

شاہزیب دھیرے دھیرے مسکراتے ہوے اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔۔۔

آج اس کے اور مہر ماہ کے بیچ کوئی نہیں آسکتا تھا۔۔ اتنا حسن یہ دو آتشہ روپ آج کی رات اس کا ہونے والا تھا۔۔ شاہزیب خان کا انگ انگ مہر ماہ کو پانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔۔

مہر ماہ پیچھے کو کھسکتی اٹھتے ہوے سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی تھی۔۔۔

اس سے پہلے شاہزیب اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے قابو کرتا۔۔ مہر ماہ نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے پسٹل نکال کر شاہزیب خان پر تانی۔

رک جاؤ وہیں شاہزیب خان۔۔۔۔ ورنہ میں تمھیں گولی مار دوں گی۔۔ مہر ماہ پسٹل پر اپنی گرفت مضبوط کرتے چیخی۔۔۔

یہ نازک انگلیاں اس قابل نہیں ہیں. وہ ٹریگر کو دبا بھی سکے۔۔۔۔ شاہزیب خان کمینگی بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔۔ مہر ماہ کا نازک بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔۔ ٹریگر پر انگلیاں کانپ رہی تھی۔۔ شاہزیب خان اس کا یہ روپ دیکھتا اور زیادہ اس کے لیے مچل گیا تھا۔۔

اتنی آسانی سے کچھ بھی مل جائے مزا نہیں آتا۔۔ تم

مجھے جتنا تڑپاؤ گی۔۔ مجھے اتنا مزا آئے گا۔۔ آج کی رات یقیناً بہت رنگین ہونے والی ہے۔۔ کوٹھے والی مہر ماہ سے تم تو بہت الگ ہو۔۔ ڈری سہمی شیرنی لگ رہی ہو۔ شاہزیب مہر ماہ کی طرف بڑھا تو مہر ماہ نے پسٹل کی ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھاتے گولی چلائی تو شاہزیب ہڑبڑا کر پیچھے ہوے تھا۔۔

گولی شاہزیب کے پاؤں کے قریب آکر لگی تھی۔۔ شاہزیب کی خوف سے رنگت سفید پڑی۔۔ اسے اندازہ نہیں تھا مہر ماہ اتنی ہمت کر سکے گی۔۔

شاہزیب خان کیا سمجھ رکھا ہے تم نے ایک عورت کو۔۔۔ بکاؤ مال یا پھر کوئی بے جان چیز یا پھر کوئی کھلونا۔۔۔۔ خبردار میری طرف ایک قدم بھی بڑھایا ۔۔ میں تمھیں گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گی۔

مہر ماہ مر تو سکتی ہے۔۔۔ مگر اپنی عزت پر آنچ نہیں آنے دے سکتی۔۔

مہر ماہ شاہزیب خان پر پسٹل تانے حلق کے بل چیخی۔۔

مہر ماہ کمزور تھی.. مگر مہر شاہ کمزور نہیں ہے۔۔ کیونکہ اب یہ عزت صرف میری نہیں۔۔۔ بلکہ سلطان شاہ کی آمانت ہے۔۔ مہر ماہ مر تو سکتی ہے اپنے سلطان کی عزت پر آنچ نہیں آنے دے سکتی۔۔

دفعہ ہو جاؤ۔۔۔ ورنہ اس پسٹل کی ساری گولیاں میں تمھارے غلیظ وجود میں اتار دوں گی۔۔ مہر ماہ پسٹل کے ٹریگر پر انگلیاں مضبوط کرتے چیخی۔

مہر ماہ۔۔ یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔۔ آج اگر تم مجھے خود کو سونپ دیتی تو یہ بات یہیں ختم ہو جاتی۔۔ تمہیں اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔۔

عنقریب تمھیں میں ہر مرد کی بستر کی زینت بناؤں گا۔۔شاہزیب خان سرخ چہرے کے ساتھ بولتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

شاہزیب خان کے جانے کے بعد مہرماہ پسٹل دور پھینکتی بیڈ پر اوندھے منہ گر کر رونے لگی۔۔

کیا کوٹھے پر چند سال گزارنے سے وہ ایک طوایف بن گئی تھی۔۔اس کی پہچان صرف کیا طوائف تھی۔۔اس کی رگوں میں دوڑتا جائز خون اس کی پہچان نہیں تھی۔مہرماہ کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا۔

وہ ایک شریف ماں باپ کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔۔عزت سے کسی کے نکاح میں آگئی تھی۔۔وہ رقص ضرور کرتی تھی۔۔مگر کبھی کسی مرد نے اسے چھوا نہیں تھا۔۔شائد خدا نے اس کی عزت کی لاج اس لیے رکھی تھی۔۔وہ ایک نیک باپ کی بیٹی تھی۔۔جو مسجد میں آمام تھا۔۔۔مگر پھر

بھی اس پر ایک طوائف کا ٹیگ لگ گیا تھا۔۔ اس لیے سلطان احمد نے اسے اپنے سرکل میں انٹرڈیوس نہیں کروایا تھا۔۔ وہ جانتی تھی سلطان احمد نہیں چاہتا تھا کوئی بھی اسے پہچانے۔۔

مہر بیڈ شیٹ کو مٹھیوں میں دبوچے شدت غم سے رو دی تھی۔۔ وہ سلطان احمد کو بتانا چاہتی شاہزیب کے بارے میں۔۔ مگر مہر ماہ بتانے کی ہمت نہیں جھٹا پا رہی تھی۔۔ وہ کیسے بتاتی کہ شاہزیب خان بھی کوٹھے پر اسے رقص کرتا دیکھ چکا تھا۔۔ اور اس پر حوس بھری نظر رکھتا تھا۔۔ سلطان احمد کو یہ بات کتنی تکلیف دے گی۔۔ اس کے جگری دوست نے اس کی ہی بیوی کے بدن کو للچائی نظروں سے دیکھا ہے۔۔ یا پھر سلطان احمد نے بھی اگر اسے ماضی کا طعنہ دے دیا تو وہ تو مر ہی جائے گی۔۔ لفظ طوائف سلطان احمد کے منہ سے سننا کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔۔

سلطان احمد نے ان چند ماہ میں اسے بہت عزت بہت مان دیا تھا۔۔ اسے کبھی احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔۔ آج پھر لفظ طوائف مہر ماہ کے حواس چھین رہا تھا۔

مہر ماہ شدت غم سے اونچا اونچا بین کر رہی تھی۔۔ وہ نہیں جانتی تھی ۔۔ سلطان احمد سے یہ سب چھپا کر وہ اپنی زندگی کی سب سے سنگین غلطی کرنے جا رہی ہے۔۔

مہر ماہ نے غصے سے سلطان احمد کو دیکھا۔ جو جب سے آفس سے آیا تھا ۔۔۔ اسے بلکل مکمل نظر انداز کیے چھ ماہ کی حور میں مگن تھا۔۔

حور بیڈ پر لیٹی کلکاریاں مار رہی تھی۔۔ چھ ماہ کی ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ سلطان احمد کو پہچاننے لگی تھی۔۔ سلطان احمد کو دیکھ کر ہنسنے لگ جاتی یا پھر رو رو کر خود کی طرف متوجہ کرتی۔۔ ابھی بھی وہ جب سے آفس سے آیا تھا۔۔ حور سے ہی کھیل رہا تھا۔۔۔ اور یہ سب دیکھ کر مہر ماہ کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوے تھا۔۔

مہر ماہ نے اپنے بالوں میں برش کرتے ایک نظر سلطان شاہ کو دیکھا دوسرے پل برش ڈریسنگ ٹیبل پر زور سے پٹخا.. سلطان احمد کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ رقصان ہوئی۔۔ وہ حور کے ساتھ کھیلتے اپنی خوبصورت بیوی کو بھی اپنے نظروں کے حصار میں رکھے ہوے تھا۔

مہر ماہ کی جیلسی سے وہ بخوبی واقف تھا۔۔اس لیے وہ مہر ماہ کو مکمل طور پر نظر انداز کیے حور کے پیٹ میں ہلکی سی گدگدی کرتے اس سے کھیلنے لگا۔۔مہر ماہ کو مزید تپایا تھا۔۔

شاہ۔۔۔۔میں آپ کو نظر انداز کروں تو آپ سے برداشت نہیں کرتے۔۔مگر جب سے حور آئی ہے۔۔آپ مجھے مکمل بھول چکے ہیں۔۔مہر ماہ سلطان احمد کے پاس بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے شکوہ کناں لہجے میں بولی۔۔

میری زندگی میں سب سے امپورٹنٹ صرف حور ہے۔۔میری بیٹی میری زندگی میری جان۔۔۔سلطان احمد نے حور کے گال پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔مہر ماہ کی طرف اب بھی نہیں دیکھا تھا۔

شاہ۔۔۔میری کوئی اہمیت نہیں۔۔۔صرف آپ کی بیٹی ہی آپ کو پیاری ہے۔مہرماہ کی آواز بھیگی تو سلطان احمد کا بھاری قہقہ گونجا۔۔مہرماہ کو جیلس ہوتے دیکھ کر سلطان احمد بہت محظوظ ہوتا تھا۔

اپنی ہی بیٹی سے جیلس ہوتے کسی کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔۔سلطان احمد مہرماہ کی طرف مڑتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے پیار سے بولا۔۔۔مہرماہ کی بھیگی آنکھیں کہاں گوارا تھیں؟؟۔۔۔وہ ان آنکھوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا

جیلس نہیں ہو رہی۔۔۔آپ کی زندگی میں اپنی ویلیو بتا رہی ہو۔۔جس بیٹی سے آپ شدید محبت کرتے ہیں بھولیں مت۔۔۔۔وہ میں نے ہی آپ کو

دی ہے۔۔ مہر ماہ نروٹھے انداز میں بولی۔۔ سلطان کا فلک شگاف قہقہ برامد ہوا تھا۔۔ مہر ماہ یہ بات اسے دن میں کتنی مرتبہ ہی جتاتی تھی۔۔

میری مہر ماہ۔۔۔ اتنا خوبصورت تحفہ آپ نے ہی مجھے دیا ہے۔۔ جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔۔ ساری زندگی یہ سر آپ کے سامنے جھکا رہے گا۔۔ آپ نے اتنا قیمتی اور پیارا تحفہ دیا۔۔ سلطان احمد نے مہر ماہ کو مزید اپنے سینے میں بھینچتے اس کے بالوں پر لب رکھتے کہا تو مہر ماہ کے لبوں پر تفاخر بھری مسکراہٹ پھیلی تھی۔۔

سلطان احمد کی سانسیں تھیں حور میں۔۔ حور کے پیدا ہونے پر سلطان احمد مہر ماہ کے بہت نخرے اٹھاتا تھا۔۔ پہلے سے بھی زیادہ محبت کرتا تھا۔۔

سلطان احمد مہر ماہ کو بیڈ پر لٹا کر اس پر جھکے اپنی محبت نچھاور کرنے لگا۔۔ انٹر کام کی بیل پر سلطان احمد نے رسیور سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے کان سے لگایا تو

فون پر ملنے والی خبر سے سلطان احمد کے ماتھے پر شکنوں کا جال پھیلا تھا۔۔وہ بیڈ سے اٹھتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

سلطان احمد سیڑھیوں سے اتر تا لاونج کی طرف آیا۔۔ماہ جبین سلطان احمد کو دیکھتے صوفے سے اٹھتی سلطان احمد کے گلے لگ گئی۔۔

سلطان احمد کو ماہ جبین کا یوں سینے سے لگنا بہت برا لگا تھا۔۔ مگر ماہ جبین کی حالت دیکھتے وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔۔وہ نرمی سے ماہ جبین کو خود سے الگ کرنے لگا۔جو روتے ہوے سلطان احمد کی شرٹ سینے سے دبوچے ہوے تھی۔۔

مہر ماہ جو سلطان احمد کو دیکھتی نیچے آئی تھی۔۔ سلطان احمد کے سینے سے لگی کسی عورت کو دیکھ کر لاونج کے بیچ و بیچ رک گئی۔۔

مہر ماہ کی آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہوئیں۔ وہ سختی سے اپنی مٹھیاں دبوچ گئی تھی۔۔ سلطان احمد کے گلے لگے کوئی بھی عورت مہر ماہ سے کہاں برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔

مہر ماہ غصے سے آگے بڑھی۔۔۔ سلطان احمد نے مہر ماہ کو آنکھوں میں شرارے لیے خود کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا۔۔ اس لیے ہاتھ کے اشارے سے اسے مہر ماہ کو ادھر ہی روکا۔۔۔ سلطان احمد مہر ماہ کی شدت بھری پوزیسیونیس سے واقف تھا۔۔

مہر ماہ سلطان احمد کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھتے سلطان احمد سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔۔وہ بھیگی شکوہ کناں آنکھوں سے سلطان احمد کو دیکھنے لگی۔۔جو اس کے سامنے ہی کسی عورت کو گلے لگائے ہوے تھا۔

ماہ جبین کیا ہوا ہے؟؟تم اتنی رات کو کیوں آئی ہو؟؟۔۔۔فاروق کہاں ہے؟؟سلطان احمد نے اسے خود سے الگ کرتے پوچھا۔۔

فاروق نے مجھے طلاق دے دی ہے۔۔ماہ جبین سسکی لیتے ہوے بولی۔۔۔

کیا؟؟سلطان احمد نے پریشانی کے عالم میں ماہ جبین کو دیکھا۔۔

ہاں....اس نے مجھے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔۔اپنی بیٹی کا بھی خیال نہیں کیا۔۔رات کے اندھیرے میں مجھے اور نشا کو گھر سے نکال دیا۔۔ماہ

جبین نے روتے ہوے پانچ سالہ نشا کو دیکھا۔ جو ایک طرف سہمی سی کھڑی تھی۔۔

سلطان احمد کی بھی نظر نشا پر پڑی جو ایک طرف سہمی سی کھڑی رو رہی تھی۔

لیکن کیوں؟؟ فاروق نے تمھیں طلاق کیوں دی؟؟۔ سلطان احمد نے معصوم سی نشا کو دیکھتے اپنا ماتھا مسلتے پریشانی سے پوچھا۔۔

اس نے بیٹے کے لیے دوسری شادی کرلی ہے اور مجھے اور نشا کو گھر سے نکال دیا۔۔۔ کیونکہ نشا کے پیدا ہونے کے بعد میری اور اولاد نہیں ہو سکی۔۔۔

۔۔ میری امی نے مرتے ہوے میری ذمہ داری تمھیں اور خالہ امی کو سونپی تھی۔۔۔ خالہ امی نے تمھارے ساتھ میری مگنی کی تھی۔۔ مگر تم نے خالہ امی کے مرنے کے بعد مجھ سے مگنی توڑتے میری شادی کر دی۔۔ فاروق

تمھارا انتخاب تھا۔۔ دیکھو کیا کیا اس نے میرے ساتھ ؟؟۔۔ماہ جبین روتے ہوے چیخی۔

سلطان احمد پریشانی سے اپنی بیرڈ سہلاتے صوفے پر بیٹھا۔ماہ جبین کی اور اس کی مگنی بچپن میں ہو چکی تھی۔۔ سلطان احمد نے اس وعدے کا پاس تب تک رکھا تھا۔جب تک اس کی ماں نور بیگم زندہ تھی۔۔۔ کیونکہ وہ ماہ جبین کو پسند نہیں کرتا تھا۔۔ مگر اپنی ماں کے احترام میں تب خاموش رہا تھا۔

اپنی ماں کے مرنے کے بعد سلطان احمد نے ماہ جبین کی شادی کسی جاننے والے سے کر دی تھی۔۔ بدلے میں ماہ جبین کو ڈھیروں جہیز اور بھاری جائیداد کے ساتھ رخصت کیا تھا۔۔ مگر شائد اسے فاروق کو پہچاننے میں غلطی ہو گئی

۔ تھی۔ مگر اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

اسے اتنی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔ماہ جبین سلطان احمد کی منگیتر رہی ہے۔یہ بات مہرماہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔وہ سلطان احمد اور ماہ جبین پر ایک نظر ڈالتے وہاں سے چلی آئی۔۔

سلطان احمد کی توجہ وہ کسی عورت پر برداشت نہیں کر سکی تھی۔۔وہ بھی اس کی سابقہ منگیتر پر تو بلکل بھی نہیں۔۔

مہرماہ کو لاونج سے جاتے یہ دیکھ کر ماہ جبین کی سسکیاں عروج پر پہنچی تھیں۔ ۔اس نے پہلی مرتبہ مہرماہ کو دیکھا تھا۔۔اسے مہرماہ سے شدید جیلسی محسوس ہوئی تھی۔۔شائد سلطان نے مہرماہ کی وجہ سے اسے چھوڑا تھا۔۔ماہ جبین کے دل میں مہرماہ کو دیکھتے ہی گانٹھ پڑی۔۔مہرماہ کی خوبصورتی سے حسد محسوس ہوا تھا۔

مجھے لگتا ہے سلطان تمھاری بیوی کو میرا یہاں آنا پسند نہیں آیا۔۔۔

ماہ جبین نے روتے ہوے جتایا تو سلطان احمد لب بھینچ گیا تھا۔۔ مہر ماہ کا ایسے جانا سلطان احمد کو بھی کافی چبھا تھا۔۔

اگر تمھاری بیوی کو برا لگا ہے تو میں اپنی بیٹی کو لے کر کسی فلاحی ادارے چلی جاتی ہوں۔۔ ماہ جبین نے روتے ہوے کہا۔۔

تم کہیں نہیں جاؤ گی۔۔ تم اب یہیں پر ہی رہو گی۔۔ سلطان احمد صوفے سے اٹھتے غصے سے بولا۔۔۔ ملازمہ کو بلا کر ماہ جبین اور نشا کے لیے کمرہ سیٹ کرنے کو کہا۔۔

سلطان احمد نے کمرے میں آتے مہر ماہ پر غصیلی نظر ڈالی جو بیڈ پر گلابی چہرہ لیے بیٹھی تھی۔۔

آنکھیں اور گال گلابی ہو رہے تھے۔۔یقیناً وہ کب سے رو رہی تھی۔۔

بہت ہی چھوٹا دل ہے تمھارا مہر ماہ۔۔۔۔مجھے یہ آج اندازہ ہوا ہے۔۔گھر آئے مہمان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا ہے؟..ماہ جبین کا نہیں تو اس کی چھوٹی سی بیٹی کا خیال کر لیتی۔۔سلطان احمد مہر ماہ کی سرخ متورم آنکھوں کو دیکھتا غصے سے بولا۔۔

آپ تھے ناں خیال کرنے کے لیے۔۔۔۔میری کیا ضرورت تھی وہاں پر؟؟۔۔مہر ماہ نے بھیگے مگر سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

مہر ماہ تمھارا یہ انداز آج میرے لیے تمھاری محبت نہیں بلکہ خود غرضی ظاہر کر رہا ہے۔۔

تمھیں وہ میرے گلے لگے نظر آئی۔۔

مگر اس کا اجڑا روپ نظر نہیں آیا۔۔اس کا دکھ نظر نہیں آیا۔۔

مہر ماہ۔۔۔میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔۔ماہ جبین اور اس کی بیٹی اب یہیں رہیں گے۔۔اگر تمھاری وجہ سے انھیں کوئی تکلیف پہنچی تو بہت سختی سے پیش آؤں گا تم سے۔۔۔۔۔سلطان احمد مہر ماہ کو تنبیہ کرتا بیڈ کے ایک کنارے پر مہر ماہ کی طرف سے پشت کیے لیٹ گیا۔

مہر ماہ نے بھیگی آنکھوں سے سلطان احمد کی پشت کو دیکھا تھا۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا سلطان احمد اسے یوں بے رخی برتے لیٹ چکا تھا۔۔وہ رو رہی تھی اور وہ

اسے منائے بغیر ہی یوں کروٹ لیے لیٹ گیا تھا۔۔مہر ماہ کی آنکھوں سے آنسو برسات کی طرح برسے تھے۔

مہر ماہ نے اپنے پاس پڑے کاٹ میں سوئی حور کو ایک نظر دیکھا اور وہ بھی رخ پلٹے لیٹ چکی تھی۔۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو منایا نہیں تھا۔۔مہر ماہ نے ساری رات روتے ہوے گزاری تھی۔۔سلطان احمد نے ساری رات اس کی دبی دبی سسکیاں سنتے بے چینی سے گزاری تھی۔۔

ماہ جبین کو سلطان ہاؤس میں رہتے ہوے دو ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔۔

مہر ماہ نے ماہ جبین کو اس دن کے بعد کچھ نہیں کہا تھا۔

سلطان کی حکم عدولی وہ کسی صورت نہیں کر سکتی تھی۔۔ مگر ماہ جبین کے ساتھ وہ اپنا رویہ چاہتے ہوئے بھی خوشگوار نہ کر سکی تھی۔۔ ماہ جبین کو سلطان کے گلے لگا دیکھ کر اور یہ کہ وہ سلطان احمد کی منگیتر رہ چکی ہے۔۔ یہ بات اسے بھولائے نہیں بھولتی تھی۔۔

ماہ جبین ہر گزرتے دن کے ساتھ سلطان احمد کو یہ جتانا نہ بھولتی تھی کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا۔۔ اس میں اس کا قصور تھا۔۔ وہ ناشتے کی ٹیبل ہو یا ڈنر کا ٹائم ماہ جبین ہمیشہ روتے ہوئے ٹیبل سے اٹھ جاتی تھی۔۔۔

ہر دوسرے دن وہ وہ اپنے کمرے میں بیہوش ہوئی ملتی۔۔ یا پھر وہ سلطان احمد کو دیکھتے بے ہوش ضرور ہو جاتی تھی۔۔۔ اجڑے بکھرے حلیے میں پھرتی رہتی۔۔ نشا کو وہ مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔۔۔

مہر ماہ سمجھ رہی تھی۔۔ماہ جبین صرف سلطان احمد کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتی ہے۔۔اور سلطان احمد ماہ جبین سے خوب ہمدردی برت بھی رہا تھا۔۔

مہر ماہ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔۔یہ نہیں تھا کہ سلطان احمد کا پیار مہر ماہ کے لیے کم ہو گیا تھا۔۔

وہ مہر ماہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ناشتے کی ٹیبل ہو یا پھر کوئی بھی جگہ سلطان احمد کی نظروں کے حصار میں مہر ماہ ہی ہوتی۔۔مہر ماہ سلطان احمد کی بیوی اس کا عشق تھی۔۔اس کی بچی کی ماں۔۔وہ اسے کبھی نظر انداز یا اس سے بے رخی برتنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔

ماہ جبین کی سلطان احمد کی زندگی میں نہ کل کوئی جگہ تھی نہ آج کوئی جگہ تھی۔۔ماہ جبین مہر ماہ کی خوبصورتی کے آگے تو ویسے ہی ماند پڑ جاتی

تھی۔۔ بلکہ وہ چمکتے چاند کے سامنے جیسے سیاہ اندھیری رات معلوم ہوتی۔۔۔۔

مگر مہر ماہ ایک بیوی تھی۔۔ جسے اپنے شوہر کی ساری توجہ چاہیے تھی۔۔ سلطان احمد کو ماہ جبین سے ہمدردی برتتے دیکھ کر مہر ماہ کے دل میں وسوسے سے جنم لینے لگتے۔۔ ایک بیوی کی طرح اس کے دل و دماغ سے تمام منفی خیالات جڑنے لگتے۔۔

پھر وہ سلطان احمد کی شدید محبت اور اپنی بے پناہ خوبصورتی بھی بھول جاتی۔۔

سلطان احمد رات گئے ایک میٹنگ اٹینڈ کر کے سلطان ہاؤس داخل ہوا تھا۔۔ شدید تھکن سلطان احمد کو محسوس ہو رہی تھی۔۔ اب یہ تھکن اس کی

معصوم بیٹی کا من موہنا چہرہ دیکھ کر اترنی تھی۔ اور اپنی خوبصورت بیوی کی قربت میں گم ہو کر ہی اترنی تھی۔۔ سلطان احمد بے قراری سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ اسے کچن میں سے کھٹ پٹ کی آوازیں آئی۔ اتنی رات کو کون کچن میں ہو سکتا تھا؟؟۔۔ سلطان احمد اچھنبے سے کچن کی طرف بڑھا۔۔ ہلکی سی سبز مائل روشنی میں ماہ جبین کو کھڑے دیکھا جو کلائی پر چھری رکھے کھڑی تھی۔۔

سلطان احمد یہ دیکھتے ماہ جبین کی طرف بڑھا اور اس سے چھری چھیننے کی کوشش کی۔۔ جسے ماہ جبین سرعت سے پیچھے کر گئی۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔ سلطان احمد مجھے مرنے دو۔۔ میں مرنا چاہتی ہوں۔۔ مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔ ماہ جبین بری طرح چیخی۔۔

کیا کہہ رہی ہو ماہ جبین ؟؟۔۔۔۔۔پاگل ہو گئی ہو اپنا نہیں تو نشا کا خیال کر لو۔۔سلطان احمد ماہ جبین کے ہاتھ سے چھری کھینچتے ہوے بولا۔۔

ہاں پاگل ہو گئی ہوں۔۔نشا کو اس کے باپ نے نہیں اپنایا تو کون اپنائے گا۔۔کون میرا اور میری بیٹی کا خیال رکھے گا؟؟۔۔میں نشا کو بھی مار دوں گی اور خود کو بھی۔۔ماہ جبین ہزیانی چیخی۔۔

میں رکھوں گا تمھارا اور تمھاری بیٹی کا خیال۔۔سلطان حمد نے ماہ جبین کو اپنے حصار میں لیا جو پینک ہو رہی تھی۔۔۔اپنے بال نوچ رہی تھی۔۔

ماہ جبین میں تھارا اور تمھاری بیٹی کا خیال رکھوں گا۔۔تمھیں میرے ہوتے ہوے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔سلطان احمد ماہ جبین کے بری طرح لرزتے روتے وجود کو سنبھالتے ہوے بولا۔۔

مہر ماہ جو سلطان احمد کا انتظار کرتے کمرے سے نکل کر نیچے آئی تھی۔۔

ماہ جبین کو سلطان احمد کے سینے سے لگے دیکھ کر اور سلطان احمد کے الفاظ سنتے سلطان احمد کو بھیگی اور شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔ مہر ماہ کو کچن کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر سلطان احمد نے ماہ جبین کو جلدی سے خود سے دور کیا۔۔ مہر ماہ کو ماہ جبین کا سلطان احمد کے اتنا قریب آنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے سلطان احمد پوری کوشش کرتا تھا۔۔ ماہ جبین اس کے قریب نہ آئے۔۔ وہ ان دو ماہ میں اکیلے کبھی ماہ جبین کے کمرے میں بھی نہیں گیا تھا۔۔

سلطان نے بے بسی کو ماہ جبین کو دیکھا۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں سے جکڑے اور اس کے قریب ہوتے زار و قطار رونے لگی۔۔ سلطان احمد اپنی شرٹ

چھڑواتے مہر ماہ کی طرف بڑھا۔ مگر مہر ماہ آنسو بہاتے بھاگتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔

سلطان احمد یہ دیکھتے پریشان ہوا۔۔۔اس سے پہلے وہ مہر ماہ کے پیچھے جاتا۔۔ ماہ جبین چکر کھا کر نیچے گر پڑی تھیں۔۔

سلطان احمد نے ماہ جبین کی طرف بڑھتے اس کے بے ہوش وجود کو سنبھالا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سلطان احمد کافی دیر بعد اوپر آیا تو کمرے میں بکھرا سامان دیکھ کر چونکا تھا۔۔

ڈریسنگ ٹیبل کے پرفیوم باڈی سپرے مہرماہ کا میک اپ سب کچھ زمین پر بکھرا پڑا تھا۔

مہرماہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی ہچکیوں سے بہت بری طرح رو رہی تھی۔۔

سلطان احمد نے کمرے کی حالت دیکھتے اور مہرماہ کو ایسے روتے دیکھ کر اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

وہ مہرماہ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا تھا۔ مہرماہ اس کی زندگی اس کا جنون اس کا عشق تھی۔ اس کی آتی جاتی سانسوں کی ضمانت تھی۔۔ وہ مہرماہ کے لیے پاگل تھا۔۔ مہرماہ کی انسیکورٹی اور جیلسی سلطان احمد کو اب غصے میں مبتلا کر رہی تھی۔۔

ماہ جبین کا اس کے علاوہ کوئی نہ تھا۔۔ پھر وہ اسے اور اس کی بچی کو کہاں چھوڑتا۔۔۔

سلطان احمد مہر ماہ کو بہت مرتبہ سمجھا چکا تھا کہ وہ صرف اس کا ہے۔۔۔ مگر مہر ماہ کا ایسے رونا ثابت کر رہا تھا وہ اس پر اعتبار نہیں کرتی۔۔

سلطان احمد غصے سے مہر ماہ کی طرف بڑھا۔۔

کون مر گیا ہے تمھارا مہر ماہ؟؟ میں مر گیا ہوں کیا؟؟ جو اس طرح رو رہی ہو۔۔ سلطان احمد مہر ماہ کو کندھے سے جکڑتے سیدھا کرتے ہوئے غصے سے بولا۔۔

ہاں۔۔۔ آپ کی محبت مر گئی ہے میرے لیے۔۔۔اب صرف آپ کو وہ ماہ جبین نظر آتی ہے۔۔اس کے جھوٹے آنسو نظر آتے ہیں۔میری محبت اور میری بیٹی نظر نہیں آتی۔۔۔مہر ماہ غصے سے چیخی تھی۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا کہ مہر ماہ کی آواز سلطان احمد کے سامنے اونچی ہوئی تھی۔۔

مہر ماہ اپنے لہجے اور آواز پر قابو پاؤ۔۔۔حور سو رہی ہے۔۔سلطان احمد نے ناگواری سے کہتے حور کے کاٹ پر نظریں دوڑائیں۔۔مہر ماہ کے چیخنے پر حور کسمسائی تھی۔۔

کیوں پاؤں قابو اپنی آواز پر۔۔۔ آپ آدھی آدھی رات ایک غیر عورت کو گلے لگائے کھڑے ہوں گے۔ میں احتجاج بھی نہ کروں۔۔ مہرماہ نے روتے ہوے کہا۔۔

مہرماہ تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟؟ جو تم یہ سب کہہ رہی ہو۔۔ سلطان احمد نے لب بھینچے پوچھا۔۔

نہیں ہے اعتبار۔۔ کیونکہ آپ ایک مرد ہیں۔۔ جسے اپنا منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے نت نئے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر وہ کھانا چاہے حرام ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ حرام کھانے میں لذت زیادہ جو ملتی ہے۔۔ مہرماہ شدت غم سے پھٹ پڑی۔۔

مہرماہ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟؟ ہوش میں ہو تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو؟؟۔۔ سلطان احمد نے مہرماہ کو گھورتے ہوے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔

الزام نہیں لگا رہی۔۔ حقیقت بیان کر رہی ہوں۔۔ مرد ہیں آپ۔۔۔ ایک عام مرد جسے صرف اپنی نفسانی خواہش کا خیال ہے۔۔۔ کوٹھے پر آپ کیا کرنے آئے تھے؟؟۔۔۔ آپ کو بھی تو حرام کی کشش نے کھینچا تھا۔۔ اس لیے آپ وہاں پر آئے تھے۔۔

مہرماہ کی بات پر سلطان احمد کا رنگ خطرناک حد تک سرخ پڑا۔۔

مہرماہ بولتے ہوئے بھول چکی تھی۔ وہ بھی اس کوٹھے کا حصہ رہ چکی تھی۔۔ اگر سلطان پلٹ کر اسے ہی کوٹھے والی کہہ دیتا تو اس کا کیا رہ جاتا۔۔۔ سلطان کی شدید محبت اور مان نے ہی اسے بھلا دیا تھا وہ بھی اس کوٹھے کا حصہ تھی۔۔

اپنے الفاظ کی سنگینی کا مہرماہ کو اسی پل احساس ہو چکا تھا۔ سلطان احمد کا سرد سپاٹ سرخ چہرہ دیکھ کر مہرماہ کی آنکھیں چھلکتے ہوئے جھکی تھیں۔

ماہ جبین کو سلطان کے گلے لگ دیکھ کر وہ پاگل ہو چکی تھی۔۔۔ سلطان احمد اتنی دیر سے کمرے میں آیا تھا۔۔ وہ سلگتی لکڑی کی راکھ کا اتنی دیر میں حصہ بن چکی تھی۔۔

مہر ماہ۔۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو۔۔ میں کوٹھے پر گیا تھا مگر اپنے ایک دوست کے مجبور کرنے پر۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کون سی کشش کون سی وجہ

مجھے وہاں لے گئی تھی۔۔ ایک تجسس مجھے وہاں پر لے گیا تھا۔۔ مگر کوئی غلط کام کرنے کے لیے نہیں گیا تھا۔۔

مجھے تمھارے لفظوں نے آج بہت تکلیف پہنچائی ہے۔۔ شائد میری محبت میں ہی کوئی کمی رہ گئی ہے۔۔ سلطان احمد ٹوٹے کانچ سے لہجے میں بولتے ہوے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

مہرماہ ابھی تک ساکت سی بیٹھی تھی کہ وہ کیسے سلطان احمد کے لیے یہ لفظ بول سکتی ہے۔۔۔۔ وہ تو اس کا مسیحا تھا۔۔ وہ اگر ادھر نہ آتا تو وہ آج بھی اسی گندگی کا حصہ ہوتی۔۔ خدا نے تو اسے فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔

مہرماہ جلدی سے اٹھتی سلطان احمد کے پیچھے لپکی۔۔ مگر وہ تب تک لاونج عبور کرتا داخلی دروازہ عبور کر چکا تھا۔۔ مہرماہ لاونج میں زمین پر بیٹھی گھٹنوں میں منہ دیے سسکنے لگی۔

سلطان احمد کل سے گھر نہیں آیا تھا۔۔نہ ہی سلطان احمد کا نمبر مل رہا تھا۔۔مہر ماہ نے آفس فون کیا تو اسے پتہ چلا کہ سلطان احمد میٹنگ کے سلسلے میں دبئ چلا گیا ہے۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا سلطان احمد اس کے اور حور کے بغیر کہیں باہر گیا تھا۔۔وہ بزنس کے سلسلے میں بھی کہیں جاتا تو مہر ماہ اور حور کو ساتھ لے کر جاتا۔۔مہر ماہ یہ سب سنتے روتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔۔کل سے وہ رو رہی تھی۔۔سلطان احمد کو کتنے فون بھی کیے تھے۔۔مگر اس نے ایک فون نہیں اٹھایا تھا۔مہر ماہ کمرے میں آتے بیڈ پر لیٹ کر سلطان احمد کی تصویر والا فریم سینے سے لگائے رونے لگی۔۔

سلطان احمد اور مہر ماہ نہیں جانتے تھے ان کی یہ ناراضگی ان کا سب کچھ ان سے چھین لے گی۔۔۔

مہرماہ کی صبح آنکھ کھلی تو اس نے خود کو انجان جگہ پر پایا تھا۔۔۔یہ کمرہ..... مہرماہ زیر لب بولتے اپنے چکراتے سر کو تھامتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔۔پورے بدن میں خوف نے سرایت کیا تھا۔

ماتھے پر شبنم کے قطرے چمکے تھے۔۔۔

یہ کمرہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔ مگر وہ یہاں کیسے ؟؟ یہ کیسے ممکن تھا؟؟

مہرماہ کی خوف کے مارے آواز نکلنا بند ہو چکی تھی۔۔وہ شور کرنا چاہتی تھی۔۔ مگر اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔۔

شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔مہرماہ نے سلطان احمد کو کپکپاتے لبوں سے پکارا۔۔

حور۔۔۔۔۔۔مہر ماہ نے بہتے آنسوؤں سے حور کو پکارتے کمرے میں

نظریں دوڑائیں۔۔دل نے رب سے ایک ہی صدا کی تھی کہ اس کی حور

ادھر نہ ہو۔۔۔حور پر اس جگہ کی منحوسیت کا سایہ کبھی بھی نہ پڑے۔۔

شاہ۔۔۔۔۔۔مہر ماہ نے چیختے ہوے سلطان احمد کو دوبارہ پکارا۔۔

وہ جلدی سے اٹھتے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔۔

کمرے کا دروازہ باہر سے لاک تھا۔۔

مہر ماہ نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔۔

کھولو دروازہ.... مہر ماہ چلائی۔۔

کھولو دروازہ۔۔۔۔۔شاہ۔۔۔۔مہر ماہ نے چیختے ہوے پکارا۔۔

وہ کافی دیر تک دروازہ کھٹکٹاتی رہی۔۔۔مگر دروازہ نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔۔۔۔

وہ دروازہ کھٹکٹاتے چیخو پکار کرتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر ٹھنڈے فرش پر گر چکی تھی۔

۔۔۔

میں کہیں بھی لے جاؤں وہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔۔ اتنا آسان نہیں ہے مہر ماہ کو یہاں رکھنا۔ اسے میں باہر بھی کہیں منتقل کر دیتی ہوں۔ مگر سلطان احمد مہر ماہ تک آج نہیں کل تو پہنچ ہی جائے گا۔ یہاں میرا چلتا دھندہ بھی بند کروادے گا۔۔ میں نے اس کی آنکھوں میں مہر ماہ کے لیے جنون دیکھا ہے. وہ آج نہیں تو کل مہر ماہ کو ڈھونڈ لے گا۔۔ پھر اس کے بعد کیا ہو گا ؟؟ تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔ میں سلطان احمد کا شائد مقابلہ کر سکتی ہوں۔۔۔ مگر سلطان احمد کی جنونیت کا نہیں۔۔ نازنین بیگم نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوے کہا۔۔

لیکن اگر مہر ماہ خود ہی سلطان احمد کو کہہ دے کہ وہ اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے تو..... شاہزیب پر سوچ انداز میں بولا۔۔

وہ ایسا کیوں کہے گی ؟؟۔۔ نازنین بیگم اچھنبے سے بولی۔

کیونکہ طوائف کبھی نہیں بدلتی۔۔ مہرماہ کا ایک مرد سے گزارا نہیں تھا۔۔ اس لیے وہ اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے۔۔ سلطان احمد استھزائیہ مسکرایا۔

اور تمھیں لگتا ہے۔ مہرماہ یہ سب سلطان احمد سے کہے گی اور وہ یقین کر لے گا۔۔۔ منٹوں میں بات کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔۔ اور تم ہی بتاؤ مہرماہ اپنا محل جیسا گھر چھوڑ کر کیوں اس کوٹھے پر آئے گی۔ سلطان احمد بیوقوف نہیں ہے۔ نازنین شاہزیب کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔۔

ہاں وہ یقین کرے گا۔۔ کوئی عورت یہاں آنے کا سوچ نہیں سکتی۔۔ مگر مہرماہ ایک طوائف ہے۔۔ طوائف کی فطرت نہیں بدلتی۔۔ سلطان احمد کتنا ہی مہرماہ سے محبت کرتا ہو۔۔۔ مگر مہرماہ پر یقین نہیں کرتا ہو گا۔۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ پوری دنیا کے سامنے مہرماہ کا تعارف ضرور کرواتا۔۔ وہ تو مہرماہ کو سات

پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے۔۔اس کے دل میں مہر ماہ کو لے کر آج بھی خدشات ہیں۔شاہزیب خان سنجیدگی سے بولا تو نازنین بیگم نے قہقہ لگایا تھا۔۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔۔یہاں سے سلطان احمد جیسے شریف مرد عورتوں کو اپنے گھر تو لے جاتے ہیں۔۔کچھ عورت کی خوبصورتی گہنانے کے بعد اسے دوبارہ یہاں ہی چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔کئی مرد شک کی آگ میں جلتے انھیں اپنی زندگی سے نکال دیتے ہیں۔۔۔اور کئی تو اپنی حلال کی اولاد ایسی عورت سے پیدا کرنا نہیں چاہتے۔۔اور لوگ کہتے ہیں طوائف گھر نہیں بسا سکتی۔۔ماہ جبین تلخ حقیقت زہر خند لہجے میں بولتے استھزائیہ مسکرائی۔

سلطان احمد نے مہر ماہ سے اپنی اولاد تو پیدا کر لی ہے۔۔مگر تم سچ کہہ رہے ہو۔۔اگر مہر ماہ خود یہ سب کہے گی تو سلطان احمد یقین کرے گا۔۔اسے یقین

کرنا پڑے گا۔۔ مہر ماہ اس سے بیوفائی کر چکی ہے۔۔ پھر وہ مہر ماہ پر شائد تھوکنا بھی پسند نہ کرے۔۔ نازنین بیگم مکاری سے بولی۔۔

مگر ایک بات یاد رکھنا۔۔ وہ مہر ماہ پر یقین کر بھی لے گا.. وہ مہر ماہ کو ادھر نہیں رہنے دے گا۔۔ وہ مہر ماہ کو گولی مار دے گا۔۔ نازنین بیگم نے پریشانی سے کہا۔۔

وہ مہر ماہ کو مارے گا تمھیں اور مجھے تو کچھ نہیں کہے گا۔۔ شاہزیب مکاری سے مسکرایا۔۔

میں مہر ماہ کی موت نہیں چاہتی۔۔ میں سلطان احمد کی عزت اور محبت کو یہاں کوٹھے پر آئے ہوے ہر مرد کی بانہوں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔۔ اس نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔۔ میں یہ بھول نہیں سکتی۔۔ مجھے تھپڑ مارنے کی اس سے کم

سزا سلطان احمد کی نہیں ہونی چاہیے۔۔ نازنین بیگم نفرت سے زمین پر تھوکتے غرائی۔۔

تم فکر نہ کرو۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔۔ وہ اگلے دو دن بعد دبئی سے آ رہا ہے۔۔ تم کل ہی مہر ماہ کو اس دھندے پر لگا دو۔۔ جب اسے پتہ چلے گا۔۔ مہر ماہ نے اپنی مرضی سے یہ سب کیا۔۔ وہ اسے اسی ٹائم چھوڑ دے گا۔۔ اس مہر ماہ کی شکل نہیں دیکھے گا۔۔ اس پر تھوکنا پسند نہیں کرے گا۔۔ میں سلطان احمد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔۔ وہ پلٹ کر مہر ماہ کی طرف نہیں آے گا۔۔ شاہزیب خان نے کہتے صوفے سے ٹیک لگائے سگار منہ میں رکھتے دھواں چھوڑا تھا۔

مہر ماہ کل سے بھوکی پیاسی اس کمرے میں بند تھی۔۔ غم کی مورت بنی ہوئی تھی۔۔لبوں پر صرف حور اور سلطان احمد کا نام تھا۔۔۔وہ سلطان احمد کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔اللہ سے ایک ہی دعا وہ کر رہی تھی سلطان احمد کے آنے تک اس کی عزت کو آنچ نہ آئے۔۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو شاہزیب کو دیکھ کر مہر ماہ بیڈ سے اٹھتے شاہزیب کی طرف جپھٹی تھی۔۔ کھینچ کر اس کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔اس سے پہلے وہ دوسرا تھپڑ لگاتی تو وہ اس کی کلائی کو سختی سے دبوچ گیا۔

نہیں مہر ماہ نہیں۔۔۔۔۔ آج تم مہر شاہ نہیں بلکہ اس کوٹھے کی مہر ماہ ہو۔۔اس لیے اپنی اوقات میں رہ کر بات کرنا مجھ سے۔ورنہ تمھارے ساتھ تو برا ہو گا ہی۔۔۔۔ تمھاری بیٹی حور کو بھی میں یہاں لے آؤں گا۔۔سلطان احمد مہر ماہ کی کلائی چھوڑتے بولا۔۔۔

کیوں کیا تم نے ایسا شاہزیب خان ؟؟۔۔ اپنے ہی دوست کے گھر نقب لگائی۔۔ اس کی عزت کے ساتھ یہ کھیل کھیلا۔۔۔ تمھیں سلطان احمد نہیں چھوڑے گا۔۔ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔۔ مہر ماہ حلق کے بل چیخی۔۔

اگر تم اس دن میری بات مان لیتی تو آج تمھیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔۔ تم سلطان احمد کے بعد میرے بستر کی زینت بنتی۔۔ لیکن اب تمھیں پتہ نہیں کتنے ہی مردوں کی۔۔ شاہزیب بات ادھوری چھوڑ کر مکاری سے ہنسا۔۔

یہ تمھاری بھول ہے میں اب بھی تمھیں تمھارے ارادوں میں کامیاب ہونے دوں گی۔۔ مہر ماہ صرف سلطان احمد کی ہے۔۔ تم جیسے مردوں پر مہر

ماہ صرف تھوکتی ہے۔۔مہر ماہ نے شاہزیب کے منہ پر نفرت سے تھوک دیا تھا۔۔

شاہزیب اپنے گال سے مہر ماہ کا تھوک صاف کرتے گہرا مسکرایا تھا۔۔

اس بات کا حساب تو میں تم سے آج رات لوں گا۔۔ تمھارا پہلا گاہک بن کر۔۔۔ابھی میں تمھیں کچھ دکھاتا ہوں۔۔سلطان احمد نے موبائل نکال کر ویڈیو کال ملائی۔۔

موبائل مہر ماہ کے سامنے کیا تو مہر ماہ نے تڑپتے ہوئے موبائل پکڑا۔۔

حور بیڈ کے کنارے پر لیٹی زار و قطار روروتے ہاتھ پیر مار رہی تھی۔۔

وہ پتہ نہیں کب سے رو رہی تھی۔۔اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔۔اس کا رو رو کر سانس رک رہا تھا۔۔

حور۔۔۔۔ حور۔۔۔ مہر ماہ نے تڑپتے ہوے حور کو پکارا۔۔

کون ہے ادھر میری بچی کو پکڑو۔۔۔ وہ گر جائے گی۔۔ مہر ماہ کی آواز شدت غم سے پھٹ پڑی تھی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ مہر ماہ نے پھر روتے ہوے پکارا تھا۔۔

اللہ کا واسطہ ہے میری حور کو پکڑو وہ بیڈ سے گر جائے۔۔ مہر ماہ نے روتے ہوے التجا کی۔

شاہزیب بولو اسے۔۔۔ میری حور کو پکڑے۔ میری حور رو رہی ہے اسے بھوک لگی ہو گی اسے دودھ دے دے۔۔۔ مہر ماہ روتے ہوے شاہزیب کی طرف بڑھی۔۔ موبائل ابھی بھی مہر ماہ کے ہاتھ میں تھا۔

حور بیڈ کے کنارے سے گرنے ہی لگی تھی کہ مہر ماہ کا سانس اٹکا تھا۔۔ آچانک سے دو ہاتھوں نے حور کو مضبوطی سے تھاما۔۔

مہر ماہ کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔۔

ماہ جبین۔۔۔ ویڈیو کال پر ماہ جبین کو دیکھ کر مہر ماہ نے بے یقینی سے پکارا تھا۔۔

ماہ جبین نے حور کو پکڑتے اس کے گلے پر ہاتھ رکھا۔۔

ماہ جابین یہ کیا کر رہی ہو؟؟ مہر ماہ چیخی۔۔۔

آچانک سے ویڈیو کال بند ہو چکی تھی۔۔

مہر ماہ موبائل پکڑتے زمین پر دوزانو بیٹھتے روتے ہوے چلی گئی۔۔

جو کہتا ہوں وہ کرتی جاؤ۔۔ ورنہ تمھاری بیٹی ایسے ہی بیڈ سے گر کر مر جائے گی۔۔۔ یا پھر اس کا گلہ بے دردی سے ہم لوگ گھونٹ دیں گے۔۔

یہ بھی نہ کر سکے تو حور کو ایسی ہی جگہ لا کر چھوڑ دوں گا کہ سلطان احمد کبھی اسے ڈھونڈ بھی نہ سکے گا۔۔ شاہزیب دھمکی دیتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

سلطان احمد بنا میٹنگ اٹینڈ کیے ہی واپس پاکستان آ گیا تھا۔۔ وہ مہر ماہ سے ناراض تھا۔۔ نکاح کے بعد پہلی مرتبہ اس کے بغیر کہیں باہر گیا تھا۔۔ اس لیے مزید بے چین ہو گیا تھا۔۔ سلطان احمد کا دل بھی بہت گھبرا رہا تھا۔۔ حور اور مہر ماہ کا خیال بہت بے چین کر رہا تھا۔

سلطان احمد گھر میں داخل ہوا تو ماہ جبین گھبراتے ہوے سلطان احمد کی طرف بڑھی۔۔

سلطان احمد نے دو دن بعد آنا تھا۔ وہ آج واپس آ گیا تھا۔۔

سلطان تم۔۔۔ماہ جبین نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے کہا۔۔

کیسی ہو؟؟ سلطان احمد نے ماہ جبین کے پسینے میں تر چہرے کو بغور دیکھتے ہوے پوچھا۔۔

ٹھیک ہوں۔۔۔ماہ جبین نے اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے کہا۔۔

سلطان سیڑھیوں کی طرف بڑھا ہی تھا۔ ماہ جبین کی پکار پر رکا۔۔

سلطان مہر ماہ اور حور اوپر کمرے میں نہیں ہیں۔

کہاں ہیں وہ؟؟ سلطان احمد نے رک کر تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔۔

وہ وہ۔۔۔ ماہ جبین گھبراہٹ میں انگلیاں چٹخانے لگی۔۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے۔۔ یہ سب کچھ دو دن بعد ہونا تھا۔ اپنے سامنے سلطان احمد کو یوں آچانک دیکھ کر ماہ جبین سب کچھ بھول گئی تھی۔۔ اسے کیسے ایکٹنگ کرنی ہے۔۔

ایک منٹ سلطان۔۔۔ ماہ جبین کہتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی

۔۔

ماہ جبین نے کمرے میں آکر سب سے پہلے شاہزیب خان کو فون پر سلطان احمد کے آنے کی اطلاع کی۔

اور سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر باہر آئی۔۔

سلطان احمد پریشانی کے عالم میں کھڑا ماہ جبین کا انتظار کر رہا تھا۔۔ پانچ منٹ بعد وہ اس کے سامنے تھی۔۔

ماہ جبین نے وہ کاغذ کا ٹکڑا سلطان احمد کی طرف بڑھایا۔

سلطان احمد نے وہ کاغذ کا ٹکڑا ماہ جبین سے لے کر پڑھا تو اس کا رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔۔ ہاتھوں میں بقاعدہ لرزش ہوئی تھی۔۔

سلطان احمد۔۔۔۔۔ میں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔۔ تم مرد ہو کر کچھ بھی کرو تمھارے لیے سب جائز ہے۔۔ مگر مجھے تم نے گھر کی چار دیواری میں قید کر کے رکھا ہے۔۔ اس لیے میں تمھارا گھر اور تمھاری بیٹی چھوڑ کر جا رہی ہوں۔۔ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے۔۔۔۔۔ مہر ماہ۔۔۔۔۔

یہ جھوٹ ہے۔۔۔ مہر ماہ ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔ سلطان احمد خط مٹھیوں میں دبوچے چیخا تھا۔۔

یہ سچ ہے۔۔۔۔ وہ تمھیں اور تمھاری بیٹی کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔۔ طوائف کبھی بھی کسی ایک کی نہیں ہو سکتی۔۔ ماہ جبین کی بات پر سلطان احمد اس کی گردن دبوچ گیا تھا۔۔

ذلیل عورت۔۔۔۔۔ خبردار میری مہر ماہ کے لیے یہ لفظ بولے۔۔ وہ اس کی گردن دبوچے دھاڑا

ماہ جبین اپنی گردن پر سلطان احمد کی گرفت سخت ہوتے دیکھ کر خود کو چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر سلطان احمد کی گرفت اس کی گردن پر بتدریج مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔۔

ماہ جبین کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ مگر سلطان احمد کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

اسی اثناء میں سلطان احمد کا موبائل رنگ ہوا تھا۔۔

سلطان احمد نے ماہ جبین کو چھوڑتے فون اٹھایا۔۔

ماہ جبین زمین پر گرتے اپنی گردن کو جکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔۔

مہر ماہ کہاں ہو تم؟؟ سلطان احمد فون پر مہر ماہ کی آواز سن کر بے تابی سے بولا۔۔

شاہ میں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔۔ اس لیے مجھے طلاق دے دو۔۔۔ مجھے تم جیسے مرد کے ساتھ اب نہیں رہنا۔۔ میں تمھاری قید میں

نہیں رہ سکتی۔۔اس لیے اب میں آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہوں.. مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ میں اب تمھاری نہیں رہی۔

مہرماہ ایک ہی سانس میں کہتے فون بند کر چکی تھی۔۔

سلطان احمد گہرے سانس لیتا اپنے بالوں کو جکڑے چلانے لگا۔ سلطان احمد اپنے غصے اور اشتعال میں بھول چکا تھا کہ مہرماہ ایک طوائف تھی یہ بات ماہ جبین کو کیسے پتہ چلی۔۔

مہرماہ ریڈ لباس میں تیار کھڑی تھی۔۔ ریڈ لہنگا چولی جس کا بلاوز گہرے گلے والا تھا۔۔ جس کی بیک لیس نہ ہونے کے برابر تھی۔۔

ریڈ لپ سٹک لگائے ہلکا سا میک اپ کیے قیامت ڈھا رہی تھی۔۔ خوب محنت کی گئی تھی اسے سجانے میں۔۔ آج اسے اس کے پہلے گاہک کے سامنے پیش کرنا تھا۔۔ سلطان احمد کے سوا اسے کوئی دیکھے بھی یہ مہر ماہ کو کہاں گوارا تھا۔

مہر ماہ کے لبوں پر آج صرف موت کی دعائیں تھیں۔۔۔ اس کمرے میں ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی۔۔ اسے اپنی جان لینے پر بھی اختیار نہ تھا مگر ایک چیز پر اختیار تھا۔ وہ تھا اپنے رب سے دعا کرنا۔۔ ساری رات سجدے میں رہ کر ایک ہی دعا مانگی تھی۔ اپنی عزت کی۔۔ اپنی موت کی۔۔۔

ابھی بھی لبوں پر صرف موت کی دعائیں تھیں۔۔ مہر ماہ نہیں جانتی تھی آج اس کی دعائیں قبولیت کا ثمر پانے ہی والی ہیں۔

۔وہ ریڈ لباس میں ملبوس تھی مگر وہ آج اس کا کفن بننے والا تھا۔اور وہ خاموشی سے ساکت سی کھڑی اپنے جنازے کا انتظار کر رہی ہے۔۔مہر ماہ پتھرائی سی کھڑی تھی۔اسے باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔۔

نازنین بیگم ہڑبڑا کر اٹھی تھی سلطان احمد مسلح گارڈ کے ہمراہ داخل ہوا تھا اور ایک گولی نازنین بیگم کی ٹانگ پر دے ماری۔۔

وہ طیش او اشتعال سے سامنے کمرے کے دروازے کو ٹھوکر مارتے اندر داخل ہوا تھا۔۔

شاہ۔۔۔۔مہر ماہ سلطان احمد کو دیکھتے اس کی طرف بڑھتے اس کے گلے سے لگ گئی۔

شاہ مجھے پتہ تھا تم آؤ گے۔۔ مہر ماہ سلطان کے گلے لگے بھیگے لہجے میں بولی۔۔ اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔۔۔۔

سلطان احمد اسے اس لباس میں دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔۔ وہ سجی سنوری ایسے لباس میں کھڑی تھی جس میں اس کا انگ انگ واضح ہو رہا تھا۔

ٹھیک کہتے ہیں۔۔ طوائف کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔۔ یہ تم نے آج ثابت کر دیا۔۔ سلطان احمد مہر ماہ کے بال گدی سے دبوچے غرایا۔۔ اپنی پسٹل کی گولی مہر ماہ کے پہلو میں رسید کی تھی۔۔ مہر ماہ نے درد سے چیختے سلطان احمد کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچی۔۔

سلطان احمد اسے بانہوں میں لیے زمین پر بیٹھ چکا تھا۔۔

کیوں کیا مہر ماہ تم نے ایسا؟؟۔۔ سلطان احمد اس کی آخری سانسیں لیتے وجود کو جھنجھوڑتے ہوئے چیخا۔۔

شاہ۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں اپنا خون تت۔۔۔۔ تمھیں معاف کرتی ہوں۔۔ قیامت والے دن تم۔۔۔۔ تم پر میرے خون۔۔۔ خون کک۔۔ کک۔۔ کا کوئی حساب نہیں ہو گا۔۔ کیونکہ تت تم میرے لیے آج بھی فرشتہ بن کر آئے۔۔۔۔۔۔۔ مہر ماہ آخری ہچکیاں لیتے ساکت ہو چکی تھی۔۔

سلطان احمد اسے سینے سے لگائے اونچا اونچا چیخنے لگا۔۔

۔۔۔۔۔۔....

لینا مجھے اس لڑکی کا مکمل بائیو ڈیٹا حاصل کر کے دو۔۔

ساحر خانزادہ نے کھانا کھانے سے ہاتھ روکتے ہوئے اپنی مینیجر لینا سے کہا تو لینا نے فورک پلیٹ میں رکھتے ہوئے ساحر خانزادہ کو اچھنبھے سے دیکھا تھا۔۔

کیا ہو گیا ہے ساحر تمھیں ؟؟ کیوں پڑ گئے ہو اس کے پیچھے۔۔۔ پرسوں کا کنسرٹ بھی تم نے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔۔

کنسٹریٹ یور کیریر۔۔۔۔۔ لینا نے غصے سے کہا۔۔

اوکم آن لینا۔۔۔۔ مجھے تمھارے فضول کے مشورے نہیں چاہیے۔۔ مجھے ایک گھنٹے تک اس لڑکی کا مکمل بائیوڈیٹا چاہیے۔۔ اگر یہ تم نہیں کر سکتی تو سیدھی طرح بتاؤ۔۔

ساحر اس کی بات پر چڑ اٹھا تھا۔۔

اوکے میں دیکھتی ہوں۔۔ مگر یہ اتنا آسان نہیں ہے۔۔ کنسرٹ میں کتنی لڑکیاں تھیں۔ اب ان میں سے اس لڑکی کا بائیو ڈیٹا کیسے نکلواؤں؟؟۔۔ لینا نے پریشانی سے کہا۔

تو کیا میں سپیشل کسی ٹاسک فورس ٹیم کا بندوبست کروں۔ جو مجھے اس لڑکی کا ڈیٹا حاصل کر کے دیں گے۔۔ اگر تم نہیں کر سکتی تو صاف صاف لفظوں میں بتاؤ۔۔ میں اپنے لیے نئی مینجر کا بندوبست کرتا ہوں۔ ساحر یکدم غصے میں آ گیا تھا۔۔

پچھلے دو دن سے وہ ایسے ہی غصہ کر رہا تھا۔۔

آئی کانٹ بلیو دس۔۔۔ تم یہ مجھے کہہ رہے ہو۔۔ پچھلے پانچ سالوں سے میں تمھارے ساتھ ہوں۔۔ میں صرف تمھاری مینیجر نہیں۔ بلکہ دوست بھی ہوں۔۔ لینا حسب توقع رونا شروع ہو چکی تھی۔۔

ساحر خانزادہ غصے اور بے بسی سے ٹیبل پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔۔

لینا پہلی مرتبہ چونکی تھی۔ ساحر خانزادہ بہت بے قرار اور مظطرب لگ رہا تھا۔۔ آنکھوں میں رت جگوں کی سرخی نمایاں تھی۔

تم اسے لے کر بہت سیریس ہو کیا؟؟۔۔ لینا نے روتے ہوے معصومیت سے پوچھا۔۔ وہ ساحر خان کو پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ اس کی بے چینی محسوس کرتے وہ بھی بے چین ہوئی تھی۔

جی نہیں میں ایسے ہی پچھلے آدھے گھنٹے سے تم سے مغزماری کر رہا ہوں۔ ساحر خان جھنجھلایا تھا۔۔

تم نہیں جانتی۔۔ وہ میرا مجھ سے سب کچھ چھین کر لے گئی ہے۔۔ کل پہلی بار میرا گٹار بجانے میں بھی دل نہیں لگا۔۔ تم کیریر پر فوکس کرنے کا کہہ

رہی ہو۔۔مجھے لگتا ہے اسے چند گھنٹے اور نہ دیکھا میری سانسیں رک جائیں گی۔۔ساحر مظطرب لہجے میں بولا۔

اوکے میں پتہ کرواتی ہوں۔۔کام ڈاؤن۔۔۔۔لینا نے اپنے ہتھیار ڈالے تھے۔۔ساحر کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک دیوانگی تھی۔۔جسے لینا محسوس کرتے سچ میں پریشان ہوئی۔۔

مجھے جلد اس لڑکی کی ساری انفارمیشن چاہیے۔۔ساحر سنجیدگی سے حکم دیتے اپنی چیئر سے اٹھا تھا۔

وہ اپنا موبائل ٹیبل سے اٹھائے دو قدم آگے بڑھا تھا کہ لینا کی طرف پلٹا۔۔

آئی ایم سوری لینا۔۔۔ساحر نے لینا کو دیکھتے مسکراتے ہوے کہا تو لینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

اسی سوری کی وہ کب سے منتظر تھی۔

دیٹس ساسویٹ گرل۔روتی ہوئی اچھی نہیں لگتی۔۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تمھیں کبھی چھوڑنے کا۔۔ساحر گہرا مسکرایا تھا۔۔لینا بھی فخریہ مسکرائی تھی۔۔جانتی تھی ساحر خان کا اس کے بغیر گزارا نہیں۔۔آخر اس جیسی دوست پلس مینجر اسے کہاں مل سکتی تھی۔۔

ساحر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی سوچ سے اسی لمحے اگاہ ہو چکا تھا۔۔

پتہ ہے میں تمھیں کیوں نہیں چھوڑ سکتا۔۔وہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھتے اس کی طرف جھکا تھا۔۔

کیوں لینا نے میٹھی سی مسکراہٹ سے پوچھا۔۔

کیونکہ تمھیں میرے علاوہ کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا۔۔اس لیے تمھیں ساری عمر کے لیے مجھے ہی برداشت کرنا پڑے گا۔۔اور یہ میری بدقسمتی بھی ہے تم میری دوست بھی ہو۔۔۔ساحر نے شرارتی لہجے میں کہا تو لینا کے لبوں پر مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔آنکھوں میں شرارے سے لپکے تھے۔۔

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی ساحر اسے آنکھ ونک کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔ایڈیٹ بدتمیز۔۔۔لینا نے ساحر کی پشت کو دانت کچکچائے تھے۔۔

حور گہری نیند سو رہی تھی۔اس کی میڈ ڈیانا ہاتھ میں کافی کا کپ پکڑے بہت بار اس کا دروازہ کھٹکھٹا چکی تھی۔۔ مگر اندر سے کوئی رسپانس نہ ملنے پر وہ بیچاری کتنی مرتبہ واپس چلی گئی تھی۔۔ حور کو اٹھنے سے پہلے بلیک کافی چاہیے ہوتی تھی۔۔ اگر کافی دینے میں ذرا سی بھی تاخیر ہو جاتی تو کافی کا کپ وہ اٹھا کر زمین پر دے مارتی تھی۔ مگر مسئلہ یہ تھا اس کی آجازت کے بغیر اس کے کمرے میں بھی کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔۔

ڈیانا نے پانچویں مرتبہ فریش کافی بنا کر دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔۔ یس کی آواز پر وہ تشکر کا سانس بھرتے اندر داخل ہوئی۔۔۔ میم یور کافی۔۔ ڈیانا نے مودبانہ انداز میں کہا۔۔

پٹ ان دا ٹیبل۔۔۔ حور نے آنکھیں بند کیے جمائی لیتے کہا۔۔

میم آج کیا پہنے گی آپ۔۔ ڈیانا نے انگلش میں پوچھا تھا۔۔

کچھ اچھا سا نکال دو۔۔ آج میں اور پاپا شاپنگ پر جا رہے ہیں۔۔ آج کا سارا دن وہ صرف میرے ساتھ گزاریں گے۔۔ حور اٹھتے ہوئے ایکسائٹڈ لہجے میں بولی۔۔

سلطان احمد ہر ویک اینڈ حور کے ساتھ سپینڈ کرتے تھے۔ وہ دو دن صرف حور کے ہوتے تھے۔۔ وہ اس کے ساتھ تنہائی میں رات دیر تک ٹی وی دیکھتے کافی پیتے باتیں کرتے۔۔

اسے شاپنگ کرواتے۔۔ اس کے ساتھ ڈنر کرتے۔۔ باقی دنوں میں بھی وہ جتنے بھی بزے ہوتے اس کے ساتھ ایک مرتبہ ضرور کھانا کھاتے۔۔ بلکہ حور کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے۔۔ بزنس کے سسلسے میں کہیں بھی باہر جاتے تو حور کو ساتھ ضرور لے کر جاتے۔۔ اگر کسی وجہ سے ماہ جبین بیگم اور

نشا جانہ سکتی تو وہ حور کو ساتھ ضرور لے کر جاتے تھے۔۔۔۔ بلکہ ان کی زیادہ تر کوشش ہوتی۔۔ ان کے ساتھ صرف حور ہی جائے۔۔

مہر ماہ کے مرنے کے بعد سلطان احمد نے حور کی پرورش کے لیے ماہ جبین بیگم سے شادی کر لی تھی۔۔ کیونکہ ماہ جبین بیگم نے مہر ماہ کے مرنے کے بعد حور کا اتنا خیال رکھا تھا۔۔ اسے اتنی محبت دی کہ سلطان احمد مجبور ہو گئے تھے ماہ جبین سے شادی کرنے پر۔۔۔ وہ حور کی زندگی میں کوئی کمی نہیں چاہتے تھے۔۔ وہ ماں کے بغیر اپنی زندگی گزارے انھیں گوارا نہ تھا۔۔ حور اب سترہ سال کی تھی۔۔ ماہ جبین نے ہمیشہ نشا سے زیادہ حور کو پیار دیا تھا اس لیے ماہ جبین سے نکاح کے فیصلے پر وہ مطمئن تھے۔۔

ماہ جبین نے کبھی حور کو اس حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلنے دیا تھا وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔۔ سلطان احمد بھی نہیں چاہتے تھے۔۔ حور کو کبھی اس حقیت کا پتہ چلے۔۔

حور وائٹ پینٹ پر سکائے کلر کا شارٹ سا ٹاپ پہن کر سٹنگ ایریا میں آئی جہاں سلطان احمد اسی کا انتظار کر رہے تھے۔۔

سلطان احمد نے بے تابی سے صوفے سے اٹھتے حور کو اپنے سینے سے لگایا۔۔

گڈ مارننگ پاپا۔۔۔ حور ان کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے مسکراتے ہوے بولی۔۔

یہ گڈ مارننگ نہیں۔۔۔۔ گڈ افٹرنون ہے۔۔ سلطان احمد نے مسکراتے ہوے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

واٹ ایور پاپا۔۔۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔گڈ افٹر نون ہو یا پھر یا پھر گڈ نائٹ۔۔۔لندن کی صبح تب ہی ہوتی ہے۔۔جب حور سلطان احمد شاہ اٹھتی ہے۔۔حور گہرا مسکراتے ہوے بولی تو اس کے گال پر ننھا سا ڈمپل پڑا تھا۔۔۔

حور کے گال میں پڑنے والے ڈمپل کو دیکھتے سلطان احمد کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔۔ایسا ہی ڈمپل تو مہر ماہ کے گال پر پڑتا تھا۔۔جس پر وہ جانے کتنی بار اپنے لب رکھا کرتے تھے۔۔سلطان احمد کی آنکھوں میں مرچیں سی بھری تھیں۔۔

حور نے تمام ناک نقشہ مہر ماہ کا چرایا تھا۔۔بلکہ وہ خوبصورتی میں مہر ماہ سے بڑھ کر ہی تھی۔۔

آج تمھارے لیے سپرائز ہے۔۔ سلطان احمد حور کا ہاتھ تھامے صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔۔ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔۔

جانتی ہوں پاپا آپ کے سرپرائز۔۔ یقیناً میرے لیے کوئی نیا گھر خریدا ہو گا۔۔ کوئی برینڈ نیو گاڑی خریدی ہو گی۔ کوئی زمین خریدی ہو گی۔۔ حور نے منہ بنایا تھا۔

سلطان احمد نے اس کے منہ بنانے پر فلک شگاف قہقہ لگایا۔۔

اچھا تو میری بیٹی کو اس طرح کے سرپرائزز نہیں پسند۔۔ تو کیا چاہیے میری بیٹی کو۔۔۔ آسمان کے چاند تارے چاہیے وہ بھی لا کر اپنی جان کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔۔ سلطان احمد اس کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے شرارتی ہوئے تھے۔۔

ان کے لبوں پر محظوظ کرنے والی مسکراہٹ تھی۔وہ جانتے تھے ہمیشہ کی طرح حور کا کیا جواب ہو گا۔۔

او۔۔۔پاپا آپ تو بلکل ایک فلموں کے رومانٹک ہیرو کی طرح باتیں کرتے ہیں۔۔ آپ کی بیٹی ہوں میں۔۔۔ آپ کیوں بھول جاتے ہیں؟؟۔۔ حور نے اپنے نقوش بگاڑے تھے۔۔

وہ سلطان احمد کے لاڈ پیار کی وجہ سے ایسے ہی بات کرتی تھی۔۔

میرے لیے تو میری بیٹی۔۔۔۔ میری دوست میرا پیار۔۔۔ میری گرل فرینڈ۔۔ میری سب کچھ تم ہو۔۔ سلطان احمد نے حور کا ہاتھ تھامتے اس کی پشت پر اپنے لب رکھے۔۔

حور ابھی بھی منہ بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔۔اب سلطان احمد پریشان ہوے تھے۔۔یقیناً حور ان سے کسی بات پر ناراض تھی۔۔اب وہ پریشان ہوے تھے۔۔بات معمولی نہیں تھی۔۔اس کے ایکسپریشن دیکھتے وہ واقعی میں پریشان ہوے۔۔

کیا ہوا ہے؟؟سلطان احمد نے پریشانی سے پوچھا۔۔حور کی ذرا سی ناراضگی ان کی جان پر بن آتی تھی۔۔

پاپا آپ کو میری ذرا فکر نہیں ہے۔۔میری ساری فرینڈز لانگ ٹرپ پر گئی ہیں۔۔مگر آپ کی وجہ سے میں نہیں جان سکی۔۔وہ سب میرا بہت مذاق اڑا رہی تھیں۔پتہ ہے آپ کو میری فرینڈز مجھے پاپاز گرل کہتی ہیں۔حور نے روہانسے ہوتے کہا تو سلطان احمد نے بہت مشکلوں سے اپنے لبوں پر امڈنے والے قہقے کو روکا تھا۔۔اس کے ایکسپریشن ہی اتنے کیوٹ تھے۔۔

تم ہو بھی پاپاز گرل..... کیا نہیں ہو۔۔ سلطان احمد نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

پاپا آپ مجھ پر اتنی پابندیاں کیوں لگاتے ہیں؟؟ کیوں میں جہاں بھی جاؤں ۔۔ میرے ساتھ گارڈز ہوتے ہیں۔ پاکستان ہو یا دنیا کا کوئی بھی ملک ۔۔۔ میں کہیں اکیلی کیوں نہیں جا سکتی۔۔ حور نے ہمیشہ کی طرح سوال کیے۔۔

سلطان احمد اس کے سوالوں پر صوفے پر سیدھے ہوتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گئے۔۔۔

ان کے پاس حور کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔۔

نازنین بیگم کو اس دن زندہ چھوڑنا ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔۔۔

وہ ان گزرے سالوں میں بہت طاقتور ہو گئی تھی۔۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کی پشت پناہی اسے حاصل تھی۔۔

اس کا یہ گھناؤنا کاروبار باہر کے ملکوں تک پھیل چکا تھا۔۔ وہ اغواہ سر کردہ گروپس کے ساتھ انوالو تھی۔۔ بہت سی لڑکیاں وہ باہر کے ممالک میں فروخت کرتی تھی۔۔۔۔ اب وہ بہت طاقتور ہو چکی تھی۔۔ بڑی بڑی پارٹیاں۔۔۔ بلکہ بہت سے ممالک کے گینگسٹر بھی اس کے ساتھ ملے ہوے تھے۔۔

.....

یہاں تک کہ سلطان احمد بھی اس کا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔۔

وہ کہاں تھی کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔۔ وہ پردے کے پیچھے رہ کر اب کام کرتی تھی۔۔ وہ سلطان احمد کو حور کو لے کر بہت بار دھمکی دے چکی تھی۔۔ اس لیے سلطان احمد حور کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔۔۔ ایسے ہی وہ مہر ماہ کو چھوڑ کر گئے تھے۔۔ واپس آئے تو وہ نہیں تھی۔۔ مہر ماہ ان کے نزدیک بے شک اپنی مرضی سے گئی تھی۔۔ مگر وہ اپنی بیٹی حور کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔۔ وہ آج تک حور کی سیفٹی کو لے کر ماہ جبین پر بھی بھروسہ نہ کر سکے تھے۔۔۔ ماہ جبین نے ہمیشہ حور کو ان کے سامنے اور ان کی غیر موجودگی میں بھی حور کو بے حد پیار دیا تھا۔۔ مگر پھر بھی حور کے لیے وہ بہت حساس تھے۔۔

حور میری جان۔۔۔۔ وعدہ ہے میں اپنی بیٹی کو لے کر نیکسٹ منتھ ورلڈ ٹور پر جاؤں گا۔۔ اور مجھے یقین ہے تم میرے ساتھ زیادہ انجوائے کرو

گی۔۔ سلطان احمد نے گہرا سانس لیتے حور کو منانے کی کوشش کی جو منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

پاپا آپ مجھے بہت بار ورلڈ ٹور پر لے جا چکے ہیں۔۔۔۔ ایسا کونسا ملک ہے ۔۔ جو آپ نے مجھے نہیں دکھایا۔۔ میں اپنی دوستوں کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔۔ اور میں آپ کو بتا رہی ہوں میں جب پاکستان جاؤں گی تو زرمش اور اپنی دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات جاؤں گی۔۔ حور نے ضدی انداز میں کہا۔

حور تم اپنی دوستوں کے ساتھ کہیں نہیں جا سکتی۔۔ اور تمھاری یہ ضد کبھی نہیں پوری ہو گی۔۔ سلطان احمد کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔ جسے محسوس کرتے حور کی آنکھوں سے فوراً آنسو برسات کی طرح بہنے لگے۔

سلطان احمد کی ذرا سی اونچی آواز وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

حور کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سلطان احمد کے دل پر چوٹ پڑی تھی۔۔ مگر وہ حور کے آنسو نظر انداز کر گئے تھے۔۔ کیونکہ وہ حور کی یہ ضد کبھی پوری نہیں کر سکتے تھے۔۔

آئیندہ تمھارے منہ سے کبھی میں یہ الفاظ نہ سنوں۔۔ نہ ہی اس بات کو لے کر کبھی مجھ سے ضد کرنا۔۔۔ میرا پیار دیکھا ہے تم نے ابھی۔۔۔ کبھی میں نے تم پر غصہ نہیں کیا۔۔ اور میرا غصہ تم برداشت نہیں کر سکو گی۔۔ سلطان احمد اپنی بات سختی سے مکمل کرتے صوفے سے اٹھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔۔

میں آپ کے ساتھ آج کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔۔ حور کی بھیگی آواز سلطان احمد سن کر مبہم سا مسکرائے تھے۔۔ اوکے۔۔۔ سلطان احمد نے پلٹے بغیر ہی سنجیدگی سے کہا۔۔

نہ میں آج اور نہ کبھی آپ کے ساتھ مووی دیکھوں گی۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں چیختے ہوے کہا۔

اوکے ٹھیک ہے۔۔ سلطان احمد نے جوابًا ابھی بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔۔۔

وہ آپ کے بورنگ میچ تو بلکل بھی آپ کے ساتھ نہیں دیکھوں گی۔۔ اکیلے دیکھیے گا وہ بورنگ میچ اب آپ۔۔۔۔۔ بلکل آپ کی طرح بورنگ ہیں۔۔ حور نے اب ہچکی لیتے نروٹھے انداز میں کہا۔۔۔

اور۔۔۔۔۔۔ حور نے روتے ہوے ہچکی لی تھی۔۔

اور تم میرے ساتھ شاپنگ پر بھی نہیں جاؤ گی۔۔ کسی بھی ورلڈ ٹور پر بھی نہیں جاؤ گی۔۔ اور آج کھانا بھی نہیں کھاؤ گی۔۔ سلطان احمد اس کی طرف پلٹتے اس کی بات اچکتے ہوے بولی۔۔

ہاں بلکل ایسا ہی کروں گی۔۔ آپ دیکھ لیجیے گا میں اب آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔۔ حور روتے ہوے صوفے سے اٹھتے بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔۔

سلطان احمد نے گہرا سانس لیا تھا۔۔ وہ اب پریشانی سے کھڑے تھے۔۔ اسے ایسے روتے ہوے کہاں برداشت کر سکتے تھے۔۔

سلطان جب آپ حور کے بغیر رہ نہیں سکتے تو کیوں ناراض کرتے ہیں اسے۔۔ ماہ جبین بیگم سلطان احمد کے قریب آتے شہد لہجے میں بولیں۔

ہر ضد پوری کر سکتا ہوں۔۔ مگر اس کی یہ ضد کبھی پوری نہیں ہو گی۔۔ سلطان احمد اٹل لہجے میں بولے۔۔

آپ حور کو لے کر بہت حساس ہیں۔۔ بیٹیوں کے معاملے میں اتنا پوزیسیو اور حساس بھی نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ایک دن حور کی شادی بھی کرنی ہے۔۔ماہ جبین بیگم نے میٹھے لہجے میں رسانیت سے سمجھایا۔۔

حور کی شادی میں ایسے انسان سے کروں گا۔ جو مجھ سے بھی زیادہ میری بیٹی کو چاہے۔۔ اسے لے کر بہت حساس ہو۔۔

سلطان احمد کی بات پر ماہ جبین بیگم نے اپنے چہرے پر مصنوئی مسکراہٹ سجائی۔۔

اگر ایسا انسان نہ ملا تو۔۔۔ماہ جبین نے اپنے لہجے کی کڑواہٹ کو بہت مشکل سے چھپایا تھا۔۔

تو میں حور کی شادی ہی نہیں کروں گا۔۔ یہ بزنس یہ گھر میری ساری پر پراٹی کی مالک صرف حور ہے۔۔ میں اپنی بیٹی کو اتنا مضبوط بناؤں گا۔۔ اسے کسی کی ضرورت نہ پڑے۔۔۔۔۔ مگر کوئی بھی انسان میری بیٹی پر اپنا حق جتاتے۔۔ اس کا ذرا سا دل بھی دکھائے یہ مجھے برداشت نہیں۔۔۔ پھر وہ چاہے اس کا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ مجھے حور کے لیے ایسا انسان چاہیے جو حور کی آنکھ میں ایک آنسو دیکھ کر بے چین ہو جائے۔۔۔ سلطان احمد اپنی بات مکمل کرتے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

ماہ جبین سلطان احمد کی ایک ہی بات پر بری طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔۔ یہ سب پر پراٹی صرف حور کی ہے۔۔

تو کیا ان کا اور ان کی بیٹی کا اس جائیداد میں کوئی حصہ نہ تھا۔۔ نشا کو وہ اپنی بیٹی کہتے ضرور تھے۔ مگر حور جیسا پیار کبھی نہیں کیا تھا۔۔

بلکہ ون پرسنٹ پیار بھی نشا کو نہیں دیا تھا۔۔ دن رات ان کے لبوں پر صرف حور ہی کا نام ہوتا۔۔۔۔ حور کے ساتھ وقت سپینڈ کرنا ہوتا یا پھر کوئی بھی پرپراٹی خریدنی ہوتی وہ صرف حور کے نام پر ہی خریدی جاتی۔۔

نہیں سلطان احمد نہیں۔۔۔۔ میں نے اپنی بیٹی نشا سے کہیں زیادہ تمھاری بیٹی کو پیار دیا۔۔ اپنی بیٹی کو ہمیشہ اگنور کیا۔۔۔ آج اگر مہرماہ بھی ہوتی حور کو اتنی محبت نہ دے پاتی۔۔ جتنی میں نے دی۔۔ میں نے حور کو اتنا پیار اس لیے دیا تاکہ تم مجھ سے شادی کر لو۔۔۔۔ مجھے تمھارا بھروسہ جیتنا تھا۔۔ مگر تم مجھ پر آج بھی بھروسہ نہیں کرتے۔۔ اس لیے ہر وقت اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھتے ہو۔۔۔ اور تمھاری اتنی جائیداد میں میرا اور میری بیٹی کا کوئی حصہ نہیں۔۔

۔۔۔ میں اس جائیداد میں سے ایک کوڑی بھی حور کو لینے نہیں دوں گی۔

حور کا۔ بھی حال مہر ماہ کی طرح ہو گا۔۔۔ تم دیکھنا تم اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنے کے لیے بھی ترسو گے۔۔ ماہ جبین غصے سے بل کھاتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔۔۔۔۔۔

حور وائٹ کھلے سے ٹراوزر پر بے حد شارٹ پنک سلیو لیس شرٹ پہنے ہوے تھی۔۔ سلطان احمد سے ناراضگی کے بعد وہ آج سارا دن کمرے میں بند رہی تھی۔۔ سلطان احمد وقفے وقفے سے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے تھے۔۔ پانچ گھنٹوں کی ناراضگی کے بعد وہ بلا آخر مان گئی تھی۔۔ سلطان احمد اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا کر گئے تھے۔۔ انھیں ایک امپورٹنٹ میٹنگ میں آچانک سے جانا پڑ گیا تھا۔۔

میم آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔۔وہ سٹنگ ایریا میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔۔ڈیانا نے آکر اطلاع دی تو حور حیرانگی سے سٹنگ ایریا کی طرف بڑھی ۔۔

سٹنگ ایریا کے دروازے پر وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔۔

ساحر خانزادہ۔۔۔۔حور نے بے یقینی سے اس کا نام بولتے اسے دیکھا تھا۔۔

وہ ایک صوفے پر بلو وائٹ جینز پر بلو شرٹ پہنے بیٹھا تھا۔۔نشا اس کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی۔۔ساحر اس کا ہاتھ تھامے اس کے ہاتھ پر آٹو گراف دے رہا تھا۔۔

ساحر کی نظر حور پر پڑی تو وہ بے اختیاری میں صوفے سے اٹھتے ایک ٹرانس کی کیفیت میں حور کی طرف بڑھا۔۔

آٹو گراف پلیز۔۔ ساحر نے اپنا ہاتھ حور کی طرف بڑھایا۔۔

واٹ۔۔۔۔ حور نے حیرانگی سے ساحر خان کو دیکھا جو اس سے آٹو گراف مانگ رہا تھا۔۔

اگر یہاں نہیں دینا تو میرا دل حاضر ہے اس پر اپنا نام لکھ دو۔۔ ساحر نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے تو حور نے چیختے ہوے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

یہ کیا کر رہے ہو؟؟۔ پاگل ہو گئے ہو کیا؟۔۔ ایک لڑکی کے سامنے اپنی شرٹ اتارو گے۔۔ حور نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے اب اسے غصے سے گھورا تھا۔۔

ساحر خان اپنی شرٹ کے اوپر والے بٹن جو کھول رہا تھا بند کر چکا تھا۔۔

کوئی حرج نہیں لڑکی کے سامنے شرٹ اتارنے میں۔۔ میں لڑکی کو تو نہیں کہہ رہا شرٹ اتارنے کو۔۔ ساحر کی بات پر حور کا رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا۔۔۔

یو آر۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے دانت کچکچائے تھے۔۔

آئی نو آئی ایم ویری ہینڈسم۔۔۔۔ ساحر حور کی بات مکمل کرتے دلکشی سے مسکرایا۔۔

یو آر آ چیپ مین۔۔۔ بے شرم بے ہودہ بھی ہو ساحر خانزادہ۔۔۔۔ حور نے غصے سے دانت پیسے تھے۔۔

بھولیے مت میڈم۔۔۔۔۔ آپ میری بہت بڑی فین ہیں۔۔ سلطان انکل مجھے یہ بات بہت مرتبہ بتا چکے ہیں۔۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ جس حور کی بات کرتے ہیں۔۔ وہ اصل میں جنت کی حور ہے۔۔ ساحر نے مدہوش ہوتے حور کے گال کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔

حور دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

۔دیکھیے مسٹر۔۔۔۔۔ میں ساحر خان کی فین نہیں۔۔۔ بلکہ ساحر خان کے گانوں کی فین ہوں۔۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا بنا ہی نہیں۔۔۔۔ جس سے حور سلطان شاہ امپریس ہو جائے۔۔ حور نے ایک ادا سے بولتے گہرا مسکراتے ہوے ساحر کی گرین آنکھوں میں جھانکا۔۔

افففف۔۔۔۔یہ ڈمپل۔۔ساحر نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔۔

یو آر شیم لیس پرسن۔۔۔۔۔۔حور کے عارض غصے سے سرخ گلاب ہوے ۔۔۔پہلی مرتبہ کوئی انسان اتنی بے باکی سے اس کی تعریف کر رہا تھا۔۔وہ بھی اس کے ڈمپل کی جس میں اس کے پاپا کی جان بستی تھی۔۔

حسین ہونے کے ساتھ ساتھ مغرور بھی ہو۔۔ساحر نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

تو کیا نہیں ہونا چاہیے۔۔آئی ایم داون اینڈ اونلی۔۔مجھ جیسا کوئی نہیں۔۔حور نے سینے پر ہاتھ باندھتے سوال کیا۔۔۔۔

خود پسند بھی ہو۔۔ساحر دلکشی سے ہنسا تھا۔۔

تم نہیں ہو کیا؟؟خود پسند۔۔۔حور نے لفظ چبائے تھے۔۔

نہیں۔۔۔ کیونکہ میں خود سے کہیں زیادہ تمھیں پسند کرتا ہوں۔۔ بلکہ جہاں تم آتی ہو وہاں ساحر خانزادہ کہیں ہوتا ہی نہیں ہے۔۔ صرف تم رہ جاتی ہو۔۔ ساحر خانزادہ کی آواز گھمبیر ہوئی۔۔ آنکھوں میں چھلکتی دیوانگی اور محبت دیکھ کر وہ سٹپٹائی تھی۔

تم مجھ پر لائن مار رہے ہو۔۔ وہ بھی پہلی ملاقات میں۔۔ حور نے غصے سے سرخ ہوتے کہا۔۔ وہ اب اس بے باک انسان کی باتیں مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

یہ ہماری بظاہری طور پر دوسری ملاقات ہے۔۔ مگر میری تم سے میرے سپنوں میں ہزاروں ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔۔ اور تم میرا پرپوزل ایکسیپٹ بھی

کر چکی ہو۔۔ ساحر خانزادہ کہتے ہوے اپنی جیب سے انگوٹھی نکالتے گھٹنوں پر جھک چکا تھا۔۔

آئی لو یو۔۔۔ آئی لو یو سو مچ۔۔ ول یو میری می۔۔ ساحر خان نے گھٹنوں پر جھکے انگوٹھی حور کی طرف بڑھائی تھی۔ حور کا رنگ حیرت کی زیادتی سے کھلا تھا۔۔

سٹنگ ایریا میں موجود ڈیانا اور ماریا جو ان کی میڈ تھیں۔۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔۔ نشا کا رنگ یہ دیکھ کر سرخ پڑا تھا۔۔ وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔۔

حور نے غصے سے ڈیانا اور ماریہ کو گھورا تو وہ جلدی سے وہاں سے چلی گئیں۔

آر یو میڈ۔۔۔ تم مجھے ایسے کیسے پرپوز کر سکتے ہو؟؟۔۔ حور نے غصے سے چیختے کہا۔۔

تو کیا چاہتی ہو؟؟ اپنا دل چیر کر تمھارے قدموں میں رکھ دوں۔۔ تمھاری راہ میں چاند ستارے بچھا دوں۔۔ ایک موقع دے کر تو دیکھو۔۔ میں تمھارے لیے یہ بھی کر گزروں گا۔۔ ساحر خان یونہی گھٹنوں پر جھکے جذب کے عالم میں بولا۔۔۔

یو آر سک۔۔۔ ٹوٹلی سک۔۔۔ حور بولتے ہوے وہاں سے جانے کے لیے مڑی تھی۔۔

تمھارے پیار میں پاگل ہو چکا ہوں۔۔ تم سے پہلے آج تک کبھی دل کو کوئی اتنا اچھا نہیں لگا۔۔ تم نہ ملی تو مر جاؤں گا میں۔۔ ساحر خان کھڑے ہوتے دیوانگی کے عالم میں بولا۔۔

میں کیسے مان جاؤں۔۔ تم جو کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔۔ حور نے مڑتے ساحر خان کو کٹیلی نظروں سے گھورا تھا۔

میری آنکھوں میں دیکھو۔۔۔ کیا تمھیں ان میں صرف تمھارا عکس نظر نہیں آرہا؟؟۔۔ ساحر خان حور کی کمر میں ہاتھ ڈالے سے خود کے قریب کر چکا تھا۔۔

نہیں آرہا اور نہ ہی مجھے تمھاری کسی بات پر یقین ہے۔۔ حور نے غصے سے ساحر خان کو دھکا دیا تھا۔۔

تمھیں یقین دلانے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟؟۔ ساحر گہرا سانس کھینچتے بے بسی سے خفیف سے مسکرا گیا۔۔

وہ اسے لے کر بہت جذباتی ہو رہا تھا۔۔ان کچھ دنوں میں گزرا ایک ایک پل اسے باور کروا چکا تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی تو اس کی سانسوں کا ذریعہ بن چکی ہے۔۔وہ اس سے دور ہوا تو اسکا اس کی سانسوں کی ڈور سے تعلق ہی ٹوٹ جائے گا۔۔

تو پھر ٹھیک ہے.. تم مجھے یقین دلانا چاہتے ہو تو تمھیں ایک کام کرنا پڑے گا۔۔حور نے پر سوچ انداز میں کہا۔۔

تم جو بولو گی وہی کروں گا۔۔مرنے کا کہو گی۔۔خدا کی قسم دوسری سانس نہیں لوں گا۔۔ساحر نے گہرائی سے کہا۔۔

تو ٹھیک ہے۔۔کل سے تم میرے پرسنل گارڈز میں شامل ہو گے۔۔میں جہاں جاؤں گی۔۔تم وہیں پر میرے ساتھ میرے پرسنل گارڈ کے طور پر

جاؤ گے۔۔ بلکہ ابھی سے جاؤ گے میرے ساتھ۔۔۔ حور ایکسائیٹڈ لہجے میں بولی۔۔

اس سر پھرے عاشق کا دماغ آج ہی ٹھیک ہو جانا تھا۔۔ وہ اس کا وہ حال کرنے کا آرادہ رکھتی تھی کہ اسے عاشقی نام سے نفرت ہو جائے۔۔

میں اپنے دوستوں کے ساتھ مووی دیکھنے جا رہی ہوں۔ دو گھنٹے کی مووی کے دوران تم ہاتھ باندھے سینما ہاؤس کے باہر کھڑے ہو گے۔۔ اگر تمھیں کوئی بھی پہچانے گا تو تم کہو گے تم ساحر خانزادہ نہیں بلکہ ایک ادنی سے عام سے گارڈ ہو۔۔ حور نے مسکراتے ہوے اپنی شرائط بیان کیں۔

افففف یہ ڈمپل۔۔۔ ساحر نے پھر سے اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

دیکھو مسٹر۔۔۔جب تک تم میری شرائط پوری نہیں کر لیتے مجھ سے فرینک ہونے کی کوشش مت کرنا۔۔حور نے غصے سے دانت کچکچائے۔۔

کیا اس سب کے بعد تم مان جاؤ گی۔۔ساحر خان بے تابی سے پوچھا۔۔

بلکل بھی نہیں۔۔اس کے بعد تمھیں میرے پاپا کو امپریس کرنا پڑے گا۔۔اگر وہ مان جائیں گے تو تمھیں اگلے دس سال میرا انتظار کرنا پڑے گا۔۔پہلے میں ڈاکٹر بنوں گی۔۔پھر ہاؤس جاب کمپلیٹ کروں گی۔۔پھر میں اپنا ہاسپٹل بنواؤں گی اور پھر میں کچھ سال اپنے ہاسپٹل میں کام کروں گی۔۔اگر تب تک تم زندہ بچے تو پھر میں تم سے شادی کر لوں گی۔۔حور نے دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔۔

اتنا لمبا انتظار.... بڑھاپا آجائے گا تم پر۔۔۔۔۔ یہ پیار محبت جوانی میں اچھا لگتا ہے۔۔۔۔۔ ساحر نے مسکراہٹ چھپائے حور کو تپایا۔۔۔

بڑھاپا مجھ پر نہیں تم پر آئے گا۔۔ میں تو ابھی اٹھارہ کی بھی نہیں ہوئی۔۔۔ یقیناً تم ابھی پچاس کے تو ہو گے۔۔ حور نے غصے سے بھڑ بھڑ جلتے کہا تھا۔۔ ہر لڑکی کی طرح وہ بھی اپنی خوبصورتی اور عمر کو لے کر بہت حساس تھی۔۔

وہ اتنی کم عمر تھی۔۔ اگلے دس سالوں تک وہ اسے بوڑھا ہونے کا طعنہ دے رہا تھا۔۔ حور کا غصہ سوا نیزے پر پہنچا۔۔

میں پچیس سال کا ہوں۔۔۔ لیکن میں تم سے شادی پینتیس سال کی عمر میں نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ کچھ دن دو مجھے۔۔ تم ساحر خان کی محبت میں دیوانی ہو جاؤ گی۔۔ اور رہی بات احمدی انکل کی وہ تو ہیں ہی میری مٹھی میں۔۔۔ تم

اٹھارہ کی ہونے سے پہلے ہی میری ہو جاؤ گی۔۔ مکمل طور پر صرف ساحر خانزادہ کی۔۔ سر سے لے کر صرف میری۔۔۔۔ تم پر صرف ساحر خان کا حق ہو گا۔ اور ساحر خان پر تو صرف تمھارا ہی حق ہے۔۔ میں کچھ دن تو کیا ساری عمر تمھارا گارڈ بن کر رہنا چاہتا ہوں..

اتنا بھی کانفیڈنس اچھا نہیں ہے۔۔ یہ نہ ہو اس سے پہلے ہی میں کسی اور کی ہو جاؤں۔۔ حور نے ساحر خان کی بات پر اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے جتایا۔۔

تم صرف ساحر خان کی ہو۔۔۔۔ صرف ساحر خان کی ملکیت۔۔۔

تم پر کسی کا غیر کا سایہ بھی پڑا تو ساحر خان اس کی جان لے گا۔۔ وہ اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کرتے غرایا تھا۔۔ ساحر خان کی آنکھوں سے چھلکتی اس کی دیوانگی محسوس کرتے حور کے عارض تپ کر انار ہوے۔۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔ میں نے آج تک کسی کو آجازت نہیں دی کوئی میرے قریب بھی آئے۔۔ اور تم مجھے بار بار چھو رہے ہو۔۔ حور نے غصے سے چیخی۔۔۔۔

ساحر اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر کمر سے تھامے ٹرانس کی کیفیت میں اس کے چہرے کو ایسے دیکھ رہا تھا۔۔ جیسے اس کا ایک ایک نقش حفظ کر رہا ہو ۔۔ حور نے غصے سے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں زور سے مارتے ہوے اس کی گردن اپنے لمبے ناخنوں سے زخمی کی۔۔۔

ساحر نے گردن میں شدید جلن محسوس کرتے حور کو چھوڑتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا جہاں خون کی ننھی ننھی بوندیں اس کی انگلیوں کے پورں پر آن ٹھہری تھیں۔

بہت ظالم ہو۔۔۔ ظالم حسینہ۔۔۔۔ ساحر مسکراتے ہوے بولا۔۔

اس سے کہیں زیادہ ظالم ہوں۔۔ یہ تمھیں اگلے کچھ دنوں تک پتہ چل جائے گا۔۔ حور گہرا مسکراتے ہوے ایک ایک لفظ چباتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ساحر خانزادہ پچھلے پندرہ دنوں سے حور کے پرسنل باڈی گارڈز کے طور پر اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔۔ ہر جگہ پر وہ حور کے گارڈز میں شامل ہوتا۔۔ یہ اس کے لیے کافی ایمبریسنگ سچویشن تھی۔۔۔ وہ اس سے ہر چھوٹا کام کرواتی۔۔۔ سیلف سروس ریسٹورنٹ میں اس سے کھانا منگوانے سے لے کر اس کی گاڑی تک کا دروازہ وہ کھولتا تھا۔۔

یہاں تک کہ حور جب اپنی دوستوں کے ساتھ کسی رسٹورنٹ میں کھانا بھی کھا رہی ہوتی وہ تھوڑی دور ٹیبل کے نزدیک کھڑا ہوتا۔۔ جب کوئی فین آکر

اسے پہچانتا وہ ساحر خانزادہ ہونے کی پہچان سے مکر جاتا تھا۔۔ اوپر سے اس کی عجیب و غریب فرینڈز کی دل جلانے والی مسکراہٹ دیکھتے وہ بہت مشکل سے اپنے غصے پر قابو پاتا تھا۔

کل کے نیوز پیپر میں اس کی تصویر چھپی تھی جہاں وہ حور کے لیے اس کی گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔۔ حور کا بھی ایک سائیڈ کا پوز تھا۔۔۔۔۔ دور سے تصویر کھینچی گئی تھی۔۔ جس میں حور کا مکمل چہرہ کیپچر نہیں ہو سکا تھا۔۔ مختلف ارٹیکلز اور نیوز چھپ رہی تھیں۔۔ جس میں اسے ایک حسینہ کا باڈی گارڈ دکھایا گیا تھا۔۔ بہت نازیبا باتیں بھی لکھی جا رہی تھیں۔

مگر کل سے فون پر فون کالز آ رہے تھے۔۔ جس میں زیادہ تر ان کمپنیوں کے تھے۔۔ جن کا وہ برینڈ ایمبیسڈر تھا۔۔

اور آج صبح شاہزیب خان کا بھی فون آچکا تھا۔۔انہوں نے بھی سختی سے اس ماجرے کے متعلق پوچھا تھا۔۔

اور آج احمدی صاحب نے بھی اسے ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔۔وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ کیا بات کرنے کے لیے اسے ڈنر پر بلا رہے ہیں۔۔۔

ساحر ڈرائنگ روم میں مظطرب انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔۔

آج پہلی مرتبہ سلطان احمد کے سامنے وہ تھوڑا نروس تھا۔۔ورنہ وہ اس کے دوستوں کی طرح تھے۔۔شاہزیب سے کہیں زیادہ وہ ان کا احترام کرتا تھا ۔ان سے محبت کرتا تھا۔۔

وہ کافی مرتبہ سلطان احمد کے گھر آیا تھا۔۔ لیکن حور کبھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔۔ نشا سے اس کی کافی دوستی تھی۔۔ اسے اب پتہ چلا تھا حور کبھی کیوں سامنے نہیں آئی۔۔ اس کا مزاج ایسا ہی تھا وہ بہت مغرور تھی۔۔

اور سلطان احمد کی بے انتہا لاڈلی تھی۔۔ جس کی وجہ سے کافی خود سر بھی تھی۔۔ مگر اتنے دن میں وہ اس کے ساتھ گزار کر اسے مکمل طور پر جان چکا تھا۔۔

وہ ضدی تھی خود سر بھی تھی۔۔ مگر بد تمیز نہیں تھی۔۔ یہ ایٹیٹوڈ بھی صرف سلطان احمد کے شدید لاڈ اور محبت کی وجہ سے اس کے اندر تھا۔۔ ۔۔ سلطان احمد کی ہر بات وہ مانتی تھی۔۔ اس دن وہ ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔۔

اپنی فرینڈز کے بہت اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ کلب جانے پر تیار نہیں ہوئی تھی۔۔ایک فرینڈ نے اسے مشورہ بھی دیا تھا۔۔ہوٹل کے دوسری طرف ایک راستہ ہے جہاں سے وہ آرام سے اپنے گارڈز کو چکما دے کر ان کے ساتھ کلب جا سکتی ہے۔۔مگر اس نے انکار کر دیا تھا وہ اپنے پاپا کی آجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔۔وہ اس بات پر اپنی فرینڈز کے مذاق کا نشانہ بھی بنی تھی۔۔۔وہ کبھی اپنی دوستوں کے ساتھ شیشہ نہیں پیتی تھی۔۔نہ ہی کسی کے اصرار پر وہ کسی بھی قسم کا نشہ کرتی تھی۔۔لندن میں رہنے والی اس کی فرینڈز بہت زیادہ آزاد خیال تھیں۔۔مگر حور پر ان کا بلکل بھی رنگ نہیں چڑھا تھا۔۔یہ خصوصیت دیکھتے وہ حور کا اور دیوانہ ہو چکا تھا۔۔

ساحر خانزادہ نے صوفے پر پہلو بدلتے سلطان احمد کو دیکھد۔۔ جو اسے کب سے گھور رہے تھے۔۔

انکل وہ۔۔۔۔۔ ساحر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا ہی کہ سلطان احمد ہاتھ کے اشارے سے اسے روک چکے تھے۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے تم اور حور جو کرتے پھر رہے ہو۔۔ مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔۔ میں اپنی بیٹی کے پل پل کی خبر رکھتا ہوں۔۔ حور کے پرسنل گارڈز میرے ماتحت ہیں۔۔ ایک ایک بات سے وہ مجھے باخبر رکھتے ہیں۔ میں اپنی بیٹی کے معاملے میں کسی پر یقین نہیں کرتا یہاں تک ان گارڈز پر بھی یقین نہیں رکھتا۔۔ میں خود بھی پرسنلی طور پر اپنی بیٹی پر نظر رکھتا ہوں۔۔

مجھے لگا تھا تم اور حور مجھے خود بتاؤ گے۔۔ یہ جو سب ہو رہا ہے۔۔ مگر تم دونوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔

حور میں تو ابھی بچپنا ہے۔۔ مگر تم تو سمجھدار ہو۔۔ یہ سب کیا کر رہے تھے؟؟۔۔ اس نے ایک شرط رکھی اور تم مان بھی گئے۔۔ تمھاری ساکھ پر کتنا اثر پڑ رہا ہے۔۔ تمھارے کیریر پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔۔ یہ کیا بچوں کی طرح اس کی بات مان کر بیٹھ گئے۔۔۔ سلطان احمد نے ساحر خان کو اچھا خاصہ لتاڑا تھا۔۔

کیا چاہتے ہو تم مجھے بتاؤ؟؟۔۔۔ سلطان احمد نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوے پوچھا۔۔

آپ کی بیٹی کو چاہتا ہوں۔۔ دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اپنی زندگی سے بڑھ کر چاہتا ہوں۔۔ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔۔ ساحر خان نے سلطان احمد کی آنکھوں میں دیکھتے اعتماد سے کہا۔۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ میری خواہش یہی ہے کہ کاش ایسا ہوتا۔۔ مجھے اپنی بیٹی کے لیے تم جیسا انسان ہی چاہیے تھا۔۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔۔ سلطان احمد کی بات پر ساحر مضطرب ہوا۔۔

کیوں نہیں ایسا ہو سکتا؟؟۔ ساحر نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔۔

یہ تم جا کر شاہزیب سے پوچھو۔۔۔وجہ بہت ٹھوس ہے۔۔میں تمھیں نہیں بتا سکتا کیونکہ شاہزیب نے یہ حقیقت تم سے چھپائی ہے۔۔وہی تمھیں بتائے گا۔۔سلطان احمد سنجیدگی سے کہتے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ساحر خان اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔شاہزیب خان نے اس سے کیا چھپایا ہے؟؟۔جس کی وجہ سے حور اس کی نہیں ہو سکتی۔۔شاہزیب اور سلطان احمد کے اتنے اچھے تعلقات تھے۔۔پھر کیا وجہ تھی ایسی؟؟ کہ سلطان احمد اسے پسند کرنے کے باوجود اس رشتے سے انکار کر چکے تھے۔۔

وہ بے چینی سے صوفے سے اٹھا تھا کہ حور آتی دکھائی دی۔۔

آئی ایم سوری۔۔مجھے نہیں پتہ تھا۔۔یہ سب ہو جائے گا۔۔ تمھارے بارے میں آج میں نے ارٹیکل پڑھا۔۔مجھے بہت برا لگا جو تمھارے بارے میں چھپا ہے۔۔ حور نے شرمندگی سے کہا۔۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو تھے۔۔ جسے دیکھتے ساحر خان کی بے چینی میں اضافہ ہوا تھا۔۔

ساحر نے حور کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں کے گوشے پر ابھری شبنم کو نرمی سے چنا۔۔وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے سامنے جھکا تھا۔۔

یہ دل تو تمھارا ہے ہی۔۔۔۔ساحر خانزادہ کا سر بھی تمھارے سامنے ساری عمر جھکا رہے گا۔۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔اس سے بڑھ کر تمھاری عزت کرتا ہوں۔۔میرے بارے میں جو لکھا گیا مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے ۔۔مگر جو کچھ ایک انجان لڑکی کے بارے میں لکھا گیا۔۔مجھے وہ تکلیف دے

گیا ہے۔۔ کیونکہ تمھیں کوئی کچھ بھی کہے انجانے طور پر سہی یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔

آئی ایم سوری. حور۔۔۔۔ ساحر خان نے اس کے سامنے سر جھکائے ہی کہا۔۔

حور کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔۔ ساری غلطی اس کی تھی۔۔ اور وہ اس سے معافی مانگ رہا تھا۔۔

ساحر خان نے اپنی پاکٹ سے انگوٹھی نکال کر حور کی طرف بڑھائی۔۔ اسے قبول کر لو حور ورنہ میری دھڑکنیں رک جائیں گی۔۔ قبول کر لو میری محبت کو۔۔ پلیز۔۔۔۔ وہ التجائیہ ہوا۔۔

تم نے میری ایک شرط پوری کی ہے۔۔ میرے پاپا کی رضامندی تم حاصل نہیں کر سکے۔۔۔ اس لیے میں یہ انگوٹھی قبول نہیں کر سکتی۔۔۔ سوری..... حور بھیگے لہجے میں کہتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ساحر خان گہری سانس بھرتا زمین سے اٹھا تھا۔۔ اس کا آج رات کی ہی فلائٹ سے پاکستان جانے کا آرادہ تھا۔۔ ہر اس وجہ کو ختم کرنے کا آرادہ تھا جو حور سے دوری کا سبب بن رہی تھی۔۔ ساحر خانزادہ وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

سلطان احمد جو ان سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔۔ یہ سب دیکھ کر انھیں اپنی بیٹی کے لیے ساحر خانزادہ بہترین انتخاب لگا تھا۔۔ بلکہ پچھلے پندرہ دن سے وہ یہ سب دیکھ کر اس لیے خاموش تھے۔۔۔ کیونکہ وہ ساحر خانزادہ کو پرکھ رہے تھے۔۔ اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوے تھے۔۔ حور نے اسے بہت ٹارچر کیا تھا۔۔ جس طرح ساحر اس کی ہر بات برداشت کر رہا

تھا۔۔ حور نے غصے سے ساحر پر کافی تک پھینک دی تھی۔۔ اس دن وہ دیر سے آیا تھا تو مگر وہ مسکراتے ہوے برداشت کر گیا۔۔

سلطان احمد نے یہ سب کھیل خود چلنے دیا تھا۔۔ کیونکہ وہ خود غرض ہو چکے تھے۔۔ ساحر خان انھیں اپنی بیٹی کے لیے چاہیے تھا۔۔ چاہے اس کے لیے ساحر خان کے بچپن کا نکاح ہی کیوں نہ ٹوٹتا۔۔

جو لڑکا ان کی بیٹی کے سامنے اپنا سر جھکا سکتا تھا۔۔ وہ یقیناً اس سے اپنی محبت بھی جان سے بڑھ کر کرتا تھا۔۔ پیار میں بہت سے مرد جان دینے کی بات کرتے ہیں۔۔ مگر اپنا سر کوئی کوئی ہی جھکاتا ہے۔۔۔ ساحر خانزادہ احمدی صاحب کا پہلا اور آخری انتخاب تھا۔۔۔

ساحر خانزادہ پہلی فلائٹ سے پاکستان پہنچا تھا۔۔اب وہ شاہزیب خان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔۔

شاہزیب خان، ساحر کے منہ سے حور سلطان شاہ کے لیے پسندیدگی کا سن کر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

سلطان احمد کی بیٹی کو وہ کبھی ساحر خانزادہ کی بیوی کے طور پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔

زرمش شاہزیب خان کے لیے بیٹی سے بڑھ کر درجہ رکھتی تھی۔۔وہ اس کے بڑے بھائی حاکم خان کی صرف بیٹی نہیں بلکہ اس کے لیے بھی بیٹی سے بڑھ کر تھی۔۔وہ ایک طوائف کی بیٹی کو کبھی اپنے بیٹے کی زندگی میں نہیں

دیکھ سکتا تھا۔ ان گزرے سالوں میں اس کی اور سلطان احمد کی دوستی مضبوط تر ہوئی تھی۔۔۔۔ بزنس کے ذاتی مفاد کی وجہ سے اس کا تعلق سلطان احمد کے ساتھ آج بھی قائم تھا۔۔ سلطان احمد بزنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔۔ جسے کوئی بیٹ نہیں کر سکتا تھا۔۔ گزرے وقت کے ساتھ سلطان احمد مضبوط ہی ہوا تھا۔۔ شاہزیب بہت کوششوں کے باوجود سلطان احمد کو شکست نہیں دے سکا تھا۔ مہر ماہ کی صورت میں بھی برسوں پہلے سلطان احمد اس سے جیت گیا تھا۔ وہ مہر ماہ کی پرچھائی کو بھی نہیں چھو سکا تھا۔۔ اس بات کا غم قلق نہیں ہوتا تھا۔۔ مہر ماہ مرتے ہوئے بھی صرف سلطان احمد کی ہی تھی۔ سلطان احمد نے تو اس کی لاش پر بھی کسی کی نظر نہیں پڑنے دی تھی۔

تمھاری شادی کسی صورت حور سے نہیں ہو سکتی۔۔ شاہزیب خان نے سرخ سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنا حکم سنایا۔۔۔

لیکن کیوں؟؟حور کے ساتھ میرا رشتہ کیوں نہیں ہو سکتا؟؟۔ساحر نے بھی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔۔

شاہزیب خان کا سرد انداز کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔۔سلطان احمد اور شاہزیب خان کی بہت اچھی دوستی تھی۔۔اسے لگا تھا اس کی لوسٹوری میں اس کے پاپا کبھی ولن نہیں بنے گے۔۔مگر یہاں تو الٹی گنگھا بہہ رہی تھی۔۔شاہزیب خان اور سلطان احمد کو ہی اعتراض تھا۔۔

کیونکہ تم کمٹڈ ہو کسی کے ساتھ۔۔شاہزیب خان کی بات پر اس نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔۔

کیا مطلب اس بات کا میں کسی کے ساتھ کمٹڈ ہوں اور مجھے ہی نہیں پتہ ۔۔ساحر خان نے شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے اچھنبھے سے ان کی بات کا مطلب جاننا چاہا۔۔

کیونکہ تمھارا نکاح ہو چکا ہے۔۔شاہزیب اس پر بم پھوڑا تھا۔۔

کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ساحر شاکڈ کے عالم میں صوفے سے کھڑا ہوا۔۔

ہاں۔۔۔۔ تمھارا نکاح بچپن سے زرمش سے ہو چکا ہے۔۔شاہزیب خان نے پرسکون لہجے میں کہتے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔

انھیں آج اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔انھیں ساحر خان سے یہ حقیقت نہیں چھپانی چاہیے تھی۔۔

اور ساحر خان کو سلطان احمد سے دور ہی رکھنا چاہیے تھا۔۔

مہر ماہ کی بیٹی کے حسن کا جادو ساحر پر نہ چڑھتا یہ کیسے ممکن نہیں تھا۔۔وہ کیسے یہ بات نظر انداز کر سکتا تھا۔۔۔مگر اب یہ سب اسے ہی ٹھیک کرنا تھا۔

ڈیڈ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟؟ یہ کیسے ممکن ہے؟؟۔۔ساحر ابھی بھی شاکڈ کی کیفیت میں تھا۔۔

تمھارا نکاح بچپن میں ہی زرمش سے ہو چکا ہے۔۔تب تم اتنے چھوٹے نہیں تھے۔ تمھیں یاد نہ ہو۔۔۔ تمھیں یاد ہو گا تم نے مجھ سے پوچھا تھا یہ سب کیا ہے؟؟شاہزیب نے سنجیدگی سے بولتے اپنی ابرو اچکاتے ساحر کو دیکھا۔

اور آپ نے کہا تھا نتھنگ۔۔۔اٹس جسٹ آ پلے۔۔۔ساحر خان شاہزیب خان کی بات کے جواب میں تیز لہجے میں بولا۔۔

یہ میری غلطی تھی۔۔مجھے تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔۔اگر تب ہی تمھیں تمام حقیقت سے اگاہ کر دیتا تو تم آج ذہنی طور پر اس نکاح کو ایکسیپٹ کر چکے ہوتے۔۔اس طرح میرے سامنے کسی اور لڑکی کا پرپوزل لے کر نہ بیٹھے ہوتے۔۔

شاہزیب خان یکدم بھڑکتے لہجے میں بولا۔۔

وہ لڑکی کسی میں شمار نہیں ہوتی۔۔۔میرے لیے اب وہ میری جان سے بھی بڑھ کر ہے۔۔ساحر کی آواز اونچی ہوئی تھی..

میں اس نکاح کو نہیں مانتا۔۔

حور کو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔۔اگر مجھے آپ میں سے کسی نے بھی ایموشنلی بلیک میل کیا۔۔میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔۔آپ کو مام کو چھوڑ دوں گا۔یہ دنیا چھوڑ دوں گا۔۔مگر حور کو کسی قیمت نہیں چھوڑوں گا۔۔ڈیڈ کسی قیمت نہیں۔۔اور آپ جانتے ہیں جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں۔۔تو آخری دم تک اپنے فیصلے پر قائم رہتا ہوں۔پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔شاہزیب خان ساحر خان کا چٹانوں سے بھی مضبوط لہجہ محسوس کرتا پریشان ہو اٹھا تھا۔

معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ بیٹھے تھے۔

وہ ساحر کو جانتے تھے۔ وہ اپنی ضد کا پکا ہے۔۔ وہ کسی صورت حور سے دستبردار نہیں ہو گا۔۔ یہاں تک کہ حور کا تعلق مہر ماہ سے سن کر بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔

وہ اپنے سے جڑے ہر رشتے پر خود سے زیادہ یقین رکھتا تھا اور کرتا بھی تھا۔۔ وہ چٹانوں سے بھی زیاہ مضبوط تھا۔۔ بھاری چٹان شائد اپنی جگہ سے کھسک سکتی تھی مگر وہ اپنے آرادے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔۔ نہ ہی وہ اپنے کیے ہوے فیصلوں پر پچھتاتا تھا۔

میں زرمش کو طلاق دے دوں گا۔۔ میں اسے کبھی قبول نہیں کر سکتا۔۔ ساحر اپنی بات پر زور دیتا وہاں سے غصے سے واک آؤٹ کر گیا

۔۔۔وہ لاونج سے نکل کر داخلی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بری طرح زرمش سے آن ٹکرایا جو کالج سے آئی تھی۔۔

وہ شہر کے کالج میں پڑھتی تھی۔۔اس لیے آج کل ادھر ہی رہ رہی تھی۔۔

زرمش کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے ساحر خان کو اندازہ ہوا تھا وہ سب کچھ سن چکی ہے۔۔اس کی آنکھوں میں شدید درد اور اضطراب دیکھتے بھی اسے اندازہ ہوا تھا۔وہ اس نکاح کی حقیقت کے متعلق جانتی ہے۔۔

مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔۔ کبھی مت چھوڑیے گا۔۔ساحر میں مر جاؤں گی۔۔مم۔۔۔۔میں آپ کی دوسری بیوی بن کر رہ لوں گی۔۔ کبھی اپنا حق نہیں مانگوں گی۔۔مم۔۔۔۔میں حور کی اور آپ کی ساری عمر خدمت کر لوں گی۔۔مگر مجھ سے اپنا نام مت چھینیے گا۔۔پلیز۔۔۔میں مر جاؤں گی

ساحر۔۔زرمش اس کے سینے کے ساتھ لپٹتے ہوے شدت سے رو دی تھی۔۔

یہ کیسا روگ پال لیا ہے آپ نے زرمش؟؟ساحر ااس کی تڑپ دیکھتا مضطرب لہجے میں بولا۔۔

اس روگ کو عشق کہتے ہیں۔۔جو آپ کو حور سے ہے۔۔مجھے آپ سے ہے۔۔زرمش نے ہچکی لی تھی۔۔

مجھے تو محبت عشق کا معنی بھی نہیں پتہ تھا۔۔جب اپنے دل میں آپ کو بسایا۔۔اب آپ مجھے چھوڑ کر میرے بدن سے روح کھینچنے کی بات کر رہے ہیں۔۔سوچیں مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہو گی۔۔زرمش ساحر خان کی شرٹ جکڑے تڑپتے ہوے بولی۔۔

میں آپ کی تکلیف سمجھ سکتا ہوں۔۔ اسے پانے کے لیے میں بھی بھی ایسے ہی تڑپ رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے اگر وہ کچھ دیر اور میری نہ ہوئی تو کوئی اسے مجھ سے چھین لے گا۔۔ میں نے سنا تھا عشق سے طاقتور جذبہ کوئی نہیں۔۔ مجھے آج پتہ چلا اس سے کمزور جذبہ کوئی نہیں...۔ یہ انسان کو بہت کمزور کر دیتا ہے۔۔ میری زندگی میں آج تک کوئی خوف نہیں تھا۔۔ آج میری زندگی کا ایک ایک لمحہ ڈر پر محیط ہے۔ وہ مجھ سے چھن نہ جائے۔۔

سنو میرے دل کی دھڑکنیں۔۔ کتنی خوفزدہ ہیں کہ کہیں وہ مجھ سے دور نہ چلی جائے۔۔ کسی بھی لمحہ یہ رک جائیں گی۔۔ ساحر نے زرمش کا ہاتھ اپنی دھڑکنوں پر رکھا تھا۔۔

عشق میں بیوفائی نہیں ہوتی۔۔ میں اس کا ہو چکا ہوں۔۔ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔۔ کسی صورت نہیں۔۔ مجھے معاف کرنا۔۔۔ مجھے آج ایک بات

اور پتہ چلی ہے۔۔ عشق کا دوسرا نام خود غرضی ہے۔۔۔میں اتنا خود غرض ہو چکا ہوں۔۔مجھے تمھارے آنسو بھی نظر نہیں آرہے۔۔ تمھاری تکلیف بھی محسوس نہیں ہو رہی۔اگر مجھے پرواہ ہے صرف اس کے آنکھ سے گرے آنسو کی۔۔وہ ایک آنسو بھی بہائے گی۔۔ساحر خانزادہ مر جائے گا۔۔ساحر زرمش کو نرمی سے خود سے دھکیلتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔۔

زرمش زمین پر دوزانو بیٹھتے چیخ چیخ کر اپنی محبت کا ماتم منانے لگی۔۔

شاہزیب خان نے زرمش کی چیخیں سنتے لاونج کی سینٹرل ٹیبل سے نازک سا شو پیس اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔۔

شاہزیب خان ساحر خان کے آگے جھکتے پہلی ہی فلائٹ سے لندن روانہ ہوا تھا۔۔ حور کا رشتہ بہت عاجزی سے سلطان احمد سے طلب کیا تھا۔۔ اور سلطان احمد کو یقین دلایا تھا۔۔ زرمش کو بہت جلد ساحر طلاق دے گا۔۔ برداری کا سوال ہے اس لیے ابھی ساحر زمش کو طلاق نہیں دے سکتا۔

مگر زرمش اور ساحر خان کا یہ مشترکہ فیصلہ ہے۔۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔۔

شاہزیب خان ساحر کو خود سے متنفر نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔ وہ جانتے تھے ساحر کسی قیمت اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس لیے وہ آج سلطان احمد کے سامنے بیٹھا تھا۔۔ مگر اس کا شاطر دماغ بہت بڑی پلیلنگ کیے ہوے تھا۔

پاکستان میں حور اور ساحر کی گرینڈ مگنی کا فنکشن آرگنائز کیا گیا تھا۔۔

جس میں چند ہی عزیز و اقارب کو مدعو کیا تھا۔ فنکشن گرینڈ تھا۔۔ مگر کسی کو بھی ساحر اور حور کی تصویریں لینے کی آجازت نہ تھی۔۔ افیشلی طور پر ساحر خانزادہ کی مگنی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔۔ مگر ساحر اور حور کوئی بھی تصویر پبلک نہیں ہو سکی تھی۔۔۔ اس کے پیچھے بہت بڑی وجہ تھی جو ساحر خان بھی بخوبی جانتا تھا۔۔ سلطان احمد نے ساحر سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔۔

ساحر خود بھی اپنی ذاتی زندگی پبلک نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ حور کو لے کر وہ ویسے بھی بہت حساس تھا۔۔ حور میڈیا پر آئے اسے گوارا نہ تھا

مگنی کا فنکشن بہت بڑے فارم ہاؤس میں ارگنائز کیا گیا تھا۔۔ جس کی قیمت کڑوڑوں میں تھی۔۔ جو ساحر نے حور کے نام کیا تھا۔۔ یہ پہلا تحفہ تھا جو ساحر نے حور کو دیا تھا۔

سلطان احمد شاہ کو بہت امپورٹنٹ میٹنگ میں آچانک سے لندن دوبارہ جانا پڑ گیا تھا۔ یہ ایک بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔۔ جس میں ان کا شریک ہونا بہت ضروری تھا۔۔ انہوں نے پاکستان کے ایک میڈیکل کالج میں حور کا ایڈمشن کروایا تھا۔۔ انھیں ان کے خفیہ ذرائع سے خبر ملی تھی کہ نازنین بیگم آج کل لندن میں ہوتی ہیں۔ اور ادھر ان کا بہت سٹرونگ نیٹ ورک ہے۔۔ جس کی وجہ سے سلطان احمد نے حور کا ایڈمشن پاکستان کے ایک بہت اچھے میڈیکل کالج میں داخلہ کروادیا تھا۔۔

پاکستان میں حور کی سیکورٹی انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ ٹائٹ کر دی تھی۔۔ کیونکہ ان کا لندن سے واشنگٹن جانے کا پروگرام تھا۔۔ جہاں انہوں نے نئی کمپنی کھولنے کے لیے وہاں کے نیشنل اداروں سے آجازت لینی تھی۔۔

وہ حور کی طرف سے بہت بے فکر تھے۔۔ پاکستان میں ساحر خان موجود تھا۔۔ شاہزیب،، ماہ جبین موجود تھے۔۔ پہلی مرتبہ انہوں نے ان سب پر ٹرسٹ کرتے اپنی حور کو ان لوگوں کے سپرد کیا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے یہ سب ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہو رہا تھا۔۔ سلطان احمد کے خفیہ ذرائع ان کے پرسنل گارڈز سب خریدے جا چکے تھے۔

جنھیں نازنین بیگم نے کڑوڑوں روپے دے کر خرید لیا تھا۔۔ جو خریدے نہیں جا سکے۔ انھیں ڈر دھمکا کر ان کے منہ بند کر دیے گئے تھے۔۔

سلطان احمد کا واشنگٹن میں قیام بڑھ گیا تھا۔۔ کیونکہ وہاں بھی بڑی بڑی طاقتیں ان کی نئی کمپنی کھولنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی تھیں۔ سلطان احمد مسلسل اپنے گارڈز سے رابطے میں تھے۔۔ ساتھ ساتھ حور کے ساتھ بھی وہ رابطے میں تھے۔۔

مگر واشنگٹن میں ان کے لیے بہت مسائل کھڑے کر دیے گئے تھے۔۔ آچانک سے ان کے تعلقات کسی تنظیم سے ثابت کر کے ان پر مختلف تخریب کاریوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔۔

اس الزام کی وجہ سے انھیں کچھ دنوں کے لیے ان کے گھر ہی نظر بند کر دیا گیا تھا۔۔ جب تک تحقیق مکمل نہیں ہو جاتی.. وہ واشنگٹن سے کہیں نہیں جا سکتے تھے۔۔

وہ بہت بڑے اور معروف بزنس مین تھے۔۔ ورنہ جس تنظیم کے ساتھ ان کا تعلق جوڑا گیا تھا کوئی اور ہوتا اسے جیل جانا پڑ سکتا تھا۔۔ مگر سلطان احمد شاہ کو وہ اریسٹ نہیں کر سکے تھے۔ مگر جب تک الزام کلیر نہیں ہو جانے تھے۔ انھیں ادھر ہی رہنا تھا۔۔

وہ لندن میں اپنے گھر میں موجود تھے۔۔ جہاں ان کے موبائل پر حور کے پرسنل گارڈ کی طرف سے حور کی کچھ تصویریں انھیں موصول ہوئیں۔ جس میں حور لانگ سکرٹ اور سلیو لیس ٹائپ میں ملبوس کچھ لڑکیوں کے ساتھ کسی کلب میں سموکنگ کر رہی تھی۔۔۔

سلطان احمد یہ دیکھتے پریشان ہو گئے تھے۔ حور بہت ماڈ ڈریسنگ کرتی تھی۔ ۔ مگر اتنا شارٹ ٹاپ اور سلیو لیس ٹاپ وہ کبھی باہر نکلتے ہوے نہیں پہنتی تھی۔۔

سلطان احمد نے اسی لمحے غصے سے حور کو کال ملائی۔۔

ہیلو۔۔۔۔ پاپا۔۔۔ اس ٹائم کیوں فون کیا؟؟۔۔ حور کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

وہ اتنے غصے میں یہ بھول گئے تھے۔ اس وقت پاکستان میں رات کے دو بج رہے ہیں۔

کل تم کہاں گئی تھی؟؟۔۔ سلطان احمد نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

اوہ۔۔۔پاپا۔۔۔۔آپ نے اتنی رات کو یہ پوچھنے کے لیے مجھے فون کیا ہے۔۔حور نیند میں بری طرح جھنجھلائی تھی۔۔

جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ڈونٹ بی ہیولائک آچائلڈ۔۔۔یور ناٹ آ چائلڈ۔۔اٹھارہ کی ہونے والی ہو۔۔یہ بچوں کی طرح بات مت کیا کرو مجھ سے۔۔۔سلطان احمد فون پر غصے سے گرجے تھے۔۔

حور کی نیند بھک سے اڑی تھی۔۔وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی...سلطان احمد نے پہلی مرتبہ اس سے اس لہجے میں بات کی تھی۔

حور کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگا۔۔اسے یقین نہیں آرہا تھا سلطان احمد اس سے اس لہجے میں بھی بات کر سکتا ہے۔۔

پاپا۔۔ میں کل اپنی دوست کی برتھڈے پارٹی میں گئی تھی۔۔ حور نے روتے ہوے بمشکل بتایا۔۔

تم نے وہاں سموکنگ کی تھی۔ سلطان احمد نے اس کے رونے کی پرواہ کیے بغیر درشت لہجے میں پوچھا۔۔

حور کا رنگ سفید پڑا تھا۔۔ لفظوں نے گلے میں ہی دم گھونٹا تھا۔۔ کل برتھڈے پارٹی پر وہ لوگ ٹروتھ اور ڈیر گیم کھیل رہے تھے۔۔ اسے ڈیر ملا تھا کہ وہ سگریٹ کا ایک کش لے گی۔۔ اس نے جسٹ ایک کش لیا تھا۔۔ وہ نہیں جانتی تھی یہ خبر سلطان احمد تک پہنچ جائے گی۔

وہ پاپا.... وہ مم۔۔۔۔ میں نے وہ پاپا۔۔۔ حور کی زبان لڑکھڑائی۔۔۔

حور کی زبان کی لڑکھڑاہٹ محسوس کرتے سلطان احمد کی گردن کی رگیں ابھر آئی تھیں۔۔ حور کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ ثابت کر رہی تھی کہ وہ تصویریں حقیقت پر مبنی تھیں۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم ایسا کبھی کرو گی۔ بہت مان تھا تم پر۔۔۔۔۔ آج تم نے میرا مان توڑ دیا ہے۔۔ سلطان احمد کی بات پر حور کی آنکھوں سے آنسو شدومد سے جاری ہوے۔۔

پاپا۔۔ وہ جسٹ میں نے۔۔ حور نے سسکی لیتے انھیں وضاحت دینے کی کوشش کی۔

مگع سلطان احمد تب تک فون بند کر چکے۔ تھے۔ حور تکیے پر اوندھے منہ گرتی زارو قطار رونے لگی۔۔

یہ پہلا کلیش تھا جو سلطان احمد اور حور میں پیدا ہوا تھا۔۔ سلطان احمد حور کے اس عمل پر شاکڈ ہوتے بہت دکھی بھی ہوے تھے۔۔ وہ حور کو لے کر حساس تھے۔۔ اس لیے اس کے پل پل پر خبر رکھتے تھے۔۔ اس نے آج سے پہلے کبھی ایسی حرکت نہ کی تھی۔۔

حور ان سے دل ہی دل میں بے حد بد گمان ہوئی تھی کہ انہوں نے اس کی پوری بات ہی نہیں سنی۔ حور ہمیشہ کی طرح سلطان احمد سے شدید ناراض ہو چکی تھی۔۔ اسے پورا یقین تھا سلطان احمد اسے کل تک منا لیں گے۔۔ وہ اپنی بات ان سے کلیر کرتے معافی بھی مانگ لے گی۔۔ مگر زندگی میں پہلی مرتبہ سلطان احمد اس سے ناراض ہو چکے تھے۔۔ اور ایکسپیکٹ کر رہے تھے۔ ۔حور اپنی غلطی کی ان سے خود معافی مانگے گی۔ وہ اسے احساس دلانا چاہتے

تھے تاکہ وہ آئندہ یہ غلطی نہ کرے۔۔۔۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ یہی بدگمانی ان کے اور حور کے بیچ بہت بڑی خلیج حائل کر دے گی۔۔

۔۔۔۔

وہ ماہ جبین بیگم سے حور کے کھانا کھانے،، اس کے اٹھنے جاگنے کا پوچھنے لگے۔۔ اور یہی ان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی کہ وہ حور کے معاملے میں ماہ جبین جیسی زہریلی عورت پر ٹرسٹ کر رہے تھے۔

سب کچھ شاہزیب اور ماہ جبین بیگم کے پلین کے مطابق چل رہا تھا۔۔ وہ کسی بھی قسم کی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔۔۔ مہر ماہ بیوی تھی۔۔ اس کی غلطی کو سلطان معاف نہیں کر سکتا تھا۔۔ مگر اپنی بیٹی کی ہر غلطی وہ معاف کر سکتا تھا۔۔

اگر اتنی سکیورٹی کے ہوتے حور غائب ہو جاتی تو سلطان احمد کو شک ہو سکتا تھا۔۔

اتنی سکیورٹی میں نازنین بیگم حور کو اغواہ نہیں کر سکتی تھی۔۔ کیونکہ اتنی ہیوی سکیورٹی کے ہوتے یہ ناممکن تھا۔۔

اس لیے سلطان احمد کو یہ یقین دلانا تھا حور اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے اور اسی بیچ حور کو نازنین بیگم نے غائب کروایا ہے۔۔۔۔

اس کے لیے سلطان احمد کے اور حور کے بیچ دوریاں پیدا کرنی تھیں۔۔۔ تاکہ اس دوران دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی بات چیت نہ ہو۔۔ اور سلطان احمد کو ایک ٹھوس وجہ فراہم کی جاسکے حور کے گھر چھوڑ کر جانے کی۔۔

ماہ جبین بیگم نے حور کی چھوٹی چھوٹی باتیں جھوٹ پر مبنی سلطان احمد کو بتانا شروع کر دی تھیں کہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔۔ ملازموں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی ہے۔۔ سلطان احمد حور کے غصے سے واقف تھے۔۔

وہ غصے میں اور ان سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر کبھی کبھار ایسی حرکتیں کرتی تھی۔۔یقیناً وہ ان سے ناراضگی کا غصہ ایسے اتار رہی تھی۔۔

انہوں نے اس رات حور کو خود فون کیا تھا۔۔ہمیشہ کی طرح انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ مگر حور نے سلطان احمد کے اتنے دنوں بعد فون کرنے پر غصے سے ان کا فون نہیں اٹھایا تھا۔۔وہ ان سے مزید ناراض ہو گئی تھی۔۔سلطان احمد کی شدید محبت کی وجہ سے وہ ایسے کر رہی تھی۔۔تاکہ وہ انھیں سزا دے سکے جو انہوں نے اتنے دن اسے بات نہ کر کے اسے دی تھی۔۔وہ انھیں کتنا یاد کر رہی تھی۔۔انھیں اندازہ نہ تھا۔

مگر حور کے فون نہ اٹھانے پر سلطان احمد پہلی مرتبہ حور کو اتنا پیار محبت دینے پر پچھتائے تھے۔۔

حور کا کالج بنک کرنا دوستوں کے سارتھ پارٹیز کرنا اور اس کی الٹی سیدھی تصویریں کھینچ کر سلطان احمد تک پہنچائی جا رہی تھیں۔ سلطان احمد کا بہت پرانا وفادار ملازم فیاض جو حور کا پرسنل گارڈ تھا۔۔ ایک ایک خبر وہی پہنچا رہا تھا۔۔

سلطان واشنگٹن میں اپنے مسائل میں بری طرح الجھے ہوے تھے۔۔ اگر ان سے شکوک و شہبات دور نہ ہوتے۔۔ تا عمر انھیں یہاں جیل میں گزارنا پڑ سکتا تھا۔۔ سب سنتے وہ مزید پریشان ہو گیے تھے۔۔

انہیں کچھ سمجھ نہ آیا تو. انہوں نے کچھ دنوں کے لیے حور کے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔۔۔

حور کا کالج جانا گھر سے نکلنا بند ہوا تو اس نے سلطان احمد کو فون کرتے ان سے بہت جھگڑا کیا۔۔

جس میں وہ ہمیشہ کی طرح روتے ہوے انھیں بچوں کی طرح دھمکیاں دے رہی تھی۔۔

پاپا آپ کیا سمجھتے ہیں؟؟۔ آپ مجھ پر پابندیاں لگائیں گے میں گھر پر رہوں گی۔ میں اب گارڈز کے بغیر باہر جاؤں گی۔۔ حور فون پر غصے سے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

حور بی ہیو یو سیلف۔۔ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو مجھ سے؟؟

۔۔۔ تمھاری مام بلکل ٹھیک کہتی ہیں تمھارے بارے میں۔۔ تم بہت خود سر ہو جاتی جا رہی ہو۔۔ سلطان احمد کی بات پر حور کے آنسو رکے تھے۔۔

مام نے یہ کہا آپ سے؟؟ حور نے بے یقینی سے پوچھا۔۔

ہاں انہوں نے کہا۔۔ تم کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔۔ ملازموں کے ساتھ برا سلوک کر رہی ہو۔۔ کیا ہوا ہے؟؟ کیوں کر رہی ہو ایسے؟؟۔۔ کوئی مسلہ ہے مجھے بتاؤ؟؟۔۔ سلطان احمد نے اب کی بار نرم لہجے میں پوچھا تھا۔۔

اتنے دنوں بعد سلطان احمد کا نرم لہجہ محسوس کرتے حور کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔۔

آپ میرے پاپا ہی نہیں ہیں۔۔ نہ ہی مام میری ہیں۔ آپ صرف نشا کے مما پاپا ہیں۔۔۔ نشا پر کوئی پابندی نہیں ہے۔۔ وہ اکیلے ملائیشیا چلی گئی۔۔ کسی نے اسے کچھ نہیں کہا۔۔ مگر میں اپنے کالج تک نہیں جا سکتی۔۔ نہ آپ میرے پاپا ہیں نہ آپ میں آپ کی بیٹی۔۔ مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔۔ وہ غصے سے فون بند کر چکی تھی۔۔ ماہ جبین نے جھوٹ کیوں

بولا۔۔ سلطان احمد سے۔۔۔۔ یہ سنتے حور کے رونے میں شدت سے آضافہ ہوا تھا۔۔

سلطان احمد حور کے فون بند کرنے پر گہرا سانس بھر کر رہ گئے تھے۔۔۔ وہ جلد از جلد حور کے پاس آنا چاہتے تھے تاکہ حور کے رویے کی اصل وجہ جان سکے۔۔ حور کے رونے کی وجہ سے وہ ساری رات ایک لمحہ نہیں سو سکے تھے۔۔

اگلے دو دن بعد حور کے آکاونٹ سے پچیس لاکھ کی رقم کسی کو آن لائن ٹرانسفر کی گئی تھی۔۔ سلطان احمد نے اس بارے میں ڈیٹیل نکلوائی تو پتہ چلا حور نے اپنے کالج کے ایک فرینڈ کو وہ رقم ٹرانسفر کی ہے۔۔

یہ وہی لڑکا تھا جس کے ساتھ حور کی کچھ تصویریں سلطان احمد کو کچھ دن پہلے سینڈ کی گئی تھیں۔ بات پچیس لاکھ کی نہیں تھی۔۔ وہ برینڈڈ جوتے اور کپڑے اتنی مالیت کے ایک دن میں لے لیتی تھی۔۔ بات کسی لڑکے کو اتنی بڑی رقم دینے کی تھی۔۔ اگر اس نے رقم دینی ہی تھی ان سے پوچھ کر دے دیتی۔۔

حور میں اتنی خودسری کب سے آ گئے۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔۔ ساحر خان بھی ان دنوں پاکستان نہیں تھا۔۔ ورنہ وہ حور کی طرف سے بے فکر ہو جاتے۔۔

حور کا کالج میٹ وسیم بہت پریشان تھا۔۔ پوری کلاس واقف تھی اس کے مسائل سے۔۔ اس کی ماں کو کینسر تھا۔۔ اپریشن کے لیے لاکھوں کی رقم کی ضرورت تھی۔ حور سے رقم کا مطالبہ کر رہا تھا۔۔ اس نے وقتی طور پر پچاس ہزار کی رقم بذریعہ قرض مانگی تھی۔۔۔۔ جو حور نے اسی ٹائم اس کے آکاونٹ میں ٹرانسفر کر دی تھی۔۔۔ یہ دو ٹرازیکشن تھیں جو وقفے وقفے سے کی گئی تھیں۔ حور نے اس کی ماں کے کینسر کے متعلق سنتے بنا کہے ہی اس کے اکاونٹ میں پچیس لاکھ ٹرانسفر کر دیے تھے۔

سلطان احمد اب چونکے تھے۔۔ پچیس لاکھ سلطان احمد کے لیے معمولی رقم تھی۔۔ مگر حور نے کسی کو کیوں دی۔۔ وہ بھی ایک لڑکے کو۔۔۔ آخر کس رشتے سے۔۔۔

سلطان احمد کے پوچھنے پر حور نے اقرار کرتے سلطان احمد کو پچاس ہزار کے متعلق بتایا تھا۔۔ مگر پچیس لاکھ کی رقم کا سنتے اس نے انکار کر دیا تھا۔۔ وہ سلطان احمد کے غصے سے ڈر گئی تھی۔۔ وہ اب اس سے صرف غصے میں ہی بات کرتے تھے۔۔ اسے لگا کہ سلطان احمد یہ سنتے اس پر مزید پابندیاں لگائیں گے۔۔

نہیں پاپا۔۔ مم میں نے تو اتنی رقم کسی کو نہیں دی۔ حور نے آہستگی سے کہا تو فون پر دوسری طرف موجود سلطان احمد حور کی بات پر خاموش ہو گئے تھے۔۔ انہوں نے مزید اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا آکاونٹ وقتی طور پر فریز کر دیا تھا۔۔

اپنے اکاونٹ کے فریز ہونے پر حور شاکڈ ہو گئی تھی کہ سلطان احمد اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟؟

حور اپنے کمرے میں اداس سی بیٹھی تھی۔۔اس نے آج ساحر خان کو بہت بار فون کیا تھا۔۔۔ مگر پہلی مرتبہ اس کے سیکرٹری نے فون اٹھاتے ساحر خان کے بزی ہونے کا بتایا تھا۔۔ورنہ وہ جتنا بھی بزی ہو اس کا فون فورًا ساحر خانزادہ تک پہنچا دیا جاتا تھا۔۔وہ دبئ ایک کنسرٹ کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔وہ کتنے دنوں سے اپنے کنسرٹ میں الجھا ہوا تھا۔۔ابھی ابھی وہ پیرس سے آیا تھا... اب پیرس سے وہ دبئ چلا گیا تھا۔۔ حور کو وہ دن مین ہائے جان ۔۔عشق۔۔۔۔۔۔زندگی۔۔۔بے بی۔۔۔سویٹ ہارٹ۔۔۔دھڑکن ۔۔سانس۔۔۔لو۔۔۔جانم اور ائی لو یو عشق۔۔کے کتنے ہی میسج کرتا

تھا۔۔یہ میسج حور کو ہر دوسرے گھنٹے رسیو ہوتے تھے۔۔۔اور روزانہ رات کو وہ اس سے بات ضرور کرتا تھا۔

حور نے اسے کل ہی سلطان احمد کے رویے کے بارے میں سب کچھ بتایا تھا۔۔۔مگر آج پہلی مرتبہ اس کی کال ساحر خان تک نہیں پہنچائی گئی تھی۔۔جو حور کے لیے حیرانگی کا باعث تھی۔۔آج ساحر خان کا کوئی میسج بھی نہیں آیا تھا۔

حور بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچے سلطان احمد کے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ماہ جبین اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔۔حور کچھ دنوں سے ان سے بھی ناراض تھی کہ وہ سلطان احمد کو اس کے متعلق جھوٹی باتیں کیوں بتا رہی ہیں؟؟

حور انھیں دیکھتے نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی۔ اسے لگا تھا ماہ جبین اسے منانے آئی ہے۔۔ ہمیشہ تو وہ اس کے لاڈ اٹھاتی تھی۔۔

اپنا موبائل دو مجھے۔۔ ماہ جبین بیگم نے حور کے پاس جا کر سرد لہجے میں کہا۔۔

کیوں مام میں اپنا موبائل کیوں دوں آپ کو؟؟۔۔ حو نے بیڈ سے کھڑے ہوتے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔۔

چٹاخ۔۔۔۔ ماہ جبین کی طرف سے پڑھنے والے تھپڑ پر حور سن سی ہوئی تھی۔ حور نے اپنے گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے ماہ جبین کو دیکھا۔۔

مام آپ۔۔۔۔۔۔ حور کے منہ سے لفظ بے ترتیبی سے ادا ہوے۔۔۔

تمھارے باپ نے تمھیں اتنا لاڈ پیار دے کر تمھیں سر پر چڑھایا ہے۔اس لیے تم اتنا بدلحاظ ہو چکی ہو۔۔ مگر میرے سامنے آئیندہ بدتمیزی کی تو یہ زبان کھینچ ڈالوں گی میں۔۔ماہ جبین بیگم غرائی تھی.

مام۔۔۔۔۔یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟؟حور نے روتے ہوے کہا۔۔

ماہ جبین کا ایسا روپ کب دیکھا تھا بھلا۔۔۔۔۔

اسے تو ماہ جبین بیگم نے کبھی پھولوں کی چھڑی سے نہیں چھوا تھا۔۔اتنی بے دردی سے انہوں نے اسے کیسے تھپڑ مارا؟؟اسے یقین نہیں آرہا تھا جو ماہ جبین نے اس کے ساتھ کیا۔

۔وہی کہہ رہی ہوں۔جو تم سن رہی ہو۔۔ مجھ سے آئیندہ اس ٹون میں بات کی تو تمھارا دوسرا گال بھی لال کر دوں گی۔۔ماہ جبین اونچی آواز میں دھاڑی

۔۔

آپ نے مجھے تھپڑ مارا۔۔ مجھ سے ایسے بات کی۔۔ میں پاپا سے آپ کی شکائت لگاؤں گی۔۔ حور نے روتے ہوے کہا۔۔

حور کی بات پر ماہ جبین نے قہقہ لگایا تھا۔۔ حور حیرانگی سے ماہ جبین کو ہنستے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اسے اس وقت بہت حوفناک دکھائی دی تھی۔۔ سانولی رنگت مزید سانولی ہوئی تھی۔۔

وہ تمھاری بات پر کبھی یقین نھیں کرے گا۔۔ جیسے برسوں پہلے تمھاری ماں پر یقین نہیں کیا تھا۔

میری ماں۔۔ حور نے زیر لب یہ لفظ دہراتے الجھن بھری نگاہوں سے ماہ جبین کو دیکھا

یہ کیا کہہ رہی ہیں مام ؟؟۔۔۔ حور نے شاکڈ لہجے میں پوچھا۔۔

ہاں تمھاری ماں مہر ماہ۔۔۔۔ ماہ جبین بیگم بتاتے ہوے مکاری سے مسکرائی۔

میری مام تو آپ ہیں آپ مام۔۔ حور نے روتے ہوے ہچکی لی۔۔

انہوں نے تھپڑ مارا یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر اب یہ کیا کہہ رہی تھی ماہ جبین کہ وہ اس کی ماں ہی نہیں ہے۔۔

نہیں ہوں تمھاری مام..... تمھاری ماں مہر ماہ تھی.. جسے تمھارے باپ نے مار دیا تھا۔۔ماہ جبین ہذیانی چیخی۔۔

ان کے گیم کا دوسرا راؤنڈ شروع ہو چکا تھا۔۔ حور کو سلطان احمد سے متنفر کرنا۔۔۔۔

جو کچھ مہر ماہ سے فون پر زبردستی کہلوایا گیا تھا۔۔

وہ لوگ چاہتے وہی سب کچھ حور اپنی مرضی سے سلطان احمد سے بولے ۔۔اپنی نفرت کا اظہار کرے۔۔

سلطان احمد کے آنے سے پہلے وہ لوگ حور کو نازنین بائی کے سپرد کرنے کا آرادہ رکھتے تھے۔۔

تاکہ سلطان احمد کو لگے حور اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہے۔۔اس کا شک کسی پر بھی نہ جائے۔۔

سائیڈ ٹیبل سے حور کا موبائل وہ پکڑے کمرے سے جا چکی تھیں۔۔ حور ابھی بھی شاکڈ کی کیفیت میں کھڑی تھی۔۔ یہ سب کچھ اسے خواب لگ رہا تھا۔۔اس کی ماں صرف ماہ جبین تھی۔۔ کوئی اور کیسے ہو سکتا تھا؟؟ مگر ماہ جبین کا یہ روپ ایک ماں کا نہ تھا۔۔

حور ابھی بھی پتھرائی سی کھڑی تھی کہ ماہ جبین دوبارہ اندر داخل ہوئی۔

اس کے ہاتھ میں مہر ماہ کی تصویریں تھیں۔ جو اس نے حور کے منہ پر ماری تھی۔۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے وہ تصویریں اٹھائیں۔ جو مہر ماہ کی تھیں۔۔ مہر ماہ اور سلطان احمد کے نکاح کی تصویریں تھیں۔ اور اس کی خود کی تصویریں تھیں جو مہر ماہ کے ساتھ تھیں۔ جن میں وہ چند ماہ کی تھیں۔۔ شک کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔۔ سارا سچ واضح تھا۔۔ وہ مہر ماہ کا ہی تو پر تھی۔۔ بلکل اسی کی طرح دکھتی تھی۔۔

اس کی ماں ماہ جبین نہیں۔۔۔ بلکہ مہر ماہ تھی۔ اسی لیے وہ آج تک ماہ جبین کے اتنا پیار دینے کے باوجود ان سے اٹیچ ہی نہ ہو سکی تھی۔۔ کیونکہ وہ اس کی ماں ہی نہ تھی اور ماہ جبین کا پیار سب کچھ دکھاوا تھا۔۔ اس لیے اس کی ہر

بات ہر لفظ میں صرف اس کا باپ سلطان احمد ہوتا تھا۔ کبھی ماہ جبین کبھی ہوئی ہی نہ تھی۔۔ وہ صرف سلطان احمد کے ساتھ اٹیچ تھی۔۔

وہ تصویریں پکڑتے انھیں سینے سے لگائے روتے چلی گئی تھی۔۔ ساری رات اس نے روتے ہوئے گزاری تھی۔۔

حور سلطان احمد سے بات کرنا چاہتی تھی۔ ان سے چیخ چیخ کر پوچھنا چاہتی تھی کہ انہوں نے اس کی ماں کو کیوں مارا۔۔

مگر اس کے پاس موبائل نہیں تھا۔۔

وہ اگلے دن غصے سے ماہ جبین کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔ مگر باہر ایل ای ڈی کی سکرین پر چلتی نیوز دیکھ کر رکی تھی۔۔ جہاں ساحر خان اور اس کی مگنی ٹوٹنے کی خبر چل رہی تھی کہ ساحر خان نے کنسرٹ پر اعلان کیا ہے کہ اس

کی مگنی ٹوٹ گئی ہے۔۔وہ سلطان احمد کی بیٹی سے اپنی مگنی توڑ چکا ہے۔۔حور یہ سب دیکھتے بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے رونے لگی۔۔کل تک اس کے پاس سب کچھ تھا۔۔آج اس کے پاس کچھ نہ تھا۔۔نہ باپ نہ ماں اور نہ اس کا اتنی محبت کرنے والا پیار۔۔۔۔حور نے وہ رات بھی روتے ہوے گزاری تھی۔۔

.....

وہ پچھلے دو دن سے بھوکی پیاسی تھی۔نقاہت سے اسے چکر آرہے تھے۔۔گھر کی تمام میڈز چھٹی پر تھیں۔پورے شاہ مینشن میں خاموشی کا ڈیرہ تھا۔جو کسی بڑے طوفان کے پیش خیمہ ثابت کر رہا تھا۔۔

حور اپنے کمرے سے نکلتے لینڈ لائن کی طرف بڑھی۔۔جو ڈیڈ تھا۔۔حور بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔۔

وہ اپنے چکراتے سر کو تھامتے کچن کی طرف بڑھی تاکہ پیٹ کی آگ کو بجھایا جاسکے۔۔ کچن کے بڑے سے فریج مین کچھ بھی کھانے کے لیے نہیں تھا۔۔ حور حیران ہوئی تھی ان کا فریج کبھی خالی نہیں رہا تھا۔۔ یعنی ماہ جبین نہیں چاہتی تھی اس کے پیٹ میں کچھ بھی جائے۔۔ حور نے سنک کے نل سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی تھی۔۔ اور اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ماہ جبین کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔ یہ شاہ مینشن اس کے نام تھا۔۔ یہ سب کچھ اس کے باپ کا تھا۔۔ وہ سلطان احمد سے اس لیے ناراض تھی متنفر تھی کہ انہوں نے اس سے مہر ماہ کے متعلق کیوں چھپایا۔۔ مگر اس کی ماں طوائف تھی یا پھر سلطان احمد نے مہر ماہ کو مارا۔۔ وہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔۔

وہ غصے سے ماہ جبین کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔ مگر کمرے کے دروازے کے باہر اسے رکنا پڑا تھا۔۔

نازنین بائی کے آدمیوں کو آج رات ہی بھیج دو۔۔ وہ حور کو آ کر لے جائیں۔۔ ہاں میرے پاس حور کا موبائل ہے۔۔ جب حور نازنین بائی کے اڈے پر پہنچ جائے گی۔۔ تب ہی میں حور کے موبائل سے سلطان کو میسج کر دوں گی۔۔

ہاں وہ یقین کرے گا۔۔ برسوں پہلے سلطان احمد نے کیسے مہر ماہ پر یقین نہیں کیا تھا۔۔ اور اسے جان سے مار ڈالا تھا۔

جب حور کا میسج جائے گا کہ وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔۔ کیونکہ اسے اس حقیقت کا پتہ چل گیا ہے کہ میں اس کی ماں نہیں ہوں۔۔ ماہ جبین کی باتیں

سنتے وہ منہ پر ہاتھ رکھے لرز اٹھی۔۔وہ اپنی سمجھ کے مطابق ماہ جبین کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلطان احمد کو بولوں گی کہ اس نے جو اپنی الماری میں مہر ماہ کا سچ چھپا کر رکھا تھا وہ اس کی بیٹی نے دیکھ لیا۔۔

آج تک وہ مہر ماہ کو نہیں بھولا۔۔۔گھنٹوں کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ مہر ماہ کی تصویروں کو دیکھتا رہتا ہے۔ماہ جبین کا لہجہ زہر الود تھا۔

میں صرف اس کی نام کی بیوی ہوں۔۔جسے مہینوں بعد وہ اپنے قربت کے چند لمحے عطا کر دیتا ہے۔۔وہ بھی خدا خوفی کی وجہ سے شائد وہ اپنے حقوق پورے کرتا ہے۔۔

ورنہ مجھے اس نے کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا۔۔اس کی قربت میں سوائے بیگانگی اور اجنبیت اور بیزاریت کے مجھے کبھی کچھ نہیں ملا۔۔

اس مہر ماہ کا تو وہ دیوانہ تھا۔۔روز اس کی بھیگی زلفیں اور اس کا مہکتا روپ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ سلطان احمد اسے ساری ساری رات اپنی قربت سے آزدی نہیں بخشتا تھا۔۔ماہ جبین نفرت سے پھنکاری تھی۔

میرا اور اس کا کمرہ تک الگ ہے۔۔کیونکہ اسے اپنے آفس کا کام کرنا ہوتا ہے رات رات بھر۔۔۔۔وہ صرف مجھ سے اپنی جان چھڑواتا ہے۔۔

مجھے صرف حور کی وجہ سے اپنایا تھا۔۔مگر اب نہیں۔۔۔میرے اور میری بیٹی کے ساتھ اس نے جو رویہ اپنایا اس کی سزا حور کو ملے گی۔۔

آج رات ہی حور کو لے جاؤ۔۔ حور نے کانپتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکی روکی تھی۔۔ وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

ماہ جبین اتنی گری ہوئی عورت ہو گی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔ اس نے اس کا سودا کر دیا تھا۔۔ یعنی اس کی ماں سچ میں طوائف تھی اور سلطان احمد نے اسے مارا تھا۔۔ حور نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخیں گھونٹی تھیں۔

اس نے جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔۔ حور نے اپنے بیگ میں اپنے ڈاکومنٹس اور اس کے پاس کچھ پیسے تھے۔ کم و بیش پچاس ہزار روپے۔۔ اس نے بیگ میں ڈالتے اپنے الماری سے کوئی بڑی سی چادر تلاش کی۔۔ مگر اس کے پاس کوئی چادر نہیں تھی۔۔ کبھی اس نے چادر لی ہی نہیں تھی۔ وہ اس وقت بلیک کلر کی سمپل سے ٹراوزر اور شرٹ میں ملبوس تھی۔۔

حور نے نیٹ کا دوپٹہ الماری سے نکالتے خود پر اچھی طرح لپیٹا تھا اور وہ چپکے سے شاہ مینشن کے پچھلے دروازے سے سے باہر نکل آئی۔۔

باہر آتے ہی اس نے شاہ مینشن کی اونچی دیواروں کو دیکھا۔۔

شاہ مینشن کے اس پار بھی کچھ گارڈز ہمیشہ کھڑے ہوتے تھے۔۔ مگر آج وہ گارڈز نہیں تھے۔۔ کچھ گارڈز خریدے جا چکے تھے۔ جو نہیں خریدے گئے تھے۔۔ انھیں آج کے دن منظر سے کچھ دیر کے لیے اوجھل کیا گیا تھا۔۔ یہی بات حور کے حق میں اچھی ثابت ہوئی تھی۔۔

وہ شاہ مینشن کی دیوار پھلانگ کر باہر سڑک پر اندھا دھند بھاگنے لگی۔۔۔۔

یکدم اس کے سامنے ایک گاڑی آئی تھی۔۔ اس نے گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس پر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھیں چند سیکنڈ کے بعد کچھ دیکھنے کے

قابل ہوئیں۔ گاڑی کے اندر سے دو آدمی نکل کر اس کی طرف بڑھے ۔۔ایک نے موبائل نکال کر موبائل میں کچھ دیکھا تھا۔۔

یہی ہے وہ لڑکی۔۔۔۔۔ایک خباثت سے مسکرایا۔ حور اس سے پہلے وہاں سے بھاگتی۔۔وہ اس کے منہ پر کلوروفارم کا رومال رکھتے اسے گاڑی میں ڈال چکے تھے۔۔

حور کی آنکھ کھلی تو خود کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پایا تھا۔۔ حور نے گھبراتے ادھر ادھر دیکھا۔۔رات کی گہری سیاہی پھیل چکی تھی۔۔ گاڑی میں بھی اسے سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

اسے کہاں لے کر جانا ہے۔۔ان میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے آدمی سے پوچھا۔۔

یہاں پاس ہی ایک گاؤں ہے۔۔ابھی تو وہاں پر رکھنا ہے۔۔پھر اسے دبئ شفٹ کرنا ہے۔۔وہ بھاری آواز میں بولا تو حور کا دل خوف سے دھڑکا تھا۔۔

ویسے یہ لڑکی قیامت ہے۔۔میں نے اتنی خوبصورت بلا آج تک نہیں دیکھی۔۔

کیا خیال ہے اس لڑکی کے حسن سے سیراب ہونے کا موقع ہمیں نہیں ملنا چاہیے۔۔ایک نے پیچھے جھانکتے ہوے خباثت سے کہا۔۔

مگر نازنین بیگم کا حکم ہے اسے کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔۔ان میں سے ایک سنجیدگی سے بولا۔

نازنین بیگم کو کیسے پتہ چلے گا کہ اسے ہاتھ ہم نے ہی لگایا ہے۔ کہہ دیں گے کہ یہ پہلے سے استعمال شدہ ہو گی۔۔ اس نے اپنی بات مکمل کرتے فلگ شگاف قہقہہ لگایا تھا۔۔ جس میں دوسرے نے بھی اس کا مکمل ساتھ دیا تھا۔۔

حور نے اپنا بیگ سینے پر سختی سے جمائے آنکھیں میچی تھیں۔

گاڑی اب رک چکی تھی۔۔ ایک نے اترتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تو حور چیختے ہوئے دوسری سائیڈ کی طرف کھسکی۔۔۔۔

اس نے بے دردی سے اس کی کلائی سے پکڑ کر گاڑی سے نکالا تھا۔۔

حور کی فلگ شگاف چیخیں برامد ہوئیں۔۔ وہ اپنا پرس اور اپنے نیٹ کے دوپٹے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔۔

تم اسے ایک سائیڈ پر لے جاؤ۔۔ میں ادھر نظر رکھتا ہوں۔۔ وہ اس ٹائم ایک مصروف شاہراہ پر تھے۔۔ جہاں رات کے اندھیرے میں کبھی کبھی کسی گاڑی کی چمکتی ہیڈ لائٹس دکھائی دیتی تھی۔

وہ اسے گھسیٹتا ایک طرف لے گیا تھا۔۔ جہاں ایک طرف بہت بڑا کھیت تھا۔۔

حور کو زمین پر دھکا دیتے وہ اس پر جھکا ہی تھا۔۔ پاس ہی ایک پتھر پڑا تھا۔۔ اس سے پہلے اس کے ناپاک ہاتھ اسے چھوتے۔۔ حور نے وہ پتھر اٹھاتے ہوئے پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا تھا۔۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔

وہ چیختا ہوا پیچھے ہوا تھا۔۔ اسی پل وہ زمین پر گرتا بیہوش ہو چکا تھا۔۔ حور گہرے سانس لیتے اٹھی تھی۔۔ اس نے جو کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی کے آنے سے پہلے اسے یہاں سے بھاگنا ہی تھا۔۔

حور نے بھاگنے سے پہلے زمین سے اس آدمی کا گرا ہوا موبائل پکڑا۔ اور پیچھے مڑے بغیر وہاں سے اپنی پوری قوت لگاتے بھاگی تھی۔۔

وہ بس بھاگے جا رہی تھی۔۔ پتہ نہیں اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔۔ دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔۔۔ اگر وہ ایک ٹائم کا کھانا سکپ کرتی تو چکراتی پھرتی تھی۔۔ مگر آج دو دن سے بھوکی تھی۔۔ اسے اس ٹائم صرف اپنی عزت بچانی تھی۔۔۔ وہ کب سے بھاگ رہی تھی۔۔ وہ نہیں جانتی تھی۔۔ وہ ان ذ۔۔ل۔۔ل۔۔یل لوگوں کے ہاتھ لگے اسے گوارا نہ تھا۔۔ اپنی موت گوارا تھی۔۔ مگر اپنی عزت پر ایک آنچ بھی گوارا نہ تھی۔

اب وہ ایک سڑک پر آگئی تھی۔۔ آس پاس دیکھتے وہ ایک دکان کی طرف بڑھی۔۔۔اس کے شیڈ کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔۔ یخ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں کو چیر رہی تھی۔۔وہ ایک سوٹ اور نیٹ کے دوپٹے میں سردی اور بھوک سے بلکل بے نیاز ہو چکی تھی۔

اسے آج ایک بات سمجھ آئی تھی۔۔ عورت کے لیے عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔۔

اس نے فون نکالتے سب سے پہلے سلطان احمد کا نمبر ملایا تھا۔۔جو بند جا رہا تھا۔۔پاپا۔۔۔۔وہ دو تین بار نمبر ڈایل کرتے بے بسی سے رو دی

تھی۔۔اسے یاد آیا تھا سلطان احمد پاکستان والے نمبر سے واشنگٹن سے فون نہیں کرتے تھے۔۔وہ تو ادھر کے ہی کسی نمبر سے فون کرتے تھے۔۔اور اسے وہ نمبر نہیں آتا تھا۔۔

بہت سوچ وبچار کے بعد حور نے زرمش کا نمبر لگایا۔۔دو تین بیل کے بعد زرمش نے فون اٹھالیا تھا۔

زرمش ژرمش۔۔مم میں حور۔۔۔حور نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔۔

حور تم اور یہ کس کا نمبر ہے۔۔زرمش لیٹے ہوے اٹھ بیٹھی تھی۔۔

مم میں نہیں جانتی زرمش۔۔پپ۔۔۔پلیز۔۔۔مجھے بچالو زرمش۔۔

مم میری عزت اور جان دونوں خطرے میں ہیں۔ میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیجتی ہوں۔ تم دیکھ لو۔۔ اس کے بعد میں یہ فون آف کر دوں گی۔۔ کیونکہ یہ اسی کا فون ہے جو میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔۔ حور نے روتے ہوئے فون کی لوکیشن زرمش کو سینڈ کی۔

زرمش لوکیشن دیکھتے پریشان ہوئی۔۔ وہ اسلام آباد سے بہت آگے تھی۔۔

مم پلیز... مجھے بچالو زرمش۔۔۔ حور نے فون کان سے لگائے روتے ہوئے التجا کی۔۔

زرمش گہرے سانس بھرتے شش و پنج میں مبتلا تھی۔۔

ساحر خانزادہ کے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونجے۔ عشق کا دوسرا نام خود غرضی ہے۔۔اور زرمش خانزادہ بھی آج خود غرض ہو چکی تھی۔۔اس نے دوستی انسانیت میں عشق کو چن لیا تھا۔۔

زرمش تم سن رہی ہو ناں۔۔۔۔۔ حور نے روتے ہوے پوچھا۔۔

حور مجھے تمھاری آواز نہیں آرہی۔۔زرمش کے الفاظ سنتے حور کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔۔اس نے روتے ہوے موبائل کے سپیکر پر اپنا ہاتھ مارا

اب آرہی ہے زرمش آواز۔۔۔۔۔ حور نے روتے ہوے کہا

نن۔۔۔ نہیں آرہی حور آواز۔۔.. زرمش نے ماتھے سے پسینے کے قطرے صاف کیے۔۔ ضمیر بری طرح اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔۔ حور کا رونا اس کا دل چیر رہا تھا۔۔ مگر اس دل میں جو بستا تھا وہ اسے اپنی جان سے بڑھ کر تھا۔۔

زرمش تمھارے پاس میری لوکیشن موجود ہے۔۔ تم مدد بھیج دو پلیز۔۔۔ حور نے فون بند کرتے زرمش کو میسج کیا تھا۔۔ اور فون آف کر دیا تھا۔۔ آس پاس بہت سی دوکانیں تھیں اور گلیاں سی بنی ہوئی تھیں۔۔

وہ ان گلیوں میں سے گزرتے ایک دوکان کے شیڈ کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔۔ اسے یقین تھا زرمش شاہزیب خان کو بتائے گی اور وہ اس کی مدد ضرور کریں گے۔۔

مگر وہاں کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔

مگر زرمش کی مدد نہیں آئی تھی۔۔

صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔۔ مکمل اجالا ہونے سے پہلے اسے یہاں سے جانا ہی تھا۔۔ ورنہ اس کا دوسرا آدمی دن کی روشنی میں اس تک با آسانی پہنچ سکتا تھا۔۔

حور نے سڑک پر گزرتی ایک ٹیکسی کو روکا تھا۔ وہ بری طرح خوف کانپ رہی تھی۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے زمین بوس ہو جائے گی۔۔

اس نے اس ٹیکسی والے کو کسی گرلز ہاسٹل جانے کو کہا۔۔ ٹیکسی والا ایک بزرگ تھا۔۔ وہ بہت سوچ و بچار کے بعد اسے ایک اچھے معیاری گرلز ہاسٹل لے آیا۔۔ جس کی ریپوٹیشن بہت اچھی تھی۔۔

حور نے اپنے بیگ سے پانچ ہزار کا نوٹ نکالتے اس بزرگ کو تھمایا۔۔

بیٹا صبح کا ٹائم ہے میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔ اس بزرگ نے پانچ ہزار کا نوٹ پکڑتے کہا۔

انکل باقی پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ آپ ہی رکھ لیں۔ یہ کون سے زیادہ ہیں۔ حور کی بات پر بزرگ مسکرایا تھا۔۔

بیٹا یہ پیسے تمھارے لیے زیادہ نہیں ہے۔۔ مگر میرے لیے بہت زیادہ ہیں۔ ان پیسوں کی قدر کرو آگے تمھارے کام آئیں گے۔۔ اور کسی کو بھی یہاں پتہ نہ چلنے دینا۔ تمھارے پاس بہت پیسے ہیں۔ یا پھر تم کسی مصیبت میں ہو۔۔ جو بھی پوچھے کہہ دینا تم یہاں پڑھنے کے لیے آئی ہو۔۔ یہاں پاس ہی ایک کالج ہے۔۔ وہاں تم نے داخلہ لیا ہے۔ اور تمھیں تمھارا بابا یہاں چھوڑ کر گئے ہیں۔ بزرگ حور کا متورم رویا ہوا چہرہ دیکھ کر بولے تو حور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

بزرگ نے حور کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے وہ پانچ ہزار کا نوٹ تھمایا جو حور نے پکڑتے بیگ میں ڈالا تھا۔۔

میرا نمبر لکھ لو بیٹا۔۔ تمھیں کبھی بھی میری ضرورت پڑے مجھے ایک کال کر دینا۔۔

حور نے بیگ سے پن اور چھوٹی سی ڈائری نکالتے ان کا نمبر لکھا تھا۔۔

وہ ٹیکسی سے اترتے جلدی سے ہاسٹل کے اندر چلی گئی۔۔

اسے یہاں رہتے ہوے ایک دن ہی ہوا تھا۔۔ ہاسٹل کا معیار بہت اچھا تھا۔۔ مگر اسے یہاں کمرہ کسی لڑکی کے ساتھ ملا تھا۔۔

وہ لڑکی اس کے بیگ میں پیسے دیکھ چکی تھی۔۔اور رات سے اس کی دبی دبی سسکیاں بھی سن رہی تھی۔۔

ہر جگہ جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں۔۔وہاں برے بھی ہوتے ہیں۔حور کی بدقسمتی تھی کہ اس سے برے لوگ ہی ٹکرا رہے تھے۔

دوسری رات جب حور کی دبی دبی سسکیاں تھمیں تو وہ اسے سوتا سمجھ کر اس کے بیگ کی طرف بڑھی اور اس کے بیگ سے تمام پیسے نکال لیے۔۔ اس لڑکی نے اس کے بیگ سے پیسے نکالتے کسی کو فون ملاتے حور کی تمام ڈیٹیل فراہم کیں۔۔۔وہ اس کی معصومیت اور اس کی خوبصورتی کا جس انداز میں ذکر کر رہی تھی۔۔حور کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی فون کی دوسری طرف کوئی مرد ہے۔۔۔

حور نے خوفزدہ ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہی ہے۔۔

وہ اس رات لڑکی کے سونے کے بعد اپنا بیگ اٹھائے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔۔ہاسٹل وارڈن کے کمرے کے لینڈ لائن سے فون ملاتے اس نے اس بزرگ کو فون کر کے مدد مانگی تھی۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ بزرگ ہاسٹل کے باہر تھا۔۔۔وہ اس بزرگ کی ٹیکسی میں بیٹھتے ان کے ساتھ مردان کے علاقے میں چلی آئی تھی۔۔مگر یہاں اس کے لیے ایک اور آزمائش تیار تھی۔۔

ساحر اپنا کنسرٹ ختم کرتے اپنے ریسٹ روم کی طرف آیا تھا۔۔ اپنا موبائل پکڑتے حور کو کال ملانی چاہی مگر اس کا فون نہیں اٹھایا گیا تھا۔۔ سوشل میڈیا پر ہر طرف ایک ہی نیوز سرکولیٹ کر رہی تھی کہ وہ حور سے اپنی مگنی توڑ چکا ہے۔۔ ساحر اپنی چیئر سے پریشان ہوتے اٹھا تھا۔۔ اس نے پریشانی سے دوبارہ حور کا نمبر ملایا۔۔ جو اٹھایا نہیں گیا تھا۔۔ ساحر خان نے پریشانی سے حور کا نمبر کافی دفعہ ٹرائے کیا مگر حور نے نہیں اٹھایا تھا۔۔ ساحر نے بہت سے میسج حور کے لیے چھوڑے۔۔ جسے اس نے سین تک نہیں کیے تھے۔۔

ساحر نے لینا کو کال کرتے اپنے روم میں بلایا۔۔

یہ سب کیا ہے میں نے اپنی انگیجمنٹ توڑ دی ہے۔۔ یہ فیک نیوز کس نے پھیلائی۔۔ ساحر طیش والم میں چیخا تھا۔۔

لینا۔۔ ساحر خان کی دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔۔

ساحر مجھے اس بارے میں کچھ نہیں پتہ لینا نظریں چراتے ہوے بولی۔۔

کیا مطلب ہے تمھارا اس بات سے تمھیں کچھ خبر نہیں ہے۔۔ کسی نے تو میرے بیحاف پر یہ افواہ پر پھیلائی ہے۔۔ اور تمھیں اس بات کی خبر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔۔ ساحر پہلے سے بھی زیادہ بلند آواڑ میں چیخا تھا۔۔

ساحر یہ سب شاہزیب سر کے کہنے پر کیا گیا۔۔ کیونکہ تمھارے پچھلا کنسرٹ کامیاب نہیں گیا تھا۔۔ کنسرٹ ارگنائزر کو لگا تھا کہ اس کی وجہ تمھاری انگیجمنٹ ہے۔ کیونکہ تمھیں یوتھ سنسیشن ہو۔۔ تمھیں پسند کرنے والی زیادہ تر لڑکیاں ہیں۔۔ اور سر شاہزیب نے انھیں آجازت دی تھی کہ وہ آج تمھارے کنسرٹ کے دوران یہ نیوز لیک کر دیں۔۔ لینا کے بتانے پر ساحر خانزادہ اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

واٹ۔۔۔پاپا کے کہنے پر یہ سب کیا۔۔وہ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں،؟؟۔ساحر غصے سے بولا۔۔

اگر کنسرٹ ارگنائزر تم سے پوچھتے تو تم آجازت نہ دیتے۔۔اس لیے انہوں نے سر سے آجازت لی۔۔اور دیکھو یہ نیوز سوشل میڈیا کی زینت بنتے ہی تمھارا اگلا کنسرٹ ہاوس فل ہے۔۔تمام ٹکٹس دو گھنٹوں میں سیل آوٹ ہو چکی ہیں۔۔لینا نے ایکسایٹمنٹ میں بتایا۔۔بھاڑ میں جائے یہ کنسرٹ۔۔۔اگلا کنسرٹ تو تب ہی کامیاب ہو گا جب میں یہ کنسرٹ اٹینڈ کروں گا۔۔ساحر نے غصے سے بولتے فون پر اپنی پاکستان کی نیکسٹ فلائٹ بک کروائی تھی۔

ساحر یہ کیا کر رہے ہو تم؟؟پاگل ہو گئے ہو تمھارا کیریر برباد ہو جائے گا۔۔۔لینا نے ساحر کو سمجھایا۔۔

بھاڑ میں جائے یہ کنسرٹ۔۔۔اور بھاڑ میں جاؤ تم سب۔۔میری زندگی میں حور سے زیادہ کچھ امپورٹنٹ نہیں ہے۔۔ساحر خانزادہ غصے سے بولتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

حور کے جانے کے اگلے دن ہی ماہ جبین بیگم نے حور کے موبائل سے سلطان احمد کو ایک میسج کیا تھا۔۔وہ یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔۔کیونکہ اسے اس حقیقت کا پتہ چل گیا ہے کہ ماہ جبین بیگم اس کی ماں نہیں ہے۔۔وہ سلطان احمد سے اور ماہ جبین سے نفرت کرتی ہے۔۔۔

سلطان احمد تک جب یہ میسج پہنچا تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔اس نے جلدی سے حور کے نمبر پر فون ملایا۔۔جہاں سے کوئی کال رسیو نہیں کی گئی

تھی۔۔ سلطان احمد نے پریشانی سے ماہ جبین بیگم کو فون کیا۔۔ماہ جبین بیگم نے انجان بنتے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔۔

اور تھوڑی دیر بعد سلطان احمد کو اس بات کی خبر پہنچادی گئی تھی کہ حور گھر چھوڑ کر جا چکی ہے۔۔ سلطان احمد یہ سنتے بلبلا اٹھا تھا۔۔

حور کے پرسنل گارڈ فیاض کو فون کرتے حور کا پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔۔

سلطان احمد بھوکے درندے کی مانند غرا اٹھے تھے۔۔ اسی دن وہ واشنگٹن پولیس کی طرف سے ہر الزام سے بری ہو چکے تھے۔ اور پہلی فلائٹ سے وہ پاکستان میں تھے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطان احمد نے پورا شاہ مینشن سر پر اٹھا لیا تھا۔۔ تمام گارڈز سے پوچھ گوچھ کی گئی تھی۔۔

سی سی ٹی وی کیمرے جو شاہ مینشن کے پچھلے والے حصے پر منعقد تھے۔۔ اس میں صاف دیکھا جا سکتا تھا کہ حور خود بھاگی ہے۔۔

مگر جو دو گارڈ پچھلے حصے پر تعینات ہوتے تھے۔۔ وہ یہاں موجود نہیں تھے۔۔ وہ کہاں تھے۔۔

سلطان احمد فیاض پر چیخے۔۔ انہوں نے فیاض کو مار مار کر اس کا ناک نقشہ بگاڑ دیا تھا۔۔

شاہد اور سرفراز کو بلایا گیا۔۔

سر وہ میڈم نے ہمیں نشا بیگم کو ائیر پورٹ سے رسیو کرنے کو کہا تھا۔۔

ساحر جو سرخ چہرے کے ساتھ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے شاہ مینشن کے لاونج میں چکر لگا رہا تھا۔۔اس بات پر چونکا۔۔

جسٹ آمنٹ۔۔۔۔نشا کی فلائٹ آج صبح آٹھ بجے کی تھی۔۔اور حور کل رات گھر سے نکلی ہے۔۔تم لوگ کل رات کیسے ائیرپورٹ چلے گئے۔۔

ساحر نے آگے بڑھتے شاہد کا گریبان دبوچا تھا۔۔

سر میڈم نے ہمیں یہی کہہ کر بھیجا تھا۔مگر ائیرپورٹ پر گھنٹوں انتظار کرنے کے بعد بھی نشا بیگم نہیں آئی تو ہم واپس آ گیے۔۔شاہد کے بتانے پر سلطان احمد نے قہر الود نظریں ماہ جبین بیگم پر ڈالی تو ماہ جبین بیگم کا رنگ سفید پڑا۔۔انھیں اندازہ نہ تھا ساحر کو نشا کے آنے کا ٹائم پتہ ہو گا۔۔

سلطان۔۔ مم۔۔۔ مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ اس لیے میں نے انھیں رات کو بھیج دیا۔۔ ماہ جبین نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا۔۔

دفعہ ہو جاؤ تم سب لوگ یہاں سے۔۔۔ میری بیٹی نہ ملی تم لوگ ساری عمر میری قید میں رہو گے۔۔۔ تم لوگوں کی غفلت کی سزا بہت بری ملے گی۔۔ سلطان احمد شیر سی غراہٹ لیے بولے۔۔ تمام گارڈز وہاں سے چلے گئے تھے۔

سلطان احمد نے آئی جی کی مدد لیتے حور کی تلاش شروع کروادی تھی۔۔ مگر یہ نیوز خفیہ رکھی گئی تھی۔۔

سلطان احمد نہیں چاہتے تھے کہ حور کی گمشدگی کا کسی بھی طرح نازنین بائی کو پتہ چلے۔۔ اگر اسے ذرا بھی خبر ہوتی کہ حور کے بارے میں تو وہ یقیناً حور کو نہ چھوڑتی۔۔

وہ نہیں چاہتے تھے حور کی گمشدگی کی خبر کسی کو بھی پتہ چلے۔۔ ان کے دوست کم دشمن زیادہ تھے۔۔ اسی لیے حور کی گمشدگی کو خفیہ رکھا گیا تھا۔۔

جنھوں لوگوں نے حور کو اغواہ کرنے کی کوشش کی تھی۔۔ وہ نازنین بائی کی ہدایت پر کسی ایک چھوٹے سے گاؤں میں چھپ گئے تھے۔۔ فی الحال نازنین بیگم نے حور کی تلاش ختم کر دی تھی۔۔ پولیس حور کو تلاش کر رہی تھی۔۔

وہ نہیں چاہتی تھی اس کے آدمیوں کی غلطی کی وجہ سے پاکستان میں اس کے خفیہ ٹھکانوں اور اس کی سرگرمیوں کے متعلق خبر ملے۔۔

پولیس کے پاس کچھ ثبوت نہ تھے۔۔نازنین بائی کے لوگ کچے کھلاڑی نہیں تھے۔۔وہ لوگ ان جگہوں سے گزرے تھے۔۔جہاں سسی ٹی وی کیمرے نہیں تھے۔۔ان کی گاڑی کا نمبر پلیٹ نقلی تھے۔۔پھر انھیں نازنین بائی کی سپورٹ حاصل تھی۔انھیں پکڑنا آسان نہ تھا۔۔پولیس کو حور کے بارے میں اب تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔۔

مجھے یہ جاننا ہے کہ حور کو کیسے پتہ چلا مہر ماہ کے متعلق۔۔۔سلطان احمد نے ماہ جبین سے گرجتے ہوئے پوچھا۔۔

آپ کے کمرے کی الماری سے اس نے وہ تصویریں لیں۔۔ماہ جبین نے روتے ہوے بتایا۔۔

کیسے ممکن ہے آنٹی حور نے وہ تصویریں حاصل کرلی ہوں۔۔اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔۔انکل نے اپنی الماری کو لاک لگا کر رکھا ہو گا۔۔حور نے چابی کہاں سے حاصل۔کی۔؟؟

ساحر خانزادہ نے ماہ جبین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے سوال داغے تھے۔

۔

بیٹا مجھے نہیں پتہ۔ اس نے کیسے وہ چابی حاصل کی۔ مجھے نہیں پتہ وہ سلطان کے کمرے میں کب گئی اور کب وہ تصویریں دیکھیں۔۔ ماہ جبین بے تحاشہ روتے ہوے بولی۔۔

سلطان احمد جو کب سے ضبط کیے کھڑے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھتے ماہ جبین کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔ وہ رکے نہیں تھے۔۔ انہوں نے بہت سے تھپڑ ماہ جبین بیگم کے منہ پر جڑ دیے تھے۔۔

ماہ جبین بیگم منہ کے بل زمین پر گری۔۔۔

زندگی میں پہلی مرتبہ میں اپنی بیٹی تمھارے پاس چھوڑ کر گیا۔۔ اور تمھیں کچھ خبر ہی نہیں۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔۔ سلطان احمد ٹیبل کو ٹھوکر مارتے دھاڑے۔۔ ٹیبل الٹ کر ماہ جبین بیگم کے پہلو میں رسید ہوا۔۔ ماہ جبین درد سے چیخ اٹھی۔۔

ماہ جبین لرزتے ہوے سلطان احمد کے قدموں میں گر گئی تھی۔۔ سلطان میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ مجھے کچھ خبر نہیں مجھے پتہ بھی نہیں کہ آپ کی الماری میں مہر ماہ کی تصویریں ہیں۔۔ ماہ جبین سلطان احمد کے پیروں سے لپٹتے بولی۔۔

سلطان احمد نے جھٹکے سے اپنا پاؤں چھڑوایا تھا۔۔ انھیں ماہ جبین بیگم سے اس وقت نفرت ہو رہی تھی۔۔

اس کے ہوتے حور کیسے گھر سے جا سکتی تھی؟؟ انہوں نے ماہ جبین کے بھروسے پر اپنی بیٹی کو چھوڑا تھا۔۔ وہ کل رات سے گھر پر نہیں تھی۔۔

ان کا پوری دنیا کو آگ لگانے کو کر رہا تھا۔۔

انکل الماری کی چابیاں کس کے پاس ہیں؟۔ ساحر نے لب بھینچے پوچھا۔۔

میرے پاس ہوتی ہیں۔ سلطان احمد نے گہرے سانس لیتے جواب دیا۔۔

تو پھر حور نے یہ چابیاں کہاں سے حاصل کیں؟؟۔ وہ خود تو نہیں بنوا سکتی۔۔ اس کا مطلب ہے یہ الماری کی چابیاں آنٹی کے پاس تھیں۔۔ کیونکہ دنیا کی ہر عورت اپنے شوہر کے ہر معاملے سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی ہے۔۔ اس الماری میں مہر ماہ آنٹی کی تصویریں تھیں۔۔ یہ آنٹی اچھی طرح جانتی تھیں۔۔ میں مان ہی نھیں سکتا آنٹی کو خبر نہ ہو۔۔ یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ ساحر ماہ جبین کو دیکھتا نفرت امیز لہجے میں بولا۔۔ ماہ جبین کا رنگ خوف سے زرد پڑا تھا۔۔

سلطان کو بیوقوف بنانا آسان تھا مگر ساحر کو نہیں۔۔ پوچھیں آنٹی سے جس ٹائم حور گھر چھوڑ کر گئی۔۔ حور کی پرسنل میڈ کہاں تھی۔۔ ساحر اپنے آپے سے باہر ہوتا چیخا تھا۔۔

ماہ جبین بیگم پریشان ہوئی۔۔وہ جلدی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔۔سلطان احمد نے بے بسی اور غصے سے چیختے سینٹرل ٹیبل پر پوری قوت سے اپنا ہاتھ دے مارا۔۔سینٹرل ٹیبل تڑحتی ہوئی ان کے ہاتھ کو زخمی کر گئی تھی۔۔

ساحر نے استھزائیہ ان کے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھا تھا۔۔اس وقت اسے سلطان احمد سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔اس کی حور کے گھر سے جانے کی وجہ سلطان احمد ہی تو تھا۔

انکل مجھے ایک بات بتائیں۔۔۔

آپ نے حور سے مہر ماہ آنٹی کی حقیقت کیوں چھپائی؟۔۔کیوں نہیں بتایا کہ مہر ماہ آنٹی آپ کی بیوی تھی۔۔ان کا تعلق جہاں سے بھی تھا۔۔مگر وہ عزت

سے آپ کے نکاح میں آئی تھیں۔۔ آپ کو مہر ماہ آنٹی کے پاسٹ کے متعلق حور کو بتانا چاہیے تھا۔۔

مجھے لگتا ہے حور کو صرف یہ حقیقت پتہ نہیں چلی کہ وہ مہر ماہ آنٹی کی بیٹی ہے۔۔ بلک مہر ماہ آنٹی کا تعلق کہاں سے تھا اسے یہ بھی پتہ چل گیا ہو گا۔۔ اور یہ بات آنٹی نے اسے بتائی ہو گی۔ اس لیے حور گھر چھوڑ کر گئی۔۔

ساحر نے اپنی جلتی آنکھیں مسلیں۔ تھی۔۔ تل تل مر رہا تھا۔۔ سولی پر لٹکا ہوا۔ تھا۔ حور کے ساتھ کچھ غلط نہ ہو جائے وہ یہ سوچ کر ہی وہ مرنے والا ہو جاتا تھا۔۔

اسی لمحے ماہ جبین اندر سے قرآن اٹھائے باہر آئی۔۔

ایک یہی حل تھا ماہ جبین کے پاس۔۔ وہ اب ایسے ہی اپنی بے گناہی ثابت کر سکتی تھی۔۔ اگر اس پر شک چلا جاتا تو مہر ماہ کی حقیقت بھی کھل سکتی تھی۔۔ سلطان احمد اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔۔

سلطان میں قرآن پر ہاتھ رکھے کہتی ہوں۔ میرا حور کی گمشدگی میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔۔ میرا یہ صرف یہ قصور ہے میں نے حور کو جنم نہیں دیا۔۔ اس لیے میں آج کٹھہرے مین کھڑی ہوں۔۔ ماہ جبین قرآن پر ہاتھ رکھتے بولی تو سلطان احمد اپنی نظریں جھکا گئے تھے۔۔ ساحر بھی گہری سانس بھر تارخ پھیر گیا تھا۔۔ اس سے آگے کیا سچائی جاننا رہ جاتی تھی۔۔ اتنی مقدس سچی کتاب کے آگے کیا گواہی رہ جاتی تھی۔۔ وہ اور کیا ماہ جبین سے پوچھتے۔۔ ماہ جبین روتے ہوے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

انکل حور کے ساتھ آپ نے اچھا نہیں کیا۔۔ آج حور اس گھر سے چلی گئی ہے۔اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔اتنا پیار دے کر آپ نے اس پر شک کیا؟؟ ۔۔وہ کیسے سموکنگ کر سکتی ہے؟۔ آپ نے یہ بات سوچی بھی کیسے؟؟۔اسے پروٹیکٹ کرنا سمجھ میں آتا ہے۔۔ مگر اس کے پل پل پر نظر رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔۔

آپ نے اس کی فرینڈز کے ساتھ گزرے ہوے مومنٹ کی تصویریں فیاض سے کیوں منگوائیں۔۔۔یہ کتنا ایمبیرسنگ رہا ہو گا اس کے لیے کہ اس کا باپ اس کی تصویریں اس کے گارڈز سے کھینچنے کو کہتا ہے۔۔

کیا آپ کو اس پر یقین نہیں تھا۔۔وہ آپ کا خون تھی۔۔ مگر مجھے لگتا ہے آپ کہیں نہ کہیں اسے مہر ماہ آنٹی کی صرف بیٹی سمجھتے تھے۔۔ ساحر کی بات پر سلطان احمد نے کرب سے اپنی آنکھیں میچیں۔۔

وہ صرف حور کو لے کر بہت حساس تھے۔۔اس لیے اس پر نظر رکھتے تھے۔۔ حور پر وہ خود سے زیادہ ٹرسٹ کرتے تھے۔۔

ان باپ بیٹی کے بیچ صرف بدگمانی آئی تھی۔۔اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔

آپ نے اس کا آکاونٹ فریز کروادیا کہ اس نے اپنے دوست کو پچیس لاکھ کیوں دیے؟؟۔۔اس نے آپ کے ڈر کی وجہ سے آپ سے جھوٹ بولا۔۔ تاکہ آپ اس پر مزید پابندیاں نہ لگائیں۔

اس کے کالج کے دوست وسیم کی ماں کا اپریشن تھا۔۔اس لیے اس نے اسے وہ پیسے دیے تھے۔۔

جب اس کے اکاونٹ میں کڑوڑوں روپے تھے۔۔وہ کسی کو بھی دیتی آپ نے کیوں اس سے پوچھا۔۔ساحر خان کے سوالوں نے سلطان احمد کو شرمندہ کیا تھا۔۔

وہ حور کو لے کر بہت حساس تھے۔۔اس کے معاملے میں بہت ٹچی تھے. اس لیے وہ اس کے ایک ایک مومنٹ پر نظر رکھتے تھے۔۔اب انھیں احساس ہوا تھا۔انھیں اس طرح حور سے ناراضگی اختیار نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔اسے پیار سے ہینڈل کرتے تو شائد وہ مہر ماہ کے متعلق ان سے ڈسکس

کرتی۔۔وہ نظریں جھکائے اپنا زخمی ہاتھ سینے پر رب کر رہے تھے۔۔جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔۔

ساحر خان کو ماہ جبین پر ابھی بھی شک تھا۔۔جب حور نے فون پر اسے بتایا کہ ماہ جبین نے سلطان احمد سے اس کی جھوٹی شکائتیں لگائی ہیں۔وہ تب ہی چونک اٹھا تھا۔

جھوٹی شکائتیں کبھی سگی ماں نہیں لگاتی۔۔۔وہ تو اپنی اولاد کا سچ بھی چھپا جاتی ہے۔۔یعنی ماہ جبین کا پیار سب دکھاوا تھا۔۔

ماہ جبین پر شک تو اسے اس دن ہو گیا تھا۔۔ جب حور سے مگنی کے بعد نشا اس کے آفس آئی تھی۔۔ اور مہر ماہ کا سچ اسے بتایا تھا۔۔ تا کہ وہ حور سے اپنی مگنی توڑ دے۔۔

وہ مہر ماہ کا سچ جانتا تھا۔۔ سلطان احمد نے مگنی سے پہلے اسے بتایا تھا کہ مہر ماہ کون تھی۔ انہوں نے اس سے نکاح کیا تھا۔۔ پھر حور کے پیدا ہونے کے بعد ان کی کسی ایکسیڈنٹ میں موت ہو گی۔۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ساحر کو یہ سچ بعد میں پتہ چلے تو وہ حور کو چھوڑ دے۔۔ مگر نشا کو یہ کس نے بتایا۔۔۔ تب وہ پریشان ہوا تھا یعنی نشا کو یہ سچ ماہ جبین نے بتایا۔۔ اس سے صاف ظاہر تھا۔۔ وہ اچھا بننے کا ناٹک کرتی ہے۔۔

ساحر نے اپنے لب کاٹتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔وہ آج شاہزیب سے بھی ہر تعلق توڑ آیا تھا۔۔

یقیناً اس کے مگنی توڑنے کی خبر حور نے سنی ہو گی۔۔شاہزیب نے ایسا کیوں کیا؟؟۔کیا وجہ صرف اس کے کنسرٹ میں کامیابی تھی۔۔یا وجہ کچھ اور تھی۔۔۔اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی حور کی گمشدگی میں کہیں نا کہیں شاہزیب کا بھی ہاتھ ہے۔۔مگر یہ یقین کرنا مشکل تھا۔۔اس کا باپ اتنا نہیں گر سکتا تھا۔۔وہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔۔

ان سب کے لیے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔میری حور کے گھر چھوڑ کر جانے میں آپ سب کا ہاتھ ہے۔۔آج سے ساحر خانزادہ آپ سے ہر تعلق توڑتا ہے۔۔میرا تعلق نہ آپ سے ہے اور نہ ہی میرے باپ سے ہے۔۔۔ساحر غصے سے بولتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

کل سے یہاں رہ رہی تھی۔۔ یہ مردان کے علاقے میں ایک دو کمروں پر مشتمل چھوٹا سا گھر تھا۔ یہ اس بزرگ کی بیٹی زویا کا گھر تھا۔۔ وہ اسے یہاں رکھنے کو تیار نہ تھی۔۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ادھر رہتی تھی۔۔۔ اسے زویا سے باتوں کے درمیان پتہ چلا تھا۔۔ اس کا شوہر اسے مارتا پیٹتا بھی تھا۔۔ وہ شہر محنت مزدوری کرتا تھا۔۔ ہفتے پندرہ دن بعد چکر لگاتا تھا۔۔ وہ اسے اپنے شوہر کی وجہ سے یہاں رکھنے کو تیار نہ تھی۔۔

وہ اس کی غیر معمولی خوبصورتی سے بھی ڈر گئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی خصلت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ بزرگ بیچارے کے پاس اپنا کوئی ٹھکانہ تھا۔۔ بزرگ نے حور سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا تھا۔۔ میرا کوئی نہیں ہے حور یہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔۔ وہ اپنے گھر اب نہیں جانا چاہتی

تھی۔۔ماہ جبین نے اس کا سودا کیا۔۔ساحر نے اسے چھوڑ دیا تھا۔۔اور اس کے باپ اس سے زیادہ دوسروں پر بھروسہ تھا۔۔کیا پتہ اس کے گھر واپس جانے پر اس کا باپ اسے بھی گولی مار دے۔۔جیسے اس کی ماں کو مار دیا تھا ۔۔حور جس ذہنی اضطراب اور جس کنڈیشن سے گزر رہی تھی۔۔اس کے دل دماغ میں اب صرف منفی خیالات ہی پل رہے تھے۔۔اسے اپنے جسم کی عمارت اندر ٹوٹ کر جڑتی محسوس ہوتی۔۔اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوتے تھے۔۔

وہ وہ حور رہی ہی نہیں تھی۔۔جو سلطان شاہ کی شہزادی تھی۔۔وہ تو اب صرف وہ حور تھی جسے اپنی عزت بچانے کے لیے کوئی مضبوط ٹھکانہ چاہیے تھا۔۔

پچھلے کچھ دنون سے وہ کھانا برائے نام ہی کھا رہی تھی۔۔

اتنا سادہ کھانا کب کھایا تھا۔۔وہ اتنی نخریلی تھی کھانے کے معاملات میں ایک ٹائم میں درجن سے زائد کھانے بنتے تھے اس کے لیے۔۔پھر بھی وہ نخرے کر کے کھاتی تھی۔۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے روٹی اور دال کھاتے ہوے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔۔

اس کے پرس سے پیسے اس ہاسٹل کی لڑکی نے نکال لیے تھے۔۔پچھلے کچھ دنوں سے وہ ایک ہی لباس میں تھی۔۔وہ کوئی بھی لباس کچھ دیر پہننے کے بعد وہ دوبارہ نہیں پہنتی تھی۔۔مگر آج وہ ابھی بھی اسی لباس میں ملبوس تھی جو پہن کر گھر سے نکلی تھی۔۔

وہ کمرے میں بچھے پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ زویا اندر داخل ہوئی۔۔

تم نے کھانا نہیں کھایا۔۔زویا نے کھانا ویسا ہی پڑا دیکھ کر پوچھا۔۔

میرا دل نہیں کر رہا۔۔حور نے آہستگی کہا۔۔

تمھارا اس دنیا میں سچ میں کوئی نہیں ہے؟؟زویا نے اس کے پاس بیٹھتے پوچھا۔۔

ہاں۔۔۔میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔حور نے بہتے آنسوؤں سے کہا۔۔

تمھیں بابا یہاں لے تو آئے ہیں۔مگر میں تمھیں زیادہ دن یہاں نہیں رکھ سکتی۔۔میرا شوہر کچھ دنوں میں آئے گا۔۔اسے تمھارا یہاں رہنا پسند نہیں آئے گا۔۔وہ حور کی بے پناہ خوبصورتی سے خائف ہوتے بولے۔۔وہ اسے یہ نہ کہہ سکی تھی۔۔اس کے شوہر کو ہی تو اس کا یہاں رہنا بہت پسند آئے گا۔

تو پھر میں کہاں جاؤں گی؟؟۔۔اگر آپ بھی مجھے گھر سے نکال دیں گی۔۔حور اس کے ہاتھ پکڑے بے بسی سے رو دی تھی۔۔

مجھے یہاں سے مت نکالو۔۔باہر کی دنیا بہت ظالم ہے۔۔۔۔دنیا میں کوئی رشتہ عورت کا نہیں ہوتا۔۔۔حور نے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔

تم جتنی خوبصورت ہو۔۔تمھارے لیے باہر کی دنیا رحمدل ہو بھی نہیں سکتی۔۔تم کسی سے نکاح کر لو۔۔اس طرح دربدر ہونے سے بچ جاؤ گی۔۔زویا نے اسے مشورہ دیا۔۔

نکاح۔۔۔۔حور نے حیرانگی سے کہا۔۔

ہاں نکاح۔۔۔ کوئی تو ہو گا تمھارا کوئی جاننے والا۔۔۔ کوئی رشتہ دار۔۔۔ تم ان میں سے کسی شریف انسان سے نکاح کر لو۔۔ تمھاری عزت بھی محفوظ رہے گی۔۔ اور تم دربدر ہونے سے بھی بچ جاؤ گی۔۔

مگر میں تو کسی کو بھی نہیں جانتی۔۔ میں کس سے نکاح کروں۔۔ حور نے مظطرب لہجے میں زویا کی بات کاٹی۔۔

میں بابا سے کہتی ہوں۔۔ کوئی شریف آدمی تمھارے لیے دیکھیں۔۔ تم اتنی خوبصورت ہو تم سے تو کوئی بھی نکاح کر لے گا۔ زویا حور کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے بولی۔۔

کیا نکاح کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ حور پر امید ہوئی تھی۔۔

سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ عورت کو کیا چاہیے ہوتا ہے۔ دو وقت ک روٹی اور تن ڈھانپنے کے دو جوڑے۔۔۔ اور مرد کی محبت۔۔ اگر مرد روٹی اور کپڑا نہ دے سکے۔۔ صرف پیار ہی دے دے تو عورت اس پیار کے لیے اپنی ساری عمر اس مرد کے قدموں میں گزار دیتی ہے۔ زویا سادگی سے اسے اپنا تجربہ اور اپنی سوچ بتا رہی تھی۔ واقعی میں عورت چاہے گاؤں کی ہو یا شہر کی مرد اسے اسے محبت اور عزت ہی تو چاہیے ہوتی ہے۔

تم اتنی خوبصورت ہو کم عمر ہو۔۔ اگر ایک اچھا انسان تمھاری زندگی میں آیا تو وہ تو تمھیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔۔ تمھارا خوبصورت چہرہ دیکھ کر ہی پگھل جائے گا۔۔ دعا کروں گی۔۔ تمھاری زندگی میں ایسا مرد آئے۔۔ جو تمھاری عزت پر کبھی آنچ نہ آنے دے۔۔ میں بابا سے کہوں گی۔۔ تمھارے لیے ایسا ہی مرد ڈھونڈھے۔۔ جو شریف ہو۔۔ پیسا یا پھر

اچھی شکل وصورت کا مالک نہ بھی ہو۔۔ زویا کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔۔ وہ جانتی تھی مرد کا پارسا ہونا کتنا معنی رکھتا تھا۔۔ اس کا شوہر ضرب بہت اچھی شکل وصورت کا مالق تھا۔۔ مگر وہ کتنا شریف تھا۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔ اسے باہر کی ہر عورت پسند تھی۔ سوائے اس کے۔۔ عام سی عورت کو دیکھ کر بھی اس کے چہرے سے حوس ٹپکنے لگ جاتی تھی۔۔ اگر وہ حور کو دیکھ لیتا تو پتہ نہیں کیا کر بیٹھتا۔۔ وہ اپنے شوہر ضرب کی وجہ سے حور جیسی معصوم لڑکی کو اپنے گھر رکھنے کو تیار نہ تھی۔

حور پلنگ پر آڑھی ترچھی سو گئی تھی۔۔ وہ بنا کمبل کے سکڑی سی سو رہی تھی۔۔ پچھلے کچھ دنوں سے اسے نیند ہی نہیں آتی تھی۔۔ نیند میں بھی صرف اپنی عزت کی ہی فکر ہوتی تھی۔ آج وہ گہری نیند سوئی تھی۔

وہ گہری نیند میں محو تھی کہ اسے باہر سے شور شرابے کی آواز سنائی دی۔۔۔

کوئی جیسے کسی کو مار رہا ہو۔ حور گھبراتے ہوے اٹھی تھی۔۔

تم نے اتنی دیر سے دروازہ کیوں کھولا۔۔ کوئی مرد اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔۔

وہ میں سو رہی تھی۔۔ زویا کے رونے کی آواز آئی تھی۔۔

سو رہی تھی تم یا گھر میں تم نے کسی مرد کو بلایا ہوا تھا۔۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخا۔۔

خدا کا خوف کرو مجھے کیا تم نے اپنا جیسا گھٹیا سمجھ رکھا ہے۔۔ زویا روتے ہوے چیخی تھی۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولتے باہر جھانکا وہ دروازے کے ساتھ چپکتی تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ زویا کو بری طرح مار پیٹ رہا تھا۔ حور حیرانگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔۔ مرد کا یہ روپ بھی ہوتا ہے اسے اندازہ نہ تھا۔ سلطان احمد نے تو کبھی اس سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتے تھے۔۔ ساحر تو اسے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتا تھا۔۔

یہ مرد ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اسے آج پتہ چلا تھا۔۔ اپنی ہی بیوی پر ہاتھ اٹھانا ۔۔ عورت پر بری نظر رکھنا۔۔۔ وہ دنیا کی کونسی نئی تصویر دیکھ رہی تھی۔۔

وہ کیا اب تک ایک فیری ٹیل زندگی گزار رہی تھی۔ جس میں سب خواب جیسا تھا۔۔ آنکھ کھلی تو سب ختم ہو گیا۔۔

اس کا اپنا باپ۔۔۔۔ اس کی ماں کا قاتل نکلا اور ساحر نے اسے اس لیے چھوڑ دیا کیونکہ اس کی ماں ایک طوائف تھی۔۔

حور روتے ہوے زویا کو پٹتا دیکھ رہی تھی کہ ضرب کی نظر اس پر پڑی۔۔

وہ زویا کو چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔۔اس کے دیکھنے کے انداز پر حور خفت اور شرم سے زمین میں گڑھی تھی۔۔اپنے بدن پر وہ لباس اور نیٹ کا دوپٹہ اسے ناکافی لگا تھا۔۔۔۔

اسے پتہ چلا تھا عورت پورے لباس میں بھی ہو مرد کی نظروں سے خود کو چھپا نہیں سکتی۔۔وہ چادر کے اندر سے بھی عورت کو نظروں سے ٹٹول لیتا ہے۔۔

وہ ضرب کی آنکھوں میں ٹپکتی حوس پہچان چکی تھی۔۔پچھلے کچھ دنوں سے وہ ایسی ہی نظریں تو دیکھ رہی تھی۔۔

حور جلدی سے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرتے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔۔

زویا اپنے شوہر سے اس کے متعلق کیا کہہ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔

مگر ضرب اب خاموش ہو گیا تھا۔۔وہ کیوں خاموش تھا؟؟حور سمجھ گئی تھی۔۔اس خاموشی میں اس کی کمینگی چھپی تھی۔۔

زویا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔۔تم نکاح کرلو۔۔۔کیا نکاح کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔حور دروازے سے ٹیک لگائے چھت کو گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی۔۔

رات کی سیاہی گہری ہوتے وہ چپکے سے اپنا بیگ پکڑے کمرے سے نکلی۔اس کا پورا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔۔وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اسے زویا کا شوہر آتا دکھائی دیا۔۔

حور نے جلدی سے دروازے کی کنڈی اندر سے کھولی۔رکو۔۔۔۔۔۔۔۔وہ چلایا تھا۔۔

حور دروازہ کھولتے جلدی سے باہر نکل گئی۔۔وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا۔۔مگر وہ اندھا دھند مردان کی سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔۔بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔مگر حور اپنی عزت بچانے کے لیے ان اندھیری سڑکوں اور طوفانی بارش میں بنا رکے بھاگ رہی تھی کہ آچانک سے ایک گاڑی سے ٹکراتی وہ دور اچھل کر پڑی تھی۔اور ارحام خانزادہ سے ٹکرا گئی۔۔اور اب اس کی

زندگی واقعی میں بدلنے والی تھی۔۔۔اسے سچ میں ادراک ہونے والا تھا

زندگی فیری ٹیل نہیں ہوتی۔۔

زاران رات گئے اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔حیدر اور فرشتے کے ولیمے

سے واپسی پر وہ کافی دیر تک مردان خانے میں بیٹھا رہا تھا۔۔ سمیع اللہ کے

کہنے پر وہ اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔۔

کمرے میں نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔۔ابرش سر تک کمبل لپیٹے سو رہی

تھی۔۔وہ اچٹتی سی نظر اس پر ڈالتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔۔

ٹراوزر ٹی شرٹ پہنے وہ باہر آیا اور بیڈ کی طرف بڑھا۔۔۔زاران نے بیڈ پر

لیٹتے ابرش کی طرف نگاہ کی جو اس کی طرف پشت کیے لیٹی تھی۔وہ اسی

ڈریس میں سوئی ہوئی تھی۔ جو اس نے آج فرشتے کے ولیمے پر جانے کے لیے زیب تن کیا تھا۔ اس کی بل کھاتی لہروں جیسی کمر اس کے سامنے تھی۔۔ بیک گلے سے جھانکتی شفاف دودھیا پشت پر نظر پڑتے وہ بے اختیاری میں اس کے قریب ہوا۔۔۔ اس کی بیک زپ کھولتے اس کی دودھیا شفاف کمر پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرتے اس کی ملائمت محسوس کرنے لگا۔۔

ابرش کی ملائمت بھری پشت کو چھونے کی دیر تھی۔۔ زاران کے بدن مین سپارک سا ہوا تھا۔۔ خود پر جیسے قابو نہ رہا تھا۔۔ وہ مزید ابرش کے قریب ہوتے بہت نرمی سے اس کی پشت پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ وہ اس کی کمر پر جگہ جگہ بہت نرمی سے اپنے لب رکھ رہا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک اس کی کمر پر اپنا لمس چھوڑتا رہا۔۔ وہ ایسے بے سدھ پڑی تھی۔۔ اس کے چھونے پر کسی قسم کا رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔۔ وہ حیران ہوا۔۔ آج تو وہ اتنے غصے میں تھی۔ یقیناً وہ اس کا منہ نوچ لیتی اس کی ذرا سی جسارت پر۔۔ مگر وہ اب تک خاموش تھی۔۔ اس کے چھونے پر بھی کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

وہ اسے نرمی سے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کر گیا۔ وہ گہری نیند میں محو مدھم سانسیں لے رہی تھی۔۔ رو رو کر سارا میک اپ مٹ گیا تھا۔۔ رونے کی وجہ سے گال اور ناک سرخ تھی۔۔

وہ نیند میں بھی کبھی کبھی ہچکی بھی بھر رہی تھی۔۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا ۔۔ وہ آج تا دیر تک بہت زیادہ روئی ہے۔۔

زاران اپنے لب بری طرح بھینچ گیا تھا۔ ابرش کے ساتھ کیے گیے وعدوں میں سے ایک وعدہ اس نے یہ بھی کیا تھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دے گا۔۔ وہ جب سے اس کی زندگی میں آئی تھی۔۔ وہ آنسو ہی بہا رہی تھی۔۔ نکاح کے بعد تو ان آنسوؤں میں آضافہ ہوا تھا۔

درخشاں نے اسے بتایا تھا۔ ابرش نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔ اور یہ بھی کہ اس نے کل رات سے ہی کھانا نہیں کھایا تھا۔

یقیناً کل رات کا اس کا پلوشہ کے ہاتھ سے کافی لینے کا غصہ وہ کھانا نا کھا کر اتار رہی تھی۔۔

زاران اس سے دور ہوتے آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔

مگر یہ ناممکن تھا۔ وہ اس کے اتنی قریب ہو اور وہ سو جائے۔

وہ سیلف کنٹرول انسان تھا۔۔ یہ ابرش سے نکاح کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا۔۔ واقعی میں اسے خود پر بہت کنٹرول حاصل تھا۔۔ ورنہ وہ جتنی محبت اس سے کرتا تھا اور وہ جتنی خوبصورت تھی۔ اسے اپنی ملکیت میں لینے کے بعد وہ اپنی ہر حد سے گزر سکتا تھا۔

مگر وہ ابھی تک خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ پتہ نہیں یہ صبر کا پیمانہ کب لبریز ہوتا چھلک جائے وہ نہیں جانتا

تھا۔ وہ اتنا جانتا تھا جس دن یہ پیمانہ چھلکا اس کی شدت جنونیت سہنا ابرش کے لیے آسان نہیں ہو گا۔۔

اس کی سانسوں کا مدھم زیر و بم کمرے میں گونجتا زاران کو مزید بے چین کر رہا تھا۔ اس کے سنہری بالوں سے اٹھتی کنڈیشنر کی مہک کے ساتھ ساتھ اس کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو زاران کے اندر بہت سے تقاضے جگا رہی تھی۔۔ وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔ اسی وجہ سے وہ اتنے دنوں سے ڈیرے پر سو رہا تھا۔۔

وہ بیڈ سے اٹھنے ہی لگا تھا کہ وہ اس کے قریب ہوتے اس کے سینے پر اپنا بازو رکھ گئی تھی۔۔ اور اپنی ایک ٹانگ بھی اس پر منتقل کر چکی تھی۔۔

زاران کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔۔۔ وہ دور سوئی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اتنے قریب کہاں برداشت ہونی تھی۔۔

زاران نے ابرش کی طرف نگاہ کرتے جانچنے کی کوشش کی کہ وہ واقعی سو بھی رہی ہے کہ نہیں۔۔ پچھلے کچھ دنوں سے جس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔۔ اسے شک سا گزرا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اس کے قریب تو نہیں آئی ۔۔زاران نے اس کے چہرے کو گہرائی سے دیکھا۔۔وہ سچ میں گہری نیند سو رہی تھی۔۔

زاران پہلی مرتبہ اس کے اتنا گہری نیند سونے پر چونکا تھا۔۔

وہ اتنی گہری نیند سوتی ہے۔۔ اسے اندازہ نہ تھا۔۔ ابھی اس نے اسے چھوا تھا۔۔ مگر اس میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔

اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو یقیناً جنگلی بلی کی طرح اس کا منہ نوچ لیتی۔۔

زاران نے تشویش زدہ ہوتے اس کے نیند میں مہکتے وجود کو دیکھا۔ زاران نے ابرش کی سائیڈ ٹیبل کی طرف نگاہ دوڑائی تو اسے ایک گولیوں کا پتہ پڑا نظر آیا۔۔

زاران نے ابرش کو خود سے دور کرتے اس کی سائیڈ سے پتہ اٹھا کر دیکھا تو وہ چونکتے ہوے اٹھا تھا۔۔

وہ نیند کی گولیاں تھیں۔ اس پتے میں دو گولیاں نہیں تھی۔۔

یعنی کہ ابرش نے آج نیند کی گولیاں استعمال کیں تھی۔۔

اس سے صاف ظاہر تھا۔ وہ پلوشہ کو لے کر کافی ڈسٹرب ہے۔۔ یعنی وہ اسے لے کر اتنی پوزیسیو ہے کہ پلوشہ کے ہاتھ

سے اس کا کافی لینا برداشت نہ کر سکی تھی۔۔زاران اس مغرور حسینہ کو دیکھنے لگا۔۔وہ کیا تھی آخر؟؟۔۔ضدی بیوقوف آنا پرست۔۔ڈرپوک۔۔۔

اس کے قریب آنا چاہتی تھی۔۔صرف اسے جھکانے کے لیے۔۔۔

وہ اس کی ہر بات ہر سوچ سے بخوبی واقف تھا۔۔اعتبار اس پر ذرا برابر نہیں کرتی تھی۔۔نہ کل کرتی تھی نہ آج کرتی تھی۔۔

یہ سچ تھا وہ اس کی بیوفائی نہیں بھول پا رہا تھا۔وہ اسے کڑی سزا دینا چاہتا تھا تاکہ وہ زندگی میں کبھی ایسی بیوقوفی کرنے کا سوچے بھی نہ۔۔۔۔۔

ابرش کو سزا دینا تو اب بہت آسان تھا۔۔ وہ اسے انجانے میں اپنی بہت بڑی کمزوری فراہم کر گئی تھی۔۔

زاران کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی۔

زاران اسے خود سے دور کرتے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔ مگر وہ نیند میں پھر سے اس کے قریب ہو کر اس کے ساتھ لپٹ گئی۔۔۔ کمرے کا ٹمپریچر کافی سرد تھا۔۔ دسمبر کی قہر بھرساتی سردی پڑ رہی تھی۔۔ سوات میں ٹمبریچر مائنس سے بھی نیچے گر گیا تھا۔۔

کمرے میں ہیٹر آن تھا تھا۔ مگر سردی کی شدت کم نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ یقیناً سردی کی وجہ سے اس کے قریب ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کے سینے میں جیسے گھسنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ زاران اس کی طرف رخ پلٹے اس کے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

بہت ظلم کیا ہے تم نے مجھ پر بیوی۔۔۔اتنی قہر برساتی سردی میں اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے بھی میں کنواروں والی زندگی گزار رہا ہوں ۔۔۔زاران نے ابرش کے سرخ عارض کو بے حد نرمی سے چھوا۔۔

وعدہ ہے میرا تم سے۔۔۔ جس دن تم سے اپنا حق لیا تمھارے ہر پہلو ہر پور پر اپنی شدت کی ایسی چھاپ چھوڑوں گا۔۔ تم تڑپ کر رہ جاؤ گی۔۔ مگر تمھیں اپنے لمس اپنے حصار سے آزادی نہیں بخشوں گا۔۔

زاران نے ابرش کے لبوں پر جھکتے پر تپش لمس چھوڑتے اسے خود میں سمایا تھا۔۔اچھی طرح کمبل خود پر اور ابرش پر لپیٹتے وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔

ابرش کی صبح آنکھ کھلی تو وہ زاران کے سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔۔زاران اس کی کمر پر بہت مضبوطی سے اپنا حصار اپنے مضبوط بازوؤں سے باندھے ہوے تھا۔۔ابرش نے حیرانگی سے زاران کو دیکھا۔۔۔وہ اس کے پاس رات کو کب آئی اور وہ کب کمرے میں آیا۔۔وہ اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک روتی رہی تھی۔۔درخشاں نے اسے بتایا تھا کہ پلوشہ بھی اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے۔۔یہ سن کر اس کے غم وغصے میں اضافہ ہوا تھا۔وہ غم وغصے سے تڑپتے ہوے نیند کی گولیاں کھانے پر مجبور ہوئی تھی۔۔۔وہ پھر کب سوئی اسے پتہ نہ چلا۔۔ابرش نے زاران کے خوبرو مغرور چہرے پر نظر ڈالی۔۔وہ جتنا خوبرو تھا اتنا ہی مغرور بے حس تھا۔۔اسے یقین نہیں آتا تھا وہ اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے۔۔اتنی سفاکیت

بھی اس سے برت سکتا ہے۔۔اس کی بیوفائی کی سزا وہ اس سے پلوشہ سے نکاح کر کے لینا چاہتا ہے۔۔وہ دوسری شادی کرے گا۔۔

امیریکہ میں اس کی ہوئی ریسرچ کے مطابق یہاں پاکستان میں مردوں میں ایک سے زائد چار شادیاں کرنا عام بات تھی۔۔اور خانزادہ فیملیز میں ایک سے زائد شادیاں تو شوق سے کی جاتی تھیں۔

اسے پورا یقین تھا زاران پلوشہ سے دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔۔اسی لیے تو وہ اس کے قریب نہیں آتا۔۔اور نہ ہی اس کے قریب آنا چاہتا ہے۔۔وہ پلوشہ سے شادی کر کے اس کے ساتھ جسمانی رشتہ قائم کرے گا۔اور اسے ہمیشہ ایسے ہی بے اعتنائی کی مار مارتے سزا دے گا۔۔ابرش کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہوئی۔۔کیا اس کے کیے کی سزا اتنی دردناک تھی؟؟

وہ تقریباً دو مہینوں سے اس کی قید میں تھی۔۔ زحلے عنائیہ آہل کہاں تھے۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا۔۔ نہ وہ ان میں سے کسی سے بھی اس کی بات کروا رہا تھا۔۔

وہ اس کی فیملی کے متعلق کچھ تو چھپا رہا تھا اس سے۔۔۔ لیکن کیا؟؟ اور کیوں؟؟ وہ زاران پر آج بھی بھروسہ نہیں کرتی تھی۔۔ ان کا رشتہ اس نہج پر تھا ہی کب وہ اس پر بھروسہ کرتی۔۔ نہ اس نے پہلے کبھی اسے اپنی محبت اپنے ساتھ کا یقین دلایا نہ آج۔۔

وہ پلوشہ سے شادی کر کے اسے مزید یہاں قید کرے گا وہ اس کی بھول تھی۔۔ وہ کبھی اس کی دوسری بیوی بن کر نہیں رہے گی۔۔ اور نہ ہی اسے اس کے بھیک میں اس کے بچے کچھے قربت کے لمحات چاہیے تھے۔۔ کسی کا

جھوٹا کھانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔اور وہ اس کی جتنی تذلیل کر چکا تھا۔۔وہ کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔۔

اس کے الفاظ اس کی سماعتوں میں زہر بن کر اترے تھے۔

You r nothing to me

تم کمرے میں جس حلیے میں رہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔۔زاران کے رات کے لفظ یاد کرتے وہ توہین و خجالت کے احساس سے جل رہی تھی۔۔

وہ اس کے اور اپنے بیچ کسی تیسرے کو لے آیا تھا۔۔وہ اب اسے کسی قیمت پر معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی۔۔

یہ تو طے تھا وہ اس کے قریب آئے گا۔۔ اور خود آئے گا۔۔ وہ اکیس سال کی تھی۔۔ امریکہ جیسے شہر میں پلی بڑھی تھی۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی مرد عورت کی طرف کیسے کھنچتا ہے۔

یہ تو وقت بتائے گا۔۔ مسٹر خانزادہ تم میرے قریب آتے ہو بھی کہ نہیں۔۔ اس دن تمھارے سارے الفاظ تمھارے منہ پر ماروں گی۔۔ تم نے جتنی میری تذلیل کی ہے۔۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ تم پلوشہ سے شادی نہیں کر سکتے۔۔۔ پلوشہ یا میں۔۔ تمھیں کسی ایک کو ہی چننا ہو گا۔۔ میں حور نہیں جو یہ سب برداشت کر لے۔۔ میرے پاس امیریکہ کی نیشنلٹی ہے۔۔ تمھارے چنگل سے اب کی بار آزاد ہوئی تم مجھے کبھی حاصل نہیں کر سکو گے۔۔ وہ زاران کا خوبرو چہرہ دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے سوچ رہی تھی۔۔

اتنا غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟؟ کیا مجھے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہی ہو

۔زاران آنکھیں بند کیے بولا تو ابرش کا رنگ سرخ پڑا۔۔وہ آنکھیں بند کیے

کیسے جان گیا تھا وہ اسے دیکھ رہی ہے۔۔

ابرش نے اب غصے سے خود کو اس کے حصار سے چھڑوانے کی کوشش کی تو

وہ اسے اور سختی سے خود میں بھینچ چکا تھا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ابرش غصے سے چلائی۔۔۔۔

خود ہی میرے قریب آنا چاہتی ہو۔اب میں تمھیں خود کے قریب کر رہا

ہوں تو یہ ڈارمہ کیوں کر رہی ہو۔۔زاران ابرش کی آنکھوں میں آنکھیں

لب دانتوں تلے دبائے بولا۔۔اس کا تپا ہوا چہرہ کافی محظوظ کر رہا تھا۔۔

ابرش کا پورا وجود اس کے اوپر تھا۔ وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے اس کے ہاتھ اپنی کمر سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ صبح صبح زیادہ حسین لگتی ہے۔۔ زاران کی گہری نظریں اسے سراہتے ہوے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

میں ڈرامہ نہیں کر رہی۔۔ مجھے تمھارا قریب آنا بلکل پسند نہیں آیا۔۔ اس لیے چھوڑو مجھے۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولی۔

زاران نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے جھٹکے سے اپنے اور قریب کیا تو ابرش کے لب زاران کے لبوں سے ٹکرائے تھے۔۔ ابرش کا رنگ گلابی ہوا تھا۔۔

زاران کے لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔

رات میرے قریب خود آئی۔۔اب میری ذراسی قربت پر سرخ گلاب بنی ہوئی ہو۔۔اور کہہ رہی ہو تمھیں میرا قریب آنا پسند نہیں ہے۔۔روز فضول حرکتیں کرتی ہو مجھے اپنے قریب کرنے کے۔۔

زاران نے اسے سینے میں بھینچتے اس کے بدن کی نازکی محسوس کی تو ابرش کا اس کی بے باک حرکتوں پر رنگ سرخ انار ہوا تھا۔۔

میں کب تمھارے قریب آئی؟؟۔۔جب میری آنکھ کھلی تو تم ہی مجھے اپنی بانہوں میں قید کیے ہوے تھے۔۔ابرش اس کی بے باک حرکتوں پر سرخ ہوتے بولی۔۔

اس کا ہاتھ اس کی کمر پر بے باکی سے رینگ رہا تھا۔۔ وہ اسے بہت شدت سے خود میں بھینچے ہوے تھا۔ اس کی بیک زپ کھلی ہے یہ محسوس کرتے ابرش کی آنکھوں میں مزید شعلے لپکے تھے۔۔ ابرش نے غصے سے زاران کو دیکھا۔۔ اس نے یہ زپ کب کھولی اسے خبر نہیں ہوئی۔۔

تم نے رات خود ہی یہ زپ کھولی تھی اور میرے اوپر آکر لیٹ گئی۔۔ زاران اس کی شعلہ لپکتی آنکھوں کو دیکھتا سنجیدگی سے بولا تو ابرش نے بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

مم میں ایسے نہیں کر سکتی۔۔ میں اتنی بے باک حرکت نہیں کر سکتی۔۔ ابرش نے کہتے اپنا لب کاٹا تھا۔۔

چھوٹی سی ولگر نائٹی میرے سامنے پہن سکتی ہو۔۔ تو تم یہ بھی کر سکتی ہو۔۔ زاران نے اسے مزید جلایا تو ابرش اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی۔

میں جیسے مرضی کپڑے پہنوں۔۔ وہ نائٹی میں نے خود کے لیے پہنی تھی۔۔ میں ہر روز رات ایسے ہی سوتی ہوں۔۔ تمھیں پرابلم ہے تو تم کمرے میں مت آیا کرو۔۔ ابرش اس کی بات پر سرخ چہرے کے ساتھ غصے سے بھڑ بھڑ جلتے بولی۔۔

زاران مبہم سا مسکراتے ہوے اسے خود کے قریب کیے ہوے تھا۔ اس کا ایسے جلنا بھڑکنا بہت حظ دے رہا تھا۔۔

ابرش چہرہ اس کے اتنا قریب تھا۔۔ اسکی جھلستی سانسیں ابرش کے ہونٹوں پر بکھر رہی تھی۔۔

ویسے یہ نیا طریقہ ڈھونڈا ہے؟؟ مجھے اپنے سامنے جھکانے کا۔۔ نائیٹی نہیں پہنی تو یہ ڈریس پہن کر سو گئی کہ میں تمھارے جلوں سے بہک سکوں۔ زاران نے اس کے گہرے گلے میں جھانکتے ہوئے اسے مزید جلایا ۔۔

ابرش کا رنگ زاران کی بے باک باتوں اور اس کی نظروں سے تانبے کی مانند سرخ پڑا۔۔

مم۔۔۔ مجھے پتہ نہیں چلا کب مجھے نیند آ گئی۔۔ اگر تمھیں ان سب سے فرق نہیں پڑتا تو کیوں مجھے ایسے جکڑے ہوئے ہو۔۔

اور میرے قریب تم خود آئے ہو۔۔ اگر میں رات کو تمھارے قریب آتی تو میں نے تمھیں پکڑا ہوتا نہ کہ تم مجھے ایسے جکڑے ہوتے۔۔ ابرش اس کی

بے باک جسارتوں سے گھبراتے ہوے برجستہ بولی۔۔وہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے اس کی کمر پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے اسے خود میں بھینچ رہا تھا۔

زاران کا اس کی بات پر برجستہ قہقہ گونجا۔

۔افففف یہ ادائیں۔۔۔اب تم مجھے اپنی معصومیت بھری اداؤں میں قید کرنا چاہتی ہو۔۔زاران نے اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے کہا۔

میں تمھیں قید نہیں کرنا چاہتی۔۔نہ ہی مجھے شوق ہے تم جیسے اجڈ گنوار سفاک خانزادہ کو قید کرنے کا۔۔ابرش طنطناتے ہوے بولی تو زاران اسے بانہوں میں لیے ہی رخ پلٹ گیا تھا۔۔

آج میں تمھیں اپنی سفاکیت کا چھوٹا سا ڈیمو دکھاؤں گا۔تاکہ تمھیں بھی پتہ چلے کہ ایک سفاک مرد ہوتا کیسا ہے۔۔

زاران اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں گھونٹ چکا تھا۔۔

زاران نے اس کے نچلے لب کو بے دردی سے اپنے لبوں میں قید کرتے اسے اپنے دانتوں میں دبایا تو ابرش اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔ زاران اس کی کلائیاں پہلے سے ہی اپنے مضبوط ہاتھوں میں قید کیے ہوے تھا۔ وہ اس کی سانسیں گھوٹتے بے رحمی سے اپنی شدت اس کے ہونٹوں پر اتارتے انھیں عنابی کر رہا تھا۔۔

ابرش اس کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی۔

زاران نے اس کے مچلنے پر اس کے لبوں کو آزاد کیا۔ مگر اس کی کلائیاں وہ ابھی تک تکیے سے پن کیے ہوے تھا۔۔ اس کی ٹانگوں کو بھی وہ اپنی ٹانگوں سے لاک کیے ہوے تھا۔

تم جنگلی ہو۔۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے چلائی تھی۔۔

جنگلی پن تو ابھی میں نے دکھایا ہی نہیں۔۔ ورنہ تمھارے لبوں کا بھیگا پن نہیں خون کے قطرے میں اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنتا۔۔ زاران نے اس کے گلابی بھیگے لبوں کو انگلیوں کے پوروں سے چھوا۔۔

مجھے زبردستی کرنا پسند نہیں ہے۔ تم صرف میری ہو۔۔ میں اتنا جانتا ہوں۔۔ اس لیے تم سے زور زبردستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔

میں جب بھی تمھارے قریب آنا چاہتا تھا۔۔۔ تمھاری رضامندی سے۔۔ مگر تم نے حالات ایسے بنا لیے ہیں کہ اب میں تمھارے قریب آیا تو میری شدتوں میں سوائے جنون اور غصے کے تمھیں

کچھ نہیں ملے گا۔۔ تمھیں دیکھ کر صرف مجھے سوائے غصے کے میرے اندر کوئی جذبہ نہیں دہکتا۔۔ایک وقت تھا تمھاری قربت پانے کے لیے میں تڑپ رہا تھا۔۔ مگر اب ایسا کچھ نہیں ہے۔

اس لیے دور ہی رہو تو مجھ سے بہتر ہو گا۔۔

زاران نے ابرش کو شعلہ اگلتی آنکھوں سے دیکھتے اس کی کلائیاں اپنی گرفت سے آزاد کیں۔۔ مگر وہ اس کے اوپر سے ہٹا نہیں تھا۔

اسی لیے تم پلوشہ سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہو۔۔ تاکہ اس کے ساتھ ہر تعلق استوار کر کے مجھے میری غلطی کی سزا ہر وقت دے سکو۔۔ایک بات

یاد رکھنا اگر تم نے پلوشہ سے شادی کی میں تمھاری اس حویلی میں نہیں رہوں گی۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے گہرے سانس بھرتے چٹختے ہوے بولی۔۔

زاران اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔۔ وہ آج بھی اس پر یقین نہیں کرتی تھی۔۔ اور اسے آج بھی اس حویلی سے بھاگنے کی ہی دھمکی دے رہی تھی۔

اس کی اس دھمکی پر زاران کا دبا ہوا غصہ عود کر آیا تھا۔۔ نگاہوں میں سرد پن بڑھا تھا۔۔

ایک بات یاد رکھنا ابرش۔۔۔ تمھارے اور میرے بیچ دوری کا سبب تمھاری بے یقینی ہے۔ مجھے تمھاری کسی دھمکی کی پرواہ نہیں ہے۔۔ اگر میں نے پلوشہ سے شادی کرنی ہوئی میں کر کے رہوں گا۔۔۔ اس طرح کی دھمکیاں

دے کر تم اپنے لیے ہی مصیبت کھڑی کر رہی ہو۔۔۔وہ اس پر جھکے تپش ذدہ لہجے میں تنبیہ کرتے غرا اٹھا تھا۔

تم کل کچن میں حور بھابھی کو یہاں سے بھاگنے کا مشورہ دے رہی تھی۔۔۔ میں نے سنا تھا اپنے کانوں سے۔۔۔۔میں اس ٹائم خاموش ہو گیا تھا۔۔سوچو ارحام لالا یہ سب سن لیتے تو کیا کہتے۔۔وہ تمھیں کچھ کہتے مجھے اچھا نہ لگتا۔ اور میں ان کی اتنی عزت کرتا ہوں۔۔ان کے آگے بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔۔زاران نے ابرش کے چہرے پر اپنی تپش ذدہ سانسیں چھوڑتے سرد لہجے میں ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

اس کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی دیکھ کر ابرش اپنے چہرے پر آیا اس کا ڈر اپنا منہ پھیرتے چھپا گئی تھی۔

یقیناً تم نے خود بھی کوئی ایسے ہی پلاننگ کر کے رکھی ہوئی ہے۔۔ وہ اس کا منہ دبوچتا اس کا رخ اپنی طرف موڑ گیا تھا۔۔

نہ تم اور نہ حور بھابھی یہاں سے کبھی بھاگ سکتی ہو۔۔

یہ خانزدہ کی فیملی ہے۔۔ تم دونوں کا پالا خانزاہ سے ہی پڑا ہے۔۔ اب ہماری قید سے مر کر ہی نکلو گی۔۔ وہ اس کا منہ دبوچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔

تمھیں بہت زعم ہے اپنی امیریکہ کی ایمبیسی کا۔۔بہت غرور ہے تمھارے پاس امیریکہ کی نیشنلٹی ہے۔۔بہت اعتماد ہے تمھیں اپنی ایمبیسی پر کے کے اپنی ایمبیسی کے ہاتھوں مجھے گھٹنوں پر لے آؤ گی تو یہ بھول ہے تمھاری۔۔

۔تمھیں بہت شوق ہو رہا ہے یہاں سے بھاگنے کا تو یہ حرکت کر کے دیکھ لو۔۔وعدہ کرتا ہوں۔تم اپنی ٹانگوں پر سلامت نہیں رہو گی۔۔زاران ابرش کا منہ پر اپنی گرفت خطرناک حد تک بڑھاتے سرد لہجے میں پھنکارا تھا۔۔

اس کی گرفت پر تڑپتے ہوے ابرش کی آنکھوں سے موتی برسے تھے ۔زاران کی سرخ آنکھیں دیکھتے اسے کے ہاتھ اپنے جبڑے سے چھڑوانے

کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔وہ صرف آنسو بہاتے درد سے سسکی بھر کر رہ گئی تھی۔۔زاران اس کے آنسو دیکھتا اس کا جبڑہ چھوڑ چکا تھا۔۔مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی زاران۔۔۔۔۔میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔میری زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوہ تم سے محبت کرنا ہے۔۔وہ رخ پلٹے شدت سے روتے ہوئے بولی۔۔

میری زندگی کا بھی سب سے بڑا پچھتاوہ تم سے محبت کرنے کا ہی ہے۔۔

اب یہ سود وزیاں کا حساب بعد میں کرتی رہنا۔۔اس حویلی کی عورتوں کی طرح تمیز دار ڈریسنگ کرتے نیچے ڈائینگ روم میں پہنچو۔۔زاران اسے حکم دیتا واش روم کی جانب بڑھا۔۔

مجھے نہیں کرنا تمھارے ساتھ یا تمھارے گھر والوں کے ساتھ ناشتہ۔۔۔ابرش رخ پلٹے روتے ہوئے ضدی انداز میں بولی۔۔

میں نے تم سے پوچھا نہیں۔۔۔ تمھیں حکم دیا ہے۔۔اس لیے شرافت سے اٹھو اور نیچے جاؤ۔۔۔زاران سرد آواز میں کہتے واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔ابرش کچھ دیر تک روتی رہی۔۔ پھر اس کا سرد انداز یاد کرتے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

ارحام خانزادہ کو آج اسلام آباد آئے ہوے چار دن ہوے تھے۔۔وہ فرشتے کے ولیمے کے اگلے دن ہی چلا آیا تھا۔۔ مگر اپنی ہی کیفیت پر جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔حور کا سراپہ اس کی نظروں سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔۔وائٹ اوپن لانگ گاؤن میں ریڈ لپسٹک لگائے وہ اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔۔

گل اس کی زندگی میں جب تک تھی۔ وہ ہفتہ پندرہ دن بعد حویلی کا چکر ضرور لگاتا تھا۔ پریذے کے بغیر وہ اتنے ہی دن نکال سکتا تھا۔۔ مگر اس دوران گل کی بھی یاد آتی تھی۔ بے حد یاد آتی تھی۔۔ شادی کے شروع کے دنوں میں وہ گل کے لیے پاگل تھا۔ مگر وہ اس طرح تو اس کے اعصابوں اس کے خیالوں پر سوار نہیں ہوئی تھی۔۔ اس کی قربت کے لیے وہ تڑپتے ہوئے وہ اس حد تک بے سکون نہیں ہوا تھا کہ اسے نیند ہی نہ آئے۔۔ یہ کیسی بے چینی تھی؟؟ جو وہ حور کی قربت کے لیے محسوس کر رہا تھا۔۔ شروع سے ہی وہ اس کی قربت میں سکون محسوس کرتا تھا۔۔ نکاح کی رات کے بعد وہ جب بھی اس کے قریب گیا۔۔ اس نے اس کی قربت میں سکون ہی پایا تھا۔ وہ جتنا زیادہ غصے سے اس کے قریب جاتا تھا۔۔ غصہ ختم ہوتے ہوتے وہ آخری لمحوں میں پر سکون ہو جاتا تھا۔۔ اس کے بدن کی نازکی اس کی بے پناہ

خوبصورتی اس کے اعصابوں پر سوار ہو جاتی تھی۔۔ اپنی تئیں وہ اس میں اپنی نفرت انڈیلتے خود کو پر سکون کرتا تھا۔۔ اس پر غصہ جھنجھلاہٹ اتارنے کا ایک یہی راستہ ملتا تھا۔۔ جو خدا نے اس کے لیے جائز بنا رکھا تھا۔۔ حور اس کے لیے صرف اس کا وقتی طور پر سکون اور اس کی ضرورت کے سوا کچھ نہ تھی۔۔ نکاح نامے پر سائن اس نے جتنے غصے میں کیے تھے ۔۔ مگر اسی لمحے وہ اسے اپنی سپردگی میں لیتے کبھی نہ چھوڑنے کا عزم کر چکا تھا۔۔ اسے اپنی عزت وہ اسی لمحے مان چکا تھا۔

اگر وہ صرف اس کی ضرورت تھی۔۔ وقتی طور پر وہ اپنے خوبصورت جسم اور اپنی بے پناہ خوبصورتی سے صرف اس کا دل بہلانے کا ذریعہ تھی۔۔ تو وہ اسے لے کر اتنا حساس کیوں ہو رہا تھا؟؟

یہاں تک کہ وہ اب اس کے پاسٹ کے متعلق بھی جاننا نہ چاہتا تھا۔۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا اس پر کسی کا بھی حق ہو۔۔ یہاں تک کہ اس کے کسی محرم کا بھی حق اس پر گوارا نہ تھا۔۔ وہ اب صرف اس کی تھی۔۔

یہ محبت نہیں تھی۔۔ وہ اس سے کیسے محبت کر سکتا تھا؟؟ جس نے اسے برباد کر دیا۔ اس کی جان سے بھی پیاری بیٹی کو اس سے جدا کر دیا۔ اس کے بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی مر گیا۔۔ اس کی عزت کی دھجیاں بکھر گئی۔۔ وہ اس سے کیونکر محبت کرے گا بھلا۔۔

مگر وہ اس کے لیے اتنا حساس کیوں تھا؟؟۔۔ اس پر کسی کی بھی نظر کیوں گوارا نہ تھی۔۔۔۔۔

اس طرح کی بے چینی اس نے کبھی گل کے لیے محسوس نہیں کی تھی۔۔اس کے لیے تو اتنا حساس نہیں تھا۔۔اور گل کی اب اس کی زندگی میں اس کی اہمیت کیوں نہ رہی تھی؟؟۔۔اس نے اس کے بچے کو مار دیا یا پھر کسی اور سے شادی کر لی۔۔اس لیے اب اس کی زندگی میں اس کی اہمیت نہ رہی تھی۔۔یا پھر حور کی قربت حور کے ساتھ نے اسے گل بھلا دی تھی۔۔ارحام نے اپنا ماتھا مسلتے ہوے آفس چیئر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔۔۔

بلیک ڈریس پہنے وہ اس کی نظروں کے سامنے آئی تھی۔۔جب اس نے اسے بیڈ پر پھینکا تھا۔۔وہ ڈری سہمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ارحام نے بے چین ہوتے آنکھیں کھولیں۔۔بند آنکھوں کے

پردوں پر اس کی شبیہ بہت واضح ہوتی تھی۔۔ جو اسے مزید بے چین کر رہی تھی۔

حور کی بے پناہ خوبصورتی اس کی معصومیت اس کی کم عمری ارحام خانزادہ کے اعصابوں پر سوار ہو گئی تھی۔۔

وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔۔ گل کے معاملے میں بھی تھا۔۔ گل کے بے حد ضد کرنے کے باوجود وہ اسے کبھی اسلام آباد کے فلیٹ لے کر نہیں آیا تھا۔۔ وہ گل کی فطرت کو جانتا تھا۔۔ وہ ایک دفعہ اسلام آباد آگئی تو پھر مشکل سے ہی حویلی رہے گی۔۔ وہ اپنی پریذے کو حویلی کے تمام رشتوں سے دور نہیں رکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ چاہتا تھا پریذے تمام رشتوں اور ان کی محبتوں کے درمیان پل کر بڑھی ہو۔۔ اور پریذے میں وہاں سب کی جان

تھی۔۔امینہ خانم سمیع اللہ خان زاران خان پریذے کو کتنا یاد کرتے

تھے۔۔وہ جانتا تھا۔۔وہ خود بھی تو اپنی بیٹی کے لیے تڑپ رہا تھا۔۔

وہ پریذے کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔۔اسے یقین تھا وہ پریذے کو جلد

حاصل کر لے گا۔۔اس کے بعد شاہنواز کا انجام بہت دردناک ہونا

تھا۔۔ارحام خانزادہ نے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے شاہنواز کا غلیظ چہرہ یاد کیا

تھا۔۔شاہنواز پر تو ویسے بھی اس کے بہت سے حساب کتاب تھے۔۔سب

سے بڑھ کر شاہنواز کی وہ حوست پرست نظریں اسے بھولتی نہیں تھیں۔۔

جو اس نے حور پر ڈالی تھیں۔۔شاہنواز کی نظریں یاد کر کے اس کے خون

میں ابال سے اٹھے تھے۔۔ارحام نے اپنی مٹھیاں بھینچتے خود پر قابو پایا۔۔

ارحام خانزادہ نے زاران کو یہاں اسلام آباد بلایا تھا اور اسے کچھ امپورٹنٹ میٹنگ اٹینڈ کرنے کو کہا۔۔

وہ خود حویلی چلا آیا تھا۔۔ مردانے میں سب سے ملتے وہ اپنے کمرے کی طرف آیا۔ کمرہ خالی تھا۔۔ وہ اپنی براؤن مردانہ شال کندھوں پر جھٹکتے زنان خانے کے ڈائینگ روم میں آیا۔۔ جہاں رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔۔

اس وقت ڈایینگ روم میں امینہ خانم، روزینہ خانم اور بہارے،، عابیر پلوشہ ہی موجود تھے۔۔ امینہ خانم نے کرسی سے اٹھتے ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے خوش امدید کہا۔۔

روزینہ خانم نے اٹھ کر ارحام خان کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کے سلام کے جواب دیا تھا۔۔ ارحام نے بہارے عابیر اور پلوشہ کے سر پر ہاتھ رکھا

تھا۔۔ ارحام اپنی چیئر گھسیٹ کر بیٹھا۔۔ نظریں بے چینی سے ڈائینگ روم کے گلاس ڈور پر دوڑائیں۔۔ جو کچن کی طرف کھلتا تھا۔

کیا وہ کچن میں ہے ؟؟ ارحام نے بے چینی سے سوچا۔۔

اس ٹائم ڈائینگ ٹیبل پر گھر کی تمام خواتین موجود تھیں۔

سوائے ابرش اور حور کے۔۔

پہلی مرتبہ ارحام خانزادہ کو حور کا ڈائینگ روم میں موجود نہ ہونا چبھا تھا۔۔

کیا وہ سب کے ساتھ ڈائینگ روم میں کھانا نہیں کھاتی ؟؟۔۔ ارحام نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔۔

ارحام کیا بات ہے تم اس بار ذرا جلدی نہیں حویلی آ گیا۔۔ امینہ خانم نے ارحام کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

مجھے حویلی میں کام تھا۔۔ ارحام نے چونکتے ہوے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

ارحام نے پاس پڑی ٹرے سے تھوڑے سے چاول نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈالے۔۔۔ ارحام نے مٹن کے ڈونگے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ امینہ خانم کی بات پر رکا۔۔

ارحام یہ رہنے دو۔۔۔ اس میں نمک بہت تیز ہے اور گوشت کچا بھی ہے۔۔ امینہ خانم نے کہتے اس کی طرف دوسرا ڈونگہ بڑھایا۔۔ جسے ارحام نے خاموشی سے تھام لیا۔۔

یہ لڑکی جب سے باورچی خانے میں گیا ہے۔۔ رزق کا ضیاں ہی ہوتا ہے۔۔ دن میں کتنی بار کھانا جلا دیتی ہے۔۔ دودھ ابالتے ہوے اپنا ہاتھ جلا دیتی ہے۔۔ ایک چائے تک اسے بنانا نہیں آئی۔۔

اب کتنا گوشت تھا جو اس نے خراب کر دیا۔۔ بھابھی آپ اسے باورچی خانہ سے کیوں نہیں نکالتا۔۔ سارا سارا دن باورچی خانہ میں تو ایسے گزارتی ہے۔۔ جیسے اب تک بہت سا کھانا بنانا سیکھ لیا ہے۔۔ اس سے اچھی تو گل تھی۔ جس کے ہاتھ میں کتنا ذائقہ تھا۔۔ مگر یہ لڑکی تو بلکل پھوہڑ ہے۔

روزینہ خانم اپنی عادت کے مطابق منہ میں کڑاہٹ لیے بول رہی تھیں۔۔۔ سب روزینہ خانم کی فطرت سے واقف تھے۔۔ اس لیے ان کی باتوں کی اتنی پرواہ نہیں کرتے تھے۔۔ ارحام نے حور کے لیے ان کے لہجے کی کڑواہٹ محسوس کرتے لب بھینچتے ہوے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

روزینہ خانم کا حور کے متعلق اس لہجے میں بات کرنا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔ ۔اور گل سے کمپیرزن تو بہت ناگوار گزرا تھا۔۔ وہ اس کے سامنے ایسے بات کر رہی تھیں تو حور کو کتنا سناتی ہوں گی۔۔

وہ سارا سارا دن کچن میں گزارتی ہے۔ یہ بات بھی ارحام کو بہت بری طرح چبھی تھی۔۔ اس نے اسے خود کہا تھا کہ وہ کمرے سے زیادہ اپنا وقت کچن میں گزارا کرے۔ اتنا تو جانتا تھا۔ وہ اس سے بہت ڈرتی ہے اس کے حکم سے روگردانی کرنے کا وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی سوچ نہیں سکتی تھی۔

یعنی وہ اس شدید سردی میں صرف اس کے حکم کی وجہ سے سارا سارا دن کچن میں رہتی تھی۔۔

خود ہی اسے حکم دیا تھا مگر اب یہی بات گراں گزری تھی۔۔ اس کا یوں ملازموں کی طرح کچن میں رہنا پسند نہیں آیا تھا۔۔

ارحام نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ڈائننگ روم کے دروازے کی طرف سنجیدگی سے نظر دوڑائی۔۔

وہ اس وقت بھی کچن میں موجود تھی۔۔۔وہ بے حد بے چین ہوا۔۔

اسی اثناء میں حور پانی کا جگ پکڑے ڈائینگ روم میں داخل ہوئی۔۔

بلیک کلر کے سمپل سے گرم فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر بلیک کلر کی گرم جرسی پہن رکھی تھی۔۔ بلیک ہی کلر کا بڑا سا دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔۔ چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔۔ جیسے کچن میں روتی رہی ہو۔۔ ارحام اس کا متورم چہرہ اور گلابی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوا۔۔ یقیناً کچن میں کام کرتے اپنا ہاتھ جلا بیٹھی ہو گی۔۔ ارحام نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اس پر گہری نظر ڈالی۔۔ اسے دیکھتے ہی اس کے رگ وجاں میں سکون سا اترا تھا۔۔ اتنے دن کی بے چینی پل میں سوا ہوئی۔۔ ارحام کی نظریں اب اس

کے ہاتھوں پر تھیں۔ جس سے اس نے جگ تھام رکھا تھا۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔۔ حور کے ہاتھ کی پشت سرخ ہو رہی تھی۔۔

حور پانی کا جگ تھامے اپنے دھیان میں ڈائینگ ٹیبل کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔ دفعتاً اس کی نظر ارحام پر پڑی۔۔ وہ وہیں پر رک گئی تھی۔۔ چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہوا تھا۔ جگ پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔۔ اس کے بدن پر لرزہ سا طاری ہوا تھا۔۔ جو ارحام کی زیرک نظروں سے مخفی نہیں رہ سکا تھا۔ وہ ارحام کو دیکھتے وہیں پر کھڑی اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔

کیا ہوا پتھر کیوں بن گئی ہو؟؟۔۔ یہ پانی کا جگ یہاں پر صیح سلامت رکھ دو.. تمھارا مہربانی ہو گا۔ تمھارا ہاتھ سے تو باورچی خانہ کا کوئی برتن صیح سلامت نہیں رہا۔۔ اب اس کو مت توڑ دینا۔

روزینہ خانم کے چباچبا کر بولنے پر حور پانی کا جگ ٹیبل پر رکھ کر جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔۔۔۔

ارحام کی گہری اور بے چین نظروں نے اس کا دور تلک پیچھا کیا تھا۔۔

ارحام کھانا کھانے کے بعد مردان خانے میں چلا گیا تھا۔۔ سمیع اللہ درید خان اور اربد خان کے ساتھ کافی وقت گزارنے کے بعد وہ کمرے میں آیا تھا۔وہ ابھی بھی کمرے میں نہیں آئی تھی۔۔وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔وہ ابھی تک آخر کچن میں کیا کر رہی تھی؟؟جب اسے پتہ چل گیا ہے کہ وہ حویلی آچکا ہے تو وہ ابھی تک کمرے میں کیوں نہیں آئی۔۔ارحام غصے سے اپنی چادر اتار کر صوفے پر پھینکتے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔۔

وہ کمرے میں اسے دیکھنے کے باوجود ابھی تک نہیں آئی۔۔اس کا بات کا غم و غصہ اب نیم گرم پانی سے شاور لے کر ہی اترنا تھا۔۔

وہ گرے ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس واش روم سے باہر آیا۔۔

اپنا سگریٹ کا کیس پکڑتے وہ بیڈ کی جانب بڑھا۔۔

بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔۔

وہ بے چینی سے حور کا انتظار کر رہا تھا۔۔وہ پچھلے ایک گھنٹے سے حور کا انتظار کر رہا تھا۔۔وہ ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔۔. وہ سمجھ چکا تھا وہ اس

کی وجہ سے کمرے میں نہیں آ رہی۔۔ اس کی شدتوں سے خوف کھائے بیٹھی ہے۔۔ اسے دیکھتے ہی سرخ گلاب ہو گئی تھی۔۔

ارحام کے لب اب گہرا مسکرائے تھے۔۔

کتنا بچو گی مجھ سے اور میری شدتوں سے۔۔۔ آنا تو تمھیں میری پناہوں میں ہی ہے۔۔ جتنا تڑپاؤ گی۔۔۔ آج رات اتنا ہی تڑپو گی۔۔۔۔۔۔ ایک ایک پل کا حساب لوں گا تم سے۔۔۔ ارحام نے گہرا مسکراتے ہوے سگریٹ کا کش لیا۔۔

انتظار طویل ہوا تو ارحام اب پریشان ہوا تھا۔۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ حور کا انتظار کر رہا تھا۔۔ یہ تو طے تھا وہ اپنی مرضی سے کمرے میں نہیں آ رہی۔۔ مگر کیا اب تک وہ کچن میں ہی تھی؟؟

ارحام اب جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔اس کا گریز اب شدید غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔۔وہ ٹی شرٹ پہنتے کمرے سے نکلتا کچن کی طرف بڑھا۔۔

پورا کچن خالی تھا۔۔وہاں کوئی نہیں تھا۔۔بلکہ پورا زنان خانہ اندھیرے اور خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔۔

اس وقت رات آدھے سے زیادہ بیت چکی تھی۔۔سردیوں کی راتیں تھیں۔۔اس وقت تک تو اب سب گہری نیند سو رہے تھے۔ارحام نے مضطرب ہوتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔۔وہ کچن میں بھی نہیں تھی نہ ہی لاونج میں تھی تو پھر وہ کہاں تھی۔۔ارحام کے بھاری قدموں کا رخ اب درخشاں کے کمرے کی طرف تھا۔۔

چہرہ غصے اور اشتعال سے سرخ ہو رہا تھا۔۔اسے بلکل پسند نہیں آیا تھا اس کا کسی ملازمہ کے کمرے میں رکنا۔۔

درخشاں کو اس گھر کی ملازمہ سے کہیں بڑھ کر حیثیت حاصل تھی۔۔ پھر بھی حور اس کی بیوی تھی۔ اس سے بچنے کے لیے اب وہ اس طرح گھر کی ملازماؤں کے کمرے میں پناہ لے گی۔۔ اس طرح ان کے کمرے میں رات گزارا کرے گی۔۔ وہ بھی اس کے حویلی میں موجود ہوتے وہ یوں درخشاں کے کمرے میں رکے گی۔۔ ارحام نے غصے سے درخشاں کے کمرے کی طرف بڑھتے اس کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔۔

درخشاں نیند سے ہڑبڑاتے ہوے اٹھی۔۔ اپنا دوپٹہ اچھی طرح اوڑھتے دروازہ کھولا۔۔

ارحام کو اس وقت دیکھتے وہ پریشان ہوئی۔۔

جی لالا۔۔۔ درخشاں نے پریشانی سے پوچھا۔۔

حور کو باہر بھیجو۔۔ ارحام نے سخت لہجے میں کہا۔۔

حور بھابھی۔۔۔۔ درخشاں حیران ہوئی۔۔

اس طرح حیران کیوں ہو رہی ہو؟؟ حور تمھارے کمرے میں ہے۔۔ اسے باہر بھیجو۔۔ ارحام اب کی بار درخشاں کی حیران آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

لیکن لالا حور بھابھی ہمارا کمرے میں تو نہیں ہے۔۔ درخشاں نے ارحام کے غیض و غضب سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے جلدی سے کہا۔۔

تمھارے کمرے میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔۔ ارحام سرد انداز میں کہتے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔۔ حور وہاں پر نہیں تھی۔۔

حور اگر تمھارے کمرے میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے ؟؟۔۔ ارحام نے خالی کمرہ دیکھ کر درخشاں سے غصے سے پوچھا۔۔

لالا۔۔۔ حور بھابھی تو دو گھنٹہ پہلے ہی کچن سے نکل گیا تھا۔۔ حور بھابھی کو صبح سے بخار تھا۔ ہم نے خود بولا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کر لے۔۔ مگر آپ کے آنے کے بعد وہ کتنا دیر کچن میں ایسے ہی کھڑا رہا تھا۔۔ میں نے زبردستی بھیجا تھا حور بھابھی کو آپ کے کمرے میں۔۔ ہمارا سامنے ہی وہ آپ کے کمرے کی طرف گیا تھا۔۔ درخشاں نے ارحام کو شدید غصے میں دیکھتے ایک ہی سانس میں بتایا۔۔

ارحام نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔۔

جاؤ دیکھو وہ ابرش کے کمرے میں ہو گی۔۔ بلا کر لاؤ اسے۔۔

زاران حویلی نہیں تھا ارحام کو لگا وہ ابرش کے کمرے میں ہی ہو گی۔۔

ارحام نے درخشاں کو گھورتے ہوے گرجتے ہوے حکم دیا۔

ارحام خود لاونج میں ٹہلتے ہوے بے چینی سے حور کا انتظار کرنے لگا۔۔ حور کو بخار ہے۔۔۔۔ وہ یہ سنتے پریشان ہو گیا تھا۔۔ اس لیے اس کا چہرہ اتنا سرخ ہو رہا تھا۔۔

وہ اس کی شدتوں سے ڈرتے ہوے کمرے میں نہیں آ رہی تھے۔

اس کا گھبرانا جائز تھا۔۔ کب اس نے کبھی اس کی طبعیت اس کی مرضی کی پرواہ کی تھی۔۔۔ ارحام نے اضطراب سے اپنے لب بھینچے تھے۔۔

مگر یہ تو کوئی طریقہ نہ تھا کہ وہ اب کمرے میں ہی نہیں آئے گی۔۔اس طرح بچوں کی طرح حرکتیں کرتے دوسروں کے کمروں میں پناہ لے گی۔۔

ارحام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے۔۔اس کا ایسے ڈرنا اور گریز ارحام خانزادہ کے بھڑکتے اعصاب مزید بھڑکا رہا تھا۔۔وہ آج اس کی اچھی خلاصی کلاس لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔تاکہ وہ آئیندہ اس طرح اس سے دور جانے کی ہمت نہ کر سکے۔۔

لالا۔۔۔۔۔۔۔بھابھی تو ابرش بھابھی کے کمرے میں نہیں ہے۔۔درخشاں کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔۔

ارحام یہ سنتا تیزی سے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔اس کی آنکھیں بھی اب لہو چھلکا رہی تھیں۔۔

ارحام کے دروازہ کھٹکٹانے پر امینہ خانم حواس باختہ ہوتے کمرے سے باہر آئی۔۔

حور آپ کے کمرے میں ہے۔۔ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

نہیں حور ہمارا کمرے میں تو نہیں ہے۔۔امینہ خانم کے بتانے پر ارحام کا رخ حویلی کے دوسرے کمروں کی جانب تھا۔۔

حور حویلی میں کہیں نہیں موجود تھی۔۔ارحام کا رخ اب اپنے کمرے کی طرف تھا۔۔اپنی جیکٹ پہنتے ہوے اپنی پسٹل الماری سے نکالتے اپنی جیکٹ کی پاکٹ میں ڈالتے وہ باہر آیا۔۔۔

ارحام خانزادہ کے بھاری قدموں کا رخ اب حویلی کے گیٹ کی طرف تھا۔۔

چہرہ شدت ضبط سے بے انتہا سرخ تھا۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

گل ریز خان۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ نے دھاڑتے ہوے اس کا گریبان پکڑا۔۔

کہاں تھے تم؟؟ جب وہ حویلی سے باہر نکلی۔۔ ارحام طیش والم میں چلایا۔

۔۔۔

خان صاحب میں تو ادھر ہی موجود تھا۔۔ میں آج ادھر سے ہلا بھی نہیں۔۔ گل ریز خان ہکا بکا بولا۔۔

چھوڑوں گا نہیں تمھیں۔۔۔ اگر اسے کچھ بھی ہوا۔۔ اس پر ایک آنچ بھی آئی میں تمھارا وجود گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔۔ ارحام خانزادہ اپنی پسٹل گل ریز خان کی گردن پر رکھتے گر جاتھا۔ گل ریز خان کو دھکا دیتے وہ وہ تن فن کرتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔۔

گل ریز خان نے زمین سے اٹھتے جلدی سے حویلی کا گیٹ کھولا تھا۔۔

ارحام خانزادہ طیش والم میں گاڑی چلا رہا تھا۔۔ گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک تیز تھی۔۔

اس وقت برف باری بھی شروع ہو چکی تھی۔ اندھیری سڑکوں پر کوئی ذی روح تو کیا کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

ایک دفعہ تم مل جاؤ تم مجھے حور۔۔۔۔ تمھارے عمل کی اتنی خوفناک سزا دوں گا کہ تمھاری روح بھی کانپ جائے گی۔۔۔۔ آج تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔ تم نے ٹھیک نہیں کیا حور۔۔۔۔ اپنی عزت کے ساتھ تمھیں دوبارہ نہیں کھیلنے دوں گا۔۔ ارحام گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا۔۔۔ چہرہ غضبناکی کی سرخی لیے ہوے تھا۔ ماتھے اور گردن کی رگیں تک پھول رہی تھیں۔

وہ اس اندھیری طوفانی رات میں اس کی حویلی کا گیٹ عبور کر آئی۔ اور کچھ نہ کر سکا۔۔ وہ غفلت میں مارا گیا۔۔

وہ اس کی عزت تھی۔۔ وہ کیسے اندھیری رات میں حویلی کا گیٹ عبور کر سکتی تھی؟؟ وہ دن کے اجالے میں اسے پورے پردے میں حویلی کے کھلے آسمان کے نیچے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ رات کے اندھیرے میں اسے دھوکا دیتے حویلی کا گیٹ عبور کر گئی۔۔ آخر اس نے یہ ہمت کیسے کی؟؟ وہ بھول گئی اس کا سفاکی سے بھرپور رویہ۔۔۔

وہ پچھلے دو گھنٹوں سے حویلی میں نہیں تھی۔۔ اسے خبر ہی نہیں تھی۔۔ وہ اس سے اتنا غفلت کیسے برت سکتا ہے؟؟۔۔ ارحام نے کتنے ہی مکے سٹیرنگ پر جڑ دیے تھے۔۔ وہ پاگلوں کی طرح جگہ جگہ رک کر اسے تلاش کر رہا تھا۔۔ سفید سڑکوں کے علاوہ اسے وہاں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔۔

ارحام جتنا طیش و اشتعال میں تھا۔۔ اتنا ہی اس کا پورا وجود جیسے پسینے سے تر تھا۔۔

بخار کی حالت میں حویلی سے نکل آئی تھی۔۔۔اس کے ساتھ راستے میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔اس کے ذرا سے غصے میں اپنے ہوش گنوا دیتی تھی۔۔اور اب بنا ڈرے حویلی سے باہر نکل آئی تھی۔۔۔اگر راستے میں ہی کہیں بے ہوش ہو گئ یا اس کے ساتھ کچھ غلط ہو گیا تو۔۔۔۔اس سے آگے کا سوچتے ہی اس کی اپنی روح کانپ رہی تھی۔۔

اگر وہ شاہنواز کے ہاتھ لگ گئ تو۔۔۔شاہنواز کی گہری نظر تھی اس کی حویلی پر۔۔۔اگر اسے ذرا بھی خبر ہو گئ کہ حور حویلی سے باہر اس ٹائم موجود ہے تو وہ اس تک رسائی حاصل کر لے گا۔۔

یہ سوچتے ہی ارحام خانزادہ کے ہاتھوں سے گاڑی کا کنٹرول چھوٹ رہا تھا۔

ارحام کو شاہنواز کی حوس زدہ بے باک نظریں یاد آئیں۔ جو اس نے جرگے میں اس کے سامنے حور پر گاڑھی تھیں۔۔

جب وہ حور کو جرگے میں آئے ہوے سب مردوں کے قدموں میں پھینکتے ہوے چلایا تھا کہ اس کا کسی سے بھی نکاح کر کے رخصت کر دیں۔۔۔

کس طرح اس نے ہراساں نظروں سے سب مردوں کو دیکھا تھا۔۔

کس طرح اس کا کوٹ اپنے گرد اور مضبوطی سے لپیٹا تھا۔۔

شاہنواز کی حوس زدہ گہری نظروں سے گھبراتے ہوے اس نے درید خان کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی تھی۔

یہ یاد کرتے ارحام کی گرفت سٹیرنگ پر مضبوط ہوئی۔۔ جرگے میں کیسے شاہنواز نے حور کے خوبصورت سراپے پر اپنی حوس ذدہ نظریں گاڑھتے اس سے شادی کی خواہش کی تھی؟؟۔۔

حور کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا۔۔ ایک اسی عمل پر اب تک وہ پچھتایا تھا۔۔۔ اس پر گڑھی شاہنواز کی نظروں سے اسے اس وقت کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔۔ مگر اب اس کی نظریں یاد کر کے ہی اس کے خون میں شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔

شاہنواز کے لفظ ارحام خانزادہ کو اپنی سماعتوں پر پگھلے ہوے سیسے کی مانند محسوس ہو رہے تھے۔۔

داجی میرا نکاح اس لڑکی سے کر دیں۔۔۔ فرشتے بانجھ ہے۔۔اس لڑکی سے نکاح کے بعد مجھے اس سے اولاد مل جائے گی اور فرشتے کو ماں بننے کا سکھ۔۔۔۔

ارحام نے غصے سے بھڑکتے ہوے سٹرینگ پر اپنا ہاتھ زور سے مارا۔۔۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا۔شاہنواز اس پر بار بار حملے کیوں کروا رہا ہے؟؟۔وہ اس سے گل کو طلاق لینے کا بدلہ نہیں لے رہا۔۔اس جیسے بغیرت انسان کو کیا پتہ۔۔۔۔اپنی بہن کے دکھ کا یا پھر اس کے ساتھ کی ہوئی کسی زیادتی کے بدلہ لینے کا۔۔

وہ صرف حور کی وجہ سے اس پر حملہ کروا رہا تھا۔ تاکہ اسے مار کر کسی طرح حور تک رسائی حاصل کر سکے۔

وہ یقیناً حور کا خوبصورت چہرہ خوبصورت سراپہ بھول نہیں پا رہا تھا۔۔

کاش اس وقت وہ حور کو ایسے جرگے میں نہ لاتا۔۔ ایسے مردوں کے قدموں میں نہ پھینکتا تو وہ شاہنواز کی غلیظ نظریں کبھی اس پر نہ پڑھتی۔

وہ اب اس کا کھلا چہرہ کسی کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ کھلے بالوں میں بغیر دوپٹے کے اس کا کوٹ خود پر لپیٹے ہوئے اس دن سب مردوں کے سامنے تھی۔۔

ارحام نے غصے سے وہ سب سوچتے اپنی کنپٹی مسلی۔۔۔ جہاں اسے تپش سی محسوس ہو رہی تھی۔۔

اس دن جب حور اس کے ساتھ ہسپتال گئی تھی۔۔۔وہ اس کی حالت دیکھتے گارڈز کے بغیر چلا آیا تھا۔۔شاہنواز کو پوری خبر تھی۔۔حور اس کے ساتھ اکیلی ہے۔۔اس لیے اس نے اس پر حملہ کروایا تھا۔۔وہ اس کی گندی فطرت اسی دن سمجھ گیا تھا۔۔اس لیے اس دن اس نے خود کو بچانے کی کوشش کی تھی۔۔تاکہ حور سیف رہے۔۔

شاہنواز تم نے اسے ذرا بھی نقصان پہنچایا۔۔۔اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا۔۔میں تمھاری آنکھیں نکال دوں گا۔۔میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔۔وہ صرف میری ہے۔۔میری ہے وہ صرف۔۔ارحام خانزادہ اپنی سرخ آنکھیں مسلتے چلایا تھا۔۔

وہ جگہ جگہ اب گاڑی سے اتر کر اسے تلاش کر رہا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔

ارحام نے اپنا موبائل نکالتے ہوے اپنے گارڈز کو فون کرتے یہاں کا چپہ چپہ چھاننے کو کہا تھا۔۔

اسے ہر جگہ تلاش کرو۔۔۔ چاروں طرف پھیل جاؤ۔۔ شاہنواز اس وقت کہاں ہے۔ مجھے پتہ کر کے بتاؤ۔ ارحام فون پر اپنے پرسنل گارڈ کو ہدایت دیتا گاڑی کی طرف تیزی سے بڑھا۔ اس پر لمحہ لمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔ وہ کسی مصیبت میں نہ ہو۔۔ وہ بے پردہ نہ ہو۔۔ اس کے رگوں میں خون کی جگہ اب لاوا ابل رہا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارت کرتے ایک بار پھر گاڑی سفید سڑکوں پر دوڑائی۔۔

بہت برا کیا ہے تم نے اپنے ساتھ۔۔ تم پر جو میں رحم رد کھا ہا تھا۔۔ وہ آج سے ختم۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک دفعہ مجھے مل جاؤ۔۔ تمھارا ایک ایک پل اب بند کمرے میں گزرے گا۔۔ آج کے بعد تم اس کمرے سے نکلنے کو بھی ترسو گی۔ مجھ سے بچنے کے لیے تم میری قید سے بھاگی ہو۔ اب تمھیں بتاؤں گا۔ ۔میرا روپ اصل میں ہے کیا۔۔ تمھارے جسم پر بربریت کے ایسے نشان چھوڑوں گا۔۔ تم آئینے میں دیکھنے کے قابل نہیں رہو گی۔۔ تمھارا خوبصورت چہرہ میں بگاڑ کر رکھ دوں گا اگر کسی بھی کتے کی حوس ذدہ نظر تم پر پڑی۔۔ ارحام حور کا خوبصورت چہرہ یاد کر کے غرایا تھا۔۔۔

ارحام غصے سے پاگل ہو رہا۔ تھا۔ وہ آدھی رات اس قہر برساتی سردی اور برف باری میں نکل آئی تھی۔ کوئی بھی تو نہیں تھا اس کا۔ اس کے سوا۔۔۔۔۔ پھر کیا سوچ کر وہ حویلی سے نکلی۔ اسے اپنی عزت کی پرواہ نہیں تھی۔۔ اس کی عزت کی تو پرواہ کر لیتی۔۔

یہ کیسی سزا دی تھی اس نے اسے ؟؟؟ اسے جیتے جی وہ زندہ زمین میں جیسے گاڑھ گئی تھی۔۔۔۔

اس سے بچ کر کہاں جانا چاہتی تھی ؟؟ اس حیوانیت بھری دنیا کا کیا اسے نہیں پتہ تھا۔

اس رات مردان کی سڑکوں پر وہ کسی سے بچ کر ہی بھاگ رہی تھی۔۔ اب وہ اپنے محرم سے بچ کر اس حویلی سے بھاگ نکلی تھی۔۔

ارحام کے پورے وجود میں طیش و اشتعال سے شعلے سے بھڑک رہے تھے۔۔

وہ اس کے لیے ضروری تھی۔۔ مگر وہ اس کے لیے اتنی ضروری تھی اسے اندازہ نہ تھا۔۔ اس کے ساتھ کچھ ہو نہ جائے یہ سوچ کر ہی وہ مرنے والا ہو رہا تھا۔۔

اس پر کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔۔۔ کوئی اسے حوس ذدہ نظروں سے نہ دیکھ لے۔۔

سب سے زیادہ یہ سوچ کر ہی وہ بے موت مر رہا تھا۔۔

وہ اس کے لیے پوزیسو تھا۔۔ مگر اس حد تک تھا۔۔ وہ اسے آج اندازہ ہوا تھا۔۔

ارحام نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ اور بڑھائی۔۔

گاڑی اونچے نیچے راستوں اور سڑکوں پر برف کی وجہ سے پھسل رہی تھی۔۔ارحام خانزادہ کے ہاتھوں سے کسی بھی وقت گاڑی کا کنٹرول نکل جانا تھا۔۔وو گاڑی سمیت کسی بھی وقت گہری کھائی میں گر سکتا تھا۔۔

اسے اس وقت اپنی موت کی بھی پرواہ نہ تھی۔۔پرواہ تھی تو صرف اس کی عزت کی۔۔جو اس کی عزت تھی۔۔

یہ تو طے تھا وہ آج اس نازک وجود کو چھوڑنے کا آرادہ نہ رکھتا تھا۔۔اس کا آج اس پہاڑی خان کے ساتھ پالا پڑنے والا تھا جس کا نظارہ اس نے نکاح کی رات کو بھی نہیں کیا تھا۔۔وہ اسے ایسی سزا دینے والا تھا وہ بھول کر بھی کبھی اس کی پناہوں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرتی۔۔

تم نے اچھا نہیں کیا حور۔۔۔۔وہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے بھوکے درندے کی مانند غرا اٹھا تھا۔۔

اندھا دھند برفیلی طوفانی رات میں پاگلوں کی طرح گاڑی چلا رہا تھا۔۔یکدم ارحام کے ہاتھوں سے گاڑی کا کنٹرول چھوٹا تھا۔۔گاڑی سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔سڑک کے ایک طرف گہری کھائی تھی۔۔ارحام نے سٹیرنگ دوسری سائیڈ پر پوری طرح گھماتے ہوئے گاڑی کو اپنے کنٹرول میں کرنے کی کوشش کی۔۔گاڑی کو بریک لگانا مشکل تھا۔۔سڑک پر گری برف کی وجہ سے گاڑی پھسل رہی تھی۔۔ارحام نے پوری جان لگاتے ہوئے سٹیرنگ کو گھمایا تھا.اتنی آسانی سے وہ موت سے شکست نہیں کھا سکتا تھا۔۔جب تک حور کے صیح سلامت ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔اسے

موت نہیں آسکتی تھی۔۔ ارحام کے دل و دماغ پر صرف اس وقت حور سوار تھی۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو اس کا کیا ہو گا؟؟۔۔ یہ ظالم دنیا تو اسے بھنبھوڑ ڈالے گی۔۔ اس کا اس کے سوا کون تھا آخر؟؟

ارحام نے اپنی پوری جان لگاتے سٹیرنگ ایک طرف گھماتے ہوے خود کو بچانے کی کوشش کی تھی۔۔ گاڑی دوسری طرف گھنے درختوں کے جھنڈ سے جا ٹکرائی تھی۔۔۔ گاڑی بہت زور سے سڑک کے دوسری طرف ٹکرائی تھی۔۔ جہاں پہاڑ اور درخت تھے۔۔ گاڑی شدید قسم کا جھٹکا لگنے سے رک گئی تھی۔۔ ونڈ سکرین کا شیشہ تڑخ اٹھا تھا۔۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ارحام کا سر ونڈ سکرین سے جا ٹکرایا تھا۔۔

ارحام کے ماتھے پر گہرا زخم آیا۔۔ جہاں سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔

ارحام نے گہرے سانس بھرتے ٹشو سے اپنے ماتھے کا زخم صاف کرتے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کرتے گاڑی بیک پر لی..

دفعتًا ارحام کا فون رنگ ہوا تھا.. ارحام نے فون اٹھاتے کان سے لگائے گاڑی بیک کی طرف لیتے گاڑی کو موڑا تھا۔

بولو کیا کہنا ہے ؟؟۔۔ فون پر خاموشی محسوس کرتے وہ پوری قوت سے چلا اٹھا۔۔ اس وقت اس کا پوری دنیا کو آگ لگانے کو کر رہا تھا۔ فون پر گل ریز خان تھا جس کی ذراسی لاپرواہی کی وجہ سے اس کی حور حویلی سے باہر چلی گئی تھی۔۔ حور اگر کچھ دیر اور نہ ملتی وہ یقینًا گل ریز خان کے سینے میں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اتار دیتا۔۔

خان صاحب میں نے ابھی سی سی ٹی وی چیک کیے ہیں۔ چھوٹی بی بی حویلی سے باہر نہیں نکلیں۔۔ گل ریز خان ارحام کے چلانے پر مدھم لہجے میں بولا۔۔

اگر باہر نہیں گئی تو کہاں ہے وہ؟؟ وہ فون پر اتنی شدت سے گرجا تھا کہ گل ریز جیسے سخت قسم کے انسان کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوے ۔۔

وہ خان صاحب۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ گل ریز خان بات کرتے کرتے ہچکچایا تھا۔۔

وہ کچھ ہی گھنٹوں پہلے ارحام خانزادہ کی جنونیت سے واقف ہو چکا تھا۔۔ وہ جو بتانے والا تھا۔۔ اس نے کہاں برداشت کرنا تھا۔۔

جلدی بولو۔۔۔ارحام دھاڑا۔۔

وہ چھوٹی بی بی حویلی کے پچھلے لان میں بے ہوش پڑی ہیں۔ گل ریز کی بات پر ارحام نے گاڑی کو یکدم بریک لگائی۔۔

کیا کہہ رہے ہو تم؟؟ارحام سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے طیش و اشتعال سے گرج اٹھا۔

جی چھوٹے خان۔۔۔وہ ادھر بیہوش پڑی ہیں۔۔ گل ریز خان نے آہستگی سے کہا۔۔

میں آرہا ہوں۔۔ تم میں سے کوئی بھی اس طرف نہ جائے۔

کوئی بھی اس کے قریب نہ جائے۔۔۔ارحام نے کہتے ہوے فون بند کرتے گاڑی حویلی کی طرف ڈالی۔۔اس پر کوئی نگاہ بھی ڈالے کہاں گوارا تھا۔

وہ اندھا دھند پاگلوں کی طرح گاڑی بھگا رہا تھا۔۔وہ حویلی میں ہی ہے۔یہ سن کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔۔

مگر وہ اتنی سردی میں حویلی کے پچھلے لان میں بیوش پڑی ہے۔۔برف باری بھی کب سے ہو رہی تھی۔۔اسے کچھ ہو نہ جائے۔۔یہ سوچ کر ارحام کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔۔۔وہ اس وقت حویلی سے دور تھا۔۔مگر اسے کوئی ملازم یا حویلی کا ہی کوئی مرد ہاتھ لگائے ارحام کو یہ گوارا نہ تھا۔۔ارحام نے موبائل پکڑتے امینہ خانم کا نمبر ڈائل کیا۔جو آف جا رہا تھا۔ارحام نے جھنجھلاتے ہوے فون ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا تھا۔

ارحام نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔وہ جلد از جلد اس تک پہنچنا چاہتا تھا۔۔

جو غصہ اور اشتعال حور پر آرہا تھا۔۔اب وہی غصہ اشتعال خود پر آرہا تھا۔۔اس کے دماغ میں کیوں نہیں آیا وہ حویلی میں ہی کہیں ہو سکتی ہے۔۔وہ جتنا اس سے ڈرتی تھی۔اس کی غیر موجودگی میں حویلی سے قدم سے باہر نکالنے کا سوچ نہیں سکتی تھی کجا کہ وہ اس کی موجودگی میں ایسا قدم اٹھاتی۔۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے ہوے گاڑی کی سپیڈ اور تیز کی۔۔

وہ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت بیس منٹ میں طے کر چکا تھا۔۔

وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتے حویلی پہنچا تھا۔۔ گاڑی کے ہارن پر گل ریز خان نے جلدی سے گیٹ کھولا۔۔ ارحام گاڑی سے اترتا تیزی سے حویلی کے پچھلے لان کی طرف بھاگا تھا۔۔

برف کی چادر پر اس کا سیاہ آنچل پڑا اسے دور سے ہی نظر آ گیا تھا۔۔ وہ لمحوں کے ہزارویں حصے میں اس تک پہنچا۔۔۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ لان کی سرسبز گھاس جو اب برف کی چادر سے سفید ہو چکی تھی۔ وہاں پر بے سدھ پڑی تھی۔ سیاہ آنچل سر سے ڈھلکا ہوا تھا۔۔ براؤن سلکی بال چہرے اور لان کی زمین پر بکھرے تھے۔

ارحام نے تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے ٹھنڈے نیلے پڑتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھرتے شدت سے اپنے سینے میں بھینچا۔۔۔ وہ برف سے

بھی زیادہ ٹھنڈی تھی۔۔ ارحام گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے اس کے وجود کو اپنے سینے سے لگائے ہوے تھا۔۔

ارحام نے اسے ذرا سا خود سے الگ کرتے دیوانوں کی طرح اس کے بالوں اور اس کے چہرے پر گری برف صاف کی۔۔ وہ اس کے ٹھنڈے سفید چہرے پر اپنے ہاتھ نرمی سے پھیرنے لگا۔۔۔ اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔۔ یہ دیکھتے وہ پھر سے پاگلوں کی طرح اسے اپنے سینے میں سما گیا تھا۔۔ جیسے اس کے بدن کو گرمائش پہنچا رہا ہو۔

ارحام نے اسے اپنے سینے میں سماتے اس کی دھڑکنیں چیک کرنے کی کوشش کی۔۔جو بہت مدھم چل رہی تھیں۔وہ جلدی اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے حویلی کے پچھلے لان کی طرف کھلتے دروازے کی طرف بڑھا۔۔

اس کے مضبوط مردانہ قدموں میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔۔

مینہ خانم پریشانی سے لاونج میں بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ان کے لب مسلسل ورد کی صورت میں ہل رہے تھے۔۔وہ دوپٹے کے گوشے سے بار بار اپنی نم آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔ارحام جتنے غصے میں گیا تھا۔۔کچھ بعید نہ تھا۔۔وہ حور کو نقصان پہنچا دیتا۔۔ارحام کی آنکھوں میں انہوں نے عجیب سی جنونیت دیکھی تھی۔وہ سمجھ گئی تھی حور اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے؟؟

۔۔پلوشہ ان کی طبعیت کے پیش نظر ان کے پاس بیٹھی کب سے ان کے بازو دبا رہی تھیں۔۔۔

اس وقت زنان خانے میں امینہ خانم پلوشہ اور درخشاں پریشانی کے عالم میں بیٹھی کچھ انہونی نہ ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ ارحام کو غصے میں دیکھ کر ہی

درخشاں کا نازک دل کانپ رہا تھا۔۔ وہ جانتی تھی ارحام جتنا نرم طبعیت کا مالک ہے۔ اتنا ہی سخت بھی ہے۔۔ حور سے نکاح کے بعد وہ بلکل بدل کر رہ گیا تھا۔۔ حور کا اس طرح حویلی سے بھاگنا چھوٹی بات نہ تھی۔۔ جو ارحام خانزادہ اسے معاف کر دیتا۔۔ وہ ایک خانزادہ تھا اپنی عزت پر ایک حرف برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔

درخشاں تب سے ہی زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ حور کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھی۔ ان چند مہینوں میں وہ حور سے بہت محبت کرنے لگی تھی۔ حور بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔۔

اسی لیے حور اب شائد اسے خود سے بھی زیادہ عزیز تھی۔۔

حور حویلی میں نہیں ہے۔ گھر میں ابھی کسی بھی مرد کو خبر نہیں ہو سکی تھی۔ اربد خان درید خان اور سمیع اللہ مردانے میں بنے کمروں میں سو رہے تھے۔ شہرام اور اسفند اپنے اپنے کمروں میں موجود تھے۔۔ امینہ خانم نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ وہ جانتی تھی جتنا غصے میں ارحام تھا اگر گھر کے کسی اور مرد کو حور کی گمشدگی کا پتہ چلتا وہ لوگ بھی اس طرح ری ایکٹ کرتے۔ یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ حویلی کی عورت آدھی رات کو حویلی سے باہر نکل گئی تھی۔۔

امینہ خانم اپنی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے رگڑتے حور کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں کہ ارحام اس کے ساتھ کچھ برا نہ کر ڈالے۔۔ امینہ خانم کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔

معًا ارحام حور کو بانہوں میں اٹھائے زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔ امینہ خانم جلدی صوفے سے اٹھی تھیں۔ درخشاں بے تابی سے ارحام کی طرف بڑھی۔۔

کیا ہوا لالا بھابھی کو؟؟ درخشاں نے پاس جا کر روتے ہوئے پوچھا۔۔

دور رہو حور سے تم۔۔۔ ارحام نے اسے آگے بڑھتے دیکھ کر سرخ آنکھوں سے گھورا۔۔

درخشان سہمتے ہوئے وہیں پر رک گئی تھی۔۔۔

امینہ خانم بھی ارحام کی آنکھوں سے ٹپکتی وحشت دیکھ کر وہیں پر سٹل ہوئیں تھیں۔

سارادن تم حور کے ساتھ ہوتی ہو۔وہ بخار کی حالت میں پچھلے لان کی طرف چلی گئی۔۔ تمھیں خبر ہی نہیں ہو سکی۔ آئندہ حور کے قریب بھی مجھے نظر مت آنا۔۔۔ دفعہ ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے تم۔۔۔

درخشاں ارحام کے غصے سے گھبراتے ہوے اپنے آنسو صاف کرتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

ارحام درخشاں پر قہر بھری نگاہ ڈالتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

ارحام نے کمرے میں داخل ہوتے ہی حور کے نازک مخملی وجود کو بہت نرمی سے بیڈ کے درمیان لٹایا۔۔

سفید چہرے پر نیلے رنگ کی امیزش شامل تھی۔۔ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔ اس کا بدن بھیگا ہوا تھا۔۔

ارحام نے اس کے وجود سے چادر علیحدہ کی۔۔ جو بھیگ چکی تھی۔ حور کے تمام کپڑے ہی تقریباً بھیگ چکے تھے۔۔ ارحام نے دروازہ بند کرتے کمرے کا سینٹرل ہیٹر آن کیا۔

اس کے بھاری قدموں کا رخ ڈریسنگ روم کی جانب تھا۔

ڈریسنگ روم سے حور کے لیے ایک گرم سوٹ نکال کر لاتے وہ اس بیہوش وجود کی طرف بڑھا۔۔۔جو اس طرح بے سدھ پڑی اس کی جان نکال رہی تھی۔۔

ارحام نے بیڈ پر بیٹھتے اسے کمر سے تھامتے اسے اوپر اٹھایا تھا۔۔۔بہت احتیاط اور نرمی سے وہ حور کے کپڑے چینج کر رہا تھا۔یہ پہلی مرتبہ تھا وہ اسے ایک کانچ کی گڑیا کی مانند چھو رہا تھا۔۔جیسے ذرا سی ٹھیس لگنے سے وہ ٹوٹ ہی نہ جائے۔۔وہ بھلا کب کلیوں سے بھی زیادہ اس نازک مرمریں وجود کو ایسے چھوتا تھا۔

وہ بے اختیاری میں اس پر جھکتے اس کے چہرے پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔اس کے لب بے قراری سے اس کے ایک ایک نقش پر محو رقص تھے۔۔۔اس کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے اس کے چہرے سے

بھیگی لٹوں کو نرمی سے پیچھے کیا تھا۔۔اس کے بے جان وجود کو پریشانی سے دیکھتے وہ اس کے پاس ہی دراز ہو گیا تھا۔

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بے جان وجود کو شدت سے اپنے سینے میں بھینچتے اپنے اور اس کے اوپر کمبل اچھی طرح اوڑھایا۔۔۔وہ اسے کے سینے کے ساتھ لپٹی کمبل میں چھپ چکی تھی۔وہ اسے سینے میں بھینچے بہت نرمی سے اس کی کمر سہلانے لگا۔

اس کا جسم برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔۔گرم کمبل اور گرم ہیٹر سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔۔

وہ ویسے ہی بے سدھ پڑی تھی۔۔ ارحام نے کمبل اس کے چہرے سے ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔۔ وہ ویسا ہی سفید تھا۔

ہونٹوں کی نیلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی.. ارحام نے اپنی جیکٹ اور ٹی شرٹ اتارتے دور اچھال دی تھی۔۔ وہ اسے پھر سے اپنے سینے میں بھینچتے اس کے بدن کی ٹھنڈک کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔

مگر اس کا وجود تو برف کی مانند یخ ٹھنڈا تھا۔۔ جسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔

پھر کچھ عجیب ہوا۔۔ ارحام اسے بیڈ پر لٹائے حور کے پیروں کی طرف بڑھا تھا۔۔

اس کے پیروں کے پاس بیٹھتے وہ اس کے پیروں کے تلوں کو رب کرنے لگا۔۔ ارحام خانزادہ جو اس کے لیے صرف سفاک بے مہر جابر تھا۔۔ اب وہ اس لڑکی کے پیروں میں بیٹھا اس کے پیروں کے تلوے رگڑ رہا تھا۔۔

اس وقت وہ کہیں سے بھی وہ ارحام خانزادہ نہیں لگ رہا تھا۔۔ جس کے لیے یہ لڑکی صرف اس کی ضرورت یا دل بہلانے کا ذریعہ تھی۔ ارحام خانزادہ کے چہرے پر ایک خوف کی تحریر رقم تھی۔۔۔ اس کے خوبرو چہرے پر اسے کھونے کا واضح ڈر تھا۔۔

وہ کافی دیر تک اس کے پیروں کے تلوے رب کرتا رہا تھا۔

جانے کتنی دیر تک وہ اسے ایسے گرمائش پہنچاتا رہا۔۔ مگر ٹھنڈک جیسے اس کے بدن کا حصہ بن گئی تھی۔ ارحام خانزادہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھتے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ جو ابھی بھی مردے کی مانند سفید تھا۔

ارحام کے دل کو مٹھی میں جکڑا تھا جیسے کسی نے۔۔کب دیکھا تھا اس کا ایسا چہرہ۔۔۔۔ہمیشہ ہی تو اس کے گال سرخ ہوتے تھے۔۔چاہے اس کی شدتیں نچھاور کرنے پر ہوں یا پھر اس کے ڈانٹنے پر۔۔۔وہ ہمیشہ سرخ ہوتی تھی۔۔ارحام کی کانپتی انگلیاں اس کے ہونٹوں کو سرسرا گئی تھیں۔

ہونٹ ابھی بھی نیلے تھے۔ اس کا بدن یخ ٹھنڈا تھا۔

کم ان حور۔۔۔۔۔آنکھیں کھولو۔۔ورنہ جان سے مار ڈالوں گا تمھیں۔۔۔

ارحام نے اس کی ہتھلیاں رب کرتے حلق کے بل چیختے ہوے کہا۔۔۔وہ اسے مزید ایسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

حور کے ٹھنڈے وجود کو دیکھتے ارحام حانزادہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔۔بیڈ پر پڑی لڑکی کو کھونے کا ڈر اس کے دل میں بڑھتا جا رہا تھا۔۔اپنی زندگی میں کبھی کسی لمحے اس نے خود کو بے بس نہیں محسوس کیا تھا۔

جب گل کو طلاق دی تھی۔۔تب بھی اس نے ایسے خود کو بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔۔پریذے کو تلاش کرتے وقت بھی اتنی بے بسی محسوس نہیں کی تھی۔۔جتنی وہ آج محسوس کر رہا تھا۔۔کسی قیمتی متاع کو کھونے کا احساس اس کے رگوں جاں میں اتر رہا تھا۔۔۔

ارحام اب بے قراری سے اس کے چہرے پر جھکا۔۔براؤن سنہری سلکی بال کمر اور اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے۔۔نرم و ملائم شفاف چہرہ۔۔۔ملکوتی نقوش۔۔۔وہ جتنی حسین تھی..اتنی ہی معصوم

تھی۔۔اس کے ساتھ رہتے اندازہ ہو چکا تھا۔۔وہ نہ صرف کم سن تھی بے حد معصوم بھی تھی۔۔

ارحام نے ہاتھ بڑھا کر بہت نرمی سے اس کے بال اس کے عارض سے پیچھے کرتے اس کے کان کے پیچھے اڑسے۔۔

وہ اس کے نیلے لبوں پر جھکتے انھیں اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔۔وہ بے قراری سے اس کے لبوں کو اپنی گہری شدت کا نشانہ بنائے ہوے تھا۔۔

کیا نہیں تھا اس کی شدت میں... ڈر خوف غصہ۔۔۔ دیوانگی۔۔ وہ اپنے اندر اٹھتے اضطراب غصے اشتعال کو اس کے نازک لبوں پر اتارتے اس کی سانسوں کو بے رحمانہ طریقے سے گھونٹ گیا تھا۔۔..

وہ اس کی شدت سے نیم بیہوشی میں سسک کر رہ گئی تھی۔۔

ارحام اسے سسکتے دیکھتا پیچھے ہوا۔۔

بہت غلط کیا تم نے حور۔۔۔ بہت غلط کیا۔۔ تمھیں اس کی بہت سفاک سزا ملے گی۔۔ یہ زندگی یہ جان اب تمھاری نہیں۔۔ ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ میری ملکیت ہو تم۔۔ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک تم پر صرف میرا حق ہے۔۔۔ تمھیں تکلیف دینے کا تمھیں اذیت پہنچانے کا حق بھی صرف ارحام خانزادہ کو ہے۔۔

تم نے جرات بھی کیسے کی؟؟.. خود کو یوں اذیت دینے کی۔۔ خود کو یوں تکلیف دینے کی۔۔ ارحام اس کے چہرے پر جھکے غرایا تھا۔۔

ایک مرتبہ ہوش میں آجاؤ تم۔۔۔ تم سے میں حساب ضرور لوں گا۔۔ بہت سفاک سزا ملے گی تمھیں۔۔ میری آجازت کے بغیر تم نے کھلے آسمان کے نیچے قدم کیوں رکھا؟؟۔۔ منع کیا تھا تمھیں کہ تم کھلے آسمان کے نیچے نہیں جاؤ گی۔۔ ارحام اس کے بیہوش وجود کو جھنجھوڑتے غصے سے پاگل ہوتے چلایا تھا۔۔

کہا تھا تم سے۔۔۔ تمھارا اب تک پہاڑوں میں رہنے والوں سے واسطہ نہیں پڑا۔۔۔

بتاؤں گا تمھیں ایک خان کی بیوی بننا کیسا ہوتا ہے؟؟۔ ان اونچی دیواروں والی حویلی میں سسک سسک کر مر جاؤ گی۔۔ مگر یہاں سے رہائی ممکن نہیں ہو گی۔۔ ارحام اس کے نرم و ملائم چہرے پر ہاتھ پھیرتے اس کے کان میں پھنکارا۔۔۔

لیکن اب ایک چیز کا اضافہ کر لو۔۔ سمجھ لو میری بات۔۔ تمھیں تو اب میں مرنے بھی نہیں دوں گا۔۔ تمھاری سانسوں پر بھی صرف میرا حق ہے۔۔ صرف میرا۔۔۔ تمھیں اب تا عمر میری پناہوں میں رہنا ہو گا۔ میرا جنون میری شدتیں برداشت کرنی ہوں گی۔۔ وہ اس کے کان کی لو کو دانتوں سے کاٹتا غرایا۔۔

ریموٹ سے کمرے کی لائٹس بجھاتا وہ اس کے اور اپنے درمیان تمام پردے ہٹاتا چلا گیا تھا۔۔اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کرتے وہ اپنی تمام شدتیں اس میں انڈیلتے چلا گیا تھا۔ بھیگتی رات میں آج بھی ارحام کی شدتیں عروج پر تھیں۔اس کا ٹھنڈا نازک بیہوش وجود ارحام کی پناہوں میں آہستہ آہستہ زندگی کی طرف آرہا تھا۔۔

اسفندیار بیڈ پر الٹا لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔۔کمرے میں نیم اندھیرہ چھایا تھا۔۔کمرے میں ہلکی ہلکی کھٹر پٹر سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔یہ آوازیں اسفندیار خان کی طبعیت پر کافی ناگوار گزری تھیں۔۔وہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو سویا تھا۔۔وہ دراز قد چوڑے کسرتی ورزشی جسم کا مالک تھا۔۔صوفے پر

سونا اس کے لیے کافی مشکل تھا۔۔عابیر صبح فجر کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھی تو وہ بیڈ پر آکر سویا تھا۔۔

اسفند نے مندی مندی آنکھیں کھولتے اپنے موبایل کی سکرین پر نظریں دوڑائیں۔۔جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔۔

اسفند نے سیدھے ہوتے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔وہ اپنے موبائل کی ٹارچ آن کیے ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تھی۔۔سفید یونیفارم پہنے ہوے تھی۔۔تازہ تازہ شاور لیا ہوا تھا۔اس لیے سنہری بالوں سے پانی ٹپک ٹپک کر پشت کو بھگو رہا تھا۔۔وہ گیلے سنہری الجھے ہوے بالوں میں بہت بے دردی سے برش کر رہی تھی۔۔یہ سب بہت عجلت میں کر رہی تھی۔۔اس لیے شائد وہ عجلت میں گیلے بدن پر ہی یونیفارم پہن آئی تھی۔۔اسفند نے محسوس کیا وہ بار بار بیڈ کی طرف بھی نگاہ ڈال رہی تھی۔۔اسے سوتا سمجھ کر

وہ مطمئن ہوتے پھر سے اپنا کام کرنے لگ جاتی۔۔وہ پوری کوشش کر رہی تھی کمرے میں ذرا سا بھی کھٹکا نہ ہو۔۔یقیناً وہ اس سے چھپ کر کالج جا رہی تھی۔۔اس نے جلدی جلدی برش کرتے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا۔۔وہ ہڑبڑاہٹ میں زمین پر گر گیا تھا۔عابیر نے سینے پر ہاتھ رکھے گہرے سانس بھرتے پلٹ کر اسفند کی طرف نگاہ کی۔۔اسفند اپنی مسکراہٹ دبائے آنکھیں بند کر گیا تھا۔۔

وہ اطمینان کا سانس خارج کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔وہ اب مرر میں دیکھتے دھڑکنوں کے مقام پر ہاتھ رکھے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔اسفند اسے ایک ٹک دیکھے گیا۔۔اس کے نشیب و فراز میں ہلچل اسفند کے دل و دماغ میں طغیانی بھرپا کر گئی تھی۔۔اپنے نکاح کی پہلی رات کا منظر اس کے

حواسوں پر چھاتا اسے بے چین کر گیا تھا۔ اس کندن سے سنہری نازک بدن کے پور پور کو وہ اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔۔

اسفند نے گہری نگاہ اپنی بیوی پر ڈالی تھی۔۔ پورے استحقاق سے اس کے سراپے کو گہرائی سے ماپا تھا۔

اس کے سنہری سلکی بال جو اب سلجھ چکے تھے۔ وہ اس کی نازک بل کھاتی کمر پر لہرا رہے تھے۔

اسفند مسکراتے ہوئے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔۔ جو موبائل کی ٹارچ کی ذرا سی روشنی میں تیار ہو رہی تھی۔ اسے تو آج پتہ چلا تھا اس کی بہادر بیوی اس سے

ڈرتی بھی ہے۔۔اس کے اٹھنے سے پہلے وہ کالج جانا چاہتی تھی۔۔۔وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

وہ بلکل ٹین ایج لڑکیوں کی طرح معصوم سی حرکتیں کر رہی تھی۔۔اسفند کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ چھائی۔۔وہ ابھی انیس کی نہیں ہوئی تھی۔۔ٹین ایج تو ہی تھی۔۔اسفند یہ سوچ کر اب گہرا مسکرایا تھا۔

خود پر ڈھیر سارا پرفیوم چھڑکنے کے بعد وہ مرر میں دیکھتے ہوے اب اپنے لبوں پر لپ سٹک لگا رہی تھی۔۔اسفند اب چونکا تھا۔۔وہ کالج جا رہی تھی اور اتنا تیار ہو رہی تھی۔۔

اسفند نے سرد نگاہ اس کے حلیے پر ڈالی۔۔ پورا یونیفارم پشت سے بھیگا ہوا تھا۔۔ جو سینے سے بھی بھیگا ہوا تھا۔۔ جس کے باعث اس کی دودھیا پشت اور خدوخال بھی قمیض سے عیاں ہو رہے تھے۔۔

عابیر نے سفید دوپٹہ پاس پڑی چیئر سے اٹھائے سینے پر اچھی طرح پھیلایا ۔۔۔اب وہ آنکھوں میں کاجل کی باریک سی تہہ لگا رہی تھی۔۔

اسفندیار خان کا ضبط جواب دے چکا تھا۔۔ وہ اتنا تیار ہو کر کالج جا رہی تھی۔۔ اس کی اتنی تیاری برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔ بے شک وہ گرلز کالج جاتی تھی۔۔ مگر اتنی تیاری اوپر سے وہ ہیزل گرے کانچ سی آنکھوں کو اور سجا چکی تھی۔۔

ان آنکھوں کو بھلا سجانے کی کیا ضرورت تھی؟؟۔۔ وہ ان آنکھوں کو سجا ہوا بلکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

اور پورا یونیفارم بھیگا ہوا تھا اس کا تمام بدن جھلک رہا تھا۔ جس کی شائد اسے رتی برابر پرواہ نہیں تھی۔۔

اسفند بیڈ سے اٹھتا غصے سے اس کی طرف بڑھا۔۔ وہ مرر میں دیکھتے اپنا موبائل پکڑے رخ پلٹی ہی تھی اسفند کے چوڑے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی ۔۔۔ موبائل زمین بوس ہوا تھا۔۔

اسفند زمین پر گرے موبائل کو ایک نظر دیکھتے اس کے قریب ہوا۔۔ وہ پیچھے کو ہوتی ڈریسنگ مرر کی ٹیبل سے جا لگی۔۔

وہ اب کاجل لگی ہیزل گرے آنکھوں سے اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

کہاں کی تیاری ہے ؟؟وہ بھی اتنا سج دھج کر۔۔۔اسفندیار خان نے مزید اس کے قریب ہوتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔سج دھج پر کافی زور دیا تھا۔

کالج جا رہی ہوں۔۔عابیر ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے بولی۔وہ پیچھے کو ہوتی مزید ٹیبل میں سمائی تھی۔۔

منع کیا تھا تم کالج نہیں جاؤ گی۔۔اسے پیچھے کو ہوتے دیکھ کر وہ اسے کمر سے تھامے جھٹکے سے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔اس کا یوں گریز برتنا پسند نہیں آیا تھا۔۔

وہ اس کے جھٹکے سے تھامنے پر اس کے سینے میں آن سمائی تھی۔۔

اس کے بدن سے اٹھتی بھینی روح پرور خوشبو سے وہ پاگل سا ہوا تھا۔۔

میں نے بھی آپ سے کہا تھا کہ میں کالج ہر حال جاؤں گی۔۔عابیر اپنی ہیزل گرے آنکھیں اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں گاڑھتے ہوے بولی۔۔

ان نیلی سحر زدہ آنکھوں نے کس طرح اس پر جادو کیا تھا۔۔وہ وہی جانتی تھی۔۔اسفندیار خان کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو اسے اپنے حواسوں پر طاری ہوتی محسوس ہوئی۔۔وہ ایک ٹک اس جادوگر کو دیکھے جا رہی تھی۔۔جو اس کا سب کچھ لوٹ کر لے گیا تھا۔۔دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے تھے۔۔عابیر نم زدہ نگاہوں سے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔۔وہ شعلہ بار نگاہوں سے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں سجا کاجل دیکھ رہا تھا۔۔یہ کاجل اسے ان آنکھوں میں زہر لگ رہا تھا۔۔کیونکہ ان میں کاجل لگانے کے بعد وہ اور قاتلانہ ہو چکی تھی۔

کالج اتنا تیار ہو کر جاؤ گی۔۔ اسفند اس کی کمر پر دباؤ ڈالتے اب کی بار غرایا تھا۔ نظریں اب اس کے گلابی لپ سٹک سے سجے ہونٹوں پر تھیں۔۔۔

گرلز کالج ہے۔۔ سب لڑکیاں اتنا ہی تیار ہو کر آتی ہیں۔ عابیر نے اب کی بار بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

وہ کم ہی اس کے سامنے اپنی نظریں جھکاتی تھیں۔ ہمیشہ اس کی آنکھوں میں ڈالے باتیں کرتی تھیں۔

ابھی بھی وہ بنا پلکیں جھپکائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔ اسفند اس کے یوں دیکھنے پر جھنجھلا گیا تھا۔۔

عابیر کے دل کی دھڑکنیں اسے اپنے کانوں میں بجتی سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے حصار میں اس کے شفاف عارض تپ کر آنار ہو رہے

تھے۔۔ مگر وہ اپنی نظریں نہیں جھکا رہی تھی۔۔ اسفندیار خان کو اس کا اتنا اعتماد سخت زہر لگتا تھا۔۔ اور یہ ہیزل گرے کانچ سی آنکھیں تو اسے نکاح کی رات کو بھی سخت زہر لگی تھیں۔ جب اس کے تھپڑ مارنے پر وہ شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔ ان میں غم اضطراب بے یقینی پھیلی تھی۔۔ مگر جھکی نہیں تھیں۔ وہ ایسے ہی اس رات بھی اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

اچھا اتنا تیار ہو کر آتی ہیں لڑکیاں۔۔۔ اسفند نے طنزیہ لفظ چباتے ہوئے اس کا دوپٹہ کھینچ کر اتارا تو عابیر نے سرخ ہوتے غصے سے اسفند کو دیکھا تھا۔

مجھے ان شعلہ اگلتی آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے ذرا نظریں جھکا کر خود کو دیکھ لو تو یقیناً یہ آنکھیں شعلے اگلنے کی بجائے شرم سے جھک جائیں گی۔

اسفند نے طنزیہ نگاہ اس کے گیلے بدن پر ڈالتے اس کا رخ موڑے اسے ڈریسنگ مرر کے سامنے کیا۔

ساتھ ہی پاس لگے سوچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی۔۔۔۔

کمرے میں پھیلی دودھیا تیز روشنی میں عابیر کا کندن سا سراپہ ڈریسنگ مرر کے سامنے دمک اٹھا تھا۔

عابیر ڈریسنگ مرر میں خود کے سراپے پر نگاہ ڈالتے اب کی بار نظریں جھکا گئی تھی۔۔ بھیگے یونیفارم میں سب کچھ تو عیاں تھا۔۔ اوپر سے اسفندیار جن نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔ اس کے شفاف عارض مزید دہکتا تندور بنے تھے۔۔ پلکوں کی گھنی جھالر اب سرخ عارض پر سجدہ ریز تھیں۔

اپنے گھنے سنہری لمبے بالوں کو بنا خشک کیے اس نے یونیفارم زیب تن کیا تھا۔۔ گیلے بالوں سے ٹپکتا پانی اسے اچھا خاصہ بھگو چکا تھا۔۔ وہ اپنی بیک پر کھڑے اسفندیار کو دیکھتے وہاں سے کتراتے ہوئے جانے لگی۔۔ وہ اس کی راہ میں حمائل ہوتے اس کے راہ فرار کے تمام راستے مسدود کر چکا تھا۔۔

مجھے تمھارے کالج جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔ تمھیں کالج کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں بھی نبھانی ہیں۔ ان میں کوتاہی میں برداشت نہیں کر سکتا ۔۔۔ سب سے بڑھ کر مجھے مورے کی طرف سے تمھاری کوئی شکایت نہیں ملنا چاہیے۔۔ انھیں آگے تم سے بہت شکائت ہیں۔ آج سے ان کا ہر کام تمھارے ذمہ ہے۔۔۔ کوشش کرو انھیں تم خوش رکھ سکو۔ بابرک کے جانے کے بعد وہ تلخ ہو چکی ہیں۔ تمھارے ساتھ ان کا تلخ ہونا جائز بھی ہے۔۔ انہوں نے اپنا بیٹا اور میں نے اپنا بھائی کھویا ہے۔۔ اور تمھیں دیکھنے کے بعد کھونے کا یہ احساس زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھے مخاطب تھا۔۔

یقدم بابرک کا چہرہ نظروں میں سمایا تھا۔

اسفندیار خان کی نیلی آنکھیں سرخ ہوئیں۔۔۔زاران خانزادہ کے زہریلے الفاظ سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

"بابرک کی موت نا صرف اس حویلی کے لیے بلکہ عابیر کی زندگی میں بھی سکون لے کر آئی ہے۔۔اگر بابرک زندہ رہتا تو عابیر شائد اسی طرح سولی پر لٹکی رہتی۔۔بابرک کا انجام یہی تھا۔۔اچھا ہوا اسے پیروز نے مار دیا"

یہ لفظ نہیں نوکیلے بھالے تھے۔۔جو اسفندیار خان کے دل کو ہر ٹائم فگار کرتے رہتے تھے۔۔

اس کے بھائی جیسے دوست نے اس کے بھائی کو مار دیا۔۔صرف اپنی بہن کو اس رشتے سے بچانے کے لیے جو بابرک سے نکاح کی صورت میں اسے سولی پر لٹکائے ہوے تھا۔۔

اسے اپنی بہن کو بچانا تھا تو اس سے بات کرتا وہ اپنی جان دے کر بھی اپنے دوست کی بہن کو بچاتا۔۔ مگر اس کے دوست نے خود غرضی دکھاتے اس کے چھوٹے بھائی کو مار دیا۔۔ اور وہ کتنا کم ہمت تھا۔۔ ابھی تک اس زاران خانزادہ کو مار نہ سکا تھا۔۔ اس کی پسٹل میں موجود گولیاں اس کے سینے کو چیر نہ سکی تھیں۔

کیوں وہ اس کی بہن کو اپنی عزت بنا بیٹھا تھا؟؟۔۔ کیوں وہ سامنے کھڑی لڑکی کو تکلیف نہیں دے پاتا تھا؟؟۔۔ کیوں وہ ان بہن بھائیوں جیسا سفاک نہ تھا؟؟۔۔ کیوں وہ ان جیسا سفاک نہیں بن پا رہا تھا؟؟۔۔ اسفند یکدم ڈریسنگ کی طرف مڑتے اپنا ہاتھ شیشے پر مارتا چلا اٹھا۔۔۔

ڈریسنگ مرر کا شیشہ تڑختا اس کے ہاتھ کو زخمی کر گیا۔۔۔ عابیر اس کے ہاتھ سے ٹپکتے خون کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھی۔ اسفند کی سرد سرخ نظر پر وہ

وہیں پر منجمند ہوئی۔۔۔وہ لہو اتری آنکھوں سے اسے دیکھتا تنبیہ انداز میں اسے اپنے قریب آنے سے روک چکا تھا۔۔

وہ گہرے سانس بھرتا ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا سا جھکتے اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔جو اسے اپنے پاس کھڑی لڑکی پر آرہا تھا۔کچھ بعید نہ تھا وہ اسے تہس نہیس کر کے رکھ دیتا۔۔

جاؤ تم یہاں سے۔۔۔اسفند نے مرر میں دیکھتے سرد لہجے میں عابیر کو حکم دیا۔۔اسی پل سود و زیاں کا حساب بہت بڑھ گیا تھا۔۔ نظروں کے سامنے اس کے بھائی کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔

عابیر اسفندیار خان کے زخمی ہاتھ کو نم زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

جاؤ یہاں سے۔۔۔۔اس سے پہلے میں اپنے اندر کا چھپا درد اپنی بے بسی تمھارے وجود پر اتار دوں۔۔چلی جاؤ یہاں سے۔۔اسفند مرر میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتے بے حد مدھم لہجے میں بولا۔۔عابیر نے بمشکل ہی اس کے لفظ سنے تھے۔

عابیر اس کی بات سنی ان سنی کرتے دھیمے قدموں سے اس کی طرف بڑھی ۔۔وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔۔

جاؤ یہاں سے تم نے سنا نہیں۔۔۔۔اسفند سیدھا ہوتے حلق کے بل چلایا۔۔عابیر اس کے چلانے اور اس کی آنکھوں سے ٹپکتی خون کی لالی دیکھ کر جی جان سے لرز اٹھی۔۔۔

مگر وہ رکی نہیں تھی۔۔

وہ اس کی طرف بڑھتے اس کا زخمی ہاتھ تھام گئی۔۔ اپنے کالج کا دوپٹہ اس کے خون بہتے ہاتھ پر رکھتے اس کا خون روکنے کی کوشش کی۔

اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنسو لڑیوں کی صورت میں بہہ رہے تھے۔۔ وہ اس کا زخمی ہاتھ دیکھتے اپنے گلابی لب کاٹتے اپنے آنسو روکنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔

کیوں یہ ناٹک کر رہی ہو؟؟ جیسے تمھیں میری تکلیف پر بہت تکلیف ہو رہی ہے۔۔ بھولو مت۔۔۔ تم مجھے نکاح کی رات کو بہت بے دردی سے چاقو مار چکی ہو۔ تم اور تمھارا بھائی صرف سفاکی برت سکتے ہیں۔۔ اس لیے یہ ڈرامہ مت کرو میرے سامنے۔

اسفند عابیر کے چہرے پر تڑپ دیکھ کر استھزائیہ مسکرایا تھا۔ اپنا ہاتھ اس کے نازک ہاتھ سے کھینچتے اس کا سرخ دوپٹہ دور اچھال چکا تھا۔

اس رات اور آج میں بہت فرق ہے۔۔عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی لہجے میں سسکاری بھرتے بولی۔۔

کیا فرق ہے؟؟اسفند اسے خود سے دور اچھوت کی طرح جھٹکتا نفرت امیز لہجے میں گویا ہوا۔۔

وہ اس کے جھٹکنے پر بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔۔خود کو سنبھالتے گہرے سانس لیے تھے۔

آپ نہیں سمجھیں گے۔۔عابیر بھیگی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے سفاک انسان کو دیکھتے رخ پلٹے وہاں سے جانے کے لیے مڑی۔۔وہ اس سفاک بے مہر انسان کے سامنے مزید نہیں ٹھہر سکتی تھی۔۔جو اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتے بھی انجان بننے کی کوشش کرتا تھا۔

وہ اس کے بات ادھوری چھوڑنے اور اس کی آنکھوں کی نمی دیکھتا تلملا اٹھا تھا۔ وہ اتنی معصوم تو ہرگز نہ تھی۔۔ جتنی بننے کی کوشش کرتی تھی۔۔

اسفند یکدم اسے کمر سے جکڑے دیوار میں پٹخ چکا تھا۔۔

اسفند نے اسے اتنی دردی سے دیوار میں پٹخا تھا کہ اس کی کمر میں شدید درد نے سرایت کیا تھا۔ جسے وہ لب کچلتے برداشت کر گئی تھی۔۔ مگر آنکھیں اس کے دیے ہوے درد سے شدت گریہ سے گلابی ہوتے چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

میں سب سمجھتا ہوں۔۔ تمھیں لگتا ہے کہ تم اپنی معصومیت سے اپنی خوبصورتی سے اپنے ان جھوٹے آنسوؤں سے میری محبت میری قربت حاصل کر پاؤ گی تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔

تمھارا بھائی تمھیں تا عمر سولی پر لٹکانے سے بچانا چاہتا تھا۔۔ اب میں تمھیں لٹکاؤں گا سولی پر۔۔۔ انتظار کی سولی پر۔۔۔ وہ اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا سفاکی سے مسکرایا۔۔

شوہر کے ہوتے ہوے بھی بیوگی کی زندگی گزارو گی۔۔ یہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔ تمھیں اور تمھارے سفاک بھائی کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔ اسفند اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے غرایا تھا۔۔۔

سفاک میں اور میرا بھائی نہیں۔۔۔بلکہ آپ ہیں۔اور آپ کا وہ بھائی تھا۔۔جو ظالم اور درندہ تھا۔۔عابیر اسفند کی بات پر زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا اٹھی تھی۔۔

عابیر۔۔۔۔۔خبردار میرے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی کہا۔۔زبان کھینچ ڈالوں گا۔۔اسفند عابیر کے اطراف میں مکہ مارتے دھاڑا۔۔

کھینچ ڈالیں پھر میری زبان حلق سے۔۔کیونکہ اپنے بھائی کی سچائی آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔۔وہ ایک قاتل تھا۔وہ ریپسٹ تھا جسے اچھا کیا میرے بھائی نے مار دیا۔۔۔

عابیر۔۔۔۔۔وہ پوری قوت سے اپنے بھاری ہاتھ کا نشان اس کے شفاف عارض پر چھوڑ چکا تھا۔۔

بھاری تھپڑ کی گونج سے کمرے کے درودیوار لرز اٹھے تھے۔

عابیر کا نازک ہونٹ اس کے بھاری ہاتھ کی شدت سے زخمی ہو چکا تھا۔۔

نازک گلابی گال پر اس کی انگلیاں بے رحمی سے گہری چھاپ چھوڑ چکی تھیں۔

تھپڑ اتنا شدید تھا کہ عابیر کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھاتا محسوس ہوا۔۔

اس کی غیر ہوتی حالت اسفندیار نے بھی محسوس کی تھی۔

وہ اپنی بند آنکھیں کھولتے گہرے سانس بھرتے بھیگی نگاہوں سے اسفند کو دیکھ رہی تھی۔۔ اسفند اس کی حالت دیکھتا لب بھینچے اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔۔

عابیر کے نازک سوجے ہوئے گال کو دیکھتے اس کا ہاتھ بے اختیار اس کے زخمی ہونٹ کے کنارے پر آن آٹھہرا۔ جہاں سے خون رس رہا تھا۔۔

عابیر اس کا ہاتھ جھٹکتے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔

وہ کافی دیر تک وہیں پر پتھر بنا کھڑا رہا تھا۔۔ نظریں بے اختیار ڈریسنگ روم کے بند دروازے کی طرف اٹھی تھیں۔۔۔ اسفند نے پوری قوت سے اپنا

زخمی الٹا ہاتھ دیوار پر دے مارا۔۔۔خون کی چھینٹیں اڑتے ہوئے اسفند کے چہرے پر اڑی تھیں۔ جنھیں وہ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

احام بلیک شلوار قمیض میں ملبوس ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ بہارے واش روم سے شاور لے کر نکلی تھی۔۔پرپل کلر کی گرم فراک جس پر سینے سے گہری چنٹیں پڑی تھی۔۔ملبوس تھی۔۔

بہارے نے بھیگی نگاہوں سے گھورتے ہوئے شہرام کی چوڑی پشت کو دیکھا

۔۔

وہ رات رات بھر اپنی پناہوں سے اسے آزادی بخشتا نہ تھا۔ وہ شاور لے کر فجر کی نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ تین گھنٹوں کی بمشکل نیند لی تھی۔۔ شہرام کی بے باک شدتوں نے اسے پھر سے نیند سے جگا دیا تھا۔

بہارے نے جلتی بھیگی آنکھوں سے مرر میں نظر آتے شہرام کے عکس کو دیکھا۔۔ سرخ سفید رنگت تیکھی ستواں اٹھی ہوئی ناک۔۔ عنابی لب جس پر تراشیدہ مونچھیں۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں وہ مردانہ وجاہت کا اعلی شاہکار تھا۔۔ مگر اس کی ساری خوبیوں کے آگے اس کا ان پڑھ ہونا بہارے کو اس کی طرف بڑھنے ہی نہ دیتا تھا۔۔ اسے شدت سے خواہش تھی اس کا ہمسفر پڑھا لکھا ہو۔۔ کسی اعلی پوسٹ پر ہو۔۔ شہرام اعلی پوسٹ پر نہ سہی کاش پرائیویٹ ہی بے اے کر لیتا۔۔ میٹرک کیا تھا وہ بھی سی گریڈ سے۔۔ بہارے کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔

وہ کبھی اس انسان کو دل سے نہیں اپنا سکتی تھی۔ وہ سارا سارا دن ڈیرے اور حویلی پر گزارنے والے ایک ان پڑھ دیہاتی اجڈ گنوار مرد کی طرح تھا۔۔ جسے اپنے باپ دادا کی کمائیوں پر عیش کرنے کا زعم تھا۔ فارغ وقت میں

اسے صرف اپنی بیوی کے جسم سے مطلب تھا۔۔ اس کے پاس شائد اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا۔ سارا سارا دن تو وہ اسے کمرے میں محصور کر کے رکھتا تھا۔

بہارے نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔ وہ شہرام کی پشت کو گھورتے ہوے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر اوڑھتے ہوے کمرے کے

دروازے کی طرف بڑھی۔ دفعتاً شہرام خانزادہ اپنی بیوی کو باہر جاتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے کھینچتا اپنی بانہوں میں قید کر چکا تھا۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ شہرام نے اس کا دوپٹہ اس کے وجود سے علیحدہ کرتے اس کی بھیگی زلفوں پر اپنے لب رکھتے اس کی گردن میں اپنا منہ چھپایا۔۔۔

ہمممم۔۔۔ تمھارے بدن کی خوشبو مجھے پاگل کر دے گی۔۔ رات رات بھر یہ مہک مجھے سونے نہیں دیتی۔۔ شہرام اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے مدہوش ہوا۔۔۔

شہرام مجھے جانے دو۔۔ مورے سب ناشتے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔۔

بہارے روہانسے ہوئی تھی۔۔ شہرام کو خود سے دور جھٹکنے کا مطلب تھا۔ اس کی شدتیں مزید سہنا۔۔

وہ اس کے ساتھ بہت نرمی برتتا تھا۔۔ بہت محبت سے اس کے پور پور پر اپنی شدتیں چھوڑتا تھا۔۔ مگر اس کی مزاحمت پر وہ جنونی ہو جاتا تھا۔۔ وہ اس کی نرمی برداشت کرنے کی مجاز نہ تھی کجا کہ اس کی سختی برداشت کرتی۔۔۔

سب کی فکر چھوڑو۔۔۔ صرف اپنے مجازی خدا کی فکر کیا کرو۔۔ جنت ملے گی میری نازک بہارے۔۔۔ شہرام اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے لب دانتوں تلے دبائے محظوظ ہوا تھا۔۔ وہ رات بھر اس کی شدتیں سہنے کے باوجود اس کے حصار میں شرافت سے کیوں کھڑی تھی۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ کیونکہ اس کی بہارے کو پیار کی زبان سمجھ میں آتی ہی نہیں تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے قریب آنے پر بہارے نے جو اس سے زبان چلائی تھی۔۔ اس کا نتیجہ اس کی شفاف گردن پر اس کی بے رحم شدتوں کی صورت میں موجود تھا۔۔ شہرام کے لب اب بہت نرمی سے

بہارے کی گردن پر دی ہوئی اس کی محبت کی سوغاتوں پر رقص کر رہے تھے۔۔وہ اس کی دی ہوئی محبت کی سوغات ہی تھیں۔وہ اسے ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔اس کی ذراسی سختی پر وہ کملا جاتی تھی۔

اس کی نازک بہارے نرمی میں گھلی ذراسی سختی بھی برداشت کرنے کی مجاز نہ تھی۔۔شہرام نے اس کی بھیگی آنکھوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔اپنی بیوی کے نرم وملائم گال پر اس نے اپنی گھنی مونچھیں رب کیں تو وہ جھنجھنا اٹھی تھی۔۔اسے اب کی بار غصے سے دور دھکیلا تھا۔شہرام مسکراتے ہوئے اسے مزید قریب کر گیا۔۔اتنا آسان نہ تھا اس کا اسے خود سے دور کرنا۔۔

وہ یہاں کے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔۔نہ صرف اس کا کسرتی ورزشی بدن چٹانوں جیسا تھا۔۔بلکہ وہ اپنے کیے ہوے فیصلوں میں بھی چٹانوں جیسا ہی تھا۔۔جو اس کی بہارے کی اتنی نفرت کے باوجود اپنی جگہ سے ہلا نہ تھا۔

بچپن سے بہارے کو اپنے دل میں بسایا تھا۔اس کی نفرت کے باوجود اس کے دل نے کبھی ایک پل کے لیے بھی اس سے نفرت نہیں کی تھی۔۔۔۔

بہارے کے لیے اس کے لیے ہوے فیصلے پر اس نے آج تک کسی کی نہیں سنی تھی۔۔اس کے ڈاکٹر بننے سے لے کر اس کے ہاسٹل میں رہنے پر ۔۔۔وہ اس کے لیے ہر کسی کے آگے ایک چٹان کی طرح ڈٹ جاتا تھا۔اس کی بے تحاشا سہیلیاں بنانا۔۔۔ان کے گھر آنا جانا۔۔۔سمیع اللہ خان اربد خان کے اعتراض کے باوجود اس کی ہر ذمہ داری اس کے نفع نقصان کی ذمہ

داری وہ خود لے لیتا تھا۔۔ مگر کبھی اس کی کسی خواہش سے وہ پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔۔ صرف اس کی طلاق کی خواہش کے علاوہ اس نے اس کی ہر خواہش ہر بات کا مان رکھا تھا۔۔۔

بہارے ہی حویلی کی پہلی لڑکی تھی۔۔ جس نے فرسٹ ائیر میں موبائل فون لیا تھا۔۔ جو اس نے ہی اسے دلایا تھا۔

اس کے موبائل اکاونٹ میں ہر مہینے ہزاروں کا بیلنس وہی ٹرانسفر کرتا تھا۔ اس کے نیٹ پیکجز وہی لگاتا تھا۔۔۔

وہ اس کے جھلائے ہوئے چہرے کو بہت پیار سے تھام گیا۔۔ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھنے لگا۔۔ اس کے لمس پر بہارے کی آنکھوں میں مرچیں سی بھری تھیں۔ اسے شائد اس سے صرف یہی ایک غرض تھی۔۔

تمھاری ناقص معلومات صرف بستر کے حقوق تک ہی محدود ہیں۔بیویوں کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں۔جو تمھیں نہیں معلوم۔۔۔بہارے اسے خود سے دور جھٹکتے اس کی جنت ملنے والی بات پر بھڑ بھڑ جلتے بولی۔۔۔۔

ہمم۔۔۔۔اچھا ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔میری معلومات بہت ناقص ہیں۔میں ٹھہرا ان پڑھ گنوار میٹرک بھی میں نے سی گریڈ میں کیا ہے۔۔بقول تمھارے سی گریڈ بھی پیسے کے بل بوتے پر لیا ہے۔۔تم تو ایم بی بی ایس ہو ۔۔۔ڈاکٹر بہارے۔۔ذرا میری ناقص معلومات پر روشنی ڈالو گی۔۔کیا حقوق ہوتے ہیں بیویوں کے ؟؟۔۔شہرام نے اس کے بھڑکتے چہرے پر نظر ڈلتے پر سکون لہجے میں پوچھا۔اس کا دور جھٹکنا ہمیشہ کی طرح بہت ناگوار گزرا تھا۔مگر وہ برداشت کر گیا تھا۔۔

میرے آرام اور میری نیند کا خیال کرنا تمھارا فرض ہے۔۔ میری مرضی کے بغیر تمھیں میرے قریب نہیں آنا چاہیے۔۔ اسے میر یٹیل ر۔ی۔۔پ کہتے ہیں جو تم میرے ساتھ کرتے ہو۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہوا تھا۔۔ وہ اس سے اس طرح کی بات کی توقع ہرگز نہیں رکھتا تھا۔

مجھے پتہ ہوتا تمھاری ڈگری تمھیں یہ سب سکھائے گی تو میں کبھی تمھارا داخلہ شہر کے سب سے اچھے انسٹیوٹ مین نہ کرواتا۔۔ شہرام اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے غصے سے گویا ہوا۔ بہارے اس کا سرد سرخ چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔۔ مگر چہرہ ہنوز سپاٹ تھا۔ یعنی وہ اپنی بات اور سوچ پر قائم تھی۔ اس کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے شہرام کا تن بدن سلگ اٹھا۔۔

یہ جو تم مجھے اپنے حقوق بڑھ چڑھ کر بتا رہی ہو۔۔ میں بھی تمھیں تمھارے فرائض بتاتا ہوں۔ بنا کسی شرعی عذر کے تم مجھے کسی بھی صورت خود کے پاس آنے سے منع نہیں کر سکتی۔۔۔ وہ اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کرتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا سرد لہجے میں بولا۔

مجھے بتاؤ اور تمھارے حقوق کیسے نبھاؤں۔۔ تم جب مرضی سوؤ اٹھو جاگو ۔۔ کوئی تمھیں کچھ نہیں کہتا۔۔ رخصتی سے پہلے تمھیں اتنی اتنی دیر سونے کی آجازت نہ تھی۔۔ تمھاری مورے تم سے کیسا سلوک کرتی تھیں۔ یہ پوری حویلی جانتی ہے۔ شہرام کے طنز پر بہارے کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔ وہ اس کے حصار میں مچل اٹھی۔۔

شہرام اس کے مچلنے پر استھزائیہ مسکراتے اس کی کمر کو سختی سے اپنے مضبوط ہاتھ کی مٹھی میں بھرا تھا۔۔

بہارے اس کے سفاک گرفت پر دور عمل پر سسک اسے شکوہ کناں بھیگی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔۔

بھلا کب ہاتھ لگایا تھا اس نے اتنی سختی سے۔۔

شہرام اس کی شکوہ کناں نگاہیں طنزیہ مسکراتے ہوے اگنور کر گیا۔۔جو بات اس نے کی تھی وہ اسے جلتے توے پر بٹھا چکی تھی۔۔وہ اس کی محبت کو کبھی حوس کہہ دیتی تھی۔اور اب اس چیپ ورڈ میر ٹیل ر۔۔ی۔۔۔پ سے تشابہ کر رہی تھی۔

وہ اس کی نازک کمر پر اپنی اہنے ہاتھ کی انگلیاں مزید سختی سے گاڑھ گیا تھا۔

میری مورے نے تمھیں آج تک کچھ نہیں کہا۔تم سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی۔۔

۔اس وجہ سے نہیں کہ تم ڈاکٹر بہارے ہو۔۔بلکہ اس لیے کہ تم شہرام خانزادہ کی بیوی ہو۔۔۔ان کا کوئی کام تم نے آج تک نہیں کیا۔۔وہ بیمار بھی ہوں تم پوچھتی نہیں۔۔۔ کبھی میں نے تم سے باز پرس کی؟؟۔۔۔ کبھی تمھیں مجبور کیا کہ تم ان کا کوئی بھی کام کرو؟؟۔۔یا پھر میرا کوئی کام کرو؟؟۔۔شہرام کے سرد انداز میں کیے گئے سوالوں پر بہارے نے شرمندگی سے اپنے لب کچلے تھے۔یہ سچ تھا عابیر ہر وقت روزینہ خانم کا کوئی نہ کوئی کام کرتی نظر آتی تھی۔۔اس کے باوجود وہ اس سے خفا ہی نظر آتی تھیں۔۔۔ان کی کڑوی کسیلی باتیں عابیر ماتھے پر بل ڈالے بغیر سن لیتی تھی۔

مگر امینہ خانم آج تک کبھی اسے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

میر ٹیل ر۔۔ی۔۔پ کی بات کرتی ہو۔وہ جبڑے اس کی کمر پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے استہزائیہ مسکراتے چلا اٹھا۔۔۔

کل تک تمھارے قریب آنا میری حوس تھی۔۔ آج یہ نیا لفظ نکال کر لے آئی ہو۔۔۔

تم میر ٹل۔۔ری۔۔۔پ جیسا لفظ اس رشتے میں لا کر اس رشتے کی حرمت کی تذلیل کر رہی ہو۔۔۔ جانتی بھی ہو۔۔ڈاکٹر بہارے۔۔مجھے بے حد افسوس ہو رہا ہے تمھیں ڈاکٹر بنانے پر۔۔۔

شہرام نے طنزیہ ایک ایک لفظ چباتے اسے شعلہ بار سرد نگاہوں سے گھورا۔

تم نے میرا داخلہ نہیں کروایا سمجھے تم۔۔۔میرے لالا نے یہ سب کروایا تھا ۔۔تم ہر چیز کا کریڈٹ نہیں لے سکتے۔۔

بہارے اس کی باتوں پر چٹختے ہوے بولی۔

ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔افسوس اس بات کا نہیں میں نے کچھ نہیں کیا۔۔افسوس اس بات کا ہے کاش میں کچھ نہ کرتا۔۔

شہرام اس کی بات پر اپنے لب بھینتے بولا۔۔

بہارے کی آنکھوں سے گرم سیال رواں ہوا تھا۔۔شہرام کی وہ اتنی ہی سختی اتنا ہی طنز برداشت کر سکتی تھی۔

چھوڑو مجھے جانے دو۔۔ بہارے نے روتے ہوے اس کی گردن میں اپنے ناخن مارے۔۔

شہرام اسے ابھی تک کمر سے تھامے خود کے قریب کیے ہوے تھا۔۔

بہارے کے اس طرح رونے پر اس نے اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔۔

وہ بدتمیز خودسر تھی۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ اس کے معاملے میں بے حس بھی تھی۔۔ بہارے کے اس ایٹیٹیوڈ کی وجہ اس کا بے انتہا نخرے اٹھانا تھا۔۔ وہ یہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔ وہ چاہتا تو اس پر سختی کر کے اسے تیر کی طرح سیدھا کر سکتا تھا۔۔ اپنی ہی بیوی پر سختی کرنا اسے ڈرانا دھمکانہ اس کی فطرت نہیں تھی۔ وہ بھی ایک عورت پر وہ سختی نہیں کر سکتا تھا۔ جسے خدا نے اس کے معاملے میں نازک اور کمزور بنایا تھا۔ اسے اس کی سپردگی میں دیا تھا۔۔۔

وہ اس کی اکڑ منٹوں میں توڑ سکتا تھا۔۔ لمحوں میں اسے اپنے قدموں میں جھکا سکتا تھا۔

۔اسے ڈرا دھمکا کر اس پر سختی کر کے وہ اس کی فرمانبرداری نہیں چاہتا تھا۔۔ محبت عزت تو دل سے کی جاتی ہے۔ اسے بہارے کی وہ سچی اور دیوانگی سے بھری محبت چاہیے تھی۔۔ جو وہ اس سے کرتا تھا۔

وہ بند کمرے میں اس کے لاڈ تو اٹھا تا سکتا تھا۔۔ مگر وہ بہارے کے معاملے میں کبھی لاپرواہی نہیں دکھا سکتا تھا۔۔ اسے اگنور نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے لاپرواہی برتنا اس کے بس میں تھا ہی نہیں۔۔۔۔۔

ابھی بھی اس کا رونا اسے نرم کر چکا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ کیوں رو رہی اتنا ؟؟۔۔ اسے ہچکیوں کے ساتھ روتے دیکھ کر شہرام نے نرمی سے پوچھا۔۔

وہ یکدم اس کے سینے کے ساتھ لگی اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے زارو قطار رونے لگی۔۔۔

میں ایسے تمھاری بیوی بن کر اس حویلی میں اس بند کمرے میں نہیں گزار سکتی۔۔ کیا فائدہ شہرام میرا اتنے پڑھ لکھنے کا ؟؟۔۔ تم نے یہ رخصتی کروا کر میرے پر کاٹ دیے ہیں۔ مجھے لگتا ہے میرا وجود صرف تمھارے لیے دل بہلانے کا ذریعہ ہے۔۔ میں مر جاؤں گی ایسے۔۔ میں تمھاری بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔ شہرام۔۔۔۔۔ بہارے اس کے سینے

کے ساتھ لگی ہذیانی روتے ہوے بول رہی تھی۔۔وہ کی بات پر ظبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

وہ اس کے ساتھ لپٹے ہچکیوں سے ہذیانی کیفیت میں رو رہی تھی۔۔وہ اسے یوں روتا دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خود پر قابو پا گیا تھا۔۔ مگر اس کے لفظ ہمیشہ کی طرح اس کے دل کو فگار کر گئے تھے۔۔

بختاور خان کا چہرہ بے حد غضبناک ہو رہا تھا۔۔وہ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ کتنی بار پری گل کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔۔پری گل سرخ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔۔

ڈیش بورڈ پر پڑی رپورٹس کو دیکھتے پری گل کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ بختاور خان نے وہ رپورٹس اٹھا کر گاڑی کی کھڑکی سے باہر پھینک دی تھیں۔

تم کتنی بدبخت عورت ہو۔۔۔ تم نے اپنے ہی بچے کو مار دیا تھا۔۔ بختاور خان سرخ چہرے کے ساتھ غضبناک ہوتے گرجا۔۔

بختاور مجھے سمجھ نہیں آتا۔۔ تمھیں اتنی جلدی کس بات کی ہے۔۔ ابھی ہمارا شادی کو دو ماہ بھی نہیں ہوا۔۔۔ تمھیں بچے کا پڑ گیا ہے۔۔

ڈاکٹر نے یہ نہیں کہا کہ میں ماں نہیں بن سکتی۔۔اس نے کہا ہے میرا علاج ہو گا میں ماں بن جاؤں گی۔۔ لیکن تمھارا اندر صبر نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔۔ تم مردوں کو عورت سے صرف اس کا جسم اور اپنا بچہ ہی چاہیے ہوتا ہے۔اس کے علاوہ بھی عورت کا کوئی وجود کوئی اوقات ہوتا ہے تم مرد کے نزدیک۔۔۔۔ پری گل بختاور خان کی بات پر اپنی جلن زدہ آنکھیں رگڑتے چلائی۔۔

آواز نیچا رکھو ہمارا سامنے۔۔۔ ورنہ اس چلتی گاڑی سے تمھیں دھکا دے گا۔ بختاور خان کی دھاڑ پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔۔

مگر آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔

تم نے ہم سے شادی اپنی مرضی سے کیا تھا۔ تم نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ تم نے یہ شادی اولاد کی خاطر کیا ہے۔ پری گل نے اب کی بار روتے ہوے

کہا۔۔وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رونا شروع ہو چکی تھی۔۔۔یہی آنسو دیکھ کر تو ارحام پگھل جاتا تھا۔۔

یہ مگرمچھ کے آنسو بہانا بند کرو بدبخت عورت۔۔۔مجھے خبر ہوتی کہ تم نے اپنا ہی بچہ اپنی کوکھ میں مارا ہے۔میں تم جیسی عورت سے کبھی شادی نہ کرتا۔ ۔مجھے لگا تمھارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔تمھارے شوہر نے کسی کم سن لڑکی کی خاطر تمھیں چھوڑ دیا ہے۔۔مگر آج مجھے اندازہ ہوا ہے۔۔غلطی اس کا نہیں غلطی تمھارا تھا۔جو عورت اپنا بچہ مار دے۔۔۔وہ مظلوم کبھی نہیں ہو سکتی۔۔

بختاور خان نے اس پر ملامتی قہر بھری نظر ڈالی۔۔

وہ حیران تھا کوئی عورت اتنی سفاک کیسے ہو سکتی ہے۔۔اپنے چار ماہ کے بچے کو اپنی ہی کوکھ میں مار دے۔۔یا کئی لوگوں کو اولاد جیسی انمول نعمت کی قدر

ہی نہیں ہوتی۔۔ کوئی بختاور خان سے پوچھتا اولاد کی خواہش نے اس کے اندر کتنے بھانبھڑ جلا رکھے تھے۔ بختاور خان نے کرب سے اپنی آنکھیں میچتے اپنی آنکھوں کی سرخی کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ بچہ میرا تھا۔۔ اس کو میں نے مار دیا تم کون ہوتا ہے یہ سب کہنے والا؟؟۔ پری گل بختاور خان کے منہ سے یہ سب برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اس لیے کافی درشتگی سے پٹ سے جواب دیا۔

بختاور خان کا بھاری ہاتھ پری گل کے گال پر پڑا تھا۔۔ اس کی چلتی زبان رکی تھی۔۔ وہ آنکھیں پھاڑے بختاور خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس نے اتنی سی بات پر اس پر ہاتھ اٹھا دیا تھا۔

تم جیسا عورت سے شادی کرنا ہمارا سب سے بڑا غلطی تھا۔۔

ہم نے یہ شادی تم سے صرف بچے کے لیے کیا تھا۔۔

دو دو شادیاں کی ہم نے۔۔ مگر ہمارا اولاد نہیں ہو سکا۔ڈاکٹر کے مطابق ہم بلکل صحت مند ہے۔۔ ہمارا دونوں بیویاں ماں نہیں بن سکتا۔۔۔۔ دونوں کنوارہ بھی تھا۔۔ ہم نے طلاق یافتہ عورت سے اس لیے شادی کی تھی کہ تمھارا ایک بیٹی بھی ہے۔۔ تم ماں بن سکتا ہے۔۔ اللہ مجھے تم سے اولاد دے گا۔۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔۔ شائد اپنا دونوں بیویوں کا دل دکھانے کا نتیجہ کے بدلے یہ سزا ملا ہے۔۔ بختاور خان نے غصے سے بولتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی ۔۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔ شادی شدہ ہے۔۔ تمھارا پہلے سے دو بیویاں بھی ہے۔ تم نے ہم سے یہ سب چھپایا۔۔۔ پری گل کی صدمے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔۔۔

میں نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا۔۔۔شاہنواز خان کو سب پتہ ہے۔۔اسے ہم نے تم سے شادی سے پہلے سب کھل کر بتا دیا تھا۔۔یہ سوال تم اپنے بھائی سے کرنا۔۔۔بختاور سرد سپاٹ لہجے میں بولا۔

پتہ نہیں اللہ کیسے کیسے لوگوں کو اولاد دے دیتا ہے۔۔جنھیں قدر ہی نہیں ہوتی۔۔ہم سے پوچھو پچھلے دس سالوں سے اولاد کے لیے تڑپ رہا ہے۔۔پتہ نہیں ایسا کون سا گناہ ہو گیا ہے کہ اولاد ہمارا نصیب میں ہی نہیں ہے۔۔بختاور خان نے اپنی سرخ آنکھیں مسلی تھیں۔۔پری گل تو اس کی دو بیویوں کا سن کر پتھرائی کیفیت میں بیٹھی تھی۔۔

شاہنواز نے اس سے یہ سب کیوں چھپایا؟؟۔۔کیوں اسے اتنا بڑا دھوکہ دیا؟؟پری گل کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

بختاور خان کی گاڑی بہت بڑی حویلی کے گیٹ میں داخل ہوئی۔۔ گاڑی کارپورچ میں رکی تو وہ گاڑی سے اتر کر تیز تیز قدم اٹھاتا اندر داخل ہو گیا تھا۔۔

پری گل آہستگی سے چلتے بختاور خان کی تقلید میں اندر داخل ہوئی۔۔

ریحانہ خانم اپنا بھاری بھر کم وجود سنبھالتے صوفے سے اٹھتی بختاور خان کی طرف بے تابی سے بڑھیں۔

کیا کہا ڈاکٹر نے ؟؟ ریحانہ بیگم نے بے قراری سے پوچھا۔۔

مورے۔۔۔ میرے نصیب میں اولاد نہیں ہے۔۔ بھول جائیں اپنا پوتی پوتا کی خواہش۔۔۔ بختاور خان پری گل پر کاٹ دار نظر ڈالتا بولا۔۔

کیا کہہ رہا ہے تم ؟؟ یہ کیسی باتیں کر رہا ہے بختاور تم ؟؟ ریحانہ خانم نے دہلتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

ٹھیک کہہ رہا ہے ہم مورے۔۔۔ بھول جاؤ اس عورت سے ہم کو کبھی اولاد ہو گا۔۔۔ پری گل بانجھ ہے۔۔ وہ سفاکی سے بولتا تیز تیز قدم اٹھاتا مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

ریحانہ خانم دل پر ہاتھ مارتے اونچی اونچی آواز میں بین کرنے لگی تھیں۔

ہائے یہ کیا ہو گیا ہم سے ؟؟۔۔ ہم اپنے بیٹے کے لیے پھر سے بانجھ عورت لے آیا۔۔ وہ اب اپنے سر کو پیٹتے اونچا اونچا رو رہی تھیں۔

پری گل لفظ بانجھ سنتے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔

کمرے میں داخل ہوتے دروازہ بند کرتے وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ بیڈ کی طرف بڑھی۔۔

ریحانہ خانم کے کوسنے اسے اندر تک سنائی دے رہے تھے۔۔

لفظ بانجھ اسے نوکیلے بھالے کی طرح دل میں پیوست ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

اسے آج احساس ہوا تھا۔۔اس نے اپنے ہی بچے کو اپنی کوکھ میں مار کر کیا گناہ کیا تھا۔۔

شائد خدا نے ہمیشہ کے لیے اس سے ماں بننے کا سکھ چھین لیا تھا۔

بختاور آج اسے جس ہسپتال لے کر گیا تھا۔۔اسی ہسپتال سے اس نے اپنا ابارشن کروایا تھا۔

ابارش کرواتے کچھ کمپلیکشن ہو گئی تھیں۔ جس کے باعث اب بچہ کنسیو کرنا بہت مشکل تھا۔۔ چانسز تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔۔

ڈاکٹر نے اس کی رپورٹس دیکھتے سب حقیقت بختاور خان کو بتادی تھی کہ گل نے کچھ ماہ پہلے اپنا بچہ ابارٹ کروایا ہے۔۔ اس نے تب گل کو بہت سمجھایا تھا۔۔ مگر وہ نہیں مانی تھی۔۔

گل نے آنکھیں میچتے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو بہائے تھے۔۔

اسے اس وقت ڈاکٹر نے بہت سمجھایا تھا کہ وہ ابارشن نہ کروائے۔۔ ابارشن کی صورت میں اسے کافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔۔

مگر اس وقت تو اس پر ارحام خانزادہ کو سزا دینے کا جنون سوار تھا۔ وہ اس سے اس کا سب کچھ چھینا چاہتی تھی۔۔ جس طرح اس نے اس سے اس کا

سب کچھ چھینا تھا۔۔اس کا یقین اعتماد۔۔۔۔وہ اس کے مقابلے میں ایک لڑکی کو لے آیا تھا۔۔اس لڑکی کی بے پناہ خوبصورتی نے ارحام کی پانچ سال کی محبت اس سے پل میں چھین لی تھی۔۔

پانچ سال کی شادی ٹوٹ گئی۔۔اسے تو آج بھی یقین نہیں آتا تھا۔۔ارحام خانزادہ جو اس سے محبت کا دعویدار تھا۔ایک بچی کا باپ ہوتے اس نے حور کے ساتھ راتیں گزاریں اور پھر بڑے دھڑلے سے اسے حویلی لے آیا۔۔وہ حور سے اپنے شوہر کی بیوفائی کے کارنامے سنتے غم وغصے سے پاگل ہوگئی تھی۔۔اس وقت اور آج تک صرف ارحام خانزادہ کی بربادی ہی اس کا مقصد تھی۔ تبھی تو ارحام خانزادہ کو ابھی تک پریذے کی شکل تک دیکھنے نہ دی تھی۔۔وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہا تھا۔۔کتنے ہی فون اسے کر

چکا تھا۔۔ پریذے کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنا سب کچھ اس کے نام لکھنے کو تیار تھا۔۔۔

مگر اسے ارحام خانزادہ کی دولت سے کوئی سروکار نہ تھا۔۔ اسے تو اس لڑکی کو اس کی زندگی سے نکالنا تھا۔۔ جس نے اس سے اس کا شوہر چھینا تھا۔

اس نے پریذے کے بدلے حور کو طلاق دینے کو کہا تھا۔۔ مگر ارحام خانزادہ نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔۔ وہ تو اس کا مطالبہ سن کر فون پر غم و غصے سے پاگل ہو گیا تھا

وہ ارحام کے انکار پذ مزید غصے اشتعال کا شکار ہو گئی تھی۔۔ وہ کیوں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔؟؟۔ اسے تو بھرے جرگے میں طلاق دے دی

تھی۔۔۔ پھر اسے کیوں نہیں چھوڑ سکتا تھا وہ؟؟۔۔ اس کی خوبصورتی اس کی جوانی ارحام خانزادہ کے پیروں کی زنجیر تھی شائد۔۔ مرد سے بڑا بیوفا کوئی نہیں ہوتا۔۔ عورت کی خوبصورتی اس کی جوانی ہی اس کی وفا ہوتی ہے۔۔ گل یہ سوچتے استھزائیہ ہنسی تھی۔۔

وہ آج بھی ارحام خانزادہ کی بیوفائی سے اندر تک سلگ رہی تھی۔۔

ارحام کو تڑپانے کے لیے اس نے بختاور خان سے شادی کی تھی۔

اس کے باپ حاکم خان نے اسے جلد بازی میں یہ شادی کرنے سے منع کیا تھا۔۔ اسے سمجھایا تھا کہ وہ اتنی جلدی شادی نہ کرے۔۔ مگر اس وقت تو اس پر جنون سوار تھا۔۔ ارحام کو تڑپانا چاہتی تھی۔

بختاور خان جس کی کتنی ہی جائیداد بڑی بڑی حویلیاں۔ بہت سے مربعے تھے۔۔۔ اپنے علاقے میں وہ سردار تھا۔۔ پورا قبیلہ اس کے سامنے اپنی نظریں جھکاتا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کے مقابل کا ہی انسان اس نے اپنے لیے چنا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اسے ٹھکرایا تھا۔۔ بدلے میں گاؤں کی سرداری ہر چیز سے اسے ہاتھ دھونا پڑا۔۔۔ اس کی عزت تک نہ رہے تھی۔۔ اپنی برادری میں وہ اس حور کی وجہ سے نظریں اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔۔

بختاور خان جس کی اپنی برادری اپنے گاؤں میں ساکھ تھی۔۔ عزت تھی رعب تھا۔۔

اس نے اپنے تئیں بڑا نفع مند سودا کیا تھا۔۔ مگر آج پتہ چلا وہ انجانے میں گھاٹے کا سودا کر چکی ہے۔

بختاور خان نے اس سے نکاح صرف اولاد کے حصول کے لیے کیا تھا۔ اسے اس کے وجود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔۔ اور وہ پہلے سے شادی شدہ بھی تھا۔۔ وہ بھی دو شادیاں کر رکھی ہیں۔۔

شاہنواز اس کے کیے یہ رشتہ لایا تھا۔ اس نے ہی اسے اکسایا تھا یہ شادی کرنے کو۔۔۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟؟۔۔ بختاور کا سچ اس سے کیوں چھپایا ؟؟ کیوں چھپایا بختاور شادی شدہ ہے۔۔ پری گل اب پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو چکی تھی۔۔

اس کے بھائی نے اسے دھوکہ کیوں دیا؟؟ اس سے یہ غم برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

وہ جانتی تھی شاہنواز بھی اس کی طرح ارحام کو جھکانا چاہتا ہے۔۔۔ وہ حور کے لیے پاگل تھا۔۔ اسے جرگے میں دیکھتے اپنا دل اور نیت اس پر خراب کر

چکا تھا۔۔بقول اس کے وہ اپنا دل اس پر ہار چکا ہے. ارحام خانزادہ سے ہر صورت اسے حور اپنی دسترس اپنے نکاح میں چاہیے تھی۔۔وہ تو اس سب میں اس کا ساتھ دینے کو تیار تھی۔۔وہ تو خود نہیں چاہتی تھی حور ارحام خانزادہ کی زندگی میں رہے۔۔

اس نے تو ہمیشہ شاہنواز کے ہر غلط کام میں اس کا ساتھ دیا تھا۔۔فرشتے کی زمینیں ہتھیانے میں اس نے ہی شاہنواز کو الٹے سیدھے مشورے دیے تھے۔ہمیشہ اس کی ہر بات مانی۔۔۔

پھر شاہنواز نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟؟۔پری گل اپنے بال بے دردی سے نوچتے شدت غم سے چلائی تھی۔۔۔

باہر سے ریحانہ خانم کے بانجھ ہونے کے کوسنے اسے ابھی تک سنائی دے رہے تھے۔اس نے بھڑ بھڑ جلتے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔۔

فرشتے کے لیے یہ لفظ بانجھ اس نے کتنی بار بولا تھا کہ اسے یاد بھی نہیں۔۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔کوئی اسے بھی بانجھ کہہ سکتا ہے۔۔اسے بھی یہ طعنہ کبھی مل سکتا تھا۔

فرشتے کی زندگی اس نے اجیرن کر رکھی تھی۔۔اسے وہ کتنی مرتبہ شاہنواز کے ہاتھوں جانوروں کی طرح پٹوا چکی تھی۔اس نے کبھی پلٹ کر جواب نہیں

دیا تھا۔ اپنے ساتھ ہوے مظالم کی داستاں اس نے کبھی ارحام کو بھی نہیں بتائی تھی۔

ارحام کو تھوڑا بہت جو پتہ تھا.. وہ اگر اس سے باز پرس کرتا تو وہ ہمیشہ پریذے کو بیچ میں لے آتی تھی۔۔ اس کی جھوٹی سچی قسمیں کھاتے ہر بات سے مکر جاتی تھی۔۔۔ وہ بیچارہ پریذے کو دیکھ کر خاموش ہو جاتا تھا۔۔

پری گل نے روتے ہوے اپنے بال پھر سے نوچے تھے۔۔ احساس زیاں کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔

سے اس دن ایک دفعہ تو ارحام کی بات سننی چاہیے تھی۔۔ وہ بار بار اسے یقین دلا رہا تھا۔۔ وہ ہی نہیں سن رہی تھی۔۔ اس نے کہا تھا وہ حور کو حویلی سے نکال دے گا۔۔ اس نے اس کی اور پریذے کی قسم بھی کھائی تھی۔۔ وہ

کبھی حور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔۔ وہ تو اس کی شادی کسی سے بھی کرنے کو تیار تھا۔۔

مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔۔ حور کی خوبصورتی دیکھ کر اسے ارحام کی محبت اور وفاداری پر اعتبار نہ رہا تھا۔۔ کاش وہ اس دن ایک مرتبہ اس کی بات سن لیتی۔ اگر وہ اس کے ساتھ زنا کر بھی چکا تھا۔ مگر وہ اس سے شادی تو نہیں کر رہا تھا۔۔ وہ بھرے جرگے میں حور کے ساتھ اپنے ہر تعلق سے انکار کر چکا تھا۔۔ وہ چاہتی تو اس دن اپنے شوہر کے جھوٹ (جو اس کے نزدیک جھوٹ تھا) کو سچ مان کر اس سے حور کی جان چھڑوا سکتی تھی۔

وہ اس دن وہ حالات اپنے موافق کر سکتی تھی۔۔ حور کی شادی شاہنواز سے نہیں تو دلنواز خان سے کروا لیتی۔۔ حور ساری عمر اس کے سامنے سر نہ اٹھاتی۔۔ جو حال فرشتے کا کیا وہ حور کا اس سے بھی بدتر کر سکتی تھی۔۔ اپنے

بھائی کی سپردگی میں لے کر ساری عمر اسے اپنے شوہر کے ساتھ بدکاری کے طعنے مارتی۔۔وہ یقیناً اس کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہتی۔۔

مگر وہ تو اسے اپنا شوہر ہی سونپ آئی تھی۔۔۔۔جو اس کے کتنے ناز نخرے اٹھاتا تھا۔۔

وہ بختاور خان کو مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔نہ ہی اس کی دو بیویاں برداشت کر سکتی تھی۔ویسے بھی اس نے بختاور خان کو دل سے قبول کیا ہی نہ تھا۔

یہ شادی تو ارحام خانزادہ کو تڑپانے کے لیے کی تھی۔۔

کہاں ارحام خانزادہ؟! کہاں یہ بختاور خان۔۔۔۔۔پری گل نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔۔۔یہ تو طے تھا وہ کبھی ارحام خانزادہ کو بھول

نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی اس حور کو اس کی زندگی میں مزید رہنے دے سکتی تھی۔

حور کی صبح آنکھ کھلی تو وہ ارحام خانزادہ کے سینے پر سر رکھے ہوئے تھی۔ اس کی کمر پر ارحام کا بازو بہت سختی سے لپٹا ہوا تھا۔۔ وہ اتنی مضبوطی سے اپنے بازو کا حصار قائم کیے ہوئے تھا۔۔ وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

حور نے ارحام کے برہنہ سینے کو ایک نظر دیکھتے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔۔۔ وہ بہت خوبرہ چہرے اور بارعب پرسنیلٹی کا مالک تھا۔۔ اس کی پرسنیلٹی بہت سحر انگیز اور شاندار تھی۔۔ اسے پہلی مرتبہ دیکھتے ہی وہ اس سے متاثر ہوئی تھی۔۔ اس نے اس پر گاڑی میں ایک بار بھی نظر نہیں ڈالی

تھی۔۔ بلکہ اس کے بھیگے بدن سے وہ بار بار اپنی نظریں چرا رہا تھا۔۔ اس نے اس کے جسم کو ڈھانپنے کے لیے اپنا کوٹ اسے دیا تھا۔۔ یہ اس کے لیے بہت حیران کن تھا۔۔ وہ مرد ہو کر اس کا جسم ڈھانپ رہا تھا۔ مگر اسے خبر نہ تھی۔۔ وہ بھی ایک مرد تھا۔۔ نامحرم ہو کر اس پر بری نظر نہیں ڈالی تھی۔۔ اس کا محرم بن کر تو اس نے اس سے پورا پورا خراج وصول کیا تھا۔ وہ جلتی آنکھوں سے اس ساحری کو دیکھے جا رہی تھی۔ جو بہت ظالم اور بے حس تھا۔۔ ارحام کی پناہوں سے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کرتے وہ بے بسی سے پھر سے اس کے سینے کے ساتھ لپٹتے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔

دفعتاً حور کی نظر خود پر پڑی وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔۔ اپنی حالت دیکھتے وہ کمبل خود پر اچھی طرح لپیٹے ارحام کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔

اس کے اس طرح اس کے سینے سے لپٹنے پر ارحام کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی۔۔۔

ارحام اور بھی زیادہ شدت سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

ارحام جاگ رہا ہے۔۔۔ یہ محسوس کرتے حور آنکھیں میچے مزید اس کے سینے میں سمائی تھی۔۔ وہ اپنی حالت کے پیش نظر اس سے دور نہیں ہو سکتی تھی۔۔ ویسے بھی وہ بے رحم بنا اسے بہت سختی سے اپنے سینے کے ساتھ لگائے ہوے تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس کا حصار نہیں توڑ سکتی تھی..

وہ ہار مانتے ہوئے اس کے سینے میں سما گئی۔۔۔وہ اس کے ساتھ لپٹے یہی سوچ رہی تھی۔۔رات ان دونوں کے بیچ کیا ہوا تھا؟!۔۔اسے یاد آیا تھا وہ ارحام کی قربت کے خوف سے گھبراتے ہوئے پچھلے لان کی طرف نکل گئی تھی۔وہ اتنی جلدی حویلی کیوں چلا آیا تھا؟؟۔۔وہ اس کی گہری تپش

زدہ نظروں سے سمجھ چکی تھی۔۔جو کل رات اس نے ڈائینگ روم میں اس پر ڈالی تھیں۔کیا چیز اسے اتنی جلد حویلی کھینچ لائی ہے۔۔وہ اس کی گہری نگاہیں اسے پل میں سمجھا چکی تھیں۔

جتنا جنونی وہ اسے لے کر تھا۔۔وہ سمجھتی تھی وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وہاں سردی میں کافی دیر تک بے وہ حس بنی کھڑی رہی تھی۔اس کی شدتیں سہنے سے زیادہ آسان اسے اس جان لیوا قہر برساتی سردی میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا رہنا لگا تھا۔۔۔اس نے کب ہوش گنوائے اسے یاد نہیں تھا؟؟۔۔وہ یہاں کیسے آئی؟؟اور یہ سب کچھ۔۔۔وہ کیا بیہوشی میں بھی اس سے اپنی حوس پوری کرتا رہا تھا؟۔۔اس کے جسم کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔۔حور اس کے سینے میں منہ چھپائے شدت غم سے سسک پڑی۔۔۔۔

اس کی سسکاری سنتے ارحام کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔۔اس کی سسکیاں کبھی اسے شائد سکون دیتی تھی۔۔مگر آج یہ ساونڈ اس کی سماعتوں کو کافی ناگوار گزرا تھا۔۔

وہ یہ آنسو کیوں بہا رہی تھی؟؟۔۔وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ کیوں ظلم کر رہی ہو صبح صبح ان آنکھوں پر؟؟۔۔ ارحام نے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

اس کی کرسٹل براؤن کانچ سی نم آنکھوں میں دیکھتے ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنوں میں انتشار سا بھرپا ہوا تھا۔

ساحرانہ آنکھیں تو قیامت تھیں۔۔ اسے پہلے بھی اندازہ تھا مگر آج تو ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنوں میں اٹھتے شور نے اسے بخوبی احساس دلایا تھا۔ اس کے پہلو سے لپٹی یہ لڑکی قیامت سا حسن رکھتی ہے۔ اور یہ حسن صرف اس کی ملکیت تھا۔۔ یہ احساس کافی تقویت بخش تھا۔۔ وہ صرف اس کی ہے۔۔۔۔

وہ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔۔راہ فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔اپنی کمر پر اس کا سخت حصار اسے یہ احساس بخوبی دلا رہا تھا۔۔

تم اپنا حلیہ درست کرو۔۔میں تمھارے لیے ناشتے کا کہتا ہوں۔۔ارحام نے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلاتے کہا۔۔

حور اس کی نرمی پر حیران ہوئی۔۔اس کا یہ نرم رویہ کہیں آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔۔وہ رات کے اندھیرے میں کھلے آسمان کے نیچے چلی گئی تھی۔اس کی سختی سے ہدایت تھی وہ کسی بھی صورت زنان خانہ سے باہر نہیں جائے گی۔۔وہ یقیناً اس سے اس بات کا حساب ضرور لے گا۔اس ظالم جابر بے حس انسان سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی تھی۔جس نے بیہوشی میں بھی اسے نہ چھوڑا تھا۔۔

وہ یہ سوچتے اس کے چٹانی سکس پیک سینے پر اپنا ہاتھ سختی سے جما گئی۔۔

حور۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں میں ہاتھ چلاتے نرمی سے اسے پکارا تو حور کی نم زدہ آنکھیں مزید نم ہوئی تھیں۔

کتنا عرصہ ہو گیا تھا کسی کا اتنا نرم لہجہ سنے ہوے۔۔۔ اس بے حس سفاک انسان کے ایسے رویے کی عادت نہ تھی۔۔ حور کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔

وہ اس کے سکس پیک چٹانی سینے پر موجود بھورے بالوں کو سختی سے اب اپنی مٹھی میں لے گئی تھی۔۔ اس کی پکار پر جواب دینا ضروری نہ سمجھا تھا۔

حور۔۔۔۔۔ ارحام نے حیران ہوتے اسے دوبارہ پکارا۔۔ وہ اس کی پکار پر وہ فوراً جی کہتی تھی۔۔ مگر آج اس کی پکار پر جواب نہیں دے رہی تھی۔۔ بلکہ

اس کی پکار پر وہ اپنی مٹھی کا دباؤ اس کے سینے پر موجود بالوں پر بڑھا رہی تھی۔۔ ارحام نے اس کے بالوں سے پکڑ کر ایک بار پھر سے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

وہ اس کی آنکھوں میں ناراضگی شکوہ دیکھ کر مزید حیران ہوا تھا۔۔

وہ اس کی طرف دیکھتے ناراضگی کے اظہار پر اپنی نظریں پھیر گئی تھی۔۔۔ ارحام کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھری۔۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا وہ جب جب انجانے میں بھی اس پر نرمی کرتا تھا۔۔ وہ ایسے ہی ناراضگی کا اظہار کرتی تھی۔۔ یہ الگ بات ہے اس نے کبھی اس کا کوئی ناز نخرہ نہیں اٹھایا تھا۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ ارحام کی آواز میں اب سختی نمایاں تھی۔۔

جج جی.... حور کے کانپتے لبوں نے بے اختیار جنبش کی..۔

وہ سہمی نگاہوں سے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔

اس کی اس ادا پر ارحام خانزادہ کا دل مزید گھائل ہوا تھا۔۔وہ اب آنکھیں بھی نہیں جھپک رہی تھی۔۔اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے حکم کی منتظر تھی۔

رات باہر لان میں کیوں گئی؟؟؟ منع کیا تھا تمھیں تم میری آجازت کے بغیر تم کھلے آسمان کے نیچے نہیں جاؤ گی۔

ارحام نے اس کا چہرہ اپنے قریب مزید کرتے اس کے چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑیں..۔

اس کا لہجہ انگاروں سی تپش لیے ہوے تھا۔۔ آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔۔ کچھ دیر پہلے جو نرمی ان آنکھوں میں تھی اس کا شائبہ تک نہ تھا۔۔

یہ دیکھتے حور کی رنگت فق ہوئی۔ وہ اس کے حصار میں بری طرح لرز اٹھی۔۔

اس کی فق رنگت اور اس کی آنکھوں کی بڑھتی شبنم کو دیکھتے وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔۔

اس کی طبعیت کے پیش نظر اس نے خود پر قابو پایا تھا۔۔ مگر وہ اسے چھوڑنے کا آرادہ ہر گز نہ رکھتا تھا۔ رات اس نے جو اپنے ساتھ کیا۔۔ وہ معافی کے قابل نہ تھا۔

اٹھو نیم گرم پانی سے اچھی طرح شاور لو۔۔ میں تمھارے لیے ناشتے کا کہتا ہوں۔ ارحام نے اس کی آنکھوں کے کناروں پر ٹھہری شبنم بہت نرمی سے اپنی انگلی کی پوروں سے چنی۔۔

وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلا گئی۔۔ حور نے جلدی سے اس کے حصار سے نکلتے ہوے اپنے اوپر سے کمبل ہٹایا۔۔ وہ خود کو دیکھتے پھر سے خود پر کمبل لپیٹ گئی تھی۔۔۔۔ کیا ہوا؟؟ ارحام اس کے یوں کمبل میں دبکنے پر حیران ہوا۔۔ وہ پوری کی پوری کمبل میں غروب تھی۔

ارحام نے حیران ہوتے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا۔۔ حور کا چہرہ سرخ گلاب ہو رہا تھا۔۔ عارض دہکتا تندور بنے ہوے تھا۔۔

ارحام بے اختیاری میں اس کے نرم گال پر اپنی انگلیاں پھیر گیا تھا۔۔ یہ گلاب سے عارض اس کی زندگی تھے۔۔ یہ رات اسے اندازہ ہوا تھا۔

وہ اسے کندھے سے پکڑے اس کا رخ مکمل طور پر اپنی طرف کرتے مسکراتے ہوئے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

وہ سمجھ گیا تھا وہ کیوں سرخ گلاب ہو رہی ہے۔۔ حور اس کے سینے کے ساتھ لپٹے اس کی نرمی اور اس کے مسکرانے پر حیران ہو رہی تھی۔۔

مگر اس کی نرمی پر اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔۔۔ اسے عادت نہ رہی تھی۔۔ اس کی اتنی نرمی کی۔۔

اگر وہ نرم رویہ دکھا کر اس پر سختی کرے گا۔۔ وہ کیسے برداشت کرے گی۔۔

سلطان احمد شاہ کی محبت وہ آبھی تک بھول نہیں پائی تھی۔۔

کیسے برداشت کرے گی اس انسان کو بدلتے ہوے۔۔ اب اس کے سوا اس کا کون تھا آخر؟؟

وہ اس کے سینے کے ساتھ لپٹی اس سے کہنا چاہتی تھی۔۔ وہ اسے نرمی سے نہ چھوے۔۔ وہ اس کی سختی کی عادی ہو چکی ہے۔۔ وہ اسے مسکرا کر نہ دیکھے۔۔ وہ اس کی سرخ سرد آنکھیں دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے۔ مگر ہمیشہ کی طرح اس کے شکوے اس کے لفظ اس کے حلق میں ہی دم توڑ گیے تھے۔۔

آنکھوں سے آنسو بے مول ہو کر گرتے اس کے عارض کو بھگو گئے تھے۔

ارحام اس سے الگ ہوتے بیڈ سے اٹھا۔۔۔وہ اس وقت صرف ٹراوزر میں ملبوس تھا۔۔

اپنی ٹی شرٹ زمین سے اٹھا کر حور کی طرف بڑھائی۔۔ جسے ہچکچاتے ہوے حور نے تھامی تھی۔۔

وہ ابھی تک کمبل خود پر لپیٹے ہوے تھی۔۔ارحام اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

بہارے اتنے بڑے ہسپتال کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔۔

شہرام صبح صبح اسے یہاں لے آیا تھا۔۔ حویلی سے کافی دور تھا یہ ہسپتال ۔۔۔۔۔ مگر سوات کے ہی علاقے میں یہ جدید طرز پر بنا ہسپتال دیکھ کر وہ حیران تھی۔۔ یہ ہسپتال مکمل طور پر تیار تھا۔۔ سب سے بڑی بات یہاں فی میل ڈاکٹرز بھی نظر آ رہی تھیں۔ صاف ستھرے کمرے بڑے بڑے کوریڈورز۔۔۔۔

ریسپشن کاونٹر سیکشن۔۔۔ یہ اس علاقے کا ہسپتال لگ ہی نہیں رہا تھا۔۔

شہرام یہ سب کیا ہے ؟؟ بہارے نے حیران ہوتے شہرام سے پوچھا۔ ہاسپٹل کے جنرل وارڈ میں داخل ہونے پر بہت سے مریضوں اور ان کے لواحقین نے شہرام کو اپنی جگہ سے اٹھتے سلام کیا تھا۔۔ وہاں پر کام کرنے والے عملہ بھی شہرام کو بڑی عقیدت اور خوشگواری سے سلام کر رہا

تھا۔۔ جس سے واضح ہو رہا تھا۔۔ سب یہاں ارحام کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اسلام و علیکم سر۔۔۔ جنرل وارڈ میں داخل ہوتے ایک میل ڈاکٹر نے شہرام کو سلام کیا تو بہارے کی آنکھوں کی حیرانگی بڑھی تھی۔۔

شہرام اس کی آنکھوں میں حیرانگی دیکھتا مدھم سا مسکرایا۔۔۔

یہ ہسپتال آج سے تمھارا ہے۔۔ تم یہاں پر اب ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کرو گی۔۔ تمام ڈاکٹرز کے ہیڈ کے طور پر۔۔ شہرام کی بات پر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔۔ گہری براؤن آنکھوں میں تعجب بڑھا تھا۔۔ وہ اپنی آنکھیں بڑی کیے نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے مسکراتے ہوے اس کا نچلا لب بہت نرمی سے اس کے دانتوں سے چھڑوایا۔۔

بہارے اس کی حرکت پر سرخ پڑی۔۔۔وہ جس جگہ پر کھڑے تھے۔۔وہاں بہت سے لوگوں کی نظریں ان پر تھیں۔بلکہ یہ کہنا مناسب تھا۔۔سب انھیں ہی گھور رہے تھے۔۔اور یہاں کے لوگوں کے لیے یہ تھوڑی عجیب بات تھی۔۔کوئی مرد عورت سے اس طرح فری ہو۔۔۔چاہے وہ محرم ہی کیوں نہ ہو۔۔

یہ لوگ تو شائد جانتے بھی نہیں تھے۔ان دونوں کا تعلق کیا ہے۔۔

شہرام بہارے کی گلابی ہوتی رنگت دیکھ کر اپنی حرکت پر اب خفیف سا مسکرا گیا تھا۔۔

اسے یہاں پر خیال رکھنا چاہیے تھا۔۔ مگر بہارے کے معاملے میں وہ خود پر اختیار ہی تو نہ رکھ پاتا تھا۔

شہرام اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑتے ہاسپٹل سٹاف روم کی طرف بڑھا۔۔۔ شہرام کے یوں ہاتھ پکڑنے پر بہت سے لوگوں نے وہاں سے گزرتے تعجب خیز نگاہوں سے انھیں دیکھا تھا۔۔

بہارے نے اندر آتے اپنا ہاتھ نامحسوس انداز سے اس کے ہاتھ سے چھڑوایا ۔۔۔

شہرام نے اس کے ایسے ہاتھ چھڑوانے پر اپنے لب بھینچے تھے۔۔۔ اگلے ہی پل اس نے بہارے کے عارض کو چھوتی اس کی براون لٹ بہت نرمی سے پیچھے کی تھی۔

یہ ہسپتال میں نے بنوایا ہے۔۔۔ پچھلے پانچ سالوں سے اس ہاسپٹل کی تعمیر جاری تھی تاکہ تمھیں شہر جا کر کام نہ کرنا پڑے۔۔۔ تم یہاں پر ہی کام کر سکو۔۔ اس طرح داجی اور کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔۔ یہ ہسپتال تمھارا ہے۔۔ تم یہاں جیسے چاہو کام کرو۔۔ شہرام نے اس کے قریب ہوتے اس کے ہاتھ نرمی سے پھر سے تھامے۔۔

وہ اس وقت گلابی کلر کی ڈریس میں ملبوس دمک رہی تھی۔۔ جس پر بڑی سی سیاہ چادر اس نے اچھی طرح خود پر لپیٹ رکھی تھی۔۔

حویلی سے نکلتے ہوئے اس نے نقاب کر رکھا تھا۔۔ ہاسپٹل داخل ہونے پر اس نے نقاب اتار دیا تھا۔۔

شہرام اسے ہر جگہ چہرہ ڈھانپنے کا نہیں کہتا تھا۔۔ورنہ حویلی میں باقی مرد باہر مردوں کے سامنے بھی اپنی عورت کو چہرہ ڈھانپنے کو کہتے تھے۔

یہ ہسپتال تم نے کیسے بنایا؟؟۔۔وہ ابھی تک حیران تھی۔۔

داجی نے میرے نام جو زمین کر رکھی تھی۔۔یہ وہی زمین ہے۔۔

اچھا یہ زمین داجی کی ہے اور اس پر کنسٹرکشن کے لیے تم نے یقیناً ارحام لالا ،،زاران لالا یا پھر اسفند لالا سے رقم لی ہو گی۔۔ تمھارے پاس تو اتنا سرمایہ کبھی نہیں ہو سکتا۔۔وہ ہاسپٹل سٹاف روم کو پذیرائی نظروں سے دیکھتے بے ساختہ بولی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام اس کے ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔۔جسے بہارے نے کچھ خاص محسوس نہیں کیا تھا۔۔نہ ہی شہرام کی آنکھوں کی ماند پڑتی چمک کو

دیکھا تھا۔۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ ہوتے اتنے بڑے خوبصورت سے سٹاف روم کو دیکھ رہی تھی۔۔ جہاں جدید نرم سے صوفے پڑے تھے۔۔ ریلیکسیشن کرسیاں تک رکھی گئی تھی۔۔ یقیناً یہ ڈاکٹرز کے لیے تھیں۔ تاکہ اپنے فارغ وقت میں یہاں خود کو ریلیکس کر سکیں۔

شہرام تمھارا بہت بہت شکریہ۔۔۔۔ تم نے یہ ہسپتال بنوایا۔۔ مجھے یہ ہسپتال بہت پسند آیا ہے۔۔ ہمارے چاروں طرف دیکھتے ایکسائیٹڈ لہجے میں بولی۔۔

شہرام اس کی بات پر پھیکا سا مسکرا دیا تھا۔۔

شہرام مجھے یہاں پر ڈاکٹرز کا ہیڈ نہیں بننا۔۔مجھے ایک عام ڈاکٹر کے طور پر یہاں کے لوگوں میں مل جل کر کام کرنا ہے۔۔مجھے اپنی ایفرٹس سے یہاں پر اپنا مقام بنانا ہے۔۔

میں صرف یہاں پر ڈاکٹر بہارے کے طور پر کام کرنا چاہتی ہون۔۔مسسز شہرام کے طور پر مجھے یہاں پر کام نہیں کرنا۔۔بہارے کی بات پر شہرام کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ پھیلی۔۔

یقینًا اسے اس ہسپتال میں ایک ان پڑھ میٹرک پاس انسان کی بیوی کہلوانا پسند نہیں تھا۔۔

وہ بہارے کی رگ رگ سے واقف تھا۔۔وہ آج اسے ان پڑھ گنوار نہیں کہہ سکی تھی۔۔یقینًا اس کے ہسپتال بنوانے پر وہ اسے اتنا مارجن دے چکی تھی۔

میں نے دیکھا ہے۔۔ لوگ تمھیں یہاں پر پہچانتے ہیں۔۔ وہ لوگ اس لیے تمھاری عزت کر رہے ہیں۔ تم نے ان کے لیے یہ ہسپتال بنوایا ہے۔۔ یہاں کے لوگوں کی عادت ہے۔ کوئی ان کے لیے ذرا سا بھی کچھ کرے۔۔ وہ انھیں اپنا مسیحا سمجھنے لگتے ہیں۔

مگر مجھے سب کا مسیحا نہیں بننا۔ صرف ایک ڈاکٹر بننا ہے۔۔ اپنی قابلیت سے اپنے آپ کو منوانا ہے۔۔ اپنی کامیابی پر میں مزید تمھارے نام کا سہرا نہیں سجا سکتی۔۔ بہارے اپنی ہی رو میں بے حسی سے مخاطب تھی۔۔۔۔

وہ آج بھی اسے کوئی کریڈٹ دینے کو تیار نہ تھی۔

اوکے جیسے تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔۔ تمھیں یہاں کوئی میرے نام سے نہیں جانے گا۔ ویسے بھی مینجمنٹ میں ہی سنبھال رہا ہوں۔۔۔۔ تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ تم جیسے چاہو یہاں پر کام کرو۔۔ تم آج سے

ہی کام شروع کرنا چاہو تو تم کر سکتی ہو۔۔جب تمھاری ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔۔مجھے کال کر دینا۔۔میں ہسپتال کے باہر گاڑی میں تمھیں ملوں گا۔

شہرام سپاٹ انداز میں کہتا دروازے کی جانب بڑھا۔۔اور فکر نہ کرنا گاڑی ہاسپٹل سے کافی دور کھڑی کروں گا۔کسی کو یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ تم مجھے پرسنلی طور پر ذرا بھی جانتی ہو۔۔۔وہ اپنی مردانہ شال کندھوں پر جھٹکتے اس کی طرف مڑا تھا۔اور س پر ایک نظر ڈالتا تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

حور پنک کلر کے باتھ روب گاون میں ملبوس واش روم کے بڑے سے مرر کے سامنے کھڑی تھی۔۔واش روم بہت بڑا اور بہت جدید تھا۔۔۔جہاں ایک طرف۔۔۔شاور گلاس کبین بنا تھا۔۔۔ایک ہی رو میں بنے ایک سے

زائد واش بیسن۔ اور ان کے سامنے لگے جدید فینسی مرر۔۔ ایک کارنر میں

راونڈ شیب میں باتھ ٹب تھا۔۔۔ اس کے اوپر جدید فینسی روف شاور۔۔۔

واش روم میں ایک طرف بہت خوبصورت گلاس الماری بنی تھی۔۔ مگر اس

میں صرف ٹاولز،، باتھ روب گاؤن اور ضرورت کی کچھ اور چیزیں

تھیں۔ جن میں اس کی بے شمار پرائیوٹ چیزیں،، اس کی بے شمار نائٹیز

تھیں۔ یہی سامان تھا جو ارحام نے اس کے لیے نیا اور ایک سے بڑھ کر ایک

خریدا تھا۔۔۔ آئینے کے آگے کھڑے ہوتے حور کے لبوں پر تلخ زخمی

مسکراہٹ دوڑی۔۔ وہ اس وقت شارٹ سے باتھ روب گاؤن میں ملبوس

تھی جو ارحام کی پسند کا تھا۔۔

وہ شائد اس کے لیے صرف دل بہلانے کا ذریعہ تھی۔۔۔ وہ سمجھتی تھی وہ

اس کا شوہر ہے۔۔ اس پر حق رکھتا ہے۔۔ تبھی تو اس کی اتنی سختی پر بھی کبھی

اس کے لمس سے اس کی قربت سے اسے کراہیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔۔اس کی آگ جیسی قربت اسے اذیت میں ضرور مبتلا کرتی تھی۔۔ مگر ناگواری کا احساس کبھی نہیں ہوا تھا۔۔ مگر اپنا آپ اسے اس وقت صرف کھلونا لگتا تھا۔۔

ان قربت کے لمحات میں احساس زیاں، زیادہ شدت اختیار کرنے لگتا تھا ۔۔۔جو اس نے ارحام خانزادہ کے ساتھ کیا۔۔اس کی بیوی کو اس سے دور کر دیا۔۔وہ گل سے کتنی محبت کرتا ہے۔وہ جانتی تھی۔۔ تبھی تو اس کے کپڑے اس کا زیور تک سنبھال کر رکھا تھا۔۔۔وہ اسے گل کے کپڑوں میں دیکھ کر شائد سکون محسوس کرتا تھا۔۔۔کیونکہ وہ اسے بھولنا نہیں چاہتا۔۔حور نے اذیت سے ہچکی لی تھی۔۔وہ جیسا بھی تھا۔اس کا شوہر تھا

۔اس کے لیے یہ بات دردناک، اذیت پر محیط تھی۔۔وہ آج تک اپنی پہلی بیوی کو نہیں بھولا تھا۔۔

حور آئینے میں اپنا دو آتشہ روپ دیکھ کر تلخی سے مسکرائی۔۔کیا فائدہ اس روپ کا جب اس سفاک بے مہر انسان کے دل میں ہی نہ اتر سکا تھا۔۔

وہ کل رات بھی اسے بھنبھوڑتا رہا تھا۔۔آج بھی صرف اسے اپنی خواہش اپنی ضرورت کی پرواہ تھی۔۔۔

اور وہ کیسے سوچ سکتی ہے کہ وہ کبھی اس کے دل تک رسائی حاصل کرے گی۔۔اس نے اس کی بیٹی کو اس سے جدا کر دیا۔۔۔اس نے اکثر موبائل میں اسے پریذے کی تصویر کو دیکھتے دیکھا تھا۔۔

حور شدت غم سے رو دی تھی۔۔وہ سمجھتی تھی کسی سے بچھڑنے کا غم کیا ہوتا ہے۔۔

سلطان شاہ نے اس کی ماں کا قتل کیا تھا۔۔یہ حقیقت جان کر بھی اسے اپنے باپ سے نفرت نہیں ہوئی تھی۔۔اس کے ہر پل ہر ہر لمحہ ہر یاد میں آج بھی اس کا باپ تھا۔۔ایسا کون سا لمحہ نہیں تھا۔جب اس نے سلطان احمد کو یاد نہ کیا ہو۔۔۔

ارحام خانزادہ تو لکی تھا۔۔اس کے پاس اس کی بیٹی کی تصویر تھی۔۔اس کی بیوی گل کی یادیں اس کمرے اس واش روم میں بکھری پڑیں تھیں۔

وہ کتنی بدنصیب تھی۔اس کے پاس سلطان شاہ کی کوئی تصویر کوئی نشانی نہیں تھی۔۔ان سرٹیفیکیٹ پر ان پیپرز پر اس کے باپ کے ہاتھوں کا لمس

تھا۔۔ان کے سائن تھے۔۔جو اس ستم گر ظالم بے مہر انسان نے جلا دیے۔۔

حور سلیب پر دونوں ہاتھ جمائے سسکتے ہوے رو پڑی۔وہ کیسے نہ ڈرتی اس ظالم انسان سے۔۔ جس نے نکاح کی رات اپنی بربریت کا ایسا روپ دکھایا تھا۔۔اس کا نازک وجود آج بھی یاد کر کے کانپ اٹھتا تھا۔۔

وہ زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا تھا۔۔۔وہ سچ میں سفاک تھا۔

وہ یہاں سے اب کہیں نہیں جانا چاہتی تھی۔۔باہر کی دنیا بہت ظالم تھی۔۔اپنے ہی گھر میں اس کا سودا کر دیا گیا تھا۔

اس کی ماں کو اس کے ہی محرم نے مار دیا تھا۔ اور اس گرین ساحرانہ آنکھوں والے شہزادے نے ایک لمحہ نہیں لگایا تھا اسے اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے۔۔

ارحام خانزادہ ظالم تھا جابر تھا۔۔ سفاک تھا بے مہر تھا مگر اسے اتنا یقین تھا۔۔ وہ اس کی حقیقت سن کر بھی اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ کیونکہ اس کی نفرت محبت سے بھی زیادہ طاقتور تھی۔۔ اس کی جنونیت اس کی آگ جیسی قربت سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی۔۔ نفرت تو عشق جیسے جذبے سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔۔ اس کی نفرت اسے کبھی چھوڑنے نہیں دے گی۔۔ وہ اسے اب ہمیشہ ان اونچی دیواروں والی حویلی میں قید کر کے رکھے گا۔۔

وہ آئینے میں دیکھتے بے تحاشا رو دی تھی۔۔۔

ارحام ڈریسنگ روم سے نکلتے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔۔واش روم سے آتی سسکیوں پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

اس کی سسکیاں سنتے ارحام خانزادہ کا چہرہ پل میں سرخ ہوا۔۔۔

وہ کس بات کا ماتم منا رہی تھی اندر؟؟۔۔اس نے تو اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔۔پھر کیوں رو رہی ہے وہ اتنا؟؟۔۔

وہ اپنا لب بے دردی سے کچلتا واش روم کی جانب بڑھا۔۔۔اس کا ایسے رونا اسے اپنے دل پر تازیانے کی طور پر محسوس ہو رہا تھا۔۔

واش روم کے ہینڈل پر ہاتھ رکھنے کی دیر تھی۔۔وہ کھلتا چلا گیا۔۔۔وہ آئینے کے آگے منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی بے تحاشا رو رہی تھی۔وہ صرف آنسو

نہیں بہار ہی تھی۔۔ماتم منا رہی تھی۔۔ارحام یہ دیکھتا غصے سے اس کی جانب بڑھا۔۔

ارحام غصے سے حور کی جانب بڑھا جو منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکنے کی ناکام سعی کرتے زارو قطار رو رہی تھی۔۔

ارحام ایک ہی جست میں اس تک پہنچتا اسے کندھے سے جکڑتا اس کا رخ اپنی طرف موڑے اسے سلیب سے لگا چکا تھا۔

ارحام خانزادہ کو اپنے قریب دیکھ کر اس کے آنسو تھم چکے تھے۔وہ اب پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے بے حد قریب کھڑے ارحام کو دیکھ رہی

تھی۔۔ جس کی پر تپش سانسوں کی حدت اس کے ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔

ارحام کی سرد نگاہیں دیکھتے حور کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

کیوں رو رہی ہو؟؟ کیا ہوا ہے؟؟ ارحام نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔

وہ اسے دیکھتے اپنی سانسیں روک چکی تھی۔ اسے نہ چاہتے ہوے بھی اپنا لہجہ نرم کرنا پڑا۔۔

ورنہ اس کے ایسے رونے پر رات سے بھی زیادہ غصہ آیا تھا۔۔ اس کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔۔ یہ آنسو اسے کتنی جھنجھلاہٹ اور طیش میں مبتلا کر رہے تھے۔۔ وہ وہی جانتا تھا۔۔

حور سرخ متورم آنکھوں سے اسے دیکھتے سانسیں روکے کھڑی تھی۔۔

اس کے ایسے سانسیں روکنے پر ارحام نے اس کے گال پر بہت نرمی سے اپنا ہاتھ جمائے اس کی کمر کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیا۔۔ایک ہاتھ سے اس کے عارض سے بہت نرمی سے بہتے آنسو صاف کیے۔۔

کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو؟؟طبعیت تو ٹھیک ہے تمھاری۔۔ارحام نے بہت پیار سے پوچھا تو حور نے گہرے سانس لیتے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔

اس کی بے یقین نگاہیں دیکھتے ارحام نے اپنی نظریں چرائی تھیں۔۔۔وہ اس کی اتنی سی نرمی پر ایسے حیران ہو کر دیکھتی تھی۔۔وہ نہ چاہتے ہوے بھی اس کی نگاہوں سے نظریں چرانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس کا بے یقین ہونا بنتا تھا۔۔وہ کب اس سے ایسے بات کرتا تھا۔

مم۔۔میری طبعیت۔۔۔ٹھیک نہیں ہے۔۔اس کی نرمی پر پہلے زیادہ رونا آیا تھا۔۔وہ آنکھیں جھپک جھپک کر اپنے امڈتے آنسوؤں کو روکتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ارحام نے بے تابی سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔۔

اس کا بدن کا ٹمپریچر نارمل تھا۔۔ارحام گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔وہ صرف اس کے ڈر سے اپنی طبعیت کی خرابی کا بہانہ کر رہی تھی۔

ارحام نے اب لب بھینچے اسے دیکھا۔۔وہ کیوں اتنا رو رہی ہے؟!۔وہ ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔

ناشتہ کرو گی تو طبعیت ٹھیک ہو جائے گی۔۔اس کے بعد میڈیسن لے لینا۔۔ بلکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔۔ ہمم۔۔۔۔ارحام نے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ جمائے کہا۔۔

اس کی آنکھوں کو پھر سے پانی سے بھرتا دیکھ کر وہ گہرا سانس بھرتا رہ گیا تھا۔۔وہ اسے کلائی سے نرمی سے تھامے کمرے میں لے آیا تھا۔۔

اسے بیڈ پر بٹھا کر اس کی ٹانگوں پر کمبل دیا تھا۔وہ بلکل ایک کانچ کی گڑیا کی مانند اس کا خیال رکھ رہا تھا۔

دروازے پر دستک پر ارحام نے دروازہ کھولا تو درخشاں ناشتے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔ ارحام نے ناشتے کی ٹرے تھامتے اسے جانے کو کہا۔۔ دروازہ لاک کیے وہ حور کی طرف بڑھا۔

ارحام نے ناشتے کی ٹرے حور کے سامنے رکھی۔۔

جلدی سے یہ ختم کرو۔۔ اس کے بعد میں تمھیں میڈیسن دیتا ہوں۔۔ ارحام حور سے کہتے خود واش روم چلا گیا تھا۔۔۔

جو کمبل سینے تک لپیٹے اس کی طرف پشت کیے لیٹی ہوئی تھی۔

ناشتے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر پڑی تھی۔۔اس نے دو چار نوالے ہی لیے تھے۔۔ناشتہ ویسے ہی پڑا تھا۔۔

اس نے درخشاں سے اس کے لیے سپیشل ناشتہ بنوایا تھا۔۔ چکن سینڈوچ۔۔ فروٹس سیلڈ۔ بریڈ ٹوسٹ مارجن جام۔۔ املیٹ پراٹھا۔۔اور مٹن کا سوپ بھی بنوایا تھا۔۔ساتھ میں فریش اورنج جوس بھی بنوایا تھا۔۔

مگر اس نے تو سینڈوچ کی ایک دو بائٹ صرف لی تھیں۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا۔

حور ارحام کو اپنے قریب بیٹھا دیکھ کر اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔اس کی حرکت پر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔۔اسے اندازہ ہوا تھا۔۔وہ کم عمر تو

تھی۔۔اس میں نازو اندام بھی بہت تھا۔۔اسے ناز نخرے کرنا آتے تھے۔۔مگر اس نے ہی آج تک اٹھائے نہ تھے۔۔

اٹھو ناشتہ کرو۔۔۔ارحام نے اسے آنکھیں موندیں دیکھ کر نرمی سے کہا۔۔

دل نہیں چاہ رہا۔۔حور نے آنکھیں کھولتے آہستگی سے کہا۔۔ارحام کو خود کی طرف گہری اور گرم نگاہوں سے دیکھتے وہ جلدی سے دوسری طرف کروٹ پلٹ چکی تھی۔۔اس کی گرم نگاہوں کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔۔

ارحام کچھ پل اس کے پاس بیٹھا اس کی پشت پر بکھرے براؤن سلکی بالوں کو دیکھتا رہا۔۔ ارحام نے ہاتھ بڑھا کر اس کے براؤن بالوں کو نرمی سے چھوا۔۔

وہ اس کی طرف جھکتے اس کے کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ گیا تھا۔۔ حور اس کے پر تپش لمس پر کانپی سی تھی۔

کیا چاہتی ہو؟؟ کیوں میرے جذبات بھڑکا رہی ہو؟؟۔ یہ ادائیں دکھا کر۔۔ ارحام نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سی سرگوشی کی۔۔

حور ارحام کی سرگوشی پر اور اس کی بات کا مطلب سمجھتے گھبراتے ہوے اس سے تھوڑا دور کھسکی۔

جو ارحام خانزادہ کو کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔۔ ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اپنی طرف کھسکاتے سیدھا کر چکا تھا۔

حور آنکھیں بڑی کیے ایک ٹک ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔

وہ اس پر جھکا اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔ اس کی کھردری انگلیوں کا لمس نرم تھا۔۔ اس کی نرم نگاہوں کا تاثر سرد تھا۔

یہ ناراضگی یہ نخرے دکھانا بند کرو۔۔ اٹھو ناشتہ کرو۔۔ ارحام کا سرد لہجہ تحکم سا تھا۔۔ جسے محسوس کرتے حور نے اپنی سنہری شکوہ کناں نم زدہ نگاہیں ارحام پر ٹکائیں۔ جن سے شفاف موتی گرتے سرخ عارض کو چھو رہے تھے۔

وہ اس کی آنکھوں میں ابھرتے شکووں کو سمجھ چکا تھا۔۔۔

ارحام اس کی سنہری آنکھوں میں شبنم دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ٹھہرا درد تو سمجھ آتا تھا۔۔اپنی سفاکی سے بھی وہ بخوبی واقف تھا۔۔

سامنے بیٹھی کانچ سی گڑیا تو اس کی سختی اس کی بے رحمی کی عادی ہو چکی تھی۔۔

اس طرح آنسو بہانا تو اس نے چھوڑ دیے تھے۔۔ مگر آج ان آنکھوں میں بار بار یہ شبنم کیوں ٹھہر رہی تھی۔۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔سامنے لیٹی کانچ سی گڑیا اس کی نرمی ہی تو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

ناشتہ کیوں نہیں کر رہی؟؟ ارحام کا لہجہ سنجیدہ ہوا۔۔۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔۔ حور نے آہستگی سے کہا۔

جب کھاؤ گی تو بھوک بھی لگ جائے گی۔۔ ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔۔

ارحام نے سائیڈ ٹیبل سے ٹرے اٹھا کر حور کے سامنے رکھی۔۔

ارحام نے پراٹھے اور املیٹ کی بائٹ بنا کر اس کے منہ میں ڈالی۔۔ حور نے خاموشی سے وہ بایٹ کھالی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے لقمے بنا کر اس کے منہ میں ڈال رہا تھا۔۔

حور ڈبڈبائی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ سنہری کانچ سی آنکھوں میں آنسوؤں کی تہہ بڑھتی جا رہی تھی۔۔

حور کو اب آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔۔

ارحام نے اسے پورا پر اٹھا کھلانے کے بعد فریش جوس کا گلاس اٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا۔۔

حور نے دو گھونٹ پیتے گلاس پیچھے کیا تھا۔۔ ارحام نے حور کو بغور دیکھتے گلاس ٹرے میں واپس رکھا تھا۔۔

اب وہ بریڈ پر مارجن لگا رہا تھا۔۔ ارحام نے ٹوسٹ بناتے حور کے منہ کی طرف بڑھایا۔۔

حور نے ہلکا سا دانتوں سے کاٹ کر ایک ہاتھ سے پیچھے کیا تھا۔۔

تمھیں یہ نہیں پسند۔۔ ارحام نے حور کو دیکھ کر پوچھا۔۔ اس کے منہ کے بدلتے زاویے کو دیکھ کر وہ یہی سمجھا تھا۔

عرصہ ہو گیا ہے مجھے یہ یاد رکھے کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا پسند نہیں۔۔۔ حور کی بات پر ارحام اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔ اس کا سچ برداشت نہیں ہوا تھا۔۔

مجھے اور نہیں کھانا۔۔ حور بھیگے لہجے میں بولی۔۔

ارحام کے ایسے کھانا کھلانے پر سلطان احمد کی یاد شدت سے اسے آئی تھی۔۔

ہر دوسرے دن وہ ان سے ناراض ہو جاتی تھی۔۔ وہ ہر دوسرے دن اس کے کمرے میں کھانے کی ٹرالی سجائے لاتے تھے۔ بے شمار کھانے اس ٹرالی میں سجے ہوتے تھے۔ وہ گھنٹوں اس کے سامنے بیٹھ کر اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے تھے۔۔

وہ کتنے نخرے دکھاتی تھی۔۔ انھیں کتنا ستاتی تھی۔۔ وہ اتنا ہی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیے تب تک اس کے پاس سے اٹھتے نہیں تھے۔۔ جب تک اسے کھانا نہ کھلا دیں۔۔

وہ جب سے یہاں آئی تھی۔۔ آج پہلی مرتبہ تھا اس نے اتنا کھانا کھایا تھا۔۔ ورنہ وہ بمشکل آدھی روٹی ہی کھا پاتی تھی۔ وہ بھی صرف جلدی جلدی نگلتی ہی تھی۔ اس ستم گر کی شدتیں سہنے کے لیے وہ تھوڑا بہت کھا لیتی تھی۔۔ ورنہ وہ کبھی اتنا بھی نہ کھاتی۔

اوکے یہ جوس فنش کرو۔۔۔ پھر تمھیں میڈیسن بھی لینی ہے۔۔ ارحام نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔۔

حور نے ارحام سے گلاس تھام کر لبوں سے لگایا۔۔ وہ ایک ہی سانس میں ختم کر گئی تھی۔۔ وہ مزید اس ستم گر کو اپنے سامنے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اسے دیکھ کر سلطان احمد شاہ کی یاد آج شدت سے آ رہی تھی۔ ارحام نے گلاس اس سے تھامتے اس کے ہاتھوں کی لغزش کو بغور دیکھا تھا۔۔

ارحام نے ٹرے اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔۔ حور اس کی طرف سے رخ پلٹے کمبل لیے آنکھیں موندیں لیٹ چکی تھی۔۔ ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر کمرے کی لائٹ آف کرتا باہر نکل گیا تھا۔۔

حور ارحام کے جانے کے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں دبوچے پھر سے سسک اٹھی تھی۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔ اس نے سسکتے ہوئے سلطان احمد شاہ کو پکارا تھا۔

دروازہ بند کرتے ارحام اس کی دبی دبی سسکیاں سنتے ٹھہرا تھا۔۔

اس کی بلند ہوتی سسکیوں میں لفظ پاپا سنتے وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ وہ کچھ لمحے وہاں کھڑا رہا۔۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

ابرش اپنے کمرے کی گلاس ونڈو پر نظریں جمائے سرسبز پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ دل دہکتا تندور بنا ہوا تھا۔۔ جلتی لکڑیوں پر پانی ڈالنے سے جیسے شعلے بھڑکتے ہیں بلکل وہ ایسے ہی دہک رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ پچھلے دو دن سے اسلام آباد میں تھا۔۔ آج صبح وہ حویلی آگیا تھا۔۔ اب رات کے بارہ بج رہے تھے۔۔ مگر اس نے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔۔

اس کے حویلی کی آمد کا بھی اسے پلوشہ سے پتہ چلا تھا۔۔ جس نے اس کے کلف لگے کپڑے استری کر کے مردانے میں بھجوائے تھے۔۔

اسے درخشاں نے بتایا تھا۔ زاران نے سپیشل پلوشہ سے اپنے کپڑے پریس کرنے کو کہا ہے۔ اسے اس کے ہاتھ کے آئرن کپڑے بہت پسند تھے۔۔

پلوشہ نے اس کے سامنے ہی اس کے لیے کتنی بار قہوہ بنا کر مردانے میں بھجوایا تھا۔۔

وہ اس کے سامنے بڑے دھڑلے سے زاران کے کام کر رہی تھی۔۔ ارش کو آج ایسا محسوس ہو رہا تھا۔۔ جیسے اس کا زاران خانزادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ وہ محبت کا تعلق بھی نہیں ہے۔۔۔ جو کبھی زاران خانزادہ نے اس سے استوار کیا تھا۔۔

وہ کیا اب ساری عمر اس کمرے میں صرف اس کی نام کی بیوی بن کر رہے گی۔۔۔۔ وہ اسے یہاں سے کبھی جانے تو نہیں دے گا۔۔ وہ جانتی تھی ۔۔ مگر وہ کیا ایسے ہی اپنی زندگی گزارے گی۔۔

وہ اب صوفے پر بیٹھے بیٹھی سامنے لگی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔۔ جہاں اب ایک بج رہا تھا۔۔

بھیگتی رات اسے احساس دلا رہی تھی۔۔وہ کمرے میں نہیں آئے گا۔۔ابرش صوفے سے اٹھتے بیڈ کی جانب بڑھی تھی۔۔بیڈ پر گرتے وہ بے بسی کے احساس سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زاران لاونج میں امینہ خانم کے ساتھ بیٹھا تھا۔۔۔تھکن اظطراب اس کے انگ انگ میں پھیلی تھی۔ایک صوفے پر امینہ خانم اور زاران بیٹھے تھے۔۔اس کے قریب ہی سنگل صوفے پر پلوشہ بیٹھی تھی۔۔۔

ان کے سامنے روزینہ خانم بیٹھی تھیں۔

امینہ خانم کی رات کو طبعیت آچانک خراب ہو گئی تھی۔ان کا بی پی آچانک سے شوٹ کر گیا تھا۔۔زاران انھیں لیے رات کو ہی ہاسپٹل چلا گیا تھا۔۔وہ رات بھر امینہ خانم کے ساتھ ہاسپٹل رہا تھا۔۔پلوشہ بھی ساتھ تھی۔۔

وہ لوگ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہاسپٹل سے آئے تھے۔۔

امینہ خانم کی طبعیت اب کافی بہتر تھی۔۔مگر ایک ہی رات میں وہ نچڑ کر جیسے رہ گئی تھیں۔بہت مضمحل نظر آرہی تھیں۔

وہ پلوشہ کی طرف جھکے اسے امینہ حانم کی میڈیسن اور ان کی ڈائٹ کے متعلق ہدایت دے رہا تھا۔۔

پلوشہ بظاہر تو دوسرے صوفے پر براجمان تھی۔۔ مگر زاران کے بے حد قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

ابرش آتشی گلدبی سمپل ساڈریس پہنے اسی لمحے سیڑھیاں اترتے نیچے لاونج میں آئی۔۔ زاران کو پلوشہ کی طرف جھکے باتیں کرتا دیکھ کر اس کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔ دل میں بھڑ بھڑ بھانبھڑ جلے تھے۔۔ ہر منظر صاف تھا۔۔ وہ رات کمرے میں کیوں نہیں آیا تھا۔۔ وجہ اس کے سامنے ہی تھی۔۔ زاران خانزادہ کی تو پلوشہ سے نظریں ہی نہیں ہٹ رہی تھیں۔ وہ اس کی طرف جھکے آخر کیا کہہ رہا تھا۔۔

جو اپنی مورے کا لحاظ ہی بھول گیا تھا۔

ابرش لاونج کے وسط میں کھڑے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔ اپنا وجود کم مایا اور بے توقیر لگا تھا۔۔ وہ سرخ آنکھوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس نے اس کی طرف ابھی بھی نگاہ نہیں ڈالی تھی۔۔ وہ بلو شلوار قیمض میں ملبوس بے انتہا ہینڈسم لگ رہا تھا۔۔۔ ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے وہ پلوشہ سے کوئی بات کرتے اب وہ مدھم سا مسکرایا تھا۔۔ پلوشہ اپنے سر پر گرین آنچل ٹھیک کرتے زاران کو دیکھ کر گہرا مسکرائی تھی۔۔

زاران کے مسکرا کر دیکھنے پر پلوشہ کا رنگ گلابی ہوا تھا۔۔ جو دور کھڑی ابرش کی جلتی آنکھوں نے بخوبی دیکھا تھا۔۔

سارا منظر صاف تھا۔۔ سب کچھ عیاں تھا۔۔ تو وہ پھر اس حویلی میں کیا کر رہی تھی؟؟۔۔ اور کیوں اس کی پابندیوں میں زندگی گزار رہی تھی؟؟

ابرش نے اپنے سر سے دوپٹہ اتارتے اسے گلے میں ڈالا۔۔

زاران کو اس کا دوپٹہ اتارنا نہیں پسند تھا۔۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اسے اس کے حکم کی رتی برابر پرواہ نہیں۔۔ وہ اسے صرف جلانا چاہتی تھی جیسے وہ جل رہی تھی۔۔

دفعتاً زاران کی نظر ابرش پر پڑی ت۔۔ وہ گلے میں دوپٹہ ڈالے کھڑی تھی۔۔ ہلکی بھیگی لٹیں اس کے عارض کو چھو رہی تھیں۔

وہ اسے بعیر دوپٹے کے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔۔ بلکہ زاران کے جبڑے بری طرح بھینچ گئے تھے۔۔ کندھے پر ایک طرف دوپٹہ جھول رہا تھا۔۔ فٹنگ شرت ٹراوزر میں ملبوس وہ اپنی تمام رعنائیوں سمیت کھڑی تھی۔۔ یہاں کسی بھی لمحے کوئی بھی حویلی کا مرد آسکتا تھا۔ مگر ابرش کو پرواہ نہیں تھی۔

زاران کی سرد اب ابرش کے وجود سے ہوتی برش کی سرخ بھیگی متورم آنکھوں سے ٹکرائیں۔۔وہ اس پر سلگتی نظر ڈال کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

زاران اس کے ایٹیٹیوڈ پر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔اس نے اسے سلام کرنا تو دور کی بات امینہ خانم کا حال پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔۔

بھابھی تم بہوؤں کے معاملے میں سچ میں بہت بد قسمت ہے۔۔پری گل سے جان چھوٹا تو وہ حور جیسا جھوٹا لڑکی تمھارا بہو بن گیا۔۔اور اللہ اللہ یہ ابرش توبہ توبہ۔۔۔روزینہ خانم نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔۔اس لڑکی سے تو اللہ بچائے یہ سب سے دو ہاتھ آگے ہے۔۔کل شام سے تمھارا طبعیت خراب ہے۔۔اس مہارانی نے تو اپنی ساس کا حال پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔پتہ نہیں کس نے کہا تھا امریکہ کا لڑکی کو اپنا بہو بنانے کا۔۔۔

ابھی کیسے طنطنہ سے ادھر گیا ہے توبہ توبہ۔۔روزینہ خانم گہرا مسکراتے ہوے طنزیہ بولی تھی۔۔

تم ٹھیک کہہ رہا ہے روزینہ خانم ہم واقعی میں بہوؤں کے معاملے میں بڑا بدقسمت ہے۔۔

اب چاہے وہ امریکہ سے ہو یا پھر ادھر حویلی سے۔۔۔ مگر قسمت ہمارا ایک جیسا ہی ہے۔۔امینہ خانم کی بات پر روزینہ خانم کے مسکراتے لب بھینچے تھے۔۔

وہ امینہ خانم کا طنز بخوبی سمجھ چکی تھیں۔۔۔

زاران مٹھیاں بھینچے وہاں سے اٹھتا مردان خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔ ابرش پر اتنا غصہ اشتعال تھا کہ اس کا دوپٹہ یوں گلے سے اتارنے پر بھی وہ اس کے پیچھے نہیں گیا تھا..

رعنا ہم کو ایک بات تو بتاؤ۔۔۔ یہ ابرش بی بی زاران لالا کا عورت ہے۔۔ باربینا نے برتن دھوتے ہوے اپنے ساتھ کھڑی گل رعنا سے پوچھا۔۔ باربینا کچھ دن پہلے ہی دوسرے گاؤں سے اس حویلی میں کام کرنے آئی تھی۔۔ ماں باپ بہن بھائی اس کے تھے نہیں۔۔ وہ گل ریز خان (چوکیدار) کی رشتہ دار تھی۔۔ گل ریز کے کہنے پر ہی امینہ خانم نے اسے کل وقتی ملازمہ رکھا تھا۔ جو درخشاں کے ساتھ اس کا کمرہ بھی شیئر کر رہی تھی۔۔

ہاں زاران لالا کا عورت ہے۔۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟؟ رعنا نے باربینا کے سوال پر اس سے پوچھا۔۔

ہمارا لیے یہ بڑا حیرانگی کا بات ہے۔۔ ابرش بی بی ان عورت ہے۔۔ مگر ہم جب سے ادھر آیا ہے۔۔ زاران لالا کو کبھی اپنے کمرے کی طرف نہیں جاتے دیکھا۔۔ اور تو اور کل آدھی رات کو وہ پلوشہ کے کمرے سے نکل رہا تھا۔۔ باربینا کی بات پر رعنا کی آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔۔ اس حویلی کا خان لوگ ایسا ہی ہے۔۔ اپنا عورت سے زیادہ باہر کی عورت میں دلچسپی رکھتا ہے۔۔ ارحام لالا جس کو پورا گاؤں والا بہت شریف سمجھتا تھا.. ادھر شہر میں اپنا دفتر میں کام کرنا والا لڑکی کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا۔۔ اس کا ساتھ اپنا راتیں کالی کیا۔ اور پھر اسے بڑے دھڑلے سے ادھر حویلی لے آیا۔۔ جب اس سے شادی کرنے کا بات آیا تو تو اس بیچارہ لڑکی سے اپنا ہر

تعلق سے مکر گیا۔۔ جب اس کا بیچارہ بیوی گل نے آواز اٹھایا تو اس کو ہی طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔۔ پھر برادری اور داجی کے ڈر سے اس لڑکی کو اپنا بیوی بنالیا۔۔ یہ زاران لالا بھی تو اسی کے چچا کا بیٹا ہے۔۔ ایک ہی خون۔۔۔۔۔ ہو گا تعلق اس پلوشہ سے۔۔۔ گل رعنا کی باتیں بار بینا انگلی منہ میں ڈالے تحیر زدہ ہوتے سن رہی تھی۔۔

کچن کے دروازے پر کھڑی ابرش نے یہ سنتے دراوازے کا سہارا لیتے اپنی چکراتے وجود کو سنبھالا دیا تھا۔۔

کیا ہوا ابرش باجی؟؟۔۔۔ درخشاں جو ابھی بھی کچن میں داخل ہوئی تھی۔۔ ابرش کی لٹھے کی مانند سفید رنگت دیکھتے پریشانی سے پوچھا۔۔

رعنا اور باربینا نے پیچھے مڑ کر ابرش کو دیکھتے اپنی نظریں چرائیں تھیں۔ ان کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ وہ سمجھ چکی تھی ابرش نے تمام باتیں سن لی ہیں۔ وہ مڑ کر اپنا کام کرنے لگیں۔

ابرش درخشاں کو بنا کوئی جواب دیے کچن میں داخل ہو گئی۔۔ وہ برنر کے قریب کھڑی آگ کی تپش کو محسوس کر رہی تھی کہ کونسی تپش زیادہ ہے ۔۔ برنر کی یا پھر اس کے وجود کو جھلساتی تپش۔۔۔

وہ جلتی ہوئی لکڑی کی مانند جل رہی تھی۔۔ کیا گل رعنا جو کہہ رہی تھی۔۔ وہ سچ تھا۔۔ کل رات زاران پلوشہ کے کمرے میں تھا۔۔ ابرش نے سلیب پر ہاتھ جماتے گہرے سانس لیے۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا وہ آج تک میرے قریب نہیں آیا۔ پھر وہ پلوشہ کے قریب کیوں جائے گا؟؟۔۔ میری

خوبصورتی اسے پگھلا نہیں سکی تو وہ اس پلوشہ کے قریب کیوں جاے گا؟۔۔وہ اتنا کمزور نہیں ہو سکتا۔۔

وہ تمھارے نزدیک اس لیے نہیں آیا کیونکہ وہ تمھیں سزا دینا چاہتا ہے۔۔وہ تمھیں اذیت پہنچانا چاہتا ہے۔۔کوئی اس کے اندر جیسے ہنسا تھا۔زاران خانزادہ کو اس کے وجود میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔۔۔وہ صرف اب اس کی ضد تھی۔۔

وہ اس کے دوپٹہ اتارنے پر بھی اس کے پیچھے کچن میں نہیں آیا تھا۔۔وہ برنر میں جلتی آگ کو دہکتی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ پلوشہ کچن میں داخل ہوئی۔۔وہ امینہ خانم کے لیے یخنی تیار کرنے آئی تھی۔۔پلوشہ ابرش پر

استھزائیہ نگاہ ڈالتے کچن میں رکھے فریج کی طرف بڑھی۔ فریزر سے گوشت نکالتے اس نے پریشر ککر میں چڑھایا۔۔

درخشاں گوشت گل جائے تو مجھے بتا دینا مجھے ترور (پھوپھو) کے لیے یخنی تیار کرنی ہے۔ پلوشہ درخشاں کو ہدائت دیتے باہر کی جانب بڑھی۔۔

بہت اچھا طریقہ ہے۔۔۔ کسی کے شوہر کو پانے کے لیے اس کی ماں کی خدمت کرنا۔۔ ابرش پلوشہ کو دیکھتے زہر خند لہجے میں بولی۔۔

پلوشہ باہر جاتے جاتے رکی تھی۔۔

کسی کو پانے کے لیے اس کی ماں کی خدمت کرنا میرے کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔۔

ہاں کسی کے شوہر کو پانا غلط ضرور ہے میرے نزدیک۔۔۔ مگر تم کس کے شوہر کی بات کر رہی ہو؟؟؟۔۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا۔۔ پلوشہ ابرش کے قریب جاتے سلگانے والے انداز میں بولی۔۔

تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ میں کس کی بات کر رہی ہوں۔۔ ابرش اس پلوشہ کے اعتماد پر اندر تک سلگ اٹھی تھی۔۔

یہ اعتماد زاران خانزادہ کا دیا ہوا ہی تو تھا۔ وہ یہ سوچ کر مزید جلی تھی

نہیں میں نہیں جانتی۔۔۔ تم مجھے بتاؤ۔ تم کس بات کی کر رہی ہو۔۔ پلوشہ کے چہرے پر استھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

میں اپنے شوہر کی بات کر رہی ہوں۔۔ جس کو تم پانے کے خواب دیکھ رہی ہو۔۔ ابرش کی بات پر پلوشہ تمسخرانہ ہنسی

کل تک میں بھی یہی سمجھتی تھی۔۔۔وہ تمھارا شوہر ہے۔۔اور یقین مانو کل تک میں اسے پانے کو بھول بھی چکی تھی۔۔

مگر مجھے یہاں آکر اندازہ ہوا۔۔تم تو اس کی نام کی بیوی ہو۔۔

اس کے علاوہ اس کا تمھارے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔۔

پلوشہ کی بات پر ابرش کا رنگ توہین و خجالت سے سرخ پڑا۔۔

تمھیں کوئی حق نہیں تم اس طرح میرے اور زاران کے متعلق بات کرو۔۔میرے اور اس کے بیچ کیا ہے یا نہیں تم ہوتی کون ہو یہ بات کرنے والی۔۔اپنی لمٹس میں رہو تو زیادہ اچھا ہو گا۔

ابرش انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے تنبیہ انداز میں بولتے بھڑک اٹھی۔اس کی بات کی گہرائی سمجھتے ابرش کا کچن میں موجود ملازماؤں کو دیکھتے رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔

تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا مس ابرش پاشا۔۔۔مجھے یوں وارن کرو۔۔۔لمٹس اپنی تم بھول چکی ہو۔۔اگر تمھاری زاران کی زندگی میں رتی برابر بھی حیثیت ہوتی۔۔میں کبھی تمھارے اور زاران کے بیچ آنے کا سوچتی بھی نہیں۔۔۔اس نے تمھیں آج تک منہ نہیں لگایا۔۔وہ تمھیں نظر بھر کر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔۔پوری حویلی جانتی ہے اس نے تمھیں ابھی تک بیوی ہونے کا حق نہیں دیا۔۔

پلوشہ کی بات پر ابرش کا ہاتھ پلوشہ کے گال کی زینت بنا تھا۔۔

کچن میں موجود ملازماؤں نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ درخشاں جلدی سے ابرش کی طرف بڑھی تھی۔۔

تمھیں اس تھپڑ کا حساب چکانا پڑے گا۔۔۔ زاران خانزادہ کو میں اپنا بنا کر رہوں گی۔۔ وہ تمھیں کسی صورت نہیں اپنائے گا۔۔

وہ کبھی تمھیں کوئی حق نہیں دے گا۔۔ تم جیسی لڑکی اس کی ضد ہو سکتی ہے۔۔ محبت نہیں۔۔۔ اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر تم اسی کے بھائی سے شادی کرنا چاہتی تھی۔۔ وہ تمھیں اس حویلی میں قید کر کے تو رکھے گا۔۔ مگر تمھیں کبھی بیوی ہونے کا مان نہیں دے گا۔۔

تم جتنے مرضی اس کے سامنے یہ ناٹک کر لو۔۔ پلوشہ اس کے دوپٹہ گلے میں ڈالنے پر اسے جتاتے ہوئے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

زاران رات دیر تک مردان خانے میں سمیع اللہ حان اور درید خان کے پاس بیٹھا رہا تھا۔۔ درید خان سمیع اللہ کو خدا حافظ کہتے اپنے کمرے کی جانب بڑھے تو انہوں نے زاران کو گھورنا ضروری سمجھا تھا۔۔ زاران اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔۔۔

تمھارا کیا آج ادھر سونے کا آرادہ ہے۔۔ سمیع اللہ خان نے زاران کو ابھی تک ادھر ہی جمے دیکھ کر قہر بار نگاہوں سے گھورا۔۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ داجی میں جانے ہی لگا تھا۔۔ زاران سٹپٹاتے ہوے کھڑا ہوا۔۔

زاران اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے ہوے ان کے کمرے سے نکل زنان خانے کی طرف بڑھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے زنان خانے کے لاونج میں داخل ہوا۔۔ مگر اپنے کمرے کی طرف نہیں گیا تھا۔۔

کل رات امینہ خانم کی طبعیت خراب ہو گئی تھی۔ پوری حویلی کو خبر ہو گئی تھی۔۔ مگر ابرش اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔۔

اور صبح امینہ خانم کی نقاہت زدہ طبعیت دیکھتے بھی اس نے انھیں پوچھنا تک گوارا نہیں کیا تھا۔۔

اس کی مورے بہت بے ضرر خاتون تھیں.. وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ کسی کے بھی رویے کا شکوہ نہیں کرتی تھیں۔۔۔ پلوشہ رات بھر ان کے ساتھ ہسپتال رہی۔۔ مگر ابرش نے ان کی طبعیت کا پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔۔

اس کا ابرش پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔ کمرے میں نہ جانے کی وجہ ابرش کا چھوٹے چھوٹے ٹاپ پہنا بھی تھا۔۔ جنھیں وہ نائٹیز کے نام پر پہن کر اس کے ظبط کا امتحان ہی لیتی تھی۔۔ وہ اس کی محبت یا محرم نہ ہوتی تو وہ کبھی اس پر ایک غلط نگاہ ڈالنا پسند نہ کرتا۔۔ وہ بہت مضبوط نفس کا مالک تھا۔۔ مگر مسئلہ یہ تھا۔ کمرے میں موجود لڑکی کی طلب اس کی سانسوں تک میں رچ چکی تھی۔۔ ایسے میں اس سے دوری بنائے رکھنا سانسوں سے تعلق توڑنے کے مترادف تھا۔

وہ گہرے سانس بھرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔۔ دروازہ کھولتے وہ اندر اخل ہوا۔ وہ سامنے ہی ریڈ سلیو لیس نائیٹی میں ملبوس کھڑی تھی۔۔ جو پیروں تک آرہی تھی۔۔ نائٹی تو پیروں تک تھی۔۔ مگر بے حد فٹنگ میں تھی۔۔ بیک لیس بھی تھی۔۔ ابرش ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی اپنے سنہری بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔ اس کا رات کے اس پہر اپنے بالوں میں برش کرنا زاران خانزادہ کو سمجھ نہیں آیا تھا۔۔

وہ اس کے سامنے آج پھر تمام ہتھیاروں سے لیس کھڑی تھی۔

زاران اسے ایک نظر دیکھتا واش روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔ اپنے سلگتے بدن کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس نے نیم گرم پانی سے شاور لینے لگا۔۔۔ وہ آج کی رات حویلی سے باہر نہیں گزارنا چاہتا تھا۔۔۔

ڈیرے پر رہنے سے اب سب کی نظریں سرد اور سوالوں سے مزین ہوتی تھیں۔جواب اس کے اور ابرش کے رشتے پر سوالیہ نشان کھڑا کر رہی تھیں۔۔۔وہ ایسا کبھی نہیں چاہتا تھا وہ تو صرف اسے ہرٹ ہونے سے بچانے کے لیے اس سے دور رہتا تھا۔۔محبت نہیں وہ اس کا جنون تھی۔۔اس کی سوچوں میں بھی کسی کا عکس برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔وہ اس کی غلطی معاف کرنے کا ظرف نہیں خود میں پا رہا تھا۔

اسے لگتا تھا وہ اس کے قریب چلا گیا تو اس کے اندر ابلتا لاوا وہ اپنی قربت کی صورت میں اس پر انڈیل دے گا۔۔

مگر اب مسئلہ یہ تھا۔۔وہ کمرے میں شعلہ جوالہ بنی اس کا ضبط ازمارہی تھی۔۔وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟؟۔۔وہ سمجھ رہا تھا۔۔اس کی ضدی

بیوقوف بیوی صرف اسے سلگانا چاہتی تھی۔۔ تڑپانا چاہتی تھی۔۔ اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو رہی تھی۔۔ وہ اسے ایسے دیکھتے اندر تک سلگ رہا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک نیم گرم پانی سے شاور لیتے خود کو پر سکون کرتا رہا تھا۔۔

وہ شاور لے کر باہر آیا تو اسے یقین تھا وہ اب تک سو چکی ہو گی۔۔ کیونکہ رات بہت بیت چکی تھی۔۔ وہ واش روم میں کافی دیر گزار کر آیا تھا۔

مگر وہ بیڈ کے وسط میں بیٹھی اپنے مومی پیرون کی لوشن سے مالش کر رہی تھی۔۔

وہ بوتل سے ذرا سا لوشن لیتے بوتل کو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اپنے چاندی جیسے ٹخنوں پر نرمی سے مل رہی تھی۔۔

اگر تمھارا ہو گیا ہے تو پلیز ذرا ادھر ہو جاؤ مجھے سونا ہے۔۔ زاران نے خشکی سے کہتے کمبل کھسکاتے اپنی طرف کیا۔۔ ابرش کندھے اچکاتے کھسکتی ہوئی اپنی سائیڈ پر ہو گئی تھی۔۔

زارن بیڈ پر چت لیٹا اپنی آنکھوں پر بازو رکھ رکھ گیا تھا۔۔

وہ اس کے قریب بیٹھی کافی دیر تک اپنے پاؤں کی مالش کرتی رہی۔۔

اسے نرمی سے چھوتے خود میں سمونے کی خواہش اندر بیدار ہوئی۔۔

وہ خوبصورت تھی۔۔ اس وقت شعلہ جوالہ بھی بنی ہوئی تھی۔۔ پورے بدن میں اسے پا لینے کی انگڑائی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

اگر وہ خوبصورت نہ بھی ہوتی جائز اور حق ملکیت کا رشتہ ہی ایسا تھا جسے پانے کے لیے اس کی تڑپ ناجائز نہ تھی۔۔زاران نے اپنا نچلا لب بے ردی سے کچلا تھا۔۔

اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو زاران کے حواسوں پر سوار ہو رہی تھی۔۔وہ اسے دور سے ہی مدہوش کر چکی تھی۔۔

یکدم ابرش اس کے اوپر آئی۔۔۔زاران نے آنکھوں سے بازو سے ہٹا کر اسے دیکھا۔۔ابرش نے اس کی طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوے اس کی سائیڈ سے لوشن اٹھایا تھا۔ابرش اس کے اتنے قریب تھی اس کی

دھڑکنیں تک زاران کو اپنے سینے میں بجتے محسوس ہو رہی تھیں۔۔ زاران کی آنکھوں میں خمار کی سرخی طاری ہوئی۔ زاران نے بہکی نگاہوں سے کمرے کی دودھیا روشنی میں اس کے وجود کی گہرائیوں کو پل بھر میں ماپ لیا تھا۔۔

زاران کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ وہ اس کے سنگ مرمر مخملی وجود کو آج بہت حق سے الگ ہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ غصہ اضطراب اشتعال سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہوا۔۔ وہ اس لمحے اور زندگی میں آنے والے تمام لمحوں میں صرف اسے اپنی سانسوں سے بھی زیادہ قریب رکھنا چاہتا تھا۔۔

ابرش زاران کی خمار الود نگاہوں میں دیکھتے دلکشی سے ایک بار پھر سے مسکرائی۔۔ وہ بہکی بہکی نگاہوں سے دیوانگی کے عالم میں بنا پلکیں جھپکائے

اسے دیکھ رہا تھا۔۔براؤن آنکھوں میں لال ڈورے تیر رہے تھے۔جو خمار کی سرخی کو ظاہر کر رہے تھے۔

اس سے پہلے وہ اس سے دور ہوتی ۔۔زاران اس کی کمر پر اپنا حصار قائم کرتے اس کے بالوں کو گدی سے نرمی سے پکڑتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں کے حصار میں قید کر چکا تھا۔۔وہ بہت نرمی سے ابرش کے لبوں کا جام پینے میں مصروف تھا۔۔ابرش کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو اسے مکمل بہکا چکی تھی۔۔وہ اپنے حواس میں نہ رہا تھا۔وہ مکمل طور پر جذبات کی رو میں بہک چکا تھا۔۔زاران کی گرفت ابرش کے لبوں پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔۔ایک ہاتھ اس کی بیک لیس پر نرمی سے گھوم رہا تھا۔۔

وہ اس کی خوشبودار سانسوں کو خود میں قید کیے اس کی سانسیں چرائے مکمل طور ابرش کے مہکتے وجود میں گم ہو گیا تھا۔۔ ابرش کے خوبصورت وجود کی دلکشی اسے بھلا چکی تھی کہ ان میں کوئی بھی رنجش کوئی بھی گلے شکوے تھے۔۔ زاران کا شدت بھرا لمس محسوس کرتے ابرش کی آنکھیں خوبخود بند ہوتی چلی گئیں۔ اس کا لمس آگ جیسا تھا۔۔۔۔ مگر اتنا ہی نرم تھا۔۔

وہ کافی دیر سے اس کے لبوں کی نرماہٹیں محسوس کر رہا تھا۔۔ زاران نے اپنی سرخ خمار آلود آنکھیں کھول کر ابرش کو دیکھا جو اس کے حصار میں آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔ وہ ذرا بھی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔۔ بلکہ وہ اس میں اس کا مکمل طور پر ساتھ دے رہی تھی۔۔

زاران اسے ایسے ہی بانہوں میں قید کیے رخ پلٹ گیا تھا۔۔

ابرش کو بیڈ پر گرائے اس پر مکمل طور پر حاوی ہوتے زاران نے سرخ آنکھوں سے ابرش کو دیکھا جو اپنی نشیلی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ کیوں مجھے بہکا رہی ہو؟؟ زاران اس کے نازک لبوں پر بہت نرمی سے اپنا انگوٹھا مسل رہا تھا۔۔ جو اس کی شدت سے قندھاری ہو گئے تھے۔۔

زاران کی خمار آلود نگاہوں کو دیکھتے ابرش کے لبوں پر دلکش شرمیلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ زاران نے بے قراری سے اس کے سرخ عارض پر ہاتھ رکھے جن سے نکلتی تپش محسوس کرتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔

یعنی کہ آگ دونوں طرف برابر لگی تھی۔ وہ اس کی خود سپردگی کا انداز دیکھتا مکمل طور پر اس کی وجود کی رعنائیوں میں گم ہو جانا چاہتا تھا۔۔ وہ مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مکمل طور پر اس کی تھی۔ حق ملکیت کا یہ احساس پہلی مرتبہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

زاران نے ابرش کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے اس کے بدن کے نشیب و فراز پر اپنی گہری گرم نگاہیں گاڑھیں۔

اس کا ناہموار بدن اس کی بل کھاتی کمر اس کے بدن کی رعنائیاں زاران خانزادہ کے ہوش اڑا چکی تھی۔ اس کا تو سانس لینا دو بھر ہوا تھا۔ دل اچھل کر حلق میں آیا۔

وہ کتنا بیوقوف تھا۔۔ جو اتنے دنوں سے اس مہکتے وجود کو نظر انداز کیے ہوے تھا۔۔ یہ سنگ مرمر سا بدن جو اس کی ملکیت تھا۔۔۔ یہ نظر انداز کرنے کے ہر گز قابل نہ تھا۔ زاران کا ہاتھ نرمی سے اس کے بدن کے ہر حصے کو محسوس کرتے اس پر مکمل طور پر اپنا حق جتا رہا تھا۔ ابرش نے یہ محسوس کرتے سرخ ہوتے اپنی آنکھیں بند کیں۔۔۔ یہ دیکھتے زاران کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی۔۔ ابھی ادائیں دکھا کر اس کے قریب آنا چاہتی تھی۔۔ اب اس کی ذرا سی بے باک جسارتوں پر وہ سرخ پڑتے آنکھیں موند چکی تھی۔

۔۔اس کی سپردگی کا یہ انداز اس کی ہر ادا آج زاران کو نئے سرے سے اس سے محبت کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اور وہ اسے پانے کے مچل رہا تھا۔۔اسے لگتا تھا وہ اس کے قریب جائے گا تو اس کی شدتوں میں جنونیت شامل ہو گی۔۔وہ اس پر غصہ اپنی جنون خیزیوں سے اتار کر اسے ہرٹ کر دے گا۔۔وہ آج بھی جنونی ہو رہا تھا۔۔اسے دیکھتا مکمل طور پر بہک رہا تھا۔۔مگر وہ اس نازک وجود کو وہ ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔اگر اسے پتہ ہوتا اس کا یہ مخملی وجود اسے سب کچھ بھلا دے گا۔۔وہ کب سے اس حسن کو مکمل طور پر تسخیر کر کے اپنا بنا

لیتا۔۔۔زاران نے اس کی لرزتی پلکوں کی جھالر دیکھتے بہت نرمی سے اپنے لب اس کی آنکھوں پر رکھے تھے۔

زاران کی گرم انگارہ سانسیں اس کی دھڑکنوں کے مقام کو چھو رہی تھیں۔۔ابرش کا بدن جی جان سے کانپ اٹھا۔۔

میں نے ابھی تو کچھ کیا بھی نہیں بیوی۔۔۔تم ابھی سے کانپنے لگی ہو۔۔زاران نے گھمبیر تا بولتے اس کی پیشانی پر اپنے عقیدت بھرے لب رکھے تھے۔۔ابرش کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

اس کے پر تپش دہکتے لبوں کا رقص اب اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر تھا۔۔ زاران نے اس کی ٹھوڑی پر اپنے دانت گاڑھے تو ابرش نے سسکی بھری تھی۔۔

زاران اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسائے

اس کے نرم لبوں پر جھکا تھا۔۔ جنھیں چھو کر اسے احساس ہوا تھا۔۔ ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نشہ کوئی سرور نہیں ھے۔۔ یہ نشہ یہ سرور اس کے رگ رگ میں سما کر اسے بے چین بے قرار کر چکا تھا۔۔ اس کا جنون لمحہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔۔ اس نے اس کی کلائیاں اب چھوڑ دی تھیں۔

زاران اس کے نرم لبوں پر اپنی دیوانگی اپنا جنون اتار رہا تھا۔۔ ابرش کا ایک ہاتھ زاران کے گھنے بالوں میں رینگ رہا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک اس کے لبوں

کی نرماہٹوں میں کھویا رہا۔۔ جس میں ابرش مکمل طور پر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔

زاران نے اوپر ہوتے لحظہ بھر ابرش کو دیکھا۔۔ جس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔۔ وہ اپنی نشیلی آنکھوں سے اسے دیکھتا ابھی بھی مدھم سا مسکرا رہی تھی۔۔ ان آنکھوں میں اس کی طلب خمار بن کر اتر رہا تھا۔۔ زاران نے اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی۔ وہ اس کی گردن پر جھکا دیوانہ وار اپنے لبوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔۔

ابرش جو زاران کو بہکانے اس کا غرور توڑنے کے لیے اس کے قریب آئی تھی۔ اسے اپنے سامنے وہ زیر کرنا چاہتی تھی۔۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول

چکی تھی۔۔وہ زاران خانزادہ کی پناہوں میں سب کچھ بھول کر مکمل طور پر اس کے دیوانگی بھرے لمس میں کھوتے بہک چکی تھی۔۔

تم میری طلب میری ضرورت میرا نشہ ہو۔۔میں کیسے تم سے دور رو سکتا ہوں؟؟۔۔میں کیسے تمھارے دلکش وجود کی رعنائیوں کو اگنور کر سکتا ہوں؟؟مجھے لگتا ہے مجھ سے بڑا بیوقوف کوئی نہیں۔۔۔بیوی۔۔وہ اس کے کان میں جھکتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کاٹ چکا تھا۔۔

ابرش جو اس کے لمس اس کے وجود میں مکمل طور پر بہک چکی تھی۔۔اس کے لفظوں نے اسے ہوش کی دنیا میں واپس پٹخا تھا۔یقدم ابرش کو اس کے لفظوں کی بازگشت اپنی سماعتوں میں سنائی دی۔۔

"اب تم سونے کی بھی بن کر آجاؤ۔۔۔۔میرے نزدیک تمھاری ویلیو پیتل سے بھی کم رہے گی۔۔ تمھارا یہ خوبصورت بدن تمھارے حسن کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہی۔۔ تم اب کبھی بھی زاران خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں نہیں بڑھا سکتی۔۔ تمھاری قربت کبھی اب میرے اندر کوئی پیاس نہیں جگا سکتی۔۔ یہاں تک کہ تم میری کبھی ضرورت بھی نہیں بن سکتی"""

یہ لفظ اس کی سماعتوں میں اترتے یکدم اس کا پورا وجود جیسے نیلا کر چکے تھے۔۔

وہ اس سے اپنی طلب اپنا نشہ پورا کر رہا تھا۔۔ وہ جب اس سے اپنی طلب پوری کر لیتا تو وہ پھر سے وہی زاران خانزادہ بن جاتا. جو اس کی غلطی معاف کرنے کا ابھی تک خود میں ظرف نہیں پا رہا تھا۔۔

وہ اپنے اور اس کے بیچ پلوشہ کو لے آیا تھا۔ جس کے لیے وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔

زاران نے کے لب اس کی گردن سے نیچے اس کے پورے بدن پر رقص کر رہے تھے۔۔

ابرش کی آنکھوں سے گرم سیال رواں ہوا تھا۔۔ وہ رات پلوشہ کے کمرے میں تھا۔۔ رات اس سے اپنی طلب پوری کر رہا تھا۔۔ آج بھی اس کے

نزدیک وہ خود آئی تھی۔۔اس نے اسے بہکایا تھا۔۔ورنہ وہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہ۔۔۔کیونکہ اس کے نزدیک اس کی کوئی ویلیو تھی ہی نہیں

یہ تو چند لمحوں کا سحر تھا۔۔۔جس کا جمود کل صبح تک ٹوٹ جائے گا۔۔یا کچھ ہی دیر بعد۔۔تلخ اذیت ناک سوچیں ابرش کے پورے وجود کو اذیت کی بھٹی میں جلا رہی تھیں۔

ابرش کا پورا بدن تندور کی مانند دہکنے لگا تھا۔۔سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

جسے زاران خانزادہ نے کچھ اور ہی سمجھتے اس کی نائٹی کی سٹریپ میں اپنی نگلیاں پھنسائیں۔۔

ابرش نے اپنے اوپر جھکے زاران کو پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔۔ زاران جو بلکل مدہوش ہوتا ابرش کی نایٹی ریموو کرنے لگا تھا۔۔ ابرش کے دھکا دینے پر وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔۔ زاران نے پیچھے ہوتے سرخ تحیر زدہ آنکھوں سے ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے آنکھوں میں نفرت سموئے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کے گال پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھا۔۔ اتنے قریب آکر وہ اس سے دور نہیں ہو سکتا تھا۔۔

ابرش اس کا ہاتھ غصے سے جھٹکتے بیڈ سے اٹھتی دور جا کھڑی ہوئی۔۔

زاران نے لب بھینچے ابرش کو دیکھا جو اب بیڈ کی دوسری سائیڈ کی طرف کھڑی اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔

زاران کی سانس بھی دھونکنی کی مانند ہی چل رہا تھی۔۔زاران کا چہرہ اور آنکھیں بھی ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

فرق صرف یہ تھا زاران کی حالت ابرش کی قربت پانے کے لیے ہو رہی تھی۔۔ابرش کی یہ حالت غم و غصے سے ہو رہی تھی۔۔

زاران اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلتے بیڈ سے اترتا ابرش کی جانب بڑھا۔

کیا ہوا ہے؟؟زاران نے اس کی طرف بڑھتے پوچھا۔۔لہجہ حتی المکان نرم ہی رکھا تھا۔۔مگر جتنا غصہ اسے ابرش کے ایٹیٹیوڈ پر آرہا تھا۔وہ وہی جانتا تھا۔۔وہ عین ٹائم اس کے جذباتوں کے ساتھ کھیل چکی تھی۔

تم نے کہا تھا۔۔ تم کبھی میرے قریب نہیں آؤ گے۔۔ میں سونے کی بھی بن کر آجاؤں تمھاری میرے نزدیک ویلیو پیتل سے بھی کم رہے گی۔۔

""I m nothing to you"

پھر کیوں آئے میرے قریب؟؟۔۔۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے چیختے ہوے پوچھا۔

میں تمھارے قریب آیا ہوں۔۔ زاران نے تحیر زدہ ہوتے پوچھا۔۔ اس کے سوال سے زیادہ اس کے چلانے پر حیران ہوا تھا۔

لیکن تم بھی تو یہی چاہتی تھی۔۔ تم خود میرے نزدیک آئی۔۔ تمھاری آنکھوں میں بھی تو میری طلب واضح تھی۔۔ زاران نے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا..۔ اس کا لرزتا بدن اس کا سرخ چہرہ اس کا چلانا سمجھ نہیں

آیا تھا۔۔اس وقت وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔وہ کچھ سمجھ پاتا۔۔دل و دماغ تو ابھی تک اس کی کچھ دیر والی قربت میں الجھے ہوے تھے۔۔۔۔جب وہ اس کے سانسوں سے بھی زیادہ نزدیک تھی۔۔وہ ابھی تک اسے پانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

میں تمھارے نزدیک آئی۔۔ابرش اپنے سینے پر انگلی رکھے تمسخرانہ ہنسی ۔۔میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتی تھی۔۔تمھارے لفظوں نے مجھے کتنا ہرٹ کیا ہے۔۔تمھیں بتانا چاہتی تھی..تم مجھے ایسے ہی ایک مرتبہ ٹھکرا چکے ہو۔۔میں تمھیں بتانا چاہتی تھی کہ تم مرد نہیں ہو۔۔ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

ابرش کا زخمی دل زاران کی بیوفائی سے فگار ہو رہا تھا۔۔ وہ رات پلوشہ کے ساتھ تھا۔۔۔ یہ بات اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔۔ وہ اپنی جلن کھولن اس طرح اس پر اتار رہی تھی۔

زاران کی آنکھوں میں اس کی باتوں پر دبا دبا غصہ عود کر آیات۔۔ آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔ جسے دیکھتے ابرش کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

مرد تھے تو اپنی بات پر قائم رہتے۔۔ کیا ہوا؟؟ ہے اپنے ہی لفظوں سے مکر گئے۔۔۔ ابرش زاران کے قریب ہوتے تمسخرانہ بولی۔

زاران کی بیوفائی نے اس کے اندر زاران کا ڈر احترام سب ختم کر دیا تھا۔۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔۔ مجھے ایکسپلوئٹ کر رہی تھی۔۔ مجھے اپنے سامنے زیر کرنا چاہتی تھی۔۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہمارے بیچ ہوا۔۔ وہ سب تمھارا دکھاوا تھا۔۔ دھوکہ تھا۔۔ زاران نے آنچ دیتے لہجے میں اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے پوچھا۔۔

وہ اس کی بانہوں میں اسے اپنا آپ سونپ چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنی طلب اپنا عکس اپنی محبت کی آنچ اس نے خود دیکھی تھی۔۔ وہ سب جھوٹ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتا زخمی نظروں سے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا مسٹر خانزادہ؟؟ تکلیف ہوئی۔۔ کیسا لگا؟؟ تمھیں بھی درد ہوا۔۔ مجھے بھی ہوا تھا۔۔۔ جب میں نے دلہن کی طرح سج سنور کر خود کو تمھیں سونپا تھا۔۔ تم نے مجھے دھتکار دیا تھا۔۔

آج تمھیں دیکھ کر لگ رہا ہے تمھیں کتنی تکلیف پہنچی ہے۔۔ دیکھو خود کی طرف۔۔۔ ابرش نے اس کی خمار زدہ سرخ آنکھیں اور اس کے گہری ہوتی سانسوں کو استھزائیہ دیکھتے مسکرائی۔۔

زاران اس کی بات پر اپنے مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔

تم نے ساری حویلی کے سامنے میرا مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔۔۔ اپنے اور میرے رشتے کا مذاق بنا دیا ہے۔۔ میرے تمھارے بیچ کچھ نہیں ہے۔۔ یہ حویلی کی ملازماؤں تک کو پتہ ہے۔۔ ابرش اب چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا

کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ اسے کیسے بتاتی وہ انگیٹھی میں جلتے بجھتے شعلوں کے مانند دہک رہی تھی۔۔

وہ اس کتنی محبت کرتی تھی۔۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر اس کے قریب کسی لڑکی کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ اپنی شدت کا اندازہ اسے نکاح کے بعد ہوا تھا۔

زاران اسے ایسے روتے دیکھ کر اس کی طرف بے قراری سے بڑھا۔۔۔ وہ اب یہ تعلق مضبوط کرنا چاہتا تھا۔۔ ابرش کی ذرا سی قربت نے اس کے اندر اس کی طلب جگ کر اس کی جان کا آزار بن چکی تھی۔۔۔ یہ طلب صرف ایک محرم اپنی محبت کو پانے کے لیے جگی تھی۔

وہ اب اس سے مزید دور نہیں رہ سکتا تھا۔۔ آج کی رات تو بلکل بھی نہیں۔۔۔

وہ چاہ کر بھی اب دور نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اپنی بیوقوف بیوی کی تمام غلط فہمیاں دور کرنا چاہتا تھا۔۔ اسے بتانا چاہتا تھا وہ اس کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔۔ اسے وہ عزت وہ مقام دینا چاہتا تھا جو اس کا حق تھا۔۔۔ اسے کے پور پور میں سما کر اسے احساس دلانا چاہتا تھا۔ وہ اس کا دیوانہ ہے۔۔ اس کی دھڑکن دھڑکن پر اپنے لب رکھ کر اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اتنے دن اس سے دور کیسے رہا۔۔ ان جدائی کی سرد راتوں میں اس نے کیسے کیسے عذاب جھیلے ہیں۔۔ کتنا تڑپا ہے وہ اس کے لیے۔۔

میں مانتا ہوں یہ میری غلطی تھی۔۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ مجھے وہ الفاظ بھی نہیں بولنے چاہیے تھے۔۔ اس کے لیے میں تم سے معذرت

کرتا ہوں۔۔مجھے اپنا رشتہ پہلی رات پورا کرنا چاہیے تھا۔۔مجھے معاف کر دو ابرش۔۔۔میں نے تمھارا دل دکھایا۔۔وہ اس کے آگے جھک چکا تھا۔اپنی من پسند عورت کے سامنے وہ جھک چکا تھا۔۔

ابرش حیرانگی سے اسے معزرت کرتا دیکھ رہی تھی۔۔زاران نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی بھیگی آنکھوں پر اپنے لب رکھے تھے۔وہ اسے کمر سے جکڑتے اس کے لبوں پر شدت سے جھکا۔۔وہ اب ان گلاب سی پنکھڑیوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔۔

ابرش نے پوری قوت سے زاران کو خود سے دور دھکیلا۔۔مسٹر خانزادہ ۔۔مجھے تو لگا تھا آپ مرد ہیں۔۔مر جائیں گے مگر اپنی بات سے نہیں پھریں گے۔۔مگر آپ کو دیکھ کر لگتا ہے۔آپ تو بہت کمزور نکلے۔۔حوست

پرست نکلے۔۔جو میری بار بار دھتکار بھی میرے نزدیک آرہے ہیں۔وہ زاران کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے طنزیہ بولی۔۔

وہ رات پلوشہ کے کمرے میں کیا کرنے گیا تھا؟؟۔۔کیوں گیا تھا؟؟جب تک اسے اپنے سوالوں کے جواب نہیں مل جانے تھے۔۔وہ ایسے ہی چنگاریوں کی مانند سلگتی رہتی۔۔۔

وہ اپنے اور اس کے بیچ کسی تیسرے کو لے آیا تھا۔۔وہ مرتے دم تک اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔۔

زاران نے لب بھینچے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنی مٹھی سختی کے دبوچی۔۔اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہوئی تھیں۔

اب ان میں خمار کے ڈورے نہیں۔۔۔ بلکہ طیش و اشتعال کے ڈورے تیر رہے تھے۔۔ وہ سامنے کھڑی لڑکی کو مسل کر رکھ دینا چاہتا تھا۔۔ جو اس کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی۔

ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ یہ میری غلطی ہے میں تمھارے نزدیک آیا۔۔ مجھے تم جیسی عورت کے قریب ہی نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ جو اپنے ہی شوہر کو ایکسپلوئٹ کرے۔۔۔ اسے ادائیں دکھا کر اس کے ضبط کا اس کی بے بسی کا مذاق اڑائے۔۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو تمھارے قریب آیا جا سکے۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس کے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے غرایا۔

اور کس بات کا غرور ہے تمھیں۔۔اس خوبصورتی کا۔۔ تمھیں لگتا ہے یہ سب کچھ صرف تمھارے پاس ہے۔۔۔میری طلب صرف تم ہی پوری کر سکتی ہو۔۔

مس ابرش پاشا۔۔۔مرد کو عورت کی کمی نہیں ہوتی۔تم نے بہت غلط اندازہ لگایا ہے میرے بارے میں۔۔میرے لیے تم دنیا کی آخری عورت نہیں ہو سمجھی تم۔۔زاران ابرش کی آنکھوں میں اپنی براؤن سرخ آنکھیں گاڑھتا استھزائیہ بولا تھا۔۔

ابرش اس کے ابرش پاشا کہنے پر بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔اس نے نکاح کے بعد ہمیشہ اپنے نام سے پکارا تھا۔۔ آج وہ اسے ابرش پاشا کہہ رہا تھا۔۔وہ ہر تعلق اب اس سے ختم کرنا چاہتا تھا۔۔اگر اس نے اسے کسی چیز سے رہائی نہیں دینی تھی..وہ تھی اس کی قید سے رہائی۔۔

ابرش اس کے حصار میں نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔زخمی طنزیہ مسکراہٹ۔۔۔۔۔۔

زاران اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالتا اسے چھوڑ چکا تھا۔

وہ غم و غصے سے بیڈ پر پڑی اپنی ٹی شرٹ کی جانب بڑھا۔۔وہ مزید اس عورت کے ساتھ اس ایک کمرے میں نہیں رہ سکتا تھا۔۔جو صرف جذباتی بیوقوف نہیں بلکہ اس کے نزدیک جاہل بھی تھی۔

ابرش گہرے سانس لیتے اب گپ چپ بے مہر لب کھڑی تھی۔۔وہ اپنے لفظوں سے اس کے شک پر یقین کی مہر لگا چکا تھا۔۔وہ پلوشہ کے ساتھ انوالو تھا۔۔

زاران بنا اس پر غلط نگاہ ڈالے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔۔کبرڈ سے جیکٹ نکالتے اس نے پہنی۔وہ کمرے میں آیا ابرش ویسے ہی کھڑی تھی۔۔وہ ڈریسنگ ٹیبل سے گاڑی کی کیز پکڑے دراوزے کی جانب بڑھا۔۔

مگر ابرش کے لفظوں نے نہ صرف اسے آگے بڑھنے سے روکا تھا بلکہ اس کے لفظوں نے اس کے قدموں تلے زمین کھینچ لی تھی۔۔

جانتی ہو تمھیں عورتوں کی کمی نہیں ہے۔۔تمھیں اس کمرے میں رہتے ہوے بھی کبھی میری ضرورت کیوں محسوس نہیں ہوئی؟؟۔۔تھاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے تمھاری کزن پلوشہ جو ہے۔۔

زاران یہ سنتے ایک جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کی گردن دبوچ گیا تھا۔۔

وہ اب ایک لفظ اس لڑکی کا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ اپنے کردار پر تو ایک لفظ نہیں۔۔۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ خود کو سینت سینت کر رکھا تھا۔۔ اپنی محرم کے لیے۔۔۔ وہ اس پر الزام لگا رہی تھی۔

بہت سن لی ابرش تمھاری بکواس۔۔ اب ایک لفظ تم نے میرے کردار پر بولا۔۔ تمھاری زبان کھینچ لوں گا۔۔ تم ایک بیمار ذہنیت کی عورت ہو۔۔ جو سب مردوں کو صرف اپنے باپ کے جیسا سمجھتی ہے۔۔ اپنے باپ کی فطرت اپنے باپ کی خصلت اپنے شوہر میں بھی ڈھونڈتی ہے۔۔ تم اپنے باپ کے کیے کی سزا مجھے دینا چاہتی ہو۔۔ جو کہ تم نے دی۔۔۔ کبھی میرے

نکاح سے بھاگ کر کبھی میرے ہی کزن سے شادی کی خواہش کا اظہار کر کے۔۔۔

زاران اس کی گردن پر گرفت بڑھاتے دھاڑا۔۔

وہ پھر سے اپنے اور اس کے بیچ وہی سب لے آیا تھا۔۔جو اس نے اس کے قریب ہوتے سوچا تھا کہ وہ کبھی یہ تلخ باتیں نہیں دہرائے گا۔۔

ابرش اس کی بے رحمی گرفت پر مچل کر رہ گئی تھی۔۔

چھوڑو مجھے ابرش خود کو چھڑواتے گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔۔

تم نے یہ بکواس میرے سامنے تو کر دی ہے۔۔ مگر کسی اور کے سامنے تم نے ایسا ویسا کچھ بھی کہا میں تمھاری جان گے لوں گا۔۔ زاران اسے چھوڑتا غرایا

۔۔

ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل گری گہرے سانس لینے لگی۔۔

کیوں برا لگ رہا ہے تمھیں اتنا؟۔۔۔ کل رات کہاں تھے تم؟۔۔ اسی کے ساتھ اس کے کمرے میں تھے۔۔ کیا جواب دو گے مجھے اس بات کا؟؟۔۔ کیا کرنے گئے تھے؟؟

اگر تمھارا اور اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے تو پھر کل رات اس کے کمرے میں کیا کر رہے تھے تم!۔۔ ابرش زمین سے اٹھتی زران کا گریبان پکڑے ہذیانی چیخی۔۔

میں تمھاری بیوفائی معاف نہیں کروں گی۔۔ٹھیک کہا تم نے میں ہر مرد میں اپنے باپ کی فطرت دیکھتی ہوں۔کیونکہ ہر مرد کی فطرت ایک جیسی ہوتی ہے۔۔میں تمھیں میسر ہوئی تو تم مجھ سے محبت کا اظہار کرنے لگے۔۔جب میں نے تمھیں دھتکارا تو تم نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے رو رہی تھی۔۔زاران اس کی باتوں پر ظبط سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔

جی کیا تھا اسے بتائے وہ اسے دھتکارنے والی ہوتی کون تھی۔۔اس کے جسم و جاں کا مالک خدا نے اسے بنایا تھا۔۔۔وہ جب چاہے اس کے قریب جا سکتا ہے۔۔چاہے اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔۔۔

ایک بات یاد رکھنا مسٹر خانزادہ۔۔۔ میں زحلے نہیں ہوں۔۔ میں ابرش زاران خانزادہ ہوں۔۔ میں تمھارا جرم کسی صورت معاف نہیں کروں گی۔۔ تم مجھے یہاں قید کر کے کسی اور کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ گے۔

میں یہ برداشت نہیں کروں گی۔۔ تم صرف میرے ہو۔۔ تم پر صرف میرا حق ہے۔۔ تم کسی اور کی طرف دیکھو بھی میں برداشت نہیں کر سکتی۔۔ مجھے اس احساس کا نہیں پتہ تھا۔۔ اس جلن کا نہیں پتہ تھا۔۔ تم نے مجھے بتایا کہ یہ تکلیف کیا ہوتی ہے؟؟۔۔ تم نے اس کے قریب جا کر بہت غلط کیا ہے۔۔ میں تمھیں اس کی سزا دے کر رہوں گی۔۔ وہ اس کا گریبان پکڑتے ہذیانی رو رہی تھی۔۔

زاران اس کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔۔ وہ اس کے بارے میں اتنی جذباتی ہے اسے اندازہ نہ تھا۔۔ یہ اس کی شدید محبت کو ظاہر کر رہا تھا۔۔

وہ گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ ایک بروکن فیملی اور سب رشتوں سے دور پل کر بڑی ہوئی تھی۔۔

وہ ضدی سیلفش نہیں تھی۔۔ صرف اس کے سوچنے کا انداز الگ تھا۔۔ وہ کسی رشتے پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔۔ اور وہ اعتبار اسے ابھی تک وہ بھی نہیں دلوا سکا تھا۔۔

وہ پلوشہ کے متعلق ایسا کیوں سوچ رہی تھی؟؟۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ کل رات پلوشہ کے کمرے میں اسے بلانے گیا تھا۔۔ جب امینہ خانم کی طبعیت بہت خراب ہو گئی تھی۔۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہی انھیں دوائیاں دے رہی تھی۔۔ وہی ان کا خیال رکھ رہی تھی۔۔ وہ صرف اسے بلانے گیا تھا۔۔ کمرے کے اندر قدم تک نہیں رکھا تھا اس نے۔۔

ابرش تم غلط سمجھ رہی ہو۔۔میں اس کے کمرے میں گیا ضرور تھا۔۔ مگر جو تم سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔۔زاران نے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے تحمل سے کہا۔۔

یعنی وہ سب سچ ہے جو پلوشہ نے کہا۔۔وہ رعنا نے کہا تم کل رات اس کے کمرے میں تھے۔۔ابرش پتھرائی آنکھوں سے دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

اسے لگا تھا وہ انکار کرے گا۔۔وہ اس بات سے مکر جائے گا۔۔وہ کل رات اس کے کمرے میں گیا تھا اس سے آگے کیا معنی کیا وجہ رہ جاتی ہے۔

ابرش میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہی ہو۔۔ مگر میرے اور پلوشہ کے بیچ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔زاران نے جبڑے بھینچے تھے۔۔

اس سے زیادہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔نہ اپنے کردار کی صفائی دے سکتا تھا۔۔

جب تم لوگوں کے بیچ کچھ نہیں ہے تو تم کیا کرنے گئے تھے۔۔اس کے کمرے میں۔۔۔۔۔ابرش حلق کے بل چلائی۔۔

ابرش آواز نیچی۔۔زاران نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کیا۔

اوہ۔۔۔۔اچھا اب سمجھ آیا تم اس کے کمرے میں رات گئے ضرور تھے۔۔مگر تم نے کچھ نہیں کیا۔۔لگتا ہے تم اس قابل ہی نہیں ہو تم کچھ کر سکو۔۔۔

ابرش اس کے چلانے پر بھڑ بھڑ جلتے بولی۔۔

کیا کہا تم نے ؟؟زاران اس کی بات کا مطلب سمجھتے اس کے قریب ہوا

۔۔۔وہ زاران خانزادہ تھا۔۔غصے کا بے انتہا تیز۔۔۔۔ منتقم مزاج بندہ۔۔۔

ابرش کے معاملے میں وہ ہمیشہ نرمی دکھاتا تھا۔۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح اس کی

دماغ کی پھڑکتی رگیں پھڑکا چکی تھی۔۔

جو تم نے سنا۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں کبھی نہیں چاہتا تھا۔۔ تمھارے قریب ایسے آؤں۔۔ مگر لگتا ہے تم ایسے

ہی چاہتی ہو۔۔ جو تم نے اتنے دنوں سے تماشہ لگایا ہوا ہے۔۔ اس کا ڈراپ

سین آج ہو جانا چاہیے۔۔۔ تم اسے جو مرضی سمجھو۔۔ میں تمھیں اپنے

محرم کی طور پر ہی چھوؤں گا۔۔ تمھیں تمھارا حق دوں گا۔۔ یہ میری غلطی

تھی تمھارے حقوق سے نظریں چراتا رہا۔۔۔ آج میں اس غلطی کا آزالہ

کروں گا۔۔زاران کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ابرش پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔

اس کے چہرے پر چھائے سرد پن نے ابرش کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑادی تھی۔۔یہ زاران اس زاران سے بہت مختلف تھا۔۔جو ابھی کچھ دیر پہلے اس کے ساتھ بیڈ پر تھا۔۔ابرش کو اس لمحے زاران سے خوف محسوس ہوا تھا۔۔

زاران اس کے قریب ہوتے اسے کلائی سے پکڑے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔اس سے پہلے وہ اٹھتی زاران اس تک پہنچتے اسے اپنے قابو میں کر چکا تھا۔۔

چند سیکنڈ میں ہی ابرش پر مکمل طور پر قابو پا چکا تھا۔۔ ابرش اس کی مضبوط گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ زاران خانزادہ کی لائٹ براؤن آنکھوں میں ششدر اور سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں اب خمار کی سرخی کی جگہ طیش و اشتعال کی سرخی تھی۔۔ جسے دیکھتے ابرش کا دل خوف سے کانوں میں بجنے لگا تھا۔۔

چھوڑو مجھے زاران۔۔۔ ابرش نے گھٹی گھٹی آواز میں زاران سے کہا۔۔ جو اپنا پہاڑ جیسا وزن اس کے نازک وجود پر منتقل کیے ہوے تھا۔۔ ابرش بمشکل ہی سانس لے پا رہی تھی۔

یہی تو تم چاہتی تھی میں تمھارے قریب آؤں۔۔ تمھیں تمھارا حق دوں۔۔ اسی لیے تو میرا سکون اتنے دنوں سے غارت کیا ہوا تھا۔۔ زاران

اس کے چھوٹے چھوٹے ٹاپ پہنے پر سلگتے لہجے میں بولا۔۔وہ پچھلے کچھ دنوں سے کتنا بے سکون تھا یہ وہی جانتا تھا۔۔اور جو کچھ دیر پہلے اس نے راحت پہنچا کر اسے بد سکونی دی تھی۔اس نے تو اس کی دماغ کی طنابیں ہلا دی تھیں۔۔۔حق ملکیت رکھنے کے باوجود وہ اسے ایسے دھتکار رہی تھی۔۔وہ ہوتی کون تھی آخر ایسا کرنے والی؟؟۔۔زاران نے غصے سے اس کی بیوٹی بون پر پوری شدت سے دانت گاڑھے تھے۔۔اس کی بے رحم شدت پر ابرش کی چیخ تک حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔جسے دیکھتے زاران کے غصے اشتعال میں مزید اضافہ ہوا تھا۔۔یہ لڑکی اس سے ڈرتی تھی۔۔مگر اپنی زہریلی زبان کا زہر اس پر اگلنا نہ چھوڑتی تھی۔زاران اس کے کچھ دیر پہلے کے الفاظ یاد کرتا مزید سیخ پا ہوا تھا۔زاران نے ذرا سا اوپر ہوتے اپنی جیکٹ اور شرٹ اتار کر دور اچھالی۔۔

یہ دیکھتے ابرش اس کے گرفت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھی ۔۔اس کی ہتھلیاں بھی پسینے سے بھیگی تھیں۔

ابھی تو میں نے اپنا حق لیا بھی نہیں۔۔ابھی سے تمھاری پیشانی پر یہ موتی چمکنے لگے۔۔۔زاران اس کے ماتھے پر چمکتے پسینے کی بوندیں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

میں نے کبھی نہیں چاہا کہ آپ۔۔۔آپ۔۔۔ممم۔۔میرے نزدیک ایسے آئیں۔۔وہ بمشکل ہی بولی تھی۔۔زاران کی سرد سرخ نظریں اسے بولنے ہی کہاں دے رہی تھیں۔

ابرش کے آپ کہنے پر زاران خانزادہ کا استھزائیہ قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

نو۔۔۔نو۔۔۔۔۔بیوی۔۔۔۔میں اتنی عزت ڈیزرو نہیں کرتا۔۔وہی بکواس کرو جو ابھی تم تھوڑی دیر پہلے کر رہی تھی۔۔

میں مرد نہیں ہوں۔۔میں مرد ہوتا اپنی بات پر قائم رہتا۔۔

میں حوست پرست انسان ہوں۔۔ہاں۔۔۔۔وہ بولا نہیں دھاڑا تھا۔۔

ابرش اس کی سخت گرفت اور دھاڑ پر لرز کر رہ گئی تھی۔۔

میں تمھاری حرکتیں اتنے دنوں سے اگنور کر رہا تھا۔۔آج تم نے ہر حد پار کر دی۔۔میرے قریب آکر میرے ایموشنز کا مذاق بنا رہی تھی۔۔۔کیا سمجھا تھا تم نے کہ تم یہ سب کرو گی اور زاران خانزادہ برداشت کرے گا۔۔میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی۔

زاران اس کی کلائیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتا سرد آواز میں گرج اٹھا تھا۔۔اس کی نازک کلائیوں پر اس کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔

ابرش اس کی گرفت میں ساکت سی بے بسی کی تفسیر بنی آنسو بہانے پر مجبور ہو گئی تھی۔۔۔۔

وہ اس کی کلائیوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لاک کیے ہوے تھا۔۔اس کی ٹانگوں تک کو لاک کر چکا تھا۔۔ابرش کو اندازہ ہوا تھا وہ کبھی اس پہاڑی وجود کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔۔

سارا طنطنہ ساری ہٹ دھرمی کچھ ہی لمحوں میں ختم ہو گئی تھی۔۔۔

زاران کی سرد سرخ آنکھوں سے ابرش کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ اسے اب احساس ہوا تھا وہ بھوکے شیر کے پنجرے میں ہاتھ دے بیٹھی ہے۔۔

نو۔۔۔ نو۔۔۔ بیوی۔۔۔ ابھی ان آنکھوں پر ظلم مت کرو۔۔ رات باقی۔۔۔ بات باقی۔۔۔ جان من۔۔۔ ابھی تو پوری رات پڑی ہے تمھارے ان آنسوؤں کے لیے۔۔۔ زاران نے کہتے اس کے بدن کو اس پردے سے بھی آزاد کر دیا۔۔ جسے خود پر سجا کر وہ اس کا چین قرار لوٹ چکی تھی۔

زاران۔۔۔۔۔ ابرش بے بسی سے شدت سے رو پڑی۔۔

کہا تھا تم سے کہ میں منتقم مزاج بندہ ہوں۔۔جب تک کسی کا دیا ہوا قرض میں سود سمیت نہ لوٹا دوں۔۔مجھے چین نہیں آتا۔تم مجھے تڑپانا چاہتی تھی۔ ۔اب میں تمھیں تڑپاؤں گا۔بتاؤں گا تمھیں ایک شوہر کی عزت کیسے کی جاتی ہے؟۔۔

تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں۔۔۔اب تم... مسسز زاران خانزادہ۔۔۔تم مجھ پر اعتبار بھی کرو گی اور میرے سامنے اپنی زبان بھی بند رکھا کرو گی۔۔۔مجھ پر الزام لگاتے ہوے تو سو بار سوچو گی۔۔وہ غراتے ہوے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔۔

زاران کا لمس کچھ دیر پہلے والا ہر گز نہ تھا۔۔پہلے سے بھی زیادہ دہکتا ہوا اور شدت لیے ہوے تھا۔۔

زاران خانزادہ اپنا غصہ اشتعال جنون اس کے نازک لبوں پر اتار رہا تھا۔ پہلے اس کا ظبط ازمایا پھر اس پر الزمات لگا دیے۔۔ اس سے بھی دل نہ بھرا اسے نا مرد ہونے کا طعنہ دے دیا۔۔ ہر مرد کی طرح یہ طعنہ اسے نیزے کی طرح چبھا تھا۔۔ اپنا اشتعال آپا وہ کھوتا جا رہا تھا۔

زاران نے غصے سے ابرش لبوں پر بہت شدت سے اپنے دانتوں کا دباؤ بڑھایا ۔۔ اس کی بے رحمی پر ابرش کی سسکیاں برامد ہوئیں۔۔ وہ اس کی گرفت میں ساکت ہوئی تھی۔۔ جو تھوڑی بہت مزاحمت کر رہی تھی۔ وہ بھی دم توڑ چکی تھی۔ وہ بے رحم بنا اس کی سانسیں اپنی سانسوں میں انڈیل چکا تھا۔۔ یہاں تک کہ ابرش کے لبوں سے نکلتا خون اسے اپنے حلق میں اترتا محسوس ہوا۔۔ مگر آج وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔۔

اس کی گرفت میں لڑکی ہر بار اس کے ضبط کا امتحان ہی لیتی تھی۔۔ آج وہ اس کے دماغ کے ڈھیلے سکرو ٹائٹ کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔ زاران بے رحم بنا اس کی سانسیں چرا رہا تھا۔۔ ابرش اس کے حصار میں ساکت سی ہوئی تھی۔۔

اس کی دم توڑتی مزاحمت محسوس کرتے زاران نے اس کے لبوں کو اپنے بے رحم لمس سے آزادی دی۔ رہائی ملنے پر ابرش گہرے سانس لیتے اپنا سانس بحال کرنے لگی۔۔

اس کی کلائیاں ابھی تک زاران کی گرفت میں تھیں۔ وہ بھی اپنی بے ترتیب سانسوں کو بے حال کرتا ابرش کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرش اب گہرے سانس لیتے سہمی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔کچھ دیر والا طنطنہ ہٹ دھرمی اور آنکھوں سے لپکتے شعلے سب ختم ہو چکا تھا۔۔اس کی کانچ سی براؤن آنکھوں میں ٹھہرا پانی بھی خوف کی مانند ساکت ہو چکا تھا۔۔جتنا ظلم زاران خانزادہ نے کچھ ہی لمحوں میں اس کے لبوں پر ڈھایا تھا۔۔وہ اس سے شدید خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔

زاران کی نظر اس کی سہمی نگاہوں سے ہوتے اس کے نازک لبوں پر جا ٹھہری۔۔۔۔جہاں گہرا زخم تھا۔۔زاران نے اس کے لبوں پر ننھی ننھی خون کی بوندیں دیکھتے یکدم اس کی کلائیاں اپنی مضبوط گرفت سے آزاد کیں۔۔۔۔

زاران کی انگلیاں بے اختیاری میں بہت نرمی سے اس کے زخمی ہونٹوں کو سرسرا گئی تھیں۔ وہ اس کی کلائیاں چھوڑ چکا تھا۔۔ مگر وہ ابھی بھی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔۔ ویسے ہی اسے خوف سے دیکھ رہی تھی۔۔

اس کی آنکھوں میں شدید خوف دیکھتے زارن نے غصے سے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔ وہ کیسے اسے تکلیف پہنچا سکتا تھا؟؟۔۔ ان لبوں کا جام پی کر ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے جو سرور حاصل کیا تھا۔۔ وہ دنیا میں کہاں ملنا ناممکن تھا۔۔

جن لبوں کی نرماہٹوں نے سکون دیا تھا۔۔ اب ان ہی لبوں پر وہ اتنی بے رحمی دکھا چکا تھا۔۔

وہ یہ کیا کرنے جارہا تھا؟؟۔۔اپنی ہی محرم اپنی ہی محبت کے ساتھ زبردستی کرنے جارہا تھا۔۔وہ بھی ایک کمزور عورت پر جس پر وہ کچھ ہی لمحوں میں قابو پا گیا تھا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔

غصہ اشتعال نکالنے کا یہ کونسا طریقہ تھا؟؟۔زاران نے لب بھینچتے ہوے ابرش کو دیکھا۔اس کے کلیوں سے بھی نازک بدن پر اپنا بوجھ کم کیا تھا۔۔وہ تھوڑا سا اوپر ہوا تھا۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔زاران نے ابرش کے زخمی ہونٹوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔۔

ابرش زاران کو ایک ٹک بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

مجھے غصہ مت دلایا کرو ابرش۔۔۔مجھے غصے میں خود پر قابو نہیں رہتا۔۔میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔زاران نے نرمی سے اپنے انگوٹھے سے اس کے زخمی لب سہلاتے ہوے اس کی خوف اور بے یقین سہمی بھیگی آنکھوں پر اپنے لب باری باری رکھے۔۔۔

ان میں ٹھہرا پانی اس کی نرمی پر آنکھوں سے عارض پر بہہ اٹھا تھا۔۔جنھیں زاران نے قیمتی متاع کی طرح اپنے لبوں سے چن لیا تھا۔۔۔وہ اس کی نرمی پر اب باقاعدہ رونا شروع ہو چکی تھی۔۔

زاران اسے روتا دیکھ کر سرد سانس کھینچ گیا۔

اس کی سختی پر پلکیں بھی نہیں جھپک رہی تھی۔۔اب اس کی نرمی پر دریا بہا رہی تھی۔۔وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔۔۔وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔

پیار کی زبان وہ سمجھتی نہیں تھی اور سختی وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔۔جو بھی تھا جیسے کچھ دیر پہلے وہ اس سے دور نہیں جا سکتا تھا۔۔اب اس سے دور جانا اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔۔وہ جس حلیے میں اس کے سامنے تھی۔۔وہ اس کے جذبات پہلے سے بھی زیادہ بھڑکا چکی تھی۔۔

زاران خود پر ہزاروں پہرے بٹھا کر اس سے دور ہوا تو ابرش رخ پلٹے زارو قطار رونے لگی۔۔

ابرش۔۔۔زاران نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔۔

آئی ہیٹ یو مسٹر خانزادہ آئی ہیٹ یو۔۔ابرش اس کا ہاتھ جھٹکتے یونہی رخ پلٹے ہچکیوں سے رونے لگی۔۔

زاران کافی دیر تک اس کی ہچکیاں سنتا رہا۔۔ جن میں گرزتے وقت کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔۔

وہ اپنی کنپٹی مسلتا خود پر قابو پا رہا تھا۔ نہ اس کی ہچکیاں برداشت ہو رہی تھیں اور نہ ہی اس کا رعنائیوں سے بھرپور مہکتا وجود۔۔۔ اس کی دودھیا شفاف پشت پر نظر پڑتے زاران کی آنکھوں میں پھر سے خمار کی سرخی طاری ہوئی...

ابرش میرا پلوشہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ میں نے کبھی اسے بری نظر سے نہیں دیکھا۔۔ میں اس کے کمرے میں اس لیے گیا تھا۔۔ کیونکہ مورے کی طبعیت خراب ہو گئی تھی۔۔

زاران اسے سیدھا کیے ایک بار پھر سے اس پر گہری گھٹا بن کر چھایا..۔

وہ اس کی تمام غلط فہمیاں دور کر کے اپنے رشتے کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔۔اس میں اس کی خود کی خواہش زیادہ تھی۔۔اب وہ اپنی محرم کی رعنائیوں کو مزید نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔۔۔اور وہ بھی یہی چاہتی تھی۔۔ مگر اپنی ضدی طبعیت کے باعث وہ کبھی یہ ایکسیپٹ نہیں کرے گی ۔وہ جانتا تھا۔۔

زاران نے مفاہمتی انداز اپناتے ہوے اس کے سامنے پھر سے جھکتے اس کی غلط فہمی دور کرنی چاہی تھی۔۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔۔ تمھاری کسی بات پر یقین نہیں ہے۔ تمھیں مجھ ۔۔۔میں۔۔۔۔۔کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آج تم جس طرح اس پلوشہ کو مسکراتے ہوے غور سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔نے۔۔۔۔ کھی

مجھے اتنے غور سے نہیں دیکھا۔۔ میں تمھارے سامنے چھوٹے چوٹے ٹاپ پہن کر گھومتی رہی۔۔ مگر پھر بھی تم نے مجھے ایک نظر نہیں دیکھا۔۔ تم نے ٹھیک کہا تھا میں کبھی اب تمھارے۔۔۔ دل کی دھڑکنیں۔۔۔۔ نہیں بڑھاپاؤں گی۔۔ تم اسی پلوشہ چڑیل کو ڈیزرو کرتے ہو۔۔ جس سے تمھاری مورے تمھاری شادی کرنا چاہتی ہے۔۔ ابرش زاران کا سینہ اپنے ناخنوں سے نوچتے ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں کے درمیان بولی تو زاران کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈی تھی۔

اس کی نرمی دیکھتے وہ بھیگی بلی سے پھر سے بپھری شیرنی بن چکی تھی۔۔ اپنے سینے پر اس کے ناخنوں کی بے رحم کھروچیں دیکھتا وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔ اس نے اپنے ہونٹ کے زخم کا بدلہ بڑی شدت سے لیا تھا۔۔ زاران کے سینے پر

اس کے دی ہوئی کھروچوں پر خون کی ننھی ننھی بوندیں ابھری تھیں۔ مگر اسے اس وقت اس کی دی ہوئی کھروچوں پر بھی سرور حاصل ہوا تھا۔۔

وہ جیسی بھی تھی جتنی بھی بیوقوف ضدی سہی مگر اس کی پوزیسونیس دیکھتے وہ اندازہ لگا چکا تھا۔۔ وہ اسے اس سے کہیں زیادہ چاہتی ہے۔۔ یہ احساس کافی جان لیوہ تھا کہ وہ اس سے اتنی محبت کرتی ہے۔۔

پہلے نہیں دیکھا تو تمھیں آج دیکھ لیتا ہوں۔۔ سچ بتاؤں تم سر سے پیر تک قیامت ہو۔۔ تم سے پہلے میں نے اتنا حسن نہیں دیکھا۔۔ کیونکہ میں نے آج تک کبھی کسی عورت کو ایسے نہیں دیکھا۔۔ زاران نے گہری نظریں اس کے وجود پر گاڑھیں تو ابرش کا چہرہ تانبے کی مانند سرخ ہوا۔۔

وہ خفت سے اپنا زخمی لب کچل گئی تھی۔۔

زاران مسکراتے ہوے اس کے زخمی لبوں پر جھکا تو ابرش اسے جھٹکتے ہوے اپنا منہ پھیر گئی۔۔۔اس کے سینے پر دباؤ ڈالتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔

زاران اس کے ایسے جھٹکنے پر اسے سرد نگاہوں سے دیکھے گیا۔۔

جو بھی ہمارے بیچ پہلے ہوا اسے بھول جاؤ۔۔میں ابھی یہ سب نہیں چاہتی ۔۔ابرش نے زاران کی سرد آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے بے رخی سے کہا۔۔

زاران کی کچھ دیر پہلے والی وہ جنونیت وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔۔وہ اس سے اب خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔دوسرا وہ پلوشہ کے معاملے میں ابھی تک اس پر

یقین نہیں کر پا رہی تھی۔ زاران اس کی سپاٹ سرد چہرے کو کچھ پل دیکھتا رہا۔۔

وہ اگر آج ابرش سے نرمی برتتا یقیناً وہ اس کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس رشتے کو کبھی آگے بڑھنے نہ دیتی۔۔ وہ اس کی ضدی طبعیت سے اچھی طرح واقف تھا۔۔

اسے اب اسے اس کے مطابق ہی ڈھیل کرنا تھا۔۔ پیار کی زبان نہیں۔۔ اس کی بیوی جو زبان سمجھتی تھی وہ وہی اپنانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ کیونکہ وہ آج کی رات اس سے دور نہیں ہو سکتا تھا۔۔ اس کی محرم تھی۔۔ اس کی محبت۔۔۔ اسے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں تھا۔۔ وہ اس کی خوبصورتی سے بہک چکا تھا۔۔ ابرش کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اب اسے خود سے دور

کرتی۔۔۔کیونکہ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔۔مرد اور عورت کے جذبات میں فرق ہوتا ہے۔۔وہ بھی ایک شوہر کے احساسات وہ کبھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔

ابرش زاران کو دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتی اٹھی۔۔زاران نے مسکراتے ہوے اسے اپنے حصار سے آزاد کیا۔۔۔ابرش جلدی سے بیڈ سے اٹھی۔۔

اس سے پہلے وہ بیڈ سے اترتی۔۔۔زاران اسے کلائی سے کھینچتے خود پر گرا چکا تھا۔۔

نو۔۔۔نو۔۔۔بیوی۔۔۔جو سین کچھ دیر پہلے تم نے کنٹیو کیا تھا۔۔اس کا کلائمیکس تو آج رات ہی ہو گا۔۔اگر خود کو مجھے سونپ دو گی تو وعدہ کرتا ہوں۔۔تمھیں بلکل ہرٹ نہیں کروں گا۔اگر مزاحمت کرو گی تو تمھیں مزاحمت کی صورت میں تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔۔جو میں نہیں چاہتا۔۔زاران نے اس کے بالوں کو پیچھے سے پکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔۔

میں خود کو تمھیں کبھی نہیں سونپوں گی۔۔ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

ہمممم۔۔۔۔۔اوکے ایز یو وش۔۔۔بیوی۔۔۔ایک اڈوائز میری ہمیشہ یاد رکھنا۔۔آئیندہ کبھی میرے سامنے یہ ولگر نائیٹز مت پہنا۔۔۔۔ساری فساد کی جڑ یہ نائیٹز ہی تو تھیں۔

ویسے مجھے یقین ہے تم آئیندہ میرے جذبات بڑھکانے سے پہلے سو بار سوچو گی۔۔ کیونکہ آج کی رات تمھیں ہمیشہ یاد رہے گی۔۔ زاران مبہم سا مسکراتا رخ پلٹے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔۔ اس کا لمس پہلے سے بھی زیادہ نرم تھا۔۔ وہ اپنی زبان سے صرف اس کے زخم پر مہرم لگا رہا تھا۔۔ مگر اس کی کلائیوں پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

بھیگتی رات کے ساتھ ابرش کی مزاحمت پر اس کا حصار سخت اور گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ گزرتے لمحوں کے ساتھ ساتھ ابرش کی مزاحمت پر اس کی شدتوں میں جنون شامل ہونے لگتا تھا۔۔۔ جو ابرش کی کمرے میں گونجتی مدھم سسکیوں کا باعث بن رہا تھا۔ وہ اس کے پور پور کو اپنی محبتوں اور شدتوں سے مہکا کر اس کا اپنا بنا چکا تھا۔۔۔

زاران کی آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔۔وہ صبح ہی تو سویا تھا۔۔بڑے عرصے بعد اسے پر سکون نیند آئی تھی۔اس نے خود سے بھاری کمبل ہٹاتے ہوے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔ابرش سامنے ہی ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تھی۔بلو ویلوٹ کا ڈریس پہنے گلے میں نیٹ کا دوپٹہ ڈالے ہوے تھی۔

آج اسے اٹھتے ساتھ ہی تمیز والے حلیے میں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔یقیناً یہ رات والے حادثے کے بعد ہی ممکن ہوا تھا۔۔ورنہ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس کا کافی خون جلا چکی تھی۔

وہ واقعی میں ضدی تھی۔۔رات اس کے حصار میں بھی وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہی تھی۔۔وہ رات کے آخری پہر میں اس کی شدتوں سے بے حال ہوتے ہوے بھی مزاحمت کر رہی تھی۔۔جس کے باعث وہ اسے ناچاہتے ہوے بھی ہرٹ کر چکا تھا۔۔

زاران نے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔۔اس کی بل کھاتی کمر دیکھ کر زاران خانزادہ کے جذبات پھر سے بھڑکے تھے۔۔۔مگر دوبارہ اپنی جنگلی بیوی کے پاس جانے کا مطلب تھا خود کو زخمی کروانا۔۔

اب وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے سوچ رہا تھا۔۔اس کے ساتھ کیسا رویہ اپنایا جائے؟؟۔۔وہ نرمی برتنے کے قابل تو ہرگز نہ تھی۔۔زاران نے اپنے سینے کے زخم پر انگلی پھیری جہاں شدید جلن ہو رہی تھی۔۔جو رات اس کی

پاگل بیوی نے آخری لمحات میں اس کے نرمی دکھانے پر اسے بہت شدت سے دیے تھے۔زاران نے کچھ سوچتے ہوے اپنے پاس پڑی بلیک ٹی شرٹ اٹھا کر پہنی اور اپنے بالوں کو انگلیوں سے سیٹ کرتے وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔۔

ابرش اسے دیکھتے گھبراتے ہوے ڈریسنگ مرر کے ساتھ جا لگی۔۔ آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔زاران کی رات کی شدتیں وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔۔اسے خود کی طرف راغب کرنا رات اسے کافی مہنگا پڑ گیا تھا۔۔اس نے سوچ لیا تھا وہ آئندہ کبھی اس پہاڑی خان کے سامنے ایسے کپڑے نہیں پہنے گی۔۔۔۔

اپنے نیٹ کے دوپٹے کو اس نے اچھی طرح خود پر کور کیا۔

اس کے پاس بڑی شال یا دوپٹہ نہیں تھا ورنہ وہ اس کی نگاہوں سے خود کو چھپا کر رکھتی۔۔ یہاں تک کہ ٹینٹ بھی ہوتا تو وہ وہ بھی اس کی گہری گرم نگاہوں سے چھپانے کے لیے اوڑھ لیتی۔۔

زاران کی گرم نگاہوں میں آنچ دیتی جذبوں کی شدت تھی۔۔ وہ اسے بہت گہرائی سے دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش مزید گھبرائی تھی۔۔ وہ پھر سے اس پہاڑی خان کی شدتیں سہنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔۔ نہ ہی وہ اسے اب خود کے قریب آنے دینا چاہتی تھی۔۔ اس کی بیوفائی وہ ابھی تک بھولی نہیں تھی۔

اس کے خود کو چھپانے اور اس کے یوں گھبرانے پر مقابل کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی۔

اتنا چھپا کیوں رہی ہو خود کو؟؟۔۔۔۔رات ہی تو سارے پردے گر چکے ہیں۔ تمھارا سب کچھ تو میں دیکھ چکا ہوں۔اب کیا فائدہ خود کو چھپانے کا؟؟۔۔زاران کے لبوں پر گہری طنزیہ مسکراہٹ بکھری۔۔

اس کے یوں خود کو چھپانے پر زاران کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔۔وہ اسے اپنا چکا تھا.. مگر وہ یقیناً ابھی تک رات کی بے بنیاد باتیں دل پر لگائے بیٹھی تھی۔۔یقیناً اس کی بیوی ابھی بھی اسے سکون میں رہنے دینا نہیں چاہتی تھی۔۔

ابرش اس کے طنز پر وہاں سے جانے لگی تو زاران نے اسے بازو سے سے پکڑ کر اپنے قریب کیا۔اس کا گریز زاران کے اندر غصے کے آلاو بھڑکا چکا تھا۔نہ چاہتے ہوے بھی اس کے لبوں سے طنز برامد ہوا۔

یہ کیا پہنا ہوا ہے تم نے ؟؟۔۔ وہی شارٹ ٹاپ پہنو ناں۔۔۔ جو رات تم نے میری مردانگی چیک کرنے کے لیے پہنا تھا۔

ابرش نے گلابی ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنی گرفت مضبوط کر گیا تھا۔

ڈر کیوں رہی ہو ؟؟۔۔ تمھاری آنکھوں میں مجھے ڈر اچھا نہیں لگتا۔۔ لگتا ہے رات تمھیں کافی ہرٹ کر چکا ہوں۔۔ اس میں بھی غلطی تمھاری ہے تم نے مجھے غصہ ہی اتنا دلایا تھا۔۔ زاران کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

کوئی بات نہیں آئندہ مجھے غصہ مت دلانا۔۔۔ میں تمھیں بلکل ہرٹ نہیں کروں گا۔۔ پیار سے کاپریٹ کرنا میں بھی بہت پیار سے پیش آؤں گا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے جتا چکا تھا وہ اب کسی بھی قیمت اسے خود سے

دور نہیں رہنے دے گا۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے اسے خود سے دور دھکیلتی ڈریسنگ روم میں جا گھسی تھی۔۔

رات کے حادثے کے بعد ابرش کی زبان کہیں گم ہو چکی تھی۔۔ اور زاران خانزادہ کو یقین تھا۔۔ اب اس کی زبان کبھی نہیں اس کے سامنے چلے گی۔۔ زاران گہرا مسکراتے ہوئے واش روم میں گھس گیا تھا۔

ڈاکٹر بہارے۔۔۔ شہرام سر نے تمام ڈاکٹرز کو میٹنگ روم میں جمع ہونے کو کہا ہے۔۔ ڈاکٹر عنیزہ نے بہارے گل سے کہا جو مصروف سے انداز میں جنرل وارڈ میں کچھ پیشنٹس کو چیک رہی تھی۔

عنیزہ کی بات پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔۔اور پھر سر جھٹکتے اپنے پیشنٹ کو چیک کرنے لگی۔۔

عنیزہ بہارے کا لاپرواہ انداز دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

ڈاکٹر بہارے ذرا جلدی آجایئے گا۔۔ سر شہرام وقت کے بہت پابند ہیں۔وہ کسی قسم کے ایکسکیوزز نہیں سنتے۔۔پورے سٹاف کے سامنے آپ کو ڈانٹ دیں گے۔۔ پھر نہ کہیے گا آپ کو وارن نہیں کیا۔۔ڈاکٹر عنیزہ نے بہارے کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر اسے شہرام کی سخت طبیعت کے بارے میں اگاہ کرتے ڈرانا چاہا تھا۔۔

اوکے ڈاکٹر عنیزہ میں آجاؤں گی۔۔مجھے اپنے پیشنٹ کو تو چیک کرنے دیں۔بہارے ڈاکٹر عنیزہ کو دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔۔

اوکے ایزیو وش۔۔ڈاکٹر عنیزہ کندھے اچکاتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔اسے یقین تھا بہارے کی اچھی خاصی آج کلاس ہو گی۔۔شہرام اس ہاسپٹل کے رولز اینڈ ریگولیشن کو لے کر کتنا سنجیدہ تھا۔۔سارا اسٹاف اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔

بہارے سنجیدگی سے اپنے پیشنٹ کو چیک کر رہی تھی۔۔اس وقت جنرل وارڈ میں جو مریض تھے۔۔۔وہ فلو بخار فوڈ پوائزنگ میں مبتلا تھے۔۔کوئی بھی سیریس حالت میں نہیں تھا۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟۔۔تمام ڈاکٹرز میٹنگ ہال میں جمع ہیں۔۔آپ بھی آجایئے۔۔ڈاکٹر فرقان بہارے کو مطلع کرتے ہوے بولا۔۔

ڈاکٹر فرقان میرے تھوڑے سے پیشنٹ رہتے ہیں۔ میں انھیں چیک کر لوں تو آتی ہوں۔ بہارے نے ڈاکٹر فرقان کو دیکھتے کہا۔۔

مس بہارے۔۔۔۔ سر شہرام اس ہاسپٹل کے رولز اور ریگولیشن کو لے کر بہت سیریس ہیں۔۔ تبھی تو یہ ہاسپٹل کا معیار اتنا اچھا ہے۔۔ یہاں تک کہ اس ہاسپٹل کی ریپوٹیشن کی رپورٹ انٹرنیشنل کے ایک جریدے میں کل چھپی ہے۔۔ خیبر پختنخواہ کا بیسٹ ہاسپٹل گردانا جا رہا ہے۔۔ یہ سر شہرام کے انتھک محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔۔ آپ تو یہاں پر نئی ہیں۔۔ مگر وہ پچھلے چھ ماہ سے اس ہاسپٹل کو رن کر رہے ہیں۔۔ چھ مہینوں میں انہوں نے اس ہاسپٹل کی کارکردگی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ کیا بندہ ہے وہ آئی ایم ایمپریسڈ۔۔۔ ڈاکٹر فرقان کی باتوں پر بہارے نے استھزائیہ نگاہوں سے فرقان کو دیکھا جو شہرام سے کافی ایمپریس نظر آ رہا تھا۔۔

آپ جائیں میں آجاتی ہوں۔۔ بہارے نے ٹپاٹ لہجے میں کہا۔۔ اس سے زیادہ وہ شہرام کی تعریفیں نہیں سن سکتی تھی۔۔

اس کے نزدیک شہرام کی قابلیت یہ تھی جب وہ یہ سب کچھ اپنے بل بوتے پر کرتا۔۔ جو انسان اس کی ضد پر اپنی پڑھائی چھوڑ سکتا تھا۔۔ اس میں بھلا کیا خوبیاں ہو سکتی تھیں۔۔۔۔ جس نے ایک ضد کی بنا پر اپنا مستقبل تباہ کر دیا وہ کیسے اس ہاسپٹل کا مستقبل ہو سکتا ہے۔۔

زمین داجی کی دی ہوئی تھی۔۔ سرمایہ زاران لالا کا دیا ہوا ہے۔۔۔۔ ہاسپٹل کی ریپوٹیشن اچھی ہونی ہی تھی۔۔ اتنے قابل ینگ ڈاکٹرز اس ہاسپٹل میں ہائرڈ تھے۔ جو صرف کچھ کرنے کے خواہشمند تھے۔۔۔۔۔ ان میں کچھ کرنے کا بہت پوٹینشل تھا۔۔ ورنہ ان کی تنخواہیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔۔ پچھلے ایک ہفتے سے شہرام اس ہاسپٹل میں موجود نہیں تھا۔۔ اس

نے دیکھا تھا تمام ڈاکٹرز کتنی اچھی طرح سے ہاسپٹل کو سنبھال رہے تھے۔۔ شہرام کے بغیر بھی یہ ہاسپٹل اچھا ہی چل رہا تھا۔۔ میٹنگ میں وہ کیا کرنے والا تھا۔۔ نہ اس کے پاس قابلیت تھی نہ کوئی ڈگری۔۔۔ بہارے جھنجھلاتے ہوئے سٹھیتھوسکوپ اپنے گلے سے اتار کر ایک بچے کو چیک کرنے لگی۔۔ جسے نمونیہ کی تشخیص ہوئی تھی۔۔

شہرام پچھلے ایک ہفتے سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔ نہ ہی وہ ہاسپٹل آرہا تھا۔۔ وہ کہاں تھا اس نے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

وہ اس کی غیر موجودگی پر بہت خوش تھی۔۔ حویلی ہوتا تو وہ اسے یقیناً رات بھر اپنی شدتوں سے جگائے رکھتا.. ہاسپٹل کی ٹف ڈیوٹی نبھانے کے بعد وہ

اسے نہیں جھیل سکتی تھی۔۔اب وہ واپس آ گیا تھا یقیناً وہ اب اپنی شدتوں سے اس کی نیند عذاب کیے رکھے گا۔۔

وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا وہ جانتی تھی پتہ نہیں یہ ایک ہفتہ کیسے گزار لیا تھا۔ بہارے غصے سے جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔۔

بہارے نے شہرام سے ایک مرتبہ بھی نہیں پوچھا تھا وہ کہاں ہے۔۔ مگر وہ روز اس ایک ہفتے کے دوران اس کی ڈیوٹی کے دوران فون کرتا تھا اسے کوئی مسئلہ پریشانی تو نہیں۔ اس کے ہاسپٹل پہنچنے پر اسے کال ضرور کرتا تھا اور اس کے ہاسپٹل سے آف ہونے پر بھی اسے کال ضرور کرتا تھا۔۔

اب وہ واپس آ گیا تھا بہارے کے غصے اور جھنجھلاہٹ میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ اتنے دنوں سے اپنے ان پڑھ آوار گرد دوستوں کے ساتھ تھا تب تو

اس ہاسپٹل کی ریپیوٹیشن کی کوئی پراوہ نہیں تھی۔۔ بہارے غصے سے تلملاتے ہوے بڑبڑائی۔۔

اس کا ابھی میٹنگ روم میں جانے کا کوئی آرادہ نہیں تھا۔۔وہ سر جھٹکتے اپنے مریضوں کو چیک کرنے لگی۔۔

ڈاکٹر بہارے۔۔۔ شہرام سر نے تمام ڈاکٹرز کو میٹنگ روم میں جمع ہونے کو کہا ہے۔۔ڈاکٹر عنیزہ نے بہارے گل سے کہا جو مصروف سے انداز میں جنرل وارڈ میں کچھ پیشنٹس کو چیک رہی تھی۔

عنیزہ کی بات پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔۔اور پھر سر جھٹکتے اپنے پیشنٹ کو چیک کرنے لگی۔۔

عنیزہ بہارے کا لاپرواہ انداز دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔

ڈاکٹر بہارے ذرا جلدی آجایئے گا۔۔ سر شہرام وقت کے بہت پابند ہیں۔ وہ کسی قسم کے ایکسکیوزز نہیں سنتے۔۔ پورے سٹاف کے سامنے آپ کو ڈانٹ دیں گے۔۔ پھر نہ کہیے گا آپ کو وارن نہیں کیا۔۔ ڈاکٹر عنیزہ نے بہارے کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر اسے شہرام کی سخت طبیعت کے بارے میں اگاہ کرتے ڈرانا چاہا تھا۔۔

اوکے ڈاکٹر عنیزہ میں آجاؤں گی۔۔ مجھے اپنے پیشنٹ کو تو چیک کرنے دیں۔ بہارے ڈاکٹر عنیزہ کو دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔۔

اوکے ایزیو وش۔۔ ڈاکٹر عنیزہ کندھے اچکاتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔ اسے یقین تھا بہارے کی اچھی خاصی آج کلاس ہو گی۔۔ شہرام اس

ہاسپٹل کے رولز اینڈ ریگولیشن کو لے کر کتنا سنجیدہ تھا۔۔ سارا اسٹاف اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔

بہارے سنجیدگی سے اپنے پیشنٹ کو چیک کر رہی تھی۔۔ اس وقت جنرل وارڈ میں جو مریض تھے۔۔۔ وہ فلو بخار فوڈ پوائزنگ میں مبتلا تھے۔۔ کوئی بھی سیریس حالت میں نہیں تھا۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟۔۔ تمام ڈاکٹرز میٹنگ ہال میں جمع ہیں۔۔ آپ بھی آجایئے۔۔ ڈاکٹر فرقان بہارے کو مطلع کرتے ہوے بولا۔۔

ڈاکٹر فرقان میرے تھوڑے سے پیشنٹ رہتے ہیں۔ میں انھیں چیک کر لوں تو آتی ہوں۔ بہارے نے ڈاکٹر فرقان کو دیکھتے کہا۔۔

مس بہارے۔۔۔۔ سر شہرام اس ہاسپٹل کے رولز اور ریگولیشن کو لے کر بہت سیریس ہیں۔۔ تبھی تو یہ ہاسپٹل کا معیار اتنا اچھا ہے۔۔ یہاں تک کہ اس ہاسپٹل کی ریپوٹیشن کی رپورٹ انٹرنیشنل کے ایک جریدے میں کل چھپی ہے۔۔ خیبر پختنخواہ کا بیسٹ ہاسپٹل گردانا جارہا ہے۔۔ یہ سر شہرام کے انتھک محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔۔ آپ تو یہاں پر نئی ہیں۔۔ مگر وہ پچھلے چھ ماہ سے اس ہاسپٹل کو رن کر رہے ہیں۔۔ چھ مہینوں میں انہوں نے اس ہاسپٹل کی کارکردگی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ کیا بندہ ہے وہ آئی ایم ایمپریسڈ۔۔۔ ڈاکٹر فرقان کی باتوں پر بہارے نے استھزائیہ نگاہوں سے فرقان کو دیکھا جو شہرام سے کافی ایمپریس نظر آرہا تھا۔۔

آپ جائیں میں آجاتی ہوں۔۔ بہارے نے ٹپاٹ لہجے میں کہا۔۔ اس سے زیادہ وہ شہرام کی تعریفیں نہیں سن سکتی تھی۔۔

اس کے نزدیک شہرام کی قابلیت یہ تھی جب وہ یہ سب کچھ اپنے بل بوتے پر کرتا۔۔ جو انسان اس کی ضد پر اپنی پڑھائی چھوڑ سکتا تھا۔۔ اس میں بھلا کیا خوبیاں ہو سکتی تھیں۔۔۔۔ جس نے ایک ضد کی بنا پر اپنا مستقبل تباہ کر دیا وہ کیسے اس ہاسپٹل کا مستقبل ہو سکتا ہے۔۔

زمین داجی کی دی ہوئی تھی۔۔ سرمایہ زاران لالا کا دیا ہوا ہے۔۔۔۔ ہاسپٹل کی ریپوٹیشن اچھی ہونی ہی تھی۔۔ اتنے قابل ینگ ڈاکٹرز اس ہاسپٹل میں ہائرڈ تھے۔ جو صرف کچھ کرنے کے خواہشمند تھے۔۔۔۔۔ ان میں کچھ کرنے کا بہت پوٹینشل تھا۔۔ ورنہ ان کی تنخواہیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔۔ پچھلے ایک ہفتے سے شہرام اس ہاسپٹل میں موجود نہیں تھا۔۔ اس نے دیکھا تھا تمام ڈاکٹرز کتنی اچھی طرح سے ہاسپٹل کو سنبھال رہے تھے۔۔ شہرام کے بغیر بھی یہ ہاسپٹل اچھا ہی چل رہا تھا۔۔ میٹنگ میں وہ کیا

کرنے والا تھا۔۔نہ اس کے پاس قابلیت تھی نہ کوئی ڈگری۔۔۔بہارے جھنجھلاتے ہوے سٹھیتھو سکوپ اپنے گلے سے اتار کر ایک بچے کو چیک کرنے لگی۔۔جسے نمونیہ کی تشخیص ہوئی تھی۔۔

شہرام پچھلے ایک ہفتے سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔نہ ہی وہ ہاسپٹل آرہا تھا۔۔وہ کہاں تھا اس نے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

وہ اس کی غیر موجودگی پر بہت خوش تھی۔۔حویلی ہوتا تو وہ اسے یقیناً رات بھر اپنی شدتوں سے جگائے رکھتا..ہاسپٹل کی ٹف ڈیوٹی نبھانے کے بعد وہ اسے نہیں جھیل سکتی تھی۔۔اب وہ واپس آگیا تھا یقیناً وہ اب اپنی شدتوں سے اس کی نیند عذاب کیے رکھے گا۔۔

وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا وہ جانتی تھی پتہ نہیں یہ ایک ہفتہ کیسے گزار لیا تھا۔بہارے غصے سے جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔۔

بہارے نے شہرام سے ایک مرتبہ بھی نہیں پوچھا تھا وہ کہاں ہے۔۔ مگر وہ روز اس ایک ہفتے کے دوران اس کی ڈیوٹی کے دوران فون کرتا تھا اسے کوئی مسئلہ پریشانی تو نہیں۔ اس کے ہاسپٹل پہنچنے پر اسے کال ضرور کرتا تھا اور اس کے ہاسپٹل سے آف ہونے پر بھی اسے کال ضرور کرتا تھا۔۔

اب وہ واپس آگیا تھا بہارے کے غصے اور جھنجھلاہٹ میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ اتنے دنوں سے اپنے ان پڑھ آوار گرد دوستوں کے ساتھ تھا تب تو اس ہاسپٹل کی ریپیوٹیشن کی کوئی پراوہ نہیں تھی۔۔ بہارے غصے سے تلملاتے ہوے بڑبڑائی۔۔

اس کا ابھی میٹنگ روم میں جانے کا کوئی آرادہ نہیں تھا۔۔ وہ سر جھٹکتے اپنے مریضوں کو چیک کرنے لگی۔۔

بہارے دراوزہ ناک کرتے میٹنگ روم میں داخل ہوئی۔۔۔۔

تمام ڈاکٹرز بڑی سی ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوے تھے۔۔ ٹیبل کے ایک طرف شہرام بیٹھا ہوا تھا۔۔

بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ استینیں کہنیوں تک فولڈ کی ہوئیں تھیں۔۔ وائٹ شرٹ اور جینز میں اس کی مردانہ وجاہت جھلک رہی تھی۔۔ گھنی مونچھیں اس کے وجیح چہرے کی کشش اور رعب کو بڑھا رہے تھے۔۔

وہاں موجود فی میلز ڈاکٹر اور یہاں تک کہ میل ڈاکٹرز بھی اس سے متاثر نظر آرہے تھے۔۔

شہرام اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔۔

بہارے سب کو ایک نظر دیکھتے ایک خالی چیئر پر بیٹھ گئی۔۔ سب کی نظریں شہرام خانزادہ سے ہوتے بہارے پر جا ٹھہریں تھیں۔ بہارے کے آنے پر شہرام خاموش ہو گیا تھا۔۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے بہارے کو ہی دیکھ رہا تھا۔۔ شہرام کے خاموش ہونے پر سب کو یقین ہو گیا تھا۔ بہارے کی اچھی خاصی کلاس ہونے والی ہے۔۔

وہ بنا کسی ایکسیکوز کے بڑے دھرلے سے چیئر پر بیٹھ چکی تھی۔

شہرام نے گہری نظروں سے بہارے کو دیکھا۔۔ جو بلو سمپل سے ڈریس میں ملبوس تھی۔ بلو کلر کا جارجٹ دوپٹہ سر پر اوڑھا ہوا تھا۔۔ کندھے پر ایک طرف بلیک گرم شال اوڑھ رکھی تھی۔۔ پنک لپ سٹک لگائے وہ سیدھا شہرام خانزادہ کے دل میں اتر رہی تھی۔۔ شہرام نے بمشکل ہی اپنی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔۔

شہرام کو خاموش دیکھ کر تمام ڈاکٹرز حیران ہوے تھے۔۔ شہرام نے بہارے کے اتنی دیر سے آنے پر اسے کچھ نہیں کہا تھا۔۔ وہ خاموشی سے ڈاکٹر بہارے کو دیکھ رہا تھا۔۔ جیسے وہ ہیپاٹائز ہوا ہو۔

تو میں کیا کہہ رہا تھا؟؟۔۔ شہرام کی بارعب بھاری آواز دفعتًا گونجی۔۔ اس نے اپنی کیفیت پر بمشکل قابو پایا تھا۔۔ ورنہ اس دشمن جاں کو دیکھتے وہ کہاں اپنے ہوش میں رہتا تھا۔۔ جو اس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتی تھی۔۔

شہرام اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوے وہاں بیٹھے ہوے تمام ڈاکٹرز کی طرف متوجہ ہوا۔

I asked all of you ..what are the problems of this hospital?this hospital is new.. so surely the

problems here will be more. let me know what you guys find ---so i try to fix it.

(مجھے آپ سب سے پوچھنا ہے۔اس ہاسپٹل کے مسائل کیا ہیں۔یہ ہاسپٹل نیا ہے تو یہاں کے مسائل بھی زیادہ ہوں گے۔جو آپ لوگوں نے محسوس کیے۔۔ مجھے بتائیں میں حل کرنے کی پوری کوشش کروں گا)

بہارے شہرام کو انگلش بولتا دیکھ کر ششدر ہوئی تھی۔۔وہ بہت اعتماد اور روانگی سے بنا اٹکے انگریزی میں بات کر رہا تھا۔۔

بہارے نے تحیر زدہ ہوتے شہرام کو دیکھا۔اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا تھا ۔۔۔جب وہ اسے سوات کے ہوٹل سے واپس لایا تھا۔تب بھی اس نے راستے میں انگریزی میں بات کی تھی۔۔

سر اس ہاسپٹل میں سبھی ڈاکٹرز ینگ ہیں۔ ان کا تجربہ بہت کم ہے۔۔ سم ٹائم وہ سیریس مریضوں کو ہینڈل نہیں کر پاتے۔۔ مجھے لگتا ہے یہاں ویل ٹرینڈ تجربہ کار سینیر سٹاف کی ضرورت ہے۔۔ اور اس ہاسپٹل میں صرف ایک ہی سرجن ہے۔ وہ بھی میل ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ اپنی خواتین کا علاج یہاں سے نہیں کرواتے۔۔ وہ سیریس کنڈیشن میں ابھی تک انھیں دور دراز ہاسپٹل لے جانا پریفر کرتے ہیں۔ جہاں فی میل کوالفائیڈ ڈاکٹرز اور سرجن موجود ہوں۔۔ یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اس ہاسپٹل کا۔۔ ڈاکٹر قیوم نے سنجیدگی سے کہا تو تمام ڈاکٹر نے تائید میں سر ہلایا تھا۔۔

ہمممم۔۔۔ شہرام نے پرسوچ انداز میں سر ہلاتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔

اوکے میں پوری کوشش کروں گا۔۔ یہ مسئلہ جلد سے جلد حل کر دوں۔۔ میری ایک دو سینئر ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے۔۔ مجھے یقین ہے وہ یہاں پر کام کرنے کے لیے رضامند ہو جائیں گی۔۔ آج کی میٹنگ یہیں پر ختم ہوتی ہے۔۔ مجھے آپ لوگوں کا بیسٹ چاہیے۔ یہاں جتنے بھی سینیر ڈاکٹرز آجائیں۔ جو پوٹینشل ایک ینگ ڈاکٹر میں ہوتی ہے۔۔ وہ کسی ڈاکٹر میں نہیں ہوتی۔۔ مجھے یقین ہے آپ لوگوں کی محنت کی وجہ سے یہ ہاسپٹل یہاں کا بیسٹ ہاسپٹل ہو گا۔ ہم لوگ ایک ٹیم کی طرح کام کریں تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ شہرام نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلز بند کرتے سینجیدگی سے کہا۔

سب ڈاکٹرز نے مسکراتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔ وہ سب اپنی اپنی نشستوں سے اٹھتے باہر کی جانب بڑھے۔۔

بہارے بھی اپنی نشست سے اٹھی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ رکیں۔۔۔مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔۔شہرام کی سنجیدہ آواز پر بہارے دروازے کے پاس جاتے جاتے رکی تھی۔۔سب ڈاکٹرز نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔۔

انھیں یقین تھا۔۔ڈاکٹر بہارے کی شہرام کے ہاتھوں کلاس ہونے والی ہے۔۔بہارے سب کی معنی خیز نظروں کا کچھ اور ہی مطلب سمجھتے زبردستی ہلکا سا مسکرائی تھی۔اسے شہرام پر بہت غصہ آیا تھا۔جو اس کے منع کرنے کے باوجود اس قسم کی حرکات کر رہا تھا۔۔بہارے نے شعلہ بار نگاہوں سے شہرام کو گھورا۔

شہرام اس کے گھورنے پر مدھم سا مسکرا گیا۔۔

اتنے دنوں سے اپنی بہارے کا غصہ اس نے کتنا مس کیا تھا وہ وہی جانتا تھا۔۔

سب کے جانے کے بعد شہرام نے اپنی چیئر سے اٹھ کر دروازے کو لاک کیا۔۔

بہارے کو کلائی سے پکڑتے اپنے سینے میں بھینچا۔۔

تم کہاں جا رہی تھی!؟؟میری بہارے۔۔۔۔اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔۔مجھے جی بھر کر تو خود کو دیکھ تو لینے دو۔۔شہرام گھمبیر آواز میں کہتے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے بے خودی میں اس کے لبوں پر جھکا۔

یہ لڑکی اس کی کمزوری تھی۔۔رخصتی کے بعد وہ اسے رگ وجاں سے بھی بڑھ کر ہو گئی تھی۔۔

اس کا دین مکمل کرنے والی۔۔۔اس کو راحت پہنچانے والی۔اس کا غصہ اس کے نخرے سر آنکھوں پر۔۔وہ اس کے نخرے ساری عمر اٹھا سکتا تھا۔۔

شہرام کیا کر رہے ہو؟؟ بہارے اسے خود سے دور کرتے جھنجھلائی تھی۔۔

اتنے دنوں کی پیاس مٹا رہا ہوں۔تم جانتی ہو مجھے تمھارے یہ گلاب بہت پسند ہیں۔شہرام اس کے دور جھٹکنے پر اسے مسکراتے ہوئے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔اتنے دنوں بعد دیکھا تھا۔۔۔اس لیے اس کی کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی۔شہرام یہ ہاسپٹل ہے۔۔میں نے تمھیں کہا تھا کہ یہاں کسی کو بھی پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ تمھارا اور میرا رشتہ کیا ہے۔۔تم اس طرح مجھے یہاں روک کر کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟۔سب کیا سوچ رہے ہوں گے ہمارے بارے میں۔۔۔بہارے شہرام کی گرفت سے نکلتے ناگواری سے بولی۔۔

شہرام اس کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

یہی ایک چیز تھی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اس کے قریب جانے پر اس کے چہرے کی ناگواری برداشت نہیں ہوتی تھی۔

بہارے شہرام کو ایک نظر دیکھتے دروازے کی طرف بڑھی۔

شہرام نے اسے کلائی سے پکڑے دروازے کے ساتھ لگایا۔۔

غصے کی وجہ سے وہ اسے دروازے کی طرف دھکیل چکا تھا۔اس نے غصے میں بھی خود پر کنٹرول رکھا تھا کہ وہ ہرٹ نہ ہو۔۔

بہارے کی نازک طبعیت اتنی بھی سختی کہاں گوارا کر سکتی تھی۔۔بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں آنسو ٹھہرے تھے۔۔

جو صرف شہرام کو دکھانے کے لیے تھے۔ وہی ہوا وہ گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ مگر آنکھوں کا سرد پن ویسے ہی برقرار تھا۔۔

وہ اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ رکھے اسے قید کر گیا۔۔ شش۔۔ شہرام کیا کر رہے ہو جانے دو؟؟۔ بہارے اس کی سرد سرخ نظروں سے گھبراتے ہوے بولی۔

اس کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی۔۔ شہرام کی آنکھوں میں سرخی چاہے خمار کی ہو یا اس پر اشتعال کی۔۔ دونوں صورت میں نقصان اس کا ہی تھا۔۔ وہ اس کی شدتیں اور غصہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ وہ غصے میں اگر کبھی ضد میں آجائے۔۔ اس سے بڑا ضدی اور ہٹ دھرم کوئی نہیں تھا۔۔

ڈاکٹر بہارے۔۔۔ سارے رولز مجھ پر لاگو ہوتے ہیں۔ آپ جو اتنی لیٹ میٹنگ کے دوران آئی ہیں۔۔ تب آپ کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ آپ یہاں پر ایک عام سی ڈاکٹر ہیں۔ لیٹ آنے پر آپ کو ہاسپٹل کے اونر سے ڈانٹ بھی پڑ سکتی ہے۔۔ اب میں نے آپ کو کچھ بھی نہیں کہا۔۔۔ یقیناً تمام ڈاکٹرز سوچیں گے میں آپ کو کچھ زیادہ ہی ریلیف دے رہا ہوں۔ وہ آپ کو نہ ڈانٹنے کا مطلب کچھ بھی نکال سکتے ہیں۔

شہرام اس کے قریب ہوتے اس کے چہرے پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتے سرد لہجے میں بولا۔۔ شہرام کا لہجہ سرد تھا۔۔ مگر آنکھوں میں آنچ دیتے جذبوں کی لو تھی۔۔ جسے دیکھتے بہارے کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔۔ ورنہ جس طرح اس نے اسے دروازے کے ساتھ پٹخا تھا۔۔ اور اس کی آنکھوں

میں سرخی کی رمک دیکھتے وہ پریشان ہوئی تھی۔۔اسے غصہ کم آتا تھا جب آتا تھا۔۔وہ بدلحاظ ہو جاتا تھا وہ سوات ہوٹل میں اس کا کیا ہوا غصہ ابھی تک نہیں بھولی تھی۔

تو تم مجھے ڈانٹ لیتے سب کے سامنے۔۔۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟؟۔بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

یہی تو نہیں کر سکتا۔۔تمھیں کبھی کسی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔تمھاری جھکی نظریں مجھے گوارا نہیں۔ویسے بھی یہ ہاسپٹل آپ کا ہے۔آپ جو چاہیں کریں۔۔آپ کو سب معاف ہے۔اور یہاں کا اونر بھی صرف آپ کا ہے۔۔آپ کا غلام۔۔۔وہ کیا کہے گا آپ کو۔۔شہرام گھمبیر آواز میں بولتے اس کے لبوں پر جھک گیا۔۔

بہارے اس کی شرٹ پکڑے اس کی شدت برداشت کرنے

لگی۔ اب اس نے اسے دور نہیں جھٹکا تھا۔۔ وہ یہاں سے جلد از جلد جانا چاہتی تھی۔۔ شہرام جب تک اپنی مان مانیاں نہ کر لیتا۔۔ وہ اسے یہاں سے جانے نہ دیتا وہ جانتی تھی۔۔ اس لیے خاموشی سے وہ اس کے حصار میں اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔

شہرام نے تھوڑی دیر بعد اس کے لبوں کو آزادی دی۔۔

اس کی فرمانبرداری پر شہرام خانزادہ نحال ہوا تھا۔۔ شدت سے اس کے ماتھے پر اپنے سلگتے لب رکھے۔۔

اس کے ایک ایک انداز میں بے قراری نمایاں ہو رہی تھی۔

بہارے اس کی بے قراریاں محسوس کرتے جھنجھلا رہی تھی۔۔ یقیناً وہ آج رات اسے اپنی پناہوں سے آزادی نہ دینے والا تھا۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمھارے لیے کچھ لایا ہوں۔۔۔میں چاہتا ہوں۔۔ آج رات تم وہ پہنو تا کہ میں تمھیں بتاؤں۔۔۔میں نے یہ ایک ہفتہ کیسے گزارا ہے۔۔ایک ایک پل تمھیں یاد کیا ہے میری بہارے۔۔میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔تم میری دیوانگی میرا جنون ہو۔۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔میری سانسوں میں رہتی ہو تم۔۔میرے رگوں میں خون بن کر ڈوڑتی ہو۔۔میں تمھارا دیوانہ ہوں۔۔بہارے۔۔تم زندگی ہو میری۔۔

وہ اس کے گلابی عارض پر اپنے سلگتے لب رکھتے مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔

شہرام مجھے جانے دو پلیز اچھا نہیں لگتا۔۔ یہ ہاسپٹل ہے۔۔ بہارے نے جھنجھلاتے ہوے کہا۔۔ وہ رات رات بھر اس کی یہ سرگوشیاں سنتی رہتی تھی۔۔ اس کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا۔۔

اس کی سلگتی سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں خمار کی سرخی اور اس کا آگ جیسا لمس محسوس کرتے اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔۔۔۔

شہرام کی جنونیت برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔۔ وہ اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔۔

اوکے یہ ہاسپٹل ہے مانتا ہوں۔ مگر آج اپنے کمرے میں تمھارا کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا۔۔ تیار رہنا میری جان۔۔ میری شدتیں سہنے کے لیے۔۔ جس پر صرف تمھارا حق ہے۔۔ آج رات تمھارے پور پور کو اپنی محبت کی بارش سے مہکاؤں گا۔

شہرام بہارے کے سرخ چہرے کو دیکھتے آنکھ ونک کرتا پیچھے ہوا تھا۔

بہارے جلدی سے دروازے کی طرف مڑتے دروازے کا لاک کھولنے لگی۔۔

وہ لاک کھولتے کھولتے رکی تھی۔۔

شہرام تم نے اتنی اچھی انگریزی کیسے بولی؟؟

بہارے نے شہرام کی طرف مڑتے بے چینی سے پوچھا۔۔یہ سوال کب سے اس کے دماغ میں کھلبلی مچائے ہوے تھا۔۔

پچھلے ایک ہفتے سے پریکٹس کر رہا تھا۔۔آخر تمھیں امپریس جو کرنا تھا۔۔شہرام چیر پر بیٹھتے سنجیدگی س بولا۔۔

اگر تم اپنی پڑھائی مکمل کر لیتے تو تمھیں مجھے ایمپریس کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔۔اور یقیناً تمھاری ہر جگہ اس سے کہیں زیادہ عزت ہوتی۔نہ ہی اس ہاسپٹل کے مسائل حل کرنے کے لیے تمھیں کسی کی مدد لینے کی ضرورت پڑتی۔۔

کہاں سے لاؤ گے سینر فی میل تجربہ کار سٹاف؟؟؟

اس گاؤں میں کوئی کیونکر آئے گا؟؟؟۔۔اگر کوئی آئے گا بھی تو وہ کانٹیکٹس کے بحاف پر آئے گا۔۔ تمھارے تو یقیناً کوئی کانٹیکٹس نہیں ہوں گے۔۔ ارحام لالا یا پھر زاران لالا سے بات کرو۔۔ ان کے بڑے بڑے کانٹیکٹس ہیں۔۔

یقیناً ان کے کہنے پر بڑے بڑے ہاسپٹلز کی سینیر ڈاکٹرز یہاں پر آجائیں گی۔۔ اور ان کی شاندار سیلری بھی ارحام لالا دے دیں گے۔۔ تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا

بہارے نے سینے پر ہاتھ باندھتے شہرام کو سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

شہرام بہارے کی باتوں پر سنجیدگی سے مسکرا گیا تھا۔۔

بہت شکریہ تمھارے مشورے کا۔۔یقیناً ایسا ہی کروں گا۔اب تم جا سکتی ہو۔۔

۔شہرام نے بہارے کو دیکھتے چیئر سے ٹیک لگائے سنجیدگی سے کہا۔۔

بہارے شہرام کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے دروازہ کھولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

شہرام ہاتھ میں پکڑا پن ٹیبل پر زور سے اچھالتے چیئر سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔وہ اپنی کنپٹی انگلیوں سے سہلاتے اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر قابو پانے لگا۔۔

ارحام کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔۔وہ اسے اپنے پاس نہ دیکھ کر جھنجھلا گیا تھا۔۔بلکہ وجیح چہرے پر غصہ اشتعال نمودار ہوا تھا۔۔رات بھر تو وہ اس کی پناہوں میں تھی۔ارحام نے اپنی مندی مندی سرخ آنکھیں کھولتے پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔۔وہ کہیں نہیں تھی۔۔واش روم ڈریسنگ روم کی لائٹس آف تھیں۔وہ یقیناً وہاں بھی نہیں تھی۔۔۔ارحام نے غصے سے اپنی بانہوں میں موجود تکیہ اٹھا کر زمین پر پٹخا تھا۔۔

وہ اس کے اٹھنے سے پہلے کیسے باہر جا سکتی ہے۔۔اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

ارحام نے اپنے موبائل میں ٹائم دیکھا۔۔جہاں صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔۔وہ اتنی جلدی کیسے اٹھ سکتی ہے؟؟۔۔ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ دونوں سوئے تھے۔۔

ارحام اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔وہ ابھی اور سونا چاہتا تھا مگر اسے کمرے میں ناپا کر اس کی نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔۔اب اس کے بغیر کہاں نیند آنی تھی؟؟۔

ارحام اپنے گھنے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے بیڈ سے اٹھا۔

ارحام نے صوفے سے اپنی ٹی شرٹ اٹھا کر پہنی۔ وہ دروازہ کھولتے باہر زنان خانے میں آیا۔۔ وہ وہاں بھی کہیں نہیں تھی۔ ارحام کی نظریں مزید بے چین ہوئیں تھیں۔

امینہ خانم لاونج میں بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سوتی نہیں تھیں۔ بلکہ وہ سورج نکلنے تک مختلف وضائف کرتی رہتی تھیں۔۔

اسلام و علکیم مورے۔۔ ارحام نے ان کے پاس جا کر ادب سے سلام کیا۔

امینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے ارحام کے چہرے پر پھونک ماری۔۔

اللہ تمھیں خوش رکھے۔۔ امینہ خانم نے ارحام کے وجیح چہرے کو دیکھتے کہا۔۔

جس کے پاس اتنی اچھی مورے ہو۔۔ وہ بھلا خوش کیوں نہیں رہے گا ۔۔ ارحام نے ان کے ہاتھ کی پشت شدت سے چومی۔۔

ارحام کے چہرے پر سکون دیکھتے امینہ خانم کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔۔

وہ انھیں زاران اور شہرام سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔۔

وہ بھی ہمیشہ انھیں ایک سگی ماں کی طرح بہت مان دیتا تھا۔۔۔ گل کے ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ان کی ہر بات کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔۔ گل کے بارہاں کہنے کے باوجود ارحام نے کبھی اس حویلی کو نہیں چھوڑا تھا۔۔ اسے اپنے ساتھ اسلام آباد میں نہیں رکھا تھا۔۔ انہوں نے کتنی بار ارحام سے کہا

تھا وہ گل کی بات مان کر اسے اور پریذے کو اسلام آباد شفٹ کر دے ۔۔ مگر وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا وہ آپ کے بغیر کیسے رہے گا۔۔ وہ اپنی پریذے کو آپ کی محبت کی بغیر نہیں رہنے دے سکتا۔

گل جتنی بھی ان سے زبان چلاتی تھی۔ ارحام کی غیر موجودگی میں چلاتی تھی۔۔ اس نے ارحام کے سامنے کبھی ان سے زبان درازی نہیں کی تھی۔۔ گل کی لمبی زبان کے متعلق انہوں نے کبھی ارحام کو نہیں بتایا تھا۔۔ اسی بات کا گل فائدہ اٹھاتی تھی۔

تم اتنا صبح صبح اٹھ گیا خیر تو ہے۔۔ امینہ خانم نے ارحام کی سرخ آنکھوں کو بغور دیکھا۔

جہاں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔۔وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔ارحام کی زندگی میں حور کی کیا اہمیت ہے۔۔حور کی ہر ٹائم بھیگی زلفیں،، سرخ عارض اور جھکی نظریں ان پر باور کرواتی تھیں۔ارحام اسے لے کر کافی شدت پسند ہے۔۔

آج واپس اسلام آباد جانا تھا۔۔اس لیے آنکھ کھل گئی۔۔

اچھا اچھا پھر ہم درخشاں کو بول دیتا ہے۔۔ تمھارے لیے اچھا سا ناشتہ کا بندوبست کرے۔

امینہ خانم نے کہتے ہوے کچن کی طرف بڑھیں۔۔

مورے آپ فجر کے ٹائم سے اٹھی ہیں۔ آپ تھوڑا آرام کر

لیں۔ سردی بہت پڑ رہی ہے۔۔ پھر آپ کے گھٹنوں میں درد شروع ہو جائے۔ میں جاتے ہوے آپ سے مل کر جاؤں گا۔۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ ارحام نے نرمی سے کہتے انھیں کچن میں جانے سے روکا تھا۔۔

ہاں تم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے ہمارا جوڑوں میں درد شروع ہو گیا ہے۔ ہم تھوڑا آرام کر لیتا ہے۔۔ امینہ خانم کہتے ہوے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

ارحام ان کے جانے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتا کچن کی طرف بڑھا

وہ کچن کے دروازے پر رکا تھا۔ آنکھوں کو ٹھنڈک ملی تھی۔۔ دل زوروں سے دھڑکا تھا

وہ پنک ڈریس پر بڑا سا وائٹ دوپٹہ سر پر جمائے ہوے تھی۔۔۔۔ سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔

وہ سٹوو پر رکھی ابلتی ہوئی چائے کی کیتلی کو دیکھ رہی تھی۔۔ درخشاں اس کے پاس ہی کھڑی املیٹ کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی۔۔

بھابھی آپ کیوں آگیا کچن میں ؟؟۔۔ آپ آرام کرتا۔۔ درخشاں اس کا تھکا تھکا پر مشدہ چہرہ دیکھ کر بولی۔۔۔

ارحام کو میرا زیادہ دیر تک سونا پسند نہیں ہے۔۔ حور کی سادگی سے کہی گئی بات پر ارحام اپنے لب بھینچ گیا۔۔۔

ہاں یہ تو ہے۔۔ گل بھابھی بھی صبح جلدی اٹھ جاتا تھا۔۔ وہ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔۔ مگر اٹھتا جلدی تھا۔

ارحام لالا کو دیر تلک گل بھابھی کا بھی کمرے میں رہنا پسند نہیں تھا۔ درخشاں پیاز کاٹتے ہوئے بتا رہی تھی۔۔

ارحام کو درخشاں کا گل کا ذکر کرنا بہت ناگوار گزرا تھا۔۔

انجانے میں وہ بھی حور کا کمپیرزن گل سے کر رہی تھی۔۔

یہی بات ارحام خانزادہ کو سوئی کی طرح چبھی تھی۔

بھلا گل اور حور کا کیا کمپیرزن تھا؟؟۔ ارحام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے۔۔

حور۔۔۔ ارحام نے دفعتًا اسے پکارا۔۔

رحام کی سرد پکار پر حور کا ہاتھ برنر پر رکھی پتیلی کو چھو گیا تھا۔۔

سی۔۔۔۔ حور نے درد سے سسکاری بھرتے اپنے ہاتھ کی پشت کو دیکھا جو سرخ ہو رہی تھی۔

ارحام نے اپنے ہونٹ بری طرح بھینچے۔

حور کی اتنی سی تکلیف پر اس کی آنکھوں میں تڑپ واضح تھی۔۔ مگر وہ اس کے قریب نہیں گیا تھا۔۔ وہ اس کے اٹھنے سے پہلے کمرے سے باہر کیوں آئی۔۔۔ یہ بات ابھی تک اسے غصے میں مبتلا کیے ہوے تھی۔۔

مجھے بلیک کافی چاہیے۔۔ درخشاں اچھی سی بلیک کافی بنا کر حور کے ہاتھ بھجواؤ کمرے میں۔۔ ارحام حور کو سرد نگاہوں سے دیکھتا درخشاں سے بولا۔۔

حور نے نظریں اٹھا کر رحام کو دیکھا۔۔۔ اس کی سرد نظروں سے گھبراتے ہوے وہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

۔جن میں واضح تحریر تھی اسے پسند نہیں آیا اس کا کمرے سے باہر آنا۔۔

ارحام حور پر سرد نگاہ ڈالتا چلا گیا تھا۔۔

حور ارحام کی بلیک کافی کمرے میں لے کر داخل ہوئی تو آئی تو ارحام کمرے میں نہیں تھا۔۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز پر وہ سمجھ چکی تھی۔۔ وہ شاور لے رہا ہے۔۔ وہ اس وقت پنک فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر اس نے وائٹ لانگ اوپن جرسی پہن رکھی تھی۔ سر پر بڑا سا وائٹ دوپٹہ جمایا ہوا تھا۔۔ اس ڈریس کے ساتھ پنک نیٹ کا دوپٹہ تھا۔ اس کے دوپٹے سے بال نظر آئیں وہ ارحام کو نہیں پسند تھا۔۔ اس لیے اس نے گل کا بڑا سا وائٹ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ جس پر پنک کلر کی ایمرائیڈری ہوئی تھی۔۔

ارحام کے جنون سے وہ مزید خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ جو پچھلے چار دنوں سے اس نے اس کی قربت میں محسوس کیا تھا۔ اس لیے وہ اس کے اٹھنے سے پہلے وہ باہر چلی گئی تھی۔۔ ویسے بھی اس کی سختی سے ہدائت تھی۔ وہ دیر تک کمرے میں نہ رہا کرے۔۔ اب اسے اس کا باہر جانا پسند نہیں آیا تھا۔

حور واش روم کے بند دروازے کو ایک نظر دیکھتے وہاں سے جانے لگی تھی کہ دفعتاً ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ارحام کا فون رنگ ہوا۔۔۔ موبائل پر کالنگ گل لکھا دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔۔

حور نے ایک نظر واش روم کے بند دروازے کو دیکھا۔۔ جہاں سے ابھی تک پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔۔

حور نے جلدی سے فون اٹھاتے ہوئے کپکپاتے لبوں سے ہیلو کہا۔۔

دوسری طرف لائن پر موجود پری گل کو حور کے فون اٹھانے کی توقع نہیں تھی۔۔ وہ حور کی آواز سنتے نفرت سے اپنی مٹھیں دبوچ گئی تھی۔۔

ارحام کہاں ہے؟؟ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔۔ گل کی سرد سپاٹ آواز گونجی۔۔

وہ واش روم ہے۔۔ حور نے آہستگی سے کہا۔۔

گل خدا کے لیے آپ ارحام کو اس کی بیٹی سے ملنے دے دیں۔۔۔ گل کی خاموشی محسوس کرتے حور نے جلدی سے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔

وہ میرا اور ارحام کا معاملہ ہے۔۔ پریذے میری اور ارحام کی بیٹی ہے۔۔ تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ سب کہنے والی؟؟۔۔ گل فون پر غصے سے چیخ اٹھی۔۔

میں جانتی ہوں۔۔ آپ ارحام کو اس کی بیوفائی کی سزا دے رہی ہیں۔ مگر ارحام بے قصور ہے۔۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔۔ اس رات

ارحام نے میری مدد کی تھی۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے وہ سب کچھ جھوٹ بولا تھا۔۔ مجھے ارحام کی صورت میں مضبوط سہارا چاہیے تھا۔۔ مجھے لگا ایسے کر کے ارحام مجھے اپنا لے گا۔۔ گل کہیں فون بند نہ کر دے۔۔ حور نے کپکپاتے لہجے میں ایک ہی سانس میں گل پر ساری حقیقت افشار کی۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔ جھوٹ۔۔۔۔ جھوٹ بول رہی ہو۔۔ سپیکر پر گل کی آواز مدھم ہوئی تھی۔۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ وہ آج بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ وہ دن رات پریذے اور آپ کو یاد کرتے ہیں۔۔ خدا کے لیے ان کی بیٹی لوٹا دیں۔ حور بھیگے التجائیہ فریاد کرتے روا ٹھی۔۔

دوسری طرف سپیکر پر صرف گل کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔۔ جس میں مدھم مدھم سسکیاں بھی شامل ہوئی تھیں۔

حور فون پر اپنی گرفت مضبوط کرتے گل کے بولنے کی منتظر تھی کہ لائن کٹ گئی۔۔۔وہ شائد خود ہی یہ سب سنتے فون بند کر چکی تھی۔۔

حور نے موبائل ہاتھ میں پکڑے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔ گل کی سسکیاں سنتے احساس زیاں بہت بڑھ گیا تھا۔۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر حور نے جلدی سے فون ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔۔

وہ جلدی سے وہاں سے جانے لگی تو ارحام جو اپنے گیلے بال ٹاول سے خشک کرتے باہر آیا۔۔ حور کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے بازوؤں میں بھر گیا۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ اور کس سے بچ رہی ہو۔۔ ارحام نے اپنے بازوؤں کا گھیرا اس کی کمر پر مضبوط کیا۔۔

حور نے ایک نظر ارحام کو دیکھتے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔ وہ شرٹ لیس تھا۔۔ سکس پیک چٹانی سینے پر پانی موتیوں کی صورت میں چمک رہا تھا۔۔ گھنے سیاہ بالوں سے بھی پانی ٹپک رہا تھا۔۔

سرخ و سفید رنگت پر ہلکی گھنی بئیرڈ اور نکھرا چہرہ اسے کافی خوبرو بنا رہا تھا۔۔

اس کی رات کی شدتیں یاد کر کے وہ اس کے حصار میں سرخ گلاب ہوئی تھی۔ ارحام اس کی جھکی لرزتی پلکیں اور سرخ گلاب چہرہ دیکھ کر گہرا مسکرایا۔

ارحام نے حور کے وجود سے اس کا دوپٹہ اتار کر صوفے پر اچھالا۔۔

میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ وہ اب اس کے گیلے بالوں سے کیچر اتار کر دور پھینکتے اس کے کمر پر بکھرے بال اپنی انگلیوں سے سلجھا رہا تھا۔۔ گہری نظریں حور کے چہرے پر تھیں۔ اس کی جھکی نظریں دیکھتے ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے اٹھائے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔

اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں گاڑھیں۔۔

کسی سے بھی نہیں بچ رہی تھی۔۔۔ حور نے بھی جوابًا اپنی کرسٹل براؤن آنکھیں ارحام کی سیاہ پرکشش آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔۔۔

ارحام اس کی اس ادا پر مبہم سا مسکرایا۔۔یقیناً یہ اعتماد اس کے پچھلے چار دنوں کی نرمی پر تھا۔

میرے اٹھنے سے پہلے کیوں گئی باہر ؟؟۔۔جبکہ تم جانتی ہو آج میں اسلام واپس آباد جا رہا ہوں۔۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو پکڑے اب کی بار سرد لہجے میں استفسار کیا۔۔

اس کی آنکھوں میں ڈر دیکھنے کا الگ ہی مزا تھا۔

آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میں صبح سات بجے کچن میں موجود ہوں۔کیونکہ گل بھی صبح سات بجے زنان خانے میں موجود ہوتی تھی۔۔چاہے اسے رات رات بھر آپ کی شدتیں سہتے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے۔۔جو قانون گل کے لیے تھا۔۔اس سے بری ذمہ میں کیسے ہو سکتی ہوں۔جبکہ وہ آپ کی

محبت بھی تھی۔۔ حور ارحام کی سیاہ آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے اسے بہت کچھ جتاتے ہوے بولی۔۔

وہ ارحام کے حصار سے نکلتے صوفے پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھائے خود پر اچھی طرح اوڑھتے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔۔

اسفندیار خان اپنے کمرے میں داخل ہوا تو عابیر کالج کے یونیفارم میں تیار بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اسفندیار خان کے کمرے میں داخل ہونے پر عابیر نے ذرا بھی نوٹس نہیں کیا تھا۔۔ وہ اپنا یونہی کام کرتی رہی۔۔۔ اپنے کچھ نوٹس اپنے بیگ میں ڈالتے زپ بند کی تھی۔۔ اور بیڈ پر پڑی سیاہ چادر اٹھا کر خود پر اچھی طرح اوڑھی۔

پچھلے تین دونوں سے ان دونوں کے درمیان بات چیت بند تھی۔۔ وہ اس دوران کمرے میں کم ہی آیا تھا۔۔ عابیر اس دن کے بعد آج کالج جا رہی تھی۔۔ اس کے مارے ہوے تھپڑ کا نشان یقیناً آج ہی مندمل ہوا تھا۔۔

اسفندیار خان نے گہری نگاہ بلیک چادر کے حالے میں اس کے کندن کی طرح دمکتے چہرے پر ڈالی۔ اسفندیار خان نے بغور اس کے شفاف عارض کو دیکھا۔۔ جہاں ابھی بھی سرخی کی امیزش تھی۔۔ جسے اس نے لائٹ سے میک میں چھپایا تھا۔۔ عابیر اپنا بیک کندھے پر لٹکائے دروازے کی جانب بڑھی۔۔ عابیر کی اگنورنس پر اسفندیار خان کی سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ نیلی آنکھوں سے شرارے سے پھوٹے تھے۔۔

اس نے ایک بار بھی اس پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ بلکہ ذرا سی نظر اس پر ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔

اسفندیار خان کو اس کی لاتعلقی اچھی خاصی چبھی تھی۔۔اس کی لاتعلقی سے اسفند خان کا گرم خون بھڑکا تھا جیسے۔۔

میرے کپڑے نکالو۔۔مجھے کہیں جانا ہے۔۔اسفند کی سرد آواز گونجی تو عابیر کے دروازے کی طرف جاتے قدم رکے تھے۔۔عابیر نے پلٹ کر اسفند کو دیکھا۔۔۔

یہ ان تین دنوں میں پہلی نظر تھی جو اس نے اس پر ڈالی تھی۔۔اسفند کو آج بھی یہ ہیزل گرے آنکھیں سخت زہر لگی تھیں۔

مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے۔۔عابیر نے سپاٹ انداز میں کہا۔۔

اسفند اس کے منہ سے انکار سنتا مشتعل ہوا تھا۔۔نکاح کے بعد اس نے اس کی ہر ذمہ داری سنبھال رکھی تھی۔۔

اس کے کپڑے واش کرنے سے لے کر وہ استری تک خود کرتی تھی۔۔

یہاں تک کہ اس کی مرضی کا کھانا بھی وہ اپنے ہاتھوں سے بناتی تھی۔۔چاہے اسے کچن میں کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے۔۔وہ روز ڈنر میں اس کی من پسند کے کھانے بناتی تھی۔۔اس کی چائے کافی وقت میں مردانے میں پہنچ جاتی تھی۔۔یہ سب وہ اپنی مرضی سے کر رہی تھی۔۔گھر میں درجنوں ملازمائیں تھیں۔۔مگر وہ اس کا ہر کام خود کر رہی تھی۔۔

ورنہ اسفندیار خان کو اس سب کی عادت نہیں تھی۔۔وہ زیادہ تر امیریکہ میں رہا تھا۔۔اسے اپنے کام کرنے کی خود عادت تھی۔۔مگر عابیر اس کے شوز جوتے تک اس کے قدموں میں لا کر رکھتی تھی۔۔یہاں تک کہ وہ اس کے تیار ہونے کے کے دوران اس کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔

وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔ وہ یہ سب کچھ اس کی شدید محبت میں کرتی ہے۔۔ اور وہ اپنا حق سمجھ کر اس سے کرواتا تھا۔۔

اس کی مردانہ آنا کو تسکین ملتی تھی۔۔۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کے عشق میں بری طرح گرفتار ہے۔

مگر ناراضگی میں وہ اس سے ایسے لاتعلق ہو جاتی تھی جیسے اس کا وجود ہے ہی نہیں۔

پچھلے تین دنوں میں اس کے لیے مردانے میں اس کے ہاتھ کا کوئی قہوہ کوئی کافی نہیں آئی تھی۔۔ ڈائینگ ٹیبل پر درجنوں ڈشز ہوتی تھیں۔ مگر وہ عابیر کے ہاتھ کا ذائقہ پہچانتا تھا۔۔ اس میں کچھ بھی عابیر کا بنایا ہوا نہیں ہوتا

تھا۔۔ اسفند نے غصے سے پچھلے تین دنوں سے کافی چائے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔۔ درخشاں یا کسی دوسری ملازمہ کے ہاتھ کی کافی چائے وہ واپس بجھوا دیتا تھا۔۔

کافی پینا اس کا نشہ تھا وہ کافی کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حتی کہ وہ اتنا پانی نہیں پیتا تھا۔۔ جتنا کافی پیتا تھا۔۔ مگر پچھلے تین دنوں سے اس نے کافی کا ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا۔

اس نے غصے سے پچھلے تین دنوں سے ڈنر بھی نہیں کیا تھا۔۔۔ اب اس کا انکار اسے شدید غصے میں مبتلا کر چکا تھا۔

اسفند عابیر تک ایک ہی جست میں پہنچا۔

میں نے تمھیں کہا تھا کہ تمھارے کالج جانے پر میں تمھاری کسی بھی ذمہ داری میں کوئی کمی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔۔ اسفند عابیر کو گھورتے سرد لہجے میں بولا۔۔

میں نے اپنی ہر ذمہ داری نبھائی ہے۔۔ آپ اپنی مورے سے پوچھ لیں ۔۔۔ ان کا ہر کام میں کر رہی ہوں۔۔۔ ان کی ٹانگیں دبانے سے لے کر ان کو دوائی تک میں دے رہی ہوں..

صرف یہ تمھاری یہی ذمہ داریاں ہیں۔ اسفند نے اس کی بات پر طنزیہ کہا۔۔ اس کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھ کر اس کے خون میں ابال اٹھے تھے۔۔ نہ اس لڑکی کی لاتعلقی برداشت تھی۔۔ نہ اس کا سرد سپاٹ چہرہ۔۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں سرد مہری تو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔۔۔ ایسے میں یہ ہیزل گرے گہری آنکھیں زیادہ زہر لگتی تھیں۔۔

اسفند کی نیلی آنکھیں بہت گہرائی سے ہیزل گرے آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

اور کیا ذمہ داریاں ہیں۔ آپ ہی بتا دیں۔۔ عابیر اسفندیار خان کو گھورتے جوابًا غصے سے بولی۔۔

اگر تمھیں اپنی ذمہ داریوں کا نہیں پتہ تو کوئی بات نہیں میں دوسری شادی کر لیتا ہوں۔۔ یقینًا اپنی دوسری بیوی کو مجھے اپنی ذمہ داریوں کا بتانا نہیں پڑے گا۔۔۔۔ اسفندیار خان اپنی استین کہنی تک فولڈ کرتے استھزائیہ بولا۔۔

اس کا تیر نشانے پر لگا تھا۔۔ اسفند کی بات پر عابیر کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہوا تھا۔۔

وہ اس کی بات پر اپنا بالائی لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔۔ لبوں پر خون کی ننھی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔ جنھیں دیکھتے اسفند نے اپنی نگاہیں پھیریں۔۔

سامنے کھڑی لڑکی اس کے عشق میں پاگل تھی۔۔ اس کے زخمی ہونٹ اور اس کی آنکھوں میں ٹھہرے درد کے پانی نے اسے بخوبی سمجھا دیا تھا۔۔

اسفند اس پر بنا کوئی نگاہ ڈالے واشروم چلا گیا تھا۔۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا اب یہ لڑکی کبھی ناراضگی میں بھی اسے اگنور نہیں کرے گی۔۔۔۔

اسفند شاور لے کر آیا تو اس کی شلوار قمیض بیڈ پر پڑی تھی۔۔بیڈ کے پاس ہی اس کی پشاوری چپل پڑی تھی۔۔اس کی گھڑی اس کا پرس اس کی گاڑی کی چابیاں ترتیب سے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی تھیں۔۔اس کا فیورٹ پرفیوم ۔۔ہیر برش اس کی ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود تھی۔۔

سائیڈ ٹیبل پر بھاپ اڑاتی اس کی گرم گرم کافی بھی پڑی تھی۔

اسفند یہ سب دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔اس کی ضرورت کی ہر چیز ادھر موجود تھی۔۔مگر وہ کہیں نہیں تھی۔یقیناً وہ کالج چلی گئی تھی۔۔اسفند یار خان کی مضبوط مردانہ ہاتھ کی مٹھیاں بھنچ گئی تھی۔۔

چہرہ طیش و اشتعال سے مزید سرخ ہوا تھا۔۔اس کی غیر موجودگی اسے مزید غصے میں مبتلا کر چکی تھی۔۔وہ اس وقت بلیک ٹراوزر پر وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ڈریسنگ روم سے اپنی بلیک جیکٹ پہنتے وہ گاڑی کی چابیاں اٹھائے وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتے نیچے آیا۔۔

ڈائینگ روم سے آتی زاران اور عابیر کی آوازوں پر اس کے باہر جاتے قدم رکے تھے۔۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ڈائینگ روم کی طرف بڑھا۔۔

ڈائینگ روم میں داخل ہوتے ہی اندر کا منظر دیکھ کر وہ طیش و اشتعال سے بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔

عابیر،،زاران خانزادہ کے حصار میں کھڑی اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔۔زاران اس کے ماتھے کو چوم رہا تھا۔۔

اسفندیار خان یہ منظر دیکھ کر اندر تک سلگ اٹھا۔۔

لالا میں کالج جاتے ہوے راستے سے وہی پراٹھا نہاری کھاؤں گی۔۔جو آپ نے ایک بار مجھے کھلایا تھا۔۔عابیر زاران کے سینے کے ساتھ لگی اس کے بٹن کے ساتھ کھیلتی بچوں کی طرح بولی تھی۔۔وہ زاران کے کے حصار میں ایسے ہی ہمیشہ اپنے لاڈ اٹھواتی تھی۔اس کا انداز ہی بدل جاتا تھا۔۔

اسفند کو پتہ نہیں اس کا یہ انداز زہر لگتا تھا یا پھر اس کا زاران کی بانہوں میں کھڑا ہونا۔

کیوں نہیں میرا بچہ ضرور کھائیں گے ہم۔۔۔زاران نے مسکراتے ہوے عابیر کے ماتھے کو دوبارہ چوما تو اشفندیار خان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔۔

وہ سامنے کھڑی لڑکی پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اور اس زاران خانزادہ کا تو بلکل نہیں۔۔

اسفند نے ایک ہی جست میں آگے بڑھتے عابیر کو بازو سے کھینچتے ازاران کے حصار سے آزاد کیا۔۔

ڈائینگ روم میں موجود درید خان اور سمیع اللہ خان غصے سے اسفندیار خان کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔۔

عابیر بھی پریشانی سے سب کو دیکھتے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔جو اس کی کلائی کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیے ہوے تھا۔۔

ارحام خانزادہ جو اس وقت ڈائینگ روم میں موجود تھا۔اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

دور رہا کرو عابیر سے۔۔ اسفند یار خان سب کی پرواہ کیے بغیر زاران کو وارن کرتے سرد لہجے میں بولا۔۔

ساتھ ہی ایک سرد نظر عابیر پر گاڑھی تھی۔۔ عابیر اسفند کی سرد نظر پر اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔

وہ اس کی کلائی ابھی تک تھامے ہوے تھا۔۔ جسے عابیر نے چھڑوانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

یہ کیا طریقہ اسفند یار خان؟؟۔۔۔ عابیر زاران کا بہن ہے۔۔ تم کس حق سے اس کو روک سکتا ہے۔۔ درید خان اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے گرجتے ہوے بولے۔

عابیر میری بیوی ہے۔۔ میری عورت ہے۔۔ میں جس سے چاہوں گا وہ ملے گی۔۔ جس سے چاہوں گا وہ نہیں ملے گی۔۔ مجھے اپنی بیوی کے قریب اس کا بھائی بلکل نہیں پسند۔۔۔۔

اس لیے میں چاہتا ہوں اس کا بھائی اس سے دور رہے۔۔

اسفند کسی کا لحاظ کیے بغیر سرد آواز میں بولا۔۔

عابیر تمھارا بیوی ہونے سے پہلے ہمارا بیٹی ہے۔۔ یہ بات یاد رکھنا تم۔۔۔ درید خان اپنے آپے سے باہر ہوے تھے۔۔

امینہ خانم پریشانی سے اپنی چیئر سے اٹھیں تھیں۔

ٹھیک کہہ رہا ہے اسفند۔۔۔ بابا۔۔۔ عابیر اس کی بیوی ہے۔۔ اس کا حق ہم سے پہلے ہے اس پر۔۔۔ زاران کی بات پر امینہ خانم نے گہرا سانس لیا تھا۔۔

اگر زاران بھی اسفندیار خان کی طرح ری ایکٹ کرتا تو یقیناً ڈائینگ روم میدان جنگ بن جاتا۔

اسفند کچھ پل زاران کو گھورتا رہا۔ دور رہا کرو میری بیوی سے وہ انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے غرایا تھا۔

عابیر کی کلائی پکڑے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

زاران کی گہری نگاہوں نے اسفند کا دور تلک پیچھا کیا تھا۔۔ اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔

زاران رات گئے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بیڈ پر بنا کمبل کے تکیے پر سر رکھے اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔۔۔ بلیک فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔۔ کمرے کی تمام لائٹس آف تھیں۔ صرف سائیڈ لیمپس کی مدھم روشنی آن تھی۔۔ ابرش بیڈ کے کنارے پر تکیے پر اوندھے منہ لیٹی سائیڈ لیمپ کی وائر کا سوچ بٹن کو دائیں ہاتھ میں پکڑے مسلسل آن آف کر رہی تھی۔۔ اس نے زاران کے کمرے میں داخل ہونے پر بھی کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔۔

وہ ویسے ہی لائٹ ان آف کر رہی تھی۔۔

زاران اسے دیکھتا گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ کل کی رات اور آج سارا دن کمرے میں نہیں آیا تھا۔۔ وہ اسے ٹائم دینا چاہتا تھا۔۔ وہ شائد ٹھنڈے دماغ سے سوچے تو اسے احساس ہو جو ان کے بیچ ہوا وہ کچھ غلط نہیں تھا۔۔

وہ کل سے نیچے ہی نہیں ائی تھی۔۔ زاران کے کہنے پر درخشاں ابرش کو کمرے میں ہی کھانا پہنچا رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ کل رات سے کافی بے چین تھا۔ کچھ دن پہلے تک ابرش سے دور رہنا شائد آسان تھا۔۔ مگر اب بہت زیادہ مشکل تھا۔۔ کل کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔۔

زاران اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

وہ اس کے قدموں کی دھمک خود کے قریب محسوس کرتے بھی یونہی پڑی رہی تھی۔۔

زاران اس وقت سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔۔ براؤن شال کندھون سے اتار کر بیڈ کی ایک سائیڈ پر رکھتے وہ اس کے قریب نیم دراز ہوا۔۔

کچھ پل اس کے قریب لیٹا رہا۔ مگر وہ یونہی اپنے کام میں مگن تھی۔ جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی کام نہیں۔

ابرش کی لاتعلقی اور بے نیازی محسوس کرتے زاران نے جبڑے بھینچتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر قابو پاتے زاران نے اس کی طرف رخ پلٹا ۔۔۔

وہ فل گاون نائٹی میں ملبوس بھی زاران کو بری طرح خود کی طرف متوجہ کر چکی تھی۔اس کی بل کھاتی کمر پر اس کے براؤن سلکی بال بکھرے تھے۔

۔۔۔اس کے فل گاؤن نائٹی میں ملبوس ہونے پر۔۔۔۔۔۔۔زاران کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔

زاران نے اس کی طرف جھکتے اس کی کمر پر بکھرے بال ایک سائیڈ پر کرتے اس کی پچھلی گردن پر اپنے سلگتے لب رکھے۔۔

ابرش کے وجود میں ابھی بھی کوئی ہلچل محسوس نہ کرتے وہ سرد سانس کھینچ گیا تھا۔

ابرش۔۔۔زاران نے اسے نرمی سے پکارتے اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹا تھا۔۔

ابرش کو یونہی پڑا دیکھ کر زاران نے اسے کندھے سے نرمی سے تھامے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔۔

اس کا سرخ متورم چہرہ گلابی آنکھیں دیکھ کر زاران پریشان ہوا تھا۔۔

یہ کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے ؟؟ زاران نے پریشانی سے کہتے اس کے سرخ عارض پر اپنے لب رکھے۔

یہ حال تم نے کیا ہے ؟؟ ابرش سپاٹ انداز میں کہتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

ایسا بھی کیا کر دیا ہے میں نے ؟؟۔۔ ذرا وضاحت کرو گی۔۔ زاران نے اس کی پشت کو تپش زدہ نظروں سے گھورا۔۔

دو دن بعد وہ کمرے میں آیا تھا۔۔ مگر اس کے پھر بھی مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔۔ پتہ نہیں کس بات کا سوگ منا رہی تھی ؟؟۔۔ زاران نے غصے اشتعال سے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔۔ پورا کمرہ بکھرا ہوا تھا۔ کوئی بھی چیز اپنی جگہ نہ تھی۔۔ کھانا تک کمرے کے وسط میں پڑی ٹیبل پر یونہی پڑا تھا۔۔

جسے دیکھتے زاران نے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلی۔۔۔۔

کھانا کیوں نہیں کھایا؟؟۔۔زاران نے اس کی خاموشی سے تنگ آتے نیا سوال داغا۔۔

مجھے کچھ بھی نہیں کھانا اور تمھیں میری پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں مروں یا جیوں تمھیں کیا۔۔ابرش اب اپنی آنکھوں پر بازو رکھ گئی تھی۔۔

ابرش مجھے سختی کرنے پر مجبور مت کرو۔۔زاران نے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے اس کی آنکھوں سے بازو سے ہٹایا۔

ابرش اس کا ہاتھ جھٹکتے بیڈ سے اٹھ کر بیٹھی۔۔۔

تمھارے نزدیک سختی کیا ہوتی ہے مسٹر خانزاہ؟؟۔

مجھے یہاں اس حویلی میں قید کر کے رکھا ہے۔۔۔ پچھلے تین ماہ سے میں نے کھلی ہوا میں سانس تک نہیں لیا۔ اپنے گھر والوں سے بات تک نہیں کی۔۔ ایک سیل فون تک میرے پاس نہیں ہے۔۔ جانتے ہو کتنے لمبے دن اور کتنی لمبی راتیں ہیں۔ جو اس عالیشان کمرے کی دیواریں اور گلاس وال سے ان اونچے نیچے پہاڑوں کو دیکھتے گزرتی ہیں۔ ابرش نے گلاس وال سے دور افق پر نظر آتے پہاڑوں پر ٹمٹماتی روشنیوں کو دیکھتے کہا۔۔ دور سے نظر آتی روشنیاں جیسے اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔

ایک ایک سیکنڈ مجھے صدیوں کے برابر لگتا ہے۔ ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسکتے ہوئے رو پڑی۔۔

زاران اس کے سسکنے پر اپنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتا بری طرح جھنجھلا گیا تھا۔۔

تمھیں کیوں احساس ہو گا میری تنہائی کا؟؟میری بے بسی کا۔ تمھارے پاس تو تمھارا ہر رشتہ موجود ہے۔۔ تمھارا دل بہلانے کے لیے نیچے بہت کچھ ہے۔ تبھی تو تم آج دو دن بعد کمرے میں آئے ہو۔

زاران ابرش کی بات پر چونکا تھا۔۔ پھر اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔۔اسے اب سمجھ آیا تھا وہ یہ سوگ کیوں منا رہی تھی؟؟۔۔یعنی یہ سوگ یہ جھلاہٹ اس کے کمرے میں نہ آنے کی وجہ سے تھی۔

دل بہلانے سے مراد بھی پلوشہ تھی۔۔اس دن کے بعد اپنی زبان پر قابو پا لیا تھا اس لیے ڈائیریکٹ آج اس پر الزام نہیں لگایا تھا۔

میرا دل تو صرف تم ہی بہلا سکتی ہو۔۔ سارے ہتھیار سارے گر تمھیں ہی آتے ہیں۔ ایسے جال پھینکتی ہو۔۔ بندہ کہیں اور دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔۔

زاران نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں بھرا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔۔ خبردار آج مجھ سے زبردستی کی۔۔ ابرش زاران کی مضبوط گرفت میں مچلی تھی۔۔

تمھیں اس کمرے کی تنہائی کاٹتی ہے۔ اس لیے آج تمھاری تنہائی دور کرنے آیا ہوں جان من۔۔۔ زاران نے اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے اس کی گردن پر دانت گاڑھے تھے۔

مجھے تمھارے بھیک میں دیے ہوے بچھے کچھے لمحات نہیں چاہیے۔۔ابرش اس کی شدت پر مچلتے ہوے چیخی۔۔زاران کا دلکش قہقہ گونجا تھا۔۔

ابرش زاران خانزادہ تو مسٹر زاران خانزادہ سے کہیں زیادہ پوزیسیو تھی۔۔

آج ساری رات تمھاری۔۔۔۔پکا پرامس۔۔۔زاران نے اس کے تپے ہوے سرخ چہرے کو دیکھتے آنکھ ونک کرتے شوخ سی شرارت کی۔۔

میرے قریب مت آنا۔۔اس کی بے باک شرارت پر ابرش کا چہرہ سرخ قندھاری ہوا تھا۔۔لفظ گلے میں اٹکے تھے۔۔

وہ اسے اپنی مضبوط بانہوں میں قید کیے ہوے تھا۔۔

قریب تو میں تمھارے آچکا ہوں۔۔بیوی۔۔۔۔۔اب تم مجھ سے دور جا کر دکھاؤ۔۔۔۔زاران اسے بیڈ پر لٹاتا اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں قید کرتے اس کی گردن میں منہ چھپائے مدہوش لہجے میں بولا۔۔

زاران کے لبوں کی حدود بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔

زاران کے لبوں کا لمس دھڑکنوں کے مقام پر محسوس کرتے ابرش کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

زاران دور رہو مجھ سے۔۔۔۔ابرش گہرے سانس بھرتے ٹوٹے لفظوں میں بولی۔۔

اپنے جال میں مجھے خود ہی ٹریپ کرتی ہو۔ اور پھر ایسے شو کرتی ہو جیسے تمھارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔۔ زاران اس کے سنگ مرمر سے وجود پر نظریں گاڑھے بھاری آواز میں بولا۔۔

میں نے تمھیں ٹریپ نہیں کیا۔۔ تمھاری نیت اور نظریں دونوں ہی خراب ہیں۔۔ آج تو میں نے شارٹ نائٹی بھی نہیں پہن رکھی۔ ابرش کی بات پر زاران خانزادہ کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔۔

بیوی پر نظر اور نیت خراب کرنے پر ثواب ملتا ہے اور آج رات میں جی بھر کر ثواب کمانا چاہتا ہوں۔ تم اس پوری نائٹی میں بھی میرے ہوش اڑا چکی ہو۔ زاران نے گھمبیر تا بولتے اس کے گاؤن کی ڈوری ریموو کی تھی۔

میں آج تمھارے حوس ذدہ لمحات کی بھینٹ نہیں چڑھوں گی۔۔ابرش نے زاران کو حد دود کراس کرتے دیکھ کر چیختے کہا تو زاران کا چہرہ اس کی بات پر سرخ ہوا تھا۔

زاران نے اس کی گردن سے منہ نکال کر اسے غصے سے

گھور کر دیکھا۔

ابرش اس کا سرخ چہرہ دیکھتے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنا منہ پھیر گئی تھی۔

میں نے اس دن بھی تمھیں سمجھایا تھا میرے ساتھ کاپریٹ کرو گی تو ہرٹ کم سے کم ہو گی۔۔اگر اس طرح کی بکواس کرو گی تو میرے جنون کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہو گا۔۔ابرش کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے وہ غرایا تھا۔

ابرش اس کی غراہٹ پر آنکھیں میچ گئی تھی۔

زاران ٹیبل لمیپ آف کرتے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔ ابرش کی ساری مزاحمتیں اس کے مضبوط حصار میں دم توڑ چکی تھیں۔

زاران نے گہرا سانس بھرتے ابرش کے سسکتے وجود کو دیکھا۔ جو اس کی شدتوں سے نڈھال بکھرے حلیے میں کمبل میں غروب سسک رہی تھی۔۔

تمھارا رونا ایسے ظاہر کر رہا ہے۔ جیسے میں نے کچھ غلط کر دیا ہو۔۔ کیوں حلال رشتے کو حرام بنا رہی ہو؟؟۔۔ ان تین ماہ میں دو مرتبہ تمھارے

قریب آیا ہوں مگر تمھاری سسکیاں سنتے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہو۔

زاران نے غصے سے بولتے اس کے چہرے سے کمبل اتارا۔

اس کا سرخ متورم چہرہ دیکھتے زاران کا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھا تھا۔۔جب سے اس کے نکاح میں آئی تھی۔۔وہ ایسے ہی رو رہی تھی۔۔ایسا تو اس نے کبھی نہ چاہا تھا۔

تمھیں باہر جانا ہے۔۔ہم ایسا کرتے ہیں کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر چلتے ہیں۔زاران نے ابرش کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھنسائے کہا۔۔

تم مجھے باہر لے کر جاؤ گے۔۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے بے یقینی سے کہا۔

زاران اس کے بے یقین چہرے کو دیکھتے مبہم سا مسکرایا تھا۔۔

میں نے تمھیں کبھی اس حویلی میں قید کرنا نہیں چاہا تھا۔۔ حالات ہی ایسے بن گئے۔۔ زاران نے اسے خود کے قریب کرتے اپنے سینے میں بھینچا۔۔

میں ماما عنائیہ آہل سے ملنا چاہتی ہوں۔ ابرش اس کے حصار سے دور ہوئی تھی۔۔

ہم اسلام آباد نہیں جائیں گے۔۔ ہم یہاں قریب ہی کسی ہوٹل میں کچھ دن سٹے کریں گے۔ زاران کا لہجہ اٹل تھا۔۔

یعنی تم مجھے ایک زندان سے نکال کر دوسرے زندان میں لے جانا چاہتے ہو۔۔۔یعنی وہاں بھی تم مجھے کمرے میں ہی رکھو گے۔۔ابرش اس کا اٹل لہجہ محسوس کرتے چیخ پڑی۔۔

تو کیا چاہتی ہو تم؟؟تم ہی مجھے بتا دو۔۔زاران مشتعل ہوا۔۔

مجھے ماما سے ملنا ہے۔۔ہر حال میں ملنا ہے۔ابرش ضدی لہجے میں بولی

ابرش ہم کل باہر جا رہے ہیں۔یہاں سوات میں بہت خوبصورت مقام ہیں۔ ۔جو تم نے آج تک نہیں دیکھے۔۔یقیناً تمھیں وہ مقام اچھے لگیں گے۔ ۔کل تیار۔رہنا۔زاران سنجیدگی سے کہتا رخ پلٹ چکا تھا۔۔یعنی وہ اس معاملے میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابرش کافی دیر تک اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو برسات کی طرح جاری ہوے تھے۔ وہ اسے زحلے سے کیوں نہیں ملنے دے رہا تھا؟؟ وہ جب زحلے اور آہل کے بارے میں بات کرتی تھی۔۔ وہ ایسے ہی خاموش ہو جاتا تھا۔۔ یا بات پلٹ دیتا تھا۔۔ بارک کے قتل میں اگر آہل کا ہاتھ بھی تھا۔ تو پاداش کی صورت میں بھی تم مجھے زحلے سے ملنے سے روک نہیں سکتے۔۔

تم مجھے کسی بھی قیمت پر میری فیملی سے ملنے سے نہیں روک سکتے مسٹر خانزادہ۔۔۔ میں جانتی ہوں بابرک کا قتل آہل نے نہیں کیا۔۔۔ وہ بے گناہ ہے۔۔ وہ امیریکہ میں نہیں ہے۔۔ میں جانتی۔ ہوں۔ اگر وہ امیریکہ میں ہوتا تو وہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟؟۔ پچھلے تین ماہ سے آہل اور ماما نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش

نہ کی ہو۔۔ماما مجھ سے اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہیں؟؟۔وہ چاہتی تو مجھ سے یہاں آکر مل سکتی تھیں۔لیکن انہوں نے مجھ سے ان تین ماہ میں رابطہ کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

آہل کہاں ہے؟؟۔۔اس کا پتہ صرف تمھیں ہے۔ آہل کا پتہ میں لگا کر رہوں گی۔ اگر میرے بھائی کی گمشدگی میں تمھارا ہاتھ ہوا تو اس کا حساب چکانا پڑے گا۔ وہ اس کی پشت کو دیکھتے سلگتے سوچ رہی تھی۔

ارحام اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔۔ اسے انٹر کام پر ساحر خانزادہ کے آنے کی اطلاع ملی۔ ارحام خانزادہ نے اسے اندر بلانے کا کہہ کر انٹر کام ٹیبل پر رکھا تھا۔۔

ارحام چیئر سے ٹیک لگائے تھوڑا حیران ہوا تھا۔

وہ اس سے کیوں ملنے آیا ہے۔؟

ساحر خانزادہ کو آخر اس سے کیا کام ہو سکتا ہے؟؟

دروازہ ناک ہونے پر ارحام نے اسے اندر آنے کو کہا۔ دروازہ کھولتے ساحر خانزادہ اپنی سحر انگیز پرسنیلٹی کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھا۔۔

وہ بلو جینز پر وائٹ سلیف لائینگ شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ جس پر بلو کیجول کوٹ پہن رکھا تھا۔۔

اسلام و علیکم کیسے ہیں آپ ؟؟ ارحام نے اپنی چیئر سے اٹھتے اس سے ہاتھ ملایا۔۔

میں ٹھیک ہوں۔۔ وہ جوابًا مصافحہ کرتے ہوے مدھم سا مسکرایا تھا۔۔

ارحام کی نظر اس کے مسکراتے لبوں سے ہوتی اس کی گرین آنکھوں پر جا ٹھہری تھی۔۔ جس میں نمی کی امیزش اسے آج بھی محسوس ہوئی تھی۔ جہاں درد کی گہری تحریر تھی۔۔

بیٹھیے ارحام نے ساحر خان کو بیٹھنے کو کہا۔۔

وہ اپنی ازلی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی پر براجمان ہوا۔۔

کیا لیں گے آپ کافی یا چائے ؟؟۔۔ ارحام نے انٹر کام اٹھاتے ہوے پوچھا۔

۔

کچھ نہیں لوں گا۔۔ سوائے آپ کے قیمتی وقت کے۔ ساحر خان کی بات پر وہ گہرا مسکرایا تھا۔

جی بلکل میں حاضر ہوں۔ کہیے کیا کہنا ہے آپ کو ؟؟۔۔ ارحام انٹر کام رکھتے ہوے بولا۔

کہنا تو کچھ نہیں ہے۔۔ میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے مل لوں۔۔ فرشتے بھابھی کی وجہ سے اب آپ سے گہرا تعلق جو ہے میرا۔۔ ساحر مبہم سا مسکراتے ہوے بولا۔۔

ارحام ساحر خانزادہ کے ایکسپریشن دیکھ کر ٹھٹھکا تھا۔

وہ کرسی پر بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

بلکل آپ کا تعلق ہم سے بہت گہرا ہے۔۔ حیدر خان سے جڑا ہر رشتہ میرے لیے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔۔

ارحام جوابًا مسکرایا

بلکل ایسا ہی ہے۔۔ ساحر خانزادہ کرسی پر سیدھا ہوا۔

میں حیدر لالا کی شادی پر آپ کی فیملی سے ملا تھا۔۔۔ سب سے بہت متاثر ہوا ہوں۔۔

آپ کے داجی بہت اچھے انسان ہیں۔

ارحام اس کی بات پر اب فقط مسکرا گیا تھا۔۔

ساحر خانزادہ جیسا مصروف بندہ آج اس کے آفس میں آخر کیا کر رہا تھا۔۔ اور وہ یہاں اس کے گھر والوں کی تعریف تو کرنے یقیناً نہیں آیا تھا۔۔

ساحر خانزادہ کے ایکسپرشن صاف بتا رہے تھے۔۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔۔ مگر کہہ نہیں پا رہا۔

مسٹر ارحام میرے نیکسٹ سونگ کی شوٹنگ کے لیے میرے ڈائیریکٹر کو آپ کا علاقہ بہت پسند آیا ہے۔۔ اور جس ایگزیکٹ لوکیشن پر میرا سونگ شوٹ ہو رہا ہے۔۔ وہ آپ کی حویلی کے بہت قریب ہے۔۔ ساحر خانزادہ بات بات کرتے رکا تھا۔۔

ارحام اس کے رکنے پر متعجب ہوا۔۔۔

یہ تو اچھی بات ہے۔۔ ارحام نے اسے بولنے کے لیے اکسایا۔

میں چاہتا ہوں۔۔ آپ کچھ دن ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشیں۔۔ ساحر خان کی بات پر ارحام کرسی پر سیدھا ہوا۔۔

کیوں نہیں مسٹر ساحر؟؟۔۔۔ یہ کہہ کر آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔۔ آپ کی مہمان نوازی میرا شرف ہو گا۔۔ ارحام نے خوش اسلوبی سے کہا۔۔

شکریہ۔۔۔۔ ساحر خان سنجیدگی سے کہتے چیئر سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی گھنی بئیر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ارحام ساحر کو بغور دیکھتے انٹر کام اٹھائے ساحر خان کے کافی آرڈر کرنے لگا۔۔

ساحر خانزادہ اپنے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا... ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری پڑی تھی۔۔

بند آنکھوں میں ایک منظر پوری شدومد سے لہراتے اسے اتنا بے چین کر گیا کہ اس کی انگلیوں میں دبا سگریٹ اس کی انگلیوں کے پوروں کو جلا رہا تھا۔۔

وہ بے حس بنا یہ جلن برداشت کر رہا تھا۔ انگلیوں میں دبا سگریٹ اس کے پوروں کے ساتھ اس کے دل کو بھی فگار کی طرح جلا رہا تھا۔۔ ایسی جلن اس کے بدن میں اٹھ رہی تھی جو اسے جلا کر راکھ کر رہی تھی۔

وہ کسی سے کیا ہوا ایک وعدہ توڑ چکا تھا۔۔

بہت سی یادوں کے دیپ اس کی جلتی بجھتی آنکھوں کو مزید جلا رہے تھے۔۔۔

آنکھوں کے پردے پر ہر رات کی طرح اس کی یادوں کا عکس بہت واضح تھا۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔ سگریٹ بھی پیتے ہو۔۔ وہ اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتے ہوئے اس کے قریب آتے چیخ پڑی تھی۔۔

ساحر خانزاہ جس نے اپنے گھوڑے سے اترتے سگریٹ جلا کر

منہ سے لگایا ہی تھا حور کے چیخنے پر بدحواس ہوا تھا۔۔

ساحر اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں صدمے کی کیفیت دیکھتا پریشان ہوا۔۔

ساحر نے سگریٹ منہ سے نکالے حیران ہوتے اسے دیکھا جو اسے گھور رہی تھی۔۔ وہ اس وقت وائٹ جینز پر یلو ٹاپ پہنے نارنجی اترتی شام میں ایک خوبصورت پینٹنگ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے مصور نے اپنی پوری محنت لگا کر اس پینٹنگ پر مختلف رنگ بکھیر دیے ہوں۔۔

ہاں سگریٹ پیتا ہوں۔۔ اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے۔۔ وہ اپنی مسکراہٹ دباتا پھر سے سگریٹ اپنے لبوں میں دبا گیا۔۔۔

اس کا شاکڈ چہرہ دیکھ کر وہ کافی محظوظ ہوا تھا۔۔

وہ لوگ اس ٹائم اس فارم ہاؤس کے بڑے سے لان میں موجود تھے۔۔جو ساحر خانزادہ نے مگنی کے بعد اس کے نام کیا تھا۔۔

حور کو گھڑ سواری کا بہت شوق تھا۔۔ساحر خانزادہ نے اس فارم ہاؤس میں گھوڑوں کا اصطبل بھی بنوایا تھا۔۔

وہ آج حور کو گھڑ سواری کرنے کے لیے لایا تھا۔۔

کیوں پیتے ہو یہ سگریٹ ؟؟۔۔۔وہ اپنے گھوڑے سے اترتے ہوے بولی۔۔ساحر نے مسکراتے ہوے اس کے سلکی براؤن بالوں کو بغور دیکھا ۔۔جو ہوا سے لہرا رہے تھے۔۔اس کی لٹیں اس کے خوبصورت چہرے کو

چھو رہی تھیں۔ ساحر نے بے اختیار ہوتے اس کی لٹوں کو چھونا چاہا تھا۔۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔۔

پہلے جواب دو تم۔۔۔ یہ سگریٹ کس خوشی میں پیتے ہو۔۔ اس کے گھورنے میں آضافہ ہوا تھا۔

سگریٹ خوشی میں کون پیتا ہے ؟؟۔۔ غم میں پیتے ہیں۔۔ وہ حور کے ایکٹ کو دیکھتے ہنستے ہوے بولا۔۔

تمھیں کون سا غم ہے ؟؟ حور کی خوبصورت آنکھوں میں حیرانگی بڑھی تھی۔۔

تم سے ہارنے کا غم ہے۔۔ تم۔۔۔۔۔ مجھے یعنی ساحر خانزادہ کو کیسے ہرا سکتی ہو۔ یقین مانو تم آج میری میل اگو کو ہرٹ کر چکی ہو۔۔ ساحر خان نے غم زدہ ہوتے مصنوئی آہ بھری تھی۔۔۔۔

حور کی دلکش ہنسی فارم ہاؤس میں گونجی تھی۔۔

اس کی ہنسی کی جلترنگ کے ساتھ ساحر خانزادہ کا دل بھی مسکرایا تھا۔

تم مجھے کسی بھی چیز میں کبھی بھی نہیں ہرا سکتے۔۔ یہ گھڑ سواری میرے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔۔ حور اس کے قریب ہوتے سینے پر دونوں بازو باندھتے گہرا مسکرائی تھی۔

اب ہار تمھارا مقدر ہے۔۔ ساحر خانزادہ۔۔۔۔ وہ اترائی تھی۔۔ سومنگ فلائے جمپنگ،، کلائمنگ اس میں بھی تمھیں ہرا دوں گی۔۔ وہ چیلنجنگ کرنے والے انداز میں بول رہی تھی۔۔

بے شک وہ گھڑ سواری میں بہت اچھی تھی۔۔ مگر وہ ساحر خانزادہ کو کبھی نہیں ہرا نہیں سکتی تھی۔۔ سامنے کھڑی لڑکی سے ہارنے کا اپنا ہی مزا تھا۔۔

ساحر خان کا دل اس کے گال میں پڑنے والے ڈمپل میں ڈوب کر ابھرا ۔۔ ساحر نے نرمی سے اس کے عارض پر اپنا ہاتھ رکھا۔۔ وہ ساحر خان کی آنکھوں میں لو دیتے گہرے جذبات دیکھتے گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔۔ لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔۔

ساحر خانزادہ نے اپنے دل پر نامحسوس انداز میں ہاتھ رکھا۔۔۔ سامنے کھڑی لڑکی اپنی اداؤں سے اس کا دل کو دن بدن کمزور کرتی جا رہی تھی۔۔ وہ اپنی دھڑکنوں کے انتشار پر ہی قابو نہ پا سکتا تھا۔۔

پھر تو اس سگریٹ کا ساتھ بہت گہرا ہے عشق۔۔۔۔ تم جب جب مجھے ہراؤ گی۔۔ میں اسے ہی پی کر اپنا غم ہلکا کروں گا۔

ساحر نے کہتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے لائٹر نکالے سگریٹ کو دوبارہ جلایا جو بجھ چکا تھا۔

ابھی اس نے اپنے لبوں میں دبایا ہی تھا کہ حور اس کے لبوں سے سگریٹ کھینچ چکی تھی۔۔

وعدہ کرو تم کبھی سگریٹ نہیں پیو گے۔۔مجھے سگریٹ پینے والے مردوں سے سخت نفرت ہے۔حور نے ساحر خان کی گرین آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے کہا۔۔۔۔

تمھیں لگتا ہے۔۔تم کہو گی میں یہ چھوڑ دوں گا۔۔وہ ساحر خان کے سوال پر مسکراتے ہوے اس کے قریب ہوئی۔۔وہ اس کے اتنا قریب تھی کہ ساحر حان کو اس کی سرد سانسیں اپنی ٹھوڑی پر بکھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ اس کے قریب آنے پر اپنی سانسیں تک روک چکا تھا۔۔اس کی خوشبودار سانسوں کو شدت سے خود میں قید کرنے کو اس کا دل مچلا تھا۔

دھڑکتا دل اب ساحر خان کو اپنے کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

ہاں تم چھوڑ دو گے۔۔ تم میرے کہنے پر یہ دنیا چھوڑ دو یہ سگریٹ کیا چیز ہے۔۔ وہ اس کے کان میں جھکتی سرگوشی نما آواز میں بولی۔۔

اتنا یقین اتنا مان تھا اسے اس پر۔؟؟

ساحر خانزادہ نے اسی پل اپنی پاکٹ سے لائٹر اور سگریٹ کیس نکال کر دور اچھال دیا تھا۔۔۔

وعدہ ہے میرا تم سے میں مر جاؤں گا۔۔۔ مگر کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔۔ وہ اس کی بات پر پھر سے ہنسی تھی۔۔ اس کو ہنستا دیکھ کر ساحر خان بھی ہنس دیا تھا۔۔

فارم ہاؤس میں دونوں کی دلکش ہنسی گونجتی نارنجی شام میں بکھر کر اس شام کو اور خوبصورت بنا گئی تھی۔۔

جسے یاد کرتے بند کمرے میں بھی ساحر خان کی ہنسی گونجی تھی۔۔لبوں پر ہنسی تھی۔۔ مگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔

ساحر نے اپنی سرخ آنکھیں کھولتے اپنی دو انگلیوں سے دردی سے مسلیں۔۔ ساحر نے اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر قابو پاتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔۔

کل تک اس سگریٹ سے نفرت ہو گئی تھی۔۔۔ کیونکہ اسے نفرت تھی ۔۔ آج یہی سگریٹ اس کے غموں کا ساتھی تھا۔

اس دن جس لڑکی کو اس نے ارحام کے حصار میں دیکھا تھا۔۔ اسے دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنوں نے اسی طرح شور مچایا تھا۔۔ جس طرح حور کو دیکھ کر اس کی دھڑکنیں اپنے قابو میں نہ رہتی تھیں۔

مگر ان کرسٹل براؤن آنکھوں نے اسے کیوں نہیں پہچانا تھا؟؟ وہ اتنی سرد ٹپاٹ کیوں تھیں؟؟ کیوں اسے دیکھتے ہی انجان بن گیئی تھی۔۔۔ اس کی حور ایسی تو نہ تھی۔۔ ان سوالوں اور اس کی آنکھیں یاد کرتے

وہ آج ارحام خانزادہ سے اس لیے ملنے گیا تھا۔۔ مگر چاہتے ہوے بھی اس کے متعلق نہ پوچھ سکا تھا۔۔ ارحام خانزادہ اس لڑکی کو لے کر کتنا پوزیسیو تھا ۔۔۔ اس نے اس دن بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ جب اس نے بھاگتے ہوے اس کے چہرے کے گرتے نقاب کو سنبھالا تھا۔۔ وہ جس طرح اسے اپنے حصار میں لے کر گیا تھا۔۔ وہ اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں سوال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خانزادہ تھا۔۔ وہ لوگ اپنی عورتوں کو لے کر حساس ہوتے ہیں۔۔ وہ کیسے کچھ پوچھ سکتا تھا۔۔

وہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔۔وہ صرف میری ہے۔۔وہ یکدم چلا اٹھا۔۔۔

۔جس دن وہ کسی کی ہو گئی تو یقیناً یہ دل بند ہو جائے گا۔۔اگر میں زندہ ہوں تو اس کا مطلب ہے۔۔وہ آج بھی صرف میری ہے۔۔ساحر خان اپنے دل میں اٹھتے سوالوں سے پریشان ہوتے بلبلا اٹھا۔۔۔

تڑپ یہ عشق کی کبھی نہیں جاتی

کہ جان دے کر بھی دیوانگی نہیں جاتی

نہ جانے کون سی دنیا ہے میرے ربا

جہاں سے لوٹ کر کوئی صدا نہیں آتی

موبائل نکال کر اس نے حور کی تصویر پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

تم صرف میری ہو۔۔۔ صرف میری ہو۔۔۔ اگر میں زندہ ہوں تو اس کا مطلب ہے۔۔۔ تم آج بھی صرف میری ہو۔۔ ساحر خانزادہ موبائل سینے سے لگائے تکیے پر سر رکھے چت لیٹ چکا تھا۔۔ ہر روز کی طرح اس کے آنسوؤں سے تکیہ بھیگ رہا تھا۔

بہارے اور شہرام خانزادہ حویلی کے زنان خانے میں داخل ہوے تھے۔ ۔ بہارے اپنے کمرے میں جانے لگی تو شہرام نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑے اسے اپنی طرف کھینچا۔۔ بہارے اس کے چوڑے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔

زنان خانے میں امینہ خانم روزینہ خانم موجود تھیں۔ان لوگوں کی نظر ابھی تک ان پر نہیں پڑی تھی۔۔ذنان خانے میں موجود ملازماؤں کی نظر ان پر پڑ چکی تھی۔۔جن کی دبی دبی مسکراہٹ بہارے کا خون جلا گئی۔۔

شہرام کی حرکت پر وہ خفت سے سرخ پڑی۔۔

میری بہارے۔۔۔کمرے میں جا کر سو نا مت۔۔۔میرا انتظار کرنا۔۔مجھے مورے کے پاس تھوڑا ٹائم لگے گا۔۔لیکن میں کوشش کروں گا جلد کمرے میں آؤں۔۔تاکہ میری بہارے کو میرا انتظار نہ کرنا پڑے۔۔شہرام نے اس کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔۔

زنان خانے میں موجود اب سب کی نظر ان پر پڑ چکی تھی۔۔

زاران بھی اسی لمحے زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔۔

سب کو دیکھتے بہارے کا رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔ زاران کے سامنے وہ شرم سے پانی پانی ہوئی تھی۔۔

وہ اپنے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی۔۔۔

شہرام مسکراتے ہوئے زاران کی طرف بڑھا۔۔۔ کیسے ہیں لالا۔۔۔ شہرام زاران کے گلے لگا تھا۔

یہ جو تم نے ابھی کیا ہے۔۔ اس کے لیے تمھیں کمرہ دیا ہوا ہے۔۔ زاران خانزادہ کی گھوری پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا۔۔

لالا بیوی سے اتنی محبت تو کمرے سے باہر بھی کی جا سکتی ہے۔۔ کمرے میں اور بھی بہت کچھ ہے کرنے کے لیے۔۔۔

شہرام کی بات پر بہارے مزید وہاں ٹھہر نہیں سکی تھی۔۔وہ پیر پٹختے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

جس طرح تمھاری بیوی کمرے میں گئی ہے۔۔یقیناً آج کی رات تم تنہا ہی سوؤ گے۔۔۔زاران نے اسے گھورا تھا۔۔

آپ میری فکر نہ کریں۔۔میں منالوں گا اسے۔۔۔۔شہرام کی مسکراہٹ میں آضافہ

اس سے پہلے تم اس سے پٹو یہاں مجھ سے مار کھالو گے۔۔

ویسے بھی تم نے خانوں کا نام خراب کر کے رکھ دیا ہے۔۔زاران نے تاسف سے کہتے اسے قہربار نگاہوں سے گھورا۔۔

آپ اور ارحام لالا ہیں ناں۔۔۔ یہ نام بلند رکھنے کے لیے۔۔ میری کیا ضرورت ؟!۔۔۔ شہرام خانزادہ نے ددبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ زاران کے ابرش کے ساتھ رویے پر چوٹ کی۔۔

کمرے میں بعد میں پٹو گے۔۔ پہلے یہاں مجھ سے پٹ جاؤ گے۔۔ زاران نے شہرام کو گھورتے ہوئے تنبیہ کی۔۔

زاران کیوں ڈانٹ رہا ہے ؟؟؟ ہمارا بیٹے کو ایک ہفتے بعد آیا ہے وہ حویلی۔۔ امینہ خانم نے آگے بڑھتے شہرام کو گلے سے لگایا۔۔

اسلام و علیکم مورے کیسی ہیں آپ ؟؟ شہرام نے انھیں سینے سے لگائے ان کا ماتھا چوما تھا۔۔

سب سے مل کر مردانے میں پہنچو۔۔۔مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔۔زاران شہرام کو حکم دیتا مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

شہرام گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔۔مردانے میں جانے کا مطلب تھا دو تین گھنٹے وہاں پر برباد کرنا۔۔اور اس کی نازک اور ضدی بہارے کبھی اس کا اتنی دیر ویٹ نہ کرتی۔۔

وہ پریشان ہوا تھا زاران کو ناراض بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ بہارے کو ناراض کر سکتا تھا۔۔وہ گہری سانس بھرتا جھنجھلا گیا تھا۔

بہارے کمرے میں داخل ہوئی تو بیڈ کے وسط میں ایک باکس پڑا ہوا دکھائی دیا۔۔۔ریڈ ربن میں خوبصورت باکس۔۔

بہارے نے آگے بڑھتے وہ باکس کھولا جس میں بلیک کلر کی نائٹی تھی۔

پیروں تک چھوتی خوبصورت سی نازک بلیک کلر میں نائٹی دیکھ کر بہارے کا رنگ سرخ پڑا۔۔

جس کی بیک نیٹ کی تھی۔۔ اگلا گلا بھی کافی گہرا تھا۔۔

بہارے نے غصے سے وہ نائٹی اٹھا کر صوفے پر پھینک دی۔۔۔

آج وہ میٹنگ روم میں اس ولگر نائٹی کی بات کر رہا تھا۔۔

اس کی سوچ صرف یہاں تک ہی محدود ہے۔۔ اتنے دنوں بعد آیا ہے

۔۔۔ اسے صرف وہی سب کچھ چاہیے۔۔ میرا کوئی خیال نہیں۔۔۔ اس

سب کو اپنی محبت کا نام دیتا ہے۔۔ جیسے حویلی کے باقی سب مرد دیتے ہیں۔ مگر میں حور ابرش نہیں۔۔۔۔ بلکہ بہارے ہوں۔۔

بہارے غصے سے صوفے پر نائٹی کو دیکھتے تلملاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔۔۔

اسے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا وہ بھی حویلی کی دوسری عورتوں کی ہی طرح تھی۔۔ فرق صرف یہ تھا شہرام خانزادہ نے ابھی تک حویلی کی مردوں کی طرح اسے اپنا سفاک روپ نہیں دکھایا تھا۔

اتنی ولگر نائٹی اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔۔ جو اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ کر چکی تھی۔۔

آج تک اس نے اس کے کہنے پر اس کی لائی ہوئی کوئی نائٹی نہیں پہنی تھی۔۔وہ کتنی ہی ایسی نائٹیز اس کے لیے کم و بیش لاتا رہتا تھا۔۔

بہارے نے تھکن سے اپنی آنکھیں موندیں۔۔ آج کا دن بہت ہیکٹک تھا ۔۔وہ کم از کم آج کی رات تو شہرام کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ مگر وہ ہاسپٹل سے آتے ہوئے گاڑی میں بھی اس کا ہاتھ تھامے ڈرائیونگ کرتے آیا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں نرم گرم جذبات دیکھتے سارے راستے جھنجھلاتی رہی تھی۔۔کمرے میں آکر اس کی جھنجھلاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

بہارے ڈریسنگ روم سے اپنے کپڑے لیتے واش روم میں گھس گئی۔

وہ واش روم سے فریش ہو کر آئی تو وہ گلابی کلر کے سمپل سے فراک میں ملبوس تھی۔۔ اپنے بالوں کو کیچر سے آزاد کرتے بہارے انھیں برش سے سلجھانے لگی۔۔

دفعتاً شہرام اندر داخل ہوا۔۔ وہ دروازہ لاک کرتے بے قراری سے بہارے کی طرف بڑھا۔

یہ کیا پہن لیا بہارے ؟؟۔۔ میں تمھارے لیے جو لایا تھا وہ کیوں نہیں پہنا۔۔ شہرام نے بہارے کا رخ نرمی سے اپنی طرف موڑتے گھمبیر لہجے میں کہا۔

وہ پہننے کا لائق نہیں تھا۔۔ ویسے بھی مجھے بہت نیند آرہی ہے۔۔ بہارے سپاٹ انداز میں کہتی بیڈ کی جانب بڑھی۔۔

کیا ہوا ہے موڈ کیوں اتنا خراب ہے ؟؟۔۔ میں سب سے مل کر سیدھا کمرے میں آیا ہوں۔۔ مردان خانے بھی نہیں گیا تا کہ تمھیں میرا انتظار نہ کرنا پڑے۔۔۔ ہمممم۔۔۔۔۔۔۔ تمھارے لیے میں نے زاران لالا کا حکم بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔۔

شہرام نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے اوپر اٹھائے اس کے گال پر موجود سیاہ تل پر اپنے لب رکھے۔۔

مجھے تمھاری حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔۔ تمھیں اتنی بے شرمی باہر نہیں دکھانی چاہیے تھی۔۔ بہارے اس کے حصار سے دور ہوئی تھی۔۔

میری بہارے۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو میری محبت تھی۔۔۔ سب کو پتہ ہونا چاہیے ۔۔ تمھاری میری زندگی میں کیا اہمیت ہے۔۔ تمھیں میری بے شرمی نظر

آئی ہے۔۔ میری محبت نہیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ شہرام اسے قریب کرتا شدت سے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

شہرام مجھے تمھاری ایسی محبت نہیں چاہیے۔۔ آئیندہ مجھے کسی کے سامنے مت چھونا۔۔ مجھے بلکل پسند نہیں۔۔۔ اب چھوڑو مجھے بہت نیند آرہی ہے۔۔ بہارے نے اسے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور کیا۔

کیا مطلب ہے اس بات کا؟؟ شہرام نے اسے کلائی سے پکڑتے اپنے مقابل کیا۔۔

شہرام کا لہجہ سرد ہوا تھا۔۔ اس کی نیند والی بات سے زیادہ اس کے لہجے کی خشکی نے شہرام خانزادہ کے چہرے کے تاثرات سرد کیے تھے۔ اسے اس کا

سب کے سامنے چھونا پسند نہیں تھا۔۔ یہ بات بھی اسے کافی ہرٹ کر چکی تھی۔۔۔

تم اچھی طرح جانتے ہو آج کتنا مصروف دن تھا۔۔ میں کتنی تھک گئی ہوں۔۔ تم ابھی تک ایک ہی بات کر رہے ہو۔۔ بہارے غصے سے جھنجھلائی۔۔۔

بہارے ایک ہفتے بعد میں آیا ہوں۔ کیا بیویاں ایسے استقبال کرتی ہیں اپنے شوہروں کا؟؟۔۔ یہ رویہ ہوتا ہے خشک سرد سپاٹ۔۔۔ گاڑی میں آفس میں اور باہر زنان خانے میں بھی تمھارا یہی موڈ تھا۔۔۔ ٹھیک ہے تم وہاں کمفرٹیبل نہیں تھی۔۔ اب کمرے میں کیا مسئلہ ہے؟؟

شہرام غصے سے لفظ چباتے بھڑک اٹھا تھا۔۔۔

شہرام میں تمھارے ساتھ بحث نہیں کر سکتی۔۔مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔۔مجھے سونا ہے۔۔بہارے بے رخی سے کہتے بیڈ کی طرف بڑھی۔۔

شہرام اسے کمر سے جکڑے خود کے قریب کر چکا تھا۔

میں نے اس ایک ہفتے میں ہر پل ہر سیکنڈ تمھیں یاد کیا۔۔ساری ساری رات تمھیں یاد کرتے ہوئے گزاری ہے۔میرا آج کے دن کا ہر سیکنڈ مجھ پر بھاری پڑ رہا تھا۔۔سارا دن میں نے رات ہونے کا انتظار کیا ہے۔تم یہ سلوک کر رہی ہو میرے ساتھ۔۔۔شہرام نے غصے سے سلگتے ہوئے اس پر قہر بار نگاہ ڈالی۔۔

میں نے بھی آج سارا دن رات ہونے کا انتظار کیا ہے۔۔ کب رات ہو میں آرام کروں۔۔ تمھارے سامنے ہی میرا دن گزرا ہے۔۔ پھر بھی مجھ سے تم یہ سوال کر رہے ہو؟؟۔۔ بہت خود غرض ہو تم۔۔ بہارے نے تنک کر جواب دیا۔۔

میں خود غرض ہوں بہارے۔۔۔ شہرام بہارے کو دیکھتا استھزائیہ ہنسا تھا۔۔ وہ بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔

تم نے مجھے ایک دن بھی یاد نہیں کیا۔۔ شہرام نے اس کا اجنبیت بھرا رویہ دیکھتے پوچھا؟؟ وہ اس کے حصار میں سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

نہی میرے پاس تمھیں یاد کرنے کے لیے ٹائم ہی نہیں تھا۔۔ بہارے بے رخی سے بولی۔

کسی کو یاد کرنے کے لیے ٹائم نہیں نکالا جاتا یاد تو خود بخود آ جاتی ہے بہارے۔۔۔ شہرام استھزائیہ مسکرایا۔۔

تم یہ کہہ سکتے ہو شہرام۔۔ تم اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ یہ ایک ہفتہ گزار کر آئے ہو۔۔۔ اس لیے تمھارے پاس فری ٹائم تھا۔۔ مگر میں یہاں بہت مصروف تھی۔۔

۔۔ ٹھیک کہہ رہی ہو میں اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ تھا۔۔ اور یہاں ڈاکٹر بہارے بہت مصروف تھی۔۔ بہارے کی بات کاٹتے وہ طنزیہ بولا۔۔

ویسے یہ ڈاکٹر بہارے۔۔۔جب ڈاکٹر بہارے نہیں تھی۔۔تب بھی اس چہرے پر اپنے شوہر کو دیکھ کر ایسے ہی بیزاریت چھاتی تھی۔۔تب بھی تمھیں ایسے ہی نیند آجاتی تھی۔۔ مجھ سے بچنے کا بہانہ اچھا ہے تمھارے پاس۔۔۔شہرام کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا۔۔جو بہارے کو آگ لگا گیا تھا۔

اگر ایسی بات ہے تو کیوں آتے ہو میرے پاس؟؟وہ تڑختے ہوے بولی۔۔

اگر میں تمھارے قریب نہ آؤں۔۔ تمھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا بہارے۔۔شہرام نے اس کی کمر پر اپنے مضبوط ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتا بولا۔۔اس کا لہجہ آگ سی تپش لیے ہوے تھا۔۔

۔۔وہ اس کی آنکھوں کا سرد پن اور سلگتا لہجہ محسوس کرتے اس کے حصار میں خاموش ہو گئی تھی۔۔اگر وہ اسے مزید کچھ کہتی وہ یقیناً وہ برداشت نہ کرتا۔۔۔

شہرام پلیز۔۔۔۔مجھے چھوڑو مجھے نیند آرہی ہے۔۔بہارے نے نظریں جھکائے کہا۔۔بہارے کی ایک ہی رٹ پر شہرام نے اسے بازو سے سختی سے دبوچے اپنے قریب کیا۔

یعنی تمھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔وہ اس کی خاموشی کا مطلب سمجھتے اس کا منہ اپنے آہنی ہاتھ میں دبوچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

اس کی سختی پر بہارے کی آنکھیں نم ہوئیں۔اس نے بہت سختی سے اس کا منہ دبوچا تھا۔

جاؤ سو جاؤ بہارے۔۔۔شہرام نے اسے نرمی سے اپنے حصار سے آزاد کیا۔۔ وہ جلدی سے بیڈ کی جانب بڑھتے کمبل میں غروب ہو چکی تھی۔۔

شہرام کافی دیر تک وہاں کھڑے رہا۔۔دل میں مبہم سی امید تھی وہ اسے منائے گی۔۔۔یا پھر اس کی بات کو جھٹلائے گی کہ اسے اس کا قریب آنا برا نہیں لگتا۔۔محبت کی وجہ سے نہ سہی بلکہ اس رشتے کی وجہ سے ہی سہی جو ان دونوں کے مابین تھا۔۔

ضبط کا دامن چھوٹا تو شہرام نے پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکالتے دیوار پر دے مارا تھا۔۔اس سے زیادہ وہ اپنا غصہ کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔

شہرام غصے سے واش روم کی طرف بڑھتا اس کا دروازہ دھاڑ سے بند چکا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک نیم گرم پانی سے شاور لے کر اپنا غصہ کنٹرول کرتا رہا۔۔ جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔۔ وہ چاہتا تو اپنے شوہر ہونے کا حق زبردستی لے سکتا تھا۔۔۔ کتنی مرتبہ لیا بھی۔۔ مگر اب اس کا دل چاہتا تھا وہ بھی اس کی محبت محسوس کرے۔۔ اس کی قربت کے لیے تڑپے۔

کیا اس کے نزدیک پڑھا لکھا ہونا کسی بڑی پوسٹ پر ہونا اتنی بڑی بات تھی کہ اس کے آگے اس کی سچی محبت ہی ماند پڑ جاتی تھی۔۔

وہ تو بہارے کی خوبصورتی سے محبت نہیں کرتا تھا۔۔ وہ تو اس کی روح سے محبت کرتا تھا۔۔ تبھی تو وہ جیسی بھی تھی۔۔ کبھی اس کی محبت کم نہ ہو سکی تھی۔۔ بلکہ بتدریج شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ گلاس کیبن سے سر

ٹکائے ہوے تھا۔۔ نیم گرم پانی کی بوچھاڑ اس کے سر سے ہوتی اس کی برہنہ کمر پر پڑ رہی تھیں۔۔۔

شہرام نے ٹیپ گھماتے ٹھنڈا پانی آن کیا۔۔۔ اب وہ یخ ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑا اپنے دماغ میں اٹھتی تپش کو کنٹرول کر رہا تھا۔۔ جو کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

وہ بلیک ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس کافی دیر بعد کمرے میں آیا تھا۔

شہرام نے ایک نظر بیڈ کو دیکھا۔۔ جہاں وہ بیڈ کے وسط میں کمبل منہ تک لپیٹے سو رہی تھی۔ کمرے میں گونجتی مدھم سانسیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ گہری نیند سو چکی ہے۔

وہ اس کا چین نیند حرام کر کے خود چین کی نیند سو چکی تھی۔۔

شہرام نہ چاہتے ہوے بھی اس کی طرف بڑھا۔اس کے چہرے سے کمبل ہٹاتے اس کے چہرے کو بغور دیکھا وہ گہری نیند میں محو تھی۔

وہ کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔۔۔

وہ اس کی محبت عشق تھی۔۔ مگر اتنی ظالم کیوں تھی؟؟۔وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔۔ آج تک اس کی شدید محبت کی آنچ اس تک کیوں نہیں پہنچ پائی تھی۔۔اس کی محبت میں کوئی کھوٹ تھا یا وہ پتھر دل سے محبت کر بیٹھا تھا۔۔

شہرام کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ بکھر کر معدوم ہوئی تھی۔

وہ اس کے نازک گال پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنے اس کے چہرے پر جھکا۔۔

بہت ظالم ہو تم میری بہارے۔۔۔ تمھیں میرا ذرا احساس نہیں۔۔۔ کیا اتنی ظالم ہوتی ہیں بیویاں ؟!۔۔ وہ اس کے عارض پر اپنے لب رکھتا مدھم سی سرگوشی میں بولا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک اس کے ایک ایک نقوش کو اپنے لبوں سے چھوتا رہا تھا۔۔

اس پر اچھی طرح کمبل دیتے وہ بیڈ کی دوسری جانب بڑھا۔ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ جلائے لبوں سے لگایا۔ اسے نیند تو آنی نہیں تھی آج۔۔ پورا بدن آگ کی بھٹی کی مانند سلگتا پاس لیٹی دشمن جاں کو خود میں سمو لینے کو تڑپ رہا تھا۔

وہ کافی دیر تک ایسے ہی بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ کمرے کی نیلگوں روشنی میں اس کی سلگتی لو دیتی نظریں اپنی بیوی پر ہی تھیں جو گہری نیند میں محو تھی۔۔ جسے اس کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔۔ اس کی بے اعتنائی بے رخی

اسے اندر تک جلا رہی تھی۔۔اس کی شدید محبت اور سچے جذبات کی آنچ ابھی تک اس تک کیوں نہیں پہنچ سکی تھی۔۔

اسے اس کی محبت کیوں نظر نہیں آتی تھی۔۔؟؟یہ ایک ہی سوال اسے زہریلے ناگ کی طرح ڈستے س کی روح کو بھی نیلا کر رہا تھا۔

وہ سگریٹ پیتا کب سے اپنے زخمی دل کو جلا رہا تھا۔۔

جانے کتنی دیر گزر گئی تھی وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریت پیتے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔۔جو بہت سکون سے گہری نیند سو رہی تھی۔۔

بہارے نے نیند میں کسمساتے ہوے آنکھیں کھولیں تو شہرام کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ پیتا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

اس کی سرخ آنکھوں میں پیاس دیکھتے وہ جلدی سے گھبراتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

بہارے نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھائے نظریں دوڑائیں جہاں رات کے تین بج رہے تھے۔وہ حیران ہوئی تھی کہ وہ ابھی تک جاگ رہا ہے۔۔

بہارے اپنا لب کچل کر رہ گئی تھی۔۔وہ جانتی تھی وہ ابھی تک کیوں نہیں سویا۔۔وہ اس کی سرخ آنکھوں میں پیاسے ہلکورے لیتے جذبات دیکھ چکی تھی۔۔

ایک پل کے لیے بہارے کا دل پریشان ہوا تھا۔۔اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر۔۔۔اس کے غصے کا سوچ کر بھی اس کا دل لرزا تھا۔۔دوسرے پل وہ سکون سے آنکھیں موند چکی تھی۔۔

وہ جانتی تھی وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ اسے پورا یقین تھا وہ کل تک خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔۔ وہ اس کے لیے اب اپنی نیند خراب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

بہارے اسے جاگتا دیکھ کر بھی بے حس بنی کروٹ بدل چکی تھی۔۔ شہرام کا دل ٹکڑوں میں بٹا تھا۔۔

وہ بیڈ سے اٹھتا صوفے کی جانب بڑھا تھا۔۔ وہ صوفے پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔ وہ اچھی طرح جانتا اسے آج کی رات نیند نہیں آنی تھی۔

ارحام ساحر خانزادہ کے جانے کے بعد اپنے آفس کی گلاس ونڈو کے باہر کے مناظر دیکھتے ارحام خانزادہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ساحر خانزادہ جیسے اسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔ مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ اتنے سے کام کے لیے کبھی اس کے پاس نہیں آتا۔۔ اسے نہیں لگتا تھا کہ ساحر خانزادہ کو اس کی میزبانی کی ضرورت تھی کہ وہ اتنی دور اس کے آفس میں اس سے ملنے آتا۔۔

وہ گلاس ونڈو سے باہر دیکھتا گہری سوچ میں گم تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ۔۔۔ ارحام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا تھا۔ ارحام نے بمشکل ہی اسے دیکھ کر اپنے لبوں پر سمائل سجائی تھی۔ اگر وہ احمدی صاحب کی بیٹی نہ ہوتی تو اس کی اس حرکت پر وہ منٹوں میں اس کا دماغ درست کر دیتا۔۔

ہیلو کیسے ہیں آپ مسٹر ارحام خانزادہ وہ اپنے لبوں پر دلکش مسکراہٹ سجائے بولی۔

ارحام نے سرد نگاہوں سے اس کی ڈریسنگ کو دیکھا تھا۔۔وہ ٹائٹ جئینز کے ساتھ بے حد شارٹ سکنی شرٹ اور اس پر بے حد سٹائلش جیکٹ پہن رکھی تھی۔۔شارٹ سکنی شرٹ سے اس کا آدھا پیٹ جھلک رہا تھا

مجھے لگتا ہے تمھیں آنے سے پہلے میرے آفس کا دروازہ ناک کرنا چاہیے تھا۔۔

ارحام چاہتے ہوے بھی اپنے لہجے کی کڑواہٹ چھپا نہ سکا تھا۔۔وہ احمدی صاحب کی بیٹی ہونے کا فائدہ اٹھائے بنا رسیپشنسٹ کو انفارم کیے آفس میں آ گئی تھی۔۔

یا پھر رسیپشسنٹ نے بھی اسے احمدی صاحب کی بیٹی ہونے کا کچھ زیادہ ہی مارجن دے دیا تھا۔۔

میں آپ کے آفس کا دروازہ ناک کرنا چاہتی تھی مگر آپ کے آفس سے ساحر خانزادہ کو نکلتے دیکھ کر میں بہت شاکڈ ہو گئی۔

اس لیے میں بوکھلاہٹ میں دروازہ ناک کرنا بھول گئی۔۔نشا ارحام کے سامنے والی چیئر پر بیٹھتے دلکشی سے بولی۔۔

ارحام کو سب سمجھ آ رہا تھا وہ اسے اپنی جوانی اور آداؤں سے زیر کرنا چاہتی ہے۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی کی واضح جھلک دیکھ چکا تھا۔۔ وہ ہر دوسرے دن اس کے آفس چلی آتی تھی۔۔ اس کی بے رخی کے باوجود وہ اس سے یونہی بے مقصد باتیں کرتی رہتی تھی۔

ارحام کو اندازہ ہوا تھا وہ ضرورت سے زیادہ ہی ڈھیٹ تھی۔۔

ویسے وہ ساحر ادھر کیا کر رہا تھا۔۔ نشا نے اپنے کیوٹکس کو دیکھتیے عام سے لہجے میں پوچھا۔۔ مگر وہ اس کے لہجے میں چھپی بے قراری جان چکا تھا۔۔

اسے ضروری کام تھا۔۔ ارحام نے نشا کو دیکھتے ظبط سے جواب دیا۔۔

ایسا بھی کیا ضروری کام تھا کہ وہ یہاں آپ سے ملنے آیا۔۔ نشا کے اگلے سوال پر ارحام نے غصے سے اپنی آئی برو مسلی۔

اس کا نیکسٹ گانا ہمارے علاقے میں پکچرائز ہو رہا ہے۔۔ اسی سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔۔ ارحام نے اپنی جان چھڑواتے اسے ساحر کے آنے کی وجہ بتائی۔۔ وہ وجہ جانے بغیر یہاں سے ٹلتی نا وہ جانتا تھا۔۔ یہ اس کے ساتھ ایک دو ملاقاتوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔۔ نشا چیئر پر سیدھے ہوتے بولی۔

مجھے نہیں لگتا کہ میرا تمھارا مذاق ہے۔۔ جو میں تم سے مذاق کرتا پھروں ۔۔۔ تمھیں احمدی صاحب کی بیٹی ہونے کی وجہ سے مارجن دیتا ہوں۔۔ ورنہ تم میرے آفس کی فی میل سٹاف سے پوچھ سکتی ہو میں کام کے علاوہ ان سے بات تک نہیں کرتا۔۔

ارحام خانزادہ نے نشا کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جانتی ہوں۔۔ سلطان احمد شاہ کا نام ہی بہت ہے اور ان کی بیٹی ہونا میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔نشا نے تلخی سے مسکرائی تھی۔۔

وہ اس کے چہرے پر یکدم تلخی ابھرتا دیکھ کر حیران ہوا تھا۔۔ہمیشہ احمدی صاحب کے نام پر ابھرتی تھی۔۔

آپ اگر مجھ سے مذاق نہیں کر رہے تو مجھ سے جھوٹ تو یقیناً بول رہے ہیں۔۔

نشا کی بات پر ارحام نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔۔اس کے گھورنے پر نشا کا دلکش قہقہہ آفس کے در و دیوار کو چھو گیا۔

آپ کی پرسنیلٹی میں آپ کی آنکھیں بہت سحر انگیز ہیں۔۔میں سوچتی ہوں ان آنکھوں میں اگر کبھی نشا سلطان کا عکس لہرائے تو یہ آنکھیں کیسے لگی گی۔۔نشا ارحام کو دیکھتے اب گہرا مسکرائی تھی۔۔

مس سبرینہ میری نیکسٹ میٹنگ کتنے بجے تک ہے۔۔ارحام نے انٹرکام اٹھاتے ہوے کہا۔۔

ٹھیک ہے اگلے پانچ منٹ تک میٹنگ کی تمام ڈٹیل لے کر میرے روم میں آئیں۔ارحام نشا کی بات مکمل اگنور کرتے انٹرکام پر اپنی سیکرٹری سے مخاطب ہوا۔۔

یہ نشا کو یہاں سے جانے کا عندیہ دیا تھا۔۔

مگر وہ اپنے ڈارک شہد رنگ بالوں کو جھٹکتے بے نیازی سے مسکرا گئی تھی۔۔۔ارحام اب گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔یقیناً یہ بلا ابھی نہیں ٹلنے والی تھی

آپ کو لگتا ہے میں آپ کا ٹائم ویسٹ کر رہی ہوں تو ایسی بات نہیں ہے۔۔ساحر خانزادہ نے پچھلے چھ ماہ سے گانا گانا چھوڑ دیا ہے۔مجھے یقین ہے وہ مر جائے گا اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔تو یہ کیسے امپاسبل ہے اس نے آپ سے اپنے نیکسٹ سونگ کے متعلق بات کی ہو۔۔یا تو آپ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں یا پھر ساحر خانزادہ نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔۔

آپ مجھ سے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ یہ بات میں سمجھتی ہوں۔۔ مگر ساحر آپ سے جھوٹ کیوں بولے گا یہ بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔۔ نشا نے سنجیدگی سے کہا تھا۔۔

ساحر خانزادہ جھوٹ بول رہا تھا یہ اسے بھی اندازہ ہوا تھا۔۔ وہ لوگوں کے چہروں کے جھوٹ سچ کا اندازہ لمحوں میں لگا دیتا تھا۔۔

اوکے۔۔۔۔ نشا تم جاؤ مجھے ایک میٹنگ کے سلسلے میں جانا ہے۔۔ ارحام نے اسے یونہی جما دیکھ کر نرمی سے کہا

وہ احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی تھی وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ سختی نہیں برت سکتا تھا۔ وجہ احمدی صاحب کے ساتھ بزنس پروجیکٹ کا ہونا نہیں تھا بلکہ وہ احمد صاحب کی بہت عزت کرتا تھا۔

میں جانتی ہوں آپ کی آج پاپا کے ساتھ میٹنگ ہے۔۔ مگر آج کی میٹنگ میں وہ نہیں آئیں گے۔۔ نشا نے چیئر سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے کہا۔۔

کیا مطلب وہ نہیں آئیں گے۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

کل رات سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلے۔۔۔۔ وہ کل سے سوگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ارحام نے متعجب نظروں سے نشا کو دیکھا تھا۔۔ وہ بہت سفاکی سے سلطان احمد شاہ کے متعلق بات کر رہی تھی۔

آج سٹر ڈے ہے تو ہر سٹر ڈے وہ ہمیشہ اپنی لاڈلی بیٹی کے ساتھ گزارتے تھے۔۔ جب سے وہ گئی ہے وہ فرائڈے کی نائٹ کو کمرے میں بند ہو جاتے

ہیں۔ دو دن وہ کمرے سے باہر نہین آتے۔۔ نشا کے لہجے کی کڑواہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

لیکن ان کی اکلوتی بیٹی تو تم ہو۔۔

ارحام کی بات پر اس کا بلند و بانگ قہقہ جاری ہوا تھا۔۔۔ پھر وہ ہنستی چلی گئی تھی۔۔

ارحام اسے پاگلوں کی طرح ہنستے ہوے دیکھ رہا تھا۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ بات ہی اتنی مضحکہ خیز تھی۔۔ نشا نے ہنستے ہوے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا۔۔

اگر میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوتی تو یہ میری خوش نصیبی ہوتی۔۔ مگر خوش نصیب وہ تھی۔۔ جس سے سلطان احمد شاہ بہت پیار کرتے تھے۔۔۔ بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔۔

پتہ ہے مجھے بھی یہی لگتا تھا کہ میں سلطان احمد شاہ کی بیٹی ہوں۔۔ مگر وہ تو صرف اسی کے پاپا تھے۔۔ میں اپنے بچپن میں یہی سوچتی تھی کہ پاپا حور سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں؟؟۔ مجھ سے کیوں نہیں کرتے۔۔ مگر مجھے کبھی میرے سوالوں کا جواب نہیں ملا۔۔

پاپا کی ہر بات میں صرف حور ہوتی تھی۔۔ حور نے کب کھانا کھایا۔۔۔ حور نے کب پانی پیا۔۔ وہ خاموش کیوں ہے؟؟۔۔۔ اس کی آنکھیں نم کیوں

ہیں ؟؟۔ پاپا کو میلوں دور حور کی طبعیت کے بارے میں پتہ چل جاتا تھا۔۔ وہ ذراسا چھینکتی تھی پاپا اپنی تمام بزنس میٹنگ چھوڑ کر بھاگے آتے تھے۔

نشا کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جارہا تھا

پاپا جہاں جاتے حور کو ساتھ لے کر جاتے۔۔ اپنی بزنس میٹنگ کے لیے جس ملک میں بھی جاتے حور ان کے ساتھ ہوتی۔۔ مجھے اور ماما کو وہ یہیں چھوڑ جاتے تھے۔۔ میں ماما سے پوچھتی تھی پاپا مجھ سے پیار کیوں نہیں کرتے۔۔ انھیں صرف حور ہی نظر کیوں آتی ہے۔۔ ماما ہر بار وہ چھوٹی ہے کہہ کر خاموش ہو جاتی تھیں۔ میری ماں جو کہنے کو میری سگی ماں ہیں۔ مگر مجھ سے زیادہ پیار حور کو اہمیت دیتی ہیں۔۔۔۔

مجھے بہت بعد میں اندازہ ہوا کہ میری ماں حور سے پیار کرنے کا صرف ناٹک کرتی تھیں۔ نشا استھزائیہ ہنسی تھی۔۔

اصل میں تو وہ مجھ سے پیار کرتی ہیں۔۔ لیکن کیا فائدہ ایسی محبت کا۔۔ سارا پیار تو انہوں نے حور کو دے دیا۔۔ چاہے دکھاوے کے طور پر سہی۔۔۔ میرے حصے میں تو کچھ نہ آیا۔۔ دکھاوے کا پیار بھی نہیں۔۔ نشا نے بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھتے یاسیت بھرے انداز میں کہا۔

حور کو میری ماں کے پیار کی ضرورت بھی کیا تھی؟؟ سلطان احمد شاہ تو ماں اور باپ دونوں تھے۔۔ پرنسز کی طرح پلی بڑھی ہے۔۔ وہ ذرا سا ناراض ہو جاتی تھی پاپا گھنٹوں اس کے کمرے کے باہر کھڑے رہتے تھے۔۔ پاپا کے پاس ایکسٹرا چابی ہوتی تھی اس کے کمرے کی۔۔ مگر وہ گھنٹوں دروازے پر کھڑے اسے مناتے تھے۔۔ وہ اندر سے روتے ہوئے چیختے ہوئے انھیں باتیں سناتی تھی۔۔ وہ بہت تحمل سے اس کی ہر بات کا جواب دیتے۔۔ پھر پتہ

کیا ہوتا وہ گھنٹوں انھیں ستانے کے بعد دروازہ کھول دیتی۔۔ پاپا مسکراتے ہوے اسے کہتے۔۔

I always win

میں نے تمھیں منالیا۔۔ اور وہ منہ بناتے کہتی میں ابھی مانی ہی نہیں۔ میں ابھی بھی ناراض ہوں۔۔۔ پاپا اس بات پر بہت ہنستے تھے۔

میں بھی ان سے ناراض ہوتی تھی۔۔ بہت ہوتی تھی۔۔ ہفتوں ان سے ناراض رہتی۔۔ مگر انھیں کبھی خبر ہی نہیں ہو سکی۔۔ میں ان سے ناراض ہوں۔۔

ہر پر براٹی ہر چیز صرف حور کے نام خریدی جاتی۔۔

۔۔۔نشا کی آنکھوں سے اب آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے۔۔

میں حور سے بہت نفرت کرتی ہوں۔۔اتنی کہ میں بتا نہیں سکتی۔۔اس نے ہر وہ انسان مجھ سے چھینا ہے جس سے میں محبت کرتی ہوں۔۔

دنیا میں سب سے زیادہ محبت میں پاپا سے کرتی ہوں۔ مگر پاپا کو کبھی میری محبت نظر نہیں آئی۔۔میرے آنسو نظر ہی نہیں آئے۔۔

اب میں بہت خوش ہوں۔ حور نامی کانٹا میری زندگی سے نکل چکا ہے۔۔۔۔ مگر پاپا کو دکھی دیکھ کر میں خوش بھی نہیں ہو پاتی۔ میں نے اس کے جانے کے بعد بھی ان لوگوں کی محبت نہیں پا سکی۔۔بلکہ میں نے ان لوگوں کو مکمل طور پر کھو دیا ہے۔۔وہ میری زندگی سے جا کر بھی نہیں جا سکی۔۔میں نفرت کرتی ہوں حور سلطان شاہ سے۔۔بہت زیادہ نفرت کرتی ہوں۔۔۔نشا کی آنکھوں میں اب چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

ارحام کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس پر ترس کھائے یا پھر اس سے ہمدردی کرے۔۔۔اسے سمجھ نہیں آیا تھا اس کی نفرت کا جواز تھا یا بلاوجہ تھی۔۔۔ارحام کو اس کی نفرت سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔۔

ارحام شا اس کے بولے گئے آخری چند لفظ سنتے ہوے وہ پریشانی سے چیئر پر پہلو بدلتے سیدھا ہوا تھا۔

حور سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔ارحام کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔

نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟۔۔اس کا نام تو حور سلطان احمد ہے یہی نام نکاح نامے پر درج تھا۔

اس نے تو کہا تھا اس کا دنیا میں کوئی نہیں۔۔

اور احمد صاحب اتنے طاقتور اتنے رچسٹ مین ہیں۔ حور کا تعلق کیسے ہو سکتا ہے ؟۔۔وہ! مجھے مردان کی سڑکوں پر ملی تھی۔۔سلطان احمد شاہ کی بیٹی اس طرح اجڑی بکھری حالت میں۔۔۔۔۔ نہیں یہ ایک امپوسبل بات ہے۔وہ اپنے ہی سوچوں کو جھٹلا چکا تھا۔۔

ارحام نشا سے ایکسکیوز کرتا آفس سے باہر نکل آیا تھا

حیدر سرخ سپاٹ چہرے اور جارحانہ تیور لیے دراوزہ دھاڑ سے کھولتے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔

فرشتے جو ابھی ابھی کمرے میں آئی ہی تھی۔۔بیڈ سے اٹھتی حیدر کی جانب بڑھی۔۔ مگر حیدر خان کا سرخ و سفید چہرہ دیکھ کر وہ کمرے کے وسط میں رکی تھی۔

وہ اس وقت سفید کڑھائی والے خوبصورت سٹائلش سے سوٹ میں ملبوس تھی۔۔ جس پر ریڈ کلر کا نیٹ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔۔بالوں کو سمپل سی لوز سی چوٹی میں ملبوس کیا ہوا تھا۔۔

بغیر میک اپ کے بنا کسی زیبائش کے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔وہ سارا دن ملگجے سے حلیے میں کچن میں کام کرتی رہی تھی۔۔حیدر خان کے آنے کا وقت تھا اسی لیے وہ تیار ہوئی تھی.

کیا ہوا خان؟؟ حیدر کے جارحانہ تیور دیکھتے وہ بری طرح گھبرائی۔۔

مورے کی طبعیت آج سارا دن خراب رہی۔۔ تم نے انھیں پوچھا تک نہیں۔۔۔ حیدر خان نے فرشتے کو گھورتے سخت لہجے میں پوچھا۔

مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ نہیں پتہ خان ان کی طبعیت خراب ہے۔۔ مم۔۔۔ میں تو کچن کا کام کر رہی تھی۔۔ اوزگل کی سہلیوں کی دعوت تھی۔۔ میں ان کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔۔ فرشتے نے بھیگے لہجے میں وضاحت دی۔۔ حیدر کا خشک کھردارا لہجہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ اس نے ایک مرتبہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا وہ اس کے پسندیدہ لباس پہنے ہوے تھی

شادی کے بعد یہ آج پہلی مرتبہ تھا وہ اس سے اس طرح سرد لہجے میں باز پرس کر رہا تھا۔

آج مورے سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی۔۔ تم نے ان کا پتہ بھی نہیں کیا۔۔ تمھیں اتنا تو احساس ہونا چاہیے تھا۔۔ وہ کمرے سے باہر نہیں آئی تو تم کمرے میں جا کر جھانک لو۔۔

حیدر خان نے سرد سپاٹ لہجے میں استفسار کیا۔۔

خان میں نے اوز گل کے ہاتھ کھانا بجھوایا تھا۔۔ اوز گل ان کے ساتھ کمرے میں ہی تھی تو مجھے خیال نہیں آیا۔

اوز گل۔۔۔ اوز گل۔۔۔۔ تم بند کرو گی یہ اوز گل نامہ۔۔۔ میری بیوی تم ہو یا پھر وہ اوز گل۔۔۔ حیدر خان یکدم دھاڑا تھا۔۔

فرشتے حیدر خان کی دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔۔ آنکھیں شدت گریہ سے سے بھیگ اٹھیں۔۔

مورے کی بہو تم ہو۔۔ اس لیے ان کے ہر کام کی ذمہ داری تم پر ہے۔۔ مجھے اوزگل سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔۔۔ سمجھ آئی میری بات۔۔۔ حیدر خان اس کی بھیگی آنکھوں پر قہر بار نگاہ ڈالتے بولا۔۔

جی۔۔۔۔ فرشتے نے نظریں جھکائے کہا۔۔

حیدر کچھ پل اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتا رہا پھر دروازہ دھاڑ سے کھولتا باہر نکل گیا تھا۔۔

فرشتے کب سے بیڈ پر بیٹھی حیدر خان کا انتظار کر رہی تھی۔۔رات کے بارہ بج رہے تھے۔وہ ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا۔۔فرشتے کی آنکھیں رو رو کر گلابی ہو چکی تھیں۔۔ناک گال سرخ ہو رہے تھے۔۔

حیدر خان کی ناراضگی اس کی جان پر بن رہی تھی۔۔وہ کمرے میں ابھی تک نہیں آیا تھا۔۔اس کا نازک دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔وہ جانتی تھی وہ اپنی مورے کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔

وہ حیدر خان کے کمرے سے جانے کے بعد رقیہ خانم کے کمرے میں گئی تھی۔۔حیدر خان ان کے پاس بیڈ کے قریب ایک چیئر پر براجمان تھا اور اوزگل ان کے پیروں میں بیٹھی ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔۔رقیہ خانم نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا تھا۔۔اس کے حال چال پوچھنے پر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔حیدر خان کا چہرہ بھی اسے دیکھتے سپاٹ ہوا تھا۔۔وہ کافی دیر تک

وہاں کھڑی رہی تھی۔۔ حیدر اسے مکمل نظر انداز کرتے رقیہ خانم اور اوزگل سے باتوں میں مصروف تھا۔۔

حیدر خان کا رویہ دیکھتے وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے کمرے میں آگئی تھی۔۔ حیدر خان کا اجنبیت بھرا رویہ یاد کرتے اس کا دل میں درد کے ابال اٹھ رہے تھے۔۔ وہ حیدر خان کی محبتوں کی اتنی عادی ہو چلی تھی کہ اب اس کی محبت چھین جانے کے خوف سے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ اس کی ذرا سی بے اعتنائی سے وہ نیم جاں ہو رہی تھی۔

سارے کچن کی ذمہ داری رقیہ خانم نے اس پر ڈال دی تھی۔۔ برتن تک دھونا اس کی ذمہ داری تھی۔۔ کچن میں کوئی بھی ملازمہ اس کا ہاتھ نہیں بٹاتی تھی۔۔ مختلف انواع اقسام کے کھانے بنانا مردانے میں آئے ہوئے مہمانوں کے چائے کھانے کا انتظام کرنا سب اس کی ذمہ داری تھی۔۔ صبح

سے رات ہو جاتی تھی اسے کام کرتے ہوے۔۔۔رات رات بھر حیدر خان کی شدتیں برداشت کرتے کب صبح ہوتی اسے پتہ ہی نہ چلتا۔۔ صبح سات بجے سے پہلے وہ کچن میں موجود ہوتی تھی۔

۔رقیہ خانم کا ہر کام وہ خود کرتی تھی۔۔ مگر رقیہ خانم کا رویہ اس کے ساتھ پہلے دن جیسا تھا۔۔ سخت کھردارا۔۔

انہوں نے اسے بہت مرتبہ اس کے بانجھ ہونے کا طعنہ بھی دیا تھا۔۔اسے اوزگل کے سامنے کھلم کھلا جتایا بھی تھا کہ وہ اپنے ہیروں جیسے بیٹے کے لیے اوزگل لانا چاہتی تھی۔۔جو کنواری بھی تھی۔۔اور ان کی نسل کو بھی آگے چلاتی۔۔ مگر حیدر کو پتہ نہیں اس میں کیا نظر آیا۔۔

فرشتے یہ سب سنتے خاموشی سے برداشت کر گیی تھی۔حیدر خان کو بھی نہیں بتایا تھا۔۔

آج سارا دن وہ اوزگل کی فرمائشی لسٹ تیار کرتی رہی تھی۔۔ صبح سے شام ہو گئی تھی کچن کا کام کرتے کرتے۔۔ اسے رقیہ خانم کا اس دوران خیال ہی نہیں آیا۔۔ وہ ان کی آج شام کی چائے بھی دینا بھول گئی تھی۔۔

اوزگل نے بھی رقیہ خانم کی طبعیت کے بارے میں نہیں بتایا تھا ورنہ وہ ضرور پوچھتی۔۔ فرشتے حیدر خان کے رویے کے بارے میں سوچتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔۔

کتنے ہی آنسو آنکھوں سے لڑھکتے اس کے سرخ عارض پر بہنے لگے تھے۔۔

وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے تیار ہو کر حیدر خان کا انتظار کر رہی تھی۔۔ نیند اور تھکن سے برا حال تھا۔ مگر حیدر خان کی ناراضگی کا سوچ کر اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

فرشتے نے اپنے چٹختے اعصابوں کو پر سکون کرتے گہرے سانس لیتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

فرشتے اس وقت ڈارک بلو کلر کی فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔۔

لمبے سنہری کمر سے نیچے آتے بال پشت پر بکھرے تھے۔۔

ہونٹوں پر پنک لپسٹک لگائے وہ حیدر خان کا انتظار کر رہی تھی۔۔ اوزگل بھی رقیہ خانم کے کمرے میں ہے۔۔ یہ بات اسے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔

وہ بانجھ ہے۔۔۔ اگر کبھی حیدر خان کو بھی اس کی یہ کمی کھٹکنے لگی تو وہ کیسے سہن کرے گی۔۔ اگر حیدر نے دوسری شادی کر لی تو حیدر خان کی محبتوں

میں کسی اور کی شراکت کیسے برداشت کرے گی۔۔ فرشتے کی آنکھیں یکدم تکلیف سے جلنے لگی تھیں۔۔۔

شاہنواز کے کیے ہوے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرنے پر اسے اتنی اذیت نہیں ہوئی تھی۔۔

جتنے حیدر خان کی کچھ گھنٹوں کی بے رخی اور ناراضگی نے دے دی تھی۔۔ وہ اس کے دل و جان کا مالک تھا۔ اس کی اتنی سی بھی بے رخی بھلا کب برداشت ہونی تھی۔۔

دروازے کی کلک کی آواز پر فرشتے نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔ وہ بیڈ سے اٹھتے حیدر خان کی طرف بڑھی۔۔

آپ کے لیے آرام دہ کپڑے نکال دوں۔۔ فرشتے نے حیدر خان کے قریب جا کر کہا جو ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کر اپنی رسٹ واچ اتار رہا تھا۔

کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں خود لے سکتا ہوں۔ فرشتے پر بنا کوئی نظر ڈالے خشک لہجے میں کہا۔۔

وہ اپنی شال کندھوں سے اتارتے بیڈ پر اچھالنے ہی لگا تھا۔۔ جسے فرشتے نے اس سے نرمی سے تھام کر اس کی تہہ لگائی۔۔ حیدر خان نے اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی تھی۔۔۔

اس کے سرخ عارض اور متورم آنکھیں دیکھتے وہ بے چین ہوا تھا۔ اس کی متورم آنکھوں کو دیکھتے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کافی دیر تک روتی رہی ہے۔۔

۔ نظریں اس کے خوبصورت چہرے سے ہوتے اس کے کندن سے سراپے پر جا ٹھہریں تھیں۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا وہ نائٹ گاون پہنے ہوے تھی۔۔ورنہ وہ رات کو ڈریس پہن کر سوتی تھی۔اس کی ناراضگی پر اس نے اتنی تیاری کر رکھی تھی۔حیدر خان کی گہری نگاہیں اس کی پشت پر بکھرے لمبے سنہری سلکی بالوں پر تھیں۔وہ اس کی چادر الماری میں رکھتے اس کے سلیپرز نکال رہی تھی۔

فرشتے نے الماری سے حیدر خان کے سلیپرز نکال کر اس کے پیروں میں رکھے۔۔۔

حیدر خان اس پر گہری نظر ڈالتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

حیدر خان ٹراوزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس باہر آیا تو فرشتے بیڈ پر بچھی چادر ٹھیک کہہ رہی تھی۔۔

حیدر خان کو بکھرا کمرہ اور بیڈ پر ایک سلوٹ پسند نہیں تھی۔۔ وہ اس بات کا پورا خیال رکھتی تھی۔۔ کمرے میں کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں ہوتی تھی۔۔۔

حیدر خان بیڈ کی طرف بڑھتے بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے تکیہ کمر کے پیچھے سیٹ کرتے نیم دراز ہوا تھا۔۔ سامنے لگی ایل ڈی کو ریموٹ سے آن کیا۔۔ اس دوران فرشتے کو مکمل اگنور کر رکھا تھا۔

حیدر خان کی لاتعلقی اور سرد مہری محسوس کرتے فرشتے کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

کمرے میں آتے ہی حیدر خان کی بی تابیاں عروج پر ہوتی تھیں۔۔ آج وہ اسے یکسر نظر انداز کیے ہوے تھا۔۔

فرشتے نے آگے بڑھتے حیدر خان کی ٹانگوں پر اچھی طرح کمبل دیا۔ وہ ویسے ہی ٹی وی پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔

خان آپ تھک گئے ہیں تو آپ کی ٹانگیں دبا دوں۔۔ فرشتے نے حیدر خان کو دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔۔ بہت کوشش کے باوجود بھی اس کا لہجہ بھیگ اٹھا تھا۔۔

اس کے بھیگے لہجے اور اس کی بات پر وہ اپنی ناراضگی بر قرار نہ رکھ سکا تھا۔۔

حیدر نے گہری نظروں سے فرشتے کو دیکھا جو گلابی ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ادھر آؤ۔۔۔ حیدر خان نے نرمی سے اسے اپنے پاس بلایا۔۔

وہ آہستگی سے چلتی حیدر خان کے قریب آکھڑی ہوئی۔۔

حیدر خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے کا حصہ بنی تھی۔۔

حیدر خان نے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچتے اپنے اور اس کے اوپر کمبل دیا وہ حیدر خان کے سینے میں منہ چھپائے شدت سے رو دی تھی۔۔

خانم۔۔۔۔۔۔۔مت روایسے۔۔۔۔حیدر خان اس کے اس طرح رونے پر

پریشان ہوا تھا۔

فرشتے کے اس طرح رونے پر حیدر خان کو اپنے سخت لہجے کا احساس ہوا

تھا۔۔جو اس نے آج اس کے ساتھ اختیار کیا تھا۔۔اس کے سینے سے لپٹی

کانچ سے بھی زیادہ نازک دل رکھنے والی لڑکی اس سلوک کی مستحق نہ تھی۔۔

فرشتے۔۔۔۔۔۔حیدر خان نے نرمی سے پکارا۔۔

خان مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔۔ آپ نے مجھے بہت ڈانٹا ہے۔۔ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔۔ فرشتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی روتے ہوے بولی۔۔

حیدر خان کے مونچھوں تلے عنابی لب گہرا مسکرائے تھے۔۔ اپنی نازک سی ڈرپوک بیوی کے انداز پر۔۔۔

اس کے ذراسی اپنائیت پر اب نخرہ دکھا رہی تھی۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی ناراضگی کے خوف سے بھنورے کی طرح اس کے ارد گرد منڈلا رہی تھی۔۔ اور اب اس سے کبھی نہ بات کرنے کی دھمکی دے رہی تھی۔

اگر مجھ سے کبھی بات نہیں کرنی تو میرے آگے پیچھے کیوں پھر رہی تھی۔۔ اب میرے سینے کے ساتھ کیوں لپٹی ہو۔۔ اور یہ ساری تیاری کس لیے کی ہے؟؟۔۔ حیدر خان نے رخ پلٹتے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس

کے سنہری سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کے ٹھوڑی پر بنے سیاہ گنگھور تل پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ جس میں اس کی جان بستی تھی۔۔ رات رات بھر فرشتے کو یہاں ہی تو سب سے زیادہ حیدر خان کی شدت برداشت کرنی پڑتی تھی۔۔

کک کون سی تیاری خان؟؟۔۔ حیدر خان کی معنی خیز نظروں اور اس کی ذو معنی مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے وہ شرم سے سرخ پڑتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔۔

حیدر خان نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا۔۔

خانم مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔۔ میری فرشتے میری زندگی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔۔ میری ذرا سی ناراضگی پر اس نے آج میری لائی ہوئی نائٹی پہن لی۔۔

ورنہ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے۔۔ تم نے کبھی اس طرح نائٹی پہن کر میرا انتظار نہیں کیا۔ حیدر خان کی بات پر وہ خفت سے سرخ پڑی۔

فرشتے جلدی سے اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

ہے۔۔۔۔ خانم وعدہ کرو اب تم روز میرا ایسے ہی انتظار کرو گی۔۔ حیدر خان اس کے بدن کی روح پرور خوشبو محسوس کرتے مدہوش ہوا تھا۔۔ وہ مدہوش ہوتے گہرے سانس بھرتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔

فرشتے مزید اس میں سمٹی تھی۔۔

وہ اس کے چہرے کے ایک ایک نقوش پر دیوانگی بھرے عالم میں لب رکھتے چلا گیا۔۔

خان۔۔۔۔ فرشتے نے گہری ہوتی سانسوں سے حیدر خان کو پکارتے اس کی جنون خیزیوں پر بند باندھنا چاہا تھا۔

وہ مسکراتے ہوے اسے خود میں سمائے فرشتے کے کمزور سے انکار پر بند باندھتے اپنی شدتیں اس پر پوری طرح نچھاور کرنے لگا۔۔

بہارے نے اچٹتی سی نظر شہرام پر ڈالی.. جو جینز پر بلیک شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس پر بلیک کیجول کوٹ تھا۔۔ سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ وہ سرد سپاٹ تاثرات لیے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔

رات کے بعد دونوں کے درمیان کوئی بھی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔۔ شہرام نے صبح ناشتہ تک نہیں کیا تھا۔۔ اس وقت گاڑی میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔

ہاسٹل سے کافی دور شہرام نے گاڑی روکی۔ بہارے گاڑی سے اتر کر جیسے ہی آگے بڑھی۔۔ پاس ہی ایک بڑے سے پتھر سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا۔۔

سس۔۔۔۔ وہ کراہتے ہوئے جھکی تھی۔۔ پاؤں کے انگوٹھے کا ناخن بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔۔ درد سے بہارے کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے تھے۔۔ شہرام یہ دیکھتا جلدی سے گاڑی سے نکلا۔۔

کیا ہوا بہارے؟؟ وہ پریشانی سے کہتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا۔ بہارے درد سے کراہتے ہوئے بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔

شہرام نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگایا تو وہ زار و قطار رونا شروع ہو گئی تھی۔۔

شہرام رہنے دو۔۔ میں خود دیکھ لوں گی۔۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔ وہ روتے ہوے بمشکل بولی۔

اپنے پاؤں پر کھڑی تم ہو نہیں پا رہی۔۔ کیسے دیکھو گی تم؟؟۔۔ شہرام نے اس کے بہتے آنسو دیکھ کر لب بھینچتے کہا۔۔

شہرام نے اپنی پاکٹ سے ٹشو نکال کر اس کے انگوٹھے پر رکھا۔۔ جہاں سے خون نکل رہا تھا۔۔ انگوٹھے کا ناخن ٹوٹ گیا تھا۔

بہارے کی اب سسکیاں جاری ہوئی تھیں۔۔وہ اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے کھڑی تھی۔۔انگوٹھے میں شدید درد کے باعث وہ کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔۔

شہرام یہ دیکھتے ہوے کھڑا ہوا اور اسے گود میں اٹھائے پاس ہی بڑے سے پتھر پر بٹھایا۔۔

اور جھک کر اس کے انگوٹھے کے زخم کا معائنہ کرنے لگا۔۔بہارے کا نقاب کھل گیا تھا۔۔شدید سردی اور رونے کے باعث اس کا ناک اور عارض سرخ ہو رہے تھے۔۔

جسے دیکھتے شہرام نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔۔۔

چوٹ اتنی نہیں لگی۔۔ جتنا تم رو رہی ہو۔ ایک ڈاکٹر تو بہت بہادر ہوتا ہے بہارے۔۔ شہرام اس کے بچوں کی طرح رونے پر مسکرایا تھا۔۔

ڈاکٹر کیا انسان نہیں ہوتے ؟!۔۔ تمھیں چوٹ لگتی تو پھر میں پوچھتی کہ کتنا درد ہو رہا ہے۔۔ بہارے نے روتے ہوئے تنک کر جواب دیا۔

جو درد تم مجھے دیتی ہو۔۔ وہ درد بہت شدید ہوتا ہے بہارے..۔۔ ناقابل برداشت۔۔۔۔۔۔۔..۔

اس طرح کے درد تو میں روز ہنس کر سہہ لوں۔۔ وہ بہارے کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے سادگی سے بولا۔۔

میں نے تمھیں کبھی کوئی درد نہیں دیا۔۔ میرا ساتھ تمھاری خواہش تھی۔۔ میری نہیں۔۔۔۔۔۔ بہارے کے بے رحم جواب پر پر وہ سنجیدگی

سے کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔ وہ پھر سے اسے درد دے چکی تھی۔۔ اس پر ستم یہ تھا اسے احساس ہی نہیں تھا۔۔

بہارے اس کی سنجیدہ نگاہوں سے نظریں چراتے ساتھ ہی بہتے دریا کو دیکھنے لگی۔۔۔ وہ لوگ ہاسپٹل سے تھوڑا دور تھے۔۔۔ بہارے کی ہی خواہش پر وہ اسے ہاسپٹل سے دور ڈراپ کرتا تھا۔۔ جہاں سے وہ دونوں اجنبیوں کی طرح پیدل ہاسپٹل کی طرف بڑھتے۔۔۔۔

گاڑی بھی شہرام کو دور کھڑی کرنی پڑتی تھی۔۔ وہ چاہتا تو بہارے کو یہاں ڈراپ کر کے خود گاڑی ہاسپٹل کی پارکنگ ایریا میں کھڑی کر سکتا تھا۔۔ مگر اسے یہ گوارا نہ تھا اس کی بہارے پیدل جاتی اور وہ گاڑی پر جاتا۔۔

شہرام نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے رومال نکالتے اس کے انگوٹھے پر باندھا۔۔

ابھی یہ رومال باندھ رہا ہوں۔۔ اندر جا کر ڈاکٹر عنیزے یا ڈاکٹر ماہم سے ڈریسنگ کروا لینا۔۔

اور پین کلر بھی لے لینا۔۔ درد ختم ہو جائے گا۔۔ اور آج کے دن تم ریسٹ کر لینا۔۔ ہاسپٹل سٹاف روم میں یا پھر میرے آفس میں ریسٹ کر لینا۔۔ شہرام کھڑا ہوتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔۔

میں سٹاف روم میں کچھ دیر ریسٹ کر لوں گی۔۔ بہارے نے بھی جواباً سنجیدگی سے کہا۔۔

بہارے اس سے کیا فرق پڑے گا؟؟ اگر ہم ہاسپٹل میں سب کو یہ بتا دیتے ہیں۔۔ ہم ہسبنڈ اینڈ وائف ہیں۔۔ مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا یوں ہاسپٹل میں اجنبیوں کی طرح رہیں۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے کہا جو پتھر پر بیٹھی اپنے زخمی پاؤں کو دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام میں نے تمھیں پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے یہاں اپنی کارکردگی سے خود کو منوانا ہے۔۔ یہاں مجھے ایک عام ڈاکٹر کے طور پر کام کرنا ہے۔ مجھے تمھاری یہاں بیوی بن کر کوئی فیور کوئی اپورچینٹی اویل نہیں کرنی۔۔۔۔ بہارے نے ٹپاٹ لہجے میں کافی درشتگی سے جواب دیا۔۔

وجہ صرف یہی ہے بہارے۔۔۔ یا پھر تم نہیں چاہتی کہ کسی کہ پتہ چلے تم ایک میٹرک پاس کی بیوی ہو۔۔ شہرام اس کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

کیا یہ وجہ تمھارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے جوابًا سوال داغا۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ یہ وجہ واقعی میں بہت بڑی ہے۔۔ میں ہی بیوقوف ہوں جواب تک سمجھ نہیں پایا۔۔ شہرام طنزیہ کہتے خفیف سا مسکرایا تھا۔

بہارے اس کے طنز پر پتھر سے یکدم اٹھی تھی۔۔۔وہ روز روز ایک ہی بحث سے تنگ آگئی تھی۔۔وہ اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔۔وہ بن تو گئی تھی اس کی بیوی۔۔اب وہ اس سے آخر اور کیا چاہتا تھا۔۔

بہارے نے پتھر سے اترتے اپنے پاؤں پر دباؤ ڈالا وہ درد سے کراہتے واپس پتھر پر براجمان ہوئی۔۔انگوٹھے میں ابھی شدید درد تھا۔۔جس کے باعث پاؤں پر دباؤ ڈالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔وہ واپس پتھر پر بیٹھ کر رونا شروع ہو چکی تھی۔۔

شہرام نے اسے روتے دیکھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

تم جاؤ میں آجاؤں گی۔۔شہرام کا بڑھا ہوا ہاتھ بہارے نے جھٹکا..

یہاں سے ہاسپٹل تک جانا تمھارے لیے مشکل ہو گا۔۔ اونچے نیچے راستے ہیں۔۔۔ تم نہیں چل پاؤ گی۔۔ میں تمھیں گاڑی میں آگے تک چھوڑ دیتا ہوں۔۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھے گا۔ کوئی دیکھے گا بھی تو تم کہہ دینا کہ تمھیں چوٹ لگی تھی۔۔ اس لیے میں نے تمھیں لفٹ دی۔۔۔ شہرام نے اس کی حالت دیکھتے لب بھینچے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔۔

نہیں میں چلی جاؤں گی۔۔ تم میری فکر نہ کرو۔۔ بہارے نے ضدی انداز میں کہتے اپنے آنسو اپنی ہتھلیوں سے صاف کیے۔۔

شہرام کچھ پل اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا۔۔ وہ ابھی تک پتھر پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔۔

شہرام نے آگے بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے یکدم گود میں اٹھایا تھا۔۔

شش۔۔۔۔ شہرام۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟؟ بہارے اس کی گود میں طرح سٹپٹائی تھی۔۔ رنگ شدید قندھاری ہوا تھا۔۔

وہ اس طرح اسے گود میں اٹھالے گا۔۔۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

تمھیں گاڑی میں میرے ساتھ نہیں جانا تھا.. یہی سب سے بیسٹ آپشن تھا میرے پاس کہ تمھیں اپنی گود میں اٹھالوں۔ شہرام سنجیدگی سے کہتا آگے بڑھا۔۔

شہرام کوئی دیکھے گا.. تو کیا کہے گا۔۔ کچھ تو شرم کرو۔۔ بہارے اس کے سینے میں منہ چھپاتے روہانسے ہوتی بولی۔

میں بہت بے شرم بھی ہوں اور تمھارے معاملے میں ازلے درجے کا ڈھیٹ بھی ہوں۔۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ اگر گاڑی میں بیٹھ جاتی تو میں تمھیں کبھی ایسے نہ اٹھاتا۔۔ شہرام نے اس کے شرم سے لال پڑتے چہرے کو دیکھتے مبہم سا مسکراتے ہوئے کہا۔۔

مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ گاڑی میں بیٹھنے کو تیار ہوں۔ پلیز۔۔۔ شہرام مجھے نیچے اتار دو۔ پاس سے گزرتے کسی شخص کو دیکھ کر بہارے سرخ ہوتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔

یہ کافی اکورڈ سچویشن تھی اس کے لیے وہ سوات کی سڑکوں پر اسے اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تھا۔۔

خاموش ہو جاؤ بہارے۔۔۔۔۔ورنہ ہاسپٹل کے اندر بھی ایسے ہی اٹھا کر لے جاؤں گا۔۔شہرام نے سنجیدگی سے دھمکی دی۔۔

بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی ۔وہ اچھی طرح جانتی تھی شہرام کو اگر ضد پر آجائے تو اس سے بڑا ضدی کوئی نہیں تھا۔کوئی بعید نہ تھا وہ اسے ہاسپٹل کے اندر بھی ایسے ہی اٹھا کر لے جاتا۔۔بہارے خاموش ہوتے آنکھیں میچے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی۔۔

بیس پچیس منٹ سے شہرام اسے گود میں اٹھائے چل رہا تھا۔۔وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے ہوے اب پریشان ہوئی تھی.۔۔ہاسپٹل تک مسافت پیدل کم و بیش دس منٹ کی تھی۔وہ کافی دیر سے اسے اٹھائے ہوے چل رہا تھا۔۔

بہارے نے اس کے سینے سے منہ نکالتے ہوے دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ اسے دوسرے راستے سے لایا تھا۔۔ جو پہاڑ پر چڑھائی چڑھتے ہوے آتا تھا۔ ہاسپٹل کا دوسرا گیٹ اسی طرف تھا۔۔۔ یہ راستہ حطرناک اور مشکل تھا۔ اس لیے یہاں سے لوگ کم ہی آتے تھے۔ ۔ ابھی بھی یہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔۔

بہارے نے شہرام کو دیکھا جو اتنی دور اسے گود میں اٹھائے ہوے آیا تھا۔۔ اس کی سفید رنگت اتنے خطرناک اور اوپر نیچے راستے پر چلتے سرخ ہو رہی تھی۔۔ اور سانس بھی اب پھولنا شروع ہو گئی تھی۔۔ آسان نہیں تھا اسے گود میں اٹھا کر ایسے راستوں پر چلنا۔

بہارے ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

کیا ہوا ہے کیا دیکھ رہی ہو؟؟ شہرام نے پھولتی سانسوں کے درمیان پوچھا۔۔

ان راستوں پر چڑھنا شہرام کے لیے تو دائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر بہارے کو گود میں اٹھائے چلنا اس کے لیے کافی مشکل تھا۔۔

تم اتنے مشکل راستے سے کیوں لائے ہو؟؟ سیدھے راستے سے لے آتے۔۔ بہارے نے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے کہا.. جو سردی کی شدت اور اتنی چڑھائی چڑھنے پر شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔

تم خود ہی تو چاہتی تھی۔۔ کسی کو پتہ نہ چلے کہ تم میری بیوی ہو۔۔۔ اس لیے اس راستے سے لایا ہوں۔۔ شہرام اب اسے گود میں اٹھائے نیچے کی طرف اتر رہا تھا۔۔ ہاسپٹل تھوڑے سے فاصلے پر رہ گیا تھا۔۔ اس پہاڑ سے نیچے اترتے ہی ہاسپٹل کا دوسرا گیٹ تھا۔

نیچے اترتے ہوے شہرام کسی پتھر سے ٹکرایا تھا.. وہ ذرا سا لڑکھڑایا تو بہارے چیخ اٹھی۔۔۔ اگر وہ دنوں گرتے تو یقیناً لڑھکتے ہوے نیچے جاتے۔۔ شدید قسم کی چوٹیں آسکتی تھیں۔۔

ڈر کیوں رہی ہو بہارے ؟!۔۔ میں تمھیں کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گا۔۔ شہرام سنبھلتے ہوے اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔۔

بہارے فق رنگت کے ساتھ مضبوظی سے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کر گئی۔۔۔

ہاسپٹل آنے پر شہرام نے احتیاط سے اسے گود سے نیچے اتارا۔۔

بہارے نے چور نظروں سے ارد گرد دیکھا تھا۔۔ شہرام اس کی حرکت پر ہنس دیا تھا۔۔

کوئی نہیں ہے یہاں بہارے۔۔۔ اس لیے تو اس راستے سے لایا ہوں۔ شہرام نے آہستگی سے کہا۔۔ بہارے اس کی بات پر مبہم سا مسکرا گئی تھی۔۔ وہ اسے اتنے دور سے گود میں اٹھائے لایا تھا آخر اتنی مسکراہٹ کا تو حق دار تھا وہ۔۔۔

تمھیں اندر بھی لے جاتا۔۔ مگر آگے جانے کی میری خوبصورت بیوی کی پرمیشن نہیں ہے۔۔ شہرام نے بہارے کے سرخ چہرے کو دیکھتے کہا جو نظریں جھکائے اپنی چادر ٹھیک کر رہی تھی۔۔

آج تمھیں وارڈز میں جا کر پیشنٹس کو چیک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں تمھارے لیے کمرے کا انتظام کرواتا ہوں۔۔ تم وہیں پر پیشنٹس کو چیک کر لینا۔۔ اور پین کلر ضرور لے لینا۔۔ شہرام نے بہارے کے عارض کو نرمی سے چھوا۔۔

بہارے نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ناشتہ کیا تھا تم نے۔۔ شہرام کے سوال پر بہارے نے شرمندگی سے اثبات میں سر ہلایا۔۔

وہ بہت اچھا اور ہیوی ناشتہ کر کے آئی تھی۔۔ شہرام نے ناشتہ نہیں کیا تھا اور اس نے اسے ایک مرتبہ بھی نہیں پوچھا تھا۔۔

پھر پین کلر لے لینا اوکے۔۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے کہا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہاسپٹل کی طرف بڑھ گیا تھا۔

بہارے کچھ پل اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ پھر سر جھٹک کر آہستگی سے قدم اٹھاتے ہاسپٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔

عابیر کافی کا کپ ہاتھ میں پکڑتے سٹڈی روم میں داخل ہوئی تھی۔۔ اسفندیار خان جو سٹڈی روم میں موجود صوفے پر لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔۔

عابیر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ذرا سی نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ مگر نظریں اس پر سے پلٹنا بھول چکی تھیں۔ اس کی نیلی آنکھیں اپنی خوبصورت بیوی کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

وہ ییلو کلر کے پیروں تک آتے کامدار فراک میں ملبوس تھی۔۔ییلو کلر کا نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ سنہرے سلکی بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔۔جو نیٹ کے دوپٹے سے مکمل طور پر عیاں تھے۔

کانوں میں گولڈ کے جھمکے پہن رکھے تھے۔۔اور خوبصورت سمپل سی ماتھا پٹی لگا رکھی تھی۔۔گلے میں چوکر پہن رکھا تھا۔۔

لائٹ سا میک اپ کیے وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔اسفندیار خان کی گہری نظریں اس کی ہیزل گرے آنکھوں پر جمی تھیں۔ جس میں کاجل کی باریک تہہ لگی تھی۔۔

عابیر نے اسفندیار خان کو ایک نظر دیکھتے کافی کا کپ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔۔

عابیر کے دیکھنے پر اسفند نے سٹپٹاتے ہوے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔۔وہ مکمل طور پر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا جو کہ اس کے لیے انتہائی مشکل ہوا تھا۔۔وہ اب پچھتا رہا تھا آخر کیا ضرورت تھی اسے ایک نظر بھی دیکھنے کی؟؟۔۔اسے لیپ ٹاپ کی سکرین پر کچھ پلوں کے لیے نظر آنا بند ہو گیا تھا۔۔

اتنی مکمل خوبصورتی دیکھ لینے کے بعد آنکھوں کو کچھ اور دیکھنا کہاں گوارا تھا۔۔

عابیر کپ ٹیبل پر رکھتے دروازے کی جانب بڑھی۔۔اسفندیار خان اپنی مٹھیاں دبوچ کر رہ گیا تھا۔

اس کی بے اعتنائی برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔

وہ اتنا تیار کیوں ہے۔۔؟؟ وہ بے چین ہوا۔۔

عابیر.... اسفندیار خان نے اسے سرد لہجے میں پکارا۔۔

جی۔۔۔۔ عابیر نے مڑ کر اسفندیار کی طرف دیکھا۔۔

اس کی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتے اسفندیار کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

بکس ریک میں بکس ایڈجسٹ کر کے رکھ دو۔۔۔ بکھری پڑی ہیں۔

اسفند حکم دیتا لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔۔

اس کا ایسے تیار ہو کر باہر جانا پسند نہیں آیا تھا۔ اسی لیے اسے یہیں پر روکنا چاہا تھا۔

عابیر اسفندیار خان کی بات پر دروازے پر ٹھہر گئی تھی۔

اسے سٹل کھڑے دیکھ کر اسفند نے اسے متعجب نظروں سے دیکھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ وہاں کیوں کھڑی ہو؟؟ جو کہا ہے وہ کرو۔۔ اسفند نے اسے گھورتے ہوے کہا۔۔

وہ اسے بظاہر تو سرد نگاہوں اور لاتعلقی سے دیکھ رہا تھا۔۔ مگر اسکی نگاہوں میں کافی گہرائی اور استحقاق تھا۔۔ وہ کچھ ہی پلوں میں اپنی بیوی کا اوپر سے نیچے تک اچھی طرح معائنہ کر چکا تھا۔۔

عابیر خاموشی سے بک ریک کی طرف بڑھ گئی۔۔

اسفند لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر عابیر کا اب تفصیل سے معائنہ کر رہا تھا۔۔

جو بک ریک میں بکس ٹھیک کر رہی تھی۔۔

اسفند اس کی کمر پر بکھرے سنہری بالوں کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔۔

وہ یقیناً اسے کافی دینے کے لیے تو اتنا تیار ہو کر نہیں آئی تھی۔۔

اسے وقفے وقفے سے کافی چاہیے ہوتی تھی۔ جو عابیر اس کے بنا کہے اس کے لیے کافی لے آتی تھی۔۔۔

آج وہ دوپہر سے ہی سٹڈی روم میں بند تھا۔۔ عابیر اس کے لیے کافی پانی اور کھانا تک سٹڈی روم میں لائی تھی۔۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ کافی لے کر آئی تھی۔۔تب تو اتنا تیار نہیں تھی۔اب کیوں ہے؟؟اسفند نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔۔

عابیر بک ریک میں بکس ٹھیک کرتے خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھی۔۔اسفند کو اس کی خاموشی بری طرح چبھی تھی۔۔۔

جس دن سے اسے تھپڑ مارا تھا۔وہ خاموش ہو گئی تھی۔۔

اس کے دوسری شادی کی دھمکی دینے پر وہ اس کا ہر کام پہلے سے بھی زیادہ دلجمعی سے کرنے لگی تھی۔۔۔مگر بات ابھی تک نہیں کر رہی تھی۔۔

یہ اتنا تیار کس خوشی میں ہوئی ہو؟۔اسفندیار خان نے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے عام سے لہجے میں پوچھا۔۔

اس کے عام سے لہجے میں کتنی تپش تھی۔۔وہ وہی جانتا تھا۔۔عام سے لہجے میں بھی شوہروں والا بھرپور استحقاق تھا۔۔

میری ایک دوست کی مہندی ہے۔۔اسی کے فنکشن پر جارہی ہوں۔۔عابیر کے جواب پر وہ مزید سلگا تھا۔۔

وہ بیوی تھی اس کی۔۔اس نے اسے سے آجازت لینا تو دور کی بات اسے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔

اسفند نے ایک ہی جھٹکے میں لیپ ٹاپ بند کیا۔۔

کس سے پوچھ کر جارہی ہو تم؟؟اسفند نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔

۔

میں نے زاران بھائی سے پوچھا تھا۔۔انہوں نے مجھے آجازت دیدی تھی۔۔ابھی مجھے شہر ام لالا یازاران لالا چھوڑ آئیں گے۔۔

مجھے لگتا ہے شادی کے بعد لڑکی اپنے شوہر سے آجازت لیتی ہے۔۔اپنے بھائیوں سے نہیں۔۔عابیر کے جواب پر اسفند نے بھڑکتے ہوے کہا۔۔

آپ مصروف تھے۔۔اس لیے آپ سے پوچھنا مجھے یاد نہیں رہا۔۔عابیر نے اس کے بھڑکنے پر گہرا سانس بھرتے آہستگی سے کہا۔۔

سارادن تم سٹڈی روم میں کتنی بار آئی ہو؟؟اسفند نے اس کے کندن سے سراپے پر قہربار نگاہ ڈالتے ہوے پوچھا۔

کافی مرتبہ آئی ہوں۔۔عابیر نے اس بار بھی آہستگی سے کہا۔

کتنی بار؟؟۔۔۔اسفندیار خان نے صوفے سے ٹیک لگائے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے استفسار کیا۔۔

ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل کی باریک سی تہہ اسفندیار خان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔سارے فساد کی جڑ یہ گہری آنکھیں ہی تو تھیں۔

تقریباً دس بارہ بار تو آئی ہوں میں۔۔۔عابیر اسفندیار خان کو ایک نظر دیکھتے بولے۔۔

ہمممم۔۔۔۔یعنی پچھلے چار گھنٹوں میں تم دس سے بارہ مرتبہ اس کمرے میں آئی ہو۔۔مجھ سے پوچھنا تمھیں ایک بار بھی یاد نہیں رہا۔۔اسفند نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔۔

وہ کسی بھی ملازمہ کے ہاتھ کا اب پانی بھی نہیں پیتا تھا۔۔اسے ہر کام عابیر کے ہاتھوں کا چاہیے ہوتا تھا۔۔وہ اپنی فیلنگز سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔نہ ہی اس کی یہ نیچر تھی۔

وہ کسی پر ڈیپینڈ ڈ ہو۔۔ مگر وہ ہر ٹائم اپنی بیوی کو اپنے قریب دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی لاپرواہی اسے نیزے کی طرح چبھنے لگتی تھی۔۔۔۔وہ جب اس کے کام کرتے اس کے گرد منڈلاتی تو اس کی مردانہ حس کو کافی تسکین ملتی تھی۔

عابیر اس کی بات کا جواب دیے بغیر رخ پلٹ گئی۔۔وہ دروازے کا لاک کھولنے لگی تو اسفند کا پارہ مزید ہائی ہوا تھا۔دماغ کی رگیں بھڑکی تھیں۔وہ خود تو اسے مکمل نظر انداز کرتے اس کے بھائی کے کیے کی سزا دینا چاہتا تھا ۔۔۔مگر اس سے توقع رکھتا تھا وہ اسے بلکل شوہروں والی عزت دے۔۔اسے اس کی بھرپور توجہ چاہیے ہوتی تھی۔۔عابیر کی اگنورنس پر

اسفندیار خان کی دماغ کی پھڑ گتی رگیں مزید پھڑ کیں۔۔اسفند اپنی آئی برو انگوٹھے سے مسلتے خود پر قابو پا گیا تھا۔۔

سامنے کھڑی لڑکی کو کیسے سزا دینی ہے وہ جانتا تھا۔۔

یہ کافی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔۔مجھے گرم کر کے لا دو۔۔۔

اسفند نے عابیر کی پشت کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔

اسفند نے لیپ ٹاپ ان کرتے ساتھ ہی کسی کو ویڈیو کال ملائی تھی۔۔

اسفند مجھے دیر ہو رہی ہے۔۔میں یہ گرم کر کے درخشاں کے ہاتھ بجھوا دیتی ہوں۔۔عابیر نے گرم گرم بھاپ اڑاتے مگ کو دیکھتے ظبط سے کہا۔

مجھے کافی گرم کر کے لا کر دو۔۔اس نے سرد سپاٹ لہجے میں کہتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جماتے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔۔

یکدم اسفندیار خان کے عنابی لبوں پر دلکش مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

عابیر اس کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے حیران تھی۔۔۔لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھتے جہاں خوبصورت سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔۔

ہیلو عینا کیسی ہو تم ؟؟ اسفند لیپ ٹاپ کی سکرین میں دیکھتے اب گہرا مسکرایا تھا۔۔

عابیر کپ اٹھانے کے لیے جھکی تھی۔۔ لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتی لڑکی کو دیکھ کر عابیر نے بری طرح اپنا بالائی لب کاٹا تھا۔

سکرین پر نظر آتی لڑکی کا لباس ناکافی تھا۔۔ وہ بلیک ٹراوزر پر وائٹ کندھوں سے ڈھلکی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی۔ گلہ بھی کافی گہرا تھا۔۔

وہ کوئی امیریکن لڑکی تھی۔۔ جو کافی خوبصورت تھی۔۔

اسفند اب اس سے انگلش میں بات کر رہا تھا۔ وہ دنوں آپس میں کافی فرینک تھے۔۔ ان کی گفتگو سے صاف ظاہر

تھا۔۔ ان کی دوستی کافی گہری ہے۔۔

عابیر کافی کا مگ ہاتھ میں پکڑے وہیں پر کھڑی تھی۔ اسفند کو جلتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جو اس کی لڑکی کے خوبصورت سراپے میں مکمل کھویا نظر آرہا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟! یہاں پر کھڑی کیا کر رہی ہو ؟؟ اسفند یار خان نے عابیر کو مجسم کھڑا دیکھ کر گہری ہوتی مسکراہٹ سے پوچھا۔۔

میں۔۔ کک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔ عابیر نے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے کہا۔۔ اس کے بھیگے لہجے میں تڑپ مقابل اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ اس کی بے اعتنائی اور بے نیازی کا بدلہ وہ پوری شدومد سے لے چکا تھا۔۔

عابیر کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے اسفند کے لبوں پر چھائی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔۔

کافی لے کر آؤ۔۔ اسفند نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔ عابیر اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے دروازے کی جانب بڑھی۔۔ وہ اس ستم گر کے سامنے اپنی فیلنگز عیاں ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔۔ جو اسے اس سے محبت کرنے کی سزا دے رہا تھا۔۔ وہ جانتی تھی وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ چکا ہے

۔وہ جان چکا ہے وہ اس سے محبت نہیں عشق کرنے لگی ہے۔۔ اور وہ اسی بات کی تو اسے سزا دیتا تھا۔۔

میں جلد امیریکہ آؤں گا۔۔ یہاں پاکستان میں رکھا ہی کیا ہے میرے لیے ؟!۔۔۔ اسفند نے عابیر کی پشت کو دیکھتے اپنے لفظوں پر زور دیا۔۔

کب آؤ گے۔۔ عینا کی چہکتی آواز گونجی تھی..

ایک دو مہینوں تک میں تمھارے پاس ہوں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔

عابیر کپ پکڑے دروازے کے جانب بڑھی تھی۔۔ اسفند کی بات پر اس کے قدم رکے تھے۔

اس کے ہاتھ سے کپ چھوٹ کر گر کر فرش پر چکنا چور ہوا تھا۔۔

گرم گرم کافی اس کے پاؤں کو جلا چکی تھی۔۔

سس۔۔۔۔ تکلیف سے اس کی سسکاری گونجی۔۔۔

جسے اسفند سنتا سفاک بنا اگنور کر گیا تھا۔۔ وہ یونہی عینا سے باتیں کرتا رہا۔ مگر اس کی تمام تر حساسیت کمرے میں موجود نفوس کی طرف تھیں۔۔۔

اس کی سسکاری پر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔۔ مگر وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ سفاک بنا رہا۔

عابیر نے اپنے پاؤں کو دیکھتے اپنا جوتا اتارا تھا۔۔ پاؤں پر سرخ آبلہ پڑ چکا تھا۔۔

اسفندیار خان کی ہنسی کی آوازیں سنتے عابیر نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔۔۔ اسے اپنا آپ لاوے کی طرح ابلتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ پاؤں کی تکلیف تو اسے محسوس بھی نہیں ہو رہی تھی۔۔ مگر جلن کی لہریں پورے بدن میں اٹھتی اسے تند و تیز بھانبھڑوں کی طرح جلا رہی تھیں۔

اسفند کی گہری نظریں اپنی بیوی پر تھیں۔۔عینا اس سے کیا کہہ رہی تھی؟؟

اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔۔وہ اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو اس کی طرف پشت کیے کھڑی لرزتے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔۔ایسا لگتا تھا اس کا نازک بدن کسی بھی پل زمین بوس ہو جائے گا۔۔

عینا کسی بات پر ہنسی تھی۔۔جوابًا اسفند نے بھی بلند و بانگ قہقہ لگایا تھا۔۔مگر نظریں ابھی بھی اپنی بیوی پر تھیں۔

وہ اب مزید یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔۔اسفندیار خان کی ہنسی اسے اذیت ناک درد میں مبتلا کر رہی تھی۔۔

عابیر نے اپنے دونوں جوتے اتارتے دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھا۔۔فرش پر بکھرا کانچ اسے نظر نہیں آیا تھا یا اس نے جانتے بوجھتے نظر

انداز کر دیا تھا۔۔ یکدم آنکھوں میں ریت سی چھبھنے لگی تھی کہ کچھ نظر آنا ہی بند ہو گیا تھا۔۔

عابیر کا نازک پاؤں پر فرش پر پڑا ہی تھا۔۔ اس کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی۔۔۔ وہ فرش پر سسکتے دوزانو بیٹھتے چلی گئی۔

اسفندیار خان مزید سفاکی کا مظاہرہ نہ کر پایا تھا۔۔ اس لڑکی کی تکلیف اسے بھی تکلیف پہنچا رہی تھی۔۔

اسفند لیپ ٹاپ بند کرتے جلدی سے اس کی جانب بڑھا۔۔

وہ بری طرح زمین پر بیٹھے سسک رہی تھی۔۔ ہیزل گرے آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔۔

ہیزل گرے آنکھوں کے گوشوں پر نمی ابھرتے اس کے عارض کو بھگو رہی تھی۔۔

اسفند نے پنجوں کے بل بیٹھتے عابیر کا پاؤں ہاتھ میں پکڑا۔ جہاں کانچ کا ٹکڑا کافی اندر تک چلا گیا تھا۔۔

اسفند کے ہاتھ لگانے پر عابیر نے بری طرح اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔۔

میں دیکھ لوں گی۔۔ آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ عابیر اسفند یار خان کو زخمی نظروں سے دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی۔

اسفند یار خان اس کے اس طرح چلانے پر اسے لب بھینچے دیکھ کر رہ گیا ۔اس کی آنکھوں میں کانچ چبھنے کی تکلیف سے زیادہ اس کے دیے ہوے

زخم کی چبھن تھی۔ جو وہ اسے دینا چاہتا تھا مگر اس کی زخمی آنکھوں کی تڑپ اسے بھی چبھ رہی تھی۔

مجھے دیکھنے دو کانچ اندر تک چلا گیا ہے۔۔ زیادہ دیر اندر رہا تو انفیکشن ہو جائے گا۔۔ اسفندیار خان نے ہاتھ بڑھاتے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے۔۔۔

ہیزل گرے آنکھیں بھیگتے ہوئے اور خوبصورت ہو گئی تھیں۔ خوبصورت نقوش رونے سے اور نکھر گئے تھے۔۔ اسفند کی گرم نگاہیں مزید گہری ہوئیں تھیں۔

مجھے آپ کی ہمدردی نہیں چاہیے۔۔ عابیر نے اپنے عارض کو چھوتا اسفندیار خان کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا۔۔

اس کے ہاتھ جھٹکنے پر اسفندیار خان بری طرح بھڑکا تھا۔۔

اسفندیار خان نے عابیر کے بالوں کو اس کے دوپٹے سے پیچھے سے جکڑتے اپنی مٹھی میں لیے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

وہ بہت بے دردی سے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے قریب کیے ہوے تھا۔۔ اسفندیار خان کی گرم سانسوں کی آمد روفت سے عابیر کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئی تھیں۔

عابیر نے سسکتے ہوے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

دونوں ایک دوسرے کو شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

اسفند کے مضبوط ہاتھ کی گرفت اس کے بالوں پر مزید مضبوط ہوئی تھی۔۔ہیزل گرے آنکھوں کا ایسے دیکھنا اسے ہمیشہ کی طرح تاؤ دلا چکا تھا۔۔

اگر اس کا بس چلتا تو اس لڑکی کی آنکھیں نوچ لیتا جو اس کی جان کا آزار تھیں۔۔۔۔اسفند کی آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔

خبردار عابیر۔۔۔۔مجھے یوں جھٹکا۔۔۔۔بیوی ہو بیوی بن کر رہو۔۔وہ اس کی گہری آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتا برفیلے لہجے میں مخاطب ہوا۔۔اس کا چہرہ مزید اپنے قریب کیا تھا۔۔

مقابل کا جھٹکنا اسے آگ لگا چکا تھا۔۔شروعات تو اس لڑکی نے ہی کی تھی جو اتنا تیار ہو کر اسے بنا بتائے جا رہی تھی۔۔

بیوی کب سمجھا آپ نے مجھے ؟؟؟۔۔۔عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا بولی۔۔اسفندیار کی گرم سانسیں اس کے گلابی لبوں پر بکھر رہی تھیں۔

بیوی ہی سمجھتا ہوں۔۔جو اپنے بھائی کے قاتل کی بہن کو ابھی تک برداشت کر رہا ہوں۔۔ورنہ میرے نزدیک میرے بھائی کے قاتل کی بہن کی سزا بہت دردناک تھی۔۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

اس سے دردناک سزا کیا ہو گی ؟؟۔۔کاش اپنے بھائی کے قتل کی سزا آپ مجھے قتل کر کے دے دیتے۔۔عابیر نے شبنمی لہجے میں جواب دیا۔

ہیزل گرے آنکھوں کی نمی بڑھتے مقابل کو بے چین کر گئی تھی۔۔

آخر یہ ہیزل گرے آنکھیں اس کے سامنے جھکتی کیوں نہ تھیں ؟؟

وہ اس کی ہیزل گرے کانچ سی آنکھوں کو دیکھتا سلگ اٹھا تھا۔۔

اسفند نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت یکدم نرم کی۔۔اس کے گلابی ہونٹ اس کے حلق میں کانٹے اگا چکی تھیں۔۔وہ اس ایک رات کا ان لبوں کا جام ابھی تک بھولا ہی کب تھا۔

اسفندیار خان کی گرفت نرم محسوس کرتے وہ اپنے بالوں سے اسفندیار خان کا ہاتھ چھڑواتے ہوے تیزی سے زمین سے اٹھی۔۔

پاؤں میں کانچ کی چبھن کی بھی پرواہ نہ کرتے وہ اپنے وزن پر کھڑی تھی۔۔

اسفندیار خان پنجوں کے بل بیٹھے اسے دیکھے گیا جو اپنے پاؤں میں اٹھتی تکلیف کو نظر انداز کیے ہوے تھی۔۔

ہیزل گرے آنکھیں ابھی تک نیلی آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔ جہاں کتنے ہی شکوے پنہاں تھے۔۔

اسفندیار خان نے ہیزل گرے آنکھوں سے بمشکل ہی اپنی نظریں ہٹائیں ۔اسفندیار خان کی نظریں فرش پر جا ٹھہری تھیں۔

جہاں خون کے دھبے تھے۔

وہ بیوقوف دیوانی لڑکی پاؤں میں پیوست کانٹے کو نظر انداز کیے ہوے کھڑی تھی۔۔

عابیر نے اسفندیار خان کو دیکھتے دروازے کے لاک کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسفندیار خان نے زمین سے اٹھتے عابیر کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔عابیر اس کی گود میں بری طرح مچلی۔۔

وہ دروازہ کھولتے اسے بانہوں میں اٹھائے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

زنان خانے میں روزینہ خانم امینہ خانم بیٹھے ہوے تھے۔۔

روزینہ خانم کا یہ دیکھتے رنگ اشتعال سے سرخ ہوا۔۔

امینہ خانم اپنی نظریں چرا گئی تھیں۔لاونج میں موجود ملازمائیں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔۔انہوں نے آج تک کسی کو اتنی بے باکی کا مظاہرہ کرتے نہ دیکھا تھا۔۔اسفندیار خان اتنا بے باک تھا یہ انھیں آج اندازہ ہوا تھا۔۔۔

اسفند سب کو نظر انداز کرتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ سیڑھیوں سے اترتے زاران کو دیکھتے عابیر سرخ ہوتے اسفندیار کے سینے میں شرم و خفت سے منہ چھپا گئی تھی۔۔۔

زاران کی نگاہیں عابیر کے پاؤں سے بہتے خون پر تھیں۔ وہ یہ دیکھتا تڑپ اٹھا تھا۔۔ مگر وہ اس کی طرف بڑھا نہیں تھا۔۔

وہ سیڑھیوں پر کھڑا اسفندیار خان کو دیکھ رہا تھا جو عابیر کو بانہوں میں اٹھائے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔ زاران کی گہری نگاہوں نے اسفند کی چوڑی پشت کا دور تک نظارہ کیا تھا۔۔

ارحام تند و تیز گاڑی چلا رہا تھا۔۔ وہ اس وقت لائٹ بلو جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ جس پر وائٹ ہی کیجول کوٹ پہن رکھا تھا۔ پانچ دن بعد وہ حویلی واپس آ رہا تھا۔۔ زریاب خان نے اسے آج ہی اطلاع دی تھی کہ پریذے سوات سے بہت آگے ایک مقام پر ریسٹ ہاؤس ہے وہاں پر ہے۔۔ وہ گل کی ایک بہت وفادار ملازمہ پشمینہ جو پریذے کی آیا بھی رہ چکی تھی۔ وہ اس کے پاس ہے۔۔ ارحام نے ہی زریاب خان کو پشمینہ کے بارے میں انفارمیشن دی تھی۔۔ پریذے کے لاپتہ ہونے کے دوران پشمینہ گل کے ساتھ ان کی حویلی میں نہیں تھی۔ یہ بات پتہ چلنے کے بعد ارحام کو اس پر شک ہوا تھا۔۔۔ اس لیے پشمینہ کی تمام ڈیٹیل زریاب خان کو فراہم کی تھی۔

اس ملازمہ کے گھر والوں سے انویسٹیگیشن کے دوران پریذے کے مقام کا پتہ چلا تھا۔۔اور یہ بھی پتہ چلا تھا ان چھ ماہ میں پریذے کے بہت سے مقامات بدلے گئے تھے۔۔یہاں تک کہ اسے ملازمہ کے گاؤں میں بھی رکھا گیا تھا۔۔

زریاب خان اس وقت اسلام آباد میں ایک بہت بڑے ایونٹ کی سکیورٹی کو ہینڈل کر رہا تھا۔اس لیے اس نے یہ انفارمیشن فون پر ہی ارحام کو دی تھی۔۔

ارحام اپنے گارڈز کے ہمراہ پریذے کو ہی لینے جا رہا تھا۔۔ اس سے پہلے پریذے کا مقام پھر سے بدلا جائے وہ اس سے پہلے اس تک پہنچنا چاہتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کا چہرہ غصے اور اشتعال سے سرخ تھا۔۔ گل اتنی گر جائے گی اسے اندازہ نہ تھا۔۔ اگر وہ پریذے کو اپنے ساتھ رکھتی تو شائد وہ پریذے کو کبھی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا۔۔ مگر اس سے بدلہ لینے کی خاطر اس نے پریذے کو اس کے ہی رشتوں سے دور کر رکھا تھا۔۔

پریذے پشمینہ سے کافی اٹیچ تھی۔۔ شائد اسی لیے وہ اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔۔ پریذے بلکل خیریت سے ہے یہ سن کر بھی ارحام کو اطمینان ہوا تھا۔۔ وہ آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی بیٹی کو لینے جا رہا تھا۔

وہ ابھی آدھے راستے میں ہی پہنچا تھا کہ اس کے نمبر پر ایک انجان نمبر سے کال آنا شروع ہو چکی تھی۔

ارحام نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔۔ دوسری طرف سے جو آواز اس کے سماعتوں میں پڑی تھی وہ ارحام کے ماتھے پر گہرے بل ڈال چکی تھی۔

کیوں فون کیا مجھے ؟؟ ارحام درشت لہجے میں بولا۔۔

خان۔۔ تم ہمارا ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہا ہے ؟؟۔۔ ہمارا نمبر بھی اب تم نے بلاک کر دیا ہے۔۔ ہم تمھارا محبت تمھارا بیوی رہ چکا ہے۔۔ فون پر دوسری طرف گل بھیگے لہجے میں بولی۔۔

گل تم میری بیوی۔۔ میری محبت تھی۔۔ مگر اب نہیں ہو۔ اور نہ کبھی ہو سکتی ہو۔۔ ارحام نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

خان ہم تمھارا بیوی اور تمھارا محبت تھا۔۔ مگر ہم تمھارا بچی کی ماں ابھی بھی ہے۔۔ یہ بھولو مت۔۔۔ گل کی بات پر ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچے تھے۔۔

کیا چاہتی ہو گل سیدھی بات کرو؟؟ ارحام نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوے برفیلے لہجے میں کہا۔۔

خان جہاں تم جا رہا ہے۔۔ وہاں تمھیں پریذے کبھی نہیں ملے گا۔۔ گل کی بات پر ارحام خانزادہ نے گاڑی ایک جھٹکے سے روکی تھی۔

کیا کہنا چار ہی ہو؟ ارحام فون پر گرفت مضبوط کرتے غصے سے بولا۔۔

خان۔۔۔ تمھیں پتہ ہے تم ابھی تک پریذے کا پتہ کیوں نہیں چلا سکا؟؟؟۔ کیونکہ ہم نے ہر پل تم پر نظر رکھا۔۔ مگر تم یہ نہ کر سکا.. تم اپنا

خوبصورت بیوی کی جوانی میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ تم تو اپنا بیٹی تک کو بھول گیا۔۔

بکواس بند کرو گل۔۔۔۔ خبردار تم نے اس کا نام بھی لیا تو۔۔۔ ارحام فون پر غیض و غضب سے دھاڑا تھا۔

دیکھا خان۔۔۔۔ تم نے ایک بار بھی پریذے کے متعلق نہیں پوچھا.. مگر اس کے بارے میں تمھیں ایک لفظ گوارا نہیں۔۔ کیوں خان کیوں ؟؟ جس نے جھوٹ بول کر تمھارا کردار پر الزام لگا کر تمھارا عزت دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ جس نے پورا جرگہ کے سامنے تم پر زنا کرنے کا الزام لگایا۔ تمھارا بیوی تمھارا بیٹی تم سے جدا کر دیا.. اس کے لیے اتنا تڑپ کیوں ہے تمھارا لہجہ میں۔۔۔۔ سپیکر پر گل کی کرب میں ڈوبی آواز گونجی تھی۔۔

گل کے لفظوں پر وہ ساکت ہوا تھا۔

کیا بکواس ہے ؟؟ کس نے کہا تم سے یہ سب ؟؟ ارحام نے ظبط سے اپنے جبڑے بھینچتے پوچھا۔۔ گل کے نزدیک وہ بے گناہ تھا۔۔ اسے یہ سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔

تمھارا خوبصورت بیوی نے بتایا یہ سب کچھ۔۔۔۔ گل کے جواب پر ارحام نے سٹرینگ پر اپنے مضبوط مردانہ ہاتھ کی گرفت مضبوط کی۔۔۔

گل کہاں بات ہوئی تمھاری اس سے ؟؟ ارحام نے گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ پوچھا۔۔

فون پر دوسری طرف گل کا قہقہ گونجا تھا۔

خان۔۔۔۔ تمھارا خوبصورت بیوی نے جس طرح تمھارا جرگہ میں تمھارا عزت دو کوڑی کا کیا۔۔ آج بھی تمھارا عزت پر پاؤں رکھ کر تمھارا حویلی کا

گیٹ عبور کر آیا ہے۔۔وہ ہمارا پاس ہے۔۔گل کی بات پر ارحام خانزادہ کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ارحام کے ہاتھوں کی نیلی رگیں ابھری تھیں۔

کیا کہہ رہی ہو؟؟ہوش میں تو ہو تم؟؟وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔

ہم ہوش میں ہے۔۔اب تم بھی ہوش میں رہ کر ہمارا بات سن لو۔۔اگر تم کو اپنا بیٹی چاہیے تو تمھیں حور کو طلاق دینا ہو گا۔۔ورنہ شاہنواز تمھارا بیٹی تک تمھیں کبھی پہنچنے نہیں دے گا۔۔۔

گل تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔۔ارحام اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔۔حور حویلی میں نہیں ہے گل کے

پاس ہے۔۔۔وہ اپنے حواس کھو رہا تھا۔۔ گل اس سے طلاق دلوا کر اسے شاہنواز کے ہاتھ سونپنا چاہتی ہے۔وہ سمجھ چکا تھا۔۔ مگر حور ان لوگوں تک کیسے پہنچی؟؟۔۔اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ پوری قوت سے اپنے دائیں ہاتھ کا مکہ گاڑی کے دروازے پر مارتا طیش و اشتعال سے پاگل ہوا تھا۔

خان اپنا انرجی سنبھال کر رکھو۔۔۔اس جھوٹا مکار لڑکی کے واسطے اپنا انرجی تم ضائع مت کرو۔۔۔ہم کو یقین ہے تم اس مکار لڑکی کو طلاق دے دے گا۔۔ چھ مہینہ بہت ہوتا ہے ایک مرد کا دل بہلانے کے لیے۔۔ تم نے اس سے اس کے حسن کا خراج وصول کر لیا ہے۔۔ ہم کو یقین ہے تم اپنا بیٹی اور محبت کے لیے اس جھوٹا مکار لڑکی جس کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔۔۔اس کو چھوڑ دے گا۔۔ گل زہر خند لہجے میں بولی۔۔

گل کہاں ہے وہ؟؟ ارحام گل کی پوری بات سننے سے پہلے غیض و غضب سے گرجا۔

وہ کہاں ہے؟؟ اب تمھیں تب ہی پتہ چلے گا۔۔ جب تم اسے طلاق دے دے گا۔۔ آج ہی اس کو طلاق دے دو۔۔ تمھیں آج ہی پریذے مل جائے گا۔۔ ورنہ ہم پریذے کو سات سمندر پار بھیج دے گا۔۔ تمھارا سات نسلیں بھی اپنا بیٹی کو ڈھونڈ نہیں سکے گا۔۔ گل کی بات پر ارحام نے گہرے سانس لیے تھے۔۔ پریذے اسے جان سے بھی بڑھ کر عزیز تھی۔۔۔۔ مگر اس وقت اسے صرف حور کی جان حور کی عزت کی پرواہ تھی۔۔ جو عورت اپنے بچے کو اپنی کوکھ میں مار دے۔۔ اپنی بیٹی کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔۔ اس کے لیے ایک عورت کی عزت کیا اہمیت رکھتی ہو

گی۔۔ مگر یہی بات حور کو بھی سوچنی چاہیے تھی۔۔ کیوں کیا اس نے یہ؟؟ کیوں وہ گل سے ملنے گئی؟؟ وہ سوچتے ہوئے سٹرینگ پر بے بسی سے مکہ مار گیا تھا۔۔

ارحام کی خاموشی محسوس کرتے گل کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔۔ اسے پورا یقین تھا ارحام حور کو چھوڑ دے گا۔۔ حور کے منہ سے سچ سنتے اسے پورا یقین ہو چکا تھا کہ وہ آج بھی صرف اس سے محبت کرتا ہے۔

وہ اپنی بیٹی کے لیے حور کو چھوڑ کر اسے اپنا لے گا۔۔ آخر اس کی محبت تو وہ خود تھی۔۔۔۔ جس لڑکی نے اس پر بھرے جرگے میں کیچڑ اچھالا ہو۔۔ وہ بھلا اس کے لیے کیونکر اپنی ہی بیٹی کو چھوڑے گا۔۔ ارحام کی پریذے میں جان بستی ہے وہ جانتی تھی۔۔ اب پریذے ہی ان دونوں کو دوبارہ ایک

کرے گی۔۔ گل فون پر گرفت مضبوط کرتے گہرے سانس لیتے ارحام سے دوبارہ مخاطب ہوئی۔

خان۔۔۔۔ دیکھو تم حور کو طلاق دے دو۔۔

حویلی میں سب کو بتا دو تم پر اس نے جھوٹا الزام لگایا تھا۔۔ برداری میں سب کو پتہ ہونا چاہیے کہ حور جھوٹا مکار لڑکی ہے۔۔ تمھارا کھویا ہوا عزت تمھارا مقام تم کو واپس مل جائے گا۔۔ حور کو طلاق نہیں دینا تم غیرت کے نام پر اس کو جان سے مار دو۔۔ سب کو کہہ دینا وہ تمھارا حویلی سے بھاگ رہا تھا۔۔

گل کی باتیں سنتے ارحام کی رگوں میں خون کی جگہ لاوا ابلنا شروع ہو گیا تھا۔۔

خان۔۔۔ ہمارا پرانا حویلی آجاؤ۔۔ اپنا ساتھ گارڈز لانے کی غلطی نہ کرنا۔۔ یہاں شاہنواز اور ہمارا گارڈز پہلے سے موجود ہے۔۔ ہم کو یقین ہے تم اس لڑکی کے لیے خون خرابہ نہیں ہونے دے گا۔ اگر پریذے کے ماں باپ دونوں کو کچھ ہو گیا تو تمھارا اپنا بیٹی تمھارا لخت جگر لاوارثوں کی طرح پلے بڑھے گا۔۔ اور تم ایسا کبھی نہیں چاہے گا۔۔ تمھارا عزت تمھارا بیٹی کسی اور کی دہلیز پر اپنا ماں اور باپ دونوں کے بغیر بڑا ہو۔۔ گل نے آخری داؤ کھیلتے اسے ایموشنلی بلیک میل کیا تھا۔۔ وہ اپنی بات مکمل کرتے فون بند کر چکی تھی۔۔

ارحام نے پوری قوت سے موبائل فون ڈیش بورڈ کی سکرین پر دے مارا تھا ۔۔ ارحام کا رنگ غیض و غضب سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔

وہ کیسے حویلی سے باہر جا سکتی ہے ؟۔۔ ارحام غیض و غضب سے چیخا تھا۔

ارحام نے فون ڈیش بورڈ سے اٹھا کر اپنے گارڈ اسماعیل کو کال ملاتے اسے ضروری انسٹرکشن دی تھیں۔

ارحام نے گاڑی سٹارٹ کرتے اندھا دھند گاڑی دوڑائی۔۔

ارحام کی گردن کی نیلی رگیں تک اجاگر ہو رہی تھیں۔۔

حور حویلی سے کیسے اس کی آجازت کے بغیر جا سکتی ہے ؟؟ گل خان کہاں تھا اس وقت ؟؟ جب وہ حویلی سے نکلی۔۔ وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔

گل جو فون پر کہہ رہی تھی۔۔ وہ سب کچھ تو اسے اور حور کو معلوم تھا۔۔ حور نے اس دن جرگے میں جھوٹ بولا تھا۔۔ گل نے تب اس کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔۔ اب وہ یقین کر رہی تھی اس کا مطلب تھا۔۔۔ حور نے اسے تمام سچائی بتا دی ہے۔۔ ارحام نے غصے سے سٹرینگ پر زور سے ہاتھ مارا

۔۔۔

اسے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔۔ اس دن وہ سچا تھا اور وہ جھوٹی تھی۔۔ اب پوری دنیا کو بھی پتہ چل جائے اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔۔

فرق اس بات سے پڑتا تھا اس کی بیوی اس کی عزت اس وقت حویلی میں نہیں کہیں اور تھی۔۔ اسے اس بات سے فرق پڑتا تھا۔۔ غلطی سے بھی کوئی اسے نقصان نہ پہنچا دے۔۔ اس پر کسی کی بھی نظر غلطی سے نہ پڑ جائے۔۔

ارحام نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ اور بڑھائی۔۔

آئی سوئیر حور۔۔۔۔۔۔۔ تم اس بار میرا ضبط آخری حدوں پر لے جا چکی ہو۔۔اس دن تو تمھیں معاف کر دیا تھا مگر آج نہیں کروں گا۔۔

How could you this??

وہ طیش و اشتعال سے دھاڑا۔۔

اتنی بڑی بیوقوفی کیسے کر سکتی ہو تم حور۔۔ آخر تم گل سے ملنے کیوں گئی؟؟۔۔۔وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے خود پر قابو پانے لگا۔۔بے بسی اور غصے اور اشتعال سے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔۔

گل اسے کوئی نقصان نہ پہنچادے یہ سوچ کر ہی اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

تم میری عزت میری آمانت ہو حور۔۔۔۔میری ملکیت۔۔۔اگر غلطی سے بھی تمھارے چہرے پر اس شاہنواز کی نظر پڑی آج میں اس شاہنواز کو نہیں چھوڑوں گا۔۔ارحام سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے غرا اٹھا۔۔

حور اپنی چادر کو اچھی طرح خود پر لپیٹے کمرے میں موجود صوفے کے کنارے پر ٹکی تھی۔۔

دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔۔وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے اس کمرے میں بند تھی۔۔اسے اگر گل کے ارادوں کی خبر ہوتی وہ کبھی اس طرح اس سے ملنے نہ آتی۔۔

گل نے اسے یہاں بند کیوں کیا؟؟۔۔وہ اس سے کیا چاہتی ہے؟؟۔۔

اسے اس بات کی بھی خبر نہ تھی۔نیچے اس نے شاہنواز کی گندی نظریں دیکھی تھیں۔جو وہ اس پر گاڑھے ہوے تھا۔۔وہ چادر میں لپٹی تھی۔۔چہرے پر نقاب تھا مگر شاہنواز نے اس پر اپنی گندی اور گہری نظریں جس طرح ڈالی تھیں۔

وہ سوچ کر ہی اسے خود سے گھن آنے لگتی تھی۔۔ ارحام کو پتہ چلا وہ یہاں ہے۔۔۔ وہ کیا کرے گا؟؟ وہ یقیناً اسے بہت بری سزا دے گا۔۔ ارحام کا سوچ کر ہی وہ پسینے میں نہائی تھی۔۔

وہ بہت بہادر بن کر صرف پریذے کی خاطر گل کے اصرار پر اس سے ملنے چلی آئی تھی۔ اسے لگا تھا وہ آدھے گھنٹے بعد واپس حویلی میں ہو گی۔۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔۔ گل نے بھی فون پر کچھ ایسا ہی اس سے کہا تھا۔۔ مگر وہ تو اسے اس حویلی لے آئی تھی۔۔

دروازہ کھلنے پر وہ تیزی سے اٹھتی گل کی طرف بڑھی۔۔۔

آپ مجھے یہاں لے کر کیوں آئی ہیں گل؟؟ آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے بات کر کے پریذے ارحام کو دے دیں گی۔۔ حور نے گل کو دیکھتے پریشانی سے کہا۔۔

گل حور کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

وہ اس کی چادر اس کے کپڑوں میں ملبوس تھی۔۔ یہاں تک کہ اس کے ہی جوتے پہن رکھے تھے۔۔ جو اس کے پاؤں میں پوری طرح فٹ بھی نہیں تھے۔ یہ دیکھتے گل کی حس کو تسکین پہنچی تھی۔۔۔۔ ساموے کھڑی لڑکی جتنی بھی خوبصورت سہی مگر ارحام خانزادہ آج تک اسے بھول نہیں پایا تھا۔۔

حور کی باتوں پر اسے آج پوری طرح یقین ہو گیا تھا.. ارحام آج بھی اسی سے محبت کرتا ہے۔۔ تبھی تو اس کی اترن حور اس کے سامنے پہنے کھڑی تھی۔۔

ہم پریذے ارحام کو ضرور دے گا۔۔ وہ ہمارا اور ارحام کا بیٹی ہے۔۔ مگر تمھیں اس کا زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال کر۔۔۔ گل زہر خند لہجے میں کہتے مسکرائی تھی..

میری ارحام کی زندگی میں ویسے بھی کوئی ویلیو نہیں ہے۔۔۔۔ آپ پریذے کو ارحام کو لوٹا دیں۔۔ ایک باپ سے اس کی بیٹی کو جدا مت کریں گل۔۔ اپنوں سے بچھڑنے کا غم کیا ہوتا ہے؟؟ یہ درد یہ تکلیف میں سمجھتی ہوں۔ ایک بیٹی کے لیے اس کا باپ کیا اہمیت رکھتا ہے یہ میں جانتی ہوں۔ پلیز۔۔۔ پریذے ارحام کو دے دیں۔ حور نے بھیگے التجائیہ لہجے میں کہا۔

تم نہیں جانتا۔۔ تم اس تکلیف اس درد کو نہیں جانتا۔۔ اگر جانتا تو کبھی ایک بیوی کو اس کا شوہر اس کا بیٹی سے جدا نہ کرتا۔۔ اگر تم اس تکلیف کو سمجھتا تو

کبھی کسی کا بسا بسایا گھر خراب نہ کرتا۔۔پانچ سال دیا ہم نے اس رشتہ کو ۔۔پانچ سال دیا۔۔اس حویلی کو۔۔۔۔ایک رات تم آیا اور ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیا۔۔صرف اس واسطہ کہ تم کو ایک مضبوط رشتہ چاہیے تھا۔۔تمھارا پاس رہنے کو ٹھکانہ نہیں تھا۔۔

ہم تم سے ایک بات پوچھتا ہے۔۔۔یہ کون سا طریقہ تھا؟؟کسی مرد پر الزام لگا کر اس کو رسوا کر کے اس کو حاصل کرنے کا۔۔اگر خان شادی شدہ نہ بھی ہوتا۔۔پھر بھی کیا تم کو حق پہنچتا تھا یہ سب کرنے کا؟؟۔۔۔گل حور کو دیکھتے نفرت سے غرائی تھی۔۔

میں جانتی ہوں۔۔مجھے یہ سب کرنے کا حق نہیں پہنچتا تھا۔میں بہت مجبور تھی۔۔مجھے معاف کر دیں گل۔۔۔۔حور بھیگے لہجے میں بولتے سسک پڑی۔۔۔۔

تم کو تو کبھی خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔۔ میاں بیوی کے بیچ جو نفاق ڈالتا ہے۔۔ ان کو جدا کرتا ہے وہ شیطان ہوتا ہے شیطان۔۔ گل غم و غصے سے چیخی تھی۔۔ سامنے کھڑی جھوٹی لڑکی پر یقین کر کے وہ اپنا کتنا بڑا نقصان کر بیٹھی تھی۔۔ وہ کوئی بھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔۔

مجھے خدا کیا معاف کرے گا میں خود بھی خود کو معاف نہیں کر پا رہی۔۔ حور شبنمی لہجے میں بولی۔۔

تم جھوٹ بول رہی ہو کہ تم مجبور تھا۔۔ تم مجبور نہیں تھا۔۔۔ تم نے ہمارا خان کو دیکھا اور تمھارا اس پر دل آ گیا۔

۔جس طرح مرد عورت کی خوبصورتی جوانی کو دیکھ کر بہکتا ہے۔۔اس طرح کچھ عورت لوگ بھی جو تم جیسا ہوتا ہے۔۔ حسین مرد کو دیکھ کر اپنا رال ٹپکاتا ہے۔۔ گل حور کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے نفرت سے بولی۔۔

تم نے سوچا ایسا کر کے تم ہمارا مرد کو حاصل کر لے گا۔۔

لگتا ہے تمھارا کام ہی یہی ہے پیسے والا اور خوبصورت مردوں کو پھنسانا۔۔وہ ہم بیوقوف نکلا جو اپنا اتنا محبت کرنے والا شوہر پر شک کیا۔۔۔ تم جیسا طوائف کے موافق لڑکی پر یقین کر کے ہم نے اتنا محبت کرنے والا شوہر پر انگلی اٹھایا۔۔۔ گل نفرت سے پھنکاری تھی۔

اپنی زبان کو لگام دیں گل۔۔۔اس وقت ارحام خانزادہ کی عورت آپ نہیں میں ہوں۔اگر ارحام نے آپ کے منہ سے یہ لفظ سن لیا تو آپ کی زبان کھینچنے میں ایک پل نہیں لگائیں گے۔۔حور گل کے منہ سے لفظ طوائف سنتے جوابًا غرائی تھی۔۔

گل کا ہاتھ پوری قوت سے حور کے گال پر پڑ تا نشان چھوڑ چکا تھا۔۔

بکواس بند کرو اپنا ذلیل عورت۔۔۔

ہمارا گھر برباد کرے ہمارا مرد کو اپنا مرد بنا کر ہمارا سامنے زبان چلاتا ہے۔۔۔ ہم تمھارا زبان کاٹ دے گا۔۔گل طیش و اشتعال سے چیخ اٹھی۔۔

وہ ارحام کی عورت ہے۔۔وہ اس کی اب بیوی ہے۔۔اسے اپنا آپ لاوے کی طرح ابلتا محسوس ہوا۔۔کل تک وہ اس شاندار سے بندے کی عورت

تھی۔۔ آج سامنے کھڑی لڑکی تھی اس ساحرانہ نقوش کے مالک اس شہزادوں جیسے آن بان انسان کی عورت اس کی عزت۔۔۔۔ سامنے کھڑی اس لڑکی نے ایک ہی پل میں اس کا سب برباد کر دیا تھا۔۔

گل کا بس نہیں چل رہا تھا وہ حور کی جان لے لے۔

۔وہ جتنی نفرت حور سے کرتی تھی وہ یہ بھی کر گزرتی۔۔ مگر یہ سچ تھا سامنے کھڑی لڑکی ارحام خانزادہ کی عورت تھی۔۔ جسے وہ نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔

آپ کا گھر میں نے نہیں آپ نے خود برباد کیا تھا۔۔ بھرے جرگے میں آپ نے ان پر الزام لگائے تھے۔۔ آپ کو طلاق بھی آپ کے مرد نے دی تھی۔۔ اس سب میں جتنی قصوروار میں ہوں اتنی آپ خود بھی ہیں۔۔ حور اپنی بھیگی آنکھیں اپنی ہتھلیوں سے رگڑتے سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

۔۔

ٹھیک کہہ رہا ہے تم۔۔ ہم قصوروار ہے۔۔ اب ہم آج اپنا غلطی کا آزالہ کرے گا۔۔ جس طرح خان نے ہم کو طلاق دیا۔۔ اس طرح وہ آج تم کو بھی طلاق دے گا۔۔

ارحام مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔۔ میں جانتی ہوں۔۔

حور کے لہجے کی مضبوطی پر گل بھڑ بھڑ جلی تھی۔ اتنا یقین ہے تمھیں اپنی خوبصورتی پر۔۔ گل حور کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے سلگتے ہوے بولی۔۔

پتہ نہیں مگر میں جانتی ہوں۔۔وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔وہ مجھے جان سے مار تو سکتا ہے۔۔ کبھی مجھ پر اپنی ملکیت ختم نہیں کرے گا۔۔ حور کی سفاک بات پر گل استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

جس طرح تم آج اس حویلی سے نکل کر آیا وہ تو تمھیں ویسے بھی جان سے مار ڈالے گا۔۔ گل کے طنز پر حور کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ماتھے پر شبنم چمکی تھی۔۔

جسے گل نے بخوبی محسوس کیا تھا۔۔وہ لمحوں میں جان چکی تھی۔ ارحام خانزادہ کی اس پر دہشت۔۔۔۔

اس کے چہرے پر ارحام خانزادہ کی محبت کا غرور نہیں۔۔۔ بلکہ صرف اس کی دہشت کا خوف تھا۔۔

میں جانتی ہوں وہ تمھیں حویلی سے باہر قدم نہیں نکالنے دیتا۔۔ وہ تمھیں سزا دے رہا ہے۔۔ اپنی بربادی کی۔۔ جو تم نے اس سے اس کی بیٹی اور اس کی محبت کو اس سے دور کر کے دی۔۔۔ گل اس کے ماتھے پر چمکتی شبنم اور اس کی زرد رنگت کو بغور دیکھتے سفاکی سے بولی۔۔

حور نے اس کے بے رحم تجزیے پر اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔۔

ہم خان کو اچھی طرح جانتا ہے۔۔۔۔ وہ محبت اتنا شدت سے نہیں کرتا۔۔۔ جتنا شدت سے نفرت کرتا ہے۔۔ اب دیکھو ہم سے وہ دکھاوے کی نفرت

میں اتنا آگے چلا گیا کہ تمھیں چھوڑ نہیں رہا۔۔ یہ بات تم کو اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ آج بھی ہم سے محبت کرتا ہے۔۔ اس بات کا ثبوت تمھارا بدن پر ہمارا اترن ہے۔۔ وہ حور کے کپڑوں پر استھزائیہ نظر ڈالتے بولی تو حور کی آنکھیں شدت سی بھیگی تھیں۔۔

اسے اس ٹائم اپنا آپ بہت آرزاں لگا تھا۔ وہ کسی کی اترن پہن کر اسی کے سامنے کھڑی تھی۔۔ جس نے کبھی اپنی اترن دوبارہ نہیں پہنی تھی۔۔

وہ یہ نفرت یقیناً دن رات تمھیں اپنا بستر کی زینت بنا کر اتارتا ہے۔

گل کی نظر اس کے کپڑوں سے ہوتی اس کی گردن اور اس سے نیچے نظر آتی گہرائیوں پر ارحام کی گہری شدتوں کے نشانات پر پڑی تھیں۔ جسے دیکھتے گل کے پورے بدن میں آگ کے شعلے بھڑکے تھے۔۔

وہ جانتی تھی ارحام پچھلے پانچ دنوں سے حویلی میں نہیں تھا۔۔ مگر ارحام کی جنونیت کی سوغاتیں ویسے ہی اس کے بدن پر اپنی پوری آب و تاب سے موجود تھیں۔۔ وہ اسے لے کر جنونی تھا۔۔ یہ گل اچھی طرح اس کی شدتیں دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔۔ گل کا تن من سلگا تھا۔۔۔

وہ ماں نہیں بن سکتی۔۔۔ بختاور خان نے اسے اس دن کے بعد منہ نہیں لگایا تھا۔۔۔ اس کا وجود جیسے اب اس کے لیے نہ ہونے کے برابر تھا۔۔

اگر ارحام خانزادہ آج اس کا ہوتا تو یہ سوغاتیں اس کا مقدر ہوتیں۔۔

وہ حور پر سلگتی نگاہیں ڈال کر باہر کی جانب بڑھی۔۔۔وہ مزید اس لڑکی کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔جب تک وہ ارحام خانزادہ کی بیوی تھی۔وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔۔وہ یہ داؤ کھیل تو چکی تھی۔۔مگر ارحام خانزادہ کے غیض و غضب کا سوچ کر گل کا بھی دل لرز رہا تھا۔اگر پریذے اس کے پاس نہ ہوتی وہ کبھی اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتی۔۔

گل کے جانے کے بعد حور صوفے پر بیٹھتی اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں گرا گئی تھی۔۔۔ارحام کو رد عمل کیا ہو گا؟!وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ اسے اس سب کے لیے معاف نہیں کرے گا۔۔وہ جانتی تھی۔۔

تم نے کبھی اس حویلی کے کھلے آسمان کے نیچے بھی قدم رکھا میں تمھاری قبر اس کمرے میں بناؤں گا۔۔ ارحام کی غراہٹ اس کے سماعتوں میں گونجی تھی۔۔ حور کے بدن پر شدید قسم کا لرزا طاری ہوا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنے گارڈز کو حویلی سے دور رکنے کو کہا تھا۔۔ شاہنواز نے آج اپنی موت خود بلائی تھی۔۔ اتنے دنوں سے اسے شاہنواز کے ٹھکانے کا ہی پتہ نہیں چل سکا تھا۔۔

آج اس نے اسے خود بلایا تھا۔۔ اسے لگا تھا حور اور پریذے اس کے پاس ہے تو وہ پریذے اور اپنی عزت کی خاطر حور کو طلاق دے دے گا۔۔ وہ پریذے کی خاطر اس پر حملہ نہیں کرے گا۔۔ وہ واقعی میں اس پر کبھی حملہ نہ کرتا۔۔ تب تک نہ کرتا جب تک پریذے نہ مل جاتی۔۔ مگر جو اس نے

آج کیا تھا۔۔وہ اس وقت پریذے کو بھی بھول گیا تھا۔۔اسے حور کی عزت سے بڑھ کر کچھ عزیز نہ تھا۔

حویلی کے باہر کھڑے گارڈز نے شاہنواز کے حکم پر اسے جانے دیا تھا۔۔اس کی اچھی طرح تلاشی لیتے اس کی پسٹل اس کی جیب سے نکال لی تھی۔

ارحام کو اندازہ تھا ایسا کچھ ہو گا۔۔ارحام نے اپنے اندر جانے کے کچھ دیر بعد گارڈز کو باہر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔۔ارحام خانزادہ کو یہ دیکھتے اطمینان ہوا تھا۔۔اس کے گارڈز کے مقابلے میں ان کی تعداد کم تھی۔۔

وہ حویلی کے اندر داخل ہوا تو شاہنواز بڑے سے لاونج میں ایک عالی شان صوفے پر بہت کروفر سے بیٹھا ہوا تھا۔۔ارحام کا طیش و اشتعال سے سرخ

چہرہ دیکھتے شاہنواز نے صوفے سے ٹیک لگائے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔۔ ارحام پر گہری نگاہیں ڈالتے وہ کمینگی سے مسکرایا تھا۔۔ وہ تن تنہا بغیر کسی ہتھیار کے اس کے سامنے ہے۔۔ شاہنواز نے ارحام خانزادہ پر استھزائیہ نگاہ ڈالی تھی۔۔

اس نے گل سے وعدہ کیا تھا۔۔ وہ ارحام خانزادہ کو کچھ نہیں کہے گا۔۔ وہ اس پر دباؤ ڈال کر حور کو طلاق دلوائے گا۔۔ اور حور کی عدت پوری ہونے پر اس سے نکاح کر لے گا۔۔ مگر تب تک وہ حور پر نگاہ بھی نہیں ڈالے گا۔

حور کو تو اس کا اپنانے کا آرادہ تھا۔۔ مگر حور کو طلاق دلوا کر نہیں۔۔۔ بلکہ حور کو بیوہ کر کے۔۔۔۔ شاہنواز صوفے کے سائیڈ پر رکھی ٹیبل پر پڑی پسٹل کو ایک نظر دیکھ کر استھزائیہ مسکرایا تھا۔

ارحام اسے دیکھتے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا. وہ آج شاہنواز کو کسی قیمت پر چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ اگر شاہنواز نے غلطی سے بھی حور پر ایک نظر ڈالی ہوئی تو وہ اس کی آنکھیں نکالنے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔

کہاں ہے میری بیوی ؟؟ ارحام شاہنواز کو دیکھتے غیض و غضب سے دھاڑا تھا۔۔

ہم تو لگا تھا تم ہم سے پوچھے گا کہاں ہے ہمارا بیٹی ؟؟ اور تم پوچھ رہا ہے کہاں ہے ہمارا بیوی۔۔۔ شاہنواز قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔۔

میں اب تم سے کبھی نہیں پوچھوں گا کہ میری بیٹی کہاں ہے۔۔ کیونکہ تو آج کے بعد بتانے کے قابل ہی نہیں رہے گا۔۔

ارحام کی بات پر شاہنواز کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا۔

تمھیں کیا لگتا ہے آج تمھیں میں نے یہاں مذکرات کرنے کے لیے بلایا ہے۔۔ کہ حور کو طلاق دے دو تو تمھیں تمھارا بیٹی مل جائے گا۔۔ شاہنواز طنزیہ مسکرایا تھا۔

ہم نے تمھیں یہاں تمھیں موت دینے کے لیے بلایا ہے تاکہ حور کو بیوہ کر کے اس کے ساتھ ہم سہاگ رات منا سکے۔۔

بکواس بند کر شاہنواز۔۔۔۔۔۔ ورنہ تمھیں ایسی موت دوں گا کہ موت بھی تم پر رحم کھائے گی۔۔ ارحام خانزادہ پوری قوت سے حلق کے بل چیخا تھا۔

تم کچھ نہیں کر سکتے ارحام۔۔۔ کیونکہ آج موت میں تمھیں دوں گا۔۔ شاہنواز نے کہتے ہوئے ٹیبل پر پڑی اپنی پسٹل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا ارحام نے تیزی سے جھکتے اپنے شوز میں چھپایا ہوا چھوٹا سا تیز دھار چاقو نکالتے شاہنواز کے ہاتھ میں دے مارا تھا۔۔ چاقو صحیح نشانے پر لگتے شاہنواز

کی ہتھیلی میں سیدھا پیوست ہوا تھا۔۔۔وہ اپنا ہاتھ پکڑے درد سے چلا اٹھا۔۔

ارحام نے تیزی سے آگے بڑھتے شاہنواز کو پوری قوت سے ٹانگ رسید کرتے اسے دھکا دیا۔۔وہ زمین پر جا گرا۔۔

ارحام نے شاہنواز کی پسٹل پکڑتے اس پر نشانہ باندھتے اس کی ٹانگ پر فائر کر دیا۔

شاہنواز جسے ارحام سے اس سب کی توقع نہ تھی۔۔وہ زمین پر چت لیٹ اپنی ٹانگ کو پکڑے درد سے چلا رہا تھا۔

گارڈز۔۔۔شاہنواز درد سے چلاتے پکار اٹھا۔۔

کوئی نہیں آئے گا۔۔ آج تمھاری مدد کرنے۔۔۔ ارحام بلند آواز میں چیختے ہوے شاہنواز کی طرف بڑھا۔۔

صوفے سے نیچے گرے ہوے شاہنواز کی ٹانگ پر ارحام نے اپنا بوٹ والا پاؤں رکھا تھا۔۔

شاہنواز کی چیخیں پوری حویلی میں گونجنے لگی تھیں۔

گل جو حویلی کے دوسرے کمرے میں موجود تھی بھاگتے ہوے آئی تھی۔۔

وہ شاہنواز کی حالت دیکھتے بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھی۔۔ ادھر ہی رک جاؤ۔۔۔ ورنہ میں اپنی پسٹل کی گولیاں شاہنواز کے سینے میں اتار دوں گا۔۔

ارحام اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے غرایا تھا۔

گل ارحام کی خون اتری آنکھوں کو دیکھتے وہاں پر ہی رک گئی تھی۔۔

کیا سمجھ رکھا تھا تو نے ؟؟ تو کچھ بھی کرے گا۔۔ ارحام خانزادہ خاموش رہے گا۔ ارحام نے اس کی زخمی ٹانگ پر اپنی ٹانگ رسید کی۔۔ شاہنواز درد سے بلبلا اٹھا۔۔

تم نے سوچا کہ پریذے کو ہتھیار بنا کر میری عزت پر حملہ کرو گے۔۔ میں خاموش رہوں گا۔۔ تم دونوں کی دھمکی سن کر میں اسے چھوڑ دوں گا۔۔ بہت غلط سوچا تم لوگوں نے۔۔ ارحام خانزادہ مر تو سکتا ہے مگر اپنی عزت کو نہیں چھوڑ سکتا۔۔ ارحام نے شاہنواز کے سینے پر پسٹل تانی۔۔

شاہنواز۔۔تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ تیری گندی نظریں جو تونے اس پر جرگے میں ڈالی تھیں۔وہ میں آج تک نہیں بھولا۔۔ آج پھر تونے اسے انھیں گندی نظروں سے دیکھا ہو گا۔۔ تیری آنکھیں نکال دوں گا۔ارحام نے اس کی طرف بڑھتے اس کی ہتھیلی پر پاوں رکھا۔۔جہاں چاقو پیوست تھا۔۔تکلیف کی شدت سے شاہنواز کی چیخیں جیسے آسمان کو چھو رہی تھیں۔

میری عزت میری عورت پر نظر رکھی۔۔تونے اس پر آج ایک نظر بھی ڈالی ہوئی تمھاری آنکھیں نوچ لوں گا۔۔ارحام نے جنونی ہوتے شاہنواز کی آنکھوں پر اپنا بوٹ والا پاؤں مسلا تھا۔۔وہ اتنی بے رحمی سے اس کی آنکھوں پر اپنا بوٹ مسل رہا تھا۔۔گل خوف سے چیخ پڑی تھی۔۔

خان۔۔۔خان۔۔۔۔اسے چھوڑ دو۔۔شاہنواز نے حور پر ایک نظر بھی نہیں ڈالی۔۔ہم۔۔۔سچ۔۔۔سچ کہہ رہا ہے۔وہ۔۔۔ہمارے پاس تھا۔۔اوپر کمرے میں ہے۔۔وہ۔۔۔۔تمھارا عزت پر شاہنواز نے تو کیا کسی گارڈ نے بھی ایک نظر نہیں ڈالا۔۔اس نے اپنا نقاب بھی نہیں اتارا تھا۔۔کسی نے اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔۔

گل نے آگے بڑھتے کانپتے ہوئے ارحام کو بتایا۔۔وہ اسے لے کر اتنا جنونی تھا گل کو اندازہ نہ تھا۔

ارحام نے پوری قوت سے شاہنواز کی آنکھوں پر لات رسید کی۔۔اس کی آنکھیں سوج کر نیلی ہو چکی تھیں۔وہ اب آنکھیں کھول بھی پا نہیں رہا تھا۔۔

وہ صرف اب لوٹ پوٹ ہوتا درد سے چیخ رہا تھا۔۔

تمھیں نہیں چھوڑوں گا شاہنواز۔۔۔ تم نے جو آج کیا وہ معافی کے لائق نہیں ہے۔۔ میری حور پر بری نظر رکھی تو نے۔۔ ارحام نے پسٹل شاہنواز کے سینے پر تانی تھی۔۔

خان اس کو معاف کر دو۔۔۔ ہم سچ کہہ رہا ہے۔۔ ہم پریذے کی قسم کھاتا ہے۔۔ حور کو ایک نظر بھی شاہنواز نے نہیں دیکھا۔۔ ہم جتنا بھی گر جائے۔۔ مگر اتنا جانتا ہے ایک عورت کا عزت کیا ہوتا ہے۔۔ حور سے جتنا بھی دشمنی سہی۔۔ مگر ہم کبھی بھی اس کا عزت پر آنچ نہیں آنے دے سکتا تھا۔

ہمارا بھی بیٹی ہے۔۔ ہم اتنا نہیں گر سکتا۔۔ خان۔۔۔۔ شاہنواز کو چھوڑ دو۔۔۔ تمھیں تمھارا بیٹی کا واسطہ۔۔۔

گل ارحام کے آگے ہاتھ جوڑتے گڑگڑاتے ہوے بولی۔۔

ارحام گل کو ایک نظر دیکھتے شاہنواز کے نیم جاں وجود کو ذوری قوت سے ٹانگ رسید کی تھی۔۔وہ پسٹل اپنے کوٹ کی جیکٹ میں ڈالے تیزی سے بھاگتے ہوے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔

ارحام تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر والے پورشن میں داخل ہوا تھا۔۔راہداری اور برامدے سے گرزتے سامنے بنے کمروں میں سے ایک

کمرے کے دروازے پر لگے تالے پر فائر کرتے وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔۔

حور جو بیڈ پر گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی تھی۔۔ دروازے پر فائر کی آواز سنتے ہڑبڑا کر رہ گئی تھی۔۔۔

خوف سے اس کی رنگت زرد ہوئی تھی۔۔ ارحام کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ جلدی بیڈ سے اتری۔ حور کی چادر زمین بوس ہوئی تھی۔۔ وہ پچھلے سات گھنٹوں سے اس کمرے میں بند تھی۔۔ ارحام کو اپوے سامنے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔۔

وہ جلدی سے ارحام خانزادہ کی طرف بڑھی۔۔

مگر ارحام کی سرخ سرد آنکھیں اور اس کا غضبناک چہرہ دیکھ کر وہ کمرے کے وسط میں ہی رک گئی تھی۔۔

۔

چہرے پر یکدم زردیاں گھلی تھی۔۔پورے بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔۔

ارحام غصے سے اس کی طرف بڑھا۔۔اس کی طرف بڑھتے اس کے بال مٹھی میں جکڑ گیا تھا۔۔

اس کے بالوں کو بے دردی سے جھٹکا دیے اس کے چہرے کو اپنے مقابل کیا تھا۔۔

حور اس کی بے رحم گرفت پر سسک کر رہ گئی تھی۔

ارحام۔۔۔حور نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوے اسے پکارا تھا۔۔

ارحام نے اس کے بغیر چادر کے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالی تھی۔۔

کیوں حور؟؟ کیوں۔۔۔وہ حلق کے بل پاگلوں کی طرح دھاڑ

تھا۔

حور کے بالوں کو اتنی زور سے جھٹکا دیا تھا حور اس کی گرفت میں بری طرح

لرزتے تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

ارحام اس کی زرد رنگت اس کی خشک ہونٹ اور چہرے پر بے انتہا خوف

دیکھتا اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔اسے ایک ہی جھٹکے سے

چھوڑتے اپنا ہاتھ اتنی زور سے دیوار پر مارا تھا کہ خون کی چھینٹیں اڑتی ارحام کے چہرے پر گری تھیں۔

حور چیختے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

وہ کچھ پل اس کے لرزتے وجود کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتا رہا۔۔جی کر رہا تھا اپنے سامنے کھڑے نازک اندام وجود کو آج روند ڈالے۔۔ جس نے آج ہر حد پار کر دی تھی۔

چادر اوڑھو۔۔ارحام نے حور کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ظبط سے کہا۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنی چادر زمین سے اٹھا کر اوڑھتے اچھی طرح سر پر جمائی۔وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ارحام کا چہرہ غضبناکی کی کیفیت لیا ہوا تھا۔۔اس کے غصے کا سوچتے اس کے سامنے اپنے نکاح کی پہلی رات آ رہی

تھی۔ وہ دوبارہ ان تکلیف دہ لمحات سے نہیں گزر سکتی تھی۔ آج تو مقابل کا چہرہ اس دن سے کئی گنا زیادہ سرخ اور غضبناک تھا۔۔ آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

حور کی آنکھوں کے آگے یکدم اندھیرا چھایا۔ اس نے جلدی سے دیوار کا سہارا لیا۔۔ ارحام یہ دیکھتا غصے سے اس کی طرف بڑھات۔ اس کے خوف سے وہ ایسے ہی غش کھا کر گر پڑتی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا آج وہ اپنے ہوش گنوائے۔۔

خبر دار۔۔ حور آج تم نے ہوش گنوائے تو ورنہ جان لے لوں گا تمھاری۔۔ وہ اس کا بازو جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں نہیں۔۔۔ ہوش۔۔ گنواؤں گی۔۔ وہ ارحام کی خون اتری آنکھوں دیکھتے بمشکل بولی تھی۔

اس کے یوں اٹک اٹک کر بولنے پر ارحام نے اپنی آئی برو مسلتے ہوے خود پر قابو پایا تھا۔۔ سامنے کھڑا نازک وجود کہاں اس کی اتنی سختی برداشت کرنے کے قابل تھا۔۔

نقاب کرو۔۔ ارحام نے اسے چھوڑتے درشتگی سے کہا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے کانپتے ہوے نقاب کرنے لگی۔۔

ارحام اس کے ہاتھوں کی لرزاہٹ دیکھتے اسے گھور کر رہ گیا تھا۔۔ اس سے اتنا ڈرنے کے باوجود بھی وہ اتنا بڑا قدم اٹھاتے گل سے ملنے چلی آئی تھی۔۔ اچھی طرح جانتی تھی گل اسے سے کتنا حسد کرتی ہے۔۔ وہ اسے پھولوں کا ہار پہنانے سے تو رہی۔۔

اور شاہنواز کی بری نظروں کو بھی جانتی تھی۔۔ پھر اتنی بیوقوفی کر کے یہاں پر چلی آئی۔

وہ نقاب کر چکی تو ارحام اس کی کلائی پکڑے دروازے کی طرف بڑھا۔

۔نقاب وہ گھبراہٹ اور خوف سے ٹھیک طرح کر نہ سکی تھی۔اس لیے وہ لوز ہوتا چہرے سے گر چکا تھا۔

ارحام نے اس کے کھلے چہرے کو دیکھتے اس پر خونخوار نظر ڈالی تھی۔۔

حور جلدی سے گھبراتے ہوے نقاب کرنے لگی۔۔یکدم ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

یہ کس نے کیا؟؟ارحام نے اس کے گال پر انگلیوں کے نشان پر ہاتھ پھیرتے ہوے سرد لہجے میں پوچھا پوچھا۔

گل۔۔۔گل۔۔۔۔نے۔۔۔۔حور نے کانپتے لبوں سے بتایا۔۔

ارحام نے یہ سنتے ظبط سے مٹھیاں بھینچی تھی۔۔

حور کانپتے ہاتھوں سے نقاب کرنے لگی۔۔

مگر ارحام کے خوف سے اس سے نقاب نہیں ہو رہا تھا۔۔ جسے ارحام دیکھتا اسے کمر سے تھامے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

وہ ارحام کے سینے کے ساتھ لگی بے یقینی سے اس کی دھڑکنیں سن رہی تھی۔۔

ریلیکس رہو۔۔۔کچھ نہیں کہہ رہا تمھیں۔۔نہ کچھ کہوں گا۔۔اس کا بری طرح کپکپانا محسوس کرتے ارحام نے جبڑے بھینچتے نرم لہجے میں کہا۔۔

اس کا غصہ حور پر ویسے ہی قائم تھا۔وہ یہاں کیسے اور کیوں پہنچی۔۔ان سب سوالوں کے جواب وہ گھر جا کر لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔اس کی بیوقوفی کی وجہ سے پریذے اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔۔وہ خود شاہنواز جیسے گھٹیا انسان کی حویلی میں چلی آئی تھی۔اگر اسے کچھ ہو جاتا تو۔۔وہ اس سب کے لیے اسے معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔مگر جس بری طرح گھبرا رہی تھی۔ابھی کے لیے اسے خود پر قابو پانا ہی تھا۔۔

حور اتنی خوفزدہ تھی کہ ارحام کے سینے کے ساتھ لپٹی رو بھی نہ سکی تھی۔ ارحام کے سینے سے سر اٹھائے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

ارحام اس کی کرسٹل براؤن ہرنی کی طرح سہمی آنکھوں میں دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔

وہ جس طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنا غصہ اشتعال سب ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں خود کے لیے اتنا ڈر خوف اچھا نہیں لگا تھا۔۔

ارحام نے نرمی سے اس کی آنکھوں کے گوشوں پر ابھرتی نرمی اپنے انگوٹھوں سے صاف کی۔۔

کچھ نہیں کہوں گا تمھیں۔۔۔ اچھی طرح چادر اوڑھو۔۔ ارحام نے نرم لہجے میں کہا۔۔

سچ میں۔۔ حور نے بے یقینی سے سسکی لیتے پوچھا۔۔

ارحام کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔

بلکل سچ۔۔۔۔ ارحام نے کہتے اچھی طرح چادر اس کے سر پر اوڑھائی

۔۔۔۔ نقاب رہنے دو۔۔۔ گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے کر لینا۔۔

حور ابھی بھی اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔۔ شائد اسے یقین نہیں آرہا

تھا۔

اب چلو۔۔۔ ارحام اسے ایک نظر دیکھتا اس کی کلائی نرمی سے تھامے

سیڑھیوں سے اترا۔۔

سیڑھیوں سے اترتے حور کی نظر شاہنواز کی زخمی حالت نیم بیوش وجود پر پڑی تو وہ خوف سے ارحام سے دور ہوئی تھی۔۔

جسے دیکھتے ارحام نے اسے مزید اپنے قریب کرتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔۔

ریلیکس رہو۔۔ ارحام نے اسے نرمی سے خود کے قریب کرتے کہا۔۔ اس کی کلائی نرمی سے پکڑے وہ سیڑھیوں سے اترا۔۔

گل جو شاہنواز کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔۔ وہاں سے اٹھتی ارحام کے مقابل آئی۔۔

خان۔۔۔اس لڑکی نے تمھارا زندگی برباد کر دیا۔۔ تمھیں رسوا کر دیا۔۔۔

تم پر الزام لگایا تم اس کے لیے اتنا جنونی کیوں ہے؟؟

ہم کو بھی بھرے جرگے میں تم نے طلاق دیا تھا۔۔تو آج پریذے کی خاطر تم اس کو بھی تو طلاق دے سکتا تھا۔۔

اس کو طلاق دے دے گا تو سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔۔ ہم بختاور خان سے طلاق لے رہا ہے۔۔ ہم پھر سے ایک ہو سکتا ہے۔۔ چھوڑ دو اس لڑکی کو۔۔ تمھارا محبت تو ہم ہے۔۔ گل ارحام کے سامنے آتی روتے ہوے چیخی تھی۔۔

میرے راستے سے ہٹ جاؤ گل۔۔ میں تمھارا اسی لیے لحاظ کر رہا ہوں۔۔ تم میری بیٹی کی ماں ہو۔۔ ورنہ تم نے جو آج کیا ہے۔۔۔اس کی سزا موت تھی۔۔ ارحام گل پر قہر بار نگاہ ڈالتے آگے بڑھا۔۔

خان تم ہم کو صرف سزا دے رہا ہے۔۔ جو ہم نے تم پر اعتبار نہ کر کے تم کو دی تھی۔۔ ورنہ ہم جانتا ہے تم آج بھی ہم سے محبت کرتا ہے۔۔ اگر تم ہم سے محبت نہ کرتا تو حور پر ہمارا اترن نہ ہوتا۔۔ حور کا بدن پر ہمارا اترن ہونا اس بات کا ثبوت ہے۔۔ تم آج بھی صرف ہمارا ہے۔۔ تم صرف ہم سے لاتعلقی اور نفرت کا ناٹک کرتا ہے۔۔ گل کی بات پر ارحام کی نظر یکدم حور پر پڑی تھی۔۔ جس کی زخمی نظروں میں شکوہ دیکھتے وہ اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ حور کے بدن پر گل کا لباس ہونا اسے شدید تکلیف سے دوچار کر گیا تھا۔

لباس حور کے بدن پر تھا آگ کی لپیٹیں اسے خود سے اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ارحام نے پلٹتے ہوے غصے سے پوری قوت سے گل کے منہ پر زور دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔ گل گال پر ہاتھ رکھے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔ اس تھپڑ سے تمھیں پتہ چل گیا ہو گا۔ ارحام گل کو دیکھتے غصے سے بولا۔۔

حور کو نقصان پہنچانے سے پہلے تم صرف اتنا سوچ لیتی کہ یہ میری عورت میری عزت ہے۔۔ تم نہیں۔۔۔۔۔ تو آج تمھیں یہ تھپڑ نہ پڑتا۔۔۔

بختاور خان سے طلاق لینے سے بہتر ہے۔۔ تم اس کے ساتھ اپنا رشتہ بہتر بناؤ۔۔ کیونکہ اس سے طلاق لے کر اگر تم یہ سوچتی ہو میں تمھیں اپناؤں گا یہ تمھاری بھول ہے۔۔۔

اب دنوں یہ نشان تمھارے گال پر تمھیں بتائے گا کہ تم نے حور پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا تھا۔۔

ارحام ایک ایک لفظ چباتا گل پر زہر خند نظر ڈالتا حور کی کلائی تھامے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

اسفندیار خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی عابیر کو بہت احتیاط سے صوفے پر بٹھایا اور اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھ کر اس کا پاؤں پکڑا۔۔

عابیر اب زار و قطار رونا شروع ہو چکی تھی۔۔ کانچ کافی گہرائی تک اندر گیا ہوا تھا۔۔

عابیر نے درد کی شدت سے کراہتے ہوے اپنا پاؤں کھینچا تو اسفند نے نظریں اٹھا کر عابیر کو دیکھا جو اب بچوں کی طرح ہچکیوں سے رو رہی تھی۔۔

کیا بہت درد ہو رہا ہے ؟؟ اسفند نے اس کی حالت دیکھتے پوچھا۔۔

عابیر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر شدت سے رو دی تھی۔۔ اسفند اسے ایکھ کر غصے سے جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔۔

ابھی اسی زخمی پیر کے ساتھ اپنے پاؤں پر وزن ڈالے کھڑی تھی۔۔ اور اب اتنی ہی شدت سے رو رہی تھی۔۔

اسفند اس کے پاؤں کا اچھی طرح معائینہ کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔۔ ڈریسنگ روم کی کبرڈ سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر لایا۔۔

عابیر کے قدموں میں وہ دوبارہ سے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔۔

عابیر کے پاؤں کو پکڑا تو عابیر نے تکلیف کی شدت سے روتے ہوے اپنا پاؤں اسفند کے ہاتھوں سے کھینچا۔۔

عابیر ڈونٹ ایکٹ لائک آچائلڈ۔۔۔کانچ نکالنا پڑے گا۔۔ہاتھ نہیں لگانے دو گی تو کیسے نکالوں گا۔۔

اسفند نے اس کی پنڈلی پر گرفت مضبوط کرتے سختی سے کہا۔۔

آپ۔۔۔رہنے دیں۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔میں۔۔۔ایسے ہی ٹھیک ہوں۔۔عابیر نے روتے ہوے کہا۔

ایسے کیسے عابیر۔۔۔کانچ زیادہ دیر اندر رہے گا تو انفیکشن ہو جائے۔۔اس کے باقی کے لفظ حلق میں ہی دم توڑ چکے تھے۔۔وہ اس کے ساحرانہ خوبصورت نقوش میں بری طرح الجھا تھا۔۔

اسفند کی گہری گرم نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے پر ایک پل کے ٹھہر کر رہ کر گئی تھیں۔

ہیزل گرے آنکھیں رو رو کر گلابی ہو چکی تھیں۔ناک اور عارض بھی گلابی ہو رہے تھے۔۔وہ سر نفی میں ہلاتے ہوے مسلسل اسے اپنے پاؤں کو چھونے سے منع کر رہی تھی۔

عابیر کے کانوں میں پہنے ہوے جھمکے بھی ہل رہے تھے۔۔ جنھیں چھونے کی خواہش یکدم اسفندیار خان کے دل میں بیدار ہوئی تھی۔۔اس نے بے اختیار ہوتے اس کے ہلتے جھمکے کو نرمی سے چھوا۔۔۔

وہ ابھی بھی سسکیاں بھر رہی تھی۔۔

اسفند نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے ۔۔عابیر اسفند کے ایکٹ پر سٹل ہوئی تھی۔۔

دونوں کی گہری نگاہیں ایک دوسرے کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

عابیر اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سٹل ہوئی تھی.. وہ اس وقت اپنے پاؤں میں اٹھتی شدید تکلیف بھی بھول چکی تھی۔۔۔وہ اس کی ساحرانہ

آنکھوں کی کشش میں ڈوبی تھی۔۔جو اس کی دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر کر چکی تھیں۔اسفندیار خان کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو سے عابیر کے حواس معتل ہو رہے تھے۔۔اس کی اتنی سی نزدیکی پر وہ تپ کر قندھار ہوئی۔۔۔۔

اسفند کی گہری گرم نگاہیں عابیر کے خوبصورت نقوش میں الجھ کر رہ گئی تھی۔اس کی گرم نگاہیں دیوانہ وار خود پر محسوس کرتے عابیر کی گھنی پلکوں کی جھالر خود بخود اس کے عارض پر سجدہ ریز ہوئیں۔اسفند یہ منظر دیکھتا مبہوت ہوا تھا۔

اسفند نے بے اختیاری میں گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کا خوبصورت چہرہ ہاتھوں میں تھامے اس کے گلابی لبوں پر اپنی سانسوں کا تسلط جمایا۔۔۔۔

عابیر کی دھڑکنیں جیسے تھم گئی تھیں۔

عابیر کے آنسو بھی رک گئے تھے۔۔۔۔اسفند کا لمس اتنا شدت اتنی تپش لیے ہوے تھا۔۔وہ سسکتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے مسلسل اپنی شدت بڑھائے جا رہا تھا۔

وہ اس وقت اپنے پاؤں کا درد بھول گئی تھی۔۔وہ اتنی شدت اس کے لبوں پر ڈھا رہا تھا کہ اس کی بے رحم شدت پر عابیر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔

اس کا لمس اتنا دیوانگی لیے ہوے تھا۔۔اتنا نکاح کی رات کو بھی نہیں تھا۔۔عابیر کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔وہ اسفندیار خان کے بالوں میں انگلیاں چلائے اس کی شدت اس کا بے رحم لمس اپنے نازک لبوں پر برداشت کرنے لگی۔۔

اس کا محرم ایک رات کی قربت عطا کر کے اسے بھول گیا تھا۔۔ مگر وہ اس ایک رات کا اس ستمگر کا لمس ابھی تک نہیں بھول پائی تھی۔۔

اسفند نے پوری شدت سے اس کے بالائی لب پر اپنے دانت گاڑھے ۔۔عابیر ہچکی لیتے مزید اسفندیار خان کے قریب ہوئی تھی۔۔وہ اس کی دیوانگی برداشت کرتے ہر حد جا سکتی تھی۔۔ مگر کبھی بھی اسے خود سے دور جھٹک نہیں سکتی تھی۔۔وہ آج اس کی سانسیں بھی چرا لیتا وہ اف نہ کرتی۔

عابیر کی سانسوں کا تسلط اب ٹوٹ رہا تھا۔وہ بے رحم بنا اب اس کی سانسیں پی رہا تھا۔۔

اس نے ابھی بھی اسے خود سے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔ مگر اس کی بے رحمی پر عابیر کی اسفندیار خان کے بالوں میں چلتی انگلیاں ساکت ہوئی تھیں۔

اسفندیار خان نے اس کی رکتی سانسیں محسوس کرتے اس کا بے جان ہوتا وجود محسوس کرتے اسے اپنے بے رحم لمس سے آزادی دی۔۔۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بہتے آنسوؤں سے اسے دیکھا۔۔۔

اس کے گلابی نرم و نازک لبوں پر خون کی ننھی ننھی بوندیں آن ٹھہری تھیں۔۔

اسفند نے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسیں بحال کرتے اپنی گہری نگاہیں اس کے ہیزل گرے آنکھوں سے ہٹائیں تھیں۔

جہاں اس کی شدت پر پانی جمع تھا۔۔

اسفند نے اس کی گہری آنکھوں سے نظریں ہٹاتے اپنی بیوی کے نازک لبوں پر اپنی نظریں گاڑھیں۔۔ جن پر اس نے ستم کی انتہا کر دی تھی۔۔ وہ پاگل دیوانی یہ ستم خاموشی سے سہہ گئی تھی۔۔ اسے ایک مرتبہ بھی جھٹکا نہیں تھا۔۔

اسفند مسکراتے ہوے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑے اس کے لبوں پر پھر سے جھکا۔۔ وہ اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے پھر سے اپنی آنکھیں بند کر چکی تھی۔ وہ اس کا بے رحم لمس سہنے کو پھر سے تیار تھی۔

۔اسفند نے نرمی سے اس کے گلابی لبوں سے خون کی بوندیں اپنے لبوں سے چنتے اس کے لبوں کو بہت نرمی سے اپنے لبوں کی گرفت میں لیا تھا۔۔ اس کا ایک ہاتھ عابیر کی پنڈلی پر نرمی سے سرسرا رہا تھا۔۔ وہ آنکھیں بند کیے مکمل طور پر اسفندیار خان کے نرم لمس میں کھوئی تھی۔۔ یکدم اسفند اس کا پاؤں جکڑے اس کے تلوے میں پیوست کانچ کا ٹکرا بہت بے رحمی سے ایک ہی جھٹکے میں کھینچ کر نکال گیا۔۔۔

عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چیخ اٹھی۔

وہ بری طرح روتے ہوے اسفندیار خان کے دونوں کندھے دبوچ گئی تھی۔۔

اسفند لب بھینچے اس کے زخم پر کاٹن رکھے ہوے تھا۔۔

جہاں سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔۔

عابیر ہچکیاں لیتے اس بے رحم کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ جس نے اسے بنا بتائے بہت بے رحمی سے کانچ کا ٹکڑا نکالا تھا۔۔ تکلیف کی شدت اتنی تھی کہ اس کا پورا وجود ہچکولوں سے لرز رہا تھا۔۔

اسفند نے نظر اٹھا کر اس کے سسکتے وجود کو دیکھا۔ عابیر نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتے نروٹھے انداز میں اپنا منہ پھیرا تھا۔۔ اس کے معصومانہ ایکٹ پر اسفندیار خان کے لبوں پر مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔۔

کیا تھی یہ لڑکی؟؟ ابھی اتنی سختی اس کی محبت میں اپنے نرم و نازک لبوں پر برداشت کر گئی تھی۔۔ یہاں تک کہ وہ اس کی سانسیں بھی چرا لیتا وہ اف نہ کرتی۔۔ اب کانچ نکالنے پر اس طرح اس سے روٹھ گئی تھی۔۔

آئی ایم سوری۔۔۔ عابیر۔۔۔۔۔ یہ کرنا ضروری تھا۔۔ تمھارا دھیان بٹانے کے لیے میں تمھارے قریب آیا۔۔ ورنہ تم کبھی مجھے کانچ نہ نکالنے دیتی۔۔

اسفندیار خان کی بات پر اس کی نگاہوں میں بے یقینی ابھری۔۔۔ اس کا دیوانگی بھرا لمس اس کی شدت سب جھوٹ تھا۔۔ وہ صرف اس وجہ سے اس کے قریب آیا۔۔ وہ اپنی بات سے اسے آسمان سے زمین پر پٹخ گیا تھا۔۔

توہین و خجالت کے احساس سے اس کا چہرہ سرخ ہوا۔۔اس نے تو اسفند کی شدت میں اس کی دیوانگی اس کی خواہش محسوس کرتے اس کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔۔

وہ آنکھوں میں شبنم لیے اس ستم گر کو دیکھ رہی تھی۔۔

اسفندیار خان اس کی بے یقین زخمی نگاہوں کا مفہوم جانتے اپنی نظریں چرا گیا تھا۔۔

عابیر ایک ہی جھٹکے اس کے ہاتھوں سے اپنا پاؤں بے رددی سے کھینچتے صوفے سے اٹھی۔۔ صوفے سے اٹھنے سے شدید درد اسے پیر میں سرائیت ہوتا محسوس ہوا۔۔ وہ آنکھیں میچے اس درد کو برداشت کر گئی تھی۔۔۔

اسفند بھی اسے دیکھتا زمین سے اٹھا تھا۔۔

عابیر آگے بڑھی تو اسفند اسے بازو سے جکڑے خود کے مقابل کر گیا تھا۔۔

کہا کر رہی ہو؟؟ پاگل ہو گئی ہو۔۔ پاؤں کی ڈریسنگ تو کرنے دو۔۔ کتنا خون بہہ رہا ہے۔۔ اسفند اس کے پاگل پن پر چیخا تھا۔۔ وہ شدید تکلیف میں اپنے زخمی پاؤں کے وزن پر کھڑی تھی۔۔ اس کے بدن کی کپکپاہٹ سے صاف ظاہر تھا۔۔ وہ بہت مشکل سے ہی کھڑی ہے۔۔

یہ درد میرا ہے۔۔ خون میرا بہہ رہا ہے۔ آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟؟ مجھے نہیں کروانی آپ سے کوئی بھی ڈریسنگ۔۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔ عابیر اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتی غرائی۔۔۔ اسے اس ٹائم خود سے شرم آ رہی تھی۔۔ اپنی تذلیل پر اس کی روح بھی جیسے ماتم کدہ تھی۔۔ وہ تھوڑی دیر پہلے اس کی شدت میں اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔۔ وہ اس کی شدت اس کی خواہش سمجھ بیٹھی تھی۔۔ مگر اس کے پاس تو آج بھی اس کے قریب آنے کی وجہ تھی۔۔۔ وہ اتنی آرزاں تھی کہ اس کے شوہر کو کبھی اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔۔ یہ سوچتے وہ زخمی پرندے کی مانند جیسے پھڑ پھڑا رہی تھی۔

میں جانتا ہوں۔۔ تمھیں کیا مسئلہ ہے؟؟ کس بات کی تمھیں تکلیف پہنچ رہی ہے؟!۔۔ اسفند عابیر کو دیکھتا استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔ عابیر اس کی استھزائیہ مسکراہٹ میں چھپا مطلب سمجھتے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ وہ اس کا رد تکلیف سمجھ چکا تھا۔۔ اپنے ہی جذبے عیاں ہونے پر وہ کرب سے آنکھیں میچے ہوے تھی۔

اسفند کی گہری نظریں اپنی بیوی کے کپکپاتے وجود سے ہوتیں اس کے زخمی لبوں پر آن ٹھہری تھیں۔۔

یہ سچ تھا وہ اس کے قریب اس کا دھیاں بٹانے کے لیے گیا تھا۔۔ مگر اس کی گلاب جیس نرم نازک پنکھڑیوں کو چھونے کی دیر تھی۔۔ وہ بے کل سا ہوتا اپنی ساری تڑپ اپنا ساری جنونیت اس کے لبوں پر اتار چکا تھا۔۔ جو نکاح کی رات کے بعد اس کے اندر پیاس کا صحرا جگا چکی تھی۔

وہ یہ گلاب کی پنکھڑیاں ایک بار پھر سے چھونے کو تڑپ سا گیا تھا۔۔

وہ بے اختیاری میں پھر سے اس کے لبوں کے قریب ہوا۔۔

عابیر اپنے لبوں پر اس کی گرم پر حدت سانسیں محسوس کر کے اپنی آنکھیں کھول گئی۔۔

عابیر نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔۔

اسفند جو بے خود سا اس کے لبوں پر جھک رہا تھا۔۔اس کے دھکے پر لڑکھڑ کر رہ گیا۔۔۔اس کے یوں جھٹکنے پر اسفند کی آنکھیں پل میں انگارہ ہوئی تھیں۔۔

اب کس لیے میرے قریب آرہے تھے؟؟ پہلی رات اس لیے قریب آئے۔۔ میرا اسٹیمنا چیک کرنا تھا میں آپ کو برداشت کر سکتی ہوں یا نہیں۔۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے قریب آئے۔۔ کیونکہ میرا دھیان بٹانا تھا۔۔

اور اب کیا جواز ہے؟؟ آپ کے پاس میرے قریب آنے کا؟؟۔۔ عابیر ہذیانی چیخی تھی۔۔

غلطی میری ہے۔۔ جو میں تمھارے قریب آیا تم اس قابل بھی نہیں تھی۔۔ تمھیں ایک رات کی بھی قربت بخشی جاتی۔۔ وہ عابیر پر اپنی سرخ آنکھیں گاڑھتے بولا۔۔

عابیر کا ایسے جھٹکنا اس کے اندر شعلے سے بھڑ کا گیا تھا۔۔ برداشت نہیں ہوا تھا اس کا اتنا سا بھی جھٹکنا۔۔۔۔۔

عابیر اس کی بات سنتے ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھی۔۔۔

اس دن آپ نے کہا تھا۔۔۔ آپ مجھے ایک رات کی دلہن بنا چھوڑ کر تا عمر کانٹوں پر گھسیٹنا چاہتے ہیں۔۔ آج میں آپ سے کہتی ہوں آپ ایک مرتبہ اور میرے قریب آ گئے تو میرا پورا وجود آپ کے لمس سے کانٹوں پر گھسٹ جائے گا۔۔ اب زندگی بھر میرے قریب نہ آیئے گا۔۔ عابیر اپنی انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

اسفند اس کی بات سنتے شعلوں میں گرا تھا۔۔اس کے لفظ اسے کانٹوں پر گھسیٹ چکے تھے۔۔

اسفند اسے بالوں سے جکڑے اسے اپنے مقابل کر گیا۔۔

اچھا ایسی بات ہے تو ابھی تھوڑی دیر پہلے میری شدت میں میرا ساتھ کیوں دے رہی تھی؟؟۔۔میں نے جتنی بے رحمی شدت ڈھائی تمھارے لبوں پر تم نے وہ آنکھیں میچ کر مجھ سے لپٹتے کیوں سہی۔۔اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے غرا اٹھا۔۔

پچھتا رہی ہوں۔۔اب وہ لمس بچھو کی مانند مجھے ڈس رہا ہے۔۔عابیر اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولی تو اسفند یار خان کے چہرہ خون چھلکانے لگا۔۔۔آنکھیں لال انگارہ ہوئیں۔

اسفند اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑ گیا تھا۔۔عابیر اس کے اس طرح ایک ہی جھٹکے سے چھوڑنے سے لڑکھڑائی تھی۔۔

دوسرے ہی پل وہ خود کو سنبھالتی تیزی سے واش روم میں داخل ہو گئی۔۔۔۔دروازہ پوری قوت سے دھاڑ سے بند کیا تھا۔۔اسفند وہاں کھڑے اپنے غصے پر کنٹرول کر رہا تھا۔۔اس کے لفظ تیر کی طرح پیوست ہوے تھے دل میں۔۔۔

اس لڑکی کا جھٹکنا اس کے الفاظ اسے کانٹوں پر گھسیٹ چکے تھے۔۔اس کا لمس اسے بچھو کی مانند محسوس ہوتا ہے۔اس کے الفاظ یاد کرتے اسفند نے غصے سے دیوار پر پنچ مارتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

دفعتاً اس کی نظر فرش پر پڑے اس کے خون سے رنگے پیروں کے نشانات پر پڑی تھی۔۔اسفند یہ دیکھتا پریشان ہوا تھا۔۔

واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ لب بھینچ گیا تھا۔۔یہ کونسا ٹائم تھا شاور لینے کا؟؟۔۔وہ بھی اتنی سردی میں۔۔

وہ غصے سے واش روم کی طرف بڑھا۔۔لاک پر ہاتھ رکھنے سے دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔۔وہ غصے میں لاک کرنا بھول گئی تھی۔۔

دروازہ کھولنے پر جو منظر اسفندیار خان کو دیکھنے کو ملا۔وہ اسے مزید طیش و اشتعال میں مبتلا کر چکا تھا۔اسفندیار خان تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

وہ روف شاور کے نیچے کپڑوں سمیت کھڑی ٹھٹھرتے ہوئے بھیگ رہی تھی۔۔وہ جنونی انداز میں اپنے لبوں کو پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھوں سے مسل رہی تھی۔۔اس کا لمس مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

اسفند غصے اشتعال سے ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھا۔۔اس کا ایسے لمس مٹانا اسفندیار خان کے سینے پر جیسے کوئی کھولتا پانی انڈیل چکا تھا۔۔

اسفندیار خان نے اس کے قریب پہنچتے اس کا ہاتھ پکڑا جس سے وہ اپنے لب مسل رہی تھی۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔۔۔عابیر اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے جھٹپٹائی تھی۔۔

اسفند اسے دیوار میں پٹختے اس کے قریب ہوا۔۔پانی کی بوچھاڑ خود پر گرتے اسفندیار خان نے بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔وہ برف جیسے ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑی تھی۔۔۔

یہ کیا پاگل پن ہے؟؟مرنا چاہتی ہو کیا؟؟اسفند اس کے اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے غصے سے گرجا۔۔۔

پانی کی برف جیسی بوندیں اسفندیار خان پر گرتی اب اسے بھگو رہی تھیں۔

آپ کا لمس مٹانے کے لیے مجھے مرنا بھی پڑا تو آج مر جاؤں گی میں۔۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں چیخی تھی۔۔

اچھا تو ایسی بات ہے۔۔۔اسفند اسے دیکھتا طنزیہ بولا تھا۔۔

ایسی ہی بات ہے۔۔عابیر نے اسفند کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے جوابًا کہا۔۔

تو ٹھیک ہے پھر آج میرا لمس مٹا کر دکھاؤ۔۔۔۔یہ ہونٹ تمھارے زخمی کیے ہیں۔۔اب میں تمھارے پورے بدن پر اپنی جنونیت کے نشان

چھوڑوں گا۔۔وہ ایک ایک لفظ چباتے اس کے چہرے پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتے برفیلے لہجے میں بولا۔۔

اسفند نے ٹیپ گھماتے گرم پانی آن کیا تھا۔۔۔اسے اپنے قریب کرتے اپنے سینے میں سختی سے بھینچا۔۔

عابیر اس کی بے رحم گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔وہ اس کا مچلنا محسوس کرے مزید اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

عابیر اس کی بے رحم گرفت پر مچل کر رہ گئی تھی۔۔وہ اس کے تڑپنے مچلنے پر مسلسل اپنی گرفت سخت کیے جا رہا تھا۔۔

جتنا مچلو گی جان من۔۔۔اتنا ہی خود میں قید کروں گا۔۔وہ اس کے کندھے پر اپنے دانت شدت سے گاڑھتے غرایا۔۔

عابیر اس کی شدت پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔ اسفند نے اسے دیوار کے ساتھ لگاتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے تھے۔۔ عابیر گہری ہوتی سانسوں سے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

اب مٹا کر دکھاؤ۔۔ اسفند اس کے کندھے پر اپنی دیے ہوے سوغات کو دیکھتے طنزیہ بولا تھا۔۔

عابیر نے غصے سے اسفند کو گھورتے اپنا کندھا ناخنوں سے نوچ ڈالا۔۔ اب وہاں اس کی شدت کی جگہ عابیر کے ناخنوں کے نوچنے کا نشانات تھے۔

اسفند کی آنکھوں میں یہ دیکھتے شعلے سے لپکے تھے۔۔

اسفند نے ہاتھ بڑھا کر اس کے دوپٹے میں لگی پنز اتارتے اس کا دوپٹہ ایک ہی جھٹکے سے کھینچا تو وہ شولڈر سے پنز سے اٹیچ تھا۔۔وہ چرر کی آواز کے اس کے وجود سے اترتا اسفندیار خان کے ہاتھوں میں تھا۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔

جو دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔وہ بغیر دوپٹے کے بھیگے حلیے میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔

اسفند نے اس کے مزید قریب ہوتے استھزائیہ نگاہوں سے عابیر کی تحیر زدہ گہری آنکھوں میں جھانکا۔۔

آج میں تمھارے وجود کے روم روم پر اپنی شدتوں کے نشان چھوڑوں گا۔۔ دیکھتا ہوں تم یہ لمس کیسے مٹاتی ہو؟؟۔۔ اسفند کی غراہٹ پر عابیر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔۔ شروعات تو اس نے کی تھی۔۔ وہ اب کیوں اس کی باتوں پر تڑپ رہا تھا؟؟

۔۔

اسفند۔۔۔۔۔ عابیر نے سسکی لی تھی۔ اس دیو کے حصار سے خود کو چھڑوانا بہت مشکل تھا۔۔ وہ اس کے حصار میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔۔

وہ اس کی کلائیاں بے دردی سے جکڑے اس کی ہر پکار ہر طرح مزاحمت نظر انداز کیے پہلے سے بھی زیادہ بے رحمی دکھانے لگا۔۔

عابیر کی آنکھوں سے اب بے بسی سے گرم سیال بہنے لگا تھا۔۔وہ سسک کر رہ گئی تھی۔۔۔وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔اس کی فولادی گرفت اس کی چوڑیاں پہنی کلائی پر لمحہ بالمحہ بڑھ رہی تھی۔۔اور اس کی شدتیں بہت بے رحمی سے اس کے بدن پر اپنی سوغاتیں چھوڑ رہی تھیں۔۔

اسفند نے اس کی گردن سے منہ نکال کر اس کی بہتے آنسوؤں کو سرد نگاہوں سے دیکھا تھا۔

چلو اب مٹا کر دکھاؤ۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔میرا لمس۔۔اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ پر زور دیتے پھر سے غرایا۔۔۔

عابیر اسے دیکھتے غصے سے منہ پھیر گئی تھی۔۔ اسفند اس کو اس کا یہ ایکٹ مزید غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔۔

نکاح کی پہلی رات اس نے بہت فرمانبرداری سے خود کو اس کے سپرد کیا تھا۔۔ اس نے ساری رات بہت بے حسی اس کے نازک وجود پر دکھائی تھی۔۔

تب تو اس نے ایک بار بھی اسے جھٹکا نہیں تھا۔۔ آج اس کا ایسے جھٹکنا اسے شدید اشتعال میں مبتلا کر گیا تھا۔

وہ اس کا منہ دبوچے اپنی طرف کرتے اس کے لبوں پر شدت سے جھکا تھا۔۔

اس کے لبوں پر ایک بار پھر سے قہر ڈھانے لگا۔۔اب کی بار شدت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر تھی۔۔وہ اس کے لبوں پر دیے ہوے زخم کی پرواہ کیے بغیر اس پر دانت گاڑھ گیا تھا۔

عابیر کے رونے کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔۔

وہ اس کی سسکیاں سنتے اور اپنے حلق میں اس کے لبوں کا خون گھلتے محسوس کرتے اس پر رحم کھاتے سے الگ ہوا۔۔عابیر گہرے سانس لیتے اپنا تنفس درست کرنے لگی۔۔چلو اب یہاں سے بھی مٹا کر دکھاؤ مجھے۔۔وہ اس کے زخمی لبوں پر انگوٹھا نرمی سے پھیرتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ایسے مت دیکھو میری جان۔۔۔ تم نے جو شغل ابھی لگا رکھا تھا۔۔ جس طرح میرا لمس مٹا رہی تھی۔۔ میں تو چاہتا ہوں تم آج ساری رات ہر جگہ سے میرا لمس مٹانے پر لگا دو۔۔ اس کی طنزیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

وہ اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے اس سے دور ہوا۔۔ چلو اب مٹاؤ میرا لمس۔۔ اسفند نے سینے پر ہاتھ باندھتے طنزیہ کہا۔۔

عابیر گہرے سانس لیتے بے بسی سے اپنا زخمی لب کاٹ گئی تھی۔۔

کیا ہوا؟؟ ایسے کیوں کھڑی ہو؟؟ کیری آن۔۔ وہ غصے سے بولا نہیں دھاڑا تھا۔۔ عابیر کی ہیزل گرے نم آنکھوں میں ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی۔۔ درد

بھی وہ خود دیتا تھا اور ایکٹ ایسے کرتا تھا جیسے وہ خود درد میں ہے۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں اس کا عکس تھا تو نیلی آنکھوں میں بھی عابیر کو اپنا عکس دکھائی دیتا تھا۔۔ مگر شائد مرد نفرت اس کی محبت پر حاوی ہو جاتی ہے۔۔ عابیر کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔۔

اس کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ عابیر کی سسکیاں گونج رہی تھی۔۔ شاور سے پانی ٹپکتا دونوں کی سانسیں ناہموار کر رہا تھا۔۔

اسفند پلیز۔۔۔ عابیر بے بسی سے اس ستم گر کے سامنے گڑگڑائی تھی۔۔

نوجان من۔۔۔۔۔۔ آج نہیں۔۔۔ میں چاہتا ہوں تم ہر جگہ سے میرا لمس مٹاؤ۔۔۔ تمھاری حسرت میرا لمس مٹانے کی ادھوری نہ رہ جائے۔۔ وہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس پر جھکا تھا۔۔

اب وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔ عابیر اپنی گہری نم نگاہوں سے بے ترتیب سانسوں کو بحال کرتے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے سسکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ دونوں آنکھیں جھپکنے کو تیار نہ تھے۔۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

اسفند ابھی تک اس کی کلائیاں جکڑے ہوئے تھا۔۔

مٹا کر دکھاؤ مجھے۔۔۔وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر ایک بار پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

اسے آج سچ میں ان ہیزل گرے آنکھوں سے نفرت ہوئی تھی۔۔جو اس کی جان کا آزار تھیں۔۔وہ ایسے دیکھتی تھیں تو وہ تڑپتا تھا وہ نہیں دیکھتی تھیں تو وہ تب بھی تڑپتا تھا۔۔

اور اس کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم تو اسے سخت جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔۔اس کے آنسو اسے بری طرح مشتعل کرتے تھے۔۔۔۔

عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے خاموشی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔۔وہ اس کے پہاڑی وجود کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہی تھی۔۔

اسفند کے جنونی انداز اور کچھ شاور سے گرتے بہتے پانی نے اسے بحال کر دیا تھا۔۔ تلوے کے گہرے زخم نے نے بھی اسے کمزور کر دیا تھا۔۔

اسفند کچھ پل خاموشی سے اس کی بند آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو دیکھتا رہا پھر اس اپنے سینے سے لگا تا خود میں بھینچ گیا تھا۔۔

عابیر نے اب کی بار مزاحمت نہیں کی تھی۔۔ اس نے اسے اپنے سینے میں بھینچتے اس کے کندھوں سے ڈھلکی میکسی اوپر کرتے اس کی زپ بند کی ۔اسے خود سے علیحدہ کرتے دیوار کے ساتھ لگایا۔۔

وہ سردی سے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔

اسفند کچھ پل لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔۔اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اسفند نے روف شاور آف کیا تھا۔۔

وہ دیوار میں سمائے آنکھیں میچے بہت بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔اس کے گلدبی زخمی ہونٹ کپکپا رہے تھے۔۔

اسفند یار خان کی گہری گرم نگاہیں اب اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔وہ سچ میں بے انتہا خوبصورت تھی۔۔سنہری رنگت۔۔تیکھے نقوش سنہری لمبے سلکی بال۔۔اور آج تو وہ اس ماتھا پٹی میں غضب ڈھا رہی تھی۔۔

اسفند نے بے اختیار اس کی ماتھا پٹی کو چھوا۔۔جو اسے بہت اٹریکٹ کی تھی۔۔بھیگی زلفیں جو اس کے عارض کو چھو رہی تھیں۔۔اسفند نے نرمی

سے اس کے عارض سے جدا کیں۔اس کے خوبصورت ابھرے عارض پر

نرمی سے اپنی انگلیاں پھیریں۔۔۔اس کی انگلیاں نرمی سے سرسراتی اس

کے شفاف عارض سے ہوتی اس کی شفاف گردن پر آن ٹھہری تھیں۔۔

جہاں اب اس کی شدتیں موجود تھیں۔

اسفند کی انگلیوں کی بے باکی بڑھتی جارہی تھی۔۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بے سدھ پڑتی جارہی تھی۔۔

اس میں اتنی ہمت نہ تھی اسفند کے بے باک لمس پر اسے دور جھٹک

سکے۔۔کچھ دیر پہلے اس کے جھٹکنے پر اس کا جنونی ایکٹ سہہ چکی تھی۔۔اب

مزید سکت نہ رہی تھی۔۔

اسفند کے ہاتھوں کی بے باکی بڑھتے اس کی نگاہوں کی بے باکی بھی بڑھی تھی۔۔اس کی گہری نگاہوں کا مرکز اب اس کے بدن کے نشیب و فراز پر تھا۔۔وہ یکدم کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا۔۔وہ غصے میں یہ محسوس ہی نہیں کر سکا تھا۔۔وہ بھیگے حلیے میں قیامت سا منظر پیش کر رہی تھی۔۔بھیگی میکسی اس کے بدن کے ساتھ چپکی تھی۔۔اس کا لہروں جیسا بدن اسفند پر یکدم بجلیاں گرا چکا تھا۔۔

وہ اس طرح دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں میچے لرزتے ہوئے بھیگی زلفوں کے ساتھ اس کے ہوش ٹھکانے لگا چکی تھی۔۔

پورے بدن میں سامنے کھڑی اپنی محرم کی قربت لمحوں میں اس کی جان کا آزار بن کر اس کے اندر ان گنت جوانی کے پر زور تقاضے جگا چکی تھی۔۔۔۔۔

نکاح کے بعد پہلی رات کی قربت کا ایک ایک منظر اس کے آنکھوں کے آگے لہراتا اسے مزید بے چین کر چکا تھا۔۔ وہ اس رات کا ایک ایک لمحہ بھولا ہی کب تھا۔۔

اسفند اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرے رخ پلٹ گیا تھا۔۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا۔۔۔ مگر وہ اس سے زبردستی نہیں کر سکتا تھا۔۔

نہ ہی وہ اپنی بات سے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔۔ جب اسے سامنے کھڑی لڑکی کو چھوڑ کر جانا ہی تھا تو وہ اس کے قریب کیوں جا رہا تھا۔۔

وہ تیز تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ واش روم کے وسط میں رکا تھا۔۔ وہ جس طرح کپکپا رہی تھی۔۔ اس کے پاؤں کے زخم کا سوچتے وہ

اس کی طرف مڑا۔۔وہ بری طرح کپکپاتے زمین بوس ہونے ہی لگی تھی۔۔وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اسے اپنی بانہوں میں تھام چکا تھا۔۔

عابیر۔۔۔۔اسفند نے تڑپتے ہوے اسے پکارا۔

س کے کپکپاتے ہونٹ اب نیلاہٹ کا شکار ہو رہے تھے۔۔عابیر نے بمشکل آنکھیں کھولتے اسفندیار خان کو دیکھا تھا۔۔وہ کپکپاتے ہوے اس کی بانہوں میں سما گئی۔

اسفند۔۔۔ ممم مجھے۔۔۔ سردی۔۔۔۔لگ۔۔۔رہی ہے۔۔ مم۔۔۔۔

میرا سر۔۔ درد سے پھٹ رہا ہے۔۔۔۔وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی سردی سے کپکپاتے اپنے ہوش کھو رہی تھی۔۔

اس کا بری طرح کپکپاتا بدن محسوس کرتے اسفند نے بانہوں میں بھرے ہی واش روم کی الماری سے اپنا باتھ روب گاون نکالا۔۔۔

اس کی میکسی کی زپ کھولتے وہ کندھوں سے نیچے کھسکا گیا تھا۔۔

عابیر نے آنکھیں کھولتے کمزور سی مزاحمت کی تھی۔۔

اسفند اس کی مزاحمت پر نرمی سے اس کے ہاتھ تھام گیا۔عابیر کانپتے ہوے اپنی آنکھیں میچ گیی تھی۔برفیلے پانی کے نیچے بھیگنے پر اس کا پورا بدن یخ

ٹھنڈا ہو رہا تھا۔۔ سر میں درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔۔ پاؤں کا زخم کی وجہ سے اب پاؤں پر وزن بھی نہیں ڈل رہا تھا۔۔

اسفند نے نرمی سے اسے گاؤن پہنایا۔ اس دوران وہ اس کے ہوش ربہ بدن سے نظریں چرا تا رہا تھا۔۔ اسفند کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونا شروع ہوے تھے۔۔ اسان نہیں تھا اس کے ہوش ربہ قیامت خیز خوبصورتی سے دور رہنا۔۔ وہ اسے باتھ روب گاؤن میں دیکھتے مزید بہکا تھا۔۔

عابیر بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔۔ یہ دیکھتا وہ اسے بانہوں میں اٹھائے واش روم سے باہر آیا۔ اسے بیڈ کے وسط میں لٹائے اس پر کمبل اچھی طرح دیا۔۔

وہ اب سردی کی شدت سے تقریباً نیم بے ہوش ہو چکی تھی۔۔

اسفند نے جلدی سے کمرے میں لگا سینٹرل ہیٹر آن کیا۔۔ واش روم سے ٹاول لاتے وہ عابیر کے قریب بیڈ پر بیٹھا۔۔ اس کی ماتھا پٹی احتیاط سے اتارتے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔۔ اس کے جھمکے نرمی سے اتارے تھے۔۔ ٹاول سے نرمی اس کے گیلے بال خشک کیے۔۔۔۔

اس دوران ایک بار بھی اس کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔۔ وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا جو اس کا سب کچھ اس سے چھیننا چاہتی تھی۔۔۔ اور وہ اس کا کبھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔۔

اسفند اب فرسٹ ایڈ باکس پکڑے اس کے پیروں کے پاس بیٹھا۔۔اس کا پیر پکڑ کر دیکھا جہاں گہرا زخم تھا پانی کی وجہ سے خون رک گیا تھا۔۔ مگر زخم بگڑ گیا تھا۔۔اسفند نے اینٹی سیپٹک لگا کر اچھی طرح اس کا زخم صاف کرتے ائیمنڈ کریم لگاتے پٹی کی۔۔

وہ اب دوبارہ سے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔۔اس کی گردن اور اس سے نیچے اس کی شدتوں کے گہرے نشان موجود تھے۔۔وہ اپنی سفاکی پر اپنا نچلا لب دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔وہ اس کا لمس مٹانا برداشت نہیں کر پایا تھا۔۔ پتہ نہیں وہ خود پر کیوں قابو نہیں رکھ پایا تھا۔۔وہ فطرتاً بہت نرم طبعیت کا تھا۔۔ مگر عابیر کی ہر بات اسے بری طرح چبھنے لگتی تھی۔وہ بھی تب جب وہ اسے ایسا باور کرواتی۔۔ جیسے اس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔وہ اس سے دور جانا چاہتا تھا۔۔ مگر اس پر اپنا حق

کبھی نہیں ختم کرنا چاہتا تھا۔۔ یہ تو طے تھا وہ اس کی ملکیت میں ہمیشہ رہے گی۔۔ ایسے ہی اپنے بھائی کے کیے کی سزا بگھتے گی۔۔ اس کی بیوی ہوتے ہوے بھی وہ بیوگی کی زندگی گزارے گی۔۔ آخر وہ خانزادہ تھا وہ کیوں اپنے بدلے کے لیے اپنی عزت کو چھوڑے ؟؟

اس کی عزت مرتے دم تک اس کی ہی عزت رہے گی۔ اور یہی تو اس کی سزا تھی۔۔ وہ ساری عمر اس کی محبت اس کی جدائی میں جلے۔۔

وہ اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھتے سلگتے ہوے سوچ رہا تھا۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔ اسفند نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے پکارا۔ کمرہ گرم ہوتے ہی اس کے لبوں کی نیلاہٹ کم ہوئی تھی۔۔ اس

کے بدن کا ٹمپریچر نارمل ہو رہا تھا۔۔وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔۔

عابیر نے اس کی پکار پر بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔۔

تم ٹھیک ہو؟؟ اسفند نے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے پوچھا تھا۔۔

عابیر بنا کوئی جواب دیے آنکھیں میچتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔وہ کچھ پل اس دیکھتا رہا۔۔پھر گہرا سانس بھرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

حویلی کے گیٹ پر ارحام خانزادہ نے گاڑی کا ہارن زور سے بجایا تھا۔۔ حور نے فق رنگت کے ساتھ ارحام کو دیکھا جو ہارن پر ہاتھ رکھ کر بھول ہی گیا تھا۔۔

پورے راستے ارحام نے اس سے سے کچھ نہیں کہا تھا۔۔ وہ ایسے ہی سرد و ٹپاٹ چہرے کے ساتھ ریش ڈرائیونگ کرتا آیا۔ تھا۔ گل خان کے گیٹ کھولنے پر گاڑی کے ٹائر حویلی کے بڑے سے کارپورچ پر اس طرح آکر چرچرائے تھے کہ کارپورچ میں اس وقت کھڑے ملازم تک ہڑبڑا کر رہ گئے تھے۔ ارحام نے گاڑی سے نکلتے ملازموں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا وہ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

حور گاڑی میں زرد رنگت کے ساتھ کانپتے ہوئے بیٹھی تھی۔

ارحام نے حور کی طرف کا دروازہ کھولتے اسے بازو سے جکڑے باہر نکالا تھا۔۔ارحام۔۔۔حور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ارحام اسے کلائی سے پکڑے زنان خانے کی طرف بڑھا تھا۔۔

زنان خانے میں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔۔وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔۔

کمرے میں داخل ہوتے حور کو پوری قوت سے بیڈ پر دھکا دیا تھا۔۔وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری تھی۔۔نقاب کھل کر سر سے چادر بھی اتر چکی تھی۔۔سلکی براؤن ببل بال چہرے اور کمر پر بکھرے تھے۔

بالوں میں لگا کیچر تو اسی وقت ٹوٹ چکا تھا۔جب ارحام نے اس کے بالوں کو بے دردی سے اپنی مٹھی میں جکڑا تھا۔۔

وہ سیدھی ہوتی سہمی نگاہوں سے ارحام کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔

ارحام حور کو قہربار نگاہوں سے گھورتا اس کی طرف بڑھا تو وہ پیچھے کو کھسکتی بیڈ کراؤن ک ساتھ جا لگی تھی۔۔

ارحام نے اس کے طرف اپنا گھٹنا جمائے اس کے بالوں کو پھر سے اپنی وحشی گرفت میں لیا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔ آپ نے کہا تھا۔۔ آپ ممم۔۔۔ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔۔ وہ ارحام کو پھیگی نگاہوں سے دیکھتے سسکتے ہوے بولی۔۔

اس کی معصومیت سے کہی بات پر اس کے ہاتھ کی گرفت اس کے بالوں پر نرم ہوئی تھی۔۔ مگر ارحام کا غصہ اس پر ذرا برابر کم نہیں ہوا تھا۔۔ وہ اس پر نرمی نہیں کھا سکتا تھا۔۔ یہ چھوٹی بات نہین تھی اس طرح سب کو ڈاج دے کر وہ حویلی سے باہر نکل گئی تھی۔۔ وہ بھی اپنی مرضی سے گل سے ملنے گئی تھی۔۔ شاہنواز گل کی وجہ سے رکا تھا۔۔ ورنہ اس حویلی میں گل نہ ہوتی تو وہ حور کے ساتھ کچھ بھی غلط کر سکتا تھا۔۔ وہ جب جب ایسا سوچتا تو اس کے دماغ میں آتش فشاں پھٹنے لگتا تھا۔۔ جس لڑکی کے ایک بال پر وہ کسی بھی غیر مرد کی ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ کتنے ہی گھنٹے کسی غیر مرد کی حویلی میں تھی۔۔ اگر آج شاہنواز حور کے چہرے کو ایک نظر بھی دیکھ لیتا تو وہ شاہنواز کو تو جان سے مارتا ہی حور کا حال بدتر کرتا۔۔

کس طرح تم نے گل سے رابطہ کیا۔؟!۔۔ گل خان کے ہوتے حویلی سے کیسے باہر نکلی؟؟۔۔ ارحام نے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے غراتے ہوے پوچھا۔۔

ارحام پلیز مم۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے معاف کر دیں۔ حور نے شبنمی لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے بمشکل کہا۔۔ ارحام کو اس کا اس طرح معافی مانگنا اچھا نہیں لگا تھا۔۔ ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت اور نرم کی تھی۔۔ وہ اس کے خوف سے اپنے بالوں کو چھڑوا بھی نہین رہی تھی۔۔ صرف خوف زدہ نگاہوں سے بری طرح کانپتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کی کپکپاہٹ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا خوف ارحام کو بری طرح مشتعل کر رہا تھا۔۔ اس کا اتنا ڈر کپکپانا اسے بلکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔۔ مگر اس نے جو آج کیا تھا وہ کسی صورت معاف نہیں کر سکتا تھا۔۔

جو پوچھا ہے اس کا جواب دو حور۔۔۔وہ یکدم دھاڑا تھا۔۔

حور اس کی دھاڑ پر خوفزدہ ہوتے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے بالوں کو اب چھوڑ دیا تھا۔۔وہ پیچھے کو ہوتی مزید کھسکی تو ارحام اسے بازو سے جکڑ کر اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔

آپ کے فون پر گل کی کال آئی تھی۔۔ مم مم۔میں نے کال رسیو کی تھی۔۔ آپ واش روم میں تھے۔۔ مم میں نے آپ کے فون سے گل کا نمبر لیا تھا۔۔

مم میں نے درخشاں کے موبائل سے گل سے کانٹیکٹ کیا تھا۔۔اس نے مم مجھے ملنے کے بلایا تھا۔۔

گل خان کو درخشاں کے موبائل سے مم میں نے میسج کیا تھا کہ اسے مردانے میں بلا رہے ہیں۔۔ وہ مردانے میں آیا تو مم میں اتنی دیر میں گیٹ سے نکل گئی تھی۔۔ باہر ہی گل کی گاڑی کھڑی تھی۔۔ حور کے بتانے پر ارحام نے اپنی مٹھیاں بھینچی تھی۔

وہ اسے چھوڑتا غیض و غضب سے اب کمرے کے وسط میں چکر لگانے لگا تھا۔۔

شاہنواز بھی تھا گاڑی میں۔۔۔ ارحام کے سلگتے لہجے میں کیے گئے سوال پر حور نے ارحام کو دیکھا۔۔ جس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

جسے دیکھتے حور کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

نن۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔وہ۔۔۔ نہیں تھا۔۔ ارحام۔۔۔ میں گل کے ساتھ پیچھے گاڑی میں بیٹھی تھی۔۔ گل کا ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔۔ مم میں نے حویلی میں بھی ایک بار بھی نقاب نہیں اتارا تھا۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔ سچ کہہ رہی ہوں۔۔ ارحام۔۔ حور اس کی آنکھوں کی وحشت سے گھبراتے ہوے گھٹے گھٹی آواز میں بولی۔۔

تم گل سے ملنے کیوں گئی تھی؟؟ کیوں گئی تھی اس سے ملنے؟؟۔۔ ارحام ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اس کا منہ دبوچ گیا تھا۔۔

ارحام مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ پریذے کو واپس لانے کے لیے گئی تھی۔۔ گل نے کہا تھا وہ مجھ سے بات کر کے آپ کو آپ کی بیٹی دے دے گی۔۔ حور گھٹی گھٹی آواز میں بھیگے لہجے میں بولی۔۔ ارحام اس کا جبڑہ چھوڑتے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور کر رہ گیا تھا۔۔

ارحام نے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے حور کو دیکھا جو بہتے آنسوؤں کے ساتھ سہمی ہوئی ابھی بھی اسے دیکھ رہی تھی۔۔

اسے اس کی معصومیت پر بے انتہا غصہ آرہا۔ تھا۔ وہ گل کے کہنے پر اس سے ملنے چلی گئی تھی۔۔۔

وہ جانتا تھا وہ اس پر لگائے ہوے الزام پر گلٹ میں مبتلا ہے۔۔ مگر ارحام کو اب اس کا گلٹ بری طرح چبھ رہا تھا۔۔

وہ اپنے عمل پر پچھتا رہی تھی۔۔ ارحام کو اس کا پچھتاوہ غصے مبتلا کر رہا تھا۔۔ وہ اس کی تھی اب صرف اس کی۔۔ سر سے پیر تک مکمل طور پر اس کی۔۔ اب اس کا گلٹ اس کا پچھتاوہ کچھ معنی نہیں رکھتا تھا۔۔ اسے اس طرح ہی اس کا بننا تھا۔

ارحام اس کی زرد رنگت اس کے خشک ہونٹ دیکھتا اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

وہ کتنے ہی گھنٹے حویلی میں نہیں تھی۔۔پانی تک شائد اس نے نہیں پیا تھا۔۔

وہ اس کی طرف بڑھا تو وہ سہمتے ہوے بیڈ کی دوسری طرف کھسکی تھی۔۔

ارحام نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو اس کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

جسے دیکھتا ارحام نرمی سے سینے سے لگا گیا تھا۔۔

حور۔۔۔۔ریلکیس کچھ نہیں کہہ رہا تمھیں۔۔ارحام نے نرمی سے اس کی کمر پر اپنا ہاتھ سہلایا تھا۔۔

آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ نے پہلے بھی یہی کہا تھا۔۔ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔۔ حور اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتی معصومیت سے ہچکی لیتے بولی۔۔

ارحام کے لبوں پر اس کے انداز پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ جسے وہ نامحسوس انداز میں چھپا گیا تھا۔۔

میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تم سے۔۔ ارحام نے بہت نرمی سے اس کے بال اس کے عارض سے اس کے کان کے پیچھے اڑسے تھے۔۔

اپ نے میرے بال کھینچے مجھے بیڈ پر دھکا دیا۔۔ وہ ہچکیوں کے درمیان شکوہ کناں لہجے میں بولی تھی۔۔

آئیندہ کبھی تمھارے بال نہیں کھینچوں گا۔اور نہ ہی تمھیں بیڈ پر دھکا دوں گا۔ارحام نے لب بھینچتے کہا۔۔

وہ اس کی اتنی سی سختی پر اس سے شکوہ کر رہی تھی۔۔وہ تو اس سے بہت برا سلوک کر چکا تھا۔۔ارحام کو اندازہ تھا وہ بہت نازک ہے۔۔اس کے پیرنٹس نے شائد بہت نازو نعم سے اسے پالا تھا۔۔

ارحام نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے اس کے لبوں سے لگایا تھا۔۔

حور نے آدھا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کر ڈالا تھا۔

چلو اٹھو فریش ہو۔جاؤ۔میں درخشاں سے کہہ کر کھانا لگواتا ہوں۔۔یہ ڈریس چینج کر کے کوئی اچھا سا نیا نائٹ سوٹ پہنو۔۔ارحام نے نے اس کے

بدن پر موجود ڈریس کو سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔اس کے بدن پر موجود گل کا ڈریس اسے بہت چبھ رہا تھا۔۔

حور ارحام کی بات کا مطلب کچھ اور ہی سمجھتی اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔۔رنگت فق ہوئی تھی۔۔

ارحام اس کے بال نرمی سے سہلائے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

شہرام بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔۔جو پرپل کلر کے پٹھانی گرم فراک میں ملبوس تھی۔۔مرر کے آگے کھڑی اپنے لمبے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔۔شہرام کی گہری نظریں خود پر محسوس کرتے بہارے کا رنگ سرخ پڑ رہا تھا۔۔وہ اس دن کے بعد صوفے پر سو رہا

تھا۔۔ بلکہ دو دن وہ حویلی آیا ہی نہیں تھا۔۔ جب آیا بھی تو صوفے پر سوتا رہا۔۔ آج وہ بیڈ پر لیٹا تھا۔۔ آج سارا دن اس نے ہاسپٹل میں بھی کتنی بار اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔۔

دروازہ بند کیے وہ اس کے ساتھ چھوٹی موٹی گستاخیاں کرتا رہا تھا۔ وہ اب بیڈ پر موجود تھا یعنی وہ خود ساختہ ناراضگی اس سے آج ختم کر چکا تھا۔۔

۔۔ شہرام کی اتنے دن بعد جنونیت سہنا اسے اب بہت مشکل لگ رہا تھا۔۔ وہ اس کی قربت سے تنگ پڑتی تھی۔۔ مگر وہ اس کا شوہر تھا ہر بار تو وہ اسے خود سے دور نہیں جھٹک سکتی تھی۔ مگر آج تھکن سے اس کا انگ انگ چور تھا۔

آج سوات کے مقام پر ایک بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔۔ جس کے باعث سارا دن بہت مصروف اور تھکن زدہ تھا۔۔ وہ لوگ رات کے دس بجے گھر واپس آئے تھے۔۔ شہرام خود دوپہر کے بعد جب کیجویلٹیز ہاسپٹل میں آئی تھی۔۔ وہ خود سارا دن ایمرجنسی میں ایک پاؤں پر کھڑا رہا تھا۔

۔۔

وہ اس کے قریب سے گزرتے اپنی سائیڈ کی طرف بڑھنے لگی تو وہ اسے کلائی سے کھینچتے اپنے اوپر گرا چکا تھا۔۔

شش شہرام چھوڑو مجھے۔۔۔

شہرام میں آج بہت تھک گئی ہوں۔۔ بہارے اس کے حصار سے نکلتے بولی۔۔

میں بھی آج بہت تھک گیا ہوں بہارے۔۔۔۔ آج میری تھکن اتار دو

۔۔وہ اس کے عارض پر اپنے لب رکھتے اس کا پورا وجود اپنے چوڑے سکس

پیک چٹانی برہنہ سینے پر منتقل کرتا مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔ بہارے اس

کی سلگتی سانسوں کی تپش محسوس کرتے گھبراتے ہوا سے دونوں ہاتھوں

سے دور جھٹکتی اس کے حصار سے دور ہوئی تھی۔

شہرام اسے اپنی طرف کھینچتا پھر سے اسے اپنے حصار میں قید کر چکا تھا۔۔

کیوں اتنا گریز برتتی ہو؟؟ کیوں ستاتی ہو مجھے اتنا؟؟ مجھ سے تم بھی محبت

کرتی ہو؟؟ پھر کہنے سے کیوں ہچکچاتی ہو۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے

مدہوش لہجے میں بولا تھا۔۔

وہ اس کی بات سنتے حیران ہوئی تھی۔۔بے شک وہ اسے اپنے شوہر کا درجہ دے چکی تھی۔بلکہ شہرام خانزادہ نے زبردستی خود کو اس کے سر پر مسلط کیا تھا۔۔۔وہ اس سے کبھی محبت کرنے کا سوچ نہیں سکتی تھی۔۔۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو میری بہارے۔۔ایک بیوی اپنے شوہر سے محبت نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟تم صرف مجھے نخرہ دکھاتی ہو تاکہ میں تمھارے نخرے یونہی اٹھاتا رہوں۔۔تو ٹھیک ہے میں ساری عمر اپنی بہارے کے نخرے اٹھانے کو تیار ہوں۔۔بس میرے قریب رہا کرو میری میری دھڑکنوں سے بھی قریب۔۔وہ اسے خود میں بھینچتے رخ پلٹے اس پر مکمل حاوی ہوا۔۔

یہ اچھی منطق ہے تمھاری کہ میں تمھاری بیوی ہوں اس لیے تم سے محبت کرنا مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔۔ مجھ پر تمھارے حقوق ادا کرنا فرض ہے تم سے محبت کرنا نہیں۔۔

میں تم سے کبھی محبت کروں گی یہ تم بھول جاؤ۔۔

بہارے کے تنک کر جواب دینے پر شہرام کا سارا خمار بھک سے اڑا تھا۔۔

وہ اس سے زبان درازی کرتی رہتی تھی۔۔ اس دوران تو جان بوجھ کر کرتی تھی تاکہ وہ غصے میں آکر اس سے دور ہو جائے۔۔ اسے اپنی قربت سے آزادی دے دے۔۔

اچھا میرے حقوق ادا کرنا تم پر فرض ہے تو پچھلے پانچ دنون سے تم نے میرے حقوق برتنے میں کوتاہی کیوں۔ کی۔ شہرام بھڑکتا ہوا بولا۔

تم خود ہی ناراض ہوے تھے۔۔ بہارے نے اس بار بھی تنک کر جواب دیا ۔ تھا۔

میں ناراض ہوا تھا یا تم جان بوجھ کر اس طرح کے زہریلے لفظ بولتی ہو کہ میں تمھارے پاس نہ آسکوں۔۔

شہرام کی بات پر بہارے کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ تو وہ سب سمجھتا تھا۔۔

آج میں نے ایسا کیا کہا ہے۔۔ مین نے سچ بولا ہے شہرام تم مجھے خود سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔۔ محبت تو خود ساختہ جذبہ ہے جو خود ہی ننھی ننھی کونپلوں کی طرح پروان چڑھنے لگتا ہے۔۔ بہارے شہرام کی سرخ آنکھون کو دیکھ کر جلدی سے بولی تھی۔۔

اس کے سرد سپاٹ تنے ہوے نقوش کو دیکھتے اس نے جلدی سے کہا۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔اور تمھیں مجھ سے کبھی بھی محبت نہیں ہو گی۔یہ کونپلیں تمھارے دل میں کبھی نہیں پھوٹے گیں۔وہ اس کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے غرایا تھا۔۔

ہاں۔۔۔۔۔بہارے نے سپاٹ انداز میں کہا۔۔

وجہ صرف میرا ڈگری نہ لینا ہے۔۔میرا کسی بڑے آفیسر کی پوسٹ پر نہ ہونا ہے۔۔شہرام کی سختی اس کی کلائیوں پر بڑھی تھی۔۔

بہارے سسکی تھی اس کی وحشی گرفت میں۔

جواب دو بہارے۔۔۔شہرام نے اب کی بار برفیلے لہجے میں پوچھا۔۔

نہیں تمھاری وہ ضد ہے جو تم نے مجھ سے لگائی تھی۔۔جو انسان صرف میری ضد میں اپنا فیوچر برباد کر دے۔۔وہ مجھ سے محبت کا دعوی کیسے کر سکتا

ہے۔۔وہ تو ضد میں مجھے کبھی بھی چھوڑ سکتا ہے بہارے کی بات پر شہرام استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

جھوٹ مت بولو بہارے۔۔ تم میرے ڈر سے جھوٹ بولتے بات بنا رہی ہو۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میں مر تو سکتا ہوں تمھیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔۔ تم صرف میرے میٹرک پاس ہونے پر مجھے دھتکارتی ہو

شہرام اس کی کلائیاں آزاد کرتے اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔

یہ وجہ تمھارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی شہرام۔۔۔ سوچو ایک پل کے لیے۔۔۔ جس ہاسپٹل مین سب تمھیں سر سر کہتے پھرتے ہیں۔۔ جب

انھیں پتہ چلے گا کہ تمھاری کوالفیکیشن میٹرک پاس ہے سوچو تمھاری کیا عزت رہ جائے گی۔۔ وہاں سب تمھیں بہت پڑھا لکھا سمجھتے ہیں۔۔ بہارے کی بات پر شہرام نے لب بھینچتے سائیڈ ٹیبل پر پڑا واز اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔۔ بہارے واز کے چکنا چور ہونے پر گہرے سانس بھرے تھے۔۔

مجھے بتاؤ شہرام کل کو ہمارے بچے ہو گے۔۔ تم انھیں کیا بتاؤ گے کہ تم نے میری ضد میں اپنا کیریر تباہ کر دیا تھا۔۔

بچے ہوں گے ہمارے۔۔ وہ بہارے کے لفظ دہراتا طنزیہ مسکرایا تھا۔

شہرام۔۔۔تم خود سوچو تم نے کیا کیا خود کے ساتھ میرے

ساتھ۔۔۔زاران لالا۔۔۔ارحام لالا کے کمپنی میں شئیرز ہیں۔۔انہوں

نے اپنی محنت سے کتنی کمپنیاں کھول لی ہیں۔۔۔باہر کے ممالک تک اپنا

بزنس ایکسپینڈ کر چکے ہیں۔۔زاران لالا آلریڈی امریکہ میں اپنا بزنس

سٹیبلش کر چکے ہیں۔یہاں پاکستان میں بھی وہ نیی کمپنی کھول رہے

ہیں۔تمھارے پاس کیا ہے ایک زمین تھی جس پر تم ہاسپٹل کھوگ چکے ہو

۔۔۔سرمایہ تک تمھارے پاس نہ تھا۔۔یہ ہاسپٹل ایک چیریٹی ہاسپٹل ہے

تم جانتے ہو۔۔تمھیں کیا ملے گا وقتی. طور پر صرف شہرت

نام۔۔۔۔تمھاری قابلیت جان کر جو لوگ آج تمھارا ساتھ دے رہے ہیں

وہ بھی ساتھ چھوڑ دیں گے۔۔

تمھاری طرح۔۔۔وہ اس کی بات کاٹتے طنزیہ بولا تھا۔۔

میں پریکٹیکل ہو کر سوچ رہی ہو جو تم نہیں سوچتے۔۔ بہارے اس کے طنز پر بھڑک کر بولی تھی۔

تم پریکٹیکل ہو کر نہیں سوچ رہی بلکہ تم خود غرض ہو بہارے۔۔۔ جس ہاسپٹل میں کام کرنے کے لیے تم مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ آج جب تم اپنا خواب پورا کر رہی ہو۔۔ تمھین وہ ہاسپٹل بھی چبھنے لگا ہے تم نفع نقصان کے بارے میں سوچنے لگی ہو۔۔

نہیں بہارے تم کبھی اتنی خود غرض نہین ہو سکتی۔۔ تم صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے تم یہ سب کہہ رہی ہو تا کہ تم میرے احسانوں تلے نہ دب سکو۔۔ وہ اپنی شرٹ بیڈ سے اٹھاتا پہنتے ہوے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولا تھا۔۔

شہرام تو میں کہاں غلط ہوں۔۔۔ تم یہ سب کر کے مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتے ہو۔۔۔۔ مجھ سے زبردستی رخصتی کی۔ زبردستی میرے قریب آئے۔۔ میں ہر کام کے لیے تمھارا انحصار کیون لینا پڑتا ہے۔۔ میری اپنی بھی کوئی ویلیو ہے کوئی پہچان ہے۔۔۔۔ وہ اس کے مقابل آتے چٹختے بولی تھی۔۔

تمھارے سارے غموں کا ایک ہی غم ہے میرا ساتھ ہونا میرا قریب آنا۔۔ تمھارے نام کے ساتھ میری پہچان ہونا۔۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا طنزیہ بولا۔۔

تم غلط سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔۔ وہ نظریں چراتے ہوے بولی۔۔

نظریں مت چراؤ بہارے۔۔. میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے جواب دو۔۔ شہرام اس کے بازو کو جکڑے اسے خود کے قریب کرتے غرایا تھا۔۔

مجھے سب کچھ قبول ہے۔۔ مگر تم مجھے خود سے محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔ میں تمھاری وفادار ہوں۔۔ ہمیشہ رہوں گی۔۔ مگر اس سے آگے مجھ سے کچھ توقع نہ کرنا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

کیا کروں گا ایسی لڑکی کی وفاداری میں۔۔ جس کے نزدیک کسی انسان سے محبت کرنے کی شرط اس کی قابلیت اس کی اونچی پوسٹ ہو۔۔۔ وہ محبت بھی ناپ تول کر کرے۔۔ تم ایک خود غرض لڑکی ہو۔۔ شہرام اس کے بازو میں انگلیاں پیوست کیے غرایا تھا۔۔

تم بھی خود غرض ہو شہرام۔۔۔ اس حویلی کا ہر مرد خود غرض ہے۔۔۔ بابرک لالا عابیر کے ساتھ کیا کرتا تھا میں جانتی ہوں۔۔ اسے صرف عابیر سے اس کا جسم چاہیے تھا۔۔

ارحام لالا نے حور کو سزا اس کے ناتواں جسم سے پیاس بجھا کر دی۔۔ اور

زاران لالا نے ابرش کو اس کے نکاح سے اغوا کر کے زبردستی نکاح

کیا۔۔ اور امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی کو پچھلے تین ماہ سے ایک کمرے میں بند

کر کے رکھا ہے وہ مرے یا جیے انھیں اس کی پرواہ نہیں۔۔ تم بھی ان جیسے

ہو مرضی کے بغیر رخصتی کی اور پھر مجھ سے اپنا حق لینے کے نام پر زبردستی

کی۔۔ اور اب بھی تم صرف مجھ سے یہی رشتہ قائم کرنا چاہتے ہو۔۔

بہارے خاموش ہو جاؤ ورنہ میرا تم پر ہاتھ اٹھ جائے گا۔۔ شہرام اس کے

باتیں سنتا ظبط سے بولا۔۔

یہ بھی کر لو۔ شہرام۔ تم مجھ پر دو مرتبہ ہاتھ اٹھا چکے ہو۔۔ بہارے نے بھیگے

لہجے مین۔ کہا۔

مین نے تم پر دو مرتبہ ہاتھ اٹھایا تھا۔۔ تمھیں یہ یاد ہے۔۔ کیوں اٹھایا تمھیں شائد یہ یاد نہیں میں تمھیں یاد کرواتا ہوں۔۔

طلاق مانگی تھی تم نے ایک مرتبہ کالج سے واپسی پر۔۔۔۔ میرے خاموش کروانے پر بھی تم چیخ چیخ کر مجھ سے طلاق مانگتی رہی۔۔۔ مجبورًا تمھیں خاموش کروانے کے لیے مجھے تمھیں تھپڑ مارنا پڑا۔۔

دوسڑی مرتبہ حویلی سے بھاگ کر دبئ جارہی تھی۔۔ تب تمھیں تھپڑ مارنا پڑا۔۔

اور آج بھی میرا کچھ ایسا ہی دل کر رہا ہے۔۔ تمھارے گال سجا کر رکھ دوں۔۔ مگر آج تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔۔ تم جیسی لڑکی پر ہاتھ اٹھانا بھی اب میری توہین ہو گی۔۔ شہرام اپنی جیکٹ صوفے سے پکڑے پہنی تھی۔۔ گاڑی کی چابیاں ٹیبل سے اٹھائے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

اپنی بات پر قائم رہنا۔۔ تمھاری خود ساختہ ناراضگی اور غصہ ختم ہونے میں پل نہیں لگتا۔۔

جس لڑکی کو تھپڑ مارنا تم اپنی توہین سمجھتے ہو۔۔اس کے قریب آتے ہوے بھی اب سو بار سوچنا۔۔ بہارے اس کی پشت کو دیکھتے بولی تھی۔۔

شہرام اس کی بات سنتے ٹھہرا تھا۔۔ مگر پلٹا نہیں تھا۔۔

تم کچھ بھی کر لو شہرام۔۔ مگر بہارے تم سے کبھی محبت نہیں کرے گی۔۔

بہارے کی بات پر اس کے مضبوط آہنی ہاتھ کی مٹھیاں بھنچی تھی۔۔۔اس کے بھینچی ہوئی مٹھی کی کڑاکڑاہٹ بہارے تک کو سنائی دی تھی۔

وہ دروازہ دھاڑ سے بند کرتے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

اس کے دھاڑ سے دروازہ مارنے پر وہ لرز کر رہ گئی تھی۔ کتنی ہی دیر تک یہ دھاڑ اس کے کانوں میں گونجتی رہی تھی۔۔

ارحام کے حویلی آنے پر ڈائینگ ٹیبل پر کھانا سجا دیا گیا تھا۔۔

سب کھانا کھا چکے تھے۔۔ مگر ارحام کی وجہ سے دوبارہ ٹیبل پر کھانا لگایا گیا تھا۔۔ اس وقت ڈائینگ روم میں درید خان سمیع اللہ خان اور امینہ خانم موجود تھے۔۔ باقی سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔۔ ارحام کے حویلی آنے کی خبر کسی کو نہ تھی۔

وہ ڈاینگ ٹیبل پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ چہرے کے تاثرات انتہائی پتھریلے تھے۔۔ رنگت انتہائی سرخ ہو رہی تھی۔۔ حور حویلی میں اتنے گھنٹے نہیں تھی اور کسی کو اس بات کی خبر ہی نہیں ہو سکی۔۔ یہی بات ارحام خانزادہ کو غیض و اشتعال میں مبتلا کر رہی تھی۔۔ وہ اسلام آباد میں اپنی عزت کو ان سب کے بھروسے پر چھوڑ کر جاتا تھا۔۔ اگر گل اسے خبر نہ کرتی تو ابھی بھی کسی کو اس بات کا احساس ہی نہ ہوتا.. وہ سمجھتا تھا حور کی اس حویلی میں اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ مگر حور کی ذات اب اس کے ساتھ جڑی تھی۔۔

سمیع اللہ خان اور درید خان نے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا جو بہت خاموشی سے چیئر پر بیٹھا اپنی پلیٹ میں چمچ پھیر رہا تھا۔۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ بڑوں کی موجودگی میں بلکہ سپیشلی امینہ خانم کی موجودگی میں اتنے سرد اور

پتھریلے تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ورنہ امینہ خانم کی وہ بے حد عزت کرتا تھا۔۔۔

کیا ہوا ہے ارحام سب خیریت تو ہے؟؟ یہ تم آج اتنا خاموش کیوں ہے؟؟ سمیع اللہ خان نے کھنکھارتے ہوے پوچھا۔۔

کچھ نہیں داجی ویسے ہی۔۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے پلیٹ دور کھسکائی تھی۔۔ مگر اس کے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

ارحام بیٹا تم کو کھانا پسند نہیں آیا کیا؟؟ امینہ خانم ارحام کے پلیٹ دور کھسکانے پر پریشان ہوئی تھی. ارحام کی اتنی سرد مہری پر بھی ان کا دل گھبرایا تھا۔

نہیں مورے ایسی بات نہیں ہے مجھے بھوک نہیں ہے۔۔ میری فکر مت کریں آپ۔۔۔۔

ارحام کا لہجہ کافی سپاٹ تھا۔۔

جسے امینہ خانم کے علاوہ درید خان نے بھی محسوس کیا تھا۔۔

ارحام آفس میں تو سب ٹھیک ہے؟؟ درید خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

جی چچا جان۔۔۔ آفس میں سب ٹھیک ہے۔۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔۔ ارحام نے آئی بروا چکائے سنجیدگی سے پوچھا۔

اس بار حویلی جلدی آگیا ہے اس لیے پوچھ رہا ہوں.

ارحام کے انداز و اطوار دیکھتے درید خان کے ماتھے پر بھی اب بل گہرے ہوے تھے۔

آفس میں کوئی خاص کام نہیں تھا تو سوچا حویلی آجاؤں۔۔ حویلی میں یہاں آپ لوگوں کے علاوہ میری بیوی بھی ہے۔۔۔ ارحام نے لفظ بیوی پر کافی زور دیا تھا۔۔

۔۔ ارحام کے لب و لہجے اور اس کی بات پر سمیع اللہ خان اور درید خان ٹھٹھکے تھے۔۔ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ سمجھے نہیں تھے۔۔

اچھا کیا ارحام تم نے۔۔ تم حویلی آگیا۔۔ وہ بچی جب سے یہاں آیا ہے۔ حویلی میں بند ہے۔۔ تم اس کو باہر لے کر جاؤ۔۔ بلکہ اس کو کچھ دن اسلام آباد میں اپنا ساتھ رکھو۔۔۔ سمیع اللہ خان نے ارحام کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے کہا۔

اس کی ضرورت نہیں داجی۔۔۔۔وہ یہاں پر ہی ٹھیک ہے۔

حور صرف میری بیوی نہیں۔۔اس حویلی کی بہو بھی ہے۔۔وہ اگر کہیں رہے گی تو صرف اس حویلی میں رہے گی۔۔۔۔۔آپ لوگوں کے پاس رہے گی۔۔لیکن مجھے لگتا ہے آپ لوگ ایسا نہیں چاہتے۔۔ارحام نے غصے سے بولتے لفظ چبائے تھے۔۔

ارحام تم کیا کہنا چاہتا ہے؟؟ کھل کر کہو۔۔حور نے کچھ کیا ہے۔۔یا پھر ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔۔امینہ خانم نے پریشانی سے پوچھا۔۔

مورے۔۔۔۔آج حور سارا دن کمرے میں رہی ہے۔۔۔باہر نہیں آئی کسی نے اس کے کمرے میں جھانکا بھی نہیں۔وہ کہاں ہے؟؟ کیا کر رہی

ہے ؟؟ آپ اس گھر کی بڑی ہیں۔۔ آپ کو اس کی خبر رکھنی چاہیے تھی۔۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے۔۔ آپ کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے وہ بھی اس گھر کی بہو ہے۔۔ میری عزت ہے۔۔

ارحام امینہ خانم سے سپاٹ لہجے میں باز پرس کرتے ہوے بھڑکا تھا۔۔ ۔۔زندگی میں پہلی بار اس کا لہجہ امینہ خانم سے بات کرتے ایسا ہوا تھا۔۔ اس کا غصہ اشتعال حور کے ساتھ ساتھ حویلی کے مکینوں پر بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ حویلی کی دہلیز عبور کر گئی۔۔ کسی کو خبر ہی نہیں ہو سکی۔۔ اس کی عزت اس کی بیوی کی حیثیت حویلی میں کیا نہ ہونے کے برابر تھی۔۔ وہ حور سب کے پاس اس لیے چھوڑ کر گیا تھا وہ کہیں بھی منہ اٹھا کر چلی جائے کسی کو خبر ہی نہ ہو۔۔

ارحام بیٹا۔۔۔ ہم کو اس بارے میں نہیں پتہ۔۔۔ آج ہمارا طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھا۔۔۔

مورے آپ بڑی ہیں۔۔۔ حور آپ کی بہو ہے۔۔ اگر وہ کمرے سے باہر نہیں آئی آپ کو اس کی خبر رکھنی چاہیے تھی۔۔ ارحام امینہ خانم کی بات کاٹتے تند و تیز لہجے میں بولا۔۔

ارحام یہ کس طرح بات کر رہے ہو اپنی مورے سے ؟؟ درید خان نے ارحام کے لہجے پر اسے ناگواری سے ٹوکا تھا۔۔

تمھارا بیوی کمرے سے باہر نہیں آیا۔۔ یہ بات تم اس سے جا کر پوچھو۔۔۔ امینہ کیوں اس کی خبر رکھے گا؟؟۔۔ آج سارا دن تمھارا مورے کا طبعیت خراب رہا ہے۔۔ وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔۔ تمھاری حویلی آمد کا سن کر وہ بخار میں بھی تمھارا واسطے ادھر آیا اور تم اس طرح بات کر رہا

ہے۔ درید خان کی آواز غصے سے اونچی ہوئی تھی۔۔ یہی حال سمیع اللہ خان کا تھا۔

ارحام یہ سنتا خاموش ہو گیا تھا۔۔

کوئی بات نہیں خان۔۔ ارحام ہمارا بیٹا ہے۔۔ ہم سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے۔۔ وہ ہمارا بھروسے ہی تو اپنا بیوی یہاں چھوڑ کر جاتا ہے۔۔ امینہ خانم نے رسانیت سے کہا تو ارحام گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ ارحام نے امینہ خانم کا چہرہ بغور دیکھا جو کافی مضمحل نظر آ رہا تھا۔۔ وہ آئے دن بیمار رہتی تھی ۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔۔ اس حویلی میں ایک وہی تھیں۔ جو حور کے ساتھ سخت رویہ بھی اپناتی وہ کبھی امینہ خانم سے باز پرس نہ کرتا۔۔ وہ انھیں ماں کا درجہ دیتا تھا۔۔ مگر یہاں بات اور تھی۔۔۔ حور حویلی سے باہر چلی گئی اس لیے اسے آج امینہ خانم پر بھی غصہ آ گیا تھا۔

ارحام نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ان کی ہتھیلیاں شدت سے چومیں۔

مورے کیا ہوا آپ کو؟؟ امینہ خانم کا بخار میں سرخ چہرہ دیکھ کر اب اسے شرمندگی ہوئی تھی۔۔ ان کے ہاتھ ابھی بھی بخار کی حدت سے جل رہے تھے۔۔

ارحام بیٹا صبح سے بخار ہے۔۔ آج سارا دن درخشاں اور پلوشہ ہمارا ساتھ ہی رہا ہے۔۔ تم کو پتہ ہے بہارے سارا دن ہسپتال میں ہوتا ہے۔۔ عابیر کا اب شوہر ہے ساس ہے۔۔۔ اس کا اپنا بہت سا کام ہوتا ہے۔۔ ابرش زاران کے ساتھ باہر گھومنے گیا ہے۔۔ ایسے میں کوئی بھی ہمارا پاس نہیں تھا۔ اس لیے بیچارہ درخشاں اور پلوشہ ہمارے پاس سے ہلا بھی نہیں۔۔ ورنہ درخشاں کو ضرور خبر ہوتی کہ حور کمرے سے باہر نہیں آیا۔۔

اس لیے ہم کو بھی خبر ہی نہیں ہو سکا۔۔ آج حور کمرے سے باہر نہیں آیا۔۔ امینہ خانم نے وضاحت دی تو ارحام مزید شرمندہ ہوا تھا۔۔

مورے۔۔۔۔ میں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔۔۔ میری بیوی پر میری مورے کا پورا پورا اختیار ہو۔۔ آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔۔ اس بات کی خبر اسے بھی تو ہونی چاہیے تھی۔۔ اگر وہ کمرے سے باہر نہیں آتی تو آپ اس سے باز پرس کرنے کا حق رکھتی ہیں۔۔ اسے یہاں پر ایک بہو کی طرح رہنا چاہیے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے گھر کی عورت کا زیادہ وقت کمرے میں گزارنا پسند نہیں ہے۔۔ ارحام نے ان کے ہاتھ تھامے وضاحت دی۔۔۔

امینہ خانم مسکرا کر رہ گئی تھیں۔۔ ہم جانتا ہے ہمارا ارحام کو ہمارا بہت فکر ہے۔ تم فکر نہ کرو۔۔۔ آئندہ حور کا ہم پورا دھیان رکھے گا۔ امینہ خانم نے ارحام کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔۔

میں بہت تھک گیا ہوں مورے۔۔۔ میں آرام کروں۔ گا۔ ارحام سنجیدگی سے کہتا اٹھ کر چلا گیا تھا۔

سمیع اللہ خان اور درید خان ارحام کو سنجیدہ نظروں سے دیکھ کر رہ گئے تھے ۔۔ اس کی سرخ آنکھیں اور سرد چہرہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا۔ تھا۔ یقیناً بات کچھ اور تھی جو وہ چھپا رہا تھا۔۔۔

وہ کمرے میں نہیں آیا تھا بلکہ مردانے کے لاونج میں اشتعال سے چکر لگانے لگا۔ حور حویلی سے نکل گئی کسی کو خبر ہی نہیں ہو سکی۔۔ حور اتنی ڈری ہوئی تھی وہ مزید اسے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔۔ اس نے کسی کو حور کے بارے میں اس لیے نہیں بتایا تھا اگر یہاں حویلی میں کسی کو ذرا بھی خبر ہوتی حور اتنے گھنٹے حویلی سے باہر تھی۔۔ تو کتنی ہی انگلیاں حور کی طرف اٹھتی جو اسے گوارا نہ تھا۔۔

اگر حور اپنی مرضی سے گل سے ملنے نہ گئی ہوتی تو یقیناً آج وہ گل خان کے بخیے ادھیڑ دیتا۔۔ حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔۔

زندگی میں پہلی مرتبہ ارحام کو آج امینہ خانم سے بھی شکائت ہوئی تھی۔۔۔وہ حویلی میں نہیں تھی اس کی خبر امینہ خانم کو بھی نہیں تھی ۔۔۔یعنی وہ کھانا کھائے نا کھائے وہ کمرے سے باہر آئے یا نہ آئے کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔۔۔شائد اس کا سلوک جو حور کے ساتھ تھا۔اس کی وجہ سے حور کا وجود یہاں کسی کے لیے نہ ہونے کے برابر ہے۔۔بے شک اس کا سلوک بند کمرے میں اس کے ساتھ تھا۔۔ مگر حور کا ڈرا سہما روپ سب پر باور کروا چکا تھا۔۔۔اس کا رویہ بند کمرے میں اس کے ساتھ کیا ہے۔۔

اس نے کسی سے بھی باز پرس اس لیے نہیں کی تھی۔۔حور اپنی مرضی سے گل سے ملنے گئی تھی۔کسی کو بھی خبر ہوتی وہ حور کو اس سب کا قصوروار ٹھہراتے۔۔اسے بہت برا بھلا کہتے۔۔۔۔ سمیع اللہ خان درید خان یا اربد خان یہ سنتے بھڑک اٹھتے۔۔۔بلکہ کوئی بعید نہ تھا وہ لوگ حاکم خان کی حویلی

پہنچ جاتے۔۔یقیناً شاہنواز کی سزا موت ہوتی ان کے نزدیک۔۔موت تو وہ بھی شاہنواز کو دینا چاہتا تھا۔۔مگر پریذے کی قسم نے اس کے ہاتھ باندھ دیے تھے۔۔وہ چاہ کر بھی گولی نہ چلا پایا تھا۔۔مگر اسے چھوڑنے کا اس کا آرادہ نہ تھا۔۔شاہنواز کی سزا موت سے بھی بدتر تھی اس کے نزدیک۔۔۔۔۔ارحام نے غصے سے سرخ ہوتے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔اگر یہاں حویلی میں سب کو خبر ہوتی حور اپنی مرضی سے گئی ہے تو یقیناً اربد اور درید خان حور کو نہ چھوڑتے۔وہ بہت بری طرح اس سے باز پرس کرتے۔۔یہ کوئی چھوٹی بات نہ تھی حویلی کی عورت یوں حویلی کا گیٹ عبور کرتے ان کے دشمنوں سے ملنے چلنی گئی تھی۔۔

وہ نہیں چاہتا تھا کوئی غلطی سے بھی حور کو کچھ بھی کہے۔۔۔۔ حور اس کی عزت تھی۔۔ اسے یہ بات پہلے دن سے گوارا نہیں تھی کہ حویلی کا کوئی بھی افراد اس کے کیے کی کسی بھی قسم کی اسے سزا دے۔۔ اب تو وہ بالکل برداشت نہیں کر سکتا تھا کوئی اس سے اونچی آواز میں بات بھی کرے۔۔

وہ ابھی تک حویلی کے مردوں کو دیکھ کر گھبراتی تھی۔۔ شائد جرگے میں سب کو چلاتا دیکھ کر وہ ان سب سے ڈر گئی تھی۔۔

وہ مردانے میں تھوڑی دیر ہی گزار کر کمرے میں آ گیا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کمرے میں آیا تو حور کمرے میں نہیں تھی۔۔ وہ شائد واش روم میں تھی۔۔ وہ اپنا سگریٹ کیس اٹھائے اپنی جیکٹ پہنتے اپنا موبائل پکڑے ٹیرس پر چلا آیا۔۔۔

ٹیرس پر آتے اس نے اپنی سیکرٹری کو میسج کرتے حور کے لیے برینڈڈ کپڑے اور باقی کی ضرورت کی چیزیں کل شام تک حویلی پہنچانے کو کہا تھا۔۔

ارحام نے موبائل اپنے جیکٹ میں ڈالتے ہوے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگایا

گل کی بات سے زیادہ اسے حور کی نظریں نہیں بھول رہی تھیں۔۔ جن میں گہرے شکوے تھے۔۔

دفعتاً حور کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

ارحام نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے بے چینی سے اپنی آئی بروبے مسلی۔۔ اپنے ہی لفظ سماعتوں پر زہر بن کر اترے تھے۔۔ کوئی اپنے ہی لفظوں سے نیلا ہوتا ہے۔۔ مگر آج اس کے اپنے لفظوں کی گونج نے اس کا خون جیسا نیلا کر دیا تھا۔ اپنے ہی لفظ زہر بن کر اس کی سماعتوں میں ہی نہیں روح میں بھی سرائت کر گئے تھے۔

جس کمرے میں تم کھڑی ہو وہ گل کا تھا۔۔ جس بیڈ پر تم سوتی ہو) وہ گل کے جہیز کا ہے۔ اسی کے شوہر کے ساتھ تم نے بے شرمی سے راتیں گزارنے کا ذکر بڑے دھڑلے سے کرتے اسی کے شوہر کو اپنے جھوٹ فریب سے اپنا شوہر بنالیا۔۔ یعنی تمھارے حصے میں شوہر بھی گل کا آیا۔ جھوٹن۔۔۔۔۔۔ اترن۔۔۔۔۔۔۔۔ ہی تو

تمھارے حصے میں آئی ہے۔۔۔ایسی باتیں تمھارے منہ سے سوٹ نہیں کرتی ۔۔

اب تم ساری عمر گل کے ہی کپڑے پہنوں گی۔۔۔۔

یہ وہ ڈریس ہے جسے گل نے صرف ایک بار پہنا ہے۔۔اسے ابھی تک واش بھی نہیں کیا تم اسی قابل ہو کہ اس کے بدن کی اترن ہی پہنو۔۔۔وہ اس کے منہ پر گل کا ڈریس مارتے دھاڑا تھا۔)

ارحام نے یہ یاد کرتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

یہ سچ ہے شروع میں اسے حور پر غصہ تھا۔اس کی وجہ سے گل پریذے اس سے دور ہوئی۔۔وہ اسے سزا دینا چاہتا تھا۔۔مگر گزرے وقت کے ساتھ وہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ گل کے کپڑے پہن رہی ہے۔۔حور کے بدن پر پہنا

کپڑا اسے کبھی گل کی یاد ہی نہ دلا سکا تھا۔۔ وہ تو اسے ہر رنگ ہر کپڑے میں دیکھ کر مبہوت ہو جاتا تھا۔۔۔ ایسا لگتا تھا یہ رنگ یہ کپڑا بنا ہی اس کے لیے ہے۔۔

اس سے بے انتہا نفرت کے باوجود بھی وہ اس کے دو آتشہ روپ سے نظریں چرا ہی نہ سکتا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک سگریٹ سلگائے وہیں پر کھڑا رہا۔۔ اب اس کا اگلا لائحہ عمل کیا تھا وہ سب کچھ سوچ چکا تھا۔۔ شاہنواز کی جو حالت تھی وہ کچھ مہینوں تک اس کے بارے میں سوچنے کے قابل بھی نہیں رہنا تھا۔۔ گل کو ہینڈل کرنا وہ جانتا تھا۔۔ وہ چاہتا تو گل کے منہ سے پریذے کا پتہ اگلوا سکتا تھا۔۔۔ مگر اس وقت اسے گل سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔۔ وہ اس کی عزت کو

نقصان پہچانے تک اس حد تک گر گئی تھی کہ حور کو اغوا کر لیا تھا۔۔ اگر غلطی سے بھی شاہنواز حور کو کوئی نقصان پہنچا لیتا تو وہ تو خود کو بھی شائد گولی مار دیتا۔۔ اس کی عزت کو کوئی دیکھے بھی وہ ایک خانزادہ کو کہاں گوارا تھا۔

ارحام سگریٹ اپنے شوز کے نیچے مسلتے ہوے کمرے میں آیا تو وہ ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔۔

ارحام نے بیڈ کی طرف بڑھتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

ارحام نے ڈریسنگ روم کی طرف نگاہ کی۔۔ ڈریسنگ روم کے بڑے سے گلاس سلائیڈنگ خوبصورت ڈور سے جلتی روشنی میں حور کا مدھم سا عکس نظر آ رہا تھا۔۔

ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

حور۔۔ ارحام نے اپنی ٹی شرٹ اتارتے ہوے حور کو پکارا۔۔ جانتا تھا وہ خود سے باہر نہیں آئے گی۔۔۔

وہ اس کی پکار پر اسی لمحے سلائیڈنگ گلاس ڈور کھولتے باہر آئی۔۔

اس کی فرمانبرداری پر ارحام کے لبوں پر چھائی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

اگلے ہی پل ارحام اسے دیکھتا مبہوت ہوا تھا۔۔ نظریں اس پر ٹھہر سی گئی تھیں۔۔ وہ آف وائٹ فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔۔ کھلے بالوں میں اور جھجھکتی شرماتی ہوئی وہ اپسر الگ رہی تھی۔۔

چہرے پر اب زردی کی بجائے ہلکا ہلکا گلابی پن تھا۔۔

وہ اس کے سامنے اپنے لب بری طرح کاٹتے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ ارحام کی آنکھیں پل میں خمار زدہ ہوئی تھیں۔

کاجل کا اک تل تمھارے لبوں پہ لگالوں

چندا اور سورج کی نظروں سے تم کو بچالوں

پلکوں کی چلمن میں آؤ میں تم کو چھپالوں

ارحام کی نظریں دیوانہ وار اس پر جان نثار ہوئی تھیں۔

ادھر میرے پاس آؤ۔۔ ارحام نے بھاری آواز میں اسے اپنے پاس بھلایا۔۔

ارحام کی خمار آلود نگاہیں اور اس کی بھاری آواز سنتے حور کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تھا۔۔۔

وہ سرخ رنگت کے ساتھ اپنے لب کاٹتے وہیں پر کھڑی اسے ایک نظر دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔ ارحام خانزادہ کی جنونیت کا سوچتے ہی اس کے قدم قدم من من بھاری ہوے تھے۔۔

جب جب اس سے غلطی ہوتی تھی وہ اپنا غصہ اشتعال جنون کی صورت میں اس کے بدن پر اتارتا تھا۔۔ آج کی غلطی تو یقیناً ناقابل معافی تھی۔۔

اسے ادھر ہی جما دیکھ کر ارحام خانزادہ بے قرار ہوا تھا۔۔ اس کا دور کھڑا رہنا برداشت نہیں ہوا تھا۔۔ اتنی سی دوری اس پر جیسے عذاب بن کر ٹوٹی تھی۔۔ اس کا گریز اسے سوئی کی طرح چبھا تھا۔۔

ادھر آؤ۔۔۔۔ ارحام نے بے قرار ہوتے اسے پھر سے پکارا تھا۔۔

حور اس کی پکار پر بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔ مگر اس کے قدم اس کی طرف بڑھے نہیں تھے۔

ارحام کی آنکھوں میں خمار کی جگہ وحشت کی سرخی اتری تھی۔۔ وہ اس سے دور کیوں کھڑی تھی؟؟۔ وہ اس کے پاس آ کیوں نہیں رہی تھی۔۔

وہ چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ سکتا تھا۔۔ مگر وہ چاہتا تھا وہ اس کی طرف خود آئے۔۔۔

ادھر آؤ حور۔۔۔ ارحام کی سرد پکار میں اب کی بار کافی تڑپ تھی۔۔ جسے حور محسوس ہی نہ کر سکی۔۔

حور اس کی سرد پکار پر خود کو گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔۔ اس کے قریب وہ آ کر رکی تھی۔۔

ارحام نے اس کی کلائی نرمی سے پکڑے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے کا حصہ بنی۔۔

ارحام کی گود میں بیٹھی اس کے سکس پیک پر اپنے نازک ہاتھ رکھے وہ ارحام کی سرخ خمار آلود آنکھوں میں دیکھتے گھبرائی تھی۔۔

کرسٹل براؤن آنکھوں میں خوف کی تحریر رقم ہوئی۔۔وہ دھوپ چھاؤں جیسا تھا اس کے لیے۔۔پل میں نرم پل میں گرم۔۔۔اس کی نرمی کب سختی میں بدلتی تھی اسے پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ارحام اس کے عارض پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرے اسے اپنے اوپر منتقل کیے کروٹ بدل گیا۔۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر پر گھٹا بن کر چھایا۔۔

اتنا گھبراتی کیوں ہو مجھ سے ؟؟ ارحام نے نرمی سے اس کی آنکھوں کو اپنے لبوں سے چھوا تو حور کی آنکھیں تحیر زدہ ہوتے پھیلی تھیں۔

وہ اس کے نرم لمس پر حیران ہوئی تھی۔۔

ارحام اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں تحیر دیکھتا ہلکا سا ہنس دیا تھا۔

حیران ہو رہی ہو میری نرمی پر۔۔ وہ اس کے گلابی لبوں پر نرمی سے اپنا انگوٹھا مسلتے بھاری آواز میں بولا۔۔

تم اتنی اتنی نازک ہو۔۔ تمھیں تو ایک کانچ کی گڑیا کی طرح چھونا چاہیے۔۔ ارحام نے کہتے اس کے عارض پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔۔

مگر کیا کروں تم اتنی خوبصورت ہو کہ ارحام خانزادہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا ۔۔ وہ جنونی ہو جاتا ہے۔۔ تمھاری دشمن سچ میں تمھاری خوبصورتی ہے۔۔ وہ

مدہوش ہوتا اس کے کان کی لو کو اپنے دانتوں سے کاٹ گیا۔۔ حور کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی۔۔

ارحام نے مدہوش ہوتے اس کی گردن پر دیوانہ وار اپنے لب رکھے تھے۔۔ تم ارحام خانزادہ کا جنون نشہ بنتی جا رہی ہو۔۔ وہ اس کے کان میں جھکتا مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔۔

ارحام کے ہاتھوں کی بے باکی بڑھتے اب اس کے ہاتھ اس کے گاؤن کی ڈوریوں میں الجھے تھے۔۔

ارحام نے اس کے گاؤن کی ڈوریاں کھولتے اس کا گاون ریموو کیے اس کے پھولوں سے بھی زیادہ نازک وجود کو اپنے برہنہ سینے پر منتقل کیا۔۔ حور نے

اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔۔۔ جہاں خمار کی سرخی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی سلگتی سانسیں اس کے چہرے کو جیسے سلگا رہی تھیں۔۔ حور گھبراتے ہوئے آنکھیں میچ گئی۔

ارحام نے اس کے سلکی بالوں میں انگلیاں نرمی سے پھنساتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑے اوپر اٹھایا۔۔۔ وہ اسے ایک نظر دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔ ارحام نے ایک بار پھر سے اس کے چہرے پر گہری نگاہیں ڈالی تھیں۔ وہ پتہ نہیں اس کے چہرے پر کیا ڈھونڈ رہا تھا؟؟ وہ اس کی گھبراہٹ کپکپانے کو اس کی شرم وحیا پر محمول کرنا چاہتا تھا۔۔ اس کی گھبراہٹ اس کا ڈرنا ارحام کو اب زک پہنچانے لگا تھا۔

ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے چھوتے اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی کرسٹل براون آنکھوں میں پھر سے جھانکا۔۔

حور کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں نمی دیکھ کر ارحام کی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری اتری تھی۔

یہ آنکھیں نم کیوں ہیں؟؟ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا جو ان آنکھوں میں آنسو آن ٹھہرے ہیں۔ ارحام نے سرد لہجے میں پوچھا تو حور نے اس کے سرد لہجے سے گھبراتے ہوئے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے مسلیں۔۔

نن. نہیں تو میری آنکھوں میں آنسو تو نہیں ہیں۔۔ حور نے گھبراتے ہوئے کہا۔۔

ارحام اس کی گھبراہٹ اس کے گریز پر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ میں تمھارے قریب نہ آیا کروں۔۔ ارحام نے برفیلے لہجے میں پوچھتے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکا۔۔

نن۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ تو مم میں ایسا نہیں چاہتی۔۔۔

حور نے ارحام کے برفیلے لہجے کو محسوس کرتے ٹوٹے لفظوں سے کہا

تو پھر کیا چاہتی ہو تم؟۔۔۔ ارحام کے لہجے کا سرد پن بڑھا تھا۔ حور کے بالوں پر گرفت بھی مضبوط ہوئی تھی۔۔۔۔

مم۔۔ میں چاہتی ہوں۔ آپ روز میرے قریب آئیں۔ حور جلدی سے گھبراتے ہوئے بولی تو ارحام کا قہقہ گونجا تھا۔

حور اس کا قہقہ سنتے شرم و خفت سے سرخ پڑتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔ اپنے لفظوں کا احساس ہوا تھا کہ وہ عجلت میں گھبراہٹ کے باعث کیا کہہ گئی ہے۔

تم روز اپنے پاس آنے کی بات کرتی ہو۔۔ میں تو تم سے ایک پل نہیں اب دور رہنا چاہتا وہ گھمبیر تا سرگوشی کرتے

اسے اپنے سینے میں بھینچتے رخ پلٹ گیا تھا۔۔ حور کے شرم و خفت سے گلابی ہوتے چہرے کو دیکھتے وہ سرشار ہوا تھا۔۔

کچھ دیر پہلے اس چہرے پر صرف گھبراہٹ تھی۔۔ اب گھبراہٹ کے ساتھ شرم و حیا کی سرخی بھی تھی۔۔۔

اب وہ اس کے چہرے پر شرم وحیا کے علاوہ کوئی رنگ نہیں دیکھنا تھا۔۔نہ خوف نہ ڈر اور نہ ان کرسٹل براؤن آنکھوں میں موتی دیکھنے تھے۔۔

ارحام نے اس کی سلویس نایٹی کے سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے ریموٹ سے کمرے کی تمام لائٹس آف کرتے کمرے کی ایک ایل ای ڈی نلیگوں مدھم سی لایٹ آن کی تھی۔ تھا۔۔وہ ان مسحور کن پلوں میں حور کے خوبصورت چہرے سے نظریں نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔۔

وہ اس کے اور اپنے بیچ ہر پردے کو آزاد کرتے اسے بہت نرمی سے خود میں سما گیا۔

بھیگتی رات گہری تاریک ہوتی جارہی تھی۔۔جیسے جیسے گہری رات میں ٹھنڈک اتر رہی تھی۔۔ویسے ویسے ارحام کی شدتوں میں جنون اترا رہا تھا۔۔وہ اس پر اپنا حق سمجھتے اس پر اپنی شدتیں ڈھا رہا تھا۔۔حور کو دیکھ کر

ارحام خانزادہ کے دل و دماغ میں ایک ہی جذبہ بہت شدت سے سرائت کرتا تھا۔۔ وہ تھا حق ملکیت کا۔۔ اس کا کوئی نہیں تھا ارحام خانزادہ کے نزدیک وہ صرف اس کی تھی۔۔ سر سے پاؤں تک اس کی ملکیت۔۔۔ ابھی تک اس جذبے سے اشنا ہو نہیں پایا تھا وہ تھا کھونے کا احساس۔۔۔۔

ارحام کی شدتیں سہتے حور کی آنکھوں سے آج بھی آنسو بے مول ہوتے اس کے عارض کو بھگو رہے تھے۔۔

ارحام کے لفظ آپس میں گڈ مڈ ہوتے اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔۔

تمھاری دشمن تمھاری خوبصورتی ہے۔۔ تم ارحام خانزاہ کا جنون نشہ ہو۔۔۔

یہی لفظ تو وہ پہلے بھی سن چکی تھی۔۔

لفظوں کا ہیر پھیر تھا کیا بدلا تھا آخر۔۔۔

تمھاری دشمن تمھاری بے پناہ خوبصورتی ہے۔۔ تم سے بے پناہ نفرت کے باوجود تمھاری خوبصورتی مجھے تمھاری طرف کھینچتی ہے۔۔۔ اب سزا کے طور پر میری قربت تمھارا مقدر ٹھہرے گی۔۔ جس میں تم قطرہ قطرہ جھلسو گی۔۔ تڑپو گی مگر مجھ سے نجات نہیں ملے گی۔۔. ارحام خانزادہ کے لفظ یاد کرتے حور کی آنکھوں کی جلن بڑھی تھی۔

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ آج بھی جنونی تھا۔۔ مگر وہ اپنی جنونیت میں نہ اپنے جذبوں کو سمجھ پا رہا تھا۔۔ نہ ہی اپنی قربت میں سسکتے ہوے وجود کے احساسات کو۔۔ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔۔ حق ملکیت

کی گردان کرتے کرتے وہ اس سے خود سے کتنے صدیوں کے فاصلے پر لے جا چکا ہے۔۔

سینے میں اٹھتے ہیں ارمان ایسے

دریا میں آتے ہیں طوفان جیسے

کبھی کبھی خود ہی ماجی

کشتی کو ڈبوتا ہے

ہو گی کسی کو پہچان کیسے

آنکھوں میں آنسو ہیں پانیوں جیسے

حیدر خان کی صبح آنکھ کھلی تو فرشتے اس کے پاس نہیں تھی۔۔اس نے بمشکل آنکھیں کھولتے کمرے میں نظریں دوڑائیں وہ کہیں بھی نہیں تھی۔۔حیدر خان کی نیند اب اڑ چکی تھی۔۔۔۔۔وہ یقیناً اتنی صبح کچن میں تھی۔اس نے جھنجھلاتے ہوئے اپنے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر زمین پر دے مارا تھا۔۔

وہ اور فرشتے صبح شاور لے کر فجر کی نماز ادا کر کے سوئے تھے۔۔وہ رات بھر اسے سونے ہی کہیں دیتا تھا۔۔وہ اچھی بیویوں کی طرح مسکراتے ہوئے اپنا ہر حق ادا کرتی تھی۔

" This is too much"

وہ خود سے بڑبڑاتا ہوا اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے جھنجھلاتے ہوے اٹھ کر بیٹھا تھا۔۔

فرشتے کے آنے سے پہلے کچن کے کام ملازمہ کرتی تھی۔۔اب اس پر سارے کام کا بوجھ ڈال دیا تھا۔۔وہ کتنے ہی دنوں سے یہ سب نوٹ کر رہا تھا۔۔فرشتے نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کا تھکا تھکا چہرہ اور پر مشدہ چہرہ دیکھ کر اسے شک ہوا تھا۔۔

وہ پچھلے دو دن سے حویلی ہی تھا۔۔فرشتے کے معمولات پر گہری نگاہ رکھی تھی۔وہ سارا دن میں ایک بار بھی کمرے میں نہیں آئی تھی بلکہ کچن سے ہی باہر نہیں نکلی تھی۔۔

رات کو وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتی ہوئی تیار اسے ملی تھی۔۔ وہ رات بھر اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرتا رہا اس نے تب بھی تھکن کا بہانہ نہیں کیا تھا۔۔ مگر حیدر خان کو یہ بات بری طرح چبھ گئی تھی۔۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے کمرے سے باہر آیا۔ پوری حویلی میں اس ٹائم خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔۔

حیدر خان کے بھاری قدموں کا رخ اب کچن کی طرف تھا.. جہاں اس کی متاع حیات تھی۔۔ وہ کچن کے دروازے پر رکا تھا۔۔ فرشتے پنک کلر کے گرم پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر وائٹ کلر کی جرسی پہن رکھی تھی۔۔ پنک کلر کا دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمائے آٹا گوندھ رہی تھی۔۔

حیدر خان نے گہری اور گرم نگاہیں اپنی بیوی پر گاڑھیں۔۔ وہ خوبصورت زیادہ تھی یا معصوم وہ اب تک سمجھ نہیں پایا تھا۔

خدا نے پتہ نہیں کس نیکی کا بدلہ اسے فرشتے کی صورت میں دیا تھا۔ وہ کافی دیر تک فرشتے پر اپنی والہانہ نگاہیں گاڑھے کھڑا رہا۔ آٹا گوندھتے ہوئے اس کے لب مسلسل ورد کی صورت میں ہل رہے تھے۔۔۔ حیدر خان مبہم سا مسکرایا تھا۔۔ وہ کمرے میں بھی اکثر کچھ نہ کچھ پڑھ کر نا محسوس انداز میں اس پر پھونکتی رہتی تھی۔۔ حیدر خان اس کی معصومیت بھری اداؤں پر اس کی شدید محبت پر مبہم سا مسکرا جاتا تھا۔۔ وہ سمجھتا تھا۔

یہ وظائف یہ ورد اسے کھونے کے ڈر سے وہ کرتی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے فرشتے کی طرف بڑھا۔ فرشتے آٹا گوندھنے میں منہمک تھی کہ اپنے قریب حیدر خان کی دلفریب خوشبو محسوس کرتے اس کے پرات میں آٹا گوندھتے ہاتھ رکے تھے۔۔ گال دہک کر آنار ہوے تھے۔ حیدر خان کے ہاتھ اس کی پشت پر نرمی سے رینگ رہے تھے۔ حیدر خان کی صبح صبح کچن میں آمد فرشتے کے حیران کن تھی۔۔

اور کتنا مجھے اپنی محبت کا اثیر کرو گی۔۔ تمھارے دم درود سے میں تمھارا کب سے ہو چکا ہوں خانم۔۔۔۔۔ کیوں اتنا پریشان ہوتی ہو؟؟ میں اب ہمیشہ اپنی خانم کا رہوں گا۔۔ حیدر خان نے اس کا دوپٹہ سر سے نرمی سے اتارے اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ جمائے اس کی کان میں مدھم سرگوشی کی۔۔

خان۔۔۔ فرشتے مدھم سا حیدر خان کو پکارتی شرمیلی مسکان کے ساتھ حیدر خان کے لمس پر سمٹی تھی۔۔ حیدر نے اسے کندھے سے نرمی سے تھامے اس کا رخ اپنے سامنے کیا تو فرشتے سرخ گلاب ہوئی نظریں جھکا گئی۔۔

تم تو اپنی ہر ادا سے میرا دل دھڑکانا جانتی ہو خانم۔۔۔ کیوں چاہتی ہو میں کسی کام کا نہ رہوں۔۔ حیدر نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑے ٹھوڑی پر موجود گنگھور سیاہ تل پر اپنے لب رکھے تو فرشتے شرماتی ہوئی حیدر خان کے سینے کے ساتھ لپٹ گئی۔

فرشتے کے سینے کے ساتھ لپٹنے پر آٹے میں لتھڑے ہاتھ حیدر خان کی شرٹ پر داغ چھوڑ گئے تھے۔۔ وہ حیدر خان سے علیحدہ ہوتے ہونقوں کی طرح حیدر خان کی شرٹ کو دیکھ رہی تھی۔ جو آٹے سے لتھڑ چکی تھی۔۔۔ بلیک ٹی شرٹ پر اچھا خاصہ آٹا لگ چکا تھا۔

خان۔۔۔ مم مجھے پتہ نہیں چلا۔۔ فرشتے فق رنگت کے ساتھ بولی۔۔ حیدر خان کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال دیکھتے وہ بری طرح گھبرائی تھی۔۔۔ وہ بہت نفاست پسند تھا۔۔ یقیناً یہ اس کی نفاست پسند طبیعت پر گراں گزرا تھا۔۔

یہ کیا ہے فرشتے؟؟۔۔ حیدر خان نے درشت لہجے میں کہا۔۔

میں صاف کر دیتی ہوں خان۔۔۔ فرشتے نے بوکھلاتے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈبوتے حیدر کی شرٹ صاف کرنے کی کوشش کی۔۔ وہ مزید خراب ہو چکی تھی۔۔ شرٹ اب اچھی خاصی گیلی ہو چکی تھی۔۔ اس پر مزید آٹا لگ چکا تھا۔۔ فرشتے یہ دیکھتے روہانسی ہوئی تھی۔۔

مجھے معاف کر دیں خان۔۔ فرشتے روہانسے ہوتے بولی۔۔

ایسے تمھیں معافی نہیں ملی گی۔۔ حیدر خان اس کے قریب ہوا تھا۔۔ فرشتے گھبراتے ہوے سلیب کے ساتھ جا لگی۔۔۔۔ وہ اب اپنی بڑی بڑی غلافی آنکھیں پھیلائے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو سلیب کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے اسے محصور کیے ہوے تھا۔۔

کک کیسے معافی ملے گی خان ؟؟۔۔ فرشتے نے حیدر خان کی آنچ دیتی نظروں سے گھبراتے ہوے آنکھیں پٹپٹاتے ہوے پوچھا۔۔۔۔ وہ اسے بہت گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے بوکھلانے پر مجبور کر رہا تھا۔۔

حیدر خان نے فرشتے کا دوپٹہ اتار کر سائیڈ پر رکھا۔۔۔

خان یہ کیا کر رہے ہیں ؟؟۔۔ فرشتے سراسیمگی سے بولی۔۔

تمھیں سزا دے رہا ہوں۔۔ حیدر خان نے غصیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔۔۔ فرشتے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی۔

وہ گلابی کلر کی گرم فراک پر سفید جرسی پہنے ہوے تھی۔۔ وہ اب بغیر دوپٹے کے اس کے سامنے تھی۔۔ حیدر خان کی نظریں اس کے بدن کے دلکش نشیب و فراز میں الجھیں۔ فرشتے حیدر خان کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے وہ سرخ پڑتے اپنب چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی۔۔ حیدر خان نے مسکراتے جرسی کے بٹنوں میں ہاتھ ڈالا تو فرشتے کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔ حیدر اس کی جرسی کے بٹن کھولتے اتار کر ایک سائیڈ پر رکھ چکا تھا۔۔

خان۔۔۔۔یہ کیا کر رہے ہیں؟؟کوئی آجائے گا۔۔حیدر خان کا ہاتھ اس کے فراک کے اگلے بٹنوں میں الجھا تو وہ فرشتے کی آنکھوں میں نمکین پانی آن ٹھہرا تھا۔۔

تمھاری سزا ہے یہ فرشتے۔۔جو تم نے یہ کیا۔۔حیدر خان نے سنجیدگی سے کہتے اپنی داغدار شرٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔۔

فرشتے لب کاٹتے بے بسی سے حیدر خان کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔وہ اسے خود سے دور بھی نہیں کر سکتی تھی۔۔اس کے دونوں ہاتھوں پر ابھی تک آٹا لگا ہوا تھا۔۔اور حیدر خان اسے لے کر کافی شدت پسند تھا اس کا جھٹکنا اس کا دور جانا برداشت نہیں کر سکتا تھا یہ اس کی شدتیں سہتے دوران اسے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔۔

وہ حیدر خان کے بے باک لمس پر کانپتے ہوے آنکھیں میچ گئی۔ حیدر خان مسکراتے ہوے اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کرتے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔۔

فرشتے حیرانگی سے حیدر خان کے سینے کے ساتھ لگی اس کی دھڑکنیں سننے لگی۔۔ وہ بہت نرمی سے اسے خود میں بھینچے ہوے تھا۔۔

حیدر خان کی محبت پر فرشتے کی آنکھوں میں نمی ابھرتے اس کے گالوں پر بہنے لگی۔۔۔ وہ باقاعدہ حیدر خان کے سینے کے ساتھ لگی رونا شروع ہو چکی تھی۔ حیدر خان نے پریشانی کے عالم میں اسے اپنے سینے سے علیحدہ کیا۔۔

کیا ہوا فرشتے؟؟ رو کیوں رہی ہو میری جان؟؟۔۔ حیدر خان نے تڑپتے ہوے اس کے عارض سے بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔۔

خان میں نے آپ کی شرٹ خراب کر دی۔۔ آپ نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔۔ میں جانتی ہوں آپ کتنے نفاست پسند ہیں۔ آپ نے مجھے ڈانٹا تک نہیں۔۔ وہ حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے معصومیت سے بولی۔۔ حیدر خان اس کی معصومیت پر فقط مسکرا گیا تھا۔۔ وہ سچ میں خدا کی طرف سے اس کے لیے انعام تھی۔

فرشتے میں نے تمھیں تمھارے کیے کی سزا بھی دے دی اور تمھیں پتہ بھی نہیں چلا۔۔ حیدر خان نے مبہم سا مسکراتے ہوے شرارتی انداز میں کہا تو فرشتے نے حیران ہوتے اپنی آنکھیں معصومیت سے پٹپٹائیں۔۔

حیدر خان نے مسکراتے ہوے اس کے گال پر ہاتھ لگایا جہاں حیدر خان کی شرٹ پر لگا آٹا اس کے گال پر لگ چکا تھا۔ بلکہ اس کے کپڑوں پر بھی لگ چکا تھا۔۔

خان آپ نے اس لیے مجھے گلے سے لگایا تھا۔۔ فرشتے نے نروٹھے انداز میں حیدر خان کے سینے پر ہلکا سا مکا مارا تھا۔۔

بلکل میں اپنی نیند خراب کر کے صبح صبح کچن میں اپنی بیوی کو پیار کرنے آیا تھا۔۔ میری معصوم بیوی نے میری شرٹ خراب کر دی۔۔ اس لیے یہ سزا تو بنتی تھی۔۔ حیدر خان مسکراہٹ دبائے بولا تو فرشتے حیدر خان کو گھورتی کھلا کھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

اس کی کھل کھلاہٹ میں حیدر خان نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔۔ اسے کلائی سے کھینچتے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک اسے سینے میں بھینچے کھڑا رہا تھا۔۔ فرشتے مسکراتے ہوے اس کے سینے کے ساتھ لگی آنکھیں موند گئی تھی۔۔

حیدر خان نے نرمی سے اسے خود سے علیحدہ کرتے اس کے آٹا لگے گال پر اپنے دانت گاڑھے۔۔

خان۔۔۔ فرشتے اس کی شدت پر سسکی لی تھی۔۔ حیدر خان مسکراتے ہوے اس کے لبوں پر نرمی سے جھکا۔ اس سے پہلے وہ اس کے لبوں کو اپنی دسترس میں لیتا اوزگل کچن میں داخل ہوئی تھی۔۔ فرشتے سرخ پڑتی کرنٹ کھا کر حیدر خان سے دور ہوتی جلدی سے اپنا دوپٹہ اوڑھ گئی۔۔

اوزگل بھی یہ دیکھتے سرخ پڑی تھی۔۔ بلکہ آنکھوں سے شرارے پھوٹے تھے۔۔

حیدر خان کی شرٹ آٹے سے لتھڑی ہوئی تھی۔۔ فرشتے کے گال پر آٹا لگا ہوا تھا۔۔ وہ پل میں سمجھ چکی تھی کچن میں کیا ہو رہا تھا۔ سمجھنے کے لیے اتنی صبح حیدر کا کچن میں موجود ہونا ہی کافی تھا۔۔ ورنہ آج سے پہلے حیدر خان نے

کچن میں کبھی قدم نہیں رکھا.. پوری حویلی میں اس قار عب و دبدبہ تھا۔۔حاکم خان تک اس کے آگے خاموش ہو جاتے تھے۔۔حیدر خان صرف اپنی مورے کے آگے جھکتا تھا۔۔ان کی ہر بات بہت احترام سے سنتا بھی تھا برداشت بھی کر جاتا تھا۔۔

فرشتے شرمندگی سے سرخ چہرے کے ساتھ خاموشی سے آٹا گوندنے لگی ۔اوزگل کینہ توز نگاہوں سے فرشتے کو دیکھ رہی تھی۔۔ایسا کیا تھا اس میں جو حیدر خان نے اس کے مقابلے میں ایک طلاق یافتہ بانجھ لڑکی کو ترجیح دی۔۔وہ نم جلن زدہ آنکھوں سے فرشتے کو گھور رہی تھی۔۔جو اس کی طرف پشت کیے خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔۔

حیدر خان فرشتے کو ایک نظر دیکھتا باہر کی طرف بڑھا۔

یہ کیا طریقہ ہے فرشتے؟؟ کچھ خدا خوفی بھی ہے تم میں یا نہیں۔۔ بے شرمی کی حد ہوتی ہے۔۔ یہاں رزق کا ضیاع کرتے تم لوگ بے شرمی کے مظاہرے کر رہے تھے۔۔ یہ کمرہ کس لیے ہوتا ہے؟؟ خالہ کو تمھاری حرکتیں بتائیں وہ ایک دن میں تمھیں اس حویلی سے حیدر خان کی زندگی سے چلتا کریں گی۔۔

کمرہ جس لیے بھی ہوتا ہے تم کون ہوتی ہو یہ سب یہ کہنے والی؟؟۔

حیدر خان کے سرد لہجے پر اوزگل کی رنگت فق ہوئی تھی

۔۔ وہ کرنٹ کھا کر حیدر خان کی طرف پلٹی جو دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔۔ اسے اندازہ نہیں تھا حیدر خان ابھی ادھر کھڑا ہے۔۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا وہ فرشتے کو ایک لفظ نہ کہتی۔۔

حیدر خان اپنے بھاری قدم لیے آنکھوں میں شدید غصہ لیے اوز گل کی طرف بڑھا۔۔

خان۔۔۔۔ فرشتے نے حیدر خان کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال دیکھتے گھبراتے ہوے اسے روکنا چاہا تھا۔۔

حیدر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے خاموش رہنے کو کہا۔۔

فرشتے لب کاٹتے خاموش ہو گئی تھی۔

اوز گل نے حیدر خان کو اتنے غصے میں دیکھتے اپنا خشک حلق تر کیا تھا۔۔

وہ حیدر میں تو صرف فرشتے۔۔۔۔۔۔لالا بولو۔۔۔۔۔حیدر خان اس کی بات کاٹتا گرج کر بولا۔۔

اوزگل اس کی گرج پر لرز کر رہ گئی تھی۔

فرشتے کے سامنے اتنی بے عزتی پر اوزگل کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو چکے تھے۔۔

وہ۔۔۔۔لالا۔۔میں۔۔۔۔۔حیدر خان کا غصہ دیکھ کر اوزگل نے بمشکل ہی لفظ لالا کہا تھا۔۔

فرشتے تم سے عمر میں چھوٹی ہے۔۔ مگر رشتے میں بڑی ہے۔۔اس لیے آئیندہ اسے بھابھی پکارنا میں تمھارے منہ سے فرشتے نہ سنوں۔۔اور آئندہ

اسے مورے کے نام پر دھمکانا مت۔۔۔۔۔وہ اسے تنبیہ انداز میں وارن کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

حیدر خان نے غصے سے ڈائینگ ٹیبل پر موجود پر تکلف ناشتے کو دیکھتے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔

۔ہاف فرائی ایگز دو تین قسم کے املیٹ۔۔بل دار خستہ پراٹھے۔ چکن سینڈوچز، مٹن چانپ کا مصالحہ اور تازہ نہاری۔۔۔۔۔فریش اورنج اور ایپل جوس۔۔اور فروٹس سیلڈ۔۔۔وہ اپنی چیئر پر سخت تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا۔۔ڈاینگ ٹیبل پر موجود ڈشز کو دیکھتے اس کے غصے کا گراف بڑھتا

جارہا تھا۔وہ صبح سے فرشتے کو گھن چکر بنتا ہوا دیکھ رہا تھا۔۔وہ صبح چھ بجے سے کچن میں موجود تھی۔۔اب آٹھ بج چکے تھے۔۔وہ کچن میں ہی موجود تھی۔۔

یہاں تک کہ وہ کمرے میں اس کے کپڑے بھی نکالنے نہیں آئی تھی۔اسے اتنے دنوں سے اب فرشتے کی عادت ہو گئی تھی۔۔اس کے بغیر تیار ہوتے وہ آج جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔

اس کی ڈرپوک بیوی نے آج ناشتے میں اتنا تکلف کیوں کیا؟؟وہ سمجھ گیا تھا۔۔سارا ناشتہ ہی اوزگل کی پسند کا تھا۔

بلیک شلوار قمیض میں ملبوس کندھوں پر براؤن مردانہ شال ڈالے وہ اب اپنی گھنی مونچھوں پر جنجھلاتے ہوے ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔فرشتے کی کچن میں

موجودگی اسے تاؤ دلا رہی تھی۔۔وہ رقیہ خانم کے احترام میں مجبورًا خود پر ضبط کیے بیٹھا تھا۔۔

حیدر تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہا۔۔رقیہ خانم حیدر خان کو یونہی بیٹھا دیکھ کر بولیں۔

فرشتے آجائے تو کرتا ہوں ناشتہ۔۔حیدر خان نے سنجیدگی سے کہا۔۔حیدر خان کی بات پر رقیہ خانم کے ماتھے پر بل ڈلے تھے۔۔

اوزگل کا بھی منہ بنا تھا۔۔حاکم خان حیدر خان کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر چونکے تھے۔۔اس کا رنگ شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔اپنے بیٹے کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے وہ چیئر پر سیدھے ہوے تھے۔۔وہ حیدر خان کے ایکسپریشن سے سمجھ چکے تھے۔۔وہ انتہائی سنجیدہ کیوں ہے؟؟فرشتے کے

ساتھ رقیہ خانم کا رویہ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔۔حیدر خان کی غصیلی نظریں ڈائینگ روم سے ملحقہ کچن کے دروازے پر ہی تھیں۔۔

اسی اثناء میں فرشتے کچن سے گرم گرم پراٹھا لے کر ڈائینگ روم میں داخل ہوئی تھی۔اس نے گرم گرم پراٹھا اوز گل کی پلیٹ میں رکھا۔۔یہ دیکھ کر حیدر خان کے نقوش مزید تنے تھے۔اب کی بار غصہ اشتعال اپنی بیوی پر آیا تھا۔۔

فرشتے اوز گل کی پلیٹ میں پراٹھا رکھ کر خاموشی سے جانے لگی تو حیدر خان کی پکار پر رکی تھی۔۔

فرشتے کہاں جا رہی ہو؟؟۔۔حیدر خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

خان۔۔۔باورچی خانہ میں۔۔۔رشتے حیدر خان کے یوں سب کے سامنے پکارنے پر گھبرائی تھی۔۔۔فرشتے نے گھبراتے ہوے رقیہ خانم کو دیکھا جن کے چہرے کے تاثرات بہت پتھریلے تھے۔انہوں نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔۔انھیں حیدر خان کا فرشتے کو یوں پکارنا پسند نہیں آیا تھا۔

حیدر خان رقیہ خانم کو ناشتے سے ہاتھ کھینچتے دیکھ کر اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔

فرشتے جلدی سے باورچی خانہ کی طرف بڑھ گئی۔۔

مورے آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہی؟؟۔۔حیدر خان نے اپنے سامنے بیٹھی رقیہ خانم کی پلیٹ میں کٹے ہوے فروٹ ڈالتے نرمی سے کہا۔۔۔وہ

کوئی بات بری لگنے پر ہمیشہ کھانے پر اپنا غصہ نکالتی تھی۔۔وہ کھانا پینا چھوڑ دیتی تھی۔۔اور ایسے میں ان کی طبعیت خراب ہو جاتی تھی۔

چلو شکر ہے تم کو اپنا مورے کا بھی خیال آیا۔۔ورنہ ہم تو سمجھا تھا تم کو صرف اپنا بیوی یاد ہے۔۔رقیہ خانم نے درشتگی سے کہا۔

مورے۔۔۔میرے لیے آپ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔حیدر خان نے اپنے اندر اٹھتے غصے کے ابال پر قابو پاتے کافی نرمی سے کہا۔۔

ہم کو سب معلوم ہے۔۔۔حیدر تم بدل گیا ہے۔اپنا مورے کو بھول گیا ہے۔۔۔وعدہ کیا تھا تم نے ہم سے کہ تم شادی کے بعد ہم تمھارا لیے سب سے بڑھ کر ہو گا۔۔ہمارا ہر بات تمھارا لیے حکم کا درجہ ہو گا۔۔

مورے۔۔۔۔ آپ میری مورے ہیں۔۔ میرے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو آپ صبح صبح مجھ سے یہ شکوہ کر رہی ہیں۔ حیدر خان نے بظاہر نرم لہجے میں کہا تھا مگر چہرے کی رنگت شدید سرخ پڑی تھی۔۔ جسے دیکھتے حاکم خان نے اپنی بیوی پر قہر بار نگاہ ڈالی۔۔ جو صبح صبح فضول سی بات کو طول دے رہی تھی۔

تم نے ہمارا کیا ہوا فیصلہ کے خلاف جا کر اپنا مرضی سے شادی کیا۔۔ اس دن ہی ہمارا اہمیت تمھارا نظروں میں واضح ہو گیا تھا۔۔

اب تم کو اپنا بیوی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔۔ کیا ہمارا حق نہیں ہے ہم اپنا بیٹے کا اولاد دیکھے ؟؟۔۔ ہمارا اتنا سا خواہش تمھارا لیے بوجھ بن گیا

ہے۔۔ ہمارا یہ سوچ کر ہی دل پھٹتا ہے کہ ہم اپنا کبھی بھی پوتا پوتی کی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔۔ رقیہ خانم بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔۔

فرشتے جو کچن سے ٹی پاٹ میں گرم گرم چائے لے کر داخل ہوئی تھی۔۔ رقیہ خانم کی بات پر ٹی پاٹ اس کے ہاتھ میں لرزا تھا۔۔ ٹی پاٹ سے چائے گرتی اس کا ہاتھ جلا چکی تھی۔۔ سسک کر رہ گئی۔۔

حیدر خان اس کی سسکاری سنتے جلدی سے چیئر سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ اس سے ٹی پاٹ لے کر ٹیبل پر رکھا اور اس کا ہاتھ پکڑا جہاں گرم گرم چائے سے آبلہ پڑ چکا تھا۔

خانم دھیان کہاں تھا تمھارا؟؟۔۔۔۔ حیدر خان اس کا ہاتھ پکڑے غصے سے گرجا۔۔

حیدر خان کے غصے میں فرشتے کے لیے کتنی فکر اور تڑپ تھی یہ ڈائینگ روم میں بیٹھے ہر نفوس نے بخوبی محسوس کیا تھا۔۔

خان۔۔۔۔۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔۔چائے اتنی گرم نہیں تھی۔۔فرشتے حیدر خان سے ہاتھ چھڑواتے جلدی سے وہاں سے چلی گئی۔۔

حیدر فرشتے بے شک تمھارا بیوی ہے۔۔مگر ہمارا ہاں اس طرح سب کے سامنے بیوی کا ہاتھ نہیں پکڑتے۔۔تمھارا بیوی کو عادت ہے اپنا معصوم شکل سے تمھارا ہمدردی حاصل کرنے کا۔۔رقیہ خانم کی بات پر حیدر خان نے بمشکل ہی خود پر قابو پایا۔۔ابھی فرشتے اسے جن زخمی نظروں سے دیکھ کر گئی تھی۔۔وہ نگاہیں اس کے دل میں گڑھ گئی تھیں۔ان میں کوئی شکوہ نہ تھا۔۔مگر ٹوٹے کانچ کی طرح کرچیاں تھیں۔۔

مورے ہمارے ہاں اور بھی بہت کچھ پہلے نہیں ہوتا تھا۔۔ لیکن اب ہو رہا ہے۔۔۔ حیدر خان سپاٹ انداز میں کہتا اپنی شال کندھوں پر جھٹکتا وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

خان تم نے دیکھا اپنا بیٹا کو کیسے غصے سے گیا ہے۔۔ اس سے پہلے اس نے کبھی ہم سے اس لہجہ میں بات نہیں کیا رقیہ خانم نے بھرائی آواز میں شکوہ کیا۔۔

اس سے پہلے تم نے بھی یہ سب کچھ نہیں کیا۔

فرشتے بچی کے ہاتھ پر چائے گر گیا تھا۔۔ اصولاً تمھیں اٹھ کر دیکھنا چاہیے تھا۔۔ اگر اس نے اپنا بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا تو کیا قیامت آگئی۔۔ تم ہم کو بتاؤ وہ

بچی باورچی خانہ کا کام اکیلے کرتا ہے۔۔ اس سے پہلے ایسا کبھی ہوا ہے۔ کبھی ہمارا مورے نے تمھارا ساتھ ایسا سلوک کیا۔۔

تم ہر وقت حیدر کے سامنے بند کمرے میں تو اپنا پوتے پوتی کا رونا روتی رہتی ہو۔۔ آج تم یہاں بھی یہ سب کچھ لے کر بیٹھ گئی۔۔ فرشتے بچی نے سن لیا ہے سب کچھ۔۔۔ کیا گزری ہو گی اس کے دل پر؟؟۔۔ حیدر کو کتنا برا لگا ہو گا۔۔ کیوں اپنے بیٹے کو دور کر رہی ہو خود سے؟؟۔ حاکم خان نے رقیہ خانم کو تاسف سے دیکھتے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔۔

کیا اپنا پوتا پوتی کا خواہش کرنا غلط ہے خان؟؟۔۔۔ حیدر نے اپنا مرضی کر لیا.. اب ہمارا بات مان کر وہ دوسری شادی کر لے گا تو کیا قباحت ہے؟؟۔۔ اولاد کی خاطر دوسرا شادی ہر کوئی کرتا ہے۔۔ مگر وہ صاف صاف لفظوں میں دوسری شادی کو منع کر چکا ہے۔۔ سوچو ہمارا دل پر کا قیامت

گزرتا ہے جب ہم اس بانجھ لڑکی کا شکل دیکھتا ہے۔۔۔رقیہ خانم زارو قطار رونے لگی تھیں۔

رقیہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔۔حیدر کو جلد احساس ہو گا۔۔۔پھر وہ اپنا ضرورت کے لیے اپنا اولاد کی خواہش کے لیے کرلے گا دوسری شادی۔۔۔۔وقت سے پہلے گھر کا ماحول خراب مت کرو۔۔حاکم خان نے رقیہ خانم کو رسانیت سے سمجھایا۔

یہ نہ ہو تب تک ہم ہی اللہ کو پیارا ہو جائے۔۔حیدر نے اس لڑکی کے لیے پانچ سال تک شادی ہی نہیں کیا۔۔حیدر کی عمر کا خاندان میں سب لڑکوں کا دو دو تین اولاد ہے۔۔ہمارا حیدر کیا اکیلا رہے گا؟؟ہمارا وارث کبھی نہیں آئے گا۔یہ سب سوچ کر ہمارا دل کتنا خون کے آنسو روتا ہے۔۔ہم اپنا بیٹے کا

ہی سوچ کر پریشان رہتا ہے۔تم سب کبھی ایک ماں کا دل کو سمجھ نہیں سکتا۔۔

رقیہ خانم ایک بار پھر سے رونا شروع ہو چکی تھیں۔۔

خالہ آپ کیوں پریشان ہوتا ہے؟؟اللہ بہتر کرے گا۔۔اوزگل ان کا بازو دباتے ہوے بولی۔۔

حاکم خان رقیہ خانم کو دیکھتے گہرا سانس بھرتے چیئر گھسیٹ کر اٹھ کر چلے گئے تھے۔

زاران نے ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوتے ابرش کو دیکھا جو جو گرم شال خود پر لپیٹے گلاس ونڈو سے باہر سرسبز پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔۔وہ جب

سے یہاں آئی تھی اس کا یہی موڈ تھا۔۔ گاڑی میں اور یہاں آکر بھی اس نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔۔ زاران گہرا سانس بھرتا اس کی طرف بڑھا۔

ابرش کو پیچھے سے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کی سائیڈ گردن پر شدت سے اپنے لب رکھے۔۔۔

ابرش یونہی سپاٹ سی کھڑی رہی۔۔ زاران کے چھونے پر بھی کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ زاران نے اسے کندھے سے نرمی سے تھام کر اس کا رخ اپنے سامنے کرتے اس کی شال اتار کر ساتھ ہی پڑے صوفے پر رکھتے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

وہ سٹائلش سی بلیک ویلوٹ کی فراک میں ملبوس تھی۔۔ سلکی براؤن بال کھلے تھے۔۔ میک اپ سے پاک چہرے کے ساتھ وہ زاران کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی تھی۔۔

زاران اسے کمر سے تھامے اس کے چہرے کو گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا وہ اس کی بانہوں کے حصار میں نظریں جھکائے سپاٹ سے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ زاران اس کے ایٹیٹیوڈ پر مسکراہٹ دبائے اسے دیکھتا رہا۔

زاران کی پر حدت نظروں کی تپش سے اب وہ جھنجھلا گئی تھی۔۔ چہرے میں گلابیاں سی گھلنا سٹارٹ ہوئی تھیں۔

زاران اس کا گلاب کی طرح سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر دلکشی سے گہرا مسکرایا تھا۔۔

کیوں ایسے شو کرتی ہو؟؟ جیسے میرے نزدیک آنے سے تمھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب میں چھوتا ہوں تو اتنے ٹھنڈے ایکسپریشن کیوں دیتی ہو؟؟

جب محبت کرتی ہو اور شدید کرتی ہو تو ہوش میں اقرار کیوں نہیں کرتی۔۔ اب اقرار کروانے کے لیے تمھیں مدہوش کرنا پڑے گا کیا؟؟

زاران نے مخمور آواز میں کہتے اس کے سرخ عارض پر اپنے لب رکھے۔۔

میں تم سے محبت نہیں کرتی۔۔۔ ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوئے کمزور سی مزاحمت کی۔۔

ابرش کی کمزور سی مزاحمت پر زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔۔

تمھاری منتشر ہوتی دل کی دھڑکنیں اور تمھاری یہ کمزور سی مزاحمت تو کچھ اور ہی کہہ رہی ہے۔ زاران اس کی جھکی لرزتی پلکوں کو بغور دیکھتا گھمبیر آواز میں بولا۔۔

جھوٹ بول رہی ہیں یہ دھڑکنیں۔۔ میں اب بھلا تمھارے پہاڑی وجود کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہوں؟؟۔ ابرش نے اب کی بار اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے اسے پوری قوت سے دھکیلا۔۔۔ مگر وہ زاران کو ایک انچ نہیں ہلا سکی تھی۔۔

جب مقابلہ نہیں کر سکتی تو کیوں کرتی ہو مقابلہ بیوی؟؟۔۔۔ زاران اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے لبوں پر جھکتے قفل لگا گیا.. ابرش اس کے لمس پر بری طرح سٹپٹائی تھی۔۔ اسے خود سے دور کرتے اس کی گردن اپنے لمبے ناخنوں سے نوچی۔۔

زاران نے اس کے وائلڈ ایکٹ پر اس کی کلائیاں ایک ہاتھ سے کمر میں قید کرتے دوسرا ہاتھ اس کے بالوں میں ڈالے اس کے نرم و نازک لبوں پر اپنی شدت پہلے سے بھی زیادہ نچھاور کرنے لگا۔۔ اب اس کے لمس میں غصے کی بھی جھلک تھی۔۔ جو اسے جنونی بنا رہی تھی۔۔ ابرش کا نازک وجود اس کی قید میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا۔

وہ کافی دیر تک ابرش کی خوشبودار سانسوں سے خود کو مہکاتے اس کے لبوں کو قند ھاری کرتا رہا۔۔

اس کے لبوں کو جکڑے ہی اس کی کلائیاں آزاد کیں۔۔ وہ ابرش کو اپنے لمس سے آزاد کرتا بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔۔

ابرش اپنی بی ترتیب سانسوں کو درست کرتے زاران کو نم

نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جو آنکھوں میں خمار کی سرخی لیے اسے اپنی گرم

تپش زدہ نظروں سے دیکھتے دور سے ہی جھلسا گیا تھا۔۔

وہ اس کے آرادے سمجھتی بیڈ سے اٹھتے جلدی سے واش روم کی طرف

۔بڑھی۔ زاران اس کے آرادے سمجھتا اسے بازو سے جکڑے پھر سے بیڈ پر

دھکیل چکا تھا۔ زاران اپنی جیکٹ اتارتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔ اس سے

پہلے وہ بیڈ سے اترتی وہ اس پر جھکتے اس کی کلائیوں اور ٹانگوں کو لاک کر گیا۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔ ابرش زاران کی مخمور نگاہوں کو دیکھتے گھبراتے ہوے

بولی۔۔ وہ اب اس کی وحشی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ ابرش

اپنی گہری براؤن آنکھوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کے عارض پر

نرمی سے ہاتھ پھیرتے سرخ نشیلی مخمور نگاہوں سے دیکھتے اس کے چہرے کو گرم نرم سانسون کی حدت سے جھلسا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں جنونیت دیکھتے ابرش کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔۔۔اس کی جنونیت سہنا آسان نہ تھا یہ دو مرتبہ ہی اس کے قریب آنے سے اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

ابرش کیوں اپنی انرجی ویسٹ کر رہی ہو؟؟۔جب پتہ ہے تمھیں میری قربت سے اب آزادی نہیں ملے گی۔۔یہ تم دیکھ چکی ہو۔۔پھر یہ بلاوجہ کا گریز کیوں؟؟۔۔میری پوزیسیو بیوی۔۔۔۔۔۔۔۔

یا پھر چاہتی ہو میں تمھارے ساتھ پھر سے زبردستی کروں۔۔ لگتا ہے تمھیں زبردستی پسند ہے۔۔ زاران نے شرارتی انداز میں کہتے اسے آنکھ ونک کی تو ابرش دہکتا انار بنی تھی۔۔

وہ ابرش کا سرخ چہرہ دیکھتے اپنی مسکراہٹ دباتے اس کی کلائیاں آزاد کرتے اس کی گردن پر جھکے اپنا پر تپش لمس بکھیرنے لگا۔۔

زاران کی بات میں چھپا مفہوم سمجھتے ابرش کے گالوں سے تپش نکلنا شروع ہو گئی تھی۔۔ ابرش نے اس کی بات پر سلگتے ہوے اس کے حصار میں جھٹپٹاتے ہوے اس کے کندھے پر اپنے ناخن بہت بری طرح گاڑھے

۔۔۔۔

تم نرمی کے قابل نہیں ہو۔مائی وائلڈ وومین۔۔۔۔۔۔ تمھیں بھی اب وائلڈ مین کی طرح ٹریٹ کروں گا۔۔اپنے کندھے پر ابرش کے ناخن مارنے پر شدید جلن ہوئی تھی۔۔وہ پہلے بھی اس کا سینہ زخمی کر چکی تھی۔۔ وہ ابرش پر غصیلی نگاہ ڈالے پھر سے اس کی کلائیاں جکڑ گیا تھا۔۔

اس کا بلاوجہ کا یہ ایٹیٹوڈ نخرہ اسے مشتعل کر گیا تھا۔اب وہ بیوی کے ہوتے کب تک اس سے دور رہ سکتا تھا۔۔ہوٹل کے اس خوبصورت کمرے میں سجے گلابوں نے اس کے اندر کتنے ارمان جگا دیے تھے۔۔وہ اس کی بیوقوف بیوی سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔۔

تو مت دکھایا کرو مجھ پر نرمی۔۔ونی میں لائے تھے وہی سلوک کرو جس کی میں حقدار ہوں۔۔ابرش کا لہجہ اس کی وحشی گرفت اور اس کی بات پر شدت سے بھیگ اٹھا۔

میری خوبصورت بیوی۔۔۔۔میری جان کا آزار کیوں ستاتی ہو مجھے؟؟۔۔تمھاری آنکھوں میں میری طلب واضح ہے۔پھر یہ گریز مجھ سے دوری کیوں؟؟۔۔کس بات کی سزا دے رہی ہو آخر مجھے؟؟۔۔۔زاران ابرش کی گہری گلابی ہوتی آنکھوں کو نرمی سے چومتا بھاری آواز میں بولا۔۔جہاں اس کی ذرا سی قربت سے اس کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔ابرش اس کی بات پر اپنی نظریں چراتے اپنے بے قابو جذبات پر قابو پاتے چیخی۔۔۔

"Abrish what the f..... .

مسئلہ کیا ہے تمھارے ساتھ؟؟کیوں میری نرمی میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔۔اگر تمھیں یہی سب کرنا تھا تو کیوں آئی تم یہاں میرے ساتھ؟؟زاران ابرش کی کلائیاں آزاد کرتے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے گر جاتھا۔۔اس کی بلاوجہ کی تکرار پر وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔وہ اب اس سے زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔وہ مجبور کر رہی تھی وہی سب کچھ کرنے کو۔۔

تم لائے ہو مجھے یہاں پر؟؟۔۔۔میں نہیں آنا چاہتی تھی۔۔ابرش اس کی گرج پر رخ پلٹے تکیے میں چھپائے سسکنے لگی تھی۔

جب تم کچھ بھی نہیں چاہتی تو کیوں میرے نزدیک آئی تھی؟؟۔۔کیوں مجھے رجھانے کی کوشش کی؟!۔۔کیوں میرے اندر اپنی طلب کی خواہش ڈالی؟؟۔۔کیوں میری پیاس بڑھائی؟؟جیسا چل رہا تھا چلنے دیتی۔۔زاران اس کے ہچکولے لیتے وجود پر قہربار نگاہ ڈالتے سلگتے لہجے میں بولا۔۔اس کے آنسوؤں کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتا جھنجلا کر رہ گیا تھا۔

ہاں تو سیدھی طرح کہو مسٹر خانزادہ؟؟ تمھارے لیے میرا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔۔ اگر وہ میں سب نہ کرتی تم کبھی میرے قریب نہ آتے۔۔ تمھارے دل میں کبھی میری طلب نہ جاگتی۔۔ تمھارے اندر کبھی میری پیاس نہ جاگتی۔ اب بھی تم میرے قریب آکر مجھ پر احسان کر رہے ہو۔۔ مجھے یہی باور کروا رہے ہو جیسے اس سب میں تمھاری خواہش نہیں بلکہ میری خواہش ہے۔۔

۔ابرش تکیے میں منہ دیے شدت گریہ سے روتے ہوئے بولی۔۔

ابرش کی بات پر زاران کے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

وہ پتہ نہیں کیا کیا سوچتی رہتی تھی؟؟ جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا تھا۔۔ وہ گہرا سانس بھرتے اسے کندھے سے پکڑے سیدھا کرتے اس پر جھکا۔

میری بیوقوف بیوی۔۔۔ایک بات کا مجھے اندازہ ہوا ہے۔۔میری زندگی آگے چل کر بہت مشکل ہونے والی ہے۔۔کیونکہ جتنا ایک پوزیسیو شوہر خطرناک ہوتا ہے۔۔اس سے کئی گنا پوزیسیو بیوی خطرناک ہوتی ہے۔

محبت کرو تو تم شک کرتی ہو۔۔۔نہ کروں تو تم شک کرتی ہو۔۔کیا کروں آخر میں؟؟اور جو کرنا چاہتا ہوں۔۔وہ تم کرنے نہیں دیتی۔

زاران اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ دبائے بولا۔۔

ابرش اس کی بات پر غصے سے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

زاران نے بہت نرمی سے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا۔

ابرش تمھاری قربت نے تمھاری طلب نے مجھے کتنی راتیں سونے نہیں دیا۔۔ بہت غصہ تھا تم پر اسی لیے تمھارے قریب نہیں آیا۔۔ مجھے لگتا تھا میں تمھیں اپنے غصے میں نقصان پہنچا دوں گا۔۔ مگر جب تم اس دن میرے قریب آئی۔۔ میرے اندر تمھارے لیے ہر غصہ ہر ناراضگی ختم ہو گئی۔۔ سوچو تمھاری قربت تمھاری طلب میرے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔۔ تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔۔۔ تمھاری قربت میری کمزوری ہے۔۔ یہ اس دن مجھے تمھارے قریب آ کر پتہ چلا۔۔ اس لیے تمھیں یہاں لایا ہوں۔۔ تاکہ ہم تمام گلے شکوے دور کر کے ایک دوسرے کی بانہوں میں سب بھلا دیں۔۔ اب اگر مجھ سے دور جاؤ گی سچ میں جان سے جاؤں گا میں۔ تمھاری طلب میرا نشہ میری ضرورت ہے۔۔

زاران مدہوشی کے عالم میں بولتا اس کے لبوں کو اپنی سانسوں میں قید کر گیا تھا۔۔ ابرش کے جھٹپٹانے پر وہ اس کی کلائیاں اپنے مضبوط ہاتھوں میں قید کر گیا۔

وہ کافی دیر تک ابرش کی سانسوں کو اپنی سانسوں سے مہکاتے اپنی پیاس بجھتا رہا جو بجھ ہی نہیں رہی تھی۔۔ ابرش اس کے جنونی لمس پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔ آج زاران خانزادہ کے لمس میں جنونیت تڑپ تھی۔۔ اس کا آگ کی بھٹی کی مانند سلگتا بدن اس کی آنکھوں کا مخمور نشیلا پن سب کچھ اس پر باور کروا رہا تھا۔۔ وہ اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے؟؟۔۔ ابرش اس کے جنونی لمس میں بہکتی جا رہی تھی۔۔ ابرش کے ہاتھوں کی مزاحمت ختم ہو گئی تھی۔۔

جسے زاران نے محسوس کرتے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اس کی سانسوں کو انہیل کیا تھا۔

کافی دیر بعد ابرش کی سانسوں کو آزادی دی تو ابرش گہرے سانس لیتے زاران کی سرخ بہکی بہکی نگاہوں کو دیکھتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔ زاران مسکراتے ہوے اس پر جھکتے اس کی پچھلی گردن پر سلگتے لب رکھے تھے۔ ۔ابرش اس کے سلگتے لبوں کی تپش اپنی پچھلی گردن پر محسوس کرتے شدت سے کانپ اٹھی۔۔

زاران اس کی بیک زپ کھول کر اس کی برہنہ کمر پر اپنے لب جابجا رکھنے لگا۔ ابرش کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔ اسے کندھے سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑتے وہ اس کے لبوں پر جھکنے لگا تو ابرش نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا تھا۔۔

زاران کی خمار زدہ آنکھوں میں الجھن بڑھی تھی۔۔

اب کیا ہوا ہے؟؟ زاران نے ابرش کو دیکھتے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔ ابرش کا چہرہ یکدم سپاٹ ہوا تھا۔۔ جسے دیکھتے زاران کی آنکھوں میں شدید سرخی کی جھلک نمایاں ہوئی تھی۔۔ اپنی ضدی بیوی کی نفسیات کو اچھی طرح جانتا تھا۔۔ یقیناً اب اس پر کوئی اور چارج کوئی اور الزام رہ گیا ہو گا۔۔ جو اسے اب یاد آیا تھا۔۔

اور وہ اس وقت اس کے کسی الزام کسی بات پر اس سے دور نہیں ہو سکتا تھا ۔۔نہ ہی وہ اس پوزیشن میں تھا۔۔ وہ شائد ایک بار پھر اسے اتنے نازک موڑ پر لا کر اس کا ساتھ چھوڑنا چاہتی تھی۔

زاران آہل کہاں ہے؟؟ تم مجھے ماما اور عنائیہ سے کیوں نہیں ملنے دے رہے؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

ابرش میری جان۔۔۔ ہم بعد میں اس متعلق بات کرتے ہیں۔۔ ابھی مجھے صرف تم سے پیار کرنا ہے۔۔ ہمممم۔۔۔ زاران نے نرمی سے کہتے اس کی گردن پر اپنے لب رکھے۔۔

یوں کہو زاران تم اس متعلق بات کرنا ہی نہیں چاہتے۔۔ تم اپنی ضرورت پوری کر کے مجھ سے اس متعلق کبھی بات نہیں کرو گے۔ کیونکہ تم چاہتے ہی نہیں ہو میں اپنے گھر والوں سے ملوں۔۔ ابرش نم لہجے میں بولی تو زاران کے لب بھینچے تھے۔۔

میں ایسا کیوں نہیں چاہتا؟؟ زاران نے اوپر ہوتے آئی برو اچکائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

کیونکہ تم مجھے میرے کیے کی سزا ایسے دینا چاہتے ہو۔م؟؟۔ابرش روتے ہوے بولی۔۔

ابھی بھی تمھیں ایسا لگتا ہے اس سب کے بعد بھی تمھیں ایسا لگتا ہے کہ میں تمھیں سزا دے رہا ہوں۔۔زاران نے سپاٹ لہجے میں سوالیہ انداز میں آبرو اچکائے تھے.

مسٹر خانزادہ یہ سب کیا ہے تمھارے نزدیک؟؟ تمھارے نزدیک ایک ہسبنڈ وائف میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔۔۔جب تمھارا دل کرے تم میرے نزدیک آجاؤ..جب تمھارا دل کرے تم مجھے دھتکار دو۔۔بستر پر آنکھوں میں خماری لیے مجھ سے محبت کا اظہار کرو۔۔

جب وہی خماری اترے تو تم مجھے اسی حویلی کے کمرے میں واپس پھینک دو۔۔ ابرش روتے ہوے بولی تو زاران اسے غصے سے خود سے دور دھکیلتا اٹھا تھا۔۔

تم ایک سک میٹلٹی کی عورت ہو.. تمھیں دماغی بیماری ہے ابرش تم نہ کبھی خود خوش رہو گی نہ مجھے کبھی سکون میں رہنے دو گی۔۔ بل.....ڈ.....ی سک وومین۔۔۔۔۔

زاران بیڈ سے اٹھتے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولا۔۔

ابرش بیڈ سے اٹھتے اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی تھی۔۔

زاران میں سک نہیں ہوں۔۔ سک تمھاری سوچ ہے۔۔ عورت اپنے شوہر کی محبت بھول بھی جائے۔۔ اس کی دھتکار کبھی نہیں بھولتی۔۔

میں نے تو صرف اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔۔ یہ کیسی محبت ہے تمھاری؟؟ تمھیں میری تڑپ کیوں نظر نہیں آ رہی؟؟ میں اپنے رشتوں سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہوں۔۔ تم مجھے ان سے ملنے نہیں کیوں نہیں دے رہے؟؟۔۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی انداز میں روتے ہوئے بولی۔

زاران اسے روتے ہوئے جبڑے بھینچے دیکھ رہا تھا۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔ جانتے ہو آہل نے بابرک کا قتل نہیں کیا۔۔ وہ اس کا قتل کر ہی نہیں سکتا۔۔ پھر کس بات کی سزا دے رہے ہو مجھے۔۔ میرے گھر والوں کو۔۔۔۔۔۔۔

بابرک کا قتل آہل نے کیا ہے۔۔ وہ اس کی بات کاٹتے تند و تیز لہجے میں بولا۔۔

ابرش اس کی بات پر کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ زاران اسے دیکھتا جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا...

ابرش آنکھیں کھولتے مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔

مان لیتی ہوں بابرک کا قتل آہل نے کیا ہے۔۔

میں تمھارے نزدیک ونی میں ہوں۔۔ جانتی ہوں جو میں نے کیا وہ بھی غلط تھا تم سزا دو گے مجھے۔۔ لیکن تم میری عنائیہ اور ماما سے بات تو کرواسکتے ہو ناں۔۔ ماما کا نمبر لینڈ لائن کا نمبر کیوں آف جا رہا ہے؟؟

ابرش اس کی شرٹ جکڑے سسکتے ہوے بولی۔۔

تمھیں کیسے پتہ کہ ان کا نمبر آف آ رہا ہے؟؟ زاران نے سرد لہجے میں کہتے اس کے بازو کو اپنی وحشی گرفت میں لیا۔

یعنی تمھیں بھی اس بات کا پتہ ہے ان کا فون نمبر آف ہے۔۔ تم کیا چھپا رہے ہو زاران ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چیختے ہوے بولی۔۔

جب میں نے تمھیں منع کیا تھا۔ تم اپنے گھر والوں سے کسی

بھی قسم کا رابطہ نہیں کرو گی تو تم نے کیوں کیا رابطہ ؟؟۔۔۔اور تم نے فون کہاں سے کیا؟؟زاران اس کے بازو میں اپنی انگلیاں سختی سے پیوست کیے غرایا تھا۔۔

زاران میں نے باربینا کے موبائل سے کال کی تھی۔۔ابرش اپنا بازو زاران کی وحشی گرفت سے چھڑاواتے ہوے سسکتے ہوے بولی۔۔زاران کی انگلیوں کے نشان سے اس کی کلائی پر اس کی انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے۔۔وہ اس کی آہنی گرفت پر حیرانگی سے نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ابرش میری بات کان کھول کر سن لو۔۔جب تک میں نہیں چاہوں گا۔۔تم ان سے بات نہیں کرو گی۔۔اور نہ اب اس ٹاپک پر مجھ سے بات کرو گی۔۔انڈرسٹوڈ۔۔۔

وہ ابرش کی نازک کلائی پر اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھے دھاڑا تھا۔۔

زاران۔۔ ابرش نے اس کی وحشی گرفت پر سسکتے ہوے اسے پکارا۔۔ وہ بتدریج اپنی گرفت بڑھائے جارہا تھا۔۔ ابرش کو اپنی کلائی اب ٹوٹتے محسوس ہورہی تھی۔

ابرش کے سسکنے پر زاران نے اس کے بازو پر گرفت ڈھیلی کرتے چھوڑ دی تھی۔۔ وہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے رخ موڑ گیا تھا۔۔

ابرش نم آنکھوں سے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔۔

زاران گہرے سانس لیتا اس کی طرف پلٹا۔

ابرش میری جان۔۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں بہت جلد تمھیں زحلے پھوپھو اور عنائیہ سے ملادوں گا۔۔ پلیز تب تک مجھ پر بھروسہ

رکھو۔۔ میرے لیے مشکلات مت بڑھاؤ۔۔ پلیز مجھ پر بھروسہ کرو۔۔ زاران نے اس کا چہرہ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔۔

تم یہ بات بھی کسی سے نہیں کرو گی کہ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمھیں جلد عنائیہ اور آہل سے ملاؤں گا۔۔ ہمم۔۔۔۔۔۔۔ وہ اس کے چہرے کو تھامے نرمی سے بولا۔۔

ابرش نے زاران کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

زاران نے اس کے اثبات پر سر ہلانے پر گہرا سانس لیا.. وہ اس کے چہرے کو تھامے بہت نرمی سے اس کے لبوں پر جھکا۔۔ آج اس کی پیاس بجھ ہی نہیں رہی تھی۔۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت برداشت کرنے لگی۔۔اب اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔۔جسے دیکھتے زاران پرسکون ہوا تھا۔موبائل رنگنگ پر وہ اس سے علیحدہ ہوا۔۔اپنی جیکٹ سے موبائل نکال کر نمبر دیکھتے زاران کے ماتھے کے بل گہرے ہوے تھے۔۔

زاران نے غصے سے کال کاٹی تھی۔۔اسی پل اسے کچھ تصویریں موصول ہوئیں۔۔جنھیں دیکھتے زاران خانزادہ کی آنکھیں یکدم لہو چھلکانے لگی تھیں۔

ابرش بغور اس کے تاثرات کا ملاحظہ کر رہی تھی۔۔

زاران موبائل اپنی جیکٹ مین ڈالتے ابرش کی طرف دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

ابرش میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔۔ ایک بہت ضروری میٹنگ تھی

۔۔ جس کی وجہ سے مجھے مجبورًا یہاں ہوٹل کے ڈائینگ ایریا میں میٹنگ

ممبران کو بلانا پڑا۔۔ میں ان سے مل کر آتا ہوں۔۔ واپس آکر ہم یہیں سے

کنٹینیو کریں گے۔ مجھے آج رات سکون چاہیے اور وہ ایک بیوی کے علاوہ

کوئی نہیں پہنچا سکتا۔۔ اور میرا سکون تم ہو۔۔ زاران نے اسے نرمی سے کمر

سے تھامے خود کے قریب کرتے اس کے ماتھے پر اپنے لب

رکھے۔۔ ابرش اس کے دہکتے لمس پر نظریں جھکا گئی تھی۔۔

وعدہ کرو جان۔۔۔ مجھے ستاؤ گی نہیں۔۔ اچھی فرمانبردار بیوی کی طرح خود کو

مجھے سپرد کرو گی۔۔ میں تب ہی تمھاری خوبصورتی کا حق ادا کر پاؤں

گا۔۔ تمھیں بتا سکوں گا تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو؟؟ ہمم۔۔۔۔

زاران نے اس کی جھکی نظروں کو بغور دیکھتے کہا۔ اپنی بیوی کی اتنی فرمانبرداری اور خاموشی اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

ابرش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

افف۔۔۔ جب تم ایسے فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتی ہو یقین مانو مجھے یقین نہیں آتا۔۔ مجھے تم پر شک ہونے لگتا ہے۔۔ زاران ابرش کی اتنی فرمانبرداری پر شرارتی لہجے میں بولا۔۔ ابرش اس کی بات پر پھیکا سا مسکرا گئی تھی۔۔

چلو اب اتنی فرمانبرداری دکھا رہی ہو تو یہ پہن کر میرا انتظار کرو۔۔ زاران نے صوفے سے ایک پیکٹ اٹھا کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔

ابرش نے وہ شاپنگ بیگ پکڑتے کھول کر دیکھا تو اس کا رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔۔ وہ بلیک کلر کی شارٹ سی نائٹی تھی۔۔ اسے سرخ پڑتا دیکھ کر زاران کا قہقہ گونجا تھا۔۔

پہنو گی ناں۔۔ زاران نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے تھامے بہت پیار سے پوچھا۔۔

جی بلکل میں یہ پہن کر آپ کا انتظار کروں گی مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ آج رات آپ کو مجھ سے کوئی شکائت نہیں ملے گی۔۔ ابرش زاران کو دیکھتے گہرا مسکرائی تھی۔۔

ہمممممم۔۔۔ مجھے یقین ہے آج میری بیوی کچھ گڑبڑ نہیں کرے گی۔۔ ورنہ وہ اپنے مسٹر خانزادہ کا غصہ جانتی ہے۔۔ زاران اسے کمر سے جکڑے خود

کے قریب کرتے اس کے کان میں جھکے سرگوشی نما آواز میں بولتے اس کے ماتھے پر کس کرتے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش نے صوفے پر پڑی زاران کی گاڑی کی چابیاں جلدی سے اٹھائے مٹھی میں دبوچی۔۔

بھول جائیں مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش آج کی رات یا آنے والی رات کبھی آپ کا حق ادا کرے گی۔۔ آپ سے کہیں پہلے میرے لیے میرے گھر والے ہیں۔۔ ابرش پاشا جو کرے گی اب خود کرے گی۔۔ آہل کہاں ہے؟؟ میں جان کر رہوں گی۔۔۔ میری زندگی تو آپ نے برباد کر دی۔۔ مگر میں اپنے بھائی کو ان فرسودہ رسومات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔۔ وہ بے گناہ ہے میں ثابت کر کے رہوں گی..

ابرش نے وہ نائٹی غصے سے زمین پر پھینکی تھی۔۔بیڈ سے شال اٹھائے وہ اچھی طرح خود پر اوڑھتے اپنا منہ نقاب سے چھپائے کمرے سے باہر نکل گئی

۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ روحاب ملک کے سامنے بیٹھا مسلسل اضطرابی انداز میں اپنی ٹانگ ہلا رہا تھا۔۔چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ رہا تھا۔۔ہاتھ میں پکڑے گلاس پر اس کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔۔

روحاب ملک نے ڈرنک کا گلاس منہ کو لگائے زاران خانزادہ کو دیکھ کر گہرا سانس لیا تھا۔۔۔

زاران ایسے غصہ کرنے سے کیا ہو جائے گا؟؟؟کام ڈاون۔۔۔روحاب شاہ کی بات پر زاران خانزادہ کے ہاتھ میں پکڑا کانچ کا گلاس دو ٹکروں میں تقسیم ہوا تھا۔۔

ہوٹل میں بیٹھے کچھ افراد نے مڑ کر زاران خانزادہ کو دیکھا۔ جس کا ہاتھ گلاس ٹوٹنے سے زخمی ہو چکا تھا۔۔

واٹ ربش۔۔۔زاران یہ کیا حماقت ہے؟؟روحاب نے ٹشو پکڑتے اپنے سامنے بیٹھے زاران کے ہاتھ کے زخم پر رکھا تھا۔۔جہاں سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔۔

زاران نے غصے سے اپنا ہاتھ روحاب کی گرفت سے کھینچا تھا۔۔

میرے زخم پر مرہم رکھنے کی بجائے تم وہ کرو جس کے لیے میں نے تمھیں ہائر کیا ہے۔۔زاران دبے انداز میں بولتے بھڑک اٹھا تھا۔۔

زاران یہ کام میں کسی فائدے کے لیے نہیں کر رہا نہ ہی اپنی ڈیوٹی سمجھ کر کر رہا ہوں۔۔اپنی دوستی نبھا رہا ہوں۔۔اس لیے یہاں تمھارے پاس بیٹھا ہوں۔۔روحاب ملک کے چہرے پر دبا دبا غصہ عود کر آیا تھا۔۔

وہ بھی زاران خانزادہ کا دوست تھا۔۔جسے غصہ زاران سے بھی زیادہ آتا تھا۔۔اس کا تو پروفیشن بھی ایسا تھا جہاں غصہ اور سختی ہی چلتی تھی۔

لیکن تم فیل ہو چکے ہو دوستی اور ڈیوٹی نبھانے میں؟؟زاران کے طنز پر روحاب ملک نے غصے سے اپنے لب بھینچے تھے۔۔

زاران بہزاد خان کو پکڑنا آسان نہیں ہے۔۔ عنائیہ کو اس نے اغواہ کیا ہے.. یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا۔۔ تم ہی بتاو اتنے بڑے آدمی پر میں کیسے ریٹ ڈالوں۔۔ اگر میرے پاس اریسٹ وارنٹ بھی ہوتے تو یہ ناممکن تھا۔۔ کتنے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔ تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو۔

روحاب نے لب بھینچتے کہا۔۔

تو تم ہی بتاؤ میں کیا کروں ؟؟۔۔ ایسے بغیر توں کی طرح بیٹھا رہوں۔۔ بہنوں کی طرح ہے وہ میرے لیے۔۔۔ چودہ سال کی ہے وہ ابھی۔۔۔۔ اس کے ساتھ کچھ غلط نہ ہو جائے سوچ سوچ کر میں پاگل ہونے لگتا ہوں۔ زاران بے بسی سے ٹیبل پر مکہ مارتے جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔

وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔جو تصویریں تمھیں موصول ہوئیں ہیں۔اس میں وہ بلکل ٹھیک لگ رہی ہے۔۔روحاب نے زاران کو تسلی دی تھی۔۔

لیکن کب تک؟؟شائد بہزاد خان بھی اس کی کم عمر پر ترس کھا گیا ہے۔

۔لیکن کب تک؟؟زاران ٹیبل پر اپنا زخمی ہاتھ پوری قوت سے مارتا دبے انداز میں چلایا تھا۔

زاران کی حالت دیکھتے روحاب ملک بھی اب پریشان ہوا۔تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟کیا کوئی اور بات بھی ہوئی ہے۔۔روحاب نے پریشانی سے پوچھا۔

اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔۔زرتاج اور آہل کو اس کے حوالے نہ کیا وہ عنائیہ کو نقصان پہنچا دے گا۔۔

زاران نے اپنے لب بھینچتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔۔

عنائیہ اور زرتاج میرے لیے بہنوں کی طرح ہیں۔زرتاج آہل کے نکاح میں ہے۔۔اگر آہل اور زرتاج کو اس کے حوالے کرتا ہوں وہ ان لوگوں کو گولی مار دے گا۔

آہل کے زخم ابھی تک ٹھیک نہیں ہو سکے۔۔وہ کبھی چل بھی سکے گا کہ نہیں ڈاکٹر اس بارے میں کچھ زیادہ پر امید نہیں ہیں۔۔میں بہزاد خان کی وجہ سے اسے امیریکہ بھی منتقل نہیں کر سکا۔۔یہاں تک کہ میں نے بھی ان لوگوں سے دوبارہ ملاقات نہیں کی۔۔کیونکہ بہزاد خان کے آدمی مجھ پر نظر رکھے ہوے ہیں۔۔میں بہزاد کو کہہ چکا ہوں کہ آہل اور زرتاج کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا مگر وہ بہت شاطر انسان ہے۔۔اس نے مجھ پر یقین نہیں کیا۔۔زاران نے غصے سے دانت کچکچائے تھے۔

ہر جگہ بہزاد خان کے آدمی ہیں۔ یہاں تک اب اس کے لوگ میری حویلی تک پہنچ آئے ہیں۔۔ زاران کی اگلی بات پر روحاب ملک چیر پر سیدھا ہوا تھا۔۔

یہ دیکھو۔۔۔۔ یہ مجھے آج انجان نمبر سے موصول ہوئیں ہیں۔ زاران نے اپنا موبائل روحاب کے سامنے رکھا۔

اس کی اور ابرش کی تصویریں تھیں۔ جب وہ دونوں حویلی سے نکل رہے تھے۔۔ گاڑی میں بیٹھے ہوے ابرش کا سائیڈ پوز تھا۔۔ جس میں اس نے چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔۔ ہوٹل میں داخل ہوتے وقت بھی تصویریں تھیں۔۔ روحاب ملک یہ دیکھتا پریشان ہوا تھا۔۔

جب ابرش اسلام آباد میں تھی۔۔تب بھی مجھے اس کی تصویریں موصول ہوتی رہی تھیں۔۔اور اب تو اس نے حویلی کے گیٹ کے سامنے سے یہ تصویریں لیں ہیں۔۔اس کی اتنی ہمت وہ میری حویلی پہنچ گیا اور میری بیوی کی تصویریں مجھے بھیج رہا ہے۔۔

۔کتے سے بھی بدتر موت دوں گا میں اسے۔۔

زاران ٹیبل پر مکہ مارتے غرایا تھا۔۔

زاران یہ تصویریں تمھیں بہزاد خان نے بھیجی ہیں۔۔تم اتنے شیور کیسے ہو سکتے ہو؟؟ہو سکتا ہے تم لوگوں کا کوئی اور بھی دشمن ہو۔۔روحاب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یہ بہزاد خان ہی ہے۔۔۔وہ پردے کے پیچھے رہ کر میرے ساتھ کھیل کھیل رہا ہے۔۔عنائیہ کو اغوا کر کے اس نے آہل سے بدلہ لیا ہے۔۔اب وہ ابرش کی تصویریں مجھے بھیج کر مجھے ان ڈائیریکٹلی بلیک میل کر رہا ہے۔وہ کسی بھی صورت مجھ سے آہل اور زرتاج کے متعلق اگلوانا چاہتا ہے۔۔

کیونکہ وہ سامنے آکر کبھی بھی میری عزت پر وار نہیں کر سکتا۔۔وہ جانتا ہے میں اسے کتے کی موت مار ڈالوں گا۔زاران نے اضطراری انداز میں اپنے زخمی ہاتھ ٹیبل پر مارا۔۔

ابرش کی تصویریں دیکھ کر اس کا خون کھول رہا تھا۔۔

زاران اپنے آپ کو سنبھالو تم اچھی طرح جانتے ہو بہزاد کوئی عام آدمی نہیں ہے۔۔منسٹر تک سے اس کے گہرے تعلقات ہیں۔ڈی آئی جی تک اس کی

پہنچ ہے۔۔ میری پوسٹنگ ہوتے ہوتے بچی ہے۔ اگر ارحام لالاڈی آئی جی سے سفارش نہ کرتے اب تک میری پوسٹنگ بہت دور ہو جانی تھی۔

روحاب نے زاران خانزادہ کو ٹھنڈا کرتے اسے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

تو پھر بہزاد خان مجھے بھی ابھی نہیں جانتا۔۔۔ میں اس کا وہ حال کروں گا ۔۔اس کے لیے یہ زمین کم پڑ جائے گی۔۔ ایک بار مجھے عنائیہ مل جائے۔۔۔ زاران دبے انداز میں غرایا تھا۔

آہل اور زرتاج نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔۔ جس کا خمیائزہ آج سب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتا اسے بہزاد خان کی بہن ہی ملی تھی محبت کرنے کے لیے۔۔ آہل تو امیریکہ سے آیا تھا وہ یہاں کی رویات کو

نہیں سمجھتا تھا۔۔ مگر زرتاج تو سمجھتی تھی۔۔ اسے ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔۔

بہزاد کی عزت پر اس نے ہاتھ ڈالا ہے۔۔ وہ اب بھوکے شیر کی مانند غرا رہا ہے۔۔۔ وہ آہل کو نہیں چھوڑے گا۔۔

اگر وہ اس دن وہ یہاں موجود ہوتا تو آہل کا قصہ اس دن ہی تمام کر دیتا جب اس نے زرتاج کو بھگایا تھا۔۔

جو بھی ہو میں اسے اب اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔ نہ ہی زرتاج کا ساتھ چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ مجھے لالا کہتی ہے۔۔۔ میں اسے اور آہل کو کسی قیمت پر بہزاد کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔۔ صرف ایک بار عنائیہ کو حاصل کر لوں۔۔ پھر

بہزاد خان کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم۔۔زاران روحاب کی بات سنتے اٹل لہجے میں بولا۔۔

زاران خانزادہ نے فون رنگنگ پر فون رسیو کرتے کان سے لگایا۔۔

کیا کہہ رہے ہو اسماعیل؟؟۔۔زاران چیئر سے یکدم کھڑا ہوا تھا۔وہ سرخ آنکھیں لیے اپنی مٹھی سختی سے بھینچ گیا تھا۔۔

جی سر۔۔۔۔میڈم کچھ دیر پہلے آپ کی گاڑی لے کر نکلی ہے۔۔

لوگ کہاں تھے اس وقت؟؟وہ فون پر اپنی گرفت مضبوط کرتے دبے انداز میں چیخا تھا۔۔

سر ہمیں اندازہ نہیں تھا میڈم ایسا کچھ کریں گی۔۔ ہمیں لگا وہ آپ کے ساتھ ہیں۔ وہ تو پارکنگ ایریا میں آپ کی گاڑی موجود نہ ہونے پر پتہ چلا میڈم تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے آپ کی گاڑی لے کر یہاں سے روانہ ہو چکی ہیں۔

بکواس بند کرو اپنی تم۔۔۔۔۔ پیچھا کرو اس کا۔۔ اسے کچھ بھی ہوا میں تم سب کو جان سے مار ڈالوں گا۔۔

زاران تیز تیز قدم اٹھاتے ہوٹل لاونج سے باہر آتے چیخا تھا۔۔

روحاب ملک نے کچھ غلط ہونے کے احساس پر اپنے کچھ آدمیوں کو تیار رہنے کو کہا تھا۔۔

وہ بھاگتے ہوئے زاران کے پیچھے لپکا تھا۔

زاران خانزادہ سرخ تنے ہوے نقوش کے ساتھ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔ تھوڑی دیر تک شام کے سائے گہرے ہو جانے تھے۔۔

اس وقت سوات کی سڑکوں پر ڈرائیونگ کرنا اور خطرناک ہو جانا تھا۔۔ وہ اکیلی گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔۔ یہاں کی سڑکوں پر ابرش کے لیے ڈرائیو کرنا یقیناً مشکل ہو گا۔۔ اس کے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔۔ بہزاد کے آدمی بھی ارد گرد تھے۔ اگر انھیں ذرا بھی خبر ہو گئی تو اس سے آگے کا سوچ کر ہی زاران کا دماغ اتشاں فشاں مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔۔ اس کا پورا وجود آگ کا گولہ بنا ہوا تھا۔۔ جو آج کسی قیمت پر ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔۔

زاران نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔۔

اس کے گارڈز کی گاڑی اس وقت دوسرے راستے پر تھی۔ جہاں ابرش کے ہونے کے امکانات ہو سکتے تھے۔۔ اس طرح روحاب ملک بھی ڈفرنٹ راستے پر اپنے آدمیوں کے ہمراہ ابرش کی گاڑی کو ڈھونڈ رہا تھا۔۔ وہ کس طرف گئی ہے اسے اندازہ نہیں تھا۔۔ نہ ہی ابرش کو ادھر کی سڑکوں اور راستے سے واقفیت تھی۔۔ اس لیے اس نے اپنے آدمیوں کو مختلف راستوں پر ابرش کے پیچھے روانہ کیا تھا۔۔

وہ خود یہاں سے اسلام جانے والے راستے کی طرف جا رہا تھا۔۔ یقیناً وہ اسلام آباد کی طرف گئی ہے۔۔ زاران نے اضطراری کیفیت میں سوچا۔۔ مگر اس کی بیوی الٹی کھوپڑی کی تھی۔۔ وہ کہیں بھی جا سکتی ہے۔۔ سیدھی بات اور سیدھے راستے سے اس کا کیا کام؟؟ زاران خانزادہ

نے جبڑے بھینچتے سٹیرنگ پر اپنے اہنی ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوے اسلام آباد کے اوپزٹ جانے والے راستے کی طرف گاڑی گھمائی تھی۔۔

زاران خانزادہ کا رنگ تانبے کی مانند سرخ تھا۔۔ طیش و اشتعال سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سرخ و سفید گردن کی نیلی رگیں بھی اجاگر تھیں۔ یہاں تک کہ اس کے بازو اور ہاتھوں کی موٹی نیلی رگیں بھی نمایاں ہوتے اس کے غیض و غضب کو ظاہر کر رہی تھیں۔۔

رگوں میں بہتا خون لاوے کی مانند ابل رہا تھا۔۔ ابرش اس ٹائم سوات کی سڑکوں پر اکیلی تھی۔۔ اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر اس کی دماغ کی رگیں دہکتے ہوے آلاؤ کی مانند بھڑک رہی تھیں۔۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ کیا کرے گا؟؟۔۔۔

ابرش اسے مل گئی وہ اسے زندہ چھوڑے گا بھی نہیں۔۔۔۔

وہ نہیں جانتا تھا۔۔۔۔اس کا خانزادہ خون آج اسے اس لڑکی کو قتل کرنے کو کہہ رہا تھا۔۔جو اس کی عزت کو ایک بار پھر داغدار کرنے چلی گئی تھی۔

تمھیں موت بھی صرف زاران خانزادہ ہی دے گا بیوی۔۔۔۔وہ گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔

زاران خانزادہ کی حالت مرنے والی ہو رہی تھی۔۔وہ گہرے سانس لیتے تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا کہ دفعتاً اس کا فون رنگ ہوا تھا۔۔

زاران نے عجلت بھرے انداز میں فون رسیو کرتے کان سے لگایا۔

وہ ملی کیا؟؟۔۔وہ فون اٹھاتے بے تابی اور پریشانی سے بولا۔

سر لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے ہم لوگ پھنس چکے ہیں۔۔ ہم آگے نہیں جا سکتے۔۔ سر میڈم یہاں سے آگے نہیں جا سکتی۔۔ آگے جانے والے راستے تقریباً بند ہیں۔ زاران نے یہ سنتے غصے فون بند کرتے سکرین پر دے مارا تھا۔۔ فون ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔۔ زاران نے طیش و اشتعال سے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔

ابرش تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا.. سنسان سڑک پر چلتی ہوئی گاڑی میں اس کی چنگاڑتی ہوئی آواز نے گاڑی کو بھی ڈولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ان اونچے نیچے راستوں پر ڈرائیو کرنا ابرش کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔ زاران خانزادہ کے ڈر سے اس نے اسلام آباد جانے کے لیے مشکل

راستہ چنا تھا۔۔ وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے یقیناً اسلام آباد کی طرف جانے والے سیدھے راستے کو اپنا تا وہ نہیں چاہتی تھی وہ اس کے ہاتھ اتنی آسانی سے لگے۔۔

وہ صرف عنائیہ اور زحلے کو ایک بار دیکھنا چاہتی تھی۔۔ وہ لوگ ٹھیک ہیں ۔۔ وہ یہ تسلی کرنا چاہتی تھی۔۔ گاڑی اونچے نیچے راستوں پر ابرش کے ہاتھوں سے ڈولی تھی۔۔ اس کے لیے گاڑی چلانا کافی مشکل تھا۔۔ بلکہ تقریباً اس کے ہاتھوں سے کنٹرول نکل رہا تھا۔ ابرش بہتے آنسوؤں سے ڈرائیو کر رہی تھی۔۔ یکدم گاڑی بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ سڑک ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔۔ گاڑی کھڈے میں لگتی اچھلی تو ابرش نے چیخ مارتے گاڑی کے بریک پر پاؤں رکھتے اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔۔ گاڑی کے ٹائر بری طرح چرچراتے ہوئے رک گئے تھے۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے

خوفزدہ نظروں سے سڑک کو دیکھ رہی تھی۔۔اس کی گاڑی سڑک کے ایک طرف گہری کھائی کے کارنر پر ہی رکی تھی۔اگر بروقت وہ بریک نہ لگاتی اس کی گاڑی یقیناً کھائی میں جا گرتی۔۔اس نے گہرے سانس لیتے گہری کھائی کو دیکھا جو بہت خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔۔وہ اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے یکدم گاڑی کے سٹیرنگ پر ماتھا ٹکاتے بری طرح رو دی تھی۔۔

کیوں زارا خانزادہ؟؟کیوں؟؟تم نے میری زندگی اتنی مشکل بنادی ہے۔۔۔کیوں؟؟وہ سٹیرنگ سے سر اٹھائے چیخی تھی۔۔

وہ کافی دیر تک روتی رہی تھی۔۔اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ڈرائیو کرنے کی۔۔وہ بہت خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ابرش نے گہرے سانس لیتے گاڑی سٹارٹ کرتے بیک کی۔۔۔

وہ ہر حال میں آج اپنی فیملی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ اتنی آسانی سے ہمت نہیں ہار سکتی تھی۔۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر رسک لیا تھا۔۔ جانتی تھی زاران اس کے کیے کی سزا بہت بری دے گا۔۔ مگر اب وہ جو مرضی سزا دے اسے پرواہ نہیں تھی۔۔۔ اسے اس وقت صرف اپنی فیملی کی پرواہ تھی۔۔ چھ سال کی تھی جب عنائیہ پیدا ہوئی تھی۔۔ زحلے کو شدید قسم کے دورے پڑتے تھے۔۔ اسے دنوں ہوش نہیں رہتا تھا۔۔ عنائیہ کو اس نے تقریباً چھ سال کی عمر سے پالا تھا۔۔ آہل اس سے ایک سال چھوٹا تھا۔۔ مگر اسے خود سے بہت چھوٹا لگتا تھا۔۔ اس کی سٹڈی کے لیے اس نے اپنی سکولنگ چھوڑ کر چودہ سال کی عمر سے جاب کرنا شروع کر دی تھی۔۔ تاکہ اس کی فیملی کو کوئی پرابلم نہ ہو۔۔۔ پچھلے تین مہینوں سے اسے اس کی فیملی

کے بارے میں ذرا خبر نہیں تھی۔۔ وہ لوگ زندہ بھی ہیں یا نہیں وہ نہیں جانتی تھی۔۔

ابرش گاڑی چلاتے ہوے بے تحاشا رو رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ اس سے محبت کا دعویدار تھا۔ مگر اس کی تکلیف درد نہیں سمجھتا تھا۔ تین ماہ کا عرصہ جس میں وہ کمرے میں ایک ناکارہ وجود کی طرح پڑی رہی۔۔ اس نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔۔۔ کتنی اذیت و تکلیف کا عرصہ تھا اس کے لیے۔۔۔۔۔۔ جب ان تین ماہ کی گزری ہر رات میں وہ تنہا بیڈ پر چیخیں مار مار کر روتی رہی۔۔ مگر وہ اس کے پاس نہ تھا۔ اس نے کھانا کھایا یا نہیں اسے کبھی پرواہ نہیں رہی۔۔۔ وہ سمجھتی تھی۔۔

اس نے جو کیا غلط کیا مگر اس نے یہ سب ذہنی دباؤ میں کیا۔۔۔ وہ تو جانتا تھا وہ اس سے محبت کرتی ہے۔۔ گن پوائنٹ پر اغوا کرنے والی لڑکی سے وہ اور کیا

توقع رکھ سکتا تھا۔۔ شروعات تو اس نے کی تھی محبت میں رسوا کرنے کی۔۔ زعیم کے ساتھ اسے دیکھ کر اس پر شک کرنا۔۔ اس پر ہاتھ اٹھانا۔۔ وہ اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے ہچکیاں لیتے وجود کے ساتھ ڈرائیو کر رہی تھی۔۔ آج بھی اس نے اسے مجبور کیا تھا وہ صرف ایک بار اس کے گھر اوالوں سے بات کروا دیتا تو اس کا کیا جاتا۔۔ فون پر بات کروانا اتنا مشکل تو نہیں تھا۔۔ وہ کچھ تو چھپا رہا تھا اس سے۔۔۔ کہیں اس کی فیملی مصیبت میں تو نہیں۔ یہی اس سوچ نے آج اسے اس ہوٹل کے بند کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ابرش بری طرح روتے ہوے گاڑی چلا رہی تھی۔۔ دفعتاً اس کی نظر بیک مرر سے اپنے پیچھے آتی جیپ پر پڑی۔۔ کالے رنگ کی جیپ جو تھوڑی دیر پہلے تک یہاں کہیں نہیں تھی۔۔ مگر اب کچھ وقت سے اس کا پیچھا کر رہی

تھی۔۔وہ جیپ چاہتی تو اس کی گاڑی سے آگے نکل سکتی تھی۔ مگر وہ بہت آہستگی سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔ جیسے اس کا پیچھا کر رہی ہو۔

ابرش کی چھٹی حس نے اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلایا تھا۔وہ کافی آہستگی سے گاڑی چلا رہی تھی۔ مگر خطرے کے احساس سے اس نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تو اس کے پیچھے آتی گاڑی نے بھی اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔

ان راستوں پر گاڑی چلانا اس کے لیے تو مشکل تھا۔۔ مگر اس کے پیچھے آتی گاڑی کی سپیڈ سے لگ رہا تھا۔۔ ان کے لیے ان راستوں پر گاڑی چلانا کوئی مشکل نہ تھا۔۔

اس کے پیچھے آنے والی گاڑی زاران خانزادہ کی نہیں تھی۔۔نہ اس کے کسی گارڈ کی تھی۔۔بیک مرر سے وہ ڈرائیور کی شکل دیکھ چکی تھی۔۔

پیچھے سے آتی گاڑی اب اس کے کافی قریب آچکی تھی۔۔ ابرش نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوے جی جان لگاتے ہوے گاڑی پر اپنا کنٹرول سنبھالنے کی کوشش کی۔۔ اسے فالو کرنے والی گاڑی جلد ہی اسے اوور ٹیک کر سکتی تھی۔۔ کچھ خراب سڑکیں کچھ گھبراہٹ میں اس سے ڈرائیو کرنا مزید مشکل ہو گیا تھا۔۔ مگر وہ پوری کوشش کرتے ہوے یہاں سے نکلنا چاہتی تھی تاکہ وہ یہاں سے کسی مصروف سڑک پر آسکے۔ اسے پہلی بار اپنے جذباتی پن پر آفسوس ہوا تھا۔۔ اسے یہ خطرناک راستہ نہیں چننا چاہیے تھا۔۔ یہاں کوئی گاڑی کوئی ذی روح انسان نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ اب کھلی سڑک پر آچکی تھی۔۔ جہاں سڑک کے ایک طرف میں گھنا جنگل دوسری طرف گہری کھائیاں تھی۔۔ مگر سڑک کافی کشادہ اور ہموار

تھی۔۔ ابرش کے لیے یہاں ڈرائیو کرنا کافی آسان تھا۔۔ مگر اس کے بدن پر شدید لرزہ طاری تھا۔۔ اسے پتہ تھا زاران خانزادہ کے کافی دشمن ہیں۔ اسے حویلی میں رہنے کے دوران ہی پتہ چلا تھا ارحام خانزادہ پر بہت بار حملہ ہوا ہے۔۔ حملے کے پیچھے شاہنواز کا ہاتھ تھا۔۔ تبھی تو یہاں سب باہر جاتے ہوے اپنے ساتھ گارڈز اور گن ضرور رکھتے تھے۔۔ گن کا خیال آتے ہی ابرش نے گاڑی کی سیٹ کے نیچے ہاتھ مارتے گن تلاش کی۔۔ جو اسے باآسانی مل گئی تھی۔۔ ابرش نے کانپتے ہوے ایک ہاتھ میں گن پکڑتے دوسرے ہاتھ کی گرفت سٹیرنگ پر مضبوط کی تھی۔۔

وہ جتنی بھی بہادر بننے کی کوشش کرتی مگر وہ تھی تو ایک تن تنہا ایک عورت ۔۔۔۔ پاکستان میں ہوے حادثات کے بارے میں وہ بہت بار بہت کچھ

پڑھ چکی تھی۔۔ایک اکیلی عورت کے لیے تو شائد ہر ملک ہی خطرناک ہوتا ہے۔۔۔ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔۔اسے اتنی سردی میں اب ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔۔دل خوف سے بند ہو رہا تھا۔۔

یکدم اس کے پیچھے آتی جیپ نے اسے اوور ٹیک کیا۔۔ابرش کو مجبوراً ابریک لگانی پڑی۔۔ورنہ اس کی گاڑی بری طرح ان کی جیپ سے ٹکراتی۔۔

ابرش گاڑی روک کر گہرے سانس بھرتے خوفزدہ نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی جیپ کو دیکھ رہی تھی۔۔جیپ میں بیٹھے اونچے تگڑے گھنی مونچھوں داڑھی والے مرد اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ابرش نے گاڑی سٹارٹ کرتے پیچھے کو کرنی چاہی۔۔

مگر اگنیشن میں لگی چابی اس سے گھوم ہی نہیں رہی تھی۔۔

جیپ سے نکلتے ان دو افراد کو دیکھ کر ابرش کی سانسیں رکی تھی۔۔وہ ڈیل ڈول والے اونچے لمبے کافی خوفناک آدمی تھے۔۔

انہوں نے جیپ سے باہر آتے ابرش پر گہری نگاہیں ڈالتے اس کے اگلے ٹائر پر اپنی پسٹل سے فائر کیے۔۔ابرش چیختے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔ابرش کو چیختا دیکھ کر ان کی مکروقہقے گونجے تھے۔۔

ان میں سے ایک آدمی نے اس کی طرف بڑھتے اس کی سائیڈ کا شیشہ زور سے کھٹکھٹایا۔۔

باہر نکلو۔۔۔وہ گاڑی کا شیشہ زور سے بجاتے دھاڑا تو ابرش خوفزدہ ہوتے سیٹ کی دوسری جانب کھسک گئی۔۔

باہر آؤ ورنہ جب ہم تم کو گاڑی سے نکالیں گے تو تمھاری خیر نہیں۔۔۔وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بری طرح چلایا تھا۔۔

ابرش سر نفی میں ہلاتے گاڑی کے دروازے کے ساتھ چپک گئی تھی۔اس کے دوسرے ساتھی نے دوسری طرف سے شیشہ بجایا تو وہ خوفزدہ ہوتے بری طرح چیخی تھی۔۔ابرش کی حالت دیکھتے دونوں کی مکروہ ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی۔۔

اسے جلدی باہر نکالو اگر اس کا مرد آگیا تو مشکل ہو جائے گا۔۔خان کا حکم ہے آج رات اس خوبصورت حسینہ کو اس کے مہمان خانہ کا مہمان بنایا

جائے۔۔ایک آدمی اپنے دوسرے ساتھی کو آنکھ مار کر ہنسا تو ابرش نے کانپتے ہاتھوں سے نیچے گری ہوئی گن اٹھا کر ان لوگوں پر تانی۔۔

ابرش کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھتے وہ لوگ قہقہے لگانے لگے۔۔۔۔ گن پر موجود اس کے ہاتھوں کی گرفت ہی بتا رہی تھی۔۔وہ کسی اناڑی کے ہاتھوں میں ہے۔

وہ قہقہے لگاتے ہوئے جس بری طرح اس کے دونوں اطراف میں کھڑے اس گاڑی کے دروازے کے شیشے بجا رہے تھے۔۔ابرش کے ہاتھوں سے گن گر چکی تھی۔۔وہ بے بسی کے احساس سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔عزت کے چھن جانے کے خوف سے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ان میں سے ایک آدمی نے نیچے سے پتھر اٹھا کر ابرش کی سائیڈ کا شیشہ پوری قوت سے توڑ ڈالا تھا۔۔ابرش نے بری طرح چیختے ہوئے اپنے چہرے پر

ہاتھ رکھا۔ کانچ کی کچھ کرچیاں اس کے عارض کو چھو گئی تھیں۔ اس آدمی کے آرادے جان کر ابرش نے اپنے پاس گرے ہوے ایک چھوٹے سے کانچ کے نوکدار ٹکڑے کو نامحسوس انداز میں اپنے ہاتھ میں پکڑتے اپنی شال کو اچھی طرح اپنے وجود پر اوڑھی تھی۔۔ اس آدمی نے گاڑی کے ٹوٹی ہوے شیشے کے روازے میں ہاتھ ڈال کر لاک کھولتے ابرش کو کلائی سے پکڑ کر کھینچ کر باہر نکالا۔۔

ابرش اس کی وحشی گرفت میں گھسٹتی چلی گئی تھی۔۔۔ا

یہ تو گاڑی میں بیٹھی جتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ باہر نکلتے اور خوبصورت ہو گئی ہے۔۔ اس آدمی نے اسے اوپر سے نیچے گھورتے بے باکی سے کہا تو ابرش نے اپنے ہاتھ میں پڑے کانچ کے نوکیلے ٹکڑے کو اپنی مٹھی میں سختی

سے دبو چا تھا۔۔ کانچ ہتھیلی میں بیوست ہو تا اس کی ہتھیلی کو داغدار کر گیا تھا۔۔

اس نے ابرش پر گہری غلیظ نگاہیں گاڑھتے اسے گاڑی کی بونٹ پر زور سے پٹخا تو ابرش منہ کے بل گاڑی کے بونٹ پر گری تھی۔ ابرش نے مضبوطی سے اپنی شال پر گرفت مضبوط کی تھی۔۔ آج پہلی بار اسے چادر اور پردے کی ویلیو محسوس ہوئی تھی۔۔ اس نے تو ہمیشہ زاران کے غصے اور ڈر کی وجہ سے یہ چادر اوڑھی تھی۔ مگر آج اگر اس کے وجود پر یہ چادر نہ ہوتی تو وہ ان لوگوں کی حوس ذدہ آنکھوں سے کیسے خود کو چھپاتی۔۔ چادر سر سے اتر چکی تھی۔۔ براؤن سلکی بال کمر پر بکھرتے اس کے عارض کو چھو رہے تھے۔ ابرش نے سیدھے ہوتے لرزتے ہوے ان دونوں آدمیوں کو دیکھا۔۔

میں گاڑی سٹارٹ کرتا ہوں اسے جلدی سے گاڑی میں ڈالو۔۔اس کا مرد پیچھے آتا ہی ہو گا۔۔ایک آدمی گاڑی کی طرف بڑھتے چیخا تھا۔۔

اس آدمی نے ابرش کو بالوں کی گدی سے پکڑتے خود کی طرف گھسیٹا تو ابرش نے اپنے ہاتھ میں پکڑا نوکیلا کانچ کا ٹکڑا اس کی گردن پر دے مارا تھا۔۔وہ ابرش کو چھوڑتا درد سے بلبلا اٹھا۔۔

ابرش نے موقع غنیمت جان کر اپنی تمام ہمت مجتمع کرتے دوڑ لگائی۔۔

وہ بنا پیچھے مڑ کر پوری قوت سے بھاگی جا رہی تھی۔۔

برفیلی ٹھنڈی ہواؤں سے اس کا بدن منجمند ہو رہا تھا جیسے۔۔اونچے نیچے پتھروں پر چلنا مشکل تھا کجا کہ بھاگنا۔۔مگر اسے اپنی عزت سے بڑھ کر کچھ نہ تھا وہ اتنی آسانی سے گواپ نہیں کر سکتی تھی۔۔ابرش گھنے جنگل کی

طرف بھاگی تھی۔۔وہ دونوں آدمی بھی اسے گندی گالیاں دیتے اس کے پیچھے ہی آرہے تھے۔۔ابرش پوری قوت سے بھاگے جارہی تھی۔۔وہ پتھر سے ٹھوکر لگنے سے پتھریلی زمین پر اوندھے منہ جاگری تھی۔۔نوکیلی پتھروں سے بھری زمین پر ماتھا لگنے سے ماتھے سے خون بہنا شروع ہو چکا تھا ۔۔گھٹنا بری طرح چھل چکا تھا۔۔

ابرش درد کے احساس سے چیخ اٹھی۔۔اپنی شال کو سنبھالتے اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔۔

اپنے سامنے کھڑے ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوتے زمین پر پیچھے کو گھسٹنے لگی۔۔

مم مجھے جانے دو۔۔۔میں زاران خانزادہ کی عورت ہوں۔۔تم لوگ اسے نہیں جانتے۔۔وہ تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا۔ابرش پیچھے کو ہوتی چیخی تھی۔۔

ہم بھی بہزاد خان کے آدمی ہیں۔وہ بھی ابھی بہزاد خان کو نہیں جانتا۔۔تمھارا بہن پر تو اس نے ترس کھالیا ہے۔۔مگر تم جیسی جوان خوبصورت عورت پر ترس نہیں کھائے گا۔۔وہ آدمی ابرش کی طرف بڑھتے مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔۔ابرش نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا وہ اتنی ڈری سہمی ہوئی تھی اسے ان کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔۔ابرش نے پیچھے کو ہوتے زمین پر پڑے چھوٹے سے پتھر پر اپنی گرفت جمائی۔۔اگر آج یہ آدمی اسے چھوتا وہ اس پتھر سے اس کا چہرہ بگاڑنا چاہتی تھی۔۔مگر وہ کسی قیمت پر خود کو ان کی حوس کا نشانہ بننے نہیں دے سکتی تھی۔وہ روتے ہوے

پتھر پر اپنی گرفت جمائے انھیں سہمی خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس آدمی کی گردن پر ابرش نے کانچ کا نوکیلا ٹکڑا پیوست کیا تھا۔۔ وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھے پیچھے کھڑا ابرش کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔۔ اس کا خون میں تربتر ہاتھ بتا رہا تھا اسے زخم کافی گہرا آیا ہے۔۔

بہزاد خان سے پہلے آج میں اس کی جوانی پر رحم نہیں کھاؤں گا۔ وہ گردن پر ہاتھ رکھے دھاڑا تھا۔۔

یہ کیا کہہ رہے ہو شمشیر ؟؟ خان نے کہا ہے اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔۔ اسے بلکل بھی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔۔ دوسرا آدمی اس کی بات پر گھورتا ہوا بولا۔۔

اس نے جو میرے ساتھ کیا ہے۔ میں اسے آج نہیں چھوڑوں گا۔۔ شمشیر غراتے ہوے ابرش پر جھکا اس سے پہلے اس کا ناپاک وجود ابرش کو چھوتا

ابرش نے پوری قوت سے اس کی سر پر پتھر مارتے اس کے پہلو میں اپنی ٹانگ رسید کی تھی۔۔۔وہ پہلے ہی زخمی تھا درد سے بلبلاتا ہوا پیچھے کو جا پڑا تھا۔۔

ابرش نے خود کو سنبھالتے اٹھنے کی کوشش کی۔۔

وہ شیر سی غراہٹ لیے اس کی طرف دوبارہ بڑھا۔۔وہاں کھڑے دوسرے آدمی نے اسے گریبان سے پکڑ کر زمین پر پٹخا تھا۔۔کیا کر رہے ہو شمیشر؟؟ ۔۔۔بہزاد خان تمھیں اور مجھے گولی مار دے گا۔تم جانتے ہو اسے اچھی طرح۔۔۔اس نے کہا اسے یہ لڑکی صیح سلامت چاہیے۔۔اس پر نظر ڈالنے والی کی وہ آنکھیں نکال دے گا۔۔اس پر پڑی ایک ایک خروش کی وہ تمھیں اور مجھے دردناک سزا دے گا۔۔وہ اس کا گریبان دبوچے چیخا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔۔یہی موقع تھا ابرش نے ان کی توجہ بھٹکتے دیکھ کر پوری قوت مجتمع کرتے اٹھتے جنگل کی طرف دوڑ لگا دی۔۔

بھاگ گئی۔۔۔۔۔ک۔۔تد۔۔۔۔۔۔۔شمشیر ابرش کو بھاگتے دیکھ کر اسے گالی سے نوازتے چیخا تھا۔۔

ابرش بنا پیچھے مڑی بھاگے جا رہی تھی۔اس کا جوتا پیچھے ہی اتر چکا تھا۔۔اسمان میں اب ہلکی ہلکی سیاہی اترنا شروع ہو چکی تھی۔گھنے جنگل اور پھتروں کے بیچ وہ راستہ بناتے ہوئے نیچے کی طرف گہرائی میں اتر رہی تھی۔۔وہ کس طرف جا رہی تھی۔۔۔اسے نہیں پتہ تھا۔۔وہ بس اپنی عزت بچانے کی خاطر ہر حد تک جا سکتی تھی۔۔نیچے اترنے پر سامنے ہی بہتا دریا تھا۔۔وہ اونچے نیچے نوکیلے پتھروں پر گرتی اٹھتی بھاگتی دریا کے ٹھنڈے پانی میں اتری۔

ابرش کے پاؤں ٹھنڈے برفیلے پانی میں اترے وہ ساکت ہوئی تھی۔۔پانی برف سے بھی کہیں زیادہ ٹھنڈا تھا۔۔اس کا پورا بدن نیلا پڑا تھا۔۔وہ کپکپاہٹ کے باعث خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔۔وہ منہ کے بل پانی میں گری تھی۔۔شال اس کے وجود سے اترتی پانی کا حصہ بنی۔۔ابرش نے کانپتے ہاتھوں سے اپنی شال کو پکڑنا چاہا وہ تیرتی ہوئی اس کے ہاتھوں سے نکلتی دریا کے گہرے پانی میں گم ہوتی چلی گئی۔

ابرش یہ دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔وہ اس وقت دریا کے جس حصے میں تھی۔۔پانی اس کے ٹخنوں سے اوپر آرہا تھا۔۔بہتے دریا سے پتہ چل رہا تھا آگے جا کر وہ کافی گہرائی میں ہے۔۔ابرش نے پانی سے اٹھتے ہوے اپنے سائیڈ پر نظریں دوڑائیں جہاں بڑے بڑے پتھر اور پہاڑ

تھے۔۔اور اس طرف بہتا دریا۔وہ ان پتھروں پر نہیں چڑھ سکتی۔ تھی۔

اس وقت اس کا ناتواں ڈراسہا شدید ٹھنڈ سے کپکپاتا وجود اس قابل نہ تھا

۔۔وہ ان آدمیوں کا مقابلہ کر سکتی۔۔اس کے پاس موت ہی واحد حل تھا۔

ابرش نے چیختے ہوے خدا کے بعد زاران خانزادہ کو پکارا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

اسے زاران خانزادہ کے ہاتھوں آج موت گوارا تھی۔۔ مگر ان دو آدمیوں

سے موت بھی گوارا نہ تھی۔۔

زاران۔۔۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیختے ہوے زاران کو آوازیں دیے جا رہی

تھی۔زاران۔۔۔. زاران۔۔پہاڑوں سے گونجتی اس کی چیخیں پلٹ کر اسے

ہی سنائی دے رہی تھی۔۔۔

اپنے پیچھے کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنتے اس نے اسی پل ایک فیصلہ کیا تھا۔۔ خود کو اس ٹھنڈے بہتے دریا کے سپرد کرنا مگر وہ زاران خانزادہ کی عزت کو کسی کے ہاتھوں پامال نہیں کر سکتی تھی۔۔

ابرش جلدی سے ٹھنڈے پانی کی گہرائی کی طرف بڑھی اس سے پہلے وہ پانی کی گہرائی میں اترتی کسی نے اس کے ہاتھ پر گرفت جماتے اسے اپنی طرف پوری قوت سے کھینچا تھا۔۔۔

چھوڑو مجھے خبردار مجھے ہاتھ لگایا۔۔ میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔۔ وہ خوفزدہ ہوتے خود کو چھڑواتے بری طرح چیخی تھی۔

وہ اسے خود کی طرف کھینچ کر اپنی مضبوط بانہوں میں میں سما چکا تھا۔ چھوڑو مجھے۔۔۔ میں زاران خانزادہ کی عزت ہوں۔۔۔ مجھے چھونا مت۔۔ ابرش اس کے حصار میں حلق کے بل چیخی تھی۔۔

وہ اس کی کمر پر گرفت مضبوط کرتے مزید اپنے حصار میں قید کر گیا۔

ابرش نے سہمے ہوئے اس کے سینے سے الگ ہوتے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اپنے سامنے زاران خانزادہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھی۔ موت سے وہ زندگی طرف پلٹی تھی جیسے۔۔۔۔

دوسرے ہی پل وہ زاران خانزادہ کے ساتھ لپٹ پڑی۔۔۔

زاران مجھے بچالو پلیز۔۔۔ وہ زاران خانزادہ کے چوڑے مظبوط سینے کے ساتھ لپٹتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔ زاران نے اپنی مٹھیاں بھینچتے خود پر قابو پایا۔ وہ بغیر کسی شال کے گیلے کپڑوں میں تھی۔۔ اس کا پورا وجود کسی برف کی چٹان کی طرح سرد تھا۔

زاران نے اسے خود سے علیحدہ کرتے اپنا کوٹ اتار کر ابرش کے گرد لپیٹا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا۔ وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔ زاران نے اپنے مشتعل بھڑکتے اعصابوں پر قابو پاتے ابرش کے کانپتے وجود کو اپنے بازو کے حلقے میں لیا تھا۔۔ ورنہ وہی جانتا تھا اسے اس طرح بے پردہ دیکھ کر اس کے دل و دماغ پر کیا گزری ہے۔۔

ویسے بھی وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔۔ بہزاد کے آدمی کسی بھی پل یہاں پہنچنے والے ہوں گے۔۔ وہ یہ سوچ کر ابرش کو بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھا۔ بہزاد کے آدمیوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ رکا تھا۔۔ ابرش کانپتے ہوئے زاران کی چوڑی پشت کے پیچھے چھپی۔۔

چھوڑ دو اس س۔۔۔ا۔۔لی کو۔۔۔یہ آج رات ہماری مہمان ہے۔ شمیشر زاران پر بندوق تانے چیخا۔۔ابرش نے اس کا جو حال کیا تھا اور اسے میلوں دوڑایا تھا وہ ابرش کو چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ زاران کی طرف بڑھتے یا اس پر فائر کرتے۔۔زاران نے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی پسٹل سے ان میں سے ایک پر فائر کر دیا۔۔گولی شمشیر کے بازو پر لگی تھی۔۔وہ چیختے ہوئے زمین پر ڈھیر ہوا۔۔گردن اور سر پہلے ہی زخمی تھا۔۔اب گولی بازہ پر لگنے سے وہ بلکل ہی اپنے حواس کھو چکا تھا۔۔وہ زمین پر پڑا درد سے کراہ رہا تھا۔

دوسرا آدمی اس سے پہلے زاران پر فائر کرتا۔۔زاران نے اس پر اپنی پسٹل سے فائر کر دیا۔۔مگر نشانہ چوک گیا تھا۔۔گولی اس کے پیچھے درخت پر جا لگی تھی۔۔اس سے وہ پہلے وہ زاران پر فائر کرتا۔۔زاران نے اپنی پسٹل سے

ایک اور فائر کر دیا۔ گولی اب کی بار اس کے کندھے کو چھو کر گزری تھی۔۔۔۔وہ آدمی بلا کا مضبوط اور قد کاٹھ اور جسامت میں زاران خانزادہ سے کہیں بڑھ کر تھا۔۔ کندھے پر لگنے والی گولی کی وجہ سے بھی اس کے ہاتھ سے پسٹل زمین پر نہیں گری تھی۔۔ اس نے اسی لمحے زاران خانزادہ پر فائر کر دیا تھا۔۔ اس کی پسٹل سے نکلتی گولی زاران کے بازو کو چھو کر گزری تھی ۔۔ زاران کے ہاتھ سے پسٹل زمین پر گری۔

ابرش چیختے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپتے کھڑی تھی۔

اس سے پہلے وہ زاران خانزادہ پر ایک اور فائر کرتا۔۔ زاران ایک ہی جست میں اس تک پہنچتا اپنے بھاری بوٹ والا پاوں اس کے پہلو میں رسید کر چکا تھا۔۔ وہ سر کے بل زمین پر گرا تھا۔۔ اس آدمی نے زمین پر لیٹے ہی اپنی پسٹل سے زاران پر فائر کیا۔۔ جو زاران نے ایک سائیڈ پر ہوتے خود کو بچایا

تھا۔۔اس کے اوپر گھٹنوں کے بل بیٹھتے زاران نے بھاری مکہ اس کے ناک پر پوری قوت سے جڑتے اس کے ہاتھ سے پسٹل چھینی تھی۔۔پسٹل کی نوک اب کی بار پوری قوت سے اس کے منہ پر دے ماری تھی۔۔پھر وہ پاگلوں کی طرح اس کے منہ پر پسٹل مارتا چلا گیا تھا۔۔اس آدمی نے اپنا دفاع کرتے ہوے زاران کے منہ پر مکہ جڑا تھا۔۔زاران نے اس کے ہاتھ سے ضرب کھاتے پسٹل سے اس کے منہ پر فائر کر دیا۔۔وہ اسی پل ساکت ہو چکا تھا۔ابرش منہ پر ہاتھ رکھے اس آدمی کا مسخ خون میں لت پت چہرہ دیکھ رہی تھی۔۔جو زاران خانزادہ نے پل میں بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔۔وہ ساکت ہو چکا تھا مگر زاران اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔زاران خانزادہ اسے اس وقت کوئی جنونی لگ رہا تھا۔۔

زاران نے اس کے اوپر سے اٹھتے دوسرے آدمی کے زخمی وجود میں بھی کئی فائر کر دیے تھے۔۔ وہ چیختا ہوا اسی پل ساکت ہو چکا تھا۔

ابرش ان آدمیوں کی حالت اور زاران کا سرخ جنونی چہرہ دیکھ کر اب خوف سے چیخنا بھی بھول چکی تھی۔۔ ان آدمیوں کے انجام کے بعد اسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔۔

زاران نے وہ پسٹل بہتے دریا کے پانی میں زور سے اچھالی۔۔ جو چھپاک کی آواز کے ساتھ بہتے دریا کے شور کا حصہ بنتی پانی میں غائب ہو گئی تھی۔۔

زاران نے ان آدمیوں کے بے جان وجود کو باری باری گھسیٹتے ہوے انھیں بھی بہتے پانی کی نظر کیا تھا۔۔

اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کا انجام اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے ان کی لاشوں کو دریا کی گہرائی میں اترتے دیکھا

۔۔

تمھارا بھی یہی انجام ہو گا بہزاد خان۔۔۔وہ پوری قوت سے چیخا تو ابرش کو اپنا انجام قریب نظر آتے دیکھ کر آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا ہوا محسوس ہوا۔زاران کا ایسا خوفناک روپ پہلے کہاں دیکھا تھا۔۔زاران نے آگے بڑھتے اپنی پسٹل اٹھا کر اپنی پاکٹ میں ڈالی۔۔وہ بنا ابرش پر کوئی نظر ڈالتا اس کی کلائی پکڑتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ابرش اس کی وحشی گرفت میں اونچے نیچے پتھروں پر بے جان لاش کی طرح گھسیٹتی جا رہی تھی۔۔کتنی بار اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔وہ زمین بوس ہوئی تھی۔۔مگر زاران بنا کوئی رحم کھائے اسے گھسیٹتا لے کر جا رہا تھا۔۔

زاران۔۔۔ایک بار آپ میری بات سنیں پلیز۔۔ابرش نے اس کے ساتھ گھسیٹتے ہوے اسے کانپتے لبوں سے پکارا۔جواباً اس نے مڑتے انھیں جن وحشت زدہ سرخ آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔ابرش کا پورا وجود اس سرد برفیلی رات میں برف کے گلیشیر کی مانند جما تھا۔۔اتنی ٹھنڈک اسے برفیلے پانی میں اترتے محسوس نہیں ہوئی تھی۔۔جتنی زاران خانزادہ کی لہو اتری آنکھوں میں دیکھتے محسوس ہوئی تھی۔۔زاران اسے گھسیٹتے ہوے اپنی گاڑی کی طرف لایا۔۔اسے پوری قوت سے گاڑی کی بونٹ پر پٹخا۔۔

ابرش منہ کے بل بونٹ پر گرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔۔زاران نے اس کی طرف بڑھتے اسے سیدھا کرتے اپنا بھاری ہاتھ اسے مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔۔

وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھتے چیخ اٹھی تھی۔۔زاران مجھے مار نامت

پلیز۔۔۔زاران مجھے مار نامت پلیز۔۔۔۔

ابرش نے کانپتے لبوں سے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھتے روتے

ہوے التجا کی تو زاران کا ہاتھ ہوا میں معلق ہوتا رک چکا تھا۔۔

اس کا بغیر چادر کے گیلا وجود دیکھ کر زاران کے بدن میں شرارے سے

پھوٹے تھے۔۔وہ کچھ دیر اور نہ آتا وہ یقیناً اس بہتے دریا کا حصہ بننے سے پہلے

ان دو آدمیوں کے ہاتھ جا لگتی۔۔۔وہ جس طرح ابرش کو گالی دے رہا تھا وہ

سوچ کر ہی زاران کو اپنے بدن پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہو رہی

تھی۔زاران نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ گاڑی کی بونٹ پر مارا تھا اور وہ پھر بری طرح چلاتے ہوے مارتا چلا گیا تھا۔ابرش لرزتے وجود کے ساتھ سسکیاں لیتے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

زاران مم میرا یقین کریں۔۔مم میں بھاگی نہیں تھی۔۔مم میں صرف مما عنائیہ سے ملنے جا رہی تھی۔۔مم مجھے نہیں پتہ تھا یہ سب ہو جائے گا۔۔ابرش نے بہتے آنسوؤں سے ہچکیاں لیتے کہا۔۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اس کی گردن دبوچتے اسے گاڑی کی بونٹ کے ساتھ لگاتے اس پر جھکا۔

تمھیں صرف میری عزت کا جنازہ نکالنا تھا۔ جو تم نکال چکی ہو۔۔ چاہے وہ میرے نکاح سے بھاگ کر نکالنا ہو یا پھر ہوٹل کے بند کمرے سے۔۔۔ بلڈی۔۔۔ وومین۔۔۔ زاران اس پر جھکے اس کی کی گردن پر دباؤ بڑھاتے چیخا۔

ابرش خود کو چھڑواتے بری طرح ہلکان ہو رہی تھی۔۔ زاران کے ہاتھ کی آہنی گرفت اس کی گردن پر بڑھتی جا رہی تھی۔۔

اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔۔ مگر زاران اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔ اس کا تو جی کر رہا تھا اپنی پسٹل کی تمام گولیاں ابرش کے سینے کے آر پار کر دے۔۔ وہ اگر صرف اس کی بیوی اس کی عزت ہوتی تو شائد وہ کر بھی گزرتا۔۔۔ مگر ابرش سے شدید محبت نے اس کے ہاتھ پیر جیسے باندھ رکھے تھے۔۔ زاران نے اس کے بے جان وجود کو دیکھتے اسے چھوڑا وہ اپنی گردن

پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانستے ہوئے زمین پر گھٹنوں کے بل گر چکی تھی۔۔زاران کچھ لمحے اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتا رہا۔۔پھر اس کے ناتواں ہچکولے لیتے وجود کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑتے گاڑی میں ڈالا تھا۔۔خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔

زاران خانزادہ بہت تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔اس کی گاڑی ہواؤں کے دوش پر جیسے سفر کر رہی تھی۔ہچکولے بھرتی گاڑی ڈولتی تو زاران غصے سے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھاتا. ایسے میں گاڑی میں گونجتی ابرش کی سسکیاں کچھ دیر کے لیے تھم کر رہ جاتیں۔۔رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔قہر برساتی سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔۔ابرش بھیگے لباس میں ٹھٹھر رہی

تھی۔۔زاران خانزادہ نے ایک بار بھی ابرش کے ٹھٹرتے سسکتے وجود پر نگاہ ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔

کافی دیر سے وہ سرخ چہرے تنے ہوئے نقوش اور پھولتی رگوں کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔ دفعتاً گاڑی جھٹکا کھا کر رکی تھی۔زاران نے غصے سے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے گاڑی دوبارہ سے سٹارٹ کی۔۔اگنیشن میں چابی کافی بار گھمانے سے بھی گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔وہ جھلاتے ہوئے اپنا ہاتھ سٹیرنگ پر مار کر رہ گیا تھا۔

ابرش سردی سے بری طرح کپکپاتی خود میں سمٹ رہی تھی۔۔رہی کپکپاتے گلابی لب نیلے پڑ رہے تھے۔۔رہی سہی کسر زاران کے غصے نے پوری کر دی

تھی۔۔وہ نڈھال سی سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔۔آنکھوں سے آنسو پھسلتے عارض کا حصہ بنے۔

زاران اس پر بنا کوئی نگاہ ڈالے گاڑی سے باہر نکل کر بونٹ کھول کر چیک کرنے لگا۔۔وہ اپنے کندھے سے اٹھتے درد کو نظر انداز کرتا کافی دیر تک گاڑی کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔۔مگر گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔۔وہ طیش

واشتعال سے گاڑی کی بونٹ پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔۔وہ بارود کا گولہ بنا ہوا تھا۔۔اس وقت جی کر رہا تھا پوری دنیا کو آگ لگا دے وہ۔۔

اس وقت کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں آسکتا تھا۔۔

موبائل وہ سکرین پر مار کر توڑ چکا تھا۔۔ ورنہ اس کے گارڈز اور روحاب ملک لوکیشن ٹریس کرتے اس تک پہنچ جاتے۔۔

وہ لوگ ہوٹل سے ابھی کافی دور تھے۔ آس پاس گھنا جنگل اور اونچے نیچے پہاڑ تھے۔۔ یہاں آس پاس کوئی گھر کوئی ہوٹل بھی نظر نہیں آرہا تھا۔۔ گاڑی سڑک کے بیچ و بیچ رک چکی تھی۔۔ یہاں تک کہ گاڑی کا ہیٹر بھی آن نہیں ہو رہا تھا۔۔ یہاں سڑک کے بیچ و بیچ رکنا قطعًا سیف نہیں تھا۔۔ زاران نے اندھیری تاریک قہر برساتی رات میں ارد گرد نظر دوڑائی ۔۔ اس کی نظریں گھنے جنگل اور پہاڑوں سے ہوتی گاڑی میں بیٹھی ابرش پر جا ٹھہری تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اب اسے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔۔

وہ بھیگے لباس میں اس کی جیکٹ خود پر لپیٹے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔ اس کے گلابی لب اب نیلے پڑ رہے تھے۔۔ زاران لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ زاران

نے گہرا سانس بھرتے اپنے لیفٹ سائیڈ پر نظریں دوڑائیں جہاں گھنا جنگل تھا۔۔رات اس گھنے جنگل میں گزارنے کے علاوہ اس کے پاس اس کوئی راستہ نہ تھا۔۔ گاڑی کی طرف بڑھتے زاران نے ابرش کی طرف کا دراوازہ کھولا۔۔برفیلی ہوا ابرش کے کانپتے سرد وجود سے ٹکرائی تو وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔۔وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔۔

باہر آؤ۔۔۔زاران اس پر بنا کوئی ترحم کھائے سفاک لہجے میں بولا۔۔

ابرش اسکی سرد آنکھوں کو ایک نظر دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے جلدی سے گاڑی سے اتری۔۔اس ٹائم وہ مرنے کو بھی کہتا وہ مر جاتی۔۔مقابل کے ایسے سرد رویے سے اس کی ہمیشہ جان جاتی تھی۔۔ابھی کچھ دیر پہلے جو ہوا۔۔وہ خود کو بہت بے بس لاچار محسوس کر رہی تھی۔۔۔

برفیلی ہواؤں کے تھپیڑوں نے ابرش کا استقبال کیا تو وہ کانپتے ہوئے زاران کی مضبوط بانہوں میں سما گئی۔۔

زا۔۔زاران مم میں مر جاؤں گی۔۔ابرش اس کے سینے میں منہ چھپائے کپکپاتے لبوں سے بولی تو زاران نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرہ مضبوط کر گیا تھا۔۔

ابرش یہاں سیف نہیں ہے۔۔گاڑی میں ہیٹر بھی آن نہیں ہے ایسے میں تم یہاں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکو گی۔۔زاران نے اپنے لہجے کے سرد پن پر قابو پاتے بظاہر نرم لہجے میں کہا۔

ابرش کی حالت دیکھتے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے غصے پر قابو پانا پڑا تھا۔۔ور تند و تیز بھانبھڑ جلتے اس کے اندر دہکتی ہوئی آگ بھڑکائے ہوئے تھے۔۔

زاران کی نرم آواز سنتے اس نے بے یقینی سے اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے دیکھا تھا۔۔اس کی براؤن آنکھوں میں دیکھتے وہ اس کے سینے میں سمائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔زاران اسے یوں روتا دیکھ کر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ابرش کا رونا اس کے مشتعل اعصابوں کو مزید بھڑکا گیا تھا۔۔اسے بلکل اس پر ترس نہیں آرہا تھا۔۔جو آج اس نے کیا تھا وہ قطعًا معافی کے لائق ہر گز نہ تھا۔۔مگر وہ جانتا تھا اس وقت اسے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔۔وہ اس سے بھی بے تحاشا ڈری ہوئی تھی۔۔

زاران نے گہرا سانس بھرتے اسے خود سے علیحدہ کیا۔۔

چلو یہاں سے۔۔۔وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے کی جانب بڑھا۔اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت میں سختی محسوس کرتے ابرش کی سسکیوں میں آضافہ

ہوا تھا۔۔وہ گھسٹتی ہوئی ٹھٹرتی کانپتی اس کے ساتھ آگے بڑھتے جا رہی تھی۔۔۔

زاران اس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کرتا اپنے بھاری قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ وہ یکدم ٹھوکر لگنے سے بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ سس س۔۔۔۔۔۔ کی آواز کے ساتھ وہ زمین پر سسکتے ہوئے دوزانو بیٹھی چلی گئی۔۔زاران اس کے سسکنے پر نہ چاہتے وہ بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہوا تھا۔

چاند کی ہلکی زرد روشنی میں وہ اس وقت ترحم کھانے کے قابل لگ رہی تھی۔۔ننگے پاؤں ماتھے پر زخم کا نشان بری طرح کپکپاتا وجود۔۔۔ سردی سے نیلے پڑتے ہونٹ۔۔۔پاؤں کے انگوٹھے سے نکلتا خون وہ ٹھنڈی زمین پر دوزانو بیٹھی سسک رہی تھی۔۔

زاران نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے انگوٹھے کو دیکھا جو بری طرح زخمی ہوا تھا۔۔

وہ یہ دیکھتا گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ زاران مم میں مر جاؤں گی۔۔ مم مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔۔ ابرش بمشکل سسکتے ہوئے بولی۔۔

زاران اسے بغور دیکھتے کھڑا ہوا اور پھر اس کی طرف جھکتے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا گیا۔۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔ اس کا بدن برف کی مانند یخ ٹھنڈا تھا۔

سردی شدید پڑ رہی تھی۔۔ یقیناً وہ صبح تک ایسے ہی رہتی تو اتنی سردی میں مر بھی سکتی تھی۔۔ زاران اب کی بار واقعی میں پریشان ہوا تھا۔ زاران اسے لیے تھوڑا آگے بڑھا گھنے درختوں کی جھنڈ کے نیچے اس نے قدرے خشک جگہ پر اسے نرمی سے بٹھایا تھا۔۔ زمین ٹھنڈی ہونے کے باعث وہ سکڑتی

زمین کا ہی حصہ بنی تھی۔۔ زاران نے جلدی سے درخت کی کچھ ٹہنیاں توڑیں۔ اور کچھ ارد گرد سے کچھ لکڑیاں اکھٹا کرتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے لائٹر نکال کر جلائیں۔ وہ تھوڑی سی تگ و تدود کے بعد جل گئی تھی۔۔ زاران نے زمین سے گرے ہوے پتے اور ٹہنیاں اور بڑے پتھر اٹھا کر آگ کے قریب جگہ سی بنائی تھی۔۔ جہاں ابرش آسانی سے بیٹھ سکے اور آگ کی گرمائش بھی اس تک پہنچ سکے۔۔ وہ بہت تیزی سے یہ کام کر رہا تھا۔۔ نظریں بار بار بھٹک کر اپنی بیوی کی طرف جاتیں۔۔ جو زمین پر تقریباً بیہوشی کے عالم میں پڑی تھی۔۔ برفیلی سردی میں اس کا زخمی کندھا سن ہو گیا تھا۔ وہ بے حس بنا کام کر رہا تھا۔۔ اس وقت اسے صرف اپنی بیوی کی پرواہ تھی۔۔ جس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

سب کچھ کرنے کے بعد زاران نے اسے نرمی سے بانہوں میں اٹھائے آگ کے قریب کرتے اسے نرمی سے درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھایا تھا۔۔ آگ کی گرمائش ملنے کی دیر تھی۔اس کی بند آنکھوں پر گھنیری پلکوں کی جھالر میں جنبش ہوئی۔۔ابرش کے حرکت کرتے وجود کو دیکھتے زاران نے اطمینان کا سانس خارج کیا تھا۔۔

زاران اب مطمئن سا ہوتے اس کے سامنے آگ کے گرد بیٹھ گیا۔۔۔کندھے سے نکلتے خون نے اس کی شرٹ کو کافی حد تک داغدار کر دیا تھا۔۔زاران اپنے کندھے سے اٹھتی درد کی ٹھیسوں کو نظر انداز کرتے ابرش کی طرف متوجہ ہوا جس کی طبعیت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔۔ مگر وہ اپنے گرد بازو لپیٹے ابھی بھی کانپ رہی تھی۔۔

اس کے کپڑے گیلے ہونے کے باعث اس کی کپکپاہٹ ختم نہیں ہو رہی تھی۔۔زاران آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب گیا۔۔اپنے قریب زاران کی موجودگی محسوس کرتے ابرش نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

زاران نے ہاتھ بڑھا کر اپنی جیکٹ نرمی سے اس کے وجود سے اتاری

۔۔۔۔زا۔۔زاران مم۔۔۔کک کیا کر رہے ہو؟؟مم مجھے سردی لگ رہی۔۔شش زاران نے اپنے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کو کہا

۔۔

ابرش اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری کی کاٹ دیکھ کر خاموش ہو گئی۔۔اس کے ہاتھوں کا لمس نرم تھا۔۔مگر آنکھیں کافی سرد اور سرخ تھیں۔ابرش اس کی آنکھوں کا سرد پن دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔زاران نے اپنی جیکٹ اتارتے ہوے اسے اپنے سینے کے ساتھ

لگائے اس کی فراک کی زپ کھولتے اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکائی تو ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔زاران کے کچھ دیر پہلے والا جنونی روپ یاد آیا تو وہ خاموشی سے یہ سب برداشت کر رہی تھی۔۔وہ نہیں جانتی تھی زاران کیا کرنے والا ہے؟؟مگر آج وہ یہاں اس گھنے جنگل میں کچھ بھی کرتا وہ ایک آواز نہ نکالتی زاران کا اس قدر خوف اس پر حاوی تھا۔۔وہ آنکھیں میچتے کپکپاتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے ہوے تھی۔۔زاران نے اسے خود سے علیحدہ کیا تو ابرش اپنی حالت دیکھتے خفت سے نظریں جھکا گئی۔

یہ لو جیکٹ۔۔۔اب پہن لو۔۔تمھاری فراک گیلی تھی۔۔اس لیے اتارنی پڑی۔۔زاران نے اس کی طرف جیکٹ بڑھائی۔۔جسے بلاتردد ابرش نے

پکڑتے ہوے اپنا برہنہ وجود ڈھانپا تھا۔۔زاران نے اس کی فراک آگ کے پاس ہی پڑے بڑے سے پتھر پر اچھی طرح پھیلائی۔۔

ابرش زاران کی جیکٹ پہنتے درخت کے تنے سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔جیکٹ اچھی خاصی گرم تھی۔۔گیلے فراک پر جیکٹ کی گرمائش محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔آگ اور جیکٹ کی گرمائش ملنے کی دیر تھی۔۔ابرش کی کپکپاہٹ کافی حد تک ختم چکی تھی۔۔وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔۔

حور کی آنکھ کمرے میں ہوتی کھڑ پڑ سے کھلی تھی۔۔

رات نیند پوری نہ ہونے کے باعث وہ شام کو کمرے میں آتے ہی سو گئی تھی۔ حور نے نیند کی خمار میں گلابی ہوتی آنکھیں بمشکل کھول کر دیکھا تو ارحام خانزادہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔۔ درخشاں اور باربینا کے ہاتھ میں بہت سارے شاپنگ بیگز تھے۔۔ حور اپنے بال سمیٹتے ہوے اٹھ کر بیٹھی ۔۔ ساتھ ہی پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح اپنے سر پر لیا۔۔ ارحام نے گہری نظر حور پر ڈالی۔۔ جو نیند سے اٹھنے کے باعث اور خوبصورت لگنے لگی تھی۔۔

انھیں زمین پر رکھ دو اور جاؤ یہاں سے تم لوگ... ارحام حور کو گہری اور گرم نگاہوں کے حصار میں رکھتے ہوے درخشاں اور باربینا سے بولا۔۔ وہ ڈھیروں شاپنگ بیگ زمین پر رکھتے خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ارحام اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے حور کی طرف بڑھا تو حور خود میں سمٹتی بیڈ کراؤن کی طرف کھسکی۔۔ارحام نے ناگواری سے اس کا یہ عمل دیکھا تھا.. حور کا ذرا سا بھی دور جانا اس کا گریز برتنا اسے بھڑکتے شعلوں پر ننگے پاؤں جیسے کھڑا کر دیتا تھا۔۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کا دوپٹہ اس کے سر سے اتارتے اس کے وجود سے الگ کیا۔ارحام کے عمل پر حور کے عارض میں سرخیوں کے ساتھ زردی بھی گھلی تھی۔۔

ارحام وہ۔۔۔۔۔۔۔۔پپ پلیز۔۔ابھی نہیں پلیز۔۔۔حور نے مدھم آواز میں کہا تو ارحام اس کے لفظ بمشکل سنتا مبہم سا مسکرا گیا تھا۔۔

ابھی کیوں نہیں جان۔؟؟۔۔۔ارحام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے براؤن سلکی بالوں کو کیچر سے آزاد کیا تھا۔۔

ارحام کے لبوں سے جان سنتے حور کی رنگت مزید سرخ پڑی تھی۔۔ارحام کے لبوں سے پہلی مرتبہ لفظ جان سنا تھا۔ورنہ وہ رات رات بھر اسے اپنا جنون میڈنس کہتا تھا۔۔ مگر اتنے پیار سے کبھی اس لفظ سے نہیں پکارا تھا۔

ارحام نے اسے خود میں بھینچتے اس کے سلکی بالوں پر لب رکھتے اس سے الگ ہوا۔

اس کی جھکی نظروں اور اس کے سرخ عارض کو دیکھتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔ ۔جب اس کی قربت پر وہ سرخ گلاب ہوتی تو ارحام خانزادہ کو اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہوتا۔۔

نیند پوری ہوئی۔۔۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے حور کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

حور نے ارحام کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

گڈ اب رات کو یہ تکرار سننے کو تو نہیں ملے گی۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔۔ ارحام پلیز مجھے سونے دیں۔۔ ارحام حور کو گرم نگاہوں سے دیکھتے ذو معنی اشارہ کرتے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

حور اس کے لہجے میں شرارت اور نرمی محسوس کرتے نروٹھے انداز میں منہ موڑ گئی تھی۔۔۔ جسے دیکھتے ارحام کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا تھا۔ وہ اس کی نرمی پر روٹھے نہ یہ ناممکن تھا۔۔

ارحام کو قہقہہ لگاتے دیکھتے حور خفگی بھری نگاہ ارحام پر ڈالتے بیڈ سے اٹھی..

ارحام اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔ بیڈ پر لیٹتے اسے نرمی سے اپنے سینے پر لٹایا تھا۔

حور نروٹھے انداز میں اس کے اوپر سے اٹھنی لگی تھی کہ ارحام سختی سے اس کی کمر پر اپنی گرفت جمائے اسے خود میں قید کر گیا۔

وہ اس کی بانہوں کی سختی محسوس کرتے ہار مانتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔

ارحام کافی دیر تک اسے ایسے ہی بانہوں میں لیے آنکھیں موندیں لیٹا رہا۔۔ حور اس کے سینے پر سر رکھے اس کی دھڑکنیں سنتی رہی۔۔

حور۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوے نرمی سے اسے پکارا۔

اس کا نرم اور شہد میں لپٹا لہجہ سن کر حور نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔اس کی خاموشی پر ارحام کے عنابی لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔جانتا تھا اپنی بیوی کے حلق سے آواز کیسے نکالنی ہے۔۔

حور۔۔۔۔ارحام نے مسکراہٹ دباتے سرد لہجے میں اسے پکارا۔۔

جج جی۔۔۔حور نے اس کے سینے سر اٹھا کر اپنی کرسٹل براؤن آنکھوں کو پھیلاتے ہوے ارحام کی گہری آنکھوں میں جھانکا۔

ارحام اس کے انداز پر اب اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔۔یقیناً اب اس کا قہقہہ یا مسکراہٹ اس کی معصوم ڈرپوک سی بیوی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔۔وہ اس کی کیوٹ سی ناراضگی بھی اب افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔وہ اسے خود سے دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

ارحام نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے اس کی فراک کی زپ نرمی سے کھولی تو حور نے سہمتے ہوے ارحام کو دیکھا۔۔۔وہ اس کے خوف کی بابت جانتا مسکرا گیا تھا۔۔اس کی کم عمری اور ناز کی ابھی تک اس کی شدتیں جھیل نہیں پاتی تھی۔۔مگر اب اسے تو یہ شدتیں برداشت کرنی تھیں۔۔ارحام یہ سوچتے مبہم سا مسکرایا تھا۔

حور۔۔۔آج کے بعد تم گل کے کپڑے نہیں پہنو گی۔۔میں نے تمھارے لیے نئے ڈریسز ارڈر کیے ہیں۔اب سے تم وہی پہنو۔گی۔درخشاں سے بول کر پورا وارڈروب میں خالی کرواتا ہوں۔۔اب وہاں صرف تمھاری ذاتی چیزیں اور کپڑے ہوں گے۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں ٹریس کرتے ہوے کہا۔۔

حور کی آنکھوں میں یکدم گلابیاں سی گھلی تھیں۔۔اس کی آنکھوں میں گلابی پن کے ساتھ شدید قسم کے غصے کی جھلک بھی تھی۔۔وہ ایک ہی جھٹکے سے خود کو ارحام کی بانہوں سے آزاد کرتی اٹھ کر بیٹھی۔۔اپنا ہاتھ پیچھے لے جا کر زپ بند کی۔۔ارحام نے لیٹے ہوے اس کا چہرہ دیکھا جو شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔وہ اب غصے سے اپنے سلکی بال سیمٹ رہی تھی۔۔ارحام کچھ پل یونہی لیٹے اس کے لال بھبونکا چہرے کو دیکھتا رہا۔۔ارحام نے نرمی سے اس کی کلائی تھامی۔۔وہ اس کا ہاتھ غصے سے جھٹک گئی۔۔ارحام لب بھینچے اس کا ایٹیٹوڈ دیکھتا رہا۔۔وہ گہرے سانس لیتے اپنا غصے پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔

وہ اس پر گہری نظریں جمائے بیڈ سے اٹھتے صوفے کی جانب بڑھا۔۔

صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگائے وہ حور کے ایکسپریشن بغور دیکھنے لگا۔۔

وہ جانتا تھا وہ اتنا غصہ جھلاہٹ ضرور دکھائے گی۔۔وہ حق بجانب بھی سمجھتا تھا۔۔ارحام نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے اپنی ناراض بیوی کو بغور دیکھا جو بیڈ پر گھٹنوں کے گرد اپنے بازو لپیٹے بیٹھی اپنے نچلے لب کو بری طرح کاٹ رہی تھی۔۔ارحام کو اس کا یہ ایکٹ زہر لگا تھا۔۔۔وہ اپنے ہونٹوں کو اس طرح چھوے اسے کہاں گوارا تھا۔۔اس کا پورپور اب اس کی ملکیت تھا۔

جان من۔۔۔میرے پاس آجاؤ میں تمھارے لبوں کو قندھاری کر دیتا ہوں تم اچھے سے نہیں کر رہی۔۔میں کتنے اچھے سے کرتا ہوں تم تو جانتی ہو یہ۔۔۔۔سو کم آن میرے پاس آؤ۔۔۔ارحام نے حور کو بغور دیکھتے سرد

لہجے میں کہا تو حور نے اپنے نچلے لب کو دانتوں تلے سے آزاد کیا۔۔ یہ تو اچھی طرح جانتی تھی۔۔ وہ ان لبوں کا دشمن تھا۔

چلو اٹھو چینج کرو۔۔ ارحام کا تحکم بھرا لہجہ سنتے بھی وہ بیڈ پر یونہی بیٹھی رہی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ ارحام نے اسے اب کی بار کافی سرد آواز میں پکارا تھا۔

میں انہی کپڑوں میں ٹھیک ہوں۔۔ مجھے عادت ہو گئی ہے گل کی جھوٹن کھانے کی اور اس کی اترن پہننے کی۔۔۔ حور نے بنا ارحام کی طرف دیکھے سپاٹ لہجے میں تنک کر جواب دیا۔۔ ارحام نے اس کی بات بمشکل ہی برداشت کی تھی۔۔ اس کی جھوٹن کھانے سے کیا مراد تھی؟؟ وہ سمجھ گیا

تھا۔۔ارحام کی آنکھوں میں شدید قسم کی سرخی چھلکی تھی۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے بمشکل برداشت کر گیا۔۔

اگر یہ لفظ اس کے خود کے نہ ہوتے وہ کبھی برداشت نہ کرتا۔۔اپنے ہی لفظ یاد کر کے وہ اذیت کی انتہا پر جلا تھا۔۔

تمھارے حصے میں شوہر بھی گل کا آیا۔جھوٹن۔۔۔۔۔۔ "

اترن۔۔۔۔۔۔۔ ہی تو تمھارے حصے میں آئی ہے۔۔۔ایسی باتیں تمھارے منہ سے سوٹ نہیں کرتی"یہ لفظ کل وہ حور کے منہ پر مارتے استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

آج حور کے منہ سے لفظ جھوٹن نیزے کی مانند سینے میں آر پار ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔

وہ ایک ہی جھٹکے سے صوفے سے اٹھتے دروزازہ دھاڑ سے مارتے باہر نکل گیا تھا۔۔

درخشاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زنانے خانے میں داخل ہوتے بلند آواز میں گرجتے ہوے درخشاں کو پکارا۔۔۔اس کی گرج اندر تک حور کی سماعتوں تک بخوبی پہنچی تھی۔

دروازے کی دھاڑ کی آواز پر وہ جی جان سے لرز اٹھی تھی۔۔اس کی سماعتوں میں ارحام خانزادہ کی گرج بخوب پہنچتی مزید اس پر لرزہ طاری کر چکی تھیں۔۔

رنگ منٹوں میں سفید ہوا تھا۔۔حور نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔۔مگر وہ سپاٹ بے حس بن کر یونہی بیٹھی رہی۔۔یکدم پرانے زخموں سے خون بہنے لگا تھا۔۔جنھیں وہ انجانے میں کھرید بیٹھا تھا

مقابل آج کچھ بھی کر لیتا وہ کسی قیمت پر نئے ڈریسز پہننے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی۔۔اسے گل کی اترن قبول تھی۔۔۔مگر ارحام خانزادہ کا ترس کھانا گوارا نہ تھا۔۔اپنی بھیگی آنکھیں پھر سے بے دردی سے رگڑیں۔۔مقابل کا خوف حاوی ہو رہا تھا۔۔وہ بھلا کب اس کی رضامندی خواہش کو اہمیت دیتا تھا

۔۔اس کے ساتھ نرمی بھی تب ہی برتتا تھا جب اسے اس سے غرض ہوتی تھی۔۔ پچھلے چھ ماہ میں وہ اپنے شوہر کی فطرت جان چکی تھی۔۔وہ اس سے نہیں اس کی خوبصورتی سے محبت کرتا ہے۔۔

اسی لمحے وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا اس کے پیچھے درخشاں اور باربینا بھی تھیں۔

تمام وارڈروب ابھی کہ ابھی خالی کر دو۔۔مجھے اس میں گل کی ایک چیز بھی نظر نہ آئے۔۔وہ حور پر سرد و سپاٹ نگاہیں گاڑھتے بولا۔۔حور کی آنکھوں میں آنسو دیکھتا بھی وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔۔اب نیے کپڑے پہنے میں بھلا کیا مسئلہ تھا۔۔وہ دو دن سے اس سے جو نرمی برت رہا تھا۔۔وہ اب پچھتا رہا تھا

۔۔اس سے نرمی برتنے کو۔۔ورنہ آج وہ اس کی بات کے خلاف کبھی نہ جاتی۔۔اسے حور کے بدن پر گل کا لباس تارکول کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔

جی لالا.... درخشاں سر ہلاتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔

درخشاں کوئی ضرورت نہیں۔۔۔وہ وارڈروب خالی کرنے کی۔۔حور بیڈ سے اٹھتے بولی تو ارحام خانزادہ سے زیادہ درخشاں کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔۔

درخشاں نے ڈرتے ہوے ارحام خانزادہ کی طرف دیکھا اس کی سرد نگاہوں سے گھبراتے وہ جلدی سے ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئیض تھی۔۔

ارحام حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتا پھر سے صوفے پر ٹانگ رکھے براجمان ہوا تھا۔۔ وہ اب آنکھیں جھپک جھپک کر اپنے امڈتے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔

درخشاں اور باربینا نے کچھ ہی دیر میں تمام وارڈروب خالی کر دی تھی۔۔

لالا گل بھابھی کے کپڑوں اور باقی چیزوں کا کیا کرنا ہے۔۔ درخشاں نے ارحام سے پوچھا۔۔

کچھ بھی کرو۔۔۔ مگر آئیندہ مجھے گل کا کچھ بھی حویلی میں نظر نہ آئے۔۔ ارحام حور کو دیکھتا ایک ایک لفظ چباتے بولا۔۔

جی لالا درخشاں اور باربینا گل کے تمام کپڑے سمیٹ کر چلی گئی تھیں۔

چینج کرو۔۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں آئے آنسو نظر انداز کرتے سرد انداز میں حکمیہ لہجے میں بولا۔۔۔

نہیں چینج کروں گی۔۔۔۔ انداز ضدی تھا مگر آواز میں گھلی نمی اور لرزش میں ارحام کا خوف نمایاں تھا۔۔ جسے محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے اپنی آئی برو مسلتے خود پر قابو پایا تھا۔۔

سارے کپڑے تو گل کے میں نے باہر پھنکوا دیے ہیں۔ تمھیں اب یہی کپڑے پہننے پڑیں گے۔۔ جتنی مرضی ضد کر لو کپڑے تو یہی پہننے ہیں۔ ارحام نے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں کو بغور دیکھتے کہا۔

میں نہیں پہنوں گی نئے کپڑے۔۔۔ آپ نے سارے کپڑے پھنکوا دیے ہیں۔ مگر میں نے جو پہنا ہے وہی بھی گل کا ڈریس ہے۔۔ میں اسے ہی پہن

کر رکھوں گی۔۔ حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔۔ وہ ایک اب چھوٹی معصوم سی بچی کی طرح ضد کر رہی تھی۔۔

اچھا جب اسے اتارو گی تو تب کیا پہنو گی ؟؟۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔۔ اس کی معصومیت بھرے انداز پر جی بھر کر پیار آ رہا تھا۔۔

میں اسے اتاروں گی ہی نہیں۔۔ دو بدو پٹ سے جواب آیا۔۔

او۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ ارحام کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھری۔۔

تم اسے اتارو گی یا نہیں یہ تو ابھی کچھ دیر میں پتہ چل جائے گا۔۔ ارحام سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا ذو معنی انداز میں بولا۔۔

ارحام کی بات میں چھپا مطلب سمجھ کر حور سرخ پڑی تھی۔۔ نازک ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی ارحام کی زیرک نظرون سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھیں۔

ارحام کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔ آج سامنے کھڑی لڑکی کی کوئی بات کوئی ایکٹ برا نہیں لگ رہا تھا۔۔ بلکہ اسے تنگ کر کے وہ حظ اٹھا رہا تھا۔۔

اچھا یہی ڈریس پہن کر رکھو گی جب یہ گندہ ہو جائے گا۔۔ تب کیا پہنو گی؟؟۔۔ ارحام دل جلانے والی مسکراہٹ حور پر اچھالتا اس کے ایکسپریشن دیکھتے محظوظ ہوتے بولا۔۔

اسے دھو کر پہن لوں گی۔۔ پٹ سے جواب آیا۔۔

اچھا جب اس ڈریس کو جو تم نے پہنا ہوا ہے۔۔ اسے دھوؤ گی تو تب کیا پہنو گی۔۔ ارحام نے معنی خیز لہجے میں کہتے اس پر شرارت بھری نگاہ ڈالی حور نے ارحام کو غصے سے گھور کر دیکھا تو ارحام اس کی دیدہ دلیری پر عش عش کر اٹھا تھا۔۔

واللہ اعلم یہ انداز بھی ہیں تمھارے مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔۔ آئی لائک یور دس سائیڈ مائی بیوٹیفل وائف۔۔ ارحام خانزادہ سگریٹ لبوں میں دبائے بولا تو حور نے ارحام کی بات پر اسے اب کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔۔

ارحام کا اب بلند و بینگ قہقہ جاری ہوا تھا۔۔ اپنی بیوی کی خوبصورت اداؤں پر اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔۔

ارحام کا قہقہ سنتے حور نے جھلاتے ہوے اپنا دوپٹہ بیڈ سے اٹھائے اچھی طرح خود پر اوڑھا تھا۔۔ وہ بیڈ سے اٹھتی دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔ ارحام نے صوفے سے تیزی سے اٹھتے اس کی جانب قدم بڑھاتے اسے بیڈ پر نرمی سے دھکیل گیا۔۔ اس سے پہلے وہ اٹھتی وہ اس پر جھکے گہری گھٹا بن کر چھایا۔۔

چینج کرو جان۔۔ میں تمھیں اس ڈریس میں نہیں دیکھ سکتا۔۔ ارحام نے اس کے عارض پر شدت سے اپنے لب رکھے تھے۔۔

نہیں پہنوں گی۔۔ آپ کچھ بھی کر لیں۔۔ مجھے آپ کی کسی بھی قسم کی ہمدردی نہیں چاہیے۔۔ حور اپنے اوپر جھکے ارحام کو دیکھتے ضدی انداز میں بولی۔۔ اس کی نرمی پر اس کا غصہ بڑھا تھا۔۔

تو تم چاہتی ہو میں ایک بار پھر سے وہی سب کچھ دہراؤں جو پہلے دہرایا تھا۔ ارحام نے آبرو اچکائے پوچھا۔۔

کیا؟؟ حور نے آنکھیں پٹپٹائے معصومیت سے پوچھا۔۔ ارحام کی آنکھوں میں کافی نرمی تھی۔۔ جسے دیکھتے وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔۔ ارحام نے اس کے گلے سے پکڑتے اس کی فراک پوری قوت سے کھینچتے چاک کر دی تھی۔۔

یہ دیکھتے حور کی رنگت سرخ پڑی۔۔۔اس کا فراک سینے سے پھٹ چکا تھا۔۔وہ شرم وخفت سے سرخ پڑی۔۔

تمھیں بہت سی پرانی باتیں یاد ہیں۔یہ بھی یاد ہو گا۔ تمھاری ڈریس میں پہلے بھی پھاڑ چکا ہوں۔۔اس کے بعد کیا ہوا تھا۔۔وہ بھی یاد ہو گا ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا تو حور کی آنکھوں میں خوف آن ٹھہرا۔۔

ہمم۔۔۔گڈ تمھیں یاد ہے ارحام نے اس کی سہمی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے تھے۔۔

اب اٹھو بنا کسی بحث کے اپنے لیے اچھا سا ڈریس سلیکٹ کرو اور اسے پہنو ۔۔۔گل کی کوئی بھی چیز تم آئندہ استعمال نہیں کرو گی۔۔اس کی جیولری میں مورے کو دے چکا ہوں۔۔وہ اس کا جو مرضی کریں۔۔ان کی ۔۔۔مرضی۔میں نے تمھارے لیے نیی جیولری کا آرڈر کر دیا

ہے۔۔۔ابھی بھی کچھ زیوارات منگوائے ہیں۔۔پسند ہیں تو رکھ لو نہیں پسند تو اپنی مرضی بتادو نئے بنوادوں گا۔۔ارحام سنجیدگی سے کہتا اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔۔

حور اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنا دوپٹہ خود پر اچھی طرح اوڑھتے بیڈ سے اتری۔

زمین سے ایک شاپنگ بیگ اٹھائے وہ خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔ارحام کو اس کا یوں خاموشی سے بات ماننا کافی حد تک چبھا تھا۔اس کی آنکھوں میں ٹھہرا ڈر خوف بھی اچھا نہیں لگا تھا۔۔مگر وہ اس کے بدن پر اب گل کا لباس مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔اس لیے نہ چاہتے ہوے بھی وہ سختی کر۔گیا۔

ارحام نے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے مظطرب انداز میں سگریٹ سلگائے ڈریسنگ روم کی طرف نگاہ کی۔۔۔

زنان خانے کے بڑے سے عالی شان لاؤنج میں چاروں طرف گہرے میرون کلر کے خوبصورت ویلوٹ کے کمفرٹ صوفے پڑے تھے۔۔لاونج کے وسط میں آتش دان جل رہا تھا۔۔عابیر ییلو کر کے خوبصورت گرم پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔جس پر رنگ برنگے شیشوں اور دھاگے کا خوبصورت ورک ہوا تھا۔۔ییلو کلر کا خوبصورت سی لائٹ ویٹ پشمینہ شال اچھی طرح سر پر اوڑھی ہوئی وہ پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔۔۔۔

اس وقت لاونج میں امینہ خانم, روزینہ خانم۔ ارحام خانزادہ اور ایک طرف بہارے بیٹھی تھی۔۔ سمیع اللہ خان درید خان اور اربد خان مردانے میں موجود کسی جرگے کا فیصلہ نبٹا رہے تھے۔۔ اسفندیار خان اس وقت سٹڈی روم میں کوئی ویڈیو کانفرنس کر رہا تھا۔۔

جب سے ارحام خانزادہ کو قبیلے نے سرداری سے برخاست کیا تھا۔۔ وہ مردانے میں ہوے کسی جرگے میں شریک نہیں ہوتا تھا۔۔ سمیع اللہ کے بارہاں کہنے کے باوجود بھی اس نے جرگے میں شمولیت اختیار کرنا چھوڑ دی تھی۔۔

اسی اثناء میں درخشاں سب کے لیے قہوہ لے کر داخل ہوئی تھی۔۔۔ ارحام کی نظریں اپنی بیوی پر تھیں جو ابھی ابھی لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔ بلو

کلر کی گرم سمپل سی ڈھیروں چنٹوں والے فراک میں ملبوس بڑی سی بلو کلر کی خوبصورت چادر سے اچھی طرح سر کے بال چھپائے ہوے تھی۔۔

اسے کچن کی طرف جاتا دیکھ کر ارحام نے لب بھینچے تھے۔۔اس وقت بہارے عابیر سب ہی لاونج میں بیٹھے تھے۔۔اس کا کچن میں جانا ارحام کو بری طرح چبھا تھا۔۔

حور۔۔۔۔وہ دفعتًا اسے پکار بیٹھا۔۔

جی۔۔۔۔۔حور نے مڑتے ہوے آہستگی سے کہا۔۔

کہاں جارہی ہو؟؟ارحام نے گہری نظروں سے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے پوچھا۔۔بلو چادر کے حالے میں اس کا خوبصورت چہرہ جگمگا رہا تھا۔۔عارض سرخ ہو رہے تھے۔۔اس کے سرخ عارض اور جھکی لرزتی

نظروں کو دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔ کل رات سے وہ زیادہ تر اس کے ساتھ کمرے میں ہی رہی تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی وہ اس کی پناہوں میں ہی تھی۔۔

کچن میں۔۔۔ حور دو لفظی جواب دیتے کچن کی طرف بڑھی۔۔

مگر ارحام کی پکار پر وہ پھر سے رکی تھی۔۔

حور ادھر آؤ۔۔ ارحام نے اسے نرمی سے پکارا۔۔ اس کی پکار میں نرمی محسوس کرتے حور کے چہرے پر حیرانگی نہیں ابھری تھی۔۔ وہ کل سے اس سے کافی نرمی برت رہا تھا۔۔ اسے صبح صبح کچن میں بھی نہیں آنے دیا تھا۔۔ اسے اپنی نیند

پوری کرنے کو کہا تھا۔۔ وہ کسی حد تک اس کے نازو اندام اٹھا رہا تھا۔۔

حور آہستگی سے چلتی ارحام سے تھوڑے فاصلے پر صوفے پر خاموشی سے بیٹھ گئی۔۔ اپنے اور اس کے بیچ فاصلہ دیکھ کر ارحام کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال بچھا تھا۔۔ یہ دوری سوئی کی مانند چبھی تھی۔۔

ارحام نے اسے بازو سے جکڑتے اپنے قریب کرتے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر اپنے ہاتھ میں لیا۔۔ حور سب کے سامنے ارحام کی حرکت پر سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔ لاونج میں سب کی نظریں ارحام خانزادہ اور حور پر ہی تھیں۔

امینہ خانم ارحام کے چہرے پر حور کے لیے ڈھیروں محبت دیکھ کر مسکرا گئی تھیں۔۔ ارحام کبھی بھی سب کے درمیان گل کے اتنے قریب نہیں بیٹھتا تھا۔۔

مگر حور کا ہاتھ پکڑے جس طرح اسے خود کے قریب کیا تھا۔۔سب حور کی اہمیت ارحام کی زندگی میں سمجھ رہے تھے۔۔

درخشاں حور کے لیے گرم باداموں والا دودھ لاؤ۔۔ارحام نے حور کے ہاتھ سے قہوہ کی پیالی لے کر ٹیبل پر رکھی۔۔

اسے قہوہ نہیں پسند وہ جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا۔۔وہ ناپسندیگی کے باوجود یہ قہوہ پی لے گی۔۔

ارحام نے اس کے گلاب چہرہ پر چھائی ہلکی ہلکی زردی بغور دیکھی۔۔وہ کل سے اس کی شدتیں برداشت کر رہی تھی۔۔اس کے خوبصورت چہرے پر سرخی اس کی شدتوں پر یا پھر اس کی قربت پر چھاتی تھی۔۔ورنہ اس کا سفید

تروتازہ چہرہ ذرد ہو رہا تھا۔۔ کھانا وہ برائے نام ہی کھاتی تھی۔۔ اسی لیے صبح کا ناشتہ اس نے کمرے میں منگوا کر اپنے سامنے کھلایا تھا۔۔ لنچ اس نے یقیناً برائے نام ہی کیا ہو گا۔۔ کیونکہ وہ اس وقت مردانے میں تھا۔۔ اب ڈنر اس کا حور کے ساتھ ڈائینگ روم میں کرنے کا آرادہ تھا تاکہ وہ اس کے سامنے کھانے میں لاپرواہی نہ برت سکے۔۔

مم۔۔ مجھے۔۔ دودھ نہیں پینا۔۔ حور نے ارحام کی گہری نظروں سے گھبراتے ہوے کہا۔ وہ سب کے سامنے ارحام کی گرم نظروں کی تپش سے گھبرا رہی تھی۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ نہ صرف اس طرح سب کے سامنے اسے مخاطب کر رہا تھا۔۔۔ بلکہ اسے گہری نظروں سے دیکھ بھی رہا تھا۔۔ وہ بند کمرے میں مقابل کی گہری نظروں سے سرخ پڑ جاتی تھی۔۔ اس طرح سب کے سامنے وہ شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔۔۔ حور

ارحام کے عارض پر سرخیاں گھلتی دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔اس لڑکی کے چہرے پر اسے یہی رنگ پسند تھا۔۔

درخشاں حور کے لیے گرم دودھ لاؤ۔۔ارحام نے لاونج میں کھڑی درخشاں کو حکم دیا تو وہ جی لالا کہہ کر چلی گئی تھی۔

شہرام جو ابھی ابھی لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔سب گھر والوں کو دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے اس کے قدم رکے تھے۔۔۔وہ اس وقت بلو جینز پر وائٹ شرٹ اور بلیک لیدر جیکٹ پہنے ہوے تھا۔۔دراز قد اور کسرتی باڈی پر جتنی شلوار قمیض اچھی لگتی تھی۔۔اس سے کہیں زیادہ جینز شرٹ میں وہ پرکشش لگتا تھا۔

اسلام و علیکم۔۔ شہرام کی بھاری آواز گونجی تو امینہ خانم ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوے صوفے سے اٹھتی شہرام کی طرف بڑھیں۔ ان کی عادت تھی وہ شہرام، زاران اور ارحام کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان سے ملتی تھی۔۔ چاہے دن میں کتنی مرتبہ شہرام ارحام زاران سے آمنا سامنا کیوں نہ ہو۔۔ روائتی ماؤں کی طرح وہ اپنے ہر رشتے سے زیادہ اپنے بیٹوں کو اہمیت دیتی تھیں۔ امینہ خانم کو صوفے سے اٹھتے دیکھ کر شہرام جلدی سے ان کی طرف بڑھتے ان کے ہاتھ تھام کر ان کی ہتھلیاں چومی تھیں۔ یہ عادت شہرام زاران اور ارحام تینوں کو تھی۔ وہ تینوں امینہ خانم کے احترام میں ان کی ہتھلیاں شدت سے چومتے تھے۔۔ امینہ کی شدید محبت اور احترام کے نتیجے میں وہ بھی جوابًا بھرپور احترام اور عزت دیتے تھے۔۔

کیسی ہیں مورے ؟؟۔۔ شہرام نے انھیں سینے سے لگایا۔۔ میں ٹھیک ہوں شہرام۔۔۔ ماشاء اللہ اللہ تم کو نظر بد سے بچائے ہمارا سب بیٹا ایک سے بڑھ کر ایک ہے خوبرو جوان۔۔۔ امینہ خانم نے نظر بد کی دعا پڑھ کر پھونکتے ہوئے ارحام پر بھی دور سے حصار باندھا تھا۔۔ وہ ان کے سامنے ہی صوفے پر براؤن شلوار قمیض میں براؤن ہی مردانہ شال کندھوں پر ڈالے اپنی پرکشش شاندار رعب دار برسنیلٹی کے ساتھ بیٹھا شہرام کو دیکھتے مبہم سا مسکرا رہا تھا۔۔

اسلام و علیکم چچی۔۔ شہرام نے روزینہ خانم سے سلام کیا تو انہوں نے اٹھ کر شہرام کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔۔ اسفند یار خان کے بعد شہرام ہی تھا۔۔ جسے وہ خوش اسلوبی سے ملتی تھیں۔ ورنہ بابرک کی موت کے بعد انہوں نے زاران اور ارحام سے تقریباً بات چیت

چھوڑ دی۔ تھی۔ جب بھی کبھی بات کرتی تو طنز اور زہر میں لپٹی بات کرتیں ۔۔ جسے زاران اور ارحام اگنور کر دیتے تھے۔ شہرام انھیں مل کر ارحام کی طرف بڑھا تھا۔ ارحام صوفے سے اٹھتے اس سے بغلگیر۔ ہوا۔

بہت مصروف ہو گئے ہو شہرام۔۔۔۔ نظر ہی نہیں آتے میں کل سے آیا ہوں.. مگر تمھاری شکل آج دیکھ رہا ہوں۔۔ ارحام نے شہرام سے الگ ہوتے اسے گھورتے ہوے لتاڑا تھا۔۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے حویلی نہیں آرہا تھا۔ یہ اسے امینہ خانم سے ہی پتہ چلا تھا۔۔

لالا میں مصروف نہیں بلکہ آپ اپنے کمرے کو پیارے ہو گئے ہیں۔۔ مردانے میں اور یہاں اب کم ہی ملتے ہیں۔۔ شہرام نے حور پر ایک نظر ڈالتے شرارتی لہجے میں کہا تو حور کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔ وہ صوفے پر بیٹھی اپنی انگلیاں شرمندگی سے چٹخانے لگی۔۔ ارحام کل سے کمرے سے کم

ہی نکلا تھا۔۔ ساتھ میں اسے بھی کمرے میں محصور کر کے رکھا تھا۔۔ اسے خود اس سچویشن سے شرم آ رہی تھی۔۔ مگر ارحام نے اسے کمرے سے نکلنے ہی نہیں دیا تھا۔۔

حور کا چہرہ سرخ پڑتے دیکھ کر ارحام نے شہرام کو سرد اور تنبیہ نظروں سے گھورا۔۔

ارحام کا سرد سنجیدہ چہرہ دیکھ کر شہرام اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبا گیا۔۔

لالا میں مذاق کر رہا تھا۔۔ شہرام نے ارحام کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے جلدی سے وضاحت دی۔۔ ارحام خانزادہ کا کافی رعب تھا شہرام اور زاران پر۔۔۔ وہ دونوں کافی ڈرتے بھی تھے۔۔ جس میں زیادہ ارحام خانزادہ کا احترام شامل تھا۔۔

آئندہ احتیاط کرنا مجھے اس طرح کا مذاق پسند نہیں۔۔ ارحام نے شہرام کو سخت نظروں سے گھورتے کہا۔۔

جی لالا۔۔ شہرام نے بھی جوابًا سنجیدگی سے کہا۔۔

حور تم کمرے میں چل کر آرام کرو درخشاں تمھارے لیے دودھ کمرے میں لے آئے گی۔ حور کو کنفیوز سا بیٹھا دیکھ کر ارحام نے اسے کمرے میں جانے کو کہا وہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ خود ایک ضروری کال کرنے کے لیے مردان خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

شہرام ارحام کے جانے کے بعد عابیر کی طرف بڑھا جو صوفے پر منہ پھلائے سب سے لاتعلق بیٹھی تھی۔۔اس نے اٹھ کر اس سے سلام بھی نہیں کیا تھا۔۔اس لیے وہ پریشان ہوا تھا۔۔وہ زاران کی جتنی لاڈلی تھی اس سے زیادہ اس کی لاڈلی تھی۔۔مگر زاران کو وہ اس طرح کے موڈ سونگز نہیں دکھاتی تھی۔۔بلکہ ہمیشہ بہت احترام سے کھڑے ہو کر ملتی تھی۔۔مگر شہرام کے ساتھ وہ اتنا نخرہ ضرور کرتی تھی۔۔اور عابیر کا یہ رویہ صرف شہرام اور زاران کے ساتھ ہوتا تھا۔۔وہ اپنی نیچر کے بلکل برعکس ہوتی تھی۔۔شائد ان کے لاڈ پیار اور بے تحاشا محبت کی وجہ سے تھا وہ ان دونوں کو نخرے دکھاتی تھی۔

کیا ہوا ہے عابی؟؟شہرام نے اس کے پاس بیٹھتے عابیر کی گود سے کشن لیا تھا۔۔

اسلام و علیکم۔لالا۔۔عابیر شہرام کو دیکھتے مبہم سا مسکرائی تھی۔۔

شہرام نے امینہ خانم سے آنکھوں ہی آنکھوں میں عابیر کی سنجیدگی کی وجہ دریافت کی۔۔

امینہ خانم نفی میں سر ہلاتے ہوے مسکرائیں۔

روزینہ خانم نے بہارے کو اچھنبھے سے دیکھا جو اس سب میں لاتعلق سی اپنے موبائل میں نظریں گاڑھے بیٹھی تھی۔۔بہارے کی لاتعلقی ان کے لیے حیرت کا باعث نہیں تھی۔۔وہ تو ہمیشہ سے ہی شہرام کے ساتھ ایسے ہی لاتعلقی برتتی تھی۔۔انھیں حیرت اس بات کی تھی۔۔آج شہرام نے ایک بار بھی بہارے پر نظر نہیں ڈالی تھی۔جتنی بہارے شہرام کی ذات سے

لا تعلق تھی۔۔اس سے کہیں زیادہ شہرام اس کی ذات سے لا تعلق نظر آرہا تھا۔۔شہرام نے آج بہارے پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔۔وہ تو ہمیشہ اسے سب کے سامنے بھی اسے اپنی گرم پر التفات نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔۔مگر آج شہرام کے نزدیک بہارے کا وجود جیسے نہ ہونے کے برار تھا۔

انھیں اب بہارے کی اجنبیت اور لا تعلقی بھرے رویے پر غصہ آرہا تھا۔

۔شہرام پچھلے کتنے دنوں سے حویلی نہیں آیا۔ تھا۔ بہارے کو اس بات کی بھی مطلق پرواہ نہیں تھی۔۔وہ ہاسپٹل رحیم خان کے ساتھ آجارہی تھی۔

۔بہارے آج شہرام سے آدھے گھنٹہ پہلے ہاسپٹل سے آئی تھی۔ یہ بات ان کے لیے تشویش ناک تھی۔ اگر شہرام نے آج حویلی آنا ہی تو تھا۔ بہارے کو کیوں رحیم خان کے ساتھ بھیجا۔۔روزینہ خانم نے بہارے پر قہر آلود نظر

ڈالی۔۔جو ابھی بھی موبائل میں نظریں گاڑھے بیٹھی تھی۔روزینہ خانم کا آج بہارے کا اچھی خاصی کلاس لینے کا آرادہ تھا۔۔

کیا ہوا ہے میرا بچہ اتنا خاموش کیوں ہے؟؟۔۔شہرام نے صوفے سے ٹیک لگاتے عابیر کے سر پر ہاتھ رکھا۔۔

کچھ نہیں لالا۔۔میں زاران لالا کو مس کر رہی تھی۔انہوں نے کل سے مجھے فون بھی نہیں کیا۔۔میں کب سے ان کا نمبر ٹرائے کر رہی ہوں۔مگر ان کا نمبر آف جا رہا ہے۔

اسفندیار خان اس دن کے بعد اسے مکمل طور پر لاتعلق تھا۔۔بلکہ وہ خود اس سے لاتعلق ہونا چاہتی تھی۔مگر اسفندیار خان کی مردانہ آنا کو کہاں گوارا تھا۔۔وہ اسے اگنور کرے۔۔سارا دن وہ اس کے کاموں کے لیے اس کے آگے پیچھے پھرتی۔۔وہ مکمل طور پر تب بھی بے نیاز بنا رہتا تھا۔۔پچھلے

کچھ دنوں سے وہ سٹڈی روم میں سو رہا تھا۔۔ مگر دن میں کتنی مرتبہ اسے سٹڈی روم کا چکر لگانا پڑتا وہ پانی تک کسی ملازمہ کے ہاتھ کا نہ پیتا تھا۔۔ وہ سٹڈی روم میں اس کی کافی کھانا لے کر جاتی۔۔ وہ تب بھی اس کی طرف ایک نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔۔

عابیر کو اس کی بے اعتنائی اتنی نہیں چبھتی تھی۔۔ جتنا اپنا اس کے آگے پیچھے پھرنا تکلیف دیتا تھا۔۔ وہ اس کے کام کرنا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس دشمن جاں کے وجود سے لاتعلق نہیں ہو سکتی تھی۔۔ وہ اسے چھوڑ جائے گا یہ خوف کسی آکٹوپس کی طرح اس کے ساتھ لپٹا اس کے اعصاب کمزور کر رہا تھا۔۔ وہ اپنے دل اپنی زندگی میں کسی اور کو جگہ دے دے گا۔۔ یہ خوف اس کے اعصابوں کو کمزور کرتے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے آگے پیچھے گھومنے پر مجبور کرتا تھا۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بھنورے کی مانند اس کے

گردمنڈلاتی تو وہ خود اس سے صدیوں کے فاصلے پر ہو جاتا تھا۔۔ جیسے اس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ عابیر خان جو اتنی مضبوط تھی۔۔ جو بابرک جیسے انسان کے نکاح میں ہو کر کبھی نہیں ٹوٹی تھی۔۔ آج اسفندیار خان کی محبت میں ٹوٹ کر بکھر چکی تھی۔ ایسے میں وہ زاران کو شدید مس کر رہی تھی۔۔ یہاں تک کہ وہ صبح سے اسے یاد کرتے کتنی مرتبہ رو بھی چکی تھی۔

میرا بچہ اتنا پریشان کیوں ہو رہا ہے؟؟۔۔ شہرام عابیر کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھا۔۔

کچھ نہیں لالا۔۔۔ زاران لالا کی یاد آ رہی ہے۔۔۔ آپ تو اتنے دن حویلی بھی نہیں آئے۔۔ روز ہاسپٹل آتے ہیں۔۔ مگر آپ حویلی نہیں آئے کیوں؟؟ مجھے لگتا ہے زاران لالا بھی مجھے وہاں جا کر بھول گئے ہیں۔

عابیر اپنی آنکھیں اور ناک دوپٹے سے رگڑتے بولی۔۔ شہرام کے لبوں پر اس کے انداز پر مسکراہٹ چھائی تھی۔۔

عابی۔۔ زاران لالا اپنے ہنی مون پر گیے ہیں۔ وہ تمھیں یاد کر کے کیا کریں گے ؟؟۔۔ انھیں تو بھابھی کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا ہو گا۔ شہرام نے عابیر کی طرف جھکتے مدھم آواز میں کہا عابیر اس کی بات پر سرخ پڑی تھی۔

تم لالا کو مس کیوں کر رہی ہو ؟؟۔ تمھارا وہ سڑیل جن کہا ہے۔۔ شہرام نے یہ بات بھی اس کے کان میں جھکتے مدھم آواز میں کہی تھی۔۔

اسفندیار خان کے ذکر پر اس کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگیں۔

۔ موتی ٹوٹ کر ہیزل گرے آنکھوں سے سیب جیسے سرخ عارض پر برسے

تھے۔۔عابیر نے انتہائی بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔۔اس ستم گر کے لیے ان آنکھوں کو رونا بھی گوارا نہ تھا۔تب ہی تو وہ پچھلے کتنے دنوں سے اپنے دل کو جھوٹی تاویلیں دیتے مختلف وجوہات پر آنسو بہا رہی تھی۔۔

چلو اٹھو عابیر۔۔۔۔شہرام اس کی نم آنکھوں کو بغور دیکھتے صوفے سے کھڑا ہوا۔۔

کیوں کیا ہو لالا؟!عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں پٹپٹائیں تھیں۔

اٹھو۔۔۔۔۔شہرام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے سے اٹھایا۔۔

چلو میرے ساتھ ہم کہیں باہر چلتے ہیں۔۔تمھیں اچھا سا کھانا کھلاتا ہوں۔۔

لیکن لالا باہر بہت سردی۔ ہے۔ عابیر ہچکچائی تھی۔ جانتی تھی اسفندیار خان اس کا باہر جانا برداشت نہیں کرے گا۔۔

سردی ہے تو کیا ہوا؟؟ گرم علاقوں سے ٹورسٹ یہاں آکر انجوائے کر رہے ہیں اور پہاڑوں میں رہنے والی لڑکی اتنی سی سردی سے گھبرا رہی ہے۔۔ شہرام نے عابیر کو گھورا تھا۔۔

شہرام وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔ اس کو رہنے دو وہ جا کر کیا کرے گا۔۔ امینہ خانم نے بیچ میں مداخلت کی تھی۔۔ اپنے داماد کا مزاج اچھی طرح جانتی تھیں۔

شہرام امینہ خانم اور عابیر کا گریز کچھ کچھ سمجھ چکا تھا۔ بے شک وہ حویلی نہیں ہوتا تھا مگر معاملے کی باریکیوں کو بہت حد تک سمجھتا تھا۔۔ عابیر پر اس سے زیادہ اب اسفندیار خان کا حق ہے وہ یہ سوچ کر وہ خاموش ہو جاتا تھا۔۔ مگر

آج عابیر کا رونا اسے کافی مشتعل کر چکا تھا۔۔وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے والی لڑکی نہ تھی۔

عابیر اپنی چادر اندر سے لے کر آؤ ہم باہر چل رہے ہیں۔۔ شہرام کا لہجہ اب کی بار تحکم بھرا اور سرد تھا۔

عابیر نے بے بسی سے شہرام کو دیکھا۔۔اس کا سرد سنجیدہ چہرہ بتا رہا تھا وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔

عابیر شہرام ٹھیک کہہ رہا ہے۔تم چلا جاؤ شہرام کے ساتھ۔۔بلکہ شہرام تم بہارے کو بھی ساتھ لے جاؤ۔۔بہارے نے روزینہ خانم کی بات پر انھیں ناگواری سے دیکھا تھا۔۔۔

وہ مر کر بھی شہرام خانزادہ کے ساتھ باہر نہ جائے جس کا پچھلے پانچ دنوں سے مزاج ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ اس سے بات کرنا تو دور کی بات اس پر نظر ڈالنا گوارا نہیں کرتا تھا۔۔ اسے شہرام کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔۔ وہ تو بس یہ دیکھ رہی تھی شہرام کی اکڑ کس دن ٹوٹے گی۔۔

وہ تنک کر انکار کرنے ہی لگی تھی دفعتًا شہرام کی سرد اور بھاری آواز گونجی

۔۔

بہارے کیا کرے گی ساتھ جا کر؟؟۔۔۔ وہ ہاسپٹل سے تھکی ہوئی آئی ہے۔ ۔اسے آرام کرنا چاہیے۔۔۔ شہرام نے سرد لہجے میں کہا مگر اس نے ابھی بھی بہارے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

میں بھی نہیں جانا چاہتی تھی تمھارے ساتھ۔۔۔ بہارے نے بد تمیزی سے بولتے منہ بگاڑا تھا۔۔

روزینہ خانم نے سٹپٹاتے ہوئے شہرام کو وضاحت دینے کی کوشش کی ۔۔ مگر شہرام کو عابیر کی طرف متوجہ دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ بہارے کے اتنے درشت جواب پر شہرام کے چہرے پر ذرا غصہ اشتعال نہیں تھا۔۔۔ جیسے اسے بہارے کی بد تمیزی سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔۔

عابیر جاؤ اپنا کوٹ اور چادر لے کر آؤ۔۔ شہرام نے اسے اب کی بار نرم لہجے میں حکم دیا تھا۔

عابیر گہرا سانس لیتے اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔۔

عابیر کہیں نہیں جائے گی۔ اسفندیار خان کی سرد آواز پر عابیر کے بڑھتے قدم رکے تھے۔۔

شہرام نے لب بھینچتے عابیر کو کلائی سے پکڑے اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔۔

وہ زاران خانزادہ کو عابیر کے نزدیک آنے سے روک سکتا تھا۔۔ مگر اسے نہیں۔۔۔ اپنے اور اسفند کے بیچ وہ اپنے تعلق کی نہج سے اچھی طرح واقف تھا۔۔ وہ تو اس نے یہ تعلق کی نوعیت اسفندیار خان کو کبھی جتائی نہ تھی۔

عابیر میرے ساتھ جائے گی۔ شہرام نے اٹل لہجے میں اسفند کو گھورتے اپنا فیصلہ سنایا۔۔

یہ دیکھتے امینہ خانم اور روزینہ خانم صوفے سے اٹھیں روزینہ خانم پریشان ہوئی تھیں۔۔ شہرام کی جگہ زاران ہوتا تو انھیں بلکل فرق نہ پڑتا۔۔۔ مگر آج مقابل شہرام خانزادہ تھا جنھوں نے ان کی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا۔

اسفند نے قہربار نگاہوں سے اپنی بیوی کو گھورا۔۔ جو اپنے بھائیوں کے گلے کا ہار بنی پھرتی تھی۔ اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اس کی ساری میچورٹی اور سمجھداری پتہ نہیں کہاں غائب ہو جاتی تھی؟؟۔ ایک چھوٹی سی بچی کی طرح ایکٹ کرتی تھی۔

اسفندیار خان نے جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔ اسے لگا تھا وہ اسے زاران کے نزدیک برداشت نہیں کر سکتا۔۔ آج محسوس ہوا تھا وہ

اسے کسی کے بھی قریب اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اس نے جلتی سلگتی نگاہوں سے عابیر کو شہرام کے پہلو سے لپٹے دیکھا۔۔

ییلو فراک اور دوپٹے میں وہ کندن کی طرح دھمک رہی تھی۔کتنے دنوں سے اس کے چاند جیسے ٹھنڈے کرنوں جیسے دو آتشہ روپ سے نظریں چرا رہا تھا۔۔اس کی روح پرور کستوری خوشبو اپنے گرد محسوس کرتے بھی وہ اس کی ذات اور اس کے روپ سے نظریں چرا جاتا تھا۔۔اس پر ایک نظر نہیں ڈالتا تھا۔۔مگر آج اسے شہرام کے ساتھ لپٹے دیکھ کر وہ نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔۔

اس ساحرانہ آنکھوں والی لڑکی پر نظر ڈالنے کی دیر تھی دل پہلو میں جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔۔اس پر ستم یہ تھا سامنے کھڑی لڑکی نے اس دوران

اس پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔۔ اسفند یار خان یہی ایک چیز مقابل کی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ سامنے کھڑی گہری کانچ سی آنکھیں رکھنے والی لڑکی کی بے اعتنائی۔۔۔ سامنے کھڑا وجود اسے اپنی محبت اپنے عشق میں ہر وقت جلتے تڑپتے چاہیے تھا۔

چلو عابیر۔۔۔ میرا بچہ تم ایسے ہی چلو اس چادر سے منہ ڈھک لینا۔۔ شہرام نے عابیر کے ماتھے پر نرمی سے اپنے لب رکھے تو اسفند یار خان بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔ اس کے سلگتے لب تڑپتے تھے اس کندن سے وجود کو چھونے کے لیے۔۔۔ کوئی اور کیسے اس کو چھو سکتا تھا؟؟۔ وہ اس طرح چھوٹی سی شال میں باہر جائے گی یہ بھی بھلا کہاں گوارا تھا۔

ٹھیک ہے لالا میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔۔۔۔عابیر اسفندیار خان کی موجودگی بلکل نظر انداز کرتے شہرام کے سینے کے ساتھ سر ٹکاتے بولی۔

اسفند کی برداشت یہاں تک تھی۔وہ اس کی مزید اگنورنٹ برداشت نہیں کر سکتا تھا نہ اسے کسی کے قریب۔۔۔

اسفند نے آگے بڑھتے عابیر کو بازو سے جکڑے شہرام کے حصار سے کھینچا ۔۔عابیر کٹی ہوئی ڈال کی طرح یاسفندیار خان کے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔عابیر نے اسفندیار خان کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکا وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا مبہم سا مسکرا گیا تھا۔۔

اس کی گلابی متورم آنکھیں اس کے دل کا حال سنانے کے لیے کافی تھیں کہ وہ اس کی بے اعتنائی پر جی بھر کر ماتم منا چکی ہیں۔۔۔ اسفند یار خان کے چہرے پر خود پسند سفاک مسکراہٹ آئی تھی۔۔ ابھی تو ان آنکھوں کو وہ رات بھر سفاک سزا دینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ آج ان آنکھوں نے ذرا سی بے اعتنائی دکھا کر اس کے دل پر گہرا وار کیا تھا۔۔ بس کا دل زخمی پرندے کی مانند کچھ پلوں میں ہی تڑپ چکا تھا۔۔۔ اسفند عابیر کا سرخ متورم چہرہ دیکھ کر استھزائیہ مسکرایا تھا۔

اسفند اسے بازو سے جکڑے اپنی پشت کے پیچھے کرتے شہرام کے مدمقابل ہوا۔۔

عابیر میری بیوی ہے۔۔ اسے میں آجازت دوں گا تو وہ اس حویلی سے باہر قدم نکالے گی۔ مجھے مجبور مت کرو میں اسے کمرے سے بھی باہر نکلنے نہ

دوں۔۔ اسفندیار خان نے شہرام کو گھورتے اس پر عابیر کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت واضح کی تھی۔

یہی بات لالا۔۔ میں اپ کی بہن کے لیے بھی کہہ سکتا ہوں۔۔ مجھے بھی مجبور مت کریں۔۔ میں بہارے کے لیے کوئی سخت فیصلہ کروں ۔۔ بہارے نے پہلی بار سٹپٹاتے ہوے شہرام کو دیکھا تھا۔۔۔ بلکہ وہ جلدی سے صوفے سے کھڑی ہوئی تھی۔۔ مگر شہرام نے اس دوران بھی بہارے پر کوئی نظر نہیں ڈالی تھی۔۔

بہارے میری بہن سے پہلے تمھاری بیوی ہے۔۔ میں سمجھتا ہوں اس پر تمھارا حق سب سے زیادہ ہے۔۔ تم اس کے لیے جو بھی فیصلہ کرو گے۔۔ مجھے قبول ہو گا۔۔ اسفندیار خان نے شہرام کو جواب دیتے اسے

دوٹوک انداز میں اس پر باور کروایا تھا وہ کسی قیمت پر اپنی بیوی پر اپنا اختیار ختم نہیں کرے گا۔۔

اسفندیار خان کی بات پر بہارے نے نم آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا۔۔

شہرام اسفندیار خان کو گھورتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

اسفندیار خان عابیر پر سرد نظر ڈالے اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ بہت تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔اس کی گاڑی ہواؤں کے دوش پر جیسے سفر کر رہی تھی۔ ہچکولے بھرتی گاڑی ڈولتی تو زاران غصے سے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھاتا. ایسے میں گاڑی میں گونجتی ابرش کی سسکیاں کچھ دیر کے لیے تھم کر رہ جاتیں۔۔رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ قہر برساتی سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔۔ابرش بھیگے لباس میں ٹھٹھر رہی تھی۔۔زاران خانزادہ نے ایک بار بھی ابرش کے ٹھٹرتے سسکتے وجود پر نگاہ ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔

کافی دیر سے وہ سرخ چہرے تنے ہوئے نقوش اور پھولتی رگوں کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔ دفعتاً گاڑی جھٹکا کھا کر رکی تھی۔ زاران نے غصے سے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے گاڑی دوبارہ سے سٹارٹ کی۔۔اگنیشن میں

چابی کافی بار گھمانے سے بھی گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔ وہ جھلاتے ہوے اپنا ہاتھ سٹیرنگ پر مار کر رہ گیا تھا۔

ابرش سردی سے بری طرح کپکپاتی خود میں سمٹ رہی تھی۔۔ رہی کپکپاتے گلابی لب نیلے پڑ رہے تھے۔۔ رہی سہی کسر زاران کے غصے نے پوری کر دی تھی۔۔ وہ نڈھال سی سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔۔ آنکھوں سے آنسو پھسلتے عارض کا حصہ بنے۔

زاران اس پر بنا کوئی نگاہ ڈالے گاڑی سے باہر نکل کر بونٹ کھول کر چیک کرنے لگا۔۔ وہ اپنے کندھے سے اٹھتے درد کو نظر انداز کرتا کافی دیر تک گاڑی کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔۔ مگر گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔۔ وہ طیش

واشتعال سے گاڑی کی بونٹ پر مکہ مار کر رہ گیا تھا۔۔ وہ بارود کا گولہ بنا ہوا تھا۔۔ اس وقت جی کر رہا تھا پوری دنیا کو آگ لگا دے وہ۔۔

اس وقت کوئی بھی اس کی مدد کو نہیں آ سکتا تھا۔۔

موبائل وہ سکرین پر مار کر توڑ چکا تھا۔۔ ورنہ اس کے گارڈز اور روحاب ملک لوکیشن ٹریس کرتے اس تک پہنچ جاتے۔۔

وہ لوگ ہوٹل سے ابھی کافی دور تھے۔ آس پاس گھنا جنگل اور اونچے نیچے پہاڑ تھے۔۔ یہاں آس پاس کوئی گھر کوئی ہوٹل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔۔ گاڑی سڑک کے بیچ و بیچ رک چکی تھی۔۔ یہاں تک کہ گاڑی کا ہیٹر

بھی آن نہیں ہو رہا تھا۔۔ یہاں سڑک کے بیچ و بیچ رکنا قطعًا سیف نہیں تھا۔۔ زاران نے اندھیری تاریک قہر برساتی رات میں ارد گرد نظر دوڑائی ۔۔ اس کی نظریں گھنے جنگل اور پہاڑوں سے ہوتی گاڑی میں بیٹھی ابرش پر جا ٹھہری تھیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اب اسے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔۔

وہ بھیگے لباس میں اس کی جیکٹ خود پر لپیٹے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔ اس کے گلابی لب اب نیلے پڑ رہے تھے۔۔ زاران لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ زاران نے گہرا سانس بھرتے اپنے لیفٹ سائیڈ پر نظریں دوڑائیں جہاں گھنا جنگل تھا۔۔ رات اس گھنے جنگل میں گزارنے کے علاوہ اس کے پاس اس کوئی راستہ نہ تھا۔۔ گاڑی کی طرف بڑھتے زاران نے ابرش کی طرف کا دراوازہ کھولا۔۔ برفیلی ہوا ابرش کے کانپتے سرد وجود سے ٹکرائی تو وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔۔ وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔۔

باہر آؤ۔۔۔زاران اس پر بنا کوئی ترحم کھائے سفاک لہجے میں بولا۔۔

ابرش اسکی سرد آنکھوں کو ایک نظر دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے جلدی سے گاڑی سے اتری۔۔اس ٹائم وہ مرنے کو بھی کہتا وہ مر جاتی۔۔مقابل کے ایسے سرد رویے سے اس کی ہمیشہ جان جاتی تھی۔۔ابھی کچھ دیر پہلے جو ہوا۔۔وہ خود کو بہت بے بس لاچار محسوس کر رہی تھی۔۔۔

برفیلی ہواؤں کے تھپیڑوں نے ابرش کا استقبال کیا تو وہ کانپتے ہوے زاران کی مضبوط بانہوں میں سما گئی۔۔

زا۔۔زاران مم میں مر جاؤں گی۔۔ابرش اس کے سینے میں منہ چھپائے کپکپاتے لبوں سے بولی تو زاران نہ چاہتے ہوے بھی اس کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرہ مضبوط کر گیا تھا۔۔

ابرش یہاں سیف نہیں ہے۔۔گاڑی میں ہیٹر بھی آن نہیں ہے ایسے میں تم یہاں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکو گی۔۔زاران نے اپنے لہجے کے سرد پن پر قابو پاتے بظاہر نرم لہجے میں کہا۔

ابرش کی حالت دیکھتے نہ چاہتے ہوے بھی اسے اپنے غصے پر قابو پانا پڑا تھا۔۔ور تند و تیز بھانبھڑ جلتے اس کے اندر دہکتی ہوئی آگ بھڑکائے ہوے تھے۔۔

زاران کی نرم آواز سنتے اس نے بے یقینی سے اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے دیکھا تھا۔۔اس کی براؤن آنکھوں میں دیکھتے وہ اس کے سینے میں

سمائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ زاران اسے یوں روتا دیکھ کر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ ابرش کا رونا اس کے مشتعل اعصابوں کو مزید بھڑکا گیا تھا۔۔ اسے بلکل اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔۔ جو آج اس نے کیا تھا وہ قطعًا معافی کے لائق ہر گز نہ تھا۔۔ مگر وہ جانتا تھا اس وقت اسے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔۔ وہ اس سے بھی بے تحاشا ڈری ہوئی تھی۔۔

زاران نے گہرا سانس بھرتے اسے خود سے علیحدہ کیا۔۔

چلو یہاں سے۔۔۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے کی جانب بڑھا۔ اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت میں سختی محسوس کرتے ابرش کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ گھسٹتی ہوئی ٹھٹرتی کانپتی اس کے ساتھ آگے بڑھتے جا رہی تھی۔۔۔

زاران اس کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کرتا اپنے بھاری قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ وہ یکدم ٹھوکر لگنے سے بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ سس س۔۔۔۔۔۔ کی آواز کے ساتھ وہ زمین پر سسکتے ہوے دوزانو بیٹھی چلی گئی۔۔ زاران اس کے سسکنے پر نہ چاہتے وہ بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہوا تھا۔

چاند کی ہلکی زرد روشنی میں وہ اس وقت ترحم کھانے کے قابل لگ رہی تھی۔۔ ننگے پاؤں ماتھے پر زخم کا نشان بری طرح کپکپاتا وجود۔۔۔ سردی سے نیلے پڑتے ہونٹ۔۔۔ پاؤں کے انگوٹھے سے نکلتا خون وہ ٹھنڈی زمین پر دوزانو بیٹھی سسک رہی تھی۔۔

زاران نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے انگوٹھے کو دیکھا جو بری طرح زخمی ہوا تھا۔۔

وہ یہ دیکھتا گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ زاران مم میں مر جاؤں گی۔۔ مم مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔۔ ابرش بمشکل سسکتے ہوئے بولی۔۔

زاران اسے بغور دیکھتے کھڑا ہوا اور پھر اس کی طرف جھکتے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا گیا۔۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔ اس کا بدن برف کی مانند یخ ٹھنڈا تھا۔

سردی شدید پڑ رہی تھی۔۔ یقیناً وہ صبح تک ایسے ہی رہتی تو اتنی سردی میں مر بھی سکتی تھی۔۔ زاران اب کی بار واقعی میں پریشان ہوا تھا۔ زاران اسے لیے تھوڑا آگے بڑھا گھنے درختوں کی جھنڈ کے نیچے اس نے قدرے خشک جگہ پر اسے نرمی سے بٹھایا تھا۔۔ زمین ٹھنڈی ہونے کے باعث وہ سکڑتی زمین کا ہی حصہ بنی تھی۔۔ زاران نے جلدی سے درخت کی کچھ ٹہنیاں توڑیں۔ اور کچھ ارد گرد سے کچھ لکڑیاں اکھٹا کرتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے

لائٹر نکال کر جلائیں۔ وہ تھوڑی سی تگ و تدود کے بعد جل گئی تھی۔۔ زاران نے زمین سے گرے ہوے پتے اور ٹہنیاں اور بڑے پتھر اٹھا کر آگ کے قریب جگہ سی بنائی تھی۔۔ جہاں ابرش آسانی سے بیٹھ سکے اور آگ کی گرمائش بھی اس تک پہنچ سکے۔۔ وہ بہت تیزی سے یہ کام کر رہا تھا۔۔ نظریں بار بار بھٹک کر اپنی بیوی کی طرف جاتیں۔۔ جو زمین پر تقریباً بیہوشی کے عالم میں پڑی تھی۔۔ برفیلی سردی میں اس کا زخمی کندھا سن ہو گیا تھا۔ وہ بے حس بنا کام کر رہا تھا۔۔ اس وقت اسے صرف اپنی بیوی کی پرواہ تھی۔۔ جس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

سب کچھ کرنے کے بعد زاران نے اسے نرمی سے بانہوں میں اٹھائے آگ کے قریب کرتے اسے نرمی سے درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے

بیٹھایا تھا۔۔ آگ کی گرمائش ملنے کی دیر تھی۔اس کی بند آنکھوں پر گھنیری پلکوں کی جھالر میں جنبش ہوئی۔۔ابرش کے حرکت کرتے وجود کو دیکھتے زاران نے اطمینان کا سانس خارج کیا تھا۔۔

زاران اب مطمئن سا ہوتے اس کے سامنے آگ کے گرد بیٹھ گیا۔۔۔ کندھے سے نکلتے خون نے اس کی شرٹ کو کافی حد تک داغدار کر دیا تھا۔۔زاران اپنے کندھے سے اٹھتی درد کی ٹھیسوں کو نظر انداز کرتے ابرش کی طرف متوجہ ہوا جس کی طبعیت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔۔ مگر وہ اپنے گرد بازو لپیٹے ابھی بھی کانپ رہی تھی۔۔

اس کے کپڑے گیلے ہونے کے باعث اس کی کپکپاہٹ ختم نہیں ہو رہی تھی۔۔زاران آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب گیا۔۔اپنے قریب زاران کی موجودگی محسوس کرتے ابرش نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

زاران نے ہاتھ بڑھا کر اپنی جیکٹ نرمی سے اس کے وجود سے اتاری

۔۔۔۔زا۔۔زاران مم۔۔۔کک کیا کر رہے ہو؟؟مم مجھے سردی لگ رہی۔۔ شش زاران نے اپنے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کو کہا

۔۔

ابرش اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری کی کاٹ دیکھ کر خاموش ہو گئی۔۔اس کے ہاتھوں کا لمس نرم تھا۔۔ مگر آنکھیں کافی سرد اور سرخ تھیں۔ابرش اس کی آنکھوں کا سرد پن دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔زاران نے اپنی جیکٹ اتارتے ہوے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگائے اس کی فراک کی زپ کھولتے اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکائی تو ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔زاران کے کچھ دیر پہلے والا جنونی روپ یاد آیا تو وہ خاموشی سے یہ سب برداشت کر

رہی تھی۔۔وہ نہیں جانتی تھی زاران کیا کرنے والا ہے؟؟ مگر آج وہ یہاں اس گھنے جنگل میں کچھ بھی کرتا وہ ایک آواز نہ نکالتی زاران کا اس قدر خوف اس پر حاوی تھا۔۔وہ آنکھیں میچتے کپکپاتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے ہوے تھی۔۔زاران نے اسے خود سے علیحدہ کیا تو ابرش اپنی حالت دیکھتے خفت سے نظریں جھکا گئی۔

یہ لو جیکٹ۔۔۔اب پہن لو۔۔ تمھاری فراک گیلی تھی۔۔اس لیے اتارنی پڑی۔۔زاران نے اس کی طرف جیکٹ بڑھائی.. جسے بلاتردد ابرش نے پکڑتے ہوے اپنا برہنہ وجود ڈھانپا تھا۔۔زاران نے اس کی فراک آگ کے پاس ہی پڑے بڑے سے پتھر پر اچھی طرح پھیلائی۔۔

ابرش زاران کی جیکٹ پہنتے درخت کے تنے سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔جیکٹ اچھی خاصی گرم تھی۔۔گیلے فراک پر جیکٹ کی گرمائش محسوس ہی نہیں ہو

رہی تھی۔ آگ اور جیکٹ کی گرمائش ملنے کی دیر تھی۔۔ ابرش کی کپکپاہٹ کافی حد تک ختم چکی تھی۔۔ وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔۔

حور کی آنکھ کمرے میں ہوتی کھڑ پڑ سے کھلی تھی۔۔

رات نیند پوری نہ ہونے کے باعث وہ شام کو کمرے میں آتے ہی سو گئی تھی۔ حور نے نیند کی خمار میں گلابی ہوتی آنکھیں بمشکل کھول کر دیکھا تو ارحام خانزادہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔۔ درخشاں اور باربینا کے ہاتھ میں بہت سارے شاپنگ بیگز تھے۔۔ حور اپنے بال سمیٹتے ہوئے اٹھ کر بیٹھی ۔۔ ساتھ ہی پڑا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح اپنے سر پر لیا۔۔ ارحام نے گہری

نظر حور پر ڈالی۔۔ جو نیند سے اٹھنے کے باعث اور خوبصورت لگنے لگی تھی۔۔

انھیں زمین پر رکھ دو اور جاؤ یہاں سے تم لوگ... ارحام حور کو گہری اور گرم نگاہوں کے حصار میں رکھتے ہوئے درخشاں اور باربینا سے بولا۔۔ وہ ڈھیروں شاپنگ بیگ زمین پر رکھتے خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ارحام اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے حور کی طرف بڑھا تو حور خود میں سمٹتی بیڈ کراؤن کی طرف کھسکی۔۔ ارحام نے ناگواری سے اس کا یہ عمل دیکھا تھا.. حور کا ذرا سا بھی دور جانا اس کا گریز برتنا اسے بھڑکتے شعلوں پر ننگے پاؤں جیسے کھڑا کر دیتا تھا۔۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کا دوپٹہ اس کے سر سے اتارتے اس کے وجود سے الگ کیا۔ ارحام کے عمل پر حور کے عارض میں سرخیوں کے ساتھ زردی بھی گھلی تھی۔۔

ارحام وہ۔۔۔۔۔۔۔۔پپ پلیز۔۔ ابھی نہیں پلیز۔۔۔ حور نے مدھم آواز میں کہا تو ارحام اس کے لفظ بمشکل سنتا مبہم سا مسکرا گیا تھا۔۔

ابھی کیوں نہیں جان۔؟؟۔۔۔ ارحام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے براؤن سلکی بالوں کو کیچر سے آزاد کیا تھا۔۔

ارحام کے لبوں سے جان سنتے حور کی رنگت مزید سرخ پڑی تھی۔۔ ارحام کے لبوں سے پہلی مرتبہ لفظ جان سنا تھا۔ ورنہ وہ رات رات بھر اسے اپنا جنون میڈنس کہتا تھا۔۔ مگر اتنے پیار سے کبھی اس لفظ سے نہیں پکارا تھا۔

ارحام نے اسے خود میں بھینچتے اس کے سلکی بالوں پر لب رکھتے اس سے الگ ہوا۔

اس کی جھکی نظروں اور اس کے سرخ عارض کو دیکھتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔

۔جب اس کی قربت پر وہ سرخ گلاب ہوتی تو ارحام خانزادہ کو اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہوتا۔۔

نیند پوری ہوئی۔۔۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے حور کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

حور نے ارحام کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

گڈ اب رات کو یہ تکرار سننے کو تو نہیں ملے گی۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔۔ ارحام پلیز مجھے سونے دیں۔۔ ارحام حور کو گرم نگاہوں سے دیکھتے ذو معنی اشارہ کرتے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

حور اس کے لہجے میں شرارت اور نرمی محسوس کرتے نروٹھے انداز میں منہ موڑ گئی تھی۔۔۔ جسے دیکھتے ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ وہ اس کی نرمی پر روٹھے نہ یہ ناممکن تھا۔۔

ارحام کو قہقہ لگاتے دیکھتے حور خفگی بھری نگاہ ارحام پر ڈالتے بیڈ سے اٹھی..

ارحام اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔ بیڈ پر لیٹتے اسے نرمی سے اپنے سینے پر لٹایا تھا۔

حور نروٹھے انداز میں اس کے اوپر سے اٹھنی لگی تھی کہ ارحام سختی سے اس کی کمر پر اپنی گرفت جمائے اسے خود میں قید کر گیا۔

وہ اس کی بانہوں کی سختی محسوس کرتے ہار مانتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔

ارحام کافی دیر تک اسے ایسے ہی بانہوں میں لیے آنکھیں موندیں لیٹا رہا۔۔ حور اس کے سینے پر سر رکھے اس کی دھڑکنیں سنتی رہی۔۔

حور۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوے نرمی سے اسے پکارا۔

اس کا نرم اور شہد میں لپٹا لہجہ سن کر حور نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔اس کی خاموشی پر ارحام کے عنابی لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھری تھی۔جانتا تھا اپنی بیوی کے حلق سے آواز کیسے نکالنی ہے۔۔

حور۔۔۔۔ارحام نے مسکراہٹ دباتے سرد لہجے میں اسے پکارا۔۔

جج جی۔۔۔حور نے اس کے سینے سر اٹھا کر اپنی کرسٹل براؤن آنکھوں کو پھیلاتے ہوے ارحام کی گہری آنکھوں میں جھانکا۔

ارحام اس کے انداز پر اب اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔۔یقیناً اب اس کا قہقہہ یا مسکراہٹ اس کی معصوم ڈرپوک سی بیوی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔۔وہ اس کی کیوٹ سی ناراضگی بھی اب افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔وہ اسے خود سے دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

ارحام نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے اس کی فراک کی زپ نرمی سے کھولی تو حور نے سہمتے ہوے ارحام کو دیکھا۔۔۔وہ اس کے خوف کی بابت جانتا مسکرا گیا تھا۔۔اس کی کم عمری اور ناز کی ابھی تک اس کی شدتیں جھیل نہیں پاتی تھی۔۔مگر اب اسے تو یہ شدتیں برداشت کرنی تھیں۔۔ارحام یہ سوچتے مبہم سا مسکرایا تھا۔

حور۔۔۔آج کے بعد تم گل کے کپڑے نہیں پہنو گی۔۔میں نے تمھارے لیے نئے ڈریسز ارڈر کیے ہیں۔اب سے تم وہی پہنو۔گی۔درخشاں سے بول کر پورا وارڈروب میں خالی کرواتا ہوں۔۔اب وہاں صرف تمھاری ذاتی چیزیں اور کپڑے ہوں گے۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں ٹریس کرتے ہوے کہا۔۔

حور کی آنکھوں میں یکدم گلابیاں سی گھلی تھیں۔۔اس کی آنکھوں میں گلابی پن کے ساتھ شدید قسم کے غصے کی جھلک بھی تھی۔۔وہ ایک ہی جھٹکے سے خود کو ارحام کی بانہوں سے آزاد کرتی اٹھ کر بیٹھی۔۔اپنا ہاتھ پیچھے لے جا کر زپ بند کی۔۔ارحام نے لیٹے ہوے اس کا چہرہ دیکھا جو شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔وہ اب غصے سے اپنے سلکی بال سیمٹ رہی تھی۔۔ارحام کچھ پل یونہی لیٹے اس کے لال بھبونکا چہرے کو دیکھتا رہا۔۔ارحام نے نرمی سے اس کی کلائی تھامی۔۔وہ اس کا ہاتھ غصے سے جھٹک گئی۔۔ارحام لب بھینچے اس کا ایٹیٹوڈ دیکھتا رہا۔۔وہ گہرے سانس لیتے اپنا غصے پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔

وہ اس پر گہری نظریں جمائے بیڈ سے اٹھتے صوفے کی جانب بڑھا۔۔

صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگائے وہ حور کے ایکسپریشن بغور دیکھنے لگا۔۔

وہ جانتا تھا وہ اتنا غصہ جھلاہٹ ضرور دکھائے گی۔۔وہ حق بجانب بھی سمجھتا تھا۔۔ارحام نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے اپنی ناراض بیوی کو بغور دیکھا جو بیڈ پر گھٹنوں کے گرد اپنے بازو لپیٹے بیٹھی اپنے نچلے لب کو بری طرح کاٹ رہی تھی۔۔ارحام کو اس کا یہ ایکٹ زہر لگا تھا۔۔۔وہ اپنے ہونٹوں کو اس طرح چھوے اسے کہاں گوارا تھا۔۔اس کا پورپور اب اس کی ملکیت تھا۔

جان من۔۔۔میرے پاس آجاؤ میں تمھارے لبوں کو قندھاری کر دیتا ہوں تم اچھے سے نہیں کر رہی۔۔میں کتنے اچھے سے کرتا ہوں تم تو جانتی ہو یہ۔۔۔۔سو کم آن میرے پاس آؤ۔۔۔ارحام نے حور کو بغور دیکھتے سرد

لہجے میں کہا تو حور نے اپنے نچلے لب کو دانتوں تلے سے آزاد کیا۔۔ یہ تو اچھی طرح جانتی تھی۔۔ وہ ان لبوں کا دشمن تھا۔

چلو اٹھو چینج کرو۔۔ ارحام کا تحکم بھرا لہجہ سنتے بھی وہ بیڈ پر یونہی بیٹھی رہی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ ارحام نے اسے اب کی بار کافی سرد آواز میں پکارا تھا۔

میں انہی کپڑوں میں ٹھیک ہوں۔۔ مجھے عادت ہو گئی ہے گل کی جھوٹن کھانے کی اور اس کی اترن پہننے کی۔۔۔ حور نے بنا ارحام کی طرف دیکھے سپاٹ لہجے میں تنک کر جواب دیا۔۔ ارحام نے اس کی بات بمشکل ہی

برداشت کی تھی۔۔اس کی جھوٹن کھانے سے کیا مراد تھی؟؟وہ سمجھ گیا تھا۔۔ارحام کی آنکھوں میں شدید قسم کی سرخی چھلکی تھی۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے بمشکل برداشت کر گیا۔۔

اگر یہ لفظ اس کے خود کے نہ ہوتے وہ کبھی برداشت نہ کرتا۔۔اپنے ہی لفظ یاد کر کے وہ اذیت کی انتہا پر جلا تھا۔۔

تمھارے حصے میں شوہر بھی گل کا آیا۔جھوٹن۔۔۔۔۔۔ "

اترن۔۔۔۔۔۔۔ ہی تو تمھارے حصے میں آئی ہے۔۔۔ایسی باتیں تمھارے منہ سے سوٹ نہیں کرتی"یہ لفظ کل وہ حور کے منہ پر مارتے استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

آج حور کے منہ سے لفظ جھوٹن نیزے کی مانند سینے میں آر پار ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔

وہ ایک ہی جھٹکے سے صوفے سے اٹھتے دروزازہ دھاڑ سے مارتے باہر نکل گیا تھا۔۔

درخشاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زنانے خانے میں داخل ہوتے بلند آواز میں گرجتے ہوے درخشاں کو پکارا۔۔۔اس کی گرج اندر تک حور کی سماعتوں تک بخوبی پہنچی تھی۔

دروازے کی دھاڑ کی آواز پر وہ جی جان سے لرز اٹھی تھی۔۔اس کی سماعتوں میں ارحام خانزادہ کی گرج بخوب پہنچتی مزید اس پر لرزہ طاری کر چکی تھیں۔۔

رنگ منٹوں میں سفید ہوا تھا۔۔حور نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔۔مگر وہ سپاٹ بے حس بن کر یونہی بیٹھی رہی۔۔یکدم پرانے زخموں سے خون بہنے لگا تھا۔۔جنھیں وہ انجانے میں کھرید بیٹھا تھا

مقابل آج کچھ بھی کر لیتا وہ کسی قیمت پر نئے ڈریسز پہننے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی۔۔اسے گل کی اترن قبول تھی۔۔۔مگر ارحام خانزادہ کا ترس کھانا گوارا نہ تھا۔۔اپنی بھیگی آنکھیں پھر سے بے دردی سے رگڑیں۔۔مقابل کا خوف حاوی ہو رہا تھا۔۔وہ بھلا کب اس کی رضامندی خواہش کو اہمیت دیتا تھا

۔۔اس کے ساتھ نرمی بھی تب ہی برتتا تھا جب اسے اس سے غرض ہوتی تھی۔۔ پچھلے چھ ماہ میں وہ اپنے شوہر کی فطرت جان چکی تھی۔۔وہ اس سے نہیں اس کی خوبصورتی سے محبت کرتا ہے۔۔

اسی لمحے وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا اس کے پیچھے درخشاں اور باربینا بھی تھیں۔

تمام وارڈروب ابھی کہ ابھی خالی کر دو۔۔مجھے اس میں گل کی ایک چیز بھی نظر نہ آئے۔۔وہ حور پر سرد و سپاٹ نگاہیں گاڑھتے بولا۔۔حور کی آنکھوں میں آنسو دیکھتا بھی وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔۔۔اب نیے کپڑے پہنے میں بھلا کیا مسئلہ تھا۔۔وہ دو دن سے اس سے جو نرمی برت رہا تھا۔۔وہ اب پچھتا رہا تھا

۔۔اس سے نرمی برتنے کو۔۔ورنہ آج وہ اس کی بات کے خلاف کبھی نہ جاتی۔۔اسے حور کے بدن پر گل کا لباس تارکول کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔

جی لالا.... درخشاں سر ہلاتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔

درخشاں کوئی ضرورت نہیں۔۔۔وہ وارڈروب خالی کرنے کی۔۔حور بیڈ سے اٹھتے بولی تو ارحام خانزادہ سے زیادہ درخشاں کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔۔

درخشاں نے ڈرتے ہوے ارحام خانزادہ کی طرف دیکھا اس کی سرد نگاہوں سے گھبراتے وہ جلدی سے ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئیض تھی۔۔

ارحام حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتا پھر سے صوفے پر ٹانگ رکھے براجمان ہوا تھا۔۔ وہ اب آنکھیں جھپک جھپک کر اپنے امڈتے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔

درخشاں اور باربینا نے کچھ ہی دیر میں تمام وارڈروب خالی کر دی تھی۔۔

لالا گل بھابھی کے کپڑوں اور باقی چیزوں کا کیا کرنا ہے۔۔ درخشاں نے ارحام سے پوچھا۔۔

کچھ بھی کرو۔۔۔ مگر آئیندہ مجھے گل کا کچھ بھی حویلی میں نظر نہ آئے۔۔ ارحام حور کو دیکھتا ایک ایک لفظ چباتے بولا۔۔

جی لالا درخشاں اور باربینا گل کے تمام کپڑے سمیٹ کر چلی گئی تھیں۔

چینج کرو۔۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں آئے آنسو نظر انداز کرتے سرد انداز میں حکمیہ لہجے میں بولا۔۔۔

نہیں چینج کروں گی۔۔۔۔ انداز ضدی تھا مگر آواز میں گھلی نمی اور لرزش میں ارحام کا خوف نمایاں تھا۔۔ جسے محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے اپنی آئی برو مسلتے خود پر قابو پایا تھا۔۔

سارے کپڑے تو گل کے میں نے باہر پھنکوا دیے ہیں۔ تمھیں اب یہی کپڑے پہننے پڑیں گے۔۔ جتنی مرضی ضد کر لو کپڑے تو یہی پہننے ہیں۔ ارحام نے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں کو بغور دیکھتے کہا۔

میں نہیں پہنوں گی نئے کپڑے۔۔۔ آپ نے سارے کپڑے پھنکوا دیے ہیں۔ مگر میں نے جو پہنا ہے وہی بھی گل کا ڈریس ہے۔۔ میں اسے ہی پہن

کر رکھوں گی۔۔ حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔۔ وہ ایک اب چھوٹی معصوم سی بچی کی طرح ضد کر رہی تھی۔۔

اچھا جب اسے اتارو گی تو تب کیا پہنو گی ؟؟۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔۔ اس کی معصومیت بھرے انداز پر جی بھر کر پیار آ رہا تھا۔۔

میں اسے اتاروں گی ہی نہیں۔۔ دو بدو پٹ سے جواب آیا۔۔

او۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ ارحام کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھری۔۔

تم اسے اتارو گی یا نہیں یہ تو ابھی کچھ دیر میں پتہ چل جائے گا۔۔ ارحام سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا ذو معنی انداز میں بولا۔۔

ارحام کی بات میں چھپا مطلب سمجھ کر حور سرخ پڑی تھی۔۔ نازک ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی ارحام کی زیرک نظرون سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھیں۔

ارحام کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔ آج سامنے کھڑی لڑکی کی کوئی بات کوئی ایکٹ برا نہیں لگ رہا تھا۔۔ بلکہ اسے تنگ کر کے وہ حظ اٹھا رہا تھا۔۔

اچھا یہی ڈریس پہن کر رکھو گی جب یہ گندہ ہو جائے گا۔۔ تب کیا پہنو گی؟؟۔۔ ارحام دل جلانے والی مسکراہٹ حور پر اچھالتا اس کے ایکسپریشن دیکھتے محظوظ ہوتے بولا۔۔

اسے دھو کر پہن لوں گی۔۔ پٹ سے جواب آیا۔۔

اچھا جب اس ڈریس کو جو تم نے پہنا ہوا ہے۔۔ اسے دھوؤ گی تو تب کیا پہنو گی۔۔ ارحام نے معنی خیز لہجے میں کہتے اس پر شرارت بھری نگاہ ڈالی حور نے ارحام کو غصے سے گھور کر دیکھا تو ارحام اس کی دیدہ دلیری پر عش عش کر اٹھا تھا۔۔

واللہ اعلم یہ انداز بھی ہیں تمھارے مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔۔ آئی لائک یور دس سائیڈ مائی بیوٹیفل وائف۔۔ ارحام خانزادہ سگریٹ لبوں میں دبائے بولا تو حور نے ارحام کی بات پر اسے اب کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔۔

ارحام کا اب بلند و بینگ قہقہ جاری ہوا تھا۔۔ اپنی بیوی کی خوبصورت اداؤں پر اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔۔

ارحام کا قہقہ سنتے حور نے جھلاتے ہوے اپنا دوپٹہ بیڈ سے اٹھائے اچھی طرح خود پر اوڑھا تھا۔۔ وہ بیڈ سے اٹھتی دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔ ارحام نے صوفے سے تیزی سے اٹھتے اس کی جانب قدم بڑھاتے اسے بیڈ پر نرمی سے دھکیل گیا۔۔ اس سے پہلے وہ اٹھتی وہ اس پر جھکے گہری گھٹا بن کر چھایا۔۔

چینج کرو جان۔۔ میں تمھیں اس ڈریس میں نہیں دیکھ سکتا۔۔ ارحام نے اس کے عارض پر شدت سے اپنے لب رکھے تھے۔۔

نہیں پہنوں گی۔۔ آپ کچھ بھی کر لیں۔۔ مجھے آپ کی کسی بھی قسم کی ہمدردی نہیں چاہیے۔۔ حور اپنے اوپر جھکے ارحام کو دیکھتے ضدی انداز میں بولی۔۔ اس کی نرمی پر اس کا غصہ بڑھا تھا۔۔

تو تم چاہتی ہو میں ایک بار پھر سے وہی سب کچھ دہراؤں جو پہلے دہرایا تھا۔ ارحام نے آبرو اچکائے پوچھا۔۔

کیا؟؟ حور نے آنکھیں پٹپٹائے معصومیت سے پوچھا۔۔ ارحام کی آنکھوں میں کافی نرمی تھی۔۔ جسے دیکھتے وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔۔ ارحام نے اس کے گلے سے پکڑتے اس کی فراک پوری قوت سے کھینچتے چاک کر دی تھی۔۔

یہ دیکھتے حور کی رنگت سرخ پڑی۔۔۔اس کا فراک سینے سے پھٹ چکا تھا۔۔وہ شرم و خفت سے سرخ پڑی۔۔

تمھیں بہت سی پرانی باتیں یاد ہیں۔یہ بھی یاد ہو گا۔ تمھاری ڈریس میں پہلے بھی پھاڑ چکا ہوں۔۔اس کے بعد کیا ہوا تھا۔۔وہ بھی یاد ہو گا ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا تو حور کی آنکھوں میں خوف آن ٹھہرا۔۔

ہمم۔۔۔گڈ تمھیں یاد ہے ارحام نے اس کی سہمی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے تھے۔۔اب اٹھو بنا کسی بحث کے اپنے لیے اچھا سا ڈریس سلیکٹ کرو اور اسے پہنو۔۔۔گل کی کوئی بھی چیز تم آئندہ استعمال نہیں کرو گی۔۔اس کی جیولری میں مورے کو دے چکا ہوں۔۔وہ اس کا جو مرضی کریں۔۔ان مکی۔۔۔مرضی۔میں نے تمھارے لیے نیی جیولری کا آرڈر کر دیا ہے۔۔۔ابھی بھی کچھ زیوارات منگوائے ہیں۔۔پسند ہیں تو رکھ لو نہیں

پسند تو اپنی مرضی بتا دو نئے بنوا دوں گا۔۔ ارحام سنجیدگی سے کہتا اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔۔

حور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنا دوپٹہ خود پر اچھی طرح اوڑھتے بیڈ سے اتری۔

زمین سے ایک شاپنگ بیگ اٹھائے وہ خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔ ارحام کو اس کا یوں خاموشی سے بات ماننا کافی حد تک چبھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہرا ڈر خوف بھی اچھا نہیں لگا تھا۔۔ مگر وہ اس کے بدن پر اب گل کا لباس مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سختی کر۔ گیا۔

ارحام نے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے مظطرب انداز میں سگریٹ سلگائے ڈریسنگ روم کی طرف نگاہ کی۔۔۔

زاران کب سے ابرش پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔۔جو درخت کے تنے سے ٹیک لگائے سکون کی نیند سو رہی تھی۔۔چہرے پر اب کافی سکون بھی تھا۔۔وہ جتنی بھی خود سر بد تمیز ضدی سہی۔۔۔مگر اپنی عزت کو بچانے کے لیے ہر حد تک جانے والی لڑکی تھی۔۔اگر وہ بروقت نہ آتا تو یقیناً موت کو گلے لگاتے گہرے پانی میں اتر جاتی۔۔اگر وہ بہزاد کے آدمیوں کے سامنے

آسانی سے ہمت ہار جاتی تو وہ شائد اسے جیتے جی موت دے جاتی۔۔ آج اس نے اپنی ہی عزت نہیں اس کی عزت بھی بچائی تھی۔ "مجھے مت چھونا میں زاران خانزادہ کی عزت ہوں" اس کے گلے لگتے اس نے یہی لفظ بولے تھے۔۔

اس کے لفظ یاد کرتے زاران کے لبوں پر مسکراہٹ بکھرتے معدوم ہوئی۔

اس کا غصہ اشتعال ابھی بھی ابرش پر کم نہیں ہوا تھا۔۔ بلکہ یہ کہنا مناسب تھا۔۔ گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔۔ اسے اس سے جتنے بھی گلے شکوے سہی۔۔ مگر کم از کم اس طرح اکیلی ہوٹل سے نکلنا نہیں چاہیے تھا۔۔ اس کا یہ قصور کسی بھی صورت معافی کے قابل ہرگز نہ تھا۔۔

وہ اس سے آہل کی سچائی چھپانے کے لیے مجبور تھا۔۔ اگر اسے ذرا بھی بھنک پڑ جاتی۔۔ بابرک کا قتل آہل نے نہیں کیا تو یقیناً وہ چیخ چیخ کر پوری حویلی سر پر اٹھا دیتی۔۔ روزینہ خانم اور داجی کے سامنے تن کر کھڑی ہو جاتی۔۔ عین ممکن تھا وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر لیتی۔۔ کیونکہ وہ اپنی ضد کی پکی تھی۔۔

ایسے میں وہ کیا کر گزرتا؟؟ وہ نہیں جانتا تھا۔۔ وہ حویلی میں کسی کو بھی فی الحال یہ بات نہیں بتا سکتا تھا کہ بابرک کو قتل کرنے والا آہل نہیں رمضان ہے۔۔ وہ کچھ بھی کہتا بابرک کی سچائی بتاتا مگر یہ سچ روزینہ خانم اور اربد خان برداشت نہ کر سکتے۔۔ بابرک کی موت کا بوجھ اس کے کندھوں پر لاد دیا جاتا۔۔ بابرک کتنا بھی غلط سہی۔۔ مگر روزینہ خانم اور اربد خان کی سگی اولاد تھا۔۔ سب اسے ہی قصوروار ٹھہرا کر آہل کو بچانے کے نتیجے میں بابرک کا قاتل اسے ٹھہراتے۔۔ بابرک نے اس دن جو کچھ آہل اور زرتاج کے

ساتھ کیا۔۔ اس کا کوئی ثبوت بھی اس کے پاس نہیں تھا۔۔ اسفندیار خان بابرک کی موت کا قصوروار اسے سمجھتا ہے... ایسے میں سب اسے قصوروار سمجھتے۔۔۔ بابرک کا سچ سامنے لانے کے لیے آہل کا سچ بھی کھلتا تو یہ سچ یقیناً بہزاد خان تک ضرور جاتا۔۔ حویلی میں بہزاد خان کا کوئی نہ کوئی جاسوس تھا۔۔ اس نے اپنے تئیں کتنی ہی ملازمائیں نکال دی تھیں۔۔ مگر اب جو بھی ملازمائیں تھیں۔ وہ برسوں پرانی اور وفادار تھیں۔ مگر وہ پھر بھی احتیاط برت رہا تھا۔۔

ابرش کو اگر ذرا بھی خبر ہوتی کہ عنائیہ اغوا ہو چکی ہے ایسے میں بھی وہ نہ خود سکون سے بیٹھتی۔۔ بلکہ اسے بھی سکون سے نہ رہنے دیتی۔۔

عنائیہ بہزاد خان کے قبضے میں تھی۔۔۔ اس پر حملہ کرنا آسان نہیں تھا۔۔ مگر وہ پوری کوشش کر رہا تھا۔۔

اب تو وہ بہزاد خان کو بلکل چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔جو اس نے آج کیا یقیناً اس کا انجام بھی موت تھا۔۔زاران نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچتے اپنے غصے اشتعال پر قابو پایا۔۔۔

اسفندیار خان عابیر کا ہاتھ پکڑے کمرے میں داخل ہوا۔۔باہر تو عابیر نے اپنی کلائی اس کی گرفت سے نہیں چھڑوائی تھی۔۔مگر اندر آکر اس کی

گرفت سے اپنی کلائی ایک ہی جھٹکے سے چھڑا وائی۔ اسفندیار خان نے قہر آلود نظر عابیر پر ڈالی۔۔

میں اپنے لالا کے ساتھ باہر چلی جاتی کوئی قیامت تو نہیں آجانی تھی۔۔ آپ کی بیوی ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھ پر میرے کسی رشتے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔ عابیر اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

شادی کے بعد ایک بیوی پر اس کے شوہر کا ہی سب سے زیادہ حق ہوتا ہے ۔۔ تم حویلی سے باہر جانے کی بات کرتی ہو۔۔ اس کمرے سے بھی باہر جانے کے لیے تمھیں میری آجازت کی ضورت ہے۔۔ اسفندیار خان اسے گھورتے ہوے بولا۔۔

شوہر کا بیوی پر کیا حق ہوتا ہے؟؟۔ یہ تو آپ کو بخوبی پتہ ہے۔۔ مگر ایک بیوی کا شوہر پر کیا حق ہوتا ہے یہ آپ کو ابھی تک نہیں پتہ۔۔ عابیر اسفندیار خان کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکرائی۔۔

کیا حق چاہیے تمھیں؟۔۔ اسفند نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

جو ایک بیوی کا ہوتا ہے۔۔ عابیر نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔۔

تمھیں جو حق چاہیے۔۔ چلو تمھیں ابھی دے دیتا ہوں۔ اسفندیار خان نے اسے بازو سے پکڑ کر بستر کی طرف دھکیلا۔ اس کے بے رحمی سے دھکیلنے پر عابیر کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔۔ خود کو سنبھالتے اس نے اسفند یار خان کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔

ایسے مت دیکھو میری طرف۔۔۔جو تمھیں چاہیے میں سب سمجھتا ہوں۔۔وہ عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ بولا تھا۔۔اس کا خوبصورت وجود اس کا خوبصورت نقوش اسفندیار خان کے اندر بہت سے شورش جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہو رہے تھے۔۔۔وہ اپنا غصہ اشتعال ایسے اس پر اتار رہا تھا۔۔

آپ مردوں کی سوچ صرف اسی حد تک جا سکتی ہے۔۔ایک بیوی کو اپنے شوہر سے کیا چاہیے ہوتا۔۔۔وہ آپ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔۔۔عابیر نے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

کیا چاہیے تمھیں؟؟مجھے بھی ذرا پتہ چلے مسسز عابیر اسفندیار خان کو آخر کیا چاہیے۔۔اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔

مسسز اسفندر خان نہیں۔۔ صرف عابیر خان۔۔۔ عابیر نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اس کی توصیح کی۔۔

او۔۔۔ رئیلی تم صرف عابیر خان ہو۔۔۔ تبھی رو رو کر مجھ سے اپنے حقوق مانگ رہی ہو۔۔ اس کے صرف عابیر کہنے پر وہ بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔

جب آپ نے مجھے چھوڑ کر جانا ہی ہے۔۔ تو میں کیوں اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام لگاؤں ؟؟۔ عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے کرب زدہ لہجے میں بولی۔۔

میں تمھیں چھوڑ کر چلا بھی جاؤں گا۔۔ رہو گی تم صرف میری۔۔۔۔ میں تم پر کبھی اپنا حق ختم کروں گا۔۔ یہ بات تم اپنے ذہن سے نکال دو۔۔ اسفندیار خان نے اس کے دوپٹے میں ہاتھ ڈالتے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا۔۔

میں آپ کی ہی رہنا چاہتی ہوں مرتے دم تک۔۔۔۔۔عابیر خان صرف آپ کی ہی رہے گی۔۔ مگر پلٹ کر واپس آنے پر عابیر خان کی طرف آپ رسائی کبھی نہیں حاصل کر پائیں گے یہ یاد رکھیے گا۔۔اس کمرے میں قدم رکھنے کا حق بھی آپ کھو دیں گے۔۔عابیر اسفندیار خان کی بے رحم گرفت پر سسکتے بولی۔۔

اگر تمھیں لگتا ہے۔۔اسفندیار خان کبھی پلٹ کر تمھاری طرف آئے گا تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔جسے یہاں رہتے ہوے تمھاری بے پناہ خوبصورتی نہیں پگھلا سکی.. وہ ایک بار یہاں سے جانے کے بعد کبھی نہیں پلٹے گا۔۔میں آج بھی اپنی بات پر روز اول کی طرح قائم ہوں۔۔تم ایک رات کی دلہن بن کر ساری عمر تڑپتی رہو گی۔۔اسفندیار خان کے لہجے میں سفاکی محسوس کرتے وہ استھزائیہ مسکرا گئی تھی۔

عابیر خان کبھی نہیں تڑپے گی۔۔ یہ بات آپ بھی یاد رکھیے گا۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے اسے جتایا

او۔۔۔ رئیلی تم تو بہت بہادر ہو۔۔ اسفند اس کے بالوں پر اپنی گرفت مزید بڑھائی تھی۔۔ اس کی وحشی گرفت پر اب کی بار وہ سسکی بھی نہین تھی۔۔ وہ یونی اس کی آنکھوں میں دیکھتے کھڑی تھی۔۔ جسے دیکھتا اسفندیار خان گہرا مسکرایا تھا۔

تمھاری بہادری کا تو میں پہلی رات ہی قائل ہو گیا تھا۔ یو نو واٹ عابیر خان۔۔۔ مجھے ڈڑی سہمی روتی دھوتی لڑکیاں بلکل پسند نہیں ہیں۔ اسفند نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے عابیر خان پر زور دیا تھا۔

یعنی یہ ثابت ہوتا ہے تم بہت بہادر ہو۔۔ اسفندیار خان نے ابرو اچکائے استھزائیہ لہجے میں پوچھتے اس کے بالوں کو بے دردی سے کھینچتے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔۔

جی بلکل۔۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔۔ وہ اب اس کے بال چھوڑ چکا تھا مگر اس کی کمر پر اس کے ہاتھ کی گرفت ویسے ہی سخت تھی۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

میری بہادر بیوی۔۔۔ اسفندیار لفظ چباتے استھزائیہ مسکرایا۔۔

میں تمہیں چھوڑ کر جاؤں گا۔۔ تمھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔ اسفند نے سنجیدگی سے سوال کیا۔۔

نہیں پڑے گا۔۔عابیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

میں دوسری شادی کروں گا۔۔ تمھیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔اسفند نے سنجیدگی سے دوسرا سوال کیا۔۔

آپ کی دوسری شادی پر عابیر خان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے کی طرف دھکیلتے بظاہر مضبوط لہجے میں کہا۔۔

کبھی میرا چہرہ نہیں دیکھ سکو گی آئندہ زندگی میں کبھی بھی۔۔۔۔۔

عابیر خان کو اس سے بھی فرق نہیں پڑے گا۔۔وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی تھی۔

مگر آنکھوں نے عین ٹایم دغا کھایا تھا۔۔وہ نمکین پانیوں سے بھری تھیں۔۔جسے دیکھتے اسفندیار خان کے جلتے دل کو سکون ملا تھا۔۔سب کچھ تو عیاں تھا ہیزل گرے کانچ سی آنکھوں میں اس کی محبت کے جلتے دیپ نمایاں تھی۔آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جارہا تھا۔۔وہ اس کے حصار میں اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پائے بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔اسفندیار خان نے مسکراتے ہوے اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کیا۔۔

میری کوئی اچھی سی جینز شرٹ نکال دو۔ساتھ میرا لیدر کا کوٹ بھی ۔۔اسفند نے کہتے ہوے بہت احتیاط سے اسے اپنی بانہوں سے آزاد کیا۔۔اس کا کانپتا بدن زمین بوس نہ جائے وہ اس پر رحم کھا گیا تھا۔

ہاں عینا میں آرہا ہوں تھوڑی دیر تک۔۔۔ تمھیں کمرہ تو مل گیا ہے ناں

۔۔۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔۔ اسفندیار خان فون کان سے لگائے بولتے

ہوے واش روم میں گھس چکا تھا۔۔

عابیر کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگیں۔۔ وہ کافی دیر تک وہیں کھڑے

گہرے سانس لینے لگی۔۔ دل میں درد کے ابال اٹھے تھے۔۔

وہ اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ڈریسنگ روم میں داخل ہو

گئی۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

ابرش زاران کے ساتھ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔ چادر سے

اچھی طرح خود کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی زاران نے اس کا نقاب

اتار دیا تھا۔۔راستہ لمبا تھا وہ کمفرٹیبل نہیں تھی۔۔مگر آج اس کے کہے بغیر ہی اس نے چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھانپا تھا۔ابھی بھی وہ اپنے سر سے سرکتی چادر کو بار بار اپنے سر پر جما رہی تھی۔۔اسے عادت نہیں تھی۔۔اس طرح پردہ کرنے کی۔۔اس سے دوپٹہ بمشکل سنبھلتا تھا۔حویلی سے پہلی مرتبہ وہ باہر آئی تھی۔۔اتنی بڑی چادر بھی اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں لی تھی۔۔زاران ہوٹل کے پاس ہی کسی مال سے اس کے لیے چادر اور گرم جرسی اور شوز خرید کر لایا تھا۔۔زاران نے گہری نظر ابرش پر ڈالی جو ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔رنگت میں گلابیاں سی گھلی تھیں۔۔لبوں پر مبہم سی شرمیلی مسکان بھی تھی۔۔زاران کی نظریں خود پر مسلسل محسوس کرتے ابرش مزید سرخ پڑی۔۔۔وہ اب اپنی نظریں ونڈ

سکرین پر مرکوز نہ رکھ سکی تھی۔۔ نظریں جھکاتے وہ رخ موڑ گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

مائی بیوٹی فل وائف۔۔۔ مجھے تم شرماتے ہوے پسند نہیں ہو۔۔ تمھارا وہی روپ بسند ہے جو تم نے رات اور تھوڑی دیر پہلے واش روم میں دکھایا تھا۔

زاران نے مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔

ابرش اس کی بات پر مزید سرخ پڑی تھی۔۔ جو وہ جذبات میں کر چکی تھی۔۔ اب اسے شرم کے ساتھ خفت میں بھی مبتلا کر رہا تھا۔ اوپر سے

زاران کا ہر تھوڑی دیر بعد اسے بہت گہرائی سے اس کے جذباتی مظاہرے یاد کروانا اسے نظریں نہیں اٹھانے دے رہا تھا۔

زاران سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے وہ دروازے کی طرف کھسکی۔

زاران اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈالتے مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ کرنے لگا۔۔

آپ یہی عزت مان محبت اپنے گھر والوں کے سامنے بھی مجھے دیں گے زاران۔۔ تھوڑی دیر بعد ابرش کی آواز گاڑی میں گونجی تھی۔۔

میں نے تمھیں کب مان عزت محبت نہیں دی ابرش۔۔۔ اپنے گھر والوں کے سامنے سب پر ہمیشہ تمھارا مقام واضح کیا ہے۔۔ تمھیں کبھی کسی کے سامنے کچھ نہیں کہا۔۔ جرگے میں جو کچھ ہوا میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ

سب میری برداشت سے باہر تھا۔۔ میں تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔۔ مگر آئیندہ کبھی بھی ایسا نہیں ہو گا۔۔ تم پر جتنا بھی غصہ ہوا۔۔ اپنے کمرے میں بیڈ پر تم پر اتار دوں گا۔۔ وہاں آج کے بعد تم سے رعائت نہیں برتی جائے گی۔ زاران کی سنجیدگی میں کہی ہوئی بات کا مطلب سمجھتے وہ مزید سرخ پڑی تھی۔۔

زاران۔۔۔۔ لیکن آپ کی مورے کو مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟؟۔۔ وہ پلوشہ سے آپ کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوے پوچھا۔۔ پلوشہ اس کے دماغ سے نکل نہیں رہی تھی۔ امیریکہ میں اس کی کی ہوئی ریسرچ کے مطابق خان فیملی میں دو چار شادیاں کرنا عام بات تھی۔۔ داجی کے علاوہ کسی حویلی کے مرد نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔۔ زاران کو شئیر کرنے کی سوچ سے ہی وہ اذیت محسوس کرنے لگتی تھی۔۔۔ پلوشہ کا حویلی ہونا اس کے خدشات کو ہوا دیتا رہتا۔۔ زاران اور اس کا تعلق

کبھی اتنا مضبوط نہیں رہا وہ زاران پر یقین کرتی۔۔ وہ بستر پر اس سے شدید محبت کرتا تھا۔۔ یہ کل سے ثابت ہو چکا تھا۔۔ وہ اسے لے کر کافی جذباتی اور شدت پسند ہے۔۔ مگر ابھی بھی وہ انسکیور سا فیل کرتی رہتی۔۔ اس نے زاران کو ہوٹل میں کہا بھی پلوشہ کو حویلی سے جانے کا کہے۔۔ قربت کے لمحات میں وہ اس کی یہ بات مان گیا تھا۔۔ مگر بعد میں وہ اسے اسی بات پر جھڑک گیا تھا۔ اس لیے وہ اس سے پھر سے یہ سوال کر بیٹھی

ابرش۔۔۔۔ مورے ہم سب کو لے کر بہت حساس ہیں۔۔ انھیں تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔ مگر ان کے نزدیک بہو جیسی مرضی ہو مگر بیوی اچھی ہونی چاہیے۔۔ جب مجھے وہ بے سکون دیکھتی تھیں۔۔ وہ پلوشہ سے میری دوسری شادی کرنے پر سوچنے کے لیے مجبور ہوئیں۔

لیکن اب وہ میرے چہرے پر سکون دیکھیں گی تو وہ پلوشہ سے میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں گی۔۔۔زاران نے ابرش کا ہاتھ نرمی سے تھامتے سہلایا۔۔

رات کے بعد تم مجھے کافی سکون پہنچا چکی ہو۔۔میرا چمکتا چہرہ مورے کو پل میں سب کچھ سمجھا دے گا۔۔وہ یقیناً اب میری دوسری شادی کی نہیں۔۔اپنے پوتے کی اس دنیا میں آنے کی خواہش کریں گی۔۔زاران نے مسکراتے ہوے ابرش کی ہاتھ کی پشت کو چوما تھا۔

لیکن زاران۔۔۔۔مم۔۔۔۔میں اتنی جلدی بچہ نہیں چاہتی۔۔ابرش زاران کی بات سنتے گھبرائی تھی۔۔اس نے سٹپٹاتے ہوے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوایا۔۔اس کے چہرے پر یکدم ہوائیاں اڑی تھیں۔

کیوں؟؟زاران نے ماتھے پر بل ڈالے ابرش کو دیکھا تھا۔۔اس کا فق چہرہ اسے غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔

مم مجھے ڈر لگتا ہے۔۔میں بچہ کیسے سنبھالوں گی۔۔۔

زاران مم میں بچہ نہیں چاہتی۔۔پلیز مجھ پر ابھی یہ ذمہ داری نہ ڈالیے گا۔ابرش زاران کی سخت نظروں سے خائف ہوتے بولی۔۔

جب بچہ آئے گا تو سنبھال بھی لو گی۔۔مورے کی جب شادی ہوئی تھی۔۔وہ تب اٹھارہ سال کی بھی نہیں تھی۔۔انہوں نے بھی تو سنبھالا تھا سب کچھ۔۔نہ صرف ہمیں ارحام فرشتے بھی چھوٹی تھی۔۔جب تائی جان کا انتقال ہوا۔۔اسے ارحام لالا سب کو دیکھا۔۔تم اکیس سال کی ہو اتنی بھی چھوٹی نہیں ہو جو یہ سب نہ سنبھال سکو۔۔زاران کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔

وہ اپنے اور ابرش کے رشتے کو لے کر بہت زیادہ سیریس تھا۔ ابرش سے شدید محبت کرتا تھا۔۔ وہ اپنے رشتے کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔۔ ابرش کا دماغ کب کیا کر جائے۔۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پاتا تھا۔

وہ اپنے دل کی بات جلدی شئیر نہیں کرتی تھی۔۔ یقیناً بچے کو لے کر بھی اس کے کچھ تحفظات تھے۔۔ مگر جو بھی تھے۔۔ ابرش کا دماغ اسے شروع سے ہی درست رکھنا تھا۔۔ وہ بہت زیادہ اسے ڈھیل بھی نہیں دے سکتا تھا۔۔ وہ مجبور ہوتا تھا اس پر سختی کرنے کو۔۔۔ جہاں پیار سے کام چلانا ہوتا تھا وہاں پیار سے۔۔۔ جہاں سختی کرنی ہوتی وہ سختی کرتا۔۔ اپنی بیوی کو وہ اس کی نیچر کے مطابق ڈیل کرتا تھا۔۔

زاران کے لہجے کی سختی محسوس کر کے ابرش کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔۔اس نے صرف گھبراہٹ میں بچے والی بات کہی تھی۔ مگر زاران کا سخت لہجہ اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ بلکہ یقین نہیں آرہا تھا۔۔ہوٹل میں اس نے کھانا تک اسے اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔۔یہاں تک کہ اس کے کپڑے تک اس نے خود چینج کیے تھے۔۔وہ دیوانوں والی حرکتیں کر رہا تھا۔۔اب آچانک سے اتنا سخت رویہ۔۔ابرش نے نم آنکھوں سے زاران کے تنے ہوے چہرے کو دیکھا۔۔۔

زاران جب حویلی پہنچا تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔

حویلی پہنچتے ہی ابرش اس کی طرف دیکھے بنا گاڑی سے اترتے اندر چلی گئی تھی۔۔زاران نے ابرش کی پشت کو گھور کر دیکھا تھا۔۔وہ تیزی سے اس کے پیچھے اندر داخل ہوا۔۔ابرش کا مزاج اچھی طرح جانتا تھا۔۔وہ غصے میں امینہ خانم کو سلام تک نہیں کرے گی۔۔نہ ہی عابیر کی سالگرہ میں شریک ہو گی۔۔وہ نہیں چاہتا تھا جب ان میں سب ٹھیک ہو گیا ہے تو کسی کو بھی بات کرنے کا موقع ملے۔۔

زاران نے اس کی طرف قدم بڑھاتے اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کیا۔۔وہ لوگ زنان خانے کے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑے تھے۔۔اس ٹائم زنان خانے میں کوئی نہیں تھا۔۔

ابھی اوپر نہیں جاؤ گی تم۔۔ ہم پہلے مورے کو سلام کریں گے۔۔ پھر عابیر کی سالگرہ سیلبریٹ کریں گے۔۔ پھر اکٹھے روم میں جائیں گے۔۔ زاران نے سختی سے کہا۔۔

مجھے چینج کرنا پھر آتی ہوں۔۔ ابرش نے اس کے سخت تاثرات دیکھتے خود کو اس کے گرفت سے چھڑوایا۔

مورے سے مل لو پھر چینج کر لینا۔۔ زاران اب کی بار نرمی سے بولا۔۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتی زاران کے ہمقدم ہوتی امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

زاران نے درخشاں کو عابیر کے کمرے سے بلانے کو کہا تھا۔۔ وہ لوگ اس ٹائم زنان خانے کے لاونج میں بیٹھے ہوے تھے۔۔۔۔ زاران نے کیمل کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس وائٹ مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔

اس وقت زنانے میں امینہ خانم پلوشہ روزینہ خانم موجود تھے۔۔۔

ابرش نیوی کلر کے بلو فراک میں ملبوس بڑی سی شال سر اور اپنے وجود پر اچھی طرح اوڑھے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔ وہ مسکراتے ہوے زاران کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔ امینہ خانم سے وہ پہلے ہی مل چکی تھی۔۔ مگر روزینہ خانم سے سلام کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔

ابرش پلوشہ کو دیکھتے زاران کے بے حد قریب بیٹھی۔۔زاران کی لیپ پر ہاتھ رکھتے وہ زاران کی طرف دیکھ کر لکشی سے مسکرائی تھی۔۔۔

زاران نامحسوس انداز ابرش سے تھوڑا دور ہوا اور اس کا ہاتھ اپنی لیپ سے اٹھایا تھا۔۔سامنے ہی امینہ خانم بیٹھی تھیں۔احترام لازم تھا۔۔ابرش نے جس طریقے سے اس کی لیپ پر ہاتھ رکھا تھا وہ نامناسب تھا۔۔فیملی میں یہ سب زیب بھی نہیں دیتا تھا۔۔مگر وہ جانتا تھا ابرش نے یہ حرکت پلوشہ کو دکھانے کے لیے کی تھی۔زاران کے ہاتھ ہٹانے پر ابرش نے خفگی بھری نظر زاران پر ڈالی تھی۔۔وہ یہاں آتے ساتھ ہی بدل گیا تھا۔۔

زاران اس کی خفگی بھری نظروں کی پرواہ کیے بغیر اس سے تھوڑا دور کھسکا۔۔ابرش زران کی حرکت پر اسے شاکی نظروں سے دیکھتی اس سے مزید دور ہوئی تھی۔۔۔

زاران شہرام کا پتہ کرو۔۔۔وہ اسلام آباد پہنچ گیا کہ ابھی نہیں۔۔امینہ خانم نے زاران سے کہا۔۔

مورے تھوڑی دیر پتہ کیا تھا وہ پہنچنے والا ہی ہو گا۔۔وہ پہنچ کر آپ کو کال کر دے گا۔ آپ کیوں فکر کر رہی ہیں۔زاران نے مودبانہ لہجے مین کہا۔

پریشان کیسے نہ ہوں۔۔۔کل سے تمھارا نمبر نہیں مل رہا تھا۔۔جانتا ہے ہم کتنا پریشان تھا۔۔ آج تمھیں دیکھ کر سکون ہوا ہے۔۔لیکن آج شہرام چلا گیا ہے۔۔ہمارا دل پھر سے پریشان ہو گیا ہے۔۔تم سے عابیر بھی بہت خفا ہے۔۔ صبح بہت رو رہا تھا کہ تم نے اس کی سالگرہ پر اسے مبارک باد تک نہیں دیا۔۔امینہ خانم کی بات پر زاران پریشان ہوا تھا۔وہ صوفے سے. اٹھتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

عابیر اسفندیار خان کی بانہوں میں گہری نیند سو رہی تھی۔۔ اسفند کے موبائل کی چنگھاڑتی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔

اسفند نے اپنی آنکھیں کھولتے اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے کان سے لگایا۔۔۔

ہیلو۔۔ اسفند نے دوسری طرف عینا کی آواز سنتے اپنا فون ایک کان سے دوسری طرف منتقل کیا۔۔

عابیر کی کمر پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔۔

کیا ہوا ہے خیریت ہے سب؟؟ اسفند نے عابیر کو ایک نظر دیکھتے قدرے آہستگی آواز میں کہا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا اسے پتہ چلے لائن پر عینا ہے۔۔ وہ اس کی طبیعت کے پیش نظر محتاط ہوا تھا۔۔

اسفند کی مدھم آواز سنتے عابیر اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے دیکھنے لگی۔۔

عابیر کو جاگتا دیکھ کر اسفند نرمی سے اسے پیچھے کرتے بیڈ سے اٹھتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

عابیر اسے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔ فون پر عینا ہے وہ سمجھ چکی تھی۔

آنکھوں سے آنسو پھسلتے رخساروں پر بہنے لگے۔۔ جنھیں وہ بے دردی سے صاف کرتے بیڈ سے اتری۔۔ اپنی چادر اچھی طرح اوڑھتے وہ کمرے سے نکلنے لگی۔۔ اسفندیار خان کی آواز پر رکی تھی۔۔

اسفند کے پکارنے پر عابیر نے مڑ کر اسے دیکھا جو نک سک سا تیار خوشبوؤں میں بسا جینز پر وائٹ شرٹ اور بلیک کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔

عابیر اسے دیکھ کر تلخی سے مسکرائی تھی۔۔ وہ سچ میں سفاک تھا۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ اسفند نے پاس آکر اس کے ماتھے کو دو انگلیوں سے چھوا۔۔

اتر چکا ہے بخار اور آپ کی ڈیوٹی بھی ختم ہو چکی ہے۔۔

عابیر طنزیہ مسکرائی تھی۔۔

کون سی ڈیوٹی؟؟ اسفند نے تیکھے انداز میں اسے ابرو اچکائے دیکھا۔۔

وہی جو ابھی نبھانے کا ناٹک کر رہے تھے۔ عابیر طنزیہ لہجے میں بولی۔۔ اسفند اسے بغور دیکھتے اس کے نزدیک ہوا۔

عابیر مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔۔ میں دو گھنٹوں تک آ جاؤں گا۔۔ آج تم ٹیرس پر کھڑی نہیں رہو گی۔۔

اگر تم غلطی سے بھی ٹیرس پر گئی تو وعدہ کرتا ہوں۔۔ تمھیں میں خود ساری رات ٹیرس پر کھڑا کروں گا۔۔ جب تک تم سردی سے جم کر مجسمہ نہ بن جاؤ۔۔ میں کمرے کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔۔ اس لیے خبردار خود کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچائی۔۔ تمھیں تکلیف پہنچانے کا اختیار بھی صرف میرے پاس ہے۔۔ اس لیے آئندہ تم میری آجازت کے بغیر ٹیرس پر بھی قدم نہیں رکھو گی۔۔

اسفند اس کے گال کو نرمی سے دو انگلیوں سے چھوتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

عابیر اس کی بات پر ششدر ہوئی تھی۔۔۔اسے کیسے پتہ کہ وہ کل ساری رات ٹیرس پر کھڑی رہی تھی۔۔

سیڑھیاں اترتے اسفند اور زاران کا آمنا سامنا ہوا تھا۔۔۔اسفند زاران کو اگنور کیے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔۔زاران نے اسفند کی پشت کو سرد نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔کلائی پر پہنی گھڑی پر نظریں دوڑائیں جہاں شام کے چھ بج رہے تھے۔وہ اس ٹائم کہاں گیا ہے؟؟زاران نے پریشانی سے اپنی گھنی بئیرڈ سہلائی تھی۔۔

وہ لب بھینچتے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

عابیر کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔۔

زاران کو دیکھتے وہ ٹھہری تھی۔۔ اسلام و علیکم لالا۔۔ عابیر نے زاران کو دیکھتے سلام کیا۔۔ وہ زاران کے گلے نہیں لگی تھی۔۔ یعنی پوری پوری ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔۔

و علیکم سلام کیسا ہے میرا بچہ ؟؟۔۔۔ زاران نے آگے بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے اپنے سینے سے لگایا

ٹھیک ہوں لالا۔۔ عابیر زاران کے حصار سے نکلتی سنجیدگی سے بولی اور سیڑھیاں اترتے لاونج کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

زاران گہرا سانس بھرتے سیڑھیاں اترتے اس کے پیچھے گیا تھا۔وہ سمجھ چکا تھا عابیر اس سے ناراض ہے۔۔

عابیر سب کو سلام کرتی صوفے پر جا بیٹھی۔۔

زاران مسکراتے ہوے عابیر کی طرف بڑھا جو بچوں کی طرح منہ پھلائے صوفے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔۔

زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کے قریب بیٹھتے ہوے اسے بازو سے کھینچتے اپنے سینے سے لگایا تھا۔۔

آئی ایم سوری عابیر۔۔۔میری جان میں تمھیں وش نہیں کر سکا۔۔زاران نے عابیر کو سینے سے لگاے کہا۔۔

وہ زاران کے سینے کے ساتھ لگی بے آواز آنسو بہانے لگی۔۔

عابیر۔۔۔اسفند نے اس کے آنسو محسوس کرتے اسے اپنے سینے سے علیحدہ کیا تھا۔۔

کیا ہوا ہے عابیر۔۔ تم رو کیوں رہی ہو؟؟ زاران پریشان ہوا تھا۔۔ وہ صبح سے رو رہی ہے یہ بات اسے امینہ خانم سے پتہ چلی تھی۔۔ عابیر چھوٹی چھوٹی بات پر رونے والی لڑکی نہیں تھی۔۔۔ مگر اب بات بات پر اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ وہ اسفندیار خان سے شدید محبت کرتی ہے۔۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ اسے پورا یقین تھا عابیر کے آنسوؤں کی وجہ اسفندیار خان ہی ہے۔

لالا آپ مجھے بھول گئے ہیں۔۔۔ آپ نے پہلی مرتبہ مجھے وش کرنے میں دیر کی۔۔ آپ کی محبت کم ہو گئی ہے میرے لیے۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔۔ عابیر میری جان میرا موبائل گم ہو گیا تھا اسی لیے رابطہ نہیں کر سکا۔ لیکن دیکھو میں آگیا تو ہوں۔۔ زاران نے نرمی سے وضاحت دی۔

شہرام لالا نے بھی مجھے وش نہیں کیا۔۔ وہ تو یہیں تھے۔۔ مگر وہ بھی نہیں آئے۔۔ عابیر نے ایک اور شکوہ کیا۔۔

عابیر شہرام آیا تھا کتنا دیر یہاں بیٹھا تمھارا انتظار کرتا رہا ہے۔۔ تمھارا موبائل پر فون بھی اس نے کیا۔۔ مگر تمھرا نمبر بند تھا۔۔

امینہ خانم کی بات پر عابیر کے آنسو رکے تھے۔۔

چلو اٹھو میں تمھیں باہر لے کر چلتا ہوں۔۔ میں نے تمھارے لیے ہوٹل میں ریزرویشن کروایا ہے۔۔ چلو ہم باہر چلتے ہیں۔ وہیں پر تمھارا برتھڈے سلبریٹ کریں گے۔۔ زاران نے عابیر کا ہاتھ تھامتے اسے نرمی سے پکڑے صوفے سے اٹھایا تھا۔۔

خلاف توقع وہ اٹھ گئی تھی۔۔ شائد اسفند کی بیوفائی کا غم غلط کرنا چاہتی تھی۔

زاران نے ایک قریبی ہوٹل میں عابیر کے لیے ہوٹل کا ایک مخصوص ہال بک کروایا تھا۔۔ جہاں پردے کا پورا انتظام تھا۔۔ وہ اسے ایک دوبار اسلام آباد لے کر گیا تھا۔۔ جب وہ میٹرک میں تھی۔۔ پھر وہ امریکہ چلا گیا۔۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا عابیر کہیں باہر نہیں گئی تھی۔۔ اسفند بھی اسے کہیں باہر نہیں لے کر گیا تھا۔۔ یہ سوچ کر زاران نے یہ پروگرام بنایا تھا۔۔ باہر گارڈز کی گاڑیاں بھی اس نے ارینج کر لی تھیں۔۔ وہ مزید کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

ابرش چلو تم بھی تیار ہو جاؤ۔۔ زاران نے ابرش کو دیکھتے کہا جو سب سے لا تعلق بیٹھی تھی۔۔

زاران کے کہنے پر ابرش اثبات میں سر ہلاتے اٹھی تھی۔۔

زاران تم پلوشہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔۔۔ وہ کیا کرے گا ادھر اکیلا۔۔۔

امینہ خانم کی بات پر ابرش کے قدم رکے تھے۔

جی مورے۔۔۔پلوشہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔۔زاران نے مودبانہ انداز میں کہا۔۔

ابرش کی شاکی نظریں وہ نظر انداز کر گیا تھا۔۔وہ امینہ خانم کی بات کسی صورت نہیں ٹال سکتا تھا۔۔پلوشہ اس کی زندگی میں کہیں بھی ایکزیسٹ نہیں کرتی تھی۔۔یہ بات ابرش کو سمجھنی تھی۔۔

زاران میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے آپ لوگ چلیں جائیں۔ویسے بھی اگلی سیٹ پر بیٹھنے کے لیے پلوشہ ہے آپ کے ساتھ۔۔راستہ چسین کٹے گا آپ کا۔۔

ابرش کہتے رکی نہیں تھی۔ تیز تیز سیڑھیاں چلتے اوپر چلی گئی تھی۔

یہ لڑکی تو گل سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔۔ جس طرح ارحام نے گل کو سر پر چڑھا رکھا تھا۔۔ اس طرح ابرش بھی سر چڑھ گیا ہے۔۔ اس کو سر سے جتنا جلدی اتار لو تو اچھا ہے ورنہ ارحام کی طرح سر پکڑ کر روؤ گے۔۔ اور عابیر تم بھی سوچ سمجھ کر حویلی سے باہر نکلنا۔۔ تم اچھی طرح جانتا ہے اسفند کو اسے تمھارا باہر جانا پسند نہیں ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر جانا۔

روزینہ خانم جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی تلخی سے بولیں۔۔ کڑوے انداز میں بولتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔ زاران نے بمشکل ہی روزینہ خانم کا طنز برداشت کیا تھا۔۔ ابرش کی بات پر امینہ خانم کے چہرے پر بھی ناگواری کی لہر دوڑی تھی۔۔ ابرش کا انداز کافی جارحانہ تھا جو لاونج

موجود تقریباً سب نے ہی محسوس کیا تھا۔ زاران کا سرخ چہرہ بھی بتا رہا تھا اسے ابرش کا یوں سب کے سامنے اس طرح بات کرنا پسند نہیں آیا تھا۔

لالا میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔۔۔ عابیر اپنا فیصلہ سناتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ابرش دو منٹ میں تیار ہو کر نیچے پہنچو۔۔ دو منٹ کا مطلب دو منٹ۔۔ نو مور ایکسکیوزز۔۔۔۔۔۔

زاران کی سرد آواز پر وہ آخری سیڑھی پر ٹھہری تھی۔۔

پھر جلدی سے وہ اپنی روم کی طرف بڑھ گئی۔۔ زاران تم لوگ چلے جاؤ پلوشہ کو رہنے دو۔۔ وہ میرے پاس رک جائے گا۔۔ ہم نے تو ایسے ہی کہہ دیا

تھا۔۔ امینہ خانم نے زاران کو شرمندگی سے وضاحت دی۔۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ابرش اور زاران کے بیچ کچھ غلط ان کی وجہ سے ہو۔۔

امینہ خانم کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر زاران کا غصہ ابرش پر بڑھا تھا۔۔

مورے آپ نے بلکل ٹھیک کہا تھا۔۔ پلوشہ ساتھ جائے گی۔۔ جاؤ پلوشہ تیار ہو جاؤ۔۔ زاران نے پلوشہ کو ایک نظر دیکھتے کہا۔۔ وہ خوشی سے مسکراتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔

زاران تمھارا بیوی کو پلوشہ پسند نہیں ہے۔۔ ہم جانتا ہے۔۔ مگر ہم مجبور ہے۔ ہم تمھارا ماموں سے اس کا ذمہ داری لے چکا ہے۔۔ پلوشہ نے عابیر کے کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔۔ اب تم ہی کو بتاؤ ہم کیسے پلوشہ کو ادھر سے جانے کا کہے۔۔ تمھارا ممانی ہر بات پر مجھ سے پلوشہ اور تمھارا شادی کی بات کرتا ہے۔۔ وہ یہی کہتا ہے کہ پلوشہ کے لیے خاندان میں کوئی رشتہ نہیں

ہے۔ ہم نے شروع سے پلوشہ کا شادی زاران سے سوچا تھا۔۔ ہم بہت شرمندہ ہوتا اپنا لالا اور بھابھی کے سامنے۔۔۔ امینہ خانم کی بات پر وہ گہرا سانس بھرتا ان کے قریب ہوا۔۔

مورے پلوشہ کے لیے میں برداری میں خود اچھا سا رشتہ تلاش کروں گا۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو کوئی ضرروت نہیں ہے پلوشہ کو یہاں سے جانے کے لیے بولنے کی۔۔ ابرش کو میں سنبھال لوں گا۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔ زاران نے امینہ خانم کو سینے سے لگائے تسلی دی۔۔

زاران کی آنکھ بے تحاشا سردی کی شدت سے کھلی تھی۔۔ اسے شدید ٹھنڈک سی اپنی ہڈیوں میں اترتے محسوس ہوئی.. اس نے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔ جہاں برف کی چادر سی بچھی تھی۔۔

ہلکی ہلکی برف باری ابھی بھی ہو رہی تھی۔

جس کے باعث آگ بجھ چکی تھی۔۔زاران نے ابرش کو دیکھا جو درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں سے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔اس کی حالت دیکھتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔۔ابرش تم ٹھیک ہو۔۔ آنکھیں کھولو زاران نے اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کا گال تھپتپاتے ہوے پریشانی سے کہا۔۔۔

ابرش نے آنکھیں کھولتے زاران کو دیکھا۔اسے اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے مزید قریب ہوتے اس کے فولادی سینے میں سما گئی۔۔

وہ اس کے سینے میں بری طرح سماتے گرمائش لینے کی کوشش کر رہی تھی۔۔زاران نے اس کے گرد اپنی بانہیں سختی سے حمائل کرتے اسے مزید خود میں سمایا۔۔

سردی کی شدت تو اب زاران پر بھی اثر کرنے لگی تھی۔۔وہ اس قہر برساتی جان لیوہ سردی میں بنا کسی گرم کپڑے کے تھا۔۔ایک شرٹ اور جینز پہنے ہوے تھا جو برف باری کی وجہ سے اور سردی کی وجہ سے نم سی ہو چکی تھی۔

ابرش ہمیں آس پاس کسی ہوٹل کو تلاش کرنا پڑے گا۔۔اب مزید ہم لوگ یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔۔ صبح ہونے سے پہلے ہمیں کسی ہوٹل میں سٹے کرنا پڑے گا۔۔زاران نے اسے خود سے نرمی سے الگ کیا۔۔

ابرش بغیر کسی چادر کے تھی۔۔وہ نہیں چاہتا تھا صبح کی روشنی میں اس پر کسی کی بھی نظر پڑے۔۔زاران نے پاس پڑی ہوئی ابرش کی فراک اٹھائی جو ابھی بھی گیلی اور سرد معلوم ہوتی تھی۔وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔

ابرش کو یہ ہر حال میں یہ پہننی ہی تھی۔۔اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔۔وہ اسے بے پردہ کسی صورت باہر نہیں لے جا سکتا تھا۔۔ابرش کی حالت دیکھتے ایک بار غصہ پھر سے عود کر آیا تھا۔جی تو کیا تھا اس نقاہت زدہ کپکپاتے وجود کی جان اپنے ہاتھوں سے لے کر ایک بار میں ہی اس کا کام تمام کر دے۔۔اس کا بے پردہ وجود دیکھتے

زاران کی آنکھوں میں یکدم سرخی کی گہری رمک چھائی تھی۔۔آج اس حال تک اسے اور خود کو پہنچانے والی ابرش خود ہی تھی۔۔ہوٹل کے گرم اور پرا

آسائش کمرے کو چھوڑ کر اس جنگل اور قہر برساتی سردی میں رات گزارنا پڑی۔۔

زاران نے ہاتھ بڑھا کر اس کی جیکٹ کی زپ کھولنا چاہی تو ابرش نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ اس گرم جیکٹ کو اتار کر اس ٹھنڈے فراک کو زیب تن نہیں سکتی تھی۔

زاران میں یہ فراک نہیں پہنوں گی۔۔ یہ بہت سرد ہے۔ ابھی بھی گیلی ہے۔۔۔ ابرش فراک کو پکڑتے جھنجھلا کر رہ گئی۔ سامنے بیٹھا یہ سفاک انسان تو آج اس کی جان لینے کے درپہ تھا۔۔ یقیناً اس کے کیے کی سزا وہ اسے ایسے دینا چاہتا تھا۔۔ ابرش نے بری طرح ٹھٹھرتے نم نگاہوں سے زاران خانزادہ کو دیکھا۔

وہ اس کی جیکٹ اتار چکا تھا۔۔ وہ اس کے سامنے کس حلیے میں تھی۔۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی۔۔ سردی کی شدت سے وہ مرنے والی ہو رہی تھی۔۔ اور وہ اسے یہ گیلی فراک پہنانا چاہتا تھا۔۔ رات اسے اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔۔ مگر اب زاران کا ایکٹ ظالمانہ لگا۔ اسے اپنی غیرت سے آگے کیا اس کی جان کی بھی پراوہ نہیں تھی۔۔ وہ اپنے برہنہ وجود پر بازو لپیٹے اسے دیکھتے سسک کر رہ گئی تھی۔

۔۔ زاران اس کے دیکھنے پر نظریں چرا گیا تھا۔۔ یقیناً وہ اس برف سے بھی ٹھنڈی فراک کو پہننے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔۔ ابرش اب درخت کے تنے سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔۔ بے بسی لاچاری بھوک اور شدید سردی نے اسے بہت مضمحل کر دیا تھا۔ وہ آنکھیں موندے آنسو بہانے

لگی۔۔زاران نے اس کے آنسوؤں کو نظر انداز کرتے اس کے بازو اس کے سینے سے ہٹائے تھے. زاران نے فراک نرمی سے اسے پہنائی تھی۔۔

فراک جسم کو چھونے کی دیر تھی۔۔ابرش کا پورا وجود جیسے نیلا پڑا تھا۔۔زاران اسے فوراً اسے اپنے وجود کا حصہ بنا گیا۔۔۔وہ کافی دیر تک اسے خود سے لپٹائے گرمائش پہنچاتا رہا۔۔ مگر فراک پہننے کے بعد ابرش کی حالت مزید خراب ہو گئی تھی۔۔

زاران نے جلدی سے اسے اپنی جیکٹ پہنائی اور اسے گود میں اٹھائے جلدی سے آگے بڑھا۔۔

صبح کی پو پھوٹ رہی تھی۔۔ راستے کافی حد تک واضح اور صاف تھے۔ یہاں پاس ہی ایک ہوٹل تھا جو پیدل کم سے کم آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا۔۔ زاران ابرش کو گود میں اٹھائے سی ہوٹل کی طرف بڑھا۔۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔ ساتھ ہی بری طرح کھانس بھی رہی تھی۔ شدید سردی اور ہلکی ہلکی برف باری سے اب اس کا وجود بھی سرد پڑ رہا تھا۔۔ کندھے میں اٹھتی تکلیف بھی شدید تھی۔۔ ابرش کو اٹھائے چلنا بہت مشکل تھا۔۔ مگر وہ ابرش کو نیچے نہیں اتار سکتا تھا۔۔ اس کے پاس پہننے کے لیے جوتا بھی نہیں تھا۔۔

نہ ہی اس کی حالت ایسی تھی وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چل سکتی۔۔ زاران اسے اٹھائے تیز تیز قدموں سے ہوٹل کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔ اوپر نیچی سڑکوں سے ہوتے وہ بلا آخر ہوٹل پہنچ ہی گیا تھا۔۔ ہوٹل والے زاران

خانزادہ کو جانتے تھے۔۔ اکثر بزنس ڈیلی گیشن کو وہ یہیں ٹھہراتا تھا۔۔ اس وقت ہوٹل کی لابی میں کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔۔ زاران نے ابرش کو اپنی گود سے نیچے اتار کر صوفے پر بٹھایا۔۔ اس کے کھلے بالوں اور کھلے چہرے کو دیکھ کر زاران نے اپنے لب بھینچے تھے۔۔ ابرش اس کی سرد سرخ نگاہوں کا مفہوم سمجھتے اپنی نظریں جھکائیں تھیں۔ اتنی بری حالت میں بھی اسے زاران خانزادہ سے خوف سا محسوس ہوا۔

زاران ریسیپشن سے چابی لیے اس کی طرف بڑھا۔۔ ابرش اسے دیکھتے صوفے سے اٹھتی۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے سے وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ زاران نے اسے اپنے وجود میں سماتے گود میں اٹھایا۔۔ اور اسے یونہی اٹھائے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

کمرے کا لاک کھولتے وہ اندر داخل ہوا۔۔ ابرش کو اب بری طرح کھانس بھی رہی تھی۔ ابرش کو بیڈ کے وسط میں لٹا کر کمرے میں لگا الیکٹرک ہیٹر آن کیا۔۔ کمرہ پہلے ہی کافی گرم تھا۔۔ ہیٹر لگنے سے وہ مزید گرم ہو گیا تھا۔۔

زاران نے واش روم کی طرف بڑھا تھا۔۔ واش روم کی کبرڈ میں لٹکا ہوا باتھ گاؤن اتارا تھا۔۔ ابرش کے بدن سے گیلی فراک اتارنی ہی تھی۔۔ ابرش کے پہننے کے لیے کوئی کپڑے نہیں تھے۔

ہوٹل والوں کی طرف سے واش روم میں دو باتھ روب گاؤن موجود تھے۔۔

زاران باتھ روب گاؤن لیے ابرش کی طرف بڑھتے اس کے سامنے بیٹھا۔

مم میں پہن لوں گی زاران۔۔۔ ابرش نے بری طرح کھانستے ہوے زاران سے وہ باتھ روب گاؤن لینا چاہا۔۔

حالت دیکھو اپنی سانس ٹھیک طرح سے لے نہیں پا رہی۔۔ تم خود کیسے پہنو گی۔۔ اور فکر نہ کرو تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔۔ تم نے ہمارے ریلیشن میں کچھ بھی ایسا نہیں چھوڑا کہ مجھے اب تمھارے قریب آنے کی ذرا برابر بھی چاہ ہو۔۔ زاران نے سرد انداز میں کہتے اس کے بدن سے اپنی جیکٹ ایک ہی جھٹکے سے ریموو کی۔۔ ابرش اس کا سرد لمس محسوس کرتے اپنی آنکھیں موند گئی۔۔

زاران نے ابرش کے وجود سے تمام کپڑے علیحدہ کرتے اسے باتھ روب گاؤن پہنایا اور اس پر اچھی طرح کمبل اوڑھایا تھا۔۔ ابرش کمبل خود پر اچھی

طرح لپیٹے بیڈ پر نیم دراز ہوتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔ مگر وہ کمبل لیے بھی ٹھٹھر رہی تھی۔۔

زاران ابرش کے کپکپاتے وجود کو ایک نظر دیکھتے واش روم کی طرف بڑھا۔۔ واش میں رکھے ٹاول کو نیم گرم پانی سے بھگو کر اپنا زخمی کندھا اچھی طرح صاف کیا تھا۔۔

وہ الماری میں لٹکا دوسرا باتھ روب گاؤن پہنے وہ باہر آیا۔۔

بیڈ پر لیٹے ابرش کی طرف نگاہ کی جو بہت بری طرح کھانس رہی تھی۔۔ اسے سانس بہت مشکل سے آ رہا تھا۔

۔زاران نے بیڈ کی طرف بڑھتے ابرش کو کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا جس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔اس کا بدن ابھی بھی ٹھنڈا تھا اور شدید کھانسی اس کے نقاہت بھرے وجود کو بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی۔۔

زاران مم مجھے کوئی میڈیسن چاہیے۔۔۔مجھے اس ٹائم ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔۔

مجھے ابھی بھی سردی لگ رہی ہے۔۔یہ سردی مجھے مار دے گی۔۔ابرش نے کھانستے ہوے بمشکل کہا۔۔

ابھی میں تمھیں کہاں لے کر جاؤں۔۔نہ تمھارے پاس پہننے کو کپڑے ہیں۔نہ میرے پاس کنوینس۔۔باہر برف باری کی وجہ سے سڑکیں اب جام ہو رہی ہیں۔۔

زاران نے نرمی سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔۔ جس کی ٹھنڈک اسے اپنے پورے وجود میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔ زاران نے لب بھینچتے ابرش کو دیکھا جو نیم غنودگی میں جا رہی تھی۔۔ اس کا بدن آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑتے نیم جاں ہو رہا تھا۔۔ زاران نے ابرش کے چہرے کی طرف جھکتے اس کے نیلے لبوں کو اپنے لبوں کی گرفت میں لیے اس پر گھٹا بن کر چھایا۔ اس کی سانسوں کو انہیل کرتے اس کے سلکی بالوں میں اپنی انگلیاں نرمی سے چلانے لگا۔۔ زاران کے بدن کی گرمائش سے اس کے وجود کو گرمی سے ملتے راحت ملی تھی۔۔ وہ بھی نرمی سے زاران کے گلے میں اپنے بازو حمائل کر گئی۔۔ زاران کافی دیر تک اس کے لبوں کو شدت سے چومتے اس کی سانسوں میں اپنی سانسیں مہکاتا رہا۔۔ زاران کا ایک ہاتھ بہت نرمی سے اس کے پورے وجود پر سرایت کر رہا تھا۔۔ یکدم ابرش کو کھانسی کا غوطہ لگا

تھا۔۔زاران فورًا اسے اس سے دور ہوا۔۔وہ بری طرح کھانستے بیڈ سے اٹھتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔۔

زاران نے ابرش کو بغور دیکھا جو بری طرح کھانستے کانپ رہی تھی۔

زاران اس کے پاس ایک ہی حل تھا۔۔

جس طرح اس کا بدن سرد پڑ رہا تھا۔۔شدید قسم کی کھانسی نے اس کی حالت خراب کر رکھی تھی۔کچھ بعید نہ تھا وہ نیم بیوشی کی حالت میں چلی جاتی۔۔۔

زاران نے سائیڈ ٹیبل سے لینڈ لائن فون اٹھائے ہوٹل سروس والوں سے کافی اور ایک مخصوص الکوحل ڈرنک منگوائی تھی۔۔

ابرش کو گرمی پہنچانے اور اس کی کھانسی ختم کرنے کا ایک واحد راستہ اسے یہی نظر آیا تھا۔

بہارے جنرل وارڈ سے ہاسپٹل سٹاف روم میں آئی جہاں باقی سٹاف ممبر بیٹھے ہوے تھے۔۔ لنچ بریک تھا تقریباً تبھی ڈاکٹرز ادھر موجود تھے۔ ایک دو ڈاکٹر راونڈ پر تھے۔۔ بہارے نے صوفے پر براجمان ہوتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں تھیں۔۔ ڈاکٹر بہارے اگر آپ کو کافی چاہیے تو آپ کے لیے منگواؤں۔ ڈاکٹر فرقان نے بہارے کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھتے کہا۔۔

ڈاکٹر فرقان اگر مجھے کافی چاہیے ہوئی تو میں خود بھی کہہ سکتی ہوں آئی تھنک۔۔۔ بہارے نے آنکھیں کھولتے صوفے پر سیدھے ہوتے خشک لہجے میں جواب دیا۔ چہرے پر ناگواری کا بھی عنصر تھا۔۔

بہارے کے جواب پر ڈاکٹر فرقان کا چہرہ پل میں ماند پڑا تھا۔۔۔ مگر باقی سٹاف ممبر کے چہروں پر دبی دبی دمسکراہٹ دوڑی تھی۔ بہارے کو لے کر ڈاکٹر فرقان کی پسندیدگی تقریباً تمام سٹاف جانتا تھا۔۔ بہارے کا ڈاکٹر فرقان کے ساتھ پہلے دن سے رویہ کافی سرد و ٹپاٹ تھا۔ نہ صرف ڈاکٹر فرقان بلکہ ہاسپٹل کے ہر میل ڈاکٹر سے وہ بہت فاصلے پر رہتی تھی۔۔ کام کے علاوہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ دفعتاً سٹاف روم میں شہرام کی بھاری آواز گونجی تھی۔ وہ دروازے کے بیچ وی بیچ اپنی سحر انگیز پرسنیلٹی لیے کھڑا تھا۔ شہرام اس

وقت گرے جینز پر بلیک شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ جس پر بلیک لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔۔۔اس کی سرخ و سفید رنگت بلیک کلر میں مزید نمایاں ہو رہی تھی۔۔ چہرے پر سنجیدگی اسے مزید بارعب بنا رہی تھی۔۔ گھنی تراشیدہ مونچھوں تلے عنابی لب بھینچے ہوے۔۔

سب ہی شہرام خانزادہ کی پرسنیلٹی سے کافی مرعوب نظر آرہے تھے۔

وعلیکم اسلام۔۔۔۔ڈاکٹر فرقان اور ڈاکٹر عماد نے آگے ہوتے شہرام سے مصافحہ کیا۔۔۔

ڈاکٹر عنیزہ ڈاکٹر ماہم نے کھڑے ہوتے مسکراتے ہوے سلام کیا تھا۔۔

بہارے اس دوران صوفے پر ویسے ہی بیٹھی رہی تھی۔۔ بلکہ شہرام کو ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔۔ وہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی جیسے وہ وہاں پر ہے ہی

نہیں۔۔ بہارے کا ایٹیٹوڈ دیکھتے سب ڈاکٹرز نے حیرانگی سے ڈاکٹر بہارے کو دیکھا تھا۔۔ ہاسپٹل شہرام خانزادہ کا تھا۔۔ وہ اس ہاسپٹل کا اونر تھا۔۔ بلکہ پورے ہاسپٹل کی مینجمنٹ بھی وہ اکیلے پہچانتا تھا۔ اس ہاسپٹل میں سینیر ڈاکٹر سے لے کر جونیر ڈاکٹر شہرام خانزادہ کی بہت عزت کرتا تھا۔۔ ایسے میں بہارے کا ایٹیٹوڈ بہت حیران کن تھا۔

کیسا چل رہا ہے سب کوئی پرابلم تو نہیں۔۔ شہرام نے سب کو دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

بلکل نہیں سر کوئی پرابلم نہیں ہے۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔ ڈاکٹر فرقان نے مسکراتے ہوے کہا۔

گڈ یہ تو اچھی بات ہے۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔ لیکن آپ سب یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟؟۔ اس وقت صرف ایک ہی ڈاکٹر راونڈ پر ہیں۔ آپ سب یہاں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ شہرام نے سب کو گھورتے ہوے کہا۔

لیکن سر یہ لنچ بریک تھا تو اسی لیے۔۔۔ ڈاکٹر فرقان شہرام کی بات پر جلدی سے بولا۔۔

ڈاکٹر فرقان یہ ہاسپٹل ہے۔۔ کوئی آفس نہیں جہاں لنچ بریک ہونے کا مطلب ہو تمام سٹاف ہی لنچ کرنے جائے گا۔۔

لنچ کرنے سے بھی زیادہ ضروری یہاں کے مریضوں کو دیکھنا ہے۔۔ اگر اس وقت ایمرجنسی میں کوئی کیس آجاتا ہے تو ایک منٹ کی تاخیر مطلب کسی بھی مریض کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔ ایک ڈاکٹر کے لیے اپنے

مریض سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔۔۔شہرام ڈاکٹر فرقان کی وضاحت پر بھڑک اٹھا تھا۔۔

سوری سر۔۔۔ڈاکٹر فرقان نے شرمندگی سے معذرت کی۔۔

آئیندہ مجھے سٹاف روم میں ایک دو ڈاکٹرز کے علاوہ کوئی ڈاکٹر نظر نہ آئے۔۔۔جنرل وارڈ ایمجنسی وارڈ ہمہ وقت مجھے دو سے تین ڈاکٹر چاہیے۔۔۔اذاٹ کلیر۔۔۔شہرام سب کو دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

جی سر۔۔۔۔سب نے اثبات میں سر ہلاتے آہستگی سے کہا۔۔

بہارے اس دوران اپنا موبائل ہاتھوں میں لیے اس میں مصروف تھی۔۔شہرام نے مکمل طور پر بہارے کے وجود کو نظر انداز کر رکھا تھا جیسے وہ وہاں پر ہے ہی نہیں۔۔

آج پندرہ دن سے زائد دن ہو چکے تھے۔۔اس نے ان پندرہ دنوں سے اس پر ایک معمولی نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔۔کل رات وہ حویلی گیا تھا۔۔مگر اسفندیار خان سے ناچاکی کے بعد وہ حویلی سے واپس آ گیا تھا۔۔

بہارے کا وجود جیسے اس کے لیے نہ ہونے کے برابر تھا۔۔اور بہارے کو بھی اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔۔

اس ہاسپٹل کے لیے سینیر فی میل ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔دو گائنی سرجن اپائینٹ کی ہیں میں نے۔۔ڈاکٹر فروہ اور ڈاکٹر شرمین آج سے ہی وہ اپنی ڈیوٹی سنبھال رہی ہیں۔۔۔

آج سے اس ہاسپٹل میں سیزیرین کیسز بھی ہوں گے۔۔اب تمام آنے والی پیشنٹ کا ڈلیوری کارڈ بنایا جائے گا۔۔ان کے ہسبنڈز کو آپ قائل کریں گی۔۔ڈاکٹر ماہم۔۔کہ یہاں اب فی میل ڈاکٹر سرجن ہیں۔۔کوئی بھی پیشنٹ واپس نہ جائے۔۔میں نہیں چاہتا یہاں کی عورتوں کو دور دراز کے ہاسپٹل جانا پڑے۔۔۔ایسے میں ان کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔۔شہرام کی بات پر سب ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

سر یہ تو اچھی بات ہے۔۔فی میل سرجن کا انتظام ہو گیا ہے۔۔ورنہ یہاں کے علاقے کے مرد کسی میل ڈاکٹر سے اپنی وائف کا اپریشن کروانے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔۔پرسوں اسی بحث میں ایک عورت کی جان بمشکل بچی تھی۔۔بڑی مشکل سے انھین رضامند کیا تھا.۔۔تب جا کر وہ ڈاکٹر قیصر سے اپریشن کروانے کے لیے تیار ہوے تھے۔۔ڈاکٹر ماہم نے کہا۔۔جی

معلوم ہے مجھے۔۔۔اسی لیے میں نے بیسٹ سرجن آپائینٹ کی ہیں۔۔اور ڈاکٹر ماہم آپ ڈاکٹر فروہ کو اسسٹ کریں گے۔۔شہرام نے ڈاکٹر ماہم سے سنجیدگی سے کہا۔۔

جی سر۔۔۔۔ڈاکٹر ماہم نے مودب لہجے میں کہا۔۔

اسی اثناء میں سٹاف روم کا دروازہ ناک ہوا تھا۔۔

یس شہرام نے اسے اندر آنے کو کہا۔۔

ڈاکٹر حفضہ کے ساتھ ایک کیوٹ سی سنہری بالوں والی نازک سی خوبصورت لڑکی اندر داخل ہوئی تھی۔۔جو بلیک جینز پر بلیک شارٹ سٹائلش شرٹ پہنے ہوے تھی۔جس پر بلیک شال ایک کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر آئزل آپ نے مجھے آنے سے پہلے انفارم کیوں نہیں کیا۔۔ میں آپ کو ہاسپٹل کے گیٹ پر رسیو کرتا۔۔ شہرام اسے دیکھتے خوشگواری سے اس کی طرف بڑھا۔۔

ہیلو۔۔ شہرام ہاؤ آر یو؟ آئزل نے اپنا مومی ہاتھ شہرام کی طرف بڑھایا۔۔ سب ڈاکٹرز نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔

فائن۔۔ ڈاکٹر آئزل۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے ہاتھ ملایا تو ڈاکٹر فرقان کو یکدم کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔۔۔ وہاں کھڑے سب ہی ڈاکٹرز نے ڈاکٹر فرقان کو گھورا تھا۔۔ جس میں سخت قسم کی گھوری شہرام خانزادہ کی تھی۔۔

سوری سر۔۔۔ ڈاکٹر فرقان نے شرمندگی سے کہا۔۔

انسان کو ایسی حرکتیں ہی نہیں کرنی چاہیے کہ اسے بار باذ معذرت کرنی چاہیے۔۔۔ شہرام خانزادہ نے اسے سرد نظروں سے گھورتے دانت پیسے تھے۔۔

فرقان کو ڈانٹ پڑنے پر سب کے لبوں پر مدھم سا تبسم بکھرا تھا۔۔ وہ دن میں دس مرتبہ شہرام سے ڈانٹ کھاتا تھا اور بیس مرتبہ سوری بولتا تھا۔۔ سب کو عادت تھی اس کے منہ سے بارہاں سوری سننے کی۔۔

یہ ڈاکٹر عائرل ہیں جو آج ہی جرمنی سے آئی ہیں۔ وہاں کے ایک بہت بڑے ہاسپٹل میں سینیر ڈاکٹر۔ تھیں۔ آج سے ایمرجنسی میں سیریس کنڈیشن پیشنٹس کو یہی دیکھیں گی۔۔ شہرام نے آئزل سب سے تعارف کروایا تھا۔

۔

ڈاکٹر یہ ڈاکٹر عنیزہ ہیں یہان کی بہت ہی قابل ڈاکٹر۔۔ شہرام نے تعارف کروایا تو آئزل نے مسکراتے ہوے ڈاکٹر عنیزہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈاکٹر عنیزہ نے بھی جوابًا مسکراتے ہوے ہاتھ ملایا۔۔

یہ ڈاکٹر ماہم جو ایک گائنی ڈاکٹر ہیں۔۔ شہرام نے ماہم کا تعارف کروایا تھا۔۔ آئزل سب سے بہت مسکراتے ہوے ہاتھ ملا رہی تھی۔

اس نے ڈاکٹر فرقان اور ڈاکٹر عماد سے ہاتھ ملایا تو ڈاکٹر فرقان نے شرمندگی سے سب کو دیکھا تھا۔۔ ڈاکٹر آئزل تقریباً سب سے ایک جیسی ہی تھیں۔۔

ڈاکٹر فرقان کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر سب ڈاکٹر کے چہروں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

بہارے مزید اپنی بے نیازی قائم نہیں رکھ سکی تھی۔۔ شہرام نے اس کب تعارف نہیں کروایا تھا۔۔ نتیجتاً بہارے خود ہی صوفے سے اٹھتی کھڑی ہوئی تھی۔۔

بہارے نے صوفے سے اٹھتے آئرہ سے ہاتھ ملایا۔۔

اسلام و علیکم میں ڈاکٹر بہارے خان ہوں۔۔ بہارے نے اپنا تعارف کروایا۔۔

نائس ٹو میٹ یو۔۔ ڈاکٹر بہارے خان۔۔ مجھے اچھا لگا تم سب سے میٹ کر کے۔۔۔ وہ بولتے ہوے اٹکی تھی۔۔ مل کر۔۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اس کا جملے کی توصیح کی۔۔

شہرام مجھے اردو سیکھنے کے لیے بھی تمھاری ہیلپ کی۔۔۔۔۔۔ نیڈ ہے۔۔ آئی مین ض۔۔ ضرورت ہے۔۔ آئزل نے رک رک کر اپنا جملہ مکمل کیا تو سب آئزل کی معصوم ادا پر مسکرا گئے تھے۔

آپ بہت اچھی اردہ بولتی ہیں۔ آپ کو کسی سے بھی اردو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ شہرام نے جواباً مسکراتے ہوے کہا۔۔

بٹ یہ اردو تم نے مجھے سکھائی ہے۔۔ڈاکٹر فرقان کی شرارت کی رگ ایک بار پھر سے پھڑکی تھی۔ وہ اب اپنے گوز کو زمین پر کھرچتا اپنا سر ایک انگلی سے کھجا رہا تھا۔۔ اس کے گلے میں ہلکی سی خراش بھی ہونا شروع ہو گیی تھی۔

اس سے پہلے ڈاکٹر فرقان کو ایک بار پھر سے کھانسی کا دورہ پڑتا۔۔ڈاکٹر عماد نے ڈاکٹر فرقان کو گھور کر دیکھا تھا۔وہ سب سے ایکسکیوز کرتا سٹاف روم سے باہر کی جانب بڑھا۔۔ڈاکٹر فرقان کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔۔ڈاکٹر فرقان بھی ایکسکیوز کرتا چلا گیا تھا۔۔

ڈاکٹر عنیزہ آپ ڈاکٹر آئزل کو اسسٹ کریں گی۔۔۔شہرام نے ڈاکٹر عنیزہ کو حکم دیا تو ڈاکٹر عنیزہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلیں ڈاکٹر آئزل میں آپ کو ہاسپٹل دکھاتا ہوں۔شہرام آئزل سے کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

شہرام مجھ پر یہ ڈریس کیسا لگ رہا ہے؟؟۔۔میں نے پہلی مرتبہ ایسا ٹرڈیشنل ڈریس پہنا ہے صرف تمھاری وجہ سے۔۔۔۔۔تم نے کہا تھا یہاں میں جینز

شرٹ نہیں پہن سکتی تو اسی لیے میری ایک دوست نے مجھے یہ ڈریس بھیجا تھا۔ آئزل نے شہرام کے ساتھ سٹاف روم سے باہر کی جانب قدم بڑھاتے ہوے کہا۔

اچھی لگ رہی ہیں آپ۔۔ شہرام آئزل کو ایک نظر دیکھتے سٹاف روم سے نکل گیا تھا۔۔

سمتھنگ انٹرسٹنگ وائب آرہی ہیں۔ سر شہرام کو اور ڈاکٹر آئزل کو دیکھ کر ہے ناں۔۔۔۔ڈاکٹر عنیزہ بہارے اور ماہم کو دیکھتے معنی خیز لہجے میں بولی۔۔

ڈاکٹر فرقان کی کھانسی تو مجھے بھی اب ٹھیک لگ رہی تھی۔۔ڈاکٹر ماہم شرارت سے کہتے ٹیبل سے فائل اور اپنا سٹھیتو سکوپ اٹھاتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ڈاکٹر آئزل کافی کیوٹ اور انوسینٹ سی ہیں ناں۔۔۔ عنیزہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوے بہارے سے کہا۔۔

ہاں خوبصورت تو ہے نو ڈاوٹ۔۔۔ انوسینٹ ہے یا نہیں اس متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔ یہ تو آہستہ آہستہ ہی کھلے گا۔۔ بہارے نے مسکراتے ہوے کندھے اچکائے تھے۔

ہمممم یہ تو ہے۔۔ کافی پیو گی۔۔ ڈاکٹر عنیزہ نے بہارے سے پوچھا جو صوفے پر بیٹھی اب اپنے موبائل میں گم تھی۔

نہیں میری ڈیوٹی کا ٹائم ہو گیا ہے۔۔ پندرہ منٹ کا بریک لیا تھا۔ اب تو اوپر ٹائم ہو گیا ہے۔۔ بہارے گھڑی پر نظریں دوڑاتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔

ساحر خانزادہ مردانے میں سب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔۔ بلو جینز پر وائٹ شرٹ اور بلو ہاف سلیو سویٹر پہنے ہوے تھا۔۔ اپنے مخصوص سٹائل میں اپنی شرٹ کی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے ہوے تھے۔

اس وقت مردانے میں سمیع اللہ خان اربد خان درید خان اور ارحام بیٹھے ہوے تھے۔۔

ارحام نے بغور ساحر خانزادہ کا چہرہ دیکھا جو انتہائی مضطرب تھا۔۔ گرین آنکھوں میں آج بھی اداسی کی گہری رمک چھائی تھی۔۔

ٹیبل پر رکھی چائے کے کپ میں بالائی کی تہہ جم چکی تھی۔۔وہ صوفے پر بیٹھا اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔۔۔

اچھا کیا بیٹا تم نے یہاں آکر۔۔۔ تمھارا مہمان نوازی ہمارا شرف ہو گا۔۔ سمیع اللہ خان کی بھاری آواز نے ڈرائینگ روم میں چھائے سکوت کو توڑا تھا۔۔

ساحر خانزادہ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر سمیع اللہ خان نے حیرت سے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔۔وہ جیسے آیا تھا یونہی خاموش بیٹھا تھا جیسے وہاں پر ہو کر بھی نہیں تھا۔

ساحر بیٹا حیدر کیسا ہے۔۔ اربد خان نے ساحر کو مخاطب کرنے کی کوشش کی۔۔

جی وہ ٹھیک ہیں۔۔ ساحر نے آہستگی سے کہتے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔۔ بیٹا یہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔۔ ہم اور بنوا دیتا ہے۔۔ درید خان نے ساحر کو ٹھنڈی چائے پیتا دیکھ کر کہا۔۔

آپ لوگ کسی تکلف میں نہ پڑھیں۔۔ میرے گانے کی شوٹنگ تھی۔۔ آپ لوگوں کی حویلی پاس ہی تھی سوچا آپ سب سے مل لوں۔۔ ساحر نے چائے کا کپ واپس پرچ میں رکھا تھا۔۔

تکلف کی کیا بات ہے؟؟ مہمان تو اللہ کا رحمت ہوتا ہے۔۔ تم ادھر آیا اب ہم تم کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دے گا۔۔ بلکہ تم جب تک ادھر ہو تم ہماری حویلی ہی رہو۔۔ اور اپنا سب دوست لوگ جن کے ساتھ تم کام کر رہا ہے۔۔۔ ادھر ہماری حویلی میں ٹھہراؤ سب کو۔۔ سمیع اللہ خان نے خوشگواری سے کہا۔۔

جی دا جی۔۔۔ آپ کہتے ہیں تو میں رک جاؤں گا یہاں کل تک۔۔ مگر میرے کریو میمبر یہاں نہیں آسکتے۔۔ وہ ہوٹل میں ٹھہریں گے۔۔ ساحر خان نے آہستگی سے کہا تھا۔۔

میں نے تو سنا تھا آپ نے گانا گانا چھوڑ دیا ہے۔۔ اور یہ بھی ساحر خانزادہ ایک بار جو کمٹمٹ کرلے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔۔ ارحام نے ساحر خان کے تاثرات کو بغور دیکھتے کہا تھا۔۔ وہ گانا نہیں اب گاتا یہ ارحام کو معلوم تھا اور اس کی ایسی کوئی گانے کی شوٹنگ نہیں چل رہی وہ یہ بھی جانتا تھا۔۔ آخر ساحر خانزادہ یہاں کرنے کیا آیا تھا۔۔ یہ بات ارحام خانزادہ کو اب بری طرح کھٹک رہی تھی۔

کمٹمٹ وعدہ تو کیا ہی اسی لیے جاتا ہے اسے توڑا جا سکے۔۔ کسی نے ایک وعدہ مجھ سے بھی کیا تھا۔۔ وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔۔ لیکن اس نے یہ وعدہ توڑ دیا۔۔ ساحر خان بولتے ہوئے یاسیت سے مسکرایا تھا۔۔

میں نے بھی ایک وعدہ اس سے کیا تھا کہ کبھی ایسا ہوا۔۔ اگر اس نے مجھے چھوڑا تو میں اپنی جان لے لوں گا۔ مگر ان سانسوں کا چلنا اس بات کی ضمانت ہے عہد و پیماں دونوں طرف سے ہی جھوٹے ہوئے تھے۔۔

ساحر خان کی بات پر مردانے میں موجود سب نے تحیر زدہ ہوتے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔۔ ارحام ساحر خان کی بات پر فقط مسکرا گیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کے دل میں آج پھر اس لڑکی کو دیکھنے کی تمنا جاگی تھی۔ جسے سامنے بیٹھا انسان دیوانوں کی طرح چاہتا۔ تھا۔

اسفندیار خان رات سے اب حویلی واپس آیا تھا۔ اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ زنان خانے میں داخل ہوتے ہی تیز تیز قدم اٹھاتے سیڑھیوں کی جانب بڑھا.. اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر مسلسل ہاتھ پھیرتے وہ کافی مظطرب بھی تھا۔ وہ کافی عجلت میں اپنے کمرے کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تھا۔۔۔ خالی کمرے کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر سلوٹیں گہری ہوئی تھیں۔ صاف ستھرا کمرہ بیڈ پر ایک سلوٹ بھی نہیں پڑی تھی۔۔ وہ عجلت بھرے انداز میں ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔۔ اسفندیار خان کے بھاری قدموں کا رخ اب واش روم کی طرف تھا۔۔ خالی واش روم دیکھ کر اسفندیار خان کا غصہ ساتویں آسمان پہنچا تھا۔ اسے تو آج کمرے میں ہونا ہونا چاہیے تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھوں کو بے تابی سے اس کا انتظار کرتے موجود ہونا چاہیے تھا۔ پورے کمرے میں

اس کے ماتم کے نشانات کہیں بھی موجود ہی نہ تھے۔۔ اسفند یار خان اپنے کمرے سے باہر نکلتے تیز تیز سیڑھیاں اترتے نیچے آیا۔۔ اسفند یار خان کے بھاری قدموں کا رخ اب زنان خانے کے لاونج کی طرف تھا۔۔ وہ جب زنان خانے میں داخل ہوا تھا وہ تب بھی وہاں نہیں تھی۔۔ وہ کچن میں ہو گی یہ سوچتے وہ لاونج کو عبور کرتے کچن میں داخل ہوا۔

کچن میں اس ٹائم درخشاں اور باربینا ہی تھیں۔ اسلام و علیکم اسفند لالا۔۔۔۔ درخشاں نے اسفند یار خان کو دیکھتے جلدی سے سلام کیا تھا۔ ساتھ ہی اپنے سر سے پھسلتا ڈوپٹہ ٹھیک کیا۔۔ آج سے پہلے اسفند کو اس نے کچن میں نہیں دیکھا تھا۔۔ اب تو حویلی کا ہر خان وہیں پر ہی پایا جاتا جہاں ان کی بیویوں کے ہونے کے امکانات ہوتے تھے۔

عابیر کہاں ہے ؟؟۔۔ اسفند یار خان نے کچن میں نظریں دوڑاتے سنجیدگی سے پوچھا۔

پتہ نہیں لالا ہم صبح سے کچن میں تھا۔۔ درخشاں نے کافی مدھم آواز میں جواب دیا۔۔ اسفند یار خان درخشاں کے جواب پر تیزی سے کچن سے نکل گیا تھا۔

توبہ ہے پتہ نہیں اس حویلی کے مرد لوگ کو کیا ہو گیا ہے ؟؟۔ جب سے ان کا شادی ہوا ہے۔۔ اپنا عورت کا جان عذاب کر کے رکھا ہے۔۔ ارحام لالا ہو زاران لالا یا پھر اسفند لالا ہر وقت ان کو اپنا بیوی کمرے میں چاہیے ہوتا ہے۔ درخشاں بری طرح جھنجھلائی تھی۔۔۔

جب سے ارحام آیا تھا حور کمرے سے کم ہی نکلی تھی۔۔یہی بات درخشاں کو غصہ دلا رہی تھی۔۔حور اس کی اب بہت اچھی سہیلی بھی بن چکی تھی۔مگر ارحام تو اسے اس کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ حور کو اس کے قریب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔اتنے جنونی تھا ارحام خانزادہ حور کو لے کر۔۔ارحام کا یہ پہلو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ارحام کی درخشاں کو سختی سے ہدایت تھی کہ وہ حور کے آس پاس بھی نظر نہ ائے۔

اس حویلی کا خان لوگ وہ کیا کہتا ہے بہت رومانٹک ہے۔باربینا نے ٹکڑا لگایا تو درخشاں کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

رومانٹک بھی اور جنونی بھی۔ اللہ بچائے ایسے رومانٹک مرد سے۔۔ درخشاں نے ہنسی ضبط کرتے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔۔۔ باربینا درخشاں کی بات پر مسکراتے ہوئے اپنا کام کرنے لگی۔۔۔۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار خان نے زنان خانے میں داخل ہوتے عابیر کو اونچی آواز میں پکارا۔۔

اسفندیار خان کی آواز سنتے روزینہ خانم اپنے کمرے سے نکلتی لاونج میں داخل ہوئی تھی۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔ اسفندیار خان نے آگے بڑھ کر روزینہ خانم سے سلام کیا۔۔

وعلیکم اسلام جیتا رہو تم۔۔۔روزینہ خانم نے اسفند کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھتے اسے دعا دی۔۔۔۔

کیا ہوا ہے؟؟تم اتنا غصہ میں کیوں ہے؟؟اور حویلی آتا ہی تمھیں اپنا بیوی کا یاد کیوں آرہا ہے۔

روزینہ خانم نے ناگواریت سے بولتے اسفندیار خان کے چہرے پر نظر ڈالی جو غصے کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

عابیر کہاں ہے مورے؟؟اسفند نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے کافی ضبط سے پوچھا تھا۔وہ حویلی میں کہیں نہیں تھی اسفندیار خان کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔۔

ہم کو کیا معلوم ؟؟ تمھارا عورت ہے تم کو اس کا خبر ہونا چاہیے۔۔۔ صبح سے اس نے ہمارا کمرہ میں جھانکا تک نہیں۔۔

ہم نے کھانا کھایا دوائی لی اس کو خبر ہی نہیں۔۔۔

کہنے کو ہم اس کا ساس ہے۔۔ مگر کبھی اس نے ہم کو اپنا ساس سمجھا نہیں۔۔۔ جو دل میں اس کے آتا ہے وہ کرتا ہے۔۔ صبح نماز پڑھنے کے بعد ہم لاونج میں بیٹھا تلاوت کر رہا تھا۔۔ تب دیکھا تھا تمھارا بیوی کو کافی تیار تھا۔۔ کالا فراک پہنے میک اپ کیے ہوے تھا۔

جیسے کہیں جا رہا ہو۔۔ ہم کو دیکھ کر بھی وہ باورچی خانہ چلا گیا تھا۔۔ سلام تک کرنا اس نے گوارا نہیں کیا۔

روزینہ خانم کی بات پر اسفندیار خان کے چہرہ پر غیض و غضب چھایا۔۔وہ اتنی تیار ہو کر آخر کہاں گئی تھی؟؟۔۔اسفندیار خان نے غصے سے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے جھنجھلا کر رہ گیا۔۔

عابیر صبح سے آپ کے کمرے میں نہیں آئی تو پھر کہاں ہے وہ۔۔اسفندیار خان نے طیش و اشتعال سے پوچھا۔۔

اسفندیہی تو ہم کب سے کہہ رہا ہے ہم کو نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔۔۔۔۔۔

اب تو اس کا کالج کا چھٹیاں بھی ہو گیا ہے۔۔اس لیے تم کو کہا تھا اس کا کالج میں داخلہ بند کروادو۔۔۔ کبھی بھی عورت کو اتنا چھوٹ نہیں دینا چاہیے۔۔ تمھارا عورت اتنا سیدھا نہیں ہے۔۔ جتنا شکل سے لگتا ہے۔اللہ توبہ جیسا سلوک وہ ہمارا ابارک کے ساتھ کرتا تھا۔۔ہم کیا بتائے تم کو۔۔ہمارا ابارک تو ہر وقت عابیر کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔۔بہت پیار کرتا

تھا عابیر سے۔۔۔۔۔۔ مگر ان دونوں بہن بھائی کا جو سلوک تھا ہمارا بیٹا کے

ساتھ کیا بتائیں تم کو۔۔۔۔ کس طرح بابرک کو مارا تھا خجستہ کی شادی پر

۔۔۔وہ اب اگر اپنا منکوحہ کے کمرے میں چلا گیا تو کیا قیامت آ گیا۔۔ آخر وہ

حق رکھتا عابیر پر۔۔ اگر وہ اپنا بیوی سے اپنا حق رخصتی سے پہلے لے بھی لیتا تو

کونسا قیامت آ جانا تھا۔۔ مگر زاران نے تو اسے مار مار کر اس کا ہڈی پسلی ایک

کر دیا تھا۔۔ روزینہ خانم بابرک کو یاد کرتے رونا شروع ہو چکی تھیں۔

اسفند نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچتے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔۔

بابرک کے قتل میں زاران خانزادہ کا ہاتھ تھا۔۔ وہ کسی قیمت پر یہ بھولنے کا

آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ مگر روزینہ خانم کا بار بار بابرک کا عابیر پر حق والی بات

پر اس کی دماغ کی رگیں پھڑک اٹھتی تھیں۔۔۔ ابھی بھی اس کا خانزادہ خون

بھڑک اٹھا تھا۔۔ وہ اس دن عابیر سے کمرے میں اپنا حق لینے گیا تھا۔۔ یہ

بات اس کے لہو میں شرارے دوڑا دیتی تھی۔۔اس پر کسی کی ایک نظر بھی گوارانہ تھی۔۔اسے اس سے پہلے کسی نے چھوا بھی ہو بھلا کہاں برداشت ہونا تھا۔۔

عابیر۔۔عابیر۔۔۔۔۔۔۔۔اسفندیار نے خان گرجتے ہوے اسے پکارا۔۔

اسفندیار خان کی گرج پر پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔امینہ خانم دہلتے ہوے اپنے کمرے سے باہر آئیں۔

کیا ہوا اسفند بیٹا تم اتنا غصہ میں کیوں ہے؟؟

عابیر کہاں ہے؟؟اسفندیار خان نے بنا سلام دعا کے پوچھا۔تھا۔۔

اسفند بیٹا وہ کالج گیا ہے۔۔

مگر اس کے پیپیرز ہو گیے تھے۔۔۔اسے تو چھٹیاں ہوئی ہیں کالج سے۔۔۔۔۔۔اسفند امینہ خانم کی بات کاٹتے درشت لہجے میں بولا۔۔

اس کا آج سالگرہ ہے تو کالج میں اس کا سہلیوں نے اس کے لیے کوئی دعوت رکھا ہے۔۔وہ اپنا سہیلیوں کے بہت اصرار پر گیا ہے۔۔اسفند کو طیش و اشتعال میں دیکھ کر امینہ خانم نے آہستگی سے وضاحت دی۔۔

یہ کیا بات ہوا بھا بھی؟؟عابیر کیسے مجھ سے پوچھے بغیر جا سکتا ہے؟؟یہاں تک کہ اپنا مرد سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔۔روزینہ خانم نے اسفند یار خان کے غصے کو ہوا دی تھی۔

جسے محسوس کرتے امینہ خانم کے چہرے پر ناگواری کی لہر چھائی۔۔ انہوں نے بمشکل ہی خود کو کچھ بھی کڑوہ کہنے سے روکا تھا۔۔ اسفندیار خان کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھتے وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

بہارے کی کئی کئی دنوں تک ان سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔۔ اگر کبھی غلطی سے ہو بھی جائے۔۔ وہ انھیں سلام کرتے اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔۔ جس طرح روزینہ خانم سارا دن عابیر کو ذرا ذرا سے کاموں کے لیے دوڑائے پھرتی تھیں۔۔ ذرا سی غلطی پر عابیر کی ملازموں کے سامنے اچھی خاصی بے عزتی کر دیتی تھیں۔ عابیر خاموشی سے سن لیتی تھی۔۔ یہی ان کی تربیت تھی۔۔ مگر روزینہ خانم کا اسفندیار خان کو بھڑکانا انھیں کافی ناگواری میں مبتلا کر گیا تھا۔۔

۔

کہاں جارہا ہے تم اسفند ؟؟ اسفندیار خان جو تیز تیز قدم اٹھاتے باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔

روزینہ خانم کی پکار پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

عابیر کو لینے۔۔۔ اسفند نے رخ پلٹے بغیر جواب دیا۔۔

تم کیوں جارہا ہے ؟؟ تم ابھی تو تھکا ہوا آیا ہے۔ ویسے بھی یہ کام تو رحیم خان کا ہے۔۔۔ وہ لے آئے گا اسے۔۔ ایسے عورت کو اتنا سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔۔ روزینہ خانم نخوت سے بولیں۔۔ اسفند کی اتنی بے تابی انھیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔۔ عابیر کی خوبصورتی انھیں کھٹکتی تھی۔۔ عابیر کی

خوبصورتی کا اسفندیار پر جادو نہ چل جائے۔۔ وہ دن رات بے چین رہنے لگی تھیں۔۔۔۔

عابیر بیوی ہے میری۔۔ میری عورت۔۔۔ اس کو کالج سے لے آؤں گا۔ کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔۔۔

اسفندیار خان سرد انداز میں کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔۔

اسفندیار خان کی بات پر روزینہ خانم کا غصے سے چہرہ سرخ پڑا۔۔۔ انھیں عابیر کسی قیمت اسفند کی زندگی میں قبول نہیں تھی۔۔ جس لڑکی نے بابرک کو قبول نہیں کیا تھا۔۔ وہ کسی قیمت پر اب اپنا ہیروں جیسا بیٹا اسے سونپنے کو تیار نہ تھی۔۔۔

روزینہ ہم تمھارا رویہ برداشت کر رہا ہے۔۔ اس کا یہ مطلب نہیں تم ہمارا بیٹی کا ساتھ زیادتی کا ہر حد پار کر دو گی تو ہم خاموش رہے گا۔۔ اگر ہم نے تمھارا بیٹی پر پابندیاں لگایا تو وہ ہسپتال نہیں جائے گا پھر کبھی۔۔ روزینہ خانم نے غصے سے ایک لفظ لفظ چبایا تھا۔۔

بھابھی پھر دیر کس بات کا ہے۔۔۔ جو تم کرنا چاہتا ہے جلدی کرو۔۔ روزینہ خانم طنزیہ مسکرائیں۔۔

روزینہ تم ہم کو غصہ دلا رہا ہے۔۔ ہم کو مجبور مت کرو۔۔ ہم بھی تمھارا طرح اپنا سطح سے گر جائے۔۔ ہم بہارے کے معاملے میں خاموش اس لیے ہیں کیونکہ وہ ہمارا بیٹے کا خوشی ہے۔۔ سکون ہے۔۔

وہی تو بھابھی ہم کہہ رہا ہے تم سے۔۔۔ شہرام کبھی بھی بہارے پر تمھارا کہنے پر پابندی نہیں لگائے گا۔۔ کیونکہ وہ بہارے پر جان دیتا۔ ہے۔ یہ تو

اس حویلی کا ملازم تک جانتا۔ ہے۔ وہ بہارے کا ایک خواہش کے لیے کچھ بھی کر سکتا۔ ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اتنا بڑا ہسپتال بنایا۔

مگر ہمارا بیٹا تمھارا بیٹی سے محبت نہیں کرتا۔۔ اس نے صرف ترس کھا کر اپنا بھائی کا بیوہ کو اپنا عزت بنایا۔۔ وہ ہمارا زور پر عابیر کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔۔ شکر مناؤ ہمارا۔۔۔ ہم اپنا بیٹی کی وجہ سے خاموش ہو جاتا ہے۔ ورنہ تمھارا بیٹی ایک مرتبہ بیوہ ہو چکا ہے۔۔ اب کی بار اس کا طلاق ہو گا۔۔ روزینہ خانم غصے سے امینہ خانم کی بات کاٹ گئی۔۔

اگر ہمارا بیٹی کو طلاق ہو گا روزینہ بدلہ میں تمھارا بیٹی کو بھی طلاق ہو گا۔۔۔ کیونکہ تمھارا بیٹی ہمارا شہرام کے لائق نہیں ہے۔۔ اس کو ہمارا شہرام کا ذرا برابر پرواہ نہیں ہے۔

کتنے دنوں سے وہ حویلی نہیں آیا۔۔ اگر ایسا ہی رہا تو تم اور تمھارا بیٹی کا غرور ختم ہو جائے گا۔۔ امینہ خانم نے جواباً روزینہ خانم کو اچھی خاصی سنا دی تھیں۔۔ اتنے دنوں سے وہ یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ آج ان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔

بھابھی شہرام اس لیے حویلی نہیں آتا وہ سارا دن تو بہارے کے ساتھ ہوتا ہے۔۔ ہم کو بتایا ہے بہارے نے وہ اپنا حق ادھر ہسپتال میں ہی اس سے لے لیتا ہے۔۔ پھر وہ کیا کرے گا رات میں حویلی آکر۔۔۔۔ وہ ہسپتال کی وجہ سے رات ادھر ہی رکنے پر مجبور ہے۔۔ اتنا بڑا ہسپتال کی ذمہ داری سنبھالنا آسان نہیں ہوتا۔۔ روزینہ خانم نے بہارے کے کرتوت پر پردہ ڈالتے جھوٹ بولا۔۔

شہرام حویلی نہیں آتا یہ بات اب انھیں بھی کھٹکنے لگی تھیں۔ وہ کل ہی بہارے کی اچھی خاصی کلاس لے چکی تھیں اس بات پر۔۔۔

امینہ خانم روزینہ خانم کو تاسف سے دیکھ کر رہ گئیں۔۔ جو کڑوا بولتے بولتے شرم ولحاظ بھی بھول گئی تھیں۔

بھابھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔۔ ہمارا بہارے کے ساتھ ذرا سا بھی زیادتی ہوا تو اب تمھارا بیٹی طلاق یافتہ بھی کہلائے گا۔۔ روزینہ خانم زہر خند لہجے میں زہر اگلتے چلی گئی تھیں۔

روزینہ خانم کے جانے کے بعد امینہ خانم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھے اپنے سینے میں اٹھتے درد پر قابو پاتے روزینہ خانم کی کڑوی باتوں کو پینے کی کوشش کی۔۔ وہ صرف عابیر کی وجہ سے خاموش نہیں تھی بلکہ اپنے بیٹے کا دل اجڑنے سے بھی ڈرتی تھیں۔۔ انھیں اس بات سے کافی تقویت پہنچی

تھی۔۔ بہارے اور شہرام میں سب ٹھیک ہے۔ اپنے بیٹوں کا سکون کتنا معنی رکھتا تھا ان کے لیے

یہ بات روزینہ خانم جیسی زہریلی عورت نہیں سمجھ سکتی تھیں۔۔ امینہ خانم سرد سانس کھینچتے اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔۔۔

زاران خانزادہ گلاس میں الکوحل ملی ڈرنک انڈیل کر ابرش کی طرف بڑھا۔

اس کی کھانسی شدید ہوتی جا رہی تھی۔۔ سردی سے کپکپاتے وہ نیم بیوش تھی۔۔ مگر کھانسی کی شدت اس کے نیم جاں وجود کو بھی جھنجھوڑ ڈالتی تھی۔۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے اسکی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھایا تھا۔۔

ابرش یہ پی لو۔۔۔ تمھیں آفاقہ ہو گا۔۔ زاران نے نرمی سے کہتے گلاس لبوں سے لگایا۔۔

یہ کک کیا ہے؟؟۔۔ ابرش نے بمشکل آنکھیں کھولتے اپنے سینے کو جکڑے کہا۔۔

پی لو تمھیں آفاقہ ہو گا۔۔ زاران نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر گلاس اس کے لبوں کو لگایا۔۔ وہ اسے سچ بتاتا وہ یقیناً کبھی نہیں پیتی۔۔ مگر ابرش کی زندگی کے لیے اسے یہ کرنا پڑا۔۔ اس کے لبوں کی نیلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اسے گرمی پہنچانے کے لیے یہ کرنا ضروری تھا۔۔

ابرش اسے دوائی سمجھتے ایک ہی سانس میں پی گئی۔۔ یہ سردی اس کی جان لے رہی تھی۔۔ اسے ہر حال میں گرمی کی حدت چاہیے تھی۔

زاران نے اسے بیڈ پر لٹاتے اس پر نرمی سے کمبل اوڑھایا۔۔۔

اپنی سائیڈ پر نیم دراز ہوتے ابرش کے ٹھنڈے وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا۔۔ وہ جانتا تھا ڈرنک نے تھوڑی دیر میں اثر کرنا شروع ہو جانا تھا۔۔ وہ کافی تیز ڈرنک تھی۔۔ مگر اسے ایک ڈر بھی تھا یہ ڈرنک ابرش پر کہیں زیادہ ہی اثر نہ کر جائے۔۔ نکاح سے پہلے اس ہوٹل کے کمرے میں بہکا بہکا انداز یاد آیا۔۔ ابرش کو غنودگی میں جاتا دیکھ کر زاران نے اطیمنان کی سانس خارج کی تھی۔۔ اس کا بدن بھی آہستہ آہستہ ہیٹ اپ ہو رہا تھا۔۔ زاران خانزادہ نے نرمی سے اسے خود سے علیحدہ کیا۔۔ ابرش کے بدن کی گرمی اب اسے بے چین کر رہی تھی۔۔ اتنی نزدیکی پر خود پر قابو پانا مشکل امر ہو گیا۔۔ جسم میں سپارک سا ہوا تھا۔۔ آگ کی بھٹی کی مانند اس کا بدن گرم ہوا تھا۔۔

وہ شارٹ سے باتھ روب گاؤن میں اس کے ساتھ لپٹی تھی۔۔زاران جلدی سے اسے خود سے علیحدہ کر گیا۔

اس سے دور ہوتے وہ تکیے پر سر رکھے سیدھا لیٹا۔۔ مگر اس کے جذبات عروج پر پہنچ کر اس کے پورے بدن میں طغیانی برپا کر چکے تھے۔۔

اس کی خوبصورت بیوی اپنی طرف اس کی توجہ بری طرح کھینچ چکی تھی۔

۔زاران نے اس کی طرف رخ پلٹے اس کی پیشانی پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔۔ جہاں اب ننھے ننھے پسینے کے قطرے تھے۔۔ڈرنک نے اپنا اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔۔

زاران اس کے پاس بیڈ پر نیم دراز کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔۔ اتنی خوبصورت بیوی ہونے کے باوجود اس سے دور رہنا اب اس کے لیے ننگی تلوار پر چلنے کے مترادف ہو رہا تھا۔۔

اپنے جواں تقاضوں کو سلا سلا کر اب وہ جھنجھلاہٹ کا شکار رہنے لگا تھا۔ ایسے میں ابرش پر اس کا غصہ مزید بڑھنے لگتا تھا۔ امریکہ جیسے ملک میں رہنے کے باوجود خود پر قابو پائے رکھا۔ اب بیوی اسے بے انتہا ظالم ملی تھی۔۔ جو بار بار اس کے جذبوں میں طغیانی مچا کر اسے بیچ مندھار پر چھوڑ دیتی تھی۔۔

زاران ابرش پر ایک نظر ڈالتے کمبل اچھی طرح خود پر لپیٹے اپنی آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔ جو کہ ناممکن تھا اپنی بے حس بیوی کے اتنے قریب ایک بیڈ پر تو کیا ایک کمرے میں بھی اسے نیند آ ہی نہیں سکتی تھی۔۔ تبھی تو وہ یہ تین ماہ ڈیرے پر گزارنے پر مجبور ہوا تھا۔

زاران نے غصے سے جھنجھلاتے ہوے اپنے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر زمین پر دے مارا۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کرنے لگا۔۔

زاران خانزادہ کو آنکھیں موندے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے اپنے سینے پر نازک سا بوجھ محسوس ہوا تھا۔۔

زاران نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں کھولی تو ابرش اس کے سینے پر سر رکھے سو رہی تھی۔۔

زاران نے غصے سے جھنجھلاتے ہوے اسے پیچھے دھکیلا۔۔۔ ایسے میں وہ اسے کے جذباتوں میں مزید ہلچل مچا چکی تھی۔۔

ابرش پھر سے اس کے قریب ہوتے اس کے سینے پر منتقل ہوئی۔۔اب کی بار اس نے اپنا پھولوں سے بھی نازک وجود اس کے سینے پر پورا منتقل کیا تھا۔

ابرش کیا کر رہی ہو؟؟زاران نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتے کہا۔۔جو سختی سے اس کی گردن کے گرد اپنا بازو حمائل کیے ہوے تھی۔۔

وہ جاگ رہی ہے۔۔وہ سمجھ چکا تھا۔۔وہ اپنا پاؤں اس کی پنڈلی پر رگڑ رہی تھی۔۔

جو تم نہیں کرتے۔۔ابرش نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے اپنی گلابی نشیلی آنکھوں سے اسے بغور دیکھا۔۔

کیا نہیں کرتا میں؟؟زاران اس کی نشیلی آنکھوں اور بہکے روپ سے نظریں چرا گیا تھا۔۔وہ اس بہکے بے باک روپ میں مزید حسین لگنے لگی تھی۔

یہ بھی۔۔۔۔۔ تمھیں۔۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ بتاؤں۔۔۔ تم۔۔۔۔ کیا نہیں کرتے۔۔ ابرش نے بہکے بہکے انداز میں بولتے زاران کے سینے پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔ اس کے نرم و نازک پنکھڑیوں کی چھونے کی دیر تھی۔۔ زاران کے پورے بدن میں سپارک سا ہوا تھا۔۔ وہ اب بہت نرمی سے اس کا باتھ روب گاؤن سینے سے تھوڑا ہٹاتے بوسوں کی بوچھاڑ کر رہی تھی۔۔ ابرش کے لمس پر زاران کے پسینے چھوٹے تھے۔۔ آخر اس کی بیوی کو نشے میں ہی اس پر پیار کیوں آتا تھا۔۔

زاران خود پر قابو پاتے ظبط سے اپنے جبڑے بھینچ گیا۔۔

شدید غصہ اشتعال جو اسے ابرش پر تھا وہ اسے اس کے قریب جانے نہیں دے رہا تھا دوسرا وہ اپنی بیوی کی رگ رگ سے واقف تھا۔۔ نشہ یہ خماری

اترنے کے بعد وہ اسے ہی مودر الزام ٹھہراتی۔۔اس نے یہ سب جان بوجھ کر یہ سب کیا۔۔اس کا بیہوشی میں فائدہ اٹھایا۔۔

ابرش پیچھے ہٹو۔۔۔۔زاران نے سختی سے کہتے اسے پیچھے دھکیلا۔۔

اس کے پیچھے دھکیلنے پر وہ اور مضبوطی سے اس کے سینے کے ساتھ لپٹ گئی۔۔اس کی گردن پر اپنا لمس چھوڑنے لگا۔۔ابرش زاران نے بے بسی سے پکارتے اسے خود سے دور کیا۔۔

۔وہ اس کی گردن سے سے منہ نکالتے اس کی آنکھوں میں خماری سے دیکھتے بہکے بہکے انداز میں ہنسی۔۔

میں نے تمھیں جوک سنایا ہے۔۔ زاران نے اسے غصے سے اسے گھورا۔۔ جو اس کے ہونٹوں پر انگلی ٹریس کرتے ہنسی جا رہی تھی۔

ابرش نے ہنستے ہوے اس کا ہاتھ روب گاؤن سینے سے اپنی مٹھیوں میں جکڑے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں جھانا۔۔

وہ بری طرح اس کی نشیلی خمار زدہ آنکھوں میں ڈوبا تھا۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہپناٹائز ہوا تھا۔

جوک ہی تو ہے۔۔۔۔۔ مسٹر خان۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں

تم۔۔۔ ابرش نے زاران کی تیکھی ناک پر اپنی انگلی ٹریس کرتے ہچکی لیتے اپنی آنکھین میچتے کھولیں۔

تم۔۔۔ تم خان نہیں ہو۔۔۔۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

اچھا میں خان نہیں ہوں تو کیا ہوں ؟؟۔۔ زاران اس کی بات پر بھڑک اٹھا ۔۔۔

تم مسٹر خان نہیں مسٹر۔۔۔۔۔۔ خانزادہ ہو۔۔ ابرش اب کھل کھلا کر ہنسی ۔۔

ابرش تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ زاران اسے پیچھے کرتے بیڈ سے اٹھا ہی تھا وہ اسے دوبارہ بیڈ پر دھکیلتے اس کے اوپر آئی۔۔۔

دیکھو۔۔۔۔۔ زیادہ۔۔۔ ناٹک۔۔۔۔۔ مت کرو۔۔ ایسے مت شو کرو۔۔۔ جیسے میں تمھارے۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔ ذبردستی کر رہی

ہوں۔ تمھیں میری ضرورت نہیں۔۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے اس کے کان میں جھکی تھی۔۔ تمھیں میری ضرورت ہے۔۔ میں۔۔ سب۔۔ سمجھتی ہوں۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش اس کے کان میں جھکے سرگوشی نما آواز میں بولی۔۔

زاران نے اس کی معنی خیز بات کا مطلب سمجھتے اسے گھورا تو وہ کھل کھل کر ہنس پڑی۔۔

دیکھو۔۔۔ تم بھی یہی چاہتے ہو کہ میں تمھارے قریب

آؤں۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔ تم۔۔۔ جیسے پہاڑی۔۔۔۔ خان کو میرا نازک سا وجود ایسے بیڈ پر دھکیل سکتا تھا۔۔ جیسے۔۔۔۔ میں۔۔ نے ابھی تمھیں یہاں پٹخا ۔۔ اب۔۔۔ میں تمھارے۔۔۔ اوپر ہوں اور تم میرے نیچے۔۔۔ تم

میرے۔۔۔۔۔ساتھ۔۔۔۔۔کھیل۔۔۔کھیل رہے ہو میں سب جانتی ہوں۔۔زاران اس کی بات پر اپنے لب بھینچ گیا۔۔۔وہ نشے میں بلکل صیح تجزیہ کر رہی تھی۔اس کی بیوی کافی تیز تھی۔۔وہ تو ایسے ہی کبھی اس کی معصومیت سے دغا کھا گیا تھا۔۔زاران نے اب کی بار گہری نظروں سے ا کافی بے باکی سے اپنی بیوی کا معائنہ کیا۔۔جس کا رومانٹک موڈ آن تھا۔

وہ چاہ کر بھی اب اس سے دور نہیں ہو پا رہا تھا۔۔اس کی بیوی ایک بار پھر سے اس کے جذبات میں آگ بھڑکا چکی تھی۔۔

ابرش نے زاران کی نگاہوں کا مرکز محسوس کرتے اس نے مسکراتے ہوے شرارت سے اپنی گاؤن کی ڈوری کس کر باندھی۔۔۔

ابرش کی حرکت پر زاران کے لبوں پر تبسم بکھرا۔۔

اس سے پہلے زاران اسے اپنی طرف کھینچتا۔ وہ اس کے چہرے پر جھکتے اس کے لبوں پر اپنے دہکتے لب رکھ گئی۔۔۔ وہ بہت نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے اپنی سانسوں کی خوشبو اس کے اندر اتار رہی تھی۔

ابرش کی حرکت پر وہ سٹل ہوا تھا۔۔

وہ بہت نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کیے ہوے تھی۔۔

زاران نے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔

ابرش نے زاران کی حرکت پر نم نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔ اس کے یوں دور کرنے پر اس کی آنکھوں میں کرب چھایا تھب۔

اتنی۔۔۔ نفرت۔۔۔۔۔ کرتے۔۔۔۔۔۔ ہو مجھ سے کہ میرے لمس نے تمھیں آج بہکایا۔۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم۔۔۔ مجھے۔۔۔ خود سے ۔۔۔ دور کر رہے ہو۔۔

ابرش نے اسے نم نگاہوں سے دیکھتے ہچکی لی تھی۔۔

اتنی نفرت کرتا ہوں تم سے کہ آج اپنی ساری نفرت تمھارے پور پور میں اتاروں گا۔۔۔۔۔۔۔ بیوی کہ تم پھر کبھی میرے قریب آنے کا سوچ بھی نہیں سکو گی۔۔

زاران رخ پلٹے اسے بیڈ پر دھکیل گیا۔۔ وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اس پر جھکا۔

ابرش نے اس کے باتھ روب گاؤن کو مٹھیوں میں جکڑے اسے مزید خود کے قریب کیا تھا۔۔

آج تمھاری نفرت میں اپنے اپنے پور پور پر سہنے کو تیار ہوں۔۔بس تم مجھ سے دور مت جاؤ۔۔ابرش نے نے بھیگے لہجے میں ہچکی لیتے التجا کی۔۔۔

میں تم سے دور جا بھی نہیں رہا۔۔۔بیوی۔۔۔میں تو تمھیں بتانے لگا ہوں کہ کیسے قریب آیا جاتا ہے۔۔کیسے ایک فل پیشنیٹ کس کی جاتی ہے۔۔تم تو مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔۔زاران بولتے ہی اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔۔

زاران اتنی شدت سے اس کے لبوں پر قابض ہوا تھا کہ کچھ ہی پلوں میں وہ ابرش کی مکمل سانسیں چرا گیا۔۔

ابرش نے اس کا ہاتھ روب گاؤن پر اپنی مٹھیوں کی جکڑ مضبوط کی۔۔

ابرش مزید اس کی بے رحم شدت برداشت نہ کر سکی۔۔ ابرش نے اب اس کے سینے پر مکے جڑے۔۔ زاران اس کی کلائیاں جکڑے اور بھی شدت سے اس کی سانسیں انہیل کر گیا۔۔

زاران کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ ابرش کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ جسے محسوس کرتے زاران اس کے لبوں پر ہلکا سا کٹ لگا کر پیچھے ہوا۔

ابرش نے ہچکی بھرتے گہرے سانس لیتے شبنمی شکوہ کناں نگاہوں آنکھوں سے اسے دیکھا۔۔۔ موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

کیا ہوا؟؟ بیوی پسند نہیں آیا تو ایک بار پھر سے ٹرائے کروں۔۔ زاران اس کے قندھاری زخمی لبوں پر نرمی سے انگوٹھا پھیرتے بولا۔ ابرش ساکت سی آنسو بہاتے اسے دیکھ رہی تھی۔

اب کیا ہوا خاموش کیوں ہو؟؟ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟؟ ابھی تو کچھ نہیں کیا میں نے ڈارلنگ۔۔۔۔ ابھی تو بہت کچھ کرنا باقی ہے۔۔ ابھی تو پوری رات باقی ہے۔۔ یہ پہلا شاک تھا تمھارے لیے۔۔ اور تمھاری سزا ابھی۔۔۔۔

آج رات زاران خانزادہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔ تمھاری سسکیاں تمھاری آہیں تمھارے آنسو تمھارے کام نہیں آنے لگے۔۔

میرا جنون میرا غصہ میری نفرت آج تمھیں ہر حال میں اپنے وجود پر برداشت کرنی ہو گی۔۔ کیونکہ تم بارہاں میرا ضبط آزما چکی ہو۔۔۔۔ اب اور نہیں بیوی۔۔۔ زاران اسے سرخ سرد مدہوش نگاہوں سے دیکھتے اس کی

نازک کلائیوں پر اپنا وزن ڈالے غرایا تھا۔۔ وہ پھر سے اس کی لبوں پر جھکتے انھیں اپنی شدت سے قندھاری کرتے اس کی سانسیں روک گیا۔

ابرش اس کے دیوانگی بھرے لمس پر بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی۔۔ زاران نے اس پر رحم کھاتے اس کی کلائیاں آزاد کی تھیں۔ مگر اس کے لبوں کو ابھی بھی آزادی نہیں بخشی تھی۔ وہ اپنا غصہ اشتعال جنون اس کے نازک لبوں پر ظلم کرتے ڈھا رہا تھا۔

ابرش نے تڑپتے ہوئے اپنے نازک ہاتھوں سے اپنے لبوں سے لپٹے پہاڑی خان کو پیچھے کرنے کی کوشش کی۔۔ وہ پھر سے اس کے ہاتھوں کو تکیے پر پن کیے اور بھی شدت سے اس کی سانسوں کو انہیل کرنے لگا۔۔

اسفندیار خان کالج کے گیٹ کے باہر اپنی جیپ میں بیٹھا عابیر کا انتظار کر رہا تھا۔۔ وہ اس وقت بلیک جینز پر بلیک شرٹ اور بلیک ہی جیکٹ پہنے ہوے تھا۔۔

بلیک کلر میں اس کی سرخ و سفید رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔۔ وہ اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے کافی مضطرب تھا۔۔ نیلی آنکھوں میں غصہ اشتعال تھا۔ وہ اسے آج بند کمرے میں ماتم مناتا دیکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ تھی کہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنی سالگرہ منا رہی تھی۔۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں صرف اسے اپنا ہی عکس تو نظر آتا تھا۔۔ بے شک اس نے شادی کی پہلی رات اسے چاقو مارا تھا۔۔ مگر ساری رات اپنی بانہوں میں اپنی قربت میں اسے تڑپتے مچلتے آنسو بہاتے دیکھا تھا۔۔ مگر اس نے ایک بار بھی اسے جھٹکا نہیں تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں اس کی قربت کا نشہ خماری کا

رنگ تھا۔۔ وہ اس کی بانہوں میں سماتے مکمل طور پر خود کو اسے سپرد کرتے اس پر باور کروا چکی تھی کہ وہ اسے دل و جان سے اپنا مان چکی ہے۔۔۔۔

رات بھر اس کی دی ہوئی شدتیں بنا اپنی زبان پر کوئی شکوہ لائے بغیر اس کی بانہوں میں سمائے برداشت کرتی رہی تھی۔۔ کتنی بار اسفندیار خان نے اس کے نرم و گداز لبوں کی نرم گرم تپش اپنے سینے پر محسوس کی تھیں۔۔ وہ نامحسوس انداز میں اپنے لبوں کا لمس اس پر چھوڑتی چلی گئی تھی۔۔ اپنے چٹانی سینے اور اپنی گھنی بیرڈ پر اس کا نرم لمس وہ ساری رات بخوبی محسوس کرتا رہا تھا۔۔ اس کے لبوں کی نرمی وہ آج تک بھولا نہیں تھا۔۔

اسی لبوں کی نرمی اور اس کے خود سپردگی کے انداز نے اس کے دل سے مکمل طور پر ابرش کی پرچھائی تک مٹا دی تھی۔۔ محرم کی قربت کا نشہ خمار سرور چھایا تھا. وہ مکمل طور پر ابرش کو بھول گیا تھا۔۔ ابرش کو بھولنے میں

اس کا نکاح بھی ہو جانا تھا۔۔وہ کسی بھی صورت کسی کی عزت کسی کی عورت پر غلط نظر رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔وہ خانزادہ تھا اپنی عورت اپنی بیوی کو لے کر ایک مرد کیسا محسوس کرتا ہے؟؟۔وہ سمجھتا تھا۔۔عابیر اس کے دشمن کی بہن تھی۔۔مگر وہ پھر بھی اسے کبھی چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔اس پر کسی کی نظر گوارا نہیں تھی۔۔یہاں تک کہ اسے یہ بھی اب گوارا نہ تھا اسے اس کے بھائی کی سابقہ منکوحہ بیوہ کہلائی جائے۔

وہ دقیانوسی مرد نہیں تھا۔۔وہ بہت براڈ مائنڈڈ تھا اپنی بیوی کو لے کر اس کے خیالات بہت کھلے تھے۔۔بہارے پر بھی اس نے کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔۔مگر عابیر کے معاملے میں اسے پتہ نہیں کیا ہو جاتا تھا۔وہ اس کے بغیر مسکرائے بھی اسے گوارا نہ تھا۔۔وہ اسے خود سے دور رکھ کر سزا دینا چاہتا تھا۔۔مگر اس کا خود سے دور جانا برداشت نہیں ہوتا تھا۔۔ابھی بھی

وہ تیار ہو کر کالج چلی آئی۔ وہ سلگتی لکڑی کی مانند جل رہا تھا۔ وہ سیاہ لباس میں کتنی حسین لگتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔۔

وہ سگریٹ سلگائے منہ کو لگائے ہوے تھا۔۔ سگریٹ کی لت اس نے ابرش کو بھلانے کے لیے خود کو لگائی تھی۔۔ عابیر سے نکاح کے بعد اس نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا تھا۔۔ کچھ دنوں سے پھر سے یہ لت لگ گئی تھی۔۔ جانے کیوں ؟؟ وہ رات رات بھر سلگتا رہتا تھا۔۔ سٹڈی روم کا صوفہ ہو یا پھر کمرے کا صوفہ رات رات بھر نیم دراز وہ سگریٹ پھونکتے اپنے سلگتے تڑپتے دل کو راحت پہنچاتا تھا۔۔

اسفندیار خان نے اپنی سن گلاسز اتار کر ایک بار پھر سے کالج کے گیٹ پر نظریں جمائی۔۔

وہ کالج سے باہر آتے دکھائی دی تھی۔۔ بلیک کلر کی سٹائلش سی لانگ فراک پہنے ہوے تھی۔۔ جس پر بڑی سی بلیک گرم شال خود پر لپیٹی تھی۔۔ اسی شال سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔۔ دور سے ہی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتا وہ پہچان گیا تھا۔۔ وہ خود کو جتنی مرضی پردوں میں چھپالے ۔۔ ان ہیزل گرے آنکھوں کو وہ ہر پردے میں پہچان سکتا تھا۔۔

اس کے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا بوکے پکڑا ہوا تھا۔۔ وہ اپنی دوست سے مسکراتے ہوے باتیں کر رہی تھی۔۔ اس کی ہیزل گرے آنکھیں بھی مسکرائی تھیں

اسفندیار خان اسے دیکھتا جیپ سے اترنے ہی لگا تھا۔۔ یکدم اس کی جیپ کے سامنے دو چار گاڑیاں آکر رکی تھی۔۔ درمیان والی گاڑی سے بلیک شلوار

قمیض پہنے وائٹ مردانہ شال کندھوں پر ڈالے کوئی بہت کروفر سے نکلا تھا۔۔

اسفندیار خان اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔۔وہ ایک بہت بڑے گاؤں کے منسٹر کا بیٹا زرغام خان تھا۔۔۔وہ یہاں پر کیا کر رہا تھا؟؟اسفندیار خان اچھنبھے کا شکار ہوا۔۔وہ کافی جانی پہچانی شخصیت تھی۔۔سیاست میں اس کا کافی نام تھا۔۔ابھی بھی اس کے آگے پیچھے گارڈ کی گاڑیوں کی قطاریں لگی تھیں۔

وہ اپنے کندھوں پر شال جھٹکتے اپنی بھاری قدموں کی دھمک لیے کالج کے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔اس کے قدموں اور نظروں کی سمت محسوس کرتے اسفندیار خان کے وجیح چہرے میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔

اسفندیار خان اپنی مٹھیاں بھینچتے گاڑی سے اترتے اپنے بھاری تیز قدموں کی رفتار سے اس کی طرف بڑھا۔۔وہ چٹان کی طرح اس کے آگے حائل ہونا چاہتا تھا تاکہ اس اس کی خوشبو کوئی مرد نہ پا سکے۔۔اس کے بدن سی اٹھتی روح پرور خوشبو اسے کیسے مدہوش کرتی تھی۔وہ وہی جانتا تھا۔۔۔۔

عابیر کے ساتھ کھڑی لڑکی زرغام کے سینے میں سما گئی تھی۔۔زرغام نے عابیر کی ساتھ کھڑی لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھتے اپنی گلاسسز اتارے جن نگاہوں سے عابیر کو دیکھا۔تھا۔وہ ایک مرد کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔

زرغام کی نگاہوں میں چھپی تپش محسوس کرتے اسفندیار خان کے خون میں شرارے

سے پھوٹے تھے۔۔

اسفندیار خان ایک ہی جست میں ان تک پہنچا۔۔

اسلام و علیکم۔۔زرغام نے گہری نظروں سے عابیر کو دیکھتے سلام کیا۔۔عابیر نے زرغام کو ایک نظر دیکھتے مدھم لہجے میں جواب دیتے اپنی نگاہیں پھیریں۔وہ اکثر بیشتر زرقون کو کالج لینے آتا تھا۔۔کالج کے گیٹ پر ہی دو ہچار مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔جو صرف سلام تک تھی۔عابیر سلام کا جواب ادیتے اپنی نگاہیں پھیر لیتی تھی۔۔

زرغام کی نظریں عابیر کے ہاتھوں میں تھامے سرخ گلدبوں کے بکے پر تھیں۔

جو اس نے آج سپیشل عابیر کے لیے خریدے تھے۔۔ اپنی بہن زرقون کے ہاتھوں اس نے ہی اس کے لیے بجھوائے تھے۔۔ وہ پچھلے دو سالوں سے عابیر کو پسند کرتا تھا۔۔ زرقون کے ساتھ اسے کالج کے گیٹ پر ہی دیکھا تھا۔۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں سے پہلی نظر میں ہی عشق ہو گیا تھا۔۔ زرغام خان نے آج تک عابیر کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔۔ عابیر کا بچپن میں نکاح ہو چکا ہے۔۔ وہ یہ سن کر اپنے جذبوں پر قابو پا گیا تھا۔۔ مگر جب سے اسے پتہ چلا کہ بابرک کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔۔ اس کے دل نے پھر سے خواب بننے شروع کر دیے تھے۔

وہ زیادہ تر اسلام آباد میں ہوتا تھا۔۔ مگر جب بھی یہاں آتا سپیشلی زرقون کو لینے جاتا تھا۔۔ زرقون زرغام کی پسند سے واقف تھی۔۔ آج وہ عابیر کی

سالگرہ پر اپنی تمام میٹنگ چھوڑ کر آیا تھا۔ عابیر کے ہاتھوں میں بوکے دیکھ کر اس کے دل میں ہزاروں پھول کھل اٹھے تھے۔ ان پھولوں کی اہمیت کیی گنا بڑھ چکی تھی۔۔

آج اس خاص دن میں وہ عابیر سے اپنی پسند کا اظہار کر کے اس کے گھر اپنا رشتہ بھیجنے کا خواش مند تھا۔۔

اس سے پہلے وہ عابیر سے بات کرتا اسفندیار خان ایک ہی جست میں اس تک پہنچتا عابیر کی کلائی جکڑ چکا تھا۔۔

عابیر نے حیرت زدہ ہوتے اپنی تحیر زدہ آنکھیں اسفندیار خان پر گاڑھیں۔۔۔ وہ اسفندیار خان کو ادھر ایکسپیکٹ نہیں کر رہی تھی۔ اوپر سے

اس کا یوں کلائی جکڑنا اس کی رنگت میں سرخیاں دوڑا چکا تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھیں تو رات سے ہی گلابی تھیں۔۔ وہ اسفندیار خان کے سرد سرخ آنکھوں کو بھی دیکھ کر حیران تھی۔۔ ان آنکھوں میں آخر سرخی کیوں تھی۔۔ عابیر نے اپنی کلائی نامحسوس انداز میں کھینچی تھی۔۔ اسفندیار خان نے سرد نگاہوں سے اسے تنبیہہ کرتے اس کی کلائی پر گرفت مظبوط کرتے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔ عابیر نے اپنی نظریں جھکائے ہلکی سی مزاحمت بھی بند کر دی تھی۔

عابیر کی کلائی کسی مرد کے ہاتھوں میں دیکھ زرغام خان کی آنکھوں میں سرخی بڑھی تھی۔۔ مگر عابیر کی جھکی نظریں اور خاموشی دیکھ کر اندازہ ہوا۔ تھا۔ کلائی جکڑنے والا اس پر کافی حق رکھتا۔ تھا۔

زرغام خان کی آنکھوں میں الجھن بڑھی تھی۔۔زرقون بھی اسفندیار خان کو دیکھ کر حیران تھی۔وہ زاران شہرام یہاں اتک رحام سے بھی واقفیت رکھتی۔تھے۔مگر اس نیلی آنکھوں والے انسان کو نہ کبھی دیکھا نہ کبھی تذکرہ سنا۔

۔

اسلام و علیکم۔۔۔میں اسفندیار خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان نے ایک ہاتھ میں عابیر کی کلائی جکڑے دوسرا ہاتھ زرغام خان کی طرف بڑھایا..

زرغام خان نے الجھن بھری نگاہیں اسفندیار خان پر گاڑھے اس کا ہاتھ تھاما ۔تھا۔۔۔نظریں اسفندیار خان کی ہاتھ میں جکڑے عابیر کی کلائی پر تھیں

یہ میری بیوی ہے۔۔۔ مسسز اسفندیار خان۔۔۔۔ اسفندیار خان لفظ چباتے زرغام خان کے ہاتھ پر اپنی پکڑ مضبوط کر چکا تھا۔۔ عابیر اس کی وحشی گرفت پر اپنی سسکی روک گئی تھی۔ اس کی نازک کلائی اسفندیار خان کے آہنی ہاتھ میں ٹوٹنے والی ہو گئی تھی۔ وہ مسلسل اپنی گرفت بڑھائے جا رہا تھا۔۔

عابیر کے نکاح کا سن کر زرغام خان کی آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ کرب بھی چھایا تھا جسے اسفندیار خان محسوس کرتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ زرغام خان کی آنکھیں نوچنے کو دل چاہا جس میں ہیزل گرے آنکھوں کا عکس تھا۔۔

عابیر تم نے بتایا نہیں تمھاری شادی ہو چکی ہے۔۔ زرقون کی بے یقین آواز سن کر اسفندیار خان نے قہر الود نگاہ عابیر پر گاڑھی۔۔ اس نے اپنی

سہیلیوں کو اپنے نکاح کے بارے میں نہیں بتایا تھا کیوں؟؟ یہ سوچ کر وہ بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔

عابیر اس سے پہلے زرقون کی بات کا جواب دیتی۔۔ اسفندیار خان اس کی کلائی جکڑے اسے کھینچتا ہوا اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔۔ وہ مزید زرغام کی نظریں عابیر پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔۔

عابیر اس کی گرفت میں کھنچتی چلی آئی تھی۔۔ اسفندیار خان نے اپنی جیپ تک پہنچتے اس سے گلابوں کا بوکے لے کر زمین پر پوری قوت سے پھینکا ۔۔ عابیر نے نم نگاہوں سے سرخ گلاب کے بوکے کو زمین کی زینت بنتے دیکھا۔۔۔

دوسرے پل شرمندگی سے دور کھڑی زرقون کو دیکھا۔۔ وہ لوگ ابھی بھی وہاں کھڑے تھے۔۔ زرقون نے عابیر کو دیکھتے منہ پھیر لیا تھا۔۔

زرقون کی ناراضگی پر عابیر کی آنکھوں میں موتی چمکے تھے۔۔وہ اس کی سب سے خاص دوست تھی۔۔اسفند کی وجہ سے وہ اس سے ناراض ہو چکی تھی۔۔اسفند نے اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے غصے سے دروازہ کھولتے اسے جیپ میں دھکیلا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔۔

ساحر خانزادہ بے چینی سے مردانے کی بیٹھک میں بیٹھا تھا۔۔اس کی ایک ٹانگ مسلسل اضطرابی کیفیت میں ہل رہی تھی۔۔وہ اس وقت سمیع اللہ خان کے سامنے بیٹھا ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں کر رہا تھا۔دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد درید اور اربد خان کسی کے گھر تعزیت کے لیے چلے گئے تھے۔۔ایک گھنٹہ پہلے ارحام خانزادہ بھی کسی کام سے باہر نکلا تھا۔

اس ٹائم حویلی میں سمیع اللہ خان کے علاوہ کوئی مرد نہیں تھا۔۔گھر کی خواتین کسی صورت مردان خانے میں نہیں آسکتی تھی۔۔اگر کوئی باہر کا مرد مہمان خانے میں موجود ہو تو ایسی صورت میں تو امپاسبل تھا۔۔وہ خود خانزادہ فیملی سے تھا۔۔ان کے گھر سخت قسم کا پردہ نہیں تھا۔مگر اس کی ماں بلاضرورت کسی غیر مرد کے سامنے نہیں آتی تھیں۔گھر کی عورتیں گھر سے باہر جاتے نقاب نہ بھی کریں اچھی طرح اپنا وجود ضرور ڈھکتی تھیں۔۔

حیدر خان کی فیملی میں بھی سخت قسم کا پردہ تھا۔۔وہ فرشتے سے نہیں مل سکتا ورنہ وہ اس سے کچھ نہ کچھ حور کے متعلق معلومات لے لیتا۔۔

ارحام خانزادہ کی عورت حور ہی ہے۔۔وہ کیسے جان سکتا تھا؟؟اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔۔

"ارحام خانزادہ کی عورت حور"۔۔۔۔۔یہ سوچتے ہی اس کے دل میں درد کے ابال اٹھے تھے۔۔

اس کے نام کے ساتھ کل تک وہ کسی کا نام برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔آج وہ اسے کسی کی عورت کہہ رہا تھا۔۔ساحر خانزادہ کی آنکھوں میں ریت سی اتری تھی۔۔۔۔پورا وجود میں مرچیں سی بھرتی محسوس ہوئیں۔۔

وہ اسے ہر جگہ تلاش کر چکا تھا۔ایک آخری امید یہی بچی تھی۔۔

وہ لڑکی حور ہی ہے۔۔۔۔۔ جسے دیکھتے اس کے دل نے گواہی دی تھی۔ وہ وہی ہے۔۔ مگر دل شدت سے تمنا بھی کر رہا تھا وہ اس کی حور نہ ہو۔ اس کے دل نے اسے خود غرضی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔۔ وہ ٹھیک ہو صحیح سلامت ہو۔۔ اس کی عزت محفوظ ہو۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟ وہ کسی کی بھی ہو۔۔۔ مگر اس کا خود غرض دل یہاں حور کے نہ ہونے کی تمنا کر رہا تھا۔ ساحر خانزادہ نے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلیں۔

وہ سمیع اللہ سے ایکسکیوز کرتا بیٹھک سے نکل آیا تھا۔۔ اس کے بھاری قدموں کا رخ زنان خانے کی طرف تھا۔۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ ٹھیک کر رہا ہے یا غلط۔۔۔۔

آج جو بھی ہو۔۔ اسے قبول تھا۔۔ وہ اس کی ہی حور ہے اسے آج ہر حال میں یہ جاننا ہی تھا۔۔

وہ لکڑی کا بڑا سا منقشم دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔۔ پورا زنان خانے میں اس وقت خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔۔ سردیوں کے دن تھے۔۔ سب ہی دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔۔

اس نے بے چینی سے چاروں طرف اپنی متلاشی نظریں دوڑائیں۔۔

حور وائٹ کلر کی سٹائلش سی خوبصورت گرم فراک پہنے ہوئے کچن میں موجود تھی۔۔ جس پر وائٹ اینڈ پنک کلر میں دھاگے کا نفیس سا کام ہوا تھا۔۔ پنک کلر کی خوبصورت شال وہ اچھی طرح سر پر اوڑھے ہوئے تھی۔۔

اسے کافی بہت پسند تھی۔۔۔ ارحام خانزادہ کو جس دن سے یہ پتہ چلا تھا اس نے اسے کافی میکر منگوا کر دیا تھا۔۔

اسے درخشاں کے ہاتھ کی کافی نہیں پسند تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے اسے خود کافی میکر میں کافی بنانا سکھائی تھی۔۔۔

وہ اب بہت بہتر کافی بنا لیتی تھی۔۔ نہ صرف اپنے لیے ارحام کو بھی بنا کر دیتی تھی۔۔ وہ کافی ارحام کے ٹیسٹ مطابق نہیں تھی۔۔ مگر وہ اب کافی صرف اس کے ہاتھ کی پیتا تھا۔۔ حور اس وقت اپنی کافی بنانے کے لیے ہی کچن میں آئی تھی۔۔

کچن کا دروازہ جو زنان خانے میں کھلتا تھا۔۔ وہ خوبصورت گلاس ڈور تھا۔۔ جس کا خوبصورت کٹ ورک پر مبنی گلاس اس طرح سے بنایا گیا تھا۔۔ اس کے گلاس سے کچن سے باہر دیکھا جا سکتا تھا۔۔۔ مگر باہر کھڑا

انسان کچن میں نہیں جھانک سکتا تھا۔۔ حور کافی کا کپ لیے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی۔۔ لاونج میں کھڑے ساحر خانزادہ کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں سے کپ زمین بوس ہوا تھا۔ وہ کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔ ساحر خانزادہ کچن کی طرف ہی آ رہا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ کچن کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوتا حور نے جلدی سے آگے بڑھتے کچن کا دروازہ لاک کیا۔۔

ساحر خانزادہ نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے اسے گھمایا۔۔ دروازہ لاک ہونے پر وہ بے اختیاری میں اپنا ماتھا گلاس ڈور سے ٹکا گیا تھا۔۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہوے تھے۔۔

جنھیں دیکھتے حور نے اپنی کانپتی انگلیاں دروازے کے گلاس پر رکھی۔۔

مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے ؟؟ تم یہیں ہو میرے قریب۔۔ بہت پاس۔۔۔۔ مجھے تمھاری خوشبو اپنے پاس بکھرتی محسوس ہو رہی ہے۔۔ ساحر خانزادہ کی کرب میں ڈوبی آواز سن کر حور دروازے کے ساتھ پشت لگا کر سسک پڑی تھی۔۔

کیوں ساحر خانزادہ ؟؟ کیوں آئے ہو تم یہاں ؟؟ کیوں تمھیں اب میری تلاش ہے ؟؟۔۔ تمھیں میری خوشبو کیوں محسوس ہو رہی ہے ؟؟۔۔ جبکہ تم مجھے چھوڑ چکے تھے۔۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں دبانے کی ناکام سعی کرتے سوچ رہی تھی۔۔

واپس آجاؤ حور۔۔۔۔ ورنہ تمھارا ساحر مر جائے گا۔۔ وہ گلاس ڈور کے ساتھ اب پشت لگائے شدت سے روتے ہوئے دبی آواز میں چلایا تھا۔۔۔۔

کیوں واپس آجاؤں ساحر خانزادہ۔۔۔میری حقیقت سن کر مجھے چھوڑ دیا اور جب میں تم سے دور چلی گئی تو تمھیں شاید احساس ہو گیا کہ تم مجھ پر احسان کرتے میری پہچان کے ساتھ بھی اپنالو گے۔۔۔مگر اب تمھاری بھول ہے۔

حور کبھی بھی تمھاری ہو گی۔۔وہ ارحام خانزادہ کی ہو چکی ہے۔۔ارحام خانزادہ ظالم جابر سہی۔۔۔مگر اب حور اس کی عزت ہے۔۔مجھے یقین ہے وہ میری سچائی جان کر مجھ سے نفرت ضرور کرے گا۔۔مگر مجھے چھوڑے گا نہیں۔۔۔حور منہ پر ہاتھ رکھے سسکتے ہوئے زمین پر دوزانو بیٹھتی چلی گئی تھی۔۔

بہت محبت کی ہے حور تم سے خود سے بھی زیادہ۔۔۔تم کیسے مجھے چھوڑ کر جا سکتی ہو؟؟۔وہ بھی دروازے کے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔۔

کچن میں سنائی دیتی اس کی مدھم آواز پر حور استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

چھوڑ کر جانے والے شکوہ نہیں کرتے۔۔۔ تم نے اور پاپا نے ہی تو سب سے زیادہ مجھ سے محبت کی تھی۔۔ مگر تم دونوں نے مجھے دھوکہ دیا تنہا چھوڑ دیا۔۔۔ سلطان احمد شاہ نے میری ماں کو بیوفا سمجھ کر کا قتل کر دیا۔۔ اور تم نے مجھے طوائف کی بیٹی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ کوئی فرق نہیں تم میں اور پاپا میں۔۔۔ تم دونوں صرف محبت کا دعوا کرتے ہو۔۔۔ مگر اسے نبھاتے کیسے ہیں۔۔۔ تم دونوں کو نہیں پتہ۔۔۔ حور کی بند آنکھوں سے سیال مادہ گرتا اس کے شفاف عارض کو بھگو رہا تھا۔۔ وہ کرب ناک سوچوں کی انتہا پر تھی

آجاؤ واپس حور میرے پاس۔۔۔ دیکھو جب سے تم گئی ہو میں دل سے مسکرانا بھول گیا ہوں۔۔ وہ اب چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔۔

تم تو دل سے مسکرانا بھول گئے ہو۔۔مجھے مسکراہٹ ہوتی کیا ہے؟؟اس کا مفہوم ہی نہیں پتہ۔۔۔میرے ہونٹ چھ ماہ میں کبھی مسکرائے نہیں۔۔۔۔ وہ دل ہی دل میں اس سے شکوہ کناں انداز میں مخاطب تھی۔۔

جب سے تم گئی ہو زندگی کا ہر رنگ پھیکا ہو چکا ہے۔۔

ساحر خانزادہ کو صرف تمھارا ہی چہرہ یاد ہے۔۔ تمھارا ہر رنگ یاد ہے۔۔۔ساحر خانزادہ کبھی بھی کسی اور سے محبت نہیں کر سکتا۔۔۔ساحر خانزادہ زمین پر بیٹھا دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے مخاطب تھا۔۔اس کی آنکھوں سے آنسو ابھی بھی جاری تھے۔۔

جب سے تم نے مجھے چھوڑا ہے۔۔مجھے کسی نے پیار ہی نہیں کیا۔۔۔ نفرت میں ڈوبی کسی کی وحشتیں تم نے کبھی اپنے بدن پر سہی ہیں۔۔رات

بھر۔۔۔رات بھر۔۔۔کسی کی نفرت ہوتے بھی خود کو اس کے سپرد کیا ہے۔۔

تمھیں کیا پتہ یہ اذیت کیا ہوتی ہے؟؟۔۔وہ اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے روتے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔۔

مجھے کیوں لگ رہا ہے حور؟؟۔۔۔تم مجھے سن رہی ہو۔۔ساحر خان کی بات پر وہ جھٹکا کھا کر دروازے سے دور ہوئی تھی۔۔وہ جلدی سے زمین سے اٹھتی سلیب کے ساتھ ٹیک آنکھیں میچے لگائے گہرے سانس لینے لگی۔۔

اسی اثناء میں درخشاں لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ساحر خانزادہ کو کچن کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔۔۔وہ اسے کوئی فقیر معلوم ہوا۔۔وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچیں ہوے تھا۔۔اس کے حوبرو چہرے پر آنسوؤں کی لڑیاں تھیں۔۔

کسی مرد کو ایسے آنسو بہاتا پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔۔ اتنا خوبصورت مرد بھی پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔۔

آپ کون ہیں؟؟ درخشاں نے ہچکچاتے ہوے اسے پکارا۔۔

درخشاں کی پکار پر ساحر خانزادہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔

وہ اپنی آنکھیں بازو سے رگڑتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

درخشاں کافی دیر وہاں حیران پریشان ششدر کھڑی رہی۔۔

کسی مرد کا زنان خانے میں موجود ہونا درخشان کے لیے کافی پریشانی کا باعث تھا اور پھر وہ مرد کچن کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔۔

درخشاں نے کچن کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ لاک ہونے پر اس نے پریشانی سے کھٹکھٹایا تو حور نے درخشاں کو دیکھتے جلدی سے دروازہ کھولا۔۔

بھابھی آپ نے دیکھا کوئی کچن کے دروازے پر بیٹھا رو رہا تھا۔۔ کتنا حیرانگی کا بات ہے وہ مرد ہو کر رو رہا تھا۔ درخشاں ابھی تک حیرت زدہ تھی۔۔ وہ حور کی سرخ متورم آنکھیں اور کچن کے فرش پر ٹوٹا کافی کا مگ اگنور کر گئی تھی۔۔ اس کا ذہن تو ساحر خان میں الجھا ہوا تھا۔

بھابھی ہم نے اس کو کہیں دیکھا ہے۔۔

ہائے اللہ وہ تو گانا گانے والا ساحر خانزادہ تھا۔۔ درخشاں اب ایکسائیٹڈ ہوتے بول رہی تھی۔۔ حور رخ موڑے سسک پڑی تھی۔۔ ہاتھ میں جو کافی گری

تھی۔۔اس کی جلن اب ہونا شروع ہو چکی تھی۔۔اور بہت شدت سے ہو رہی تھی۔۔

بھابھی کیا ہوا؟؟ درخشاں حور کو سسکتے دیکھتے اس کے قریب ہوئی۔۔کچھ نہیں وہ کافی کا کپ گر گیا تھا۔۔حور روتے ہوے بمشکل بولی۔۔۔اس کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ جو ابھی ابھی لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔کچن سے آتی حور کے رونے کی آواز سن کر پریشانی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔۔۔

وہ اپنا ہاتھ پکڑے بری طرح رو رہی تھی۔۔شال ایک طرف کندھے پر جھول رہی تھی۔۔سفید فٹنگ فراک میں اس کے نشیب و فراز نمایاں ہو رہے تھے۔۔وہ ہچکیاں لیتی تو اس کے بدن کے نشیب و فراز مزید پر کشش لگتے اس کے بدن کی خوبصورتی میں آضافہ کر رہے تھے۔

براؤن سلکی بال کیچر میں مقید کمر پر بکھرے تھے۔۔کچھ لٹیں عارض کو چھو رہی تھیں۔۔ارحام خانزادہ کا اسے کمرے سے باہر ایسے حلیے میں دیکھ کر خون رگوں میں بھڑکا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ارحام کی سرد آواز پر حور خوف سے اچھلی تھی۔۔

رنگ لمحوں میں لٹھے کی مانند سفید ہوا تھا۔۔جسے ارحام کے علاوہ درخشاں نے بھی محسوس کیا تھا۔۔

حور نے اپنی سانسیں روک کر ارحام خانزادہ کو دیکھا جس کی آنکھوں کا رنگ سرخی مائل تھا۔۔وہ اس پر اپنی سرد نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔

پہلا خیال یہی آیا کہ ارحام خانزادہ نے ساحر کو دیکھ لیا ہے۔۔اس لیے وہ اسے ایسے دیکھ رہا ہے۔۔اسے اپنے حلیے کا بلکل خیال نہیں تھا۔۔

ارحام کو کچھ پتہ نہ چل جائے یہی سوچ کر حور کا بدن لرز اٹھا۔۔وہ اپنے قدمون کے سہارے کھڑی لڑکھڑائی تھی۔

ارحام نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں بھرا۔۔

کیا ہوا ہے حور کیوں اتنی پریشان ہو؟؟۔۔ارحام اسے اپنے سینے میں بھینچتے پریشانی سے مخاطب ہوا۔۔

لالا وہ بھابھی کے ہاتھ میں گرم گرم کافی کر گیا ہے۔۔اسی لیے بھابھی رو رہا ہے۔۔درخشاں نے ارحام خانزادہ کا سرخ چہرہ دیکھ کر جلدی سے وضاحت دی۔۔وہ اسے لے کر کتنا ٹچی تھا وہ جانتی تھی۔۔

تم کہاں تھی اس ٹائم ؟؟۔جب پتہ ہے کہ اسے کچھ کرنا نہیں آتا تو اسے کچن میں آنے ہی کیوں دیتی ہو۔۔میں نے منع کیا تھا کہ یہ اب کچن کا کوئی کام نہیں کرے گی۔۔تو کیوں آنے دیا کچن میں ؟؟۔۔ارحام غیض و غضب سے گرجا تھا۔۔

حور اس کی گرج پر مزید اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔اس کا کانپنا محسوس کرتے ارحام نے اس کی کمر پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی۔۔وہ اب اس طرح اس سے ڈرتی نہیں تھی۔۔مگر آج وہ پھر سے ایسے بیہیو کر رہی

تھی۔۔ جیسے شروع میں کرتی تھی۔۔ اسے دیکھتے ہی کانپنا شروع کر دیتی تھی۔۔

لالا آپ ہی حور بھابھی کے لیے وہ مشین لے کر آیا ہے۔۔ ہم کو تو پتہ بھی نہیں کب حور بھابھی باورچی خانہ میں آیا۔۔ درخشاں نے بھیگے لہجے میں کہا۔۔ ارحام کے غصے سے سب کی جان جاتی تھی۔۔ درخشاں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ارحام نے قہر آلود نظر اس پر ڈالی۔ اسے تو اب ان آنسوؤں سے چڑ ہی ہونے لگی تھی۔۔ جو اس کی بیوی کی آنکھوں سے بلاوجہ برستے رہتے تھے۔۔ ابھی بھی اس کب رونا اسے بری طرح مشتعل کر رہا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اب بھلا کب برداشت ہوتے تھے۔۔

جاؤ تم یہاں سے۔۔۔۔ ارحام خانزادہ نے درخشاں کو سرد نظروں سے دیکھتے کہا۔۔

درخشاں جلدی سے کچن سے چلی گئ۔۔

ارحام خانزادہ نے حور کو اپنے سینے سے نرمی سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی۔وہ مزید اس کی شرٹ جکڑے اس کے سینے میں سما گئی۔۔۔کیا ہوا ہے حور؟؟کسی نے تم سے کچھ کہا ہے۔۔کیا ہاتھ میں بہت جلن ہو رہی ہے۔۔ارحام نے حتی المکان اپنی آواز نرم رکھتے اس کی کمر سہلائی تھی۔

ابھی بھی بری طرح روتے ہوے ہچکیاں بھر رہی تھی۔۔اپنا ڈر خوف وہ رونے کی صورت میں چھپا رہی تھی۔۔وہ اسے لے کر کتنا پوزیسیو ہے وہ جانتی تھی۔۔اسے کبھی خبر مل گئی کہ وہ ساحر خانزادہ کی منگیتر اس کی محبت رہ چکی ہے۔۔وہ تو اسے جان سے مار ڈالے گا۔۔سلطان شاہ نے بھی تو اسے اس کی ماں کی بیوفائی پر اسے جان سے مار ڈالا تھا۔۔مرد کا ہر روپ بہت

ظالمانہ ہوتا ہے۔۔اس نے ان چھ ماہ میں یہی تو دیکھا تھا۔۔پھر چاہے وہ ساحر خانزادہ ہو یا پھر ارحام خانزادہ یا پھر سلطان شاہ۔۔

حور کا بدن خوف سے بدن لرز رہا تھا۔۔ارحام نے اسے خود سے علیحدہ کیا۔

اس کا سرخ متورم چہرہ گلابی آنکھیں دیکھ کر ارحام خانزادہ اب واقعی میں پریشان ہوا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟بہت جلن ہو رہی ہے۔۔ارحام نے بے قراری میں اس کا ہاتھ پکڑتے اس کی گردن سے چپکی لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسیں۔اس کا دوپٹہ سر سے اتر چکا ہے۔جسے محسوس کرتے اس نے سسکی بھرتے اپنا دوپٹہ سر پر جمایا

ارحام یہ دیکھتا مبہم سا مسکرایا تھا۔۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی سر پر دوپٹہ رکھتی تھی۔۔ اس کے دیے گئے حکم کے بعد وہ کبھی باہر اپنے سر کے ایک بال پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دیتی تھی۔۔ مگر آج پتہ نہیں کیسے یہ دوپٹہ اترا۔۔ کیا بات ہے جو وہ اس سے چھپا رہی ہے۔ ارحام نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

ارحام نے کچن کا دروازہ لاک کرتے حور کا دوپٹہ بہت نرمی سے اس کے تن سے جدا کرتے کچن میں موجود ڈائینگ ٹیبل کی چیئر پر رکھا۔

اور اسے سلیب کاونٹر کے ساتھ لگاتے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا جسے وہ سختی سے پکڑے سسک رہی تھی۔

کہاں گری کافی ؟؟ ارحام نے اس کے ہاتھ تھامتے نرمی سے پوچھا۔۔ حور کے ہاتھ پر کہیں بھی جلنے کا نشان نہیں تھا نہ ہی وہ سرخ تھا۔۔ اس کے اس طرح رونے پر اب اسے حیرت ہوئی تھی۔

یہاں انگوٹھے پر۔۔۔۔ حور نے ہچکیوں سے بولتے اپنا انگوٹھا ارحام کو دکھایا۔۔

لیکن حور یہ تو بلکل ٹھیک ہے۔۔ ارحام نے اس کے انگوٹھے کو نرمی سے اپنے انگوٹھے سے سہلایا۔۔

یہ وہی انگوٹھا ہے جس پر کٹ لگا تھا۔۔ آپ نے سپرٹ لگا کر خون روکا تھا۔۔ مجھے بہت جلن ہوئی تھی۔۔ مجھے اب بھی یہاں درد ہوتا ہے۔۔ حور نے روتے ہوے معصومت سے شکوہ کیا۔۔

ارحام اس کی بات پر اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ وہ معصومیت سے جھوٹا بہانا کرتے انجانے میں اس سے شکوہ کرتی اسے اس کی سفاکی یاد دلا چکی تھی۔۔

اسے اس انگوٹھے میں درد نہیں ہوتا تھا۔۔ مگر آج بھی اس کی بے رحمی یاد کرتے شائد اسے وہ درد بھولتا نہیں دیتا تھا۔وہ ابھی تک اس کی بے رحمی یاد رکھے ہوے ہے۔۔ ارحام کے دل میں ٹھیسیں سی اٹھی تھیں۔

ارحام کافی دیر تک اس کا انگوٹھا سہلاتا۔رہا۔شائد وہ درد دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو کبھی اس نے اسے دیا تھا۔

اب تو جلن نہیں ہو رہی۔۔ ارحام نے اس کا انگوٹھا نرمی سے پکڑے اس پر پھونک ماری۔۔

نہیں اب جلن نہیں ہو رہی۔۔ حور نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچتے ہوے آہستگی سے کہا۔۔۔

ہمممم۔۔ ارحام نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے خود کے قریب کیا۔۔۔

اتنا رونا کیوں آرہا تھا تمھیں؟؟۔۔ مجھے دیکھ کر اتنی خوفزدہ کیوں ہو گئی تھی؟؟۔۔ میں نے تمھیں کبھی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو کچھ نہیں کہا۔۔ ارحام نے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنی انگلیوں کے پوروں پر نرمی سے چنے۔

وہ مم مجھے لگا آپ مجھ پر غصہ کریں گے کافی کا مگ ٹوٹنے پر۔۔۔ آپ کی آواز سن کر میں ڈر گئی تھی۔ حور نے ارحام سے نظریں چراتے کہا۔۔

غصہ تو مجھے تم پر بہت آرہا ہے۔۔اور میں اپنا غصہ کیسے اتارتا ہوں تمھیں اچھی طرح پتہ ہے۔۔ارحام نے اس کے گداز گلابی لبوں پر نرمی سے انگوٹھا سہلایا جس پر اس کا رات کا دیا ہوا ہلکا سا زخم تھا۔۔

کیسے ؟؟حور کے منہ سے بے اختیاری میں نکلا..

ارحام کی آنکھوں میں خماری دیکھ کر وہ اپنا لب دانتوں میں دبا گئی تھی۔۔۔ سمجھ گئی تھی وہ کیا کہہ رہا ہے۔

میں تم پر کسی بات پر غصہ کروں یا نہ کروں۔۔ مگر جب تم میری چیزوں کو ایسے چھوتی ہو مجھے تم پر بہت غصہ آتا ہے۔ارحام نے اپنی انگلی سے اس کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں سے چھڑوایا۔۔

وہ میں تو بس۔۔۔ حور نے ارحام کی خمار زدہ نظروں سے گھبراتے ہوے وضاحت دی۔۔۔

ارحام مسکراتے ہوے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کی گلاب پنکھڑوں پر شدت سے جھکا تھا۔۔ اس کی خوشبودار سانسوں کو خود میں قید کرتے اس کے لبوں کی نرماہٹیں محسوس کرنے لگا۔۔ حور نے اس کی شدت پر ارحام خانزادہ کی شرٹ دبوچی تھی۔۔

ارحام بہکتے ہوے اسے سلیب پر جھکاتے اس کی گردن پر جھکا تھا۔۔ اس کی گردن پر جھکے وہ اپنا لمس بکھیرنے لگا۔۔

ارحام۔۔۔ حور نے سسکتے ہوے اسے خود سے دور کرنا چاہا وہ اس کی کلائیاں جکڑتے اس کی گردن پر پہلے سے زیادہ اپنی شدتیں بکھیرنے لگا۔۔

ارحام ہم لوگ کچن میں۔ ہیں۔۔ کوئی آجائے گا۔۔ حور نے گہری ہوتی سانسوں سے اس کی مزید پیش قدمیوں پر بند باندھتے روکنے کی کوشش کی۔۔ حور کی بات پر وہ سیدھا ہوتے اس پر سے اٹھا تھا۔۔

چلو کمرے میں چلتے ہیں۔۔ میں درخشاں سے کہہ کر تمھاری کافی کمرے میں منگواتا ہوں۔۔ ارحام نے چئر سے دوپٹہ پکڑتے حور کے سر پر اچھی طرح دیتے اس کے گرد لپیٹا۔ اس کا ہاتھ تھامے وہ کچن سے باہر نکل آیا تھا۔ کچن سے باہر آتے ارحام نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔۔ لاونج میں کسی کو ناپا کر ارحام خانزادہ نے حور کو اپنی گود میں اٹھایا تو حور گھبراتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔۔ وہ اس کے نازو اندام اٹھاتے اس پر باور کروا رہا تھا وہ اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔

جانتی ہوناں میں نے تمھیں یوں گود میں کیوں اٹھایا ہے۔ ارحام نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے گھمبیر لہجے میں پوچھا تھا۔

حور اس کی بات پر سرخ پڑتے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی

تم نے جس طرح رو رو کر مجھے پریشان کیا ہے۔ اب تمھیں اندر جا کر میں پریشان کروں گا۔ وہ اس کے کان کی طرف جھکتے بھاری شرارتی آواز میں بولا۔ تھا۔ اپنے کان کی لو پر اس کی گرم سانسیں بکھرتے محسوس کر کے وہ اس کے حصار میں لرز اٹھی۔ تھی۔ ارحام گہرا مسکراتے اسے لیے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔۔

ابرش کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے سر میں درد کی ٹھیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔

یہی حال بدن کا تھا۔۔ اسے اپنا بدن بھی دکھتا محسوس ہوا تھا۔۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو تھامتے اٹھنے کی کوشش کی۔۔ مگر اپنی کمر پر مضبوطی سے لپٹے ہوے آہنی ہاتھ نے اس کی کوشش ناکام بنائی تھی۔ اپنی حالت اور اپنی کمر پر لپٹا آہنی ہاتھ دیکھ کر ابرش کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئی تھیں۔ رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔۔

وہ زاران خانزادہ کے برہنہ سینے کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔۔ زاران اسے مضبوطی سے اپنی بانہوں میں قید کیے گہری نیند سو رہا تھا۔۔ اپنی حالت دیکھتے اور زاران خانزادہ کی اتنی نزدیکی پر دل پہلو میں شدید دھڑکنے لگا تھا۔۔ اسے سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔۔ ان دونوں کے بیچ رات کیا

ہوا ہے۔۔۔ ابرش نے اپنی آنکھین دو تین بار جھپکتے ہوے اپنی آنکھیں بمشکل کھلے رکھتے زاران خانزادہ کے وجیح چہرے کو دیکھا۔

رات اگر ان کے بیچ یہ سب کچھ ہوا تھا تو اسے کیوں یاد نہین آرہا تھا۔۔۔ ابرش نے اپنے سر کو دباتے زاران خانزادہ کے خوبرو چہرے کو ایک بار پھر سے گہری نظر سے دیکھا جو سوتے ہوے کافی معصوم لگ رہا تھا۔

اسے یاد آیا تھا زاران نے اسے گلاس میں کوئی محلول سا انڈیل کر دیا تھا۔

اس کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا یہ دوائی ہے۔۔ جس سے اسے جلد آرام آ جائے گا۔۔ اسے پینے کے بعد کیا ہوا اسے کچھ یاد نہیں تھا۔۔

ابرش نے اپنی آنکھیں جھپکتے ہوے زاران کو دیکھ کر رات کے بارے میں یاد کرنے کی کوشش کی۔۔۔ مگر بہت کوشش کے باوجود بھی اسے کچھ یاد نہیں آیا تھا۔۔

یکدم اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔۔ وہ محلول کوئی دوائی نہیں بلکہ الکوحل تھی۔۔ وہ کیسے نہیں رات پہچان کر سکی۔۔۔ وہ امیریکہ سے تعلق رکھتی تھی۔۔ ہر ہوٹل سڑکوں ہر جگہ وہ چیز تو عام تھی۔۔ پھر بھی وہ کیوں نہ پہچان کر سکی۔۔ ابرش کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔۔

ابرش نے نم نگاہوں سے زاران کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑھیں۔

اس نے رات اس سے جھوٹ بولا اور اسے وہ حرام چیز پلا

دی جسے وہ کبھی پینا تو دور کی بات چھونے کا بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔۔۔

اسے دھوکے سے پلا کر پھر اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیا۔

وہ اس کے ساتھ ایسے کیسے کر سکتا ہے؟؟۔۔وہ کیسے اسے دھوکہ دے سکتا ہے؟؟

اگر اس نے اس کے پاس آنا ہی تھا تو وہ ہوش میں رہتے آتا۔۔دو مرتبہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے قریب آیا۔اور اب مدہوشی میں اس کے ساتھ یہ سب کیا۔۔

ابرش نے زاران کو غصے اور نم زدہ نگاہوں سے دیکھتے خود کو اس کے حصار سے چھڑوانا چاہا تو وہ مزید مضبوطی سے اسے خود میں قید کر کے اسے اپنے برہنہ کشادہ سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔ابرش نے روہانسے ہوتے اسے دیکھا وہ

اب آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔ ابرش کو اس کے لبوں ہلکا سا تبسم محسوس ہوا تھا۔۔ جسے دیکھتے ابرش کی آنکھوں میں غم و غصہ بڑھا تھا۔۔

تو وہ کب سے جاگ رہا تھا؟؟۔۔ اور اس کی بے بسی کا مذاق بنا رہا تھا۔۔ وہ کتنے دیر سے خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس پہاڑ جیسے انسان کے حصار سے خود کو چھڑوانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔۔

ابرش نے روہانسے ہوتے اپنی پوری قوت لگاتے اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔۔

زاران نے اسے مزید سختی سے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔

اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش سے وہ سمجھ چکا تھا اس کی بیوی کا ڈیول موڈ آن ہو چکا ہے۔۔ زاران کے چہرے کے تاثرات بھی سخت ہوے تھے۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔ ابرش نے اس کے سینے پر مکہ مارتے روہانسے ہوتے کہا۔

اگر نہ چھوڑوں تو... زاران نے اس کے خوبصورت چہرے کو بغور دیکھتے سرد انداز میں کہا۔۔۔ جہاں شدید قسم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔ چہرے پر غم و غصہ بے یقینی تھی۔۔

زاران کے آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔۔ اس نے جو رات ابرش کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ بہت بلکل ٹھیک تھی۔۔ وہ نشہ اترنے کے بعد پھر سے اجنبی بن چکی تھی۔ زاران کی آنکھوں میں سرد مہری دیکھ کر ابرش مزید روہانسی ہوئی تھی۔۔ رات اس کا فائدہ اٹھا کر اب اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

یقیناً رات اس نے جی بھر کر مانیاں کی ہوں گی۔۔ ہوش میں رہتے ہوے اس کے مزاحمت کرنے کے باوجود اس کی شدتوں کی حد نہیں ہوتی تھی۔

اور جب وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی تو اس نے کیا کیا نہیں کیا ہو گا۔۔ پورے بدن میں درد کی اٹھتی ٹھیسیں بتا رہی تھیں۔ وہ رات اپنا حق بڑی بے رحمی سے لے چکا ہے۔۔

ابرش اب زاران کے حصار میں نظریں جھکاے ہوے تھی۔۔

یقیناً وہ اپنی حالت کے پیش نظر اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ زاران نے اس کے تاثرات کو جانچتے ہوے سرد انداز میں پوچھا۔۔

آپ کو نہیں پتہ کہ کیا ہوا ہے؟؟۔۔ابرش نے روہانسے ہوتے اپنی کرسٹل براؤن شبنمی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

زاران اس کی آنکھوں میں نمی دیکھتے اپنے لب بھینچے تھے۔۔

نہیں مجھے نہیں پتہ کیا ہوا ہے۔۔تم مجھے بتاؤ ایسا کیا ہوا ہے۔۔جو تم یوں آنسو بہا رہی ہو؟؟زاران نے سرد لہجے میں طنزیہ انداز میں ابرو اچکائے تھے۔

آپ کے طنزیہ انداز سے لگ رہا ہے کہ آپ کے نزدیک یہ بات بلکل اہمیت نہیں رکھتی تو فائدہ کچھ بھی کہنے کا۔۔۔

ابرش زاران کے حصار سے خود کو چھڑاوتے ہوے بولی۔۔

زاران نے اس کی بات سنتے اسے خود سے دور دھکیلتے دھکا دیا تو وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں ڈھے گئی تھی۔۔

ابرش کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔۔وہ بری طرح سسک پڑی۔۔اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ یہ سلوک کر رہا تھا۔۔

ابرش نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اپنا باتھ روب گاؤن زمین سے اٹھا کر پہنا۔۔

زاران اپنا باتھ روب گاؤن پہنے واش روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ابرش کے سسکنے کی آواز سن کر اس کے ماتھے کے بل گہرے ہوے تھے۔۔مٹھیاں خود بخود بھنچی تھیں۔۔

وہ طش و اشتعال سے ابرش کی طرف مڑا تھا اور اسے ایک ہی جھٹکے سے کلائی کے کھینچتے اپنے مقابل کھڑا کر چکا تھا۔۔۔

وہ بری طرح زاران کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔

کس بات کا ماتم منایا جا رہا ہے؟؟۔۔بتانا پسند کرو گی۔۔یہ آنسو بہا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟؟رات ہمارے بیچ جو کچھ ہوا کیا وہ غلط ہوا ہے۔۔۔اب کیا میں تم سے اس سب کی معافی مانگوں؟؟کیوں تم اس خوبصورت جائز رشتے کو ناجائز بنانے پر تلی ہوئی ہو؟؟زاران اس کے بازو پر اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھے غرایا تھا۔۔

یہ رشتہ اگر اتنا ہی خوبصورت ہے تو کیا ضروت تھی۔مجھے وہ حرام ڈرنک دھوکے سے پلا کر میرے ساتھ یہ سب کرنے کی۔۔دو بار آپ نے میرے ساتھ ساتھ زبردستی کی۔۔مجھے ڈرنک پلانے کا مقصد یہ سب کچھ تھا۔۔میرا جسم چاہیے تھا آپ کو۔۔ہوش میں نہ صیح آپ نے سوچا بیہوشی میں فائدہ اٹھا

لیا جائے۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے طنزیہ انداز میں لب سکوڑے تھے۔۔۔

زاران اس کی باتیں سنتے خاموشی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔۔ جیسے اسے مزید بولنے کا موقع دے رہا ہو۔

رات بہت غیرت کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔۔ مجھ پر ہاتھ اٹھانے تک کو تیار ہو گئے تھے۔۔۔۔۔۔ مجھے وہ برف سے ٹھنڈ اور گیلا فراک پہنایا۔۔ دیکھی تھی میری حالت میں مر رہی تھی۔۔ جینز اور جیکٹ میں بھی میں ہوٹل آ سکتی تھی۔۔ مگر آپ کو رحم نہیں آیا۔۔ مجھے زبردستی وہ فراک پہننے پر مجبور کیا ۔۔ جس کے باعث میری طبعیت مزید خراب ہوئی۔

چلیں مان لیتے ہیں۔۔مجھے جینز اور شرٹ میں کوئی مرد دیکھ لیتا تو آپ کی نام نہاد غیرت کو مسئلہ ہوتا۔۔لیکن یہ غیرت رات کو میرے قریب آتے کہاں چلی گئی تھی۔۔ابرش نے سسکتے ہوئے کہا۔۔

میں نے رات جنگل میں سوچا تھا آپ پر اعتبار کر کے اپنے رشتے کو آگے بڑھاؤں گی۔۔مگر آپ کے دھوکے نے پھر سے میرے اندر آپ کا اعتبار ختم کر دیا ہے۔۔مجھ پر اعتبار تو کرتے میں خود آپ کے پاس آتی۔۔مجھے وہ حرام مشروب پلایا۔۔میں کبھی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔۔ابرش نے ایک ایک ایک لفظ چباتے ہوئے روتے خود کو اس کے حصار سے چھڑوایا۔

زاران اس کی کلائی کو جکڑتے اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے واش روم کی طرف بڑھا۔۔

زاران کیا کر رہے ہیں چھوڑیں مجھے ؟؟ ابرش چیخی تھی۔۔ وہ اس کی کلائی مضبوطی سے تھامے اسے گھسیٹتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھا۔۔

ابرش کے چیخنے کی پرواہ کیے بغیر وہ واش روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا ۔۔ دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا۔ دھاڑ کی آواز سے ابرش لرز اٹھی تھی۔۔ زاران نے اسے پوری قوت سے دیوار کی طرف دھکا دیا۔۔ وہ بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش خود کو سبھالتے گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔۔ جوابًا اس نے اسے جن نظروں سے گھورا تھا۔ اس کا دل پہلو میں دھڑکتا ہوا سکڑا تھا۔

زاران کی خونخوار نظروں سے گھبراتے ہوے ابرش نے اپنے قدم واش روم سے باہر کی طرف بڑھائے۔۔زاران پھر سے اس کی کلائی جکڑے اسے دیوار کے ساتھ پٹخ چکا تھا۔

اب کی بار پہلے سے بھی زیادہ شدت سے دیوار میں پٹخا تھا۔۔درد کی شدید لہر اسے اپنی کمر میں سرایت کرتے محسوس ہوئی۔

ابرش نے نم نگاہوں سے ستم گر کو دیکھا جو اس کے گرد دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ پن کیے اسے سرد سرخ نظروں سے گھور رہا تھا۔۔

ابرش نے سسکی لیتے اپنی کمر میں اٹھتا درد برداشت کیا تھا۔۔رات بھی وہ یقینًا اس کی نازک کمر پر کافی ظلم ڈھا چکا تھا۔۔پہلے ہی اسے شدید درد ہو رہا تھا۔۔اب جس بری طرح پٹخا تھا۔وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔

مجھے جانے دو رزاران۔۔ ابرش اس کی سرد سرخ نظروں سے گھبراتے ہوے بولی۔۔

وہ جن نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ ابرش کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔۔ وہ ہوٹل کے کمرے میں اس کے ساتھ اکیلی تھی۔۔ یہ سوچ کر اب اسے پسینے آنے شروع ہو چکے تھے۔۔ اس کا کل رات والا سفاک روپ یاد آیا تھا۔ جب اس نے بہزاد کے آدمیوں کو بہت بے دردی سے قتل کیا تھا۔۔ جس بری طرح اس نے گاڑی کی بونٹ پر اپنا ہاتھ مارتے ہوے زخمی کیا تھا۔۔ وہ کل رات سے اس سے کافی ڈر گئی تھی۔۔ دوسرا اس کے دل میں کل رات کو زاران کو لے کر ایک تحفظ کا احساس ہوا تھا۔

اسی لیے آج اس کے منہ سے اس کے لیے آپ نکل رہا تھا۔۔ مگر وہ اسے حرام مشروب پلا کر اس کا فائدہ اٹھائے گا۔ یہ بات اسے تکلیف دے گئی تھی۔۔ اسے سامنے کھڑے ظالم بے رحم پر ویسے بھی غصہ تھا۔ جس نے کل رات بیہوشی میں اس کا فائدہ اٹھاتے ہوے بہت بے رحمی دکھائی تھی۔۔ وہ نقاہت کے باعث اب کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔۔ اب وہ اسے واش روم کیوں لایا تھا؟؟۔۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ کہیں وہ پھر سے اس کے ساتھ وہی سب کچھ تو دہرانا نہیں چاہتا تھ۔۔

یہ سوچتے ہی ابرش نے زاران کی سرخ نظروں سے کتراتے ہوے اپنی گاؤن کی ڈوری کس کر باندھی۔۔۔

زاران نے اس کی حرکت دیکھتے استھزائیہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ اس کے قریب ہوا تھا۔ زاران کی سانسیں اپنے چہرے پر بکھرتے محسوس کرتے اس

کے گال دہک کر آنار ہوے تھے۔ زاران کے ہونٹ اب اس کے ہونٹوں سے ٹچ ہو رہے تھے۔۔۔ جسے محسوس کرتے ابرش اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ زران کی گہری گرم سانسیں اس کے گلاب سے ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔۔ ابرش اور بھی سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔ مزاحمت کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔۔ اس کی شدتیں سہنے کی طاقت نہ تھی۔۔۔

وہ آنکھیں میچے اس کی شدت اپنے لبوں پر سہنے کے لیے اب تیار تھی۔۔ مگر اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔۔

یکدم اسے اپنے اوپر پانی کی بوچھاڑ گرتی محسوس ہوئی۔ اس نے ہڑبڑاتے ہوے اپنی آنکھیں کھولیں۔۔ زاران نے روف شاور آن کر دیا تھا۔۔

گرم پانی کی بوچھاڑ گرتے ہوے اسے اور زاران کو بھگو رہی تھی۔۔ زاران یہ کیا کر رہے ہیں؟؟۔ پاگل ہو چکے ہیں کیا؟؟۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے

چیخ کر کہتے زاران کو خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔زاران نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔۔

کھڑی رہو یہیں پر۔۔۔۔تب تک تم کھڑی رہو گی۔۔جب تک تمھارا نشہ مکمل طور بر اتر نہ جائے۔۔ تمھیں یاد نہ آجائے رات کو ہوا کیا تھا؟؟زاران اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے ہوے غرایا۔۔

کیا ہوا تھا رات کو جو ہوا ہے۔۔وہ آپ بھی جانتے ہیں۔جو کیا آپ نے کیا۔۔۔ابرش بمشکل ہی بولی تھی۔۔۔۔زاران اسے دیوار کے ساتھ لگائے کھڑا تھا۔۔ مسلسل گرتے پانی نے اس کی سانسیں تیز کر دی تھیں۔

ابھی یاد آجائے گا۔۔رات کس نے کیا کیا؟؟زاران نے اسے سرد نظروں کو دیکھتے لفظ چبائے تھے۔۔

ابرش اب گہرے سانس لیتے ہوے اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔۔

دونوں پر پانی گرتا انھیں اچھا خاصا بگھو گیا تھا۔۔

دونوں ہی اب گہری سانسیں لیتے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

زاران پلیز مجھے جانے دیں۔ ابرش نے گہری ہوتی سانسوں بمشکل بولتے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔

وہ مزید کچھ دیر اور کھڑی رہتی۔ یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔۔۔ اسے گرم پانی کے نیچے بھی اب سردی لگنا شروع ہو چکی ہے۔۔

شششش۔۔۔۔۔۔زاران نے اس کے ہونٹوں پر انگلی جمائی۔۔جب تک تمھیں یاد نہیں آئے گا۔۔کل رات کیا ہوا تھا تم یہاں سے ہلو گی بھی نہیں۔۔وہ شاور کی سپیڈ اور تیز کرتے بے رحمی سے بولا۔۔

کل رات کیا ہوا تھا؟؟ آپ ہی بتا دیں کیا ہوا تھا۔۔وہ بے بسی سے چیخی تھی۔۔

اوکے جیسے تم چاہو۔۔میں کچھ کہوں گا نہیں بلکہ دکھاؤں گا۔۔کیونکہ تم میرے کہے پر یقین نہیں کرو گی۔۔ تمھارے نزدیک میں بہت بے اعتبار جو ٹھہرا۔۔جو اتنا کمزور اور گرا ہوا ہے اپنی ہی بیوی کو حرام مشروب اس لیے پلائے گا کیونکہ اس نے اس کا مدہوشی میں فائدہ اٹھانا تھا۔۔زاران نے طنزیہ کہتے اپنا باتھ روب گاؤن سینے سے ریمو کیا۔۔

ابرش نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے یقینی سے زاران کا سینہ دیکھا تھا۔۔

گردن سے سینہ سرخ دھبوں سے بھرا پڑا تھا۔۔ گردن پر دانتوں کی گھڑی بنی ہوئی تھی۔۔ جہاں اب کافی نیلاہٹ تھی۔۔

کک یہ کس نے کیا؟؟ ابرش کی آواز لڑکھڑائی تھی۔۔

میں خود تو کرنے سے رہا۔ تم ہی سوچو کس نے کیا ہے۔۔ زاران طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

ابرش سرخ چہرے کے ساتھ بے یقین نگاہوں سے وہ نشان دیکھ رہی تھی۔۔ اتنی بیوقوف ہرگز نہ تھی وہ لو بائٹ کی پہچان نہ کر سکے۔۔۔ یہ نشان زاران کی شدتوں کے بعد اس کی پورے بدن کا حصہ بنتے تھے۔

یکدم رات کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔۔اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑا تھا۔۔گھنیری پلکیں عارض پر خوبخود جھک گئی تھیں۔

وہ لب کاٹتے نظریں جھکائے دیوار کے ساتھ لگے گہرے سانس بھرنے لگی۔۔۔

اس کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے وہ سمجھ گیا تھا۔۔اس کی بیوقوف جذباتی بیوی کو سب کچھ یاد آگیا ہے۔۔

کیا ہوا بیوی؟؟اب نظریں کیوں جھک گئی ہیں؟؟۔سرخ گلاب کیوں ہو رہی ہو؟؟۔۔شرما رہی ہو یا اپنی حرکتیں یاد کر کے خود پر شرم محسوس ہو رہی ہے۔۔زاران اس پر جھکے سرد انداز میں گرجا۔۔

مم۔۔۔۔۔میں۔۔وہ۔۔۔۔۔ابرش کی زبان لڑکھڑائی۔۔

تمھیں کل رات وہ حرام مشروب صرف تمھارے زندگی بچانے کے لیے پلایا تھا۔۔نہ میرا کوئی آرادہ تھا۔۔نہ میں نے ایسا کچھ سوچا تھا۔۔میں زاران خانزادہ ہوں سیلف کنٹرول انسان ہوں۔۔۔مجھے خود پر بہت کنٹرول حاصل ہے۔۔یہ تمھیں ان تین ماہ مین پتہ چل گیا ہو گا۔۔جس پر تمھاری خوبصورتی تمھاری چھوٹے چھوٹے کپڑے کوئی اثر نہیں کر سکے۔۔وہ کل رات تم پر اتنے غصے کے باوجود کیسے بہک سکتا تھا؟؟وہ یکدم چیخا تھا۔۔ابرش اس کے چیخنے پر منہ پر ہاتھ رکھ گئی۔۔

اگر مجھے تمھارے قریب آنا ہوتا تو ہوش میں تمھارے قریب آتا۔۔یہ گھٹیا کام نہ کرتا۔۔اور تمھیں کیا لگتا ہے تمھارے قریب آنے کے لیے مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت ہے۔۔

تمھارے تن من کا خدا کے بعد میں مالک ہوں۔۔ یہ گھٹیا کھیل کھیلنے کی مجھے ضرورت نہیں۔۔۔ لیکن اب افسوس ہو رہا ہے میں کل رات تمھارے قریب کیوں آیا؟؟ تم مدہوش تھی میں تو ہوش میں تھا۔۔ تم کبھی میرے جذبات احساسات نہیں سمجھ سکتی۔۔ پہلے میرے جذبات بھڑکاتی ہو پھر ایسے ہی ری ایکٹ کرتی ہو۔۔ اب سمجھ آیا مرد کو چار شادیاں کرنے کی آجازت کیوں ہے؟؟۔۔ تم جیسی بیوی کے ہوتے مرد مجبور ہوتا ہے دوسری شادی کرنے کو۔۔ زاران کی اس بات پر ابرش نے بھیگی زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔۔ زاران کی ساری باتوں سے زیادہ اس بات نے گہری چوٹ لگائی تھی۔۔ وہ بلبلا کر رہ گئی تھی۔۔۔

زاران اس کی بھیگی زخمی نگاہوں کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔۔ جانتا تھا اس کی سر پھری بیوی کا پیار ایسا ہی ہے۔۔ وہ خود جو مرضی کرے۔۔۔ مگر اس کے لیے شدت پسند تھی۔۔

وہ اسے یہ کہنا نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر اس کے لفظوں نے تکلیف اتنی دی کہ وہ بھی اسے تکلیف دینا چاہتا تھا۔۔

مگر اس کی آنکھوں میں اترتی نمی نے اسے احساس دلایا تھا۔۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔۔

زاران اس پر قہر بار نگاہ ڈالتے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا۔۔ وہ بھاگتے ہوے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے کو جکڑتے اس کی پشت کے ساتھ لپٹ گئی۔۔

اس کے اس طرح لپٹنے زاران خانزادہ کے قدم ٹھہرے تھے۔۔وہ اس کی پشت کے ساتھ لپٹتے گہری سانسیں بھر رہی تھی۔

میر اوہ مم۔۔۔۔مطلب نہیں تھازاران۔۔۔۔مجھے صرف غصہ حرام مشروب پینے کا تھا۔۔

ابرش اس کی پشت کے ساتھ لپٹتے سسکتے ہوے بولی۔

کیامیں تمھیں اتنا گھٹیا لگتاہوں کہ تمھیں حرام مشروپ پلا کر تمھارے قریب آؤں گا۔۔وہ رخ پلٹتے اس کے بال گدی سے جکڑتے اس کا چہرہ رو برو کرتے استفہامیہ انداز میں غرایا تھا۔۔

نہیں۔۔ زاران مجھے اس بات پر بھی غصہ تھا۔۔ ممم میرے بدن میں پین تھا آپ کی بے رحمی پر بھی غصہ آ گیا۔۔ ابرش زاران کی سرد آنکھوں میں دیکھتے ہوے گڑبڑائی تھی۔۔۔

اوکے ٹھیک ہے۔۔ پھر دور رہو مجھ سے۔۔ اگر دوبارہ میرے قریب آئی تو اس سے زیادہ بے رحمی دکھاؤں گا۔۔ زاران نے اسے خود سے دور دھکیلا ۔۔

ابرش اس کے اور قریب ہوتے اس کا ہاتھ روب گاؤن سینے سے دونوں ہاتھوں سے جکڑے اس کے لبوں پر جھ گئی۔۔۔

زاران کا بالائی لب اپنے لبوں میں لیتے اسے شدت سے چومنے لگی۔۔ زاران اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔۔

زاران کچھ پل ایسے ہی کھڑا رہا لیکن وہ چاہ کر بھی اس سے دور نہیں ہو سکا تھا۔۔اس کی قربت اس کی کمزوری تھی۔۔رات کے بعد سے وہ اس کا پہلے سے زیادہ آثیر ہوا تھا۔۔رات اس کی شدتوں میں اس کی پاگل بیوی کی دیوانگی بھی جھلک رہی تھی۔

زاران نے اسے بالوں سے جکڑے خود سے دور کیا۔۔

۔۔ابرش نے لہو چھلکاتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔۔رات مدہوشی میں اس کے قریب گئی تھی۔۔اب پورے ہوش و حواس سے اس کے قریب گئی تھی۔چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو چلا تھا۔۔یہ اس نے بے اختیاری میں نہیں کیا تھا مگر پھر بھی اب وہ زاران کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

رات کی بھی اپنی حرکتیں یاد کر کے اس کا بدن بھی اب لرزنا شروع ہو چکا تھا۔۔

زاران نے اسے یوں شرمندہ سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے دیکھ کر اسے بازو سے نرمی سے جکڑے خود کے قریب کیا۔

تمھاری ہر ادا جان لیوا ہے بیوی۔۔۔ کیا شے ہو تم آخر؟؟۔ مدہوشی میں تو ہوش اڑاتی ہو۔۔ ہوش میں بھی میرے ہوش اڑانا تمھیں خوب آتا ہے۔۔

زاران نے مسکراتے ہوے اس کی ٹھوڑی نرمی سے اوپر اٹھاتے ہوے شرارتی لہجے میں کہتے اس کی شرمندگی زائل کرنی چاہی

زاران وہ مم۔۔۔۔میں۔۔۔ابرش سرخ ہوتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔

زاران نے نرمی سے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے تھے۔۔

بیوی ہوش میں میرے قریب آئی ہو۔۔ابھی بھی وقت ہے سوچ لو۔۔اب کچھ بھی ہو جائے تمھیں دن رات ہر پل صرف میرے قریب رہنا ہو گا۔۔بہت بے رحمی دکھاؤں گا۔۔ تمھارے شکوے تمھاری سسکیاں تمھارے لبوں میں ہی دم توڑ جائیں گی۔۔میں ہر وقت تمھارے خوبصورت نرم و نازک پنکھڑیوں سے لپٹا رہوں گا۔۔اب رہائی نہیں ملے گی کبھی۔۔

زاران نے اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے گھمبیر آواز میں کہا۔۔

سوچ لیا مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش جھکی نظروں سے سرخ چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولی۔۔

اونہوں ایسے نہیں جان من۔۔۔۔ مسسز زخانزادہ سٹائل میں کہو۔۔ جو رات کو تمھارا انداز تھا مجھے اب دن رات تمھارا وہی انداز چاہیے۔۔۔ زاران نے اس کے لبوں پر نرمی سے انگلی رکھی۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش نے ذرا سی نظریں اٹھا کر اس کی طرف ایکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے اپنی نظریں جھکائیں۔۔۔

۔۔ زاران اس کے گلابی مدہوش آنکھوں کو دیکھتے اس کے لبوں پر جھکے انھیں اپنی سانسوں میں قید کر گیا۔۔ قطرہ قطرہ وہ اس کی سانسوں کو پیتے مدہوش ہوتا وہ ہر حد سے گزر گیا تھا۔۔ ابرش اس کی پناہوں میں بے بس ہوتی خود کو اسے مکمل طور پر سونپ گئی تھی۔

ابرش شاور لینے کے بعد خود پر ٹاول لپیٹے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔۔لبوں پر شرمیلی مسکان تھی۔۔ہونٹ زاران کی شدت سے لہو چھلکا رہے تھے۔۔۔۔

باتھ روب گاؤن گیلا ہو چکا تھا۔۔اس کے کپڑے کمرے میں تھے۔۔

اب کمرے میں ایسے جاتے ہوے شرم آرہی تھی۔

وہ کب سے واش روم میں کھڑی تھی۔۔

زاران جو شاور لینے کے بعد ٹراوزر میں ملبوس کمرے میں ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے بال ٹاول سے رگڑتے ڈرائے کر رہا تھا۔۔زاران نے واش روم کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔۔

وہ ابھی تک باہر نہیں آئی تھ۔۔

زاران سمجھ چکا تھا وہ باہر کیوں نہیں آ رہی۔۔زاران مسکراتے ہوے دراوازہ کھولتے واش روم میں داخل ہوا۔۔

وہ گھٹنوں تک ٹاول لپٹے باتھ روب ٹپ کے کنارے پر بیٹھی ناخن چبا رہی تھی۔۔

ابرش۔۔۔۔زاران کے پکارنے پر وہ ہڑابڑاتی ہوئی اٹھی تھی۔۔

زاران کو دیکھتے وہ گلابی ہوتے نظریں جھکا گئی۔۔

زاران مسکراتے ہوے اس کے قریب گیا اور اسے اپنی بانہوں میں سمایا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔۔ابرش نے اس کے سینے کے ساتھ لگے اسے پکارا تھا۔

وہ ٹاول لپیٹے اس کے حصار میں کھڑی اب کانپ رہی تھی۔۔وہ بہت شدت سے اسے خود میں لپیٹے ہوے تھا۔۔

ابرش نے دس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی مگر زاران اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔

تم نے۔۔۔۔مجھے خود کو خود ہی سونپا تھا۔۔زاران نے اس کے لبوں پر نرمی سے اپنے لب رکھتے اس کے لبوں کو مسلا۔۔۔۔مم۔۔۔مجھے بھوک لگی ہے۔۔ابرش نے نظریں جھکائے کہا۔۔

اس ستم گر کی پناہوں اور شدتوں سے جان چھڑوانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔۔اور اسے اب بہت بھوک بھی لگ رہی تھی۔۔کل دوپہر کے بعد کچھ

نہیں کھایا تھا۔۔اب اس کی شدتیں سہتے سہتے وہ مرنے والی ہو رہی تھی۔۔مگر مقابل کو پرواہ ہی نہیں تھی۔ران نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا جہاں سرخی کے ساتھ زردیاں بھی گھلی تھیں۔۔کل رات سے وہ اس پر شدتیں ہی تو نچھاور کر رہا تھا۔۔

ہم۔۔۔۔۔۔چلو زاران نے الماری سے خشک ٹاول نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔۔ابرش نے اس کے ہاتھ سے ٹاول لیتے اپنی نظریں جھکائیں تھیں۔

وہ اس کے سامنے یہ ٹاول نہیں لپیٹنا چاہتی تھی۔۔

ہمم۔۔۔بیوی مجھے تمھارا شرمانا نہیں پسند۔۔۔وہی روپ پسند ہے۔۔جب تم بہکتے ہوئے میری شدتوں میں میرا ساتھ دیتی ہو۔۔زاران نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑے ابھی کچھ دیر والے جذباتی سین یاد دلایا تھا۔۔جب وہ بھی اس کی بانہوں میں بہک گئی تھی۔۔

ابرش اس کی بات کا مطلب سمجھتے شرماتے ہوے اس کی بانہوں میں سما گئی ۔۔زاران نے مسکراتے ہوے اس کے نم بالوں پر اپنے لب رکھے

۔۔۔جان۔۔۔میں تمھارے ساتھ یہاں زیادہ دن رہنا چاہتا تھا۔۔مگر ہمیں ابھی ہر حال میں نکلنا ہو گا۔۔زاران نے اسے سینے میں بھینچتے کہا۔۔۔

کیوں؟؟۔۔۔۔۔۔ابرش نے سوالیہ نگاہوں اسے اس کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی زاران کے ساتھ یہاں رکنا چاہتی تھی۔۔اس کے ساتھ اکیلے میں یہاں وقت بتانا چاہتی تھی۔۔ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی تھی۔۔یہاں کے سر سبز پہاڑوں پر گرتی برف کو دیکھنا چاہتی تھی۔۔وہ جانے کی بات کیوں کر رہا تھا۔۔

جان۔۔۔ آج عابیر کی برتھڈے ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اس کی برتھڈے والے دن میں اس کے پاس نہ۔ ہوں۔ اس لیے ہمیں ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہو گا۔۔ مجھے رات سے پہلے عابیر کے پاس پہنچنا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں کچھ کو کھانے کا آرڈر کرتا ہوں۔۔ زاران اس کے گال کو شدت سے چومتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ابرش کتنی دیر وہاں پر پتھرائی نگاہوں سے کھڑی رہی۔۔ اسے ابھی یاد آیا تھا آج تو عنائیہ کی بھی سالگرہ تھی۔ وہ بھی ہر سال اس کی سالگرہ والے دن اس کے ساتھ ہوتی تھی۔۔ وہ کتنی ریر وہیں کھڑی خاموش آنسو بہاتی رہی۔

۔

عابیر کو گود میں اٹھائے وہ کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔۔ کمرے کا دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے بند کرتے وہ کے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔۔ اسے نرمی سے بیڈ کے وسط میں لٹایا۔۔

اسفندیار خان نے جھک کر عابیر کی طرف دیکھا جو گلابی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسفندیار نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے ہوے بہت نرمی سے عابیر کے جلتے دہکتے سرخ انار عارض پر اپنی انگلیاں نرمی سے ٹریس کیں۔ عابیر اس کی انگلیاں جھٹک کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔

دوسری سائیڈ سے بیڈ سے اتر کر وہ جلدی سے دروازے کی جانب بڑھی۔ دو قدم چلنے پر ہی اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔ عابیر نے اپنے چکراتے سر کو ایک ہاتھ سے تھامتے ہوے دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیا۔

اسفند جو لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔اس کو چکراتے دیکھ کر وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔

اسفند نے اس کے لرزتے وجود کو نرمی سے بانہوں میں بھرا۔۔اس کا بار بار جھٹکنا،،اس کمرے سے جانا اسے بہت غصے میں مبتلا کر رہا تھا۔۔اس کی طبعیت کے پیش نظر وہ اپنا غصہ کنٹرول کر گیا تھا۔۔

عابیر اس کے حصار میں بری طرح جھٹپٹائی تھی۔گرم چادر اب صرف ایک کندھے پر ڈھلک رہی تھی۔۔سنہری بالوں کی کچھ الجھی ہوئی لٹیں عارض کو چھو رہی تھیں۔کیچر میں مقید لمبے سنہری بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔سرخ متورم ہیزل آنکھیں۔۔دہکتے رخ عارض۔۔اور گلابی لرزتے ہونٹ۔۔۔

وہ بخار کی حدت سے مزید خوبصورت لگنے لگی تھی۔۔

اسفندیار خان کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔

چچ۔۔۔۔ چھوڑو۔۔۔۔ مجھے اسفندیار خان۔۔ عابیر اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جمائے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے لرزتے لبوں سے بولی۔۔

عابیر خاموشی سے بیڈ پر بیٹھو۔۔۔۔ کوئی تماشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھی تم۔۔۔ نیچے جتنا تماشہ کرنا تھا تم نے کر لیا۔۔ اسفند نے اس کے جھٹپٹانے پر ذرا سختی سے کہا۔

میں نے تماشہ کیا ہے اسفندیار خان؟؟۔۔۔ اس کی نم آنکھوں میں سوال ابھرا۔۔۔ اسفند کی خاموش نگاہیں اس کے چہرے کا ہی طواف کر رہی تھیں۔۔ وہ زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یا پھر آپ نے میری زندگی کا تماشہ بنایا ہوا ہے۔۔ آپ نے مجھے سزا دینے کے لیے شادی کی تھی۔۔ ضروری نہیں آپ مجھے ساری عمر اپنے نکاح میں رکھ کر سزا دیتے رہیں۔ سزا دینے کے اور بھی طریقے ہیں۔۔ یقین مانیں وہ سزا میرے بھائی کی جان نکال کر رکھ دے گی۔۔ وہ تڑپ کر رہ جائے گا۔۔ عابیر کی بات پر اسفند کا چہرہ ثپاٹ ہوا۔۔ وہ اس کی بات کی تہہ تک جیسے پہنچ چکا تھا۔

کس سزا کی بات کر رہی ہو تم ؟؟ اسفند نے اس کے ایک بازو پر اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھتے ہوئے پوچھا۔۔

مجھے آزاد کر دیں اسفند۔۔۔۔ مجھے طلاق دے دیں۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔۔ وہ اس کی بات سن کر اتنی زور سے دھاڑا تھا۔۔

عابیر کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوے تھے۔

عابیر لرزتے ہوے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ گئی تھی۔ عابیر کا بخار تمازت سے جلتا چہرہ اور لرزتا بدن دیکھ کر اس نے بہت مشکل سے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔ اس کا طلاق مانگنا اسے جلتے انگاروں پر لوٹا گیا تھا۔۔

لک عابیر۔۔۔۔۔ تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس لیے آج یہ بات برداشت کرلی ہے۔ مگر آئیندہ نہیں کروں گا۔۔ آئیندہ یہ لفظ منہ سے مت نکالنا۔۔ اسفند نے اس کے ہاتھ کان سے ہٹاتے اپنے لہجے کو حتی المکان نرم بنایا تھا۔۔ ورنہ اس کا طلاق کا مطالبہ سن کر اس کا رگوں میں دوڑتا خون ابھی بھی بھڑک رہا تھا۔

آپ کو اپنی بہن کی فکر ہے کہ اگر آپ مجھے طلاق دیں گے تو اس کو بھی طلاق ہو گی۔۔ مم میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہو

گا۔۔ بہارے پر ایک آنچ بھی نہیں آئے گی۔۔ آپ مجھے بس آزاد کر دیں۔ مم... میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی۔۔ اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتی۔۔۔

عابیر۔۔۔۔ اسفند نے گرجتے ہوئے اس کا نام پکارا تھا۔۔ اس کی خوفناک گرج پر اس کی زبان تالو سے چپکی تھی۔ اسفندیار خان کا ہاتھ ہوا میں بلند دیکھ کر عابیر گال پر ہاتھ رکھ کر اپنا منہ پھیر چکی تھی۔۔

اسفند نے آنکھیں میچتے اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوا میں معلق ہوتے ہاتھ کو پہلو میں گراتے اپنی مٹھی سختی سے دبوچی۔۔

عابیر گہرے سانس بھرتے دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔ اب گلابی بھیگی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا رک کیوں گئے ؟؟ کیوں نہیں ہاتھ اٹھایا؟؟۔۔ اٹھایئے ہاتھ ادھیڑ ڈالیں مجھے۔۔۔ اسفندیار خان سفاک سزا دیں مجھے۔۔ آپ کی آنا پر وار کیا ہے میں نے طلاق مانگ کر جو آپ سے برداشت نہیں ہو رہا۔۔ عابیر دیوار کے ساتھ لگے اسفندیار کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی لہجے میں بولی۔۔ بخار اور نقاہت سے پیروں میں جان نہیں تھی۔۔ وہ بمشکل ہی کھڑی تھی۔۔۔ مگر جو تکلیف وہ رات بھر سہہ چکی تھی۔۔ اس سے زیادہ کوئی تکلیف ہو ہی نہیں سکتی تھی۔۔ وہ اس کا ہو گا اور پھر بھی اس سے بیوفائی کرے گا۔۔ وہ کیسے برداشت کرے گی۔۔ اس سے اچھا ہے وہ سامنے کھڑے سفاک بے وفا انسان سے دستبردار ہو جائے۔۔۔ عابیر زخمی نگاہوں سے لرزتے بدن کے ساتھ اسفندیار کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔

عابیر اب تم نے مزید بکواس کی میں قسم کھاتا ہوں۔۔میں تمھاری بلکل پرواہ نہیں کروں گا۔۔سچ میں ادھیڑ ڈالوں گا۔۔اسفند اس کے قریب ہوتا دیوار پر ہاتھ جمائے سرد انداز میں بولا۔۔

تو ادھیڑ ڈالیں پھر۔۔۔۔۔۔عابیر دیوار میں مزید سماتے اپنا منہ پھیر گئی تھی۔۔اسفند کی اتنی بھی نزدیکی اب برداشت نہیں تھی۔۔

اس کا منہ پھیرنا اسفند یار خان سے برداشت نہیں ہوا تھا۔۔اسفند اس کا منہ دبوچتے سیدھا کرتے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں قید کر گیا۔۔

عابیر اس کے لمس پر ساکت ہوئی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر علیحدہ ہوے۔۔

عابیر نے سسکی بھرتے ہوے اپنے نازک ہاتھوں سے اسفندیار خان کو خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔

وہ اس کی کلائیاں نرمی سے دیوار پر جکڑے اس اسے پوری طرح اپنے قابو کر گیا تھا۔۔

وہ بہت شدت سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں انہیل کرنے لگا۔۔ بخار کی شدت سے عابیر کی حالت کافی نازک تھی۔۔

وہ کچھ ہی لمحوں میں اس کی گرفت میں ساکت ہو چکی تھی۔

۔اسفند نے اس کی کمزور سی مزاحمت دم توڑتی محسوس کرتے اس کی نازک پنکھڑیوں پر اپنی گرفت نرم کرتے انھیں آزادی بخشی۔۔

عابیر کے چہرے کو دیکھا جو اس کی شدت اور جسارت پر مزید سرخ ہو چکا تھا۔۔وہ اس وقت سرخ گلاب محسوس ہو رہی تھی۔

عابیر گہرے سانس بھرتے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔اس کے گلابی ہونٹ کچھ ہی پلوں میں سرخ ہو چکے تھے۔۔نچلے لب پر اسفند کی شدت کا ہلکا سا کٹ بھی تھا۔۔

آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے ایسے چھونے کی؟؟

عابیر اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سسکتے ہوے غرائی۔کسی کو بھی ایسے چھونے کے لیے ہمت کا نہیں۔۔۔حق کا اور اختیارات کا ہونا کافی

ہوتا ہے۔اور تمھیں ایسے چھو کر تم پر باور کروایا ہے کہ میں تم پر کتنا حق رکھتا ہوں۔

وہ اس کے نچلے لب کو اپنی دو انگلیوں میں دباتے ہوے اپنا دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو گردن سے نیچے سرسراتے ہوے

لے گیا۔۔۔عابیر اس کی جسارت پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔

اب اگر دوبارہ مجھے دیکھتے اپنا منہ پھیرا بے رخی دکھائی تو اس طرح تم میں سماؤں گا کہ تم میرا لمس برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ نکاح کی رات کو میری بانہوں میں تم نے تڑپتے سسکتے کتنے آنسو بہائے تھے۔۔یاد ہے نہ تمھیں۔۔۔اس دن میری شدتوں میں غصہ تھا بدلہ تھا۔۔ مگر اب میری شدتوں میں جنون بھی شامل ہو گا۔جو تمھاری ناز کی برداشت نہیں کر پائے گی۔

اسفند نے سرد انداز میں اسے باور کرواتے ہوے اس کے ہونٹوں پر اپنی پر تپش سانسیں بکھیریں۔۔

میرے پاس آنے کے لیے آپ کو اپنی قسم توڑنی پڑے گی۔۔اور مجھے یقین ہے اسفندیار خان اپنی بات سے کبھی نہیں مکرے گا۔عابیر کے طنزیہ لہجے پر اسفندیار کی آنکھوں میں غصے کی حدت بڑھی تھی۔

میری بات کان کھول کر سن لو عابیر۔۔میں نے یہ نکاح تمھیں سزا دینے کے لیے کیا تھا۔۔مگر تمھیں چھوڑنے کا کبھی نہیں سوچا۔۔تم مجھ سے کبھی رہائی پاؤ گی۔۔یہ

بات بھول جاؤ تم۔۔۔تم ساری عمر اب میرے نکاح میں رہو گی۔۔تم میری زندگی سے جانے کی بات کرتی ہو۔میں تمھیں اس کمرے سے کہیں جانے

نہیں دوں گا۔۔ میں اس حویلی میں رہوں یا پھر کہیں بھی۔۔ ایک بات یاد رکھنا تم اس کمرے سے باہر قدم بھی میری آجازت سے رکھو گی۔

اگر تم یہ سوچتی ہو کہ دوسری بیویوں کی طرح لڑ کر یا مجھے دھمکیاں دے کر اس طرح آنسو بہا کر پریشان کرو گی تو غلط سوچتی ہوں۔

ہوتے ہوں گے شوہر پریشان جو اپنی بیویوں سے بے حد محبت کرتے ہوں گے۔۔۔ مگر یہاں ایسا کچھ معاملہ نہیں ہے۔۔ آج تو تمھیں نیچے سے آرام سے گود میں اٹھا کر لایا ہوں۔۔ کل تمھیں گھسیٹتا ہوا لاؤں گا۔۔ اگر آئیندہ اس کمرے سے باہر کہیں اور رکنے کی بات بھی کی تو۔۔۔ اسفندیار خان اس پر جھکے غرایا تھا۔۔

وہ اس کا کمرے سے باہر کہیں اور رکنے والی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔۔ وہ اس کی زندگی سے جانے کی بات کر رہی تھی۔ اس کا طلاق مانگنا روح پر چابک

کی طرح لگا تھا۔۔یقیناً آج اس کی طبعیت خراب نہ ہوتی وہ بہت بری سزا دیتا۔۔

جہاں تک بات ہے طلاق کی تو تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ہم خان کسی بھی صورت اپنی عزت کو نہیں چھوڑتے۔۔اس لیے یہ آئیندہ لفظ منہ سے مت نکالنا۔۔۔طلاق تو نہیں ملے گی۔۔مگر زبان حلق سے کھینچ لوں گا میں۔۔اسفند دھمکی امیز لہجے میں بولتا اس سے دور ہو۔۔

اس حویلی میں اب طلاقیں ہوتی ہیں۔۔چھوڑنے والے تو بھرے جرگے میں چھوڑ دیتے ہیں۔ارحام لالا گل بھابھی کو چھوڑ سکتے ہیں تو پھر مجھے بھی طلاق ہو سکتی ہے۔عابیر کی بات پر اسفند کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔بند مٹھیوں کی کڑکڑاہت تک عابیر کی سماعتوں تک بخوبی پہنچی تھی۔

اسفندیار خان کے چہرے پر غیض و غضب دیکھ کر ایک پل کے لیے وہ سہمی تھی۔۔ دوسرے ہی پل وہ اپنے خوف پر قابو پا گئی تھی۔ مقابل کی رات کی دی ہوئی اذیت ہی اتنی تھی کہ وہ خود کو اذیت کی انتہا پر محسوس کر رہی تھی۔

اسفند اس کا خوف سے زرد پڑتا چہرہ اور لرزتا بدن دیکھ کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے غصے اور اشتعال پر قابو پانے لگا۔۔ وہ بخار کی حدت سے جل رہی تھی۔۔ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔ ایسا لگ رہا تھا وہ کچھ ہی لمحوں میں زمین بوس ہو جائے گی۔

اسفند یہ دیکھتا اس کے قریب ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کیا۔۔

مسسز اسفندیار خان۔۔۔۔ گل بھابھی کو چھوڑنے والا ارحام خانزادہ

تھا۔۔ مگر میں اسفندیار خان ہوں۔۔۔۔۔۔۔ میں اپنی چیزوں پر کبھی اپنا

حق ختم نہیں کرتا۔۔ اگر یقین نہیں آتا تو پوچھ لینا اپنے بھائی سے۔۔ ایک

وقت تھا ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے جان بھی دے سکتے تھے۔۔ مگر

کبھی اپنی چیزیں ایک دوسرے سے شئیر نہیں کیں۔۔ جو چیز میری تھی وہ

ہمیشہ میری ہی دسترس میں رہتی تھی۔۔۔ بے جان چیزوں کو میں اپنی

دسترس سے جانے نہیں دیتا تم تو عزت ہو اسفندیار خان کی۔۔ تم پر کبھی اپنا

حق اختیارات ختم نہیں کروں گا۔۔ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا

ہوں۔ مگر تمھیں کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔۔ اگر کبھی ایسا ہوا تم میرے مقابل آ

کھڑی ہوئی۔۔۔ قسم کھاتا ہوں میں تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا

۔۔ مگر رہائی نہیں دوں گا۔۔ اسفند ایک ہاتھ اس کی نازک کمر میں ڈالے

دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو دبوچتے ہوے اس کے چہرے پر اپنی سانسیں بکھیرتا تپش زدہ لہجے میں بولا۔۔۔

تو پھر گاڑھ دو مجھے زندہ زمین میں۔۔۔۔ اسفندیار خان۔۔ میں کوئی چیز نہیں ہوں۔۔ جسے جب تک آپ چاہیں آپ اپنی دسترس میں رکھیں گے۔۔ میں جیتی جاگتی انسان ہوں۔۔ آئیندہ مجھے کبھی بھی اپنی عزت نہ کہیے گا۔۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی عزت کی عزت نفس کی دھجیاں ایسے نہیں بکھیرتا۔ جیسے دن رات آپ مجھے اذیت دیتے ہیں ناں ایسے کوئی نہیں کرتا۔۔ اب یہ نیا طریقہ نکالا ہے مجھے اذیت دینے کا۔۔ قطرہ قطرہ مجھے ماریں گے۔۔ میرے اور اپنے درمیان کسی تیسرے کو لا کر اذیت دیں گے مجھے۔۔

۔وہ اسفندیار خان کا گریبان مٹھیوں میں دبوچے ہزیانی چیخی تھی۔۔

جس طرح ایک مرد اپنی عورت پر کسی کی نظر برداشت نہیں کرتا۔اس طرح عورت بھی اپنے مرد کو کسی کے ساتھ نہیں شئیر کر سکتی۔۔میرے سامنے آپ غیر لڑکی سے باتیں کرتے ہیں۔۔رات کی تنہائی میں کسی غیر لڑکی سے ملنے جاتے ہیں۔۔مجھے دوسری شادی کی دھمکیاں دیتے ہیں۔اور پھر مجھ سے توقع رکھتے ہیں..میں سانس بھی آپ سے مرضی سے لوں۔۔عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے رو پڑی تھی۔

اسفند نے گہرا سانس لیتے نرمی سے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔وہ گہرے سانس بھرتے کانپ رہی تھی۔۔وہ نڈھال سی ہوتی اس کے سینے میں سما چکی تھی۔

اسفند اسے نرمی سے اپنی بانہوں میں بھرے اس کی کمر سہلانے لگا۔۔وہ اب اس کے سینے میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔۔اسفند کی ایک رات کی بیوفائی کا سوچ کر ہی وہ تکلیف سے جیسے مرنے والی ہو گئی تھی۔

عابیر بیڈ پر چلو تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔۔۔۔اسفند نے اس کی کلائی نرمی سے پکڑی۔۔

مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔۔جایئے وہاں ہی جہاں آپ رات بھر تھے۔۔عابیر نے اسفند کا ہاتھ بری طرح جھٹکتے ہوے دور ہوئی تھی۔۔

اس سے پہلے وہ چکرا کر گرتی اسفند یار خان اسے بازوؤں میں بھرے بیڈ پر لایا اور نرمی سے لٹایا تھا۔۔عابیر غصے سے ودوبارہ سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔۔۔وہ اسے بازوؤں میں بھرتے اپنے سینے سے لپٹا چکا تھا۔۔اس پر کمبل اس

طرح اوڑھایا تھا کہ وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی کمبل میں بلکل چھپ گئی تھی۔۔

عابیر اس کی بانہوں میں بری طرح سٹپٹائی تھی۔۔ مگر اسفندیار خان کی مضبوط بانہوں کا گھیرہ وہ توڑ نہ سکی۔۔ تھوڑی دیر بعد تھک ہار کر وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے شدت سے رو دی تھی۔۔

اسفندیار خان لب بھینچتے اس کی سسکیاں سنتا رہا۔۔ وہ اس کی بیوفائی کا سوچ کر ہی تڑپ رہی تھی۔۔۔ وہ لب بھینچے اس کا اس طرح رونا برداشت کر رہا تھا۔۔ وہ کافی مضبوط تھی۔ اس کی ایک رات کی بیوفائی کا سوچ کر ہی وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ وہ اس کی شدت کا اندازہ لگا سکتا تھا وہ اسے لے کر کتنی حساس ہے۔۔ وہ بخار میں بری طرح جل رہی تھی۔۔ اس کے بدن کی گرمی اب اسفندیار خان کو بے چین کرنے لگ گئی تھی۔۔ اسفند کی

انگلیاں اس کی قمیض کے اندر سے ہوتی اس کی برہنہ کمر پر رینگنے لگیں۔ عابیر کے بدن کی گرمائش اور اس کے جسم کی گلاب سی خوشبو اسفندیار خان کے حواسوں پر سوار ہوئی۔۔ سوئے ہوے جذبات شدد مد سے اس کے اندر سر دھننے لگے۔۔ عابیر کی قربت کی طلب اس کے اندر جواں تقاضوں کو جگا کر پریشان کرنے لگی۔

وہ رو رو کر تھک چکی تھی۔۔ اب اس کے سینے سے لگی ہچکیاں بھر رہی تھی۔۔ اسفند نے اس کی کمر کو جکڑے اس کے چہرے پر نگاہ کی۔۔ وہ آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔ اسفند کو یہ جاننے میں پل نہیں لگا تھا۔۔ وہ سو چکی ہے۔۔ ورنہ اس کے بے باک لمس پر وہ بری طرح سٹپٹاتی۔۔ اسفند یار خان کی انگلیاں اب اس کے کمر کے خم پر سرسراتی اپنی حد تجاوز کرنے لگیں۔

اسفند نے اس کے انگارہ وجود سے نرمی سے کمبل علیحدہ کیا۔۔اسے نرمی سے بیڈ لٹایا۔۔وہ نیم غنودگی میں چلی گئی تھی۔۔اسفند نے اس کے سرخ انگارہ چہرے کو بغور دیکھتے اس کے سنہری بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں۔۔۔

اس کی نظریں اس کے چہرے پر اور اس کا ہاتھ گردن سے نیچے تھا۔۔اس کی انگلیاں اس کے خوبصورت ابھار کو محسوس کرنے لگیں۔۔اسفندیار خان کی آنکھیں خمار الود ہوئیں۔۔وہ اس کی گردن پر جھکا تھا۔۔لب رکھنے کی دیر تھی۔۔اسے لگا اس نے جلتے انگارے کو چھو لیا ہو۔۔وہ پریشان ہوتے اس سے دور ہوا۔وہ سو نہیں رہی تھی۔۔شدید بخار کی وجہ سے وہ نیم بیہوش تھی۔

وہ اپنے جذبوں کو سلاتا اس سے دور ہوا۔۔اس ٹائم اس کا ہوش ربا سراپہ اس کے ہوش اڑاتے اس کے دل و دماغ کو ہلا چکے تھے۔۔دل و ماغ میں صرف پاس لیٹے نازک سے وجود کی قربت کی خواہش تھی۔۔وہ اتنے دنوں کی اپنی ساری تھکن اظطراب بے چینی تشنگی تھکاوٹ اس نازک وجود میں انڈیلنا چاہتا تھا۔ نکاح کی رات کا ایک ایک منظر اس کی نظروں کے سامنے آتا اسے مزید بے بس کرنے لگا۔

وہ اپنے لب کچلتا اس سے دور ہوا۔۔وہ اس ٹائم اس کی شدتیں سہنے کی مجاز نہ تھی۔

اسفندیار خان نے اپنی جیکٹ اتار کر بیڈ کی پائنتی پر رکھی اور سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے رومال نکالتے اسے جگ میں پڑے پانی سے بھگو کر عابیر کے ماتھے پر رکھا۔۔

وہ اس کے سرہانے کے پاس بیٹھ کر کافی دیر تک اس کی پٹیاں کرتا رہا۔۔

بخار کی حدت کم ہوئی تو اسفند نے عابیر کو نرمی سے پکارا تھا۔۔ اہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے پپوٹے پوٹے حرکت کر رہے تھے۔

عابیر۔۔۔۔ اسفند نے اس کے بال سہلاتے اسے پکارا۔۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔

عابیر نے نیم وا آنکھیں کھولتے ہوے اسفند کو ایک نظر دیکھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ آنکھیں زور سے میچتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

اسفند نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔۔

عابیر۔۔۔۔۔ اب کی بار اسفندیار خان نے اسے سختی سے پکارا۔۔

عابیر نے ابھی بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔

تم نے کھانا کھایا تھا عابیر۔۔۔اسفندیار خان نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے پوچھا۔۔

کوئی جواب نہ پا کر اسفندیار خان نے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کیا۔

عابیر نو مور نخرے۔۔۔۔اب میں برداشت نہیں کروں گا۔۔ سمجھی تم۔۔اسفند اس پر جھکے بولا۔۔

کھا کھالیا تھا کھانا۔۔میں نے کالج کی کینٹین سے۔۔میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔۔اب کی بار وہ نروٹھے انداز میں کہتے رخ موڑ گئی تھی۔

اوکے پھر اٹھو میڈیسن لو بخار کی۔۔۔ تاکہ بخار اترے تمھارا۔۔ اسفند نے اسے کندھے سے پکڑے پھر سے سیدھا کیا۔۔

میں میڈیسن نہیں لوں گی تو مر نہیں جاؤں گی۔۔ بہت سخت جان ہوں۔۔ پہاڑوں میں رہنے والی لڑکی۔۔ جسے یہ ذرا سا بخار کچھ نہیں کہے گا۔۔ آپ اپنی گرل فرینڈ عینا کی فکر کریں۔۔ اتنی سردی میں اس کی طبعیت کہیں خراب نہ ہو گئی ہو۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کو دیکھتے بے رخی سے کہا۔۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔ بخار اتر گیا تھا مگر وہ ابھی تک جل رہی تھی۔۔

عینا میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں۔۔ اسفندیار خان نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اتری نمی کو بغور دیکھتے کہا۔۔

گرل فرینڈ نہیں ہے مگر بیوی بنانے کا آرادہ تو ہے ناں۔۔ ایسے تو وہ اتنی دور سے آپ کے پیچھے نہیں آگئی۔۔ عابیر بھیگے لہجے میں بولتے بیڈ سے اٹھی ۔اپنے سنہرے بالوں کو جوڑے میں لپیٹتے ہوے اپنی چادر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔۔ یقیناً وہ یہاں سے جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔

بیوی بنانے کا بھی آرادہ نہیں ہے۔۔ بزنس کے سلسلے میں آئی ہے۔۔ بزنس پارٹنر ہے صرف میری۔۔ اسفندیار خان کو اس کی حالت پر جیسے رحم آگیا تھا۔ اس لیے وضاحت دے ڈالی۔۔

دوسری شادی میں مورے کی پسند سے کروں گا۔۔ اس لیے عینا کی طرف سے تم بے فکر رہو۔۔ اسفند کے اگلے جملے پر عابیر تلخی سے مسکرائی تھی۔۔ وہ بنا اس کی طرف دیکھے بیڈ سے اترنے لگی۔۔ اسفند اسے کلائی سے پکڑے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔

عابیر اس کمرے سے آج تم باہر نہیں نکلو گی۔۔ میڈیسن کھاؤ اور آرام کرو۔۔ اسفند نے سائیڈ ڈرار سے میڈسن باکس سے ٹمپریچر کی دو گولیاں نکال کر عابیر کی طرف بڑھائی۔۔ جسے عابیر نے اسفند کی ہتھیلی سے لیتے منہ میں رکھی تھی۔۔ اسفند نے پانی کا گلاس اسے تھمایا۔۔ عابیر نے خاموشی سے پانی کا گلاس پکڑے وہ گولیاں نگلی تھیں۔

وہ میڈیسن کھا کر بیڈ کی دوسری جانب کھسکتے ہوے اترنے لگی تو اسفند اسے کلائی سے کھینچتے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔

اسفند چھوڑیں مجھے مجھے نیچے جانا ہے۔۔ عابیر اس کے حصار میں مچلتے ہوے بولی۔۔

نیچے کیا کرنے جانا ہے۔۔ دو قدم تم سے چلا جا نہیں رہا۔ اسفند نے اسے سینے میں بھینچ کر اس کے اوپر کمبل دیا۔۔ نیچے لاونج میں رمیرے بہت سے ایسے رشتے ہیں جو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ میں بھی ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔۔ میں اپنا آج کا دن ان لوگوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔۔۔ عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔۔

آج کا دن تم اسی انسان کے ساتھ گزارو گی۔۔ جس سے تم سب سے زیادہ محبت کرتی ہو۔۔ اور وہ کون ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ اسفندیار خان نے اسے اپنے سینے میں اس طرح بھینچتے خود کہ قریب کیا کہ عابیر کا رنگ اس کی بے باک جسارت پر سرخ پڑا تھا۔۔ وہ ایک ہاتھ اس کی کمر پر لپٹائے ہوے تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ بے باک جسارتیں کر رہا تھا۔۔ عابیر شرم و حیا سے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔۔ وہ اس سے دور ہو نہیں سکتی

تھی۔۔وہ ذرا سی مزاحمت کرتی اسفندیار خان کی بے باک جسارتیں بڑھنے لگتی۔

اس کی جسارتیں سینے میں بھینچنا عابیر کے رخسار دہکا چکا تھا۔۔وہ گہرے سانس بھرتے بے بسی سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔جس کا حصار اس کی کمر پر مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

میں آج کا دن اس انسان کے ساتھ بھی گزارنا چاہتی ہوں جو مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہو۔۔اس لیے چھوڑیں مجھے۔۔میں آپ کی نفرت ہوں محبت کبھی نہیں ہو سکتی۔۔مجھے ایسے مت چھویں۔۔۔۔مجھے ایک رات کی ہی دلہن رہنے دیں۔میں نہیں چاہتی آپ اپنی بات سے پیچھے ہٹیں۔ایک خان کو زیب نہیں دیتا وہ اپنی بات کے خلاف جائے۔اسفندیار

خان کی آنکھوں میں خماری دیکھ کر عابیر نے اپنی کمر پر لا لپٹا اس کا ہاتھ ہٹانے کی ناکام سعی کی۔ وہ اسے مزید سینے میں بھینچ چکا تھا۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں شبنم بڑھتے شدت اختیار کر گئی تھی۔۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔۔

تمھارے قریب نہ آنے کا فیصلہ میرا ہے۔۔ میں آج بھی اس بات پر قائم ہوں۔۔ میرا اس طرح چھونا تمھیں باور کروا رہا ہو گا کہ تمھارا تمھارے جسم تمھاری ہر سانس کا مالک کون ہے۔۔ آئندہ یقیناً طلاق کا لفظ تمھاری زبان پر نہیں آئے گا۔ اسفند کچھ پل اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے رہا پھر اسے اپنے سینے میں مزید بھینچے آنکھیں موند گیا تھا۔۔

اسفندیار خان کی بند آنکھوں کو دیکھتے عابیر کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر انمول ہوے تھے۔۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی

تھی۔۔عابیر کی آنکھوں سے آنسو نکلتے اسفند کی شرٹ کو بھگونے لگے۔۔جسے محسوس کرتے اسفند کی گرفت عابیر پر مزید مضبوط ہوئی تھی۔۔۔

ابرش زاران کے ساتھ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔چادر سے اچھی طرح خود کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔گاڑی میں بیٹھتے ہی زاران نے اس کا نقاب اتار دیا تھا۔۔راستہ لمبا تھا وہ کمفرٹیبل نہیں تھی۔۔مگر آج اس کے کہے بغیر ہی اس نے چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھانپا تھا۔ابھی بھی وہ اپنے سر سے سرکتی چادر کو بار بار اپنے سر پر جما رہی تھی۔۔اسے عادت نہیں تھی۔۔اس طرح پردہ کرنے کی۔۔اس سے دوپٹہ بمشکل سنبھلتا تھا۔حویلی سے پہلی مرتبہ وہ باہر آئی تھی۔۔اتنی بڑی چادر بھی اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں

لی تھی۔۔زاران ہوٹل کے پاس ہی کسی مال سے اس کے لیے چادر اور گرم جرسی اور شوز خرید کر لایا تھا۔۔زاران نے گہری نظر ابرش پر ڈالی جو ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔رنگت میں گلابیاں سی گھلی تھیں۔۔لبوں پر مبہم سی شرمیلی مسکان بھی تھی۔۔زاران کی نظریں خود پر مسلسل محسوس کرتے ابرش مزید سرخ پڑی۔۔۔وہ اب اپنی نظریں ونڈ سکرین پر مرکوز نہ رکھ سکی تھی۔۔ نظریں جھکاتے وہ رخ موڑ گئی تھی۔۔زاران خانزادہ کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

مائی بیوٹی فل وائف۔۔۔مجھے تم شرماتے ہوے پسند نہیں ہو۔۔ تمھارا وہی روپ بسند ہے جو تم نے رات اور تھوڑی دیر پہلے واش روم میں دکھایا تھا۔

زاران نے مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔

ابرش اس کی بات پر مزید سرخ پڑی تھی۔۔جو وہ جذبات میں کر چکی تھی۔۔اب اسے شرم کے ساتھ خفت میں بھی مبتلا کر رہا تھا۔اوپر سے زاران کا ہر تھوڑی دیر بعد اسے بہت گہرائی سے اس کے جذباتی مظاہرے یاد کروانا اسے نظریں نہیں اٹھانے دے رہا تھا۔

زاران سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے وہ دروازے کی طرف کھسکی۔

زاران اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈالتے مسکراتے ہوے ڈرائیونگ کرنے لگا۔۔

آپ یہی عزت مان محبت اپنے گھر والوں کے سامنے بھی مجھے دیں گے زاران۔۔ تھوڑی دیر بعد ابرش کی آواز گاڑی میں گونجی تھی۔۔

میں نے تمھیں کب مان عزت محبت نہیں دی ابرش۔۔۔ اپنے گھر والوں کے سامنے سب پر ہمیشہ تمھارا مقام واضح کیا ہے۔۔ تمھیں کبھی کسی کے سامنے کچھ نہیں کہا۔۔ جرگے میں جو کچھ ہوا میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سب میری برداشت سے باہر تھا۔۔ میں تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھا۔۔ مگر آئیندہ کبھی بھی ایسا نہیں ہو گا۔۔ تم پر جتنا بھی غصہ ہوا۔۔ اپنے کمرے میں بیڈ پر تم پر اتار دوں گا۔۔ وہاں آج کے بعد تم سے رعائت نہیں برتی جائے گی۔ زاران کی سنجیدگی میں کہی ہوئی بات کا مطلب سمجھتے وہ مزید سرخ پڑی تھی۔۔

زاران۔۔۔۔ لیکن آپ کی مورے کو مجھ سے کیا مسئلہ ہے ؟؟۔۔ وہ پلوشہ سے آپ کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوے

پوچھا۔۔پلوشہ اس کے دماغ سے نکل نہیں رہی تھی۔امیریکہ میں اس کی کی ہوئی ریسرچ کے مطابق خان فیملی میں دوچار شادیاں کرنا عام بات تھی۔۔داجی کے علاوہ کسی حویلی کے مرد نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔۔ زاران کو شئیر کرنے کی سوچ سے ہی وہ اذیت محسوس کرنے لگتی تھی۔۔۔ پلوشہ کا حویلی ہونا اس کے خدشات کو ہوا دیتا رہتا۔۔زاران اور اس کا تعلق کبھی اتنا مضبوط نہیں رہا وہ زاران پر یقین کرتی۔۔وہ بستر پر اس سے شدید محبت کرتا تھا۔۔یہ کل سے ثابت ہو چکا تھا۔۔وہ اسے لے کر کافی جذباتی اور شدت پسند ہے۔۔مگر ابھی بھی وہ انسکیور سا فیل کرتی رہتی۔۔اس نے زاران کو ہوٹل میں کہا بھی پلوشہ کو حویلی سے جانے کا کہے۔۔قربت کے لمحات میں وہ اس کی یہ بات مان گیا تھا۔۔مگر بعد میں وہ اسے اسی بات پر جھڑک گیا تھا۔اس لیے وہ اس سے پھر سے یہ سوال کر بیٹھی

ابرش۔۔۔۔۔مورے ہم سب کو لے کر بہت حساس ہیں۔۔انھیں تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔مگر ان کے نزدیک بہو جیسی مرضی ہو مگر بیوی اچھی ہونی چاہیے۔۔جب مجھے وہ بے سکون دیکھتی تھیں۔۔وہ پلوشہ سے میری دوسری شادی کرنے پر سوچنے کے لیے مجبور ہوئیں۔

لیکن اب وہ میرے چہرے پر سکون دیکھیں گی تو وہ پلوشہ سے میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں گی۔۔۔زاران نے ابرش کا ہاتھ نرمی سے تھامتے سہلایا۔۔

رات کے بعد تم مجھے کافی سکون پہنچا چکی ہو۔۔میرا چمکتا چہرہ مورے کو پل میں سب کچھ سمجھا دے گا۔۔وہ یقیناً اب میری دوسری شادی کی

نہیں۔۔اپنے پوتے کی اس دنیا میں آنے کی خواہش کریں گی۔۔زاران نے مسکراتے ہوے ابرش کی ہاتھ کی پشت کو چوما تھا۔

لیکن زاران۔۔۔۔مم۔۔۔۔میں اتنی جلدی بچہ نہیں چاہتی۔۔ابرش زاران کی بات سنتے گھبرائی تھی۔۔اس نے سٹپٹاتے ہوے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوایا۔۔اس کے چہرے پر یکدم ہوائیاں اڑی تھیں۔

کیوں؟؟زاران نے ماتھے پر بل ڈالے ابرش کو دیکھا تھا۔۔اس کا فق چہرہ اسے غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔

مم مجھے ڈر لگتا ہے۔۔میں بچہ کیسے سنبھالوں گی۔۔۔

زاران مم میں بچہ نہیں چاہتی۔۔پلیز مجھ پر ابھی یہ ذمہ داری نہ ڈالیے گا۔ابرش زاران کی سخت نظروں سے خائف ہوتے بولی۔۔

جب بچہ آئے گا تو سنبھال بھی لو گی۔۔ مورے کی جب شادی ہوئی تھی۔۔ وہ تب اٹھارہ سال کی بھی نہیں تھی۔۔ انہوں نے بھی تو سنبھالا تھا سب کچھ۔۔ نہ صرف ہمیں ارحام فرشتے بھی چھوٹی تھی۔۔ جب تائی جان کا انتقال ہوا۔۔ اسے ارحام لالا سب کو دیکھا۔۔ تم اکیس سال کی ہو اتنی بھی چھوٹی نہیں ہو جو یہ سب نہ سنبھال سکو۔۔ زاران کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔

وہ اپنے اور ابرش کے رشتے کو لے کر بہت زیادہ سیریس تھا۔ ابرش سے شدید محبت کرتا تھا۔۔ وہ اپنے رشتے کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔۔ ابرش کا دماغ کب کیا کر جائے۔۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پاتا تھا۔

وہ اپنے دل کی بات جلدی شئیر نہیں کرتی تھی۔۔ یقیناً بچے کو لے کر بھی اس کے کچھ تحفظات تھے۔۔ مگر جو بھی تھے۔۔ ابرش کا دماغ اسے شروع سے

ہی درست رکھنا تھا۔۔ وہ بہت زیادہ اسے ڈھیل بھی نہیں دے سکتا تھا۔۔ وہ مجبور ہوتا تھا اس پر سختی کرنے کو۔۔۔ جہاں پیار سے کام چلانا ہوتا تھا وہاں پیار سے۔۔۔ جہاں سختی کرنی ہوتی وہ سختی کرتا۔۔ اپنی بیوی کو وہ اس کی نیچر کے مطابق ڈیل کرتا تھا۔۔

زاران کے لہجے کی سختی محسوس کر کے ابرش کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔۔ اس نے صرف گھبراہٹ میں بچے والی بات کہی تھی۔ مگر زاران کا سخت لہجہ اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ بلکہ یقین نہیں آرہا تھا۔۔ ہوٹل میں اس نے کھانا تک اسے اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔۔ یہاں تک کہ اس کے کپڑے تک اس نے خود چینج کیے تھے۔۔ وہ دیوانوں والی حرکتیں کر رہا تھا۔۔ اب آچانک سے اتنا سخت رویہ۔۔ ابرش نے نم آنکھوں سے زاران کے تنے ہوے چہرے کو دیکھا۔۔۔

زاران جب حویلی پہنچا تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔

حویلی پہنچتے ہی ابرش اس کی طرف دیکھے بنا گاڑی سے اترتے اندر چلی گئی تھی۔۔زاران نے ابرش کی پشت کو گھور کر دیکھا تھا۔۔وہ تیزی سے اس کے پیچھے اندر داخل ہوا۔۔ابرش کا مزاج اچھی طرح جانتا تھا۔۔وہ غصے میں امینہ خانم کو سلام تک نہیں کرے گی۔۔نہ ہی عابیر کی سالگرہ میں شریک ہو گی۔۔وہ نہیں چاہتا تھا جب ان میں سب ٹھیک ہو گیا ہے تو کسی کو بھی بات کرنے کا موقع ملے۔۔

زاران نے اس کی طرف قدم بڑھاتے اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کیا۔۔وہ لوگ زنان خانے کے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑے تھے۔۔اس ٹائم زنان خانے میں کوئی نہیں تھا۔۔

ابھی اوپر نہیں جاؤ گی تم۔۔ہم پہلے مورے کو سلام کریں گے۔۔پھر عابیر کی سالگرہ سیلبریٹ کریں گے۔۔پھر اکٹھے روم میں جائیں گے۔۔زاران نے سختی سے کہا۔۔

مجھے چینج کرنا پھر آتی ہوں۔۔ابرش نے اس کے سخت تاثرات دیکھتے خود کو اس کے گرفت سے چھڑوایا۔

مورے سے مل لو پھر چینج کر لینا۔۔زاران اب کی بار نرمی سے بولا۔۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتی زاران کے ہمقدم ہوتی امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

زاران نے درخشاں کو عابیر کے کمرے سے بلانے کو کہا تھا۔۔وہ لوگ اس ٹائم زنان خانے کے لاونج میں بیٹھے ہوے تھے۔۔۔زاران نے کیمل کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس وائٹ مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔

اس وقت زنانے میں امینہ خانم پلوشہ روزینہ خانم موجود تھے۔۔۔

ابرش نیوی کلر کے بلو فراک میں ملبوس بڑی سی شال سر اور اپنے وجود پر اچھی طرح اوڑھے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔وہ مسکراتے ہوے زاران کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔امینہ خانم سے وہ پہلے ہی مل چکی تھی۔۔مگر روزینہ خانم سے سلام کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔۔

ابرش پلوشہ کو دیکھتے زاران کے بے حد قریب بیٹھی۔۔زاران کی لیپ پر ہاتھ رکھتے وہ زاران کی طرف دیکھ کر لکشی سے مسکرائی تھی۔۔۔

زاران نامحسوس انداز ابرش سے تھوڑا دور ہوا اور اس کا ہاتھ اپنی لیپ سے اٹھایا تھا۔۔سامنے ہی امینہ خانم بیٹھی تھیں۔احترام لازم تھا۔۔ابرش نے جس طریقے سے اس کی لیپ پر ہاتھ رکھا تھا وہ نامناسب تھا۔۔فیملی میں یہ سب زیب بھی نہیں دیتا تھا۔۔مگر وہ جانتا تھا ابرش نے یہ حرکت پلوشہ کو

دکھانے کے لیے کی تھی۔زاران کے ہاتھ ہٹانے پر ابرش نے خفگی بھری نظر زاران پر ڈالی تھی۔۔وہ یہاں آتے ساتھ ہی بدل گیا تھا۔۔

زاران اس کی خفگی بھری نظروں کی پرواہ کیے بغیر اس سے تھوڑا دور کھسکا۔۔ابرش زران کی حرکت پر اسے شاکی نظروں سے دیکھتی اس سے مزید دور ہوئی تھی۔۔۔

زاران شہرام کا پتہ کرو۔۔۔وہ اسلام آباد پہنچ گیا کہ ابھی نہیں۔۔امینہ خانم نے زاران سے کہا۔۔

مورے تھوڑی دیر پتہ کیا تھا وہ پہنچنے والا ہی ہو گا۔۔وہ پہنچ کر آپ کو کال کر دے گا۔آپ کیوں فکر کر رہی ہیں۔زاران نے مودبانہ لہجے مین کہا۔

پریشان کیسے نہ ہوں۔۔۔ کل سے تمھارا نمبر نہیں مل رہا تھا۔۔ جانتا ہے ہم کتنا پریشان تھا۔۔ آج تمھیں دیکھ کر سکون ہوا ہے۔۔ لیکن آج شہر ام چلا گیا ہے۔۔ ہمارا دل پھر سے پریشان ہو گیا ہے۔۔ تم سے عابیر بھی بہت خفا ہے۔۔ صبح بہت رو رہا تھا کہ تم نے اس کی سالگرہ پر اسے مبارک باد تک نہیں دیا۔۔ امینہ خانم کی بات پر زاران پریشان ہوا تھا۔ وہ صوفے سے. اٹھتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

عابیر اسفندیار خان کی بانہوں میں گہری نیند سو رہی تھی۔۔ اسفند کے موبائل کی چنگھاڑتی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔

اسفند نے اپنی آنکھیں کھولتے اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتے کان سے لگایا۔۔۔

ہیلو۔۔ اسفند نے دوسری طرف عینا کی آواز سنتے اپنا فون ایک کان سے دوسری طرف منتقل کیا۔۔

عابیر کی کمر پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔۔

کیا ہوا ہے خیریت ہے سب؟؟ اسفند نے عابیر کو ایک نظر دیکھتے قدرے آہستگی آواز میں کہا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا اسے پتہ چلے لائن پر عینا ہے۔۔ وہ اس کی طبیعت کے پیش نظر محتاط ہوا تھا۔۔

اسفند کی مدھم آواز سنتے عابیر اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے دیکھنے لگی۔۔

عابیر کو جاگتا دیکھ کر اسفند نرمی سے اسے پیچھے کرتے بیڈ سے اٹھتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

عابیر اسے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھتے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔ فون پر عینا ہے وہ سمجھ چکی تھی۔

آنکھوں سے آنسو پھسلتے رخساروں پر بہنے لگے۔۔ جنھیں وہ بے دردی سے صاف کرتے بیڈ سے اتری۔۔ اپنی چادر اچھی طرح اوڑھتے وہ کمرے سے نکلنے لگی۔۔ اسفندیار خان کی آواز پر رکی تھی۔۔

اسفند کے پکارنے پر عابیر نے مڑ کر اسے دیکھا جو نک سک سا تیار خوشبوؤں میں بسا جینز پر وائٹ شرٹ اور بلیک کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔

عابیر اسے دیکھ کر تلخی سے مسکرائی تھی۔۔ وہ سچ میں سفاک تھا۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ اسفند نے پاس آ کر اس کے ماتھے کو دو انگلیوں سے چھوا۔۔

اتر چکا ہے بخار اور آپ کی ڈیوٹی بھی ختم ہو چکی ہے۔۔

عابیر طنزیہ مسکرائی تھی۔۔

کون سی ڈیوٹی؟؟ اسفند نے تیکھے انداز میں اسے ابرو اچکائے دیکھا۔۔

وہی جو ابھی نبھانے کا ناٹک کر رہے تھے۔ عابیر طنزیہ لہجے میں بولی۔۔ اسفند اسے بغور دیکھتے اس کے نزدیک ہوا۔

عابیر مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔۔میں دو گھنٹوں تک آجاؤں گا۔۔ آج تم ٹیرس پر کھڑی نہیں رہو گی۔۔

اگر تم غلطی سے بھی ٹیرس پر گئی تو وعدہ کرتا ہوں۔۔ تمھیں میں خود ساری رات ٹیرس پر کھڑا کروں گا۔۔جب تک تم سردی سے جم کر مجسمہ نہ بن جاؤ۔۔میں کمرے کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔۔اس لیے خبردار خود کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچائی۔۔ تمھیں تکلیف پہنچانے کا اختیار بھی صرف میرے پاس ہے۔۔اس لیے آئیندہ تم میری آجازت کے بغیر ٹیرس پر بھی قدم نہیں رکھو گی۔۔

اسفند اس کے گال کو نرمی سے دو انگلیوں سے چھوتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

عابیر اس کی بات پر ششدر ہوئی تھی۔۔۔اسے کیسے پتہ کہ وہ کل ساری رات ٹیرس پر کھڑی رہی تھی۔۔

سیڑھیاں اترتے اسفند اور زاران کا آمنا سامنا ہوا تھا۔۔۔اسفند زاران کو اگنور کیے سیڑھیاں اتر گیا تھا۔۔زاران نے اسفند کی پشت کو سرد نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔کلائی پر پہنی گھڑی پر نظریں دوڑائیں جہاں شام کے چھ بج رہے تھے۔وہ اس ٹائم کہاں گیا ہے؟؟زاران نے پریشانی سے اپنی گھنی بئیرڈ سہلائی تھی۔۔

وہ لب بھینچتے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

عابیر کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔۔

زاران کو دیکھتے وہ ٹھہری تھی۔۔ اسلام و علیکم لالا۔۔ عابیر نے زاران کو دیکھتے سلام کیا۔۔ وہ زاران کے گلے نہیں لگی تھی۔۔ یعنی پوری پوری ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔۔

وعلیکم سلام کیسا ہے میرا بچہ ؟؟۔۔۔ زاران نے آگے بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے اپنے سینے سے لگایا

ٹھیک ہوں لالا۔۔ عابیر زاران کے حصار سے نکلتی سنجیدگی سے بولی اور سیڑھیاں اترتے لاونج کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

زاران گہرا سانس بھرتے سیڑھیاں اترتے اس کے پیچھے گیا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا عابیر اس سے ناراض ہے۔۔

عابیر سب کو سلام کرتی صوفے پر جا بیٹھی۔۔

زاران مسکراتے ہوے عابیر کی طرف بڑھا جو بچوں کی طرح منہ پھلائے صوفے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔۔

زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کے قریب بیٹھتے ہوے اسے بازو سے کھینچتے اپنے سینے سے لگایا تھا۔۔

آئی ایم سوری عابیر۔۔۔میری جان میں تمھیں وش نہیں کر سکا۔۔زاران نے عابیر کو سینے سے لگاے کہا۔۔

وہ زاران کے سینے کے ساتھ لگی بے آواز آنسو بہانے لگی۔۔

عابیر۔۔۔اسفند نے اس کے آنسو محسوس کرتے اسے اپنے سینے سے علیحدہ کیا تھا۔۔

کیا ہوا ہے عابیر۔۔ تم رو کیوں رہی ہو؟؟ زاران پریشان ہوا تھا۔۔ وہ صبح سے رو رہی ہے یہ بات اسے امینہ خانم سے پتہ چلی تھی۔۔ عابیر چھوٹی چھوٹی بات پر رونے والی لڑکی نہیں تھی۔۔۔ مگر اب بات بات پر اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ وہ اسفندیار خان سے شدید محبت کرتی ہے۔۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ اسے پورا یقین تھا عابیر کے آنسوؤں کی وجہ اسفندیار خان ہی ہے۔

لالا آپ مجھے بھول گئے ہیں۔۔۔۔ آپ نے پہلی مرتبہ مجھے وش کرنے میں دیر کی۔۔ آپ کی محبت کم ہو گئی ہے میرے لیے۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔۔ عابیر میری جان میرا موبائل گم ہو گیا تھا اسی لیے رابطہ نہیں کر سکا۔ لیکن دیکھو میں آگیا تو ہوں۔۔ زاران نے نرمی سے وضاحت دی۔

شہرام لالا نے بھی مجھے وش نہیں کیا۔۔ وہ تو یہیں تھے۔۔ مگر وہ بھی نہیں آئے۔۔ عابیر نے ایک اور شکوہ کیا۔۔

عابیر شہرام آیا تھا کتنا دیر یہاں بیٹھا تمھارا انتظار کرتا رہا ہے۔۔ تمھارا موبائل پر فون بھی اس نے کیا۔۔ مگر تمھرا نمبر بند تھا۔۔

امینہ خانم کی بات پر عابیر کے آنسو رکے تھے۔۔

چلو اٹھو میں تمھیں باہر لے کر چلتا ہوں۔۔ میں نے تمھارے لیے ہوٹل میں ریزرویشن کروایا ہے۔۔ چلو ہم باہر چلتے ہیں۔ وہیں پر تمھارا برتھڈے سلبریٹ کریں گے۔۔ زاران نے عابیر کا ہاتھ تھامتے اسے نرمی سے پکڑے صوفے سے اٹھایا تھا۔۔

خلاف توقع وہ اٹھ گئی تھی۔۔ شائد اسفند کی بیوفائی کا غم غلط کرنا چاہتی تھی۔

زاران نے ایک قریبی ہوٹل میں عابیر کے لیے ہوٹل کا ایک مخصوص ہال بک کروایا تھا۔۔ جہاں پردے کا پورا انتظام تھا۔۔ وہ اسے ایک دوبار اسلام

آباد لے کر گیا تھا۔۔جب وہ میٹرک میں تھی۔۔پھر وہ امریکہ چلا گیا۔۔اتنا عرصہ ہو گیا تھا عابیر کہیں باہر نہیں گئی تھی۔۔اسفند بھی اسے کہیں باہر نہیں لے کر گیا تھا۔۔یہ سوچ کر زاران نے یہ پروگرام بنایا تھا۔۔باہر گارڈز کی گاڑیاں بھی اس نے ارینج کر لی تھیں۔۔وہ مزید کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

ابرش چلو تم بھی تیار ہو جاؤ۔۔زاران نے ابرش کو دیکھتے کہا جو سب سے لا تعلق بیٹھی تھی۔۔

زاران کے کہنے پر ابرش اثبات میں سر ہلاتے اٹھی تھی۔۔

زاران تم پلوشہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔۔۔وہ کیا کرے گا ادھر اکیلا۔۔۔

امینہ خانم کی بات پر ابرش کے قدم رکے تھے۔

جی مورے۔۔۔پلوشہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔۔زاران نے مودبانہ انداز میں کہا۔۔

ابرش کی شاکی نظریں وہ نظر انداز کر گیا تھا۔۔وہ امینہ خانم کی بات کسی صورت نہیں ٹال سکتا تھا۔۔پلوشہ اس کی زندگی میں کہیں بھی ایکزیسٹ نہیں کرتی تھی۔۔یہ بات ابرش کو سمجھنی تھی۔۔

زاران میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے آپ لوگ چلیں جائیں۔ویسے بھی اگلی سیٹ پر بیٹھنے کے لیے پلوشہ ہے آپ کے ساتھ۔۔راستہ چسین کٹے گا آپ کا۔۔

ابرش کہتے رکی نہیں تھی۔ تیز تیز سیڑھیاں چلتے اوپر چلی گئی تھی۔

یہ لڑکی تو گل سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔۔ جس طرح ارحام نے گل کو سر پر چڑھا رکھا تھا۔۔ اس طرح ابرش بھی سر چڑھ گیا ہے۔۔ اس کو سر سے جتنا جلدی اتار لو تو اچھا ہے ورنہ ارحام کی طرح سر پکڑ کر روؤ گے۔۔ اور عابیر تم بھی سوچ سمجھ کر حویلی سے باہر نکلنا۔۔ تم اچھی طرح جانتا ہے اسفند کو اسے تمھارا باہر جانا پسند نہیں ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر جانا۔

روزینہ خانم جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی تلخی سے بولیں۔۔ کڑوے انداز میں بولتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔ زاران نے بمشکل ہی روزینہ خانم کا طنز برداشت کیا تھا۔۔ ابرش کی بات پر امینہ خانم کے چہرے پر بھی ناگواری کی لہر دوڑی تھی۔۔ ابرش کا انداز کافی جارحانہ تھا جو لاونج

موجود تقریباً سب نے ہی محسوس کیا تھا۔ زاران کا سرخ چہرہ بھی بتا رہا تھا اسے ابرش کا یوں سب کے سامنے اس طرح بات کرنا پسند نہیں آیا تھا۔

لالا میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔۔۔ عابیر اپنا فیصلہ سناتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ابرش دو منٹ میں تیار ہو کر نیچے پہنچو۔۔ دو منٹ کا مطلب دو منٹ۔۔ نو مور ایکسکیوزز۔۔۔۔۔۔

زاران کی سرد آواز پر وہ آخری سیڑھی پر ٹھہری تھی۔۔

پھر جلدی سے وہ اپنی روم کی طرف بڑھ گئی۔۔ زاران تم لوگ چلے جاؤ پلوشہ کو رہنے دو۔۔ وہ میرے پاس رک جائے گا۔۔ ہم نے تو ایسے ہی کہہ دیا

تھا۔۔ امینہ خانم نے زاران کو شرمندگی سے وضاحت دی۔۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ابرش اور زاران کے بیچ کچھ غلط ان کی وجہ سے ہو۔۔

امینہ خانم کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر زاران کا غصہ ابرش پر بڑھا تھا۔۔

مورے آپ نے بلکل ٹھیک کہا تھا۔۔ پلوشہ ساتھ جائے گی۔۔ جاؤ پلوشہ تیار ہو جاؤ۔۔ زاران نے پلوشہ کو ایک نظر دیکھتے کہا۔۔ وہ خوشی سے مسکراتے ہوے وہاں سے چلی گئی۔۔

زاران تمھارا بیوی کو پلوشہ پسند نہیں ہے۔۔ ہم جانتا ہے۔۔ مگر ہم مجبور ہے۔ ہم تمھارا ماموں سے اس کا ذمہ داری لے چکا ہے۔۔ پلوشہ نے عابیر کے کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔۔ اب تم ہی کو بتاؤ ہم کیسے پلوشہ کو ادھر سے جانے کا کہے۔۔ تمھارا ممانی ہر بات پر مجھ سے پلوشہ اور تمھارا شادی کی بات کرتا ہے۔۔ وہ یہی کہتا ہے کہ پلوشہ کے لیے خاندان میں کوئی رشتہ نہیں

ہے۔ ہم نے شروع سے پلوشہ کا شادی زاران سے سوچا تھا۔۔ ہم بہت شرمندہ ہوتا اپنا لالا اور بھابھی کے سامنے۔۔۔ امینہ خانم کی بات پر وہ گہرا سانس بھرتا ان کے قریب ہوا۔۔

مورے پلوشہ کے لیے میں برداری میں خود اچھا سا رشتہ تلاش کروں گا۔۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو کوئی ضرروت نہیں ہے پلوشہ کو یہاں سے جانے کے لیے بولنے کی۔۔ ابرش کو میں سنبھال لوں گا۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔ زاران نے امینہ خانم کو سینے سے لگائے تسلی دی۔۔

حور کافی کا کپ لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔۔ ارحام لیپ ٹاپ گود میں رکھے اپنی ٹانگیں سامنے رکھی ٹیبل پر پھیلائے بیٹھا تھا۔۔ ایک ہاتھ لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر حرکت کر رہا تھا۔۔ دوسرے ہاتھ میں سگریٹ دبا ہوا

تھا۔ جس سے وہ ہر تھوڑی دیر بعد گہرا کش لیتا۔۔ وہ اس وقت بلیک ٹراوزر اور بلیک گرم ہائی نیک سویٹر میں ملبوس تھا۔۔ گھنے سیاہ بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے گھنے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتا۔۔ اس کا پورا دھیان اس ٹائم لیپ ٹاپ سکرین پر تھا۔۔ کل سلطان احمد کے ساتھ ایک بزنس میٹنگ تھی اور ایک بزنس پارٹی میں بھی اسے شریک ہونا تھا۔۔ کل اسے جلدی یہاں سے اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔۔

ارحام نے سگریٹ کا گہرہ کش لیتے دروازے کی طرف نگاہ کی۔ جہاں سے حور کافی کا کپ پکڑے اندر داخل ہوئی تھی۔۔ بلیک کلر کی سٹائلش سی شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھی۔۔ فلیپر نما ٹراوزر پر شرٹ کافی شارٹ تھی۔ جس پر اس نے بڑی سی خوبصورت نفیس سی شال اوڑھ رکھی تھی۔ ارحام نے گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔۔ حور کافی کا کپ اس کے قریب ٹیبل پر رکھ کر

مڑی ہی تھی۔۔ ارحام لیپ ٹاپ صوفے پر سائیڈ پر رکھے اپنے پاؤں زمین پر رکھتے حور کو کلائی سے پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا چکا تھا۔۔ وہ بہت ضروری کام کر رہا تھا مگر حور کی اتنی نزدیکی نے اس کی تمام تر توجہ کام سے ہٹا دی تھی۔۔ ویسے بھی وہ صبح جا رہا تھا تو وہ آج رات کا ایک ایک پل حور کی بانہوں میں گزارنا چاہتا تھا۔۔ ارحام نے اس کی شال اس کے وجود سے اتارتے بیڈ پر اچھال دی تھی۔۔ ساتھ ہی اس کا کیچر اتار کر دور اچھال دیا تھا۔۔ اس کے چاکلیٹی سلکی براؤن بالوں کو وہ نرمی سے اپنی انگلیوں سے سلجھانے لگا۔۔

حور ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے نظریں جھکا گئی۔ ارحام اس کی جھکی نظریں دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔۔

تم اپنے بال سلجھاتی کیوں نہیں ہو؟؟ ارحام اس کے الجھے بالوں میں اپنی انگلیاں نرمی سے پھیرتے بولا۔

وہ آج دو مرتبہ شاور لیا تو بال سلجھانے کا ٹائم نہیں ملا۔۔ حور نظریں جھکائے ہی بولی تھی۔

دو مرتبہ شاور کیوں لیا؟؟ ارحام کے شرارتی لہجے پر حور نے شاکی نظر ارحام پر ڈالی۔۔

چلو آئیندہ سے تمھارے بال میں سلجھا دوں گا۔ ارحام اس کی شاکی نظروں سے محظوظ ہوتے اس کے سلکی لمبے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا۔۔

تمھارے بال بہت خوبصورت ہیں۔۔ اس نے اسے اپنے مزید قریب کرتے اس کی کان کی لو کو دانتوں میں لیتے اس کے بالوں میں منہ چھپائے اس کے بالوں کی مہک کو اپنی سانسوں میں اتارا تھا۔ تم بہت خوبصورت ہو

۔۔۔ تمھاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔۔ وہ اس کی دونوں آنکھوں کو

باری باری نرمی سے چوم رہا تھا۔۔ تمھارے گال۔۔۔۔ اب وہ اس کے عاض پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔۔ تمھارا سنگ مرر سا بدن۔۔۔۔ تمھارا کندن سراپہ میں دیوانہ ہوں تمھارا۔۔۔۔ ارحام کے ہاتھ کا لمس اپنی دھڑکنوں پر محسوس کرتے وہ تڑپی تھی۔۔ اس کا دل ارحام کے لمس سے اور تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے بے بسی سے اسے نم آواز میں پکارا۔۔ وہ اس کی قربت میں اتنا مدہوش تھا کہ حور کی آواز میں آنسوؤں کی امیزش محسوس ہی نہ کر سکا۔۔

ارحام خانزادہ کے لب اس کے عارض سے ہوتے اس کی ٹھوری کو نرمی سے چھو رہے تھے۔۔ اب وہ بہت نرمی سے اس کی گردن کو چوم رہا تھا۔۔ حور اس کی شیو کی چبھن سے کسمسائی تھی۔

تم طلب ہو میری۔۔۔ تم نشہ ہو میرا۔۔ تم جنون ہو میرا۔۔ وہ مدہوشی میں بولتا دیوانگی کے عالم میں اس کی گردن پر جابجا اپنی محبت کی مہریں چھوڑ رہا تھا۔

ارحام نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں حمائل کیا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے لیپ ٹاپ اٹھا کر اس نے ٹیبل پر رکھ دیا۔۔

حور کو صوفے پر نرمی سے لٹاتا وہ اس پر جھک گیا۔۔

جانتی ہو میں کتنا امپورٹنٹ کام کر رہا تھا۔ مگر تم نے میری پوری توجہ اپنی جانب کھینچ لی ہے۔ تم سے امپورٹنٹ کچھ نہیں ہے میری زندگی میں۔۔ تمھاری بے پناہ خوبصورتی مجھے بہکا دیتی ہے۔ یہ کیسی طلب یہ کیسی

تشنگی ہے ؟؟جو مٹتی ہی نہیں۔۔ارحام بہکے بہکے انداز میں بولتے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیوانوں کی طرح چھو رہا ہے۔۔

طلب ہے تو تو ہے نشہ

غلام ہے دل ہے یہ تیرا

کھل کر ذرا جی لوں تجھے میں

آجا ذرا میری سانسوں میں آ

مریض عشق ہوں میں کر دے دعا

ہاتھ رکھ دے تو دل پہ ذرا

تجھے میرے رب نے ملایا

میں نے تجھے اپنا بنایا

اب نہ بچھڑنا تو خدایا۔

وہ اس کی کان کی لو کو نرمی سے چومتا گنگنا رہا تھا۔

حور اس کی گنگناہٹ پر گلابی ہوتی آنکھیں میچ گئی ت

وہ اس کی بند آنکھوں کو چومتا اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے وہ اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں کو انہیل کرنے لگا۔۔ وہ بہت نرمی سے اس کے لبوں پر اپنی دسترس قائم کیے اس کی سانسیں چرا رہا تھا۔

ارحام خانزادہ کی سانسوں میں سگریٹ کی پھیلی مہک حور کی سانسوں میں سرایت کر رہی تھی۔وہ اسے کندھوں سے شرٹ سے پکڑے اس کا لمس برداشت کر رہی تھی۔۔

کافی دیر سانسوں کا یہ تال میل جاری رہا تھا۔۔

حور کی برداشت جب ختم ہو گئی تو اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے ارحام کو دور کرنے کی کوشش کی۔۔ارحام کو حور کا ایکٹ سخت برا لگا۔۔

وہ اس کی کلائیاں صوفے کے ساتھ لگائے اور شدت سے اس کی سانسیں انہیل کرنے لگا۔

ارحام کی بڑھتی شدت پر اس کی آنکھوں کی نمی شدت اختیار کرتے عارض پر بہنا شروع ہوئی۔۔ارحام کے حلق میں اس کے آنسوؤں کا نمکین ذائقہ گھلا تو ارحام اس کے لبوں کو آزادی بخشتا اس سے تھوڑا دور ہوا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ارحام نے اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے نرمی سے صاف کرتے درشت لہجے میں پوچھا۔۔

کچھ نہیں۔۔۔حور نے اس کی شرٹ پر انگلی ٹریس کرتے ہوئے ڈبڈبائے لہجے میں کہا۔۔اس کی طرف دیکھنے سے احتراز برتا تھا۔۔

ارحام تھوڑی دیر تک اس کے کانپتے لبوں کو دیکھتا رہا۔۔وہ سمجھ گیا تھا یہ آنسو اس کی شدت پر نہیں کسی اور وجہ سے ہیں۔

ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر اٹھاتے بٹھایا تھا اور خود بھی اٹھ کر بیٹھا۔۔

اس کا ہاتھ تھامتے اسے اپنے قریب کرتے سینے سے لگایا۔۔

کسی نے کچھ کہا ہے۔۔ کیا ہوا ہے کچن میں ؟؟ تھوڑی دیر پہلے تم بلکل ٹھیک تھی۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔۔

اس کے نرم لہجے پر آنکھوں سے آنسو بہتے پھر سے عارض کا حصہ بنے تھے۔

وہ عابیر کی آج برتھڈے ہے۔۔ وہ اپنے زاران لالا کے ساتھ باہر گئی ہے۔۔ اپنی برتھڈے سیلیبریٹ کرنے کے لیے۔۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔۔

تو؟؟ارحام نے آبرو اچکایا تھا۔۔

تو کچھ نہیں۔۔۔ارحام کے سرد لہجے پر حور اپنے عارض اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتی اس کے سینے سے علیحدہ ہوئی۔۔

تمھیں بھی جانا ہے باہر۔۔۔۔۔ارحام نے اس کی بھیگی آنکھوں کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔

نہیں۔۔۔۔۔حور نے پھر سے اپنی آنکھیں رگڑتے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔۔

ویسے بھی میں کیسے جاسکتی ہوں؟؟۔۔حور نے ارحام کی طرف دیکھتے معصومیت سے کہا۔

کیوں؟؟تم کیوں نہیں جاسکتی؟؟ارحام کی بھنویں تنی تھیں۔

آپ نے مجھے سزا دی ہے میں اس حویلی سے باہر نہیں جا سکتی۔۔ کھلے آسماں کے نیچے قدم نہیں رکھ سکتی۔۔ حور کی لہجے نے میں پھر سے شبنم گھلی تھی۔

تمھیں جانا ہے باہر ؟؟۔۔۔ ارحام نے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگایا۔۔

وہ اس کے لفظ ابھی تک دل سے لگائے بیٹھی تھی۔۔ یہ بات ارحام کے دل کو لگی تھی۔ اس نے بے چینی سے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔۔

لیکن آپ تو مجھے پردہ کرواتے ہیں۔۔ مم میں باہر کیسے جا سکتی ہوں ؟؟۔۔ اس کی بات پر اب کی بار ارحام کے لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا تھا۔۔

پردہ کرتے بھی باہر جایا جا سکتا ہے۔۔۔ میں تمھیں ایسی جگہ لے کر جاؤں گا ۔۔ جہاں کوئی بھی نہ ہو۔۔ ارحام مبہم سا مسکراتے ہوے بولا۔۔

مجھے باہر نہیں جانا ارحام۔۔۔مجھے آج اپنے پاپا کی بہت یاد آ رہی ہے۔۔وہ اپنے مڈتے آنسوؤں پر قابو پاتے بولی تھی۔۔

پھر یکدم وہ ارحام کے سینے کے ساتھ لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ارحام اس کے یوں رونے پر لب بھینچ گیا تھا۔۔اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچے اس کی کمر نرمی سے سہلائی۔ارحام کے ہاتھوں کا نرم لمس اپنی کمر پر محسوس کرتے وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کے سینے میں منہ چھپائے اور بھی شدت سے رونے لگی۔۔

ارحام نے اس کی کمر پر اپنی گرفت مظبوط کرتے اسے نرمی سے خود میں بھینچا۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے اس سے علیحدہ ہوئی۔۔

پتہ ہے ارحام۔۔۔ میرے پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔۔۔ وہ میری پری برتھڈے سلیبریشن اتنی دھوم دھام سے کرتے تھے۔۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔۔ جس دن میری برتھڈے ہوتی تھی وہ اس دن کا ایک ایک پل میرے ساتھ گزارتے تھے۔۔ میری اٹھارویں سالگرہ آنے پر انہوں نے مجھ سے بہت وعدے کیے تھے۔۔ بہت بڑے بڑے وعدے کیے تھے انہوں نے مجھ سے کہ وہ مجھے ایسا گفٹ دیں گے جو کبھی کسی نے کسی کو نہ دیا ہو۔

مگر یہ میری پہلی برتھڈے تھی۔۔ جس میں پاپا میرے ساتھ نہیں تھے۔۔ بلکہ کوئی بھی میرے ساتھ نہیں تھا۔۔ یہ میرا پہلا برتھڈے تھا جس

میں کسی نے مجھے وش نہیں کیا۔۔اس دن میں اس کمرے میں اکیلی تھی۔۔اس دن مجھے پاپا کی بہت یاد آئی تھی۔۔ آج عابیر کی برتھڈے پر سب کا اس کے لیے پیار دیکھ کر مجھے اپنے پاپا یاد آ گئے۔۔

حور روتے ہوے بولی۔۔ ارحام اس کی باتوں کو بغور سنتا سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔اس کا رونا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔

جب میں آٹھ سال کی تھی۔۔پاپا مجھے باہر نہیں لے کر جا سکے تو انہوں نے ہمارا پورا گھر ڈزنی لینڈ بنا دیا تھا۔۔ حور اب بہتے آنسوؤں کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔۔

وہ چھوٹا سا گھر جو تمھارے رشتہ داروں نے تم سے دھوکے سے ہتھیا لیا تھا۔۔ ارحام نے اس کی طرف بغور دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔۔

حور ارحام کے سوال پر گڑبڑائی۔۔.

ہاں وہی اسے آرٹیفیشل لک ہی دینا تھا تو پاپا نے اس چھوٹے سے گھر کو ڈزنی لینڈ کی طرح سجایا تھا۔۔ حور قدرے آہستگی سے بولی۔۔

کیا کام کرتے تھے تمھارے پاپا؟؟۔۔ ارحام کو پورا یقین تھا وہ اپنا جھوٹ بھول گئی ہو گی۔۔

وہ وہ ڈرائیور تھے۔۔ حور نے اس بار بھی قدرے اہستگی سے کہا۔۔

ارحام کا چہرہ اس کے جھوٹ پر مزید سنجیدہ ہوا تھا۔ وہ واقعی میں بھول چکی تھی کہ اس نے پچھلی بار اپنے پاپا کو ایک ہوٹل میں شیف بتایا تھا۔۔

نام کیا بتایا تھا تم نے مجھے اپنا گاڑی میں ؟؟۔۔ ارحام نے اس کی جھکی آنکھوں اور سرخ چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

عش۔۔۔۔ عشق۔۔۔۔۔ حور کے لبوں سے برامد ہوا۔۔

یعنی کہ اس نے یہ بات سچ بولی تھی۔۔ اس کا نک نیم شائد عشق تھا۔۔ ارحام نے ایک بار پھر سے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔۔

کون بلاتا تھا تمھیں عشق ؟؟۔۔۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

وہ بلاتا تھا۔ جو مجھے عشق کہتا تھا۔۔ حور نے بولتے بولتے لب دانتوں تلے دبایا تھا۔۔

کون بلاتا تھا؟؟ ارحام کی آنکھوں میں یکدم سرخی کی حدت نے شدت اختیار کی تھی۔۔

جسے دیکھتے حور کا حلق خشک ہوا تھا۔ وہ سہمتے ہوئے ارحام سے تھوڑا دور کھسکی۔۔ ارحام کے لہجے کی ٹھنڈک اسے اپنی ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہوئی۔۔

وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ہمارے نیبرز میں رہتا تھا۔۔۔سات سال کا بچہ تھا وہ ۔۔۔۔اس نے یہ نام کسی فلم میں سنا تھا تو وہ مجھے پیار سے عشق بلاتا تھا۔ حور نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔۔

ارحام کی آنکھوں کی سرخی اور اس کے تنے ہوئے نقوش بتا رہے تھے اسے کسی بچے کا عشق کہنا بھی پسند نہیں آیا تھا۔ عشق آپی کہتا تھا وہ۔۔ حور نے ڈرتے ڈرتے مزید وضاحت دی۔۔

ارحام نے اسے بازو سے کھینچتے اپنی گود میں بٹھایا۔۔

ایک بات یاد رکھنا حور تم صرف میری ہو۔۔ تم عشق کرنے کی ہی قابل ہو ۔۔ تمھارا نام عشق ہی ہونا چاہیے تھا۔۔ مگر مجھے وہ نام بھی گوارا نہیں جو کسی نے بھی تمھیں دیا ہو۔

تمھیں کبھی کسی نے نظر بھر کر بھی دیکھا ہوا تو میں پوری دنیا کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔۔ تمھارے سارے جھوٹ قبول ہیں۔۔ مگر اگر مجھ سے پہلے تمھاری زندگی میں کوئی بھی آیا ہوا تو میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ تمھارے وجود پر جسم پر تو میری حکومت ہے۔۔ مجھے تمھاری سوچوں اور دل پر تمھاری زبان پر بھی صرف اپنا نام چاہیے۔۔۔۔

میں تمھاری کسی بات پر یقین کروں نا کروں۔۔ مگر اس بات پر میں یقین کر بیٹھا ہوں کہ تمھاری زندگی میں میرے علاوہ کبھی کوئی نہیں آیا۔۔ ارحام نے اس کے بالوں کو پکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔۔

میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ ارحام میری زندگی میں آنے والے آپ پہلے مرد ہیں۔۔ حور نظریں جھکائے بمشکل بولی تھی۔۔ ارحام کی خون اتری آنکھوں میں وہ دیکھ نہ سکی تھی۔۔ جہاں عجیب سی دیوانگی تھی۔ اسے اپنی رگوں میں دوڑتا خون منجمند ہوتا محسوس ہوا۔

بولو تم صرف میری ہو۔۔ ارحام نے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب سختی سے رکھے۔۔

میں صرف آپ کی ہوں ارحام۔۔۔ حور نے کانپتے لبوں سے کہا۔۔

تم صرف میری ہو۔۔۔ حور صرف میری۔۔ تمھارے روم روم پر صرف میرا حق ہے۔۔ تمھاری مہکتی سانسیں تمھاری ہر دھڑکن صرف ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ وہ اب پتہ نہیں پوچھ رہا تھا یا اسے بتا رہا تھا۔ وہ حور کی دھڑکنوں پر اپنے لبوں سے اپنی لمس کی گہری چھاپ چھوڑ رہا تھا۔۔

کل صبح میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔۔اس لیے آج ساری رات تم مجھے اپنی بانہوں میں چاہیے ہو۔۔ آج رات تمھیں میں سونے نہیں دوں گا۔۔ ارحام خماری سے بولتے اپنے لبوں کی تجاوز بڑھا رہا تھا۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے ارحام کی بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

ارحام کی تھوڑی دیر پہلے سرخ آنکھوں اور سرد لہجے سے وہ ڈر گئی تھی۔۔ ۔اس لیے اس کی شدتوں میں اس کا ساتھ دینے لگی۔ حور کی انگلیوں کی نرماہٹ اپنے بالوں میں محسوس کرتے ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ ارحام نے سیدھے ہوتے حور کو خود سے علیحدہ کیا اور صوفے سے اٹھتے گود میں اٹھاتے وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔۔

حور نے اپنی آنکھیں پھیلائے تحیر زدہ ہوتے ارحام کو دیکھا۔

آج تمھارے لیے میں نائٹی سلیکٹ کروں گا۔۔ ارحام نے اسے مزید اوپر کو اٹھاتے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کی تھی۔۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کے سینے کے ساتھ لپٹ پڑی۔۔

ہمم۔۔۔۔۔۔ لگتا ہے نائٹی پہنانے کا پروسیس بھی مجھے ہی انجام دینا پڑے گا۔۔ وہ اس کا شرم سے پڑتا سرخ چہرہ دیکھتے اور اپنے سینے میں بجتی اس کی دل کی دھڑکنیں محسوس کرتا ایک بار پھر سے مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔۔ حور اب کی بار اس کے سینے میں منہ چھپاتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ ارحام گہرا مسکراتے ہوئے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔۔

بہارے اسلام آباد کے گرینڈ ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔۔ وہ کچھ دیر پہلے رحیم خان کے ساتھ ہی پہنچی تھی۔۔

اس نے بلیک کلر کی خوبصورت سی فراک پہن رکھی تھی۔۔ جس کے ایک بازو پر خوبصورت دبکے کا گولڈن کام ہوا تھا۔۔ اور گلے پر بھی خوبصورت کام ہوا تھا۔۔ بہارے نے بہت بڑی چادر سے اس وقت خود کو ڈھانپا ہوا تھا۔۔

ہوٹل میں داخل ہوتے ہی اسے ماہم ڈاکٹر عنیزہ اور ڈاکٹر فرقان ہوٹل لابی ایریا میں مل گئے تھے۔۔

یہ کیا بہارے ؟؟ تم نے خود کو آج بھی اس طرح لپیٹا ہوہے۔۔ آج تو یہ چادر دوپٹہ رہنے دیتی۔۔ ڈاکٹر ماہم بہارے کو اتنی بڑی چادر میں لپٹا دیکھ کر ناگواری سے بولی۔۔

عنیزہ اور ڈاکٹر ماہم آج بہت سٹائلش سوٹ میں ملبوس تھیں۔ دوپٹے کندھوں پر ایک طرف جھول رہے تھے..

کیوں آج کیا خاص بات ہے ؟؟ جو میں یہ دوپٹہ یا چادر رہنے دیتی۔۔ بہارے گل نے ماہم کے لہجے کی ناگواری محسوس کرتے درشت لہجے میں پوچھا۔

میرا مطلب ہے کہ یہ تمھارا گاؤں نہیں ہے۔۔ یہ اسلام آباد ہے یہاں تو دوپٹہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ ڈاکٹر ماہم نے کہا۔۔

دوپٹے یا چادر کا تعلق کسی گاؤں یا رسم ورواج سے نہیں ہوتا۔ یہ تو اس کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔۔ وہ کیا پہننا پریفر کرتا ہے کیا نہیں۔۔ میں چادر اور دوپٹے میں کمفرٹیبل محسوس کرتی ہوں۔ جس طرح تم لوگ بغیر دوپٹے کے محسوس کرتی ہو۔۔ میں نے کبھی تم لوگوں کے حلیے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔۔ اس طرح تم لوگوں کو بھی حق نہیں پہنچتا مجھ پر کمنٹ پاس کرو۔۔ بہارے گل سپاٹ لہجے میں کہتے آگے بڑھ گئی تھی۔۔

توبہ اس بہارے کا مزاج تو آسمان پر رہتا ہے۔۔ پتہ نہیں کس بات کا غرور ہے اسے۔۔ڈاکٹر ماہم درشتگی سے بولی۔۔

اس میں غرور کہاں سے آگیا۔۔وہ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔ تم لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا اس کے پردے کے متعلق کچھ کہو۔۔اور وہ چادر اور دوپٹے میں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ڈاکٹر فرقان سنجیدگی سے بولا۔۔

آپ تو یہ کہیں گے ڈاکٹر فرقان آپ انھیں پسند جو کرتے ہیں۔۔ مگر وہ آپ کو منہ بھی نہیں لگاتی۔۔ڈاکٹر ماہم طنزیہ بولی۔۔

اسی لیے تو پسند کرتا ہوں اسے۔۔ہو سکتا وہ مجھے منہ لگاتی تو میں اسے پسند نہ کرتا۔۔ڈاکٹر فرقان سنجیدگی سے کہتے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

کیا ہو گیا ہے ماہم؟ بہارے ہماری اچھی دوست ہے۔۔اس کی باتوں کا کیوں برا مناتی ہو؟۔وہ اپنی ذاتیات پر بات کرنا پسند نہیں کرتی۔۔تم جانتی تو ہو اس کو.....ڈاکٹر عیزہ نے ماہم کو رسانیت سے سمجھایا۔۔

ہاں جانتی ہوں پتہ نہیں کیوں غصہ آ گیا مجھے۔۔ڈاکٹر ماہم مبہم سا مسکرائی تھی۔۔

اچھا چلو اندر چلتے ہیں۔۔ڈاکٹر عنیزہ بولتے ہوئے اندر ہال کی طرف بڑھ گئی۔۔

یہ ہوٹل کا ایک بہت خوبصورت ڈائینگ ہال تھا۔۔ جس کے ایک طرف بوفٹ ڈنر لگا ہوا تھا۔۔ ہال کے وسط میں ایک بڑی سی ڈائینگ ٹیبل لگائی ہوئی تھی۔۔

اور تھوڑی دور بھی خوبصورت گول ٹیبل لگائی ہوئیں تھیں۔۔ ایک طرف خوبصورت ڈانس فلور بھی تھا۔۔ یہاں صرف آئزل کے کچھ دوست اور ہسپتال کے ڈاکٹرز ہی مدعو تھے۔۔ یہ پورا ہال بکڈ تھا ائزل کے فرینڈز اور مہمانوں کے علاوہ باہر سے کوئی بھی نہیں تھا۔۔ شہرام نے تمام گیسٹ کے لیے روم بھی بک کروائے تھے۔۔ تاکہ وہ لوگ وہاں پر کمفرٹیبل ہو کر چینج وغیرہ کر سکیں۔۔ دور کا سفر تھا رات کا ٹائم تھا۔۔ اگر کوئی ڈنر کے بعد رکنا چاہے تو ہوٹل کے کمرے میں سٹے بھی کر سکتا تھا۔۔ تمام انتظامات شہرام

نے ہی کروائے تھے۔۔ آئزل جرمنی سے آئی تھی۔۔ اسے کچھ پتہ نہیں تھا اس کے برتھڈے کے تمام انتظامات شہرام نے ہی دیکھے تھے۔۔

بہارے نے روم میں جا کر چادر اتار کر دوپٹہ سر پر پنز سے اچھی طرح اٹیچ کرتے اچھی طرح سر پر اور کندھوں پر پھیلایا۔

وہ اسوقت سر پر بلیک دوپٹہ جسے اس نے ہیر پنز کے ساتھ اچھی طرح سر پر جمایا ہوا تھا اور ایک کندھے پر خوبصورت سی بلیک اینڈ گولڈن شال ڈال رکھی تھی۔

لائٹ پنک کلر لکی پسٹک لگائے ہوے تھی۔ آنکھوں میں کاجل اور پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیا ہوا تھا۔

لائٹ سے میک اپ میں وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے سے نکلتی ڈاکٹر عنیزہ کی ہمراہی میں ڈائینگ ہال میں داخل ہوئی۔

اس ٹائم سب ہی ڈاکٹر بڑی سی ڈائینگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔

بہارے سب کو سلام کرتی ماہم اور عنیزہ کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی ۔۔۔ساتھ ہی ڈاکٹر فرقان اور ڈاکٹر عماد تھے۔۔ایک طرف سئینیر ڈاکٹر طیب بیٹھے تھے۔اور ان کی مسسز بیٹھی تھیں۔

آئزل کی دوست انجلینا اور مائک آئزل کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔۔اور کچھ دوست جو یہاں پاکستان سے تھے وہ دوسری ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔۔

بہارے عنیزہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔۔ڈائینگ ہال کے دروازے سے شہرام اندر آتا دکھائی دیا۔وہ جب ہال میں اینٹر ہوئی تھی شہرام کہیں نہیں تھا۔۔اسے ڈاکٹر فرقان سے پتہ چلا تھا شہرام آچکا ہے۔ ۔وہ اپنے روم میں چینج کرنے گیا ہے۔۔

شہرام بلیک اینڈ وائٹ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔۔بالوں میں جیل لگائے اپنی وجیح پرسنیلٹی کے ساتھ کافی پرکشش لگ رہا تھا۔۔بہارے اسے ایک نظر دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

شہرام نے ڈائینگ ٹیبل کے قریب آکر سب کو سلام کرتے آئزل کے ساتھ والی چیئر کھسکائی تو آئزل بے اختیاری میں چیئر سے کھڑی ہوئی۔۔

آپ کیوں کھڑی ہو گئی ڈاکٹر آئزل؟؟ بیٹھیے پلیز۔۔۔شہرام نے بیٹھتے ہوے آئزل سے کافی نرمی سے کہا۔۔

تم کھڑے تھے تو مجھے اچھا فیل نہیں ہو۔۔اس لیے می تمھاری اونر میں کھڑی ہوئی تھی۔ آئزل کے سادگی سے بولنے پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھری۔۔وہ شہرام کو بہت رسپیکٹ دیتی تھی۔یہ بات ہاسپٹل کا ہر فرد جانتا تھا۔۔وہ اپنے ایموشنز سب کے سامنے ظاہر بھی کر دیتی تھی ۔۔ آج تو آئزل کی چمکتی نگاہیں شہرام خانزادہ کا دیوانہ وار طواف کر رہی تھیں۔

اس سے پہلے ڈاکٹر فرقان کو گلے میں خراش محسوس ہوتی۔۔ڈاکٹر عماد نے ڈاکٹر فرقان کے پاؤں پر زور سے پاؤں مارا تھا۔۔ڈاکٹر فرقان کی دبی سی چیخ بلند ہوئی تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔سوائے شہرام کے۔۔ شہرام کے گھورنے پر ڈاکٹر فرقان نے اپنی ٹائی ٹھیک کرتے ہوے مبہم سی شہرام کو سمائل پاس کی۔۔

بہارے گل، آئزل کے سامنے والی چیئر پر لاتعلق سی بیٹھی تھی۔

لیکن آئزل اب تو میں بیٹھ چکا ہوں۔۔اب آپ بھی بیٹھ جائیں پلیز۔۔ آئزل کو یونہی کھڑے دیکھ کر شہرام نرمی سے بولا۔۔

او۔۔۔ سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا۔۔ آئزل شہرام کو دیوانہ وار نگاہوں سے دیکھتے معصومیت سے کہتے چیئر پر بیٹھی۔۔

ڈاکٹر آئزل سچ میں بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا یہ اتنی خوبصورت ہیں۔۔ان پر سے تو نظر ہی نہیں ہٹ رہی۔۔ افففف۔۔۔ شہرام سر کتنے خوش قسمت ہیں جو بل کھاتی سڑکوں پر اتنی خوبصورت خاتون کے ساتھ ایک ہی گاڑی میں آئے ہیں۔ڈاکٹر فرقان نے سرد آہ بھرتے ڈاکٹر عماد کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی کی تھی۔

بہارے جو عنیزہ سے باتوں میں مصروف تھی۔۔ڈاکٹر فرقان کی بات اس کی سماعتوں میں پڑی۔۔وہ ڈاکٹر فرقان کی مذاق کرنے کی فطرت سے بخوبی واقف تھی۔پتہ نہیں کس احساس کے تحت اس کی نظریں بے اختیاری میں آئزل کی طرف اٹھیں تھیں۔۔

جو ریڈ کلر کی خوبصورت ساڑھی میں ملبوس تھی۔۔ریڈ فل سلیوز ساڑھی جس پر نازک سا سمپل سا پلو تھا۔۔ساڑھی کافی سٹائلش تھی۔مگر آئزل کے پورے بدن کو ڈھانپے ہوے تھی۔۔اپنے سنہرے بالوں کو اس نے نیچے سے لوز کرل ڈالے تھے۔۔میک اپ میں صرف ریڈ لپ سٹک لگا رکھی تھی۔۔وہ بلاشبہ کافی خوبصورت اور کیوٹ لگ رہی تھی۔۔

آئزل کی ڈنر کرتے ہوے ساری توجہ شہرام خانزادہ کی طرف تھی۔۔وہ ڈنر کم کر رہی تھی۔۔شہرام کو دیکھے جا رہی تھی۔۔آئزل کی گہری نگاہیں شہرام

پر آج ہر کوئی محسوس کر رہا تھا۔۔۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر عنیزہ اور ڈاکٹر ماہم بھی مدھم آواز میں آئزل اور شہرام خانزادہ پر پر تبصرے کر رہی تھی۔۔ ان کی جوڑی کو سب چاند سورج کی جوڑی کہہ رہے تھے۔

شہرام اس وقت سنجیدگی سے ڈنر کر رہا تھا۔۔ شہرام آئزل کی باتوں کا جواب مدھم مسکراتے ہوئے دے رہا تھا۔۔ مگر اس دوران اس نے آئزل کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔۔

سر شہرام سچ میں بہت شریف ہیں یا پھر بہت معصوم ہیں جو اتنی انوسینس بیوٹی کو نظر انداز کر رہے ہیں۔۔ میں ہوتا تو ڈاکٹر آئزل کے قدموں میں اپنا دل رکھ دیتا۔۔ ڈاکٹر فرقان کی سرگوشی ایک بار پھر سے بہارے کے کانوں میں پڑی تو بہارے کے ڈنر کرتے ہاتھ رکے تھے۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شہرام کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔۔ وہ واقعی میں آئزل کی طرف

متوجہ نہیں تھا۔۔وہ کانٹے چھری سے سٹیک کھانے میں مصروف

تھا۔۔البتہ ڈاکٹر آئزل پوری طرح شہرام کی طرف متوجہ تھی۔۔اس کی

پلیٹ میں پڑا کھانا ویسے کا ویسا ہی تھا۔۔وہ شہرام کو دیکھے جا رہی تھی بہارے

شہرام کو ایک نظر دیکھتے خاموشی سے ڈنر کرنے لگی۔۔

ڈنر کے بعد ٹیبل پر ویٹر نے خوبصورت کیک لا کر رکھا۔۔۔آئزل یقدم

اپنی چیئر سے اٹھتی کھڑی ہوئی۔

سب کی نظریں بے اختیار آئزل کی طرف اٹھی تھیں۔

شہرام نے بھی آئزل کو دیکھا تو آئزل گہرا مسکرائی تھی۔۔

میں آپ سب سے کہنا چاہتی ہوں۔۔میرا آج کا برتھڈے اب تک کا

سب...سے...خوبصورت برتھڈے ہے۔۔مجھے سوات بہت پسند آیا

ہے۔۔ آپ سب۔۔۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔۔ وہ معصومیت سے سب کو دیکھتے بول رہی تھی۔ سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔۔ وہ سچ میں بہت صاف دل کی مالک لڑکی تھی۔

شہرام کا شکریہ ادا کروں گی۔۔ جس نے مجھے اس قابل سمجھا۔۔۔ مجھے۔۔۔ موقع دیا میں یہاں.... اس۔۔۔۔ کے ہاسپٹل میں کام کر سکوں۔۔ شہرام بہت اچھا انسان ہے۔۔ میں نے اپنی لائف میں.... شہرام جیسا ا.... چھا..... پرسن... نہیں دیکھا۔۔

وہ سب کو دیکھتے رک رک کر بول رہی تھی۔

ڈاکٹر آئزل کی تعریف پر شہرام آئزل کو دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

میں شہرام کی بہت بڑی فین ہوں۔۔ جرمنی میں۔۔۔۔ایک پارٹی۔۔۔۔
میں ملاقات ہوئی تھی۔۔مجھے ان کا کام بہت پسند آیا تھا۔۔شہرام سچ میں
بہت ٹیلنٹڈ اور ہارڈ ورکنگ مین ہے۔۔

آئی تھنک اٹس ٹو مچھ۔۔۔ڈاکٹر آئزل۔۔۔شہرام نے مسکراتے ہوے
آئزل کو ٹوکا تھا۔۔

تعریف کے قابل میں نہیں آپ ہیں۔۔۔آپ جیسی خاتون بھی میں نے
آج تک نہیں دیکھی۔بیٹھیے پلیز۔۔۔۔شہرام نے نرم لہجے میں آئزل کو
بیٹھنے کو کہا۔۔

آئزل مسکراتے ہوے بیٹھی تھی۔۔

ویسے. ڈاکٹر آئزل اگر سر شہرام کی دو لفظوں میں تعریف کرنے کو کہا جائے تو آپ کیا کہیں گی۔۔ڈاکٹر فرقان نے سب کے گھورنے کے باوجود اپنا سوال کیا۔

۔موسٹ گریس فل پرسن۔۔۔۔ڈاکٹر آئزل نے شہرام کو دیکھتے کہا۔۔

اور سر شہرام آپ ڈاکٹر آئزل کی تعریف کن لفظوں میں کریں گے۔۔ڈاکٹر فرقان کے سوال پر شہرام کرسی پر سیدھا ہوا تھا۔۔

بہارے کی نظریں ایک بار پھر سے شہرام کی طرف اٹھیں تھیں۔

آئی تھنک ان کی تعریف دو لفظوں میں ممکن ہے ہی نہیں۔۔شہرام کی بات پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

آئزل کی رنگت میں گلابیاں سی گھلی تھیں۔

بہارے اس پورے ڈنر میں پہلی مرتبہ مسکرانہ سکی تھی۔۔

پتہ نہیں کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔۔

تو اتنی خوبصورت ہے

کہ فدا پہ دیدار پہ تیرے

مکمل عشق ہو میرا

ذرا سا تو پیار دے دے

فلک قدموں میں آ جھکے

حسین لمحات وہ دے دے

ہال میں خوبصورت گانے کے لر عکس گونج رہے تھے۔

بہارے کی نظریں ڈانس فلور کی طرف تھیں۔۔ آئزل کے دوست زبردستی شہرام اور آئزل کو ڈانس فلور کی طرف کھینچ کر لے کر گیئے تھے۔

آئزل نے شہرام کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔۔ وہ ہنستے ہوے شہرام کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔۔

شہرام نے اس کی بات پر مسکراتے ہوے اس کی کمر پر ہلکا سا ہاتھ رکھا تو بہارے اپنی نظریں پھیر چکی تھی۔۔ وہ ہال کی گلاس ونڈو سے باہر نظر آتے فاؤنٹین کو دیکھنے لگی۔ شہرام کا ہاتھ آئزل کی کمر پر پتہ نہیں کیوں برداشت نہیں ہوا تھا۔۔ وہ بے چین سی ہوئی تھی۔۔ اندر سے کچھ چھن سا ٹوٹا تھا۔۔

شہرام اور آئزل جب تک ڈانس فلور پر رہے تھے۔۔ اس نے دوبارہ ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔

وہ لب کاٹتے ہوئے گلاس ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی کہ پتہ نہیں کب ڈاکٹر فرقان اس کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔۔

کیا ہوا ڈاکٹر بہارے؟؟ آج آپ اتنی خاموش کیوں ہیں؟؟ ڈاکٹر فرقان نے بہارے کو اپنے لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے دیکھا۔۔ وہ اپنے لب اچھے خاصے قندھاری کر چکی تھی۔ بس خون نکلنے کی کثر باقی رہتی تھی۔

کچھ نہیں آپ اپنے کام سے کام رکھیں تو بہتر ہو گا۔بہارے تڑخ کر جواب دیتے اپنی چیئر سے اٹھتے شہرام کی طرف بڑھی جو ابھی بھی ڈانس فلور پر موجود تھا۔

ایکسکیوزمی سر شہرام۔۔۔مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔

بہارے نے شہرام کے قریب جا کر ایک ایک لفظ چباتے کہا تو آئزل شہرام سے علیحدہ ہوئی تھی۔۔

جی کہیے۔۔۔۔شہرام نے بہارے کو ایک نظر دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

یہ پہلی نظر تھی جو آج شہرام نے اس پر ڈالی تھی۔یہ بات آج بہارے نے محسوس بھی کی تھی۔۔آج پہلی مرتبہ اسے اپنا آپ کسی کے سامنے پھیکا لگا تھا۔

مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔ بہارے نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

آئزل میں آتا ہوں ایک منٹ۔۔۔ شہرام آئزل سے کہتا ڈانس فلور سے ایک طرف آیا۔۔

بہارے اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔۔

جی کہیے۔۔۔ شہرام نے اجنبیت سے پوچھا۔۔ مجھے لگتا ہے یہاں کوئی نہیں ہے تو اتنا فارمل ہو کر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہارے شہرام کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھتے بولی۔۔ یہ فارمیلٹی ڈاکٹر آئزل کو دیکھ کر تو اسے یاد نہیں آتی تھی۔۔ پتہ نہیں کیوں اسے شہرام کا اتنا فارمل ہونا پسند نہیں آیا تھا۔

بے شک یہاں کوئی نہیں ہے۔۔ مگر میں نہیں چاہتا کسی کو غلطی سے بھی پتہ چلے کہ تمھارا اور میرا رشتہ کیا ہے۔۔ شہرام کی بات پر بہارے کا رنگ سرخ پڑا۔۔۔۔

میں بھی یہی چاہتی ہوں۔۔ میں بھی غلطی سے بھی کسی کو پتہ نہیں چلنے دینا چاہتی کہ ہمارے بیچ رشتہ کیا ہے۔۔ بہارے نے تنک کر جواب دیا۔۔ وہ بھی تو یہی چاہتی تھی کسی کو یہاں پتہ نہ چلے شہرام اور اس کے بیچ رشتے کی نوعیت کا۔۔ مگر آج شہرام کی بات پر اسے آگ کیوں لگی تھی۔۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔

بہارے تم یہ بحث کرنے کے لیے مجھے یہاں لائی ہو۔۔ شہرام نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہتے ڈانس فلور کی طرف دیکھا۔ جہاں آئزل اپنی دوست

انجلینا کے ساتھ اب ڈانس کر رہی تھی۔۔ شہرام کے دیکھنے پر آیزل مسکرائی تھی۔۔ شہرام بھی جوابًا مسکرایا تھا۔۔

مجھے تم سے یہ کہنا تھا۔ میں اب یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔۔ رات بہت ہو گیئی ہے۔۔ راستہ لمبا ہے۔۔ بہارے نے شہرام کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے سلگتے لہجے میں کہا۔۔ وہ سلگ کیوں رہی تھی؟؟۔۔ وہ ابھی تک اپنی فیلنگز سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔۔ رحیم خان کو فون کر دو۔۔ وہ گاڑی ہوٹل کے گیٹ پر لے آئے گا۔۔ گارڈز کی گاڑی تیار کھڑی ہے۔۔ رات زیادہ بھی ہو گئی تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔ شہرام کہتے ہوے رکا نہیں تھا۔ وہ آئزل کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

بہارے کچھ پل غائب دماغی سے کھڑی رہی۔۔وہ آئزل کے پاس جا کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔۔ آئزل اس کی بات پر اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔۔یقدم بہارے کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔وہ مزید وہاں رکی نہیں تھی۔۔

وہ اپنی چادر بیگ سے نکالتے وہ خود پر اچھی طرح اوڑھے ہال سے باہر نکل آئی تھی۔۔

گیٹ تک آتے آتے نجانے کیوں اس کی آنکھیں نم سی تھیں۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔اسے کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟؟

اسے یقین نہیں آرہا تھا شہرام اسے یوں رات کو اکیلے باہر جانے کا کہہ سکتا ہے۔۔وہ تو حویلی کے گیٹ پر بھی تب تک کھڑا رہتا تھا۔۔جب تک وہ گیٹ سے اندر زنان خانے کے داخلی دروازے سے اندر نہ چلی جائے۔۔اور دن

کے وقت کالج کے گیٹ پر بھی تب تک کھڑا رہتا تھا۔۔جب تک وہ اندر چلی نہیں جاتی تھی۔۔وہ کالج کے اندر چلی جاتی تھی تو دس فون کرتا تھا وہ اپنی سہیلیوں تک پہنچ گئی ہے۔اسے اس کی سہیلیاں مل گئی ہیں۔اور وہ کتنا چڑتی تھی۔۔اسے آگے سے کتنی باتیں سناتی تھیں۔

آج وہ اتنے بڑے ہوٹل میں اتنی رات کو تن تنہا گیٹ تک چلی آئی اور اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔۔وہ گیٹ پر آئی تو رحیم خان گاڑی لیے کھڑا تھا۔۔وہ گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تو اسے شہرام آئزل کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔وہ اسے مکمل اگنور کیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آئزل اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔شہرام گاڑی سٹارٹ کرتا اپنی گاڑی نکال کر لے گیا۔

چلیں بہارے بیٹی۔۔۔۔۔رحیم خان نے پاس آکر بہارے کو پکارا تو وہ اپنے خیالوں سے جیسے چونکی تھی۔

جی چلیے کاکا۔۔۔۔۔وہ آہستگی سے کہتے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔۔

زاران خانزادہ عابیر ابرش اور پلوشہ کے ہمراہ ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔۔وہ تینوں اس وقت مکمل پردے میں تھیں۔ سر سے پیروں تک ڈھکی ہوئیں۔۔زاران ہوٹل لابی سے گزرتا ہوا مخصوص ڈائینگ ہال کی طرف بڑھا جو آج اس نے سپیشلی عابیر کی برتھڈے کے لیے بک کروایا تھا۔اس ہوٹل میں فیملیز کے لیے الگ ڈائینگ ہال بھی تھے۔جہاں پردہ کرنے والی خواتین کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔دفعتاً زاران رخانزادہ رکا تھا۔لابی کے آگے سے

گزرتے ایک خوبصورت گلاس سے نظر آتے منظر نے زاران کو ٹھٹھک کر رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

زاران کے چہرے پر ہلکی سی سرخی نمودار ہوئی تھی۔۔عابیر ابرش اور پلوشہ کی نگاہوں نے بھی زاران خانزادہ کی نظروں کا تعاقب کیا تھا۔۔

عابیر نے زاران کے بازو پر سختی سے اپنا ہاتھ جماتے وہ منظر دیکھتے رخ موڑ لیا تھا۔۔ہیزل گرے آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔وہ گہرے سانس لیتی خود پر قابو پا رہی تھی۔

سامنے ہی خوبصورت ہال میں اسفندیار خان کسی لڑکی کے ساتھ ٹیبل کے گرد بیٹھا تھا۔۔کندھے تک آتے سٹیپ کٹنگ سنہرے بالوں والی لڑکی کیک کا پیس اسفندیار کے منہ میں ڈال رہی تھی۔اسفندیار خان مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے کیک کھا رہا تھا۔۔سارے منظر واضح تھے۔۔وہ آج اتنی

عجلت میں کیوں اسے چھوڑ کر آیا تھا؟؟۔اس کا ضروری کام اس کے سامنے تھا۔۔عابیر نے نم ہوتی آنکھوں سے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔۔اگر اسے زاران کا سہارا نہ ہوتا وہ کب سے زمین بوس ہو جاتی۔۔زاران عابیر کے ہاتھ کی لرزش اپنی کلائی پر محسوس کرتے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔شعلہ بار نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے اب اس لڑکی کو کیک کھلا رہا تھا۔۔

دفعتًا اسفندیار خان کی نظر بھی زاران خانزادہ پر پڑی تھی۔۔اسفندیار خان کے چہرے کے نقوش تنے تھے۔اسفند نے سرد نگاہوں سے زاران کو دیکھتے چیئر سے ٹیک لگائے اس پر استھزائیہ مسکراہٹ اچھالی۔

چلیں لالا۔۔۔عابیر اپنے لہجے کی شبنم پر قابو پاتے ہوے زاران کی طرف پلٹتے ہوے بولی۔ نظریں ایک بار اس دشمن جاں کی طرف اٹھی تھیں۔جو مسکراتے ہوے انھیں ہی دیکھ رہا تھا۔۔

اسفندیار خان یکدم چیئر سے ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔لبوں پر مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی تھی۔۔کالی چادر میں لپٹے وجود کو وہ پل میں پہچان چکا تھا۔۔

ہیزل گرے آنکھوں کا گلابی پن اسے دیکھتا بڑھتا جا رہا تھا۔۔وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا؟؟سفید مومی ہاتھ نے اسفند کی کلائی کو چھوا۔۔ہیزل گرے آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔

اسفند نے جلدی سے اپنی کلائی عینا کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچی۔۔

چلیں لالا۔۔۔عابیر زاران کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے آگے بڑھی۔۔زاران عابیر کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھ گیا تھا۔۔ابرش اور پلوشہ زاران کے ہم قدم ہوئی تھیں۔۔

اسفند جو چیئر پر بیٹھا لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔اسے زاران کے حصار میں جاتے دیکھ کر اس نے غصے سے جھنجھلاتے ٹیبل پر مکہ مارا۔۔ہیزل گرے آنکھوں میں شکوے کی گہری رمک اسے بے چین کر چکی تھی۔۔اسے ادھر دیکھ کر بھی وہ مشتعل ہوا تھا۔۔

کیا ہوا اسفند؟؟۔۔عینا نے اسفند کی کلائی ایک بار پھر سے پکڑی تھی۔

اسفندیار کی آنکھوں میں غیض و اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔۔وہ اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتا چیئر گھسیٹتے ہوے اٹھا تھا۔۔اور تیز تیز قدموں سے باہر آیا۔۔

زاران عابیر پلوشہ اور ابرش کے ہمراہ ہوٹل کے مخصوص بکڈہال میں داخل ہو گیا تھا۔۔

ٹیبل پر ان لوگوں کے آنے سے پہلے کھانا اور کیک سجا دیا گیا تھا۔۔اس وقت اس ڈائینگ ایریا میں کوئی نہیں تھا۔۔

سوائے ان چار نفوس کے۔۔۔

زاران کے چہرے کا غیض و غضب بتا رہا تھا کہ اسے اسفندیار خان کا عینا کے ساتھ نظر آنا کتنے غصے میں مبتلا کر گیا ہے۔

وہ عینا کو اچھی طرح جانتا تھا۔۔ یہ بھی جانتا تھا۔ عینا اسفند یار خان کو پسند کرتی ہے۔۔ وہ امریکہ میں کتنی بار اسفند یار خان کو پرپوز کر چکی تھی۔ اسفند کتنی بار عینا کے پرپوزل کو ریجیکٹ کر چکا تھا۔ اور اس سے کبھی نہ ملنے کا تحیہ کر چکا تھا۔۔ کیونکہ عینا بہت بولڈ اور اڈوانس لڑکی تھی۔ وہ اسفند کو پانے کے لیے ہر حد تک جا سکتی تھی۔۔ امریکہ میں ایک پارٹی میں اس نے اسفند یار خان کی ڈرنک میں نشہ آور گولیاں ملائی تھیں۔ وہ اسفند یار خان کو کمرے میں لے جا کر اس سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی تھی۔۔ وہ اسفند یار خان کی مردانہ وجاہت پر مرمٹی تھی۔۔

اس کی حرکت پر اسفند یار خان نے پارٹی میں سب کے سامنے اسے تھپڑ دے مارا تھا۔

اس نے بہت ہائی ڈر گز اسفند یار خان کی ڈرنک میں ملائی تھیں۔ وہ تو اسفند بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو وہ عینا کی خوبصورتی اور جوانی کے آگے بے بس ہو جاتا۔۔ اس پارٹی میں زاران خانزادہ بھی تھا۔ وہی اسے اس دن اس پارٹی سے واپس فلیٹ میں لایا تھا۔۔

مگر اب اسفند اس کے ساتھ آخر کیا کر رہا تھا؟؟ وہ عینا جیسی لڑکی کے ساتھ دوبارہ کیسے کانٹیکٹ کر سکتا ہے۔۔

عینا پاکستان میں ہے۔ وہ کیسے اس بات سے بے خبر رہا؟؟۔۔ زاران نے تشویشی انداز میں اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے عابیر کو دیکھا.. جو نظریں جھکائے خاموشی سے ڈنر کر رہی تھی۔۔ وہ بظاہر خاموشی سے ڈنر کر رہی تھی۔۔ مگر اس کی آنکھوں میں چھپا وہ اظطراب دیکھ چکا تھا۔۔

اور اس کے ہاتھوں سے نکلتی آگ کی لپیٹیں بھی وہ محسوس کر چکا تھا۔۔اس کے ہاتھوں کی تپش نے زاران خانزادہ کی کلائی جیسے جلا دی تھی۔۔

ابھی وہ سرخ چہرے کے ساتھ بے نیاز سی بے حس بنی ڈنر کر رہی تھی۔۔جیسے اسے اس سب سے فرق نہیں پڑا تھا۔۔

اسفندیار خان کو عینا کے ساتھ دیکھ کر کیسے اس کی آنکھوں میں شبنم اتری تھی۔۔زاران کو سب کچھ سمجھ آ گیا تھا۔عابیر کے آنسوؤں کی وجہ آخر کیا ہے؟؟۔۔اسفند اسے اس طرح تڑپا رہا تھا؟؟۔۔وہ عابیر کو اس کے کیے کی سزا ایسے دے رہا تھا۔۔زاران کو اسفند پر اتنا یقین تھا۔۔جو کبھی کسی گندگی میں نہیں گر سکتا تھا۔۔وہ صرف یہ سب کچھ عابیر کو اذیت دینے کے لیے کر رہا تھا۔۔زاران پل میں سب کچھ سمجھ چکا تھا۔یا پھر وہ اس سے بدلہ لینے کے

لیے اس حد تک گر گیا ہے کہ وہ عینا کے ساتھ کسی ریلیشن میں ہے۔۔زاران نے پریشانی سے اپنی بئیرڈ سہلائی۔وہ اسفند پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔۔

اسفندیار خان پہ اسے اتنا تو یقین تھا۔۔وہ کبھی بھی عابیر پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔۔بابرک کی طرح کبھی بھی وہ اسے جسمانی تکلیف نہیں دے گا۔۔مگر وہ اسے ذہنی اذیت تو دے سکتا تھا۔۔یہ بات اس نے آج سے پہلے کیوں نہیں سوچی تھی؟؟؟

تو کیا وہ واقعی میں وہ عینا کے ساتھ کسی ریلیشن میں ہے۔۔زاران نے پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

زاران تم کچھ کھا کیوں نہیں رہے ؟؟ پلوشہ نے کہتے زاران کی طرف چکن جلفیرزی کی ڈش بڑھائی۔۔ زاران نے چونکتے ہوے کسی خیال کے تحت پلوشہ کے ہاتھوں سے وہ ڈش پکڑی۔۔

ابرش نے یہ دیکھتے غصے سے چمچ پلیٹ میں پٹخا تھا۔۔

زاران نے لب بھینچے ابرش کو دیکھا جو غصے سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

زاران ابرش کو نظر انداز کرتے کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔۔ اس وقت وہ بہت سی ذہنی الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا۔۔ ابرش کی انسکیورٹی اسے مزید غصہ دلا رہی تھی۔۔۔

زاران کی لاپرواہی دیکھ کر ابرش کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔ باہر وہ اپنی بہن کو بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھ گیا تھا۔

اسے اس پل لگا اس کا اور پلوشہ کا جیسے ایک ہی مقام ہو۔ اب بھی اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔۔ ابرش نے نم آنکھوں سے پلوشہ کو دیکھا۔ جو مسکراتے ہوے چاولوں سے بھرا چمچ منہ میں ڈالتے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔۔

ابرش کو ایسا لگا تھا جیسے وہ زاران کی بے نیازی بے تعلقی محسوس کرتے اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

ابرش نے اب غصے سے اپنے پاس پڑی پلیٹ دور کھکسائی تھی۔ جو دوسری ڈشز سے ٹکراتی عجیب سا شور پیدا کر گئی تھی۔۔

زاران نے ابرش پر غصیلی نظر ڈالی۔۔

کھانا کھاؤ ابرش۔۔ زاران نے اس کی طرف جھکتے دانت پیسے تھے۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔۔میں آپ کے ساتھ آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔۔آپ مجھے زبردستی لائے ہیں یہاں۔اور مجھے نہیں لگتا یہاں میری ضرورت تھی۔

ابرش جواباً غصے سے آہستگی سے بولی۔۔ٹھیک ہے مت کھاؤ۔۔زاران نے غصے سے کافی بلند آواز میں کہتے چمچ پلیٹ میں زور سے پٹخا۔۔وہ بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ چکا تھا۔۔ابرش اس کی اونچی آواز پر ایک پل کو لرزی تھی۔۔دوسرے پل وہ نم آنکھوں سے منہ پھیر گئی تھی۔

زران کو غصے میں دیکھ کر عابیر اور پلوشہ نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچا تھا۔۔حال کا ٹمپریچر مزید گرم ہو چکا تھا۔۔

لالا۔۔۔عابیر نے زاران کو مدھم آواز میں پکارتے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔۔

اسی اثناء میں اسفندیار خان غصے سے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

اس سے پہلے اسفند عابیر کی طرف بڑھتا۔زاران چیئر سے اٹھتا اسفندیار خان کے مقابل ہوا۔۔

تم عابیر کے پاس نہیں جاسکتے۔۔زاران نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے اسے دروازے پر روکا۔

اچھا تم مجھے روکو گے میری بیوی کے پاس جانے کے لیے۔ اسفندیار خان نے استھزائیہ نگاہ زاران پر ڈالتے عابیر کو گھور کر دیکھا جو ان سب سے بے نیاز ڈنر کر رہی تھی۔۔

اس کے آنے پر اس نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔۔ یہی بات اسفندیار خان کو آگ لگا گئی تھی۔۔ وہ اسے کبھی بھی کسی بھی سچویشن میں نظر انداز کرے یہ کہاں برداشت تھا۔۔ اتنی باہر اس کی شکوہ کناں نظروں نے اسے پریشان نہیں کیا تھا۔ جتنا اس کی بے نیازی نے کیا تھا۔

اسے یوں اطمینان سے ڈنر کرتا دیکھ کر اسفند کا پارہ ہائی ہوا۔۔

تم عینا کے ساتھ کیا کر رہے تھے ؟۔ زاران نے عابیر پر نگاہ ڈالتے اسفند سے دبی آواز میں غراتے ہوئے پوچھا۔

میں کچھ بھی کروں میں تمھارے آگے جواب دہ نہیں ہوں۔ اسفند نے درشت لہجے میں کہا۔۔

حیرت ہے تمھارا اسٹینڈر اب اتنا گرا ہوا ہے۔ تم عینا جیسی لڑکی سے ریلیشن رکھو گے۔ صرف مجھ سے بدلہ لینے کے لیے۔۔ زاران استھزائیہ مسکرایا تھا۔

میرا اسٹینڈر تو ہمیشہ سے گرا ہوا رہا ہے۔۔ یہ تم جیسے انسان سے دوستی رکھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے۔ اسفند نے جوابًا مسکراتے ہوے طنز کیا۔۔

تم مجھ سے بدلہ لینے کے لیے خود اتنا گر جاؤ گے مجھے آج معلوم ہوا ہے۔۔ زاران نے طنزیہ مسکراتے ہوے جوابی کروائی تھی۔۔

میری بات سنو تم سے بدلہ لینے کے لیے ابھی میں اس حد تک نہیں گرا جتنا تم سوچ رہے ہو۔ اور تم سے بدلہ لینے کے لیے میں جس حد تک گر سکتا ہوں۔ وہ تمھاری سوچ سے کہیں زیادہ ہے۔۔

اس لیے آئیندہ مجھے مخاطب کرنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ ورنہ تمھیں اور تمھاری بہن کو وہ روپ دکھاؤں گا تمھاری سوچ ہے۔۔ میرے اور میری بیوی کے معاملات سے دور رہو۔۔ اسفند نے انگلی اٹھائے تنبیہ کی تھی۔

اگر تم نے غلطی سے بھی عابیر کو ہرٹ کرنے کی کوشش کی تو یہ بات یاد رکھنا تم عابیر کا چہرہ دیکھنے کو بھی ترسو گے۔

زاران نے بھی جوابًا انگلی اٹھائے وارن کیا تھا۔

اپنی بکواس بند کرو زاران خانزادہ۔۔۔ خبردار میری بیوی پر حق جتانے کی کوشش بھی کی تو میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ زاران کی بات پر وہ بنالحاظ کیے چیخا تھا۔۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا وہ کہاں کھڑا ہے۔۔ اسفند کی گرج دار آواز پر ہوٹل میں موجود بہت سے لوگ متوجہ ہوے تھے۔ وہ عابیر پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ زاران کی بات تو اسے آگ لگا گئی تھی۔

اسفند کی گرج پر عابیر بھی اپنی جگہ سے اچھلی تھی۔۔ وہ مزید خود پر بے نیازی کا خول نہیں چڑھا سکی تھی۔۔

زاران اب سکون سے اسفندیار کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو خطرناک حد تک سرخ پڑ رہا تھا۔۔ زاران کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

ایک بات یاد رکھنا جو تم یہ حق جتاتے پھرتے ہو عابیر پر عنقریب نہیں جتا سکو گے۔۔ کیونکہ میں اپنی بہن کی جان تم سے چھڑوا کر رہوں گا۔۔ زاران نے

اسفندیار خان کا مشتعل چہرہ دیکھتے سکون سے کہتے اسفندیار خان کو مزید بھڑکایا تھا۔۔

زاران کی بات آگ پر پٹرول چھڑکنا ثابت ہوئی تھی۔۔ اسفندیار خان نے طیش و اشتعال سے زاران خانزادہ کے چہرے پر زوردار مکہ جڑ دیا تھا۔۔ عابیر ابرش پلوشہ سب ہی اپنی اپنی نشستوں سے اٹھی تھیں۔۔

عابیر تیزی سے زاران کی طرف بڑھی۔ جو اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتا استہزائیہ نظروں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہا تھا۔۔

تمھیں میں اس سے بہتر انداز میں جواب دے سکتا ہوں۔۔ مگر نہیں دوں گا۔۔ مگر یاد رکھنا عابیر کو میں تم سے طلاق دلوا کر رہوں گا۔۔ زاران نے اسفندیار خان کو دیکھتے بے حد سکون سے کہا۔۔

اس سے پہلے اسفند اس پر ہاتھ اٹھاتا۔ عابیر زاران اور اسفندیار خان کے بیچ حائل ہوئی تھی۔

بس اسفند۔۔۔ آپ میرے لالا پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔۔۔ عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔

عابیر کے انداز پر وہ مزید مشتعل ہوا تھا۔۔ سینے میں دہکتے آلاؤ بھڑکے تھے۔ وہ تو ان آنکھوں سے بہتی شبنم کا سوچتے ہوئے آیا تھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

اسفند عابیر کی کلائی جکڑے اسے اپنے قریب کر چکا تھا۔۔

تم یہاں کس کی آجازت سے آئی ہو۔ یہ میں تم سے کمرے میں جا کر پوچھوں گا۔۔ کہا تھا تم سے تمھیں اس کمرے سے نکلنے کی بھی میری

آجازت کی ضرورت ہے۔۔ پھر کیوں آئی تم یہاں؟؟ اسفند اس کی کلائی جکڑے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں گاڑھے سرد آواز میں بولا۔۔

اسفند کے انداز پر وہ زاران کے سامنے خفت کا شکار ہوی تھی۔۔ وہ کلائی سے جکڑے اس کی کمر پر اپنی گرفت کرتے اسے اپنے قریب کیے ہوا تھا۔

اس بات کا جواب میں بھی اپنے لالا کی طرح بہتر انداز میں دے سکتی ہوں۔۔۔ مگر دوں گی نہیں۔۔۔ کیونکہ میں آپ کو اس بات کا جواب دینا نہیں چاہتی۔۔ عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے مضبوط سینے پر اپنا ہاتھ جماتے اسے خود سے دور دھکیلتے بولی۔

اب سارے سوالات جوابات میں تم سے حویلی ہی چل کر کروں گا۔۔ چہرہ ڈھانپو اپنا۔۔۔ اسفند اس کے دھکیلنے پر مزید سیخ پا ہوا۔

عابیر نے اسفندیار خان کو ایک نظر دیکھتے زاران کو دیکھا۔۔ جس نے آنکھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا تھا۔۔ عابیر نے خاموشی سے چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھانپا۔۔

آئیندہ میری بیوی سے دور رہنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔ وہ زاران کو واران کرتے عابیر کی کلائی جکڑے وہاں سے جا چکا تھا۔۔

زاران اپنے زخمی ہونٹ پر انگوٹھا پھیرتے ٹیبل کی طرف بڑھا۔۔

اسفندیار خان اس کی کلائی تھامے ہوٹل سے باہر آیا۔۔ جہاں شوفر اس کی گاڑی پارکنگ سے نکالتا اس کی کی طرف آیا۔۔ گاڑی سے نکلتے وہ اسفند کو گاڑی کی چابی پکڑائے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔ اسفند عابیر کی کلائی جکڑے گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ اس سے پہلے وہ عابیر کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتا عینا کی آواز پر وہ پلٹا تھا۔

تم کہاں چلے گیے تھے ؟؟۔۔ عینا کی نظریں اسفندیار خان کے ہاتھ میں جکڑے کلائی پر تھیں۔۔ عینا نے چادر میں لپٹی ہیزل گرے آنکھوں والی اس لڑکی کو عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔۔

عینا میں کل تم سے ملتا ہوں۔۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے۔۔ اسفند نے عینا سے کہتے عابیر پر شعلہ اگلتی نظر ڈالی جو خاموش سی لاتعلق کھڑی تھی۔۔ اس نے عینا پر ایک نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

بیٹھو گاڑی میں۔۔۔۔ اسفند عابیر کو سرد نظروں سے دیکھتے بولا۔

عینا نے اسفند یار کے مقابل آے اسفند کی بھورے بالوں والی کلائی پر ہاتھ رکھا۔ اسفند تمھارے ساتھ یہ کون ہے؟؟۔ عینا نے جلتے سلگتے لہجے میں پوچھا۔۔

یہ میری۔۔۔۔۔۔

میں ان کی کزن ہوں عابیر خان۔۔۔ اسفند کی بات بیچ میں ٹوکتے عابیر نے اپنا تعارف کرواتے اسفند کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑوائی۔۔

یہ بیوی ہے میری۔۔۔۔۔ مسسز اسفند یار خان۔۔۔۔ اسفند عابیر پر نظریں جمائے ایک ایک لفظ لفظ چباتے ہوے عینا کا ہاتھ اپنی کلائی سے ہٹاتے عابیر کی کلائی پر اپنی گرفت مزید مضبوط کر چکا تھا۔۔

اسفند کی بات پر عینا کا چہرہ زلزلوں کے آثار میں آیا۔۔اس کی سفید رنگت مزید سفید ہوئی تھی۔وہ دو قدم پیچھے کو ہوتی لڑکھڑائی تھی۔

اسفندیار خان نے عابیر کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر بٹھایا۔۔۔۔

اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

اسفندیار خان غصے سے بہت ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔عابیر نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنے چہرے کا نقاب اتار دیا تھا۔۔رات کا ٹائم تھا سڑکوں پر بھی زیادہ تر اندھیرا تھا۔۔یہ سوچ کر اس نے اپنے چہرے کا نقاب اتار دیا تھا۔۔

اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ بخار کی حدت سے اس کی آنکھیں پھر سے جلنے لگی تھیں۔ وہ عینا کے چہرے پر اسفند کی شدید محبت دیکھ چکی تھی۔ اسفند کی کلائی پر رکھا اس کا ہاتھ اسے بھول نہیں رہا تھا۔۔ نہ ہی اسفند یار خان کی وہ مسکراہٹ جو وہ عینا کو کیک کھلاتے ہوئے اس کے چہرے پر تھی۔

کیوں ائی تم ؟؟ جب میں نے تمھیں منع کیا تھا کمرے سے باہر نکلنے کو۔۔ زاران کے الفاظ یاد کرتے وہ مشتعل ہوئے غرایا تھا۔۔

میں کیوں نہیں آسکتی ؟؟۔۔ میں کیوں اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔۔ آپ یہاں ایک غیر لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر اس کی سالگرہ منا سکتے ہیں۔

میں اپنے ہی لالا کے ساتھ اپنی سالگرہ کیوں نہیں منا سکتی۔۔عابیر جواباً دبے انداز میں چلائی تھی۔۔

چلاؤ میرے سامنے اسفند نے کہتے غصے سے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

یہ جوری ایکشن آپ دے رہے ہیں۔یہ مجھے دکھانا چاہیے تھا۔۔غیر لڑکی کے ساتھ آپ بیٹھے تھے۔میں کسی غیر مرد کے ساتھ نہیں تھی۔۔

عابیر۔۔۔۔۔بکواس بند کرو اپنی خبر دار کسی غیر مرد کا تم نے اپنے ہونٹوں سے ذکر بھی کیا تو۔۔۔۔ہ سٹرینگ پر ہاتھ مارتے ہوے دھاڑا تھا۔۔

"Double standerd of all mens of havali"

عابیر آہستگی سے کہتے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔۔

اسفند اس کے الفاظ سنتا لب بھینچ گیا تھا۔

اسفند یار خان زاران کے الفاظ یاد کرتے کوئلے کی مانند دہک رہا تھا۔۔

عابیر پر اس کا حق جتانا اسے جلتے توے پر کھڑا کر رہا تھا۔۔

عابیر کا اس سے پیچھا چھڑوانے والی بات پر اس پر جلتے انگارے جیسے ڈال دیے تھے۔۔ اسفند نے غصے سے سٹیرنگ پر دو تین مرتبہ ہاتھ مارا۔۔

اسفند یار خان نے گاڑی گھماتے ہوے اس کا رخ حویلی کی مخالف سمت کیا تو عابیر نے تحیر زدہ ہوتے اسفند کو دیکھا۔۔ اس نے گاڑی کا رخ کیوں موڑا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ نہ ہی اسفند سے پوچھنے کی ہمت تھی۔۔ اسفند کا چہرہ شدید اشتعال سے سرخ ہو رہا تھا۔۔ سٹیرنگ پر مضبوط مردانہ ہاتھ پر نیلی رگیں تک واضح تھیں۔۔

.

وہ لوگ حویلی سے کافی دور نکل آئے تھے۔۔ اسفند اسے کہاں لے کر جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔۔۔ ہلکی ہلکی برستی بارش نے اب زور پکڑنا شروع کر دیا تھا۔۔

عابیر نے بخار کی حدت سے جلتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند لیں تھیں۔ وہ بخار کی حالت میں جو کچھ سہہ چکی تھی۔۔ وہ اس کا دل جانتا تھا۔۔ اس سفاک بے مہر انسان کو وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

ابھی اسے آنکھیں موندیں تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی دفعتاً اسفندیار خان کا فون رنگ ہوا تھا۔۔ اسفند نے فون کان سے لگائے گاڑی کی سپیڈ مزید تیز کی۔۔

تمھارے پہلو میں بیٹھی لڑکی زاران خانزادہ کی بہن ہے۔۔ سپیکر پر گونجتی آواز پر اسفندیار خان کی گردن کی رگیں پھولی تھیں۔۔ سٹرینگ پر موجود ہاتھ کی کڑکڑاہٹ تک عابیر کو سنائی دی۔۔ عابیر نے اچھنبھے سے اسفندیار خان کو دیکھا۔ جو گہرے سانس لے کر اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ جو بھی ہے تم کون ہو؟۔۔۔ اسفند فون پر دھاڑا تھا۔۔

ویسے بہت خوبصورت ہے وہ۔۔۔ وہ فون پر کمینگی سے ہنسا۔۔

بکواس بند کرو۔۔۔ بیوی ہے وہ میری۔۔ اسفند پھولتی رگوں کے ساتھ حلق کے بل چیخا۔۔

آج رات تمھاری خوبصورت بیوی میری مہمان بنے گی۔۔وہ اب کی بار کمینگی سے ہنسا۔۔

کون ہو تم میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔اسفندیار خان فون پر گرفت مضبوط کرتے پوری قوت سے چیخا تھا۔۔۔

وہ کمینگی سے ہنستے فون بند کر چکا تھا۔۔

عابیر اسفند کے چیخنے پر سہم کر اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کیا ہوا ہے اسفند؟ عابیر نے خوفزدہ ہوتے پوچھا۔

اپنا منہ ڈھکو۔۔اسفند نے سرد آواز میں کہتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

کک کیا ہوا۔۔؟؟اسفندیار خان کی سرخ رنگت اور گردن کی پھولتی رگوں کو دیکھ کر عابیر پریشان ہوئی تھی۔۔۔دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔

جو کہا ہے وہ کرو ڈیم اٹ۔۔۔۔ اپنا چہرہ ڈھکو۔۔ تمھاری آنکھیں بھی نظر نہیں آنی چاہیے۔۔ وہ ایک بار پھر سے چیخا تھا۔۔ عابیر نے لرزتے ہوے اپنا چہرہ اچھی طرح چادر سے چھپایا۔۔

اسفند نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوے اپنی پسٹل تلاش کرنی چاہی تھی کہ ان کی گاڑی پر شدید فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔۔

عابیر نے خوفزدہ نگاہوں سے اسفند کو دیکھا۔ جو اس سچویشن سے بری طرح گھبرا گیا تھا۔۔

اسفند نے سٹیرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کیے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

ہوٹل سے واپسی پر ابرش سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔۔ زاران بھی امینہ خانم سے سلام کرتا اپنے کمرے میں آیا۔ جہاں ابرش ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی بلیک فل گاؤن نائٹی میں ملبوس اپنے براؤن بالوں میں برش کر رہی تھی۔

زاران اپنی شال کندھوں سے اتارتے بیڈ پر رکھتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔ اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ جماتے اسے اپنے قریب کرتے اس کی سائیڈ گردن پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

ہمم۔۔۔ تمھاری خوشبو بیوی۔۔۔۔۔ مجھے پاگل کر دیتی ہے۔۔ زاران نے مدہوشی کے عالم میں بولتے اس کے کان کی لو کو چوما۔ اس کے ہاتھ نرمی سے آہستہ آہست اس کی سلک نائٹی پر اوپر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

ابرش زاران کے دونوں ہاتھ خود سے ہٹاتے ہوے اس کے حصار سے دور ہوئی۔۔مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ابرش زاران کی سرخ مدہوش آنکھوں میں دیکھتے بے رخی سے بولتے بیڈ کی طرف بڑھی۔

زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا جو سپاٹ انداز میں بیڈ پر لیٹتے خود پر کمبل اوڑھے سائیڈ کروٹ لے چکی تھی۔۔

زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ابرش کو وہیں پر کھڑا کچھ دیر دیکھتا رہا ۔جو اپنی آنکھوں پر بازو رکھ چکی تھی۔۔

وہ اپنے بھاری قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھا۔اس کے پاس لیٹتے اسے کندھے سے جکڑتے سیدھا کرتے ض اس کا بازو اس کی آنکھوں سے ہٹاتے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرایا تھا۔۔اور نرمی سے اس کی آنکھوں پر اپنے لب رکھے.

کیا ڈیسائیڈ ہوا تھا ہمارے بیچ۔۔ زاران نے ابرش کی ٹھوڑی پر نرمی سے اپنے لب رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بہت پیار سے پوچھا۔۔

کیا ڈیسائیڈ ہوا تھا؟؟۔۔ ابرش نے زاران کا پیار بھرا لہجہ محسوس کرتے بے رخی سے پوچھا۔۔ سارا دن اسے اس پر پیار نہیں آیا تھا۔۔ اب اسے اس پر پیار آ رہا تھا۔۔ اب اسے زاران خانزادہ کا پیار زہر لگ رہا تھا۔

یہی کہ اب تم ہر رات میری پناہوں میں رہو گی۔ اب ہر رات صرف میری چلے گی۔۔ تمھیں لگتا ہے میں تمھاری ناراضگی کی پرواہ کرتے ہوئے تم سے دور ہوں گا۔۔ جبکہ تم میری دیوانگی بن چکی ہو۔ کل جن اداؤں سے تم نے مجھے اپنا دیوانہ بنایا ہے۔ تمھارے بدن کی خوشبو کل رات سے ہی مجھے اپنے حصار میں جکڑ چکی ہے۔۔ اب کیسے ممکن ہے؟؟ میں تمھارے بغیر ایک پل بھی گزار سکوں میری خوبصورت بیوی۔۔ زاران نے مدہوشی سے بولتے

ہوے ابرش کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ایک ہاتھ ابرش کی نائٹی کی ڈورریوں میں الجھا تھا۔۔

ابرش زاران کو دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلتی اٹھ کر بیٹھی۔زاران جو ابرش کی قربت میں بلکل ہی بہک گیا تھا۔۔ابرش کے دھکیلنے پر وہ ذرا سا لڑکھڑاتے ہوے پیچھے ہوا۔۔ابرش کے اس طرح دھکیلنے پر زاران کی آنکھوں میں خمار کی سرخی کی جگہ غصے کی حدت نے لی تھی۔۔

یعنی آپ ہر روز مجھے اپنے گھر والوں کے سامنے اگنور کریں گے۔سب کے سامنے میرے قریب ہو کر بیٹھنے پر بھی آپ کو شرم آئے گی۔مجھ سے زیادہ آپ کو پلوشہ کی فکر ہو گی۔اور آپ چاہتے ہیں اپنی ناراضگی بھی شو نہ کروں۔۔یہاں اس بستر پر آپ کا دل بہلاؤں۔۔آپ کی شدتوں میں آپ کا ساتھ دوں۔۔جب آپ کا دل مجھ سے بھر جائے۔۔پھر کسی نہ کسی بات پر

آپ مجھے جھڑک دیں۔ یہ پیار یہ محبت یہ ڈائیلاگ آپ کو صرف اس ٹائم ہی یاد آتے ہیں۔ جب آپ کو میری قربت کی طلب ہوتی ہے۔۔ جب میں نشہ بن کر آپ کی آنکھوں میں اتری ہوتی ہوں۔ یہ میں کل سے دیکھ چکی ہوں۔ ابرش بھیگے لہجے میں کہتے منہ پھیر گئی تھی۔ زاران تھوڑی دیر تک لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔۔ اس کی باتیں برداشت کرنا ہمیشہ اس کے لیے مشکل رہا تھا۔۔ جیسے وہ ابھی ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔۔ جیسے وہ اس ٹائم اس پر پیار جتا کر کوئی گناہ کر رہا ہو۔۔ جیسے اس کی طلب ہونا اس کا گناہ ہو۔ اسے اپنی بیوی کی طلب نہیں ہو گی تو پھر کس کی ہو گی۔۔ وہ بستر پر اس سے پیار نہیں جتائے گا۔۔ تو پھر کس سے جتائے گا۔۔ تین ماہ بعد باقی باتیں ختم ہوئی تھیں۔ اب یہ شروع ہو گئی تھی۔۔ آخر اس کی بیوی اسے سکون میں رہنے کب دے گی۔۔ زاران کو ایک بات کا اندازہ ہوا تھا۔ عورت کو

سمجھنا سچ میں بہت مشکل ہے۔۔اور عورت اگر بیوی ہو تو اسے سمجھنے کا معرکہ کبھی حل نہیں ہو سکتا۔

اس کے شبنمی لہجے پر وہ اپنا غصہ پی گیا تھا۔وہ صبح سے محسوس کر رہا تھا وہ اپنا خون جلا رہی ہے۔۔ویسے بھی اس وقت وہ اس سے دور نہیں جا سکتا تھا۔۔اسے اس کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔۔اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو اسے بے چین کر رہی تھی۔اس کے کھلے سلکی بال اس کا چین چرا رہے تھے۔سلکی نائٹی میں اس کا ہوش ربہ سراپہ دیکھ کر وہ بہک رہا تھا۔اس کی قربت کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا۔

اب کیا چاہتی ہو گھر والوں کے سامنے بھی تم سے رومانس کروں.. زاران نے اسے بازو سے جکڑے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کی گردن پر اپنے لب

رکھے تھے۔اس سے پہلے ابرش اس سے خود سے دور کرتی۔وہ اسے دونوں کلائیوں سے جکڑے بیڈ پر لٹائے اس پر جھکا۔

خبردار اب ایک اور بار مجھے خود سے دور جھٹکا۔۔۔مجھے جھیلنا مشکل ہو جائے گا تمھارے لیے۔۔ایسی دیوانگی کی جھلک دکھاؤں گا تمھاری ناز کی برداشت نہیں کر پائے گی۔۔زاران نے اس کی مزاحمت کرتی کلائیاں سختی سے تکیے پر پن کرتے اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جھانکا۔۔

رحم تو کل رات اور صبح بھی مجھ پر نہیں کیا تھا۔۔ابرش نروٹھے انداز میں کہتے منہ پھیر گئی تھی۔۔ابرش کے شکوے پر زاران کا قہقہ بلند ہوا۔۔

تو جان من کیوں اپنی انرجی ویسٹ کر رہی ہو؟؟۔اس طرح مزاحمت کر کے اور اپنا خون جلا کر اپنی انرجی ویسٹ کرو گی تو ساری رات کیا کرو گی۔۔کیونکہ آج رات میں تمھیں سانس لینے کا بھی موقع نہیں دوں

گا۔۔ اپنی ساری انرجی میری شدتیں سہنے کے لیے سنبھال کر رکھو۔۔ زاران نے شرارتی انداز میں کہتے آنکھ ونک کی۔۔

انرجی مائی فٹ۔۔۔۔ میں نے کھانا نہیں کھایا اور آپ نے ایک بار بھی مجھے نہیں پوچھا۔۔ آپ کو لگتا ہے میں بھوکی ہ کر آپ کی شدتیں سہہ سکوں گی۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں زاران کو جتایا۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ زاران نے اس کے گداز لبوں پر نرمی سے انگوٹھا سہلاتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے خمار آلود لہجے میں پوچھا۔

دور رہیں مجھ سے۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں چیخی تھی۔

وہ اسے بتا رہی تھی اس نے کھانا نہیں کھایا اور وہ خماری سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

زاران اس کے چیخنے پر لب بھینچے اس سے دور ہوتے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

۔۔

ابرش رخ موڑ کر کمبل منہ پر لپیٹے کمبل میں غروب ہو چکی تھی۔۔ کمبل میں چھپا اس کا لرزتا بدن اس پر باور کروا رہا تھا وہ رو رہی ہے۔۔ زاران نے غصے اشتعال سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر جھنجھلاتے ہوئے ہاتھ پھیرا۔۔ وہ آگے عابیر کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔۔ ہوٹل میں اسفندیار خان کو عینا کے ساتھ دیکھ کر جس طرح عابیر کے چہرے پر اذیت لہرائی تھی۔۔ وہ ابھی تک اسے بے چین کیے ہوئے تھی۔۔ اسفندیار خان آخر کن چکروں میں تھا؟؟ وہ ابھی تک پریشان۔ تھا۔ اسفندیار خان جو کسی لڑکی کو منہ نہیں لگاتا تھا ۔۔عینا جیسی ایڈوانس ماڈ لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر اس کا سالگرہ منانا اسے

حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔۔ اوپر سے وہ عابیر کو لے کر ابھی تک حویلی نہیں پہنچا تھا۔۔ اسفند کے ہوتے عابیر کو کچھ نہیں ہو سکتا یہ تو اسے یقین تھا۔۔ مگر پھر بھی اس کا دل عابیر کے لیے پریشان تھا۔۔ اب اسے سکون چاہیے تھا.. وہ اپنی تھکاوٹ بے چینی تشنگی اتارنا چاہتا تھا۔ اور ابرش فضول کے شکوے لے کر بیٹھ گئی تھی۔۔ ابرش کے بغیر اب رہنا اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔۔ یہ اس کی بیوقوف بیوی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یا پھر یہی سمجھ کر وہ اس ٹائم نخرے کر رہی تھی۔ یہ سوچ کر زاران نے ایک بار پھر سے کمبل میں دبکی اپنی بیوی پر نظر ڈالی۔

آج صبح کا واش روم کا منظر یاد کر کے زاران کے لب گہرا مسکرائے تھے. وہ مزید ابرش کے لیے بے چین ہوا۔۔

زاران نے ابرش سے کمبل ہٹاتے اسے اپنے قریب کرتے وہ اس پر جھکا۔۔

جب پتہ ہے میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ کل رات میری دیوانگی کی جھلک دیکھ چکی ہو۔۔ تو پھر کیوں کھانا نہیں کھایا۔ اور اب تمھیں لگتا ہے میں تمھارا بہانہ کرنے پر تمھیں چھوڑ دوں گا تو تم غلط سوچتی ہو۔ زاران نے اس کے بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنے۔۔

بہانہ نہیں کر رہی میں۔۔ اور آپ کے بارے میں ہمیشہ میں بلکل ٹھیک سوچتی ہوں۔

ابرش نے چیختے ہوے زاران کو خود سے دور دھکیلا۔۔

ابرش تمیز کے دائرے میں رہو۔۔یہ کس طرح چیخ کر بات کر رہی ہو تم مجھ سے۔زاران نے اس کے چلانے پر اس سے ناگواری سے دیکھا۔ابرش اپنے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔

وہ پلوشہ کو لے کر انسکیور فیل کر رہی تھی۔۔وہ تھا اس کے متعلق بات بھی نہیں کر رہا تھا۔کل ہوٹل گاڑی میں اور اب یہاں وہ صرف ایک ہی بات کر رہا تھا۔۔اسے صرف اس سے ایک ہی چیز کی غرض تھی۔

ابرش کو اس کی خود غرضی پر رونا آ رہا تھا۔۔وہ اپنی بہن کی تکلیف سمجھتا تھا مگر اس کی تکلیف وہ نہیں سمجھتا تھا۔

وہ اس وقت اپنے ہر رشتے سے دور تھی۔وہ اسے لے کر انسیکور تھی اور وہ اس کی انسکیورٹی اپنے لفظوں سے بھی دور نہیں کر رہا تھا۔۔اسے صرف اس

سے صرف اسے اس کا جسم چاہیے تھا۔۔وہ جانتی تھی اسی ایک طلب کی وجہ سے وہ اس کے ناز نخرے اٹھا رہا ہے۔۔

زاران نے غصے سے اس کی پشت کو گھورا۔اس کے بری طرح رونے اور اپنے لہجے کی سختی محسوس کرتے وہ پھر سے اس کے قریب ہوا۔وہ اس کی طلب ہی نہیں محبت بھی تھی۔۔یہی ایک بات بار بار اسے اس کے سامنے جھکاتی تھی۔۔وہ رو رہی تھی۔اسے اس کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے.

آئی ایم سوری میری جان۔زاران نے اس کے بازو پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔۔زاران نے اسے کندھے سے پکڑے سیدھا

کیا۔

تم نے جس طرح اپنا ہاتھ میری گود میں رکھا تھا۔۔۔مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

میں تو صرف تمھاری نزدیکی سے گھبراتے ہوے تم سے دور ہوا۔ ورنہ سچ

میں سب کے سامنے میں کوئی گستاخی کر لیتا۔ جو تم برداشت نہ کر

سکتی۔۔ جس طرح کمرے میں میری پناہوں میں گلاب ہوتی ہو۔ اس طرح

سب کے سامنے تم نے گلاب ہو جانا تھا۔ ہمممم۔۔۔زاران نے اس کی

ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

جھوٹ۔۔۔۔۔۔زاران آپ کو صرف اپنی فیملی کی پرواہ ہے۔۔ میرے

احساسات جذبات کی نہیں۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے شکوہ

کیا۔۔

جیسے تمھیں میرے احساسات کی پرواہ نہیں۔۔ میرے جذبات کیا ہیں؟

تمھیں بلکل احساس نہیں۔ میری آنکھوں کی سرخی کیا کہہ رہی ہے؟؟ تم

بلکل سمجھنا نہیں چاہتی۔۔ان تین ماہ میں تم نے مجھے کم تڑپایا ہے۔جو آج بھی تڑپانا چاہتی ہو۔۔اب خود سے دور کرو گی تو تڑپ کر مر جاؤں گا۔۔کیوں بیوہ ہونا چاہتی ہو۔۔زاران نے اس کے گلابی لبوں پر نرمی سے انگوٹھا مسلتے گھمبیر آواز میں کہا۔۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے اس کی مرنے والی بات پر تڑپتے ہوے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا۔۔

میری جان ایسے نہیں۔۔آج میں تمھیں بہت تڑپانے والا ہوں۔تم یاد رکھو گی آج کی رات۔۔۔اور اپنے مسٹر خانزادہ کو زاران نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھاتے اس کا گاؤن ایک جھٹکے سے ریموو کرتے دور اچھال دیا تھا۔۔

ابرش کے دونوں ہاتھوں میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے وہ اس کے لبوں پر جھکا۔اس کی سانسیں انہیل کرنے لگا۔۔زاران کے فون کی بیل کی آواز پر ابرش نے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔وہ اور بھی شدت سے اس کی سانسیں انہیل کرنے لگا۔۔زاران کی سانسیں چھینے کا دورانیہ بڑھتا جارہا تھا۔۔سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون بھی اسی شدومد سے بج رہا تھا۔۔

زاران نے ابرش کے ہاتھوں کو آزاد کیا تو ابرش نے اس کے سنے پر مکے مارتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔وہ سچ میں آج اس کی جان نکالنے کے درپہ تھا۔۔وہ اس کے حصار میں ساکت ہو رہی تھی۔زاران اس کے لبوں کو آزادی بخشتا دور ہوا.. ابرش گہرے سانس لیتے اپنی سانسین ہموار کرنے کرنے لگی۔۔وہ اوپر ہو کر اپنی شرٹ اتار کر ایک سائیڈ پر

رکھتے پھر سے اس پر جھکا تھا۔۔اب کی بار اس کی پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ اس کی گردن تھی۔۔جہاں کل رات اور صبح کی اس کی اس کی محبت کی سوغاتیں پوری آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔وہ مزید سوغاتیں اسے دے رہا تھا۔

اس کی نائٹی کی سٹریپ میں انگلیاں پھنسائے اس نے شولڈر سے نیچے کیے۔۔

زاران۔۔۔۔آپ کا فون۔۔۔۔ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے زاران کو پکارا۔۔بجنے دو ابرش۔۔۔۔مجھے تمھارے علاوہ نہ کچھ دکھائی دے رہا ہے نہ سنائی۔۔وہ مدہوشی میں کہتے ابرش کے بدن کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔موبائل فون کی چنگاڑتی آواز پر زاران نے ہاتھ بڑھا کر موبائل پکڑتے اسے آف کرنا چاہا۔۔

موبائل سکرین پر اپنے خاص گارڈ کا نام جگمگاتا دیکھ کر زاران ابرش سے علیحدہ ہوا۔۔

ہاں بولو داؤد۔۔۔۔زاران فون کان سے لگائے بولا۔

کیا کہہ رہے ہو تم؟؟زاران فون پر چیخا تھا۔۔

انھیں پروٹیکٹ کرو۔۔۔کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔ان دونوں کو وہ پوری قوت سے چیخا تھا۔۔

ابرش خود پر کمبل لپیٹتے اٹھ کر بیٹھی۔

کیا ہوا زاران؟؟ابرش نے پریشانی سے زاران کو دیکھا جو شرٹ پہن رہا تھا۔۔

کچھ نہیں میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ زاران اپنا موبائل گاڑی کی چابیاں اٹھائے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اسفندیار خان نے تیز ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی پسٹل تلاش کرنے کی کوشش کی۔۔ مگر اس کی پسٹل گاڑی میں کہیں بھی نہیں تھی۔۔ فائرنگ اس گاڑی کے اطراف میں ہو رہی تھی۔۔۔ مگر ابھی تک کوئی گولی اس کی گاڑی کو نہیں لگی تھی۔ یعنی وہ لوگ ان سے کافی پیچھے تھے۔۔ اسفند نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔

عابیر نے متوحش نظروں سے اسفندیار خان کو دیکھا۔۔ جو سرخ چہرے کے ساتھ کافی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔ اتنی تیز سپیڈ سے گاڑی ہچکولے بھرنا شروع ہو گئی تھی۔۔ شدید بارش کی وجہ سے ڈرائیونگ کرنا بہت مشکل

تھا۔ اوپر سے فائرنگ کی آوازوں سے عابیر کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔

اسفند یہ کون لوگ ہیں؟؟۔۔ عابیر نے خوفزدہ نگاہوں سے اسفند یار خان کی طرف دیکھتے لرزتے لبوں سے پوچھا۔

اسفند نے اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیے بغیر بل کھاتی سڑک پر گاڑی کو ٹرن دیا تو سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے گاڑی جیسے اسفند یار خان کے ہاتھوں سے پھسلی تھی۔

گاڑی زور سے اچھلی تو عابیر کی چیخ بلند ہوئی۔۔۔ عابیر کا سر زور سے ڈیش بورڈ پر جا کر لگا ہی تھا کہ اسفند یار خان نے جلدی سے اپنا مضبوط ہاتھ ڈیش بورڈ پر رکھ کر عابیر کا سر ٹکرانے سے بچایا تھا۔۔ مگر اسفند کے مضبوط ہاتھ سے سر

ٹکرانے کے باعث بھی اس کے سر میں درد کی ٹھیسیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔

عابیر سیدھی ہوتی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سانسیں لینے لگی۔۔

اسفند نے اس چھوٹی سی سڑک پر کافی غلط انداز میں ٹرن لیا تھا۔۔ قسمت اچھی تھی وہ لوگ بچ گئے تھے۔۔ کیونکہ ایک طرف بہت گہری کھائیاں تھیں۔

فائرنگ کی آواز اب آنا بند ہو چکی تھی۔ وہ لوگ بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ نہ ہی بیک ویو مرر سے اب کوئی گاڑی نظر آ رہی تھی۔

اسفندیار خان نے سکون کا سانس لیتے اپنا موبائل اٹھا کر اپنے پرسنل گارڈ کو کال ملائی۔۔ مگر دو بیلز کے بعد اس کا موبائل بیٹری ڈیڈ ہونے کی وجہ سے

آف ہو چکا تھا۔۔ اسفندیار خان نے غصے سے پوری قوت سے موبائل ونڈ سکرین پر دے مارا تھا۔۔

ونڈ سکرین موبائل کی ذوردار ضرب تڑخ اٹھی تھی۔ موبائل فون بھی دو حصوں میں تقسیم ہو تا عابیر کے قدموں میں گرا تھا۔۔

عابیر نے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی چیخ گلے میں گھونٹی تھی۔۔ بخار نقاہت اور اس سچویشن میں اس کی طبعیت مزید خراب ہو چکی تھی۔۔

عابیر کچھ بھی ہو جائے کسی بھی سچویشن میں تم اپنا نقاب نہیں کھولو گی۔۔ کسی بھی سچویشن میں تم گاڑی سے نیچے نہیں اترو گی۔۔ اسفند نے عابیر پر ایک نظر ڈالتے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔

عابیر اس سچویشن سے بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔وہ گہرے سانس لیتے سیٹ سے ٹیک لگا گئی۔اسفند کی بات سن کر اس کی آواز گلے میں ہی گھٹی تھی۔۔عابیر نے بری طرح ہچکولے بھرتی گاڑی اور اپنی طرف گہری کھائی اور برستی بارش کو ایک نظر دیکھتے فقط اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

سنا نہیں میں نے جو کہا ہے۔۔وہ بولا نہیں دھاڑا تھا۔۔۔عابیر اس کی دھاڑ پر مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔

نہیں اترے گا نقاب۔۔۔۔ نہیں اتروں گی گاڑی سے۔۔۔۔وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے گہرے سانس بھرتی آنکھیں موند گئی تھی۔۔۔بخار کی شدت اور اس سچویشن سے اس کے سر سے ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں۔پورا بدن بھٹی کی مانند جل رہا تھا۔۔

اسفند نے اس کے بے حال وجود کو ایک نظر دیکھتے گاڑی کی سپیڈ پہلے سے زیادہ بڑھائی۔۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے۔۔ ان کے پاس ہتھیار تھے۔۔۔ اس کے پاس اپنی پسٹل تک نہیں تھی۔۔ اسے اس وقت صرف اور صرف عابیر کی فکر تھی۔۔ اس کی جان اس کی عزت کا خطرہ۔۔۔ جو آج اسفندیار خان کی جان لبوں پر لے آیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا۔ اس کی گاڑی پر حملہ کرنے والے کون لوگ تھے۔۔۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ جو کوئی بھی تھے۔ وہ زاران خانزادہ کے دشمن تھے۔۔

اسے فون کرنے والے نے زاران کا نام لیا تھا یعنی یہ حملہ اس پر نہیں بلکہ زاران کی بہن پر ہوا تھا۔۔

کال کرنے والے کے الفاظ یاد کرتے اسفند کے رگوں میں جیسے خون کی جگہ لاوا ابل رہا تھا۔۔

اسفندیار خان کا غصہ زاران خانزادہ پر بڑھتا جا رہا تھا۔

اس کا دماغ آتش فشاں مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔۔

اگر میری بیوی کو ایک آنچ بھی پہنچی میں تمھیں جان سے مار دوں گا زاران خانزادہ۔۔۔۔۔اسفندیار خان بھوکے شیر کی مانند غرا اٹھا تھا۔۔

اسفندیار خان کے منہ سے زاران کا نام سنتے عابیر نے بہتی آنسوؤں کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔۔

میرے لالا کو آپ نے کچھ بھی کہا تو میں اپنی جان دے دوں گی اسفندیار خان۔۔۔عابیر اس کے منہ سے سفاک لفظ سنتے تڑپتے ہوے بولی۔۔

تم اسفندیار خان کی ہو۔۔یعنی اسفندیار خان کی ملکیت۔۔

اگر تم نے خود کو بھی کبھی ایک آنچ بھی پہنچائی تو اسفند یار خان تمھارے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔۔ اسفند نے سفاکی سے کہتے گاڑی کی سپیڈ مزید تیز کی۔۔

عابیر ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے اپنی جلتی آنکھوں کو میچ گئی تھی۔

تمھیں میں کچھ نہیں ہونے دوں گا عابیر۔۔۔۔ اپنی جان گنوا دوں گا مگر تم پر کسی کی ایک نگاہ نہیں پڑھنے دوں گا۔۔ اسفند نے اسے غنودگی میں جاتا دیکھ کر مظبوطی سے کہا۔ اور گاڑی کے سٹیرنگ پر مضبوط ہاتھ جماتے بیک ویو مرر سے دیکھا جہاں اسے چند گاڑیاں اپنے پیچھے آتی دکھائیں دیں۔

فائرنگ ایک بار پھر سے شروع ہو گئی تھی۔

وہ گاڑی کی سپیڈ بڑھائے جا رہا تھا۔۔فائرنگ کی آواز شدید ہوتی جا رہی تھی۔وہ ان کے نزدیک آتے جا رہے تھے۔عابیر لرزتے بدن کے ساتھ اسفندیار خان پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔

ایک گولی عابیر کی طرف کے دروازے کی سائیڈ پر آکر لگی تو عابیر نے چیختے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

جھک جاؤ عابیر۔۔۔اسفندیار چیخا تھا۔

اسفند آپ؟؟عابیر نے روتے ہوے اسفند کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

مجھے کچھ نہیں ہو گا تم جھکو۔۔۔اسفند نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے چیخ کر کہا۔۔

عابیر پتھرائی نظروں سے اسفند کو دیکھ رہی تھی۔۔اس کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔۔فائرنگ کی آواز شدید ہوتی جا رہی تھی۔۔بارش بھی شدید تیز ہو چکی تھی۔۔

گاڑی کا کنٹرول اسفندیار خان کے ہاتھوں سے چھوٹ رہا تھا۔۔

اسفند نے ایک بار پھر سے سڑک پر ٹرن لیتے سٹیرنگ کو گھایا تو گاڑی گیلی ٹوٹی سڑک پر پھسلتی چلی گئی تھی۔۔۔

سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے گاڑی کو بریک لگانا مشکل ہو گیا تھا۔

اسفندیار خان نے پوری قوت لگا کر گاڑی کو روکنے کی کوشش کی۔۔ گاڑی کے ٹائر چرائے تھے۔۔وہ اچھلتی ہوئی پہاڑ سے ٹکرائے رک چکی تھی۔۔وہ

لوگ بہت کھلی سڑک پر آ چکے تھے۔ جہاں اب دونوں طرف بڑے بڑے پہاڑ تھے۔

اسفند اور عابیر خان اپنی اپنی سیٹ پر اچھلے تھے۔۔ وہ لوگ سیٹ بیلٹ باندھے ہوئے تھے۔۔ ورنہ یقیناً وہ گاڑی کی ونڈ سکرین سے جا کر لگتے۔۔ عابیر منہ پر ہاتھ رکھے اب روئے جا رہی تھی۔۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو پھر سے نقاب سے کور کرنے کی کوشش کی۔۔ جو کھل چکا تھا۔

اسفند نے جلدی سے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کرتے اسے ریورس کیا ہی تھا کہ فائرنگ کرنے والی گاڑیوں نے اسفند کو دور سے ہی گھیرے میں لیا ۔۔ چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔۔ وہ لوگ گاڑی کے اطراف میں چاروں طرف سے فائرنگ کر رہے تھے۔ مگر کوئی گولی ان کی

گاڑی پر نہیں لگ رہی تھی۔۔یعنی وہ انھیں صرف روکنا چاہ رہے تھے۔اسفند برستی گولیوں کی آوازیں سن رہا تھا۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے گہرے سانس بھر رہا تھا۔۔۔وہ ان لوگوں کا شائد مقابلہ نہ کر سکتا مگر یہ تو طے تھا وہ اپنی جان گنوا کر بھی عابیر کو کچھ نہ ہونے دیتا۔۔

عابیر سانس روکے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے گرد کھڑی گاڑیاں دیکھ رہی تھی۔۔

بہزاد خان۔۔۔۔اسفند کے لبوں نے جنبش کی تھی۔۔اسفند نے اپنے سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھے بہزاد خان کو دیکھا جو مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

اسفند بھی سرد سرخ آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

بہزاد خان کے گارڈز گاڑیوں سے اترتے اسفندیار خان کی گاڑی کی طرف بڑھے ہی تھے۔۔

یکدم بہت سی اور گاڑیوں نے ایک طرف سے آتے اسفندیار خان کی گاڑی کو اپنے حصار میں لیا تھا۔۔

بہزاد خان کے آدمیوں نے پیچھے ہوتے ان گاڑیوں پر فائرنگ کی۔۔اس میں سے نکلتے گارڈز نے بھی جوابًا فائرنگ شروع کر دی تھی۔

بہزاد خان نے بھی اپنی گاڑی پیچھے کی طرف لی تھی۔

زاران خانزادہ کی گاڑی عین بہزاد خان کی گاڑی کے سامنے کرر کی تھی۔۔

وہ گاڑی سے نکلتا بہزاد خان کی طرف بڑھا۔۔اپنی پسٹل سے اس نے پہلا فائر بہزاد خان کی طرف کیا تھا۔۔

بہزاد خان نے جھکتے ہوے زاران خانزادہ کی پسٹل سے نکلنے والی گولی سے خود کو بچایا تھا۔۔

اور اپنی گاڑی اور پیچھے لی تھی۔۔اس وقت زاران خانزادہ کے گارڈز زیادہ تعداد میں تھے۔

بہزاد خان کے آدمیوں نے بھی آچانک سے اپنی گاڑیاں پیچھے کی طرف لی تھیں۔

بہزاد خان نے بھی اپنی گاڑی پیچھے کی طرف بڑھاتے گاڑی کا رخ موڑا۔۔

زاران رکا نہیں تھا۔۔زاران نے بھاگتے ہوے اپنی پسٹل کی تمام گولیاں بہزاد کی گاڑی پر برسائیں۔۔

رک جاؤ بہزاد خان۔۔۔۔زاران پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

وہ اپنی گاڑی بھگا کر لے گیا تھا۔۔ زاران نے اپنی جیکٹ سے گولیاں نکالتے اپنی پسٹل کی میگزین میں ڈالتے اسے پھر سے اوور لوڈ کیا۔ وہ غصے سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔۔ آج وہ بہزاد خان کو چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔

گاڑی کی طرف بڑھتے اس نے اسفندیار خان کو دیکھا جو گاڑی میں بیٹھے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔ وہ اسفندیار خان کی نگاہوں کو اگنور کرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ مگر اسی پل بہزاد خان کے آدمیوں کی پھر سے فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔۔ بہزاد خان کی گاڑی ایک بار پھر سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔ وہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے انھیں ڈاج کرتے پیچھے ہوے تھے۔۔ تاکہ انھیں بنا موقع دیے فائرنگ کر سکے۔۔

بہزاد خان بھی اب اپنی گاڑی سے زاران پر فائر کر رہا تھا۔۔

زاران خانزادہ کے گارڈ نے بھی جوابًا فائرنگ شروع کر دی تھی۔

کتنی ہی گولیاں زاران خانزادہ کے گارڈز کو لگ چکی تھیں۔۔

مگر وہ زخمی بھی بھرپور جواب دے رہے تھے۔

بہزاد خان کی پسٹل سے نکلی گولی زاران کے بازو پر لگی۔۔۔

لالا۔۔۔۔عابیر نے یہ دیکھتے چیختے ہوے گاڑی کا دروازہ کھولا مگر اسفند مضبوطی سے اس کا بازو جکڑا تھا۔۔

اسفند لالا کو گولی لگی ہے۔مجھے باہر جانے دو۔۔عابیر نے روتے ہوے التجا کی۔

عابیر تم کسی بھی صورت گاڑی سے باہر نہیں نکلو گی۔ آج چاہے یہاں کتنی ہی لاشیں کیوں نہ گریں۔۔اگر تم نے گاڑی سے ایک قدم بھی باہر نکالا تو میں

تمھیں یہاں زندہ زمین میں دفن کر ڈالوں گا۔۔ اسفند اسے بازو سے جکڑے غرایا۔۔

اسفند۔۔۔۔۔لالا۔۔۔عابیر بری طرح رو دی تھی۔۔

زاران نے درد سے دانت پر دانت جمائے چیختے ہوے بہزاد خان کی گاڑی پر کتنے ہی فائر کر ڈالے تھے۔۔۔وہ گاڑی میں بیٹھے ہوے تھا اس لیے اسے کوئی بھی فائر لگ نہیں رہا تھا۔۔

اوپر سے زاران کا بازو شدید زخمی ہو چکا تھا۔۔

مقابلہ چاروں طرف سے جاری تھا۔۔

عابیر سانس روکے یہ سب دیکھ رہی تھی۔۔شدید گولیوں کی آوازوں سے اسے اب سنائی دینا بند ہو چکا تھا۔۔یہاں یہ سب کچھ عام تھا مگر یہ سب اس نے سنا تھا مگر دیکھا نہیں تھا۔۔

زاران کے گارڈز اسفند کی گاڑی کو پوری طرح پروٹیکٹ کیے ہوے تھے۔

اسفند مزید گاڑی میں بیٹھا نہیں رہ سکا تھا۔۔وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔۔

اسے گاڑی سے نکلتا دیکھ کر زاران خانزادہ نے اپنی جیکٹ سے پسٹل نکال کر اسفندیار خان کی طرف اچھالی۔اسفند نے اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے ہوے وہ پسٹل کیچ کی تھی۔

اب بہزاد خان کی گاڑی پر اسفند اور زاران دونوں فائر کر رہے تھے۔۔

بہزاد نے مسکراتے ہوئے گاڑی پیچھے پھر سے لی تھی۔۔

بھاگنا مت بزدل انسان۔۔۔ورنہ میں آج تمھاری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔اسفندیار خان پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

بہزاد خان نے مسکراتے ہوئے اسفندیار خان کو آنکھ مارتے عابیر کی طرف اشارہ کیا تاسفند اس کے اشارے کا مطلب سمجھتے پاگل ہوا تھا۔۔اسفندیار خان نے پاگلوں کی طرح اس کی گاڑی پر فائر کیے تھے۔۔وہ پھر سے نکل گیا تھا۔۔زاران کے گارڈز کی تعداد زیادہ تھی۔۔بہزاد کے آدمیوں نے اسے فون پر اسے خبر کیا تھا۔۔زاران خانزادہ کے گارڈز کی مزید گاڑیاں آرہی تھیں۔ساتھ ہی پولیس کی گاڑی بھی۔۔اس لیے وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔۔

اسفند نے غصے سے پاگل ہوتے زاران خانزادہ کو دیکھا تھا۔۔ بہزاد کے آدمی بھی وہاں سے چلے گئے تھے۔۔ اب صرف زاران کے گارڈز کھڑے تھے۔۔۔

اسفندیار خان نے آگے بڑھتے پوری قوت سے مکہ زاران خانزادہ کے منہ پر جڑ دیا..

کیا کیا ہے تو نے ؟؟ جو بہزاد خان یوں دشمنی پر اتر آیا ہے۔۔ اسفند نے زاران خانزادہ کا گریبان جکڑا۔۔

اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھو.. ورنہ ہاتھ مجھے بھی اٹھانا آتا ہے۔۔ زاران خانزادہ نے اسفند کے ہاتھ اپنے گریبان سے چھڑوائے تھے۔۔

اسفند نے غصے سے سرخ ہوتے ایک اور مکہ زاران کو جڑنا چاہا۔ جسے زاران نے اپنی چوڑی ہتھیلی سے قابو کرتے اسے روکا تھا۔۔

دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔۔

ذرتاج بہزاد کی بہن ہے۔۔ جسے آہل نے بھگایا تھا۔۔ اور آہل اور ذرتاج تیرے پاس ہیں۔ اسی لیے آج بہزاد خان نے زاران خانزادہ کی بہن پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔۔ اسفند ایک بار پھر سے اس کا گریبان جکڑے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔

بکواس بند کرو اپنی تم۔۔۔ آہل میرے پاس نہیں ہے۔ زاران نے ایک بار پھر سے اپنا گریبان اسفند کے ہاتھوں سے چھڑوایا تھا۔۔

تم اپنی بیوی کے بھائی کو بچانے کے لیے اس حد تک چلے گئے کہ آج تم نے اپنی بہن کی جان خطرے میں ڈال دی۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔۔

اب کی بار پوری قوت سے مکہ زاران نے اسفند کے ہونٹوں پر جڑا تھا۔۔

خبردار میری بیوی کا نام بھی اپنی زبان سے لیا تو میں تمھاری زبان حلق سے کھینچ لوں گا۔۔زاران سرخ آنکھوں سے اسفند کو گھورتے دبی آواز میں غرایا تھا۔۔

لیکن آج جو کچھ میری بیوی کے ساتھ ہوا ہے۔۔میں اس کے لیے تمھیں معاف نہیں کر سکتا۔۔کمینے بہزاد خان نے جن آنکھوں سے میری بیوی کو دیکھا ہے۔۔میرا دل کر رہا ہے پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔۔اس پسٹل کی ساری گولیاں میں تیرے سینے میں اتار دوں۔۔اسفندیار خان نے سرد آواز میں کہتے پسٹل زاران پر تانی۔۔

عابیر جو گاڑی میں بیٹھے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔۔

وہ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ وہ تیز برستی ہوئی بارش میں بھاگتے ہوئے وہ زاران اور اسفند کے بیچ میں حائل ہوئی تھی۔۔

نہیں۔۔۔ اسفند آپ میرے لالا کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔ انھیں ایک آنچ بھی آئی میں قسم کھاتی ہوں۔۔ میں اسی پسٹل سے اپنی جان لے لوں گی۔۔ عابیر نے نم آنکھوں سے اسفند کو دیکھتے کہا۔۔

تم گاڑی سے کیوں نکلی ؟؟ منع کیا تھا تمھیں۔۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنی طرف کھینچتے گرجا تھا۔

عابیر تم گاڑی میں جا کر بیٹھو۔۔۔ میں دیکھ لوں گا اسے۔۔ زاران خانزادہ کو چوٹ پہنچانا اتنا آسان نہیں ہے۔ زاران نے عابیر کو نرمی سے سائیڈ پر کیے اسفند کے ہاتھ میں پکڑی پسٹل پر اپنا ہاتھ جماتے ہوے اس کی نوک اپنے سینے پر رکھتے دباؤ بڑھایا تھا۔۔

چلاؤ گولی۔۔ اسفند یار خان۔۔ زاران اپنے سینے پر پسٹل کی نوک بڑھاتے غرایا تھا۔۔ اسفند یار خان کی انگلیاں ٹریگر پر مضبوط ہوئی تھیں۔

اسفند نہیں۔۔۔ عابیر نے چیختے ہوے اسفند یار خان کی کلائی کو جکڑا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی زمین بوس ہوئی۔

عابیر۔۔. اسفند نے اسے پکارتے پسٹل زمین پر پھینکتا گھٹنوں کے بل بیٹھتے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھاما۔۔

زاران نے بھی جلدی سے عابیر کو پکڑنا چاہا۔۔۔دور رہو میری بیوی سے زاران خانزادہ۔۔۔ورنہ یہیں تمھاری قبر بنادوں گا۔۔وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ چیخا تھا۔

اسفندیار خان اس کا ہاتھ جھٹکتے عابیر کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

زاران خاموشی سے کھڑا اسفندیار خان کی پشت کو دیکھتا رہا۔۔

اسفند عابیر کو پچھلی سیٹ پر لٹاتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔۔۔

گاڑی سٹارٹ کرتے وہ گاڑی وہاں سے بھگا کر لے گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ کے اشارے پر گارڈز نے اپنی گاڑیوں کو اسفندیار خان کی گاڑی کے پیچھے لگایا تھا۔۔

زاران سب کے جانے کے بعد برستی بارش میں کافی دیر تک کھڑا رہا۔۔ اپنے بازو سے رستے خون کو دیکھتے اس نے اپنے بازو میں اٹھتے درد کو برداشت کرنے کی کوشش کی۔۔

زمین سے پسٹل اٹھائے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ گاڑی کی طرف بڑھتے زاران خانزادہ نے پوری قوت سے مکہ گاڑی کی بونٹ پر دے مارا تھا۔۔

تمھیں میں چھوڑوں گا نہیں بہزاد خان۔۔ تم نے میری بیوی اور میری بہن کو اغواء کرنے کی کوشش کی ہے۔۔ میں اب جب تک تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوووں نہ کھلا دوں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ زاران کی

چنگاڑتی آواز پہاڑوں سے ٹکراتی اس تک پلٹی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے اس نے گاڑی حویلی کے راستے پر ڈالی۔

شہرام کی گاڑی رحیم خان کی گاڑی کے ساتھ ساتھ رہی تھی۔۔ مگر سوات میں داخل ہوتے اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ بہارے سارے راستے اس کی گاڑی کو دیکھتی آئی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی ۔اسے بے تحاشا نیند آ رہی تھی۔۔ مگر پتہ نہیں کیوں وہ آنکھیں بمشکل کھولے صرف شہرام خانزادہ کی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ جب اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ تھکے تھکے انداز میں سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔

اس کی آنکھیں آج کچھ زیادہ ہی جل رہی تھیں۔ بہارے نے دو تین مرتبہ آنکھیں جھپکتے ہوے انھیں بے دردی سے مسلا۔۔ بہارے نے اپنی جلتی آنکھیں مسلی تو اسے احساس ہوا۔ آنکھوں سے گرم سیال نکلتا اس کے شفاف رخساروں کو بھگو رہا تھا۔۔

بہارے جب حویلی پہنچی تو رات کافی ہو گئی تھی۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔ شہرام آج بھی حویلی نہیں آیا تھا۔۔

وہ ڈریس چینج کر کے بیڈ پر آئی۔۔ بیڈ پر لیٹتے وہ کتنی دیر چت لیٹے چھت کو گھورتی رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ بہارے نے سائیڈ کروٹ لیٹے اپنے ساتھ خالی جگہ کو بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔

شہرام آج کل کہاں ہوتا ہے؟؟ وہ اپنی راتیں کہاں گزارتا ہے؟؟ اس نے اپنے لب کاٹتے ہوئے سوچا تھا۔۔۔ یہ اسے بیس دنوں میں پہلی مرتبہ خیال آیا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی تھی۔۔ نیند یکدم اس کی آنکھوں سے غائب ہوئی تھی۔۔ وہ گہرے سانس لیتے یکدم اٹھ کر بیٹھی۔۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھائے اپنے لبوں سے لگاتے اس نے ایک ہی سانس میں خالی کیا۔۔۔ پتہ نہیں کون سی آگ تھی؟؟ جو آج اس کے سینے میں بجھ ہی نہیں رہی تھی۔۔ عجیب سے شعلے اسے اپنے گرد

بھڑکتے محسوس ہو رہے تھے۔۔ بہارے نے آنکھیں موندے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔ وہ تھوڑی دیر بعد ایسے بیٹھے بیٹھے ہی سو چکی تھی۔

ارحام صبح پانچ بجے ہی حویلی سے نکل آیا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ کے ساتھ اس کی میٹنگ تھی۔۔ وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ ایک کلب چلا آیا تھا۔۔۔ جہاں بہت بڑی بزنس پارٹی منعقد تھی۔

وہ لوگ ایک ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوے تھے۔۔۔ پارٹی کی گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔۔

سلطان احمد شاہ کافی دیر سے ایک خاص مشروب بوتل سے اپنے گلاس میں انڈیلتے اسے اپنے حلق میں اتار رہے تھے۔۔

ارحام جو اپنے کچھ دوستوں اور بزنس احباب کے حلقے میں کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا۔۔ اس کی نظریں سلطان احمد شاہ کی ہی طرف تھیں۔ وہ ایک کارنر میں ٹیبل کے گرد تنہا بیٹھے تھے۔۔

ارحام کی نظروں میں اب تشویش تھی۔۔ کیونکہ دور سے ہی سلطان احمد شاہ کی طبعیت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے ڈرنک کر رہے تھے۔

وہ جب سے پارٹی میں پہنچے تھے۔ الگ تھلگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔۔ ان کے پاس ان کے دو گارڈ کھڑے تھے۔ جو کسی کو ان کے پاس نہیں آنے دے رہے تھے۔

پارٹی میں ہر کوئی سلطان احمد سے ملنا چاہتا تھا۔۔ وہ اس پارٹی میں آئے ہیں یہ بات کسی کو یقین نہیں آرہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ انھیں اب بوتل سے ہی منہ لگائے دیکھ کر جلدی سے سلطان احمد شاہ کی طرف بڑھا۔۔

ان کے پاس کھڑے گارڈز نے ارحام خانزادہ کو روکنا چاہا مگر سلطان احمد شاہ نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے انھیں ایسا کرنے سے روکا تھا۔۔ اور انھیں یہاں سے باہر جانے کو کہا۔ وہ لوگ مودبانہ انداز سے سر ہلاتے وہاں سے چلے گئے۔

انہوں نے اب بوتل ایک بار پھر سے منہ سے کو لگائی تھی۔۔۔ ارحام نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑا۔۔

سر میں کب سے دیکھ رہا ہوں۔۔ آپ کافی دیر سے ڈرنک کر رہے ہیں۔۔ اب اور نہیں۔۔ ارحام نے ان سے وہ بوتل نرمی لے کر ٹیبل پر رکھی۔۔۔

سلطان احمد شاہ نم سرخ نظروں سے ارحام کو ایکھتے مدھم سا مسکرائے تھے.

تمھیں پتہ ہے مجھے اس حرام مشروب سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔۔ جب مہرماہ میری زندگی سے گئی تھی۔ میں تب اندر سے مر گیا تھا۔ مگر کبھی اس حرام چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ نے بوتل اٹھا کر اسے منہ سے لگایا۔۔

ارحام نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سلطان احمد سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچ گئے تھے۔۔

لیکن اس کا جانا اپنی زندگی سے برداشت نہیں کر سکا۔۔ وہی تو میری زندگی کا سہارا تھی۔۔ میری زندگی تھی۔ اسی کے دم سے میں تھا۔۔ اب وہ نہیں ہے تم ہی بتاؤ میں کیسے جی سکتا ہوں ؟؟۔۔ سلطان احمد شاہ نے بوتل منہ کو لگاتے غٹاغٹ چڑھائی۔۔

میں نے کبھی اپنی بیٹی اپنی جان اپنی زندگی اپنی حور کو ایک پل کے لیے خود سے جدا نہیں کیا۔۔ مگر آج چھ ماہ سے میں نے اپنی بیٹی کو نہیں دیکھا۔۔ جسے دیکھ کر میری سانسیں چلتی تھیں۔۔ بتاؤ کیسے جیوں۔۔ ایک امید پر زندہ ہوں۔۔ اگر کبھی وہ واپس آگئی تو میں اسے نہ ملا تو۔۔ ورنہ میرا دل کرتا ہے

خود کو شوٹ کر ڈالوں۔۔ ختم کر ڈالوں ایسی زندگی جس میں میری بیٹی نہیں۔

سلطان احمد شاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوے تھے۔

کیا ہوا ہے آپ کی بیٹی کے ساتھ ؟؟ ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔ حور کے نام پر اس کے دل و دماغ میں بہت سے سوال ابھرے تھے۔

وہ مجھ سے ناراض ہے۔۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔۔

میں نے اس سے مہر ماہ کی حقیقت چھپائی تھی۔ نہیں بتایا تھا کہ ماہ جبین اس کی ماں نہیں.. مہر ماہ اس کی ماں تھی۔۔ اتنی سی بات پر وہ مجھ سے ناراض ہو گئی اور گھر چھوڑ کر چلی گئی۔۔

میں نے مہر ماہ کے مرنے کے بعد ماہ جبین سے شادی صرف حور کی وجہ سے کی تھی۔۔ چھ ماہ کی تھی وہ جب مہر ماہ اس دنیا سے چلی گئی تھی۔۔۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ ماں کے بغیر پلے۔۔ مگر میرا خدا گواہ ہے۔۔ میں نے اپنی بیٹی کو خود پالا ہے۔۔ ایک دن ماہ جبین نے اسے نہیں پالا۔۔ ہر رات میں اسے اپنے پاس سلاتا تھا۔۔ اسے فیڈر تک دینا ہو میں خود رات کو اٹھتا تھا۔ اس کا ہر کام میں کرتا تھا۔۔ کبھی اپنی بیٹی کو ملازموں کے سہارے بھی نہیں چھوڑا۔۔ یہ نہیں ماہ جبین اچھی نہیں تھی۔۔ وہ بہت پیار کرتی تھی حور سے۔۔۔ اپنی بیٹی نشا سے بڑھ کر حور کو پیار ہمیشہ اس نے دیا۔۔ مگر پھر بھی میں نے اپنی بیٹی کو ایک پل کے لیے بھی کسی کے بھروسے نہیں چھوڑا۔۔

اتنا پیار دیا اسے... مگر اسے اپنا گھر چھوڑتے میرا ذرا خیال نہیں آیا.. سلطان احمد شاہ نے کرب سے بولتے اپنی سرخ آنکھیں مسلیں۔

کہنے کو کتنا بڑا بزنس مین ہوں۔۔ سلطان احمد شاہ جس کی ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں۔ جو پاکستان کا سب سے بڑا بزنس مین ہے۔۔ جو بزنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہے۔۔ جس کے قدموں میں یہ دنیا ہے۔

جس سے لوگ سلام کرنا بھی اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ یہاں کی پولیس فورس تک میرے قدموں میں ہے۔۔ مگر میں کتنا بے بس اور لاچار ہوں۔۔ اپنی بیٹی کو ابھی تک تلاش نہیں کر سکا۔ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا کہ میری بیٹی میرے پاس نہیں ہے۔۔ کہیں میرے دشمنوں کو اس بات کی خبر نہ ہو جائے۔۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔۔

سلطان احمد شاہ اب دل پر ہاتھ رکھے سسک پڑے تھے۔

آپ اٹھیں یہاں سے۔۔۔مجھے لگتا ہے اب آپ کو گھر جانا چاہیے۔۔ارحام نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔وہ ہوش و حواس سے بیگانہ لگ رہے تھے۔

مجھے کہیں نہیں جانا مجھے میری بیٹی کے پاس لے چلو۔۔سلطان احمد شاہ یکدم کرسی سے کھڑے ہوتے ارحام کے آگے ہاتھ جوڑ گئے۔۔۔

یہ کیا کر رہے ہیں؟؟ارحام خانزادہ نے ان کے ہاتھ تھامے..

بھی میری بیٹی نہیں لا سکتے۔۔میری ساری دولت لے لو۔۔میری بیٹی مجھے دے دو۔۔وہ ارحام کے گلے لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔ارحام ان کے اس طرح رونے پر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

سر میری بات سنیں۔ارحام نے انھیں خود سے علیحدہ کیا۔

سلطان احمد کے مضبوط قدم لڑکھڑا گئے تھے۔اس سے پہلے وہ گرتے ارحام نے جلدی سے انھیں تھاما۔۔ان کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی۔۔بہت زیادہ ڈرنک کی وجہ سے وہ اب کھڑے بھی نہیں ہو پا رہے تھے۔اس سے پہلے دن کی ابتر حالت کی تصوریں کوئی میڈیا کا نمائیندہ کھینچتے کل کی بریکنگ نیوز بناتا وہ انھیں بازو سے سہارا دیے اس کلب سے نکل آیا تھا۔۔

باہر کھڑے ان کے گارڈز انھیں دیکھتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھے اور اپنی اپنی پوزیشن سنبھالی تھی۔۔۔ان کا ڈرائیور بھی انھیں دیکھتا جلدی سے گاڑی لے کر ان کی طرف آیا تھا۔۔ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے اس نے سلطان احمد کے لیے دروازہ کھولا۔۔

گاڑی کی چابی مجھے پکڑاؤ میں خود چلا جاؤں گا۔۔ سلطان احمد شاہ نے لڑکھڑاتی آواز میں حکم دیا۔

وہ بھی مستعدی سے ان کو چابی پکڑائے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

سلطان احمد شاہ چابی پکڑے گاڑی کی طرف بڑھے تھے کہ یکدم لڑکھڑا گئے ۔ ارحام نے جلدی سے انھیں تھاما۔۔

سر آپ کی طبعیت بہت خراب ہے۔۔ آپ اکیلے ڈرائیو نہیں کر سکتے۔۔ آپ کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ جانا چاہیے۔۔ ارحام نے ان کے لڑکھڑاتے وجود کو سنبھالتے کہا۔۔

مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔۔ کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ جب حور نہیں تو کیا کروں گا ان کمزور سہاروں کا۔۔ آج کے بعد

سلطان احمد شاہ۔۔۔ صرف خود کے لیے جیے گا۔۔۔ صرف خود کی ذات کے لیے۔۔۔ نہیں ضرورت کسی کی۔۔۔ سب چلے جاؤ مجھے چھوڑ کر۔۔۔ جیسے وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔۔۔ سلطان احمد شاہ بلند آواز میں چیخے تھے۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے ہوے ان سے چابی پکڑی اور انھیں بازو سے تھام کر گاڑی کی اگلی سیٹ پر بٹھایا۔۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ شائد انھیں اس وقت کسی جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیے

ارحام نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے گاڑی سٹارٹ کی۔

وہ انھیں اکیلا گھر جانے نہیں دے سکتا تھا۔ اور وہ کسی اور کے قابو میں بھی شائد نہ آتے۔۔ ارحام نے اسلطان حمد کی گارڈز کی گاڑیوں کے حصار میں ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔

آگے پیچھے سلطان احمد کے گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔

حور میری جان کہاں ہو تم ؟؟۔۔۔ واپس آجاؤ۔۔ تمھارا پاپا مر جائے گا۔۔ واپس آجاؤ۔۔ میرا زندہ رہنا اس بات کی گواہی ہے تمھیں کچھ نہیں ہوا۔۔ تم جہاں بھی ہو صیح سلامت ہو۔۔ اگر تمھیں کچھ ہوتا تو تمھارے پاپا بھی زندہ نہ ہوتے۔۔۔

سلطان احمد شاہ سیٹ سے ٹیک لگائے نیم غنودگی میں بول رہے تھے۔۔ان کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ان کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔۔

ارحام نے لب بھینچتے ہوے انھیں دیکھا تھا۔۔دل و دماغ بے چین بھی تھا۔۔ان کے منہ سے بار بار حور کا نام سن کر اس کے دل دماغ میں عجیب سے خیالات آرہے تھے۔۔مگر وہ اپنی ہی سوچوں کو جھٹلا رہا تھا۔۔

حور کیسے سلطان احمد شاہ کی بیٹی ہو سکتی تھی؟؟۔۔وہ اسے جس حال میں ملی۔۔یہ کیسے ممکن تھا وہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہو؟؟۔۔اس نے تو کہا تھا اس کا باپ مر گیا ہے۔۔

مگر نکاح نامے پر اس کی ولدیت پر سلطان احمد کا نام درج تھا۔۔وہ اس کے پاس چھ ماہ سے تھی۔۔سلطان احمد شاہ کی بیٹی کو بھی ان سے بچھڑے چھ ماہ ہو

گیے تھے تو کیا وہ اس رات اپنے گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔۔ ارحام خانزادہ ایک بار پھر اپنی سوچیں جھٹلا چکا تھا۔۔

سلطان احمد شاہ اسلام آباد رہتے تھے۔۔ وہ منگورہ کیسے پہنچی تھی۔۔ اور پھر وہ جس طرح کے لباس میں سڑک پر بھاگ رہی تھی۔۔ کیسے ممکن تھا وہ لڑکی سلطان احمد شاہ کی بیٹی حور ہو۔۔ ارحام لب بھینچتے ہوے ڈرائیونگ کرتے ہوے سوچ رہا تھا۔۔

وہ سلطان پیلس داخل ہوا تو وحیران رہ گیا تھا۔۔ وہ گھر نہیں محل تھا۔۔ گاڑی بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔ میلوں پھیلا ہوا لان تھا اور ڈرائیوے اتنا بڑا تھا کہ دس منٹ لگے تھے اسے داخلی دراوزے تک پہنچتے ہوے۔۔ ملازموں کی ایک فوج تھی۔۔ و

سلطان احمد شاہ کی گاڑی کی طرف ان کے دو ملازم یونیفارم میں آگے بڑھے تھے۔۔انہوں نے مستعدی سے انھیں بازو سے تھامتے گاڑی سے باہر نکالا۔۔

شائد انھیں یہ کرنے کی عادت تھی۔وہ لوگ ربورٹ کی مانند اپنا کام کر رہے تھے۔

دور ہٹو مجھ سے۔۔۔میں خود چلا جاؤں گا۔۔سلطان احمد شاہ خود کو چھڑواتے ہوے چیخے تھے۔۔نہ چاہتے ہوے بھی ارحام پھر سے آگے بڑھا تھا۔۔

ارحام نے انھیں تھاما تو انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔۔ ارحام انھیں بازو کا سہارا دیے اندر لایا۔۔ شاہ پیلس جتنا باہر سے خوبصورت تھا اتنا اندر سے عالیشان تھا۔۔ ارحام خانزادہ میلینئر بزنس مین کی آنکھیں چوند گئی تھیں۔

ملازم کے ہمراہی میں وہ انھیں لیے ان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ارحام خانزادہ کو کمرے کی درودیواریں خود پر گرتی محسوس ہوئیں تھیں۔۔

کمرے کی دیواروں پر بڑی بڑی حور کی تصاویر نصب تھی۔۔

بیڈ وال ہر جگہ صرف حور کی تصاویر تھیں۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں حور کے پوٹریٹ نہ ہو۔

ارحام سلطان احمد کو بیڈ پر لٹاتے ان تصویروں کی طرف بڑھا تھا۔۔

وہ کچھ تصویروں میں سلطان احمد شاہ کی بانہوں میں مسکراتے ہوے کھڑی تھی۔۔

ارحام نے گہرے سانس بھرتے سلطان احمد کی طرف بڑھتے ان کا موبائل ان کی پاکٹ سے نکالا تھا۔

لاک پر ان کا تھمب پریس کرتے اس نے لاک کھولتے دھڑکتے دل کے ساتھ ان کا موبائل اوپن کیا۔۔

فون گیلری میں حور کی تصاویر کا انبار پڑا تھا۔۔

وہ ہر جگہ سلطان احمد کے ساتھ تھی۔۔ان کی بانہوں میں ہنستی مسکراتی۔۔۔

یو ایس بے۔۔یو کے۔۔ کینڈا جرمنی۔۔۔ ہر ملک ہر کنٹری ایسی کون سی جگہ تھی جہاں حور نہیں گئی تھی۔۔۔۔وہ سکرول کرتا جا رہا تھا۔۔ڈزنی لینڈ ۔۔۔۔وہاں بھی اس کی تصاویر سلطان احمد شاہ کے ساتھ تھیں۔یہ اس کی حور تھی۔فرق صرف اتنا تھا حور ان تصاویر میں جینز شارٹ شارٹ بہت ماڈ ڈریسنگ میں تھی۔بے حد ماڈ سٹائلش ڈریسز زپہنے ہوے بھرپور مسکرا رہی تھی۔۔

ارحام نے موبائل بیڈ پر پھینکتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرایا تھا۔۔

تو حور سلطان احمد شاہ کی اکلوتی اولاد ہے۔۔جسے سلطان احمد شاہ دیوانوں کی طرح محبت کرتے ہیں۔۔جس کمپنی کے ساتھ اس کا عربوں کا کنٹریکٹ ہوا۔۔وہ کمپنی بھی حور کی ہے۔۔۔۔اسی کے نام پر اسی کے نام۔۔۔حور شاہ

انڈسٹیرز حور شاہ پیلس گیٹ پر اسی نام کی تختی تھی۔وہ بڑا سا اے مپائر حور ایمپائرز۔۔۔حور ویلفیر ہاسپٹل یہ سارا شہر تو حور کا تھا۔

ارحام بیڈ سے اٹھتے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔۔وہ یکدم رکا تھا۔۔وہ دھیرے سے چلتا ہوا ایک بار پھر سے دیوار پر نصب حور کی تصاویر کی طرف بڑھا۔۔

اس کی سرسراتی انگلیاں حور کے گال پر پڑنے والے ڈمپل پر تھیں۔۔حیرت کی بات یہ تھی ان چھ ماہ میں اس نے آج تک یہ ڈمپل نہیں دیکھا تھا۔۔

ارحام خانزادہ سلطان احمد شاہ کے گھر سے سیدھا اپنے آفس چلا آیا تھا۔۔وہ اپنے آفس کی چیئر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔جیسے جیسے رات گہری ہو رہی تھی۔۔ارحام خانزادہ کے اندر کا اظطراب بڑھتا جا رہا تھا۔۔اپنے ہی لفظوں کی بازگشت اس کی سماعتوں میں گونجتی اسے مزید بے کل کر رہی تھی۔۔

ارحام نے چیئر سے ٹیک چھوڑتے ٹیبل پر پڑے ایش ٹرے میں سگریٹ مسلا تھا۔۔اپنے ہی لفظوں کی بازگشت سے اس کا انگ انگ جلنے لگا تھا۔

بند کرو یہ ڈارامے۔۔یہ اتنا ڈرنے کی ایکٹنگ۔۔۔۔

تم جیسی لڑکیاں اس طرح گھبراتی ڈرتی اچھی نہیں لگتی۔۔ایسے ایکٹ مت کرو جیسے تمھیں پہلے کسی نے چھوا نہیں۔۔تم نے مجھ سے پہلے کوئی مرد دیکھا

نہیں۔ جانے کتنے مردوں کو اپنے حسن اور معصومیت کے جال میں پھنسا کر بیوقوف بنا چکی ہو۔ ارحام کو اپنی بلند دھاڑ سنائی دی تھی۔۔

مم میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔۔ وہ کس طرح بلک بلک کر روتے ہوے اس کے قدموں کا حصہ بنی تھی۔

ارحام نے بے چینی سے اپنے لب کچلے تھے۔

ہاں ڈائمنڈ پہننے کی ہی عادت ہے. وہ دبی آواز میں چیخی تھی۔

وہی ڈائمنڈ جو تمھیں تمھارے چاہنے والے دیتے تھے۔ ارحام خانزادہ کو اپنے سفاک لفظوں پر اس کی زخمی نظریں یاد آئی تھیں۔ ارحام نے بے چینی سے اپنا ماتھا سہلایا تھا۔

وہ تو ابھی ثابت ہو جائے گا۔۔ تمھیں آج سے پہلے کسی مرد نے چھوا بھی یا نہیں۔۔ ارحام کو پھر سے اپنے لفظوں کی بازگشت سنائی دی۔۔ جو اسے کچوکے لگا گئی تھی۔۔

مم میں میرے گھر بہت سے شیف تھے۔ اس لیے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔۔ وہ بات کرتے اپنا لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔ وہ میرا مطلب ہے کہ میرے پاپا ہوٹل میں شیف تھے۔۔ وہ کھانا لے آتے تھے۔۔

اچھا تمھیں جھوٹن کھانے کی عادت بچپن سے ہے۔۔ اپنے ہی لفظ یاد کرتے وہ ایک بار پھر سے اذیت کی انتہا پر تھا۔۔

آج سے پہلے اسے اپنے لفظوں کی سفاکی کا احساس نہیں ہوا تھا۔۔ مگر آج حور کی سچائی جاننے کے بعد پتہ نہیں کیوں اسے اپنے لفظوں کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔

حور سلطان احمد شاہ کی اکلوتی بیٹی ہے۔۔یقین کرنا ابھی بھی مشکل تھا۔۔وہ صرف اتنی سی بات پر اپنا گھر چھوڑ آئی تھی کہ اس کے باپ نے اس کی سگی ماں کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔۔یہ کیسے ممکن تھا؟؟وہ اتنی سی بات پر اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کو چھوڑ دے۔۔اپنے محلوں جیسے گھر کو چھوڑ کر وہ سڑکوں کی زینت بن جائے۔۔وہ اسلام آباد سے منگورہ کیا کرنے آئی تھی۔ارحام نے بے چینی سے سگریٹ سلگا کر لبوں میں دبایا۔۔

وہ کم عمر ہے۔۔شائد جذباتی بھی ہو سکتی ہے۔۔ٹین ایج میں ہر کوئی جذباتی ہوتا ہے۔۔ہو سکتا ہے وہ غصے میں گھر چھوڑ آئی ہو۔۔مگر اس نے آج تک سلطان احمد شاہ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟؟۔کیوں اس نے اتنا کچھ سہن کیا؟؟۔۔ارحام خانزادہ نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔

اس سے نکاح کے بعد اس نے ایک مرتبہ حویلی سے بھاگنے کی کوشش کی تھی تو کیا وہ اس رات سلطان احمد کے پاس جانا چاہتی تھی۔ ارحام نے بے چینی سے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔۔

وہ چاہتی تو ابھی تک سلطان احمد شاہ کو فون کر سکتی تھی۔۔ اس نے آج تک سلطان احمد شاہ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟؟۔۔ کیا وجہ اسے روکے رکھی ہوئی ہے؟؟ کہ وہ شہزادیوں جیسی زندگی چھوڑ کر اس طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو۔۔ کیا اس کا ڈر خوف ہے؟؟۔۔ جو وہ اس کی حویلی سے ابھی تک بھاگ نہیں سکی۔۔ یا پھر وہ بہت ضدی ہے جو اسے اس کے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹنے دے رہا۔ نہیں وہ اتنی ضدی کیسے ہو سکتی ہے؟؟ ارحام خانزدہ کو اس کی فرمانبرداری یاد آئی تھی۔۔ اس کی ہر بات وہ لمحوں میں مان لیتی تھی۔

کیا میں نے کبھی اسے ضد نخرہ کرنے دیا جو وہ کرتی؟؟ج

یہ سوچ آتے ہی ارحام خانزادہ کے لب سختی سے بھینچے تھے۔۔ پتہ نہیں کیوں؟؟ اسے آج ہی اپنی زیادتیاں یاد کیوں آرہی تھیں؟؟ وہ آج سے پہلے یوں اذیت کی انتہا پر نہیں تھا۔

اسے اس حویلی میں صرف میرا ڈر خوف روکے رکھا ہوا ہے۔ جو وہ ابھی تک سلطان احمد شاہ سے رابطہ نہیں کر سکی۔۔ اگر اسے کبھی موقع ملا تو وہ مجھے بھی چھوڑ جائے گی۔۔ مختلف قسم کے سوالات اس کے دل و دماغ میں ابھر رہے تھے۔

ارحام خانزادہ مزید بے چین ہوا تھا۔۔

وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتی۔۔اس نے آہستگی سے زیر لب یہ لفظ دہرائے تھے۔۔اس کا دل کب سے ان لفظوں کی گردان کر رہا تھا۔۔۔کیوں نہیں چھوڑ سکتی وہ تجھے۔۔جب وہ اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کو چھوڑ سکتی ہے تو تجھے کیوں نہیں؟؟

دل نے جیسے اس سے سوال کیا تھا۔۔ارحام کرسی کی ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔

اسے وہ نکاح کی رات یاد آئی تھی۔۔جب اس نے اسے وحشیوں کی طرح نوچا تھا۔غصے اور جنون میں بھی اسے اندازہ ہو گیا تھا۔وہ نوخیز کلی ہے۔۔جسے کبھی کسی نے غلطی سے بھی نہیں چھوا۔۔وہ ورجن ہی نہیں..بہت نازک بھی تھی۔بلکل ان چھوئی کلی کی طرح۔۔جسے ڈال پر بھی کبھی کسی نے غلطی سے بھی نہ چھوا ہو۔اس کے بدن کے ہر حصے کو

جانوروں کی طرح نوچتے اسے بخوبی احساس ہوا تھا وہ اسے سہن نہیں کر سکتی۔۔ مگر وہ اپنی وحشی بربریت اس پر ڈھاتا چلا گیا تھا۔

ارحام نے لب کاٹتے ہوئے وہ رات یاد کی تھی۔۔ وہ رات تو وہ آج تک بھولا نہیں تھا۔۔ تو یہ کیسے ممکن تھا؟؟ وہ بھول گئی ہو۔۔ اس خیال نے ارحام خانزادہ کے اندر عجیب سی بے چینی بھر دی تھی.

سلطان احمد شاہ کو اس کی بیٹی مل گئی تو وہ کیا حور کو اس کے پاس رہنے دے گا۔۔ اس نے اپنے باپ کو بتا دیا کہ میں اس کے ساتھ کیا کچھ کر چکا ہوں تو کیا وہ اسے میرے پاس رہنے دے گا۔

ارحام کے دل و دماغ میں وہی سوال ابھرا جو وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔۔

اس نے بھی میرے ساتھ غلط کیا تھا۔۔جو اس نے میرے ساتھ کیا وہ کیا جسٹیفائے کے قابل ہے؟؟

وہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے ہوے حلق کے بل چیخا تھا۔۔

اس نے جو کیا تم اسے اس کی سزا دے چکے ہو۔۔ضرورت سے زیادہ دے چکے ہو۔۔اور تم نے یہ نکاح بھی اسے تحفظ دینے کے لیے نہیں بلکہ اسے سزا دینے کے لیے کیا تھا۔۔اب جبکہ تم سزا دے چکے ہو تو اسے اس کے باپ کے پاس جانے دو چھوڑ دو اسے۔۔کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔۔

کیسے چھوڑ دوں اسے؟؟بیوی ہے میری عزت ہے میری۔۔۔کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟؟کیسے اسے جانے دے سکتا ہوں۔۔اب کی بار وہ پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔اسے چھوڑنے کا سوچ کر ہی وہ پاگل ہوا تھا۔

بیوی تو گل بھی تھی۔۔ وہ تو تمھاری بچی کی ماں بھی تھی تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا۔۔

اس سوال نے تو جیسے ارحام خانزادہ کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔۔

گل بیوی تھی۔۔۔ میری بچی کی ماں ہے۔۔ مگر حور محبت ہے میری۔۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چلایا تھا۔۔

محبت تو گل بھی تھی۔ اس محبت کا دعوی تو تم نے پانچ سال کیا ہے ہر لمحہ ہر روز۔۔۔ کوئی اس کے اندر ہنسا تھا۔۔

مجھے نہیں پتہ وہ میری محبت تھی یا نہیں.. مگر حور عشق ہے میرا۔۔ عشق ہے میرا۔۔ وہ ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔۔ وہ اپنے بال پھر سے مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

حور کے دور جانے کے خیال سے ہی وہ پاگل ہو رہا تھا۔۔ کل تک حور کا کوئی نہیں تھا۔۔ اس کے دل میں اسے کھونے کا کوئی خوف بھی نہیں تھا۔ مگر آج یہ احساس اس کے دل و دماغ میں رچ بس چکا تھا۔

وہ نکاح کی رات کے اپنے عمل کو وہ ہمیشہ جسٹیفائی کرتا رہا۔۔ مگر اس کی تکلیف کا احساس آج ہو رہا تھا۔۔ کیونکہ آج اس کے اندر ایک احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ تھا ڈر اسے کھونے کا احساس۔۔ آج سے پہلے تو اسے یہی لگا وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ وہ اسے کبھی چھوڑ نہیں سکتی۔۔ اگر کبھی اس نے ایسا کیا تو وہ اسے اس کے عمل کی ایسی سزا دے گا وہ اسے چھوڑ کر جانے کا سوچے کی بھی نہیں۔

نہ ہی اس کا کوئی ہے جو وہ اسے چھوڑ کر اس کے پاس چلی جائے گی۔۔ اس کا سب کچھ وہی تو تھا۔

وہ روئے یا ہنسے اب اس کا مقدر وہی تھا۔۔ وہ مرتے دم تک صرف اس کی تھی۔

کیونکہ وہ صرف اس کی تھی۔۔ اس سے بے انتہا محبت کرنے کے باوجود بھی اسے کبھی کھونے کا ڈر نہیں ہوا۔۔ مگر آج اس ڈر نے اس کے پورے وجود کو ہلا دیا تھا۔

ایک عجیب سا ڈر ایک عجیب سا احساس اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا۔۔ کھونے کا احساس۔۔۔۔ حور کے دور جانے کا خوف اس کے اعصاب جیسے ساکت کر رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔

وہ جب سے اس کی زندگی میں آئی تھی۔۔اسے دیکھ کر صرف اسے حق ملکیت کا احساس جاگتا تھا۔۔جو کچھ وہ اس کے ساتھ کر چکا تھا۔۔وہ اس پر اپنا حق سمجھنے لگا تھا۔۔اس کا کوئی نہیں۔۔وہ صرف اس کی ہے۔۔اس کی ملکیت ۔۔سر سے پاؤں تک صرف اس کی۔۔

آج اس پر کسی کا حق برداشت نہیں ہو رہا تھا۔نہیں برداشت ہو رہا تھا کوئی اسے اس سے بھی زیادہ محبت کر سکتا ہے۔۔

اسے بہت پہلے اس بات کا ادراک ہو گیا تھا۔۔حور اس کی محبت نہیں اس کا عشق ہے۔۔جو اس کی روح تک میں سرایت کر گئی ہے۔۔اس سے بے انتہا نفرت کے باجود اس کی خوبصورتی اس کی کم عمری اس کی معصومیت کی طرف وہ کھنچتا چلا گیا۔۔وہ اپنا حق سمجھ کر اس پر اپنی شدتیں لٹانے لگا۔۔اپنی ضرورت اپنے نفس کی تسکین اس سے پوری کرنے لگا۔۔کب

اس کی شدتوں میں اس کی ضرورتوں میں اس کی نفس کی تسکین میں محبت شامل ہوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔۔

سب سے پہلے حق ملکیت کا احساس جاگا۔۔جو کبھی گل کو لے کر بھی نہیں جاگا تھا۔۔یہ احساس ہی بہت انوکھا اور عجیب تھا وہ صرف اس کی ہے۔۔وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کا مجاز رکھتا ہے۔وہ اس کے ساتھ جو کچھ کر چکا تھا اب تو وہ اس پر کسی کا حق برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔۔

سلطان احمد شاہ میری بیوی کو مجھ سے چھین نہیں سکتا۔۔وہ جتنے مرضی بڑے باپ کی بیٹی ہو۔۔مگر بیوی وہ ارحام خانزادہ کی ہے۔اتنا آسان نہیں ہے ارحام خانزادہ کی بیوی کو اس سے چھینا۔۔۔وہ ٹیبل پر رکھی تمام چیزیں دونوں ہاتھوں سے ایک ہی جست میں نیچے پھینکتا چلایا تھا۔۔

تم صرف میری ہو۔۔ کبھی بھی تمھیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔۔۔ تم پر صرف میرا حق ہے۔۔ تم نے کبھی ایسا سوچا بھی تو تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔۔ ارحام سپاٹ انداز میں خود سے کہتے اپنا کوٹ چیئر سے اٹھاتے آفس سے باہر نکل آیا تھا۔۔

اسفند کا زاران خانزادہ پر غصہ اشتعال تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔ زاران کی وجہ سے آج بہزاد خان جن نظروں سے اسے دیکھ کر گیا تھا۔۔ اسفند کا جی کیا تھا بہزاد خان کے ساتھ زاران خانزادہ کی بھی جان لے لے۔۔ وہ زاران کی جان لے بھی لیتا اگر عابیر بیچ میں نہ آتی۔۔ بہزاد خان آج سے زاران کا دشمن ہی نہیں اس کا بھی تھا۔۔ وہ اسے چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا

تھا۔۔ آج کے بعد پل پل بہزاد کے ہر ایکشن پر اس کا نظر رکھنے کا آرادہ تھا۔

اسفندیار خان نے غصے اشتعال سے سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے عابیر پر نظر ڈالی جو ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔

بارش ابھی بھی شدید ہو رہی تھی۔۔ رات کی سیاہی مزید گہری ہو گئی تھی۔۔ وہ عابیر کو لے کر حویلی نہیں گیا تھا۔۔ اسے لگ رہا تھا ایک مرتبہ اس نے زاران کا چہرہ اور دیکھا وہ اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اس کے سینے میں اتار

دے گا۔۔ وہ اسے اپنے گیسٹ ہاؤس لے آیا تھا۔۔ خوبصورت سا چھوٹا سا گیسٹ ہاوس جو اس کی ذاتی ملکیت تھا۔۔

گارڈز کی گاڑیاں اس کے آگے پیچھے تھیں۔۔ بہزاد کی طرف سے اسے اب کوئی ڈر نہیں تھا۔۔ مگر اس نے تہیہ کر لیا تھا وہ ائیندہ عابیر کے ساتھ گارڈز اور اپنی پسٹل کے بغیر کہیں نہیں نکلے گا۔۔ گارڈز کی گاڑیاں گیسٹ ہاؤس سے تھوڑی دور رک گئی تھیں۔

اسفند اسے بانہوں میں بھرے گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوا۔۔ چھوٹے سے لاونج سے ہوتے وہ ایک کمرے کی طرف بڑھا۔۔ وہ ابھی تک بیہوش تھی۔۔ اسفند اسے لیے کمرے میں داخل ہوا۔۔ اور اسے نرمی سے بیڈ کے

وسط میں لٹایا۔۔اس کے وجود سے گیلی چادر اس نے علیحدہ کرتے سائیڈ پر رکھی۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔اسفند نے نرمی سے اس کا گال تپتھپایا۔

عابیر کے سنہری بال جو کہ گیلے ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے اور گردن کے ساتھ چپکے ہوے تھے۔اسفند نے نرمی سے اس کی لٹیں گردن اور عارض سے پیچھے کیں تھیں۔

اس کا سنہرا روپ اسفند کا دل زوروں سے دھڑ کا گیا تھا۔۔وہ بلکل ابر نیساں کے شفاف پہلے قطرے کی مانند محسوس ہوتی تھی۔چاند کی ٹھنڈی کرنوں سا روشن وجود صرف اس کی ملکیت تھا۔یہ احساس کتنا جان لیوہ تھا۔۔

وہ بے اختیار اس کے قریب ہوا۔ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے اس کے خوبصورت نقوش کو گہرائی سے دیکھے گیا۔۔

بہت سے جذبات جیسے انگڑائی لے کر بیدار ہوے تھے۔ اس کے ایک ایک نقش پر اس کے لب اپنا حق جتانے کے لیے بے تاب ہوے تھے۔ وہ اپنے جذبوں کے زیر اثر خود کو ڈپتے اس سے تھوڑا دور ہوا۔۔

اس کی سنہری رنگت اور خوبصورت نقوش سے وہ سرعت سے نظریں چرا گیا تھا۔ اس کے خوبصورت ملکوتی نقوش اسے بری طرح اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

اسفند کی نظریں اس کی شفاف گردن سے ہوتی اس کے دلکش نشیب و فراز میں الجھ سی گئی تھیں۔۔

مدھم سانسوں کا زیر و بم اس کے خوبصورت چاندی جیسے نشیب و فراز میں سمندر میں لہروں کی مانند محسوس ہوا تھا۔ اسفند کو اس بات کا نکاح کی رات کو بخوبی ہوا تھا۔۔ وہ بہت دلکش بدن کی مالک ہے۔۔ سنگ مرر سا قیامت سا بدن۔۔ جس کی ہر گہرائی کو وہ اچھی طرح ماپ چکا تھا۔ اس کے ہر حصے پر وہ اپنے لمس کی اس رات گہری چھاپ چھوڑ چکا تھا۔ اس کے خوبصورت سراپے سے وہ نظریں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔۔ سیاہ فراک جو گیلا ہونے کی وجہ سے اس کے بدن سے چپکا ہوا تھا۔۔ اس کے خوبصورت دلکش خدوخال سیاہ فراک سے اجاگر ہو رہے تھے۔ وہ بے اختیار اس کے مزید قریب ہوا تھا۔۔ پاس پڑا نوخیز کم سن سنگ مرر سا تراشا بدن اس کے بے لگام جذباتوں میں آگ لگا گیا تھا۔۔ اسفندیار کی انگلیاں کافی سختی سے اس کے بدن کے نازک حصے کو چھو گئی تھیں۔ وہ بیہوشی میں ہلکا سا کسمسائی تھی۔۔ اس کے

بدن کی نازکی اسفندیار خان کے کھردرے ہاتھوں کا لمس برداشت نہیں کر پائی تھی۔۔اس نے نیم بیوشی. میں سسکاری بھری تھی

اسفندیار خان کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔وہ اس کے بدن کی نازکی سے بخوبی واقف تھا۔۔

وہ کس طرح نکاح کی رات میں اس کی بانہوں میں تڑپتے روتے ہوے اس کی ہی بانہوں میں سمارہی تھی۔اس کی بدن کی نازکی اس دن بھی اس کے ہوش اڑا چکی تھی۔۔جیسے آج وہ بہک رہا تھا۔

بہت نرمی سے اس نے اس کے عارض پر اپنے لب رکھے تھے۔۔اس کے لبوں نے اسے چھوا تو ایک برقی رو اسے اپنے اندر دوڑتی محسوس ہوئی۔۔اس کے لب اس کے شفاف عارض پر پھسلتے چلے گئے۔اس کے لب رکے نہیں

تھے۔۔وہ بہت نرمی سے اپنے لبوں سے اس کے نقوش چھوتا گیا تھا۔اس کے لب دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقوش پر محو رقص تھے۔

اس کے لب اس کے چہرے سے ہوتے اس کی گردن اور نیچے کی طرف پرواز کرنے لگے۔۔اس کے لبوں کی سختی اس کی دھڑکنوں پر بڑھتی جارہی تھی۔۔وہ مکمل طور پر اس کی ذات میں گم تھا۔۔بلکہ وہ مدہوش ہو چکا تھا۔۔آنکھوں کی خماری بڑھتی جارہی تھی۔۔وہ مزید بہکتا جارہا تھا۔

اسفند نے چہرہ اٹھاتے ہوے عابیر کو دیکھا۔جو ابھی بھی ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔۔ٹھنڈے گیلے لباس میں بھی اس کا بدن بخار کی وجہ سے چنگاریوں کی مانند دہک رہا تھا۔۔اس کے بدن سے اٹھتی چنگاریاں اسفندیار خان کو جیسے جھلسا رہی تھیں۔دہکتا بدن اسفندیار خان کو مزید اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔۔

وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ مگر اس کے ہوش ٹھکانے لگا گئی تھی۔ اسفند یار خان کا دل پسلیوں سے سر ٹکراتے اسے بے قرار کر گیا تھا۔۔

اس کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں۔ اس کی بانہوں میں موجود پھولوں سے بھی نازک ہوش ربہ مہکتا وجود کی کشش اسے بری طرح اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔۔

اسفند یار خان نے اپنی جیکٹ اتارتے زمین پر پھینکی۔۔

اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے بھی اس کی سرخ خمار زدہ نگاہیں عابیر کے کندن سراپہ پر ہی ٹکی تھیں۔

جس سے وہ ایک پل کے لیے بھی وہ اپنی نظریں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

اسفند نے اس پر جھکتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے ذرا سا اوپر اٹھایا۔۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے اس کے فراک کی زپ کھول گیا تھا۔ دوسرے لمحے اس کی فراک ایک ہی جھٹکے سے وہ اس کے تن سے جدا کر گیا تھا۔۔ اسفند یار خان نے اس پر جھکتے اس کے گلابی لبوں کو اپنی عنابی لبوں میں لیا وہ بہت شدت بہت دیوانگی سے اس کے لبوں کو چومنے لگا۔ اسفند یار خان کا جنون عابیر کی گلابی لبوں پر بڑھتا جا رہا تھا۔۔ وہ دیوانوں کی طرح انھیں اپنے لبوں میں دبائے اس کی خوشبودار سانسوں سے اپنی سانسوں کو مہکا رہا تھا۔۔ وہ اتنی شدت سے اپنی شدت اس کے نازک لبوں پر اتار رہا تھا کہ عابیر کا بے جان وجود نے ہلکی ہلکی سسکی بھرنی شروع کر دی تھی۔ اسفند اس کی سسکاریاں سنتا مزید اپنی شدت اپنا جنون اس کی سانسوں میں انڈیلنے لگا۔۔

وہ کافی دیر تک اپنی پیاس بجھاتا رہا۔۔ عابیر کی سانسیں مدھم ہوتا محسوس کرتے اسفند اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کی گردن پر جھکا تھا۔۔ وہاں اپنی جنون خیزیاں رقم کرتے وہ اس کی دھڑکنوں پر جھکا تھا۔۔ اپنی انگلیاں اس کی سٹریپ میں پھنساتے وہ اپنا ہاتھ اس کی کمر پر لے گیا۔۔ اپنے اور اس کے درمیان وہ آخری پردے کو بھی ہٹا گیا تھا۔۔ اس کے لب دیوانہ وار اس کے بدن کے ہر حصے کو چھو رہے تھے۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اس کی ذات میں گم اس کے بدن کے ہر حصے کو چھوتا اس پر ہر جگہ اپنی دیوانگی کا ثبوت چھوڑ رہا تھا۔۔ اس کے ہاتھ کافی سختی سے اس کی بدن کی نازکی کو محسوس کرتے ہوے اپنی ہر حد پار کرتے ہوے گہرائیوں میں اترتے بے باکی سے اس پر اپنا حق جتا رہے تھے۔۔ اس کے بے رحم دیوانگی بھرے لمس سے

عابیر کا بیگانہ وجود آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔۔ وہ اس کی سختی اس کے دہکتا لمس نیم بیہوشی میں بھی سہن نہیں کر پا رہی تھی۔

عابیر نے اپنی آنکھیں کھولتے گہرے سانس لیتے اپنے اوپر جھکے پہاڑ جیسے وجود کو محسوس کیا تو اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔۔

یہ خوشبو یہ لمس وہ تو ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔۔ وہ بھولی ہی کہاں تھی اس دشمن جاں کی آگ جیسی قربت۔۔۔ جو آج بھی اس کا وجود آگ کی طرح دہکا دیتی تھی۔

اس کے پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ اپنی دھڑکنوں پر محسوس کرتے عابیر کی آنکھیں شدت گریہ سے چھلک پڑی تھیں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔ وہ اس کا ہوش میں آنا محسوس کرتے اس کے نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

اسفند اس کی دھڑکنوں سے اپنے لب ہٹاتا اس کے چہرے پر جھکا تھا۔۔

ہیزل گرے آنکھیں نیلی آنکھوں سے ٹکرائی تھیں۔ نیلی آنکھوں میں خمار کی سرخی جنون دیوانگی کا عالم تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں شکوں اور درد کی گہری رمک تھی۔

دور۔۔ دور۔۔ رہیں مم۔۔۔۔ مجھ سے۔۔۔ آج کی رات عابیر خود کو آپ کو سونپے گی یہ آپ کی بھول ہے۔۔ عابیر اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی ٹوٹے لہجے میں بولی۔۔ اس کے ٹوٹے لفظ سنتے اور اس کی کمزور سی مزاحمت دیکھتے اسفند کے لبوں کے ساتھ اس کی نیلی آنکھیں بھی بھرپور مسکرائی تھیں۔

تمھارے پاس آنے کے لیے مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں ہے۔۔ تمھارے پورپور پر صرف میرا حق ہے۔۔ اور میں اپنا حق لے رہا ہوں

اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں کی شبنم چنتا گھمیر آواز میں بولا۔۔

مگر آپ تو مجھے ایک رات کی دلہن بنا دیکھنا چاہتے تھے۔ دور رہیں مجھ سے۔۔۔۔ اسفند یار خان۔۔۔ وہ اسفند یار خان کو خود سے دور دھکیلتے اب کی بار چیخی تھی۔۔ مقابل کے سفاک لفظ یاد کرتے اس کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

اس کے چیخنے پر اسفند کی آنکھوں میں خمار کی سرخی کی جگہ غصے کی سرخی نے لی تھی۔۔

اسفند یار خان اس کی کلائیوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑے اس کے گلابی لبوں پر جھکتے اس کی ساری مزاحمتیں اس کی چیخیں گلے میں گھونٹ گیا تھا۔۔

وہ ایک ہی جھٹکے میں اس میں اس طرح سمایا تھا کہ عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔۔

اس کی شدت جنون جتنی عابیر اپنے لبوں پر محسوس کر رہی تھی۔اس سے کہیں زیادہ جنون شدت وہ اس کے دوسرے عمل میں محسوس کر رہی تھی۔۔اس کا ہر عمل اس کا دہکتا لمس اس پر باور کروا رہا تھا۔۔وہ اس پر اس سے کہیں زیادہ حق رکھتا ہے۔

عابیر کی تکلیف سے مارے بند ہوتی آنکھوں کو دیکھتے اسفند نے اس کے لبوں کو آزاد کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اسفند بہت پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے خود میں سمیٹ گیا تھا۔۔جیسے رات رات بھیگتی جا رہی تھی۔۔اس کی شدتوں میں کبھی نرمی کبھی سختی اترنے کا آنکھ مچولی کا کھیل جاری تھا۔۔اسفند کی معنی خیز سرگوشیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔اس کی

شدتیں عروج پر تھیں۔۔وہ پہلی رات سے بھی زیادہ اس کے لیے جنونی تھا ۔اس بات کا ادراک آج عابیر کو ہوا تھا۔۔اس کی آگ جیسی قربت سہنا عابیر کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔۔

عابیر نے نم آنکھوں سے مدھم روشنی میں اسفندیار خان کے خوبرو چہرے کو دیکھا جو اس کے عارض پر جھکے اپنا لمس بکھیرتا اپنی شدتیں بڑھا رہا تھا۔۔

اس خوبصورت پر فسوں لمحات میں بھی عابیر کی سماعتوں میں اسفندیار خان کی لفظوں کی بازگشت گونج رہی تھی۔۔جو اس کی آنکھوں کی نمی بڑھائی جا رہی تھی۔

تم ایک رات کی دلہن رہو گی۔۔تم ایسی بیوی ہو گی جو شوہر کے ہوتے بھی بیوہ کہلاؤ گی۔۔

عابیر نے آنکھیں میچتے گہرے سانس لیے تھے۔ آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔

دل پر ہنس کے لیے تھے

جو تم نے غم بانٹے تھے

پھول سمجھا ان کو بھی

جو نوکیلے کانٹے تھے

پیار سے پیار تیرا میرا تن من سہلائے

کوئی خوشبو جس طرح ہوا میں گھل جائے

عابیر کی کانپتی انگلیاں اسفندیار خان کے گھنے بالوں میں سرکنے لگی تھیں۔۔ جسے محسوس کرتے اسفند کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔۔۔

بہارے جنرل وارڈ میں پیشنٹس کو چیک کر رہی تھی کہ ڈاکٹر فرقان اور عنیزہ نے وارڈ میں داخل ہوتے بہارے کو سلام کیا تو بہارے نے اثبات میں سر ہلاتے جواب دیا تھا۔۔

قسم سے یار۔۔۔ سر شہرام انتہا کے کوئی ظالم اکھڑ و انسان ہیں۔۔ ان کے ڈر کی وجہ سے آج صبح اسلام آباد سے واپس آیا ہوں۔۔ بمشکل ایک گھنٹے کی نیند پوری کی تھی۔۔ بھاگا بھاگا ہاسپٹل آیا ہوں۔۔ نیند نے تو میری مات مار دی ہے۔۔ مجھے لگتا ہے میں نے کھڑے کھڑے ہی سو جانا ہے۔۔ ڈاکٹر فرقان اپنے گردن کو ایک ہاتھ سے جھٹکتے ہوے بولے۔۔۔ عنیزہ اور ڈاکٹر فرقان بہارے کے قریب ہی دوسرے بیڈ کے پاس کھڑے تھے۔

ڈاکٹر عنیزہ سٹیتھیو سکوپ سے ایک آٹھ سالہ بچے کو چیک کر رہی تھی۔ جسے سانس لینے میں دشواری آ رہی تھی۔

یہ تو ہے وہ خود بہت ڈسپلنڈ ہیں۔۔۔ بہت اچھے سے اس ہاسپٹل کو مینج کیا ہے۔۔ مگر آج مجھے حیرت ہو رہی ہے۔۔ ہم سب ہاسپٹل آ چکے ہیں۔ مگر وہ چھٹی پر ہیں۔۔ حتی کہ وہ کل رات بہت جلدی اسلام آباد سے نکل گئے تھے۔۔ ڈاکٹر عنیزہ نے سٹیتھو سکوپ گلے میں ڈالتے حیرت سے کہا۔

اس میں حیرت کیا ہے؟؟ آج سے پہلے ان کے پاس ڈاکٹر آئزل جیسی خوبصورت خاتون بھی تو نہیں تھی۔۔ اور وہ جدی اس لیے گئے تھے کیونکہ وہ برتھڈے گرل کے ساتھ کچھ قیمتی وقت صرف کرنا چاہتے ہوں گے۔۔ ڈاکٹر فرقان کی بات پر بہارے کا فائل میں موجود پرسکرپشن میں میڈیسن لکھتے ہوئے ہاتھ رکا تھا۔۔

یکدم اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔وہ کون سی میڈیسن لکھ رہی تھی۔۔کیا ہوا ڈاکٹر؟؟پاس کھڑی نرس نے حیرت سے بہارے کو دیکھا جو پین پکڑے پرسکرپیشن کو گھورے جارہی تھی۔

کچھ نہیں ہوا۔۔کیا مسئلہ ہے اس پیشنٹ کو؟؟۔۔بہارے نے جھنجھلاتے ہوے اپنی آئی برو مسلی۔۔وہ واقعی میں سب کچھ بھول چکی تھی۔حتی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے اس کا مکمل ایگزمائن کیا تھا۔

نرس نے حیران ہوتے بہارے کو دیکھا ابھی اس نے اس پیشنٹ کو چیک کیا تھا اسی کی رپورٹس دیکھی تھیں۔اب پوچھ رہی تھی اسے کیا مسئلہ ہے؟؟ڈاکٹر بہارے اس ہاسپٹل کی بہت قابل ڈاکٹر تھی۔۔بہارے کا یہ ری ایکشن اسے ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔

بہارے ابھی تک فائل ہاتھ میں پکڑے غائب دماغی سے وہاں کھڑی تھی۔۔نرس کیا کہہ رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔

اس کا دل و دماغ ڈاکٹر فرقان کی بات میں الجھا ہوا تھا۔

سماعتیں صرف ڈاکٹر فرقان کے لفظوں کو سن رہی تھیں۔

خدا کا خوف کریں ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔یہاں پیشنٹ موجود ہیں۔۔آہستہ بولیں۔۔کسی نے سن لیا تو کیا کہے گا۔

عنیزہ نے ڈاکٹر فرقان کو مصنوعی غصے سے گھورتے ہوے ٹوکا تھا۔

اب تو سب کو میری بات پر یقین کرنا پڑے گا۔۔سر شہرام رات بھر ڈاکٹر آئزل کے ساتھ تھے۔۔اب دیکھو دونوں ہی غائب ہیں۔ڈاکٹر فرقان عنیزہ

کے کان میں جھکتے مدھم لہجے میں بولے تھے۔۔ مگر بہارے تک ڈاکٹر فرقان کی سرگوشی بخوبی پہنچ گئی تھی۔

ڈاکٹر فرقان کی بات پر بہارے کو زوردار چکر آیا تھا۔۔

اس نے جلدی سے بیڈ کو ایک ہاتھ سے پکڑے دوسرے ہاتھ سے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

کیا ہوا ڈاکٹر؟؟۔۔ نرس نے بہارے کو کلائی سے جلدی سے پکڑا۔۔۔ میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ چیک کرتی ہوں انھیں۔۔ بہارے نے اپنی کلائی چھڑاواتے ہوے کہا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے غصے سے ڈاکٹر فرقان کی طرف مڑی

مجھے لگتا ہے یہ جنرل وارڈ ہے ڈاکٹر فرقان کوئی تھیٹر نہیں۔۔ جہاں آپ چٹکلے چھوڑیں اور سب آپ کو داد دیں۔۔ یہاں پیشنٹ ہوتے ہیں کچھ تو خیال کیا کریں۔ بہارے نے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے بے حد اونچی آواز میں کہا۔

بہارے کی آواز پر تمام پیشنٹس وارڈ میں ہر کوئی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

ریلکیس بہارے کیا ہو گیا ہے ؟؟ ڈاکٹر فرقان کی عادت ہے۔ وہ تو مذاق کر رہے تھے۔۔ مگر تم تو آہستہ بولو یہاں پیشنٹ ہیں۔۔ جس طرح تم بول رہی ہو پہلے تو کوئی بیشنٹ متوجہ نہیں ہوا.. مگر اب ہو رہے ہیں۔ عنیزہ نے بہارے کی اونچی آواز پر قدرے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

یہ تم ڈاکٹر فرقان کو سمجھاؤ۔۔جو اتنا اونچا بول رہے تھے مجھے بھول ہی گیا کہ میں کیا ڈسکریبشن لکھ رہی تھی پیشنٹ کے لیے۔۔مجھے لگتا ہے انھیں ہاسپٹل میں کسی تھیٹر میں ہونا چاہیے تھا۔۔ان کے لیے وہی جگہ ٹھیک تھی۔۔

بہارے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوے ہوے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

بہارے کے توہین امیز الفاظ پر پر ڈاکٹر فرقان کا رنگ توہین و خجالت کے حساس سے رنگ سرخ پڑا۔۔

اسے کیا ہوا ہے ؟؟عنیزہ نے بہارے کی پشت کو دیکھتے ڈاکٹر فرقان سے کہا۔۔

ڈاکٹر فرقان کا سرخ چہرہ دیکھتے عنیزہ نے گہرا سانس لیا تھا۔

ڈاکٹر فرقان آپ کو پتہ ہے اس کی عادت ہے۔۔ آپ ایسے ہی فیل کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر فرقان عنیزہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے خاموشی سے جنرل وارڈ سے باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔ڈاکٹر عنیزہ جھنجھلا کر رہ گئی تھی۔

بہارے نے ہاسپٹل سٹاف روم میں داخل ہوتے اپنے ہاتھ میں پکڑا سٹیتھوسکوپ زمین پر دے مارا تھا۔۔۔ اسے کیا برا لگ رہا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔ مگر شہرام کے ساتھ وہ ائزل کا نام برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔۔ اور اسی بات پر اسے غصہ آ رہا تھا۔ اسے آخر کیوں فیل ہو رہا

تھا؟؟اس کی بلا سے وہ کچھ بھی کرتا پھرے۔۔ کہیں بھی اپنے دن رات گزارے۔۔۔

اسے اس بات سے کیوں فرق پڑ رہا تھا؟؟وہ تو خود چاہتی تھی شہرام سے اس کی کسی طرح جان چھوٹ جائے۔۔۔اب اگر اس کی زندگی میں کوئی آجائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔۔ مگر اسے فرق پڑ رہا تھا مگر کیوں؟؟

بہارے نے صوفے پر بیٹھتے گہرے سانس لیے۔۔

وہ کل رات ڈاکٹر آئزل کے ساتھ نہیں تھا۔۔ اتنا تو اسے یقین تھا۔۔ وہ مر کر بھی کسی لڑکی کے قریب نہیں جا سکتا۔۔ اتنا تو جانتی تھی وہ اسے۔۔ وہ اسے جتنا مرضی اگنور کرے۔۔۔ مگر اس کے دل دماغ میں صرف وہی تھی۔۔۔ وہ اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہا تھا۔۔ مگر وہ اسے اپنے دل سے نکال دے یہ ناممکن تھا۔۔

مگر پھر بھی۔۔۔۔ پھر بھی۔۔۔اس کے ساتھ آئزل اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔کیوں؟؟وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔۔نہ ہی وہ آئزل سے انسکیور فیل کر رہی تھی کہ شہرام اسے چھوڑ دے گا۔۔شہرام اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا وہ جانتی تھی۔اگر اب وہ اسے چھوڑ بھی دیتا ہے تو اس کے لیے تو اچھا تھا۔۔ایک میٹرک پاس پہاڑی اجڈ گنوار انسان سے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔۔ساری عمر تو اس نے اس سے جان ہی چھڑوانی چاہی تھی۔۔اب تو راستے آسان لگ رہے تھے۔۔اس سے جان چھڑوانے کے بعد وہ اس حویلی سے دور جا سکتی تھی۔۔اس کے پاس ڈاکٹر کی ڈگری تھی۔وہ کسی بھی ملک میں جاب کر سکتی تھی۔۔مگر اس کے نکاح میں ہوتے وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی۔۔ایک دفعہ کوشش کی تھی۔۔وہ اسے کیسے ڈھونڈ لایا تھا۔۔

مگر ڈر اس کے چھوڑنے کا نہیں تھا۔۔ڈر اس کے دور جانے کا نہیں تھا۔۔ بلکہ وہ آئزل کو اس کے قریب برداشت نہیں کر رہی تھی۔۔ کیوں؟؟ وہ ابھی تک اپنے احساسات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

بہارے نے گہرے سانس بھرتے اپنے فون سے رحیم خان کو فون کر کے ہاسپٹل کے گیٹ پر بلایا۔۔ وہ مزید یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔ جو ہاسپٹل اسے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔۔ آج یہی ہاسپٹل اسے سوئیوں کی طرح چبھ رہا تھا۔ دم گھٹ رہا تھا یہاں جیسے۔۔

وہ اپنی چادر اچھی طرح اوڑھتے باہر آئی جہاں رحیم خان گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔۔

وہ گاڑی کی طرف بڑھتے بڑھتے رکی تھی۔ شہرام کی گاڑی عین ان کی گاڑی کے سامنے آکر رکی تھی۔۔

فرنٹ سیٹ پر ڈاکٹر آئزل کو بیٹھا دیکھ کر بہارے کی آنکھیں گلابی ہوئی تھیں۔ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی تھیں۔

گہرے سانس لیتے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔جو بلیک جینز پر بلیک شرٹ پہنے ہوے تھا۔بلیک کوٹ پہنے بلیک سن گلاسز لگائے ہوے تھا۔۔

اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔

حتی کہ وہ اس کی گاڑی کے عین سامنے ہی تو کھڑی تھی۔مگر پھر بھی اس کی نظریں اس کی طرف نہیں اٹھی تھیں۔

اس نے گاڑی ادھر ہی پارک کرتے جھک کر ڈاکٹر آئزل سے کچھ کہا تھا۔۔وہ اس کی بات پر مدھم سا مسکرائی تھی۔۔بہارے نے آئزل کو مسکراتے دیکھ کر سسکی سی بھری۔۔پورا بدن تانبے کی مانند دہکنے لگا تھا۔

شہرام گاڑی سے نکلتا بنا اس پر کوئی بھی نظر ڈالے ہاسپٹل میں داخل ہو چکا تھا۔ آئزل تیز تیز قدموں سے چلتے اس کے مقابل ہوئی تھی۔اب وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے آگے بڑھ رہے تھے

وہ ان دونوں کی پشت کو سلگتی نگاہوں سے دیکھتے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے اندر بیٹھ گئی۔۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اپنا نقاب اتار کر گہرے سانس لیے تھے۔۔یکدم اسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا تھا۔

ارحام کی گاڑی جب حویلی داخل ہوئی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔۔وہ رات سے اسلام آباد اس لیے رکا رہا۔۔کیونکہ اس نے ہر بڑے برینڈ سے حور کے لیے شاپنگ کی تھی۔بہت سا سامان اس نے آرڈر کر رکھا تھا۔۔کچھ کی ڈلیوری آج صبح ہی ہو گئی تھی۔۔

اس کی بڑی سی لینڈ کروزر کی ڈکی اس کی پچھلی سیٹوں پر حور کا سامان تھا۔۔ارحام خانزادہ نے اس کے لیے ہر بڑے برینڈز سے شاپنگ کی تھی۔۔اس نے ایک ایک چیز اس کے لیے خود خریدی تھی۔۔خود پسند کی تھی۔

امپورٹنٹ جوتے کاسمیٹکس ڈھیر ساری جیولری جو صرف ڈائمنڈ کی تھی۔۔۔بیگز کپڑے نائٹ سوٹ سب کچھ بہت مہنگا اور امپورٹنٹ تھا۔۔اس نے ایک ہی دن میں کڑوڑوں روپے کی شاپنگ کر ڈالی تھی۔چار

کڑوڑ کی مالیت کا صرف پینڈٹ اس نے حور کے لیے خریدا تھا۔۔ ہر جیولری لاکھوں کی مالیت کی تھی۔

وہ اس کے شیان شان ہر چیز چاہتا تھا یا پھر اسے اتنا عرصہ گل کی اترن پہنانے کا مداوہ کر رہا تھا۔۔

وہ اتنا عرصہ گل کی اترن پہنتی رہی یہ کل رات سے ارحام خانزادہ کو زیادہ احساس ہو رہا تھا۔ زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔۔

وہ گاڑی سے اترتا بہت عجلت میں زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔۔ وہ اس وقت بلو جینز پر وائٹ شرٹ اور بلو کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے وہ سیدھا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔۔

کمرے میں داخل ہوا تو وہ کہیں بھی نہیں تھی۔۔ ارحام خانزادہ پریشانی سے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے پریشانی سے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔۔ یکلخت ہی اسے اپنے اندر بے چینی اظطراب اترتا محسوس ہوا۔۔ اس کے دل کی دھڑکنوں نے خوف سے سپیڈ پکڑی تھی۔

کہاں ہے وہ؟؟ ارحام کے لبوں نے خوف سے جنبش کی۔۔ ارحام کے بھاری قدموں کا رخ عجلت بھرے انداز میں زنان خانے کی طرف تھا۔۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی۔۔ ارحام عجلت بھرے انداز میں اب کچن کی طرف بڑھا تھا۔۔

کچن خالی تھا۔۔۔ وہ کچن میں بھی نہیں تھی۔۔

ارحام کے سنجیدہ بارعب وجیح چہرے پر شکنوں کا جال ابھرا تھا۔۔ آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔ وہ اس کے باپ کا گھر تھا اور وہ سلطان احمد شاہ تھا جسے چھوڑ کر وہ چلی گئی۔۔ اس حویلی اور اسے چھوڑنا آسان نہیں تھا۔۔ وہ دنیا ہلا کر رکھ سکتا تھا اگر وہ کبھی اس سے ایک پل کے لیے بھی دور ہوئی۔۔ ارحام نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔۔

کل رات سے ہر لمحہ ہر پل اس پر ایسی ہی سوچیں حملہ آور ہو رہی تھیں۔ وہ جتنے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔۔ اتنے ہی اب اس کے اعصاب ساکت ہو رہے تھے۔

اس وقت زنان خانے میں کوئی نہیں تھا۔۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ کچھ دیر زنان خانے کے وسط میں کھڑا رہا۔

پھر وہ کچھ سوچتا ہوا حویلی کے پچھلے لان کی طرف بڑھا تھا۔

ارحام خانزادہ کے بے قرار دل کو قرار آیا تھا۔۔ تنے ہوے نقوش نرمی میں ڈھلے تھے۔

وہ حویلی کے پچھلے لان میں ایک اونچی ڈھلوان پر خاموشی سے بیٹھے ہوے تھی۔ حویلی کا پچھلا لان اونچا نیچا تھا۔ جس کے اوپری ڈھلوان کے نیچے کی طرف ایک بہتا دریا بھی تھا۔لان کے آخری حصے میں اونچائی کی طرف مضبوط لوہے کی ریلنگ لگی تھی۔۔ جہاں سے بہتے دریا اور سرسبز اونچے پہاڑوں کی خوبصورتی کو دیکھا جا سکتا تھا۔۔ دریا نیچے کی طرف بہت گہرائی میں تھا۔نہ اس طرف سے نیچے کی طرف اترا جا سکتا تھا نہ کوئی ریلنگ پھلانگ سکتا تھا۔۔ حویلی کے پچھلے لان کا یہ حصہ بہت خوبصورت بہت خوابناک تھا۔۔

اپنے گرد گرم شال لپیٹے ہوے ریلنگ کے ساتھ ہی اپنے گھٹنوں پر ہاتھ جمائے اداس سی بیٹھی تھی۔۔اس کی ایک سائیڈ ارحام کی طرف تھی۔

اس کی چاکلیٹی سلکی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔کچھ لٹیں عارض کو چھو رہی تھیں۔۔۔سردی سے اس کے گال اور عارض سرخ ہو رہے تھے۔۔وہ گاہے بگاہے ریلنگ سے اس پار بہتے دریا کو دیکھتی اور پھر آسمان میں دیکھنے لگ جاتی۔۔ہونٹ آپس میں باہم پیوست تھے۔لبوں پر وہ مسکان نہیں تھی جو ارحام خانزادہ رات سے دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔۔وہ اس کا ڈمپل دیکھنے کا شدت سے خواہشمند تھا۔۔

اسے کل رات ہی یاد آگیا تھا۔۔اس نے حور کا ڈمپل صرف تصویروں میں نہیں.. بلکہ پہلی ملاقات میں گاڑی میں بھی دیکھا تھا۔۔جب وہ کسی بات پر مسکرائی تھی۔۔یہ بات اسے زیادہ اذیت میں مبتلا کر گئی تھی۔سلطان احمد

شاہ کا گھر چھوڑنے کے بعد بھی اس کے پاس مسکرانے کی وجہ تھی۔۔ مگر اس سے نکاح کے بعد اس کے پاس مسکرانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔۔ اس کی مسکراہٹیں وہ انجانے میں چھین چکا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اذیت سے جلتے اپنی کنپٹی انگلی سے سہلائی تھی۔۔

وہ دیوانہ وار پر تپش نظروں سے اس کے چہرے کا طواف کر رہا تھا۔۔ اسے دیکھتے ایک سکون سا اپنی رگوں جاں میں اترتا محسوس ہوا تھا۔۔ ساری اذیت سارا اظطراب کہیں دور جا سویا تھا۔ وہ اس کی تھی اس کی حویلی میں اس کی ملکیت۔۔۔ صرف اس کی بن کر۔۔۔ وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف بڑھا۔۔ مگر وہ یکدم رکا تھا۔

اس کے کھلے بالوں کو دیکھ کر ارحام کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔ وہ اس سے جتنا مرضی محبت کر لے۔۔ مگر اس پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔۔ اس کے سلکی بال چھونے اور دیکھنے کا حق صرف اس کا تھا۔۔ وہ خود سے کیسے اتنی لاپرواہ ہو سکتی ہے کہ اسے احساس ہی نہ رہے وہ کہاں اور کس حلیے میں ہے۔۔

یہاں کوئی بھی ملازم آ سکتا تھا۔۔۔ ارحام اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔۔

حور جو اپنے دھیان میں بیٹھی ہوئی تھی۔۔ اپنے پاس اس ستم گر کی خوشبو محسوس کرتے وہ سراسیمگی کے عالم میں اس ڈھلوان سے اٹھی تھی۔۔ اپنے سامنے کھڑے ارحام کو دیکھ کر اس کا رنگ خوف سے سفید پڑا تھا۔۔ حور نے جلدی سے اپنی شال اتارتے ہوے اسے سر پر لینے کی کوشش

کی۔۔ گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔۔ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں شال اس کے سر سے پھسلتے زمین بوس ہوئی تھی۔۔

وہ اب آنکھیں پھیلائے خوف سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام اس کے چہرے پر اپنا شدید خوف دیکھ کر اپنا لب بے دردی سے کچل گیا تھا۔۔ اسے کھلے بالوں بغیر دوپٹے کے دیکھ کر اسے اس پر بے انتہا غصہ آیا تھا۔۔ مگر اسے یوں خوف سے کانپتا دیکھ کر اسے اپنا دل زخمی ہوتا محسوس ہوا۔۔

ارحام نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ وہ خوف سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ بدن پر لرزا طاری تھا۔۔ ارحام ایک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔۔ ارحام

نے جھکتے ہوے اس کی شال زمین سے اٹھاتے اس کے گرد نرمی سے لپیٹی تو وہ کانپتے ہوے اس کی بانہوں میں سما گئی تھی۔۔

اس کے اس طرح لپٹنے پر ارحام کی دھڑکنوں میں شور مچا تھا۔۔ وہ اس کے سینے میں سمائے رونا شروع ہو چکی تھی۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے اسے خود میں بھینچا تھا۔۔ وہ جب جب اس سے ڈرتی تھی۔ وہ ایسے ہی اس کے سینے میں سما کر رونا شروع کر دیتی تھی۔۔ قربت کے لمحات میں اس کے عمل سے خوفزدہ ہوتے وہ اس کی بانہوں میں ہی سماتی تھی۔۔ کیونکہ وہ اپنے جنون اور غصے میں بھی اسے کہاں خود سے دور جانے دیتا تھا۔۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی اس کے ساتھ لپٹا کرتی تھی۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ کیوں رو رہی ہو ؟؟ میں نے تمھیں کچھ کہا تو نہیں۔۔ ارحام نے اس کے گرد اپنا حصار تنگ کیا تھا۔۔

مم میں۔۔۔ ارحام ایک سیکنڈ پہلے یہاں آئی تھی۔۔ مم میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ صرف ایک سیکنڈ پہلے آئی ہوں۔۔ ابھی ہی میرے سر سے دوپٹہ اترا تھا۔۔ حور نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی لہجے میں کہا۔۔

اس کی بات پر ارحام کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔ پچھلے دس منٹوں سے وہ اسے یہاں کھڑا دیکھ رہا تھا۔۔

اوکے ٹھیک ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔۔ تم ایک سیکنڈ پہلے یہاں آئی ہو یا پھر ایک گھنٹہ پہلے۔۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کے عارض کو چھوتی لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسیں۔۔

فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ تم یہاں کیوں آئی۔۔ ارحام کے نرم لہجے میں سختی محسوس کر کے حور نے خوفزدہ ہوتے اسے دیکھا تھا۔۔

اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے حور ایک بار پھر سے زرد پڑی تھی۔۔

ارحام اس کی کمر پر سختی سے ہاتھ جمائے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔۔اس کے بالوں کو نرمی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے قریب کیا۔۔

ارحام کی سلگتی سانسیں اس کے نازک لبوں پر بکھر رہی تھیں۔حور کی نم بھیگی آنکھیں ارحام کی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔

کیوں آئی تم حور یہاں؟؟ارحام نے سرد لہجے میں سوال داغا تھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے ارحام کو دیکھا جس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

حور سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

آئندہ تم مجھے یہاں نظر نہ آؤ۔۔ارحام نے اس کے بالوں پر گرفت سخت کرتے اسے سرد آنداز میں حکم دیا۔۔

حور نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر اپنا لب بری طرح کچل گیا تھا۔۔وہ چاہ کر بھی اس معاملے میں اس سے نرمی نہیں برت سکتا تھا۔۔۔

وہ اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کو چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

وہ اس کے پاس اس لیے تھی کیونکہ وہ اس سے ڈرتی تھی۔۔اس کی پناہوں سے دور جانے سے ڈرتی تھی۔۔وہ اس کے جنون سے واقف تھی اس لیے اس نے ابھی تک سلطان احمد شاہ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔۔۔اگر وہ اس کی نرمی پر اسے چھوڑ گئی تو۔۔اس نے کبھی سلطان احمد شاہ سے رابطہ کر لیا

تو۔۔۔۔ ارحام کے دل میں خوف بڑھتا جا رہا تھا۔۔ ارحام نے نرمی سے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔۔ حور نے حیرانگی سے اس ستم گر کو دیکھا جو دھوپ چھاؤں جیسا تھا۔۔ وہ اس کے ساتھ اب کافی نرم ہو چکا تھا۔۔ مگر آج اس کی سرد سرخ آنکھوں میں اسے اپنے لیے عجیب سی محبت دیوانگی نظر آئی تھی۔۔

ارحام نے نرمی سے اس کے سر پر شال اوڑھائی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اونچائی کی طرف بڑھا۔ ریلنگ پر ہاتھ جما کر وہ کھڑا بہتے دریا کو دیکھنے لگا۔۔ پاس کھڑی حور کو اس نے اپنے حصار میں لیے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔ حور حیرانگی سے اس کے سینے کے ساتھ لگی اس کی دھڑکنیں سننے لگی۔۔ اس نے ارحام کے سینے سے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا ۔ جہاں اب نرمی تھی غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔۔ وہ مسکراتے ہوئے بہت نرمی

اس کی آنکھوں کو چھو گیا تھا۔ حور نے آنکھیں میچے اس کے سینے میں منہ چھپایا۔۔

وہ اس کے جسم سے اٹھتی جان لیوہ خوشبو اپنے اندر اتارنے لگی۔۔ جو اس کے حواس مختل کر دیتی تھی۔۔ آج بھی اس کے بدن سے اٹھتی جان لیوہ خوشبو سے اس کے اعصاب بھاری ہو رہے تھے۔۔

ارحام آنکھیں بند کیے کافی دیر تک اسے بانہوں میں لیے کھڑا رہا تھا۔۔

ارحام اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔ حور نے گھبراہٹ میں ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کے سینے میں منہ چھپایا۔

زنان خانے میں داخل ہوتے وہ مزید اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔

کوئی نہیں ہے ادھر میری جان۔۔۔سب اپنے کمروں میں ہیں

۔ارحام اس کا سرخ چہرہ دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

وہ اسے لیے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

وہ حور کو کمرے میں لیے اندر داخل ہوا تو حور بیڈ اور زمین پر ڈھیروں شاپنگ بیگ دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔پورا کمرہ شاپنگ بیگز سے بھرا پڑا تھا۔۔کمرے میں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔

ارحام ساری چیزوں سے بچتا بچاتا اسے گود میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا اور اسے بیڈ پر بٹھایا۔۔۔ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ایک کیس اٹھا کر وہ حور کی طرف بڑھا تھا۔۔اس کی شال اس کے وجود سے علیحدہ کرتے اس نے بیڈ پر رکھی۔

اس میں ایک پینڈٹ نکال کر اس نے حور کے قریب بیٹھتے اس کے گلے میں پہنایا۔۔

وہ ہیروں سے جڑا ہارٹ پینڈٹ تھا۔۔ جس میں قیمتی جڑاؤ دار ہیروں سے اردو میں ارحام لکھا تھا۔۔

تم صرف میری ہو حور۔۔۔ اور آج کے بعد تمھیں یہ پنڈٹ احساس دلائے گا تم صرف میری ہو۔۔ تمھیں اب ساری زندگی میرے پاس رہنا ہے صرف میری بن کر۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے پینڈٹ پر لب رکھے جو اس کے سینے کو چھو رہا تھا۔۔ تم صرف میری ہو۔۔۔ صرف ارحام خانزادہ کی۔۔ وہ اب اس کی گردن کو چوم رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ اسے بتا رہا تھا یا خود

کو۔۔ مگر وہ اس کی گردن پر اپنا پر تپش لمس بکھیرتے گھمبیر آواز میں مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔

حور اس کے پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ سے اس کے لمس پر لرز کر رہ گئی تھی۔۔ اس کا دہکتا لمس آج عجب سی دیوانگی لیے ہوے تھا۔۔ حور نے خوف سے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا جہاں خمار کی سرخی چھائی تھی۔

وہ اسے بیڈ پر لٹاتا اس پر جھکتا اس کی سانسوں کو قید کر گیا تھا۔۔ وہ اس کی سانسوں کو بہت شدت سے خود میں انہیل کیے ہوے تھا۔۔ اس کے بالائی لب پر اپنی دسترس قائم کیے اس کی سانسیں انہیل کرتے وہ ہوش و خرد سے جیسے بیگانہ ہو گیا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسوں کو پی رہا تھا۔ حور کے ہاتھوں نے مزاحمت کی تو وہ اس کی کلائیاں جکڑ گیا تھا۔۔ وہ اور بھی شدت سے اس کے لبوں کو چومنے لگا۔۔

کچھ ہی لمحوں میں حور بے جان ہوئی تھی۔۔ وہ اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس سے دور ہوا۔۔ حور گہرے سانس لیتے تکیے پر اوندھی ہوئی تھی۔

ارحام مسکراتے ہوے اس پر جھکتے اس کی شرٹ کی زپ کھولتے اس کی برہنہ کمر پر اپنی ٹھنڈی انگلیوں کا لمس بکھیرنے لگا۔۔ اس کی کمر پر جھکتے وہ اب اپنے لب رکھنے لگا۔۔ اس کی بوسوں کی بوچھاڑ سے حور نے گہرے سانس لیتے اس کی طرف رخ پلٹا تو وہ بہکی خمار زدہ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کر گیا تھا۔۔ ارحام نے اس کی طرف جھکتے بے باک شرارت کی تو حور گلابی ہوتے اس کے سینے سے لپٹ گئی تھی۔ ارحام مسکراتے ہوے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔۔

اسے خود سے الگ کرتے تکیے پر گرائے وہ اس پر جھکا تھا۔

اس کے ایک ایک نقوش کو وہ دیوانوں کی طرح چھو رہا تھا۔۔۔اس کے لب اس کے نقوش کا احاطہ کیے ہوے تھے۔۔وہ کبھی اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھتا۔ کبھی عارض کبھی اس کی ٹھوڑی کبھی اس کی ناک کی ٹپ کو وہ اپنے لبوں سے چھوتا۔اس کے پر حدت لمس پر حور کی سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔وہ کافی دیر تک صرف اس کے نقوش کو چھوتا رہا تھا۔

بیڈ پر پڑے تمام شاپنگ بیگ ہاتھوں سے وہ نیچے گراتے تمام لائٹس آف کر گیا تھا۔۔اس پر گہری گھٹا بن کر وہ اسے مکمل اپنے قابو کر گیا تھا۔۔ارحام کے پر تپش لمس سے وہ آج پگھل کر جیسے فنا ہو رہی تھی۔اس کی شدتیں سہنا اس کے لیے کبھی آسان نہیں رہا تھا۔۔ آج تو اس کی شدتوں میں

عجب سی دیوانگی تھی۔۔۔ جسے سہتے سہتے وہ بے حال ہوتے ارحام کے سینے سے ہی لپٹ رہی تھی۔۔ کیونکہ ہمیشہ کی طرح وہ اس کے دور جانے کے تمام راہیں مسدود کرتا اسے خود میں سما گیا تھا۔

---.---

ابرش کچن میں گلابی ڈریس پہنے بڑا سا دوپٹہ سر پر اچھی طرح اوڑھے ہوے سب کے لیے قہوہ بنا رہی تھی۔۔ مگر اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ کل رات سے زاران گھر نہیں آیا تھا۔۔ نہ ہی اس نے کل سے اس سے کانٹیکٹ کیا تھا۔۔ نہ ہی اس کے پاس سیل فون تھا وہ اس سے رابطہ کرتی۔۔ وہ کل سے ڈیرے پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہے۔۔ یہ بات اسے پلوشہ سے پتہ چلی تھی۔ وہ یہ بات آج اونچی آواز میں زنان خانے میں کھڑی درخشاں کو بتا

رہی تھی۔ بلکہ وہ درخشاں کو نہیں اسے سنا رہی تھی۔۔ اور اس نے سن بھی لی تھی۔۔ مگر تب سے اس کی آنکھیں مسلسل بھیگ رہی تھیں

ابرش نے ایک بار پھر سے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی مسلیں۔۔

کیا ہو گیا ہے بھابھی؟؟ آپ پلوشہ کی باتوں کو دل پر لے رہا ہے۔ وہ جان بوجھ کر وہ بکواس کر رہا تھا۔۔

لالا ڈیرے پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہے۔۔ یہ بات لالا نے فون پر امینہ بی کو بتائی تھی۔۔ یہ پلوشہ تب ادھر ہی تھا۔۔ اس نے جان بوجھ کر آپ کے سامنے ایسا ظاہر کیا۔۔ جیسا لالا نے اسے فون پر بتایا ہے۔۔ ہم ادھر ہی تھا جب لالا کا فون آیا تھا۔۔ پلوشہ نے ابرش کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے اسے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

زاران کا فون اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔۔ مگر ابرش کو صبح سے بات بات پر آنسو بہاتے دیکھ کر وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔۔

میں جانتی ہوں زاران اسے فون نہیں کر سکتا.. مگر مجھے دکھ پلوشہ کے اعتماد پر ہوتا ہے۔۔ ابرش نم زدہ آنکھوں سے کرب سے مسکرائی تھی۔

مت دکھ کرو بھابھی جھوٹا لوگوں کے پاس اعتماد کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔ پلوشہ کی بات پر وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔۔

مگر وہ مجھے بھی تو بتا سکتا تھا۔۔ اگر وہ اپنی مورے کو فون کر سکتا تھا۔۔ مجھے بھی تو بتا سکتا تھا۔۔ ابرش کی آواز بھرائی تھی۔

کہاں فون کرتا لالا بھابھی؟؟۔۔ آپ کے پاس موبائل بھی تو نہیں ہے۔پلوشہ نے ابرش کی نم آنکھوں کو دیکھتے گہرا سانس بھرتے کہا۔۔

اگر اسے میری فکر ہوتی تو وہ کیسے بھی کر کے مجھے انفارم کرتا۔۔ تمھیں فون کر کے مجھ سے بات کر لیتا۔۔ اسے سب کی فکر ہے سوائے میرے۔۔ اسے سب کی تکلیف کا احساس ہے سوائے میرے۔۔۔ وہ مجھے اس کمرے اور اس حویلی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔۔ اب تو دم گھٹنے لگا ہے میرا اس حویلی میں۔

میری بے بسی کا عالم دیکھو یہاں کے ہر ملازموں تک کے پاس فون ہے مگر میرے پاس نہیں ہے۔نہ ہی اسے خیال آیا ہے کہ وہ مجھے فون لے دے۔۔ ابرش نے ایک بار پھر سے اپنی آبھیگی آنکھیں رگڑی تھیں۔

بھابھی حور بھابھی کے پاس بھی تو موبائل نہیں ہے۔۔ وہ بیچارہ تو بھی رہ رہا ہے۔۔ آپ کو لالا باہر بھی لے کر گیا ہے۔۔ حور بھابھی پچھلے چھ ماہ سے اس

حویلی سے باہر نہیں نکلی۔۔ ارحام لالا تو حور بھابھی کو حویلی سے باہر باغ میں بھی قدم رکھنے نہیں دیتا۔۔ تم تو پھر بھی لالا کے آگے بول لیتا ہے وہ بیچارہ تو کچھ بول بھی نہیں سکتا۔۔ جو ارحام لالا کہتا جاتا ہے بس وہ خاموشی سے کرتا جاتا ہے۔ درخشاں نے دکھ سے کہا۔ اب دیکھو جب سے لالا آیا ہے تب سے وہ لالا کے ساتھ کمرے میں ہے۔۔ پچھلے چار گھنٹوں سے وہ لالا کے ساتھ اندر موجود ہے۔۔

لالا کا محبت بھی اس بیچارہ کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔۔ کتنا کم عمر ہے بیچارہ اتنا ہی خوبصورت بھی۔۔۔ لالا اس کے لیے جنونی بھی ہے۔۔ ہم کو تو حور بھابھی پر ترس آتا ہے۔ درخشاں نے آہستگی سے کہا

اس حویلی کے سارے مرد ظالم ہیں۔ اپنی بیویوں کے لیے اور اپنی فیملی کے لیے اور۔۔۔ ان حویلی کے مردوں کی محبت صرف بستر تک رہتی

ہے۔۔جب تک بستر گرم رہتا ہے۔۔ان کی محبت بھی دہکتی ہوئی ہوتی ہے۔۔جب بستر ٹھنڈا ہوتا ہے ان کی محبت بھی ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ابرش نے تلخی سے کہا۔۔

اسے زاران کا بہکا بہکا انداز یاد آیا تھا وہ جب کل بیڈ پر ساری دنیا کو بھلائے ہوے اس میں گم تھا۔۔اور ایک فون کال پر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔۔ بلکل ویسے ہی ہوٹل کے کمرے میں وہ اس کے لیے پاگل تھا اور اپنے گھر والوں کے سامنے اسے اس کے پاس بیٹھے پر بھی شرم آرہی تھی۔۔ابرش تلخی سے مسکراتے ابرش اپنی آنکھیں رگڑتے ہوے قہوہ پیالیوں میں ڈالنے لگی۔۔

ارحام سب سے ملنے کے بعد اس وقت زنان خانے کے لاونج میں بیٹھا تھا۔

اس وقت لاؤنج میں روزینہ خانم امینہ خانم درید خان اربد خان موجود تھے۔۔ ارحام اس وقت براؤن شلوار قمیض پہنے ہوے تھا۔۔ جس پر آف وائٹ مردانہ شال اوڑھ رکھی تھی۔۔ اپنے ہلکے نم زدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوے وہ تھوڑا بے چین تھا۔۔ وہ شاور لے کر مردانے چلے گیا تھا۔۔

جب سب سے ملنے کے بعد وہ واپس کمرے میں گیا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اب دل اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔۔

وہ ذرا سی آنکھوں سے اوجھل ہوتی تو اس کا دل انجانے وسوسوں سے ڈرنے لگتا تھا۔

ارحام تمھارا تو میٹنگ تھا ابھی اسلام آباد میں۔۔۔ تم اتنی جلدی کیسے آ گیا؟؟۔۔ اردبد خان اس کی نگاہوں کا ارتکاز لاونج کے خوبصورت گلاس اور لکڑی کے منقشم دروازے پر دیکھتے سوال کیا۔

آپ ارحام سے یہ مت پوچھو۔۔ وہ اتنی جلدی کیوں آیا۔۔ بلکہ پوچھا کرو اب تم کب جائے گا۔۔ کیونکہ جب سے ارحام نے دوسرا شادی کیا ہے۔۔ وہ اسلام آباد کم ادھر حویلی میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ ہم تو کہتا ہے جس مقصد کے لیے یہ بھاگا بھاگا حویلی آتا ہے۔ اس مقصد کو بھی اپنے ساتھ لے جایا کرے۔۔ یہ بھاگ دوڑ کا مصیبت سے تم بچ جائے گا ارحام۔۔ روزینہ خانم طنزیہ بولی تھیں۔۔

۔

امینہ خانم نے روزینہ خانم کو دیکھتے تاسف سے سر ہلایا تھا اور ارحام کو آنکھوں کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔۔

وہ نہیں چاہتی تھی ارحام کوئی سخت جواب دے۔۔ حویلی کا ماحول خراب ہو۔۔ ارحام روزینہ خانم کو کچھ کہتا وہ یہ بات بڑھا چڑھا کر اسفند کو بتاتیں۔۔۔ روزینہ خانم طنز کے پیچھے وہ غصہ سمجھ رہی تھیں۔ اسفند اور عابیر کل رات سے حویلی نہیں آئے تھے۔۔ وہ لوگ گیسٹ ہاؤس چلے گئے تھے۔۔ یہ فون پر زاران نے بتایا تھا۔۔ اسفند نے تو کل سے رابطہ بھی نہیں کیا تھا۔۔ اسی وجہ سے امینہ خانم کل سے جل رہی تھیں۔

میٹنگ ختم ہو گئی تھی اس لیے آ گیا۔ ارحام نے ان کا طنز اگنور کیے سنجیدگی سے جواب دیا۔

گل کے ہوتے تمھارا میٹنگ اتنی جلدی ختم نہیں ہوتا تھا۔۔ محبت کا شادی کیا تھا تم نے اس سے۔۔ پھر بھی اس کے لیے ایسے بھاگے بھاگے نہیں آتا تھا۔۔۔ جس نے تمھارا عزت دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔۔ تم پر بدکاری کا الزام لگایا۔ تمھارا بچی تم سے جدا کیا۔۔ اب تم اس کا نخرہ اٹھاتے نہیں تھکتا ۔۔ عورت کی خوبصورتی اور جوانی مرد کو ہر چیز بھلا دیتی ہے۔۔ یہاں تک کہ وہ اس کا کردار بھی بھلا دیتا ہے.. یا پھر تمھارا کردار ہی خراب تھا۔۔ وہ لڑکی اس دن سچ کہہ رہا تھا تم نکاح سے پہلے اپنا راتیں رنگین کر چکا ہے۔۔

روزینہ خانم ایک ہی سانس میں زہریلے لہجے میں بولی تھیں۔۔

امینہ خانم کی بات پر ارحام کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑا تھا۔۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچے اپنے اشتعال پر قابو پانے لگا۔۔ امینہ خانم اگر اس کا ہاتھ پکڑ کر

اسے خاموش رہنے کو نہ کہتی وہ یقیناً آج تمام لحاظ بلائے طاق رکھ کر انھیں سنا دیتا۔۔ حور کے کردار پر بات اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

زنان خانے میں اس وقت سب ہی خاموش ہو گئے تھے۔۔ اربد خان تاسف سے روزینہ خانم کو دیکھ رہے تھے۔۔ بابرک کی موت کے بعد وہ ایسے ہی زہریلی ہو گئی تھیں۔۔ کسی بات کا شرم لحاظ بھول گئی تھیں۔

حور اسی اثناء میں قہوہ کی پیالیوں کی ٹرے اٹھائے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔ روزینہ خانم کی بات سنتے اس نے ضبط سے اپنے ہونٹ کاٹے تھے۔۔ ہاتھ میں موجود ٹرے لرزنے لگی تھی۔ ارحام کا اشتعال سے پڑتا سرخ چہرہ دیکھ کر اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔۔ یقیناً ارحام کا سارا غصہ اشتعال اب اندر جا کر اسی پر اترنا تھا۔ حور کو اپنا سفاک عمل یاد آیا تھا

جب اس نے ارحام پر الزام لگایا تھا۔ وہ بھیانک رات یاد آئی تھی۔۔ جب ارحام نے اس کے عمل کی بدترین سزا دی تھی۔

یکدم ٹرے اس کے ہاتھ سے پھسلتے زمین بوس ہوئی تھی۔۔ گرم گرم قہوہ اس کے کپڑوں اور پیروں پر گرا تھا۔۔

حور کی سسکاری کے ساتھ پیالیوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی لاونج میں گونجی تھی۔ لاونج میں سب کی نظریں لاونج کے دروازے کی طرف اٹھیں۔ جہاں حور کھڑی اپنے پیروں کو نم زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام یہ دیکھتے جلدی سے حور کی طرف بڑھا تھا۔۔

امینہ خانم بھی صوفے سے اٹھیں تھیں۔

کیا ہوا ہے؟؟ ارحام پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کے قدموں میں بیٹھا ۔۔اس کے پیروں کو چھوا جو قہوہ گرنے سے سرخ ہو رہے تھے۔

ارحام کے اس طرح اس کے پیروں کے پاس بیٹھنے اور اس کے پیروں کو ہاتھ لگانے پر سب کی آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔۔روزینہ خانم کے لبوں پر تمسخراتی تبسم بکھرا تھا۔

لاونج میں موجود تمام نفوس خاموشی سے ارحام کو دیکھ رہے تھے۔۔جو کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر حور کے پیر سے سلیپر نکال رہا تھا۔۔ارحام کل تک جتنا بھی نرم جتنی بھی اچھی طبعیت کا مالک تھا۔ مگر یوں کسی عورت کے پیروں میں بیٹھ کر سب کے سامنے اس کے پیروں کو چھونا ایک ناقابل یقین بات تھی۔۔وہ گل کے لیے کبھی ایسا نہیں رہا تھا۔۔

اس کے چہرے پر تکلیف کے اثار بھی نمایاں تھے۔۔ جسے دیکھتے سب کو اندازہ ہو گیا تھا حور ارحام خانزادہ کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔

مم۔۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔۔ حور نے ارحام کو اپنے پیروں کو ہاتھ لگاتے دیکھ کر بمشکل کہا۔۔ شدید جلن سے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اس کی آواز میں تکلیف محسوس کرتے ارحام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے

درخشاں۔۔۔ درخشاں ارحام کی شیر سی گرج پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔

درخشاں اسی لمحے بھاگتی ہوئی کچن سے آئی تھی۔۔۔ جی لالا درخشاں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا وہ حور کے قدموں میں بیٹھا اس کے پیر نرمی سے سہلا رہا تھا۔۔ حور اپنے لب کاٹتے اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔

حور کو کمرے میں لے کر جاؤ۔۔اس کے پاؤں پر آئینمنٹ لگاؤ۔۔میں آتا ہوں۔۔

ارحام نے کھڑے ہوتے سنجیدگی سے کہا۔۔

جی لالا۔۔درخشاں نے مودبانہ انداز میں کہا تھا۔۔

حور کے جانے کے بعد ارحام چلتا ہوا روزینہ خانم کے مقابے آن کھڑا ہوا تھا

۔

گل میری بیوی تھی۔مگر اب حور میری بیوی ہے۔۔میری عزت۔۔۔اس نے اس رات جو بھی کہا جو بھی کیا۔۔وہ سچ تھا جھوٹ اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔۔آئندہ آپ نے غلطی سے بھی حور کا دل دکھایا۔اس کے کردار پر بات کی میں بھول جاؤں گا آپ مجھ سے بڑی ہیں۔۔ارحام

کا سرد لہجہ محسوس کرتے روزینہ خانم کی اب کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

جہاں تک بات ہے حور کو حویلی میں رکھنے کی تو اگر آئیندہ اسے آپ نے کچھ بھی کہا میں اسے حویلی میں نہیں رکھوں گا۔۔

پریذے مجھے مل چکی ہے۔۔ آج یا کل وہ حویلی آجائے گی۔۔ میں اپنی بیوی اور بیٹی کو یہاں سے لے جاؤں گا۔۔ ارحام کی بات پر امینہ خانم جلدی سے اس کی طرف بڑھیں۔۔ ارحام کے حویلی سے جانے والی بات پر ان کا رنگ زرد پڑا تھا۔۔

ارحام یہ کیا کہہ رہے ہو تم ؟؟ درید خان نے ارحام کی بات پر اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

حور کے کردار پر اب میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔۔اس کا گل سے مقابلہ کرنا چھوڑ دیں۔۔میری زندگی میں اب گل نہیں حور ہے۔۔اور یہ بات آپ سب کو سمجھنی ہے۔۔آئندہ اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ارحام درید خان کے سوال کو نظر انداز کرتے سختی سے بولا تھا۔

۔

وہ امینہ خانم کا بے یقین اور زرد چہرہ ایک نظر دیکھتا وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

۔۔۔

وہ بہت غصے سے اپنی حویلی داخل ہوا تھا۔۔ اپنی گاڑی سے نکلتے اس نے اپنی پسٹل سے آسمان میں دو تین فائر کیے تھے۔۔ کسی بھی ملازم گارڈ کی اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔۔ جانتے تھے کسی نے بھی اسے مخاطب کیا وہ یہ گولیاں اس کے سینے میں اتارنے میں پل نہیں لگائے گا۔۔ اس کا غصہ ابھی بھی نہیں اترا تھا۔ اس نے اپنی پسٹل سے اب اپنی گاڑی پر تمام فائر کیے تھے۔ غصہ اشتعال تھا کہ اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔۔ اس نے اب آگے بڑھتے گاڑی کی بونٹ پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔۔ پھر وہ پوری قوت چیختے ہوے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے گاڑی کی بونٹ پر مارتے چلا گیا تھا۔۔ وہاں کھڑے تمام ملازمین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر نظریں جھکا لیں تھیں۔ اسے اتنے غصے میں دیکھ کر سب نے چپ سادھ لی تھی۔

گاڑی کے بونٹ پر مکے سے ضرب لگانے پر بھی اسے سکون نہیں آیا تھا۔۔

اس کا ہاتھ سرخ ہو چکا تھا۔۔ یکدم اس نے اپنے بھاری ہاتھ کا مکہ گاڑی کے شیشے پر دے مارا تھا۔۔ گاڑی کا شیشہ تڑخ کر اس کا ہاتھ زخمی کر چکا تھا۔۔

ہاتھ سے نکلتا خون بھل بھل کر تا زمین پر بہنے لگا۔۔

اسے اب سکون پہنچا تھا۔۔ اس نے سیدھے ہوتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

اب اس نے پاس کھڑے ملازم کو اشارہ کیا وہ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا جیسے اس کے اشارے کا منتظر ہو۔۔

اس نے قریب آتے اسے ایک سفید رومال پکڑایا۔اس نے وہ رومال پکڑتے اپنے ہاتھ سے بہتے خون کو صاف کیا اور اسی رومال سے اپنا ہاتھ باندھ کر وہ اندر کی جانب بڑھا

کل رات سے پہلے مجھے مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔۔نہ ہی کوئی غلطی سے بھی اندر آئے گا۔۔اگر کسی نے بھی اندر قدم رکھا۔۔اس کی سانسوں کی ضمانت میرے پاس نہیں ہو گی۔۔وہ شیر سی غراہٹ سے بولتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بہزاد خان اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک لیے تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔۔ اپنے محل جیسے کمرے میں داخل ہوتے وہ وال پر لگے ایک پوٹریٹ کی طرف بڑھا۔۔ دلہن کے لباس میں وہ ریڈ دوپٹہ خود پر اچھی طرح لپیٹے کھڑی تھی۔۔ براؤن سلکی بال کمر پر ابشار کی مانند بکھرے تھے۔۔ کچھ لٹیں عارض کو چھو رہی تھیں۔

بہزاد خان کی انگلیاں اس پوٹریٹ پر سرسرانے لگی تھیں۔

اس نے نرمی سے ان آنکھوں کو چھوا تھا۔۔ ان نین کٹوروں میں نمی سی تھی۔۔ اور بہزاد خان کو اس میں سب سے زیادہ پسند ان آنکھوں کی نمی تھی۔۔

اب اس کی انگلیاں اس کے سرخ لپ سٹک سے سجے یاقوتی ہونٹوں پر تھیں۔ وہ ان ہونٹوں کی کپکپاہٹ آج تک نہیں بھولا تھا۔۔ اس کی انگلیاں سرسراتی ہوئی اس کی شفاف گردن کو چھو رہی تھیں۔۔۔

تم ایک دن اس کمرے میں دلہن کے لباس میں میرے بیڈ پر میری بانہوں میں ہو گی۔۔ صرف میری بن کر۔۔۔۔ میں تمھیں اس سے چھین لوں گا۔۔۔ تم پر عنقریب صرف بہزاد خان کا حق ہو گا۔۔ وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔۔

۔ تمھیں اپنا بنا کر رہوں گا۔ چھین لوں گا تمھیں اس سے۔۔۔ وہ اپنا زخمی ہاتھ دیوار پر مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔۔ ایک بار پھر سے خون نکلتا اس کی ہتھیلی کو داغدار کر گیا تھا۔۔

زاران خانزاہ۔۔۔۔۔۔۔بہزاد خان یکدم اپنے بال جکڑتے ہوے حلق کے بال چیخا تھا۔۔

نہیں چھوڑوں گا تمھیں۔۔تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔۔۔تم نے میری عزت پر وار کیا۔۔۔نہیں چھوڑوں گا۔۔وہ کمرے کی ایک ایک چیز زمین پر پٹختا ہوا چلایا تھا۔۔

نظروں کے سامنے اس رات کا ایک ایک پل آن سمایا تھا۔جس نے اس کا قرار چھین لیا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔

بہزاد خان کی گاڑی پتھریلی سیاہ سڑکوں پر رات کے اندھیرے میں فراٹے بھر رہی تھی۔۔وہ اپنی پسٹل فل لوڈڈ کیے ہوے تھا۔۔آگے پیچھے گارڈز کی

گاڑیاں تھیں۔۔ آج زاران خانزادہ کا نکاح تھا۔ اور وہ یہ نکاح ماتم میں بدلنا چاہتا تھا۔۔ آہل اور زرتاج کو بھگانے میں زاران خانزادہ کا ہاتھ ہے۔ جب سے اسے یہ پتہ چلا تھا۔ تب سے بہزاد خان کے سینے میں دہکتی ہوئی آگ جل رہی تھی۔ آہل اور زاران نے اس کی عزت پر حملہ کیا تھا۔۔ وہ آج اس کے سینے میں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اتار کر اپنے سینے میں جلتی بجھتی آگ کو بجھانا چاہتا تھا۔۔

اس کی گاڑی زاران خانزادہ کی حویلی کی طرف روانہ تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس کندھوں پر سیاہ مردانہ شال اوڑھے برجمان تھا۔۔ ہاتھ میں پسٹل پکڑی ہوئی تھی۔۔ جس کی نوک کو وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے ماتھے پر رکھتا۔۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔۔ وہ خود کی جان لے لے۔۔ زرتاج کا کچھ دن بعد نکاح تھا۔۔ وہ اسے پوری برداری کے سامنے

رسوا کر کے چلی گئی تھی۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔۔وہ زرتاج اور آہل کو اپنی گولیوں سے بھون دے۔۔وہ ایسا کر بھی گزرتا۔۔اگر اسے ان دونوں کا پتہ چل جاتا۔۔مگر اس کی اتنی کوششوں کے باوجود بھی اسے زرتاج اور آہل کے ٹھکانے کا پتہ نہیں چل سکا تھا۔۔اور اس سب کے پیچھے بھی زاران خانزادہ کا ہی ہاتھ تھا۔اسے پناہ دینے والا بھی زاران خانزادہ تھا۔۔وہ بہت بار اس پر حملہ کروا چکا تھا۔مگر وہ بچ نکلا۔۔مگر آج وہ اس کی حویلی کو جنازگاہ میں تبدیل کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔آج وہ زاران کے سینے میں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اتار کر اپنا بدلہ لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔

بہزاد خان اپنی پسٹل اپنے ماتھے پر سہلا رہا تھا۔۔یکدم گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا۔۔اگلی سیٹ پر موجود ڈرائیور نے فراٹے بھرتی گاڑی کو بریک لگانے کی

کوشش کی تو گاڑی بہت زور سے پتھریلی سڑک پر اچھلی تھی۔۔ بہزاد خان کا سر اگلی سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹکرایا۔۔

بہزاد خان نے دھاڑتے ہوئے ڈرائیور کو گالی دی۔۔

خان صاحب کوئی عورت گاڑی سے آن ٹکرایا ہے۔۔ اسے بچانے کے لیے بریک لگانا پڑا۔۔ ورنہ وہ عورت گاڑی کے نیچے آجاتا۔۔ اگلی سیٹ پر موجود ڈرائیور بہزاد خان کی گالی پر منمنایا تھا۔۔

بچ گئی وہ عورت۔۔۔ اب چلاؤ گاڑی مجھے جلد از جلد زاران کی حویلی پہنچنا ہے۔۔ وہ دھاڑا تھا۔۔

خان صاحب کیسے چلاؤں گاڑی؟؟۔۔وہ عورت بیچ سڑک پر زمین پر پڑا ہے۔۔ڈرائیور بہزاد خان کے غصے کے ڈر سے فرنٹ ویو مرر سے بہزاد خان کہ دیکھتے آہستگی سے بولا۔۔

تو میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟؟۔۔اتر کر دیکھو اسے۔۔۔بہزاد خان پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

جی خان صاحب۔۔ڈرائیور نے کہتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔۔

رکو تم میں خود دیکھتا ہوں۔بہزاد خان غصے سے کہتے ہوئے دروازہ کھول کر نیچے اترا..

بہزاد خان یکدم ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔اس کی نظریں سڑک پر بیٹھی لڑکی کی پشت پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔۔چاند کی چاندنی میں اس کے پچھلے ڈیپ گہرے

گلے سے نظر آتی سفید پشت نمایاں تھی۔۔اس کی آدھی برہنہ پشت پر ایک سیاہ تل پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔۔

بہزاد خان جیسا انسان ایک پل کے لیے ہل کر رہ گیا تھا۔

وہ لڑکی اس کی طرف پشت کیے سڑک پر اپنے پاؤں کو پکڑ کر بیٹھی سسک رہی تھی۔۔شائد گاڑی سے ٹکرانے پر اس کے پاؤں میں چوٹ آئی تھی۔

بہزاد خان کے قدم برق رفتاری سے اس کی طرف بڑھے۔۔

وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔۔

براؤن سلکی بال اس کے ایک سائیڈ پر شانے پر لہراتے سڑک کو چھو رہے تھے۔۔ریڈ دلہن دوپٹہ ایک کندھے پر پڑا وہ بھی سڑک کو چھو رہا تھا۔۔

بہزاد خان کا دل اس لڑکی کے چہرے کو دیکھنے کو بے تاب ہوا تھا۔۔ جس کی کمر پر موجود سیاہ تل اس کی دل کی دنیا دوبالا کر چکا تھا۔۔

وہ اس لڑکی کے خوبصورت بدن پر مر مٹا تھا۔۔ اس کی کمر اتنی خوبصورت اور بے بے داغ تھی تو وہ لڑکی کیسی ہو گی؟؟

بہزاد خان نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے شانے کو چھوا۔۔ وہ بدک کر پیچھے ہوئی تھی۔۔ گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس نے خوفزدہ نظروں سے بہزاد خان کو دیکھا۔۔

اپنے سامنے کسی مرد کو دیکھ کر وہ سراسیمگی سے پیچھے ہوے تھی۔۔ پاؤں میں شدید درد کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی۔۔ بے بسی کے احساس سے وہ ٹھنڈی پتھریلی سڑک پر پیچھے کو کھسکتے سسک کر رہ گئی۔۔

بہزاد خان کی نظریں اس کے خوبصورت چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔۔

کرسٹل براؤن آنکھیں۔۔جو رونے کی وجہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔ستواں ناک۔۔شفاف گلابی عارض۔۔۔سرخ یاقوتی لپ سٹک سے سجے ہونٹ جو ہلکا ہلکا لرز رہے تھے۔۔۔سب سے بڑھ کر اس کی آنکھیں ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھیں۔

بہزاد خان کو خود کی طرف دیکھتا پا کر اس نے جلدی سے اپنا نیٹ کا دوپٹہ ایک شانے سے اتار کر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا تھا۔۔جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔۔اس کا کندن سراپہ اس نیٹ کے دوپٹے میں مزید نمایاں ہو رہا تھا۔بہزاد خان نے بہت گہری نظروں سے اس کا اوپر سے نیچے تک معائنہ کیا تھا۔۔

خدا نے اسے حسن کے نام پر بہت کچھ دے رکھا تھا. جو چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔

بہزاد خان نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے باریک نیٹ کے دوپٹے میں اس کے چھن چھن کرتے چمکتے سراپے کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ اس نے بہزاد خان کی نظروں سے گھبراتے ہوئے سڑک سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر پاؤں میں اٹھتے شدید درد سے کراہ کر رہ گئی تھی۔۔

میں مدد کر دیتا ہوں اٹھنے میں۔۔ بہزاد خان نے کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔ مجھے مت چھونا میں خود اٹھ سکتی ہوں۔۔۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں بولی۔۔ بہزاد خان پنجوں کے بل بیٹھے اسے غور سے دیکھے گیا۔۔ بے شک وہ بے پردہ تھی۔۔ انتہائی غیر مناسب لباس میں تھی۔۔ مگر

اس کی براؤن آنکھوں میں شرم وحیا تھی۔۔ایک غصہ قہر تھا۔۔جو کسی غیر مرد کے قریب آنے پر اس کی آنکھوں میں صاف دکھ رہا تھا۔

بہزاد خان کو وہ بری طرح اٹریکٹ کر گئی تھی۔

اس نے بہزاد خان کو دیکھتے اٹھنے کی کوشش کی۔۔مگر شدید درد کی وجہ سے وہ کراہتے ہوے سسک کر رہ گئی تھی۔۔بہزاد خان نے ایک بار پھر سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس نے غصے سے جھٹک دیا تھا۔

میں اٹھ سکتی ہوں۔۔مجھے چھونا مت۔۔اب کی بار اس نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے کافی سخت لہجے کہا۔بہزاد خان اس کی اس ادا پر اپنا نچلا لب دانتوں میں دبا گیا تھا۔۔کیا تھا اس لڑکی میں کہ وہ اس ٹائم اپنا بدلہ بھی بھول چکا تھا۔وہ بھول چکا تھا وہ زاران خانزادہ کو موت کے گھات اتارنے جا رہا تھا۔

میں تمھیں چھو نہیں رہا۔ تمھاری مدد کر رہا ہوں۔۔ اگر مجھے تمھیں چھونا ہوا تو میں ایسے نہیں چھوؤں گا۔۔ میرے چھونے کا انداز الگ ہے۔۔ وہ اس کے خوبصورت چہرے اور سراپے پر گہری نظریں جمائے بے باکی سے بولا ۔۔

کیا کہہ رہے ہو؟؟ وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔۔ اس کے یوں سمٹنے پر بہزاد خان کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

پاس کھڑے گارڈز نے متعجب نظروں سے بہزاد خان کو دیکھا تھا۔۔ زرتاج کے گھر سے بھاگنے کے بعد پہلی مرتبہ بہزاد خان کو یوں قہقہ لگاتے دیکھا تھا۔۔ وہ تو مسکرانا ہی بھول گیا تھا۔۔

بہزاد خان نے گارڈز کو ایک نظر دیکھتے ہاتھ کا اشارہ کیا۔۔۔ گارڈز اس کے اشارے کا مطلب سمجھتے پیچھے کو ہوتے گاڑی کی طرف بڑھتے اس میں بیٹھ چکے تھے۔

کوئی فائدہ نہیں خود کو چھپانے کا۔۔ جتنا چھپاؤ گی خود کو۔۔۔ اتنا ہی عیاں ہو گی۔۔ بہزاد خان نے بے باکی سے کہتے ایک بار پھر سے اس کے کندن سراپے پر بے باک نظریں گاڑھیں تھیں۔

کیا مطلب؟؟۔۔۔ بہزاد خان کی معنی خیز نظروں پر اب اس کے چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

مطلب یہ کہ کون ہو تم؟؟۔۔ جو یوں بے پردہ گھر سے نکل آئی۔۔ ہمارے علاقے کی عورت مر جاتی ہے یوں بے پردہ گھر سے باہر نہیں نکلتی۔۔ اب کی بار اس کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔

میں تمھارے علاقے کی عورت نہیں ہوں۔۔نہ ہی تمھارے جیسے کسی مرد کی عورت بننا چاہتی ہوں۔اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔۔بہت کچھ یاد آیا تھا۔۔بہزاد خان نے بہت غور سے اس کے عارض کی بہتی نمی دیکھی تھی۔۔وہ چونکا تھا اس کے گال پر کسی کی انگلیوں کا نشان بہت بے رحمی سے ثبت تھا۔۔

اب کی بار بہزاد خان مشکوک ہوا تھا۔۔رات کا اندھیرا۔۔وہ دلہن کے لباس میں سوات کی سڑک پر۔۔یہ اس علاقے کی عورت تو نہیں تھی۔۔وہ تو یقین سے کہہ سکتا تھا۔۔

بہزاد خان اس کے تھوڑا قریب ہوا۔۔وہ اس سے دور ہوتے مزید پیچھے کو کھسک گئی۔

میرے قریب آنے کی غلطی بھی مت کرنا۔۔میں ابرش پاشا ہوں۔۔امیریکہ کی نیشنیلٹی ہے میرے پاس۔۔میری مجھے اپنے علاقے کی عورتوں کی طرح مت سمجھنا۔۔میں جان سے مار ڈالوں گی تمھیں۔۔میری ایمبیسی تم لوگوں کو چھوڑے گی نہیں۔

وہ بہزاد خان کے یوں دیکھنے پر دھمکی دینے والے انداز میں غرائی تھی۔۔اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔۔اس لیے اس نے ایمبیسی کی دھمکی دے ڈالی۔ویسے بھی اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔۔زاران کے تھپڑ نے اس کی روح تک کو زخمی کر ڈالا تھا۔

بہزاد خان اس کی بات پر حیران ہوا تھا۔سامنے بیٹھی لڑکی امریکہ سے تھی۔۔یہ کافی تعجب خیز تھا۔

ابرش نے پوری ہمت مجتمع کرتے سڑک سے اٹھنے کی کوشش کی۔۔ مگر پیر میں اٹھتے درد کی وجہ سے وہ پھر سے سڑک پر بیٹھ چکی تھی۔

بہزاد خان نے سڑک سے اٹھتے ابرش کی کلائی تھامتے زبردستی اسے اٹھایا تھا۔۔

اس کے ہاتھ لگانے پر وہ سرخ ہوئی تھی۔۔ بہزاد خان نے دلچسپی سے اس کے چہرے کی سرخی دیکھی تھی۔۔

تمھیں اٹھانا ضروری تھا۔۔ کیونکہ تمھاری ایمبیسی یہاں نہیں سکتی تھی تمھیں یہاں سے اٹھانے کے لیے۔۔ بہزاد لب دانتوں تلے دبائے بولا۔۔۔ صاف محسوس ہو رہا تھا وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔۔

ابرش اس کا تمسخراتی لہجہ اگنور کیے اپنا دوپٹہ اچھی طرح خود پر لپیٹتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

بہزاد خان اس کی پشت کو بغور دیکھ رہا تھا۔۔ جہاں اب اس کی کمر کو سلکی بالوں نے ڈھانپ لیا تھا۔۔ وہ ایک بار پھر سے اس کی پشت کا تل دیکھنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔۔

بہزاد خان نے بے اختیاری میں اس کے سلکی بالوں کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بہزاد خان کا ایک گارڈ گاڑی سے نکلتا اس کے قریب آیا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ بہزاد خان نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا تھا۔ اس کی اس ٹائم مداخلت اسے ناگوار گزری تھی۔۔

خان صاحب یہ زاران خانزادہ کا منگیتر ہے۔۔ اپنے نکاح سے بھاگ کر آیا ہے۔۔ آج اس کا اور زاران کا نکاح تھا۔۔۔ اس کا خاص گارڈ اس کے قریب ہوتا آہستگی سے بولا تھا۔۔

گارڈ کی بات سنتے بہزاد خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

کیا حکم ہے خان صاحب ؟؟۔۔۔ زاران سے بدلہ لینے کا سب سے اچھا طریقہ ہے اسے اغوا کر لیا جائے۔۔ وہ گارڈ مکاری سے بہزاد خان کے کان میں جھکتا بولا۔۔

بہزاد خان اپنے گارڈ کی بات سنتا منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔

وہ سڑک کے ایک طرف اپنا دوپٹہ خود پر لپیٹے کھڑی تھی۔۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔۔ بہزاد نے بغور اسے دیکھا تھا۔۔

پھر جھک کر اپنے گارڈ کے کان میں کچھ کہا۔۔ وہ بہزاد خان کی بات سنتا اثبات میں سر ہلاتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

بہزاد خان ابرش کو دیکھتے اس کی طرف بڑھا جو اب اس سچویشن سے کافی گھبرا گئی تھی۔۔ اس کے ماتھے پر ننھی ننھی شبنم کے قطرے تھے۔۔ جو بہزاد خان نے کافی دلچسپی سے دیکھے تھے۔

وہ یقیناً اس سے بھی ڈر گئی تھی۔۔

تمھیں جہاں جانا ہے میں چھوڑ آتا ہوں۔۔ بہزاد خان نے ابرش کے قریب جا کر نرمی سے کہا۔۔ بہزاد خان کا گارڈ اس دوران بہزاد کے حکم پر ابرش کی بہت سی تصویریں کھینچ چکا تھا۔

مجھے اسلام آباد جانا ہے۔۔ ابرش نے نظریں جھکائے آہستگی سے کہا۔۔

وہ جذبات میں آکر حویلی چھوڑائی تھی۔۔ مگر اب کافی گھبرا گئی تھی۔۔ وہ واپس حویلی نہیں جاسکتی تھی۔ زاران کا مارا ہوا تھپڑ وہ بھول نہیں رہی تھی۔ وہ واپس جاتی تو زاران اس سے زبردستی نکاح کرتا۔۔ اور حویلی سے بھاگنے کی سزا بھی دیتا۔۔

اگر یہاں کھڑی رہتی تو کوئی بعید نہ تھا۔۔ زاران اسے ڈھونڈتے اس تک پہنچ جاتا۔۔۔ اور اسے ایسے حلیے میں سڑک کے بیچ و بیچ کھڑا دیکھ کر وہ شائد اسے گولی ہی مار دیتا۔۔

ابرش نے بہزاد خان کو غور سے دیکھا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔۔

ہمارے لیے ہر عورت کی عزت بہت معنی رکھتی ہے۔۔ چاہے وہ ادھر کی ہو یا پھر امریکہ کی۔۔ عورت کا عزت ایک برابر ہوتا ہے۔۔ وہ اپنی مخصوص

زبان میں ایک ایک لفظ پر زور دیتا بولا۔۔ ابرش کی آنکھوں میں ڈر اور خوف کی بابت وہ پہچان چکا تھا۔

میں وعدہ کرتا ہوں تمھیں صیح سلامت تمھارے ٹھکانے پر پہنچا دوں گا۔۔ بہزاد خان نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔ بہزاد کی بات پر ابرش ہچکچائی تھی۔۔

اگر مجھے تمھیں نقصان پہنچانا ہوتا تو میں تمھیں اب تک پہنچا دیتا۔۔ میرے بہت سے گارڈ اور یہاں گاڑیاں کھڑی ہیں۔ دو منٹ میں تمھیں زبردستی گاڑی میں ڈال سکتا ہوں۔۔

بہزاد خان اپنی مری ہوئی ماں کی قسم کھاتا ہے۔ تمھاری عزت پر ایک آنچ نہیں آئے گی۔۔ میں تمھیں بحفاظت تمھارے گھر پہنچاؤں گا۔ بہزاد خان نے مضبوطی سے کہا۔۔

ابرش کچھ پل بہزاد خان کو دیکھتی رہی۔۔ پھر اس کے لہجے کی مضبوطی اور اس کی قسم سنتے وہ اس کی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔ اس کے پاس کوئی اپشن نہیں تھا۔۔ وہ اپنی مٹھی میں وہ چھوٹا سا چاقو دبا گئی تھی۔ جو وہ حویلی سے رات کی تنہائی میں نکلتے ہوے اپنے کمرے کی فروٹ باسکٹ سے اٹھالائی تھی۔ اگر اسے کوئی بھی اس کی عزت کو آنچ پہنچاتا وہ یقیناً خود کی جان لے لیتی۔

وہ اس کی گاڑی کی طرف بڑھتے اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔۔

بہزاد خان اس کے گاڑی میں بیٹھنے پر گہرا مسکرایا تھا۔۔ وہ اس کی ہتھیلی میں دبا چاقو وہ دیکھ چکا تھا۔۔ سمجھ گیا تھا وہ لڑکی اچھی خاصی جذباتی ہے۔۔ فیصلہ کرنے میں وہ پل نہیں لگاتی۔ اسے اپنی عزت کا ڈر ہے مگر وہ پھر بھی اس پر

اعتبار کر بیٹھی ہے۔۔یقیناً آج حویلی سے بھاگنا بھی اس کا جذباتی احمقانہ فیصلہ تھا۔

بہزاد خان کے پرسنل گارڈ نے اس کے پاس آکر اسے اس کا موبائل پکڑایا ۔۔

خان صاحب زاران پر حملہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟؟۔۔۔اس نے جھک کر مودبانہ انداز میں پوچھا۔

اس پر حملہ کرنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔۔ہمارا بدلہ انجانے میں یہ لڑکی لے چکی ہے۔۔۔

وہ بیچارہ تو منہ چھپاتے پھر رہا ہو گا۔۔حویلی میں ماتم ہو رہا ہو گا۔۔اور زاران خانزادہ کا بیچارہ دل بھی آج ماتم کدہ ہو گا۔۔بہزاد ابرش کو اپنی گہری نظروں

کے حصار میں لیے بولا۔۔ گاڑی میں بیٹھی لڑکی زاران کے دل کی ملکہ نہ ہو یہ ناممکن بات تھی۔۔یقیناً آج یہ لڑکی اسے گہرا زخم دے کر آئی تھی۔۔بہزاد خان کے سینے میں جلتی آگ ٹھنڈی ہوئی تھی۔۔باقی کا بدلہ وہ اس لڑکی سے نکاح کر کے لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔بدلہ بھی پورا ہو جاتا اور اس کے دل کی خواہش بھی۔۔وہ اس کی کمر کے تل پر مر چکا تھا۔۔

۔وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے گاڑی کی طرف بڑھا اور ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر براجمان ہوا۔۔اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

ارحام کمرے میں داخل ہوا تو وہ صوفے پر بیٹھے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے ہوے تھی۔شال کندھے پر ایک طرف جھول رہی تھی۔۔ہلکے گیلے بال کمر پر بکھرے تھے۔۔کچھ ایک سائیڈ شانے پر بکھرے تھے۔۔۔اس کا بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔۔ارحام نے حور کو ایسے دیکھ کر پریشانی سے اپنا ماتھا سہلایا تھا۔۔باہر اس کی فق رنگت اور اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر وہ سمجھ چکا تھا۔۔وہ روزینہ خانم کے کڑوے لفظوں پر نہیں۔بلکہ اس بے رحم رات کی بے رحمی یاد کر کے خوفزدہ ہوئی تھی۔۔

ارحام آہستگی سے چلتا اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ارحام نے آہستگی سے اس کے پیروں کو چھوا جہاں آئنمنٹ لگی تھی۔۔

مم میں نے اس رات سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ مم میرا یقین کریں مجھے پتہ ہوتا آپ شادی شدہ ہیں۔ آپ کی ایک بیٹی بھی ہے۔ میں کبھی یہ سب نہ کرتی۔

حور نے سسکی لے کر ارحام کو دیکھا تھا۔۔ جانتا ہوں تمھیں جسٹیفیکشن دینے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ ارحام نے بہت نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔۔

ارحام آپ میرا یقین کریں۔۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔۔ اس نے کرب سے سسکی بھری تھی۔۔ ارحام کے کردار کے ساتھ اس نے اپنا کردار بھی دوسروں کی نظروں میں مشکوک ٹھہرا دیا تھا۔۔ یہ اسے بہت

پہلے اندازہ ہو چکا تھا۔۔ایک مضبوط سہارے کی تلاش میں اس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا تھا۔۔

یہ بھی جانتا ہوں۔۔ارحام نے اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے۔

مم مجھے آپ کی پرسنیلٹی نہیں پسند آئی تھی۔۔مجھے آپ نہیں پسند آئے تھے۔ مم مجھے لگا آپ بہت اچھے انسان ہیں باقی مردوں سے مختلف۔۔۔۔وہ معصومیت سے ٹوٹے لفظوں سے بولتے اس کے دل کے کئی ٹکڑے کر گئی تھی۔

وہ کچھ نہ بھی کہتے بہت کچھ کہہ گئی تھی۔۔یعنی وہ اس کی سفاکی بھولی نہیں تھی۔وہ اسے اب اچھے مردوں میں بھی شمار نہیں کرتی تھی۔۔ارحام سختی سے اپنے لب بھینچ گیا تھا۔برداشت کرنا مشکل تھا جس لڑکی کو وہ اپنے دل کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا چکا تھا۔۔اس کے نزدیک وہ کسی خوبی کا حامل نہیں تھا۔یہاں تک کہ اسے اس کی شاندار پرسنیلٹی بھی متاثر نہیں کر سکی تھی۔

بہت جلن ہو رہی ہے۔۔ارحام نے اپنی توجہ اس کے پیروں کی طرف کی جن کی جلد سرخی مائل ہو چکی تھی۔۔ارحام نے بہت نرمی سے اس کے پیروں کو پھر سے نرمی سے چھوا تھا۔

بہت زیادہ۔۔۔۔ حور نے بہتے آنسوؤں سے ارحام کو دیکھا۔۔ ارحام کے بار بار پیروں کو چھونے پر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

۔کب دیکھا تھا مقابل کا یہ روپ ؟؟۔۔۔ وہ کیوں اس ؟؟ے ساتھ نرمی برت رہا تھا؟؟۔۔ وہ کیوں ایسے اسے چھو رہا تھا۔۔

کیا ہوا؟؟۔ ارحام نے حور کو اپنی طرف دیکھتے پا کر بہت نرمی سے پوچھا۔۔

پاپا۔۔۔ پاپا کی یاد آ رہی ہے۔۔ بہت یاد آ رہی ہے۔۔ حور کے لب بری طرح کپکپائے تھے۔

آپ کو پتہ ہے ارحام۔۔۔۔۔۔۔ پاپا مجھ سے۔۔۔ بہت محبت کرتے تھے۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔ ایک مرتبہ میڈ سے گرم کافی کا کپ میرے کپڑوں پر گر گیا تھا۔۔ صرف میرے کپڑے خراب ہوے تھے۔۔ اور ذرا سا میرا ہاتھ جلا تھا۔۔

پاپا نے اسی وقت اس میڈ کو کام سے نکال دیا تھا۔۔ اور لندن کے بہت بڑے ڈاکٹر سے اپائٹمنٹ لے لیا۔۔ میں کہتی رہی پاپا مجھے کچھ نہیں ہوا۔۔ صرف میرے کپڑے خراب ہوے ہیں۔۔ مگر پاپا نے اپنی کڑوڑوں کی ڈیل اس دن کینسل کر دی تھی۔۔ مگر میرا مکمل چیک اپ کروایا۔۔ کتنے ٹیسٹ کروائے۔۔ اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے تا دیر تک چومتے رہے۔۔ مجھے کوئی ائمنٹ نہیں لگانے دی۔۔ اور آپ یقین کریں۔۔ پاپا کے لبوں کے لمس سے میرے ہاتھ کی جلن ختم ہو گئی تھی۔۔ حور بہتے آنسوؤں کے ساتھ غیر مرئی نقطے کو دیکھتے بول رہی تھی۔۔ اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔۔ اتنا پیار کوئی کرتا ہے بھلا؟؟ وہ غیر مرئی نقطے کو گھورتے سسک پڑی۔۔

پھر کیوں کیا انہوں نے وہ سب کچھ ؟؟۔۔ کیوں ہر حقیقت سے مجھے بے خبر رکھا کیوں ؟؟ حور شدت سے روتے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔

ارحام اس کی باتوں پر جبڑے بھینچتے اسے دیکھنے لگا۔۔ وہ اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کو صرف اتنی سی بات پر چھوڑ آئی تھی۔۔ یقین کرنا مشکل تھا۔۔ مگر سب کچھ سامنے ہی تو تھا۔۔ وہ ایک چھوٹی سی بات پر اپنے باپ کو چھوڑائی تھی۔۔ وہ اسے بھی موقع ملتے چھوڑ سکتی تھی۔۔ یہ خیال آتے ہی ارحام خانزادہ کا دل پسلیوں سے سر ٹکرانے لگا تھا۔۔ دل نے خوف سے سپیڈ پکڑی۔۔

وہ تو ابھی تک اس کی ایک ایک بات کو دل سے لگائے بیٹھی تھی۔۔ تبھی تو اس کے پاس آنے کے بعد وہ آج تک مسکرائی نہیں تھی۔ ارحام نے اس

کے دائیں گال کو نرمی سے فنگر سے چھوا جہاں اس رات اس نے گاڑی میں ڈمپل دیکھا تھا۔۔

ارحام کے چھونے پر وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔ اسے احساس ہوا تھا وہ کیا کہہ گئی ہے ؟؟۔۔ حور نے سرعت سے آنکھیں کھولتے ارحام کو فق رنگت سے دیکھا۔۔

مم۔۔ میرا مطلب۔۔۔ ہے وہ میں۔۔۔ مم۔۔۔ میرے پاپا۔۔۔۔ وہ ارحام۔۔۔۔ حور نے زرد رنگت کے ساتھ کانپتے لبوں پر زبان پھیری تھی

تم نے تو کہا تھا تمھارے پاپا بہت غریب ہیں۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے ہوے نرمی سے استفسار کیا۔۔

وہ چاہتا تھا وہ اپنے دل کی تمام باتیں اس سے بلا جھجھک کہہ دے۔۔

وہ ارحام وہ۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ بچپن سے ہی ایسی فیملی ایسے پاپا چاہتی تھی۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ یہ سب خود سے کہہ رہی ہوں۔۔ مجھے اچھا لگتا ہے ایسا سوچنا ایمیجن کرنا۔۔ مم میں نے کہاں آج تک لندن دیکھا ہے؟؟

حور نے فق رنگت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں مسلیں۔ ارحام گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔ اس کا ڈر اس پر اس طرح حاوی تھا کہ وہ سچ بولنے سے بھی کتراتی تھی۔۔۔ جھوٹ پر قایم رہنا اسے زیادہ آسان لگتا تھا۔

آپ کو یقین آرہا ہے ناں مجھ پر۔۔ ارحام کو اپنی طرف بغور تکتا پا کر حور نے دھڑکتے دل سے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

تم پر یقین نہیں کروں گا تو کس پر کروں گا۔۔ تم بیوی ہو میری۔۔ میں تم پر یقین کیوں نہیں کروں گا؟؟۔۔۔ میرے لیے سب سے سچی انسان تم ہو۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں پر ٹھہری شبنم کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنا۔۔

مگر میں نے اس رات جو کہا۔۔ وہ سب جھوٹ تھا۔۔۔ حور نے کرب سے بولتے ہچکی لی تھی۔۔

تمھاری مجبوری رہی ہو گی۔۔ ارحام نے بہت پیار سے اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں چومی تھیں۔۔

باہر جو آنٹی نے کہا آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آرہا۔۔ حور نے ارحام کے نرم تاثرات دیکھتے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا تھا۔۔

نہیں مجھے کیوں تم پر غصہ آئے گا۔؟؟۔ارحام اس کی حیران آنکھوں میں جھانک کر جوابًا سوال کرتے مسکرایا۔۔

مجھے سزا تو نہیں دیں گے۔۔حور نے معصومیت سے ایک اور سوال کیا۔۔

میری قربت اگر تمھارے لیے سزا ہے تو یہ جان لو تمھیں ساری عمر یہ سزا سہنی ہے۔۔اگر تمھیں لگتا ہے کبھی بھی تمھیں میری قربت سے چھٹکارا ملے گا تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔کیونکہ ارحام خانزادہ آج ایک بات کا اقرار کرتا ہے۔۔تمھاری قربت تمھاری طلب نشہ بن کر میری رگوں میں جیسے خون کی طرح دوڑتی ہے۔۔تم اگر تھوڑی دیر مجھے میسر نہ ہو تو یہ دھڑکنیں رکنے لگتی ہیں۔تمھاری طلب میری جان کا آزار بن چکی ہے۔۔وہ اس کے لبوں پر جھکتا اس کے بالوں کو جکڑے اس کی سانسوں کو جکڑ چکا تھا۔

وہ زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے اس کی سانسوں کو شدت سے پی رہا تھا۔ اس کے بے رحم لفظوں کی جیسے اسے سزا دے رہا تھا۔ کیونکہ آج انجانے میں وہ اس کے دل کو کئی کچوکے لگا چکی تھی۔ ارحام اس کے بالوں کو نرمی سے جکڑے اس کے لبوں کو شدت سے چوم رہا تھا۔۔ اس کی سانسیں وہ شدت سے انہیل کر گیا تھا

ارحام اس کے لبوں کو قندھاری کر کے پیچھے ہوا تو وہ اس کے بے رحم لمس پر سسکتے ہوئے گہرے سانس لینے لگی۔۔

ارحام بھی اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اس کے گلاب لبوں پر نرمی سے اپنا انگوٹھا پھیرنے لگا۔ وہ یکدم اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹا گئی تھی۔۔ ارحام نے حیرانگی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا جو اس نے پیچھے کیا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا جو اس نے ایسے اسے جھٹکا تھا۔۔ اسے اس کا اتنا بھی جھٹکنا

برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے لے کر دیوانگی کی حد تک حساس ہوتا جا رہا تھا۔

اگر مجھے پتہ ہوتا ایسے سب کچھ ہو جائے گا۔۔ میں کبھی یہ سب نہ کرتی۔۔ مم میں کبھی آپ کی گاڑی میں نہ بیٹھتی۔۔ میں اس رات کہیں بھی چلی جاتی۔۔ مگر کبھی آپ کی گاڑی میں نہ بیٹھتی۔۔۔ میں کبھی آپ سے مدد نہیں مانگتی۔۔ میں اس رات اس سڑک پر کسی گاڑی کے نیچے آ جاتی۔۔ مگر کبھی آپ کی گاڑی میں نہ بیٹھتی۔۔ حور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

اس کی باتوں پر ارحام کا چہرہ ضبط سے سرخ ہوا تھا۔۔ وہ ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ اس کی باتیں سیدھا اس کے دل کو زخمی کر رہی تھیں۔ وہ اذیت کی انتہا پر تھا۔۔ سامنے بیٹھی لڑکی اس کا جنون اس کا عشق تھی۔ وہ

اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگی تھی۔۔۔اور وہ اس کے ساتھ پر پچھتا رہی تھی۔

آپ۔۔ آپ۔۔۔ گل سے شادی کر لیں ارحام۔۔ آپ کو آپ کی بیٹی مل جائے گی۔۔ آپ کی محبت بھی۔۔۔اور آپ کی بیٹی کو اس کے ماں باپ دونوں۔۔۔۔

حور نے بہتے آنسوؤں سے ارحام کو دیکھتے کہا۔۔

کیا بکواس کر رہی ہو حور؟؟۔۔۔ارحام مزید اپنا غصے پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔۔

وہ زمین سے کھڑے ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

وہ اپنے لفظوں سے ثابت کر چکی تھی کہ وہ اپنا عمل بھولی نہیں تھی مگر اس کا سفاک عمل ابھی تک دل سے لگائے بیٹھی تھی۔

میں پریذے کے لیے کہہ رہی تھی۔ حور ارحام کو غصے میں دیکھ کر صوفے سے اٹھتی اس کے مقابل آتے بھیگے لہجے میں بولی۔۔۔

پریذے میری بیٹی ہے۔۔ اس کے لیے کیا ٹھیک ہے یا نہیں۔۔ یہ مجھ پر چھوڑ دو تو بہتر ہو گا۔۔ گل میری محبت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ بھی مجھے کرنے دو۔۔ میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔

گل میری زندگی سے اس لیے گئی کیونکہ میں نے اسے جانے دیا۔۔

اگر میں نہ چاہتا تو اس رات کوئی بھی اسے مجھ سے دور نہیں کر سکتا تھا۔۔ تم اپنا یہ گلٹ ختم کرو کہ جو کچھ ہوا وہ تمھاری وجہ سے ہوا۔۔ اس رات جو کچھ

ہوا۔۔وہ ایسے ہی ہونا تھا۔۔۔مگر اب یہ بات تمھیں یاد رکھنی ہے۔۔تم میری زندگی میں آنا چاہتی تھی یا نہیں۔۔یہ بات بھول جاؤ۔۔اتنا یاد رکھو تم اب میری زندگی سے جا نہیں سکتی۔۔ایک لمحہ کے لیے بھی تم نے ایسا سوچا میں تمھاری سانسیں اکھیڑنے میں پل نہیں لگاؤں گا۔۔ارحام حور کے بال مٹھی میں دبوچے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کے قندھاری لبوں پر اپنی دہکتی سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔

یہ سزا ہے میری۔۔۔۔حور نے شبنمی لہجے میں سسکتے ہوے پوچھا۔۔

تم جو سمجھو۔۔ارحام کی سانسوں کی تپش بڑھی تھی۔

کب تک دیں گے سزا؟؟۔۔۔حور نے بھیگے لہجے میں سوال کرتے ارحام کے دل کو مزید زخمی کیا تھا۔

جب تک تمھیں یہ سزا لگے گی۔۔ ارحام نے ضبط سے کہا۔۔

تاعمر۔۔۔۔ حور نے ہچکی لیتے ارحام کی سیاہ مقناطیسی پر کشش آنکھوں میں اپنی کرسٹل براؤن شفاف آنکھیں گاڑھیں۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ تاعمر.... ارحام کی آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔۔ وہ اس کا چہرہ مزید اپنے مقابل کر گیا تھا۔

ارحام کی سانسیں جیسے اس کا چہرہ جھلسا گئی تھی۔۔ یہ تو طے تھا مقابل کی آگ جیسی قربت وہ برداشت کرنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی۔

وہ سسکی لیتے ارحام کے سینے کے ساتھ لپٹ پڑی۔۔ راہ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔۔ وہ اسے کمر سے سختی سے جکڑے ہوے تھا۔۔ اسے ہر حال میں

انھیں مضبوط بانہوں میں سمانا تھا۔۔اس لیے وہ اپنے لرزتے وجود کو سنبھالتے اس کی بانہوں میں سما گئی تھی۔۔

ارحام گہرا سانس بھرتا بہت نرمی سے اسے اپنے سینے میں بھرتے اپنی گود میں اٹھا چکا تھا۔۔وہ اپنی آنکھیں میچ چکی تھیں۔جانتی تھی وہ محبت کرے یا نفرت اس کی سزا اس کی آگ جیسی قربت تھی۔۔وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچ گئی تھی۔۔

ارحام اسے گود میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔۔اسے نرمی سے بیڈ پر لٹائے اس پر گھٹا کی مانند چھایا تھا۔۔

اس کی بند آنکھوں کو بہت نرمی سے باری باری چوم گیا تھا۔۔

تمھارے لیے میری قربت میرا ساتھ سزا ہو گا۔۔ تم میرے لیے خدا کی طرف سے انعام ہو۔ وہ اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھتا گھمبیر آواز میں بہکے بہکے انداز میں بولا۔

تمھاری چاہ میرے اندر خون بڑھ کر دوڑتی ہے۔۔ تمھاری طلب میرا نشہ ہے۔۔ تمھاری خوشبو مجھے پاگل کر دیتی ہے۔۔ وہ اس کی گردن میں چھپا گیا تھا۔۔ وہ اس کی گردن شدت سے چومتا اپنے دانت جگہ جگہ گاڑھ رہا تھا۔۔ وہ اس کی گردن پل میں اپنی شدتوں سے جامنی کر چکا تھا۔

یہ سانسیں ٹوٹ سکتی ہیں کبھی تم مجھ سے ایک پل کے لیے بھی جدا ہوئی۔ میں سانس لینا بھول سکتا ہوں تمھارے قریب آنا نہیں بھول سکتا ۔۔۔ تم میرے لیے دیوانگی بن چکی ہو۔۔ تمھاری قربت میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

وہ اب دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔۔اس کے لب دیوانہ وار اس کے ایک ایک نقش پر محو رقص تھے۔۔وہ بہت دیر تک صرف اس کے نقوش کو اپنے لبوں سے معطر کرتا رہا تھا۔۔حور کی سانسیں تیز ہونا شروع ہوئی تھیں۔وہ آج صرف اس کے چہرے کے نقوش کو چھو رہا تھا۔۔وہ بہت دیر تک صرف اس کے نقوش چھوتا رہا تھا۔

ارحام کی پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ کا رخ اس کے چہرے سے ہوتا اس کی گردن اور اس کی دھڑکنوں پر تھا۔۔وہ اپنے لب بہت نرمی سے اس کی دھڑکنوں پر رکھ رہا تھا۔

حور نے تڑپتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے ارحام کو دور کرتے ذرا سی مزاحمت کی وہ اس کی کلائیاں جکڑے مکمل طور پر اس میں گم ہو گیا تھا۔۔سائیڈ لیمپ

بجھائے وہ اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔ جیسے جیسے ارحام کی شدتیں بڑھ رہی تھیں۔۔ ویسے ویسے اس کی سرگوشیاں ٹوٹتی جا رہی تھیں اور حور کی سسکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔۔ وہ اسے خود میں سمائے اپنی محبت اپنی شدتیں اس پر لٹا کر اسے باور کروا رہا تھا۔۔ وہ اس کی ہے۔۔ وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہے۔ وہ چاہ کر بھی اب اس سے دور نہیں جا سکتی۔۔ اس کی شدتوں میں جنون کے ساتھ اس کی بے پناہ محبت بھی شامل تھی۔۔ وہ اپنا حق سمجھ کر اس پر اپنی محبت شدتوں کی صورتوں میں لٹا رہا تھا۔۔ رات گہری اور ٹھنڈی تھی۔۔ مگر جذبات گرم اور عروج پر تھے۔۔ ارحام کے حدت بھرا لمس حور کے رواں رواں پر اپنی محبت کی سوغاتیں چھوڑ رہا تھا۔۔۔ مزاحمت کرنے کی حور میں نہ ہمت تھی۔۔ اور نہ

مقابل نے اسے ایسا کوئی حق دیا تھا۔۔ اسی لیے حور کی آنکھیں آج پھر شدت گریہ سے گلابی تھیں۔

حور کی آنکھوں سے آج پھر موتی ٹوٹ کر جدا ہوتے اس کے عارض پر گر رہے تھے۔۔ آج پھر وہ مقابل کی آگ جیسی قربت میں خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔۔۔ جسے شائد صرف اس کے جسم سے مطلب تھا اس کی قربت کی چاہ تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے لفظ پھر سے اس کی سماعتوں میں زہر بن کر اترے تھے۔۔

تمھاری دشمن تمھاری بے پناہ خوبصورتی ہے۔۔ تم سے بے پناہ نفرت کے باوجود تمھاری خوبصورتی مجھے تمھاری طرف کھینچتی ہے۔۔۔ اب سزا کے طور پر میری قربت تمھارا مقدر ٹھہرے گی۔۔ جس میں تم قطرہ قطرہ جھلسو گی۔۔ تڑپو گی مگر مجھ سے نجات نہیں ملے گی۔۔

اپنی خوبصورتی اور کم عمری کا احساس اسے بخوبی تھا۔۔اس کی بے پناہ خوبصورتی ہی تو ہر کسی کی محبت کا باعث بنتی تھی۔۔اگر کوئی اس سے سچی محبت کرتا تو ساحر خانزدہ کرتا جس نے اس کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں کھائی تھیں بلکہ اس کے لیے جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔۔

اس کے جسم تک رسائی حاصل کرنے والے انسان نے تو کبھی اس سے ایسا کوئی دعوی بھی نہیں کیا تھا۔۔وہ تو اس کے جسم کا ہی خواہشمند تھا۔۔اس کی شدتیں دیکھ کر تو اسے یہی احساس ہوتا تھا۔۔وہ اپنی نم پلیکں جھپکتے آنکھیں موند گئی تھی۔

زاران خانزادہ کل سے حویلی نہیں گیا تھا۔۔ وہ بہت مشکلوں سے ڈرائیو کر کے اپنے ڈیرے پر چلا آیا تھا۔۔ گولی اسی بازو کو لگی تھی۔۔ جہاں پہلے بھی بہزاد خان کے آدمی کی پسٹل سے نکلی ہوئی گولی چھو کر گزری تھی۔۔ وہ یہاں کے کسی ہاسپٹل میں نہیں جا سکتا تھا۔۔ یہاں سب اسے اور سمیع اللہ خان کو پہچانتے تھے۔۔ اسے گولی لگنے کی بات سمیع اللہ اور درید خان تک پہنچ جاتی تو وہ بہت پریشان ہو جاتے۔۔ اسلام آباد اتنی دور وہ جا نہیں سکتا تھا کیونکہ تکلیف کی شدت اب ناقابل برداشت تھی۔۔ زاران نے اپنے ایک دوست کو جو ڈاکٹر تھا اسے ڈیرے ہی بلا لیا تھا۔۔

اس نے زاران خانزادہ کے بازو سے گولی نکال کر سٹیچز لگا دیے تھے۔۔ اور اسے درد کے انجیکشن لگا دیے تھے۔۔ جس میں نیند کی میڈیسن بھی تھیں۔۔

زاران نے سب سے پہلے امینہ خانم کو فون پر اطلاع دی تھی۔۔وہ ڈیرے پر اپنے دوستوں کے ساتھ رکے گا۔۔امینہ خانم کی جگہ فون پلوشہ نے اٹھایا تھا۔۔زاران نے درد سے چور لہجے میں اسے ہی یہ اطلاع دے دی تھی۔۔اور یہ بھی بتایا تھا کہ اسفندیار خان اور عابیر گیسٹ ہاوس میں آج رات رکیں گے۔۔اس کے گارڈز نے اسے بتا دیا تھا۔۔اسفند عابیر کو لے کر حویلی نہیں گیا۔۔وہ اسفندیار خان کے غصے سے بخوبی واقف تھا۔وہ غصے میں کبھی بھی حویلی اطلاع نہیں دے گا۔۔زاران پلوشہ سے دو لائینیں کہہ کر فون کاٹ چکا تھا۔

آج درد میں ذرا آفاقہ ہوا تو وہ حویلی چلا آیا تھا۔۔وہ اپنی گاڑی میں حویلی داخل ہوا تو اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔۔ڈیرے سے یہاں تک ڈرائیو کرنے سے اس کے بازو میں پھر سے شدید درد شروع ہو چکا

تھا۔ سٹیچز میں کھنچاؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ رات گئے حویلی داخل ہوا تو زنان خانے کے لاونج میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔۔ زاران اپنے بازو میں اٹھتے درد کو برداشت کرتے لاونج میں موجود صوفے پر بیٹھ گیا۔۔۔۔ وہ اس درد کو معمولی سمجھ رہا تھا۔ مگر اب اسے محسوس ہو رہا تھا گھاؤ کافی گہرا ہے جو اسے آرام ہی نہیں آ رہا تھا۔۔ اوہ کافی گہرا ہے۔۔

اپنی جیکٹ اتار کر اس نے اپنے بازو کو دیکھا جو خون سے رنگین ہو رہا تھا۔۔ ڈرائیو کرنے سے سٹیچز میں کھنچ پڑنے سے وہاں سے ہلکا ہلکا خون رسنا شروع ہو چکا تھا۔۔ زاران نے اپنی شرٹ اتار کر صوفے کی سائیڈ پر رکھی۔۔ وہ اب صرف سفید سینڈو میں ملبوس تھا۔۔ سینڈو میں اس کے ایبز اور سکس پیک نمایاں ہو رہے تھے۔

زاران نے دانت پر دانت جمائے بازو میں اٹھتے درد کو برداشت کرتے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائی۔

اسے آنکھیں موندے کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔۔اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا تھا۔۔زاران نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اپنے بہت قریب پلوشہ کو دیکھتے وہ لب بھینچ گیا تھا۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟؟زاران نے ناگواری سے پوچھا۔

وہ میں پانی پینے آئی تھی۔ تمھیں یہاں دیکھا تو چلی آئی۔۔ تمھارے بازو کو کیا ہوا ہے۔؟؟پلوشہ تفکر سے کہتی زاران کی طرف بڑھی۔۔

کچھ نہیں ہوا پلوشہ۔۔پلیز تم یہاں سے جاؤ۔۔میں دیکھ لوں گا۔۔زاران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

رات کا ٹائم تھا اس وقت پلوشہ اور اس کا ادھر موجود ہونا نامناسب تھا۔ دوسرا وہ جنگلی بیوی کی پوزیسونیس سے واقف تھا۔۔ اس نے اسے اس ٹائم اس کے قریب بیٹھا بھی دیکھ لیا تو اس کا منہ نوچنے میں پل نہیں لگائے گی۔

لیکن زاران تمھارے بازو سے خون نکل رہا ہے۔۔ مجھے دیکھنے دو۔۔ پلوشہ نے اس کی طرف بڑھتے اس کے بازو کو تھاما تھا۔۔

تم ڈاکٹر نہیں ہو جو تم دیکھو گی۔۔ زاران نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑوایا تھا۔

ڈاکٹر نہیں ہوں مگر مجھے یہ کام کرنا آتا ہے۔ اپنے کالج کی فلاحی سرگرمیوں میں نے کافی مرتبہ حصہ لیا ہے۔۔ پٹی کرنا خون روکنا مجھے آتا ہے۔۔ تم ٹھہرو ذرا میں آتی ہوں۔۔

پلوشہ کہتے ہوے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔

زاران سر جھٹکتا صوفے کے ساتھ ٹیک لگا گیا تھا۔۔

وہ اپنی میڈیسن بھی گاڑی میں بھول گیا تھا ورنہ وہ کھا لیتا درد سے شائد آفاقہ ہو جاتا۔۔

تھوڑی دیر بعد پلوشہ میڈیکل باکس پکڑے آئی تھی۔

زاران کے پاس صوفے پر بیٹھ کر اس نے زاران کا زخمی بازو تھاما تھا۔

زاران نے آنکھیں کھولتے اپنا بازو اس کے ہاتھ سے جھٹکے سے پھر سے چھڑوایا۔۔ مگر ایسا کرنے پر درد کی شدید لہر اسے اپنے بازو میں اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔۔

تمھیں ایک مرتبہ کہی ہوئی بات سمجھ نہیں آتی۔۔وہ اسے تھوڑا دور کھسکاتے غرایا تھا۔

زاران میں صرف تمھاری ڈریسنگ کرنے لگی ہوں۔۔دیکھو کتنا خون بہہ رہا ہے۔۔ سمجھو اس ٹائم میں تمھاری کزن نہیں ڈاکٹر ہوں۔۔اگر تم اس ٹائم کسی ہاسپٹل میں ہوتے کیا کسی لیڈی ڈاکٹر سے بھی ڈریسنگ نہ کرواتے۔۔۔پلوشہ نے زاران کے بازو کے زخم کو نرمی سے چھوتے سوال کیا۔۔زاران کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

مجھ سے کروا لو ڈریسنگ کیا حرج ہے زاران۔۔۔پلوشہ نے ملتجی لہجے میں کہتے اس کا بازو نرمی سے تھاما تھا۔۔

زاران اسے جواباً گھور کر رہ گیا تھا۔۔ اب کی بار اس نے اپنا بازو نہیں چھڑوایا تھا۔۔ شدید تکلیف نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا۔۔۔

ٹرسٹ می زاران۔۔ میں بہت اچھی تمھاری ڈریسنگ کروں گی۔۔ نہ ہی کوئی ڈاکٹر کر سکے گا۔۔ اور نہ ہی تمھاری بیوی کر سکے گی۔۔ پلوشہ نے مسکراتے ہوئے اس کے بازو کی پٹی کھولی۔۔ زاران خاموشی سے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔۔ اسے واقعی میں ڈریسنگ کی ضرورت تھی۔۔ وہ فی الحال خود ڈریسنگ نہیں کر سکتا تھا۔۔ پھر وہ واقعی میں بہت احتیاط سے اس کی پٹی کھول رہی تھی۔۔ جس سے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ واقعی میں اس کام میں ماہر ہے۔۔

اس نے بہت احتیاط سے اس کی پٹی کھولتے ہوئے اس کا زخم پائیوڈین سے صاف کیا۔۔ وہ بہت نرمی اور احتیاط سے یہ کام کر رہی تھی۔

اب وہ احتیاط سے اس کی پٹی کر رہی تھی۔۔ زارن لاونج سے گزرتی سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوے پلوشہ سے تھوڑا دور ہوا تھا۔۔ وہ اس کی ڈریسنگ کرتے ہوے اس کے بے حد قریب آ گئی تھی۔۔

زاران مجھے تو آج پتہ چلا ہے۔۔ تم اپنی بیوی سے اتنا ڈرتے ہو۔۔ پلوشہ زاران کے دور ہونے اور اس کے بار بار سیڑھیوں کی طرف دیکھنے پر طنزیہ بولی۔۔ زاران کے اتنے قریب بیٹھنا اس سے اتنی دیر بات کرنا اس کا خواب ہی تھا۔۔ پلوشہ کی نظریں اس کے ایپس پر تھیں۔۔ اس کا کسرتی بدن اسے اس پر نظریں ہٹانے نہیں دے رہا تھا۔۔ زاران کا دور کھسکنا اسے کافی ناگوار گزرا تھا۔۔ ابرش اگر خوبصورت تھی تو وہ بھی کم نہیں تھی جو زاران اسے نظر انداز کرتا۔۔

مجھے لگتا ہے تمھیں اپنا کام کرنا چاہیے۔۔ میں اپنی بیوی سے ڈرتا ہوں یا نہیں تمھیں اس سے کوئی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔۔ زاران نے اسے گھورا تھا۔ جو اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔۔

جو بھی ہے ایک خان کو اپنی بیوی سے ڈرنا زیب نہیں دیتا۔۔۔ تم پر تو بلکل سوٹ نہیں کرتا۔۔ پلوشہ استھزائیہ لہجے میں کہتے اس کی ڈریسنگ کرنے لگی تھی۔۔ زاران گہرا سانس لیتے آنکھیں موند گیا تھا۔۔

ابرش بلیک سلک نائٹی میں ملبوس اپنے کمرے میں کھڑی گلاس وال کے پار سرسبز پہاڑوں پر جلتی روشنیاں دیکھ رہی تھی۔ زاران اس کو اس دن کس کا فون آیا تھا۔۔ وہ کب سے یہی سوچ رہی تھی۔۔ وہ اتنی پریشانی اور عجلت میں یہاں سے نکلا تھا۔ پھر وہ ڈیرے پر دوستوں کے ہمراہ کیا کر رہا ہے۔۔ ابرش

نے اپنے لب بے دردی سے کاٹے تھے۔۔ کہیں اس دن فون پر بہزاد خان تو نہیں تھا۔۔ اس نے تو کچھ نہیں کیا۔ وہ پچھلے دو دن سے وہ بہزاد خان کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔۔ اسے اغوا کرنے کی کوشش بہزاد خان نے کی تھی۔۔ زاران اس دن دریا کے کنارے پر پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے بہزاد خان کو ہی پکار رہا تھا۔۔

مگر وہ زاران کو نقصان کیوں پہنچانا چاہتا تھا؟؟ یہ بہزاد خان کون ہے؟؟ وہی تو نہیں جو اس دن اس کے حویلی سے بھاگنے پر اسے بحفاظت اسلام آباد پہنچا کر آیا تھا۔۔ اس نے راستے میں اس سے اپنا تعارف کروایا تھا۔۔ زاران سے نکاح کے بعد اس نے ابھی تک اس سے یہ حقیقت چھپائی تھی۔ اسے اسلام آباد رحیم یار خان نے نہیں بہزاد خان نے ڈراپ کیا تھا۔۔ وہ یہ حقیقت کبھی

زاران کو پتہ بھی چلنے نہ دیتی کیونکہ وہ کبھی برداشت نہ کرتا وہ ایک غیر مرد کے ساتھ بیٹھ کر اسلام آباد چلی گئی۔۔

وہ اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی مگر رحیم خان کی گاڑی دیکھ کر وہ جلدی سے بہزاد خان کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اسے اس وقت یہی لگا تھا جیسے زاران نے اسے بھیجا ہے۔۔ مگر اسلام آباد کے تمام راستے رحیم یار خان کی گاڑی جس میں مسلحہ گارڈز بھی تھے۔۔ وہ بہزاد خان کی گاڑی کے پیچھے پیچھے ہی رہے تھے۔۔ وہ تب سمجھ چکی تھی کہ وہ. اسے نامحسوس اندا میں اسے پروٹیکٹ کر رہے تھے۔۔ اسے کافی ریلیکس بھی فیل ہوا تھا۔۔ ورنہ بہزاد خان سے اسے انجانے طور پر خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔۔ حتی کہ اس نے راستے بھر اس پر غلطی سے بھی نظر نہیں ڈالی تھی۔۔

زاران سے نکاح کے بعد سمیع اللہ نے اسے سختی سے ہدایت کی تھی۔وہ کبھی بھی زاران کو نہیں بتائے گی کہ وہ اس ردت رحیم خان کے ساتھ نہیں بہزاڈ خان کے ساتھ گئی تھی۔۔وہ زاران کی پوزیسیو نیچر سے واقف تھی۔۔وہ کبھی بھی اسے نہ بتاتی مگر سمیع اللہ خان کے منع کرنے کے پیچھے کوئی اور بھی وجہ تھی۔۔وہ کیا وہ ابھی بھی جان نہیں پائی تھی۔۔آخر بہزاد خان کے ساتھ زاران کی کیا دشمنی تھی جو وہ اس کی بیوی کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔۔اگر بہزاد خان کو اس سے کوئی مطلب ہوتا تو وہ اس رات اسے نقصان پہنچاتا جب وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی۔۔ابرش نے بیڈ پر بیٹھتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔وہ اظطراری انداز میں اب کمرے میں چکر لگانے لگی تھی۔۔زاران جب اس کمرے میں ہوتا تھا تو اسے وقت

گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا مگر جب وہ نہیں ہوتا تھا اسے اس کمرے کی دیواریں کاٹنے لگتی تھیں۔۔ سردیوں کی لمبی راتیں اسک عذاب لگتی تھیں۔

وہ گہرے سانس بھرتی کمرے سے نکلتی سیڑھیاں اترتے نیچے آئی تھی۔وہ اس وقت نائیٹی میں ملبوس تھی مگر وہ اپنے حلیے سے لاپرواہ نیچے آگئی تھی۔۔جب زاران کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔۔وہ کیوں اس کی پابند رہتی؟؟۔وہ آخری سیڑھی پر رکی تھی۔۔سامنے نظر آنے والے منظر نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔۔

اب ذرا اپنا خیال کرنا۔۔۔ تمھارے سٹیچز ابھی کچے ہیں یہ کھچاؤ پڑنے پر کھل بھی سکتے ہیں۔

یکدم وہ رکی تھی۔۔سامنے نظر تے منظر نے اس کے قدم زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔

زاران تمھاری پٹی ہو گئی ہے۔۔مگر اب تمھیں احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔۔تمھارے ٹانکے ابھی کچے ہیں۔۔یہ کھل بھی سکتے ہیں۔اگر یہ کھل گئے تو تمھیں انفیکشن ہو سکتا ہے۔۔پلوشہ نے زاران کے چہرے پر نظریں جمائے کہا۔

اگر ایک ڈاکٹر میری ڈریسنگ کرتی تو یوں میری گود میں چڑھ کر نہ بیٹھتی۔۔زاران نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے اس کے بے حد قریب بیٹھنے پر اسے ٹوکا تھا۔۔

میں تمھاری ڈریسنگ کر رہی تھی۔۔ڈریسنگ اب میں چار فٹ کی دوری پر تو کرنے سے رہی وہ مسکراتے ہوے بولی۔۔

اب ڈریسنگ کر چکی ہو تو پیچھے ہٹ جاؤ۔۔اور آئیندہ تم مجھے خود سے چار میل کی دوری پر نظر آؤ تو تمھارے لیے بہتر ہو گا۔زاران نے اسے سرد نظروں سے گھورتے تنبیہ کی تھی۔۔

زاران اپنے ڈریسنگ کرتے بازو کو ایک نظر دیکھتے صوفے سے اٹھنے لگا تھا کہ اس کی نظر سامنے کھڑی ابرش پر پڑی جو بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔زاران نے ہڑبڑاتے ہوے پلوشہ کو خود سے دور کیا تھا۔۔وہ اس کے وارن کرنے کے باوجود بھی اس سے دور نہیں ہوئی تھی۔

ابرش گلابی ہوتی زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلاتے بھاگتے ہوے سیڑھیاں چڑھتی اوپر کی جانب بڑھی تھی۔

زاران نے دانت پر دانت جمائے اپنے بازو میں اٹھتے درد کو برداشت کیا تھا۔۔ ہڑبڑاہٹ میں پلوشہ کو دور دھکیلنے پر ایک بار پھر سے اسے بازو میں شدید درد سرائت کرتا محسوس ہوا تھا۔۔

وہ پلوشہ کو سرد نگاہوں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ اپنے لب بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔ سمجھ چکا تھا وہ اس وقت شاور لے کر اپنا غم و غصہ اتار رہی ہے۔۔ زاران لب بھینچتے ہوے صوفے کی جانب بڑھا۔۔ صوفے پر بیٹھتے اس نے سرد نظر واش روم کے دروازے پر ڈالی تھی۔۔ وہ جس طرح کے حلیے میں نیچے آئی تھی۔۔ زاران کا غصہ ابرش پر بڑھتا جا رہا تھا۔۔ وہ کس طرح اتنے چیپ حلیے میں نیچے آسکتی

تھی۔۔اس وقت اسفندیار خان ارحام یا پھر شہرام سے بھی کوئی ادھر آسکتا تھا۔۔اگر کوئی بھی اس کی بیوی کو اس کی عزت کو اس حلیے میں دیکھتا تو کیا کہتا۔۔یا پھر ابرش پر کسی کی بھی نظر پڑے اسے کہاں گوارا تھا۔۔

زاران نے غصے سے ایک بار پھر واش روم کے بند دروازے کو گھورا تھا۔۔۔واش روم میں پانی گرنے کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔۔یقیناً اس نے واش روم کے ٹیپ کھول لیے تھے۔۔وہ اسے جانتا تھا وہ کتنی جذباتی ہے۔۔وہ اب پچھتا رہا تھا کہ آخر اس نے پلوشہ سے ڈریسنگ کیوں کروائی؟؟۔۔وہ سیدھا اوپر اپنے کمرے میں آجاتا تو اس سچویشن کا تو سامنا نہ کرنا پڑتا۔۔زاران نے غصے سے سامنے پڑی ٹیبل پر پڑا شوپیس اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔۔وہ اپنے گھنے بالوں میں اب غصے سے ہاتھ پھیر کر رہ گیا

تھا۔۔وہ جتنی تکلیف میں تھا اسے ابرش کی ضرورت تھی۔۔اس کی قربت کی ضرورت تھی۔۔وہ ڈیرے سے اس کی قربت اس کی بانہوں کا سوچ کر آیا تھا۔۔اس کے بغیر رہنا کتنا مشکل تھا یہ کل اسے احساس ہوا تھا کہ اب ابرش سے دور رہنا کافی مشکل ہے۔۔مگر اب نہ جانتا تھا۔۔اس کی جذباتی بیوی اسے خود کے پاس کبھی نہیں آنے دے گی۔۔

زاران اظطراری انداز میں ابرش کا انتظار کر رہا تھا جس کا واش روم میں دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔

زاران نے غصے سے کمرے میں لگی وال کلاک پر نظر ڈالی وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے واش روم میں تھی۔زاران نے غصے سے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ کا کیس اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگا کر منہ کو لگایا تھا۔ابرش سے

نکاح سے بھاگنے پر اسے اس کی لت پڑی تھی۔۔ پچھلے تین ماہ میں اس نے ڈیرے پر اسے ہی پھونکتے اپنی راتیں گزاری تھیں۔

اسے سگریٹ کے کش لیتے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ابرش واش روم سے سفید باتھ شارٹ سا باتھ روب گاؤن پہن کر نکلی تھی۔۔

زاران نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے اسے اوپر سے نیچے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔۔

اب پتہ نہیں اس کی بیوی نے غصے میں اتنا شارٹ گاؤن پہنا تھا یا پھر اس کے جذبات بھڑکانے کے لیے پہنا تھا۔۔زاران نے شعلہ بار نظر اس کی سفید سڈول ٹانگوں پر ڈالی تھی

۔جس نے اتنی سردی میں اس کے پسنے چھڑوا دیے تھے۔۔

زاران نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ابرش کو گہری نظروں سے دیکھا وہ آئینے کے سامنے کھڑے ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہی تھی۔۔ آنکھیں رونے سے گلابی ہو رہی تھی۔۔ عارض سرخ تھے۔۔ چہرہ اب سپاٹ تھا یقیناً وہ واش روم میں جی بھر کر رو چکی تھی۔۔

زاران گہرا سانس بھرتا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا صوفے سے اٹھتے اس کی طرف بڑھا۔

زاران نے ابرش کو کمر سے جکڑ کر اس کا رخ پلٹے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کے گلابی لبوں پر جھکا تھا۔۔

ابرش اس کے لمس اور اس کی قربت پر بری طرح سٹپٹائی تھی۔۔

ابرش نے بری طرح مزاحمت کرتے اپنے ہاتھوں سے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔زاران اسے کمر سے جکڑے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔۔ابرش کے ہاتھوں کی مزاحمت کو دیکھتے وہ اسے یونہی جکڑے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔۔اس کے دونوں ہاتھوں کو جکڑتے دیوار کے ساتھ لگائے اس کے لبوں کو اور بھی شدت سے اپنے لبوں میں پیوست کرتے اس کی سانسیں جکڑی تھیں۔۔

وہ اس کی کلائیاں اوپر کی جانب دیوار سے پن کیے اس کے لبوں کو اپنے لبوں کی گرفت میں لیے اپنا جنون اتار رہا تھا۔۔

وہ اس میں اس قدر گم تھا کہ اپنے بازو میں اٹھتے درد کو بھی نظر انداز کر گیا تھا۔۔

ابرش کی بے جان ہوتی حالت محسوس کرتے اس نے اس کے لبوں کو آزادی بخشی تھی مگر اس سے دور نہیں ہوا تھا۔۔ وہ اس کی کلائیوں کو ہنوز ایسے ہی جکڑے ہوے تھا۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے زخمی نظر زاران پر ڈالی تھی۔۔ جو اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اسے سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔۔

دور رہو مجھ سے مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ ابرش غرائی تھی۔

کہا تھا تم سے اب دوریاں نہیں ہو گی۔۔ تمھیں ہر رات ہر لمحہ میری بانہوں میں رہ کر مجھے برداشت کرنا ہو گا۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہتے اس کی بیوٹی بون پر شدت سے اپنے دانت گاڑھے۔۔ ابرش اس کی شدت پر سسک کر رہ گئی تھی۔

اچھا تبھی مجھے اس دن چھوڑ کر چلے گئے تھے۔۔ آپ کو صرف اپنے جذبات اپنی خواہش سے مطلب ہے۔۔ جب آپ کا دکرے گا آپ میرے قریب آئیں گے۔۔ جب دل کرے گا مجھے چھوڑ کر چلیں جائیں گے۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔۔

ابرش اس دن بہت ضروری تھا جانا ورنہ تم جانتی ہو میری کیا حالت تھی۔۔ کتنا مشکل تھا تم سے دور ہونا۔۔ وہ اس کی کلائیاں چھوڑتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے دپنے قریب کر گیا۔۔

میرے قریب مت آؤ۔۔ ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ ابرش کے دور دھکیلنے پر اس کے بازو میں بری طرح کھچاؤ پڑ رہا تھا۔ بازو میں اٹھتے درد کی تکلیف اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔۔

تم لبوں سے جو مرضی کہہ لو مگر میں جانتا ہوں تم بلکل نہیں چاہتی میں تم سے دور جاؤں۔۔ ورنہ یوں رات کے اس پہر اتنے چھوٹے سے باتھ روب میں میرے سامنے نہ ہوتی۔۔ زاران نے اسے بے باک نگاہوں سے دیکھتے آنکھ ونک کی۔۔

اور اس چھوٹے سے گاؤن میں دیکھ کر آپ کو میری ضرورت محسوس ہونے لگی۔۔ ورنہ زاران خانزادہ میری طرف دیکھتا بھی نہ۔۔۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولی۔۔

زاران خانزادہ تمھارے اس خوبصورت چہرے کو دیکھ کر ہی بہکنے لگتا ہے۔۔ تمھارے خوبصورت جسم کی طرف میری نظریں بعد میں جاتی

ہیں۔۔زاران نے اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھے تھے۔۔

زاران کے لمس پر ابرش کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔۔

ہر بار مجھے یہی لگتا ہے زاران۔۔۔۔۔ آپ کو میری چاہ نہیں۔۔میں آپ کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔۔ولیمے کی رات میں آپ کے قریب آئی آپ نے مجھے دھتکارا۔۔۔ تین ماہ آپ نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔۔اور جب آپ میرے قریب آئے اس کی وجہ بھی میری شارٹ نا بیٹرڈ تھیں۔۔مین نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ہوٹل میں بھی نشے میں آپ کے قریب ہوئی اور واش روم میں بھی میں آپ کے پاس آئی۔۔ آج آج بھی زاران میرے قریب آنے پر آپ کو اس شارٹ باتھ روب گاؤن نے مجبور

کیا۔۔ورنہ میری طرف دیکھتے بھی نہ۔۔۔۔۔۔ابرش کے لہجے کی شبنم بڑھی تھی۔۔

ہاں میں تمھیں ایسے دیکھ کر بہکنے لگتا ہوں۔۔مجھے تم شارٹ کپڑوں میں اٹریکٹ کرتی ہو۔۔میں تمھیں ایسے دیکھ کر بے قابو ہونے لگتا ہوں۔۔جیسے اب ہو رہا ہوں۔۔۔مجھے تم اس وقت پاگل کر چکی ہو۔۔میرے لب بے قراری سے تمھارے روم روم پر اپنی محبتوں کی سوغات چھوڑنے کے لیے بے تاب ہیں۔۔زاران نے بہکے بہکے انداز میں اس کی گردن پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔ابرش اسے خود سے دور کرتی حلق کے بل چیخی تھی۔۔

ابرش کے یوں چیخنے پر زاران نے اسے سرد نظروں سے گھور کر دیکھا۔۔

ابرش تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔ فضول سی بات کو دل پر لگائے بیٹھی ہو۔ اگر مجھے تم شارٹ نائٹیز میں اٹریکٹ کرتی ہو تو کیا اسے میرا گناہ بنا دو گی۔۔ مجھے تم ایسی اچھی لگتی ہو ایسے تمھیں دیکھ کر بہکنے لگتا ہوں۔۔ کسی باہر کی عورت کو تو دیکھ کر تو نہیں بہکتا بیوی ہو تم میری۔۔۔ اور تمھیں ایسے لگتا ہے کہ میں تمھارے قریب تبھی آتا ہوں۔۔ جب تم مجھے ایسے اٹریکٹ کرواتی ہو تو پھر کیوں پہنا یہ شارٹ گاؤن۔۔۔ میری تڑپ دیکھنے کے لیے یہ میرا جذباتوں کا مذاق اڑانے کے لیے۔۔ زاران نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

آپ کے لیے پہنا زاران۔۔۔۔ آپ کے لیے پہنا کیونکہ نہیں برداشت کر سکتی آپ کی بے اعتنائی۔۔۔ آپ کی توجہ کہیں اور میں برداشت کر سکتی۔۔۔ اس لیے نہیں پہنا کہ میں آپ کی قربت کے لیے مری جا رہی

تھی۔۔ بلکہ آپ کو دیپنا بنانے کی غرض سے پہنا۔۔ تین ماہ اس کمرے میں آپ کی بے ساعتنائی سہی ہے۔۔ پل پل اذیت کی موت مری ہوں۔۔ آپ کبھی ایک بیوی کے احساسات نہیں سمجھ سکتے۔۔ ایک بیوی اپنے شوہر کو دوسری عورت کے قریب دیکھ کر انسکیور فیل کر رہی ہے۔۔ آپ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔۔ ابرش زاران کی سینڈو دونوں ہاتھوں میں جکڑتے روتے ہوے بولی۔۔

ایک بیوی نے یہ نہیں دیکھا اس کا شوہر کتنا زخمی ہے۔۔ وہ صرف ڈریسنگ کروا رہا تھا۔۔ اس نے ایک نظر بھی دوسری عورت کو نہیں دیکھا۔۔ زاران نے نرمی سے بولتے اس کے لعارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔۔

کیوں کروا رہے تھے ڈریسنگ۔۔۔میں بھی تو کر سکتی تھی۔۔اگر آپ کی جگہ میں ہوتی تو۔۔۔۔۔میں مر بھی رہی ہوتیناں تو آپ کسی غیر مرد کو میرے نزدیک نہیں دیکھ سکتے۔۔ابرش نے بھیگے لہجے

ششش۔۔۔۔۔۔۔زاران نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کرتے اس کی ہونٹوں پر انگلی رکھی تھی۔۔

اپنے لبوں سک کسی غیر مرد کا نام بھی مت لینا۔۔تم بلکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔میں کبھی تمھارے قریب کسی غیر مرد کا سایہ بھی برااشت نہیں کر سکتا۔۔تم مر بھی رہی ہوتی تو میں پھر بھی تمھارے قریب کسی کو نہ پھٹکنے دیتا۔۔

یہاں سے ہی اندازہ لگالو تمھارا مسٹر خانزادہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔تمھارے لیے کتنا جنونی ہے۔۔زاران نے اس کے عارض سے بہتے

آنسو صاف کرتے اس کے دونوں عارض پر پیار سے اپنے ہاتھ جمائے تھے

ان تین ماہ میں اگر تم میری بے اعتنائی میں جلی ہو میں تمھاری قربت کی چاہ میں جلا ہوں۔۔ تمھاری پیاس نے مجھے راتوں کو سونے نہیں دیا۔۔ مگر میں کبھی تمھیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ مگر ہر بار میں تمھیں ہرٹ کرتا رہا چاہے وجہ جو بھی ہو۔۔ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔۔ میں نہین چاہتا تھا تمھارے ساتھ زبردستی کروں۔۔ میری تڑپ یہی کہتی تھی کہ اپنا حق تم سے وصول کرلوں۔۔ میری مردانہ آنا مجھے مجبور کرتی تھی کہ میں ہر روز تم پر اپنی مردانگی کی دھاک بٹھاؤں۔۔ تمھیں تمھارے کیے کی سزا دوں۔۔ تم پر تمھاری سانسیں تنگ کردوں۔۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میرے شدید محبت نے ایسا نہیں کرنے دیا۔۔

تمھارے قریب آنے پر میں تم سے دور نہیں رہ سکا۔۔ اس رات تمھارے ساتھ زبردستی کی۔۔ میں تمھیں باہر اس لیے لے کر گیا تھا تاکہ تم اپنی رضامندی سے خود کو مجھے سونپو۔۔۔ مگر ہوٹل سے تمھارا چلے جانا۔۔ پھر وہ سب کچھ ہونا۔۔ ایک بار پھر مجھے تم پر غصہ دلا گیا تھا۔۔ تم جس طرح بے پردہ تھی ان غلیظ مردوں کے سامنے۔۔ مگر تم جب نشے میں میرے قریب آئی میں تم سے دور نہیں رہ سکا۔

تمھیں یہ لگتا ہے میں تب تمھارے قریب آتا ہوں۔۔ جب تم خود آتی ہو میرے نزدیک۔۔ مگر تم نے یہ آج تک محسوس نھیں کیا۔۔ مجھے تم پر کتنا بھی غصہ ہو تمھاری قربت وہ غصہ ختم کر دیتی ہے۔۔۔ تمھیں یہاں سے محسوس نہیں ہوتا میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔ زاران نے ابرش کے عارض پر بہتے آنسو اب اپنے لبوں سے چنے۔۔ تھے۔

اب دیکھو تمھارے قریب آنے پر میں اپنے بازو کا درد بھی بھول گیا ہون یہاں سے اندازہ لگالو تمھارا مسٹر خانزادہ تمھارا کتنا دیوانہ ہے۔۔زاران نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھرتے وہ اس کے لبوں پر جھکا تھا۔۔

اب کی بار ابرش نے مزاحمت نہیں کی تھی۔۔وہ زاران کی شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی۔۔زاران اسے مزید قریب کرتے اس کی سانسوں کو جکڑ گیا تھا۔۔

تھوڑی دیر بعد اسے الگ کیا تو ابرش گہرے سانس بھرتے اس کے سینے میں سما گئی تھی۔۔۔

زاران نے مسکراتے ہوے اسے سینے میں بھینچا تھا۔۔

تم آئیندہ اس سے بات نہیں کرو گے۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں میری جان۔۔۔ زاران نے بھاری آواز میں کہتے اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے اس کے گاؤن کی ڈوری کھولی تھی۔۔

کیا ہوا بازو میں۔۔ ابرش نے اس کے ہاتھوں کا بے باک لمس اپنی دھڑکنوں پر محسوس کرتے سرخ ہوتے پوچھا۔۔

کچھ بھی نہیں۔۔۔ وہ مدہوشی کے عالم میں بولتا اس کی گردن پر جابجا اپنا لمس چھوڑ رہا تھا۔۔

درد ہو رہا ہے۔۔ ابرش نے زاران کو خود سے دور کرتے پوچھا۔۔ ابھی تو بلکل نہیں۔۔۔ بعد کا پتہ نہیں۔۔۔ وہ ابرش کو گود میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔۔

ابرش نے اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کیں۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے اسے دیکھا تھا۔۔ اور اسے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔۔

بعد میں اپنے وعدے سے بھی مکر جاؤ گے ناں۔۔۔ ابرش نے اکے سینڈو سے جکڑتے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔

کون سا وعدہ زاران اس کی ادا پر گھائل ہوا۔ تھا۔

پلوشہ کی طرف دیکھو گے بھی۔ نہیں۔ ابرش کی آنکھیں پھر سے بھیگی تھیں۔

نہیں مکروں گا میری جان۔۔۔زاران کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں تھیں۔۔ لیکن زاران تم بدل جاتے ہو مجھے اگنور کرتے سہو ڈانٹتے ہو تم۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے شکوہ کیا۔۔

نہیں ڈانٹوں گا نہیں اگنور کروں گا۔۔ تم جان ہو میری۔۔۔وہ اس کا گاؤن کندھوں سے نیچے کھسکاتا اس پر جابجا اپنے دانت گاڑھ رہا تھا۔۔ ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اپنی آنکھیں بند کر چکی تھی۔۔

ایسے نہیں میری جان۔۔ آنکھیں کھولو اپنے خانزادہ کا جنونی انداز آنکھیں کھول کر دیکھو زاران نے اس کا گاؤن ریموو کرتے اسے اپنے سینے پر منتقل کرتے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا تھا۔۔

ابرش سرخ گلاب ہوتی اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔ زاران رخ پلٹتے اس پر مکمل طور پر حاوی ہوتے اس پر اپنی شدتیں بہت جنونی انداز میں لٹانے لگا۔۔

عابیر نے بھیگی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ کل رات اور آدھا دن وہ اس کی بانہوں میں قید رہی تھی۔ وہ اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرتا رہا تھا۔۔ ایک پل کے لیے اس نے اسے اپنی آگ جیسی قربت سے چھٹکارا نہیں دیا تھا۔ اس کے بدن کے ہر پور ہر جگہ پر اس کی دی ہوئی سوغاتیں تھیں۔۔ عابیر کب انگ انگ اس کی شدتوں درد اور تھکن سے چور تھا۔۔ وہ بنا کوئی شکوہ لائے اس کی شدتیں سہتی رہی۔۔ بخار اور نقاہت میں ہونے کے باوجود وہ خود کو اسے سونپ چکی

تھی۔۔ مگر وہ کل وہ اب اس سے اتنا ہی انجان اور لاپرا وہ تھا۔۔ اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔۔ یعنی کل رات وہ اس کے پاس اپنے دل کی خواہش پر نہیں بلکہ خود پر کنٹرول نہ رکھنے کے باعث آیا تھا۔ اور اب جب سارا خمار اڑا تھا۔۔ اس کی ضرورت پوری ہو گئی تھی وہ پچھتا رہا تھا۔ اس لیے اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

عابیر سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے وہ آنکھیں موند چکی تھیں۔ کتنے ہی آنسو بے مول ہو کر پلکوں کی بار توڑتے رخسار پر گرے تھے۔۔ اسفندیار خان کی بیگانگی اس کی بے اعتنائی اب اس کا دل چیر رہی تھی۔ بخار ایک بار پھر سے اسے اپنے وجود میں اترتا محسوس ہوا۔۔

گاڑی کے ٹائر جب حویلی کے کارٹیکو کے سرخ فرش پر چرا چرائے تو عابیر نے آنکھیں کھولی تھیں۔

اسفندیار خان گاڑی سے اترتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

عابیر گہری سانس لیتے اپنی نم آنکھیں رگڑتے گاڑی سے اترتے اندر کی جانب بڑھی۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔ اسفندیار خان نے لاونج میں داخل ہوتے روزینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا۔۔

عابیر نے بھی مدھم آواز میں روزینہ خانم سے سلام کیا تھا۔

اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔۔ سمیع اللہ خان اربد خان کے ساتھ کل رات سے ہی اپنے ایک دوست کے جنازے پر گئے تھے۔۔ روزینہ خانم پچھلی دو راتوں سے سوئی نہیں تھی۔۔ آج بھی صبح صبح اتنی سردی میں وہ اسفندیار خان کا انتظار کر رہی تھیں۔

روزینہ خانم اسفندیار کے سلام کا جواب دیے بنا صوفے سے کھڑی ہوتی اسفندیار کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

کہاں تھے تم اسفند پچھلے دو دنوں سے؟ روزینہ خانم نے عابیر پر قہربار نگاہ ڈالتے اسفندیار سے پھتریلے لہجے میں پوچھا۔۔

میں گیسٹ ہاؤس میں تھا۔۔ اسفند نے روزینہ خانم کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھتے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

کیا کر رہے تھے تم وہاں ؟؟ روزینہ خانم نے غصے سے بلند آواز میں پوچھا۔

کیا مطلب میں وہاں پر کیا کر رہا تھا؟؟ اسفندیار خان نے جواباً ضبط سے پوچھا۔۔ اسفندیار خان اور روزینہ خانم کے سرد رویے اور کچھ بخار کی وجہ سے عابیر کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔ عابیر کو لڑکھڑاتا دیکھ کر اسفند نے جلدی سے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھاما تھا۔۔ اسے بانہوں میں تھامنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا۔۔ وہ پھر سے بخار میں جل رہی ہے۔۔ کل رات کے بعد اس نے اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا وہ پھر سے بخار سے تانبے کی مانند دہک رہی ہے۔۔ اسفند کے چھونے پر عابیر نے اس کے ہاتھ بری طرح جھٹکے تھے۔۔

دور رہیں مجھ سے اسفندیار خان۔۔۔ عابیر نے اسے نم نگاہوں سے دیکھتے خود سے دور رہنے کو کہا۔

اسفند اس کی گلابی ہیزل گرے آنکھوں کو بغور دیکھتا اس سے دور ہوا۔ جس میں گہرے شکوے پنہاں تھے۔۔ وہ اس کی بے اعتنائی پر کافی تکلیف میں تھی۔۔ یہ اس کے جلتے بدن اور اس کے ہچکولے لیتے وجود سے صاف ظاہر تھا۔۔ وہ مر رہی ہے اس کی بیگانگی پر۔۔۔ وہ اس کی حالت کی پیش نظر خاموشی سے اس سے دور ہو گیا تھا۔۔ ورنہ اس کا یوں جھٹکنا اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

روزینہ خانم یہ دیکھتے بھڑ بھڑ جلی تھیں۔۔ وہ دونوں جیسے اس کی موجودگی فراموش کیے ہوے تھے۔۔ اسفند کی نیلی آنکھوں میں عابیر کے لیے جنون سا تھا۔۔ اس کے جھٹکنے پر نیلی آنکھیں کیسے سرخ ہوئی تھیں۔۔ عابیر کے لیے اسفند کی جنونیت بڑھتی جا رہی تھی جو ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اسفند ہم نے اتنا مشکل سوال نہیں کیا کہ تم جوابًا ہم سے سوال کرو۔۔ ہم مورے ہیں تمھارا تمھیں حق نہیں پہنچتا ہم سے سوال کرو۔۔۔ روزینہ خانم اب کی بار چیخی تھیں۔

اسفند جو عابیر کے لرزتے بدن کو بغور دیکھ رہا تھا۔

روزینہ خانم کے چیخنے پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

مورے میں سوال نہیں کر رہا مجھے آپ کے سوال نے حیران کیا تھا تو۔۔۔۔۔۔

اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے تم بنا ہمارا آجازت کے ہمیں بغیر بتائے کیسے عابیر کو وہاں لے کر جا سکتا ہے۔۔ کیوں لے کر گیا تم عابیر کو وہاں؟ روزینہ خانم اسفند کی بات کاٹتے درشت لہجے میں بولی۔۔

میں مانتا ہوں میں نے آپ کو نہیں بتایا۔۔مجھے بتانا چاہیے تھا۔ مگر میں اپنی بیوی اپنی عورت کو وہاں کیوں نہیں لے کر جا سکتا۔۔یہ بات مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی۔۔اسفند نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔اسفند کا سرخ و سفید چہرہ اشتعال سے اب سرخ ہوا تھا۔۔

یہ تمھارا عورت ہے تمھارا بیوی ہے۔۔تو ہم کون ہے؟؟۔۔بابرک کون تھا۔؟!؟تم اپنا بیوی کے حسن کے آگے اپنا جوان بھائی کا موت بھی بھول گیا ہے۔۔تم بھول گیا ہے تم نے یہ شادی زاران سے بدلہ لینے کے واسطے کیا تھا روزینہ خانم غم و غصے سے چیخی تھیں۔۔روزینہ خانم کی بات پر عابیر نے بھیگی نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو سرخ چہرے کے ساتھ اپنی مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا۔۔

اسفند تم بھول سکتا ہے کہ بابرک کو مارنے والا ابھی تک آزاد گھوم رہا ہے ۔۔ مگر ہم نہیں بھول سکتا۔۔ تم بھول سکتا ہے۔ بابرک کے قاتل کو پناہ دینے والا تمھارا بیوی کا بھائی ہے مگر ہم نہیں بھول سکتا۔۔ پتہ ہے کیوں ؟؟ روزینہ خانم نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

کیونکہ ہمارا وہ جوان بیٹا تھا۔۔ اس کا لاش خون میں لت پت اس حویلی آیا تھا۔۔

یہ جو تمھارا سامنے لڑکی کھڑا ہے روزینہ خانم نے عابیر کی طرف اشارہ کیا۔۔ یہ لڑکی برابر کا قصوروار ہے ہمارا بیٹے کی موت میں۔۔

جب تک یہ بابرک کے نکاح میں رہا یہ اور اس کا بھائی ہمارا بیٹا کو دھتکارتا رہا۔۔ اس کا بھائی طلاق مانگتا رہا۔ جب ہمارا ایک بیٹا کو یہ دھتکارے گا تو ہم

کیسے برداشت کرے گا ہمارا دوسرا بیٹا اس لڑکی کا نخرے اٹھائے۔۔۔وہ عابیر کو نفرت سے دیکھتے پھنکاری تھیں۔

مورے عابیر بابرک کی منکوحہ تھی۔۔ مگر اب میری عورت ہے۔۔مجھے بلکل پسند نہیں ہے آپ بار بار اس کا نام بابرک سے جوڑیں۔۔ اسفند نے ظبط سے کہا۔۔روزینہ خانم کا بار بار عابیر کو بابرک کی منکوحہ کہنا اس سے بلکل برداشت نہیں ہوتا تھا۔۔ آج وہ دبے انداز میں سپاٹ لہجے میں احتجاج کر گیا تھا۔۔ مگر روزینہ خانم یہ سنتے ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھیں۔

تم سچ میں اپنا بھائی کا موت بھول گیا ہے۔تم بھول گیا یہ لڑکی بہت شاطر ہے۔۔۔جب بابرک اسے قبول نہیں تھا تو اس نے تمھیں قبول کیوں کیا۔۔

یہ لڑکی کیوں تمھار آگے پیچھے پھرتا ہے؟؟۔۔اس کا بھائی تمھیں کیوں کچھ نہیں کہتا؟؟۔۔کیونکہ تم امریکہ سے پڑھ کر آیا ہے۔۔ تم پڑھا لکھا

ہے۔ ہمارا ابا برک ان پڑھ تھا۔ صرف اسی واسطے یہ ہمارا بیٹے کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتا تھا۔

شہرام بھی تو ان پڑھ ہے۔۔۔ مگر ہمارا بیٹی کتنا عزت دیتا ہے اس کو۔۔۔ کتنا پوچھتا ہے۔۔ ہم نے تو کبھی اپنی بیٹی کو طلاق نہیں مانگتے دیکھا۔۔۔ یہ لڑکی تم کو بے وقوف بنا رہا ہے۔۔ اپنا خوبصورتی اور معصومیت کے جال میں تم کو پھنسا کر تمھیں تمھارا بھائی کا قتل بھلا رہا ہے۔۔ تاکہ تم اس کے قاتل بھائی کو معاف کر دو۔۔ مگر ہم نہیں معاف کرے گا۔۔ ہم اس کا بھائی کا جان اپنے ہاتھوں سے لے کر رہے گا۔

روزینہ خانم اپنا آپہ کھوتے غصے چیخی تھیں۔۔۔

آپ کا بیٹا صرف ان پڑھ نہیں تھا۔۔ آپ یوں چیخ کر اس کے کرتوتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتیں۔ عابیر مزید خاموش نہیں رہ سکی تھی۔۔ زاران کو جان سے مارنے والی بات پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

عابیر خاموش۔۔۔ اسفند نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے خاموش رہنے کو کہا۔۔ روزینہ خانم اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھیں۔۔ عابیر کے خیالات بابرک کو لے کر کیا تھے۔ وہ جانتا تھا۔۔ وہ کچھ بھی کہتی وہ بھی اس وقت برداشت نہیں کر پاتا۔۔ روزینہ خانم اس کے کتنے ہی زخم ادھیڑ چکی تھیں۔۔ بابرک کی خون میں لت پت لاش اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگی تھیں۔ اس نے ضبط سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔

کیوں اسفندیار خان؟؟ میں کیوں خاموش رہوں۔۔ میں کیوں بے قصور ہوتے ہوے بھی آپ کی مورے کے طعنے سہوں۔۔ آپ کی نفرت سہوں۔

آپ رات کی تنہائی میں مجھ سے اپنا مطلب پورا کر لیں اور دن کے اجالے میں میرے وجود سے انجان بن جائیں۔۔عابیر خان اتنی ارزاں نہیں ہے وہ یہ سب سہے۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔۔

چادر سر سے پھسلتے اب اس کے کندھوں پر تھی۔۔عارض سرخ تھے۔۔۔آنکھیں متورم۔۔۔۔کل رات سے تو وہ رو رہی تھی۔۔اس کی بے اعتنائی کی سزا اس کی قربت کے بعد اس کے انگ انگ کو جلا کر راکھ کر چکی تھی۔۔

اس کی قربت میں اس کے بال ابھی تک الجھے اس کی کمر پر بکھرے تھے۔۔جنھیں شاید اس نے اسفند کی بے رخی کے بعد سلجھانا گوارا نہیں کیا

تھا۔۔اس کی گردن پر اسفند کی شدتوں کے گہرے نشان دیکھتے روزینہ خانم کا رنگ غصے سے سرخ پڑا تھا۔۔

عابیر کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ یہ باتیں اب تم میری مورے کے سامنے اس طرح لاونج میں کرو گی۔۔اسفند اس کی کلائی سختی سے جکڑتے اسے اپنے مقابل کرتے غرایا تھا۔۔

تمھارا دیا ہوا ڈھیل کے نتیجے میں یہ سر چڑھ کر بول رہا ہے۔۔یہ اپنا شرم لحاظ سب کچھ بھول چکا ہے۔۔اس جیسا لڑکی ہمارا اتنے ہیروں جیسے بیٹے کے قابل نہیں تھا۔۔مگر کوئی بات نہیں ہم اپنا بیٹا کی دوسرا شادی کروائے گا جو اس کے قابل ہو۔۔روزینہ خانم عابیر پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھے نفرت سے بولیں۔

اگر میں اسفند کے قابل نہیں ہوں تو آپ کا وہ مرا ہوا بیٹا بھی میرے قابل نہیں تھا۔

آپ اچھی طرح جانتی ہیں آپ کا بیٹا کیسا تھا۔ آپ یوں چیخ کر حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔۔ عابیر نے اسفند کو خاموش کھڑا دیکھ کر نم لہجے میں کہا۔

اس کی مورے اس کی تذلیل کر رہی تھی۔۔ اس کی دوسری شادی کی بات کر رہی تھی۔۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔۔ عابیر کی آنکھوں سے اب موتی ٹوٹ کر عارض پر گر رہے تھے۔

کیسا تھا ہمارا بیٹا؟؟ روزینہ خانم غصے سے چیخی۔

تھیں۔

روزینہ خانم کی چیخ و پکار سنتے امینہ خانم درید خان کمرے سے نکلتے لاونج میں آئے تھے۔۔

عابیر خاموش ہو جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔ اسفند نے عابیر کے بازو کو جکڑے اسے سخت لہجے میں تنبیہ کی تھی۔۔۔۔

آپ کا بیٹا جاہل سنکی آوارہ عیاش تھا۔۔ کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔۔ کتنے ہی لڑکیوں کے ساتھ وہ زبردستی کر چکا تھا۔۔ میں آپ کے بیٹے کو ان پڑھ ہونے کی وجہ سے نہیں ٹھکراتی تھی۔۔ بلکہ میں ایک زانی حوست پرست کو اپنا شوہر قبول نہیں کر سکتی تھی۔۔

چٹاخ۔۔۔۔ روزینہ خانم کا تھپڑ اتنا شدید تھا کہ عابیر بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ اس سے پہلے وہ گرتی درید خان نے آگے بڑھتے عابیر کو سنبھالا۔۔

اسفند اپنی مٹھیاں بھینچے غصے سے رخ پلٹ گیا تھا۔۔

اپنے مرے ہوے بھائی کے لیے عابیر کے لبوں سے بولے گیے لفظ اس کی برداشت سے بھی باہر ہوے تھے۔۔

عابیر درید خان کی بانہوں میں سمائے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔جو سرخ چہرے کے ساتھ خاموشی سے کھڑا تھا۔۔عابیر درید خان کی بانہوں میں سمائے منہ چھپائے بے آواز رونے لگی۔

بھابھی آپ نے ہمارا بیٹی پر ہمارے سامنے ہاتھ اٹھایا۔۔ہمت کیسے ہوئی آپ کی؟؟درید خان دہاڑے تھے۔۔

جس طرح اس کی ہمت ہوئی اپنے شوہر اور اپنی ساس کے سامنے یوں میرے مرے ہوے بیٹے پر تہمت لگانے کی۔۔روزینہ خانم جوابًا پھنکاری تھی۔۔

زاران جو ابھی بھی ابرش کے ساتھ ہی روم سے نکلتے سیڑھیاں اترتے نیچے آیا تھا۔۔

عابیر کو روتے ہوے اور روزینہ خانم کو چلاتے دیکھ کر پریشانی سے عابیر کی طرف بڑھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟زاران نے عابیر کو بازو سے جکڑے درید خان کے حصار سے کھینچتے اپنے قریب کیا۔

عابیر کے گال پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر زاران کی آنکھوں نے سرخی اختیار کی تھی۔۔۔

کس نے مارا تمھیں تھپڑ۔۔۔۔۔۔زاران اس کے گال پر ہاتھ رکھتے چیخا تھا۔۔

زاران رہنے دو بات کو مت بڑھاؤ۔۔امینہ خانم نے سخت لہجے میں زاران کو ٹوکا تھا۔۔وہ نہیں چاہتی تھی بات بڑھے۔۔اسفند کا سرخ چہرہ دیکھ کر وہ ڈر گیی تھیں۔۔

کیا مطلب بات کو مت بڑھاؤں۔۔میری بہن پر ہاتھ اٹھایا ہے اور آپ کہہ رہی ہیں بات کو مت بڑھاؤں۔۔زاران کی گرج پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔

ہم نے مارا ہے تھپڑ؟؟اور ایسے کئی تھپڑ تمھارا بہن کو ہم مارے گا۔۔ جس طرح تم نے ہمارا بیٹا کو جانوروں کی طرح مارا تھا۔روزینہ خانم نفرت سے پھنکاری

آپ کی ہمت کیسے ہوئی میری بہن پر ہاتھ اٹھانے کی؟؟۔۔زاران گرجتے ہوے امینہ خانم کے مقابل آیا تھا۔۔

تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو میری مورے سے۔۔۔تم اس گاؤں کے سردار ہو گے۔۔۔مگر میرے لیے تمھاری حیثیت صفر کے برابر ہے۔۔میں اپنی مورے کے آگے تمھاری اونچی آواز برداشت نہیں کروں گا۔۔اسفند نے زاران کو گریبان سے دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔۔

میرے نزدیک بھی تمھاری حیثیت کچھ نہیں ہے اسفندیار خان۔۔۔اگر تم میری بہن کے شوہر نہ ہوتے کب کا تمھارا اس سفحہ ہستی سے خاتمہ کر

دیتا۔زاران اسفندیار خان کے ہاتھ اس کے گریبان سے چھڑواتے ہوے چلایا۔۔

صفحہ ہستی سے انسانوں کو مٹانے میں تم ماہر ہو جس طرح تم نے میرے بھایی کو مارا۔۔اسفند بھی جوابًا چیخا تھا۔۔

ہاں تمھارے بھائی کو میں نے مارا۔۔اسے میں نے گولیاں ماری۔۔کیا کر لو گے تم؟؟زاران غصے سے دھاڑا تھا۔۔

اسفند نے اسی لمحے اپنی جیکٹ سے پسٹل نکال کر زاران کے سینے پر تانی تھی۔۔سب نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔۔زنان خانے ایک پل کے لیے سب شاکڈ رہ گئے تھے۔۔ملازموں تک نے اپنی انگلیاں دانتوں تلے دبائی تھیں۔

ابرش یہ دیکھتے جلدی سے آگے بڑھی تھی۔۔ آگے مت آنا

ابرش۔۔۔ زاران نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے

پیچھے رہنے کو کہا۔۔

زاران کی سرد سرخ نظروں کو دیکھتے ابرش پیچھے ہو گئی تھی۔۔

اسفند یہ کیا کر رہے ہو؟؟ پیچھے ہٹاؤ اس بسٹل کو۔۔۔ درید خان نے اپنا ماتھا

مسلتے پریشانی سے کہا۔۔ وہ اسفند اور زاران کے غصے سے بخوبی واقف تھے کہ

اسفند گولی مارنے سے پیچھے نہیں ہٹے گا اور زاران گولی اپنے سینے پر گولی

کھانے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔ امینہ خانم تو دل پر ہاتھ رکھے وہیں صوفے پر

بیٹھ چکی تھیں۔۔ ان کا بی پی جیسے شوٹ کر رہا تھا۔۔

کیا ہوا؟؟۔۔ اب کیوں ڈر گیا ہے تم درید خان؟؟ اپنا بیٹا پہ آیا تو تمھارا زبان

کانپنے لگا۔۔ ہمارا بھی ایسا جوان بیٹا کی لاش اس حویلی سے اٹھا ہے۔۔ اور

تمھارا بیٹا آج بابرک کو مارنے کا اقرار کر چکا ہے۔۔اب خون کا بدلہ خون ہو گا۔روزینہ خانم نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

روزینہ کیوں بلاوجہ بات بڑھا رہا ہے؟؟وہ بچہ لوگ ہے۔جوان گرم خون کیوں اکسا رہا ہے۔۔زاران نے بابرک کو نہیں مارا۔۔اس نے غصے میں کہا ہے یہ سب۔۔خدا کا واسطہ ہے بات کو مت بڑھاؤ۔

امینہ خانم نے کانپتے لہجے میں روزینہ خانم سے جیسے التجا کی تھی۔۔

عابیر فق رنگت اور چکراتے سر کے ساتھ اسفند کو دیکھ رہی تھی۔۔جو زاران پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔

اس کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔

مجھے لگتا تھا کہ شائد میری سوچ غلط ہو۔۔ شائد تم نے بابرک کو نہ مارا ہو۔۔

مگر آج تم نے اخود اقرار کیا۔ ہے۔ اس لیے سب کے سامنے آج میں

تمھیں ویسے ہی موت دوں گا۔ جو تم نے میرے بھائی کو دی۔ اسفند نے

غراتے ہوے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا تھا۔

اسفند۔۔۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔ آپ میرے لالا کو نہیں مار

سکتے۔۔ عابیر اسفند اور زاران کے بیچ حائل ہوئی تھی۔۔

آج نہیں رکوں گا عابیر۔۔۔۔۔ آج تمھارے لالا کی موت میرے ہاتھوں

سے لکھی ہے۔۔ اس لیے پیچھے ہٹو۔۔ اسفند نے اسے بے دردی سے زمین پر

دھکا دیا۔۔

عابیر زمین پر اوندھے منہ گری تھی۔۔

چلاؤ گولی اسفند یار خان تم ایک بزدل انسان ہو۔۔ آج مجھے مار دو۔۔ ورنہ میں تمھیں مار دوں گا۔۔۔ زاران اسفد کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولا۔

اسفند۔۔۔۔۔۔۔ درید خان گرجے۔

اس سے پہلے اسفند ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھاتے گولی چلاتا۔۔ عابیر زمین سے اٹھتی زاران کی طرف بڑھی وہ پھر سے بیچ ان دونوں کے بیچ آئی تھی۔۔۔

اسفند میرے لالا نے بابرک کو نہیں مارا۔۔۔ انہوں نے یہ سب غصے میں کہا ہے۔۔۔ آپ جانتے ہیں لالا نے قتل نہیں کیا۔۔ بابرک کا قاتل لالا نے

نہیں۔۔۔ آہل ہے یہ ثابت ہو چکا ہے۔۔عابیر اسفند کے مقابل آتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

آہل کے ذکر پر ابرش کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔۔

کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟ ارحام کی گرج دار آواز پر سب متوجہ ہوے تھے۔۔

وہ ابھی ابھی حور کے ساتھ کمرے سے باہر آیا تھا۔۔لاونج کا منظر دیکھ کر وہ شاکڈ ہوا تھا۔۔ حور تم کمرے میں جاؤ۔ ارحام نے حور کو دیکھتے نرم لہجے میں کہا۔۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ ڈر جائے۔۔۔۔۔۔

وہ اس طرح کے لڑائی جھگڑے کی عادی نہیں تھی۔۔وہ اسے لے کر اب کافی حساس ہو گیا تھا۔۔ حور ارحام کی بات پر خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیی۔۔

ارحام غصے سے اسفند کی طرف بڑھا۔۔جو پسٹل ہاتھ میں پکڑے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔۔

لالا آپ ہی سمجھائیں اسفند کو؟؟عابیر روتے ہوے بولی تھی۔۔ مگر وہ زاران کے سامنے سے ہٹی نہیں تھی۔

اسفند یہ کیا طریقہ ہے؟؟ارحام اسفند کے مقابل آیا تھا۔۔

لالا آپ کو میری قسم پلیز۔۔۔۔زاران کو اسفند کی طرف بڑھتے دیکھ کر عابیر زاران کے سینے کے ساتھ لگتی اس سے التجائیہ لہجے میں بولی۔۔

لالا آپ بیچ میں سے ہٹ جائیں۔۔ آج میں زاران کو نہیں چھوڑوں گا ۔۔اس نے خود اقرار کیا ہے کہ اس نے بابرک کو مارا ہے۔۔اسفند غرایا تھا۔

اسفند زاران نے بابرک کو نہیں مارا۔۔ یہ ثابت ہو چکا ہے۔۔ جرگہ یہ فیصلہ کر چکا ہے۔۔ اگر تمھیں شک ہے تو اس کے بارے میں دوبارہ سے تحقیق ہو جائے گی۔۔ اگر زاران نے بابرک کو مارا ہوا وہ میں وعدہ کرتا ہوں۔۔ میں خود زاران کو اس کی سزا دوں گا۔۔ ارحام نے سچویشن کے مطابق رسانیت سے اسفندیار خان کو سمجھایا تھا۔۔

کیا ہوا فیصلہ ہوا تھا کہ ہمارا بیٹا کے قتل کے بدلے میں ابرش ونی میں آئے گا۔۔ مگر کیا ہوا؟؟ ابرش کو اس کا شوہر نے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔۔ ہمارا بابرک کی موت کا مذاق اڑایا ہے۔۔ یہ ہمارا بیٹا کے قتل کا حساب لیا تم سب نے۔۔ قاتل کی بہن کو ہمارے سر پر بٹھا دیا۔

اگر زاران نے یہ قتل نہیں کیا تو اس کو بولو آہل کو ہمارا سامنے لائے۔۔ جس طرح بابرک کو گولیاں ماریں۔۔ ہم بھی آہل کے سنے پر مار کر اپنا بدلہ کی آگ ٹھنڈا کر سکے۔۔ روزینہ خانم زہریلے لہجے میں بولی۔۔

ابرش نے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلتے زاران کو دیکھا تھا جو عابیر کو سینے کے ساتھ لگائے ہوے تھا۔۔

اسے یقین تھا آہل نے یہ قتل نہیں کیا۔۔ اگر زاران آہل کو پروٹیکشن دے رہا تھا تو زاران یہ جانتا ہے بابرک کا قاتل کون ہے۔۔ وہ سب سے کیا چھپا رہا تھا؟؟۔۔ ابرش نے سسکی لیتے زاران کو دیکھا۔۔

لالا آپ میرے سر کی قسم کھائیں کہ آپ نے بابرک کو مارا ہے۔۔ عابیر نے اسفند کو پسٹل ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر زاران کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا تھا۔

عابیر بچہ مت کرو ایسے تم جاؤ کمرے میں مجھے کچھ نہیں ہو گا۔۔ زاران نے عابیر کے کانپتے وجود کو دیکھتے نرمی سے کہا۔۔ اس کی فق رنگت کانپتا بدن وہ بری طرح ڈری ہوئی تھی۔۔ اس کے گال پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر وہ اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

نہیں لالا آپ کو میرے سر کی قسم۔۔۔۔۔۔ آپ سچ بتائیں تا کہ اسفند کو اور یہاں کھڑے ہر انسان کو یقین آ جائے۔۔ میرے لالا کبھی بھی بابرک کو نہیں مار سکتے۔۔۔ چاہے بابرک جیسا بھی ہو۔۔ میرے لالا کبھی بھی اپنی بہن کی خاطر اپنے دوست کو تکلیف نہیں دے سکتے۔۔ وہ کبھی بھی اپنی فیملی کو تکلیف نہیں دے سکتے۔۔ کوئی اور میرے لالا پر یقین کرے یا نہیں۔۔۔ مگر مجھے یقین ہے میرے لالا بابرک کو قتل نہیں کر سکتے۔۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں اسفند یار خان کو دیکھتے کہا۔

ہٹ جاؤ عابیر سامنے سے۔۔ عابیر کو زاران کے سینے کے ساتھ لگے دیکھ کر وہ مزید مشتعل ہوا تھا۔۔۔ وہ اگر بیچ میں نہ آتی وہ کب کا زاران کو مار دیتا۔۔ وہ اگر اس کی زندگی میں نہ ہوتی وہ زاران کی جان بہت پہلے لے چکا ہوتا۔۔ وہ آج تک زاران کو کیوں نہ مار سکا۔۔ اس کی وجہ سامنے کھڑی لڑکی ہی تو تھی۔۔

میں نے یہ قتل کیا ہے یا نہیں اب اس کا فیصلہ جرگے میں ہو گا۔۔ اسفندیار خان میرے خلاف ثبوت اکٹھے کرے۔۔۔ اگر میں گلٹی ہوا تو میں سرینڈر کر دوں گا۔۔ زاران سپاٹ لہجے میں بولا۔۔

ثبوت تو میں ڈھونڈ لوں گا۔۔مجھے آہل کی تلاش ہے۔۔ جس دن مجھے آہل اور زرتاج مل گئے۔۔ سمجھ لینا اس دن تیری گیم ختم زاران خانزادہ۔۔۔اسفند پسٹل زمین پر پھینکتے چلایا تھا۔۔

وہ تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھا مگر روزینہ خانم کے الفاظ اس کے قدم روک چکے تھے۔۔

بابرک کے قتل کا فیصلہ جب بھی ہو۔۔ مگر عابیر کا فیصلہ تم آج اور ابھی کرے گا اسفندیار خان۔۔۔روزینہ خانم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

کیسا فیصلہ مورے؟!۔۔۔اسفند نے روزینہ خانم کے مقابل آتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔وہ سمجھ تو چکا تھا اور یہی بات اسے اشتعال میں مبتلا کر گئی تھی۔

ہم عابیر کو صرف بہارے کی وجہ سے برداشت کر رہا تھا۔۔ مگر اب مجھے بہارے کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔۔

تم عابیر کو طلاق دے دو۔۔ روزینہ خانم کی بات پر لاونج میں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔۔ سب خاموشی سے روزینہ خانم کو دیکھ رہے تھے۔

اسفند کا رنگ غیض و غضب سے سرخ ہوا تھا۔۔ گردن کی پھولتی رگیں اس بات کی گواہ تھیں اسے روزینہ خانم کی بات بہت بری لگی ہے۔۔

مورے میری ایک بات آج آپ سن لیں اور یہاں کھڑا ہر فرد میں نے عابیر سے نکاح جس بھی مقصد کے لیے کیا ہو مگر اسے چھوڑنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔۔ عابیر کو میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ آئندہ آپ بھی ایسی بات منہ پر نہیں لائیں گی۔۔ عابیر میری عزت ہے۔۔ میں اپنی عزت اپنی عورت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اسفند مضبوط اٹل لہجے میں بولا۔۔

اسفند یہ ہمارا حکم ہے۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔مورے اب ایک اور لفظ نہیں۔۔اسفند نے روزینہ خانم کی بات کاٹتے ہوے کافی سرد لہجے میں بولا۔۔۔

اسفند کی سرد آواز اور آنکھوں کی بے تحاشا سرخی دیکھ کر روزینہ خانم خاموش ہو گئی تھیں۔

تم نہیں چھوڑو گے مگر اس کا بھائی تم سے اسے چھٹکارا ضرور دلوائے گا۔۔۔زاران کی اطمینان سے کہی ہوئی بات پر اسفند کے ہاتھوں کی موٹی نیلی رگیں بھی آپ نمایاں ہوئیں تھیں۔

اچھا میری بیوی کو تم میری آجازت کے بغیر چھو بھی نہیں سکتے۔۔کیسے چھٹکارا دلواؤ گے مجھے ؟؟۔۔۔اسفند طیش والم میں زاران کی طرف بڑھا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔ارحام اسفند کو تنبیہ کرتے اسے دور رہنے کو کہا۔۔

ارحام کے پکارنے پر اسفند نے وہیں پر رکتے ہوے اپنی مٹھی بھینچی تھی۔۔وہ زاران کو سرد نگاہوں سے گھورتے عابیر کی طرف بڑھتے عابیر کی کلائی جکڑ گیا تھا۔۔

وہ اس کی کلائی جکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔عابیر خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

یکدم زاران کا مضبوط ہاتھ اسفند کی کلائی پر آن ٹھہرا تھا۔۔

عابیر تمھارے ساتھ اوپر نہیں جائے گی۔۔زاران نے اسفند کو گھورتے درشت لہجے میں کہا۔۔

زاران بات کو مت بڑھاؤ۔۔ درید خان نے زاران کو ٹوکا تھا۔۔ بات تو بڑھ چکی ہے بابا۔۔۔۔۔ اب تو فیصلہ ہو گا۔۔ اور میرا فیصلہ یہ ہے میری بہن اسفندیار خان کے کمرے میں نہیں اپنے کمرے میں جائے گی۔۔ زاران نے اسفند پر دل جلانے والی مسکراہٹ اچھالی تھی۔۔

عابیر میرے ساتھ کمرے میں ہی جائے گی۔۔ دیکھتا ہوں تم کیسے روکتے ہو؟؟ اسفند زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔۔

عابیر اپنے کمرے میں جاو۔۔ زاران نے اسفند کو دیکھتے عابیر کو حکم دیا۔۔

لالا۔۔۔. عابیر نے زاران کو نم آنکھوں سے دیکھتے اسفند کو دیکھا جو اس کی کلائی مزید مضبوطی سے جکڑ گیا تھا۔۔

عابیر اپنے کمرے میں جاؤ۔۔ اب کی بار زاران دھاڑا تھا۔۔

عابیر نے بے بسی سے زاران اور اسفند کو دیکھا تھا۔۔ وہ اپنے لالا کی بات کسی صورت نہیں ٹال سکتی تھی۔۔ مگر اسفند کی جکڑ اس کی کلائی پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

عابیر میرے ساتھ ہی جائے گی۔۔ اور اب وہ کمرے سے بھی باہر میری آجازت کے بغیر نہیں نکلے گی۔۔ تم سے ملنا تو دور کی بات آج کے بعد میں اسے تم سے بات بھی کرنے نہیں دوں گا۔۔ اسفند نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔۔

عابیر اپنے کمرے میں جائے گی۔ زاران نے کہتے عابیر کی کلائی جھٹکے سے اسفند کے ہاتھوں سے چھڑوائی۔۔

عابیر اپنے کمرے میں جاؤ۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔۔عابیر چلو میرے ساتھ۔۔اسفند نے پھر سے عابیر کی کلائی جکڑی تھی۔۔

نہیں اسفند میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔۔مجھے آپ کے کمرے میں جگہ نہیں۔۔۔آپ کے دل میں جگہ چاہیے۔۔جب آپ کے دل میں میرے لیے جگہ نہیں تو میں کمرے میں رہ کر کیا کروں گی۔۔عابیر نے اپنی کلائی پر موجود اسفند کا مضبوط ہاتھ پیچھے کیا تھا۔۔اسفند نے بھی اس کی کلائی یکدم چھوڑ دی تھی۔۔

اسفند کی کلائی چھوڑنے پر عابیر کی آنکھیں مزید نم ہوئیں تھیں۔۔دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔

عابیر کی آنکھیں نم اور گلابی تھیں۔اسفندیار خان کی آنکھیں سرخ اور سپاٹ تھیں۔

اسفند سپاٹ سرد نظر عابیر پر ڈالتے تیز تیز قدم اٹھاتا زنان خانے سے نکل گیا تھا۔۔

روزینہ خانم تنفر سے سب کو دیکھتے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔۔

عابیر روتے ہوے زاران کے سینے میں سمائی۔۔

زاران اس کا کانپتا اور جلتا بدن محسوس کرتے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔۔

.----------

بہارے ہاسپٹل گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو شہرام بھی اسی وقت اپنی گاڑی سے اترا تھا۔۔ بہارے اسے دیکھ کر رکی تھی۔ وہ اس وقت بلو جینز پر وائٹ

شرٹ اور بلو سلیو لیس سویٹر میں ملبوس تھا۔۔ سرخ و سفید چہرہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔۔ تراشیدہ مونچھوں تلے لب بھینچے ھوے تھے۔

بہارے نے لب کاٹتے ہوے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھا جہاں سنجیدگی چھائی تھی۔۔

کبھی وہ اسے دیکھ کر صرف مسکراتا تھا۔ اب اسے دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر دنیا جہاں کی سنجیدگی طاری ہو جاتی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں تھیں۔

وہ اسے ایک نظر دیکھتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ یہ نظر بھی اتفاقاً پڑی تھی ۔۔ ورنہ وہ کبھی اس پر نظر نہ ڈالتا۔۔

۔ بہارے کی آنکھوں میں یکدم جیسے ریت سی چبھنے لگی تھی۔۔ وہ اس کی چوڑی پشت پر نظریں جماتے اپنی چادر اچھی طرح سر پر جماتے بھی اندر کی

جانب بڑھی۔۔ آج اسے تھوڑی دیر ہو گئی تھی۔۔ اس لیے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہ اس وقت کوریڈور سے گزر رہی تھی۔۔ تیز تیز چلنے سے یکدم اسے ٹھوکر لگی تھی۔۔ کوریڈور میں بنے ایک پلر سے اس کا پاؤں بری طرح ٹکرایا تھا۔۔ ٹھوکر لگنے سے اس کے انگوٹھے کا ناخن بری طرح زخمی ہوا تھا۔۔ بلکہ تقریباً اکھڑ ہی گیا تھا۔ وہ درد سے چلا اٹھی تھی۔۔ اسی انگوٹھے پر پہلے بھی چوٹ لگی تھی۔۔ اس لیے تکلیف کی شدت بہت زیادہ تھی۔۔ وہ درد سے کراہتے ہوئے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔

بہارے کی دردناک چیخ پر شہرام کے قدم رکے تھے۔۔ وہ اس کے آگے ہی چل رہا تھا۔ صبح کا ٹائم تھا اس وقت ہاسپٹل کے کوریڈور میں کوئی نہیں تھا۔۔ اس نے رک کر ایک پل کے لیے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بہارے زمین پر

بیٹھی بری طرح سسک رہی تھی۔۔ شدید تکلیف اس کے چہرے سے ہی عیاں تھی۔۔ بہارے نے سسکتے ہوئے شہرام کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔ بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

وہ اس پر ایک نظر ڈالتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

بہارے سٹل ہوئی تھی۔ اس نے دھندلائی آنکھوں سے شہرام کی پشت کو بے یقینی سے دیکھا تھا۔۔

آنکھوں میں آنسو ٹھہر سے گئے تھے۔۔ وہ اسے اتنی تکلیف میں دیکھ کر بھی چھوڑ چلا گیا۔۔ وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ انگوٹھے میں درد جیسے ختم ہو گیا تھا۔۔ اسے اب یہ درد دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔۔ روح تک جیسے زخمی ہو کر بلبلا ہو اٹھی تھی۔۔ اسے ذرا سی چوٹ لگنے پر وہ اسے اٹھائے خطرناک پہاڑ پر چڑھ

گیا تھا۔۔ اسے دو قدم چلنے نہیں دیا تھا۔۔ صرف اس کی ایک ضد کی بنا پر وہ پہاڑ کے اونچے نیچے خطرناک راستوں پر اسے لیے ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ سے اندر آیا تھا۔۔ اور آج اس شدید تکلیف میں اس نے اسے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔۔ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ وہ ٹھنڈی زمین پر بیٹھی بری طرح روتے اسی راستے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے وہ سفاک انسان گزر گیا تھا۔۔ دل نے آج پہلی مرتبہ اسے سفاک گردانا تھا۔۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے پلر کا سہارا لیے بمشکل ہی اٹھی تھی۔۔ تکلیف ابھی بھی شدید تھی۔۔ مگر وہ بے حس بنی اندر کی جانب تیز تیز قدموں سے بڑھی۔۔

ہاسپٹل کے سٹاف روم میں داخل ہوتے ہی ظبط کا دامن ایک بار پھر سے چھوٹا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے چہرہ ہاتھوں میں گرائے شدت سے رو دی تھی۔۔

انگوٹھے سے نکلتا خون اس کے جوتے کو داغدار کر رہا تھا۔۔ پاؤں کا تقریباً پورا ناخن ہی اتر چکا تھا۔۔ یہ کیسی تکلیف تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔ شہرام کا آج کا رویہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے دل میں چرکے سے لگ رہے تھے۔

مگر پاؤں میں اٹھتی تکلیف بھول چکی تھی۔۔ شہرام کی بے اعتنائی آج جتنی تکلیف دے گئی تھی۔۔ اس سے آگے کوئی تکلیف معنی ہی نہیں رکھتی تھی۔ اسے ایک تھپڑ مارنے پر اس نے اپنا ہاتھ زخمی کرتے خود کو سزا دی تھی۔ اور آج اس کی تکلیف اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی تھی۔۔

آج پہلی مرتبہ اسے اپنے دل میں شدید درد اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے مسلسل روئے جا رہی تھی۔۔۔ دل ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا وہ کیسے اسے اتنی تکلیف میں چھوڑ سکتا ہے۔۔

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے کافی اونچا رو رہی تھی۔۔ سٹاف روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر بہارے نے اپنی سسکیوں پر قابو پاتے اپنے آنسو صاف کیے۔۔ وہ صوفے سے ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ چہرہ سپاٹ ہوا تھا۔۔ آنکھوں میں اب درد کی بجائے غصہ اور شدید ناراضگی تھی۔۔ اسے

پورا یقین تھا اندر آنے والا شہرام ہے۔۔۔اس دن بھی جب اسے چوٹ لگی تھی۔۔وہ اس کے منع کرنے کے باوجود پانی اور میڈیسن اس کے لیے لے کر آیا تھا۔اسے اپنے ہاتھوں سے کھلائی تھی۔۔۔سٹاف روم کا دروازہ لاک کیے وہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا کتنی دیر تک اس کے زخمی انگوٹھے کو دیکھتے رہا تھا۔خود اس کی ڈریسنگ کی تھی۔اور سارا دن ہزار چکر لگائے تھے اس کے پاس۔۔۔

مگر اب اسے اس کی ہمدردی کی ضرورت نہیں تھی۔۔کوریڈور میں اس کے پاس نہیں آیا تو یہاں بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔۔بہارے نے بہارے نے گہرے سانس لیتے غصے سے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔

ڈاکٹر بہارے کیا ہوا ہے آپ کو؟؟ڈاکٹر فرقان کی آواز پر بہارے نے نظریں اٹھائے اپنے سامنے کھڑے ڈاکٹر فرقان کو دیکھا۔ بہارے کی آنکھیں یکلخت ڈھیروں آنسوؤں سے جھلملائی تھیں۔

گلے میں بھی آنسوؤں کا پھندہ سا لگا۔۔ لفظ گلے میں اٹکے تھے۔

وہ ۔۔وہ یہاں بھی نہیں آیا تھا۔۔دل جتنا بے یقین ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ درد اٹھا تھا۔

بہارے ڈاکٹر فرقان کو آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھتے ایک بار پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ یہ دیکھتے ڈاکٹر فرقان پریشانی سے اس کی طرف بڑھا؟؟

اوہ۔۔۔۔۔۔۔ گاڈ یہ کیا ہوا ہے۔۔

بہارے کے زخمی انگوٹھے کو دیکھ کر ڈاکٹر فرقان کافی پریشان ہوا تھا۔۔

ڈاکٹر فرقان نے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے بہارے کے زخمی انگوٹھے کو ہاتھ لگایا تو بہارے نے سرعت سے اپنا پاؤں پیچھے کیا تھا۔۔

میں دیکھ لوں گی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔۔ بہارے نے خشک لہجے میں کہا۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔۔ آپ کے پاؤں کا انگوٹھا بہت بری طرح زخمی ہے۔۔ڈاکٹر فرقان پریشانی سے بولا تھا۔۔

میں نے کہاناں میں خود ڈریسنگ کرلوں گی۔۔ اگر مجھے ضرورت ہوئی تو میں کسی فی میل ڈاکٹر سے کروالوں گی۔۔ پلیز آپ دور رہیں۔۔ہہارے نے

خشک سپاٹ لہجے میں کہتے ساتھ پڑی ٹیبل سے میڈیکل باکس پکڑ کر اپنی گود میں رکھا۔۔

ڈاکٹر بہارے یہ کیا کر رہی ہیں۔۔ آپ کے پاؤں کے انگوٹھے کی چوٹ معمولی نہیں ہے۔۔ آپ یہ خود نہیں کر سکتی۔۔ اسے پین ریلیف انجیکشن کی بھی ضرورت تھی۔۔ مگر وہ ایسے ہی روتے ہوئے اپنی ڈریسنگ خود کر رہی تھی۔۔

ڈاکٹر فرقان بہارے کو اس طرح روتے دیکھ کر بھی حیران تھا تھا۔۔ وہ جس طرح رو رہی تھی صاف معلوم ہو رہا تھا۔۔ وجہ اس کا زخمی انگوٹھا نہیں کچھ اور ہے۔۔ اس کے اس طرح رونے کی وجہ اس کا زخمی انگوٹھا ہوتا تو وہ یقیناً اپنی ڈریسنگ کسی ڈاکٹر سے کرواتی مگر وہ بے حسی سے اپنے انگوٹھے

کی ڈریسنگ کرتے خود کو مزید تکلیف دے رہی تھی۔۔۔۔میں کسی فی میل ڈاکٹر کو بھیجتا ہوں۔۔

اسے اپنی ڈریسنگ خود کرتے دیکھ کر ڈاکٹر فرقان نے سنجیدگی سے کہا۔۔

وہ ڈاکٹر فرقان کی بات کا جواب دیے بغیر کاٹن سے اپنے انگوٹھے کا خون روکنے لگی۔

ڈاکٹر فرقان لب بھینچے اب بہارے کو دیکھ رہا تھا۔۔اس کے انگوٹھے کا ناخن تقریباً اکھڑ چکا تھا۔۔اسے اس ٹائم انیستھیٹک انجیکشن کی ضرورت تھی تاکہ اس کا ناخن ریموو کر کے ڈریسنگ کی جائے گی

ایسی کیا وجہ ہے جو ڈاکٹر بہارے اس طرح رو رہی ہیں۔۔ڈاکٹر فرقان نے بہارے کے ہچکیاں بھرتے وجود کو دیکھ کر سوچتے ہوئے اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔وہ مزید وہاں رکا نہیں تھا۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

بہارے نے ایک نظر اپنے انگوٹھے کو دیکھا۔۔ جہاں کچھ دیر پہلے ڈاکٹر عنیزہ ڈریسنگ کر کے گئی تھی۔ اسے پین ریلیف انجیکشن بھی لگا دیا تھا۔۔ وہ صوفے سے ٹیک لگائے تھکے تھکے انداز میں اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔۔ پورا ہاسپٹل سٹاف اس کا پتہ کرنے آیا تھا۔۔

ایک وہی نہیں آیا تھا۔۔ جس کی آمد کی وہ لاشعوری طور پر منتظر تھی۔۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسو بے مول ہو کر عارض پر بہے تھے۔۔۔ تکلیف اسی بات کی ہی تو تھی آخر وہ کیوں اس کی منتظر تھی؟؟۔۔۔ اسے اب اس کی پرواہ نہیں رہی تھی تو اسے کیوں یہ بات تکلیف پہنچا رہی تھی؟؟۔۔ بہارے یکدم صوفے سے ٹیک چھوڑ کر اٹھ کر بیٹھی۔۔ وہ اپنا سٹھتیوسکوپ اٹھائے صوفے سے اٹھتے کھڑی ہوئی۔۔ وہ یہاں جتنی دیر ایسے بیٹھی رہتی وہ اس کی منتظر رہتی۔۔

مگر اب اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔۔وہ خود چاہتی تھی اب وہ اس کے پاس کبھی نہ آئے۔۔اگر وہ اس سے اپنا رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے یہ تو اچھی بات ہے۔۔اسے بھی تو اس کے ساتھ نہیں رہنا۔۔اسی بہانے اب اسے اس اجڈ گنوار ان پڑھ سفاک انسان سے چھٹکارا مل جائے گا۔اس نے پہلی مرتبہ اسے سفاک انسان کا خطاب دیا تھا۔۔آج اس نے سفاکی ہی تو دکھائی تھی۔۔اس کی سفاکیت اس کا دل بری طرح زخمی کر چکی تھی۔۔وہ تو بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔۔بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلیں۔وہ سٹاف روم کا دروازہ کھولتے جنرل وارڈ کی طرف بڑھی۔۔

بہارے بچوں کے جنرل وارڈ میں داخل ہوئی تو جنرل وارڈ کے دروازے پر اس کے قدم رکے تھے۔۔۔وہ ہیزل کے ساتھ کسی پیشنٹ کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔۔ہیزل اس سے کسی پشنٹ کے بارے میں ڈسکس کر رہی تھی۔۔وہ منہ پر ہاتھ پھیرتے بہت غور سے اسے سن رہا تھا۔بلکہ ہیزل کے چہرے پر نظریں جمائے ہوے تھا۔۔شائد وہ اس کے خوبصورت چہرے سے نظریں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔

بہارے کی آنکھیں بھیگنے کے ساتھ جلنے بھی لگی تھیں۔۔آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

وہ سپاٹ چہرہ لیے اپنے پیشنٹ کی طرف بڑھی۔

کیسی طبعیت ہے اس کی؟؟۔۔بہارے نے سٹیتھیوسکوپ سے بچے کو چیک کرتے ہوے اس کی مدر سے پوچھا جو اس کے پاس کھڑی تھی۔۔

ڈاکٹر۔۔۔۔۔اس کا سانس رات بہت مشکل سے آ رہا تھا۔۔بہت مشکل سے اس کا رات کٹا ہے۔۔اسے جو سیرپ آپ نے لکھ کر دیا تھا۔۔وہ رات سے چار مرتبہ پلا چکی ہوں۔۔مگر اس کے سینے کا درد ہی ختم نہیں ہو رہا ہے۔۔اس بچے کی ماں پریشانی سے بولی۔۔

وہ سیرپ ہے کوئی ڈرنک نہیں ہے جو اسے آپ رات سے چار مرتبہ پلا چکی ہیں۔۔وہ سیرپ دن میں ایک مرتبہ پلانا ہے۔۔

آپ تو اپنے بچے کو مارنا چاہتی ہیں۔۔جانتی ہیں وہ کتنی ہیوی میڈیسن ہے۔۔بہارے کی اونچی آواز پر جنرل وارڈ میں موجود سبھی اس کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔

ڈاکٹر ہیزل اور شہرام بھی اس کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔

ڈاکٹر ہم کو لگا وہ سیرپ دن میں چار مرتبہ دینا۔۔بچے کی ماں کا رنگ پہلے فق تھا۔ پھر تیزی سے سرخ پڑا تھا۔وہ نظریں جھکائے اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کرنے لگی۔۔بہارے کا لہجہ کافی ہتک امیز تھا۔

شہرام جو کب سے اپنے غصے پر کنٹرول کرتے لب بھینچے کھڑا تھا۔بچے کی ماں کو شرمندگی اور تکلیف سے روتے دیکھ کر وہ اپنے غصے پر کنٹرول نہ کر سکا تھا۔

وہ غصے سے بہارے کی طرف بڑھنے لگا تھے۔اسی لیے ہم نے دیا۔۔بچے کی ماں ڈبڈبائی آنکھوں کانپتے لبوں سے منمنائی تھی۔۔

آپ ایک ماں ہیں اور اتنی ارر سپانسیبل ہیں۔۔مانا کہ آپ پڑھی لکھی نہیں ہیں۔ آپ پڑھ نہیں سکتی۔۔ مگر سنائی تو دیتا ہے ناں آپ کو۔۔۔ میں نے کل آپ کو کہا تھا یہ سیرپ صرف ایک چمچ پورا دن میں دینا ہے۔ حد ہوتی گوار پن کی۔۔ بہارے نے غصے سے اونچی آواز میں درشتگی سے کہتے اس بچے کی ماں کو سخت سست سنائی تھیں

شہرام غصے سے کہ آئزل نے اس کا بازو پکڑے اسے روکا تھا۔۔

بہارے جو فائل میں موجود پرسکپشن میں میڈیسن لکھ رہی تھی اس کی نظر دفعتًا سامنے ہی کھڑے شہرام اور آئزل پر پڑی تھی۔ آئزل کا ہاتھ شہرام کے بازو پر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں پھر سے تیزی سے پانی جمع ہوا

تھا۔اب ان آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ چنگاریاں بھی پھوٹی تھیں۔ بہارے نے گہرا سانس بھرتے بھڑ بھڑ جلتے فائل بیڈ پر پٹخی۔۔

اپنے پاس کھڑی نرس کو اس نے بچے کو لگنے والے انجیکشن کے بارے میں ہدایت دیتے ہوے اسے بچے کو وہ انجیکشن لگانے کو کہا۔۔وہ اب مزید یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک منٹ ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔ آئزل نے بہارے کو مخاطب کیا۔۔

بہارے جو وہاں سے جانے لگی تھی۔۔ آئزل کی پکار پر رکتے اسے استفہامیہ سرد نگاہوں سے دیکھا۔۔

آئزل آہستگی سے چلتی ہوئی بہارے کے قریب آئی۔۔

ڈاکٹر بہارے۔۔۔ ابھی آپ نے جو انجیکشن نرس کو اس بچے کو لگانے کو کہا اس کی ڈوز کافی ہائے ہے۔۔ ائی مین یہ انجیکشن آٹھ سال کے بچے کے لیے نہیں ہے۔ اتنا ہائی ڈوز بچے کو افیکٹ ہو سکتا ہے۔۔

رینالس۔۔۔ آئی مین۔۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ ائزل اٹکی تھی۔۔

کڈنی۔۔۔ گردہ۔۔۔۔۔۔ شہرام نے منہ پر ہاتھ پھیرتے سنجیدگی سے آئزل کی توسیع کی۔۔۔

جی گردہ۔۔۔۔ گردہ افیکٹ ہو سکتا ہے۔ ائزل نے شہرام کو دیکھتے ہوے اپنی بات کمپلیٹ کی تھی۔۔

یہ میرا پیشنٹ ہے مجھے آئی تھنک آپ سے زیادہ پتہ ہے۔۔ بہارے نے تنک کر جواب دیا تھا۔۔

جانتی ہوں یہ آپ کا پیشنٹ ہے۔ مگر تھوڑی دیر پہلے میں نے اس کی فائل چیک کی تھی۔۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں یہ انجیکشن اس کے لیے سوٹ ایبل نہیں ہے۔ آئزل نے رسانیت سے کافی آہستگی سے کہا۔

آپ کو کس نے کہا کہ آپ میرے پیشنٹ کو چیک کریں۔۔۔ بہارے غصے سے یکدم بھڑک اٹھی۔۔

آپ راؤنڈ پر نہیں تھی تو میں نے چیک کر لیا۔۔ آئزل نے بہارے کو بھڑکتے دیکھ کر وضاحت دی۔۔

ڈاکٹر آئزل مجھے لگتا ہے کہ آپ کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ یہ آپ کا جرمنی نہیں جہاں آپ دوسروں پر اپنی قابلیت کی دھاک بٹھائیں۔

ایک منٹ۔۔۔۔ شہرام بہارے کو ٹوکتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔۔

یہ بھی کوئی پلے گراؤنڈ نہیں ہے ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔ جہاں آپ شاوٹ کریں۔۔ شہرام بہارے کے مقابل آتے ہوے سرد لہجے میں بولا۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل بہت قریب ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

شہرام کی سرد سپاٹ آنکھوں میں دیکھتے بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ جہاں اس کے لیے ہر جذبہ مفقود تھا۔۔

وہ فائل پکڑائیں مجھے ڈاکٹر آئزل۔۔۔ شہرام بہارے کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھتے ہوے ڈاکٹر آئزل سے مخاطب ہوا۔۔

ڈاکٹر آئزل نے اس بچے کی فائل نرس سے لیتے شہرام کو پکڑائی۔۔ شہرام نے وہ فائل آئزل سے پکڑتے ہوئے بہارے کو سرد نظروں سے گھورتے ہوئے فائل میں نظریں دوڑائیں۔۔

یہ کیا ہے ڈاکٹر بہارے ؟؟ اتنی غیر ذمہ داری۔۔۔۔ فائل میں لکھا انجیکشن اور ہے جو آپ نے نرس کو لگانے کو کہا ہے۔۔ وہ انجیکشن کوئی اور ہے۔۔ شہرام نے بہارے کو سرد نظروں سے دیکھتے استفسار کیا۔

آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ سب ؟؟ آپ ایک ڈاکٹر نہیں ہیں۔ شہرام کے یوں سب کے سامنے سوال و جواب پر اس کا رنگ آہانت کے احساس سے سرخ پڑا تھا۔

ٹھیک کہا میں ایک ڈاکٹر نہیں ہوں۔۔ مگر مجھے یہ پتہ لگ گیا ہے۔۔ مگر اپ کو یہ پتہ نہیں لگا۔۔

What a irresponsiblity of this?? doctor bahary

شہرام دبے انداز میں وہ فائل زمین پر پھینکتا چیخا تھا۔۔

وہ اپنے غصے پر کنٹرول نہ کر سکا۔۔وہ غلطی پر ہوتے اپنی بات پر ڈھٹائی سے قائم تھی۔۔

شہرام کے یوں چیخنے بہارے کا وجود لرز اٹھا تھا۔۔اس نے بھیگی آنکھوں سے بے یقینی سے شہرام کو دیکھتے جنرل وارڈ میں نظریں دوڑائیں۔۔ہر کوئی خاموشی سے انھیں ہی دیکھ رہا تھا۔۔اس وقت وارڈ میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔۔ڈاکٹر عنیزہ اور ڈاکٹر فرقان جو ابھی ابھی جنرل وارڈ میں داخل ہوے تھے۔۔یہ دیکھتے دروازے پر ہی رک گئے تھے

شہرام۔۔۔۔۔ آئزل بہارے کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر خفت دیکھ کر شہرام کی طرف بڑھی۔۔

رک جائیں ڈاکٹر آئزل۔۔۔ مجھے ڈاکٹر بہارے سے بات کرنے دیں۔۔ شہرام نے ہاتھ کے اشارے سے آئزل کو روکا تھا۔۔

لیکن شہرام یوں سب کے سامنے۔۔ آئزل آہستگی سے بولی تھی۔۔

جب غلطی سب کے سامنے کی ہے تو انھیں ان کی غیر ذمہ داری کا احساس بھی سب کے سامنے کروانا پڑے گا۔۔

شہرام نے بہارے کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

آپ ایک ڈاکٹر ہیں۔۔ آپ کی ایک غلطی کسی بھی مریض کی جان لے سکتی ہے۔۔

اپنی غلطی ماننے کی بجائے الٹا آپ ڈاکٹر آئزل سے بحث کرنے لگیں۔۔ان کی ذاتیات پر آتر آئیں۔شہرام نے سخت لہجے میں کہا۔۔

مجھے لگتا ہے آپ کو پرابلم ہی ڈاکٹر آئزل کی ذاتیات پر بات کرنے سے ہوئی۔۔۔ائزل کے نام پر بہارے کا پورا وجود جیسے شعلوں میں گرا تھا۔وہ بھیگے لہجے میں طنزیہ بولی تھی۔

جسٹ شٹ آپ۔۔۔۔۔جسٹ شٹ آپ۔۔۔شہرام غصے سے گرجا تھا۔۔

شہرام۔۔۔آئزل نے آگے بڑھتے شہرام کے بازو پر ہاتھ رکھتے اسے روکا تھا۔۔وہ غصے میں اپنا بازو آئزل کے ہاتھ سے چھڑواتا مزید بہارے کے قریب ہوا۔۔

بہارے مقابل کی ہوئی انسلٹ پر ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔جو سرد سرخ نگاہوں سے. اسے گھور رہا تھا۔

کیا سمجھتی ہیں آپ خود کو؟؟کسی کو بھی آپ کچھ بھی کہہ دیتی ہیں۔۔یہ ہاسپٹل آپ کی ذاتی ملکیت ہے۔۔کل آپ نے ڈاکٹر فرقان کو سب کے سامنے سخت سست سنائیں۔۔آپ یہ بھی بھول گئی کہ آپ ایک ہاسپٹل میں کھڑی ہیں۔جہاں مریض آپ کی اونچی آواز سے ڈسٹرب بھی ہو سکتے ہیں۔۔آج آپ یہاں اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔۔پہلے آپ نے پیشنٹ کی مدر سے بدتمیزی کی۔۔پھر آپ ڈاکٹر ائزل سے بدتمیزی کرنے لگیں۔کہیں سے لگتا ہے آپ ایک ڈاکٹر ہیں؟؟۔شہرام غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔اس کی اونچی آواز جنرل وارڈ میں گونج رہی تھی۔۔

بہارے اب صرف بھیگی نگاہوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔ جو بنا کسی لحاظ کے یوں سب کے سامنے اس کی بے عزتی کر رہا تھا۔۔۔

توہین و خفت کے احساس سے وہ زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔۔

اس کی آواز جیسے حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔۔

اگر آپ کو اس ہاسپٹل میں کام کرنا ہے تو تمیز کے دائرے میں کرنا ہو گا۔۔ ورنہ آپ جا سکتی ہیں۔۔ آپ سے بھی قابل ڈاکٹر اس ہاسپٹل کو جوائن کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ مجھے آپ جیسے ارر سپانسبل ال مینرڈ ڈاکٹر کی ضرورت

نہیں ہے۔۔ شہرام نے اب غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوے اس کے پتھرائے وجود پر قہربار نگاہ ڈالی۔۔

مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔ یہاں۔۔۔ اس ہاسپٹل میں۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا۔۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے روتے ہوے بمشکل بولی تھی۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس انسان کے سامنے اس کے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔۔ وہ یوں سب کے سامنے اسے ارزاں کر سکتا تھا یہ یقین کرنا مشکل تھا۔۔۔

تو ٹھیک ہے جایئے یہاں سے۔۔۔ آئیندہ مجھے یہاں نظر نہ آئیں۔ شہرام اسے گھورتا ہوا اپنے لفظوں پر زور دیتا لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے نکل گیا تھا۔۔

آئزل ایک نظر بہارے کے روتے لرزتے وجود کو دیکھتے شہرام کے پیچھے گئی تھی۔

بہارے اپنی آنکھیں مسلتے ہوے اپنی چادر سر پر اچھی طرح جمائے تیز تیز قدموں سے وارڈ سے نکلتی ہاسپٹل سے باہر نکل آئی تھی۔۔

ارحام پریذے کو لے کر حویلی جا رہا تھا۔ ارحام نے ایک نظر پریذے پر ڈالی ۔۔وہ فرنٹ سیٹ پر ڈول اپنی گود میں لیے سو رہی تھی۔۔شاہ نواز سیریس کنڈیشن میں ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھا۔۔پری گل کے ہر برے کام کے پیچھے شاہ نواز کا ہاتھ تھا. یہ کہنا غلط نہیں تھا اسے ہر غلط کام کے لیے وہی اکساتا تھا۔۔وہ اب اس قابل نہیں تھا تو پری گل اکیلی رہ گئی تھی۔پریذے جہاں تھی وہ اسے بہت آسانی سے بازیاب کروالایا تھا.. یہاں تک کہ پریذے کی

حفاظت کے لیے معمور گارڈز نے بھی کوئی ایکشن نہیں لیا تھا۔ انہوں نے بہت آرام سے پریذے کو اس کے حوالے کر دیا۔ تھا۔ یقیناً پری گل نے انھیں ایسا کرنے کو کہا تھا۔۔ وہ بنا کسی خون خرابے کے اسے وہاں سے لے آیا تھا۔۔

پریذے بہت معصوم بہت چھوٹی تھی۔۔ اسے اتنے عرصے کے بعد اپنے سامنے دیکھ کر وہ کافی دیر تک اس کے گلے لگ کر روتی رہی تھی۔۔

وہ بس ہچکیوں کے درمیان یہی کہہ رہی تھی۔۔

پاپا آپ مورے کہاں چلے گئے تھے ؟؟۔۔ ارحام کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔۔ اس کی غلطی کی سزا اس کی بیٹی کو بھگتنی پڑی تھی۔۔ گل کو چھوڑنے میں اسی کا ہاتھ تھا وہ اب اپنی غلطی کا بوجھ کسی پر نہیں ڈال سکتا تھا۔ جو انجانے طور پر اس گناہ میں حصہ دار بنی تھی۔۔ وہ اب اسے جان سے بھی

زیادہ پیاری تھی۔۔اسے کہتا بھی تو کیا؟؟اب تو اس کے دور جانے کے خوف سے ہی اس کا دل وحشت کا شکار ہونے لگتا تھا۔۔وہ اس کی زندگی میں آئی تو اس کا سب کچھ اس سے چھین کر لے گئی۔۔اب وہ اسے کچھ بھی چھیننے کی آجازت نہیں دے سکتا تھا۔۔۔اب تو سانسوں کا تعلق تھا۔۔جو ٹوٹنے سے اب جان ہی نکلنا رہ جاتی تھی۔

پریزے بار بار گل کا بھی اس سے پوچھتی رہی تھی۔۔وہ کہاں ہے؟؟ اسے ڈول چاکلیٹ ڈلوا کر وقتی طور پر بہلا چکا تھا۔۔مگر پری گل اس کی ماں تھی۔۔وہ کیسے اسے آگے بہلائے گا۔۔اور حور کے متعلق اس سے کیا کہے گا؟؟اتنا تو اسے یقین تھا وہ اسے جو کہے گا وہ چپ کر کے مان لے گی۔۔حور کو بھی ایکسیپٹ کر لے گی۔۔مگر

پری گل کے متعلق کیا کہے گا۔وہ اب کسی صورت پریذے کو گل کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔۔نہ ہی اپنی بیٹی کو کسی غیر کے گھر دیکھ سکتا تھا۔

گل شیر کے گیٹ کھولنے پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آیا۔ گاڑی حویلی کے بڑے سے کارپورٹیکو پر آکر رکی تھی۔۔۔پریذے ابھی تک سو رہی تھی۔۔

وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا۔پریذے کی طرف کا دروازہ کھولتے اسے گود میں اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔۔

عابیر نے بھیگی نگاہوں سے حور کی طرف دیکھا۔۔ جو لاونج میں لگی سکرین کو اپنی بڑی بڑی نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ سکرین پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا۔ جہاں ہیروئن ڈاکٹر تھی۔۔ اس کے چہرے پر کافی اذیت تھی جو عابیر کو بے حد تکلیف دے گئی تھی۔۔ حویلی کے مردوں کی سفاکیت سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔ جس رات ارحام نے حور کے ڈاکومنٹس جلائے تھے۔ وہ اسے چھوڑ کر اسلام آباد چلا گیا تھا۔۔ اگلے دن سب سے پہلے عابیر نے ہی اسے بیہوش بیڈ پر پڑا دیکھا تھا۔

وہ پورا ہفتہ بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ عابیر نے ایک بار پھر سے حور کو دیکھا۔

وہ بلیک کلر کی بے حد سٹائلش سی فراک پہنے ہوے تھی۔۔ شال ایک طرف کندھے پر جھول رہی تھی۔۔ چاکلیٹی سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ جب

ارحام حویلی نہیں ہوتا تھا وہ اپنے دوپٹے شال سے لاپرواہ ہو جاتی تھی۔۔ مگر اس کی موجودگی میں وہ سانس لینا بھول سکتی تھی۔۔ مگر دوپٹہ سر سے سرک جائے ناممکن تھا۔۔ عابیر نے رشک سے اس کی خوبصورتی دیکھی تھی۔ وہ پٹھان فیملی سے تھی۔۔ یہاں ہر کوئی خوبصورت تھا۔ مگر وہ بے تحاشا حسین تھی۔۔ بہت کشش تھی اس میں۔ کوئی بھی اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری نظر ڈالنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔۔ نین نقش تو حسین تھے۔۔ بدن بھی بہت خوبصورت متناسب سراپے میں ڈھلا ہوا تھا۔۔ جب تک گل کے کپڑے پہنتی تھی تب تو اس کا خوبصورت دلکش بدن ان کپڑوں میں چھپا ہوا تھا۔۔ وہ کپڑے اس پر تھوڑے لوز تھے۔۔ مگر اب جو ارحام اس کے لیے کپڑے لایا تھا۔۔ وہ پرفیکٹ اس کے سائز کے مطابق تھے۔ اس کا سنگ سنگ مرر سا بدن مزید قیامت لگنے لگا تھا۔۔ ان کپڑوں میں اس کی چادر شال

بہت بڑی ہوتی تھی۔۔ ارحام جتنے خوبصورت سٹائلش کپڑے اس کے لیے لایا تھا۔۔ اتنے ہی بڑے دوپٹے اور چادریں لایا تھا تاکہ اس کے سراپے پر غلطی سے بھی کسی کی نظر نہ پڑے۔۔

بھابھی آپ لالا سے بات کریں۔ وہ آپ کے ڈاکومنٹس دوبارہ بنوا کر آپ کا میڈیکل میں داخلہ کروادیں۔۔ عابیر کی بات پر وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

کیا کہہ رہی ہو؟؟ حور نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

بھابھی ارحام لالا کی بہت پہنچ ہے۔۔ منٹوں میں آپ کے پیپرز بن جائیں گے۔۔ بلکہ بنا کسی ڈاکومنٹ کے بھی آپ کا کسی بھی میڈیکل کالج میں داخلہ ہو جائے گا۔۔ عابیر نے حور کی حیران آنکھوں میں جھانکتے کہا۔ تمھیں کس

نے کہا کہ مسئلہ میرے ان ڈاکومنٹس کا ہے جو تمھارے لالا نے جلا دیے تھے۔۔۔وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔۔

بھابھی لالا اتنے برے نہیں ہیں۔۔۔وہ بہت اچھے ہیں۔۔انھیں حالات نے ایسا بنا دیا۔۔عابیر کو اپنے ہی لفظ کھوکلے لگے تھے۔۔ارحام کی ڈھائی ہوئی بربریت کی وہ رات پر وہ کیسے اسے اچھا کہہ سکتی تھی۔

عابیر حالات انسان کو برا اچھا نہیں بناتے۔۔انسان ان اچھے اور برے حالات میں اپنا آپ ظاہر کرتا ہے وہ جو ہوتا ہے۔مجھ پر ہر انسان کی حقیقت ہی تب اشکار ہوئی جب حالات میرے حق میں ناساز گار ہوے۔۔ تمھارے لالا بہت اچھے ہیں۔بہت زیادہ اچھے۔۔میری زندگی میں جتنے بھی مرد آئے ہیں۔۔یقین مانو تمھارے لالا ان سب میں سے اچھے ہیں۔۔ تمھارے لالا کے دو چہرے نہیں ہیں۔وہ جیسے ہیں ویسے ہی ہیں۔۔

میرے اندر اب کوئی خواہش نہیں رہی۔ جس رات ارحام نے میرے ڈاکومنٹس جلائے تھے۔۔ میں ڈاکٹر بننے کی خواہش بھی اس رات میں ان جلتی چنگاریوں میں جھونک چکی تھی۔ یہ خواہش تو نکاح کی رات کے بعد ہی میرے اندر مر گئی تھی۔ ان پیپرز پر میرے پاپا کے ہاتھوں کا لمس تھا ۔۔ میرے ہر سٹیفیکٹ پر میرے پاپا کے آنسو بھی تھے۔۔ جب میں ہر کلاس میں اے گریڈ لاتی تھی۔۔ ان کے آنسو بھی ان پیپرز میں جذب ہو جاتے تھے۔

وہ سکیچیز جو میں نے مختلف کلاسسز میں بنائے تھے۔۔ اپنے پاپا کے ساتھ بیٹھ کر بنائے تھے۔ وہ تمام پیپرز جن میں میرے بچپن کی یادیں تھیں۔ وہ کیا تمھارے لالا دوبارہ بنوا سکتے ہیں۔ حور نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

نہیں وہ نہیں بنوا سکتے عابیر۔۔۔۔ جیسے میں ان کے کردار پر لگا داغ نہیں ہٹا سکتی۔۔ ایسے وہ بھی کچھ چیزیں کبھی نہیں بدل سکتے۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔ میں اب چاہتی بھی نہیں کچھ بدلے۔۔

حور بھیگے لہجے میں بولتی صوفے سے اٹھی۔۔ مگر اپنے سامنے کھڑے ارحام کو دیکھ کر اس کی رنگت فق ہوئی تھی۔

۔۔

ارحام کے سرد تاثرات اور اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر وہ سمجھ چکی تھی وہ سب کچھ سن چکا ہے۔

حور نے فق رنگت سے اسے دیکھتے ہڑبڑاہٹ میں شال سر پر اوڑھی۔۔

ارحام کی سرد نظریں ابھی تک اس پر گڑھی ہوئیں تھیں۔

حور کی فق رنگت اب سرخی میں تبدیل ہوئی تھی۔وہ اب نظریں بھی جھکا گئی تھی۔۔

اسلام وعلیکم لالا۔۔۔۔۔عابیر نے صوفے سے اٹھتے ارحام کی طرف بڑھتے پریذے کو اس کی گود سے لیا تھا۔۔اور بے تابی سے اس کے گالوں کو چومنے لگی..

امینہ خانم کے لاونج میں داخل ہونے پر ارحام نے اس پر سے اپنی نظریں ہٹائیں تھیں۔۔۔

امینہ خانم پریذے کو اپنی گود میں اٹھائے بہتے آنسوؤں سے اس کے سرخ و سفید گالوں پر بوسے دینے لگی۔۔

پریذے اب اٹھ چکی تھی۔۔وہ بھی خوشی سے امینہ خانم کے سینے سے لپٹ پڑی۔

حور پریذے کو ایک نظر دیکھتے وہاں سے جانے لگی تو ارحام کی سرد پکار پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

جج جی۔۔۔۔۔۔۔حور نے ارحام کی طرف رخ پلٹے کہا۔۔

پریذے سے نہیں ملو گی۔۔ارحام کی بات پر اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔۔

میں کیا کروں گی مل کر۔؟؟۔حور کی کانچ سی شفاف آنکھوں میں نمی آن ٹھہری تھی۔۔وہ پریذے سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔۔احساس جرم ایک بار پھر سے اسے ستانے لگا تھا۔۔

اس کی ایک غلطی کی وجہ سے پریذے کو سفر کرنا پڑا۔۔

وہ اس سے اس کی ماں چھین چکی تھی۔۔اس کے معصوم خوبصورت چہرے کو دیکھ کر اسے بہت تکلیف پہنچ رہی تھی۔۔وہ چھ ماہ صرف اس کی بے رحمی کی وجہ سے اپنے ماں باپ دونوں سے دور رہی۔۔وہ کیسے اس کا سامنا کر سکتی تھی۔

تم کیوں نہیں ملو گی۔۔ارحام اس کا ہاتھ پکڑے پریذے کی طرف بڑھا ۔۔وہ اس کے احساسات سمجھ چکا تھا۔۔کچھ دیر پہلے وہ اس کا ہر لفظ سن چکا تھا۔۔کچھ چیزوں کا واقعی میں مداوہ نہیں تھا۔۔مگر جن چیزوں کا تھا ان کا تو

مداوا کر سکتا تھا۔۔۔پریذے ڈول ہاتھ میں پکڑے معصومیت سے حور کو دیکھ رہی تھی۔

پریذے بیٹا سلام کرو انھیں۔۔ارحام نے پریذے سے کہا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔پریذے نے کہتے اپنا ننھا سا ہاتھ حور کی طرف بڑھایا۔۔

حور نے مسکراتے ہوے پریذے کا ننھا سا ہاتھ تھام کر جھکتے ہوے اس کا ہاتھ چوما تھا۔

ارحام کی نظر اس کے دائیں گال کے ننھے سے گڑھے پر ٹھہر سی گئی تھی۔۔۔اس کا دل یکبارگی بری طرح دھڑکا تھا۔۔اس کی طرح اس کی مسکراہٹ بھی بہت خوبصورت تھی۔۔یہ دلکش گڑا تو جان لیوا تھا۔۔جو کسی کی بھی جان لے سکتا تھا۔۔ارحام خانزادہ کو اپنی جان اس کے گال میں

پڑھنے والے ننھے سے گڑھے میں اٹکتی محسوس ہوئی۔۔ دل پہلو میں ڈوب کر ابھرا۔۔ وہ کتنا بدنصیب تھا جو چھ ماہ یہ مسکراہٹ نہ دیکھ سکا۔۔ وہ اسے ہپٹائز نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔۔

آپ۔۔۔ کون۔۔۔۔ ہیں؟؟۔۔ پریذے نے ارحام کی طرف دیکھتے حور سے سوال کیا۔۔

حور نے ارحام کو ایک نظر دیکھتے لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکا لی تھیں۔۔

یہ آپ کی ماما ہیں۔۔ ارحام نے پریذے کو گود میں اٹھاتے ہوئے حور کی جھکی نظریں دیکھیں۔

ماما۔۔۔۔یہ مورے۔۔۔ہیں پریذے نے الجھن بھری نگاہوں سے اب حور کو دیکھتے کہا۔

ہاں یہ آپ کی مورے ہیں۔۔ارحام نے حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔۔

بابا میری مورے تو۔۔۔مورے ہیں۔وہ معصومیت سے بولی تھی۔۔ارحام گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔

پریذے بیٹا۔۔گل آپ کی مورے تھیں۔۔یہ آپ کی ماما ہیں۔

۔۔اس نے رک کر ارحام کو دیکھا جو پریذے کو گود میں اٹھائے اس کے گال چوم رہا تھا۔۔دوسرے ہاتھ میں اس کی مضبوط کلائی جکڑے وہ اسے اپنے قریب کر چکا تھا۔۔

عابیر کھانا لگواؤ۔۔۔پریذے کو بھوک لگی ہو گی۔۔ارحام نے عابیر سے کہا تو عابیر جی کہتے کچن کی طرف بڑھ گیی تھی۔۔ارحام حور کی کلائی پکڑے صوفے کی جانب بڑھا جہاں امینہ خانم بیٹھی ہوئی تھیں۔پریذے ارحام کو گود سے اترتے امینہ خانم کی طرف بڑھ گئ تھی۔وہ سب کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔۔۔اب انھیں اب سے ماما بلاؤ گی۔۔اوکے بیٹا۔ارحام نے اسے دیکھتے اب سنجیدگی سے کہا۔۔

اوکے بابا۔۔۔آپ مورے کو ادھر لے کر آئیں گے ؟؟۔۔پریذے نے وہی سوال دہرایا تھا جو گاڑی میں وہ کئی بار کر چکی تھی۔۔

ارحام نے گہرا سانس بھرتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

حور اپنی بھیگی آنکھیں مسلتے وہاں سے جانے لگی تو ارحام نے اس کی کلائی تھامی تھی

ارحام نے حور کی کلائی پکڑے صوفے پر بیٹھتے اسے اپنے ساتھ بٹھایا

۔پریذے کو ٹائم دو۔۔۔اسے تمھاری توجہ کی ضرورت ہے۔۔۔۔وہ اب گل کی نہیں تمھاری بیٹی ہے۔۔ارحام نے حور کا ہاتھ تھامے نرمی سے کہا۔۔

جی۔۔۔۔۔۔حور نے اثبات میں سر ہلایا۔۔

ارحام نے بغور اسے دیکھا تھا۔۔اس کی چادر سر سے سرک چکی تھی۔

اپنی چادر کا خیال کیا کرو حور۔۔۔ابھی جس طرح تم خود سے لاپرواہ بیٹھی تھی آئیندہ میں ایسے نہ دیکھوں۔۔

ارحام نے اس کی چادر اس کے سر پر اوڑھاتے کافی سختی سے تنبیہ کی تھی۔

جی۔۔۔حور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوے اپنی سیاہ چادر اچھی طرح سر پر جمائی۔۔ارحام اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا پریذے کی طرف متوجہ ہوا جو اب اس کی گود میں چڑھے اس کے گال چوم رہی تھی۔۔

ارحام رات گئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ ڈنر کرنے کے بعد مردانے چلا گیا تھا۔۔ سمیع اللہ خان درید خان اور اربد خان کے ساتھ بیٹھا رہا تھا۔۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو کمرے میں نیلگوں روشنی آن تھی۔۔ وہ بیڈ پر پریذے کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی۔۔ پریذے کی پیٹ پر اس نے اپنا بازو رکھا ہوا تھا۔ پریذے بھی اس کے ساتھ لپٹ کر سو رہی تھی۔۔ ارحام مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔۔ وہ اسی بلیک فراک میں ملبوس تھی ۔۔ جس میں اسے لاونج میں دیکھا تھا۔۔ ارحام نے جھک کر اس کے چہرے پر بکھری لٹ بہت نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑسی۔ بہت نرمی سے اس کے گال پر انگلی ٹریس کی جہاں اس نے آج وہ ڈمپل دیکھا تھا۔۔ ایک

بار پھر سے اس کا دل وہ ڈمپل دیکھنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔۔

ڈریسنگ روم سے وہ وائٹ ٹراوزر پر بلیک ہاف سلیوز ٹی شرٹ پہن کر نکلا تھا۔۔

وہ بیڈ کی طرف بڑھتے جھک حور کو اپنی گود میں اٹھائے صوفے کی جانب بڑھا۔۔ حور گہری نیند سو رہی تھی۔۔ اس کی گلے پر نظر پڑتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔ فراک کے اگلے دو بٹن کھلے تھے۔۔ گلے سے نظر آتی گہرائیوں پر اپنی شدتوں کے نشان دیکھتے اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔ گہری مسکراہٹ کے پیچھے اس کی بیوی کی گہری نیند بھی تھی۔۔

وہ اسے صوفے پر نرمی سے لٹائے اس پر قابض ہوا تھا۔۔ مگر اپنا پہاڑی وجود پوری طرح اس کے نازک وجود پر منتقل نہیں کیا تھا۔

وہ اسے چھت میں لگی ایل ڈی لائٹس کی عکس میں دیکھے گیا۔۔

سانسوں کا مدھم زیر و بم اس کے نشیب و فراز میں جیسے طلاتم برپا کیے ہوے تھا۔۔

سلکی براؤن بال صوفے سے نیچے زمین پر بکھرے تھے۔۔۔ ارحام کے لب بہت نرمی گردن سے نیچے سے ہوتے اس کے پیٹ پر فراک کے اوپر سرکنے لگے۔

۔ارحام نے بہت نرمی سے اس کے پیٹ کو اپنے لبوں سے چھوا تھا۔۔وہ ابھی تک گہری نیند میں تھی۔۔ارحام اب بہت نرمی سے اسے اپنے لبوں سے چھوتا اوپر کی جانب آیا تھا۔۔اپنے دہکتے لب اس کے عارض پر رکھے تھے۔۔وہ اس کی شیو کی چبھن سے ہلکا سا کسمسائی تھی۔۔ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

وہ کبھی بھی اتنی گہری نیند نہیں سوتی تھی۔۔اگر سوئی بھی ہوئی ہو تو اس کے قریب آنے پر اٹھ جاتی تھی۔۔اس کے دہکتے لبوں کی تپش اسے گہری نیند سے بھی جگا دیتی تھی۔۔

آج کیسے ممکن تھا وہ سو رہی ہو؟؟۔ارحام اس کے عارض پر بڑھتی سرخی اور اس کی لرزتی پلکوں کی جنبش کو بغور دیکھتا گہرا مسکرایا تھا۔۔

وہ اسے گود میں اٹھاتے ہی سمجھ گیا تھا وہ صرف سونے کا ناٹک کر رہی ہے۔۔ وہ اپنی بیوی کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اتنی شفاف تھی وہ جو کچھ دل میں ہوتا وہ عکس بن کر چہرے پر چھلکنے لگتا تھا۔

باہر جو وہ عابیر سے کہہ رہی تھی۔۔ اب اسی بات کو لے کر یقیناً اسے خوف تھا کہ وہ اس سے باز پرس کرے گا۔۔

اس پر غصہ کرے گا۔۔ اسی لیے وہ پریذے کو لے کر سر شام کمرے میں آ گئی تھی۔۔ اب اس کی قربت اس کے خوف سے سونے کا ناٹک کر رہی تھی۔

ارحام لب دانتوں میں دبائے اسے دیکھا گیا۔۔ وہ اس طرح اتنی کیوٹ لگ رہی تھی کہ ارحام کا دل پسلیوں سے سر ٹکرانے لگا تھا۔۔ وہ اس کی ہر ادا ہر معصومیت پر بری طرح گھائل ہوتا تھا۔۔ وہ آج پھر اسے اپنا دیوانہ بنا چکی

تھی۔۔باہر اس کے بولے گئے لفظ کافی اذیت میں مبتلا کر گئے تھے۔اپنا ظالمانہ ایکٹ بھی یاد آیا تھا۔۔

مگر کچھ بھی ہو اب وہ اس پر کسی بھی بات پر غصہ نہیں کر سکتا تھا۔۔ارحام اس کے عارض پر انگلیاں نرمی سے پھیرتے اسے دیکھے گیا۔۔اس کی عارض کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔وہ سرخ گلاب ہو چکی تھی۔۔اب اس کا بدن بھی ہلکا ہلکا لرزنے لگا تھا۔ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔وہ دیکھنا چاہتا تھا اس کا سونے کا ناٹک کتنی دیر تک جاری رہتا ہے۔۔ارحام نے اس کی گردن پر انگلیاں ٹریس کرتے ہوئے بے باک شرارت کی تو اس کا رنگ قندھار ہوا تھا۔۔بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔

ارحام نے اب جھکتے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لبوں سے گستاخ شرارت کی تھی۔۔وہ مزید سرخ ہوئی تھی۔۔وہ اپنی آنکھیں اور سختی سے میچ گئی

تھی۔۔ پلکوں کی لرزاہٹ نے شدت اختیار کی تھی۔۔ ارحام اس کی معصوم اداؤں پر بہت مشکل سے اپنے امڈنے والے قہقے پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ اسے انتظار تھا اس کی کم سن حسینہ کب شرم سے سرخ پڑتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹتی ہے۔۔ ارحام نے اس کے اگلے بٹنوں کو انگلیوں سے چھیڑتے اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتے اس کے گلابی لبوں کو اپنے لبوں سے مس کیا تو وہ گہرے سانس بھرتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے کے ساتھ لپٹ گئی۔۔ ارحام کا کب سے رکا ہوا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

حور خفت سے مزید اس کے سینے کے ساتھ لپٹی تھی۔

ارحام نے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے ہوے اس کا سر صوفے پر ٹکایا تھا۔

وہ اب بھی آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔

اب تو تمھارا سونے کے ناٹک سے پردہ اٹھ گیا ہے۔اب یہ آنکھیں بند کیوں ہیں؟؟۔وہ لب دانتوں میں دبائے محظوظ ہوتا بولا تھا۔۔

وہ ہنوز آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔

ارحام اسے کچھ پل دیکھتا رہا۔آنکھیں کھولو میری جان۔۔ارحام نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔۔وہ اپنی آنکھیں مزید میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو۔۔اب کی بار ارحام کا لہجہ سرد ہوا۔۔وہ جھٹ سے اپنی آنکھیں سرعت سے کھول گئی تھی۔۔۔۔ارحام نے اس کی عجلت پر مشکل سے اپنے قہقے کا گلا گھونٹا تھا۔۔

اب بتاؤ یہ سونے کا ناٹک کیوں کیا جا رہا تھا؟؟ارحام نے اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔۔

وہ مم میں سو ہی رہی تھی۔۔آپ نے جگا دیا۔۔حور نے ارحام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

جھوٹ بولنے پر وہ ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے یقین دلانے کی کوشش کرتی تھی۔۔ابھی بھی وہ اپنی کرسٹل براؤن آنکھیں بنا جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔ارحام کے لب مبہم سا مسکرائے تھے۔

لیکن ابھی تمھیں سوتے رہنا چاہیے تھا ابھی تو ٹریلر سٹارٹ ہوا تھا۔۔ ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔

ارحام نے ذو معنی انداز میں اسے بے باک نگاہوں سے دیکھتے اس کے اگلے تمام بٹن کھولے تھے۔۔ وہ اس کی تپش زدہ نگاہوں اور اس کے ہاتھوں کی بے باکی سے گھبراتے سرخ ہوتے اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا گئی۔۔

ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

اتنا کیوں شرماتی ہو؟؟ میری شرمیلی دلہن۔۔ ارحام نے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔۔۔

زلفوں کی رنگین چھاؤں میں

محبوب کی گوری بانہوں میں

دلبر گرفتار ہے سجنا یہی پیار ہے

زہر جدائی والا جان من مجھ کو نہیں پینا

بن تیرے نہ مرنا اب تو بن تیرے نہ جینا

ارحام نے اس کے کان میں جھکے گنگناتے ہوے اس کی گہری شفاف آنکھوں میں جھانکا جہاں شرم وحیا کی سرخی پھیلی تھی۔۔وہ اس کی شرم وحیا پر مرتا تھا۔۔وہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی تھی۔۔ مگر وہ بہت معصوم تھی۔بہت شفاف۔۔۔۔۔ارحام کو اس کی شرم وحیا دیکھتے پورا یقین تھا وہ

اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہے۔۔اس کی حور اس کی تھی اور اس کی ہی رہے گی ہمیشہ۔۔۔۔

حور اس کی نگاہوں کی تپش سے گھبراتے ہوے اپنے لب کاٹنے لگی۔۔وہ آج بہت خوش تھا اور اس کی آنکھوں میں آنچ دیتے جذبوں کی لو تھی۔ایک جنون تھا۔۔اسے ان آنکھوں کی جنونیت سے خوف آتا تھا۔۔آج تو پہلے سے بھی زیادہ آرہا تھا۔

پریذے کو ادھر کیوں سلایا؟؟جانتی ہو میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا ۔۔ارحام نے اس کی ٹھوری پر لب رکھتے پوچھا۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔۔مم ۔۔۔۔۔میں تو۔۔۔اس کی آنکھوں کی بڑھتی خماری سے گھبراتے ہوے

اس کے لفظ حلق میں ہی دم توڑ گئے تھے۔۔اس نے اپنے لبوں پر مزید ظلم کیا۔

یہ بھی جانتی ہو مجھے تمھاری یہ حرکت سخت ناپسند ہے تو پھر کیوں کرتی ہو؟؟ ارحام نے کہتے ہوے اس کے دانتوں سے اس کے ہونٹوں سے چھڑوایا۔۔

پریذے ضد کر رہی رہی تو میں نے اسے اپنے پاس سلا لیا۔اتنے عرصے بعد وہ آپ سے ملی ہے۔۔اس کا حق بنتا ہے وہ آپ کے ساتھ ٹائم سپینڈ کرے۔۔حور نے ارحام کی شرٹ پر انگلی ٹریس کرتے ہوے آہستگی سے کہا۔اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا وہ اس پر جھکا اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔اس کی نگاہوں کی تپش اسے نظریں اٹھانے ہی نہیں دے رہی تھی۔

اپنی بیٹی کے ساتھ میں نے آج سارا دن گزارا ہے۔۔اور آگے بھی میں پریذے کے ساتھ ٹائم سپینڈ کرنے کے لیے نکال لیا کروں گا۔۔ مگر رات صرف میری خوبصورت بیوی کے لیے ہو گی۔۔ جس کی خوبصورتی کا حق ادا کرنا بھی تو مجھ پر فرض ہے ناں۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوری پر لب رکھتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے شرارتی انداز میں کہتے بے باک شرارت کی۔ وہ مزید خود میں سمٹی تھی۔۔ ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔

آج پریذے کو تم یہاں سلا کر مجھ پر کافی ظلم کر چکی ہو۔۔ ہمم۔۔۔۔ ارحام نے اس کے کان پر جھکتے اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے گھمبیر سرگوشی کی تھی۔۔

حور کو کمر سے ذرا سا اٹھائے وہ ایک سائیڈ پر ہوتے اس کے نازک وجود کو اب وہ اپنے اوپر منتقل کر گیا۔ تھا۔

۔ آج تمھیں میری شدتوں سے تو رہائی مل جائے گی۔۔ مگر میری بانہوں سے نہیں ملے گی۔ اب تمھیں ایسے ہی سونا پڑے گا۔ ارحام نے اس کے بالوں کو پیچھے سے نرمی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے روبرو کیا۔

یہاں کیسے ارحام؟؟ یہ صوفہ کافی چھوٹا ہے۔۔ حور گھبرائی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کی اتنی نزدیکی پر ارحام سو جائے یہ ناممکن تھا۔۔ اس کا رومانٹک موڈ کبھی بھی آن ہو سکتا تھا۔۔

تمھیں کیا مسئلہ ہے ؟؟ تمھیں تو میرے اوپر سونا ہے ایڈجسٹ تو مجھے کرنا پڑے گا۔۔ تمھارے اتنے قریب ہو کر بھی میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔

۔جانتی ہوناں کیسے گزرے گی میری رات۔۔۔۔

ارحام نے اسے آنکھ مارتے اس کے کان میں بے باک سرگوشی کی تو حور کا رنگ اس کی بے باک لفظوں پر تیزی سرخ انار ہوا تھا۔۔ یہاں تک وہ کانوں تک سرخ پڑی تھی۔

ارحام کا قہقہ بلند ہوا۔۔

حور اس کی ذو معنی نظروں سے گھبراتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھ گئی۔

۔

حور کل میں لندن جا رہا ہوں۔۔ بہت امپورٹنٹ میٹنگ۔ ہے۔ ہر حال میں مجھے جانا ہے۔۔ پریذے اور اپنا خیال رکھنا۔۔ اگلی مرتبہ میں تمھارے اور پریذے کے ڈاکومنٹس بھی بنوالوں گا۔۔ جب بھی کہیں جاؤں گا تم دونوں کو ساتھ لے کر جایا کروں گا۔۔

ارحام کی بات پر اس نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔۔ مجھے کیوں ساتھ لے کر جائیں گے ؟؟ حور نے تحیر زدہ ہوتے پوچھا۔۔

کیونکہ تم میری بیوی ہو اس لیے۔۔ ارحام نے اس کی تحیر زدہ آنکھوں میں مسکراتے ہوے دیکھا۔۔

میں یہیں ٹھیک ہوں۔ پریذے پر آپ کا حق سب سے زیادہ بنتا ہے۔۔ آپ کو اپنی بیٹی کو کبھی کسی کے بھروسے نہیں چھوڑ کر جانا چاہیے۔۔ حور کی

آنکھیں بھیگی تھیں۔ یکدم بہت کچھ یاد آیا تھا۔۔ وہ قیامت رات یاد آئی جب وہ اپنی عزت بچا کر بھاگی تھی۔

اور اپنی خوبصورت بیوی کو کسی کے بھروسے چھوڑ کر جانا چاہیے کیا؟!۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے اس کی بھیگی پلکوں پر شبنم نرمی سے چنتے سوال کیا۔

لیکن مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔۔ میں آپکی سنائی ہوئی سزاؤں میں خوش ہوں۔ حور کہتے ہوئے اس کے اوپر سے اٹھی تھی۔۔ ارحام اسے کلائی سے کھینچتے اپنے سینے پر واپس گرا چکا تھا۔

کیوں نہیں جانا چاہتی میرے ساتھ؟؟ سزا کیوں سنائی تھی تم جانتی ہو؟؟ اور جہاں میں وہاں تم۔۔۔ تمھیں ایک پل کے لیے اب خود سے جدا نہیں

کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا ہمیشہ۔۔۔ وہ اس کے بال پیچھے سے جکڑے اسے بہت کچھ باور کرواتے غرایا۔۔

جانتی ہوں۔۔ حور نے سپاٹ انداز میں کہتے سر اثبات میں ہلایا تھا۔۔ ارحام اس کے سپاٹ اور بے تاثر نگاہوں پر لب بھینچ گیا تھا۔ اس کے ٹھنڈے ایکسپریشن اسے آگ لگا گئے تھے۔ وہ اس کے حصار میں شرماتی تھی ۔۔ سرخ گلاب ہوتی تھی۔۔ گھبراتے ہوے اس کے سینے میں منہ چھپاتی تھی۔۔ ان آنکھوں میں اسے اپنا عکس کبھی نظر نہیں آیا۔۔ یہاں تک کہ سرخ گلاب ہوتے لبوں پر کبھی مدھم سا تبسم بھی نہیں بکھرا تھا۔۔ ارحام کی پکڑ اس کے بالوں پر مضبوط ہوئی تھی۔

میری ایک بات یاد رکھنا حور کسی بھی سچویشن میں میری حویلی سے قدم باہر نہ نکالنا۔۔ورنہ تم میرا وہ روپ دیکھو گی۔جو تم نے آج تک نہیں دیکھا۔۔میں تمھاری ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں۔۔مگر کبھی میری عزت پر آنچ آئی تو تمھیں چھوڑوں گا نہیں۔۔۔۔ارحام اس کے بالوں کو دبوچ کر اپنا چہرہ اپنے مقابل کرتے تپش زدہ سانسیں اس کے چہرے پر چھوڑتے غرایا تھا۔۔

حور نے بھیگی آنکھوں سے اس ستم گر کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔آنکھوں میں بڑھتی شبنم کے ساتھ گہرے شکوے بھی ابھرے تھے۔۔

تو نے کتنا درد دیا

تو نے ہی نہ جانا

حور نے بھیگی نگاہوں سے شکوہ کیا۔۔

تو نے بھی کیا حال کیا

تو نے بھی نہ جانا

وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے جوابًا کرب سے مسکرایا تھا۔۔ کیسا درد وہ اب اس کے دل میں جگا گئی تھی اسے احساس ہی نہ تھا۔

وہ اسے کیسے بتاتا؟؟ اسے یہاں چھوڑ کر جانے سے اس کا دل کتنا ڈر رہا تھا۔۔ سلطان احمد کے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی بیٹی کو چھوڑ کر گیا تھا۔ واپس آیا وہ مجھے نہیں ملی۔ ارحام نے گل خان کو سختی سے ہدایت دی تھی۔۔ وہ اس کے پیچھے گیٹ

سے ہلے بھی ناں۔۔اور ایکسٹرا گارڈ حویلی کے گرد تعینات کر دیے تھے۔میٹنگ میں جانا بہت ضروری تھا۔۔اس کا میٹنگ اٹینڈ کر کے پرسوں کی پہلی فلائٹ سے واپس آنے کا آرادہ تھا۔۔

حور کی بھیگی آنکھوں میں شکوں کی گہری رمک دیکھ کر وہ بے چین ہوتے لب بھینچ گیا تھا۔اس کے بالوں پر اپنی گرفت ڈھیلی کرتے وہ چھوڑ چکا تھا۔۔

حور اس کے سینے سے اٹھتے صوفے سے اتری۔۔وہ جلدی سے اٹھتا اس کی طرف بڑھتا اسے گود میں اٹھا گیا۔۔

کیا کر رہے ہیں ارحام؟؟ یہاں پر یذے سو رہی ہے۔۔حور نے گھبراتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچی۔

تمھیں کبھی کسی صورت میری قربت سے رہائی نہیں مل سکتی حور۔۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتی۔۔۔۔ تمھاری قربت میری سانسوں کی ضمانت ہے۔۔وہ اسے اپنے قریب کرتے مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔۔

پپ پریذے ارحام۔۔۔۔۔ حور کے لب کپکپائے تھے۔۔

ہم آج کی رات ڈریسنگ روم میں سوئیں گے۔۔ارحام ذو معنی انداز میں بولتا ڈریسنگ روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے ارحام نے اسے صوفے پر لٹایا تھا۔۔ڈریسنگ روم کا دروازہ اندر سے لاک کرتے وہ الماری سے کمبل نکالتے ہوے صوفے کی طرف بڑھات۔

حور کو بانہوں میں بھرتے وہ خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔ وہ آج بھی دیوانگی بھری سرگوشیاں کرتے اسے اپنی پناہوں میں سمیٹے ہوے تھا۔۔ وہ اپنی محبت اپنی دیوانگی اس پر نچھاور کر رہا تھا۔۔۔ ڈریسنگ روم میں معنی خیز خاموشی گونج رہی تھیں۔ مدھم مدھم سسکیاں بھی اس میں شامل تھیں۔ ارحام خانزادہ کی دیوانگی آج عروج پر تھی۔ عجیب سا ڈر خوف اس کی دیوانگی بڑھائے ہوے تھا۔۔ وہ نہیں جانتا تھا۔۔ لندن سے واپسی پر ایک بار پھر سے اس کی دنیا اجڑنے والی تھی۔ وصل کی یہ آخری گھڑیاں ہی اب اس کی قربت میں اسے میسر تھیں۔ اب سب کچھ بدلنے والا تھا۔۔

بہارے کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔۔ عارض بھی شدید سرخ تھے۔۔ وہ ابھی بھی بار بار اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑ رہی

تھی۔ وہ اس وقت لاونج میں صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھی تھی۔۔ ییلو پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ ییلو ہی دوپٹہ سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔ ہاسپٹل سے واپس آکر وہ کمرے میں بند روتی رہی تھی۔ شہرام کی کی ہوئی بے عزتی اسے بھول نہیں رہی تھی۔ وہ کسی کے سامنے کبھی بھی اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا۔۔ نہ ہی کسی کو اس سے کرنے دیتا تھا۔۔ روزینہ خانم بھی کبھی اسے ڈانٹ دیتی تو وہ ہتھے سے اکھڑ جاتا تھا کہ وہ اس کے نکاح میں ہے اس کے ہر برے اچھے عمل کا ذمیندار وہ ہے۔ اس لیے اسے کوئی کچھ نہ کہے۔۔ وہ اس بات پر اپنی مورے کے سامنے اسے اچھا خاصہ سنا دیتی تھی کہ اس کی مورے اسے ڈانٹ سکتی ہے۔۔ وہ بلاوجہ کا اپنا حق نہ جتایا کرے۔۔۔ مگر آج اس نے خود سب کے سامنے اس کی بے عزتی کی تھی۔۔ بہارے نے اپنی گلابی آنکھیں

بے دردی سے مسلیں۔۔ آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ اسے ایک تھپڑ مارنے پر اس نے خود کو سزا دیتے ہوئے اپنا ہاتھ زخمی کر دیا تھا۔۔ بہارے نے سسکی بھرتے اپنے انگوٹھے کو دیکھا۔۔ اس کی سفاکی وہ بھول ہی نہیں پا رہی تھی۔۔

وہ اپنے لب کاٹتے اپنے آنسوؤں پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہی تھی کہ اسے روزینہ خانم آتے دکھائی دی۔۔ بہارے جلدی سے اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

بہارے آج تم ہاسپٹل سے جلدی کیوں آ گیا؟؟۔۔ روزینہ خانم بہارے کے پاس والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

میرے سر میں درد تھا اس لیے جلدی آ گئی۔۔ بہارے نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے کہا۔۔

تمھارا سر میں درد تھا تو وہ شہرام کہاں تھا؟؟

کیا مطلب مورے؟؟ میرے سر درد کا شہرام سے کیا تعلق۔۔ اس ستم گر کا نام سنتے ہی وہ بھڑکی تھی۔۔

مطلب یہ وہ تمھارا شوہر ہے۔ اگر تمھارا سر میں درد تھا تو تم ادھر ہسپتال رہتا ۔۔ اپنا شوہر سے ناز برداریاں اٹھواتا تم منہ اٹھا کر گھر چلا آیا۔۔ روزینہ خانم بہارے کے یوں بھڑکنے پر غصے سے بولیں۔

وہ ہاسپٹل ہے وہاں پر اب اس سے اپنی ناز برداریاں اٹھواؤں گی کیا؟۔۔ اور ویسے بھی مجھے اس کی ناز برداریاں اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ بہارے نے تنک کر کہا۔۔

کیوں تمھیں اس کا ناز برداریوں کی کیوں ضرورت نہیں ہے۔۔ایک بیوی کو ہمیشہ اپنا شوہر کا ہمدری اور ناز برداریوں اور محبت کا ضرورت ہوتا ہے۔روزینہ خانم نے ظبط سے کہا۔۔بہارے کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر انہوں نے اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔۔ورنہ پچھلے کچھ دنوں سے شہرام کی طرف سے بہارے کی لاپرواہی پر انھیں اس پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔۔وہ اس کی اچھی خاصی کلاس لینے کا آرادہ رکھتی تھیں۔

اور ہم کو بتاؤ یہ شہرام آج کل حویلی کیوں نہیں آتا؟!۔روزینہ خانم نے سنجیدگی سے سوال کیا۔۔

مجھے کیا پتہ وہ کیوں نہیں آتا؟؟اسی سے پوچھیں جا کر۔۔بہارے نے پہلے سے بھی زیادہ بھڑکیلے لہجے میں جواب دیا تھا۔شہرام کے نام پر ہی اس کا آج انگ انگ بھڑک رہا تھا۔

بہارے کے جواب پر روزینہ خانم کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

کیوں تم سے کیوں نہ پوچھوں؟؟اس کا بیوی ہے تم۔۔جا کر کسی باہر کی عورت سے پوچھوں وہ اپنا گھر کیوں نہیں آتا۔

روزینہ خانم نے غضبانک ہوتے کہا۔۔

اگر وہ حویلی نہیں آتا تو اس میں میرا کیا قصور؟؟میں تو اسے نہیں کہتی وہ کہ نہ آئے۔۔

روزینہ خانم کے غصے سے ڈر کر اس بار اس نے آہستگی سے کہا تھا۔۔جانتی تھی وہ غصے میں آگئی تو بنا کسی لحاظ کے اس کی اچھی خاصی بے عزتی کر دیں گے۔

اس میں سارا قصور تمھارا ہے۔۔ اگر وہ حویلی نہیں آتا تو تم اس کا کلاس کیوں نہیں لیتا۔۔ اس کو تم نے اتنا ڈھیل دے رکھا وہ حویلی سے باہر رہتا ہے اور تم کو کوئی خبر نہیں ہے۔۔ بیوی ہے تم اس کا۔۔ رات باہر رہنا پر تم اس کو پوچھنے کا حق رکھتا ہے۔ مرد تو دیر سے آنے پر اپنا عورت سے ڈرتا ہے کہ وہ چخ چخ کرے گا سو سوال کرے گا۔۔ اور وہ اتنا دنوں سے حویلی نہیں آرہا اور تم کہہ رہا ہے تم کو پتہ ہی نہیں ہے۔۔ روزینہ خانم نے بہارے کو سرد نظروں سے گھورتے اچھا خاصہ لتاڑا تھا۔۔۔ بہارے کا بس نہیں چل رہا تھا شہرام کی جان لے لے۔۔ حویلی وہ خود نہیں آرہا تھا قصوروار وہ تھی۔

بہارے نے اپنے لبوں کو بری طرح کاٹتے اپنے دوپٹے سے آنکھیں اور ناک رگڑی۔ آنکھوں سے پھر سے سیال مادہ بہہ رہا تھا۔۔ اس ستمگر کے نام پر ہی آج اس کی آنکھیں جلنے لگتی تھیں۔

بہارے کچھ ہوش کے ناخن لو ۔۔شوہر چاہے جتنا مرضی محبت کرے۔۔بیوی جتنا مرضی خوبصورت ہو ۔۔اس کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتا۔۔اس کو ہمیشہ اپنا خوبصورتی اپنا اداؤں میں باندھ کر رکھنا پڑتا ہے۔

روزینہ خانم نے اب کی بار اسے رسانیت سے سمجھایا۔

میں کیوں باندھوں گی اسے ؟؟۔میری طرف سے وہ کچھ بھی کرے۔۔ بہارے نے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے بھیگے لہجے میں کہا۔اس کی نگاہیں یاد آئی تھیں جو وہ آئزل پر گاڑھے ہوے تھا۔۔ایک بار پھر سے اس کا وجود تند و تیز بھابھڑوں سے جلا تھا۔

تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے بہارے۔۔۔ کیوں اتنا اچھا شوہر اپنا ہاتھوں سے نکالتا ہے؟؟

آپ کو کس نے کہا ہے وہ اچھا ہے۔۔ وہ بھی ان حویلی کے مردوں کی طرح ہے سفاک بے حس ہے۔۔۔۔ اجڈ گنوار۔۔ بہارے اب بھیگے لہجے میں چیخی تھی۔۔

روزینہ خانم اس کا بھیگا لہجہ اس کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہوئیں۔۔ اس کا چہرہ سرخ اور متورم تھا۔ آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔۔ وہ آگے پیچھے بھی شہرام کے بارے میں ایسے ہی بات کرتی تھی۔ اس کا نام سنتے بھڑک اٹھتی تھی۔۔ مگر کبھی ایسے روئی نہیں تھی۔۔ وہ روز زیادہ رہی تھی یا تڑپ زیادہ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

کیا ہوا ہے بہارے ؟؟ تم رو رہا ہے تمھارا شہرام سے کوئی جھگڑا ہوا ہے۔۔ روزینہ خانم نے پریشان ہوتے پوچھا۔

میرے لیے وہ اتنا ضروری نہیں ہے۔ میں اس کے لیے روتی پھروں ۔۔ میرے سر میں درد ہے اس لیے رو رہی ہوں۔ وہ بار بار شہرام کے نام پر چڑتے ہوئے بولی۔۔ وہ آئیندہ زندگی میں اس کا نام اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر سے آنکھوں سے جھرنا بہا تھا۔

بہارے تمھارا کیا بنے گا؟؟ تم ایک دن اپنا سر پکڑ کر روئے گا۔۔ اس طرح کا تم فضول میں ضد لگا کر بیٹھا رہا۔۔ روزینہ خانم نے اپنا سر پیٹا تھا۔

یہ بتاؤ وہ اتنا دن حویلی نہیں آیا تو کیا تم سے اپنا حق لیتا ہے وہ۔۔۔ روزینہ خانم نے اس کے قریب ہوتے رازداری سے پوچھا۔۔

روزینہ خانم کی بات پر بہارے کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

وہ ہاسپٹل ہے۔۔وہاں پر میں یہ سب کچھ کرنے نہیں جاتی۔۔۔بہارے نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا تھا۔

روزینہ خانم سے اتنی بے باکی کی امید نہ تھی۔۔وہ جز بز ہوئی۔۔

اس کا مطلب ہے شہرام تم سے ناراض ہے۔۔وہ ادھر نہیں آتا اور نہ ہی تم سے اپنا حق ہسپتال میں لیتا ہے۔۔۔

اور تم آرام سے بیٹھا ہے۔۔۔۔۔شوہر بیوی کا دیوانہ ہو تو وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔وہ کیسے تمھارا بغیر رہ رہا ہے۔؟؟

تمھارا لیے پاگل ہے وہ۔۔ تمھارا دیوانہ ہے یہ حویلی کا سب لوگ جانتا ہے۔۔ پچھلا ایک مہینہ سے وہ تمھارا قریب ہی نہیں آیا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟؟

روزینہ خانم ہاتھ ملتے صدمے کی کیفیت میں بولی۔۔

بہارے کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔ وہ اب پچھتا رہی تھی۔ وہ ادھر آکر بیٹھی ہی کیوں؟؟

تم نے جاننا کا کوشش کیا وہ رات کدھر ہوتا ہے؟؟۔۔ کیا کسی لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں۔۔ ہاسپٹل میں بہت سا ڈاکٹر ہیں۔۔ کہیں وہ کسی اور عورت کا چکروں میں نہیں پڑ گیا۔۔

روزینہ خانم کے سوالات پر اس کا چہرہ ثپاٹ ہوا تھا۔۔وہ جیسے دہکتا تندور بنی تھی۔ عجیب سی تپش اسے اپنے گرد محسوس ہوئی تھی۔جو بات وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔۔وہ روزینہ خانم کر رہی تھی۔

جس دن تمھارا شوہر نے کسی اور لڑکی کو تمھارا جگہ دے دیا تو تم سر پکڑ کر روئے گا۔

بہارے کی خاموشی محسوس کرتے وزینہ خانم نے پریشانی سے کہا۔۔۔بہارے نے اپنا نچلا لب اتنی بے دردی سے کاٹا تھا. کہ خون کی ننھی سی بوند آن ٹھہری تھی۔

اسلام و علیکم۔۔۔شہرام کی آواز پر بہارے نے بے یقینی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔۔جو اس پر ایک نظر ڈال کر اپنی شرٹ کے آستین کے کف فولڈ کرنے لگا۔۔ آج اسے اتنے دنوں بعد حویلی دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

وعلیکم اسلام۔۔۔بیٹا کیسا ہے تم؟؟روزینہ خانم نے صوفے سے اٹھتی شہرام کی طرف بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

میں ٹھیک ہوں۔۔شہرام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

تمھارا لیے کھانا لگواؤں۔۔روزینہ خانم نے چاشنی بھرے لہجے میں پوچھا۔

میں کھا کر آیا ہوں۔شہرام سنجیدگی سے کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

روزینہ خانم بہارے کو ویسے ہی صوفے پر جمے دیکھ کر غصے سے اس کی طرف بڑھیں۔

تم یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے ؟؟ جاؤ دیکھو اس کو۔۔۔ کتنا سنجیدہ چہرہ تھا اس کا۔۔۔ ہم تو اسے دیکھتے پریشان ہو گیا ہے۔۔۔ روزینہ خانم نے بہارے کی طرف مڑتے اسے سرد نگاہوں سے گھورا۔

اس کا چہرہ اب ایسے ہی رہتا ہے۔۔ مجھے دیکھ کر تو ایسا ہی ہو جاتا ہے۔۔ بہارے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔ دل بھر بھر آیا تھا۔ آئزل کو دیکھتے اس کے چہرے پر کیسی مسکان بکھرتی تھی ؟؟۔۔ اسے ایک بار پھر سے آئزل یاد آئی تھی۔۔ آج تو آئزل اسے بھول ہی نہیں رہی تھی۔۔

لگتا ہے وہ تم سے اچھا خاصہ ناراض ہے۔ اب جاؤ مناؤ اس کو۔۔۔ ایک بیوی اپنا شوہر کو کس طرح مناتا ہے یہ تم کو بتانا کی ضرورت نہیں ہے۔

اور یہ روتا ہوا شکل اس کے سامنے مت لے کر جانا۔۔ جا کر کچھ اچھا سا پہنو۔ جس میں تمھارا شوہر تم کو دیکھ کر پاگل ہو جائے۔۔ اس کا سارا ناراضگی منٹوں میں دور ہو جائے۔ اتنا دن تم سے دور رہا ہے تو آج رات تمھارا ذرا سا قریب جانے پر ہی پگھل جائے گا۔۔ اور ہم کو لگتا ہے وہ اسی واسطے آیا ہے۔۔ مرد اتنا دیر عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ وہ صرف اوپر اوپر سے نخرہ دکھا رہا ہے۔۔ تم کو منانا کی ضرورت نہیں پڑے گا۔۔ صرف تم اچھا سا تیار ہو کر اس کے قریب ہو جانا۔۔۔

روزینہ خانم کی باتیں سن کر بہارے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔۔ ان کے اچھا سا پہننے سے کیا مراد تھی وہ سمجھ چکی تھی۔

وہ چار و نہ چار صوفے سے اٹھتے کمرے کی جانب بڑھی۔

---.----------

بہارے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کمرے میں کہیں نہیں تھا۔۔وہ آج حویلی کیوں آیا؟؟۔اس کے صبح والے رویے کا سوچتے تو اسے نہیں لگتا تھا وہ حویلی آئے گا۔۔تو کیا وہ آج اپنی خود ساختہ ناراضگی ختم کرنے آیا ہے۔۔یا پھر صبح کے اپنے رویے کی معافی مانگنے آیا ہے۔۔اس کی کی ہوئی انسلٹ کا سوچ کر بہارے کا دل خون کے آنسو رویا تھا۔

مرد اتنا دیر عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔روزینہ خانم کے الفاظ یاد آئے تو بہارے نے بے دردی سے اپنے لب کاٹے تھے۔

تو کیا آج اسے میری طلب کھینچ لائی ہے۔۔

وہ اسی سوچ وبچار میں تھی کہ شہرام ڈریسنگ روم سے وائٹ ٹراوزر پر وائٹ ٹی شرٹ پہن کر نکلا تھا۔۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بیڈ کی طرف بڑھا۔۔بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اس نے سگریٹ سلگائے لبوں کو لگایا تھا۔۔اس دوران وہ اسے مکمل طور پر اگنور کیے ہوے تھا۔۔

بہارے نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے اپنا دوپٹہ اتار کر ایک سائیڈ پر رکھا تھا اور اپنے لمبے سلکی بالوں میں برش کرنے لگی۔۔۔

شہرام کو بیڈ پر بیٹھا دیکھ کر وہ سمجھ چکی تھی۔وہ اپنی خود ساختہ ناراضگی ختم کرنے آیا ہے۔ورنہ وہ بیڈ پر نہیں بلکہ صوفے پر لیٹتا۔۔وہ بالوں میں برش کرتے ہوے مسلسل سوچ رہی تھی۔

یقیناً وہ اپنے صبح کے رویے پر شرمندہ ہے۔۔ بہارے نے اپنا زخمی لب کاٹتے ہوئے آئینے میں اس کے نظر آتے عکس کو بغور دیکھا۔۔ وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لیتا اپنی آنکھیں موندے ہوئے تھا۔۔

یقیناً آج بیوی کی یاد تبھی آئی ہے۔ جب اپنی ضرورت پوری کرنی ہے اسے۔۔ بہارے نے غصے سے اب اس کے عکس کو دیکھا تھا۔۔ اسے کیا لگتا ہے میں اسے اپنے پاس آنے دوں گی۔۔

کبھی نہیں اتنی انسلٹ کے بعد یہ مجھ سے اپنا حق لے ناممکن ہے۔۔ مر جاؤں گی اسے اپنے پاس نہیں آنے دوں گی۔ بہارے بھڑ بھڑ جلتی سوچ رہی تھی۔۔

اور میں کیوں پہنوں ؟؟ اسے کے لیے کچھ اچھا سا۔۔ میں کیوں تیار ہونے لگی اس کے لیے ؟؟۔۔۔ بہارے نے اپنے سلکی بالوں میں برش پھیرتے آئینے میں اپنے نظر آتے عکس کو مغروریت سے دیکھا۔۔ سرخ و سفید رنگت دھمک رہی تھی۔۔ رونے کی وجہ سے چہرہ زیادہ نکھر گیا تھا۔۔ عارض ناک سرخ تھے۔۔ وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے کافی مغروریت سے اپنے نقوش دیکھے تھے۔۔ جانتی تھی مرتا ہے وہ اس پر۔۔۔ رخصتی کے بعد ایک لپسٹک وہ ہونٹوں پر لگا لیتی تھی تو پاگل ہو جاتا تھا۔۔ مرد عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ وہ یہ بھی جانتی تھی شہرام اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ جس طرح وہ ساری ساری رات دیوانگی کے عالم میں سرگوشیاں کرتا تھا۔۔ وہ سو جاتی تھی وہ پھر بھی اس کی کمر اس کی گردن اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے چھوتا رہتا تھا۔۔ وہ نیند میں بھی اپنے وجود پر اس

کے لبوں کا لمس محسوس کرتی تھی۔۔اور جب وہ زبان درازی کرتی تھی اسے اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی۔۔وہ غصے میں اس سے دور تو ہو جاتا تھا۔۔ مگر ساری رات جاگتے ہوے سگریٹ پیتے گزارتا تھا۔۔ کتنی بار آنکھ کھلنے پر اسے پیاسی نگاہوں سے خود کی طرف دیکھتے پاتی تھی۔۔وہ اگنور کیے پھر سو جاتی تھی۔اسے پورا یقین تھا اتنے دن اس سے دور رہا۔۔وہ ایک رات بھی سکون سے نہیں سویا ہو گا۔۔ آج وہ اپنی بے سکونی اپنی تشنگی اتارنے آیا تھا۔۔معافی بھی مانگے گا۔۔

بلکل معاف نہیں کروں گی۔۔چاہے ساری رات ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہے۔۔بہارے نے ائینے میں اپنا دمکتا عکس دیکھتے ہوے سوچا۔۔

بہارے نے ایک بار اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔۔ییلو فٹنگ فراک میں اس کے نشیب و فراز قیامت ڈھا رہے تھے۔۔وہ اس کے لیے تیار نہیں ہونا

چاہتی تھی۔۔ مگر وہ آئینے میں خود کو کب سے تنقیدی نگاہوں سے ہی دیکھ رہی تھی۔۔ وہ یہی چاہتی تھی وہ اسے دیکھ کر پاگل ہو جائے۔۔ پہلے سے کہیں زیادہ۔۔ ساری رات اس کے لیے تڑپے۔۔۔

بہارے نے اپنے فراک کے اگلے دو بٹن کھولے تھے۔۔ جس سے اس کا کندن سراپہ اور قیامت خیز لگنے لگا تھا۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا. وہ اس کے لیے اتنے جتن کر رہی تھی۔۔

اس نے لب کاٹتے ہوئے کن اکھیوں سے شہرام کو دیکھا۔ جو اب سگریٹ ایش ٹرے میں مسل رہا تھا۔

بیڈ کی طرف قدم بڑھاتے اس کا دل کانوں میں بج رہا تھا۔ عارض تپ کر آنار ہوئے تھے۔ وہ اپنے دہکتے عارض پر ہاتھ جماتے پریشان تھی۔۔ آج اسے اتنی گھبراہٹ کیوں محسوس ہو رہی تھی۔

وہ آہستگی سے بیڈ کی طرف بڑھتے بیڈ کے کنارے لیٹ گئی۔۔اس نے ایک بار پھر سے شہرام کو دیکھا جو اپنی شرٹ اتار رہا تھا۔۔اسے عادت تھی رات اپنی شرٹ اتار کر سونے کی۔۔

شہرام کو اپنی ٹی شرٹ اتارتا دیکھ کر بہارے کی دھڑکنیں مزید تیز ہوئی تھیں۔رنگ سرخ گلاب ہوا تھا۔وہ جلدی سے اپنا رخ موڑ کر سائیڈ پلٹ گئی تھی۔۔اس نے جو آج میرے ساتھ کیا میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔یہ بھول جائے میں اتنی آسانی سے اسے اپنے قریب آنے دوں گی۔اگر زبردستی کی تو جان سے مار ڈالوں گی۔۔چاہے جتنا مرضی منا لے میں نہیں مانوں گی۔۔بہارے نے سختی سے اپنی آنکھیں میچیں۔۔

شہرام کی پرفیوم پہلی مرتبہ اسے اپنے حواسوں پر طاری ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ یہ پرفیوم وہ روز ڈریسنگ پر دیکھتی تھی۔۔ ایک دو مرتبہ اس نے یونہی خود پر چھڑکی بھی تھی۔۔ مگر آج اس سینٹ کی خوشبو الگ تھی۔۔ عجب سی جان لیوہ۔۔۔۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔ لرزتی پلکوں کی جنبش جاری تھی۔ وہ کافی دیر تک ایسے لیٹی رہی۔۔ کمرے میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ گھڑی کی سوئی کی ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس گھمبیر تا خاموشی میں مدھم خراٹوں اور سانسوں کی آواز شامل ہوئی تھی۔

بہارے نے حیرت سے رخ پلٹے شہرام کو دیکھا۔ جو کمبل لیے اس کی طرف پشت کیے ہوے تھا۔۔ کمرے میں اس کی مدھم سانسوں کی گونجتی آواز بتا

رہی تھی۔۔وہ گہری نیند سو رہا ہے۔۔بہارے نے بے یقینی سے شہرام کی شرٹ لیس پشت کو دیکھا تھا۔۔۔

وہ اتنے دنون بعد آیا تھا۔۔یہ کیسے ممکن تھا؟؟وہ اسے چھوے بغیر سو جائے۔اس کے پاس آئے بغیر کچھ ہی منٹوں میں گہری نیند سو جائے۔۔

مرد عورت کے بغیر اتنے دن نہیں رہ سکتا۔۔ایک بار روزینہ خانم کی الفاظ پھر سے اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔اتنے دنوں بعد بھی اسے میری ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔۔۔یہ کیسے ممکن ہے؟؟۔۔میں اس کے پہلوں میں لیٹی ہوں اور یہ اتنی جلدی سو جائے۔۔یہ کیسے ممکن ہے؟؟۔۔بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے بھیگی تھیں۔وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔

اس کا سونا اسے بہت بری طرح چبھا تھا۔۔۔وہ بھیگی نگاہوں سے کمرے میں جلتی بے حد مدھم روشنی میں گہری سانسیں لیتے اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ سائیڈ ٹیبل کا شوپیس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔۔وہ اسے آج سے پہلے سے سوتے ہوئے کبھی اتنا برا نہیں لگا تھا۔۔۔جتنا آج لگ رہا تھا۔ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔اس کی بیگانگی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔وہ کافی دیر تک ایسے ہی کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی رہی تھی۔۔

تھوڑی دیر بعد بہارے کمبل خود پر لپیٹے اس کی طرف رخ پلٹے سونے کی کوشش کرنے لگی۔۔

مگر نیند آج آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بہارے نے رخ پلٹے شہرام کی کمر کو اپنی انگلیوں سے نرمی سے چھوتے سرعت سے اپنی انگلیاں پیچھے کیں تھیں۔

ایک بار پھر وہ گھبراتے ہوے اٹھ کر بیٹھی۔

اپنی طلب ضرورت مجھ سے پوری نہیں کرتا تو پھر کہاں سے کرتا ہے۔۔ وہ یہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر شہرام کی بے اعتنائی بیگانگی اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔۔ شوہر چاہے جتنا مرضی محبت کرے۔۔ بیوی جتنا مرضی خوبصورت ہو۔۔ اس کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتا. روزینہ خانم کے الفاظ سماعتوں میں گونجتے اسے پیروں تک جھلسا چکے تھے

کیا سچ میں شہرام ڈاکٹر آئزل میں دلچسپی لے رہا ہے؟؟۔ بہارے کے اندر آگ سی بھڑکی تھی۔۔۔وہ کسی میں دلچسپی لے مجھے کیا؟؟ بہارے نے گہرے سانس لیتے غصے سے شہرام کی پشت کو دیکھا تھا۔۔وہ کمبل لپیٹے سونے کی کوشش کرنے لگی۔۔ مگر آج پہلی مرتبہ تھا شہرام سو گیا تھا اور وہ ساری رات سو نہ پائی تھی۔۔

زرمش اپنے کمرے میں بیٹھے برستی بارش کی گونج دار آواز سن رہی تھی۔۔باہر طوفانی بارش ہو رہی تھی۔۔اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔۔ جس کی وجہ سے سردی کی شدت میں کئی گنا آضافہ ہو گیا تھا۔۔وہ کمبل اوڑھے کب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔۔ نیند تو ویسے بھی نہیں آتی تھی۔۔

آج اس ستم گر کی گھر میں موجودگی اس کی نیند نہ آنے کی وجہ تھی۔۔ شاہزیب خان اور ربعیہ بیگم کو ملک سے باہر کسی ارجنٹ کام کے سلسلے میں جانا پڑا گیا تھا۔۔ جس کی وجہ سے آج ساحر خانزادہ یہاں پر رکا تھا۔۔ مگر ایک ہی گھر میں رہتے ہوے اس سے دوری زرمش خان کے دل کے ٹکڑے کر رہی تھی۔۔ وہ ماہی بے آب کی طرح ساحر خان کی قربت کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ آتے ساتھ ہی اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔۔ اسے تو لگا تھا وہ حور کے جانے کے بعد اس شاندار انسان کو پالے گی۔۔ مگر وہ محرم ہو کر بھی نامراد ٹھہری تھی۔۔ اور وہ نامحرم ہو کر بھی آج بھی پورے شان کے ساتھ اس کے دل میں استراحت تھی۔

زرمش بیڈ سے اٹھتے کمرے میں لگے دیوار گیر فینسی مرر کے سامنے کے آگے جا کھڑی ہوئی۔

نیوی بلو کلر کی فل سلیوز گاؤن میں اس کا نوخیز بدن قیامت ڈھا رہا تھا۔ سیاہ سلکی کمر تک آتے بال،، نیلی آنکھیں پر کشش نقوش۔۔۔ آخر کیا کمی تھی اس میں ؟؟۔۔ جو ساحر خان اس پر ایک نظر نہیں ڈالتا تھا۔ وہ اس کی محرم تھی اسے کبھی اس کی طلب کیوں نہیں محسوس ہوتی تھی۔۔ اتنا سچا عشق وہ کرتا ہے حور سے۔۔ اس کے جانے کے بعد وہ کبھی دل سے مسکرا ہی نہیں سکا تھا۔۔ زرمش کو اس کی نیلی آنکھیں یاد آئیں۔۔ جن کی چمک پچھلے چھ ماہ سے ماند تھی۔۔ وہ گہری سانسیں بھرتے باہر ٹیرس پر آئی تھی۔۔ بارش پہلے سے بھی زیادہ شدید ہو گئی تھی۔۔ وہ ٹیرس کے دروازے پر کھڑی برستی بارش کو دیکھنے لگی۔۔ برفانی ٹھنڈی ہوا اس کی ہڈیوں میں گھستی اسے

کپکپانے پر مجبور کر گئی تھی۔۔وہ بے حس بنی آسمان سے گرتی بارش کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں سے آنسو جھرنے کی صورت بہہ رہے تھے۔۔اسے لگ رہا تھا جیسے آسمان بھی اس کے ساتھ رو رہا ہے۔۔وہ کافی دیر تک ایسے ہی کھڑی آنسو بہاتی رہی۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ دروازہ بند کر کے پلٹنے لگی تھی۔۔یکدم وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔۔۔ ٹیرس سے باہر لان کے منظر نے اسے ساکت کیا تھا۔۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہ ہوئی تھیں۔بدن پر کپکپاہٹ دوڑی تھی۔۔ساحر۔۔۔۔۔خانزادہ۔۔۔۔اس کے کپکپاتے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔۔

وہ جینز ایک شرٹ پہنے اس قہر برساتی سردی اور طوفانی بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔۔

زرمش بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلتی سیڑھیاں اتری تھی۔۔وہ کئی سیڑھیاں ایک ہی جست میں پھلانگ چکی تھی۔۔ آخری سیڑھی پر وہ منہ کے بل گری تھی۔ سیڑھی کا کونہ پیشانی پر لگا تھا۔۔خون کی دھار بہی تھی۔۔وہ بنا پرواہ کیے تیزی سے اٹھتے بھاگتے ہوے لاونج کراس کرتی داخلی دروازہ کھول کر باہر نکل کر آئی۔

باہر دروازے پر شیڈ کے نیچے شاہزیب کے بہت پرانے وفادار خادم شریف خان کو کھڑے پایا جو اپنی آنکھیں مسلتا رو رہا تھا۔۔

شکر ہے زرمش بیٹا آپ آگئیں۔۔ساحر بابا پچھلے دو گھنٹوں سے بارش میں کھڑے ہیں۔۔میں نے بہت روکا وہ میری سننے کو تیار نہیں۔۔شاہزیب صاحب کا فون نہیں مل رہا۔۔میں کب سے یہاں کھڑا دروازہ بجا رہا

ہوں۔۔ مگر آپ نے بھی نہیں کھولا۔۔ شریف خان زرمش کو دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

مم مجھے پتہ نہیں چلا۔۔ وہ کانپتے لبوں سے بمشکل بولی تھی۔۔ وہ زرمش کو نائٹی میں دیکھتے نظریں جھکا گیا تھا۔

وہ جلدی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

وہ بھاگتی ہوئی ساحر خان کی طرف بڑھی۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ یوں چادر کے بغیر شریف خان کے سامنے آئی تھی۔۔ اس طرح لان میں وہ بے پردگی میں آئی تھی۔۔ مگر ساحر خان کو اس ٹھنڈی برساتی بارش میں کھڑا دیکھ کر وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔۔ یہاں تک کہ اپنا آپ،،، اپنی پیشانی سے بہتا خون تک وہ بھول چکی تھی۔۔

زرمش بھاگتے ہوے ساحر خان کے ساتھ تڑپ کر لپٹی۔ جس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔۔ پورا بدن یخ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

سس۔۔ ساحر یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟؟ اندر چلیں پلیز۔۔ وہ شدت سے ساحر خان سے لپٹتے ہوے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔

مجھے کہیں نہیں جانا زرمش۔۔۔ آپ جائیں یہاں سے۔۔ وہ اس کے ہاتھ اپنے چہرے سے جھٹکتا ہوا بولا۔۔

ساحر یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟؟۔۔ سردی بہت ہے بارش بہت تیز ہو رہی ہے۔ اگر آپ کچھ دیر اور یہاں رہے تو آپ۔۔۔۔۔ وہ آگے کے لفظ منہ سے نہیں نکال سکی تھی۔۔

ساحر خان کی حالت بہت بری ہو رہی تھی۔۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا ۔۔ سفید رنگت اب تیزی سے نیلی پڑ رہی تھی۔۔ وہ برف کی سل کی مانند ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔

تو میں مر جاؤں گا۔۔ میری سانسیں مجھ سے جدا ہو جائیں گی۔۔ رک کیوں گئی ؟؟۔۔ لفظ پورے کر وزرمش خانزادہ۔۔۔ وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

زرمش جو آگے اس برستی بارش میں کپکپا رہی تھی۔ ساحر خان کی دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔۔ اس کا چہرہ سفید تھا مگر آنکھیں شدید سرخ ہو رہی تھیں۔

مجھے نہیں جینا۔۔مجھے مرنا ہے زرمش۔۔ آج یہ بارش کا زور میری جان لے لے تو اچھا ہے۔ ورنہ میں خود اپنی جان لے لوں گا۔۔ کروں گا بھی کیا جی کر؟؟۔۔۔جب وہ نہیں تو میں کیا کروں گا اس دنیا میں؟؟۔۔اب کی بار وہ پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔۔

ساحر کیا ساری دنیا اسی پر ختم ہو جاتی ہے؟؟۔۔اور بھی تو اس دنیا میں رشتے ہیں۔۔زرمش اسے یوں دیوانوں کی طرح چیختے دیکھ کر ظبط کھوتے چلا اٹھی۔۔۔

میرے لیے میری دنیا ہی حور تھی۔۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے روتے ہوے بولا تھا۔۔

ساحر ادھر دیکھیں میری طرف،، مت کریں میرے ساتھ ایسا۔۔میں کتنی محبت کرتی ہوں آپ سے۔۔خدا کے لیے مجھ سے محبت ناں سہی۔۔۔مجھ پر

رحم کھا کر مجھے قبول کر لیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں ساری عمر کچھ نہیں مانگوں گی۔۔ آپ کے قدموں میں زندگی گزار لوں گی۔۔ آپ کی داسی بن کر رہوں گی۔۔۔ آپ کی کنیز بن کر رہوں گی۔۔ مجھ پر رحم کریں ساحر۔۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے نیچے بیٹھتے چلی گئی تھی۔۔ وہ اب اس کے پاؤں کے ساتھ لپٹے بے تحاشا رو رہی تھی۔۔ اسے کھو بھی نہیں سکتی تھی۔۔ اس کی تڑپ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

ساحر نے جھکتے ہوے اسے دونوں شانوں سے تھام کر اسے اٹھاتے اپنے مقابل کیا۔۔

میں مجبور ہوں زرمش۔۔۔ میں اس کے علاوہ کسی کے متعلق سوچتا بھی ہوں تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔۔ میں کیسے اپنے عشق سے بیوفائی کر سکتا ہوں۔۔ عشق میں بیوفائی ہوتی ہے کیا؟؟ اس نے بہتے آنسوؤں کے

ساتھ سوال کیا۔زرمش نے روتے ہوے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ اس کا ہاتھ جھٹک گیا۔

میں تمھارا گناہ گار نہیں ہوں زرمش۔۔

مجھے تو وہ تین لفظ بھی نہیں یاد۔جو میں نے تم سے نکاح کرتے وقت بولے تھے۔مگر میں اپنی روح اور دل سے یہ لفظ بارہاں مرتبہ اس کے لیے بول چکا ہوں۔۔اس کو اپنا محرم مان چکا ہوں۔۔بولو تمھیں کیسے اپنا سکتا ہوں؟؟۔۔

وہ اسے کندھوں سے جھنجھوڑتے چیخا تھا۔۔

اگر وہ کسی کی محرم بن چکی ہو۔۔وہ آپ کی نہ رہی تو پھر بھی کیا اسے ہی محرم مانتے رہیں گے؟؟۔۔وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ بولی۔۔

وہ صرف میری ہے۔۔اگر میری سانسیں چل رہی ہیں اس کا مطلب وہ آج بھی میری ہے۔۔وہ اس کا منہ دبوچے غرایا تھا۔۔

آئیندہ ایسی بات نہ کرنا مجھ سے۔۔ساحر نے اسے تنبیہ کرتے اس کا جبڑہ چھوڑا۔۔

ساحر ہو سکتا ہے اس رات اس کے گھر چھوڑنے کے پیچھے کی وجہ کوئی اور ہو۔۔وہ کسی اور سے محبت کرتی ہو۔۔اس لیے وہ اپنے گھر سے بھاگ گئی۔۔

اس سے پہلے زرمش اپنی بات مکمل کرتی وہ اس کی گردن دبوچ چکا تھا۔۔

خبردار اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہا۔۔ورنہ میں تمھارے اور اپنے بیچ یہ تعلق بھی توڑ دوں گا۔۔پوری دنیا بھی اس کے خلاف ہو جائے۔۔وہ خود بھی

چیخ چیخ کر اپنے کردار کو برا بھلا کہے تو ساحر خانزادہ اپنے دل کی بات مانے گا۔۔ ساحر خانزادہ کا دل کہتا ہے وہ آج بھی شفاف ہے۔۔۔ وہ اس کی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غرایا تھا۔۔

زرمش کی آنکھیں اس کی سخت گرفت پر باہر کو ابل آئیں تھیں۔۔ زرمش نے کانپتے ہاتھوں سے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔

ساحر نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو وہ گھٹنوں کے بل گری گہرے سانس لیتے اپنا سانس بحال کرنے لگی۔

زرمش نے اپنا سانس بحال کرتے بہتے آنسوؤں سے اس ستم گر کو دیکھا. جو آسمان کی طرف منہ کیے بے آواز رو رہا تھا۔۔ زرمش بھی چہرہ ہاتھوں میں

چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اس نے آخری کوشش کی تھی اس سے بدظن کرنے کی۔۔شائد وہ ایسے اسے اپنا لے۔۔اسے بھول جائے۔۔مگر وہ تو اس پر خود سے بھی زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔

وہ اپنے کانپتے بدن کو سہارا دیتے اٹھتے اس ستم گر کی طرف پھر سے بڑھی تھی۔۔جو خود سے بے نیاز کھڑا اس برستی بارش میں اس کی جان نکال رہا تھا۔۔

ساحر اندر چلیں پلیز۔۔۔زرمش اس کے قریب جا کر التجائیہ لہجے میں بولی۔۔

تم چلی جاؤ مجھے اندر نہیں جانا۔۔میں آج یہیں کھڑا رہوں گا۔۔وہ اس کی طرف سے منہ پھیرے خشک لہجے میں بولا۔۔

ساحر یہ کیسی ضد ہے ؟؟ مت کریں ایسا۔۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے گڑگڑاتے ہوے بولی۔۔

یہ ضد نہیں ہے۔۔ یہ سزا ہے میرے لیے۔۔ کیوں میں اسے چھوڑ کر کر گیا؟؟۔۔ اگر میں یہاں ہوتا تو وہ کبھی نہ ایسے جاتی۔ اب تم ہی بتاؤ کیسے میں اندر جا کر گرم بستر گرم کمرے میں سو جاؤں۔۔ مجھے اس رات کی اس کی تکلیف محسوس کرنی ہے۔۔ جب وہ گھر سے گئی تھی۔۔ پتہ نہیں اسے کتنی تکلیفیں سہنی پڑی ہوں گی؟؟۔۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہو گی؟۔۔ کس حال میں ہو گی۔۔ میں اس لیے زندہ تھا۔۔ وہ ایک دن آئے گی۔۔ مگر اب میں تھک گیا ہوں۔۔ اور انتظار نہیں کر سکتا۔۔۔۔ میں پل پل مرتا ہوں۔۔ اس کا سوچ کر میں ہر روز مرتا ہوں۔۔ میں اسے ابھی تک ڈھونڈ نہیں سکا۔۔ اس لیے آج میں اپنی جان لے کر رہوں گا۔۔ اور ساحر خان کے لیے اس سے

اچھی موت کوئی نہیں ہو سکتی وہ اس برستی بارش میں جان دے دے۔۔وہ زرمش کو پرے دھکیلتا چیخا تھا۔۔

زرمش ایک بار پھر سے زمین کا حصہ بنی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

ساحر اب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے آسمان کی طرف دیکھتا حلق کے بل چیخ رہا تھا۔۔اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔۔ مگر وہ پھر بھی دیوانوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

زرمش اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔وہ اپنے حواس میں نہیں لگ تھا۔۔

بارش پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو چکی تھی۔۔زرمش نے اپنے نیلے پڑتے ہونٹوں کو اپنی ہتھیلی سے رگڑتے ساحر کو دیکھا جس کا پورا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا۔۔اس کے ہاتھ تک نیلے سے پڑ رہے تھے۔۔

شاہزیب اور ربعیہ اس وقت باہر تھے۔۔ساحر کو کوئی بھی نہیں سنبھال سکتا تھا۔۔نہ ہی وہ کسی کی سننے والا تھا۔۔

وہ اپنی ہمت مجتمع کرتے پھر سے اٹھی تھی۔۔

ساحر اندر چلیں پیز۔۔وہ اسے زمین سے اٹھاتے چیخی تھی۔۔

میری حور کو لا دو میں چلا جاؤں گا وہ بھی جواباً چیخا تھا۔۔

ساحر حور بالکل صیح سلامت ہے۔۔زرمش روتے ہوے بولی۔۔

وہ زرمش کے الفاظ سنتا ساکت ہوا تھا۔۔

کک کیا کہہ رہی ہو؟؟۔۔وہ بے یقین ہوا تھا۔۔

مم میں بلکل ٹھیک کہہ رہی ہوں حور بلکل ٹھیک اور محفوظ ہاتھوں میں ہے۔۔وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

ساحر خانزادہ نے لڑکھڑاتے ہوے زمین کو تھاما تھا۔

حور اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھی کب سے علیزے کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو پچھلے ایک گھنٹے سے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی ارحام اور گل کی شادی کا البم دیکھ رہی تھی۔۔وہ ڈریسنگ روم کی کبرڈ سے پتہ نہیں کہاں سے یہ ڈھونڈ کر نکال لائی تھی۔۔اب پچھلے ایک گھنٹے سے وہ تصویریں دیکھ رہی تھی۔۔وہ گل اور ارحام کی تصویروں کو بار بار چوم بھی رہی تھی۔۔حور نے نوٹ کیا تھا

وہ کتنی بار اس دوران اپنے آنسو بھی صاف کر چکی تھی۔ وہ گل کی تصویروں کو زیادہ غور سے دیکھ رہی تھی۔۔ حور نے اسے دیکھ کر اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔۔

وہ آہستگی سے اٹھتے پریذے کے قریب بیٹھی۔۔ پریذے جان کیا دیکھ رہی ہو؟؟ حور نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔۔ وہ حور کو اپنے قریب بیٹھا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔

ماما ان تصویروں میں مورے اور بابا اچھے لگ رہے ہیں۔ وہ حور کی گود میں بیٹھتے اس کا گال چومتے ہوئے بولی۔۔

پریذے کے گال چومنے پر حور بھیگی آنکھوں سے کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

پتہ ہے پریزے جان۔۔۔ تمھاری کس مجھے سب سے پیاری ہے۔۔ حور اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اپنے دونوں عارض پر رکھتے بولی۔۔

پریذے نے ہنستے ہوے اب حور کے دوسرے گال کو چوما تھا۔

بس اتنی چھوٹی سی کس۔۔ حور کے لب بھرپور مسکرائے تھے۔۔

پریذے نے اب حور کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھے تھے۔ حور پھر سے کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

پریذے البم پکڑے حور کی گود میں بیٹھ کر دیکھنے لگی۔۔

مورے پیاری ہیں۔۔ وہ حور کے چہرے کی طرف دیکھتے معصومیت سے بولی۔

آپ کو مورے یاد آ رہی ہیں۔۔ حور نے اس کے اداس چہرے کو دیکھتے پوچھا۔۔

حور کے سوال پر پریذے کی آنکھیں اتنی تیزی سے نم ہوئی تھیں کہ حور گھبرا گئی تھی۔۔

پریذے اس کے ساتھ لپٹتے رونے لگی۔

پریذے جان کیا ہوا؟؟ حور نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔۔

مجھے۔۔۔ مورے۔۔۔ کے پاس جانا ہے۔۔ وہ ہچکیوں کے درمیان ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

اوکے بیٹا آپ چپ کر جاؤ میں لے جاؤں گی آپ کو۔۔ حور کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہے۔۔ وہ اسے چپ کروانے کی خاطر یہ کہہ گئی۔۔ مگر بولنے کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔۔

کیونکہ پریذے کا روتا چہرہ پل میں روشن ہوا تھا۔۔

آپ سچ میں مجھے مورے کے پاس لے جائیں گی۔۔ وہ اس کے دونوں عارض پر ہاتھ جماتے ہوئے پوچھنے لگی۔

جی بیٹا حور نے کہتے اپنی نظریں چرائی تھیں۔

حور نے درخشاں کے موبائل سے پری گل کو کال کر کے پریذے کو تھمایا۔۔

پریذے صوفے پر بیٹھی گل سے بات کر رہی تھی۔۔

مورے مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔ پریذے روتے ہوے فون پر یہی کے جا رہی تھی۔۔

حور پریشانی سے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہی تھی۔۔

دروازہ اس نے اندر سے بند کر لیا تھا۔۔ وہ درخشاں کی ہزاروں منت کر کے اس سے موبائل لے کر آئی تھی۔۔

پریذے سے کیا ہوا وعدہ پورا تو نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے بہت سوچ بچار کے بعد گل سے فون پر بات کروانے کا سوچا تھا۔۔ مگر اب اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔۔

اگر پریذے نے ارحام کو بتا دیا تو۔۔۔ وہ پریذے سے جھوٹ بولنے کا بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔۔۔ اتنی چھوٹی بچی کو وہ کیسے جھوٹ بولنا سکھا سکتی

ہے۔۔وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی کہ پریذے نے بھاگتے ہوے حور کے پاس آکر اسے فون پر تھمایا۔

مورے نے آپ سے بات کرنی ہے۔۔پریذے فون حور کو تھمائے صوفے پر چڑھے اچھلنے لگی۔۔

ڈونٹ جمپ پریذے۔۔۔حور نے فون کان سے لگائے اسے روکا تھا۔۔وہ حور کی بات سنتے اسی وقت صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔۔

جی۔۔۔حور نے فون کان سے لگائے کہا۔۔

حور بہت شکریہ تمھارا۔۔۔تم نے ہمارا بیٹی سے بات کروایا۔۔ورنہ ہم کو لگا تھا اب ہم کبھی پریذے کی آواز نہیں سن سکے گا۔۔خان ہم سے بہت نفرت کرتا ہے تم تو جانتا ہے۔۔ سپیکر پر گل کی نم آواز ابھری۔

حور گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے اب کیا کہتی۔۔

حور ہم اس بدلہ کی آگ میں اپنا بیٹی کو خود سے دور رکھا۔۔ مگر آج ہم پریذے کی آواز سن کر احساس ہوا ہے کہ ہم نے اپنا بیٹی کے ساتھ بہت زیادتی کیا ہے۔۔۔ ہم اپنا بدلہ میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اپنا بیٹی سے فون پر بات بھی نہیں کرتا تھا۔۔ مگر تم نے سوتیلا ماں ہو کر بھی اس کا درد سمجھا۔۔ گل فون پر اب رو رہی تھی۔

گل وہ بچی ہے۔۔ اس کے ساتھ میں نے بہت غلط کیا ہے۔۔ جس کے لیے میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکتی۔۔ حور نے نم لہجے میں کہا۔۔

حور تمھارا ہر غلطی ہر گناہ کا مداوا ہو جائے۔ گا۔ ہم پر ایک احسان کر دو ۔۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ آج ہم اپنا بیٹی کی آواز سن کر تڑپ اٹھا ہے۔ اس کو ہم سے ملنے دو۔۔ پریذے نے بتایا ہے۔ خان باہر گیا ہے۔۔ خان واپس آ گیا

وہ کبھی پریذے سے ہم کو ملنے نہیں دے گا۔ تمھیں خدا کا واسطہ ہے ہمارا بیٹی سے ملوادو۔ وہ گڑگڑاتے ہوے التجا کر رہی تھی۔

یہ کیسے ممکن ہے گل؟؟ حور اس کب مطالبہ سن کر حیران ہوئی تھی

یہ ممکن ہے حور۔۔ خان جب تک باہر ہے یہ ممکن ہے۔۔

ہم حویلی آجاتا ہے۔۔ تم کسی طرح پریذے کو باہر بھیج دینا۔۔ ہم اس سے مل کر چلا جائے گا۔۔ حور حق دق اس کی بات سن رہی تھی۔۔

گل آئی ایم سوری۔۔ میں آپ پر اعتبار نہیں کر سکتی۔۔ حور. نے اٹل لہجے میں انکار کیا۔

حور تم کو خدا کا واسطہ۔۔ تم کو پریذے کا واسطہ ایک بار ہمارا بیٹی سے ملوا دو۔۔ پھر ہم بختاور کے پاس چلا جائے گا ایک بار صرف ہمارا بیٹی سے ملوا دو۔۔ وہ روتے ہوے التجائیہ لہجے میں بولی۔۔

گل میں کیسے ؟؟۔۔ وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔۔

تم خود باہر نہ آنا کسی ملازمہ کے ہاتھ پریذے کو باہر بھیج دینا۔۔ ہم مل کر چلا جاے گا۔۔ تم کو خدا کا واسطہ۔ تم نے ہمارا گھر برباد کیا۔ ہمارا بچی ہم سے چھینا۔۔ ہمارا اتنا پیار کرنے والا مرد چھینا۔۔ بدلہ میں صرف ہم تم سے پریذے سے تھوڑا دیر ملنے کو مانگتا ہے۔۔ حورا نے اس کی باتیں سن کر اپنا لب بے دردی سے کاٹا۔۔ ان سب کے لیے وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔

گیٹ پر گل خان ہوتا ہے۔۔ پریذے کو کیسے باہر لایا جا سکتا ہے۔۔ حور نے گہرا سانس بھرتے ہوئے ہامی بھری۔۔

اس کو ہم دیکھ لے گا۔۔ ہم کچھ نہ کچھ نہ کر کے اس کو تھوڑا دیر واسطے گیٹ سے ہٹا دے گا۔۔

تم دذخشاں کے ہاتھ تھوڑا دیر کے لیے پریذے کو بھیج دینا۔ ہم پانچ منٹ اپنا بیٹی سے مل کر چلا جائے گا۔۔ گل جلدی سے بولی تھی۔۔

ٹھیک ہے میں کچھ کرتی ہوں آپ آجائیں۔۔ حور نے کانپتے لبوں سے کہتے فون بند کر دیا تھا۔۔

پریذے کے خوشی سے چہکتے چہرے کو دیکھتے وہ گھبراتے ہوئے صوفے پر بیٹھی۔۔ پریذے خوشی سے اس کے ساتھ لپٹ پی تھی۔۔

بہارے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سوئی نہیں تھی۔۔وہ کمرے میں موجود صوفے پر پاؤں اوپر کیے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد جمائے بیٹھی تھی۔۔رات سے کمرے میں الیکٹرک ہیٹر آن تھا۔۔کمرہ اچھا خاصہ ہیٹڈ تھا کہ کمبل لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔۔وہ صوفے پر بیٹھی بری طرح اپنے لب کچلتے بیڈ پر موجود شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔جو کمبل کے بغیر شرٹ لیس اوندھے منہ لیٹا کافی گہری نیند سو رہا تھا۔۔اسے یوں سوتا دیکھ کر بہارے کا پورا وجود شعلوں میں گرا تھا۔۔ایک آگ کی تپش اسے اپنے گرد محسوس ہو رہی تھی۔گرم کمرے کی حدت سے اسے اپنے پور پور میں سوئیاں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔وہ اسے چھوے بغیر سو گیا۔۔اسے اس کی طلب کیوں محسوس نہیں ہوئی؟؟وہ اپنی ضرورت کہاں سے پوری

کرتا ہے؟؟۔۔یہ سوال اس کے اندر آگ لگائے ہوئے تھے۔۔اور وہ جلتی لکڑی کی مانند سلگ رہی تھی۔۔ابھی بھی وہ صوفے پر بیٹھی شہرام کو دیکھ رہی تھی۔جس کی مدھم سانسیں اور مدھم سے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔۔بہارے نے بھڑ بھڑ جلتے اپنے سر سے دوپٹہ اتار کر زمین پر پھینکا تھا اور گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ اپنے لرزتے وجود پر قابو پانے لگی۔۔۔وہ کافی دیر تک ایسے ہی گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی رہی تھی۔روزینہ خانم کی باتیں اس کے دماغ سے نکل ہی نہیں رہی تھیں۔۔

شوہر چاہے جتنا مرضی محبت کرے۔۔بیوی جتنا مرضی خوبصورت ہو ۔۔اس کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتا۔۔اس کو ہمیشہ اپنا خوبصورتی اپنا اداؤں میں باندھ کر رکھنا پڑتا ہے۔۔روزینہ خانم کے الفاظ یاد کرتے اس نے گھٹنوں سے سر اٹھائے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔اسلام آباد کے ہوٹل

میں شہرام کا ہاتھ آئزل کی کمر پر لپٹا یاد آیا تھا۔۔اور آئزل کا مسکراتے ہوے اس کے ساتھ چپکنا اسے بھول نہیں رہا تھا۔۔اس نے گہرے سانس بھرتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے اپنا سانس بحال کیا۔۔پورے وجود میں مرچیں سی لگتی محسوس ہوئیں تھیں۔۔وہ اتنا کیوں جل رہی۔ تھی تڑپ رہی تھی؟؟اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔مگر پچھلے کچھ دنوں سے اس نے جتنا سامنے لیٹے ہوے ستمگر کے متعلق سوچا تھا۔۔اتنا آج تک کسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔وہ مزید اسے سوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ اپنے اندر کی گھٹن کو کم کرنے کے لیے اپنے گرد شال لپیٹتے کمرے سے نکلتی باہر لاونج میں آئی تھی۔۔

لاونج کمرے سے بھی زیادہ گرم تھا۔۔ سینٹرل ہیٹر آن تھا۔ اور آتش بھی دان جل رہا رہا تھا۔۔

روزینہ خانم کو صوفے پر بیٹھے تلاوت کرتا دیکھ کر وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔۔ کمرے میں اسے عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی۔۔ مگر روزینہ خانم اسے یہاں دیکھ لیتی تو سو سوال پوچھتیں۔ یقیناً رات کے متعلق پوچھتی تو وہ کیا کہتی ؟؟ شہرام نے اسے چھونا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ ایک بار پھر اس کا انگ انگ جھلسا تھا۔ وہ پلٹنے ہی لگی تھی کہ روزینہ خانم کی پکار پر وہ گہرا سانس بھرتے ان کی طرف بڑھی۔۔

جی مورے۔۔۔۔ بہارے نے ان کے قریب جا کر آہستگی سے کہا۔۔

تم یہاں کیا کر رہا ہے ؟؟۔۔ وہ قرآن پاک میز پر رکھ کر کھڑی ہوئی تھی۔۔

وہ نماز پڑھ کر کمرے میں دل گھبرا رہا تھا۔ یہاں چلی آئی۔ بہارے نے آہستگی سے کہا۔۔

شہرام کا ناراضگی تو دور ہو گیا ہو ہے ناں۔۔ انہوں نے بہارے کو اوپر سے نیچے تک گھورتے پوچھا تھا۔۔

بہارے ان کی نظروں سے خفت کا شکار ہوتے سرخ ہوئی تھی۔۔ وہ کیا دیکھ رہی تھیں وہ سمجھ گئی تھی۔۔ بہارے نے اچھی طرح سر پر اپنی شال جمائی تھی۔۔

ہو گئی ہے اس کی ناراضگی دور۔۔۔۔۔۔ بہارے نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے لب کاٹتے کہا۔

ہم کو پتہ تھا اس کا ناراضگی دور ہونا ہی تھا۔۔ آخر کو وہ ہمارا بیٹی پر جان دیتا ہے۔۔ تمھارا بنا وہ کہاں رہ سکتا ہے بھلا۔؟؟۔روزینہ خانم کے تفاخر بھرے لہجے پر بہارے کی آنکھیں مزید گلابی ہوئیں تھیں۔۔وہ اس کے بنا رہ بھی سکتا تھا سو بھی سکتا تھا۔ بہارے کو ایک بار پھر سے اس کا سونا یاد آیا تھا۔۔وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔

ہم یہ بھی جانتا ہے اس کا اتنا شدید ناراضگی میں بھی تمھارا ہی ہاتھ ہو گا۔۔وہ روزینہ خانم کی بات پر نظریں جھکائے اپنے نچلے لب پر ظلم ڈھانے لگی جو وہ رات سے کر رہی تھی۔

ہہارے تم چھوٹا بچی نہیں ہے تمھیں ہر بات سمجھانا پڑے۔۔شوہر کو اتنا دن ناراض نہیں رکھتے۔۔اتنا دن خود سے دور نہیں رکھتے۔۔

خدا کی طرف سے بھی ایسی عورتوں پر لعنت برستا ہے جن کا شوہر رات ان سے ناراضگی میں سوتا ہے۔۔ تم کو جتنا نخرہ دکھانا ہے۔۔ اس سے اپنا بات منوانا ہے تو بستر پر اس کے قریب رہ کر منواؤ۔۔ وہ تمھارا اور دیوانا ہو جائے گا۔۔ اس کا حقوق پورے کرو گی وہ تمھاری محبت میں پاگل ہو جائے گا۔۔ پھر تم اس کو اپنا انگلیوں پر نچانا۔۔ جو کہو گی وہی کرے گا وہ۔۔۔ روزینہ خانم بہارے کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر مسکرائی تھیں۔۔۔ وہ بہارے کے چہرے کی بڑھتی سرخی شہرام کی رات کی قربت پر محمول کر رہی تھی۔۔

ابھی اپنا کمرے میں جاؤ۔۔ اتنا دن بعد آیا ہے اس کا زیادہ سے زیادہ قریب رہو۔۔ اب اسے رات کبھی حویلی سے باہر رکنے نہ دینا۔۔۔ چاہے کوئی بھی وجہ ہو۔۔ اس کو ہسپتال سے سیدھا گھر لے کر آنا۔۔ اس کے ساتھ ہسپتال جایا کرو اس کے ساتھ ہی آیا کرو۔۔ ایک منٹ کے واسطے تم اس کو نہ

چھوڑنا۔۔اتنا خوبصورت مرد ہے تمھارا۔۔اس کو اپنا ساتھ باندھ کر رکھو۔۔

اتنا پیار کرنے والا شوہر تو قسمت والی عورت کو ملتا ہے۔۔وہ تمھارا کتنا بدتمیزی برداشت کرتا ہے۔۔روزینہ خانم کی باتوں پر بہارے کی آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہوا تھا۔۔اسی ہسپتال سے اس نے سب کے سامنے اسے نکالا تھا۔۔بہارے کی آنکھوں سے آنسو بے مول ہو کر گرنے کو بے تاب تھے۔۔وہ روزینہ خانم کے سامنے اپنے اڈتے آنسوؤں پر قابو پا گئی تھی۔۔

اب جاؤ کمرے میں اس کے قریب رہو۔۔مجھے لگتا ہے شہرام آج تمھیں ہسپتال نہیں جانے دے گا۔۔اور نہ ہی خود جائے گڈ۔۔روزینہ خانم ذو معنی انداز میں کہتے وہاں سے چلی گئی تھیں۔۔

بہارے نے صوفے پر بیٹھتے اپنی شال مضبوطی سے خود کے گرد لپیٹی۔۔اسے یاد آیا تھا۔۔رخصتی کے بعد وہ کیسے زبردستی اسے کمرے میں محصور کر کے رکھتا تھا؟؟۔۔وہ اس کی قربت میں کتنا روتی تھی چیختی تھی۔۔وہ پھر بھی مسکراتے ہوئے اس کے نخرے اٹھاتا تھا۔۔اس سے زبردستی اپنا حق لیتا تھا۔۔اور بعد میں اس کے کتنے نخرے اٹھاتا تھا۔

اسے اپنے پاس سے ہلنے نہیں دیتا تھا۔۔جس طرح آج وہ کمرے سے باہر آ گئی کیا پہلے یہ ممکن ہوتا؟؟۔۔وہ بیڈ پر ذرا سا مومونٹ کرتی تھی۔وہ کھینچ کر اسے اپنے قریب کر لیتا تھا۔۔وہ ساری رات آج کروٹیں بدلتی رہی اور وہ گہری نیند سوتا رہا۔۔بہارے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔اس سے واقعی میں شہرام کی بے اعتنائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تو شہرام کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی ۔جو واش روم سے نکلتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ ٹاول خود پر لپیٹے ہوے تھا ایک چھوٹا سا ٹاول ہاتھ میں پکڑے اس سے اپنے گیلے بال رگڑ رہا تھا۔۔

بہارے نے اس کے سکس پیک چٹانی بھورے والے سینے پر ہاتھ جمائے اس کی براؤن گہری آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔ بالوں سے پانی ٹپکتا بہارے کے چہرے پر گر رہا تھا۔۔

بہارے سٹل ہوئی تھی۔۔ اس کے جسم سے اٹھتی مسحور کن مردانہ خوشبو سے اس کے حواص معتل سے ہوے تھے۔۔ وہ ایک ٹک شہرام کی براؤن آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔۔ آج سے پہلے وہ کبھی ان آنکھوں کو دیکھتے

ہپاٹائز نہیں ہوئی تھی۔۔ بہارے کے ہاتھوں کی مٹھیوں کا دباؤ شہرام کے برہنہ سینے کے بھورے بالوں پر بڑھتا جا رہا تھا۔

آئی ایم سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔۔ شہرام نے اس کے ہاتھ نرمی سے پکڑتے اپنے سینے کے بالوں سے ہٹاتے نرمی سے خود سے الگ کرتے خود سے دور کیا۔۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔۔ پہلے قریب نہیں آیا اب اسے خود سے الگ کرتے ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔ بہارے کا رنگ توہین و آہانت کے احساس سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے کافی دیر تک بھیگی آنکھوں سے اس کے برہنہ پشت کو گھورتی رہی۔۔

آئیندہ مجھے غلطی سے بھی مت چھونا۔۔ وہ اس کی پشت کو دیکھتے بھیگے لہجے میں چیخی تھی۔

اوکے۔۔۔۔ٹاول سے اپنے بال خشک کرتے اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو رکا تھا۔۔وہ ایک لفظی جواب دے کر پھر سے اپنا کام کرنے لگا۔۔

میں تمھیں اپنے قریب اب کبھی نہیں آنے دوں گی۔۔وہ انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں اس کے مقابل آتے ہوے بولی۔۔

اور تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے میں تمھارے قریب آؤں گا۔۔شہرام نے اطمینان سے کہتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ابرو اچکائے سوال کیا۔۔

شہرام کے لفظ جیسے اسے کوڑے کی مانند لگے تھے۔۔۔اس کا رنگ لال ٹماٹر ہوا تھا۔جیسے بدن کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا ہو۔

مجھے ایسا نہیں لگتا۔میں تمھیں صرف وارن کر رہی تھی۔۔بہارے نے لرزتے لبوں سے بمشکل کہا۔۔

تمھیں وارن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ تم بے فکر رہو میری طرف سے۔۔۔وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سرخ بڑتے رنگت کو بغور دیکھتا ڈریسنگ روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

بہارے کافی دیر تک ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو گھورتی رہی۔۔ وہ سچ میں کبھی اس کے قریب نہیں آئے گا۔۔وہ کافی دیر تک اپنی بھیگی آنکھیں جھپکتے ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ ض

پھر وہ غصے سے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔۔

بہارے بلیک کلر کی شیفون کی فراک پہنے ہوے تھی۔ براؤن سلکی کمر سے نیچے آتے گیلے بال الجھے سے کمر پر بکھرے تھے۔۔ جنھیں سلجھانے اور خشک کرنے کی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔

گیلے بالوں سے پانی ٹپک ٹپک کر اس کی اس کی فراک کو بھگو تا اس کی کمر کو گیلا کر رہا تھا۔۔ جس سے اس کی سفید بے داغ پشت بہت حد تک نمایاں ہو رہی تھی۔ نہ صرف پشت بلکہ اس کا پورا بدن ہی ایسے عیاں تھا۔۔ اس کے دلکش نشیب و فراز چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔۔۔۔

اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ سب کچھ کیوں کر رہی ہے ؟؟۔۔ مگر اسے اس کا رات قریب نہ آنا آگ لگا رہا تھا۔۔۔

وہ بھی ایک عام عورت کی طرح اس ٹائم اپنے شوہر کی توجہ اس کی بے قرار نظریں خود پر چاہ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے خود پر قابو نہ رکھ سکے۔۔ اس کے لیے پاگل ہو جائے۔۔

وہ اسے اپنے قریب چاہ رہی تھی۔۔۔

مگر وہ ایسا کیوں چاہ رہی تھی؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے اس ٹائم شہرام کی طلب محسوس نہیں ہو رہی تھی۔۔ مگر وہ اس کی طلب بننا چاہتی تھی۔۔ وہ اس میں ڈوب کر ساری دنیا بھول جائے۔۔ اس کے سوا اسے کچھ نظر نہ آئے۔۔ کتنی عام سی خواہشیں تھی ناں اس کی۔ ایک عام سی عورت کی طرح۔۔۔ جسے اپنے شوہر کی توجہ چاہیے تھی۔۔ وہ ڈاکٹر بہارے نہیں صرف اس وقت ایک عورت تھی۔۔ جسے اس کے شوہر کی بے اعتنائی مار رہی تھی۔

اور اسے آج پتہ چلا تھا بے اعتنائی کی مار سے بڑی کوئی سزا نہیں ہوتی۔

اسے آج ہی احساس ہوا تھا شہرام کی بے اعتنائی اس کا نظر انداز کرنا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ وہ مر رہی تھی۔

بہارے نے ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورا ۔۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ڈریسنگ روم میں بند تھا۔

وہ یقیناً ہاسپٹل جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔۔ آج تو اس کی اتنی تیاری بھی چبھ رہی تھی۔ پھر سے روزینہ خانم کے الفاظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

اس کو ہسپتال سے سیدھا گھر لے کر آنا۔۔ اس کے ساتھ ہسپتال جایا کرو اس کے ساتھ ہی آیا کرو۔۔ ایک منٹ کے واسطے تم اس کو نہ چھوڑنا۔۔ اتنا خوبصورت مرد ہے تمھارا۔۔۔ اس کو اپنا ساتھ باندھ کر رکھو۔۔

مگر وہ تو اکیلا ہی ہسپتال جا رہا تھا۔۔رات سے معذرت کا ایک لفظ نہیں کہا۔۔ بہارے نے سوچتے ہوے اپنی بھیگی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے رگڑیں۔

شہرام کے ڈریسنگ روم کے باہر آنے پر بہارے اپنی نظروں کا زاویہ بدلتے اپنے گیلے بالوں میں ڈرائیر چلانے لگی۔۔

شہرام نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے اپنی رسٹ واچ اٹھائے پہنی۔۔وہ اس دوران بہارے کو ایسے اگنور کیے ہوے تھا وہ جیسے وہ وہاں پر ہے ہی نہیں۔۔ بہارے نے جلتی آنکھوں سے اس کے مرر میں نظر آتے عکس کو

دیکھا تھا۔۔وہ اس کے بے حد قریب کھڑا اب اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کر رہا تھا۔۔لائٹ بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔

سرخ و سفید رنگت۔۔براؤن گہری مقناطیسی آنکھیں مغروریت سے اٹھی ہوئی تیکھی ناک اور گھنی تراشیدہ مونچھوں تلے عنابی بھینچے ہوے لب۔۔۔۔بہارے ڈرائیر روکے اس کے عکس کو بغور دیکھ رہی تھی۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا وہ اسے ایسے غور سے دیکھ رہی تھی۔جب سے شہرام نے ہاسپٹل جوائن کیا تھا وہ جینز شرٹ پہنے لگا تھا۔۔اس کا ورزشی کسرتی باڈی زیادہ نمایاں ہوتی تھی۔وہ اسے بے حد غور سے دیکھ رہی تھی۔۔اسے احساس ہوا تھا شہرام واقعی میں اچھی خاصی پرسنیلٹی کا مالک ہے۔۔جب وہ اسے کالج ڈراپ کرنے آتا تھا تو اس کی سہیلیاں اس کی پرسنیلٹی پر مرتی تھیں۔اسے دیکھ کر آہیں بھرتی تھیں۔وہ انھیں اس کے ان پڑھ اس کے

گنوار پن کے سچے جھوٹے قصے سنا کر ان کے سامنے اس کی پرسنیلٹی کا مذاق اڑاتی تھی۔۔ پھر بھی اس کی سہیلیاں اس کی ساری باتیں اگنور کیے اس کی پرسنیلٹی کا ہی رونا روتی تھی۔۔ آج ان کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔۔۔ مقابل کی پرسنیلٹی سچ میں جان لیوا، عذاب تھی۔

شہرام نے ڈریسنگ پر رکھا پرفیوم اٹھا کر خود پر چھڑکا تو بہارے کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔۔۔ یہ پرفیوم اسے جتنا پہلے ناپسند تھا۔۔ اب اتنا ہی اسے پسند تھا۔۔ مقابل کے بدن میں سماتے ہی اس کی خوشبو جان لیوا ہو جاتی تھی۔۔ اس نے اپنے معتل حواص پر قابو پاتے ہوئے شہرام کو دیکھا جو اب اپنے کف لنکس لگا رہا تھا۔

اس نے اس دوران ایک بار بھی اس کے بھڑکتے دو آتشہ روپ پر نظر نہیں ڈالی تھی۔۔ اس کا جسم اس ٹائم بھڑکتا شعلہ لگ رہا تھا۔۔

بہارے نے اسے گلابی آنکھوں سے گھورتے ہوئے ڈرائیر ٹیبل پر زور سے پٹختا تھا کہ ٹیبل کا شیشہ تڑخ اٹھا تھا۔۔

شہرام کے کف لنک لگاتے ہاتھ رکے تھے۔۔ وہ پھر سے اپنے کف لنکس لگانے لگا۔ وہ بہارے کے مزاج سے واقف تھا۔ کمرے میں رکھی چیزیں توڑنا اس کے لیے عام تھا۔۔ اس سے بحث کے دوران وہ بچپن سے کچھ نہ کچھ توڑتی رہتی تھی۔۔ جب وہ لاجواب ہو جاتی تو ایسے ہی ری ایکٹ کرتی تھی۔۔ اب یقیناً وہ ہاسپٹل والا غصہ اتار رہی تھی۔ شہرام نظر انداز کیے اپنے کف لنکس لگانے لگا۔

وہ وہاں سے جانے لگی تو زمین پر پڑے شہرام کے شوز سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا۔۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ وہ زمین پر گرنے سے بمشکل ہی بچی تھی۔۔

یہ کون سی جگہ ہے شوز رکھنے کی؟؟ بہارے غصے سے چیخی تھی۔

شہرام نے آئینے میں اس کے نظر آتے عکس کو ایک لمحے کے لیے دیکھا تھا۔۔ وہ پھر خاموشی سے اپنے بالوں میں برش کرنے لگا۔۔

میں دیواروں سے بات نہیں کر رہی۔۔ وہ شہرام کی پشت کو دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے چیخی تھی۔

مجھے یہ شوز پہننے تھے اسی لیے یہاں رکھے۔۔ وہ سنجیدگی سے کہتا بیڈ پر بیٹھ کر شوز پہننے لگا۔۔

جب اتنے دنوں سے حویلی نہیں آرہے تھے۔۔ تو کل رات کیوں آئے۔؟؟۔ وہ اس کے سامنے کھڑے چٹختے ہوے بولی۔۔

تمھیں مسئلہ ہے تو آئیندہ نہیں آؤں گا۔۔وہ اطمینان سے کہتا بیڈ سے اٹھتا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔

ہاں مجھے مسئلہ ہے۔۔ جس طرح تم میری شکل ہاسپٹل میں نہیں دیکھنا چاہتے ۔۔اس طرح میں تمھاری شکل یہاں نہیں دیکھنی چاہتی۔۔وہ ہاسپٹل میری ذاتی ملکیت نہیں ہے۔۔اس طرح یہ کمرہ بھی تمھاری ذاتی ملکیت نہیں ہے۔۔یہ میرا بھی کمرہ ہے۔بہارے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔

شہرام نے ایک نظر بہارے پر ڈالی وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے بمشکل اپنی لرزاہٹ پر قابو پائے ہوے تھی۔

۔۔

اوکے آئیندہ تمھیں میری شکل نظر نہیں آئے گی۔ ویسے بھی تم ہاسپٹل چھوڑ چکی ہو۔۔ تم ہاسپٹل نہیں آؤ گی اور میں یہاں نہیں آؤں گا تو تمھیں میرا چہرہ آئندہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔۔

شہرام سنجیدگی سے کہتے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا والٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھائے دروازے کی جانب بڑھا۔

وہ اس کے الفاظ سنتے سر تا پیر سلگی تھی۔

تمھیں کیا لگتا ہے؟؟ تم مجھے ہاسپٹل سے نکالو گے تو میں کسی ہاسپٹل میں کام نہیں کر سکوں گی۔۔۔ میں نے اسلام آباد کے سب سے بڑے ہاسپٹل میں اپلائے کیا ہے۔۔ مجھے کل ہی جوائینگ کی میل بھی آچکی ہے۔۔ میں جلد وہ ہاسپٹل جوائن کرنے لگی ہوں۔۔ اگر تم نے مجھے روکا۔۔ مجھ پر پابندی لگائی تو میں تمھیں شوٹ کر ڈالوں گی۔

وہ اس کے مقابل ہوے چیخ کر بولی۔ وہ چلا کم رہی تھی۔ تڑپ زیادہ رہی تھی۔۔ وہ اس کے لرزتے بدن سے بخوبی عیاں تھا۔

اوکے کرلو جوائن۔۔ شہرام نے اس کے سرخ بھیگی آنکھوں کو بغور دیکھا تھا۔۔

اس کے اتنی جلدی ماننے پر بہارے نے بے یقینی کی کیفیت سے اسے دیکھا تھا۔۔ اسے اس کے کسی اور ہاسپٹل کو جوائن کرنے میں کوئی پرابلم نہیں تھی۔۔

مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں سمجھے تم۔۔۔ وہ زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑائی۔۔

جانتا ہوں تمھیں میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں دے بھی نہیں رہا جو تمھارے دل میں آتا ہے وہ کرو۔۔۔ حویلی میں کسی کو اعتراض ہوا۔۔ میں بات کر لوں گا۔۔ کوئی بھی تمھیں روکے گا نہیں۔ تم اس طرف سے بھی بے فکر رہو۔۔ اور جس بھی ہاسپٹل میں جوائینگ کا کوئی مسئلہ آیا ۔۔ مجھے بتا دینا میری ایک فون کال پر تمھیں جوائینگ مل جائے گی۔

شہرام سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کے پھترائے وجود پر ایک نظر ڈالتے دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔۔

حور حویلی کے پچھلے لان میں کھڑی درخشاں کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ پریذے کو پری گل سے ملوانے لے کر گئی ہوئی تھی۔۔ آدھے گھنٹے سے اوپر ٹائم ہو گیا تھا۔۔ درخشاں اور پریذے نہیں آئے تھے۔۔ اب اسے شدید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ گل نے پانچ منٹ کا صرف ٹائم مانگا تھا۔۔ مگر اب تیس منٹ سے بھی زیادہ ہو گئے تھے۔ درخشاں کچن کے ملحقہ دروازہ جو پیچھے لان میں کھلتا تھا۔۔ وہ وہاں سے پریذے کو گل سے ملوانے لے کر گئی تھی۔۔ اس وقت لاونج میں تقریباً گھر کی تمام خواتین بیٹھی تھیں۔ اسی لیے وہ لوگ کچن سے باہر گئے تھے۔۔۔ مگر اب حور کے گھبراہٹ میں ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ گل پریذے کی ماں ہے۔۔ وہ اسے کسی قسم کا نقصان تو نہیں پہنچا سکتی۔۔ یہ تو اسے یقین تھا۔۔ مگر جیسے جیسے ٹائم بڑھ رہا تھا۔۔ حور کی سراسیمگی میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ حور نے گھبراہٹ میں اپنی چادر سر پر

اچھی طرح درست کی۔۔ وہ اس وقت بہت بڑی چادر میں خود کو لپیٹے ہوے تھی۔۔

درخشاں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔۔

درخشاں کو پریذے کے بغیر اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر وہ پریشانی سے اس کی طرف بڑھی۔

پریذے کہاں ہے درخشاں ؟!؟ حور نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔۔

حور بھابھی۔۔۔ گل بھابھی پریذے کو اپنے ساتھ لے گیا۔ درخشاں نے فق رنگت کے ساتھ جواب دیا۔۔

یہ کیا کہہ رہی ہو درخشاں ؟؟۔۔ حور کی آواز گلے میں ہی گھٹی تھی۔۔

بھابھی ہمارا سامنے پریزے گاڑی میں داخل ہوا تھا۔۔ پانچ منٹ تک وہ گاڑی رکا رہا۔ پھر ہمارا سامنے وہ گاڑی چلا گیا۔۔ ھم گاڑی کا پیچھے بھاگا بھی مگر وہ گاڑی نہیں رکا۔۔ ہم کتنا دیر وہاں کھڑا رہا۔ مگر وہ گاڑی واپس نہیں آیا۔۔

بھابھی ہم کہہ رہا تھا ناں۔۔۔۔ یہ گل بھابھی بھروسے کا لائق نہیں ہے۔۔ لالا کتنا مشکل سے پریذے کو واپس لایا تھا۔۔ مگر گل بھابھی اسے دوبارہ لے گیا۔

اب کیا ہو گا؟؟ لالا تو آپ کو اور ہم کو جان سے مار ڈالے گا۔ درخشاں کی بات پر حور کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔ وہ بھاگتے ہوے گیٹ کی طرف بڑھی۔

کیا کر رہا ہے بھابھی؟؟ تم کہاں جا رہا ہے؟؟ درخشاں تیزی سے حور کے سامنے آئی تھی۔۔

میں پریذے کو واپس لانے کے لیے۔۔۔۔ حور کی گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔

بھابھی کیا ہو گیا کیسے جائے گا تم باہر؟؟ گیٹ پر اب گل خان موجود ہے۔ گل بھابھی نے پتہ نہیں کیسے اسے گیٹ سے پانچ منٹ دور کیا تھا۔۔ وہ مجھے وہاں کھڑا دیکھ کر گھور رہا تھا۔۔ آپ کو تو وہ کبھی گیٹ سے باہر نہیں نکلنے دے گا۔۔ اور لالا کو پتہ چلا آپ گیٹ تک بھی گیا ہے۔۔ وہ پریذے کا سن کر شائد آپ پر تھوڑا رحم کھا لیں۔ مگر گیٹ تک جانے پر وہ کبھی آپ پر رحم نہیں کھائے گا۔۔ جانتا تو ہے آپ لالا کو۔۔ درخشاں نے حور کا بازو جکڑے کہا۔۔

مگر درخشاں۔۔۔ پریذے۔۔۔۔۔ پریذے کو مجھے واپس لانا ہے۔۔ ایک بار پھر سے میں نے ارحام کو اس کی بیٹی سے دور کر دیا۔۔ وہ مجھے نہیں

چھوڑے گا۔۔اور نہ ہی میں خود کو معاف کر پاؤں گی۔۔حور روتے ہوے لرزتے لبوں سے بولی.

مگر بھابھی تم کیسے پریذے کو لائے گا واپس؟؟۔۔۔اس گیٹ سے تم کبھی باہر نہیں جا سکتا۔۔اگر چلا بھی گیا کیسے لائے گا؟؟درخشاں کی بات پر حور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں کیسے لا سکتی ہوں؟؟۔۔میں ان اونچی حویلی کی دیواروں کو کیسے عبور کر سکتی ہوں۔۔اگر عبور کر بھی لیا تو میں کیا کروں گی؟؟۔۔میں کہاں جاؤں گی؟؟۔۔کون ہے میرا؟؟

مجھے آج تک سلطان احمد شاہ ڈھونڈ ہی نہیں سکا۔۔ اتنی پاور میں ہوتے وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو ڈھونڈ نہیں سکا۔۔

حور بے سی سے روتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔

کیا کہہ رہا ہے بھابھی؟؟ کون نہیں تمھیں ڈھونڈ سکا۔۔ تم کس کا بات کر رہا ہے؟؟ درخشاں تحیر زدہ ہوئی تھی۔

کوئی نہیں۔۔۔ میرا کوئی نہیں درخشاں۔۔ حور بے بسی سے رو پڑی۔۔

بھابھی پریذے کو صرف ارحام لالا ہی واپس لا سکتا تھا مگر وہ لندن گیا ہے۔۔ اب کیا کریں حویلی میں سب کو بتا دیں کیا۔۔ درخشاں اپنے ہاتھ مسلتے بولی

نن نہیں۔۔پپ پہلے۔۔۔ ممم مجھے ارحام کو بتانا ہے وہ کہتے رکی نہیں تھی۔۔ وو بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

۔۔۔

ارحام نے پریشانی سے موبائل پکڑا۔۔ میٹنگ بہت امپورٹنٹ تھی۔۔ وہ میٹنگ سے اٹھ کر باہر نہیں جا سکتا تھا۔۔ مگر درخشاں کے نمبر سے فون آنے پر وہ پریشان ہوا تھا۔۔

اگر حویلی میں کسی کو کوئی مسئلہ پریشانی ہوتا تو یقیناً فون گھر کے کسی نمبر سے آتا۔۔ مگر درخشاں اسے فون کیوں کر رہی تھی؟؟۔۔ نہ اس سے پہلے کبھی درخشاں کا اسے فون آیا تھا۔۔ حور کی اس کے ساتھ اچھی خاصی اٹیچمنٹ تھی۔۔ اس لیے اس نے درخشاں کا نمبر پتہ نہیں کس احساس اور ضرورت کے تحت اپنے موبائل میں سیو کر لیا تھا۔ مگر آج اس کا فون آنا اسے حیران کر گیا تھا۔

ارحام فون ٹیبل پر رکھتے پروجیکٹر کی طرف متوجہ ہوا۔۔

مگر یکدم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔۔ حویلی میں سب کے پاس فون تھا۔۔ مگر حور کے پاس فون نہیں تھا۔۔ اور حور اس کی غیر موجودگی میں زیادہ تر درخشاں کے ساتھ ہی تو رہتی تھی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔ ارحام کے دل کی دھڑکنوں میں انتشار بھر پا رہا ہوا تھا۔۔ وہ موبائل فون اٹھاتے جلدی سے میٹنگ روم سے نکل گیا تھا۔۔ حور کا نام ذہن میں آتے ہی وہ اپنی اتنی امپورٹنٹ میٹنگ بیچ میں چھوڑ کر نکل آیا تھا۔۔ یقیناً یہ پروجیکٹ اس کے ہاتھ سے نکل جانا تھا۔

ارحام نے باہر آتے ہی مسلسل بلنک ہوتے فون کا ییس کا بٹن پریس کرتے کان سے لگایا

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حور کپکپاتے لبوں سے بولتے رو پڑی تھی۔۔

کیا ہوا ہے حور؟؟ تم رو کیوں رہی ہو؟؟ ارحام حور کے رونے کی آواز سنتے پریشان ہوا تھا۔

ارحام۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حور کے رونے کی شدت میں آضافہ ہوا۔۔

کیا ہوا ہے ڈیم اٹ؟؟ رو مت مجھے بتاؤ۔۔ وہ دبے انداز میں فون پر چیخا تھا۔۔ وہ سامنے روتی تھی تو اب اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ میلوں دور وہ بے بسی سے چلا کر رہ گیا۔۔

ارحام پریذے کو گل لے گئی؟؟۔۔ حور نے کانپتے لبوں سے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

کیا کہہ رہی ہو یہ کیسے ممکن ہے؟؟ حور کی بات سن کر وہ شاکڈ ہوا۔۔

ارحام۔۔ مم۔۔۔ میں نے تو صرف پریذے کو گل سے ملوایا تھا۔۔ پریذے رو رہی تھی۔۔ مگر گل پریذے کو اپنے ساتھ لے گئی۔۔

کیا کہہ رہی ہو؟؟ تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟؟ وہ بے یقین ہوا۔۔۔

تم کہاں ہو حور؟؟ اگلے ہی لمحے اس کی فون پر گرفت مظبوط ہوئی تھی۔۔ وہ فون پر پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

ارحام کی گرج دار آواز سن کر اسے اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوے تھے۔ فون اس کے ہاتھ سے لرز کر زمین پر جا گرا تھا۔۔۔

وہ شدت سے روتے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔۔ ایسی ہی دھاڑ نکاح کی رات کو اس کے کان کے پردے پھاڑ گئی تھی۔

سپیکر سے وہ مسلسل حور۔۔۔۔ حور۔۔۔ پکار رہا تھا۔۔

جیسے جیسے ارحام کی پکار میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ ویسے ویسے حور کے رونے میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔

حور اپنے آنسو صاف کرتے باہر لاونج میں آئی۔۔ جہاں حویلی کی تمام خواتین براجمان تھیں۔۔ وہ امینہ خانم کو پریذے کے متعلق بتانے کے لیے ان کی طرف بڑھی ہی تھی کہ درخشاں بھاگتے ہوے آئی تھی۔۔

خانم بی۔۔ حویلی کے باہر وہ آیا ہے۔۔ درخشاں پھولتی سانسوں کے درمیان بولی۔۔

کون آیا ہے؟؟ امینہ خانم نے تعجب امیز نگاہیں درخشاں پر گاڑھیں۔۔ جس کا رنگ سرخ پڑ رہا تھا۔۔

وہ گانا گانے والا سبز آنکھوں والا ہے ناں۔۔۔ ساحر خانزادہ آیا ہے۔۔۔۔ درخشاں کی بات پر حور نے صوفے کے سطح پر اپنا لرزتا ہاتھ جمایا تھا۔

حویلی کے باہر گاڑیوں کا لائن لگا ہے۔۔ اتنا لمبا قطار ہے نظر ہی نہیں ٹھہر رہا ہے۔۔۔

ان گاڑیوں میں گارڈز ہی گارڈز ہیں۔ ایسا لگتا ہے سارا شہر کی گاڑیاں اور گارڈز ادھر ہی آ گیا ہے۔۔ پولیس کی گاڑیاں بھی ہیں۔۔ اتنا بڑا بڑا افسر ہے

ان گاڑیوں سے اترا ہے۔۔۔۔۔۔ داجی تو پریشان ہو گیا۔۔ درخشاں ایک ہی سانس میں بول رہی تھی۔۔

اللہ خیر کرے۔۔۔ امینہ خانم اور روزینہ خانم پریشانی سے صوفے سے اٹھتی کھڑی ہوئیں۔۔۔

کوئی سلطان احمد شاہ بھی آیا ہے۔ اس ساحر خانزادہ کے ساتھ۔۔ سنا ہے بہت بڑا آدمی ہے باہر سب ملازم لوگ یہی کہہ رہا تھا۔ افسر لوگ بھی اس کا سامنے سر جھکا کر کھڑا تھا۔

درخشاں کی بات پر حور کے بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا۔۔ آنکھوں سے سیال مادہ بہا تھا۔۔ وہ دونوں ہاتھ

صوفے کی سطح پر جمائے شدت گریہ سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ آج چھ ماہ بعد اس نے یہ نام سنا تھا۔

سب حیرت سے اسے یوں روتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔۔ وہ سب کے سامنے آج پہلی مرتبہ روئی تھی۔۔۔ ورنہ ارحام خانزادہ کے ہر ظلم ہر تکلیف پر اس نے کبھی کسی کے سامنے آنسو نہیں بہائے تھے۔۔ مگر وہ آج صوفے پر ہاتھ جمائے اونچا اونچا رو رہی تھی۔۔ اسے ایسا روتے دیکھ کر عابیر بہارے اور ابرش بھی اب اپنی اپنی نشستوں سے اٹھیں تھیں۔۔۔

اس نے اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے سب کو ایک نظر دیکھتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

دوسرے ہی لمحے وہ مردان خانے کی طرف بڑھی تھی۔۔

سب نے حیرانگی سے اسے مردانے کی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔۔شال اس کے ایک کندھے پر لہراتے زمین بوس ہو چکی تھی۔۔اس کے براؤن سلکی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔وہ بے پردہ مردان خانے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ رہی تھی۔۔اس کے قدموں میں عجلت کے ساتھ ایک اعتماد بھی تھا۔۔

حیدر خان اپنی حویلی کے بڑے سے سٹنگ روم میں رقیہ خانم اور حاکم خان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔۔

وہ آج جلدی حویلی آگیا تھا۔۔ آتے ساتھ ہی وہ ہمیشہ کی طرح رقیہ خانم کے پاس آیا تھا۔وہ سٹنگ ایریا میں بیٹھی تھیں۔۔اس لیے آج وہ یہیں چلا آیا تھا۔

اوزگل بھی رقیہ خانم کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔۔

کیا بات ہے حیدر آج تم جلدی چلا آیا؟؟۔۔۔رقیہ خانم کی بات پر حیدر خان صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔

جی مورے آفس کا کام ختم ہوا تو جلدی آگیا۔۔حیدر خان مودبانہ لہجے میں بولا۔۔

حیدر۔۔۔۔۔۔۔۔سوات میں جو نیا ہوٹل کھولا ہے وہ کیسا چل رہا ہے؟؟۔۔حاکم خان نے پوچھا۔۔

بابا بہت اچھا چل رہا ہے۔۔اس کا نیٹ پروفٹ باقی تمام ہوٹلز سے اچھا آنے کی امید ہے۔حیدر خان پر اعتماد لہجے میں بولا۔

کیا فائدہ اتنا بڑا بڑا ہوٹل کھولنے کا؟؟۔۔اتنا بڑا بڑا زمینوں کا۔۔جب ہمارا وارث آنے کا کوئی امید ہی نہیں۔۔

یہ زمین یہ جائیداد یہ کاروبار یہ سب کچھ تمھارا بعد یا تو یتیم خانہ جائے گا یا پھر ہمارا رشتہ دار آپس میں بانٹے گا۔۔رقیہ خانم ابدیدہ لہجے میں بولی.

رقیہ خانم کی بات پر حیدر خان کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔وہ جبڑے بھینچے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔۔

فرشتے اسی لمحے ہاتھوں میں قہوے کی ٹرے پکڑے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

حیدر نے بغور اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ صبح والے ریڈ کلر کے گرم ڈریس میں ملبوس تھی۔ ریڈ دوپٹہ سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔ ڈریس کافی ملگجہ ہو چکا تھا۔۔ چہرے پر تکلیف کے ساتھ تھکن بھی تھی۔۔ آج وہ اسے دیکھ کر گلابی نہیں ہوئی تھی۔۔ بلکہ چہرہ سپاٹ تھا۔۔ یقیناً وہ رقیہ خانم کی باتیں سن چکی تھی۔۔ اور اسے عادت ہو چکی تھی۔۔ اپنے بانجھ ہونے کے طعنے دن رات سننا اس کے لیے نئی بات نہیں تھی۔۔۔ حیدر خان نے گہرا سانس بھرتے اسے دیکھا تھا۔۔

وہ آج جلدی آ گیا تو اس کا ملگجہ حلیہ دیکھ لیا تھا۔۔ ورنہ وہ رات کو مسکراتے ہوے تیار ہی ملتی۔۔

حاکم خان کے دوستوں کی ڈیرے پر دعوت تھی۔۔ بکرے کا گوشت اور بھی دیگر لوازمات ڈیرے پر بھیجنے تھے۔۔ وہ سارا انتظام فرشتے نے ہی کرنا

تھا۔۔ حیدر خان نے بغور اس کے پر مشدہ چہرے کو دیکھا تھا۔۔ جو تھکن سے چور تھا۔۔ اور چہرہ کافی سرخ ہو رہا تھا۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج گھر میں کوئی بات ہوئی ہے۔۔ حیدر خان سب کی موجودگی فراموش کیے فرشتے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ حیدر خان کی گہری نظریں فرشتے پر گڑھی دیکھ کر رقیہ خانم کے چہرے کے تاثرات سخت ہوے تھے۔۔ انہوں نے فرشتے کے معصومیت اور خوبصورت چہرے پر قہر بار نگاہ ڈالی۔۔ اس کی بھیگی آنکھیں انھیں آگ لگا گئی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے فرشتے سے کھانا جل گیا تھا۔ جس پر انہوں نے اسے کافی سخت سست سنائی تھیں۔ بانجھ ہونے کے طعنے کے ساتھ اسے حیدر کی دوسری شادی کی دھمکی بھی دی تھی۔۔ یہ تو ان کا روز کا معمول تھا۔۔ مگر فرشتے یوں حیدر کے سامنے بھیگی آنکھوں کے ساتھ پہلی بار کرائی تھی۔۔

اسلام و علیکم خان۔۔۔ فرشتے نے ایک نظر حیدر خان کو دیکھتے سلام کیا۔۔

حیدر خان نے سر ہلاتے ہوے فرشتے کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے سے قہوے کا کپ اٹھایا تھا۔

فرشتے نے سبھی کو قہوہ کی پیالیاں پکڑائیں۔

یہ کیا فرشتے؟؟ میں نے تمھیں اپنے لیے کافی بنانے کو کہا تھا تم قہوہ لے آئی۔۔ اوزگل نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔۔

میں بھول گئی تھی۔۔ میں ابھی لاتی ہوں۔۔ فرشتے کہتے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔۔

حیدر خان کے ٹیبل پر کپ پٹخنے کی آواز پر وہ دروازے کے بیچ رکتے حیدر خان کی طرف متوجہ ہوئی۔ کپ کے اندر سے قہوہ چھلکتے ٹیبل کو داغدار کر

چکا تھا۔ حیدر خان کے ماتھے پر بلوں کا جال گہرا ہوا تھا۔۔ رنگ اشتعال کے مارے سرخ ہوا تھا۔۔

باقی سب بھی حیدر خان کی طرف متوجہ ہوے۔۔

خان۔۔۔۔ فرشتے گھبراتے ہوے حیدر خان کی طرف بڑھی تھی۔

تم جاؤ یہاں سے فرشتے۔۔۔ حیدر خان نے لب بھینچے کہا۔۔

لیکن خان۔۔۔ سنا نہیں تم نے وہ دھاڑتے ہوے کھڑا ہوا تو رقیہ خانم اور حاکم خان بھی کھڑے ہوے تھے۔۔ اوزگل بھی جلدی سے کھڑی ہوئی۔۔

فرشتے اپنی نم آنکھیں دوپٹے سے رگڑتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

کیا ہوا ہے حیدر؟؟ حاکم خان نے حیدر کے اشتعال زدہ چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

اوزگل تمھیں اللہ نے ہاتھ پاؤں دیے ہیں ؟؟۔حیدر حاکم خان کا سوال اگنور کیے اوزگل کے مقابل آیا تھا۔۔

اوزگل نے گڑبڑاتے ہوے رقیہ خانم کو دیکھا۔

مورے کی طرف مت دیکھو مجھے بتاؤ۔۔حیدر خان کا لہجہ مزید سخت ہوا۔۔

جج جی۔۔۔لالا۔۔۔۔۔حیدر خان کا کرخت چہرہ اور اس کا درشت لہجہ محسوس کرتے اس کے لبوں سے ہکلاہٹ کے مارے لالا برامد ہوا تھا۔۔

جب اللہ نے تمھیں ہاتھ پاؤں دیے ہیں تو انھیں استعمال کرنا بھی سیکھو ۔۔آئیندہ میں تمھیں فرشتے پر حکم چلاتا نہ دیکھوں۔۔حیدر خان نے سخت لفظوں میں انگلی اٹھائے تنبیہ کی تھی۔۔

جی۔۔۔۔اوزگل رقیہ خانم کی طرف دیکھتے ڈبڈبائے لہجے میں بولی۔۔

حیدر کیا تم کو فرشتے کا ہمارا کام کرنا بھی برا لگتا ہے تو بتا دو ہم آئندہ سے اس کو کوئی کام نہیں کہے گا۔۔رقیہ خانم نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

مورے کیسی باتیں کر رہی ہیں؟؟مجھے کیوں برا لگے گا؟؟وہ آپ کی بہو ہے۔۔فرض ہے اس پر آپ کی خدمت کرنا۔۔

چلو شکر ہے تم نے ایسا کہا۔ورنہ ہم کو تو لگا تھا تم ہم سے کہے گا کہ ایک بہو پر اسلام میں ساس سسر کا خدمت کرنا نہیں آیا۔وہ تمھارا بیوی ہے وہ صرف تمھارا ہی کام کرے گا۔۔رقیہ خانم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔

میں نے ایسا کب کہا مورے؟؟حیدر خان نے جھنجھلاتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔

آج کل کا بچہ لوگ کو اپنا مطلب کے واسطے دین یاد آجاتا ہے۔۔وہ یہ بھول جاتا ہے اگر بیوی کا حقوق دین میں آیا ہے تو ماں کا حکم سے سرتابی کرنا پر بھی بڑا سخت گناہ ہے۔۔ہم نے تمھارا واسطہ کیا کچھ نہیں کیا۔۔ہمارا ایک خواہش ہے۔۔ہم کو ہمارا پوتا یا پوتی دے دو۔۔مگر تم وہ خواہش بھی پورا نہیں کر سکتا۔۔

مورے یہ میرے بس میں نہیں ہے۔۔حیدر خان بے بے بسی سے بولا تھا۔۔ہر بات کی تان آکر اب اسی پر ٹوٹتی تھی۔۔وہ عاجز آچکا تھا۔۔

ہے تمھارا بس میں ہی ہے۔۔تم اوزگل سے شادی کر لو حیدر۔۔۔خدا تم کو اس سے بچہ دے دے گا۔۔تم وہی بچہ فرشتے کو دے دینا۔۔اس طرح تم اس کی سونی گود ہری کر سکتا ہے۔فرشتے بھی ایک عورت ہے۔ماں بننے کا

تڑپ اس کو بھی تڑپاتی ہو گی۔۔ تم مرد ہے تم دو شادیاں کر بھی سکتا ہے۔ نبھا سکتا ہے۔۔ دونوں بیویوں کا حقوق برابری کی سطح پر ادا کرتے رہنا۔۔ ہم وعدہ کرتا ہے کبھی فرشتے کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا۔ رقیہ خانم کی بات پر وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔۔

مورے۔۔ میری دوسری شادی کروا کے ہی آپ اس کی حق تلفی کر رہی ہیں۔۔۔ میں کیسے اس کا دل دکھا دوں؟؟۔۔ جو میری دوسری شادی کے خوف سے سارا سارا ان ادھر نوکروں کی طرح کام کرتی ہے۔۔ آپ کی کڑوی باتیں مسکراتے ہوے سنتی ہے۔ یہاں تک کہ اوزگل کے آکے بھی ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔۔ کبھی وہ ایک شکوہ اپنے لبوں پر نہیں لائی۔۔ وہ سارا دن کی جتنی مرضی تھکی ہو کبھی میرا حق ادا کرتے وہ ایک شکن ماتھے پر نہیں لاتی۔۔

میں ایسی عورت کا کیسے دل دکھا دوں؟؟۔۔اگر اس کی گود ہری کرنے کی بات ہے تو بچہ گود بھی لیا جا سکتا ہے۔۔

حیدر۔۔۔۔حاکم خان نے اسے ناگواری سے ٹوکا تھا۔۔

حیدر ہمارا خاندان میں ملاوٹ نہیں ہو گا۔۔ہم کسی کا خون کو کبھی اپنے وارث کی جگہ نہیں دے گا۔اگر کبھی تم نے ایسا کیا تم ہمارا مرا ہوا منہ دیکھے گا۔حاکم خان اپنے لفظوں پر زور دیتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

حیدر تم تو اپنا بڑوں کے سامنے شرم لحاظ تک بھول چکا ہے۔۔ یہ حق کی باتیں کمرے تک محدود رکھو تو اچھا ہو گا۔۔ رقیہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ بولیں۔۔

مورے۔۔۔ بچے کی باتیں اوزگل سے شادی کی باتیں سب کے سامنے ہو سکتی ہیں تو میں ایسی باتیں کیوں نہیں کر سکتا۔۔ میں اپنی عورت کا سب کے سامنے خیال کیوں نہیں کر سکتا۔۔ اوزگل یہ سب کچھ سنتے بھی یہاں ڈھٹائی سے کھڑی ہے۔۔ تھوڑی شرم اسے بھی سکھا دیتی آپ۔۔۔ حیدر خان نے اوزگل پر قہر بار نگاہ ڈالی جو بنا کسی شرم لحاظ کے وہیں پر کھڑی تھی۔۔ حیدر خان کے احساس دلانے پر وہ جلدی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ایک بات یاد رکھنا حیدر۔۔۔جب سے تمھارا بیوی آیا ہے تم اپنا مان کے آگے زبان چلانے لگا ہے۔۔تم ہمارا وہی بیٹا تھا جس کے لیے اس کا مورے ہی سب کچھ تھا۔۔آج تم کو صرف اپنا بانجھ عورت یاد ہے۔۔

جب ہم مر جائے گا۔۔تم رہنا اس حویلی میں اپنا بیوی کے ساتھ۔۔۔تب تم کو ہمارا باتیں یاد آئے گا۔۔جب تمھارا پاس کوئی رشتہ نہیں ہو گا۔۔تم ترسے گا اپنا وارث کے واسطے۔۔۔۔مگر تب بہت دیر ہو جائے گا۔۔ہم مرتے ہوے تمھیں کبھی بھی اپنا دودھ نہیں بخشے گا۔رقیہ خانم روتے ہوے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔۔

حیدر خان نے غصے سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے ہوے ٹیبل پر پڑا کپ اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔۔

مردان خانے میں اس وقت درید خان، اربد خان اور زاران خانزادہ صوفوں پر براجمان تھے۔۔ پولیس افسران

صوفوں پر بیٹھے تھے۔۔ جن میں کمشنر ڈی ایس ڈی ایس پی.. ڈی آئی جی تھے۔

سلطان احمد کے پرسنل گارڈز مردانے کے باہر بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ باقی گارڈز حویلی کے گیٹ پر موجود تھے۔۔ پولیس کی گاڑیاں بھی حویلی کے گیٹ کے باہر کھڑی تھیں۔ جن میں کچھ افسران اور پولیس اہلکار موجود تھے۔ ساحر خانزادہ بلو جینز پر بلیک شرٹ اور بلیک لیدر کی جیکٹ میں ملبوس تھا۔۔ جس کا چہرہ پے انتہا سنجیدہ اور ثپاٹ تھا۔۔ آنکھیں شدید سرخ جیسے ان میں لہو اترا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے اس پر پیشانی ٹکائے سفید چمکتے ماربل کو گھور رہا تھا۔۔ رات سے ایک ایک پل اس

پر بھاری گزرا تھا۔۔ زرمش کے بتانے پر وہ بنا کسی دیر کے سلطان احمد شاہ کے پاس پہنچا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ کے آدھی رات ایک فون گھمانے پر پولیس کے افسران اپنی نفری لے کر تھوڑی ہی دیر میں ان کے پاس تھے۔۔ وہ لوگ بنا کسی دیر کے اسی لمحے شدید بارش میں ریش ڈرائیونگ کرتے یہاں پہنچے تھے۔۔ زرمش نے یہی بتایا تھا کہ حور فرشتے بھابھی کی حویلی میں ہے۔۔ ساحر خانزادہ اسی لمحے سمجھ چکا تھا۔۔ اسے ادھر ہی ہونا چاہیے تھا۔۔ اس کے دل نے جھوٹی گواہی نہیں دی تھی۔۔ وہ وہیں تھی۔۔ جہاں اسے اس نے محسوس کیا تھا۔۔ وہ محفوظ ہاتھوں میں صحیح سلامت ہے۔۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں سوچ رہا تھا۔۔ اگر وہ کچھ اور سوچتا تو اس کا دل تھم جاتا۔۔ اور اسے دیکھے بغیر اسے چھوے بغیر ابھی اس کی سانسیں

نہیں رک سکتی تھیں۔ ساحر خانزادہ کی آنکھوں میں مزید خون اترا تھا۔۔ ایک ٹانگ اضطراری کیفیت میں ہل رہی تھی۔

وہ اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پائے سیدھا ہوا تھا۔

سلطان احمد شاہ مردانے میں اضطرابی انداز میں چکر لگاتے اپنے ہونٹوں پر اپنے ہاتھوں کا مکہ بنائے ہلکا ہلکا مار رہے تھے۔۔ کبھی اپنے بالوں میں وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں پھیرنے لگتے۔۔ یہ کچھ گھنٹے انہوں نے جس طرح گزارے تھے۔۔ یا تو وہ جانتے تھے یا ان کا خدا جانتا تھا۔۔ ساحر خانزادہ کے انکشاف پر ان کا دل کچھ پلوں کے لیے رک گیا تھا۔ زبان گنگ ہوئی تھی۔ ۔ان کی بیٹی یہاں پہاڑوں میں تھی۔۔۔ انھیں یقین نہیں آیا تھا۔

انہوں نے دو منٹ میں اس حویلی اور یہاں کے مکینوں کا بائیو ڈیٹا نکال لیا تھا کہ یہ لوگ خان ہیں اور ان کا اس علاقے میں کافی رعب و دبدبہ

ہے۔۔انھیں تمام انفارمیشن چند ہی لمحوں میں مل چکی تھی۔۔اور یہ بھی یہ حویلی ارحام خانزادہ کی ہے۔۔حور یہاں کیسے پہنچی وہ نہیں جانتے تھے۔۔وہ یہاں کس حیثیت سے رہ رہی ہے؟؟۔۔وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے۔۔ان کی بیٹی ٹھیک اور صیح سلامت ہے۔۔انھیں اس سے آگے کچھ نہیں سوچنا تھا۔۔وہ چھ ماہ میں بہت سے گھروں بہت بڑی بڑی حویلیاں بنگلوں مختلف کلبز بہت سے کوٹھوں پر چھاپہ مار چکے تھے۔۔جن شپنگ میں باہر کے ممالک میں لڑکیاں سمگل کی جاتیں تھیں۔ہر شپ ہر جگہ پر وہ حور کو ڈھونڈ چکے تھے۔۔ایسے میں ان کی کیا حالت ہوتی وہ وہی جانتے تھے۔۔۔ان کی بیٹی یہاں کسی حویلی میں بلکل محفوظ ہے۔۔یہ خبر ان کے لیے آب حیات تھی۔۔وہ کوئی رسک نہیں لے سکتے تھے۔۔یہ لوگ خانزادہ فیملی سے تھے۔اگر وہ کسی وجہ سے مکر جاتے۔حور ان کے پاس نہیں ہے۔۔وہ زنان

خانے میں چھاپہ مارنے کا آرادہ رکھتے تھے۔۔ان کے ساتھ لیڈیز پولیس بھی تھی۔اگر وہ پھر بھی انھیں زنان خانے مین قدم نہ رکھنے دیتے یا پھر ان کی بیٹی کو نہ بلواتے تو وہ یقینًا اس حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔۔ابھی وہ اضطراری انداز میں چکر لگاتے خدا سے دعا کر رہے تھے۔ان کی بیٹی یہاں موجود ہو۔۔

سمیع اللہ خان درید خان اربد خان، سلطان احمد شاہ کو سنجیدہ نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔وہ لوگ فرشتے کی وجہ سے ساحر خانزادہ کا لحاظ کر رہے تھے۔۔

سلطان احمد شاہ کا پولیس فورس کے ہمراہ آنا انھیں بہت ناگوار گزرا تھا۔ساحر خان کا سلطان احمد کے ساتھ کیا تعلق تھا۔۔وہ یہ سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔۔وہ کچھ ہی لمحوں میں سلطان احمد شاہ کی پاور سے واقف ہو چکے تھے۔۔

اپنے سامنے اعلی افسران کو دیکھ کر گاڑیوں کی لمبی قطاریں اور سینکڑوں گارڈز کو دیکھ کر انھیں سلطان احمد کی پاور کا اندازہ ہوا تھا۔۔ سامنے کھڑا بلیک کلر کے سوٹڈ بوٹڈ ہلکے گرے بالوں اور ہیزل گرے آنکھوں والے کی پرسنیلٹی بھی کافی شاندار تھی۔

وہ کون تھا؟؟ وہ لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے۔ مگر زاران خانزادہ سلطان احمد شاہ کو جانتا تھا۔ اور یہ بھی ان کی کمپنی کا اربوں کا نٹریکٹ سلطان احمد شاہ کی کمپنی کے ساتھ تھا۔۔ بلکہ ان کا پورا بزنس ہی اس کنٹریکٹ کے سہارے کھڑا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ جیسے اتنے بڑے با اثر انسان کے یہاں آنے کی وجہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ زاران نے پہلو بدلتے اپنے سامنے اعلی افسران کو گھور کر دیکھتے اپنے دوست روحاب ملک کو قہر بار نگاہوں سے گھورا تھا۔۔ وہ زاران خانزادہ کے گھورنے پر اپنی نظریں چرا گیا تھا۔

سلطان احمد شاہ آپ نے جو بھی بات کرنا ہے یہاں بیٹھ کر کریں۔۔۔ ہمیں آپ کا بات سمجھ نہیں آیا۔۔ آپ کی کون سی قیمتی چیز ہمارے پاس ہے۔

سمیع اللہ خان کی گرج دار آواز گونجی تھی۔۔

میری بیٹی اس حویلی میں ہے۔۔ اسے بلوائیں یہاں۔۔ سلطان احمد نے سرخ ہوتی آنکھوں سے جواباً سمیع اللہ سے بھی گرج دار آواز میں کہا تھا کہ حویلی کے درودیوار لرز اٹھے تھے۔

شاہ صاحب ہم بات کرتے ہیں۔ روحاب ملک زاران کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے اپنی نشست سے جلدی سے اٹھا تھا۔۔

سلطان شاہ کے ہاتھ کے اشارے سے وہ لب بھینچے وہ واپس صوفے پر بیٹھا تھا۔۔ تمام اعلی افسران پہلو بدل کر رہ گئے تھے۔۔۔ سامنے زاران خانزادہ

اس علاقے کا سردار اور اس علاقے کے بااثر لوگ بیٹھے تھے۔۔ جن کی حویلی میں وہ موجود تھے۔۔ اور سامنے کھڑا انسان اس ملک کے بااثر لوگوں میں سے ایک تھا۔۔ وہ لوگ بھی پریشان تھے۔۔۔ سلطان احمد شاہ نے موقع ہی نہیں تھا۔۔ اوپر تک اس کے فون گئے تھے۔۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کے ساتھ تھے۔

زاران کے طنزیہ مسکراہٹ پر روحاب ملک اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا تھا۔

میری بیٹی حور سلطان احمد شاہ آپ کی حویلی میں موجود ہے۔۔۔ مجھے اپنی بیٹی چاہیے۔۔ سلطان احمد شاہ اب اونچی آواز میں غرایا تھا۔۔ ایک ایک پل اس کے لیے سوہان روح تھا۔۔ سلطان احمد اب صرف مرنے والا ہو گیا تھا۔۔

اربد درید خان سمیع اللہ خان اور زاران نے ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔

اس سے پہلے سمیع اللہ خان کچھ کہتے حور مردانے میں داخل ہوئی تھی۔۔

اسے یوں بے پردہ مردانے میں داخل ہوتے دیکھ کر درید اربد خان، زاران خانزادہ اور سمیع اللہ خان اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔

سب کے چہروں پر شدید قسم کی سرخی چھائی تھی۔زاران نے اپنی مٹھیاں بھینچتے رخ پلٹا تھا۔۔اس نے کبھی حور پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔۔اپنی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا نہیں تھا۔۔

آج وہ بے پردہ اتنے مردوں کے درمیان تھی۔۔۔زاران نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں میچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔اسے بے پردہ بغیر کسی چادر دوپٹے کے دیکھ کر اس کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔۔

اگر آج ارحام خانزادہ ادھر موجود ہوتا تو یقیناً حور کو وہ جان سے مار ڈالتا۔۔

تم یہاں کیا کر رہا ہے؟؟ درید خان کی دھاڑ مردانے میں گونجی تو زنان خانے میں موجود عورتیں کانپ کر رہ گئی تھیں۔

وہ سب مردان خانے اور زنان خانے کے بیچ ملحقہ بڑے سے لکڑی کے دروازے کے پاس پتھر بنی کھڑی تھیں۔۔حور بے پردگی میں مردانے می؟ اتنے مردوں کے درمیان چلی گئی۔۔وہ سب شاکڈ میں تھیں۔۔وہ ییلو کلر کے بہت فٹنگ اور سٹائلش سے پیروں تک آتے پٹھانی شیشوں والے فراک میں ملبوس تھیں۔ییلو کلر کے پیور پٹھانی فراک میں اس میں اس کی

رعنائیاں پوری آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔اس کے جسمانی خدوخال کو تو اس فراک میں بڑی سی پاؤں تک لپٹی چادر نے چھپایا ہوا تھا۔ مگر اب وہ بغیر کسی چادر کے بغیر کسی دوپٹے کے شعلہ جوالہ بنی مردان خانے میں داخل ہوئی تھی۔اوپر سے اس کے لمبے کھلے بالوں نے اس کے دمکتے روپ کو دو اتشا بنایا ہوا تھا۔

سب عورتیں دل ہی دل میں شکر ادا کر رہی تھیں۔ارحام خانزادہ ادھر نہیں ورنہ وہ حور کو مردانے میں ایسے دیکھ کر شائد آگ ہی لگا دیتا۔۔سب جانتے تھے وہ حور کی خوبصورتی کو لے کر کتنا پوزیسو ہے۔۔

سلطان احمد شاہ سٹل ہوے تھے حور کو اپنے سامنے دیکھ کر۔۔ساحر خانزادہ جلدی سے صوفے سے کھڑا ہوا۔۔وہ حقیقت کا روپ دھار کر اس کے

سامنے کھڑی تھی۔ دل بے یقین ہوا تھا۔۔ وہ آج بھی ویسے ہی تھی۔۔۔ ساحر خانزادہ نے لڑکھڑاتے ہوے دیوار کا سہارا لیا تھا۔۔

آنکھوں سے برسات جاری ہوئی تھی۔۔ اس کی گرین آنکھیں شدت سے برس رہی تھیں۔ سامنے کھڑا وجود اس کا عشق اس کی حور ہے۔ دل ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔۔

حور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے گہرے سانس لیتے سلطان احمد کو دیکھ رہی تھی۔۔

سلطان احمد شاہ اور حور کے لیے وقت رک گیا تھا جیسے۔۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے چند قدموں کی دوری پر تھے۔

وہ دونوں پتھر بنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔

سلطان احمد شاہ کے لب کپکپا رہے تھے۔۔

ان کے کپکپاتے لب وہ لفظ ادا نہیں کر پا رہے تھے۔۔ جن سے وہ اپنی جان سے پیاری بیٹی کو پکارتے۔۔

حور کے لب بھی بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔ بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔۔

دونوں مجسم آنکھوں سے ایک دوسرے کو صرف دیکھے جا رہے تھے۔۔ جیسے اگر ذرا سی پلکیں جھپکائی تو یہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔۔ آنکھوں کے پردوں پر دھند کی دیوار بڑھتی جا رہی تھی۔۔ منظر دھندلا ہوتا جا رہا تھا۔۔ اس لیے بدن کی کپکپاہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

مردانے میں اس وقت گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔۔

سب ہی اپنی نشستوں سے کھڑے حور اور سلطان شاہ کو دیکھ رہے تھے۔

حویلی کے مردوں کے چہرے اشتعال سے سرخ تھے۔۔وہ سب سرخ چہروں کے ساتھ حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔۔

سلطان احمد شاہ بااثر انسان اب رو رہا تھا۔۔وہ بظاہر مضبوط دکھنے والا بااثر انسان کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔۔مضبوط مردانہ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔۔جو وہ حور کی طرف بڑھا رہے تھے۔۔مگر بڑھا نہیں پا رہے تھے۔۔

پاپا۔۔۔حور کے لبوں نے جنبش کرتے سسکی لی تھی۔۔

درید خان جو حور کو بے پردہ کھڑے دیکھ کر غصے اور اشتعال سے اس کی طرف بڑھے ہی تھے۔۔

حور کے لبوں سے لفظ پاپا سن کر ان کے قدم وہیں پر ٹھہرے تھے۔۔۔

پاپا۔۔۔۔حور کے لبوں نے ایک بار اور جنبش کی تھی۔

اب کی بار یہ آواز سسکی کے ساتھ نہ صرف مردانے میں بلکہ زنان خانے میں بھی گونجی تھی۔

سلطان احمد شاہ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکے تھے۔۔وہ تڑپتے ہوے جلدی سے حور کی طرف بڑھے اسے اپنے سینے سے لپٹا گئے تھے۔۔وہ بھی ان کی طرف بڑھتے ان کے سینے میں سما گئی تھی۔

پاپا۔۔۔۔۔۔۔. وہ ان کے سینے میں سمائے شدت سے رو دی۔

حور میری جان۔۔۔۔۔۔وہ اس کی کمر کے گرد اپنے مظبوط بازو لپیٹے بری طرح رو رہے تھے۔۔

اب یہ منظر دیکھ کر سب ایک دوسرے کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔

شہرام خانزادہ ہاسپٹل کے میٹنگ روم میں بیٹھا کچھ فائلز چیک کر رہا تھا۔۔ مگر آئزل کی گہری نظریں خود پر محسوس کرتے اس کے لب بھینچے تھے۔۔

وہ اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی تھی۔۔ بلیک کلر کی ویلوٹ کی لانگ شرٹ ٹائٹس پر پہنے ہوے تھی۔۔ ایک طرف شال کندھے پر ڈالی تھی۔۔ اپنے سنہری ہلکے کرل ذدہ کمر سے تھوڑا اوپر آتے بالوں کو اس نے ہمیشہ کی طرح کھلے چھوڑ رکھے تھے۔۔ لبوں پر چمک دار پنک کلر کا گلوز لگائے وہ ایک ٹک نم آنکھوں سے شہرام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

شہرام نے فائل ٹیبل پر پٹختے ہوے آئزل کو لب بھینچے دیکھا تو وہ جلدی سے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔۔

کیوں کر رہی ہیں آئزل اس طرح؟؟ شہرام نے اس کی جھکی لرزتی گھنی پلکوں اور سرخ چہرے کو بغور دیکھتے بھاری آواز میں پوچھا۔۔

تم تو سب جانتے ہو شہرام؟؟ پھر بھی یہ سوال کر رہے ہو۔۔

آئزل نے بھیگے لہجے میں جواباً سوال داغا تو شہرام اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر چیئر سے ٹیک لگا گیا تھا۔۔

آئزل کی آنکھوں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ چیئر سے ٹیک لگائے اسے اب چبھتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیوں مجھے اگنور کرتے ہو؟؟ کیوں تم تک میری فیلنگز نہیں پہنچ پا رہی۔۔ میں نے تمھارے لیے خود کو کتنا بدل لیا ہے۔۔ جیسا لباس تمھیں پسند ہے۔ وہی پہننے لگی ہوں۔۔

جو تمھیں کھانے میں پسند ہے۔ وہی کھانے لگی ہوں۔۔

جو رنگ تمھیں پسند ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رنگ مجھے بھاتا ہی نہیں ہے۔ میری کبرڈ میں اب صرف سیاہ رنگ پایا جاتا ہے۔۔ وہ چیئر سے کھڑے ہوے اس سے بہتی آنکھوں سے اپنے دل کا حال بتا رہی تھی۔۔

شہرام چیئر سے ٹیک لگائے بے بسی سے اس کی آنکھوں کی نمی دیک رہا تھا۔۔ اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے۔۔ سامنے کھڑی معصوم دل رکھنے والی لڑکی یوں ارزاں کیے جانے والے سلوک کی مستحق نہ تھی۔

تم جو کہو گے میں کروں گی۔۔ میں یہاں کی عورتوں کی طرح پردہ کرنے کو تیار ہوں۔ تم مجھے اپنی حویلی رکھو گے میں وہاں بھی رہ لوں گی۔۔ جیسے رکھو گے ویسے رہ لوں گی۔ تم کہو گے تو کبھی اس حویلی سے قدم باہر بھی نہیں نکالوں گی۔۔ تم جس حال میں رکھو گے رہ لوں گی۔۔ تم جہاں کھڑا کرو

گے۔وہاں کھڑی رہوں گی۔۔تم سن کے نیچے کھڑا کرو گے۔۔پگھل جاؤں گی۔۔تمھاری مرضی کے بغیر قدم نہیں آگے بڑھاؤں گی۔۔تم برستی ہب بارش میں کھڑا کرو گے۔۔میں وہیں کھڑی رہوں گی۔۔

میری محبت مت ٹھکراؤ۔۔آئزل بھیگے لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے سسکتے ہوے بولی تھی۔

۔ڈاکٹر آئزل میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں۔۔جو آپ چاہتی ہیں وہ نہیں ہو سکتا۔۔شہرام اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلتا سیدھا ہوتے ٹیبل پر غصے سے مکہ مارتے ہوے جھنجھلاتے ہوے بولا تھا۔۔

وہ ایک پل کے لیے سہمی تھی۔پھر اس کے قریب کرسی پر بیٹھی۔۔

کیوں نہیں ہو سکتا شہرام؟؟جب تمھاری محبت تم سے محبت نہیں کرتی تو تم کسی اور کی محبت کو قبول کیوں نہیں کر سکتے؟؟۔۔جو سلوک وہ تمھارے ساتھ کرتی ہے۔۔وہی تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔۔تم جانتے ہو ٹھکرائے جانے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ڈاکٹر آئزل شہرام کو دیکھتے مظرب لہجے میں التجائیہ بولی۔۔

شہرام نے آئزل کی تڑپتی نگاہوں اور کانپتے لبوں کو دیکھتے اپنی پچھلی گردن جھنجھلاتے ہوے رب کی تھی۔۔

ڈاکٹر آئزل میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔۔یوں مت کریں پلیز۔۔۔شہرام بے بسی سے بولا تھا۔

وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ تھی۔

آئزل۔۔ شہرام نے بے بسی سے پکارا۔۔

میں اسے دیکھنا چاہوں گی شہرام۔۔۔ کون ہے وہ خوش نصیب عورت اور کون ہے وہ بدنصیب عورت وہ چہرہ ہاتھوں سے اٹھائے اب نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔

ٹھکرا تو چکا تھا اور یہ دوسری مرتبہ تھا۔۔۔ آج پھر وہ ٹوٹ کر بکھرتے ہنس پڑی تھی۔

کوئی نہیں۔۔ شہرام چیئر سے اٹھتا اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں پھنسائے میٹنگ روم کی گلاس ونڈو کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔۔۔

کاش ایسا ہوتا۔۔ وہ اس کی چوڑی پشت دیکھتے بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔ شہرام بھی تلخی سے مسکرایا تھا۔۔

ایک وعدہ کرو مجھ سے شہرام۔۔۔ تم میری جگہ کبھی کسی کو نہیں دو گے۔۔اس کو بھی نہیں۔۔۔ آئزل نے اس کے قریب ہوے اپنی نازک ہتھیلی پھیلائی تھی۔۔

محبت نہ صیح دوست تو صرف وہ ہی اس کی تھی۔۔اور وہ اپنی جگہ اس انجان لڑکی کو لینے کبھی نہیں دے سکتی تھی۔۔

آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا آئزل۔۔۔ شہرام نے بہت نرمی سے اس کی ہتھیلی کو ہلکا سا ٹچ کیا تھا۔۔

آئزل اس کے گریز پر نم آنکھوں سے مسکرا پڑی۔۔ درد بھری مسکراہٹ۔۔

مجھے ہمیشہ اپنی دوست سمجھو گے ناں۔۔ مم مجھے اپنی دوستی سے محروم تو نہیں کرو گے ناں۔۔ مجھے اس ہاسپٹل سے تو نہیں نکالو گے ناں۔۔ ائزل نے معصومیت سے ایک بار پھر سے ٹوٹے لفظوں سے یقین دہانی چاہیے تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہو گا آئزل یقین رکھیں۔۔ شہرام اس کی نم آنکھوں کو بغور دیکھتے مضبوط لہجے میں بولا۔۔

آئزل اس کی براؤن مقناطیسی آنکھوں میں اپنی شفاف آنکھیں گاڑھے کھلا کھلا کر ہنسی تھی۔۔ شہرام مبہم سا مسکراتے گلاس وال پر گرے شبنم کے قطروں کو دیکھنے لگا۔۔ جنھوں نے باہر کا منظر دھندلا کر دیا تھا۔

سلطان احمد شاہ حور کے ساتھ صوفے پر اس کا ہاتھ تھامے بیٹھے تھے۔۔وہ بار بار اس کی ہتھیلی چومتے اس کے ہاتھ کی پشت اپنی نم آنکھوں پر لگاتے تھے۔۔سب ہی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے اس سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔

حور نے جو کچھ بتایا تھا اس کے مطابق اس کا باپ مر چکا تھا۔۔وہ ایک غریب باپ کی بیٹی تھی.۔۔

اب یہ سب کیا تھا؟؟سلطان احمد دیوانوں کی طرح اپنی بیٹی کے ہاتھ چوم رہے تھے۔۔۔سلطان احمد کے لیے ان کی بیٹی کیا اہمیت رکھتی ہے۔۔یہ وہاں بیٹھا ہر انسان لمحوں میں جان چکا تھا۔۔اتنے پیار کرنے والے باپ سے اس کی بیٹی آخر کیسے جدا ہو گئی۔۔۔یہ کیسے ممکن تھا؟؟

مگر حویلی کے مکینوں کے چہرے ابھی بھی اشتعال سے سرخ تھے۔۔وجہ حور کا مردانے میں موجود ہونا تھا۔۔

دفعتاً حور کی آواز نے مردانے میں چھائی گھمبیر خاموشی توڑی تھی۔۔

مجھے اس رات ارحام خانزادہ نے لفٹ دی تھی۔۔میری مدد کی تھی۔۔میں اپنا گھر چھوڑنے کے بعد اپنے گھر واپس نہیں جانا چاہتی تھی. ارحام کو میں نے گاڑی میں اپنے متعلق سب جھوٹ بتایا تھا۔۔وہ مجھے ہمدردی میں اپنی حویلی لے آیا۔۔میں نے اپنی حماقت نادانی میں اس پر جھوٹا الزام لگا کر اس کا کردار داغدار کیا تھا۔۔میں نے اس دن گل سے جو بھی کہا وہ سب جھوٹ پر مبنی تھا۔۔۔مجھے نہیں پتہ تھا۔وہ شادی شدہ اور ایک بچی کا باپ ہے۔۔میں نے انجانے میں ارحام کو اس کی بیوی اور بیٹی سے جدا کر

دیا۔۔ جس کے لیے میں آپ سب سے معافی مانگتی ہوں۔۔ حور کی نم آواز مردانے میں گونج رہی تھی۔۔

سب خاموشی سے سن رہے تھے۔۔ زاران اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔ ۔اسے شروع دن سے ارحام خانزادہ پر یقین تھا۔۔ ارحام کبھی بھی زنا نہیں کر سکتا تھا۔۔

درید خان اور اردبد خان نے قہر بار نگاہوں سے حور کو گھورا تھا۔۔

سمیع اللہ خان غصے سے اپنی لاٹھی پر دباؤ ڈال کر رہ گئے تھے۔۔

اب اس سب کا فائدہ نہیں تھا۔۔ حور کا سب کے سامنے سچائی بتانا ان کی مزید عزت اچھال رہا تھا۔۔ وہ اب حور سلطان احمد شاہ نہیں بلکہ حور ارحام خانزادہ تھی۔۔ اسکی عزت اب ارحام خانزادہ کی عزت کے ساتھ جڑی

تھی۔اس دن تو ارحام کی عزت اتنی نہیں اچھلی تھی۔۔ جتنی آج حور کا بے پردگی میں مردان خانے میں موجود ہونے سے اس کی عزت اچھلی تھی۔۔ان کا پوتا اپنی بیوی کو لے کر کتنا حساس تھا۔وہ جانتے تھے۔وہ بہت پہلے جان چکے تھے۔۔سامنے بیٹھی لڑکی میں ان کے پوتے کی جان بستی ہے۔وہ اسے لے کر ضرورت سے زیادہ حساس ہے۔۔

اب حور کے منہ سے ایک ایک لفظ یہاں سب سن رہے تھے۔۔

مردانے کے باہر کھڑے گارڈز ملازم تک ایک ایک بات سن رہے تھے۔۔اس میں ارحام خانزادہ کی ہی عزت گھٹ رہی تھی۔۔

درید خان زاران خانزادہ اور اربد سب کا یہی حال تھا۔۔

حور کا یہاں موجود ہونا ہی انھیں قہر میں مبتلا کر رہا تھا۔

جو بھی ہے اب تم اس حویلی کا عورت ہے۔۔ ارحام خان کی عزت اس کا بیوی اس کا عورت۔۔۔ ہم کو اب فرق نہیں پڑتا تم نے اس دن جھوٹ کہا یا سچ۔۔

درید خان صوفے سے اٹھتے دھاڑے تھے۔۔

ساحر خانزادہ نے دل پر ہاتھ رکھتے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں حور پر گاڑھی تھیں۔۔۔ حور ساحر خان کی سبز آنکھوں میں دیکھتے سسکی بھرتے نظریں چرا گئی تھی۔۔

مجھے فرق پڑتا ہے۔۔ یہ حور ارحام خانزادہ نہیں حور سلطان احمد شاہ ہے۔۔۔ میری بیٹی کو اس لب ولہجے کی عادت نہیں ہے۔۔ اس لیے اس طرح بات مت کریں حور سے۔۔ ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ میں آپ لوگوں کی حویلی میں کھڑا ہوں۔۔ سلطان احمد شاہ درید خان کے مقابل آتے

گرج اٹھے تھے۔۔ان کی بیٹی کا نصیب ایک شادی شدہ ایک بچی کے باپ سے جڑا ہے۔۔یہ انھیں کانٹوں پر گھسیٹ چکا تھا۔۔وہ سامنے بیٹھے سبز آنکھوں والے شہزادے کی نم آنکھوں سے نظریں چرا گئے تھے۔۔جس کی سبز آنکھیں سرخی مائل ہوتے زخم سے چور چور دکھائی دے رہی تھیں۔

باہر کھڑے سلطان احمد شاہ کے گارڈز یہ سب سنتے مردانے میں داخل ہوتے سب پر بندوقیں تان گیے تھے۔۔حور بھی جلدی سے صوفے سے کھڑی ہوئی۔

یکدم سب اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔زاران خانزادہ کے گارڈز بھی اب اندر داخل ہو چکے تھے۔۔مگر زاران کے اشارہ کرنے پر وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

آپ ہمیں ان بندوقوں سے ڈرا نہیں سکتے۔ ان بندوقوں کے ساتھ ہمارا جینا مرنا ہے۔۔ بچہ بچہ یہاں اس بندوق کو چلانا جانتا ہے۔۔ آپ یہاں صیح سلامت کھڑے ہیں۔ یہ صرف ہماری اعلی ظرفی ہے جو ہم دکھا رہے ہیں۔۔ زاران نے ایک گارڈز سے بندوق ایک ہی جست میں چھینتے دور اچھالتے گرجتے ہوے کہا۔

سلطان احمد شاہ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ ڈراتا ہے۔۔ سلطان احمد شاہ کا نام ہی کافی ہے۔۔ میں بھی یہاں اس لیے خاموشی سے کھڑا ہوں۔۔ کیونکہ میری بیٹی کو آپ لوگوں نے پناہ دی۔۔ اس کا خیال رکھا۔۔ حور ارحام خانزادہ کی بیوی ہے۔ اس حقیقت سے میں انکار نہیں کر رہا۔۔ میں اس کا شکریہ ادا کروں گا۔۔ جس نے میری بیٹی کی غلطی پر اسے اپنایا اس کا خیال رکھا۔۔ اس کی حفاظت کی۔۔ میں پرسنلی طور پر ارحام کو جانتا ہوں۔۔ وہ ایک اچھا انسان

ہے۔۔ میں اس کا شکریہ ادا کروں گا جس نے میری بیٹی کو پناہ دی۔۔ اسے اپنی عزت بنایا۔۔

مگر میں اپنی بیٹی سے کسی کو اونچی آواز میں بات کرنے کی آجازت نہیں دے سکتا۔۔ کسی صورت نہیں دے سکتا۔۔ یہاں تک کہ میں اس زبان کو حلق سے کھینچ سکتا ہوں جو میری بیٹی کے سامنے اونچی ہوئی۔۔ سلطان احمد شاہ کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

حور نے روتے ہوے سلطان احمد شاہ کو دیکھا جو جانتے ہی نہیں تھے۔ ارحام کی عزت بننے پر اسے کن کانٹوں پر چلنا پڑا ہے۔۔ نکاح کی رات کا ایک ایک اذیت کا لمحہ اس کی آنکھوں کے آگے آیا تھا۔۔

زاران خانزادہ یہ سنتے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔ سلطان شاہ کی باتیں وہ صرف اس لیے برداشت کر رہا تھا۔۔ سامنے کھڑا انسان ایک بیٹی کا باپ تھا۔

اور اس کی بیٹی اس کے بڑے بھائی کی عزت تھی۔۔ وہ ارحام کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔۔

سب ہی ارحام خانزادہ کی وجہ سے یہ سب برداشت کر رہے تھے۔۔ ورنہ گولیوں اور موت سے وہ لوگ ڈرتے نہیں تھے۔۔ مگر سامنے کھڑی لڑکی ان کی بہو تھی۔۔ اور ارحام خانزادہ دریدار بدخان کو بیٹوں سے بڑھ کر تھا۔۔

ساحر خانزادہ صوفے پر بیٹھا بھیگی نگاہوں سے سامنے کھڑی ستم گر کو دیکھ رہا تھا۔۔ جو اس کے سامنے کسی اور کی بن کر کھڑی تھی۔۔ سب اسے کسی اور کے نام سے پکار رہے تھے۔۔ اس نے سوچا نہیں

تھا زندگی میں کبھی وہ لمحہ آئے گا۔۔ وہ اس کے سامنے کسی اور کی بن کر کھڑی ہو گی۔۔ اور وہ یہ سب سن کر بھی زندہ ہو گا۔۔ ساحر خانزادہ کو سانسوں کا تعلق اب بہت بھاری لگنے لگا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہا تھا۔

مجھے آجازت دیں میں اپنی بیٹی کو یہاں سے لے کر جانا چاہتا ہوں۔۔ سلطان احمد شاہ سمیع اللہ کی طرف بڑھے تھے۔۔

حور ہمارا پوتا کی عزت ہے۔۔ اس کا آجازت کے بغیر یہ اس حویلی سے قدم باہر نہیں نکال سکتا۔۔ سمیع اللہ خان نے سنجیدگی سے بارعب الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا۔۔

میں اپنے پاپا کے ساتھ جاؤں گی۔۔ حور کی سپاٹ اور اٹل آواز گونجی تھی۔۔ حویلی کے تمام مرد اپنے جبڑے بھینچ گئے تھے۔۔

میری بیٹی میرے ساتھ ہی جائے گی۔۔سلطان احمد شاہ کی گرج دار آواز گونجی تھی۔۔

حویلی کے مرد غصے سے سرخ آنکھوں سے حور کو قہربار نگاہوں سے گھور کر رہ گئے تھے۔۔ارحام خانزادہ کا حور پر مکمل اختیار حق تھا۔۔وہ ہوتا تو یقیناً حور مردانے میں قدم بھی نہ رکھ سکتی۔۔باقی کوئی بھی اسے روکنے کا اختیار نہ رکھتا تھا۔۔زاران نے تو حور پر دوسری نگاہ نہیں ڈالی تھی۔۔

سلطان احمد شاہ آگے بڑھتے حور کو اپنی مضبوط بانہوں کے حلقے میں سمائے مردانے سے باہر کی جانب بڑھے۔۔وہ جس طرح بے پردہ مردانے میں ائی تھی۔۔اس طرح بے پردہ مردانے سے باہر جارہی تھی۔۔

وہ سلطان احمد شاہ کے ساتھ اپنی بڑی سی لینڈ کروزر میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔۔ان کے آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں۔

سلطان احمد شاہ اس کا ہاتھ تھامے بار بار چوم رہے تھے۔۔وہ سپاٹ انداز میں سلطان احمد شاہ کے پہلو میں بیٹھی سنجیدہ نگاہوں سے گاڑی کے بیک ویو مرر میں ساحر خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔جو ڈرایئورنگ سیٹ پر بیٹھا ڈرائیو کرتے نم شکوہ کناں نگاہوں سے بیک ویو مرر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ اسے دیکھتا کرب سے نم آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔۔۔ساحر خانزادہ کو اپنے لفظ اپنی سماعتوں میں گونجتے سنائی دے رہے تھے۔۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔۔وہ ابھی بھی اسے سپاٹ نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔۔

۔۔دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے

(تم اٹھارہ کی ہونے سے پہلے ہی میری ہو جاؤ گی۔۔مکمل طور پر صرف ساحر خانزادہ کی۔۔سر سے لے کر صرف میری۔۔۔۔تم پر صرف ساحر خان کا حق ہو گا۔اور ساحر خان پر تو صرف تمھارا ہی حق ہے۔۔میں کچھ دن تو کیا ساری عمر تمھارا گارڈ بن کر رہنا چاہتا ہوں)

وہ اپنے لفظ یاد کرتا اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتا مسکرائے جا رہا تھا۔۔

اب سبز آنکھوں میں پہلے سے بھی زیادہ اشک رواں تھے۔۔ کیونکہ اب بیک ویو مرر سے نظر آتی سپاٹ سرد نگاہوں سے دیکھتی ستم گر کے لفظ یاد آئے تھے۔

"اتنا بھی کانفیڈنس اچھا نہیں ہے۔۔ یہ نہ ہو اس سے پہلے ہی میں کسی اور کی ہو جاؤں"۔۔

اور اس کے لفظ سچ ہوے تھے۔ وہ اٹھارہ کی ہونے سے پہلے کسی کی ہو چکی تھی"

کاش اس دن وہ اس کے لفظ پورے ہونے سے پہلے اس کی زبان کھینچ لیتا۔۔ ساحر خان اسے بیک ویو مرر سے سرخ آنکھوں سے دیکھتا اپنے ہاتھوں کی گرفت سٹیرنگ پر مظبوط کر گیا تھا۔۔

میرا یار کیا مجھ سے دور ہوا

یہ دل کتنا مجبور ہوا

کوئی کیا اب اس کو جوڑے گا

جو شیشہ چکنا چور ہوا

وہ اسے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ جس کی سرد نگاہیں ابھی تک اس پر گڑھی ہوئی تھیں۔

گاڑی کی سپیڈ تیز ہوئی تھی۔۔ سبز آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

یکدم گاڑی کو جھٹکا لگا تھا۔۔

اس سے پہلے حور کا سر گاڑی کی اگلی سیٹ سے ٹکراتا۔۔ سلطان احمد نے اپنا مضبوط ہاتھ سیٹ کی بیک پر رکھتے اسے کندھوں سے تھاما تھا۔۔ وہ ہمیشہ کی طرح اسے چوٹ لگنے سے بچا گئے تھے۔

مگر حور کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔۔ شفاف گہری براؤن آنکھوں میں شبنم آن ٹھہری تھی۔

کیا ہوا میری جان؟؟۔۔۔ تمھیں کچھ ہوا تو نہیں۔۔ سلطان احمد دیوانوں کی طرح حور کی نم پلکوں پر انگلیاں رکھے اس کا ماتھا چوم گئے تھے۔۔ وہ اب نم نگاہوں سے ساحر کو دیکھ رہی تھی جو روتے ہوئے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیا کھیل عشق نے کھیلا ہے

کیا غم کا لگا میلا ہے

اب ٹکڑے چنتے پھرتے ہیں

یہ کیسے زخم لگا بیٹھے

حور نے بہتے آنسوؤں سے ساحر خانزادہ کو دیکھا تھا جو سٹرینگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے روتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ وقت کی کیسی

ہوا چلی

نہ یار رہا

نہ اس کی گلی

سبز آنکھوں میں شکوں کی رمک بڑھتی جارہی تھی۔۔یکدم گاڑی رکی تھی۔۔۔آگے پیچھے گارڈز کی بھی تمام گاڑیاں رکی تھیں۔

سلطان احمد شاہ نے حور کا ہاتھ لبوں سے لگائے ساحر خانزادہ کو دیکھا۔۔جو سٹرینگ پر ہاتھ جمائے گہرے سانس لے رہا تھا۔سلطان احمد شاہ اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اپنی نگاہیں پھیر کر رہ گئے تھے۔۔ساحر خانزادہ یکدم گاڑی سے اترتا گاڑی سے ٹیک لگائے برستی بارش کا حصہ بنا تھا۔۔حور برستی بارش کو دیکھتے گاڑی کے شیشے کی سطح پر انگلیاں پھیر کر رہ گئی تھی۔۔

ساحر خانزادہ کافی دیر تک برستی بارش میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا تھا۔۔

اندر بیٹھی حور کو گاڑی میں گھٹن ہونے لگی تھی۔۔اس نے گاڑی کا شیشہ کھولا تھا۔۔برستی بارش کی پھوار کھڑکی سے اندر آتی اسے بگھو گئی تھی۔

وہ اب بہتے جھرنے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ رہا تھا۔۔

وہ اب اس جھرنے کے کنارے پنجوں کے بل بیٹھتے اس جھرنے کے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنی آنکھوں پر مار رہا تھا۔۔

حور گاڑی کے شیشے سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔جو پاگلوں کی طرح اپنے آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے جا رہا تھا۔۔

آنکھوں کی سرخی اور تپش کم نہیں ہوئی تھی۔۔اس لیے وہ اب اپنے منہ پر پانی کے جھپاکے مار رہا تھا۔۔ مگر تپش کم ہونے کی بجائے بڑھ رہی تھی۔

بارش نے شدت اختیار کی تھی۔۔وہ اب آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔

بس اتنی خطا تھی

عشق کیا

کیوں عشق کیا

یہ سزا ملی

اسے اپنے لفظ پھر سے یاد آئے تھے۔

"تم صرف ساحر خان کی ہو۔۔۔ صرف ساحر خان کی ملکیت۔۔۔

تم پر کسی کا غیر کا سایہ بھی پڑا تو ساحر خان اس کی جان لے گا۔"۔

یکدم وہ آسمان کی طرف دیکھتا چلا اٹھا تھا۔۔ اس کے چیخنے کی آواز سن کر حور نے بہتی آنکھوں سے سلطان احمد شاہ کو دیکھا۔ جو نم آنکھوں سے اسے بانہوں میں سما گئے تھے۔۔

جانے کتنے گھنٹوں کتنی میلوں کی مسافت طے کرنے کے بعد سلطان مینشن آیا تھا۔۔

دونوں کے وجود تو پتھرائے ہوئے تھے۔۔ کسی کو کچھ خبر نہ ہوئی تھی۔۔ دونوں کے آنکھوں سے آنسو اب خشک ہو چکے تھے۔۔

سلطان احمد شاہ گاڑی سے اترتے حور کی طرف بڑھے۔ اس کی طرف کا دروازہ کھولتے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے آتارا تھا۔۔

حور نے شبنمی نگاہوں سے شاہ مینشن کو دیکھا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے رو پڑے تھے۔۔

وہ اسے بانہوں کے حلقے میں لیے آگے بڑھے تھے۔۔ حور نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا پھر سے روتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

کیا عشق نے کھیل کھیلا ہے

کیا غم کا لگا یہ میلا ہے

دل کل بھی میرا اکیلا تھا

دل آج بھی میرا اکیلا ہے

امید نہیں ٹوٹی دل کی

اسی بے شک چین لٹا بیٹھے

وہ اسے دیکھتے روتے ہوئے اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔

حور سلطان احمد شاہ کے حلقے میں سمائی شاہ مینشن میں داخل ہو چکی تھی۔۔

یہ کیسی ٹھیس اٹھی دل میں

یہ کیسی ٹھوکر کھا بیٹھے

اسی عشق دا درد جگا بیٹھے

اسی عشق دی اگ جگا بیٹھے

لو کی تیار لبدے پھر دے

اسی لبیا یار گنوا بیٹھے

وہ پاگلوں کی طرح چیخیں مارتے روتے ہوئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔

وہ کہاں جا رہا تھا؟؟ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ نہ اسے کچھ دکھائی دے رہا تھا۔۔ وہ اندھیری سڑکوں پر صرف ڈرائیونگ کرتا جا رہا تھا۔۔ اس کی چیخیں گاڑی میں گونجتی اسی کا سینہ شدت غم سے چیر رہی تھیں۔

.----------

اسے بزنس کلاس کی سیٹ نہیں ملی تھی۔۔ وہ اکانومی کلاس میں سفر کر رہا تھا۔۔

وہ تمام میٹنگ کڑوڑوں کے پروجیکٹ کو ٹھکرا کر پہلی فلایٹ سے پاکستان آ رہا تھا۔۔ یہ پروجیکٹ اس کی کمپنی کے لیے بہت ضروری تھا۔۔ اگر سلطان احمد شاہ کسی وقت اس سے منہ موڑ لیتے تو ان کی کمپنی کے سٹبیلیٹی کے لیے یہ پروجیکٹ بہت ضروری تھا۔۔ سلطان احمد شاہ سے اپنا وہ پروجیکٹ برقرار رکھنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

حور کے دور جانے والے کسی سرے کو وہ تھامنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر اب اس کی کمپنی پائی پائی کے لیے سلطان احمد شاہ کی محتاج تھی۔۔

یہ پروجیکٹ اس کی کمپنی کے لیے بہت ضروری تھا۔۔ جسے وہ لات مار آیا تھا۔

اس کی بیٹی حویلی نہیں تھی۔۔ اور اس کی بیوی بے انتہا خوفزدہ تھی۔۔ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اس وقت تو اس کے رونے کی آواز اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔۔ اس نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اظطرابی انداز میں سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندی تھیں۔۔

وائٹ جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ استینیں کہنیوں تک فولڈ کیے اس کا سرخ و سفید خوبرو چہرہ غیض و اشتعال سے سرخ تھا۔ وجیح چہرے پر پریشانی کے آثار بھی تھے۔۔

وہ اسے خوفزدہ رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے چھوڑ کر نہ جائے۔ مگر اسے فون پر برے طریقے سے روتا دیکھ کر وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ جس طرح رو رہی تھی وہ سمجھ چکا تھا۔۔ وہ اس کی دھاڑ سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ مگر وہ صرف اس وجہ سے چلایا تھا۔ پریذے کا حویلی سے جانا نہیں بلکہ وہ کدھر ہے وہ یہ سوچ کر مشتعل ہوا تھا۔۔ گل نے کہیں اسے نقصان نہ پہنچا دیا ہو وہ یہ سن کر پریشان ہوا تھا۔۔۔ گل خان نے اسے بتایا تھا حور حویلی کے گیٹ پر نہیں آئی تھی۔۔ پریذے کو گیٹ تک درخشاں لائی تھی۔

وہ یہ سن کر ریلیکس ہو گیا تھا۔۔ مگر اس کا رونا وہ بھول نہیں پا رہا تھا۔۔

وہ ڈر کے مارے کوئی ایسا قدم نہ اٹھالے۔ جو اسے اس سے دور لے جائے۔ وہ گل خان کو فون پر حویلی کی سکیورٹی بڑھانے کا کہہ چکا تھا۔۔ گل خان کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر وہ پریشان ہوا تھا۔۔ وہ پریذے کے حویلی سے جانے پر پریشان تھا۔۔ وہ گل خان کو اس کے لیے کافی سنا بھی چکا تھا کہ اس کے ہوتے ہوے بھی پریذے کیسے حویلی سے نکلی۔۔ وہ اسے وارن کر چکا تھا کہ کسی بھی صورت حور گیٹ پر بھی نہ آئے۔۔ وہ یقین دہانی بھی کروا چکا تھا۔۔ مگر پتہ نہیں اس کا دل گھبرا رہا تھا۔۔ اسے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

حویلی میں اس کا فون کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔۔۔ وہ اب مٹھیاں بھینچے اظطرابی انداز میں اس سفر کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔۔ اتنا تو اسے یقین تھا

۔۔چاہے کچھ بھی ہو جائے حور کتنی بھی غلطیاں کرے۔۔ مگر وہ کبھی اس کی دہلیز عبور نہیں کرے گی۔۔ یہ صرف اس کے اندر کا ڈر تھا کہ وہ اپنے پیار کرنے والے باپ کو چھوڑ آئی۔۔ کہیں اسے بھی چھوڑ نہ دے۔۔ مگر وہ کبھی اس کی حویلی عبور کر جائے یہ ناممکن تھا۔ وہ اس کے قہر سے بخوبی واقف تھی۔۔ اور وہ یہ ڈر کبھی ختم بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ اسے اپنی بیوی سانسوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔۔

وہ اسے کبھی خود سے دور جانے نہیں دے سکتا تھا۔۔

وہ اس کی ہر غلطی معاف کر سکتا تھا۔۔ اس کے سینے میں وہ بے رحمی سے چاقو اتار دے وہ برداشت کر سکتا تھا۔۔ مگر اس کی عزت پر وہ ایک حرف بھی لائی تو وہ وہ چاقو اس کے پہلو میں اتارنے میں پل نہیں لگائے گا۔۔ اس کی

آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔اس نے اپنی آنکھیں میچتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

قتل اگر کرنا ہو کرنا دھیرے سے

اف بھی نہیں نکلے گی میرے ہونٹوں سے

دور جانا نہیں مجھ سے اے صنم

خود سے زیادہ چاہتے ہیں تم کو اے صنم

حور سلطان شاہ کے بازو کے حلقے میں مینشن کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔وہ بار بار اس کے بالوں پر اپنے لب رکھ رہے تھے۔۔ان کی آنکھوں سے آنسو متواتر گرتے حور کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔۔یہ چھ ماہ انہوں نے

کتنی بار اپنی بیٹی کو یہاں چلتا پھرتا ہنستا روٹھتا چلاتا ہوا دیکھا تھا۔ آج ان کی جان سے پیاری بیٹی واپس ان کے ساتھ شاہ مینشن میں تھی۔۔ اس شاہ مینشن میں جو ان کی بیٹی حور کا تھا۔۔ وہ اپنا سب کچھ حور کے نام کر چکے تھے۔ ان کی ہر جائیداد بزنس کمپنی بینک بیلنس حور کے نام کر چکے تھے۔ ان کے نام اب کچھ نہ تھا۔ سلطان شاہ نے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگاتے اس کے سر پر اپنے لب رکھے تھے۔

حور ان سے الگ ہوتے شاہ مینشن کے عالی شان محل نما بڑے سے لاونج کو دیکھنے لگی۔۔

حور کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے عارض اور گردن کو بھگو رہے تھے۔۔ جس رات وہ یہاں سے نکلی تھی وہ دو دن کی بھوکی تھی۔۔ اسی لاونج میں ماہ جبین نے اسے تھپڑ مارے تھے۔۔ وہ زمین پر اوندھے منہ گری

تھی۔۔اس نے چیختے زاراو قطار روتے سلطان احمد شاہ کو پکارا تھا۔۔ایک بار نہیں کئی بار پکارا تھا۔اس کی چیخیں اس کی آہ پکار اس بڑے سے لاونج سے ہوتی اس تک ہی پلٹ آئی تھیں۔

حور کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔۔وہ سسکیاں بھرتے اپنے محل نما گھر کو دیکھ رہی تھی۔۔جہاں اس نے شہزادیوں جیسی زندگی گزاری تھی۔اس محل سے نکلی تو وہ لمحوں میں شہزادی سے کنیز بن کر رہ گئی تھی۔۔حور سسکیاں بھرتے گہرے سانس لیتے شاہ مینشن کو دیکھ رہی تھی۔

ماہ جبین اپنے کمرے سے نکلتی لاونج میں آئی تو حور کو سلطان احمد شاہ کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک کر رکی تھی۔۔چہرہ پل میں زرد ہوا تھا۔۔دل کی دھڑکنیں خوف سے ٹھہری تھیں جیسے۔۔اس نے گہرا سانس لیتے اپنے

معطل ہوتے حواسوں کو بحال کرتے اپنے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی تھی۔

چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ماتھے پر شبنم بھی چمک رہی تھی۔رات سے ہی ان کی نیندیں اڑیں ہوئی تھیں۔ حور حویلی میں سلطان احمد شاہ کو نہ ملے ۔۔وہ رات سے یہی دعائیں کر رہی تھیں۔وہ جانتی تھی حور نے ان کے بارے میں کچھ بھی سلطان شاہ سے کہہ دیا وہ اس کی قسموں پر نہیں بلکہ اپنی بیٹی کے لبوں سے نکلے ہوے ہر لفظ پر یقین کرے گا۔۔اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں سلطان شاہ پل نہیں لگائے گا۔۔۔مہر ماہ کو مارتے ہوے اس کا دل نہیں کانپا تھا تو وہ کیونکر اس پر رحم کھائے گا۔۔سلطان احمد شاہ

ایک ہی رشتے ایک ہی ہستی کے لیے نرم تھا۔ پاگل تھا دیوانہ تھا وہ تھی اس کی اکلوتی بیٹی۔۔ جس کے لیے وہ جان دے سکتا تھا جان لے سکتا تھا۔

ماہ جبین کا رنگ زرد پڑا تھا۔۔۔ بدن پر شدید لرزہ طاری ہوا۔۔ اب وہ پچھتا رہی تھیں انہوں نے حور کے ساتھ وہ سب کیوں کیا۔۔ اگر کرنا ہی تھا اسے اس رات ہی مار دیتی۔۔ مہر ماہ سلطان واپس نہیں آئی تھی۔ مگر حور سلطان شاہ واپس آچکی تھی۔۔ اور سلطان احمد شاہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی بیٹی کے لیے پاگل ہو چکا تھا۔

وہ اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کرتے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائے حور کی طرف بڑھیں تھیں۔

میری پیاری بیٹی میری جان۔۔۔ کیسی ہو تم؟؟ وہ بھرائے لہجے میں بولتے ہوے حور کے گلے لگی تھیں۔

دور رہیں مجھ سے۔۔۔۔۔ حور ماہ جبین کو خود سے دور کرتے چیخی تھی.

ماہ جبین بیگم کا سانس حلق میں اٹکا تھا۔۔ انہوں نے اپنا حلق تر کرتے لرزتے ہوئے سلطان شاہ کو دیکھا جو الجھن بھری نگاہوں سے حور کو دیکھ رہے تھے۔۔

حور نے کبھی ماہ جبین بیگم سے بد تمیزی نہیں کی تھی۔۔ وہ تو اسے اپنی سگی ماں ہی سمجھتی تھی۔۔ اب وہ جان چکی تھی کہ ماہ جبین اس کی سگی ماں نہیں ہے۔۔ مگر پھر بھی وہ اتنی بد تمیز نہیں تھی کہ وہ ماہ جبین سے اس لب و لہجے میں بات کرے۔۔

کیا ہوا میری جان؟؟ سلطان احمد شاہ نے حور کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی اپنے لبوں سے لگائی تھی۔۔ وہ پوری گاڑی میں اس کی ہتھیلیاں چومتے آئے تھے۔۔

کبھی اس کی پیشانی چومتے کبھی اس کے سر کے بالوں پر اپنے لب رکھتے۔۔ کبھی اس کے ڈمپل والی جگہ پر اپنے لب رکھتے۔۔ حور کی مسکراہٹ میں ان کا سکون تھا۔ بچپن سے اس کے ڈمپل کو چومتے تھے۔۔۔ آج تو ان کے لب اپنی حور کو چھوتے تو ان کی آنکھیں بھی شدت سے بھیگ جاتی تھیں۔

ان سے کہیں مجھ سے دور رہیں۔۔ میرے سامنے نہ آئیں۔۔ ورنہ میں آپ کو بھی اپنا چہرہ دیکھنے نہیں دوں گی۔۔۔ سمجھے آپ۔۔ حور حلق کے بل چلائی تھی اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔۔

سلطان احمد پریشانی سے گھبراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تو ماہ جبین نے ان کا بازو پکڑ کر انھیں روکا۔۔۔

جانے دیں بچی ہے۔۔ ماہ جبین سراسیمگی کے عالم میں بولیں۔۔

سلطان احمد شاہ ناگواری سے اپنا بازو چھڑواتے ہوے جلدی سے حور کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔۔

انہوں نے کمرے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ دروازہ اندر سے لاک کر چکی تھی۔۔

حور بیٹا میری جان۔۔ دروازہ کھولو۔۔ سلطان شاہ نے تڑپتے ہوے دروازہ کھٹکھٹایا۔۔

سلطان کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟؟ اس کی عادت ہے آپ تو جانتے ہیں جب تک وہ آپ کو گھنٹوں باہر نہ کھڑا کرے۔۔ وہ دروازہ نہیں کھولتی۔۔ آپ کل رات سے جاگے ہوے ہیں۔۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔۔ تھک گئے ہوں گے ارام کریں۔ ماہ جبین چاشنی بھرے لہجے میں ان کے قریب آتے ہوے بولی۔۔

وہ جانتی تھیں حور کل صبح سے سے پہلے دروازہ نہیں کھولے گی۔۔ اور وہ آج رات شاہزیب خان سے پلیننگ کر کے حور کو ٹھکانے لگانے کا سوچ سکیں گی۔۔ شاہ زیب سے ان کا کل سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ملک سے باہر تھا۔۔ مگر اب انھیں کیسے بھی کر کے شاہ زیب سے رابطہ کرنا تھا۔۔

وہ حور کو جانتی تھی وہ ضدی طبعیت کی کافی نادان لڑکی تھی۔۔ اس کی آنکھوں میں صرف اس کے لیے نہیں سلطان شاہ کے لیے بھی غصہ تھا۔۔ ماہ جبین کو حوصلہ ہوا تھا۔۔ وہ کہیں نہ کہیں اب سلطان شاہ پر بھی اعتبار نہیں کرتی تھی۔ مہر ماہ کو مارنے میں سلطان شاہ کا ہاتھ تھا۔۔ اس سچائی پر حور نے یقین کر لیا تھا۔۔ اسی لیے تو اس نے چھ ماہ اپنے باپ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔۔۔ وہ غصے میں کبھی بھی اس کی سچائی سلطان شاہ کو نہیں بتائے گی۔۔ کیونکہ ایسے میں اسے اس سچائی سے بھی پردہ اٹھانا پڑے گا۔۔ جس

میں اس کا باپ قاتل تھا۔۔۔اور وہ کبھی اپنے باپ کو قاتل نہیں کہے گی۔۔کیونکہ سلطان احمد شاہ کی طرح وہ بھی ان کے لیے پاگل تھی۔

اس کی عادت ہے مجھے ایسے گھنٹوں باہر کھڑا کرنے کی تو تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ میری بھی عادت ہے ایسے گھنٹوں باہر کھڑا رہنے کی۔۔۔۔میرے پاس اس کمرے کی چابی ہے۔چاہوں تو دو منٹ میں اندر جا سکتا ہوں۔۔لیکن میری بیٹی کو اگر اس بات کا غرور ہے کہ میں اسے منائے بغیر یہاں سے ہلوں گا نہیں تو میں اس کے غرور کی خاطر یہاں آجکا دن اور ساری رات نکال دوں۔۔آئیندہ ساری رات ادھر کھڑا رہوں گا۔۔آئیندہ میرے اور میری بیٹی کے معاملے میں مت بولنا۔۔تم یہ سوچو مجھے اس بات کی کیا وضاحت دو گی کہ حور تمھیں دیکھ کر اس طرح چلائی کیوں؟؟اس کا تمھیں دیکھ کر ایسا

ری ایکشن کیوں تھا؟؟۔۔سلطان شاہ ماہ جبین کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔

سلطان کیسی باتیں کر رہے ہیں؟؟۔۔وہ وہ تو بچی ہے۔۔وہ تو ایسی ہی ہے۔۔جب سے اسے پتہ چلا میں اس کی سگی ماں نہیں ہوں۔۔وہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتی ہے۔۔آپ ادھر نہیں تھے۔۔اس نے مجھ پر بہت الزام لگائے تھے۔۔مم۔۔۔میں۔۔۔نے۔۔۔میں نے مہر ماہ کی جگہ لی۔۔آپ کو پھنسایا وہ۔۔۔۔اور بھی مجھ پر الزام لگا رہی تھی۔۔مم وہ۔۔کک۔کہہ رہی تھی کہ وہ مجھے آپ کی زندگی سے نکال دے گی۔۔چاہے اس کے لیے کچھ بھی اسے کرنا پڑے۔۔ماہ جبین بیگم اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہکلاتے ہوے بولی۔۔

ایک بات یاد رکھنا ماہ جبین۔۔۔۔زندگی میں کبھی ایسا وقت آیا جب مجھے کسی پر یقین کرنا پڑا میں تمھاری قسموں اور قران پر نہیں۔۔۔بلکہ اپنی بیٹی کے منہ سے نکلے لفظوں پر یقین کروں گا۔۔اگر اسے تمھارا چہرہ نہیں دیکھنا تو تم آئیندہ اس کے سامنے نہ آنا۔۔ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔تم کل ہی میرے دوسرے بنگلے میں شفٹ ہو جاؤ۔۔۔سلطان احمد شاہ نے سرد انداز میں حکم دیا۔

لیکن سلطان۔۔۔۔جو کہہ دیا ہے وہ کرو۔۔سلطان احمد شاہ ماہ جبین کی بات کاٹتے گرجے تھے۔۔ماہ جبین بیگم اپنے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے وہاں سے چلی گئی۔۔۔۔۔۔۔

ارحام خانزادہ حویلی پہنچا تو مردان خانے میں زاران درید خان اربد خان اور سمیع اللہ بیٹھے ہوے تھے۔۔۔

اس وقت شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔ وہ تقریباً نو گھنٹے کی فلائٹ لے کر اسلام آباد پہنچا تھا۔۔۔ اسلام آباد ائیرپوٹ کے باہر اس کے گارڈز اس کے لیے گاڑی لے کر کھڑے تھے۔۔ وہ تین گھنٹے کا سفر دو گھنٹوں میں ریش ڈرائیونگ کرتے یہاں پہنچا تھا۔۔

پریذے کی حویلی سے جانے کی خبر اسے صبح دس بجے مل چکی تھی۔۔ صبح گیارہ بجے سے مسلسل وہ سفر میں تھا۔۔ بلکہ وہ کل رات سے ہی سفر میں تھا۔۔ وہ کل شام حویلی سے نکلا تھا اور صبح چھ بجے لندن پہنچا تھا۔۔ اور پھر دو گھنٹے کی ڈرائیو پر وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے پہنچا تھا کہ حور کی کال آگئی تھی۔۔ اور وہ فلائٹ پکڑے پاکستان آگیا۔۔

اس دوران وہ ایک پل کے لیے سویا نہیں تھا۔

اب یہاں رات کے دس بج رہے تھے۔۔اس کے چہرے پر پریشانی کے ساتھ تھکن کے اثرات بھی نمایاں تھے۔۔۔جس بیٹی کی جدائی پر چھ ماہ وہ جلا تھا تڑپا تھا۔اس کے ساتھ کچھ وقت بھی وہ گزار نہیں پایا تھا۔وہ پھر سے اس سے دور ہو گئی تھی۔۔اور اس کی بیوی پھر سے خود کو قصوروار مانتے اذیت میں تھی۔۔وہ اتنا لمبا سفر طے کر کے اپنی بیٹی کے لیے نہیں بلکہ اپنی بیوی کے لیے آیا تھا۔۔جسے اب وہ مزید اذیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔اسے مزید سزا نہیں دے سکتا تھا۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ارحام نے سب کو دیکھتے سنجیدگی سے سلام کیا۔

وہاں بیٹھے سمیع اللہ خان درید خان اور اربد خان نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔۔سب کے چہرے سرد سپاٹ اور تنے ہوئے تھے۔۔۔ارحام کو وہ لوگ

دیکھ کر چونکے نہیں تھے۔۔ وہ یقیناً پریذے کی خبر سن کر آیا تھا۔۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور کافی مظرب تھا۔۔ سمیع اللہ خان کو ارحام خانزادہ پر ترس آیا تھا۔۔ جو پچھلے چھ ماہ سے ایک اذیت میں تھا۔۔ چھ ماہ پہلے وہ لڑکی ان کے پوتے کا سب کچھ لوٹ کر اس کی زندگی میں چلی آئی۔۔ اب اس لڑکی پر ان کا پوتا جان دیتا ہے۔۔ اور آج وہ پھر اس سے سب کچھ چھین کر اس کی زندگی سے جا چکی تھی۔۔ سمیع اللہ خان کا غصہ حور پر بڑھتا جا رہا تھا۔ کاش وہ اس دن ارحام پر یقین کرتے حور کا نکاح اس سے کبھی نہ کرتے۔۔ آج شائد وہ اس تکلیف میں نہ ہوتا۔۔

وعلیکم اسلام لالا۔۔۔زران صوفے سے اٹھتا ارحام کے مقابل آیا تھا۔۔وہ ارحام کو دیکھ حیران نہیں ہوا تھا۔وہ یقیناً پریذے کی حویلی سے جانے کی خبر سن کر آیا تھا۔۔

مگر وہ میٹنگ ادھوری چھوڑ آیا تھا۔۔یہ زاران خانزادہ کے لیے کافی تشویشناک تھا۔۔ان کی کمپنی ان کا سارا بزنس اب پائی پائی کے لیے سلطان احمد شاہ کا محتاج تھا۔۔سلطان احمد شاہ کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔۔ارحام جتنا حور کو لے کر پوزیسیو تھا۔۔سلطان احمد شاہ اس سے کہیں زیادہ اپنی بیٹی کے لیے پاگل تھے۔۔جتنا وہ ارحام کو جانتا تھا تو یہ تو طے تھا وہ حور کی حویلی سے جانے کی خبر سن کر غم وغصے سے پاگل ہو جائے گا۔۔وہ اسے زیادہ دیر زنان خانے کے لاونج میں سب کے سامنے ٹکنے نہیں دیتا تھا۔وہ اس طرح بے پردہ بغیر کسی دوپٹے چادر کے یوں سب کے سامنے آئی

۔۔ارحام کو یہ سب پتہ چلا تو وہ سلطان احمد شاہ کے ساتھ حور کو بھی شوٹ کرنے میں پل نہیں لگائے گا۔زاران اب اس سچویشن سے پریشان ہو رہا تھا۔۔

ارحام سب کو ایک نظر دیکھتا زنان خانے کی طرف بڑھا تھا۔۔اس کے قدموں کی عجلت دیکھتے سمیع اللہ خان اور باقی مردوں کے لب سختی سے آپس میں پیوست ہوے تھے۔

کہاں جا رہے ہو ارحام؟؟ درید خان کی گرج دار آواز پر اس کے عجلت بھرے قدم ٹھہرے تھے۔

کمرے میں جا رہا ہوں۔ارحام نے پلٹتے ہوے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔

کمرے میں تم جس کے لیے جا رہا ہے۔ وہ وہاں پر نہیں ہے۔۔ اربد خان صوفے سے کھڑے ہوتے طنزیہ بولے تھے۔۔ سلطان احمد شاہ کا حویلی میں پولیس فورس اور گارڈز کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ آنے پر برادری اور دیگر احباب کے فون صبح سے سب کو آ رہے تھے۔۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔۔۔ یہ خبر کتنے دن چھپ سکتی تھی آج نہ سہی کل یہ خبر لوگوں تک پہنچنی ہی تھی کہ ارحام خانزادہ کی عورت کو اس کے باپ لے جانے کے لیے اس طرح آیا۔۔ ایسے میں ان کی کیا عزت رہ جائے گی۔۔

حور جس طرح بے پردہ مردانے میں آئی تھی یہ بات ابھی تک حویلی کے مردوں کو طیش میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔

کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟؟ میں سمجھا نہیں۔۔ ارحام نے لب بھینچے کہا۔۔

اربد خان کا ایسے بات کرنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔۔

وہ یقیناً حور کے متعلق بات کر رہے تھے۔۔وہ سب کے تنے اشتعال زدہ چہروں کو پریذے کے حویلی سے جانے پر محمول کر رہا تھا۔یقیناً سب کو خبر ہو گئی تھی۔۔حور کی وجہ سے پریذے کو گل لے گئی ہے۔

اور یقیناً اس کے لیے سب نے حور کو بھی برا بھلا کہا ہو گا۔۔

ارحام کا چہرہ یہ سوچ کر سرخ ہوا تھا۔۔۔اس نے کسی کو اتنا اختیار نہیں دیا تھا کہ اسے کوئی کچھ بھی کہے۔

وہ ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

مطلب یہ تمھارا بیوی حویلی نہیں ہے۔۔اربد خان نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔۔

وہ یہ سنتے ایک پل کے لیے شاکڈ ہوا تھا۔۔

کیا کہہ رہے ہیں؟؟ وہ بے یقینی کی کیفیت میں بولا۔۔۔اس کے مضبوط مردانہ قدم لڑکھڑائے تھے۔۔

وہ حویلی نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔۔دوسرے ہی پل وہ بات کو سمجھتے غم و غصے سے دھاڑا۔۔۔

اس کی دھاڑ پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔امینہ خانم جو لاونج میں بیٹھی پچھلے بارہ گھنٹوں سے رو رہی تھیں۔۔وہ دل پر ہاتھ رکھتے مردان خانے کی طرف تیزی سے بڑھیں۔۔

روزینہ خانم بھی اپنی چادر اچھی طرح سر پر درست کرتے مردانے کی طرف بڑھیں تھیں۔

لالا آپ آرام سے بیٹھیں بات کرتے ہیں۔۔۔زاران تیزی سے ارحام کے قریب آیا تھا۔۔

کہاں ہے وہ؟؟ارحام کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند ہوئی تھی۔۔

ارحام اپنا آواز نیچا رکھو۔۔یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔۔سمیع اللہ خان ارحام کی خون اتری آنکھوں کو دیکھ کر تحمل سے بولے۔۔

داجی میری بیوی کہاں ہے؟؟مجھے جواب چاہیے۔۔وہ اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچے سمیع اللہ کے مقابل آتے جوابًا غرایا تھا۔۔

وہ پاگل ہو رہا تھا۔۔کیسے وہ اس کی حویلی عبور کر سکتی تھی۔۔وہ بھی اتنی سکیورٹی میں۔۔۔گھر کے مردوں کے حویلی میں موجود ہونے کے باوجود وہ

سنگین قدم اٹھا گئی۔۔اور گھر کے مرد آرام سے اس گرم کمرے میں بیٹھے تھے۔۔اور وہ کہاں تھی؟؟کس حال میں تھی۔۔وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔۔

کہیں وہ سلطان شاہ کے پاس تو نہیں گئی۔۔وہ اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔اس کا رنگ طیش و اشتعال سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔وہ اگر اپنے باپ کے پاس بھی نہ پہنچی ہوئی تو۔۔اسے کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ گیا ہو۔۔اسے تو یہاں کے راستوں کی خبر تک نہ تھی۔وہ تو اونچی آواز سے ڈر جاتی تھی۔اور یہاں اس کے کتنے دشمن تھے۔۔اور گل گل بھی تو تھی۔۔

وہ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں $ پاگل ہوا تھا۔۔وہ سمیع اللہ کا جواب سنے بغیر اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے باہر کی طرف بڑھا تھا۔۔

کہاں جا رہے ہو ارحام؟؟ اسے مردانے سے باہر تیز تیز قدموں سے جاتا دیکھ کر سمیع اللہ نے بلند آواز میں پوچھا۔۔

اسے لینے جا رہا ہوں میں۔۔۔ وہ پلٹے بغیر دھاڑا تھا۔۔

کہاں سے لاؤ گے اسے؟؟ سمیع اللہ نے متعجب ہوتے پوچھا۔۔

زمین کھود کر بھی اسے ڈھونڈنا پڑا پوا اسے ڈھونڈوں گا۔۔ جب تک وہ مل نہیں جاتی چین سے نہیں بیٹھوں گا۔۔ عزت ہے وہ میری۔۔ میں بغیر توں کی طرح اس گرم کمرے میں نہیں بیٹھ سکتا۔۔

وہ پلٹتے ہوئے لہو اتری آنکھوں سے سب کو دیکھتے غرایا تھا۔۔

سب کے چہرے ارحام کی بات پر سرخ پڑے تھے۔۔ وہ ان پر چوٹ کرتا انھیں بغیرت کہہ رہا تھا۔۔

تمھارا بیوی اپنا باپ کے ساتھ چلا گیا۔۔۔اس کا باپ پوری پولیس فورس لے کر آیا تھا۔۔ جیسے ہم نے تمھارا بیوی کو یہاں قید کر کے رکھا تھا۔ سمیع اللہ غضبناکی سے سرد آواز میں بولے۔۔

کیا کہہ رہے ہیں؟؟ سلطان احمد شاہ حویلی آیا تھا۔۔۔وہ متعجب ہوا۔۔وہ گہرا سانس بھرتے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔ آخر سلطان احمد اپنی بیٹی تک پہنچ ہی گیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔اس کا ڈر اس کے سامنے حقیقت کا روپ دھار کر کھڑا ہو ہی چکا تھا۔

ارحام کے لبوں سے سلطان شاہ کا نام سن کر سب شاکڈ ہوے تھے۔

تم جانتے تھے حور کا باپ سلطان احمد شاہ ہے۔۔ سمیع اللہ خان کا چہرہ غضبناکی سے سرخ ہوا تھا۔۔

میں جانتا تھا یا نہیں۔۔ میری بیوی نے اس حویلی سے باہر قدم کیسے رکھا؟؟۔۔ میں اسے یہاں آپ سب کے بھروسے پر چھوڑ کر گیا تھا اسے جانے کیسے دیا؟!۔۔ ارحام یکدم غیض و غضب سے چلایا تھا۔۔ وہ آخر اپنے باپ کے ساتھ بھی کیوں گئی؟؟۔۔ وہ پاگل ہوا تھا۔

ہم کیسے روکتا؟؟ جب تمھارا بیوی نے مردان خانے میں سب کے سامنے آ کر کہا کہ وہ سلطان شاہ کے ساتھ جائے گی۔۔ ایسے میں ہم کیا کرتا؟؟۔۔ کس حق سے روکتا؟؟ ایک بیٹی کو اس کا باپ کے ساتھ جانے سے روکنے کے لیے کس حق سے روکتا۔۔۔ سمیع اللہ خان نے ارحام کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے جوابًا سنجیدگی سے استفسار کیا۔

وہ۔۔۔وہ۔۔۔مردان خانے میں ائی تھی۔۔ارحام نے گہرا سانس لیتے ظبط سے اپنی مٹھی بھینچی تھی۔۔ہاتھوں کی رگیں نیلی ہوئی تھیں۔بند مٹھی کی کڑکڑاہٹ تک سب کو سنائی دی تھی۔۔

وہ اپنے باپ کے ساتھ اس حویلی سے نکلی اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔وہ مردان خانے میں آئی۔۔اس کی رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوا تھا جیسے۔۔

تمھارا بیوی نہ صرف مردانے میں آیا تھا۔۔بلکہ بنا کسی چادر اور دوپٹے کے ادھر سب کے سامنے کھلے بالوں کے ساتھ آیا تھا۔۔ادھر اس کا باپ ہی نہیں تمھارا سسر کا گارڈز اور پولیس کا اعلی افسران بھی تھا۔۔اور وہ ایسے

ہی بنا کسی چادر کے حویلی سے باہر بھی چلا گیا۔ روزینہ خانم غصے سے پھنکارتے ہوے بولیں۔۔۔

یہ سنتے ارحام خانزادہ کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑا تھا۔۔ گلے کی نیلی رگیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ وہ سر نفی میں ہلاتا گہرے سانس لیتا اپنی آنکھیں میچ گیا تھا۔۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔۔

آپ۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ جھوٹ بول رہی ہیں۔۔ ایک لفظ اور جھوٹ کہا ۔۔ میں بھول جاؤں گا میرا آپ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟؟۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔۔ جانتی ہے وہ مجھے۔۔۔۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ غصے سے چیخا تھا۔

روزینہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خاموش رہو۔۔اربد خان نے انھیں غصے سے ٹوکتے خاموش رہنے کو کہا۔۔وہ لوگ نہیں چاہتے تھے ارحام کو یہ سب پتہ چلے۔۔وہ بغیر چادر اور دوپٹے کے حویلی سے باہر نکلی ہے۔

ہم جھوٹ نہیں بول رہا۔۔نہ ہمیں جھوٹ بولنا کی ضرورت۔ہے۔ تمھارا بیوی کو بے پردہ حویلی کے ایک ایک ملازم نے دیکھا ہے۔وہ اپنا باپ کا سنتا ہی اپنی شال زمین پر پھینک کر بھاگتے ہوے مردان خانے میں آیا تھا۔۔ فٹنگ والا فراک میں اپنا خوبصورتی اور بدن کا نمایش کرتا وہ بھول ہی گیا کہ تو وہ تمھار بیوی ہے۔ جس کا سر کا ایک بال پر تم گھر کا مردوں کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ آج اس کا خوبصورت بالوں کو تمھارا ملازم سے لے کر اس کا باپ کب گارڈز تک نے دیکھا ہے۔

اور جاتے ہوے اپنا کارنامہ بھی بتا کر گیا کہ کیسے اس نے تم پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔۔ تمھارا بیوی اور بچی کو تم سے جدا کر دیا۔۔ اور جاتے جاتے بھی وہ پریذے کو پھر سے تم سے جدا کر دیا۔۔ وہ بہت ہی مکار اور جھوٹا لڑکی ہے۔۔ جو اپنا باپ کا گھر چھوڑ آیا وہ کیسے تمھارا وفادر ہو سکتا ہے۔۔ ایسا لڑکی کو تو جان سے مار دینا چاہیے۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔۔ ورنہ میں خود کو گولی مار دوں گا۔ ۔ آگ لگا دوں گا اس حویلی کو۔۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے طیش و الم میں حلق کے بل چیخا تھا۔

ارحام نے اب طیش والم میں دھاڑتے ہوئے لاونج کے وسط میں پڑی ہوئی ٹیبل پر مکہ دے مارا تھا۔۔اس کا شیشہ چکنا چور ہوتا ارحام کا ہاتھ زخمی کر چکا تھا۔۔

زاران، روزینہ خانم کو غصے سے گھورتا اپنا رخ پلٹ گیا تھا۔۔وہ ارحام کی ایسی حالت نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔اور نہ ہی ابھی اس کے قریب جا سکتا تھا۔۔وہ اپنے حواص میں نہیں لگ رہا تھا۔۔

سمیع اللہ خان بے بسی سے ارحام کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔۔جس کے ہاتھ سے خون بہتا سفید ماربل کو داغدار کر رہا تھا۔

امینہ خانم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر تاسف سے بہتی آنکھوں سے روزینہ خانم کو دیکھا تھا۔۔جو آگ لگا چکی تھیں۔۔ارحام کی حالت دیکھتے کوئی بھی اس کی طرف نہیں بڑھا تھا۔وہ اس وقت بہت غصے میں لگ رہا تھا۔۔اس کا غصہ جائز بھی تھا۔۔آج جو کچھ ہوا۔۔وہ آج تک حویلی کی کسی عورت نے نہیں کیا تھا۔

روزینہ خانم کی باتوں پر تمام مرد حضرات کے چہرے پر ناگواری کی لہر کے ساتھ غصے کی لہر بھی دوڑی تھیں۔اربد خان نے سرخ آنکھیں روزینہ خانم پر گاڑھیں۔۔وہ تنفر سے منہ پھیرتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ارحام وہاں پر مزید رکا نہیں تھا۔۔وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

حور بنا کسی چادر کے کھلے منہ اور کھلے بالوں کے ساتھ مردانے میں گھر اور باہر مردوں کے سامنے چلی آئی تھی۔۔اس کا خون رگوں میں بھڑک رہا تھا۔دماغ کی شریانیں پھٹنے والی ہو گئی تھیں۔وہ اس کے ایک بال پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔وہ کھلے بالوں اور کھلے چہرے کے ساتھ ادھر تھی۔۔وہ بھی بغیر کسی چادر کے۔۔

اس کا رعنائیوں سے بھرا وجود یہاں کتنے ہی مردوں نے دیکھا ہو گا۔۔ارحام کے رگوں میں اس وقت خون کی جگہ لاوا ابل رہا تھا۔۔اس نے کمرے میں آکر ایک ایک چیز الٹ دی تھی۔اس کے زخمی ہاتھ سے ابھی بھی خون رس رہا تھا۔مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔۔جو زخم وہ جاتے ہوے وہ

دے گئی تھی۔۔ بھلا اس سے بھی بڑھ کر کوئی زخم کوئی تکلیف ہو سکتی تھی؟؟

اس نے غصے سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تمام باڈی سپرے پرفیومز کی بوتل ہر چیز ایک ہی جست میں زمین پر الٹ دی تھیں۔۔

تمام چیزیں فرش پر گرتی چکنا چور ہوئیں۔ پورے کمرے میں سینٹ کی مہک پھیلی تھی۔۔

ارحام نے اپنے بال دبوچتے ہوئے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔۔۔ یقیناً وہ اگر آج اس کے سامنے ہوتی تو وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔۔ اسے آگ لگا دیتا۔۔

ارحام نے بیڈ پر پڑے اس کے ییلو دوپٹے کو دیکھتے اسے اپنے ہاتھ میں جکڑا۔۔

وہ کمرے میں ڈریس کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ لیتی تھی۔۔ مگر کمرے سے باہر بڑی سی چادر اوڑھتی تھی۔۔ وہ کمرے سے باہر اسے دوپٹے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ بغیر کسی دوپٹے چادر کے اس کی حویلی سے نکلی۔۔

اس نے گہرے سانس لیتے وہ دوپٹہ زمین پر پھینکا۔

وہ اس ییلو فراک میں کیسے بھڑکتا ہوا شعلہ لگتی وہ جانتا تھا۔۔ بہت بار وہ اس کے سامنے پہن چکی تھی۔۔

اس کی حور اس کی بیوی اس کی عزت اپنے بدن کی رعنائیوں سمیت کتنے ہی مردوں کے سامنے تھی۔۔وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا۔۔۔وہ اس کی سفاکیت کیسے بھول گئی؟؟۔۔وہ کیسے وہ رات بھول گئی؟؟۔۔جس کا قہر یاد کر کے وہ خود لرز اٹھتا تھا۔۔۔وہ کیسے بھول گئی کہ وہ اس کی عزت ہے؟؟جس پر وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

کیوں؟؟کیوں کیا تم نے ایسا؟؟

میری حویلی سے باہر قدم رکھنا تمھارا جرم کم تھا کیا؟؟جو تم بے پردہ اپنی رعنائیوں سمیت سب کے سامنے چلی آئی۔۔ارحام خانزادہ آئینے میں دیکھ کر چلایا تھا۔۔

تم نے اچھا نہیں کیا۔ ارحام خانزادہ تمھیں سفاکیت سے بھرپور سزا دے گا کہ تمھاری روح کانپ جائے گی۔۔ تم آئیندہ کسی عورت کے سامنے بھی بے پردہ جانے سے پہلے سو بار سوچو گی۔۔ وہ ڈریسنگ مرر میں دیکھتا غرایا تھا۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے؟؟ تم جب چاہو گی میری زندگی میں چلی آؤ گی۔۔ جب چاہو گی مجھے چھوڑ دو گی..

تو یہ غلط فہمی ہے تمھاری۔۔

تمھارا واسطہ ایک پہاڑی خان سے پڑا ہے۔۔ جو مرتے دم تک تمھیں نہیں چھوڑے گا۔۔ تم جتنے مرضی بڑے باپ کی بیٹی ہو۔۔۔ مگر بیوی تم ارحام خانزادہ کی ہو۔۔

الٹی گنتی شروع کرو مسسز ارحام خانزادہ۔۔۔

میں آرہاہوں تمھارے پاس ایک ایک بات کا حساب لینے۔۔

آج رات تمھاری سسکیوں پر ارحام خانزادہ رحم نہیں کھائے گا۔۔ تمھاری سسکیاں تمھارے لفظ گلے میں دم توڑ دیں گے۔۔ تم آج میرا وہ روپ دیکھو گی جو تمھیں یاد کروائے گا تم ایک پہاڑی خان کی بیوی ہو۔۔ وہ پوری قوت سے چیخا تھا۔۔

ارحام نے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے ڈریسنگ کی کبرڈ سے اپنی پسٹل پکڑتے اسے اپنی پینٹ میں آگے کی جانب اڑسی تھی۔۔۔ وہ غصے سے دروازے کی جانب بڑھا تھا کہ اسے زمین پر پڑا ہوا پینڈٹ ملا۔۔ ارحام نے غصے سے وہ پینڈٹ زمین سے اٹھا کر اپنی جیکٹ کی پاکٹ میں ڈالا اور دروازہ دھاڑ سے کھولتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

ارحام خانزادہ گہری ہوتی رات میں سوات کی سڑکوں پر اندھا دھند ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔ وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ ایک آگ کا دریا اس کے سینے میں بہہ رہا تھا.. وہ اس کی حویلی سے نکل آئی وہ بھی بے پردہ..۔ اس کے چہرے کی سرخی اور طیش و اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔۔

ارحام نے غصے اور اشتعال سے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔ وہ جاتے ہوئے سب کو تمام حقیقت بتا کر گئی ہے۔۔ یعنی وہ اپنی طرف سے تمام رشتہ تمام تعلق ختم کر کے گئی ہے۔۔ ارحام نے تلخی سے مسکراتے ہوئے اپنے خون بہتے ہاتھ میں پکڑا ہوا لاکٹ دیکھا۔ جو وہ بے دردی سے زمین پر پھینک کر چلی گئی تھی۔۔ ارحام نے اسے مٹھی میں دبوچتے ہوئے اسے اتنی زور

سے جکڑا تھا۔۔ پینڈٹ کی نوک اس کے زخمی ہاتھ میں کھبتی خون کی روانی بڑھا چکی تھی۔۔ وہ لاکٹ بھی خون سے رنگا تھا

دل میرا چاہے کہ میں سینے سے

دل میں نکال کر پھینک دوں

بے درد اس بے رحم کو

ہوا میں اچھال کر پھینک دوں

لمحوں سے ہارے بجھے نظارے

اب تو سہیں گے یہ غم دھیرے دھیرے

ارحام خانزادہ نے سٹیرنگ پوری قوت سے گھماتے ہوے گاڑی گھمائی تھی۔۔۔

کیسے کر سکتی ہو تم ؟؟ کیسے تم اس طرح کسی کے سامنے جا سکتی ہو ؟؟۔۔ جب جانتی ہو کہ مجھے تمھارے چہرے پر بھی کسی کی نظر گوارا نہیں۔۔ کیوں گئی تم مردوں کے سامنے ؟؟۔۔ کیوں ؟؟ جو رعنائیاں جو چہرہ خدا نے صرف میرے لیے بنایا ہے۔۔ کیوں تم نے اسے کسی کو دیکھنے بھی دیا۔۔ کیوں حور ؟؟ تمھیں میری محبت دیوانگی نظر نہیں آئی ؟؟ کیوں تمھیں میرا چلانا میرا غصہ کرنا یاد ہے ؟؟۔۔ کیوں تمھیں رات رات بھر میری شدتوں میں میرا جنون نظر نہیں آیا۔۔ میری محبت نظر نہیں آئی۔۔

ایک ایک بار یہ سب سوچ لیتی کہ تمھارا ارحام جنونی ہے تمھارے لیے۔۔۔ تم کسی کے سامنے ایسے بے پردہ ہو گی تو وہ مر جائے گا۔۔ تم ایک بار یہ سوچ لیتی۔۔۔۔۔ کیوں گئی تم ایسے مردوں کے سامنے ؟؟۔۔ وہ سٹرینگ پر ہاتھ ضبط سے گھرے سانس لیتا برفیلے لہجے میں خود سے بولا تھا۔

ہر بار میرا ظبط ازماتی ہو۔۔مجھے وہ بننے پر مجبور کرتی ہو جو میں ہوں نہیں۔۔آج پھر تم نے مجھے سفاک ظالم بننے پر مجبور کر دیا ہے۔۔اب میری سفاکیت پر شکوہ نہ کرنا۔۔اور نہ میں تمھیں اب یہ حق دوں گا کہ تم شکوہ کناں نگاہوں سے میری طرف دیکھو بھی۔اگر دیکھا تو تمھاری آنکھیں نکال لوں گا۔۔

وہ تندو تیز ڈرائیو کرتے غرا اٹھا تھا۔۔

اس کی شفاف آنکھیں یاد آئی تھی۔جن پر وہ مرتا تھا۔۔جو پہلی نظر میں اس کے دل کی دنیا تہہ بالا کر چکی تھیں۔

پہلے میری زندگی میں آئی مجھ سے میری بیٹی چھین لی۔۔میری عزت دو ٹکے کی کر دی۔۔اب پھر سے تم مجھ سے سب کچھ چھین چکی ہو۔۔۔دیکھو آج میں پھر وہاں پر آ کھڑا ہوں جہاں تم نے مجھے چھ ماہ پہلے کھڑا کیا تھا۔۔اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔۔ہاتھوں کی موٹی نیلی رگیں بھی ظاہر ہوئی تھیں۔۔

اس دن تو یہ سب برداشت شائد ہو گیا تھا۔۔مگر آج برداشت نہیں ہو رہا ۔۔نہیں ہو رہا یہ سب کچھ برداشت۔۔۔۔۔ارحام سٹیرنگ پر یکے بعد دیگرے ہاتھ مارتے ہوے چیخا تھا۔۔

تمھیں حساب دینا ہو گا۔۔کیوں گئی تم ایسے دوسروں کے سامنے ایسے۔۔۔وہ پھر سے چیخا تھا۔۔نظروں کے سامنے اس کا دو آتشہ روپ آیا

تھا وہ بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔ رگوں میں پھر سے لہو کی جگہ لاوا ابلا تھا۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ آتش گیر مادے کی طرح پھٹ جائے گا۔۔

اس کی گاڑی کی سپیڈ مزید تیز ہوئی تھی۔۔ اب وہ انٹر چینج کراس کرتے اسلام آباد داخل ہو چکا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں خون کی لالی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

کیونکہ سامنے ہی شاہ مینشن کا بڑا سا گیٹ تھا۔۔ جس پر سنہری حروف میں بڑا بڑا حور شاہ مینشن لکھا ہوا تھا۔۔ اور سلطان احمد کے گارڈز مستعدی سے حور شاہ مینشن کے گیٹ کے سامنے لمبی قطار میں بندوقیں لیے کھڑے تھے۔

ارحام نے سرخ آنکھوں سے گیٹ پر نظریں جمائی تھیں۔ اور اپنی پینٹ میں اڑسی پسٹل پر اپنا ہاتھ جمایا تھا۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جارہی تھی۔

وہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے شاہ مینشن کے گیٹ اور اس کے سامنے مستعدی سے کھڑے گارڈز کو سرخ سرد نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔اسی لمحے تمام گارڈز چوکنا ہوے تھے۔۔اپنے سامنے کھڑی گاڑی کو دیکھ کر انہوں نے اپنی اپنی پسٹلز کا رخ ارحام خانزادہ کی گاڑی کی طرف کیا تھا۔۔وہ لوگ چاروں اطراف سے ارحام خانزادہ کی گاڑی کا گھیراؤ کر چکے تھے۔

ارحام نے اپنی پسٹل لوڈڈ کرتے اپنے چاروں طرف پھیلے گارڈز کو دیکھا تھا۔۔جو اس کی گاڑی پر اپنی پسٹل تانے کھڑے تھے۔۔ارحام لب بھینچے انھیں دیکھ رہا تھا۔۔وہ غصے اور اشتعال میں اپنے گارڈز کے بغیر نکل آیا

تھا۔۔اور سلطان احمد شاہ کے گارڈز اس کی گاڑی کو دیکھ کر ہی اس کی طرف بڑھ گئے تھے۔۔

سلطان شاہ ایک بہت بڑے با اثر آدمی تھے۔۔یہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔وہ پہلے بھی یہاں سلطان شاہ کے ساتھ آچکا تھا۔۔سلطان شاہ کے گھر کے گرد لگے سکیورٹی سسٹم نے اس کی پہچان کرتے اسے اس علاقے میں داخل ہونے دیا تھا۔۔مگر اب گیٹ کے اندر وہ سلطان شاہ کی آجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔۔اپنی بیوی سے اسے ہر حال میں ملنا ہی تھا۔۔اسے واپس اپنے ساتھ لے کر بھی آنا تھا۔۔چاہے آج اسے اپنی جان دینی پڑتی یا ان سب کی لینی پڑے

ارحام نے غصے سے سوچتے طنزیہ مسکراہٹ سے اپنے گرد پھیلے گارڈز کو دیکھا تھا۔

دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کی بیوی سے ملنے سے روک نہیں سکتی

تھی۔۔ سلطان شاہ جتنا مرضی زور لگا لے۔۔ آج وہ ہر حال میں حور کو اپنے

ساتھ واپس لینے کے لیے آیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کے آہنی ہاتھ کی گرفت

پسٹل پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ حور اس کی حویلی سے بے پردگی میں نکل

آئی تھی۔۔ وہ یقیناً اپنا ہر رشتہ اس سے توڑ کر آئی تھی۔۔ یہ سوچ ہی اس

کے حواس سلب کر رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ

بڑھایا ہی تھا کہ

یکدم گارڈز نے پیچھے کی طرف اپنے قدم بڑھائے تھے۔۔۔۔

ارحام نے حیرت سے ان گارڈز کو پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے

دیکھا۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحے شاہ مینشن کا بڑا سا آؤٹ میٹک گیٹ خود بخود

کھلتا چلا گیا تھا۔

ارحام نے ایک نظر گارڈز کو دیکھا جو دوبارہ سے اپنی اپنی پوزیشن سنبھالتے اپنی جگہ پر مستعدی سے کھڑے ہو چکے تھے۔۔

گیٹ ابھی تک کھلا تھا۔ گیٹ سے پار بہت بڑا چمچماتا ڈرائیوے نظر آ رہا تھا۔۔ جس پر حد نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔

ارحام اپنی گاڑی سٹارٹ کرتے گیٹ کے اندر داخل ہوا۔ اندر کھڑے گارڈز اور سکیورٹی اہلکاروں نے اسے دیکھ کر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ اپنی پوزیشن سنبھالے مستعدی سے سپاٹ سنجیدہ چہرے لیے کھڑے تھے۔۔

ارحام ڈرائیو کرتا سمجھ چکا تھا۔۔ سلطان شاہ اس کی ہر ایک حرکت پر نظر رکھے ہوے ہیں۔۔ وہ اس علاقے میں بھی ان کی مرضی سے داخل ہوا ہے۔ وہ یہاں اس لیے داخل ہو سکا کیونکہ سلطان شاہ کو یہاں کی سکیورٹی

سسٹم نے پہلے ہی خبر دار کر دیا تھا۔۔یقیناً اس کی تصاویر اور اس کی گاڑی کا نمبر ان تک پہنچ چکا تھا۔۔

باہر کھڑے گارڈز بھی سلطان شاہ کے حکم پر پیچھے ہوے تھے۔۔۔اس لیے اس کے اندر داخل ہونے پر کسی گارڈ سکیورٹی اہلکار نے آنکھوں کی جنبش کرتے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔

کیونکہ سلطان احمد شاہ کا سکیورٹی واچنگ سسٹم الریڈی اس پر نظر رکھے ہوے ہے۔۔

ارحام سب کچھ سمجھتے اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔۔اس کا چہرہ غصے اور اشتعال سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اپنی گاڑی کار پورچ میں کھڑی کرتے اپنی پسٹل اپنی جیکٹ کی پاکٹ میں ڈالے گاڑی سے باہر نکلا تھا۔۔

وہ اس وقت وائٹ جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ جس پر بلیک لیدر کی جیکٹ پہنے ہوے تھا۔۔

وائٹ جینز جگہ جگہ سے اس کے ہاتھ سے نکلتے خون سے سرخ تھی۔۔ بلکل اس کی آنکھوں کی سرخی کی طرح۔۔۔۔

اس نے باہر نکلتے اپنے ہاتھ کو دیکھا جہاں سے ابھی ابھی خون ٹپک رہا تھا۔۔ کانچ کے کئی ٹکڑے ابھی بھی اس کی ہتھیلی میں پیوست تھے۔۔ ارحام نے ایک نظر اپنے ہاتھ کو دیکھتے وہ کانچ کے ٹکڑے بے دردی سے نکالے تھے۔۔ ایک بار پھر سے خون روانی سے بہا تھا۔۔ ارحام نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے رومال نکالتے ہوے اپنی ہتھیلی پر رکھتے دباؤ ڈالتے خون کو روکا

تھا۔۔اسی رومال کو اپنی ہتھیلی پر اس نے بہت سختی سے باندھا۔۔ایسا کرتے ہوے اس کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔۔۔اس کے چہرے پر ایک ہی رنگ ایک ہی تھا وہ تھی غیض و اشتعال کی سرخی۔۔ایک ہی تاثر تھا وہ تھے سرد پتھریلے تاثرات جہاں ہر جذبہ مفقود تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔اس کے داخلی دروازے کی طرف بڑھنے کی دیر تھی۔۔وہ بھی خود بخود کھل چکا تھا۔۔یا پھر اس کے لیے کھول لیا گیا تھا۔۔ایک پل کے لیے اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔۔دوسرے پل اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر کر معدوم ہوئی۔۔وہ اپنے سر کو طنزیہ انداز میں جھٹکتے شاہ مینشن کے داخلی دروازے سے سلطان شاہ کے بڑے سے محل میں داخل ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ لاونج میں لگی بڑی سکرین پر ارحام خانزادہ کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوے تھے۔۔

وہ ان کے علاقے کی حدود میں داخل نہیں ہوا تھا۔۔ بلکہ داخل کیا گیا تھا۔۔ سلطان شاہ سرد نظروں سے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہے تھے۔۔ جس کی آنکھیں سکرین پر سرخ دکھائی دے رہی تھیں.

انھیں یقین تھا وہ آئے گا مگر اتنی جلدی آئے گا اس بات کا انھیں یقین نہیں تھا۔۔ جب سے انھیں پتہ چلا تھا حور ارحام خانزادہ کی حویلی میں ہے۔۔ وہ کل سے اس پر نظر رکھے ہوے تھے۔۔ اور جب سے پتہ چلا تھا۔۔ حور سلطان شاہ ارحام خانزادہ کی بیوی ہے۔۔ وہ ارحام خانزادہ کی چلتی سانسوں پر بھی نظر رکھے ہوے تھے۔ وہ آیا نہیں تھا۔ وہ لایا گیا تھا۔

وہ لندن میں ہے اس بات کی بھی انھیں بخوبی خبر تھی۔۔وہ اپنی میٹنگ بیچ میں چھوڑ آیا تھا۔۔اس بات کی بھی انھیں خبر تھی۔

وہ تھوڑی دیر پہلے سوات پہنچا تھا اور اب یہاں تھا۔۔۔سلطان احمد کی نظریں ارحام کے زخمی ہاتھ پر تھیں۔وہ لب بھینچے سرد نظروں سے ارحام کو دیکھ رہے تھے۔۔جو اب سیڑھیاں چڑھتے اوپر آرہا تھا۔۔

سلطان احمد شاہ کے ہاتھ میں پکڑے ڈرنک کے گلاس پر گرفت مضبوط ہوتی جارہی تھی۔۔اور آنکھوں کا سرد پن بڑھتا جارہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے وسیع عریض سٹنگ ایریا کے چمچماتے سفید سنگ مرمر پر قدم رکھا ہی تھا کہ سلطان احمد شاہ کے ہاتھوں میں پکڑا ڈرنک کا گلاس دو

حصوں میں تقسیم ہوتا ان کے ہاتھ کو زخمی کر گیا تھا۔ ان کے ہاتھ سے ٹپکتا خون اب سفید سنگ مرمر پر گرتا اسے داغدار کر رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے ان کے مقابل آتے ہوئے نیچے گرے ہوئے خون کے قطروں کو دیکھتے ان کے ہاتھ کو دیکھا جہاں سے خون ٹپک رہا تھا۔۔

سلطان احمد شاہ نے ارحام کو مسکراتے ہوئے دیکھتے اپنے کوٹ کی پاکٹ سے رومال نکالتے ہوئے اپنے ہاتھ سے کانچ کے ٹکڑے نکالے تھے۔ اور پھر وہی رومال ہاتھ پر رکھتے خون کا دباؤ روکا تھا۔۔ اور رومال اپنے ہاتھ پر سختی سے باندھا۔۔ ایسا کرتے ہوئے ان کے چہرے کے تاثرات بھی سخت اور پتھریلے تھے

ارحام یہ دیکھ کر طنزیہ مسکرا گیا تھا۔۔ یعنی وہ ٹھیک تھا اس کے ہر ایکٹ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔

کیا ہے ناں؟؟ جب جب میری بیٹی مجھ سے ناراض ہوتی ہے میں ایسے ہی خود کو تکلیف پہنچاتا ہوں۔۔ اور یہ اس کے بچپن سے کرتا آرہا ہوں۔۔ مجھ سے زیادہ پیار میری بیٹی سے کوئی نہیں کر سکتا۔۔ مگر میری بیٹی سے کتنی بھی بڑی غلطی ہو جائے۔۔ وہ اپنی نادانی میں مجھے کتنا بڑا نقصان کیوں نہ پہنچا دے۔۔ میں نے کبھی اس پر ایک سرد نگاہ نہیں ڈالی۔ بلکہ سلطان احمد شاہ کی کبھی آواز بھی اس کے سامنے اونچی نہیں ہوئی۔۔ بلکہ انفیکٹ اس کے سامنے اونچی ہونے والی آواز کو میں اسی لمحے دبا دیتا ہوں.. سلطان احمد شاہ نے ارحام خانزادہ کو سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے لاونج کے نرم صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔

ہر باپ اپنی بیٹی کے لیے ایسا ہی ہوتا ہے۔۔ مگر بیٹی کو رخصت کرنے کے بعد حقدار بدل جاتا ہے۔اب یہ باتیں یہ دعوے آپ پر سوٹ نہیں کرتے۔۔ ارحام سپاٹ انداز میں کہتے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا تھا۔۔

تم یہ بھول رہے ہو۔۔ میں نے اپنی بیٹی کو رخصت نہیں کیا تھا۔۔ میرے نزدیک یہ رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔وہ میری بیٹی کی ایک بھول تھی۔

سلطان احمد شاہ ارحام خانزادہ کو خونخوار تاثرات سے دیکھتے غرایا۔۔

سلطان شاہ کی بات پر ارحام خانزادہ کا سرخ سفید چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہوا تھا۔ جیسے بدن کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا ہو۔ ارحام خانزادہ ضبط سے اپنے زخمی ہاتھ کی مٹھی سختی سے دبوچ گیا تھا۔

تو آپ کو پھر یہ بھی پتہ چل چکا ہے۔ آپ کی بیٹی میری زندگی میں کیسے داخل ہوئی۔۔ اگر نہیں پتہ چلا تو اس سے پوچھ لیں۔۔ ایک ایک حرف آپ کو سچ بتا دے گی۔۔

جس دن وہ میری زندگی میں داخل ہوئی۔ میں اسی دن تحیہ کر چکا تھا۔ اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ مر جاؤں گا مگر اسے نہیں چھوڑوں گا۔

آپ کے لیے اور آپ کی بیٹی کے لیے یہ بھول ہو گی۔۔ آپ کی لاڈلی بیٹی کا وہ بچپنا ہو گا۔ مگر میرے نزدیک یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ارحام خانزادہ جو ابا سرد انداز میں گرج اٹھا تھا۔۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟؟ اپنا مدعا بیان کرو۔۔ سلطان احمد شاہ صوفے کی سائیڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑے تھے۔۔

اپنی بیٹی کے لیے اتنا جنون وہ برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔

مقابل کی آنکھوں کی سرخی اور جنونیت سے وہ ڈر گئے تھے۔۔

میری زندگی چھین لائے آپ۔۔ اور مجھ سے یہاں آنے کا مدعا پوچھ رہے ہیں؟؟۔۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں سلطان احمد شاہ کی آنکھوں میں گاڑھتے ابرو اچکائے سنجیدگی سے سوال داغا۔

چھ ماہ سے سلطان احمد شاہ کی زندگی تمھاری حویلی میں تھی۔ حور کی جدائی میں پل پل میں اذیت ناک موت مرا ہوں۔۔ اور تم ایک رات برداشت نہیں کر سکے۔۔

آپ ایک رات کی بات کرتے ہیں۔۔ میں دو پل اس کی جدائی برداشت نہیں کر۔ سکتا۔ ارحام خانزادہ سلطان احمد کی بات کاٹتے سرد آواز میں مخاطب ہوا۔

سلطان احمد شاہ ارحام کی بات پر خاموش گئے تھے۔۔

خاموشی کا یہ وقفہ طویل ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سرد سرخ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

سلطان شاہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بغور ارحام خانزادہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا ۔۔ جہاں غصے اشتعال کی سرخی کے ساتھ اذیت بھی رقم تھی۔۔

ایسی ہی اذیت ان کے چہرے کا بھی کبھی حصہ بنی تھی۔ جب انھیں لندن سے واپسی پر پتہ چلا تھا کہ مہرماہ ان کا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔۔ وہ بھی ایسے پاگلوں کی طرح الٹے قدموں اسے واپس لانے کے لیے نکلے تھے۔۔۔

مگر انھیں اپنی بیٹی کے لیے یہی جنونیت ہی تو نہیں چاہیے تھی۔۔ وہ ارحام خانزادہ کی جنونیت سے ڈر گئے تھے۔۔ جو وہ مہرماہ کے لیے تھے۔۔ وہ کبھی نہیں چاہ سکتے تھے۔۔ ان کی بیٹی کی زندگی میں ان جیسا کوئی آئے۔۔ سلطان احمد شاہ کی آنکھوں کے آگے وہ اذیت ناک منظر آیا تھا۔

جس نے ان کا چین و سکون آج بھی لوٹا ہوا تھا۔۔ جب انھوں نے اپنے ہاتھوں سے گولی مہرماہ کے پہلو میں ماری تھی۔۔ اس نے تڑپتے سسکتے ہوئے

ان کی گود میں دم توڑا تھا۔۔ تلخ کرب ناک یادیں ان کے لہولہان وجود کو مزید لہولہان کر چکے تھے۔۔

سلطان احمد شاہ جلدی سے صوفے سے اٹھتے لاونج کی گلاس وال کے پاس جا کھڑے ہوے۔۔

ان کی سانسیں جیسے اس لمحہ رک گئی تھیں۔ ٹھہر گئی تھیں۔ ریڈ لباس میں خون میں لت پت اس کا وجود نظروں کے سامنے آیا تھا۔۔ وہ اپنی جنونیت میں اس کی جان لے چکے تھے۔۔ سلطان احمد شاہ نے اپنا زخمی ہاتھ گلاس وال پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔۔

اس لمحے کا سوچتے وہ آج بھی اذیت کی انتہا پر تھے۔ وہ جتنا جلے تھے تڑپے تھے۔۔ پل پل اذیت ناک موت مرے تھے۔۔ مگر آج تک اپنے فعل پر پچھتائے نہیں تھے۔۔ کیونکہ مہرماہ صرف ان کی تھی۔۔۔ وہ کبھی بھی اس پر

کسی کی ایک نظر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔۔ مہر ماہ کی بے وفائی کے لیے موت ہی بہتر سزا تھی۔۔

سلطان احمد شاہ اپنا زخمی ہاتھ گلاس وال پر مارتے اس پر سر ٹکا گئے تھے۔۔

ارحام صوفے پر بیٹھا گلاس وال سے نظر آتا سلطان شاہ کے عکس کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ گلاس وال پر جمائے گہرے سانس لے رہے تھے۔۔۔۔

میری بیٹی میری زندگی ہے۔۔ مجھ سے زیادہ میری بیٹی سے کوئی پیار نہیں کر سکتا۔۔ میں ہمیشہ سے چاہتا تھا میری بیٹی کی زندگی میں جو آئے وہ اسے مجھ

سے بھی زیادہ پیار کرے۔۔ مگر مجھے ایسا لگتا ہے تم وہ انسان نہیں ہو۔۔ سلطان احمد شاہ ارحام کی طرف پلٹتے ہوے سنجیدگی سے بولے۔۔

یہ بات تو آپ بھی جان چکے ہیں کہ آپ کی بیٹی سے میں آپ سے کئی گنا زیادہ پیار کرتا ہوں۔۔ مگر آپ یہ بات ماننے سے انکاری ہیں۔۔ ارحام صوفے سے اٹھتے ان کے مقابل آتے طنزیہ لہجے میں خاطب ہوا.

تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟؟ مجھ سے زیادہ میری بیٹی سے کوئی بھی پیار نہیں کر سکتا۔۔ سلطان احمد شاہ ناگواری سے سرد انداز میں بولے۔۔ وہ چاہتے تھے حور کی زندگی میں ان سے زیادہ محبت کرنے والا انسان آئے۔۔ مگر کوئی ان سے بڑھ کر ان کی بیٹی سے پیار کرنے کا دعوی کرے۔ وہ بھی قبول نہیں تھا۔ ارحام آہستگی سے قدم بڑھاتا سلطان شاہ کے مقابل آیا تھا۔

آپ میری حویلی میں اپنے گارڈز لے کر داخل ہوے۔۔ کیونکہ آپ کو اپنی بیٹی کو حاصل کرنے کے لیے جان لینی بھی پڑتے تو آپ لیتے۔۔ آپ اس کے لیے جان لے سکتے ہیں۔

اور میں آج اس شاہ مینشن میں اسے لینے کے لیے تن تنہا آیا۔۔ کیونکہ اپنی بیوی کو حاصل کرنے کے لیے مجھے جان دینی بھی پڑتی تو میں دیتا۔ میں اس کے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں۔۔

ثابت ہوتا ہے میں اسے آپ سے کئی گنا زیادہ پیار کرتا ہوں۔ وہ سلطان احمد شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولا۔

جس سے پیار کیا جائے اسے کبھی تکلیف نہیں دے سکتے۔۔ اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔۔ سلطان احمد شاہ نے ارحام کی سرد آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھتے اسے جتایا تھا۔

جب سے پیار ہوا ہے۔ اسے ہی تو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔۔ اس کی عزت ارحام خانزادہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔۔ ایک اسی بات پر ارحام خانزادہ کسی کی بھی جان لے بھی سکتا ہے۔۔۔ اپنی عزت پر میں کسی کو بھی آنچ نہیں پہچانے دے سکتا۔۔ چاہے وہ انسان مجھے جان سے زیادہ ہی کیوں نہ پیارا ہو۔۔ اس کی سزا میرے نزدیک دہشت ناک ہے۔ جس نے غلطی سے بھی میرے عزت کو آنچ پہنچائی۔

اس کی موت میرے ہاتھوں ہی لکھی ہے۔۔

ارحام خانزادہ سرد آواز میں بولتا اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

ابھی تو اس کی عزت کو آنچ پہنچانے والی اس کی نازک بیوی ہی تھی۔۔ جو اسے جان سے زیادہ پیاری تھی۔۔ جسے بخشنے کا وہ آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ جو آج بے پردہ مردانے میں چلی آئی۔۔ ارحام خانزادہ کی نظروں کے سامنے

اس کا دو آتشہ روپ آیا تھا۔۔ وہ غصے سے اپنی آنکھیں سختی سے میچ گیا تھا۔۔ سلطان احمد شاہ بغور اس کے ایکسپریشن دیکھ رہے تھے۔

تم جانتے ہو میں اتنی رات کو بھی ادھر کیوں ہوں۔۔ میری بیٹی مجھ سے ناراض ہو کر اپنا کمرہ بند کر چکی ہے۔ اور میں اب ساری رات ادھر کھڑا رہوں گا۔۔ جب تک وہ دراوزہ نہی کھولتی۔۔ تمھیں یہاں سے پتہ چلا گیا ہو گا وہ میرے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔۔ سلطان احمد شاہ نے اس پر حور کی ویلیو باور کرواتے ہوے اپنا سگار سلگاتے لبوں سے لگایا تھا۔

آپ ساری رات ادھر کھڑے رہیں گے وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔۔ مگر میری ایک آواز پر وہ دروازہ کھول لے گی۔۔ صرف ایک پکار پر۔۔۔ اور یہیں سے آپ کو پتہ چل جائے گا میں اس کے لیے کیا معنی رکھتا ہوں۔۔

یہاں بات آپ کے لیے کیا معنی رکھتی ہے یہ اہمیت نہیں رکھتا۔۔اس کے لیے کیا معنی رکھتا ہے یہ اہمیت رکھتا ہے۔۔

ارحام نے بھی سنجیدگی سے بولتے اپنا سگریٹ اور لائٹر پینٹ کی پاکٹ سے نکالتے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا تھا۔۔

کیا چاہتے ہو تم؟؟ سلطان احمد شاہ نے اس کے ایکٹ کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔ان کا داماد تو ان سے کئی گنا ہاتھ آگے تھا۔۔ان کی نظروں کا سرد پن بڑھا تھا۔

میں یہاں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں۔۔حور سلطان احمد شاہ نہیں۔۔بلکہ اب حور ارحام خانزادہ ہے۔۔۔وہ جیسے بھی میری زندگی میں آئی مگر اب وہ میری عزت میری بیوی ہے۔۔جسے کسی قیمت پر میں نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔

ارحام خانزادہ نے اٹل لہجے میں بولتے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔۔

پتہ ہے تمھیں اپنے سامنے اتنا بولنے کا موقع کیوں دے رہا ہوں؟؟۔۔ کیونکہ تم نے میری بیٹی کی مدد کی۔۔ اس کی حفاظت کی۔۔ وہ تم سے تمھاری بیٹی چھیننے کا سبب بنی۔۔ مگر تم نے اسے معاف کرتے اپنایا۔۔ اگر کوئی مجھ سے میری بیٹی چھینتا تو میں اسے زندہ زمین میں گاڑھ دیتا۔۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟؟

سلطان احمد شاہ نے ابرو اچکائے وہ سوال پوچھا جو انھیں کب سے بے چین کیے ہوے تھا۔۔

کیا کبھی مقابل نے ان کی بیٹی کو تکلیف پہنچائی ہے۔۔۔ اگر ایسا ہوتا وہ اپنے کوٹ کی پاکٹ میں موجود پسٹل سے مقابل کا سینہ چیر دیتے۔۔

سلطان احمد کا ہاتھ ان کے کوٹ کی پاکٹ میں دیکھ کر ارحام سر کو جھٹکتے خفیف سا مسکرایا تھا۔۔

ارحام نے اپنی کوٹ کی پاکٹ سے پسٹل نکال کر سلطان احمد شاہ کی طرف اچھالی تھی۔

سلطان احمد شاہ نے حیرت سے وہ پسٹل کیچ کی

آپ کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ یہ پسٹل سے چاہیں تو میرا سینہ چھلنی کر دیں۔۔ یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔۔ اس سے اچھا موقع آپ کو نہیں ملے گا۔۔ آپ کے سوالوں کا جواب کبھی بھی آپ کو ملا۔۔ جو فیصلہ آپ کریں گے۔۔ وہ فیصلہ سن کر ہی میں اپنی پسٹل کی گولیاں آپ کے سینے میں اتار دوں گا۔۔ مرنا اور مارنا قبول ہے۔۔ مگر اس پر سے حق دستبرداری قبول نہیں۔۔ ارحام سنجیدگی سے بولا تھا۔۔

میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے۔۔ سلطان احمد شاہ نے پسٹل صوفے پر پھینکتے اپنا سوال یاد کروایا۔

جو جان سے پیارے ہوں۔۔ انھیں جان سے نہیں مارتے۔۔ ارحام کے جواب پر سلطان احمد کے ہاتھ میں سگار لرزا تھا۔۔

مہر ماہ بھی تو انھیں جان سے زیادہ پیاری تھی۔۔ وہ تو اس کا قتل آسانی سے کر چکے تھے۔۔ سلطان احمد شاہ کی آنکھوں میں پانی جمع ہوا تھا۔۔ وہ رخ پلٹے اپنی آنکھوں کو بے دردی سے رگڑ گئے تھے۔

وہ اپنے اندر کا غم چھپائے ارحام خانزادہ کی طرف بڑھے تھے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔۔ میری بیٹی نے تمھارے ساتھ غلط کیا۔۔ مگر تم نے ان چھ ماہ میں میری بیٹی کی حفاظت کی۔ اس کی عزت کی حفاظت کی۔ وہ تمھاری چار دیواری میں محفوظ رہی۔ اگر تمھاری حویلی کے مکین اسے پناہ نہ دیتے۔۔ وہ کہاں جاتی؟؟ یہ سوچ کر ہی میں لرز اٹھتا ہوں۔۔

گر تم اس رات میری بیٹی کی مدد نہ کرتے۔ وہ غلط ہاتھوں میں بھی جا سکتی تھی۔ تم نے ان چھ ماہ میں اسے مان دیا

۔۔ اسے ایک رشتہ دیا۔۔ اسی بات نے کہیں نہ کہیں تم نے سلطان احمد شاہ کو خرید لیا ہے۔۔

ایک یہی بات تمھارے حق میں پلس پوائنٹ بن جاتی ہے۔۔

سلطان احمد شاہ کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔

۔سلطان احمد شاہ نے اپنی آنکھیں اپنی انگلیوں سے مسلتے ٹیبل سے حور کے کمرے کی چابی اٹھاتے اپنی مٹھی میں دبائی۔

جس دن سے وہ میری زندگی سے گئی تھی۔۔میں سکون کی نیند نہیں سو سکا۔۔مگر آج وہ میری زندگی میں واپس آئی ہے۔۔مگر مجھے احساس ہوا ہے۔۔اب تو نیند مجھ پر حرام ہو چکی ہے۔اسے کھونے کے ڈر سے میں اب کبھی سو ہی نہیں پاؤں گا۔۔اس کی طرف سے شائد ہی میں اب کبھی لاپرواہی اختیار کر سکوں۔مگر تمھاری موجودگی مجھے اس کی طرف سے لاپرواہ کر چکی ہے۔سلطان احمد شاہ نے سنجیدگی سے کہتے حور کے کمرے کی

چابی ارحام خانزادہ کو پکڑائی۔۔ ارحام خانزادہ نے سلطان احمد کے ہاتھ سے وہ چابی پکڑی۔

آج کی رات تمھارے ادھر موجود ہونے سے شائد میں سکون سے سو جاؤ۔۔

یہاں سے سیدھا لیفٹ سائیڈ پر حور کا کمرہ ہے۔۔ ارحام کی آنکھوں میں الجھن دیکھتے سلطان احمد شاہ نے سنجیدگی سے حور کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

ارحام انھیں کچھ پل دیکھنے کے بعد حور کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

سلطان احمد شاہ کی سرد آواز پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔ مگر وہ پلٹا نہ تھا۔

ایک بات یاد رکھنا تم نے کبھی غلطی سے بھی میری بیٹی کو تکلیف دی ہوئی ۔۔اس کے ایک آنسو کا بھی سبب بنے میں ہر رشتہ تمھارا ہر احسان بھول جاؤں گا۔۔اور یہ بھی کہ تم میری بیٹی کے لیے کتنی اہمیت رکھتے ہو۔۔سلطان شاہ کی بات پر اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔

وہ کچھ پل ٹھہرا تھا۔۔پھر اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے اس کے کمرے کی جانب بڑھا جہاں آج اس کا قہر برسانے کا آرادہ تھا۔۔

ارحام کمرے کا لاک کھولتے اندر داخل ہوا تو کمرا فل ہیٹڈ تھا۔۔ وہ سامنے ہی راونڈ شیپ بیڈ پر بغیر کمبل کے لیٹی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔

اس ایک وجود کے لیے وہ کل سے ایک پل چین کا نہیں محسوس کر سکا تھا۔

اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے اس کی طرف بڑھا۔۔ وہ بیڈ کے قریب رکا تھا۔۔

وہ بلیک کلر کی باریک نیٹ کی نائٹی میں ملبوس اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔۔ اس کے سلکی براؤن بال تکیے پر بکھرے تھے. نیٹ کی باریک نائٹی میں اس کا بدن پوری طرح عیاں تھا۔۔۔ باریک گاؤن کے نیچے بے حد چھوٹی سی سلک کی لوز سی سلیو لیس ٹاپ پہنے ہوے تھی۔۔ جو گھٹنوں سے

اوپر آتی تھی۔۔اس کی سڈول ٹانگیں اس کی برہنہ پشت اس باریک نائٹی میں جگ مگ کر رہی تھیں

اس کی برہنہ پشت نیٹ کے گاؤن سے چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھی۔برہنہ پشت پر اس کی شدتوں کی سوغاتیں عیاں تھیں۔۔ارحام نے اس کے ہوش ربہ وجود پر قہربار نگاہ ڈالی تھی۔۔۔۔حویلی کے کمرے میں اس کے سامنے اس سے قدرے بہتر نائٹی پہننے میں اس کی جان جاتی تھی۔۔وہ لمحوں میں سرخ گلاب بن جاتی تھی۔۔

اور یہاں اس کمرے میں اسے ایسے حلیے میں دیکھ کر ارحام خانزادہ کے لہو میں ایک بار پھر سے فشار بلند ہوے تھے۔۔

وہ کیا اس سے نکاح سے پہلے اپنے کمرے میں ایسے حلیے میں رہتی تھی؟؟۔۔ارحام خانزادہ یہ سوچ کر مزید بے چین ہوا تھا۔۔آنکھیں مزید

سرخ ہوئی تھیں۔ ارحام نے جبڑے بھینچتے ہوئے اس پر جھکتے اسے کندھے سے تھام کر سیدھا کیا۔۔ وہ پر سکون گہری نیند سو رہی تھی۔۔

اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھتے ایک سکون سا اس کے رگ رگ میں سمایا تھا۔ ارحام کی نظریں اس کے چہرے سے ہوتی اس کے نشیب و فراز پر ٹھہر گئی تھی۔

سلیولیس نائٹی کے سٹیپ کندھوں سے نیچے ڈھلکے تھے۔

جس سے اس کے دلکش چاندی جیسے نیشیب و فراز اپنے جلوے بکھیر رہے تھے۔۔ اس کی گہرائیوں پر اس کے گہری شدتوں کے نشان پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔۔ ارحام لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔۔ وہ اسے چھوڑ تو آئی تھی مگر اپنے مہکتے وجود سے اس کی شدتیں اس کا لمس اس کی مہک مٹا سکتی تھی بھلا؟؟۔ اس کے بدن پر شدتوں کے نشان کے ساتھ

ساتھ اس کی مہک بھی رچی بسی تھی۔ ارحام خانزادہ مزید اس کے قریب ہوا۔۔

وہ ابھی بھی گہری نیند سو رہی تھی۔۔

وہ کبھی اتنی گہری نیند نہیں سوتی تھی۔ اس کے قریب جانے کی دیر ہوتی تھی وہ پٹ سے آنکھیں کھول لیتی تھی۔۔ نیند میں بھی وہ اس کے لمس اس کی مہک کو پہچان لیتی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے اسے بغور دیکھا۔ وہ گہری نیند میں مدھم سانسیں لے رہی تھی۔

اس کے ایک ایک نقش کو دیکھے ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اس کا چہرہ بھی کوئی دیکھے وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ آج بنا کسی چادر کے سب کے سامنے تھی۔۔ ارحام کی سانسوں کی تپش اس کے چہرے پر بڑھتی جا رہی تھی۔۔

لیٹس کاونٹ ڈاؤن بگن مسسز ارحام خانزادہ۔۔۔ تم تب تک ہی سکون میں ہو جب تک تم سو رہی ہو۔۔ آج سوتی ہی رہو تو تمھارے لیے اچھا ہے۔۔

ارحام اس کے کان میں جھکتے اس کے کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے مدھم سرگوشی میں پھنکارا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اس کے قریب بیڈ کے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔ سگریٹ کے کش لیتے وہ وقتاً فوقتاً اپنے پہلو میں سوئے نازک وجود پر بھی قہربار نگاہ ڈالتا جو ابھی تک گہری نیند سو رہی تھی۔ جیسے چھ مہینوں کی نیند وہ آج ہی پوری کرنے کا آرادہ رکھتی ہو۔

کمرے میں اس وقت اس کی مدھم سانسوں کا رقص گونج رہا تھا۔۔اس کی گہری نیند دیکھ کر ارحام خانزادہ کے غیض و اشتعال میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔۔ آج وہ اپنے گرد اس کی مہک اس کی موجودگی بھی محسوس نہیں کر سکی تھی۔۔۔

یعنی اسے یقین ہے کہ وہ اب کبھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔۔۔اسے یقین ہے وہ اب کبھی اس تک پہنچ نہیں پائے گا۔ارحام خانزادہ اس کے بھڑکتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالتا طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

ایک سرپرائز اس نے آج اسے دیا۔۔ایک سرپرائز اس نے اسے آج دینا تھا۔۔جاگنے پر جو سپرائز اسے ملنا تھا یقیناً اس کی جان لمحوں میں نکل جاتی

تھی۔۔اسے مقابل کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑنی تھی۔۔ارحام کے لبوں پر اب استھزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

وہ اس کی حویلی سے نکلتے ہوے حور ارحام خانزادہ نہیں تھی۔۔بلکہ حور سلطان شاہ تھی۔اور اس بکھرے لاپرا وہ حلیے میں بھی وہ حور سلطان شاہ ہے۔۔ارحام کے سینے میں ایک بار پھر سے آگ بھڑکی تھی۔۔

اگر وہ خود کو حور ارحام خانزادہ سمجھتی تو کبھی اس حلیے میں اس کمرے میں نہ ہوتی۔۔وہ اچھی طرح جانتی ہے۔یہ بکھرا سراپہ وہ صرف اپنی بانہوں میں ہی گوارا تھا۔۔بند کمرے میں اس کی غیر موجودگی میں اس کا یہ روپ اسے گوارا نہ تھا۔۔

اس کے بکھرے حلیے پر نظر ڈالتے ارحام خانزادہ کے پورے وجود میں اس وقت آگ کے آلاؤ دہک رہے تھے۔۔ وہ دہکتے کوئلوں کی مانند دہک رہا تھا۔ جی کر رہا تھا پاس پڑے وجود کو ادھیڑ کر رکھ دے۔۔ جس چہرے پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔ وہ اپنی رعنائیوں سمیت کتنے ہی مردوں کو آنکھوں کو تراوت بخش گئی تھی۔۔۔ کیا اسے بغیر دوپٹے اور کھلے بالوں میں دیکھ کر کسی نے نظریں جھکائی ہوں گی؟؟۔۔ وہ یہ ہی سوچ کر بھڑ بھڑ جلا تھا۔۔ اتنی بیوقوف تو ہرگز نہ تھی۔۔ اپنے قیامت خیز حسن سے وہ بخوبی واقف تھی۔

وہ سگریٹ انگلیوں میں دبے اس پر جھک گیا تھا۔۔

اس کی گہری نیند پر وہ عش عش کر اٹھا تھا۔۔ مقابل ہمیشہ سوتے ہوے ہمیشہ اسے بے انتہا خوبصورت لگتا تھا۔۔ مگر آج پہلی بار وہ اسے سوتے ہوے زہر لگ رہی تھی۔ جی کر رہا تھا اس کی مدھم سانسوں کو وہ جکڑ کر پے

دردی سے خود میں قید کر لے۔۔ وہ اس پر جھکے اس کے چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے اسے دیکھے گیا۔

سانسوں کا مدھم زیر و بم اس کے دلکش نشیب و فراز میں ارتعاش برپا کیے ہوے تھا۔ اس کے نشیب و فراز جیسے میں سمندر میں اٹھتی موجوں کی مانند محسوس ہوتے اس میں طلاتم برپا کیے ہوے تھا۔۔ ایسا ہی طلاتم وہ خود کے اندر محسوس کر رہا تھا۔۔ ایسا طوفان ایسے جھکڑ محسوس کر رہا تھا جو جیسے سب کچھ اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔۔

تم کیا اپنے بدن اور اپنے وجود سے میرا دہکتا لمس مٹا سکتی ہو؟؟۔۔ تمھیں بہت اسان لگتا ہے میری زندگی سے واپس جانا۔۔ تمھارے لیے یہ سب ایک کھیل ہے۔

جواب دو مجھے۔۔ وہ اس کے پر سکون چہرے پر تپش زدہ نظر ڈالتے دبے انداز میں غرایا تھا۔۔

اس کی پر سکون نیند اسے مزید طیش میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اسے بے سکونا کر کے خود سکون سے سو رہی تھی۔ برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ اس کی اتنی نزدیکی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ وہ اس کا لمس محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔۔ وہ اس کی مہک محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ اذیت کی انتہا پر تھا۔۔ اپنے قریب نازک شعلہ جواں وجود اسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیارا تھا۔۔۔ مقابل کی ذرا سی نزدیکی اس کے بے جان وجود میں بھی جان ڈال سکتی تھی۔۔ وہ موت سے واپس پلٹ سکتا تھا۔۔

وہ تھی کہ اسے محسوس ہی نہیں کر پا رہی تھی۔۔اس کی بے اعتنائی لاپرواہی اس کے روم روم پر کھولتا پانی انڈیل رہی تھی۔۔۔وہ بھڑکتا تندور بنا ہوا تھا۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔۔وہ نرمی سے اس کے عارض پر اپنی انگلیاں پھیر گیا تھا۔۔

اس کے سوئے وجود میں ابھی بھی تک کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔وہ ایسے ہی پرسکون نیند سو رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اب جلتا سگریٹ اپنی زخمی ہتھیلی میں دبا گیا تھا۔۔

جلتی سگریٹ اس کی زخمی ہتھیلی کو جلا گئی تھی۔۔مگر یہ زخم یہ تپش اسے بلکل محسوس نہیں ہوئی تھی۔

جو زخم تپش پر سکون لیٹا وجود دے گیا تھا۔۔اک آگ ہی آگ تھی اس کے گرد جس میں وہ جل رہا تھا۔۔خار دار تاریں تھیں جس میں خود کو جکڑا محسوس کر رہا تھا۔۔

خود سے زیادہ تمھیں چاہتے ہیں صنم

دور جانا نہیں مجھ سے اے صنم

ارحام کی گرم انگلیاں اس کے عارض سے ہوتی اس کے لبوں پر آ ٹھہری تھی۔

قتل اگر کرنا دھیرے سے

اف بھی نہیں نکلے گی

میرے ہونٹوں سے

وہ اب اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔۔اس کی مہک اپنے اندر اتار گیا تھا۔۔

جی کر رہا ہے تمھیں ایسے زخم ایسے نشانات دوں تم چاہ کر بھی اپنے بدن سے میرے نشان اور اپنے دل سے میری دہشت مٹا نہ سکو۔۔۔

مگر میرا عشق آج یہ کرنے سے روک گیا ہے۔۔اور وہی عشق مجھے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے تمھیں تمھارے کیے کی دردناک سزا دوں۔۔

کیونکہ عشق میں شراکت نہیں ہوتی۔۔جب تم میری ہو تو صرف میری ہو۔۔ تمھاری آتی جاتی سانسوں پر بھی صرف میرا حق ہے۔تو کیسے تم کسی کے سامنے جا سکتی ہو۔؟؟۔وہ اس پر جھکے سرگوشی نما آواز میں غرایا تھا۔۔

تمھیں تمھارے کیے کی سزا میں دے کر رہوں گا۔۔ تاکہ تم ایسا کرتے سو بار سوچو۔۔ اس کی گردن میں لاکٹ پہناتے اس نے اس پر سرد غصیلی نظر ڈالی تھی۔۔ وہ اس کے اوپر سے اٹھتا واش روم میں داخل ہوا۔ واس وقت ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر ہی وہ اپنے اندر کی بھڑکتی آگ کو وقتی طور پر کم کر سکتا تھا۔۔ وہ واش روم کے اندر داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا۔ تھا۔ بیڈ پر لیٹا وجود ابھی بھی گہری نیند سو رہا تھا۔۔ اس کے وجود میں ابھی بھی کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔ وہ اس کی قربت میں روتے ہوئے چیخی تھی۔۔ وہ پچھلے کتنے ہی گھنٹوں سے اسے اپنی بانہوں میں مچھصور کیے ہوئے تھا۔۔

بہارے میری جان کیوں ستاتی ہو مجھے ؟؟ جانتی ہو کتنے دنوں سے تم نے اپنے پاس نہیں آنے دیا۔۔ تمھاری باتوں پر غصہ کرتے تم سے دور تو ہو جاتا ہوں۔ مگر کتنی اذیت محسوس کرتا ہوں۔۔ یہی سوچتا ہوں اب تمھاری باتوں پر غصہ کر کے تم سے دور نہیں ہوں گا۔۔ جب تم سے دور نہیں رہ سکتا تو یہ فضول سی آنا دکھانے کا کیا فائدہ۔۔ تمھارے آگے تو میری آنا بھی کچھ نہیں۔۔

کیسی قیامت سی راتیں گزرتی ہیں تمھاری قربت کے بغیر۔۔۔۔ شہرام اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔۔

اب اتنے دنوں سے میرے قریب نہیں آئے تو کیا اس کی کسر آج ہی پوری کرو گے۔۔ گنواروں کی طرح۔۔۔ تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔۔ تم مجھے چھوڑنے کو تیار ہی نہیں ہو۔۔

بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ اس سے زیادہ اس کی آگ جیسی قربت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ اس کی شدتیں سہتے سہتے وہ بحال ہو چکی تھی۔۔ وہ اس سے دور نہ ہو جائے کہیں۔۔ وہ بہت سختی سے اسے اپنی بانہوں میں قید کیے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کر رہا تھا۔ اس کے دیوانگی بھرے لمس سے اس کا چہرہ جھلس رہا تھا۔۔ اس کی گھنی مونچھوں اور بئیرڈ کی چبھن سے اسے اپنی گردن اور چہرے پر اب جلن محسوس ہو ہو رہی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح کب سے اس کا چہرہ چوم رہا تھا۔

کیا گنوار پن دکھا رہا ہوں؟؟۔۔ پیار ہی تو کر رہا ہوں۔۔ گنواروں کی طرح تم چیخ رہی ہو۔۔ پچھلے تین گھنٹوں سے تمھاری یہ سسکیاں تمھاری چیخیں جاری ہیں۔۔ سکون لینے آیا ہوں تمھارے قریب۔۔ مگر تم یوں رو رو کر مجھے سکون کی جگہ اذیت پہنچا رہی ہو۔ شہرام اس کی کلائیاں جکڑے اپنا سارا غصہ

اب اس پر اپنی شدتوں کی صورتوں میں اس پر اتار گیا تھا۔۔وہ خود سے عہد کر کے آیا تھا۔۔اس کی باتوں پر غصہ نہیں کرے گا۔۔اس کے گنوار پن والی بات پر وہ اپنا غصہ ظبط نہیں کر سکا تھا۔۔

بہارے کے رونے میں آضافہ ہوا تو وہ اس کے لبوں پر جھکتا اس کی سانسیں جکڑے اب اپنا غصہ اتارنے لگا۔۔

اپنی ساری تشنگی ساری بے سکونی بے چینی اس میں انڈیل کر پیچھے ہوا تو وہ روتے ہوے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

میری بہارے۔۔۔۔ شہرام نے اس پر جھکتے اس کے بال کندھوں سے پیچھے کرتے نرمی سے اس کی برہنہ پشت پر اپنے لب رکھے ت۔۔ وہ اسے پیچھے دھکیلتی ہوے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔

پاس پڑی شہرام کی شرٹ اٹھائے اس نے پہنی۔۔ اور واش روم میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کر چکی تھی۔

شہرام خود پر قابو پائے سگریٹ سلگائے اپنے غصے اور اضطراب پر قابو پانے لگا۔ وہ روز ایسے ہی کرتی تھی۔۔ اس کی قربت سے رہائی ملتے ہی شاور لینے لگتی تھی۔۔

شاور لیتے ہوے اس کے رونے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔۔

وہ جانتا تھا وہ اونچا اونچا روتے اسے صرف ذہنی اذیت دے رہی تھی۔ تاکہ وہ آئندہ اس کے قریب نہ آئے۔۔ اور وہ اس وقت ذہنی اذیت میں مبتلا بھی تھا۔۔ وہ یکدم سگریٹ انگلیوں میں دبا گیا تھا۔۔ وہ جب تک ایسے روتی رہتی وہ سگریٹ کے ساتھ یہ مشغلہ جاری رکھتا۔۔

اندر روتی ہوئی بہارے کو بخوبی اندازہ تھا وہ اس کا رونے کی آواز سن کر بہت پریشان ہو گا۔۔ اس لیے اس کے رونے میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔۔۔

وہ اپنا سارا غصہ رونے کی صورت میں اتار کر واش روم سے گلابی فراک میں ملبوس گیلے بالوں سمیت باہر آئی تھی۔۔ شہرام کو نظر انداز کرتے وہ ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھی۔۔

تمھاری وجہ سے میرے بالوں کا حشر ہو گیا ہے۔۔ مجھ سے سلجھتے ہی نہیں ہیں۔ وہ شاور لینے کے بعد ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی ہوئی ڈرائیر ہاتھ میں پکڑے روتے ہوئے چیخی تھی۔۔

لاؤ میں سلجھا دیتا ہوں۔۔ شہرام بیڈ سے اٹھتا اس کی طرف بڑھا۔۔

وہ اس وقت صرف بلیک ٹراوزر میں ملبوس تھا۔۔

رہنے دو میں کر لیتی ہوں۔۔ تم میرے قریب مت آؤ۔۔ بہارے اسے خود کی طرف بڑھتا دیکھ کر جھنجھلائی تھی۔۔

وہ جانتی تھی وہ اسے یوں شاور لیے دیکھ کر خود پر کنٹرول نہیں کر پائے گا۔۔ وہ اسے بیڈ پر لٹائے اپنی بانہوں میں لے کر اس کے چہرے اس کی گردن اس کے لبوں پر میٹھا میٹھا تبسم بکھیرتا رہے گا۔۔

میں کر لیتا ہوں میری بہارے۔۔۔۔میری جان میری زندگی۔۔۔وہ اس کا رخ نرمی سے موڑ کر اپنی طرف کر گیا تھا۔۔

تم اپنا ہر کام مجھ سے کروالیا کرو۔۔ مگر یوں رویا نہ کرو۔۔وہ اس کی گلابی آنکھوں کو نرمی سے چوم گیا تھا۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔اس کی نرم لمس پر اس کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔۔وہ دیوانوں کی طرح اس کے عارض پر اپنی انگلیاں پھیرتے اس کے لبوں پر اپنا انگوٹھا پھیر رہا تھا۔۔جہاں تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنا غصہ اتارا تھا۔۔لب سرخ قند ھاری ہو رہے تھے۔۔

بہارے اس کے ہاتھ جھٹکتے ڈریسنگ مرر کی طرف منہ موڑ گئی تھی۔۔وہ اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اپنے ساتھ لگا گیا۔۔بہارے اس کے حصار میں جھٹپٹائی تھی۔شہرام نے اس کے بال پیچھے کرتے اس کے کندھوں پر اپنے

لب نرمی سے رکھے تھے۔۔ وہ رکا نہیں تھا بہت نرمی سے اس کی کمر اس کی پچھلی گردن پر اپنا لمس بکھیرنے لگا۔۔ جہاں جہاں اس نے اپنی شدتیں نچھاور کیں تھیں۔۔ وہاں وہاں اپنا نرم لمس بکھیر رہا تھا۔۔

بہارے اس کے لمس پر اب سرخ گلاب ہو رہی تھی۔ وہ اس کا رخ پلٹے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔ اس کے ایک ایک نقوش کو لبوں سے چھوتے وہ اس کی گردن پر اپنا لمس بکھیرتا اس کے بدن کی نازکی کو محسوس کرتا اب اس کے پیٹ پر آ چکا تھا۔۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اس کے پیٹ پر اپنا لمس نرمی سے بکھیرنے لگا۔۔ وہ کافی دیر تک اس کے پیٹ پر اپنے لب نرمی سے رکھتا رہا۔۔ بہارے اب اسے جھٹک نہیں رہی تھی۔۔ وہ ڈرائیر ہاتھ میں پکڑے سرخ گلاب سی نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔

وہ اس کے پیٹ سے لپٹے اس کی کمر کے گرد اپنے بازو حمائل کیے آنکھیں موند چکا تھا۔۔ بہارے اپنے لب کاٹتے گلابی ہوئی تھی۔۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا۔

بہارے کو نظریں جھکائے خاموشی سے کھڑا دیکھ کر وہ مسکرا گیا تھا۔۔

شہرام نے کھڑے ہوتے اس کے ہاتھ سے ڈرائیر لیا۔۔ وہ اس کے بال ڈرائے کرنے لگا۔۔ اب کی بار بہارے نے کچھ نہیں کہا تھا۔

بہارے کی آنکھوں کے آگے یہ منظر لہراتا اسے بے چین کر چکا تھا۔۔ آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے۔۔ ایسی تڑپ اٹھی تھی۔۔ وہ تڑپ کر جیسے مرنے والی ہو گئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی کروٹوں پر کروٹیں بدل رہی تھی۔۔اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔۔ مگر نیند ندارد تھی۔۔وہ اس دن والے سیاہ فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس میں وہ اس کا بھڑکتا وجود نظر انداز کر گیا تھا۔۔اس دن سے ہی وہ سلگ رہی تھی۔۔وہ دو دن سے حویلی نہیں آیا تھا۔اس کی آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔

وہ بظاہر سب گھر والوں کے سامنے نارمل تھی۔۔روزینہ خانم کو وہ اپنے اور شہرام کے بیچ کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔۔ان کی باتیں اس کا چین سکون سب کچھ چھین لیتی تھی۔

وہ دو دن سے نہیں آیا تھا روزینہ خانم پھر سے اس کی اچھی خاصی کلاس لے چکی تھیں۔۔۔ان کی باتوں کے جواب میں اس کے پاس بھیگی آنکھوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس دن تو اس نے کسی ہاسپٹل میں جوائینگ کی میل نہیں بھیجی تھی۔کیونکہ اسے یقین تھا وہ کبھی کسی صورت اسے کسی دوسرے ہاسپٹل میں کام نہیں کرنے دے گا۔۔اس نے یہ ہاسپٹل اسی لیے تو بنایا تھا کہ اسے کسی دوسرے ہاسپٹل میں کام کرنا نہ پڑے۔۔اب وہ اسے وہ ہاسپٹل اس کی ذاتی ملکیت نہیں۔۔۔یہ کہہ کر نکال چکا تھا۔۔بہارے گہرے سانس لیتے بیڈ سے اٹھی

۔۔

اس کے لفظ سماعتوں میں گونجتے ایک منظر پھر اس کی آنکھوں کے پردوں پر لہرا چکا تھا۔۔

(تم مجھے ڈانٹ لیتے سب کے سامنے۔۔۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟؟۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔۔

یہی تو نہیں کر سکتا۔۔ تمھیں کبھی کسی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔ تمھاری جھکی نظریں مجھے گوارا نہیں۔ویسے بھی یہ ہاسپٹل آپ کا ہے۔ آپ جو چاہیں کریں۔۔ آپ کو سب معاف ہے۔اور یہاں کا اونر بھی صرف آپ کا ہے۔۔ آپ کا غلام۔۔۔وہ کیا کہے گا آپ کو۔۔ شہرام گھمیر آواز میں بولتے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا)

وہ اس کے لفظ اور اس کا لمس یاد کر کے وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

وہ بچپن سے اس کے التفات سہتی آئی تھی۔ اب اس کی بے اعتنائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔

اسے غرور تھا اس بات کا۔۔ وہ کچھ بھی کرے گی وہ ہمیشہ اس کی ہر غلطی بدتمیزی برداشت کرے گا۔۔ اس کے آگے جھکے گا۔ اس کے لیے تڑپے گا۔۔ اس کے لیے روئے گا۔

مگر آج اس کا آنکھیں پھیرنا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی بے التفاتی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔

بہارے گہرے سانس لیتی اپنا موبائل پکڑے کمرے کے ٹیرس کا دروازہ کھولتے ٹیرس پر آئی۔ ٹھٹرتی ہڈیوں میں اترتی برفیلی ہواؤں نے استقبال کیا تھا۔۔ جو آگ اس کے اندر بھڑک رہی تھی۔۔ وہ تو شائد یہ برفیلی ہوائیں بھی کم نہیں کر سکتی تھیں۔

وہ اس وقت بنا کسی گرم شال کے تھی۔۔وہ ٹھنڈی ریلینگ پر اپنے ہاتھ جمائے گہرے سانس لینے لگی۔۔کمرے میں اس کا دم گھٹتا تھا۔۔وہ کمرہ اسے عذاب لگتا تھا۔

اس کے کھلے بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔۔اس دن کے بعد اس نے بال بھی نہیں سلجھائے تھے۔

اس نے موبائل کو پکڑے اپنی جوائینگ ای میل کا سکرین شارٹ شہرام کے نمبر پر سینڈ کیا تھا۔

وہ بے چینی سے ٹیرس پر چکر لگاتے موبائل سکرین کو دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے ابھی تک اس کا میسج سین نہیں کیا تھا۔۔اس نے اس کے جانے کے بعد ایک ہاسپٹل میں اپنی جوائینگ کے لیے اپلائے کیا تھا۔۔اور اسے آج جوائینگ ای میل بھی آچکی تھی۔۔

اب وہ شہرام کو سینڈ کر کے اسے آگ لگانا چاہتی تھی۔بتانا چاہتی تھی وہ اب کبھی اس کے ہاسپٹل نہیں آئے گی۔

وہ جلے پیر بلی کی مانند ٹیرس پر چکر لگا رہی تھی۔۔رات کے تین بجے تھے۔۔وہ اس وقت سویا ہو گا۔۔یہ سوچ اسے آئی تھی۔۔

مگر وہ اس کی نیندیں اڑانا چاہتی تھی۔۔جیسے وہ پچھلے کچھ دنوں سے سوئی نہیں تھی۔۔اس کو بے سکونا کرنا چاہتی تھی۔۔

تھوڑی دیر بعد اس کی بھیجا ہوا سکرین شارٹ سین کر لیا گیا تھا۔۔ وہ ابھی بھی جاگ رہا ہے۔۔۔۔ وہ مزید بے سکون ہوئی تھی۔۔ اس دن تو وہ کمرے میں آتے ہی سو گیا تھا۔۔ آج کیوں جاگ رہا تھا؟؟ اور اس ٹائم کیا کر رہا ہے؟ ؟طرح طرح کے وہم ستائے تھے۔۔

بہارے بھڑ بھڑ جلتے بھڑکتے تندور کی مانند سلگی تھی۔۔

وہ کتنی دیر موبائل ہاتھ میں پکڑے ٹیرس پر کھڑی رہی۔

اس کا بدن لرز رہا تھا۔۔ آنکھیں ناک عارض سرخ ہو رہے تھے۔

اس نے میسج سین کرنے کے بعد اس کا کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے شہرام خانزادہ؟؟ بہارے تمھارے آگے بھیک مانگے گی ۔۔ تمھارے ہاسپٹل کو دوبارہ جوائن کرے گی۔ کبھی نہیں۔۔ میں تمھاری نظروں کے سامنے دوسرا ہاسپٹل جوائن کروں گی۔۔ تم نے اب اس کمرے میں قدم بھی رکھا تو میں تمھاری جان لے لوں گی۔۔ رہو تم وہیں پر ہمیشہ۔ ۔وہیں پر خدا کرے تم مر جاؤ۔۔ تمھاری قبر بھی وہیں پر بنے۔۔۔

تمھیں کبھی سکون نہ آئے۔ تم ہمیشہ تڑپو۔۔ تمھیں خدا کبھی سکون نہ دے ۔۔۔وہ ٹیرس پر کھڑے ہوتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔

وہ کمرے کی طرف بڑھتے بیڈ کی طرف تکیے پر اوندھے لیٹے بری طرح سسکیاں بھرنے لگی۔۔۔

امینہ خانم کی طبعیت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ سارا دن روتی رہی تھیں۔ حور کا ایسے بے پردہ مردانے میں جانا اور پھر ایسے ہی حویلی سے چلے جانا انھیں کافی تکلیف پہنچا گیا تھا۔۔

پریذے کا دور جانا بھی وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔۔ ارحام کی سرخ آنکھیں اور اس کا زخمی ہاتھ یاد کرتے ان کی طبعیت پہلے سے زیادہ خراب ہو گئی تھی۔۔

وہ آتے ساتھ ہی حویلی سے چلا گیا تھا۔۔ یہ سن کر تو ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

زاران ان کے قریب ان کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھا تھا۔۔

مورے کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہیں؟؟ ارحام لالا بلکل ٹھیک ہیں۔۔۔ بہت جلد ہم پریذے کو گل سے واپس لے لیں گے۔۔ آپ یقین رکھیں۔ زاران ان کے ہاتھ کی پشت چومتے بولا۔۔

زاران تم نے دیکھا حور کو کیسا وہ ہمارا عزت دو کوڑی کا کر گیا۔۔ ہمارا گھر کی عورتیں پہلے کبھی یوں بے پردہ بنا کسی چادر کے کمرے سے بھی باہر نکلا ۔۔۔ پہلے اس لڑکی نے ہمارا ارحام پر الزام لگایا اس کا بیٹی جدا کر دیا۔۔ اب پھر سے اس نے یہی کیا۔۔ اس کا عزت ایسے بے پردہ حویلی کا ملازموں کے سامنے جا کر نیلام کیا۔ اور اس کا بیٹی پھر سے اس سے جدا کر دیا۔۔ دیکھا تھا نہ تم نے کیسے وہ تڑپ رہا تھا۔۔

ہم مانتا ہے ہمارا ارحام نے اسے غصے میں تکلیف پہنچایا تم ہی بتاؤ۔ اس نے جو سب کیا کیا کوئی بھی مرد اپنا غصہ کنٹرول کر سکتا ہے۔۔۔روزینہ خانم بھرائے لہجے میں بولی۔

مورے۔۔۔۔ آپ کیوں یہ سب سوچ رہی ہیں ؟؟۔۔زاران نے امینہ خانم کے آنسو نرمی سے صاف کیے۔

کیسے نہ سوچیں ہم یہ سب کچھ ؟؟ تم ہی بتاؤ اس لڑکی کو کبھی ارحام نے کسی کے سامنے کچھ بھی نہیں کہا۔۔اس کو مان دیا عزت دیا۔۔اب تو وہ اس سے بہت پیار کرتا تھا۔۔تم نے دیکھا نا کیسے وہ بھاگ بھاگ کر اسلام آباد سے حویلی آتا تھا۔۔

مگر وہ لڑکی پھر بھی یہاں سے چلا گیا۔۔وہ خود آیا تھا ہمارا بیٹا کی زندگی میں۔۔اس کو ہم زبردستی تو نہیں لایا۔۔پھر قصوروار ہمارا بیٹا ہی

کیوں؟؟ سارا سزائیں ہمارا بیٹا کے حصے میں کیوں؟؟۔۔ امینہ خانم بلک بلک کر رو پڑی تھیں

مورے مت ایسے روئیں۔۔ آپ کی طبعیت خراب ہو جائے گی۔۔ زاران پریشانی سے بولا۔۔ امینہ خانم کی طبعیت بہت خراب ہو گئی تھی۔

زاران ہم کو اب پتہ چلا کبھی بھی اپنا برداری سے باہر اپنا بچوں کی شادی نہیں کرنا چاہیے۔ اپنا جیسا لوگوں میں شادی کرنا چاہیے۔۔ گل زبان دراز تھا۔۔ مگر جب تک ارحام کے نکاح میں رہا اس کا عزت پر آنچ نہیں آنے دیا۔۔ وہ جرگے میں گیا تھا مگر تب وہ ایک عورت تھا ایک بیوی جو دوسرا عورت کی خوبصورتی دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔۔

زاران ہم کو اب پتہ چلا کبھی بھی اپنا برداری سے باہر اپنا بچوں کی شادی نہیں کرنا چاہیے۔ اپنا جیسا لوگوں میں شادی کرنا چاہیے۔۔ گل زبان دراز

تھا۔۔ مگر جب تک ارحام کے نکاح میں رہا اس کا عزت پر آنچ نہیں آنے دیا۔۔ وہ جرگے میں گیا تھا مگر تب وہ ایک عورت تھا ایک بیوی جو دوسرا عورت کی خوبصورتی دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔۔ اس نے جو بھی کیا مجھ پر غصے کی وجہ سے کیا۔۔ وہ اس کی نادانی تھی۔۔ اب دوبارہ آپ یہ بات مت دہرایئے گا میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔۔ زاران سختی سے بولا۔۔

یہی تو ہم کہہ رہا ہے۔۔ زاران وہ عورت ہی کیا جو غصے میں نادانی میں اپنا عورت ہونا بھول جائے۔۔ اپنا وقار سے نیچے گر جائے۔۔ تمھارا بیوی نادانی میں اپنا جان لے لیتا تو شائد یہ تعریف کے قابل ہوتا۔۔ مردوں کے درمیان اپنا عزت اچھالنا کونسا نادانی ہوتا ہے۔۔ امینہ خانم گہری ہوتی سانسوں سے بولی۔۔

مورے کیا ہوا ہے آپ کو؟؟زاران نے پریشانی سے انھیں دیکھا جو اپنے سینے پر ہاتھ رب کرتے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔

زاران وعدہ کرو ہم سے۔۔۔۔تم۔۔۔تم پلوشہ سے شادی کروگے۔۔وہ ابرش تمھارا قابل نہیں ہے۔وہ بھی تمھیں وقت پڑنے پر چھوڑ جائے ہے۔۔تمھارا عزت دو کوڑی کا کر دے گا۔۔تم وعدہ کرو ہمارا ساتھ۔۔

مورے یہ کیا کہہ رہی ہیں؟؟زاران نے ان کی ہتھلیاں مسلتے ہوے پریشانی سے انھیں پکارا جن کی سانسیں بہت تیز تیز چل رہی تھیں۔پورا بدن ہانپ رہا تھا۔

وعدہ کرو زاران تم تم پلوشہ سے شادی کرے گا۔۔تمھیں وہ محبت اولاد اچھا بیوی ہونے کا سکھ وہی دے سکے گا۔۔امینہ خانم اب کی بار چیخی تھی۔۔

مورے۔۔۔زاران نے بے بسی انھیں پکار گیا تھا۔امینہ خانم کی طبعیت شدید خراب ہو چکی تھی۔اب وہ سانس بھی مشکل سے لے رہی تھیں۔

وعدہ کرو زاران۔۔۔امینہ خانم نے بمشکل بولتے اس کی چوڑی ہتھیلی پکڑی تھی۔

میں وعدہ کرتا ہوں مورے میں پلوشہ سے شادی کروں گا۔۔زاران نے ان کے قریب ہوتے ان کی ہتھیلیاں مسلتے ہوے کہا۔۔

ابرش جو زاران کو تلاش کرتے ابھی بھی امینہ خانم کے کمرے کی طرف آئی تھی۔۔

بند دروازے سے زاران کے لفظ سن کر ساکت ہوئی تھی۔۔دوسرے ہی لمحے وہ بھاگتے ہوے سیڑھیاں چڑھتے اوپر کمرے میں آئی تھی۔۔۔

کمرے میں آتے ہی اسے زور دار چکر آیا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے واش روم کی طرف بھاگی تھی۔

ابرش واش روم مرر کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی۔۔ آنکھیں گلابی اور عارض سرخ تھے۔۔ وہ گہرے سانس لیتے سلیب پر ہاتھ جمائے اپنے بدن کی لرزاہٹ پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔

زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اترے تھے۔۔

میں وعدہ کرتا ہوں مورے میں پلوشہ سے شادی کروں گا۔۔ وہ کانپتے لرزتے ہوئے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

اس دشمن جاں کے لفظ پھر سے اس کے کانوں میں گونجے تھے۔۔اس نے کانوں پر ہاتھ رکھے ہی سر نفی میں ہلایا تھا۔

میں اس سے بات تو دور اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔۔۔۔ قربت کے لمحات میں اس کی دیوانگی اس کی سرگوشیاں یاد کر کے وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

وہ اب بھاگتے ہوئے شاور آن کیے اس کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔۔

گرم پانی اسے بھگو رہا تھا۔۔ابرش نے اپنے سر سے گلابی دوپٹہ اتار کر زمین پر پھینکا تھا۔۔

وہ گلابی فراک میں ملبوس شاور کے نیچے روتے ہوئے کھڑی تھی۔

جب سے اس کے نکاح میں آئی تھی۔۔اس کی ہر چیز کو اپنا لیا تھا۔۔اس نے کہا سر سے دوپٹہ نہ اترے۔۔ نہیں اترا تھا۔اس نے کہا اسفندیار خان کے سامنے نہ جانا۔۔وہ کبھی نہیں گئی۔۔جہاں وہ نظر آیا وہ الٹے قدموں پلٹ گئی۔۔

اس نے کہا اپنے گھر والوں کے متعلق مجھ سے سوال مت کرنا۔۔اس نے نہیں کیا۔۔

اس نے کہا وہ اس کا سکون ہے۔۔اس کی شدتوں میں اس کا ساتھ دیتے وہ اس کی شدتوں میں سکون ڈھونڈھنے لگی۔۔کیونکہ وہ زاران خانزادہ کو اپنا دیوانہ بنانا چاہتی تھی۔۔تاکہ وہ ساری دنیا کو بھول جائے۔۔۔مگر وہ تو صرف اسے ہی بھول گیا تھا۔۔اس سے کیا ہوا ہر وعدہ بھول گیا تھا۔۔۔۔

کیا مانگا تھا اس نے۔۔۔۔اس حویلی سے رہائی نہیں مانگی تھی۔۔ صرف اس سے اسی کو مانگا تھا۔۔ اسے زاران خان کی دیوانگی بننا تھی۔۔ مگر وہ اسے دیوانگی بنا گئی تھی۔۔

جو وہ چاہتی تھی زاران خانزادہ اس کے لیے کرے۔۔ وہ اس کے لیے کرنے لگی تھی۔۔ اس کے آگے پیچھے پھرتی تھی وہ۔۔

کیونکہ زاران خانزادہ اس کے آگے پیچھے نہیں پھرتا تھا۔۔۔ اس نے اپنی ہر خواہش سے منہ موڑ لیا تھا.. زاران کو ہی اپنی ہر خواہش بنا لیا تھا۔۔ بچپن سے ہر خواہش ہر احساس سے منہ موڑا تھا۔ تو یہ خواہش بھی پوری نہ ہوتی تو کیا ہو جانا تھا۔۔۔ کسی کی بھی تو محبت نہ ملی تھی۔۔ زاران خانزادہ کی بھی نہ سہی۔۔۔۔

ابرش شاور کے نیچے کھڑی منہ پر ہاتھ رکھے زار و قطار رو رہی تھی۔

زاران خانزادہ سے شادی کرنے کے جو جو تحفظات تھے۔۔ وہ ایک ایک کر کے سب پورا کر چکا تھا۔۔ چاہے وہ اس پر ہاتھ اٹھانا ہو یا پھر بیوفائی۔۔۔ ابرش نے اب کرب سے سسکی لی تھی۔۔

جہاں زندگی میں اسے کچھ نہ ملا تھا۔۔ وہاں ایک محبت بھی تھی۔ اس کے بہت بڑے خواب نہ تھے۔ اسے شدید محبت چاہیے تھے۔۔ وہ کسی کی دیوانگی بننا چاہتی تھی۔۔ اس کے لیے امپورٹنٹ صرف وہ ہو۔۔ اس سے آگے وہ کسی کو اہمیت نہ دے۔۔ مگر اسے سب عزیز تھے سوائے اس کے۔۔

اسے زاران خانزادہ پہلی نظروں میں ہی اچھا لگا تھا۔۔ وہ اس کی پرسنیلٹی پر مرمٹی تھی۔۔ مگر اس کی روڈنیس نے اسے اس کی طرف بڑھنے نہ دیا۔۔ بلکہ اس کی روڈنیس پر اسے اس کی پرسنیلٹی ماند پڑتی محسوس ہوئی تھی۔۔

مردوں میں اسے اگر کچھ پسند تھا وہ تھا ان کا نرم مزاج۔۔ وہ جب پہلی نظر میں اسے دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کرتا مسکرایا تھا۔۔ وہ اس کا سب کچھ لے چکا تھا۔۔ مگر پہلی ملاقات میں اس نے اس سے جو کچھ کہا۔۔ وہ زاران خانزادہ پر سو بار لعنت بھیج چکی تھی۔۔ اس کی حویلی میں وہ اس سے بچتی بچاتی رہی۔ مگر زاران خانزادہ نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔۔ چاہے اپنی باتوں سے اس کا دل دکھانا ہو چاہے اس کے قریب آنا ہو۔۔ وہ اس کی روڈنیس کے باوجود اس کی طرف کھنچتی چلی گئی۔۔ مگر اس کا دل اسے اپنانے کو تیار نہ تھا۔۔ کیونکہ اسے پاشا جیسا مرد اپنی زندگی میں نہیں چاہیے تھا۔۔ مگر وہ زبردستی اسے اپنے نام کی انگوٹھی پہنا گیا۔۔ اور زحلے ہمیشہ کی طرح ہر معاملے میں بے بس اور بے حس تھی۔۔ جب پانچ سال کی اپنے سے چھوٹے ایک سال کے آہل کو

سنبھالتی تھی۔۔تب بھی زحلے بے بس اور بے حس تھی۔۔جب اپنے باپ پاشا سے تھپڑ کھاتی تھی۔۔تب بھی زحلے بے بس اور بے حس تھی۔

آنکھوں کے آگے وہ منظر لہرائے جو اس سے اس کا بچپن چھین چکے تھے۔وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سسکتے ہوے دوزانو بیٹھتی چلی گئی۔۔

زحلے اسے گھر چھوڑ کر نوکری کرنے چلی جاتی تھی۔۔وہ سارا دن بریڈ اور جام کھاتے ہوے گزارتی۔۔اور آہل کو بھی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے کھلاتی۔۔نوکری سے واپسی پر زحلے اونچا اونچا رونے کے سوا کچھ نہ کرتی تھی۔۔وہ ڈر کر سہم کر آہل کو اپنے ساتھ لگائے وہی سوکھی ہوئی بریڈ کھا کر کسی کمرے کے کھونے کھدرے میں چھپ کر ہچکیوں سے روتے ہوے سو جاتی۔۔

زحلے کے پاس اپنی بے پردگی کا اپنے باپ بھائیوں سے بچھڑنے اور پاشا جیسے انسان سے شادی سے ماتم کرنے کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔۔۔وہ بھول ہی جاتی پانچ سال کی اس کی بیٹی اس کے پاس آنے کو ترستی ہے۔۔اسے یوں روتا ہوا دیکھ کر تڑپتی ہے۔۔ہفتوں دنوں ایسے گزارنے کے بعد زحلے کو اس پر ترس آ ہی جاتا۔وہ اسے پیار کر ہی لیتی تھی۔۔مگر بدقسمتی سے ہر بار اس کی بری قسمت کی طرح اس کا باپ اسی لمحے اسی دن گھر آ جاتا تھا۔

۔۔اور ایسا ہر بار ہوتا تھا۔۔اسے تو یہی یاد تھا۔۔زحلے کا پیار یاد ہی نہیں تھا۔۔اس کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔وہ گھٹنوں میں منہ دیے اب رونے لگی تھی

پاشا زحلے کو مارنا اسے گھسیٹتے ہوے کمرے میں لے کر۔جانا۔جب وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پاشا کو روکتی بدلے میں کتنے ہی تھپڑ اس کا مقدر بنتے۔

اور ہر بار پاشا کے جانے کے بعد اس کے برے دن ایک بار پھر سے شروع ہو جاتے۔۔ زحلے کو ایک بار پھر سے دورہ پڑ جاتا۔ جب وہ اونچا اونچا روتے ہوے حویلی کے لوگوں کو پکارتی تو اسے ان حویلی والوں سے نفرت ہوتی۔ ۔شعور کی دہلیز پر قدم رکھتے اس نے ان حویلی کے مکینوں کے بارے میں ریسرچ شروع کر دی۔۔ وہ جیسے جیسے ریسرچ کرتی اسے ان خان لوگوں سے نفرت ہوتی جاتی۔۔ اس کے ماموں اس کا نانا اس ے کزن ایک لگژری زندگی گزار رہے تھے اور چودہ سال کی عمر میں امریکہ میں کتنے ہی سپر سٹور ،ریسٹورنٹ پر کام چکی تھی۔۔۔ اسے ان خانزادہ سے شدید نفرت محسوس ہوتی تھی۔۔ اس کا تایا پاکستان سے ان کے لیے اکثر پیسے بھیجتا تھا۔ جو نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔۔ مگر پھر بھی ان کے لیے وہ رقم بہت معنی رکھتی تھی۔ بہت سی ضرورت کی چیزیں وہ بھی اپنے لیے خرید لیتی

تھی۔۔لاشعوری طور پر اپنی تایا کی فیملی کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا۔اور ان خانزادہ کے لیے شدید نفرت۔۔۔وہ اپنے تایا کی فیملی اور سمیع اللہ کی فیملی کا موازنا کرتی رہتی۔۔وہ لوگ سمیع اللہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔۔پھر بھی اس کا تایا ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔۔

اسی لیے زعیم کے لیے اس کے دل میں ہمیشہ نرم گوشہ تھا۔۔اسے ہمیشہ سے یقین تھا۔۔وہ اس کے تایا کی طرح تھا۔

ابرش کی آنکھوں کے آگے ساری باتیں سارے مناظر آرہے تھے۔۔واش روم میں اس کی سسکیاں بڑھتی جارہی تھیں۔

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر واش روم کے فرش پر پڑے دوپٹے کو دیکھا تھا۔۔اس کی ہچکیاں بڑھی تھیں۔

زحلے اکثر اسے دوپٹہ اوڑھنے کو کہتی تو وہ طنزیہ مسکرا جاتی تھی۔۔ زحلے تب شرمندگی سے نظریں جھکا لیتی تھیں۔۔ جگہ جگہ وہ نوکری سکرٹ شرٹ پہن کر کرتی تھی۔۔ تو وہ دوپٹہ کب لیتی ؟؟۔۔ ایسے میں اس پردے سے بھی نفرت ہوتی تھی۔۔ اسی پردے نے ان کی زندگی عذاب بنائی تھی۔۔ زحلے کو بے پردگی کی وجہ سے ہی تو شدید وٹس پڑتے تھے۔۔۔

اسی ایک بات پر تو زحلے نے پاشا سے بے تحاشا تھپڑ کھائے تھے۔۔ ابرش نے اب اپنا کانپتا ہاتھ اپنے گال پر رکھا تھا۔

زاران کے تھپڑ مارنے کے باوجود وہ اس کی زندگی میں شامل ہونے کو تیار ہو گئی تھی۔۔ مگر اس کا زعیم کے ساتھ سلوک اور اس پر شک کرنا اسے توڑ چکا تھا۔۔ اس نے ایک فیصلہ کیا تھا محبت کے ہاتھوں سے ذلیل ہونے سے بہتر

ہے اس کے بغیر زندگی گزار لے۔۔ مگر وہ زبردستی اسے اپنی زندگی میں لے آیا۔۔ زاران کا اسے بار بار اپنی ونی کہنا اسے مزید اذیت میں مبتلا کر گیا تھا۔۔ پاشا بھی تو اس کی ماں کی محبت تھی۔۔ وہ سارے عمر ذلیل ہوئی۔۔ اسی لیے وہ بھرے جرگے میں پہنچ چکی تھی۔۔ اس نے اس دن بھی اپنی عزت نفس کو چنا تھا۔۔ مردوں کے بیچ جا کر یہ سب کچھ کہنا اس کے لیے معیوب نہ تھا۔۔ کیونکہ وہ بے پردہ زندگی گزراتی آئی تھی۔۔ اسے ادھر کے رسموں رواجوں کی عادت نہ تھی۔۔ اس نے صرف اپنے لیے آواز اٹھائی تھی۔۔ مگر بھرے جرگے میں ایک مرتبہ پھر سے زاران کا تھپڑ اس کا مقدر بنا تھا۔۔ وہ اب گال پر ہاتھ رکھے بے تحاشا رو رہی تھی۔

زاران سے نکاح کے بعد وہ اپنی سیلف ریسپیکٹ کو ختم کرتے اس کے آگے جھک گئی تھی۔۔ وہ ایک بیوی بن چکی تھی۔ جسے اپنے شوہر کی بے اعتنائی بے

قدری چبھنے لگی تھی۔۔ محبت تو کبھی ختم ہوئی ہی نہیں تھی۔۔ نکاح کے بعد مزید بڑھ گئی تھی۔۔ اس جیسی محبت کو ترسی ہوئی لڑکی کے دل میں بھلا پہلی محبت ختم ہو سکتی تھی۔۔ وہ تو آج بھی زحلے کی محبت روتی تھی۔۔۔

اس لیے زاران خانزادہ کی محبت کو پانے کے وہ اس کی طرف خود بڑھ گئی تھی۔

وہ نکاح کے بعد بھی اس کے قریب نہیں آیا تو پہلے پہلے تو زاران کا یہ عمل اس کے دل میں زاران کے لیے تمام بدگمانیاں دور کر گیا تھا۔۔ مگر وقت کے ساتھ اسے یہ دوری چبھنے لگی تھی۔۔ اس حویلی میں بھلا تھا کون اس کے علاوہ؟؟

اس لیے وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔۔ چھوٹے چھوٹے ٹاپ نا یٹی پہن کر۔۔ اسے یہاں سے بھی پتہ نہیں چلا وہ اس کی محبت میں دیوانی ہے۔۔

وہ اس کے متوجہ کرنے پر آخر کار قریب آ ہی گیا تھا۔

اب یہ دوریاں ختم ہوئی تھیں۔ وہ اپنے اور اس کے بیچ کسی تیسرے کو لانے کا سوچ رہا تھا۔۔

سوچ لیا یعنی وہ لے آیا۔۔ ابرش زیر لب یہ الفاظ بڑبڑاتے ہوے بری طرح رو پڑی تھی۔۔

وہ اب کیا ادھر ساری عمر اس کی دوسری بیوی بن کر رہے گی۔ اپنے سامنے اسے کسی اور سے ہنستا مسکراتے دیکھے گی۔۔ وہ اس کے علاوہ اپنے کسی اور رشتے کے لیے زیادہ محبت دکھاتا تھا تو وہ جیلس ہونے لگ جاتی تھی۔۔ بہت عام لڑکی تھی وہ۔۔۔۔ اسے زاران خانزادہ کی شدید محبت چاہیے تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ اس کی سنگت میں سب کچھ بھول جائے۔۔ وہ اس کے نخرے اٹھائے۔۔ اس کے لیے اپنی تڑپ کا اظہار کرے۔۔ وہ اپنے تمام رشتوں کی محبت کی محرومی کا ازالہ زاران خانزادہ سے چاہتی تھی۔۔ وہ تھا اسے ایسا درد دینے لگا تھا جس کا ازالہ نہ تھا۔۔ وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ اس کا بدن جیسے کوئی آرے سے کاٹ رہا تھا۔۔ وہ تھی اور اس کی چیخیں۔۔ وہ ستمگر کہیں نہیں تھا۔

میری آنکھوں نے دیکھا تھا وفا کا سپنا

میں نے سوچا تھا کوئی ہو گا میرا اپنا

میں نے سوچا تھا پلکوں میں

چھپاؤں گی تجھ کو

میں نے سوچا تھا کہ سانسوں

میں بساؤں گی تجھے

میں نے سوچا تھا

اپنی چاہت کا مسیحا

میں بناؤں گی تجھے

وہ اپنے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے بے تحاشا رو رہی تھی۔۔وہ سمجھ چکی تھی ۔۔اس کے بچے کی قسمت بھی اس جیسی ہی تھی۔۔اسی لیے اسے یہ بچہ نہیں چاہیے تھا۔۔اگر زاران خانزادہ نہیں تو یہ بچہ نہیں۔۔۔

امینہ خانم کی طبعیت سنبھلنے کے بعد زاران اپنے کمرے میں آیا تو کمرے میں مدھم نیلگوں روشنی آن تھی۔کمرے میں ہیٹر آن نہیں تھا۔کمرہ اچھا خاصہ ٹھنڈا تھا۔۔وہ بغیر کمبل کے اتنی سردی میں لیٹی تھی۔وہ اسے اتنی سردی میں ایسے لیٹا دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

وہ بلیک ویلوٹ لانگ فراک میں ملبوس اس کی طرف سے کروٹ لیے لیٹی تھی۔۔سلکی براؤن بال کمر پر بکھرے تھے۔۔

زاران کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔ نظریں اس کی سفید نرم ملائم پنڈلیوں پر ٹھہر گئی تھیں۔ جو اونچی ٹائٹس پہنے کی وجہ سے عیاں تھیں۔ آنکھیں پل میں خمار آلود ہوئیں۔ شدید تھکان اس کے انگ انگ سے عیاں تھیں۔ ایسے میں اس کی خوبصورت بیوی اس کی توجہ پوری طرح اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔ اپنی تھکن وہ اس کے خوبصورت وجود سے اتارنا چاہتا تھا۔

زاران اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف بڑھا۔

اس کے قریب لیٹتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے اپنے قریب کرتے اس کی سائیڈ گردن پر اپنے لب نرمی رکھے۔۔

Hey my beautiful wife "why did you not wear "

nite gown you know that you take my life in short

"tops

زاران نے اس کی گردن پر پر حدت لمس بکھیرتے اس کی فراک کی زپ

کھولی۔۔

ابرش نے سختی سے آنکھیں میچیں تھیں۔اس کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں

کی صورت میں بہے تھے۔۔اس کا پر حدت لمس کانٹوں کی مانند محسوس ہو

رہا تھا۔۔وہ سچ میں دوغلا انسان تھا۔۔ابرش منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں

روک گئی۔۔

بال کیوں گیلے ہیں جان۔۔اس ٹائم شاور کیوں لیا۔۔زاران اس کے گیلے

بالوں میں اپنے لب رکھتے گھمبیر لہجے میں بولا۔۔

وہ مدہوشی کے عالم یہ بھول چکا تھا کہ وہ شدید غم وغصے میں شاور لیتی ہے۔۔اس وقت وہ اس کے بدن کی رعنائیوں میں پوری طرح گم تھا۔۔اس کی انگلیاں اس کے فراک کے نیچے سٹریپ پر گھوم رہی رہی تھیں۔

ابرش زاران کو پوری قوت سے پیچھے دھکیلتی اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔وہ مدہوشی میں اس کے کندھے کو چوم رہا تھا۔۔اس کے پیچھے کو دھکیلنے پر لڑکھڑاتے ہوے تکیے پر گرا تھا۔

زاران اس کے پیچھے دھیکلنے پر حیران ہوا۔۔۔

وہ اس ٹائم نخرے دکھاتی تھی مگر اتنی بری طرح اسے نہیں دھکیلتی تھی۔

زاران نے اسے سرد سرخ نظروں سے گھور کر دیکھا جو اب اپنی فراک کی زپ بند کر رہی تھی۔۔

زاران اسے دیکھے اپنے لب بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔ ابرش اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے بیڈ سے اترنے لگی۔ اس سے پہلے وہ بیڈ سے اترتی زاران نے اس کی کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔۔ وہ زاران کے چوڑے سینے پر آن گری تھی۔ ابرش نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے ہوے خود کو زاران کے چوڑے سینے کا حصہ بننے سے روکا تھا۔

زاران نے بغور اس کا عمل دیکھا تھا۔۔ وہ اس سے اچھی خاصی ناراض تھی۔۔ زاران اب پریشان ہوا تھا۔۔ اب اس سے ایسا کیا ہو گیا تھا۔۔ جو اس کی بیوی کا یہ رد عمل تھا۔

زاران کی نظریں اس کے سپاٹ سرخ چہرے کا طواف کرنے لگیں۔۔ وہ اس کے حصار میں نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔

کیا ہوا ہے تمھیں ؟؟۔۔زاران نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے اپنی انگلیاں نرمی سے اس کے سرخ عارض پر پھیریں۔۔

کچھ بھی نہیں۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

تم روئی ہو ابرش۔۔زاران اس کی بھیگی گلابی آنکھیں دیکھتے وہ واقعی میں پریشان ہوا تھا۔اس کا اس ٹائم شاور لینے سے اب وہ سمجھا تھا بات بہت بڑی ہے۔۔

میں کیوں رونے لگی ؟؟مجھے کیا غم ہے اس بڑی سی عالیشان حویلی کے اس بڑے سے عالیشان کمرے میں۔۔ابرش نے استھزائیہ لہجے میں کہا۔

اگر تمھیں کوئی غم نہیں ہے تو مجھے کیوں غم دے رہی ہو رات کے اس پہر یوں جلی کٹی سنا کر۔۔۔زاران لب دانتوں تلے دبائے اس کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے شرارتی لہجے میں بولا۔۔اپنی بیوی کی نارضگی کی وجہ سمجھ چکا تھا۔وہ اس کے دیر سے کمرے پر آنے پر ناراض تھی۔

میں آپ کی زندگی کا غم ہی تو ہوں۔۔چھٹکارا حاصل کر لیں مجھ سے۔۔۔یا پھر سوچ لیا ہے مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کا۔ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرائی۔۔

اتنی خوبصورت بیوی سے کون کافر بھلا جان چھڑواتا ہے۔۔اتنی خوبصورت بیوی کو اپنے سینے میں قید کر کے رکھنا چاہیے۔۔زاران نے اس کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ دبائے کہا۔۔وہ اس کی ناراضگی کو دیر سے

کمرے میں آنے پر محمول کر رہا تھا۔۔ وہ اس کے معاملے میں کافی شدت پسند ہے۔۔ یہ اسے نکاح کے بعد اندازہ ہوا تھا۔

کمرے سے باہر زیادہ دیر اس کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ کچھ پلوشہ کے حویلی میں موجودگی پر وہ اس کے ذرا سا دیر سے کمرے میں آنے پر ہی اس کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھتی بے رخی سے منہ پھیر لیتی تھی۔۔ زاران کو اب اس کی یوں بچکانی ادائیں بہت اٹریکٹ کرنے لگی تھی۔۔ وہ وہ ابرش تو تھی ہی نہیں جو نکاح سے پہلے تھی۔۔ جیسا وہ اسے سمجھتا تھا۔۔ وہ تو بہت نازک دل والی۔۔ بہت شدید محبت کرنے والی تھی۔

مگر اس بات کا بھی احساس ہوا تھا۔۔ وہ شدت پسند اتنی نہیں جتنی جذباتی تھی۔

اب تم یقیناً یہ سوچ رہی ہو گی۔۔ڈائیلاگ تو دل اور آنکھوں میں قید کر کے رکھنے کا ہوتا ہے۔ تمھیں سینے میں قید کر کے کیوں رکھنا چاہتا ہوں۔۔وہ بھی تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔زاران نے ذو معنی اشارہ کرتے اسے آنکھ مارتے اسے اپنے سینے میں بھینچ کر اس کی ناز کی محسوس کی۔۔

ابرش اس کے سخت مضبوط حصار میں بے بسی سے لب کچل گئی تھی۔۔آنکھیں شدت گریہ سے اب کی بار سرخ ہوئی تھیں۔۔

کیا ہوا ہے جان؟؟بیٹر کیوں نہیں آن کیا۔۔میرا انتظار کیا جا رہا تھا کہ میں آ کر تمھیں اپنی محبت اور لمس سے گرمائش پہنچاؤں۔۔زارن اسے اپنے سینے میں بھینچے مدہوشی کے عالم میں بولا۔

آگ بھڑک رہی ہے میرے اندر اور مزید کیا بھڑکاؤ گے۔۔ ابرش نے اس کے حصار سے نکلتے ہوئے شبنمی لہجے میں قدرے چیخ کر کہا۔

بھڑکتی آگ ٹھنڈی بھی ہو سکتی ہے۔۔ زاران ذو معنی انداز میں بولتے اس کی کلائی پکڑتے پھر سے اسے اپنے سینے پر منتقل کر چکا تھا۔۔ اس کا چیخنا وہ نظر انداز کر گیا تھا۔۔

اس وقت اسے اپنی خوبصورت بیوی صرف اپنی بانہوں میں چاہیے تھی۔

چھوڑو مجھے زاران۔۔ تمھیں مجھ سے محبت کرنا اس ٹائم ہی کیوں یاد آتا ہے۔ ۔سارا دن میرا خیال کیوں نہیں آتا؟؟ رات کے اس پہر تم جیسے مردوں کو ہی اپنی بیوی کیوں اچھے لگتی ہے؟؟۔۔ ابرش اس کے حصار میں جھٹپٹائی تھی۔

ابرش اب تم میرا دماغ فضول میں گرم کر رہی ہو۔۔ سارا دن مجھے اور کوئی کام نہیں ہے کیا۔ اور کوئی میرا رشتہ نہیں ہے کیا۔؟۔ کیا چاہتی ہو سارا دن میں اس کمرے میں ہی گزار دوں۔۔ زاران ابرش پر اپنا حصار توڑتے جھنجھلاتے ہوے بولا۔۔

اس کے چیخنے اور آپ سے تم کہنے پر اس نے اپنا غصہ بمشکل ہی کنٹرول کیا۔

ہاں تو جاؤ اپنے رشتوں کے پاس۔۔۔ وہی رشتے نبھاؤ۔۔ جو تمھارے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ وہی وعدے نبھاؤ جو تمھارے لیے اہم ہیں۔ مجھ سے کیا ہوا تمھارا ہر وعدہ جھوٹا ہے۔۔ بلکل تمھاری محبت کی طرح۔۔۔ کیونکہ تم محبت صرف مجھ سے بستر پر کرتے ہو۔۔ ابرش جواباً اس بار بھی چیخ کر بولی تھی۔۔

اپنی آواز آہستہ رکھو۔۔ورنہ میں تم پر ہاتھ نہ اٹھانے والا وعدہ بھی بھول جاؤں گا سمجھی تم۔۔زاران نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے کہا۔

زاران کی بات پر ابرش نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا تھا۔۔

اس کے زخمی نظروں سے دیکھنے پر وہ جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔غصہ وہ دلا رہی تھی۔۔غلط بات بھی وہ خود کر رہی تھی۔دیکھ اسے ایسی نگاہوں سے رہی تھی۔۔وہ بری طرح جھنجھلایا تھا۔

ابرش اپنے عارض سے آنسو بے دردی سے اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے بیڈ سے اٹھی۔۔یکدم اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔ابرش نے اپنا سر تھامتے بیڈ کا سہارا لیا۔۔اس سے پہلے وہ گرتی زاران جلدی سے بیڈ سے اٹھتا اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھام گی تھا۔۔

کیا ہوا میری جان ؟؟ تم ٹھیک تو ہو۔۔ زاران نے اسے کمر سے جکڑے اس کے عارض پر نرمی سے ہاتھ جماتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔۔

زخم کو مجھ کو جو لگا تھا دکھاؤں کیسے

اپنا درد بھلا تجھ کو بتاؤں کیسے

ابرش نے شکوہ کناں بھیگی نظروں سے اسے دیکھتے اس کے ہاتھ جھٹکے۔۔۔

زاران اس مزید مضبوطی سے اپنی بانہوں میں تھام چکا تھا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔ ابرش نے روتے ہوئے کہا۔

زاران نے اس کے آنسو اور اس کا زرد چہرہ بغور دیکھتے اسے نرمی سے تھامے بیڈ پر بہت پیار سے بٹھایا۔۔اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑے۔

اب بتاؤ کس بات کا غصہ آرہا ہے مجھ پر ہاں؟؟اس لیے میں سارا دن کمرے میں نہیں آیا۔۔ تمھارے سامنے ہی تھا جان۔۔۔۔

۔

حور بھابھی اور پریذے کے حویلی سے جانے کے بعد سب کی کیا حالت تھی ۔۔مورے کی کتنی طبعیت خراب تھی۔ تمھارے سامنے میں آج مردان خانے میں سارا وقت رہا۔۔اور ابھی میں مورے کے پاس تھا۔۔ پچھلے دو تین گھنٹوں سے میں ان کے پاس ہی بیٹھا تھا۔۔ان کی طبعیت بہت خراب تھی۔۔ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔۔ان کی طبعیت سنبھلنے پر میں کمرے میں

آیا ہوں۔۔اب بتاؤ میں کیسے آتا کمرے میں ؟؟زاران اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے صاف کرتا بولا۔۔

زاران کے نرم لہجے پر ابرش کے آنسوؤں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

یہ چکر کیوں آیا تمھیں ؟؟۔تم نے کھانا نہیں کھایا آج۔۔۔زاران نے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتے لب بھینچتے پوچھا۔۔اس کا رونا اسے مشتعل کر رہا تھا۔۔آج کا سارا دن اس کے سامنے تھا۔۔اس کا اس طرح رونا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

کھایا تھا کھانا۔۔میں کیوں چھوڑنے لگی کھانا۔۔میرے لیے تم اتنے اہم نہیں ہو۔

ابرش نے اسے دیکھتے سپاٹ بھیگے لہجے میں کہا۔۔ت

وپھر یہ چکر کیوں آیا؟؟زاران نے اس کے سر دا ایکسپریشن بغور دیکھتے پوچھا۔۔

میں مروں یا جیوں۔۔ آپ کو اس بات پر واہ نہیں ہونی چاہیے۔۔ بلکہ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اپنا وعدہ توڑ دیں۔۔ کیونکہ مجھ جیسی عورت صرف تھپڑ کھانے کی حقدار ہوتی ہے۔ ابرش نے روتے ہوے کہا۔۔

افف۔۔۔۔ زاران نے ابرش کی بات پر جھنجھلاتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ وہ غصے کا بہت تیز تھا۔ ابرش کی بات پر خود پر قابو پانا اس کے لیے صبر ازما مراحل میں سے ہوتا تھا۔۔

ابرش وہ میں نے غصے میں کہا تھا۔۔ میں اپنے وعدوں سے کبھی نہیں مکروں گا۔۔ میں وعدوں سے مکرنے والا انسان نہیں ہوں۔

جانتی ہوں۔۔ابرش اس کی بات سنتے کرب مبتلا ہوئی تھی۔۔

اس کا اپنے مورے سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا تھا۔

و

کیا جانتی ہو؟؟زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کے بھیگے عارض پر اپنے لب رکھے۔

یہی کہ آپ اپنے وعدوں سے نہیں مکرتے۔۔ابرش زاران کو دور کرتی سرد لہجے میں بولی۔۔

اس کے دور کرنے پر زاران کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔جسے ابرش اگنور کرتے بیڈ سے اٹھی۔۔

زاران اسے کلائی سے کھینچتا بیڈ پر گرا چکا تھا۔۔اس سے پہلے وہ اٹھتی وہ اس پر مکمل طور پر سایہ فگن ہوا۔۔

ابرش نے غصے سے اس کے پہاڑی سینے پر ہاتھ جمائے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔

وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس پر حاوی ہوا۔۔

بیوی سے پیار بستر پر اس لیے آتا ہے۔۔کیونکہ خدا نے ایک یہی ایک حلال رشتہ بنایا ہے جس کے جسم جس کی قربت میں خدا نے مرد کے لیے سکون رکھ دیا۔اتنا سکون کسی دوسرے رشتے میں نہیں۔۔۔۔کسی چیز میں نہیں رکھا۔۔۔اگر تمھیں اعتراض اس ٹائم پر ہے تو میں دن میں بھی تمھارے پاس آجایا کروں گا۔۔مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔میں تو دن رات تمھیں اپنے بدن کا حصہ بنائے رہوں۔۔تم بتاؤ مجھے اتنا برداشت کر لو

گی۔۔زاران گھمبیر لہجے میں بولتے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ابرو اچکائے تھے۔ابرش اس کی بات کا مطلب سمجھتے منہ پھیر گئی تھی۔

ایک رات کو مجھے برداشت کرنے سے تمھاری جان جاتی ہے۔دن میں تمھارے قریب آیا تمھاری نازک کمر اتنی بھی نہیں رہنی۔۔زاران نے شرارتی لہجے میں اس کی گردن میں منہ چھپایا تھا۔۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔ابرش بری طرح اس کے حصار می؟ جھٹپٹائی تھی۔۔وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کی گردن پر جگہ جگہ دانت گاڑھتے اپنی گھنی بئیرڈر گڑتے اس کیسفید گردن پل میں سرخ کر چکا تھا۔

زاران ابرش نے چیختے ہوے اسے پکارا۔۔

زاران نے اسکی گردن سے منہ نکالتے اسے سرد سرخ نظروں سے گھورا تھا۔۔

ابرش ایک لفظ تمھارے منہ سے نہ نکلے۔۔ورنہ ساری رات میری شدتیں برداشت نہیں کر پاؤ گی۔۔مرنے والی ہو جاؤ گی۔۔زاران نے اسے گھورتے دھمکی دی۔۔

تو مار دو مسٹر خانزادہ ایک بار ہی مار دو۔۔ابرش بھیگے لہجے میں بولی۔۔

مسئلہ کیا ہے ابرش؟؟پاس آؤں تو مسئلہ۔۔۔نہ آؤں تو مسئلہ۔۔۔

دو دن تمھارے قریب نہیں آؤں گا تو تم اس بات کو بنیاد بنا کر مجھ سے لڑ پڑو گی کہ میرا پیار کم ہو گیا ہے۔۔

تم مجھے بتا دو میں تم سے پیار کیسے جتایا کروں؟؟۔۔بستر

پر نہیں تو کیا نیچے لاونج میں۔۔زارن اس کی کلائیوں کو جکڑتے سرد لہجے میں بولا۔۔

یہی ہے تمھارا پیار۔۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔ہاں یہی ہے میرا پیار۔۔زاران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

جانتی ہوں اپنی ویلیو۔۔۔۔

وہ اس کے لبوں پر جھکتے اس کے لفظ گلے میں گھوٹ گیا تھا۔۔

اس کی کلائیاں جکڑے وہ اپنی شدت اس کے لبوں پر اتارنے لگا۔وہ اس کی سانسوں کو جکڑے اس کی سانسیں بری طرح کھینچنے لگا۔۔

وہ اس کی شدت پر اس کے حصار میں ساکت ہوئی تھی۔۔ جسے محسوس کرتے وہ پیچھے ہوا۔۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے گہرے سانس لے رہی تھی۔

زاران نے اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتار کر دور پھینکی تھی۔۔ وہ اسے بنا کوئی موقع دیا کمر سے جکڑے اس کے بدن کو بھی ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔

ابرش کی کلائیاں جکڑے وہ اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔ اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتے وہ بار بار اس کے گلابی لبوں پر قابض ہوتا تھا۔ ابرش کی ہر مزاحمت ہر انسو اس کے حصار میں دم توڑ گئے تھے۔۔ وہ اس پر مکمل طور پر قابض اپنی من مانیاں کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ابرش اپنی ہر مزاحمت ترک کر گئی تھی۔۔

وہ اس کے حصار میں بلکل سپاٹ اور پتھر کی ہوئی تھی۔۔ وہ اس پر اپنی شدتیں اور بھی جنونی انداز میں نچھاور کرنے لگا۔ اس کا سرد پتھر وجود اسے غصے میں مبتلا کر گیا تھا۔۔ وہ اپنی شدتیں نچھاور کرتے پیچھے ہوا۔

وہ بکھری حالت میں رخ پلٹے سسکیاں بھرنے لگی۔۔

ابرش۔۔۔ زاران نے اس کی طرف پلٹے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ ابرش اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکتے اپنا فراک بیڈ سے اٹھائے پہننے لگی..

زاران نے گہرے سانس لیتے لب بھینچے اسے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتی زاران نرمی سے اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔۔

ابرش نے غصے سے اپنی کلائی جھٹکے چھڑوائی۔۔وہ بیڈ سے اٹھی ہی تھی۔۔اسے پھر سے چکر آیا تھا۔۔زاران نے اب کی بار پریشانی اور الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔اس سے پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا وہ منہ پر ہاتھ رکھے تیزی سے واش روم کی طرف بھاگی تھی۔۔

تزاران ٹراوزر پہنے شرٹ لیس اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پریشانی سے کمرے میں چکر لگا رہا تھا۔۔جو وہ سمجھ رہا تھا کیا بات وہی تھی۔۔ابرش کافی دیر سے واش روم میں تھی۔۔دروازہ وہ اندر سے لاک کر چکی تھی۔۔وہ مظطرب انداز میں کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا۔

ابرش واش روم سے باہر آئی۔۔وہ ابرش کا سرخ اور بھیگا چہرہ دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

ابرش تم جانتی ہو تمھیں کیا ہوا ہے؟؟زاران نے اس کا چہرہ دیوانوں کی طرح تھاما۔

کک کیا ہوا ہے؟؟زاران کا چمکتا چہرہ دیکھ کر ابرش کی رنگت فق ہوئی تھی۔ تم چھپا رہی ہو یا شرما رہی ہو.. زاران اس کی فق رنگت بغور دیکھتا الجھن بھرے لہجے میں بولا۔۔وہ اکیس سال کی تھی اتنی بھی چھوٹی نہ تھی اپنی حالت نہ سمجھ پاتی۔۔

اس کی فق رنگت اور ماتھے پر چمکتی شبنم دیکھ کر وہ الجھن کا شکار ہوا تھا۔۔

جیسے وہ اس پر راز عیاں ہونے پر گھبرا گئی ہو۔۔ جیسے وہ اس سے یہ خبر چھپانا چاہ رہی ہو۔۔

لیکن کیوں؟؟ وہ پریشان ہوا تھا۔۔ آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔۔ اسے اپنی بیوی سے کچھ بھی اچھے کی امید نہ تھی۔

اس کا لب ولہجہ اس کی باتیں۔۔۔ اس کا گھبرانا اسے اب شک میں مبتلا کر رہا تھا۔

مم۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔۔۔ کک کچھ نہیں پتہ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟؟

ابرش نے نظریں جھکائے لب کاٹتے کہا۔۔

وہ اب اس کے آپ کہنے پر پریشان ہوا تھا۔۔ وہ پھر سے تم سے آپ پر آگئی تھی۔۔

وہ آپ تب ہی بولتی تھی۔۔جب اس سے راضی ہوتی تھی یا پھر اس سے ڈر رہی ہوتی تھی۔۔ورنہ وہ غصے میں اسے تم ہی بولتی تھی۔۔جیسے تھوڑی دیر پہلے تم بول رہی تھی۔

اور وہ تھوڑی دیر پہلے اس سے بری طرح ناراض تھی۔

اب کیا ہوا ہے اسے۔۔یہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے؟؟زاران کی پریشانی بڑھی تھی۔

وہ اس کے قریب ہوا۔۔ابرش سہمتے ہوے پیچھے ہوئی تھی۔۔زاران کی سرد سرخ نظریں دیکھ کر جیسے اسے محسوس ہوا تھا وہ اس کے دل کی بات بھانپ گیا تھا۔

وہ لرزتے ہوئے پیچھے ہوتی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے ہاتھ بڑھایا تو وہ ڈرتے ہوئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔۔

زاران مجھے مت مارنا۔۔۔ میں تمھارے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔۔ میں تمھیں بتانے ہی لگی تھی۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں گال پر ہاتھ رکھے کپکپاتے لبوں سے روتے ہوئے بولی۔

واٹ ؟؟ زاران تقریباً چیخا تھا۔۔

زاران مم میں آپ کو بتانے لگی تھی۔ مم میں پریگننٹ ہوں۔۔ وہ اس کے چیخنے پر کپکپاتے لبوں سے بمشکل بولی۔

تم کیا کہہ رہی ہو؟؟ سچ میں تم پریگننٹ ہو۔۔ وہ بے یقین ہوتے اس کے قریب ہوا۔

ابرش اب صرف اسے سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

اسے مقابل کے تھپڑوں کا اتنا خوف تھا۔۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں سچ بول گئی تھی۔۔ اتنا تو جانتی تھی اسے اس کی سوچ کا ذرا بھی اندازہ ہوا۔۔ وہ تھپڑوں سے ہی نہیں اس کا منہ لال کرے گا۔۔ بلکہ اس کا پورا بدن داغ دے گا۔۔

زاران کو سمجھ نہیں آرہی تھی۔۔ وہ خوشی منائے یا پھر برش کا کانپنا اور اس کے لفظوں کو سمجھتا وہ اپنی جان لے لے۔۔ وہ اس کے بچے کو مارنے کا سوچ رہی تھی۔۔

لیکن کیوں؟؟ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اب کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔۔

ابرش اسے دیکھتے تھر تھر کانپتی دیوار میں بمشکل سمائے تھی۔۔

زاران نے قہر بار اس کے لرزتے وجود پر ڈالی تھی۔

وہ اس سے بے تحاشا ڈرتی تھی۔۔ مگر کرتی اپنی مرضی ہی تھی۔۔ پتہ نہیں اس وقت اس کا ڈر کہاں جا سوتا تھا۔۔

زاران طیش الم میں اس کی طرف بڑھا۔۔

ابرش مزید دیوار میں سمائے تھی۔۔

میری بات کان کھول کر سنو۔۔ اگر میرے بچے کو کچھ بھی ہوا۔ اسے ذرا سا نقصان بھی پہنچا میں تمھارے جسم سے کھال کھینچ لوں گا۔ سمجھی تم۔۔ وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے طیش والم میں غرایا۔۔

ہاں۔۔۔۔ نہیں پہنچاؤں گی۔۔ ابرش بری طرح روتے ہوے بولی۔۔

ابرش میں نہیں جانتا تمھارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔ لیکن تم نے کچھ بھی غلط کیا میں تمھارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اس حویلی کے تہہ خانے میں قید کر دوں گا۔۔ جہاں تم روشنی کو بھی ترسو گی۔۔ سمجھی تم۔۔ اب کی بار وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

وہ اس کی دھاڑ پر منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔ اب وہ منہ پر ہاتھ رکھے کانپتے ہوے اسے دیکھے جا رہی تھی

اس کی حالت کے پیش نظر زاران نے اس سے دور ہوتے اپنے غصے پر قابو پایا۔۔اس کے کانپتے وجود کو دیکھتے زارانے ضبط سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر۔۔

بیڈ پر چلو۔۔۔زاران نے اسے سرد نظروں سے دیکھتے حکم دیا۔۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتی دو قدم ہی بڑھی تھی کہ زور ار چکر پر اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔۔زاران نے اسے جلدی سے تھاما وہ اس کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔

زاران اس کے بے ہوش وجود کو بانہوں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔۔اسے بہت احتیاط سے بیڈ پر لٹایا۔۔

اس کے پاس بیٹھے پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔۔

کیوں تم ایسا سوچ رہی ہو؟؟ کیسے سوچ سکتی ہو میرے بچے کو نقصان پہنچانے کا۔ کیا تم اب تک مجھ سے محبت کا ناٹک کر رہی تھی۔۔ تم مجھے ڈاج کر کے پھر سے میری حویلی سے بھاگنا چاہتی تھی۔۔

زاران اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتا کرب سے سوچ رہ تھا۔۔ وعدہ ہے میرا برش۔۔۔ میرے بچے کو کچھ بھی ہوا۔۔ میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔۔ تمھیں بہت دردناک سزا دوں گا۔۔ وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔۔

اس پر کمبل اڑاتے وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر نیم دراز ہوا۔ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔ وہ کافی ڈر گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اس کی بیوی اس کی محبت اس کے بچے کی جان لینا چاہتی تھی۔۔ وہ کرب سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

حور کی آنکھ کھلی تو وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔۔بیڈ کی سلوٹوں پر اسے کسی کا لمس سا محسوس ہوا تھا۔۔

اسے خود سے سٹرونگ مردانہ خوشبو آتی محسوس ہوئی تھی۔۔وہی خوشبو جو اس کے حواش معطل کر دیتی تھی۔۔وہی جو اس کی سانسیں جکڑ لیتی تھی۔۔حور نے گھبراتے ہوئے کمرے میں پھیلی سگریٹ کی مہک کو محسوس کیا اس کی سانسیں اٹکی تھیں۔

کک یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔۔وہ شاہ مینشن کبھی نہیں نہیں آسکتا۔۔اور نہ ہی اس کمرے میں۔۔

حور نے اپنا خشک حلق تر کرتے اپنے لبوں پر زبان پھیری تھی۔۔

حور نے گھبراتے ہوے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا۔۔اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی کی رہ گئی تھیں۔اس کے سینے پر وہی لاکٹ جھول رہا تھا۔۔جو وہ حویلی کے کمرے سے نکلنے سے پہلے اپنے گلے سے اتار کر پھینک آئی تھی۔۔حور نے حیرانگی سے وہ لاکٹ پکڑ کر دیکھا جو خون سے سرخ ہو رہا تھا۔۔

حور نے گھبراتے ہوے وہ اتار کر زمین پر پھینکا تھا۔۔

وہ بیڈ سے اٹھتے سراسیمگی کے عالم میں غائب دماغی سے فرش پر پڑے لاکٹ کو دیکھ رہی تھی۔واش روم سے نکلتے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اسے شاہ مینشن کی دیواریں خود پر گرتی محسوس ہوئی تھیں۔۔

وہ پھٹی پھٹی ہرنی کی طرح سہمی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔جو شرٹ لیس وائٹ جینز پہنے ہوے تھا۔۔گیلے بال ماتھے پر بکھرے تھے۔۔جن سے پانی ٹپکتا چہرے کو بھگو رہا تھا۔۔

برہنہ چوڑا سینہ جو سکس پیک پر مشتمل تھا۔۔اس پر بھی پانی قطرو؟ں کی مانند چمک رہا تھا۔

حور بے یقینی سے گہرے سانس لیتے بنا پلکیں جھپکائے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی آنکھوں کی سرخی غیض و غضب ڈھا رہی تھی۔۔ آنکھوں میں سرد پن بھی نمایاں تھا۔

ارحام خانزادہ کے سرد تاثرات اور سرخ آنکھیں دیکھ کر اسے اپنا خون رگوں میں منجمند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے حور پر خونخوار نظر ڈالتے لب بھینچے اپنے پیروں میں پڑے لاکٹ کو دیکھتے جھکتے اٹھایا تھا۔

حور کے بے جان وجود میں حرکت ہوئی تھی۔۔

ارحام۔۔۔حور کے لبوں نے بے یقینی سے جنبش کی۔۔

ارحام نے لاکٹ اٹھائے اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر استھزائیہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

او۔۔۔۔۔تو تمھیں میرا نام یاد ہے۔۔ارحام اسے اوپر سے نیچے گھورتا سرد لہجے میں غرایا۔۔

آپ آپ یہاں کک کیسے ؟؟ارحام خانزادہ کے قدموں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس کے قدم پیچھے کی جانب بڑھے تھے۔

سب بتاؤں گا تمھیں جان من۔۔۔۔میں یہاں کیسے آیا ہوں۔۔

اور یہاں پر کیا کرنے آیا ہوں۔۔ یہ تمھیں لفظوں سے نہیں بلکہ پریکٹل کل بتاؤں گا۔ ارحام نے تپش زدہ لہجے میں کہتے بے باک نظریں اس کے وجود پر گاڑھیں۔

ارحام خانزادہ کی بے باک اور سلگتی نظریں اپنے وجود پر محسوس کرتے حور کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوے تھے۔۔

اپنے حلیے کا احساس ہوتے اس نے خود پر نگاہیں گاڑھیں تو وہ خفت اور شرم سے سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔

گھٹنوں سے بھی کافی اوپر نائٹی۔۔ سٹریپ کندھوں سے بلکل نیچے ڈھلکے ہوے تھے۔۔

اور بیک وہ تو بلکل ہی برہنہ تھی۔۔ گاؤن اتنا باریک تھا وہ تو مزید اس کے حسن میں چار چاند لگا رہا تھا۔ حور یکدم پیچھے کو قدم بڑھاتی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔

وہ فی الحال اپنی بیک کو سامنے کھڑے بے شرم بے باک انسان کی گہری نگاہوں سے بچا سکتی تھی۔۔ جس کی شدتوں کی کوئی حد نہیں تھی۔۔ دو دن پہلے کی ڈریسنگ روم میں گزری رات یاد آئی تھی۔۔ جب اس کی دیوانگی بھری جنون خیزیاں سہتے سہتے وہ بے حال ہو چکی تھی۔۔

اس کی دی ہوئی سوغاتیں ابھی بھی اس کے بدن کے ہر حصے پر آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

حور نے لب کچلتے نظریں جھکائے اپنے سٹریپ کندھوں سے اوپر کھسکائے تھے۔ یہاں سب سے زیادہ اس کی جنوں خیزیاں رقم تھیں۔

کیا ہوا شرم آ رہی ہے تمھیں؟؟ ارحام نے استہزائیہ نگاہ اس کی جھکی نظریں اور سرخ انار عارض پر ڈالی تھیں۔۔ جو اس وقت جیسے خون چھلکا رہے تھے۔

ویسے یہ شرم تمھیں اپنے شوہر کے سامنے ہی آتی ہے ناں۔۔ ارحام نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی طرف تیزی سے اپنے قدم بڑھائے۔۔

حور کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ وہ خوف اور سراسیمگی کے عالم میں کانپتے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ جما گیا تھا۔۔ وہ آنکھیں بند کیے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔

آنکھیں کھولو۔۔ ارحام خانزادہ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے دھاڑا تھا۔۔

وہ اس کی دھاڑ پر جلدی سے آنکھیں کھول گئی تھی۔۔

اب وہ گہرے سانس لیتے ایک ٹک ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ جانتا تھا وہ اب پلکیں بھی نہیں جھپکے گی۔۔ جب تک وہ نہیں کہے گا۔۔ وہی ہوا وہ بنا پلیکں جھپکائے مجسم بنی اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔

یہ گلے سے کیوں اتارا؟؟ ارحام خانزادہ نے لاکٹ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔۔

اس اس پر خون تھا۔۔ حور نے کپکپاتے لبوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

خون تو ابھی بھی اس پر ہے بلکہ میری آنکھوں میں بھی ہے۔۔ دکھائی دے رہا ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔۔

ہاں ہاں دکھائی دے رہا ہے۔۔ حور ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے روہانسی ہوئی تھی۔۔

کیوں ہے یہ بھی جانتی ہو گی؟؟ ارحام مزید اس کے قریب تھا۔۔

اب ارحام خانزادہ کی تپش زدہ سانسیں اس کے گلابی لرزتے لبوں پر بکھر رہی تھی۔۔

مم میں نے آپ کی بیٹی پھر سے آپ سے جدا کر دی۔۔ حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔۔

تمھیں لگتا ہے یہ وجہ ہے ان آنکھوں میں حون اترنے کی۔۔ ارحام نے اس کے عارض پر بہتے آنسو دیکھتے لب بھینچتے پوچھا۔۔

ہاں ہاں۔۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔۔ اس رات بھی جب ہمارا نکاح ہوا تھا۔۔ حور نے لرزتے لبوں سے ٹوٹے لفظوں سے کہا تھا۔۔

ایسی ہی آنکھیں تھیں غور سے دیکھو۔۔ ارحام نے اس کی سہمی آنکھوں میں دیکھتے ہوے غراتے ہوے پوچھا۔۔

نن نہیں۔۔۔۔ اس سے کم تھیں۔ حور نے جلدی سے کہا۔۔

ہمممم۔۔۔۔ یعنی کہ تم نے مجھے اس بار زیادہ ہرٹ کیا ہے۔۔ ارحام کی بات پر حور کی آنکھوں میں سراسیمگی کے ساتھ کرب بھی چھایا تھا۔۔

جانتی ہوں پریذے کو بہت مشکل سے حاصل کیا تھا آپ نے۔۔ مم میں نے گل پر اعتبار کر کے آپ کی بیٹی کو جدا کر دیا۔۔ حور شدت گریہ سے اپنے لبوں کو کاٹ گئی تھی۔۔

بہت غلطیاں کر چکی ہو۔۔ اور نہیں کرو۔۔ سزا بڑھتی جائے گی۔۔ ارحام نے سلگتے ہوے اس کے نچلے لب کو دانتوں سے چھڑوایا تھا۔۔ سامنے کھڑی نازک وجود کو کیسے سمجھاتا وہ خود کو بھی چھوے کہاں گورا تھا۔

سزا۔۔۔۔۔ حور کے لب ارحام کا لفظ دہراتے کپکپائے تھے۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کے لرزتے لبوں کو بغور دیکھا تھا۔۔

سب کچھ جانتی ہو یہ بھی جانتی ہو گی آج سے چھ ماہ پہلے تم نے میری بیٹی مجھ سے جدا نہیں کی تھی۔۔ بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں چھینیں تھیں۔ ارحام نے سرد لہجے میں استفسار کیا۔۔

حور اس بات سمجھتے خاموش ہوئی تھی۔۔ آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ یقیناً وہ اپنی محبت کی بات کر رہا تھا۔۔ وہ گل کی بات کر رہا تھا۔۔

خاموش مت رہو۔۔۔ بتاؤ مجھے اس رات تم نے اور کیا کیا چھینا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں کا گلابی پن دیکھتے غرایا تھا۔۔

آپ کی محبت چھینی تھی۔۔ آپ کی بیوی چھینی تھی۔۔ حور نے کی آنکھوں سے پھر سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔ مگر اس نے پلکیں ابھی تک نہیں

جھپکائی تھیں۔۔وہ آنسوؤں کی دیوار سے مقابل کو دیکھ رہی تھی۔۔جس کی خون اتری آنکھیں اس کے اندر سنسنی دوڑا رہی تھیں۔

اس کی بات پر ارحام خانزادہ کے چہرے پر اشتعال برپا ہوا تھا۔۔

کچھ اور بھی چھینا تھا۔۔ارحام اپنا زخمی ہاتھ اس کے اطراف میں زور سے مارتا غرایا تھا۔۔گل کو اس کی محبت کہنے پر اس کے غصہ بڑھا تھا۔۔وہ جانتی ہی نہ تھی اس کا سب کچھ تو وہ خود ہی تھی۔۔محبت عشق کھونے کے ڈر سے تو وہ ابھی واقف ہوا تھا۔

کک کیا چھینا تھا ارحام۔۔گل اور پریذے ہی تو چھینیں تھیں۔حور اس کے زخمی ہاتھ سے خون رستا دیکھ کر سہمتے ہوے بولی۔۔آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔

یعنی تمھیں اس دن بھی احساس نہیں ہوا تھا۔۔نہ تمھیں آج احساس ہوا تم نے مجھ سے کیا چھینا۔۔ارحام نے کاٹ دار نگاہوں اس کی بھیگی آنکھیں دیکھیں۔جن میں چمکتے موتی اسے مزید اشتعال دلا رہے تھے۔۔

کک کیا؟؟حور کی الجھن بڑھی تھی۔۔

تمھاری چار کہاں ہے حور؟؟ارحام کرب سے سوال داغتے گر جا تھا۔۔

حور اس کی گرج پر لرز اٹھی تھی۔

چادر کک کون سی چادر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہی چادر جو تم زنان خانے میں پھینک آئی تھی۔۔وہ اس سے دور ہوتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

حور اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اسے دیکھے گئی۔۔

وہ کیا اس سے یہاں اس بات کا حساب لینے آیا تھا؟؟۔۔وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے لرزتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالی تھی۔۔

پاپا حور کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی تھی۔۔اسے یکدم یاد آیا تھا۔۔وہ سامنے کھڑے سفاک انسان کی اونچی حویلی میں نہیں شاہ مینشن میں تھی۔۔

شاہ مینشن میں اس وقت سلطان شاہ بھی تھا۔۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔۔

رک جاؤ حور خبردار تم نے اس بند دروازے کو کھولا۔۔۔ارحام کی سرد برفیلی آواز پر اس کے ہاتھ ہینڈل پر رکے تھے۔۔

تم شاہ مینشن میں ضرور ہو تمھارا باپ بھی اس وقت شاہ مینشن میں ہے۔۔ پھر بھی میں تمھارے پاس اس کمرے می؟ ہوں۔۔ یہاں سے اندازہ لگالو تم کس کی ہو۔۔ تم پر کس کا اختیار ہے۔۔ ارحام نے اس کی برہنہ پشت پر قہربار نگاہ ڈالی تھی۔۔

واپس آؤ حور۔۔۔ ارحام خانزادہ نے صوفے پر بیٹھتے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا تھا۔۔ حور نے گہرے سانس لیتے پلٹتے ہوے اس ستم گر کو دیکھا جو سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔۔

پاس آؤ تم۔۔۔ سنا نہیں تم نے۔۔ ارحام دھاڑا تھا۔۔

حور اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اس کی طرف دھیمے قدموں بڑھی تھی۔۔

ارحام کے صوفے کے قریب آکر وہ رکی تھی۔۔

ارحام اس کی کلائی پکڑے اپنے اوپر گرا چکا تھا۔۔

یہ کس حلیے میں باہر جا رہی تھی تم؟؟ ارحام نے اس کے بالوں کو دبوچتے اس کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔۔

حور اس کی بے رحم گرفت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔

مت روؤ سسکو میری جان۔۔۔ ابھی بہت سے تم سے حساب کتاب لینے ہیں۔۔ تمھیں آج رات باور کروانا ہے کہ تم نے آج مجھ سے کیا کیا چھینا ہے۔۔

حساب لیں گے۔۔ جیسے نکاح کی رات کو لیا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں شدید خوف لہرایا تھا۔

ارحام اس کی بات پر کچھ پلوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔۔

حور کے لبوں کی لرزاہٹ بڑھی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں کرب لہرایا تھا۔۔اس سے بھی بدتر حساب لوں گا۔۔وہ جلتا سگریٹ انگلیوں میں دباتب ہوا بولا۔۔

اس سے بھی بدتر۔۔حور نے لرزتے لبوں سے کہتے اس کی انگلیوں میں دبا سگریٹ دیکھا تھا۔۔

حور کی آنکھوں سے شبنم گرتی عارض پر بہی تھی۔۔

وہ کپکپاتے ہوے اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ رہی تھی۔۔

جیسے وہ اس کی بدتر سزا خود ہی سوچ چکی تھی۔۔

ارحام نے اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے جلتا سگریٹ اپنی زخمی ہتھیلی میں دبو چا تھا۔۔

کیا پہلے کبھی تمھیں اس سے داغا ہے جو تم ایسے ڈر رہی ہو۔۔ ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت بڑھاتے پوچھا۔۔

اس سے بدتر سزا کیا ہو سکتی ہے بھلا۔۔ حور کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔۔

اس سے بدتر سزا بہت سی ہیں۔ ابھی تمھیں بتاؤں گا۔ ابھی تمھیں پریکٹیکل سزا تو دے لوں۔۔ وہ اس کا چہرہ خود سے قریب کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ڈریسنگ روم سے باہر آیا۔۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ہلکے

گیلے بالوں میں برش کرنے لگا۔۔ڈریسنگ مرر سے ابرش کے نظر آتے عکس کو دیکھ کر وہ اپنے لب باہم سختی سے بھینچ گیا تھا۔۔وہ بکھرے بالوں میں رات والے فراک میں ملبوس بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔۔

اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔۔ابرش کے ناشتے کا سوچ کر وہ اتنی صبح اٹھا تھا۔۔ورنہ کل ساری رات وہ سویا نہیں تھا۔۔آنکھوں میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔جس میں ابرش پر غیض و غضب کی سرخی کی حدت بھی شامل تھی۔۔وہ اس کے بچے کو مارنے کا سوچ رہی ہے۔

اس کا پورا بدن جیسے زخموں کی مانند چور تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا ابرش کے بخیے ادھیڑ ڈالے۔اگر اس کے پہلو میں اس کی اولاد نہیں ہوتی تو شائد وہ یہ بھی کر گزرتا۔۔مگر اپنے بچے کی خاطر وہ ضبط کا کڑوا گھونٹ بھر کر

رہ گیا تھا۔۔ وہ اس وقت کرب کی کیفیت میں تھا۔۔ اس کی بیوی اس کی محبت اپنی ہی پہلی اولاد کو کیسے مارنے کا سوچ سکتی ہے۔۔ یقین کرنا مشکل تھا۔۔ مگر سچ تو یہی تھا۔۔ اس کا اجڑا ماتم زدہ روپ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔۔ یہ بچہ اس کے لیے ماتم کے سوا کچھ نہ تھا۔۔

زاران نے خود پر پرفیوم چھڑکتے اس نے مرر سے نظر آتے ابرش کے سرد سپاٹ پر عکس پر قہر بار نگاہ ڈالی جو گہرے سوگ میں گم تھی۔

وہ پرفیوم ٹیبل پر رکھتا شال کندھوں پر جھٹکتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

اگر یہ سوگ ختم ہو گیا ہو تو اپنا حلیہ درست کر لو۔۔ ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ زاران نے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورتے سلگتے لہجے میں کہا۔۔

ابرش نے زاران کے سرخ و سفید چہرے کی طرف نم آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

درخشاں کے ہاتھ ناشتہ بجھوا رہا ہوں۔۔ پورا ناشتہ ختم ہونا چاہیے۔۔ مجھے تمھارے کھانے میں کسی قسم کی لاپرواہی نہیں چاہیے۔۔ تینوں ٹائم کا کھانا فروٹ جوسسز کمرے میں آجایا کریں گے۔۔ سیڑھیاں اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔

میں مورے سے مل کر آرہا ہوں۔۔ پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔۔ زاران نے اسے کافی سرد لہجے میں ہدایت دیں تھیں۔

وہ اس پر نرمی دکھا کر کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ شائد یہ سب کچھ اتنے دنوں کی نرمی کا اثر ہی تھا جو سامنے بیٹھا نازک وجود اتنی بے رحمی دکھانے کا سوچ رہا تھا۔

ابرش نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے مقابل کو دیکھا جو سیاہ لباس میں سحر انگیز لگ رہا تھا۔۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو جس میں پرفیوم کی ملی جلی خوشبو بھی شامل تھی۔ ابرش کو ہمیشہ کی طرح اپنے حواصوں پر چھاتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ وہ سیاہ لباس میں کسی ریاست کا مغرور شہزادہ لگ رہا تھا۔۔ ابرش نے زاران خانزادہ کی سحر انگیز پرسنیلٹی پر نظر ڈالتے ہچکی لی تھی۔

سامنے کھڑا مغرور شہزادہ اب صرف اس کا نہ رہا تھا۔۔ وہ آج نہیں کل تو کسی اور کا بھی ہو جائے گا۔۔ وہ کیسے برداشت کرے گی۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔۔۔

زاران اسے اپنی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا پا کر مشتعل ہوا تھا۔۔ وہ گلابی بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی۔۔ جیسے وہ اس ظلم وزیادتی کی حد کر چکا ہو۔

ابرش کوئی حماقت کوئی جذباتی سین نیچے کریٹ مت کرنا۔۔۔ اگر غلطی سے بھی کسی کے سامنے آنسو بہے۔۔ تم نے کوئی الٹی سیدھی بات کی۔۔ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

زاران نے اسے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔۔

آگے کیا سین کریٹ کیا ہے میں نے۔۔ کیا کہا ہے میں نے تمھاری عظیم مورے کو۔۔۔ تمھارے جان سے بھی پیارے رشتوں کو۔۔۔ جو تم یوں مجھے دھمکا رہے ہو۔ ابرش نے اس پر بھیگی نگاہیں گاڑھتے استھزائیہ لہجے میں سوال کیا۔۔

جو تماشے تم کر چکی ہو۔۔وہ آج تک اس گھر کی کسی عورت نے نہیں کیے۔

۔زاران جواباً استھزائیہ لہجے میں مسکراتے طنزیہ بولا۔۔

جو بھی کیا وہ تم سے نکاح سے پہلے کیا۔۔۔اس وقت نہ میں تمھاری عورت تھی۔اور نہ ہی میں ن حویلی کی عورتوں میں سی تھی۔۔تم سے نکاح کے بعد کچھ بھی نہیں کیا۔۔۔تمھارا ہر حکم مانا۔۔۔پھر بھی مجھے یہ سزا کیوں؟؟ابرش نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

میرا بچہ پیدا کرنا تمھارے لیے سزا ہے۔۔زاران کی آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔۔۔

تمھارے جھوٹے وعدے میرے لیے سزا ہیں۔ ابرش نے ہچکی بھرتے چیختے ہوے کہا۔

ابرش میرے پاس تمھارے فالتو کی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ تم تو پاگل ہو ہی عنقریب مجھے بھی کر دو گی۔۔ ایک بات یاد رکھنا تمھارے اس طرح رونے پر میرے بچے پر ذرا سا بھی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔۔ مجھے اپنا بچہ بلکل صحت مند چاہیے سمجھی تم۔۔۔۔ وہ اسے روتا چیختا دیکھ کر غرایا تھا۔۔

اسے صرف اپنے بچے کی پرواہ تھی۔۔ اس نے ایک بار بھی اس سے اس کا نہیں پوچھا تھا کہ اس کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔۔ زاران کی باتوں پر ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

زاران میں پاگل نہیں ہوں۔ تم نے اور تمھای مورے نے مجھے پاگل کیا ہے۔۔ کیونکہ تم دونوں کی مینٹلٹی سک ہے۔ تمھاری مورے جو بظاہر بہت عظیم دکھتی ہیں۔ وہ دوغلی عورت ہیں جنھوں نے مجھے برباد کر دیا۔۔

وہ بیڈ سے اٹھتی زاران کے مقابل ہوئی تھی۔

ابرش۔۔۔۔۔ زاران دبی آواز میں دھاڑا تھا۔۔

زاران کی دھاڑ پر ابرش کی رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔۔ اس کا نازک بدن ہچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔۔

ابرش کی زرد رنگت کو دیکھتا وہ اپنی دھاڑ اور غصے پر قابو پا گیا تھا۔۔ رات سے ہی اس کے عارض پر زردیاں سی گھل گئی تھی۔

مگر اپنی مورے کے خلاف ابرش کے لفظ برداشت کرنا اس کے بے حد مشکل تھا۔ وہ اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کر گیا تھا۔

شکر ادا کرو ہمارے بچے کا جو تمھارے چہرے کا میں نے حشر نہیں بگاڑا۔ ورنہ تمھارا گال میں تھپڑوں سے سجا دیتا۔۔

ائیندہ میری مورے کے خلاف کچھ نہ کہنا ورنہ لحاظ نہیں کروں گا۔۔ زاران ابرش کے بازو پر گرفت مضبوط کرتا اس کی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھتے غرایا تھا۔

ناشتہ بجھوا رہا ہوں۔۔ کر لینا۔۔ اگر تم نے کھانے سے انکار کیا۔ کسی قسم کا نخرہ دکھایا۔۔ ہٹ دھرمی دکھائی۔۔۔ میں خود آکر تمھیں ناشتہ کرواؤں گا۔۔ اور مجھ سے نرمی کی امید مت رکھنا۔۔ زاران اسے سرد نظروں سے تنبیہ کرتا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔

تم جیسے بے حس بے وفا انسان سے مجھے نرمی کی توقع ہے بھی نہیں۔۔ جاؤ اپنے مورے کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھو۔۔ جہاں تمھیں وہ پلوشہ بھی ملے گی۔ جس کے لیے تم اتنی صبح صبح نیچے جا رہے ہو۔۔

ابرش اس کے جانے غصے سے حلق کے بل ہسٹریائی چیختے ہوئے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے رونے لگی تھی۔۔

زاران سرخ تنا ہوا چہرہ لیے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ ابرش پر اس کا غصہ پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گیا تھا۔۔ پہلے وہ صرف اسے ہی برا بھلا کہتی تھی۔ مگر آج اس کی مورے کے لیے جو لفظ بولے وہ زاران کو مشتعل کر چکے

تھے۔۔وہ اس کی کنڈیشن کے باعث اپنے غصے پر قابو پا گیا تھا۔۔وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔۔ابھی اس نے لاونج میں قدم رکھا ہی تھا کہ پلوشہ اس کے چوڑے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔

آنکھیں کھول کر چلا کرو۔۔زاران نے اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے ہوے اسے کلائی سے جکڑے خود سے دور کیا۔۔۔

وہ اس سے ٹکرانے کے بعد اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی ہوئی تھی۔۔وہ اسے بری طرح خود سے دور جھٹک گیا تھا۔

میری آنکھیں تو کھلی ہیں۔۔ تم ہی غصے سے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔۔ تم نے ہی مجھے نہیں دیکھا۔۔ تم مجھ سے ٹکرائے ہو۔۔ پلوشہ نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

زاران نے اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے ہوے احتیاطی طور پر ایک نظر سیڑھیوں سے پار نظر آتے لاونج میں بنے اپنے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی تھی۔۔ ابرش پلوشہ کو اس کے ساتھ ٹکراتے ہوے دیکھ لیتی یقیناً اس کی زندگی عذاب بنا دیتی۔۔ رات سے وہ ویسے ہی عذاب جھیل رہا تھا۔۔

زاران کی نظریں سیڑھیوں کی طرف دیکھ کر پلوشہ کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑی تھی۔۔۔

وہ اس کے حسین وجود کو صرف اپنی بیوی کے ڈر کی وجہ سے اگنور کر رہا تھا۔۔وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔وہ اس وقت آتشی گلابی ڈیزائنر فٹنگ والے فراک میں ملبوس تھی۔۔جس پر ہم رنگ خوبصورت نیٹ کا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔۔لائٹ میک اپ کیے وہ غضب ڈھا رہی تھی۔۔اور زاران خانزادہ تھا اس کی طرف دیکھنا تو دور کی بات اس سے بھی بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔۔۔

زاران اسے اگنور کیے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

کب تک اگنور کرو گے مجھے زاران خانزادہ؟؟کچھ دنوں تک میں تمھاری بیوی بن جاؤں گی۔۔کیا تب بھی مجھے ایسے ہی اگنور کرو گے؟؟

پلوشہ کی بات پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

یہ کیا بکواس کر رہی ہو پلوشہ ؟؟ تمھیں ایسی باتیں کرنا زیب دیتا ہے۔۔کوئی شرم لحاظ ہے کہ تم میں کہ نہیں۔۔۔زاران نے اس کی طرف پلٹتے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

اس میں شرم لحاظ کہاں سے آ گیا؟؟۔تم کل اپنی مورے سے وعدہ کر چکے ہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گے۔۔مجھے آج صبح ہی پھوپھو نے بتایا ہے۔ ۔انہوں نے تو بابا اور مورے کو آج یہ خوشخبری بھی سنا دی ہے کہ کچھ دنوں

میں وہ میرا اور تمھارا نکاح کر دیں گی۔۔ پلوشہ اس کے قریب آتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔

پلوشہ میں تم سے کسی صورت نکاح نہیں کروں گا۔۔ کسی بھی صورت نہیں سمجھی تم۔۔ اور تم یہ غلط فہمی دل سے نکال دو تم کبھی میری بیوی کے عہدے پر فائز ہو گی۔۔ میری بیوی صرف ابرش ہے اور وہی رہے گی۔۔ زاران نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے اپنا فیصلہ سنایا۔

لیکن تم کل رات اپنے مورے سے وعدہ کر چکے ہو۔۔ اور وہ میری مورے بابا سے وعدہ کر چکی ہیں۔ پلوشہ تحیر زدہ بولی۔

میں نے اپنی مورے سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ ان کی طبعیت بہت خراب تھی۔۔ وہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں تھی۔۔ وہ اس وقت جذبات کے زیر اثر تھیں۔ اگر میں ان سے کچھ بھی کہتا ان کا بی پی مزید شوٹ کر

جاتا۔۔اس وقت مجھے جو صیح لگا میں نے کیا۔۔زاران کی باتوں پر پلوشہ کا چہرہ فق ہوا تھا۔

تم یہ کک کک کیسے کر سکتے ہو؟؟تم اپنی مورے سے جھوٹا وعدہ کیسے کر سکتے ہو۔۔پلوشہ کی زبان لڑکھڑائی تھی۔۔

کیونکہ وہ وعدہ میں نے دل سے نہیں کیا تھا۔۔کیونکہ میں بہت سے وعدے اپنی بیوی سے دل سے کر چکا ہوں۔ان میں سے ایک وعدہ یہ ہے میں تم سے دور رہوں گا۔۔اس لیے دور رہو مجھ سے۔۔زاران خانزادہ اسے سرد نگاہوں سے گھورتے امینہ خانم کے کمرے کی جانب بڑھا۔۔

وہ بھاگتے ہوے اس کے راہ میں حمائل ہوتے اس کے مقابل آئی...

تم ایسا کر سکتے ہو زاران ؟؟۔۔ وعدہ دل سے نہیں وعدہ زبانی بھی کیا جاتا ہے۔۔ اس وعدے کی بھی اتنی ہی ویلیو ہوتی ہے.. جتنی ایک دل سے کیے ہوے وعدے کی ہوتی ہے۔۔۔ تم مرد ہو کر اپنی بات سے کیسے مکر سکتے ہو۔۔ اور اپنی مورے کو کیا کہو گے۔۔ جو اس وعدے کو سچ سمجھ بیٹھی ہیں۔۔ اور میرے بابا مورے کو کیا کہو گے ؟؟۔۔ جو تمھاری مورے کے وعدوں پر یقین کر چکے ہیں۔ اور مجھے کیا کہو گے ؟؟ میں تمھارے وعدے پر صبح سے ان گنت خواب بن چکی ہوں۔۔ تم ایک خانزادہ ہو کر ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔ پلوشہ اس کی چادر سینے سے اپنی مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی۔۔

پلوشہ۔۔۔۔۔۔ اپنی اوقات میں رہو۔۔ زاران اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے اپنی شال سے اس کے ہاتھ غصے سے جھٹک گیا۔

میں اپنی مورے کو سمجھالوں گا۔اور وہ سمجھ بھی جائیں گی۔۔مجھے اپنی مورے پر پورا یقین ہے۔۔وہ کبھی اپنے بیٹے کا سکون برباد نہیں کریں گی۔انھیں میری خوشی چاہیے۔۔وہ میری خوشی میرے سکون کے لیے میری دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں۔میں انھیں سمجھاؤں گا میری خوشی میرا سکون میری بیوی میں ہے۔اور رہی بات تمھارے مورے بابا سے وعدہ کرنے کی۔۔میں ان سے بھی بات کرلوں گا۔۔

زاران نے قدرے تحمل سے اسے سمجھایا تھا۔۔

لیکن زاران تمھارا سکون تمھاری بیوی میں کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔۔جب سے تمھارا اس سے نکاح ہوا ہے۔

اور کیا کچھ نہیں کیا اس نے تمھارے ساتھ ؟؟ تمھیں بھرے جرگے میں ذلیل کیا۔ تمھارے نکاح سے بھاگ کر تمھاری عزت خراب کی۔۔ وہ اس حویلی میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔

اس سے نکاح کے بعد تمھیں کبھی خوش نہیں دیکھا۔۔ تم تین ماہ اس کے قریب تک نہیں گئے۔۔ اس سے اپنا حق نہیں لیا۔

اگر وہ تمھارا سکون خوشی ہوتی تم کبھی اس سے دور رہتے۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے روتے ہوئے اس کی شال مٹھیوں میں دبوچ گئی۔۔

پلوشہ۔۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔۔

تم میری سوچ سے بھی زیادہ بے شرم اور بدلحاظ ہو۔۔اس طرح کی باتیں اس حویلی کی عورت نہیں کر سکتی۔تم ابرش کا کہہ رہی ہو کہ وہ اس حویلی میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔۔میرے نزدیک تم یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو۔۔۔میں اپنی مورے کے احترام میں تمھیں یہاں برداشت کرتا ہوں۔۔مگر آئندہ تم نے اپنی حد پار کی۔میں تمھیں خود یہاں سے نکالوں گا۔۔زاران نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کرتے برفیلے لہجے میں ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔پلوشہ نے زاران کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھتے کافی آہستگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔۔ایسا کرتے وہ اس کے بے حد قریب ہو گئی تھی۔۔وہ اس کے مسکرانے پر حیران ہوا تھا۔۔۔وہ

ابھی بری طرح رو رہی تھی۔۔اب یکدم وہ اسے دیکھتے اک ادا سے مسکرا رہی تھی۔

زاران اس کے مسکراتے چہرے کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔زاران کے جانے کے بعد پلوشہ نے مسکراتی نگاہوں سے ابرش کو دیکھا جو دوسری سیڑھی پر کھڑی ریلنگ کو مظبوطی سے تھامے ہوے تھی۔۔بکھرے بال، بکھرا سراپہ اور اس وقت اس کے لرزتے وجود پر زاران خانزادہ کی شال تھی۔۔اس کا لرزتا چکراتا وجود اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اس کی اندرونی غماز کی ترجمانی کر رہا تھا۔۔وہ درد کی تفسیر لگ رہی تھی۔۔جو اپنے شوہر کی بیوفائی پر غم کی مورت بنی لرزتی ہوئی کھڑی تھی۔

ابرش کو دیکھتے پلوشہ کی مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔اس کا کھلے بالوں کے ساتھ اس طرح اجڑے حلیے میں ہونا ثابت کر رہا تھا زاران اور اس کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔۔

اب اس کا گہرے سانس بھرتا وجود اور بھیگی بے یقین نگاہیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ زاران خانزادہ کی بیوفائی پر ماتم مناتے ہوے جلد زمین بوس ہوتے لڑھکتے ہوے نیچے آئے گی۔۔اور پلوشہ اسی انتظار میں تھی کب وہ اس کے خون میں لت پت وجود کو دیکھے گی۔۔پلوشہ نے اسے نفرت امیز نگاہوں سے دیکھا۔۔

ابرش نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے اپنے لرزتے وجود پر قابو پاتے ریلینگ کو مضبوطی سے تھاما تھا۔۔دوسرے ہی پل وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔۔

زاران لالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھابھی ناشتہ نہیں کر رہا ہے۔۔میں نے بہت منت سماجت کیا مگر وہ ناشتہ نہیں کر رہا۔۔مجھے غصے سے کمرے سے نکال دیا ہے۔زاران جو امینہ خانم سے ملنے کے بعد ان کے کمرے سے نکل رہا تھا ۔۔درخشاں کی بات پر زاران نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔

وہ غصے سے دروازہ کھولتے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ ساکت ہوا تھا۔۔ آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ جیسے خون اترا تھا۔۔

وہ ایک ہی جست میں ابرش کی طرف بڑھا جو سلیپنگ پلز کی بوتل ہاتھ میں تھامے کھڑی تھی۔۔ زاران نے آگے بڑھتے ابرش کے ہاتھوں سے وہ بوتل چھین کر دور بھینکی تھی۔۔۔ اس میں موجود سلیپنگ پلز فرش پر دور دور تک بکھری تھیں۔۔

۔

کیا کر رہی تھی تم ہاں؟؟ وہ اسے بازوؤں سے جکڑتے جنجھوڑتے ہوے چیخا تھا۔ ابرش جیسے ہوش میں آئی تھی۔۔ وہ ان سلپنگ پلز کو دیکھتے وہ اب بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ تم۔۔۔ تمھارا بچہ نہیں چاہیے۔۔ میں مار ڈالوں گی اسے۔۔۔ میں مار ڈالوں گی تمھارے تمھارے بچے کو۔۔

ابرش ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

ابرش تم پاگل ہو چکی ہو۔۔ تم پاگل ہو چکی ہو۔۔ تمھیں ہوش بھی ہے تم کیا کر رہی ہو۔۔ تم اپنے بچے کو مار رہی تھی۔۔ تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟؟

What the hell ،?? bluddy women

Are you losted your mind??

۔زاران سرد آواز میں پوری قوت سے گرج اٹھا تھا۔۔

وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔۔ اسے خود پر کنٹرول کھو رہا تھا۔ رنگ غیض و غضب سے شدید سرخ پڑ رہا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے ابرش کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا رھا

ہاں میں پاگل ہو چکی ہوں۔۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔۔ اس حویلی کی اونچی دیواروں نے میرے حواص سلب کر دیے ہیں۔۔ اس لیے میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ میں تمھارے بچے کو نہیں چھوڑوں گی۔۔ وہ اس کے حصار سے خود کو چھڑواتی فرش پر گری پلز کی طرف بڑھی تھی۔۔

ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔۔ وہ مزید اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔

زاران نے اسے کلائی سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کے گال پر پوری قوت سے تھپڑ دے مارا تھا۔۔

ابرش اپنے گال پر ہاتھ رکھے لرزتے ہوئے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ جو گہرے سانس بھرتا اب اپنے ماتھے کو سہلا رہا تھا۔۔

ابرش اب دیوار کے ساتھ لگے بلکل خاموش ہو گئی تھی۔۔

وہ پتھرائی کیفیت سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

تم نے۔۔۔۔ تم نے۔۔۔ مجھ پر پھر سے ہاتھ اٹھایا۔۔ تم نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔۔ تم جھوٹے ہو زاران۔۔۔ جھوٹے ہو۔۔ ابرش کو اپنے ہی لفظ جیسے کسی کھائی سے آتے سنائی دیے۔۔

وہ زخمی نگاہوں سے اب زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

تم بھی ایک بیوفا پاگل عورت ہو۔۔ جس نے میری زندگی برباد کر دی۔۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے آج تم سے محبت کرنے کا۔۔ تمھیں اپنی بیوی بنانے کا۔۔ زاران نے سرد برفیلے لہجے میں کہتے اسے بازو سے پکڑا تھا۔۔ وہ جیسے گرنے کو تیار تھی۔۔ وہ گر نہ جائے وہ اسے مضبوطی سے بازو سے تھام گیا تھا۔۔

اب وہ لب بھینچے اس کے گال پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھ رہا تھا۔

کیوں؟؟ کیوں؟؟۔۔ وہ بے بے بسی اور کرب کی کیفیت میں اسے کندھوں سے تھامے حلق کے بل چیخا تھا۔

کیونکہ تم ایک بے وفا انسان ہو۔۔بے وفا جھوٹے انسان۔۔۔جس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔ تمھیں اپنا بچہ چاہیے مجھ سے ۔۔۔اس لیے میں تمھارے بچے کو مارنا چاہتی ہوں۔۔

ابرش آنکھیں میچے ہوے بولی تھی۔۔بہت سے آنسو اس کی بند پلکوں سے گرتے عارض کو بھگو رہے تھے۔وہ اب اس ستم گر کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

ابرش اگر تم نے میرے بچے کو نقصان پہنچایا۔۔

میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا سمجھی تم۔۔زاران بے بسی کی انتہا پر بولا تھا۔۔وہ اس کے عارض پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھتا خود پر قابو پا گیا تھا۔۔ورنہ ایک بار پھر سے اس کے منہ سے یہ سن کر اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔اس کی گردن کی پھولتی رگیں اور خون اتری آنکھیں گوا تھیں وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے ہے۔۔اس کے عارض پر

اپنی انگلیوں کے نشان اس کا دل چیر رہے تھے۔۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی محبت تھی۔۔ اور اک کے بطن میں اس کا بچہ تھا۔۔

اور زاران خانزادہ کو وہ دونوں ہی بہت عزیز تھے۔۔

تو مار ڈالو زاران خانزادہ۔۔ کیونکہ میں اپنے بچے کو اپنی جیسی زندگی گزراتے نہیں دیکھ سکتی۔۔ جو محرومیاں میں نے سہی ہیں۔ ان محرومیوں میں اسے پلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔۔ جب اس بچے کا باپ اس کی ماں کا نہ ہوا وہ اس بچے کا کیسے ہو گا۔۔ ابرش آنکھیں کھولتے زاران شال دونوں ہاتھوں میں جکڑتے ہذیانی چیخی تھی۔۔

ابرش مجھے تم اور یہ بچہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔۔ کیوں ایسا سوچ رہی ہو؟؟۔۔ مجھے تم دونوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے میری جان۔۔ زاران اس کا چہرہ نرمی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوے بولا۔۔ وہ اس کی ہذیانی کیفیت سے پریشان ہوا تھا۔۔ وہ اس وقت حواص میں نہیں لگ رہی تھی۔۔ زاران تڑپتے ہوے اس کے گال پر انگلیوں کے نشان پر نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا۔۔۔

وہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا اور ایسی حالت میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھائے یا سختی کرے۔۔ مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔۔۔۔ وہ رات سے کرب کی کیفیت میں تھا۔۔ وہ اس کی اور اپنی محبت کی نشانی کو مارنا چاہتی ہے۔

یہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔۔اس کی روح تک گھائل ہو چکی تھی۔۔وہ غم وغصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا۔اس کے اعصاب ساکت ہو رہے۔تھے۔رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح بھڑک رہا تھا۔۔

تم جھوٹے ہو زاران۔۔تم ہمیشہ ایسے کرتے ہو۔۔

مجھ سے وعدے کرتے ہو پھر توڑتے ہو۔۔وعدہ کیا تھا مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔۔وعدہ کیا تھا مجھ پر کبھی چلاؤ گے نہیں۔وعدہ کیا تھا صرف میرے رہو گے۔۔

تمھیں تمھیں اپنا ہر رشتہ پیارا ہے۔۔

بس تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔وہ اس کے سینے سے لگتے ہوے شدت سے رو دی تھی۔۔

ابرش تم مجھے بہت عزیز ہو۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ ہر رشتے کی طرح تم بھی مجھے بہت پیاری ہو۔۔ زاران اسے اپنے سینے میں نرمی سے بھینچے بولا۔

تم جھوٹ کہہ رہے ہو اس کے سینے کے ساتھ لگی سسک پڑی تھی۔۔

وہ نرمی سے اس کی کمر سہلا رہا تھا۔۔

ابرش اس کی شال مٹھیوں میں جکڑے بری طرح رو رہی تھی۔۔ یکدم اس کی نگاہ اس کی شال پر موجود گلابی لپ سٹک کے نشان پر پڑی۔۔ وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی تھی۔

ابرش نے بے یقینی سے زاران کو دیکھا تھا۔

زاران تم مجھے پاگل کہتے ہو۔ میرے ہر ایکٹ کو پاگل کہتے ہو کیا صفائی دو گے تم مجھے اس کی۔۔ اکیا وجہ دو گے مجھے اپنی بیوفائی کی۔۔ میں تمھاری ضرورت پوری نہیں کرتی۔ تمھارا حق ادا نہیں کرتی۔۔ تمھیں بستر پر خوش نہیں رکھتی جو تمھیں کسی اور کی ضرورت پڑ گئی ہے کہ تم سے برداشت نہیں ہوا جو پلوشہ کے ساتھ یہ سب کر رہے ہو۔

تم نیچے اپنی مورے کے پاس نہیں بلکہ پلوشہ کے کمرے میں اس کے ساتھ ے ہ سب کر رہے تھے

ابرش اس کی شال کو دونوں ہاتھوں سے جھٹکتے ہوے روتے ہوے بولی۔

کیا کر رہا تھا میں پلوشہ کے ساتھ ؟؟ زاران نے حیرانگی سے ابرش کو دیکھتے اپنی شال کو دیکھا جہاں گلابی لپ سٹک کا نشان تھا۔۔

وہ ضبط سے اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔۔ پلوشہ لاونج میں جب اس سے ٹکرائی تھی یہ نشان تب ہی پڑا تھا۔

ابرش ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔۔

ایسی ہی بات ہے۔۔ تمھاری کوئی ایکسپلنیشن اب میرے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی۔۔ مم میرے قریب مت آنا۔۔ تمھیں مبارک۔ ہو۔ تمھاری زندگی میں دوسری۔ عورت۔۔۔۔۔

تم اب صرف اس کے ہی رہنا۔۔۔ میرے قریب مت آنا۔۔ تمھیں تمھارے خاندان کی عورت مبارک ہو۔۔۔ مبارک ہو تمھیں تمھاری بیوفائی۔۔۔۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہوے سسک پڑی تھی۔۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو تھامتے دیوار کا سہارا گیا تو زاران اسے بازو سے جکڑ گیا تھا۔۔

ابرش اس ٹاپک پر ہم بات کریں گے۔۔ تمھیں ساری وضاحت دے دوں گا۔ ابھی خاموشی سے ناشتہ کرو۔۔

پھر ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔۔۔ مزید بحث تم نہیں کرو گی۔۔۔ نہ ہی اس وقت تمھاری کوئی بات سنوں گا۔۔

زاران نے اس کے الزامات پر لب بھینچتے کافی سختی سے ہوے کہتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ سرد آنکھیں گاڑھیں۔۔۔ اس کے بازو پر بھی اپنی گرفت کافی مضبوط کی تھی۔۔ وہ اس کی بیوقوفی پر اپنے بچے کا نقصان نہیں کر سکتا تھا۔۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔۔

ناشتہ کرو ابرش۔۔ زاران نے سختی سے اپنے لفظوں پر زور دیا

ابرش نے اپنے بازو سے زاران کی مضبوط گرفت چھڑوائی۔۔ جسے زاران نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے صوفے کی جانب بڑھی تھی۔۔ ٹیبل پر رکھی ٹرے سے سینڈوچ اٹھا کر کھانے لگی۔

زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ جو سینڈوچ کے ساتھ فریش اورنج جوس کے گلاس سے گھونٹ گھونٹ بھر رہی تھی۔۔

چہرہ سرد سپاٹ تھا۔۔ زارن اس کے تاثرات سے سمجھ گیا تھا وہ وقتی طور پر اس کے غصے اور سرد پن سے خایف ہوتے ناشتہ کر رہی ہے۔۔۔ زاران نے غصے سے جھنجھلاتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا اور اپنے گلے سے شال اتار کر زمین پر پھینکتے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کبھی مارا ہے میں نے تمھیں ؟؟۔ تمھارے کسی بھی بدن کے حصے کو جلایا ہے۔۔جو تم مجھ سے یہ سب ایکسپیکٹ کر رہی ہو۔۔اس کی آنکھوں میں خوف اچھا نہیں لگ رہا تھا۔۔

وہ اتنا بھی اب بے رحم نہیں تھا۔۔

آپ کی سزا کا طریقہ زیادہ بے رحم تھا۔۔جلایا اور داغا تو ہے اپ نے میرے بدن کو اپنی بے رحم شدتوں سے۔۔اپنی آگ جیسی قربت میں مجھے دن رات جھلسایا ہے۔۔آپ ہر رات مجھے سزا دیتے تھے۔۔

حور نے بہتی نگاہوں اور شبنمی لہجے میں شکوہ کیا۔۔

ارحام اس کے شکوے پر لب بھینچ گیا تھا۔اس کے آنسو اسے سزا دینے سے روک رہے تھے۔۔۔۔

ابھی بہت سی سزائیں ہیں۔ابھی تمھیں بتاؤں گا کہ بے رحمی کیا ہوتی ہے؟؟ جلنا کیا ہوتا ہے؟؟۔۔تڑپ کر جان کیسے نکلتی ہے؟؟

آج تمھیں سب بتاؤں گا۔۔

تمھارا طریقہ بھی الگ ہے؟؟کیسے تم میری جان نکالتی۔ہو۔کیسے تم مجھے جلاتی تڑپاتی ہو۔۔کیسے مجھے تڑپاتی ہو۔کتنے آگ کے دریا تم نے رمیری رگوں میں دوڑا دیے ہیں۔مجھے رگوں میں خون کی جگہ آگ دوڑتی محسوس ہو رہی ہے اور اسی آگ میں تمھیں جھلساؤں گا۔

وہ انگارے چباتے ہوئے بولا تھا اور اس کا چہرہ خود سے قریب کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیات۔

مقابل کا لمس سچ میں انگارہ لیے ہوئے تھا۔۔ حور کو لگا تھا جیسے کسی نے اس کی سانسوں پر جلتا انگارہ رکھ دیا ہو۔

وہ بن آب مچھلی کی طرح اس کے دہشت زدہ لمس پر تڑپ اٹھی۔۔۔

وہ کافی دیر تک اس کے لبوں پر اپنا تسلط جمائے رہا۔۔ اس کی شدت سے حور کی سانسیں رکنی لگی تھیں۔۔ وہ جھلس کر راکھ ہو رہی تھی جیسے۔۔۔

ارحام کافی دیر تک اس کی سانسوں کو اپنی سانسوں میں جکڑے اس کے ہونٹوں پر اپنا جنون اتارتا رہا۔۔

حور اس کے حصار میں لرزتے ہوئے بنا کسی مزاحمت کے اس کا جنون اپنے ہونٹوں پر برداشت کر رہی تھی۔۔اس کی شدتیں سہتے وہ مزاحمت کم ہی کرتی تھی۔۔اس کے ہی سینے میں سمائے بری طرح سسک پڑتی تھی۔۔کیونکہ مزاحمت پر اس کی جنون خیزیوں میں مزید آضافہ ہو جاتا تھا۔۔ابھی بھی وہ سسکتے ہوئے اس کا آگ جیسا لمس برداشت کر رہی تھی۔وہ بری طرح ڈر گئی تھی کہ مقابل کے آگ جیسے لمس پر۔۔اگر ان ہونٹوں پر اس کے جنون کا یہ عالم تھا تو اس کے بدن کے باقی حصوں کا کیا ہو گا۔۔

حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برس رہے تھے۔۔ارحام نے اس کا لرزتا اور اس کے آنسو محسوس کرتے اس کے بالوں پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرتے اس کے لبوں کو آزادی بخشی۔۔۔وہ اس کی شدت سے

قندھاری ہو چکے تھے۔۔ ارحام نے اس کے آنسو دیکھتے مشتعل ہوتے اسے خود سے دور کرتے صوفے پر دھکیلا۔۔۔ ارحام نے صوفے پر بیٹھتے دوبارہ سے سگریٹ سلگا کر لبوں میں دبایا تھا۔ ارحام کی گرفت سے آزادی ملنے پر حور جلدی سے صوفے سے اٹھی۔۔ اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی ارحام اسے کلائی سے جکڑے اپنی لیپ پر بٹھا چکا تھا۔۔

کہاں جا رہی تھی؟؟۔ سلگتے ہوئے پوچھا۔۔ اس کا دور جانا برداشت نہیں ہوا تھا۔۔ اپنے لمس سے آزادی دی تھی۔۔ خود سے رہائی نہیں جو وہ اس سے دور جائے۔۔۔

مم میں چینج کرے۔۔ حور نے اپنے سٹریپ اپنے کندھوں پر ایڈجسٹ کرتے نظریں جھکائے کہا.. اس کا حلیہ اب پہلے سے بھی بدتر ہو چکا تھا۔ خفت اور شرم سے ارحام سے نظریں نہیں ملائی جا رہی تھیں۔

کیوں؟؟ ارحام نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ابرو اچکائے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

بہت شارٹ ہے۔ حور روہانسی ہوئی تھی۔۔

پہلے کبھی نہیں اس طرح کی شارٹ میرے سامنے پہنی۔۔ ارحام نے سرد لہجے میں استفسار کیا۔۔

پہنی ہے۔۔ ارحام کے سوال پر سرخ پڑی تھی۔۔ اس کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔

تو آج کیا مسئلہ ہے؟؟ کیا میرا حق ختم ہو چکا ہے تم پر۔۔ یا پھر اپنے باپ کے گھر آتے ہوئے سارے حق ختم کرنے کا سوچ کر آئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے غراتے ہوے وہی سوال کیا جو اس کی دل کی دنیا تہہ بالا کیے ہوے تھے۔

حور ارحام کی بات پر بنا کوئی جواب دیے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

وہ اس کی خاموشی اور اس کی جھکی نظریں دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔۔۔اس نے اس کے خوف سے جھوٹ بولتے ہوے بھی اس کی بات کی تردید نہیں کی تھی۔۔یعنی وہ اس سے رشتہ ختم کرنے کا سوچ رہی ہے۔۔وہ اس کے ساتھ اپنا تعلق توڑنے کا سوچ کر ہی اس کی حویلی سے نکلی تھی۔۔

ارحام کے بدن میں شعلے سے بھڑکے۔۔

کیا پوچھ رہا ہوں تم سے۔؟؟۔ کیا سوچ کر آئی تھی میری حویلی سے؟؟ کیوں باہر قدم رکھا تھا۔ ارحام نے حور کا جبڑہ دبوچتے غراتے ہوئے پوچھا۔۔

ارحام مم۔۔ میں۔۔۔۔ حور نے گھٹی گھٹی آواز میں کہتے اپنا جبڑہ چھڑوانے کی ناکام سعی کی جس پر وہ گرفت بڑھائے جا رہا تھا۔

کیا مم میں جواب چاہیے مجھے۔۔۔۔ مردان خانے میں قدم کیوں رکھا تم نے؟؟ ارحام نے دھاڑا۔۔

ارحام وہ مم میں۔۔۔۔۔۔ وہ بمشکل بولی تھی۔۔ وہ اس کے نازک گالوں پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھاتے جا رہا تھا۔۔

ارحام نے اس لبوں سے گھٹی گھٹی سسکیاں سنتے اس کا جبڑہ ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا۔ مردانے میں قدم کیوں رکھا؟؟۔۔ ارحام نے اب اپنی کھردی

انگلیاں اس کی نائٹی کے نیچے اس کی برہنہ کمر میں سختی سے گاڑھتے اسے باور کروایا کہ وہ اس کے جسم وجاں کا مالک ہے۔۔اس کا ہاتھ رک نہیں رہا تھا۔۔ارحام کی سختی پر وہ سسک کر رہ گئی۔۔

جواب چاہیے مجھے حور۔۔۔خاموش مت رہو۔۔تم مردان خانے میں کیوں گئی؟؟۔۔ارحام نے اس کی نازک کمر اپنی مٹھیوں میں بے دردی سے بھرتے اپنا سوال داغا۔۔

پاپا کا سن کر گئی تھی۔۔اتنے مہینوں بعد ان کا سن کر میں خود پر کنٹرول نہیں کر سکی ارحام۔۔۔حور نے سسکی لیتے ہوے کہا۔۔

اس کے گرم ہاتھ اب اس کے بدن پر اپنا مکمل حق جتاتے اپنی ہر حد پار کر رہے تھے۔۔اس کے بے باک اور بے رحم لمس پر وہ کپکپا کر رہ گئی۔

کون کون تھا مردانے میں؟؟ ارحام کے سوال پر اس کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئیں تھیں۔

جانتی تھی مقابل اسے کسی غیر مرد کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اس دن بغیر کسی چادر بغیر دوپٹے کے ادھر وجود تھی۔

کتنے ہی مرد تھے اس دن ادھر مردان خانے میں۔ اسے تو مقابل کی آنکھوں کی سرد مہری اور سرخی کی وجہ اب سمجھ آئی تھی۔۔ آنکھوں میں سرخی اور سرد مہری کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں گہرا شکوہ بھی تھا۔۔

حور نے ساکت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔۔ اپنا قصور پوری طرح سمجھ آ گیا تھا۔۔

وہ کرب سے اس کی آنکھوں میں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کے سوال کا جواب کسی صورت نہیں دے سکتی تھی۔۔وہ بے بسی سے لب کاٹ گئی۔

Dont look like that۔۔۔ answr me damm it

ارحام برفیلے لہجے میں چیخا۔۔

حور اس کی چیخ پر بری طرح لرزی۔۔

ارحام وہ۔۔۔۔۔۔حور اتنا کہہ کر بے بسی سے رو دی تھی۔۔

کون کون تھا حور؟؟۔۔مجھے بھی تو پتہ چلے۔۔میری بیوی بغیر کسی چادر کے اپنے حسن اور بدن کی رعنائیاں لے کر کتنے مردوں کے درمیان گئی تھی۔۔ارحام اسے صوفے پر دھکیلتے اٹھا تھا۔اپنے ہی سوال نے آگ لگائی تھی۔۔

وہ اب کمرے کے وسط میں سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے چکر لگا رہا تھا۔۔

حور صوفے پر بیٹھی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کون کون تھا وہاں حور۔؟؟۔۔وہ چکر لگاتا ہوا بھوکے درندے کی مانند جیسے غرایا۔۔

حور اس کی غراہٹ پر لرز اٹھی تھی۔

ارحام وہاں۔۔۔۔داجی۔۔زاران لالا۔۔۔پاپا۔۔وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئی تھی۔۔

اتنے ہی لوگ تھے کیا؟؟ارحام نے اس کے قریب آتا ایک پاؤں صوفے پر اس کے قریب رکھتے ہوئے اس کے بالوں کو جکڑے سرد آواز میں پوچھا

۔۔

اور بھی تھے۔۔ حور نے بمشکل کہتے سسکی لی۔۔

کون کون ؟؟اس نے سرد لہجے میں اپنے لفظوں پر زور دیتے استفسار کیا۔۔

وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سس۔۔۔ ساحر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے پہلے اس کے لبوں سے یہ نام ادا ہو تا وہ اسے بالوں سے جکڑے کھڑا کرتے اپنے مقابل کر چکا تھا۔۔

کیوں گئی تم حور؟؟اس طرح سب کے سامنے ؟؟تم نہیں جانتی کہ تمھاری عزت کے ساتھ میری عزت جڑی ہے۔۔ تم نہیں جانتی مجھے تم پر کسی کی نظر گوارا نہیں۔۔ پھر کیوں گئی ؟؟۔۔ ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی۔۔

حور خاموشی سے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئی۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا تم حور سلطان شاہ نہیں۔۔۔ ارحام خانزادہ ہو۔۔۔ آئیندہ تم نے خود کو کسی غیر مرد کے سامنے عیاں کیا۔۔ میں تمھاری سانسیں چھیننے میں پل نہیں لگاؤں گا۔۔ آج رات تمھیں اس کا ڈیمو دکھاؤں گا۔۔ تاکہ تم آئیندہ ایسی حرکت کرتے سو بار سوچو.. وہ اسے بے دردی سے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔

حور نے اوندھے منہ بیڈ کے نرم گدے پر گرتے پلٹتے ہوے ارحام خانزادہ کو دیکھا جو اپنی پینٹ کی بیلٹ اتار رہا تھا

کک یہ کیا کر رہے ہیں ارحام۔۔۔ حور خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھتے ہوے بے یقینی سے بولی۔۔

مقابل سے اسے اس بات کی امید نہ تھی۔ وہ اس کی حویلی میں نہیں تھی۔۔ وہ اس وقت شاہ مینشن میں تھی۔ ایسا سلوک تو اس نے اپنی حویلی میں بھی نہیں کیا تھا۔

تمھیں کیا لگتا ہے؟؟ وہ بیلٹ کو اپنے ہاتھ میں لپیٹے اس کی طرف بڑھا۔۔

حور خوفزدہ ہوتے بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔۔ آنکھوں میں خوف کی پرچھائی لہرائی۔

ماریں گے مجھے۔۔ حور نے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا۔۔

جی تو یہی کر رہا ہے۔۔ ارحام ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے اس کے گرد اپنا گھنٹہ جماتے اس پر جھکا۔۔

جی تو یہی کر رہا ہے۔۔ اس بیلٹ سے تمھارے خوبصورت بدن کو نشانوں سے بھر دوں۔۔ تمھیں اڈھیڑ کر رکھ دوں۔۔

مگر میں مجبور ہوں حور۔۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔ تمھیں چاہ کر بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔۔

سوچ کر یہی آیا تھا تمھیں زندہ جلا دوں گا اور تمھارے ساتھ خود کو بھی جلا دوں گا۔۔ مگر تمھارے یہ آنسو تمھاری بھیگی خوفزدہ نگاہیں جو مجھے کل تک سکون دیتے تھے۔۔ میری مردانہ آنا کی حس کو تسکین پہنچاتے تھے۔

آج میرا سکون چین سب لوٹ لیتے ہیں۔ ارحام نے سرد انداز میں کہتے اس کی کلائیوں کو اوپر کی جانب کی لے جاتے ہوئے بیلٹ سے باندھیں۔

ارحام یہ کک کیا کر رہے ہیں۔۔ حور سہمتے ہوئے چیخ اٹھی۔۔

شش خاموش۔۔۔ارحام نے اپنے ہونٹوں پر انگلی جمائے اسے خاموش رہنے کو کہا۔۔

حور اس کی سرد غیض او اشتعال کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے خاموش ہوئی۔۔وہ کیا کرنے والا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

وہ کب اس کے حصار میں مزاحمت کرتی تھی۔۔اس کے پہاڑی وجود کے نیچے وہ سانس بمشکل لیتی تھی کجا کہ مزاحمت کرتی تو اسے اس کے ہاتھ باندھنے کی کیا ضرورت پڑی۔۔

حور تحیر زدہ ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا پتہ نہیں اس سے کیا چاہتا تھا۔

وہ اس کی بندھی ہوئی کلائیوں کو اپنے ہاتھ سے جکڑے

اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔

وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں بری طرح قید کر گیا تھا۔

حور اس کا ظالمانہ ایکٹ برداشت کر رہی تھی۔۔

حور کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔۔ تھوڑی دیر بعد ارحام نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اس کی کلائیاں بیلٹ سے آزاد کیں مگر اس کی لبوں کو اپنے لبوں سے آزاد نہیں کیا تھا۔۔ شاید اسے اس پر رحم آ گیا تھا۔۔ کیونکہ اس کا لمس کافی نرم ہو چکا تھا۔

وہ اس کی کلائیاں سختی سے جکڑے اس کے لبوں پر اپنا نرم لمس بکھیر رہا تھا۔

اس کی کلائیوں پر اس کی انگلیوں کے بے رحم نشان پڑ چکے تھے۔۔

حور اس کی بے رحم گرفت پر اب ساکت ہوئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کیا تو وہ اسے شبنمی آنکھوں سے دیکھتے نروٹھے انداز میں رخ پلٹ گئی تھی۔

اس کے گرم نرم لمس سے وہ سمجھ چکی تھی۔۔اس کا غصہ اس پر اتر چکا ہے۔۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ اس کے لیے ایسا ہی تھا۔۔

وہ اپنا جنون اس پر ڈھاتے ڈھاتے اس کے ساتھ نرم ہو جاتا تھا۔۔بے شک وہ اسے رات رات بھر اپنی پناہوں سے آزاد نہیں کرتا تھا۔۔ مگر اس کی آنکھوں اور اس کی شدتوں میں اب اس کے لیے غصہ نہیں ہوتا تھا۔۔ مگر

اس کے لیے تو اس کی آگ جیسی قربت ہی کافی تھی۔۔ وہ اس کی نرمی سہنے کی بھی مجاز نہ تھی۔

ارحام اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اس کی پشت کو دیکھتا رہا جو باریک نائٹی سے اپنے جلوے دکھا رہی تھی۔۔ ارحام نے اس کی نیٹ کی گاؤن میں ہاتھ ڈالتے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔۔

حور کی دبی دبی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ وہ اس سے اپنی ناراضگی ایسے شو کر رہی تھی۔ جانتی تھی مقابل پریشان ہو جائے گا۔ اور یہ بھی جانتی تھی وہ ظالم بے رحم انسان کسی صورت اسے اپنی پناہوں سے آزادی نہیں دے گا۔۔

اس کی گرم انگلیاں اب اس کی پشت پر رینگ رہی تھی۔۔ ارحام نے اسے کندھے سے تھام کر سیدھا کیا۔۔

اس کے لبوں پر نرمی سے اپنا انگوٹھا پھیرا جو سرخ ہو رہے تھے۔۔

تمھیں کیا لگا تھا میں تمھیں پریذے کی وجہ سے ڈانٹوں گا یا سزا دوں گا

۔۔ایسا کیسے کر سکتا ہوں میں بھلا میری جان؟؟۔۔۔تم میرا کتنا ہی نقصان

کیوں نہ کر ڈالو۔ تمھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔

تم پر بہت غصہ ہے بہت زیادہ ہے۔۔۔صرف اس بات پر تم کیوں بے

پردہ گئی سب کے سامنے؟؟

یقین مانو۔۔۔ابھی بھی میں جیسے مر رہا ہوں۔۔

تمھیں کوئی نظر بھر کر بھی دیکھے مجھے آگ لگ جاتی ہے۔۔ایک دہکتی ہوئی آگ میرے اندر مجھے بھڑکتی محسوس ہوتی ہے۔جی کرتا ہے ساری دنیا کو جلا کر راکھ کر دوں۔۔

تم صرف میری ہو۔۔تم پر ذرا سا بھی کسی کا حق برداشت نہیں ہے۔۔۔کسی کی نظر برداشت نہیں ہے۔ تمھارے ایک بال پر بھی مجھے کسی کی ایک نظر گوارا نہیں ہے۔۔تم نے کیوں اپنے بال کسی کو دکھائے؟؟۔۔یہ خوبصورت روپ دکھایا۔۔

یہ خدا نے صرف میرے لیے بنایا ہے۔۔۔۔یہ بدن کی رعنائیاں صرف میرے لیے ہیں۔

تم صرف میری ہو۔۔۔۔ سر سے پیر تک تم صرف میری ہو۔۔ میری ملکیت۔۔۔ وہ اس کے ایک ایک نقوش کو دیوانہ وار چومتے گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔۔

اس کے بوسوں کی بوچھاڑ پر حور کا چہرہ جیسے جھلس رہا تھا۔۔ اتنا تپش زدہ اس کا لمس تھا۔۔ وہ جیسے پگھل کر فنا ہو رہی تھی.. ارحام کے دہکتے لب اور اس کا گرم بدن اسے پل میں پسینے میں نہلا چکا تھا۔

ارحام۔۔۔۔ حور نے خوفزدہ ہوتے اپنے کانپتے ہاتھوں سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔ وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کی گردن پر جھک چکا تھا۔

وہ اس کی گردن کو جھلسانے کے بعد اس کی بند آنکھوں کو اپنے لبوں کی تپش سے دہکانے لگا۔۔ حور کی گھنیری پلکوں پر وہ اپنے لب بہت نرمی سے رکھ رہا تھا۔۔

حور ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ صرف ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتا دیوانگی کے عالم میں بولا۔۔

حور نے گھبراتے ہوے ارحام کو دیکھا جس کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

تم صرف ارحام کی ہو۔ ارحام نے اس کے لبوں کو مسلتے بھاری آواز میں ہے کہا۔

ہوناں۔۔۔۔ وہ اس کی سہمی بھیگی آنکھوں میں جھانکتے بولا۔۔

آپ کی ہوں۔۔ حور نے اس کی دیوانگی سے گھبراتے سہمتے ہوے کہا۔۔

مقابل کا ہر انداز جان لیوہ تھا۔اس کی نفرت تو جان لیوہ ہی تھی۔۔ مگر اس کا جنون اس کی جان لمحوں میں لبوں پر لے آیا تھا۔۔وہ جب نفرت کرتا تھا تو اس کا وجود الٹ پلٹ کر رکھ دیتا تھا۔۔اور آج اس کا جنون اسے جیسے دہکا رہا تھا مار رہا تھا۔

بولو حور ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ حور صرف ارحام خانزادہ کی ہے۔۔وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں دیوانوں کی طرح تھام گیا۔۔

حور۔۔۔۔۔ حور۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ کی۔۔۔ کی۔۔۔۔ ہے۔ حور اس کی آنکھوں میں چھائی دیوانگی اور جنون دیکھتے گھبراتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

حور صرف ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ بولتی رہو.. کہتی رہو جان۔۔ ارحام اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب سختی سے رکھتا بولا۔۔ اس کے بے باک بے رحم لمس پر اس کی سانسیں رکی تھیں۔ بولو۔۔۔۔۔۔ وہ اس کے چہرے پر جھکتا اس کی آنکھوں میں جھانکتا غرایا تھا۔۔

حور صرف ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ حور نے جلدی سے سراسیمگی سے کہا۔۔

کہتی رہو۔۔۔۔۔۔ یہی کہتی رہو۔۔ وہ پھر سے اس کے نقوش کو اپنے پر حدت لبوں کے لمس سے جھلسانے لگا۔۔

حور ارحام خانزادہ کی ہے۔۔ حور نے گہری ہوتی سانسوں سے بمشکل کہا۔۔۔۔

تم سا کوئی دوسرا اس زمین پہ ہوا تو

رب سے شکائت ہو گی

تمھیں چاہنے والا کوئی اور ہو اتو

قیامت سے پہلے قیامت ہو گی

ارحام خانزادہ اس کے عارض پر اپنے لبوں کی تجاوز بڑھاتا گھمبیر آواز میں بولا تو حور نے بے دردی سے اپنا لب کچلا تھا۔۔ نظروں کے سامنے سبز آنکھیں آئی تھیں۔۔۔ جن میں دیوانگی کی کچھ ایسی ہی رمک دکھائی دیتی تھی۔۔

مت کیا کرو ایسا؟؟ کیوں نہیں سمجھتی ان پر صرف میرا حق ہے۔۔

ارحام اس کے لبوں کو اپنی انگلی سے اس کے دانتوں سے آزاد کر گیا تھا۔۔ حور اس کی آنکھوں کی سرخی میں اتری خماری دیکھ کر اپنی آنکھیں سختی سے میچ گئی۔۔

کتنی کشش ہے تمھاری نظر میں

تمھیں دیکھ کر ہی میں مچلنے لگا ہوں

وہ اس کی آنکھوں کو چومتے ہوے گنگنایا تھا۔۔

حور نے اپنی آنکھیں کھولتے اس کی خمار آلود آنکھوں میں دیکھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا گہرا مسکرایا تھا۔

کیا بے بسی ہے کیا بے قراری

کہ بانہوں میں تیرے پگھلنے لگا ہوں

کبھی جلنے لگا کبھی بجھنے لگا ہوں

میں ہر حد سے گزرنے لگا ہوں

کبھی یہ لگے بہکنے لگا ہوں

کبھی یہ لگے میں بکھرنے لگا ہوں

وہ اس کی آنکھوں میں خماری سے دیکھتے مسکراتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

حور ارحام خانزادہ کا یہ روپ دیکھ کر بری طرح گھبرائی تھی۔۔۔

یہ انداز تو ارحام خانزادہ کا نہیں تھا۔۔

چلو اٹھو لپ سٹک لگاؤ ان پر۔۔ ارحام نے بھاری لہجے میں کہا۔۔

حور اسکی فرمایش اور اس کی بے قراریاں دیکھ کر پریشان ہوئی۔

کک کیا؟؟ حور نے فق رنگت سے کہا۔۔

بہت آسان لفظوں میں کہا کہ اپنے لبوں کو لپ سٹک سے سجاؤ۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنے لفظوں پر زور دیا۔۔

کک کیوں؟؟ حور نے لرزتے لبوں سے کہا تو ارحام کی آنکھوں کی نرمی پل میں سرد مہری میں تبدیل ہوئی۔

حویلی کے کمرے میں تو اس کے ایک حکم پر وہ چپ کر کے اس کی ہر بات مان لیتی تھی۔۔

اس کا یوں سوال کرنا اسے غصے اور اشتعال میں

مبتلا کر رہا تھا۔۔

کیا مطلب پہلی مرتبہ سجاؤ گی اپنے لبوں کو میرے لیے۔ کتنی بار سجا چکی ہو ان چھ ماہ میں اپنے لبوں کو میرے لیے۔۔ کبھی تم نے ایسے مجھ سے سوال نہیں کیا۔

۔ارحام خانزادہ نے اسے سرخ سرد نظروں سے گھورا تھا۔۔

حور اس کی قربت میں گھبراتی تھی۔۔ مگر کبھی اس کے قریب آنے پر اس کی کسی فرمایش پر سوال نہیں کرتی تھی۔۔

اس کی فرمانبرداری اسے احساس دلاتا تھا وہ صرف اس کی ہے وہ اس کی سانسوں کا بھی مالک ہے۔

۔تو آج کیوں مقابل سوال کر رہی تھی۔۔ آخر کیوں؟؟

کیا بدل گیا اس ایک رات میں۔۔ ارحام کا رنگ سرخ ہوا۔۔

اٹھو جان اپنے لبوں کو سرخ رنگ سے سجاؤ۔۔ تاکہ تمھارا ہر رنگ میں چرا لوں۔۔ ارحام نے نرم لہجے میں کہا۔۔ لہجہ نرم مگر آنکھیں سرد تھیں۔

حور ارحام کی سرد سرخ آنکھیں دیکھتے جلدی سے ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھی۔۔۔

ڈرار سے لپ سٹک لگا کر وہ اپنے لبوں پر لگانے لگی۔۔

مرر میں نظر آتی ارحام کی بے باک نگاہوں پر وہ لرز رہی تھی۔۔۔ارحام کی جنونیت سے خوف آرہا تھا۔۔یہ تو طے تھا وہ اس ستم گر کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

Remove the gown

ارحام خانزادہ نے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اسے بے باک نگاہوں سے گھورتے نیا حکم جاری کیا۔

اس کے نئے حکم پر حور نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔۔

کیا ہوا ڈارلنگ۔۔۔ آدھا ادھورا گاؤن اتارنے میں مشکل ہو رہا ہے میں ہیلپ کر دوں۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں تحیر دیکھتا چبھتے لہجے میں بولا۔۔ وہ حویلی میں ایسے ری ایکٹ نہیں کرتی تھی۔۔ مقابل کا دو آتشہ روپ جان لیوا تھا۔۔ اس کا گریز اسے مشتغل کر رہا تھا۔

حور نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اپنے گاؤن کو ڈوریاں اچھی طرح کس کر باندھیں۔

اور لپ سٹک ڈریسنگ ٹیبل پر پٹختے ہوئے ارحام خانزادہ کو غصے سے دیکھا تھا۔ اسے سامنے بیٹھے ستم گر سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ مگر جو بھی تھا وہ اس کی حویلی میں نہیں۔۔۔ شاہ مینشن میں تھی۔۔۔ ارحام خانزادہ کی نرمی بھی اس کے دل میں وقتی طور پر اس کا غصہ خوف ختم کر چکا تھا۔۔ وہ اب وہی حور تھی جو اس شاہ مینشن کی شہزادی تھی۔

ارحام اپنے لفظوں سے اس پر باور کروا چکا تھا وہ اسے تکلیف نہیں پہنچائے گا تو پھر وہ اپنے ہی گھر میں سامنے بیٹھے انسان سے کیوں ڈرے۔۔

ارحام نے ابرو اچکائے اس کے تیور دیکھے تھے۔۔

واللہ اعلم۔۔ تمھارا ہر انداز جان لیوا ہے۔۔

پاس آؤ میرے حور۔۔ ارحام نے اسے وحشت زدہ انداز میں اسے پکارا ۔مقابل کی فرمانبرداری نہیں چاہیے تھی۔۔

لیکن وہ اپنی دسترس میں چاہیے تھی۔۔ اس کی دوری چبھی تھی۔۔ آج رات اسے اپنی پناہوں سے وہ آزادی دینے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔

نہیں آؤں گی ارحام۔۔۔ جو مرضی کر لیں۔۔

حور اب کبھی آپ کے پاس نہیں آئے گی۔۔

آپ مجھے آج بھی صرف سزا دینے آئے ہیں۔ طریقہ کار بدل گیا ہے۔۔ کبھی ان آنکھوں میں میرے لیے نفرت ہوتی تھی جنون ہوتا تھا ۔۔میں آپ کو تب بھی سہہ نہیں سکتی تھی۔۔

آج فرق اتنا ہے نفرت ختم ہو چکی ہے۔۔ مگر جنون ویسا ہی ہے۔۔ میں آپ کو آج بھی سہہ نہیں سکتی۔۔

حور کی بات پر وہ ایک ہی جست میں اسکی طرف بڑھا تھا۔

کیوں نہیں سہن کر سکتی مجھے ؟؟۔

پہلے تو تم نے یہ لفظ کبھی نہیں بولے۔۔ آج یہ انکار کیوں ؟؟ وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے ہوے غرایا۔۔

آج حور آپ کی ان اونچی دیواروں والی حویلی میں نہیں کھڑی۔۔ جہاں سے مر کر بھی رہائی ممکن نہیں تھی۔۔

بلکہ حور شاہ مینشن میں کھڑی ہے۔۔۔ جو اس کی ذاتی ملکیت ہے۔۔ حور نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بنا کسی خوف کے کہا۔۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

پھر تو تمھیں یہ بھی لگتا ہو گا میری زندگی سے تمھاری رہائی ممکن ہے۔۔ ہے ناں۔۔۔۔۔۔ وہ اس پر جھکے تپش زدہ لہجے میں بولا۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نے جو کیا میں اس کی سزا پا چکی ہوں۔۔ اب میرا آپ پر کوئی قرض نہیں ہے۔۔

آپ کی بیٹی بہت جلد آپ کے پاس ہو گی۔۔ سلطان شاہ کی بہت پاور ہے

۔۔ کل دن کے آجالے میں پریذے آپ کے پاس ہو گی۔۔ اور پریذے کی

ماں آپکے پاس آنے کو تیار ہے۔۔ آپ اس سے شادی کر لیں۔۔ آپ کو

اپنی محبت اور پریذے کو اس کی ماں مل جائے گی۔۔ مجھے طلاق۔۔۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ حلق کے بل دھاڑا۔

حور نے گہرے سانس لیتے مقابل کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ ورنہ میں بھول جاؤں گا۔۔ میں اس شاہ مینشن میں

کھڑا ہوں۔ جو تمھاری ذاتی ملکیت ہے۔۔ مجھے صرف اتنا یاد رہے گا کہ تم

میری ذاتی ملکیت ہو۔۔۔

اور اسی ملکیت کا فائدہ اٹھا کر تمھیں تمھارے باپ کے سامنے لے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔۔

آج تو یہ طلاق کا لفظ منہ سے نکالا ہے۔۔ائیندہ کبھی نہ نکالنا۔۔ورنہ زبان حلق سے کھینچ لوں گا۔

۔۔وہ اس کے ایک طرف ڈریسنگ مرر میں اپنا زخمی ہاتھ پوری قوت سے مارتے دھاڑا تھا۔۔

حور اس کی دھاڑ سے زیادہ اس کے زخمی ہاتھ سے خون ٹپکتا دیکھ کر گھبرائی تھی۔۔

ڈریسنگ مرر کے کانچ کی کچھ کرچیاں اس کی زخمی ہتھیلی میں پیوست ہو گئی تھی۔ حور فق رنگت پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کے ہاتھ سے ٹپکتے خون کو دیکھ رہی تھی۔

مجھے اپنی بیٹی کو حاصل کرنے کے لیے تم یا تمھارے باپ کی پاور کی ضرورت نہیں ہے۔۔ ارحام خانزادہ میں اتنی پاور ہے وہ اپنی بیٹی کو حاصل کر سکے۔۔

رہی بات اپنی محبت کو دوبارہ پانے کی۔۔۔۔

تمھیں اس بارے میں بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میری محبت میرا عشق صرف میرا ہے۔۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھ سے چھین نہیں سکتی ہے۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے جتاتے لہجے میں بولا۔۔

میرا حساب کتاب تم پر کبھی ختم نہیں ہو گا سمجھی تم۔۔خان ہوں میں مر جاؤں گا تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ مجھ سے رہائی چاہیے ہوئی تو اپنے پاور فل باپ کو کہنا مجھے گولی مار دے۔۔ کیونکہ زندگی میں تو میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ تم پر اپنا حق کبھی ختم نہیں کروں گا۔۔

Never ever۔۔۔۔۔۔۔ my dearest beautiful wife

ارحام ایک ایک لفظ چباتے ہوے شعلہ بار لہجے میں بولا۔۔

بہت غلط کیا تم نے چھ ماہ پہلے نہ صرف میرے ساتھ۔۔۔۔

بلکہ اپنے ساتھ بھی۔۔۔۔ ساری عمر اب تم صرف میری بن کر رہو گی۔۔۔۔ تمھیں میرے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ سزا لگے یا جزا گزرے گا تو میرے ساتھ ہی۔۔ ارحام غصے سے بولتا ہوا صوفے کی طرف بڑھا

تھا۔۔اپنی شرٹ اٹھا کر پہنی۔۔زمین پر گرا ہوا پینڈٹ اٹھا کر وہ حور کی طرف بڑھا تھا۔

حور جو سٹل پتھرایی کیفیت میں کھڑی تھی۔۔ارحام کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ گھبراتے ہوے پیچھے ہوتی مزید ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ جا لگی۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کیا۔۔وہ کٹی ہوئی ڈال کی طرح اس کے سینے کے ساتھ آ لگی تھی۔۔مقابل کا ہر روپ خوفناک تھا۔۔

وہ اس کے اس روپ سے بھی ڈر گئی تھی۔۔

کانچ کے کرچیاں ابھی تک اس کی ہتھیلیوں میں پیوست تھی۔۔اسے اس بات کی مطلق پرواہ ہی نہیں تھی۔۔

ارحام نے وہ پینڈ ڈاس کے گلے میں پہنایا۔

حور نے بھیگی نگاہوں سے اپنے سینے پر جھولتا لاکٹ دیکھا تھا جس کے ہیروں پر ارحام خانزادہ کا خون ٹپک رہا تھا۔

وہ اس کی بھیگی سہمی نگاہوں کو دیکھتا بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔۔ اپنا کوٹ ہاتھوں میں پکڑتے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔۔

یکدم وہ رکا تھا۔۔ تمھیں اپنے باپ کے گھر جتنے دن رہنا ہے۔ رہو۔۔۔۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ اس کمرے سے باہر نکلتے ہمیشہ یاد رکھنا تم حور سلطان شاہ نہیں بلکہ حور ارحام خانزادہ ہو۔۔ اور حور ارحام خانزادہ حویلی کے کمرے سے باہر نکلتے کس حلیے میں ہوتی تھی۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔

وہ اس کے حلیے پر قہر بار نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔۔

کل صبح ہونے سے پہلے شاہ مینشن میں حور ارحام خانزادہ کے لیے وہ لباس آ جائے گا۔۔جو حور ارحام خانزادہ نے ان چھ مہینوں میں زیب تن کیا ہے۔ ۔کیونکہ تمھارے باپ کے پیسوں سے خریدا ہوا کوئی لباس بھی اس قابل نہیں جو میری حور پہن سکے۔۔ آئیندہ اس کمرے میں بھی ایسے حلیے میں مت رہنا۔۔تم اچھی طرح جانتی ہو تمھیں کوئی عورت بھی دیکھے مجھے براشت نہیں ہے۔۔

اور آئندہ تم نے غلطی سے بھی غلطی کی۔۔۔۔میں تمھیں معاف نہیں کروں گا۔۔وہ حور کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتا تنبیہ کرتے سرد لہجے میں گرجا تھا۔۔

حور نے اس کی گرج پر لرزتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ارحام اس پر سرد نگاہ ڈالتا دروازہ دھاڑ سے بند کرتا چلا گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ بلیک شلوار قمیض پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالے ڈریسنگ روم سے باہر آیا۔۔ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ہلکے گیلے بالوں میں برش کرنے لگا۔۔ڈریسنگ مرر سے ابرش کے نظر آتے عکس کو دیکھ کر وہ اپنے لب باہم سختی سے بھینچ گیا تھا۔۔وہ بکھرے بالوں میں رات والے فراک میں ملبوس بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔۔

اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔۔ابرش کے ناشتے کا سوچ کر وہ اتنی صبح اٹھا تھا۔۔ورنہ کل ساری رات وہ سویا نہیں تھا۔۔آنکھوں میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔جس میں ابرش پر غیض و غضب کی سرخی کی حدت بھی شامل تھی۔۔وہ اس کے بچے کو مارنے کا سوچ رہی ہے۔

اس کا پورا بدن جیسے زخموں کی مانند چور تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ابرش کے بخیے ادھیڑ ڈالے۔ اگر اس کے پہلو میں اس کی اولاد نہیں ہوتی تو شائد وہ یہ بھی کر گزرتا۔۔ مگر اپنے بچے کی خاطر وہ ضبط کا کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔۔ وہ اس وقت کرب کی کیفیت میں تھا۔۔ اس کی بیوی اس کی محبت اپنی ہی پہلی اولاد کو کیسے مارنے کا سوچ سکتی ہے۔۔ یقین کرنا مشکل تھا۔۔ مگر سچ تو یہی تھا۔۔ اس کا اجڑا ماتم زدہ روپ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔۔ یہ بچہ اس کے لیے ماتم کے سوا کچھ نہ تھا۔۔

زاران نے خود پر پرفیوم چھڑکتے اس نے مرر سے نظر آتے ابرش کے سرد سپاٹ پر عکس پر قہر بار نگاہ ڈالی جو گہرے سوگ میں گم تھی۔

وہ پرفیوم ٹیبل پر رکھتا شال کندھوں پر جھٹکتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

اگر یہ سوگ ختم ہو گیا ہو تو اپنا حلیہ درست کر لو۔۔ ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔زاران نے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورتے سلگتے لہجے میں کہا۔۔

ابرش نے زاران کے سرخ و سفید چہرے کی طرف نم آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

درخشاں کے ہاتھ ناشتہ بجھوا رہا ہوں۔۔ پورا ناشتہ ختم ہونا چاہیے۔۔ مجھے تمھارے کھانے میں کسی قسم کی لاپرواہی نہیں چاہیے۔۔ تینوں ٹائم کا کھانا فروٹ جوسسز کمرے میں آجایا کریں گے۔۔ سیڑھیاں اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔

میں مورے سے مل کر آرہا ہوں۔۔ پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔۔ زاران نے اسے کافی سرد لہجے میں ہدایت دیں تھیں۔

وہ اس پر نرمی دکھا کر کسی قسم کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ شائد یہ سب کچھ اتنے دنوں کی نرمی کا اثر ہی تھا جو سامنے بیٹھا نازک وجود اتنی بے رحمی دکھانے کا سوچ رہا تھا۔

ابرش نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے مقابل کو دیکھا جو سیاہ لباس میں سحر انگیز لگ رہا تھا۔۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو جس میں پرفیوم کی ملی جلی خوشبو بھی شامل تھی۔ ابرش کو ہمیشہ کی طرح اپنے حواصوں پر چھاتی محسوس ہو رہی تھی۔۔ وہ سیاہ لباس میں کسی ریاست کا مغرور شہزادہ لگ رہا

تھا۔۔ ابرش نے زاران خانزادہ کی سحر انگیز پرسنیلٹی پر نظر ڈالتے ہچکی لی تھی۔

سامنے کھڑا مغرور شہزادہ اب صرف اس کا نہ رہا تھا۔۔ وہ آج نہیں کل تو کسی اور کا بھی ہو جائے گا۔۔ وہ کیسے برداشت کرے گی۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔۔۔

زاران اسے اپنی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا پا کر مشتعل ہوا تھا۔۔ وہ گلابی بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف ایسے دیکھ رہی تھی۔۔ جیسے وہ اس ظلم وزیادتی کی حد کر چکا ہو۔

ابرش کوئی حماقت کوئی جذباتی سین نیچے کریٹ مت کرنا۔۔۔ اگر غلطی سے بھی کسی کے سامنے آنسو بہے۔۔ تم نے کوئی الٹی سیدھی بات کی۔۔ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

زاران نے اسے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔۔

آگے کیا سین کریٹ کیا ہے میں نے۔۔ کیا کہا ہے میں نے تمھاری عظیم مورے کو۔۔۔ تمھارے جان سے بھی پیارے رشتوں کو۔۔۔ جو تم یوں مجھے دھمکا رہے ہو۔ ابرش نے اس پر بھیگی نگاہیں گاڑھتے استھزائیہ لہجے میں سوال کیا۔۔

جو تماشے تم کر چکی ہو۔۔ وہ آج تک اس گھر کی کسی عورت نے نہیں کیے۔ ۔زاران جواباً استھزائیہ لہجے میں مسکراتے طنزیہ بولا۔۔

جو بھی کیا وہ تم سے نکاح سے پہلے کیا۔۔۔اس وقت نہ میں تمھاری عورت تھی۔اور نہ ہی میں ن حویلی کی عورتوں میں سی تھی۔۔تم سے نکاح کے بعد کچھ بھی نہیں کیا۔۔۔تمھارا ہر حکم مانا۔۔۔پھر بھی مجھے یہ سزا کیوں؟؟ابرش نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

میرا بچہ پیدا کرنا تمھارے لیے سزا ہے۔۔زاران کی آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔۔۔

تمھارے جھوٹے وعدے میرے لیے سزا ہیں۔ابرش نے ہچکی بھرتے چیختے ہوے کہا۔

ابرش میرے پاس تمھارے فالتو کی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔تم تو پاگل ہو ہی عنقریب مجھے بھی کر دو گی۔۔ایک بات یاد رکھنا تمھارے اس طرح

رونے پر میرے بچے پر ذرا سا بھی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔۔مجھے اپنا بچہ بلکل صحت مند چاہیے سمجھی تم۔۔۔۔وہ اسے روتا چیختا دیکھ کر غرایا تھا۔۔

اسے صرف اپنے بچے کی پرواہ تھی۔۔اس نے ایک بار بھی اس سے اس کا نہیں پوچھا تھا کہ اس کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔۔زاران کی باتوں پر ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

زاران میں پاگل نہیں ہوں۔تم نے اور تمھای مورے نے مجھے پاگل کیا ہے۔۔کیونکہ تم دونوں کی مینٹلٹی سک ہے۔تمھاری مورے جو بظاہر بہت عظیم دکھتی ہیں۔وہ دوغلی عورت ہیں جنھوں نے مجھے برباد کر دیا۔۔

وہ بیڈ سے اٹھتی زاران کے مقابل ہوئی تھی۔

ابرش۔۔۔۔۔زاران دبی آواز میں دھاڑا تھا۔۔

زاران کی دھاڑ پر ابرش کی رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔۔اس کا نازک بدن ہچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔۔

ابرش کی زرد رنگت کو دیکھتا وہ اپنی دھاڑ اور غصے پر قابو پا گیا تھا۔۔رات سے ہی اس کے عارض پر زردیاں سی گھل گئی تھی۔

مگر اپنی مورے کے خلاف ابرش کے لفظ برداشت کرنا اس کے بے حد مشکل تھا۔وہ اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کر گیا تھا۔

شکر ادا کرو ہمارے بچے کا جو تمھارے چہرے کا میں نے حشر نہیں بگاڑا۔ورنہ تمھارا گال میں تھپڑوں سے سجا دیتا۔۔

ائیندہ میری مورے کے خلاف کچھ نہ کہنا ورنہ لحاظ نہیں کروں گا۔۔ زاران ابرش کے بازو پر گرفت مضبوط کرتا اس کی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھتے غرایا تھا۔

ناشتہ بجھوا رہا ہوں۔۔ کر لینا۔۔ اگر تم نے کھانے سے انکار کیا۔ کسی قسم کا نخرہ دکھایا۔۔ ہٹ دھرمی دکھائی۔۔۔ میں خود آکر تمھیں ناشتہ کرواؤں گا۔۔ اور مجھ سے نرمی کی امید مت رکھنا۔۔ زاران اسے سرد نظروں سے تنبیہ کرتا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔

تم جیسے بے حس بے وفا انسان سے مجھے نرمی کی توقع ہے بھی نہیں۔۔ جاؤ اپنے مورے کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھو۔۔ جہاں تمھیں وہ پلوشہ بھی ملے گی۔ جس کے لیے تم اتنی صبح صبح نیچے جا رہے ہو۔۔

ابرش اس کے جانے غصے سے حلق کے بل ہسٹریائی چیختے ہوے بیڈ پر اوندھے منہ گرتے رونے لگی تھی۔۔

۔۔۔۔۔۔

زاران سرخ تناہوا چہرہ لیے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ ابرش پر اس کا غصہ پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گیا تھا۔۔ پہلے وہ صرف اسے ہی برا بھلا کہتی تھی۔ مگر آج اس کی مورے کے لیے جو لفظ بولے وہ زاران کو مشتعل کر چکے تھے۔۔ وہ اس کی کنڈیشن کے باعث اپنے غصے پر قابو پا گیا تھا۔۔ وہ تیز تیز

قدموں سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔۔ ابھی اس نے لاونج میں قدم رکھا ہی تھا کہ پلوشہ اس کے چوڑے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔

آنکھیں کھول کر چلا کرو۔۔ زاران نے اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے ہوے اسے کلائی سے جکڑے خود سے دور کیا۔۔۔

وہ اس سے ٹکرانے کے بعد اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی ہوئی تھی۔۔ وہ اسے بری طرح خود سے دور جھٹک گیا تھا۔

میری آنکھیں تو کھلی ہیں۔۔ تم ہی غصے سے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔۔ تم نے ہی مجھے نہیں دیکھا۔۔ تم مجھ سے ٹکرائے ہو۔۔ پلوشہ نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

زاران نے اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے احتیاطی طور پر ایک نظر سیڑھیوں سے پار نظر آتے لاونج میں بنے اپنے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی تھی۔۔ ابرش پلوشہ کو اس کے ساتھ ٹکراتے ہوئے دیکھ لیتی یقیناً اس کی زندگی عذاب بنا دیتی۔۔ رات سے وہ ویسے ہی عذاب جھیل رہا تھا۔۔

زاران کی نظریں سیڑھیوں کی طرف دیکھ کر پلوشہ کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑی تھی۔۔۔

وہ اس کے حسین وجود کو صرف اپنی بیوی کے ڈر کی وجہ سے اگنور کر رہا تھا۔۔ وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔ وہ اس وقت آتشی گلابی ڈیزائنر فٹنگ والے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر ہم رنگ خوبصورت نیٹ کا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔۔ لائٹ میک اپ کیے وہ غضب ڈھا رہی تھی۔۔ اور زاران خانزادہ تھا

اس کی طرف دیکھنا تو دور کی بات اس سے بھی بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔۔۔

زاران اسے اگنور کیے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

کب تک اگنور کرو گے مجھے زاران خانزادہ؟؟ کچھ دنوں تک میں تمھاری بیوی بن جاؤں گی۔۔ کیا تب بھی مجھے ایسے ہی اگنور کرو گے؟؟

پلوشہ کی بات پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

یہ کیا بکواس کر رہی ہو پلوشہ ؟؟ تمھیں ایسی باتیں کرنا زیب دیتا ہے۔۔ کوئی شرم لحاظ ہے کہ تم میں کہ نہیں۔۔۔ زاران نے اس کی طرف پلٹتے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔۔

اس میں شرم لحاظ کہاں سے آ گیا؟؟۔ تم کل اپنی مورے سے وعدہ کر چکے ہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گے۔۔ مجھے آج صبح ہی پھوپھو نے بتایا ہے۔ ۔انہوں نے تو بابا اور مورے کو آج یہ خوشخبری بھی سنا دی ہے کہ کچھ دنوں میں وہ میرا اور تمھارا نکاح کر دیں گی۔۔ پلوشہ اس کے قریب آتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔

پلوشہ میں تم سے کسی صورت نکاح نہیں کروں گا۔۔ کسی بھی صورت نہیں سمجھی تم۔۔ اور تم یہ غلط فہمی دل سے نکال دو تم کبھی میری بیوی کے عہدے پر فائز ہو گی۔۔ میری بیوی صرف ابرش ہے اور وہی رہے گی۔۔ زاران نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے اپنا فیصلہ سنایا۔

لیکن تم کل رات اپنے مورے سے وعدہ کر چکے ہو۔۔ اور وہ میری مورے بابا سے وعدہ کر چکی ہیں۔ پلوشہ تحیر زدہ بولی۔

میں نے اپنی مورے سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ ان کی طبعیت بہت خراب تھی۔۔ وہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں تھی۔۔ وہ اس وقت جذبات کے زیر اثر تھیں۔ اگر میں ان سے کچھ بھی کہتا ان کا بی پی مزید شوٹ کر جاتا۔۔ اس وقت مجھے جو صیح لگا میں نے کیا۔۔ زاران کی باتوں پر پلوشہ کا چہرہ فق ہوا تھا۔

تم یہ کک کک کیسے کر سکتے ہو؟؟ تم اپنی مورے سے جھوٹا وعدہ کیسے کر سکتے ہو۔۔ پلوشہ کی زبان لڑکھڑائی تھی۔۔

کیونکہ وہ وعدہ میں نے دل سے نہیں کیا تھا۔۔ کیونکہ میں بہت سے وعدے اپنی بیوی سے دل سے کر چکا ہوں۔ ان میں سے ایک وعدہ یہ ہے میں تم سے دور رہوں گا۔۔ اس لیے دور رہو مجھ سے۔۔ زاران خانزادہ اسے سرد نگاہوں سے گھورتے امینہ خانم کے کمرے کی جانب بڑھا۔۔

وہ بھاگتے ہوئے اس کے راہ میں حمائل ہوتے اس کے مقابل آئی...

تم ایسا کر سکتے ہو زاران؟؟۔۔ وعدہ دل سے نہیں وعدہ زبانی بھی کیا جاتا ہے۔۔ اس وعدے کی بھی اتنی ہی ویلیو ہوتی ہے.. جتنی ایک دل سے کیے ہوئے وعدے کی ہوتی ہے۔۔۔ تم مرد ہو کر اپنی بات سے کیسے مکر سکتے ہو۔۔۔ اور اپنی مورے کو کیا کہو گے۔۔ جو اس وعدے کو سچ سمجھ بیٹھی

ہیں۔۔اور میرے بابا مورے کو کیا کہو گے ؟؟۔۔جو تمھاری مورے کے وعدوں پر یقین کر چکے ہیں۔اور مجھے کیا کہو گے ؟؟میں تمھارے وعدے پر صبح سے ان گنت خواب بن چکی ہوں۔۔تم ایک خانزادہ ہو کر ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔پلوشہ اس کی چادر سینے سے اپنی مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی۔۔

پلوشہ۔۔۔۔۔اپنی اوقات میں رہو۔۔زاران اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے اپنی شال سے اس کے ہاتھ غصے سے جھٹک گیا۔

میں اپنی مورے کو سمجھالوں گا۔اور وہ سمجھ بھی جائیں گی۔۔مجھے اپنی مورے پر پورا یقین ہے۔۔وہ کبھی اپنے بیٹے کا سکون برباد نہیں کریں گی۔انھیں میری خوشی چاہیے۔۔وہ میری خوشی میرے سکون کے لیے میری دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں۔میں انھیں سمجھاؤں گا میری خوشی میرا

سکون میری بیوی میں ہے۔ اور رہی بات تمھارے مورے بابا سے وعدہ کرنے کی۔۔ میں ان سے بھی بات کرلوں گا۔۔

زاران نے قدرے تحمل سے اسے سمجھایا تھا۔۔

لیکن زاران تمھارا سکون تمھاری بیوی میں کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔۔ جب سے تمھارا اس سے نکاح ہوا ہے۔

اور کیا کچھ نہیں کیا اس نے تمھارے ساتھ؟؟ تمھیں بھرے جرگے میں ذلیل کیا۔ تمھارے نکاح سے بھاگ کر تمھاری عزت خراب کی۔۔ وہ اس حویلی میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔

اس سے نکاح کے بعد تمھیں کبھی خوش نہیں دیکھا۔۔ تم تین ماہ اس کے قریب تک نہیں گئے۔۔ اس سے اپنا حق نہیں لیا۔

اگر وہ تمھارا سکون خوشی ہوتی تم کبھی اس سے دور رہتے۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے روتے ہوے اس کی شال مٹھیوں میں دبوچ گئی۔۔

پلوشہ۔۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔۔

تم میری سوچ سے بھی زیادہ بے شرم اور بدلحاظ ہو۔۔ اس طرح کی باتیں اس حویلی کی عورت نہیں کر سکتی۔ تم ابرش کا کہہ رہی ہو کہ وہ اس حویلی میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔۔ میرے نزدیک تم یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو۔۔۔ میں اپنی مورے کے احترام میں تمھیں یہاں برداشت کرتا ہوں۔۔ مگر آئندہ تم نے اپنی حد پار کی۔ میں تمھیں خود یہاں سے نکالوں گا۔۔ زاران نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کرتے برفیلے لہجے میں ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

زاران چھوڑو مجھے۔۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔ پلوشہ نے زاران کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھتے کافی آہستگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔۔ ایسا کرتے وہ اس کے بے حد قریب ہو گئی تھی۔۔ وہ اس کے مسکرانے پر حیران ہوا تھا۔۔۔ وہ ابھی بری طرح رو رہی تھی۔۔ اب یکدم وہ اسے دیکھتے اک ادا سے مسکرا رہی تھی۔

زاران اس کے مسکراتے چہرے کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران کے جانے کے بعد پلوشہ نے مسکراتی نگاہوں سے ابرش کو دیکھا جو دوسری سیڑھی پر کھڑی ریلنگ کو مظبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔۔ بکھرے بال، بکھرا سراپہ اور اس وقت اس کے لرزتے وجود پر زاران خانزادہ کی شال تھی۔۔ اس کا لرزتا چکراتا

وجود اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اس کی اندرونی غماز کی ترجمانی کر رہا تھا۔۔وہ درد کی تفسیر لگ رہی تھی۔۔جو اپنے شوہر کی بیوفائی پر غم کی مورت بنی لرزتی ہوئی کھڑی تھی۔

ابرش کو دیکھتے پلوشہ کی مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔اس کا کھلے بالوں کے ساتھ اس طرح اجڑے حلیے میں ہونا ثابت کر رہا تھا زاران اور اس کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔۔

اب اس کا گہرے سانس بھرتا وجود اور بھیگی بے یقین نگاہیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ زاران خانزادہ کی بیوفائی پر ماتم مناتے ہوے جلد زمین بوس ہوتے لڑھکتے ہوے نیچے آئے گی۔۔اور پلوشہ اسی انتظار میں تھی کب وہ اس کے خون میں لت پت وجود کو دیکھے گی۔۔پلوشہ نے اسے نفرت امیز نگاہوں سے دیکھا۔۔

ابرش نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے اپنے لرزتے وجود پر قابو پاتے ریلینگ کو مضبوطی سے تھاما تھا۔۔ دوسرے ہی پل وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔۔

زاران لالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھابھی ناشتہ نہیں کر رہا ہے۔۔میں نے بہت منت سماجت کیا مگر وہ ناشتہ نہیں کر رہا۔۔مجھے غصے سے کمرے سے نکال دیا ہے۔زاران جو امینہ خانم سے ملنے کے بعد ان کے کمرے سے نکل رہا تھا ۔۔درخشاں کی بات پر زاران نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔

وہ غصے سے دروازہ کھولتے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ ساکت ہوا تھا۔۔آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ جیسے خون اترا تھا۔۔

وہ ایک ہی جست میں ابرش کی طرف بڑھا جو سلیپنگ پلز کی بوتل ہاتھ میں تھامے کھڑی تھی۔۔زاران نے آگے بڑھتے ابرش کے ہاتھوں سے وہ

بوتل چھین کر دور بھینکی تھی۔۔۔اس میں موجود سلیپنگ پلز فرش پر دور دور تک بکھری تھیں۔۔

۔

کیا کر رہی تھی تم ہاں؟؟وہ اسے بازوؤں سے جکڑتے جنجھوڑتے ہوے چیخا تھا۔ابرش جیسے ہوش میں آئی تھی۔۔وہ ان سلیپنگ پلز کو دیکھتے وہ اب بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔تم۔۔۔تمھارا بچہ نہیں چاہیے۔۔میں مار ڈالوں گی اسے۔۔۔۔میں مار ڈالوں گی تمھارے تمھارے بچے کو۔۔

ابرش ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

ابرش تم پاگل ہو چکی ہو۔۔ تم پاگل ہو چکی ہو۔۔ تمھیں ہوش بھی ہے تم کیا کر رہی ہو۔۔ تم اپنے بچے کو مار رہی تھی۔۔ تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟؟

What the hell ،?? bluddy women

Are you losted your mind??

۔زاران سرد آواز میں پوری قوت سے گرج اٹھا تھا۔۔

وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔۔ اسے خود پر کنٹرول کھو رہا تھا۔ رنگ غیض و غضب سے شدید سرخ پڑ رہا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے ابرش کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا رھا

ہاں میں پاگل ہو چکی ہوں۔۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔۔ اس حویلی کی اونچی دیواروں نے میرے حواص سلب کر دیے ہیں۔۔ اس لیے میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ میں تمھارے بچے کو نہیں چھوڑوں گی۔۔ وہ اس کے حصار سے خود کو چھڑواتی فرش پر گری پلز کی طرف بڑھی تھی۔۔

ظبط کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔۔ وہ مزید اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔

زاران نے اسے کلائی سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کے گال پر پوری قوت سے تھپڑ دے مارا تھا۔۔

ابرش اپنے گال پر ہاتھ رکھے لرزتے ہوئے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ جو گہرے سانس بھرتا اب اپنے ماتھے کو سہلا رہا تھا۔۔

ابرش اب دیوار کے ساتھ لگے بلکل خاموش ہو گئی تھی۔۔

وہ پتھرائی کیفیت سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

تم نے۔۔۔۔ تم نے۔۔۔ مجھ پر پھر سے ہاتھ اٹھایا۔۔ تم نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔۔ تم جھوٹے ہو زاران۔۔۔ جھوٹے ہو۔۔ ابرش کو اپنے ہی لفظ جیسے کسی کھائی سے آتے سنائی دیے۔۔

وہ زخمی نگاہوں سے اب زاران کو دیکھ رہی تھی۔۔

تم بھی ایک بیوفا پاگل عورت ہو۔۔ جس نے میری زندگی برباد کر دی۔۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے آج تم سے محبت کرنے کا۔۔ تمھیں اپنی بیوی بنانے کا۔۔ زاران نے سرد برفیلے لہجے میں کہتے اسے بازو سے پکڑا تھا۔۔ وہ

جیسے گرنے کو تیار تھی۔۔وہ گر نہ جائے وہ اسے مضبوطی سے بازو سے تھام گیا تھا۔۔

اب وہ لب بھینچے اس کے گال پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھ رہا تھا۔

کیوں؟؟کیوں؟؟۔۔وہ بے بے بسی اور کرب کی کیفیت میں اسے کندھوں سے تھامے حلق کے بل چیخا تھا۔

کیونکہ تم ایک بے وفا انسان ہو۔۔بے وفا جھوٹے انسان۔۔۔جس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔ تمھیں اپنا بچہ چاہیے مجھ سے ۔۔۔اس لیے میں تمھارے بچے کو مارنا چاہتی ہوں۔۔

ابرش آنکھیں میچے ہوے بولی تھی۔۔بہت سے آنسو اس کی بند پلکوں سے گرتے عارض کو بھگو رہے تھے۔وہ اب اس ستم گر کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

ابرش اگر تم نے میرے بچے کو نقصان پہنچایا۔۔

میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا سمجھی تم۔۔زاران بے بسی کی انتہا پر بولا تھا۔۔وہ اس کے عارض پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھتا خود پر قابو پا گیا تھا۔۔ورنہ ایک بار پھر سے اس کے منہ سے یہ سن کر اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔اس کی گردن کی پھولتی رگیں اور خون اتری آنکھیں گوا تھیں وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے ہے۔۔اس کے عارض پر

اپنی انگلیوں کے نشان اس کا دل چیر رہے تھے۔۔ سامنے کھڑی لڑکی اس کی محبت تھی۔۔ اور اک کے بطن میں اس کا بچہ تھا۔۔

اور زاران خانزادہ کو وہ دونوں ہی بہت عزیز تھے۔۔

تو مار ڈالو زاران خانزادہ۔۔ کیونکہ میں اپنے بچے کو اپنی جیسی زندگی گزراتے نہیں دیکھ سکتی۔۔ جو محرومیاں میں نے سہی ہیں۔ ان محرومیوں میں اسے پلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔۔ جب اس بچے کا باپ اس کی ماں کا نہ ہوا وہ اس بچے کا کیسے ہو گا۔۔ ابرش آنکھیں کھولتے زاران شال دونوں ہاتھوں میں جکڑتے ہذیانی چیخی تھی۔۔

ابرش مجھے تم اور یہ بچہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔۔ کیوں ایسا سوچ رہی ہو؟؟۔۔ مجھے تم دونوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے میری جان۔۔ زاران اس کا چہرہ نرمی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوے بولا۔۔ وہ اس کی ہذیانی کیفیت سے پریشان ہوا تھا۔۔ وہ اس وقت حواص میں نہیں لگ رہی تھی۔۔ زاران تڑپتے ہوے اس کے گال پر انگلیوں کے نشان پر نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا۔۔۔

وہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہتا تھا اور ایسی حالت میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھائے یا سختی کرے۔۔ مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔۔۔۔ وہ رات سے کرب کی کیفیت میں تھا۔۔ وہ اس کی اور اپنی محبت کی نشانی کو مارنا چاہتی ہے۔

یہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔۔اس کی روح تک گھائل ہو چکی تھی۔۔وہ غم وغصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا۔اس کے اعصاب ساکت ہو رہے۔تھے۔رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح بھڑک رہا تھا۔۔

تم جھوٹے ہو زاران۔۔تم ہمیشہ ایسے کرتے ہو۔۔

مجھ سے وعدے کرتے ہو پھر توڑتے ہو۔۔وعدہ کیا تھا مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔۔وعدہ کیا تھا مجھ پر کبھی چلاؤ گے نہیں۔وعدہ کیا تھا صرف میرے رہو گے۔۔

تمھیں تمھیں اپنا ہر رشتہ پیارا ہے۔۔

بس تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔وہ اس کے سینے سے لگتے ہوے شدت سے رو دی تھی۔۔

ابرش تم مجھے بہت عزیز ہو۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ ہر رشتے کی طرح تم بھی مجھے بہت پیاری ہو۔۔ زاران اسے اپنے سینے میں نرمی سے بھینچے بولا۔

تم جھوٹ کہہ رہے ہو اس کے سینے کے ساتھ لگی سسک پڑی تھی۔۔

وہ نرمی سے اس کی کمر سہلا رہا تھا۔۔

ابرش اس کی شال مٹھیوں میں جکڑے بری طرح رو رہی تھی۔۔ یکدم اس کی نگاہ اس کی شال پر موجود گلابی لپ سٹک کے نشان پر پڑی۔۔ وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی تھی۔

ابرش نے بے یقینی سے زاران کو دیکھا تھا۔

زاران تم مجھے پاگل کہتے ہو۔ میرے ہر ایکٹ کو پاگل کہتے ہو کیا صفائی دو گے تم مجھے اس کی۔۔ اکیا وجہ دو گے مجھے اپنی بیوفائی کی۔۔ میں تمھاری ضرورت پوری نہیں کرتی۔ تمھارا حق ادا نہیں کرتی۔۔ تمھیں بستر پر خوش نہیں رکھتی جو تمھیں کسی اور کی ضرورت پڑ گئی ہے کہ تم سے برداشت نہیں ہوا جو پلوشہ کے ساتھ یہ سب کر رہے ہو۔

تم نیچے اپنی مورے کے پاس نہیں بلکہ پلوشہ کے کمرے میں اس کے ساتھ ے ہ سب کر رہے تھے

ابرش اس کی شال کو دونوں ہاتھوں سے جھٹکتے ہوے روتے ہوے بولی۔

کیا کر رہا تھا میں پلوشہ کے ساتھ ؟؟ زاران نے حیرانگی سے ابرش کو دیکھتے اپنی شال کو دیکھا جہاں گلابی لپ سٹک کا نشان تھا۔۔

وہ ضبط سے اپنی مٹھی بھینچ گیا تھا۔۔ پلوشہ لاونج میں جب اس سے ٹکرائی تھی یہ نشان تب ہی پڑا تھا۔

ابرش ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔۔

ایسی ہی بات ہے۔۔ تمھاری کوئی ایکسپلنیشن اب میرے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی۔۔ مم میرے قریب مت آنا۔۔ تمھیں مبارک۔ ہو۔ تمھاری زندگی میں دوسری۔ عورت۔۔۔۔۔

تم اب صرف اس کے ہی رہنا۔۔۔ میرے قریب مت آنا۔۔ تمھیں تمھارے خاندان کی عورت مبارک ہو۔۔۔ مبارک ہو تمھیں تمھاری بیوفائی۔۔۔۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہوے سسک پڑی تھی۔۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو تھامتے دیوار کا سہارا گیا تو زاران اسے بازو سے جکڑ گیا تھا۔۔

ابرش اس ٹاپک پر ہم بات کریں گے۔۔ تمھیں ساری وضاحت دے دوں گا۔ ابھی خاموشی سے ناشتہ کرو۔۔

پھر ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔۔۔ مزید بحث تم نہیں کرو گی۔۔۔ نہ ہی اس وقت تمھاری کوئی بات سنوں گا۔۔

زاران نے اس کے الزامات پر لب بھینچتے کافی سختی سے ہوے کہتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ سرد آنکھیں گاڑھیں۔۔۔ اس کے بازو پر بھی اپنی گرفت کافی مضبوط کی تھی۔۔ وہ اس کی بیوقوفی پر اپنے بچے کا نقصان نہیں کر سکتا تھا۔۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔۔

ناشتہ کرو ابرش۔۔ زاران نے سختی سے اپنے لفظوں پر زور دیا

ابرش نے اپنے بازو سے زاران کی مضبوط گرفت چھڑوائی۔۔ جسے زاران نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے صوفے کی جانب بڑھی تھی۔۔ ٹیبل پر رکھی ٹرے سے سینڈوچ اٹھا کر کھانے لگی۔

زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ جو سینڈوچ کے ساتھ فریش اورنج جوس کے گلاس سے گھونٹ گھونٹ بھر رہی تھی۔۔

چہرہ سرد سپاٹ تھا۔۔ زارن اس کے تاثرات سے سمجھ گیا تھا وہ وقتی طور پر اس کے غصے اور سرد پن سے خایف ہوتے ناشتہ کر رہی ہے۔۔۔ زاران نے غصے سے جھنجھلاتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا اور اپنے گلے سے شال اتار کر زمین پر پھینکتے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔

زاران خانزادہ اس وقت گائناکالوجسٹ کے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔۔ وہ اس وقت شہرام کے ہاسپٹل میں موجود تھا۔۔

ہسپتال کی سب سے سینیر اور سپشلسٹ گائناکالوجسٹ ڈاکٹر ذقیہ اعوان ابرش کی دوسرے روم میں الٹراساؤنڈ اور دوسرے ٹیسٹ کر رہی تھی۔۔

زاران بے چینی سے باہر پہلو بدل رہا۔ تھا۔ خوبرو سنجیدہ چہرے پر بے حد پریشانی تھی۔۔ وہ اپنے بچے کو لے کر بہت حساس ہو رہا تھا۔۔ ابرش کا اس کے بچے کو مارنے کی اٹیمپٹ اسے بے حد تکلیف پہنچا چکی تھی۔۔

ابرش اپنا چیک اپ کروا کمرے سے باہر آئی تو زاران جلدی سے کرسی سے اٹھ کر ابرش کے قریب گیا۔۔ جو بلیک چادر میں سر سے پیر تک لپٹی تھی.

۔۔۔

چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔۔ گلابی گال پر زاران کی انگلیوں کا نشان ابھی تک تھا

زاران نے اس کے قریب جاتے اس کے نشان عارض ذدہ پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے اسے اپنے قریب کرتے سینے میں بھینچا تھا۔

تھوڑی دیر مجھ سے دور رہی ہو۔۔ جان پر بن آئی تھی میری۔۔

ابرش بچے کے بعد میں تمھارے لیے بہت حساس ہو گیا ہوں۔۔ یہ بچہ میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔۔ اسے کبھی تکلیف نہ دینا۔۔ چاہے میری

جان لے لینا۔۔زاران خانزادہ نے اسے خود سے الگ کرتے اس کے ماتھے پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔۔

جانتی ہوں یہ بچہ ہی تمھارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اب ہمارے بیچ کا یہ تعلق صرف اس بچے کی وجہ سے ہی تو رہے گا۔۔۔ورنہ تمھارے دن تو دوسری عورت کے کمرے میں گزرنے لگے ہیں۔اب راتیں بھی گزریں گی۔۔اور تمھارے پاس تمھاری بیوفائی کا جواب بھی ہو گا کہ تمھیں بیوفائی کا حق خدا نے دیا ہے تمھیں دوسری شادی کے طور پر۔۔اور دوسری شادی کا بھی جواز ہو گا کہ تم نے اپنی مورے سے دوسری شادی کا وعدہ کر کے اپنی جنت بچائی ہے۔۔

ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا تو زاران کا چہرہ پل میں سنجیدہ ہوا تھا۔۔

جی مسٹر زاران۔۔۔ڈاکٹر ذقیہ اعوان نے چیئر پر بیٹھتے زاران اور ابرش پر نظر ڈالی جو ایک دوسرے کو سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

سوری ڈاکٹر میں اپنی خوبصورت بیوی کی خوبصورت باتوں میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ مجھے آپ کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔۔زاران نے ابرش پر سرد نظر ڈالے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑے ڈاکٹر کی سامنے والی چیئر ابرش کو بہت احتیاط سے بٹھایا اور خود اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھا۔۔

مسٹر زاران۔۔۔۔آپ کی وائف کو 4 ویک کی پریگننسی ہے۔۔

یعنی یہ بہت ارلیر سٹیج ہے اور کمپلیکیٹڈ بھی۔۔حمل بہت ویک ہے۔۔ڈاکٹر کی بات پر زاران پریشان ہوا تھا۔۔

کیا مطلب بہت ویک ہے۔۔ میرے بچے کو کچھ ہو گا تو نہیں۔۔ زاران نے پریشانی سے پوچھا۔۔

کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اگر یہ اپنا خیال رکھیں گی۔۔ سب سے بڑھ کر آپ ان کا خیال رکھیں گے۔۔ آپ کی وائف مینٹلی ڈسٹرب لگتی ہیں۔۔ ڈاکٹر نے ابرش کے سنجیدہ چہرے پر نظریں ڈالتے کہا۔۔ جہاں انگلیوں کا نشان واضح تھا۔

زاران خانزادہ شہرام خانزادہ کا بڑا بھائی تھا۔۔ اور زاران کی سنجیدہ بارعب شخصیت کو دیکھتے وہ واضح الفاظ میں اسے کچھ کہہ نہیں سکی تھیں۔۔ مگر ابرش کے گال پر واضح انگلیوں کا نشان دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہو گئی تھیں۔ شہرام جیسے انسان کا بھائی یہ حرکت بھی کر سکتا ہے۔۔

اس نے روم میں ابرش کو دیکھتے اس کے عارض پر انگلیوں کے نشان کے متعلق استفسار کیا تھا۔۔ مگر ابرش جواباً خاموش رہی تھی۔۔ اس کی خاموشی اور سپاٹ چہرے کو دیکھتے اس کی مینٹلی کنڈیشن کے بارے میں بھی اندازہ ہو گیا تھا۔۔

زاران نے گہرا سانس بھرتے ابرش پر نظر ڈالی جو سرد سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔۔

میں میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں۔۔ ان کا منتھلی چیک اپ ہو گا۔۔ ان کی ڈائٹ کا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے آپ نے۔۔ ڈاکٹر نے پروفیشنلی سنجیدگی سے ہدائت دیں۔۔

اوکے میں ان کا پورا خیال رکھوں گا۔ زاران نے ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

ابرش کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی۔۔

زاران ابرش کو لیے روم سے باہر آیا ہی تھا کہ شہرام تیز تیز قدموں سے اسے اپنی طرف آتا دکھائی۔ دیا۔

شہرام زاران کے قریب آتے خوشی سے اس کے گلے لگ گیا تھا۔۔

کانگریجولیشن لالا۔۔۔ شہرام نے زاران سے الگ ہوتے خوشی سے چہکتے کہا۔۔

تھینکس۔۔۔۔۔۔ زاران جواباً بھرپور مسکرایا تھا۔۔

اسلام و علیکم بھابھی۔۔۔۔۔ شہرام نے ابرش کو دیکھتے۔ کہا۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتی چہرہ دوسری طرف موڑ گئی تھی۔۔

زاران گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔وہ اس کے گھر والوں میں سے کسی سے بھی بات نہیں کر رہی۔ تھی۔ آتے ہی امینہ خانم سے بھی بنا سلام کیے انھیں مکمل اگنور کرتے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

اب شہرام کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔۔

لالا۔۔۔یہ خوشخبری میں ارحام لالا کی جانب سے ایکسپیکٹ کر رہا۔ تھا۔ مگر مل آپ کی طرف سے گئی۔ہے۔ شہرام نے شرارتی لہجے میں کہا۔

تمھاری طرف سے بھی یہ نیوز مل سکتی تھی بشرطیکہ تم حویلی میں پائے جاؤ۔

۔۔زاران نے اسے جواباً شرربار نگاہوں سے گھورا تھا۔

لالا آپ آئیں میرے آفس میں وہاں بیٹھیں۔۔۔میں بھابھی کے لیے فریش جوس منگواتا ہوں۔۔ شہرام نے بات بدلتے کہا۔۔

نہیں شہرام مجھے حویلی جلدی جانا ہے مورے انتظار کر رہی ہوں گی۔ انھیں ابھی کچھ نہیں بتایا۔۔ حویلی جا کر انھیں بھی یہ خوشخبری سنانی ہے۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

زاران کی بات پر ابرش زاران کو ایک نظر دیکھتے جلدی سے آگے بڑھ گئی تھی۔۔

زاران اس کی پشت کو گھورتا غصے سے اپنے لب بھینچ گیا۔۔

کیا ہوا لالا۔۔۔ آپ اور بھابھی میں سب ٹھیک ہے ناں۔۔ شہرام نے پریشانی سے کہا۔۔

بلکل ٹھیک ہے۔ اور آج رات تم حویلی ہونے چاہیے ہو۔۔ اپنے کمرے میں۔۔ یہ لاسٹ ٹائم میں تمھیں کہہ رہا ہوں۔۔ دوبارہ نہیں کہوں

گا۔۔ہاسپٹل میں سب کے سامنے تمھارے چہرے کا حشر بگاڑوں گا۔۔بہت بڑے آدمی ہوں گے تم۔۔۔۔مگر میرے لیے تم صرف شہرام ہو۔۔آئیندہ تمھیں یوں تمھیں حویلی اور اس کے مکینوں سے لاپرواہی برتتا نہ دیکھوں۔۔وہاں صرف تمھاری بیوی ہی نہیں تمھاری مورے اور ایک بہن بھی رہتی ہے۔۔اور مورے کو تمھاری بہت ضرورت ہے۔۔

جی لالا۔۔۔۔۔جیسے آپ کہیں۔

زاران کی باتوں پر شہرام نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سنجیدگی سے کہا۔۔

زاران شہرام کو سنجیدگی سے گھورتا ابرش کی طرف بڑھا تھا۔۔

۔۔۔۔۔

اسفند سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ ہی شال کندھوں پر ڈالے سیڑھیاں اترتا نیچے آیا تھا۔۔اس وقت لاؤنج میں امینہ خانم روزینہ خانم پلوشہ موجود تھے۔

اسلام و علیکم

اسفند یار خان نے سنجیدگی سے سب کو سلام کرتے اپنی رسٹ واچ پر نظریں ڈالی تھیں۔چہرہ سرد اور سنجیدہ سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔

وہ پچھلے کچھ دنوں سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔کل ہی آیا تھا کسی سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔

اسفند کہاں جا رہے ہو تم ؟؟ روزینہ خانم صوفے سے اٹھتے اسفند سے مخاطب ہوئیں۔

مورے اپنے دوست کی مہندی پر جا رہا ہوں۔ آپ سے آ کر بات کرتا ہوں۔ وہ سنجیدگی سے کہتا عجلت میں داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔۔ داخلی دروازے کے قریب وہ بری طرح عابیر سے ٹکرایا۔ تھا۔

عابیر اسفندیار خان کے چوڑے سینے سے بری طرح ٹکرائی تھی۔۔

سیاہ بڑی سی چادر جس سے اس نے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا وہ زمین بوس ہوئی تھی۔

اسفند نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا جو سی گرین کلر کی ویلوٹ کے لانگ فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس کے گلے پر کام ہوا تھا۔ اور اس پر خوبصورت کام اس نے سینے پر پھیلاتے ہوئے کندھوں سے اٹیچ کیا ہوا تھا۔

سنہری بال لمبے سلکی بال کھلے ہوے تھے۔۔گلے میں چوکر پہنا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سمو کی میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر نیو ڈلپ سٹک لگائے وہ بے تحاشا حسین لگ رہی تھی۔۔

اسفند کو دیکھتے وہ بھی سٹل ہوئی تھی۔۔پورے ایک ہفتے بعد وہ اس ستم گر کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ حویلی ہی نہیں آیا تھا۔۔اس نے ایک ہفتہ جلتے سلگتے ہوے گزارا تھا۔

عابیر اسفندیار خان کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔۔جس سیاہ شلوار قمیض میں سحر انگیز لگ رہا تھا۔۔

عابیر اسفندیار خان سے علیحدہ ہوتی اپنی شال زمین سے اٹھائی تھی۔۔وہ خود پر اچھی طرح اوڑھتے اپنا چہرہ چھپانے لگی تھی کہ اسفند نے اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی پکڑتے اپنے قریب کیا۔۔

کہاں جارہی ہو؟؟اسفند نے اسے اپنے قریب کرتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

میں اپنی دوست گلالئی کی مہندی پر جارہی ہوں۔۔عابیر نے سنجیدگی سے کہا۔۔

اچھایوں کھلے بالوں کے ساتھ جاؤ گی۔۔دوپٹہ سر پر کیوں نہیں لیا۔۔اسفند نے اس کی چادر اس کے سر سے اتارتے ہوے تپش زدہ لہجے میں پوچھا.

میں اپنی سہیلی کی مہندی پر جا رہی ہوں۔۔ وہاں عورتوں والے حصے میں صرف عورتیں ہوں گی۔۔ اور اتنا تیار ہونے کا حق بنتا ہے میرا۔۔ میری بچپن کی سہیلی کی مہندی ہے۔۔

عابیر رکھائی سے کہتے اسفندیار خان کے سینے سے علیحدہ ہوئی تھی۔۔

اس سے پہلے وہ دروازے کی طرف بڑھتی اسفندیار خان اسے بازو سے جکڑے خود کے قریب کر چکا تھا۔۔

کس کے ساتھ جا رہی ہو؟؟ اسفند نے غصے سے پوچھا

میں لالا کے ساتھ جا رہی ہوں۔۔ عابیر نے اسے خود سے دور دھکیلتے اس بار بھی رکھائی سے جواب دیا۔۔

اسفندیار خان کا پارہ ہائی ہوا تھا اس سے پہلے وہ کچھ کہتا زاران داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

اسفندیار خان کے سرد سرخ چہرے پر ایک نظر ڈالتے عابیر کی طرف بڑھا۔

بہت خوبصورت لگ رہا ہے میرا بچہ۔۔۔۔

زاران نے عابیر کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھے تھے۔

شکریہ لالا۔۔۔ عابیر نے کہتے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھکا تھا اور زاران کے حصار میں باہر کی جانب بڑھ گئی تھی۔۔

اسفند نے قہربار نگاہوں سے زاران کی چوڑی پشت کو گھورا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسفندیار خان اور زاران اکھٹے ہی اپنے دوست درخزئی کی مہندی پر اکھٹے ہی پہنچے تھے۔۔

عابیر عورتوں والے حصے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

اسفند کی نظروں نے دور تک عابیر کا پیچھا کیا تھا..

درخزئی خان اسفند اور زاران کو دیکھتے ہی ہوائی فائرنگ کی تھی۔۔باقی دوستوں نے بھی شدید ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی۔۔

اسفندیار خان اور زاران خانزادہ کو دیکھتے خوشی اور گرمجوشی کا اظہار کیا تھا۔

زاران اور اسفند مسکراتے ہوے اپنے دوستوں کو دیکھ رہے تھے۔۔

زاران خانزادہ نے آگے بڑھتے اپنی جیب سے پسٹل نکالتے ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی۔۔البتہ اسفندیار خان خاموشی سے کھڑا رہا تھا۔۔

اس کی نظریں درخزئی کی حویلی کے بہت بڑے لان کے بیچ و بیچ کھڑے بنگلے پر تھیں۔ جس کے لاونج کا گلاس وال اسفندیار خان کی نظروں کے حصار میں تھا۔

جس پر گرے آدھے ادھورے پردوں کو وہ تپش زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

درخزئی اور اس کی فیملی بہت ماڈرن تھی۔۔ ان میں پردہ تھا۔۔ مگر ان لوگوں جیسا نہیں تھا۔۔ عورتوں والی سائیڈ پر ان کے گھر کے کچھ مرد آجا رہے تھے۔۔

اسفندیار خان کو حویلی سے نکلتے اندازہ نہیں۔ تھا۔ گلالئ درخزئی کی دلہن ہے ۔۔ ورنہ وہ اسے کبھی یہاں نہ آنے دیتا۔۔ گلالئ اور درخزئی آپس میں کزن

تھے۔۔ بچپن سے نکاح ہوا۔ تھا۔ رخزئی کے امریکہ سے پڑھ کر آنے کے بعد ان کی شادی ہو رہی تھی۔۔

زاران کی عابیر کی زندگی میں حد سے زیادہ مداخلت اسے شدید مشتعل کر چکی تھی۔۔ وہ ابرش کے لیے کتنا پوزیسیو تھا۔ سب جانتے تھے۔۔ کتنے مہینوں سے ابرش ایک مرتبہ بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔۔ اسے دیکھتے ہی پلٹ جاتی تھی۔۔ اس دن لڑائی میں بھی ابرش کو زاران نے سرد سرد نظروں سے گھورتے اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔۔ تاکہ اس کی نظر ابرش پر نہ پڑے۔۔ یہ بات اسفندیار خان کے لیے بھی تکلیف کا باعث تھا۔ دشمنی اپنی جگہ مگر وہ مر کر بھی کبھی کسی کی عزت پر بری نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا۔. مگر زاران آج تک ابرش سے نکاح کرنے والی بات بھولا نہیں تھا۔

اور اس کی بیوی کو لے کر وہ فیصلے کرتا تھا۔۔ جو اسفندیار خان کا خون بھڑکا دیتے تھے۔ عابیر پر کسی کا بھی حق برداشت نہیں ہوتا تھا۔۔

اسفند ایک طرف کھڑا اپنے دوستوں کو دیکھ وہ لوگ زاران خانزادہ کے آنے پر بے تحاشا خوش تھے۔۔

زاران خانزادہ یاروں کا یار تھا۔ وہ اپنے سبھی دوستوں کے لیے ایسا ہی۔ وتھا۔ وقت پڑے تو جان دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔۔ کچھ عرصہ پہلے وہ اس کے لیے بھی ایسا ہی۔ تھا۔ کیا کچھ نہیں کیا تھا دونوں نے ایک دوسرے کے لیے۔ زاران کا دشمن اسفند کا دشمن تھا اور اسفندیار خان کا دشمن زاران خانزادہ کا۔۔ آج زندگی کس موڑ پر لے آئی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن بیٹھے تھے۔

زاران صرف اپنے دوستوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے ہر رشتے کے لیے ایسا ہی تھا۔۔وہ ہر رشتے پر جان دیتا تھا۔

اسفندیار خان کی نظروں کے سامنے بابرک کی خون میں لت پت لاش آئی تھی۔۔اس کے سینے میں بے دردی سے گولیاں ماری گیی تھی۔۔۔

کیا شہرام کو اس نے جان سے مارا ہوتا تو زاران یہ بھول جاتا جب تک وہ اسے جان سے نہ مار ڈالتا وہ چین سے نہ بیٹھتا۔۔پھر وہ کیسے اپنے بھائی کی موت بھول سکتا ہے۔۔وجہ جو بھی ہے اس نے اپنے جوان بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا۔۔کیسے وہ بھول سکتا ہے۔۔کیسے زاران خانزادہ کی جان سے پیاری بہن اسے جان سے پیاری ہو سکتی ہے. اسفندیار خان اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے زاران خانزادہ کو دیکھ رہا تھا جو بہت خوش دکھائی دے

رہا تھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔۔ اسفند حیرانگی سے زاران کو دیکھ رہا تھا جس کے چمکتے چہرے پر ایک عجب سی خوشی تھی۔۔۔

اسفند نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے اتنا خوش دیکھا تھا۔۔

اسفند یار خان۔۔۔۔۔ درخزئی خان۔۔۔۔۔ اسفند یار خان کو اونچی آواز میں پکارتے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

تم ادھر کیا کر رہے ہو؟؟ کیا امریکہ میں رہ کر تم بندوق چلانا بھول چکے ہو۔۔ درخزئی نے اسفند یار خان کے قریب آتے اسے پسٹل پکڑائی۔

اسفند یار خان نے مسکراتے ہوئے پسٹل پکڑی تھی۔۔

مجھے بندوق بھی پکڑنا آتی ہے۔۔ اور اسے چلانا بھی بخوبی آتی ہے۔۔ انفیکٹ میرا نشانہ آج تک نہیں چونکا۔

اسفندیار خان پسٹل پکڑے زاران کی طرف بڑھا تھا۔۔

جو سب دوستوں کے بیچ کھڑا کب سے ہوائی فائرنگ کر رہا تھا۔۔

اسفندیار خان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے فائرنگ بند کی تھی.

اسفند زاران کے قریب آکر رک گیا تھا۔۔

جانتے ہو ناں میرا نشانہ کتنا پکا ہے۔۔ اس پسٹل سے جب بھی گولی نکلی سیدھی ایکزیکٹ انسان ایکزیکٹ نشانے پر لگی۔ اسفند نے زاران کے سینے پر پسٹل کی نوک رکھی تھی۔۔

جانتا ہوں تمھارا نشانہ بہت پکا ہے۔ اور تمھاری پسٹل کا نشانہ اس وقت صحیح مقام اور ایکزیکٹ انسان پر ہے۔۔

مگر تمھارا ہر بار سوچ میں پڑ جانا مجھے حیران کر دیتا ہے۔ کہ کیا وجہ ہے

تمھاری پسٹل سے نکلی ہوئی گولی ابھی تک صیح انسان کو لگی کیوں نہیں۔

۔کیوں اسفندیار خان جو بولتا ہے وہ کرتا کیوں نہیں۔۔ ہم خان کب سے

خالی خولی دھمکیاں دینے۔ لگیں۔ جو جی میں آتا ہے دکر یتے ہیں۔۔ اور یہ

پسٹل تو بنی ہی اس لیے اس کی گولیاں اپنے دشمن کے سینے پر ایکزیکٹ مقام

پر داتاریں۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے اپنی پسٹل اسفند کے سینے پر جمائی

۔ تھی۔

سب دوست پریشانی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوے ایک دوسرے کے سینے پر پسٹل

رکھے ہوے تھے۔۔

یکدم زاران نے مسکراتے ہوے اسی پسٹل سے ہوائی فائرنگ کی تھی۔۔

اسفندلب بھینچے پسٹل زمین پر پھینکتا تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

وہاں کھڑے سب حیرانگی سے اسفندیار خان کی چوڑی پشت کو گھور رہے تھے۔۔جو اپنی شال گلے مین جھٹکتے اپنے بھاری قدموں سے باہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔

درخزئی اسفندیار خان کی طرف بڑھا تھا مگر زاران خانزادہ کی ہوائی فائرنگ کی آواز سنتے وہ اس کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

درخزئی نے مسکراتے ہوے اپنی پسٹل سے ہوائی فائرنگ کرتے ہوے زاران خانزادہ کو گلے سے لگایا تھا۔

حور وایٹ جینز پر ییلو کلر کی بے حد شارٹ فراک پہنے ہوے تھی۔۔جو اس کے متناسب سراپے پر ہمیشہ کی طرح قیامت ڈھا رہا تھا۔۔لمبے سلکی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔

وہ اس وقت سلطان شاہ کے ساتھ ڈاینگ روم میں ٹیبل کے گرد بیٹھی ڈنر کر رہی تھی۔ڈائینگ ٹیبل پر اس درجن سے بھی زائد ڈشز تھیں۔۔ہر چیز اس کی پسند کی تھی۔۔

سلطان شاہ اپنے ہاتھوں سے اسے کھلا رہے تھے۔۔

ایک دو بایٹ سلطان شاہ کے ہاتھوں سے لے کر وہ ان کے ہاتھ جھٹک چکی تھی۔

میں کھالوں گی پاپا۔۔ان چھ ماہ میں مجھے عادت ہو گئی ہے خود سے کھانے کی۔۔حور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ان چھ ماہ میں تمھیں ارحام نے کبھی خود سے کھانا نہیں کھلایا۔۔سلطان شاہ نے اس کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوے وہ سوال پوچھا۔۔جو انھیں کافی بے چین کیے ہوے تھا۔۔وہ رات ارحام خانزادہ کو حور کے کمرے میں جانے کی آجازت دے کر بھی بے چین رہے تھے۔۔کیا ارحام خانزادہ کی طرح حور بھی ارحام کے لیے محبت رکھتی ہے۔۔ارحام خانزادہ کی باتوں سے اور حور کا ان چھ ماہ میں ان سے رابطہ نہ کرنے پر انھیں لگ رہا تھا۔۔حور بھی ارحام خانزادہ سے محبت کرتی ہے۔۔ورنہ وہ صرف اس بات سے کیسے ان سے چھ ماہ تک روٹھ سکتی ہے کہ انہوں نے اس سے مہر ماہ کا اس کی ماں

ہونا چھپایا تھا۔ وہ غم و غصے میں گھر چھوڑ کر چلی گئی۔۔ مگر ان چھ ماہ میں اسے کس وجہ نے روکے رکھا۔۔ جو اس نے ایک بار بھی ان سے رابطہ نہیں کیا۔

ارحام خانزادہ میرا شوہر ہے۔۔ باپ نہیں جو میرے نخرے اٹھاتا۔۔ آپ بھی اپنی بیٹی کے اتنے نخرے اٹھاتے ہیں۔ کیا کبھی اپنی بیوی کے اٹھائے ؟؟۔۔ میری ماہ مہر ماہ کے اٹھائے ؟؟ کبھی اس کی تکلیف پر تڑپے ؟؟۔۔۔ حور نے چیئر سے اٹھتے ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھا کر زمین پر پھینکتے ہوئے چیختے ہوئے سوال کیا۔

گلاس چکنا چور ہوتا فرش پر جا گرا تھا۔۔ سلطان شاہ تڑپ کر چیئر سے اٹھتے حور کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر تڑپتے ہوئے اپنی آنکھوں پر لگا گئے۔۔۔۔

شکر ہے تمھیں چوٹ نہیں آئی۔۔ سلطان شاہ نے حور کا ہاتھ تھامے تڑپتے ہوے کہا۔۔

گلاس میں نے زمین پر مار کر توڑا ہے۔۔ مجھے چوٹ کیسے لگ سکتی تھی؟؟۔۔ مگر پھر بھی آپ تڑپ اٹھے۔۔

ایسا انسان جو اپنی بیٹی سے اتنا پیار کرتا ہو وہ اپنی محبت کو کیسے تکلیف دے سکتا ہے؟؟ پھر کیوں پاپا میری ماں کو مجھ سے جدا کر دیا۔۔ انھیں کیوں تکلیف دی؟؟

حور نے سلطان شاہ سے روتے ہوے سوال کیا۔۔

میں نے اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں دی۔۔ تمھاری پیدائش کے وقت مہر ماہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔۔ میں نے اس کے مرنے کے بعد تمھاری خاطر ماہ جبین

سے شادی کر لی تھی۔۔ سلطان شاہ حور کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سپاٹ لہجے میں بولے تھے۔۔

حور۔۔۔ سلطان شاہ کی بات سنتے اپنا رخ پلٹ گئی تھی۔۔ کرسی کو تھامے اپنی لرزاہٹ پر بمشکل قابو پایا۔۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔

دل میں ایک موہوم سی امید تھی۔۔ جو ماہ جبین نے اسے بتایا وہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔۔ سلطان شاہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ قتل نہیں کر سکتا۔۔ وہ مہر ماہ کو نہیں مار سکتا۔۔ مگر سلطان شاہ آج ماہ جبین کی بات پر پر یقین کی آخری مہر لگا چکا تھا۔۔ وہ اپنی چھ ماہ کی تصویریں مہر ماہ کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔۔ سلطان شاہ اب اس سے جھوٹ بول رہا تھا یعنی مہر ماہ کو اس کے باپ نے ہی مارا تھا۔۔

سلطان نے اس لرزتے بدن کو دیکھتے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا

۔

جسے حور نے غصے سے جھٹک دیا۔۔

حور میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہو۔؟؟۔

میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں نے تم سے حقیقت چھپائی کہ ماہ جبین تمھاری سگی ماں نہیں ہے۔۔

اتنی سی بات پر تم گھر چھوڑ کر چلی گئی۔اپنے باپ کو تم نے جیتے جی مار دیا ۔۔کیوں ایسا کیا تم نے؟؟تم جانتی تھی تم میرا جینے کا واحد سہارا ہو۔۔۔کیوں مجھے جیتے جی مارا۔۔

سلطان شاہ حور کے مقابل آئے تھے۔۔

پاپا آپ کے جھوٹ نے مجھے مجبور کیا۔۔

ضآپ کے جھوٹ نے مجھے گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔۔ آ

پ نے میری ماں کی حقیقت سے بے خبر نہیں رکھا۔۔۔ آپ نے مجھ سے

ہمیشہ جھوٹ بولا۔۔ آپ آج بھی جھوٹ بول رہے ہیں۔۔۔ حور نے چیختے

ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔

حور۔۔۔۔۔ وہ اسے پکارتے تڑپ کر اس کی طرف بڑھے تھے۔۔ کہاں

دیکھا تھا اسے ایسے چیختے بری طرح روتے ہوے۔۔۔

حور ان کے ہاتھ بڑھانے پر کئی قدم پیچھے ہوئی تھی

اور کیا جاننا چاہتے ہیں کہ ارحام خانزادہ کا میرے ساتھ کیا سلوک تھا؟؟۔۔ کل سے یہی پوچھنا چاہ رہے ہیں مجھ سے کہ کبھی اس نے مجھ سے برا سلوک تو نہیں کیا؟؟۔۔

آپ یہ سوال مجھ سے پوچھنے کی بجائے خود سے پوچھیں۔۔ کیونکہ انسان کا بویا ہمیشہ اس کی اولاد کاٹتی ہے۔۔ حور رورتے ہوے چیخی تھی۔۔

کیا مطلب ہے ارحام نے تمھیں کبھی تکلیف دی ہے۔۔۔ اس نے تمھیں ہرٹ کیا ہے۔ سلطان شاہ نے حور کا بازو جکڑے تڑپتے ہوے اسے اپنے مقابل کرتے گرجتے ہوے پوچھا۔۔

دیکھا پاپا نے آپ نے اپنی بات کا خود ہی جواب دے دیا۔۔

آپ نے میری بات پر یہ کیوں نہیں کہا کہ حور میں نے آپ نغلطی سے بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی تو پھر میری کی بیٹی کو کیسے کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے۔۔

مگر آپ نے تو تڑپتے ہوے ارحام خانزادہ کے ظلم کے بارے میں مجھ سے سوال کر ڈالا۔۔

بتائیں پاپا آپ نے میری ماں کے ساتھ کیا کیا تھا؟؟۔۔

بتائیں پاپا نے آپ نے ہمیشہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟؟۔بتائیں پاپا آپ نے ماہ جبین کو اپنانے کے بعد بھی اسے اپنے بیڈ روم اور دل تک رسائی کیوں نہیں دی۔۔ حور سلطان شاہ کا گریبان جھنجھوڑتے ہوے چیخی۔۔

حور میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔ میری جان مجھ پر یقین کرو۔۔ مت روؤ ایسے۔۔ میں تمھارا رونا برداشت نہیں کر سکتا۔۔ سلطان شاہ تڑپ اٹھے تھے۔۔۔ ان کی گرے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔

۔پاپا پھر سے جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔۔ آپ کے کمرے میری ماں کی تصویریں ہیں۔۔ جس میں چھ ماہ کی ہوں۔ اور میری ماں کی تصویریں میرے ساتھ ہیں۔ تو کیسے وہ پھر مجھے جنم دیتے ہوئے مر سکتی ہیں؟؟۔

کیا چھپا رہے ہیں پاپا؟؟ کیا کیا تھا آپ نے میری ماں کے ساتھ۔۔۔۔ حور ہذیانی چیخی تھی۔۔

سلطان شاہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

انھیں ماہ جبین نے بتایا تھا کہ حور نے کمرے میں مہر ماہ تصویریں دیکھیں تھیں۔ مگر وہ یہ بات بھول گئے تھے۔۔ اب وہ ماتھا سہلاتے ہوے حور کو دیکھ رہے تھے جو ہچکیاں بھرتے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حور میرا یقین کرو۔۔ میں نے تمھاری ماں کے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں کیا۔۔ وہ مجھے اور تمھیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔۔۔ تم ہرٹ نہ ہو اس لیے تم سے یہ حقیقت چھپائی۔ سلطان شاہ سپاٹ انداز میں کہتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ حور کو روتا ہوا چھوڑ کر جا چکے تھے۔۔

حور سلطان شاہ کے جانے کے بعد منہ پر ہاتھ رکھے بے تحاشا رو رہی تھی کہ کسی نے بہت نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

حور نے پلٹتے ہوے اسے دیکھا۔۔ اس کی نگاہیں بے یقین ہوئی تھیں۔

وہ اسے زخمی نظروں سے دیکھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔۔وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں اس کی گلابی آنکھوں میں گاڑھ چکا تھا۔۔

زاران رات گئے واپس آیا تو ابرش بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی ہوئی تھی۔۔

وہ صبح والے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔بلکہ کل والی بلیک فراک میں ملبوس تھی۔زاران گہرا سانس بھرتے اپنی شال صوفے پر رکھتے اس کے قریب جا کر بیٹھا۔

اس کے گال پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے اپنے لب نرمی سے اس کے عارض پر رکھے تھے۔۔

ابرش نے آنکھیں کھولتے ہوے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا۔

سوئی کیوں نہیں ابھی تک ؟۔۔زاران نے بہت پیار سے اس کے عارض پر بکھری لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسیں۔

نیند نہیں آرہی تھی ؟؟ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اور نیند کیوں نہیں آرہی تھی۔۔میرا انتظار کیا جارہا تھا۔۔زاران نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

نہیں مجھے پتہ تھا تم اس ٹائم کمرے میں ضرور آؤ گے۔۔ تمھاری ضرورت تمھیں کمرے میں کھینچ لائے گی۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔

ابرش کی بات کا مطلب سمجھتے زاران کے لب بھینچے تھے۔۔ مگر وہ اپنی آئی بروانگلی سے مسلتے خود پر قابو پا گیا تھا

تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے میری ضرورت صرف میری بیوی پورا کر سکتی ہے۔۔ تو پھر صبح مجھ پر الزام کیوں لگائے جا رہے تھے۔۔

زاران نے اس کے گلابی لبوں پر نرمی سے انگوٹھا پھیرتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

اسی ثبوت پر جو تمھاری شال پر موجود تھا۔۔ ابرش نے اس کا ہاتھ جھٹکتے جواباً سسکی بھرتے ہوے کہا۔

بعض وقات وہ سچ نہیں ہوتا ابرش جو دکھائی دیا جائے۔

تم ہمیشہ اسی بات پر یقین کرتی ہو۔۔ جو تم دیکھتی ہو۔۔ یا پھر تم دیکھنا چاہتی ہو۔ زاران نے اس کے سسکنے پر لب بھینچے کہا۔۔

اور جو میں نے اپنے کانوں سے سنا اس کے بارے میں کیا کہو گے۔۔

ابرش نے اب کی بار روتے ہوے کہا تھا

کیا سنا ہے تم نے ؟؟۔۔ مجھے بھی پتہ چلے۔۔ زاران نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

تم کل اپنی مورے سے دوسری شادی کا وعدہ کر چکے ہو۔۔ انھیں یقین دلا چکے ہو کہ تم پلوشہ سے دوسری شادی کرو گے۔۔ پھر بھی تم مجھے پاگل کہتے

ہو۔ مجھ سے امید رکھتے ہو۔۔ میں تمھاری شال پر وہ نشان دیکھتے ہوے بھی تم پر یقین رکھوں۔۔ تم صبح اپنی کزن کے بے حد قریب کھڑے ہو کر گوسپ کرتے ہو۔۔ پھر بھی مجھ سے ایکسپیکٹ رکھتے ہو۔۔ میں تمھاری بیوفائی پر ماتم بھی نہ مناؤں۔۔

ابرش ہذیانی چیخی تھی۔

زاران نے اب کی بار پریشانی سے اپنی انگلیوں سے ماتھا سہلایا تھا۔۔ ابرش کے ایٹیٹوڈ کی وجہ اسے اب سمجھ آئی تھی۔ امینہ خانم سے جھوٹا وعدہ کرنے پر اب وہ پچھتا رہا تھا۔۔ اسے اپنی غلطی کا شدومد سے احساس ہوا تھا کہ اسے جھوٹا وعدہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔

ابرش میں سب کچھ کلیر کرتا ہوں۔۔ تم تحمل سے میری بات سنو۔۔ زاران نے اس کے عارض سے بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں پر چنتے اس کے ہاتھ نرمی سے پکڑے۔

میں نے وہ وعدہ جھوٹا کیا تھا۔۔ مورے کا بی پی بہت ہائی تھا۔۔ حور بھابھی کے جانے کے بعد وہ بہت ڈپریسڈ تھیں۔ انھوں نے مجھے پلوشہ سے شادی کرنے پر مجبور کیا۔۔۔ مجھے اس وقت جو مناسب لگا میں نے وہ کیا۔۔ اگر مورے سے میں محث کرتا انھیں کچھ بھی کہتا وہ کبھی نہ سمجھتی۔۔۔ بلکہ ان کی طبعیت مزید بگڑ جاتی۔۔

میرا پلوشہ سے شادی کرنے کا کوئی آرادہ نہیں ہے۔۔

میں اپنی اتنی خوبصورت بیوی کا دل کھانے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔۔زاران نے اس کا چہرہ تھامتے اس کے گلابی لبوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔

اور اب تمھیں یہ بچہ جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہا ہے۔۔ جس طرح کل تم اپنی مورے کو بہلا رہے تھے۔۔اس طرح آج مجھے بہلا رہے ہو۔۔کیوں کیا زاران تم نے جھوٹا وعدہ؟؟۔۔کیوں نہیں کہا کہ تم صرف مجھ سے محبت کرتے ہو۔۔

تم مجبور مرد تو نہیں ہو۔۔اس حویلی میں تمھاری چلتی ہے۔۔تم سردار ہو۔۔۔۔۔

پھر بھی تم نے مجبوری کیوں دکھائی؟؟۔۔مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔۔ابرش نے سسکی لی تھی۔

ہوتا ہے مجبور مرد بھی مجبور ہوتا۔۔ اپنے جان سے پیارے رشتوں کے آگے وہ بھی مجبور ہو جاتا ہے۔۔ زاران نے گہرا سانس بھرتے کہا۔۔

نہیں زاران۔۔۔۔ تم مجبور نہیں تھے۔۔ تمھارے دل میں چور تھا زاران۔۔۔ تم یہاں کے مردوں کی طرح دو دو شادیاں کرنا چاہتے ہو۔ میرا وجود تمھارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔ ایک ماہ میں ہی تمھارا دل مجھ سے بھر چکا ہے۔۔ ابرش چٹختے ہوئے بے بسی سے بولی۔

زاران نے اس کے ہاتھ نرمی سے تھامے ان پر لب رکھے۔۔

میرا دل تم سے کبھی نہیں بھر سکتا کیا تمھیں میری جنونیت شدتوں میں کمی لگتی ہے جو تم ایسے کہہ رہی ہو؟؟۔۔ ہمممم۔۔۔۔ زاران نے قریب ہوتے

اس کی گردن پر اپنی انگلی ٹریس کری جو کل کی اس کی شدتوں سے جامنی ہوئی تھی۔ زاران نے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔

پلوشہ کو بہت جلد اس کے گھر بھیج دوں گا۔۔ کچھ عرصہ برداشت کرلو۔۔

اس کے مورے اور بابا آج صبح ہی عمرہ کرنے کے لیے نکل چکے ہیں۔ جیسے ہی وہ واپس آتے ہیں۔ میں مورے سے بات کر کے اسے واپس بھیج دوں گا۔۔ زاران نے نرمی سے ٹھوری پکڑے اسے یقین دلایا تھا۔

او۔۔۔ تو شکرانے کے طور پر وہ اپنی بیٹی کی شادی یہاں کے سردار سے طے ہوے ہونے پر عمرہ کرنے گئے ہیں۔ ابرش طنزیہ مسکرائی تھی۔۔

ابرش تمھیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔۔ زاران نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔۔ اس کے چہرے پر اب غصے کی جھلک نمودار ہوئی تھی۔ وہ اپنی فطرت

کے خلاف جا کر کب سے ابرش کو وضاحتیں دے رہا تھا۔۔ مگر وہ جیسے کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں۔۔ ابرش جواباً تلخی سے بولتی بیڈ پر لیٹتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔ اپنی سائیڈ کا لیمپ بھی آف کر چکی تھی۔

زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی گردن رب کی تھی۔۔ غصے سے اپنی شرٹ کے اوپر والے دو بٹن کھولتے ابرش کو دیکھا جو اس کی طرف رخ پلٹے ہوئے تھی۔۔

وہ کچھ دیر تک ابرش کی پشت کو گھورتا رہا سانس بھرتا اس کے قریب ہوا تھا۔۔

کیوں ستاتی ہو مجھے ؟؟ ایک مہینہ ہوا ہے ہمیں قریب آئے ہوے۔۔ پھر بھی مجھ سے صدیوں کے فاصلے پر رہتی ہو۔۔ ای

یہ ادائیں یہ نخرہ اس لیے کیونکہ تم جانتی ہو تمھارا شوہر بیوفا سہی۔۔۔ مگر رات کے اس پہر صرف تمھارے ہی قریب آتا ہے۔۔ اسے صرف اپنی ابرش کی ضرورت پڑتی ہے۔۔ وہ اسے کندھے سے تھامے سیدھا کر چکا تھا۔۔

غلط نہیں کہتی۔۔ تم کتنی دیر سے کمرے میں آئے ہو ؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں اسے جتایا تھا۔

اس کے شکوے پر زاران کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔وہ اس سے شدید محبت کرتی تھی۔۔اس کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا تھا۔۔اس کے لیے بے انتہا پوزیسو ہونا بھی اس کی شدت کو ظاہر کر رہا تھا۔۔کل سے اس کے چہرے پر ویرانیاں اور زردیاں گھل چکی تھیں۔

عابیر کو اپنی سہیلی کی مہندی پر جانا تھا اور میرے دوست کی بھی مہندی تھی۔۔اب تم بتاؤ عابیر کو اکیلا تو نہیں بھیج سکتا تھا۔۔تمھارے سامنے کتنے فون آئے تھے درخزئی کے۔۔تمھیں کھانا کھلا کر میڈیسن دے کر گیا تھا۔۔تمھاری آجازت سے ہی گیا تھا۔۔بلکہ تم نے کتنے طنز کے تیر چلائے تھے۔۔تمھاری جلی کٹی باتیں سن کر ہی اس کمرے سے گیا تھا۔۔۔

زاران نے اس کے شکوے پر مسکراتے ہوے اس کی ناک کی ٹپ پر نرمی سے لب رکھے تھے۔۔

تو ثابت ہوتا ہے میں تمھاری پرورائٹیز میں سب سے آخر میں آتی ہوں۔۔ آج اس بچے کی کی وجہ سے تم نے مجھے مارجن دے دیا۔۔ ورنہ تم اس کمرے سے باہر رہنا اپنی مردانگی سمجھتے ہو۔۔ سب کو بتانا بھی تو ضروری ہے کہ تمھاری بیوی تمھارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔۔

ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلتے کہا۔۔

تم میری پروپرائٹیز میں سب سے اوپر ہو۔۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کیا کرنا پڑے گا۔۔ زاران نے خود پر قابو پاتے ضبط سے پوچھا۔۔ اس کا بار بار خود سے دور دھکیلنا اسے غصے میں مبتلا کر رہا تھا۔

یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی زاران۔۔۔۔ یہ تو دل سے محسوس کیا جاتا ہے۔۔ تمھارا رویہ مجھے سمجھاتا ہے میں تمھارے لیے کوئی اہمیت نہیں

رکھتی۔۔اگر پھر بھی تم چاہتے ہو ثابت کرنا چاہتے ہو تو مجھے تم سے کچھ چاہیے۔۔ابرش اسے پیچھے کرتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

کیا چاہیے تمھیں؟؟زاران نے پریشانی سے پوچھا تھا۔۔اپنی بیوی کی الٹی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔۔ڈر یہی تھا۔۔وہ وہی مانگے گی جو وہ دے نہیں سکے گا۔۔وہ اچھا خاصہ پریشان ہوا تھا۔

ایک برینڈ نیو گاڑی چاہیے۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

گاڑی۔۔۔۔زاران نے حیرانگی سے کہا۔۔

نہیں دلا سکتے۔۔ابرش نے اس کی حیرانگی پر استھزائیہ پوچھا

دلا سکتا ہوں بتاؤ کون سی گاڑی چاہیے۔۔زاران نے اسے قریب کرتے پوچھا۔۔

سب سے مہنگی گاڑی چاہیے۔۔اتنی مہنگی ہو حویلی میں کسی کے پاس نہ ہو۔ بچپن کی خواہشات میں سے ایک خواہش اپنے لیے برینڈ نیو گاڑی بھی لینا تھی۔۔ مگر جب گاڑی ملی تو سیکنڈ ہینڈ گاڑی ملی۔۔اب چاہتی ہوں میرا ملینیر شوہر مجھے سب سے مہنگی گاڑی دلائے۔۔ابرش نے طنزیہ مسکراتے کہا۔

آجائے گی گاڑی۔۔۔کل صبح کی روشنی ہونے سے پہلے۔۔۔

مگر تم کیا کرو گی اس گاڑی کا۔۔زاران نے ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے الجھن بھرے لہجے میں اپنی پوچھا۔۔

اس کمرے کے ٹیرس سے اس گاڑی کو دیکھ کر خوش ہوا کروں گی۔۔خود کو یقین دلایا کروں گی میں کتنی خوش قسمت ہوں۔

کار پورچ میں کھڑی گاڑی میری ملکیت ہے اور یہ عالیشان کمرہ بھی میری ملکیت ہے۔اب زاران خانزادہ میری ملکیت نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔ابرش کے طنز پر زاران خانزادہ نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

ابرش گاڑی آجائے گی۔۔ڈرائیور کا انتظام ہو جائے گا۔۔ویسے تو تمھارا ڈرائیور۔۔۔۔ تمھارا شوہر بننے کے لیے تیار ہے۔اگر میری خوبصورت بیوی ایسا چاہے۔

زاران اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے سینے پر گرا چکا تھا۔۔

ابرش نے بھیگی آنکھوں سے شکوہ کناں نگاہوں سے زاران کی طرف دیکھا تھا۔۔

ابرش میری جان۔۔۔میری زندگی۔۔۔ گاڑی تمھاری ملکیت ہو گی۔۔ ہمارا بچہ ہونے کے بعد تم اسے ڈرائیو بھی کر لینا۔۔ مگر ابھی تم ڈرائیو نہیں کر سکتی۔۔ تمھیں کہیں بھی جانا ہو اتم میرے ساتھ یا پھر ڈرائیور اور گارڈز کے ساتھ جاؤ گی۔۔

اور میں کہاں جاؤ گی؟؟ تم مجھے کمرے سے باہر برداشت نہیں کرتے۔۔ گاڑی چلانے دو گے کیا؟؟۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔۔

کیوں نہیں چلانے دوں گا۔۔ مگر ہمیشہ میرے پاس رہنا۔۔۔ تم ڈرائیو کرنا میں تمھارے ساتھ بیٹھ جاؤں گا۔۔ تمھارا ہاتھ پکڑ کر۔۔۔۔۔ زاران نے پیار سے اسے مزید قریب کرتے اس کے عارض پر لب رکھے۔۔

ہاتھ پکڑو گے تو گاڑی کیسے چلاؤں گی؟؟۔۔ابرش کی آواز مزید بھیگی تھی. تو پھر مجھے چلانے دینا کیونکہ میں تمھارا ہاتھ پکڑ کر گاڑی چلا سکتا ہوں۔۔زاران نے مسکراتے ہوے کہا۔

ابرش کی آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔۔زاران اس کے رونے پر سرد سانس کھینچ گیا تھا۔

ابرش میرا یقین کرو۔۔میرا اپلوشہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔شال پر لپ سٹک کا نشان اس کے مجھ سے ٹکرانے پر لگا تھا۔۔ہم نیچے لاونج میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔۔مگر تم نے میری باتیں نہیں سنیں میں اسے سخت الفاظ میں خود سے دور رہنے کا کہہ رہا تھا۔۔

پلیز میری اور اپنی زندگی مزید مشکل نہ بناؤ۔یہ بچہ تمھارا میرا نہیں۔۔بلکہ ہمارا ہے۔۔ہماری محبت کی نشانی۔۔۔۔وعدہ کرو۔۔تم اسے کبھی نقصان

نہیں پہنچاؤ گی۔۔زاران نے ابرش کے گال پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے کہا۔۔

ابرش نے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔زاران نے مسکراتے ہوے اسے خود میں بھینچا تھا۔۔اس نے اب کی بار اسے خود سے دور نہیں کیا تھا۔۔

زاران رخ پلٹے اس پر گھنی گھٹا کی طرح چھایا۔۔

ہمممم۔۔۔۔اب اچھی بیویوں کی طرح خود کو میرے حوالے کرو۔۔

تاکہ میں تمھیں پریکٹکل بتا سکوں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔

زاران نے اس کی ٹھوڑی پر نرمی سے اپنے لب رکھتے خمار آلود لہجے میں کہا۔۔۔

وہ اس کی گردن کو دیوانہ وار چومتے اس کے بدن کی نازکی کو اپنے لبوں سے محسوس کرتے اس کے پیٹ پر آیا تھا۔۔

وہاں بہت نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔ اور پھر وہاں وہ اپنے لب نرمی سے رکھتا چلا گیا تھا۔۔

ابرش اس کی پر حدت بوسوں کی بوچھاڑ اپنے پیٹ پر محسوس کرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ بند پلکوں کی باڑ سے آنسو توڑتے عارض کو بھگو رہے تھے۔۔

زاران بہت نرمی سے اس کے بدن کو ہر پردے سے آزاد کرتے بہت نرمی سے آج اس پر اپنی شدت نچھاور کرتے کمرے کی تمام لائٹس آف کرتے

وہ قطرہ قطرہ بھیگتی رات میں مزید اسے خود میں سمیٹتے اسے اپنی پیار کی شدت میں بھگو تا جا رہا تھا.

حور نے غصے سے ساحر خان کو دیکھا جو اسے بازو سے جکڑے ہوے تھا۔۔

How dare you touch me saahir khanzada ??

حور خود کو ساحر خان کی گرفت سے چھڑواتے غصے سے غرائی۔۔

اتنی دور چلی گئی ہو مجھ سے۔۔میرے ذرا سے چھونے پر مجھ سے ایسے سوال کرو گی؟؟وہ کرب کی کیفیت میں بولا تھا۔۔اس کے بازو پر ابھی بھی اس کی گرفت مظبوط تھی

میرے تمھارے بیچ نہ کل ایسا رشتہ تھا کہ تم مجھے چھو سکو نہ آج ایسا کوئی رشتہ ہے کہ تم میرے قریب آسکو۔

اور اب تو بلکل بھی نہیں رکھتے۔۔ کیونکہ تمھاڑے سامنے حور سلطان شاہ نہیں۔۔ حور ارحام خانزادہ کھڑی ہے۔۔ اور تم بھی ایک خانزادہ ہو ۔۔ جانتے ہو گے اپنی عزت پر بری نظر ڈالنے والوں کی وہ آنکھیں نکال دیتے ہیں

۔ حور نے اپنا بازو جھٹکے سے چھڑوایا جو اس نے خود ہی چھوڑ دیا تھا۔۔

سبز سرخ آنکھوں میں پہلے سے بھی زیادہ پانی جمع ہوا تھا۔۔

بری نظر۔۔۔ وہ یہ لفظ زیر لب دہراتا کرب سے ہنسا تھا۔

ہاں۔۔۔بری نظر جن نظروں سے تم مجھے دیکھتے ہو اگر ارحام خانزادہ تمھیں دیکھتا دیکھ لے تو تمھاری جان لمحوں میں لے لے۔۔ تمھاری جان لے کر بھی اسے سکون نہ آئے۔۔یقین مانو تمھارے بے جان وجود سے وہ تمھاری بے جان کھینچ لے اور تمھاری ساکن سانسون سے تمھاری ساکن سانسیں کھینچ لے۔۔ پھر بھی وہ چین نہ پائے۔۔۔ حور نے ایک ایک لفظ چباتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔

اتنا پوزیسیو ہے تمھیں لے کر۔۔ ساحر خان نے کرب سے سوال داغا۔۔

حد سے زیادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ میں اس کا جنون بن چکی ہوں۔۔ حور نے ساحر خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔۔

جنون اور عشق میں فرق ہوتا ہے؟؟ وہ جنونی ہو سکتا ہے۔۔ مگر تم سے عشق صرف میں کرتا۔ ہوں۔ وہ مجھ جیسا عشق نہیں کر سکتا۔۔ ساحر خان اس کے منہ سے اسے کسی کا جنون سن کر پاگل ہوا تھا۔۔

پاگل تو وہ ویسے بھی ہو چکا تھا۔۔ دو دن سے وہ سویا نہیں تھا۔۔ کپڑے نہیں بدلے۔ تھے۔ کھانا نہیں کھایا تھا۔۔ وہ کوئی اجڑا فقیر لگ رہا تھا۔۔

ان چھ ماہ میں وہ پھر بھی خود کا خیال رکھتا تھا۔۔ حور اس کے پاس کبھی تو آئے گی۔۔ وہ حور کے لیے زندہ رہا تھا۔۔

مگر دو دن سے اس کی دنیا ہی اجڑ چکی تھی۔۔ جس کے گیے زندہ تھا وہ کسی اور کی ہو چکی تھی۔۔ وہ اب زندہ رہ کر کرتا بھی کیا۔۔ آتی جاتی سانسوں کی روانی کا تعلق تھا۔۔ جو لگتا تھا کبھی بھی ٹوٹ جایئں گی۔۔

جس دن تم نے مجھے چھوڑا تھا مجھے لگا تھا میں بھی مر گئی ہوں۔۔ مگر دیکھو آج بھی زندہ ہوں۔۔ اب یہ مت سمجھنا تم نے مجھے چھوڑا تو میں تمھاری محبت میں مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ نہیں۔۔۔۔ مگر تم نے مجھے جس وجہ سے چھوڑا اس بات سے مرنے والی ہو گئی تھی۔۔

میری ماں طوائف تھی۔۔ اس حقیقت کے جاننے کے بعد تمھاری محبت مر گئی میرے لیے۔۔ اور جب میں تم سے جدا ہوئی تو اس جدائی کی تڑپ نے تمھیں بتایا کہ تمھارے لیے میرا وجود معنی رکھتا ہے۔۔ میری حقیقت نہیں۔۔۔۔ مجھے تمھاری ایسی محبت نہیں چاہیے۔۔ سنا تم نے وہ چیخی تھی۔۔

تو اس کا مطلب ہے تمھیں یہ سب ماہ جبین آنٹی نے بتایا۔۔ مہر ماہ آنٹی کا تعلق کوٹھے سے تھا۔۔ یہ حقیقت مبہ جبین آنٹی جانتی تھی۔۔ مہر ماہ آنٹی کی تصویروں سے تم اس حقیقت سے واقف ہوئی کہ وہ تمھاری سگی ماں

ہے۔۔ دوسری حقیت سے باخبر تمھیں ماہ جبین آنٹی نے کیا۔۔ انفیکٹ مہر ماہ آنٹی کی تصویریں بھی تمھیں ماہ جبین نے دیں۔۔

کیا ہوا تھا اس رات حور۔۔۔ کیا کیا تھا ماہ جبین نے تمھارے ساتھ؟؟ وہ اس کا بازو جکڑے وحشت کے عالم بولا۔۔

کیا ہوا تھا اس رات اور کیا نہیں۔۔۔ تم مجھ سے ذوچھنے کا حق نہیں رکھتے۔ چھوڑو مجھے مت چھوؤ۔۔۔ حور نے غصے سے اسے خود سے دور کیا۔۔

تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ میں پتہ لگا کر رہوں گا۔۔ اس رات کیا ہوا تھا۔۔ ماہ جبین یب پھر کسی نے بھی تمھین تکلیف پہنچائی وعدہ ہے میرا۔۔ میں اسے زمین کی سات تہوں تک پہنچا کر رہوں گا۔۔ وہ گہری ہوتی سانسوں سے مضبوط لہجے میں بولا۔۔

تم اور تمھارے وعدے۔۔۔ حور زخمی پرندے کی مانند غرائی تھی۔

وعدہ میں نے نہیں توڑا۔۔ وعدہ تم نے حور۔۔۔ تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کہ تم ہمیشہ مجھ پر اعتبار کرو گی۔۔ کبھی مجھ سے کچھ نہین چھپاؤ گی۔۔

تم سے مگنی سے پہلے میں مہر ماہ آنٹی کی حقیقت سے بے خبر ہو گیا تھا۔۔ سلطان انکل نے مجھے ساری حقیقت بتائی تھی کہ مہر ماہ آنٹی کا تعلق کہاں سے تھا۔۔ اگر تمھیں چھوڑنا ہوتا تو میں تمھیں اپناتا ہی نہ۔۔۔ اس دن میرے بحاف پر ہماری مگنی ٹوٹنے کی خبر جھوٹی پھیلائی گئی تھی۔۔ تاکہ میرے اگلے تمام شوز ہاؤس فل رہیں۔۔ مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔۔ میں تو اس دن ہی سارے کنسرٹس سارے ایگریمنٹس توڑ کر تمھاڑے لیے یہاں چلا آیا۔ مکر یہاں آکر قیامت میرے لیے منتظر تھی۔۔ تم نہیں تھی۔۔

تم نے میرا قتل کیا۔۔مجھے زندہ مار دیا۔۔تم بیوفا ہو تم قاتل ہو میری۔۔۔۔۔تم بیوفا ہو حور۔۔۔۔۔مگر پھر بھی ساحر خانزادہ تمھارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔۔جس جس نے تمھارے ساتھ جو جو کیا اس کا حساب اسے دینا پڑے گا۔۔

ساحر خان اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے وحشت کے عالم میں بولا تھا پھر اسے چھوڑتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔۔

عابیر اپنی سہیلی گلالئی کی مہندی سے واپسی پر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔۔کمرے میں نیم اندھیرہ چھایا ہوا تھا۔۔

کمرے میں پھیلی مہک کو محسوس کرتے عابیر کی سانسیں رکی تھیں۔عابیر دروازہ بند کرتے گہرے سانس لیتے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موند چکی تھیں۔

جب سے وہ اسفندیار خان سے ٹکرائی تھی تب سے ہی اسے یہ جان لیوا خوشبو اپنے روم روم سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔۔

ظالم بے حس۔۔۔۔بے درد۔۔۔۔۔۔ستم گر۔۔۔تمھارا نام اسفندیار خان نہیں یہ ہونا چاہیے تھا۔۔وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے چیخی تھی۔۔

اپنی چادر اپنے گرد سے اتارتے ہوے عابیر نے اپنے جھمکے نوچ نوچ کر اتارتے ہوے زمین پر پھینکے تھے۔ اپنی فراک کی زپ کھولتے وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔

سنہرے سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ ہیزل گرے آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔۔۔

چاند کی کرنوں سے متشابہ اس کا روپ تھا۔ عابیر نے اپنی فراک کو کندھوں سے نیچھے کھسکایا تو گہرائیوں پر اس کی شدتوں کے گہرے نشان تھے۔۔

عابیر نے روتے ہوے اس نشان کو اپنے ناخنوں سے نوچا تھا۔۔

مجھے تمھارا کچھ بھی نہیں چاہیے اسفندیار خان۔۔۔کچھ بھی نہیں۔۔۔میرا بس چلے تو تمھارا ہر لمس تمھاری دی ہوئی ہر سوغات نوچ کر پھینک دوں۔۔عابیر اس کی شدتوں کے نشانوں کو کھرچتے ہوئے چیخی تھی۔

پیڈ کی طرف بڑھتے وہ اوندھے منہ گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

فراک کندھوں سے نیچے کھسکی ہوئی تھی۔۔لمبے سنہری بالوں نے برہنہ کمر کو چھپایا تھا۔۔وہ اوندھے منہ لیٹی بری طرح لرزتے ہوئے رو رہی تھی۔۔

اسفندیار خان جو کمرے میں رکھے صوفے پر بیٹھے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔جہاں مقابل کا سسکنا اس کی مردانہ آنا کو تسکین دے رہا تھا۔

۔وہاں اس کے منہ سے نکلے لفظ سن کر وہ دہکتا تندور بنا۔

اسفندیار خان کمرے میں پھیلی نیلگوں روشنی میں اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو کب سے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کا دو آتشہ بھڑکتا روپ تو کب سے اس کے اندر آگ لگائے ہوے تھا۔ اب جو وہ روپ اسے انجانے میں دکھا چکی تھی۔۔ اسفندیار خان کا خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔۔

اسفندیار خان سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوے اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

عابیر کی سسکیاں یکدم رکی تھی۔۔ وہ جان لیوہ خوشبو اسے اپنے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی۔۔

عابیر اپنے آنسو صاف کرتے سیدھی ہوئی تھی۔۔اپنے سامنے کھڑے اسفند یار خان کو دیکھ کر وہ ششدر ہوئی تھی۔۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔

عابیر بیڈ سے اترتے اسفند یار خان کے مقابل جا کھڑی ہوئی تھی۔

آپ کیوں آئے ہیں میرے کمرے میں وہ اسفند یار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔اس دن کی اپنی بے قدری وہ بھولی نہیں تھی۔۔رات بھر وہ اسے اپنی جان لیوہ پناہوں میں رکھنے کے بعد وہ اگلے دن اس کی ذات سے کیسے لاپرواہ ہو گیا تھا۔۔

عابیر گہرے سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔اسے احساس ہی نہیں تھا وہ اس کے سامنے کس حلیے میں کھڑی ہے۔کندھوں سے نیچے کھسکتی میکسی جیسے زمین بوس ہونے کو تیار تھی۔۔

تمھارے کمرے میں آنے کے لیے مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں ہے..اسفند اس کے ہوش ربہ سراپے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔۔

ہے اسفند یار خان اس کمرے میں آنے سے پہلے آپ کو میری آجازت کی ضرورت ہے۔۔کیونکہ یہ کمرہ میری ملکیت ہے۔وہ اس کے سینے پر ہاتھ مارتے دبے انداز میں چلائی تھی۔۔

یہ کمرہ تمھاری ملکیت ہے۔۔مگر تم اسفند یار خان کی ملکیت ہو۔۔۔وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر چکا تھا۔

میں آپ کی ملکیت نہیں ہوں سنا آپ نے۔۔عابیر اسفندیار خان کو خود سے دور دھکیل گئی تھی۔۔

اسفندیار خان نے اس کی فراک کندھوں سے کھینچتے جھٹکے سے کھینچی تو وہ اسی لمحے زمین بوس ہوئی تھی۔۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھیں پھٹنے حد تک کھل گئی تھی۔۔اسے اب ہوش آیا تھا وہ اس کے سامنے کس حلیے میں کھڑی تھی۔

وہ ابھی بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسفندیار خان کو بنا پلکیں جھپکائے دیکھ رہی تھی۔۔

اب پتہ چلا تم کس کی ملکیت ہو۔۔اسفند اس پر گہری نگاہیں گاڑھتے بولا تو وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔

وہ گھبراتے ہوے جلدی سے رخ موڑ گئی تھی۔

برہنہ کمر کو اس کے سنہری بالوں نے ڈھانپا ہوا تھا۔۔وہ گہرے سانس بھرتے کھڑی تھی۔۔

اسفند نے اس کے قریب ہوتے اس کی بل کھاتی کمر سے اس کے سنہرے بال پیچھے کرتے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈالے اس کی برہنہ کمر پر اپنے سلگتے لب رکھے تھے۔عابیر کے بدن میں برقی رو دوڑی تھی۔۔وہ گہرے سانس لے کر رہ گئی تھی۔۔عابیر نے اسفندیار خان کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی وہ اس کے پیٹ پر ہاتھ مضبوط کرتے اس کی کمر کے براؤن تل پر اپنے دانت زور سے گاڑھ چکا تھا۔

اس کی شفاف کمر پر اس کی شدت کا گہرا نشان پڑ چکا تھا۔۔اسفندیار خان رکا نہیں تھا۔۔وہ اسے بیڈ پر دھکیل کر اس کی طرف بڑھا وہ اس پر جھکتے اس کی

کمر پر جگہ جگہ اپنے دانت گاڑھنے لگا۔۔وہ اس کے لفظوں اور اس کے عمل کی سزا دے رہا تھا جو کچھ دیر پہلے وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

اسفندیار خان اسے سیدھا کرتے اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔۔اس گلابی لبوں پر اس نے اپنے دانت گاڑھے تو عابیر کی سسکیاں برامد ہوئی تھیں۔

اسفندیار خان اس کے نچلے لب پر اپنے دانت گاڑھتے اسے اتنے لبوں سے کھینچتے اس میں اپنی سانسیں انہیل کر رہا تھا۔۔

اس کی شدت پر اس کے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔۔اسفندیار خان نے اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے آزاد کیا تھا۔۔عابیر ہیزل گرے بھیگی نگاہوں سے اپنے اوپر جھکے ستم گر کو دیکھ رہی

تھی۔۔ جس کی اتنی شدت دکھانے کے بعد بھی اس کی جان لیوہ خوشبو اسے اپنے رگ رگ میں سماتے محسوس ہو رہی تھی۔

اسفندیار خان کی آنکھیں بھی پل میں خمار آلود ہوئیں۔

اس کا بکھرا سراپہ اس کے حواص پر چھایا تھا۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل پھیل کر ان آنکھوں کو مزید سرمئی اور گہرا بنا چکا تھا۔۔

گلابی کپکپاتے لب جو اس کی شدت سے شرخ گلاب تھے بری طرح لرز رہے تھے۔

سنہری بالوں کی لٹیں گردن سے چپکی ہوئیں تھیں۔۔ نیشیب و فراز گہرے سانس بھرتے اسفندیار خان کے ہوش اڑا چکے تھے۔۔ سانسوں کا مدھم

زیر و بم اس کے خد و خال کی دلکشی بڑھا چکا تھا۔۔ اسفندیار خان بے تابی سے اس کے لبوں پر جھکتے بہت نرمی سے انھیں اپنے قید میں لے چکا تھا۔۔

عابیر حیرانگی سے اس کے گرم تپش زدہ شدت بھرے دہکتے لمس کو نرمی میں بدلتے حیران تھی۔۔ وہ پھر سے ان پر شدت ڈھاتا اس کی سانسیں گھونٹ چکا تھا۔۔

اسفندیار خان اس کے لبوں پر اپنی گرفت مسلسل بڑھا رہا تھا۔ یہاں تک کہ عابیر کو محسوس ہوا جیسے وہ شائد آخری سانسیں لے رہی ہے عابیر اس کے حصار میں ساکت ہوئی تھی۔ یکدم اسفند اسے اپنی وحشی جنونی گرفت سے آزاد کرتے اس سے دور ہوا۔

اسفند تکیے پر خود گراتے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرنے لگا۔۔ عابیر گہرے سانس لیتے رخ پلٹ گئی تھی

اسفند کے ہاتھ اس کی برہنہ پشت پر رینگتے اس کے سٹریپ میں الجھے تھے اسفند کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے عابیر نے سانس روکی تھی۔۔

اسفند نے عابیر کی کمر پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھایا تو عابیر نے اسفند کے کھردرے انگلیوں کی سختی پر سسکی سی بھری تھی۔۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی پھر سے چلمن سی آ ٹھہری تھی۔۔ بے بسی کا احساس روگ وپے میں سرائت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

اس دن کی اس کی قربت کے بعد اس کے جذبات احساسات اسفند کے لیے لیے سخت پتھریلے ہو چکے تھے۔

وہ اس پر اپنا حق جتا کر ہمیشہ اس سے موڑ لیتا تھا۔۔۔ وہ اس کی مرضی جانے بغیر اب اس کے احساسات کی پرواہ کیے بغیر اس پر اپنا حق جتا رہا تھا۔۔

اسفند کی آگ جیسی گرم سانسیں اسے اپنی پچھلی گردن پر محسوس ہوئی تو عابیر تکیے کو سختی سے دبوچے شدت سے رو دی تھی۔۔عابیر کے اس طرح ماتم کدہ انداز میں رونے سے اسفند کی آنکھوں کی سرخی لہو رنگ میں بدلی تھی۔۔اس کا رونا اسے شدید مشتعل کر رہا تھا۔۔وہ بھلا کب اس کی قربت میں ایسے بین ڈالتی تھی۔۔وہ ہمیشہ خود کو اسے لمحوں میں سونپ دیتی تھی۔۔اس کے آنسو اس بات کے گواہ تھے۔۔وہ اس کے لمس میں آج پگھل کر فنا نہیں ہو رہی۔

اسفند نے اس کی بچھلی گردن پر جھکتے اپنے دانت شدت سے گاڑھے تو عابیر نے تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچتے ہوے اسفند سے دور ہونا چاہا تو وہ پوری شدت سے اس پر حاوی ہوا تھا۔۔

اسفند کے لب دیوانہ وار اس کی برہنہ کمر پر رقص کرتے اسے احساس دلا رہے تھے۔۔اس کا سب کچھ اسفند یار خان کی ملکیت ہے۔۔وہ اس کی سٹریپ کو کھینچتے اس کے بدن سے لپٹے اس پردے کو بھی آزاد کرتے اسے سیدھا کر چکا تھا۔

عابیر سانس روکے اسفند یار خان کا لمس اپنے بدن پر برداشت کر رہی تھی۔جواب اس کی گردن پر محو رقص تھا۔۔

عابیر نے پوری قوت سے اسفند یار خان کو خود سے دور دھکیلا تھا۔۔اسفند یار خان جو بلکل مدہوش اس کی گردن پر جھکا اپنا لمس بکھیر رہا تھا۔۔عابیر کے دور دھکیلنے پر پیچھے کو لڑکھڑایا تھا۔۔عابیر بیڈ سے اٹھتی جلدی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔۔اس سے پہلے وہ ڈریسنگ روم میں قدم رکھتی اسفند یار خان اس کے راستے میں حائل ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ

حمائل کرتے اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ رکھے اسے محصور کر چکا تھا۔۔

عابیر گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔بے شک ان دونوں کے درمیان کوئی پردہ نہ رہا تھا۔۔وہ اس کے ہر پہلو کا گہرائی سے معائینہ کرتے اس کے روم روم میں اپنی شدتوں کی سوغاتیں دے چکا تھا۔۔

مگر اس کے سامنے اس طرح وہ شرم و خفت سے سرخ گلاب ہو رہی تھی۔۔مگر مقابل جتنا بے باک تھا اتنا ہی بے شرم بھی تھا۔۔وہ اپنی نیلی گہری آنکھوں سے اس کا تفصیلاً معائینہ کر رہا تھا۔۔اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے عابیر سرخ ہوتے اپنی نظریں جھکائے نچلا لب بری طرح کاٹ گئی تھی۔۔

اسفند کے اگلے عمل پر وہ اپنی سانسیں روک گئی تھی۔۔وہ اس دھڑکنوں پر جھکتے دانت گاڑھ چکا تھا۔۔جہاں اس نے ابھی خود کو نوچا تھا۔۔وہ اسی سرخ جگہ پر اپنی شدت دکھا رہا تھا۔۔وہ اسے لے کر کافی شدت پسند تھا۔۔وہ جانتی تھی۔۔وہ برداشت نہین کر سکا تھا اس کا ایسے اس کی شدتوں کو کھروچنا۔۔۔۔

اب وہ ایگزیکٹ اسی مقام پر اپنی جنونیت دکھا رہا تھا۔۔

عابیر اس کی شدت پر لرز رہی تھی۔۔اسفند اس کا تڑپنا محسوس کرتے سیدھا ہوا تھا۔۔

کس کی آجازت سے تم اس حویلی سے نکلی تھی۔۔وہ اس کا منہ دبوچے غرایا۔

لالا۔۔لالا۔۔۔کی آجازت سے گئی تھی۔۔عابیر گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔۔وہ زاران کا نام سنتے اس کا منہ اور بھی سختی سے دبوچ گیا تھا۔۔

نکاح کے بعد ایک عورت کس کی ملیکت میں چلی جاتی ہے۔۔اور اسے کس کی آجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔اسفند اس کا منہ چھوڑتے پھنکارا تھا۔۔

نکاح کے بعد ایک عورت مرد کی ملکیت اس لیے بنتی ہے وہ اسے اپنے تحفظ اور اپنے ساتھ کا بھرپور احساس دلاتا ہے۔۔

اس طرح کا سلوک اپنی بیوی سے نہیں کرتا جو آپ مجھ سے کرتے ہیں۔عابیر کی ہیزل گرے آنکھیں شدت سے جھلملائی تھی۔۔

کس طرح کا سلوک کرتا ہوں تم سے بتاؤ مجھے۔۔ تم پر ہاتھ اٹھاتا ہوں۔۔ روز تمھیں بستر پر روندتا ہوں تمھاری تذلیل کرتا ہوں۔۔ جب بھی تمھارے قریب آیا تمھاری مرضی سے آیا۔۔ اگر تم مجھے روکتی میں کبھی تمھارے قریب نہ آتا سمجھی تم۔۔ وہ اسے خود سے دور دھکیلتا پیچھے ہوے تھا۔۔ اسفندیار خان کی بات پر اسفند نے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔

وہ آگے بڑھتے بیڈ سے اس کی چادر اٹھا کر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ چکی تھی۔۔ وہ ڈریسنگ روم کے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔۔

ابھی جو آپ کر رہے تھے۔ وہ کیا تھا وہ کیا زبردستی نہیں تھی۔۔ عابیر نے اس کے مقابل آتے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

تمھیں احساس دلا رہا تھا تم کس کی ملکیت ہو۔۔ تمھین بتا وہ رہا تھا تم پر صرف میرا حق ہے۔۔ تمھارے اس لالا کا نہیں جسے بہت جلد میں اوپر پہنچا دوں گا۔۔ ایک مرتبہ آہل کا سراغ مل جائے۔۔ پھر تمھارے لالا کو سب کے سامنے دردناک موت دوں گا۔۔ جس طرح اس نے میرے بھائی کو دی۔۔ اسفند سفاکی سے کہتا اس کے گرد اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر مار چکا تھا۔

اگر میرا لالا بے قصور ہوا تو کیا کریں گے آپ؟؟ اپنی غلطی کا مداوہ کیسے کریں گے۔۔ کس طرح نظریں ملائیں گے آپ میرے لالا سے۔۔ جن کی دوستی پر آپ نے سوال اٹھائے۔۔

کس طرح وہ گھاؤ بھریں گے۔۔ جو آپ نے اپنے دوست کے دل پر لگائے۔۔

مجھ سے زیادہ آپ لالا کو جانتے ہیں۔۔ جانتے ہیں وہ ہر رشتے پر وہ اپنی جان دیتے ہیں۔ آپ کا شک کرنا انھیں کس طرح تکلیف دیتا ہو گا۔۔ آپ کے الزام لگانے کے باوجود۔۔۔ ان کی محبت کو بھرے جرگے میں اپنی ونی کے طور لینے کے اعلان پر ان کے دل پر کیا گزری ہو گی۔۔

یہ بھی جانتے ہیں اسفند زاران خانزادہ جس طرح اپنے ہر رشتے کے پوزیسیو ہے۔۔ اس طرح اپنی محبت کے لیے بھی ہے۔ آپ کے منہ سے یہ سب سن کر انہوں نے آپ کے سینے پر گولیاں کیوں نہیں چلائیں۔۔ اپنی جان سے پیاری بہن کو آپ کی ملکیت میں کیوں سونپ دیا۔۔ اگر وہ نہ چاہتے کبھی بھی عابیر خان آپ کی ملیکت نہ بنتی۔۔ مگر یہ سب ہوا یہ کیونکہ لالا کے لیے سب

سے اوپر رشتہ اسفندیار خان کا ہے۔۔ میرے لالا آج بھی اسفندیار خان پر اعتبار کرتا ہے۔ اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے۔۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

تمھارے لالا کے دو چہرے ہیں۔۔ عنقریب میں اسے بے نقاب کروں گا۔۔ پھر اس دن تم یہ بات میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں کر سکو گی۔۔ وہ اس کے قریب ہوا تھا۔۔

عابیر دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

وہ اس کی شال اس کے کندھوں سے دوبوچتے اپنے قریب کر چکا تھا۔۔

اگر اسفندیار خان آپ غلط ہوے میرے لالا بے قصور ہوے تو آپ کیا کریں گے۔۔ عابیر نے وہی سوال دوبارہ دہرایا تھا۔۔

تمھارے ہاتھ میں پسٹل پکڑاؤں گا تم میرا وجود گولیوں سے چھلنی کر دینا۔۔ وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں گاڑھ گیا۔۔

نہیں اسفندیار خان میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔ مگر اس دن سب کے سامنے میں آپ سے کچھ مانگوں گی۔۔ بولیں آپ اگر غلط ہوے مجھے دیں گے۔۔ اپنی ملکیت سے آزاد نہیں کروں گا۔۔ باقی جو مرضی مانگ لینا میرا وعدہ ہے تم سے دوں گا۔۔ اسفند اسے اپنے مزید قریب کرتے بولا۔۔

میں کیا مانگوں گی اس کا فیصلہ میں کروں گی۔۔ آپ کے پاس صرف وہ دینے کا اختیار ہو گا۔۔ ہو سکتا ہے میں آپ سے تاعمر جدائی مانگ لوں۔۔ عابیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

اسفند کی آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔

کہانہ آزاد نہیں کروں گا۔۔ تاعمر میری ملکیت رہو گی۔۔ وہ اس کی شال اس کے سینے سے علیحد کرتے اس کی شال کو جکڑے مزید اپنے قریب کر گیا۔۔

آزادی آپ کی ملیکت سے نہیں بلکہ آپ کی قربت سے مانگوں گی۔۔ وعدہ لوں گی سب کے سامنے کہ اسفندیار خان کبھی بھی عابیر پر اپنا حق نہیں جتائے گا۔۔ وہ کبھی دھڑلے سے اس کے کمرے میں نہیں آئے گا۔۔ عابیر زخمی لہجے میں بولتے کرب سے مسکرائی تھی۔۔

اور یہ کبھی نہیں ہو گا۔۔ کیونکہ تمھارا لالا میرا مجرم ہے۔

اسفندیار خان تم پر ہمیشہ اپنا حق جتائے گا۔ اسفندیار خان کو جب تمھاری ضرورت ہو گی۔۔ وہ تمھارے قریب آئے گا۔۔

کیونکہ عابیر اسفندیار خان صرف اسفندیار خان کی ہے۔۔عابیر خان کی سانسوں پر بھی اسفندیار خان کا حق ہے۔۔وہ اس کے لبوں پر جھکے انھیں اپنی سانسوں میں قید کر چکا تھا۔۔

عابیر کے لبوں پر وہ اپنی شدت ڈھائے اسے نرمی سے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔

اس سے پہلے عابیر بیڈ سے اٹھتی وہ اپنی شرٹ اتارتے اس پر جھک چکا تھا۔۔

اسفند پیچھے ہٹیں۔۔آج نہیں۔۔۔میں آج خود کو آپ کو نہیں سونپوں گی۔۔عابیر چیخی تھی۔۔

تم آج بھی خود کو مجھے سونپو گی۔۔کیونکہ عابیر خان کی آنکھوں میں اسفندیار کا عکس دکھائی دے رہا ہے۔۔عابیر لخان کی دل کی دھڑکنوں میں اسفند خان دھڑک رہا ہے۔۔عابیر خان کے آنسوؤں میں اسفندیار خان کی شدید محبت

چھلک رہی ہے۔۔وہ اس کے آنسو کو اپنے لبوں سے چنتا گھمبیر لہجے میں بولا۔۔

اور اسفندیار خان کی آنکھوں میں کس کا عکس ہے۔۔اسفندیار خان کے دل کی دھڑکنوں میں کون دھڑک رہا ہے۔۔عابیر نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

دل کی ہر ایک دھڑکن تجھ کو پہچانتی ہے

میری چاہت ہے اب کیا تو نہیں جانتی ہے۔۔

اسفند کی نیلی آنکھوں نے سوال کیا تھا۔۔

تمھیں ان آنکھوں میں کون دکھائی دے رہا ہے۔۔ تمھیں ان دھڑکنوں میں کون سنائی دے رہا ہے۔۔ اسفندیار خان نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔۔

میں تجھ کو جان گئی

تجھ کو پہچان گئی

پھر بھی تیری ہاں ہے باقی

عابیر اسفندیار خان۔۔۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں کہتے مسکرائی تھی۔

جب جانتی ہو تو پھر یہ سوال کیوں؟؟ یہ آنسو کیوں؟؟ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔۔

اسفند مسکراتے ہوے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔

اس کی شدت پر عابیر نے بھی ساتھ دیا تھا۔۔

اسفند یار حان اس کے لبوں کو آزاد کرتے خود تکیے پر سر رکھتے سیدھا ہوا اور اسے اپنے سینے کا حصہ بنا گیا۔۔

عابیر نے اس کے اوپر آتے اسفند یار خان کے سینے پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔ جسے محسوس کرتے اسفند یار خان کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔ اسفند نے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا تھا۔۔

عابیر اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔ اسفند بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرایا تھا۔۔

عابیر اسفند کے یوں گہری نگاہوں سے دیکھتی اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔

اسفند کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔وہ اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے مسکراتے ہوے رخ پلٹے اس پر حاوی ہوا تھا۔۔

تیار ہو مجھے سہنے کے لیے۔۔اسفند یار خان نے گہرا مسکراتے ہوے بوچھا۔۔

عابیر نے اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

آپھر دیکھتے ہیں مسز اسفند یار خان آج کتنی بہادری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔کیونکہ آج ایک پل کے لیے تمھیں سانس لینے کا موقع نہیں دوں گا۔۔پناہ مانگو گی مجھ سے۔۔۔۔وہ ذو معنی انداز میں بولا تو عابیر کے چہرے پر خوف کی پرچھائی لہرائی تھی۔۔

تم تو ابھی سے ڈر گئی بیوی۔۔۔۔اسفند کے حلق سے جاندار قہقہہ برامد ہوا تھا

نن نہیں تو وہ میں اسفند۔۔۔عابیر سرخ گلاب ہوتے اس کے سینے میں چھپا گیی تھی۔۔

Lets see how brave my wife

اسفند کہتا کمرے کی لائٹ آف کر چکا تھا۔۔کمرے میں گونجتی عابیر کی سسکیاں اس بات کی گواہ تھیں کہ اسفندیار خان کو برداشت کرنا آسان نہ

تھا۔۔وہ اس کی شڈتوں پر پسینے میں بھیگتے بے حال ہوتے اسی ستم گر کی مضبوط پناہوں میں سمٹ چکی تھی۔۔

اسفندیار خان سفید شلوار قمیض میں ملبوس براؤن مردانہ شال کندھوں پر ڈالے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سیڑھیاں اترتے نیچے آیا تھا۔۔۔وہ درخزئی کی بارات پر جانے کے لیے تیار تھا۔

اس کی نظریں لاونج میں ببیٹھی کچھ اجنبی خواتین پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔ عموماً باہر کی خواتین مہمان لاونج میں نہیں بلکہ سٹنگ ایریا میں بیٹھتی تھیں۔۔ مگر یہ خواتین دیکھنے میں کافی ماڈ تھیں۔۔دوپٹے سر پر تھے مگر بڑی بڑی چادروں میں ملبوس نہ تھی۔۔یہاں لاؤنج میں بنا چہرہ ڈھانپے آرام سے بیٹھی تھیں۔یہاں حویلی کا کوئی

بھی مرد آسکتا تھا مگر وہ کمفرٹیبل یہاں بیٹھی تھیں۔

اسفند کی نظر ان کے بیچ بیٹھی عابیر پر پڑی جو ڈیپ ریڈ کلر کی میکسی میں ملبوس تھی۔ ریڈ ہی دوپٹہ سر پر اچھی طرح اوڑھے ہوے تھے۔۔ ماتھا پٹی لگب ئے بڑے بڑے جھمکے پہنے۔۔ ریڈ کلر کی ڈیپ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔۔

اسفند کی گہری شعلہ بار نگاہیں اس کا کافی سرد مہری سے طواف کر رہی تھیں۔ اس نے رات کو کلیر الفاظ میں عابیر کو منع کیا تھا وہ آج گلالئی کی بارات میں نہیں جائے گی۔۔ مگر اس کا یوں سج سنور کر یہاں وجود ہونا اسے بھڑکا چکا تھب۔۔ دفعتًا عابیر کی نظریں اسفندیار خان پر پڑیں تھیں۔ اسفند کو شعلہ بار نگاہوں سے خود کی طرف تکتا پا کر عابیر سٹپٹاتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔

زاران کے کہنے پر وہ تیار ہوئی تھی۔۔ دوسرا وہ خود گلالئی کی شادی پر جانا چاہتی تھی۔۔ اس کی اکلوتی بچپن کی سہیلی تھی۔۔ اور اسفندیار خان کو کیا مسئلہ تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

اسفند اسے سرد سرخ نظروں سے تنبیہ کرتے مردانے میں داخل ہو گیا تھا۔۔

سمیع اللہ خان ہم نے آپ کا بہت نام سنا ہے۔۔ ہم لوگ ادھر شادی پر آئے ہیں۔ ہمارا نام بادشاہ خان ہے۔۔ ہمارا بیٹا اکمل خان دو پہلے اسٹریلیا سے آیا ہے۔۔ وہ مختلف ملکوں میں کاروبار کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا ہے۔۔

ماشاءاللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سمیع اللہ خان بادشاہ خان کے جواب میں بولے تھے۔۔

سمیع اللہ خان ان لوگوں کے یہاں آنے کا مقصد سمجھ نہیں پائے تھے۔۔وہ لوگ زاران کے دوست درخزئی کی شادی پر کراچی سے آئے تھے۔۔ مگر وہ ان لوگوں کی حویلی میں اس وقت کیا کر رہے تھے۔۔اصولاً تو انھیں شادی والے گھر ہونا چاہیے تھا۔۔

مردانے میں موجود زاران اور اربد خان بھی ان کے ادھر آنے پر حیران تھے۔۔کیونکہ ان لوگوں نے پہلے انھیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ہمارا ادھر آنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارا بیٹا اکمل خان سے مل لیں۔کیونکہ ہمارا بیٹا نے کل ہی واپس جانا ہے۔۔۔بادشاہ کی بات پر اب سب مزید حیران ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان مردانے میں داخل ہوتے سب دکو دیکھتے سلام کرتے ایک طرف صوفے پر بیٹھا۔۔

وہ بھی ان اجنبی حضرات کو دیکھ کر حیران تھا۔۔ اندر ان کے گھر کی عورتیں شائد عابیر کو اپنے جھرمٹ میں لے کر بیٹھی تھی۔۔

اسفندیار خان نے سرد نگاہوں سے اکمل خان کو دیکھا جسے اس نے کل درخزئی کی حویلی مین ذنان خانے کے کئی چکر لگاتے دیکھا تھا۔

ہم اپنے بیٹے اکمل خان کے لیے کب سے لڑکی تلاش کر رہے تھے۔۔ مگر ہمارا بیوی کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آرہا تھا۔۔

کل آپ کا پوتی کو ادھر شادی پر دیکھا۔۔ ہمارا گھر کی عورتوں کو آپ کا پوتی بہت پسند آئی ہے۔۔ ہم اپنے بیٹے اکمل خان کے لیے آپ کی پوتی عابیر کا ہاتھ مانگتے ہیں۔

بادشاہ خان کی بات پر سب کے رنگ سرخ ہوے تھے۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔ زاران نے اپنا لب بھینچتے اسفندیار خان کو دیکھا جس کے ماتھے کی نیلی رگیں پھول رہی تھیں۔

ہم جانتے ہیں مناسب یہی تھا ہم اپنے بیٹے کے بغیر آپ سے آپ کی پوتی کا ہاتھ مانگتے۔۔ مگر کل اس نے واپس جانا تھا۔۔ ہمارا بیوی اور اس کی بہنوں کو آپ کی پوتی اتنا پسند آئے وہ ضد لگا کر بیٹھ گئے۔۔ اکمل خان کے واپس جانے سے پہلے اس کا رشتہ طے کر دیتے ہیں۔۔ ہم لوگ آپ کا دور کی برداری سے

ہیں۔۔ ہمارا بیٹا آپ کے سامنے ہے۔۔ ہم بہت عزت سے آپ کی پوتی کا ہاتھ مانگتے ہی۔

بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ ورنہ میں اپنی حویلی کی راوایات بھول جاؤں گا کہ گھر آیا مہمانوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے۔۔ اسفند یار خان کی شیر سی غراہٹ پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔

وہ صوفے سے کھڑا ہوتے اپنی مٹھیاں بھینچے اپنی غصے کی طنابوں پر بمشکل قابو پا رہا تھا۔۔

سب ہی اب اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوے تھے۔۔

زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتا خاموش کھڑا تھا۔۔ سچویشن ہی ایسی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔۔ اگر وہ اسفند یار خان کی جگہ ہوتا اس

کاری ایکشن اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا۔۔زاران خانزادہ کو بھی ان کا مطالبہ کافی غصے میں مبتلا کر چکا تھا۔۔

وہ لوگ بنا کسی تحقیق کے منہ اٹھا کر چلے آئے تھے۔یہی حال اربد خان اور سمیع اللہ خان کا بھی تھا۔۔ان لوگوں کے چہرے بھی ناگواری سے سرخ تھے۔۔گھر آئے مہمانوں کا لحاظ تھا۔۔ورنہ ان کا مطالبہ ان کے لیے بھی برداشت کرنا مشکل تھا۔۔

سمیع اللہ خان تمھارا پوتا مہمانوں کا احترام بھول گیا ہے۔

بادشاہ خان گرجا تھا۔۔حاکم خان بھی سرد سرخ نظروں سے اسفندیار خان کو گھور رہا تھا۔۔

۔۔۔ آج تم اور تمھارا بیٹا اس لیے یہاں سے زندہ سلامت جاے گا۔۔ کیونکہ اس حویلی میں اگر کوئی دشمن بھی آجائے تو ہم اسے واپس زندہ جانے دیتے ہیں۔۔

اس سے پہلے میں اپنی پسٹل کی گولیاں تمھارے سامنے تمھارے بیٹے کے سینے میں اتار دوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔۔ اسفندیار خان حاکم خان کو سرد نظروں سے گھورتے باشاہ کے مقابل آتے غرایا تھا۔

اسفند ہم بات کر رہا ہے۔۔ ہمیں بات کرنے دو۔۔ تم جاؤ یہاں سے۔۔ سمیع اللہ نے سختی سے اسفندیار خان کو پکارا تھا۔۔

بس داجی جتنی بات ہونی تھی ہو گئی۔۔ اب اور بات نہیں ہو گی۔۔ اب اگر مزید بات ہوئی تو اسفندیار خان کی پسٹل سے نکلی ہوئی گولی ہو گی اور اکمل خان کا سر۔ اسفندیار خان حاکم خان کو دیکھتے غرایا تھا۔۔

اکمل خان کے ہاتھ اس کی جیکٹ کی پاکٹ کی طرف بڑھتا دیکھ کر اسفندیار خان ایک ہی جست میں اس کے گریبان کو ایک ہاتھ سے جکڑے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کا سیدھی کلائی جکڑ کر بری طرح مڑوڑ چکا تھا۔۔

وہ درد سے چلا اٹھا تھا۔۔۔اکمل خان کی جیکٹ سے پسٹل نکالتے وہ اسی پر تان چکا تھا۔۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کوئی بھی اسفندیار خان کو روک نہیں پایا تھا۔۔

بادشاہ خان کے چہرے پر اب پریشانی لہرائی تھی۔۔ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔

سمیع اللہ خان۔۔۔۔۔۔بادشاہ خان نے احتجاجی طور سمیع اللہ کو پکارا۔۔

زاران ایک طرف کھڑا یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ بھی بولتا سچویشن مزید بگڑ جانی تھی۔۔ اس کا بیچ میں بولنا اسفندیار خان کو مزید مشتعل کر دیتا۔۔

اسفند یہ کیا کر رہے ہو تم۔۔ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے گھر کی عورتوں نے عابیر کو دیکھا اور پسند کر لیا۔۔ بات کو مت بڑھاؤ۔۔ اربد خان ڈپنے والے انداز میں بولے۔

مت نام لیں اس کا ادھر وہ میری عورت ہے۔۔ اس کا نام بھی مجھے کسی کے سامنے گوارا نہیں۔۔ ان خبیس لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی میری بیوی میری عورت کا ہاتھ مانگنے کی۔۔ اسفندیار خان دھاڑا تھا۔

اکمل خان اور بادشاہ خان کے چہروں پر حیرانگی تھی۔۔

اسفندیار خان سنا نہیں تم نے تم جاؤ یہاں سے ہم بات کرتا ہے۔۔ اور تم انسانوں کی طرح بات نہیں کر سکتا۔ ہر بات میں تمھارا پستول نکالنا ضروری ہوتا ہے۔۔ سمیع اللہ خان ناگواری سے بولتے اسفندیار خان کے مقابل آئے تھے۔۔

داجی میرے سینے میں آگ بھڑک رہی ہے اور یہ آگ بھڑکانے میں اس حویلی کے لوگوں کا ہاتھ ہے۔۔ اسفندیار خان نے پاس کھڑے زاران خانزادہ کو گھورا تھا۔۔

اسفند یہ پسٹل ہم کو دو تم جاؤ یہاں سے۔۔ یہ ہمارا حکم ہے۔۔ تمھارا اندر اپنا داجی کا اتنا احترام ہو گا کہ تم ان کا بات مان سکو۔ اور اس حویلی کا روایات پر قائم رہ سکو۔۔ ان کا شرمندگی سے بھرا چہرہ بتا رہا ہے ان کو اس بارے میں

کوئی خبر نہین تھا۔۔ سمیع اللہ خان نے اکمل خان اور بادشاہ خان کے شرمندہ چہروں پر نظر ڈالتے کہا۔۔

وہ لوگ اس سچویشن میں خفت کا شکار تھے۔۔

اسفندیار خان کا ری ایکشن جائز تھا۔۔ ان لوگوں کو تحقیق کر کے آنا چاہیے تھا۔۔

انہوں نے اکمل خان پر قہر بار نگاہ ڈالی جو کل عابیر کی مہندی پر ایک جھلک دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔۔ اس کی ضد پر وہ لوگ یہاں پر آئے تھے۔۔ وہ باہر کے ممالک میں رہ کر یہاں کی روایات بھول گیا تھا۔۔

ساتھ آنے کی بھی اس نے ضد کی تھی وہ باہر جانے سے پہلے عابیر کے ساتھ اپنا رشتہ پکا کرنا چاہتا تھا۔۔ اگر وہ ساٹھ نہ آتا تو شائد سچویشن اتنی خراب نہ ہوتی۔۔

اسفندیار خان نے غصے اکمل خان کی پسٹل سے مردانے میں رکھے بڑے سے کرسٹل واز کو گولیوں سے نشانہ بنایا تھا۔۔ وہ چھ کی چھ گولیاں کرسٹل واز پر برسا چکا تھا۔۔ وہ کب سے ٹوٹ کر زمین پر گر کر چکنا چور ہو چکا تھا۔۔

اسفند پسٹل زمین پر پھینکتے تیز تیز قدموں سے زنان خانے کی طرف بڑھا۔

ہم نے تو سنا تھا اس کا نکاح آپ کے پوتے کے ساتھ ہوا تھا۔۔ وہ کچھ مہینہ پہلے اللہ کو پیارا ہو چکا ہے۔۔ بادشاہ خان اسفندیار خان کے جانے کے بعد شرمندگی اور تحیر زدہ لہجے. میں بولے۔۔۔

وہ ہمارا پوتا کی بیوی ہے۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔ سمیع اللہ خان تحمل سے بولے۔۔ ہم اپنا پوتا کی طرف سے آپ سے معذرت کرتا ہے۔۔ بچہ لوگ ہے اس عمر میں خون گرم ہوتا ہے۔۔ اور ہم بڑا لوگ کا کام بنتا ہے ہم لوگ عقل سے کام لیں۔۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے اگر کسی معاملے کا گہرائی سے تحقیق کر لیا جائے تو انسان شرمندگی سے بچ جاتا ہے۔۔ سمیع اللہ خان سرد لہجے میں بولے تو بادشاہ خان شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے تھے۔۔

اسفندیار خان غصے اور اشتعال سے زنان خانے میں داخل ہوا۔۔

اسفندیار خان۔۔۔ رکو۔۔۔ زاران نے اسے پکارا تھا۔۔

اسفند نے مڑتے زاران خانزادہ کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔۔

زنان خانے میں خواتین ہیں۔۔ اپنا غصہ کنٹرول کرو۔۔ جس طرح تمھیں پسند نہیں ہے کہ تمھاری عورت کو کوئی ایک نظر دیکھے۔۔ اس طرح دوسروں کی عورتوں کا بھی عزت کا خیال کرو۔۔ زاران کی بات پر اس کے قدم رکے تھے۔۔

وہ اپنے غصے اور اشتعال میں بھول گیا تھا کہ زنان خانے میں خواتین بیٹھی ہیں۔۔ اس وقت اس کا دل کر رہا تھا عابیر کو آگ لگا دے جو ان عورتوں کے درمیان سج سنور کر بیٹھی تھی۔ وہ لوگ اسے اکمل خان کی ہونے والی عورت کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔۔

اسفندیار خان طیش و اشتعال سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ زنان خانے سے آتی روزینہ خانم کی آوازوں پر وہ دونوں تیز تیز قدموں سے زنان خانے کی طرف بڑھے۔۔

کل تم اپنا سہیلی کی مہندی پر گیا تھا یا پھر وہاں اپنا رشتہ ڈھونڈھنے۔۔۔ ہمارا بابرک بیٹا تو تم کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا جانتا ہے ہم۔۔ اب کیا ہمارا بیٹا اسفند بھی تمھیں پسند نہیں ہے جو اپنے لیے رشتہ تلاش کر آیا۔۔

روزینہ خانم اونچی آواز میں عابیر پر برس رہی تھیں۔۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔۔ امینہ خانم، بہارے گل اور پلوشہ بھی اس وقت ادھر موجود تھیں۔۔۔

مورے۔۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان کی گرج پر سب اس کی طرف متوجہ ہوے۔

عابیر نے بھیگی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا۔۔وہ اس وقت بری طرح لرز رہی تھی۔مردان خانے میں جو ہوا اسے پتہ چل چکا تھا۔۔

بادشاہ خان کی گھر کی خواتین نے باتوں باتوں میں سب کو بتا دیا تھا کہ وہ اکمل خان کی پسند پرائی ہیں۔اور کل مہندی پر اکمل خان کو اس نے ایک نظر ہی دیکھا تھا۔۔وہ زنان خانے میں کسی کام آیا تھا۔۔اسے دیکھتے ہی عابیر نے فورًا اپنا منہ ڈھک لیا تھا۔۔اکمل خان کی بھی ایک نظر ہی اس پر پڑی تھی۔۔۔اسے گلالئی نے ہی بتایا تھا کہ کہ اکمل خان اس کے ماموں کا بیٹا ہے۔۔جو اسٹریلیا سے آیا ہے۔

اب اسفندیار خان کے ری ایکشن پر وہ بری طرح لرز رہی تھی۔۔وہ قصور وار نہ ہوتے ہوے بھی قصور وار بن گئی تھی۔۔اس کی سرد سرخ آنکھیں ہی اس کے غیض و اشتعال کو ظاہر کر رہی تھیں۔وہ اسے لے کر کتنا پوزیسیو ہے وہ بخوبی جانتی تھی۔۔

مورے سوچ سمجھ کر بات کریں۔یہ بابرک کی منکوحہ نہیں اسفندیار خان کی بیوی ہے۔۔غیرت ہے میری۔۔آپ کے یہ سوال و جواب میری عزت پر سوال اٹھا رہے ہیں۔اور میں یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کروں گا۔۔اسفندیار خان روزینہ خانم کے مقابل آتے سرد مگر احترامًا لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔۔

کچھ دن پہلے بھی وہ روزینہ خانم سے بد تمیزی کر چکا تھا سب کے سامنے ان پر چلایا تھا۔۔ وہ تب سے اپنا عمل بلکل جسٹیفائی نہیں کر پا رہا تھا۔۔ وہ اس کی ماں تھی۔۔ احترام لازم تھا۔۔ بابرک کے بعد وہ ویسے ہی کافی دکھی تھیں۔۔

روزینہ خانم کی بات آج بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ وہ سب کے سامنے عابیر کے کردار پر سوال اٹھا رہی تھیں۔ اور یہی بات اسے تکلیف میں مبتلا کر چکی تھی۔۔ زاران خان خاموشی سے کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔۔ آج اسے عابیر کے لیے بولنے کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔۔

تم ہم سے سوال وجواب کرتا ہے۔۔ کبھی تم نے ہمارا آگے سوال نہیں اٹھایا۔ اونچی آواز نہیں کی۔۔ مگر اس لڑکی کی خاطر تم ہمارا مقابل آیا ہے۔۔

اکمل خان کی بہن خود بتا کر گیا ہے کہ وہ اکمل خان کی پسند پر یہ رشتہ لے کر آیا ہے۔۔اب تم ہی بتاؤ۔۔ہم کیا غلط کہہ رہا ہے؟؟۔۔۔کل گلالئی کی مہندی پر یہ مردانے گیا تھا یا پھر وہ اکمل خان زنان خانے گیا تھا۔۔

مورے۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ سب کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوے تھے۔۔

عابیر بری طرح لرزی تھی۔۔امینہ خانم پاس کھڑی آنسو بہا رہی تھیں۔اپنی ہیروں جیسی بیٹی کے کردار پر وار انھیں اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

بابرک سے نکاح کے طور پر اس کی حق تلفی ہوتی تھی۔۔اب اسفندیار خان سے نکاح کے بعد بھی یہی حال تھا۔وہ کل بھی عابیر کے مستقبل کو لے کر پریشان تھی۔۔وہ آج بھی عابیر کے مستقبل کو لے کر پریشان تھیں۔

اسفندیار خان عابیر کے ساتھ کبھی ٹھیک ہو بھی جاتا۔۔ مگر روزینہ خانم ایسے کبھی نہ ہونے دیتی۔ ابھی بھی وہ صرف اسفندیار خان کے دل میں عابیر کے لیے شک اور نفرت گھولنا ہی ان کا مقصد۔ تھا۔ ان کی کوئی اولاد خوش نہ تھی۔۔ امینہ خانم نے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔

اسفند کی دھاڑ سنتے مردان خانے سے دورید خان اربد خان اور سمیع اللہ خان بھی آ چکے تھے۔۔

مورے کیوں نہیں سمجھتی آپ۔۔۔ آپ کی یہ باتیں مجھے تکلیف پہنچا رہی ہیں۔۔ آپ عابیر پر نہیں مجھ پر کیچڑ اچھال رہی ہیں۔۔۔ عزت ہے میری عابیر۔۔ آپ اس طرح سب کے سامنے اس سے سوال وجواب کر کے میری عزت پر وار کر رہی ہیں۔ آپ نے آئندہ عابیر کے کردار پر ایک بات

بھی کی میں خود کو ختم کر ڈالوں گا۔۔ سمجھی آپ۔۔ اسفندیار نے سرد برفیلے لہجے میں دھمکی دی۔۔

تمھیں یہ لڑکی اتنی پیاری ہو گئی کہ تم ہمیں خودکشی کی دھمکی دے رہے ہو۔۔ اس لڑکی کے واسطہ جس کے بھائی نے تمھارا بھائی کو مار دیا۔۔ روزینہ نے خانم بھرائے لہجے میں اسفندیار خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے سوال داغا۔۔

اسفندیار خان اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔ وہ یہ سب بھولنا چاہتا تھا۔۔ بھولنا چاہتا تھا اس کے بھائی کا قاتل اس کی سامنے کھڑی لڑکی کا بھائی ہے۔۔ مگر اس کی ماں اسے بھولنے ہی نہیں دیتی تھی۔۔ وہ اپنی ماں کی وجہ سے نہیں بلکہ سامنے کھڑی لڑکی کی وجہ سے مجبور تھا۔۔

جو آج تک اپنے بھائی کے قاتل کو سزا نہ دے سکا۔۔ اور یہی بات اسفندیار خان کو کچوکے لگاتی تھی۔۔ وہ بزدل انسان تھا جو ایک لڑکی کے آنسوؤں کے آگے ہار رہا تھا۔

سامنے کھڑے نازک لرزتے وجود کی سرمئی گہری آنکھوں میں آنسو گوارا نہ تھے۔۔

لیکن آج یہ آنسو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچا رہے تھے۔۔ اس کا دو آتشہ قیامت خیز روپ اس کے اندر جلتا تندور دہکا چکا تھا۔۔ اس کے ساتھ اس کا حساب کتاب باقی تھا۔۔ آخر وہ کیوں گئی اکمل خان کے سامنے۔۔ آج وہ یہ حساب بہت بے دردی سے لینے کا رکھتا تھا۔۔

یہ کیا تماشہ لگا رکھتا ہے تم آئے روز اس زنان خانہ میں روزینہ۔۔۔ اپنے ہی بیٹے کی موت کو لے کر تم داؤ کھیل رہا ہے۔۔ تم کو عابیر نہیں پسند اسی لیے تم

اسفند کے ذہن میں زہر گھول رہا ہے۔۔ بابرک کا قاتل آہل ہے یہ ثابت ہو چکا ہے۔۔ آئیندہ ہمارا پوتا کے خلاف ایک لفظ مت بولنا۔۔ سمیع اللہ خان نے سخت الفاظ میں روزینہ خانم کو واران کیا۔۔

اگر بابرک کی موت کا ذمینہ دار آہل ہے تو کہاں ہے وہ؟؟ اس کو بھی سب کے سامنے گولیاں کیوں نہیں ماریں۔۔۔ ہمارا دل آج بھی یوں جل رہا ہے۔۔ آپ تو ہمیشہ انصاف کرتا ہے تو ہمارا ساتھ انصاف کیوں نہیں کیا۔۔

آپ کو اپنا پوتا زاران پیارا ہے۔۔ یا پھر آپ اپنا نواسا کو بچا رہا ہے۔۔ اور یہ سب آپ اس بیٹی کے لیے کر رہا ہے جو یہاں سے منہ کالا کر کے گیا تھا۔۔ اس گھٹیا بیٹی کے لیے اب بہت ہمدردی جاگ رہا ہے۔۔ حویلی کا مرد بہت بے غیرت ہو گیا۔

چٹاخ اربد خان کا طمانچہ روزینہ خانم کا گال سرخ کر چکا تھا۔۔

مردان خانے میں خاموشی چھائی تھی۔۔

تم انتہائی گھٹیا عورت ہے۔۔ ہمارا سامنے ہی ہمارا بہن کے خلاف بول رہا ہے۔ ۔ہمارا بابا کے آگے زبان چلا رہا ہے۔۔ پاگل عورت ہم تمھارا زبان کھینچ لے گا۔ اربد خان نے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو اسفندیار خان مقابل آتے روزینہ خانم کے وجود کو اپنی بانہوں میں بھر گیا۔۔

آپ نے میری ماں پر ہاتھ اٹھایا وہ بھی میرے سامنے۔۔ کیسے کر سکتے ہیں بابا آپ؟؟۔ اسفندیار خان نے روزینہ خانم کو اپنی بانہوں میں لیے زخمی لہجے میں سوال کیا۔۔ اس کی آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔۔۔

اربد خان کو ہمیشہ اس نے اپنی ماں کا احترام کرتے دیکھا تھا۔۔ آج سب کے سامنے روزینہ خانم پر ہاتھ اٹھانا اسفندیار خان کے رگوں میں دوڑتا خون ساکت کر چکا تھا۔۔

مردانے خانے میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔ سمیع اللہ خان اپنی لاٹھی پر دباؤ ڈالتے جھکے کندھوں کے ساتھ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔ زحلے کی وجہ سے انہوں نے برسوں سے اپنی بہوؤں کے معاملے میں بولنا چھوڑ دیا تھا۔۔ اسی ایک بات کی وجہ سے کسی نے غلطی سے بھی زحلے کا طعنہ دیا تو وہ مر جائیں گے۔ اپنی پوتیوں پر وہ تھوڑا سختی کرتے تھے۔۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے وہ بھی زحلے کی طرح کا کوئی قدم اٹھائیں۔۔ اسی وجہ سے انہوں نے بچپن میں عابیر اور بہارے کا نکاح اپنے پوتوں سے کر دیا تھا۔۔ مگر آج زحلے کا طعنہ ان کا دل چھلنی کر چکا تھا۔۔ درید خان سمیع اللہ خان کی طبعیت کے پیش نظر ان کے پیچھے گئے۔۔

اربد خان بھی اب پریشان کھڑے تھے۔۔ تیس سالوں کا ساتھ تھا روزینہ خانم کے ساتھ۔۔۔ وہ تو تنہائی میں بھی ان پر چلاتے نہیں تھے۔۔ وہ بہت

محبت کرتے تھے روزینہ خانم سے۔۔ اسی محبت کی وجہ سے ان کی زبان فراٹے بھرتی تھی۔۔ کچھ بابرک کے مرنے کے بعد تلخ ہو گئی تھی۔

اسفند نے روزینہ خانم کو اپنی بانہوں میں لیے ان کا ماتھا چوم گیا تھا۔۔

کوئی جتنا مرضی ہم پر ہاتھ اٹھائے۔۔ مگر ہم خاموش نہیں رہے گا۔۔ ارید خان اپنے بیٹے کی موت کا غم بھول سکتا ہے۔۔ مگر ہم ماں ہیں۔۔ کیسے بھول جائیں اپنا جوان بیٹے کی موت کو۔۔ کیسے بھول جائیں۔ ہمارا سامنے اس کا کفن میں لپٹا چہرہ جب آتا ہے تو ہمارا دل کرتا ہے ہم خود کو آگ لگا لے۔۔ جب ہم سوچتا ہے ہمارا بابرک کا قاتل کھلا گھوم رہا ہے۔۔ ہمارا دل کرتا ہے کہ ہم ساری دنیا کو جلا کر خاک کر دے۔۔ اب آپ ہی بتاؤ ہمارا اذیت کیسے کم ہو گا۔۔ ہمارا دل کو کیسے سکون ملے۔ گا۔

روزینہ خانم سینے پر ہاتھ مارتے چیخیں تھیں۔

اربد خان روزینہ خانم کے آنسو دیکھتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اب مردان خانہ سے چلے گئے۔۔

دیکھا تم نے اپنا باپ کو وہ بھی بھول گیا بابرک کی موت کو۔۔ ہمارے سامنے تو اس کا کفن میں لپٹا چہرہ ہر روز آتا ہے۔۔ ہم رات کو سو بھی نہیں سکتا۔۔ اسفند ہمارا بارک لا دو۔۔ ہمارا لاڈلا بیٹا تھا وہ۔۔ وہ روتے ہوے چیخ رہی تھیں۔

مورے چلیں کمرے میں۔۔۔۔ چلیں میرے ساتھ۔۔۔ اسفندیار خان ان کی طرف بڑھتے انھیں اپنے سینے کے ساتھ لگائے ان کی پیشانی پر اپنے لب رکھے وہ کتنے ہی آنسو اپنے اندر اتار گیا۔۔ اپنی مورے کا رونا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔

بہارے گل بھی بری طرح رو رہی تھی۔۔عابیر اپنے لب کاٹتے کھڑی تھی۔وہ اس کا قصوروار خود کو سمجھ رہی تھی۔

اس کب معصوم دل لرز بھی رہا تھا۔۔وہ جانتی تھی روزینہ خانم خاموش نہیں رہیں گی۔۔وہ اتنی آسانی سے سب بھولیں گی۔۔اور سزا اسی کے حصے میں آئے گی۔۔

زاران نے پریشانی سے اپنا ماتھا سہلایا۔۔اس سب کا ذمینہ دار وہ خود کو گردان رہا تھا۔۔اس کے پاس اپنی بے گناہی کا ثبوت ہوتا تو وہ کب کا سب کو دے چکا ہوتا۔۔

بابرک کے سینے میں گولی رمضان کی پسٹل سے نکلی پیوست ہوئی تھی۔۔وہ سب کو حقیت بتا بھی دیتا رمضان اس کا گارڈ تھا۔۔اسے رمضان آہل کو سب کے سامنے پیش کرنا پڑتا۔۔ایسے میں آہل کو بنا کسی ثبوت کے گولیاں

مار دی جاتیں یا پھر بہزاد خان اس تک پہنچ جاتا۔۔۔ بہزاد خان تو کسی قیمت پر اسے کبھی نہ چھوڑتا۔۔ آہل کہاں تھا صرف اسے پتہ تھا۔۔ بہزاد خان کی وجہ سے اس نے کبھی آہل اور زحلے سے رابطہ بھی نہیں کیا تھا۔۔ کہیں بہزاد خان ان تک پہنچ نہ جائے۔ بہزاد خان کی اس کی ایک ایک حرکت پر نظر تھی۔ مگر اپنے ہی رشتوں کو تکلیف میں دیکھ کر اب اس کی روح زخمی ہو رہی تھی۔ وہ خود کو بہت لاچار اور بے بس محسوس کر رہا تھا۔۔ اسفندیار خان کی آنکھوں میں آنسو اس کے دل کو شدید تکلیف پہنچا چکے تھے۔۔

اسفند ہم سے وعدہ کرو آج ایک۔۔۔ ہمارا دل کو سکون پہنچانا چاہتا ہے۔۔ ہم کو اپنا مورے سمجھتا ہے اگر ہم کو عزت دیتا ہے تو تم اس عابیر سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔۔ وعدہ کرو ہم سے۔۔ تم

اس سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔۔تم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے ۔۔مت چھوڑو مگر کبھی اس کے قریب نہیں جاؤ گے۔اب کبھی یہ تمھارے کمرے میں قدم نہیں رکھے گی۔۔تم اس سے کبھی کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔۔جس طرح تم پچھلے ایک ہفتہ سے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا بلکل اسی طرح اب تم کبھی اس کے قریب نہیں جائے گا۔

۔روزینہ خانم نے اسفندیار کی گھنی بئیرڈ والی گال پر ہاتھ رکھتے روتے ہوے ہذیانی کیفیت میں کہا۔۔

مورے آپ اندر چلیں۔۔میرے ساتھ میں آپ سے بات کرتا ہوں۔۔ آپ جیسا چاہیں گی ویسے ہی ہو گا۔۔جو کہیں گی وہی کروں گا۔۔

اسفند کی بات پر عابیر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔۔رات بھر وہ اس کی شدتیں سہتی رہی۔۔وہ اس کے پور پور میں بے رحمانہ طریقے سے پورے حق سے اس کا مالک بنا اپنی سوغاتیں رقم کرتا رہا۔۔اسے اپنی آگ جیسی قربت میں جھلساتا رہا۔۔آج پھر وہ اس دن کی طرح اس سے لاتعلقی برت رہا تھا۔۔

تم باہر چلا جاؤ۔۔ادھر گھر بسالو اپنا۔۔ہم تمھارا جدائی قبول کرلے گا۔۔مگر اس لڑکی کے ساتھ ہم تم کو قبول نہیں کر سکتا۔۔روزینہ خانم عابیر پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھتے ہوے پھنکاریں تھیں۔

مورے ابھی چلیں میرے ساتھ اندر۔آپ جیسے کہیں گی ویسا ہی ہو گا۔۔

ان کی ہذیانی کیفیت دیکھ کر اسفند نے انھیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھرتے ان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ عابیر کو یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔ ۔عابیر کو پھر سے اپنا آپ بہت بے مول۔ لگا۔ وہ پھر سے وہی آن کھڑی ہوئی تھی۔۔۔

اسفند روزینہ خانم کو لے کر آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کے بازو پر عابیر کے نازک کپکپاتے ہاتھ کی گرفت آن ٹھہری تھی۔

اسفند یار خان۔۔۔۔ عابیر نے کپکپاتے لبوں سے اسے پکارا۔۔

زاران خانزادہ اس کا کپکپاتا بدن اس کے لرزتے لب دیکھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔۔۔

رک جائیں لالا مجھے اسفندیار خان سے بات کرنے دیں۔ عابیر نے زاران کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔۔ وہ وہی پر رک گیا تھا۔۔ مگر عابیر کی حالت دیکھ کر پہلی مرتبہ زاران کو عابیر کا نکاح اسفندیار خان کے ساتھ کرنے پر دکھ ہوا تھا۔۔ وہ زرتاج اور آہل کو بچاتے بچاتے اپنی بہن کو ہی گہری کھائی میں دھکیل چکا تھا۔

اسفند نے مڑتے ہوئے عابیر پر نظر ڈالی جو بری طرح لرز رہی تھی۔۔

کچھ دیر پہلے وہ اس کے خوف سے لرز رہی تھی۔۔اب وہ اس کے کہے لفظوں سے لرز رہی تھی۔۔

اسفندیار خان۔۔۔ آپ کی مورے نے آپ سے عہد لیا ہے آپ کبھی میرے قریب نہیں آئیں گے۔۔مجھے اپنے کمرے میں نہیں لے کر جائیں گے۔۔ آپ اس وعدے پر ہامی بھر چکے ہیں۔

مجھے صرف یہ جاننا ہے کہ یہ وعدہ میرا آپ کے کمرے میں قدم رکھنے تک محدود ہو گا۔۔اور آپ میرے کمرے میں قدم رکھنے کی ہر شرط ہر وعدے سے آزاد ہوں گے کیا۔۔عابیر نے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں اپنی ہیزل گرے گہری آنکھیں گاڑھتے شبنمی لہجے میں سوال کیا۔۔

عابیر کی بات میں چھپا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔۔اسفند کا چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا۔۔

اسفند نے اسے سرد نظروں سے خاموش رہنے کی تنبیہ کی تھی۔۔اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے وہ استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں اسفند یار خان؟؟۔۔رات کی تنہائی میں بیوی کے پور پور پر اپنی شدتوں کی مہر لگانے والا مرد دن کے اجالے میں اپنی ہی بیوی سے انجان کیوں بن جاتا ہے۔۔عابیر کی بات پر سب کے رنگ سرخ ہوے تھے۔

بہارے اور پلوشہ نے حیرانگی سے عابیر کو دیکھا وہ اس سے اس سب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں اشتعال کی سرخی اتری تھی۔۔دل کیا تھا سامنے کھڑی لڑکی کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دے۔۔

عابیر بچہ یہ کیا کہہ رہا ہے تم؟؟سب کے سامنے ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟؟

امینہ خانم نے اسے نم لہجے میں ٹوکا۔۔

تو کیا کروں مورے؟؟کیا کروں میں؟؟بیوی ہوں میں اسفندیار خان کی ۔۔۔مگر ہمارے بیچ اسی ایک رشتے کو اسفندیار خان نے مذاق بنا دیا

ہے۔۔مجھے اپنا آپ آپ ایک بیوی نہیں بلکہ ایک رکھیل۔۔۔۔اس سے پہلے وہ یہ لفظ مکمل کرتی اسفندیار خان اس کا منہ دبوچ چکا تھا۔۔۔

ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ورنہ تمھیں اسی حویلی کی زمین میں زندہ گاڑھ دوں گا۔۔۔ سمجھی تم وہ اس کا جبڑہ دبوچے غیض و اشتعال سے دھاڑا۔۔

زندگی میں پہلی مرتبہ زاران عابیر کی طرف نہیں بڑھا۔۔وہ لفظ جو کہنا چاہتی تھی۔۔وہ اس سے ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔۔اسے خود یہ لفظ مشتعل کر چکا تھا۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچے رخ پلٹ گیا تھا۔۔اگر یہ لفظ ابرش بھی بولتی تو وہ اس کی گردن دبا دیتا۔۔

سب ہی خاموش کھڑے تھے۔۔اسفندیار خان کے غصے کو جائز سمجھ رہے تھے۔۔

جی تو کر رہا ہے تمھاری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ ہمت کیسے ہوئی یہ گھٹیا لفظ خود کے لیے بولنے کی۔۔ اور وہ بھی یوں سب کے سامنے۔۔ اپنی شرم و حیا کہاں چھوڑ آئی ہو ہاں۔۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا۔۔

عابیر بری طرح اس کی وحشی گرفت میں سسک اٹھی تھی۔۔

اسفندیار خان نے اس پر قہر بار نگاہ ڈالتے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تو عابیر زمین پر گھٹنوں کے بل گری تھی۔۔

وہ لمبے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ اسفند اس پر قہر بار نگاہ ڈالتے وہاں سے جانے لگا۔۔

بتاتے کیوں نہیں اسفندیار خان اپنی مورے کو کہ آپ کل ساری رات میرے کمرے میں میرے ساتھ تھے۔۔۔ وہ زمین سے کھڑی ہوتی ہذیانی

چیخی تھی۔۔اسفندیار خان کا بار بار ٹھکرانا اس کے قریب آنا اور پھر اس سے لاتعلق ہو جانا اسے ہذیانی کیفیت مبتلا کر چکا تھا۔۔

زاران نے پلٹتے ہوے زخمی نظر عابیر پر ڈالی تھی

عابیر خاموش ہو جاؤ میں کہتا ہوں۔۔اسفند نے اسے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔۔

یہ خاموش نہیں ہو گا۔۔اس کا تربیت ہی ایسا ہوا ہے۔۔بھابھی اپنے بچوں کی تربیت پر بڑا مان کرتا تھا۔۔ایک بیٹا قاتل نکلا اور بیٹی بے شرم۔۔۔۔۔اتنا گھٹیا تربیت کیا اپنے بچوں کا۔۔

آپ نے کیسی تربیت اپنے بچوں کی ہے۔۔وہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔۔شہرام کی بھاری آواز پر سب اس کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔وہ اپنی پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے داخلی دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔۔

بہارے نے ششدر نگاہوں سے اسے دیکھا جو سکائے بلو جینز پر وائٹ سیلف لائینگ شرٹ پہنے ہوے تھا۔جس پر سکائے بلو کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔وہ اس کی ڈیشنگ پرسنیلٹی سے نظریں چرا گئی تھی۔

شہرام آہستگی سے چلتا ہوا عابیر کے پاس آیا تھا اور اس کے روتے لرزتے بدن کو اپنی بانہوں میں بھرا۔۔

شہرام تم جاؤ ہم بات کرتے ہیں۔۔درید خان آگے بڑھے تھے۔۔

اگر بات کرنی ہوتی تو آپ بہت پہلے کر چکے ہوتے میری عابی کے ساتھ سب کے سامنے یہ سلوک ہو رہا ہے۔۔اور آپ اور لالا خاموش کھڑے ہیں۔یہ کیسے ہو سکتا ہے۔شہرام چیخا تھا۔۔زاران نے بے بسی سے عابیر کو دیکھا جو بہت بے حال سی شہرام کی بانہوں میں کھڑی تھی۔۔اپنی ذات کی بے قدری اور اسفند کو کھونے کی اذیت اس کے چہرے پر رقم تھی۔۔وہ آج پہلی مرتبہ دوستی اور بہن کے رشتے میں بری طرح پھنس گیا تھا۔۔

تمھارا بہن کیا کہہ رہا تھا سنا تم نے؟؟کس طرح بے شرموں کی طرح منہ پھاڑ پھاڑ کر میاں بیوی کے بیچ کی باتیں کر رہا تھا۔روزینہ خانم غصے سے بولیں۔۔

اور جو آپ کہہ رہی تھیں۔۔وہ کیا تھا؟؟ آپ کس حق سے میاں بیوی کے بیچ آ رہی تھیں۔جو رشتہ خدا نے پاک کر دیا حلال کر دیا۔۔ آپ نکاح کے بعد کس طرح اسفند لالا کو روک سکتی ہیں۔۔وہ اپنا حق نہ لیں۔۔وہ عابیر کو اپنے ساتھ نہ رکھیں۔شہرام کی سرد آواز پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔

سب کے چہرے سرخ تھے۔۔پہلی مرتبہ تھا جو حویلی میں سب کے درمیان ایسی باتیں ہو رہی تھیں۔درید خان نے عابیر پر قہربار نگاہ ڈالی تھی۔۔وہ ایسے بے شرمی سے سب کچھ کہہ گئی تھی۔

ہم اسفند کی ماں ہونے کا حق سے روک سکتا ہے؟؟روزینہ خانم نے تنک کر جواب دیا۔

اگر یہی بات مجھ سے میری مورے کہیں۔اس بات کو تب بھی آپ جائز کہیں گی۔۔شہرام نے روزینہ خانم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کیا۔۔

تمھارا مورے ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہمارا بہارے عابیر کی طرح نہیں منہ پھٹ اور بے شرم نہیں۔۔۔جو اپنا شوہر کو یوں سب کے سامنے ذلیل کرے۔۔امینہ خانم نے عابیر پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھیں۔

عابیر نے بھیگی گلابی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا جو اب خاموشی سے کھڑا اسے سرد سرخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔وہ اپنی نگاہیں تب سے ہی اس پر گاڑھے ہوے تھا۔۔اس کی سرد سرخ نظریں عابیر کے رگوں میں دوڑتا خون ساکت کر رہا تھا۔۔وہ سمجھ گئی تھی سامنے کھڑا بے درد انسان رات کی تنہائی میں آج اسے سفاک سزا دے گا۔۔اور دن کے اجالے میں

اس سے لا تعلق ہو جائے گا۔۔ اور ایک دن اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔۔۔ وہ رات میں اس کی بے رحم شدتوں کو اس کی محبت سمجھ بیٹھی تھی۔ بھلا اس نے کب اپنے منہ سے اظہار کیا تھا۔۔ عابیر ہچکی لیتے منہ پھیر گئی تھی۔۔۔

آپ کی بہارے اس سے کہیں زیادہ منہ پھٹ اور بد تمیز ہے۔۔ یہ آپ بھی جانتی ہیں۔ یہ شہرام خانزادہ ہے جو ہمیشہ اپنی محبت کی وجہ سے اس کی بد تمیزی اور ہٹ دھرمی برداشت کرتا آیا ہے۔۔

شہرام کی بات پر بہارے کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ آنکھوں میں شدید جلن ہوئی تھی۔۔۔۔

وہ کل تک محبت کی وجہ سے برداشت کرتا آیا ہے۔۔ آج نہیں کر رہا تھا تو کیا یہ محبت ختم ہو گئی تھی۔۔ وہ سب کے سامنے اس کے لیے ایسا لب و لہجہ استعمال کرے گا۔۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔وہ اس کی زندگی میں اب کوئی اہمیت نہیں رکھتی

اسے یقین ہو چلا تھا

بہارے گل نے صوفے کی سطح پر سختی سے ہاتھ جمایا تھا۔۔

سامنے کھڑے ستم گر سے تو وہ عشق کر بیٹھی تھی۔۔۔وہ بھی جنون کی حد تک۔۔۔۔اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔۔بہارے گل کو لگ رہا تھا۔وہ چکرا کر ابھی گر جائے گی۔

ہمارا بیٹی صرف تمھارا ان پڑھ ہونے کی وجہ سے تم سے طلاق مانگتا تھا۔۔ورنہ وہ ایسا نہیں ہے۔۔تم جانتا ہے۔۔

مورے۔۔۔۔۔یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔م؟؟طلاق والی بات اور شہرام کو یوں سب کے سامنے ان پڑھ ہونے کا طعنہ دینے پر بہارے تڑپتے ہوے

روزینہ خانم کی طرف بڑھی۔اس نے خود ہمیشہ شہرام کو ان پڑھ ہونے کا طعنہ دیا۔۔ مگر کبھی سب کے سامنے نہیں دیا تھا۔۔ آج روزینہ خانم کا یوں سب کے سامنے شہرام کو ان پڑھ کہنا اس کے دل میں چرکے لگا چکا تھا۔۔

رک جاؤ بہارے اپنی جگہ پر۔۔۔ شہرام نے اسے سرد نظروں سے گھورتے اسے دور رہنے کی تنبیہ کی۔اس کے لہجے کی ٹھنڈک محسوس کرتے بہارے کے قدم زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔۔۔۔وہ پرانا والا شہرام نہیں تھا۔۔ جس کے غصے کی اسے پرواہ نہیں تھی۔۔اب تو اس کی سرد نظر ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسا دیتی تھی۔

آپ کی بیٹی کے نزدیک انسان کا معیار ڈگری سے ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں۔۔ شہرام خانزادہ کے نزدیک انسان کا معیار اس کی روح اس کا دل ہوتا ہے۔۔

میں نے بہارے کی ڈگری سے کبھی محبت نہیں کی۔۔اس کی روح سے محبت کی۔۔اور چاہتا تھا وہ بھی مجھ سے ویسی ہی محبت کرے۔۔ جیسی میں محبت اس سے کرتا تھا۔۔ مگر مجھے بہت پہلے پتہ چل گیا ہے۔کچھ لوگوں کے نزدیک انسان کی حیثیت اس کی اونچی شان اور اس کے مرتبے سے ہوتی ہے۔۔شہرام نے استہزائیہ نظر بہارے پر ڈالی جو آنسو بہاتے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔شہرام کی آنکھوں میں اپنے لیے سپاٹ پن اور اس کے لہجے میں شدید نفرت محسوس کرتے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔وہ تو اس کے لفظوں کی بازگشت میں بری طرح الجھی تھی۔۔(میں اس سے محبت کرتا تھا)۔۔۔بہارے کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئیں۔اس بڑے سے عالی شان لاونج میں اسے گھٹن سی محسوس ہوئی۔

"میں اس سے محبت کرتا تھا" اس کے لب لرزتے ہوئے بے یقینی سے ان لفظوں کی مالا جپ رہے تھے۔۔۔

روزینہ خانم خاموش ہو گئی تھیں۔ شہرام کا سرد رویہ انھیں بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔۔ وہ کبھی نہیں چاہتی تھی شہرام اور ان کی بیٹی کے بیچ تعلقات خراب ہوں۔۔ مگر آج شہرام کے سرد رویے سے وہ ڈر گئی تھیں۔ شہرام تو ان کی بیٹی کا دیوانہ تھا۔۔ مگر شہرام کا سرد پتھریلا لہجہ آنکھوں کا سرد پن باور کروا رہا تھا۔۔ شہرام خانزادہ بدل چکا ہے۔۔

لالا اگر آپ کو اپنی مورے کا ہی رشتہ نبھانا ہے تو بہتر ہے آپ میری عابی کو طلاق دے دیں۔ تاکہ ہم اپنی عابی کو کسی اور کو سونپ سکیں۔۔ شہرام اسفندیار خان کے مقابل جا کھڑا ہوا تھا۔۔

شہرام کی بات پر اسفندیار خان کا خون رگوں میں لاوے کی طرح ابلا۔۔وہ اس کے سامنے ہی اس کی عورت اس کی ذاتی ملکیت کو کسی اور کو سونپنے کی بات کر رہا تھا۔۔

اپنی بکواس بند کرو تم؟؟تم ہوتے کون ہو یہ کہنے والے۔۔میں اپنی عزت کو چھوڑوں گا تم نے یہ سوچ کیسے لیا؟؟تم نے میرے سامنے میری بیوی کو کسی اور کو سونپنے کی بات کر رہے ہو۔اسفندیار خان نے لاونج میں موجود ٹیبل میں پڑی فروٹ باسکٹ سے چھری اٹھا کر پوری قوت سے شہرام کے بازو پر ماردی تھی۔

شہرام کے بازو سے بھل بھل خون جاری ہوا تھا۔۔ وہ درد سے کراہتے اپنی آنکھیں میچتے ہوے اپنے بازو سے نکلتے خون پر ہاتھ رکھ گیا۔۔ عابیر نے چیختے ہوے منہ پر ہاتھ رکھا۔۔

امینہ خانم نے اپنے زرد رنگت کے ساتھ اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔۔

روزینہ خانم بھی لرز کر رہ گئی تھیں۔ ایسا تو وہ بلکل نہیں چاہتی تھیں۔ مگر اب بات ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔

زاران نے تیزی سے آگے بڑھتے شہرام کے بازو پر ہاتھ رکھا جہاں سے نکلتا خون زاران کا ہاتھ داغدار کر چکا تھا۔۔

کچھ نہیں ہوا لالا۔۔ معمولی سا زخم ہے۔۔ شہرام نے لب بھینچے بولتے ہوے لرزتی ہوئی عابیر کو اپنے حصار میں لیا۔۔ اسے اس وقت صرف اپنی بہن کی فکر تھی۔۔ جو اسے اپنی جان سے بھی پیاری تھی۔۔ وہ سمجھتا تھا عابیر کو یہ باتیں سب کے سامنے نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔ مگر دل میں درد کا طوفان اٹھے تو سیلابی ریلا ہر بار آنسوؤں کی صورت میں نہیں بہتا۔۔ کبھی کبھی انسان یوں سب کے سامنے اپنا آپا کھو دیتا ہے۔۔ عابیر کی لرزتی کپکپاتی حالت بتا رہی تھی آج اس کی ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی ہیں۔۔ پتہ نہیں وہ کب سے ذہنی اذیت برداشت کر رہی تھی۔۔ ورنہ عابیر جیسی لڑکی یوں کبھی یہ سب نہ کہتی۔۔

لالا مجھے معاف کر دیں۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔۔ عابیر شہرام کے سینے سے لگے بری طرح رو دی تھی۔۔ کچھ نہیں ہوا تمھاری وجہ سے۔۔۔ تم

ہمیں معاف کر دو۔۔ ہمیشہ تمھارے ساتھ زیادتی ہوئی۔۔ جس کے قصور وار ہم ہیں۔۔ شہرام نے زاران کو گھورتے ہوئے عابیر کے بالوں پر اپنے لب رکھے تھے. اگر زاران یہ نکاح نہ ہونے دیتا تو کبھی یہ نکاح نہ ہوتا۔۔ زاران پریشانی سے اپنا ماتھا سہلانے لگا تھا۔

بہارے جو کانپتے ہوئے کھڑی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے شہرام کی طرف بڑھی۔۔۔ اس کا زخمی بازو پکڑتے اس پر اپنا دوپٹہ رکھا۔۔۔۔ رہنے دو تم۔۔۔۔ میں دیکھ لوں گا۔۔ شہرام نے برفیلے لہجے میں کہتے اپنا بازو اس کے گرفت سے چھڑوایا۔ بہارے اس کے لہجے کی سختی محسوس کرتے کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ وہ تو اب اس کا چھونا بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔

یہ کیا کیا تم نے اسفندیار خان؟؟۔۔۔زاران نے اسفندیار خان کے مقابل آتے کرب سے سوال کیا۔۔جو سرخ چہرے کے ساتھ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے کھڑا تھا۔

تکلیف ہوئی تمھیں۔۔مجھے بھی ہوئی ہے۔۔ تمھارے بھائی کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے وہ الفاظ سن کر۔۔۔۔اپنی بیوی کے منہ سے وہ لفظ سن کر۔۔۔۔۔مر رہا ہوں میں۔۔

بار بار تم سب ایک ہی بات کیسے کر سکتے ہو؟؟

تمھارے اور ابرش کے بیچ کچھ بھی ہو۔۔کیا کسی نے تم پر کبھی سوال اٹھایا۔۔مگر کبھی میری مورے کبھی تم لوگ کیسے میری بیوی کو طلاق دینے

کی بات کرتے ہو؟؟ جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے عابیر کو چھوڑنے کی بات نہیں کی۔۔ میں کسی صورت اس سے دستبرداری نہیں حاصل کر سکتا۔۔

مجھے کیا تم سب نے اتنا بے بس کمزور سمجھ لیا ہے۔۔ جو بار بار مجھ سے یہ سب کہو گے میں برداشت کروں گا۔۔

لیکن میں سچ میں ایک بزدل انسان ہوں۔ جو نہ تمھارے بھائی کو مار سکا اور نہ ہی اپنے بھائی کے قاتل کو۔۔۔ اسفندیار خان نے چیختے ہوئے پوری قوت سے لاونج کے وسط میں پڑی سینٹرل ٹیبل کو ٹھوکر ماری تھی۔

درید خان، اربد خان اور سمیع اللہ خان خاموش تھے۔۔۔انھیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔

اربد روزینہ خانم کو تھپڑ مار کر پچھتا رہے تھے۔۔

زندگی میں پہلی بار اسفندیار خان نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی۔۔اس لیے اب وہ اس سب سے لاتعلق بے بس سے کھڑے تھے۔۔روزینہ خانم نے اندر کسی طرح نہیں جانا تھا وہ جانتے تھے۔۔وہ ضدی خاتون تھیں۔ تھپڑ کو بھی انہوں نے اپنی آنا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔۔وہ یقیناً آج بہت کچھ غلط کرنا چاہ رہی تھیں۔اور بہت کچھ غلط ہو گیا تھا۔۔شہرام کے بازو سے نکلتا خون اور بہارے کا تڑپ تڑپ کر رونا اب روزینہ خانم کو پریشان کر گیا تھا۔۔

بہارے تم شہرام کو کمرے میں لے جاؤ۔۔اس کا پٹی کرو۔۔دریدخان نے سنجیدگی سے بہارے کو حکم دیا۔

شہرام کے بازو سے نکلتے خون سے زیادہ وہ شہرام کے آنکھوں میں غصے کی بڑھتی حدت کو دیکھ کر پریشان ہوے تھے۔۔زخم تو ٹھیک ہو جانا ہی تھا۔۔مگر اگر شہرام اسفند کے مقابل آجاتا تو سب کچھ ختم ہو جاتا۔۔دونوں طرف سے رشتہ بہت نازک تھا۔ارحام اور گل کی طلاق کے بعد وہ کافی ڈر گئے تھے۔۔وہ کسی صورت عابیر کے ماتھے پر طلاق کا داغ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

شہرام کہیں نہیں جائے گا۔۔بابا۔۔۔زاران کی سرد دھاڑ پوری حویلی میں گونجی۔۔۔

اس کے بھائی کو ان پڑھ کہا اس کے سامنے اس طرح اسے چاقو مارا۔۔ وہ غم و غصے سے جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ بھی اسفندیار کی طرح بے بسی کی حد پر کھڑا تھا۔۔

بہت جلد اب اسے یہ ختم کرنا تھا۔۔ مگر آج وہ ایک اور حقیقت سب پر اشکار کرنا چاہتا تھا۔۔

شہرام کی بے عزتی اسے بہت بری طرح چبھی تھی۔۔

وہ آہستگی سے چلتا روزینہ خانم کے مقابل جا کھڑا ہوا۔۔

آپ میرے بھائی کو ان پڑھ کہہ رہی تھیں۔۔

تو میں بتاتا ہوں وہ کون ہے۔۔ زاران نے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

لالا رہنے دیں۔۔مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔مجھے کوئی کیا سمجھتا ہے؟؟۔۔شہرام نے زاران کو روکا تھا۔۔

تمھیں فرق نہ پڑتا ہو پر مجھے پڑتا ہے۔۔تم نے یہ سب کیوں چھپایا وہ تمھارا معاملہ تھا۔۔جس کے بیچ میں کبھی نہیں آیا۔۔مگر مجھے آج پتہ چلا ہے کہ تمھیں ان پڑھ ہونے کے طعنے ملتے رہے ہیں۔زاران نے سرد نظریں بہارے پر گاڑھیں۔۔وہ خفت سے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی تھی۔

شہرام نے اپنی تعلیم جرمنی سے مکمل کی ہے۔۔وہ ایک بہت بڑا انجینیر ہے۔۔سوات کا ہر بڑا پروجیکٹ شہرام خانزادہ نے کیا ہے۔۔بڑے بڑے گرینڈ ہوٹل کے ڈیزائن شہرام نے تیار کیے ہیں۔۔وہ نہ صرف ایک انجینیر ہے بلکہ ایک کنٹریکٹر بھی ہے۔۔۔اسے سالانہ کڑوڑوں روپے مالیت کے

کنٹریکٹ ملتے ہیں۔۔ ہر ملک شہرام کے بنائے ہوئے ڈیزائن کے ساتھ کام کرنا اپنا اعزاز سمجھتا ہے۔۔ لندن کے ہر جریدے میں شہرام کا انٹریو چھپ چکا ہے۔۔ بہت سے ممالک کے پروجیکٹ وہ کر چکا ہے۔

آپ اسے طعنے دے رہی ہیں ان پڑھ ہونے کے۔۔ آپ کی بیٹی کو ڈاکٹر بنانے والا بھی شہرام ہے۔۔ اس کی فیسیں شہرام نے خود بھری ہیں۔ مجھ یا ارحام لالا سے کبھی ایک روپیہ نہیں لیا۔۔ وہ ہاسپٹل بھی شہرام نے اپنے پیسوں کا تیار کیا ہے۔۔

زاران کی بات پر سب سٹل ہوئے تھے۔۔

بہارے کی رنگت میں اب کی بار زردیاں گھلی تھیں۔وہ یہ سب سائیں سائیں کانوں سے بے یقینی سے سن رہی تھی۔

اسفندیار نے زخمی نظروں سے زاران کو دیکھا تھا۔۔اس نے اس سے بھی حقیقت چھپائی تھی۔۔ثابت ہوا تھا زاران کے نزدیک صرف اس کے رشتے اہم تھے۔۔۔

بہارے کا پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔اس نے فق رنگت کے ساتھ شہرام کو دیکھا تھا۔۔

وہ بے یقینی سے یہ سب سن رہی تھی۔۔

وہ صوفے کی سطح پر ہاتھ جمائے بمشکل ہی کھڑی تھی.

اس کے اپنے ہی لفظوں کی بازگشت اس کے کان کے پردوں کو جیسے پھاڑ رہی تھی۔

میں ڈاکٹر بن چکی ہوں۔۔اور تم کیا ہو ایک میٹرک پاس۔۔ایک میٹرک پاس انسان کو کبھی اپنا شوہر نہیں چن سکتی)

بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کو دیکھا جو لب بھینچے کھڑا زاران کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

اسے شہرام سے کہے ہوے ہر لفظ پر ندامت تھی بہت ندامت تھی۔۔

مگر آج تو وہ اس سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔۔بہارے نے اپنے لبوں کو بے دردی سے کچلا۔۔۔

روزینہ خانم شہرام کی حقیقت سنتے حیران تھیں۔ شہرام بہت بڑا آدمی تھا۔ انھیں اس بات سے فرق نہیں پڑا تھا۔۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو شہرام پہلے سے ہیرہ تھا۔ حویلی کے پڑھے لکھے مردوں سے ہزار گنا بہتر۔۔۔۔ مگر وہ اتنا پڑھا لکھا اور بڑا آدمی ہونے کے باوجود بھی بہارے کے طنز و نشتر مسکراتے ہوے سہتا تھا۔۔ یہ حیران کن تھا۔۔ بہارے ڈاکٹر صرف شہرام خانزادہ کی وجہ سے بنی ہے۔ وہ جانتی تھی۔

حویلی میں ہر کوئی جانتا تھا۔۔۔ وہ اپنی بہن کے لیے کھڑا نہیں ہوا تھا۔۔ مگر بہارے کے لیے وہ ایک چٹان کی طرح ثابت قدم کھڑا رہا۔۔ ورنہ وہ کبھی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن نہ لے سکتی۔۔ وہ سمیع اللہ خان اربد خان درید خان کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔۔ زحلے کا اپنی مرضی سے نکاح کرنے کے بعد کوئی بھی عابیر اور بہارے کے کو ایجوکیشن میں بھیجنے کے لیے

رضامند نہیں تھا۔ مگر بہارے پر اپنا حق استعمال کرتے وہ سب کے آگے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔۔ اس وقت بھی بہارے اسے ان پڑھ ہونے کے طعنے دیتی تھی۔۔ اس سے طلاق لینے کی دھمکیاں دیتی تھی۔۔ وہ چاہتا تو اسے گھر بٹھا کر اس کی ہر بات کا بدلہ لے سکتا تھا۔۔۔

اب وہ کیا سن رہی تھیں۔۔ بہارے کی فیسیں تک اس نے بھری ہیں۔ وہ بھی بہارے پر بنا کوئی احسان جتائے۔۔۔ روزینہ خانم نے بہارے پر نگاہ ڈالی جو پتھرائی کیفیت سے مجسم سے بنی کھڑی تھی۔

اس کے چہرے پر شرمندگی نہیں تھی۔۔ نہ ہی پچھتاوہ تھا بلکہ کچھ کھونے کا خوف تھا۔ کچھ بہت خاص کھو دینے کی اذیت رقم تھی۔۔

سمیع اللہ خان درید خان شہرام کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔۔ مگر شہرام نے یہ حقیقت کیوں چھپانا چاہی انھیں آج سمجھ آیا تھا۔۔

سمیع اللہ خان نے تاسف اور غصیلی نظریں بہارے پر گاڑھیں تھیں۔ انھیں آج پتہ چلا تھا کہ بہارے شہرام کے ان بڑھ ہونے کی وجہ سے اس رخصتی سے انکار کرتی تھی۔۔

بارہ سال کی عمر میں اس نے ان کے سامنے احتجاجی طور پر شہرام سے طلاق لینے کی بات کی تھی۔۔ جس پر انہوں نے اسے تھپڑ مار دیا تھا۔۔ یہ پہلا تھپڑ تھا جو انہوں نے اپنی پوتی پر اٹھایا تھا۔۔ ورنہ انہوں نے کبھی کسی پوتی اپنی بیٹیوں اور یہاں تک اپنی بیویوں پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تھا۔۔ سمیع اللہ خان نے اب اپنی شعلہ بار نظریں شہرام پر گاڑھیں تھیں۔۔ انھیں اس کی حرکت بھی سخت ناپسند آئی تھی۔ انھیں پتہ ہوتا شہرام بہارے کی وجہ سے اپنی پہچان چھپا رہا ہے۔۔ وہ کب سے بتا دیتے۔۔

انھیں اپنے پوتوں اور پوتیوں پر سخت غصہ آرہا تھا۔۔جو وہ کر رہے تھے شائد ہی ان کے خاندان میں پہلے کبھی ہوا تھا۔۔

عابیر تم اپنے کمرے میں جاؤ۔۔اور شہرام تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔۔بات ختم کرو جتنا تماشہ ہونا تھا وہ ہو چکا۔۔درید خان غصے سے گرجے تھے۔۔

عابیر کمرے میں نہیں میرے ساتھ گلالئی کی بارات پر جائے گی۔۔جس کے لیے یہ اتنا تیار ہوئی ہے۔۔اسفندیار خان نے عابیر کے مقابل آتے اس کے شعلہ جواں قیامت خیز روپ پر قہر آلود نگاہیں گاڑھیں۔۔وہالرزتے روتے ہوے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی تھیں۔

میں اسفندیار خان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔۔ اسفندیار کی دشمنی کے بھینٹ اب میں اور میرے لالا نہیں چڑھیں گے۔۔ مجھے لگتا ہے اسفندیار خان آپ کو صرف اپنی مورے کا رشتہ نبھانا چاہیے۔

عابیر نے اپنی بھیگی سرمئی گہری آنکھیں اسفندیار خان کی نیلی سرد سرخ آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

عابیر کے جواب پر اسفندیار خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔۔۔

درید خان نے آگے بڑھتے عابیر کو کلائی سے جکڑے اس کے گال پر زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔

بابا۔۔۔۔۔زاران اور شہرام نے بے یقینی سے انھیں پکارا۔۔

اسفندیار خان غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔روزینہ خانم کو پڑنے والی تکلیف سے زیادہ اب اسے تکلیف محسوس ہوئی تھی۔۔یہ طمانچہ اسے اپنے گال پر پڑتا محسوس ہوا۔

اس کی ماں کو مارنے والا اس کا باپ تھا۔۔مگر عابیر اس کی ملیکت تھی۔۔جس پر وہ پورا اختیار رکھتا تھا۔اس پر کوئی بھی ہاتھ اٹھائے یا انگلی اسے گوارا نہیں تھی۔۔چاہے وہ پھر اس کی اپنی مورے ہو یا پھر اس کی بیوی کا باپ۔۔۔۔

عابیر اپنے گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے درید خان کو دیکھ رہی تھی۔۔زندگی میں پہلی مرتبہ اس پر درید خان نے ہاتھ اٹھایا تھا۔۔۔وہ بے یقین تھی وہ سب کے سامنے اسے بے دردی سے تھپڑ مار چکے تھے۔

رک جاؤ زاران اور شہرام۔۔۔ہم باپ بیٹی کے بیچ کوئی نہیں آئے گا۔۔یہ ہمارا حکم ہے۔۔درید خان نے سختی سے کہتے ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔

زاران اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں میں پیوست کیے وہیں پر رک گیا تھا۔۔

شہرام نے غصے اور بے بسی سے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے پوری قوت سے دیوار پر دے مارا تھا۔۔

بہارے نے بھیگی آنکھوں سے شہرام کو دیکھا جو دیوار کے ساتھ ماتھا ٹکائے گہرے سانس لیتے اپنے غصے پر بے بمشکل قابو پا رہا تھا۔۔ بازو سے خون بہتے اب سفید ماربل پر گر رہا تھا۔۔ شہرام کی آنکھوں میں اس وقت لہو اترا ہوا تھا۔۔

بہارے نے ہچکی بھرتے شہرام کو دیکھا تھا۔۔ وہ اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔۔

تم اپنی شرم لحاظ بھول گئی ہو۔۔ بھول گئی ہو کہ تم کس فیملی سے تعلق رکھتی ہو۔۔

ہمارے ہاں ایسی باتیں عورت تو کیا مرد بھی کرتے ہوئے سو بار سوچیں۔۔ مگر تم اپنی شرم لحاظ سب کچھ بھول چکی ہو۔

اگر یہ باتیں کوئی اور کرتا تو ہم شائد در گزر کر دیتا۔۔ مگر یہ سب کچھ ہمارا بیٹی عابیر نے کہا۔۔ یقین کرنا مشکل ہے۔۔ یہ تربیت کیا ہے ہم نے تمھارا؟؟۔۔ تم نے ہمارا سر آج شرم سے جھکا دیا ہے۔۔ درید خان کی غصیلی آواز حویلی کے در و دیوار میں گونج رہی تھی۔۔

بابا۔۔۔ عابیر نے لرزتے لبوں سے انھیں پکارا۔۔ نام مت لو اپنی زبان سے تم۔۔۔۔ ہمارا جی کر رہا ہے تمھارا آج چمڑی ادھیڑ دیں۔۔ درید خان غصے سے غرائے تو عابیر ڈرتے ہوئے دوسرے گال پر ہاتھ رکھتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔ پاس ہی اسفندیار کھڑا تھا۔۔۔۔ وہ کانپتے ہوئے اس کے ہی سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

اسفندیار خان اسے یوں کانپتے روتا دیکھ کر مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

درید خان نے کبھی اس ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ مگر وہ ان سے بے تحاشا ڈرتی تھی۔۔ اس نے جو کچھ کہا اپنے اندر امڈتے جذبوں کے شورش طوفانوں سے لڑتے ہذیانی کیفیت میں کہا۔۔۔ مگر اب وہ شرم و خفت سے زمین میں ہی گڑھی جا رہی تھی۔ ہمیشہ سے زاران اور شہرام اسے امینہ خانم اور درید خان کی ڈانٹ مار سے بچا لیتے تھے۔۔ آج کوئی بھی آگے نہیں بڑھا تھا۔۔ اب وہ اسفندیار خان کے ہی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے میں ہی منہ چھپائے ہوے تھی۔

اسے اپنے لفظوں کی بے باکی کا اب اندازہ ہوا تھا۔۔ وہ کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔

اسے اسفندیار خان کے سینے میں منہ چھپائے دیکھ کر درید خان کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔

تم شرم لحاظ سچ میں بھول گیا ہے۔جو اس طرح سب کے سامنے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔۔ کس طرح تم اسفند کے سینے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے؟؟

درید خان نے عابیر کی کلائی جکڑے اسے اسفندیار خان سے علیحدہ کرنا چاہا۔۔

اسفندیار خان نے نرمی سے ان کی گرفت عابیر کی کلائی سے چھڑائی۔۔ عابیر کو اپنے سینے سے علیحدہ کرتے اسے اپنی چوڑی پشت کے پیچھے کیا۔

آپ ایک لفظ اور نہیں کہیں گے۔۔ اور اسے مارنے کا سوچیے گا بھی نہیں۔اور عابیر اپنے شوہر کے سینے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہے۔۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔۔ اسفندیار خان نے سرد لہجے میں کہتے درید خان کو دیکھتے انھیں باور کروایا۔۔

آپ سب مجھے سمجھتے کیا ہیں؟؟ میرے ہی سامنے میری ماں اور میری بیوی پر ہاتھ اٹھایا گیا ہے۔۔

کیسے آپ سب یہ کر سکتے ہیں؟؟۔۔۔ اسفندیار اب کی بار حلق کے بل چیخا تھا۔۔۔

یہ میرا اور میری بیوی کا معاملہ ہے۔۔ کوئی بیچ میں نہیں آئے گا۔۔ اسے جو کہنا ہوا میں کہوں گا۔۔ عابیر پر کسی کا حق نہیں ہے۔۔ نہ اس کے بھائیوں کا اور نہ ہی کسی اور رشتے کا۔۔ عابیر صرف اسفندیار خان کی ہے۔۔ اسفندیار خان کی غراہٹ پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔۔ اس کا چہرہ غیض و غضب ڈھا رہا تھا۔۔ اس کے سامنے ہی پہلے روزینہ خانم اور اب عابیر پر ہاتھ اٹھایا گیا تھا۔۔ وہ غم و اشتعال سے جیسے پاگل ہو رہا تھا۔۔ عابیر کو تھپڑ مارنے والا درید خان نہ ہوتا تو یقیناً مقابل کی جان لے لیتا۔۔

درید خان غصے سے اسفندیار خان کو دیکھتے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

اسفندیار خان کی پشت کے پیچھے کھڑی عابیر کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

آپ سب کان کھول کر سن لیں۔۔ آئندہ عابیر سے کوئی سوال وجواب نہیں کرے گا۔۔ میں برداشت نہیں کروں گا۔۔

اسفندیار خان نے سب کو قہربار نگاہوں سے گھورتے جتایا تھا۔۔

عابیر کی طرف مڑتے وہ عابیر کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔۔

عابیر اس کے سخت گرفت میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ مزاحمت کرنے کی نہ اس وقت اس میں ہمت تھی اور نہ ہی اس میں طاقت۔۔۔۔

روزینہ خانم یہ دیکھ کر بھڑ بھڑ جلی تھیں۔۔ ان کے آنکھوں میں شرارے سے لپکے تھے۔۔ مگر شہرام کی موجودگی کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکیں۔۔ ورنہ اسفندیار خان کو اپنے دودھ کی قسم دے کر ہر حال میں روک دیتیں۔۔

شہرام اسفندیار خان کی طرف بڑھا تو زاران نے اسے کلائی سے پکڑ کر روکا تھا۔۔

لالا۔۔۔۔۔۔ عابیر۔۔۔۔۔ شہرام نے غصے سے کہا۔۔

عابیر بیوی ہے اسفندیار خان کی۔۔وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس پر اس کا حق ہے۔۔زاران نے لب بھینچے سنجیدگی سے کہا۔۔

اگر اسفند لالا کا عابیر پر حق ہے تو ہماری بھی وہ چھوٹی بہن ہے۔۔ آپ سب سن لیں۔۔اگر اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہوا تو مجھ سے کوئی بھی اچھے کی امید نہ رکھے۔۔شہرام نے روزینہ خانم کو گھورتے ہوئے اپنے لہجے کی سختی سے بہت کچھ باور کروایا تھا۔۔وہ رکا نہیں تھا تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔۔

اسفندیار خان اسے کلائی سے تھامے باہر لایا تو وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔۔

چھوڑیں مجھے اسفندیار خان۔۔ ہمت کیسے ہوئی آپ کی میرے لالا کو چاقو مارنے کی؟؟۔۔ عابیر کار پورچ میں آتے ہی اپنی کلائی چھڑوانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے روتے ہوئے بولی۔۔ شہرام کے بازو سے نکلتا خون اسے بھول نہیں رہا تھا۔

تمھارے لالا کی شکر کرو میں نے جان نہیں لی۔۔ ورنہ میرا دل یہی کر رہا ہے۔۔ اس کے ساتھ آج تمھاری بھی جان لے لوں۔ اسفند اسے کلائی سے کھینچتا اپنے قریب کر گیا تھا۔

وہ بری طرح اس کے چٹانی سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔۔

میرے لالا کو آپ نے ہاتھ بھی لگایا تو چھوڑوں گی نہیں آپ کو۔۔ عابیر اس کے سینے پر ہاتھ جماتے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

اس کے سرخ یاقوتی ہونٹ بری طرح لرز رہے تھے۔۔ہیزل گرے آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔نفاست سے کیا گیا میک اپ آنسوؤں کی نظر ہوتا اس کی رنگت مزید نکھار گیا تھا۔نازک قیامت سراپہ ریڈ پٹھانی فراک میں غضب ڈھا رہا تھا۔۔اس کا بے پیاہ حسن یہاں کی لڑکیوں کے حسن کو بھی مات دیتا تھا۔۔

اسفندیار خان نے شرربار نگاہوں سے اس کے کندن نشیب و فراز کو گھورا تھا۔فراک کی سینے سے فٹنگ کی وجہ سے اس کے خدوخال قیامت ڈھا رہے تھے۔۔اس پر متضاد اس کا ہچکیاں بھرنا۔۔۔سمندر میں اٹھتی لہروں کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔۔حسن تھا چھپائے نہیں چھپتا تھا۔اسفندیار خان کی شرربار نگاہیں اس کا گہرائی سے اس کے بدن کے انگ انگ کا احاطہ کیے ہوے تھیں۔

اسفندیار خان کی گہری نظریں خود پر گڑھی محسوس کرتے وہ سرخ گلاب ہوئی تھی۔اس کی نظروں کی بے باکی کا بخوبی احساس تھا۔۔اس کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے عابیر نے اپنا نیٹ کا دوپٹہ آگے سے ٹھیک کیا تھا۔۔اسفندیار خان کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی تھی۔

آج اسے اپنی بیوی کی شرم وحیا محظوظ نہیں کر رہی تھی۔۔بلکہ اسے اس کا شرمایا سرخ گلاب روپ طیش والم میں مبتلا کر رہا تھا۔جو بے شرمی وہ اندر دکھا کر آئی اور

اس طرح کی ڈریسنگ میں گلا گئی کی شادی پر جانا چاہتی تھی۔۔۔وہ اس کی دماغ کی رگیں پھڑکا رہا تھا۔۔

اور یہ پہلی مرتبہ تھا وہ اس طرح بے پردہ حویلی کے کارپورچ میں اس کے ساتھ کھڑی تھی۔۔اسفندیار خان نے کارپورچ میں قدم رکھنے سے پہلے

سب ملازموں کو وہاں سے جانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ اس وقت حویلی کے وسیع و عریض کارپورچ میں ایک طرف گاڑیوں کے اطراف میں کھڑے تھے۔۔ جہاں کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔۔ نہ ہی اس وقت کوئی ادھر موجود تھا۔۔۔

اسفند نے اپنی شال اتار کر اس کے گرد اچھی طرح لپیٹی۔۔ وہ اب اس کی گہری نگاہوں کی تپش سے نگاہیں پھیرے اس سے نروٹھے سے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔۔ مقابل کی بے باک نگاہوں کی تپش بھلا کہاں وہ برداشت کر سکتی تھی۔۔

عابیر نے اسفند کی شال کو سینے سے جکڑتے اس کی طرف دیکھتے غصے سے اتارنی چاہی۔

عابیر کے آرادے دیکھتے اسفند اسے کلائی سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔

جانتا ہوں تمھاری شرم وحیا ختم ہو چکی ہے۔۔ اندر کافی بے شرمی کا مظاہرہ کر چکی ہو۔ اب اس طرح بے پردگی میں کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ اسفند یار خان اس کے بازو پر اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھے اسے بری طرح جھنجھوڑتے غرایا۔۔

عابیر نے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سسکاری بھری تھی۔۔

ماتھا پٹی اور کانوں میں پہنے آویزوں کے میرون پرلز بھی بری طرح ہلے تھے۔ کلائی میں پہنی چوڑیوں کی کھنکار بھی گونجی تھی۔

آپ مجھے لائے ہیں ایسے۔۔۔۔میں خود نہیں آئی۔۔ورنہ میں کبھی چادر کے بغیر حویلی کی چار دیواری سے نہیں نکلی آپ جانتے ہیں یہ۔عابیر نے اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے کہا۔۔

عورت کی شرم وحیا صرف اس کے لباس میں نہیں ہوتی۔بلکہ اس کی سوچوں اس کے لفظوں سے بھی چھلکتی ہے۔۔تم جیسی بے شرم لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

اسفند کے لفظ سنتے عابیر کی آنکھیں شدت سے بھیگ اٹھیں۔

اتنی ہوں بے شرم ہوں تو کیوں مجھے اپنے ساتھ لائیں ہیں؟؟آپ کے نزدیک عزت دار وہ عینا ہے جس کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر کیک کاٹ رہے تھے۔۔جو بڑے حق سے آپ کا ہاتھ پکڑتی ہے۔۔تو جایئے اسفند یار خان اسی سے نکاح کرلیں۔آپ کی مورے بھی یہی چاہتی ہے کہ آپ باہر

چلے جائیں اور وہاں اپنا گھر بسا لیں۔ اور آپ اپنی مورے سے وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ پھر میرے پاس کیا کر رہے ہیں؟؟۔ عابیر دبی آواز میں چیخی۔۔

وہ دن بدن مقابل کو لے کر شدید پوزیسیو ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے اسی وعدے نے تو اس کی جان نکال کر رکھ دی تھی۔۔ نہ اس سے دوری قبول تھی۔ نہ اس کے قریب کسی تیسرے کا وجود۔۔۔۔۔۔

کروں گا نکاح تمھارے سامنے کروں گا۔ تم بھی یہی چاہتی ہو۔ تمھارا کیا ہوا ہر لفظ پورا کروں گا۔ اسفندیار خان نے غصے سے اس کے کان میں لٹکتا آویزہ کھینچ ڈالا۔۔

عابیر نے آنکھیں میچتے اس کے لفظوں کا زہر اپنے اندر اتارا۔۔ وہ اس کے سامنے ہی کھڑا دوسری شادی کی بات کر رہا تھا۔

کیا کہا تھا اندر کہ رات کی تنہائی میں بیوی کے پور پور پر اپنی شدتوں کی مہر لگانے والا مرد دن کے آجالے میں اس سے منہ کیوں پھیر لیتا ہے۔یہی کہا تھا نا تم نے اندر بے شرمی سے۔۔اسفند اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔۔

غلط نہیں کہا تھا۔۔وہ گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بولی۔۔

ہمممم۔۔۔۔۔ تمھیں آج بتاؤں گا۔اصل میں بیوی کے پور پور پر مہریں کیسے لگائی جاتی ہیں؟؟وعدہ ہے یہ میرا آج تمھارے خوبصورت بدن کو اپنی شدتوں سے رنگ دوں گا۔۔۔ مہینوں میری شدتوں کے رنگ نہیں جائیں گے۔۔اور نہ تم کسی کے سامنے بھی جانے کے قابل رہو گی۔۔

اسفند اس کے جبڑے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے پھنکارا تھا۔۔

میں میں آپ کو اپنے قریب نن۔۔۔ نہیں آنے دوں گی۔۔ عابیر گھٹی گھٹی آواز میں سسکتے ہوے بولی۔۔ وہ ابھی تک اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچے ہوے تھا۔

اسفندیار خان نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اس کا جبڑہ چھوڑا۔۔ وہ بری طرح کار پورچ میں کھڑی اسفندیار خان کی گاڑی کی بونٹ کے ساتھ آلگی تھی۔

اسفندیار خان اسے بنا کوئی موقع دیے اسے گاڑی کی بونٹ پر لٹائے اس کی کلائیاں جکڑے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھک چکا تھا۔ اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھکے اس کے نچلے لب پر اپنے دانت شدت سے گاڑھے۔۔۔

عابیر نے اس کی بے حم شدت پر بری طرح سسکاری لی۔۔

بے رحمی سے دانت گاڑھنے کے بعد اسفند نے اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں دباتے ہوے اس کی سانسیں چرانا شروع کیں۔

اب اس کے سانسیں چرانے کا عمل بے رحمی سے جاری تھا۔۔عابیر کی کلائیوں پر اس کی گرفت شدید ہوتی جارہی تھی۔اور اس کی ٹانگوں اور اس کے بدن پر وہ جان بوجھ کر ضرورت سے زیادہ دباؤ ڈالے ہوے تھا۔۔عابیر اس کی گرفت میں زخمی پرندے کے مانند پھڑ پھڑا رہی تھی۔۔

اپنی بے بسی پر عابیر کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔وہ اپنا پہاڑی وجود اس پر لادے اسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہے۔۔وہ اس کے کہے کی سزا دے رہا تھا۔۔

عابیر کے وجود کو ساکت ہوتا محسوس کرتے وہ اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔ اور اسے کلائی سے جکڑے اپنی طرف کھینچا۔۔ وہ بے جان وجود کے ساتھ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔

اسفندیار اس کے لرزتے بدن اور گہرے سانس لیتے بدن کو نرمی سے اپنے سینے میں بھر گیا۔۔

یہ تو ہوئی اس بات کی سزا۔۔۔ جو تم نے کہا تم مجھے اپنے قریب نہیں آنے دو گی۔ اسفند اسے اپنے سینے سے الگ کرتے اس کے گلابی عارض پر بے انتہا نرمی سے اپنی انگلیاں پھیر گیا۔ جہاں درید خان نے تھپڑ مارا تھا۔۔

اسفندیار خان کا گرم خون رگوں میں لاوے کی طرح ایک بار پھر سے ابلنے لگا تھا۔۔ اس کی بیوی کو اس کے سامنے تھپڑ مارا۔۔ اسفندیار خان کی آنکھوں میں یکدم غیض و غضب سے شرارے اترے تھے۔

عابیر نے غصے سے اس کی انگلیاں اپنے گال سے جھٹکیں۔

اسفندیار خان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اس کے لبوں پر اب سرخ رنگ نہیں تھا۔۔ مگر اب وہ اس کی شدت پر پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہو رہے تھے۔ وہ سسکیاں بھرتے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اس کی نیلی آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھی۔۔۔ وہی اس کی جان لیوہ ادا۔۔۔۔ جس پر وہ مرتا تھا۔۔

گڈ مجھے تمھارا یہ سٹائل بہت پسند ہے۔ جب تم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہوتی ہو۔۔ واللہ اعلم میں تم پر مرمٹتا ہوں۔۔ مگر میں چاہوں گا۔ تم آج رات تم بلکل بھی مت شرماؤ میری بے شرم بیوی۔۔ ایسے ہی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہنا۔ کیونکہ ابھی تمھارے ساتھ بہت کچھ ہونا ہے۔۔

اسفند اسے مزید اپنے قریب کرتے اس کی پلکوں پر پھونک مارتے سفاکی سے مسکرایا تھا۔۔

عابیر اپنا منہ موڑ گئی تھی۔

اسفند اس کا ہاتھ پکڑے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف سے اندر دھکیل گیا۔۔

عابیر کھسکتے ہوے دوسری سیٹ پر ہوئی تھی۔۔۔ اسفندیار خان نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوے گاڑی سٹارٹ کی۔

..----------

بہارے اپنے کمرے میں بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے پتھرائی کیفیت میں بیٹھی تھی۔۔

باہر کیا ہو رہا تھا اسے کچھ خبر نہ تھی۔۔۔ وہ تو صرف باہر جو ہوا اس کے متعلق سوچ رہی تھی۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ جتنا سوچے گی اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔۔

دل میں درد کا طوفان بڑھتا جا رہا تھا۔۔ ایسا درد تھا سنبھلنا مشکل تھا۔

کاش شہرام پڑھا لکھا نہ ہوتا۔۔ کاش وہ کسی اونچی پوسٹ پر نہ ہوتا۔۔ کاش وہ ویسا ہی شہرام ہوتا جیسا وہ پہلے تھا۔۔ بس وہ ویسے نہ ہوتی جیسے وہ پہلے تھی۔

ان کچھ ہی دنوں میں تو اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگی ہے۔۔۔ اسے آئزل کے قریب دیکھ کر اس کے اندر پہلی مرتبہ حسد رقابت کا جذبہ پیدا ہوا۔۔ جس نے اس پر اچھی طرح باور کروایا کہ وہ شہرام سے شدید محبت کرتی ہے۔۔ وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔۔ اپنی آنا سے جنگ لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔۔

وہ ہمیشہ اس کے آگے جھکتا رہا۔۔ محبت کا احساس ہونے کے باوجود بھی وہ اسی کے جھکنے کا انتظار کرتی رہی۔

لیکن وہ اپنی محبت کی خاطر اس ستم گر کے آگے جھکنے لگی تھی۔ اتنے دن بھی صرف اس لیے رکی رہی کیونکہ اسے شہرام کی محبت پر مان تھا غرور تھا وہ اس کے پاس ضرور آئے گا۔۔

وہ شائد ساری عمر اس کے آگے جھکنے کا نہ سوچتی۔۔۔۔ شدید محبت کے باوجود بھی وہ اس کے آگے جھکنے کا نہ سوچتی۔۔۔۔

مگر وہ اسے کسی کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتی تھی۔۔ آئزل کے ساتھ اسے سوچتے ہی اس کے اندر آگ کے شعلے سے بھڑکنے لگتے تھے۔ آئزل کی کمر

پر لپٹا شہرام کا ہاتھ بھولتا ہی نہیں تھا۔۔ یہ منظر یاد کر کے اس کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگتیں۔۔

وہ سارا دن اس کے ساتھ ہاسپٹل ہوتا ہے۔۔ وہ یہ سوچتے سارا سارا دن روتی رہتی تھی۔۔۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ یہی تو کر رہی تھی۔۔ ساری ساری رات ٹیرس پر سردی میں کھڑی روتی رہتی اور دن کو کمرے کے بیڈ پر بیٹھ کر روتی۔۔۔ کھانا پینا سونا کپڑے بدلنا بھول چکی تھی۔ ابھی بھی وہ پچھلے ایک ہفتے سے اسی سیاہ فراک میں ملبوس تھی۔۔ جب وہ اسے نظر انداز کر کے گیا تھا۔۔ آج ہی اس نے صبح روتے تڑپتے سوچا تھا وہ شہرام کے پاس جائے گی۔۔ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔۔ کیونکہ وہ اسے مزید اس آئزل کے قریب نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ جس کی آنکھوں میں اس نے

شہرام کے لیے محبت دیکھی تھی۔۔ شہرام خانزادہ کو کوئی اور چاہے یہ دل کو کہاں گوارا تھا۔۔ وہ اس کے لیے شدید پوزیسیو ہو چکی تھی۔۔ اس کے قریب تو اب کسی لڑکی کے کا سایہ بھی گوارا نہیں تھا۔۔۔ وہ اپنی آنا بھی ہار گئی تھی۔

لیکن آج تو وہ منہ کے بل گری تھی۔۔ ایسی گری تھی کہ اب شائد وہ کبھی ہی اٹھ سکے۔۔

شہرام کے لفظوں کی اذیت اس کے وجود کو آرے کی طرح کاٹ رہی تھی۔۔ بہارے نے سسکی بھری۔۔ اس کے لفظ کانوں میں گونجے۔

(میں نے بہارے کی ڈگری سے کبھی محبت نہیں کی۔۔ اس کی روح سے محبت کی۔۔ اور چاہتا تھا وہ بھی مجھ سے ویسی ہی محبت کرے۔۔ جیسی میں محبت اس سے کرتا تھا۔۔ مگر مجھے بہت پہلے پتہ چل گیا ہے۔ کچھ لوگوں کے

نزدیک انسان کی حیثیت اس کی اونچی شان اور اس کے مرتبے سے ہوتی ہے) بہارے اس کے لفظ یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔۔

اپنے ہی لفظ کانوں میں گونجے جو کبھی دھڑلے سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی تھی۔۔ مقصد اسے اذیت دینا ہوتا تھا۔۔ مگر آج خود وہ لفظ یاد کر کے وہ اذیت میں جل رہی تھی۔۔

(شہرام تم جاہل اور ان پڑھ نہیں ظالم بھی ہو اس لیے مار دھاڑ کرتے رہتے ہو۔۔ اگر تم پڑھ لکھ جاتے تو تم ارحام لالا زاران لالا اسفند لالا کی طرح بزنس سنبھالتے یوں ڈیرے پر سارا سارا دن چارپائیاں نہ توڑتے)

اپنے ہی لفظ یاد کر کے وہ پاگلوں کی طرح روئی تھی۔

شہرام۔۔۔سوچو ایک پل کے لیے۔۔۔جس ہاسپٹل میں سب)
تمھیں سر سر کہتے پھرتے ہیں۔۔جب انھیں پتہ چلے گا کہ تمھاری
کوالفیکیشن میٹرک پاس ہے۔۔ سوچو تمھاری کیا عزت رہ جائے
گی۔۔وہاں سب تمھاری اس لیے عزت کرتے ہیں کیونکہ تمھیں
(بہت پڑھا لکھا سمجھتے ہیں

ایسے بہت سے لفظ تھے جو یاد آرہے تھے۔اس کی یاداشت ختم ہو جاتی مگر
لفظ ختم نہیں ہونے تھے۔۔اس نے بری طرح سسکیاں بھری تھی۔۔

(شہرام تم فضول میں اتنے ہائپر ہو رہے ہو۔ ذرا مجھے بتاؤ شہرام۔۔۔ کل کو ہمارے بچے ہوں گے۔۔ تم انھیں کیا بتاؤ گے کہ تم کیا ہو؟؟ تمھاری حیثیت کیا ہے؟؟ تمھارے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔۔

شہرام۔۔۔ تم خود سوچو تم نے کیا کیا خود کے ساتھ؟؟ میرے ساتھ تم نے کتنی ناانصافی کی ہے۔۔۔۔۔ زاران لالا۔۔۔ ارحام لالا کے کمپنی میں شئیرز ہیں۔۔ انہوں نے اپنی محنت سے کتنی کمپنیاں کھول لی ہیں۔۔۔ باہر کے ممالک تک اپنا بزنس ایکسپینڈ کر چکے ہیں۔۔ اسفند لالا آلریڈی امریکہ میں اپنا بزنس سٹیبلش کر چکے ہیں۔ یہاں پاکستان میں بھی وہ نئی کمپنی کھول رہے ہیں۔ تمھارے پاس کیا ہے؟۔۔ ایک زمین تھی جس پر تم ہاسپٹل کھول چکے ہو۔۔۔ سرمایہ تک تمھارے پاس نہیں تھا۔۔ یہ ہاسپٹل ایک چیریٹی ہاسپٹل ہے تم جانتے ہو۔۔ تمھیں کیا ملے گا اس ہاسپٹل سے؟؟

۔۔۔وقتی طور پر صرف شہرت۔۔۔نام۔۔۔۔۔ تمھاری قابلیت جان کر جو لوگ آج تمھارا ساتھ دے رہے ہیں وہ بھی ساتھ چھوڑ دیں گے۔۔۔)

(تمھاری طرح۔۔۔وہ اس کی بات کاٹتے طنزیہ بولا تھا)

بہارے نے گہرا سانس لیا تھا۔۔یکدم گھٹن کا احساس بڑھنے لگے گا۔

بہارے کی فیسیں شہرام نے بھری ہیں۔اس نے آج تک مجھ سے یا ارحام سے ایک روپیہ نہیں لیا۔۔وہ ہاسپٹل بھی اس نے اپنے سرمائے سے تیار کیا ہے۔۔زاران کے باہر بولے ہوے لفظ یاد آئے تو وہ اپنے لب بری طرح کاٹ گئی تھی۔۔

محبت میں احسان نہیں ہوتا۔۔مگر وہ احسان کر گیا تھا۔۔

مجھے سب کچھ قبول ہے۔۔مگر تم مجھے خود سے محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔میں تمھاری وفادار ہوں۔۔ہمیشہ رہوں گی۔۔مگر اس سے آگے مجھ سے کچھ توقع نہ کرنا۔۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں

کیا کروں گا ایسی لڑکی کی وفاداری کا میں؟؟۔۔جس کے نزدیک کسی انسان سے محبت کرنے کی شرط اس کی قابلیت اس کی اونچی پوسٹ ہو۔۔۔وہ محبت بھی ناپ تول کر کرے۔۔تم ایک خود غرض لڑکی ہو بہارے۔۔۔۔

اپنے ہی لفظوں کے ساتھ اس کے لفظ یاد آئے تو وہ گھٹنوں میں منہ دیے رونے لگی تھی۔۔

وہ کافی دیر تک ایسے بلک بلک کر روتی رہی۔ وہ جانتی تھی وہ کمرے میں نہیں آئے گا۔۔ وہ ہر روز ہر پل اس کا انتظار کرتی تھی۔۔ مگر وہ آج کمرے میں نہ آئے وہ خود یہ چاہتی تھی۔ دفعتاً وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ بہارے نے جلدی سے گھٹنوں سے سر اٹھاتے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔ وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔۔

شہرام اسے مکمل اگنور کیے ڈریسنگ روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

شہرام تھوڑی دیر بعد ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو وہ بلو جینز میں ملبوس تھا۔۔ مگر شرٹ لیس تھا۔۔ اس کے ہاتھ میں میڈیکل باکس تھا۔۔ وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہو کر کاٹن سے اپنا زخم صاف کرنے لگا۔۔

آنکھوں کے آگے عابیر کا سسکتا لرزتا وجود آ رہا تھا۔ درید خان نے اسے تھپڑ مارا۔۔ شہرام سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ بچپن سے وہ سب کی لاڈلی تھی۔ اس کی اور زاران کی جان بستی تھی اس میں۔۔۔ زاران سے اس کی جب بھی لڑائی ہوئی۔۔ صرف عابیر کی وجہ سے ہوئی کہ وہ کس سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ وہ صرف ایک اسی بات پر زاران کے مقابل آ جاتا تھا۔ اور ہر بار زاران جیت جاتا تھا۔۔ عابیر ہمیشہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی تھی۔ وہ زاران لالا سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس بات پر اس سے شدید ناراض ہو جاتا تھا۔۔ کتنے کتنے دن اس سے بات نہیں کرتا تھا۔

آج وہ کس طرح رو رہی تھی۔ اور زاران ایک بار بھی اس کے قریب نہیں گیا تھا۔ اور آج پھر وہ عابیر کی وجہ سے زاران سے ناراض ہو چکا تھا.. شہرام ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا جھکتے مرر میں دیکھتے گہرے سانس بھر رہا تھا۔۔ اسفند اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔۔۔ وہ یقیناً اس سے کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔۔ یہ اسفند کی سرد سرخ آنکھوں سے بخوبی عیاں تھا۔ اور یہ سوچ کر اب اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھی۔۔ شہرام نے غصے سے پرفیوم کی بوتل ٹیبل سے اٹھائے زمین پر پوری قوت سے دے ماری۔

بہارے جو اسے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔۔ بیڈ پر بیٹھی بری طرح لرز اٹھی ۔۔ وہ اب اس کے ہر ایکشن سے ڈرنے لگی تھی۔۔ وہ اسے کسی وجہ سے چھوڑ نہ دے۔۔ وہ جیسے اس کی خاموشیوں سے بھی ڈرنے لگی تھی۔

شہرام کچھ پل ڈریسنگ مرر کو دیکھتا رہا پھر لب بھینچے اپنا زخم صاف کرنے لگا۔۔ جہاں سے ابھی بھی خون رس رہا رہا۔۔ شہرام نے کاٹن میں بھر کر اینٹی سیپٹک ڈالی تھی اور پے دردی سے اپنے گہرے زخم پر رکھی۔۔ جہاں اسفند یار خان نے بے دردی سے چاقو مارا تھا۔

بہارے تھوڑی دیر اسے دیکھتے رہی۔۔۔ پھر وہ خود پر قابو نہیں پا سکی تھی۔۔ وہ بہت مشکل سے اپنے بازو کا زخم صاف کر رہا تھا۔۔ دائیاں بازو تھا۔۔ یقیناً ڈریسنگ کرنا بھی مشکل ہوتا۔ وہ اس کے چہرے پر تکلیف کے اثار دیکھ کر اس کی طرف بڑھی۔۔

لاؤ میں کر دیتی ہوں۔ بہارے نے اس کے سنجیدہ چہرے کو بغور دیکھتے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے بمشکل کہا۔

رہنے دو میں کر لوں گا۔ تمھیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ شہرام نے اس کی طرف دیکھے بغیر درشت لہجے میں کہا۔۔

اس کے درشت اجنبیت بھرے لہجے پر بہارے کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔۔

تم سے نہیں ہو گا۔ شہرام تم انجینیر ہو۔۔ ڈاکٹر نہیں۔۔ بہارے زخمی دل کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھیکا سا مسکرائی تھی۔۔۔

اور میں انجینیر ہوں یہ سن کر تمھیں میرے زخم کچھ زیادہ ہی دکھائی دے رہے ہیں۔۔ وہ اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا طنزیہ مسکرایا تھا۔

اس کے طنز پر بہارے کی آنکھوں کے رنگ نے تیزی سے سرخی اختیار کی تھی۔ وہ اپنے نچلے لب کو اتنی بے دردی سے کاٹ گئی تھی کہ لبوں سے نکلتا خون اسے اپنے حلق میں اترتا محسوس ہوا تھا۔۔

جانے کیسے ہوئی ہے مجھ سے ایسی نادانی

میں نے بکھرالی اپنی زندگی کی کہانی

پاس آکر بھی مجھ سے وہ دور ہو گیا ہے

کیسے بتلاؤں کس کو میرا کیا کھو گیا ہے

بہارے اسے دیکھتے کرب سے مسکرا گئی۔ وہ استھزائیہ مسکراتے اپنی ڈریسنگ کرنے لگا۔۔

تم جو بھی سمجھو تمھیں میرے لالا نے مارا ہے۔۔

اسی لیے میں گلٹی فیل کر رہی ہوں۔۔ ویسے بھی میں ایک ڈاکٹر

ہوں۔۔ سمجھو میں اپنا فرض نبھا رہی ہوں.. بہارے نے اپنی نم آواز پر قابو

پاتے سپاٹ لہجے میں بولتے اس کے ہاتھوں سے کاٹن اور پٹی لی۔۔۔

مجھے تمھاری ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔

اور تم گلٹی فیل نہ کرو۔۔ اس سب میں تمھارا کوئی قصور نہ تھا۔ اگر ہوتا بھی تو

مجھے اس سے فرق نہ پڑتا۔۔ جسمانی گھاؤ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں

رکھتا۔۔ اور تمھیں اپنا فرض بھی نبھانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں خود

ڈریسنگ نہ کر سکا تو بہت سے ڈاکٹر ہیں میرے ہاسپٹل میں ان سے کروالوں گا۔وہ بہارے کے ہاتھ سے کاٹن اور پٹی لے چکا تھا۔۔

وہ اسے مکمل نظر انداز کرتے مرر میں دیکھتے اپنی ڈریسنگ کرنے لگا۔۔

بہت سے ڈاکٹر نہیں تمھارے لیے ایک ہی ڈاکٹر کافی ہے۔۔بہارے نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہوے کہا۔۔

شہرام کے ڈریسنگ کرتے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے تھے۔اس کی بات پر شہرام نے مرر میں اس کا عکس بغور دیکھا تھا۔۔

وہ بکھرے بالوں کے ساتھ سیاہ ملگجے سے لباس میں ملبوس تھی۔۔آنکھوں کا رنگ شدید گلابی تھا۔۔جو متورم نظر آرہی تھی۔عارض ناک سرخ تھے۔وہ

اپنی کپکپاہٹ پر بمشکل قابو پائے ہوے تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی بھی وقت گر جائے گی۔۔ اسے آج سے پہلے۔ اس نے ایسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ہمیشہ نک سک سے تیار رہتی تھی۔۔ وہ اس کے بدن پر لباس پہچان گیا تھا۔۔۔ جو اس نے پچھلے ایک ہفتے سے شائد پہنا ہوا تھا۔

شہرام سر جھٹکتا اپنی ڈریسنگ کرنے لگا۔

دفعتًا اس کا فون رنگ ہوا تھا۔۔

بہارے کی نظریں ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے اس کے فون پر جگمگاتے نمبر پر پڑی۔۔

سکرین پر آئزل کا نام دیکھ کر بہارے نے ڈریسنگ ٹیبل کے کارنر کو پکڑے اپنی لرزاہٹ پر بمشکل قابو پایا تھا۔۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ سامنے کھڑے ستم گر کو اس کے دل کا حال پتہ چلے۔۔

شہرام نے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔

کیا ہوا آئزل؟؟ آپ ٹھیک ہیں۔۔ اس ٹائم فون کیوں کیا؟؟۔۔ شہرام کے لہجے میں پریشانی محسوس کرتے بہارے زخمی سا مسکرائی۔۔ اس کے پور پور پر اب گہرے زخم تھے۔ جیسے۔۔۔۔ وہ خود کو زخم دینے والی خود ہی تھی۔۔

اس لیے خود پر استھزائیہ مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

کیا ہوا ہے آئزل آپ بول کیوں نہیں رہیں؟؟ آپ رو کیوں رہی ہیں آئزل؟؟ شہرام پریشانی سے بولا۔

شہرام مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ مم۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے۔ گھر میں کوئی ہے۔ میں اپنے کمرے کے ٹیرس پر ہوں۔ میں نے ٹیرس کا دروازہ باہر سے بند کر لیا ہے۔۔ پلیز تم آجاؤ۔۔ آئزل کی بھیگی خوفزدہ آواز سپیکر گونجی تھی۔۔

آئزل۔۔۔ گل رعنا اور فروز خان کہاں ہے؟؟ شہرام جلدی سے بولا۔۔

وہ دونوں کسی کی ڈیتھ پر گئے ہیں۔۔

میں اکیلی ہوں شہرام۔۔ آئزل اب بری طرح رو رہی تھی۔۔

آئزل آپ فکر نہ کریں۔ مجھے پورا یقین ہے وہاں کوئی نہیں ہے۔۔ آپ اکیلی ہیں اس لیے شائد آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔۔ گھر بہت سیف

ہے۔ ویسے بھی یہاں چار دیواری میں اور باہر بھی ہر عورت سیف ہے۔۔ ہم لوگوں کے لیے عورت کی عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔۔ آپ ریلیکس رہیں۔۔ میں آرہا ہوں۔۔ شہرام پریشانی سے بولتے ڈریسنگ روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

بہارے نے گہرے سانس لیے تھے۔۔ بہارے نے جلتی آنکھوں سے کمرے میں لگی وال کلاک کو دیکھا۔ جہاں رات کے دس بج رہے تھے۔۔۔ وہ اتنی رات کو اس کے پاس جا رہا تھا۔۔ بہارے نے ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو دیکھتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔ شدت گریہ سے اس کی آنکھوں سے جیسے سیلابی ریلا بہا تھا۔۔

آئزل کو شہرام کی مدد کی ضرورت تھی یا وہ کسی مصیبت میں تھی۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ وہ صرف اس وقت ایک بیوی تھی۔۔ جسے اپنا شوہر رات کے اس پہر کسی اور کے پاس گوارا نہیں تھا۔

بہارے کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا دل پہلو سے نکال رہا ہو۔ بہارے نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ اس نے اپنے لرزتے بدن پر بمشکل قابو پایا۔۔ کل سے اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اب اسے لگ رہا تھا وہ چکر کھا کر گر جائے گی۔ اگر شہرام چلا گیا تو اسے پورا یقین تھا وہ ضرور چکرا کر گر جائے گی۔۔

شہرام ڈریسنگ روم سے بلیک شرٹ اور بلیک جیکٹ پہن کر باہر آیا۔۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر پریشانی بخوبی عیاں تھی۔۔ جو بہارے کا دل پر چھریاں چلا چکی تھی۔ اس چہرے پر اب کسی کے لیے پریشانی بھی گوارا نہ تھی۔

وہ اس کے کے لیے بے انتہا حساس ہو چکی تھی۔۔

عشق میں مقابل کا ہر ستم گوارا تھا۔۔ مگر عشق میں شراکت گوارا نہ تھی

۔۔۔

شہرام ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائے دروازے کی جانب بڑھا تو بہارے کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔۔ بہارے نے شہرام کی چوڑی پشت کو دیکھتے سسکی بھری۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ کمرے کے فرش پر بکھرے کانچ کو ایک نظر دیکھتے اس پر اپنے پاؤں رکھ چکی تھی۔

بہارے کے لبوں سے دل سوز چیخ برامد ہوئی۔۔ کانچ کے ٹکڑے اس کے دونوں پاؤں میں پیوست ہو چکے تھے۔۔

بہارے کی دلسوز چیخ پر شہرام کے ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکے۔۔اس نے پلٹتے ہوے اسے دیکھا۔۔بہارے بری طرح روتے ہوے ہچکیوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام کی تحیر زدہ نظریں اس کے پاؤں پر تھیں جہاں سے خون نکل رہا تھا۔۔اس سے پہلے وہ زخموں کی تاب نہ لاتے گرتی۔وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے کانپتے لرزتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھر چکا تھا۔

یہ کیسے ہوا بہارے؟؟شہرام نے پریشانی سے اس کے زخمی پاؤں کو دیکھتے اس کے عارض پر ہاتھ جماتے پوچھا۔۔

بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے روتے ہوے اس کی بانہوں میں بری طرح سما گئی۔۔

شہرام سٹل ہوا تھا۔۔ وہ بہت بری طرح اس کی شرٹ مٹھیوں میں مظبوطی سے جکڑے ہوے اس کے سینے سے لگے ہچکیاں بھر رہی تھی۔۔

وہ اتنی مضبوطی سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھی۔۔ جیسے وہ ایک پل کے لیے بھی اسے چھوڑے گی۔ وہ چلا جائے گا۔۔ شہرام کے زخمی بازو کو بہت بری طرح کھنچ پڑ رہی تھی۔ زخم گہرا تھا ڈریسنگ ٹھیک طرح نہیں ہوئی تھی۔۔ درد کی شدید ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔۔ وہ ظبط سے اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔ مگر بہارے کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑاوائی نہیں تھی۔ وہ اس کی کمر کو جکڑے ہوے تھا۔۔ اس کے پاؤں زمین سے تھوڑے اوپر تھے۔

شہرام کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔۔ وہ بری طرح روتے ہوے اب اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔۔

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گڑھیں تھیں۔۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کے چہرے پر بکھر رہی تھیں۔

بہارے کے لرزتے قندھاری زخمی لب شہرام کی ٹھوری کو جیسے ٹکرانے کو بے قرار تھے۔۔ بہارے پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے مزید قریب ہوئی۔ شہرام کے بدن سے اٹھتی جان لیوہ خوشبو بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے اندر اتاری۔۔

دن میں کتنی مرتبہ وہ اس کا ڈریسنگ پر پڑا پرفیوم خود پر چھڑکتی تھی۔۔ یہی ایک خوشبو تو اب اسے پسند تھی۔۔

جو مقابل کے جسم میں رچتے جان لیوہ ہو جاتی تھی۔۔ ابھی بھی شہرام کے بدن سے اٹھتی خوشبو اس کی جان لے رہی تھی۔ وہ اپنے پاؤں میں اٹھتی

تکلیف مکمل بھولی ہوئی تھی۔۔اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے مقابل کی براؤن آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔

بہارے کی گہری کرسٹل براؤن آنکھوں میں درد کی پرچھائیاں سی شہرام کو محسوس ہوئیں۔۔

جسے محسوس کرتے اس کی نظریں اس کے پاؤں پر پڑیں۔وہ بمشکل زمین پر کھڑی تھی۔اس کے پاؤں میں کانچ کے کئی ٹکڑے پیوست تھے۔۔شہرام اسے کمر سے جکڑے مزید اوپر کو اٹھا گیا تھا۔۔

درد ہو رہا ہے بہارے؟؟شہرام نے اس کے لرزتے لبوں کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔نظر اس کے زخمی قندھاری ہونٹوں پر آن ٹھہری تھی۔۔یہ زخم کیسے آیا؟؟وہ یہی سوچ رہا تھا۔۔

بہت ہو رہا ہے درد شہرام۔۔ اتنا کہ میں تمھیں بتا نہیں سکتی۔۔ بہارے سسکتے ہوے اس کے سینے سے مزید لپٹی۔۔

شہرام نے اسے سسکتے دیکھتے جلدی سے اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا تھا۔۔

۔۔ بہارے نے اس کی شرٹ چھوڑتے اب اس کے گلے میں بانہیں حمائل کیں۔۔

شہرام اسے بانہوں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔۔ اسے بہت احتیاط اور نرمی سے سے بیڈ کے وسط میں لٹایا۔۔ شہرام نے اسے لٹا کر پیچھے ہونا چاہا۔۔ وہ ابھی تک اس کی گردن میں اپنے بانہیں حمائل کی ہوئی تھی۔۔ اس کے گرفت مضبوط کرنے پر شہرام کا چہرہ بہارے کے چہرے سے ٹکرایا۔۔

شہرام کے لب اس کے لبوں سے ٹکرائے تھے۔۔وہ مزید اس کی گردن کے گرد سختی سے اپنے بازو حمائل کر گئی۔۔

شہرام نے حیرت و استعجاب سے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکا۔۔وہ اسے چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔۔بہارے نے ہچکی لیتے اسے دیکھا تھا۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے۔۔بہارے کی دل کی دھڑکنیں شہرام کو اپنے دل میں دھڑکتے محسوس ہو رہی تھیں۔

شہرام کو جیسے محسوس ہوا تھا. وہ اس کے مزید قریب ہوئی ہے۔۔اس کے بدن کی نازکی کو اس کا سینہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔۔بہارے کی کی کرسٹل براؤن آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔وہ پلیکیں تک نہیں جھپکا رہی تھی۔آنسو اب رک چکے تھے۔۔۔اس کے عارض میں

شدید سرخیاں گھل رہی تھیں۔۔۔وہ سرخ گلاب بنی ہوئی تھی۔۔یعنی وہ اس کے کتنے قریب تھی؟؟۔اور کس پوزیشن میں تھی۔

وہ اس بات سے بخوبی عیاں تھی۔۔اس کی بانہوں کا حصار شہرام کی گردن کے گرد بڑھتا جارہا تھا۔۔اور اس کے سینے پر بہارے کے دلکش خدوخال کی نازکی بڑھتی جارہی تھی۔۔شہرام کا رنگ اب سرخ ہو رہا تھا۔

شہرام نے لب بھینچتے ہوئے اسے دیکھا۔۔شہرام اپنی گردن سے اس کی بانہیں اپنے ہاتھ سے چھڑاوتے اس سے دور ہوا تھا۔بہارے کا رنگ اب خفت سے سرخ ہوا تھا۔اسی پل آنکھوں میں نمکین پانی جمع ہوا تھا۔۔

پاؤں میں کانچ کیسے لگا؟؟۔۔شہرام نے اس کی بھیگی آنکھوں کو بغور دیکھتے پوچھا۔جہاں پھر سے گرم سیال مادہ بہتا اس کے عارض اور گردن کو بھگو رہا تھا۔۔

مجھے پتہ نہیں چلا فرش پر کانچ ہے۔۔ میں واش روم جا رہی تھی۔۔ پتہ نہیں کیسے لگ گیا یہ کانچ۔۔

بہارے نے ہچکیاں لیتے کہا۔۔ اس کے دور ہونے پر اس کا پورا وجود پھر سے ہچکیاں بھرنے لگا تھا۔

بہت درد ہو رہا ہے۔۔ شہرام نے اسے ہچکیاں لیتے پوچھا۔

بہت سے بھی بہت زیادہ۔۔۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے شہرام؟؟ بہارے بے بسی سے بولتے شدت سے رو دی۔۔۔۔

شہرام اس کے لفظوں پر غور کرتا اس کے چہرے کو دیکھے گیا جہاں تکلیف کے اثرات تھے۔۔

شہرام اسے بغور دیکھتا اس کے پیروں کی طرف بڑھا۔۔اس کے پاؤں کے تلوں سے خون نکلتا بیڈ شیٹ کو داغدار کر رہا تھا۔۔

کانچ کے کئی ٹکڑے اس کے نرم و نازک پیروں میں پیوست تھے۔۔شہرام حیران ہوا تھا۔وہ تو ذرا سی چوٹ لگنے پر گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی تھی۔۔بچپن سے ہی سوئی چبھنے پر بھی پوری حویلی سر پر اٹھا لیا کرتی تھی۔۔آج وہ خاموشی سے صرف آنسو بہا رہی تھی۔۔

شہرام نے بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔نہ وہ پرفیوم توڑتا۔۔۔۔۔نہ اسے یہ زخم آتے۔زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اسے زخم دے گیا تھا۔۔شہرام نے خود کو بری طرح کوسا تھا۔

وہ جانتا ہی نہیں تھا وہ سچ میں اسے گہرے زخم دے گیا ہے۔۔

بہارے خود پر کنٹرول کرنا مجھے یہ کانچ نکالنا پڑے گا۔۔ تمھیں درد ہو گا۔۔ شہرام نے اس کے قریب بیٹھتے کہا۔ وہ اب بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے آنسو بہا رہی تھی۔

اس کے آنسوؤں سے ظاہر ہو رہا تھا۔۔ تکلیف کی شدت بہت زیادہ ہے۔۔

رہنے دو ایسے ہی شہرام۔۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔۔ بہارے نے روتے ہوے آنکھیں میچیں۔۔

وہ یہ کانچ نکال کر اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔۔ یہی ایک خوف اسے بری طرح لرزائے جا رہا تھا۔

شہرام کچھ پل اس کی بند آنکھوں پر لرزتی پلکوں کو دیکھتا رہا۔۔

پھر اس کے پاؤں کی طرف بڑھا۔ اس کی پنڈلی پر سختی سے ہاتھ جمایا۔۔ بہارے نے روتے ہوے اپنا پاؤں چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔۔ وہ اور بھی سختی سے اس کی پنڈلی جکڑے ایک ہی جست میں اس کے پاؤں کے تلوے سے کانچ کا ٹکڑا کھینچ چکا تھا۔ بہارے کی دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔۔

شہرام نے سختی سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیا۔ دوسرے لمحے اسے بنا کوئی موقع دیے اس کی دوسری پنڈلی پر گرفت مضبوط کرتے اس کے دوسرے تلوے سے بھی کانچ کا ٹکڑا بہت بے دردی سے کھینچا تھا۔۔

بہارے جو بہت بری طرح رو رہی تھی۔۔ اس کے حلق سے پھر سے فلک شگاف چیخ برامد ہوئی۔۔ اب وہ تکیے پر اوندھے منہ گرے پھوٹ پھوٹ کر

رو دی تھی۔ دونوں ہی تکلیف نا قابل برداشت تھیں۔۔ روح کی بھی جسم کی بھی۔۔ وہ ہچکولے بھرتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں بھرے رونے لگی۔۔

شہرام میڈیکل باکس ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے بہارے کی طرف بڑھا۔۔ اس کے پیروں کے قریب بیٹھ کر بہت نرمی سے اس کے زخم صاف کرنے لگا۔۔ بہارے اب بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے ہچکیوں سے روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ اپنے پاؤں اس کی گرفت سے چھڑا وا نہیں رہی تھی۔۔

شہرام نے بہت احتیاط سے اس کے زخم صاف کرتے خون روکا تھا۔ اور بہت احتیاط سے دونوں پاؤں پر پٹی کی۔۔

اس دوران فون بیل پر اس نے لب بھینچے فون کو دیکھا اور گہرا سانس بھرتے فون کاٹا۔

فون بیل پر بہارے کی رنگت میں زردیاں گھلی تھیں۔۔اسے فون کاٹتے دیکھ کر بہارے کی جان میں جان آئی۔دل میں موہوم سی امید تھی وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔۔آخر اس نے اس سے شدید محبت جو کی تھی۔

بہارے بے جان ہوتی حالت کے ساتھ تکیے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی۔ایک بار پھر سے پلکوں کی باڑ سے آنسو گرتے اس کے عارض کو بھگونے لگے۔۔

شہرام اس کے پیروں کی پٹی کر کے اس کی طرف بڑھا۔

بہارے۔۔۔شہرام نے اس کے قریب جا کر اسے پکارا۔۔وہ اب اس کے قریب بیٹھا نہیں تھا۔۔وہ کھڑا ہی اسے پکار رہا تھا۔۔

بہارنے نے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا۔۔

شہرام کو بیڈ کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔

بہارے نے بے دردی سے لب کاٹے تھے۔۔وہ شائد جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔۔

بہارے نے نظریں اٹھا کر اس ستم گر کو دیکھا۔وہ زخمی سا مسکرائی تھی۔۔اب تو کوئی بہانہ نہیں بچا تھا۔اسے روکنے کا۔۔شہرام کے موبائل کی بیل پر بہارے زخمی سا مسکراتے آنکھیں میچ گئی۔۔

وہ اسے جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔اس کا دل سینے سے نکل جانا تھا۔۔

ہیلو آئزل۔۔۔۔میں آرہا ہوں تم پریشان نہ ہو۔۔وہ پریشانی سے بولتے تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

بہارے شہرام کے جانے کے بعد اپنے تکیے پر گرے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

وہ اسے اتنی تکلیف میں چھوڑ گیا اس آئزل کی خاطر۔۔وہ تڑپ کر مر رہی تھی۔۔

(میں اس سے محبت کرتا تھا)۔ایک بار پھر سے شہرام کے لفظ یاد آئے تھے۔۔بہارے کی دلسوز چیخوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی

اسفندیار خان نے ڈرائیو کرتے عابیر پر نظر ڈالی جو اس کی براؤن شال اپنے گرد اوڑھے خاموشی سے بیٹھی تھی۔۔اس کا نازک وجود کبھی کبھی سسکی بھرتا تو اس گاڑی میں چھائی گھمبیر خاموشی بھی ٹوٹتی۔۔

اسفندیار خان نے لب بھینچے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کی۔۔

وہ لب بھینچے کافی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔عابیر کا لفظ رکھیل نوکیلے بھالے کی طرح اس اس کے دل کو فگار کرتا اس کے لہو کو آتش فشاں مادے کی طرح بھڑکا رہا تھا۔۔

وہ اس حلال رشتے کے بیچ اس لفظ رکھیل کو لے آئی تھی۔۔وہ بھی سب کے سامنے۔۔۔۔

بے شک اس نے زاران کو تکلیف پہنچانے کے لیے عابیر سے نکاح کیا تھا۔۔ مگر اسے اپنی سپردگی میں لیتے وقت وہ اسے اپنی عزت بنا چکا تھا۔۔ نکاح نامے سے سائن کرنے سے پہلے وہ زاران کی بہن تھی۔۔ نکاح نامے پر سائن کرنے کے بعد وہ اس کی ذاتی ملکیت اس کی عورت اس کی بیوی اس کی عزت تھی۔۔۔

اسفندیار خان نے اپنی کنپٹی مسلتے ہوے ڈرائیونگ کی سپیڈ بڑھائی۔

عابیر کے بدن پر سرخ لباس اسے سوئیوں کی مانند چبھ رہا تھا۔۔

اسی لباس میں وہ گلالئی کی شادی پر جانا چاہتی تھی۔۔ جہاں وہ اکمل خان بھی تھا۔۔ اسفندیار خان نے غصے سے اپنی شال اس کے وجود سے ایک جھٹکے سے اتار کر وہ شال اپنے قدموں میں پٹخی۔

عابیر نے تحیر زدہ ہوتے اسے دیکھا۔۔ وہ اپنی شال اس کے وجود سے اتار چکا تھا۔ جو اس کا کھلا چہرہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ اب بغیر کسی چادر کے تھی۔۔ نیٹ کا دوپٹہ اس قابل نہیں تھا کہ وہ اس کا بدن چھپانے کے قابل ہوتا۔۔

اس وقت سڑک تاریک تھی۔۔ گاڑی میں بھی اندھیرا چھایا تھا۔ گارڈز کی کئی گاڑیاں ان کے پیچھے آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے اسفندیار خان نے اپنا راستہ بدلا تھا۔

اسفندیار خان نے ایسے کیوں کیا وہ نہیں جانتی تھی۔۔

اب اس اندھیری سڑک پر اسفندیار خان کی گاڑی تھی۔

مگر پھر بھی ایسے گاڑی میں بیٹھنا اسے خفت میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ نظریں جھکائے اپنا نچلا لب بری طرح کاٹ گئی۔۔۔

عابیر کے چہرے کے تاثرات دیکھتے اسفندیار خان کا بھاری استھزائیہ قہقہہ گونجا تھا۔

عابیر نے گلابی ہوتی آنکھوں سے مقابل کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

وہ اس طرح اس کے وجود سے اپنی شال اتارے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اسفند اس کی شکوہ کناں نگاہوں کو دیکھتا گاڑی ایک ہی جھٹکے سے روک چکا تھا۔ وہ اس کی طرف ہوتے اس پر جھکا تو وہ دروازے کی طرف کھسکی

تھی۔۔ اسفند نے بٹن پریس کرتے اس کی سیٹ کو نیچے کی طرف جھکاتے ہوے اس پر مکمل طور پر جھکا۔۔

عابیر کی سیٹ وہ پوری طرح پیچھے کی طرف جھکا چکا تھا۔۔ عابیر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے اوپر جھکے پہاڑی وجود کو دیکھ رہی تھی۔ جو اسے سرخ شرر بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

گلالئی کی مہندی پر اکمل خان نے تمھیں دیکھا تھا۔ اسفند نے اپنی تپش زدہ سانسوں سے اس کا چہرہ جھلساتے دہکتے لہجے میں سوال کیا۔۔

اسفند یار خان کے سوال پر عابیر کی سانسیں رکی تھیں۔

عابیر اس کے سوال پر اسے سہمی نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

اسفند وہ مم۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔ نہیں پتہ تھا۔۔ زنان خانے میں کوئی مرد اس طرح بھی آسکتا ہے۔۔ میرا یقین کریں۔ میں نے اسی وقت اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں وضاحت دی۔۔

اس طرح کے باریک دوپٹے سے اپنا چہرہ ڈھانپا تھا تم نے ؟؟ اسفند یار اس کا دوپٹہ سینے سے کھینچتے دھاڑا تھا۔۔ اس کی دھاڑ پر عابیر کے ساتھ گاڑی بھی جیسے لرز اٹھی تھی۔۔

دوپٹہ شولڈرز سے پنز سے اٹیچ تھا آگے سے اتر چکا تھا۔ اب دوپٹہ صرف اس کے سر پر تھا۔۔

میں نے منع کیا تھا تمھیں تم آج گلالئی کی بارات پر نہیں جاؤ گی۔۔ تو کیوں تیار ہوئی تم اتنا؟؟۔۔ اسفند نے اس کے لرزتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے پوچھا۔۔

مجھے یاد نہیں آپ نے یہ بات کب کہی۔۔۔عابیر نے اپنی بھیگی آنکھیں اسفندیار کی آنکھوں میں گاڑھے کہا۔۔

کیا مطلب تمھیں یاد نہیں؟؟۔۔۔میں نے رات کو واضح الفاظ میں تمھیں منع کیا تھا۔۔اسفند کی دھاڑ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

وہ رات کو کلیر اور سخت الفاظ میں اسے منع کر چکا تھا۔اب وہ مکر کیوں رہی تھی؟؟۔۔اس کے ڈر سے وہ جھوٹ بولے یہ ناممکن تھا۔۔وہ جھوٹ نہیں بولتی تھی۔۔وہ جانتا تھا۔

مجھے نہیں یاد آپ کی کوئی بھی بات اسفندیار خان۔۔جس طرح آپ میرے ساتھ وقت گزار کر بھول جاتے ہیں۔۔اس طرح مجھے بھی آپ کے کوئی لفظ یاد نہیں۔۔۔اور یاد رکھ کر کروں بھی کیا؟؟آپ کی بے رحم شدتوں کے علاوہ میرے پاس ہے ہی کیا؟؟۔میری اہمیت اپنی زندگی میں نہ آپ نے

مجھ پر اشکار کی۔۔نہ کبھی اپنی مورے پر کی۔۔ کبھی مجھے آئی لو یو تک نہیں بولا۔۔تو مجھے بھی آپ کی کوئی بات یاد نہیں رکھنی۔۔عابیر نے ہچکی لیتے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔۔

عابیر کی آئی لو یو والی بات پر اسفندیار کے لبوں کو یکدم مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔

آئی لو یو تو تب بولوں گا جب مجھے تم سے محبت ہو گی۔ویسے بھی جو تم نے آج کیا میرے دل سے تمھاری چاہت جو تھوڑی بہت تھی وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔۔

اسفند کی بات پر عابیر کے چہرے کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔۔اسفند کے لفظ اسے اپنے چہرے پر تھپڑوں کی مانند محسوس ہوے

تھے۔۔۔وہ توہین و خجالت کے احساس سے جیسے بھڑ بھڑ جلتے بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔

عابیر نے اسی لمحے اسفند کی شرٹ کو مٹھیوں سے جکڑے اس کے کالر بون پر شدت سے دانت گاڑھ دیے تھے۔اسفند نے حیرانگی سے اس کا وار سہا تھا۔۔وہ ابھی بھی کسی جنگلی خطرناک بلی کی طرح اپنے دانت اس کی گردن پر گاڑھے ہوے اپنی شدت بڑھائے جا رہی تھی۔۔

اسفند نے تکلیف کی شدت سے اپنی آنکھیں میچیں۔

مگر خود کو اس کے دانتوں کی گرفت سے چھڑوایا نہیں تھا۔

عابیر اپنا غصہ اپنا جنون اتار کر پیچھے ہوئی تو اسفند یار خان کی گردن پر ننھی ننھی خون کی بوندیں آن ٹھہری تھیں۔

عابیر اب سسکیاں بھرتے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کہاں سے سیکھا یہ جنگلی پن میری وایلڈ پٹھانی؟؟۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان نے ایک ایک لفظ چباتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھا۔۔

عابیر نے اسے کوئی جواب نہیں تھا اب وہ اسے صرف بھیگی نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

اب میں تمھیں دکھاتا ہوں جنگلی پن ہوتا کیا ہے؟؟اپنے آپے سے باہر ہونا کسے کہتے ہیں۔اسفندیار خان نے اس کے سینے پر موجود سٹائلش سے بٹن کھولے۔۔

عابیر کی رنگت پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہوئی تھی۔۔

اس کے ہاتھوں کی بے باکی محسوس کرتے وہ اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔اس کے پہاڑی وجوڈ کو خود سے دور ہٹا نہیں سکتی تھی۔۔نہ ہی اس کی بے باکیاں برداشت کر سکتی تھی۔۔

آنکھیں کھولو۔۔۔۔اسفندیار خان اس کے کان کی لبوں کو دانتوں سے کھینچتے غرایا۔۔

اس کی غراہٹ پر وہ نہ چاہتے ہوے بھی اپنی آنکھیں کھول گئی تھی۔۔وہ اپنا پہاڑی چٹانی وجود اس پر لادے ہوے تھا۔۔جس طرح اس کے ہاتھ اس کے بدن پر اپنا مکمل حق جتاتے اس پر باور کروا رہے تھے کہ پور پور پر مہریں لگانا کیا ہوتا ہے۔وہ پسینے میں بھیگ چکی تھی۔۔

اس وقت اس کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔۔آگے گہرائی پیچھے کنواں تھا۔وہ کرتی بھی تو کیا کرتی۔۔اب سہمی نگاہوں سے اس کے کالر بون پر

چمکتی خون کی ننھی ننھی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔اب وہ اسے کہاں سزا دے گا وہ سمجھ چکی تھی۔

آج تم اپنی آنکھیں بند نہیں کرو گی۔۔نہ ہی تم شرم سے سرخ پڑتے میرے سینے سے لپٹو گی۔۔تم میری آنکھوں میں دیکھو گی۔۔ویسے ہی بے شرمی کا مظاہرہ کرو گی۔۔جس طرح تم نے حویلی میں کیا۔۔۔اپنے باپ بھائیوں کو چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ میں تمھارے پور پور پر شدتیں دیتا ہوں

ہاں۔۔اسفندیار خان غیض و غضب سے گرجا تھا۔۔۔

عابیر اس کی گرج پر مزید آنکھیں کھول کر گئی تھی۔

اب آنکھیں مت بند کرنا۔۔۔اسفند نے اس کی ضرورت سے زیادہ کھلی آنکھوں کو بغور دیکھتے اسے وارن کیا تھا۔۔اس نے جھکتے ہوے اس کی گہرائیوں پر شدت بھرا لمس چھوڑا تھا۔۔عابیر تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔

وہ رکا نہیں تھا وہاں جگہ جگہ اپنے دانت گاڑھنے لگا۔۔عابیر کی سسکیاں گاڑی میں گونج رہی تھیں..

اسفندیار خان نے اوپر ہوتے اسے دیکھا وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے شرم سے اپنی نگاہیں پھیر گئی۔۔

نو نو مائی بیوٹیفل ون اینڈ اونلی خوبصورت وائلڈ پٹھانی۔۔۔۔

آج تم شرم سے اپنی نگاہیں نہیں پھیرو گی۔۔۔۔ آج تمھیں میرے ہر عمل میری ہر شدت ہر سوغات پر میری آنکھوں میں دیکھنا ہو گا۔۔۔۔ بلکل بے شرم بیوی کی طرح۔۔میری بے شرم پٹھانی۔۔میری طرف دیکھو خبر

دار۔۔۔۔ تم نے آنکھیں پھیری۔۔ اسفند کے سرد برفیلے لہجے اور آنکھوں کی سرد میری پر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔ آج رات گیسٹ ہاؤس میں جو تمھارے اندر تھوڑی بہت شرم بچی ہے وہ بھی ختم کر دوں گا۔۔ اس کے گال پر اپنی گرم انگلیاں پھیرتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔ اسفند کی بات پر عابیر کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔۔

کیا لفظ بولا تھا تم نے ہاں سب کے سامنے کہ تمھیں اپنا آپ کیا لگتا ہے۔۔ اس نے اس کی سیٹ پر بیک طرف مکہ مارتے دھاڑتے ہوے پوچھا۔۔

عابیر کی اب ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونا شروع ہو چکی ہے۔۔

How shame less Abeer??

میں مر کر بھی سوچ نہیں سکتا۔ میں کبھی تمھارے لیے وہ لفظ بولوں۔۔ کبھی حویلی میں اپنی ماں بہن کے سامنے اپنے اور تمھارے بیچ کے تعلق کو عیاں کروں۔۔۔ تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟؟ اسفند نے لب بھینچے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

آپ اس طرح کی باتیں نہیں کر سکتے۔۔ مگر اپنی مورے کے آگے ہمارے بیچ اس تعلق سے شرمندہ ہو سکتے ہیں۔۔ تو آپ کی شرمندگی کی بابت کو پھر میں کیا نام دوں؟؟ عابیر نے نم لہجے میں پوچھا۔

اسفند مجھے بھی درد ہوتا ہے۔۔ آپ بار بار مجھے چھوڑ کر جانے کی بات کرتے ہیں۔ دوسری شادی کی بات کرتے ہیں۔۔۔

مجھے اس غلطی کی سزا دینے کی بات کرتے ہیں جو میں نے کی ہی نہیں۔۔۔ جانتے ہیں آپ اچھی طرح عابیر خان اسفند یار خان سے عشق کرتی ہے۔۔ اس سے دور جانے کے خیال سے عابیر خان مرنے لگتی ہے۔۔۔ اس وقت جب آپ کی مورے نے آپ سے وعدہ لیا۔۔ آپ کی دوسری شادی کی بات کی۔۔ میں مر گئی تھی اسفند یار خان۔۔۔۔۔ میں آپ کو کسی کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتی۔۔ کیسا درد کا طوفان اٹھا تھا میرے دل میں؟؟۔ آپ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔۔ مجھے تو ایسے ہی لگا اس وقت جیسے آپ صرف میرے بدن کے ساتھ کھیلتے ہیں۔۔۔ درد کی انتہا پر خود کو محسوس کیا تو لفظ تو بے شرم ہونے تھے۔۔۔ آپ کی بے حسی نے بنایا ہے

مجھے بے شرم۔۔ آپ کی وجہ سے میرے بابا نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔ آپ کی وجہ سے میرے زاران لالا نے پہلی مرتبہ میرا ساتھ چھوڑا۔۔ آپ کی وجہ سے۔۔ عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے دبے انداز میں چیخی۔۔

اسفند اب خاموشی سے دیکھے گیا تھا۔۔ ہمیشہ اس کی آنکھوں نے اسے بتایا کہ وہ اس کے عشق میں بری طرح گرفتا ہے۔۔ مگر آج وہ اپنے دل کی حالت لفظوں میں بیان کر چکی تھی۔۔

مجھے مت چھوڑ کر جایئے گا اسفند۔۔۔ میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔۔۔۔ عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بری طرح رو دی۔۔

اسفند چند لمحے اسے روتا ہوا دیکھتا رہا پھر اس کے لبوں پر شدت سے جھکتا اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔۔

عابیر نے غصے سے اس کے سینے پر مکے مارتے اس سے دور ہونا چاہا وہ اور بھی زیادہ شدت اس کے لبوں پر دکھانے لگا تھا۔۔ عابیر اس کی شدت پر مزاحمت ختم کرتے ساکت ہوئی تھی۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں لیے اس کی سانسیں انہیل کرتا رہا۔۔

عابیر بھی کچھ دیر بعد اس کی شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی تھی۔۔ یہ تو طے تھا وہ اس ستم گر کو کبھی خود سے دور نہیں جھٹک سکتی تھی۔۔۔ اس کی محبت اس کا عشق اسے خود سے دور جھٹکنے ہی نہ دیتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرنے لگا۔۔ عابیر بھی گہرے سانس لیتے اپنے اوپر جھکے ستم گر کو

دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی آنکھوں میں آج بھی اس کا واضح عکس تھا۔۔ مگر لبوں پر قفل لگا تھا۔۔

اسفند نے اس کے بکھرے سراپے کو گرم گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے فراک کے بٹن بند کیے تھے۔۔ اپنی شال سیٹ سے پکڑتے اس کے گرد اچھی طرح لپیٹتے اس سے الگ ہوا تو وہ اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے ؟؟۔۔۔ عابیر نے نم نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔

اس کے سوال پر وہ کچھ پل اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتا رہا۔۔

پھر بہت سفند نے نرمی سے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑوائی۔۔وہ پھر سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

اسفندیار خان میں ہر رات آپ کی شدتیں سہنے کو تیار ہوں۔۔ آپ کی شدتوں میں چھپی سزاؤں کو بھی سہنے کو تیار ہوں۔۔ آج رات بھی آپ کی دی ہوا ہر ستم ہر سزا خاموشی سے برداشت کرلوں گی۔۔اپنی مورے سے ہمارے بیچ ریلیشن چھپانا چاہتے ہیں۔۔۔میں وہ بھی چھپانے کو تیار ہوں۔۔ کبھی آپ سے سوال نہیں کروں گی۔

۔مجھ سے وعدہ کریں آپ صرف میرے رہیں گے۔۔مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔۔

عابیر نے بہتے اشکوں سے وعدہ لینا چاہا تھا۔۔

اسفندیار خان اس کے التجائیہ لہجے اور اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں تڑپ دیکھ کر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔

کیا دیکھ رہے ہیں اسفندیار خان؟؟۔۔۔ آپ کے عشق میں اپنی آنا تک کو کچل دیا ہے۔۔ ایسی عشق میں پاگل لڑکی ملے گی بھلا آپ کو۔۔۔ مجھ جیسا پیار کوئی بھی نہیں آپ سے کر سکتا۔۔۔ مجھے چھوڑ کر جائیں گے کبھی خوش نہیں رہ پائیں گے۔۔۔ عابیر اس کی خاموشی سے تنگ آتی چیخی تھی۔۔

اسفند اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑواتا سیدھا ہوا تھا۔۔ اور خاموشی سے ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔۔ عابیر نے سیدھے ہوتے اپنی سیٹ اوپر کی تھی۔۔ اسفندیار خان کی شال اچھی طرح خود پر لپیٹتے اپنے بہتے آنسو بے دردی سے رگڑے تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور شاہ مینشن کے خوبصورت جدید سٹنگ ایریا کے کمفر ٹیبل صوفے پر بیٹھی تھی۔۔ بلیک جینز پر وہ بلیک شارٹ ٹی شرٹ پہنے ہوے تھی۔۔۔ جس کے ہاف سلیوز تھے۔۔ اس کے چاکلیٹی سلکی بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔

سٹنگ ایریا کے وسط جدید آتش دان جل رہا تھا۔۔ سٹنگ ایریا اچھا خاصہ گرم تھا۔۔ موسم کی حدت میں کافی کمی آگئی تھی۔۔۔۔ رات ٹوٹ کر بارش ہوئی تھی۔۔ موسم اتنا سرد نہیں رہا تھا۔۔ مگر اسے اپنا وجود اپنی روح جمتی سی محسوس ہوتی تھی۔۔ بلکل اس کے جذباتوں کی طرح جو ہر رشتے کے لیے سرد پڑ گئے تھے۔ وہ یونہی آتش دال جلا کر بیٹھ گئی تھی۔

ایک ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے گلاس وال سے برستی بارش کو دیکھے جلتے آتش دان میں بھڑکتی سرخ آگ کو دیکھنے لگ جاتی۔۔۔ساحر خان نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔۔وہ بھی اس کی طرح اپنوں کی سازش کا شکار ہو گیا تھا۔

اور یہ حقیقت جاننے کے بعد وہ بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔۔۔اس کی سبز آنکھوں کی نمی اسے بھول ہی نہیں پا رہی تھی۔۔

حور کی آنکھوں کی نمی نے بھی شدت اختیار کی تھی۔۔زندگی کی کچھ حقیقتیں کتنی تلخ ہوتی ہیں یہ اسے بہت پہلے پتہ چل گیا تھا۔۔مگر یہ سچائی جواب اس پر ادراک ہوئی تھی۔۔یہ اسے سب سے زیادہ تکلیف پہنچا گئی تھی۔۔.

سلطان شاہ نے اس کی ماں کو مارا تھا۔۔اس کی کسک اس کے دل سے ختم نہیں ہو پا رہی تھی۔۔اسے ابھی بھی یقین نہیں آتا تھا اس کا اتنا پیار کرنے والا باپ کسی کی جان لے سکتا ہے۔۔وہ ماہ جبین کی سچائی بتانا چاہتی تھی۔

۔مگر اس کے لیے مہر ماہ کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا جاتا جس میں اس کا باپ قاتل تھا۔۔وہ سلطان شاہ سے یہ سوال کرتے ہوئے ڈرتی تھی۔۔اگر سلطان شاہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ دیا کہ اسی نے اس کی ماں کو قتل کیا ہے تو کیسے وہ یہ سب برداشت کرے گی۔۔اس نے مہر ماہ کو بے شک کبھی نہیں دیکھا تھا مگر وہ اس کی ماں تھی۔۔اس کا دل اب مہر ماہ کے لیے تڑپتا تھا۔۔اس کی تکلیف کا سوچ کر وہ کتنی بار رو چکی تھی۔۔جب سلطان شاہ نے اسے قتل کیا ہو گا اس پر کیا گزری ہو گی۔۔جس سے محبت کی جائے اس کے ہاتھوں سے مرنا کیسا لگتا ہے۔۔حور نے یہ سب سوچتے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

سلطان شاہ پتہ نہیں کب اس کے پاس آ بیٹھے تھے اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے لبوں سے لگایا۔۔

آپ کب آئے ؟؟۔۔ حور نے کہتے اپنا ہاتھ سلطان شاہ کے ہاتھ سے چھڑواتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

تب جب میری بیٹی کی خوبصورت آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔۔ سلطان شاہ نے کہتے حور کا ہاتھ دوبارہ پکڑا تھا۔۔ حور کی ہتھیلی اب کی بار اپنے لبوں سے لگائی تھی۔۔

حور اپنا ہاتھ اس بار چھڑوا نہیں پائی تھی۔۔

ہتھیلی پر سلطان شاہ کے پر حدت لبوں کا نرم لمس بڑھتا جا رہا تھا۔ حور کو اپنی ہتھیلی بھیگتی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ سمجھ گئی تھی سلطان شاہ رو رہے ہیں۔ حور کی آنکھیں بھی شدت سے بھیگ رہی تھیں۔ مگر وہ بے حس بن کر بیٹھی رہی۔۔

حور تمھیں جو بھی کہنا ہے مجھے کہہ ڈالو۔۔ جتنا غصہ کرنا ہے چیخنا چلانا ہے چلا لو۔۔ مگر یوں خود کو تکلیف مت دو۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ تمھارے پاپا تمھاری آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتے۔۔ سلطان شاہ اس کی نرم ہتھیلی اپنے انگوٹھے سے سہلاتے کپکپاتے لبوں سے بول رہے تھے۔

تمھاری ماں مہر ماہ بلکل تمھاری طرح تھی۔۔ بہت پیار کرتا تھا میں اس سے۔۔۔ آج بھی مہر ماہ سے پیار کرتا ہوں۔ بہت پیار کرتا ہوں۔ تم سے صرف اس لیے اتنی محبت نہیں کرتا کہ تم میری بیٹی ہو۔۔ تم سے محبت کرنے کی ایک وجہ تم میری اور مہر ماہ کی بیٹی ہو۔۔ حور نے سلطان شاہ کو دیکھا جن کے لب کپکپا رہے تھے۔۔

حور ان کے کپکپاتے لب دیکھ کر تڑپ کر رہ گئی تھی۔

انہوں نے اس کی ہتھیلی ابھی بھی تھام رکھی تھی۔۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گرتے حور کی ہتھیلی میں گر رہے تھے۔۔ حور اپنی مٹھی بند کر گئی تھی۔۔ یہ آنسو اسے قیمتی متاع کی طرح عزیز تھے

زندگی میں اگر کسی سے پیار کیا وہ مہر ماہ تھی۔۔اس کے بعد کسی دوسری عورت سے محبت نہیں ہوئی۔۔ کبھی کوئی دوسری عورت اچھی ہی نہیں لگی۔۔

ماہ جبین سے شادی صرف اس لیے کی تاکہ میری حور کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔کسی رشتے کے لیے وہ ترسے نہ۔۔۔ صرف تمھاری خاطر یہ شادی کی تھی.

تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔۔۔ تمھیں ایک پل کے لیے اگنور نہیں کیا۔۔

تمھیں میں نے پالا ہے۔۔ماں کی طرح بھی اور ایک باپ کی طرح بھی۔۔۔

ہے چھ ماہ کی تھی تم جب مہر ماہ ہماری زندگی سے چلی گئی.. اس کے جانے کے بعد میں کئی ہفتے سوگ میں رہا۔۔اس دوران تمھیں ماہ جبین نے پالا

تھا۔۔ان ہفتوں کے بعد زندگی کا ایسا کوئی لمحہ کوئی دن نہیں آیا۔جب میں نے ایک لمحے کے لیے بھی تمھیں کسی کے پاس تنہا چھوڑا ہو۔۔

جب بھی بزنس کے سلسلے میں باہر جانا ہوتا تو تمھیں ساتھ لے کر جاتا۔پہلے پہل تمھارے بہت چھوٹے ہونے کی وجہ سے ماہ جبین کو ساتھ لے کر جاتا تھا۔۔جب تم تھوڑی سی بڑی ہوئی تو صرف تمھیں اپنے ساتھ لے کر جاتا تھا۔کیونکہ میں ماہ جبین سے جیلس ہو جاتا تھا۔۔سلطان شاہ اب بھیگے لہجے میں بولتے ہنس پڑے تھے۔

حور بھی ان کی طرف دیکھتی بھیگی آنکھوں سے ہنس پڑی تھی۔۔

جانتی ہو تمھاری توجہ میں کسی اور طرف کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔۔میں پہلا باپ ہوں جو اس طرح جیلس ہوتا ہے۔

سلطان شاہ نے مسکراتے ہوے حور کے گال پر پڑنے والے گڑھے پر اپنی انگلی رکھی تھی۔۔ حور اب کی بار شدت سے رو دی تھی۔۔ وہ جب جب مسکراتی تھی۔۔ سلطان شاہ ہمیشہ ایسے ہی اس کے گڑھے پر انگلی رکھتے یا پھر اس کے گڑھے پر اپنے لب رکھتے تھے۔

ماہ جبین سے نکاح کے بعد اس سے اپنا کمرہ علیحدہ رکھا۔۔ یہ سچ ہے میں مہر ماہ کی جگہ کسی کو دینا نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر یہ بھی سچ ہے میں اپنی حور کو ماں کا رشتہ دینا چاہتا تھا مگر میں پھر بھی کبھی ماہ جبین پر بھروسہ نہ کر سکا۔۔ پتہ نہیں کیوں ؟؟۔۔ شائد تمھیں لے کر بہت انسکیور تھا۔۔ اسی لیے تم چھوٹی سی تھی۔۔ تمھارا ہر کام خود کرتا تھا۔۔ تمھیں فیڈر دینے سے لے کر ۔۔ رات کو تمھیں اپنے بانہوں میں جھولے دینے تک۔۔ کبھی تمھارے لیے کوئی جھولا نہیں خریدا کیونکہ میری بانہوں کا جھولا تھا اپنی بیٹی کے

لیے۔۔۔۔ تمھیں یاد تو ہو گا پانچ سال تک تمھیں اپنی گود میں سلاتا تھا۔۔ حور سلطان شاہ کی بات پر بھیگی نکھوں سے مسکرائی تھی۔۔

حور میری زندگی کا یہ سب سے بڑا ریگریٹ ہے۔۔۔ کاش میں ماہ جبین سے شادی نہ کرتا تو تم شائد اس دن سلطان مینشن نہ چھوڑتی۔۔ میرا یقین مانو میں نے تمھاری خاطر ماہ جبین سے شادی کی۔۔ تم مجھے خود غرض سمجھ رہی ہو۔

میں نے تو کبھی ماہ جبین کے پوری طرح حقوق بھی نہیں نبھائے۔۔۔ مجھے بتاؤ حور۔۔ تمھیں ایسا کیا برا لگا ایسی کس بات نے ہرٹ کیا جو تم اپنا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔۔ میں نے تم سے یہ حقیقت چھپائی کہ ماہ جبین تمھاری سگی ماں نہیں ہے یا بات کچھ اور بھی ہے۔۔ سلطان شاہ نے حور کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

پاپا ایسا کیا ہوا تھا جو ماما ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔۔

حور نے سلطان احمد شاہ کا سوال اگنور کیے ان کے سوال پوچھا۔

مہر ماہ کو مجھ سے محبت نہیں تھی۔۔ اسے میری محبت قید لگتی تھی۔۔ اسی لیے وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔۔ اور کچھ ماہ بعد مجھے پتہ چلا اس کی ایک ایکسیڈنٹ میں موت ہو گئی ہے۔۔

سلطان شاہ سپاٹ لہجے میں بولے۔۔ حور سلطان شاہ کے جھوٹ پر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

حور ایسے مت روؤ میری جان۔۔ تمھیں ماہ جبین اس گھر میں نہیں چاہیے تھی میں نے اسے ادھر سے بھیج دیا ہے۔

اب کیا بات تمھیں پریشان کر رہی ہے ؟؟ مجھے کھل کر بتاؤ۔۔ سلطان شاہ نے حور کا ہاتھ پکڑے مظطرب لہجے میں کہا۔۔

کچھ نہیں پاپا۔۔ میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دیں حور نے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔

حور میں چاہتا ہوں تم اپنی میڈیکل کی تعلیم دوبارہ شروع کر دو۔۔ سلطان احمد شاہ گہرا سانس بھر کر بولے تھے۔۔ دو دن سے وہ ان سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کر رہی تھی۔۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اس کی ناراضگی دور کرنے کی۔۔ مگر وہ ایسے ہی خاموش تھی۔

سلطان شاہ کی بات پر حور نے سسکاری لی۔۔ اس ستم گر کا ستم یاد آیا تھا۔۔ کس طرح اس نے اس کے ڈاکومنٹس جلائے تھے۔۔

حور کیا ہوا ہے؟؟ سلطان احمد شاہ نے تڑپتے ہوے حور کو گلے سے لگانا چاہا وہ صوفے سے اٹھتے گلاس وال کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

پاپا مجھے میڈیکل میں نہیں جانا اب میں اپنی سٹڈی دوبارہ نہیں شروع کر سکتی ۔۔ آئی کانٹ۔۔۔ حور نے سپاٹ انداز میں ں ستحکم لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا

سلطان احمد شاہ صوفے سے اٹھتے اس کی جانب بڑھے تھے۔۔

حور میں نے کبھی تمھین کسی چیز کے لیے انسسٹ نہیں کیا۔۔ تم اگر اپنی سٹڈی دوبارہ نہیں شروع کرنا چاہتی۔۔ مت کرو۔۔۔۔۔۔ میں نے اپنا تمام بزنس بینک بیلنس یہ گھر اپنی تمام پراپرٹی تمھارے نام کر دی ہے۔۔۔ اب ہماری کمپنی کا کوئی بھی پروجیکٹ کوئی بھی چیک کوئی بھی ٹینڈر تمھارے سائن کے بغیر پاس نہیں ہو گا۔۔ تم آج سے حور اینڈ شاہ کمپنی کی سی ای او ہو۔۔۔

میں چاہتا ہوں۔۔ تم اپنا بزنس سنبھالو۔۔۔ سلطان احمد شاہ کی بات پر حور نے حیرت و استعجاب سے انھیں دیکھا۔۔

لیکن پاپا میں کیسے ؟؟ حور ان کی بات سن کر حیران ہوئی تھی۔۔

وہ سب کچھ اسی کا تھا جو سلطان شاہ کا تھا۔ وہ اس کا ساتھ تھا۔۔ مگر اس طرح سب کچھ اس کے نام کر دیا تھا۔ پاکستان کی سب سے بڑی کمپنی کا اسے سی او بنا دیا تھا۔

وہ کیسے یہ سب کر سکتی تھی۔۔ وہ ابھی تک حیران تھی۔

حور میں چاہتا ہوں تم بہت سٹرونگ ہو جاؤ۔ تمھیں زندگی میں کبھی میری یا کسی کی ضرورت نہ پڑے۔۔ تم مجھ سے یا پھر کسی سے بھی ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر نہ جانا پڑے۔۔ تمھارے پاس اتنی پاور ہونی چاہیے۔۔ زندگی میں

کبھی ایسا کوئی موقع آجائے تمھیں میرے ساتھ نہیں رہنا تمھیں ارحام خانزادہ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔اس کے لیے تمھیں کبھی بھی کسی کی پناہ کسی کی مدد کی ضرورت نہ پڑے بلکہ تمھارے پاس اتنی طاقت ہونی چاہیے تم گھر چھوڑنے کی بجائے دوسروں کو مجبور کر دو وہ تمھاری زندگی سے نکل جائیں۔سلطان شاہ مضبوطی سے بولے تھے۔۔۔۔

حورلب کاٹتے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے الفاظ یاد آئے تھے

بہت غلط کیا تم نے چھ ماہ پہلے نہ صرف میرے ساتھ۔۔۔۔

بلکہ اپنے ساتھ بھی۔۔۔۔ساری عمر اب تم صرف میری بن کر رہو گی۔۔۔۔ تمھیں میرے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ سزا لگے یا جزا گزرے گا تو میرے ساتھ ہی۔۔۔۔۔

حور نے اس ستم گر کے لفظ یاد کرتے اپنا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔

حور کیا تم ارحام سے محبت کرتی ہو؟!۔اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟؟سلطان احمد شاہ نے مضطرب ہوتے وہی سوال کیا۔۔جو وہ دو دن سے اس سے کرنا چاہتے تھے۔انھوں نے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے جنون عشق کی کیفیت دیکھی تھی۔۔

حور نے سلطان شاہ کی بات پر خالی خالی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔۔

محبت اس کے لبوں نے یہ لفظ زیر لب دہرائے تھے۔۔

سماعتوں میں پھر سے اس زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ دینے والے مغرور بلا کے ہینڈسم انسان کے لفظ گونجے تھے۔

" تم اتنی خوبصورت ہو کہ ارحام خانزادہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا ۔۔وہ جنونی ہو جاتا ہے۔۔ تمھاری دشمن سچ میں تمھاری خوبصورتی ہے۔۔"تم جنون ہو میرا تم طلب ہو میرا تم نشہ ہو میرا۔۔

اس سب میں محبت کہاں تھی؟؟۔۔ جنون تھی تو وہ اس کی۔۔ مگر محبت تو وہ اس کی بلکل نہیں تھی۔۔ تو پھر وہ کیوں اس کی محبت ہونے لگا وہ مغرور ظالم انسان۔۔۔۔۔

حور کی آنکھیں شدت سے بھیگیں۔۔

اچھی طرح جانتی ہوں۔۔ اس دن بھی اپنا مطلب پورا کرنے آیا تھا اپنی طلب مٹانے آیا تھا۔۔ ان چھ ماہ میں دن رات اور اس نے کیا کیا تھا۔۔ حور سب کچھ سوچتے روہانسی ہوئی تھی. اس کی دن رات کی شدتیں یاد آئی تھیں۔ وہ بے رحم جلاد انسان اپنی پناہوں سے آزادی ایک پل نہیں دیتا تھا۔

حور نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔۔

حور کی آنکھوں کی شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سٹنگ ایریا میں شاہزیب خان کی بھاری آواز گونجی تھی۔۔

حور اور سلطان شاہ شاہزیب کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔

حور شاہزیب خان کو دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

سلطان شاہ آگے بڑھتے خوشی سے شاہزیب کے گلے لگے۔۔

بہت بہت مبارک ہو۔۔ تمھیں تمھاری بیٹی مل گئی۔۔ میں آج ہی کینڈا سے آیا ہوں۔۔ مجھے جیسے ہی خبر ملی۔۔ سیدھا تمھارے پاس چلا آیا۔۔ شاہزیب حور کی پشت کو گھورتا ہوا بولا۔۔

وہ اسے دیکھ کر رخ پھیر گئی تھی۔ ورنہ وہ ان کی بہت رسپیکٹ کرتی تھی۔۔ اسے دیکھتے ہی اس کے گلے سے ملتی تھی.

شاہزیب خان اب پریشان ہوا تھا۔۔ اسے جس بات کا ڈر تھا وہ سچ ہوتی نظر آ رہی تھی۔ کہیں ماہ جبین کی حقیقت کے ساتھ حور اس کی حقیقت سے بھی تو کہیں باخبر نہیں ہو گئی۔۔

شاہزیب خان حور کی پشت کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتا ہوا سوچ رہا تھا۔

سلطان شاہ موبائل رنگنگ پر اپنے فون پر متوجہ ہوے تھے۔۔

شاہزیب تم بیٹھو۔۔۔ بہت امپورٹنٹ کال ہے۔۔ حور کے واپس آنے کی وجہ سے بہت سی میٹنگ کینسل کر دی ہیں۔ مگر یہ کال بہت امپورٹنٹ ہے اسے مس نہیں کر سکتا۔۔ پانچ منٹ تک آ رہا ہوں۔۔ سلطان شاہ شاہزیب سے عجلت بھرے انداز میں بولتے سٹنگ ایریا سے باہر چلے گئے تھے۔۔

کیسی ہو حور بیٹا؟؟ شاہزیب خان نے حور کے قریب جاتے اس کے سنجیدہ ایکپریشن کو بغور دیکھتے پوچھا۔

او۔۔۔ پلیز یہ ڈھونگ میرے سامنے مت کریں۔۔ آپ پاپا کو ہی بیوقوف بنائیں تو اچھا ہو گا۔ حور شاہزیب خان کی طرف مڑتی شرربار لہجے میں بولی۔۔

کیا مطلب؟؟۔۔۔ شاہزیب خان نے اسے گھورا تھا۔۔

مطلب یہ کہ میں آپ کی اصلیت جان گئی ہوں۔ جان گئی ہوں کہ آپ ماہ جبین کے ساتھ ملے ہوے ہیں۔ اس رات آپ نے میرا سودا کیا تھا۔۔ حور کی بات پر شاہزیب خان کا رنگ متغیر ہوا۔۔۔

یہ کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟۔۔۔شاہزیب خان کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔

بلکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔۔۔ماہ جبین نے اس دن آپ کو ہی کال کی تھی۔۔ آپ ہی کو وہ غنڈے بھیجنے کو کہا تھا۔۔

اس وقت میں نہیں سمجھی تھی۔۔ مگر ساحر نے جب مجھے بتایا کہ کنسرٹ پر میری اور اس کی مگنی کی توڑنے جھوٹی خبر پھیلائی گئی تھی۔۔ کیونکہ آپ چاہتے ہیں تھے کہ ساحر کے تمام کنسرٹ کے شوز ہاؤس فل جائیں۔

میں سمجھ گئی تھی یہ سب اس دن کیوں ہو ؟!۔ کیونکہ آپ چاہتے تھے میں ساحر سے بدگمان ہو جاؤں۔۔ اور میرے گھر چھوڑنے کی وجہ کے پیچھے ایک ٹھوس وجہ ساحر خان بھی ہو۔ تاکہ پاپا کو آپ اور ماہ جبین پر کبھی شک نہ ہو۔۔

وہ شاہزیب خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہی تھی۔۔ شاہزیب خان کے چہرے کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

آپ نے مجھے کبھی قبول کیا ہی نہیں تھا۔۔ آپ زرمش سے ساحر کی شادی کروانا چاہتے تھے۔۔ اور ماہ جبین کو یہ پرپرائی چاہیے تھی۔۔۔۔ یہ سب کھیل اسی لیے کھیلا نہ آپ دونوں نے۔۔

بہت مرتبہ میں نے آپ کو اس گھر میں ماہ جبین کے ساتھ کافی فرینک دیکھا ہے۔۔ پاپا کی موجودگی میں آپ دونوں ایک دوسرے سے انجان بن جاتے تھے۔۔ تب نہیں سمجھی تھی۔۔ مگر سب سمجھ چکی ہوں۔ ماہ جبین کی مدد کرنے والا آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔۔ آئی ایم ڈیم شور۔۔۔

حور شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے پورے اعتماد سے بولی۔۔

شاہزیب خان کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک رنگ جارہا تھا۔۔

اور اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے میں نے ابھی تک اپنے پاپا کو آپ کی اور ماہ جبین کی حقیقت کیوں نہیں بتائی۔۔ حور نے شاہزیب خان کے فق چہرے کو دیکھتے استھزائیہ انداز میں سوال کیا۔۔

کیوں نہیں بتائی؟؟۔۔۔۔۔۔ شاہزیب خان غرایا تھا۔

کیونکہ میں ساحر خان کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔۔ کبھی سوچا ہے ساحر کو آپ کی حقیقت پتہ چلی تو کیا ہو گا۔۔

حور شاہزیب خان کے قریب ہوتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی

کیا ہو گا؟؟۔۔ شاہزیب خان گہری ہوتی سانسوں سے بولا۔۔

سامنے کھڑی لڑکی کا ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ منہ توڑ دے۔۔۔اس چہرے سے تو ویسے بھی نفرت تھی۔۔یہ چہرہ مہرماہ سے جو ملتا تھا۔۔آج تک وہ اپنی شکست بھولا نہیں تھا۔۔کاش اس کے مرنے سے پہلے ایک مرتبہ اس کے جسم کو پالیتا۔۔اس کا شرارے پھوٹتا وجود اس کا قیامت خیز جوانی وہ آج تک نہیں بھولا تھا۔۔

سامنے لڑکی مہرماہ کا ہی پرتو تھی۔۔بلکہ اس سے بھی کئی گنا حسین۔۔۔۔اس لڑکی سے نفرت کرنے کی وجہ ان کے اکلوتے بیٹے کا اس کے عشق میں مبتلا ہونا تھا۔۔۔وہ اس لڑکی کی خاطر سب کو بھول گیا تھا۔۔اپنے سگے باپ تک کو بھلا دیا تھا اس نے۔۔

مر جائے گا وہ یا پھر خود کو مار دے گا۔۔ حور شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے سفاکی سے بولی۔

شاہزیب خان کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہوئی تھیں۔

اور سلطان شاہ آپ کو مار دے گا۔۔ حور شاہزیب خان کی حالت دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی..

سلطان شاہ تو مجھے تب مارے گا جب وہ زندہ بچے گا۔ شاہزیب خان گہرا مسکراتے ہوئے برفیلے لہجے میں بولتے حور کو منمند کر گیا تھا۔۔ حور کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

تم۔نے اچھا کیا کسی کو میری حقیقت نہیں بتائی۔۔

اگر بتا دیتی تو سلطان شاہ میری جان ہی نہ لیتا میں بھی اس کی جان لے لیتا ۔۔شاہزیب خان حور کا پھترایا وجود دیکھتے مکاری سے مسکرایا۔۔۔

مانا کہ سلطان شاہ جیسی پاور میرے پاس نہیں ہے۔۔ مگر شاہزیب خان بھی کچھ کم نہیں ہے۔۔ بہت آسان ہے میرے لیے سلطان شاہ کو ٹھکانے لگانا۔۔

جو بات دب چکی ہے اسے دبی رہنے دو۔۔ یقین مانو اسی میں سب کی بہتری ہے۔۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔۔

ساحر خان سے اب تمھارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔۔ تمھارا نکاح ہو چکا ہے اس ارحام خانزادہ سے۔۔ ساری ڈیٹیل نکلوا چکا ہوں اس پہاڑی خان کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہت مضبوط ارادوں کا مالک ہے۔۔ اور اس کے ساتھ سر پھرا بھی ہے

۔۔۔۔۔

اگر اس نے تم سے نکاح کیا ہے۔۔ اب وہ تمھیں نہیں چھوڑے گا۔۔ خان ہوں میں۔۔۔۔۔۔ اتنا تو میں جانتا ہوں۔۔ شاہزیب خان نے سلگار سلگاتے لبوں سے لگائے اطیمنان سے کہا۔۔

لیکن تم خان نہیں ہو۔۔۔۔۔ جو تم نے کیا وہ کبھی کوئی عزت دار خان نہیں کر سکتا۔۔ تم ایک گھٹیا انسان ہو شاہزیب خان۔۔۔ حور پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

حور کی بات پر شاہزیب خان کا رنگ تانبے سرخ ہوا۔۔ اس نے سٹنگ ایریا کے دورازے کی طرف جلدی سے نگاہ کی۔۔ سلطان کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ تحقیق بعد میں کرے گا گولی پہلے مارے گا۔۔

وہ حور کو ڈرا دھمکا کر چپ کروانا چاہتا تھا۔

میری بات اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو۔۔۔۔ایک راز دل میں دبانے سے بہت سے قتل ہونے سے بچ جائیں گے۔۔

ساحر کی جان جائے یا پھر سلطان شاہ کی تکلیف تمھیں سب سے زیادہ ہو گی۔۔۔اگر میں مروں گا تو میرے ساتھ سلطان شاہ بھی زندہ نہیں بچے گا۔۔ مجھ سے بچ بھی گیا تو قانون اسے مہر ماہ کو قتل کرنے کی سزا ضرور دے گا۔۔اور سلطان شاہ کے خلاف میرے پاس پکے ثبوت ہیں۔۔اب یہ تم پر ڈپینڈ کرتا ھے تم چاہتی کیا ہو۔۔خاموشی یا بہت سے جنازے۔۔۔شاہزیب خان حور کے پھترائے وجود پر استھزائیہ نظر ڈالتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ارحام نے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگایا تھا۔۔جب تک ان لفظوں کی اذیت کم نہیں ہونی تھی۔۔وہ ایسے ہی سلگتا رہتا۔۔

اگر جان مانگتی تو وہ اسی لمحے دے دیتا۔۔مگر اس نے خود کو ہی اس سے مانگ لیا تھا۔۔

اگر کوئی اس سے پوچھتا وہ اس سے محبت زیادہ کرتا ہے یا پھر اس کے لیے وہ جنونی زیادہ ہے۔۔

وہ بلا تردد کہہ دیتا وہ اس کے لیے جنونی زیادہ ہے۔۔

وہ اسے لے کر بے انتہا پوزیسیو ہے۔اس پر کبھی کسی کی نظر گوارا نہیں تھی۔۔

عشق کی آخری منزل جنون ہی تو ہوتا ہے۔۔اور وہ اس کے لیے جنونی تھا۔

ارحام خانزادہ اب چیئر سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔ نیند اس سے روٹھ ہی گئی تھی۔

نظروں کے سامنے وہ دشمن جاں آئی تھی۔۔۔اس کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹتی ہی نہیں تھی۔۔

کبھی بڑی سی چادر میں لپٹی وہ نظروں کے سامنے آتی۔۔ کبھی سیاہ لباس میں وہ ڈری سہمی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھتی نظر آتی۔۔۔ کبھی وہ سیاہ نائٹی میں اپنے جلوے بکھیرتے نظر آتی۔۔ارحام خانزادہ نے اپنی کنپٹی سہلائی۔اس کی طلب اس کے جذبوں میں طلاتم برپا کر چکی تھی۔۔اس کا انگ انگ اس کا طلبگار بن چکا تھا۔۔

وہ اس کی طلب نشہ جنون تھی۔۔

اگر وہ اس کی محبت تھی تو طلب بھی تھی۔اگر وہ اس کا جنون تھی نشہ بھی تھی۔۔اگر وہ اس کا سکون تھی تو عشق بھی تھی۔۔

ساری ساری رات وہ اسے سوچتا رہتا۔۔وہ اس کے لیے سانسوں سے بھی زیادہ ضروری ہو گئی تھی۔۔ایک پل اس کے بغیر رہنا گوارا نہیں تھا۔

ارحام نے ٹیبل پر رکھے فریم کو ایک نظر دیکھا جس میں پریذے کی تصویر تھی۔۔ارحام اس کے معصوم چہرے کو دیکھتے کرب سے مسکرایا تھا۔

پریذے گل کے پاس تھی۔۔اور گل اس وقت اپنے باپ کی حویلی میں تھی۔۔وہ اسے لے کر اس بار روپوش نہیں ہوئی تھی۔۔

وہ اس لیے خاموش ہو گیا تھا۔۔ اپنی بیٹی کو واپس لا کر کرتا بھی کیا۔۔ پہلے ادھر حور تھی۔۔ اب وہ اپنی بیٹی کو کس کے پاس چھوڑتا آخر۔۔۔

اپنی بیٹی کے معاملے میں اگر اعتبار تھا اسے اب صرف حویلی میں حور پر تھا۔۔ ان چھ ماہ میں اس کے ہر روپ سے واقف ہو گیا تھا۔۔۔ وہ بے حد معصوم تھی۔۔ اور حد سے زیادہ جذباتی بھی۔۔ ارحام اب پھیکا سا مسکرایا تھا۔۔ اسی جذباتیت میں پریذے کے معاملے میں گل پر اعتبار کر لیا تھا۔۔ اسی جذباتیت میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ آئی تھی۔۔ اسی جذباتیت میں اس رات اس پر الزام لگا بیٹھی۔۔ اور شائد اسی جذباتیت میں اس سے طلاق مانگ لی۔۔ ارحام نے لب بھینچے خود کی کیفیت پر قابو پایا۔۔

اس کا طلاق مانگنا ایسا تھا جیسے کسی نے اس کی روح کو کانٹوں پر گھسیٹ دیا ہو۔۔

تم جذباتی ہو سکتی ہو ارحام خانزادہ مگر میں نہیں۔۔

30 سال کا مرد ہوں جس کا جذباتیت سے دور دور کوئی تعلق نہیں ہے۔۔

میں جانتا ہوں تم میری محبت ہو میرا عشق ہو۔۔ سب سے بڑھ کر میری عورت میری ذاتی ملکیت ہو۔۔ عزت ہو میری۔۔ ارحام خانزادہ مر تو سکتا ہے تمھیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔۔ کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔۔ تمھیں ہر صورت میری پناہوں میرے جنون میں آنا ہو گا۔۔ ارحام جلتے سگریٹ کو اپنی زخمی ہتھیلی میں دبا گیا تھا۔

شہرام خانزادہ گاڑی سے اترتا تیز تیز قدموں سے ایک خوبصورت سے گھر کی طرف بڑھا۔ تھوڑا سا اونچائی پر بنا یہ گھر بہت ہی خوبصورت اور جدید تھا۔۔ ساتھ ہی دوسری طرف بہتا دریا تھا۔۔ آس پاس اور بھی گھر تھے مگر تھوڑی دوری پر تھے۔۔

شہرام اس گھر کا گیٹ پھلانگتا اندر داخل ہوا۔۔ گیٹ کافی اونچا تھا۔۔ کسی عام انسان کے لیے وہ پھلانگنا مشکل ہوتا۔۔ مگر شہرام خانزادہ یہاں پہاڑوں میں رہنے والا سخت جان انسان تھا۔۔ اس کے لیے اس گیٹ پر چڑھنا مشکل نہ تھا۔۔ بازو میں زخم کی وجہ سے گیٹ پر چڑھنا تھوڑا مشکل ہوا تھا۔۔ گیٹ کے پاس دیواریں بھی کافی اونچی تھی۔۔ جن پر کانچ لگایا گیا تھا۔۔ اسی وجہ سے گھر کے اندر داخل ہونا کافی مشکل تھا۔۔ اسے پورا یقین تھا۔ اندر کوئی نہیں ہے آئزل صرف ڈر رہی ہے۔۔

شہرام گیٹ پھلانگتا اندر داخل ہوا تو بازو سے ہلکا ہلکا خون پھر سے رسنا شروع ہو چکا تھا۔ وہ ایک نظر اپنے بازو کو دیکھتے لب بھینچے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

اس نے داخلی دروازے کی بیل بجائی۔۔۔ دو تین بار بیل بجانے پر بھی آئزل نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔۔ شہرام نے پاکٹ سے موبائل نکالتے آئزل کو کال ملائی۔۔

ایک ہی بیل پر فون اٹھالیا گیا تھا۔۔

آئزل دروازہ کھولیں۔۔ باہر میں ہوں۔۔ شہرام نے اس کے فون اٹھانے پر جلدی سے کہا۔۔۔

کچھ ہی سیکنڈ کے بعد دروازہ کھل چکا تھا۔۔

آئزل دروازہ کھولتے روتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔۔

شہرام اس کی حرکت پر سٹل ہوا تھا۔۔

وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بہت بری طرح رو رہی تھی۔۔

آئزل۔۔۔۔۔۔۔شہرام نے نرمی سے اسے پکارا تھا۔۔۔

مگر اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔وہ اس کے سینے کے ساتھ لگے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

شہرام نے گہرا سانس بھرتے ماتھا سہلایا تھا۔۔

آئزل۔۔۔شہرام کی اب کی بار آواز سرد ہوئی تھی۔۔وہ جس طرح اس کے سینے کے ساتھ لگی تھی۔۔وہ اسے اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔۔ایک عورت کی عزت اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری تھی۔۔آئزل جرمنی

میں پلی بڑھی تھی۔۔ تھوڑی آزاد خیال تھی۔۔ مگر وہ اس کے ساتھ ہمیشہ ایک لمٹ میں رہی تھی۔۔۔۔ اب تو وہ کافی بدل چکی تھی یا پھر اس نے خود کو بدل لیا تھا۔۔

وہ ابھی بھی اس سے جدا نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔۔

شہرام نے اسے بازو سے پکڑے خود سے علیحدہ کیا۔۔ وہ اس وقت ڈارک میرون کلر کی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ یہاں کی عورتوں کی طرح اس نے اس وقت بڑا سا دوپٹہ بھی اوڑھا ہوا تھا۔۔ دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا۔ وہ یہ لباس کیوں پہننے لگی تھی۔۔ وہ سب سمجھتا تھا۔۔ شہرام نے اسے بغور دیکھا تھا۔۔

کمر تک آتے سلکی ہلکے کرل ذدہ سنہری بال کھلے تھے۔۔،، آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ناک اور عارض سردی اور رونے کی وجہ سے شدید سرخ تھے۔۔۔۔وہ ہچکیاں بھرتے تھر تھر کانپتے بلکل بے حال لگ رہی تھی۔۔

شہرام اس کی حالت دیکھتا سچ میں پریشان ہوا تھا۔۔

کیا ہوا ہے آئزل؟؟۔۔۔اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں؟؟شہرام نے اس کی حالت دیکھتے بے حد نرمی سے پوچھا۔۔

شہرام مجھے لگ رہا ہے اندر کوئی ہے؟؟اور یہ سچ ہے اندر کوئی ہے۔۔میں نے خود شور کی آواز سنی ہے۔۔آئزل نے روتے ہوے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔۔

اوکے ہم چیک کرتے ہیں۔۔ چلو میرے ساتھ اندر شہرام نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑا۔۔

نہیں شہرام اگر تمھیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔ اگر اندر کوئی ہوا اس نے تمھیں چوٹ پہنچا دی تو۔۔۔ آئزل کی بات پر شہرام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔

آئزل نے تحیر زدہ ہوتے اسے قہقہ لگاتے دیکھا۔۔۔ دوسرے ہی پل اس کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ اسے اس وقت اس کا قہقہ لگانا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔۔ پچھلے کچھ گھنٹوں سے وہ خوف سے مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ اور وہ تھا قہقے لگا رہا تھا آئزل نروٹھے انداز میں رخ موڑ گئی تھی۔۔

آئزل کے انداز پر شہرام کے لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔

آئزل ناراض کیوں ہو رہی ہیں ؟؟ میں آپ پر نہیں ہنس رہا۔۔ آپ نے کہا کہ اندر جو کوئی بھی ہو اوہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ مجھے تو اس لیے ہنسی آ گئی۔۔ شہرام اپنی ہنسی دباتا اس کے مقابل آیا تھا۔۔

تو اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے ؟؟ آپ یقیناً مجھے ڈرپوک سمجھ رہے ہیں۔۔ آئزل نے ابھی بھی نروٹھے انداز میں کہا۔۔

ڈرپوک کون نہیں ہوتا۔۔ کچھ لوگ اپنے اندر کا ڈر ظاہر کر دیتے ہیں جو دل کے صاف ہوتے ہیں بلکل آپ کی طرح۔۔

اور کچھ لوگ اپنا ڈر ظاہر نہیں کرتے بلکل میری طرح۔۔ جیسے میں ہوں ایک ڈپلومیٹک انسان

یہ دیکھیں میں اندر ایسے تھوڑی جا رہا تھا۔۔ ایک عدد پسٹل لایا ہوں ساتھ۔۔۔ شہرام نے اپنی جیکٹ سے پسٹل نکال کر آئزل کو دکھائی تھی۔۔

آئزل اس کے انداز پر مبہم سا مسکرائی۔۔

آپ ڈپلومیٹک تو نہیں ہیں۔۔ میں نے آپ سے اچھا انسان نہیں دیکھا۔۔ آئزل اپنے آنسو صاف کرتے سادگی سے بولی تھی۔۔

بہت ڈپلومیٹک ہوں۔۔ بہت سے راز ہیں میرے سینے میں ابھی ناواقف ہیں۔۔ شہرام مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامتے اندر کی جانب بڑھا ۔۔ آئزل نے خود سے اندر نہیں آنا تھا۔۔ اور وہ اسے باہر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔۔ جتنا وہ ڈر رہی تھی۔۔ باہر کھلے آسمان اور دریا کے شور سے اور ڈرتی۔۔ اور وہ اتنی سردی میں بغیر کسی گرم کپڑے کے تھی۔۔ اتنی دیر سے

ٹیرس پر کھڑی رہی۔۔اس کے ٹھنڈے ہاتھ اور اس کی سرخ ناک اور سرخ گال سے عیاں تھا۔۔اسے شدید سردی لگ رہی ہے۔۔

وہ اسے لے کر اندر داخل ہوا تو پورے گھر میں مدھم روشنی آن تھی۔۔شہرام نے سوچ بورڈ کی طرف بڑھتے بٹن پریس کرتے تمام لائٹس جلادی تھیں۔

شہرام نے آئزل کی طرف دیکھا جو ابھی بھی خوفزدہ تھی۔۔

شہرام نے آگے بڑھتے محتاط انداز میں اندر بنے کمروں واش روم ہر جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔۔وہاں کوئی نہیں تھا

وہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے کچن کی طرف بڑھا۔۔آئزل بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔۔

شہرام نے کچن کا دروازہ کھولا تو سامنے ہی شیلف پر ایک بلی بیٹھی تھی۔

جو انھیں دیکھتے شیلف سے چھلانگ لگاتے باہر کی جانب بھاگ گئی۔۔ شہرام نے مسکراہٹ دباتے آئزل کی طرف دیکھا۔۔

شہرام کی طرح وہ بھی لمحوں میں سمجھ گئی تھی کہ وہ اتنی دیر کس سے ڈر رہی تھی۔۔۔

وہ اب اس سچویشن سے شدید خفت کا شکار تھی۔۔

عارض میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔ وہ شہرام کو ایک نظر دیکھتے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی۔۔

آئزل کے انداز پر شہرام نے بمشکل ہی اپنی ہنسی دبائی تھی۔۔

شہرام نے آگے بڑھتے کچن کی کھڑکی بند کی۔۔ جہاں سے وہ بلی اندر آئی تھی۔۔۔

آئزل نے سٹنگ ایریا کی طرف بڑھتے صوفے پر بیٹھی اس بلی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔۔ وہ شہرام سے رخ موڑے کھڑی اس بلی کو گود میں اٹھائے پیار کر رہی تھی۔۔

اپنی خفت مٹانے کی خاطر وہ اس سے رخ موڑے کھڑی تھی۔۔

وہ بلی آئزل کی گود میں بڑے آرام سے بیٹھی تھی۔۔ اس کے ہاتھوں اور پیٹ پر اب وہ منہ مار رہی تھی۔۔

احتیاط سے آئزل۔۔ یہ جرمنی نہیں ہے۔۔ یہ پہاڑوں میں رہنے والی بلیلاں ہیں۔۔۔۔ آپ کو پنجہ بھی مار سکتی ہیں۔

شہرام نے آئزل کے مقابل آتے ہوے سنجیدگی سے کہا۔۔

اگر میں کہوں مجھے پہاڑوں میں رہنے والی ہر چیز سے محبت ہے تو۔۔ آئزل نے اس بلی کو پیار کرتے ہوے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے معصومیت سے سوال داغا۔

شہرام اس کے سوال پر خاموش ہو گیا تھا۔۔ چہرے پر بے انتہا سنجیدگی طاری ہوئی تھی۔۔

اس کے سوال میں چھپے مفہوم کو وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

یہی کہوں گا یہاں کے پہاڑوں کی طرح آپ کو اپنا دل سخت کر لینا چاہیے۔۔ بہت بے رحم لوگوں کے درمیان آگئی ہیں۔ ہمارے دل پہاڑوں

کی طرح سخت ہیں۔ شہرام نے سنجیدگی سے اس پر نظریں گاڑھے تلخی سے کہا۔۔

اپنا اپنا تجربہ ہے۔۔۔ مجھے تو یہاں جو بھی ملا ہے وہ بہتی ندی کی طرح صاف اور شفاف اور یہاں کی زرخیز مٹی کی نرم۔۔۔۔۔۔ آئزل نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

بہت اچھی اردو بولنے لگی ہیں۔ شہرام اس کی بات کی گہرائی کو اگنور کرتے مبہم سا مسکرا گیا

نہ صرف اردو اور بھی بہت کچھ بدل گیا ہے۔۔۔ تم نے نوٹس نہیں کیا۔۔ بلی آئزل کے ہاتھوں سے چھلانگ لگاتے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔۔

آئزل نے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر اوڑھ کر شہرام کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔

وہ کیا دکھانا چاہتی تھی وہ کیا کہنا چاہتی تھی وہ سب سمجھ گیا تھا۔۔

شہرام نے رخ موڑ کر اپنے ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں پھنسائے تھے۔۔ شہرام کی چوڑی پشت کو دیکھتے آئزل کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔اس کی خاموشی پر آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔

آئزل آپ چلی جائیں۔۔۔ آپ جرمنی واپس چلی جائیں۔۔۔

وہ بولا بھی تو کیا تھا آئزل روتے روتے ہنس پڑی تھی۔۔ زخمی سی ہنسی۔۔۔۔۔

شہرام نے پلٹتے ہوے آئزل کو دیکھا جو روتے ہوے مسکرا رہی تھی۔

آئزل آپ یہ نہیں ہیں۔ جو مجھے نظر آ رہی ہیں۔۔ آپ ایک جرمنی کی قابل ڈاکٹر ہیں۔ جس کے لیے اس کا کیریر سب کچھ تھا۔۔ ایک پاور فل وومن ہیں آپ۔۔ اس طرح روتی گڑگڑاتی اچھی نہیں لگتی۔۔۔۔۔

آپ کو کسی کے ساتھ کی چاہ نہیں ہونی چاہیے۔۔ بلکہ دوسروں کو آپ کے ساتھ کی چاہ ہونی چاہیے۔۔ شہرام نے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتے اسے بے بسی سے سمجھانے کی کوشش کی۔۔

جس کی چاہ ہو اس کا ساتھ مل جائے تو اور کیا چاہیے۔۔مجھے کامیاب عورت نہیں بننا۔۔مجھے اس کی عورت بننا ہے۔۔جسے میں خود سے بھی زیادہ چاہتی ہوں۔۔۔اگر وہ نہیں تو کیا کروں گی میں ایک کامیاب عورت بن کر۔۔آئزل نے شہرام سے شبنمی لہجے میں کرب سے سوال کیا۔

لیکن آئزل۔۔۔۔۔۔۔۔۔بس شہرام۔۔۔۔۔۔۔ایک اور لفظ نہیں کہو گے تم۔۔۔آئزل نے ہاتھ اٹھاتے اسے بھیگے لہجے میں ٹوکا۔۔

تم نے وعدہ کیا تھا مجھے کبھی یہاں سے جانے کا نہیں کہو گے۔۔مجھے اپنے ہاسپٹل سے نہیں نکالو گے۔۔مجھے ہمیشہ اپنی دوست بنائے رکھو گے۔۔میں تم سے اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگتی۔۔۔تم بھی مجھ سے وہ مت چاہو جو میں

نہیں کر سکتی۔۔۔ مت جانے کا کہو مجھے یہاں سے۔۔۔ آئزل نے بھیگے لہجے میں گڑگڑاتے ہوے التجا کی۔۔

شہرام گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔۔

اس کا نام کیا رکھیں۔۔ آئزل صوفے سے بلی اپنی گود میں اٹھائے شہرام کے قریب آئی تھی۔۔

آئزل رکھ لیتے ہیں۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔

آئزل بھیگی آنکھوں سے ہنس پڑی تھی۔

ٹھیک ہے آج سے اس کا نام آئزل ہوا۔۔۔ آئزل نے مسکراتے ہوے بلی کو دیکھتے کہا۔۔

میں مذاق کر رہا تھا شہرام نے اسے روتے سے ہنستے دیکھ کر مبہم سا مسکراتے ہوے کہا۔۔

مگر میں مذاق نہیں کر رہی۔۔اس کا نام آئزل ہی ہے تم نے جو رکھا ہے۔۔ آئزل نے بلی کو پیار سے دیکھتے اپنا پھسلتا دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا تھا۔

شہرام اس کا ایکٹ بغور دیکھتے سختی سے لب بھینچے تھے۔۔

آئزل معصومیت سے بلی کو اٹھائے اسے پیار کر رہی تھی اور ایک ہاتھ سے اپنا دوپٹہ بار بار سر پر جما رہی تھی۔۔

شہرام اسے دیکھتا داخلی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا تھا۔۔

آئزل کی بھیگی نگاہوں نے دور دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔۔

اسفندیار خان کی گاڑی گیسٹ ہاؤس کے اطراف میں آکر رکی تھی۔۔

اسفندیار سنجیدہ تاثرات سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا۔۔

اسفندیار خان نے گاڑی سے اتر کر تحیر زدہ ہوتے اسے دیکھا وہ سپاٹ سا چہرہ لیے اس کی شال اچھی طرح اوڑھے گاڑی میں ہی بیٹھی تھی۔اس کے اترنے پر اتری نہیں تھی۔۔

اسفندیار خان نے اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔۔وہ اسفند کو ایک نظر دیکھتے دوبارہ سے گاڑی کی ونڈ سکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

کیا ہوا ہے ؟؟ گاڑی سے کیوں نہیں اتر رہی ؟؟۔۔۔ڈر لگ رہا ہے مجھ سے

اسفند اس کی طرف جھکتے اس کا منہ دبوچے اس کا رخ اپنی طرف کرتے اس

کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

میں کیوں ڈرنے لگی آپ سے ؟؟ عابیر نے اسفند یار خان کی نیلی آنکھوں میں

دیکھتے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔۔

اگر ڈرتی نہیں ہو تو یقیناً آج کی رات ڈرنے لگو گی۔۔ اسفند نے اس کی ہیزل

گرے آنکھوں میں دیکھتے پھونک ماری تھی۔۔ اس کی بات پر اب اس کی

آنکھوں میں خوف سا لہرایا۔۔ وہ تو ابھی تک اپنی بات پر قائم تھا۔

عابیر پیچھے اسفند یار سے دور ہوتے پیچھے کو کھسکی تھی۔

کہاں ؟؟ اسفند یار اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی کو پکڑتے اسے اپنی طرف کھینچتے ابرو اچکائے۔

کہیں بھی جاؤں۔۔ مگر آپ کے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی۔۔ عابیر نے اسفند یار خان کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑواتے درشتگی سے کہا۔۔

عابیر کی بات پر اسفند یار خان کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔

اسے قہقہ لگاتے دیکھ کر عابیر نے اسے گھور کر دیکھا۔۔

افففف میری وائلڈ بیوقوف پٹھانی۔۔۔ اسفند یار خان نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی گہری گرم نگاہیں گاڑھیں۔

رونے کے بعد یہ اور خوبصورت ہو جاتی تھیں۔۔۔اسفند کے لب مبہم سا مسکرائے تھے۔۔

آج تمھاری حرکتیں نہ صرف شیم لیس ہیں۔۔۔

بلکہ بیوقافانہ بھی ہیں۔۔ مجھ سے بچ کر آخر تم کہاں جا سکتی ہو۔۔۔۔سب کے سامنے تمھاری کلائی پکڑے کیوں لایا ہوں۔۔جانتی ہو ناں۔۔اسفند نے یار خان اپنی شال اس کے وجود سے اتارتے اسے گرم نگاہوں سے دیکھتے پوچھا۔

کک کیوں لائے ہیں؟؟وہ اس کی گرم نگاہوں کو دیکھتے پزل ہوئی تھی۔۔اسفند یار خان کا ایک ہاتھ بہت بے باکی سے اسے چھو گیا تھا۔۔اب

پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت نہ رہی تھی وہ اسے کیوں لایا تھا۔۔اس کے ہاتھوں کی بے باکی اسے خوب باور کروا رہی تھی۔۔۔۔

عابیر اس کے گرم ہاتھوں کے لمس سے سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔گھنیری لرزتی پلکیں عارض پر سجدہ ریز ہوئیں۔۔

نو نو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مائی بیوٹیفل پٹھانی شرمانا نہیں ہے۔۔

میں تمھاری آدھی ادھوری شرم نکالنے کے لیے ہی تو یہاں لایا ہوں۔ آج اس گیسٹ ہاؤس میں جو کچھ ہو گا۔۔ تمھیں نگاہیں نہیں جھکانے دوں گا۔یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔۔

اسفندیار خان نے ذو معنی اشارہ کرتے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔

اسفندیار خان۔۔۔۔عابیر اسے پکارتے اب اچھی خاصی روہانسی ہوئی۔۔

اس کی باتوں پر اب وہ سچ میں گھبرا گئی تھی۔۔وہ ویسے ہی بہت بے باک انسان تھا۔۔اب پتہ نہیں کیا کرنے کا آرادہ رکھتا تھا

تم نے جو کیا جو کہا میں بھولا نہیں ہوں۔۔وہ بھول بھی جاؤں تو یہ نہیں بھولوں گا تمھیں اس اکمل خان نے دیکھا ہے۔۔اسفند یار خان نے شرربار نگاہوں سے اس کے قیامت خیز روپ کو گھورا تھا۔وہ اس لباس میں گلالئی کی بارات میں جانے کا آرادہ رکھتی تھی۔اسفند تپتا صحرا بنا تھا۔۔

اسفند نے اسے کلائی سے پکڑتے کھینچتے ہوے گاڑی سے باہر نکالا۔۔وہ اس کے چوڑے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی۔۔ابھی وہ ٹھیک سے زمین پر قدم بھی نہیں جما پائی تھی۔۔وہ اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھا گیا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔۔عابیر نے اس کے سینے پر مکے مارے تھے۔۔

کچھ بھی لرلو تمھاری جان نہیں چھوڑوں گا۔۔ کل چھوڑی تھی

کیا؟؟۔۔ اسفند اس کے کھلے بٹنوں کے اطراف میں جھانکتے ذو معنی انداز

میں پوچھا۔

کل کی رات یاد آنے پر اور اسفند کی گہری نگاہوں کا مرکز محسوس کرتے

ایک بار وہ بھر سے قندھاری ہوئی تھی۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔۔ نظریں نہیں جھکاؤ گی تم۔۔۔ اسفند اس کی پلکیں جھکتے دیکھ

کر سرد لہجے میں بولا۔۔

عابیر اس کی فضول سی رٹ پر روہانسی ہوئی۔۔

وہ اتنا بے باک اور بے شرم انسان تھا یہ کیسے ممکن تھا وہ اس کی بے باکی پر

سرخ پڑتے نظریں نہ جھکائے۔۔۔ آج تو یقیناً اس گیسٹ ہاوس میں وہ لوگ

تن تنہا تھے۔۔وہ کیا کچھ نہیں کرے گا۔۔کیا وہ ساری رات اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرتے اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کرے گا۔۔عابیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔۔

اتنا ڈر کیوں رہی ہو؟؟ گاڑی میں بہت ڈائلاگ بول رہی تھی۔ہر روز میری شدتیں سہو گی۔شدتوں میں چھپی سزائیں بھی سہو گی۔۔اب یہ ماتھے پر شبنم کیوں؟؟اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں ڈر اور ماتھے پر چمکتی شبنم کی بوندوں کو دیکھتے ہوے استھزائیہ لہجے میں بولا۔۔

ڈائلاگ نہیں تھے سچ بول رہی تھی۔۔اسفند میری ہر بات سچ تھی۔۔آپ میری طرح سچ کیوں نہیں بولتے۔۔۔عابیر نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔

گیسٹ ہاؤس اونچائی پر تھا۔۔وہ اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے پہاڑ کے اوپر نیچے راستوں پر چل رہا تھا۔۔۔

بولنا ضروری ہے۔۔اسفند نے اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے نرمی سے سوال کیا۔

ضروری ہے اسفند کچھ تو ہو میرے پاس زیادہ نہیں امید کا دامن ہی ہو کہ آپ مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔۔عابیر کا لہجہ بھیگا تھا۔۔

مجھے ابھی کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔میں تمھیں یہاں جس مقصد کے لیے لایا ہوں۔۔مجھے بس وہی کرنا ہے۔اسفند کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔۔

عابیر کے بدن سے اٹھتی گلاب خوشبو۔۔اور اس کے نوخیز ناہموار نشیب و فراز اور کلیوں سے بھی زیادہ نازک بدن کی نازکی اسفندیار خان کی آنکھوں پر خمار کی سرخی طاری کر چکی تھیں۔۔

اسفندیار کی نگاہیں اب پہاڑ کے اوپر نیچے راستوں پر بھی نہیں تھیں۔وہ اپنی گہری گرم نگاہیں اپنی وائلڈ پٹھانی کے خوبصورت چہرے اور وقتاً فوقتاً اس کے کھلے بٹنوں سے نظر آتی گہرائیوں پر ڈالتا جہاں اس کی شدتوں کے نشان تھے۔۔

عابیر اس کی گرم نظروں اور اس کی ذومعنی باتوں پر منہ پھیر گئی تھی۔۔

ادھر دیکھو عابیر۔۔۔۔اسفند کی بات پر عابیر کا دل کیا تھا۔۔اس پہاڑی سے اس جلاد بے شرم خان کو دھکا دے دے۔۔

جو خود تو بے شرم تھا ہی اسے بھی اپنا جیسا سمجھتا تھا۔۔

اسفند کی گہری گرم نگاہیں اور اس کا جلتا بدن محسوس کرتے عابیر کا خون رگوں میں منجمند ہو رہا تھا۔ اس پہاڑی خان کو جھیلنا آسان نہیں تھا۔۔ اگر وہ مقابل کے عشق میں گرفتار نہ ہوتی تو اس کی شدتیں شائد ہی برداشت کر پاتی۔۔

اسفند مجھے ڈر لگ رہا ہے آپ سے ؟؟ عابیر نے اس کی نیلی آنکھوں میں سرخی کی امیزش محسوس کرتے روہانسے ہوتے کہا۔۔

ڈرنا بھی چاہیے میری وائلڈ حو بصورت ون اینڈ اونلی پٹھانی۔۔۔۔۔ اسفند یار خان اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکتا گہرا مسکرایا تھا۔۔

ون اینڈ اونلی پٹھانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔عابیر اس کے لفظ زیر لب دہراتے مسکرائی تھی

یعنی ساری عمر آپ اس وائلڈ پٹھانی کے رہیں گے۔۔عابیر اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے بے تابی سے سوال کر گئی۔وہ ایک مرتبہ کہہ دے صرف ایک مرتبہ کہہ دے وہ اس کا ہے۔۔یہ دیوانی اس کے عشق میں پاگل کے لیے یہ لفظ اب حیات ہوں گے۔۔عابیر نم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

پٹھانی تو ایک ہی ہو گی۔۔دوسری شادی پٹھانی سے تھوڑی کروں گا۔۔اسفند نے اسے دیکھتے آنکھ ماری تھی۔۔

اسفندیار کی بات پر ہیزل گرے آنکھیں شدت گریہ سے بھیگیں تھیں۔۔ پورا وجود لرز اٹھا تھا۔۔ جسے اسفندیار خان نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

عابیر نے اسفندیار خان کے سینے پر اپنے نازک ہاتھوں کے مکے برسانے شروع کر دیے تھے۔۔ اتاریں مجھے نیچے سفندیار خان.۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔۔ عابیر ہذیانی چلائی تھی۔ اس کی تڑپتی آواز پہاڑوں سے گونجتی ان تک ہی پلٹی تھی۔۔

اسفندیار خان اسے اور بھی مظبوطی سے تھام گیا تھا۔۔

میں آج آپ کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔۔ عابیر ہچکی بھرتے ہوے چیخی تھی۔۔

اسفند اسے تھوڑا اوپر کو اٹھاتے اس کے لبوں پر شدت سے جھک گیا۔۔

عابیر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بھرپور مزاحمت کی تھی۔۔

اسفندیار خانو کی گردن پر دیے ہوے زخم کو اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالا تھا۔۔

اسفند کی شدت اس نرم و نازک لبوں پر بڑھی تھی۔۔ اسفندیار خان اس کا نچلا لب دانتوں میں دبا گیا تھا۔

۔اسفند کی بے رحم شدت پر عابیر نے سسکاری بھری تھی۔۔

عابیر کے مزاحمت کرتے ہاتھ بھی رکے تھے۔ اسفندیار خان اس کے لبوں کو دانتوں سے آزاد کرتے اس کے لبوں کو بہت نرمی سے اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں چرانے لگا۔۔

لمحہ بالمحہ یہ سانسیں چرانے کا دورانیہ بڑھ رہا تھا۔۔۔

عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں مضبوطی سے جکڑے اب اپنی آنکھیں بند کر گئی تھی۔۔وہ آنکھیں بند کیے اس کی شدت اپنے لبوں پر برداشت کرنے لگی۔۔

اسفندیار خان کافی دیر تک اس کے لبوں کو قندھاری کرتا رہا۔۔عابیر نے اس بار ایک مرتبہ بھی مزاحمت نہیں کی تھی۔

اسفندیار کا جنون بڑھتا جا رہا تھا۔۔عابیر کی اب سانسیں ساکت ہوئی تھیں۔عابیر کی غیر ہوتی حالت محسوس کرتے اس نے اس کے لبوں کو آزادی دی۔۔۔۔

بس اتنی ہی مزاحمت ہوتی ہے تمھاری۔۔ اسفند اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے گہرے سانس لیتا اس کی آنکھوں میں جھانکتے اسے بہت کچھ جتاتے گہرا مسکرایا تھا۔

بہت ظالم ہیں آپ۔۔۔ اس کی بات کا مفہوم سمجھتی گہرے سانس لیتے اس نے سسکی بھری تھی۔۔

جانتی تھی مقابل اسے شدید محبت کرنے کی ہی تو سزا دیتا تھا۔۔ جانتا تھا وہ اس کی محبت میں پاگل ہے۔۔ اب تو وہ اس سے اظہار کر بیٹھی تھی۔۔ اب تو اس کے ستم بڑھے گے ہی۔۔۔

اور تم بہت میٹھی ہو۔۔۔۔ اسفندیار خان اس کے لبوں کو نرمی سے چومتے ہوے گیسٹ ہاؤس کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

عابیر آنکھیں بند کیے اسی ستم گر کے سینے میں منہ چھپا گئی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام اپنے کمرے میں داخل ہوا۔۔ کمرے میں نیلگوں روشنی آن تھی۔۔ بہارے بیڈ پر سو رہی تھی۔۔ کمرے کا ٹمپریچر کافی سرد تھا۔۔

شہرام نے حیرانگی سے بہارے کو دیکھا جو بنا کسی کمبل کے بیڈ پر بے سدھ سی پڑی تھی۔۔۔ شہرام نے آگے بڑھتے ہیٹر آن کیا تھا۔۔ اور بہارے کی طرف بڑھتے اس پر کمبل دیا۔۔

یکدم پتہ نہیں کس احساس کے تحت اس کی سرد انگلیاں بہارے کی تپتی پیشانی کو چھو گئی تھیں۔ اسے ایسے لگا جیسے اس نے تپتے کندن کو ہاتھ لگا لیا ہو۔

چھونے پر ہی احساس ہوا تھا۔۔ جیسے اس نے گرم دہکتی آگ کو چھو لیا ہو۔۔ شہرام نے اب اس کی دودھیا شفاف گردن پر انگلیاں رکھیں۔ وہ تو سچ میں دہکتا تندور بنی ہوئی تھی۔۔

عارض بخار کی شدت سے شدید سرخ تھے۔۔ وہ لمحوں میں جان گیا تھا۔۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہے۔۔

زخمی پاؤں۔۔۔ بخار کی شدت سے کملایا ہوا چہرہ۔۔۔ ملگجا لباس۔۔۔۔ بکھرے بال۔۔۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہفتوں سے انھیں سلجھایا گیا نہ ہو۔۔ شہرام کے ہاتھ بے اختیار اس کے الجھے بالوں کو چھو گئے

تھے۔۔وہ جتنے سلکی بال تھے۔۔اتنے ہی الجھتے زیادہ تھے۔۔اس کی قربت میں سب سے زیادہ بہارے کے بالوں کا ہی حشر ہوتا تھا۔۔جنھیں وہ روتے ہوے سلجھایا کرتی تھی۔۔وہ جانتا تھا اتنے الجھے نہیں ہوتے تھے۔۔جتنا وہ جان بوجھ کر واویلا کرتی تھی۔۔

تاکہ وہ اس کے قریب نہ آیا کرے۔۔اور وہ تب بہت نرمی سے اس کے بدتمیزی کرنے کے باوجود خود اس کے بال ڈرائے کرتا تھا اور ان میں برش کرتا تھا۔۔لیکن وہ حیران ہوا تھا۔۔اس نے اتنے دنوں سے اپنے بال سلجھائے کیوں نہیں تھے۔۔وہ تو اپنے بالوں کو لے کر کافی حساس تھی۔

شہرام لب بھینچے کافی دیر تک اس ک بے جان وجود کو دیکھتا رہا۔۔۔شہرام نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ کو پکڑے اپنے قریب رکھا تھا۔

جگ میں پڑے پانی میں اپنا رومال ڈبو کر وہ بہارے کی پٹیاں کرنے لگا۔۔

شہرام اس کے قریب بیٹھا کافی دیر تک اس کی پٹیاں کرتا رہا تھا۔ اس دوران وہ اس کے ہوش ربہ سراپے سے نظریں چراتا رہا تھا۔ اس کے بلیک فراک کے اگلے سارے بٹن ہی کھلے تھے۔۔ جب وہ اسے گود میں اٹھائے بیڈ کی طرف لایا تھا۔ تب یہ بٹن بند تھے۔۔ جب وہ اس کی پیروں کی پٹی کر کے دوبارہ اس کے قریب آیا تو بہارے کے فراک کے اگلے سارے بٹن کھلے تھے۔۔۔ وہ تب حیران ہوا تھا۔۔ وہ تو ہمیشہ جان بوجھ کر اس کے سامنے پورے کپڑے پہنتی تھی۔ اس کی لائی ہوئی نائٹیز اس کی ہزاروں منت سماجت کے باوجود بھی کبھی نہیں پہنی تھی۔۔۔ شہرام نے اس کے قریب ہوتے اس کے گلے کے بٹن بند کیے۔۔۔

خود پر ہزاروں پہرے بٹھانے کے باوجود حق ملکیت کا احساس جاگا تھا۔ وہ خود کو جتنا مرضی پتھر کر لے۔ مگر وہ انسان تھا اس کی کچھ ضرورتیں تھیں

۔۔اسی لیے خدا نے محرم جیسی خوبصورت عورت مرد کا مقدر بنایا تھا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کر سکے۔۔ مگر اس کی بیوی اس کی محرم کو اس کا قریب آنا ہی پسند نہیں تھا۔۔ شہرام کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی ۔۔۔ کتنی بار وہ ان اذیت بھرے لمحوں سے گزرا تھا۔۔ جب بہارے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی۔۔ اس کے قربت میں آنسو بہانا اور اونچا اونچا رونا اپنا فرض سمجھتی تھی۔۔ کتنی راتیں اس کے پہلو میں جاگتے سگریٹ پیتے ہوے گزاریں تھیں۔ ساری رات اس کی پیاس سونے نہیں دیتی تھی۔۔ وہ خود بے حس بنی سو جاتی تھی۔۔

ساری رات لیمپ کی روشنی میں وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہتا تھا۔۔ وہ آنکھ کھلنے پر کتنی بار اسے جاگتا خود کی طرف پیاسی نگاہوں سے تکتا پا کر بھی انجان بن جاتی تھی۔۔ رخ پلٹے بے حسی سے دوبارہ سو جاتی تھی۔۔

شہرام ایک ٹک سنجیدگی سے اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھ رہا تھا۔

آج بہارے کا قریب ہونا یاد آیا تھا۔۔۔ پتہ نہیں وہ زخمی ہونے کے باعث تھا یا پھر اس گلٹ کے باعث جس میں وہ اسے ان پڑھ سمجھتی تھی۔۔ شائد اس کے انجینیر ہونے کا سن کر وہ اسے اچھا لگ گیا ہو۔۔ شہرام کے لبوں پر ایک بار پھر سے تلخ مسکراہٹ دوڑی۔۔ سامنے پڑی لڑکی بے حس تھی۔ پہاڑوں کی طرح سخت۔۔۔ شہرام اس سے دور ہوا تو بہارے کے کپکپاتے لبوں کی جنبش سے کچھ لفظ ادا ہوے تھے۔۔ وہ بخار کی حالت میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔۔

وہ اب نیم غنودگی میں تھی۔۔ شہرام اس کے لبوں کی بڑبڑاہٹ سنتے اس کے قریب ہوا تھا۔۔

بہت درد ہو رہا ہے۔۔ تم کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔ اس کے لب ٹوٹ ٹوٹ کر یہ لفظ ادا کر رہے تھے۔۔ بند پلکوں سے کچھ موتی ٹوٹ کر عارض پر گر رہے تھے۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام نے پریشانی سے اسے پکارتے اس کے عارض پر گرتی شبنم اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنی۔۔

شہرام کی آواز سن کر بہارے کی سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔ بہارے نے بے یقینی سے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ اس کے بہت قریب بیٹھا ہوا تھا۔۔

بہارے بے یقینی سے اٹھ کر بیٹھی۔۔

کہاں درد ہو رہا ہے بہارے ؟؟۔۔ شہرام نے اس کے عارض کو نرمی سے دو انگلیوں سے چھوتے پوچھا۔

بہارے اپنے گال پر اس کی ٹھنڈی انگلیوں کا نرم محسوس کرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے آنکھیں کھول کر اس نے کمرے میں لگے وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائی جہاں رات کے تین بج رہے تھے۔۔ وہ اسی پل اس کی انگلیاں جھٹک چکی تھی۔۔

وہ اتنی دیر سے آئزل کے ساتھ تھا۔۔ وہ اب یہاں کیا کرنے آیا تھا؟؟

دل دماغ جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آیا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ؟؟ شہرام نے اس کے تاثرات کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے بھیگی شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کچھ نہیں ہوا؟؟۔ حویلی کیوں واپس آئے ؟؟ وہیں پر رہتے۔۔ جہاں سے آ رہے ہو۔۔ بہارے اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتے شدت گریہ سے چیخی تھی۔۔

بہارے کی بلند آواز پر شہرام کے چہرے میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ وہ بہت مشکل سے اپنا غصہ ظبط کر گیا تھا۔

وہ اس کی طبعیت کے پیش نظر خود پر قابو پا گیا تھا۔

وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔۔ اس کا بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔۔ آنکھیں شدت گریہ سے گلابی تھیں۔ شہرام نے بغور اسے دیکھا۔

تمھیں آرام اور میڈیسن کی ضرورت ہے۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھا۔۔۔ جہاں میڈیکل باکس رکھا تھا۔۔

مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں شہرام اور تمھاری تو بلکل بھی نہیں۔۔۔ بہارے نے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا۔۔

شہرام نے پلٹ کر اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھا تھا۔۔

آخر وہ اتنا تڑپ کیوں رہی تھی؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔

شہرام میڈیکل باکس سے پین کلر اور کمرے کی وسط میں پڑی ٹیبل سے پانی کا گلاس لیے بہارے کی طرف بڑھا۔۔

یہ کھالو پین سے ریلیف ملے گا۔ اس کے پاس بیٹھتے اس کی طرف پانی کا گلاس اور میڈیسن بڑھائی..

یہ میرا درد ہے شہرام تمھیں اس سے کیا؟؟ تھوڑی دیر پہلے مجھے اسی درد میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔۔ بہارے کے لبوں سے شکوہ سنتے شہرام مزید حیران ہوا تھا۔۔

بہارے اور اس سے اس طرح کا شکوہ کرے۔۔ حیرانگی والی بات تھی۔۔ وہ تو ہمیشہ اسے خود مجبور کرتی تھی۔۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے۔۔ آج ایسی کیا خاص بات تھی جو اسے آج اس کا چھوڑ کر جانا برا لگ گیا۔۔

یہ میڈیسن کھالو۔۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے میڈیسن اس کی طرف بڑھائی۔۔ وہ اس کی ضدی طبعیت سے بخوبی واقف تھا۔۔ تکلیف کی حالت میں ایسے ہی واویلا کرتی تھی۔۔

بہارے نے ابھی بھی اس کے ہاتھ سے میڈیسن نہیں لی تھی۔۔ وہ ہچکیوں سے روتے ہوے شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔

کھانا کھایا تھا تم ن؟؟ دے۔۔ شہرام نے اس کے پژمردہ چہرے کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔۔ وہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔

کل رات کا کھانا کھایا ہوا ہے۔۔ بہارے شدت گریہ سے چیخی۔۔ وہ بھی نہ کھانے کے برابر۔۔۔ پچھے دو ہفتوں سے میں نے کھانا برائے نام ہی کھایا ہے۔۔۔ بہارے نے اس بار بھی چیختے ہوے کہا۔

دوسرے ہی لمحے وہ شہرام کی ہتھیلی سے وہ پین ریلیف گولیاں اٹھاتے منہ میں رکھ چکی تھی۔۔ شہرام کے ہاتھ سے پانی کا گلاس جھپٹتے وہ ایک ہی سانس میں وہ گولیاں نگل گئی تھی۔

شہرام نے جبڑے بھینچتے ہوے اس کا ایٹیٹوڈ دیکھا تھا۔

اب وہ سسکیاں لیتے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔۔

شہرام کچھ پل اسے سنجیدگی سے دیکھتا رہا پھر بیڈ سے اٹھتا واش روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

شہرام کے جانے کے بعد بہارے نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا وہ آدھا پانی سے بھرا ہوا گلاس زمین پر دے مارا تھا۔۔ وہ ٹوٹ کر چکنا چور ہوا۔

میرے مورے میرے لالا سب تمھارے بارے میں جھوٹ کہتے ہیں کہ تم حویلی کے مردوں سے مختلف ہو شہرام۔۔۔ تم سب سے زیادہ بے حس اور ظالم ہو۔۔۔۔

تمھارا مارنے کا انداز مختلف ہے۔۔۔ تم مجھے قطرہ قطرہ مار رہے ہو شہرام۔۔۔ قطرہ قطرہ.۔۔۔۔۔۔

اور ایک دن بہارے مر جائے گی۔۔ وہ چہرہ دنوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

شہرام کی جان لیوہ قربت اور اس کی شدتیں سہنے کے بعد وہ بے حال ہوتے اس کی طرف رخ پلٹے کمبل خود پر لپیٹ گئی۔۔ کتنی دیر بعد تو اس نے رہائی دی تھی۔۔

شدید تھکن سے وہ اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔۔

شہرام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا اسے اپنے کشادہ سینے کے ساتھ لگا گیا۔

بہارے غصے سے لب بھینچ گئی تھی۔۔ جانتی تھی اسے اپنی تشنگی تھکاوٹ اتارنے کے بعد بھی چین نہیں آیا تھا۔۔ اب وہ اپنے بدن کی تشنگی مٹانے

کے بعد گھنٹوں اپنے لبوں کی تشنگی مٹائے گا۔۔ یہ تو روز کا معمول تھا۔۔ وہ نیند میں اس کے لبوں کا لمس اپنے وجود پر محسوس کرتی رہتی تھی

شدید تھکن اور نیند کا غلبہ تھا اس کی آنکھیں بند ہونے لگی۔۔ شہرام جیسے پہاڑی وجود کو جھیلنا آسان نہیں تھا۔۔

اس کی قربت سے تو اس کی سب سے زیادہ جان جاتی تھی۔

اس نے اپنی کمر پر لپٹا شہرام کا ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔۔ وہ جانتی تھی وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔۔۔

رات کے نجانے کون سے پہر اس کی آنکھ کھلی تھی۔۔ اسے اپنی برہنہ کمر پر شہرام کے لبوں کا لمس محسوس ہوا تھا۔۔

بہارے نے بمشکل آنکھیں کھول کر کمرے میں پھیلی نیلگوں روسنی میں سائیڈ ٹیبل پر پڑی الارم کلاک پر نظریں دوڑائیں۔ جہاں رات کے دو بج رہے تھے۔۔ بارہ بجے شہرام نے اسے اپنی پناہوں سے آزادی تھی۔۔ گہری نیند میں جاتے ہوے اس نے اپنی پچھلی گردن پر اس کی گرم سانسیں اور اس کے لبوں کا نرم لمس محسوس کیا تھا۔۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اسے یونہی چوم رہا تھا۔۔

بہارے نے مڑتے ہوے اسے نیند میں ڈوبی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا مدھم سا مسکرایا تھا۔۔

تم سوئے نہیں ابھی تک۔۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ اس کی گہری گرم نگاہوں کی تپش سے وہ سرخ گلاب ہوئی۔۔۔ وہ ٹوٹی بکھری حالت میں اس کے حصار میں تھی۔ وہ اس کی کمر

پر اپنا ہاتھ لپیٹے اسے اپنے قریب کیے ہوے تھا۔۔ اسے بہکی بہکی گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

بہارے کی نظریں اس کے چٹانی سینے کے بھورے بالوں پر تھی۔۔ شہرام کی گرم سانسیں اس کے لبوں پر بکھر رہی تھیں۔۔

تم پاس ہو تو میں کیسے سو سکتا ہوں میری بہارے۔۔۔۔۔ شہرام اس کی جھکی نظریں دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔۔ اس کی جھکی نظریں اور فرمانبرداری پر وہ جان دیتا تھا۔۔

وہ بھول ہی گیا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اس کی قربت میں کس طرح روتے ہوے بدتمیزی کر رہی تھی۔۔ وہ تو بس اس کے خوبصورت بدن کی رعنائیوں میں کھویا ہوا تھا جو اسے پاگل کر دیتی تھیں۔

شہرام اسے مزید قریب کرتے اس پر حاوی ہوا۔۔

کیا کر رہے ہو شہرام ؟؟ بہارے گھبرائی تھی۔۔ وہ پھر سے اس پہاڑ جیسے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس پر چٹان کی طرح اپنا وزن ڈالے ہوے تھا۔۔ وہ خود کو اس چٹان کے نیچے دبا ہوا محسوس کرتی تھی۔ اب وہ اپنی کرسٹل براؤن آنکھوں سے اسے سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جو مدہوشی سے اس کے عارض پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔ بہارے کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

میری بہارے۔۔۔ تم جانتی ہو ناں میرے اندر تمھاری کتنی پیاس ہے۔۔ میں کھانے پینے کے بغیر رہ سکتا ہوں تمھارے بغیر نہیں۔۔ تمھارا یہ خوبصورت بدن میری کمزوری ہے۔۔ تم میری کمزوری ہو بہارے۔۔۔ تمھارا شہرام تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔

وہ اس پر جھکے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے مدہوشی سے بولا۔

اس کے پہاڑی وجود سے بہارے کی سانسیں اٹکی تھیں۔

شہرام ابھی کچھ دیر تو تم نے مجھے چھوڑا ہے۔۔ بہارے بری گھبرائی۔ لفظ گلے میں اٹکے تھے۔۔

میری بہارے اس بات کو تو دو گھنٹے ہو چکے۔۔ اتنی دیر سے تمھارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا۔۔

کب سے میں تمھاری خمدار کمر کو چھو رہا تھا کہ ابھی میری بہارے اٹھتی ہے۔۔۔ ابھی اٹھتی ہے۔۔ شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے شرارت کی۔۔

بہارے اس کی بے باک شرارت پر سرخ قند ھاری ہوئی۔۔اسے سرخ پڑتے دیکھ کر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

میری بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔ تمھارے سوتے کا فائدہ اٹھا کر میں تمھارے ساتھ کتنی گہری شرارتیں کر چکا ہوں۔۔اگر تم جاگ رہی ہوتی تم تو مجھے مار ہی ڈالتی۔۔وہ شرارتی انداز میں بولتے اس کے گلابی عارض کو چوم گیا تھا۔

شہرام ہٹو میرے اوپر سے مجھے نیند آرہی ہے۔۔بہارے نے اسے غصے سے خود سے دور دھکیلا۔

خود پر غصہ بھی آیا تھا کہ وہ کیوں اس بے شرم بے باک انسان کے پہلو میں ایسے سو گئی تھی۔۔وہ اسے پورے لباس میں نہیں چھوڑتا تھا۔۔ایسے کیسے چھوڑ سکتا تھا بھلا۔

میری بہارے۔۔۔۔میری جان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کیسے ممکن ہے؟؟

میں تمھارے قریب ہوں اور تمھاری سانسوں کی مدھم آواز سن کر میرے اندر تمھاری طلب نہ جگے۔۔

یہ کیسے ممکن ہے؟؟تم میرے قریب ہو اور تمھارے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو میرے حواسوں پر سوار نہ ہو۔۔

یہ کیسے ممکن ہے؟؟تم میرے اتنے قریب ہو کہ تمھاری سانسیں مجھے چھو رہی ہوں۔۔میرے جواں جذبوں میں آگ نہ لگے۔۔

یہ کیسے ممکن ہے؟؟تم میرے ساتھ ایک کمبل میں ہو میں میری بدن میں آگ نہ بھڑکے۔۔

میری تشنگی تم میری طلب تم میری ضرورت ہو تم۔۔۔جب تم ہی تم ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے تمھارا شہرام تمھارا دیوانہ نہ ہو۔۔۔میری بہارے

۔۔۔۔۔۔

یہ کیسے ممکن ہے میری بہارے؟؟۔۔۔۔وہ اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں جھانکتا گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔۔

بہارے اس کے لہجے کے گھمبیر پن سے گھبرائی تھی۔۔

شہرام دور ہٹو۔۔۔اس کے ٹوٹتے گھبرائے لفظ ابھی منہ ہی میں تھے۔۔وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں گھونٹ چکا تھا۔۔

وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسیں پیتے اس کی ہر مزاحمت ناکام بنا چکا تھا۔ہر بار کی طرح بہارے اس کی شدتیں اس کا پیار محسوس کرنے کی بجائے اس کے

حصار میں رو رہی تھی۔۔وہ نرمی سے اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتا اپنی شدتیں اس پر ڈھا رہا تھا۔۔

اس کی بڑھتی جنون خیزیوں میں بہارے کے آنسوؤں میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ان آنسوؤں سے وہ صرف اسے اذیت دینا چاہتی تھی۔۔جانتی تھی وہ اگلے دو دن اس کے نخرے اٹھاتا رہے گا۔۔وہ اس بات کو بنیاد بنا کر اب اسے کئی دن قریب نہیں آنے دے گی۔۔۔۔۔۔

یہ منظر یاد کرتے بہارے آج پھر سے شدت سے رو دی تھی۔

بہارے کی آنکھوں کے آگے اس کی قربت میں گزرے کتنے ہی پل آ رہے تھے۔۔۔۔

جب وہ اسے محسوس کرنے کی بجائے اس کے حصار میں آنسو بہاتی تھی۔۔

آنسو تو آج بھی بہا رہی تھی۔۔ مگر آج وہ اس کی قربت اس کی گرم مضبوط بانہوں کے لیے تڑپ رہی تھی۔۔

واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ اپنے آنسو صاف کرتے اپنی آنکھیں موند گئی.

شہرام واش روم سے وائٹ ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس باہر آیا تھا۔۔ زخمی بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔۔ وہ اپنے بازو کو دیکھتا بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔ اپنی

سائیڈ پر لیٹتے اس نے بہارے کو ایک نظر دیکھا جو بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچے ہوے تھی۔

سو جاؤ بہارے۔۔۔اسے یوں بے حس و حرکت بیٹھے دیکھ کر شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

مجھے نیند نہیں آرہی۔۔۔میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔۔وہ چٹختے ہوے بولی۔۔

شہرام نے لب بھینچتے سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا جس کی آنکھوں سے پھر سے برسات جاری تھی۔۔

وہ آنکھیں میچے آنسو بہا رہی تھی۔۔شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کی طرف پشت کیے خود پر کمبل لپیٹے آنکھیں موند گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گہری سانسیں اور مدھم خراٹے کمرے کی گھمبیر خاموشی میں گونجی تو بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

اس نے سسکی بھرتے اس کی برہنہ چوڑی پشت پر اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھیں۔۔

وہ اس کی محبت نہیں رہی تھی تو یہاں تک تو پھر بھی ٹھیک تھا۔۔ مگر وہ تو اس کی طلب بھی نہیں رہی تھی۔

ورنہ کہاں ممکن تھا وہ اس کے پاس آکر اپنی طلب نہ مٹائے ؟؟۔۔ اب وہ اپنی ضرورت اپنی طلب کیسے مٹاتا تھا۔۔ اگر اسے اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔۔

آئزل کے پاس وہ اتنی دیر کیا کرتا رہا؟؟ بہت سی اذیت ناک سوچیں کسی زہریلے ناگ کی طرح اس کے اعصاب کے ساتھ لپٹی تھیں۔

روزینہ خانم کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

تم نے جاننا کا کوشش کیا وہ رات کدھر ہوتا ہے؟؟۔۔ کیا کسی لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں۔۔ ہاسپٹل میں بہت سا ڈاکٹر ہیں۔۔ کہیں وہ کسی اور عورت کا چکروں میں تو نہیں پڑ گیا۔۔

جس دن تمھارا شوہر نے کسی اور لڑکی کو تمھارا جگہ دے دیا تو تم سر پکڑ کر روئے گا۔ اور وہ آج سچ میں شدت سے رو دی تھی۔۔ نہ صرف رو رہی

تھی۔وہ بھڑ بھڑ جلتا تندور پنی ہوئی تھی۔۔جہاں ایک دہکتی ہوئی آگ جل رہی تھی۔

روزینہ خانم کے لفظوں کی بازگشت پھر سے سنائی دی۔

تمھارا مرد کتنا خوبصورت ہے۔۔ایسا مرد کو اپنا قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔

اس کا مرد خوبصورت تو ہے۔۔اس کے دل نے گواہی دی۔۔پہلے کبھی کوئی اس کی چیز کبھی اچھی ہی نہیں لگی۔۔۔

اب اس کی اٹھی ہوئی مغرور ناک اچھی لگتی تھی۔۔اس کی آنکھیں بالوں پر وہ مرتی تھی۔اب اس کی گھنی تراشیدہ مونچھیں بھی اچھی لگنے لگی تھیں۔۔

جن کی چبھن سے وہ سسکاریاں بھرتے چیخ اٹھتی تھی۔

اس کی اتری ہوئی شرٹس کی مہک اچھی لگتی تھی۔۔ جس میں اس کی مہک اس کا لمس ہوتا تھا۔۔ اس کا پرفیوم اس کی ہر چیز سے محبت ہو گئی تھی۔

ایک بار پھر سے روزینہ خانم کے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔

مرد بیوی سے جتنی مرضی محبت کرتا ہو اسے بدلتے دیر نہیں لگتی۔۔ عورت کو اپنی اداؤں اور خوبصورتی میں اسے باندھ کر رکھنا پڑتا ہے۔۔۔۔

وہ شدت سے رو دی تھی۔۔

وہ اسے اپنی خوبصورتی اداؤں میں باندھ کر رکھنا چاہتی تھی۔۔ مگر وہ اب اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔۔ اس نے کتنی کوشش کی تھی۔۔ اپنے اگلے بٹن بھی کھولے۔۔ اس کے قریب بھی ہوئی۔۔ مگر وہ پھر بھی پاس نہیں آیا۔ بہارے

اس کی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے سلگی۔۔

اس کے پہلو میں گزری راتیں ایک بار پھر سے یاد آئی تھیں۔

جب وہ دیوانوں کی طرح اسے چومتا رہتا تھا۔اس کے وجود کی ایسی کون سی جگہ نہیں تھی ایسا کون سا حصہ نہیں تھا جہاں اس نے اپنی محبت کی مہریں نہ لگائی ہوں۔وہ تو اپنے لبوں سے اس کے پاؤں کو بھی چھوتا رہتا تھا۔

بہارے گل اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔

وہ کافی دیر تک ایسے ہی بیٹھی اپنے سود وزیاں کا حساب کرتی رہی۔۔

مرد کی محبت کی معیاد اتنی کم کیوں ہوتی ہے؟؟وہ محبت اگر نبھا نہیں سکتا تو اتنی شدت سے کیوں کرتا ہے۔۔کاش تم نے مجھے اپنی عادت نہ ڈالی

ہوتی۔۔کاش تم نے مجھ ایسے محبت نہ کی ہوتی۔۔کیونکہ مرد بدل جاتا ہے۔۔مگر عورت کبھی نہیں بدلتی۔۔۔

بہارے نے مدھم آواز سے روتے ہوے اس کی پشت کو دیکھتے شکوہ کیا۔۔

شہرام کی مدھم چلتی سانسیں بتا رہی تھیں۔وہ گہری نیند میں ہے۔۔

وہ اس کے قریب ہو کر لیٹی۔۔اس کے ملائم مومی ہاتھوں نے شہرام کی برہنہ پشت نرمی سے چھوا۔۔وہ مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔اس کے نرم لبوں نے بہت نرمی سے شہرام کی پشت کو چھوا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک اس کی پشت کو اپنے لبوں سے چھوتی رہی تھی۔۔جانے کتنی دیر۔۔۔۔۔۔آج وہ سو گیا تھا مگر بہارے گل جاگ رہی تھی۔۔

حور ریڈ سٹائلش سی بیل باٹم پینٹ میں ملبوس تھی.. بیل باٹم پینٹ ٹخنوں سے کافی اوپر تھی۔۔ جس پر بے حد سٹائلش سی بلیک کلر میں برینڈڈ بلیٹ لگائی تھی وائٹ سلیوز لیس شرٹ پینٹ کے اندر دی ہوئی تھی۔۔ جس پر ریڈ کلر کی بے حد شارٹ سٹائلش سی جیکٹ پہنے ہوے تھی۔۔ جو پیٹ سے اوپر آتی تھی۔۔ نازک سفید پیروں میں ریڈ ہیلز پہنے ہوے تھی۔

سلکی کمر تک آتے چاکلیٹی بال کھلے ہوے تھے۔۔ ڈارک میرون لپ سٹک ہونٹوں پر سجائے وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔

اس کا دو آتشہ بدن اس آوٹ فٹ میں قیامت ڈھا رہا تھا۔۔ یہ کہنا غلط نہیں تھا وہ جتنی خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ اس کا جسم خوبصورت تھا۔۔ سنگ مرر مرر سا تراشہ بدن۔۔۔ بل کھاتی کمر۔۔۔۔ اس پر تضاد دلکش کندن نشیب و فراز۔۔۔ اس وقت بھی اس کے خوبصورت چہرے سے ہوتی نظر اس کے خوبصورت بدن پر جا ٹھہرتی تھی۔ وہ شعلہ جوالہ لگ رہی تھی۔۔۔

وہ بہت سارے گارڈز کے ہمراہ ایک بہت بڑے ہوٹل میں داخل ہوئی ۔۔ جہاں آج کی میٹنگ رکھی گئی تھی۔۔ بہت سی مختلف کمپنیوں کے میمبرز کے ساتھ آج کی میٹنگ رکھی گئی تھی۔۔

سلطان شاہ اسے کمپنی کے سی ای او کے بطور متعارف کروانا چاہتے تھے۔۔ بہت سے ٹینڈرز پروجیکٹ پر حور سلطان شاہ کے سائن ہونے تھے۔۔ کچھ پروجیکٹس اپروو بھی کرنے تھے۔۔ سلطان شاہ نے سب کچھ حور پر چھوڑ دیا تھا۔

آج کی میٹنگ میں سلطان شاہ حور کے ساتھ نہیں تھے۔۔ حور کو تن تنہا بھیجنے کا مقصد وہ اسے بہت پاور فل اور کانفیڈنٹ دیکھنا چاہتے تھے۔۔ جسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہ پڑے۔۔۔

ارحام خانزادہ بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ جس پر بلو کیجول کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔

وہ اس وقت بہت بڑے ہوٹل کے ایک بہت بڑے پر تعش میٹنگ ہال میں ایک ٹیبل کے گرد کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔۔

یہ ٹیبل بہت بڑی تھی۔۔کم و بیش تیس افراد اس کے گرد بہت کمفر ٹیبل کرسیوں پر بیٹھے ہوے تھے۔وہ اپنی کلائی میں پہنی رسٹ واچ پر بار بار نگاہیں دوڑا رہا تھا۔

اس کا سنجیدہ خوبرو چہرہ غیر معمولی سنجیدہ تھا۔

وہ سلطان شاہ کی ہی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔اس کی ایک دو میٹنگ ہی اس پروجیکٹ کے سلسلے میں سلطان شاہ کے ساتھ ہوئیں تھیں۔۔ورنہ کمپنی کے مینجر کے ساتھ اس کی اس کی میٹنگ ہوتی تھی۔۔کچھ چیکس اور فائل پر سلطان شاہ کے سائن چاہیے تھے۔اور سلطان شاہ سے ملنا آسان نہیں

تھا۔ آج کی میٹنگ میں مختلف کمپنیوں کے نمائندے تھے۔ جن کے ساتھ سلطان شاہ کی کمپنی کے مختلف پروجیکٹس چل رہے تھے۔۔

ارحام سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔۔

آنکھوں میں رت جگے کی سرخی اور تھکن نمایاں تھی۔۔۔

وہ دشمن جاں پاس نہیں تھی۔۔ اس کا انگ انگ اظطراب کی کیفیت میں تھا۔۔

سنا ہے سلطان احمد شاہ نے اپنی کمپنی کی سی ای او اپنی بیٹی کو بنا دیا ہے۔ ساتھ بیٹھے سرفرازی کی بات پر وہ چونکا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کرسی پر پہلو بدلتا سیدھا ہوا۔۔ اس نے سنجیدہ تحیر زدہ نگاہوں سے سرفرازی کو دیکھا۔

سنا ہے آج کی میٹنگ بھی وہی اٹینڈ کرے گی۔۔ سرفرازی کی اگلی بات سنتے ارحام خانزادہ کی سنجیدہ چہرے پر یکدم سرخی کی امیزش شامل ہوئی تھی۔۔

کون؟؟ نشا سلطان شاہ اٹینڈ کرے گی یہ میٹنگ۔۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ نے ٹیبل کی سطح پر ہاتھ جماتے ہوئے سرد لہجے میں سرفرازی سے پوچھا۔۔

ظاہر ہے وہی ہو گی۔۔ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی۔۔ سلطان شاہ کے ساتھ پارٹیز میں اسے ہی دیکھا ہے جو ہر کسی سے اپنا تعارف خود کرواتی ہے۔۔

ہیلو میں نشا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلطان احمد شاہ کی ون اینڈ اونلی اکلوتی بیٹی۔۔۔ سرفرازی نشا کے انداز میں ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو ارحام خانزادہ کے بھاری اعصاب ڈھیلے ہوئے تھے۔۔ آنکھوں کی سرخی کم ہوئی تھی۔۔

وہ جو سوچ رہا تھا وہ ناممکن تھا۔۔۔اس کی حور اس کی عورت یہاں اتنے مردوں کے درمیان کبھی نہیں آسکتی تھی۔۔وہ جانتی ہے اچھی طرح وہ ایک خانزادہ کی بیوی ہے۔۔وہ اس کے ایک بال پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا۔۔وہ حویلی میں سلطان شاہ کا سن کر جذباتی ہو گئی تھی اس لیے بے پردگی میں چلی آئی۔۔مگر اب وہ کسی بھی صورت ایسا نہیں کر سکتی۔۔وہ حویلی کی روایات سے واقف ہے۔۔۔سب سے بڑھ کر وہ اچھی طرح جانتی ہے وہ اسے عورتوں کے درمیان برداشت نہیں کر سکتا کجا کہ مردوں کے درمیان۔۔۔۔۔

امپوسبل میری حور ایسا نہیں کر سکتی۔۔

وہ میری بیوی ہے میری عورت۔۔۔۔۔وہ کبھی خود کو عیاں نہیں کرے گی۔۔ارحام خانزادہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سر کو خفیف سا جھٹکتے اپنی ہی سوچوں کو جھٹلا چکا تھا۔۔

وہ اظطرابی کیفیت میں اپنی چیئر پر بیٹھا اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلا رہا تھا۔

ہوٹل کے اس بڑے سے میٹنگ حال کے سرد کمرے میں ارحام خانزادہ کو یکدم سوئیاں سی چبھنی لگی تھیں۔

عجیب سی وحشت محسوس ہوئی تھی۔۔اسے بے پردہ سوچ کر ہی وہ مرنے والا ہو گیا تھا۔

ابھی وہ زخم وہ بھولا ہی نہیں تھا جو وہ انجانے میں حویلی سے آتے ہوے دے آئی تھی۔۔ زخم تو بہت دیے تھے۔ مگر یہ زخم ناسور بن چکا تھا۔۔ جب وہ بے پردہ سب کے سامنے آئی تھی۔۔ اپنی حور پر کسی قیمت پر کسی کی نظر برداشت نہیں تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے چیئر پر سیدھے ہوتے اب اپنی کنپٹی سہلائی۔۔۔ عجیب سی گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

سلطان شاہ کی کمپنی کی سی او حور کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا تھا۔۔ کیونکہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی صرف حور تھی۔۔

اگر سی ای او وہ تھی تو آج کی میٹنگ میں نشا کیسے آسکتی ہے؟؟۔۔ سلطان شاہ کسی صورت اپنی سوتیلی بیٹی کو اپنی کمپنی کی سی او نہیں بنا سکتا۔ ارحام خانزادہ پھر سے بے چین ہوا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھلے تھے۔۔ اکسیجن کی مقدار کم لگی تھی۔۔

آچانک اس بڑے سے حال کا اوٹ ومیٹک سلائیڈنگ ڈور کھلا تھا۔۔ حور سلطان شاہ اپنے دو پرسنل گارڈز کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔۔

میٹنگ میں بیٹھے ہوے بہت سے افراد نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔۔

اسے دیکھتے ہی سب لوگ اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔

مگر ارحام خانزادہ نہیں کھڑا ہوا تھا۔۔ نہ ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔۔

وہ توسٹل مجسم ہوا تھا۔۔ سانسیں گہری ہوئی تھیں۔۔ آنکھوں کے رنگ نے سرخی کی شدت اختیار کی تھیں۔

کمرے میں پھیلی روح پرور خوشبو سے اسے اندازہ ہو چکا تھا۔۔ اندر داخل ہونے والی شخصیت کون ہے؟؟

ہال کے فرش پر ہل کی ٹک ٹک ارحام خانزادہ کو اپنے دماغ میں ہتھوڑوں کی مانند محسوس ہوئی تھی۔۔

مگر دل ابھی تک بے یقین تھا۔۔ اسے یقین تھا وہ یہاں نہیں آسکتی ۔۔۔۔ کسی صورت نہیں آسکتی۔۔۔۔ اس کی عورت اس کی بیوی یہاں نہیں آسکتی۔۔ ارحام خانزادہ کی بھینچی ہوئی مٹھیاں مزید بھنچتی جا رہی تھی۔۔ بھاری ہوتے اعصاب مزید بھاری ہو رہے تھے۔۔

ویلکم میم۔۔۔۔ سلطان شاہ کا پرسنل سیکرٹری حسن ملک گلاب کے پھولوں کا بوکے لے کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

کھینکس۔۔۔۔حور اس بوکے کو پکڑے مسکرائی تھی۔۔

حال میں تالیوں کا شدید شور گونجا تھا۔

ارحام خانزادہ کی بھنچی ہوئی مٹھیوں کے ساتھ اس کی لب آپس میں سختی سے پیوست ہوے تھے۔۔۔۔۔۔

Its not possible..she can't do that.she is my woman.she knows me very well.she is well aware of my anger....my madness.she can't do that...

ارحام خانزادہ کے بھنچے ہوے لبوں نے جنبش کی۔۔

اس کی مظبوط مردانہ بھنچی ہوئی مٹھیوں کی موٹی نیلی رگیں آجاگر ہونے لگیں۔۔۔۔ تالیوں کے گونجتے شور میں اس کی مٹھیوں کی کڑاکڑاہٹ بھی گونجی تھی۔

حور سب کو دیکھتے بھرپور مسکرائی تھی۔۔ ارحام خانزادہ ابھی تک اپنی چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کی حور کی طرف پشت تھی۔

وہ پورے کانفیڈنس سے اس بڑے سے ہال میں چلتی اپنی چیئر کی طرف بڑھی۔۔

وہ بے حد ماڈ ڈریس میں ملبوس اب ہیڈ آف ٹیبل کی نشست کے پاس بہت اعتماد سے کھڑی تھی۔

ارحام خانزادہ کی لہو اتری نظریں سامنے کھڑی حور پر گڑھیں۔اب کی بار اس بڑے سے ہال کی دیواریں ارحام خانزادہ پر دھڑ دھڑ گری تھیں۔

اسے اپنا وجود ان دیواروں کے نیچے دبتا محسوس ہوا تھا۔۔

وہ کھلے بالوں کے ساتھ اپنی بے پناہ خوبصورتی کے ساتھ بے حد ماڈ ڈریسنگ میں اپنے دمکتے وجود کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ارحام کو اب سب کچھ چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

اس کا شعلہ جواں بدن اس کا قیامت خیز روپ اس کے سامنے تھا۔۔۔۔وہ اپنے شعلہ جواں روپ سے کتنے ہی مردوں کی بے باک نگاہوں کی تسکین بنی ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں سے اب لہو ٹپکنا شروع ہوا تھا۔۔حال میں موجود ہر مرد کی نظر اس پر تھی۔۔وہ پورے اعتماد سے مسکراتے ہوئے کھڑی تھی۔۔

اس کے گال پر پڑنے والا ڈمپل بھی نمایاں ہوا تھا۔

کتنی خواہش تھی اس ڈمپل کو دیکھنے کی۔۔اس ڈمپل پر اپنے لب رکھنے کی۔۔آج ادھر کھڑا ہر مرد اس کے گال پر پڑنے والا ڈمپل دیکھ رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کی سانسیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔۔

گردن کی نیلی رگیں اجاگر تھیں. ماتھے کی گہری وینز بھی نمایاں تھی۔۔

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ آتش فشاں مادے کی طرح پھٹ جائے گا۔۔آگ کی لپیٹیں اسے اپنے گرد اٹھتی محسوس ہوئی تھیں۔

وہ ایسے کیسے کر سکتی ہے؟؟۔۔ ارحام خانزادہ کی لہو اتری آنکھیں ابھی بھی بے یقین تھیں۔

۔وہ تو اس کے بولے ہوئے ہر لفظوں پر اثبات میں سر ہلاتے اس کا ہر حکم ماننے کی اسے یقین دہانی کروا چکی تھی۔۔ اپنے ہی لفظ ارحام خانزادہ کو سماعتوں میں گونجتے محسوس ہوئے۔۔ جن پر اس نے کبھی سر تسلیم خم کیا تھا۔

آئیندہ کسی بھی غیر مرد کی تمھارے ایک بال پر بھی نظر نہ پڑے۔۔ تم گھر میں بھی نیٹ کا دوپٹہ نہیں اڑھو گی۔۔ چادر اوڑھو گی یا پھر ایسا دوپٹہ اوڑھو گی۔۔ جس میں تمھارا ایک بال بھی نظر نہ آئے۔۔

ارحام کو اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا محسوس ہوا تھا۔۔

جس کے ایک بال پر کسی مرد کی نظر گوارا نہیں تھی۔ وہ کتنے ہی مردوں کے درمیان اپنے ننگے سر کے ساتھ کھڑی تھی۔۔

حویلی میں تو وہ ایک پل کے لیے اپنا دوپٹہ سر کنے نہیں دیتی تھی۔۔ اتنی فرمانبرداری دکھا کر وہ کیسے ایسے کر سکتی ہے؟؟۔۔ ارحام خانزادہ نے مضبوطی سے اب ٹیبل کی سطح پر اپنا ہاتھ جمایا تھا۔۔

کیا ان کے بیچ رشتہ صرف ڈر پر مبنی تھا؟؟۔۔ کیا سامنے کھڑی لڑکی نے اسے کبھی اپنا شوہر تسلیم نہیں کیا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے حال کی چھت کو دیکھا تھا ان دیواروں کے ساتھ یہ چھت بھی اسے خود پر گرتی محسوس ہوئی تھی۔۔

میم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ فائل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حسن ملک نے اس کے قریب جا کر اسے فائل پکڑائی جسے اس نے شکریہ کے ساتھ تھامی۔

ارحام خانزادہ نے اب اپنی آنکھیں میچیں۔

اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو کئی فٹ کی دوری پر اس پر مدہوشی طاری کر دیتی تھی۔۔ آج وہ کسی غیر مرد کے قریب کھڑی تھی۔ ارحام خانزادہ کو اپنا آپ کسی آتش گیر مادے کی طرح پھٹتا محسوس ہوا..

Please All of you sit on your seats.thanks for such a nice welcome ..i m sure It will great working with you guys..And i would like to say---

حور سب کو دیکھتے مسکراتے ہوے بول رہی تھی۔ یکدم اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

سامنے ہی ارحام خانزادہ کو دیکھ کر اب اسے حال کی دیواریں خود پر گرتی محسوس ہوئی تھیں۔۔۔وہ اس کے بلکل سامنے بیٹھا اس پر اپنی لہو اتری آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔۔

حور کے بدن پر لرزہ طاری ہوا تھا۔۔چہرہ یکدم زرد ہوا تھا۔۔

حور سٹل پتھرائی کیفیت کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔وہ مجسم کھڑی اس بلا کے ہینڈسم انسان کو دیکھ رہی تھی۔۔جو زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیے تھے۔۔یکدم اسے اکسیجن کی کمی لگی تھی۔۔وہ ابھی تک اس پر اپنی خون الود نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔وہی دہشت بھری نظر وہی قہر بھری نظر جس سے اس کی سانسیں رک جاتی تھیں۔۔یہ

سانسیں آج بھی رک رہی تھیں۔۔ حور نے گہرے سانس لیتے اپنی دوھیا گردن پر اپنی مخروطی انگلیاں پھیریں۔۔

اس کی قہر بھری نگاہ اس سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی..

جس میں خون کی لالی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

ارحام خانزاہ کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے کپکپانے پر مجبور کر چکے تھے۔۔

آئیندہ اس کمرے میں بھی ایسے حلیے میں مت رہنا۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو تمھیں کوئی عورت بھی دیکھے مجھے برداشت نہیں ہے۔۔ اور آئندہ تم نے غلطی سے بھی غلطی کی۔۔۔۔ میں تمھیں معاف نہیں کروں گا۔۔

حور نے کانپتے ہوے اب ٹیبل کی سطح پر اپنے ہاتھ جمائے تھے۔۔۔اس کی دہشت بھری لہو اتری آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ آج وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔۔

حور اپنی لرزاہٹ پر بمشکل قابو پاتے کرسی پر بیٹھی۔۔ سامنے بیٹھے انسان سے بہت گہرا رشتہ تھا۔۔ جانتی تھی وہ سلطان شاہ کی بیٹی ضرور تھی۔۔ مگر مقابل خدا کے بعد اس کے جسم و جاں کا مالک تھا۔۔

اسے بلکل اندازہ نہیں تھا۔۔ وہ یہاں ہو گا ورنہ وہ مر کر بھی کبھی یہاں نہ آتی۔۔ اب تمام حضرات اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔۔

سب کی نظریں ورلڈ کے رچسٹ طاقتور انسان سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی پر تھیں۔۔۔ سلطان شاہ جتنا با اثر تھا اس کی بیٹی حسن کی دولت سے اتنی ہی مالا

مال تھیں۔سب اس کے حسن اور اس کے باپ کی پہچان سے خائف نظر آرہے تھے۔۔

حور سلطان شاہ نے اب گہرے سانس لیتے ٹیبل پر پڑے پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔۔وہ اسے ایک ہی سانس میں پی گئی تھی۔۔

میٹنگ حال میں گھمبیر خاموشی طاری تھی۔۔۔۔۔

سامنے بیٹھا انسان گپ چپ مہر بے لب تھا۔۔

وہ جانتی تھی اس کی خاموشی میں چھپا گہرا طوفان شامل تھا۔جو آج سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔

مقابل کی سرد سرخ نظریں ابھی بھی اس پر گڑھی تھیں۔۔اور ان نظروں کی تاب سہنے کی سکت اس میں نہ تھی۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے سامنے پڑی فائل کھولی.

اسے سب کچھ چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔۔فائل میں لکھے لفظ آپس میں گڈ مڈ ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔۔

Mam....Its my pleasure to meet worldes richest man sultan sha,s daughter.

سرفرازی کی آواز نے ہال میں پھیلی گھمبیر خاموشی کو توڑا تھا۔۔وہ حور سلطان شاہ کے بے پناہ حسن سے کچھ زیادہ ہی ایمپریس نظر آ رہا تھا۔۔

سرفرازی کے لہجے میں ٹپکتی حسرت محسوس کرتے ارحام خانزادہ کے سینے میں دہکتی ہوئی آگ روشن ہوئی۔

آگ کی تپش پیر کے تلوں سے نکلتی محسوس ہوئی تھی

وہ بھی مرد تھا مرد کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔۔ سرفرازی اسے کن نظروں سے دیکھ رہا ہو گا۔۔ وہ بخوبی جانتا تھا۔۔

اور سامنے بیٹھی لڑکی اچھے اچھوں کا ایمان ڈگمگا دے۔۔ پھر سرفرازی جیسا انسان کیا شے تھا۔۔

سرفرازی کے الفاظ سنتے حور سلطان شاہ نے اسے بغور دیکھا۔۔

World richest man sultan sh,s daughter

حور سلطان شاہ کے یاقوتی لبوں نے سرفرازی کے بولے ہوے لفظوں کو زیر لب دہرایا۔

اسی پل اسے احساس ہوا تھا۔۔وہ حور ارحام خانزادہ نہیں حور سلطان شاہ ہے۔۔سلطان شاہ ورلڈ رچسٹ مین کی بیٹی۔۔۔۔۔وہ حویلی میں رہنے والی مجبور بے کس لڑکی نہیں تھی۔۔جو سامنے بیٹھے ظالم انسان کی پناہوں میں ہر رات سسکتے روتے ہوے گزارتی تھی۔۔اسے اب مقابل سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔

حور سلطان شاہ نے فائل سے نظریں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھے اس بلا کے مغرور انسان پر نظر ڈالی تھی۔۔جس کی آنکھوں میں چھائی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔۔

حور نے اب فائل بند کرتے ٹیبل پر پوری قوت سے پٹختے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔۔

اب دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھے.

ارحام خانزادہ نے اپنے سامنے پڑے پانی کے گلاس پر اپنی گرفت جمائی تھی۔ مگر حور سلطان شاہ سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔اس کی گرفت گلاس پر بتدرج مضبوط ہوتی جارہی تھیں۔۔

میم اس فائل میں تمام کمپنیوں کے ساتھ پروجیکٹس کی ڈیٹیل ہے۔۔۔

حسن ملک نے حور کے قریب ہوتے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔

حور نے مسکراتے ہوے حسن ملک کو دیکھا تھا۔

وہ گلاس ارحام کے ہاتھ میں تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔۔اس کا زخمی ہاتھ ایک بار پھر سے زخمی ہوا تھا۔

حال میں بیٹھے ہوے کچھ افراد نے ٹوٹے کانچ کا شور محسوس کرتے ارحام خانزادہ کی طرف دیکھا تھا۔۔ جس کی ہتھیلی سے خون ٹپک رہا تھا۔۔

ٹوٹے کانچ کی آواز حور تک بھی بخوبی پہنچی تھی۔۔ایک پل کے لیے اس کا دل کانپا تھا۔۔ دوسرے پل اسے اپنی پوزیشن اپنے سٹیٹس کا احساس ہوا تھا۔۔

ہیڈ آف ٹیبل کی سیٹ پر وہ تھی۔۔۔ سامنے بیٹھا انسان نہیں۔۔

اس نے ارحام خانزادہ کو مکمل نظر انداز کرتے اپنا ہاتھ حسن ملک کے ہاتھ میں پکڑی فائل کی طرف بڑھایا۔۔

فائل ہاتھ میں لیتے حسن ملک کا ہاتھ حور کی انگلیوں کو ذرا سا چھو گیا تھا۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ دونوں ہاتھ ٹیبل پر مارتا دھاڑتے ہوے کھڑا ہوا۔۔

حور چیئر پر بری طرح اچھلی تھی۔۔ فائل ہاتھ سے چھوٹ گر زمین پر گری تھی۔ ماتھے پر شبنم کے قطرے نمودار ہوے۔۔ وہ اس کی ایک ہی دھاڑ پر پسینے میں نہا چکی تھی۔۔

میٹنگ حال میں موجود سب ارحام خانزادہ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

جو اپنی نشست کے پاس کھڑا خونخوار نظروں سے حور سلطان شاہ کو گھور رہا تھا۔

ارحام خانزادہ ایک ہی جست میں حور کی طرف بڑھا۔۔

حور اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے اپنی چیئر سے کھڑی ہوئی۔۔

ارحام خانزادہ اپنی وحشی گرفت میں اس کی کلائی پکڑے اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔۔

وہ سب کے سامنے اس کے چوڑے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔

ارحام۔۔۔۔۔حور کی آواز بلند ہوئی تھی۔۔

سب لوگ اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے۔۔

سب حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

میٹنگ حال میں موجود حور کے گارڈز ارحام خانزادہ کی طرف جلدی سے بڑھے۔۔۔ایک گارڈ نے حور کو پروٹیکٹ کرنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

اس سے پہلے وہ حور کو چھوتا ارحام کے بھاری ہاتھ کا مکہ اس گارڈ کے جبڑے پر پڑا۔

آگے مت بڑھنا۔۔۔۔۔۔ چھونا مت اسے۔۔۔۔۔۔بیوی ہے یہ میری۔۔۔ارحام کی گرج دار آواز میٹنگ حال میں گونجی تھی۔۔میٹنگ میں موجود سب حیران نظروں سے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اس کے الفاظ سنتے بے یقین ہوے تھے۔

یہ یقین کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔۔سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی حور سلطان شاہ ارحام خانزادہ کی بیوی ہے۔۔

۔وہ گارڈز وہیں رک گئے تھے۔۔تعارف ہی بڑا جاندار تھا۔۔

ارحام خانزادہ حور کو سرد سرخ نظروں سے گھورتا اس کی کلائی جکڑے میٹنگ حال سے باہر کی طرف بڑھا۔

حور نے اس کی وحشی گرفت سے اپنی کلائی چھڑوانی چاہی تھی۔۔

وہ اس وحشی انسان کے ساتھ کہیں نہیں جانا چاہتی تھی۔۔ جس کے چہرے کے غیض و غضب سے اب اس کا نازک دل لرز رہا تھا

ڈونٹ حور۔۔۔ ڈونٹ۔۔۔۔ ارحام اس کی کلائی پر اپنی گرفت بڑھائے دبی آواز میں غرایا تھا۔

اس کی سرد سرخ نظر اور غراہٹ پر اس کا خون رگوں میں منجمند ہوا تھا۔۔ اس کی وحشی گرفت میں اس کی کلائی ٹوٹنے والی ہو گئی تھی۔

حور اس کی وحشی گرفت میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔۔ مقابل اس کا شوہر تھا۔۔ جس کی پاور اور دہشت سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔ جانتی تھی وہ مر جائے گا اس یہاں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔۔

باہر کھڑے حور کے کچھ اور گارڈز ارحام خانزادہ کی طرف بڑھے تھے۔۔ مگر ارحام خانزادہ کی بارعب پرسنیلٹی اور اس کے ساتھ حور کے بڑھتے قدم دیکھ کر وہ وہیں پر رک گئے تھے۔ حور سلطان خاموشی سے ارحام خانزادہ کے ساتھ چل رہی تھی۔۔ وہ یہ سب دیکھتے تحیر زدہ ہوے تھے۔۔۔

مگر وہ سلطان شاہ کو انفارم کرنا نہیں بھولے تھے

ارحام خانزادہ سرخ چہرے کے ساتھ تند و تیز ریش ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ حور اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ونڈ سکرین پر ہی نظریں جمائے تھی۔ اس کے بدن میں کپکپاہٹ واضح تھی۔

حور اپنے لب کاٹتے اپنے آنسوؤں پر بمشکل قابو پائے بیٹھی تھی۔ اس کا موبائل فون وہاں ٹیبل پر ہی چھوٹ گیا تھا۔۔

ورنہ وہ سلطان شاہ کو کال ضرور کرتی۔۔

ارحام خانزادہ کا خوف دل و دماغ پر چھاتے اس پر دہشت طاری کر چکا تھا۔۔

حور نے ایک بار بھی اس کی طرف نگاہ نہیں ڈالی تھی۔۔ اس کی لہو اتری آنکھوں میں دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ جو اس کا خون رگوں میں جما دیتی تھیں۔۔

میٹنگ روم میں یہ آنکھیں وہ دیکھ چکی تھیں۔۔ کس طرح خون کی لالی اتری تھی ان میں۔۔۔

وہ ابھی تک بے یقین سی تھی۔ ارحام خانزادہ اسے وہاں سے لے آیا تھا اس کی اتنی سکیورٹی کے باوجود۔۔ یہاں سے ہی ظاہر تھا کہ وہ اس پر کتنا حق رکھتا ہے۔۔ اور اس نے بھی تو مزاحمت نہیں کی تھی۔۔ ہر بار کی طرح اس نے اس بار بھی مزاحمت نہیں کی تھی۔۔

کیا ارحام خانزادہ اور اس کے بیچ یہ رشتہ اتنا طاقت رکھتا ہے۔؟؟۔ حور اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلتی سوچ رہی تھی۔

وہ اتنا تو جانتی تھی نکاح کا رشتہ طاقت تو بہت رکھتا ہے۔۔ ورنہ وہ نکاح کرنے کے لیے ایسے اس پر الزام نہ لگاتی۔۔ اسے مضبوط پناہ چاہیے تھے۔۔ جیسے

سلطان شاہ کی مضبوط پناہ تھی۔۔اتنی ہی مضبوط پناہ۔۔۔۔۔۔۔اسے مضبوط نکاح کی صورت میں ہی ملنی تھی اور اسے یہ پناہ ملی بھی تھی۔

ارحام خانزادہ کے لمس نے اسے اذیت دی۔۔۔بہت اذیت دی۔۔ مگر کبھی اس لمس سے کراہیت نہیں ہوئی۔۔اسے یہ کبھی نہیں لگا کہ وہ کھلے آسمان کے نیچے بے لباس کھڑی ہے۔۔ہمیشہ یہی لگا وہ اس کی مضبوط پناہوں کے حصار میں ہے۔۔

ورنہ وہ کراہیت بھرا لمس وہ آج تک نہیں بھولی تھی۔۔جب ماہ جبین کے بھیجے ہوے غنڈوں نے اسے چھوا تھا۔۔ آج بھی ان کے غلیظ ہاتھوں کا لمس اپنی کلائی پر محسوس کرتے وہ مرنے والی ہو جاتی تھی۔۔۔

پاس بیٹھے ستم گر نے اسے کہاں کہاں کس انداز سے نہیں

چھوا تھا؟؟۔۔ مگر ایک پل کے لیے بھی اسے اس لمس سے نفرت نہیں ہوئی تھی۔۔۔ حور نے گہرے سانس لیے۔۔

مگر ارحام خانزادہ کی قربت میں گزرے لمس کی اذیت آج بھی تھی۔۔ جو وہ کبھی کسی صورت نہیں بھول سکتی تھی۔۔ مقابل بھول بھی جائے وہ ان اذیت کے لمحوں کو نہیں بھول سکتی تھی۔۔ اس رات کا ایک ایک پل اس کا خون رگوں میں جما دیتا تھا۔۔۔

اسے ارحام خانزادہ کے وہاں آنے کی خبر ہوتی وہ کبھی یہ لباس نہ پہنتی۔۔۔ بلکہ آتی ہی ناں۔۔۔ اسے پتہ نہیں تھا ارحام خانزادہ ان کی کمپنی کے ساتھ کنٹریکٹ کر رہا ہے۔۔ یا پھر ارحام سلطان شاہ کو پہلے سے جانتا ہے۔۔

حور نے اب بہتے آنسوؤں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔

جو سپاٹ چہرہ لیے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔

ارحام کی فولڈنگ آستینوں سے اس کی کلائیوں کی نیلی رگیں ظاہر ہوتی اس کے اشتعال کو ظاہر کر رہی تھیں۔ کوٹ وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی اتار کر پچھلی سیٹ پر پھینک چکا تھا۔۔ اس کی کلائیوں کی ابھرتی رگیں دیکھ کر حور نے خوف سے ہچکی بھری۔۔

اس کی ہچکی پر ارحام خانزادہ نے قہربار سرخ نگاہوں سے گھورا تھا۔۔

وہ ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روکتے حور کی طرف جھکا۔۔

وہ سہمتے ہوئے گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

اب وہ اپنی کرسٹل شفاف براؤن بڑی بڑی آنکھوں سے سہمتے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔

اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر وہ بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

خبردار یہ ڈرنے کا جھوٹا ناٹک کیا مجھ سے ؟؟ وہ اس پر جھکے طیش و اشتعال سے غرایا۔

ارحام وہ ممم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں سے پھوٹتی چنگاریاں اور اس کے سانسوں کی انگارہ تپش پر اس کی زبان سے ٹوٹ کر لفظ ادا ہوتے حلق میں ہی پھنسے تھے۔۔

تم ایک جھوٹی مکار لڑکی ہو۔۔ تمھارا سب کچھ جھوٹ ہے حور۔۔۔ تم کل بھی جھوٹی تھی۔۔۔ تم آج بھی جھوٹی ہو۔۔ تمھارے چہرے پر چھایا میرا ڈر

وحشٹ سب جھوٹ ہے۔۔وہ حلق کے بل چیخا تھا۔۔حور اس کی چلانے پر اپنے منہ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے اپنی چیخ گلے میں گھونٹ چکی تھی۔۔

Dont pretend like you r my obediant woman..

Non..sen..se. bu..ll shit woman..

ارحام خانزادہ اس کی سیٹ کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے غرایا تھا۔یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے اسے گالی دی تھی۔۔

حور بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔اس نے تو کبھی قربت کے لمحات میں بھی اسے ان لفظوں سے نہیں پکارا تھا۔۔لمس اذیت ناک ہوتا تھا مگر لفظ حقیر نہیں ہوتے تھے۔۔

حور اسے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

Dont look at me like this apathetic woman

ارحام خانزدہ اس کے اس طرح دیکھنے پر غصے سے چیخ اٹھا تھا۔۔

وہ جس طرح کے لباس میں اس کے سامنے تھی۔۔اس کی بیوی اس کی عزت ہونے کے باوجود بنا اس کی پرواہ کیے اس طرح کتنے غیر مردوں کے درمیان بنا کسی ملال کے کھڑی تھی۔۔۔یہ اس کی حور نہیں تھی۔۔

اسے اب مقابل کا ہر رنگ فیک اور جھوٹا لگ رہا تھا۔۔

حور اب روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس کی بہتی آنکھوں کو دہشت زدہ نگاہوں سے دیکھتا پیچھے ہوے۔۔۔

سٹیرنگ پر ہاتھ جماتے وہ گہرے سانس لیتے خود پر قابو پانے لگا۔۔ گاڑی میں گونجتی اس کی دبی دبی سسکیاں اسے مزید اشتعال میں مبتلا کر رہی تھیں

My heartless woman

گاڑی کے سٹرینگ پر زوردار مکہ مارتے وہ دھاڑا تھا۔۔ حور سیٹ پر بری طرح اچھلی تھی.

ارحام خانزادہ نے گہرا سانس لیتے اپنی شرٹ کے تقریباً تمام بٹن کھول دیے تھے۔۔ حور کو ایسے بے پردہ دیکھ کر اس کے وجود میں جلتے بھانبھڑون کی لپیٹ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ اپنی بیوی اپنی عزت اپنی عورت کو ایسے بے پردہ سب کے سامنے کلائی سے پکڑ کر لائے گا۔۔ وہ جس عورت پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ آج اس کے بزنس سرکل کے بہت سے مرد اس کی بیوی کو ایکسرے کرتی

نگاہوں سے دیکھ چکے تھے۔۔وہ جس عورت سے عشق کرتا تھا۔۔وہ آج اس کی ہی گاڑی میں بے پردہ بیٹھی ہوئی تھی. ارحام خانزادہ نے اس کے دو آتشہ بدن پر قہربار نظر ڈالی۔

یہ لباس اس کے دو آتشہ بدن پر بہتی ندی کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔۔اس کا حسن چھلک چھلک کر بے تاب ہوتا جیسے باہر آرہا تھا۔

اس کے کندن نشیب و فراز پورے آب و تاب سے اس کی چست شرٹ میں نمایاں تھے۔۔جو پانی میں جیسے آگ لگا رہے تھے۔

ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔۔جی تو کر رہا تھا وہ آج یہ گاڑی کسی ٹرک سے دے مارے۔اپنی اور حور کی جان لے کر یہ قصہ ہی ختم کر دے۔۔

ہر بار وہ اسے نیا زخم دیتی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی اب ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔۔

حور نے فق رنگت کے ساتھ سہمی نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا جس کی شرٹ سے اس کا سکس پیک چٹانی سینہ نمایاں تھا۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی اس کے اپارٹمنٹ کی پارکنگ ایریا میں آکر رکی ۔۔ارحام خانزادہ نے بے بسی سے اپنے زخمی ہاتھ کا مکہ بنائے سٹیرنگ پر دے مارا تھا۔۔

حور نے اپنی سائیڈ کی کھڑکی سے دیکھتے اپنی لرزاہٹ پر بمشکل قابو پایا۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد ایسے سٹیرنگ پر مکہ مارتے اس کی جان نکال رہا تھا.

ارحام خانزادہ سٹیرنگ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے گہرے سانس لے رہا تھا۔

وہ سب کے سامنے ایسے بے پردہ اس کے ساتھ اپارٹمنٹ تک جائے گی۔وہ اس کی بیوی تھی گرل فرینڈ نہیں جس کی وہ نمائش کرتا پھرتا۔۔۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اپنے اندر امڈتے غصے اور اشتعال پر قابو پایا۔۔

وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا تھا۔۔

اس کی طرف بڑھتے حور کی سائیڈ کا دوازہ کھولتے اس کی کلائی جکڑی۔۔

ارحام میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔مجھے اپنے پاپا کے پاس جانا ہے۔۔حور اپنی کلائی اس کی وحشی گرفت سے کھینچتے چیخی تھی۔۔

حور اگر تم نے یہاں ذرا بھی تماشہ کیا۔۔۔ آج تم مجھ سے برا کسی کو نہیں پاؤ گی سمجھی تم۔۔ وہ اس کی طرف جھکتے دبی آواز میں چلایا تھا۔۔

آپ سے برا کوئی ہے بھی نہیں ارحام۔۔ حور نے بہتے آنسوؤں کے کپکپاتے لبوں سے کہتے خوف سے اس کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔۔ ان سرخ آنکھوں کی وحشت دیکھتے اس کی جان لبوں پر آ سجی تھی۔۔ ان سرخ آنکھوں کی وحشت وہ آج تک بھولی نہیں تھی۔۔ وہ اس رات کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی جس کی یاد آج بھی اسے مقابل سے بہت فاصلوں پر لے جاتی تھی۔۔

فیصلہ ہو گیا جتنی بری تم اتنا برا میں۔۔۔۔ اور آج میں بھی کہتا ہوں تم سے برا بھی کوئی نہیں ہے۔۔ وہ اس کے بے پردہ وجود پر نظریں گاڑھتا ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔۔

حور کی کرسٹل براؤن آنکھیں مقابل کی سرد سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔۔ایک کی آنکھوں میں شدید خوف وہراس تھا۔۔دوسرے کی آنکھوں میں گہرے شکوں کے ساتھ خوفناک دہشت بھی تھی۔۔جو آج سب کچھ بھسم کرنے کا آرادہ رکھتی تھی۔۔

ارحام کی پر تپش جھلساتی سانسیں اپنے میرون لپسٹک سے سجے ہونٹون پر بکھرتی محسوس کرکے وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔۔جانتی تھی مقابل ان لبوں پر کیسے رات رات بھر اپنی حکومت قائم کرتا تھا۔۔نہ صرف لبوں پر ہر جگہ صرف اس کی ہی تو حکومت ہوتی تھی۔۔اس کا ہر انداز اس کا لمس بڑا جان

لیوہ تھا وہ اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔۔ وہ خوف سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے کھینچتے ہوے ایک ہی جست میں باہر نکال گیا تھا۔۔ حور اس کے چٹانی سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔ حور نے اسے التجائیہ بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اس کے سکس پیک چٹانی سینے پر اپنے مومی نازک ہاتھ جمائے تھے۔۔

وہ اسے ایک ہی جھٹکے سے خود سے علیحدہ کر چکا تھا۔۔

حور گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا ٹکرائی تھی۔۔

زاران خانزادہ ڈریسنگ روم سے سیاہ لباس میں ملبوس اپنے ہلکے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے کمرے میں آیا۔۔ ابرش ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی اپنے براؤن چمکتے بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔

بلو کلر کی سلک کی سٹائلش فراک میں ملبوس تھی۔۔ اس کا دو آتشہ روپ غضب ڈھا رہا تھا۔ رات بھر وہ زاران کی بانہوں میں رہی تھی۔۔ گلے اور گہرائیوں پر زاران کی شدتوں کے نشان تھے۔۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنا روپ دیکھ رہی تھی۔۔

جو زاران کی توجہ کے بعد نکھر سا گیا تھا۔۔

زاران پچھلے دو تین دنوں سے اس کے ساتھ ہی زیادہ وقت گزار رہا تھا۔ رات بھر وہ اس کی بانہوں میں ٹوٹ کر بکھرتی اس کی شدتیں برداشت کرتی رہی تھی۔۔ وہ بہت نرمی سے رات بھر اسے خود میں سمیٹے رہتا

تھا۔۔شدتیں رات بھر ڈھائی تھیں۔ مگر چھوتا ایسے تھا جیسے وہ کانچ کی گڑیا ہو۔ابرش نے اب مرر میں مغروریت سے خود کو دیکھا تھا۔

زاران کی محبت کے بعد اسے کسی کی محبت کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

زاران اسے مسکراتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے اپنی شال اتارے اس کے گرد لپیٹ گیا تھا۔۔

ابرش رخ پلٹے اس کے سینے میں سما چکی تھی

نکاح کے بعد یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے اپنی شال اسے اوڑھائی تھی۔۔

صبح صبح مجھ پر بجلیاں کیوں گرائی جا رہی ہیں؟؟

زاران نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے بھاری آواز میں کہا۔۔

مجھے شال کیوں اڑائی؟؟

ابرش نے اس کے سینے سے سر اٹھائے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

تم اچھی طرح جانتی ہو کیوں اوڑھائی۔۔

زاران معنی خیزی سے کہتے بے باکی سے اس کی دھڑکنوں کو چھو گیا تھا۔۔ ابرش اس کے سینے سے لپٹے سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔

زاران کے سینے میں سمائے اس کی بلیک قمیض پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔۔

زاران۔۔۔۔ ابرش نے پیار سے اسے پکارا تھا۔

جی میری جان۔۔۔۔۔ زاران اس کے اتنے میٹھے لہجے پر گہرا مسکرایا تھا۔

آپ نے اپنی مورے کو بتا دیا؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

کیا میری جان؟؟ زاران نے اپنی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔

یہی کہ آپ پاپا بننے والے ہیں۔۔ ابرش اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچے اسے اپنے مزید قریب کرتے بولی۔۔

افففف یہ ادائیں؟ کہاں سے سیکھیں یہ قاتلانہ ادائیں؟؟ زاران اسے یکدم بانہوں میں اٹھا گیا تھا۔۔

ابرش مسکراتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔

زاران اس پر گہری نظر ڈالتے بیڈ کی جانب بڑھا۔

اسے نرمی سے بیڈ پر لٹائے اپنی شال اس کے وجود سے اتارتے اپنے ہاتھوں سے اسے بے باکی سے چھوتے اس کے بلو سلک کے فراک میں وہ لمحوں میں

گہری سلوٹیں ڈال چکا تھا۔۔اس کی بے باک حرکتوں پر وہ سرخ گلاب ہوتی اس کی بانہوں میں سمٹ رہی تھی۔

اپنی فراک کی زپ کھلتا محسوس کرتے ابرش گلابی ہوتی زاران کے گردن میں اپنی بانہیں حمائل کر گئی۔

زاران نے مسکراتے ہوے اس کی گردن میں دانت گاڑھے تھے۔۔

زاران رات بھر آپ کا دل نہیں بھرا۔۔

ابرش نے اسے دور کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اک ادا سے پوچھا تھا۔۔

اس کے انداز پر زاران کا برجستہ قہقہا گونجا تھا۔۔وہ سمجھ گیا تھا اس کی بیوی کیا سننا چاہتی ہے۔۔

وہ ہر ٹائم اس سے اظہار سننے کی تمنائی تھی۔

لپٹ کر خود میرے ساتھ سوتی ہو اور مجھ سے پوچھتی ہو میرا دل نہیں بھرا۔۔ ادائیں اور جلوے دکھا دکھا کر مجھے پاگل کر دیا ہے۔۔ ایسے میں کہاں میرا دل بھر سکتا ہے۔۔ زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔۔۔ ابرش نے اس کی شدت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔۔

وہ اسے شدت سے چومتا پیچھے کو ہوا اور تکیے پر سر رکھتے اپنی بانہوں میں اسے سمائے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔۔

زاران آپ بلیک کلرز زیادہ تر کیوں پہنتے ہیں؟؟ ابرش نے اس کے سینے پر اپنے نازک ہاتھ جماتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔۔

کیونکہ مجھے یہ پسند ہے اور مجھے لگتا ہے مجھ پر یہ رنگ بہت سوٹ کرتا ہے۔۔زاران نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کیا تھا۔۔

مگر مجھے نہیں پسند آپ مت پہنا کریں۔ابرش نے اس کے سرخ و سفید رنگت اور ساحرانہ نقوش کو دیکھتے کہا جو سیاہ کلر میں اس کی سرخ و سفید رنگت مزید نمایاں ہو رہی تھی۔۔

سچ میں سیاہ لباس اس کی شخصیت پر بہت جچتا تھا۔۔

ابرش کی بات پر زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔وہ اسے کمرے سے نکلنے نہیں دیتی تھی۔۔اب سیاہ لباس پر بھی پابندی تھی۔وہ اسے لے کر بہت زیادہ حساس تھی۔۔اپنی بیوی کا یہ پہلو اس کا دل دھڑکا کر رکھ دیتا تھا۔۔وہ اس سے اتنی محبت کرتی ہے اسے اب اندازہ ہوا تھا۔

وہ رات رات بھر اس کے ساتھ جیسے لپٹتے تھی وہ بے بس ہو جاتا تھا۔۔اس حالت میں بھی وہ اس پر اپنی شدتیں ڈھانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔۔۔جن میں وہ اس کا پورا پورا ساتھ دیتی تھی۔

اسفند اور عابیر کے جانے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔۔تھوڑی دیر بعد وہ امینہ خانم کے پاس جانے کا آرادہ رکھتا تھا مگر ابرش اس کے آرادے جان کر جس طرح اس کے ساتھ لپٹی تھی۔۔وہ چاہتے ہوے بھی نہیں نیچے نہیں جاسکا تھا۔۔رات ابرش کے وجود پر شارٹ سی نائٹی اس کے ہوش اڑا چکی تھی۔۔ساری رات اور صبح بھی وہ اس کے بہت قریب اس کے سینے پر سر رکھے سوئی رہی تھی۔۔زاران اس کی انسکیورٹیز سمجھتا تھا۔۔وہ پلوشہ کی وجہ سے اسے نیچے نہیں رکنے دیتی۔۔

اوکے ڈن نہیں پہنوں گا۔۔اگر میری بیوی کو نہیں پسند تو آئندہ مجھ پر سیاہ لباس حرام۔۔۔زاران نے اس کی ٹھوڑی پکڑے اس کی آنکھوں میں جھانکتے کہا۔جو اس کا اقرار چاہتی تھی۔۔

سچ میں کبھی نہیں پہنو گے۔۔ابرش نے مسکراتے ہوے نم آنکھوں سے پوچھا۔

زاران اس کی آنکھوں کے گوشوں سے نمی بہت نرمی سے اپنے لبوں سے چن گیا تھا۔۔

ہاں مگر ابھی مجھے تم سے کچھ چاہیے۔۔زاران شرراتی لہجے میں کہتے شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا چکا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔ابرش نے اسے اپنی دھڑکنوں پر جھکتے تڑپ کر روکا تھا۔۔

اتنی ادائیں دکھاؤ گی۔۔مجھے کمرے میں محصور کر کے رکھو گی تو یہ سب کچھ تو برداشت کرنا ہو گا۔۔زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس پر جھکے اس کی دھڑکنوں کو چھوتے اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔ابرش اس کی کمر کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے اپنی آنکھیں بند کر چکی تھیں۔وہ بہت نرمی سے اسے خود میں سما گیا تھا۔

ارحام خانزادہ حور کی کلائی پکڑے ایک بہت بڑی بلڈنگ میں داخل ہوا۔۔ حور اس کی وحشی گرفت میں اس کے ساتھ کھنچتے ہوے چل رہی تھی۔۔ حور خاموشی سے بنا کوی بھی سین کریٹ کیے اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ جانتی تھی ارحام خانزادہ کے آگے مزاحمت بیکار ہے۔ اس کا سٹیٹس اس کا نام اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ اس کے لیے حور سلطان شاہ نہیں حور ارحام خانزادہ تھی.. جس پر نہ صرف وہ حق رکھتا تھا بلکہ جتاتا بھی تھا۔ جیسے آج وہ اتنی سکیورٹی میں اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

حور کی نظر اپنی کلائی پر مضبوط چوڑے ہاتھ کی پکڑ پر تھی۔ جس کے ہاتھوں کی نیلی گہری وینز تک نمایاں ہوتے اس کے شدید اشتعال میں ہونے کو ظاہر کرتی اس کا خون خشک کر رہی تھیں۔ حور کا خون رگوں منجمند ہوا تھا۔۔ وہ واقعی میں پہاڑی خان تھا۔

حور کی نظریں اس کے مضبوط بھاری ہاتھ سے ہوتی اس کی چوڑی پشت پر جا ٹھہریں۔ جو شرٹ میں بھی اس کی جسامت کی مضبوطی کو ظاہر کر رہی تھی۔۔ اس کا کسرتی باڈی بلڈر جسم کپڑوں میں بھی نمایاں ہوتا اس کے پرسنیلٹی میں اضافہ کر رہا تھا۔

لیکن جانتی تھی کمرے میں جا کر وہ اپنی پہنی ہوئی شرٹ بھی اتار دے گا۔ اور وہ اس کے ساتھ کیا کرے گا وہ یہ بھی جانتی تھی۔

یہ خیال آتے ہی حور کے قدم خوف کے عالم میں رکے تھے۔ مگر مقابل کی پکڑ انتہائی مضبوط تھی۔ اور قدم تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ حور اس کی پکڑ پر کھنچتی چلی گئی۔

ارحام خانزادہ خاموشی سے اس کی کلائی تھامے تیزی سے چل رہا تھا۔۔۔ وہ اس کے ساتھ دو تین مرتبہ باہر ہی آئی تھی۔۔ وہ ہمیشہ اسے اپنے ساتھ

رکھتا تھا۔۔ کبھی اس سے آگے نہیں چلتا تھا۔۔ جب اس کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت ہوتی تھی۔۔ تب بھی وہ اسے اپنی مظبوط بانہوں کے حصار میں لیے چلتا تھا

اب تو وہ نفرت ختم ہو چکی تھی۔۔ لیکن آج وہ اس کے آگے چل رہا تھا۔۔ شائد اس حلیے میں وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا یا چاہ کر بھی وہ اسے بے پردہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اسے لیے لفٹ کی طرف بڑھا۔ لفٹ کے اندر ان کے سامنے ہی دو لڑکے اندر داخل ہوے تھے۔۔ ارحام خانزادہ اس کی کلائی پر ہاتھ جمائے باہر ہی رک گیا تھا۔ کلائی پر پکڑ مزید مضبوط ہوئی تھی۔ لفٹ کا کھلا دروازہ بند ہو چکا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنا نچلا لب بے دردی سے دانتوں

تلے پیوست کرتے زخمی نظروں سے اس کے بے پردہ وجود کو دیکھا تھا۔۔وہ اس کی لہو اتری آنکھوں میں چھپا درد دیکھ کر نظریں جھکا گئی تھی۔۔ان لڑکوں کی گہری نظریں وہ خود کے وجود پر محسوس کر چکی تھی۔۔وہ سمجھتی تھی یقیناً ارحام خانزادہ تو وہ نظریں محسوس کرتے مر چکا ہو گا۔اس کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ اک دہشت بھی تھی۔۔حور کا وجود شدت گریہ سے کانپ اٹھا۔۔

لفٹ کا دروازہ دوبارہ کھلا۔۔۔وہ اسے لیے لفٹ میں داخل ہوا۔۔

اس کے ساتھ لفٹ میں تنہا ہونے سے اس کا پورا وجود پسینے میں نہلایا تھا۔۔

مگر لفٹ میں بھی ارحام خانزادہ نے اس پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔۔وہ لفٹ کے دروازے پر نظریں جمائے سپاٹ انداز میں کھڑا تھا

مگر اس کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔ لفٹ فورتھ فلور پر آ کر رکی تو وہ اس کی کلائی پکڑے باہر نکلا۔

ارحام خانزادہ اسے لیے ایک پارٹمنٹ میں داخل ہوا۔۔۔

اپارٹمنٹ بہت شاندار اور پر تعش دور جدید طرز کا بنا ہوا تھا۔

حور کی نگاہیں اس کی پشت کو دیکھتے اپنی کلائی پر تھیں۔ جو اس کی مضبوط پکڑ پر ٹوٹنے والی ہو گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اسے لیے ایک کمرے کی طرف بڑھا۔

کمرے کے دروازے پر حور نے اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑواتے ہوے کھینچی تھی۔۔وہ اس کے ساتھ اندر نہیں جانا چاہتی تھی۔۔وہ دروازہ کھولے اسے پوری قوت سے اندر کھینچ چکا تھا۔۔

اندر داخل ہوتے ارحام خانزادہ نے کمرے کے بیڈ پر اسے دھکا دیا۔وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری۔۔

حور سیدھے ہوتے ارحام خانزادہ کو سہمتی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔۔جو اس کی طرف نہیں بڑھا تھا۔۔وہ کمرے کی وسط میں پڑی ٹیبل پر پڑا پانی جگ اٹھائے اپنے سر پر گرا رہا تھا.. جیسے وہ اپنے اندر بھڑکتی آگ کو ایسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا ہو ہو۔۔

ارحام خانزادہ نے پانی کا جگ خود پر انڈیل کر وہ جگ پور قوت سے دیوار پر دے مارا تھا۔۔۔ بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ حور زمین پر گرے کانچ کو دیکھتے اپنی چیخ منہ پر ہاتھ رکھ کر روک گئی تھی۔۔۔

ارحام نے اپنی شرٹ کے ایک ایک کرتے تمام بٹن کھولتے اسے اتارتے ہوئے زمین پر پھینکی۔۔ حور خوفزدہ ہوتے بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی۔

ارحام خانزادہ کے ایکشن اسے خوفزدہ کر رہے تھے۔۔

جس کی آنکھوں میں خون کی لالی اتری ہوئی تھی۔۔ دماغ کی رگیں تک واضح تھیں۔۔ اسے برہنہ سینے کے ساتھ دیکھ کر حور کے بدن پر شدید کپکپی طاری ہوئی۔۔ نظروں کے سامنے نکاح کی رات آئی۔۔ جب ارحام خانزادہ نے بنا اس پر رحم کھائے اسے کسی بھیڑیا کی مانند نوچا تھا۔۔

وہ چاہ کر بھی یہ رات بھولا نہیں پاتی تھی۔۔ ابھی بھی اسے لگ رہا تھا ارحام اسے ایسی ہی سزا دے گا۔

ارحام خانزادہ اس کی طرف نہیں بڑھا تھا نہ ہی اسے ایک نظر دیکھا تھا ۔۔۔ وہ جانتا تھا وہ اسے ایک نظر دیکھ کر اپنے اندر اٹھتے بھانبڑوں پر قابو نہیں رکھ پائے گا۔۔ وہ اسے ادھیڑ ڈالے گا۔۔ اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا وہ اس کی بیوی ہی نہیں اس کا عشق تھی۔۔ اور اسے تکلیف دینے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔

وہ صوفے پر بیٹھا اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے اپنے دونوں پاؤں ہلاتے زمین کو گھورتے اپنے غصے پر قابو پانے لگا۔۔ نظروں کے سامنے میٹنگ روم میں کھڑا اس کا دو آتشہ روپ آ رہا تھا۔۔ جب وہاں بیٹھے ہر مرد نے اس پر اپنی غلیظ نظریں گاڑھیں ہوئی

تھیں۔۔اور وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے بہت کمفرٹیبل کھڑی تھی۔بلڈنگ کے آحاطے میں ان لڑکوں کی نگاہیں یاد آئیں جو انہوں نے اس کے سامنے اس پر ڈالی تھیں۔اسی پل اس کا دل کیا تھا وہ اپنی جیب سے پسٹل نکال کر ان لڑکوں کے سینے چھلنی کر دے۔۔وہ ایسا کر بھی گزرتا اگر حور اس کے ساتھ نہ ہوتی۔۔۔وہ مزید اس پر نظریں برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ اس کی کلائی جکڑے وہاں سے لے تو آیا تھا مگر اب اسے لگ رہا تھا وہ کسی پل ایک آتش گیر مادے کی طرح پھٹ جائے گا۔۔وہ کیسے ان بزنس حریف ان لوگوں کے سامنے دوبارہ جا سکے گا۔۔جو اس کی بیوی اس کی عزت پر اپنی بے باک نگاہیں گاڑھے ہوئے تھے۔ارحام اب بے بسی سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔۔

حور اپنی سانسیں روکے اسے دیکھ رہی تھی۔۔اس کی خاموشی اسے مزید سہما رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے نظریں اٹھائے بیڈ پر بیٹھے اس کے نازک وجود کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

اس کا قیامت خیز بدن کمرے کی دودھیا لائٹ میں مزید قیامت خیز لگ رہا تھا۔۔گلے سے جھانکتی رعنائیاں بھی ظاہر ہو رہی تھیں۔

ارحام کا دل کیا تھا اس کی نازک چمڑی اپنی بیلٹ سے داغدار کر دے۔اس کا خون لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔۔اس پر ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔وہ اس حلیے میں آج کتنے ہی غیر مردوں کے سامنے تھی۔۔۔وہ چاہتی تو ایک پراپر ڈریس میں بھی میٹنگ حال آسکتی تھی۔۔مگر اس نے کسی چیز کا خیال نہیں کیا تھا۔ایک پل کے لیے نہیں سوچا تھا وہ کسی کی بیوی کسی کی

عزت ہے۔۔اسے وہاں دیکھ کر اس کے چہرہ خوف سے سفید پڑا تھا لیکن اگر وہ وہاں نہ ہوتا اسے اس کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔۔

ارحام اب اس کے وجود پر اپنی سرخ نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔۔

دل کر رہا تھا اس کی چلتی سانسیں قطرہ قطرہ کھینچ لے۔۔وہ تڑپ تڑپ کر اس سے سانسوں کے لیے رحم مانگے وہ پھر بھی نہ دے۔۔ارحام خانزادہ نے ٹیبل پر نازک واز اب غصے سے زمین پر دے مارا۔۔

حور اس بار اپنی چیخ پر قابو نہ پا سکی تھی۔۔وہ خوفزدہ ہوتے چلا اٹھی۔۔

اس کی چیخ سنتے وہ ایک ہی جست میں اٹھتا اس کی طرف بڑھتا اس کا منہ دبوچ گیا تھا۔

کیا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے ہاں؟؟ تم کچھ بھی کرو گی میں خاموش رہوں گا کہ تم ایک امیر باپ کی بیٹی ہو۔۔

ارحام اس کے ایک اطراف میں اپنا گھٹنہ جماتے اس کے اوپر جھکے تپش زدہ سانسوں سے غرایا۔۔ حور مزید پیچھے کو ہوتی کراؤن میں سمائی تھی۔۔

تم حور سلطان شاہ نہیں۔۔۔۔ حور ارحام خانزادہ ہو۔۔ سنا تم نے تم حور ارحام خانزادہ ہو۔۔ مجھے تمھارے باپ کی پہچان سے کوئی غرض نہیں۔۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے حلق کے بل چیخا۔

حور اس کی وحشی گرفت پر سسک کر رہ گئی۔۔

ارحام کی وحشی گرفت میں اس کا جبڑہ ٹوٹنے لگا تھا۔۔ وہ اس کے ہاتھ پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھے اپنا جبڑہ چھڑوانے کی ناکام سعی کرنے لگی۔۔

آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہا تھا۔۔ ارحام اس کے آنسو دیکھتے مزید مشتعل ہوا۔

وہ اس کا جبڑہ چھوڑتے اسے بری طرح پیچھے دھیکل گیا۔۔

حور جلدی سے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر کھسک گئی

کیسی بے بسی تھی؟؟ مقابل نے آج بھی اسے بری طرح روندا تھا۔ مگر وہ اسے کچھ نہیں کہہ پا رہا تھا۔

حور اوندھے منہ تکیے پر گرتی زارو قطار رونے لگی تھی۔۔

ارحام خانزادہ غصے سے چیختے ہوے اپنا زخمی ہاتھ دیوار پر مار گیا۔۔

اس کے بدن میں شعلے سے بھڑک رہے تھے۔۔ پورا بدن جیسے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔۔ وہ خانزادہ فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔۔ جہاں اپنی عورت اپنی بہن بیٹی پر وہ کسی غیر کی نظر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

حور اس کی عورت ہی نہیں اس کا عشق بھی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کے پاؤں کے ایک ناخن پر بھی کسی کی نظر نہ پڑنے دیتا۔۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے حور کے ہچکولے لیتے بدن کو دیکھا۔۔ اس کی گوری پنڈلیاں اس کی بیل باٹم پینٹ سے نمایاں ہو رہی تھی۔۔ پورا بدن ہی نمایاں تھا۔۔ کپڑے پہننے کی ضرورت ہی نہ تھی۔۔ اس کی جیکٹ سے جھانکتی سفید شرٹ اب پینٹ سے نکل چکی تھی۔۔ حور کی کمر کا کچھ دودھیا عریاں حصہ بھی اب نمایاں ہو رہا تھا۔۔

افففف۔۔۔۔ ارحام خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا زندگی میں کبھی ایسا مقام بھی آئے گا۔۔جب اس کی حور کو کوئی مرد ایسے دیکھے گا۔۔

وہ ایک بار پھر سے اس کی طرف بڑھتے اسے سیدھا کرتے اس پر جھکا۔۔حور کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئیں۔وہ شرٹ لیس اس پر جھکے اس پر اپنا پہاڑی وجود بنا کوئی اس پر رحم کھائے لادے ہوے تھا۔۔وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اس کا پہاڑ جیسے وجود کا وزن برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔وہ بنا رحم کیے اپنا پورا وزن اس پر ڈال گیا۔۔

کچھ خوف سے اور کچھ اس کے پہاڑی چٹانی وجود سے اس کی سانسیں مدھم ہوئی۔۔

سرخ یاقوتی لب لرز رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ اس کے ہونٹوں پر اتنا تیز رنگ دیکھ کر غصے سے اس کے لبوں پر جھکتے ان میں دانت گاڑھ گیا۔۔

حور نے درد سے سسکی بھری تھی۔۔ وہ غصے سے اس کے دونوں لبوں کو اپنے دانتوں میں دبا گیا۔ وہ سچ میں ظالم بنا اس کی قطرہ قطرہ سانسیں بہت بے رحمی سے کھینچنے لگا۔ حور کا اسی لمحے وجود بے جان ہوا تھا۔۔ وہ اس کا قہر زیادہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔۔

شدید طیش و اشتعال میں بھی وہ اس کی بے جان پڑتی حالت محسوس کرتے پیچھے ہوا۔۔

اس کے لبوں پر اب میرون رنگ نہیں ارحام کی شدت کا رنگ تھا۔۔ وہ سرخ قندھاری تھے. وہ گہرے سانس لیتے ایک ٹک ارحام کو دیکھ رہی تھی ۔۔ خوف کے مارے آنسو آنکھوں میں ہی ٹھہرے تھے۔۔ نازک لبوں پر

شدید جلن ہو رہی تھی۔۔وہ تو ان لبوں کا دشمن تھا غصہ دکھائے یا نرمی وہ انھیں نہیں چھوڑتا تھا آج تو اسے لگا تھا وہ ان ہونٹوں کو چبا ڈالے گا۔۔اپنی جان بخشی پر وہ خوفزدہ ہوتے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

جانتی ہو تم تمھارے ہونٹوں پر لگے رنگ سے بھی مجھے حسد ہونے لگتا ہے۔۔جی کرتا ہے تمھارے جسم کے ہر حصے پر صرف میری شدتوں کے گہرے رنگ ہوں۔۔

جانتی ہو ناں یہ بات؟؟ارحام نے اس کے نچلے لب پر انگوٹھا پھیرتے برفیلے لہجے میں استفسار کیا۔

حور نے آنسو بہاتے ہوے اثبات مین سر ہلایا تھا۔۔ جانتی تھی مقابل جنون کی حد تک اس کے لیے پوزیسیو ہے۔۔

جانتی ہو تمھارے ساتھ ان گزرے ہوے چھ ماہ میں کبھی کمرے کی ایل ڈی کیوں آن نہیں کی ؟؟۔۔ ارحام نے اس کی شبنمی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔۔

کیوں ؟؟ حور نے اس کی سلگتی سانسوں کی تپش سے گھبراتے ہوے پوچھا۔

کیونکہ تم کسی غیر مرد کو بھی دیکھو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمھاری آنکھیں کسی اور کو سراہیں یہ گوارا نہیں ہیں۔۔

سوچو تمھیں اس لباس میں دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف ہوئی ہو گی۔۔ ارحام سرد لہجے میں سوال کرتے غرایا تھا۔

حور اس کی سوال کی چبھن اور اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے گھبراتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی.. جانتی ہوناں تم یہ سب کچھ۔۔ ارحام دھاڑ تھا۔۔

حور نے آنکھیں کھولتے ڈرتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔ وہ جانتی تو تھی وہ نفرت میں بھی صرف اسے اپنی عزت پکارتا تھا۔ اس پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا اب تو وہ اس کا جنون تھی۔۔۔

پھر کیوں کیا تم نے یہ سب؟؟ کیوں پہنا یہ لباس؟؟ چھ ماہ حویلی میں گزارا ہے۔۔ تم نے دیکھا تھا وہاں کی عورتیں کیسے رہتی ہیں۔ پھر کیوں؟؟ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے برفیلے لہجے میں پوچھا۔۔

کیونکہ۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔۔وہاں کی عورت نہیں ہوں ارحام۔۔۔۔حور نے بہتے آنسوؤں سے کہا۔۔

تم میری عورت ہو۔۔تو تم پھر وہاں کی عورت بھی ہوئی۔۔۔۔

تم میری بیوی میری حور میری عورت ہو۔۔تم جتنے مرضی بڑے باپ کی بیٹی ہو۔۔لیکن بیوی تم ارحام خانزادہ کی ہو۔۔

ارحام اس کے بال دبوچے پھنکارا

حور سسکتے ہوے آنکھیں میچ گیی تھی۔۔ارحام نے اس کے بالوں پر اپنی گرفت نرم کرتے اسے چھوڑا تو وہ تکیے پر رخ پلٹے بے آواز رونے لگی تھی

۔۔۔

ارحام اس کے قریب بیٹھا اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ لائٹر نکال کر سگریٹ جلائے لبوں سے لگا گیا۔۔

وہ سگریٹ جلائے گہرے کش لیتے خود کو پر سکون کرنے لگا۔۔وہ اس کے قریب اوندھے منہ لیٹی دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔۔

اٹھو یہ لباس اتارو۔۔۔

ارحام خانزادہ کی سرد آواز پر اس کا ہچکولے لیتا وجود سٹل ہوا تھا۔۔وہ مزید اسے اس لباس میں برداشت نہیں کر سکتا تھا جس میں اسے کتنے ہی مردوں نے دیکھا تھا۔

حور نے مڑتے ہوئے بے یقینی سے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا وہ اسے کیا کہہ رہا تھا اور کیوں؟؟

ارحام؟؟حور نے اسے بھیگے لہجے میں بے بسی سے پکارا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟؟غلط تقاضہ کیا یا پہلی مرتبہ کیا ہے؟؟۔۔وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھے اس پر جھکتے غرایا۔۔

حور بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔۔

او۔۔۔۔۔امیر باپ کی بیٹی ہو؟؟تمھاری پہچان تمھیں تمھارے شوہر کے حقوق نبھانے سے بھی روک رہی ہے ناں۔۔وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔۔۔

نن نہیں میں تو نہیں روک رہی۔۔۔۔حور نے کہتے ہوے اس کے گلے میں اپنے بازو حمائل کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیا تھا۔

لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں پیوست کیے اپنی سانسیں انڈیل رہی تھی۔

ارحام کا دل پہلو میں دھڑکنا بھول گیا تھا۔۔ وہ اس کی نرم گرم شدت پر اس کا ساتھ بھی نہیں دے پا رہا تھا۔۔ حور کے لرزتے ہاتھ اپنے گھنے بالوں میں رینگتے اور اس کا کانپتا بدن محسوس کرتے وہ سمجھ چکا تھا۔۔ وہ اس کے ڈر کی وجہ سے اس کے قریب آئی ہے۔۔ مگر اس کا یہ ایکٹ اس کے اندر اس کا سارا غصہ اشتعال ختم کر چکا تھا۔۔ اس کی ادا جان لیوا تھی۔ وہ سچ میں جان سے گیا تھا۔۔

وہ مدہوش ہوتا اس کے عارض پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔۔ وہ اس کے لبوں کو ابھی بھی بہت نرمی سے چوم رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ رقصاں ہوئی۔۔

اتنی نرمی سے چھوؤ گی مجھے تو کیسے پتہ چلے گا تم ایک پہاڑی خان کی بیوی ہو؟ ارحام خان نے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے گھمبیر آواز میں پوچھتے اس کی نم آنکھوں کو باری باری بہت نرمی سے چوما۔۔۔

حور اس کی بات پر مسکرائی تھی۔ ارحام اس کا ڈمپل دیکھ کر پاگل ہوا۔۔ وہ اس کی قربت اس کے حصار میں پہلی مرتبہ مسکرائی تھی۔۔

اس کے مسکرانے سے صاف ظاہر تھا وہ بھی اس کی طرح اس سے محبت کرتی ہے۔ ارحام نے بے قراری سے اس کے گال پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقوش پر اپنے لب رکھتے چلا گیا تھا۔۔ اس کے نرم گرم بوسوں کی بوچھاڑ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر محو رقص تھی۔ وہ اس کے عارض اس کی ناک کی ٹپ اس کی پیشانی

اس کی ٹھوڑی کو بہت بے تابی سے چھو رہا تھا۔۔ حور کا ہاتھ مسلسل اس کے گھنے بالوں میں رینگ رہا تھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھاگئی تھی۔ ارحام اس کے گلاب چہرے پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں اچھی طرح دبا گیا۔۔

قطرہ قطرہ وہ اس کی سانسیں نرمی سے پینے لگا۔۔

حور آنکھیں بند کیے اس کی شدت اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔۔

ارحام نے پیچھے ہوتے پھر سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔

حور اس کے چٹانی سینے پر انگلی پھیرے پھر سے نظریں جھکا گئی تھی۔

اس کی جھکی نگاہیں اس کا ہلکا سا تبسم اس کی معصوم ادا پر وہ گھائل ہوا تھا ۔۔ارحام کی آنکھوں میں خمار کی سرخی چھائی۔۔دوسرے پل اسے اس لباس میں دیکھ کر غیض واشتعال کی سرخی چھائی تھی۔۔۔کچھ دیر پہلے وہ اسی لباس میں سب مردوں کے درمیان تھی۔۔یہ لباس اسے بری طرح چبھا تھا۔رحام نے اسے کمر سے تھامے اس کی جیکٹ ریموو کی۔۔وہ اپنی آنکھیں سختی سے میچ گیی تھی۔۔ارحام خانزادہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے بدن کے ہر پردے کو آزاد کر گیا تھا۔۔

وہ اب آنکھیں بند کیے لرز رہی تھی۔۔اس کا خوبصورت بدن اس کا خود سپردگی کا انداز ارحام خانزادہ کے لہو کو گرما گیا تھا۔۔

اسے ایسے دیکھ کر ارحام خانزادہ کے بدن میں سپارک ہوا تھا پورا بدن پسینے میں بھیگا تھا۔۔

کتنے دن بعد وہ اس طرح اس کے فریب تھی۔۔ حق ملکیت کے احساس اور اس کی خوبصورت رعنائیاں دیکھتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے نمودار ہوے۔۔ جواں جذبے بیدار ہوے۔۔ وہ اس کے گال پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ حور اس کے بے باک لمس پر سرخ ہوئی تھی۔۔

وہ اپنا بے باک اور شدت بھرا لمس اس کی دھڑکنوں پر چھوڑتا اس کی دودھیا گردن پر آیا تھا۔۔ اس کی گردن پر اپنی بئیر ڈر گڑتے وہ اپنے شدت بھرے لمس سے داغدار کرنے لگا۔۔

حور اس کی کمر کے گرد اپنے نازک ہاتھ لپیٹے ہوے تھی.

وہ مکمل طور پر خود کو اس کی سپردگی میں دے گئی تھی۔۔ بہت بار اس کے قریب آیا تھا مگر آج بہت اچھوتا احساس تھا۔۔ وہ اس کے قریب خود آئی تھی۔۔ اس سے زیادہ کی وہ کیا چاہ کر سکتا تھا۔۔ اسے اب اپنی محرم کے علاوہ کسی چیز کی طلب نہ رہی تھی۔۔ آج تو موت بھی اپنی محرم کی بانہوں میں آ جاتی اسے قبول تھی۔۔ اس کا دل اقرار کر رہا تھا۔۔ وہ اس کی خوبصورتی سے ہی نہیں بلکہ اس کی روح سے بھی محبت کرتا ہے۔۔ اس کی معصومیت اور اپنا ظلم اسے اس سے شدید محبت سے دوچار کر گیا تھا۔۔ ارحام اس چہرے پر بہت نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرتے اس کے نقوش کو محسوس کرنے لگا۔۔

ارحام اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے اس کے خوبصورت نقوش پر اپنے لب شدت سے رکھتا چلا گیا۔۔

اس کے لبوں پر جھکے وہ اسے اسی پل خود میں سما گیا تھا۔۔ اس کی شدت پر حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹے تھے۔۔ جنھیں وہ اپنے لبوں سے چنتے بہت نرمی سے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔ ارحام خانزادہ کی دیوانگی آج عروج پر تھی۔۔ حور اس کی قربت میں ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔۔ ارحام کے لب اس کے پورے وجود پر نرمی سے اپنا لمس چھوڑ رہے تھے۔۔ وہ ہر بار کی طرح اس کے چوڑے سینے میں سما رہی تھی۔۔ وہ اپنی حور کو مزید مضبوطی سے جکڑے اسے اپنی پناہوں میں سما رہا تھا۔۔

حور ارحام کی بلیک شرٹ میں ملبوس اس کے سینے پر سر رکھے اس کے اوپر لیٹی ہوئے تھی۔۔ ارحام خانزادہ کب سے اس کے بالوں میں بہت ہی نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔

ارحام کے انگلیاں اس کے سلکی الجھے بالوں کو سلجھا رہی تھیں۔۔جو اس کی قربت میں الجھ گئے تھے۔۔

وہ اس کے سینے سے لپٹی آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔

اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ارحام کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا ابھرا تھا۔۔

ارحام کا ہاتھ اس کی کمر پر اس کے بالوں کی لینتھ کو چھو رہا تھا۔۔

حور تم نے اپنے بال کٹوائے ہیں؟؟ارحام کی سرد آواز پر حور نے نظریں اٹھائے اسے دیکھا۔۔

نن۔۔۔نہیں۔۔۔۔تو ارحام۔۔۔میں نے تو نہیں کٹوائے۔۔حور اس کی آنکھوں میں جھانکتے گھبراتے ہوے سر نفی میں ہلاتے ہوے بولی۔۔وہ

اس کے بالوں کو لے کر بہت حساس تھا۔۔اس نے حویلی میں اسے سختی سے منع کیا تھا۔۔وہ کبھی بھی ان کی لینتھ کم نہیں کروائے گی۔۔

ارحام حور کی بات پر غصے سے اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔

وہ پھر اس کے ڈر سے جھوٹ بول رہی تھی۔اس کے بال کمر سے نیچے آتے تھے۔۔اب وہ کمر سے اوپر آرہے تھے۔۔اس نے بہت کم لینتھ چھوٹی کروائی تھی۔۔مگر وہ جان گیا تھا۔۔وہ بہت گہرائی سے اپنی بیوی کو دیکھتا تھا۔کیسے نہ جان پاتا اس میں کیا تبدیلی آئی ہے۔۔

ارحام خانزادہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔اس نے اپنے بال کٹوائے ہیں۔۔

پینڈڈ کہاں ہے؟ارحام نے اگلا سوال کیا۔۔

ارحام کے سوال پر حور کی جان لبوں پر سجی تھی۔۔وہ پینڈ ڈ اسی لمحے اتار کر زمین پر پھینک چکی تھی۔۔اسے تو پتہ بھی نہیں تھا وہ پینڈ ڈ کہاں ہے۔۔

وہ آج صبح شاور لیتے ہوے اتارا تو پھر پہننا بھول گئی۔۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جلدی سے بولی۔۔

ارحام نے اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں تلے پیوست کیا۔۔ایک جھوٹ ہی تو تھا جو وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے بولتی تھی۔۔

یکدم ارحام کو احساس ہوا وہ اس کے خوف کی وجہ سے تھوڑی دیر پہلے اس کے قریب تو نہیں آئی تھی۔۔اس کا اس کے نزدیک آنا بھی تو کہیں اس کے خوف سے مشروط تو نہیں تھا۔۔

وہ تو اس کا قریب آنا اس کی محبت سمجھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کے قریب آ کر اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ اسے لگا وہ بھی اس کے قریب آنے پر اس کے بغیر نہیں رہ سکی۔۔

حور تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟؟ ارحام خانزادہ نے اس کے بالوں کو نرمی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔۔

ارحام کے سوال پر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔۔

ارحام کی آنکھوں میں بے چینی اظطراب تھا۔۔ آج پہلی مرتبہ وہ اس کی آنکھوں میں خوف نہیں اپنے لیے محبت کا متلاشی تھا۔۔ ارحام خانزادہ کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔۔

اسے پورا یقین تھا اس کی ہاں پر وہ آج اپنی جان سے جائے گا۔۔ کسی کا اقرار محبت جان بھی لے سکتا ہے یہ اسے آج محسوس ہوا تھا۔

حور کے لب کپکپائے تھے۔۔ لبوں نے بے آواز جنبش کی۔۔ ارحام خانزادہ کی بے چین نظریں اس کے سرخ قندھاری لرزتے لبوں پر تھیں۔ جن پر اس کی شدت کا گہرا رنگ تھا۔۔

حور کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوا تھا

پاپا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

اپارٹمنٹ کی بیل زور و شور سے بج رہی تھی۔۔ وہ اس کا حصار توڑتے ہوے بیڈ سے اتر کر دروازے کی جانب تیزی سے بڑھی۔۔

قدموں کی عجلت سے وہ اندازہ لگا چکا تھا۔۔ وہ تھوڑی دیر پہلے اس کے دل اس کے جذبوں کے ساتھ بری طرح کھیل کھیل گئی ہے۔۔

ارحام بے یقینی اور پتھرائی کیفیت سے حور کو دیکھ رہا تھا۔۔ وہ اس کی گھٹنوں تک آتی شرٹ میں ملبوس دروازے کے لاک کے ساتھ زور ازمائی کر رہی تھی۔۔ جو ہڑبڑاہٹ میں اس سے کھل نہیں رہا تھا۔۔ حور کو پورا یقین تھا باہر اس کا باپ سلطان شاہ ہے۔۔۔ وہ پاگلوں کی طرح لاک کے ساتھ زور آزمائی کر رہی تھی۔ وہ مزید یہاں نہیں رک سکتی تھی۔۔

حور نے مڑتے ہوے ارحام کو دیکھا جو جسم بنا برفیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مقابل کا ایسا خوف تھا کہ اس سے لاک نہیں کھل رہا تھا۔۔ مگر باہر اس کا باپ سلطان شاہ اب اسے پہاڑی خان سے ڈرنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

گھٹنوں تک آتی اس کی سیاہ شرٹ میں ملبوس بکھرے حلیے کھلے بالوں میں میں وہ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔

ارحام خانزادہ کو ایک بار پھر سے سب کچھ چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ آخر کیوں اس لڑکی کی ہر بات اسے محسوس ہونے لگی تھی۔۔ وہ مرنے کے قریب ہونے لگتا تھا۔

کیا وہ اسی حلیے میں باہر جانا چاہتی ہے۔ارحام نے ظبط سے اپنی زخمی مٹھی دبوچی جس پر ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے پٹی کی تھی۔

ارحام کے وجود میں جیسے برف اترتی جا رہی تھی ۔

اپارٹمنٹ میں بیل کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

کاش وہ آج بھی اسے سامنے کھڑے وجود سے نفرت ہوتی اے کاش۔۔ارحام خانزادہ اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

جو دروازے سے ٹیک لگائے اس کے سامنے کھڑی بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بیڈ سے اٹھتے اس کی طرف بڑھا ارحام کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر حور ایک بار پھر رخ پلٹے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جمایا۔۔ ارحام ہینڈل اس کے رکھے ہوے ہاتھ پر اپنا برف ہاتھ جما گیا۔۔

ارحام۔۔۔ میرے قریب مت آیئے گا۔۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔۔۔

ارحام اسے کلائی سے جکڑے بیڈ پر پوری قوت سے پٹخ چکا تھا۔۔ وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری۔۔

ارحام کے بھاری قدم کمرے کی گلاس وال کی طرف بڑھے تھے۔

کمرے کی گلاس وال سے اس نے دبیز پردے ہٹا کر دیکھا۔۔۔بلڈنگ کے باہر گاڑیوں کی قطار اور گارڈز دیکھ کر اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔یعنی سلطان شاہ اپنی بیٹی کو لینے آچکا تھا۔

شہرام کی آنکھ کسی عجیب سے احساس سے کھلی تھی۔۔اپنے سینے پر کسی کے نازک ہاتھوں کا لمس اور گردن پر گرم سانسوں کی تپش محسوس ہوئی تھی۔۔

شہرام نے آنکھیں کھولتے دیکھا تو بہارے اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں محو تھی۔۔ وہ اپنی ایک ٹانگ اس کے اوپر رکھے ہوے تھی۔۔ ایک بازو وہ اس کی کمر کے گرد مضبوطی سے لپیٹے ہوے تھی۔

وہ ایسے لیٹے اسے اپنی نازکی کا بھرپور احساس دلا چکی تھی۔۔ شہرام کی نیند بھک سے اڑی تھی۔۔ گرم کمرے میں شہرام کو مزید گرمی کا احساس ہوا تھا ۔۔

اس نے لب بھینچے اسے دیکھا تھا۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا وہ اس کے قریب آئی تھی ورنہ وہ غلطی سے بھی اس کے قریب نہیں آتی تھی۔۔ وہ تقریباً اپنا سارا وزن اس پر ڈالے ہوے تھی۔۔

شہرام نے اس کا بازو اپنے سینے سے ہٹاتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔ مگر وہ مزید اس کے نزدیک ہو چکی تھی۔۔ بہارے گل کی ٹانگ اب اس کی ٹانگوں پر تھی۔۔

اور اس کا نازک ہاتھ اس کے سینے کے بھورے بالوں پر تھا۔۔ شہرام نے ضبط سے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔ شائد وہ اس کا ضبط آزما رہی تھی۔۔ اس کی اتنی نزدیکی پر اس کے بدن میں اس کے جوانی کے پر زور تقاضے جگے تھے۔۔۔۔

وہ اس کی محرم تھی پورا پورا حق رکھتا تھا۔۔ حق ملکیت کا احساس بہت جان لیوہ ہوتا ہے۔۔ یہ بہارے کو اتنے قریب دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔۔

اسے لگ رہا تھا اس کے دماغ کی وین پھٹ جائے گی۔۔ وہ کل بھی اس کا ظبط ازماتی تھی۔۔ وہ آج بھی اس کا ظبط آزمارہی تھی۔۔ کل اس کی قربت اس کے لیے نفرت کا باعث تھی آج راتوں رات ایسا کیا ہو گیا تھا کہ اسے اس کی چاہ ہونے لگی تھی۔ شہرام نے تلخی کے سوچا۔

وہ اپنے جذبات کب سے سلا چکا تھا۔۔ اب وہ ایسا کر کے پتہ نہیں کیا ثابت کرنا چاہتی تھی۔

فیصلہ ہو گیا تھا بہارے گل کل بھی خود غرض تھی۔۔ بہارے گل آج بھی خود غرض ہے۔۔

بہارے کا ہلکا ہلکا لرز تا بدن اور اپنی کمر پر اس کا حصار مضبوط ہوتا محسوس کرتے اسے اندازہ ہوا وہ سو نہیں رہی۔۔

بہارے۔۔۔۔ شہرام نے اسے پکارا تھا۔۔وہ سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔ شہرام نے اس کے الجھے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔۔وہ آنکھیں بند کیے ہوے تھی۔۔ مگر اس کی بند آنکھوں پر اس کی گھنیری پلکیں لرز رہی تھیں۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام نے اب کی بار سختی سے اسے پکارا۔۔

بہارے نے اس کی سرد پکار پر فوراً آنکھیں کھولتے ہوے شہرام کو دیکھا تھا۔۔

شہرام کی آنکھوں میں غصہ اور ناگواری دیکھ کر بہارے گل کو اپنا آپ وجود ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا محسوس ہوا۔۔

مجھے پتہ نہیں چلا شہرام میں کب تمھارے قریب آگئی۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی بھیگی آواز میں قابو پاتے کہا۔۔ مگر وہ اس کے مزید نزدیک ہوئی تھی۔

اس کی پر تپش سانسیں شہرام کے لبوں پر بکھر رہی تھیں۔اس کے لب شہرام کے ذرا سے مومنٹ کرنے پر اس کے لبوں سے چھو جاتے۔۔

بہارے کے ہاتھوں کا دباؤ اس کے سینے پر بڑھا تھا۔۔وہ اس کے سینے پر اس کے بھورے بالوں کو دبوچ گئی تھی۔۔

شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر وہ اسے بازو سے جکڑے خود سے دور دھکیل گیا تھا۔ اور بیڈ سے اٹھتا جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا۔

بہارے خفت سے اپنے لب کاٹ گئی تھی۔ واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے اس کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگیں۔ تذلیل کے احساس سے اس کے پورے وجود پر کپکپی طاری ہوئی تھی۔۔

وہ بیڈ سے اٹھتی صوفے کی جانب بڑھی اپنی شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹتی اپنے پاؤں کا درد اگنور کیے وہ تیزی سے کمرے کا دروازہ کھولتے باہر نکلتے چلی گئی تھی۔۔

زاران اور ابرش اس وقت لاونج میں سب کے درمیان بیٹھے تھے۔۔

لاونج میں اس وقت امینہ خانم روزینہ خانم پلوشہ موجود تھے۔۔روزینہ خانم کا ستا ہوا سرخ چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ رات بھر سوئی نہیں۔انہوں نے اسفند کو کتنے ہی فون کیے تھے۔۔ مگر اسفند نے فون نہیں اٹھایا تھا۔۔

شہرام کے حویلی میں موجود ہونے سے روزینہ خانم خود پر ظبط کر کے بیٹھی تھیں۔

پلوشہ کو دیکھتے ابرش زاران کے مزید قریب ہو کر بیٹھی۔۔زاران نامحسوس انداز میں ابرش سے تھوڑا دور ہوا تھا۔۔ابرش نے خفگی سے اسے دیکھا تو وہ اپنی بیوی کی معصومیت بھری خفگی اگنور کر گیا تھا۔۔وہ کمرے میں اس سے بے حد پیار کر سکتا تھا اس کی ہر انسکیورٹی دور کر سکتا تھا مگر باہر وہ ابرش کا شوہر نہیں ایک بیٹا بھی تھا۔۔

ابرش غصے سے اسے موڈ سونگز دکھاتی اس سے دور ہوئی تھی۔ زاران مسکراتے ہوے سب کی طرف متوجہ ہوا..

مورے آپ کو ایک خوشخبری سنانی تھی۔۔ زاران کی بھاری آواز گونجی۔۔

ہمارا ہاں خوشخبری کیا ہو سکتا ہے۔۔ نکاح جیسا بابرکرکت رشتہ کو یہاں سب اپنا اپنا مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔۔ نکاح جیسا پاک رشتہ کا یہاں سب نے مذاق بنا دیا ہے۔۔ امینہ خانم نے روزینہ خانم کی طرف دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔

شہرام پڑھا لکھا ہے اور اتنی اچھی پوسٹ پر ہے جب سے انھیں پتہ چلا تھا ان کا رویہ روزینہ خانم سے اکھڑا اکھڑا ہو گیا تھا۔

اگر عابیر اسفندیار خان کی بیوی تھی تو بہارے ان کے اتنے لائق فائق بیٹے شہرام کی بیوی تھی۔۔رات اس کے تیور سب پر اشکار کر چکے تھے۔۔وہ پہلے والا شہرام نہیں تھا جو بہارے کی ہر بدتمیزی ہر غلطی پر پردہ ڈالتا تھا۔

روزینہ خانم نے امینہ خانم کا طنز بمشکل پیا تھا۔۔

زاران نے لبوں پر انگلیاں جمائے امینہ خانم اور روزینہ خانم کو دیکھا تھا۔۔اس کی خوشخبری والی بات بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔۔

ابرش نے اسے دوبارہ خفگی بھری نظروں سے جتاتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔وہ اپنے بچے کی خبر ابھی تک سب کو نہیں بتا سکا تھا۔

زاران خاموشی سے لب بھینچ گیا تھا۔۔

وہ نہیں چاہتا تھا اتنی بڑی خوشخبری پر کسی کے حسد کا سایہ بھی پڑے۔۔۔یقیناً روزینہ خانم کو یہ سن کر بلکل خوشی نہ ہوتی۔۔ابرش اسے رات بھی بہت مرتبہ کہہ چکی تھی وہ حویلی میں سب کو یہ بات بتائے۔ مگر وہ فی الوقت خاموش ہو گیا تھا۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔۔

اسفندیار خان کی بھاری آواز لاؤنج نیں گونجی تھی۔سب کی نظریں اسفند یار خان اور عابیر پر اٹھیں تھیں۔

عابیر اسفندیار خان کی شال خود پر لپیٹے ہوے گلابی چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔اسفندیار خان اس کی کلائی تھامے ہوے تھا۔۔

روزینہ خانم یہ دیکھتے غصے سے صوفے سے اٹھتے کھڑی ہوئیں۔۔ان کی شرر بار نگاہیں عابیر کی کلائی پر تھیں جسے اسفندیار خان مظبوطی سے تھامے ہوے تھا۔

عابیر نے اسفند کی مضبوط پکڑ سے اپنی کلائی چھڑوانی چاہی جسے وہ مزید مظبوطی سے تھام گیا۔۔

زاران یہ دیکھتے پر سکون ہوا۔۔۔عابیر کی جھکی نظریں اور سرخ گلاب چہرہ زاران کے بھاری ہوے اعصاب پر سکون کر گیا تھا۔

اسفند عابیر کی کلائی پکڑے روزینہ خانم کی طرف بڑھا اسی لمحے بہارے گل لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔

لالا۔۔۔۔۔بہارے نے روتے ہوے اسفندیار خان کو پکارا تھا۔۔

اسفندیار خان کے ہاتھ کی گرفت عابیر کی کلائی پر ڈھیلی ہوئی تھی۔۔

بہارے روتے ہوے اسفندیار خان کے سینے میں سما گئی تھی۔۔اب وہ عابیر کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔۔

سب صوفوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔زاران کی گہری نظر عابیر پر تھی اسفندیار خان کے کلائی چھوڑنے پر اس لہجہ لمحوں میں زرد ہوا تھا۔۔آنکھیں بھیگی تھیں۔۔اب وہ بھیگی نگاہوں سے بہارے گل کو دیکھ رہی تھی۔۔جس کی پرسوز سسکیاں لاونج میں گونج رہی تھیں۔۔اور اسفندیار خان کی پیشانی پر بل گہرے ہوے رہے تھے۔

بہارے کو روتے ہوے دیکھ کر اسفندیار خان کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی۔۔۔

امینہ خانم سب بہارے کو ایسے روتا دیکھ کر پریشان ہوے تھے۔

بہارے اس کے سینے کے ساتھ لگے زارو قطار تڑپتے ہوے رو رہی تھی۔۔

کیا ہوا بہارے؟؟ اسفندیار خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے سرد لہجے میں پوچھا تھا۔۔ اسے یوں روتا دیکھ کر اس کے ہاتھ کی مٹھی بند ہوتی کڑکڑائی تھی۔

لاونج میں داخل ہوتا شہرام یہ منظر دیکھ کر غصے سے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی پینٹ کی پاکٹ میں پھنسائے تھے۔۔

وہ وائٹ جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر بلیک کیجول کوٹ تھا۔۔

وہ اب سرد نگاہوں سے بہارے کو دیکھ رہا تھا جو الجھے بکھرے حلیے میں سسکاریوں سے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ حور کی طرف بڑھا جو بیڈ پر بیٹھے اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔اس کی آنکھوں میں کسی جذبے کی کوئی رمک نہیں تھی۔کچھ دیر پہلے جو خوف تھا اب وہ بھی نہیں تھا۔اپارٹمنٹ میں گونجتی بیل پر حور نے اپنے آنسو ہتھیلی سے صاف کرتے گہرا سانس لیتے بے حوف نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔نگاہیں جتاتی ہوئی تھیں کہ وہ حور سلطان شاہ ہے۔۔اور اس کی پاور اس کا باپ سلطان شاہ دروازے پر کھڑا ہے۔اب وہ اس سے مزید خوف نہیں کھائے گی۔

جس لڑکی کی فرمانبرداری پر وہ مرتا تھا وہ اب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئی تھی۔۔ حویلی میں بھی وہ اس کی ذرا سی نرمی پر ایسے ہی ری ایکٹ کیا کرتی تھی۔ ایسے ہی نخرے دکھاتی اسی انداز سے دیکھتی تھی۔ نروٹھی سی ناراض سی ضدی انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی تھی۔۔ اس کے ذرا سا گھورنے پر نظریں جھکا جاتی تھی۔

مگر آج ان آنکھوں میں سپاٹ پن تھا۔ آج یہ آنکھیں جھک نہیں رہی تھیں۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے سرد نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اس کی حور نہیں۔۔ وہ سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان شاہ تھی۔

ارحام خانزادہ سر نیچے کیے خفیف سا استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔

یعنی وہ اپنی بات پر ابھی بھی قائم تھی۔۔ وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے کرب سے اپنے بال مٹھی میں دبوچے

تھے۔۔ جسے وہ مرتے دم تک اپنی عزت بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔۔ جس وجود پر مرنے کے بعد بھی کسی کا حق برداشت کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ وہ اس کے ساتھ ہی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی پناہوں سے دور جانا چاہتی تھی۔ یہ بات ارحام خانزادہ کے وجود میں شعلے دہکا رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی سرد سرخ آنکھیں سامنے بیٹھی لڑکی کی گلابی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔۔

مقابل کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھ رہا تھا مگر وہ پلکیں نہیں جھپکا رہی تھی۔۔ وہ اسے ایسے ہی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جیسے حویلی میں دیکھتی تھی۔۔

مگر ان آنکھوں میں شکوہ کیوں تھا وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔۔

شکوہ کناں نگاہیں تو اس کی ہونی چاہیے جو ہر بار اسے گہرا زخم دیتی تھی۔۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے اپنی بانہوں میں اس کے وجود کو مہکاتے اسے بہت بے حد محبت دی تھی۔ کھیل تو وہ کھیل رہی تھی۔۔

اپارٹمنٹ کی بیل کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز بھی زور و شور سے جاری تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے اب حور کی سفید سڈول برہنہ ٹانگوں کو قہربار نگاہوں سے دیکھا تھا۔ جو گھٹنوں سے نیچے آتی شرٹ سے دکھائی دیتی پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ وہ ایسے ہی باہر جا رہی تھی یہ سوچتے ہی ارحام خانزادہ کے خون میں ابال اٹھے تھے۔

وہ ایک ہی جست میں حور کی طرف بڑھا۔۔۔ اسے کلائی سے پکڑ کر پوری قوت سے بے دردی سے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔ وہ گھسٹتی ہوئی اسے چوڑے برہنہ سینے سے آ لگی تھی۔ وہ اسے کسی اچھوت کی طرح خود سے دور دھکیلتے بری طرح دیوار میں پٹخ گیا۔ حور کی نازک کمر بری طرح دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ حور نے سسکاری بڑھتے بھیگی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا

تھا۔۔ جس کی آنکھوں میں ایک بار پھر سے لالی اتری تھی۔۔ ویسی ہی لالی جس سے ڈر کر وہ اس کے قریب ہوئی تھی۔۔

اس حلیے میں جا رہی تھی تم باہر ہاں۔۔۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کے بال دبوچتے اس کی گردن کو بری طرح جھٹکا دیا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور نے درد سے سسکاری بھرتے چیختے ہوئے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا۔

جو پوچھا ہے وہ بتاؤ؟؟ خبردار آواز اونچی ہوئی۔۔ سلطان شاہ کے اندر آنے سے پہلے میں تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔۔ سمجھی تم۔۔۔۔ بھول چکی ہو میرا قہر یا پھر ریوائنڈ کرواؤں۔۔

ارحام کی بات پر حور کا رنگ لمحوں میں زرد پڑا تھا۔۔ آنکھوں میں شدید خوف ہو ہر اس پھیلا تھا۔۔ وہ نامحسوس انداز میں پیچھے کو کھسکتے جیسے مزید دیوار میں سمائی تھی۔۔

ارحام نے اس کی بدلتی رنگت کو بغور دیکھا تھا۔۔ بالوں پر ارحام خانزادہ کی گرفت خود بخود نرم ہوئی تھی۔۔۔ وہ کچھ دیر پہلے صرف اس کے جذبوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس بات سے دل ٹوٹا تھا۔ مگر وہ اس حلیے میں باہر جا رہی تھی اس کا رگوں میں خون پھر سے بھڑک اٹھا تھا۔۔ مگر اسے اندازہ ہوا تھا اب وہ مقابل کی آنکھوں میں اپنے لیے خوف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔۔ ان آنکھوں میں خوف نہیں محبت احترام چاہیے تھا۔۔۔

Hoor look at your self..

تم کس حلیے میں ہو دیکھو اپنی برہنہ ٹانگوں کی طرف۔ ارحام خانزادہ نے دور ہوتے اس کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرتے چیخ کر کہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔۔۔

حور اپنی گھٹنوں تک آتی شرٹ کو دیکھ کر خفت سے سرخ پڑتی اپنے لب کاٹ گئی تھی۔۔ اسے اپنے حلیے کی بے باکی کا احساس شدومد سے ہوا تھا۔۔ ورنہ سلطان شاہ کے سامنے ایسے جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔ نہ ہی ایسے کپڑے اس نے سلطان شاہ کے سامنے کبھی پہنے تھے۔

ارحام اس کی جھکی نظریں اور سرخ چہرہ دیکھ کر اس کے قریب ہوتا اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جما گیا۔

جواب دو مجھے تم اپنی بے شرمی کی کیا وضاحت دو گی؟؟..وہ اس کے خوبصورت چہرے کے نقوش پر اپنی پر تپش ذدہ سانسیں چھوڑتا غرایا۔

ارحام مم۔۔۔۔۔۔۔مجھے دھیان نہیں رہا۔۔۔ آپ نے میرے کپڑے جلا دیے تھے تو مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔میں کیا پہنوں گی۔۔ حور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھتے کمرے کے فرش پر اپنے کپڑوں کی راکھ کو دیکھا تھا۔۔ارحام خانزادہ نے کچھ دیر پہلے اس کے کپڑوں کو شعلہ دکھا کر

جلا دیا تھا۔۔اس کا یہ عمل تب اسے اس سے مزید خوفزدہ کر گیا تھا۔ جیسے اب وہ پھر اس کے قریب آنے پر خوفزدہ ہوئی تھی۔۔۔اس کی گرم تپش زدہ انگارہ سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔اور اس کا سرد لہجہ اس کی رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر رہا تھا۔۔

تم کپڑے جلانے کی بات کر رہی ہو۔۔۔کاش میں تمھیں جلا دیتا۔۔۔ارحام نے اس کے بالوں کو پھر سے اپنی مضبوط گرفت میں لیا تھا۔۔۔غصہ اشتعال مقابل پر ختم ہی نہیں ہو رہا تھا جی کر رہا تھا اپنے قریب کھڑے نازک وجود کے بخیے ادھیڑ ڈالے۔۔یا پھر اپنے بھاری ہاتھ سے اس کے نازک گالوں کا حشر بھگاڑ ڈالے۔۔وہ اس سے دور ہوتے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں دبوچ گیا۔۔ورنہ سچ میں آج اس لڑکی پر اس کا ہاتھ اٹھ جاتا۔۔جب مقابل

سے شدید نفرت کا کا اقرار اس کا پور پور کرتا تھا۔۔تب اس پر وہ ہاتھ نہیں اٹھا پاتا تھا۔۔اب تو وہ اس سے عشق کا دعویدار تھا۔کیسے وہ اس پر ہاتھ اٹھاتا۔۔۔مگر آج اسے لگ رہا تھا وہ یہ کر گزرے گا۔۔سامنے کھڑی لڑکی کو زندہ زمین میں تو گاڑھ ہی دے گا۔۔اس کی برہنہ ٹانگیں اس کے دماغ کی رگیں پھڑکا رہی تھیں۔میٹنگ روم میں اس کا دو آتشہ روپ یاد آیا تھا وہاں بھی وہ اتنے سارے مردوں کے درمیان ایسے ہی بنا کسی شرم کے کھڑی تھی۔

حور دیوار کے ساتھ لگی اسے شبنمی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔وہ اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے دوبارہ اس کے قریب ہوا۔

حور۔۔۔ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں۔ تمھاری ہر خطا معاف کر سکتا ہوں۔ مگر عزت ہو تم میری۔۔۔اگر اس میں خیانت کرو گی۔۔ معاف نہیں کروں گا۔۔ تمھیں بھی مار دوں گا۔۔خود کی بھی جان لے لوں گا سمجھی تم۔۔۔ارحام اس کے قریب ہوتے اپنی سرد انگلیاں اس کے دونوں بازوں میں گاڑھتے جنجھوڑتے ہوے بولا۔

ایسا کیا کیا ہے میں نے ؟؟حور اس کی انگلیاں اپنے بازو میں سختی سے گڑھتے محسوس کرتے درد سے بلبلاتے چیخی تھی۔ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اس کی رعنائیوں میں کھویا سب کچھ بھول چکا تھا۔۔اب پھر سے غصہ کر رہا تھا۔۔اسے جو چاہیے تھا وہ مل گیا تھا۔۔اب سب کچھ پھر سے یاد آ گیا

تھا۔۔وہ جانتی تھی سامنے کھڑے انسان کو صرف اس کے جسم سے مطلب تھی۔۔۔حور کی گلابی آنکھیں مذید گلابی ہوئیں۔

تم میری حویلی سے بے پردہ نکل آئی۔۔ آج تم میٹنگ میں کس طرح کے حلیے میں آئی تھی۔۔کوئی احساس ہے تمھیں؟؟اور اب تم اس حلیے میں اپنی برہنہ ٹانگوں کی نمائش کرتے جارہی تھی۔تم جھوٹی ہی نہیں ایک بے شرم لڑکی بھی ہو۔۔

جی کر رہا ہے تمھاری چمڑی ادھیڑ دوں۔۔۔ارحام نے غصے سے غصے سے بولتے اسے جھٹکا دیتے چھوڑا تھا۔

میں جھوٹی ہوں ارحام۔۔ میں آج بھی اپنے بولے گئے جھوٹ میں گلٹ میں مبتلا ہوں۔ میرے ایک جھوٹ نے آپ کی زندگی برباد کر دی۔۔ میں نے آپ کی بیٹی آپ کی محبت آپ سے جدا کر دی۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں وضاحت دی۔

مجھے تمھارا گلٹ تمھارے آنسو نہیں چاہیں۔۔ اگر کچھ چاہیے تو وہ صرف تم سے تمھاری وفا چاہیے۔۔۔ اور میری نظر میں عورت کی وفا یہ ہے کہ وہ اپنے وجود پر کسی غیر مرد کی ایک نظر نہ پڑنے دے۔۔ ارحام خانزادہ اسے سرخ سرنگاہوں سے گھورتا پیچھے ہوا تھا۔ اس کی برہنہ ٹانگوں پر ایک بار پھر سے شعلہ بار نگاہیں گاڑھی تھیں۔

ارحام خانزادہ کبرڈ سے حور کے لیے اپنا ڈوری والا ٹراوزر اور اپنی مردانہ شال نکالے حور کی طرف بڑھا۔۔ سامنے کھڑے نازک وجود کو اپنی عزت کی شائد پرواہ نہیں تھی۔۔ مگر اسے تھی۔۔ وہ اس پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔

اسے پہنو اور اب تمھارا ایک بال بھی نظر نہیں آنا چاہیے سمجھی تم۔۔ قسم ہے مجھے پریذے کی اگر تم مجھے آئیندہ

اپنے جسم اپنے چہرے کی نمایش کرتے نظر آئی۔ میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کووں کو کھلا دوں گا۔۔ اور میں نے آج تک پریذے کی جھوٹی قسم نہیں کھائی۔۔ ارحام خانزدہ نے اس کے قریب ہوتے اسے برفیلے لہجے میں تنبیہ کی تھی۔۔

حور نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ ارحام خانزادہ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر استہزائیہ مسکرا دیا تھا۔۔ یہی تو کرتی آرہی تھی وہ چھ ماہ سے۔۔۔ کبھی اسے لگتا تھا اس سے زیادہ فرمانبرداری اس کے لیے دنیا کا کوئی رشتہ نہیں دکھا سکتا۔۔۔۔ آج لگتا تھا اس سے زیادہ فریبی کوئی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کی گردن پر پڑی پر اپنی شدتوں کی سوغاتوں کو دیکھتے غصے سے. کپڑے بیڈ پر پھینکے تھے۔۔۔۔۔سب کچھ جھوٹ ہی تھا جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوا۔۔وہ ضبط سے اپنے لبوں کو بے دردی سے دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔۔

یکدم اپارٹمنٹ کے مین دروازے پر فائر ہوے تھے۔فائر کی آواز سنتے حور نے خوفزدہ ہوتے ہڑبڑاتے ہوے ارحام کو دیکھا تھا۔

ارحام خانزادہ استھزائیہ سا زخمی مسکرا دیا تھا۔اسے سلطان شاہ سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔۔

تم نے سچ میں میری زندگی برباد کر دی ہے حور۔۔۔۔

کل بھرے جرگے میں تم نے مجھے کسی کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ تھا۔ آج مجھے اس اپارٹمنٹ میں رہنے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔ ارحام اس کے خوبصورت معصوم چہرے کے نقوش کو دیکھتے زخمی سا کاٹ دار لہجے میں بولا۔۔

ارحام کی بات پر حور سسکاری بھرتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

یہ کپڑے اٹھاؤ ان سے اپنا جسم ڈھانپو۔۔۔ جس کا حکم تمھیں خدا نے بھی دیا ہے۔ ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔۔

حور اثبات میں سر ہلاتے وہ کپڑے پکڑے واش روم کی طرف بڑھی۔۔ وہ خود اس طرح کے حلیے میں سلطان شاہ کے سامنے نہیں جا سکتی تھی۔۔ وہ نہ بھی کہتا وہ یہ کپڑے ضرور پہنتی۔۔

وہ تو ارحام خانزادہ کے شدید خوف کے زیر اثر وہ بھول ہی چکی تھی وہ کس حلیے میں ہے۔۔۔ مقابل کی ایسی دہشت طاری تھی جو ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔۔

بات سنو۔۔۔۔۔ارحام اسے رواش وم کی طرف بڑھتا دیکھ کر اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

تمھیں لگتا ہے کہ تم سلطان شاہ کی بیٹی ہو اور تمھیں میں تمھارے باپ کے ڈر کی وجہ سے چھوڑ دوں گا تو تم غلط سوچتی ہو۔۔۔۔اگر وہ شاہ ہے تو میں خانزادہ ہوں۔۔وہ بھی پہاڑوں میں رہنے والا ایک پہاڑی خان۔۔مجھے اپنے سامنے کبھی کوئی جھکا نہیں سکتا۔۔۔تم میری ہو صرف میری۔۔۔۔تم پر میں اپنے مرنے کی بعد بھی کسی کی پرچھائی پڑھنے نہ دوں۔۔تو میری زندگی میں یہ ناممکن ہے کہ تم پر دستبرداری ختم کر دوں گا۔جو آج سے چھ مہینے پہلے تم نے اپنی معصومیت میں کھیل کھیلا تھا۔اس کا ڈراپ سین اب میرے

مرنے پر ہی ختم ہو گا مر جاؤں گا یا مار دوں گا۔۔ ارحام خانزادہ نے برفیلے لہجے میں پھنکارتے ہوے اس کی نازک کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے واش روم کی طرف دھکیلا۔۔ حور دروازے کے واش روم کے ساتھ بہت بری طرح جا لگی۔۔۔ اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوے واش روم کے بند دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا..

ارحام خانزادہ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔۔ ڈرار سے پسٹل نکالتے اسے لوڈڈ کی تھی۔ سلطان شاہ اب کسی لمحے اندر آ سکتا تھا۔۔ وہ نہیں جانتا تھا سلطان شاہ اس سے کیا چاہتے ہیں۔ مگر وہ جس طرح پولیس اور گارڈز کے ساتھ آئے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ نہیں رہنے دینا

چاہتے۔۔اور وہ یہ کسی قیمت پر ہونے نہیں دے سکتا تھا۔۔سلطان شاہ کی بیٹی سے وہ نفرت کرتا یا محبت۔۔۔

تھی وہ صرف اس کی۔۔۔چھ ماہ پہلے جو وعدہ اپنے آپ سے لیا تھا کہ وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ اس پر وہ آج بھی قائم تھا ۔۔مر سکتا تھا اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

ارحام کیا کریں گے اس کا؟؟ارحام کے ہاتھ میں پسٹل دیکھ کر وہ واش روم میں جاتے جاتے رکی تھی۔۔وہ تیزی سے ارحام خانزادہ کی طرف بڑھی۔۔ارحام خانزادہ کے چہرے پر چٹانوں سی سختی نے اس کے اندر

سنسنی دوڑادی تھی۔۔ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔۔۔سلطان شاہ اور ارحام خانزادہ اپس میں مد مقابل ہوں۔۔

وہی کروں گا جو سلطان شاہ کرے گا۔۔ارحام پھنکارا تھا۔۔

ماریں گے میرے پاپا کو؟حور نے اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ جماتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے پوچھا۔۔

سلطان شاہ کی پاور سے وہ واقف تھی مگر مقابل کی دہشت سے بھی وہ واقف تھی۔۔۔چھ ماہ وہ پہاڑوں کے بیچ اس پہاڑی خان کے ساتھ رہی

تھی۔۔ جانتی تھی مقابل بندوق سے نکلنے والی گولی سے ڈرتا نہیں ہے۔۔ وہ مر بھی سکتا ہے مار بھی سکتا ہے۔۔ مقابل کے بہت سے روپ دیکھے تھے۔۔ اسی لیے وہ تو آج بھی اس سے دہشت کھائے بیٹھی تھی.

حور تمھارے لیے مرنا پڑا تو مر جاؤں گا۔۔ مارنا پڑا تو مار دوں گا۔۔۔۔۔ یہ بات جان لو تم صرف میری ہو۔۔ ارحام خانزادہ کی بات پر وہ سٹل ہوئی تھی۔۔ حور کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ جسے دیکھتا ارحام نے اس کے بالوں کو گدی سے بے دردی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا۔

گارڈز اور بندوقوں کے ساتھ سلطان شاہ آیا ہے۔۔۔

میں نہیں۔۔۔۔

میری بیوی کو وہ مجھ سے ایسے لینے آئے ہیں۔ سمجھ کیا رکھا ہے تم باپ بیٹی نے ہاں۔۔۔وہ اس کی گلابی آنکھوں میں خون اتری آنکھوں سے دیکھتے غرایا تھا۔

آپ نے میرے پاپا کو ذرا بھی نقصان پہنچایا تو ارحام۔۔۔میں کبھی آپ سے بات نہیں کروں گی۔۔میں اپنی جان دے دوں گی۔۔میں اپنے پاپا سے بہت پیار کرتی ہوں۔

حور اس کی برفیلی آنکھوں میں دیکھتے شدت سے رو دی۔۔

میں بھی اپنی فیملی سے بہت پیار کرتا تھا جو تمھارے ایک جھوٹ سے مجھے کھونی پڑی۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبھتے لہجے میں بولا۔۔

حور کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے مشتعل ہوا تھا۔۔ اسے سلطان شاہ کی فکر تھی۔۔ وہ اتنے گارڈز کے ساتھ آئے تھے۔۔ اس کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر گولیاں چل رہی تھیں۔ اسے اس کی ذرا برابر فکر نہیں تھی۔۔۔ دل زخموں سے چور ہوا تھا۔۔ چھ ماہ پہلے اس نے نکاح کی رات کو

اس کے بدن کو درندے کی مانند بھنبھوڑا تھا۔۔ آج وہ اپنا بدلہ پوری شدومد سے لے چکی تھی۔۔اس کی زخمی روح کو وہ بری طرح بھنبھوڑ چکی تھی۔۔۔

تو چھوڑ دیں ارحام مجھے۔۔۔ ختم کر دیں یہ سب کچھ۔۔۔ اپنا لیں دوبارہ گل کو جو آپ کی محبت ہے۔۔ آپ کی بیٹی کی ماں۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں کرب دیکھ کر وہ بھیگے لہجے میں بولی۔۔

اپنی بکواس بند کر دو۔۔۔ تمھیں کبھی چھوڑوں گا یہ تم بھول جاؤ۔۔۔ ارحام غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

کپڑے بدلو حور۔۔۔۔۔ خبردار تم اس حلیے میں باہر آئی. میری پسٹل سے نکلی ہوئی گولی کی حقدار سب سے پہلے تم ہو گی۔۔ وہ دھاڑ سے دروازہ کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام خانزادہ غصے سے اپارٹمنٹ کے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ اس سے پہلے وہ دروازے کی طرف بڑھتا اس کا لاک کھولتا۔۔ اسی لمحے سلطان شاہ دروازے کا لاک توڑتے اندر داخل ہوا۔۔۔

ارحام خانزادہ نے غصے سے اپنا جبڑہ بھینچا تھا۔۔

کہاں ہے میری بیٹی ؟؟ سلطان شاہ اندر داخل ہوتے ارحام خانزادہ کے مد مقابل آئے تھے۔ ان کے ساتھ دو پرسنل گارڈ بھی اندر داخل ہوے تھے۔

انہوں نے اسی لمحے ارحام خانزادہ پر اپنی بندوقیں تان دیں تھیں۔

میرے اپارٹمنٹ میں ایسے داخل ہونے کی وجہ جان سکتا ہوں۔۔ اور کس جرم پر مجھ پر یہ بندوقیں رکھی گئی ہیں۔ ارحام خانزادہ نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

میری بیٹی کو تم کس حق سے زبردستی یہاں لے کر آئے ہو۔۔ سلطان شاہ جوابًا غرائے تھے۔۔

آپ کی بیٹی میری بیوی ہے۔۔ اور میں ایک شوہر ہونے کے حق سے اسے یہاں لے کر آیا ہوں۔۔ ارحام خانزادہ جوابًا طیش والم میں پھنکارا۔۔۔

اور سوال آپ مجھ سے پوچھنے کا نہیں حق نہیں رکھتے۔۔ میں رکھتا ہوں۔۔ میری بیوی کو اس طرح اکیلے اتنے بڑے بڑے انویسٹرز سے ملنے

کے لیے کیسے بھیج سکتے ہیں؟؟۔اٹھارہ کی ہوئی ہے ابھی۔۔۔آپ اچھی طرح جانتے وہ دنیا کے کسی رنگ سے واقف نہیں ہے۔۔۔۔

جانتے ہیں ناں ان انویسٹرز کو بزنس کی دنیا میں کیا کہا جاتا ہے؟؟۔وہ انویسٹرز کم مگر مچھ زیادہ ہیں۔۔۔اس طرح میری بیوی کو کیوں تنہا اس میٹنگ میں بھیجا؟؟

ارحام سوال کرتے دبے انداز میں چیخا تھا۔۔

تم نے میرے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا ہے۔۔

سلطان شاہ ارحام خانزادہ کی بات سنتے گہرا مسکراتے اس کے قریب ہوا۔۔

سلطان شاہ اپنی بیٹی کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔ تمھیں کیا لگتا ہے وہ وہاں اکیلی تھی۔۔ ان انویسٹرز کے درمیان میرے خاص پروفیشنل آدمی تھے۔۔ جو اس میٹنگ کو مانیٹرنگ کر رہے تھے۔۔ اور میں بذات خود اس میٹنگ میں موجود تھا۔۔

وہاں جو کچھ ہو رہا تھا میں لائیو دیکھ رہا تھا۔۔ اور یہ وہاں بیٹھا ہر انسان جانتا تھا۔۔ ایک تم ہی اس حقیقت سے لاعلم تھے۔۔ سلطان شاہ استھزائیہ لہجے میں بولے۔۔۔

اسے اکیلے بھیجنے کا مقصد میں اپنی بیٹی کو وہ اعتماد دینا چاہتا ہوں۔۔ اسے مضبوط بنانا چاہتا ہوں تاکہ میرے مرنے کے بعد اسے کسی سلطان شاہ یا پھر ارحام خانزادہ کی ضرورت نہ پڑے۔۔ ارحام خانزادہ سلطان شاہ کی بات پر غصے سے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔

تم جس طرح میری بیٹی کو وہاں سے لائے ہو۔۔سب دیکھا میں نے۔۔میرے ہی حکم پر وہ گارڈز پیچھے ہوے تھے۔۔

جس طرح تم نے میری بیٹی کو چھوا۔۔جس طرح اس کی کلائی پکڑے لائے ۔۔بہت مشکل سے یہ سب برداشت کیا میں نے۔۔میری بیٹی کو ایسے چھونے کی تمھاری ہمت کیسے ہوئی؟؟سلطان شاہ اب غیض و غضب سے دھاڑا تھا۔۔

بیوی ہے وہ میری۔۔۔حق رکھتا ہوں میں۔۔ارحام سلطان شاہ سے اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔۔سلطان شاہ کے گارڈز نے ارحام کی کنپٹی پر بندوق کی

نوک کا دباؤ بڑھایا تھا۔۔ ارحام نے غصے سے اپنے بھاری ہاتھ کا مکہ اس کے منہ پر جڑا۔۔۔ اس سے پہلے وہ گارڈ جوابی کاروائی کرتا سلطان شاہ ہاتھ کے اشارے سے اسے روک چکے تھے۔۔۔

وہ تمھاری بیوی ہے۔۔ مگر وہ تمھاری بیوی تب تک ہو گی۔۔ جب تک وہ چاہے گی۔۔ آج جس طرح تم اسے زبردستی لائے ہو اس سے ثابت ہوتا ہے وہ تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔۔ اس لیے آج سے تمھارا اس سے ہر تعلق ختم ہوتا ہے۔۔ سلطان شاہ نے غصے سے بولتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا۔

آپ ہوتے کون ہیں یہ تعلق ختم کرنے والے ؟؟۔۔اس کے ساتھ میرا تعلق بہت مضبوط ہے۔ کسی کے کہنے سے یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔۔اسے اپنی سپردگی میں لیتے ہوے قسم کھائی تھی میں نے خدا کی۔۔۔۔مر جاؤں گا مگر اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا اور آج ایک اور قسم کھاتا ہوں۔۔

قسم کھاتا ہوں میں اپنے خدا کی۔۔جو میرے اور اس کے بیچ آیا اسے بھی جان سے مار ڈالوں گا۔ ارحام خانزادہ اپنی خون اتری آنکھوں سے سلطان شاہ کی آنکھوں میں جھانکتے گرج دار آواز میں بولا۔۔

سلطان شاہ کی آنکھوں کی بھی لالی بڑھی تھی۔

سلطان شاہ کی پاور ہے تو ارحام خانزادہ کی بھی ایک حیثیت ہے۔۔پاور ہے۔ ۔خانزادہ ہوں میں مر تو سکتا ہوں مگر اسے نہیں چھوڑ سکتا۔۔ارحام اب بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔

بہت فکر ہے آپ کو اپنی بیٹی کی۔۔اتنے گارڈز لے کر آپ اسے اس کے شوہر سے لینے کے لیے آ گئے۔۔یہ سلطان شاہ تب کہاں تھا؟؟۔۔جب وہ رات کے اندھیرے میں اتنے گارڈز اتنی سکیورٹی کے باوجود آپ کا شاہ مینشن چھوڑ آئی۔

چھ مہینے رہی میرے پاس ایک قدم حویلی سے باہر نہیں نکال سکی۔۔ اٹھارہ سال تک رہی آپ کے پاس۔۔۔ اور اتنی آسانی سے اس نے وہ شاہ مینشن چھوڑ دیا۔۔ کیا وجہ تھی؟؟ آپ کا پیار جھوٹا تھا یا یہ گارڈ صرف دکھاوے کے ہیں۔ ارحام خانزادہ نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں ڈالتے استفسار کیا۔

ارحام کی بات پر سلطان شاہ کا رنگ ظبط سے سرخ ہوا تھا۔۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔۔ حور انھیں ذرا سی بات پر چھوڑ آئی تھی۔۔ ان کی سکیورٹی بھی کچھ نہ کر سکی۔۔ اور ارحام خانزادہ کی حویلی میں چھ ماہ رہی۔۔ مگر ایک مرتبہ بھی اس نے اپنے باپ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔۔ کیوں؟؟ انھیں ابھی تک یہ جواب نہیں مل سکا تھا۔۔ کیا ان کی بیٹی کے لیے مقابل بہت اہمیت رکھتا تھا؟؟۔۔۔ اور یہ سوال ان کے لیے بھی تکلیف دہ تھے۔۔۔

ثابت ہوتا ہے میری بیوی آپ کے پاس محفوظ نہیں ہے۔۔

وہ صرف میرے پاس محفوظ ہے۔۔اور اسے اب میں آپ کے ساتھ جانے نہیں دوں گا۔

ارحام خانزادہ نے مضبوط لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

کہاناں اس کا فیصلہ وہ کرے گی تم یا میں نہیں۔۔اور مجھے لگتا ہے وہ تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔۔

سلطان شاہ نے تحمل سے کہا۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ ایک لفظ اور نہیں۔۔۔۔۔دوبارہ نہیں سنوں گا یہ لفظ۔۔۔۔۔۔وہ میرے ساتھ رہے گی۔۔اس کا فیصلہ میں کروں گا ۔۔۔ارحام نے غصے سے پھنکارتے ہوئے اپنی پسٹل سلطان شاہ پر تانی تھی۔۔سلطان شاہ کے گارڈز نے اپنی بندوقوں کا رخ ارحام خانزادہ کی کنپٹی پر کیا تھا۔۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حور دروازہ کھول کر باہر آتے سلطان شاہ کو پکارتے تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل پیچھے کرتے اپنی مٹھی بھینچتے ہوے ظبط سے حور کی طرف رخ موڑا تھا۔۔

جس پر کبھی بہت یقین تھا کہ وہ مر سکتی ہے اس کا حکم نہیں ٹال سکتی۔۔۔ آج ہر یقین ہر مان ختم ہو چکا تھا۔۔ ارحام کو لگا تھا اگر وہ اسے ایک بار اور بے پردہ دیکھے گا تو جان سے جائے گا۔۔

ارحام نے اپنی خون اتری نظروں کا رخ اس پر کیا۔ ان کچھ لمحوں میں وہ مرنے والا ہو گیا تھا۔

وہ اس کے ٹراوز اور شرٹ میں ملبوس اس کی مردانہ سیاہ شال سر پر اچھی طرح جمائے ہوے تھی۔۔ جس میں اس کا سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آرہا تھا۔۔ چہرہ نہیں ڈھانپا تھا۔۔ مگر وہ اپنا پورا بدن اور بال ڈھانپے ہوے تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے بیدردی سے پیوست کیا۔۔

اس چہرے پر بھی کسی کی نظر گوارا کہاں تھی بھلا۔۔

حور آگے بڑھتے ہوے سلطان شاہ کے سینے سے لگی۔۔

ارحام خانزادہ کے لبوں پر ایک بار پھر سے زخمی مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔ اتنا مان اتنی محبت دی اسے تھوڑی دیر پہلے اپنی بانہوں میں۔ اس کے پور پور اپنی محبتوں کی مہر لگائی۔۔ وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگے ایسے سسک رہی تھی۔ جیسے اس نے ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہو۔

ٹھیک ہو تم۔۔۔ سلطان شاہ نے بے تابی سے اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں چومی تھیں۔

ٹھیک ہوں پاپا۔۔ اپنے گارڈز کو کہیں یہ بندوقین پیچھے کریں۔۔ میں اپنی مرضی سے ارحام کے ساتھ آئی تھی۔۔

حور نے سلطان شاہ سے کہتے ایک نظر ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔۔ ارحام خانزادہ اس کے دیکھنے پر اپنی نگاہوں کا رخ بدل گیا تھا۔۔

سلطان شاہ کے اشارے سے وہ خاموشی سے اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئے تھے۔۔۔

پاپا مجھے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔ حور نے ارحام کی چوڑی پشت کو دیکھتے کہا۔ وہ اپنا رخ موڑے گلاس وال پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ حور کے فیصلے پر اس نے ابھی بھی رخ نہیں پلٹا تھا۔۔

سلطان شاہ ارحام خانزادہ کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے حور کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے وہاں سے اسی لمحے نکل گئے تھے۔ حور کے جانے

کے بعد وہ پوری قوت سے چیختا ہوا اپنا زخمی ہاتھ کا مکہ بنائے گلاس وال پر مار چکا تھا۔۔۔دل کا درد تھا بڑھتا جا رہا۔ تھا۔

اسفند کی سرد سرخ نظریں شہرام کا آحاطہ کیے ہوے تھی۔ بہارے کی شہرام کی طرف پشت تھی۔۔اسے نہیں پتہ تھا شہرام اس کے پیچھے کھڑا ہے۔۔وہ اسفند کے سینے سے لگے بری طرح کُرلا رہی تھی۔

بہارے کی پر سوز سسکیوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔بہارے کی سسکیوں سے اسفندیار خان کو اپنا دل پھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

بہارے اس کی چھوٹی بہن تھی۔۔اس نے کبھی اس سے لاپروائی نہیں برتی تھی۔ بہارے کے ساتھ شہرام کا رویے سے حویلی کا ہر مرد واقف تھا

۔۔اسے بہارے کے لیے کبھی کوئی فیصلہ لینا ہی نہیں پڑا تھا۔۔ شہرام اس کا ہر فیصلہ لے لیتا تھا پھر چاہے ڈاکٹر بننا ہو یا پھر ہاسپٹل جوائن کرنا۔۔

اس کا ہر فیصلہ شہرام کرتا تھا۔۔ آج سے نہیں بہت پہلے سے شہرام اس کے آگے ڈھال بن کر کھڑا ہو جاتا تھا۔۔ اسی لیے اس کے ان پڑھ ہونے سے اسفندیار خان کبھی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔۔ بہارے نے ایک دو مرتبہ اس سے شہرام سے طلاق لینے کا کہا تھا جس پر وہ اچھا خاصہ ڈانٹ چکا تھا۔۔ شہرام سے اچھا اس کی بہن کے لیے کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

پھر وہ اس کے جگری یار اس کی جان زاران خانزادہ کا بھائی تھا۔۔۔ وہ اچھا نہ بھی ہوتا اس کے لیے زاران کا بھائی ہونا ہی کافی تھا۔۔

مگر آج بہارے کو ایسے تڑپ تڑپ کر روتے دیکھ کر اسفندیار خان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ شہرام کا سینہ چیر دے۔۔۔یقیناً وہ رات اس کے چاقو مارنے کا غصہ اس کی بہن پر نکال چکا تھا۔۔اور اپنی بہن کے آنسو اس سے برداشت نہیں ہو رہے تھے۔۔

یہی حال روزینہ خانم کا تھا بہارے کا رونا ان کے بدن پر کپکپی طاری کر چکا تھا۔۔وہ کافی تند و مزاج سخت گیر خاتون تھیں۔۔

مگر بہارے کا ایسا رونا انھیں دکھ اور اشتعال میں بیک وقت مبتلا کر گیا تھا۔۔ان کی سرد کاٹ دار نظریں عابیر پر تھیں۔جو اسفندیار خان کی شال اوڑھے مہکی نکھری سی اسفند کے قریب کھڑی تھی۔۔

شہرام لب بھینچے بہارے کی پر سوز سسکیاں سن رہا تھا۔۔ جو پوری حویلی میں گونج رہی تھیں۔ وہ بمشکل ہی اپنے غصے اور اشتعال پر کنٹرول کیے ہوے تھا۔

بہارے کا ایسا رونا اسے سب کی نظروں میں مشکوک ٹھہرا رہا تھا۔۔۔ یہاں تک زاران اور امینہ خانم کی نظریں بھی اس پر تھیں۔۔ زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے عابیر پر نظریں جمائے تھا۔۔ جو اس سچویشن سے خوفزدہ تھی۔۔ زاران کا دل کٹ رہا تھا۔۔ وہ ایسی بلکل نہیں تھی۔۔ مگر آج اسفندیار خان کی محبت نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔۔ وہ بنا غلطی کے ڈرنے لگی تھی۔۔

بہارے اسفندیار خان کے سینے میں بری طرح سمائی رو رہی تھی۔۔ شہرام کی بے رخی اسے پاگل کر رہی تھی۔۔ اس کی زندگی میں آئزل کا وجود اسے کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔۔۔

شہرام کی زندگی میں کہیں آئزل اس کی جگہ نہ لے لے یہ سوچ سوچ کر وہ زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑاتے تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔۔ شہرام کو شئیر کرنے کا سوچ کر ہی اسے اپنا آپ جیسے آرے سے کٹتے محسوس ہو رہا تھا۔۔ اسے اپنا آپ دہکتی ہوئی آگ میں جلتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

وہ مر سکتی تھی مگر شہرام کو کسی عورت کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے؟؟

اسفندیار خان اس کا بھائی ہی نہیں۔۔۔۔شہرام کی بہن کا شوہر بھی تھا۔

وہ یہی سوچ کر اسفندیار خان کے گلے لگی تھی۔۔اسے ہر حال میں شہرام چاہیے تھا۔۔اسے اپنے شوہر کی محبت چاہیے تھی۔۔اسے اپنے شوہر کے قریب کسی دوسری عورت کا سایہ نہیں چاہیے تھا۔۔

کیا ہوا ہے بہارے؟؟اسفندیار خان نے اسے اپنے سینے سے الگ کرتے غراتے ہوے پوچھا۔۔

لالا۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔بہارے اتنا ہی کہہ سکی تھی۔۔اس کی پرسوز سسکیوں میں پھر سے اضافہ ہو گیا تھا۔۔

اپنے بھائی کو دیکھ کر ہی زخم ادھڑنے لگے تھے۔۔

وہ کتنی تکلیف میں تھی یہ وہی جانتی تھی۔۔ بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے گلابی تھیں۔ بدن لرز رہا تھا۔۔ وہ اپنی بلیک شال اپنے وجود پر اچھی طرح لپیٹے ہوے تھی۔۔ بال بکھرے کمر پر پڑے تھے۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ سب کے سامنے سر پر بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔۔ اسفند کے سامنے کبھی اس کا دوپٹہ سر سے اترا نہیں تھا۔۔ مگر آج وہ کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ اسفند کے بھاری ہوتے اعصاب بھاری ہوے تھے۔۔ سامنے کھڑی اس کی بہن بہارے نہیں لگ رہی تھی۔ وہ تو کوئی درد کی مورت لگ رہی تھی۔۔ اس ایک رات میں ایسا کیا ہو گیا تھا کہ بہارے کا یہ حال ہو گیا۔

کیا ہوا ہے بہارے بتاؤ مجھے ؟؟ کیا کہا ہے شہرام نے تمھیں۔۔۔ اسفند یار خان نے شہرام کو گھورتے عابیر پر سرخ سرد نظر ڈالی تھی۔ اسفند کی سرد سرخ نظر پر اس کی آنکھوں میں شبنم اتری تھی۔۔ وہ لب کاٹتے نظریں جھکا

گیی تھی۔۔عابیر پر نظر ڈالنے کا مقصد ہی شہرام کو جتانا تھا کہ اس کی بہن اس کی بیوی ہے۔۔اپنی بہن کی اجڑی حالت اسے جیسے پاگل کر چکی تھی۔۔۔

عابیر کی بھیگی نگاہیں دیکھتے شہرام ضبط سے اب اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔اسفند کی جتاتی نگاہوں کا مطلب وہ سمجھ چکا تھا۔۔عابیر کی بھیگی نگاہیں دیکھ کر شہرام نے بمشکل ہی اپنے غصے پر کنٹرول کیا تھا۔۔

اس کے چہرے پر اسفند کی محبتوں کے رنگ کے ساتھ خوف کی پرچھائی بھی تھی۔۔اسفند کی محبت چھینے کا خوف تھا۔۔

وہ بھیگی نگاہوں سے بہارے کو روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

بہارے۔۔۔۔۔بتاو مجھے تمھیں شہرام نے کچھ کہا ہے۔۔اسفند اب اسے خود سے الگ کرتے غصے اشتعال سے چیخا تھا۔اسفند کی گرج پر عابیر بری طرح لرز اٹھی۔۔

زاران اور شہرام دونوں کی نگاہیں اپنی بہن پر تھیں۔

دونوں بے بسی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

اسفند کے چیخنے پر بہارے کا رنگ بھی خوف سے زرد پڑا

تھا۔

اسے اندازہ نہیں تھا اسفند ایسے غصے میں آجائے گا۔ وہ تو چاہتی تھی اسفند شہرام کو سمجھائے اسے ڈرائے۔۔ مگر وہ رات والا تماشہ بلکل نہیں چاہتی تھی۔

لالا مجھے۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ شہرام نے کچھ بھی نہیں کہا۔۔ میرے پاؤں میں چوٹ لگی ہے۔۔ بہارے نے جلدی سے روتے ہوئے وضاحت دی۔۔ اسفند کا غیض و اشتعال سے سرخ پڑتا چہرہ بہارے کو اب پریشان کر چکا تھا۔

دفعتًا اسفند یار خان کی نظریں بہارے کے پاؤں پر پڑیں دونوں پاؤں پر پٹی بندھی دیکھ کر اسفند یار خان جیسے تڑپ کر رہ گیا تھا۔۔

بہارے کو بازو سے پکڑتے جلدی سے صوفے پر بٹھایا۔ وہ اتنے زخموں کے ساتھ کب سے کھڑی تھی۔۔ اس کی نازک بہارے تو چھوٹا سا کانٹا برداشت

نہیں کر سکتی تھی۔۔وہ اب پٹیوں میں جکڑے پاؤں کے ساتھ کھڑی تھی۔۔پٹی سے نظر آتے سرخ دھبے واضح تھے۔

یہ کیسے ہوا بہارے؟؟اسفند نے اس کے قریب اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے پریشانی سے پوچھا۔۔

یہ چوٹ تم کو کیسے لگا بہارے۔؟؟ذوزینہ خانم نے تڑپتے ہوئے پوچھا تھا۔بہارے پھر سے رونا شروع ہو چکی تھی۔۔

وہ سب کو کیسے بتاتی یہ چوٹ اس کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتی تھی۔۔اس کی تو روح ہی زخموں سے چور چور تھی۔

اسفند یار خان اب غصے سے شہرام کی طرف بڑھا۔۔

اگر تمھیں میرے چاقو مارنے کا بدلا لینا ہی تھا مجھ سے لیتے میری بہن کو تکلیف کیوں دی۔۔ اسفند شہرام کے مقابل آتے غرایا تھا۔۔

بہارے نے فق رنگت کے ساتھ مڑتے ہوے دیکھا جہاں شہرام کھڑا تھا۔۔

وہ ایک جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہوتی جلدی سے شہرام اور اسفند کی طرف بڑھی۔۔۔

میں اس حویلی کے مردوں کی طرح گیم نہیں کھیلتا۔۔ نہ ہی اپنی دشمنی میں عورت کو لے کر آتا ہوں۔۔ شہرام اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے طنزیہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

شہرام کا طنز اسفندیار خان نے بمشکل پیا تھا۔ بہارے اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر جس طرح اس کی طرف بڑھی تھی۔۔وہ سمجھ گیا تھا شہرام اس کے لیے بہت معنی رکھتا ہے۔۔وہ چاہتے ہوئے بھی اب شہرام کو کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

لالا شہرام نے مجھے کچھ نہیں کہا۔۔۔۔ بہارے نے شہرام کو ایک نظر دیکھتے اسفندیار خان سے جلدی سے کہا۔

شہرام ایک بات یاد رکھنا۔۔۔۔۔۔ بہارے کی آنکھوں سے اب ایک آنسو بھی نہیں گرنا چاہیے۔۔اگر اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی گرا تو خوش عابیر بھی نہیں رہے گی۔۔اسفندیار خان کی دھمکی پر زاران نے غصے سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیا تھا۔عابیر کی آنکھوں میں نمکین پانی آٹھہرا تھا۔

شہرام اسفندیار خان کی دھمکی پر اپنی ایک آئی برو اپنی انگلی سے مسلتا نظریں نیچے کیے ہنس پڑا تھا۔۔

بہارے نے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے ہنستے ہوے دیکھا تھا۔۔

لالا۔۔۔۔ اگر میری بہن کی خوشیوں کا مرکز بہارے کے آنسوؤں پر قائم ہے تو مجھے نہیں لگتا وہ زیادہ عرصہ خوش رہ سکے گی۔۔ کیونکہ آپ کی بہن کو آنسو بہا کر جھوٹی ہمدردیاں لینے کا شوق ہے۔۔ یہ آنسو نہیں میرے نزدیک پانی ہے صرف پانی۔۔۔. شہرام نے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔ شہرام کی بات پر بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے بھیگیں تھیں۔۔ سامنے کھڑا مغرور بندہ بلکل ہی بدل چکا تھا۔۔ اس کے ایک آنسو پر تڑپ اٹھنے والا اب اس کی آنکھوں سے بہتے لہو کو پانی سے مشروط کر

رہا تھا۔۔ بہارے کی کپکپاتے ہاتھ کی گرفت اسفندیار خان کے بازو پر مضبوط ہوئی تھی۔۔

اسفند کی نظریں اپنی بہن کے کپکپاتے وجود پر تھیں۔ اسفندیار خان اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔

میں چلتا ہوں لالا۔۔۔ آئندہ مجھ سے سوال وجواب مت کیجیے گا۔۔ ورنہ میں حویلی کبھی نہ آنے کا تہیہ کر لوں گا۔۔ میں حویلی صرف لالا کے حکم پر آیا تھا۔۔ مگر رات مجھے یہاں آکر اندازہ ہوا کہ اچھا ہوا میں آگیا۔ لالا عابی کے سر پر ہاتھ رکھنا چھوڑ سکتے ہیں۔ میں اپنی عابی کو کبھی کسی حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔۔ چاہے وہ غلط ہو یا نہیں۔۔ مگر میں اپنی عابی کا ہر حال میں ساتھ دوں گا۔ لالا اپنی دوستی اور بہن کے رشتے میں کنفیوژن کا شکار ہو سکتے ہیں۔ مگر میں نہیں۔ اگر مجھے اپنی عابی اور کسی بھی رشتے میں کسی کو چننا

پڑے۔۔۔ میں اپنی عابی کو چنوں گا۔۔ یہ بات یاد رکھیے گا۔۔ شہرام نے اپنے لفظوں سے سب کو بہت کچھ جتاتے خفگی بھری نظر زاران پر ڈالتا عابیر کی طرف بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتا وہ

لمبے لمبے ڈھگ ڈھگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران اسے سختی سے پکارتے اس کی طرف بڑھا وہ ایک لمحے کو رکا تھا پھر تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا

بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی گردن کو ایک ہاتھ سے جکڑا تھا۔۔ وہ عابیر کے ذریعے شہرام کو زیر کرتے اپنے قریب لانا چاہتی تھی۔۔ وہ تو لمحوں میں اپنا فیصلہ سنا چکا تھا۔۔ بہارے نے رخ موڑتے اس کی چوڑی پشت کو

بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔۔۔وہ سفید پینٹ شرٹ اور بلیک کوٹ میں کوئی مغرور شہزادہ لگ رہا تھا۔۔اور یہ شہزادہ کس کے پاس جا رہا تھا۔۔وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔اس کے بڑھتے قدموں پر بہارے کا دل زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔

اس نے اسفند کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اپنے چکراتے وجود کو بمشکل سنبھالا تھا۔۔وہ داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔بہارے گل بھیگی نگاہوں سے اس دروازے کو دیکھ رہی تھی۔۔جہاں سے وہ گزرا تھا۔

یکدم اسے چکر سا آیا تھا۔۔اسفند نے اسے تڑپتے ہوے اپنی بانہوں میں سنبھالا۔۔

بہارے میری گڑیا تم ٹھیک ہو۔۔اسفند نے اس کی اجڑی بکھری حالت دیکھتے پریشانی سے اسے پکارا۔۔

وہ اسفند کے سینے سے لگ کر پھر سے سسکنے لگی۔۔

اسفند ظبط سے اب اپنی کنپٹی مسل کر رہ گیا تھا۔ وہ بہارے کی حالت دیکھتے بے بس سا خود کو محسوس کر رہا تھا۔۔ زاران خانزادہ پر اعتبار اور اس سے محبت اس کی زندگی کی بدترین غلطیاں تھیں۔۔۔ وہ اپنے بھائی کو کھو چکا تھا اب اس کی بہن ماتم کدہ حلیے میں اس کے سامنے تھی۔۔ اور یہ سب کچھ زاران خانزادہ کی وجہ سے تھا۔۔ اسفند بہارے کو دیکھتا کرب سے سوچ رہا تھا۔۔

اسفند تم شہرام کا بہن کو اس کے باپ کے مارے ہوے تھپڑ کا سب سے حساب لیتا پھر رہا تھا۔۔ اب اپنی بہن کے آنسوؤں کا حساب کس کس سے لے گا؟؟۔۔ روزینہ خانم کی زہر خند پھنکار گونجی تھی۔۔ ان کی بات کا مطلب اور ان کی نظریں عابیر پر محسوس کرتے زاران نے سرد تاثرات کے

ساتھ اپنے لب واہ کیے۔۔ مگر امینہ خانم کے اشارے پر خاموش ہو گیا تھا۔۔۔ وہ غصے سے اپنی شال جھٹکتا دروازے کی طرف بڑھا۔ زاران۔۔۔۔۔۔ ابرش اسے پکارتے اس کی طرف بڑھی تھی۔۔ مگر وہ سنی آن سنی کرتے وہاں سے نکل گیا تھا

عابیر روزینہ خانم کے طنز اور اسفند کی خاموشی پر ایک نظر اسے شبنمی نگاہوں سے دیکھتے اپنے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گئی تھی۔۔ چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔

اسفند بہارے کو بازوؤں کے حلقے میں لیے صوفے کی طرف بڑھتے اسے بہت پیار سے بٹھایا اور درخشاں کو آواز دیتے اس کے لیے کچھ لانے کو کہا۔۔

بہارے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔۔اس کی بند پلکوں کی باڑ سے آنسو ابھی بھی بہہ رہے تھے۔۔اس کا کپکپاتا بدن دیکھ کر اسفندیار خان کی مٹھیاں غصے سے بھینچتی جا رہی تھیں۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ساحر خان اپنے کمرے میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔۔

وہ پچھلے دو دن سے اپنے کمرے میں بند تھا۔۔موبائل فون بند تھا۔کمرے کی دبیز قالین سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری پڑی تھی۔

وہ صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ ہاتھوں میں دبائے ہوے تھا۔۔جلتی سگریٹ اس کی انگلیوں کی پوروں کو جلا رہی تھی۔۔مگر اسے ذرا پرواہ نہیں

تھی۔اس کا پورا وجود جیسے جل رہا تھا۔۔اس کا زخمی دل شعلوں کی آنچ سے دہک رہا تھا۔

حور سلطان شاہ کے لفظ بھول ہی نہیں رہے تھے۔۔جو اس کی سماعتوں میں پگھلے سیسے کی مانند اتر رہے تھے۔

تمھارے سامنے حور سلطان شاہ نہیں۔۔حور ارحام خانزادہ کھڑی ہے۔۔اور تم بھی ایک خانزادہ ہو۔۔جانتے ہو گے اپنی عزت پر بری نظر ڈالنے والوں کی وہ آنکھیں نکال دیتے ہیں۔۔

ساحر خان اس کے لفظ یاد کرتے کرب سے ہنسا تھا۔پھر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔۔

آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہوا تھا۔۔اور یہ پانی بہتا چلا گیا تھا.

بری نظر۔۔۔وہ اس بے رحم کا یہ لفظ دہراتا پھر سے ہنسا تھا۔۔

ہاں بری نظر جن نظروں سے تم مجھے دیکھتے ہو اگر ارحام خانزادہ تمھیں دیکھتا دیکھ لے تو تمھاری جان لمحوں میں لے لے۔۔ تمھاری جان لے کر بھی اسے سکون نہ آئے۔۔یقین مانو تمھارے بے جان وجود سے وہ تمھاری بے جان کھینچ لے اور تمھاری ساکن سانسون سے تمھاری ساکن سانسیں کھینچ لے۔۔ پھر بھی وہ چین نہ پائے۔۔۔

اس کے اگلے لفظ یاد کرتے وہ تڑپ کر رہ گیا تھا.

اتنا پوزیسیو ہے تمھیں لے کر۔۔ اپنا سوال یاد آیا تھا۔۔

حد سے زیادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ میں اس کا جنون بن چکی ہوں۔۔اس کے لفظ یاد آئے تھے۔۔

وہ تڑپ کر مرنے والا ہو گیا تھا۔۔

ساحر خانزادہ کو آج پہلی مرتبہ کسی سے حسد محسوس ہوا تھا۔۔وہ اپنی قسمت ارحام خانزادہ سے بدلنا چاہتا تھا۔

کوئی اس کا سب کچھ لے لے۔۔بس اس کی قسمت ارحام خانزادہ سے بدل لے۔۔۔اب اس کی سبز آنکھوں سے پانی سیلاب کی طرح بہہ رہا تھا۔۔۔

اس سے محبت کرنے کا اختیار خود پر نہیں تھا۔۔ہر روز ہر لمحہ حور کے لیے اس کا عشق شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔۔

وہ اس کی تھی یا نہیں۔۔مگر اس کا عشق اس کا تھا۔۔کوئی بھی اسے اس سے عشق کرنے سے روک نہیں سکتا تھا۔

دفعتًا اس کا فون بجا تھا۔۔ساحر خان نے سامنے ٹیبل پر بڑا فون اٹھائے کان سے لگایا۔۔

سر آپ کے کہنے پر ماہ جبین پر نظر رکھی ہوئی ہے۔۔وہ اپنے بنگلے سے پچھلے دو دن سے نہیں نکلی۔ مگر ان سے ملنے آج شاہزیب خان آئے تھے۔۔

کون شاہزیب خان؟؟۔۔ساحر نے فون پر گرفت مضبوط کرتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

سر آپ کے والد شاہزیب خان۔۔وہ یہ کہتے فون بند کر چکا تھا۔۔

ساحر خان کافی دیر تک فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔۔۔شاہزیب خان کیوں ماہ جبین سے ملنے جائے گا؟؟۔یہ کیسے ممکن تھا وہ سلطان شاہ کی غیر موجودگی میں ماہ جبین سے کیسے مل سکتے ہیں۔۔۔۔ساحر خان خان فون ہاتھ میں لیے

سوچ رہا تھا۔۔وہ جیسے جیسے سوچ رہا تھا اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

۔۔۔

وہ اس کے حلقے میں سرخ گلاب تھی۔۔ مگر اب اس کے بھاری بھر کم وجود کے نیچے اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کے پیٹ پر حیدر خان کا بازو لپٹا ہوا تھا۔۔ اور حیدر خان نے اپنی ایک ٹانگ بھی اس کے اوپر رکھی ہوئی تھی۔

وہ تقریباً حیدر خان کے بھاری وجود کے نیچے دبی ہوئی تھی۔۔ وہ ایسے ہی سوتا تھا۔۔ اسے اپنے بے حد قریب رکھتے ہوئے اس پر اپنا بازو اور ایک ٹانگ رکھے۔۔۔ اب وہ کب سے اٹھ چکی تھی۔۔ حیدر خان گہری نیند سو رہا تھا۔۔ وہ اس کے نیچے ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔

خان۔۔۔ فرشتے نے اب اسے روہانسی آواز سے پکارا تھا۔

حیدر خان کے لبوں پر اب تبسم بکھرا تھا۔ اپنی خوبصورت معصوم بیوی پر جی بھر کر پیار آیا تھا۔۔۔ جو کافی دیر سے اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ اور اس کی مدھم سرگوشی نما آواز بھی بھی کب سے اس کے سماعتوں میں رس گھول رہی تھی۔۔ وہ اتنا دھیما کیوں بول رہی تھی۔۔ یہ بھی وہ سمجھتا تھا۔۔ کندھوں سے نیچے ڈھلکی اس کی گھٹنوں تک آتی سلیولیس نیٹ کی نائٹی میں وہ شرم و خفت سے قندھاری ہو رہی تھی۔۔ یقیناً وہ اس کے جاگنے سے پہلے اپنا حلیہ درست کرنا چاہتی تھی۔۔ جانتی تھی اس کے خان کا رومانٹک موڈ اسے ایسے دیکھ کر پھر سے آن ہو جاتا ہے۔۔

حیدر خان اسے اپنے مزید قریب کرتے اس کی ٹھوڑی پر اپنے لب رکھتے اس کے سیاہ تل پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔۔

فرشتے اس کی شدت بھری جسارت پر سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔ حیدر خان کی صبح اس کی ٹھوڑی کے سیاہ تل پر اپنی شدت دکھا کر ہوتی تھی۔۔

تمھیں یہاں اس لیے لایا ہوں تاکہ اپنی نیند پوری کرو۔۔ اور مجھے پوری کرنے دو۔۔۔ تم ادھر بھی صبح صبح اٹھ گئی۔۔ حیدر خان نے مخمور آواز میں کہتے اپنی آنکھیں کھولتے اس کی ٹھوڑی کے سیاہ تل کو اپنے لبوں سے گیلا کیا تھا۔۔

فرشتے حیدر خان کی بے باک آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ جو بے باک نگاہوں سے شرارتی انداز میں اس پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔ فرشتے نے اپنی کندھوں سے نیچے ڈھلکتی نائٹی کے سٹریپ کو اوپر کیا تھا۔۔

حیدر خان کا اس کے انداز پر برجستہ قہقہ گونجا تھا۔۔

خانم رات بھر تمھارے پور پور پر اپنی محبت کی گہری سوغاتیں دے چکا ہوں۔اب کیا چھپا رہی ہو مجھ سے۔۔ہر جگہ پر تو میری شدتیں واضح دکھائی دے رہی ہیں۔

حیدر خان گھمبیر آواز میں کہتے تکیے پر سر رکھتے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔۔

وہ اس کے سینے میں سمائے اس کی کمر کے گرد اپنا بازو لپیٹ گئی۔۔وہ اسے یہ نہ کہہ سکی رات بھر تو اسے سونے نہیں دیا تھا اور پھر اسے تکیہ بنا کر خود مزے سے سو گیا تھا۔۔وہ ساری رات اس کے وزن کے نیچے سو ہی نہ سکی تھی۔۔۔لیکن اسے اپنی نیند پوری نہ ہونا گوارا تھا مگر حیدر خان اس کے بغیر سو جائے یہ گوارا نہ تھا۔۔

اب وہ اس کے سینے میں سمائے اس کی گردن پر اپنے لب نامحسوس انداز میں رکھ رہی تھی۔۔ حیدر خان اس کے لبوں کی نرمی اپنی گردن پر محسوس کر چکا تھا۔۔ وہ اسے اتنی ہی نرمی سے نامحسوس انداز میں اپنے لبوں سے چھوتی تھی۔۔ حیدر خان اسے کبھی محسوس نہیں کرواتا تھا کہ وہ اس کے لبوں کی نرمی بخوبی محسوس کر رہا ہے۔۔ بہت مرتبہ وہ اسے سوتا سمجھ کر بہت نرمی سے اس کے نقوش پر اپنی محبتوں کی مہریں لگا چکی تھی۔۔۔ اس نے آج تک اسے خبر نہیں ہونے دی تھی کہ وہ اس کے نرم لبوں کی نرم بوسوں کی حدت سے بخوبی اشنا ہے۔۔ جانتا تھا اس کی معصوم خانم سرخ گلاب ہو جائے گی۔ اور پھر کبھی اسے ایسے نہیں چھوئے گی۔۔

اور حیدر خان کو اس کا یہ نرم لمس جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔۔ پھر تو یہ طے تھا وہ ساری عمر جان نہیں سکتی تھی کہ حیدر خان اس کی چھوٹی چھوٹی جسارتوں سے بخوبی واقف ہے۔۔

کیا آرادے ہیں خانم ؟؟ صبح صبح بھی۔۔۔۔ حیدر خان نے اسے اپنے سینے سے الگ کرتے اس کی سلک کی سفید نائٹی کے سٹریپ کندھوں سے نیچے کھسکاتے بے باک شرارت کی۔۔

فرشتے سرخ گلاب ہوتے اس کے سنے سے مزید لپٹی تھی۔۔

حیدر خان اسے مزید اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان نے اسے سینے سے الگ کرتے اس کی بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں میں جھانکا۔۔ جہاں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

خانم اپنے خان کے پاس بھی ڈر لگ رہا ہے۔۔ کیا ہوا ہے ؟؟ ہمم..... حیدر خان نے اس کی بھیگی آنکھوں پر اپنے لب رکھے پھے۔۔

جو اس کے پیار اور نرمی پر بار بار بھیگ جاتی تھیں۔

خان۔۔۔۔ مورے سے ڈر لگ رہا ہے۔۔ آپ مجھے کل سے یہاں ہوٹل لے آئے ہیں۔ وہ بہت ناراض ہوں گی۔۔ کل سے انہوں نے آپ کا فون بھی نہیں اٹھایا۔۔

فرشتے کی بات پر حیدر خان نے گہرا سانس لیا تھا۔۔ وہ اسے یہاں اس لیے لایا تھا تاکہ وہ اچھا محسوس کرے۔۔ وہاں سارا سارا دن کچن کا کام کرتی رہتی تھی۔۔ یا پھر اس کے مورے کی تلخ باتیں سنتی رہتی تھی۔۔ مگر وہ یہاں آکر بھی پریشان تھیں۔

رقیہ خانم کل سے اس کا فون نہیں اٹھا رہی تھیں۔ اس بات سے وہ خود پریشان تھا۔۔ وہ فرشتے کو باہر لانے پر بلکل خوش نہیں تھی۔۔۔ مگر وہ ان کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر اسے لے آیا تھا۔۔

خانم تمھیں یہاں اس لیے لایا ہوں۔۔ تاکہ تم مجھے پورا ٹائم دے سکو۔۔ صرف اپنے خان کے بارے میں سوچو ساری رات میری بانہوں میں رہو سارا دن بھی میری شدتیں سہو۔۔ ہمممم۔۔۔۔۔ حیدر خان اسے اپنے قریب کرتے اس کی سانسوں پر قابض ہوتے اس کی نائٹی کندھے سے نیچے

کھسکا گیا۔۔فی الوقت۔۔۔وہ اسے اس طرح ہی ان وسوسوں سے آزاد کر سکتا تھا۔اور اسے خود بھی صبح صبح اپنی خانم کی ضرورت ہوتی تھی۔۔

وہ اس کی نائٹی کندھوں سے نیچے کھسکائے اس کی دھڑکنوں پر اپنا بے باک پر تپش لمس بکھیرتے اپنی شدتیں ڈھانے لگا۔۔حیدر خان کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔۔

مگر وہ فرشتے کی قربت میں اس قدر مدہوش تھا۔۔وہ بنا دیکھے فون کاٹ چکا تھا۔۔اسے پتہ ہی نہیں چلا فون رقیہ خانم کا تھا اور یہ پہلی مرتبہ تھا حیدر خان نے رقیہ خانم کا فون کاٹا تھا۔۔

اور حیدر خان کو اندازہ نہیں تھا ایک فون کاٹنے کی پاداش میں ان دونوں کو کانٹوں پر چلنا پڑے گا۔۔

ارحام خانزادہ صوفے پر بیٹھے سگریٹ لبوں میں دبائے بیڈ پر پڑی گہری سلوٹوں کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ اس کے ساتھ اس کی بانہوں میں تھی۔۔ ہر بار کی طرح وہ خود کو اس کو اس کے سپرد کر چکی تھی۔۔

نکاح کی رات کے بعد وہ ہر بار خود کو اس کے سپرد کر جاتی تھی۔۔ روتی تھی سسکتی تھی تڑپتی تھی مگر ٹوٹ کر بکھرتی صرف اس کی بانہوں میں تھی۔۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا اس نے کبھی اسے خود سے دور بھی جھٹکا ہو۔ وہ چاہے کتنی ہی شدتیں کیوں نہ دکھا دے۔۔ وہ کبھی اسے خود سے دور نہیں جھٹکتی تھی۔۔ وہ حیران بھی ہوتا تھا اسے برداشت کرنا آسان نہیں تھا اور وہ بہت نازک تھی۔۔ جس کے جسم و جاں کا مالک بنتے وہ بھول ہی جاتا تھا وہ

کلیوں سے بھی زیادہ نازک ہے۔۔تب ہی تو وہ خود کو اس کے جسم و جاں کا مالک سمجھ بیٹھا تھا۔۔اسے حور کی خوبصورتی سے اس کے جسم سے عشق نہیں ہوا تھا۔۔اس کی خود سپردگی سے عشق ہوا تھا۔۔اس کا رو کر تڑپ کر اس کی بانہوں میں سمانے سے عشق ہو گیا تھا۔۔اس کی رات رات بھر کی سسکیوں سے عشق ہو گیا تھا۔اپنے کیے ہوے ظلم پر اس کے خاموشی سے آنسو بہانے سے عشق ہو گیا تھا۔اس کی بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے عشق ہو گیا تھا۔

جب عشق ہوا تو پھر اس کے پہلو میں بتائے ہوے قربت کے لمحات سے عشق ہو گیا۔اس کے جسم سے پھوٹتی مہک سے عشق ہو گیا تھا۔اس کے بدن پر اپنی دی ہوئی بے رحم شدتوں سے عشق ہو گیا تھا۔اس کے خوبصورت بدن سے عشق ہو گیا تھا۔۔اس کی قربت اس کی بانہیں اس کے

مہکتے بدن سے عشق ہو گیا تھا۔۔وہ اس کے پاس آکر خود کو اس کے قریب آنے سے نہیں روک سکتا تھا۔۔اس کی قربت اس کی سسکاریاں اس کی کمزوری بن چکی تھیں۔

وہ پاگل تھا اس کے لیے۔۔وہ جنون تھی اس کی۔۔۔

اپنے بدن سے پھوٹتی اس کی مہک محسوس کرتے وہ ابھی بھی پاگل ہو رہا تھا۔۔

وہ اس کے قریب اس کے ڈر کی وجہ سے آئی تھی۔۔اس کی

مسکراہٹ اس کا سسک کر آج پھر اس کی بانہوں میں سمانا سب فریب تھا

جھوٹ تھا۔ ارحام خانزادہ کی نظروں کے سامنے وہ پل آئے تھے۔۔ جب وہ

ٹوٹ کر بکھر کر سسکاریاں بھرتے اس کے چٹانی سینے میں سما رہی تھی۔۔

وہ کل بھی اس کے معصوم چہرے کے فریب میں آ گیا تھا۔ وہ آج بھی اس کی

معصومیت کے فریب میں آ گیا تھا۔

اس کی مسکراہٹ پھر سے یاد آئی تھی۔۔ وہ اس کے پہلو میں اس کی آنکھوں

میں دیکھتے سرخ گلاب ہوتے مسکرائی تھی.

وہ یکدم سگریٹ زمین پر پھینکتا اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسائے وہ

صوفے کی سطح پر سر رکھے چھت کو گھورتے چلا اٹھا تھا۔۔

یہ جسم ہے تو کیا یہ روح کا لباس ہے

یہ درد ہے تو کیا یہ عشق کی تلاش ہے

فنا کیا مجھے یہ چاہنے کی آس نے

ترا ترا عشق کیا

رضا کیا ہے تیری دل و جہاں تباہ کیا

سزا بھی کیا تیری وفا کو بے وفا کیا

واہ رے زندگی سے یوں مجھے جدا کیا

کہاں کہاں پھروں میں ڈھونڈتا

وہاں جہاں تو ہی میرا لباس ہے

وہاں جہاں تجھ پہ ہی ختم آس

وہیں شروع وہیں پر دفن جان ہے۔

ارحام خانزادہ سفید پینٹ کوٹ میں ملبوس حور شاہ اینڈ کمپنی میں داخل ہوا تھا۔۔

آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔۔

کچھ چیکس او پیپرز جس پر سلطان شاہ کے سائن ضروری تھے۔۔۔۔وہ آج اسی مقصد کے لیے یہاں آیا تھا۔

یہ کانٹریکٹ اس کے گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔۔اس ایک پروجیکٹ کی وجہ سے اس کا بزنس اس کی کمپنی سب کچھ داؤ پر لگ چکا تھا۔۔۔

سلطان شاہ کو جس دن سے پتہ چلا تھا وہ حور سلطان شاہ کا شوہر ہے۔۔انہوں نے اس کے ساتھ ہر میٹنگ کینسل کر دی تھی۔۔اس کے مینجر نے بہت کوشش کی۔۔مگر سلطان شاہ کے پی اے نے میٹنگ کے لیے کوئی ٹائم نہیں دیا تھا۔وہ ایسا کیوں کر رہے تھے وہ جانتا تھا۔۔وہ اسے حور کے شوہر ہونے کی سزا دے رہے تھے۔۔۔وہ اسے گھٹنوں پر لا کر اس سے اس کی بیٹی کی زندگی سے جانے سے مجبور کرنا چاہتے تھے

۔اگر سلطان شاہ ارحام خانزادہ کی کمپنی کو اس پروجیکٹ سے نکالتے یا پھر وہ خود اس پروجیکٹ کو چھوڑتا نقصان صرف ارحام خانزادہ کو ہونا تھا۔۔اور سلطان شاہ اب اسے پروجیکٹ کے ذریعے گھٹنوں پر لانا چاہتا تھا۔

ارحام خانزادہ کے قدموں کا رخ سلطان شاہ کے شاندار ایمپیئر کے شاندار آفس کی طرف تھا۔۔جو اس بہت بڑی بلڈنگ کے فورٹین فلور تھ پر تھا۔۔

آج اس نے میٹنگ کے لیے کوئی اپائٹمنٹ نہیں لی تھی۔

کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہونا تھا۔۔

وہ تیز تیز قدموں سے سلطان شاہ کے آفس کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔چہرہ بے انتہا سرد اور سپاٹ تھا۔۔

اس سے پہلے وہ آگے بڑھتا سلطان شاہ کی پرسنل سیکرٹری بھاگتی ہوئی اس کے راستے میں حائل ہوئی تھی۔۔

سر آپ اندر نہیں جاسکتے۔۔۔وہ ارحام خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے بولی۔۔

مجھے سلطان شاہ سے بہت امپورٹنٹ کام ہے۔۔مجھے آج ہر حال میں ان سے ملنا ہے۔۔وہ سپاٹ انداز میں کہتے سلطان شاہ کے آفس کی طرف بڑھا۔

لیکن سر آفس میں سلطان شاہ نہیں ان کی بیٹی حور سلطان شاہ ہیں۔۔۔

سیکرٹری کی بات پر اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔۔حور سلطان شاہ۔۔۔۔وہ یہ نام دہراتا زخمی سا ہنس دیا تھا۔۔

جی سر آج سے وہ ہی سلطان شاہ کا آفس سنبھالیں گی۔۔سیکرٹری نے ارحام خانزادہ کو حیرانگی سے ہنستے دیکھا تھا۔

وہ اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے نظریں اپنے چمکتے ساہ بوٹوں پر جمائے سر کو خفیف سا جھٹکتا پھر سے ہنس دیا تھا۔یقیناً وہ آج بھی اسی حلیے میں آئی ہو گی۔۔آج بھی اس کی حور کو کتنے ہی مردوں نے دیکھا ہو گا۔۔ارحام خانزادہ کی سرخ آنکھیں مزید سرخ ہوئی تھیں۔۔۔

سر آپ ان سے نہیں مل سکتے۔۔۔ سر کی سختی سے ہدایت ہے آپ کو میم سے کسی صورت نہ ملنے دیا جائے۔۔ آئی ایم سوری... آپ میم سے نہیں مل سکتے۔۔۔ سیکرٹری نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔ جس کے سرخ و سفید چہرے پر برفیلے تاثرات بڑھتے جا رہے تھے۔۔

ارحام خانزادہ سیکرٹری کی بات سن کر ایک بار پھر سے طنزیہ ہنس دیا تھا۔۔ اب کی بار سیکرٹری نے اسے اچھنبھے سے ہنستے ہوئے دیکھا تھا جو بات بات پر ہنس رہا تھا۔ مگر چہرے کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اسے اس ٹائم مقابل کی وحشت برساتی آنکھوں سے خوف محسوس ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ اپنی مٹھی بھینچتے ہوئے آفس کی طرف بڑھا اسیکرٹری بھاگتے ہوئے دوبارہ سے اس کے راستے میں حائل ہوئی تھی۔۔

سر آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔۔ آپ میم سے نہیں مل سکتے۔۔ سر اگر اب آپ میری بات نہیں سنیں گے تو مجھے مجبورًا اسیکورٹی کو بلانا پڑے گا۔ سلطان شاہ کی سیکرٹری ماریہ نے ارحام خانزادہ کی شاندار پرسنیلٹی اور اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھتے بہت ہی مناسب الفاظ میں اپنی بات کہی تھی۔۔ ورنہ ارحام خانزادہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شائد وہ وارن کیے بغیر سکیورٹی کو بلا لیتی۔۔۔۔ مگر مقابل کی مغرور بارعب پرسنیلٹی اسے روکے ہوے تھی۔

میری بات سنو۔۔ میرے اندر جانے کے بعد کوئی اندر نہیں آئے گا۔۔ اور اپنی میم کی تمام میٹنگ کینسل کر دو۔۔

ارحام خانزادہ سپاٹ انداز میں بولتے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے ہوے وہ غصے سے آفس کی طرف بڑھا۔۔

سر آپ اندر نہیں جاسکتے۔۔ سلطان شاہ کی سیکرٹری ماریہ ایک بار پھر بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھی۔۔

مگر ارحام خانزادہ تیزی سے آفس کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو چکا تھا۔۔

سر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلطان شاہ کی سیکرٹری ماریہ بھاگتی ہوئی ارحام خانزادہ کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔

حور جو اس شاندار سے آفس میں چیئر پر بیٹھی کچھ فائلز دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کو دیکھتے جلدی سے چیئر سے کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی۔۔

وہ اس وقت بلیک ٹراوزر بلیک سٹائلش سی شرٹ میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ چیئر پر لٹک رہا تھا۔۔ سلکی بال کھلے ہوے تھے۔۔

ہونٹوں پر چمکتا پنک کلر میں گلوز لگائے ہوئے تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے شعلہ بار نگاہوں سے اس کے نشیب و فراز کو دیکھا تھا۔۔ وہ بغیر دوپٹے کے اس کے سامنے اپنا دو آتشہ روپ لیی کھڑی تھی۔۔ بے شک وہ کل سے قدرے بہتر حلیے میں تھی۔۔ مگر لباس ایسا ہرگز نہ تھا جو اس کے وجود کو چھپاتا۔۔ اس کی دلکش کندن نشیب و فراز پر سے کسی کی بھی نگاہیں ہٹانا مشکل ہی ناممکن ہو جاتا تھا۔۔ ارحام خانزادہ غصے اور کرب سے اپنا بالائی لب بہت بے دردی سے پیوست کر گیا تھا۔۔

حور کی نظریں ارحام خانزادہ کی بھنچی ہوئی مٹھیوں سے ہوتے اس کے شرٹ کے کھلے بٹنوں سے نظر آتی سرخ و سفید گردن پر جا ٹھہری تھیں۔ جس کی نیلی رگیں پھول رہی تھی۔

حور نے فق رنگت سے جلدی سے دوپٹہ چیئر سے اٹھا کر اپنے سر پر اوڑھا۔۔

سلطان شاہ کی سیکرٹری نے یہ منظر حیرانگی سے دیکھا تھا۔۔

سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی حور سلطان شاہ اپنے سامنے کھڑے انسان کو دیکھ کر گھبراتے ہوے اچھی طرح دوپٹہ سر پر اوڑھ چکی تھی۔۔

اور وہ انسان بھی اسے پورے حق سے سرد سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔۔

آئی تھنک ہم ہسبنڈ اینڈ وائف کو پرائیویسی دے دینی چاہیے آپ کو۔۔مجھے اپنی بیوی کی خوبصورتی کا حق ادا کرنا ہے۔۔کل مجھے لگتا ہے میرے اپارٹمنٹ میں کچھ کمی رہ گئی تھی۔۔ارحام خانزادہ نے اس کے ڈرے سہمے نظریں جھکائے روپ کو دیکھتے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔وہ اس کے سامنے ڈرنے کی شاندار ایکٹنگ کرتی تھی۔۔

ارحام طیش و اشتعال سے اس کے لرزتے بدن کو دیکھ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ کی بات میں چھپے مطلب کو نہ صرف حور بلکہ ماریہ بھی اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔۔ حور کی رنگت قندھاری ہوئی تھی۔۔ اپارٹمنٹ میں ارحام خانزادہ کی جنون خیزیاں یاد آئی تھیں۔ دیوانوں کی طرح کل کیسے اس نے اس کے ایک ایک پور پر اپنی سوغاتیں چھوڑی تھیں۔۔ اس کا پورا بدن ابھی بھی اس کی شدتوں سے داغدار تھا۔ وہ شاور لیتے ہوئے بھی اپنے بدن پر ایک نگاہ نہیں ڈال پائی تھی۔۔ اس کی دی ہوئی سوغاتیں کل سے اس کا دل دھڑکا رہی تھی۔

ماریہ اب آنکھیں پھاڑے حور اور ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی حور سلطان جو اس ایمپر کی مالک تھی۔وہ ارحام خانزادہ کی بیوی تھی یقین کرنا مشکل تھا۔۔اس بات کا یقین کر بھی لیا جاتا۔۔سامنے کھڑی بے تحاشا خوبصورت کانفیڈنس لڑکی جو عربوں کے اسٹیٹ کی مالک تھی۔۔وہ اس مغرور رینڈسم انسان کے سامنے نظریں جھکائے سرخ گلاب سی کھڑی تھی۔۔بدن میں ہلکی ہلکی سی لرزاہٹ بھی جاری تھی.۔۔

جس سے صاف ظاہر تھا مقابل کا کافی ہولڈ تھا سامنے کھڑے نازک مہکتے وجود پر۔۔۔

I said leave us alone.

ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے تھوڑا سا جھکتے ہوے دھاڑا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کی دھاڑ پر سیکرٹری کے ساتھ حور بھی بری طرح لرزی تھی۔۔ حور سلطان شاہ نے فق رنگت سے ارحام خانزادہ کو دیکھا جو ٹیبل پر ہاتھ رکھے اسے سرد سرخ نظروں سے گھور رہا تھا۔۔

سیکرٹری جلدی سے دروازہ کھولتے باہر نکل گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے حور کو سرد سرخ نظروں سے گھورتے ہوے آفس کا دروازہ لاک کیا..

ارحام اب دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے سامنے کھڑے نازک سے وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

جو اس کے سامنے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ بظاہر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئی تھی۔۔ مگر اس کی لرزتی پلکیں اس کے عارض پر سایہ فگن ہونے کو تیار تھیں۔ وہ بمشکل ہی انھیں جھکانے سے روک رہی تھی۔۔۔ وہ جانتا تھا مقابل کتنا ہی کیوں نہ بدل جائے وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتی۔۔ اس کی پر تپش نگاہیں اس کے عارض ہمیشہ قندھاری کر دیتی تھیں۔ وہ آج بھی سرخ گلاب تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی گہری بے باک سرخ آنکھوں کو ایک نظر دیکھتے حور نے دوپٹہ اور اچھی طرح سر پر جمایا تھا۔ ارحام خانزادہ اب تلخی سے مسکرا دیا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے یہی دوپٹہ کرسی پر جھول رہا تھا۔۔ اس کے سامنے دوپٹہ لینے کا کیا فائدہ تھا۔۔ وہ تو اس کی تھی۔ وہ تو دوسروں کی غلیظ نگاہوں سے اسے بچانا

چاہتا تھا۔۔ نہیں برداشت کر سکتا تھا اس پر کسی کی غلطی سے بھی پڑی ہوئی نظر۔۔۔

وہ بے بسی سے کرب سے مسکرا کر رہ گیا تھا۔ جس کے سر سے ذرا سی چادر سرکتی تھی تو وہ پاگل ہو جاتا تھا۔۔ وہ آج پھر کھلے بالوں کے ساتھ اپنی نمائش کرتے سب کے درمیان سے گزر کر آئی تھی۔۔ اب اس کے سامنے کھڑی لرز رہی تھی۔۔ یہ ڈر یہ فرمانبرداری اسے اپنی غیر موجودگی میں بھی چاہیے تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی نظریں اس پر بے باکی سے گڑھی تھیں۔

حور بھیگی نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

مجھے کچھ چیکس اور فائلز پر آپ کے سائن چاہیے تھے۔۔ میم۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوے ایک ایک لفظ چباتے ہوے اپنے کوٹ سے چیک بک اور ہاتھ میں پکڑی فائل ٹیبل پر پٹختے ہوے اسے دیکھا تھا۔۔

جو اسے بھیگی نگاہوں سے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اس کی بھیگی شکوہ کناں نگاہوں کو دیکھتے وہ زچ ہوا تھا۔۔

وہ اسے کیوں ایسے دیکھتی تھی؟؟۔۔ ظالم تو وہ خود تھی۔۔ اس طرح بے پردگی میں وہ اس پر کتنا ظلم کرتی تھی۔۔ وہ ابھی تک اپنے ظلم کی گہرائی سے ناواقف تھی۔ اسے کبھی پتہ چلتا اسے بے پردہ دیکھتے کیسے اس کے اندر دہکتے تندور جلتے تھے۔ کیسی سینے میں آگ بھڑکتی تھی۔ وہ کبھی اس حلیے میں کسی کے سامنے نہ آتی۔

چاہیں تو آپ بھی میم میرے ہزاروں چکر اپنے اس عالیشان آفس میں لگوا کر مجھے میری اوقات بتا سکتی ہیں۔۔ جس طرح آپ کے والد صاحب میرے یہاں چکر لگوا کر مجھے میری اوقات بتا رہے ہیں۔۔۔ ارحام خانزادہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے ذرا سا جھکتے اس کی گلابی شبنمی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ بولا تھا۔۔

میں کر دیتی ہوں سائن۔۔۔ حور نے سنجیدگی سے کہتے اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے فائل کھولتے ارحام خانزادہ کو ایک نظر دیکھا تھا۔۔

دوسرے لمحے وہ پن پکڑے ان پیپرز پر سائن کرنے لگی۔۔ یکدم ارحام خانزادہ کا مضبوط ہاتھ اس کے سائن کرتے ہاتھ کو تھام چکا تھا۔۔ ارحام کا مضبوط بائیاں مردانہ ہاتھ اس کے دائیں ہاتھ پر اس کی گرم سانسیں اس کی

کان کی لو پر بکھر رہی تھیں۔۔ حور کا ہاتھ اس کی مضبوط مردانہ گرفت میں لرزا تھا۔۔

عارض دہکتا تندور بنے تھے۔۔

سوچ سمجھ کر کیجیے گا میم سائن۔۔۔۔ یہاں قدم قدم پر دھوکا دینے والے لوگ ہیں۔۔ جو اپنے معصوم چہرے کا فائدہ اٹھا کر آپ کا سب کچھ آپ سے چھین لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے میں آپ سے آپ کو ہی لکھوا لوں۔۔ ارحام نے اس کے کان کی لو کو بے دردی سے دانتوں سے کھینچتے سرد آواز میں سرگوشی کی تھی۔۔ حور اس کی سرد پھنکار نما سرگوشی اور اس کی بے رحم شدت پر کانپ کر رہ گئی تھی۔۔

ویسے آپ چھ ماہ پہلے خود کو میرے نام کر چکی ہیں۔ مگر کل کے آپ کے ہر ایکٹ سے مجھے لگا آپ یہ بھول چکی ہیں کہ آپ کی سانسیں تک میری آمانت ہیں۔

کیا ہوا میم ؟؟اس سے زیادہ میری بے رحم شدتیں سہہ چکی ہیں۔ غریب باپ سے امیر باپ کی بیٹی بنتے ہی آپ میں ناز کی آ چکی ہے۔ ارحام خانزادہ نے اب اس کی سائیڈ گردن پر اپنے دانت شدت سے گاڑھے تھے۔ اس کی بے رحم شدت پر حور کی آنکھیں بھیگی تھیں۔

لگتا ہے آپ کا یہ کھیل ہے معصومیت میں دوسروں کا سب کچھ لوٹ کر مسکرا کر دغا کر جانا۔۔۔۔ارحام اس کی چیئر گھما کر اس کا رخ اپنی طرف کر چکا تھا۔۔

اب اس کی چیئر کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اس پر جھکا اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

چھ ماہ پہلے جو میں نے آپ سے چھینا تھا۔۔اس رات کے ایک ایک پل میں آپ نے مجھ سے خراج وصول کیا تھا۔۔

اس کا ایک ایک لمحہ آج بھی مجھے یاد ہے۔۔۔۔

آپ نے بھی مجھے اپنی شخصیت سے دھوکہ دیا تھا۔۔اس رات کیوں مدد کی میری؟؟۔کیوں نہیں مجھے سوات کی اس سڑک پر چھوڑا؟؟۔۔۔کیوں نہیں دوسرے مردوں کی طرح مجھ پر غلیظ نگاہیں گاڑھیں؟؟کیوں اچھا بننے کا ناٹک کیا؟؟

دھوکہ آپ نے بھی دیا تھا۔۔حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے چیخی تھی۔

کیا چاہتی ہو؟؟ کیا کروں میں؟؟ تمھاری مدد کرنے کی اور کتنی سزا پاؤں۔۔ وہ اس کے چیخنے پر اس کی آنکھوں میں دیکھتا دھاڑا۔۔

حور اس کی دھاڑ پر شدت سے لرز اٹھی تھی۔۔ حور نے بھیگی آنکھوں سے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

وہ ہمیشہ ایسے ہی اس پر چلاتا تھا۔۔ اور وہ اس کی زندگی میں جزا بن کر نہیں سزا ہی بن کر داخل ہوئی تھی۔۔ جزا تو وہ گل تھی اس کے لیے۔۔ حور کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھد۔

اس کے ایسے دیکھنے پر وہ جھنجھلاتے ہوے اس سے ضور دور ہوا تھا۔۔

غصے سے گلاس وال کی طرف مڑتے اس پر پوری قوت سے مکہ مارتے اس نے اپنے غصے پر کنٹرول کیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیسے حور کو ڈیل کرے۔۔

اب دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔۔ ارحام نے اس کی بھیگی شکوہ کناں نگاہوں کو دیکھتے غصے سے جھنجھلاتے ہوے اپنی آئی برو مسلی۔۔

اس کی آنکھوں میں ٹھہرے شکوے اسے سمجھ نہیں آتے تھے۔۔۔ وہ اسے کیوں ایسے دیکھتی تھی۔۔ شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھنے کا حق تو اب اسے تھا۔

اپنی محبت اپنی گل کو دوبارہ پالیں ارحام۔۔۔۔۔۔ آپ کی بیٹی آپ کی محبت آپ کے پاس ہو گی تو یہ سزا ختم ہو جائیگی۔۔ حور نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

Will you stop your nosenss??

ارحام خانزادہ پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں چیخا تھا۔

اس کے چیخنے پر حور اپنی آنکھوں سے بہتی شبنم اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑتے اپنی چیئر کا رخ موڑ چکی تھی۔

ارحام خانزادنے آگے بڑھتے اس کی چیئر کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف کیا تھا۔۔ اور کرسی کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں اپنی سیاہ مقناطیسی آنکھیں گاڑھیں۔

میری محبت گل نہیں ڈیم اٹ تم ہو۔۔۔ ارحام اس کے چہرے پر گرم تپش زدہ سانسیں چھوڑے سرد لہجے میں بولا۔

حور اس کی بات پر سٹل ہوئی تھی۔۔۔ بلکل مجسم

ارحام اب گہرے سانس لیتا اسے دیکھ رہا تھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔۔

کیسے کہوں عشق میں تیرے کتنا بے تاب میں ہوں میں

آنکھوں سے آنکھیں ملا کہ چرالوں تیرے خواب میں

ارحام خانزادہ نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کی بھیگی آنکھوں کو بے حد نرمی سے چوما۔

حور بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اس کی آنکھوں کو نرمی سے چومتا اس کے عارض کو نرمی سے اپنے لبوں سے چھوتے گیلا کر رہا تھا۔۔

اس کی تپش زدہ سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔ ارحام خانزادہ کے لب بہت نرمی سے اب اس کے عارض سے ہوتے اس کے لبوں کو ٹکرا گئے تھے۔۔ اس سے پہلے وہ اس کے لبوں کو چھوتا حور پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیل چکی تھی۔ وہ جو خماری سے اس پر جھکا تھا اس کے دور دھکیلنے پر پیچھے کو بری طرح لڑکھڑایا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے سرخ مخمور نشیلی آنکھوں سے حور کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے اسے گھور رہی تھی۔

اس کے انداز پر ارحام خانزادہ کے لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا تھا۔۔

اس کی نرمی پر اس کی محبت پر وہ نخرہ نہ کرتی یہ کیسے ممکن تھا؟؟؟

اب تو اس کی ہر ادا جان لیوہ تھی۔ وہ اس کی ہر ادپر مرتا تھا۔

حور نے بھیگی نگاہوں سے سامنے کھڑے ستم گر کو دیکھا تھا۔۔ وہ محبت کی آڑ میں پھر سے اس سے اپنا حق لینے آیا تھا۔۔ یہ سرخ خمار بھری نظروں کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔۔ چھ ماہ میں ایک یہی روپ تو دیکھا تھا ۔۔ غصہ ہو نفرت وہ اس سے صرف اپنی طلب ہی تو مٹاتا تھا۔

جب نفرت نفرت الاپتا تھا تو ساری رات اپنی آگ جیسی قربت میں جھلسائے رکھتا تھا۔۔ تب بھی ان لبوں کو ایک پل کے لیے نہیں چھوڑتا تھا۔۔ ساری رات وہ اس کے جسم کے پور پور پر اپنی حکمرانی اپنا تسلط برقرار رکھتا تھا۔

جب وہ اس کا جنون بنی وہ اور بھی شدت سے اس پر اپنی بے رحم شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔اور کل اس کا اتنا غصہ بھی اس کی قربت نے ختم کیا تھا۔۔محبت کہاں تھی اس کی۔۔صرف جسم کی چاہ ہی تو تھی۔بدن کی بھوک مٹانا ہی تو تھی۔

سامنے کھڑے مغرور انسان کے لیے اس کا جسم کمزوری تھا۔اس کی بے پناہ خوبصورتی کمزوری تھی۔وہ اپنی بے پناہ خوبصورتی سے بخوبی واقف تھی۔۔۔وہ اس سے نہیں اس کی خوبصورتی سے محبت کرتا تھا یہ اس کی آنکھوں میں صاف لکھا تھا۔

وہ ارحام خانزادہ کو نم آنکھوں سے بغور دیکھتے چیئر سے اٹھتے آفس سے ملحقہ کمرے کی طرف جلدی سے بڑھی۔وہ اس پہاڑی خان کی شدتیں نہیں سہن

کر سکتی تھی۔۔جو یہاں بھی صرف اپنا مطلب پورا کرنے آیا تھا۔۔اس کی مخمور بہکی نگاہوں سے صاف ظاہر تھا وہ اپنا حق لے کر رہے گا۔۔اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتی۔۔وہ اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈالتے اپنے سینے سے لپٹاتے اس کی بیک زپ کھول چکا تھا۔۔

زپ چرر کی آواز کے ساتھ کھلتی چلی گئی تھی۔۔

حور نے مڑتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔جو اسے بہکی بہکی استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔وہ اس کے قریب ہوتا اسے کلائی سے جکڑے گلاس وال کے ساتھ لگائے اس کی گردن پر جھکا۔۔

اب کیسے مجھ سے بچ سکو گی میری جان۔۔۔۔۔۔تم جانتی ہو تمھارے قربت میری کمزوری ہے۔۔میں تمھارے سامنے آکر بے بس ہو جاتا ہوں۔۔اب جب تم میرا عشق ہو میری کمزوری ہو۔اس بند کمرے میں

کیسے تمھیں میری شدتوں میری پناہوں سے آزادی ملے گی۔۔میں نفرت کروں یا محبت انتہا پر کرتا ہوں۔۔اور تم تو میرا عشق ہو۔۔سوچو اس عشق کی انتہا کیا ہو گی۔۔ابھی تو تمھیں بہت جھلسنا بہت تڑپنا ہے میری پناہوں میں۔۔

ارحام اس کے لبوں کو انگوٹھے سے سے مسلتا نشیلی آواز میں بولا۔۔

حور کو اس کے لفظ سمجھ نہیں آرہے تھے۔۔وہ صرف اس کی خمار آلود نگاہیں اور اس کے ہاتھوں کو بہت بے باکی سے اپنے بدن پر سفر کرتا محسوس کر رہی تھی۔۔وہ بہت بے باکی سے پورے استحقاق سے اس کے بدن کی گہرائیوں کو چھو رہا تھا۔۔

وہ آج بھی اس کی آگ جیسی قربت برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔۔اس کے بدن کی حدت سے وہ پسینے میں بھیگتی جا رہی تھی۔وہ اس کی گردن پر اپنے

لب رکھتے جگہ جگہ اپنے دانت گاڑھتا کبھی دیوانوں کی طرح اس کی گردن کو شدت سے چومتا۔۔

حور کی کمزور سی مزاحمت پر وہ اس کی کلائیاں گلاس وال کے ساتھ ٹکاتے اس کی ہر مزاحمت کو ختم کر چکا تھا۔

حور کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ ارحام خانزادہ نے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ موڑے گلاس وال کے ساتھ لگایا۔ اس کی پشت اب ارحام خانزادہ کی طرف تھی۔۔۔ ارحام کی گرم بے باک انگلیوں کا لمس اس کی کھلی زپ سے نظر آتی برہنہ پشت پر سفر کرنے لگا۔۔ ارحام پلیز چھوڑیں مجھے۔۔۔ حور بھیگے لہجے میں دبی آواز میں چلائی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اس کے مزید قریب ہوتے اس کی برہنہ کمر پر اپنے تشنہ لب بے قراری سے

رکھے تھے۔۔وہ ہمیشہ اس کی قربت میں بہک جاتا تھا۔۔وہ اس کی ہے۔۔وہ اس پر مکمل حق رکھتا ہے وہ دیوانہ تھا اس کا۔۔وہ آج بھی اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔۔۔حق ملکیت کا احساس اسے بہکا چکا تھا۔۔کل جس طرح اسے چھوڑ کر سلطان شاہ کے ساتھ چلی آئی تھی۔۔وہ تڑپ کر مرنے والا ہو گیا تھا۔۔اب وہ اپنی ساری تڑپ سارا جنون ساری تشنگی اس نازک وجود میں انڈیلنا چاہتا تھا۔جو اس کی بے چینیوں کا سبب تھی۔۔وہ اسے بتانا چاہتا تھا وہ صرف اس کی ہے۔وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہے۔

اس کے دیوانگی بھرے لمس سے حور کی سانسیں گہری ہو رہی تھی۔

جسے محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے مسکراتے ہوے اس کی کان کی لو کو نرمی سے اپنے لبوں سے کاٹا تھا۔۔

گلاس مرر سے نظر آتے حور کے عکس کو دیکھتے اس کی نگاہیں مزید مخمور ہوئیں تھیں۔اور اس کے دہکتے روپ کو دیکھتے وہ حسد کا شکار ہوا تھا۔۔

تیری تعریف اگر آئینہ بھی کرے

توڑ دوں میں اسے دل میرا کہے

تو ہے میرا جنون میرے دل کا سکون

میں دیوانہ ہوں تیرا کوئی کچھ بھی کہے

ارحام خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے کان میں مدھم آواز میں گھنگنایا تھا۔۔اس کا عکس وہ صرف اپنی آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ کہیں اور اس کا عکس کہاں گوارا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔۔حور نے بے بسی سے اسے پکارا۔۔

حور۔۔۔۔۔۔۔۔ ختم کرو یہ سب۔۔۔ تم میری زندگی میں جیسے بھی آئی۔۔ یہ معنی نہیں رکھتا۔۔ معنی یہ رکھتا ہے میں تمھیں کتنا چاہتا ہوں۔۔ میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔ اب تمھیں میرا بن کر رہنا ہے صرف میرا۔۔ مجھے تمھاری آنکھوں میں خوف نہیں اپنے لیے محبت چاہیے۔۔ میں تم پر کوئی پابندی نہیں لگاؤں گا۔ مگر رہنا تمھیں میری پناہوں میں ہو گا۔۔ تم کبھی کسی غیر مرد کے سامنے بے پردہ نہیں جاؤ گی۔۔ پورے پردے میں رہو گی۔۔ صرف میری بن کر۔۔ تم پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا۔۔ اگر تم سوچتی ہو اس بات پر کبھی میں کمپرومائز کروں گا تو یہ بھول ہے تمھاری۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولا۔ حور اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ وہ صرف اپنے بارے میں بات کر رہا

تھا۔اس کی مرضی اس کی priority کہاں تھی۔اور ان کے بیچ کب کچھ ختم ہوا تھا۔۔وہ کل بھی اس کی ضرورت تھی۔وہ آج بھی اس کی ضرورت صرف طلب تھی۔۔حور نے ارحام کے چٹانی سینے پر ہاتھ جماتے اسے پوری قوت سے دور دھکیلا۔۔مگر وہ اسے ایک انچ بھی خود سے دور نہ دھکیل سکی تھی۔۔وہ بے بسی سے شدت سے اس کے سینے کے ساتھ لگی رو دی۔۔ارحام خانزادہ اس کے یوں بلک بلک کر رونے اور اس کے اپنے سینے میں سمانے پر مزید اپنے سینے میں میں بھینچے مسکرا گیا تھا۔۔وہ اس کے اس طرح رونے اور سینے پر سمانے کو ہمیشہ کی طرح اس کی سپردگی اور اس کی رضامندی سمجھ بیٹھا تھا۔۔

وہ حور کو بانہوں میں اٹھائے اسے آفس سے ملحقہ کمرے میں لیے داخل ہوا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔ حور نے بہتے آنسوؤں سے اسے پکارا۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے بہتے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے سلامی دے گیا تھا۔ وہ اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتے اپنے حلق میں اتار گیا۔

حور نے لب کاٹتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی۔ وہ اسے بیڈ کی طرف بڑھا۔

اسے بیڈ کے وسط میں بہت نرمی سے لٹاتے اس کی پیشانی پر اپنے پر حدت لب رکھے تھے ذرا سا اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتارتے دور اچھالی تھی۔

حور اس کے برہنہ سینے کو دیکھ کر جلدی سے بیڈ سے اٹھتے بیڈ کی دوسری سائڈ کی طرف بڑھی۔۔۔وہ اسے کلائی سے جکڑے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔

وہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھے اس پر جھکا۔۔

حور اس کی سرخ مخمور نگاہوں میں دیکھتے کپکپا کر رہ گئی تھی۔۔۔ان سرخ آنکھوں میں دیکھنے سے اس کی جان جاتی تھی۔۔اس کے حصار میں وہ آج بھی لرز رہی تھی۔۔ نظریں اٹھانا محال تھا۔۔۔اسے دور وہ آج بھی نہیں جھٹک سکتی تھی۔۔مقابل کا خوف آج بھی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا تھا۔۔سب سے بڑھ کر وہ اس پر مکمل حق رکھتا ہے۔۔۔یہ حق اسے خود سے دور جھٹکنے ہی نہیں دیتا تھا۔

اب گوارا نہیں کوئی اور بھی ہو

جو میری طرح یوں تم پر مرے

چھونا تو دور ہے اب نا منظور ہے

کوئی میرے سوا تیرا ذکر بھی کرے

ارحام اس کی آنکھوں میں جھانکتے دیوانگی کے عالم میں بولا تھا۔۔ حور کی رگوں میں سنسنی دوڑی تھی۔۔ نظروں کے سامنے سبز آنکھوں والا شہزادہ آیا تھا۔۔ جس دن مقابل کو اس کی اصلیت پتہ چلی کیا ہو گا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ اس پر مرتا ہے۔۔ حور نے گہرے سانس لیے تھے۔یقدم اسے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہوے تھے۔۔اس کی زندگی کے مقابل کتنے پہلوؤں سے ناواقف تھا۔۔ جب واقف ہو گا تو کیا کرے گا۔۔ اتنا تو

اسے یقین تھا ساحر خان والا سچ برداشت نہیں کر پائے گا۔۔یقیناً اسے جان سے مار ڈالے گا۔۔ حور کو اب اپنے اوپر جھکے اس پہاڑی خان اور اس کی سرخ آنکھوں سے خوف محسوس ہوا تھا۔۔وہ ایک بار پھر ان تکلیف دہ مرحلوں سے گزرنا نہیں چاہتی تھی۔۔جو اس کے بدن پر آج بھی لرزہ طاری کر دیتے تھے۔۔ کس طرح اس بلا کے ہینڈسم مغرور انسان نے اس کے وجود کو ادھیڑا تھا۔۔کیسے بے رحمی کی طرح اس کے نازک حصے بھنبھوڑے تھے۔۔ کس طرح اس نے درندگی دکھائی تھی۔۔ کس طرح وہ اس میں سمایا تھا۔۔اس کی سانسوں کو بے رحمی سے کچلتے وہ اس کے نازک لبوں کو چبا گیا تھا۔۔اس رات کا ایک ایک اذیت کا لمحہ آنکھوں میں آیا تھا۔۔

اس نے جو کیا تھا وہ بہت غلط تھا۔۔ جس کا کوئی مداوہ نہیں تھا۔۔ مگر وہ کیا اس رات کے ایک ایک پل کا مداوہ کر سکتا تھا۔۔۔ کیا وہ اس رات کی تذلیل اسے بھلا سکتا تھا۔۔ کیسے اس نے اس کی تذلیل کی تھی۔۔۔ اپنے لفظوں سے اسے اس کے کردار پر وار کیے تھے۔۔ اس کی روح کو بھی زخمی کیا تھا۔ حور کی آنکھوں کے سیال رواں جاری تھا۔۔ وہ رات یاد کر کے وہ اس کے حصار میں لرز رہی تھی۔ مقابل سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس کے بدن کا کپکپانا محسوس کر کے اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچ کر اس کے نازک وجود کا وزن اپنے اوپر لاد گیا تھا۔۔

اس کے بالوں کو جکڑے وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں چرا گیا تھا۔ حور کی ساری سانسیں چرا کر وہ اسے لمحوں میں بے جان

کر گیا۔۔اس کا ساکن وجود محسوس کرتے ارحام نے اس کے لبوں کو آزادی دیتے اپنا حصار اس کے گرد سے ہٹایا تھا۔۔حور تکیے پر گرتے گہرے سانس لیتے رخ موڑ گئی تھی۔۔ارحام نے اس پر جھکتے اس کی پچھلی گردن پر پر تپش لمس بکھیر کر اس کے بدن دہکایا تھا۔۔

جو ہر بار کی طرح آج بھی ہر حد سے گزرنا چاہتا تھا۔

۔ارحام پلیز۔۔۔۔حور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس سے التجا کی۔۔وہ

۔

کب سے ادھوری ہے ایک داستاں

آجا اسے آج انجام دیں

تمھیں بھولوں کیسے میں

میری پہلی خطا تم ہو

وہ اس کے عارض پر انگلیاں پھیرتے گنگنایا تھا۔ ارحام۔

اس کی شدتوں اور جنون خیزیوں پر بندھ باندھنا آج بھی ناممکن تھا۔۔ اس کے مضبوط حصار اور پناہوں میں آج بھی حور کی آنکھوں سے آنسو بے مول ہو کر عارض پر بکھر رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ یکدم اس کے نازک وجود کو خود میں سما گیا تھا۔۔ حور کی سسکاری بلند ہوئی تھی۔۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹے جنھیں وہ اپنے لبوں سے چنتا بہت ہی جنونی انداز میں اپنی شدتیں اس پر ڈھانے لگا۔ اسے آج بھی اپنا آپ ایک کھلونا لگ رہا تھا۔۔۔ جس کا کام حویلی میں ان چھ ماہ گزرے لمحوں کی طرح صنصرف مقابل کی پیاس بجھانا تھا۔۔ وہ روئے تڑپے آہیں بھرے اسے سمانا اپنے اوپر جھکے ستم گر کی بانہوں

میں ہی تھا۔۔وہ ابھی بھی تڑپ کر اس کے ہی چٹانی سینے میں سمارہی تھی۔۔وہ ہمیشہ کی طرح اس کے دور جانے کے تمام راستے مسدود کر چکا تھا۔۔

ارحام خانزادہ واش روم سے فریش ہو کر کمرے میں آیا وہ وائٹ پینٹ میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔ ۔کمرے میں آتے ہی وہ بیڈ پر پڑی اپنی وائٹ شرٹ اٹھائے پہننے لگا۔۔شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوے اس نے سنجیدہ نگاہوں سے حور کی طرف دیکھا ۔۔جو اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پاؤں زمین پر لٹکائے ہوے تھی۔ وہ بلیک ڈریس میں ملبوس تھی اس کے سلکی الجھے بال ایک طرف اس کے شانے پر بکھرے ہوے

تھے۔۔۔ارحام خانزادہ نے لب بھینچتے ہوے اسے دیکھا تھا۔۔اس کا لرزتا بدن بخوبی محسوس ہو رہا تھا۔۔دردو کرب کی کیفیت سے وہ ایک بار پھر سے گزرا تھا جو آج کل وہ دن میں کتنے ہی لمحوں میں گزرتا تھا۔۔وہ اپنے محرم کی قربت کے لمحات کے بعد سوگ کی کیفیت میں تھی۔۔یہ بات ارحام خانزادہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ حور کی طرف بڑھتے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھا۔وہ نامحسوس انداز میں کھسکتی ہوئی اس سے دور ہوئی تھی۔۔ارحام خانزادہ اس کے اس طرح دور ہونے پر جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔وہ اس سے دور ضرور ہوئی

تھی۔ مگر اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔۔ ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔ پھر وہ اس کے قریب زمین پر پنجوں کے بل بیٹھا۔۔

بہت نرمی سے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔۔۔ حور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔ آنکھیں شدت گریہ سے گلابی تھیں۔ ارحام نے بہت نرمی سے اس کے سلکی بال اس کے شانوں سے پیچھے کیے تھے۔۔

ارحام نے پاس پڑے اس کے شوز پکڑ کر بہت نرمی سے اس کے سفید نرم و نازک پیروں میں پہنائے۔۔. وہ بھیگی سپاٹ نگاہوں سے صرف ارحام کو دیکھے جا رہی تھی۔۔

ارحام نے نرمی سے اس کے گود میں رکھے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر انھیں شدت سے چوما تھا۔۔

اس کے عارض پر گرے بالوں کو بہت محبت اور نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑسا۔۔ اب وہ بہت نرمی سے اسے چھو رہا تھا۔ وہ اس کی سپاٹ بھیگی آنکھوں میں دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

حور تم کبھی میرے دل میں اپنے لیے محبت کو نہیں سمجھ سکتی۔۔

میں نے تمھیں اپنے نکاح کی رات کو نوچا تھا۔۔ تمھارے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔۔

مگر میں نے کبھی اپنے عمل کو جسٹیفائی نہیں کیا۔۔

اس رات میں میں نہیں تھا۔۔۔ یک ایسا مرد تھا جس کے کردار پر انگلیاں اٹھائی گئی۔۔ اسے زانی ہونے کے طعنے دیے گئے۔۔ مجھ پر کسی نے یقین

نہیں کیا۔۔ تمھاری خوبصورتی کم عمری نے میرے ہی کردار کو سب کی نظروں میں گرا دیا۔۔

گل نے چیخ چیخ کر مجھ پر تہمت لگائی۔۔ پل میں سب بکھر گیا تھا۔۔۔ اس وقت میرے اندر تمھارے لیے بہت غم غصہ اشتعال تھا۔ اگر مجھ پر ایک قتل کرنا جائز ہوتا تو اس رات میں یقیناً تمھارا کرتا۔۔ ایک پل کے لیے تم مجھے اپنی جگہ پر رکھ کر سوچو۔۔۔ اس رات جو ہوا شائد کسی فرشتے کو بھی فرشتہ نہ رہنے دیتا۔۔

مگر میں نے پھر بھی اتنے غم و اشتعال میں ہونے کے باوجود تم سے بدلہ لینے کا نہیں سوچا تھا۔

میں نے تم سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ داجی کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ تمھارا کسی سے بھی نکاح کر کے یہاں سے چلتا کریں۔۔ ارحام

بات کرتے کرتے ہلکا سا زخمی ہنسی ہنس دیا تھا۔۔ پتہ ہے مجھے تو تمھارے لیے بولے ہوے ان لفظوں پر بھی تکلیف ہوتی ہے۔۔

جب نکاح لفظ کے ساتھ نام حور آجائے تو اس نام کے ساتھ ارحام لکھنا جائز ہو جاتا ہے۔۔ حور نے ارحام کی بات پر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں محرم ہونے کا غرور تھا۔۔ وہی غرور جس میں اس کے لیے سب جائز تھا۔۔ اسی غرور کی وجہ سے تو وہ ابھی اس کے قریب آیا تھا۔ حور اس کی سرخ دیوانگی بھری آنکھوں سے نظریں چرا گئی تھی۔

میں اس وقت حویلی چھوڑ کر جا تھا حور۔۔۔ وہاں پر کرتا بھی کیا۔۔ اس وقت حویلی میں کوئی نہیں تھا۔۔ نہ میری بیٹی اور نہ میری بیوی۔۔۔ ارحام حور کی بھیگی نگاہوں میں دیکھتے بولا۔۔ حور کی آنکھوں میں ٹھہری نمی نے شدت اختیار کی تھی۔۔ جسے ارحام خانزادہ نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

مگر داجی کے مجبور کرنے پر میں تم سے نکاح کر بیٹھا۔ تمھیں اپنی سپردگی میں لیتے وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔

ہم لوگ اپنی عورتوں کو نہیں چھوڑتے۔۔۔ اپنی عزت کو کبھی دوسرے کے حوالے کبھی نہیں کرتے۔

گل کو چھوڑنے کا مطلب تھا مجھ پر بے غیرتی کا ایک اور ٹھپہ لگنا۔۔۔ اور مجھے بے غیرت کہا بھی گیا۔۔ برداری کے لوگوں نے میرے پیچھے مجھے گالیاں دیں۔۔ مجھے بزدل حوس پرست اپنی بیٹی کو دوسروں کے حوالے کرنے والا وہ بھی ایک عورت کی خوبصورتی اور جوانی کے لیے اپنے رشتوں کو دھوکہ دینے والا۔۔۔ اس سے بھی بدتر گالیاں دی گئی۔۔

گالیاں تو گالیاں ہوتی ہیں ناں حور۔۔۔ چاہے سامنے دی جائیں یا پیچھے۔۔۔ لگتی ہیں تو یہاں سیدھا دل پر ہی ہے ناں۔۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے حور کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا تھا۔۔

وہ سسکی لیتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔

میں نے غصے میں اس رات گل کو طلاق دے دی تھی۔۔ وجہ جو بھی ہو مگر میں اپنے ہوش و حواس میں گل کو طلاق دے چکا تھا۔۔

تم سے نکاح کرتے وقت تمھین کبھی نہ چھوڑنے کا وعدہ تم سے نفرت میں نہیں بلکہ میں نے خود سے وعدہ اس لیے لیا تھا کیونکہ آئندہ زندگی میں اپنی عزت کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔۔ طلاق ایک جائز عمل ہے مگر اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ۔۔۔۔

اسی لیے میں نے وہ وعدہ لیا خود سے۔۔ خدا کو حاضر ناضر جان کر خود سے عہد کیا کہ میں اب کبھی اپنی عزت کو نہیں چھوڑوں گا۔۔ میں اسی وقت تمھیں اپنی عزت مان چکا تھا۔۔

مجھے نہیں پتہ تھا کہ میرا خدا اسے کیا ہوا وعدہ میرے لیے جان سے بھی بڑھ کر ہو جائے گا۔ وہ حور کی آنکھوں سے آنسو اس کی شفاف عارض سے گرتے نرمی سے اپنے انگوٹھے سے چنتے ہوے بولا۔

میں تم سے آج ایک بات کہتا ہوں۔ تم مجھ پر چیخ چیخ کر پھر سے مجمعے میں الزام لگاؤ۔۔ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لو مگر ارحام خانزادہ تمھیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔

اس سے پتہ ہے کیا ثابت ہوتا ہے وہ بولتے بولتے رکا تھا۔۔

حور نے ہچکی لیتے ہوے اسے دیکھا۔۔۔

تم میری رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہو۔۔ میرے دل میں دھڑکن کی طرح رہتی ہو۔۔ ارحام خانزادہ نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے جذب کے عالم میں کہا۔

حور اس کی باتیں سنتی اپنا نچلا لب بری طرح کچل گئی۔

میرا خدا جانتا ہے نکاح کی رات کے بعد میں نے کبھی تم پر اپنا غصہ نہیں اتارا ۔۔جب بھی تمھارے قریب آیا سکون لینے آیا۔۔ کیونکہ تم جیسے بھی میری زندگی میں داخل ہوئی مگر خدا نے تمھیں میرا محرم بنایا تھا۔۔ تمھاری قربت میں تمھاری پناہوں میں میرے لیے سکون رکھ دیا۔۔ میری ضرورت کا سامان تمھیں بنا دیا تھا۔۔ تو پھر میں کیسے تم سے نظریں چراتا۔۔

میری قربت میں تمھارے لیے میری شدتیں بے رحم ضرور تھیں۔۔ مگر میں نے نکاح کی رات کے بعد کبھی تمھیں اپنی نفرت کے قابل نہیں گردانا۔۔ تم پر غصہ اتارا اپنا حق جتایا مگر ان قربت کے لمحات میں کبھی تمھاری تذلیل نہیں کی۔۔

وہ سچ بول رہا تھا۔۔ وہ جانتی تھی اس نے غصہ کیا مگر کبھی بستر پر اس کی تذلیل نہیں کی تھی۔۔ صرف اس کی شدتوں میں محبت نہیں ہوتی تھی۔۔ نرمی نہیں ہوتی تھی۔۔

حور کی آنکھوں کے آگے وہ قربات کے لمحات آئے تھے۔۔ جب اذیت ہی اذیت تھی۔ وہ اپنی آنکھیں میچ گئی۔۔

کیا میں نے کبھی قربت کے لمحات میں تمھیں نامناسب الفاظ کہے۔۔ کبھی قربت کے لمحات میں تم پر ہاتھ اٹھایا۔۔ تمھاری پچھلے کسی بھی عمل کا تمھیں طعنہ دیا۔۔ تمھارے کردار پر سوال اٹھایا۔۔

ارحام کے سوال پر حور کا سر بے ساختہ نفی میں ہلا تھا۔۔

نکاح کی رات کے بعد اس نے سچ میں کبھی اس کے کردار پر بات نہیں کی تھی۔

تم نے مجھے اپنے پاسٹ کے بارے میں جو بھی بتایا میں نے کبھی اس پر یقین نہیں کیا تھا۔۔ مگر کبھی تمھیں مجبور نہیں کیا کہ مجھے حقیقت بتاؤ۔۔ کبھی

جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تم کس خاندان سے ہو تمھارا خون جائز بھی ہے یا نہیں۔۔۔۔

ارحام۔۔۔۔ حور اونچی آواز میں اسے پکارتے اس کی بات کاٹ گئی۔۔

حور ہم اپنے لیے ایک کپڑا بھی خریدتے ہیں وپوری چھان پھٹک کرتے ہین۔ اور پھر اپنی بیوی اپنی عورت کے بارے میں ایک مرد تو زیادہ حساس ہوتا ۔ہے۔ میرے دل میں بہت سی باتیں آئیں۔۔ تمھیں اندھیری سڑک پر بھیگے کپڑوں میں دیکھ کر۔۔ مگر کبھی میں نے تمھارے کرار کو مشکوک نہیں ٹھہرایا۔۔

چاہتا تو بہت اسانی سے تم سے تمھارے پاسٹ تمھاری حقیقت کے بارے میں اگلوا سکتا تھا۔۔ مگر میں تمھیں اس کے لیے اذیت نہیں دینا چاہتا تھا۔۔ میں تم پر سختی کرتا تمھیں مارتا۔۔۔ مجھے یہ قبول نہ تھا۔۔ کیونکہ میں تمھیں اپنے دل سے قبول کر چکا تھا۔۔ مجھے لگا تم میری ہو اب تمھارا تعلق کہیں سے بھی ہو۔۔ مجھے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔۔۔ تم میری ہو تو ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔۔ تمھارے سارے کہے ہوے جھوٹ سے ایک یہی بات سچ مان لی تھی کہ میں تمھاری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہوں۔۔۔ اور میں جانتا بھی ہوں ایسا ہی ہے تمھاری زندگی میں میرے علاوہ کبھی کوئی نہیں آیا۔۔ ان آنکھوں کو ان ہاتھوں کو چھونے والا صرف میں ہی ہوں۔۔ تمھیں سوچنے والا بھی میں ہی پہلا مرد ہوں۔۔ تم صرف میری ہو ناں۔۔۔ ارحام نے اس کے گال پر ہاتھ جماتے بے چینی سے پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔ حور نے ارحام کی بے چین آنکھوں میں دیکھتے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔۔ مگر آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے عارض پر بہے تھے۔۔ وہ پھر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جھوٹ بول گئی۔۔ مگر اس کا پورا وجود ہچکولوں کی زد میں آیا تھا۔

حور کے اثبات میں سر ہلانے پر ارحام خانزادہ کے لب مسکرائے تھے۔۔ وہ اس کی ہتھیلیاں شدت سے چوم گیا۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔۔۔ تم پر کسی کی نظر گوارا نہیں۔ جانتا ہوں تمھیں لے کر شدت پسند ہوں۔۔ تمھیں لے کر خود غرض بھی ہوں حور۔۔

جب مجھے پتہ چلا تم سلطان شاہ کی بیٹی ہو۔۔ اور سلطان شاہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ تم ایک چھوٹی سی بات پر اپنا گھر اپنے باپ کو چھوڑ آئی۔۔ میں اس ٹائم بہت ڈر گیا تھا۔۔ تمھیں کھونے کا ڈر پیدا ہوا میرے اندر۔۔۔۔ یہ

احساس پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ جو کسی سے ڈرتا نہیں تھا۔۔ وہ ایک ہی بات سوچتے مسلسل ڈرنے لگا تھا۔۔ اسی ڈر نے مجھ پر باور کروایا یہ ڈر محبت کو کھونے کا ہے۔۔ اس انسان کو کھونے کا ہے جو میرے لیے میری سانسوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔۔

تب مجھے احساس ہوا تم میری محبت ہو۔۔ کیونکہ ایسا ڈر پہلے کبھی میرے دل میں کسی کے لیے نہیں پیدا ہوا۔۔ میں چاہ کر بھی تب تمھیں سلطان شاہ کے بارے میں نہیں بتا سکا۔۔ میں خود غرض ہو گیا حور۔۔۔۔۔

مجھے لگا تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔۔ اگر تم جذبات میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ سکتی ہو۔۔ مجھے بھی چھوڑ سکتی ہو۔۔ ارحام کی بات پر حور نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ جانتا تھا وہ سلطان شاہ کی بیٹی ہے۔ اور اس نے اس سے

چھپایا تھا۔۔ وہ اسے تڑپتا روتا دیکھتا رہا مگر خاموش رہا۔۔ وہ واقعی میں خود غرض۔ تھا۔ حور کی آنکھوں سے ایک بار پھر سے گرم سیال مادہ بہا تھا۔

حور وہی ہوا تم میری حویلی چھوڑ آئی۔۔۔ سارے ڈرسچ ہوے۔۔۔ تم بنا سوچے سمجھے میری حویلی چھوڑ آئی۔۔ ارحام کی آنکھوں میں اب شکوہ تھا۔۔

میں وہ درد بھی برداشت کر گیا مگر جب مجھے پتہ چلا کہ تم بے پردگی میں میری حویلی سے چلی آئی۔۔ مجھے لگا بے پردہ تم نہیں ہوئی... ارحام خانزادہ ہوا ہے۔۔ میں اس رات تمھیں سزا دینے شاہ مینشن آیا تھا۔۔ مگر نہیں دے سکا۔۔ اس لیے نہیں تم سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔۔ بلکہ میری محبت نے ایسا نہیں کرنے دیا۔۔ جب تمھیں سزا نہیں دے سکا تو تمھاری پناہوں میں کھو کر کچھ دیر سکون حاصل کرنا چاہا تھا۔۔ اس وقت میرے سکون کا واحد ذریعہ تم تھی۔۔

تمھاری قربت تمھاری پناہیں مجھے سب کچھ بھلا دیتی ہیں۔۔ جیسے میں تمھیں محسوس کرتا ہوں تم مجھے محسوس کیوں نہیں کرتی۔۔۔ تمھارے رونے سے میں کیا اندازہ لگاؤں۔۔ ارحام نے اس کی بھیگی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے سوال کیا۔

ارحام مجھے گھر جانا ہے۔۔ حور اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑواتے ہوے بیڈ سے اٹھتی کھڑی ہوئی تھی۔

ارحام بھی اسے دیکھتا جلدی سے کھڑا ہوا..

تمھیں میرا تمھارے قریب آنا برا لگا ہے حور۔۔ ارحام نے اس کی کلائی سے جکڑے اس کے سرد و ثپاٹ آنکھوں میں جھانکتے سرد لہجے میں استفسار

کیا۔۔پہلے اس کی قربت میں رونا اور اب سرد و ٹپاٹ چہرے کے تاثرات سب یہی ظاہر کر رہا تھا۔۔وہ وہ حور نہیں جو قربت کے لمحات کے بعد اس کے سینے سے لپٹا کرتی تھی۔۔۔ڈر ہوتا تھا مگر یہ تاثرات نہیں ہوتے تھے۔

ارحام کے سوال پر حور نے استھزائیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔یہ سوال پہلی مرتبہ اس نے کیا تھا اور کیا بھی تب جب اس کا فائدہ نہیں تھا۔

وہ اپنی من مانیاں اپنی ضرورت پورے کر کے اس سے سوال کر رہا تھا۔۔اب اس کا اظہار سب کچھ بے معنی تھا۔۔اسے تو اپنا آپ کچھ دیر پہلے کھلونا لگ رہا تھا۔۔

حور ارحام کو سپاٹ نگاہوں سے دیکھتے بنا کوئی جواب دیے کمرے کا دروازہ کھولتی باہر آفس میں آئی۔۔

ارحام تیزی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔۔

حور کیا ہوا ہے؟؟اس طرح خاموش رہ کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ ہمارے درمیان جو ہوا وہ غلط ہوا یا پہلی مرتبہ ہوا۔ ارحام غصے سے بولتے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

ارحام اب یہ سوال پوچھنے کا مطلب۔۔۔ یہ سوال پہلے پوچھتے میں جواب بھی دیتی۔۔ نہ ہمارے بیچ کچھ غلط ہوا اور نہ پہلی مرتبہ ہوا۔۔ مگر ارحام یہ جگہ یہ وقت مناسب نہیں تھا۔۔ یہ آپ کی حویلی نہیں تھی۔۔ آپ وہاں بھی مجھے بے بس محسوس کرواتے تھے۔۔ آپ نے مجھے اس آفس میں بھی

بے بس محسوس کروایا تو آپ ہی بتائیں میں کیسے آپ کو محسوس کرتی۔۔ حور نے چیختے ہوے سوال کیا۔۔

حور تم میرے پاس ہو میرے قریب ہو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔۔ تم میری کمزوری ہو۔۔ محبت ہو تم۔۔۔ نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔۔۔ مانتا ہوں یہ میری حویلی نہیں۔۔ مگر یہ پبلک پلیز بھی نہیں ہے۔۔ وہ تمھارے ذاتی آفس کا ذاتی بیڈ روم تھا۔۔ جہاں ہماری پرائیویسی میں کوئی بھی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔۔ تمھیں کیا لگتا ہے میں اس بات کا خیال نہیں رکھوں گا۔۔۔ میرے لیے تمھاری عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے اسے اپنے قریب کرتے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھے

۔۔

ارحام وہ اس آفس کا ذاتی کمرہ تھا۔۔ جہاں اپنا پرائیوٹ وقت گزارا جاتا ہے ۔یہ بھی جانتی ہوں سلطان شاہ کی بیٹی کا ذاتی آفس تھا۔ یہاں میری آجازت کے بغیر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔۔ مگر پھر بھی آپ کو یہاں میرے قریب نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ محبت جنون نفرت میں آپ کو یہی سب کچھ کیوں مجھ سے چاہیے ہوتا ہے۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔

کیونکہ محرم ہو میری۔۔ حق رکھتا ہوں تم پر۔۔ ارحام نے اس کے بھیگے لہجے پر جبڑے بھینچتے جواب دیا۔۔

محرم ہوں یا پھر ملکیت پہلے یہ ڈیسائیڈ کر لیں ارحام۔۔۔ حور نے سپاٹ انداز میں کہتے ہوے ٹیبل پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا۔۔

محرم ہو تو ملکیت ہو۔۔ محرم ہو تو تمھیں دیکھ کر تمھیں سوچ کر میرے اندر تمھاری طلب جاگتی ہے۔۔ تمھیں چھونے کو تمھیں اپنے بدن کا حصہ بنانے

کو تڑپ جاتا ہوں۔ میری جائز خواہش میرے حق کو لے کر سوال کیون حور؟؟۔۔ تھاری فرمانبرداری سے ہی تو عشق ہوا تھا۔۔ آج یہ سوال کیوں؟؟۔ کیوں تم مجھے احساس دلا رہی ہو کہ تم میری حور نہیں بلکہ حور سلطان شاہ ہو۔۔ ارحام نے کرب سے سوال داغے۔۔۔

ارحام میں آپ کی حور ہونے سے پہلے۔۔۔۔۔۔۔ سلطان شاہ کی بیٹی ہونے سے بھی پہلے ایک انسان ہوں یہ کیوں نہیں سمجھتے آپ۔۔ حور یکدم حلق کے بل چیخی تھی۔۔

وہ اس کے یوں حلق کے بل چیخنے پر رخ پلٹے اپنے گھنے بالوں میں ظبط سے انگلیاں پھیر گیا۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس کی آواز اس کے سامنے اونچی ہوئی تھی۔۔ تکلیف تکلیف ہی اسے اپنے اندر سراتی ہوئی محسوس ہوئی۔۔

حور اس کی پشت کو دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ وہ اس کی طرف رخ پلٹے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا

تم کیوں نہیں سمجھتی تمھاری پہچان سے ڈرنے لگا ہوں۔ کیوں نہیں سمجھتی تمھیں کھونے سے ڈرنے لگا ہوں۔ تم کیوں نہیں سمجھتی تم بے پردہ کسی غیر مرد کے سامنے نہ چلی جاؤ میں یہ سوچ کر مرنے لگا ہوں۔ ارحام نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے ہوے کہا۔

ارحام چھوڑیں مجھے۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وہ اس کے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بات کرنے پر استھزائیہ ہنسا تھا۔۔ حور اس کی استھزائیہ ہنسی سنتے مسکرائی تھی۔۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔۔

حور اگر میں اس کہانی میں ظالم ہوں تو مظلوم تم بھی نہیں ہو۔ ارحام اس کے بازو میں انگلیاں گاڑھتے بولا۔

میں ہی ظالم ہوں ارحام۔۔۔ آپ سے سب کچھ چھین لیا۔۔ اور اس بات کا آپ نے مجھے ہر پل احساس دلایا ہے۔۔ حور نے شبنمی لہجے میں کہتے اسے خود سے دور کیا۔

تم نے مجھ سے کچھ نہیں چھینا حور۔۔ مگر تم اب مجھ سے چھیننے کا آرادہ رکھتی ہو کیونکہ میرا سب کچھ تم ہو۔۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ میں تمھارے لیے گھٹنوں پر آسکتا ہوں۔۔ تمھارے قدموں میں جھکنا پڑا جھک سکتا ہوں۔۔ مگر تم پر اپنا اختیار کبھی ختم نہیں کر سکتا۔۔ اگر تم نے ایسا سوچا بھی خدا قسم تمھارے سامنے وہ ارحام نہیں ہو گا جو تم سے دیوانوں کی طرح

عشق کرتا ہے۔۔ تمھارے سامنے پہاڑوں میں رہنے والا پہاڑی خان ہو گا جو پہاڑوں سے ٹکرانا بارود سے کھیلنا جانتا ہے۔۔ ارحام نے ایک ایک لفظ چباتے اس کے گلے س دوپٹہ اتار کر اس کے سر پر اوڑھایا تھا۔۔

تم سے یہاں حق لیا میں غلط ہو گیا۔۔ مگر تم میری عزت ہوتے ہوے بھی یوں بے پردہ سب کے سامنے آئی کچھ غلط نہیں ہوا۔۔ اگر میں نے اپنے حق کا غلط استعمال کیا تو تم بھی تو سلطان شاہ کی بیٹی ہونے کا ناجائز فایدہ اٹھا رہی ہو۔۔ میری عزت کو غیر مردوں کی تسکین کا ذریعہ بنا رہی ہو۔

جب تمھیں اپنی بیوی بنایا تھا تم میرے لیے ایک غریب باپ کی بیٹی تھی۔۔ اس سے آگے تمھاری کوئی پہچان نہیں تھی۔۔ میرے لیے آج بھی تم میری بیوی ہو میری عزت۔۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تم اس ایمپیر کی

مالک ہو۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے آگے بڑھتے وہ فائل اور چیکس پھاڑ دیے تھے۔۔ جس پر وہ سلطان شاہ کے سائن کرنے کے غرض سے لایا تھا۔۔

حور حیرانگی سے اپنے پاؤں میں پڑے ان پیپرز کے ٹکڑوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔

میں اس کمپنی سے اپنا کانٹریکٹ ختم کرتا ہوں۔۔ کیونکہ سلطان شاہ اس کانٹریکٹ کے ذریعے مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے جو ناممکن ہے۔۔ وہ اس کے قریب ہوتا غرایا تھا۔ حور اس کی غراہٹ اور اس کی آنکھوں کے سرد پن سے خائف ہوتے اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی۔

یہ تو طے تھا وہ اس انسان کی نرمی پر اس کے آگے سوال اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتی تھی۔۔ مگر اس کے غصے سے اس کی جان لبوں پر سج جاتی تھی۔۔

ابھی بھی وہ تھوڑی سہمی سی اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

ارحام نے اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ پن کرتے اس کی بڑی بڑی کرسٹل براؤن شفاف آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

تمھیں یہاں سے اندازہ ہو گیا ہو گا تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔۔ تمھارے لیے سڑکوں پر آنا گوارا ہے۔ مگر تمھارے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں۔۔۔ تمھارے آگے جھکنا گوارا ہے۔۔ مگر تمھارے لیے کسی کے آگے جھکنا گوارا نہیں۔۔ اب سلطان شاہ سے صرف

ان کی بیٹی کے شوہر ہونے کے حق سے ہی ملوں گا۔۔وہ سنجیدگی سے کہتا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔۔

اس کے بھاری قدم رکے تھے۔

میرے سامنے جتنی ڈرتی لرزتی ہو۔۔میری غیر موجودگی میں بھی تھوڑا لرز جانا۔۔۔وہ اس کی طرف مڑتے اس کے جسم پر نظریں گاڑھے سرد لہجے میں بولا۔۔

حور نے اس کی نگاہوں اور اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوے جلدی سے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا۔۔

امید کرتا ہوں یہ دوپٹہ میرے جانے کے بعد بھی تمھیں ایسے ہی ڈھانپے رہے گا۔۔وہ سرد انداز میں کہتا دروازہ کھولتے آفس سے نکل گیا تھا۔۔

بہارے گلابی کلر کے بے حد سٹائلش سے فراک میں ملبوس تھی۔۔ آنکھوں میں کاجل کی گہری تہہ تھی۔۔

ہونٹوں پر شائینگ پنک لپ گلوز لگا ہوا تھا۔۔۔ سلکی لمبے گھنے بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ لائٹ سے میک اپ میں وہ دمک رہی تھی۔

وہ اس وقت بہت بڑی چادر میں خود کو لپیٹے ہوے تھی۔۔

ہاسپٹل کے کوریڈور سے گزرتے ہوے اس کی آنکھوں میں درد اور کرب کی تہہ تھی۔۔

جو انسان ساری عمر اس کے آگے جھکتا رہا۔۔اس کی اتنی بڑی بڑی غلطیاں معاف کرتے وہ اس کے آگے جھک جاتا تھا۔۔ آج وہ اس کے آگے جھکنے جا رہی تھی۔۔ مگر ایسا کرنے سے اس کا وہ مان شہرام پر ٹوٹ گیا تھا۔۔جو اسے یقین تھا وہ کبھی اسے اپنے آگے جھکنے نہیں دے گا۔۔

بہارے نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کیے تھے۔۔

مرد اتنی محبت کرتا ہی کیوں ہے؟؟جب اس کی محبت کو ایک دن زوال آنا ہی ہوتا ہے۔۔ بہارے نے زخمی سا مسکراتے ہوئے سوچا۔

مگر عورت مرد کی طرح محبت کیوں نہیں کرتی۔۔اس کی محبت کو زوال کیوں نہیں آتا۔۔ کیوں عورت کی محبت لمحہ لمحہ بڑھتی ہے کہ دل سے ہوتی روح میں بھی سرائت کر جاتی ہے۔۔ بہارے کی آنکھوں میں دھندلاہٹ بڑھتی جا رہی ہے۔۔

تم کچھ بھی کر لو شہرام اب کبھی بہارے کے دل سے تمھاری محبت کم نہیں ہو گی۔۔ بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔

تم انجینیر ہو یا کانٹریکٹر۔۔ تم سالانہ کڑوڑوں روپے کماتے ہو۔۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ مجھے تو تمھاری وہی محبت چاہیے۔۔ جو تم مجھ سے کبھی کرتے تھے۔۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔۔ بہارے دل ہی دل میں شہرام سے مخاطب کوریڈور میں پڑے ایک بینچ پر بیٹھ چکی تھی۔۔ درد حد سے تجاوز گیا تھا۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ گئی۔۔

اس نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔

کیسے تمھیں بتاؤں میں تمھاری کامیابی تمھارے پیسے سے محبت نہیں کرتی۔۔ صرف تم سے محبت کرتی ہوں۔۔

وہ بے بسی سے رو دی تھی۔۔

میں مر جاؤں گی شہرام۔۔۔۔ اگر تم نے میری محبت کو میرے منہ پر مار دیا ۔۔۔۔ مجھے جھوٹا کہہ دیا۔ اپنی محبت کی توہین کیسے برداشت کروں گی۔۔ کیسے بتاؤں تمھیں تمھاری بہارے کو آج سچ میں تم سے محبت ہو گئی ہے۔ بہارے روتے ہوئے کوریڈور سے نظر آتے سرسبز پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔۔۔۔ دھند نے ہر چیز کو اپنے لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ایسی ہی برفیلی دھند جو اس کے وجود میں سرایت کی ہوئی تھی

وہ کافی دیر تک وہاں پر بیٹھے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتی رہی۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ یہاں؟ ڈاکٹر فرقان کی آواز پر بہارے نے نظریں اٹھاتے اپنے سامنے کھڑے ڈاکٹر فرقان کو دیکھا۔۔

ڈاکٹر فرقان بہارے کی گلابی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

وہ جس دن ہاسپٹل سے گئی تھی اس دن بھی ایسے رو رہی تھے۔۔ آج ہاسپٹل واپس آئی تھی۔۔ آج بھی رو رہی تھی۔۔

بہارے جیسی لڑکی اس طرح آنسو بہائے حیرانگی کی بات ہی تھی۔

بہارے نے اپنی آنکھیں رگڑتے ڈاکٹر فرقان کو ناگواری سے دیکھا تھا۔۔ آنکھوں میں سنجیدگی کی گہری رمک چھائی تھی۔۔

یہ ہاسپٹل ہے میں یہاں پر ڈاکٹر ہوں۔۔ آپ کے لیے کیا حیرانگی کا باعث ہے جو مجھ سے کوریڈور میں کھڑے ہو کر یوں سوال کر رہے ہیں۔۔

بہارے بینچ سے اپنا پرس پکڑتے ہوئے خشک لہجے میں بولی۔۔

میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔۔ اتنے دنوں بعد آپ کو یہاں دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔ آپ مجھے پریشان لگ رہی ہیں۔۔ ہم ایک جگہ پر کام کرتے ہیں۔ اتنا تو حق بنتا ہے ہم ایک دوسرے سے اتنی بات کر سکیں۔ ڈاکٹر فرقان بہارے کے خوبصورت چہرے سے نظریں چراتے ہوے بولا۔۔

بہارے کا کسی بھی ہاسپٹل کے مرد سے سیدھے منہ بات نہ کرنا ڈاکٹر فرقان کی نظروں میں اس کی عزت کئی گنا بڑھاتا تھا۔۔ مگر کبھی کبھار بہارے کا یہ رویہ ہرٹ بھی کرتا تھا۔۔ وہ اور کسی سے نہ صیح اس سے ہی دو گھڑی سیدھے منہ بات کر لیتی۔

نہیں بنتا حق ڈاکٹر فرقان مجھ سے صرف کام سے ریلیٹیڈ بات کیا کریں۔۔ وہ بھی اگر ضروری ہو۔۔ میں پریشان ہوں یا نہیں۔۔۔ یہ میرا مسئلہ

ہے۔۔ آئندہ میری ذاتیات میں دخل اندازی مت کیجیے گا۔۔ بہارے رکھائی سے بولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ڈاکٹر فرقان نے گہری سانس بھرتے بہارے کے چادر میں لپٹے وجود کو دیکھا تھا۔۔ وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔۔ وہ تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی۔

شہرام اپنے سامنے پڑی فائل دیکھ رہا تھا۔ فائل پر سائن کرتے ہوے شہرام نے درد سے لب بھینچے تھے۔۔

اسے اپنے بازو میں پھر سے شدید درد اٹھتا محسوس ہوا تھا۔

کیا ہوا ہے شہرام؟؟۔ڈاکٹر آئزل نے پریشانی سے شہرام کو دیکھا جو بار بار دانتوں پر دانت جمائے چیئر پر پہلو بدل رہا تھا۔۔

کچھ نہیں ہوا ڈاکٹر آئزل؟ شہرام نے کہتے چیئر سے کھڑے ہوتے اپنا کوٹ اتار کر چیئر پر لٹکایا۔

تھا اور اپنے بازو کو دیکھا جہاں سے پھر سے خون رسنے لگا تھا۔

کل ہاسپٹل آکر بھی اس نے غصے سے کسی ڈاکٹر سے بینڈج نہیں کروائی تھی۔رات کو جیسے تیسے کر کے خود ہی بینڈج کر لی تھی۔ مگر تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔۔

یہ کیا ہوا شہرام؟؟۔۔ڈاکٹر آئزل کرسی سے اٹھتے ہوے شہرام کے قریب ہوئی۔۔

ڈاکٹر آئزل چھوٹا سا زخم ہے آپ پریشان نہ ہوں میں دیکھ لوں گا۔۔شہرام نے اپنے بازو کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

میں کیسے پریشان نہ ہوں شہرام۔۔

یہ چھوٹا سا زخم نہیں لگ رہا۔۔مجھے دیکھنے دیں۔ڈاکٹر آئزل نے اس کے زخمی بازو پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔

ڈاکٹر آئزل ٹھیک ہے میں کسی ڈاکٹر سے بینڈج کروالیتا ہوں۔۔آپ رہنے دیں۔شہرام نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا تھا۔۔

شہرام میں بھی ایک ڈاکٹر ہوں مجھے دکھانے میں کیا حرج ہے۔۔ آپ پلیز یہ شرٹ اتاریں مجھے زخم دیکھنے دیں۔ آئزل کی نظریں اس کے زخمی بازو پر تھیں۔ سفید شرٹ خون سے داغدار ہو رہی تھیں۔ آئزل کی جان پر بن رہی تھی۔۔ وہ اپنا دوپٹہ سر پر جمائے بمشکل اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔۔

ڈاکٹر آئزل آپ سمجھیں اچھا نہیں لگتا۔۔ میں باہر جا کر کروالوں گا بینڈج۔۔ شہرام اس بار ذرا سختی سے کہا۔۔

شہرام میں ایک ڈاکٹر ہوں۔۔۔ میرا کام ہی یہی ہے آپ زیادہ ہی سیریس ہو رہے ہیں۔ آپ اتنی تکلیف میں ہیں۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے مجھے ہی دیکھنا پڑے گا۔۔ پلیز آپ مجھے دکھائیں۔ آپ ایسا کریں۔۔ صرف اس بازو سے اپنی شرٹ ریموو کر دیں۔۔ مجھے دیکھنے دیں۔ ڈاکٹر آئزل نے دوٹوک

لہجے میں کہتے شہرام کا بازو پکڑے اس کا کف فولڈ کرتے اس کی آستینیں اوپر کی..

اسی لمحے بہارے شہرام کے آفس کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

وہ دروازے پر ہی سٹل ہوئی تھی۔۔ڈاکٹر آئزل کا ہاتھ شہرام کے بازو پر تھا۔۔وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب کھڑے تھے۔۔

بہارے کے پورے وجود میں شعلے سے دہکے تھے۔۔سامنے کھڑے ستم گر کو سوچنا اتنا جان لیوہ تھا۔۔دیکھنا تو مرنے کے مترادف تھا۔۔پورا وجود جیسے دہکتا تندور بنا تھا۔۔اب تو اسی دہکتی ہوئی آگ میں جلنا تھا اسے دن رات ۔۔۔بہارے نے چبھتی نگاہوں سے ڈاکٹر آیزل کے بدن پر یہاں کا مخصوص لباس اور سر پر دوپٹہ دیکھ رہی تھی۔

شہرام اور ڈاکٹر آیزل نے حیرانگی سے بہارے کو دیکھا۔۔۔

بہارے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی ان دونوں کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

شہرام نے بہارے کو دیکھتے اپنی فولڈ آستین نیچے کی۔۔

ٹھیک ہے ڈاکٹر آئزل ابھی آپ جائیں یہاں سے۔۔۔میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔۔شہرام نے سنجیدگی سے ڈاکٹر آئزل کو دیکھتے کہا۔

لیکن شہرام تمھیں بینڈج کی ضرورت ہے۔۔ڈاکٹر آئزل کی نظریں شہرام کے سرخ بازو پر تھیں۔

میں کچھ دیر تک آپ سے بینڈج کروالوں گا۔۔ابھی آپ جائیں پلیز۔۔شہرام نے اس بار بھی سنجیدگی سے کہا تھا۔۔

ڈاکٹر آئزل شہرام کا سرد سپاٹ لہجہ محسوس کرتے اثبات میں سر ہلاتے تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

جی کہیے ڈاکٹر بہارے آپ یہاں پر کیا کر رہی ہیں؟؟

شہرام نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔۔وہ اب ٹیبل کے پاس کھڑی تھی۔۔

مم۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔یہ ہاسپٹل دوبارہ جوائن کرنا چاہتی ہوں۔۔بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکائیں۔۔۔لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔

اوکے ٹھیک ہے کر لیں۔۔ شہرام نے اس کی جھکی نظروں کو بغور دیکھتے کہا۔

میں نے سوچا آپ سے پوچھ لوں ہو سکتا ہے آپ پھر سے مجھے سب کے سامنے بے عزت کر کے نکال نہ دیں۔۔

بہارے نے اب کی بار اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔۔ وہ اس ستم گر سے شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر نہ چاہتے ہوے بھی وہ شکوہ کر بیٹھی۔۔

اسے ہاسپٹل سے نکالنے پر زیادہ نہ سہی ایک لفظی معذرت ہی کر لیتا تو وہ آج نظریں جھکاے نہیں سر اٹھا کر آتی۔۔

میں نے کیوں نکالا تھا وجہ آپ جانتی ہیں۔ کسی بھی پیشنٹ کی زندگی ایک ڈاکٹر کو اس کی انا اور غرور سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ شہرام نے اب کی بار بہارے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔ وہ ٹیبل پر رکھی فائلز کے پیپرز کو الٹ پلٹ کرتے ہوے بولا۔۔۔۔

غرور تو ختم ہو چکا۔ مان تو ٹوٹ چکا۔۔ اب تو کچھ بھی نہیں بچا نہ مان نہ غرور نہ آنا۔۔ بہارے نے سپاٹ لہجے میں کہتے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے اپنی ہتھیلیوں سے رگڑیں۔

شہرام نے نظریں اٹھائے اسے دیکھا جو اب سپاٹ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ مگر آنکھوں کا گلابی پن چھپا نہیں تھا۔۔

شہرام بنا کوئی جواب دیے سر جھٹکتے اپنا کام کرنے لگا۔۔

بہارے اس کی خاموشی پر آہستگی سے چلتے اس کی طرف بڑھی۔۔اس کی شرٹ کے بٹنوں پر اپنا ہاتھ جمایا۔۔ شہرام نے حیرت سے اسے دیکھا جو اس کے قریب کھڑے نظریں جھکائے اس کی شرٹ کے بٹن کھول رہی تھی۔ شہرام نے غصے سے اس کا ہاتھ اپنی شرٹ کے بٹنوں سے جھٹکا۔۔

یہ کیا کر رہی ہیں آپ ؟؟۔۔جانتی ہیں ناں یہ ہاسپٹل ہے۔۔ شہرام نے بھڑکتے ہوے کہا۔

جانتی ہوں یہ ہاسپٹل ہے اور آپ کو یہ خوش فہمی کیونکر ہونے لگی کہ میں آپ کے قریب آؤں گی۔۔میرے لیے آپ وہی شہرام ہیں جو پہلے تھے۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے تڑختے ہوے کہا۔۔

مجھے خوش فہمیاں پالنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔۔میں جانتا ہوں آپ کی نظروں میں میری وہی اوقات ہے جو پہلے تھی۔۔اب مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ آپ کی نظروں میں میری کیا ویلیو ہے۔۔ فرق مجھے اس بات سے پڑتا ہے یہ ہاسپٹل ہے آپ کو اور مجھے یہاں دیکھ کر سب کیا سوچیں گے۔۔اور آپ کو بھی اسی بات سے فرق پڑتا ہے۔۔اس لیے دور رہیں مجھ سے۔۔ بہارے کی بات پر شہرام اسے بازو سے جکڑے اسے خود سے دور دھکیل گیا تھا۔۔

وہ تو ڈاکٹر آیزل کے ساتھ بھی آپ کو دیکھ کر سوچتے ہوں گے۔۔ بلکہ سوچتے بھی ہیں۔ یہ فاصلہ آپ کو اس سے بھی رکھنا چاہیے۔۔ بہارے نے ایک ایک لفظ چباتے ہوے اس کے قریب ہوتے اس کی شرٹ کے بٹن

کھولتے ہوے اس کی شرٹ اس کے چوڑے شانوں سے ایک جھٹکے سے نیچے کی طرف کھسکائی۔۔

شہرام اب خاموش ہو گیا تھا۔۔اس نے خاموشی سے اپنی شرٹ اتار دی تھی.

بازو کا زخم اسے بہت تنگ کر رہا تھا۔۔اسفندیار خان نے بہت بے دردی سے چاقو مارا تھا۔اسے واقعی میں بینڈج کی ضرورت تھی۔

بہارے نے قریب ہی پڑے میڈیکل باکس سے قینچی نکالتے اس کے زخم پر بندھی بینڈج کو احتیاط سے کاٹا۔۔

بہارے نے بہت احتیاط سے وہ بینڈج اتاری تھی۔۔زخم کافی گہرا تھا۔۔۔شہرام کے چہرے پر تکلیف کے اثار بھی نمایاں تھے۔

جس کا کام اسی کو سانجھے۔۔ آپ بلڈنگ ہی بنا سکتے ہیں۔وہی بنائیں تو اچھا ہے۔۔بہارے نے غصے سے بولتے ہوے کاٹن پر بھر کر پائیوڈین ڈالتے اس کا زخم صاف کرتے اس کے زخم پر بری طرح دباؤ ڈالتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔۔

جہاں اس کے بے دردی سے دباو ڈالنے پر شدید تکلیف نمایاں ہوئی تھی۔وہ سختی سے اپنے لب دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔

درد ہوا آپ کو بھی۔۔۔بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے زحم پر کاٹن رکھتے اپنے ہاتھ کا مزید دباؤ بڑھاتے ہوے لفظ چبائے تھے۔

نہیں ہوا مجھے درد سہنے کی عادت ہے۔۔ شہرام نے لب بھینچتے بہارے کی آنکھوں میں دیکھا جہاں گہرا کاجل لگا تھا۔۔

تبھی اب آپ دوسروں کو بھی درد دینے میں ایکسپرٹ ہو چکے ہیں۔۔ بہارے اپنی آنکھوں میں امڈتے انسوؤں پر قابو پاتے نظریں جھکائے اس کے بازو کی بینڈج کرنے لگی۔۔

شہرام نے اس کے سر سے سرکتی چادر کو دیکھا تھا۔۔ اس کے براؤن سلکی بال کھلے ہوے تھے۔۔ اب چادر ڈھلک کر شانوں پر پھسل آئی تھی۔۔ وہ پہلی مرتبہ ہاسپٹل میں اتنا تیار ہو کر آئی تھی۔۔ ورنہ وہ لپ سٹک بھی بمشکل لگاتی تھی۔

اس کے بدن سے اٹھتی گلاب سی مہک محسوس کرتے شہرام نے جھنجھلاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔ وہ بینڈج کرتے ہوے اس کے

کافی قریب آگئی تھی۔۔وہ تھوڑے فاصلے پر رہ کر بھی بینڈج کر سکتی تھی۔۔پتہ نہیں وہ اس سے کیا چاہتی تھی۔۔شہرام نے اس کے سٹایلش فٹنگ فراک سے نظر آتے دلکش نشیب و فراز سے نظریں چراتے بھڑ بھڑ جلتے سوچا۔

ہو گئی بینڈج۔۔بہارے نے نظریں اٹھائے شہرام کو دیکھا جو اسی لمحے اپنی نگاہیں اس کی طرف سے پھیر گیا تھا۔۔

یہ بینڈج کھولنے کے لیے بھی آپ کو میرے پاس آنا ہو گا۔۔جس طرح میں نے یہ بینڈج کی ہے۔۔اسے میرے علاوہ کوئی نہیں کھول سکے گا۔۔بہارے نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے اس کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جانتا ہوں۔۔ یہ مجھے میرے بازو میں کھنچاؤ پڑنے سے ہی اندازہ ہو چکا ہے۔۔ شہرام نے اس کی گہری کاجل لگی آنکھوں میں دیکھتے اسے خود سے دور کرتے اپنے بازو کو دیکھا جہاں اس کی بیوی نے بڑی بے دردی سے بینڈج کی تھی۔۔

شہرام اب سپاٹ انداز میں اپنی شرٹ پہن رہا تھا۔۔ اس کے بازو میں پہلے سے زیادہ درد ہو رہا تھا۔۔

داجی صیح کہتے ہیں تمھاری ڈاکٹر کی ڈگری چیک کروانی چاہیے۔۔ کہیں نقلی تو نہیں کیونکہ تم کہیں سے بھی ڈاکٹر نہیں لگتی۔۔ شہرام نے اپنے شرٹ کے بٹن بند کرتے غصے سے کہا۔۔

بہارے اس کے لفظوں پر سٹل ہوئی تھی۔۔ یہ بات تو وہ اکثر کہتا تھا۔۔ تب اسے بہت غصہ آتا تھا مگر آج اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔۔ ایسا لگا تھا جیسے ان کے بیچ کوئی فاصلہ کوئی دوری نہیں ہے۔۔ وہ پہلے والا شہرام ہے۔۔

بہارے اب بہتے آنسوؤں کے ساتھ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔۔

شہرام نے اسے بھیگی آنکھوں کے ساتھ کھل کھلاتے ہوئے حیرت سے دیکھا تھا۔

ڈگری کا تو نہیں پتہ۔۔ مگر بہارے پہلی والی بہارے نہیں رہی۔۔ پہلے والی بہارے اصلی تھی کھری۔۔ جو بات ہو منہ پر کہنے والی۔۔ اب والی بہارے فیک ہو چکی ہے۔۔ دل میں کچھ اور ہونٹوں پر کچھ اور ہوتا ہے۔۔ بہارے

بھیگے لہجے میں بولتے اپنی چادر ٹھیک کرتے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتی دروازہ کھولتے باہر چلی گئی تھی۔۔

تم اصلی والی بہارے ہی ٹھیک تھی بہارے۔۔۔ تمھارے لبوں سے نفرت میں نکلے لفظ اتنے تکلیف نہیں دیتے تھے۔۔

جتنا تمھارا بدلہ روپ تکلیف دے رہا ہے۔۔مجھے تمھاری یہ محبت نہیں چاہیے تھی۔۔ جھوٹی غرض سے لپٹی محبت۔۔وہ زخمی سا بولتا ہنس دیا تھا۔۔

اپنا کوٹ پہنتے وہ آفس سے نکلتا باہر کی طرف بڑھا۔۔۔

ابرش کمرے میں کھڑی گلاس ونڈو سے نظر آتے کار پورچ میں کھڑی نئی چمچماتی برینڈ نیو گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کے مانگنے پر اسی دن آ گئی تھی۔۔۔ زاران نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کی فرمائش پوری کر دی تھی۔ اور اس گاڑی کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔۔ وہ اس کی ذاتی ملیکت تھی۔۔ اس گاڑی کی چابی بھی اسی کے پاس تھی۔۔

وہ پچھلے دو گھنٹوں سے یہاں کھڑی اس گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔۔

اپنے گرد زاران کی شال کو اس نے اچھی طرح لپیٹا تھا۔۔ وہ کل کا گیا واپس نہیں آیا تھا۔۔ اور وہ کل سے ہی کمرے میں بند تھی۔۔ وہ کل سے نیچے نہیں اتری تھی۔ کمرے میں پڑے فروٹس سینڈوچ اور کچھ چاکلیٹ کھا کر گزارا کیا تھا۔ کل سے اس نے میڈیسن بھی نہیں لی تھی۔۔ زاران ہی اس کا خیال

رکھتا تھا میڈیسن سے لے کر کھانا تک اسے وہی کھلاتا تھا۔اب کل صبح کا گیا تھا اب اگلی صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔۔وہ حویلی نہیں آیا تھا۔وہ حویلی کیوں نہیں آیا تھا۔۔

وہ سمجھتی تھی وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا۔۔دنوں حویلی نہیں آتا تھا پہلے بھی تو یہ ہی کرتا تھا۔اب وہ اپنی بہن عابیر اور شہرام کی وجہ سے حویلی نہیں آیا تھا ۔۔

مگر اسے میرا تو سوچنا چاہیے تھا۔۔میرا اس حویلی میں اس کے علاوہ ہے کون؟؟ابرش روہانسی ہوتی سوچ رہی تھی۔

دو دن ہی پیار جتانا تھا میرا خیال رکھنا تھا مسٹر خانزادہ۔۔اب تمھیں اپنے بچے کی بلکل پرواہ نہیں ہے۔ابرش اونچی آواز میں غصے سے جھنجھلاتے ہوے بولی۔۔

ابرش گہرا سانس لیتے گلاس وال کے پردے برابر کرتے ہوے پلٹی تھی کہ پلوشہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑکے تھے۔

تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ابرش غصے سے اس کی طرف بڑھی۔۔

آرام سے ابرش۔۔۔اپنے جذبات پر کنٹرول کرو۔۔اگر تم نے اپنے جذباتی پن میں اپنے بچے کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو زاران کو کیا جواب دو گی۔۔پلوشہ نے گہرا مسکراتے ہوے کہا۔۔

بچہ۔۔۔۔۔۔ تمھیں کیسے پتہ یہ ؟؟۔۔ ابرش اس سے دو قدم کے فاصلے پر اس کی بات پر ٹھٹھک کر رکی۔۔

مجھے کیسے پتہ چلا بات تو سوچنے کی ہے۔۔ ابھی تک تم دونوں نے کسی کو بتایا نہیں تو مجھے کیسے پتہ چلی۔۔ پلوشہ نے پر سوچ انداز میں بولتے ہوے اپنے لبوں پر انگلیاں جمائیں۔۔

بتا دیتی ہوں تمھیں اتنی جلدی بھی کیا ہے۔۔ لیکن پہلے یہ سوچو زاران نے اتنی بڑی بات سب کو ابھی تک کیوں نہیں بتائی۔۔ پلوشہ ابرش کی آنکھوں میں غصہ اشتعال دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔۔

اس نے یہ اس لیے نہیں بتایا کیونکہ میں نے اسے منع کیا تھا۔۔ یہاں بہت سے حاسدین ہیں۔ نظر لگ جاتی ہے۔۔ ابرش نے اس کے قریب ہوتے طنزیہ مسکراتے ہوے کہا۔ پلوشہ کی مسکراہٹ اسے آگ لگا گئی

تھی۔۔زاران نے اس کے بارہاں کہنے کے باوجود گھر میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ مگر وہ پلوشہ کے سامنے ایڈمٹ نہیں کر سکتی تھی۔

پلوشہ ابرش کی بات پر کھلا کھلا کر ہنسی.

ابرش اس کے ہنسنے پر اپنی مٹھیاں بھینچ گئی۔۔دل کیا تھا پلوشہ کا منہ تھپڑوں سے لال کر دے۔۔

تم نے اسے بتانے نہیں دیا یا پھر تمھارے ہزار بار کہنے کے باوجود زاران نے کسی کو نہیں بتایا۔۔پلوشہ نے تمسخراتے لہجے میں کہتے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

اپنی بکواس بند کرو اور نکلو میرے کمرے سے یہ میرا اور زاران کا پرسنل میٹر ہے۔۔۔میں تمھیں برداشت کر رہی ہوں۔۔تو احسان مناؤ میرا۔۔ورنہ تمھارے پیرنٹس کے عمرے سے واپس آنے سے پہلے ہی زاران کو کہہ کر

اس حویلی سے نکلوادوں گی۔۔ابرش غصے سے چیختے ہوے بولی۔اس سے زیادہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

حویلی سے میں نہیں تم نکلو گی۔۔نہ صرف حویلی سے بلکہ اس کمرے سے بھی۔۔۔زاران مجھ سے وعدہ کر چکا ہے۔۔وہ تم سے یہ بچہ لے کر مجھے دے دے گا۔

چٹاخ۔۔۔۔پلوشہ کی بات ابھی منہ ہی میں تھی کہ ابرش کے پڑھنے والے تھپڑ نے اس کی زبان صدمے سے گنگ کر دی تھی۔۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے شرربار نگاہوں سے ابرش کو دیکھ رہی تھی۔ تھپڑ بڑا ہی جاندار تھا۔۔اس کا گال جنجھنا اٹھا تھا۔

کیا ہوا زیادہ زور سے لگ گیا۔ ابرش پلوشہ کے قریب ہوتے لب پھیلائے طنزیہ مسکرائی۔۔

وہ کیا ہے ناں تمھیں تھپڑ مارنے والی تمھارے سامنے کھڑی نازک سی ابرش نہیں۔۔۔۔ بلکہ ایک پوزیسیو وائف ہے۔۔ جو اپنے ہسبنڈ کا نام کسی دوسری لڑکی کے منہ سے نہیں سن سکتی۔۔ میرے تھپڑ میں تمھیں اینگرنیس۔۔ حسد۔۔ جلن تمھیں قتل کرنے کی خواہش سب کچھ ملا ہو گا ۔۔ کمپلیٹ پیکج والا تھپڑ تو کیسا لگا یہ تھپڑ۔۔۔ ابرش نے طنزیہ مسکراتے ہوے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

یو بچ۔۔۔۔ پلوشہ چیخی تھی۔۔۔۔

بچ میں نہیں۔۔۔۔ بچ تم ہو جو کسی غیر مرد وہ بھی ایک شادی شدہ مرد کے پیچھے پڑی ہو۔۔ ایک پردہ دار خاندان سے ہو۔۔ مگر کہیں سے نہیں لگتا

تمھارا تعلق اس خاندان سے ہے۔۔ میں ساری عمر امریکہ میں رہی

۔۔۔ پردہ تو دور کی بات کبھی دوپٹہ گلے میں نہیں لیا تھا۔۔ مگر کبھی کسی مرد

کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ نہ کسی کے قریب گئی۔۔ تم تو یہاں پلی

بڑھی۔۔ پاکستان میں رہی مگر تمھاری آنکھوں میں ذرا شرم و حیا نہیں

ہے۔۔ کیا فائدہ تمھارا اتنی بڑی بڑی چادریں اوڑھنے کا۔۔ جبکہ تمھیں ہر

وقت میرے شوہر کے گلے کا ہار بننا ہے۔۔ وہ مرد ہو کر تمھیں منہ نہیں لگاتا

۔۔ تم عورت ہو کر اپنی لمٹس کراس کر جاتی ہو۔۔۔۔ بہت بے حیا ہو تم تو

۔ ابرش نے ٹھنڈے لہجے میں بولتے پلوشہ کو مزید آگ لگائی۔۔

میں بے حیا ہوں تو اپنے آپ کو کیا کہو گی جو بھرے جرگے میں منہ اٹھا کر کسی

دوسرے مرد سے محبت اور شادی کا دم بھر رہی تھی۔۔ زاران نے تمھیں

منہ لگا لیا ہے تو مجھے بھی لگا لے گا۔ میں نے ہمیشہ اس کے گلے کا ہار بننا چاہا ہے

جس کی محرم بننے کی مجھے خواہش ہے۔۔نہ کہ ایک سے محبت کا دعوی کرتے اسی مرد کے سامنے اسی کے بھائی سے شادی کی خواہش کرتے بے حیائی دکھاؤں۔۔پلوشہ نے مسکراتے ہوے جوابی کاروائی کی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس بھرتے اپنے غصے پر بمشکل کنٹرول کیا تھا۔۔اپنے جذبات میں اٹھائے ہوے قدم کی وجہ سے آج وہ ٹکے ٹکے کے لوگوں سے یہ طعنہ سنتی تھی۔۔۔۔

اور تمھاری اسی بے شرمی کی وجہ سے تم زاران کے دل سے کب سے اتر چکی ہو۔۔وہ تمھاری خوبصورتی کی وجہ سے تمھارے قریب تو آگیا ہے۔۔مگر دل سے تمھیں آج تک اپنا نہیں سکا۔۔نہ کبھی اپنائے گا۔۔

ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے پلوشہ کو دیکھا تھا۔۔ وہ اپنے غصے پر قابو پاے بمشکل ہی پلوشہ کو برداشت کر رہی تھی۔۔ جو پریگنسی کی وجہ سے بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔ اس کی طبعیت خراب ہو رہی تھی۔۔

نکلو یہاں سے.. اس سے پہلے میں تمھاری جان لے لوں پلوشہ۔۔ نکلو میرے کمرے سے۔۔ ابرش غصے سے حلق کے بل چیخی۔۔

نکل جاؤں گی۔۔ مجھے یہاں نہیں رکنا۔۔ مگر عنقریب یہ کمرہ میرا مقدر ہو گا۔۔ زاران نے وعدہ کیا ہے مجھ سے وہ شادی کرے گا۔۔ اور تمھارا بچہ بھی مجھے سونپے گا۔۔ پلوشہ کی بات پر اب کی بار ابرش نے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا۔۔ اس کا تنفس بگڑ رہا تھا۔

اسے پلوشہ کی باتوں پر بلکل بھی یقین نہیں تھا مگر اپنی کنڈیشن کی وجہ سے اس سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ ابرش کی بگڑتی طبعیت پر پلوشہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔ جانتی تھی ابرش کتنی جذباتی ہے اور زاران کو لے کر ایکسٹرا پوزیسیو ہے اور اسی بات کا فائدہ اٹھاتے وہ آج ابرش کو نقصان پہنچانے آئی تھی۔۔ یہ بچہ اس کے دور زاران کے درمیان دوری کا سبب تھا۔۔ وہ یہ بچہ ختم کرنا چاہتی تھی۔

اگر تمھیں لگتا ہے میں تمھاری باتوں پر یقین کروں گی تو تم غلط سوچتی ہو نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔ ابرش نے آنکھیں میچتے ہوے چیخ کر کہا۔۔ اسے اپنے پہلو میں اب کی بار درد محسوس ہوا تھا۔۔

تمھیں یقین نہیں آرہا تو چلو تمھیں آڈیو سناتی ہوں۔۔

پلوشہ نے کہتے ہوے اپنے ہاتھ میں پکڑے موبایل کو آن کو کرتے ایک آڈیو چلائی۔۔

امینہ تم ہم سے وعدہ کر چکا ہے ہمارا پلوشہ کا شادی تمھارا زاران سے ہو گا۔۔۔

لالا آپ کیوں فکر کرتا ہے پلوشہ ہم کو عابیر کا طرح پیارا ہے۔۔ ہمارا زاران نے ہم سے وعدہ کیا ہے وہ ہر حال میں پلوشہ سے شادی کرے گا۔۔ وہ اپنا زبان سے مکرے گا نہیں۔۔ تم عمرہ سے واپس آجاؤ۔۔۔ ہم زاران اور پلوشہ کا نکاح خود کروائے گا۔ آڈیو میں امینہ خانم کی مستحکم آواز گونج رہی تھی۔۔

یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔۔ جھوٹ ہے۔۔ زاران نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ کبھی تم سے شادی نہیں کرے گا۔۔ وہ اپنی مورے سے تم سے شادی کرنے

پر انکار کر چکا ہے۔۔ ابرش نے اپنے ماتھے پر آئے پسینے کے قطرے اپنی لرزتی انگلیوں سے چنے تھے۔

یہ جھوٹ نہیں سچ ہے۔۔ زاران نے پھوپھو سے کوئی بات نہیں کی۔۔۔ وہ تمھیں بہلا رہا ہے۔ کیونکہ تمھارے پیٹ میں اس کا بچہ ہے۔۔ وہ اپنے بچے کی خاطر وقتی طور پر تم سے جھوٹ بول رہا ہے۔ جس دن یہ بچہ دنیا میں آئے گا۔۔ اسی دن زاران خانزادہ کا اصل روپ کھل کر تمھارے سامنے آجائے گا۔۔ اور سوچو تم تم ماں بننے والی ہو یہ بات تم دونوں میں سے کسی نے کسی کو نہیں بتائی۔۔۔۔ مجھے کیسے پتہ چلی۔۔ کیونکہ یہ بات زاران نے مجھے بتائی ہے۔۔ بیچارہ مجھے صفائیاں دے رہا تھا کہ تھوڑا عرصہ میں تمھیں برداشت کرلوں۔۔ پھر وہ تمھیں تمھاری اوقات یاد دلائے گا۔۔

یہ جھوٹ ہے زاران ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ ابرش اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے چیخی۔ شدید درد اس کے پہلو میں اٹھ رہا تھا۔

۔

یہی سچ ہے وہ ایسا کر چکا ہے۔۔ تم ہمیشہ امریکہ میں رہی تمھیں ادھر کے سسٹم کا نہیں پتہ۔۔ ان خانزادہ مردوں کے لیے دو دو شادیاں کرنا عام بات ہے۔۔ یہ بات تمھارے لیے ظلم کے مترادف ہو سکتی ہے۔۔ مگر زاران کے لیے یہ اس کا حق ہے۔۔ جس کی آجازت اسے خدا اور یہ معاشرہ دیتا ۔ہے۔ تم خود ہی دیکھو میرے بابا میری شادی ایک شدہ شدہ انسان سے کروانے کے لیے کیسے جھکے جا رہے ہیں۔

یعنی ہمارے نزدیک مرد کی دوسری شادی بات عام ہے۔ اور یہی بات پھوپھو کے لیے بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ تم دیکھنا تمھاری آنکھوں کے

سامنے سب کچھ ہو گا اور تم کچھ نہیں کر سکو گی۔۔۔ جیسے اس دن تم کچھ نہیں کر سکی تھی جب زاران نیچے میرے اتنے قریب کھڑا تھا۔۔

کیا ہوا تم تھا تم نے کمرے میں جا کر آواز اٹھائی تو ہر بار کی طرح زاران کا تھپڑ تمھارا مقدر بنا۔۔ پلوشہ سفاکی سے بولتے اس کے وجود کے ٹکڑے کر رہی تھی جیسے۔۔

زاران نے مجھے تھپڑ مارا... تت تمھیں۔۔ تمھیں۔۔ کک کس نے بتایا۔۔ پہلی مرتبہ ابرش کی آواز لڑکھڑائی تھی۔۔

بند کمرے میں مارے ہوئے تھپڑ کی گونج آخر کیسے باہر جا سکتی ہے۔۔ ابرش کا تنفس اب بری طرح بگڑ چکا تھا۔۔

پہلو میں درد تھا بڑھتا جا رہا تھا۔۔

زاران کے علاوہ یہ بات کون بتا سکتا ہے مجھے ؟؟۔۔پلوشہ ابرش کی فق رنگت اور اسے پسینے میں بھیگے دیکھ کر مسکرائی تھی۔۔

اگر تم اب بھی کچھ نہ سمجھو۔۔تم پر ترس کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا جا سکتا۔۔اب ساری عمر زاران کے تھپڑ ہی تمھارا مقدر رہوں گے۔۔۔۔پلوشہ اس کے چکراتے لرزتے وجود پر تنفر بھری نظر ڈالتی وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ابرش نے دیوار کا سہارا لیے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔۔

اب ساری عمر زاران کے تھپڑ تمھارا مقدر ہوں گے۔۔پلوشہ کی آواز

سماعتوں میں پگھلے سیسے کی مانند گونجی

تھی۔ابرش نے سے ساختہ اپنے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔۔یکدم زاران کے

مارے ہوے تمام تھپڑوں کی جلن ہونا شروع ہو گئی تھی۔

پہلو میں پہلے سے بھی زیادہ شدید درد اٹھا۔تھا۔

میرا بچہ۔۔۔۔۔۔ابرش اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

ابرش نے اپنی چادر بیڈ سے اٹھاتے ہوے اچھی طرح خود کو کور کیا تھا۔۔۔

گاڑی کی چابیاں اٹھائے وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔۔

حور اپنے کمرے کے لگژری واش روم میں روف شاور کے نیچے کپڑوں سمیت کھڑی تھی۔۔شاور سے نکلتا گرم پانی اسے بھگو رہا تھا۔۔وہ کب سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔۔پورا بدن ہچکولوں کی نذر تھا۔

سماعتوں میں اس ستمگر کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔۔۔

جب نکاح لفظ کے ساتھ نام حور آجائے تو اس نام کے ساتھ ارحام لکھنا جائز ہو جاتا ہے۔۔ارحام خانزادہ کے لفظ یاد کرتے حور کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہوئی تھی۔

میری محبت گل نہیں تم ہو ڈیم اٹ۔۔۔۔اس کی آواز ایک بار پھر سے سماعتوں میں پڑی تھی۔۔اب کی بار وہ کانوں پر ہاتھ رکھے زمین پر دوزانو بیٹھتی چلی گئی تھی۔

یہ لفظ وہ ارحام کے لبوں سے سننا چاہتی تھی۔ وہ جیسا بھی سہی اس کا شوہر تھا ۔۔ نکاح کے دو بول کے بعد اللہ دلوں میں محبت ڈال ہی دیتا ہے۔ چھ ماہ دن رات اس کی پناہوں میں رہتے ہوے اس کی دھڑکنیں سنتے ارحام خانزادہ کی دھڑکنیں اس کے دل میں دھڑکنے لگی تھیں۔۔ اس کی نفرتیں اس کی دی ہوئی اذیتیں سہنے کے باوجود وہ اس سے نفرت نہیں کر سکی تھی۔۔

اس نے جب شاہ مینشن چھوڑا۔۔ اس کے دل میں ساحر خانزادہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کی شبیہ بھی ختم ہو چکی تھی۔۔۔ صرف اس کے چھوڑنے کی ایک کسک تھی اس کے دل میں۔۔۔۔ اب وہ بھی نکل گئی تھی۔۔

ساحر خان نے اسے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اس کی ماں طوائف ہے۔۔ اسی بات نے اس کے دل میں ساحر خان کے لیے نفرت پیدا ہو چکی

تھی۔۔ کیونکہ تب وہ حور سلطان شاہ تھی۔۔۔ ایک مغرور امیر باپ کی بیٹی ۔۔۔ جس کے لیے اپنی عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔۔

لیکن جب اس نے سلطان شاہ کا محل چھوڑا تب اسے پتہ چلا وہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔ وہ تو ایک عام سی لڑکی ہے۔

جس کی ماں طوائف تھی جس کا باپ اس کی ماں کا قاتل ہے۔۔ جو اس سے عشق کا دعوایدار تھا وہ اسے چھوڑ چکا تھا۔۔ جسے ساری عمر سگی ماں کا درجہ دیتی رہی اس نے اس کی عزت کا سودا کر دیا تھا۔۔ تو وہ کون تھی

آخر۔۔۔ جب سڑکوں پر اپنی عزت بچانے کو بھاگتی رہی۔۔ وہ یہی سوچتی رہی۔۔ تب اسے اندازہ ہوا وہ کچھ نہیں ہے۔۔

آج سے چھ ماہ پہلے اس سیاہ تاریک رات میں شدید بارش میں بھیگتے ہوے مردان کی سڑکوں پر اپنی عزت بچا کر بھاگتے ہوے اس نے خدا سے دعا مانگی

تھی۔۔اسے ایک مضبوط سائبان دے دے۔۔جو جیسا بھی ہو چاہے وہ اس کے لیے فرعون ثابت ہو مگر اس کی عزت پر کبھی آنچ نہ آنے دے۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ خدا اس ٹھٹھرتی بھیگتی رات میں اس کی دعا قبول کر لے گا۔۔

وہ اس کی ہی گاڑی سے ٹکرا گئی جس نے ایک رات میں اپنے عمل سے اپنے ظلم پر اسے باور کروایا کہ سچ میں فرعونیت ہوتی کیا ہے۔۔

وہ جب ارحام خانزادہ کی گاڑی سے ٹکرائی۔۔وہ پہلا مرد تھا جس نے اس پر اپنی نظریں نہیں گاڑھی تھیں۔وہ اس سیاہ لباس میں بھیگی سی بھڑکتا شعلہ لگ رہی تھی۔۔

اپنے قیامت خیز بدن کی کارستانیوں سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔سیاہ لباس میں اس کے بدن کا ایک ایک آنگ اپنی جھلک دکھاتا دیکھنے والوں کو پاگل کر

رہا تھا۔۔ نیٹ کا دوپٹہ سب کچھ چھپانے میں ناکام رہا تھا۔۔ اس نے دیکھا تھا کس طرح ارحام خانزادہ نے اس کے بھڑکتے روپ سے اپنی نظریں چرائیں تھیں۔ جو اس کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

ان کچھ دنوں میں وہ جان گئی تھی۔۔ مرد کو شائد اتنے کھانے کی بھوک نہیں ہوتی جتنی ایک عورت کے جسم کی بھوک ہوتی ہے۔۔۔ ارحام خانزادہ بھی ایک مرد تھا۔۔ وہ بمشکل ہی اپنی نظریں چرائے ہوے تھا۔۔

وہ گاڑی میں بھی اس سے نظریں چراتا رہا تھا۔۔ بلکہ اس نے اپنا کوٹ بدن ڈھانپنے کے لیے دیا تو وہ تحیر زدہ ہوتے بے یقین ہوئی تھی۔۔ ان کچھ دنوں میں ہر مرد کو صرف خود پر غلیظ نگاہیں گاڑھے دیکھا تھا۔ اسے اکیلا سمجھ کر سب ہی اس کے جسم سے اپنی پیاس بجھانے کے خواہش مند تھے۔۔ اس چھوٹے سے ہاسٹل میں۔۔۔ سڑکوں پر بھاگتے ہوے۔۔ مرد ان کے اس

چھوٹے سے گھر میں ہر جگہ مرد کا بہت برا روپ دیکھا تھا اس نے۔۔۔بات لباس کی نہیں تھی بات مرد کی آنکھوں میں ٹپکتی حوس کی تھی۔۔۔لباس تو اس نے ہمیشہ وہی پہنا جس نے اس کا بدن کبھی ڈھکا ہی نہیں تھا۔۔ مگر ایسی نظروں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔۔تب اس کے ساتھ سلطان شاہ کا ٹیگ تھا۔۔اس کے گارڈز ہوتے تھے۔۔وہ سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔۔تو کسی نے اس پر کبھی بری نظر نہیں ڈالی تھی۔۔۔ مگر جب وہ سڑکوں کا حصہ بنی تو مردوں نے پورے لباس میں بھی اسے اپنی نظروں سے جھلسانا نہیں چھوڑا تھا

مگر اس رات انتہائی قابل اعتراض حلیے میں آخر ارحام خانزادہ نے اس پر نظر کیوں نہیں ڈالی۔۔وہ راستے بھر پریشان رہی۔۔وہ کن انکھیوں سے

اسے دیکھتی رہی۔۔جو سنجیدہ تاثرات کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔۔۔یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے دل کو ارحام خانزادہ نے چھو لیا تھا۔۔۔زندگی میں دو مردوں کا روپ دیکھا تھا جو اس سے بے انتہا پیار کا دعوی کرتے تھے۔۔مگر ان سے بڑھ کر دغاباز کوئی ثابت نہیں ہوا تھا۔۔اس کی زندگی میں داخل ہونے والا تیسرا شخص اس کے لیے جیسے فرشتہ تھا۔

اس رات اس گاڑی میں اس کے ہر ایکٹ سے محبت ہو گئی۔۔

اس سے بڑھ کر کوئی مہرباں کہیں پایا ہی نہیں تھا۔۔

مگر ایک بار وہ پھر مرد کی پہچان کرتے وقت غلط ثابت ہو گئی تھی۔۔

اس مضبوط سائباں کو پانے کے لیے وہ اپنی سطح سے نیچے گر گئی۔۔اس کی کم عمری اس کی سمجھ اس کی ابتر ذہنی کنڈیشن نے اس سے جو کرنے کو کہا وہ

کرتی چلی گئی۔۔ اسے مضبوط سائباں تو مل گیا مگر اس کی وحشی بربریت نے اس پر باور کروایا۔۔ وہ بھی اصل میں ایک مرد ہی تھا جس کی فطرت باقی مردوں سے مختلف نہ تھی۔۔

چاہے وہ سلطان شاہ ہو۔۔ ساحر خانزادہ ہو یا پھر ارحام خانزادہ۔۔۔۔

ارحام خانزادہ کی وحشی بربریت سے اسے نفرت نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ اس سے شدید خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ اتنی خوفزدہ وہ ہو چکی تھی اس کے دل میں نفرت جگہ ہی نہ بنا سکی۔۔۔ اس کے نازک حصوں کو اس رات ارحام خانزادہ نے بے دردی سے مسل ڈالا تھا۔۔۔ اسے درندوں کی طرح بھنبھوڑ ڈالا تھا۔۔ ان سرخ آنکھوں سے وہ بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ ایسا ڈر ایسی بربریت اس کے دل میں اس انسان کی چھائی کہ کہ سوائے اک خوف کے کوئی اور جذبہ اپنی جگہ ہی نہ بنا سکا۔۔ نفرت تو وہ کبھی کر ہی نہیں سکتی

تھی۔۔اگر وہ وقت کا فرعون ثابت ہوا تھا تو اس نے بھی تو اس رات اس شخص کی جنت چھین کر اسے دوزخ میں لا کھڑا کیا تھا۔تو پھر وہ کیسے اس سے نفرت کرتی جسے پور پور وہ زخم دے چکی تھی۔۔ان آنکھوں کی سرخی میں کرب واذیت بھی تھی۔۔۔۔جو ہمیشہ اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیتی تھی۔

مگر ان چھ مہینوں میں اسے ارحام خانزادہ نے وہ تحفظ دیا جو اس کا باپ اپنے محل نما گھر میں نہ دے سکا۔شاہ مینشن میں ہی اس کا سودا ہوا تھا اور سلطان شاہ کچھ نہ کر سکا۔۔۔

آہستہ آہستہ خوف کی چادر سرکنے لگی۔۔وہ اسے سختی سے چھوتے چھوتے نرمی سے چھونے لگا۔۔۔

دل میں ایک تمنا جاگی کہ وہ اسے گل کی طرح محبت کرے۔۔۔ گل کا نام اس کے لبوں سے اسے کبھی اچھا نہیں لگا۔۔۔ مگر وہ خود کو کبھی اس کی محبت کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔۔ نہ ہی وہ اذیت بھرے لمحات بھلا پاتی تھی۔۔ جو اس نے ہر رات اس کی پناہوں میں محسوس کیے تھے۔۔ ایک بے بسی کا احساس اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا۔۔ خود کو اس ستم گر کا کھلونا سمجھتی تھی۔۔

وہ اپنی مان مانیاں کرتا رہتا۔۔۔ وہ قربت کے لمحات میں اس کے خوف سے اس کا ہر حکم مانتی چلی جاتی۔۔

قربت کے لمحات میں وہ خوف کی وجہ سے اسے کبھی محسوس ہی نہ کر سکی۔۔۔ اسے ہمیشہ ایسا لگتا آج بھی وہ اس کے نازک حصوں کو مسل ڈالے گا۔۔۔ اسے بھنبھوڑ ڈالے گا۔

اس کے نرم لمس پر بھی اس کی سانسیں رکنے لگتی تھیں۔۔ایسا ڈر خوف چھایا تھا وہ اس کی نرمی بھی آج تک وہ محسوس نہیں کر سکی تھی۔۔وہ خود کو اس کی پناہوں میں ایک مومی گڑیا سمجھتی تھی۔

آج بھی اسے اپنا آپ ارحام خانزادہ کا کھلونا لگا تھا۔۔وہ محبت کا اظہار کر چکا تھا۔ مگر دل یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

اظہار کرنے کے بعد بھی تو اس نے وہی کیا جو ہمیشہ کرتا تھا۔۔ نفرت جنون میں اسے اس کے جسم کی چاہ ہی کیوں ہوتی تھی۔۔ان چھ ماہ میں وہ بنا اس کی مرضی کی پرواہ کیے بغیر اسے اپنی پناہوں میں لے کر اس کے جسم کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔۔وہ اس کی بے رحم شدتوں پر اف بھی نہیں کر سکتی تھی۔۔کرتی بھی تو کیسے اسے اتنا حق دیا ہی نہیں تھا۔۔وہ اتنا جنونی تھا وہ اسے

کسی صورت خود سے جدا نہیں کرتا تھا۔۔ وہ روئے تڑپے اسے لپٹنا اس ستمگر کے چٹانی سینے سے ہی تھا۔۔

حور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر شدت سے رو دی تھی۔۔ محبت ایسی ہوتی ہے کیا؟؟ جیسی وہ ارحام خانزادہ کرتا ہے۔۔ محبت تو ایسی ہوتی ہے جو ساحر خانزادہ کرتا ہے۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔۔۔

مگر پھر بھی اس کے دل میں ساحر خانزادہ کہیں نہیں تھا..

وہ غلط نہیں تھا وہ بھی اس کی طرح اپنوں کی سازش کا شکار ہوا پھر بھی وہ اس کے دل میں کہیں نہیں تھا۔۔ اگر وہ اپنے دل میں ساحر خان۔ کے لیے نفرت لے کر ارحام خانزاد کی زندگی میں نہ داخل ہوتی تو شائد آج بھی وہ

گرین آنکھوں والا شہزادہ ہی اس کے دل پر راج کرتا۔۔ وہ سچ میں چاہے جانے کے قابل تھا۔۔ مگر اس کا دل ان چھ ماہ میں کورے کاغذ کی طرح رہا تھا۔۔ جہاں ارحام کی بربریت اس کی قربت اس کا خوف نے اپنا ڈیرہ جما لیا۔۔

اور اس ساحر خان سے اتنی نفرت اس سے کی کہ وہ دل سے ہی نکل گیا۔۔ حور اب روف شاور کی طرف دیکھتے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔۔

اٹھارہ سال کی عمر میں وہ زندگی کا بہت بھیانک روپ دیکھ چکی تھی۔۔ سلطان شاہ اس کی ماں کا قاتل تھا۔۔ سلطان شاہ نے اپنی محبت کو مار دیا۔۔ اسے مرد ذات پر اعتبار نہیں رہا تھا۔۔

اس ستم گر کے لفظ پھر سے یاد آے تھے۔۔ حور کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک بات یاد رکھنا حور تم صرف میری ہو۔۔ تم عشق کرنے کی ہی قابل ہو ۔۔ تمھارا نام عشق ہی ہونا چاہیے تھا۔۔ مگر مجھے وہ نام بھی گوارا نہیں جو کسی نے بھی تمھیں دیا ہو۔

تمھیں کبھی کسی نے نظر بھر کر بھی دیکھا ہوا تو میں پوری دنیا کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔۔ تمھارے سارے جھوٹ قبول ہیں۔۔ مگر اگر مجھ سے پہلے تمھاری زندگی میں کوئی بھی آیا ہوا تو میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ تمھارے وجود پر جسم پر تو میری حکومت ہے۔۔ مجھے تمھاری سوچوں اور دل پر تمھاری زبان پر بھی صرف اپنا نام چاہیے۔۔۔۔

میں تمھاری کسی بات پر یقین کروں نا کروں۔۔ مگر اس بات پر میں یقین کر بیٹھا ہوں کہ تمھاری زندگی میں میرے علاوہ کبھی کوئی نہیں آیا۔۔ اس کی غراہٹ یاد آئی تھی۔۔

حور کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔

یہ حقیقت تھی ساحر خان اس کی محبت تھا۔۔اس نے بہت بار اس کے ہاتھوں کو اس کی آنکھوں کو چھوا تھا۔۔اپنے لبوں کی گرمائش کبھی نہیں دی تھی۔۔ مگر وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے بہت بار نرمی سے اس کے چہرے کے نقوش کو چھوتا رہتا تھا۔۔بہت سے وعدے عہد و پیماں ہوے تھے۔

ارحام خانزادہ تو کسی کی ایک نظر اس پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔جب اسے معلوم ہو گا وہ کسی کا عشق رہ چکی ہے۔بلکہ وہ انسان آج بھی دیوانوں کی طرح اس پر مرتا ہے تو وہ کیا کرے گا۔۔کیا وہ سچ میں اسے جان سے مار ڈالے گا۔۔حور کے بدن پر پھر سے کپکپی طاری ہوئی تھی۔۔

اگر سلطان شاہ اپنی محبت کو مار سکتا تھا۔۔۔تو وہ بھی مار سکتا تھا۔۔اس کی بربریت سے وہ بخوبی واقف تھی اگر وہ اسے مارے گا نہیں تو یقیناً اسے اپنی مٹھی میں رکھے گا جہاں وہ سانس بھی اس کی مرضی سے لے گی۔۔اسے ارحام خانزادہ کا اب کھلونا نہیں بننا تھا۔۔ثابت ہوتا تھا وہ اس کے لیے جنونی تھا۔۔شدت پسند بھی تھا مگر محبت کبھی نہیں کر سکتا تھا۔۔اگر کرتا تو وہ آج کبھی اس کے قریب نہیں آتا۔۔کیا فرق تھا حویلی کے کمرے والے ارحام خانزادہ میں اور آفس کے کمرے والے ارحام خانزادہ میں۔اس کے رونے تڑپنے کے باوجود وہ وہی سب کچھ کرتا رہا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔۔

حور اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اٹھی۔۔۔وہ طے کر چکی تھی وہ اب کبھی ارحام خانزادہ کے پاس نہیں جائے گی۔۔وہ سپاٹ چہرے کے

ساتھ واش روم میں موجود کبرڈ کی طرف بڑھی۔اس کے چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔

ابرش خطرناک راستے پر تند و تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔۔راستہ کافی خطرناک تھا۔۔اس نے شارٹ کٹ لیا تھا۔۔اسے جلد از جلد ہسپتال پہنچنا تھا۔۔ پہلو میں اٹھتے درد نے اسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا اسے اپنے بچے کو بچانا تھا ہر حال میں۔۔۔

ابرش نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔یہ بچہ میرے لیے جان سے بڑھ کر ہے۔۔سماعتوں میں اس ستم گر کے الفاظ سنائی دیے تھے۔۔

ابرش نے اپنے بہتے آنسو بہت بے دردی سے اپنی ہتھیلی سے رگڑے۔۔۔

صرف تمھیں ہی نہیں یہ بچہ مجھے بھی اتنا ہی عزیز ہے مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش سٹرینگ گھماتے ہوے بری طرح چیخی تھی۔۔

میں اس بچے کو کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ تمھیں اپنے قریب لانے کے لیے اس بچے کو مارنے کا ناٹک کرتی رہی۔۔ مگر تم پھر بھی میرے نہ ہو سکے۔۔۔ کیوں؟؟۔۔۔۔ کیوں؟؟۔۔۔۔ میرے حصے میں کبھی کسی کی محبت کیوں نہیں آتی۔۔ تمھارے پیار کی خاطر تو میں نے اپنے خون کے رشتوں کو بھلا دیا تھا۔۔ اپنی عنائیہ کو بھلا دیا تھا۔۔ ابرش سٹرینگ پر گرفت مضبوط کرتے شدت سے رو دی تھی۔۔

عنائیہ،، میری گڑیا۔۔۔۔ ابرش عنائیہ کو پکارتے ہوے چیخی تھی۔۔

پہلو کا درد تو اب اینٹھن کی طرح اس کے پور پور میں تجاوز اختیار کرتا جا رہا تھا۔۔ پورا بدن پسینے میں بھیگ اٹھا تھا۔

۔۔

یہ ہاسپٹل کیوں نہیں آرہا۔۔۔وہ شدت سے روتے ہوے درد سے چلائی تھی۔ابرش نے اب گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔۔

سامنے ہی ہاسپٹل کا بورڈ نظر آیا تھا۔۔ابرش نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔

گاڑی ہاسپٹل کے آحاطے میں داخل ہوئی تو ابرش نے اپنا ماتھا سٹیرنگ پر ٹکاتے ہوے گہرے سانس لیے۔۔۔

وہ اپنی چادر اچھی طرح سر پر اوڑھتے اپنا وجود کپکپاتے ہاتھوں سے مکمل چھپاتے گاڑی سے اتری تھی۔۔۔زاران خانزادہ اسے بھول سکتا تھا مگر وہ نہیں بھول سکتی تھی کہ وہ زاران خانزادہ کی عزت ہے۔۔

وہ گاڑی سے اترتی تیز تیز قدموں سے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

کوریڈور میں داخل ہوتے ہی ابرش کی نظر شہرام پر پڑی جو کسی ڈاکٹر سے باتیں کرتا سامنے سے آرہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش نے چیختے ہوے اسے پکارا۔۔۔وہ مزید نہیں چل سکتی تھی۔۔

پہلو میں درد کی شدت کی وجہ سے اس کی آواز جیسے حلق میں ہی دم توڑ گئی تھی۔۔وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے پر کھڑی تھی۔۔

شہرام اس وقت ڈاکٹر آئزل کے ساتھ معمول کے راؤنڈ پر تھا۔۔

وہ ڈاکٹر آئزل کے ساتھ باتوں میں مصروف جنرل وارڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ابرش کی آواز اس تک پہنچ نہیں سکی تھی۔۔

شہرام۔۔۔۔۔ابرش نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اپنی بڑی سی چادر سر پر جمائی تھی جو پھسل کر کندھوں پر آگئی تھی.

شہرام۔۔۔۔ابرش نے دیوار کا سہارا لیتے اب کی بار شہرام کو تیز آواز میں پکارا تھا۔۔

دفعتاً شہرام کی نظریں ابرش پر پڑی تھیں۔ جو دیوار کا سہارا لیے بمشکل ہی کھڑی تاسے بہتے آنسوؤں کے ساتھ دیکھتے کپکپا رہی تھی۔۔

بھابھی۔۔۔ شہرام ابرش کی حالت دیکھتے اسے پریشانی سے پکارا تا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔

آئزل حیرانگی سے شہرام کے ہمقدم ہوئی تھی جس کے قدموں میں کافی عجلت تھی۔۔

ابرش ان لوگوں سے کافی فاصلے پر کھڑی اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔۔

شہرام اپنے بھاری قدموں کی رفتار بڑھاتے تیزی سے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

کیا ہوا ہے بھابھی؟؟ شہرام نے ابرش کے کپکپاتے وجود کو اپنی بانہوں کا سہارا دیا تھا۔۔ ورنہ وہ یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔۔

شہرام میرا بچہ۔۔۔۔۔۔ ابرش کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔۔

سب اس کے لیے جیسے بھی تھے۔۔ مگر اس کے پیٹ میں موجود بچے کے باپ کے ساتھ ان سب کا گہرا رشتہ تھا۔۔ وہ شہرام کو دیکھ کر اپنے جذاتی پن پر کنٹرول نہ رکھ سکی تھی۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

شہرام۔۔۔۔ میرے بچے کو بچا لو پلیز۔۔۔۔۔۔ میرے لیے نہ سہی اپنے بھائی کے لیے۔۔ اسے یہ بچہ بہت عزیز ہے۔

ابرش روتے ہوے شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔ ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔۔۔ شہرام نے ابرش کو ایک طرف سے اپنے بازو کا سہارا دیا ہوا تھا۔۔۔

کیا ہوا ہے بھابھی بچے کو۔۔۔ شہرام نے فق رنگت کے ساتھ پریشانی سے پوچھا۔ ابرش کی فزیکل اور ذہنی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔۔

پتہ نہیں مگر مجھے لگتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔۔ ابرش نے ہچکی لیتے ہوے کہا دوسرے ہی پل وہ شہرام کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔۔

بھابھی شہرام نے ابرش کے بیہوش وجود کو مظبوطی سے اپنے بازوؤں میں جکڑا۔۔۔

شہرام یہ کون ہیں؟؟ کیا ہوا انھیں؟؟۔۔ڈاکٹر آئزل نے شہرام کے پریشان چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

سٹر ہیں میری۔۔۔ شہرام نے آئزل کو بتاتے ہوے کوریڈور میں نظر دوڑائی تھی۔۔

سٹریچر۔۔۔۔ منگواؤ۔۔۔۔ شہرام چیخا تھا۔۔ کوریڈور میں موجود وارڈ بوائے تیڑی سے سٹریچر لینے کے لیے بھاگا۔

ابرش کے بے جان وجود کو دیکھتے شہرام نے سٹریچر آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔۔۔

وہ کبھی بھی ابرش کو ایسے چھونے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔۔ مگر اس وقت اس کی حالت دیکھتے وہ کافی ڈر گیا تھا۔ اسے بانہوں میں اٹھائے وہ تیزی سے گائنی وارڈ کی طرف بڑھا۔۔ آئزل بھی تیز تیز قدموں سے اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔۔۔

گائنی وارڈ کے ایک پرائیویٹ کمرے میں داخل ہوتے شہرام نے احتیاط سے ابرش کو بیڈ پر لٹایا تھا۔۔

ڈاکٹر ماہم شہرام کے پیچھے ہی اندر داخل ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر ماہم جلدی سے انھیں چیک کریں۔۔ ڈاکٹر آئزل ڈاکٹر ذقیہ کو فون کر کے بلائیں ایمرجنسی ہے۔۔ شہرام اونچی آواز میں ہدایت دے رہا تھا

ڈاکٹر آئزل اثبات میں سر ہلاتے دروازے کی طرف بڑھی۔

اور نرس جلدی جایئے ڈاکٹر بہارے کو انفارم کریں۔۔ان کا یہاں ہونا لازمی ہے۔۔۔انھیں کہیں وہ جلدی سے یہاں سے یہاں آئیں۔۔کویک فاسٹ۔۔۔۔۔شہرام نے نرس کو ہدایت دیں۔۔

بہارے کے نام پر ڈاکٹر آئزل کے قدم رکے تھے۔۔ڈاکٹر آئزل نے پلٹ کر حیرانگی سے شہرام کو دیکھا تھا۔۔بہارے گائنی ڈاکٹر نہیں تھی جو اس کی ادھر ضرورت پڑتی۔۔بہارے کا وجود ہمیشہ سے اسے شہرام کے قریب کھٹکتا تھا۔۔کیوں وہ نہیں جانتی تھی۔۔مگر ایک بہارے ہی ایسی لڑکی تھی جس سے پتہ نہیں کیوں وہ انسکیور جیلس ہونے لگتی تھی۔

وہ ناسمجھی کے عالم میں شہرام کو دیکھتی اپنے لب بے دردی سے دانتوں سے کچلتی وہاں سے چلی گیی تھی۔۔

شہرام ابرش کے بیہوش وجود کو ایک نظر دیکھتے جلدی سے باہر نکل گیا تھا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

تھی۔۔وہ بہزاد خان کے ہاتھ نہ لگ جائے۔۔۔یہی سوچ سوچ کر ہی اس کے اندر شعلے دہک رہے تھے۔۔اس کے دل میں آندھیوں کے جکڑ چل رہے تھے۔۔زاران خانزادہ کا دل آج پہلی مرتبہ خوفزدہ تھا۔۔وہ اپنی عزت اور بچے کے لیے شدید خوفزدہ ہو چکا تھا۔

میں تمھارے بچے کو مار دوں گی زاران۔۔۔ابرش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔۔وہ لفظ کل بھی دل میں برچھی کی مانند کھبے تھے۔۔یہ لفظ آج بھی اس کے دل پر نیزے کی مانند چبھ رہے تھے۔۔

تم ایسا نہیں کر سکتی ابرش۔۔۔۔میرے بچے کو ایک آنچ بھی آئی میں قسم کھاتا ہوں۔۔تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔۔اس بار تمھیں معافی نہیں ملے گی۔۔زاران گاڑی کی سپیڈ بڑھاتا ہوا چلایا تھا۔

یکدم اس کا فون بجا تھا۔۔ موبائل سکرین پر پلوشہ کا نمبر تھا۔۔ جسے اس نے غصے سے کاٹ کر موبائل فون ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا تھا۔۔

تھوڑی دیر بعد پلوشہ کی طرف سے ایک میسج موصول ہوا۔۔۔

زاران مجھے تمھیں ابرش کے متعلق کچھ بتانا ہے پلیز میرا فون اٹھاؤ۔۔

پلوشہ کا میسج پڑھتے ہی زاران نے جلدی سے پلوشہ کا نمبر ڈائل کیا۔۔

کیا کہنا ہے ابرش کے متعلق کیا پتہ ہے تمھیں۔۔۔ زاران عجلت بھرے انداز میں بولا۔۔

زاران وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ پلوشہ کی گھبرائی آواز سپیکر پر گونجی تھی۔۔

جلدی بتاؤ پلوشہ۔۔۔۔۔زاران فون پر غصے سے دھاڑا تھا۔۔

زاران ابرش میرے کمرے میں آئی تھی۔۔۔اس نے مجھے حویلی سے نکل جانے کو کہا۔۔میں نے انکار کیا تو اس نے تمھیں اور مجھے لے کر بہت گھٹیا الزام لگائے۔۔۔اور اس نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں نے حویلی نہ چھوڑی تو وہ تمھارے بچے کو مار دے گی۔۔پلوشہ نے گھبرائے لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے بھیگے لہجے میں بتایا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے فون پر گرفت مضبوط کی تھی۔۔

زاران کی خاموشی محسوس کرتے پلوشہ کے لب مسکرائے تھے۔

اگر ابرش زاران کو سب بتاتی تو یقیناً زارن ابرش پر یقین کرتا۔۔۔وہ ابرش کو گاڑی لے کر نکلتا دیکھ چکی تھی۔۔ابرش کتنی جذباتی ہے اسے ابرش سے

کچھ ایسے ہی کی توقع تھی۔۔وہ کہاں گئی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔۔ مگر اتنا جانتی تھی کہ گل خان نے زارن کو انفارم کر دیا ہو گا۔۔اور زاران اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہو گا۔۔اور وہ جلد اسے ڈھونڈ بھی لے گا۔۔ابرش تا قیامت تک زاران خانزادہ کے حصار سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔۔۔ نکاح سے پہلے وہ اسے واپس لے آیا تھا۔۔اب تو وہ اس کی عزت تھی۔۔اس کے ہونے والے بچے کی ماں۔۔وہ جانتی تھی وہ ابرش کو سوات کر اس بھی نہیں کرنے دے گا۔واپس اسی حویلی لا پٹخے گا۔ مگر اب کی بار ابرش کا مقدر زاران کا کمرہ نہیں اس حویلی کا تہہ خانہ ہی ہو گا۔۔زاران کے غصے اور جنون کو وہ جانتی تھی۔

لوہا گرم دیکھ کر اس نے چوٹ لگائی تھی۔۔اور یقیناً لگ چکی تھی۔۔جو عورت بار بار اس کے بچے کو مارنے کا کہہ چکی تھی۔۔نکاح سے پہلے اس کی عزت کا تماشہ بنا کر اس کی حویلی سے بھاگ کر کسی اور سے شادی کر رہی تھی۔۔اور بھرے مجمعے میں اسی کے بھائی سے محبت اور نکاح کرنے کا اعلان چیخ چیخ کر کر رہی تھی۔۔وہ بھلا ایسی عورت پر یقین کیوں کرے گا۔۔ابرش جیسی جذباتی لڑکی اپنا نقصان خود ہی کر چکی تھی۔فون پر زاران کی گہری ہوتی سانسیں محسوس کرتے پلوشہ کی مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔

زاران ابرش کا پتہ کرو۔۔۔مجھے تمھارے بچے کی بہت فکر ہو رہی ہے۔۔وہ بہت جذباتی ہے وہ تمھیں تکلیف دینے کے لیے ہر حد تک جا سکتی ہے۔۔وہ تمھارے بچے کو مار سکتی ہے۔۔

میرے بچے کو وہ عورت آنچ بھی نہیں پہنچا سکتی۔۔۔اگر ایسا ہوا میں آگ لگا دوں گا اسے۔۔۔زاران خوفناک درندے کی مانند غراتے ہوئے فون بند کر چکا تھا۔۔

اس کی گاڑی کی سپیڈ مزید تیز ہوئی تھی۔۔

زاران کا رنگ شدید سرخ ہو رہا تھا۔۔سفید کلائیوں کی نیلی رگیں تک ظاہر ہو رہی تھیں۔۔۔تم ایسا نہیں کر سکتی میرے بچے کو نقصان نہیں پہنچا سکتی چھوڑوں گا نہیں تمھیں۔

زاران کی گاڑی کا رخ اسلام آباد کی طرف تھا۔۔۔۔

وہ پلوشہ کی باتوں پر یقین کر چکا تھا۔۔ ابرش پریگننٹ ہے یہ اس نے گھر میں کسی کو نہیں بتایا تھا نہ ابرش نے کسی کو بتایا تھا۔۔

وہ اسے لے کر کتنی پوزیسیو ہے وہ یہ بھی جانتا تھا۔۔۔ وہ ایسا ہی کچھ کر سکتی ہے۔۔ اسے یقین تھا۔۔ جو عورت اس کے سامنے نیند کی گولیاں کھانے کی کوشش کر سکتی تھی۔۔ اس کے بچے کو مارنے کی دھمکیاں دے سکتی تھی۔۔ وہ یقیناً کچھ ایسا ہی کرتی۔۔۔ آخر اس نے ابرش پر یقین کیوں کیا۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے بلبلا اٹھا تھا۔۔ درد ہی درد تھا جو اسے اپنے پورے وجود میں سرایت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ ہر بار اپنی محبت کے ہاتھوں زخم کھانا کیسا ہوتا ہے۔۔ کوئی اس سے پوچھتا۔۔ اس کا دل کر رہا تھا اپنی گاڑی کو پہاڑ سے نیچے کی طرف گہرائیوں میں دھکیل دے۔۔۔ مگر

اسے ہر حال میں اپنے بچے کو بچانا تھا۔۔ وہ ابرش کو ایسی حماقت نہیں کرنے دے سکتا تھا۔۔ اسے اپنے بچے کو ہر حال میں بچانا ہی تھا۔۔

موبائل فون ایک بار پھر سے چنگاڑ اٹھا تھا۔۔ موبائل سکرین پر اب کی بار شہرام کا نمبر جگمگا رہا تھا۔۔ زاران اگنور کرتے ڈرائیو کرنے لگا۔۔۔ مسلسل بجتے فون پر زاران نے لب بھینچے تھے۔

اس وقت سوات میں صرف شہرام خانزادہ تھا۔۔۔ ابرش کو اس نے کہیں دیکھا نہ ہو زاران نے یہ سوچتے جلدی سے فون اٹھایا۔۔

بولو شہرام۔۔۔ زاران نے فون اٹھاتے ہی کہا۔۔

لالا بھابھی ہاسپٹل میں ہیں۔۔انھیں آپ کی ضرورت ہے جلدی سے یہاں آجائیں۔۔شہرام کی سپیکر پر گونجتی آواز پر زاران نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔۔

میرا بچہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔زاران نے لب دانتوں میں پیوست کیے بمشکل ہی پوچھا تھا۔۔

سب ٹھیک ہے لالا۔۔۔آپ ہاسپٹل ائیں وہ سنجیدگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔اب اس کی گاڑی کا رخ شہرام کے ہاسپٹل کی طرف تھا۔۔

زران لمبے لمبے ڈھنگ بڑھتا ہاسپٹل داخل ہوا تھا۔۔ براؤن شلوبر قمیض پر آف وائٹ مردانہ شمال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ ہاسپٹل کے کوریڈور کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔ کوریڈور سے گزرتی دو ڈاکٹرز کی بات پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔۔

کسی قسم کی عورت تھی وہ جو اپنے بچے کو مارنے پر بضد تھی۔۔ اس نے ڈاکٹر رقیہ کی اتنی منت سماجت کی کہ اس کی ڈی این سی کی جائے۔۔۔ وہ یہ بچہ نہیں چاہتی۔۔ ڈاکٹر رقیہ نے جب پولیس بلانے کی دھمکی دی تو اس پیشنٹ نے ڈاکٹر رقیہ کے سامنے ہی نیند کی گولیوں کی پوری شیشی پھانک لی۔۔ اس کی طبعیت اتنی خراب ہو گی کہ مجبوراً ڈی این سی کرنی پڑی۔ ڈاکٹر کی بات سنتے زاران

کی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔ آنکھوں میں خون کی لالی اتری تھی۔

وہ اپنی پسٹل لوڈ کرتا طیش والم میں اپنے بھاری قدموں سے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھا تھا۔

ابرش بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔۔ ایک ہاتھ پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔۔ پلوشہ کی باتیں ابھی تک دل میں کسی نیزے کی مانند گڑھی ہوئی

تھی۔۔وہ یہ سب سوچنا نہیں چاہتی تھی۔۔۔مگر دل و دماغ تھا کہ مسلسل پلوشہ کی باتوں کو ہی سوچے جا رہا تھا۔۔

زاران کا اپنی مورے سے دوسری شادی کا وعدہ کرنا۔۔اتنی بڑی خوشخبری کا سب گھر والوں سے چھپانا اور پلوشہ کو وہ تھپڑ والی بات پتہ چلنا سب کچھ تو ہی اس کا یقین زاران پر متلزلزل کر رہا تھا۔

آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کے عارض اور شفاف گردن کو بھگو رہا تھا

۔۔۔

وہ ستمگر بار بار نظروں کے سامنے آ رہا تھا جس کے بغیر وہ زندگی کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔۔نہ اسے کسی کے ساتھ شئیر کر سکتی تھی۔۔

ابرش نے کپکپاتے ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھے تھے۔۔اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی۔۔

یکدم زاران دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔۔

زاران کو دیکھتے ابرش کے لبوں سے نکلنے والی سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔۔

زاران ہمارا بچہ۔۔۔۔۔ابرش نے روتے ہوے اسے پکارا تھا۔۔

مار دیا تم نے میرا بچہ ابرش۔۔۔زاران نے طیش والم میں چلاتے ہوے دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے اس کی دھاڑ پر روتے ہوے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

اب کیوں رو رہی ہو؟؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟؟ جو تم نے کرنا تھا وہ کر لیا۔۔ تم اتنی ظالم ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ زاران اس کے پاس بیڈ کے قریب کھڑا ہوتے کرب سے بولا تھا۔۔۔ ابرش کی نقاہت زدہ حالت دیکھتے وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔ یعنی اس کا بچہ اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔۔ وہ بے بسی کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہا تھا۔۔ جی کر رہا تھا اپنی پسٹل کی گولیاں سامنے لیٹے اس سفاک عورت کے دل کے آر پار کر دے جو اس کے بچے کو مار چکی تھی۔۔ مگر وہ ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔۔ سامنے لیٹے اس نازک بے بے رحم وجود میں اس کی سانسیں بستی تھیں۔۔

زاران۔۔۔ میں نے۔۔۔۔۔ تمھارے بچے کو کچھ نہیں کیا۔۔ ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہچکی لی تھی۔۔

ابرش تم ظالم ہی نہیں ہو۔۔ بلکہ تم ایک گھٹیا عورت ہو۔۔

تم میرے پیار کے قابل نہیں ہو۔۔جب تم میرے نکاح سے بھاگی تھی۔۔

مجھے اس دن ہی تمھیں جان سے مار دینا چاہیے تھا۔۔

زاران وحشت کے عالم میں غرایا تھا۔۔اس کا بچہ اس دنیا میں نہیں رہا

۔۔۔وہ غم و اشتعال سے پاگل ہو رہا تھا۔

اور اس کے بچے کو مارنے والی اس کی محبت تھی۔۔

یہ بات تو اس کے حواس ہی مختل کر چکی تھی۔۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا

وہ کیا کرے۔۔زاران خانزادہ کو اس وقت اپنا آپ ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا

محسوس ہو رہا تھا۔

تو مار دیتے جان سے۔۔۔۔۔ اتنی اذیت سے تو نہ گزرنا پڑتا جتنی اذیت تم مجھے اب دے چکے ہو اور دینے کا آرادہ رکھتے ہو۔۔ ابرش روتے ہوے چلائی تھی۔۔

اسے اس وقت زاران کی کتنی ضرورت تھی۔۔ اس کی محبت کی۔۔ اس کے یقین کی۔۔ مگر وہ تو اس پر ہی یقین نہیں کر پا رہا تھا۔۔ وہ کیوں نہیں اس کے ساتھ ہوتا تھا جب اسے اس کی ضرورت ہوتی تھی۔۔۔ ابرش کی آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی بڑھی تھی۔

تم ایک نفسیاتی پاگل عورت ہو۔۔ اپنے وسوسوں پر تم نے میری زندگی برباد کر دی اور آج اسی پاگل پن میں تم نے اپنے ہی بچے کو مار دیا۔۔ یو بلڈی وومن۔۔۔۔ جی کر رہا ہے یہ پسٹل کی ساری گولیاں میں تمھارے سینے میں اتار دوں۔

زاران نے غصے سے گرجتے ہوے ابرش پر اپنی پسٹل تانی۔۔۔ابرش بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔وہ اسے مارنے کا بھی سوچ سکتا ہے وہ ایسا سوچ نہیں سکتی تھی۔۔ثابت ہوا تھا وہ ایک اجڈ گنوار ظالم بے حس خانزادہ تھا۔

مار دو مسٹر خانزادہ۔۔۔۔مار دو آج مجھے۔۔ابرش نے کہتے ہوے اپنی آنکھیں میچیں۔۔

میں تمھاری طرح اس حد تک نہیں گر سکتا کہ تمھیں مار دوں۔۔۔تمھاری سزا بہت بدتر ہو گی جو سزا خدا تمھارے لیے تعین کرے گا۔۔جو عورت اپنے پیٹ میں پلنے والے بچے کو مار دے اس کی سزا یقیناً بہت بدتر ہو گی۔۔۔زاران غرایا تھا۔۔

تم نے میرے بچے کو اس لیے مارا کیونکہ تمھیں لگتا ہے میں تم سے بیوفائی کر رہا ہوں۔۔ اب میں تمھیں بتاؤں گا اصل میں بیوفائی ہوتی کیا ہے۔۔ میں تمھاری نظروں کے سامنے پلوشہ سے شادی کروں گا۔۔ تم اپنی نظروں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتے اب دیکھو گی۔۔۔ زاران اپنے بال مٹھیوں میں پکڑے چلایا۔۔

تم یہی کرنا چاہتے تھے تمھیں موقع مل گیا زاران۔۔۔ تم بیوفائی کرو گے نہیں۔۔ تم بیوفائی کر چکے ہو۔ آرادہ کر لیا سمجھو تم نے بیوفائی کر لی۔۔۔۔ مجھ پر پسٹل تان لی۔۔ سمجھو تم نے مجھے مار دیا۔۔ ابرش روتے ہوے بولی۔۔

مانتی ہو آرادہ کرنے سے بیوفائی ہو جاتی ہے۔۔ جب تم میرے نکاح سے بھاگ کر کسی اور سے نکاح کر رہی تھی۔۔ سوچو کیا گزری ہو گی مجھ

پر۔۔۔ سوچو کیا گزر رہی ہے مجھ پر۔۔۔۔ تم بہت ظالم ہو

ابرش۔۔۔ زاران اذیت کی انتہا پر بولا تھا۔۔

زاران جو کچھ کیا تم سے نکاح سے پہلے کیا۔۔ مگر دل میں صرف تم

تھے۔۔۔ میرا خدا جانتا ہے میں نے ایک پل کے لیے بھی کبھی کسی مرد کو

نہیں سوچا۔۔ ابرش ایک ہی جست میں اپنی کلائی سے ڈرپ بے دردی سے

کھینچ کر اتارتے زاران کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔۔۔

کبھی کسی غیر مرد کو اپنے قریب اتنا بھی نہیں آنے دیا۔۔ ابرش نے اپنے اور

اس کے بیچ دو قدم کے فاصلے کا تعین ہاتھ کے اشارے سے کرتے کہا۔۔۔

تم نکاح سے پہلے میرے کسی عمل کے متعلق مجھ سے استفسار نہیں کر سکتے

اب کی بات کرو۔۔۔ جس دن سے تمھارا حکم ہوا یہ چادر سر سے نہیں اترے

گی کیا سر سے اتری۔۔۔۔ کبھی ارادتاً کسی غیر مرد کے سامنے گئی۔۔۔ ان

پانچ مہینوں میں جیسے تم نے رکھا میں رہی۔۔۔ کیوں بار بار مجھے طعنہ دیتے ہو۔۔ کیوں میرا نام کسی کے ساتھ جوڑتے ہو۔۔۔ سب ہی جوڑتے ہیں۔۔ پھر وہ تمھاری مورے ہو یا پھر وہ تمھاری پلوشہ۔۔۔۔۔ کیوں مجھے طعنہ دیتے ہو۔۔۔ ابرش اس کا گریبان پکڑے بری طرح رو دی تھی.

زاران نے اس کے ہاتھ غصے سے اپنی شرٹ سے چھڑاتے اسے دور جھٹکا تھا۔۔

تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی سمجھے تم۔۔۔ تم سچ میں ایک اجڈ گنوار ظالم بے حس خان ہو۔۔ وہ اس کا گریبان پھر سے جکڑ چکی تھی۔

معاف تو میں تمھیں نہیں کروں گا۔۔

How could you do this??

ہمارا بچہ ہماری محبت کو مار دیا تم نے۔۔۔ کیوں ابرش؟؟ کیوں۔۔ زاران اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔۔

میں نے تمھارا بچہ نہیں مارا زاران۔۔۔ ابرش سسکتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

دور ہٹو مجھ سے۔۔۔۔ مجھے آئندہ سے چھونا مت۔۔۔ میں نفرت کرتا ہوں تم سے۔۔۔ شدید نفرت۔۔۔۔ زاران نے سرخ آنکھوں کے ساتھ غراتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنی شرٹ سے چھڑواتے ہوئے اسے بیڈ پر بے دردی سے دھکا دیا تھا وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

زاران ہمارا بچہ۔۔۔ ابرش بمشکل سیدھے ہوتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے چلائی تھی۔۔۔

زاران جو دروازے کی جانب بڑھا تھا ابرش کی دردناک چیخ پر رکتے ہوے مڑ کر اسے دیکھا وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے چلا رہی تھی۔۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

اسی لمحے بہارے اندر داخل ہوئی تھی۔۔ ابرش کی حالت دیکھتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

ن ہمارے بچے کو بچالو۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔۔ ابرش نے درد سے کراہتے ہوے آنکھیں میچیں۔۔

کیا ہوا لالا یہاں پر۔۔۔۔۔ بھابھی کو آپ نے دھکا کیوں دیا۔۔

آپ جانتے ہیں ناں وہ آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔۔ بہارے غصے سے بھڑکتے ہوے بولی۔۔

ہمارا بچہ ٹھیک ہے کیا؟؟۔۔زاران نے بے یقینی سے بہارے کو دیکھتے پوچھا۔۔۔

پہلے تو ٹھیک تھا مگر اب نہیں لگتا مجھے ٹھیک ہو گا۔۔۔۔بہارے غصے سے بولتے ہوے ڈاکٹر زقیہ کو بلانے کے لیے بھاگی تھی۔

زاران ہمارا بچہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بچالو اسے۔۔۔ابرش نے زاران کے مضبوط ہاتھوں کو تھامتے ہوے کہا۔۔جو اس وقت کپکپا رہے تھے۔۔زاران خانزادہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

وہ اسی لمحے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔۔۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی پچھلے دو گھنٹوں سے شاہ مینشن کے گیٹ پر کھڑی تھی۔۔وہ گاڑی میں بیٹھا اپنے جبڑے بری طرح بھینچے ہوے تھا۔۔اس کی سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔سفید کلائیوں کی نیلی رگیں تک ظاہر ہو رہی تھیں۔۔۔وہ اس وقت بلیک پینٹ پر وائٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔جس پر بلیک ہی ویسکوٹ تھا۔۔شرٹ کی آستین کہنیوں تک فولڈ تھی۔۔

اس کی انگلیاں سٹیرنگ پر تھرتھرا رہی تھیں۔نظروں کا رخ ڈیش بورڈ پر رکھی پسٹل پر تھا۔۔۔۔آنکھوں کی غضبناکی بڑھتی جا رہی تھی۔۔اس کی گاڑی کو شاہ مینشن کے حدود میں داخل ہونے دے دیا گیا تھا۔۔مگر ابھی تک گیٹ نہیں کھولا گیا تھا۔۔وہ سمجھ گیا تھا سلطان شاہ اس کی بے بسی کا اسے

احساس دلانا چاہ رہے ہیں۔۔۔اسے شاہ مینشن کے حدود میں سلطان شاہ کی آجازت سے داخل ہونے دیا ہے۔۔اب گیٹ نہ کھول کر وہ اسے احساس دلا رہے تھے۔۔اس کی وقعت ان کے آگے کچھ نہیں ہے۔۔

ارحام خانزادہ اپنے غصے اور اشتعال پر بمشکل ہی قابو پائے ہوے تھا۔۔اس گیٹ کے پار اس کی زندگی رہتی تھی.. جس میں اس کی سانسیں بستی تھی۔۔مشکل یہ تھی اب وہ اپنی زندگی اس کے ساتھ جینا چاہتا تھا۔۔اس کے بغیر موت بھی گوارانہ تھی۔۔اپنی موت کے بعد بھی اس پر کسی کی نظر برداشت نہیں تھی۔۔اس کی بیوی کبھی خود لیے اس کی جنونیت محبت سمجھ نہیں سکتی تھی۔۔وہ خود نہیں جانتا تھا وہ اس کے لیے کیوں اتنا حساس اتنا جنونی ہے۔۔مگر سچ یہ تھا وہ اس کے لیے جنونی پاگل تھا۔۔۔۔اس پر کسی غیر مرد کی نظر برداشت نہ کرنے والا۔۔۔اس کے علاوہ کوئی بھی اسے

نظر بھر کر دیکھتا تھا۔۔اس کا دل جلنے لگتا تھا۔وہ لمحوں کے ہزارویں حصے میں ہزاروں بار شعلوں کی مانند دہکتا تھا۔۔

جس دن وہ آفس میں بے پردگی میں آئی تھی۔۔۔ابھی بھی اس کے دل میں بھانبھڑ جل رہے تھے۔۔ایسا لگتا تھا جیسے کوئی مسلسل اس پر کھولتا پانی انڈیل رہا ہو۔وہ اپنے اوپر ظلم کا حساب بہت شدومد سے لے چکی تھی۔۔وہ نہیں جانتی تھی وہ اس پر کتنا ظلم کر رہی تھی۔۔اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی تھی اس کے کے لیے جس کے سر کے ایک بال پر کسی کی نظر گوارانہ تھی۔۔۔اس کی خوبصورتی اس کے بدن کی رعنائیاں دیکھتے بہت سے مرد اپنی آنکھوں کو تروت پہنچا چکے تھے۔۔۔۔اس دن اپنی بیوی پر گڑھی ہوئیں اس کے بزنس حریف کی نظریں اس سے اس کی نیند چین سب کچھ چھین چکی تھی۔۔وہ بس دن رات ایک تپش میں جل رہا تھا۔۔وہ سر تا پیر سلگ رہا

تھا۔۔وہ جھلس رہا تھا۔اس نے ان تمام بزنس حریف سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔

اپنا اپارٹمنٹ تک چھوڑ دیا تھا۔۔ابھی بھی اس کے سینے میں بھانبھڑ جلتے تھے

۔۔۔وہ اس کا عشق نہ ہوتی تو اس کی اس غلطی کی سزا وہ اس کے سینے میں

گولیاں اتار کر دیتا۔۔مگر بے بسی یہ تھی وہ سانسوں میں بستی تھی۔۔اسے

تکلیف دینے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔اور مشکل یہ تھی اسے ایسے بھی

نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔دیکھنا یہ تھا کہ ضبط کا دھارا کب چھوٹتا ہے۔۔اور اسے

یقین تھا جس دن یہ ضبط توٹا تو وہ خود کو یا پھر اسے گولی تو ضرور مار دے

گا۔۔ارحام خانزادہ نے اب جھنجھلاتے ہوئے سیٹ سے ٹیک لگائے

آنکھیں موندتے ہوئے اپنی پیشانی پر ہلکے ہاتھ کب مکہ مارا تھا۔۔وہ مسلسل

اپنے ہاتھ کب مکہ بنائے اپنی پیشانی پر مارے جا رہا تھا۔۔

نظروں کے سامنے اس دن کا اس کا دو آتشہ روپ آیا تھا۔۔ جب وہ مسکراتے ہوے سب کے سامنے کانفیڈنس سی کھڑی تھی۔۔

ایک بار پھر سے وہ جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آیا تھا۔۔

تمھیں کوئی اور دیکھے تو جلتا ہے یہ دل

بڑی مشکلوں سے پھر سنبھلتا ہے یہ دل

کیا کیا جتن کرتے ہیں تمھیں کیا پتہ

یہ دل بے قرار کتنا یہ ہم نہیں جانتے

مگر جی نہیں سکتے تمھارے بنا

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لے کر اپنے اندر دہکتے شعلوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی تھی۔۔

وہ اپنے شرٹ کے اوپری بٹن کھولتے سیدھا ہوا تھا۔۔

اپنے سامنے شاہ مینشن کے بڑے سے گیٹ کو دیکھا۔اور اس کے گرد گارڈز کی لمبی قطار۔۔۔۔۔

اب غصے اور اشتعال کے ساتھ اس کے رگ وپے میں بے بسی کا احساس بھی پیدا ہوا تھا۔۔ جس پر وہ اپنا سب سے زیادہ حق سمجھتا۔ تھا۔ آج اس سے ملنے کے لیے وہ پچھلے دو گھنٹوں سے یہاں کھڑا تھا۔۔ مگر کوئی سنوائی نہ تھی۔۔

وہ پچھلے دو دن سے وہ حور سے نہیں ملا تھا۔۔اس دن کے بعد وہ آفس نہیں آئی تھی۔۔

وہ خود بھی یہی چاہتا تھا وہ سلطان شاہ کا آفس نہ سنبھالے۔۔۔بے پردگی میں اسے ایسے برداشت کرنا دوزخ کی دہکتی آگ میں جلنے کے مترادف تھا۔۔وہ اس کی ہر بات مان سکتا تھا۔۔وہ چاہتی تھی وہ اس کے قریب نہ آئے وہ یہ بھی مان سکتا تھا۔۔۔مگر اپنی بیوی اپنی عزت پر کسی کی ایک نظر گوارا نہیں تھی۔۔اس بات سے وہ مر کر بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔۔پہاڑی خان تھا وہ پہاڑوں کی طرح مضبوط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہ اپنی حور پر کسی کی نظر گوارا تھی اور نہ اسے اپنی ملکیت سے دستبرداری گوارا تھی۔۔۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی غضبناکی کے ساتھ انگلیوں کی تھرتھراہٹ سٹیرنگ پر بڑھتی جارہی تھی۔۔۔

۔ آج وہ اپنی بیوی سے ہر حال میں ملنے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔۔ مر جانا تھا یا پھر مار دینا تھا۔۔۔

حور اپنے کمرے سے نکلتی باہر شاہ مینشن کے لگژری بڑے سے لاونج میں آئی تھی۔ اس وقت وہ وائٹ کلر کے نائٹ گاون میں ملبوس تھی۔۔ اس کے چاکلیٹی سلکی بال کمر پر بکھرے تھے.۔۔۔۔

ہیلو حور کیسی ہو؟؟ لاونج میں بیٹھی نشانے اسے پکارا تھا۔۔ حور نے چونکتے ہوے اسے دیکھا تھا۔۔ جو کمفرٹیبل سلیولیس گہرے گلے والی شرٹ اور اونچی ٹائٹس میں ملبوس صوفے دونوں پاؤں اوپر کیے بیٹھی اسے مسکراتی نگاہوں سے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔

ٹھیک ہوں تم سناؤ۔۔۔ حور نشا کو دیکھتے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی۔۔

میں بھی ٹھیک ہوں۔۔ بلکہ بہت خوش ہوں۔۔ اور بھی خوش ہو سکتی تھی۔۔ اگر تم واپس کبھی نہ آتی۔۔ نشا نے مسکراتے ہوئے لب پھیلائے تھے۔۔۔

حور کی خوبصورتی سے وہ ہمیشہ کی طرح جل اٹھی تھی۔۔ وہ سمپل سی نائٹ گاؤن میں بنا کسی میک کے اپ کے دمک رہی تھی۔۔۔ اور وہ خود فل میک اپ میں اور کافی سٹایلش ڈریس میں ملبوس تھی۔۔ یہاں تک کہ اس کے بدن کی رعنائیاں بھی ظاہر تھیں۔۔ مگر ہمیشہ کی طرح وہ اس کے سامنے پھیکی پڑ گئی تھی۔۔۔

وہ چمکتا چاند تھی وہ جیسے تاریک سیاہ رات۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اس کی قسمت بھی اس کی طرح سیاہ تاریک تھی۔۔

قسمت تو سامنے بیٹھی لڑکی کی روشن تھی۔۔۔اس کی زندگی میں آنے والے ہر مرد اسے دیوانوں کی طرح پیار کرتا تھا۔۔چاہے وہ سلطان شاہ ہو یا پھر ساحر خانزادہ یا پھر ارحام خانزادہ۔۔۔۔۔۔نشا اپنے لب کچلتے حور کو شرربار بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

حور نشا کی آنکھوں سے پھوٹتی چنگاریاں محسوس کرتے سر نفی میں ہلاتے ہنس پڑی تھی۔۔نشا کی جلن سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔مگر نہ کل اس کی جلن سے فرق پڑتا تھا نہ آج فرق پڑا تھا۔۔بلکہ اسے اس پر ترس آیا تھا۔۔

ہاں مگر تمھاری یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی اور میں اپنے گھر واپس آ گئی اپنے پاپا کے پاس۔۔۔۔ کبھی نہ جانے کے لیے۔۔۔اب تم کسی سے یہ نہیں کہہ سکو گی کہ۔۔۔۔ آئی ایم نشا سلطان شاہ کی ون اینڈ اونلی اکلوتی بیٹی۔

حور نے اس کا جلن زدہ چہرے پر نظر ڈالتے طنزیہ مسکراتے ہوے کہا۔

نشا کی مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

میں کبھی کبھی سوچتی تھی کہ تم مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہو۔۔ مگر اب پتہ چلا تمھاری ماما نے یہ نفرت تمھارے دل میں میرے لیے ڈالی تھی۔۔ حور استھزائیہ مسکرائی تھی

میرے دل میں میری ماما نے نہیں۔۔۔۔ بلکہ پاپا نے تمھارے لیے نفرت ڈالی ہے۔۔۔۔ اگر سلطان شاہ میرے پاپا نہیں بن سکتے تھے۔۔ یا پھر کبھی

مجھے باپ کا پیار دینا ہی نہیں تھا تو کیوں مجھے اپنا نام دیا تھا؟؟۔ کیوں میرے نام کے آگے سلطان شاہ کا ٹیگ لگایا۔۔ مجھے یہ بینک بیلنس یہ سب کچھ نہیں چاہیے تھا مجھے پاپا کا وہ پیار چاہیے تھا۔۔ جو وہ تم سے کرتے ہیں۔۔ انہوں نے تمھاری خاطر میری ماما کو گھر سے نکال دیا۔۔ کتنے دن ہو گئے انہوں نے میرا اور ماما کا پتہ بھی نہیں کیا۔۔ مگر مجھے دیکھو۔۔۔ میں آج یہاں چلی آئی۔۔ کیونکہ پاپا کو دیکھے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔۔۔ انھیں میری محبت کیوں نظر نہیں آتی؟؟۔۔ وہ نشا کیوں نظر نہیں آتی۔۔۔ جو ہمیشہ گیٹ پر کھڑی ان کا انتظار کرتی تھی۔۔۔ وہ مجھے ان دیکھا کیوں کر دیتے تھے؟؟۔۔ میرا کیا قصور تھا جو میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔۔ نشا نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کرب سے سوال کیا۔۔

تم اپنا قصور ماہ جبین سے پوچھو۔۔۔۔۔۔جب انہوں نے مجھ سے کبھی سچے دل سے محبت نہیں کی تو پاپا سے تمھیں کیسے محبت ملتی۔۔ شکر کرو پاپا نے ماہ جبین کی طرح تم سے جھوٹی محبت جتا کر تمھارا سودا نہیں کیا۔۔ جس طرح تمھاری ماما نے میرا سودا کر دیا تھا۔۔ جس کی وجہ سے میں اپنا گھر چھوڑ کر سڑکوں کا حصہ بننے پر مجبور ہوئی۔۔

حور۔۔۔۔۔۔شٹ اپ۔۔۔۔جسٹ شٹ آپ۔۔۔۔

میری ماما پر الزام مت لگانا۔۔۔وہ تم سے نفرت کرتی ہیں۔ جانتی ہوں میں ۔۔۔۔مگر وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔۔ نفرت کرنا اور اپنی سطح سے گرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔۔ میری ماما کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔۔نشا حلق کے بل چیخی تھی۔۔

جب نفرت میں انسان انتہا پسند ہو جاتا ہے تو اسے اپنی سطح سے نیچے گرنے میں ٹائم نہیں لگتا۔۔۔ میرے پاپا نے تمھیں اور تمھاری ماما کو یہ عیش و عشرت بینک بیلنس یہاں تک کہ اپنا نام دے دیا۔۔۔ اور تم دونوں نے کیا کیا؟؟ سلطان شاہ کی بیٹی سے ہی نفرت کی۔۔ اسے ہی تکلیف پہنچائی۔۔۔ اگر تم پاپا سے پیار کرتی تو ان کی ہر چیز سے محبت کرتی۔۔ پاپا کی سانسیں بستی ہیں مجھ میں۔۔ میرے بغیر وہ تکلیف میں رہے۔۔ اور تم کہہ رہی ہو کہ تم بہت خوش تھی۔

تم نے کبھی پاپا سے محبت نہیں کی۔۔۔ تم اور تمھاری ماما خود غرض ہیں ۔۔۔ تمھیں بینک بلینس کے ساتھ پاپا کی امپورٹنس بھی چاہیے تھی۔۔ کبھی سوچا پاپا تم لوگوں کو نہ اپناتے تو تم لوگوں کا مقدر کیا ہوتا۔۔۔ شائد دو وقت کی روٹی کو بھی ترستے۔۔۔ مگر کیا صلہ ملا پاپا کو اس سب کا۔۔ ساری عمر تم نے

اور ماما نے مجھ سے نفرت ہی کی۔۔۔۔اور وہ تمھاری ماما اس حد تک گر گئیں کہ میری عزت کا سودا کر دیا۔۔شکر کرو میں نے اپنی زبان نہیں کھولی۔۔۔ورنہ ماہ جبین کو پاپا زمین کی سات تہوں میں زندہ دفنا دیتے۔۔۔حور نشا کے قریب آتے غراتے ہوے بولی۔۔

یہ سچ نہیں ہے۔۔۔تمھیں جب سے پتہ چلا کہ ماما تمھاری سگی ماما نہیں ہیں۔۔تم تب سے میری ماما پر الزام لگا رہی ہو۔۔میری ماما نے مجھے تمام حقیقت بتا دی ہے۔۔تم صرف ان پر الزام تراشی کر رہی ہو۔۔نشا چیخی تھی۔۔ماہ جبین جیسی بھی ہو وہ اتنا نہیں گر سکتی تھی۔۔وہ کبھی سامنے کھڑی لڑکی یا پھر کسی بھی لڑکی کی عزت کا سودا نہیں کر سکتی تھی۔۔

اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں ہے تو اس طرح چلا کیوں رہی ہو۔۔۔ تمھارا چلانا ثابت کر رہا ہے کہ تمھیں ماہ جبین پر یقین نہیں ہے۔۔۔۔ گھر جا کر ایک بار اپنی ماما کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر پوچھ لینا کہ سچائی کیا ہے۔۔ ہو سکتا ہے وہ اعتراف جرم کر لیں۔۔ لیکن مجھے لگتا ہے وہ نہیں کریں گی۔۔ سنا ہے کہ انہوں نے جھوٹا قران اٹھایا ہے۔۔

نشا میں نے انھیں معاف نہیں کیا نہ کبھی معاف کروں گی۔۔ وہ مجھے جان سے مارنے کا سوچتی تو شائد میں معاف کر دیتی۔۔ مگر انہوں نے میری عزت کا سودا کیا۔۔۔ جس کے لیے میں انھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔ مجھے یقین ہے کہ جو انہوں نے جھوٹا قرآن اٹھایا ہے۔۔ وہ جلد یا بدیر انھیں ذلیل ورسوا کرے گا۔۔ ایسی سزا ملے گی کہ وہ عبرتناک ہو گی سب

کے لیے۔۔۔۔میں نے اپنا معاملہ اس قرآن پر چھوڑ دیا ہے۔۔حور کی اٹل بھرائی آواز گونجی تھی۔۔۔۔

تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔۔میں تم پر یقین نہیں کرتی۔۔۔نہ کبھی کروں گی۔۔میری ماما ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔۔نشا نے گہرے سانس لیتے پختہ لہجے میں کہا۔۔

مت کرو یقین۔۔۔۔مجھے تمھارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سچائی تو یہی ہے جو ایک دن سب کے سامنے آکر رہے گی۔ حور کہتے ہوئے نشا پر تنفر بھری نظر ڈالتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

ساحر خانزادہ کی سچائی بھی ایک دن سب کے سامنے آ کر رہے گی۔۔تب کیا کرو گی تم؟؟۔۔۔نشا کی بات پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

کیا مطلب ہے تمھارا؟؟۔۔۔حور نے پلٹتے ہوے چبھتے لہجے میں پوچھا تھا۔۔

مطلب یہ کہ تمھارے اس پوزیسیو خانزادہ کو تمھارے ایکس فیانسی پلس عاشق کی حقیت کا نہیں پتہ۔۔۔سوچو جس دن پتہ چلے گا تو وہ کیا کرے گا۔۔

نشا حور کے مقابل آئی تھی۔۔

حور کی رنگت یکدم زرد پڑی تھی۔۔جسے نشا دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

بہت قریب سے جانتی ہوں تمھارے پوزیسیو خانزادہ کو۔۔۔۔غصے کا انتہائی تیز ہے۔۔ پتہ چلا کیسے تمھیں اس دن اس میٹنگ روم میں سب کے سامنے کلائی سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔۔ تمھارے گارڈ بھی کچھ نہیں کر سکے۔۔ اور یہ بھی سنا تھا کہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی اس دن کافی ڈر گئی تھی۔۔۔ لمحوں میں اس کا رنگ زرد پڑا تھا۔۔ جیسے ابھی زرد پڑا ہے۔ نشا استھزائیہ مسکرائی تھیں۔۔

ویسے کیا کرتا رہا ہے وہ تمھارے ساتھ ان چھ مہینوں میں جو تم اس سے اتنا ڈرتی ہو۔۔۔ نشا نے حور کے قریب ہوتے اس کے کان میں مدھم س سرگوشی کرتے اس کی خوفزدہ آنکھوں میں مسکراتے ہوئے دیکھا۔۔

افففف۔۔۔۔ حور سلطان شاہ بھی کسی سے ڈرتی ہے ایمپریسیو۔۔۔ نشا کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

حور خاموشی سے فق رنگت کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ حور کی خاموشی اور اس کی اڑی رنگت نشا کو کافی سکون دے گئی تھی۔

ویسے تم اور پاپا اسے ملقے میں لے رہے ہو۔۔ تمھیں لگتا ہے تم حور سلطان شاہ ہو تو وہ تمھیں چھوڑ دے گا۔۔ تو یہ تمھاری غلط فہمی ہے۔۔۔ وہ مر جائے گا یا مار دے گا۔۔۔۔ تمھیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ بہت دیوانا ہے تمھیں لے کر۔۔۔ دیکھو اپنی دیوانگی میں وہ تن تنہا شاہ مینشن چلا آیا۔۔ اسے کسی کا ڈر نہیں ہے۔۔۔ اب دیکھتے ہیں وہ قتل کرتا ہے یا پھر قتل ہوتا ہے۔۔۔

نشا کی بات پر حور نے اچھنبھے سے اسے دیکھا تھا۔۔

کیا مطلب۔۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو تم۔۔۔ حور نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔۔

تمھارا وہ عاشق خانزادہ پچھلے دو گھنٹوں سے شاہ مینشن کے گیٹ پر پسٹل لیے کھڑا ہے۔۔۔۔واٹ۔۔۔۔۔نشا کی بات پر حور چلائی تھی۔۔۔اور وہ جلدی سے وہ سٹنگ ایریا کی طرف بھاگی تھی۔۔

جہاں سلطان شاہ موجود تھے۔۔۔۔

حور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو سلطان شاہ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں پکڑے صوفے پر بیٹھے ہوے سامنے لگی سکرین کو شعلہ بار نگاہوں سے گھوڑ رہے تھے۔۔جہاں ارحام خانزادہ گاڑی میں بیٹھا نظر آرہا رھا۔۔

حور نے بے یقینی سے سکرین پر نظر آتے ارحام کو دیکھا تھا۔۔جو لب بھینچے گاڑی میں بیٹھا تھا۔۔اس کے سرخ و سفید چہرے پر غیض و اشتعال کی سرخی صاف نظر آ رہی تھی۔۔

اس کی مضبوط آہنی ہاتھ کی انگلیاں سٹرینگ پر تھر تھرا رہی تھی۔۔جس سے معلوم ہو رہا تھا وہ بمشکل ہی اپنے غصے پر کنٹرول کیے ہوے ہے۔۔حور کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔۔اس بلا کے ہینڈسم مغرور انسان کو دیکھ کر ۔۔۔جو زندہ وجودوں کے ساتھ ساتھ دل کی دنیا کو بھی الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔۔

پاپا یہ سب کیا ہے ؟؟۔۔حور نے سلطان شاہ کو دیکھتے غصے سے پوچھا۔۔

میں اس انسان کو احساس کروانا چاہتا ہوں۔۔وہ میرے سامنے کتنا چھوٹا ہے۔۔۔اسے اس کے قد کا احساس دلانا چاہتا ہوں؟؟۔۔اس کا قد سلطان شاہ کے سامنے کتنا بونا ہے۔۔

ہمت کیسے ہوئی تھی؟؟اس دن اس کی اس نے سلطان شاہ کی بیٹی کی کلائی کو یوں ساری دنیا کے سامنے جکڑا۔۔کیسے وہ تمھیں ایسے چھو سکتا ہے؟؟۔۔جب میں نے اپنی بیٹی کو کبھی پھولوں کی چھڑی سے نہیں چھوا تو وہ کیسے ایسے چھو سکتا ہے۔۔سلطان شاہ نے غضبناک ہوتے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو دیوار پر دے مارا تھا۔۔گلاس ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا کرچیوں کی صورت نرم قالین پر بکھرا تھا۔

پاپا وہ میرا شوہر ہے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا اس کے ساتھ ایسا سلوک کریں۔۔ حور غصے سے چیخی تھی.

او گاڈ۔۔۔۔۔۔۔ پاپا آپ نے اسے پچھلے دو گھنٹوں سے ایسے گیٹ پر روکا ہوا ہے۔۔

I cant believe this.how could ypu this papa ??

حور نے بے یقینی سے چلاتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے سکرین کو دیکھا تھا۔۔۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے باہر تھا۔۔

اس سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔اس کے چہرے پر غضبناک سرخی کے ساتھ بے بسی بھی تھی۔۔جو وہ بخوبی دیکھ سکتی تھی۔۔سکرین پر نظر آتے ستمگر کے چہرے کے ہر رنگ سے واقف تھی وہ۔۔۔۔

حور نے بھیگی آنکھوں سے سکرین کو دیکھا۔۔جہاں وہ اپنے لب دانتوں میں بے دردی سے پیوست کیے ہوئے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔۔اس نے اب سٹیرنگ پر طیش و اشتعال سے مکہ دے مارا تھا۔۔۔وہ اب سٹیرنگ پر مکے مارتے چلا جا رہا تھا۔۔حور کی آنکھوں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

وہ کیسے ایسے کر سکتا ہے۔میری بیٹی کو کیسے ایسے چھو سکتا ہے۔۔سلطان شاہ نے سکرین کو گھورتے غضبناک ہوتے کہا۔۔

پاپا وہ میرا شوہر ہے۔۔۔۔وہ شوہر ہونے کے حق سے مجھے ایسے چھو سکتا ہے۔۔اور آپ کیسے یہ بھول سکتے ہیں کہ آج سے چھ ماہ پہلے ارحام ہی نے

مجھے تحفظ دیا تھا۔۔ میں نے اس کی زندگی برباد کر دی تھی۔۔ پھر بھی اس نے مجھے اپنی عزت بنایا۔۔ آپ کی بیٹی کو اس کے شوہر نے سختی سے چھوا تو آپ کانٹوں پر گھسٹ رہے ہیں۔۔ سوچیں پاپا احام خانزادہ پر کیا گزری ہو گی؟؟۔ جب میری وجہ سے اس کی بیٹی کو چھ ماہ اپنے سب رشتوں سے دور رہنا پڑا۔۔۔ وہ پانچ سال کی ہے۔۔۔ بہت معصوم ہے پاپا۔۔۔ وہ ۔۔۔۔ چھ ماہ اپنے ماں اور باپ کے بغیر ملازموں کے پاس پلی۔۔۔ میری وجہ سے ارحام کی بہن کا گھر برباد ہوا۔۔۔ اسے اپنی محبت اپنی بیوی کو چھوڑنا پڑا۔۔ اس کی بیوی نے میرے لگائے ہوئے الزمات پر اپنے چار ماہ کے بچے کو اپنے پیٹ میں مار کر ارحام کو سزا دی۔۔۔ پاپا ساری سزائیں تو اس کے حصے میں آئی ہیں۔۔ اب آپ میرے شوہر کو یوں ملازموں کے سامنے بے عزت کریں گے.. حور بھیگے لہجے میں چیخی تھی۔

حور تم اپنا فیصلہ سنا چکی ہو۔۔ تمھیں اس کے ساتھ نہیں رہنا۔۔۔ سلطان شاہ نے سرد لہجے میں اسے اس کا فیصلہ یاد کروایا تھا۔ حور کا فیصلہ کل کو بدل بھی جائے۔۔ وہ مر کر بھی حور کو ارحام خانزادہ کے پاس بھیج نہیں سکتے تھے۔

وہ بھول نہیں پا رہے تھے۔۔ جس طرح ارحام اسے کلائی سے جکڑے سب کے سامنے لے کر گیا تھا۔۔ اس نے سب کے سامنے یہ سلوک کیا تھا۔۔ اکیلے میں حور کو کیا کچھ نہیں کہا ہو گا۔۔۔ اور ان کی بیٹی کے ساتھ ایسا کوئی سلوک کرے۔۔۔ اس انسان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔۔ وہ تو پھر بھی اس پہاڑی خان کو برداشت کر رہے تھے۔

پاپا میں نے اپنا فیصلہ سنایا ہے مگر ابھی میں اس کے نکاح میں ہوں۔۔ تب تک آپ اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کریں گے۔۔ اپنے گارڈز کو حکم دیں

وہ گیٹ کھولیں۔۔ورنہ میں خود جا کر گیٹ کھول دوں گی۔۔حور اٹل لہجے میں بولتے سٹنگ ایریا سے نکل آئی تھی۔۔

زاران خانزادہ ایمرجنسی روم کے باہر اظطرابی کیفیت میں کھڑا تھا۔۔آنکھیں شدت گریہ سے سرخ تھیں۔۔

زاران ہمارا بچہ۔۔۔۔۔ابرش کا بلک بلک کر رونا یاد آرہا تھا۔۔

زاران نے ایمرجنسی روم کے باہر کوریڈور میں اظطرابی انداز میں چکر لگاتے ہوے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔اپنے بچے اپنی بیوی کو تکلیف پہنچانے میں اس کا ہی ہاتھ تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔

اس نے ان ہاتھوں سے ابرش کو دھکا دیا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔ زاران نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔۔ یا پھر اپنی پسٹل کی گولیاں ہی اپنے سینے میں اتار دے۔۔۔

شہرام نے لب بھینچتے ہوئے زاران کو دیکھا تھا۔۔ اس کی حالت اس کی تکلیف اس سے دیکھے نہیں جا رہی تھی۔

ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا تھا۔۔۔ بہارے نکل کر باہر آئی تھی۔ جس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔۔

زاران اور شہرام تیزی سے بہارے کی طرف بڑھے تھے.

کیا ہوا ہے ؟؟ بچہ ٹھیک ہے۔۔ زاران نے بے تابی سے پوچھا تھا۔۔

نہیں لالا۔۔۔۔بھابھی کا مس کیرج ہو گیا ہے۔۔بہارے نے نم آواز میں بتایا۔۔

زاران کی آنکھوں نے شدید سرخی اختیار کی تھی۔۔زاران نے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔۔۔

لالا خود کو سنبھالیں یہی خدا کو منظور تھا۔۔شہرام نے زاران کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔۔

مجھے نہیں پتہ خدا کو کیا منظور تھا۔۔لیکن میں نے اپنے بچے کو مار دیا۔۔۔ قاتل تو میں ٹھہرا ہوں. زاران کی بھاری آواز میں نمی کی امیزش شامل تھی۔۔جسے محسوس کرتے شہرام تڑپ اٹھا تھا۔۔پہلی مرتبہ زاران کی بھیگی آواز سنی تھی۔۔اسے لگا اس کا دل جیسے کاٹ ڈالا ہو کسی نے۔۔اسے کسی

بھی حال میں کبھی ایسے نہیں دیکھا تھا۔ان آنکھوں میں غیض واشتعال کی سرخی دیکھی تھی۔۔مگر نمی آج پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔۔۔

لالا آپ نے کچھ نہیں کیا۔۔بچے کی کنڈیشن سٹیبل نہیں تھی۔۔ڈاکٹر ماہم نے مجھے کیس ہسٹری سنائی ہے۔۔بھابھی جس طرح ہاسپٹل پہنچی۔۔۔جتنی تکلیف میں تھی۔۔بچے کے بچنے کے چانسز بہت کم تھے۔۔آپ پلیز خود کو الزام نہ دیں۔۔شہرام نے زاران کو تسلی دی تھی۔

ٹھیک کہہ رہے ہو شہرام۔۔۔بچے کی حالت اتنی سٹیبل نہیں تھی۔۔مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کر کے شائد اسے بچالیا جاتا۔۔بھابھی کا خیال رکھا جاتا تو وہ بچہ شائد بچ جاتا۔۔مگر لالا نے انھیں دھکہ دیا۔۔اب کیا فائدہ پچھتانے کا۔۔۔لالا نے جو کرنا تھا کر لیا۔۔

بہارے نے زاران کو دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔اس نے دیکھا تھا کیسے زاران نے ابرش کو بے دردی سے دھکا دیا تھا۔۔اور وہ کیسے روتے ہوے زاران کی منتیں کر رہی تھی کہ اس کے بچے کو بچا لے۔۔۔وہ منظر اس کی آنکھوں سے ہٹ نہیں رہا تھا۔۔اسے حویلی کے مردوں کی دوغلی فطرت سے نفرت ہو چلی تھی۔جو اپنے غصے اشتعال میں سب سے زیادہ تکلیف اسے ہی پہنچاتے تھے جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کا دعوی کرتے تھے۔۔۔

بہارے کی بات سنتے زاران کا چہرہ زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔۔وجیح چہرے کے نقوش میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔

وہ وہاں رکا نہیں تھا۔۔تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔۔شہرام بہارے کو گھورتے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

بہارے یہ کیا بد تمیزی ہے ؟؟ تم لالا سے ایسے کیسے بات کر سکتی ہو ؟؟۔۔ جانتی ہو وہ کتنی تکلیف میں ہیں۔ شہرام اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔ اپنی غضبناک آنکھیں بہارے کی آنکھوں میں گاڑھیں تھیں۔۔ وہ مقابل کی ہر غلطی معاف کر سکتا تھا۔۔ مگر وہ اس کے اپنوں کو تکلیف دے۔۔ یہ گوارا نہیں تھا۔۔ شہرام کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔۔

جو تکلیف انہوں نے ابرش بھابھی کو دی اس کے بارے میں کیا کہو گے تم ؟؟۔۔۔ تم مرد بہت بے حس ہوتے ہو۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

مردوں کو بے حس بنانے میں تم عورتوں کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔۔

اور تم اچھی طرح جانتی ہو بہارے۔۔۔۔بچے کی کنڈیشن ٹھیک نہیں تھی۔۔ آج نہیں تو کل یہ مس کیرج ہونا ہی تھا۔۔ مگر تم نے پھر بھی سارا الزام لالا پر دھر دیا۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟؟۔۔۔ شہرام نے اس کے بازو پر اپنی سخت انگلیاں گاڑھتے اسے اپنے مزید قریب کرتے غراتے ہوے پوچھا۔۔

یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے بہارے کو ایسا چھوا تھا۔۔ اس کی کھردری انگلیاں بہارے کے بازو میں کھبتی جا رہی تھیں۔۔

انھیں احساس دلا رہی تھی کہ انہوں نے ابرش بھابھی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔۔ ایک بیوی اپنے شوہر کی محبت ڈیزرو کرتی ہے۔۔۔۔نہ کہ جنگلی سلوک۔۔۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں اسے جتایا تھا۔۔ شہرام کی انگلیاں کافی بے دردی سے اس کے بازو میں پیوست تھیں۔۔

کئی بیویوں کو محبت بھی راس نہیں آتی۔۔۔وہ خود اپنی حالت کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔۔شہرام اپنی انگلیاں مزید سختی سے اس کے بازو میں پیوست کرتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

مرد محبت کبھی سچی کر ہی نہیں سکتا۔۔۔اس کی زندگی اور دل میں ہمیشہ دوسری کی خواہش دوسری کی گنجائش رہتی ہے۔۔بہارے نے سسکی لیتے ہوے کہا۔وہ بہت بے رحمی سے اپنی انگلیاں گاڑھے ہوے تھا۔۔۔پہلی مرتبہ اس کی اتنی سختی دیکھ رہی تھی۔۔۔مقابل کا ہر انداز بدل چکا تھا۔۔وہ اس کے لیے وہ رہا ہی نہیں تھا جو کبھی تھا۔۔بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔۔

دوسری کی خواہش اس لیے رہتی ہے کیونکہ خدا نے مرد کی زندگی میں دوسری کی گنجائش رکھی ہے۔۔ویسے بھی کئی بیویاں تو خود اپنے شوہروں کی

دوسری شادی کی خواہاں ہوتی ہیں۔۔اور مجھے لگتا ہے ایک شوہر کو اپنی بیوی کی ہر خواہش پوری کرنی چاہیے۔۔

شہرام نے بہارے کی براؤن نم آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استھزائیہ لہجے میں جتایا تھا۔

کیا مطلب ہے تمھارا اس بات سے ؟؟۔ بہارے نے اسی لمحے شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں شدت سے جکڑی تھی۔۔ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔ آنکھوں کا گلابی پن بڑھا۔۔۔پورا بدن لرز اٹھا تھا۔۔

وہ کتنی مرتبہ تو رخصتی سے پہلے اور بعد میں اسے دوسری شادی کرنے کا کہہ چکی تھی۔۔ کبھی وہ چاہتی تھی وہ اپنے جیسی کسی دوسری کو اپنا کر اس کی جان چھوڑ دے۔۔ بچپن میں راتوں کو لمبے لمبے سجدوں میں خدا سے اس کی دوسری شادی کی دعائیں مانگی تھی۔۔۔ آج اپنی ہی دعائیں قبولیت پانے کے

ڈر کی وجہ سے اس کا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔ اپنی ہی دعائیں جیسے اسے اپنے وجود میں زہریلے بچھو کے ڈنگ کی مانند محسوس ہو رہی تھیں۔۔ مقابل کی ذرا سی ہی بات پر اس کا وجود لرز اٹھا تھا۔۔

وہی جو تم سمجھی ہو؟؟ شہرام نے غصے سے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑاواتے اسے دھکا دیا تھا۔۔ اس کی کمر دیوار کے ساتھ بری طرح لگی تھی۔۔ درد جسم میں سرایت کرنا چاہیے تھا۔۔ مگر درد دل میں سرایت کر رہا تھا۔۔

اب وہ گہرے سانس لیتے نم آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو اپنی شرٹ کو ٹھیک کرتے اسے غصے سے دیکھ رہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔ڈاکٹر آئزل کی پکار پر بہارے نے گہرے سانس لیتے ڈاکٹر آئزل کو دیکھا جو ڈاکٹر فرقان اور ماہم کے ساتھ کھڑی تھیں۔۔

سب حیرت سے انھیں دیکھ رہے تھے۔۔۔منظر ہی عجیب تھا۔۔وہ شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے کھڑی تھی۔۔شہرام نے اسے بے دردی سے دھکا دیا تھا۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے آئزل کو دیکھا۔جو بلیک کلر کی پٹھانی فراک میں دوپٹہ سر پر جمائے ہوے تھی۔۔

بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔۔۔۔

شہرام کیا سچ میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہے؟؟ بہارے کی آنکھوں سے آنسو اب جھرنے کی صورت میں عارض پر بہے تھے۔

ایکچوئلی گائز۔۔۔۔۔۔۔ مس بہارے میری کزن ہیں۔۔ میرے چچا کی بیٹی ۔۔۔۔۔۔۔ میری سسٹر کی طبعیت کی خرابی کی وجہ سے پریشان تھیں۔۔ تو اسی بات پر مجھ سے الجھ پڑیں۔

شہرام نے سب کو دیکھتے وضاحت دی تھی۔۔ اسے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔۔ وہ ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

بہارے کی آنکھوں کی نمی میں آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ سب کو نہیں آئزل کو وضاحت دے رہا تھا۔۔ کیونکہ اس کی طرح ڈاکٹر آئزل کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ وہ بھیگی نگاہوں سے شہرام کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔

اور وہ کس حق سے شہرام کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ شہرام اسے کیا کیا حق دے چکا تھا۔۔۔ بہارے کا پورا وجود جل کر راکھ ہوا تھا۔۔ وہ زخموں سے جیسے چور ہوئی تھی۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئی تھی۔

شہرام سب کو ایک نظر دیکھتا لمبے لمبے ڈھگ بھرتا وہاں چلا گیا تھا۔

بہارے اپنی چادر سر پر اچھی طرح جماتے ایمرجنسی روم میں داخل ہو چکی تھی۔۔ ابھی ابرش کو اس کی ضرورت تھی۔۔ وہ اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ابرش کی طرف بڑھی۔۔ جو ابھی تک ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔

حیدر خان فرشتے کو لیے اپنے ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں داخل ہوا تھا۔۔۔ فرشتے اس وقت بلیک فراک میں ملبوس تھی۔۔۔ بلیک چادر سے اپنے وجود کو اچھی طرح ڈھانپا ہوا تھا۔۔ حیدر خان بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال خود پر اوڑھے ہوے تھا۔۔

خان یہاں تو کوئی نہیں ہے۔۔۔ فرشتے نے حیرت سے پورے ڈائینگ حال میں نظریں دوڑائیں تھیں جو خالی تھا۔

کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔۔ میں اپنی خانم کو تھوڑی نہ ایسی جگہ لاؤں گا جہاں وہ کمفرٹیبل نہ ہو۔۔ یا میری خوبصورت سی معصوم سی خانم پر کسی کی نظر بھی پڑے۔۔۔ حیدر خان نے فرشتے کے چہرے کا نقاب نرمی سے اتارا تھا

یہ خوبصورت معصوم چہرہ خدا نے صرف میرے دیکھنے کے لیے بنایا ہے۔۔ حیدر خان نے فرشتے کے چہرے کو نرمی سے تھامتے اس کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر اپنے لب رکھے تھے.

خان اتنی محبت نہ کریں مجھ سے کہ میں مغرور ہو جاؤں۔۔ فرشتے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔

مغرور تو میں ہوتا ہوں خدا نے اتنی خوبصورت اور محبت کرنے والی بیوی عطا کی۔۔ حیدر خان اسے اپنے سینے میں نرمی سے بھینچ چکا تھا.

فرشتے حیدر خان کے سینے سے لگی زار و قطار رونے لگی تھی۔

کیا ہوا ہے خانم ؟؟ جانتی ہو مجھے تمھارا رونا پسند نہیں ہے۔۔ اور پھر بار بار یہ آنسو کیوں بہاتی ہو ؟؟ حیدر خان نے اسے خود سے الگ کرتے سخت لہجے میں استفسار کیا۔

خان مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ مجھے آپ کو کھونے سے ڈر لگتا ہے۔۔ مجھے اپنی کمی کا احساس ہے۔۔ اور آپ کی محرومی کا بھی۔۔ مگر آپ کی محبت نے مجھے خود غرض بنا دیا ہے۔۔۔ میں چاہتے ہوئے بھی آپ کی محرومی ختم نہیں کر سکتی۔۔۔ میں آپ کو کبھی کسی دوسرے کے ساتھ نہیں بانٹ سکتی۔۔۔ فرشتے نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔۔

خانم تم فضول میں یہ سب سوچ رہی ہو۔۔ مجھے کوئی محرومی نہیں ہے۔۔۔ میں نے سوچ سمجھ کر تم سے شادی کی تھی۔۔ یہ میرا کوئی جذباتی

فیصلہ نہیں تھا کہ میں پچھتانے لگتا۔۔ میں اچھی طرح جانتا تھا تم بانجھ

۔۔۔۔۔ حیدر خان بات بات کرتے اپنے عنابی لب دانتوں میں دبا گیا۔

فرشتے کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال نے شدت اختیار کی تھی۔۔ مقابل

کے لبوں سے یہ لفظ سننا بہت تکلیف دہ تھا۔۔

بہت سے لوگوں کے منہ سے یہ لفظ سنا تھا مگر اسے کبھی اتنی اذیت محسوس

نہیں ہوئی تھی۔۔ جتنی آج ہوئی تھی۔۔

حیدر خان نے گہرا سانس لیتے اپنا ماتھا مسلہ تھا وہ کبھی بھی یہ لفظ فرشتے کے

لیے استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔

مگر پتہ نہیں کیسے اس کے لبوں سے یہ لفظ نکلا تھا؟؟

حیدر خان نے کرسی کھینچ کر فرشتے کو بٹھایا اور خود اس کے قریب دوسری چیئر پر بیٹھا۔۔

فرشتے یہ بات دل سے نکال لو کہ میں دوسری شادی کروں گا۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔۔۔ میں کبھی بھی کسی بھی سچویشن میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔۔۔ حیدر خان نے فرشتے کے ہاتھ نرمی سے تھامتے کہا۔۔

خان مگر آپ کی مورے تو ایسا ہی چاہتی ہیں۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے خان آپ ان کی محبت میں ایک دن مجبور ہو جائیں گے۔۔ خان میں ساری عمر آپ کے مورے آپ کے بابا کی خدمت کروں گی۔۔ وہ مجھے کچھ بھی کہیں گے میں اف نہیں کروں گی۔۔ آپ دوسری شادی مت کیجیے گا۔۔ ورنہ آپ کی خانم مر جائے گی۔۔۔ فرشتے نے روتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔

او۔۔۔۔۔۔ گاڈ فرشتے کیا کروں میں تمھارا؟؟۔۔ میں تمھیں یہاں اس لیے لایا تھا کہ تم اس طرح کی باتیں نہ سوچو۔۔ مگر تمھیں یہاں بھی یہی باتیں کرنی ہیں تو کیا فائدہ تمھیں یہاں لانے کا۔۔ حیدر خان نے چیئر سے اٹھتے جھنجھلاتے ہوئے ٹیبل پر پڑا گلاس زمین پر زور سے دے مارا تھا۔۔

فرشتے یکدم لرزی تھی۔۔ حیدر خان کو غصہ بہت کم آتا تھا جب آتا تو بہت شدید آتا تھا۔۔ اس کے خوبرو چہرے پر برہمی کے آثار واضح تھے۔۔ وہاں حویلی میں اس کا کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔۔ اور یہاں فرشتے بھی دن رات ایک ہی بات کرتی۔۔۔ سکون کو جیسے وہ ترس گیا تھا۔۔ اس کی مورے اس کی جنت اس سے ناراض تھی۔۔ وہ خوش رہتا بھی تو کیسے رہتا۔۔ اپنی بیوی کی پناہوں میں سکون تلاشتا تھا۔۔ فرشتے اکثر ہی ایسے واہموں کا شکار رہتی ۔۔۔ رقیہ خانم فون نہیں اٹھا رہی تھی۔۔ دن میں کتنی مرتبہ فرشتے اسے

کہتی کہ وہ رقیہ خانم کو فون کرے۔۔ وہ اس کے کہنے پر فون کرتا۔۔ مگر جب رقیہ خانم فون نہ اٹھاتی وہ جھنجھلا کر رہ جاتا۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ رقیہ خانم کے فون نہ اٹھانے پر فرشتے پریشان ہوتی تھی۔۔ وہ جانتا تھا وہ اس کی شدید محبت میں رقیہ خانم کے رویے پر پریشان ہوتی ہے۔۔ یہ اس کی معصومیت تھی۔۔ وہ اس کی ماں کے لیے اس سے زیادہ پریشان تھی۔۔ مگر وہ کیا کرتا۔۔۔ کہاں سکون۔۔ پاتا۔۔۔ نہ ماں خوش رہنے دے رہی تھی۔ نہ بیوی خوش رہتی تھی۔۔ اسے دونوں ہی رشتے جان سے زیادہ عزیز تھے۔۔

خان میں تو صرف۔۔۔۔ حیدر خان کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھتے فرشتے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔۔ اور چیئر سے کھڑے ہوتے وہ حیدر خان کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔۔ اور وہ اسے غصے سے دیکھتے

رخ پھیر گیا تھا۔۔ فلحال فرشتے کا معصوم چہرہ بھی اس کا غصہ دور نہیں کر سکتا تھا۔

فرشتے کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہوئی تھی۔

حیدر خان کی ناراضگی اس کی جان نکال رہی تھی۔

وہ حیدر کے قریب ہوتے اس کی پشت کے ساتھ لپٹے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے کو جکڑ چکی تھی۔۔

مجھے معاف کر دیں خان۔۔۔ مگر مجھ سے ایسے منہ نہ پھیریں۔۔۔ میں آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی۔۔ فرشتے سسکتے ہوے بولی۔۔

حیدر خان کا سارا غصہ اشتعال جھاگ کی مانند بیٹھا تھا۔۔ اس کے قریب آنے پر وہ ایسے ہی پگھلتا تھا۔۔

حیدر خان نے سیدھے ہوتے فرشتے کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھتے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔ فرشتے بہت شدت سے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔۔ جسے محسوس کرتے حیدر خان کے لب گہرا مسکرائے تھے.

خانم تم عورتوں کے پاس بہت ادائیں ہوتی ہیں۔۔ مرد کو کیسے پگھلانا ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ جس طرح تم مجھ سے لپٹی ہو۔۔ کون کمبخت ناراض رہے گا۔۔ حیدر خان اسے مزید اپنے سینے میں بھینچے اس کی ناز کی محسوس کرنے لگا۔۔

فرشتے حیدر خان کے لپٹانے کے انداز پر شرم سے سرخ گلاب ہوئی تھی... وہ کسماتے ہوے اس کے حصار سے نکلی تھی کہ حیدر خان اس کا چہرہ

ہاتھوں میں تھامے اس کے گلاب لبوں پر جھک چکا تھا۔۔ فرشتے کے نچلے لب کو اپنے دسترس میں لیتے حیدر خان نے اس پر ہلکے سے دانت گاڑھے تو فرشتے اس کی شرٹ تھامے سسکی تھی۔۔

حیدر خان اس کے سسکنے پر اس سے دور ہوا۔۔ چلو خانم کمرے میں چلتے ہیں۔۔ حیدر خان کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔۔

خان کھانا۔۔۔ فرشتے اس کے لہجے کا بھاری پن محسوس کرتے گھبراتے ہوے بولی۔۔

کھانا کمرے میں آجائے گا۔۔ ابھی تو مجھے صرف تمھیں کھانا ہے۔۔۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے قریب کر گیا تھا۔۔

فرشتے اس کی مخمور نشیلی آنکھوں کو دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ خانم چادر لو اچھی طرح۔۔۔۔ حیدر خان نے اس کے عارض سرخ گلاب ہوتے دیکھ کر مسکراتے ہوے کہا۔۔

فرشتے نے نظریں جھکائے اچھی طرح اپنی چادر سر پر اوڑھتے اپنا چہرہ ڈھانپا تھا۔۔ حیدر خان اپنے مضبوط ہاتھ میں اس کا نازک ہاتھ جکڑے ڈائینگ حال سے باہر آیا تھا۔۔

فون بیل پر حیدر خان نے موبائل فون کان سے لگایا تھا۔۔

کیا ہوا اوز گل مورے کو؟؟۔۔۔۔ حیدر خان کی آواز بلند ہوئی تھی۔۔ اس کے مضبوط ہاتھ کی جکڑ فرشتے کے ہاتھ پر ڈھیلی ہوئی تھی۔۔

کیا؟؟حیدر خان کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔وہ اس کا ہاتھ اب چھوڑ چکا تھا۔۔دوسرے ہی لمحے وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا تھا۔۔فرشتے تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے ہمقدم ہوئی تھی۔۔مگر حیدر خان کے بھاری قدموں کا ساتھ دینا آج اس کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔

مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔۔مجھے تمھیں یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔

حیدر خان کی آواز پر فرشتے نے نم آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھا جو سرخ چہرے کے ساتھ تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔

فرشتے اس کی بات پر ایسے نظریں جھکا گئی تھی کہ جیسے اس کے یہاں آنے پر اس کی غلطی ہو۔۔

کوئی بھی بیٹا اپنی جنت کو ناخوش کر کے کیسے سکون میں رہ سکتا ہے۔۔ میری مورے میری سب کچھ ہیں۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھے لے کر کتنی حساس ہیں۔ پھر بھی میں تمھیں ان کی ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر یہاں لے آیا۔۔

حیدر خان کی بھاری آواز میں پچھتاوے کی گہری رمک شامل تھی۔۔

فرشتے نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں تھیں۔ اس بار یہ آنسو دل پر گرے تھے۔۔

اگر انھیں کچھ ہو گیا میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔۔ حیدر خان نے کہتے ہوے گاڑی کی سپیڈ تیز کی تھی.

کیا ہوا ہے مورے کو اوز گل۔۔۔۔ حیدر خان بے تابی سے اوز گل کی طرف بڑھا جو آئی سی یو کے باہر کھڑی تھی۔۔ فرشتے بھی آہستگی سے قدم بڑھاتے ہوے حیدر کے ہمقدم ہوئی۔۔ آج حیدر خان کے ہمقدم چلنا اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا۔۔

خالہ کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔ان کی حالت بہت نازک ہے۔۔اوز گل بھرائی آواز میں بولی تھی۔

مورے کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔کیا کہہ رہی ہو تم؟؟حیدر خان کی بھاری آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔

جب سے آپ باہر گیے ہیں۔خالہ کا طبعیت بہت خراب تھا۔۔ان کا بی پی بھی بہت ہائے تھا۔۔آج صبح ان کو دل میں درد اٹھا تھا۔۔حویلی میں اس ٹائم کوئی نہیں تھا۔۔ہم نے ہمارا گھر کا ملازماؤں نے بہت مشکل سے خالہ کو گاڑی میں ڈالا۔۔بشیر خان کے ساتھ خالہ کو یہاں لے کر آیا ہے۔۔یہاں آکر پتہ چلا کہ خالہ کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔اوز گل نے ہچکیوں کے درمیان بمشکل بتایا تھا۔

بابا کہاں تھے اس وقت تم نے مجھے انفارم کیوں نہیں کیا۔۔ حیدر خان دبے آواز میں چلایا تھا۔۔ اس کی مورے کو حویلی کی ملازماؤں نے گاڑی میں ڈالا۔۔ بشیر خان یہاں لایا۔۔ وہ یہ سن کر مشتعل ہوا تھا۔ رقیہ خانم نے ہمیشہ گھر کے ملازموں سے پردہ کیا تھا۔۔ یقیناً اس حالت میں کتنے ہی ملازموں کی ان پر نظر پڑی ہو گی۔۔ حیدر خان کی آنکھوں میں سرخی کی امیزش شامل ہوئی تھی۔۔ ہم نے بہت فون کیا تھا آپ کے بابا کے نمبر پر۔۔۔۔ مگر ان کا نمبر اس وقت بند جا رہا تھا۔۔ ابھی بھی بند جا رہا ہے۔۔ اور خالہ نے آپ کو فون کرنے سے منع کیا تھا۔۔ انہوں نے بولا میں مر بھی جاؤں تو حیدر خان کو میرے جنازے میں بھی شریک نہ ہونا دیا جائے۔۔ اوزگل کی بات سن کر حیدر خان نے آنکھیں میچتے ہوے کرب سے اپنے لب بھینچے تھے۔

مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی اوز گل۔۔ مجھے مورے کا دل نہیں دکھانا چاہیے تھا۔۔ مورے کو کچھ ہو گیا تو میں کیسے زندہ رہ پاؤں گا۔۔ حیدر خان نم آواز میں بے بسی سے بولا۔۔

فرشتے نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے بے جان وجود کو سہارا دیا تھا۔۔ حیدر خان کو جذباتی سہارے کے لیے بھی آج اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔۔ حیدر خان کے مضبوط ہاتھوں پر اوز گل کے ہاتھ آ ٹھہرے تھے۔۔ حیرت کی بات تھی وہ حیدر خان جو اوز گل کے نام سے بھی خار کھاتا تھا۔۔ آج اس کے ہاتھ جھٹکے نہیں تھے۔۔

فرشتے کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم اب عارض پر بہنا شروع ہو چکی تھی۔۔

اسی اثناء میں آئی سی یو روم کا دروازہ کھلا۔۔ ڈاکٹر کے باہر آنے پر حیدر خان بے تابی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

ڈاکٹر۔۔۔میری والدہ کیسی ہیں؟؟حیدر خان نے نم آواز میں بے تابی سے پوچھا۔۔

اب وہ ٹھیک ہیں۔اور پیشنٹ کو ہوش بھی آگیا ہے۔۔آپ لوگ چاہیں تو مل سکتے ہیں۔۔ڈاکٹر رو فیشنلی انداز میں کہتے حیدر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے آگے کی جانب بڑھا تھا۔۔

حیدر خان ڈاکٹر کی بات سنتے عجلت بھرے انداز میں آئی سی یو کی طرف بڑھا۔۔۔

ایکسکیوز می رکیں پلیز۔۔ڈاکٹر نے حیدر خان کو پکارا تھا۔

جی ڈاکٹر۔۔حیدر خان نے رکتے کہا۔

آپ کا نام حیدر ہے۔ڈاکٹر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔۔

جی میرا نام حیدر خان ہے۔۔حیدر خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔۔۔

پیشنٹ نے ہوش میں آتے ہی آپ کا نام لیا تھا۔

انہوں نے سختی سے کہا ہے کہ آپ ان سے نہیں مل سکتے۔۔آئی ہوپ آپ سمجھیں گے۔۔اس وقت ان کی حالت نازک ہے۔۔آپ کو دیکھ کر ان کا بی پی شوٹ کر سکتا ہے۔۔یا پھر انھیں دوبارہ اٹیک آسکتا ہے۔۔بی کیر فل۔۔ڈاکٹر حیدر خان کی فق رنگت کو دیکھتے اس کا کندھا تھپتپاتے چلا گیا تھا۔۔

حیدر خان کچھ پل مٹھیاں بھینچے اضطرابی انداز میں بے یقینی سے وہاں کھڑا گہرے سانس لیتا رہا۔۔۔اسے یقین نہیں آرہا تھا اس کی مورے نے اسے

اندر آنے سے منع کیا ہے۔اس وقت اس کی مورے کو اس کی ضرورت تھی۔۔اور کیسی بے بسی تھی وہ ان کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔۔وہ تڑپ رہا تھا ان سے ملنے کے لیے۔۔

حیدر خان لمبے لمبے ڈھگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔اوز گل فرشتے پر تنفر بھری نظر ڈالتی آئی سی یو روم میں وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

فرشتے ہاسپٹل کے کوریڈور میں تن تنہا دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

رات تاریک اور سرد تھی۔۔۔یا پھر فرشتے کو بہت لگ رہی تھی۔۔ آئیسی یو کے باہر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سیاہ چادر میں لپٹے وہ کھڑی تھی۔۔ کھڑے کھڑے اس کے پیر شل ہو چکے تھے۔۔۔

اس کی بھیگی نگاہیں حیدر خان پر جمی تھیں۔جو اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اظطرابی انداز میں چکر لگا رہا تھا۔۔ مردانہ شال ایک کندھے سے نیچے ڈھلک رہی تھی۔۔۔وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے ایسے ہی چکر لگا رہا تھا۔۔ایک بار بھی اس نے فرشتے کو نہیں دیکھا تھا۔۔۔

فرشتے کے لب آج بھی مسلسل ورد کی صورت میں ہل رہے تھے۔۔وہ آج بھی غائبانہ طریقے سے مقابل پر پھونکیں مار رہی تھی۔۔اس خوبرو مغرور انسان کو کھونے کے ڈر سے اس کا نازک دل لرز رہا تھا۔۔

پچھلے پانچ گھنٹوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے لب رکے نہیں تھے۔۔وہ مسلسل دورد شریف پڑھ رہی تھی۔۔۔

اس نے سنا تھا خدا کے کلام میں بہت طاقت ہوتی ہے۔۔یہی ایک چیز تھی جس پر وہ آج بھی قائم تھی۔۔جب تک شاہنواز کے نکاح میں تھی۔۔تب بھی وہ راتوں کو دیر تک عبادت کرتی۔لمبے لمبے سجدے کرتی مگر خدا سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا۔۔اب تو وہ خدا سے مانگنے لگی تھی۔۔حیدر خان کا ہمیشہ کے لیے ساتھ۔۔۔آج بھی اس کا دل خدا سے صرف تا قیامت حیدر خان کا ساتھ مانگ رہا تھا۔۔کہاں دیکھا تھا اتنا مہربان انسان۔۔۔۔۔وہ بھی ایک مرد وہ بھی ایک شوہر۔۔۔

کوریڈور چکر لگاتے ہوئے حیدر خان کے قدم ٹھہرے تھے۔۔ نظریں اپنی بیوی پر پڑی تھیں۔ جو بھیگی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے لب ہلتے دیکھ کر وہ ضبط سے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔

جانتا تھا سامنے کھڑا معصوم شفاف وجود اس پر آج بھی غائبانہ طریقے سے کچھ پڑھ کر پھونکیں مار رہا ہے۔۔

اسے اس لمحے پر ترس سا آیا تھا۔۔ مگر آج وہ اسے کوئی تسلی نہیں دے سکتا تھا۔۔ اس کی جنت اس سے ناراض تھی۔۔ اس وقت حیدر خان کو فرشتے کے آنسوؤں اور فرشتے کی کسی تکلیف سے کوئی غرض نہ تھی۔۔۔ حیدر خان کا پورا وجود پچھتاوں کی آگ میں جل رہا تھا۔۔ کیونکہ اس کی اصل محبت اس کی زندگی اس کی مورے تھیں۔۔ اگر وہ نہیں تو اس کا کوئی وجود نہیں

تھا۔۔وہ فرشتے پر ایک نظر ڈالتا آئی سی یو کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔۔

حیدر کے اندر داخل ہونے پر رقیہ خانم جو بیڈ پر پر مثدہ سی لیٹی تھیں۔۔رنگت میں زردیاں گھلی تھیں۔۔حیدر خان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔۔رقیہ خانم نے حیدر کو دیکھتے منہ پھیر لیا تھا۔۔ان کا منہ پھیرنا حیدر خان کے دل پر طمانچے کی صورت پڑا تھا۔۔وہ ان کا ماتھا چومنا چاہتا تھا۔۔ان کے پیر چومنا چاہتا تھا۔۔وہ ان کچھ گھنٹوں میں پل پل مرا تھا۔۔وہ تھیں کہ اس سے منہ پھیر چکی تھیں۔

حیدر خان نے ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھامے۔۔۔

رقیہ خانم نے اسی لمحے اپنے ہاتھ حیدر خان کے ہاتھوں سے کھینچے تھے۔۔ مگر وہ ان کے ہاتھوں کو مضبوطی سے جکڑے اپنی آنکھوں سے لگا گیا۔۔

مورے اتنی بڑی سزا تو نہ دیں مجھے۔۔۔ جو سزا دینی ہے قبول ہے۔۔ مگر مجھ سے منہ مت پھیریں۔۔ حیدر خان نے نم آواز میں کہا۔۔

ہم تم کو اپنا ہر حق سے معاف کرتا ہے۔۔ حیدر خان۔۔۔۔ تم پر ہمارا کوئی قرض نہیں ہو گا۔۔ نہ قیامت والا دن تم سے کوئی حساب کتاب ہو گا۔۔ ہم تم کو اپنا دودھ بخشتا ہے۔۔ تم کو قسم ہے ہم کو چھوڑ دو حیدر خان۔۔۔ تم اپنا بیوی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤ۔۔۔ ہمارا اب تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔۔ ہم امید کرتا ہے تم ہمارا یہ حکم ضرور مانے گا۔۔ رقیہ خانم نے سخت

لہجے میں کہتے اپنے ہاتھ حیدر خان کے مضبوط حصار سے ہاتھوں کے حصار سے کھینچے تھے۔۔

مورے یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟۔۔میں کیسے آپ کو چھوڑ سکتا ہوں۔۔حیدر خان کی بے یقینی سی سے رقیہ خانم کو دیکھا جہاں چٹانوں سی سختی تھی۔۔تم سب کچھ کر سکتا ہے حیدر خان۔۔۔۔۔۔تمھارا لیے جو رشتہ ضروری ہے تم صرف اس کو نبھاؤ۔۔ہم آج اور ابھی سے تم سے ہر رشتہ ختم کرتا ہے۔۔ہم کو اب تمھارا ضرورت نہیں رہا۔۔اب پلٹ کر واپس نہ آنا۔۔اگر تم کو کبھی پتہ چلے کہ ہم مر گیا ہے تب بھی پلٹ کر نہ آنا۔۔اگر تم نے ہم کو اپنا ہاتھوں سے قبر میں اتارا تو ہم قیامت والا دن تم سے اس کا حساب ضرور تم سے لے گا۔۔رقیہ خانم سخت لہجے میں کہتے اپنا رخ پلٹ چکی تھیں۔

حیدر خان سرخ آنکھوں سے کافی دیر تک ان کی پشت کو دیکھتا رہا۔۔ جانتا تھا رقیہ خانم اتنی ہی سخت دل اور پتھر ہیں۔۔ انہوں نے آج تک زرمش کو معاف نہیں کیا تھا۔۔ ماں ہو کر زرمش کے لیے انہوں نے حویلی کے دروازے بند کر رکھے تھے۔۔ یقیناً وہ اسے لے کر اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلیں گی۔۔

حیدر خان اذیت کی انتہا پر تھا۔۔ اس کا وجود میں جیسے کسی نے بارود رکھ دیا تھا۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے میں چھیتڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔۔ حیدر خان نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

مورے جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی ہو گا۔۔ میں اوزگل سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔۔ حیدر خان کو اپنی ہی آواز کھائی سے آتے محسوس ہوئی تھی۔۔

اندر داخل ہوتی فرشتے نے دیوار کا سہارا لیتے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔

اسی لمحے حیدر خان کی نظریں فرشتے پر پڑیں تھیں۔۔ وہ اسے دیوار کے سہارے کھڑی اپنے چکراتے وجود کو بمشکل سنبھال رہی تھی۔۔۔ مگر اس کے لرزتے کانپتے وجود کو سنبھالنے کے لیے وہ اٹھا نہیں تھا۔۔ حیدر خان کے مضبوط ہاتھ رقیہ خانم کے ہاتھوں کو تھام چکے تھے۔۔ حیدر کے لب ان کے ہاتھوں کو بے تابی سے چوم رہے تھے۔۔

فرشتے اپنے لرزتے وجود کو سنبھالتی آئی سی یو سے باہر نکل آئی تھی۔۔ اس کا وہاں کوئی بھی اپنا نہ تھا۔۔ جو اپنا تھا وہ نہ رہا تھا۔۔ وہ جانتی سزا صرف یہ نہیں تھی کہ اس انسان کو کسی کے ساتھ بانٹنا تھا۔۔ سزا اس انسان سے مکمل طور پر دستبرداری تھی۔۔ کہاں وہ اس بے حس دنیا کے بے حس لوگوں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی اب وہ حیدر خان کو دیکھنے کو بھی ترسا کرے گی۔۔ حیدر خان آج اپنی ماں کے آگے ہار گیا تھا۔۔ کل اپنی اولاد کے آگے

ہار جائے گا۔۔ خدا نے ہمیشہ اس سے چھینا ہی تھا۔۔ بچپن میں ماں باپ۔۔۔ اور اب مہرباں ساتھی۔۔۔۔۔ جس کے بغیر اب وہ سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔۔ مگر آج بھی اس نے خدا سے شکوہ نہیں کیا تھا۔۔ وہ خدا کے فیصلے پر راضی ہو چکی تھی۔۔ مگر دل میں درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں۔۔ جو نا قابل برداشت تھیں۔

وہ گہرے سانس لیتے باہر کھلے آسمان کے نیچے آئی۔۔ باہر پر پڑے ایک ٹھنڈے بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔۔ دل کا درد تجاوز اختیار کر گیا تھا۔۔ اس کے لب ابھی بھی ہل رہے تھے۔ مگر آج بڑے عرصے بعد اس نے خدا سے کچھ نہیں مانگا تھا۔۔۔ نہ ہی حیدر خان کا ساتھ مانگا تھا۔۔ مگر اس کی معصوم شفاف نگاہیں آسمان کی طرف تھیں۔۔ ان آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے عارض کو بھگو رہے تھے۔۔۔

ارحام خانزادہ سلطان شاہ مینشن میں داخل ہوا تو سلطان شاہ شاہ مینشن کے بڑے سے محل نما لاونج میں صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ پر جمائے بڑے کروفر سے بیٹھے تھے۔۔ ارحام خانزادہ کو دیکھتے وہ صوفے سے اٹھتے تیزی سے اس کے مقابل آئے تھے.

مجھے تو لگا تھا میں تمھیں دو گھنٹے انتظار کرواؤں گا۔۔ تمھیں تمھاری اوقات پتہ چل جائے گی اور تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔۔ مجھے آج پتہ چلا ہے ارحام خانزادہ کی کوئی اوقات نہیں ہے۔۔

سلطان شاہ ارحام کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے طنزیہ انداز میں مسکراتے پھنکارے تھے۔۔

میری اوقات کیا ہے میں اچھی طرح سمجھتا ہوں سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔ مگر آپ ابھی تک مجھ سے واقف نہیں ہوے۔۔

میں اتنا ہی جھکتا ہوں۔۔ جتنا جھکنا چاہتا ہوں۔۔ جس دن میں اپنی اوقات میں آگیا۔۔ اس دن آپ دوسروں کو ان کی اوقات بتانا بھول جائیں گے ۔ ارحام خانزادہ جو ابا غرایا تھا۔

کیا ہے تمھاری اوقات بتاؤ مجھے۔۔ میری کمپنی کے ساتھ کنٹریکٹ ختم کر کے تم کہیں کے نہیں رہے۔۔ جگہ جگہ کنٹریکٹ حاصل کرنے کے لیے تم دوسروں کے ترلے کر رہے ہو۔۔۔ سنا ہے حمدانی صاحب کے ساتھ بہت بڑا کنٹریکٹ حاصل کر چکے ہو۔۔۔ ایک فون کال پر تم کانٹریکٹ سے باہر اور تم اور تمھارے گھر والے سڑکوں پر۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ۔۔۔خبر دار میرے گھر والوں کا نام بھی اپنی زبان سے لیا۔۔۔بھول جاؤں گا آپ سے میرا رشتہ کیا ہے۔۔۔۔ارحام خانزادہ سلطان شاہ کی بات کاٹتے غیض و اشتعال سے دھاڑا تھا۔۔

آواز نیچی ارحام خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔بھولو مت تم میرے گھر پر اس ٹائم کھڑے ہو۔۔۔میرے ایک اشارے پر تمھیں گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔۔ابھی تم میری پاور سے واقف نہیں ہو۔۔۔سلطان شاہ غصے سے گرج اٹھے تھے۔۔

پہاڑوں میں رہتا ہی نہیں ہوں۔۔پہاڑوں کی طرح مضبوط بھی ہوں۔۔موت سے نہیں ڈرتا میں۔۔۔یہ میرا یہاں ہر بار اکیلے آنے سے پتہ چل گیا ہو گا آپ کو۔۔۔ایسی کوئی گولی ہی نہیں بنی جو اس پہاڑی کا سینہ

چیر سکے۔۔ ارحام خانزادہ اپنے سینے پر اپنا مضبوط ہاتھ مارتے ہوے چلایا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کی بات پر سلطان شاہ استھزائیہ مسکرائے تھے۔۔۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوے ارحام خانزادہ کے اور قریب ہوے۔

میں تمھیں گولی نہیں ماروں گا۔۔ ایسی تکلیف دوں گا کہ تم تڑپ کر مر جاؤ گے۔۔۔ میں تم سے تمھاری زندگی چھین لوں گا۔۔ سلطان شاہ نے سگار سلگاتے لبوں میں برفیلے لہجے میں دھمکی دی تھی۔۔

ارحام کا ہاتھوں کی بھنچتی مٹھیاں اور اس کی گردن کی پھولتی رگیں دیکھ کر سلطان شاہ کے جلتے دل پر ٹھنڈی پھوار پڑی تھی۔ وہ ارحام کی حالت دیکھتے گہرا مسکرائے تھے

بھول جائیں آپ کہ میں اپنی بیوی کو زیادہ دن یہاں چھوڑوں گا۔۔۔ میری زندگی آپ مجھ سے چھین نہیں سکتے۔۔ آپ دیکھیے گا آپ کی آنکھوں کے سامنے اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔۔ اور آپ کچھ نہیں کر سکیں گے۔۔ ارحام خانزادہ اپنی مٹھیاں دبوچتے چٹانوں سے بھی مضبوط لہجے میں بولا۔۔

ارحام خانزادہ کے مضبوط لہجے پر سلطان شاہ کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔۔ کبھی کوئی ان کی جان سے پیاری بیٹی کو لے کر انھیں دھمکی دے گا۔۔ یا اس پر اس طرح حق جتائے گا۔۔ اگر حور نے اپنی قسم نہ دی ہوتی وہ اب تک اپنے سامنے اس پہاڑی خان کو ختم کر دیتے۔۔۔ انھیں حور کی زندگی میں یہ انسان گوارا نہیں تھا۔۔ جس نے

اسے یوں سب کے سامنے اتنی بے دردی سے چھوا تھا۔۔یقیناً اکیلے میں بھی ان کی بیٹی پر اپنے شوہر ہونے کا حق جتایا ہو گا۔حور مقابل سے اچھا خاصی خوفزدہ تھی۔۔کیوں تھی؟؟وہ نہیں جانتے تھے۔۔نہ حور نے انھیں کچھ بتایا تھا۔۔مگر وہ یہ سوچتے ہی پاگل ہو جاتے کہ اس انسان نے ان کی جان سے پیاری بیٹی کو کبھی ہرٹ نہ کیا ہو۔

میں تمھیں صرف اپنی بیٹی کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں ارحام خانزادہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس دن تو میرے کہنے پر وہ گارڈ پیچھے ہٹ گئے تھے۔۔مگر اب نہیں ہٹیں گے۔۔

وہ بھول نہیں پا رہی جو اس نے تمھارے ساتھ کیا۔۔۔جس کی وجہ سے وہ ابھی تک گلٹ میں ہے۔۔اسی نے اپنی قسم دے کر مجھے روکا ہوا ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤں اور نہ ہی تمھارے بزنس کے کسی معاملات

میں دخل اندازی کروں۔۔ورنہ میرے نزدیک تمھاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔۔میں صرف اپنی بیٹی کی قسم کی وجہ سے رکا ہوں۔سلطان شاہ دھمکی امیز انداز میں پھنکارہ تھا۔

سلطان شاہ کی بات پر ارحام خانزادہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑی۔۔۔وہ اپنا گلٹ ختم کرنے کے لیے اس کی زندگی اپنے باپ سے بخشواتے اس پر احسان کر رہی تھی۔۔اور ارحام خانزادہ کو اس سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے تھا۔

مجھے آپ کی اور آپ کی بیٹی کی ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔آپ نے جو کرنا ہے کر لیں۔۔آپ کے ہر وار کا جواب میں دوں گا۔۔مگر اسے نہیں چھوڑوں گا۔۔یہ بات یاد رکھیے گا۔۔ارحام خانزادہ نے چٹانوں سے لہجے میں کہتے سلطان شاہ کو بہت کچھ باور کروایا تھا۔

جتنے دن وہ یہاں ہے آپ اس کے ساتھ اپنا قیمتی وقت بتایئے۔۔۔ کیونکہ بہت جلد میں اس کا ہاتھ پکڑ کر یہاں سے لے کر جاؤں گا۔۔ چاہے مجھے زبردستی کرنا پڑے۔۔ مگر جائے گی تو وہ میرے ساتھ ہی۔۔ سلطان شاہ مرد کی فطرت کو اتنا تو جانتے ہوں گے۔۔ مرد جس عورت سے عشق کرتا ہے تو اس عورت کو کبھی نہیں چھوڑتا۔۔۔ مرد جس عورت سے عشق کرتا ہو اس کے لیے اپنے گھٹنوں پر بھی آجاتا ہے۔ مرنا پڑا تو مر جاتا ہے۔۔ مارنا پڑے تو مار دیتا ہے۔۔ مگر اس عورت سے کسی صورت دستبرداری اختیار نہیں کرتا۔۔ کیونکہ اس عورت کو ہوا بھی چھوے تو مرد برداشت نہیں کرتا۔۔ تو پھر وہ کیسے اس عورت سے دستبرادری اختیار کر سکتا ہے؟؟

ارحام خانزادہ نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں ڈالتے ان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے سوال داغے۔ یہ تو طے ہے وہ اس عورت کی

جان لے سکتا ہے مگر اسے کبھی کسی کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔اور میں اپنی بیوی کے لیے اتنا ہی جنونی ہوں۔۔۔مجھ سے ٹکرائیں گے تو پاش پاش ہونا پڑے گا۔۔مگر اپنی بیوی کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔وہ میری ذاتی ملکیت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔میں کبھی کسی صورت اسے نہیں چھوڑوں گا۔۔ارحام خانزادہ چٹانوں سے بھی مضبوط لہجے میں بولتے ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔۔

سلطان شاہ اب خاموش ہو گئے تھے۔۔ارحام خانزادہ کچھ پل ان کی سرد سپاٹ آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے کھڑا رہا پھر وہ وہاں پر مزید نہیں رکا تھا۔۔وہ سلطان شاہ کی نظروں کے سامنے سیڑھیاں چڑھتے اوپر کی جانب بڑھ گیا۔۔۔سلطان شاہ کی نظریں ارحام خانزادہ کی چوڑی پشت پر اور سماعتیں اس کے بولے گئے لفظوں میں الجھ گئی تھیں۔

ارحام خانزادہ لفظوں کی بازگشت ان کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔۔

اس میں گولی کی آواز کے ساتھ کسی کی درد سے کراہتے سسکیاں بھی شامل تھیں۔۔

ارحام کے بولے گئے لفظوں نے جیسے ان کے دل کے زخم ہرے کر دیے تھے۔۔ لفظ تھے کہ پگھلا سیسہ۔۔۔۔

مرد جس عورت سے عشق کرتا ہے اس عورت سے کسی صورت دستبرداری اختیار نہیں کرتا۔۔ کیونکہ اس عورت کو ہوا بھی چھوے تو مرد برداشت نہیں کرتا۔۔ تو پھر وہ کیسے اس عورت سے دستبرادری اختیار کر سکتا

ہے۔۔ یہ تو طے ہے وہ اس عورت کی جان لے سکتا ہے مگر اسے کبھی کسی کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔۔

ارحام کے لفظ یاد کرتے سلطان شاہ نے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے تھے۔ آج پھر اس محل نما گھر میں انھیں گھٹن سی محسوس ہوئی تھی۔۔ سانس رکنے لگا تھا۔۔ دل کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔۔ اپنی گود میں مہر ماہ کا آخر سانسیں لیتا وجود نظر آیا تھا۔۔ وہ خون میں لت پت پڑی آخری سانسیں لے رہی تھی۔۔

انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جہاں مہر ماہ کے پہلو سے نکلا خون انھیں آج بھی اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوتا تھا۔۔

وہ اس دن وہ مہر ماہ کو سرخ جوڑے میں دیکھ کر کس طرح پاگل ہوے تھے۔۔ کس طرح اس کے پہلو میں بے دردی سے گولی ماری تھی۔۔ وہ جب

آخری سانسیں لے رہی تھی۔۔تب بھی رحم نہیں آیا تھا اس پر۔۔۔کیسے آتا رحم؟؟۔۔۔جس پر کسی کا سایہ برداشت نہیں تھا۔وہ دلہن کے لباس میں سجی سنوری کھڑی تھی۔۔۔آج بھی یاد آتا تھا وہ ان سے بیوفائی کرنے جا رہی تھی۔دل کرتا تھا مہر ماہ کی قبر کو آگ لگا دیں۔۔مرد سچ میں جس عورت سے عشق کرتا ہے اسے چھوتی ہوا بھی گوارا نہیں ہوتی۔۔مرد کی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھے وہ۔۔۔

سلطان شاہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے درد سے چلائے تھے۔۔

کیوں مہر ماہ؟؟۔۔۔کیوں کیا تم نے ایسا؟؟کیا کمی تھی میری محبت میں مہر ماہ۔۔۔۔۔کیوں؟؟۔۔۔وہ اپنا سینہ مسلتے ہوے چلائے تھے۔ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے

سلطان شاہ جو بظاہر بہت مضبوط تھا۔۔۔ جس کے پاس سب کچھ تھا۔۔ مگر وہ اندر سے اتنا ہی کمزور تھا۔۔ آج بھی ہر رات ان کے پہلو میں درد اٹھتا تھا۔۔ مہر ماہ کی بیوفائی میں وہ دن رات جلتے تھے۔۔۔۔

اپنی بیٹی کی زندگی سے تمھیں نکال کر رہوں گا۔۔۔۔۔ مجھے اپنی بیٹی کی زندگی میں اپنا جیسا انسان نہیں چاہیے۔۔ سلطان شاہ چلائے تھے۔۔ مرد کی فطرت سے وہ واقف تھے۔۔ اس لیے انھیں ایسا مرد اپنی بیٹی کی زندگی میں نہیں چاہیے تھا۔۔ جو ان کی طرح جنونی ہو۔۔ آج بھی ڈرتے تھے کہیں مہر ماہ کے قتل کا کفارہ ان کی بیٹی کو نہ بھگتنا پڑے۔۔۔۔

ارحام خانزادہ کو حور نے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

حارحام خانزادہ اس کی آنکھوں کے شکووں کو نظر انداز کرتے اس کی سلیو لیس نایٹی میں سٹریپ میں انگلیاں پھنسائے اسے بھی ریموو کر چکا تھا۔۔ ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے بھیگی آنکھوں سے اسے پکارا تھا۔۔ مگر وہ اس کے بدن کے ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔ حور کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔

جسے مقابل ہمیشہ کی طرح نظر انداز کرتے اس کی دھڑکنوں پر جھک گیا۔۔۔ اپنا شدت بھرا لمس وہ وہاں پر بکھیرنے لگا۔۔ وہ کافی دیر تک وہاں پر اپنی من مانیاں کرتا رہا۔۔ حور کی سسکیاں عروج پر تھیں۔۔ جن میں بہتے آنسوؤں کی امزش کے ساتھ کرب بھی شامل تھا۔۔ وہ اب اس کے پورے بدن کو اپنے بوسوں کی بوجھاڑ سے جھلساتے اپنا حق مکمل طور پر جتاتے اسے

احساس دلا رہا کہ وہ سچ میں اس کی ملکیت ہے۔۔ وہ جب چاہے جہاں چاہے اسے چھو سکتا ہے۔۔ اس کے قریب آ سکتا ہے۔۔ اپنا حق لے سکتا ہے۔

اب اس کے دہکتے لبوں کا لمس اوپر کی جانب آتے اس کی گردن پر اپنی جنون خیزیاں بکھیر رہا تھا۔۔۔ وہ پھر سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید میں کیے انھیں قندھاری کرنے لگا۔۔

اب کی بار اس کی شدت میں بہت نرمی تھی۔۔ مگر اس کی سانسیں چرانے کا دروانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔۔

حور کی حالت بلکل بے جان ہوئی تو اس نے اسے اپنے لمس سے آزادی دی تھی۔۔ حور گہرے سانس لیتے اس کی نشیلی مخمور آنکھوں میں خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ بہت دیر سے اسے اپنے بوسوں کی گرمائش

سے جھلسا رہا تھا۔۔ مگر ابھی تک اپنا حق نہیں لیا تھا۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس کے سرخ لبوں پر اپنا انگوٹھا پھیرنے لگا۔۔

مجھے یہ اقرار کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی کی قربت کا دیوانہ ہوں۔۔ مجھے یہ قبول کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے اندر تمھارے لیے بہت پیاس ہے۔۔ تمھیں دیکھتے ہی میرے اندر بہت سے پرزور تقاضے سر اٹھاتے ہیں۔ میں بہت بے چین ہو جاتا ہوں۔۔ تمھیں پانے کے لیے میں مچل جاتا ہوں۔۔ اگر مجھے چاہ ہے تو صرف اپنی محرم کی قربت کی اپنی حور کے بدن کی۔۔۔

اگر تمھارے علاوہ دنیا کی کوئی بھی لڑکی بے لباس بھی میرے سامنے آجائے گی۔ میں اسے نظر بھر کر نہیں دیکھوں گا۔ نہ ہی میرے اندر کوئی پیاس جگے گی۔۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھاری آواز میں بول رہا تھا۔

تمھیں لگتا ہے مجھے صرف تم سے تمھارے جسم کی غرض ہے تو ہاں ہے۔۔ تمھیں صیح لگتا ہے۔مجھے تم سے اسی چیز کی غرض ہے

مگر صرف اس چیز کی غرض ہے تو یہ تمھیں غلط لگتا ہے۔۔جانتی ہو میری حالت ابھی کیا ہو رہی ہے ؟؟۔ارحام نے نے گہرے سانس لیتے اس کی دھڑکنوں پر اپنے ہاتھوں کا لمس بڑھایا تھا۔۔

حور اس کے بے باک لمس لب کاٹتے نظریں جھکا گئی۔۔وہ اسھی جانتی تھی اس کی کیا حالت ہو رہی ہے۔۔وہ حیران تھی ابھی تک اس نے اپنا حق کیوں نہیں لیا

اگر اس وقت تم میں نہیں سماؤں گا تو ایسا لگ رہا ہے جیسے مر ہی جاؤں گا۔۔ارحام کی بات پر اس نے اپنا لب پھر سے بے دردی سے کچلا تھا۔۔جسے ارحام نے اپنی انگلیوں سے چھڑوایا۔۔

لیکن آج میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔۔ تمھیں اگر یہ لگتا ہے ارحام خانزادہ کو صرف تمھارے جسم کی چاہ ہے تو وہ تب تک تمھارے قریب نہیں آئے گا۔۔ جب تک تم نہیں چاہو گی۔۔ ارحام کی بات پر اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔ مقابل اسے لے کر بہت جنونی تھا۔۔ وہ اس کے اتنے پاس آکر اس کے قریب نہ آئے یہ ناممکن تھا۔۔ اور مقابل کا اس وقت بے ترتیب تنفس۔۔۔ سرخ آنکھیں اس کی غیر ہوتی حالت محسوس کرتے یہ بلکل ناممکن تھا وہ اپنی تشنگی اپنی پیاس نہ مٹائے۔۔۔ یہ ناممکن تھا ارحام اس کے قریب نہ آئے۔۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت کتنا بے چین ہے۔۔

ایک بات یاد رکھنا حور۔۔۔ تمھاری ہر بات قبول ہے۔۔ تم سے جدائی نہیں قبول۔۔۔ تم سے دستبرداری کسی صورت قبول نہیں۔۔ تم پر کسی کی ایک نظر گوارا نہیں ہے۔۔۔ یہاں آکر سمجھوتا نہیں کروں گا۔۔ مجھے تمھاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔۔ نہ تمھارا گلٹ چاہیے۔۔۔ کہہ دو اپنے باپ سے مجھے جہاں دیکھے گولی مار دے۔۔۔ میرا مرنا ہی سلطان شاہ کے لیے اور اس کی بیٹی کے لیے فائدہ مند رہے گا۔۔ اپنے جیتے جی میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔۔ ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو بہت بے دردی سے گدی سے پکڑے اپنے مقابل کرتے ہوئے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے غرایا تھا۔۔ حور نے اس کے بے رحمی سے بال پکڑنے پر درد سے سسکی لی تھی۔۔

اب یہ فیصلہ تمھیں کرنا ہے میری موت یا میری محبت سے بھرپور پناہیں۔۔ ارحام خانزادہ سرد آواز میں بولتے اس کے اوپر سے ایک ہی جست سے اٹھ چکا تھا۔ اپنی شرٹ پہنتے اس کے بٹن بند کیے تھے۔۔ اس دوران اس کی طرف دیکھا نہیں تھا۔۔ اس کے قریب آکر دور جانا اس کے لیے مرنے کے مترادف تھا۔۔ اور وہ مر رہا تھا۔۔ مگر اس کی یہی سزا تھی تو اسے قبول تھی۔۔ وہ اپنی واسکوٹ ہاتھ میں پکڑے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ حور۔۔۔۔۔۔۔ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔۔ وہ اتنے پاس آکر اپنا حق نہ لے نا ممکن تھا۔۔ اپنے شوہر کی فطرت سے وہ واقف تھی۔۔ چھ ماہ میں اس کے جنونی انداز سے واقف ہو چکی تھی۔۔ وہ اس کی کمزوری تھی۔ حور نے اٹھتے ہوئے بیڈ پر پڑے کمفرٹر کو اچھی طرح خود پر لپیٹا۔۔

اپنے بدن کو ڈھانپو۔۔۔ میری غیر موجودگی میں اپنے بدن کو تم بھی دیکھو گوارا نہیں۔۔

وہ اس کی طرف پلٹتے ہوئے سپاٹ سرد لہجے میں بولا۔۔

حور نے اپنا گاؤن بیڈ سے پکڑتے اسے جلدی سے پہنا تھا۔۔۔ یہ میری محبت دیوانگی کا عالم ہے تمھارے لیے جسے تم کبھی نہیں سمجھ سکتی۔۔۔ یہی میری شدت پسندی ہے تمھارے لیے جو کبھی نہیں کم ہو سکتی۔۔ تم کبھی میرے دل میں اپنا مقام نہیں سمجھ سکتی کیونکہ تم وہ مقام سمجھنا چاہتی ہی نہیں ہو۔ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو میں تم سے محبت نہیں عشق کرتا ہو؟

ارحام سرد انداز میں کہتا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔۔ حور بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔

زران خانزادہ مردان خانے کے حصے کی طرف بنے بڑے سے برامدے کی راہداری پر گرل پر ہاتھ جمائے کھڑے نیچے کی طرف بہتے دریا کو دیکھتے اس کے شور کو سن رہا تھا۔۔ آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ابھی تک کمرے میں نہیں گیا تھا۔۔ اس کی کمرے میں جانے کی ابرش کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔ کیسے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا جہاں یقیناً اب گہرے شکوں کی رمک ہو گی۔۔ وہ کیا جسٹفیکیشن دے گا اپنے عمل کی۔۔ یا پھر کیا جسٹیفیکیشن ہو سکتی تھی اس کے سفاکانہ عمل کی۔۔ جو بچہ اسے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔۔۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مار چکا

تھا۔۔زاران نے اپنے ہاتھ کو دیکھتے ریلنگ پر زور سے مارا تھا۔۔ پھر وہ مارتا چلا گیا تھا۔۔۔ساتھ ساتھ وہ درد و کرب سے چلا رہا تھا۔۔اس کی دردناک آواز پہاڑوں میں گونجتی دریا کے شور سے ٹکرا رہی تھی۔۔

وہ اپنا ہاتھ ریلنگ پر مارتا جا رہا تھا۔۔لوہے کی گرل سے اس کا ہاتھ زخمی ہو چکا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔اس کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا۔وہ یہ کیسے کر سکتا ہے؟؟۔۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔جسے وہ جان سے بڑھ کر چاہتا تھا۔۔اسے آج اس نے اتنی تکلیف دی۔۔وہ درد سے کراہ رہی تھی۔۔ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔۔اسے تو ہمیشہ خوشی دینی چاہی تھی۔۔مگر وہ ایک اسی رشتے کو جانے انجانے میں تکلیف پہنچاتا رہا۔۔۔اس ہاتھ سے وہ بارہاں بار اپنی جان سے بڑھ کر بیوی پر ہاتھ اٹھا چکا تھا۔۔زاران خانزادہ نے

پوری قوت سے ریلنگ پر اپنا ہاتھ مارا تھا۔۔اب کی بار اس نے اپنا الٹا ہاتھ پوری قوت سے ریلنگ پر مارا تھا۔۔ہاتھ سے اب خون بہہ رہا تھا مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔۔

لالا۔۔۔۔یکدم اس کے کندھے پر مضبوط ہاتھ آن ٹھہرا تھا۔۔

زاران خانزادہ نے پلٹ کر دیکھا تو شہرام اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔

زاران اسے دیکھتا رخ موڑ چکا تھا۔۔اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے بے دردی سے مسلیں۔۔۔

لالا خود کو اذیت مت دیں۔۔میرا یقین کریں۔۔بہارے نے جو کچھ کہا وہ غصے سے کہا۔۔اس میں ایک فیصد سچائی نہیں تھی۔۔بچہ بلکل سٹیبل نہیں تھا۔۔۔وہ بچہ نہیں بچ سکتا تھا۔۔بھابھی کی کنڈیشن ٹھیک نہیں

تھی۔۔رات تک ڈاکٹرز اسے ابارٹ کرنے کا ڈیسیزشن لے لیتی۔۔پلیز خود کو ایسے تکلیف مت دیں۔۔مجھ سے آپ کی حالت دیکھی نہیں جا رہی۔۔شہرام نے ضبط سے کہا۔

شہرام یہ کسک اب کبھی دل سے نہیں جائے گی۔۔وجہ جو بھی ہو مگر اسے مارنے میں میرا ہاتھ تھا۔۔زاران کی آواز میں درد و کرب شامل تھا۔

شہرام مجھے یقین نہیں آرہا۔۔میں اسے کیسے دھکا دے سکتا ہوں؟؟۔۔اس نے مجھے بتانے کی کوشش کی کہ میرا بچہ بلکل ٹھیک ہے مگر میں اپنے غصے اور ہنکار میں اس کی بات ہی نہ سن سکا۔۔جانتے ہو ہمارے رشتے میں سب کچھ ہے۔۔محبت پیار سب کچھ ہے۔۔مگر ایک دوسرے پر یقین نہیں ہے۔

۔زاران ریلنگ پر ہاتھ جمائے بہتے دریا کو دیکھتے بہت آہستگی سے بول رہا تھا۔

۔

شہرام نے گہرا سانس لیتے زاران کو دیکھا جس کا چہرہ شدت غم سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی نمی جیسے بہنے کو تیار تھی۔۔ مگر وہ سرخ آنکھوں میں ٹھہر سی گئی تھی۔۔ شہرام اپنے لب بھینچ گیا تھا۔۔ بہارے پر ایک بار پھر سے غصہ آیا تھا۔۔ وہ یہ سب نہ کہتی تو شائد زاران اتنی تکلیف میں نہ ہوتا۔ اس نے جھوٹ بول کر زاران کا بہت بڑا نقصان کر دیا تھا۔۔ اب وہ کچھ بھی کہتا سب بیکار تھا۔۔ بہارے کے لفظوں پر اس نے تب یقین کیا جب وہ درد کی انتہا پر تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے میرے سامنے اس بچے کو نقصان پہنچانے کی کتنی بار دھمکی دی تھی۔۔ اس نے کوشش بھی کی تھی اسے ختم کرنے کی ایک مرتبہ۔۔۔۔۔۔۔

اسی لیے میں اس پر یقین نہ کر سکا۔۔ مجھے لگا اس نے سچ میں میرے بچے کو تکلیف پہنچائی ہے۔۔ اسے اگر ہاسپٹل جانا تھا۔۔ وہ مورے سے کہتی ۔۔۔ حویلی میں کسی کو بتاتی۔۔ دو منٹ میں سب انتظام ہو جاتا۔۔ وہ حویلی سے اکیلی گاڑی لے کر نکل پڑی۔۔ گل خان کا فون آیا تو میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفلوج ہو چکا تھا۔۔ مجھے تو اسی پل یہی لگا اس نے مجھ سے گاڑی اس لیے مانگی تھی کیونکہ اسے میری زندگی سے جانا تھا۔

اور پھر وہ سب ہو گیا۔۔ میں اپنے ایکٹ کو جسٹیفائی نہیں کر رہا مگر یقین کا سرا اس نے ایک بار بھی تو تھمایا نہیں۔۔۔ ہر بار کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ میرا یقین اس پر ڈگمگا جاتا ہے۔۔ کچھ نہ کچھ ایسا کہ ہم دونوں میں دوریاں آ جاتی ہیں۔ زاران نے گہرا سانس لیتے کہا۔۔

میں اسے کبھی اس حال میں نہ چھوڑ کر جاتا۔۔مجھے خبر ملی کہ بہزاد نے عنائیہ کو اپنی برانی حویلی میں قید کر کے رکھا ہے۔۔میں بنا کسی دیر کے وہاں پہنچ گیا۔۔اور یہاں یہ سب کچھ ہو گیا۔۔ورنہ میں ابرش کو کبھی اکیلا نہ چھوڑتا۔۔۔وہ بیوی ہے میری مجھے خود سے بڑھ کر عزیز ہے وہ۔

شہرام حیرانگی سے زاران کی باتیں سن رہا تھا۔۔

عنائیہ بہزاد۔۔۔۔۔کیا کہہ رہے ہیں لالا آپ؟؟۔۔۔شہرام نے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔۔

زاران نے مڑ کر شہرام کی تحیر زدہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

پھر وہ اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔۔بابرک کی موت عنائیہ کا کڈنیپ ہونا سب کچھ۔۔۔۔شہرام حیرانگی سے سب سن رہا تھا۔۔

لالا اتنا سب کچھ ہو گیا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔۔ شہرام نے مٹھیاں بھینچتے غصے سے پوچھا۔

میں سب کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ تم اپنے ہاسپٹل کی تعمیر میں مصروف تھے۔۔ اور ارحام لالا پریذے کی وجہ سے پریشان تھے۔۔ کسی کو کیا بتاتا؟؟۔۔ زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بولا۔۔ آج تمھیں نہ بتاتا اپنا غم نہ شئیر کرتا میرا دل پھٹ جاتا۔۔۔ سب رشتے مجھ سے چھوٹ رہے ہیں۔۔ اسفندیار خان کی دوستی چھوٹی۔۔ اپنا بچہ کھو دیا۔۔ یقیناً ابرش مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ یا پھر سمجھ نہیں آتا اسے حساب دوں یا پھر حساب طلب کروں۔۔۔ وہ کرب سے بولتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

لالا میں چھوڑوں گا نہیں اس بہزاد خان کو۔۔اس کی ہمت کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی؟؟۔۔ہمارے گھر کی عورت کو اس نے قید میں رکھا ہے۔۔عنائیہ تو بہت چھوٹی ہے لالا۔۔۔بہزاد خان اتنا بے غیرت کیسے ہو سکتا ہے اپنی دشمنی میں ایک چھوٹی سی بچی کو لے آیا۔۔میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔۔شہرام غصے سے غرایا تھا۔۔

تم کچھ نہیں کرو گے۔۔تب تک کچھ نہیں کرو گے جب تک عنائیہ کا پتہ نہیں چل جاتا۔۔ایک بار عنائیہ کا پتہ چل جائے میں اس کے وجود کے اتنے چیتھڑے کروں گا کہ گننا مشکل ہو جائے گا۔۔بس ایک بار عنائیہ کا پتہ چل جائے۔۔۔زاران اپنا زخمی ہاتھ ریلنگ پر مارتے دبے انداز میں غرایا تھا۔۔

لالا بھابھی کو پتہ ہے یہ سب کچھ۔۔۔شہرام نے اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے پوچھا۔۔اس کی دماغ کی رگیں اس وقت پھٹنے کو تھیں۔۔بہزاد نے عنائیہ کو

اغوا کر کے رکھا تھا۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا بہزاد کا ناپاک وجود زمین کی ساتھ تہوں میں دفنا دے۔۔

نہیں اور نہ ہی اسے میں بتا سکتا ہوں۔۔وہ عنائیہ کو لے کر بہت جذباتی ہے۔۔اسے بھنک بھی پڑ گئی عنائیہ بہزاد خان کے قبضے میں ہے۔۔وہ ایک پل چین سے نہیں بیٹھے گی۔۔وہ میری کوئی بات کوئی ایکسپلینیشن نہیں مانے گی۔وہ ایک پل اس حویلی میں نہیں رہے گی۔۔وہ بہت محبت کرتی ہے عنائیہ سے۔۔صرف اس کے جذباتی پن کی وجہ سے اسے نہیں بتایا۔یقیناً وہ اکیلی ہی اسے بچانے کے لیے نکل پڑے گی۔

آخری جملہ وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے بولا تھا۔۔جانتا تھا اپنی بیوی کے تیس مار جذباتی روپ سے۔۔۔۔وہ کبھی بھی خاموش نہیں بیٹھتی اور نہ اس پر

یقین کرتی۔۔وہ چلا چلا کر اس کے گریبان کو آجاتی۔۔یقیناً وہ عنائیہ کو اغوا کرنے کا الزام بھی اس پر دھر دیتی۔۔زاران تلخی سے مسکرایا تھا۔

لالا۔۔۔۔۔۔کچھ بھی ہو جائے میں بہزاد خان کو چھوڑوں گا نہیں۔۔میں اس کی کنپٹی پر بندوق رکھ کر ہی اب عنائیہ کا پتہ اگلواؤں گا۔۔وہ جانتا نہیں شہرام خانزادہ کو۔۔. آپ دیکھتے جائیں۔۔۔اب میں کرتا کیا ہوں۔۔شہرام ریلنگ پر ہاتھ مارتے غرایا تھا۔۔

زاران نے اپنی سرخ سرد نظریں بہتے دریا پر گاڑھیں تھیں۔۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو بہزاد خان کا برا وقت دور نہیں۔۔۔۔زاران نے سرد آواز میں کہتے اپنی سرخ نم ذدہ آنکھیں بے دردی سے رگڑیں تھیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہارے زنان خانے کے لاونج میں صوفے پر آتش دان کے قریب بیٹھی تھی۔۔اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔۔وہ آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ایسے ہی شعلے تو اس کے اندر بھی دہک رہے تھے. شدید بارش ہوئی تھی۔۔سردی کی شدت ایک بار پھر سے بڑھ گئی تھی۔ مگر اس کے اندر بھڑکتی آگ نے اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔۔آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کی مانند وہ جل رہی تھی۔۔آئزل کا شہرام کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھنا یاد آرہا تھا۔وہ کس حق سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔وہ کب سے یہی سوچ رہی تھی۔۔وہ اسے حق دے چکا تھا یا پھر دینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔وہ پاگلوں کی طرح پچھلے پانچ گھنٹوں سے یہی سوچ رہی تھی۔۔اب تو اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

اسے اپنے لفظ اپنی بد عائیں یاد آئی تھیں۔۔۔

اللہ کرے شہرام تمھاری زندگی میں کوئی دوسری لڑکی آجائے اور تم مجھے چھوڑ دو۔۔ جب وہ اسے ہوٹل سے واپس لے کر آیا تھا۔ اس رات اس نے رو رو کر خدا سے دعا مانگی تھی۔ اب اپنی ہی دعاؤں کی قبولیت سے اس کا دل لرز تھا۔۔

وہ گلابی رنگ کی فراک میں ملبوس تھی۔۔۔ دوپٹہ ایک طرف شانے پر پڑا تھا۔۔ بال الجھے سے کمر پر بکھرے تھے۔ وہ بہت کم اب ان بالوں کو سلجھاتی تھی۔۔ رخصتی کے بعد زیادہ تر شہرام ہی ان بالوں کو سلجھاتا تھا۔۔ اب اس

کا دل ہی نہیں کرتا تھا ان بالوں کو سلجھائے۔۔ ورنہ وہ اپنے بالوں کو لے کر بہت حساس تھی۔۔ اب تو اسے کسی چیز سے کوئی غرض رہی ہی نہیں تھی۔۔ نہ ہاسپٹل نہ ڈاکٹر کی ڈگری۔۔ زندگی ایک لفظ سے شروع ہو کر ایک ہی لفظ پر ختم ہو جاتی تھی۔۔ وہ تھا شہرام۔۔۔۔۔ اسے صرف شہرام چاہیے تھا۔۔ بہارے اپنی نم آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتے کرب سے مسکرائی تھی۔۔ جب وہ اسے نہیں چاہیے تھا تب وہ اسے میسر تھا اور وافر مقدار میں میسر تھا۔۔ اب صرف وہ ہی وہ چاہیے تھا تو صحرا میں جیسے پانی کی بوند کے لیے تڑپا جاتا ہے۔۔ وہ بھی اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔۔ اور وہ قطرہ بھی میسر نہیں تھا۔۔

کیا شہرام آئزل سے شادی کرنا چاہتا ہے؟؟۔۔ یہ سوال اس کے اندر آگ لگائے ہوے تھا۔۔۔ آج ہاسپٹل سے ڈاکٹر آئزل بہت جلدی چلی گئی

تھی۔۔اس کے تھوڑی دیر بعد شہرام بھی نکل گیا تھا۔۔شہرام شائد ڈاکٹر آئزل سے اس کے اور اپنے تعلق کی نوعیت کی وضاحت کرنے گیا تھا۔اسے ہاسپٹل سے اتنی جلدی جاتا دیکھ کر اسے یہی وہم ستایا تھا

وہ ہاسپٹل کے سٹاف روم میں بیٹھ کر بھی کافی دیر روتی رہی تھی۔

وہ ہاسپٹل میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکی تھی۔۔وہاں سے اسی وقت آگئی تھی۔۔

کمرے میں بھی دل گھبرا رہا تھا۔اس ستم گر کے بغیر کمرا کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

سب اس وقت اپنے اپنے کمرے میں ہوں گے۔۔وہ یہی سوچ کر لاونج میں آگئی تھی۔

۔اب سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھی۔۔۔اس نے اپنے درد سے پھٹتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔۔کوئی اتنی جلدی کیسے بدل سکتا ہے؟؟اگر وہ مجھ سے عشق کرتا تھا۔۔وہ مجھے کیسے بھول سکتا ہے؟؟۔۔بہارے نے سوچتے کرب ہچکی بھری تھی۔۔

اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی ناک اور آنکھیں رگڑیں۔۔جو سرخ ہو رہیں تھیں۔

مورے بلکل ٹھیک کہتی ہیں۔۔یہ مرد ذات کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔۔مرد کو قابو کرنا کونسا مشکل کام ہے۔۔اسے ایک ہی چیز میں تو دلچسپی ہوتی ہے۔۔

بہارے کو روزینہ خانم کے الفاظ یاد آئے تھے۔۔آج ہاسپٹل سے جلدی آنے پر وہ اسے پھر سے اپنے نارد مشوروں سے نواز رہی تھیں۔

بہارے نے بے دردی سے اپنا لب کچلا تھا۔۔ مرد کو جس چیز میں دلچسپی ہوتی ہے۔۔ اس کی سب سے زیادہ جان جاتی اسی سے تھی۔۔ کہاں سہنا آسان تھا اس پہاڑ جیسے انسان کو۔۔

مگر اب تو وہ دن رات اس کی شدتیں سہنے کو تیار تھی۔۔ مگر وہ ہی نہیں اس کے قریب آرہا تھا۔۔ بہارے کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

سمجھ ہی نہیں آتا تھا اسے کیسے اپنے قریب لائے۔۔ کبھی روزینہ خانم کی باتوں کے متعلق سوچتی۔۔ کبھی موبائل میں شوہر کی محبت پانے کے طریقے ڈھونڈتے رہتی۔۔ اور اب تو وہ دم درود وظیفے بھی کرنے لگی تھی۔۔ اس کے کسی وظیفے کسی دم میں اثر ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھتا ہی نہیں تھا۔ بہارے اپنا نچلا لب پھر سے کچلا تھا۔

وہ اتنا بڑا کانٹریکٹر ہے انجینیر ہے اب اس کا معیار تو بہت اونچا ہو گا۔ امریکہ جرمنی سے آئی ہوئی لڑکی۔۔ اپنے خاندان کی حویلی میں رہنے والی لڑکی سے اسے کیونکر دلچسپی ہو گی۔۔ بہارے نے سسکی لیتے سوچا تھا۔۔

کاش شہرام تم کچھ نہ ہوتے۔۔ تم میٹرک پاس بھی نہ ہوتے۔۔ نہ ہی تمھارے پاس کوئی زمین جائیداد ہوتی۔۔ بلکہ تم سڑک کے فقیر ہوتے۔ ۔ پھر تمھیں اپنی بہارے کی قدر ہوتی۔۔ اللہ کرے تم سے سب کچھ چھن جائے۔۔ تم سڑکوں پر آجاؤ۔۔ تمھارے پاس کچھ بھی نہ ہو سوائے میرے۔۔۔ وہ روتے ہوئے چیخی تھی۔۔۔ ہچکیوں سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام کی بھاری آواز پر وہ صوفے پر بری طرح اچھلی تھی۔ بہارے نے حیرت سے رخ پلٹے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ اپنی آستین فولڈ کرتے اسے سنجیدہ سپاٹ گاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

جو مرضی کروں ادھر تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے۔۔ بہارے نے اپنی بھرائی آواز پر قابو پاتے تڑختے ہوئے کہا۔۔ وہ اپنی نگاہیں آتش دان پر جما چکی تھی۔۔ وہ نہیں چاہتی تھی وہ اس کی بھیگی آنکھیں دیکھے۔۔ اسے دیکھتے ہی سینے میں آگ بھڑکی تھی۔۔۔ وہ اتنی دیر کہاں تھا؟؟ آج اس کا حویلی سے غائب رہنا اس کے اندر بھانبھڑ جلا چکا تھا۔۔ اسے لگ رہا تھا اس کی برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے

رو کیوں رہی ہو؟؟ شہرام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

اس کا سرخ متورم آنکھیں گال اور لرزتا وجود وہ دیکھ چکا تھا۔

میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔۔ اور تم جانتے ہو جب میرے سر میں درد ہو تو میں روتی ہوں۔۔ بہارے نے بھڑکتے ہوئے اونچی آواز میں کہا مگر اب کی بار اپنی بھرائی آواز پر وہ قابو نہ پا سکی تھی۔

وہ کتنے دنوں سے رو رہی تھی اسے آج نظر آیا تھا۔ یہ سوچتے بہارے کے رونے میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

کمرے میں چل کر رو لینا۔۔ یہاں سے اٹھو کوئی دیکھے گا تو پتہ نہیں کیا سوچے گا۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے اس کے لرزتے وجود کو دیکھتے کہا۔۔ سر درد پر وہ اس طرح تو نہیں روتی تھی۔ وہ پریشان ہوا تھا۔

شہرام کی بات پر وہ مزید بھڑکی تھی۔۔ اسے اس کے رونے کی نہیں دوسروں کی پرواہ تھی۔۔ پہلے تو اس کے ذرا سے سر درد ہونے پر اس کا سر دباتا تھا۔ اس کے کتنے ناز نخرے اٹھاتا تھا۔۔ بہارے نے سسکی بھرتے اس

کے خوبرو چہرے کو دیکھا۔ وہ وائٹ اینڈ بلیک کمبینیشن کے تھری پیس سوٹنگ میں بہت ہی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ سرخ و سفید چہرہ گھنی تراشیدہ مونچھیں عنابی بھنچے ہوے لب۔۔ وہ سچ میں اچھا خاصہ ہینڈسم تھا۔

وہ اس کے خوبرو چہرے کو دیکھتے بھڑ بھڑ جلی تھی۔

اللہ کرے شہرام تم اتنے ہینڈسم بھی نہ رہو۔۔۔ تاکہ کوئی لڑکی تمھیں دیکھے بھی نہ۔۔۔۔ بہارے نے اسے دیکھتے دل ہی دل میں بدعا دی۔۔ اب تو اس کی شاندار پرسنیلٹی بھی چبھتی تھی۔۔

کیا دیکھ رہی ہو؟؟ اٹھو یہاں سے کمرے میں چلو۔۔ شہرام نے اس کے چہرے کے بگڑے زاویوں کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

بہارے کے چہرے کے ایکسپریشن سے وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اسے بد عائیں دے رہی ہے۔۔ مگر کیا بد عا دے رہی ہے ؟؟ یہ نہیں جان سکا تھا۔۔ بچپن سے ہی اس کی بد عاؤں کے حصار میں وہ رہا تھا۔۔ اس لیے اپنی بیوی کی رگ رگ سے واقف تھا۔۔

میں اچھی طرح جانتی ہوں شہرام تم مجھے کمرے میں جانے کا کیوں کہہ رہے ہو ؟؟۔ بہارے نے غصے سے کہتے اپنی نگاہیں آتش دان پر جمائی تھیں

کیوں کہہ رہا ہوں ؟؟۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے استفسار کرتے ابرو اچکائے تھے۔

کیونکہ تمھیں ٹینشن ہو رہی ہے کہیں اسفندلالا مجھے روتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ اور میری وجہ سے تمھاری لاڈلی بہن کی آنکھوں میں کہیں آنسو نہ آ

جائے۔۔ بہارے کی بات پر شہرام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔ اسے روتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنے غصے پر بمشکل ہی قابو پایا تھا۔۔

مجھے عابیر کی فکر نہیں ہو رہی۔۔ مگر تم جس طرح بغیر دوپٹے کے بیٹھی ہو اس کی فکر ہو رہی ہے۔۔ حویلی میں اس وقت زاران لالا ہیں۔۔ مجھے بلکل اچھا نہیں لگے گا اگر ان کی نظر تم پر پڑے۔۔۔ شہرام نے لب بھینچتے سنجیدگی سے اس کے حلیے پر نظر ڈالی۔۔ وہ بغیر دوپٹے کے فٹنگ والی فراک پہنے بیٹھی تھی۔۔ بدن کے نشیب و فراز فٹنگ والے فراک میں نمایاں تھے۔

بہارے نے اپنے حلیے کو دیکھا دوپٹہ اب زمین پر پڑا تھا۔۔

اپنے نشیب و فراز کی حشر سامانیاں دیکھتے وہ خفت سے اپنے لب کچل کر رہ گئی ۔۔ اس نے نظریں اٹھا کر شہرام کو دیکھا جو سپاٹ سنجیدہ نگاہوں سے اسے

دیکھ رہا تھا۔۔اس کی نظریں اس کے بدن کی رعنائیوں پر نہ تھیں۔بہارے مزید جلی تھی۔۔پہلے تو اسے ایسے حلیے میں دیکھتے پاگل ہو جاتا تھا۔۔آنکھوں میں خمار کی سرخی چھا جاتی تھی۔۔اب اسے جیسے فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔۔

کیوں فرق پڑتا ہے تمھیں؟؟ہاسپٹل میں کس طرح تم نے مجھے سب کے سامنے دھکا دیا تھا۔۔اس لیے اپنا جھوٹا کنسرن ابھی مت دکھاؤ۔۔بہارے بھیگی آواز میں بولتے اپنا رخ پلٹ گئی تھی۔مگر دوپٹہ ابھی بھی اس نے نہیں لیا تھا۔۔

شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر وہ آہستگی سے چلتا اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا۔۔

بہارے کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔ وہ اس کے قریب ایسے بیٹھا تھا جیسے پہلے اس کے نخرے اٹھایا کرتا تھا۔ بہارے کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔

شہرام نے زمین سے دوپٹہ اٹھا کر اس کے وجود پر اچھی طرح اوڑھایا۔۔

بہارے میں نے تمھیں سب کے سامنے دھکا نہیں دیا تھا۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا وہ لوگ آچانک سے وہاں پر آجائیں گے۔۔ تم نے میرا گریبان پکڑا تھا۔۔ مجھے غصہ آگیا۔۔ میں نے اپنا گریبان چھڑواتے ہوے پتہ نہیں کیسے تمھیں دھکا دے دیا۔ شائد میں زاران لالا کی وجہ سے کافی اپ سیٹ تھا۔۔ یقین مانو مجھے بھی یہ سب اچھا نہیں لگا۔۔ شہرام نے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے بہت نرمی سے وضاحت دی۔

میں نے پہلے بھی بہت بار تمھارا گریبان پکڑا ہے۔۔پہلے تو تم نے کبھی مجھے یوں نہیں جھٹکا شہرام۔۔ جس طرح تم نے آج مجھے دھکا دیا۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں ہچکی لیتے شکوہ کیا۔۔وہ بھول نہیں پا رہی تھی اس کا دھکا دینا اور پھر سب کے سامنے اسے اپنی کزن کہنا۔۔

پہلی کی بات اور تھی بہارے۔۔۔ شہرام نے اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے اپنے انگوٹھے سے صاف کیے۔۔ بہارے مزید بے یقین ہوئی تھی۔۔اس کے رونے پر اس کے آنسو کبھی مقابل لبوں سے چنتا تھا۔ آج انگلیوں کے پوروں سے چن رہا تھا۔۔ بہارے نے آنکھیں میچتے گہرا سانس لیا تھا۔۔ مقابل کا لمس جان لیوہ تھا۔۔اس کے اتنے قریب آنے پر اس کی مردانہ خوشبو سے بہارے کے حواص معتل ہوے تھے۔۔ مقابل کا سب کچھ جان لیوہ تھا۔۔

کیا بدل گیا ہے شہرام؟؟ بہارے نے گہرا سانس لیتے سسکی بھرتے پوچھا۔۔

تم بدل گئی ہو بہارے۔۔۔ اگر تم پہلے والی بہارے ہوتی تو میرے یوں دھکا دینے پر خاموش نہ ہوتی۔۔ بلکہ میرا گریبان جھنجھوڑ جنجھوڑ کر چیختی۔۔ مجھے کوسنے دیتی۔۔ مجھے برا بھلا کہتی۔۔۔ شہرام کی بات پر بہارے کے رونے کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔۔

پہلے تم برداشت کر لیتے تھے شہرام۔۔ عورت تب ہی نخرے کرتی ہے جب مرد اس کے نخرے اٹھاتا ہے۔۔ پہلے نخرے کرتی تھی کیونکہ تب اجڑ گنوار شہرام خانزادہ بہارے گل کے نخرے اٹھاتا تھا۔۔ اب والا شہرام انجینیر بہت بڑا کانٹریکٹر ہے اسے کیسے بہارے گل کچھ کہہ سکتی ہے۔۔ بہارے گل نے سسکی لیتے شکوہ کناں انداز میں کہا۔

کاش بہارے گل کی نظروں میں اس اجڈ گنوار شہرام کی عزت ہوتی۔اس انجینیر کانٹریکٹر کی نہ ہوتی۔۔شہرام تلخی سے بولا۔۔

شہرام کی بات پر وہ خاموش ہوئی تھی۔۔کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔۔وہ اس کے آنسوؤں میں چھپی اپنے لیے محبت نہیں سمجھ سکا تھا۔۔یقیناً وہ اس کے لفظ بھی اس کے منہ پر مار دے گا۔۔۔وہ اس کی محبت کو اپنے انجینیر ہونے پر اپنے ایک کامیاب انسان ہونے پر محمول کرے گا۔۔بعض اوقات انسان کو اپنے بولے گئے لفظوں کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔۔اور وہ یہ قیمت چکا رہی تھی۔اگر وہ انہی لفظوں کو سچ مانتا تھا تو پھر یونہی سہی۔۔بہارے نے سپاٹ انداز میں اب اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے۔۔

اب ایسے کیا دیکھ رہی ہو اندر چلو بہارے؟؟

شہرام سنجیدگی سے کہتا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

تم جاؤ میں یہیں ٹھیک ہوں۔۔ جب میری نظروں میں واقعی تمھاری کوئی ویلیو نہیں ہے تو پھر میں تمھاری بات کو کیوں اہمیت دینے لگی۔۔ میں یہیں پر رہوں گی۔۔ بلکہ مجھے تمھارے ساتھ ایک کمرے میں رہنا ہی نہیں ہے۔۔ بہارے صوفے سے اٹھتے ہوئے شہرام کے مقابل کھڑی ہوئی تھی۔

ٹھیک ہے جیسے تمھاری مرضی۔۔۔۔ تم اپنے کمرے میں رہنا چاہتی ہو۔۔ تو تم رہ سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔ شہرام کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔۔

بہارے اس کی بے نیازی اور سنجیدگی پر بھڑ بھڑ جلی تھی۔ وہ اس سلوک کی ہرگز مستحق نہ تھی جو وہ اس کے ساتھ آج کل کر رہا تھا۔۔ وہ اتنے آرام سے

کیسے اس کے اپنے کمرے سے جانے والی بات مان سکتا تھا۔۔ اپنے کمرے میں لانے کے لیے اس نے سو جتن کیے تھے۔

وہ بھاگتے ہوے شہرام کے مقابل آئی۔۔

ایک بات یاد رکھنا شہرام میں اپنے کمرے میں چلی گیی تو تم مجھ پر سے اپنا ہر حق ختم کر دو گے۔۔ وہ انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے وارننگ والے لہجے میں بولی۔

کیسا حق ختم کرنے کی بات کر رہی ہو؟؟۔۔۔ بہارے کی بات اور انداز پر شہرام کا لہجہ سرد برفیلا ہوا تھا۔۔

دوپٹہ پھر سے اس کے ایک کاندھے پر جھول رہا تھا۔ لمبے سلکی براؤن بال کھلے تھے۔۔ وہ گہرے سانس لیتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے وارن کر رہی تھی۔

تم مجھے واپس کمرے میں لے کر نہیں جاؤ گے۔۔ مناو گے بھی تو نہیں مانوں گی۔۔ میرے قدموں میں بھی جھکو گے۔۔ تب بھی نہیں مانوں گی۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے کہا۔

میں اس سے پہلے کب جھکا تمھارے قدموں میں ؟؟۔۔۔ شہرام نے اس کے انداز پر دانت کچکچاتے پوچھا۔۔

اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بھول گئے ہو تم۔۔۔۔ یاد دلاتی ہو تمھیں۔۔

رخصتی سے پہلے رات رات بھر میرے کمرے میں آکر مجھے گھنٹوں دیکھتے تھے۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے میں سو رہی ہوتی تھی۔۔مجھے سب پتہ تھا تم ہر روز کمرے میں آکر مجھے گھنٹوں دیکھتے ہو۔ پھر پھر کتنی کتنی دیر نرمی سے میرے چہرے کو لبوں سے چھوتے رہتے تھے۔ بہارے نے روتے ہوئے اسے اس کے ستم یاد دلائے تھے۔

انگشت شہادت کی انگلی ابھی بھی اس نے اٹھائی ہوئی تھی۔۔

شہرام نے اس کی بات سنتے بری طرح لب بھینچے تھے۔۔وہ جاگتے ہوئے بھی انجان بنی رہتی تھی۔۔۔اور اب اسے ایسے یاد دلا رہی تھی جیسے وہ کوئی گناہ کرتا رہا ہو۔

اسے بہارے پر شدید غصہ آیا تھا۔ شہرام نے غصے نظروں کا زاویہ بدلتے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی۔۔

شہرام کے نگاہیں چرانے پر بہارے کی آنکھوں کی نمی میں آضافہ ہوا تھا۔۔ کبھی مقابل محبت عبادت سمجھ کر کرتا تھا۔۔ آج اپنی محبت پر نظریں چرا رہا تھا۔ بہارے اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔۔ بدن کی لرزاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔

اور یاد کرو۔۔۔ رخصتی کے بعد رات رات بھر میرے لیے تڑپتے تھے۔۔ مجھے چھونے کو بے قرار رہتے تھے۔۔ کس طرح رات رات بھر مجھے پیار کرتے تھے۔۔ میں سو جاتی تھی پھر بھی مجھے اپنے لبوں سے چھوتے رہتے تھے۔۔ اور میرے قریب آنے کے لیے کیسے میری منتیں کرتے تھے یاد

ہے تمھیں۔۔وہ اس کے بے حد قریب کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے انگشت شہادت کی انگلی اس کے سینے پر رکھتے بھیگی آواز میں بولی۔

شہرام نے اب اپنی کنپٹی مسلی تھی۔۔۔وہ اسے لاونج میں کھڑے ہو کر یہ سب بتا رہی تھی۔۔شہرام نے بمشکل ہی اپنا غصہ برداشت کیا تھا۔۔شہرام نے اب ٹائی کھینچ کر گلے سے اتارتے زمین پر پٹخی تھی۔۔

میری ذرا سی ناراضگی پر تمھاری جان پر بن آتی تھی۔کتنی بار ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگ چکے ہو بھول گئے ہو تم سب۔۔اب وہ چیخی تھی۔۔

بہارے آہستہ بولو۔۔یہ کیا طریقہ ہے اپنی پرسنل باتیں یوں یوں چیخ کر لاونج میں مجھے بتانا۔۔شہرام اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کرتے غرایا تھا۔۔مزید وہ اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا تھا۔

چھونا مت مجھے۔۔ میرے قریب مت آنا سمجھے تم۔۔۔ تم جیسے بے حس انسان کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔۔۔۔۔ سمجھے تم۔۔ بہارے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ مارتے اسے دور دھکیلتے ہوے بولی۔

حق میرا تم پر کتنا ہے یہ میں تمھیں بتانے پر آ گیا تو تمھاری سسکیوں میں آضافہ ہی ہو گا۔۔ اور تم کون ہوتی ہو یہ حق ختم کرنے والی۔۔ شہرام اسے اپنے مزید قریب کرتے غرایا تھا۔

کیوں نہیں ختم کر سکتی حق ؟؟۔۔ تمھیں کیا لگتا ہے ؟؟ تم مجھے اینگری ینگ مین کا ایٹیوڈ دکھاؤ گے۔۔ مجھ سے اس حویلی کے مردوں جیسا سلوک کرو گے۔۔ میں تمھارے لیے روؤں گی گڑگڑاؤ گی تو یہ تمھاری بھول ہے۔۔ جیسا سلوک کرو گے ویسا میں تمھارے ساتھ کروں گی۔۔ حشر بگھاڑ

دوں گی تمھارا۔۔ تمھیں کہیں کا نہیں چھوڑوں گی۔۔ تم کسی کے قابل نہیں رہو گے۔۔ بہت شوق ہے تمھیں دوسری شادی کرنے کا۔ تم وہ کرنے کے لیے زندہ نہیں بچو گے۔۔

شہرام لب بھینچے سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا اس کی دھمکیاں سن رہا تھا۔

کیا کرو گی میرے ساتھ ذرا بتاؤ مجھے ؟؟ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارتے پوچھا۔۔

تمھارا پسٹل میرے پاس ہے۔ اس کی گولیاں میں تمھارے سینے میں اتار دوں گی۔ بہارے کی دھمکی پر شہرام اب اس کی کلائی چھوڑ تا لبوں پر انگلیاں جمائے اسے دیکھنے لگا۔۔

اس کے علاوہ کچھ کر سکتی ہو وہ بتاؤ۔۔ وہ پسٹل خالی ہے۔۔ شہرام نے اس کے لرزتے وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔۔ خبردار مجھے چھوا۔۔۔ مجھے تمھارے چھونے سے نفرت ہے۔۔ بہارے اس کی گردن پر ناخن مارتے ہوئے چیخی تھی۔۔ وہ دوسری شادی والی بات پر انکار نہیں کر رہا تھا۔۔ نہ ہی وضاحت دے رہا تھا۔ وہ زخمی پرندے کی مانند بلبلا کر رہ گئی تھی۔

بہارے بہت ہو گئی بدتمیزی۔۔۔ یہ حویلی کا لاونج ہے۔۔ ہمارا کمرو نہیں جہاں تم جاہل عورتوں کی طرح چلاؤ۔۔ وہ غصے سے ایک ایک لفظ چبا کر رہ گیا تھا۔ شہرام دبے انداز میں پھنکارا۔۔ وہ زاران کی وجہ سے اچھا خاصہ پریشان تھا۔۔ بہارے کا لاونج میں گلہ پھاڑ پھاڑ کر بات کرنا اور حق ختم

کرنے والی بات اسے غصہ دلا چکی تھی۔۔ شہرام کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اس کی کلائی اپنی آہنی گرفت میں جکڑ گیا۔

جہاں تک چھونے کی بات ہے کچھ دن پہلے تم ہی مجھے چھونے کے لیے تڑپ رہی تھی۔۔ مجھے لگتا ہے وہی تڑپ تمھیں چین نہیں لینے دے رہی۔۔ آج میں تمھاری تڑپ ختم کرتا ہوں۔۔ تاکہ تمھارا یہ جاہلانہ ایٹیوڈ ختم ہو۔۔

شہرام غصے سے بولتے اس کی کلائی جکڑے کمرے کی طرف بڑھا۔

شہرام۔۔۔ بہارے اپنی کلائی چھڑواتے دبے انداز میں چلائی تھی۔۔

ششش۔۔۔۔۔ بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آواز نہ آئے

تمھاری۔۔۔۔ ورنہ تم مجھے وہ شہرام نہیں پاؤ گی جو کبھی میں تمھارے لیے

تھا۔۔ شہرام نے پلٹتے لبوں پر انگلی رکھے اسے سرد آنکھون سے گھورتے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔۔

بہارے اس کی سرد نظروں پر خاموش ہوئی تھی۔

شہرام اسے کلائی سے جکڑے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔

کمرے کا دروازہ ایک ہاتھ سے لاک کرتے وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔ میں آج بھی اپنی بات پر قایم ہوں۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تم انجینیر ہو یا کوئی بڑے کانٹریکٹر۔۔۔ بہارے کمرے میں آتے چیخی۔

شہرام نے اسے بیڈ پر پوری قوت سے دھکا دیا۔۔ وہ جو اندر آتے اپنے غصے پر قابو پا چکا تھا بہارے کی بات پر پھر غصہ عود کر آیا تھا۔

اپنی شرٹ کے بٹن غصے سے کھولتے وہ بہارے کی طرف بڑھا جو سیدھے ہوتے اسے روتے ہوے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام کو بیڈ کی طرف بڑھتا دیکھ کر بہارے بیڈ کی دوسری جانب کھسکی تھی ۔۔اس سے پہلے وہ دوسری سائیڈ سے اترتی شہرام اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنی طرف کھینچتا بیڈ پر پٹخ چکا تھا۔۔

شہرام چھوڑو مجھے میرے قریب مت آنا۔۔۔بہارے نے اسے دور دھکیلتے روتے ہوے کہا۔۔

کیوں نہ آؤں۔۔ تمھیں بتانا بھی تو ہے میرا تم پر کتنا حق ہے۔۔شہرام نے سرد لہجے میں کہتے اس کی کلائیاں اپنی آہنی ہاتھوں میں جکڑیں۔۔

ایسے بتاؤ گے کہ تمھارا مجھ پر کتنا حق ہے۔۔ہاسپٹل میں سب کے سامنے مجھ سے لاتعلقی کا اظہار کر چکے ہو۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں ایک بار پھر سے شکوہ کیا۔۔

بہت باتیں تم نے مجھے باہر لاونج میں یاد کروائی ہیں۔

اب میں تمھیں بند کمرے میں یہاں بیڈ پر یاد کرواتا ہوں۔۔ شہرام اس کے چہرے پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتا غرایا۔۔

میرے ہزار بار کہنے کے باوجود تم نے مجھے کسی کو نہیں بتانے دیا کہ تم میری بیوی ہو۔۔۔ کیونکہ وہاں تمھیں اپنا نام بنانا تھا۔۔ لیکن حقیقت کیا تھی میں اسی وقت سمجھ گیا تھا۔۔ میری پڑھی لکھی بیوی کو اپنا نام ایک اجڈ گنوار شوہر کے ساتھ جوڑنے میں شرم آرہی تھی۔۔ شہرام اس کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

تو کیوں چھپایا مجھ سے کہ تم پڑھے لکھے ہو۔۔ تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا یہ سب کرو۔۔۔ بہارے بھی جوابًا اس کی براؤن مقناطیسی آنکھوں میں دیکھتے چیخی تھی۔۔

تمھیں حق پہنچتا ہے اپنے شوہر کو ڈسریسپیکٹ کرو۔۔۔ میرے ساتھ ایسا سلوک کرو۔۔۔ شہرام نے غصے سے بولتے سوال داغا۔

میں تمھاری طرح نہیں ہوں سمجھے تم۔۔۔ اس رشتے کو قبول کرون یا نہ کروں۔۔ مگر دوسرے مردوں کے پیچھے پیچھے نہیں پھرتی۔۔ بہارے نے بھر بھڑ جلتے چیختے کہا۔۔ ڈاکٹر آئزل کے جانے کے بعد وہ بھی ہاسپٹل سے نکل گیا تھا۔۔ اب رات کے دس بجے حویلی آیا تھا۔۔ آج یہی ایک بات اسے آگ لگا گئی تھی۔۔ شہرام کو دیکھتے اس تپش میں آضافہ ہو رہا تھا۔

بکواس بند کرو اپنی خبر دار کسی مرد کا نام بھی اپنی زبان سے لیا۔۔ شہرام نے غراتے ہوے اس کی کلائیوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کیا۔

بہارے کا نازک وجود اب اس کے پہاڑ جیسے وجود کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔۔ وہ سانس بھی بمشکل لے پا رہی تھی۔۔

بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ بے شک اپنے اوپر جھکے اس پہاڑ جیسے وجود کو سہنا بہت مشکل ہوتا تھا۔۔ مگر وہ کبھی اس طرح اپنا بوجھ اس پر نہیں لادتا تھا۔ مگر آج تو وہ غصے میں اس کے نازک وجود پر پورا وزن ڈالے ہوے تھا۔

بہارے کی آنکھوں میں نمی اور اسے بمشکل سانس لیتا دیکھ کر شہرام نے اس کی کلائیاں آزاد کی تھیں۔ وہ تھوڑا سا اوپر ہوا تھا۔۔ جانتا تھا اپنی بیوی کی

نازکی۔۔۔۔شہرام کے ذرا سا دور ہونے پر بہارے کی آنکھیں مزید گلابی ہوئی تھیں۔۔اس کا دور جانا تو اس کی سبانسیں مزید الجھا دیتا تھا۔۔

اور جو تم سارا دن ڈاکٹر آیزل آئزل کرتے رہتے ہو۔۔وہ سب کیا ہے۔۔یقیناً آج اسے وضاحتیں دے رہے تھے کہ تمھارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔اسی لیے ڈاکٹر آئزل کے ہاسپٹل جانے کے بعد تم بھی ہاسپٹل سے چلے گئے تھے۔

کہاں تھے تم؟؟ بہارے نے شہرام کے سینے پر بری طرح اپنے ناخن گاڑھتے اس کی گردن پر اپنے ناخن گاڑھے تھے۔

شہرام نے دانت پر دانت جمائے بہارے کا جنگلی پن برداشت کیا تھا۔۔بہارے نے بہت بے دردی سے ناخن مارے تھے کہ اسے اپنا سینہ چھلنی ہوتا محسوس ہوا۔

شہرام درد سے آنکھیں میچتے اگلے پل غصے سے بہارے کے قندھاری لبوں پر جھکا۔۔اس نے بہت بے رحمی اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیا تھا کہ بہارے گل پھڑ ھڑا کر رہ گئی تھی

شہرام اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے اس کی سانسیں چرا گیا تھا۔۔بہارے نے پہلے سے زیادہ بے رحمی سے اس کی گردن میں ناخن گاڑھے تھے۔۔۔۔

شہرام نے اس کی کلائیوں کو جکڑے اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں میں دباتے اپنا سارا غصہ اتارا۔۔جو اتنے دنوں سے اس کے اندر جمع تھا۔۔۔ بہارے نے درد سے سسکی لی تھی

شہرام اس کی سسکاری سنتے یکدم پیچھے ہوا۔۔ بہارے کے نچلے لب پر خون کی بوند آن ٹھہری تھی۔

بہارے بھیگی گلابی آنکھوں سے سسکیاں لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ شہرام نے خون کی بوند دیکھتے اس کی کلائیاں آزاد کیں۔

اس کے لبوں پر بہت نرمی سے اپنا انگوٹھا مسلتے وہ اس کے لبوں پر جھکتے بہت نرمی سے وہ خون کی بوند اپنے لبوں سے چن گیا تھا۔۔ بہارے اس کے نرم لمس پر اپنی آنکھیں میچتے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑتے خود کو اس ستمگر کے حوالے کر چکی تھی۔۔

شہرام کے بدن کی مردانہ خوشبو اس کے بدن کی گرمائش آج اس کے اندر بھی اس کے لیے جذبات بھڑکا چکی تھی۔۔

یہی تو چاہتی تھی وہ اس کے قریب آئے۔۔ پھر وہ اسے کبھی کسی کے پاس نہ جانے دے۔۔۔ سارے فاصلے ختم کر کے اسے اپنا بنا لے۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ شہرام شرمندگی سے کہتے اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔ بہارے اس کے دور ہونے پر سسکی لیتے آنکھیں میچ چکی تھی۔

دوسرے پل بہارے نے اسے شرٹ سے جکڑے اپنی طرف کھینچا تھا۔۔ شہرام نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔۔

وہ اسے بیڈ پر گراتے اس کے اوپر آئی تھی۔ اب وہ اس کے سینے پر اپنا پورا وزن منتقل کر چکی تھی۔۔ شہرام نے حیرت سے بہارے کو دیکھا جو بھیگی نگاہوں سے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بہارے نے اسے نم نگاہوں سے دیکھتے اپنے دانت اس کے سینے پر پر بہت بے رحمی سے گاڑھے تھے۔۔ شہرام نے دانت پر دانت جمائے بہارے کا ایکٹ برداشت کیا۔۔ وہ بہت شدت سے اس کے سینے پر اپنے دانت گاڑھے ہوے تھی۔۔ شہرام نے اس کے ظالمانہ ایکٹ پر اس کے بالوں کو جکڑے اسے پیچھے کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس نے اور بھی بے رحمی سے اپنے دانت گاڑھے۔۔

بہارے اس کے سینے پر دانتوں کی نیلی گڑھی بنا کر پیچھے ہوئی تھی۔۔ جہاں خون کی بوندیں آن ٹھہریں تھیں۔

وہ درد سے آنکھیں میچ گیا تھا۔۔ اس کی بیوی کل بھی اس کے لیے بے رحم تھی۔۔ آج بھی بے رحم تھی۔۔ شہرام نے سینے پر انگلی رکھتے درد اور جلن کو بمشکل ہی برداشت کیا۔

تم اچھی طرح جانتے ہو شہرام۔۔۔ بہارے گل جب تک اپنا بدلہ نہ لے لے چین سے نہیں بیٹھتی۔۔۔

تمھیں کیا لگا تھا تم مجھے زخم دو گے میں تمھیں زخم نہیں دوں گی۔۔ یاد رکھو گے تم ان زخموں کو ہمیشہ۔۔۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔

شہرام اسے کچھ پل دیکھتا رہا پھر اسے پیچھے دھکیلتا بیڈ سے اٹھا تھا۔۔

اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں جا رہے ہو تم ؟؟ بہارے روتے ہوئے چیخی تھی۔

جو تم نے میرا حال کیا ہے۔۔۔ مرہم پٹی کرنے جا رہا ہوں۔ شہرام سرد لہجے میں کہتا دروازہ کھولتے نکل گیا تھا۔

تم مرہم پٹی کرنے نہیں۔۔۔بلکہ مرہم پٹی کروانے چارہے ہو۔۔

تم صرف میرے ہو شہرام۔۔۔تم صرف میرے ہو۔۔۔۔

تم میرے نہیں رہے تو میں تمھیں اس ڈاکٹر آئزل کا بھی نہیں رہنے دوں گی۔۔۔برا حال کر دوں گی تمھارا.....بہارے گل اوندھے منہ تکیے پر گرتے روتے ہوے چیخی تھی۔۔۔

زاران اپنے کمرے میں داخل ہونے لگا تو درخشاں کھانے کی ٹرے ہاتھ میں پکڑے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

لالا بھابھی نے کھانا نہیں کھایا۔۔ انہوں نے واپس بھجوا دیا ہے۔۔ ان کا طبعیت ٹھیک نہیں ہے اوپر سے وہ کچھ نہیں کھا رہا۔۔ درخشاں نے زاران کو دیکھتے بتایا۔۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔ زاران سنجیدگی سے کہتا کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو چکا تھا۔۔

زاران کے کمرے میں داخل ہونے پر ابرش جو بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ اس ستمگر کی خوشبو محسوس کرتے بند آنکھوں سے ہی استھزائیہ مسکرا گئی تھی۔۔

وہ دو دن بعد کمرے میں آیا تھا۔۔۔ اسے اس کی ضرورت تھی مگر وہ ہمیشہ کی طرح پھر سے اس کے پاس نہیں تھا۔

اور یہ دکھ دینے والا بھی تو یہی ستمگر تھا۔۔ ابرش اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے پھر سے مسکرا گئی تھی۔ مگر بند پلکوں کی باڑ سے بہت سے آنسو نکلتے عارض کو بھگونے لگے۔

زاران لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو بدحال سی بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔۔ بکھرے بال۔۔ لرزتا بدن۔۔۔۔۔ رونے کی وجہ سے عارض گلابی ہو رہے تھے۔

مگر رنگت میں زردیاں سی گھلی تھیں۔ عارض پر بہتے آنسو اس کی گردن کو بھگو رہے تھے۔۔۔۔۔ وہ درد کی تفسیر لگ رہی تھی۔۔۔

اس کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی.. وہ پچھلے دو دن سے انھیں کپڑوں میں تھا۔۔ آنکھیں سرخ اور متورم تھی۔۔ سامنے بیٹھا نازک وجود کم سے کم آنسو تو بہا سکتا تھا۔۔ وہ اپنے غم پر آنسو بھی نہیں کسی کے سامنے بہا سکتا تھا۔

زاران نے اسے دیکھتے اپنی گھنی بئیرڈ پر بے چینی سے ہاتھ پھیرا۔۔

جب سے اس کے نکاح میں آئی تھی ایسے ہی اسے روتے دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔ زاران نے گہرا سانس بھرتے بہت نرمی سے اسے پکارا۔۔ مگر اس کی اپنی آواز بھی زلزلوں کی زد میں تھی۔۔ دونوں کا غم ایک جیسا ہی تو تھا۔۔

زاران کے پکارنے پر بھی ابرش کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ یونہی آنکھیں موندیں ہوئی تھی۔

زاران اس کی خاموشی پر کچھ پل اسے دیکھتے رہا پھر آہستگی سے چلتا اس کے قریب آیا۔۔

ابرش۔۔۔۔۔جو کچھ ہوا وہ شائد ایسے ہی ہونا تھا۔۔ تمھیں سب کچھ بھلانا ہو گا۔۔زاران نے آہستگی سے کہتے اپنی پچھلی گردن رب کی تھی۔۔یہ غم تو وہ خود نہیں بھلا پا رہا تھا پتہ نہیں وہ کیسے بھلاتی۔۔

کیا کیا بھلاؤں گی۔۔اس بچے کو کھونے کا غم۔ تمھاری بیوفائی یا پھر تمھارے مارے ہوے تھپڑ۔۔۔۔۔۔کیا کیا بھلاؤں گی؟؟۔۔ابرش آنکھیں کھولے زخمی سے لہجے میں بولی۔

میں نے تمھارے ساتھ کبھی بیوفائی نہیں کی ابرش۔۔نہ کبھی کرنے کا سوچا ہے۔۔زاران نے اس کے بہتے آنسوؤں کو بغور دیکھتے لب بھینچے کہا۔۔

تم بیوفائی کر چکے ہو زاران۔۔۔یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔

تمھارا مجھے ہسپتال میں چھوڑ کر جانا اور دو دن بعد کمرے میں آنا ثابت کرتا ہے۔۔۔ تمھیں صرف اپنے بچے کی فکر تھی۔۔۔میں مروں یا جیوں تمھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔میری کسی تکلیف سے تمھیں فرق ہی نہیں پڑتا۔۔

تم ایک خود غرض انسان ہو۔ تمھیں مجھ سے محبت بلکل نہیں ہے۔ تم وقتی اٹریکشن کو محبت سمجھ بیٹھے۔اور تمھاری ضد اٹریکشن کو میں بھگت رہی ہوں۔۔ تم نے میری زندگی برباد کر دی زاران۔۔میرے بچے کو مار دیا۔۔۔ تم اپنے ہی بچے کو قاتل ہو۔۔ابرش بھیگے لہجے میں بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ابرش کی باتوں پر وہ اپنا نچلا لب سختی سے دانتوں کے نیچے کچل گیا تھا۔۔

اسی لیے وہ دو دن سے کمرے میں نہیں آ رہا تھا۔ اپنے بچے کی موت کے قاتل جیسے لفظ وہ خود کے لیے نہیں سن سکتا تھا۔۔ ابھی بھی یہ لفظ بہت اذیت دے گیا تھا۔۔ وہ درد کی انتہا پر تھا۔۔ اسے بھی سامنے بیٹھے نازک وجود کی ضرورت تھی۔۔ آج وہ اس کی پناہوں میں سب کچھ بھولنا چاہتا تھا۔

ابرش میری بات سنو۔۔۔۔ زاران اس کی طرف بڑھا۔

میرے قریب مت آنا زاران۔۔۔۔ تم میرے بچے میری خوشیوں کے قاتل ہو۔۔ ابرش ہذیانی چیخی تھی۔۔۔ سامنے کھڑے ستمگر کو دیکھتے سارے زخم ہرے ہو گئے تھے۔۔ کس طرح وہ درد سے کراہتے اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ یقین نہیں کر رہا تھا۔۔ اور پلوشہ کے لفظ بھی تو یاد آئے تھے۔۔ سامنے کھڑا انسان قاتل ہی نہیں بیوفا بھی تھا۔

اپنے بچے کا قتل معاف بھی کر دیتی تو بیوفائی کیسے معاف کرتی۔۔ جس نے اس کی روح میں بھی زخم کر دیے تھے۔۔ ابرش نے کرب سے سسکی لی تھی۔

تم قاتل ہو۔۔۔۔۔۔ ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ابرش ہمارے بچے کی موت کا ذمہ دار صرف اکیلا میں نہیں ہوں۔ تم بھی ہو ۔۔۔ تم اگر اس بچے کو مارنے کی بات نہ کرتی تو شائد میں کبھی ایسا نہ سوچتا۔۔ مگر تم نے اپنی ضد اور آنا میں اس بچے کو مارنے کی بات کی اور بار بار کی۔۔ آج تم اس بچے کے لیے رو رہی ہو۔۔ اسی بچے کو مارنے کے لیے تم نے گولیاں کھانے کی کوشش کی تھی۔۔ اگر اس دن میں بروقت نہ آتا تو تم

تو اس بچے کو مار چکی ہوتی۔۔ زاران ابرش کی باتوں پر زخموں سے چور لہجے میں بلبلایا تھا۔۔

ابرش زاران کی بات سنتے ایک ہی جست میں صوفے سے اٹھتی زاران کے مقابل ہوتی اس کا گریبان جکڑ گئی۔

مسٹر زاران خانزادہ۔۔۔ تم خود غرض ہی نہیں بے حس ظالم سفاک اجڈ گنوار ہو۔۔ خدا نے جتنا خوبصورت تمھیں چہرہ عطا کیا ہے۔۔ دل اتنا ہی بدصورت دیا ہے۔۔ تمھارے سینے میں دل نہیں پتھر ہے پتھر ہے۔۔ میں نے اس بچے کو مارنے کا سوچا تھا مگر مارا نہیں۔۔۔ مار تم چکے ہو۔۔ تم قاتل ہو قاتل۔۔۔ نہ صرف اپنے بچے کے بلکہ میرے دل کے بھی قاتل ہو۔۔۔

ابرش اس کا گریبان پکڑے روتے ہوئے چلائی۔۔

ابرش بیہیو یور سیلف۔۔۔زاران نے اپنا گریبان اس کے ہاتھوں سے چھڑواتے اسے جھٹکا تھا۔۔وہ بری طرح دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔۔نازک ہوتی حالت کی وجہ سے اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔اپنے چکراتے سر کو ابرش نے اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔۔

زران جو مٹھیاں بھینچے گہرے سانس بھرتا اپنے اشتعال پر قابو پا رہا تھا ۔۔اسے یوں چکراتے دیکھ کر اس کی طرف بے تابی سے بڑھا۔۔

رک جاؤ مسٹر خانزادہ۔۔۔ابرش نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہاتھ کے اشارے سے زاران کو خود کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔

وہیں پر رک جاؤ۔۔۔میرے قریب مت آنا۔ابرش نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سسکتے ہوے کہا۔

زاران اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔۔اس کی نازک ہوتی حالت محسوس کرتے وہ اس کی طرف بڑھا نہیں تھا۔۔وہ غصے سے ہانپ رہی تھی۔۔

تمھیں پتہ ہے مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔۔ابرش نے سسکتے ہوے سرخ چہرے کے ساتھ سوال کیا۔۔

تمھین کیسے پتہ ہو گا؟؟جس نے کبھی محبت کی ہی نہ ہو اسے کیسے پتہ ہو سکتا ہے۔۔ابرش اپنے ہی سوال استھزائیہ مسکرائی تھی۔زاران نے لب بھینچتے اپنی کنپٹی سہلائی۔۔۔

اس کی ایسی حالت اور سوال برداشت نہیں ہوا تھا۔

تم نے میرے بچے کو مار دیا۔۔ پھر بھی میں اس غم میں نہیں رو رہی۔۔۔ بلکہ میں تمھاری بیوفائی کے غم میں رو رہی ہوں۔۔۔۔ نہیں شئیر کر سکتی تمھیں کسی کے ساتھ۔۔۔

ساری زندگی اس حویلی میں قید کر کے رکھتے اف نہ کرتی۔۔ لیکن اگر تم یہ سوچتے ہو کہ میں تمھاری بیوفائی معاف کروں گی تو تمھاری یہ سوچ غلط ہے۔۔ تم دوسری شادی کرو گے اور میں تمھیں معاف کروں گی تو تم غلط سوچتے ہو۔

نہیں کر رہا میں دوسری شادی۔۔ نہیں کر رہا میں کوئی بیوفائی۔۔ زاران اس کی بات کاٹتے حلق کے بل چیخا تھا۔

چلاؤ مت میرے سامنے مسٹر خانزادہ۔۔ تمھارے چلانے سے سچ جھوٹ میں نہیں بدل جائے گا۔۔۔ اپنی مورے سے تم وعدہ کر چکے ہو دوسری

شادی کا۔۔۔اور تمھارے نزدیک بیوفائی کیا ہوتی ہے؟؟۔ابرش بھی جوابًا چیختے ہوے سوال داغا۔۔

ابرش ہمارے رشتے کو آج اس نہج تک پہنچانے والا تمھارا شک ہے۔ مجھ پر یقین نہ کرنا ہے۔۔زاران نے اس کے یوں چیخنے پر لب بھینچے کہا۔

یقین کیسے کروں؟؟تم نے مجھ پر یقین کیا جب میں تمھیں ہاسپٹل میں کہہ رہی تھی میں نے تمھارے بچے کو نہیں مارا۔۔ابرش نے روتے ہوے سوال کیا۔۔

میں نے کیوں یقین نہیں کیا جانتی ہو کیوں۔۔کیونکہ اس وقت تم بے یقین تھی۔۔۔اسی بے یقینی کی وجہ سے تمھیں وہ پین اٹھا۔۔ہمارے بچے کی حالت ان سٹیبل ہوئی۔۔جب مین تمھیں یقین دلا چکا تھا قسم کھا چکا تھا کہ پلوشہ سے میرا کوئی تعلق نہیں تو پھر کیوں۔۔۔۔۔۔

قسم تو تم نے اپنی مورے کے سامنے بھی کھائی تھی پلوشہ سے شادی کرنے کی۔۔ ابرش اس کی بات کاٹتے استھزائیہ لہجے میں بولی۔۔

ابرش پچھتاؤ گی تم ایک دن۔۔ اسی بے یقینی کی وجہ سے تم ہمارے رشتے کو کھو دی گی۔۔ زاران نے مٹھیاں بھینچے ضبط سے کہا۔۔ ابرش کی باتوں پر اس کا میٹر شارٹ ہو رہا تھا۔۔ وہ اس کی حالت کے پیش نظر بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

کیا کہا یہ رشتہ کھو دوں گی یعنی تمھیں کھو دوں گی۔۔

میں تمھیں کھو چکی ہوں مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔۔تم میرے نہیں اس پلوشہ کے ہو۔۔۔۔۔تم اسی دن ہو چکے تھے اس کے جس دن تم نے اپنی مورے سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔۔ابرش زخمی سا بولی تھی۔

افففف۔۔۔۔زاران نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی سرخ آنکھیں مسلی تھیں۔

اس کا اپنے مورے سے جھوٹا وعدہ کرنا اس کی زندگی کی بدترین غلطی تھی ۔جس کی سزا وہ اب تک بھگت رہا تھا۔۔زاران نے لب بھینچے اسے دیکھا۔۔

زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا وہ دیوار سے ٹیک لگائے بری رو رہی تھی۔۔ریڈ فراک میں ملبوس تھی. الجھے سے بکھرے بال۔۔گلابی آنکھیں۔۔۔۔

رونے کی وجہ سے گلابی ہوے عارض۔۔۔اس کا کندن سا نازک سراپہ لرز رہا تھا۔۔وہ اسے روتے ہوے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔۔زاران گہرا سانس لیتے اس کی طرف بڑھا

پاس مت آنا میرے۔۔۔۔۔۔۔ابرش نے سسکی بھرتے ہوے اسے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔زاران آگے بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے ایک ہی جست میں اپنے سینے میں بھینچ گیا۔

چھوڑ مجھے مسٹر خانزادہ۔۔۔ابرش بری طرح اس کے حصار میں مچلی۔۔۔زاران اور مضبوطی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

ابرش نے اس کی مضبوط پناہوں میں مچلتے ہوے اس کے سینے پر مکے مارے۔۔ریلیکس میری جان۔۔۔۔۔۔زاران نے اس کے گرد حصار مزید مضبوط کرتے اس کے بالوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔۔

خبر دار مجھے جان کہا۔۔۔ جا کر اس پلوشہ سے کہو جو سچ میں تمھاری جان ہے۔۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے زاران کی سرخ نم ذدہ آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے بولی۔۔

جو جان ہے اسی کو کہوں گا۔۔ زاران نے نم آواز میں کہتے ابرش کی نازک کمر کے گرد اپنا حصار مزید مضبوط کیا۔۔ ایک سکون سا اسے اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا تھا۔۔

میں تمھاری جان نہیں ہوں زاران۔۔۔۔ ابرش اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔۔

۔ابرش کافی دیر تک اس کے سینے سے لگی روتی رہی۔۔۔

زاران نرمی سے اس کی کمر پر اپنا ہاتھ پھیر رہا تھا۔

وہ روتے روتے تھک گئی تو زاران نے اسے خود سے الگ کرتے اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے چننے لگا۔۔

وہ خاموشی سے اب اسے دیکھ رہی تھی۔۔زاران اسے دیکھتا مسکرا گیا تھا۔۔اس کا چہرہ نرمی سے دونوں ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔۔وہ اس کے چہرے کو تھامے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں نرمی سے گھونٹ گیا۔۔

ابرش اس کے لمس پر ساکت ہوئی تھی۔۔وہ ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈالے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو جکڑے وہ اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں میں دبائے کھینچ رہا تھا۔۔

ابرش اس کی بانہوں میں بے حس و حرکت کھڑی تھی۔۔ایسے ہی وہ ہمیشہ اس کی جادوگری سے مجسم ہو جاتی تھی۔آج بھی ہوئی تھی۔اس کی مردانہ

خوشبو جس میں اس کا سٹرونگ سینٹ بھی شامل تھا۔۔وہ جیسے مدہوش ہوئی تھی۔۔زاران کا ہاتھ اب اس کی پشت کو سہلاتا بہت نرمی سے اس کی دھڑکنوں کو چھو رہا تھا۔۔وہ اس کے لبوں کو آزاد کرتا اس کی گردن پر آیا جہاں اس نے اپنے سلگتے لب رکھے تھے۔۔وہ بہت نرمی سے اس کی گردن کو چھو رہا تھا۔۔۔اب اس کے دہکتے لب اس کی گردن سے نیچے اور اس کا ہاتھ اس کی فراک کے اندر سے اس کے پیٹ کو چھوتا اوپر کی جانب بڑھ ہا تھا۔۔اس کے ٹھنڈی انگلیوں کو اس کی دھڑکنوں کو چھونے کی دیر تھی۔۔وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔اس کے ہاتھوں کو بری طرح جھٹکتے اس سے خود سے دور کیا۔۔

زاران نرمی سے اس کی میں ہاتھ ڈالتے اسے پھر سے اسے قریب کر گیا ۔۔اس کے عارض سے بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کیے ۔۔

میں کبھی معاف نہیں کروں گی تمھیں زاران۔۔۔۔ابرش نے اس کے گرم نرم جادوئی لمس پر ہچکیوں کے درمیان کہا۔وہ اس کے لمس پر پگھل رہی تھی۔۔

میں تم سے ساری عمر معاف مانگتا رہوں گا۔پھر بھی نہیں کرو گی۔۔زاران نے اس کے عارض پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔ابرش اسے دور جھٹکتے پیچھے ہوئی تھی۔

میں اب تمھارے کسی جھوٹ فریب میں نہیں آؤں گی۔۔ تم اپنی باتوں اور اپنے لمس سے مجھے ہمیشہ پگھلا دیتے ہو۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔۔۔۔۔ ابرش نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے ہچکیوں کے درمیان کہا۔۔۔

ابرش صرف تمھیں نہیں مجھے بھی اس وقت تمھاری ضرورت ہے۔۔ تم تو رو کر چیخ چلا کر اپنے دل کا حال بیان کر سکتی ہو۔۔ مجھے دیکھو میں کیا کروں کس سے اپنا دکھ بیان کروں۔۔ میں نے اپنے ہی بچے کو مار دیا۔۔ یہ کسک مجھے چین نہیں لینے رہی۔۔ تم اتنی تکلیف میں تھی۔ میں نے تمھیں مزید تکلیف پہنچائی۔۔ مت کرو ایسے۔۔۔ زاران کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہوئی تھیں۔

یہ سچ ہے زاران تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔۔ جانتے ہو کس طرح میں ڈرائیو کر کے ہاسپٹل پہنچی تھی۔۔ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی۔۔ تم ہمیشہ سے

اس طرح کرتے ہو زاران۔۔۔ ہمیشہ اس طرح۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے شکوہ کیا۔

تم نے کبھی سوچا میں اس طرح کیوں کرتا ہوں۔۔ اگر تم ہمارے بچے کو مارنے کی بات نہ کرتی۔۔ کیا کبھی میں ایسا سوچ سکتا تھا؟؟۔۔۔۔ اگر تم ہمارے نکاح سے نہ بھاگی ہوتی۔۔۔ میں کیا کبھی ایسا سوچتا؟؟۔۔ تم نے ہاسپٹل جانا ہی تھا تو مورے کو بتاتی ابرش۔۔۔ یہ کیا طریقہ تھا اکیلے گاڑی لے کر نکل جانا؟؟۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو ہمارے کتنے دشمن ہیں۔ تمھیں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

کس کو بتاتی تمھاری مورے کو؟؟۔۔ جو میری سب سے بڑی دشمن ہیں یا پھر تمھاری پلوشہ کو جس نے ہمارا بچہ مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔ ابرش غصے سے چیخی۔۔

اس کے چیخنے پر زاران کا پارہ پھر سے ہائی ہوا تھا۔۔

ابرش میں اسے کلیر کر چکا ہوں کہ میں اس سے کسی صورت شادی نہیں کروں گا۔۔اور وہ یہ بات سمجھ بھی چکی ہے۔۔اور مورے اور تمھیں بھی کلیر کر چکا ہوں میں کسی صورت پلوشہ سے شادی نہیں کروں گا۔ پھر تم اس کے کمرے میں کیوں گئی۔۔اس پر اور مجھ پر الزام کیوں لگائے۔زاران نے اس کی ایک ہی تکرار پر چبھتے لہجے میں پوچھا۔

یہ سب کچھ تمھیں کس نے بتایا زاران ؟؟۔۔ابرش نے گہرے سانس لیتے زاران کا گریبان پھر سے جکڑا تھا۔۔

پھر تم کہتے ہو تمھارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔کب بات کی تم نے اس سے ؟؟۔۔کہاں بات بات ہوئی تمھاری اس سے ؟؟۔ابرش اس کا گریبان جکڑے ہزیانی چلائی تھی۔وہ دن دو بعد کمرے میں آیا تھا۔۔اور یہ سب کچھ

اس سے پلوشہ نے کہا اس کا پورا بدن شعلوں میں گرا تھا۔۔پلوشہ کی ہر بات پر جیسے اسے یقین آ رہا تھا۔۔

ابرش میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔فار گاڈ سیک سمجھنے کی کوشش کرو۔۔اس نے یہ سب کچھ مجھے فون پر بتایا۔۔اسی نے مجھے اطلاع دی تھی جب تم گاڑی لے کر نکلی تھی۔۔اس کے علاوہ میری اس سے کہیں بات نہیں ہوئی۔۔زاران نے اپنا گریبان چھڑواتے جھنجھلاتے سے کہا۔

تم اس سے فون پر بھی بات کرتے ہو۔۔ابرش نے بھیگی آواز میں آہستگی سے کہا۔۔

زاران نے جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی پئیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔ ابرش فرسٹ اینڈ لاسٹ ٹائم تمھیں سمجھا رہا ہوں۔۔ میرا پلوشہ سے کوئی لنک نہیں ہے اور نہ میں اس سے کبھی شادی کروں گا۔۔ آئیندہ اگر تم نے پلوشہ کو لے کر مجھ سے کوئی بھی سوال کیا مجھ پر الزام لگائے تو میں برداشت نہیں کروں گا۔۔ اسی لیے بی کیئر فل۔۔ زاران نے اسے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے تنبیہ کی تھی۔ وہ پھر سے سٹل پتھرائی حالت میں کھڑی تھی۔۔ اب وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے پلوشہ کا نام ہی کیوں لیا۔۔۔۔

کیا کرو گے مسٹر خانزادہ؟؟ مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے یا پھر اپنی مورے کے وعدے کو سچ کر کے دکھاؤ گے۔۔

ابرش نے جواباً روتے ہوے کہا۔

زاران اس کی بات پر لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔۔وہ اسے جتنا سمجھا رہا تھا وہ سمجھنے کی بجائے مزید بگڑ رہی تھی۔۔

تم ریسٹ کرو۔۔۔ تمھیں اس وقت ریسٹ کی ضرورت ہے۔زاران لب بھینچتے سنجیدگی سے کہتے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

کہاں جا رہے ہو تم ؟؟اس پلوشہ کے پاس جا رہے ہو۔۔ابرش نے چیختے ہوے پوچھا

خودکشی کرنے جا رہا ہوں۔۔اگر بچ گیا تو تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔۔اسی کے پاس جاؤں گا۔۔شائد اس کے پاس سکون مل جائے۔۔۔زاران کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔۔وہ غصے سے چیختا ہوا بولا تھا۔

وہ دھاڑ سے دروازہ کھولتے باہر نکل گیا۔۔ وہ اس کے الفاظ سنتے ساکت ہوتی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔۔ پلوشہ کی باتیں۔۔۔۔۔ زاران کی مورے کی ریکارڈنگ۔۔۔۔۔ زاران کا اپنی مورے سے قسم کھانا۔۔۔ ہسپتال میں زاران کا دھکا دینا۔۔۔ سب کچھ جیسے اس کی سماعتوں میں گونجتا اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔۔ ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ اپنی کوکھ کے خالی ہونے کے احساس سے جیسے وہ تڑپ اٹھی تھی۔۔ وہ کیسے اس دشمن جاں کو بتاتی اسے یہ بچہ اپنی جان سے بھی بڑھ تھا۔۔ جس طرح وہ ستمگر تھا جو کسی اور کی بانہوں میں سکون کا متلاشی تھا..

ابرش دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔۔

ماما، آہل عنائیہ۔۔ وہ کمرے کی چھت کو دیکھتے انھیں سب کو پکار بیٹھی۔۔ آج بہت دنوں بعد اسے سب کی یاد شدت سے آئی تھی۔۔

---...

زاران غصے سے کمرے سے باہر آیا تو پلوشہ کو دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر زاران کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔۔۔

تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ زاران نے غصے سے چبھتے لہجے میں پوچھا۔۔ اسے دنیا میں اسی چہرے سے سب سے زیادہ نفرت تھی۔ جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں سکون نہیں تھا۔

زاران یہ دودھ لائی تھی ابرش کے لیے۔۔اس نے کھانا نہیں کھایا تو پھوپھو نے یہ دودھ کا گلاس ابرش کے لیے بھیجا تھا۔۔پلوشہ نے ہاتھ میں پکڑے دودھ کے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔۔

ابرش کو کسی چیز کی بھی ضرورت ہوئی تو درخشاں ہے۔۔ تمھیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔اور آئندہ مجھے تم کسی بھی صورت ابرش کے قریب بھی پھٹکتی نظر نہ آؤ۔۔زاران نے سختی سے کہا۔۔

آئی ایم سوری زاران۔۔۔ابرش میری یہاں موجودگی سے دسٹرب ہے ۔۔تم ایسا کرو۔۔۔جب تک مورے بابا واپس نہیں آجاتے۔۔تب تک تم مجھے کسی ہاسٹل میں رہائش دلوادو پلیز۔۔۔پلوشہ نے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

پلوشہ میں آگے بہت پریشان ہوں۔۔اس لیے مجھے مزید پریشان مت کرو۔۔جہاں تک یہاں سے جانے کی بات ہے۔۔جس دن تمھارے

مورے بابا آ گئے میں اسی لمحے تمھیں یہاں سے روانہ کروں گا۔۔اس لیے جب تک یہاں ہو مجھ سے دور رہو۔۔۔۔۔زاران ایک ایک لفظ چباتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

۔۔۔۔۔

کیا کہہ رہے ہو تم ؟؟زاران نے فون پر گرفت مضبوط کرتے بے یقینی سے کہا۔

خان صاحب آپ کے کہنے پر بہزاد خان کے ایک ایک ایکٹ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔۔عنائیہ بہزاد خان کی حویلی میں ہے۔۔مگر خان صاحب اچھی خبر یہ ہے۔۔۔بہزاد خان کسی سیاسی ریلی میں شریک ہونے کے لیے اسلام آباد گیا ہے۔۔اس وقت اس کی حویلی میں گنے چنے گارڈز ہی ہیں۔اس سے اچھا موقع نہیں ہو سکتا عنائیہ کو چھڑوانے کا۔۔آپ جلدی سے آ جائیں۔۔رمضان عجلت بھرے انداز میں بولتا فون بند کر چکا تھا۔۔

زاران فون اپنی پاکٹ میں ڈالتا تیزی سے حویلی سے باہر نکل گیا۔

زاران اپنے گارڈز کے ہمراہ بہزاد کی حویلی پہنچا تھا۔۔اس وقت حویلی کے گیٹ پر دو ہی گارڈز تعینات تھے۔۔زاران خانزادہ گارڈز کی اچھی خاصی تعداد لے کر حویلی پہنچا تھا۔

تمام گارڈز نے حویلی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔۔

گیٹ پر کھڑے گارڈز نے اسی لمحے ہتھیار پھینک دیے تھے۔۔

وہ لوگ صرف دو تھے۔۔انھیں چاروں طرف سے زاران خانزادہ کے گارڈز نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔۔

ان سے بندوقیں لے کر ان کے ہاتھ پیر باندھ کر انھیں گاڑی میں ڈالو۔۔بہزاد خان تک پہنچنے میں یہ ہماری کافی مدد کریں گے۔۔زاران سرد لہجے میں حکم دیتا گیٹ سے اندر داخل ہو چکا تھا۔

گارڈز بھی زاران کے ہمراہ اندر داخل ہوے تھے۔۔

زاران تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔۔

داخلی دروازے پر زاران نے اپنی پسٹل سے دو تین فائر کیے تھے۔۔لاک اپنے آپ کھل گیا تھا۔۔

زاران اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے اندر داخل ہوا رھا۔رمضان اور باقی کے گارڈز بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہوے۔۔

رمضان ایک کمرہ کمرہ چھان مارو۔۔۔جلدی کرو سب۔۔زاران نے اونچی آواز میں دھاڑتے ہوے حکم دیا تھا۔۔

تمام گارڈز حویلی کے چپہ چپہ پھیل چکے تھے. حویلی بہت بڑی تھی۔۔کمروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔۔

زران سیڑھیاں اترتا حویلی کے بیسمنٹ میں داخل ہوا۔

بیسمنٹ کے سارے کمرے کھلے تھے۔۔ایک ہی کمرہ لاک تھا۔ جس کے دروازے پر بڑا سا تالا لگا تھا۔۔

زاران نے اس تالے پر یکے بعد دیگرے کئی فائر کیے۔۔

تالا کھلنے پر زاران دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

تو بیڈ پر گھٹنوں میں منہ چھپائے سسکتے وجود کو دیکھتے وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔۔

عنائیہ۔۔۔۔۔زاران نے اسے نرمی سے پکارا۔۔

عنائیہ نے گھٹنوں سے سر اٹھائے زاران کو دیکھا۔اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

وہ بیڈ سے اٹھتی بھاگتی ہوئی زاران کے سینے سے لگی۔۔۔

زاران بھائی۔۔۔۔۔۔۔وہ اس کے سینے سے لگی شدت سے رو دی۔۔۔زاران بھائی مجھے یقین نہیں آرہا آپ یہان پر ہیں۔۔

عنائیہ ہچکیوں سے بولی۔۔پورے چار ماہ بعد وہ کسی اپنے کو دیکھ رہی تھی۔۔ورنہ اس کی ضرورت کا سامان اس کمرے میں ایک ملازمہ کے ہاتھ پہنچا دیا جاتا۔۔وہ بھی دروازے پر رکھ کر دروازہ باہر سے بند کر کے چلی جاتی تھی۔۔

آج گولیوں کی آواز سنتے وہ بری طرح خوفزدہ ہوئی تھی۔اب اپنے سامنے زاران کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقین تھیں۔۔

زاران نے اسے خود سے الگ کرتے اس کے چہرے کو بغور دیکھا وہ بہت کمزور لگ رہی تھی۔۔ چہرہ بلکل زرد تھا۔۔

وہ اس وقت شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔۔ زاران نے اس کے دوپٹے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو وہ بیڈ پر پڑا نظر آیا تھا۔۔

زاران نے آگے بڑھتے اس کا دوپٹہ بیڈ سے اٹھاتے اچھی طرح اس کے گرد پھیلایا۔۔

عنائیہ نے بھی وہ دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد اوڑھ کر اب نظریں جھکالی تھیں۔ جب اسے اغوا کیا تھا وہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔۔ یہ تو بعد میں اس کی ضرورت کے سامان کے ساتھ کچھ کپڑے بھی اسے دیے گئے تھے۔۔ جو دوپٹہ شلوار قمیض پر مشتمل تھے۔۔

عنائیہ بیٹا۔۔۔۔ تم ٹھیک ہو۔۔۔ تمھیں اس بہزاد یا پھر کسی نے کچھ کہا تو نہیں۔۔ میرا مطلب تمھیں۔۔۔۔۔۔ کوئی نقصان۔۔۔ مطلب مارا تو نہیں ہے۔۔ زاران چاہتے ہوے بھی واضح الفاظ میں وہ سب پوچھ نہیں سکا تھا۔۔ جو وہ پوچھنا چاہتا تھا۔۔ بہزاد خان جیسے انسان سے اسے سب کچھ کی توقع تھی۔۔ مگر یہ سب پوچھتے اس کا دل لرز رہا تھا۔۔ چودہ سال کی تھی وہ۔۔۔۔ زاران نے پوچھتے ہی اپنی نگاہیں پھیریں۔

نہیں زاران بھائی مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔۔

بہزاد خان انکل نے مجھ سے کہا تھا۔۔ وہ میرے ساتھ درندوں سے بڑھ کر سلوک کرنا چاہتا تھا۔۔ مگر ابرش آپی کی وجہ سے اس نے میری عزت اور میری جان بخش دی ہے۔۔ عنائیہ نے۔۔۔ ٹوٹے لفظوں سے نظریں جھکائے کہا۔۔ وہ چودہ سال کی تھی مگر زاران کی بات کا مطلب سمجھ چکی

تھی۔۔ یہاں رہ کر اسے اپنی جان سے بڑھ کر عزت کا ڈر خوف زیادہ تھا۔۔ وہ راتوں کو سو بھی نہیں سکتی تھی۔

ابرش۔۔۔۔ زاران نے ابرش کا نام دہراتے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔۔ مگر آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔

بہزاد خان جیسے کمینے فطرت انسان نے ابرش کی وجہ سے عنائیہ کو کیوں چھوڑا اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔

اسی اثناء میں رمضان کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔

رمضان عنائیہ کو کسی سیف جگہ پر پہنچاؤ۔۔ جہاں بہزاد خان کی پہنچ نہ ہو سکے۔۔۔ زاران نے رمضان کو دیکھتے حکم دیا۔۔

خان صاحب عنائیہ کو اپنے گاؤں لے جاؤں۔۔فی الحال اس سے سیف جگہ کوئی نہیں ہے۔رمضان نے مودب لہجے میں پوچھا۔

نہیں۔۔۔۔۔۔مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا رمضان۔۔۔بہزاد خانن نے اتنی آسانی سے عنائیہ کو ہمارے ہاتھ کیسے لگنے دیا۔۔۔بہزاد خان کے پاس گارڈز کی ایک فوج ہے۔۔مگر آج گیٹ پر صرف دو گارڈز تعینات تھے۔۔انہوں نے بھی بنا کسی مزاحمت کے ہتھیار ڈال دیے۔۔۔کچھ تو گڑبڑ ہے۔۔زاران پر سوچ انداز میں بولا۔۔

ایسا لگ رہا ہے۔۔۔جیسے بہزاد خان نے خود عنائیہ کو ہمارے حوالے کیا ہے۔۔مجھے لگتا ہے وہ عنایہ کے ذریعے آہل اور زرتاج تک پہنچنا چاہتا ہے۔۔

عنائیہ کو لے کر حویلی پہنچو۔۔۔اور حویلی کے گرد چاروں طرف گارڈز بھی تعینات کر دو۔۔اپنے ساتھ بھی گارڈز رکھنا۔۔زاران سنجیدگی سے ہدایت دیتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

۔۔۔۔

زران خانزادہ بالائی منزل پر آتے کمروں کی جانب بڑھا۔۔وہ وہ سیدھ میں بنے کچھ کمروں میں سے ایک کمرے کی طرف بڑھ تا کہ ہزاد خان کے متعلق کچھ معلومات مل سکے۔۔وو ایک کمرے میں داخل ہوا جو پر اسائش اور کافی بڑا تھا۔۔زاران کمرے کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ کمرہ بہزاد خان کا ہے۔۔وہ کمرے کی الماری کی جانب بڑھا تھا۔۔مگر یکدم اس کے قدم زمین میں جکڑے گئے تھے۔۔

رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔۔ آنکھوں میں خون کی لالی کے ساتھ بے یقینی بھی تھی۔۔

سامنے دیوار پر ابرش کے لگے پوسٹر کو دیکھ کر اس کے خون میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

وہ بے یقینی سے وہ پوسٹر دیکھ رہا تھا۔۔

جہاں وہ دلہن کے لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔۔

اسی لباس میں جس میں وہ اس کے نکاح سے بھاگی تھی۔۔ اسی لباس میں جس میں اسے دیکھتے ہی زاران نے اس سے کہا تھا کہ تم آج عورتوں کے سامنے بھی نہیں جاؤ گی۔۔

زاران نے بے یقینی سے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔۔

جہاں ہر طرف ابرش کے پوسٹر لگے تھے۔۔ دلہن کے لباس میں مختلف پوسٹر تھے۔۔

جس میں وہ نم آنکھوں سے دیکھتے کھڑی تھی۔۔۔ نیٹ کا دوپٹہ اپنے گرد اوڑھے سلکی بال کمر پر لہراتے اس کے مختلف پوز تھے۔۔۔۔ جس میں اس کے بدن کی تمام رعنائیاں ظاہر تھی۔۔ یہاں تک اس کے پچھلے ڈیپ گلے کی بیک لیس بھی نمایاں تھی.۔۔ جس پر اس کا سیاہ تل جس کا وہ دیوانہ تھا ۔۔۔ ایک پوسٹر میں وہ کیپچر کیا گیا تھا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔ اس کمرے کی دیواریں دھڑ ادھڑ جیسے اس پر گر رہی تھیں۔۔

پورے بدن میں کوئلے دہکے تھے۔۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی رگوں میں دوڑتا خون بھڑکتا لاوے کی طرح ابلتا باہر آجائے گا۔۔

تم آج گھونگٹ کرو گی۔۔ تم پر کسی عورت کی بھی نظر پڑے مجھے ے گوارا نہیں۔۔ اپنے ہی لفظ اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دیے تھے۔۔

زاران نے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھولے تھے۔۔ سانس لینے میں اسے دقت آئی تھی۔۔

دوسرے ہی لمحے زاران بال مٹھیوں میں جکڑے چلایا تھا۔۔

جس عورت پر کسی عورت کی نظر گوارانہ تھی اس کی تصویریں آج کسی کے بیڈروم میں سجی تھیں۔ وہ پاگل ہوا تھا۔۔ عنائیہ کی بات کا مطلب اب سمجھ آیا تھا۔۔ اس نے کیوں عنائیہ کی عزت بخشی تھی۔۔ یعنی وہ اس کی بیوی کا عاشق تھا۔۔

زاران نے آگے بڑھتے ایک ایک کرتے وہ پوسٹر پھاڑ دیے تھے۔۔ چین کہیں نہیں آیا تھا.. اس نے اپنا سینہ مسلتے جیب سے لائٹر نکالتے تمام پوسٹر جلائے۔۔

پوسٹر میں بھڑکتی آگ اسے ٹھنڈا نہیں کر سکی۔۔

حویلی سے بھاگ کر ابرش کی بہزاد خان سے ملاقات ہوئی تھی۔۔ یہ اسے کیوں نہیں پتہ چل سکا۔۔ وہ کب ملی اور بہزاد خان کیا تب ہی اس کی بیوی کا دیوانہ ہو گیا تھا۔۔ یہ سوال اس کے اندر آگ لگائے ہوئے تھے۔

زاران نے آگے بڑھتے کمرے کی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینک دی تھی۔۔ سائیڈ ٹیبل الٹ دی تھی۔۔ کمرے میں پڑی شیشے کی میز اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر ماری تھی۔۔

ہر طرف کانچ بکھرا پڑا تھا۔۔

میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں بہزاد خان۔۔ تمھارے چیتھڑے کر کے میں تمھارے ہی پالتو کتوں کو کھلاؤں گا۔۔ میری بیوی میری ابرش پر نظر رکھی تم نے۔۔ میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں۔۔۔۔ زاران نے چیختے فینسی مرر وال میں اپنا ہاتھ مارا تھا۔۔ شیشہ کی کرچیاں اس کے ہاتھ میں پیوست ہوئی تھیں۔ خون بھل بھل کرتا آگ کے شعلوں پر گرا تھا۔۔

زاران خانزادہ کا فون کب سے بج رہا تھا مگر اسے اپنا ہوش نہیں تھا۔۔ اپنی ابرش اپنی بیوی کی تصویریں یہاں دیکھ کر وہ مر رہا رھا۔۔

مسلسل بجتے فون کی آواز سنتے زاران نے جیب سے فون نکال کر کان سے لگایا۔۔

دوسری طرف ملنے والی خبر نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔۔

بہزاد۔۔۔۔۔۔زاران نے چلاتے ہوے فون دیوار پر دے مارا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔

اس نے کچن میں داخل ہوتے وہ گھڑی فرشتے کے قدموں میں پھینکی۔۔

فرشتے نے ناسمجھی سے اوزگل کو دیکھا جو شرربار نگاہوں سے کافی نفرت سے اسے گھور رہی تھی۔

برتن دھونے کے بعد یہ کپڑے بھی دھولینا۔۔۔اوزگل نے تنفر سے حکم دیا۔۔میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے اوزگل... میں یہ کل دھودوں گی۔۔فرشتے آہستگی سے کہتے دوبارہ سے برتن دھونے لگی تھی۔

کیاہوا تمھاری طبعیت کو جو یہ ڈرامے کررہی ہو۔۔خالہ کو پتہ چل گیا تم نے انکار کیاہے۔۔۔حشر بگاڑ دیں گی تمھارا۔

مجھے صبح سے چکر آرہے ہیں۔۔ میں کپڑے نہیں دھو سکوں گی۔۔ باہر بارش بھی ہو رہی ہے میں کل دھو دوں گی۔۔ فرشتے نے اس بار بھی آہستگی سے کہا تھا۔۔

چکر آرہے ہیں تمھیں۔۔ یہ کونسا نیا طریقہ ہے حیدر خان کو پھنسانے کا۔۔ اوزگل نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔۔ فرشتے کا انکار بری طرح چبھا تھا۔۔ حیدر خان سے اس کی شادی پکی ہونے پر اس کا رویہ اوزگل سے بہت برا ہو گیا تھا۔۔ پچھلے تین دنوں سے اس نے اور رقیہ خانم نے اسے ایک ٹانگ پر کھڑا کر رکھا تھا۔۔ چھوٹے سے چھوٹا کام فرشتے کے سر پر ڈال دیا تھا۔

حیدر خان میرا شوہر ہے مجھے اسے پھنسانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ فرشتے اس بار جواب دینے سے خود کو روک نہ سکی تھی۔۔۔ مگر آواز آہستہ ہی

رکھی تھی۔۔اپنی اوقات اچھی طرح جانتی تھی۔۔حیدر خان رقیہ خانم سے کتنی محبت کرتا تھا۔۔وہ پچھلے تین دنوں سے بخوبی واقف ہو چکی تھی۔۔وہ اس کے لیے روائتی شوہر بن چکا تھا۔۔جو سختی سے اسے باور کروا چکا تھا ۔۔کسی بھی صورت میں اس کی مورے کو کچھ نہ ہو۔اور وہ اسے اس کا ہر حقوق دے گا۔۔حویلی میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں ہونی چاہیے۔۔دوسری شادی اس کا حق ہے۔اس نے تو شکوہ بھی نہیں کیا تھا۔۔مگر وہ اسے اس کی اوقات یاد دلا چکا تھا۔۔

فرشتے نے اپنی جلتی آنکھیں مسلیں تو ہاتھوں میں لگا صابن آنکھوں میں لگ گیا تھا۔۔اب فرشتے نلکے کا بہتا پانی اپنی آنکھوں میں ڈالے جلن کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔مگر جلن کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔

جب شوہر نہیں تھا تب بھی روسوات کی سڑک پر اسے اپنی معصومیت اور خوبصورتی کے جال میں پھنسایا تھا۔۔ وہ بیچارہ ایسا پھنسا کہ پانچ سال کہیں اور دیکھ ہی نہیں سکا اور ایک بانجھ پانچ سال برتائی ہوئی عورت کو اپنے سر کا تاج بنالیا۔۔ مگر آخر کب تک ؟؟۔۔۔۔ دیکھا اس کا دل بھر گیا تم سے.... اور اسے احساس ہو گیا کہ تم جیسی عورت سے وقتی طور پر دل بہلایا جا سکتا ہے۔ مگر اسے زیادہ دیر تک اپنے دل کی ملکہ نہیں بنایا جا سکتا۔۔ اوزگل زہر خند لہجے میں بولی تو فرشتے گہرے سانس لیتے شیلف کو تھام گئی۔۔ چکر پھر سے آیا تھا۔۔ اب اس نے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔

اور تمھیں چکر کیوں آرہے ہیں ؟؟۔ چکر ان عورتوں کو آتے ہیں جو بانجھ نہیں ہوتی۔۔ اس لیے حیدر خان کے سامنے یہ مظلومیت کا ڈرامہ کرنا مت کرنا۔۔ ورنہ وہ حال کروں گی یاد کرو گی تم۔۔ اوزگل نے اسے چکراتے دیکھ

کر غصے سے لفظ چبائے تھے۔ اور غصے سے کچن کے دروازے کی طرف بڑھی۔

حیدر خان میرا شوہر ہے۔۔ میں اس کے سامنے جو مرضی کروں تم کون ہوتی ہو مجھے روکنے والی۔۔ فرشتے کی بات پر اوز گل کے قدم ک سے رکے تھے۔ وہ غصے سے اس کی طرف پلٹی تھی

کچھ دن صبر کر لو فرشتے۔۔۔ میں تمھارا سارا غرور ختم کر دوں گی۔۔ وعدہ کرتی ہوں تم سے۔۔۔۔ حیدر حان کو تمھارے قریب بھی نہیں پھٹکنے دوں گی۔۔ تم جیسی بانجھ عورت کو وہ دوبارہ منہ نہیں لگائے گا تم دیکھ لینا۔۔ اوز گل نے بھڑ بھڑ جلتے کہا۔ اس کا اعتماد غصہ دلا گیا تھا۔

خان دوسری شادی کر رہا ہے۔۔ تم اسے خرید نہیں رہی جو وہ تمھاری ہر بات مانے گا۔۔ جو تمھارا حق ہو گا خان پر وہ میرا بھی ہو گا۔۔ اور تم خان کو

میرے پاس آنے سے نہیں روک سکتی اور نہ دور کیں گے۔۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے وہ برابر کی سطح پر میرے اور تمھارے حقوق نبھائیں گے۔۔

فرشتے نے کپکپاتے لبوں سے بھیگے لہجے میں کہا۔۔ اوزگل کی باتیں اس کا دل ہلا رہی تھیں۔۔

شوہر بانٹ رہی تھی یہاں تک تو ٹھیک تھا۔۔ وہ اسے مکمل تو کسی کو سونپ نہیں سکتی تھی۔۔ حیدر کے بغیر تو اب اسے سانسیں بھی نہیں آتی تھیں۔

حیدر خان نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا کر رہا ہے ناں وہ دوسری شادی۔۔ اس طرح وہ تمھارا کوئی حقوق نہیں نبھائے گا۔۔۔ یہ جو تم مسلسل تین دن سے کمرے سے بھیگی زلفیں لے کر نکل رہی ہو۔۔ جانتی ہو اسے خوش رکھ رہی ہو تا کہ وہ ہمیشہ تمھارا رہے۔۔ مگر اب یہ ممکن نہیں رہے گا۔۔ اوزگل استھزائیہ بولی تھی۔۔

فرشتے کی آنکھیں مزید جلی تھیں۔وہ سچ کہہ رہی تھی۔۔ پچھلے تین دنوں سے وہ دن میں حیدر خان کی مورے کی خدمت اور رات میں حیدر خان کی خدمت کرتی تاکہ وہ اسے کبھی بھولے نہ۔۔۔۔ عورت کے پاس ہوتا کیا ہے؟؟وہ اپنے جسم کو تھکاتے مرد کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

ساری عمر مرد کو خوش کرنے میں گزر جاتی ہے۔۔وہ پھر بھی خوش نہیں ہوتا۔۔فرشتے نے گہرے سانس لیے تھے۔

تم دیکھنا تم پر غسل کرنا حرام کر دوں گی۔۔جانتی ہوں اسے رجھا رہی ہو تم تاکہ وہ دوسری شادی کرنے کا فیصلہ بدل لے۔۔ مگر ایسا نہیں ہو گا۔

حیدر خان کو جب کنواری لڑکی ملے گی جو اس کے بچوں کی ماں بنے گی۔۔وہ تمھاری طرف دیکھے گا بھی نہیں یہ وعدہ ہے میرا۔۔اوزگل پھنکاری تھی۔

اپنی آواز نیچی رکھو اوزگل۔۔۔جو بکواس تم کر رہی ہو وہ غلطی سے بھی خان نے سن لی وہ تم جیسی لڑکی کی طرف تھوکے گا بھی نہیں۔جس میں شرم لحاظ نہیں۔۔فرشتے نے اس بار غصے سے جواب دیا تھا۔اس وقت حیدر کی بیوی وہ تھی۔۔اوزگل نہیں اس کی بکواس سننے کی وہ خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی۔۔

فرشتے تم سچ میں بہت معصوم ہو۔۔۔حیدر خان اگر مجھے اب بے شرمی کی ہر حد پر بھی کرتے دیکھ لے پھر بھی وہ اس شادی سے انکار نہیں کرے گا۔۔اب کچھ بھی ہو جائے آسمان گرے یا زمین پھٹ جائے۔۔اوزگل کہتے

ہوے رکی تھی۔۔اس کے قریب ہوتی گہرا مسکرائی تھی۔۔یا پھر تم ماں بن جاؤ وہ اپنی مورے سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں توڑے گا۔تم جانتی نہیں ہو وہ رقیہ خانم سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔حیدر خان کی سانسیں بستی ہیں اپنی مورے میں۔۔۔دیکھا تھا ناں ہسپتال میں کیسے وہ تڑپ اٹھا تھا۔۔اوزگل نے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

فرشتے لب کاٹتے ہوے رخ پلٹتے برتن دھونے لگی۔کوئی جواب نہیں تھا اس کے پاس وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچ تھا۔۔

برتن دھو کر یہ کپڑے بھی دھو۔اور آج رات کوئی ضرورت نہیں تمھیں حیدر خان کے کمرے میں جانے کی۔۔کچھ دنوں تک وہ کمرہ میرا ہو جائے گا۔اس لیے اپنی نحوست وہاں سے ختم کرو۔۔۔اوزگل نے گرجدار لہجے میں حکم دیا۔۔

میں اپنا کمرہ تمھیں نہیں دوں گی۔۔ حویلی میں بہت سے کمرے ہیں ان میں سے کوئی لے لینا۔۔ فرشتے کے برتن دھوتے ہاتھ ایک بار پھر سے رکے تھے۔۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولتی برتن دھونے لگی۔۔

وہ کمرہ حیدر خان کا ہے۔۔ وہی کمرہ میرا ہو گا۔۔ اور اس کا فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہو گا۔۔ اوزگل غصے سے کہتے کچن سے نکل گئی تھی۔۔ فرشتے اپنے بہتے آنسو صاف کرتے برتن دھونے لگی۔۔

جانتی ہوں فیصلہ ہو گا نہیں فیصلہ ہو گیا ہے وہ کمرہ تمھارا ہو گا اوزگل۔۔۔

میں تمھارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔۔ مجھے صرف اپنے خان کا چہرہ دیکھنا ہے۔۔ یہ حق مجھ سے نہ چھینا۔۔ فرشتے شیلف پر ہاتھ جمائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

رقیہ خانم کی گرجدار آواز سن کر وہ جی جان سے کانپ گئی تھی۔۔

وہ اپنے نام کی پکار سنتے تیزی سے کچن سے نکل کر باہر لاونج میں آئی۔۔

جی مورے۔۔۔۔رقیہ خانم کو غصے میں دیکھ کر اس نے ڈرتے ہوے

پوچھا۔۔

کیا بولا ہے تم نے اوزگل سے کہ تم کمرہ خالی نہیں کرو گی۔۔اور نہ ہی تم

آئندہ کوئی کام کرو گی۔۔رقیہ خانم نے گرجتے ہوے پوچھا۔

آپ خان کی دوسری شادی کروا رہی ہیں۔میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔۔مگر

وہ کمرہ تو مجھ سے مت چھینیں۔۔فرشتے نے بھیگے لہجے میں التجا کی۔۔

تم ہوتا کون ہے کچھ کہنے والا۔۔۔۔ہم حیدر خان کا شادی اس لیے کروا رہا

ہے کیونکہ تم اس کا قابل نہیں ہے۔۔بانجھ عورت ہے ایسا عورت کا وجود

کوئی نہیں ہوتا۔۔ ابھی تمھارا مرد کا تم سے دل نہیں بھرا۔۔ نیا نیا شادی ہے

دنیا کا ہر مرد ایک جیسا ہوتا ہے۔ بیوی بد صورت بھی ہو تو مرد کو شروع کا

دنوں میں حور نظر آتا ہے۔۔ مگر آہستہ آہستہ مرد کو حور عورت میں بھی

نقص نظر آنے لگتا ہے۔۔ عورت کا سو عیب اس کا اولاد ڈھکتا ہے۔۔ بے

ڈھنگا عورت بد تمیز زبان دراز عورت مرد اپنا اولاد کی خاطر برداشت کر لیتا

ہے۔

ابھی تمھارا خوبصورتی کا جادو حیدر خان پر سر چڑھ کر دوڑ رہا ہے۔۔ اس کو

تمھارا طلاق یافتہ ہونا اور بانجھ پن نظر نہیں آرہا۔

آہستہ آہستہ اس کا دل تم سے بھرنے لگے گا۔۔ پھر اس کو تمھارا وجود کھٹکنے

لگے گا۔ بچہ کے بغیر عورت پرانا کھنڈر کی طرح ہوتا ہے۔۔ جس پر جتنا

مرضی رنگ وروغن کر لیا جائے۔۔ مگر رہتا وہ کھنڈر ہی ہے۔۔ کھنڈر کو مکان نہیں بنایا جا سکتا ہے۔۔ عقل سے کام لو۔۔۔ اپنا جگہ خالی کر دو۔۔۔ تاکہ تمھارا کشش اس کا دل میں بنا رہے۔۔ کبھی کبھی جب تم اس کو میسر آئے گا۔۔ وہ شائد تمھارا قدر بھی کرلے گا۔۔ مگر اس طرح تم اوزگل سے مقابکہ کرے گا۔۔ ہار جائے گا۔۔ اوزگل اس کی ماں کا پسند کا ہے۔۔ کل کو اس کا بچے کا ماں بنے گا۔۔۔۔ اس حویلی کا وارث دے گا۔۔۔ تو اس حویلی کا مالک اور حیدر خان کا مالک اوزگل ہو گا۔۔ تم جیسا بانجھ عورت نہیں۔ رقیہ خانم نے پھنکارتے ہوے کہا۔

اگر میری طرح اوزگل بھی بانجھ نکل آئی تو پھر کس کو مالک بنائیں گی اس حویلی اور حیدر خان کا۔۔

چٹاخ۔۔۔۔فرشتے کی بات منہ میں ہی تھی۔۔۔رقیہ خانم کا بھاری ہاتھ

فرشتے کے گال لال کر گیا تھا۔

ہمارا حیدر کو بد عادے رہا ہے تم۔۔ہم تمھارا زبان کھینچ ڈالے گا۔رقیہ خانم

چیخیں تھیں۔۔

فرشتے نے گال پر ہاتھ رکھے اپنے لرزتے بدن کو بمشکل سنبھالا دیا تھا۔۔

نکلو ہمارا حویلی سے۔۔۔رقیہ خانم نے گہرے سانس لیتے کہا۔

خالہ۔۔اوز گل رقیہ خانم کا سرخ اور ہانپتا بدن دیکھ کر ان کی طرف بڑھیں۔

مورے میں خان کو بد عا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔

اللہ ان کو ہر خوشی دے۔۔ان کا یہ حویلی بچوں کی کلکاریوں سے

گونجے۔۔مگر آپ کو خدا کا واسطہ مجھ سے میرے خان کو دور نہ کریں۔۔

اوز گل کا مقام میں نہیں لینا چاہتی۔۔ مگر میرا مقام بھی مت چھینیں۔۔ فرشتے نے روتے ہوے کہا تھا۔

تمھارا مقام ہمارا بیٹا کی زندگی میں کچھ نہیں ہے۔ ایک طلاق یافتہ عورت ہمارا کنوارہ بیٹا کے دل اور حویلی میں نہیں رہ سکتا۔۔ نکلو ہمارا حویلی سے رقیہ خانم نے آگے بڑھتے اسے دھکا دیا تھا۔۔ حیدر خان ان کے ہارٹ اٹیک کے بعد ان کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔۔ ان کے ہاتھ چومتا پاؤں چومتا۔۔ انھیں پتہ تھا حیدر خان میں ان کی سانسیں بستی ہیں۔۔ مگر اب اندازہ ہوا تھا وہ تو اپنی زندگی سے بڑھ کر انھیں چاہتا تھا۔۔ وہ کمزوری ہیں حیدر خان کی۔۔ وہ ان کے لیے فرشتے جیسی کئی لڑکیوں کو چھوڑ سکتا تھا۔۔

اب وہ اس کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر فرشتے کو طلاق دلوانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔۔

فرشتے ان کے دھکے پر پیچھے کو ہوتی بری طرح لڑکھڑائی تھی اس سے پہلے وہ گرتی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا۔۔ فرشتے نے پلٹ کر دیکھا اپنے سامنے ارحام خانزادو کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔ وہ روتے ہوے ارحام خانزادہ کی بانہوں میں سما گئی تھی۔۔

ارحام سرخ چہرے کے ساتھ ششدر کھڑا تھا۔۔ ارحام نے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا جو اس کے ساتھ ہی لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔

مگر حیدر تو اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ نہ اسے فرشتے کو دھکا دینا نظر آیا تھا۔۔ نہ فرشتے کے آنسو۔۔۔ وہ تو اپنی ماں کو پریشانی سے دیکھ رہا ڑھا۔۔

حیدر خان نے آگے بڑھتے رقیہ خانم کو اپنی بانہوں میں بھرا جن کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور پورا بدن ہانپ رہا تھا۔

کیا ہوا مورے ؟؟ حیدر خان نے بے تابی سے پوچھا۔۔

رقیہ خانم کا بی پی شوٹ کر رہا تھا جیسے۔۔ ان کی آنکھوں کے نیچے کی وینز پھول رہی تھیں۔۔ جب ان کا بی پی شوٹ کرتا تھا تو ان کی طبعیت ایسے ہی خراب ہو جاتی تھی۔

ارحام نے بے اب تابی سے فرشتے کے گال پر ہاتھ رکھا جہاں انگلیوں کا نشان تھا۔ ارحام خانزادہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

کیا ہوا فرشتے تمھیں تھپڑ کس نے مارا۔۔ ارحام خان نے فرشتے کا چہرہ تھامتے تڑپتے ہوے پوچھا تھا۔۔

ابرش زمین کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی سٹل سی چھت کو گھور رہی تھی کہ بار بینا کھانے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔۔

لے جاؤ کھانا مجھے نہیں کھانا۔۔ ابرش نے اسے دیکھے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

بھابھی آپ کو کھانا کی ضرورت ہے۔۔۔ تھوڑا سا کھالیں۔۔ ایسے میں آپ کا ہی نقصان ہو گا۔ یہاں کسی کا کچھ نہیں جائے گا۔۔ آپ کو پتہ ہے آپ کا بچہ کے مرنے کے بعد امینہ خانم زاران لالا کی دوسری شادی کرنے کا فیصلے پر پکا ہو چکا ہے۔۔ اور زاران لالا ابھی امینہ خانم کے پاس ہی تھا وہ امینہ خانم کو کہہ کر گیا ہے وہ ان کا دوسرا شادی کا تیاری کریں۔ انھیں آپ جیسا منہ پھٹ بد تمیز عورت کے ساتھ نہیں رہنا۔۔۔ وہ سکون کو ترس گیا ہے۔۔

باربینہ کی بات پر ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا.

زاران۔۔۔زاران نے یہ کہا۔۔ تمھارے سامنے کہا۔۔ابرش نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔۔

زاران کے لفظوں کی بازگشت سنائی دی تھی۔۔

خودکشی کرنے جارہاہوں۔اگر بچ گیاتو تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔۔پلوشہ کے پاس جاؤں گا۔شائد سکون مل جائے۔۔

باربینا بھی تو یہی کہہ رہی تھی وہ سکون کو ترس گیاہے۔۔ابرش نے آنسوؤں کی چادر سے باربینا کو دیکھا تھا۔۔سب کچھ دھندلا سا نظر آرہا تھا۔۔آنکھوں کے آگے سیاہ چادر کی دیوار جیسے کھڑی تھی۔

ہاں بھابھی ہمارا سامنے کہا۔۔ بلکہ حویلی کا ہر فرد کے سامنے کہا۔۔ سب تو ادھر ہی موجود تھا۔ وہ پلوشہ۔۔ امینہ خانم، روزینہ خانم۔۔ حویلی کا ہر ملازمہ۔۔ سب ادھر ہی موجود تھا۔۔ وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائے سب کے نام گن رہی تھی۔۔ وہ تھی بھی تو بہت معصوم بمشکل سولہ سال کی۔۔۔ کم عمر اور معصوم۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن بھابھی تم فکر نہ کرو۔۔۔ ہم کو لگتا ہے زاران لالا غصے میں تھا۔۔ ایسا کہہ گیا ہے۔۔ تمھارا بھی تو لالا سے لگتا نہیں ہے۔۔ تم یہ کھانا کھاؤ۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمھارا یہاں ہے بھی کوئی نہیں۔۔۔ اسی لیے تمھارا ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے۔۔ بھابھی تمھارا گھر والا کہاں ہے؟؟

باربینا نے اسے تسلی دیتے اب بہت معصومیت سے سوال داغا۔ اس کا معصومیت میں کیا سوال ابرش کے زخم ہرے کر گیا تھا۔۔ وہ کرب سے سسکی لے کر رہ گئی تھی۔

میرے گھر والے۔۔۔ ابرش کے لب کپکپائے تھے۔

وہ بھی مجھے بھول گئے ہیں باربینا۔۔۔ آج پانچ ماہ ہو گئے ہیں مگر میرا کسی نے پتہ نہیں کیا۔۔۔ کسی کو شائد میری پرواہ ہی نہیں۔۔۔ مجھ سے محبت نہیں۔۔۔ ابرش بری طرح رو دی تھی۔۔۔ کوئی غمگسار نظر آیا تھا۔۔ زاران کی بیوفائی کا سوچتے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔

لیکن بھابھی یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔۔ تمھارا گھر والا ہی کسی مصیبت میں ہو اور تمھیں ہی نہ پتہ ہو۔۔ ورنہ یہ کیسا ہو سکتا ہے ؟؟ تمھارا مورے تمھارا اماں کو تمھارا کبھی یاد نہ آیا ہو۔۔

باربینا کی بات پر ابرش اپنے آنسو صاف کرتے زمین سے اٹھتی باربینا کے مقابل آئی تھی۔۔۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو باربینا۔۔یہ سوچ مجھے کتنی مرتبہ آئی ہے۔۔ماما نے ایک بار بھی میرا پتہ نہیں کیا۔۔وہ سچ میں کسی مصیبت میں ہیں۔۔میرا دل کہتا ہے مگر میں کیسے ان کے بارے میں پتہ کروں؟؟۔۔۔میں کیا کروں؟۔۔ابرش نے روتے ہوے پوچھا۔۔وہ روتے ہوے ایک بچی سے سوال کر رہی تھی۔

بھابھی تم فون کر لو تمھارا گھر والوں کا نمبر تو ہو گا تمھارے پاس۔۔۔باربینا نے مشورہ دیا۔۔

باربینا تمھارے پاس فون ہے۔۔ کیا تم مجھے دے سکتی ہو؟؟۔ ابرش نے التجائیہ لہجے میں کہتے اس کی طرف آس بھری نگاہوں سے دیکھا۔۔۔

بھابھی میں دے دیتا ہے موبائل پر آپ کسی کو بتانا نہ۔۔ باربینا کی رنگت یکدم خوف سے زرد پڑی تھی۔۔

تم فکر نہ کرو میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔۔ ابرش نے اس کی بات کے جواب میں جلدی سے کہا۔

باربینا نے اپنی شیشوں والی پٹھانی فراک کی جیب سے فون نکال نکال کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔۔

جسے ابرش نے بے تابی سے تھاما تھا۔۔

ابرش نے جلدی سے زحلے کا نمبر ڈائل کیا۔۔۔وہ بند تھا۔۔اس نے عنائیہ اور گھر کے لینڈ لائن کا نمبر باری باری ڈائل کیا مگر سب ہی نمبر بند تھے۔۔

اس نے اب بیتابی سے کانپتے ہاتھوں سے آہل کا نمبر ڈایل کیا۔۔۔آہل کا نمبر آن تھا۔۔ابرش کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوئی تھی۔۔مگر آہل کا نمبر دو چار بیل کے بعد بند ہو چکا تھا۔۔اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔۔ابرش نے دوبارہ سے ڈائل کیا نمبر اب بند جا رہا رھا۔۔ابرش پریشان ہوئی تھی۔

آج سے چار ماہ پہلے درخشاں سے موبائل لے کر بھی سب کے نمبر ٹرائے کیے تھے۔۔تب بھی بند تھے اور آج بھی بند تھے۔۔مگر آہل کا نمبر آن تھا۔۔جواب کسی نے بند کر دیا تھا۔

ابرش کے اب ہاتھ پیر کانپنا شروع ہو چکے تھے۔۔اسے پورا یقین ہو چکا تھا سب کسی مصیبت میں ہیں۔۔

ابرش نے اب زعیم کا نمبر ڈائل کیا۔۔جو پہلی بیل پر اٹھالیا گیا تھا۔

زعیم میں ابرش۔۔۔۔ابرش نے جلدی سے کہا۔

ابرش۔۔۔زعیم کی آواز میں حیرانگی تھی۔وہ بھرپور چونکا تھا۔

پاس کھڑی باربینا انگلی دانتوں میں دبائے بہت معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی

زعیم ماما عنائیہ آہل کہاں ہیں؟؟۔۔ان کے نمبر کیوں بند ہیں۔۔؟؟اور لینڈ لائن بھی آف ہے سب ٹھیک تو ہیں۔۔ابرش نے ایک ہی سانس میں پوچھا تھا۔۔

ابرش تمھیں کچھ نہیں پتہ۔۔۔زعیم کی حیران آواز سپیکر پر گونجی۔۔

کیا مطلب مجھے کچھ نہیں پتہ؟؟۔۔کیا ہوا ہے زعیم؟؟۔۔ابرش کے لہجے کے ساتھ ہاتھوں کی کپکپاہٹ بھی بڑھی تھی۔

عنائیہ آج سے چار ماہ پہلے کڈنیپ ہو چکی ہے۔۔۔زعیم کی بات پر ابرش کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔باربینا نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے سنبھالا تھا۔۔ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔

زعیم یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟؟ابرش نے کانپتے لہجے میں پوچھا۔

ابرش عنائیہ کڈنیپ ہو چکی ہے۔۔اور اسے کڈنیپ کرنے والا کوئی اور نہیں تمھارا شوہر ہے۔۔زعیم کی بات پر وہ آندھیوں کی زد میں آئی تھی۔۔۔اگر باربینا نے اسے تھامانہ ہوتا اب کی بار وہ سچ میں زمین بوس ہو جاتی۔۔۔

کیا بکواس کر رہے ہو ہوش میں ہو تم ؟؟۔۔۔وہ ایسا کیوں کرے گا۔۔اگلے لمحے وہ حلق کے بل چیخی تھی۔وہ اجڈ گنوار ہو سکتا تھا مگر سفاک نہیں ہو سکا تھا۔۔یہ نہیں کر سکتا تھا۔

ابرش آہل نے بابرک کو مارا ہے۔۔یہ سچ ہے اسی کا بدلہ لینے کے لیے زاران خانزادہ نے عنائیہ کو کڈنیپ کر لیا تھا۔۔

اور جو تم اس کے نکاح سے بھاگی اور مجھ سے نکاح کرنے جا رہی تھی ۔۔۔اس نے اس سب کا بھی بدلہ لیا ہے۔۔اس نے تو مجھے بھی مارنے کی کوشش کی ہے۔۔میں نے بہت مشکلوں سے اپنی جان بچائی ہے۔۔میں آج بھی اس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔

اور تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟؟ تمھیں بھی تو زاران کڈنیپ کر کے لایا تھا۔۔اس کے لیے یہ سب بہت آسان ہے..

وہ ایک منتقم مزاج بندہ ہے۔۔دل میں بات رکھنے والا۔۔۔وہ اتنی آسانی سے کچھ نہیں بھولتا۔۔۔۔مجھے یقین ہے اس کا سلوک تمھارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہو گا۔۔زعیم کی باتوں پر ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔۔وہ سچ میں سفاک تھا۔اپنے بچے کو مارنے سے بڑھ کر کیا سفاکی ہو سکتی تھی بھلا۔۔آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔۔۔آج پھر پہلو میں درد محسوس ہوا تھا۔۔۔بچہ کھونے کے درد کی اینٹھن پھر سے محسوس ہوئی تھی۔۔وہ پاگلوں کی طرح اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

ابرش تم خود ہی سوچو اور کسی کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے عنائیہ سے پھوپھو سے ؟؟زحلے پھوپھو نے خود یہ بات ہمیں بتائی ہے۔۔وہ بیچاری اسی غم میں پچھلے چار ماہ سے کوما میں ہیں۔۔۔ آہل کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے ہیں۔زعیم پتہ نہیں اور کیا کہہ رہا تھا۔۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا فون اس کے ہاتھوں سے گر چکا تھا۔۔باربنا نے جلدی سے زمین پر گرا فون اٹھایا۔۔جس پر ایک سکریچ بھی نہیں آیا تھا۔

ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل گرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران خانزادہ نے عنائیہ کو کڈنیپ کیا۔۔۔اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔۔لیکن اگر یہ سچ نہیں تھا تو اس نے عنائیہ کے کڈنیپ ہونے کی بات اس سے کیوں چھپائی ؟؟۔۔وہ اسے سب سے رابطہ کرنے سے کیوں منع

کرتا تھا؟؟۔۔زحلے کی کنڈیشن کے بارے میں کیوں نہیں اسے

بتایا۔۔ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

تم ایسا کیسے کر سکتے ہو زاران؟؟۔۔ابرش بال مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی.

میں بہت منتقم مزاج بندہ ہوں۔۔جب تک بدلہ نہ لے لوں چین سے نہیں

بیٹھتا۔۔زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

منتقم مزاج بندہ تو وہ تھا۔۔اس نے اس سے ہر چیز کا بدلہ لے لیا تھا۔

ابرش نے اپنے گالوں پر ہاتھ رکھے جہاں زاران کے تھپڑوں کی جلن اسے

آج بھی محسوس ہوتی تھی۔

زاران تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟؟۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔۔یا تم ہی یہ سب کر سکتے ہو جو انسان اپنے بچے کو مار دے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ابرش اپنے آنسو صاف کرتے گہرے سانس لیتے چیخ اٹھی۔۔۔

بھابھی کیا ہوا ہے؟؟باربینا ابرش کی طرف بڑھی تھی۔۔اس کی معصوم بڑی بڑی آنکھوں میں نمی تھی.

باربینا کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ ہے انکار مت کرنا۔۔ابرش نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔۔۔

بولیں بھابھی ہم سے جو ہو سکا ہم ضرور کرے گا۔۔باربینا نے پر عزم لہجے میں کہا۔۔

باربینا کسی طرح مجھے اس حویلی سے نکال دو۔۔۔۔ ابرش روتے ہوے بولی۔۔

لیکن بھابھی ہم کیسے ؟ باربینا نے معصومیت سے پریشانی سے سوال کیا۔

باربینا زاران حویلی نہیں ہے۔۔ نہ ہی اس کا لالا ہے ادھر۔۔۔ شہرام بھی ہسپتال ہوتا ہے۔۔ مشکل نہیں ہو گا یہاں سے نکلنا۔۔ اگر زارن آ گیا تو اسے خبر ہو گئی مجھے سب کچھ پتہ چل گیا ہے وہ مجھے کبھی یہاں سے نکلنے دے گا۔۔ مجھے وہ قید کر لے گا۔۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ ابرش التجائیہ لہجے میں بولی۔

بھابھی کہہ تو تم ٹھیک رہا ہے۔۔ اس وقت حویلی میں کوئی نہیں ہے۔۔ صرف داجی ہیں۔۔ وہ بھی مردانے میں اپنا کمرے میں ہے۔۔ اور

سب اب اپنے اپنے کمروں میں چلا گیا ہو گا۔۔رات بھی تو بہت ہو گیا ہے۔باربینا پر سوچ انداز میں بول رہی تھی۔

بھابھی ہم تم کو حویلی کے پچھلے دروازے سے نکال سکتا ہے۔۔۔مگر کوئی گاڑی نہیں ہے۔تم آگے سے کیسے جائے گا۔؟؟۔باربینا کی بات پر ابرش نے جلدی سے آنسو صاف کیے تھے۔۔

تم مجھے اس حویلی سے باہر نکال دو۔۔میں دیکھ لوں گی۔۔یہاں کہیں سے تو گاڑیاں اسلام آباد کی طرف جاتی ہوں گی۔۔مجھے پیدل راستہ گائیڈ کر دو۔۔۔میں ایک بار یہاں سے نکل گئی۔۔۔۔میں اسلام آباد جا کر اپنی ایمبیسی کو کال کر دوں گی۔۔پھر اس زاران خانزادہ کو میری ایمبیسی ہی دیکھے گی۔ایک بات بات کا بدلہ لے گی اب ابرش پاشا ان خانزادوں

سے۔۔۔ کہیں کا نہیں چھوڑے گی ابرش پاشا ان خانزادوں کو۔۔۔اب یہ منہ چھپاتے پھریں گے۔۔۔

ابرش اٹل لہجے میں غرائی تھی۔۔۔

ابرش نے الماری کی طرف بڑھتے اپنی بڑی سی چادر نکال کر اپنے گرد اچھی طرح اوڑھی۔۔

بھابھی یہ موبائل رکھ لو اپنا پاس۔۔۔۔ تمھارا کام آئے گا۔۔تم کو اس کا ضرورت پڑ سکتا ہے۔۔باربینا نے اسے اپنا موبائل پکڑایا۔۔

باربینا میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھوگوں گی۔ابرش نم آنکھوں سے وہ موبائل پکڑے تشکرانہ لہجے میں بولی۔۔

باربینا تمھارے پاس کچھ پیسے بھی ہوں گے۔۔۔ابرش نے نم آواز میں کہا۔۔

ہاں بھابھی ہیں۔۔۔۔۔باربینا نے اپنے شرٹ کے گلے میں ہاتھ ڈالتے چند ہزار کے کچھ نوٹ اسے پکڑائے تھے۔جسے ابرش نے تشکر سے پکڑتے اپنی مٹھی میں دبوچے تھے۔

ابرش تیز تیز قدموں سے اونچے نیچے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔۔ پہاڑوں کے درمیان سڑکیں اوپر نیچی بنی تھیں۔۔ وہ پاگلوں کی طرح ان راستوں پر بھاگ رہی تھی۔۔

شدید بارش ہو رہی تھی۔۔۔ وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔۔ رات سرد اور گہری تاریک تھی۔ وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ اس نے رکتے ہوے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا جو چادر کے نیچے سے بھیگ رہا تھا۔

مٹھی میں دبے پیسے بھی گیلے ہو چکے. تھے۔ ابرش نے موبائل کو چادر میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔۔

مگر بارش بہت تیز تھی۔۔ موبائل پھر بھی بھیگ رہا تھا۔۔ مگر وہ ابھی تک بلکل ٹھیک تھا۔۔ وہ حیران بھی ہوئی تھی۔۔ موبایل کو کچھ کیوں نہیں ہوا۔ اس نے موبایل گلے سے شرٹ کے اندر ڈالتے اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ پھر سے اب ان راستوں پر بھاگنے لگی تھی۔۔ بارش کے زور کے ساتھ اس کی آنکھوں میں برستے آنسو بھی زوروں پر تھے۔۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا زاران نے یہ سب کیا مگر سارے فیکٹ اسی ہی کی طرف جارہے ہیں۔۔

ثابت ہوتا تھا وہ سچ میں سفاک تھا۔۔ اس کی ریسرچ آج صیح ثابت ہوئی تھی۔۔ یہ خانزادہ بہت بے رحم ہوتے ہیں۔۔

مگر وہ پھر بھی اپنے دل میں اس کے لیے نفرت محسوس نہیں کر پا رہی تھی

۔۔۔

اس کی عنائیہ چار ماہ سے زاران کی قید میں ہے۔۔۔ ابرش نے رکتے ہوے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔

زاران کی سفاکی اس کی جان لے رہی تھی۔۔۔

اس نے بڑی سی چادر اپنے وجود پر اچھی طرح اوڑھی۔۔ وہ اس چادر میں چھپ نہیں رہی تھی۔۔ بلکہ خود کو چھپا رہی تھی۔۔۔ اسے زاران کی طرح اس پردے سے بھی محبت ہو گئی تھی۔۔ اب مرتے دم تک اس چادر کا ساتھ نہیں چھوٹنا تھا۔۔

وہ سیاہ چادر میں لپٹے بھاگ رہی تھی۔۔۔اب واپس کبھی بھی اسے اس سفاک انسان کی پناہوں میں نہیں آنا تھا۔۔

ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔۔۔وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔اسے اپنا بچہ جان سے زیادہ عزیز تھا۔۔ مگر وہ اسے کھو چکی تھی۔اسی سفاک انسان کی وجہ سے۔۔ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔۔کاش یہ بارش کا زور آج اس کی جان لے لے۔۔اس کے کپکپاتے لبوں نے جیسے التجا کی تھی۔

ایسے ہی ٹھنڈے برف کے موسم میں اس سفاک انسان کی خوشبو اسے پہلی مرتبہ اپنے حواصوں پر چھاتے محسوس ہوئی تھی۔۔جب اس نے اپنی مان مانی کرتے بڑے دھڑلے سے اپنی گود میں اٹھایا تھا. اسی دن وہ اس کے حواصوں پر سوار ہو گیا تھا۔۔پہلی مرتبہ کوئی مرد قریب آیا تھا۔۔وہ گود

میں اٹھائے سینے کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔ محرم نہیں تھا مگر محرم جیسا حق جتا گیا تھا۔۔ اور اس کا لمس دل میں ایسا دھڑکا کہ دل کی دھڑکنوں میں دھک دھک کی جگہ زاران زاران گونجنے لگا تھا۔

تم نہیں ہو مگر

تیرا احساس مگر ہے

دل کی دیواریں سونی

کیا تمھیں اس کی خبر ہے

دل کی راہوں میں جانے کتنے موڑ آئے

اجنبی سے لگتے ہیں مجھ کو میرے سائے

وہ اس ستمگر کو کیا کبھی بھول پائے گی۔۔ دل نے سوال کیا تھا۔۔ جواب نفی میں آیا تھا۔۔ وہ ابرش پاشا تھی۔۔ محبتوں کی ترسی ہوئی لڑکی۔۔۔ وہ اپنے رشتوں سے کبھی نفرت کر ہی نہیں سکتی تھی.۔۔

وہ جانتی تھی یہ ناممکن ہے۔۔ وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔۔ اس نے جتنی جھوٹی محبت دی تھی۔ وہ اس کے لیے اب سب کچھ تھی۔۔

وہ آسمان کی طرف دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

میں پلوشہ سے شادی کروں گا مورے میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے

۔۔۔۔۔زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔وہ برستی بارش

مین پھر سے رودی تھی۔

جاڈگر چھوڑ آئی

تم رکھو اپنی یادیں

اب میں نہ کچھ نہ سوچوں گی

میں کبھی نہ روؤں گی

چاہے کچھ بھی ہو جائے

دل نے تو کچھ چاہا تھا

اور کچھ ہو گیا ہے

میری پلکوں کی نمی

اس میں ہو گی نا کمی

جس سے اقرار ہوا تھا۔

جھوٹا تھا وہ ساتھی

ابرش اب روتے روتے ہنس پڑی تھی۔۔۔اس نے برستے آنسو بے دردی سے اپنے عارض سے صاف کیے۔۔

میں وعدہ کرتی ہوں مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ تمھارے ظلم کا حساب میں تم سے لے کر رہوں گی۔۔ تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گی۔۔ ابرش پاشا کے قہر سے اب تم بچ نہیں سکو گے۔۔۔یہ وعدہ ہے تم سے۔۔ ابرش

نے سیاہ تاریک سڑک پر بھیگتے ہوے خود سے وعدہ کیا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے پھر سے بھاگنے لگی۔۔۔۔

وہ بھاگتے بھاگتے بہت آگے نکل آئی تھی۔۔۔

اب سیاہ تاریک سڑکیں گہری کھائیاں اور اطراف میں پہاڑ نظر نہیں آ رہے تھے۔۔۔ روشنیاں نظر آ رہی تھی۔۔۔۔

ابرش نے ایک ڈھابہ دیکھا۔ جہاں صرف مرد مرد ہی نظر آ رہے تھے۔ وہ چارپائیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔۔ وہ آگے بڑھتے اسی ہوٹل کی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر گہرے سانس لینے لگی۔ شدید نقاہت کے باعث اسے چکر آ رہے تھے۔۔

دو دن سے کھانا بھی تو نہ کھانے کے برابر کھایا تھا۔۔

ابرش نے سردی سے کپکپاتے اپنی چادر اچھی طرح خود پر لپیٹی۔۔بہت سے مرد حضرات اسے سرد نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔

وہ جلدی سے آگے بڑھتے تیز تیز قدموں سے اس ہوٹل کی بیک سائیڈ پر آ گئی۔۔۔

وہاں پر کوئی نہیں تھا۔۔بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔

ساتھ ہی بہتے دریا کا شور تھا۔۔ابرش نے گہرے سانس لیتے چادر کے اندر ہاتھ ڈالتے اپنے گلے سے موبائل نکالا۔۔بصد شکر وہ ابھی بھی چل رہا تھا۔۔

ابرش نے ایک بار پھر سے آہل کا نمبر ڈائل کیا۔۔

جو بند تھا۔۔ وہ بے بسی سے رو دی تھی۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کس کی مدد لے۔۔ اسے ایک بار صرف بس سٹینڈ تک پہنچنا تھا۔۔ مگر پہاڑ گہری کھائیاں ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے آہل کو ٹیکسٹ کیا تھا۔۔ آہل میں ابرش ہوں۔ پلیز جب تم یہ میسج دیکھو تو مجھے اس نمبر پر فون کرو۔۔۔ ابرش نے ٹیکسٹ لکھنے کے بعد وہاں سے گزرتے ایک مرد کو پکارا

اس نے ابرش کو گھور کر دیکھا تھا۔۔ ابرش اس کی سرد نظر پر نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔

وہ بے شک چادر میں لپٹی تھی مگر اتنی رات کو ایک عورت کا یہاں ہونا اس مرد کو پسند نہیں آیا تھا۔۔

یہاں سے بس سٹینڈ کتنا دور ہے۔۔ ابرش نے اپنا منہ چھپاتے ہوے پوچھا تھا۔۔ یہاں سے بس سٹینڈ بہت دور ہے۔۔ تم اتنا دور نہیں جا سکے گا۔۔ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس چلا جاؤ۔۔ اپنا عزت کا نہیں تو اپنا گھر والوں کا عزت کا خیال کر لو۔۔ اتنا رات کو تم عورت لوگ کو گھر سے نکلنا زیب نہیں دیتا۔۔ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس چلا جاؤ۔۔ وہ آدمی غصے سے بولتا چادر جھٹکتا چلا گیا تھا۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے آگے بڑھی۔۔

یکدم اس کے ہاتھ میں پکڑا موبائل گونج اٹھا تھا۔

ابرش نے موبائل کو دیکھا تو آہل کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

ابرش نے جلدی سے کال رسیو کرتے ہوے فون کان سے لگایا

ہیلو۔۔۔۔ آہل۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے پکارا۔

ابرش۔۔۔۔ سپیکر پر آہل کی نم آواز گونجی تھی۔۔

آہل۔۔۔۔۔ابرش کے لبوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔۔آہل کی آواز بھی جیسے حلق میں دم توڑ گئی تھی۔فون پر دونوں طرف رو رہے تھے۔۔ایک سال چھوٹا تھا اس سے آہل۔۔مگر ان دونوں میں بہت پیار تھا۔۔زحلے اور پاشا کا پیار ملا ہی نہیں تھا کسی کو۔۔اس لیے ابرش نے آہل اور عنائیہ کو ایک ماں کی طرح پیار کیا تھا۔۔مگر قسمت آج کس موڑ پر لے آئی تھی۔۔وہ پانچ ماہ سے ایک دوسرے سے دور تھے۔۔ایک دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔۔

آہل کہاں ہو تم ؟؟ ماما کیسی ہیں ؟؟ میری عنائیہ۔۔۔ ابرش روتے ہوے سسک پڑی تھی۔

ابرش ماما بلکل ٹھیک ہیں۔ اور میں بھی بلکل ٹھیک ہوں۔۔ اور عنائیہ ہماری گڑیا واپس آگئی ہے۔۔ آہل کی بات پر ابرش کے کانپتے ہاتھ کی فون پر پکڑ مضبوط ہوئی تھی۔۔

عنائیہ واپس آگئی ہے کیا؟؟ کیا کہہ رہے ہو؟؟ کیسے ہوا یہ ؟۔۔۔ زاران نے اسے چھوڑ دیا۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

ابرش زاران بھائی کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔۔ اگر وہ نہ ہوتے میں آج زندہ نہ ہوتا۔۔ عنائیہ کو بہزاد خان نے اغوا کیا تھا۔۔ آج ہی زاران

بھائی نے بتایا کہ عنائیہ کو وہ چھڑوا چکے ہیں۔۔اب تک تو وہ تمھارے پاس پہنچ چکی ہو گی۔۔

آہل اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا تھا۔اس کا زرتاج کو بھگانا۔۔زاران کا اسے بابرک سے بچانا بابرک کی موت۔۔۔بہزاد کا عنائیہ کا اغوا کرنا۔۔وہ سائیں سائیں کانوں سے سب سن رہی تھی۔۔ابرش یہ لو ماما سے بات کرو۔۔۔فون پر اب زحلے کی آواز گونج رہی تھی۔۔

وہ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔۔آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔زحلے اسے مسلسل پکار رہی تھی۔۔اس کے لب ہلنے سے قاصر تھے۔۔پہاڑوں پر تاریکی کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔۔بلکل ویسے جیسے اس کی آنکھوں کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

وہ فون ہاتھوں میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی رہی۔۔ فون پر زحلے کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔۔ وہ اسے بے تابی سے پکار رہی تھی۔

وہ فون ہاتھ میں پکڑے واپس حویلی کی طرف بھاگی تھی۔

اب وہ پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے حویلی کے راستے کی طرف بھاگ رہی تھی۔۔ جن راستوں سے گزر کر وہ زاران خانزادہ کی پناہوں سے واپس جا رہی تھی۔ اب ان ہی راستوں سے گزرتی وہ زاران خانزادہ کی پناہوں میں واپس جا رہی تھی۔۔

وہ بے تحاشا روتے ہوئے پوری قوت سے بھاگ رہی تھی۔۔ اسے زاران کے واپس آنے سے پہلے حویلی پہنچنا تھا۔۔

زاران۔۔ا۔۔۔برش نے روتے ہوے اسے پکارا تھا۔۔وہ بھاگتی جا رہی تھی۔۔اس کے قدم اب بہتے دریا کے ٹھنڈے پانی میں اترے تھے۔۔مگر اسے کچھ ہوش نہ تھا۔۔اسے تو واپس حویلی میں جانا تھا۔۔اس کمرے میں جانا تھا۔اس ستمگر کی قید میں واپس جانا تھا۔۔

بارش کی آواز نے بہتے دریا کی آواز کو خوفناک بنا دیا تھا۔۔اس کے قدموں کی چھپاک بڑھ رہی تھی۔۔

یکدم وہ دریا میں موجود کسی بڑے سے پتھر سے ٹکرائی تھی۔۔وہ منہ کے بل بہتے دریا میں جا گری تھی۔اس نے اپنی چادر کو سنبھالتے موبائل کو بہتے دریا کی نذر ہونے سے بچایا تھا۔۔اسے اب سمجھ آئی تھی یہ موبائل ابھی تک بند کیوں نہیں ہوا تھا۔یہ موبائل اچھے برینڈ کا بہت مہنگا موبایل

تھا۔۔ جس کے اطراف پر واٹر پروف کور تھا۔۔ اسے اندھیری خوفناک رات میں شائد اس موبائل کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔۔ وہ جلدی سے پانی سے اٹھی تھی۔ اسے ہر حال میں حویلی واپس پہنچنا تھا۔۔ جانتی تھی وہ دشمن جان واپس آ گیا تو اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔۔

اس ستمگر کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

ہمارے رشتے میں بے یقینی ہے۔۔ تمھاری اسی بے یقینی سے تم ہمارے رشتے کو کھو دو گی۔۔

اسے سب سمجھ آ گیا تھا۔۔ ان کے رشتے میں کیا کمی تھی۔۔

اسے سمجھ آ گیا تھا وہ اس سے سچ کہہ رہا تھا۔۔ اس کا پلوشہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔۔ وہ سچ کہہ رہا تھا زعیم نے اس کی ڈرنک میں گولیاں ملائی تھیں۔۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔۔

وہ سچ کہتا رہا۔۔۔ زاران خانزادہ نے آہل کو بچانے کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی۔۔۔ اپنی بہن کی خوشیاں داؤ پر لگا دیں۔۔ مگر آہل کا پتہ کسی کو چلنے نہیں دیا۔۔

وہ سچا تھا ہمیشہ سے تھا۔۔ وہ تھوڑا اکڑو تھا۔۔ مگر تھا صرف اسی کا۔۔ وہ روتے ہوئے دریا کے بہتے پانی سے گزرتے پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔۔۔

بے وفا تم نہیں ہو

بے وفا ہم نہیں ہیں

اپنی قسمت میں شائد

غم بھی کچھ کم نہیں ہے

وہ سچ میں اجڈ گنوار بے مہر تھا۔۔ مگر وہ بے حس نہیں تھا۔۔ وہ سفاک نہیں تھا۔

وہ رشتوں پر جان دینے والا انسان تھا۔۔ وہ سب سمجھ گئی تھی۔۔ وہ روتے ہوے بھاگتی جا رہی تھی۔

اس کا موبایل فون مسلسل بج رہا تھا۔۔ آہل کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے یس کا بٹن دبا کر کال رسیو ہی کی تھی کہ

یکدم اس کے سامنے ایک بہت بڑی گاڑی آن رکی تھی۔۔ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھی۔۔

اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔۔

گاڑی سے زعیم کو نکلتا دیکھ کر اس نے غصے سے گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔

ابرش۔۔۔۔زعیم اسے پکارتے اس کی طرف بڑھا۔۔وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

ابرش میں تمھیں ہی لینے آیا ہوں۔۔۔چلو میرے ساتھ پھوپھو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔۔وہ آخری سانسیں لے رہی ہیں۔زعیم نے اس کی کلائی تھامی تھی۔۔

ابرش زمین کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی سٹل سی چھت کو گھور رہی تھی کہ باربینا کھانے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔۔

لے جاؤ کھانا مجھے نہیں کھانا۔۔ ابرش نے اسے دیکھے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

بھابھی آپ کو کھانا کی ضرورت ہے۔۔۔ تھوڑا سا کھالیں۔۔ ایسے میں آپ کا ہی نقصان ہو گا۔ یہاں کسی کا کچھ نہیں جائے گا۔۔ آپ کو پتہ ہے آپ کا بچہ کے مرنے کے بعد امینہ خانم زاران لالا کی دوسری شادی کرنے کا فیصلے پر پکا ہو چکا ہے۔۔ اور زاران لالا ابھی امینہ خانم کے پاس ہی تھا وہ امینہ خانم کو کہہ کر گیا ہے وہ ان کا دوسرا شادی کا تیاری کریں۔ انھیں آپ جیسا منہ پھٹ بد تمیز عورت کے ساتھ نہیں رہنا۔۔۔ وہ سکون کو ترس گیا ہے۔۔

باربینہ کی بات پر ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا.

زاران۔۔۔ زاران نے یہ کہا۔۔ تمھارے سامنے کہا۔۔ ابرش نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔۔

زاران کے لفظوں کی بازگشت سنائی دی تھی۔۔

خودکشی کرنے جارہاہوں۔اگر بچ گیاتو تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔۔پلوشہ کے پاس جاؤں گا۔شائد سکون مل جائے۔۔

باربینا بھی تو یہی کہہ رہی تھی وہ سکون کو ترس گیاہے۔۔ابرش نے آنسوؤں کی چادر سے باربینا کو دیکھا تھا۔۔سب کچھ دھندلا سا نظر آرہاتھا۔۔آنکھوں کے آگے سیاہ چادر کی دیوار جیسے کھڑی تھی۔

ہاں بھابھی ہمارا سامنے کہا۔۔بلکہ حویلی کا ہر فرد کے سامنے کہا۔۔سب تو ادھر ہی موجود تھا۔وہ پلوشہ۔۔امینہ خانم،روزینہ خانم۔۔حویلی کا ہر ملازمہ۔۔سب ادھر ہی موجود تھا۔۔وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائے سب کے نام گن رہی تھی۔۔وہ تھی بھی تو بہت معصوم بمشکل سولہ سال کی۔۔۔کم عمر اور معصوم۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن بھابھی تم فکر نہ کرو۔۔۔ ہم کو لگتا ہے زاران لالا غصے میں تھا۔۔ ایسا کہہ گیا ہے۔۔ تمھارا بھی تو لالا سے لگتا نہیں ہے۔۔ تم یہ کھانا کھاؤ۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمھارا یہاں ہے بھی کوئی نہیں۔۔۔ اسی لیے تمھارا ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے۔۔ بھابھی تمھارا گھر والا کہاں ہے؟؟

باربینا نے اسے تسلی دیتے اب بہت معصومیت سے سوال داغا۔ اس کا معصومیت میں کیا سوال ابرش کے زخم ہرے کر گیا تھا۔۔ وہ کرب سے سسکی لے کر رہ گئی تھی۔

میرے گھر والے۔۔۔ ابرش کے لب کپکپائے تھے۔

وہ بھی مجھے بھول گئے ہیں باربینا۔۔۔ آج پانچ ماہ ہو گئے ہیں مگر میرا کسی نے پتہ نہیں کیا۔۔۔ کسی کو شائد میری پرواہ ہی نہیں۔۔۔ مجھ سے محبت

نہیں۔۔۔ابرش بری طرح رودی تھی۔۔۔کوئی غمگسار نظر آیا تھا۔۔زاران کی بیوفائی کا سوچتے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔

لیکن بھابھی یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔۔ تمھارا گھر والا ہی کسی مصیبت میں ہو اور تمھیں ہی نہ پتہ ہو۔۔ورنہ یہ کیسا ہو سکتا ہے؟؟ تمھارا مورے تمھارا اماں کو تمھارا کبھی یاد نہ آیا ہو۔۔

باربینا کی بات پر ابرش اپنے آنسو صاف کرتے زمین سے اٹھتی باربینا کے مقابل آئی تھی۔۔۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو باربینا۔۔یہ سوچ مجھے کتنی مرتبہ آئی ہے۔۔ماما نے ایک بار بھی میرا پتہ نہیں کیا۔۔وہ سچ میں کسی مصیبت میں ہیں۔۔میرا دل کہتا

ہے مگر میں کیسے ان کے بارے میں پتہ کروں؟؟۔۔۔میں کیا کروں؟۔۔ابرش نے روتے ہوے پوچھا۔۔وہ روتے ہوے ایک بچی سے سوال کر رہی تھی۔

بھابھی تم فون کر لو تمھارا گھر والوں کا نمبر تو ہو گا تمھارے پاس۔۔۔باربینا نے مشورہ دیا۔۔

باربینا تمھارے پاس فون ہے۔۔کیا تم مجھے دے سکتی ہو؟؟۔ابرش نے التجائیہ لہجے میں کہتے اس کی طرف آس بھری نگاہوں سے دیکھا۔۔۔

بھابھی میں دے دیتا ہے موبائل پر آپ کسی کو بتانا نہ۔۔باربینا کی رنگت یکدم خوف سے زرد پڑی تھی۔۔

تم فکر نہ کرو میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔۔ ابرش نے اس کی بات کے جواب میں جلدی سے کہا۔

باربینا نے اپنی شیشوں والی پٹھانی فراک کی جیب سے فون نکال نکال کر ابرش کی طرف بڑھایا۔۔۔

جسے ابرش نے بے تابی سے تھاما تھا۔۔

ابرش نے جلدی سے زحلے کا نمبر ڈائل کیا۔۔۔ وہ بند تھا۔۔ اس نے عنائیہ اور گھر کے لینڈ لائن کا نمبر باری باری ڈائل کیا مگر سب ہی نمبر بند تھے۔۔

اس نے اب بیتابی سے کانپتے ہاتھوں سے آہل کا نمبر ڈایل کیا۔۔۔ آہل کا نمبر آن تھا۔۔ ابرش کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکن

بھی تیز ہوئی تھی۔۔ مگر آہل کا نمبر دو چار بیل کے بعد بند ہو چکا تھا۔۔ اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔۔ ابرش نے دوبارہ سے ڈائل کیا نمبر اب بند جا رہا رہا۔۔ ابرش پریشان ہوئی تھی۔

آج سے چار ماہ پہلے درخشاں سے موبائل لے کر بھی سب کے نمبر ٹرائے کیے تھے۔۔ تب بھی بند تھے اور آج بھی بند تھے۔۔ مگر آہل کا نمبر آن تھا۔۔ جو اب کسی نے بند کر دیا تھا۔

ابرش کے اب ہاتھ پیر کانپنا شروع ہو چکے تھے۔۔ اسے پورا یقین ہو چکا تھا سب کسی مصیبت میں ہیں۔۔

ابرش نے اب زعیم کا نمبر ڈائل کیا۔۔ جو پہلی بیل پر اٹھا لیا گیا تھا۔

زعیم میں ابرش۔۔۔ ابرش نے جلدی سے کہا۔

ابرش۔۔۔زعیم کی آواز میں حیرانگی تھی۔وہ بھرپور چونکا تھا۔

پاس کھڑی باربینا انگلی دانتوں میں دبائے بہت معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی

زعیم ماما عنائیہ آہل کہاں ہیں؟؟۔۔ان کے نمبر کیوں بند ہیں۔۔؟؟اور لینڈ لائن بھی آف ہے سب ٹھیک تو ہیں۔۔ابرش نے ایک ہی سانس میں پوچھا تھا۔۔

ابرش تمھیں کچھ نہیں پتہ۔۔۔زعیم کی حیران آواز سپیکر پر گونجی۔۔

کیا مطلب مجھے کچھ نہیں پتہ؟؟۔۔کیا ہوا ہے زعیم؟؟۔۔ابرش کے لہجے کے ساتھ ہاتھوں کی کپکپاہٹ بھی بڑھی تھی۔

عنائیہ آج سے چار ماہ پہلے کڈنیپ ہو چکی ہے۔۔۔زعیم کی بات پر ابرش کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔باربینا نے آگے بڑھ کر جلدی سے اسے سنبھالا تھا۔۔ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔

زعیم یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟؟ابرش نے کانپتے لہجے میں پوچھا۔

ابرش عنائیہ کڈنیپ ہو چکی ہے۔۔اور اسے کڈنیپ کرنے والا کوئی اور نہیں تمھارا شوہر ہے۔۔زعیم کی بات پر وہ آندھیوں کی زد میں آئی تھی۔۔۔اگر باربینا نے اسے تھامانہ ہوتا اب کی بار وہ سچ میں زمین بوس ہو جاتی۔۔۔

کیا بکواس کر رہے ہو ہوش میں ہو تم؟؟۔۔۔وہ ایسا کیوں کرے گا۔۔اگلے لمحے وہ حلق کے بل چیخی تھی۔وہ اجڈ گنوار ہو سکتا تھا مگر سفاک نہیں ہو سکا تھا۔۔یہ نہیں کر سکتا تھا۔

ابرش آہل نے بابرک کو مارا ہے۔۔ یہ سچ ہے اسی کا بدلہ لینے کے لیے زاران خانزادہ نے عنائیہ کو کڈنیپ کر لیا تھا۔۔

اور جو تم اس کے نکاح سے بھاگی اور مجھ سے نکاح کرنے جا رہی تھی ۔۔۔اس نے اس سب کا بھی بدلہ لیا ہے۔۔ اس نے تو مجھے بھی مارنے کی کوشش کی ہے۔۔ میں نے بہت مشکلوں سے اپنی جان بچائی ہے۔۔ میں آج بھی اس سے چھپتا پھر رہا ہوں۔

اور تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟؟ تمھیں بھی تو زاران کڈنیپ کر کے لایا تھا۔۔ اس کے لیے یہ سب بہت آسان ہے..

وہ ایک منتقم مزاج بندہ ہے۔۔دل میں بات رکھنے والا۔۔۔وہ اتنی آسانی سے کچھ نہیں بھولتا۔۔۔۔مجھے یقین ہے اس کا سلوک تمھارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہو گا۔۔زعیم کی باتوں پر ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔۔وہ سچ میں سفاک تھا۔اپنے بچے کو مارنے سے بڑھ کر کیا سفاکی ہو سکتی تھی بھلا۔۔آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔۔۔آج پھر پہلو میں درد محسوس ہوا تھا۔۔۔بچہ کھونے کے درد کی اینٹھن پھر سے محسوس ہوئی تھی۔۔وہ پاگلوں کی طرح اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

ابرش تم خود ہی سوچو اور کسی کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے عنائیہ سے پھوپھو سے ؟؟زحلے پھوپھو نے خود یہ بات ہمیں بتائی ہے۔۔وہ بیچاری اسی غم میں

پچھلے چار ماہ سے کوما میں ہیں۔۔۔ آہل کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے ہیں۔ زعیم پتہ نہیں اور کیا کہہ رہا تھا۔۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا فون اس کے ہاتھوں سے گر چکا تھا۔۔ باربینا نے جلدی سے زمین پر گرا فون اٹھایا۔۔ جس پر ایک سکریچ بھی نہیں آیا تھا۔

ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل گرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران خانزادہ نے عنائیہ کو کڈنیپ کیا۔۔۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔۔ لیکن اگر یہ سچ نہیں تھا تو اس نے عنائیہ کے کڈنیپ ہونے کی بات اس سے کیوں چھپائی؟؟۔۔ وہ اسے سب سے رابطہ کرنے سے کیوں منع کرتا تھا؟؟۔۔ زحلے کی کنڈیشن کے بارے میں کیوں نہیں اسے بتایا۔۔ ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

تم ایسا کیسے کر سکتے ہو زاران؟؟۔۔ ابرش بال مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی.

میں بہت منتقم مزاج بندہ ہوں۔۔جب تک بدلہ نہ لے لوں چین سے نہیں بیٹھتا۔۔زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

منتقم مزاج بندہ تو وہ تھا۔۔اس نے اس سے ہر چیز کا بدلہ لے لیا تھا۔

ابرش نے اپنے گالوں پر ہاتھ رکھے جہاں زاران کے تھپڑوں کی جلن اسے آج بھی محسوس ہوتی تھی۔

زاران تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟؟۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔۔یا تم ہی یہ سب کر سکتے ہو جو انسان اپنے بچے کو مار دے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ابرش اپنے آنسو صاف کرتے گہرے سانس لیتے چیخ اٹھی۔۔۔

بھابھی کیا ہوا ہے؟؟ باربینا ابرش کی طرف بڑھی تھی۔۔اس کی معصوم بڑی بڑی آنکھوں میں نمی تھی.

باربینا کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ ہے انکار مت کرنا۔۔۔ ابرش نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔۔۔

بولیں بھابھی ہم سے جو ہو سکا ہم ضرور کرے گا۔۔ باربینا نے پر عزم لہجے میں کہا۔۔

باربینا کسی طرح مجھے اس حویلی سے نکال دو۔۔۔۔ ابرش روتے ہوے بولی۔۔

لیکن بھابھی ہم کیسے ؟ باربینا نے معصومیت سے پریشانی سے سوال کیا۔

باربینا زاران حویلی نہیں ہے۔۔ نہ ہی اس کا لالا ہے ادھر۔۔۔ شہرام بھی ہسپتال ہوتا ہے۔۔ مشکل نہیں ہو گا یہاں سے نکلنا۔۔ اگر زارن آ گیا تو اسے خبر ہو گئی مجھے سب کچھ پتہ چل گیا ہے وہ مجھے کبھی یہاں سے نکلنے دے

گا۔۔مجھے وہ قید کر لے گا۔۔خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ابرش التجائیہ لہجے میں بولی۔

بھابھی کہہ تو تم ٹھیک رہا ہے۔۔اس وقت حویلی میں کوئی نہیں ہے۔۔صرف داجی ہیں۔۔وہ بھی مردانے میں اپنا کمرے میں ہے۔۔اور سب اب اپنے اپنے کمروں میں چلا گیا ہو گا۔۔رات بھی تو بہت ہو گیا ہے۔باربینا پر سوچ انداز میں بول رہی تھی۔

بھابھی ہم تم کو حویلی کے پچھلے دروازے سے نکال سکتا ہے۔۔۔مگر کوئی گاڑی نہیں ہے۔تم آگے سے کیسے جائے گا۔؟؟۔باربینا کی بات پر ابرش نے جلدی سے آنسو صاف کیے تھے۔۔

تم مجھے اس حویلی سے باہر نکال دو۔۔میں دیکھ لوں گی۔۔یہاں کہیں سے تو گاڑیاں اسلام آباد کی طرف جاتی ہوں گی۔۔مجھے پیدل راستہ گائیڈ کر

دو۔۔۔میں ایک بار یہاں سے نکل گئی۔۔۔۔میں اسلام آباد جا کر اپنی ایمبیسی کو کال کر دوں گی۔۔پھر اس زاران خانزادہ کو میری ایمبیسی ہی دیکھے گی۔ایک بات بات کا بدلہ لے گی اب ابرش پاشا ان خانزادوں سے۔۔۔۔کہیں کا نہیں چھوڑے گی ابرش پاشا ان خانزادوں کو۔۔۔اب یہ منہ چھپاتے پھریں گے۔۔۔

ابرش اٹل لہجے میں غرائی تھی.۔۔

ابرش نے الماری کی طرف بڑھتے اپنی بڑی سی چادر نکال کر اپنے گرد اچھی طرح اوڑھی۔۔

بھابھی یہ موبائل رکھ لو اپنا پاس۔۔۔۔تمھارا کام آئے گا۔۔تم کو اس کا ضرورت پڑ سکتا ہے۔۔باربینا نے اسے اپنا موبائل پکڑایا۔۔

باربینا میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھو گوں گی۔ ابرش نم آنکھوں سے وہ موبائل پکڑے تشکرانہ لہجے میں بولی۔۔

باربینا تمھارے پاس کچھ پیسے بھی ہوں گے۔۔۔ ابرش نے نم آواز میں کہا۔۔

ہاں بھابھی ہیں۔۔۔۔ باربینا نے اپنے شرٹ کے گلے میں ہاتھ ڈالتے چند ہزار کے کچھ نوٹ اسے پکڑائے تھے۔ جسے ابرش نے تشکر سے پکڑتے اپنی مٹھی میں دبوچے تھے۔

ابرش تیز تیز قدموں سے اونچے نیچے راستوں پر دوڑ رہی تھی۔۔ پہاڑوں کے درمیان سڑکیں اوپر نیچی بنی تھیں۔۔ وہ پاگلوں کی طرح ان راستوں پر بھاگ رہی تھی۔۔

شدید بارش ہو رہی تھی۔۔۔ وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔۔ رات سرد اور گہری تاریک تھی۔ وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ اس نے رکتے ہوے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا جو چادر کے نیچے سے بھیگ رہا تھا۔

مٹھی میں دبے پیسے بھی گیلے ہو چکے. تھے۔ ابرش نے موبائل کو چادر میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔۔

مگر بارش بہت تیز تھی۔۔ موبائل پھر بھی بھیگ رہا تھا۔۔ مگر وہ ابھی تک بلکل ٹھیک تھا۔۔ وہ حیران بھی ہوئی تھی۔۔ موبایل کو کچھ کیوں نہیں

ہوا۔اس نے موبایل گلے سے شرٹ کے اندر ڈالتے اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ پھر سے اب ان راستوں پر بھاگنے لگی تھی۔۔بارش کے زور کے ساتھ اس کی آنکھوں میں برستے آنسو بھی زوروں پر تھے۔۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا زاران نے یہ سب کیا مگر سارے فیکٹ اسی ہی کی طرف جارہے ہیں۔۔

ثابت ہوتا تھا وہ سچ میں سفاک تھا۔۔اس کی ریسرچ آج صیح ثابت ہوئی تھی۔۔یہ خانزادہ بہت بے رحم ہوتے ہیں۔۔

مگر وہ پھر بھی اپنے دل میں اس کے لیے نفرت محسوس نہیں کرپارہی تھی

۔۔۔

اس کی عنائیہ چار ماہ سے زاران کی قید میں ہے۔۔۔ ابرش نے رکتے ہوے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔

زاران کی سفاکی اس کی جان لے رہی تھی۔۔۔

اس نے بڑی سی چادر اپنے وجود پر اچھی طرح اوڑھی۔۔ وہ اس چادر میں چھپ نہیں رہی تھی۔۔ بلکہ خود کو چھپا رہی تھی۔۔۔ اسے زاران کی طرح اس پردے سے بھی محبت ہو گئی تھی۔۔ اب مرتے دم تک اس چادر کا ساتھ نہیں چھوٹنا تھا۔۔

وہ سیاہ چادر میں لپٹے بھاگ رہی تھی۔۔۔ اب واپس کبھی بھی اسے اس سفاک انسان کی پناہوں میں نہیں آنا تھا۔۔

ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔۔وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔اسے اپنا بچہ جان سے زیادہ عزیز تھا۔۔مگر وہ اسے کھو چکی تھی۔اسی سفاک انسان کی وجہ سے۔۔ابرش نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔۔کاش یہ بارش کا زور آج اس کی جان لے لے۔۔اس کے کپکپاتے لبوں نے جیسے التجا کی تھی۔

ایسے ہی ٹھنڈے برف کے موسم میں اس سفاک انسان کی خوشبو اسے پہلی مرتبہ اپنے حواصوں پر چھاتے محسوس ہوئی تھی۔۔جب اس نے اپنی مان مانی کرتے بڑے دھڑلے سے اپنی گود میں اٹھایا تھا. اسی دن وہ اس کے حواصوں پر سوار ہو گیا تھا۔۔پہلی مرتبہ کوئی مرد قریب آیا تھا۔۔وہ گود میں اٹھائے سینے کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔محرم نہیں تھا مگر محرم جیسا حق جتا گیا

تھا۔۔اور اس کا لمس دل میں ایسا دھڑکا کہ دل کی دھڑکنوں میں دھک

دھک کی جگہ زاران زاران گونجنے لگا تھا۔

تم نہیں ہو مگر

تیرا احساس مگر ہے

دل کی دیواریں سونی

کیا تمھیں اس کی خبر ہے

دل کی راہوں میں جانے کتنے موڑ آئے

اجنبی سے لگتے ہیں مجھ کو میرے سائے

وہ اس ستمگر کو کیا کبھی بھول پائے گی۔۔دل نے سوال کیا تھا۔۔جواب نفی میں آیا تھا۔۔وہ ابرش پاشا تھی۔۔ محبتوں کی ترسی ہوئی لڑکی۔۔۔وہ اپنے رشتوں سے کبھی نفرت کر ہی نہیں سکتی تھی.۔۔

وہ جانتی تھی یہ ناممکن ہے۔۔وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔۔اس نے جتنی جھوٹی محبت دی تھی۔وہ اس کے لیے اب سب کچھ تھی۔۔

وہ آسمان کی طرف دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

میں پلوشہ سے شادی کروں گا مورے میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے

۔۔۔۔۔زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔وہ برستی بارش مین پھر سے رو دی تھی۔

جاڈ گر چھوڑ آئی

تم رکھو اپنی یادیں

اب میں نہ کچھ نہ سوچوں گی

میں کبھی نہ روؤں گی

چاہے کچھ بھی ہو جائے

دل نے تو کچھ چاہا تھا

اور کچھ ہو گیا ہے

میری پلکوں کی نمی

اس میں ہو گی نا کمی

جس سے اقرار ہوا تھا۔

جھوٹا تھا وہ ساتھی

ابرش اب روتے روتے ہنس پڑی تھی۔۔۔اس نے برستے آنسو بے دردی سے اپنے عارض سے صاف کیے۔۔

میں وعدہ کرتی ہوں مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ تمھارے ظلم کا حساب میں تم سے لے کر رہوں گی۔۔ تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گی۔۔ابرش پاشا کے قہر سے اب تم بچ نہیں سکو گے۔۔۔یہ وعدہ ہے تم سے۔۔ابرش نے سیاہ تاریک سڑک پر بھیگتے ہوے خود سے وعدہ کیا تھا۔وہ تیز تیز قدموں سے پھر سے بھاگنے لگی۔۔۔

وہ بھاگتے بھاگتے بہت آگے نکل آئی تھی۔۔۔

اب سیاہ تاریک سڑکیں گہری کھائیاں اور اطراف میں پہاڑ نظر نہیں آ رہے تھے۔۔۔روشنیاں نظر آ رہی تھی۔۔۔۔

ابرش نے ایک ڈھابہ دیکھا۔جہاں صرف مرد مرد ہی نظر آ رہے تھے۔وہ چارپائیوں پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔۔وہ آگے بڑھتے اسی ہوٹل کی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر گہرے سانس لینے لگی۔شدید نقاہت کے باعث اسے چکر آ رہے تھے۔۔

دو دن سے کھانا بھی تو نہ کھانے کے برابر کھایا تھا۔۔

ابرش نے سردی سے کپکپاتے اپنی چادر اچھی طرح خود پر لپیٹی۔۔بہت سے مرد حضرات اسے سرد نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔

وہ جلدی سے آگے بڑھتے تیز تیز قدموں سے اس ہوٹل کی بیک سائیڈ پر آ گئی۔۔۔

وہاں پر کوئی نہیں تھا۔۔۔بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔

ساتھ ہی بہتے دریا کا شور تھا۔۔ابرش نے گہرے سانس لیتے چادر کے اندر ہاتھ ڈالتے اپنے گلے سے موبائل نکالا۔۔بصد شکر وہ ابھی بھی چل رہا تھا۔۔

ابرش نے ایک بار پھر سے آہل کا نمبر ڈائل کیا۔۔

جو بند تھا۔۔ وہ بے بسی سے رو دی تھی۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کس کی مدد لے۔۔ اسے ایک بار صرف بس سٹینڈ تک پہنچنا تھا۔۔ مگر پہاڑ گہری کھائیاں ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے آہل کو ٹیکسٹ کیا تھا۔۔ آہل میں ابرش ہوں۔ پلیز جب تم یہ میسج دیکھو تو مجھے اس نمبر پر فون کرو۔۔۔ ابرش نے ٹیکسٹ لکھنے کے بعد وہاں سے گزرتے ایک مرد کو پکارا

اس نے ابرش کو گھور کر دیکھا تھا۔۔ ابرش اس کی سرد نظر پر نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔

وہ بے شک چادر میں لپٹی تھی مگر اتنی رات کو ایک عورت کا یہاں ہونا اس مرد کو پسند نہیں آیا تھا۔۔

یہاں سے بس سٹینڈ کتنا دور ہے۔۔ ابرش نے اپنا منہ چھپاتے ہوے پوچھا تھا۔۔ یہاں سے بس سٹینڈ بہت دور ہے۔۔ تم اتنا دور نہیں جا سکے گا۔۔ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس چلا جاؤ۔۔ اپنا عزت کا نہیں تو اپنا گھر والوں کا عزت کا خیال کر لو۔۔ اتنا رات کو تم عورت لوگ کو گھر سے نکلنا زیب نہیں دیتا۔۔ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس چلا جاؤ۔۔ وہ آدمی غصے سے بولتا چادر جھٹکتا چلا گیا تھا۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے آگے بڑھی۔۔

یکدم اس کے ہاتھ میں پکڑا موبائل گونج اٹھا تھا۔

ابرش نے موبائل کو دیکھا تو آہل کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

ابرش نے جلدی سے کال رسیو کرتے ہوے فون کان سے لگایا

ہیلو۔۔۔۔ آہل۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے پکارا۔

ابرش۔۔۔۔ سپیکر پر آہل کی نم آواز گونجی تھی۔۔

آہل۔۔۔۔۔ابرش کے لبوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔۔

ابرش۔۔۔۔۔۔۔آہل کی آواز بھی جیسے حلق میں دم توڑ گئی تھی۔فون پر دونوں طرف رو رہے تھے۔۔ایک سال چھوٹا تھا اس سے آہل۔۔مگر ان دونوں میں بہت پیار تھا۔۔زحلے اور پاشا کا پیار ملا ہی نہیں تھا کسی کو۔۔اس لیے ابرش نے آہل اور عنائیہ کو ایک ماں کی طرح پیار کیا تھا۔۔مگر قسمت آج کس موڑ پر لے آئی تھی۔۔وہ پانچ ماہ سے ایک دوسرے سے دور تھے۔۔ایک دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔۔

آہل کہاں ہو تم ؟؟ ماما کیسی ہیں ؟؟ میری عنائیہ۔۔۔ ابرش روتے ہوے سسک پڑی تھی۔

ابرش ماما بلکل ٹھیک ہیں۔ اور میں بھی بلکل ٹھیک ہوں۔۔ اور عنائیہ ہماری گڑیا واپس آگئی ہے۔۔ آہل کی بات پر ابرش کے کانپتے ہاتھ کی فون پر پکڑ مضبوط ہوئی تھی۔۔

عنائیہ واپس آگئی ہے کیا؟؟ کیا کہہ رہے ہو؟؟ کیسے ہوا یہ ؟۔۔۔ زاران نے اسے چھوڑ دیا۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

ابرش زاران بھائی کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں۔۔ اگر وہ نہ ہوتے میں آج زندہ نہ ہوتا۔۔ عنائیہ کو بہزاد خان نے اغوا کیا تھا۔۔ آج ہی زاران

بھائی نے بتایا کہ عنائیہ کو وہ چھڑوا چکے ہیں۔۔اب تک تو وہ تمھارے پاس پہنچ چکی ہو گی۔۔

آہل اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا تھا۔اس کا زرتاج کو بھگانا۔۔زاران کا اسے بابرک سے بچانا بابرک کی موت۔۔۔بہزاد کا عنائیہ کا اغوا کرنا۔۔وہ سائیں سائیں کانوں سے سب سن رہی تھی۔۔ابرش یہ لو ماما سے بات کرو۔۔۔فون پر اب زحلے کی آواز گونج رہی تھی۔۔

وہ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔۔آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔زحلے اسے مسلسل پکار رہی تھی۔۔اس کے لب ہلنے سے قاصر تھے۔۔پہاڑوں پر تاریکی کے سائے بڑھتے جا رہے تھے۔۔بلکل ویسے جیسے اس کی آنکھوں کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

وہ فون ہاتھوں میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی رہی۔۔ فون پر زحلے کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔۔ وہ اسے بے تابی سے پکار رہی تھی۔

وہ فون ہاتھ میں پکڑے واپس حویلی کی طرف بھاگی تھی۔

اب وہ پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے حویلی کے راستے کی طرف بھاگ رہی تھی۔۔ جن راستوں سے گزر کر وہ زاران خانزادہ کی پناہوں سے واپس جا رہی تھی۔ اب ان ہی راستوں سے گزرتی وہ زاران خانزادہ کی پناہوں میں واپس جا رہی تھی۔۔

وہ بے تحاشا روتے ہوئے پوری قوت سے بھاگ رہی تھی۔۔ اسے زاران کے واپس آنے سے پہلے حویلی پہنچنا تھا۔۔

زاران۔۔ا۔۔۔برش نے روتے ہوے اسے پکارا تھا۔۔وہ بھاگتی جا رہی تھی۔۔اس کے قدم اب بہتے دریا کے ٹھنڈے پانی میں اترے تھے۔۔مگر اسے کچھ ہوش نہ تھا۔۔اسے تو واپس حویلی میں جانا تھا۔۔اس کمرے میں جانا تھا۔اس ستمگر کی قید میں واپس جانا تھا۔۔

بارش کی آواز نے بہتے دریا کی آواز کو خوفناک بنا دیا تھا۔۔اس کے قدموں کی چھپاک بڑھ رہی تھی۔۔

یکدم وہ دریا میں موجود کسی بڑے سے پتھر سے ٹکرائی تھی۔۔وہ منہ کے بل بہتے دریا میں جا گری تھی۔اس نے اپنی چادر کو سنبھالتے موبائل کو بہتے دریا کی نذر ہونے سے بچایا تھا۔۔اسے اب سمجھ آئی تھی یہ موبائل ابھی تک بند کیوں نہیں ہوا تھا۔یہ موبائل اچھے برینڈ کا بہت مہنگا موبایل

تھا۔۔ جس کے اطراف پر واٹر پروف کور تھا۔۔ اسے اندھیری خوفناک رات میں شائد اس موبائل کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔۔ وہ جلدی سے پانی سے اٹھی تھی۔ اسے ہر حال میں حویلی واپس پہنچنا تھا۔۔ جانتی تھی وہ دشمن جان واپس آ گیا تو اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔۔

اس ستمگر کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

ہمارے رشتے میں بے یقینی ہے۔۔ تمھاری اسی بے یقینی سے تم ہمارے رشتے کو کھو دو گی۔۔

اسے سب سمجھ آ گیا تھا۔۔ ان کے رشتے میں کیا کمی تھی۔۔

اسے سمجھ آ گیا تھا وہ اس سے سچ کہہ رہا تھا۔۔ اس کا پلوشہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔۔ وہ سچ کہہ رہا تھا زعیم نے اس کی ڈرنک میں گولیاں ملائی تھیں۔۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔۔

وہ سچ کہتا رہا۔۔۔ زاران خانزادہ نے آہل کو بچانے کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی۔۔۔ اپنی بہن کی خوشیاں داؤ پر لگا دیں۔۔ مگر آہل کا پتہ کسی کو چلنے نہیں دیا۔۔

وہ سچا تھا ہمیشہ سے تھا۔۔ وہ تھوڑا اکڑو تھا۔۔ مگر تھا صرف اسی کا۔۔ وہ روتے ہوئے دریا کے بہتے پانی سے گزرتے پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔۔۔

بے وفا تم نہیں ہو

بے وفا ہم نہیں ہیں

اپنی قسمت میں شائد

غم بھی کچھ کم نہیں ہے

وہ سچ میں اجڈ گنوار بے مہر تھا۔۔ مگر وہ بے حس نہیں تھا۔۔ وہ سفاک نہیں تھا۔

وہ رشتوں پر جان دینے والا انسان تھا۔۔ وہ سب سمجھ گئی تھی۔۔ وہ روتے ہوے بھاگتی جا رہی تھی۔۔

اس کا موبایل فون مسلسل بج رہا تھا۔۔ آہل کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے یس کا بٹن دبا کر کال رسیو ہی کی تھی کہ

یکدم اس کے سامنے ایک بہت بڑی گاڑی آن رکی تھی۔۔ تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھی۔۔

اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔۔

گاڑی سے زعیم کو نکلتا دیکھ کر اس نے غصے سے گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔

ابرش۔۔۔۔زعیم اسے پکارتے اس کی طرف بڑھا۔۔وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

ابرش میں تمھیں ہی لینے آیا ہوں۔۔۔چلو میرے ساتھ پھوپھو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔۔وہ آخری سانسیں لے رہی ہیں۔زعیم نے اس کی کلائی تھامی تھی۔۔ابرش نے پوری قوت سے اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔بارش کے شور میں بھی اس تھپڑ کی گونج کافی گونج دار تھی۔۔اس کی نازک انگلیوں کا نشان زعیم کے گال پر چھپ گیا تھا۔۔گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ نشان کافی نمایا تھا۔۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے غضبناک نگاہوں سے ابرش کو گھور رہا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیتے جوابًا اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

خبر دار۔۔۔۔مجھے اپنے غلیظ ہاتھوں سے چھوا۔۔جان لے لوں گی تمھاری۔۔۔۔۔تم ابھی مجھے جانتے نہیں ہو۔۔ابرش بھپھری شیرنی کی طرح غرائی تھی.

تم آستین میں چھپے سانپ نکلے زعیم۔۔۔۔شکر ہے میں نے اس دن تم سے نکاح نہیں کیا۔۔زاران کا کس منہ سے شکر کروں جس نے تم جیسے درندے سے میری جان چھڑوائی

وہ دھاڑی تھی۔۔۔

زعیم کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

تم یہاں اتنی جلدی کیسے آئے؟؟اس کا مطلب ہے وہ بابینا بھی تمھارے ساتھ ملی ہوئی ہے۔۔تم پہلے سے یہاں ہی موجود تھے۔۔یہ سوچی سمجھی پلینگ تھی۔۔۔

تم لوگوں نے مجھے ٹریپ کیا۔۔اابرش حلق کے بل چیخی تھی۔۔۔

ٹریپ کیا نہیں تم ٹریپ ہوئی ہو۔۔تمھاری حویلی سے تمھیں نہیں اٹھایا۔۔تم خود ہی حویلی سے نکلی ہو۔۔ابرش تم خود ہی بے وقوف بن گئی۔۔یہ موبائل تمھیں اس لیے دیا تاکہ تنھاری لوکیشن ٹریس کی جا سکے۔۔تم اتنا مہنگا موبایل بھی باربینا کے ہاتھ دیکھ کر سمجھ نہیں سکی۔۔

زعیم مسکراتے ہوے گاڑی سے ٹیک لگا گیا تھا۔۔ابرش پر گہری نظر ڈالی تھی۔ابرش نے اپنی چادر مزید اچھی طرح خود پر پھیلائی۔۔

زعیم نے جاندار قہقہہ لگایا۔۔ کوئی فائدہ نہیں میری جان۔۔۔۔ آج سارے پردے اتر دوں گا۔۔ میں مرا جا رہا ہوں۔۔ تمھارے حسین سراپے کو بغیر کسی پردے کے دیکھنے کے۔۔ جو سراپہ کپڑوں میں اتنا خوبصورت ہو۔۔۔ وہ بنا کپڑوں کے کیسا ہو گا۔۔ زعیم نے کمینگی سے کہتے اسے آنکھ ماری تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے خود کے اشتعال پر قابو پایا تھا۔۔

You nonsens i will kill you۔۔۔۔

ابرش غراتے ہوے اس کی طرف بڑھتی اس کے منہ پر پھر سے تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔ اس سے پہلے وہ دوسرا تھپڑ جڑتی زعیم اس کی کلائی جکڑ چکا تھا۔۔

کیا کر رہی ہو میری جان؟؟۔۔۔اتنا ہی غصہ دکھاؤ جتنا آج رات ہم لوگوں کو برداشت کر سکو۔۔

۔۔آج تو تمھارے ساتھ بہت کچھ ہو گا اتنا کہ تمھاری سوچ ہے۔۔زعیم غرایا تھا۔۔

تم مجھے جانتے نہیں ہو زعیم۔۔۔میرا نام ابرش زاران خانزادہ ہے ۔۔۔جان دے دوں گی۔۔مگر اپنی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔۔۔وہ اپنی کلائی چھڑواتے ہوے چیخی تھی۔۔

وہ اس کی نازک کلائی پکڑ کر مڑوڑنے ہی لگا تھا کہ گاڑی کے تیز ہارن پر اس نے ایک نظر گاڑی کو دیکھتے لب بھینچتے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔۔

ابرش تم شروع سے ہی جذباتی ہو۔۔ زاران نے تمھیں ہر بار بچایا ہے ۔۔۔۔ مگر اب نہیں۔۔ تمھارے نکاح والے دن میں تم سے محبت کا اظہار کرنے نہیں۔۔۔ بلکہ تمھیں اغوا کرنے آیا تھا۔۔ باہر ہی میری گاڑی میں میں میرے دوست کھڑے تھے۔۔ تمھاری عزت لوٹنے کے لیے۔۔

مگر زاران نے میرے پلین پر پانی پھیر دیا۔۔ پھر تم خود ہی چل کر میرے پاس آگئی۔۔ میں نے سوچا تمھیں بیوی بنالیتا ہوں۔۔۔۔ ہاں مگر تمھیں کسی کے بستر کی زینت بنانے کا آرادہ نہیں تھا۔۔ بیوی بنا کر اتنا مارجن تو تم رکھتی تھی۔۔ مگر تمھارے ہاتھوں بہت سے کانٹریکٹ حاصل کرنے کا آرادہ ضرور تھا۔۔ تم اپنے شوہر کی خاطر اپنی خوبصورتی کا تھوڑا بہت استعمال تو کر ہی لیتی۔۔۔ زعیم نے ہنستے ہوے آنکھ ماری۔۔

آج میں اپنا ہر ارمان پورا کروں گا۔۔چلو نکاح کر کے نہ سہی ایسے ہی سہی تمھارے جسم سے پیاس بجھا لوں گا۔۔

زعیم نے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے اس کی کلائی جکڑی تھی۔۔

زعیم چھوڑ مجھے۔۔ابرش نے چیختے ہوے اپنی کلائی چھڑوائی تھی۔۔۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔۔

گاڑی کا پچھلی سیٹ کا درواہ کھولتے اسے اندر دھکیلا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ گاڑی سے نکلتی کسی نے اس کی کلائی جکڑی تھی۔۔۔۔ابرش کرنٹ کھا کر اچھلی تھی۔۔ابرش نے پلٹتے ہوے دیکھا پچھلی سیٹ پر بہزاد خان کو دیکھ کر اس کی سانسیں رکی تھیں۔۔

بہزاد۔۔۔ابرش کے لب بے یقینی سے ہلے تھے۔۔وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا گہرا مسکرایا تھا۔۔۔۔زعیم گاڑی کا اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھا۔۔۔اس نے پیچھے مڑ کر بہزاد خان کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا بہزاد خان بھی پلیکیں جھپکاتا گہرا مسکرایا تھا۔۔

اور اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل سے بہزاد خان نے اسی پل زعیم کے سر پر فائر کر دیا تھا۔۔

زعیم اسی پل ساکت ہوا تھا۔۔

ابرش منہ پر ہاتھ رکھے چیخ اٹھی تھی۔۔

اس کا یہی انجام ہونا تھا تم صرف میری ہو۔۔۔۔صرف میری۔۔وہ پسٹل کی نوک کو چومتا مسکراتے ہوئے بولا تھا۔۔

ابرش اس سے دور ہوتی سہمتے ہوے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی

زرباب خان گاڑی چلاؤ۔۔ بہزاد خان نے گرجتے ہوے حکم دیتے ابرش پر گہری نظر ڈالی تھی۔۔

جو سر سے پیر تک چادر میں لپٹی دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے تھر تھر کانپتے سہمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہو۔۔

واللہ۔۔۔ تم سچ میں حسین ہو۔۔۔ آج کی رات میری زندگی کی حسین رات ہونے والی ہے۔ وہ بھاری آواز میں بولتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔

حیدر خان یہ سب کیا ہے ؟؟ ارحام خانزادہ نے ضبط سے پوچھا۔

حیدر خان کی سرد نظروں کا ارتکاز فرشتے پر تھا۔۔ جو حیدر خان کی سرد نگاہوں ارحام خانزادہ سے دور ہوتے وہ نظریں جھکا گئی تھی۔۔

فرشتے نے جلدی سے اپنے بہتے آنسو عارض سے صاف کیے تھے۔ و۔ ارحام خانزادہ نے لب بھینچے فرشتے کو دیکھا تھا جو نظریں جھکائے لرزتی کھڑی تھی۔۔ فرشتے کا پورا بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔۔ سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔۔ سوٹ ملگجا اور سلوٹوں سے بھرپور تھا ۔۔ رنگت زرد ہو رہی تھی۔۔ وہ اس کی موجودگی پر بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے کرب سے اسے دیکھا تھا۔۔ اسے تو اس کی موجودگی سے بھی ڈھارس نہیں ہوئی تھی۔۔

حیدر خان تمھاری مورے نے فرشتے کو دھکا دیا۔۔ فرشتے کے گال پر انگلیوں کا نشان ہے۔ یہ سب کیا ہے۔؟؟ ارحام خانزادہ نے لب بھینچتے پوچھا لہجہ کافی سرد تھا مگر آواز اس نے دانستہ نیچے ہی رکھی تھی۔۔ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔ وہ جس طرح خوفزدہ سی کھڑی تھی۔۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ حیدر خان کی ناراضگی کے خوف سے لرز رہی ہے۔۔ اپنی بہن کی خاطر وہ اپنے غصے پر قابو پا گیا تھا۔۔ مگر وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔۔ مرد کو اس کے رشتے اس کی کمزرویاں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔۔۔ اور آج وہ بھی اپنے رشتوں اپنی کمزوریوں کی بے پناہ پر بے بسی کی حد پر تھا۔۔ ارحام خانزادہ سرخ آنکھوں سے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

حیدر خان جیسے انسان کو اپنی بہن کو سونپ کر وہ بے فکر ہو گیا تھا۔۔ اتنے وعدے اتنے مان سے تو وہ فرشتے کو رخصت کروا کر لے کر گیا تھا۔۔

اگر یہی سلوک کرنا تھا تو وہ اس کے پاس حویلی میں ہی بہتر تھی۔۔۔ ارحام نے پھر سے فرشتے پر نظر ڈالی تھی۔۔ اس کا دل غم سے پھٹ رہا تھا

تم حیدر خان سے کیا پوچھتا ہے ہم بتاتا ہے تمھارا بہن نے ہم سے بد تمیزی کیا۔۔ ہمارا حیدر کو بد عائیں دیا۔۔ ہم نے مارا اسے تھپڑ۔۔۔ رقیہ خانم غصے سے چیخیں تھیں۔

خان میں نے بد تمیزی نہیں کی۔۔ میں آپ کو بد عا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ فرشتے کپکپاتے لبوں سے بولتے حیدر خان کی طرف بڑھی۔۔ حیدر

خان کی سرد نگاہیں اس کا دل ہولا رہیں تھیں۔ حیدر خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔

فرشتے ڈبڈبائی آنکھوں سے وہیں پر رک گئی تھی۔۔ یہ دیکھتا ارحام خانزادہ ظبط سے رخ پلٹ گیا تھا۔۔۔

تم ہم پر جھوٹا ہونے کا الزام لگا رہی ہو۔۔ ہم جھوٹا ہے کیا؟؟ رقیہ خانم نے گرجدار آواز میں بولتے اپنے سینے کو جکڑا تھا۔۔

رقیہ خانم کو اپنے سینے کو جکڑا دیکھ کر حیدر خان نے بے تابی سے انھیں اپنی بانہوں میں بھرات۔۔

مورے کیا ہوا آپ کو حیدر خان نے پریشانی سے پکارا جن کا رنگ طیش و اشتعال سے سرخ تھا جو ان کے بی پی شوٹ ہونے کا عندیہ دے رہا تھا اور اب وہ سینے کو جکڑ گئی تھیں۔۔ حیدر خان کی سانسیں الجھی تھیں۔ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت دی تھیں کہ رقیہ خانم کو دوسرا اٹیک نہیں آنا چاہیے ۔۔ دوسرا اٹیک ان کی جان بھی لے سکتا ہے۔

فرشتے میں نے تمھیں کیا سمجھایا تھا کہ کوئی بدمزگی نہیں ہونی چاہیے۔ مورے کا تم ہر حکم مانو گی۔۔ مورے کو تم نے کسی بات کا جواب کیوں دیا آخر۔۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی۔۔ حیدر خان گرجا تھا۔۔۔ فرشتے جو رقیہ خانم کی بگڑتی طبعیت کو دیکھتے پہلے ہی لرزتی کھڑی تھی۔ حیدر خان کی گرج پر وہ جی جان سے لرز اٹھی تھی۔۔

خان میں آپ کے حکم کے مطابق مورے کی ہر بات مان رہی ہوں۔۔ میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔ مجھے صبح سے چکر آ رہے تھے۔۔ میں نے اوزگل سے اتنا کہا میں کپڑے کل دھولوں گی۔۔ خان اور باہر بارش بھی تو ہو رہی ہے۔۔ میں نے اس لیے منع کیا۔۔ خان یہ انکار بھی میں نے اوزگل کو کیا تھا۔۔ مورے کو نہیں کیا۔ میں ابھی سارے کپڑے دھو دیتی ہوں۔۔۔ فرشتے کی بات پر ارحام نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔ ان کی حویلی میں یہ سارے کام ملازمائیں کرتی تھیں۔

حیدر خان بھی ان کے ہم پلہ تھا۔۔۔ بڑے بڑے ہوٹلوں زمینوں جائیداد کا مالک۔۔۔ حیدر خان کی بیوی یہاں ملازماؤں والے کام کر رہی تھی

حیدر ہم کو پانی پلاؤ۔۔رقیہ خانم نے گہرے سانس لیتے بمشکل کہا تھا۔۔حیدر خان نے جلدی سے ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر گلاس رقیہ خانم کے لبوں سے لگایا۔

فرشتے رقیہ خانم کی طبیعت کی خرابی کے خوف سے اب آنکھوں میں آنسو روکے سٹل کھڑی تھی۔

حیدر خان کا سرخ تند و تیز چہرہ بتا رہا تھا وہ شدید طیش و اشتعال میں ہے۔۔

فرشتے مورے سے معافی مانگو۔۔حیدر خان نے سرد لہجے میں حکم دیا۔

جی خان جیسے آپ کہیں۔۔۔۔فرشتے اپنے آنسو صاف کرتے جلدی سے رقیہ خانم کی طرف بڑھی۔۔اس سے پہلے وہ رقیہ خانم کے قدموں میں جھکتی

۔ارحام خانزادہ نے اسے کندھوں سے تھام کر اسے رقیہ خانم کے قدموں میں جھکنے سے روکا تھا۔۔

فرشتے یہ کیا کر رہی ہو تم؟ ارحام خانزادہ کی آواز میں بے یقینی تھی۔۔ فرشتے سسک کر رہ گئی تھی۔۔ لالا۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ خان کے بغیر۔۔۔۔۔ اس سے آگے وہ بول ہی نہ سکی تھی۔

ارحام نے فرشتے کے لرزتے وجود کو دوبارہ سے اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھرا تھا۔۔ وہ جیسے زمین بوس ہونے کو تیار تھی۔۔ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔ اس کا وجود پگھلے ہوئے کندن کی مانند جیسے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا بدن تپ رہا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے مٹھی بھینچتے حیدر خان کو

سرخ آنکھوں سے گھورا جو سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ اسے فرشتے کی حالت نظر نہیں آرہی تھی۔۔ یا پھر وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔۔

حیدر اس لڑکی کو ہمارا نظروں سے دور کر دو۔۔ اس کو بولو یہاں سے جائے ۔۔۔ ورنہ ہم سچ میں کچھ کر لے گا۔۔ یہ ہے تمھارا پسند۔۔۔ ہم نے تمھارا خاطر اس کا بانجھ ہونا برداشت کیا۔۔ اس کا طلاق یافتہ ہونا بھی۔۔ مگر ہم ٹھیک تھا یہ تمھارا قابل نہیں ہے۔۔ رقیہ خانم گہرے سانس لیتے پھنکاری تھی

حیدر خان تمھاری نظروں کے سامنے فرشتے سے یہ سلوک ہو رہا ہے۔۔ اسے بانجھ طلاق یافتہ ہونے کا طعنہ دیا جا رہا ہے تم خاموش کھڑے

سن رہے ہو۔۔ ارحام کی آواز میں گرج نمایاں تھی۔ وہ فرشتے کے لیے لفظ بانجھ نہیں سن سکا تھا۔۔ اس کا ظبط کا دھارا چھوٹا تھا

حیدر خان لب بھینچے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔ مگر اس نے ابھی بھی کچھ نہیں کہا تھا۔۔

حیدر اس لڑکی کو ہمارا نظروں کے سامنے دور کرو۔۔ اس کا بھائی کو بولو۔۔۔ یہاں سے اسے لے جائے۔۔ رقیہ خانم ایک بار پھر سے پھنکاری تھی۔۔ حیدر خان کی خاموشی انھیں چبھی تھی۔۔۔ ارحام خانزادہ کی گرج پر حیدر خان نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔۔ ورنہ حیدر خان ان کے علاوہ کسی کی

اونچی آواز برداشت نہیں کرتا تھا۔۔ یہاں تک کہ حاکم خان کا بھی وہ لحاظ نہیں کرتا تھا۔۔

خان۔۔۔۔رقیہ خانم کی بات پر فرشتے نے اسے لرزتے لبوں سے پکارا جو لب بھینچے اسے سپاٹ بے تاثر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ٹھیک ہے میری بہن میرے ساتھ جائے گی۔۔ میں اسے اب یہاں کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔۔ ارحام نے سرد آنداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔۔

فرشتے یہاں سے کسی قیمت پر نہیں جائے گی۔۔ بیوی ہے فرشتے میری ۔۔ میری عورت تم اسے کسی قیمت پر یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔۔ فرشتے اندر جاؤ۔۔ حیدر خان کی بھاری آواز گونجی۔۔۔۔

جی خان۔۔۔۔ فرشتے جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

حیدر یہ لڑکی اگر ادھر رکے گا تو تمھارے کمرے میں نہیں جائے گا۔۔ وہ کمرہ اب سے اوز گل کا ہے۔۔ رقیہ خانم فرشتے کو کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر بلبلا گئی تھی۔۔ حیدر خان کا فرشتے کو کمرے میں جانے کا حکم دینا رقیہ خانم کو جلتے توے پر بٹھا گیا تھا۔

اوز گل۔۔۔۔۔ ارحام نے نا سمجھی سے اوز گل کو دیکھتے حیدر خدن کو دیکھا جو لب بھینچے کھڑا تھا۔

مورے وہ کمرہ فرشتے کا رہنے دیں۔ حویلی میں اور بھی کمرے ہیں اوز گل کو ان میں سے کوئی کمرہ دے دیں۔۔ حیدر خان نے سنجیدگی سے کہا۔

نہیں حیدر فیصلہ آج اور ابھی ہو گا۔۔ اوز گل تمھارا بچوں کا ماں بنے گا۔ اس لیے اس کا مقام بھی زیادہ ہو گا۔۔ فرشتے حویلی کا کوئی بھی کمرہ لے لے۔۔ رقیہ خانم سرد مہری سے سفاکی سے بولی۔۔

ٹھیک ہے مورے میں کوئی اور کمرہ لے لیتی ہوں۔۔ میں ابھی اپنا سامان نکال دیتی ہوں۔ فرشتے نے جلدی سے کہا۔۔

حیدر تم نے دوسری شادی کر لی ہے۔۔ ارحام کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔

کی نہیں ہے مگر ہمارا حیدر کا نکاح ہے اوز گل کے ساتھ اسی ہفتہ۔۔۔ رقیہ خانم کی بات پر ارحام نے فرشتے کو دیکھا جو اسے دیکھتے نظریں چرا گئی تھی۔۔

حیدر تم دوسری شادی کر رہے ہو۔۔ میں یہ سن کر شاکڈ نہیں ہوا۔۔ تم دوسری شادی کر رہے ہو۔۔ کوئی کوئی مرد اپنی بات اپنے وعدوں پر قائم رہتا ہے۔۔ میں اگر دوسری شادی پر کوئی بات کروں گا تو بات حق پر آ جائے گی۔۔ شائد اولاد کے لیے دوسری شادی کرنا تمھارا جائز حق ہے۔۔ مگر تم تو دوسری شادی سے پہلے ہی رشتوں میں توزان برقرار رکھ نہیں پا رہے۔۔ تمھارے سامنے ہی تمھاری بیوی سے یہ سلوک ہو رہا ہے تم خاموش ہو۔۔ کیوں خاموش ہو۔۔۔ ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔۔۔ بیوی تو بلکل نہیں لے سکتی۔۔ مگر بیوی کی ایک الگ جگہ ہوتی ہے۔۔ وہ حیثیت ایک مرد کو برقرار رکھنی پڑتی ہے۔۔ فرشتے یہاں نوکروں کی طرح کام کرتی ہے۔۔ میں اس کے بارے میں بھی سوال نہیں

کروں گا۔۔ وہ بہو اس حویلی کی۔۔۔ تم جیسے رکھو گے وہ رہ لے گی۔۔ مگر وہ ایسے طعنے سنتے یہاں پر کیسے رہے گی۔۔ جس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں۔۔۔ فرشتے ماں نہیں بن سکتی۔۔ اس حقیقت سے تم باخبر تھے۔۔ آج تم خاموش کیوں ہو۔۔

ارحام خانزادہ نے حیدر خان کے مقابل آتے سوال داغے

مجھ سے سوال پوچھنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔۔ ہمارے گھر کے معاملات میں بولنے کا تمھیں کوئی حق نہیں ہے۔۔ میں تمھارا لحاظ صرف فرشتے کی وجہ سے کر رہا ہوں۔۔ ورنہ ہماری حویلی کے زنان خانے میں قدم رکھنے کی کسی غیر کو آجازت نہیں ہے۔۔ تمھیں یہاں قدم رکھنے کی آجازت دے کر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔۔ اس لیے مجھے لگتا ہے تمھیں یہاں سے

چلے جانا چاہیے۔۔ حیدر خان نے ارحام خانزادہ کو گھورتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

جاؤں گا تو میں سہی مگر اپنی بہن کو ساتھ لے کر جاؤں گا کسی قیمت پر اسے اب یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔۔ ارحام خانزادہ نے بھی جوابًا لفظ چبائے تھے۔۔

لالا میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔۔ میں خان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔ فرشتے نے نم آواز میں حیدر خان کو دیکھتے جلدی سے کہا تھا۔۔

تم کہیں نہیں جاؤ گی فرشتے۔۔۔ حیدر خان مر تو سکتا ہے مگر اپنی عزت کو کسی غیر باہر کی لڑکی کے پیچھے نہیں چھوڑ سکتا۔ حیدر خان نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے طنزیہ کہا تھا۔

حیدر خان کے طنز پر ارحام کا رنگ سرخ ہوا تھا۔

اوز گل کا رنگ بھی توہین و خجالت سے سرخ پڑا تھا۔۔

رقیہ خانم کا رنگ مزید سرخ ہوا تھا۔۔۔ حیدر خان صاف لفظوں میں جتا چکا تھا وہ فرشتے کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ اوز گل کو بھی وہ غیر لڑکی کہہ رہا تھا۔۔ انہوں نے جو فیصلہ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔۔ انہوں نے فرشتے جیسی نحوست سے اپنی حویلی کو پاک کرنا ہی تھا۔۔ وہ فرشتے کے بانجھ پن کا سائہ اوز گل پر پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی۔۔

حیدر فرشتے یہاں نہیں رہے گی۔۔ کسی قیمت پر یہاں نہیں رہے گی۔۔ اس کا بھائی اسے یہاں سے لے کر جانا چاہتا ہے تو شوق سے لے کر جائے۔۔ ہم کو لگتا ہے جب تک تمھارا اوز گل کا شادی نہیں ہو جاتا اس کا ادھر سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔۔ رقیہ خانم نے سپاٹ انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔

مورے آپ کا حکم مانتے میں یہ شادی کر رہا ہوں۔۔ مگر فرشتے کو میں یہاں سے کسی صورت نہیں جانے دوں گا۔۔ اور میرے کمرے پر بھی صرف فرشتے کا حق ہو گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔ حیدر خان کی سرد اٹل آواز گونجی تھی۔۔

رقیہ خانم نے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا تھا انھیں پورا یقین تھا حیدر اب ان کے کسی فیصلے کے خلاف نہیں جائے گا۔۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے کو طلاق بھی دے دے گا۔ مگر حیدر خان تو فرشتے کو اپنے کمرے سے بھی نہیں نکال

رہا تھا۔۔رقیہ خانم جیسی سخت آنا پرست انسان تو غصے سے پاگل ہوئی تھیں۔ان کا بی پی فوراً سے شوٹ کر گیا تھا۔۔انہوں نے گہرے سانس لیتے فرشتے کو دیکھا جو بھیگی آنکھوں سے لرزتے ہوئے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان بھی اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔چہرہ سرد سپاٹ تھا۔۔آنکھیں بھی سرخ تھیں۔۔مگر نگاہوں میں فرشتے کے لیے گرمی تھی۔۔۔وہ حیدر خان کی آنکھوں میں فرشتے کے لیے شدید محبت دیکھ چکی تھیں۔۔وہ بھڑ بھر جلی تھیں۔

حیدر یہ ہمارا حکم ہے فرشتے اس حویلی میں نہیں رہے گا۔رقیہ خانم نے غصے سے کہا۔۔مورے میں نے کیا کہا ہے آپ سے۔۔۔حیدر خان کے لفظ منہ ہی میں تھے

کہ رقیہ خانم سینے پر ہاتھ رکھ کر سینہ مسلہ ہوے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھیں۔۔

حیدر خان ان کی طرف بڑھا تھا۔۔ دور رہو حیدر فیصلہ کرو۔۔ تمھارا بیوی یا ہم۔۔۔۔ رقیہ خانم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا تھا۔۔

مورے یہ کونسی ضد ہے جب میں کہہ چکا ہوں میں اوزگل سے شادی کروں گا تو پھر فرشتے کو یہاں سے کیوں بھیجنا چاہتی ہیں۔۔ حیدر خان بے بسی سے کہتے جھنجھلایا تھا۔۔

ہمارا حکم ہے یہ یہاں نہیں رہے گی۔۔ جب تک اوزگل اور تمھارا نکاح نہ ہو جائے۔۔ رقیہ خانم نے سپاٹ لہجے بمشکل ہی کہا تھا۔ ان کی سانسیں جیسے اکھڑ رہی تھیں۔

حیدر خان لب بھینچے خاموش کھڑا اب سرخ آنکھوں سے رقیہ خانم کو دیکھ رہا تھا۔۔ جس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی واضح تھی۔۔۔

خالہ یہ دوائی لے لیں۔۔ اوزگل دوائی اور پانی کا گلاس لے کر ذقیہ خانم کی طرف بڑھیں جسے رقیہ خانم نے پانی کا گلاس پکڑتے زمین پر مار دیا تھا۔ حیدر خان بے بسی سے رقیہ خانم کو بے بسی سے دیکھتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

چلو فرشتے یہاں سے۔۔۔ ارحام خان نے حیدر خان کو خاموش دیکھتے فرشتے کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھرا تھا۔۔

لالا میں خان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔ فرشتے نے بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھا تھا۔۔

چلو یہاں سے۔۔ ارحام خانزادہ نے حیدر خان کو گھورتے سرد لہجے میں بولا۔۔

خان۔۔۔۔ فرشتے نے روتے ہوے اسے پکارا تھا۔۔ حیدر خان نے لب بھینچتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔

چلو فرشتے۔۔۔۔ فرشتے کو حیدر خان کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھتے پا کر ارحام اب کی بار دھاڑا تھا۔۔

فرشتے ارحام کی حصار میں لرز اٹھی تھی۔۔

ارحام اسے بازوؤں کے حلقے میں لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔۔

خان۔۔۔ فرشتے نے پھر سے سسکی لیتے اسے پکارا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے اب کی بار اسے سرخ آنکھوں سے گھورا تھا۔۔ فرشتے ارحام کی سرد سرخ نظر پر نظریں جھکا گئی تھی۔۔

وہ ارحام کے حصار میں داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔۔ داخلی دروازے پر رکتے اس نے پلٹ کر ایک بار پھر سے حیدر خان کو دیکھا تھا۔۔ حیدر خان جو نچلا لب دانتوں میں دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

پیار ہم نے کیا ہے

پیار تم نے کیا ہے

یار پھر امتحاں کیوں

زمانے نے لیا ہے

درد جتنا ملے گا

پیار اتنا بڑے گا

ہم ساتھ دیں گے تیرا

تجھ سے وعدہ ہے ساتھی

فرشتے روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی وہ اب رخ پلٹ گیا تھا۔

فرشتے ارحام کی بانہوں میں سمائے اس کے سینے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ ارحام نے اپنا حصار اس کے گرد اور مضبوط کیا تھا۔۔ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔۔

حیدر خان نے ایک نظر رقیہ خانم کو دیکھا تھا۔۔ جو گہرے سانس لیتے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔

اوز گل کو مورے کو دوائی دو۔۔۔حیدر خان سرد انداز میں کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی حویلی کے گیٹ پر آکر رکی تھی۔۔فرشتے سیٹ پر نڈھال سی ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔

ارحام خان کچھ پل لب بھینچے فرشتے کو دیکھتا رہا۔۔جس کی آنکھوں سے برستے آنسو اس کے عارض اور گردن کو بھگو رہے تھے۔۔پورے راستے اس کی آنکھوں کی نمی خشک نہ ہوئی تھی۔۔

ارحام نے اپنا لب بری طرح کچلا تھا۔۔چھوٹی بہن تھی بیٹیوں جیسی۔۔۔اس کی تکلیف اس کے دل کے کئی ٹکڑے کر گئی تھی۔۔

وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا تھا اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے کلائی سے نرمی سے جکڑے باہر کی طرف نکالا۔۔ فرشتے خاموشی سے باہر آگئی تھی۔۔ وہ روبوٹ کی مانند اب پتھرائی کھڑی تھی۔۔ اس کی نظریں حویلی کے در و دیوار پر تھیں۔۔

ارحام اس کے لرزتے کانپتے بدن کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے اندر کی جانب بڑھا تھا۔۔

وہ شاہنواز کے نکاح میں جب تک تھی۔۔ بہت بار حویلی آئی تھی۔۔ بہت بار شاہنواز نے اسے اپنی حویلی سے نکالا تھا۔ مگر کبھی اس کی یہ حالت نہیں ہوئی

تھی۔۔وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ حویلی آتی تھی۔۔کچھ دن گزارتی تھی۔۔شاہنواز اسے لینے آجاتا تھا وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلی جاتی تھی۔۔نہ کوئی شکوہ نہ کوئی آنسو۔۔۔پتھر سی تھی تب وہ۔۔۔۔۔

مگر آج تو فرشتے وہ فرشتے تھی ہی نہیں تھی۔۔یہ تو ٹوٹی بکھری اجڑی ہوئی فرشتے تھی۔۔جس کا جیسے سب کچھ لٹ چکا تھا۔۔فرشتے کی زندگی میں حیدر خان کی اہمیت واضح ہو چکی تھی۔۔شاہنواز صرف اس کا شوہر تھا۔۔مگر حیدر خان اس کی زندگی تھا۔۔شاہنواز فرشتے کے جسم کا مالک تھا۔گر حیدر خان اس کے دل جسم روح کا مالک بن چکا تھا۔

فرشتے کی حالت دیکھتے ارحام اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا۔۔کیا تھا وہ اپنی بہن کو ساری عمر اپنے پاس رکھ لیتا۔۔۔

اس کی شادی ہی نہ کرتا۔۔اب وہ حیدر خان کی بیوفائی اس کی دوسری شادی کا زخم کیسے برداشت کرے گی۔۔وہ تو اسے سکھ دینا چاہتا تھا۔۔اور وہ اسے اب زندگی کا سب سے بڑا غم دے چکا تھا۔دل کا غم کیسا ہوتا ہے پتھر سے پتھر انسان ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔

وہ اسے لیے اندر داخل ہوا تو پوری حویلی سناٹے میں ڈوبی تھی۔رات کافی ہو چکی تھی۔۔سب اپنے کمروں میں تھے۔۔۔

فرشتے کے لرزتے بدن کو سنبھالتے اس کے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ اس کے بازوؤں میں یکدم جھولتی اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی۔۔

فرشتے۔۔۔۔ارحام نے تڑپتے ہوئے اسے پکارا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اسے بازوؤں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔۔

اسے بیڈ پر لٹائے وہ بہارے کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔۔

فرشتے کی حالت بہت خراب تھی وہ بخار سے تپ رہی تھی۔

بہارے اسے کمرے میں چیک کر رہی تھی۔۔

فرشتے کی حالت دیکھتے امینہ خانم کی طبعیت بہت خراب ہو چکی تھی۔۔ ارحام ہمارا بچی کا کیا قصور ہے۔ جو حیدر اس پر سوتن لا رہا ہے۔۔ اتنا معصوم اتنا پیار ہمارا بیٹی ہے۔۔ اس رقیہ خانم نے رول کر رکھ دیا ہمارا فرشتہ کو۔۔۔۔۔ خدا اس عورت کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔۔ امینہ خانم روتے ہوے بولی۔۔

ارحام لب بھینچے خاموشی سے صوفے پر بیٹھا تھا اس کی اپنی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔۔۔وہ امینہ خانم کو کیا تسلی دیتا۔۔جی کر رہا تھا حیدر خان کی جان لے لے۔۔ مگر نہیں لے سکتا تھا۔۔اس کی بہن کی جان اس خود غرض بے حس انسان میں بستی تھی۔۔

پتہ نہیں کس کا نظر لگ گیا ہمارا بچوں کو۔۔کوئی بھی خوش نہیں ہے۔۔امینہ خانم نے روتے ہوے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلیں۔۔

لالا۔۔۔۔۔۔۔۔بہارے فرشتے کے کمرے سے نکلتے ارحام کی طرف بڑھی۔۔میں نے فرشتے کے جتنے بھی ٹیسٹ کیے ہیں۔ان کے مطابق فرشتے امید سے ہے۔۔بہارے کی بات پر ارحام اور امینہ خانم صوفے سے

کھڑے ہوے تھے۔۔وہ بے یقینی سے بہارے کی طرف دیکھ رہے تھے۔۔جس کی کی آنکھیں نم تھی۔۔آواز کپکپا رہی تھی۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم بہارے؟؟امینہ خانم نے شاکڈ کے عالم میں کہا۔

ارحام خانزادہ بھی بے یقین ہوا تھا۔۔

میں بھی شاکڈ ہوں۔۔مگر سچ یہی ہے۔۔ٹیسٹوں کے مطابق فرشتے امید سے ہے۔۔باقی کے شک وشبہات صبح ہسپتال سے دور ہو جائیں گے۔۔مجھے لگتا ہے لالا۔۔کمی فرشتے میں نہیں شاہنواز میں تھی۔۔

اور الزام فرشتے پر لگا دیا یا پھر اللہ نے فرشتے کے صبر کا پھل اسے عطا کیا ہے۔۔جو بھی ہے فرشتے ماں بننے والی ہے۔۔بہارے نے بھیگے لہجے میں

گہرے سانس لیتے کہا۔ فرشتے کی حالت اس سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی۔۔ وہ بیہوشی کے عالم حیدر خان کا نام پکارے جا رہی تھی۔۔۔

لالا۔۔۔۔۔ ہم فرشتے کے کچھ اور ٹیسٹ کروا کر شور ہونے پر حیدر خان کی فیملی کو بتا دیتے ہیں۔۔ وہ یہ سن کر دوسری شبدی نہیں کرے گا۔

وہ شادی کرے یا نہ کرے مگر فرشتے اب کبھی حیدر خان کے پاس نہیں جائے گی۔ وہ میری فرشتے کے لائق نہیں ہے۔۔

ارحام سرد اٹل لہجے میں بولتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بہزاد خان کی گاڑی ایک بہت بڑے کے فارم ہاؤس گیٹ پر آ کر رکی تھی۔۔ یہ فارم ہاؤس حویلی سے کافی دور تھا۔۔ پہاڑوں کے بیچ گرا ایہ فارم ہاؤس میلوں پھیلا ہو تھا۔۔ جس کے اطراف میں بہت بڑا جنگل تھا۔۔ آس پاس کوئی گھر کوئی حویلی نہیں تھی.

گاڑی بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تو ابرش کے وجود پر لرزا طاری ہوا تھا۔۔

بہزاد خان کی گاڑی کے ساتھ چاروں طرف اس کے گارڈز کی گاڑیاں بھی آ کر رکی تھیں۔

ابرش کے حواس بری طرح معتل تھے۔۔ زعیم کی خون میں لت پت لاش ابھی تک گاڑی میں پڑی تھی۔۔

وہ اتنی بری طرح سہمی ہوئی تھی۔۔پورے راستے ابرش نے خوف سے پلکیں بھی نہیں جھپکی تھیں۔۔اپنی چادر کو اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوے وہ سیٹ کے ساتھ چپکی تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ساری بہادری ہوا ہوئی تھی۔۔زعیم کی لاش اس کی وجود کی تھر تھراہٹ میں آضافہ کر رہی تھی۔۔زعیم جیسے درندے کی موت کا کوئی غم نہیں تھا مگر اس نے اپنے سامنے پہلی مرتبہ کسی کو اتنی بے دردی سے قتل ہوتے دیکھا تھا۔۔

بہزاد خان نے گاڑی سے اترتے ہی ابرش کے طرف کا دروازہ کھولا تو ابرش کرنٹ کھا کر دوسری طرف ہوئی تھی۔اپنی چادر مزید اچھی طرح خود پر پھیلائی۔۔اس کے سر کا ایک بال بھی اب نظر نہیں آرہا تھا۔۔وہ سہمتی ہوئی گاڑی کی سیٹ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

بہزاد خان نے گہرا مسکراتے ہوے ہاتھ بڑھاتے ابرش کی کلائی جکڑے اسے کھینچتے ہوے باہر نکالا تھا۔۔

وہ گھسٹتی ہوئی باہر آئی تھی۔۔۔

درخزئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہزاد خان گرجا تھا اس کی گرج پر ابرش بھی بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔

اس لاش کو ہمارے پالتو بل ڈاگ کے آگے ڈال دو۔۔اتنے دنوں سے اس نے انسانی گوشت نہیں کھایا۔۔خوش ہو جائے گا۔۔بہزاد خان ابرش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

بہزاد خان کے گارڈ درخزئی نے زعیم کی لاش نکال گاڑی سے نکالتے زمین پر پھینکی تھی۔۔اور اپنے ہاتھ میں جکڑے کتے کا پٹا چھوڑ دیا تھا جو کب سے

زعیم کے مردہ وجود کو دیکھ کر بھونکے جا رہا تھا۔ پٹا چھوٹنے کی دیر تھی وہ بھونکتا ہوا اس پر جھپٹ پڑا تھا۔۔

ابرش نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخ گلے میں گھونٹی تھی۔۔ اتنی بے رحمی اور غیر انسانی سلوک اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔۔ اسے زور دار چکر آیا تھا۔۔ ابرش نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔۔

ابرش کو چکراتا دیکھ کر بہزاد خان اس کی طرف بڑھا تھا۔

خبردار تم میرے قریب بھی آئے۔۔ اپنے غلیظ ہاتھوں سے مجھے چھوا بھی تو جان لے لوں گی تمھاری۔۔۔ ابرش پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ لگے غرائی تھی۔۔

بہزاد خان کا بھاری قہقہہ فارم ہاؤس میں گونجا تو پاس کھڑے گارڈز بھی مسکرائے تھے۔۔

اس کتے کا انجام دیکھ کر بھی تمھیں ڈر نہیں لگ رہا کہ تمھارے ساتھ یہاں کیا کیا ہو سکتا ہے۔۔ بہزاد خان نے زعیم کی طرف اشارہ کرتے آنکھ ماری تھی۔۔ جس کی لاش جنگلی کتے نے پل میں چیر پھاڑ کر رکھ دی تھی۔

نہیں ڈر لگ رہا کیونکہ میں کتوں سے نہیں ڈرتی۔۔۔ ابرش بہزاد خان کو گھورتے پھنکاری تھی۔

ابرش کے طنز پر بہزاد خان کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

آج رات تمھیں اصل میں پتہ چلے گا میں آخر ہوں کون؟؟ جب تمھارے انگ انگ سے میں کھیلوں گا۔۔۔ جب تمھارے نازک وجود سے اپنی

پیاس بجھاؤں گا۔۔ تمھیں کتے اور شیر میں فرق معلوم ہو جائے گا۔۔ بہزاد خان ابرش کے قریب ہوتا اس کے گرد دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ پن کیے غرایا تھا۔۔ بہزاد خان کی اتنی نزدیکی پر ابرش کے بدن میں غصے اور اشتعال کے مارے ابال اٹھے تھے۔۔

ابرش نے بہزاد خان کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا کہ بہزاد خان اسی لمحے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی کلائی بری طرح مڑوڑتے اس کی کمر پر لگا گیا ۔۔۔ ابرش درد سے سسک کر رہ گئی۔۔ اس نے کراہتے ہوے بہزاد خان کی سرخ سرد پتھریلی آنکھوں میں دیکھا۔

میں زعیم نہیں ہوں جو تمھارے تھپڑ کھالے۔۔ تم نے بہزاد خان کو بہت حلقے میں لیا ہے۔۔ آج رات تمھیں اندازہ ہو جائے گا۔۔ اصلی مرد ہوتا کیسا

ہے۔۔۔بہزاد خان ابرش کی سہمی آنکھوں میں دیکھتے دھاڑا تھا۔۔ابرش کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ گرم سیال میں بھی اضافہ ہوا تھا۔۔

بہزاد خان رحم کرو۔۔۔۔میں زاران کی عزت ہوں۔۔ابرش سسکتے ہوے بولی تھی۔۔

زران کے نام پر بہزاد خان کی آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔۔اب نہیں رہو گی عزت۔۔۔۔تم اس قابل ہی نہیں رہو گی کہ اس کی عزت رہ سکو۔۔تمھاری حالت تمھارا لٹا پٹا وجود اب صرف بہزاد خان کی ملکیت ہو گا۔۔تمھارا ہر راستہ صرف مجھ تک جائے گا۔وہ اس چہرے پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتا پھنکارا تھا۔۔

ابرش منہ پر ہاتھ رکھ کر نفرت سے اپنا چہرہ پھیر چکی تھی۔

بہزاد خان اسے کچھ پل دیکھتا رہا پھر اسے کلائی سے جکڑے اندر کی جانب بڑھا۔۔

بہزاد چھوڑو مجھے۔۔۔ابرش حلق کے بل چیخی تھی۔۔

وہ اس کی چیخ و پکار پر ہنستا ہوا اسے لیے اندر داخل ہو چکا تھا۔

ابرش کو کلائی سے جکڑے وہ ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہوا۔۔اسے بیڈ پر پوری قوت سے پٹخا تھا۔۔

وہ بیڈ کے نرم گدے پر اوندھے منہ گری تھی۔۔

ابرش اپنی چادر کو سنبھالتے ہوے سیدھی ہوئی تھی۔وہ سٹل ہوئی تھی۔۔

اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی کی رہ گئی تھیں۔۔ کمرے میں چاروں طرف دیواروں پر اس کے پوسٹرز لگے ہوے تھے۔۔

ریڈ دلہن کے لباس میں سجا سنورہ اس کا وجود۔۔۔۔ وہ ان پوسٹرز میں موجود تھی۔۔

وہ بے یقینی سے یہ پوسٹرز دیکھ رہی تھی۔ بال کھلے ڈرا سہما اس کا وجود۔۔۔۔ ہر طرف اس کے ہی پوسٹرز لگے تھے۔۔ اس کا ایک ایک انگ واضح تھا۔۔ اس کی کمر کا تل بھی واضح تھا۔۔ جسے خاص طور پر کیپچر کیا گیا تھا۔

کسی غیر مرد کے کمرے میں اس کی تصویریں تھیں۔وہ سٹل یہ سب دیکھ رہی تھی۔

کیا دیکھ رہی ہو؟؟ بہزاد خان اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانگی دیکھ کر گہرا مسکراتے ہوے بولا۔۔اس کی طرف بڑھتے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔ابرش کی آنکھوں میں ٹھہری نمی اس نے چننے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ

ابرش سہمتی ہوئی پیچھے کو ہوئی تھی۔اپنے سر سے سرکتی چادر اس نے اپنے سر پر مزید جمائی تھی۔۔

بہزاد خان نے پھر سے قہقہ لگایا تھا۔

کب تک آخر۔۔ کب تک ؟؟۔۔۔ پردے تو آج گریں گے ہی۔۔۔۔ آج رات تم میری۔۔۔۔ اور کل صبح تم میرے پرائیویٹ جیٹ پر میرے ساتھ یہاں سے سات سمندر دور۔۔۔ اور یہاں تمھارے شوہر کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔۔ بہزاد خان نے کمینگی سے آنکھ ماری تھی۔۔ ابرش کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

تمھاری میرے پاس ایسی ہزاروں تصویریں ہیں۔۔ جہاں میں وہاں تم۔۔۔۔ جانتی ہو تمھارا شوہر بھی یہ پوسٹر دیکھ چکا ہے۔۔ کیا حالت ہوئی اس کی میں بتا نہیں سکتا۔۔ بہزاد خان لمبا سانس کھینچ کر مسکرایا رہا۔

کیا کہہ رہے ہو یہ تم ؟؟۔ ابرش کے لب کپکپائے تھے۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

دیکھنا چاہو گی اسے ؟؟۔۔۔ کیا حالت ہوئی تھی اس بیچارے کی۔۔ بہزاد خان نے اسے کمینگی سے آنکھ مارتے ہوئے سامنے لگی ایل ای ڈی آن کی۔۔

سکرین پر زاران خانزادہ اپنے بال جکڑے ایک کمرے میں کھڑا ان پوسٹرز کو دیکھ رہا تھا۔۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

ابرش سکرین پر زاران خانزادہ کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر طرح رو دی تھی۔۔ وہ پاگلوں کی طرح ان پوسٹرز پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

وہ اب ایک ایک کر کے وہ پوسٹرز پھاڑ رہا تھا۔۔ چلا رہا تھا۔۔

کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔۔

ابرش یہ دیکھتے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔اس کا بدن ہچکولوں کی نذر ہوا تھا۔

زاران خانزادہ نے اپنا ہاتھ فینسی مرر وال پر مارتے ہوے زخمی کیا تو ابرش کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔زاران خانزادہ کا درد اس کے دل میں اتر رہا تھا۔۔

تم اس لباس میں آج کسی عورت کے سامنے بھی نہیں جاؤ گی۔۔ آج تمھیں کوئی عورت بھی دیکھے مجھے گوارا نہیں ہے۔۔ابرش زران خانزادہ کو سکرین پر دیکھ کر اس کے لفظ یاد کرتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ کس کس نے

نہیں دیکھا تھا اسے اس لباس میں۔۔۔۔ سوات کی اس اندھیری ٹھنڈی رات میں وہ کتنے ہی مردوں کی نظروں کے تسکین کا ذریعہ بنی تھی۔ بے پردہ عورت کو کون سا مرد چھوڑتا ہے۔۔ اسے بھی سب نے دیکھا تھا۔۔

سکرین پر آگ کے شعلے نظر آرہے تھے۔۔ وہ تمام پوسٹرز جلا چکا تھا۔۔ آگ کی سرخی کی طرح اس کی آنکھوں کی رنگت تھی۔۔ وہ وحشت کے عالم میں چیخ رہا تھا۔۔

ابرش اس کی چیخیں سنتے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ وہ سمجھ چکی تھی آج سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔۔

وہ اپنا اور اس کا رشتہ کھو چکی ہے۔۔

درد ہی درد تھا۔۔۔جو اسے مار رہا تھا۔۔

بیچارہ تمھارا شوہر وہ پوسٹر پھاڑ کر سمجھ رہا ہے۔۔وہ سب ختم کر چکا ہے۔۔یہ پوسٹر تو ہر جگہ ہیں۔اور میرے دل میں وہ تمھاری تصویریں کیسے مٹائے گا۔۔سب سے بڑھ کر میں آج تمھارا جسم بھی میرا ہو جائے گا۔۔کیا کرے گا وہ مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔بہزاد خان لائٹر سے سگریٹ جلاتا گہرا مسکرایا تھا۔۔

ابرش بہزاد خان کے منہ سے مسٹر خانزادہ سن کر سسک پڑی تھی.

بہزاد خان نے اس کے سسکنے پر قہقہ لگایا تھا۔۔

اب تم سوچ رہی ہو گی کہ تم اسے مسٹر خانزادہ بلاتی ہو مجھے کیسے پتہ۔۔۔بہزاد خان نے سامنے صوفے پر بیٹھتے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔۔

جانتی ہوں تمھیں ہر خبر وہ باربینا پہنچاتی رہی ہے۔۔ ابرش نے چیختے ہوے کہا۔

بہزاد خان نے پھر سے جی دار قہقہ لگایا تھا۔۔

کوئی فایدہ نہیں اب تمھاری انٹلیجنس کا۔۔ تمھاری ایمبیسی کا۔۔ امریکہ سے ائی ہوئی لڑکی ایک سولہ سالہ لڑکی کے ہاتھوں بیوقوف بن گئی۔۔ چچ چچ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش پاشا جو خود کو کوئی چیز سمجھتی ہے۔۔ وہ ہر بار بیوقوف بنی۔۔۔۔ کبھی زعیم کے ہاتھوں۔۔ کبھی اس باربینا کے ہاتھوں۔۔۔۔۔ بہزاد خان مسکراتے ہوے بولا تو ابرش منہ پر ہاتھ رکھے چیخیں مار کر رو دی تھی۔

میری نظروں میں وہ زاران خانزادہ اور اس کی حویلی تب سے ہی تھی۔۔جب آہل نے میری بہن کو بھگایا۔۔اور اس کی مدد کی تمھارے شوہر نے۔۔۔۔اس دن ہی سوچ لیا تھا زاران کی عزت پر ایسا وار کروں گا۔۔وہ بلبلا کر رہ جائے۔۔اسے بھی تو پتہ چلنا چاہیے کسی کی عزت پر حملہ کرنا کیسا ہوتا ہے۔۔۔بہزاد خان ٹیبل پر رکھا شوپیس زمین پر مارتا دھاڑا تھا۔۔

ابرش سہمتے ہوئے خود میں سمٹی تھی۔۔بہزاد خان کا خوف اس کے رگوں میں دوڑتا خون جما رہا تھا۔۔

اگر وہ آہل میرے حوالے کر دیتا تو میری زاران خانزادہ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔۔مگر اس نے پانچ ماہ سے اسے چھپا کر رکھا ہے۔۔اپنی بیوی کے بھائی کو بچایا۔وہ ابرش کو دیکھتا طنزیہ مسکرایا تھا۔

میری مخبر باربینا پانچ ماہ سے اس حویلی میں ہے۔۔ مگر آہل کے متعلق وہ ایک ثبوت بھی حاصل نہیں کر سکی۔۔۔ تمھاری اور زاران کی ہر کنورسیشن مجھ تک پہنچتی رہی۔ مگر وہ ہمیشہ تم سے آہل کے بارے میں چھپاتا رہا تھا۔۔ سمجھدار تھا وہ۔۔۔۔۔۔ اسے اندازہ تھا حویلی میں میرے مخبر ہو سکتے ہیں۔۔ بہزاد خان نے اب صوفے پر بیٹھتے کروفر کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔ اس نے بہت سی ملازماؤں کو حویلی سے نکال دیا۔۔ مگر باربینا کی کم عمری اور معصومیت سے دھوکا کھا گیا۔۔

وہ اس کے پرانے وفادار ملازم گل خان کی رشتہ دار تھی۔۔ اس لیے اس کا شک باربینا پر نہیں گیا۔ بہت کوشش کی کسی طرح زاران خانزادہ سے پتہ چل جائے آہل اور زرتاج کہاں ہیں۔۔۔ مگر پتہ نہ چل۔ سکا۔ زاران

خانزادہ بہت ہوشیار تھا۔۔ وہ تو اپنے سائے کو بھی پتہ نہیں چلنے دے رہا تھا آہل کہاں ہے۔۔

اسی لیے میں نے عنائیہ کو اغوا کیا۔۔ زاران یہاں مار کھا گیا تھا۔۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا میں عنائیہ کو اغوا کروں گا۔۔ مگر میں نے یہ کر لیا۔۔۔ بہت کوشش کی اس نے عنائیہ کو میری قید سے چھڑوانے کی۔۔ مگر افسوس بیچارہ چھڑوا نہ سکا۔ اور اب بھی وہ عنائیہ کو اس لیے بازیاب کرواسکا کیونکہ میں نے ایسا ہونے دیا۔۔

مجھے عنائیہ سے کوئی مطلب نہیں تھا میں تو عنائیہ کے توسط صرف آہل تک پہنچنا چاہتا تھا۔۔۔۔

تم کتنے گرے ہوئے ہو بہزاد خان۔۔۔ وہ صرف چودہ سال کی ہے۔۔ تم نے چار ماہ اسے اپنے پاس رکھا۔۔ تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟! ابرش چیخی تھی۔۔

میں اگر گرا ہوتا تو عنائیہ کی عزت کے ساتھ دن رات کھیلتا۔۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی یہاں سے گئی ہے۔۔ گرا ہوا تمھارا وہ بھائی اور شوہر ہے جنھوں نے میری عزت کے ساتھ کھیلا۔۔وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

زرتاج کی ایک ہفتے بعد شادی تھی۔کارڈز تک بٹ چکے تھے۔۔۔

کیا کیا جھوٹ بولنے پڑے مجھے۔۔ کیا کیا بہانے بنانے پڑے۔۔۔ دنیا پاگل نہیں ہے۔۔۔سب سمجھ گئی تھی۔۔۔ جس کے ساتھ زرتاج کی شادی طے تھی۔۔وہ منسٹر کا بیٹا تھا۔۔۔۔ کیا عزت کیا ساکھ رہ گئی میری۔۔۔ بہزاد خان گرج اٹھا تھا۔۔اس کی سیاہ پتھریلی آنکھیں لال ہوئی تھیں۔

صرف تمھارے بھائی اور شوہر کی وجہ سے یہ سب ہوا۔۔ عنائیہ کو اغوا کر کے میں نے تمھارے بھائی سے بدلہ لیا۔۔ تمھیں اغوا کر کے زاران خانزادہ سے بدلہ لے لیا۔۔ وہ مسکراتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔۔ بہزاد خان کی آنکھیں اب پر سکون تھیں۔۔ جیسے وہ اب پر سکون تھا۔۔

مگر نہیں تمھیں اغوا کرنے میں میرے دل کا بھی ہاتھ ہے۔۔ جس دن سے تمھیں دلہن کے لباس میں دیکھا میں پاگل ہو گیا۔۔ تمھیں دلہن کی طرح سجا سنوار کر اپنی بانہوں میں دیکھنے کا تمنائی تھا۔ مگر وہ زاران خانزادہ نے پھر سے مجھے مات دے دی۔۔

جس دن تمھارا اس زعیم کے ساتھ نکاح تھا۔۔ میرا اس دن تمھیں اغوا کرنے کا آرادہ تھ۔۔ امگر مجھ سے پہلے زاران وہاں پہنچ گیا۔ بہزاد خان نے غصے سے ٹیبل پر مکہ مارا مارا۔۔ پھر سے اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

ابرش اس کی پل پل بدلتی رنگت دیکھ کر سہم گئی تھی۔ سامنے بیٹھا انسان جتنا طاقتور لگ رہا تھا۔۔ وہ کوئی سائیکو بھی لگ رہا تھا۔۔

مگر آج نہیں۔۔۔۔ آج تمھیں میں پالوں گا۔۔ جب زاران خانزادہ کو پتہ چلے گا کہ تم اس کے قابل نہیں رہی وہ تمھیں چھوڑ دے گا۔۔۔

وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ بلکہ تمھیں جان سے مار ڈالے گا۔۔ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔۔ تمھارا دردناک انجام قریب ہے۔۔ وہ تمھیں چھوڑے گا نہیں۔۔۔ ابرش یکدم غرائی تھی۔۔

وہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچتا اس کا جبڑہ دبوچ چکا تھا۔۔

ابرش نے مزاحمت کرتے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے خود سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی تھی۔۔۔وہ اس کے دونوں کلائیوں کو جکڑتے اوپر کی طرف بیڈ کراؤن کے ساتھ اپنے ایک ہاتھ سے پن کر گیا۔۔

ایک ہاتھ سے اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچے اس کے ایک اطراف میں اپنا گھٹنہ رکھ کر اس پر جھکا

ابرش اب اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

وہ بمشکل سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے سہمی ہوئی اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔۔وہ اس پہاڑ جیسے پاگل انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔بے بسی اور ذلت کے احساس سے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔

وہ تمھیں چھوڑے گا نہیں تو میں اس کی جان لے کر رہوں گا۔۔ اگر اس نے مجھے مار بھی دیا تو تمھیں تو وہ کبھی اپنائے گا نہیں۔۔۔۔ بولو اپنائے گا وہ تمھیں۔۔۔۔۔ بہزاد خان نے اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچتے ہوے سوال کیا۔

ابرش اس کے سوال اور اس کی بے رحمی گرفت پر آنکھیں میچ گئی تھی۔

جواب دو میری بات کا۔۔۔ بہزاد خان اس کے کان کے پاس جھکتے اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ ابرش بری طرح کانپ اٹھی تھی۔

نن۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ اپنائے گا وہ مجھے۔۔۔ ابرش بمشکل بولتے بری طرح رو دی تھی۔۔ بہزاد خان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔۔

اچھی طرح جانتی ہو اپنے مسٹر خانزادہ کو۔۔۔۔۔بہزاد خان گہرا مسکرایا تھا۔۔

بہزاد خان اب اس کا جبڑہ چھوڑ چکا تھا۔۔ابرش نے بمشکل سانس لیتے اسے آنسوؤں کی چادر سے دیکھا۔۔

مجھے جانے دو بہزاد۔۔۔۔میں زاران خانزادہ کی بیوی ہونے سے پہلے ایک عورت ہوں۔۔ایک عورت کو اپنی عزت بہت عزیز ہوتی ہے۔۔تمھیں بدلہ لینا ہے تو لو میرے بھائی سے۔۔۔

میرے شوہر سے۔۔مگر اپنے بدلے میں ایک عورت کو استعمال مت کرو۔۔۔تمھیں خدا کا واسطہ ہے مجھے جانے دو۔۔۔ابرش نے روتے ہوے التجا کی۔۔۔

تمھیں بدلہ لینے کے لیے کون کمبخت یہاں لایا ہے میں تو اپنی محبت کو پانے کے لیے تمھیں یہاں لایا ہوں۔۔ تمھارے اس خوبصورت سراپے کو پانے کے لیے لایا ہوں۔ بہزاد خان اس کے سراپے پر گہری نظر ڈالتا ہوا بولا۔۔ جو بڑی سی چادر سے. چھپا ہوا تھا۔۔

بہزاد خان نے اپنا ہاتھ اس کی چادر کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ابرش نے پوری قوت سے اپنی ٹانگ اس کے ٹانگوں کے بیچ دے ماری تھی۔۔

بہزاد خان درد سے بلبلا کر رہ گیا تھا۔۔ وہ درد سے کراہتے ہوے پیچھے ہوا تھا۔۔ وار بڑا خطرناک تھا۔۔ ابرش نے اپنی پوری قوت استعمال کی تھی۔ ابرش اسے درد سے تڑپتا دیکھ کر طنزیہ مسکرائی تھی۔۔

تم آج اس قابل ہی نہیں رہو گے تم مجھے برباد کر سکو۔۔ ابرش اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔

بہزاد خان نے اس کی طرف بڑھتے پوری قوت سے اس کے گال پر زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔

تھپڑ اتنا زور دار تھا کہ ابرش کے ہونٹوں سے خون نکلتا اس کے حلق میں اترا تھا۔۔ ابرش کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔۔

بہزاد خان نے اس کی کلائیاں جکڑے اسے تکیے پر پٹخا تھا۔۔ ابرش کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔۔

بہزاد خان میرے قریب مت آنا۔۔۔ میں نے ابھی ابھی اپنا بچہ کھویا ہے۔۔۔ ابرش اسے شرٹ اتارتا دیکھ کر گڑگڑائی تھی۔

وہ اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہی تھی۔۔اس کی حالت بہت خراب تھی۔۔نقاہت سے اسے چکر آ رہے تھے۔۔عزت کے لٹ جانے کے خوف سے وہ اپنے ہوش نہیں گنوا پا رہی تھی۔۔

مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔میرا مقصد تمھیں اپنا بنانا ہے میں آج ہر حال میں تمھیں اپنا کر رہوں گا۔۔وہ اپنی شرٹ اتارتا اس کی طرف بڑھا تھا کہ ابرش نے بہزاد خان کے سر پر مارنے کے لیے سائیڈ ٹیبل سے واز اٹھایا ہی تھا اس سے پہلے وہ بہزاد خان کے سر پر مارتی۔۔وہ اس کے ہاتھ سے وہ واز جکڑ چکا تھا۔۔

تم واقعی میں جی دار عورت ہو۔۔۔۔مزا آئے گا آج کی رات تو۔۔بہزاد خان اس کی دونوں کلایاں جکڑ چکا تھا۔۔

نہیں بہزاد خان مجھے چھونا مت۔۔۔۔۔۔۔ابرش روتے ہوے چیخی تھی۔۔

بہزاد خان نے اس کی چادر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کا موبائل فون چنگاڑا تھا۔۔

بہزاد خان نے غصے سے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھائے کان سے لگایا۔۔ابرش کی کلاییاں نہیں چھوڑیں تھیں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟وہ کیسے یہاں آسکتا ہے؟۔۔اسے ادھر کا کیسے پتہ چلا۔؟؟۔بہزاد خان فون پر گرجتے ہوے ابرش کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔

اس نے جلدی سے سامنے لگی ایل ای ڈی آن کی۔۔

گیٹ پر زاران خانزادہ اور اس کے گارڈز کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔۔ جنھوں نے فارم ہاؤس کے گیٹ پر کھڑے گارڈز پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔۔

بہزاد خان یہ دیکھتا پاگل ہوا تھا۔۔

اس فارم ہاؤس کا کسی کو نہیں پتہ تھا۔ اور زاران خانزادہ اتنی جلدی یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔۔ وہ کیسے اتنی جلدی یہاں آ گیا۔۔۔۔ زاران کے گارڈز تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے. وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

بہزاد خان غصے سے پاگل ہوا تھا۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے تم کیسے یہاں آ سکتے ہو۔۔۔ بہزاد خان دھاڑا تھا۔۔ وہ سکرین پر زاران کو دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔

کیا ہوا بہزاد خان اپنی موت دیکھ کر پاگل ہو گئے ہو۔۔۔

ابرش کی بات پر بہزاد خان نے غصے سے اس کی طرف رخ پلٹے دیکھا تھا۔۔

جس موبائل کے ذریعے تم نے مجھے ٹریپ کیا۔۔اسی موبائل کے ذریعے میں نے تمھیں ٹریپ کیا۔۔ گاڑی میں اسی موبائل کی لوکیشن میں نے اپنے بھائی کو بھیج دی تھی۔اور وہ بہت آسانی سے تم تک پہنچ گئے۔۔اب غور سے دیکھو زاران خانزادہ کی آنکھوں میں وہاں سرخی کے ساتھ تمھیں اپنی موت بھی نظر آرہی ہو گی۔۔ابرش نے سکرین کی طرف دیکھا جہاں زاران کی آنکھیں سرخ تھیں۔۔وہ پسٹل ہاتھ پر پکڑے اندھا دھند فائر کر رہا تھا۔۔ابرش کی آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔۔جانتی تھی وہ مر جائے گا اس کی عزت پر آنچ نہیں آنے دے گا۔۔

بہزاد خان نے ابرش کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑی تھی۔۔اسے کلائی سے جکڑے وہ کمرے سے باہر نکلا تھا۔

چھوڑو مجھے بہزاد خان۔۔۔۔ابرش اپنی کلائی چھڑواتی چیخی تھی۔۔

بہزاد خان اسے لے کر فارم ہاؤس کے پیچھے کے دروازے کی طرف بڑھا جو گھنے جنگلے کی طرف کھلتا تھا۔۔

ابرش کی کلائی جکڑے وہ اس جنگل کی طرف بڑھا۔۔

بہزاد چھوڑو مجھے۔۔۔۔کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے۔۔ابرش اس کے ساتھ گھسٹتے ہوے چیختے ہوے بولی۔۔اس کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے۔۔۔وہ اس کی کلائی جکڑے اونچے نیچے پتھریلے راستوں پر گزر رہا تھا۔۔

ابرش کی بری حالت ہو چکی تھی۔۔ ہونٹ پھٹا ہوا۔۔ پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنی چادر بمشکل سنبھالے اپنے چکراتے وجود پر قابو پائے ہوے تھی۔۔

وہ اپنے ہوش نہیں کھونا چاہتی تھی۔۔۔ بہزاد اسے چھوے اسے گورا نہیں تھا۔۔

وہ اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی تاریکی میں چل رہی تھی۔۔ بلکہ گھسٹتی جا رہی تھی۔۔ وہ بنا رحم کھائے تیزی سے چل رہا تھا۔۔ ابرش کی اتنی ہمت نھیں تھی وہ دو قدم چل پاتی۔۔ مگر بہزاد خان کے شکنجے میں اسے بھاگنا پڑ رہا تھا۔۔

جہاں وہ رکتی وہ پوری قوت سے اسے گھسیٹتا۔۔۔

خدا کے لیے بہزاد مجھ پر رحم کرو۔۔۔وہ گھنے جنگل میں چیخی تھی۔۔ابرش کے چیخ و پکار پر اس کی کلائی جکڑے بہزاد نے اسے اتنی بے دردی سے کھینچا تھا کہ وہ منہ کے بل پتھریلی زمین پر گری تھی۔۔۔

وہ بے رحمی سے اسے ایسے ہی جکڑے تیزی سے آگے بڑھا۔۔وہ بمشکل زمین سے اٹھتی اس کے ہمقدم ہوئی تھی۔۔

زاران فارم ہاؤس کے اندر داخل ہوا۔۔۔ایک ایک کمرہ اس نے پاگلوں کی طرح چھان مارا تھا۔۔مگر بہزاد اور ابرش وہاں نہیں تھے۔وہ پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔۔۔اس کے گارڈز باہر تھے۔۔اندر اس نے کسی کو آنے نہیں

دیا تھا۔۔وہ نہیں جانتا تھا ابرش اندر کس حلیے میں ہے۔۔اس پر وہ کسی کی نظر پڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔۔ مگر وہ بہزاد خان کے ساتھ اکیلی ہے۔۔

زاران یہ سوچتا ایک بار پھر سے وحشت کے عالم میں چلایا تھا۔

وہ اپنی پسٹل لوڈ کرتے فارم ہاؤس کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا۔۔۔جو کھلا ہوا تھا۔

زران پاگلوں کی طرح بہزاد خان کو تلاش کر رہا تھا۔۔

اونچے نیچے راستے وہ پھلانگتا وہ بھاگ رہا تھا۔۔

بہزاد خان میں تمھیں آج نہیں چھوڑوں گا۔۔میری عزت پر حملہ کیا ہے۔۔میری ابرش پر بری نظر رکھی تمھاری آنکھیں نکال دوں گا۔۔وعدہ ہے میرا تم سے۔۔۔۔زاران گھنے جنگل میں چلایا تھا۔۔

بارش نے ایک بار پھر سے شدت اختیار کی تھی۔۔ابرش کی حالت یاد کرتے وہ مر رہا تھا۔۔اس کی حالت کتنی نازک تھی۔۔اور وہ اس بارش میں اس جنگلی انسان کے ساتھ تھی۔۔

بہزاد خان کہاں ہو تم؟؟بزدل انسان بھاگ گئے تم۔۔۔وہ پھر سے چیخا تھا۔۔

یکدم اس کے کندھے پر فائر ہوا تھا۔۔زاران نے چیختے ہوے اپنے بائیں کندھے پر ہاتھ رکھتے مڑتے ہوے دیکھا جہاں بہزاد خان ابرش کا ہاتھ جکڑے اس پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔۔

بہزاد خان کے ہاتھ میں ابرش کی کلائی دیکھ کر زاران خانزادہ کی آنکھوں میں خون اترا۔۔

ابرش نظریں جھکائے اپنی کھڑی تھی۔۔سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ۔۔۔ایک ہاتھ سے اپنی چادر کندھے سے بری طرح جکڑے ہوے تھی۔

وہ نظریں جھکائے بدحال سی کھڑی تھی۔۔زاران کی طرف ایک نظر دیکھتے اس کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر وہ پھر سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

اس سے پہلے زاران بہزاد خان پر فائر کرتا۔۔ بہزاد خان اس کے ہاتھ میں جکڑی پسٹل پر فائر کر چکا تھا۔۔ پسٹل زاران کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گری۔۔

زاران جلدی سے پسٹل پکڑنے کے لیے جھکا تھا کہ بہزاد خان کا فائر گونجا تھا۔۔ ابرش کی چیخ اس گھنے جنگل میں گونجی تھی۔۔ اس سے پہلے پسٹل کا وہ فائر زاران کے سر پر لگتا۔۔۔

اسفندیار خان اسے پیچھے کو دھکیلتا سامنے آ چکا تھا۔۔ بہزاد خان کی پسٹل کا فائر اسفندیار خان کے بازو پر لگا تھا

زاران نے سیدھے ہوتے بے یقینی سے اسفند کو دیکھا جو گہرے سانس لیتا اپنی پسٹل سے بہزاد خان پر فائر کر چکا تھا۔۔ اسفندیار خان کی پسٹل سے نکلتا فائر بہزاد خان کے دل کی سائیڈ پر آ کر لگا۔ بہزاد خان اپنے سینے پر ہاتھ رکھے پیچھے کو لڑکھڑایا تھا۔۔ ابرش کی کلائی بھی اس نے چھوڑ دی تھی۔۔

ابرش بھاگتے ہوئے زاران کی طرف بڑھی تھی۔۔ وہ زاران کی طرف بڑھتے اس کے سینے میں روتے ہوئے سما گئی تھی۔۔۔

زاران نے اس کا تھر تھر کانپتا وجود اپنے سینے میں سختی سے بھینچا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔۔زاران۔۔۔۔۔۔تم نے مجھے بچالیا۔۔ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے بولی۔۔

تمھیں نہیں بچایا اپنی عزت کو بچایا ہے۔۔زاران اس کی آنکھوں میں اپنی خون اتری آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں بولا۔زاران کے سرد لہجے پر وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے رودی تھی۔

بہزاد خان نے مسکراتے ہوے درد سے آنکھیں میچی تھیں۔۔۔اپنی پسٹل کا نشانہ اس نے ابرش کی طرف کیا۔۔جو زاران خانزادہ کے گلے سے لگی تھی۔۔

زاران نے یہ دیکھتے اپنی پسٹل سے اس کے ہاتھ میں فائر کیا تھا۔۔پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی۔

بہزاد خان لڑکھڑاتے قدموں پر بمشکل کھڑا تھا۔

زاران نے ابرش کو اپنی بانہوں سے علیحدہ کرتے بہزاد خان پر پسٹل تانی ۔۔۔اسفندیار خان نے بھی بہزاد خان پر پسٹل تانی ہوئی تھی۔۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔۔

اسفندیار خان کی سرخ آنکھیں زاران خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے بہزاد خان کو گھورا تھا۔۔

دونوں نے اکٹھے ہی بہزاد خان کے سینے پر فائر کیے تھے۔۔

وہ دونوں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں بہزاد خان کے وجود پر اتار چکے تھے۔۔

وہ پیچھے کو لڑکھڑاتے زمین پر گرا۔۔۔

سمجھ کیا رکھا تھا تو نے بہزاد خان۔۔۔۔۔ تو زاران خانزادہ کی عزت پر تو نظر رکھے گا۔۔ تمھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اسفندیار خان غرایا تھا۔۔

اسفندیار خان کی بات پر زاران کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ آنکھوں میں نمی اتری تھی۔۔۔ سماعتوں میں اسفندیار خان کے لفظ گونجے تھے۔۔

میں ابرش سے محبت کرتا ہوں۔۔ اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔ وہ میرے نکاح میں آئے گی۔۔۔

زاران خانزادہ نے سرخ نم زدہ آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو پسٹل سے کئی فائر بہزاد خان پر کر چکا تھا۔۔ مگر اسے چین نہیں آرہا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے اپنی جیب سے گولیاں نکالتے پھر سے پسٹل لوڈ کر رہا تھا۔

زاران اسفندیار خان کے طیش و اشتعال سے سرخ چہرے کو دیکھتے مسکرایا تھا۔۔ اسفندیار خان آج بھی اس کا دوست تھا۔۔ اس نے اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ آگیا تھا۔۔

زاران اسفندیار خان کو دیکھتا بہزاد خان کی طرف بڑھا۔۔ اس بے جان وجود سے بھی اس کے حساب کتاب باقی تھے۔۔ اس نے اس کی عزت کو چھوا تھا۔ جب تک اس کے چھتڑے نہ ہو جاتے اسے چین نہیں آنا تھا۔

وہ دونوں تیزی سے بہزاد خان کی بے جان وجود کی طرف بڑھے تھے۔۔۔ دونوں نے اس کے بے جان وجود میں کئی فائر کر دیے تھے۔۔ دونوں گہرے سانس لیتے بہزاد کی لاش کو دیکھ رہے تھے۔۔ دونوں کی آنکھوں کی سرخی کا رنگ ایک جیسا تھا۔۔ دونوں کی آنکھوں میں طیش و اشتعال کے ساتھ ہلکی سی نمی بھی تھی۔

ابرش جو بمشکل اپنے قدموں کے سہارے کھڑی لرز رہی تھی۔۔

وہ زمین بوس ہوئی تھی۔۔ اسے پتھریلی ٹھنڈی زمین پر گرتا دیکھ کر زاران جلدی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اس کے بیہوش وجود کو اپنی بانہوں میں تھام گیا تھا۔۔

اسفندیار خان بہزاد خان کی لاش کو گھسیٹتے ہوے بہتے گہرے دریا کی طرف بڑھا جو نیچے کی طرف گہری کھائی میں بہہ تھا۔۔ اسفندیار خان نے بہزاد

خان کی لاش کو اس دریا کے نذر کیا تھا۔۔زاران ابرش کے بیہوش وجود کو بانہوں میں اٹھاتے تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا

۔۔۔

کافی خطرناک تھا۔۔ مگر وہ گاڑی چلا نہیں رہا تھا۔ بلکہ اندھا دھند دوڑا رہا تھا۔۔ سینے میں دہکتی آگ کہہ رہی تھی۔ سڑکوں کے اطراف میں بنی کھائیوں میں اپنی گاڑی دھکیل دے۔۔۔

وہ لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔ آنکھوں کی رنگت ابھی بھی سرخی مائل تھی۔۔۔ بہزاد خان کو مار کر بھی اس کے دل کو سکون نہیں آیا تھا۔۔ پانچ ماہ سے اس کی بیوی کے پوسٹرز اس ذلیل انسان کے کمرے میں تھے۔۔ بلکہ اس فارم ہاؤس میں بھی تھے۔۔۔۔ جس لڑکی پر وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ اسے کس کس نے نہیں دیکھا تھا۔۔ جس پر نظر گوارا نہ تھی ۔۔اس کی کمر کا تل تک ایک غیر مرد دیکھ چکا تھا۔۔

زاران خانزادہ نے اپنا سینہ مسلا تھا۔۔۔ دہکتی آگ جل رہی تھی۔۔۔جی کر رہا تھا اس دہکتی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے اور پاس پڑے نازک وجود کو بھی اس دہکتی آگ میں جھونک دے۔۔۔۔۔۔

زاران نے ایک بار بھی اس نازک وجود کی طرف دیکھا نہیں رہا۔۔ جانتا تھا اس نے ایک بار اور اس پر نظر ڈالی وہ اس کی سانسیں اس کے سینے سے کھینچ لے گا۔۔ اس کی کھال ادھیڑ دے گا۔۔ وہ ہر بار اسے دھمکی دیتا تھا مگر آج دل کر رہا تھا کہ وہ سچ میں اس کی کھال ادھیڑ کر رکھ دے۔۔۔ اس کا نازک بدن کسی نازک کلی کی طرح مسل کر رکھ دے۔۔۔۔ ابرش کی کمر کا وہ سیاہ تل پھر سے یاد آیا تھا۔۔ جن پر وہ اپنے دہکتے لب رکھتا تھا۔۔۔ کتنا دیوانہ تھا وہ اس تل کا آج جی کر رہا تھا اس تل پر اپنی شدت کے ایسے نشان دے کہ وہ فنا ہو جائے۔۔

زاران نے اپنی سرخ آنکھیں مسلی تھیں۔۔ جن میں نمی آج خشک نہیں ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ زاران نے اب کی بار اپنی آنکھیں بازو سے مسلیں تھیں۔۔ وہ شدت پسند تھا اپنے رشتوں کو لے کر تو پھر کیسے نہ ہوتا اپنی بیوی اپنی محبت کو لے کر۔۔۔ پھر سے وہ پوسٹر یاد آئے تھے۔۔ جو بہزاد کے کمرے میں تھے۔۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی کھولتا پانی اس پر انڈیل رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تل تک بہزاد خان نے دیکھا تھا۔۔ زاران خانزادہ کی آنکھوں میں خون کی لالی اتری تھی۔۔ گاڑی کی سپیڈ تیز ہوئی تھی۔۔۔ اپنے کندھے کو اس نے بے دردی سے جھٹکا دیا۔ جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔۔

خون بہتا اس کی شرٹ کو بھگو چکا تھا۔۔۔ سفید شرٹ خون سے داغدار ہو چکی تھی۔ زاران نے جبڑے بھینچتے سٹیرنگ پر مکہ مارا۔۔۔۔ غصہ اشتعال کسی صورت ختم نہیں ہو رہا تھا۔ غصہ اشتعال ختم ہو بھی جاتا مگر دہکتا تندور کیسے ٹھنڈا ہونا تھا۔۔ جس میں گزرتے وقت کے ساتھ بھانبھڑ شدت اختیار کر رہے تھے۔۔۔ زاران نے اب دانت پر دانت جمائے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آتا تھا اس کی محبت میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔۔ وہ مانتا تھا وہ غصے کا تیز تھا مگر وہ بھی تو ہر بار اس کے غصے کو ہوا دیتی تھی۔۔ زعیم جیسے کمینے فطرت کے مالک انسان کے ہاتھوں میں اپنی محبت کا ہاتھ دیکھ کر اس کا ری ایکشن کیا جائز نہیں تھا؟؟ وہ کیا کرتا اس وقت وہ غم و غصے سے پاگل ہو

چکا تھا۔۔ نہیں برداشت کر سکا اس دن۔۔۔۔اور آج اسے لگ رہا تھا اس کا یا ری ایکشن بھی کم تھا اسے اسی پل زعیم جیسے انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔۔اور ساتھ میں پاس لیٹے بیہوش وجود کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا۔۔اس تکلیف سے تو اسے نہ گزرنا پڑتا۔۔ جس تکلیف سے وہ آج گزر رہا تھا۔۔

اس کی سماعتوں میں زعیم کی ریکارڈنگ گونجی تھی۔۔

کوئی فائدہ نہیں میری جان۔۔۔۔۔ آج سارے پردے اتر دوں گا۔۔ میں مرا جا رہا ہوں۔۔ تمھارے حسین سراپے کو بغیر کسی پردے کے دیکھنے کے ۔۔جو سراپہ کپڑوں میں اتنا خوبصورت ہو۔۔۔۔وہ بنا کپڑوں کے کیسا ہو گا۔۔

زاران نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔۔اس انسان کا کمینگی سے بھرا قہقہہ گونجا تھا۔

آہل نے اسے زعیم کی وہ ریکارڈنگ بھیج دی تھی۔۔اس وقت ابرش کے ہاتھوں میں پکڑے موبائل فون میں آہل کی کال رسیو ہو چکی تھی۔۔زعیم کے آرادے جان کر زاران کو اپنے خون میں لاوا سا بھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

زاران تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔کندھے پر لگی گولی کی وجہ سے درد پورے وجود میں سرایت کر رہا تھا۔۔

وہ بے حس بناڈرائیو کر رہا تھا۔۔۔ مظبوط مردانہ ہاتھوں کی نیلی رگیں تک اجاگر تھیں۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے اپنے کف کے بٹن کھولتے استین کہنیوں تک فولڈ کیے تھے۔۔ بازوں کی نیلی رگیں ایسی اجاگر تھیں جیسے ابھی پھٹ جائیں گی۔۔۔ رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح تو ابل رہا تھا۔۔

زاران نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی۔۔

بارش کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتا ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا۔۔

ساتھ سیٹ پر لیٹے بیہوش وجود کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔۔

زاران نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔۔ گاڑی ہچکولوں کی نذر ہوئی تھی۔۔ زاران نے غصے سے مزید گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔ گاڑی سپیڈ بریکر پر بری طرح اچھلی تھی۔۔۔ دوسری سیٹ پر موجود نازک وجود کا نازک بدن سیٹ پر بری طرح اچھلا تھا۔۔ اس سے پہلے وہ نازک وجود ڈیش بورڈ سے ٹکراتا وہ اپنا مضبوط مردانہ ہاتھ آگے رکھ چکا تھا۔۔

گاڑی روکتے اس نازک وجود کو بہت احتیاط سے سیٹ پر لٹایا تھا۔۔ زاران کی نظریں اس کے زرد چہرے پر ٹک گئی تھیں۔۔ ہونٹ کا کنارہ پھٹا ہوا تھا۔۔ گال پر بے رحمی سے بہزاد خان کی انگلیوں کا نشان ثبت تھا۔۔ زاران اپنے جبڑے بری طرح بھینچ چکا تھا۔۔

اس کے کپڑے بری طرح گیلے تھے۔ اتنی نازک حالت میں وہ پوری طرح بھیگی ہوئی تھی۔۔۔ زاران کی انگلیاں بے اختیار اس کے ٹھنڈے عارض کو چھو گئی تھیں۔۔ وہ برف کی سل کی مانند ٹھنڈی تھی۔۔۔

زاران نے پیچھے کو ہوتے اپنی شال پچھلی سیٹ سے پکڑی۔۔ زاران خانزادہ نے اس کے وجود سے چادر اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کے بیہوش وجود میں یکدم ہلچل ہوئی تھی۔۔

مم مجھے مت چھونا۔۔۔۔ مجھے ہاتھ مت لگانا ورنہ میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔۔ وہ چیختے ہوے اپنی چادر سینے سے جکڑ چکی تھی.

زاران کے خون میں پھر سے لاوا ابلا تھا۔۔ زاران گہرے سانس لیتے اس سے دور ہوا تھا۔۔۔ اس نے جبڑے بھینچتے اپنی شال پچھلی سیٹ پر اچھال دی تھی۔

ابرش نے اپنے سینے سے اپنی چادر جکڑے اپنی آنکھیں بمشکل کھولیں۔۔۔ سر میں شدید درد اٹھا تھا۔۔ پورا بدن جیسے زخموں سے چور تھا۔۔۔ وہ ہلنے سے بھی قاصر تھی۔۔

آنکھوں کے پپوٹے سوجے تھے۔۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔۔ آنکھوں کے آگے ابھی بھی اندھیرا چھایا تھا۔

پاؤں کے تلوں میں کانٹے چبھے تھے۔۔ بدن تو زخموں سے چور تھا ہی روح بھی شدید زخمی تھی جیسے۔۔۔۔

اس نے آنکھیں کھولی تو نظر سامنے ونڈ سکرین پر پڑی تھی۔۔۔ سڑکوں پر گھپ اندھیرا تھا. گاڑی کی ہیڈ لائیٹس ان تھی۔۔ جن کی روشنی میں پہاڑوں کے سائے نظر آرہے تھے۔۔

وہ چلتی گاڑی کو دیکھ کر شدید خوف ہراس کا شکار ہوئی تھی۔۔ اپنی چادر سر پر اچھی طرح جمائی تھی۔۔۔

ابرش نے سہمتے ہوے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف نظریں دوڑائیں تھیں۔۔۔ زاران خانزادہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقین۔۔ اس نے آنکھیں جھپک جھپک کر زاران خانزادہ کو دیکھا جو سرخ و سفید چہرے کے ساتھ سرد سپاٹ تاثرات لیے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔۔۔اس کی مینٹلی کنڈیشن ٹھیک نہیں تھی۔۔کتنے ہی پل اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ زاران خانزادہ یہاں کیسے آیا۔۔وہ تو بہزاد خان کے ساتھ تھی۔۔ابرش نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔۔نقاہت سے شدید چکر آیا تھا۔

اس نے بے یقینی سے اپنا کانپتا ہاتھ زاران خانزادہ کی طرف بڑھایا۔۔

اس کی کپکپاتی انگلیاں زاران کی بالوں سے بھری کلائی کو ٹچ ہوئی تھیں۔۔جہاں وینز نمایاں تھی۔۔۔اس کی سرخ سوجی آنکھوں سے برسات کا جھرنا بہا تھا۔۔بارش اتنی تیز نہیں تھی۔جتنی تیزی سے اس کی آنکھیں دریا بہا رہی تھیں۔وہ سچ میں اس کے پاس تھا۔۔اس کا زاران اس کے پاس تھا۔۔وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

تم سچ میں آ گئے زاران۔۔۔ابرش کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی ۔۔ابرش کے سوال پر بھی زاران خانزادہ کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔وہ یونہی سپاٹ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ابرش نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے گہرے سانس لیتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔۔یکدم سب کچھ یاد آیا تھا۔۔ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔۔

زاران کی سرخ آنکھیں سکرین پر یاد آئیں تھیں۔۔۔جب وہ پاگلوں کی طرح پوسٹر جلا رہا تھا۔۔

ابرش نے آنسوؤں کی چادر سے اسے دیکھا تھا۔۔شرٹ خون الود تھی۔۔ہاتھ پر گہرا زخم تھا۔۔وہ کرب سے سسکی لے کر رہ گئی۔۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابرش نے روتے ہوے اسے پکارا تھا۔

۔زاران نے اس کی پکار پر بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اس کے چہرے کے سرد سپاٹ تاثرات میں گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔۔

گاڑی کی سپیڈ بڑھتی جا رہی تھی۔

ابرش اسے دیکھتے اس کے قریب ہوتی روتے ہوے زاران خانزادہ کے مضبوط بازو کے ساتھ لپٹ گئی۔۔ان مضبوط پناہوں کی ضرورت تھی اسے۔۔۔

وہ اسے کسی اچھوت کی طرح ایک ہی جست میں خود سے دور دھکیل گیا تھا۔۔ ابرش کا نازک وجود گاڑی کے تھرتھراتے شیشے سے ٹکرایا تھا۔۔ وہ اپنی طرف کے دروازے کے ساتھ بری طرح آن ٹکرائی تھی۔ اس کا سر گاڑی کے شیشے سے ٹکرایا تھا۔۔

آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔ جس کی جلن سے اس کے عارض دہکنے لگے تھے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔

وہ بمشکل آنکھیں کھولتے ستمگر کو دیکھنے لگی۔۔۔ جس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی۔۔۔ وہ اپنے ظلم سے واقف ہی نہ تھا۔

ابرش چکراتے سر کو تھامتے سیٹ پر سیدھی ہوئی۔۔ آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔۔ وہ اب سپاٹ چہرے کے ساتھ ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔۔ جہاں رات کی سیاہی صبح کی سپیدی میں بدل

رہی تھی۔۔بارش کا زور ابھی بھی نہیں ٹوٹا تھا۔۔ان کی گاڑی ایک بہتے دریا میں اتری تھی۔۔بارش کی وجہ سے ہر جگہ پانی کھڑا تھا۔۔جو دریا خشک تھے وہ بھی بھر چکے تھے۔۔۔یہ دریا کا حصہ سڑک کے بیچ و بیچ گزرتا تھا۔۔جہاں گہرائی نہ ہونے کے برابر تھی۔۔مگر بارش کی وجہ سے آج سڑک کا یہ حصہ بھی پانی سے بھر چکا تھا۔۔

ابرش جلتی آنکھوں کے ساتھ سب دیکھ رہی تھی۔۔۔آنکھوں سے امڈتے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔۔

مگر وہ بھی آج اس سے دغا کر رہے تھے۔۔بہتے ہی جا رہے تھے۔۔۔

یکدم ابرش کی نظر سامنے لگے بورڈ پر پڑی۔۔اس نے اپنی آنکھیں جھپکی تھیں۔۔۔بے یقینی سے دو تین بار اس نے آنکھیں جھپکیں۔آنکھوں کے آگے پھر سے اندھیرا چھایا تھا۔۔وہ بے یقینی سے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔۔

سامنے بورڈ پر یہاں سے اسلام آباد کا فاصلہ درج تھا کہ اتنے میل کا رہ چکا ہے۔۔

ابرش نے بے یقینی سے زاران کی طرف دیکھتے اپنی سائیڈ کی کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔۔ یہ راستہ حویلی کو نہیں جا رہا تھا۔۔ اس نے جلدی سے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔ بارش کی بوچھاڑ اسے مزید گیلا کر چکی تھی۔ برفیلی ٹھنڈی چھینٹوں سے اس کا بدن مزید برفیلا ہوا تھا۔۔ اس نے کھڑکی سے جھانکتے باہر دیکھا۔۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔

زاران ہم کہاں جا رہے ہیں؟؟۔۔ ابرش نے سرسراتی آواز میں زاران کے سرد و سپاٹ چہرے کو دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔۔

وہاں جہاں تم ہمیشہ سے جانا چاہتی تھی۔۔۔سپاٹ برفیلے لہجے میں جواب آیا تھا۔۔

ہم۔۔۔ہم۔۔۔۔اسلام آباد جا رہے ہیں۔۔۔ابرش کے لبوں نے بمشکل ہی لفظ ادا کیے تھے۔۔

تم اسلام آباد جا رہی ہو۔۔جواب پہلے سے بھی زیادہ برفیلے لہجے میں آیا تھا۔

میں جا رہی ہوں؟؟۔۔ابرش نے انگشت شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھتے زاران کو دیکھتے بھیگے لہجے میں ہچکیوں سے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

وہ ستمگر اس کے سوال کا کیا جواب دیتا وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔۔۔اس نے تو ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

ابرش نے اپنی گیلی چادر سے اپنے آنسو خشک کرتے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پایا۔

زاران مجھے اسلام آباد نہیں جانا۔۔ مم۔۔۔ مجھے تمھارے ساتھ حویلی جانا ہے۔۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے بھیگے لہجے میں التجا کی۔۔

کیوں جانا چاہتی ہو وہاں پر؟؟۔۔۔ زاران نے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سرد لہجے میں سوال کیا تھا۔۔

کیونکہ تم وہاں رہتے ہو۔۔ ابرش کے لہجے کی شبنم میں آضافہ ہوا تھا۔۔

ہمممم۔۔۔ دیٹس گریٹ۔۔۔۔۔۔۔۔ کل رات تم میری حویلی سے ہی بھاگی تھی۔۔ اور بھاگ کر اسلام آباد آرہی تھی۔۔ یقیناً ابرش پاشا نے اپنی

ایمبیسی کو کال کرنی ہو گی۔۔۔مجھے اپنے ایمبیسی کے ہاتھوں ذلیل کروانا ہو گا۔ آج میں تمھیں موقع دے رہا ہوں۔۔اپنی ایمبسی کو کال کرو۔۔۔اور یقین مانو تمھیں اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا۔۔زاران گاڑی ایک ہی جھٹکے سے روکتے اس کی طرف جھکتے سرد لہجے میں غرایا تھا۔۔

ابرش اس کے آنکھوں کی سرخی دیکھتے پیچھے کو ہوتی سہمتی ہوئی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔

زاران تم جانتے ہو۔۔مجھے باربینا نے ٹریپ کیا تھا۔۔ابرش نے روتے ہوے وضاحت دی تھی۔۔

تصیح کرو۔۔۔تمھیں صرف باربینا نے نہیں۔۔۔زعیم نے بھی ٹریپ کیا تھا۔۔باربینا نے تو صرف تمھیں فون دیا تھا۔۔اعتبار تو تم نے اس زعیم پر کیا تھا۔۔

زاران نے طیش او اشتعال سے جبڑے بھینچتے غراتے ہوے کہا۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔۔حالات ایسے تھے۔۔۔میں کیا کرتی۔۔۔ابرش زاران کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے بے بسی سے رودی تھی۔

حالات ایسے نہیں تھے۔۔ تمھاری بے اعتباری نے حالات ایسے بنائے۔۔۔زاران استھزائیہ مسکراتے چبھتے لہجے میں بولا۔۔

زاران تم ہر صرف مجھے قصوروار ٹھہرا نہیں سکتے۔۔ تم نے بھی تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔ مم میں کیا کرتی؟؟

اگر تمھیں عنائیہ آہل کے بارے میں بتاتا تم چیخ چیخ کر حویلی سر پر اٹھا لیتی۔۔زاران اس کی بات کاٹتے چلایا تھا۔۔

ایسی بات نہیں ہے۔۔ ابرش اس کے چلانے پر بری طرح رو دی تھی۔۔ اس کی طبعیت بہت نازک تھی۔۔ اس کے چلانے پر اس کے بدن کے ساتھ اس کا سر بھی جھنجھنا اٹھتا تھا۔

ایسی ہی بات ہے ابرش پاشا۔۔۔ تم میرا گریبان جکڑ لیتی۔ پوری حویلی کے سامنے مجھے ذلیل کرتی۔۔۔ مجھ پر عنائیہ کے اغوا کا الزام لگاتی اور جو تم نے کل رات کیا ہے وہ تم بہت پہلے کر چکی ہوتی۔۔ بہت پہلے میری حویلی سے بھاگ گئی ہوتی۔۔۔ زاران حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

زاران کی دھاڑ پر وہ گاڑی کے دروازے میں سمائی تھی۔۔ مجھ پر ایسے مت چلاؤ زاران۔۔۔ میری کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔۔ جانتے ہو میں چند گھنٹوں میں کن عذابوں سے گزری ہوں۔۔ ابرش نے اسے اپنی نازک ہوتی حالت کے بارے میں بتایا۔۔ شائد وہ اس پر رحم کھا کر اپنا فیصلہ بدل لے۔۔ وہ

ابرش پاشا جو محبتوں کی ترسی ہوئی لڑکی اب اپنے شوہر کے بغیر نہیں رہنا چاہتی تھی۔۔۔اسے ستمگر کی پناہیں چاہیے ہی تھیں۔۔۔۔

میں ابرش پاشا نہیں۔۔۔۔۔۔ابرش خانزادہ ہوں۔ابرش کے لبوں نے بے آواز حرکت کی تھی۔۔

میں ابرش پاشا نہیں۔۔۔۔۔۔ابرش خانزادہ ہوں۔۔ابرش نے روتے ہوے اب اونچی زاران کی سرد براؤن آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔۔

تم ابرش پاشا ہی ہو آج سے۔۔۔۔زاران سرد انداز میں کہتے پیچھے ہوا تھا۔۔اور ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔۔

ابرش اس کی بات پر سٹل ہوئی تھی۔۔دل خوف سے سکڑا تھا۔۔

تت تم۔۔۔ ممم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔تت۔۔۔تت طلاق دے چکے ہو۔۔۔ابرش کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔

بکواس بند کرو گی اپنی تم۔۔۔۔۔زاران سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے چلایا تھا۔۔

ابرش اس کے چلانے پر سیٹ پر بری طرح اچھلی تھی.

اس کی حالت بہت نازک تھی۔۔۔زاران کی سرد آواز پر بھی اس کا نازک دل کانپ رہا تھا۔۔اور آج سچ میں مسٹر خانزادہ سے ڈر رہی تھی۔۔

اب وہ خاموش ہو گئی تھی۔۔خاموشی سے سپاٹ نظروں سے گاڑی کے پار مناظر دیکھ رہی تھی۔۔۔۔سرسبز پہاڑ اب دور ہو رہے رہے تھے۔۔ابرش نے سسکی لیتے اپنی طرف کی سائیڈ پر ہاتھ جمائے باہر دیکھا تھا۔۔سوات کے

پہاڑ بہت پیچھے رہ گئے تھے۔اس کا دل بند ہو رہا تھا۔۔ جیسے جیسے گاڑی اسلام آباد کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔اس کا دل خوف سے سکڑ رہا تھا۔۔

جسم سے جان نکل رہی تھی۔۔۔۔اسے اپنے سوات واپس جانا تھا۔ان پہاڑوں کے درمیان گری اونچی دیواروں والی حویلی میں واپس جانا تھا۔۔اسے اس کمرے میں واپس جانا تھا۔۔

اسے پاس بیٹھے بظاہر پتھر دل مگر گہرے انسان کی پناہوں میں واپس جانا ہی تھا۔ابرش کا سانس اکھڑ رہا تھا۔۔وہ اپنی سائیڈ سے باہر دیکھتے بری طرح رو دی تھی۔۔۔

سامنے اب بورڈ نظر آرہا رہا تھا۔۔جس پر اسلام آباد کے حدود میں داخل ہونے والا فاصلہ درج تھا جو چند میل پر تھا۔۔۔

ان کی گاڑی کے اسلام آباد میں داخل ہونے پر صرف دس منٹ رہ گئے رہے۔

زاران۔۔۔ مم میرا یقین کرو۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے بہزاد نے چھوا بھی نہیں۔۔ میں نے اپنے وجود سے چادر بھی سرکنے نہیں دی تھی۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے کہا۔۔۔ پتہ نہیں وہ کیا سمجھ رہا تھا۔۔ اس لیے وضاحت دے ڈالی۔۔

جانتا ہوں ابرش پاشا مر تو سکتی ہے کسی کو خود کے قریب آنے نہیں دے سکتی۔ اگر بہزاد خان کا غلیظ وجود تمھیں چھوتا تم زندہ نہ رہتی۔۔ اپنی جان دے دیتی۔۔ اخر اتنا تو جانتا ہوں میں ابرش پاشا کو۔۔۔۔۔ زاران استھزئیہ مسکرایا تھا۔

میں ابرش پاشا نہیں ہوں۔ میں ابرش خانزادہ نہیں ہوں۔ ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

وہ کافی دیر تک ایسے روتے رہی تھی کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھی۔ زاران سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ جب تمھیں پتہ ہے تمھاری ابرش ابھی بھی تمھاری ہے پھر کس بات کی سزا دے رہے ہو مجھے۔۔۔ گاڑی اسلام آباد انٹر چینج پر رکتے دیکھ کر وہ حلق کے بل چیخی تھی۔۔

خبر دار۔۔۔ اواز اونچی ہوئی تم نے مزید تماشہ کیا۔۔۔ میری عزت کو مزید روندا تو تمھاری کھال اس بار سچ میں ادھیڑ ڈالوں گا ابرش۔۔ رحم نہیں کھاؤں گا۔۔ جتنا غصہ جتنا قہر میں اپنے اندر تمھارے لیے محسوس کر رہا ہوں تمھاری سوچ ہے۔۔۔

زندہ زمین میں گاڑھنے کو دل کر رہا ہے میرا۔۔۔ شش۔۔۔۔اس لیے خاموش۔۔۔زاران اپنے لبوں پر انگشت شہادت کی انگلی جمائے اس پر جھکتے غرایا تھا۔۔ابرش سسکتے ہوے خاموش ہو گئی تھی۔۔

زاران نے اس کے کانپتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورتے گاڑی سٹارٹ کی۔

ابرش اب بلکل خاموش ہو گئی تھی۔اپنے سر سے سرکتی چادر کو اچھی طرح سر پر جماتے وہ نڈھال سی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔

گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔۔اور اس کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہو رہا تھا۔

گاڑی ایک ہی جھٹکے سے رکی تو ابرش نے آنکھیں موندے ہی ہچکی بھری تھی۔۔ جانتی وہ منزل آچکی ہے۔۔ جہاں ان کے راستے جدا ہو جانے تھے ۔۔

اس نے اپنی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔۔ جدائی کا منظر وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

اترو گاڑی سے۔۔۔ زاران کی سرد برفیلی آواز گاڑی میں گونجی۔۔ ابرش نے آنکھیں کھولتے دیکھا وہ اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے موجود تھی۔

اتنے سنگدل مت بنو مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش نے سسکی لی تھی۔۔

گاڑی سے اترو۔۔۔۔ زاران خانزادہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔

تم سچ میں اجڈ گنوار اور سفاک انسان ہو۔۔۔ ابرش لرزتے ہوے چیخی تھی۔۔

زاران نے لب بھینچے سٹرینگ پر اپنی مضبوط انگلیاں جمائی تھیں۔۔

ابرش سسکیاں بھرتے گاڑی میں بیٹھی تھی۔۔۔ زاران کے غصے میں اضافہ ہوا تھا۔۔ رنگ طیش و اشتعال سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔

وہ غصے سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا تھا اور اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔۔

مت کرو ایسے۔۔۔۔ ابرش نے آخری بار ہچکی لیتے کہا۔۔

زاران نے ابرش کی کلائی جکڑے بے دردی سے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔۔۔وہ گھسٹتے ہوئے باہر آئی تھی۔۔اس کا لرزتا کانپتا بدن زاران خانزادہ کے چٹانی سینے میں آن سمایا تھا۔۔وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے رو دی۔۔۔

اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے بے رحمی سے چھڑواتے اسے خود سے الگ کرتے اس کی کلائی جکڑے گیٹ کی طرف بڑھا۔۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے اپنی کلائی چھڑواتے اسے چیختے ہوئے پکارا۔۔

وہ اس کی کلائی جکڑے گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔۔

زاران مت کرو ایسے۔۔۔۔۔ تم جانتے ہو تمھاری ابرش صرف تمھاری ہے۔۔ میں غلطیاں کرتی ہوں مگر یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔۔ میرے دل کو چھونے والے صرف تم ہو۔۔ میرے قریب بھی آنے والے تم ہی پہلے اور آخری مرد ہو۔۔۔ میری روح میں اترنے والے بھی تم ہی پہلے اور آخری شخص ہو۔۔ اور یہ بھی جانتے ہو میں تمھاری ہی وفادار ہوں۔۔ اور تاقیامت رہوں گی۔۔ اس نے سسکیاں لیتے دہائی دی تھی۔۔ وہ پتھر بنا اس کی ہر پکار کو نظر انداز کرتا اسے گھسیٹتا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اب وہ اس کی کلائی بے دردی سے جکڑے داخلی دروازے سے اندر داخل ہو چکا تھا۔۔

لاونج میں موجود زحلے آہل عنائیہ اور زرتاج انھیں دیکھتے اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔۔

ابرش سب کو دیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔۔اس کی آنکھوں میں اشکوں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔۔

کیسی قسمت پائی تھی اس نے۔۔۔۔ آج سب مل گئے تھے۔۔ مگر اس کی قسمت میں پھر سے جدائی آن ٹھہری تھی۔۔۔

زاران خانزادہ کو طیش و اشتعال میں دیکھ کر زحلے زاران کی طرف بڑھی تھیں۔۔ ابرش کو اپنے سامنے صیح سلامت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوے تھے۔۔ مگر وہ زاران کو غصے میں دیکھ کر وہ ابرش کی طرف بڑھ نہیں سکی تھی۔۔ زاران اسے بازو سے جکڑے کھڑا تھا۔۔ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔ کپکاتا نازک وجود۔۔ ان کے سامنے کھڑی لڑکی ان کی بیٹی نہیں تھی۔۔ وہ تو غم اور بے بسی کی مورت تھی۔

سب ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔زاران کی سرخ آنکھیں دیکھ کر کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔۔وہ ان دونوں کی طرف بڑھتے۔۔۔

زاران ابرش کا بازو چھوڑتا باہر کی طرف بڑھا تھا۔۔ابرش اس کے چھوڑنے پر گرتے گرتے بچی تھی۔ بمشکل ہی اس نے خود پر قابو پایا تھا۔وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی۔۔

ابرش بھاگتی ہوئی اس کے راستے میں حائل ہوتے اس کا گریبان جکڑ چکی تھی۔۔

ایک بات یاد رکھنا مسٹر خانزادہ۔۔۔ اگر مجھے یہاں چھوڑ کر جاؤ گے ۔۔ کبھی واپس نہیں آؤں گی تمھارے پاس۔۔۔ کبھی اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔۔ ابرش اس کا گریبان جکڑے روتے ہوے بولی۔۔۔

میں آئندہ زندگی میں تمھارا چہرہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔۔ زارن نے غصے سے کہتے اپنے گریبان سے اس کے ہاتھ چھڑوائے تھے۔۔

میں یہاں بھی نہیں رہو گی۔۔۔ میں واپس امیریکہ چلی جاؤں گی۔۔ ابرش نے روتے ہوے پھر سے اس کا گریبان جکڑا تھا۔۔

چلی جاؤ آئی ڈونٹ کیئر۔۔۔۔ آج سے میرے اور تمھارے راستے جدا ہیں۔۔ زاران اپنے گریبان سے اس کے ہاتھ چھڑواتے اسے صوفے پر دھکیل چکا تھا۔۔

وہ صوفے پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

زران اپنا گریبان جھٹکتا داخلی دروازے کی طرف تھا۔۔

میں وعدہ کرتی ہوں تمھیں اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔۔ تم جاؤ اپنی پلوشہ کے پاس۔۔۔ جو ابھی بھی تمھاری حویلی میں رہ رہی ہے۔۔ اسے تو تم نے نہیں نکالا۔۔۔ ابرش سیدھی ہوتی بلند آواز میں چیخی تھی۔۔۔

زاران اس کی چیخ پکار سنتا داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔۔

زاران کو داخلی دروازہ عبور کرتے دیکھ کر ابرش کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔۔ زحلے عنائیہ آہل ابرش کی طرف بے تابی سے بڑھے تھے۔۔ جو نڈھال سی پھر سے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چلی تھی۔۔

اسفندیار خان بہت مشکل سے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ بازو میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔۔ گولی بازو کے اندر پیوست تھی۔۔ مگر اس کی گاڑی کا رخ ہاسپٹل کی طرف نہیں تھا۔۔ بلکہ اپنے گیسٹ ہاؤس کی طرف تھا۔۔ اسفند کی آنکھیں سرخ سرد تھیں۔۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوے وہ کتنی بار چلاتے ہوے سٹیرنگ پر ہاتھ مار چکا تھا۔۔

سوات کی اونچی نیچی سڑکوں پر اس کی گاڑی پھسل رہی تھی۔۔ باہر طوفانی بارش ہو رہی تھی۔۔ ایسی طوفانی بارش تھی کہ جگہ جگہ درخت اکھڑ گئے تھے ۔ دریاؤں میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔۔ ایسی ہی طغیانی جیسی اس کے وجود میں اتر رہی تھی۔۔

وہ سوات کی سڑکوں پر چیخ رہا تھا۔۔۔ چلا رہا تھا۔۔

نظروں کے سامنے اپنے جوان بھائی کی لاش آ رہی تھی۔۔ خون میں لت پت جس کے سینے میں بہت بے دردی کے گولیاں ماری گئی تھیں۔ روزینہ خانم کے بین یاد آ رہے تھے۔۔ جنازے کو کندھا دیتے وقت جب مرد حضرات حویلی میں داخل ہوے اس کی مورے پہلی مرتبہ بے پردہ تمام مردوں کے سامنے چلی آئی تھی۔۔ اور وہ جنازے کی چارپائی کو چھوڑ کر اپنی مورے کی طرف بڑھا تھا۔۔ وہ کس طرح سینہ پیٹتی اس کی بانہوں میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔

آج بھی وہ راتوں کو اٹھ کر چیخیں مارتی تھیں۔۔ وہ کڑوی فطرت کی مالک تھیں۔۔ مگر اتنی کڑوی فطرت ہرگز نہ تھی۔۔ جتنی اب ہو گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ نے بہت بار بابرک کو مارا تھا۔۔ بچپن میں بھی وہ بارک پر ہاتھ اٹھاتا تھا۔۔

زاران کی فطرت ایسی تھی اسے غصہ جلد آتا تھا۔۔بارک کا بچپن میں ہی پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا۔۔اس کی عادات بچپن سے ہی اچھی نہیں تھیں۔

بابرک اور ان کی اتج میں تقریباً آٹھ نو سال کا فرق تھا۔۔

زاران بابرک سے بڑا تھا اس لیے کبھی کوئی اس کے کسی فیصلے پر بولا ہی نہیں تھا۔۔چاہے بابرک کو جانوروں کی طرح مارنا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔وہ بھی اف نہیں کرتا تھا۔۔اس نے خود کبھی اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا

تھا۔۔ مگر زاران خانزادہ کو سارے اختیارات دے دیے تھے۔۔ روزینہ خانم بھی منہ سے افففف نہیں کرتی تھیں۔۔۔

مگر اپنے جوان بیٹے کی موت کون سی ماں بھول سکتی ہے۔ وہ بھی نہیں بھولی تھیں۔

وہ بھی تو نہیں بھولا تھا۔۔ اسفندیار خان کی آنکھوں سے آنسو اب زار و قطار بہہ رہے تھے۔۔ باہر دریاؤں میں جتنی طغیانی تھی۔۔ اس کے اندر اس سے کئی گنا طغیانی تھی۔۔

درد ہی درد تھا۔۔

ثابت ہوا تھا اسے اپنے بھائی سے زیادہ زاران خانزادہ عزیز تھا۔۔

اسفندیار خان نے اب سٹیرنگ پر پوری قوت سے ہاتھ مارے تھے۔

وہ کیوں اتنا عزیز تھا آخر اسے۔؟؟؟زاران خانزادہ پر وہ کیوں کوئی آنچ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اس کی بہن کو وہ اس لیے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکا تھا کیونکہ وہ عابیر خان زاران خانزادہ کی بہن تھی۔۔

وہ چاہ کر بھی اس کے کسی رشتے کو تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔۔کیونکہ وہ زاران کو تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔۔

آج جب اسے پتہ چلا کہ ابرش کو بہزاد نے اغوا کیا تو اسے لگا جیسے زاران خانزادہ کی عزت پر حملہ نہیں بلکہ اس کی عزت پر حملہ ہوا ہے۔۔وہ پاگلوں کی طرح زاران کے پیچھے پہنچا تھا۔۔بنا کسی سیفٹی کسی گارڈ کے وہ اپنے دوست کی عزت کو بچانے کے لیے پہنچا تھا۔۔۔اس وقت اسے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں تھی۔۔اور یہ سچ تھا اسے موت آنا گوارا تھی۔۔۔مگر زاران کی عزت پر میلی آنکھ گوارا نہ تھی۔۔۔ابھی بھی ایک آگ اس کے اندر دہک

رہی تھی کہ زاران کی عزت پر کیسے بہزاد خان نظر رکھ سکتا ہے۔۔کیسے اس کی دوست کی عزت پر گندی نظر رکھ سکتا ہے۔۔۔

اور وہ اس دہکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا کہ وہ کیوں دہک رہا ہے۔۔کیوں آخر کیوں؟؟وہ اپنے ہی بھائی کے قاتل پر کوئی آنچ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔

اسفند طیش و اشتعال سے گاڑی کے سٹیرنگ پر مکے مارتے ہوئے گاڑی ایک ہی جھٹکے سے روکی تھی۔۔

زاران خانزادہ کے لفظ زہر بن کر اس کی سماعتوں میں اترے تھے۔۔

بابرک کی موت عابیر کی زندگی میں سکون لائی ہے۔۔بابرک کا مرنا ہی بہتر تھا۔۔

افففف۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے

۔۔۔۔وہ اپنی بہن کی زندگی میں سکون لانے کے لیے اس کے بھائی کو مار چکا

تھا۔۔اپنی بیوی کے بھائی کو بچانے کے لیے اس کے بھائی کو بے دردی سے

قتل کر چکا تھا۔

اسفندیار خان نے سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیے تھے۔۔اپنی

شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے تھے۔۔سانس

مشکل سے آرہا تھا۔۔

وہ جینز شرٹ جیکٹ میں ملبوس تھا۔۔وہ زاران جتنا خود غرض آخر کیوں

نہیں تھا۔۔اس کے نزدیک زاران خانزادہ خود غرض تھا۔۔جو اپنے رشتوں

کو لے کر اتنا حساس تھا کہ دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

اپنے رشتوں کی خوشی کے لیے اس نے اس کے بھائی کو مار دیا تھا۔۔ کیا وہ ایسا کر سکتا تھا۔۔ اسفندیار کے سینے میں اس سوال نے درد کے ابال اٹھائے تھے۔۔

جواب سے وہ بخوبی واقف تھا۔۔

اگر زاران پر پھر کبھی آنچ آئے تو وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔ وہ بار بار اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو جائے گا۔۔

اسفند نے گہرے ہوتے سانسوں سے ونڈ سکرین سے باہر دیکھا تھا۔۔

شدید بارش نے ونڈ سکرین کا شیشہ دھندلا کر دیا تھا۔۔ اسفندیار خان نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بیک پر لی تھی۔۔۔

ڈیش بورڈ سے پسٹل نکالتے لوڈڈ کی تھی۔

اس کی گاڑی کا رخ حویلی کی طرف تھا۔۔ آج اسے وہ کرنا تھا جو وہ پچھلے پانچ ماہ میں نہ کر سکا تھا۔۔ اپنی پسٹل کی تمام گولیاں زاران کے سینے میں اتارنی تھیں۔۔

وہ طیش او اشتعال سے گاڑی چلا رہا تھا۔۔ وہ خود غرض نہیں تھا۔۔ اپنے بھائی کے قاتل کو سزا دینا اس کا حق تھا۔۔ وہ اتنا بزدل نہیں ہو سکتا تھا آخر جو اپنے بھائی کا بدلہ نہ لیتا۔۔۔ اپنی ماں کے بین نظر انداز کر دیتا۔۔ بات جب خون کے رشتوں پر آئے تو باقی کوئی رشتہ معنی نہیں رکھتا۔۔

آج اسے ثابت کرنا تھا وہ ایک خانزادہ ہے۔۔ اپنی دشمنی اسے ہر حال میں نبھانی تھی۔۔

وہ ایک ہاتھ میں پسٹل جکڑے ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

اسفندیار خان کی جیپ ہواؤں کے دوش پر جیسے سفر کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔وہ پاگلوں کی طرح اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا۔۔

اس کی پسٹل میں چھ گولیاں تھیں۔۔۔چھ چھ کی گولیاں زاران خانزادہ کے سینے میں اتارنی تھی۔۔۔

اسے تڑپتے ہوے دیکھنا تھا۔۔

کیا منظر ہونا تھا جب زاران خانزادہ تڑپتے ہوے اپنی سانسیں گنے گا۔۔زاران خانزادہ اس کے قدموں میں اپنی جان گنوائے گا۔۔اس کے بے چین زخمی دل کو سکون ملے گا۔۔

اسفندیار خان کے لبوں پر برفیلی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

زاران خانزادہ کی خون میں لت پت لاش سامنے آئی تھی۔وہ قطرہ قطرہ سانسیں لے رہا تھا۔

اسفندیار خان کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا تھا۔۔

جس منظر کے تصور نے اس کی سانسیں الجھادی تھیں۔۔

حقیقت میں وہ منظر دیکھتے تو زاران خانزادہ سے پہلے ہی اس کی سانسیں چھن جاتی تھیں۔۔

وہ گاڑی ایک ہی جھٹکے سے روک چکا تھا۔۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے باہر نکل آیا۔۔۔اب وہ برستی بارش میں چلا رہا تھا۔۔ثابت ہوا تھا وہ ایک کمزور بزدل انسان تھا۔۔وہ زاران خانزادہ کو نہیں مار سکتا تھا۔۔

اسے جینے کا کوئی حق نہیں تھا۔۔ اسفندیار خان نے اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھتے اپنی آنکھیں میچی تھیں۔ ٹریگر پر اس کی انگلیاں لرزنے لگی تھیں۔

نظروں کے سامنے اپنے ہی رشتے آئے تھے۔۔ اپنی ماں کے بین آئے تھے

۔۔۔۔۔

اسفندیار خان نے اپنی آنکھیں کھولیں۔۔۔ آسمان کی طرف دیکھتے وہ پاگلوں کی طرح چلایا تھا۔۔ ثابت ہوا تھا وہ سچ میں بزدل تھا۔۔۔ نہ وہ مار سکتا تھا نہ وہ مر سکتا تھا۔۔

اسفندیار خان پسٹل دور اچھالتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتا چلا گیا تھا۔۔

وہ بال مٹھیوں میں جکڑے آسمان کی طرف دیکھتا روتے ہوے چلا رہا تھا۔۔۔۔ فیصلہ ہو گیا تھا اسے کیا کرنا تھا۔ اب اس فیصلے سے اسے پیچھے نہیں ہٹنا تھا۔۔ برستی بارش میں اسفندیار خان کی چیخیں پہاڑوں سے ٹکراتی اس تک ہی پلٹ رہی تھیں۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی کا رخ پری گل کی حویلی کی طرف تھا۔ وہ صبح صبح ہی حویلی سے نکل آیا تھا۔۔ آج اس کا پریذے کو واپس لانے کا آرادہ تھا۔۔ مگر یہی بات اسے پریشانی میں بھی مبتلا کر رہی تھی۔۔ وہ پریذے کو یہاں حویلی میں کس کے پاس چھوڑتا۔۔ بیٹی کی ذمہ داری تو اس کی ماں ہی نبھا سکتی ہے۔۔ اور اس کی ماں یہاں نہیں تھی۔۔ ارحام کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ

دوڑی تھی۔۔وہ دشمن جاں یاد آئی تھی۔۔۔جس کی یاد کبھی اب اس سے جدا نہیں ہو سکتی تھی۔۔

ارحام کی گاڑی حاکم خان کی حویلی کے گیٹ پر آکر رکی تھی۔۔

وہ گل کو فون پر پہلے ہی بتا چکا تھا وہ آرہا ہے۔۔۔اس لیے گیٹ اس کے لیے کھول دیا گیا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی حویلی کے کارپورچ پر آکر رکی تھی۔۔وہ بلو جینز پر بلو شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ جس پر وایٹ سلیو لیس سویٹر پہنے ہوے تھا۔۔

وہ گاڑی سے اترتا اندر کی جانب بڑھا۔۔اس کے لیے داخلی دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔۔

وہ مردان خانے کے لاونج میں داخل ہوا۔۔۔وہاں کوئی نہیں تھا۔۔وہ صوفے پر بیٹھے اظطرابی انداز میں پریذے کا انتظار کرنے لگا۔۔پریذے کو لے کر اسے حویلی چھوڑ کر واپس اسلام آباد جانے کا آرادہ تھا۔۔

وہاں بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔۔۔جو اسے اٹینڈ کرنی تھی۔۔۔زاران نے اپنا بچہ کھویا تھا اور بہزاد خان اور آہل عنائیہ کے مسائل میں الجھا ہوا تھا ۔۔اسے شہرام نے سب کچھ بتا دیا تھا۔۔وہ اسی سلسلے میں کل حویلی آیا تھا۔اپنے بھائی زاران کو وہ اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔جو اتنا کچھ اتنے عرصے سے تن تنہا سہن کر رہا تھا۔۔وہ زاران خانزادہ کی مدد کرتے عنائیہ کو بہزاد خان کی قید سے چھڑوایا جا سکے۔۔مگر کل ہی بہزاد خان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔۔اسی لیے ابھی وہ زاران پر کوئی رسپانسبیلٹی نہیں ڈال رہا تھا۔۔اور دوسرا اس نے تو واپس اسلام آباد جانا ہی تھا۔۔وہ اپنی بیوی کو سلطان شاہ کے

پاس زیادہ دیر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔ اسے ہر حال میں واپس لانا ہی تھا۔۔ اب بات اس کی بیوی کی مرضی پر نہیں رہی تھی۔۔ بات اس کی عزت اس کی جان پر بن آئی تھی۔۔ اپنی عزت کو وہ ایسے بے پردہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔ اس کی برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی۔۔ جس پر کسی کی ایک نظر گوارانہ تھی اسے وہ مزید بے پردہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

وہ اضطرابی انداز میں اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ گل اندر داخل ہوئی تھی۔۔

وہ اسے دیکھتا صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔۔

گل کو دیکھ کر اس نے اپنی نظریں پھیریں تھیں۔۔ وہ رخ پلٹ گیا تھا۔۔

گل کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہوئی تھی.

کبھی یہ شاندار پرسنیلٹی انسان کا حامل مالک اس کا تھا۔۔

اسے دیکھتے کبھی مقابل کی آنکھیں چمک اٹھتی تھی۔۔ آج وہ اپنی نظریں پھیر گیا تھا۔۔ وہ ایسا ہی تھا بلند کردار کا حامل انسان۔۔۔۔ جو کسی دوسری لڑکی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔۔ آج وہ اس کی محرم نہیں تھی تو وہ کیسے اس کی طرف دیکھتا۔۔۔ نہ صرف وہ نظریں چرائے کھڑا تھا۔۔ بلکہ اس کی آنکھوں میں بھی سوائے اجنبیت کے کچھ نہ تھا۔۔

گل نے بھیگی آنکھوں سے خود کی طرف دیکھا تھا۔۔ وہ اس کے فیورٹ فراک میں کھڑی تھی جو وہ کبھی اس کے لایا تھا۔۔ کھلے بالوں میں نفاست سے میک اپ میں ریڈ لپ سٹک ہونٹوں پر سجائے۔۔ گہرے گلے کے ساتھ اپنے بدن کی تمام رعنائیوں سمیت کھڑی تھی۔۔ مگر اس نے تو اسے نظر بھر کر بھی نویں دیکھا تھا۔۔

وہ حور جیسی خوبصورت نہ سہی۔۔۔ مگر اچھے خاصے دلکش نقوش کی حامل تھی۔۔ اور کبھی سامنے کھڑے انسان کے دل کی ملکہ بھی تو رہی تھی۔۔

اس لیے آج اس نے آخر کوشش کرتے یہ سب کچھ کیا تھا۔۔ حاکم خان اور دلنواز خان حویلی نہیں تھے۔۔ اس نے یہ جانتے ہوے بھی ارحام خانزادہ کو حویلی آنے دیا۔۔ وہ اسے واپس پانا چاہتی تھی۔۔

مگر ارحام کے سرد رویے پر زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔۔

گل کی سسکیاں بڑھ رہی تھیں۔۔ ارحام کی چوڑی پشت دیکھتے احساس زیاں بڑھتا جا رہا تھا۔۔

اسے آج احساس ہوا تھا بلکہ بہت پہلے احساس ہو گیا تھا۔۔ غلطی اس رات صرف حور کی نہیں تھی اس کی بھی تھی۔۔ میاں بیوی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے اتنا ہی نازک ہوتا ہے۔۔ یہ رشتہ خوبصورت موتیوں کی مالا کا طرح ہوتا ہے۔۔ اس مالا کو سینچ سینچ کر گردن میں سجا کر رکھا جاتا ہے۔۔۔ جہاں مالا میں کھنچ پڑی وہ ٹوٹ کر ہاتھوں میں آجاتی ہے اور موتی ٹوٹ کر زمین پر بکھر جاتے ہیں۔۔ جنھیں چننا بھی چاہو تو نہیں چن سکتے۔ اسی طرح میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے یقین۔۔۔ اگر یقین نہ رہے تو رشتہ موتیوں کی مالا کی طرح بکھر جاتا ہے۔۔ جسے چاہ کر بھی واپس سمیٹا نہیں جا سکتا۔۔

اور وہ اس رات وہ بھی تو اپنے شوہر پر یقین نہ کر سکی تھی۔۔ اگر وہ یقین کرتی تو کیا حور جیسی کوئی لڑکی ان دونوں کے بیچ آسکتی تھی۔۔۔

فیصلہ ہو چکا تھا اسے کیا کرنا ہے پری گل نے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔۔اور گلے سے دوپٹہ کھینچ کر اتارتے سر پر اوڑھا تھا۔۔

سامنے کھڑا انسان نامحرم تھا اس کے لیے۔۔۔جو محرم تھا اس کے پاس واپس پلٹنا تھا۔۔وہ مزید خود کو گرا نہیں سکتی تھی۔۔وہ ایک عورت تھی پھر ایک بیٹی کی ماں۔۔۔۔باپ پر تو الزام لگ چکا تھا۔۔جواب دھل نہیں سکتا تھا۔۔اب اسے اپنے کردار کو بچانا تھا۔۔کل کو اس کی بیٹی کو ماں کی بدکراری کے طعنے سننے کو مل سکتے تھے۔۔۔

اسے بختاور خان کے پاس واپس جانا ہی تھا۔۔اس کی حویلی اس کے لیے دوزخ سہی مگر اب اسے اس آگ میں جلنا ہی تھا۔۔۔حویلی دوزخ ہو سکتی تھی مگر بختاور خان ٹھنڈی چھاؤں تھا کیونکہ وہ محرم تھا۔۔۔اپنے محرم کی چند کڑوی کسیلی باتیں سن لے گی۔۔۔مگر وہ ہو گا تو محرم۔۔۔۔۔بختاور

خان اچھا انسان تھا۔ اس نے اسے اس کے بانجھ ہونے کی خبر سن کر بھی اسے چھوڑا نہیں تھا۔۔ یعنی وہ اسے اپنی عزت سمجھتا تھا۔ اور اب اسے بھی اس کی عزت بننا تھا۔۔۔

گل تم کیوں آئی ہو یہاں؟؟ پریذے کو بھیجو۔۔ ارحام رخ پلٹے بغیر سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔ میں بختاور خان کے پاس واپس جا رہی ہوں۔۔ پری گل کی مضبوط اٹل آواز گونجی تھی۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے ارحام کو نام سے پکارا تھا۔۔ وہ اسے خان کہنے کا حق کھو چکی تھی۔۔

یہ اچھا فیصلہ ہے تمھارا۔۔ ارحام نے اس کی طرف رخ پلٹتے ہوئے کہا تھا ۔۔ مگر گل کی طرف نظریں نہیں ڈالی تھی۔۔

ارحام ہم کو کچھ دن پریذے کے ساتھ رہنے دے دو۔۔۔ ہم عدہ کرتا ہے ۔۔ ہم پریذے کو خود تمھاری حویلی چھوڑ دے گا۔۔

کیونکہ ہم یہ کچھ دن صرف ماں بن کر پریذے کے ساتھ گزارانا چاہتا ہے۔۔۔ ہم وعدہ کرتا ہے۔۔ اس کے بعد کبھی میں پریذے کا چہرہ نہیں دیکھے گا۔۔۔۔ پری گل نے التجا کی.

ارحام اس کی بات پر خاموش ہو گیا تھا۔۔

ارحام فکر نہ کرو۔۔۔ ہم اب کبھی تمھیں دھوکہ نہیں دے گا۔۔ اور جہاں تک بات ہے پریذے کی۔۔ ہم اسے ساتھ رکھ ہی نہیں سکتا۔۔ ایک بیٹی کو اس کا باپ کے علاوہ کوئی پیار نہیں کر سکتا۔۔ تمھارا گھر جہاں اس کی عزت جان محفوظ رہے گا۔۔ بختاور بہت اچھا انسان ہے مگر پرذے کے لیے نامحرم ہے. غیر ہے۔۔ ہم کبھی اپنا بیٹی کو کسی ازمائش میں نہیں ڈال سکتا۔۔ ہم کو

یقین ہے تمھارا جیسا باپ اپنا بیٹی کا جان سے بڑھ کر حفاظت کرے گا۔۔ جس طرح تم نے ہمیشہ میرا حفاظت کیا۔۔ اپنا بیوی حور کا کیا۔۔ پری گل کی آواز بھیگی تھی۔۔

خدا کے لیے کچھ دن دے دو ہمیں۔۔۔۔۔۔ ہم نے تمھارا بچہ مارا تمھارا بہن پر ظلم کیا اس کو ہمیشہ بانجھ ہونے کا طعنہ دیا۔۔ آج دیکھو ہم بانجھ ہو گیا۔۔۔

ارحام پری گل کی بات پر اپنا نچلا لب دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔۔ بری گل کے ساتھ ایسا ہو۔۔ اسے سامنے کھڑی لڑکی سے اب کوئی مطلب نہیں تھا۔۔ مگر ایسا اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔

اللہ کبھی اپنا انسانوں کا دل دکھانے پر معافی نہیں دیتا۔۔ فرشتے جیسا معصوم لڑکی کا دل دکھایا۔۔ یہ تو ہونا تھا ہمارا ساتھ۔۔۔۔ پری گل اپنے آنسو صاف کرتے بولی۔۔

ہم۔ کو کچھ دن اپنا بیٹی کے ساتھ رہنا دو۔۔۔ تم۔ کو خدا کا واسطہ پری گل گڑگڑائی تھی۔۔

ٹھیک ہے گل تم رہ سکتی ہو جتنے دن پریذے کے ساتھ رہنا چاہو۔۔ تم بعد میں بھی اس سے مل سکتی ہو جب چاہو مجھے اعتراض نہیں۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔۔

نہیں ہم اس سے دوبارہ نہیں ملے گا۔ اس کا معصوم ذہن پریشان ہو جائے گا۔۔ آج نہیں تو کل وہ ہمیں بھول جائے گا۔۔ اس کے لیے اب اس کا ماں

حور ہی رہے تو بہتر ہے۔۔ گل نے مضبوطی سے کہا۔ ارحام کی آنکھیں گل کی اس بات پر جلنے لگی تھیں۔

ٹھیک ہے جیسے تمھاری مرضی۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔

تم بیٹھو ہم پریذیے کو بھیجتا ہے وہ تم کو بہت یاد کرتا ہے۔۔ گل کہتے چلی گئی تھی۔۔۔ ارحام نے اظطراب سے آنکھیں موندیں۔

گل کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

اس کا ماں حور ہی بہتر ہے۔۔ اور وہ جانتا تھا اس کی حور اس کی بیٹی کے لیے سب سے اچھی ماں تھی۔۔

وہ ظالم تھی مگر بہت معصوم تھی۔۔اس کی معصومیت کا وہ خود گواہ تھا۔۔اس کی حور صرف اس کی تھی۔ارحام خانزادہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔

بہارے بہت سٹایلش سے بلیک کلر کے فراک میں ملبوس تھی۔۔جس کا اگلا پچھلا گلا ڈیپ تھا۔فراک کی فٹنگ میں اس کی رعنائیاں غضب ڈھا رہی تھی۔کندن سے نشیب و فراز قیامت سا منظر پیش کر رہے تھے.

لائٹ سے میک اپ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

سلکی لمبے بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ بہت دنوں بعد اس نے اپنے بالوں کو کنڈیشنر کیا تھا۔۔ بال سٹریٹنر سے سٹریٹ کیے تھے۔۔ بہارے نے ایک ہاتھ سے اپنے چاکلیٹی سلکی بالوں کو نرمی سے چھوا تھا۔۔

وہ ستم گر کبھی اس کے بالوں پر مرتا تھا۔ بالوں میں برش کرتے ہوے بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہوئی تھیں۔ اس کی شدتیں سہنے کے بعد غصے سے اسے دکھانے کی خاطر اسی ٹائم شاور لیتی تھی۔۔ اور بعد میں گیلے بالوں میں روتے ہوے بے دردی سے برش کرتی تھی۔۔

وہ جو پر سکون سا لیٹا آنکھیں موندے ہوتا تھا۔۔ اس کے بے دردی سے بالوں میں برش کرنے اور رونے پر بیڈ سے اٹھتا اس کے قریب اسی لمحے آتا تھا۔۔ اس کے ہاتھوں سے برش لے کر وہ خود نرمی سے برش کرتا تھا۔۔ اسے سختی سے بالوں کو چھونے نہیں دیتا تھا۔۔ بہارے گل کو اب

احساس ہوا تھا وہ یہ سب صرف اس لیے کرتی تھی کیونکہ وہ اس کے نخرے اٹھاتا تھا اور اسے اس سے نخرے اٹھوانا اچھا لگتا تھا۔۔ ورنہ وہ اس کی شدتیں سہنے کے بعد کبھی اسے اپنے قریب نہ آنے دیتی۔ جب وہ اس کے گیلے بالوں میں برش کرتے اس کی پچھلی گردن کو لبوں سے چھوتا اس کے گیلے بالوں میں لب رکھتا تھا۔۔ وہ ہمیشہ گلابی ہو کر نظریں جھکا لیتی تھی۔۔ آنکھوں میں مغروریت ہوتی تھی۔۔ خود پسندی ہوتی تھی۔۔

اب اس نے اسے آسمان سے زمین پر ہی پٹخ دیا تھا۔۔ سارا مان غرور ختم ہوا تھا۔۔ اسے پتہ چلا تھا مرد عورت کے نخرے تب ہی اٹھاتا ہے۔۔ جب وہ اٹھانا چاہتا ہے۔۔ اور عورت بھی تب تک نخرے کرتی ہے جب تک مرد اٹھاتا ہے۔۔

بہارے کی گلابی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔۔

کبھی معاف نہیں کروں گی شہرام تمھیں۔۔ایک بار پلٹ کر آجاؤ میرے پاس۔۔۔بہت تڑپاؤں گی تمھیں۔۔جتنا تم نے مجھے تڑپایا ہے اس سے کہیں زیادہ۔۔۔تمھیں رات رات بھر اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔۔جیسے پہلے رات رات بھر مجھے پیاسی نظروں سے دیکھتے سگریٹ پی کر اپنی راتیں گزارتے تھے۔۔اس سے بھی بدتر تمھاری راتیں بناؤں گی۔۔بہارے آئینے میں دیکھتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں اونچی آواز میں بولی تھی۔۔

آؤ گے کیا کبھی تم میرے پاس واپس؟؟بہارے نے تڑپتے ہوے آئینے میں دیکھتے جیسے سوال کیا تھا۔۔بہارے اب آئینے میں دیکھتے سسکیوں سے رو دی تھی۔۔مان تو ٹوٹا تھا یقین بھی جیسے ٹوٹ گیا تھا۔۔

بہارے نے اسی پل ڈریسنگ ٹیبل سے تمام چیزیں اٹھا کر زمین بوس کی تھیں۔۔ وہ باڈی سپرے پرفیوم میک اپ سب چیزیں اٹھا اٹھا کر اونچا اونچا روتے زمین پر پھینک رہی تھی۔۔ پرفیوم کی بوٹلز زمین پر گرتی چکنا چور ہو رہی تھیں۔۔

کمرے میں اس ستمگر کی سینٹ کی مہک پھیلی تو بہارے کے رونے اور تڑپنے میں مزید آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ دو دن سے پھر سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔ وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔

بہارے نے ڈریسنگ ٹیبل سے اس کا دوسرا پرفیوم اٹھا کر پوری قوت سے کمرے کے بند دروازے پر دے مارا تھا۔۔ شہرام اسی لمحے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ پرفیوم کی بوتل اس کے دائیں کندھے پر آ کر لگتی زمین پر گر ٹوٹ کر چکنا چور ہوئی تھی۔۔

شہرام نے درد سے کراہتے اپنا کندھا پکڑا جہاں درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔۔ شہرام نے ضبط سے جبڑے بھینچتے بہارے کو سرد نگاہوں سے دیکھا جو اس کے سامنے شعلہ جوالہ بنی گہرے سانس لیتے اسے بھیگی شرربار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔ شہرام نے اس کی بدن کی رعنائیوں کو گھورتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔

بہارے اپنے آنسو صاف کرتے اب اپنا رخ پلٹ گئی تھی۔۔۔ ڈریسنگ مرر میں سپاٹ بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اپنے بالوں میں بے دردی سے برش کر رہی تھی

شہرام نے دانت پر دانت جمائے کندھے میں اٹھتے درد کو برداشت کرتے بہارے کی بیک لیس کو شرربار نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔ جو

چودھویں کی چاند کی طرح چمک رہی تھی ۔۔اتنا تو جانتا تھا کہ وہ باہر کبھی چادر کے بغیر نہیں جائے گی۔۔مگر کمرے میں ایسی ڈریسنگ کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔۔

شہرام کی نظریں اب مرر میں نظر آتے اس کے سپاٹ چہرے پر تھیں۔وہ بہت بے دردی سے اپنے سلکی بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔شہرام اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔۔اسے بلکل احساس نہیں تھا کہ وہ کتنی زور سے اسے پرفیوم کی بوتل مار چکی ہے اور یہ پرفیوم کی بوتل اس کے سر پر بھی لگ سکتی تھی۔۔

شہرام نے غصے سے اپنے جبڑے مزید بھینچے۔۔پتہ نہیں وہ کیا چاہتی تھی اس سے ؟؟۔۔۔اس دن بھی اسے زخمی کیا تھا۔۔اور آج بھی کمرے میں داخل ہونے پر اسے یہ درد کی سوغات دی۔۔۔۔

شہرام نے غصے سے اب کمرے کی حالت دیکھی تھی۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔۔ بیڈ پر بہارے کے مختلف ڈریسز پڑے تھے۔۔ اور زمین پر ٹوٹا کانچ دور تک تک پھیلا تھا اور بکھری مختلف چیزیں۔۔

شہرام نے غصے سے بہارے کی پشت کو قہربار نگاہوں سے گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔۔

کیوں فون کروایا مورے سے ؟؟ شہرام نے بہارے کو بازو سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا تھا۔۔ وہ شہرام کے فولادی سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔ غصے سے پوری قوت سے اسے دور دھکیلا تھا۔۔ اسے دو دن بعد دیکھ کر بہارے کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی جان لے لے۔۔ یہ دو راتیں اس نے کیسے گزاری تھیں۔ یہ وہی جانتی تھی۔۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ آتش گیر مادے کی طرح اس کا وجود پھٹ جائے گا۔۔ اس کے برداشت کا لیول

گرتا جارہا تھا۔۔اسے لگتا تھا وہ کسی دن سامنے کھڑے ستمگر کو خود سمیت آگ لگا دے گی۔وہ اپنی حرکتوں سے ہر وقت اس کے اندر تندور دہکائے رکھتا تھا۔۔بہارے کے جھٹکنے پر شہرام نے اس کے بازو پر دباؤ ڈالتے اسے مزید اپنے قریب کرتے اس کی شہد رنگ آنکھوں میں سرد نگاہوں سے جھانکا۔۔۔

تو پھر کیا کرتی کس کے ساتھ جاتی میں ؟؟ بہارے نے غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سلگتے لہجے میں جوابًا سوال داغا تھا۔۔شہرام کے بدن سے اٹھتی دلفریب مردانہ خوشبو سے اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں تھیں۔بری طرح حواسوں پر چھایا تھا سامنے کھڑا ستمگر۔۔۔

رحیم کاکا کہاں ہیں ؟؟ تم نے انھیں چھٹی کیوں دی ؟؟

شہرام نے بھڑکتے ہوے پوچھا۔۔

ان کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی میں نے انھیں آرام کرنے کو کہا ہے۔۔ بہارے نے لب کاٹتے نظریں جھکائے کہا۔ لہجے میں پھر سے شبنم بڑھی تھی۔۔ اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ بھی لپٹ نہیں سکتی تھی۔۔

تو اتنی ایمرجنسی کیا تھی بہارے نہ جاتی تم؟؟

شہرام نے غصے سے لفظ چباتے ہوے اس کا بازو چھوڑا۔

بہارے نے بنا کوئی جواب دیے اپنے بالوں کو ایک سائیڈ سے جھٹکتے اک ادا سے اس طرح پیچھے کیے تھے کہ بال شہرام کے چہرے سے آن ٹکرائے تھے ۔ بھیگے بالوں کی کنڈیشنر کی بھینی بھینی مہک شہرام کی سانسوں میں جیسے گھلی تھی۔

شہرام نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے اس کے بال اپنے چہرے سے جھٹکے

۔۔شہرام کے بال جھٹکنے پر بہارے کی آنکھیں مزید جلنے لگی

تھیں۔۔آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔

بہارے اب اسے بھیگی شرر بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی آئی برو انگلی سے مسلی۔۔وہ اس کے ایکشن

سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔وہ اس سے آخر کیا چاہتی ہے؟؟

شہرام اسے غصے سے گھورتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔۔

شہرام کے ڈریسنگ روم میں جانے کے بعد بہارے نے گہرے سانس لیتے

اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں پر قابو پایا تھا۔۔یہ مرد ذات اتنی آسانی

سے کیسے بدل جاتی ہے ؟؟۔اس کے لیے تڑپنے والا اس سے شدید محبت کرنے والا۔۔اس کے لیے تڑپتے ہوے راتوں کو جاگنے والے کی آنکھوں میں آج کچھ نہ رہا تھا۔۔وہ تو بہت گرم نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا تھا۔۔آج وہ گرمی کہاں گئی ؟؟۔۔اتنی برف کیوں ہے اس کی آنکھوں میں ؟؟۔۔شہرام کی آنکھوں کا سرد پن اس کی روح میں سرایت کر رہا تھا جیسے۔۔یہ سوال جیسے اس کے اندر آگ دہکائے ہوے تھے۔

صرف ایک لڑکی کی وجہ سے کیا؟؟۔کیا وہ سچ میں آئزل کی خوبصورتی کا آسیر ہو گیا ہے ؟؟۔۔ان سوال وجواب پر اس کی سانسیں جیسے الجھنے لگی تھیں۔بہارے نے اپنا گلہ جکڑے گہرے سانس لیتے آئینے میں دیکھا تھا۔۔

کیسی محبت تھی تمھاری شہرام؟؟ کہ تم کسی غیر کی زلفوں کے اسیر ہو گئے۔۔۔مجھے تم کسی جگہ پر کھڑے کر کے جاؤ۔۔ بہارے تا قیامت پلٹ کر کسی کی طرف نہیں دیکھے گی۔۔

تب بھی نہیں دیکھتی جب تمھاری بہارے تم سے نفرت کا راگ آلاپتی تھی۔۔تب بھی نہیں۔۔۔۔۔شہرام۔۔۔۔۔

کوئی بھی ہوتا شہرام۔۔۔۔میں کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔۔۔نہ اب کبھی دیکھوں گی۔۔ تمھاری بہارے مرتے دم تک تمھاری ہو گئی شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہارے نے اپنی بھیگی آنکھوں کو مسلتے اپنی آنکھوں میں کاجل لگایا تھا۔۔اس ستمگر کو کبھی اس کی آنکھوں میں کاجل بہت اچھا لگتا تھا۔۔

بہارے بڑی سی چادر میں لپٹی شہرام کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔۔۔

وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔ بہارے نے اسے بغور دیکھا بلیک شلوار قیمض پر آف مردانہ قیمض میں ملبوس وہ اس کا دل بری طرح دھڑکا گیا تھا۔۔

سرخ و سفید رنگت دمک رہی تھی۔۔۔ سرد سپاٹ تاثرات اس کے نقوش پر بہت جچتے تھے. وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ ان ساحرانا نقوش کو چھونے کو دل چاہا تھا۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنا نچلا لب بری طرح دانتوں میں کچلتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

روزینہ خانم کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

اتنا خوبصورت مرد ہے تمھارا۔۔اس کو اپنا اداؤں میں الجھا کر رکھو۔۔ جس دن تمھارا جگہ کسی دوسرا عورت کو دے دیا تو تم سر پکڑ کر روئے گا۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا تھا۔۔

سرد برفیلی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔۔

بہارے شیشہ اوپر کرو۔۔ ہوا بہت ٹھنڈی ہے۔۔ شہرام نے اسے ٹوکا تھا۔۔ کل کی بارش کی وجہ سے ہوا سرد برفیلی ہو چکی تھی۔۔

میرے اندر آگ دہک رہی ہے۔۔ یہ برفیلی ہوائیں مجھے کچھ نہیں کہیں گی۔۔۔ بہارے نے کاٹ دار لہجے میں کہتے غصے سے شیشہ مزید نیچے کیا تھا۔۔

شہرام نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔

بہارے سرد ہوا کی لہر اپنے چہرے پر محسوس کرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ کس طرح اپنے شوہر کو اداؤں میں الجھاتے ہیں؟؟۔۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔ ابھی کمرے میں کوشش کر چکی تھی۔۔ یہ فراک بھی صرف اسی کے لیے بنوایا تھا۔ مگر وہ تو ایک نظر ڈال کر اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔۔

وہ اور کیا کرے؟؟۔۔ کیسے اسے اپنی اداؤں میں الجھائے؟؟۔ عورت تو ایسے ہی ناز و اندام دکھا سکتی ہے۔۔

بہارے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلا۔۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔۔ بہارے نے ونڈ سکرین سے پار نظر آتے گھر کو دیکھا اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

سامنے ہی ایک خوبصورت چھوٹا سا گھر تھا۔۔ جس کی دیواروں پر موتیے کی بیلیں لپٹی تھیں۔۔ ساتھ ہی بہتا دریا تھا۔۔

بہارے کی آنکھیں ابھی بھی بے یقین تھیں۔۔ پورا وجود جیسے آندھیوں کے زد میں آیا تھا۔

یہ گھر ڈاکٹر آئزل کا ہے ؟؟۔۔ بہارے کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی. ۔۔ بدن پر لرزا طاری ہوا تھا۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام سپاٹ انداز میں کہتا گاڑی سے اتر گیا تھا۔۔

بہارے کی سانسیں الجھیں تھیں۔۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔

یہ وہی گھر تھا جو شہرام نے اس کے لیے خریدا تھا۔۔۔ وہ اسے رخصتی سے پہلے کالج سے واپسی پر ایک مرتبہ ادھر لایا تھا۔

اور اس نے یہ گھر دیکھتے ہی اس کے اندر جانے سے منع کر دیا تھا. وہ کافی دیر تک اس کی منت سماجت کرتا رہا ایک بار وہ گاڑی سے اتر کر دیکھ لے۔۔ مگر وہ غصے سے گاڑی میں بیٹھی رہی تھی. نہ اسے تب گھر پسند آیا تھا اور نہ دینے والا پسند تھا۔ تو وہ کیسے اس کے ساتھ اندر جاتی۔۔ ضد اور آنا کی پکی تھی تو اس کی ہزار منت سماجت پر بھی اس نے اندر سے نہیں دیکھا تھا۔۔

اب یہ گھر ڈاکٹر آئزل کو وہ دے چکا تھا۔۔ وہ کیسے اس کی چیزوں کو کسی دوسرے کو دے سکتا ہے۔۔ بہارے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔۔۔۔۔

بہارے اپنے امڈتے آنسوؤں پر قابو پاتے شہرام کے ساتھ اندر داخل ہوئی ۔۔۔داخلی دروازے کی ڈیوری عبور کرتے وہ لوگ لاونج میں داخل ہوے۔

وہ بھیگی نگاہوں سے اس گھر کو چاروں طرف سے دیکھ رہی تھی۔۔۔اس کی آنکھوں کی شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔۔

خوبصورت لاونج جس میں راؤنڈ شیپ میں صوفے رکھے تھے۔۔ایک طرف گلاس سلائیڈنگ ڈور تھا۔۔جس کے باہر خوبصورت بہت بڑا ٹیرس تھا۔۔جس میں راؤنڈ شیپ میں جھولا تھا۔۔اس ٹیرس کے نیچے بہتا دریا تھا جو لوہے کے بنے جنگلے سے لاونج سے بھی نظر آرہا تھا۔۔سامنے ہی ایک خوبصورت کچن تھا۔۔اور ساتھ ہی ڈائینگ ایریا تھا۔۔اور ایک طرف

خوبصورت سٹنگ ایریا الگ سے تھا۔۔ جہاں کمفرٹیبل صوفے رکھے تھے۔۔ ایک چھوٹی سی ڈیوری بنی تھی جس میں دو کمرے ایک لائن میں بنے تھے۔ داخلی دروازے کے ساتھ ہی ڈرائینگ روم تھا۔۔ جس کا ایک دروازہ باہر بھی تھا۔۔۔۔ بہارے کی جلتی آنکھیں اس گھر کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔۔ جو اس کے شوہر نے اس کے لیے خریدا تھا۔۔ آج اس گھر کو ڈاکٹر آئزل کی ملکیت میں دیکھ کر بہارے کا زخمی دل مزید فگار ہو رہا تھا۔۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔۔

ڈاکٹر ائزل شہرام کو دیکھ کر بے قراری سے اس کی طرف بڑھی ۔۔۔ بہارے اس کی نظروں میں شہرام کے لیے بے قراری اور تڑپ دیکھ کر اپنا نچلا لب کچل گئی تھی۔۔ بہت مشکل تھا پاس کھڑے ستمگر کے لیے کسی کی نظروں میں تڑپ اور بے قراری دیکھنا۔۔

آئزل بلیک سٹائلش سے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر بڑا سا دوپٹہ اس نے اچھی طرح سر پر جمایا ہوا تھا۔ نیٹ کے دوپٹہ میں اس کے کمر تک آتے بال کھلے تھے۔۔

بہارے ڈاکٹر آئزل کو سیاہ لباس میں دیکھ کر بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔

ڈاکٹر آئزل کو وہ کافی دنوں سے سیاہ لباس میں دیکھ رہی تھی. ہر روز لباس نیا ہوتا مگر رنگ سیاہ ہوتا تھا۔۔ بلیک کلر شہرام کا پسندیدہ تھا اور اب شائد ڈاکٹر آئزل کا بھی پسندیدہ تھا۔۔

بہارے نے خود کی طرف نگاہ کی تھی۔۔ وہ بھی بلیک کلر میں تھی۔۔ کبھی اسے اس کلر سے ہی سب سے زیادہ نفرت تھی۔۔ کیونکہ وہ اس ستمگر کا پسندیدہ تھا۔۔ اس کی الماری میں ہر کلر ملتا تھا سوائے بلیک کلر کے۔۔۔ اب کچھ عرصے سے اس کی الماری میں صرف سیاہ کلر کا ہی لباس تھا۔۔

شہرام میں کب سے تمھارا انتظار کر رہی تھی؟؟۔۔تم اتنی لیٹ کیوں ہوے؟؟۔۔ڈاکٹر آئزل بہارے کو نظر انداز کرتی شہرام سے مخاطب ہوئی تھی۔۔شہرام کے ساتھ بہارے کو آتا دیکھ کر ڈاکٹر آئزل کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ جلن بھی واضح تھی۔

مجھے بہارے کو پک کرنا تھا حویلی سے۔۔اس لیے دیر ہو گئی۔۔۔شہرام نے بہارے کو سرد نگاہوں سے دیکھتے کہا۔۔

ایکچوئلی میرے چچا اپنی بیٹی کے معاملے میں مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں۔۔افٹر آل بہارے میری فرسٹ کزن ہیں۔۔شہرام نے اس بار بھی بہارے کو دیکھتے لفظ چباتے سنجیدگی سے کہا۔۔

وہ شاید ڈاکٹر آیزل کو وضاحت دے رہا تھا۔ اس کا کزن کہنا بہارے کو پھر سے چبھا تھا۔۔ مگر غلطیاں اپنی ہی تھیں۔۔ اس لیے بے بسی اور تکلیف کا احساس بھی زیادہ تھا۔

آپ بہت لکی ہیں بہارے۔۔۔۔۔۔ جو آپ شہرام جیسے انسان کی کزن ہیں۔۔ سینیر ڈاکٹر شمروز صوفے سے اٹھتے شہرام کی طرف بڑھے تھے ۔وہاں موجود باقی ڈاکٹرز جنھیں ڈاکٹر آیزل نے کھانے پر بلایا تھا۔۔ وہ بھی صوفوں سے کھڑے ہوے تھے۔

کیا پتہ ان جیسا ان لکی کوئی نہ ہو۔۔۔ یہ آپ کو لگتا ہے مس بہارے لکی ہیں۔۔ کبھی ان سے پوچھ کر دیکھیں میرا ان کے لیے کزن ہونا بھی باعث شرم ہے۔۔ شہرام کی بات پر سب نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

۔۔ بہارے کی رنگت میں شدید سرخی کی جھلک نمایاں ہوئی تھی۔۔

اپ لوگ تو سیریس ہو گئے۔۔۔۔ ایکچوئلی بچپن میں میں نے انھیں بہت ستایا ہے۔۔۔ انھیں بہت ڈانٹ پڑوائی ہے۔۔ اس لیے ان کی میرے ساتھ کم ہی بنتی ہے۔۔۔ مجھے سخت ناپسند کرتی ہیں۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے سب کے ہونق چہروں کو دیکھتے کہا تو بہارے کی آنکھوں میں موتی سے چمکے تھے۔۔

یہ تو بچپن کی بات ہوئی۔۔ بڑے ہو کر اکثر ناپسندیدگی پسندیدگی میں بدل جاتی ہے۔۔ اور پسندیدگی عشق میں بدل جاتی ہے۔۔ ڈاکٹر شمروز نے محبت بھری نگاہیں ساتھ کھڑی اپنی وائف ڈاکٹر مارواپر ڈالی تھیں۔۔ ان کی سٹوری بھی ناپسندگی سے شروع ہو کر عشق میں بدلی تھی۔۔۔ ڈاکٹر شمروز کی بات پر مارواکا رنگ گلابی ہوا تھا۔۔ سب نے دلچسپ نظروں سے ڈاکٹر مارواکو دیکھا تھا۔ ڈاکٹر شمروز اور ڈاکٹر مارواکافی سینیر تھے۔۔ مگر ان کی محبت مثالی

تھی۔ڈاکٹر ماروا ماں نہیں بن سکتی تھی۔۔ مگر شادی کے پندرہ سال گزرنے کے بعد بھی ڈاکٹر شمروز نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔۔۔۔وہ لوگ اس سے پہلے فرانس میں رہتے تھے۔۔ شہرام نے ان دونوں کو اپروچ کیا تھا۔۔پاکستانی تھے۔۔پاکستان کی محبت بھی دل میں موجود تھی۔۔بس ذرا سی شمع جلانے کی دیر تھی۔۔جو شہرام خانزادہ نے جلادی تھی۔۔

شہرام کی آفر پر وہ اس شمع کی روشنی میں سب کچھ چھوڑ کر اپنے ملک چلے آئے۔۔ یہاں آکر اپنا ایک چھوٹا سا آشیانہ بنالیا تھا۔۔ڈاکٹر ماروا ڈاکٹر شمروز کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسے ہی سرخ ہو جاتی تھیں۔۔جو سب کے لیے کافی حیرانگی کا باعث ہوتا تھا۔۔اتنی سچی محبت کسی نے آج تک نہیں دیکھی تھی.

۔۔

آپ بہت لکی ہیں ڈاکٹر شمروز کہ آپ کی زندگی میں ڈاکٹر ماروا جیسی اعلی خاتون آئیں۔۔ مگر یہاں ایسا کوئی سین نہیں ہے۔۔۔۔ وقت کے ساتھ ان کی ناپسندیدگی میں آضافہ ہی ہوا ہے۔۔۔۔ اور مجھے لگتا ہے یہ ناپسندیدگی اب قبر تک ہمارے ساتھ جائے گی۔۔ بہارے نے اب سرخ فق چہرے کے ساتھ شہرام کو دیکھا تھا۔۔ ہماری ناپسندیدگی۔۔۔۔ بہارے کی سانسیں ان دو لفظوں میں ہی الجھ کر رہ گیئی تھیں۔

شہرام کھانا ریڈی ہے۔۔۔۔ تمھارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔۔ ڈاکٹر آئزل نے مسکراتے ہوے کہا تھا۔۔۔ آیزل کا دل پر سکون ہوا تھا وہ سب کے سامنے ڈاکٹر بہارے سے ناپسندیدگی کا اظہار کر چکا تھا۔۔ وہ

ایسے ہی بہارے کو لے کر انسکیور ہو رہی تھی۔۔ڈاکٹر آیزل اپنی ہی سوچوں کو جھٹلا گئی جو کتنے دنوں سے اسے سولی پر لٹکائیں ہوے تھی۔۔

شہرام ڈاکٹر آئزل کی بات پر خفیف سا سر ہلاتے ہوے ڈایننگ ایریا کی طرف بڑھا۔باقی سب بھی ڈایننگ ایریا کی طرف بڑھے۔۔

بہارے بھی گہرے سانس بھرتے اپنی نم ذدہ آنکھوں کو رگڑتے آہستگی سے چلتے شہرام کے پیچھے ڈائینگ ایریا میں داخل ہوئی تھی۔

بہارے خاموشی سے چیر پر بیٹھی خالی پلیٹ میں چمچ پھیر رہی تھی۔۔ٹیبل پر جتنی بھی چیزیں سجی تھیں۔۔۔سب شہرام کی پسند کی تھیں۔مٹن چانپ ود مصالہ۔۔مٹن کڑاہی۔۔۔۔مٹر قیمہ۔۔۔سٹیم فش۔۔۔۔برین

مصالحہ۔۔۔۔فرائیڈ رایس ود چکن منچورین۔۔پالک گوشت۔۔۔۔سب کچھ تو شہرام کی پسند کا تھا۔۔

بہارے نے سامنے بیٹھے شہرام کو دیکھا جو خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔۔ڈاکٹر آیزل ہر تھوڑی دیر بعد اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ ڈال رہی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ کچھ کیوں نہیں لے رہیں؟؟۔۔ڈاکٹر فرقان کی بات پر سب بہارے کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔

شہرام نے بھی نظریں اٹھا کر بہارے کو دیکھا جو خالی پلیٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔شہرام کے دیکھنے پر بہارے نے فرائیڈ رایس کی ٹرے اپنی طرف کھسکاتے تھوڑے سے رائس اپنی پلیٹ میں ڈالے تھے۔۔۔

تھوڑے سے فرائیڈ رائس چمچ میں بھر کر منہ میں ڈالے۔۔۔نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔۔نمک تیز تھا کہ اسے لگا تھا اسے کڑواہٹ سی اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی تھی

گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا تھا۔۔پوری حویلی میں اس سے ذائقہ دار کھانا کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔۔یہاں تکہ کہ امینہ خانم اور رقیہ خانم بھی اس جیسا کھانا نہیں بنا سکتی تھیں۔۔

شہرام اس کے بنائے ہوئے کھانے پر مرتا تھا۔۔۔اس کی بچپن سے عادت تھی وہ کسی ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔۔نہ ہی باہر کا کھانا شوق سے کھاتا تھا۔۔اس کے ہاتھ کا کھانا بہت زیادہ شوق سے کھاتا تھا۔۔

وہ جب بھی کھانا بناتی تھی اس کی پوری کوشش ہوتی تھی شہرام کے لیے کھانا نہ بچے۔۔۔وہ بچا کھانا ویسٹ کر دیتی تھی۔۔یا پھر اس میں لال مرچ چھڑک

دیتی یا ایکسٹرا نمک ڈال دیتی تھی۔۔وہ سب کے سامنے خاموشی سے وہ زہریلا کھانا بھی کھالیتا تھا۔۔کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتا تھا کہ اس کھانے میں نمک مرچ تیز ہے۔۔وہ مسکراتے ہوے اسے دیکھتی وہ اسے دیکھتے مسکراتے ہوے ہی کھالیتا تھا۔۔رخصتی کے بعد اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتی تھی۔۔اس لیے کبھی کھانا ہی نہیں بنایا کہ نہ بنائے گی اور نہ وہ کھا سکے گا۔

رخصتی کے بعد تو اس کے کسی کام کو ہاتھ لگایا ہی نہیں تھا۔۔وہ کیا کھاتا ہے؟؟کب کھاتا ہے وہ پرواہ نہیں کرتی تھی۔۔۔اب تکلیف کے مارے اس کا دم حلق میں جیسے گھٹ رہا تھا۔۔وہ آئزل کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھا رہا تھا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔۔

مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔۔ بہارے کو یہ کہاوت یاد آئی تو چاولوں کا نوالہ گلے میں ہی اٹک گیا تھا۔۔

شہرام کیسا بنا ہے ؟؟۔۔ آئزل نے شہرام کو دیکھتے پوچھا تو سب کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔۔۔۔

اچھا بنا ہے ڈاکٹر آیزل۔۔۔ شہرام نے نرمی سے کہتے رایس کی بائٹ منہ میں ڈالی تھی.

سب اپنی اپنی پلیٹس میں صرف فرائیڈ رائس اور سیلڈ ڈال کر تھوڑا تھوڑا کھا رہے تھے۔۔۔ صرف شہرام تھا جو ساری ڈشز ٹرائے کر رہا تھا۔۔ کیونکہ آیزل وقتاً فوقتاً اس کی پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھی.

اہہہم۔۔۔۔۔۔۔شہرام کی تعریف پر ڈاکٹر فرقان کو زبردستی کا کھانسی کا دوڑا پڑا تھا۔۔

شہرام نے تو ڈاکٹر فرقان کو قہربار نگاہوں سے گھور کر دیکھا ہی تھا۔۔ڈاکٹر دانیال جو اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھا تھ۔۔ااس نے ڈاکٹر فرقان کے پاؤں پر زور سے اپنا پاؤں مارا..

ڈاکٹر شمروز نے بھی گھور کر ڈاکٹر فرقان کو دیکھا تھا۔۔ کھانے میں نمک مرچ بہت تیز تھی۔۔۔ تقریباً سب ڈشز میں نمک تیز تھا۔۔ گوشت کچا تھا۔۔ کھانا انتہا کا بدمزہ بنا تھا۔۔

سب ایک دوسرے کو دیکھتے پھر اپنی پلیٹ میں دیکھتے اور تھوڑے سے چاولوں کے ساتھ سیلڈ بھر کر چمچ منہ میں ڈالتے اور پانی کا گھونٹ بھرتے۔۔۔۔

ڈاکٹر دانیال ذرا کوفتے تو پکڑائیں۔۔ دیکھنے میں اچھے لگ رہے ہیں۔۔ ڈاکٹر فرقان نے مسکین سا منہ بناتے ہوے کہا تھا۔۔ آج دعوت کے چکر میں اس نے ناشتہ تک سکپ کر لیا تھا۔۔ اور اب بھوک سے اس کا انگ انگ دہائی دے رہا تھا۔۔

میری مان نہ کر ٹرائے۔۔۔۔۔۔ سر شہرام نے کوفتے کو توڑنے میں کافی فورس لگائی تھی۔۔

ڈاکٹر دانیال نے ڈاکٹر فرقان کے کان میں جھکتے سرگوشی کی تھی۔

تمھیں کیسے پتہ کہ فورس لگائی تھی۔۔ڈاکٹر فرقان نے کوفتوں کو بغور دیکھتے سوال کیا۔

ان کے ایکسپریشن سے لگا تھا۔۔ڈاکٹر دانیال نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

ہو سکتا ہے اچھے بنے ہوں۔۔دیکھو پرفیکٹ شیپ ہے۔۔ڈاکٹر فرقان نے بھوک سے دہائی دیتے ہوے کوفتوں کی ڈش کو دیکھا

ٹھیک ہے کرلے ٹرائے۔۔۔دانت وانت ٹوٹ گیا میرے پاس مت آنا۔۔۔ڈاکٹر دانیال نے سرگوشی کرتے کوفتوں کی ڈش ڈاکٹر فرقان کی طرف بڑھائی۔۔

ڈاکٹر فرقان نے ایک کوفتہ اپنی پلیٹ میں ڈالتے اس پر کانٹے سے دباؤ ڈالا تھا ۔مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔۔۔

ڈاکٹر فرقان کے فورس لگانے پر ڈاکٹر دانیال کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی۔۔

مس آیزل ذرا چھری پکرائیے۔۔۔ میں ذرا اس کو فتے کو کاٹ کر دیکھوں ہو سکتا کٹ جائے۔۔۔ ڈاکٹر فرقان کی بات پر آیزل نے ناسمجھی سے اسے دیکھتے چھری پکڑائی۔

سب کے چہروں پر دبی دبی سی مسکراہٹ بکھری۔۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر شمروز بھی اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکے

اس سچویشن میں اب سب کا خود پر کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

آپ اور کچھ نہ ہی ٹرائے کریں تو بہتر ہو گا۔۔۔ شہرام نے غصے سے ڈاکٹر فرقان کو گھورا۔۔ ڈاکٹر شمروز بھی سنجیدہ ہوے تھے.۔۔۔ ڈاکٹر آیزل کافی معصوم تھی۔۔ اگر اس وقت اسے ذرا بھی اندازہ ہو جاتا کھانا ٹھیک نہیں

بنا یقیناً وہ بہت ایمبیریس ہوتی۔۔اس نے بہت پیار سے سب کو انوایٹ کیا تھا۔۔

وہاں بیٹھا کوئی بھی انسان اس کا دل نہیں توڑنا چارہا تھا۔

ڈاکٹر ماروا آپ کو کیسا لگا کھانا؟؟میں نے فرسٹ ٹائم یہاں کی ٹرڈشنل ڈشز ٹرائے کی ہیں۔۔میں نے کسی کی ہیلپ بھی نہیں لی۔۔۔میں آپ سب کے لیے خود یہ سب کرنا چاہتی تھی۔۔ڈاکٹر آیزل نے شہرام کو دیکھتے سادگی سے کہا۔۔

سب کے لبوں پر ایک بار پھر سے مسکراہٹ آئی تھی.۔اس نے یہ ڈشز کس کے لیے بنائی سب جانتے تھے؟؟۔۔۔بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہوئیں تھیں۔۔

کسی کی ہیلپ لے لیتی تو اچھا ہی تھا۔۔ڈاکٹر فرقان کی زبان پر کھجلی ہوئی

۔۔۔

سب کے گھورنے پر ڈاکٹر فرقان نے اپنی پچھلی گردن ایک ہاتھ سے رب

کی۔۔

سر شہرام آپ کا نام گنیز بک اف ورلڈ ریکارڈ میں ہونا چاہیے تھا۔۔ڈاکٹر

فرقان نے شہرام کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا تھا۔

کیوں؟؟شہرام نے کرسی سے ٹیک لگائے ڈاکٹر فرقان کو گھورتے لب بھینچے

تھے۔

کیونکہ آپ نے یہ کوفتے ٹرائے کیے ہیں۔۔ڈاکٹر فرقان نے شرارتی لہجے

میں کہا۔۔

اس بار ڈاکٹر شمروز کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔۔

شہرام نے اب ڈاکٹر شمروز کو گھور کر دیکھا۔ان جیسے سینیر پر وقار انسان سے اس بات کی امید نہ تھی۔۔

آپ کل مجھ سے آفس میں ملیے گا۔۔ شہرام ڈاکٹر فرقان کو گھورتے ہوے چیئر کھسکاتا اٹھا تھا۔۔

اگر کل تک آپ صیح سلامت رہے تو ضرور۔۔۔۔ڈاکٹر فرقان نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے آہستگی سے کہا مگر آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ شہرام تک بخوبی پہنچ گئی تھی۔

شہرام اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے ہوے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل بھی اپنی چیئر کھسکاتی سب سے اکیسکوز کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اب آپ سب کو یقین ہو جانا چاہیے کہ شہرام سر آیزل کو لے کر کتنے سنجیدہ ہیں۔۔ آگ دونوں طرف برابر کی لگی ہے. سر شہرام اوپر اوپر سے بنتے ہیں۔ شہرام سر ایک ایکسپریشن لیس انسان ہیں۔۔ کوئی بھی ان کے ایکسپریشن کو سمجھ نہیں سکتا۔۔ اب آپ خود ہی دیکھ لیں اتنا بدمزہ کھانا بنا کسی کڑوے تاثرات کے ساتھ کھالیا۔۔ ڈاکٹر آیزل کو خبر نہیں ہونے دی کہ ان کے ہاتھ کا کھانا زہر سے کم نہ تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے سب کو دیکھتے بلند آواز میں کہا۔۔

اب تو میں بھی مان گیا ہوں سر شہرام، ڈاکٹر آیزل کو لے کر سنجیدہ ہیں۔۔ ورنہ وہ یہ زہریلا کھانا کبھی نہ کھاتے۔۔ مانتے ہیں۔۔ ہم سب بھی ڈاکٹر آیزل کا دل نہیں توڑنا چاہتے تھے۔۔ مگر ہم میں سے کوئی ایک بایٹ نہیں لے سکا۔۔ مگر سر شہرام نے خاموشی سے سارا کھانا ٹرائے کیا۔ نہ صرف ٹرائے کیا بلکہ اسے کھایا بھی۔۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟۔ ڈاکٹر دانیال نے سب کو ابرو اچکائے سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔۔

بہارے سن سی ہوئی تھی۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ بہارے نے فق رنگت سے کھانے کو دیکھا تھا۔۔ شہرام نے سچ میں زہریلا کھانا خاموشی سے کھایا ۔۔۔ دل بے یقین ہوا تھا۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ وہ صرف میرے ہاتھ کا کڑوا کھانا کھا سکتا ہے۔۔ وہ صرف میری خاطر خود کو تکلیف دے سکتا

ہے۔۔وہ میری جگہ کسی کو نہیں دے سکتا۔۔بہارے کے دل میں جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

بہارے نے کھڑے ہوتے ایک ایک کر کے تمام ڈشز پکڑتے تھوڑا تھوڑا کھانا اپنی پلیٹ میں ڈالا تھا۔

سب حیرانگی سے بہارے کو دیکھ رہے تھے۔جو گہرے سانس لیتے ڈش اٹھاتی اس میں سے چمچ بھر کر کھانا اپنی پلیٹ میں ڈالتی۔۔

ڈاکٹر بہارے یہ کھانا کھانے کے لائق نہیں ہے۔ڈاکٹر ماہم نے اسے ٹوکا تھا۔۔

بہارے نے سنی ان سنی کرتی مٹن کڑاہی کا چمچ بھر کر منہ میں ڈالا۔اسے لگا جیسے مرچوں سے بھرا چمچ اس نے منہ میں ڈال دیا ہو۔۔بہارے کی

آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔ پتہ نہیں یہ آنسو مرچوں کی شدت سے بہے تھے یا پھر دہکتے دل کی وجہ سے۔۔۔

اب اس نے مٹر قیمہ کا چمچ بھر کر منہ میں ڈالا تھا۔۔ اسے اب کی بار کھانسی کا دورہ پڑا تھا. نمک انتہائی تیز تھا۔۔ جو اس کے گلے کو کیا پورے وجود کو کڑوا کر گیا تھا۔۔

سب ہونقوں کی طرح بہارے کو دیکھ رہے تھے۔ جو روتے ہوئے کھانستے ہوئے چمچ بھر بھر کر ایک ایک کرتے سب ڈشز ٹرائے کر رہی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے کو لگتا ہے بہت بھوک لگی ہے تمھاری طرح۔۔۔ڈاکٹر دانیال نے ڈاکٹر فرقان کے کان میں سرگوشی کرتے بہارے کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا تھا

اس بار ڈاکٹر فرقان مسکرا بھی نہ سکا تھا۔۔سامنے کھڑی لڑکی کی تکلیف پر وہ کبھی مسکرا نہیں سکتا تھا۔

سب پریشانی سے بہارے کو دیکھ رہے تھے۔۔جو آنسو بہاتے کھڑی تھی۔۔اس کا بدن کپکپا رہا تھا۔۔ڈاکٹر بہارے ایسی تو نہ تھیں۔

ڈاکٹر فرقان نے اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے پانی کا گلاس بہارے کو پکڑایا۔۔جو سب ڈشز ٹرائے کر چکی تھی۔۔اب آنسو بہاتے کھڑی اپنے سینے پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔۔

شہرام نے یہ کھانا کھایا۔۔۔اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔

ایسا کھانا تو وہ صرف اس کے ہاتھ کا کھاتا تھا۔۔وہ کیسے اس کا مقام کسی کو دے سکتا ہے؟؟۔۔وہ لرزتے کھڑے یہی ایک بات سوچے جا رہی تھی۔۔دل میں تکلیف کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنے آنسوؤں اور اپنے غم پر سب کے سامنے بھی کنٹرول نہ کر سکی تھی۔۔شہرام کی محبت نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔۔

ڈاکٹر فرقان کے پانی بڑھانے پر وہ سر نفی میں ہلاتے تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھی

یہ ڈاکٹر بہارے کو کیا ہوا ہے ؟؟۔۔ڈاکٹر ماہم نے پریشانی سے سب کو دیکھا تھا۔سب خاموشی سے کندھے اچکا کر رہ گئے تھے۔ڈاکٹر فرقان اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

بہارے نے باہر آکر کھلی فضا میں گہرے سانس لیے تھے. اگر وہ مزید اندر رہتی اس کی سانسیں سینے میں ہی دب جاتیں۔۔اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے گھر سے باہر نکل آئی تھی۔۔اس کے قدموں کا رخ ساتھ ہی بہتے دریا کی طرف تھا۔۔ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے شدت اختیار کی تھی۔۔جاتا ہوا جاڑا تھا۔۔جو ایک بار پھر سے قہر بن کر ٹوٹا تھا۔۔جاتے جاتے سردی کے موسم نے ایک آخری بار اپنی شدت دکھائی

تھی۔۔۔اس کے قدموں نے روانی اختیار کی تھی۔۔۔سینے میں چلتی سانسیں اکھڑ رہی تھی۔۔رنگت برفیلی ہوا کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔۔

وہ بدل گیا تھا۔وہ کسی کا ہو گیا تھا۔اس نے اس کی جیسی اہمیت کسی کو دے دی تھی۔وہ بہتے دریا کے کنارے پر آکر رکی تھی۔۔۔دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔۔

شدید بارش کی وجہ سے دریا کی موجوں میں شدید طغیانی آئی ہوئی تھی۔۔دریا ابل ابل کر باہر آرہا تھا۔۔

اس کے سینے میں بھی طغیانی کے ساتھ درد کے ابال اٹھ رہے تھے۔۔

اسے احساس تھا جو اس نے اس کے ساتھ کیا۔۔اسے شدت سے احساس تھا اپنی غلطی کا بلکہ اپنے گناہوں کا۔۔وہ اپنے محرم کے جائز حق کا تحصال کرتی

آئی۔۔اس کی نرمی اس کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی آئی۔۔اپنے شوہر کا دل دکھاتی رہی۔۔اسے سب احساس ہو گیا تھا۔۔اگر اسے اس سے محبت نہیں تھی تو پھر بھی اسے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ اس طرح اس کا دل دکھاتی ۔۔مگر اس نے تو اس سے کبھی محبت کا دعوی نہیں کیا تھا۔۔اس ستمگر نے محبت کا دعوی ہی نہیں عشق کا دعوی کیا تھا۔۔بلکہ دعوی نہیں عشق کیا تھا.

وہ رخصتی سے پہلے راتوں اس کے کمرے میں آکر بہت دیر تک اسے دیکھتا رہتا تھا۔۔وہ آنکھیں موندے پڑی رہتی۔۔۔اور وہ دیکھتا رہتا اور وہ گہری نیند میں چلی جاتی۔۔پھر وہ نیند میں اپنے چہرے پر اس ستمگر کی سانسوں کی تپش محسوس کرتی۔۔اس کے لبوں کا نرم لمس محسوس کرتی۔۔وہ جانے کتنی دیر اسے لبوں سے چھوتا اور وو گہری نیند کی آغوش میں چلی جاتی۔۔صبح اٹھ کر وہ کتنی دیر خود کو مرر میں مغروریت سے دیکھتی رہتی۔۔لبوں پر مغرورانہ

مسکراہٹ ہوتی۔۔۔اسے اپنے چہرے سے عشق ہوا ہی اس لیے تھا ۔۔کیونکہ وہ ستمگر اس کے چہرے سے عشق کرتا تھا۔۔

ہر مرتبہ اس کے آگے جھکتا تھا۔۔۔وہ غصہ کرے یا پھر کچھ بھی آخر کار وہ اس کے آگے ہار جاتا تھا۔۔جب سمیع اللہ خان نے اور اربد خان نے اس کے میڈیکل کالج میں داخلے پر پابندی لگائی تھی۔۔اس نے بھوک ہڑتال کر دی تھی۔۔۔اس نے وہ بھوک ہڑتال بہت سوچ سمجھ کر کی تھی۔۔جانتی تھی اب وہ ڈاکٹر ہر حال میں بن کر رہے گی۔ہمیشہ کی طرح وہ ستمگر اس کی ڈھال بن جائے گا۔۔اب قیامت بھی آجائے وہ ڈاکٹر بن کر رہے گی۔۔وہی ہوا اس نے دو دن کھانا نہیں کھایا تھا۔۔اسے پتہ چلا تو پوری حویلی میں قہرام مچ گیا تھا۔۔

اور پھر بڑی آسانی سے اس کا کالج میں داخلہ ہو گیا۔۔اس کے لیے تو آسان ہی تھا صرف دو دن کھانا چھوڑنے پر اس کا کام ہو گیا تھا۔۔وہ ستمگر کن عذابوں سے گزرا تھا۔۔اس نے کیا کیا جتن کیے تھے ؟؟۔اسے کیا پرواہ ؟؟۔۔۔۔اس کا تو کالج میں داخلہ ہو گیا تھا۔۔

اس کا ہر کام منٹوں میں ہو جاتا تھا۔۔بات صرف اس تک پہنچنے کی دیر ہوتی تھی۔۔وہ جانتی تھی اب وہ سانس تب ہی لے گا۔۔جب اس کا کام ہو گا۔۔اس کی اسی بے غرض محبت پر وہ مغرور ہوتی چلی گئی۔۔اسے اس سے محبت ہوئی نہیں یا پھر اس ستمگر نے اسے محبت کرنے ہی نہیں دی۔۔۔اس ستمگر کی محبت عشق محسوس کرنے سے فرصت ملتی تو وہ محبت کرتی۔۔۔اسے پڑھا لکھا جیون ساتھی چاہیے تھا۔۔اسی بات کو بنیاد بنا کر وہ اس سے نفرت کا اظہار کرتی رہی۔ مگر تب بھی اور آج بھی اس کی زندگی میں تو صرف وہ ہی

وہ تھا۔۔وہ جو اس سے عشق کا دعویدار تھا اس کی زندگی میں وہ کیوں نہ رہی تھی۔۔

مرد محبت کا دعوی کرتا ہے محبت کرتا نہیں ہے۔۔اور عورت محبت کا دعوی کرتی نہیں بلکہ محبت کرتی ہے۔وہ شدت سے رو دی تھی۔۔

وہ کیسے آیزل کے ہاتھ کا اتنا بدمزہ کھانا کھا سکتا ہے؟!۔۔یہ سارے حق تو اسی کے تھے۔۔بہارے شدت سے رو دی تھی۔۔

دریا کے کنارے کھڑے بہتی موجوں کو دیکھتے وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔۔اس کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا۔۔تم صرف میرے ہو شہرام ۔۔۔میں تمھیں کبھی کسی صورت کسی کا ہونے نہیں دوں گی۔۔تم صرف میرے ہو۔۔تم پر صرف میرا حق ہے۔۔۔تم صرف میرے ہو۔۔۔تم صرف میرے ہو۔۔۔بہارے حلق کے بل چیخ رہی تھی۔۔

اس کی چادر ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔۔ بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ وہ شہرام کی محبت میں اس قدر دیوانی ہو چکی تھی کہ اسے اپنے پردے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔۔ ورنہ بھلا کب اس نے چادر اپنے بدن سے سرکنے دی تھی۔۔ سر سے کبھی سرک بھی جائے بدن کی رعنائیوں پر سے کبھی دوپٹہ چادر سرکنے نہیں دی تھی۔ مگر آج اس کے بدن کی رعنائیاں تک ظاہر تھیں۔۔ فراک کا اگلا پچھلا گلا کافی ڈیپ تھا۔۔ کیونکہ یہ فراک تو اس نے پہنا ہی شہرام کے لیے تھا۔۔ یہاں آتے ہوے اس نے بڑی سی چادر سے خود کو کور کر دیا تھا۔۔۔ مگر دل کا درد ہی اتنا تھا وہ ہوش و خرد سے بیگانی ہو چلی تھی۔۔۔ اس کا نازک بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔۔ وہ آسمان کو دیکھتے چیخیں مار رہی تھیں۔

نہیں چاہیے تھی ڈاکٹر کی ڈگری۔۔۔۔کوئی ہسپتال کی نوکری۔۔۔چاہیے تھا صرف شہرام۔۔۔۔اس کی محبت اس کی وفا۔۔اس کی گرم دیوانگی سے بھر پور نگاہیں۔۔اس کی بے رحم شدتیں۔۔اس کی مضبوط پناہیں۔۔۔اسے اب صرف شہرام چاہیے تھا۔وہ بری طرح چیخیں مار رہی تھی کہ یکدم اس کے کندھے پر کسی کا ہاتھ آن ٹھہرا تھا۔۔

وہ ہڑبڑا کر پلٹی تھی۔۔اپنے سامنے ڈاکٹر فرقان کو دیکھ کر اس کا رنگ شدید سرخ ہوا تھا۔۔بہارے نے جلدی سے اپنی چادر سے سینے کو اچھی طرح کور کرتے اپنے قدم پیچھے کی طرف لیے تھے۔۔

آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی؟؟۔۔بہارے سرخ چہرے کے ساتھ غرائی۔

ڈاکٹر بہارے آپ جس طرح رو رہی ہیں۔۔ چیخیں مار رہی ہیں۔ آپ کی چیخیں دور دور تک سنائی دے رہی ہیں۔۔ میں آپ کے لیے بہت پریشان ہوں۔۔ کیا ہوا ہے آپ کو؟؟ آپ ایسے کیوں روتی ہیں؟؟۔۔ ڈاکٹر فرقان کی آواز میں پریشانی تھی۔۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی وہ بہارے نہیں تھی جس میں غرور طنطنہ تھا۔۔ ظاہر طور پر اس لڑکی میں آج بھی غرور طنطنہ تھا۔۔ مگر جب وہ اسے اس طرح روتے ہوے دیکھتا تو اسے بہارے بلکل ایک عام سی لاچار لڑکی لگتی۔۔ چہرے پر غرور طنطنہ اکڑ تو صرف دکھاوے کی تھی۔۔ کوئی شخص بہت خاص شخص اس کا یہ غرور طنطنہ توڑ چکا تھا۔۔ ڈاکٹر فرقان کے لیے یہ بات کافی تکلیف کا باعث تھی۔ اس لڑکی کو یوں دیکھنا۔۔۔

آپ ہوتے کون ہیں میرے لیے پریشان ہونے والے ؟؟۔۔ میرے پیچھے یوں آنے والے ؟؟۔۔ مجھے یوں ہاتھ لگانے والے۔۔۔ میں روؤں مروں جیوں۔۔ آپ کو کوئی حق نہیں مجھ سے سوال کرنے کا۔۔ اگر آئیندہ مجھے غلطی سے بھی آپ نے ٹچ کیا۔۔ مجھ سے سوال وجواب کیے۔۔۔۔ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔۔ آپ مجھے ایک عام لڑکی مت سمجھیے گا۔۔ جسے غیر مردوں کی ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے۔۔ بہارے حلق کے بل دھاڑی تھی۔ اپنی چادر کو اب اس نے اچھی طرح سر پر جمایا۔۔ خفت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔ اس کے بال کسی غیر مرد کے سامنے آج پہلی مرتبہ کھلے تھے۔۔۔ وہ بال جن پر وہ ستمگر مرتا تھا۔۔ ان بالوں کو دیکھنے کا حق صرف اسی کو تھا۔۔ بہارے نے غصے سے ڈاکٹر فرقان کو گھورتے اپنی چادر سے اپنے بالوں کو مزید کور کیا۔

ڈاکٹر بہارے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔۔۔ ہر بار میری یوں تذلیل کریں۔۔ مانتا ہوں آپ پردہ کرتی ہیں۔۔ مگر میری انٹینشن غلط نہیں ہے۔۔ میں نے کبھی آپ پر غلط نظر نہیں ڈالی۔۔ ابھی بھی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہیں ڈالی۔۔ میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔۔

آپ کی ایک نظر نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔۔ بہارے کی بھیگی آواز پر ڈاکٹر فرقان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں سے آنسو شدومد سے بہہ رہے تھے۔۔

ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ایک عورت ہوں۔۔ مرد کی نظر پہچاننا عورت کے لیے بہت آسان ہے۔۔ میں نے آپ کی نظریں پہلے دن ہی پہچان لی تھیں۔۔ آپ کی نظروں میں اپنے لیے پسندیدگی دیکھنا میرے لیے تکلیف کا باعث ہے۔۔ میں آج آپ کو بتاتی ہوں۔۔ میں اپنے تن من سے

کسی کی ہو چکی ہوں۔ اور مرتے دم تک صرف اسی کی رہوں گی۔۔ آپ جیسے مردوں کی میری زندگی میں اوقات صفر سے بھی نیچے ہے۔۔ آئیندہ مجھ سے بات کرنے کی بھی کوشش مت کیجیے گا۔۔ ورنہ بہارے گل کا وہ روپ دیکھیں گے جو آج تک آپ نے دیکھا نہیں۔۔۔۔ بہارے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے ڈاکٹر فرقان کو دیکھتے پھنکاری تھی۔۔ ڈاکٹر فرقان نے اسے بغیر چادر کے دیکھا تھا۔۔ وہ توہین و خجالت کے احساس سے مر رہی تھی۔۔ یہاں روشنی کی کمی تھی۔۔ ڈاکٹر فرقان کی نگاہوں نے اتنی باریک بینی سے یقیناً اس کا جائزہ نہیں لیا ہو گا۔۔ مگر پھر بھی اسے شدید تکلیف پہنچی تھی۔ اس کے بدن کی رعنائیوں کو دیکھنے کا حق صرف اس کے شہرام کو تھا۔

ڈاکٹر بہارے آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ ڈاکٹر فرقان نے لب بھینچتے ہوے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

بہارے اس وقت دریا کے کنارے پتھروں پر کھڑی تھی۔۔اس نے یکدم غصے سے اپنے قدم مزید پیچھے لیے تھے۔۔اس کا پیر ان پتھروں پر بری طرح پھسلا تھا وہ پیچھے کو لڑکھڑاتی گہرے دریا میں جا گری۔۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ گہری موجوں کی نظر ہوئی تھی۔۔دریا کی موجوں میں شدت تھی اور دریا گہرا تھا۔۔بہارے نے بہت ہاتھ پیر چلائے تھے۔۔اس نے چیختے ہوئے اوپر آنا چاہا تھا۔مگر وہ لمحوں میں گہرے پانی کی نذر ہوئی تھی.

ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر فرقان پوری قوت سے چلایا تھا۔۔

اسے تیرنا نہیں آتا تھا اور دریا کی لہریں بہت سفاک تھیں۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔۔۔۔

بہارے۔۔۔۔شہرام کی آواز سنتے ڈاکٹر فرقان نے پیچھے مڑ کر دیکھا ۔۔۔شہرام تیزی سے بھاگتا ہوا آیا تھا.

اپنی چادر اتار کر زمین پر پھینکتا وہ اسی پل دریا میں کود چکا تھا۔۔

وہ تیرتا ہوا پانی کی گہرائی میں اترا۔۔ بہارے بہتے دریا کی گہرائی میں اتر چکی تھی۔۔ اب وہ نظر بھی نہیں آ رہی تھی۔۔

شدید برفیلا ٹھنڈا پانی گھپ اندھیرا۔۔۔ وہ تیرتا ہوا پاگلوں کی طرح اسے تلاش کر رہا تھا۔۔ شہرام کا دل جیسے بند ہو رہا تھا۔ وہ اسے کیسے تلاشتا پانی کے اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔ لمحہ پہلے وہ اس کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔۔

وہ اسے ڈاکٹر فرقان سے بات کرتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ وہ اسی پل دریا کی گہرائی میں اتر چکی تھی۔۔ اب دریا کے اوپر اس کا نام و نشان نہیں تھا۔۔ اگر ذرا سی اور دیر ہو گئی تو وہ اسے نہ تلاش کر سکا وہ ہمیشہ کے لیے اسے کھو دے گا۔۔ وہ پانی کی گہرائی میں ہاتھ پیر مار رہا تھا۔

یکدم اس کے پاؤں کسی وجود سے ٹکرایا تھا۔۔ شہرام خانزادہ کی رکتی سانسیں جیسے چلنے لگی تھیں۔۔

شہرام اسی پل اس وجود کو بانہوں میں بھرتے دریا کے اوپر آیا تھا۔۔۔ اسے سینے سے لپٹائے وہ بمشکل ہی تیر کر کنارے تک آیا تھا۔ کنارے پر آتے بہارے کے بے جان وجود کو شہرام نے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھا کر اپنے سینے سے لپٹایا تھا۔۔۔

وہاں پر اب سب موجود تھے ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر آیزل ڈاکٹر فرقان، ڈاکٹر دانیال، ڈاکٹر آیزل۔۔۔۔۔۔

شہرام تم ٹھیک ہو ناں۔۔ آئزل بھاگتے ہوے روتے ہوے شہرام کے مقابل آئی۔

ڈاکٹر آئزل سب کو یہاں سے بھیج دیں۔۔۔مجھے کوئی میل یہاں نظر نہ آئے۔۔۔شہرام ڈاکٹر فرقان کو گھورتے آئزل سے سنجیدگی سے کہتے رخ پلٹ گیا تھا۔۔

ڈاکٹر شمروز تو کب سے گھر چلے گئے تھے۔۔ڈاکٹر دانیال اور ڈاکٹر فرقان حیرانگی سے شہرام کی چوڑی پشت کو دیکھ رہے تھے۔۔جو بہارے کے بے جان وجود کو لیے رخ پلٹے کھڑا تھا۔۔بہارے اس کے چوڑے وجود کے حصار میں نظر بھی نہیں آرہی تھی.

آیزل نے حیرانگی سے شہرام کو دیکھا جو بہارے کے بے جان وجود کو گود میں اٹھائے سینے سے لپٹائے کھڑا تھا۔

اسے طبعی امداد کی ضرورت تھی وہ اسے ایسے ہی لیے کھڑا تھا۔۔۔

وہ نا سمجھی سے شہرام کی بات پر سر ہلاتے ڈاکٹر فرقان اور ڈاکٹر دانیال کی طرف بڑھی۔

چلو یہاں سے یہ خان لوگ ایسے ہوتے ہیں۔۔ اپنی عورتوں کو لے کر اتنے ہی حساس۔۔۔۔ جب تک ہم یہاں سے جائیں گے نہیں۔۔ سر شہرام ڈاکٹر بہارے کا ٹریٹمنٹ نہیں کرنے دیں گے۔۔ ڈاکٹر دانیال سرگوشی میں کہتے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔ اپنی عورت۔۔۔۔۔ ڈاکٹر آیزل اور ڈاکٹر فرقان کی سماعتیں ان دو لفظوں میں الجھی تھیں۔۔

ڈاکٹر دانیال اور ڈاکٹر فرقان تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔۔

شہرام بہارے کے بے جان وجود کو زمین پر لٹاتے بے تابی اس پر جھکا۔ تڑپتے ہوئے اس کے چہرے کو تھاما جس پر نیلاہٹ واضح تھی۔۔۔

ڈاکٹر آئزل اور ڈاکٹر ماہم بہارے کے پاؤں کے تلوے رگڑتے اسے گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام نے چیختے ہوئے اسے پکارتے اس کے گال تھپتپائے تھے.

بہارے کے پیر کے تلوے کو رگڑتے ڈاکٹر آئزل کے ہاتھ رکے تھے.

آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے۔۔ شہرام کی تڑپتی آواز نہ صرف آیزل بلکہ ماہم کے لیے بھی حیرانگی کا باعث تھی۔

ڈاکٹر آیزل اپنے بہتے آنسو بے حسی سے صاف کر گئی تھی۔۔ اس کی محبت کون تھی؟؟ جیسے سب سمجھ آیا تھا۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔ شہرام نے تڑپتے ہوئے اسے دوبارہ پکارا۔۔ وہ بے جان سی پڑی تھی۔۔ کوئی ہلچل نہ تھی اس میں۔۔

شہرام نے اب اس کے پیٹ پر اپنے مضبوط ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔۔ بہارے نے ہچکی سی لی تھی اور پھیپھڑوں میں موجود پانی منہ کے ذریعے باہر آیا تھا۔۔ شہرام نے دو چار بار ایسے کیا تو پانی منہ اور ناک کے ذریعے باہر آیا تھا۔۔

شہرام پھر سے اس کے چہرے کی طرف بڑھتے اس کے نیلے عارض تپھتپائے۔ وہ ابھی تک مجسم سی بے جان گڑیا کی طرح پڑی تھی۔۔

ڈاکٹر آیزل کیا ہوا اسے ؟؟۔۔ ہوش کیوں نہیں آ رہا اسے۔۔۔ شہرام حلق کے بل چیخا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل شہرام کے چیخنے پر جلدی سے بہارے کی طرف بڑھیں۔۔ چہرے پر جھکتے اس کی سانسیں چیک کرنے لگیں۔

شہرام۔۔۔۔ ڈاکٹر بہارے کی سانسیں مدھم سی چل رہی ہیں۔۔ پانی شدید ٹھنڈا تھا۔ جو ان کا وجود برداشت نہیں کر سکا۔۔ پانی منہ اور ناک کے ذریعے اندر بھی گیا ہے۔۔ جس کی وجہ سے ان کی سانسیں مدھم سی چل رہی ہیں۔۔ انھیں مصنوعی اکسیجن دینی پڑے گی تو یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ ۔ ہمیں انھیں اسی وقت ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا۔۔

ڈاکٹر آیزل نے سنجیدگی سے کہا۔

ہاسپٹل تو یہاں سے بیس منٹ کی مسافت پر ہے۔۔۔اتنی دیر میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔۔شہرام تڑپتے ہوے بولا تھا۔۔

ہو سکتا ہے۔۔ہم یہاں بھی انھیں مصنوعی سانسیں دے سکتے ہیں۔۔ڈاکٹر آیزل شہرام کے لہجے میں تڑپ محسوس کرتے بھیگے لہجے میں بولی۔۔

پھر دیں ناں دیر کس بات کی کر رہی ہیں آپ۔۔۔شہرام غصے سے دھاڑا تو ڈاکٹر آیزل اس کی دھاڑ پر لرز اٹھیں تھیں۔

ڈاکٹر آیزل بہارے کے چہرے پر جلدی سے جھکی تھیں۔۔اس سے پہلے وہ بہارے کے منہ پر جھکتی اسے سانسیں دیتی۔۔شہرام سب کچھ سمجھتا ڈاکٹر آیزل کو پیچھے دھکیل چکا تھا۔۔ڈاکٹر آیزل لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے کو ہوئی تھیں۔اور بھیگی آنکھوں سے شہرام کو دیکھا جو بہارے کے لبوں پر جھکتے اس کے اندر اپنی سانسیں انڈیل رہا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔۔وہ جانتی تھی بہارے کی جان بچانے کے لیے یہ کرنا ضروری تھا۔۔ مگر بہارے کو شہرام کے نزدیک دیکھ کر اسے انسکیورٹی محسوس ہوتی تھی۔۔۔ شہرام کی بہارے کے لیے پوزیسیونیس دیکھ کر اس کے دل کی حالت بری ہو رہی تھی۔۔اس کے دور جھٹکنے سے وہ سمجھ گئی تھی وہ بہارے کے اتنے قریب کسی عورت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

جس طرح وہ اسے اس طرح ڈاکٹر فرقان اور دانیال کے سامنے اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکا تھا۔اب اسے مصنوعی سانسیں نہیں دینے دی تھی۔۔وہ کیا ایک عورت کا وجود بھی اپنے سامنے لیٹی عورت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا؟؟۔۔ آخر کیا رشتہ تھا اس کا اس عورت سے۔۔۔

ڈاکٹر آیزل بھیگی نگاہوں سے شہرام کو دیکھتے سوچ رہی تھی۔ جو اس پر جھکا پاگلوں کی طرح کب سے اسے سانسیں دے رہا تھا۔۔ جو اب تو مل چکا تھا۔۔ مگر وہ ماننے اور سمجھنے سے انکاری تھیں۔۔

بہارے۔۔۔۔ شہرام نے اس کے گال کو نرمی سے تھپتھپایا تھا۔۔ اس کی سانسیں اب چلنے لگی تھیں۔ بہارے نے آہستگی سے آنکھیں کھولتے اپنے اوپر جھکے شہرام کو دیکھا۔

شہرام۔۔۔۔۔ بہارے کے نیلے کپکپاتے لبوں نے بے آواز حرکت کی۔۔

شہرام نے جلدی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اوپر کو اٹھاتے بٹھایا تھا۔۔ تم ٹھیک ہو بہارے۔۔۔۔ شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے نرمی سے پوچھا۔۔

بہارے نے آہستگی سے آثبات میں سر ہلاتے گہرے سانس لیتے اپنے سر کو کپکپاتے ہاتھوں میں جھکڑا تھا۔۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔۔ سردی کی وجہ سے بدن میں کپکپاہٹ جاری تھی. پورا بدن ہی نیلاہٹ کا شکار تھا۔

ڈاکٹر آیزل میری شال پکڑائیں۔۔۔ شہرام نے ڈاکٹر آیزل سے کہا جو گھٹنوں کے بل بیٹھی اس پر اپنی بھیگی نگاہیں جمائے ہوے تھی۔

ڈاکٹر آیزل نے اٹھتے ہوے شہرام کی مردانہ شال زمین سے اٹھاتے شہرام کو پکڑائی تھی

شہرام نے جلدی سے اپنی شال پکڑتے بہارے کے وجود پر اچھی طرح اوڑھائی تھی۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کی بھیگی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑا تھا۔۔ شہرام ابھی تک اس کی کمر پر اپنا حصار رکھے ہوے تھا۔ بہارے بمشکل ہی بیٹھی تھی.

شہرام اسے گود میں اٹھاتے تیز تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھا گیا تھا۔۔

بہارے کا نازک وجود سردی سے بری طرح کپکپا رہا تھا۔ وہ شہرام کی شال سینے سے جکڑے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے کپکپا رہی تھی ۔۔ شہرام اسے دیکھتا اضطرابی انداز میں ڈرایو کر رہا تھا۔۔ وہ ریش ڈرائیو کرتا حویلی پہنچا تھا۔

۔اسے گرم کمرے گرم بستر کی ضرورت تھی۔۔۔شہرام اسے لیے حویلی آ گیا تھا۔۔ گاڑی کار پورچ پر آرکی تھی۔۔شہرام نے اسے ایک نظر دیکھا جو آنکھیں موندے بری طرح کپکپا رہی تھی۔ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے ۔۔۔۔وہ سیٹ پر کپکپاتے سر پٹخ رہی تھی۔۔

شہرام جانتا تھا اس کا سر درد سے پھٹ رہا ہو گا۔۔ بچپن سے اسے مائگرین کا مسلہ تھا۔۔اس برفیلے پانی میں سب سے زیادہ اثر اس کے سر پر ہی پڑا ہو گا۔۔

شہرام اپنی طرف کا دروازہ کھول کر جلدی سے اترا۔۔اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے جھکتے ہوے اسے اپنی گود میں اٹھایا

۔۔ بہارے نے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا تھا۔۔ دوسرے پل وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی۔۔

شہرام اسے لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔۔۔ لاونج خالی تھا۔۔ وہ اسے لیے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹاتے کمرے کا الیکٹرک ہیٹر آن کیا۔۔

بہارے تم ٹھیک ہو۔ شہرام نے اس کی طرف بڑھتے اس کی ہتھیلیاں سہلاتے ہوے پوچھا۔۔

شہرام۔۔۔۔ مم میرے کپڑے بھیگے ہوے ہیں۔۔ مم مجھے سردی لگ رہی ہے۔۔۔ بہارے نے آنکھیں کھولتے بمشکل کہا۔۔

میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے میری میڈیسن دے دو۔۔ وہ بھیگے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

شہرام بیڈ سے اٹھتے تیزی سے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا تھا۔۔ اس کے کپڑے نکالتے وہ کمرے میں آیا۔۔

بہارے آنکھیں موندے بری طرح کپکپاتے خود میں سمٹ رہی تھی۔۔

شہرام اسے کمر سے جکڑے اوپر کو اٹھا گیا۔۔

اس کے فراک کی بیک زپ پر انگلیاں رکھتے اسے اپنے قریب کیا تھا.

بہارے نے آنکھیں کھولتے شہرام کو دیکھا۔۔ دونوں کی نظریں ملیں تھیں۔۔ بہارے کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ بڑھی تھی۔ اتنے عرصے بعد اس نے ایسے اپنے قریب کیا تھا۔۔

وہ شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کے سینے سے لپٹ گئی۔۔ شہرام اس کی بیک زپ ایک ہی جھٹکے سے نیچے کھسکا گیا تھا۔۔ بہارے اب اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔۔

شہرام نے اس کا فراک آستینوں سے نکالتے اس کے وجود سے علیحدہ کیا۔۔ بہارے مزید اس کے سینے میں سمائی تھی۔۔ شہرام نے نرمی سے خود سے علیحدہ کرتے اسے بہت احتیاط سے تکیے پر لٹایا تھا۔

شہرام نے اسے لٹاتے اس کے وجود کو باقی پردوں سے آہستگی سے آزاد کیا۔۔ اس پر کمبل ڈالتے وہ پیچھے ہوا تھا۔۔ اس دوران شہرام کی سانسیں دہکنے لگی تھیں۔۔ بہت عرصے بعد اسے ایسے دیکھا تھا۔۔ وہ چاہ کر بھی اپنی نظریں چرا نہیں پایا تھا۔۔ اس کے جسم کا وہ دیوانہ تھا۔۔ اپنی محرم کے بدن کی ہر رعنائیوں پر وہ مرتا تھا۔۔ پاگل تھا کبھی وہ اس بدن کے لیے۔۔۔ اس

کے علاوہ کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔۔نہ کبھی چاہ تھی۔۔پورے استحقاق سے رخصتی سے پہلے اور بعد میں اسے گرم نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔۔اس کی بیوی اس کی گہری گرم نگاہوں پر سلگتی رہتی تھی۔۔وہ اس کی گرم گہری نگاہوں پر اپنے آپ کو سات پردوں میں لپیٹ کر رکھتی تھی۔۔اب ایسے دیکھ کر شہرام خانزادہ کے پورے بدن میں سپارک سے اٹھے

تھے۔۔پورے بدن میں محرم کی طلب انگڑائیاں لے کر بیدار ہوئی

تھی۔۔۔جوانی کے پرزور تقاضوں نے بدن آگ کی بھٹی کی طرح گرم کر دیا تھا۔۔شہرام لب دانتوں میں دبائے اس کا گرم نگاہوں سے معائینہ کر رہا تھا۔۔بہارے آنکھیں موندے کپکپا رہی تھی۔شہرام لب بھینچے بیڈ سے اٹھنے لگا وہ مزید خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔۔۔

اس سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتا۔۔ شہرام کی مضبوط کلائی پر بہارے کے نرم برفیلے کپکپاتے ہاتھ کی پکڑ آن ٹھہری تھی۔

مم۔۔۔مجھے سردی لگ رہی ہے۔۔ مم مجھے تمھاری ضرورت ہے۔۔مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔۔کچھ پل اپنی بانہوں کی گرمی دے دو۔۔۔بہارے نے اس ستمگر کو دیکھتے کپکپاتے لبوں سے کہا تھا۔۔۔وہ اسے اس حالت میں بھی چھوڑ کر جا رہا تھا۔ ثابت ہوا تھا بہارے گل اتنی آنا پرست نہیں تھی جتنا سامنے بیٹھا ستمگر تھا۔۔ بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔۔

شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔ وہ ابھی تک اس کی کلائی جکڑے ہوے تھی۔۔ شہرام نے اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑواتے اپنی شرٹ اتار کر زمین پر پھینکی تھی۔۔

اس کے پاس لیٹتے اس کے ٹھنڈے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں بھر کر اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔۔ بہارے آنکھیں موندتے اس کے کمر پر اپنے نازک بازو لپٹتے اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔۔ بہارے کی آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں سے اس کا چٹانی سینہ گیلا ہوا تھا۔

وہ اسے اپنے سینے سے لپٹاتے اس کے نازک وجود کو اپنے اوپر منتقل کر گیا تھا۔

شہرام کے بدن کی گرمی ملنے کی دیر تھی۔۔ بہارے کی کپکپاہٹ کم ہوئی تھی ۔۔ شہرام نے اس کے جسم میں حرارت محسوس کرتے اس کی نازک کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے نرمی سے اپنے سینے میں مزید بھینچا تھا۔۔

بہارے اس کے چٹانی سینے پر موجود بھورے بالوں کو اپنی مٹھیوں میں دبوچتے سسک پڑی تھی۔۔۔ کاش یہ پناہیں یہ بدن کی گرمی اب تاعمر کے لیے صرف اس کی ہو جائیں۔ اس کے کپکپاتے لبوں نے بے آواز اپنے رب سے دعا کی تھی۔۔

شہرام نے اس کے بالوں کو مٹھی میں دبوچتے اس کے چہرے کو اپنے قریب کرتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

بہارے کی براؤن شہد رنگ آنکھیں شہرام کی سیاہ پر کشش آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔۔ بہارے کے نیلے لب بری طرح کپکپا رہے تھے ۔۔ شہرام کی آنکھیں لال انگارہ ہوئیں تھیں۔۔

شہرام کی گرم سلگتی سانسوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ بہارے اس کی سلگتی تپش زدہ سانسوں کو محسوس کرتی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ مگر اس کے لب بے اختیار شہرام کے لبوں سے ٹکرائے تھے۔ شہرام کے مضبوط ہاتھ نے اس کی نازک کمر کو مٹھی میں بھرا تھا۔۔ بہارے کی دھڑکنیں شہرام کے سینے میں بجنے لگی تھیں۔۔ اور سانسیں بہارے کی سانسوں میں گھلنے لگی تھیں۔

بہارے نے آنکھیں کھول کر ستمگر کو دیکھا۔ جو خمار آلود سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ اس کے لب بہارے کے لبوں سے ٹچ ہو رہے تھے۔۔۔ مگر ابھی تک اس نے خود سے انھیں چھوا نہیں تھا۔۔ بہارے کی

آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔شدت گریہ سے گلابی ہوئیں تھیں۔۔وہ اتنے قریب آکر بھی سوچ رہا تھا۔۔ کبھی تو اس کے ہزار بار دھتکارنے پر اسے زبردستی خود میں سمالیتا تھا۔۔اور آج اس حالت میں وہ سوچ رہا تھا۔۔وہ ابھی تک سمجھ کیوں نہیں پارہا تھا۔۔وہ اس سے کیا چاہتی ہے؟؟۔۔بہارے کا رنگ اب خفت سے سرخ پڑ رہا تھا۔۔کیا لبوں سے کہنا ضروری تھا؟!۔اس کی بہارے اس کی دیوانی ہے؟؟۔۔وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا وہ اس کے لیے پاگل تھا۔اس کی بہارے اس کی دیوانی ہو چکی ہے۔۔اس کے عشق میں پاگل جس کا اس کے بغیر کوئی وجود نہیں تھا۔۔

وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔۔بہارے اس کی سیاہ پرکشش آنکھوں میں دیکھتے اس سے دور ہوئی تھی۔۔حفت و شرم سے اس کا رنگ سرخ ہوا تھا۔۔وہ

اس کے اتنے قریب تھی۔۔اور اس کے لبوں نے گستاخیاں نہیں کی تھیں۔نہ اس کے ہاتھوں نے اپنی بے باکی دکھائی تھی۔۔بہارے کی آنکھیں شدت سے بھیگیں۔۔اس نے اپنی کمر پر لپٹا اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔۔

۔وہ اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے اپنے سینے سے میں جکڑ گیا تھا۔۔بہارے کی آنکھیں جھکی تھیں۔۔وہ اس کی لرزتی پلکوں کو بغور دیکھتے اسے یونہی جکڑے رخ پلٹ گیا۔۔رخ پلٹے وہ اس پر حاوی ہوا تھا۔۔

بہارے نے اس کی گھنی بیرڈ پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔۔۔شہرام اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔جہاں اس کی طلب واضح تھی۔

وہ اس کے لبوں پر شدت سے جھکا تھا۔۔ بہارے نے تڑپتے ہوے سسکی بھری۔اس کے چھونے میں اتنی شدت تھی کہ بہارے کا نازک وجود کپکپا اٹھا تھا۔۔وہ بہت سختی سے اس کے نازک لبوں سے لپٹا تھا۔۔اس کے نازک لبوں کو اپنی دسترس میں لیے وہ اس کی سانسیں بے رحمی سے انہیل کر رہا تھا۔۔اس کے نچلے لب کو اس نے دانتوں میں دباتے اس کی سانسیں کھینچی تھیں۔۔بہارے کی سسکیاں کمرے میں گونجی تھیں۔وہ پہلی مرتبہ اسے ایسے چھو رہا تھا۔۔جس میں اس کی شدتوں میں غصے اشتعال کی جھلک نمایاں تھی۔۔بہارے گل اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔آج اس کی شدتوں میں غصہ گوارپن اشتعال سفاکی سب کچھ گوارا تھا۔۔محرم کی قربت تو زندگی ہوتی ہے۔۔یہ تو اسے بہت پہلے معلوم ہو گیا تھا۔۔شہرام اس کے لبوں کو چھوڑتے اس کی گردن پر جھکے اپنے دانت شدت سے گاڑھنے لگا۔۔اس کی

گردن پر اس کی جنونی سوغاتیں رقم ہونے لگی تھیں۔۔ بہارے گل کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوئی تھی۔ اب اس کے لبوں کا رخ اس کی دھڑکنوں پر تھا۔ وہ جھکتے اس کی دھڑکنوں پر جا بجا اپنا لمس چھوڑنے لگا ۔۔ بہارے کی سکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ شہرام نے اوپر ہوتے بہارے کے چہرے کو دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔۔ شہرام اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر جھکتے اب اس میں سمایا تھا۔۔ بہارے گل کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔۔ شہرام نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ کی روشنی بجھائی تھی۔۔ کمبل مزید خود پر لیٹے اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔

باہر برستی بارش نے ایک بار پھر سے زور پکڑا تھا۔ اندر شہرام کی شدتیں لمحہ بالمحہ زور پکڑ رہی تھیں۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا بہارے کو اس کی شدتیں سہتے ایسا لگ رہا تھا۔۔ اس کی شدتوں پر آج اس کا دم نکل جائے گا۔۔۔ بہارے

گل کو ایک بات کا اندازہ ہوا تھا۔۔ شہرام سچ میں وہ شہرام نہیں رہا تھا۔۔ ایسا انداز ایسی شدتیں بھلا کب دیکھی اور سہی تھیں۔۔ وہ بھی حویلی کے مردوں جیسا ہو گیا تھا۔۔ مگر وہ بہارے گل وہ بہارے نہ رہی تھی۔۔ جس کی نرمی پر وہ آنسو بہاتے واویلا کرتی تھی۔۔ آج اس ستمگر کی ظالمانہ شدتیں خاموشی سے برداشت کر رہی تھی۔۔۔ وہ آنکھیں میچے مزید اس کے سینے کے ساتھ لپٹی تھی۔۔ مرنا گوارا تھا مگر اب اس ستمگر کی پناہوں سے دور جانا گوارا نہ تھا۔۔

بہارے نے نیند سے خمار بھری آنکھیں بمشکل کھولی تھیں۔ کمرے میں روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند نہ پوری ہونے کی وجہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔۔ درد سے اس کے بدن کا انگ انگ ٹوٹ رہا

تھا۔ اور یہ درد دینے والا ستمگر اس کے پاس کہیں نہیں تھا۔۔۔ بہارے نے بیڈ شیٹ کی گہری سلوٹوں پر نظریں جماتے کمرے میں نظریں دوڑائیں تو شہرام ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑا اپنی شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔۔ وہ اس وقت بلو جینز پر آف وائٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ گیلے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔۔ کمرے میں اس کی مخصوص سینٹ کی مہک پھیلی ہوئی تھی

۔ بہارے نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کمبل کو سینے تک جکڑا تھا۔۔ اپنی حالت دیکھتے اس کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ بہارے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے ستمگر کو دیکھا جس کی چوڑی پشت عیاں تھی۔۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے مرر میں دیکھتے اب اپنے کف لنکس بند کر رہا تھا۔۔ آنکھوں کی طرح چہرہ بھی سرد سپاٹ بے تاثر تھا۔۔۔ رات کے گزرے کسی لمحے کا شائبہ تک نہ تھا۔

بہارے نے اب بھیگی آنکھوں سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا۔۔ اسے تو لگا تھا اس کی آنکھ اس ستمگر کی پناہوں میں کھلے گی۔۔ وہ مسکراتے ہوے بہت نرمی سے اسے اپنے سینے میں بھینچے ہو گا۔۔ جیسے پہلے بھینچے ہوتے تھا۔۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات تو بہت سرد تھے۔۔ وہ اس سے اٹھنے سے پہلے ہی شائد یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

بہارے نے اب کمرے میں اپنے کپڑوں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ اس کے پاس بیڈ کے قریب زمین پر پڑے تھے۔۔ جس کے ساتھ ہی شہرام کی وائٹ ٹی شرٹ پڑی تھی۔ بہارے نے نچلا لب کاٹتے شہرام کی ٹی شرٹ کو دیکھا تھا۔۔ پھر اس نے وہ ٹی شرٹ اٹھائی تھی۔۔ کن اکھیوں سے شہرام کو دیکھتے ہوے وہ ٹی شرٹ پہنی۔۔۔ وہ اب ڈریسنگ مرر میں دیکھتے اپنے نم

ذدہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔۔اس کی پوری توجہ مرر میں نظر آتے اپنے عکس پر تھی۔وہ اسے مکمل اگنور کیے ہوے تھا۔

بہارے شہرام کی ٹی شرٹ پہنتے ہوے بیڈ سے اٹھتی آہستگی سے شہرام کی طرف بڑھی۔۔

آج پہلی مرتبہ وہ شہرام کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھی جو گھٹنوں تک آرہی تھی۔۔۔کمر تک آتے چاکلیٹی سلکی بال الجھے سے کمر اور شانوں پر بکھرے تھے۔۔گردن پر شہرام کی جنونی شدتوں کی سوغاتیں پوری آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔گردن پر ہی نہیں پورے بدن پر شہرام کی دی ہوئی سوغاتیں تھیں۔۔بہارے شرٹ کو تھوڑا سا گھٹنوں سے کھینچتے نیچے کی طرف کھسکا گئی تھی۔۔۔شرٹ آچھی خاصی اونچی تھی۔بہارے کی رنگت سرخ

گلاب ہو رہی تھی۔ بیک لیس ڈیپ گلہ پہننا اور بات تھی مگر اتنی شارٹ شرٹ پہننا اور بات تھی۔۔ خفت اور شرم سے نظریں اٹھانا محال تھا۔۔ اور سامنے کھڑے ستمگر کی رات کی شدتیں جنون خیزیاں یاد کرتے وہ سرخ انار ہو رہی تھی۔۔

شہرام ہاسپٹل جا رہے ہو تم ؟؟ بہارے نے شہرام کے مقابل آتے اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے مدھم سا مسکرا اے لبوں سے سوال کیا۔۔

شہرام کی سرخ آنکھیں بہارے کی گلابی آنکھوں سے ٹکرائیں تھیں۔۔ دونوں کی آنکھوں میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔۔ شہرام نے بغور اس کے چاندی جیسے مہکتے روپ کو دیکھا تھا۔۔ وہ گھٹنوں تک آتی اس کی ہاف سلیوز ٹی شرٹ میں ملبوس تھی۔۔ کمر تک چاکلیٹی سلکی بال الجھے بکھرے سے تھے۔۔۔ اس کی دی ہوئی سوغاتوں سے اس کا انگ انگ

مہک رہا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ ہی اس طرح اس حلیے میں اس کے سامنے تھی ۔ ورنہ اس کی پناہوں سے رہائی ملتے ہی وہ اپنے بدن کو پورے کپڑوں میں لپیٹنا فرض سمجھتی تھی۔۔ شہرام کے بغور دیکھنے پر بہارے کی رنگت مزید گلابی ہوئی تھی۔۔ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔۔۔ شرٹ گھٹنوں سے بھی کافی اوپر تھی۔۔۔ اوپر سے بدن کے ہر حصے پر مقابل کی دی ہوئی جنون خیزیاں رقم تھیں۔۔۔ بہارے کا رنگ انار کی طرح دہک رہا تھا۔۔ عارض سے شرارے سے نکل رہے تھے۔۔ بہارے کے ہاتھ بے اختیاری میں اپنے دہکتے عارض کو چھو گئے تھے۔۔ جن میں سے آگ نکل رہی تھی۔

اگر وہ پہلے والی بہارے ہوتی مر جاتی اس کے سامنے اس حلیے میں نہ آتی۔۔ مقابل کی گرم نگاہیں وہ تب بھی سہن نہیں کر سکتی تھی اب تو سہن

کرنا اور بھی مشکل تھا۔۔ مگر اب اسے مقابل کو اپنی خوبصورتی اور اداؤں میں الجھا کر رکھنا تھا۔۔۔ اپنے مرد کو بہکانا تھا۔۔ وہ اسے لے کر آج بھی دیوانہ ہے وہ اس کے رات کے جنونی لمس سے اندازہ ہو چکا تھا۔۔ اس کی قربت مقابل کی کمزوری ہے اسے اندازہ تھا۔۔ جانتی تھی وہ اسے اس حلیے میں دیکھ کر پاگل ہو جائے گا۔۔ رات اس کی جنونیت سے تو یہی اندازہ ہوا تھا۔ وہ ابھی بھی اس کے لیے پاگل ہے۔۔ اس کی شدتوں میں تھوڑا غصہ اشتعال تھا وہ سمجھتی تھی۔۔۔ اتنے دنوں بعد اس کے قریب آیا تھا۔۔ اس لیے تھوڑا پاگل پن بھی تھا۔۔ اس سے ثابت ہوتا تھا وہ اس کے جسم کا آج بھی دیوانہ ہے۔۔

اگر اسے اپنی ضرورت پوری کرنی ہوتی تو وہ اس کے انگ انگ کو اپنی شدتوں بھرے لمس سے کبھی نہ مہکاتا اور نہ ساری رات اپنی پناہوں میں رکھتا۔

ہاں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے اپنی بیلڈ بیڈ سے اٹھائے پہننے لگا۔۔ بہارے نے لب کاٹتے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔۔ آج کل اس کا سارا زور اپنے لبوں پر ہی چلتا تھا ابھی بھی شہرام کی بے نیازی سنجیدگی سے اس کا نازک دل فگار ہو رہا تھا۔۔ وہ اپنے لبوں کو کاٹ کاٹ کر زخمی کر رہی تھی۔۔ مگر مقابل کو پرواہ ہی نہیں تھی۔

وہ اب بیڈ پر بیٹھ کر اپنے شوز پہن رہا تھا۔۔ اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔ یہ پھر گریز برت رہا تھا مگر جو بھی تھا بہارے کے لیے یہ سب سہن کرنا اب مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو رہا تھا۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔ اس کی بے اعتنائی پر اس کے سر کی دھمک میں جیسے اضافہ ہوا تھا۔

بہارے کی آنکھیں شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔ بہارے کی رنگت اب خفت سے سرخ ہوئی تھی. وہ اتنی شارٹ شرٹ میں کھڑی تھی اور اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ کبھی سامنے بیٹھے بے مہر سفاک انسان کو اس بات کی کتنی چاہ تھی کہ صبح اٹھنے پر وہ اسے اس کی شرٹ میں ملے۔۔ اب وہ اس کی خواہش پوری کیے کھڑی تھی مگر شاید اب اسے کسی بات کی چاہ نہیں رہی تھی۔۔

میں بھی چلتی ہوں تمھارے ساتھ ہاسپٹل۔۔۔۔ بہارے نے اپنی بھیگی آواز پر بمشکل قابو پایا تھا۔۔ مگر آواز میں آنسوؤں کی امیزش مقابل تک بخوبی پہنچی تھی۔۔

تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے تم رہنے دو آج۔۔۔ویسے بھی مجھے کافی دیر ہو گئی ہے۔۔ آج میری تمام ڈاکٹرز کے ساتھ میٹنگ بھی ہے۔۔۔ڈاکٹر آیزل کے صبح سے فون پر فون آرہے ہیں۔۔۔وہ انتظار کر رہی ہیں میرا۔۔

شہرام کی بات پر بہارے ڈریسنگ ٹیبل کے سرے کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں دبوچ گئی تھی۔۔وہ اس کے سامنے کھڑی گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھی۔۔

اس کے منہ سے ڈاکٹر آئزل کا نام سن کر بہارے کا رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔۔رات کے بعد سامنے بیٹھے ستمگر کے لبوں سے اب کسی غیر لڑکی کا نام بھی گوارانہ تھا۔۔وہ اب پہلے سے بھی زیادہ جیسے اس کے لیے پوزیسو ہو گئی تھی۔۔پہلی مرتبہ تو اس کی پناہوں کی گرمی محسوس کی تھی۔۔قربت کے لمحات اپنے محرم کو محسوس کیا تھا۔۔

ہاسپٹل کے ڈاکٹرز میں میں بھی شامل ہوتی ہوں۔۔ میرے بغیر تم میٹنگ کیسے اٹینڈ کر سکتے ہو؟؟۔۔۔ بہارے نے اپنی آواز کی نمی پر قابو پاتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔۔ آواز یکدم اونچی اور درشت ہوئی تھی۔۔ وہ مزید اس کی بے نیازی پر خود پر قابو پا نہ سکی تھی۔۔

اگر تمھیں اس میٹنگ میں شامل ہونا ہے تو آجانا۔۔ مگر مجھے ابھی نکلنا ہو گا۔۔ شہرام نے اس کی اونچی آواز پر اپنے جبڑے بھینچتے خود پر قابو پایا تھا۔۔ وہ بیڈ سے اٹھتے کھڑا ہوا تھا۔۔ اپنا بیڈ پر پڑا کوٹ اٹھائے پہنا تھا۔۔ اپنا موبائل گاڑی کی چابیاں اٹھائے سنجیدگی سے دروازے کی طرف بڑھا۔۔

اس سرد پن اس ایٹیوڈ کی وجہ جان سکتی ہوں؟؟۔۔ بہارے نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے چیختے ہوے پوچھا تھا۔۔ برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی.

جی تو کر رہا تھا کمرے میں رکھا کوئی واز مقابل کے سر پر دے مارے یا پھر خود کی جان ایک مرتبہ ہی لے لے۔۔

شہرام نے اس کے چلانے پر مڑ کر اسے دیکھا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام چلتا ہوا اس کے مقابل آیا تھا۔۔

کیا مطلب ہے تمھاری بات کا؟؟مجھے سمجھ نہیں آیا۔۔شہرام نے اس کے مقابل آتے تیکھے لہجے میں آئی برو اچکائے پوچھا۔

انجان کیوں بن رہے ہو؟؟رات کے شہرام اور اس شہرام میں بہت فرق ہے۔۔اگر یہی ایٹیوڈ دکھانا تھا تو رات میرے قریب کیوں آئے۔۔۔بہارے نے لرزتے لبوں سے سوال کیا۔۔

اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔۔ڈاکٹر آیزل اس کا انتظار کر رہی ہے۔۔یہ لفظ اس کے اندر بھانبھڑ جلا چکے تھے۔

رات تمھارے قریب میں کیوں آیا؟؟تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔تم نے مجھے اپنے پاس بلایا تھا تمھیں میری ضرورت تھی۔۔

شہرام کی بات پر اس کے بدن کیکپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔آنکھوں کا گلابی پن سرخی میں بدلا تھا۔۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟؟رات جو ہمارے بیچ ہوا اس میں تمھاری مرضی شامل نہیں تھی. تم میری وجہ سے میرے قریب آئے تھے۔۔بہارے نے چیختے ہوے اس کے گریبان کو مٹھیوں جکڑا تھا۔۔

بہارے بی ہیو یور سیلف۔۔۔میں نے غصے میں بھی کبھی اپنا آپا نہیں کھویا ۔۔۔تمھیں ہرٹ نہیں کیا۔۔اس لیے اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھا کرو۔۔۔ ہمممم۔۔۔۔۔شہرام نے اپنا گریبان اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے کافی نرم لہجے میں اسے تنبیہ کی تھی۔۔لہجہ نرم تھا مگر آنکھوں میں سرد پن نمایاں تھا۔وہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتا وارن کرتا دروازے کی طرف بڑھا تھا..بہارے بھاگتے ہوے پھر اس کے مقابل آئی تھی۔۔

ورنہ کیا کروگے ؟؟میں اپنے ہاتھوں کو کنٹرول نہیں کروں گی.تو تم کیا کرو گے ؟؟۔مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔مجھے ماروگے تم ؟؟۔بہارے پھر سے اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

اور ہرٹ کرنے کی بات کرتے ہو تم ؟؟وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی لرزتے ہوے چیخی تھی۔۔

تم مردوں کے نزدیک ہرٹ کرنا صرف عورت پر ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے کیا؟؟۔ بہارے نے اس کی شرٹ شدت سے جکڑے سسکی بھرتے سوال کیا۔۔

رات اس کی پناہوں میں قربت کے لمحات بتاتے اسے لگا تھا اب ان کے بیچ دیوار گر جائے گی۔۔ وہ صبح اٹھ کر اس سے اپنی محبت کا اظہار بھی کر لے گی۔۔ رات تو وہ ظالم بنا اس پر اپنی جنون خیزیاں نچھاور کر رہا تھا۔ وہ اس کی شدتیں سہتی سہتی ہلکان ہو چکی تھی۔ وہ اظہار کرتی بھی تو کیسے کرتی؟؟ اس نے تو سانس لینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔

اگر تمھیں مارنا ہوتا۔۔ تم پر ہاتھ اٹھانا ہوتا تو بہت بار میں یہ کر چکا ہوتا ۔۔ کیونکہ بہت بار تم نے میرے برداشت کے لیول کو گرایا ہے۔۔ مگر میں ہر بار خود پر کنٹرول کرتا رہا۔۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا میری سرشت میں شامل

نہیں ہے۔۔ پھر چاہے وہ عورت تمھاری طرح بد تمیز اور خود سر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ شہرام اپنا گریبان اس کی مٹھیوں سے چھڑواتا اسے غصے سے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔ بہارے اوندھے منہ بیڈ کے نرم گدے پر گرے سسک پڑی تھی۔۔

شہرام اس پر سرد نگاہ ڈالتا دروازہ دھاڑ سے کھولتا نکل گیا تھا۔

تمھاری سرشت میں عورت پر ہاتھ اٹھانا نہیں.... بیوفائی کرنا شامل ہے۔۔ شہرام خان۔۔۔۔ جو مرد عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں تم ان سے بھی کئی گنا بدتر ہو۔ تم فرعون سے بھی بدتر ہو۔۔ تمھارے اس ظلم پر میں مرنے والی ہو گئی ہوں۔۔ تم ظالم ہو۔۔ بہارے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے سسکتے ہوے رو دی تھی۔

I will kill you sherhaam khan…i will kill you

بہارے اس کے جانے کے بعد بیڈ شرٹ مٹھیوں میں دبوچے چیختے ہوے شدت سے رو دی تھی۔۔۔

بہارے ییلو کلر کی شیشوں والی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ییلو ہی دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔۔وہ کچن میں کھڑی مختلف ڈشز بنا رہی تھی۔۔بلکہ درجنوں ڈشز بنا ڈالی تھی۔۔سب کچھ شہرام کی پسند کا تھا۔۔وہ دوپہر سے ایک ٹانگ پر کھڑی کوکنگ کر رہی تھی۔۔رات اس ستمگر کی بے رحم شدتیں سہنے کے بعد اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔۔رہی سہی کسر صبح

دو گھنٹے رونے سے پوری ہو گئی تھی۔۔اب دوپہر سے اس کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔۔۔اس کا بدن اب تپتے کندن کی مانند دہک رہا تھا۔۔آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ اور متورم تھیں۔۔عارض بھی سرخ ہو رہے تھے۔۔کچن میں کھڑے اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔۔

اسکے لفظ سماعتوں میں بار بار گونج رہے تھے۔

رات تمھارے قریب میں کیوں آیا تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔تم نے مجھے اپنے پاس بلایا تھا تمھیں میری ضرورت تھی۔۔

رات اس کی شدتیں سفاک تھیں یا پھر اس کے صبح بولے گئے لفظ۔۔وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔اس سفاک انسان کی بے رحم شدتوں نے وجود پر نشان چھوڑے تھے اور اس کی باتوں نے اس کی روح کو زخمی کر ڈالا تھا جیسے۔۔وہ ماہی بے آب کی طرح تب سے تڑپ رہی تھی۔۔وہ اس وقت

آیزل کے پاس ہے۔۔یہ سوچ سوچ کر وہ جلتے کوئلوں کی مانند سلگ رہی تھی۔۔اس کا تانبے جیسا دہکتا بدن جوالہ مکھی کی طرح جیسے پھٹنے کے قریب تھا۔۔ایسی آگ اس کے اندر دہک رہی تھی۔۔۔

بہارے کی آنکھوں سے پھر سے آنسوؤں کی برسات ہوئی تھی۔۔ساری رات وہ اس کی پناہوں میں رہی تھی۔۔رات بھر اس نے اسے چھوڑا نہیں تھا۔اس کا انگ انگ دکھ رہا تھا اس کی بے رحم شدتوں سے۔۔۔۔اگر وہ ستم گر رات اس کے قریب اس کی وجہ سے آیا تھا تو ساری رات اس کے پاس کیا کرتا رہا تھا۔۔رات ایک مرتبہ تو وہ اس کے پاس نہیں آیا تھا۔۔بہارے یہ یاد کرتے بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔

صبح ہوتے ہی کیسے انجان بن گیا؟۔۔۔بہارے نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور ناک رگڑی تھی۔۔

تم میری وجہ سے رات میرے قریب آئے تھے۔۔۔ آج رات تمھیں اتنا بے بس کر دوں گی شہرام خان۔۔ تھاری ساری اکڑ ٹوٹ جائے گی۔۔

دیکھتی ہوں تم آج رات کیا کہتے ہو؟؟۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں چیختے ہوے کوفتوں کے پتیلے کا ڈھکن اٹھایا۔۔

ڈھکن گرم تھا جو اس کا ہاتھ جلا گیا تھا۔۔ بہارے نے وہ ڈھکن اٹھا کر زمین پر پٹخا تھا۔۔ اور خود تیزی سے سنک کی طرف بڑھی۔۔ سنک کا نلکا کھول کر تیز پانی کی دھار کے نیچے اپنی جلتی ہتھیلی رکھی جو سرخ ہو رہی تھی۔ وہ اپنی سرخ ہتھیلی کو دیکھ کر زار و قطار رو رہی تھی۔۔

اس کی فزیکل اور مینٹلی کنڈیشن ٹھیک نہیں تھی۔۔ بخار سے اس کا جسم تپ رہا تھا۔۔ مینٹلی کنڈیشن ویسے ہی ٹھیک نہیں تھی۔۔ وہ صبح سے روئے جا رہی تھی۔

وہ ابھی بھی ڈاکٹر آیزل کے ساتھ ہے یہ سوچ سوچ کر وہ مرنے والی ہو رہی تھی۔۔۔۔ سمجھ نہیں آرہا تھا شہرام کی محبت پانے کے لیے کیا کرے۔؟؟۔۔اس کے سرد پن سے اس کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔۔وہ اتنی بار نفرت کا اظہار کر چکی تھی کہ اب اپنے ہی لفظوں میں اسے کھوکھلے پن کا احساس ہوتا تھا۔۔وہ جانتی تھی وہ اس کی محبت کو اب اپنے انجینیر ایک کامیاب انسان ہونے پر محمول کرتے اس کے منہ پر دے مارے گا۔۔وہ اب پہلے والا شہرام تو رہا نہیں تھا۔۔۔جو اسے اپنی بانہوں میں بھرتے میری بہارے۔۔میری بہارے۔۔پکارے گا۔

وہ سفاک انسان تھا رات اس کی شدتوں سے اندازہ ہو گیا تھا۔۔بہارے نے لرزتے ہوئے اپنی گردن پر ہاتھ لگایا جہاں ابھی بھی اس کی گھنی بئیرڈ اور مونچھوں کی چبھن ہو رہی تھی۔۔اور اس کے سفاک دانتوں کے نشان بھی

تو واضح تھے۔ جو بدن کے ہر حصے پر تھے۔۔ بہارے اپنا دوپٹہ اچھی طرح خود پر اوڑھتے سٹوو کی طرف بڑھی۔ گاجر کا حلوہ ڈش آؤٹ کرتے گاجر کے حلوے پر ڈرائے فروٹس سے گارنش کرنے لگی۔۔ یکدم چھری اس نے شیلف پر پٹخی تھی۔۔ شیلف دونوں ہاتھوں سے جکڑے وہ پھر سے شدت سے رو دی تھی۔۔

بہارے باجی۔۔۔۔۔۔۔ درخشاں کی آواز پر اس نے جلدی سے اپنے آنکھوں سے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کیے تھے۔ چھری اٹھا کر پھر سے گاجر کے حلوے پر گارنش کرنے لگی۔۔ اس ستمگر کو گاجر پر ڈرائے فروٹ کی باریک گارنش پسند تھی۔۔ ثابت بادام کا جو وہ گاجر کے حلوے میں نہیں کھاتا تھا۔

بہارے باجی بہت اچھا خوشبو آرہا ہے۔۔ آج تو پوری حویلی کو پتہ چل گیا ہے کھانا آپ بنا رہا ہے۔۔ درخشاں نے کچن میں آتے ہی کچن میں پھیلی مختلف کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔۔ بہارے بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔

درخشاں نے مختلف کھانے کے ڈشز کے کور ہٹائے تھے۔۔ وہ جیسے جیسے کور ہٹا رہی تھی اس کی حیرانگی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ سارے کھانے شہرام کی پسند کے تھے۔۔ بہارے ان کھانوں کو پکانا تو دور کی بات چکھتی بھی نہیں تھی۔۔ وہ سر عام کہتی تھی اسے ان کھانوں سے نفرت ہے اس لیے نہ وہ یہ ڈشز کبھی پکائے گی اور نہ کھائے گی۔۔ آج درجنوں ڈشز اس نے بنا ڈالی تھی اور سب ہی شہرام کی پسند کی تھیں۔۔

بہارے باجی یہ کھانا کس کے لیے بنایا ہے آپ نے ؟؟ درخشاں نے حیرانگی سے پوچھا۔۔۔

شہرام کے لیے بنایا ہے۔۔ بہارے سنجیدگی سے کہتے رشین سیلڈ کا مسکچر تیار کرنے لگی۔۔

کیا اس کھانے میں نمک مرچ تیز رکھی ہے آپ نے ؟؟۔۔ درخشاں کے سوال پر بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ ایک بار پھر شیلف کو جکڑے رو دی تھی۔۔

درخشاں پریشانی سے اسے یوں روتے ہوے دیکھ رہی تھی. وہ شیلف کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے لب کاٹتے کچن کی چھت کو دیکھتے رو رہی تھی.

بہارے باجی۔۔۔ درخشاں پریشانی سے اسے پکار بیٹھی۔۔ روتی تو اکثر وہ سب کے سامنے تھی۔۔ مگر اس رونے میں واویلہ زیادہ ہوتا تھا. مگر آج تو وہ رو نہیں رہی تھی تڑپ رہی تھی۔۔ جیسے بن آب کے مچھلی تڑپتی ہے۔۔ وہ بھی کچھ ایسے ہی تڑپ رہی تھی.۔۔

میں کیوں رکھوں گی اس میں نمک مرچ تیز؟؟۔۔۔ شہرام شوہر ہے میرا۔۔ یہ کھانا میں نے اس کے لیے بنایا ہے۔۔ اسے میرے ہاتھ کا کھانا بہت پسند ہے۔۔ اب سے اس کے لیے کھانا میں ہی بنایا کروں گی۔۔ اسے باہر کا کھانا نہیں پسند۔۔۔ اس کا ناشتہ لنچ ڈنر میں ہی تیار کروں گی۔

بہارے اپنے آنسو صاف کرتے بھیگی آواز پر قابو پاتے ہوے بولی۔۔

شہرام لالا کو آپ کے ہاتھ کا کھانا سچ میں بہت پسند ہے یہ تو ہم جانتا ہے

۔۔۔ مگر یہ بھی سچ ہے آپ کے ہاتھ کا کھانا انھیں بہت کم نصیب ہوا

ہے۔۔ بیچارہ شہرام لالا کو تو آپ مرچوں اور نمک سے بھرا کھانا کھلاتی

تھیں۔۔ پتہ نہیں کیسے لالا کھالیتا تھا؟؟۔۔۔ سچ میں لالا آپ سے بہت پیار

کرتا ہے؟؟۔۔ درخشاں کی بات پر بہارے ایک بار پھر سے رونے لگی تھی

۔یاد آیا تھا کیسے وہ خاموشی سے آیزل کے ہاتھوں کا نمک مرچ والا کھانا کھا رہا

تھا۔۔ اس کے حق بھی کسی کو دے دیے تھے۔۔ اس کا گھر بھی کسی کو دے

دیا تھا۔۔ بہارے نے اب روتے ہوے وہی گاجر کا حلوہ سنک میں پ p ٹخ دیا

تھا۔۔ جسے بنانے پر اس کے دو گھنٹے لگے تھے۔۔

بہارے۔۔۔۔باجی۔۔درخشاں نے حیرت کی زیادتی سے اسے پکارا تھا۔۔وہ سارا گاجر کا حلوہ ضائع کر چکی تھی۔۔بہارے کی ذہنی کنڈیشن اسے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی

کیا دیکھ رہی ہو درخشاں؟؟۔۔۔تمھارا لالا میرے ہاتھ کا کھانا ڈریزرو نہیں کرتا۔۔میں کیوں بناؤں اس کے لیے کھانا؟؟۔۔بہارے نے سسکی لیتے سوال کیا۔

تمھارا لالا بہت اچھی اداکاری کرنا جانتا ہے۔۔اس نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی۔۔وہ بھی حویلی کے مردوں کی طرح جھوٹا سفاک آنا پرست ہے۔۔حویلی کے مرد بیوفا نہیں ہیں۔لیکن تمھارا شہرام لالا سے بڑا بیوفا کوئی نہیں ہے۔۔بہارے نے بھیگے لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔۔

درخشاں اب کی بار بری طرح چونکی تھی۔۔ بہارے کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔۔ بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔۔ بہارے باجی۔۔۔۔ درخشاں نے آگے بڑھتے بہارے کی کلائی کو چھوا۔۔۔۔ وہ تپتی ہوئی بھٹی بنی ہوئی تھی.

باجی آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ آپ نے بخار کی حالت میں اتنا سارا کھانا بنا لیا۔۔ درخشاں نے پریشانی سے بہارے کی بگڑی طبعیت کو دیکھتے کہا۔

مر نہیں جاؤں گی میں اتنا سا کام کر کے۔۔۔ اگر کبھی میری جان نکلی تو وہ صرف تمھارے شہرام لالا کی وجہ سے نکلے گی۔۔ اگر میں مر گئی تو تم حویلی میں سب کو بتا دینا میرا قاتل شہرام ہے۔ اس کو میرے قتل کی سزا ضرور دی جائے۔ بہارے اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے رو دی تھی۔

بہارے باجی۔۔۔ کیا ہوا ہے؟؟ درخشاں نے پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔۔ لرزتا بدن۔۔۔۔ سرخ چہرہ۔۔۔۔ وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔

کچھ نہیں۔۔۔۔ آج کے بعد شہرام کا ہر کام میں کروں گی۔۔ اس کے کپڑے واش بھی میں خود کروں گی اور استری بھی میں خود کروں گی۔۔ تمھیں یا پھر کسی ملازمہ کو شہرام کا کوئی بھی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ اس کی کبرڈ کو ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔

بہارے کہتے ہوئے گاجریں کش کرنے لگی۔۔ وہ پھر سے اس ستم گر کے لیے حلوہ بنانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔ درخشاں نے ترحم انگیز نگاہوں سے بہارے کو دیکھا تھا۔۔

بہارے لاونج میں صوفے پر بیٹھی بیتابی سے شہرام کا انتظار کر رہی تھی۔۔اس نے امینہ خانم سے آج پھر شہرام کو فون کروایا تھا کہ وہ حویلی جلدی آئے۔۔۔جانتی تھی امینہ خانم کے حکم پر وہ سیدھا حویلی چلا آئے گا ۔۔۔اب وہ اسے کسی صورت ایک رات بھی حویلی سے باہر رکنے نہیں دے سکتی تھی۔اس کا اب امینہ خانم کو سب کچھ بتانے کا آرادہ تھا وہ کسی غیر لڑکی کے زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے۔۔۔جانتی تھی امینہ خانم کچھ بھی ہو جائے اس کا ہی ساتھ دیں گی۔۔عابیر کی وجہ سے انھیں ہر حال میں اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔۔اپنے شوہر کو واپس پانے کے لیے وہ ہر حد سے گزر سکتی تھی۔۔بہارے نے اپنے بہتے آنسو پھر سے صاف کیے تھے۔وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔۔وہ اب مزید شہرام کو آیزل کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اس نے اس کا گھر آیزل کو دے دیا۔۔اس کے ہاتھ کا کڑوا کھانا کھا

لیا۔۔ کل رات اس کے قریب آنے پر بھی وہ ویسا ہی تھا۔ برف کی چٹان کی طرح۔۔۔

بہارے لاونج میں بیٹھی چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے رو دی تھی۔۔۔ اسے لگ رہا تھا۔۔ جیسے اس کے وجود پر کوئی ہتھوڑے سے ضربیں لگا رہا ہو۔۔ دل و دماغ پورا وجود دہکتے ہوئے تانبے کی مانند تپ رہا تھا۔۔ بہارے نے لاونج میں وال کلاک پر نظریں دوڑائیں۔۔ جہاں رات کے دس بج رہے تھے۔۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔۔ بہارے نے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔ پھر سے تندور دہکا تھا اندر۔۔۔۔۔

بہارے نے غصے سے ٹیبل پر پڑی اپنی میڈیسن اٹھا کر پانی سے نگلیں۔۔ ایک گولی کی جگہ ہر پتے سے دو دو گولیاں نکالی تھیں۔۔

سر کی دھمک میں آضافہ ہو گیا تھا۔۔ کل رات سے کھانا نہیں کھایا تھا۔۔ ابھی بھی سوچا تھا وہ آئے گا تو اس کے ساتھ کھانا کھا کر میڈیسن لے لے گی۔ امینہ خانم سے اس نے فون شام چھ بجے کروایا تھا اب رات کے دس بج رہے تھے۔

غصہ اظطراب سے اس نے خالی پیٹ ہی اپنی میڈیسن کی ڈبل ڈوز نگل لی تھی۔۔ میڈیسن جیسے دل پر جا لگی تھی۔۔ بہارے نے دل پر ہاتھ رکھا تھا

بہارے باجی۔۔۔۔۔۔۔ لالا ابھی نہیں آیا۔۔۔۔۔ کھانے کا میز سے برتن اٹھالوں۔۔۔ درخشاں نے کچن سے آتے پوچھا۔۔

نہیں تم جاؤ میں اٹھالوں گی۔۔ بہارے نے دل پر ہاتھ رکھے آہستگی سے کہا دل میں شدید درد اٹھا تھا۔۔

لو شہر ام لالا آ گیا۔۔ درخشاں کی بات پر بہارے جلدی سے صوفے سے کھڑی ہوئی تھی۔۔ اس کا دوپٹہ کندھے پر ایک سائیڈ پر جھول رہا تھا۔ بال الجھے سے کیچر میں مقید تھے۔۔۔ وہ لب کاٹتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح والے ڈریس میں ملبوس تھا۔۔ بلو جینز پر وایٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے۔۔ وہ اپنی بے پناہ مردانہ وجاہت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔

اتنا خوبصورت مرد ہے تمھارا۔۔۔ اس کو اپنا اداؤں میں اور خوبصورتی میں الجھا کر رکھا کرو۔۔۔ تمھارا جگہ کسی اور عورت کو دے دیا تو تم سر پکڑ کر روئے گا۔۔ روزینہ خانم کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔ سامنے کھڑا ستمگر سچ میں کافی خوبصورت تھا۔۔ بہارے اس کے طلسماتی نقوش کو دیکھتے اس کی وزشی کسرتی باڈی کو

دیکھ رہی تھی۔۔اس کے شوہر جیسا کوئی نہیں تھا۔۔بہارے کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔۔

شہرام اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا..

لالا۔۔۔۔بہارے باجی نے آپ کی پسند کا کھانا تیار کیا ہے۔۔درخشاں کی بات پر شہرام نے پلٹ کر بہارے کو دیکھا جو لب کاٹتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔اتنی عام بات تھی اپنے شوہر کے لیے کھانا بنانا۔۔مگر مقابل کی نظروں میں حیرانگی اور طنز دیکھ کر وہ خفت سے سرخ پڑی تھی۔

میں کھا کر آیا ہوں۔۔شہرام سنجیدگی سے کہتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

درخشاں یہ کھانا میں نے تمھارے لالا کے لیے نہیں بنایا تھا۔۔ یہ کھانا میں نے داجی اور بابا اور حویلی کے باقی مردوں کے لیے بنایا ہے۔۔ ان سب نے کھالیا ہے۔۔۔ اب ایسا کرو باقی کا کھانا تمام ملازموں میں بانٹ دو۔۔۔ بہارے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے چیخی تھی۔۔

بہارے کی اونچی آواز پر شہرام کے قدم ایک پل کے لیے رکے تھے۔۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

بخار کی شدت سے اس کی حالت بری تھی۔ میڈیسن کھانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔۔ سر درد سے دکھ رہا تھا۔۔ بہارے کانپتے ہاتھوں سے برش اٹھاتے اپنے لمبے گھنے سلکی بالوں میں برش کرنے لگی۔۔۔ یکدم اسے چکر سا آیا تھا۔۔ سر میں دھماکے سے ہوے تھے۔۔ بہارے نے ڈریسنگ

ٹیبل پر ہاتھ جماتے چکراتے سر کو ہاتھوں میں تھاما تھا۔۔ وہ خود کو سنبھالتے بمشکل آنکھیں کھولتے اپنے بالوں میں پھر سے برش کرنے لگی۔۔

وہ بلیک نیٹ کی سلیو لیس نائٹی میں ملبوس تھی جو گھٹنوں تک آتی تھی اس پر پیور بلیک کلر کا باریک پیروں تک لینتھ میں گاؤن تھا۔۔ اس نایٹی میں اس کا کندن سراپہ قیامت سا نظر پیش کر رہا تھا۔۔ باریک سلیوز میں اس کے دودھیا بازو جگمگا رہے تھے۔۔ کندھوں اور بیک پر باریک نیٹ لگی تھی۔۔ جس سے اس کی رعنائیوں میں مزید آضافہ ہو رہا تھا۔

سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ یہ وہی نایٹی تھی جو وہ رخصتی کے بعد اس کے لیے لایا تھا۔۔۔ مگر اس نے غصے سے یہ نایٹی اٹھا کر زمین پر پھینک دی تھی.

تم کل رات میرے قریب اس لیے آئے تھے کہ مجھے تمھاری ضرورت تھی ۔۔ آج دیکھتی ہوں شہرام۔۔۔۔۔۔. تم کس وجہ سے میرے قریب آتے

ہو۔۔۔ بہارے نے مر رمیں دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔۔۔

تمھارا مرد بہت خوبصورت ہے۔۔ اسے اپنا آداؤں اور خوبصورتی کے جال میں الجھا کر رکھا کرو۔۔ تمھارا جگہ کسی دوسرا عورت کو دے دیا تو تم سر پکڑ کر روئے گا۔

روزینہ خانم کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

وہ اپنا سر پکڑ کر واقعی میں رو دی تھی۔۔

شہرام کمرے میں داخل ہوا تو ایک پل کے لیے ٹھٹھک کر رکا تھا۔۔ وہ بلیک نایٹی میں ملبوس تھی جس میں اس کے بدن کی تمام رعنائیاں صاف ظاہر تھی۔۔ شہرام نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بمشکل ہی اپنی نظریں

چرائیں تھیں۔وہ کمرے کا دروازہ لاک کرتے واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔بہارے نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا. اسے ایک بار پھر سے چکر آیا تھا۔۔

بہارے گہرے سانس لیتی بیڈ پر بیٹھی۔۔سر دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس نے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موندیں۔۔آنکھوں سے آنسو پھر سے بہے تھے۔وہ سچ میں کل اس کی وجہ سے اس کے قریب آیا تھا۔۔اس نے اب تو ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔اس کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا۔۔وہ یونہی آنسو بہاتے تکیے پر سر رکھے آنکھیں موندے سائیڈ کروٹ لے چکی تھی۔۔کافی دیر تک وہ سسکتی روتی رہی تھی کہ کب وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔۔۔

شہرام واش روم سے وائٹ ٹراوزر اور وایٹ سلیو لیس شرٹ پہن کر باہر آیا تھا۔۔ بہارے کو سائیڈ کروٹ لیے دیکھ کر اس نے لب بھینچے تھے۔ وہ اس کی طرف کروٹ لیے لیٹی تھین۔

شہرام کچھ پل اس کے تکیے پر بکھرے بال دیکھتا رہا پھر وہ اپنا سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھاتا صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

بہارے کی صبح آنکھ کھلی تو اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔ اس نے بمشکل اٹھتے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔۔

وہ ستمگر کہیں نہیں تھا۔۔ کمرے میں اس کی سینٹ کی مہک پھیلی ہوئی تھی اور صوفے پر اس کا نائٹ سوٹ پڑا تھا۔۔ جس کا مطلب تھا وہ چلا گیا ہے

۔۔ بہارے نے کمرے میں لگی وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائیں

۔۔ جہاں صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔۔

بہارے نے گہرے سانس لیے تھے۔۔ اس کا بدن ابھی بھی تپ رہا تھا۔۔ سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔۔ وہ رات بھر بخار میں جلتی رہی تھی۔۔ رات وہ کب ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی اسے یاد نہیں آ رہا تھا.۔۔ بہارے نے اپنے بدن پر لپٹی نائٹی کو دیکھا۔۔ اس کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔ وہ بیڈ سے اٹھتی ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی جہاں اس کا قیامت سا عکس نظر آ رہا تھا۔

وہ بلیک فل گاؤن نایٹی میں میں ملبوس تھی.۔۔ گاؤن کی ڈوریاں اس کے پیٹ پر سختی سے بندھی ہوئی تھیں۔۔ بہارے کی انگلیاں اپنی نایٹی کی ڈوریوں کو چھو گئی تھیں۔

بہارے نے بے یقینی سے اب کمرے کو دیکھا تھا۔۔ وہ واقعی میں نہیں تھا۔۔ یعنی وہ رات اس کے قریب نہیں آیا۔۔ اس نے اسے ایک بار بھی اسے نہیں چھوا تھا۔۔۔ بہارے نے اپنے قیامت خیز بدن کو دیکھا تھا۔۔ اس ستمگر کو رات اس کی طلب نہیں ہوئی۔ اسے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے قیامت سے بدن نے اس کے اندر کوئی پیاس نہیں جگائی۔۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔۔ وہ کل رات میرے قریب میری وجہ سے آیا تھا۔۔ وہ مجھ پر رحم کھا کر میرے قریب آیا تھا۔۔

بہارے ڈریسنگ مرر میں دیکھتی چیخی تھی۔۔ اس نے اسے سوتا سمجھ کر بھی چھو کر نہیں دیکھا تھا۔۔ اگر وہ اسے چھوتا تو اسے احساس ہوتا وہ سو نہیں رہی وہ بخار میں جل رہی ہے۔۔ وہ بیوش ہے۔۔۔ اگر وہ اسے چھوتا تو وہ کبھی

اسے اس حال میں چھوڑ کر نہ جاتا۔۔ اتنا تو جانتی تھی وہ اتنا بے رحم نہیں ہو سکتا۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھ رہی تھی.

نہیں شہرام تم بے رحم ہو۔۔ تم سفاک انسان ہو۔۔۔۔ تم حویلی کے مردوں سے بھی بدتر ہو شہرام۔۔ بہارے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

بیوی ہوں میں تمھاری۔۔۔۔ کیسے ایسا سلوک کر سکتے ہو تم میرے ساتھ۔؟؟۔۔۔ میرے ساتھ ایک بستر پر سوتے ہوے بھی تمھیں احساس نہیں ہوا کہ میں کس حالت میں تمھارے پاس پڑی ہوں۔۔۔ تم جھوٹے ہو شہرام۔۔۔ تم جھوٹے ہو تم بیوفا ہو شہرام۔۔۔ تم بیوفا ہو شہرام۔۔۔ بیوفا انسان کبھی محبت نہیں کر سکتا۔۔ تم عشق کی بات کرتے ہو۔۔ تم نے مجھ سے کبھی محبت بھی نہیں کی۔ تم۔نے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے شہرام۔۔۔۔۔۔۔ میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔ میرا نام

بہارے گل ہے۔۔میں منافق نہیں ہوں۔۔تم نے میرے ساتھ منافقت کی ہے۔۔میں تمھیں اس کی سزا دے کر رہوں گی۔۔میں تمھیں اس آئزل کا نہیں ہونے دوں گی۔۔تم صرف میرے ہو۔۔تمھاری محبت پر صرف میرا حق ہے۔۔بہارے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی اپنا سینہ جکڑے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔۔۔

وہ کافی دیر تک ایسے روتی رہی تھی.۔وہ پھر زمین سے اٹھتی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی.

ڈریسنگ روم کی کبرڈ کھولتے اس نے اپنے لیے ڈریس نکالا تھا۔۔وہ ڈریسنگ روم سے نکلتی واش روم میں گھس گئی تھی۔

ڈاکٹر فرقان۔۔۔ شہرام کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔۔

شہرام چیئر سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

جی سر آپ نے مجھے بلایا۔۔ڈاکٹر فرقان نے شہرام کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے پوچھا۔۔

ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ اس دن ڈاکٹر بہارے کے پیچھے کیوں گئے تھے۔

شہرام نے ڈاکٹر فرقان کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگائے کافی سرد آواز میں پوچھا تھا۔۔

جی۔۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر فرقان نے اچھنبھے سے شہرام کو دیکھا جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔۔

بات بہت سمپل سی ہے۔۔۔۔۔میں نے گھما کر نہیں کچھ پوچھا آپ سے

۔۔۔ سمپل سا کوسچن کیا ہے۔اس دن ڈاکٹر بہارے کے پیچھے آپ کیوں

گئے تھے۔۔۔ شہرام نے اب کی بار ٹیبل پر ہلکا سا ہاتھ مارا اپنے جبڑے سختی

سے بھنچے تھے۔۔وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔اس دن

دریا کے کنارے شہرام کو بہارے کے قریب کھڑا دیکھ کر اس کے اندر

آگ لگی ہوئی تھی۔۔بہارے کو تو وہ اچھی طرح جانتا تھا اس کی فطرت کیسی

ہے۔۔وہ مر سکتی ہے کسی دوسرے مرد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی اپنی

توہین سمجھتی ہے۔۔مگر کوئی دوسرا مرد بھی آخر اس کے کیوں کھڑا تھا۔۔یہ

بات شہرام خانزادہ کو آگ لگا رہی تھی۔

سر ڈاکٹر بہارے کافی پریشان تھیں۔۔میں صرف اس وجہ سے ان کے پیچھے

گیا تھا شائد انھیں میری ہیلپ کی ضرورت ہو۔۔ڈاکٹر فرقان نے کافی

سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔۔ شہرام کا رویہ اسے کافی ناگوار گزرا تھا۔۔ اسے کافی انسلٹنگ بھی لگا تھا۔۔۔ اس لیے ڈاکٹر فرقان کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔۔

کیا مطلب اس بات کا وہ پریشان تھیں آپ ان کے پیچھے گئے۔؟؟۔ شہرام کی آواز دفعتاً اونچی ہوئی تھی۔۔

ڈاکٹر فرقان نے اپنے لب اب بری طرح بھینچے تھے۔

سر ہم لوگ ایک جگہ کام کرتے ہیں۔۔ ایک دوسرے کا دکھ درد پریشانیاں ہم لوگوں کے لیے ایک ہی ہیں۔ اگر ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا میں ان کے پیچھے جاتا۔۔ چاہے وہ پھر ڈاکٹر دانیال ہوتے یا پھر ڈاکٹر ماہم یا پھر ڈاکٹر بہارے۔۔۔ ڈاکٹر فرقان نے اس بار درشتگی سے جواب دیا۔۔

ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔۔۔ آپ چاہیں ڈاکٹر دانیال کے پیچھے جائیں یا ڈاکٹر ماہم کے پیچھے یا پھر کسی کے پیچھے۔۔۔۔۔ آئی ڈونٹ کیئر۔۔۔ مگر ڈاکٹر بہارے سے دور رہیں۔۔ شہرام نے چیئر سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ڈاکٹر فرقان کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوا کہا۔۔

سر میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ آپ اس ہاسپٹل کے آنر ہیں۔۔ یا میں یہاں ایک عام ڈاکٹر ہوں۔۔ اور میں آپ کی شخصیت سے مرعوب ہوں۔۔ بلکہ میں آپ کی اس لیے عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔۔ جو خود سے زیادہ دوسروں کے بارے میں سوچتے ہیں۔۔ آپ نے بنا کسی نفع کے غرض کے یہ ہاسپٹل بنوایا۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔۔ آپ میری بے عزتی کریں۔۔ ڈاکٹر بہارے آپ کی کزن ہے مگر میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔۔ میں انھیں

پسند۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے پہلے ڈاکٹر فرقان اپنی بات مکمل کرتا شہرام دھاڑ اٹھا تھا۔

Shut up just shut up

She is mine

She is only mine

She is my wife

بیوی ہے وہ میری۔۔۔شہرام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتا دھاڑا تھا۔۔

کیا؟؟ڈاکٹر فرقان نے بے یقینی سے شہرام کو دیکھا تھا جو ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔شہرام کے تاثرات سے وہ

اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ اس کے منہ سے بہارے کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر فرقان۔۔۔۔۔۔دور رہیں میری بیوی سے۔۔۔۔مجھے آئیندہ آپ میری بیوی کے قریب بھی نظر نہ آئیں۔۔ورنہ میں کیا کر ڈالوں مجھے بھی خبر نہیں۔۔۔میں ایک سیلف کنٹرول انسان ہوں۔۔لیکن جب بات جب اس کی آتی ہے میں اپنا ظبط کھو دیتا ہوں۔۔اس پر شہرام خانزادہ کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔وہ میری ہے مرتے دم تک صرف میری رہے گی۔۔۔دور رہیں میری بیوی میری عورت سے۔۔۔

شہرام سرد لہجے میں ڈاکٹر فرقان کو وارن کرتے آفس سے ملحقہ واش روم میں دروازہ دھاڑ سے بند کرتا داخل ہو گیا تھا۔۔۔ دروازے کی دھاڑ سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ شہرام خانزادہ کتنے غصے میں ہے۔۔۔

بہارے گلابی کلر کی فراک پہنے گلابی کلر کا دوپٹہ لیے کندھے پر بلیک شال ڈالے سٹاف روم میں داخل ہوئی تھی۔۔۔ ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ نکھری سی تھی۔۔

اپنے بیگ سے اپنی میڈیسن نکال کر اس نے ہاتھ میں پکڑی پانی کی بوتل سے نگلی تھیں۔ وہ یہاں آتے ہوے ناشتہ کر کے آئی تھی۔ بدن میں کچھ توانائی آئی تھی۔۔ ناشتہ کرنے سے اس کے سر کے درد میں بھی کمی آئی تھی

۔ حویلی سے نکلتے بخار کی میڈیسن لے لی تھی۔۔ اور شاور بھی لیا تھا جس کی وجہ سے بخار کی شدت میں کمی آئی تھی. اب اپنی مائیگرین کی میڈیسن لی تھی

۔۔۔

بہارے نے اپنے کپکپاتے بدن پر شال اچھی طرح لپیٹی۔۔ اسے ایک بار سردی پھر سے لگنے لگی تھی۔۔

باہر برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں۔۔۔ گاڑی سے اترتے یہاں تک آتے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔۔ بدن کی لرزاہٹ کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔

وہ صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے تھی کہ سٹاف روم میں ڈاکٹر فرقان ڈاکٹر دانیال ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر فریال اور ڈاکٹر ماروا اندر داخل ہوے تھے۔ڈاکٹر فریال کے ہاتھ میں چاکلیٹ کیک تھا۔۔جو اس نے اندر داخل ہوتے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

بہارے سب کو دیکھتے سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔۔

ڈاکٹر فرقان کی سنجیدہ نگاہیں بہارے پر جمی تھیں۔۔جو صوفے پر بیٹھے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر بمشکل قابو پائے ہوے تھی۔۔

وہ بیوی ہے میری۔۔۔شہرام کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو ڈاکٹر فرقان کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔۔اب سمجھ آیا تھا کس شخص نے سامنے بیٹھی لڑکی کا غرور طنطنہ توڑا تھا۔۔سامنے بیٹھی لڑکی آخر اتنا کیوں

روتی ہے ؟؟۔وہ حیران بھی تھا وہ شخص سامنے بیٹھی لڑکی پر کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ مگر خود وہ ہر وقت کسی اور کا سایہ بنا رہتا تھا۔۔

ڈاکٹر بہارے کیسی ہیں آپ ؟؟ ماہم نے بہارے کو دیکھتے پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں۔۔ بہارے نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔ڈاکٹر فرقان کی نظریں اس کے چمکتی آنکھوں پر تھیں۔ جن میں آنسوؤں کی نمی واضح تھی۔۔

اچھا لگا ڈاکٹر بہارے آپ کو یہاں دیکھ کر۔۔ڈاکٹر مارو انے خوشگواری سے کہا۔۔

شکریہ ڈاکٹر مارا و۔۔۔ بہارے مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھی تھی۔۔ اپنا سٹیتھیو سکوپ گلے میں ڈالتے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

ڈاکٹر فریال یہ کیک کس لیے ہے ؟؟۔ڈاکٹر ماہم نے خوبصورت سے چاکلیٹ کیک کو دیکھتے پوچھا۔۔یہ کیک ڈاکٹر آیزل نے مجھے پکڑایا ہے۔۔ آج شہرام سر کی برتھڈے ہے۔۔

جنرل وارڈ میں کسی پیشنٹ کی طبعیت آچانک سی خراب ہو گئی تھی۔۔وہ ڈاکٹر آیزل کا ہی پیشنٹ تھا۔ڈاکٹر آیزل کو ایمرجنسی میں وہاں جانا پڑ گیا۔۔انہوں نے مجھے یہ کیک پکڑا دیا کہ وہ تھوڑی دیر تک سر شہرام کو سرپرایز دیں گی۔۔ہم سب کو بھی انوایٹ کیا ہے۔۔ آئی تھنک سر شہرام کے لیے انہوں نے یہ سٹاف روم سجایا ہے۔۔

فریال کی بات پر بہارے کے ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکے تھے۔

اس نے مڑتے ہوے سٹاف روم کے چاروں طرف دیکھا تھا۔۔

چھت پر دیواروں پر بلون سجے تھے۔۔ ایک طرف بڑا سا پی بر تھڈے لکھا پھا۔۔ جس کے اطراف میں سفید اور سرخ گلابوں سے ڈیکوریشن کی گیی تھی۔۔ پوری دیوار سرخ اور سفید گلابوں سے سجی تھی۔۔ سرخ سفید گلاب اس ستمگر کے فیورٹ تھے۔۔ بہارے کو اپنی رخصتی کی رات یاد آئی تھی۔۔ اس دن بھی اس نے سفید سرخ گلابوں سے اپنا کمرہ سجایا تھا۔۔ ہر طرف سفید سرخ گلاب تھے۔۔

بہارے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ شہرام کی بر تھڈے تھی اسے یاد ہی نہیں تھا۔۔ کیونکہ اس نے پہلے کبھی یاد ہی نہیں رکھی تھی۔۔ یہ حق بھی آیزل نے لے لیا تھا۔۔

ڈاکٹر فرقان بہارے کی حالت دیکھتے جلدی سے صوفے سے کھڑا ہوا۔ وہ پریشانی سے بہارے کو دیکھ رہا تھا جو کانپتے ہوئے مٹھیاں بھینچے کمرے کی ڈیکوریشن کو بھیگی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر فرقان آج آپ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ ڈاکٹر آیزل اور سر شہرام کا کیا رشتہ ہے۔۔ڈاکٹر فریال نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔۔

مجھ سے پوچھ لیں۔۔۔میں بتاتا ہوں۔۔ سر شہرام اور آیزل کے بیچ کیا رشتہ ہے۔۔ڈاکٹر دانیال نے ہانک لگائی تھی.

بہارے نے اب اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑا تھا۔۔

وہ یہ کنورسیشن مزید نہیں سن سکتی تھی۔۔

ڈاکٹر فرقان کی نگاہیں ابھی بھی بہارے پر ہی جمی تھیں۔۔وہ پریشانی سے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔جس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

وہ عنقریب مسٹر اینڈ مسز بننے والے ہیں۔۔ڈاکٹر آیزل عنقریب آیزل خان کہلائیں گی۔۔

Shut up just shut up

He is mine

He is only mine

شہرام صرف میرا ہے۔۔وہ صرف میرا ہے بہارے یکدم حلق کے بل چیخی تھی۔۔

سب یکدم خاموش ہوے تھے۔۔ بہارے کو اچھنبھے سے دیکھا تھا۔۔ جو گہرے سانس لیتے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ آنسو اس کے شفاف عارض پر پھسل رہے تھے.

یکدم وہ آگے بڑھی تھی اس نے ٹیبل پر رکھا کیک اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے پھینکا تھا۔۔

ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہی ہیں آپ ؟؟ ڈاکٹر ماہم آگے بڑھی تھیں۔۔ ڈاکٹر فرقان نے انھیں کلائی سے پکڑ کر روکتے سر نفی میں ہلاتے منع کیا تھا۔۔ ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر فرقان کو نا سمجھی سے دیکھتے وہیں پر رک گئی تھیں۔۔ کوئی بھی آگے نہیں بڑھا تھا سب حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

جو ایک ایک کرتے تمام ڈیکرویشن اتار رہی تھی۔۔ سب ہونق چہروں کے ساتھ اسے دیکھ رہے۔ تھے۔ وہ روتے ہوے پھولوں کو اتارتے انھیں بے

دردی سے نوچ رہی تھی۔۔۔وہ صرف میرا ہے اور یہ آج میں ڈاکٹر آیزل کو بتا کر رہوں گی۔۔وہ اپنے آنسو عارض سے صاف کرتے سپاٹ سرد لہجے میں بولی تھی۔۔

وہ دروازہ کھول کر غصے سے باہر نکل گئی تھی۔۔

بہارے کے قدموں کا رخ جنرل وارڈ کی طرف تھا۔۔وہ روتے ہوے بھاگتے ہوے اپنے آنسو عارض سے صاف کرتے جنرل وارڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کوریڈور میں بہت سے راہ گیر گزرتے ہوے بہارے کو دیکھ رہے تھے۔۔جو اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوے بھاگتے ہوے آگے بڑھ رہی تھی.

بہارے کی کنڈیشن دیکھتے تمام ڈاکٹرز بھی تیز تیز قدم اٹھاتے اس کے پیچھے آئے تھے.۔۔

بہارے تیز تیز قدم اٹھاتے جنرل وارڈ کا بڑا سا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

ڈاکٹر آیزل ڈاکٹر شمروز کے ساتھ کسی مریض کے بیڈ کے پاس کھڑی تھی جس کی طبعیت آچانک سے بگڑ گیی تھی۔۔

جس کی وجہ سے ڈاکٹر شمروز کو بھی ادھر آنا پڑا تھا۔۔وہ دونوں ہی اسے چیک کر رہے تھے۔۔وہ لوگ اس پیشنٹ کو ایمر جنسی وارڈ میں شفٹ کرنے کا سوچ رہے تھے۔ جس کا بی پی بہت شوٹ کر گیا تھا۔۔ابھی بمشکل ہی کنٹرول کیا تھا۔۔

بہارے ڈاکٹر آیزل کو دیکھتے تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔۔

کیا سمجھتی ہیں آپ خود کو؟؟۔۔۔بہارے ڈاکٹر آیزل کے قریب جاتے اسے بازو سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے بولی تھی۔۔

ڈاکٹر آیزل نے ناسمجھی اور پریشانی سے بہارے کو ایکھا تھا۔ جو لرزتے بدن کے ساتھ بھیگی آنکھوں سے گہرے سانس لیتے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز بھی کافی بلند تھی۔۔ آس پاس کھڑے نرسیں اور وارڈ میں موجود پیشنٹ کے ساتھ آئے ان کے لواحقین اور مریض بھی بہارے کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔

ڈاکٹر شمروز نے بھی بہارے کو اچھنبھے سے دیکھا تھا۔۔

تمام ڈاکٹرز بھی اب جنرل وارڈ میں آچکے تھے۔۔۔ پیشنٹ کے ساتھ جو مریض جنرل وارڈ میں س جود تھے وہ بھی سب حیرت سے ڈاکٹر بہارے کو دیکھ رہے تھے۔۔ بلکہ سب آہستہ آہستہ جھمگٹا سا بنائے اکھٹا ہونا شروع ہو گیے تھے۔۔

بہارے کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔۔۔وہ روتے ہوئے ڈاکٹر آیزل کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی.

کیا ہوا ہے ڈاکٹر بہارے؟؟ کیا پرابلم ہے آپ کو جو بھی بات کرنی ہے آپ ڈاکٹر آیزل سے سٹاف روم میں کریں۔۔یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔۔ڈاکٹر شمروز نے جنرل وارڈ کے چاروں طرف نظریں دوڑاتے سنجیدگی سے کہا تھا۔

مجھے ڈاکٹر آیزل سے جو بھی بات کرنی ہے ابھی کرنی ہے۔۔جس کو پرابلم ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔۔بہارے نے ڈاکٹر شمروز کو دیکھتے غصے سے کافی بدتمیزی سے جواب دیا تھا۔ڈاکٹر شمروز کا رنگ سرخ پڑا تھا۔۔ہاسپٹل میں سب ڈاکٹر شمروز کے سینیر ہونے کی وجہ سے ان کی کافی عزت کرتے تھے۔۔وہاں کھڑے تمام ڈاکٹرز کو بہارے کا ڈاکٹر شمروز کو ایسے جواب دینا بہت برا لگا تھا۔۔

ڈاکٹر ماروا نے بہارے کے انداز پر بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیا تھا۔۔ اپنے شوہر کی انسلٹ انھیں کافی تکلیف پہنچا گئی تھی۔۔

جی کہیں ڈاکٹر بہارے۔۔ مگر اتنا خیال رکھیں یہاں بیشنٹ ہیں۔۔ آپ کی اونچی آواز سے کسی پیشنٹ کی طبعیت خراب بھی ہو سکتی ہے۔۔ ڈاکٹر آیزل نے پاس لیٹے مریض کو دیکھتے کہا تھا۔۔ جس کی طبعیت پہلے ہی نازک تھی ۔۔ اب بہارے کا یہاں ایسے تماشہ کرنے سے اس کی طبعیت بگڑ رہی تھی۔۔

بند کریں یہ معصومیت کا ڈھونگ.. جیسے آپ بہت اچھی ہیں۔۔ آپ بہت معصوم ہیں۔ آپ کو سب کی بہت پرواہ ہے۔۔۔ بہارے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ڈاکٹر فرقان نے اپنا ماتھا پریشانی سے سہلایا تھا۔ بات بہت بڑھ گئی تھی۔ اب تو بیڈ سے اٹھتے کچھ پیشنٹ بھی ارد گرد اکٹھے ہونا شروع ہو گئے تھے۔۔

چاروں طرف جھمگٹھا تھا۔۔ نرس وارڈ بوائے سب جمع ہونا شروع ہو گیے تھے سب تک اس تماشے کی خبر پہنچ چکی تھی۔۔ جو ادھر نہیں موجود تھا وہ بھی آ گیا تھا۔۔

میں نے کیا معصومیت کا ڈھونگ کیا ہے ؟؟۔۔ ڈاکٹر آیزل نے سب کو دیکھتے گہرا سانس لیتے کہا۔۔ اپنی آواز اس نے دانستہ نیچی ہی رکھی تھی۔۔ جس طرح سب لوگ ان کے گرد اکٹھے تھے۔۔ ڈاکٹر آیزل خفت کا شکار ہوئی تھی.

وہی معصومت کا ڈھونگ جس میں ایک عورت ایک مرد کو ٹریپ کر کے اسے اپنا بنانے کی کوشش کرتی ہے۔۔ بہارے کی بات پر وہاں کھڑے سب

لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔۔بات اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔ مگر بات کس کی ہو رہی تھی یہ سمجھ نہیں پائے تھے۔۔۔۔۔ مگر سب ایک دوسرے کی طرف ذو معنی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔۔

ڈاکٹر آیزل کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔

ڈاکٹر شمروز نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے۔ڈاکٹر مارو انے آگے بڑھتے انھیں بازو سے جکڑے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے منع کیا تھا۔۔وہ اپنے شوہر کی مزید انسلٹ برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔اگر بہارے انھیں مزید کچھ کہتیں تو ڈاکٹر مارا و پتہ نہیں کیا کر لیتی۔۔ڈاکٹر شمروز لب بھینچے خاموش ہو گئے تھے۔ مگر یہ ان کے لیے کافی مشکل تھا۔۔یہ ہاسپٹل اور اس کی ریپیوٹیشن انھیں بہت عزیز تھی۔۔اور یہ جو بھی ہو رہا تھا ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔۔

دور رہیں شہرام سے۔۔۔ آپ اسے کبھی اپنا نہیں بنا سکیں گی۔۔ کیونکہ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔۔ وہ صرف میرا ہے۔۔ بہارے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے غرائے تھی۔

وہاں کھڑے لوگ آپس میں چہ مگوئیاں کرنا شروع ہو گئے تھے۔۔ سب کو وجہ سمجھ آگئی تھی۔۔۔ شہرام کو اس ہاسپٹل میں ہر کوئی جانتا تھا۔۔۔ ہاسپٹل میں آیا چھوٹا بچہ بھی شہرام کی پہچان سے واقف تھا۔۔ اس علاقے کے لوگوں کے لیے وہ مسیحا تھا۔۔۔ اس ہاسپٹل میں کسی بڑے پرائیویٹ ہسپتال سے بھی بڑھ کر فیسلیٹز حاصل تھیں۔۔ اہر پھر تمام ڈاکٹر اتنے قابل تھے۔۔ لندن فرانس جرمنی سے آئے ڈاکٹر ان لوگوں کا ٹریٹمنٹ کرتے تھے۔۔۔ انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔۔

ڈاکٹر آیزل اور بہارے کو یہاں کے ڈاکٹرز کی حیثیت سے بہت سے لوگ جانتے تھے۔۔ شہرام سے ان دونوں کا کیا رشتہ ہے؟؟ کسی کو خبر نہ تھی مگر اب سمجھ آگئی تھی۔ سامنے کھڑی دونوں لڑکیوں کا تعلق شہرام سے ضرور تھا۔۔ اور شہرام کا شاید دونوں لڑکیوں سے تعلق تھا۔۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔۔ سب بہارے اور ڈاکٹر آیزل کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے ۔وہ جہاں سے تعلق رکھتے تھے وہاں مرد عورت کے رشتے کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حرام یا حلال۔۔۔ اس سے بڑھ کر ان کے نزدیک مرد عورت کا کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

ڈاکٹر بہارے یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟؟ شہرام کی اس ہاسپٹل میں بہت عزت ہے۔۔ اس طرح کی باتیں کر کے آپ ان کی عزت کو خراب کر رہی ہیں۔۔ ڈاکٹر آیزل لب بھینچتے بولی تھی۔۔

اس کی عزت کی پرواہ آپ کرنے والی ہوتی کون ہیں؟؟۔۔۔جب ہر جگہ آپ ان کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔۔تب کیوں نہیں آپ کو خیال آیا کہ آپ کو اس کے ساتھ دیکھ کر لوگ باتیں بنائیں گے۔۔اور سب باتیں بناتے بھی ہیں۔۔اور آپ تب شائد انجوائے کرتی ہیں۔۔بہت بڑی منافق ہیں آپ۔۔۔بہارے طنزیہ بولی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کریں مجھ سے۔۔میں برداشت کر رہی ہوں۔۔آپ سر پر چڑھ رہی ہیں۔آپ کون ہوتی ہیں مجھے شہرام سے دور رہنے کو کہنے والی؟؟۔۔کزن ہیں شہرام کی تو کزن بن کر ہی رہیں تو بہتر ہو گا۔۔ڈاکٹر آیزل نے اس بار غصے سے بھڑکتے ہوئے کہا تھا ۔وہ مزید برداشت نہیں کر سکی تھیں۔

کزن نہیں ہوں بیوی ہوں اس کی میں۔۔شوہر ہے وہ میرا۔۔۔

بہارے غصے سے چیخی تھی۔۔

سب نے بے یقینی سے بہارے کو دیکھتے ایک دوسرے کے طرف دیکھا تھا۔۔

ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر فریال ڈاکٹر ماراوا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔۔ڈاکٹر شمروز بھی کھٹکے تھے۔۔

وہاں کھڑے سب نے انگلیاں دانتوں میں دبائے بہارے کو دیکھا تھا۔۔جو گہرے سانس لیتے مٹھیاں بھینچی کھڑی تھی۔۔

شہرام خان شادی شدہ ہے یہ خبر سب کے لیے حیرانگی کا باعث تھی۔۔بلکہ کوئی بھی یقین نہیں کر رہا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل پیچھے کو ہوتی بیڈ سے جا لگی تھی۔۔اس نے بھیگی نگاہوں سے سر نفی میں ہلاتے ہوے بہارے کو دیکھا تھا۔۔

تم جھوٹ۔۔۔ جھوٹ کہہ رہی ہو۔۔ڈاکٹر آیزل کے لفظ گلے میں اٹکے تھے

۔

شہرام میرا شوہر ہے۔۔ بچپن سے ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔۔۔کچھ عرصہ پہلے میری رخصتی بھی ہو چکی ہے۔۔۔شوہر ہے وہ میرا۔۔۔وہ ایک بار پھر سے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟شہرام کی سرد آواز گونجی تھی۔۔

شہرام کی سرد آواز پر سب نے پیچھے ہوتے اسے راستہ دیا تھا۔۔

بہارے اب بھیگی گلابی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔جو جنرل وارڈ کے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا اسے سرد سرخ نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔

دونوں ایک دوسرے کو اب دیکھ رہے تھے۔۔بہارے کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔وہ سرخ آنکھوں سے شہرام کی سرد سرخ آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کھڑی تھی۔۔پورے وارڈ میں سانپ سونگھ گیا تھا۔۔سب خاموشی سے بہارے اور شہرام کو دیکھ رہے تھے۔دونوں کی سانسیں ہی جنرل وارڈ میں گونجتی سنائی دے رہی تھیں۔۔دونوں ایک دوسرے سے نگاہیں ہٹا نہیں رہے تھے۔۔دونوں کی آنکھوں کا سرد پن اور سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔بہارے کے بدن کی لرزاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔

شہرام دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔۔ بہارے اس کے سامنے کافی فاصلے پر کھڑی تھی۔لوگ اب بھی انکے گرد کھڑے تھے۔۔ مگر ان کے بیچ کوئی نہیں کھڑا تھا۔۔

شہرام کی سرد سرخ آنکھوں میں شعلے سے بھڑک رہے تھے. بہارے بھی جلتی آنکھوں سے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔

شہرام نے اپنے بھاری قدموں کا رخ بہارے کی طرف بڑھایا تھا۔۔اب صرف جنرل وارڈ میں شہرام کے بھاری قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔۔ شہرام خانزادہ کو پہلی مرتبہ سب نے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔۔اس کے چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔۔ آنکھوں میں خون کی لالی اتری ہوئی تھی۔

اس نے تیزی سے بہارے کی طرف بڑھتے بہارے کی کلائی کو اپنی آہنی ہاتھ میں جکڑا تھا۔۔اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھتے اس کی کلائی کھینچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

بہارے نے غصے سے روتے ہوئے اپنی کلائی پر اس کا ہاتھ ہٹانا چاہا تھا۔۔اس کی بے رحم گرفت میں اس کی نازک کلائی ٹوٹنے والی ہو گئی تھی۔۔۔اتنی بے رحم گرفت بھی ستمگر کی ہو سکتی ہے اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔

Dont... don't there will be no one worse than me۔

شہرام اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے غرایا تھا۔۔

بہارے اس کی سرد سرخ تسبیح پر لرزتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

وہ اس کی کلائی جکڑے تیزی سے جنرل وارڈ سے نکل گیا تھا۔۔

باہر کوریڈور ہر جگہ لوگ رک رک کر شہرام کو دیکھ رہے تھے. جو بہارے کی کلائی جکڑے سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔۔ بہارے اس کی گرفت میں کھنچتی جا رہی تھی۔۔۔ شہرام خان اور کسی عورت کے ساتھ اس طرح۔۔۔ یہ بات اچھنبھے کی تھی۔۔۔ بہت بڑا ہسپتال تھا۔۔ جگہ جگہ سے گزرتے سب شہرام خان کو دیکھ کر رک رہے تھے۔۔ وہ بنا کسی کی طرف دیکھے تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بہارے اس ستمگر کی چوڑی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اس کی گرفت میں کھنچ رہی تھی۔

شہرام اس کی کلائی جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اس نے بے دردی سے بہارے کو اندر دھکیلا تھا۔۔ اور خود ڈرایبونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

...----------

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

یہ عشق کی ہیں راہیں

میں جن پر چل رہی ہوں

اس آگ میں نجانے

کب سے جل رہی ہوں

میں ہوں تیری دیوانی

تو نے مجھ کو نہ پہچانا

دلبر میرے ایسا نہ کر

چاہت کو یوں رسوا نہ کر

گاڑی میں بہارے کی سسکیاں گونج رہی تھی۔۔ وہ ونڈ سکرین سے سے باہر دیکھتے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی تھی۔

گاڑی اونچے نیچے راستوں پر ڈول رہی تھی۔۔ گاڑی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر فراٹے بھرتی ہواؤں کے دوش پر جیسے سفر کر رہی تھی۔۔ گاڑی جب ہچکولے بھرتی تو بہارے بھی ہچکی بھرتی۔۔ گلابی دوپٹہ اس کے شانوں پر

تھا۔۔گیلے بال الجھے سے بکھرے تھے۔۔بلیک شال کندھے پر جھولتی ہوئی اس کے قدموں میں لٹک رہی تھی۔

شہرام نے سٹیرنگ پورا گھماتے ہوئے گاڑی کو ٹرن کیا تھا۔۔سڑک کافی تنگ تھی۔۔جس کے ایک طرف گہری کھائی تھی۔۔

گاڑی کے ٹائر بری طرح چرچراتے رک گئے تھے۔۔۔۔۔گاڑی کھائی میں گرتے گرتے بچی تھی۔۔زوردار جھٹکا لگا تھا گاڑی کو۔۔۔۔۔۔

بہارے کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔۔اس نے ڈیش بورڈ کو تھامتے ہوئے اپنا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرانے سے بچایا تھا۔

سر کی دھمک میں شدید اضافہ ہوا تھا۔اس نے اپنے سر کو جکڑتے گاڑی سے باہر جھانکا۔گہری کھائی کو دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔گاڑی

کے اگلے دونوں ٹائر سڑک کے کنارے پر گہری کھائی کی طرف چرچراتے رکے تھے۔۔۔ بہارے نے خوفزدہ نگاہوں سے اپنی طرف کے شیشے سے اس گہری کھائی کو دیکھتے گہرے سانس لیتے شہرام کو دیکھا۔ جو گہرے سانس بھرتے ونڈ سکرین کے پار سرد سرخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ ذرا سی بھی چوک ہوتی تو وہ دونوں یقیناً گہری کھائی میں گاڑی سمیت جا گرتے۔۔۔

شہرام خان کا رنگ تانبے کی مانند سرخ تھا۔۔ اس کی سفید گردن کی نیلی رگیں بھی اجاگر ہو رہی تھیں۔ بہارے کی بھیگی گلابی زخمی نگاہیں اس کے سرد سرخ چہرے سے ہوتی اس کی سفید کلائیوں پر تھیں جس کی نیلی موٹی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔۔۔ بہارے نے ایک بار پھر سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ تھا۔

عشق کا درد ہے

بہارے کے سر کی دھمک میں آضافہ ہو رہا تھا۔وہ گہرے سانس بھرتے اس سفاک انسان کو دیکھ رہی تھی۔۔جو پہاڑوں کی طرح سخت معلوم ہوتا تھا۔۔وہ بدل گیا تھا۔۔وہ کسی کا ہو چکا تھا۔۔

بہارے سیٹ سے ٹیک لگائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو دی تھی۔۔شہرام خان نے گاڑی سٹارٹ کرتے گاڑی پیچھے کی طرف لی تھی۔۔۔گاڑی کا ٹرن لیتے وہ سیدھی سڑک پر لے آیا تھا۔۔گاڑی پھر سے سڑک پر دوڑ رہی تھے۔۔

اسے اس کے رونے کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔گاڑی میں گونجتی وہ اس کی سسکیاں مکمل نظر انداز کیے ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔شہرام خان کی بے

اعتنائی اس کا وجود آرے کی طرح کاٹ رہی تھی۔ وہ اس کی کلائی جکڑے لایا تھا۔۔ وہ اس کا تپتا بدن بھی محسوس نہ کر سکا تھا۔۔

کاش یہ گاڑی تم اس کھائی میں دھکیل چکے ہوتے شہرام خان۔۔۔ قصہ تمام ہوتا ہماری کہانی کا۔۔ بہارے گل شہرام کو دیکھتے یکدم حلق کے بل چیخی تھی۔۔

Shut up just shut up

اپنی بکواس بند کرو تم۔۔ ورنہ جان لے لوں گا میں تمھاری

شہرام حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔۔ شہرام کی دھاڑ پر گاڑی کے ساتھ بہارے بھی لرز اٹھی تھی۔۔ خوف سے اس کی سسکیاں تھمی تھی۔۔

گاڑی حویلی کے کارپورچ پر آکر رکی تھی۔۔

شہرام خان سرخ سرد چہرے کے ساتھ گاڑی سے اترا تھا۔ بہارے اب خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔۔ مگر اس کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔ شہرام نے بہارے کیطرف بڑھتے اس کی کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کی کلائی جکڑتے ہوئے باہر نکالا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔۔۔ بہارے نے اس کی سخت گرفت سسکی لیتے اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑوانی چاہی تھی۔ اس کا بدن سنسنا رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے مقابل کو اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔ تب بھی نہیں جب وہ حویلی سے بھاگی تھی۔۔ تب بھی نہیں جب وہ دھڑلے سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے طلاق مانگتی تھی۔۔ شہرام خان کا خطرناک حد تک سرد سنجیدہ چہرے دیکھتے بہارے کی دھڑکنیں تھم سی رہی تھیں۔۔

اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔۔اس نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔قدموں نے زمین کا ساتھ چھوڑا تھا۔۔اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی۔۔۔شہرام اسی کی کلائی جھٹکے سے کھینچتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔وہ اس کی مضبوط گرفت میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔۔کندھے پر پڑی شال راستے میں ہی زمین کا حصہ بنی تھی۔۔

زنان خانے میں بیٹھی روزینہ خانم بہارے اور شہرام کو دیکھتے صوفے سے عجلت بھرے انداز میں کھڑی ہوئی تھیں۔

بہارے کے شانوں پر صرف اس کا دوپٹہ تھا۔۔اس کے لمبے بال کمر اور شانوں پر بکھرے تھے۔۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا وہ بغیر کسی بڑی چادر کے باہر سے آئی تھی۔۔وہ بھی شہرام خان کے ساتھ۔۔شہرام بہارے پر پابندیاں نہیں لگاتا تھا مگر چادر کے بغیر وہ اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔نہ ہی

اس کے بالوں پر کسی کی نظر۔۔۔۔ مگر آج وہ اس کے ہمراہ باہر سے بغیر چادر کے آئی تھی۔۔ بہارے کا لرزتا بدن اور شہرام کا سرد سرخ چہرہ دیکھ کر روزینہ خانم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔

مگر شہرام کو غصے میں دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کر سکی تھیں۔۔

شہرام خان بہارے کی کلائی جکڑے بنا رکے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

کمرے میں داخل ہوتے شہرام دروازہ دھاڑ سے بند کرتے اسے خود سے دور کسی اچھوت کی مانند دھکیل گیا تھا۔۔ وہ اوندھے منہ صوفے پر جا گری

تھی۔۔ دوپٹہ زمین بوس ہوا تھا۔۔ بہارے کا سر صوفے کی سطح سے ٹکرایا تھا۔۔ درد کی لہر پورے وجود میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی.

بہارے نے سیدھے ہوتے بمشکل اپنی گلابی متورم آنکھیں کھولتے اس ستمگر کو دیکھا جو خون اتری آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا.

کیا تماشہ لگایا تم نے آج ہاسپٹل میں ؟؟۔ وہ اسے گھورتے غصے سے دھاڑا تھا

۔

تمھاری اس ایزل کو بتایا ہے کہ تم میرے شوہر ہو۔۔۔ بہارے اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخی تھی۔۔

اس کے چیخنے پر شہرام اس کی طرف ایک ہی جست میں بڑھتے اس کے گرد صوفے پر اپنا بوٹ والا پاؤں رکھتے اس پر جھکے اس کا جبڑہ سختی سے دبوچ چکا تھا۔

بہارے کا چیخنا جیسے اس کے حواس سلب کر چکا تھا۔۔

خبردار میرے سامنے تمھاری آواز اونچی ہوئی ورنہ دوسری بار تم آواز نکالنے کے قابل نہیں رہو گی۔۔ شہرام اس پر جھکے اس کے چہرے پر اپنی گرم سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔۔

اس کی بے رحم گرفت پر بہارے کا جبڑہ ٹوٹنے والا ہو گیا تھا۔۔ تکلیف کی شدت سے بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔۔

بہارے نے اپنی پوری قوت لگاتے اس کا مضبوط ہاتھ اپنے جبڑے سے ہٹانا چاہا تھا مگر اس کی بے رحم گرفت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔۔ وہ مزید سختی سے اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔۔ بہارے تکلیف اور بے بسی سے سسک کر رہ گئی تھی۔۔

میری غلطی ہے تم جیسی عورت کو سر پر چڑھا کر رکھا۔۔ پہلی رات تمھیں تمھاری اوقات میں رکھتا۔۔ تم تیر کی طرح سیدھی ہوتی۔ شہرام کی گرفت اس کے جبڑے پر مزید سخت ہوئی تھی۔

شہرام کی کھردری انگلیاں اپنے گالوں میں گڑھتی محسوس کرتے بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔۔ وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔۔

لیکن اب میں تمھیں تمھاری اوقات میں رکھوں گا۔۔ تم سے وہی سلوک کروں گا جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔۔ شہرام خان اس کا جبڑہ پوری قوت سے دبوچتے اس کے مزید قریب ہوتے غرایا تھا۔۔ شہرام کی سلگتی سانسوں کی تپش اسے اپنے عارض پر محسوس ہو رہی تھی۔۔۔

بہارے کے آنسوؤں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔۔ اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے اس نے سہمتے ہوے اب مزاحمت بھی بند کر دی تھی

۔۔مقابل کی انگلیاں اس کی نازک گالوں میں دھنستی جا رہی تھیں۔اسے پورا یقین تھا اگر شہرام خان کچھ دیر کچھ دیر اس کا جبڑہ ایسے جکڑے رہا۔۔۔وہ درد کی شدت سے مر جائے گی۔

شہرام اس کا کانپنا اور اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے اسے غصے سے دور دھکیلتا اس کے اوپر سے اٹھتا سیدھا ہوتے کھڑے ہوے تھا۔۔

ڈریسنگ کی طرف بڑھتے شہرام خان نے دونوں ہاتھوں سے پرفیومز کی شیشیاں زمین بوس کی تھی۔۔اپنا سارا غصہ اشتعال ایسے اتارا تھا۔۔پرفیومز کی شیشیاں زمین بوس ہوتی چکنا چور ہوئیں تھیں۔

کمرے میں کانچ کی چھنک کی آواز کے ساتھ اس ستمگر کی سینٹ کی مہک پھیلی تھی۔۔۔بہارے لرزتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔یہ مہک تو آج

کل اس کے حواسوں پر چھائے رہتی تھی۔۔جو بہت جان لیوہ تھی اس کے لیے۔۔

بہارے اب ہچکیاں لیتے کمرے میں بکھرے کانچ کو دیکھتے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔جس نے اپنا کوٹ اتارتے زمین پر پوری قوت سے پھینکا تھا۔۔اپنی ٹائی اتارتے ہوے زمین پر پٹخی تھی۔۔۔۔وہ اب گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

غصہ اظطراب کسی صورت کم نہیں ہوا تھا۔۔وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے زمین کو دیکھتے ایک ٹانگ اظطرابی انداز میں ہلا رہا تھا۔۔

بہارے صوفے پر بیٹھے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔اس کا یہ روپ اس کی جان نکال رہا تھا۔۔اس سے بھی زیادہ اس کا یہ روپ تکلیف

دے رہا تھا۔۔ وہ کیوں اتنے غصے میں ہے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ اگر اس نے چیخ چیخ کر سب کو بتا دیا کہ وہ اس کا ہے تو کیا قیامت آ گئی۔۔

شہرام کا غصہ اظطراب کم نہیں ہوا تھا۔۔ وہ بیڈ سے

اب اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھول رہا تھا۔۔ شہرام خانزادہ نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ پوری قوت سے مارتے تھوڑا جھکتے مرر میں دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنے غصے اور اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی تھی۔۔

جنرل وارڈ میں کھڑے تمام ڈاکٹرز اور لوگ اسے کن نظروں سے دیکھ رہے تھے۔۔ وہ سمجھ چکا تھا۔۔ اس کی عزت اس کی ساکھ سب ختم ہو چکا تھا۔۔ آیزل کے ساتھ اس کے تعلق پر ایک سوالیہ نشان کھڑا ہو گیا تھا۔۔

اس کی بیوی کی وجہ سے جو چیخ چیخ کر اپنے رشتے کا اعلان کر رہی تھی۔ کل تک وہ خود اپنا اور اس کے رشتے کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔۔ مگر آج وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔۔ کیونکہ ان کا تعلق اس نہج پر آ چکا تھا اب کچھ ایکسپوز کرنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔۔

اپنے نکاح کا چھپانا اور بہارے کی پہچان چھپانے کے متعلق وہ سب کو کیا یکسپلینیشن دیتا۔۔ سب اسے ہی اب غلط سمجھتے۔۔۔۔ کوئی نہیں سمجھتا اس کے پیچھے کی وجہ کیا تھی۔۔ ہر بار ایک مرد غلط نہیں ہوتا۔۔۔ ہر بار ایک عورت ہی مجبور نہیں ہوتی۔۔ مرد بھی مجبور ہوتا ہے۔۔ مرد بھی مجبور ہو کر اپنی پسندیدہ عورت کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔۔

وہ آج پچھتا رہا تھا وہ ہر بار اس عورت کو کیوں امپورٹنس دیتا رہا؟؟۔۔اس کی ہر بات پورا کرنا اس کے لیے سانس لینے سے بھی زیادہ کیوں ضروری ہو جاتا تھا۔۔شہرام خان ڈریسنگ مرر میں دیکھتے گہرے سانس لیتا اپنے اندر کی گھٹن کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ڈاکٹر شمروز وہاں کھڑے ہر ڈاکٹر اور لوگوں میں اس کی نظروں میں سب کچھ تھا

سوائے عزت کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورت کے ساتھ دوستی نبھاتا رہا۔۔سب کی نظروں میں یہی ایک سوال تھا۔۔بہارے کے آنسو اسے مظلوم بنا چکے تھے۔۔۔

اور اسے ایک سفاک مرد جو اس پر ظلم کرتا تھا۔۔باہر کی عورتوں کے ساتھ حرام تعلق رکھتا تھا۔۔آیزل کی جھکی نظریں یاد آئیں تھیں۔۔وہ سب کے

سامنے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ شہرام خان نے چلاتے ہوے پوری قوت سے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر مکہ دے مارا تھا۔

بہارے لرزتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی.

یہی تو چاہتا تھا سب کو پتہ چلے وہ اس کی ہے۔۔ اگر آج اس نے سب کو بتا دیا وہ اس کا ہے تو وہ ایسے کیوں ری یکٹ کر رہا تھا؟؟ بہارے نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے کرب سے ہچکی لی تھی۔ ظبط کا دھارا چھوٹا تھا اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھی۔

بہارے کی ہچکیوں پر شہرام نے مرر سے نظر ہٹاتے اپنی چہرہ اس کی طرف موڑتے اسے سرد خون اتری آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔ بہارے اس کی سرد نظر پر لرزتی ہوئی گھٹنوں میں منہ چھپائے رو دی تھی۔۔

شہرام کچھ دیر اس کے گھٹنوں میں منہ دیے وجود کو لرزتے ہوے دیکھتا رہا۔۔وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔اس کے بال کمر اور ایک طرف شانے پر ڈھلکے ہوے تھے۔۔دوپٹہ زمین پر پڑا تھا۔۔وہ سیدھا ہوتا اپنے منہ پر ہاتھ پھیر گیا تھا۔۔

شہرام نے جبڑے بھینچتے ہوے مرر میں دیکھتے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن بند کیے تھے۔۔بیڈ سے کوٹ اٹھائے وہ دروازے کی جانب بڑھا۔۔وہ مزید یہاں رکتا تو پتہ نہیں کیا کر ڈالتا۔۔۔

شہرام کے بھاری بوٹوں کی دھمک دروازے کی طرف محسوس کرتے بہارے نے گھٹنوں سے منہ اٹھائے اسے دیکھا تھا۔۔

اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بہارے پاگل ہوئی تھی۔۔۔وہ آیزل کے پاس جارہا ہے۔۔۔اس کے خون میں ابال اٹھے تھے۔۔ آج اس کمرے میں اس سفاک انسان کے ہاتھوں مرنا قبول تھا۔۔۔ مگر وہ آیزل کے پاس جائے یہ قبول نہ تھا۔۔

وہ صوفے سے اٹھتے تیزی سے بھاگتے ہوئے اس کے مقابل آئی تھی۔۔

کہاں جارہے ہو تم شہرام خان؟؟۔۔۔بہارے نے اس کے مقابل آتے چیختے ہوئے پوچھا تھا۔۔

شہرام نے اس کے چیخنے پر جبڑے بھینچتے اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔

اس وقت میری نظروں اور مجھ سے دور رہو تو بہتر ہو گا تمھارے لیے۔۔۔ورنہ اسی کمرے میں میں تمھاری قبر بنادوں گا۔۔ شہرام نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے اپنے جبڑے بھینچتے ایک لفظ لفظ چبایا تھا۔

قبر بناؤ گے تم میری یہاں پر تو بنادو۔۔۔مار تو تم چکے ہو دفنانا باقی ہے وہ بھی دفنالو تم۔۔۔۔بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے کرب سے روتے ہوے بولی۔۔

شہرام غصے سے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے ہوے دروازے کی طرف بڑھا۔۔وہ پھر سے اس کے راستے میں حائل ہوتے اس کا گریبان جکڑ چکی تھی۔۔اس کے اس بار گریبان جکڑنے پر شہرام کا رنگ خطرناک حد تک سرخ پڑا تھا۔۔

میں جانتی ہوں تمھیں اس کمرے سے جانے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟؟۔۔ تمھیں اتنا غصہ کیوں آرہا ہے؟؟۔۔بہارے نے ہچکی لیتے ہوے اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھا تھا۔

بہارے دور ہو جاؤ مجھ سے۔۔۔ شہرام ظبط کی حدوں کو چھوتے دانت پیستے ہوے بولا۔۔

تم اس آیزل کو صفائیاں دینے جارہے ہو کہ میرے اور تمھارے بیچ کچھ نہیں ہے۔۔اسے وضاحت دینے جارہے ہو کہ میں تمھاری بیوی ضرور

ہوں۔۔ مگر تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔۔ محبت تو صرف تم اسی سے کرتے ہو۔۔۔ ہے ناں شہرام خانزادہ۔۔۔۔ بہارے حلق کے بل پھر سے چیخی تھی۔

بکواس بند کرو اپنی تم۔۔ ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا تم پر شہرام اسے غصے سے پوری قوت سے دور دھکیلا گیا۔

وہ دروازے کے ساتھ جا لگی تھی۔ بہارے کی نازک کمر میں درد نے سرایت کیا تھا۔۔ وہ اپنا نچلا لب دانتوں میں دبائے یہ درد برداشت کر گئی تھی۔۔۔

بہارے شہرام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے اس کے قریب ہوئی تھی

۔۔

کیوں ہاتھ اٹھاؤ گے مجھ پر تم؟؟ د۔۔۔ کیا کیا ہے میں نے؟؟ سب کو اپنے رشتے کے متعلق بتایا ہے۔۔۔ کیا غلط کیا میں نے؟؟ یہی تو تم چاہتے تھے تم سب کو پتہ چلے میں تمھاری بیوی ہوں۔۔ اب ایسا کیا ہو گیا کہ تم غصے سے پاگل ہو رہے ہو؟؟۔ وہ غیر عورت تمھیں اتنی پیاری ہو گئی ہے۔۔ بہارے نے روتے ہوئے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

شہرام غصے سے اپنی مٹھیاں دبوچے اپنا رخ پلٹ گیا تھا۔ دل کر رہا تھا اپنے سامنے کھڑے نازک وجود کے بخیے ادھیڑ ڈالے۔۔۔ جو اتنا کچھ کر کے بھی اس کے سامنے ڈھٹائی سے کھڑی تھی۔

منہ کیوں چھپا رہے ہو شہرام خانزادہ؟؟۔۔۔کیوں ہاتھ اٹھاؤ گے مجھ پر بتاؤ مجھے؟؟ کیا کیا ہے میں نے۔۔ تمھاری طرح غیر مرد کے ساتھ میرے تعلقات ہیں جو تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔۔۔۔۔

بہارے کی بات ابھی منہ میں ہی تھی شہرام کا زوردار طمانچہ اس کے گال کی زینت بنا تھا۔ تھپڑ کی گونج نہ صرف بہارے کے وجود کو بلکہ کمرے کی درو دیوار کو بھی ہلا چکی تھی۔۔

وہ دروازے کے ساتھ لگتی بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔ تھپڑ گال پر لگا تھا وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئی تھی۔۔ پورا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ کچھ پل تو وہ سانس نہیں لے سکی تھی۔۔ بہارے نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے سامنے کھڑے ستمگر کو آنسوؤں کی چادر سے دیکھا تھا۔۔ وہ بدل

چکا تھا وہ سچ میں کسی کا ہو چکا تھا۔۔ اس سے پہلے بھی اس نے دو بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔۔ مگر تھپڑ کی شدت اتنی نہیں تھی۔۔۔ بلکہ اس کے پاسنگ بھی نہیں تھی۔۔ پہلے جب بھی تھپڑ مارا اس نے پورا خیال رکھا تھا وہ ہرٹ نہ ہو۔۔۔ مگر آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے کرب سے آنکھیں موند چکی تھی۔۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔۔ تھپڑ کھانے کا غم منائے یا پھر اس بات کا یہ تھپڑ پہلے دو تھپڑوں سے زیادہ شدید تھا۔

آئیندہ اپنی زبان کو میرے سامنے تم یقیناً بند رکھو گی۔۔ شہرام اس کے دونوں اطراف میں دروازے پر ہاتھ رکھتے اس کی گلابی بھیگی نگاہوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھتے استھزائیہ کاٹ دار لہجے میں بولا تھا۔

بہارے اسے اب صرف بھیگی زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھے۔۔ سامنے کھڑے ستمگر کی آنکھوں میں تکلیف کی کوئی رمک نہیں تھا۔۔ وہ استھزائیہ نگاہوں اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

اتنی تکلیف تمھیں اس عورت کے آنسوؤں کی کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا دیا۔۔ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے سوال داغا۔۔

ہاں بہت تکلیف ہے مجھے اس عورت کے آنسوؤں کی۔۔۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں مسکراتے ہوے کہا۔

بہارے کی آنکھوں کی رنگت گلابی سے سرخی میں تبدیل ہوئی تھی۔ وہ اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔۔

اور کیوں نہ ہو تکلیف؟۔۔۔۔۔۔۔ تم نے پوری دنیا کے سامنے اس پر اور مجھ پر الزام لگایا ہے۔۔ اس عورت کی تکلیف اور میری تکلیف ایک ہی ہے۔۔ اس لیے اس کی تکلیف سیدھا دل پر لگی ہے۔۔ شہرام نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی انگشت شہادت کی انگلی اس کی دھڑکنوں پر رکھی تھی۔۔۔ یہاں لگی ہے اس عورت کی تکلیف دھڑکنوں پر۔۔۔ شہرام خان نے استھزائیہ انداز میں اس بار بھی مسکراتے ہوئے کہا۔۔

بہارے لرزتے ہوئے گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔

میری تو تم نے آج تک عزت کی نہیں۔۔ یہ بھی نہ سوچا وہ ایک عورت ہے۔۔ اس کی عزت کا ہی سوچ لیتی۔۔ شہرام نے چبھتے لہجے میں کہا۔۔

اس طرح کی عورتیں اس سلوک کی مستحق ہوتی ہیں۔۔ بہارے اپنا ظبط کھوتے پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔۔ وہ پاگل ہو رہی تھی مقابل کی آنکھوں میں کسی اور عورت کی تڑپ دیکھتے۔۔۔ اس کے لبوں سے کسی اور عورت کے لیے ہمدردی سن کر۔۔۔۔۔ وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔۔

تم جیسی عورت کس سلوک کی مستحق ہوتی ہے ذرا بتانا مجھے ؟؟۔۔۔ شہرام کے لہجے کی غراہٹ بڑھی تھی۔۔ وہ اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ اس کے اطراف میں پوری قوت سے مارتے غرایا تھا۔۔

تم مجھے اس باہر کی عورت کے ساتھ کمپیر کر رہے ہو شہرام خان۔۔۔ میں تمھاری جان لے لوں گی۔۔ بہارے نے غراتے ہوے اس کے گریبان کو

مٹھیوں میں جکڑا تھا۔۔اس کا پورا وجود ہچکولوں کی نظر ہوا تھا۔۔وہ اس کا گریبان پوری قورت سے کھینچتے غرا اٹھی تھی۔۔

شہرام نے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں میں سے چھڑواتے اسے غصے سے خود سے دور دھکیلا تھا۔۔

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گری تھی۔۔شہرام نے اس پر قہربار نگاہ ڈالتے اپنی شرٹ کے کالر جھٹکتے ہوے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔۔۔وہ پھر سے اٹھتی تیزی سے اس کے مقابل آئی تھی۔۔

وہ کوئی پاگل دیوانی لگ رہی تھی۔۔۔اس کا نازک بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔۔بال الجھے سے بکھرے سے تھے۔۔۔گال پر اس کی انگلیوں کا

نشان ثبت تھا۔۔ گردن پر اس کی دی ہوئی سوغاتیں۔۔۔۔۔۔۔رقم تھیں۔۔۔ آنکھیں سرخ سوجی ہوئی تھی۔۔ ہونٹ اس نے خود کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیے تھے۔۔ جن پر خون کی بوندیں چمک رہی تھیں۔۔۔ شہرام خان کا ایک ایک لفظ اس کے وجود پر چھریاں چلا چکا تھا۔۔

کیا رشتہ ہے تمھارا اس عورت سے ہاں؟؟ بولو جواب دو مجھے؟؟ وہ اس کے مقابل آتے چیخی تھی۔۔ شہرام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے شہرام خان؟؟۔۔۔۔ میں مجبور عورت ہوں جو تمھارا ہر ظلم برداشت کرے گی۔۔

بہارے گل خان ہوں۔۔۔۔ تمھارے اندر اس جس خاندان کا خون ہے۔ میرے اندر بھی اسی خاندان کا خون ہے۔۔۔۔ بہارے گل نے اس کا گریبان مٹھیوں میں پھر سے جکڑا تھا۔۔ شہرام نے اپنی مٹھی دبوچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

کیا کہا تھا تم نے ؟؟ تم میرے قریب اس رات اس لیے آئے کیونکہ مجھے تمھاری ضرورت تھی۔۔ اگر ایسی ہی بات تھی تم ساری رات میرے ساتھ کیا کرتے رہے۔۔ اس رات کتنی بار تم میرے قریب آئے تھے ؟؟ بھول گئے ہو تو یاد دلاؤں تمھیں۔۔۔۔ بہارے نے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا۔۔ آج وہ اس ستمگر سے تمام حساب کتاب بے باک کرنے کا آرادہ رکھتی تھی۔۔۔ جو سچ میں ظالم جابر تھا۔۔ اسے اپنے لفظوں سے وہ مار چکا تھا۔۔

پچھتا رہا ہوں اب تمھارے قریب آ کر۔۔۔ ہر بار تمھارے قریب آ کر مجھے سکون کم اور پچھتاوہ زیادہ ہوا ہے۔ اب کبھی میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ شہرام کی بات پر بہارے کا لرزتا وجود مزید زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔

کیا کہہ رہے ہو تم ؟؟ تمھیں مجھ سے سکون نہیں ملا۔ تو پھر کیا کرتے تھے میرے پاس رات رات بھر ؟؟۔۔۔ کیوں تڑپتے تھے میرے لیے ؟۔۔ کیوں رات رات بھر مجھے اپنی بانہوں میں بھر کر سرگوشیاں کرتے تھے کہ میں تمھارا سکون ہوں۔ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔ تم مجھ سے دیوانوں کی طرح محبت کرتے ہو۔۔ تم مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتے ہو۔۔ تم میرے بغیر کچھ نہیں۔۔۔ تم میرے لیے پاگل ہو۔ میں تمھاری

محبت نہیں عشق ہوں۔۔ میں تم سے دور ہوئی تو تمھاری سانسیں رک جائیں گی۔۔ میری ذرا سی ناراضگی تمھاری جان پر بنا دیتی ہے۔۔

تمھیں میری طلب ہے۔۔ میرا بدن تمھارے ہوش اڑا دیتا ہے۔۔ میرے جسم کی تمھارے اندر بہت پیاس ہے۔۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ تم میرے بغیر تم نہیں رہ سکتے۔۔

بہارے روتے ہوے شدت غم سے اسے اس کے لفظ یاد دلا رہی تھی۔۔ جو وہ تو بھول چکا تھا مگر وہ اس کا ایک ایک لفظ یاد رکھے ہوے تھی۔۔۔

تمھاری طلب نے مجھے ہمیشہ ایسے ہی سوالوں کی سولی پر چڑھایا ہے۔۔ تم نے میری ضرورت میری طلب کو میرا گناہ بنایا ہے۔۔ ہر بار تم یوں روتی تھی جیسے میں تم پر ظلم کے پہاڑ توڑ چکا ہوں۔۔ ہر رات یوں خود کو مجھ سے چھپاتی تھی جیسے میں تمھارا محرم نہیں ہوں۔۔ کاش میرے اندر یہ طلب ہی نہ

ہوتی۔۔۔ محرم کے ہوتے ہوے بھی میری راتیں تڑپتے ہوے عذاب کی طرح گزرتی ہیں۔۔ مجھے اپنی ہی طلب اپنی ہی خواہش اپنی ہی ضرورت سے نفرت ہوگئی ہے۔۔ مجھے نفرت ہوگئی ہے محرم کی قربت سے۔۔۔۔ شہرام اس پر تنفر بھری نگاہ ڈالتا غرایا تھا۔۔

سیدھی طرح کہو شہرام خان۔۔۔۔۔ جب باہر تمھاری ضرورت پوری کرنے والی ہو تو تمھیں محرم کی قربت سے نفرت ہی ہوگی۔۔۔ بہارے شدت غم سے روتے ہوے بولی۔۔

کیا مطلب ہے تمھاری بات کا؟؟۔۔۔ شہرام نے اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے سلگتے ہوے طیش والم سے برفیلے لہجے میں پوچھا۔۔

آیزل کو اپنی رکھیل بنا کر رکھا ہے تم نے۔۔۔جب حرام ملے گا تو تمھیں کیوں حلال میں سکون ملے گا۔۔بہارے نے سسکی لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

شہرام کی گرفت اس کے بالوں پر خطرناک حد تک مضبوط ہوئی تھی۔۔اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔بہارے درد کی شدت سے آنکھیں موند گئی تھی۔۔۔شہرام نے اس کے بالوں کو خطرناک حد تک دبوچتے اس کا چہرہ اپنے مزید قریب کیا تھا۔۔بہارے نے درد سے تڑپتے ہوئے اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔۔وہ ایک ہی جھٹکے سے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔بہارے کے زخمی لب اس کے عنابی لبوں سے ٹکرا گئے تھے۔۔

بہارے نے تڑپتے ہوے اس کی سفاک آنکھوں میں جھانکا۔۔ جہاں یکدم برف اترتے اس کی آنکھوں کو مزید سفاک بنا چکی تھی۔۔

نہیں رہے گا اب اس سے حرام کا رشتہ۔۔۔۔۔ شہرام اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے اس کے لبوں پر اپنی آنچ دیتی سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔۔

بہارے کے کپکپاتے لبوں کی جنبش بڑھی تھی۔ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھتے اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔ اگر وہ اس کا گریبان نہ جکڑتی اور مقابل نے اسے بالوں سے نہ جکڑا ہوتا وہ یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔۔

کک کیا مطلب؟؟۔۔۔ بہارے نے اس کی شرٹ دبوچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا۔۔۔

مطلب یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں آیزل سے نکاح کروں گا۔۔اسے اپنی محرم کا درجہ دوں گا۔۔اسے اپنی بیوی بناؤں گا۔۔اب اس سے ہی اپنی طلب اپنی ہر ضرورت مٹاؤں گا۔۔۔

تم۔۔۔ایسا۔۔۔۔تم ایسا۔۔۔۔نہیں کر سکتے۔۔۔۔بہارے کی رنگت خطرناک حد تک سفید پڑی تھی۔۔۔لفظ گلے میں اٹکے تھے.

میں ایسا ہی کروں گا۔۔جانتی ہو شہرام خان اپنی ضد اور آنا کا بہت پکا ہے۔۔۔حویلی کے مرد میرے آگے کچھ نہیں ہیں۔میں سفاکی پر اتر آؤں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا

شہرام اپنا گریبان سے اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے ہوے اسے پوری قوت سے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔۔وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔

شہرام دروازہ دھاڑ سے کھولتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

ساحر خانزادہ سرخ چہرے کے ساتھ سٹڈی روم کا دروازو کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔شاہزیب خان کی ایزی چیئر جھولتی ہوئی رکی تھی۔۔وہ ساحر خان کو دیکھ کر اپنی کرسی سے کھڑے ہوے تھے۔۔ساحر خان کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔۔

کیا ہوا ہے ساحر؟؟انہوں نے پریشانی سے پوچھا تھا۔جب سے حور کو ان کی سچائی معلوم ہوئی تھی وہ ساحر خان اور سلطان شاہ کی حوالے سے پریشان اور خوفزدہ رہنے لگے تھے۔۔

حور کو وہ اب کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔۔شاہ مینشن کی سکیورٹی کو عبور کرنا بچوں کا کام نہیں تھا۔۔۔پہلے بھی وہ حور سلطان شاہ کو اسی لیے نقصان پہنچا سکے کیونکہ ماہ جبین نے ساتھ دیا تھا اور حور سلطان شاہ کے کچھ سکیورٹی گارڈز وہ خرید چکے تھے۔۔۔جنھوں نے مہر ماہ کو اغواہ کرنے میں بھی لاکھوں کے حساب سے پیسہ لیا تھا۔۔۔مگر سلطان شاہ نے حور کے شاہ مینشن سے جانے کے بعد تمام گارڈز کو اپنے پرسنل ٹارچر سیل میں رکھا ہوا تھا۔۔جن میں ان کے وفادار سکیورٹی گارڈز بھی تھے۔جن کا کوئی قصور نہیں تھا مگر سلطان شاہ نے ان پر کوئی رحم نہیں کھایا تھا۔۔جان سے بھی پیاری بیٹی کا معاملہ تھا۔۔ان۔گارڈز نے ابھی تک منہ نہیں کھولا تھا انھیں اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان پیاری تھی۔۔اگر وہ منہ کھولتے سلطان شاہ نہ صرف ان لوگوں کی جان لیتا بلکہ ان کی فیملی کو بھی گولیاں مروا دیتا۔۔وہ اپنی بیٹی

حور سلطان شاہ کو لے کر اتنا ہی پاگل تھا۔۔بات مہر ماہ کی نہیں تھی جنھیں وہ بے وفا مان چکے تھے۔۔بات ان کے خون ان کی اکلوتی بیٹی کی تھی جس کی ہر خطا ہر غلطی معاف تھی۔۔

کیا کرنے گئے تھے آپ ماہ جبین آنٹی کے پاس۔۔ساحر خان نے جبڑے بھینچتے سختی سے پوچھا۔

شاہزیب خان کا رنگ فق ہوا تھا۔۔اس سوال کا مطلب تھا ساحر خان کو نہ صرف ماہ جبین پر ہی شک نہیں بلکہ ان پر بھی ہے۔۔وہ اپنی گھنی بیئرڈ پر پریشانی سے ہاتھ پھیر کر رہ گئے۔۔۔

مجھے ضروری کام تھا۔۔شاہزیب خان نے ساحر خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔۔۔پکے کھلاڑی تھے اتنی آسانی سے زیر کرنا آسان نہ تھا۔۔

کیا ضروری کام ہو سکتا ہے آپ کو اس ماہ جبین سے کہ آپ اس سے سلطان انکل کی غیر موجودگی میں ملے۔۔۔پردہ دار فیملی سے تعلق ہے ہمارا۔۔۔مام سے اس طرح سلطان انکل آپ کی غیر موجودگی میں ملے تو تب بھی آپ کا ری ایکشن یہی ہو گا۔۔ آپ کا جواب یہی ہو گا کہ انھیں ضروری کام ہو سکتا ہے مام سے۔۔

ساحر۔۔۔۔۔۔ تمیز کے دائرے میں بات کرو تم اپنی مام کے بارے میں بات کر رہے ہو۔۔۔شاہزیب خان گرجے تھے۔۔

کیا ہوا ڈیڈ؟؟ اتنی سی بات آپ کے غیرت کے تازیانے پر لگی کہ میں نے سلطان انکل کے ساتھ مام کا نام۔ بھی کیوں لیا۔

ہاں لگی کہاں تمھاری مام اور کہاں وہ ماہ جبین۔۔۔۔۔ تمھاری مام نے آج تک کسی غیر مرد کو اپنا چہرہ بھی نہیں دکھایا۔۔ شاہزیب کی بات پر ساحر خان کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

آپ بھی معاشرے کے ان اسی فیصد مردوں میں سے ہیں۔ جن کے نزدیک عزت صرف اپنی بیوی اپنی بہن بیٹی ہوتی ہے۔۔ جس طرح مام آپ کی عزت ہے اس طرح ماہ جبین سلطان شاہ کی عزت ہے۔۔

وہ جیسی بھی سہی مگر عزت وہ سلطان شاہ کی ہے۔۔ آپ کو ان سے کسی صورت ماہ جبین سے اکیلے میں نہیں ملنا چاہیے تھا۔۔

ساحر خان نے شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

اچھا تو پھر حور بھی کسی کی عزت ہے اس کے لیے تم نے ابھی تک جوگ کیوں لیا ہوا ہے؟؟ اپنی عزت کو رسوا کیوں کر رہے ہو اسے اپنا کیوں نہیں لیتے۔۔۔ شاہزیب خان اپنی بات کر کے پچھتائے تھے۔۔۔

ساحر خان کی آنکھوں میں ایسا درد اترا تھا ایسی سرخی اتری تھی کہ شاہزیب خان رخ موڑ گئے تھے۔۔ ساحر خان کا درد جیسے ان کے دل میں اترا تھا۔۔۔ وہ اپنے لب بھینچ گئے تھے۔۔

ساحر خان کی خاموشی پر ان کا دل لرزا تھا۔۔

انہوں نے بیتابی سے ساحر خان کی طرف رخ پلٹا تھا۔۔

وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہا تھا۔۔

ساحر۔۔۔۔۔۔۔ وہ پریشانی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے انھیں خود کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔۔

ساحر خان صوفے پر بیٹھ کر اپنا سینہ مسلنے لگا۔۔

ساحر کیا ہوا ہے؟؟ شاہزیب خان نے تڑپتے ہوئے پوچھا تھا۔۔

کچھ نہیں ہوا ڈیڈ؟؟ اس طرح کا درد تو اکثر اٹھتا رہتا ہے۔۔ آپ کا بیٹا بہت کمزور دل کا ہے۔۔ جب بھی اس لڑکی کا نام آتا ہے۔۔ اسے کسی کے ساتھ سوچتا ہوں تو ایسا ہی درد اٹھتا ہے۔۔ یہ نئی بات نہیں ہے۔۔ ساحر خان نے گہرے سانس لیتے بمشکل اپنی بات مکمل کی تھی۔۔

ساحر تم نے ڈاکٹر کو چیک کروایا۔۔۔ ساحر خان شاہزیب خان کو دیکھتے بھیگی آنکھوں سے زخمی سا مسکرایا تھا۔۔

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

اس درد دل کی دوا تو صرف وہی ہے افسوس اس بے رحم دنیا نے اسے مجھ سے جدا کر دیا۔۔۔اب کوئی دوا دعا کام نہیں کرے گی۔ساحر خان پھیکی سا ہنسی ہنستا زخمی سا بولا تو شاہزیب خان نے اپنی نظریں چرائیں تھیں۔

ساحر خان اپنے دل پر ہاتھ رکھتے کھڑا ہوا تھا۔۔

حور کو نقصان پہنچانے میں ماہ جبین کا ہاتھ ہے یہ میں جانتا ہوں۔۔لیکن اگر آپ بھی گلٹی ثابت ہوے۔۔میں معاف نہیں کروں گا۔۔اس کے ایک ایک آنسو کا حساب چکانا ضرور ہو گا سب کو۔۔

میں قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی۔۔اسے تکلیف دینے میں جس جس کا ہاتھ ہوا اس کا نام بھی میں اس صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا۔

ساحر خان شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا اور سٹڈی روم کا دروزہ دھاڑ سے کھولتے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

حور اپنے کمرے کی گلاس وال کے پاس کھڑی برستی بارش کو دیکھتے گلاس وال پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہی تھی۔۔ گلاس وال

باہر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔۔ دن میں بھی رات کا سما تھا۔۔

حور نے برستی بارش کو دیکھتے گلاس وال کو دیکھا تو اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ اس کی انگلیوں نے گلاس وال پر جو نام انجانے میں لکھ دیا تھا اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔ اس نے جلدی سے وہ نام صاف کیا تھا۔۔

گلاس وال سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں موند چکی تھی۔۔

وہ زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ کرنے والا بلا کا ہینڈسم مغرور انسان کی شبیہ بند آنکھوں کی جھالر کے پردے پر پوری شدمد سے لہرائی تھی۔۔

میں گل سے محبت نہیں تم سے کرتا ہوں ڈیم اٹ۔۔۔۔۔۔۔اس کا چلانا یاد آیا تھا۔۔

جب نکاح نام کے ساتھ حور آجائے تو ارحام لکھنا جائز ہو جاتا ہے۔۔ حور کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔

حور نے آگے بڑھتے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اپینڈٹ اٹھایا جس پر ابھی تک اس ستمگر کا خون لگا تھا۔۔

دروازہ ناک ہونے پر اس نے ہڑبڑاتے ہوئے بند دروازے کو دیکھا سلطان شاہ کے اندر داخل ہوئے پر وہ پینڈٹ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر اس کے قدموں میں گرا تھا۔۔

اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ کھڑی سلطان شاہ کو دیکھ رہی تھی جو آہستگی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔

ہمیشہ کی طرح انہوں نے اس کے قریب آتے اس کے ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلیاں چومی تھیں۔۔اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اور اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر اپنی آنکھیں میچی تھیں۔

حوران کے سینے کے ساتھ لگی یکدم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔اتنے دنوں کا ضبط آج چھوٹ گیا تھا۔۔سلطان شاہ کے ساتھ وہ مزید اجنبیت بھرا رویہ اختیار نہیں کر سکتی تھی۔۔

سلطان شاہ کی گرے آنکھوں سے بھی اشک رواں جاری ہوا تھا۔۔ حور ان کی بانہوں میں سمائے شدت سے رو دی تھی۔۔

پاپا آئی لو یو۔۔۔ حور ہچکیوں کے درمیان بولی۔۔

آئی لو یو پاپا۔۔۔۔۔ آئی لو یو پاپا۔۔۔۔۔ وہ سلطان شاہ کے سینے میں منہ چھپائے ہچکیوں سے کہتی جا رہی تھی۔۔۔

پاپا میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ نے کیا کیا۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا سلطان شاہ ایک جابر ظالم پتھر کا انسان ہے۔۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ آئی لو یو پاپا۔۔۔۔۔ حور نے روتے ہوئے ان کے سینے پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔

آئی لو یو ٹو میری جان۔۔۔ائی لو یو ٹو میری جان۔۔۔۔سلطان شاہ نے نم آواز میں کہتے اپنے بھیگے لب اس کے بالوں پر رکھے تھے۔۔

سلطان شاہ نے حور کو اپنے حصار سے الگ کیا تھا۔۔

حور میں تمھیں کھونے کے بعد بہت ڈر گیا تھا۔۔مجھے اس وقت اپنی صرف ایک ہی غلطی لگی تھی کہ مجھے تمھیں اتنا سٹرونگ بنانا چاہیے تھا کہ تم گھر چھوڑ کر نہ جاتی بلکہ اتنی طاقت رکھتی کہ مجھے بھی گھر چھوڑ کر جانے پر مجبور کر دیتی۔۔اب میں اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں.. سلطان شاہ کی بات پر حور نے انھیں اچھنبھے سے دیکھا تھا۔۔

آج میں بہت گرینڈ پارٹی رکھ رہا ہوں۔۔ تمھیں شاہ انڈسٹری کے سی ای او کے بطور پر متعارف کروانا چاہتا ہوں۔۔

لیکن پاپا میں کیسے ؟؟میری تو سٹڈی بھی کمپلیٹ نہیں ہے۔۔ آپ کی ضد پر میں نے وہ میٹنگ اٹینڈ کی تھی۔۔ مگر میں آپ کے آفس کی تمام ذمہ داریاں نہیں سنبھال سکتی۔۔

حور نے جلدی سے گھبراتے ہوے۔ کہا۔

وہ سفاک انسان یاد آیا تھا

جو اس کی ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے پر پاگل ہو گیا تھا۔۔ کیسے سب کے سامنے اس کی کلائی جکڑے وہ کھینچ کر لے آیا تھا۔۔ پارٹی میں اس نے غلطی سے بھی دیکھ لیا وہ قیامت بھرپا کر دے گا۔

حور بیٹا وہ میری کمپنی ہے صرف سلطان شاہ کی ملکیت۔۔۔ میں جسے مرضی وہ کمپنی سونپ دوں۔۔ وہ کمپنی صرف میری بیٹی حور کی ہے تم اس کی مالک

ہو۔۔اور تم اکیلی نہیں ہو۔۔ سمجھو تمھارے پیچھے تمھاری طاقت تمھارا باپ بن کر کھڑا ہو گا۔۔سلطان شاہ اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر لب بھینچتے بولا۔حور کے چہرے پر ڈر خوف سراسیمگی کیوں تھی وہ سمجھ گئے تھے۔۔انھیں ایک بار بھی ارحام خانزادہ پر غصہ آیا تھا۔۔

حور سلطان شاہ کبھی کسی سے نہیں ڈری تھی۔۔مگر اب اس کے چہرے کا ہر ڈر ہر خوف ہر رنگ اس ارحام خانزادہ کے نام سے مشروط ہوتا تھا۔۔

حور میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔تم اس پارٹی میں ہر حال میں شرکت کرو گی۔اور یہ ڈر خوف کیوں ہے تمھارے چہرے پر۔۔۔۔تم اب حویلی میں رہنے والی اس خانزادہ کی بیوی نہیں۔۔بلکہ حور سلطان شاہ ہو شاہ امپیئر کی مالک۔۔اس شہر کی مالک۔۔۔۔

لیکن پاپا اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا میں ارحام خانزادہ کی بیوی بھی ہوں۔ ابھی تک اس کے نکاح میں ہوں۔۔ وہ مجھ پر حق رکھتا ہے۔۔ اسی حق کی بدولت وہ مجھے اس دن سب کے سامنے کلائی پکڑ کر لے گیا تھا۔۔ آپ کے گارڈز بھی کچھ نہیں کر سکے تھے۔۔ یہاں سے بند بزہ لگا لیں سلطان شاہ کی دولت رعب و دبہ نکاح کے بولے گئے تین لفظوں کے آگے کچھ نہیں ہیں۔۔

حور نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنے قدموں میں پڑا لاکٹ دیکھا تھا۔۔

سلطان شاہ کی طاقت کے آگے سب کچھ بے معنی ہے اگر اس دن وہ تمھیں وہاں سے لے کر گیا تھا کیونکہ میں نے ایسا ہونے دیا۔۔ تمھاری آنکھوں میں اس ڈر خوف نے مجھے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔۔ اسی لیے مجھے مجبوراً اپنے گارڈز کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔۔ میں نہیں چاہتا تھا میری بیٹی مزید خوفزدہ ہو۔۔

پاپا اگر آپ گارڈز کو پیچھے ہٹنے کو نہ کہتے وہ یا تو ان گارڈز کو مار دیتا یا پھر خود مر جاتا۔۔۔ حور نے کہا۔

اتنا آسان نہیں ہے یہ سب کرنا۔۔ سلطان شاہ غصے سے گرجے۔

پاپا اس کے لیے سب آسان ہے۔۔ آپ نے اس کا وہ روپ نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے پاپا۔۔۔ پاپا یہ گولیاں یہ بندوقیں اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔۔۔ وہ ان سب سے لڑنا جانتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے موت کا کھیل کھیلتے ہوے۔۔۔۔ اسے اپنی موت کا کوئی ڈر نہیں تھا۔۔۔ ہر

پاپا وہ بہت بے رحم ہے۔۔ وہ سانسیں کھینچنا جانتا ہے۔۔۔۔ حور نے چیختے ہوے کہا۔۔

حور اس نے تمھیں کبھی کوئی تکلیف دی ہے۔۔اسے تمھیں کبھی کچھ کہا ہے

سلطان شاہ نے وہ بات پوچھی جو وہ کب سے پوچھنا چاہتے تھے۔

حور کی نگاہوں کے سامنے وہ نکاح کی رات آئی تھی۔۔جب اس نے اس کے

پور پور کو اپنی درندگی سے مسلہ ڈالا تھا۔۔

نہیں اس نے مجھے کچھ نہیں کہا جو بھی کہا جو بھی تکلیف دی۔۔ہمیشہ اسے میں

نے دی۔۔حور کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔۔

جرگے کی وہ قیامت رات یاد آئی تھی جب وہ سب کے سامنے بے بسی سے

کھڑا تھا۔۔آنکھیں سرد سرخ تھیں۔۔مگر ان میں ٹوٹے کانچ کی چھنک

تھی۔۔چہرہ طیش والم سے سرخ تھا مگر وہاں درد و اذیت کرب تھا۔۔

ہاں وہ اس ستمگر کے چہرے کا ہر رنگ پہچان سکتی تھی۔۔

اس رات مردان کی سڑک پر گاڑی میں اس کی رنگ سیاہ تھا۔۔ ساحرانہ کشش والی گہری آنکھیں۔۔۔ اس کے بعد اس نے ان آنکھوں کا رنگ ہمیشہ سرخ ہی دیکھا تھا۔۔ اب اور زیادہ سرخ رہنے لگا تھا جب سے وہ اس سے جدا ہوئی تھی۔ اور یہ آنکھوں کی سرخی ہمیشہ اس کا خون جما دیتی تھی

۔۔

نہیں رہو گی تم اس کے نکاح میں۔۔ یہ سلطان شاہ کا وعدہ ہے تم سے۔۔ سلطان شاہ کی مظبوط آواز پر اس نے گلابی آنکھوں سے انھیں دیکھا تفا۔

وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔۔ حور نے لب کاٹتے کہا۔۔

چھوڑے گا میں اسے اتنا مجبور کر دوں گا وہ گھٹنوں پر آجائے گا۔۔اسے تمھیں چھوڑنا پڑے گا۔۔وہ پھر بھی مجھے نہیں چھوڑے گا پاپا۔۔حور کی آواز میں نمی تھی۔۔۔۔

یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔۔۔۔۔تم آج کی پارٹی میں شرکت کی تیاری کرو۔۔سلطان شاہ نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

میں اس پارٹی میں شرکت ایک شرط پر کروں گی اگر ارحام خانزادہ اس شہر میں نہیں ہو گا۔۔۔وہ کسی صورت بھی اس پارٹی میں شرکت نہیں کرے گا۔۔نہ ہی اس پارٹی میں میڈیا کی شرکت ہو گی۔۔نہ اس پارٹی میں کسی کو سیل فون لانے کی آجازت ہو گی۔۔حور کی شرائط پر سلطان شاہ نے اپنے لب بھینچے تھے۔۔انھیں تو لگا تھا ارحام خانزادہ کا تھوڑا بہت ہولڈ تھا ان کی

بیٹی پر وہ تو مکمل اس کے ہولڈ میں تھی۔۔۔۔ پتہ نہیں ایسا کیا تھا اس انسان نے ان کی بیٹی کے ساتھ وہ اس سے اتنا ڈرتی تھی۔۔

وہ اس شہر میں تو کیا اس ملک میں بھی نہیں ہو گا۔۔ یہ وعدہ ہے سلطان شاہ کا۔۔ تم آج کی تیاری کرو۔۔۔۔ سلطان شاہ حکمیہ انداز میں کہتے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔ حور نے جھکتے

ارحام خانزادہ اپنے آفس میں بیٹھا کسی فائل پر کام کر رہا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے فائل میں نظریں دوڑاتے ہوئے اپنی کلائی میں پہنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں تھیں۔ جہاں شام کے سات بج رہے تھے۔ دس بجے اس کی لندن کی فلائٹ تھی جہاں بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔۔ حمدانی صاحب نے اچانک کے لندن میں میٹنگ رکھ دی تھی جہاں لندن میں موجود کچھ اور

انویسٹرز ی اس میٹنگ میں شریک ہو رہے تھے جو اس پروجیکٹ کے لیے

سرمایہ فراہم کر رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ اس پروجیکٹ کو لے کر بہت

محنت کر رہا تھا۔۔ سلطان احمد کے ساتھ پروجیکٹ ختم کرنے پر اسے

کڑوڑوں روپے کا نقصان ہوا تھا۔۔ اس کی کمپنی کا رینک بھی گر گیا

تھا۔۔ حمدانی صاحب کی کمپنی کے ساتھ وہ یہ پروجیکٹ نہ کر رہا ہوتا تو نقصان

کی بھرپائی ناممکن تھی۔۔ اس کا سب کچھ بک جانا تھا۔۔ سلطان شاہ تو چاہتا تو

منٹوں پر سڑک پر لا سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا ورن ہ وہ جانتا تھا اس

شہر کا ہر بزنس مین سلطان احمد شاہ کی مٹھی میں تھا۔۔ اور سلطان احمد شاہ نے

اس پر ترس کیوں کھایا وہ جانتا تھا اس کی بیوی نے اس پر ترس کھایا تھا۔۔ وہ

اپنی نادانی میں کی ہوئی غلطیوں کا بوجھ اتارنا چاہتی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کے

لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔ دشمن جاں کی یاد شدت سے آئی تھی۔۔

جب بھیگے لباس میں اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔۔ اس کی براؤن گہری پرکشش آنکھوں کا وہ اسی لمحے اسیر ہو گیا تھا۔۔ اتنی شفاف اور گہری آنکھیں اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے چیر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔۔ اب سفید نائیٹ میں اس کا عکس آنکھوں کے آگے جھلملایا تھا۔۔

ارحام نے آنکھیں کھولتے سیدھے ہوتے فائل پر نظریں جمائیں۔۔ اسے ہر حال آٹھ بجے آفس سے نو بجے نکلنا ہی تھا۔۔ اسلام آباد ایئر پورٹ یہاں سے پندرہ منٹ کی ڈرایو پر تھا۔۔ اس میٹنگ میں شرکت کرنا بہت لازمی تھا

اگر یہ پروجیکٹ بھی ہاتھوں سے نکل جاتا تو اس کا سب کچھ داؤ پر لگ جانا تھا۔

ارحام نے لب بھینچتے اپنے آفس کی گلاس وال کو دیکھا جہاں برستی بارش عروج پر تھی۔۔مارچ کا اینڈ چل رہا تھا۔۔ مگر بارشیں ایسی شروع ہوئیں تھیں۔ ختم نہیں ہو رہی تھی۔۔ آج بھی برستی بارش زوروں پر تھیں۔

ارحام خانزادہ نے کھڑے ہوتے اپنا کوٹ چیئر کی بیک سے اتارے اپنے بازوؤں پر ڈالا ہی تھا کہ اس کے آفس کا دروازہ ناک ہوا۔۔ ارحام خانزادہ نے حیرانگی سے دروازے کی طرف دیکھا اس وقت آفس میں کوئی بھی نہیں تھا سارا اسٹاف چلا گیا تھا۔۔ بلڈنگ کے باہر چوکیدار اور اس کا پرسنل گارڈ تھا۔۔

ارحام نے یس کہتے دروازہ ناک کرنے والے کو اندر آنے کی آجازت دی تھی۔۔

دروازہ کھلنے پر وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا تھا۔۔

اس کے بزنس کے حلقے سے کے اس بہت اچھے دوست کامران ملک اور فرہاب حیات اس کے سامنے تھے۔

وہ بھول ہی گیا تھا کل ان دونوں کے ساتھ اس نے خود ہی اس ٹائم میٹنگ رکھی تھی۔۔

وہ ان دونوں کو اپنی کمپنی میں پارٹنر بنانا چاہتا تھا۔۔ اپنے کچھ شیئرز بیچنا چاہتا تھا اسے سرمائے کی اشد ضرورت تھی۔۔

ارحام آگے بڑھتے ان دونوں کے ساتھ بغل گیر ہوا۔۔۔

ہمیں یہاں بلا کر کہاں جانے کی تیاری تھی۔۔ کامران ملک نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

اصل میں آج ایک ایمرجنسی میٹنگ کے لیے مجھے لندن جانا پڑ رہا ہے۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنی چیئر پر بیٹھا تھا۔۔

اگر تمھیں جانا ہے تو تم جا سکتے ہو میٹنگ پھر کسی دن رکھ لیتے ہیں۔ فرہاب حیات نے سنجیدگی سے کہا۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں ابھی میٹنگ میں کافی ٹائم ہے میں مینج کر لوں گا۔۔ تم لوگ بیٹھو ارحام نے شائستگی سے کہتے انھیں دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔

وہ دونوں مسکراتے ہوے اس کے سامنے بیٹھے۔

اور سناؤ کیسے ہو تم دونوں ارحام نے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

ٹھیک ہے ہیں۔۔۔ مگر میں حیران ہوں تمھاری آج کون سی میٹنگ ہے ۔۔ جہاں تک مجھے پتہ ہے تم اس وقت ڈریم لینڈ کا پروجیکٹ کر رہے ہو حمدانی کے ساتھ۔۔

ہاں انھیں کے کچھ انویسٹرز اور حمدانی صاحب کے ساتھ لندن میں میٹنگ ہے۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

حیرت ہے حمدانی صاحب اتنا بڑی پارٹی چھوڑ کر لندن کیسے جاسکتے ہیں؟؟ وہ تو ایسے موقعے ہاتھوں سے نہیں جانے دیتے۔۔ اور جب بات سلطان احمد شاہ کی ہو ہو تو کون کافر ایسی اپورچونیوٹی چھوڑے گا۔۔ اور حمدانی صاحب ہی تو وہی پروجیکٹ کر رہے ہیں۔۔ سلطان احمد شاہ کے ساتھ جو تم نے چھوڑ دیا۔

۔

ارحام فرہاب حیات کی بات پر چونکا تھا۔۔ حمدانی سلطان کے ساتھ اس کا چھوڑا ہوا پروجیکٹ کر رہا تھا اسے اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔۔

ارحام تم نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی سلطان احمد کی کمپنی کے ساتھ پروجیکٹ ختم کر کے۔۔ اس پروجیکٹ نے تمھاری کمپنی کو ٹاپ لسٹڈ میں کھڑا کر دیا تھا۔۔ آج تمھاری کمپنی کے شئیرز کتنے گر گیے ہیں۔۔ سلطان شاہ تھوڑا تیکھا بندہ ہے۔۔ مگر تم جھک جاتے اگر کوئی مسلہ ہو گیا ہی تھا۔۔ بزنس کی دنیا میں ہر کوئی سلطان شاہ کے قدموں میں جھکنے کو تیار ہے۔۔۔ تھوڑا جھک جاتے تو تمھیں آج اپنی کمپنی کے شئیرز نہ بیچنے پڑتے۔۔۔

مطلب باقیوں کی طرح ان کے تلوے چاٹتا۔۔ کامران ملک کی بات پر وہ طنزیہ مسکراتے ہوے چیئر سے ٹیک لگا گیا تھا۔ تھا۔۔

کامران ملک کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ سامنے بیٹھا ارحام خانزادہ تھا جو حساب کتاب کرنے میں ماہر تھا۔ ایک خان تھا جس کا کب دماغ پھر جائے کوئی نہیں جانتا تھا۔۔ کامرن ملک نے گلہ کھنکارتے اپنی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کی تھی۔۔

تم نے ان کے تلوے نہیں چاٹے مگر حمدانی صاحب سلطان شاہ کے تلوے چاٹ کر دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

سمجھ نہیں آرہا حمدانی صاحب نے تمھیں یہ کنٹریکٹ کیوں دیا اور سلطان شاہ نے ایسا کیوں ہونے دیا۔۔ کامران ملک اب ارحام خانزادہ کی سلگتی آنکھوں میں دیکھتے مسکرایا تھا۔

ہم کوئی اور بات کرلیں۔۔ ارحام نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔۔

کوئی اور بھی بات کر لیں گے پہلے آج کی ہاٹ نیوز پر بات کر لیں۔اب کی بار فرہاب حیات بولا تھا۔

صفدر اور ایحان ملک نے اب ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔کامران نے فرہاب کو ہلکی سی آنکھ ونک کرتے مسکرایا تھا۔

فرہاب کے لبوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔کون سی ہاٹ نیوز ؟ارحام نے آئی بروا چکائے تھے. فرہاب حیات کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

سلطان شاہ آج بہت بڑی پارٹی تھرو کر رہا ہے۔۔جس میں پاکستان کا ہر چھوٹا بڑا بزنس مین انوایٹڈ ہے سوائے تمھارے۔۔۔کامران ملک نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

ارحام نے اپنے لب سختی سے بھینچے تھے۔۔۔

مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں انوائیٹڈ ہوں کہ نہیں۔۔اور مجھے سلطان شاہ کی پارٹی میں شریک ہونے کا کوئی شوق نہیں۔۔یہ پارٹی اور ہر اسے چھوٹے بزنس مین کو مبارک ہو جو سلطان شاہ کے بوٹوں کی دھول کو چاٹنے کے لیے مرا جا رہا ہے۔۔ارحام خانزادہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو فرہاب اور کامران ملک کے رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔۔

مجھے لگتا ہے مجھے جانا چاہیے میری فلائیٹ لیٹ ہو جائے گی۔۔ارحام خانزادہ نے اپنی رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے خشک لہجے میں کہا۔۔وہ دوست اور دشمن میں فرق جانتا تھا۔۔سامنے بیٹھے وہ دونوں اس کے دوست نہیں صرف بزنس حریف تھے۔۔وہ صرف اسے یہاں نیچے دکھانے آئے تھے۔۔جب اس کی کمپنی ٹاپ میں شامل تھی تب ان کے دلوں کا بغض حسد

چہروں پر نہیں آیا تھا۔۔ کیونکہ وہ تب اس کی حیثیت کے اگے جھکتے تھے۔۔ آج اس کی کمپنی کی حیثیت ختم ہونے کے بعد اس کی حیثیت بھی ختم ہو گئی تھی۔۔ ان لوگوں کا حسد بھی سامنے آ گیا تھا۔۔

دیر تو ہمیں بھی ہو رہی ہے۔۔ سلطان شاہ کی پارٹی میں شریک ہونا ہے۔۔ ایحان ملک کی بات پر ارحام کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ کامران ملک کے لب ہلکا سا مسکرائے تھے۔۔ اسے پورا یقین تھا اس کی اگلی بات پر سامنے بیٹھے انسان کی مسکراہٹ چھین لے گی۔۔

سنا ہے سلطان شاہ اپنی اکلوتی بیٹی حور سلطان شاہ کو سب سے انٹرڈیوس کروا رہا ہے۔۔ ایحان ملک کا اندازہ ٹھیک تھا یہ نام ہی سامنے بیٹھے انسان کی مسکراہٹ چھین چکا صتھا۔۔ ارحام چیئر سے ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا تھا۔۔

آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔۔

صرف سلطان شاہ اپنی بیٹی کو انٹرڈیوس نہیں کروارہا بلکہ حور سلطان شاہ کے منگیتر ساحر خانزادہ کو بھی اب باقاعدہ طور پر انٹرڈیوس کروایا جارہا ہے۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اب سرخی کی جگہ خون کی لالی اتری تھی۔۔

کامران ملک اور فرہاب حیات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر زہر خند انداز میں مسکرائے تھے۔۔

سامنے بیٹھے انسان سے وہ بے تحاشا حسد کرتے تھے۔وہ ارحام کی کمپنی سے پارٹنرشپ کرنے کے لیے کب سے خواہشمند تھے۔۔ مگر ارحام خانزادہ نے ان کی آفر ٹھکرادی تھی۔۔

سامنے بیٹھا انسان سلطان شاہ کا داماد تھا یہ انھیں اس دن پتہ چل گیا تھا جب ان دونوں کے پاس وہ ویڈیو کلپ آیا جس میں ارحام حور سلطان شاہ کو کلائی سے جکڑے سب کے سامنے لے گیا تھا۔۔

حور سلطان شاہ کی بے پناہ خوبصورتی اور سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے بزنس کی دنیا میں ہر کوئی ارحام خانزادہ سے حسا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔۔

سلطان شاہ اور ارحام خانزادہ میں کچھ ٹھیک نہیں ہے اس کی خبر بھی سب کو تھی اور سامنے بیٹھا انسان سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی کو لے کر کتنا پوزیسیو ہے وہ اس ویڈیو کلپ میں آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

ارے یہ ساحر خانزادہ وہی ہے ناں جو حور سلطان شاہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کا پرسنل باڈی گارڈ بن کر رہا۔۔ سنا ہے حور سلطان شاہ نے شرط

رکھی تھی وہ اسی صورت اس کی محبت قبول کرے گی جب وہ ایک عام باڈی گارڈ کی طرح اس کے آگے پیچھے پھرے گا۔۔اور سنا ہے ساحر خانزادہ نے اپنے اتنے بڑے سلیبرٹی ہونے کی پرواہ کیے بغیر حور سلطان شاہ کا گارڈ بن کر رہا۔۔ تصویر بھی چھپی لندن کے ٹایم لاین میں جس میں ساحر خانزادہ سر جھکائے حور سلطان شاہ کے لیے اس کی گاڑی کا دروازہ کھول رہا ہے۔۔اور سنا ہے بہت سے برینڈز سے ساحر خان کو ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

ارے ہاتھ دھونا ہی تھا ساحر خانزادہ جیسا یوتھ سینسیشن سٹار جب کسی لڑکی کا بیگ ہاتھ میں پکڑے اس کے آگے پیچھے پھرے گا تو کیا ریپوٹیشن رہ جائے گی۔۔اب کی بار فرہاب حیات نے کامران ملک کو دیکھتے اپنی بات مکمل کی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے ٹیبل پر رکھے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی جا رہی تھی۔۔وہ غیر مرئی نقطے کو سرخ آنکھوں سے دیکھ اپنی مٹھیاں بھینچے جا رہا تھا۔۔سفید سرخ گردن پھول رہی تھی۔مضبوط ہاتھوں کی موٹی نیلی رگیں بھی نمایاں ہونے لگی تھیں۔

لیکن ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پا لیا تھا۔۔سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔۔۔

بس۔۔۔ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے دھاڑتا ہوا اٹھا تھا۔۔

صفدر حیات اور ایحان ملک اچھل کر اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔ارحام خانزادہ کی دھاڑ صور پھونکنے جیسی دھاڑ تھی۔۔فرہاب

حیات اور کامران ملک کے ماتھے پر ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔۔

جیسا۔۔۔

بس۔۔۔ ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے دھاڑتا ہوا اٹھا تھا۔۔ فرہا حیات اور کامران ملک اچھل کر اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔ ارحام خانزادہ کی دھاڑ صور پھونکنے جیسی دھاڑ تھی۔۔ فرہاب حیات اور کامران ملک کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے فرہاب حیات کے چہرے پر زوردار مکہ جڑا تھا ۔جو کب سے اپنے غلیظ لبوں سے حور کا نام لے رہا تھا۔۔۔ وہ اوندھے منہ

کرسی پر جا گرا۔۔ ارحام طیش اولم میں فرہاب کی طرف بڑھا تھا۔ کامران ملک نے ٹیبل پر پڑا لیپ ٹاپ اٹھا کر ارحام کے سر پر پیچھے سے پوری قوت سے دے مارا تھا۔۔ لیپ ٹاپ کا کونا ارحام خانزادہ کے سر پر لگا تھا۔۔ خون کی دھار سر سے ہوتی ارحام کی کنپٹی پر بہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے مڑتے ہوے کامران ملک کے ناک پر اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ پوری قوت سے جڑ دیا تھا۔۔ اس کے ناک سے بھل بھل کرتا خون جاری ہوا تھا۔۔ ارحام نے اسے گریبان سے جکڑتے اسے ٹیبل پر پھینکا تھا۔۔ اس کے ناک پر اس نے کئی مکے جڑ دیے تھے۔۔ وہ طیش والم سے چیختے ہوے اسے بوری قوت سے مکے مارے جا رہا تھا۔۔ اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔۔ جس میں سب کچھ جلا کر بھسم کرنے کو دل کر رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے کچھ ہی سیکنڈ میں اس کا ناک نقشہ بگاڑ دیا تھا۔۔وہ درد سے کراہتے ہوے ادھ موا ہوا پڑا تھا۔ فرہاب حیات نے اکرسی سے اٹھتے ہوے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے جدید آٹو تیز دھار والا چھوٹا سا چاقو نکالتے ارحام خانزادہ کے بازو میں دے مارا تھا۔۔چاقو ارحام خانزادہ کے بازو میں پیوست ہوا تھا۔۔ارحام درد سے چلا اٹھا تھا۔۔ارحام خانزادہ نے مڑتے ہوے فرہاب حیات کو گریبان سے پکڑتے بوری قوت سے اس کے جبڑے پر پنچ مارا۔۔وار اتنا خطرناک تھا فرہاب کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔۔

کامران ملک تو ٹیبل کے پاس زمین پر پڑا بری طرح کراہ رہا تھا۔

۔ضاس میں اٹھنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔۔اس کی آنکھیں تک زخمی ہو چکی تھیں جہاں ارحام خانزادہ نے بے رحمی سے پوری قوت اور سفاکی سے مکے مارے تھے۔

ارحام خانزادہ نے اسی لمحے ٹیبل پر پڑا واز اٹھا کر اب فرہاب حیات کے سر پر پوری قوت سے دے مارا۔۔ شیشے کا واز ٹوٹ کر چکنا چور ہوا تھا۔ فرہاب حیات کا سر پھٹ گیا تھا

وہ چلاتے ہوے اپنے سر پر ہاتھ رکھتا زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے اسے زمین پر بیٹھتے دیکھا تھا۔۔۔

اس نے اسے گریبان سے پکڑ کر اکھڑا کرتے اپنے مقابل کیا۔۔

آئیندہ میری بیوی کا نام بھی تم دنوں کی گندی زبان پر آیا میں تم دونوں کی ناپاک سانسیں کھینچ ڈالوں گا۔۔ ارحام نے اس کے منہ پر زور دار پنچ مارتے ہوے اسے دور دھکیلا۔۔ وہ لڑکھڑاتے ہوے زمین پر جا گرا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے ٹیبل کی طرف بڑھتے وائرلیس اٹھا کر اپنے چوکیدار کو فون کرتے اسے آفس آنے کو کہا۔۔ ارحام نے ٹیبل پر بیٹھتے ہوے اپنے بائیں بازو کو دیکھا۔ جہاں چاقو پیوست تھا۔ اور خون بہہ رہا تھا جو اس کی سفید شرٹ کو داغدار کر چکا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے چیختے ہوے دائیں ہاتھ سے چاقو بڑی بے رحمی سے ایک ہی جھٹکے سے نکالا تھا۔۔

خون کا فوارہ بلند ہوا تھا اس کے بازو سے۔۔ درد کی شدید لہر نے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار کر دیے تھے۔۔ ارحام خانزادہ نے زخم پر ہاتھ رکھتے اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوے لب سختی سے دانتوں میں پیوست کیے تھے۔۔۔

چوکیدار دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر حیران ہوا تھا۔۔

کامران ملک اور فرحاب حیات زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔۔ ارحام ٹیبل کے کارنر پر بیٹھے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھے ہوے تھا۔۔ ارحام خانزادہ کے بازو اور سر سے تو خون بہہ ہی رہا تھا۔۔ آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا۔۔

ان دونوں کے غلیظ مردہ وجود کو کسی مصروف سڑک پر پھینک آؤ۔۔۔ کوشش کرنا ایسی سڑک پر انھیں پھینکنا جس پر ان کے وجود پر کوئی ٹرک یا گاڑی گزرتی انھیں کچل جائے۔۔۔ ارحام طیش والم میں پھنکارا تھا۔۔

گارڈ جلدی سے ڈرتے ہوے آگے بڑھا تھا۔ فرہاب کو بازوؤں سے پکڑتے گھسیٹتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔۔

ان دونوں کو یہاں سے لے کر جاؤ۔۔ اگر میں نے ایک سیکنڈ اور ان میں سے کسی کا چہرہ بھی دیکھا۔ میں اس آفس کو آگ لگا دوں گا۔۔ ارحام کامران ملک کو گھورتے غرایا تھا۔۔

چوکیدار نے اثبات میں سر ہلاتے ہوے دونوں کا ایک ایک بازو پکڑے انھیں گھسٹتے ہوے وہاں سے لے گیا۔

ارحام نے اپنی پاکٹ سے رومال نکال کر بے دردی سے اپنے زخمی بازو پر بہت سختی سے باندھا تھا۔

ٹیبل پر پڑے ٹشو باکسز سے ٹشو نکالتے ارحام خانزادہ نے اپنی کنپٹی سے بہتا خون صاف کیا تھا۔۔

ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پا لیا تھا۔۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔ عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔۔

فرہاب ملک کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو ارحام نے ٹیبل سے اٹھتے سیدھے ہوتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے گہرے سانس لیے تھے۔۔ تپش سے اس کا پورا وجود جھلس رہا تھا۔۔ رگوں میں خون ایسے دوڑ رہا تھا جیسے ابھی وینز سے نکل کر بھڑک کر باہر آ جائے گا۔۔ سینے میں بھانبھڑ جل رہے تھے۔۔ درد سے اس کی روح زخمی ہو چکی تھی۔

ارحام خانزادہ سیدھا ہوتے کھڑا ہوا تھا۔ ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے پوری قوت سے چلایا۔۔ اس کی چیخ سے آفس کے در و دیوار ہل چکے تھے۔

سنا ہے حور سلطان شاہ نے شرط رکھی تھی۔۔ وہ اسی صورت اس کی محبت قبول کرے گی۔ جب وہ ایک عام باڈی گارڈ کی طرح اس کے آگے پیچھے پھرے گا۔۔ اور سنا ہے ساحر خانزادہ نے اپنے اتنے بڑے سلیبرٹی ہونے کی پرواہ کیے بغیر حور سلطان شاہ کا گارڈ بن کر رہا۔۔ تصویر بھی چھپی تھی لندن کے جریدے میں۔۔۔ جس میں ساحر خانزادہ سر جھکائے حور سلطان شاہ کے لیے اس کی گاڑی کا دروازہ کھول رہا ہے۔۔

ارحام نے پاگلوں کی طرح شیشے کے ٹیبل پر مکہ مارا تھا پھر وہ مارتا چلا گیا تھا

۔۔۔

وہ میری محبت نہیں عشق ہے۔۔ میں اسے عشق بلاتا تھا۔۔ ساحر خانزادہ کے لفظ یاد آئے تھے۔۔۔

میرا نام عشق ہے۔۔۔اب حور کے لفظ یاد آئے تھے۔۔

بہت سے لفظ آپس میں گڈ مڈ ہوتے اسے پاگل کر رہے تھے۔۔

ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔۔

سب کچھ گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ مجھے عشق بلاتا تھا۔۔۔حور کے کپکپاتے لبوں سے نکلے لفظ یاد آئے تھے

۔ارحام نے اب کی بار پوری قوت سی چلاتے ہوے آفس کی چھت کو دیکھا

۔۔

میرے لیے یہ کانٹریکٹ یہ پیسہ کوئی معنی نہیں رکھتا اگر کچھ معنی رکھتی ہے

وہ جو ساحر خانزادہ کی روح میں رہتی ہے۔۔ارحام خانزادہ نے چیختے ہوے

ٹیبل پر پڑی تمام چیزیں ایک ہی جست میں زمین پر پھینک دی تھیں۔

اب اسے جیسے سب کچھ دو دو نظر آ رہا تھا۔۔ہت سے لفظوں کی بازگشت سنائی دیتی اسے پاگل کر رہی تھی..

اپنے بزنس حریف کے الفظ یاد آئے تو ارحام خانزادہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔ارحام خانزادہ پھر سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔

میں نے سنا ہے کہ ساحر خانزادہ کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار تھا۔۔جب سے وہ لڑکی اس کی زندگی سے گئی ہے۔۔وہ اسی طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔۔اب دیکھو اس لڑکی کے لیے پانچ سو کڑوڑ کو لات مار دی۔۔

ارحام نے نے اب کی بار اپنے آفس میں رکھی کرسیوں کو زور سے لات ماری تھی۔۔ان کرسیوں کو اٹھا کر اس نے آفس کے گلاس وال پر دے

ماری۔۔کارنر میں پڑی شیشے کی ٹیبل اٹھا کر اس نے پوری قوت سے زمین پر دے ماری تھی۔ ٹیبل کا شیشہ چکنا چور ہوا تھا۔

نشا سلطان کے الفاظ سماعتوں میں سنائی دیے تھے۔۔

میں سچ میں ساحر خان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مگر ساحر خان کسی اور کا دیوانہ نکلا. وہ سچ میں بہت لکی تھی۔۔ جتنی وہ خوبصورت تھی۔۔ اتنی ہی لکی کہ ساحر خانزادہ جیسا انسان اس پر مرتا ہے۔۔ مگر افسوس وہ جتنی خوبصورت تھی۔۔ وقت کے ساتھ وہ اتنی ہی بدقسمت ٹھہری کہ اس کی زندگی میں ساحر خانزادہ نہ رہا۔۔ اب ساحر خانزادہ جیسا بندہ کسی کی زندگی میں نہ رہے۔۔ وہ بدقسمت ہی ہو گا ناں۔۔۔۔۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔

ریپوٹیشن تو کھو دی مگر حور سلطان شاہ کی محبت تو پا لیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کو یہ لفظ صور کی طرح کانوں میں بجتے محسوس ہو رہے تھے۔۔

اپنے کانپتے ہاتھوں سے اپنی جیب سے سگریٹ اور لائیٹر نکال کر سگریٹ جلا کر اپنے لبوں میں دبایا تھا.

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

یہ عشق کی ہیں راہیں

میں جن پر چل رہا ہوں

اس آگ میں نجانے

کب سے جل رہا ہوں

اس نے گہرے سانس بھرتے سگریٹ کے گہرے کش لیے تھے.

میری زندگی میں آپ سے پہلے کبھی کوئی مرد نہیں آیا۔۔اس کے کپکپاتے لبوں کی جنبش یاد آئی تھی۔۔وہ اب تلخی سے ہنس دیا تھا۔۔پتہ نہیں اس نے کیسے اس پر اعتبار کر لیا تھا۔۔اچھی طرح جانتا تھا۔۔وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولتی ہے۔

جھوٹی ہو تم۔۔۔۔جھوٹی ہو تم۔۔۔۔تمھارا کچھ بھی سچ نہیں ہے حور خانزادہ۔۔۔تم سر سے پیر تک صرف فریب ہو۔۔ارحام غصے سے دھاڑا۔۔

لیکن ایک بات یاد رکھنا تم صرف ارحام خانزادہ کی ہو۔میری ملکیت میری ذاتی ملکیت۔۔۔۔سر سے پیر تک صرف میری۔۔میری ملکیت میری ہو

تم۔۔۔ارحام نے غراتے ہوے اپنے سینے پر پوری قوت سے اپنے ہاتھ کے مکے بنائے مارے۔۔

اور تم صرف میری ہو۔۔۔میں سچ کر کے دکھاؤں گا۔۔

آج کے بعد تم پر کسی غیر مرد کی نظر نہیں پڑے گی۔۔ تمھیں اب قید کر کے رکھوں گا۔۔ تمھارے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر تمھیں اپنے پاس رکھوں گا۔۔۔۔۔۔تم حویلی کی چار دیواروں سے نکلنے کو ترسو گی۔۔ کسی مرد کو دیکھنا تو دور کی بات اب کسی ذی روح کو بھی دیکھنے کو ترس جاؤ گی۔۔۔حویلی کا کمرہ ہو گا اور تم صرف ارحام خانزادہ کی ملکیت میں۔۔۔۔وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے جھکتے ہوے غرایا۔۔

آج مر جاؤں گا یا مار دوں گا۔۔۔۔۔سلطان شاہ۔۔۔۔۔وہ زخمی درندے کی مانند غرایا۔۔۔۔

نہیں مروں گا نہیں۔۔۔۔۔مجھے موت نہیں آسکتی۔۔۔۔۔کیونکہ میرے مرنے کے بعد بھی تمھیں کوئی دیکھے۔۔۔۔۔یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔۔اس لیے آج میں تمھاری جان لے کر رہوں گا۔۔ارحام نے آفس کی ٹیبل سے پسٹل نکالتے اسے لوڈ کرتے اپنی جیب میں ڈالی تھی۔۔وہ تیز تیز قدموں سے آفس سے نکل آیا تھا۔۔ڈالی تھی۔۔وہ تیز تیز قدموں سے آفس سے نکل آیا تھا۔۔

حور بلیک کلر کی سٹائلش سی فل سلیوڈ یلکیٹ سی میکسی میں ملبوس تھی۔۔جو اس کے خوبصورت بدن کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔۔

جو ایک بہت بڑے برینڈ نے حور سلطان شاہ کے لیے تیار کی تھی۔۔جس کے صرف ایک ہی سلیوز پر خوبصورت ساکٹ ورک تھا۔۔جس میں ڈائمنڈ

کے بیٹس لگے تھے. دوسرا سلیو بلکل سمپل تھا۔ مگر باریک سلیو سے اس کے دودھیا بازو جگ مگ کر رہے تھے۔۔ اس میکسی کی قیمت ڈالرز میں تھی۔۔ جس کی قیمت پاکستان میں کڑوڑوں روپے تھی۔۔

حور سلطان شاہ کے نازک سے بدن پر وہ میکسی قیامت ڈھا رہی تھی. اس کا سنگ مرر مرر سا بدن سمندر میں لہروں کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔ حور کی خوبصورتی میں اس کا بدن کا بہت پر کشش ہونا تھا۔۔ قیامت سے خدوخال تھے۔۔ دوپٹے کے بغیر اس کے بدن سے نظریں ہٹانا مشکل ہی ناممکن ہو جاتا تھا۔۔۔

مہر ماہ سے بھی زیادہ حسن اللہ نے حور سلطان شاہ کو دیا تھا۔۔ آنکھوں کی رنگت بیک وقت براؤن اور گرے شیڈ کا تاثر دیتی تھی۔ کاجل لگانے یا ذرا

سامیک کرنے سے اور وہ گہری اور پر کشش معلوم ہوتی تھیں۔۔اس وقت اس نے نے آنکھوں میں گہرا کاجل لگایا ہوا تھا۔۔

بالوں میں لوز کرل ڈلے ہوے تھے۔۔جو اس کی نازک کمر پر لہرا رہے تھے۔

۔آنکھوں پر بلیک سمو کی میک اپ کیے نیو ڈلپ سٹک لگائے وہ کوئی اپسرا معلوم ہو رہی تھی۔۔آج اس کی خوبصورتی کئی گنا بڑھ گئی تھی۔۔حور سلطان شاہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی پرسنل سٹائلسٹ اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔۔حور مرر میں اپنے دلکش بدن کو دیکھ رہی تھی جس کی رعنائیاں قیامت سی معلوم ہو رہی تھیں۔۔آج وہ بہت عرصے بعد ایسے تیار ہوئی تھی۔۔بلکہ پہلے کبھی ایسے تیار نہیں ہوئی تھی۔سلطان شاہ اس کے چودہ سال کے ہونے کے بعد اسے اپنے ساتھ پارٹیز میں نہیں لے

جاتے تھے۔اس کے ضد کرنے کے باوجود نہیں لے کر جاتے تھے۔۔حور کی خوبصورتی سے وہ بخوبی واقف تھے۔۔نازنین بائی کی وجہ سے بھی وہ اسے سب کی نظروں سے چھپا کر رکھتے تھے۔۔

مگر آج وہ اسے شاہ انڈسٹری کی کمپنی کی سی ای او کے بطور متعارف کروانا چاہتے تھے۔۔اسے اتنا طاقتور بنانا چاہتے تھے کہ نازنین بائی کا بھی مقابلہ کر سکے۔

مرر میں اپنے جلتے بکھیرتے حسن کی رعنائیاں دیکھتے حور کو حویلی کا وہ کمرہ یاد آیا تھا۔۔جہاں وہ اسے لپ سٹک نہیں لگانے دیتا تھا۔۔اسے ان ہونٹوں پر صرف اپنی شدت کا رنگ اچھا لگتا تھا۔۔

ہر رات وہ اس کے لیے اس کی پسند کی لائی ہوئی انتہائی شارٹ نائیٹیز پہنتے اس کی بانہوں میں قید ہوتی تھی۔۔اپنی پناہوں میں اسے لیے وہ ہر حد سے گزر جاتا تھا۔۔اس کے بدن پر وہ نازک نائیٹیز بھی نہیں رہنے دیتا تھا۔۔جب تک اس کی پناہوں میں قید رہتی تھی۔۔وہ اسے اس حلیے میں رکھتے اس کے بدن کا حصہ بنا رہتا تھا۔

مگر کمرے سے باہر وہ اس کے سر سے چادر بھی سرکنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

آئیندہ کسی غیر مرد کی تمھارے ایک بال پر بھی نظر نہ پڑے۔ تم گھر میں بھی نیٹ کا دوپٹہ نہیں اوڑھو گی۔۔ چادر یا ایسا دوپٹہ اوڑھو گی جس میں تمھارا ایک بال بھی نظر نہ آئے۔۔ لفظوں کی بازگشت سنائی دیں تو حور کی انگلیاں بے اختیار اس کے کرلنگ بالوں میں الجھی تھیں۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھا تھا۔ کانچ سی آنکھوں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

مجھے تمھارا گلٹ نہیں چاہیے۔۔ تمھاری وفا چاہیے میرے نزدیک عورت کی وفا یہ ہے وہ اپنے بدن پر کسی غیر مرد کی ایک نظر نہ پڑھنے دو۔۔ ڈھانپو اپنے بدن کو۔۔۔ یکدم وہ دھاڑا تھا۔۔ حور مرر میں دیکھتے لرز اٹھی تھی۔۔

کیا ہوا میم ؟؟ حور کی سٹالسٹ نے اسے لرزتے دیکھ کر پوچھا تھا۔۔

یہ میکسی کا گلہ ڈیپ نہیں ہے۔ حور نے اپنے گلے کو پکڑتے تھوڑا اوپر کیا۔۔

نو۔۔۔۔۔ میم آپ کے کہنے پر تو الریڈی یہ بہت چھوٹا رکھا ہے۔۔ اور بیک لیس بھی نہیں رکھی۔۔ ورنہ اگر اس اوٹ فٹ کی بیک بیک لیس ہوتی تو اور یہ اور بھی قیامت لگتی آپ پر۔۔ سٹایلسٹ حور کو تنقیدی اور رشک بھری نظروں سے دیکھتے بولی۔۔ اتنی مکمل خوبصورتی اس نے آج تک دیکھی نہیں تھی۔۔ پھر سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی ہونا۔ اس کے نزدیک سامنے کھڑی لڑکی خوش قسمت ترین لڑکی تھی۔۔

مگر اسے اس لڑکی کی آنکھوں میں نمی کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔

وہ گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھی۔۔پاس کھڑی حور کی میڈ کرسٹائن حور کے سینڈل پکڑے اس کے قدموں میں بیٹھ کر پہنانے لگی۔۔

حور اب اپنے سفید نرم و ملائم پیروں کو دیکھ رہی تھیں۔جو نازک سی بلیک ہیل میں بہت پرکشش لگ رہے تھے۔۔

تم سر سے لے کر پیر تک صرف ارحام حانزادہ کی ملکیت ہو۔۔اپنے پیروں پر اس ستم گر کا لمس یاد آیا تھا۔۔وقت کے ساتھ اس کی جنونیت اور اس کے پرتپش لمس کی شدت میں آضافہ ہی ہوا تھا۔۔اس کے پرتپش بوچھوں کی بوساڑ لبوں سے ہوتی پاؤں تک آگئی تھی۔۔ہر جگہ ہر پور پر اس کا لمس ہوتا تھا۔۔آفس کا وہ کمرہ یاد آیا تھا۔جہاں اس نے اپنی دیوانگی میں اس کے پور پور کو اپنے لبوں سے جھلساتے اسے بتایا تھا۔۔وہ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے۔۔

حور کی آنکھوں میں شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔

افففف۔۔۔۔ حور گہرے سانس لیتے اب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا چکی تھی۔۔

Are u ok maam??

کرسٹائن نے کھڑے ہوتے پریشانی سے پوچھا۔۔

آپ لوگ جائیں مجھے مزید ہیلپ کی ضرورت نہیں۔ حور نے سرد حکمیہ لہجے میں کہتے صوفے کی بیک سے ٹیک گائی۔۔

کرسٹائن اور حور کی پرسنل سٹایلسٹ سر اثبات میں ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

تم سا کوئی اس دنیا میں ہوا تو رب سے شکائت ہو گی

تمھیں چاہنے والا کوئی اور ہوا تو قیامت سے پہلے قیامت ہو گی۔۔

حور کی آنکھوں سے اب موتی ٹوٹ کر عارض پر بہہ رہے تھے۔۔وہ بے چینی سے ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔۔بدن کی لرزاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

تمھاری کسی بات پر میں یقین کروں یا نہ کروں۔۔اس بات پر یقین کر چکا ہوں. تمھاری زندگی میں آنے والا میں پہلا مرد ہوں۔۔اگر تم پر کبھی ایک نظر بھی کسی نے ڈالی ہوئی تو میں ساری دنیا کو آگ لگا دوں گا۔حور کی پرکشش گہری آنکھوں سے گرتے سیال مادے میں آضافہ ہو رہا تھا۔

سلطان شاہ دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوے تو حور نے جلدی سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں تھیں۔

سلطان شاہ کو دیکھتے وہ صوفے سے کھڑی ہوئی تو سلطان شاہ حور سے یکدم اپنی نظریں پھیر گئے تھے۔۔

یکدم مہرماہ ان کی نگاہوں کے سامنے آئی تھی۔ سلطان شاہ کی آنکھیں شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔۔

وہ رخ پلٹے اپنی بھیگی آنکھیں مسلنے لگے۔۔ حور مہرماہ کا ہی تو پر تھی۔۔ مگر وہ ہمیشہ دعا کرتے تھے ان کی بیٹی کی قسمت مہرماہ جیسی نہ ہو۔

پاپا کیا ہوا ہے ؟؟ حور تڑپتے ہوے ان کے مقابل آئی تھی۔۔ سلطان شاہ کی بھیگی آنکھیں اس نے دیکھ لی تھیں۔

کچھ نہیں۔۔۔ میری پرنسسز اتنی پیاری لگ رہی ہے کہ میری آنکھیں بھیگ اٹھیں۔ کہیں میری نظر ہی آج تمھیں نہ لگ جائے۔

سلطان شاہ خود پر قابو پاتے بولے تو حور کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

سلطان شاہ اسے اتنے عرصے بعد اپنے سامنے یوں کھکھلاتا دیکھ کر مسکرا اٹھے تھے. مگر ان کی گرے آنکھوں میں نمی نے شدت اختیار کی تھی۔ چھ ماہ اس کھل کھلاہٹ کو سننے کے لیے وہ روز جیتے تھے۔۔ روز مرتے تھے۔

انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کے گال کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھی تھی۔۔ حور کی بھیگی آنکھیں اب مزید بھیگ اٹھی تھیں۔۔ سلطان شاہ اور حور دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

پاپا ہمیشہ صرف آپ کی نظروں نے مجھے بیمار کیا ہے۔۔ مجھے صرف آپ کی نظر لگتی ہے۔۔ آج میرا صدقہ دے دیں یہ نہ ہو مجھے کچھ ہو جائے۔۔

حور کی بات پر سلطان شاہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔۔

تمھیں کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ تم سلطان شاہ کی بیٹی ہو۔۔ تم پر آنے ہر والی آنچ کا سامنا پہلے سلطان شاہ کرے گا۔۔ سلطان شاہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔۔ نظروں کے سامنے مہر ماہ کا خون میں لت پت وجود آیا تھا۔۔

اور ساتھ ہی نظروں کے سامنے ارحام خانزادہ کی جنونی نگاہیں یاد آئی تھیں۔ سلطان شاہ کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی جا رہی تھیں۔۔ سب کچھ قبول تھا وہ پہاڑی خان اپنی بیٹی کی زندگی میں قبول نہیں تھا۔۔

پاپا مجھے کچھ نہیں ہو گا میں جانتی ہوں۔۔ کیونکہ میرے پاس سلطان شاہ جیسا باپ ہے۔۔۔ مجھے دنیا کی کوئی طاقت آنچ نہیں پہنچا سکتی۔۔

مگر جس بیٹی کے پاس سلطان شاہ جیسی حیثیت والا باپ نہیں ہو تو اسے تو کوئی بھی مار سکتا ہے۔۔۔۔۔ ہے ناں پاپا۔۔۔ حور نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں سوال داغا تھا۔۔ اس کی ماں مہر ماہ کا بھی تو کوئی نہیں تھا۔۔ تبھی تو اس کے باپ سلطان شاہ نے اسے مار دیا تھا۔۔

حور کے سوال پر وہ نظریں چرا گئے تھے۔۔۔ نظروں کے سامنے پھر سے مہر ماہ کا خون میں لت پت وجود آیا تھا۔۔

اس کا تو بھی کوئی نہیں تھا سوائے اس کے۔۔۔۔۔اپنی گود میں اس کی آخری ہچکیاں یاد آئی تھیں۔سلطان شاہ نے کرب سے اپنی آنکھیں میچیں۔

حور کی آنکھوں سے بھی موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔سامنے کھڑا انسان اس کا جان سے پیارا باپ نہ ہوتا وہ اپنی ماں کے قتل کا بدلہ ضرور لیتی۔۔مگر سامنے کھڑے انسان میں اس کی سانسیں بستی تھیں۔۔بچپن سے ہی تو اتنے قریب رہی تھی۔۔راتوں کو جاگتے دیکھا تھا۔۔کمرے کے باہر گھنٹوں کھڑا دیکھا تھا۔۔۔گھنٹوں لگ جاتے تھے اسے کھانا کھلاتے ہوے۔۔وہ بچپن سے اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔۔۔وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے بھاگ جاتی تھی۔۔وہ بنا غصہ کیے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے کھانا کھلاتے تھے۔

میٹنگز میں ان کے ساتھ جاتی تھی۔۔ میٹنگ روم کے ساتھ ایک الگ کمرہ اس کے لیے بک کروایا جاتا۔۔ اس کا باپ میٹنگ روم میں بھی بیٹھ کر اسے مانیٹر کرتا رہتا۔۔

وہ دوسرے روم میں بیٹھی سلطان شاہ کو کمرے میں لگی سکرین پر دیکھتی رہتی۔۔۔ وہ میٹنگ روم میں بیٹھے ہر تھوڑی دیر بعد اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سکرین پر اسے دیکھتے سب سے بچتے بچاتے فلائنگ کس کرتے تو وہ سکرین پر انھیں یہ سب کرتے دیکھتے کھلا کھلا کر ہنس پڑتی تھی۔۔ وہ ہر میٹنگ سے پہلے ان سے وعدہ لیتی تھی کہ وہ اتنی فلائنگ کس اسے ضرور کریں گے۔۔ ایک بھی کم نہیں ہونی چاہیے۔۔ اگر ایسا ہوا وہ ان سے کبھی بات نہیں کرے گی۔۔ میٹنگ روم میں بیٹھے ان کا میٹنگ پر دھیان کم ہوتا تھا۔۔ فلائنگ کسسز گننے میں ان کا دھیان زیادہ ہوتا تھا۔۔ اس وقت وہ ان

کی حالت بہت انجوائے کرتی تھی۔۔ مگر اس وقت بھی کھلا کھلا کر ہنستے ہوے اس کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ ایسا باپ واقعی میں کسی کا نہیں تھا۔

ان چھ مہینوں میں ہر سانس کے بعد اس نے سلطان شاہ کو یاد کیا تھا۔۔

اس قیامت رات میں بھی اس نے سسکیوں کے ساتھ خدا کے بعد صرف سلطان شاہ کو پکارا تھا۔۔ یقین نہیں آتا تھا جو انسان اپنی بیٹی کے لیے ایسا تھا وہ اپنی بیوی کو کیسے مار سکتا ہے۔۔

سلطان شاہ نے آنکھیں کھولتے مسکراتے ہوے حور کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔۔ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے وہ کمرے سے نکل گئے تھے۔۔

پارٹی کی گہما گہمی عروج پر تھی۔۔۔بہت گرینڈ پارٹی تھی۔۔یہ پارٹی سلطان شاہ کے بہت بڑے فارم ہاؤس میں منعقد کی گئی تھی۔۔یہ فارم ہاؤس کا بہت بڑا گرینڈ اور لیوش ہال تھا۔خوبصورت جدید لائٹس اور مرر فلور اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگائے ہوئے تھا۔۔مدھم سا میوزک چل رہا تھا۔۔فریش اور سفید پھولوں کی ہر طرف ڈیکوریشن کی ہوئی تھی۔۔کافی تعداد میں لوگ انوائٹڈ تھے۔۔نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔

حور ایک کارنر میں کھڑی یہ سب بیزاری سے دیکھ رہی تھی۔۔سلطان شاہ اسے سب سے انٹرڈیوس کروا چکے تھے۔وہ اب سب سے ایکسکیوز کرتے اور سلطان شاہ سے آجازت لے کر کسی پر سکون جگہ پر آئی۔۔

حور نے ہال میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔سلطان شاہ دور کھڑے بھی اسے اپنی نظروں کے حصار میں رکھے ہوئے تھے۔۔حور انھیں دیکھتے

زبردستی مسکرائی تھی۔۔سلطان شاہ بھی اسے دیکھتے جوابًا مسکرائے تھے ۔حور گہرا سانس لے کر رہ گئی تھی۔۔خود پر سب کی نظریں اسے بری طرح چبھ رہی تھیں۔۔پارٹی میں آئے ہر کسی کی نظریں اس پر ہی تھیں۔حور لب کاٹتے سب کی نظریں خود پر برداشت کر رہی تھی۔۔جو اسے نجانے پتہ نہیں کیوں جھلسا سی رہی تھیں۔۔

اپنی چادر کا خیال رکھا کرو۔۔۔۔آئندہ میں تمھیں لاپرواہی برتتا نہ دیکھوں۔۔اس کی سرد آواز کانوں میں سنائی دی تھی۔۔حور کو اپنی سانسیں الجھتی محسوس ہوئیں۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی سانسیں واقعی میں الجھ گئی تھیں۔۔اس نے بے یقینی سے سامنے دیکھا تھا۔

ساحر خانزادہ۔۔۔۔اس کے کپکپاتے لبوں نے بے اختیار جنبش کی تھی۔۔

وہ سفید ڈنر سوٹ میں ملبوس اپنی تمام تر وجیہ پرسنیلٹی لیے مسکراتے ہوے سلطان شاہ سے ہاتھ ملا رہا تھا۔۔

سلطان شاہ اگے بڑھتے اسے گلے سے لگا گئے تھے۔۔

وہ دور سے بھی ان سبز آنکھوں میں نمی دیکھ سکتی تھی

حور جلدی سے رخ موڑ گئی۔۔ساحر خانزادہ بھی اس پارٹی میں آرہا ہے ۔۔اسے اس بات کی خبر نہیں تھی۔۔سلطان شاہ کا ساحر خانزادہ کو گلے سے لگانا اور اس پارٹی میں بلانا وہ سب سمجھ چکی تھی کہ سلطان شاہ کیا چاہتے ہیں؟؟۔۔وہ سب سمجھ گئی تھی۔۔

حور نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیے۔۔وہ اب اس پارٹی میں آکر پچھتا رہی تھی۔۔اس انسان کو ذرا بھی خبر ہو گئی ساحر خان سے اس کا کیا تعلق رہ چکا ہے؟؟تو وہ قیامت بھرپا کر دے گا۔۔اور جو بھی تھا وہ ارحام خانزادہ کی ابھی تک عزت تھی۔۔اس کے نکاح میں تھی اور ساحر خان سے اس کا ایک تعلق رہ چکا تھا۔۔اسے یہ سب ٹھیک نہیں لگا تھا۔

حور خاموشی سے لب بھینچے کاونٹر سے ٹیک لگائے اپنے خیالوں میں گم کھڑی تھی کہ ساحر خانزادہ کب اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔۔

یہ لو۔۔۔۔ساحر خان نے ہاتھ میں پکڑے ڈرنک کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔۔

ساحر کی آواز پر حور نے چونکتے ہوے اسے دیکھا تھا۔۔وہ اس سے تھوڑا دور ہو کر کھڑی ہوئی تھی۔۔ساحر خان اسے دور ہوتا دیکھ کر زخمی سا مسکرا گیا تھا۔

مجھے نہیں چاہیے اور تم جانتے ہو میں وائن نہیں پیتی۔۔۔حور نے آہستگی سے کہتے اپنی نگاہوں کا زاویہ پھیرا۔۔

جانتا ہوں تم وائن نہیں پیتی۔۔اور تم بھی جانتی ہو میں بھی وائن نہیں پیتا۔۔۔ساحر نے پھیکا سا مسکراتے ہوے وہ گلاس کاونٹر پر رکھا۔۔

حور خاموشی سے کھڑی سامنے دیکھ رہی تھی۔۔اسے ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔۔

حور پتہ ہے میں نے یہ گلاس کیوں پکڑا تھا؟؟۔ساحر خان نے اسے بغور دیکھتے پوچھا۔۔

پتہ نہیں۔۔۔۔۔۔وہ ساحر خان کو دیکھتے پھر سے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔اس کے بار بار نظریں پھیرنے پر ساحر خان کی آنکھوں کی نمی بڑھتی جارہی تھی۔۔

مجھے لگا تھا تم میرے ہاتھ میں یہ گلاس دیکھ کر کہو گی کہ تم نے یہ کب سے پینا شروع کر دی اور میں جوابًا کہوں گا جب سے تم دور ہوئی۔۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تم نے سیدھا ہی کہہ دیا کہ تم نہیں پیتی۔۔۔ساحر خان اب کی بار ہلکا سا ہنسا تھا۔

ساحر خان نے اپنی پاکٹ سے سگریٹ نکال کر اسے لائٹر سے جلاتے لبوں سے لگایا۔۔

حور اب بھی سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی سامنے دیکھ رہی تھی۔۔

پوچو گی نہیں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔۔ تمھاری قسم کھائی تھی۔۔ مر جاؤں گا سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ مگر آج سگریٹ کو نہ صرف ہاتھ لگا رہا ہوں۔۔ بلکہ پی بھی رہا ہوں۔ ساحر خان نے اسے دیکھتے ایک اور سوال داغا۔

ایک وعدہ میں نے بھی تم سے کیا تھا کہ مر جاؤں گی مگر تمھارے علاوہ کبھی کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھوں گی۔۔ میں ہمیشہ تمھاری رہوں گی۔۔ مگر میں آج کسی کی ہو چکی ہوں۔۔ شائد وعدے توڑنے کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ حور کی آواز میں شبنم سی گھلی تھی۔

وعدے تو نبھانے کے لیے ہوتے ہیں۔۔ میں نے اس وقت تمھاری قسم کھائی تھی۔۔ میں سگریٹ نہیں پیوں گا۔۔ مگر دل میں اپنے خدا سے یہ دعا

کی تھی کہ اگر کبھی میں سگریٹ کو ہاتھ لگاؤں تو تمھیں کچھ نہ ہو۔۔۔میری جان چلی جائے یہ وعدہ توڑنے پر۔۔ساحر کی بات پر حور نے یکدم اسے دیکھا تھا۔۔وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا سامنے دیکھ رہا تھا۔۔

جب سے تم مجھ سے دور گئی ہو۔میں سگریٹ پیتا ہی اس لیے ہوں کاش میری دعا جلد قبول ہو جائے۔۔۔ساحر خان سگریٹ لبوں سے نکالتے زخمی سا مسکراتے ہوے حور کی گہری آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

اور ہر وعدہ صرف تم نے توڑا ہے۔۔میں تو آج تک وہیں پر کھڑا ہوں ۔۔۔جہاں تم چھوڑ کر گئی تھی۔۔۔ساحر خان سگریٹ کا دھواں حور کے چہرے پر چھوڑتا سلگتے لہجے بولا۔۔حور پھر سے نظریں پھیر گئی تھی۔

نظریں مت چراؤ حور۔۔۔۔جواب دو مجھے۔۔۔۔کیوں اعتبار نہیں کیا مجھ پر؟؟۔۔۔کیسے تم نے یقین کر لیا کہ میں تمھیں چھوڑ سکتا ہوں۔۔ساحر

خان نے اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کرتے غراتے ہوے سوالوں کی بوچھاڑ کی تھی۔۔

میں تم پر یقین کرتی یا نہ کرتی یہ سب کچھ اس رات ہونا ہی تھا۔۔ حور نے اپنا بازو چھڑواتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

کیا ہوا تھا اس رات حور؟؟ کس نے مجبور کیا تمھیں سلطان مینشن چھوڑنے پر۔۔۔ ساحر خان پھر سے اس کا بازو جکڑ گیا تھا۔

کیا کرو گے جان کر؟؟ حور کی آنکھوں کی نمی کے ساتھ لہجے کی بھی نمی بڑھی۔۔

آگ لگا دوں گا حور اس انسان کو جس نے تمھارے ساتھ کچھ بھی غلط کیا۔ ساحر خان کی غراہٹ بڑھی تھی۔

جانے دو سب کچھ۔۔۔اب کوئی فائدہ نہیں۔۔اب میں اپنے پاپا کے پاس ہوں۔۔وہ مجھے چھوڑ کر کبھی کہیں نہیں جائیں گے۔۔اب مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔حور سپاٹ انداز میں کہتے رخ موڑ گئی تھی۔

تو تم نہیں بتاؤ گی..ساحر خان نے اس کی پشت دیکھتے جبڑے بھینچتے پوچھا۔۔

میں اپنی زندگی کی وہ تلخ رات یاد نہیں کرنا چاہتی۔۔حور سرد لہجے میں کہتے آگے بڑھی۔

اور مجھے وہی ایک رات یاد رہ گئی ہے۔۔جس رات نے تمھیں مجھ سے چھین لیا تھا۔جی کرتا ہے آگ لگا دوں ساری دنیا کو جس جس نے تمھیں مجھ سے دور کیا۔۔ساحر خان کی آواز میں نمی محسوس کرتے حور کے قدم رکے تھے۔

زرمش کو اس کا حق دے دو ساحر۔۔۔۔۔۔ حور نے پلٹتے ہوے اس کی سبز آنکھوں میں چھپی نمی کو بغور دیکھتے کہا۔

تم ارحام سے طلاق کب لے رہی ہو؟؟ ساحر نے سامنے دیکھتے سپاٹ لہجے میں پوچھا تھا۔۔

میرے سوال کا یہ جواب نہیں ہے۔۔ حور نے جھنجھلاتے ہوے غصے سے کہا۔ تو میرے سوال کا بھی یہ جواب نہیں ہے۔۔ وہ یکدم چیخا تھا۔۔

حور اس کے چیخنے پر لب کاٹتے خاموش ہو گئی تھی۔

تم کیوں چاہتی ہو میں اسے اس کا حق دوں؟؟

ساحر خان نے اس کے قریب ہوتے حور کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے پوچھا۔۔

کیونکہ وہ تمھاری بیوی ہے۔ حور نے اپنی بھیگی آنکھیں اس کی سبز آنکھوں میں گاڑھیں۔

جب وہ میرے نکاح میں آئی مجھے اس کی خبر بھی نہیں۔۔ یعنی نکاح کے بولے ہوے مجھے وہ تین بول لفظ بھی یاد نہیں۔۔ سنا ہے نکاح کے لفظوں میں بہت طاقت ہوتی ہے۔۔ یہ لفظ دلوں میں محبت ڈال ہی دیتی ہے۔۔ مگر میں اپنے دل میں آج تک زرمش کے لیے کوئی جذبہ محسوس نہیں کر سکا۔۔ میں نے وہ تین لفظ ہر رات ہر دن ہر پل خیالوں میں تمھارا چہرہ دیکھتے بولے ہیں۔۔ کیونکہ میں تمھیں دل سے اپنی محرم مان چکا تھا۔۔ اور میرے

دل میں تمھیں بولے گئے ان تین لفظوں کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ کوئی اور لفظ اثر ہی نہیں کرتے۔۔

کون سے تین لفظ؟؟۔۔۔۔۔۔۔۔ حور کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔۔

آئی لو یو۔۔۔۔ ساحر خان کے منہ سے یہ لفظ سنتے حور کا چہرہ یکدم سرخ ہوا ۔۔۔ عجیب سی چابک پڑی تھی اسے۔۔ ساحر خان کے لبوں سے یہ لفظ اچھے نہیں لگے تھے۔۔

ساحر خان۔۔۔۔ میں نے ہمیشہ دیکھا تم خود سے بڑھ کر دوسروں کی عزت کرتے ہو۔۔ مگر آج تمھارے بولے گئے ان تین لفظوں نے مجھے میری

نظروں میں گرا دیا ہے۔۔ میں کسی کی بیوی ہوں۔۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟؟ حور ساحر خان کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

تم ڈائیورس لے رہی ہو ارحام سے۔۔۔ ساحر خان نے سپاٹ لہجے میں کہتے سگریٹ ہتھیلی میں دبایا تھا۔۔ اس کے بار بار خود کو کسی کا کہنا اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔۔

تم سے یہ سب پاپا نے کہا ہے۔۔ حور نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

جس نے بھی کہا حقیقت تو یہی ہے۔۔ تم ارحام خانزادہ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔۔ ساحر نے سگریٹ ہتھیلی میں دباتے ہوے حور کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔۔

نہیں رہنا چاہتی اس کے ساتھ۔۔۔۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہا۔۔ مگر اسے چھوڑنے کے بعد تمھارے پاس بھی واپس نہیں آنا چاہتی۔۔۔ حور نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں۔ اس کے جواب پر ساحر خان کی آنکھوں میں جلن کی رمک نے شدت اختیار کی تھی۔۔

ارحام خانزادہ ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے سلطان شاہ کے فارم ہاؤس پہنچا تھا۔۔ سامنے ہی سلطان شاہ کے فارم ہاؤس کا بہت بڑا آہنی گیٹ تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنا کوٹ ساتھ والی سیٹ سے اٹھاتے ہوئے دانت پر دانت جمائے مشکل سے پہنا۔۔ بازو میں درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پورا

بازو جیسے جھنجھنا رہا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے کوٹ پہنتے ہوے ایک ہاتھ سے

سٹیرنگ سنبھالا۔۔۔ ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو باکس سے ارحام خانزادہ نے

اپنی کنپٹی سے بہتا خون ایک بار پھر سے صاف کیا تھا۔۔ سر پر اچھا خاصہ زخم

آیا تھا۔۔ جہاں سے مسلسل خون رس رہا تھا۔۔ شرٹ بھی خون الود ہو چکی

تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی شرٹ کو دیکھتے ڈیش بورڈ پر پڑا انوٹیشن کارڈ

دیکھا تھا۔ جو اس کے چوکیدار نے اس کے کہنے پر کامران ملک کی کوٹ کی

پاکٹ سے نکالا تھا۔۔ یہ ایک جدید سکیورٹی انوٹیشن کارڈ تھا۔۔ جو سلطان شاہ

کی طرف سے پارٹی میں مدعو کیے گیے ہوے مہمانوں کو موصول ہوا تھا۔۔

اس کے بغیر فارم ہاؤس میں اینٹری ناممکن تھی۔۔ اور گاڑی کی ونڈ سکرین پر

بھی ایک مخصوص سٹیکر کا ہونا لازمی تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے فرہاب حیات

کی گاڑی سے وہ سٹیکر بھی اتار کر اپنی گاڑی پر چپکا دیا تھا۔۔ سٹیکر دیکھتے ہی

ارحام خانزادہ کی گاڑی کو اندر داخل ہونے دے گیا دیا تھا۔۔۔ گیٹ کے اطراف میں سکیورٹی گارڈز کی ایک لمبی قطار تھی۔ جنھوں نے اچھی طرح چیک کرتے گاڑی فارم ہاؤس کے احاطے میں داخل ہونے دی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی ملیوں پھیلے فارم ہاؤس میں داخل ہوئی تو اسے گارڈز کے کہنے پر رکنا پڑا تھا۔۔ آگے فارم ہاؤس کا وہ ایریا شروع ہوتا تھا۔۔ جہاں پارٹی منعقد تھی۔۔ اور وہاں بھی بہت سے گارڈز کھڑے تھے.

ارحام خانزادہ گاڑی سے اترا تو وہاں کھڑے شوفر نے آگے بڑھتے اس سے گاڑی کی چابی لے لی تھی۔۔ اور اس کی گاڑی میں بیٹھتے وہ وہاں سے پارکنگ ایریا لے گیا تھا۔۔

ارحام خانزادہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے کوٹ کے بٹن بند کرتے آگے بڑھا۔۔ بازو سے نکلتے خون نے اس کی شرٹ اچھی خاصی داغدار کر دی

تھی۔۔ کوٹ کے بٹن بند کرنے پر بہت حد تک اس کی داغدار شرٹ کور ہو گئی۔۔۔ مگر آنکھوں میں خون ویسے ہی اترا ہوا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ مارتے ہوئے پسٹل چیک تھی۔ جو اس نے اپنی کوٹ کے اندر والی پاکٹ میں رکھی تھی۔

وہ سامنے سکینگ مشین کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

اسے پورا یقین تھا۔۔ اسے سیکنگ مشین سے گزرتے ہوئے اس پسٹل کو اندر لے جانے نہیں دیا جائے گا۔۔ اسے اور ہر حال میں یہ پسٹل چاہیے تھی۔۔ اس دشمن جان کے سینے میں یہ گولیاں اتارنی تھیں۔۔ جو سر عام اس کی عزت کے ساتھ کھیل رہی تھی۔۔

آج پارٹی میں سلطان شاہ حور سلطان کے منگیتر ساحر خانزادہ کو باقاعدہ طور پر انٹرڈیوس کروا رہا ہے۔۔ کامران ملک کے الفاظ اس کی سماعتوں میں

ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ کے مضبوط ہاتھ کا دباؤ کوٹ کے اندر پسٹل پر بڑھتا جا رہا تھا۔۔ آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے وہ پسٹل کوٹ سے نکالتے فارم ہاوس کے گراونڈ میں دور اچھال دی تھی۔۔ پسٹل فارم ہاؤس کے سومنگ پول میں جا گری تھی۔

اس پسٹل کے ساتھ وہ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ اسے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ وہ یہ بھی جانتا تھا۔

ارحام خانزادہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھا۔۔ پارٹی حال کے اینٹرس پر سکیورٹی گارڈ کھڑے تھے۔۔ وہ اپنی چیکنگ کرواتے انوٹیشن سکیورٹی کارڈ کی بدولت وہ آسانی سے اندر داخل ہو گیا تھا۔۔

اندر داخل ہونے پر ایک گارڈ کی طرف بڑھتے ارحام خانزادہ نے سگریٹ پاکٹ سے نکال کر لبوں میں دبایا۔۔ اتنی سکیورٹی دیکھ کر ارحام خانزادہ کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ آخر سلطان شاہ کو کس سے ڈر تھا؟؟ وہ اپنی بیٹی حور خانزادہ کو لے کر اتنا کیوں حساس تھا؟؟ اپنے ہی دل میں اٹھتے سوالوں پر اس کے لبوں پر بکھری استھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔

وہ بھی تو حور خانزادہ کو لے کر اتنا ہی حساس ہی تھا۔

ارحام نے لب بھینچتے اپنے پینٹ کی دونوں پاکٹ میں ہاتھ مارتے ہوے کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس گارڈ کی طرف دیکھا تھا۔۔ گارڈ بھی جوابًا مسکرایا تھا۔۔

لائیٹر ہو گا تمھارے پاس؟؟۔۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے پوچھا۔ اس نے جوابًا مسکراتے ہوے اپنی جیب سے لائیٹر نکال کر ارحام خانزادہ کو پکڑایا۔۔۔ جسے ارحام خانزادہ نے پکڑتے سگریٹ جلا کر گہرا کش لیا۔۔

سگریٹ کا گہرا کش لیتے وہ لائٹر گارڈ کو واپس کرتے وہ گارڈ کو گلے سے لگا گیا تھا۔۔ اور نامحسوس انداز میں اس کی بیلڈ میں لگی چھوٹی سی پسٹل نکالتے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالی۔۔۔

بہت شکریہ اصل میں سگریٹ کی بہت طلب ہو رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ نے اس سے الگ ہوتے مسکراتے ہوے اس کی الجھن بھری آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔ گارڈ کی الجھن بھری آنکھوں کو مسکراتے ہوے دیکھتے وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔ جہاں یہ شاندار لیوش پارٹی منعقد تھی۔۔

جہاں وہ دشمن جاں بھی تھی جس کے سینے میں وہ گولیاں مار کر اپنے سینے میں جلتی آگ ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔۔

پارٹی ہال میں داخل ہوتے ہی ارحام خانزادہ کی سرد سرخ نظریں اس دشمن جان کی تلاش میں تھیں۔۔۔جو اس کی عزت کا سر عام تماشہ بنا رہی تھی۔پارٹی میں لوگوں کی تعداد کافی تھی۔۔وہ اپنے بازو کو جھٹکتے ہوے آگے بڑھا۔۔کوٹ کی وجہ سے زخمی بازو میں شدید کھچاؤ پڑ رہا تھا۔۔

یکدم ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں خون کی لالی نے شدت اختیار کی تھی۔۔اس کے قدم رکے تھے۔۔وہ بلیک میکسی میں اپنے بدن کی رعنائیوں سمیت ساحر خانزادہ کے قریب کھڑی تھی۔۔وہ اس کے چہرے کو دیوانوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔۔ارحام خانزادہ کا فشار خون بلند ہوا تھا۔۔سینے میں جلتی

آگ مزید بھڑک گئی تھی۔۔۔وہ اپنے لب دانتوں تلے پیوست کیے حور کو اپنی خونخوار نگاہوں کی مرکز میں لیے ہوے تھا۔۔

لیکن ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔۔ خنجر کی طرح یہ لفظ اس کے سینے میں آر پار پیوست ہو رہے تھے۔اسے چین ہی نہیں لینے دے رہے تھے۔۔ایسے لگتا تھا جیسے کوئی لاوے کی بالٹیاں بھر بھر اس کے وجود پر ڈالتے اسے جھلسانے کے ساتھ داغدار بھی کر رہی ہو۔۔وہ اس تپش سے تڑپ کر مرنے والا ہو گیا تھا۔

وہ تیزی سے حور کی طرف بڑھا تھا کہ سلطان شاہ اس کے راستے میں حائل ہوا۔

کہاں جا رہے ہو تم ؟؟ تمھاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی ؟؟۔ سلطان شاہ اسے دیکھتے غرائے تھے۔

سلطان شاہ تمھاری ہمت کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی ؟؟ میری عزت کا سر عام تماشہ بنانے کی۔۔۔ ارحام بھی جوابًا غرایا تھا۔۔

تماشہ تم بناؤ گے۔۔ اگر تم نے یہاں کچھ بھی کیا۔۔ اس لیے خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ۔۔ سلطان شاہ ذرا سا

مڑتے حور کو دیکھتے ارحام خانزادہ سے سرد آواز میں بولے۔۔ آواز انہوں نے آہستہ رکھی ہوئی تھی۔۔ وہ نہیں چاہتے تھے پارٹی میں تماشہ لگے یا پھر حور ارحام خانزادہ کو دیکھے۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں خون اترا دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے۔۔ یہ ناممکن تھا۔۔ وہ انسان اتنی آسانی سے یہاں سے جانے والا نہیں تھا۔۔ وہ اندر داخل کیسے ہوا وہ تو اس بات پر حیران

تھے۔۔ اسے تو اس وقت لندن کی فلائٹ میں بیٹھے ہونا چاہیے تھا۔ سلطان شاہ نے حمدانی کو گھور کر دیکھا۔۔ جو وائن پر وائن کے گلاس چڑھا رہا تھا۔

مطلب اپنی عزت اپنی بیوی کو یہاں ہر مرد کی نظروں کی آنکھوں کی زینت بنتے دیکھ کر بے غیرتوں کی طرح خاموش ہو جاؤں۔۔ یہ تمھارے ہاں ہوتا ہو گا اپنی بیوی بیٹی کو ایسے پارٹی میں اشتہار بنتے دیکھ کر فخر محسوس کرنا۔۔ مگر ہمارے ہاں نہیں ہوتا۔۔ ہمارے ہاں عورت سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوتی ہے۔۔ مر جاتی ہے کسی غیر مرد کے سامنے بغیر چادر کے جانے کا سوچ نہیں سکتی۔۔ اگر وہ ایسا کبھی غلطی سے بھی کر جائے تو اس کی سزا موت ہے۔ جو آج میں آپ کی بیٹی کو دینے آیا ہوں۔۔۔ ارحام خون اتری آنکھوں سے سلطان شاہ کو دیکھتے غرایا تھا۔۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کے بارے میں یہ بکواس کرنے کی؟؟۔۔۔سلطان شاہ دھاڑتے ہوے ارحام خانزادہ کا گریبان پکڑ گیے تھے۔۔

سلطان شاہ کی دھاڑ پر پارٹی میں سب ان کی طرف متوجہ ہوے تھے۔۔حور کی نظریں بھی سلطان شاہ کی طرف اٹھیں تھیں۔

یکدم حور کی رنگت خوف سے زرد پڑی تھی۔۔سلطان شاہ کے مقابل کھڑے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔

ساحر خان اسے سنبھالنے کے لیے اس کی طرف بڑھا۔۔

میرے قریب مت آنا۔۔۔۔مجھے ہاتھ مت لگانا۔۔۔حور ارحام خانزادہ کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھتے خوفزدہ لہجے میں بولتے پیچھے کو ہوئی تھی

ساحر حور کے چہرے پر شدید خوف دیکھ کر پریشان ہوا۔۔ حور اب لرزتے ہوے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس نے ایک ہی جھٹکے سے سلطان شاہ کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑوایا تھا۔۔

تمھیں میں نے صرف اپنی بیٹی کی وجہ سے برداشت کیا۔۔ جس نے مجھے اپنی قسم دی تھی کہ میں تمھاری جان بخش دوں۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔۔ اب میری پسٹل کی نکلی گولی ہو گی تمھارا سینہ۔۔۔۔۔ سلطان شاہ حلق کے بل گرجے تھے۔۔

ہال میں بجتا میوزک بند ہو چکا تھا۔۔ سب اب صرف سلطان شاہ اور ارحام خانزادہ کی طرف متوجہ تھے۔۔

افسوس سلطان شاہ تمھیں برداشت کرنے کے لیے مجھے کسی نے قسم نہیں دی۔۔۔ تم تو مجھے مارنے کا سوچ رہے ہو۔۔ میں یہ کر بھی گزروں گا۔۔ تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا آج میں۔۔۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنے کوٹ کی پاکٹ سے پسٹل نکالتے ہوئے سلطان شاہ پر تانی۔۔

حور کی چیخ بلند ہوئی تھی۔۔ حور کی چیخ پر بھی ارحام خانزادہ نے اس کی طرف نگاہیں نہیں کی تھیں۔ اسے اس طرح بے پردہ وہ سب کے سامنے نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ بلکہ آج اسے نازک وجود سے نفرت ہو رہی تھی۔۔ جو اس کی عزت کی پرواہ کیے بغیر اس طرح بے پردہ غیر مردوں کے درمیان کھڑی تھی۔۔

حور تیزی سے ارحام کی طرف بڑھی۔ جو سلطان شاہ پر پسٹل تانے ہوے تھا۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اترے خون اور جنون سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ وہ سلطان شاہ کو موت کے گھاٹ اتارنے میں پل نہیں لگائے گا۔ وہ تیزی سے سلطان شاہ کی طرف بڑھ رہی تھی کے یکدم اس کے قدم رکے تھے۔۔ سلطان شاہ کے گارڈ نے پیچھے سے حملہ کرتے ارحام خانزادہ کے سر پر پوری قوت سے بندوق کی نوک ماری تھی۔۔ وہ سر پر ہاتھ رکھتے درد سے چلاتے ہوے مڑا تھا اور اس گارڈ کو کلائی سے پکڑ کر اس کی کلائی مڑوڑتے وہ اس کی پشت کے ساتھ لگا گیا۔۔ کلائی کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز پورے ہال میں سنائی دی تھی۔۔ ارحام نے بنا رحم کھاے اسے زمین پر پوری قوت سے پھینکا تھا۔۔ وہ گلاس فلور پر سر کے بل گرا تھا۔۔ اس گارڈ کا سر بھی زخمی ہو چکا تھا۔ اس نے درد سے چیختے ہوے اٹھنے کی کوشش کی۔۔

اس سے پہلے وہ گارڈ اٹھتا ارحام پاگلوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑا تھا۔۔ سارا طیش او اشتعال اپنے اندر ابلتا لاوا وہ ایسے اتار رہا تھا۔۔ اس کے پہلو میں وہ پوری قوت سے وہ اپنی ٹانگیں رسید کر رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ جو ایک بزسن مین تھا۔ اسے سوٹڈ بوٹڈ بزنس پارٹیز میں دیکھا تھا۔ آج وہ ایسے غنڈوں کی طرح لڑ رہا تھا۔۔ سب حیرانگی سے اس پہاڑی خان کو دیکھ رہے تھے۔۔ جس نے کچھ ہی دیر میں اپنے بھاری بوٹوں سے گارڈ کو دھنک کر رکھ دیا تھا۔۔ وہ بنار کے چیختے ہوے پاگلوں کی طرح اس کے پہلو میں بوٹ مار رہا تھا۔۔۔

ارحام نے اسے مارتے ہوے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر پھینکا تو حور کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔ ارحام کی شرٹ خون سے داغدار تھی۔۔ بازو سے خون بہہ رہا تھا۔۔ سر سے بھی خون بہہ رہا تھا۔۔ آنکھوں

میں خون کے ساتھ ایک جنونیت بھی تھی۔اس کے لفظ یاد آئے تھے۔۔وہ جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔۔

قسم ہے مجھے پریذے کی اگر تم مجھے آئیندہ اپنے جسم اپنے چہرے کی نمائش کرتے نظر آئی۔میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کووں کو کھلا دوں گا۔۔اور میں نے آج تک پریذے کی جھوٹی قسم نہیں کھائی۔۔حور اسے یوں لڑتا دیکھ کر روتے ہوے اپنے لب بری طرح کاٹ گئی۔۔پہلی مرتبہ اسے مقابل سے ڈر کے ساتھ اس پر ترس بھی آیا تھا۔۔

سلطان شاہ قہربار نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو گھور رہے تھے۔۔

انھیں اندازہ ہوا تھا۔ وہ سچ میں موت کا کھیل کھیلنا جانتا تھا۔۔ موت سے ڈرتا نہیں تھا۔۔ اگر سامنے کھڑے انسان کو اپنی موت کا ڈر ہوتا وہ کبھی یہاں تن تنہا نہ آتا۔۔۔ سلطان شاہ نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔ وہ اب کسی صورت اس انسان کو یہاں سے زندہ جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔۔ سلطان شاہ نے کچھ پرسنل گارڈز کو حکم دیتے فارم ہاؤس خالی کروانے کو کہا۔۔۔

پارٹی میں آئے لوگ سلطان شاہ کے حکم پر سب خاموشی سے وہاں سے ایک ایک کرتے نکل گئے تھے۔۔ اب صرف ہال میں سلطان شاہ ان کے گارڈز اور ساحر خانزادہ حور اور ارحام خانزادہ رہ گئے تھے۔۔ سلطان شاہ کے کچھ اور گارڈز اندر داخل ہوے تھے۔۔ سلطان شاہ کے اشارے پر انہوں نے

ارحام خانزادہ کو چاروں طرف سے گھیرتے اپنے حصار میں لیتے اس پر بندوقیں تان لی تھیں۔۔

حور جو سٹل کھڑی تھی اسے گارڈز کے حصار میں دیکھ کر بھاگتے ہوے ارحام کی طرف بڑھی۔اس کی حالت دیکھتے وہ روتے ہوے ارحام کی طرف بڑھ رہی تھی..وہ بھی اپنی پسٹل ان پر تانے ہوے تھا۔۔مگر گارڈز نے چاروں طرف سے اسے اپنے حصار میں لیے ہوے تھا۔۔وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ساحر خان لب بھینچے کرب سے اسے روتے ہوے ارحام کی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے اپنے چاروں طرف کھڑے گارڈز کو دیکھ رہا تھا۔۔ارحام خانزادہ نے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔

وہ اس کے بلکل سامنے ہی کھڑی تھی۔اسے بہتے آنسوؤں سے دیکھتے یکدم رک گئی تھی۔۔اسے خونخوار نظروں سے دیکھتے پاکر حور کی ہمت نہیں پڑی تھی. وہ اس کی طرف بڑھتی۔۔۔ارحام کی خونخوار نظریں ابھی بھی اپنے سامنے کھڑے نازک وجود پر تھیں۔۔جس کی رعنائیاں عروج پر تھیں۔

ارحام خانزادہ کے لیے یہ سب بہت دردناک تھا۔۔آج ایک بار پھر سے اس کی عزت کا تماشہ بن چکا تھا۔۔سامنے کھڑے لرزتے وجود کو وہ آج چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔

آج آر یا پار ہونے کا آرادہ تھا۔۔ مر جانا تھا یا مار دینا تھا۔۔

حور گہرے سانس لیتے اس کی طرف پھر سے بڑھی۔۔ ورنہ سلطان شاہ اسے گولیوں سے مروا دیتے۔۔

سلطان شاہ حور کو ارحام کی طرف بڑھتے دیکھ کر اسے کلائی سے جکڑے اپنے بازوؤں میں بھر گئے۔۔

حور نے مچلتے ہوے سلطان شاہ کے بازوؤں کے حلقے سے نکلتے ارحام کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ سلطان شاہ اسے کلائی سے جکڑے پھر سے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے مضبوطی سے جکڑ گئے۔

پاپا ارحام کو چھوڑ دیں پلیز۔۔۔ حور ان کی بانہوں میں سماتے روتے ہوے التجائیہ لہجے میں بولی۔

نہیں آج میں تمھاری نہیں سنوں گا۔۔۔ آج اسے یہاں اس کی موت لائی ہے۔۔۔ آج اسے مرنا ہی ہو گا۔۔ سلطان شاہ دھاڑے تھے۔۔

سلطان شاہ مجھے موت، تمھیں موت دینے سے پہلے نہیں آسکتی۔

مرتے مرتے تم باپ بیٹی دونوں کو موت دے کر مروں گا۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی خونخوار نظریں حور پر گاڑھیں۔۔ مقابل کی نظروں میں آج عجب سی کاٹ تھی۔۔ جو اسے اندر تک کاڑ رہی تھی۔۔ اس سے پہلے اس کے بے پردہ ہونے پر اس کی آنکھوں میں غم و غصے کے ساتھ شکوہ بھی ہوتا تھا۔ مگر آج صرف غصہ اشتعال عجب سی جنونیت اور سرخی تھی تھی۔۔۔ حور اسے دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی کاٹ دار خون اشام نظر پر وہ روتے ہوے سلطان شاہ کے سینے میں منہ چھپا گئی۔۔

کون ہے اس دنیا میں

جس کو سب کچھ ملا

مجھ کو سب کچھ ملا

بس ملے تم نہیں

درد ہو گا دوا اب

کوئی ہمدم نہیں

ارحام سرخ کرب بھری نظروں سے اس کے لرزتے ہوے وجود کو دیکھ رہا تھا۔۔

وہ پارٹی میں اس لباس میں شریک ہو جاتی وہ شائد ظبط کی حدوں کو چھوتا برداشت کر ہی لیتا۔پہلے بھی تو اس نے ایسے کتنے ہی زخم برداشت کر ہی لیے تھے۔ مگر وہ ساحر خانزادہ کے ساتھ کھڑی تھی۔اس کی بیوی اس سے محبت

نہیں کرتی تھی۔۔وہ جانتا تھا مگر وہ اس کی بیوی تھی اس کی عزت۔۔۔ نکاح کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی۔۔اس پاک رشتے کی خاطر ہی آج ساحر خان کے پاس اس طرح کھڑی نہ ہوتی۔۔

ساحر خان کی نظریں یاد آئیں وہ جس طرح دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔۔ ارحام خانزادہ اپنے جبڑے بھینچتے گارڈز کو اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے پسٹل سے سامنے کھڑے ایک گارڈ کے ٹانگ پر چیختے ہوئے فائر کیا۔۔و. سامنے کھڑی لڑکی کے لیے اتنا ہی پاگل تھا۔۔۔ نہیں برداشت کر سکتا تھا اس پر کسی کی نظر۔۔۔۔ گارڈز کی چیخ بلند ہوئی وہ اپنی ٹانگ پکڑے زمین پر گر گیا۔۔ گارڈ کی چیخ کے ساتھ حور کی بھی چیخ بلند ہوئی تھی۔۔

پاپا۔۔۔۔ آپ کے گارڈز ارحام پر گولی نہیں چلائیں گے۔۔

گارڈز سلطان شاہ کے اشارے کے ہی منتظر تھے۔۔۔ سلطان شاہ کا اشارہ سمجھتے حور پوری قوت سے چلائی تھی۔ سلطان شاہ کے گارڈز سلطان شاہ کے اشارے پر اپنی بندوقیں پیچھے کر گئے تھے۔۔

خبر دار۔۔۔۔ تم نے میرے لیے بھیک مانگی۔۔۔ جان لے لوں گا میں تمھاری۔۔ ارحام خانزادہ غصے سے دھاڑتے ہوئے حور کی طرف بڑھا۔ ایک گارڈز نے سلطان شاہ کے اشارے پر ارحام خانزادہ کی طرف بڑھتے اس کے جبڑے پر مکہ مارا دے مارا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھتے ہونٹ سے نکلتا خون صاف کیا تھا۔۔ گارڈ نے ایک اور مکہ ارحام خانزادہ کے چہرے پر مارنے کے لیے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا ہی تھا ارحام

اس کی کے ہاتھ کا مکہ اپنے چوڑے ہاتھ میں قید کرتے اس کی کلائی ایک جھٹکے میں بے دردی سے مڑ وڑ گیا۔۔ اپنی ٹانگ پوری قوت سے اس کے پہلو میں مارتے اسے گریبان سے جکڑتے اسے زمین پر دھکا دیا۔۔۔

وہ درد سے بلبلاتے ہوئے زمین پر لیٹا تھا۔ ارحام نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے اوپر جھکتے ہوئے اس کے جبڑے پر مکوں کی بارش کر دی تھی..

ارحام نے چیختے ہوئے اسے پوری قوت سے اس کے چہرے پر مکے مارتے اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔۔

ارحام کی چیخوں کے ساتھ حور کی بھی چیخیں بلند ہو رہی تھی۔۔ وہ سلطان شاہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ان کے سینے میں منہ چھپائے بری طرح چیخ رہی تھی۔۔

حور کی چیخیں سنتے سلطان شاہ اپنی مٹھیاں بھینچتے جا رہے تھے۔۔ ساحر خانزادہ دور کھڑا سرخ بھیگی آنکھوں سے حور کے لرزتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا حور کی چیخیں کسی کے خوف سے بلند ہو رہی ہیں۔۔ یا پھر کسی کے تڑپنے پر وہ یوں چیخ رہی ہے۔

باقی گارڈز بھی ارحام کی طرف بڑھتے اس پر جھپٹ پڑے تھے۔۔ ارحام خانزادہ نے کھڑے ہوتے مڑتے ہوئے ایک گارڈ کے منہ پر مکہ مارا تھا ۔۔ دوسرے گارڈ کے ٹانگوں کے بیچ لات زور سے لات ماری تھی۔۔۔۔ وہ درد سے بلبلاتا پیچھے ہوا تھا۔۔ باقی گارڈ نے اب آگے آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔۔ ارحام طیش و اشتعال سے ان پر بری طرح جھپٹ پڑا۔۔ لاتوں مکوں سے ان دونوں کو بھی دھنک کر رکھ دیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کی اپنی حالت کافی خراب تھی۔۔ اس کے چہرے پر بھی اب کافی زخم آ گئے تھے۔۔

سلطان شاہ نے گارڈز کو گولی چلانے سے منع کر دیا تھا۔۔ویسے وہ لوگ اس انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

باقی گارڈز اب خاموشی سے پیچھے ہو گیے تھے۔۔۔سامنے کھڑے مضبوط پہاڑی انسان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔۔شائد اس کا مقابلہ کر بھی لیا جاتا اس کی جنونیت کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

ارحام نے اپنے کف فولڈ کرتے اپنے بازو کو دیکھا جس کے زخم سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔۔ارحام خانزادہ اپنے بازو پر ہاتھ رکھتے چیخ پڑا ۔۔۔جسموں کے زخم سے دل میں درد اٹھ رہا تھا۔۔جو اسے بلبلانے پر مجبور کر رہا تھا۔۔

سلطان شاہ اسے قہر بار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔ان کے لیے بہت آسان تھا۔اسے یہاں گولیوں سے بھون ڈالنا۔۔مگر وہ اپنی جان سے پیاری

بیٹی کا کیا کرتے۔۔وہ اس کے سامنے کبھی سامنے کھڑے انسان کو موت نہیں دے سکتے تھے۔۔اس کے رونے بلکنے سے اندازہ ہو چکا تھا۔۔وہ سامنے کھڑے انسان سے ڈرتی ہی نہیں۔۔۔۔محبت بھی کرتی ہے۔۔

مگر حور جتنی مرضی سامنے کھڑے انسان سے محبت کر لے عشق کر لے ۔۔۔وہ اسے کسی قیمت میں اس انسان کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔۔اس کا پاگل پن اس کی جنونیت ان کی بیٹی سہن نہیں کر سکتی تھی۔۔اور ایسی جنونیت ان کی بیٹی کی جان بھی لے سکتی ہے۔۔سلطان شاہ کی نظروں کے سامنے مہر ماہ کا خون میں لت پت وجود آیا تھا۔۔سلطان شاہ سختی سے اپنی حور کے لرزتے وجود کو اپنے سینے میں بھینچ چکے تھے۔۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے حور کو بازو سے جکڑے سلطان شاہ کے حصار سے کھینچ کر نکالا۔۔

حور لرزتے ہوے ایک جھٹکے سے ارحام خانزادہ کے چوڑے سینے کے ساتھ آلگی تھی۔۔ارحام نے اسے خود سے الگ کرتے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے اس کی کلائی اپنی مضبوط ہاتھ میں جکڑی۔۔۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کو ایسے چھونے کی ؟؟۔سلطان شاہ نے غیض و غضب سے دھاڑتے ہوے حور کو دیکھا جو نظریں جھکائے بنا کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ کھڑی تھی۔۔وہ اپنا ہاتھ ارحام کے مضبوط ہاتھ سے چھڑوا نہیں رہی تھی۔

اسے جیسے مرضی چھوؤں۔۔میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔۔بیوی ہے میری۔۔۔میری ملکیت میری عزت۔۔۔اس پر صرف میرا حق ہے۔۔۔اتنا حق جتاؤ جتنا ایک باپ کا حق ہوتا ہے۔۔اس سے آگے میں

برداشت نہیں کروں گا۔۔اور اب میری بیوی یہاں نہیں رہے گی۔۔۔یہ میرے ساتھ حویلی جائے گی۔۔یہاں کبھی نہ آنے کے لیے۔۔۔اس کا مقدر اب صرف میری حویلی ہے۔۔ارحام حور کی جھکی نظریں دیکھتے غصے سے گرجا۔۔پاس کھڑے نازک وجود پر اس کا قہر بڑھتا جا رہا تھا۔۔وہ اس کے سامنے پھر سے آج نظریں جھکائے ایک فرمانبردار بیوی کی طرح کھڑی تھی۔۔اس کے لرزتے وجود سے عیاں تھا وہ اس کے غصے سے خوف بھی کھا رہی ہے۔۔مگر وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی نہیں تھی۔۔

اس کے نزدیک وہ عورت ہی نہیں تھی۔۔جس عورت میں وفا نہ ہو۔۔وہ عورت ہونے کے قابل نہیں رہتی۔۔ارحام نے جبڑے بھینچتے اس کے لرزتے وجود پر قہر بھری نگاہ ڈالی۔۔اس کا لرزنا خوف کھانا سب ڈھونگ لگ رہا تھا۔

ساحر خان ارحام خانزادہ کے پاگل پن کو دیکھتے اب اپنی مٹھیاں غصے سے بھینچ گیا تھا۔۔ حور پر چلانا وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔

ساحر خان کا ہاتھ بے اختیار اپنے کوٹ کی پاکٹ میں گیا تھا۔۔ جہاں اس کا پسٹل تھا۔۔

میری بیٹی کو تم یہاں سے لے کر جاؤ گے۔۔ یہ تمھاری بھول ہے۔۔ ارحام خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔ تم میری بیٹی کی تقدیر کا فیصہ کرو گے۔ اس سے اس لب ولہجے میں بات کرو گے۔۔ میں نے کبھی اپنی بیٹی سے ایسے بات نہیں کی۔۔ یہ تمھاری حویلی کی عورت نہیں ہے۔۔

عورت ہے یہ میری۔۔۔ میری بیوی۔۔ میری حویلی کی عورت۔۔۔۔ اور یہ ویسے ہی وہاں رہے گی۔۔ جیسے وہاں دوسری عورتیں رہتی ہیں۔۔ ارحام خانزادہ چلایا۔۔

ٹھیک کہا حور تمھاری عورت ہے تمھاری بیوی ہے۔۔اس پر تمھارا سب سے زیادہ حق ہے۔۔۔۔ مگر اب نہیں رہے گا۔۔ کیونکہ ابھی اور اسی وقت میری بیٹی بیوہ ہو جائے گی۔۔اسی وقت سے حور شاہ مینشن میں عدت کے کچھ ماہ تمھارے نام پر گزارے گی۔۔ پھر وہ آزاد۔۔۔۔۔۔۔۔اور میں اس کی شادی اپنی مرضی سے اس انسان سے کروں گا جو میری بیٹی کی قدر کرنا جانتا ہوں۔

سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔۔میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ ارحام خانزادہ نے چیختے ہوے آگے بڑھتے سلطان شاہ کے گریبان کو جکڑا تھا۔۔ سلطان شاہ کی بات پر اس کی دماغ کی نسیں پھٹنے والی ہو گئی تھیں۔۔وہ اس کے سامنے کھڑے اس کی بیوی کو کسی اور کے حوالے کرنے کی بات کر رہے تھے۔اور

وہ قدر کرنے والا کون تھا وہ ان کا مطلب بخوبی جان گیا تھا۔۔ رگوں میں دوڑتا خون بھڑکتے اس کے اندر آگ کے دریا دوڑا چکا تھا۔ سلطان شاہ نے صیح وار کیا تھا کہ وہ مزید غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔۔ وہ یہی چاہتے تھے ارحام غصے سے اپنے حواس کھوتے ان پر حملہ کر دے یا پھر اپنی پسٹل سے ان پر فائر کر دے تاکہ وہ جو ابا اسی لمحے اسے گولیوں سے بھون ڈالے۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔ حور نے بے یقینی سے ارحام کو پکارا جو سلطان شاہ کو گریبان سے جکڑے اپنا ہاتھ کا مکہ بنائے ہوے تھا۔۔ مگر حور کی پکار پر سلطان شاہ کے چہرے کے قریب اپنا ہاتھ لاتے وہ رک گیا تھا۔۔ مگر ضبط سے اس کی دماغ کی رگیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔۔ اس کی گردن ماتھے اور ہاتھوں کی ویز تک نمایاں ہونے لگی تھی۔۔

حور گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ اگر اسے پتہ ہوتا یہ سب کچھ ہو گا وہ کبھی پارٹی میں شریک نہ ہوتی۔۔

سلطان شاہ کے اشارے پر اس کے گارڈ نے اسی لمحے ارحام کی کنپٹی پر پسٹل رکھی۔۔

میں نے سوچا تھا تمھیں چھوڑ دوں گا۔ یہاں سے جانے دوں گا۔۔ مگر تم ایسا نہیں چاہتے۔۔۔ میری بیٹی کو اب مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہو گا۔۔۔ یقیناً وہ اپنے باپ کے گریبان تک پہنچنے والے انسان کی سزا موت سے کم نہیں سمجھتی ہو گی۔۔ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔۔ میری عزت پر وہ کبھی سمجھوتہ نہیں کرے گی۔۔ سلطان شاہ نے اب حور کے جذبات سے کھیلا

تھا۔ کچھ بھی کر کے وہ اپنی بیٹی کی زندگی سے مقابل کو ہمیشہ کے لیے دور کرنا چاہتے تھے..

تم گریبان پکڑنے کی بات کرتے ہو میں تمھاری زبان حلق کے بل کھینچ لوں گا۔ ارحام غرایا۔ تھا۔

Shoot him

سلطان شاہ نے سرد آواز میں حکم دیا۔۔

نہیں پاپا آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا میں اس پسٹل سے اپنی جان لے لوں گی۔۔ گارڈز کو ٹریگر پر انگلی رکھتے دیکھ کر حور زمین سے پسٹل اٹھاتے اپنی کنپٹی پر رکھتے ہوے چیخی تھی۔۔

ساحر خانزادہ کے ہاتھوں سے پسٹل چھوٹ کر گری تھی۔۔یکدم اسے نظر آنا بند آنا ہو گیا تھا۔۔دل میں درد سا اٹھا تھا۔۔وہ دل پر ہاتھ رکھتے کھانستا چلا گیا۔۔۔

کون ہے اس دنیا میں

جس کو سب کچھ ملا

مجھ کو سب کچھ ملا

بس ملے تم نہیں

تم سے شکوہ کریں یار کس طرح

تم تو تم ہی رہے ہم اب ہم نہیں

اپنے سینے کو بری طرح مسلنے لگا۔۔ اسے یکدم گھٹن ہونے لگی تھی۔۔ وہ اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھے کھڑی تھی۔۔ کسی کے لیے۔۔۔۔ ساحر خان کاونٹر پر رکھا وائن کا گلاس ایک ہی سانس میں پی گیا تھا۔۔ اسے بہت بری طرح کھانسی آئی تھی. وہ سینے کو رب کرتے بری طرح کھانسنے لگا۔۔

ان کے قدموں میں گر جائیں

مر جائیں ہم

اس طرح اپنی مٹی ٹھکانے لگے

ان سے ایک پل میں

کیسے بچھڑ جائیں ہم

جن سے ملنے میں شائد زمانے لگے

وہ دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔۔ یہاں رکنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔

بس موت ذرا مشکل ہو جانی تھی۔۔ اور ساحر خانزادہ اپنی موت ذرا آسان چاہتا تھا۔۔ جہاں وہ ستم گر کی پرچھائی نہ ہو۔۔

Drop the gun...

سلطان شاہ چیخے تھے۔۔ گارڈ نے اسی لمحے پسٹل پھینک دی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے قہر بھری نظر حور پر ڈالی جو پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھے کھڑی تھی۔

حور پسٹل نیچے کرو۔۔۔ ارحام کو کوئی کچھ بھی نہیں کہے گا۔ سلطان شاہ کانپتے لبوں سے بولے۔۔ ان کا رنگ لمحوں میں زرد ہوا تھا۔۔ ان کا مضبوط توانا بدن کپکپانے لگا تھا۔

ڈرو مت سلطان شاہ۔۔۔۔ یہ میری خاطر خود کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔۔ امیر باپ کی بیٹی ہے زندگیوں سے کھلینا اس کی فطرت ہے۔۔ کھیل کھیل میں معصومیت سے مجھے برباد کر دیا۔۔ اب اس کا معصوم دل گلٹی ہے۔۔ اس گلٹ میں یہ میری زندگی بچانا چاہتا ہے۔۔۔ میری بیٹی سے اس کی ماں تو چھین چکی ہے۔۔ اب اس سے اس کا باپ نہیں چھینا چاہتی ۔۔ ارحام کی بات پر حور نے زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔۔ وہ ابھی تک اپنے زیاں یاد رکھے ہوے تھا۔۔ اور اس سے محبت کا دعوی کرتا

تھا۔ ارحام خانزادہ نے سرخ استھزائیہ نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔۔

ارحام نے اس کے ہاتھ سے پسٹل لی۔۔ جو اس نے بہت ارحام سے ارحام کے حوالے کر دی تھی۔۔ اس کے آرام سے پسٹل دینے پر ارحام کے لبوں پر ستھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔ وہ خاموشی سے کھڑی اس کی سرخ آنکھوں میں بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

تم میری مجرم ہو تمھیں سزا بھی میں ہی دوں گا۔۔ ارحام خانزادہ حور کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں ایک ایک لفظ چباتے حور کی کلائی جکڑتے وہ باہر کی طرف بڑھا۔۔۔ حور خاموشی سے اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔۔

تم حور کو یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔۔۔ سلطان شاہ تیزی سے ارحام خانزادہ کے مقابل آئے۔۔

تو ٹھیک ہے پھر مار دو مجھے سلطان شاہ۔۔۔ ویسے تو مجھے اپنی موت گوارا نہیں ہے۔۔ کیونکہ ارحام خانزادہ کو مرنے کے بعد بھی اپنی حور پر کسی کی نظر گوارا نہیں۔۔۔

مگر مار دو تو بہتر ہے۔۔ ایسے ہی تمھاری بیٹی سے میری جان چھوٹ سکتی ہے۔۔ اپنی زندگی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ ارحام کی بات پر حور کی آنکھوں سے اشک رواں جاری ہوا تھا۔۔ اس کی نظریں ایک بار پھر سے جھکی تھیں۔۔ اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔۔ اسے آج اس پارٹی میں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ ارحام خانزادہ کو جنونی بنانے والی بھی وہ تھی۔۔ اس کی آنکھوں میں سرخی دینے والی بھی وہی تھی۔۔ اس سے اس کا

سب کچھ چھیننے والی بھی تو وہی تھی۔۔ آج پھر وہ اس کی وجہ سے زخموں سے چور چور تھا۔۔

سلطان شاہ مار دو مجھے۔۔۔ میں اسے اپنی زندگی میں اب یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ جان لے لوں گا میں سب کی۔ ارحام نے پسٹل کا رخ سلطان شاہ پر کیا۔۔

باہر موجود باقی گارڈز بھی اب اندر آ چکے تھے۔۔ جو درجنوں کی تعداد میں تھے۔ انہوں نے آگے بڑھتے پھر سے ارحام کو اپنے حصار میں لیا۔۔

ارحام گارڈز کو قہربار نگاہوں سے گھورتے حور کی کلائی پکڑے آگے بڑھا۔۔

رک جاؤ ارحام تم میری بیٹی کو لے کر نہیں جا سکتے۔۔ ورنہ میرے ایک اشارے سے تمھیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔۔ سلطان شاہ نے سرد انداز میں دھمکی دی تھی۔۔

پاپا میں ارحام کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔۔ حور کی اٹل آواز گونجی تھی۔۔

وہ جانتی تھی آج وہ اس انسان کے ساتھ نہ گئی تو وہ جان سے چلا جائے گا۔۔ مگر اپنی ضد سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔۔ اور سلطان شاہ بھی اسے مارنے میں پل نہیں لگائیں گے۔۔ وہ صرف اسی کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔۔

حور۔۔۔۔ سلطان نے غصے سے اسے پکارا۔۔ پاپا میں اس انسان سے اس کی بیٹی کی ماں چھین چکی ہوں۔ مگر میں اس کی بیٹی سے اس کا باپ نہیں چھین سکتی۔۔ جس نے مجھے اس کی مام بنایا ہے۔۔ حور نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا۔۔ ایک یہی بات اسے اس ستم گر کی چبھی تھی۔۔ وہ اپنا آج تک زیاں بھولا ہی نہیں تھا۔۔۔ اور اس کا زیاں گل تھی۔۔ وہ جانتی تھی۔۔

پاپا یہ بندوقیں پیچھے کر لیں۔۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو موت کو گلے لگانے کے میرے پاس اور بھی بہت طریقے ہیں۔ حور نے اب کی چیختے ہوے کہا۔۔

سلطان شاہ نے بے بسی سے حور کو دیکھتے گارڈز کو پیچھے ہٹنے کو اشارہ کیا تھا۔

ارحام حور کی کلائی پکڑتے تیز تیز قدموں سے ہوے باہر کی طرف بڑھا تھا۔۔ حور اس کی مضبوط گرفت میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔۔

سلطان شاہ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے حور کو دیکھ رہے تھے۔۔ جو ان کی نظروں کے سامنے ہی ارحام خانزادہ کے ساتھ جا رہی تھی۔۔۔

انھیں یقین نہیں آ رہا تھا حور چلی گئی ہے۔۔ وہ دھندلائی آنکھوں سے ہال کے انٹرس کو دیکھ رہے تھے۔ جہاں سے وہ گزرتی چلی گئی تھی۔۔

وہ ارحارحام خانزادہ کے ساتھ چلی گئی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔۔ ان کی سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔

تم لوگوں نے دیکھا اس نے میری بیٹی کو کسے چھوا؟؟ دیکھا وہ اس سے کیسے بات کر رہا تھا؟؟۔۔ اسے کیسے گھور رہا تھا۔؟؟ سلطان اپنے گارڈز کو دیکھتے چیخے تھے۔۔

میں نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔۔ اسے کبھی سختی سے نہیں چھوا۔۔ وہ کس طرح اسے میرے سامنے مارنے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اپنے سامنے پڑی ٹیبل کو پوری قوت سے ٹھوکر ماری تھی۔۔

سلطان شاہ کی بیٹی سے ایسے بات کرتا ہے وہ دو ٹکے کا انسان۔۔۔۔۔ میرے سامنے ایسے بات کر رہا تھا۔۔ پتہ نہیں وہ حویلی جا کر اس کے ساتھ کیا کرے گا۔۔ کہیں اسے مار ہی نہ دے۔۔۔۔ سلطان شاہ

نے چیختے ہوے اب شیشے کی ٹیبل پر مکہ مارا تھا۔۔ شیشہ ٹوٹتا ان کے ہاتھ کو زخمی کر گیا تھا۔۔ گارڈ سلطان شاہ کی حالت دیکھتے ان کی طرف بڑھے تھے۔۔

سلطان شاہ انھیں ہاتھ کے اشارے سے رک گئے تھے۔

مرد محبت نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ صرف جنونی ہوتا ہے۔۔ جیسے میں تھا۔۔ میری بیٹی کو میرے کسی گناہ کی سزا نہیں مل سکتی۔ سلطان شاہ دل پر ہاتھ رکھے چیخے تھے۔۔

مہر ماہ کا خون میں لت پت چہرہ سامنے ایا تھا۔۔ وہ دل پر ہاتھ رکھتے نیچے زمین پر گر گئے تھے۔۔ گارڈز جلدی سے ان کی طرف بڑھے۔۔

شہرام خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر حویلی کے کارپورچ میں آکر بری طرح چرچرائے تھے۔۔ شہرام سرخ و سفید تنے ہوے چہرے کے ساتھ گاڑی سے اترا تھا۔ آج دو دن بعد وہ حویلی آیا تھا۔

امینہ خانم کا آج شام اسے فون آیا تھا انہوں نے فون پر کافی سختی سے حویلی آنے کا حکم دیا تھا۔۔۔ امینہ خانم کا لہجہ کافی سرد و ٹپاٹ تھا۔۔ اور یہ فون کس نے کروایا تھا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔ شام سے ہی اس کی دماغ کی طنابیں ہل گئی تھی۔

وہ اس وقت بلو کلر پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔ سرخ و سفید چہرہ سرد اور ٹپاٹ تھا۔۔ وہ اپنی مونچھوں اور اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے بھاری قدموں کی دھمک کے ساتھ زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔۔

لاونج میں صوفوں پر امینہ خانم اور روزینہ خانم بیٹھی تھیں۔۔ شہرام نے اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ امینہ خانم کے سامنے وہ سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا۔۔ اس کی مورے تھیں ہر حال میں احترام لازم تھا۔۔ اور آج تک ارحام خانزادہ زاران خانزادہ ان تینوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ امینہ خانم کے سامنے ان کی نظریں جھکی رہیں۔ اور زبان بند رہے۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔۔ امینہ خانم کو دیکھتے ہی شہرام نے احتراماً سلام کیا۔۔ پاس بیٹھی روزینہ خانم کو وہ یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔

و علیکم اسلام۔۔۔۔۔ امینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے شہرام کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔

روزینہ خانم نے بھی جلدی سے صوفے سے اٹھتے ہوے شہرام کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار دیا تھا۔ شہرام کو حویلی دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔۔ بہارے کی دن دن سے جو حالت تھی۔۔ وہ اسے دیکھتے پریشان ہو گیی تھی۔۔ اس لیے آج انہوں نے کھل کر امینہ خانم سے بات کی تھی۔۔ یہاں تک کہ عابیر کے حوالے سے دھمکایا بھی تھا۔۔

کیا بات ہے مورے؟؟ مجھے اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلایا؟؟ شہرام نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

شہرام اس حویلی میں تمھارا ایک عدد بیوی بھی ہے۔۔ جس کا تم کو ذرا فکر نہیں ہے۔۔ اور ہم کو تمھارا حویلی سے باہر رکنے کا مقصد سمجھ نہیں آتا۔۔

کل تمھارا بابا اور داجی بھی بہت بول رہا تھا۔۔ تم حویلی سے باہر رات کیوں گزارتا ہے؟؟ امینہ خانم نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

یہ بات مجھے نہیں زاران لالا اور اسفند لالا کو بھی سمجھانا چاہیے۔۔ اسفند لالا آج ایک ہفتہ ہو گئے ہیں۔ حویلی نہیں آئے۔۔ شہرام نے روزینہ خانم کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔ امینہ خانم نے کس کے کہنے پر فون کیا وہ سب سمجھ گیا تھا۔۔

جس طرح وہ احتراماً اپنی مورے کے آگے نہیں بولتے تھے۔۔ اس طرح امینہ خانم بھی ہمیشہ انھیں بہت مان پیار دیتی تھیں۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ امینہ خانم نے کبھی ان میں سے کسی سے اونچی آواز میں بات بھی کی ہو۔۔ یہاں تک کہ وہ اپنے تینوں بیٹوں کو دیکھتے خود اٹھ جاتی تھیں۔ امینہ خانم کا لہجہ کافی سخت تھ۔ اور یہ پہلی بار تھا وہ اس سے اس لہجے میں بات کر رہی تھیں۔

روزینہ خانم شہرام کی بات پر نظریں چرا گئی تھیں۔۔ اسفندیار خان پچھلے ایک ہفتے سے حویلی نہیں آیا تھا۔

شہرام تم اسفند کو چھوڑو بہارے کا فکر کرو۔۔ پچھلے دو دن سے وہ بخار میں تپ رہا ہے۔۔ دوائی بھی نہیں کھا رہا۔۔ کھانا بھی وہ نہ ہونے کے برابر کھا رہا ہے۔۔

امینہ خانم کی بات پر شہرام کا چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ ہوا تھا۔۔

شہرام نے اپنے کف فولڈ کرتے غصے سے اپنے لب بھینچے تھے۔۔ روزینہ خانم شہرام کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھتے ہول کر رہ گئی تھیں۔

بہارے کی طبعیت کے بارے میں بھی سنتے اس کے چہرے پر کوئی نرمی کا تاثر نہیں تھا۔۔ چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سرد سپاٹ ہو گیا تھا۔۔

بہارے بھی کسی کو کچھ نہیں بتا رہی تھی۔۔ وہ دو دن سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ وہ اجڑے بکھرے حلیے میں کمرے میں پڑی تھی۔۔ روزینہ خانم کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔۔ شہرام کا سنجیدہ چہرہ دیکھتے پہلی مرتبہ وہ بے حد پریشان ہو گئی تھیں۔ وہ وہ شہرام نہیں رہا تھا۔۔ جسے کبھی بہارے کی بہت فکر ہوتی تھی۔۔ اس کی ذرا سی طبعیت کی خرابی کا سنتے وہ پاگل ہو جاتا تھا۔۔ بہارے کے آنسو اور تڑپ ان کا دل ہولائے جا رہا تھا۔۔ شہرام کا آئے روز حویلی سے باہر راتیں گزارنا انھیں شک میں مبتلا کر چکا تھا۔۔ جو انسان اپنی بیوی کے لیے پاگل ہو۔ وہ اس کی قربت کے بغیر رہ لے یہ ناممکن تھا۔۔ پچھلے دو ماہ میں اس نے ایک دو راتیں ہی حویلی میں گزاری تھیں۔ اگلے دن بہارے کا اجڑا روپ دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھیں۔۔ وہ ان راتوں میں بھی اس کے قریب نہیں گیا۔

میں دیکھتا ہوں اسے۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے اپنے کف فولڈ کرتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

بہارے کمرے کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔۔۔ بکھرے بال بغیر دوپٹے کے اسی گلابی ڈریس میں کھڑی تھی جس میں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔۔ وہ کیا سے کیا بن گئی تھی۔۔ کبھی اس نے ایک دن سے زیادہ کوئی ڈریس نہیں پہنا تھا۔۔ اپنا خیال شروع سے ہی رکھتی تھی۔ ہر وقت نک سک سے تیار رہنا اس کی عادت تھی۔۔ اب ہفتوں گزر جاتے تھے وہ ایک ہی ڈریس میں ملبوس ہوتی تھی۔۔ پہلے وہ ستمگر اپنی تپش زدہ بے باک نگاہوں سے اسے جھلساتا رہتا تھا۔۔ اب تو اس کی طرف ایک نگاہ ڈالنے کے بعد دوسری نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا. پہلے جب وہ اپنی بے باک نگاہیں اس پر گاڑھتا

تھا۔۔تو وہ اس کی گہری نگاہوں کی تپش سے بھڑ بھڑ جل اٹھتی تھی۔اب اس کے نظر انداز کرنے پر وہ جھلس کر رہ جاتی تھی۔۔ایسی تپش اس کے دل وماغ میں اٹھتی تھی اس کا بدن اس تپش سے دہکنے لگتا تھا۔۔جیسے ابھی پورا بدن تانبے کی مانند جل رہا تھا۔۔وہ ٹیرس پر ہاتھ جمائے لرزتی کھڑی تھی۔دو دن سے وہ بخار میں جل رہی تھی۔وہ آیزل کے ساتھ ہے۔۔۔یہ سوچ سوچ کر وہ دن سے ایک پل سو نہیں پائی تھی۔۔وہ انگارے کی مانند جل رہی تھی

۔روزینہ خانم امینہ خانم کے بارہاں پوچھنے پر بھی اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔۔جانتی تھی وہ ضد کا پکا۔ہے۔اگر اس نے سی کو بتادیا تو جو نکاح وہ کل ایزل سے کرنا چاہتا ہے وہ آج کرے گا۔یا پھر ہو ہسکتا ہے وہ ابھی تک کر

بھی چکا ہو یہ سوچ کر ہی بہارے کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ جسم کی عمارت ٹوٹ کر جھڑنے لگی تھی۔

پورے بدن میں کپکپی طاری ہوئی تھی۔۔ ٹھنڈی برفیلی ہواؤں سے اس ا بدن جیسے جلنے لگا تھا۔ بہارے نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالا تھا۔۔ اسے سب کچھ گھومتا محسوس ہوا تھا۔۔ دو دن سے ایسے ہی شاکس پڑ رہے تھے۔۔ جب جب سوچتی وہ آیزل کے ساتھ ہے۔۔ وہ پاگل ہونے لگتی تھی.۔۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا تھا۔

میں آیزل سے نکاح کروں گا۔۔ اسے اپنی محرم کا درجہ دوں گا۔۔ اسے اپنی بیوی بناؤں گا۔۔ اب اس سے ہی اپنی طلب اپنی ہر ضرورت مٹاؤں گا۔۔

افف۔۔۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت سے رو دی۔۔۔وہ اس کے قریب آتا تھا تو پاگل ہو جاتا تھا۔۔اب وہ یہی پاگل پن یہی شدتیں کسی اور کے لیے دکھائے گا۔۔وہ کیسے برداشت کرے گی۔۔

مرد کو عورت سے کیا چاہیے ہوتا ہے؟؟روزینہ خانم کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

ہمارے تم چھوٹا بچی نہیں ہے تمھیں ہر بات سمجھانا پڑے۔۔شوہر کو اتنا دن ناراض نہیں رکھتے۔۔اتنا دن خود سے دور نہیں رکھتے۔۔خدا کی طرف سے بھی ایسی عورتوں پر لعنت برستا ہے جن کا شوہر رات ان سے ناراضگی میں سوتا ہے۔۔تم کو جتنا نخرہ دکھانا ہے۔۔اس سے اپنا بات منوانا ہے تو بستر پر اس کے قریب رہ کر منواؤ۔۔وہ تمھارا اور دیوانا ہو جائے گا۔۔اس کا حقوق

پورے کرو گی وہ تمھاری محبت میں پاگل ہو جائے گا۔۔ پھر تم اس کو اپنا انگلیوں پر نچانا۔۔ جو کہو گی وہی کرے گا وہ۔۔۔۔

وہ سچ میں بیوقوف تھی۔ چھوٹی بچی تھی اس کے حقوق سے نظریں چراتی رہی۔۔ اس کی شدتوں سے اس کی جان جاتی تھی۔۔ سہن کرنا تو ابھی بھی مشکل تھا۔۔ اس ستمگر کی اس دن کی شدتوں سے ابھی بھی اس کے بدن کا درد ختم نہیں ہو رہا تھا۔۔ مگر اب وہ اس کی ہر پل شدتیں برداشت کرنے کو تیار تھی۔۔ بس وہ اس کے علاوہ کسی کی طرف نہ دیکھے۔۔۔۔ مگر وہ تو اس کی جگہ کسی اور کو دے رہا تھا۔ اپنی شدتیں اپنی قربت کسی اور پر نچھاور کرنے کی بات کر رہا تھا۔۔ کیا دوسری عورت کبھی خود سے اسے دور کرے گی؟؟۔ ۔ بہارے بلک بلک کر رو دی تھی۔۔

ہر عورت اس کی طرح بیوقوف نہیں ہوتی جو شہرام جیسے مرد کو خود سے دور ہونے دے۔۔ آیزل کی وہ دیوانگی بھری نگاہیں یاد آئی تھیں جیسے وہ شہرام کو دیکھتی تھی۔۔ وہ تو پاگل تھی شہرام کے لیے۔۔۔۔ وہ تو کبھی بھی شہرام کو خود سے دور نہیں ہونے دے گی۔۔

افففف۔۔۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے بال پھر سے مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔

ض میں ایسا ہی کروں گا۔۔ جانتی ہو شہرام خان اپنی ضد اور انا کا بہت پکا ہے۔۔۔ حویلی کے مرد میرے آگے کچھ نہیں ہیں۔ میں سفا کی پر اتر آؤں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔

شہرام کے لفظ سماعتوں میں پگھلے ہوے سیسے کی مانند اترتے اسے پاگل کر رہے تھے۔۔

جانتی تھی وہ حویلی کے مردوں میں سے کہیں زیادہ سفاک ہے۔اس کا واقعی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔یہ بات وہ بچپن سے جانتی تھی۔ورنہ وہ اس کے سامنے کب سے جھک جاتا۔۔اسے بتاتا وہ اپنی پڑھائی مکمل کر رہا ہے۔۔وہ ہمیشہ اس کے طلاق مانگنے پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا تھا۔۔نہ اسے کبھی طلاق دے گا اور نہ وہ اپنی پڑھائی مکمل کرے گا۔۔

اور وہ واقعی میں اتنا سفاک تھا۔۔اس نے اسے چھوڑا بھی نہیں تھا اور اس کے سامنے وہ ایک ان پڑھ کی طرح رہا۔۔اس کے طعنے کوسنے سننے کے باوجود بھی اس نے کبھی عیاں نہیں ہونے دیا کہ وہ اعلی تعلیم حاصل کر چکا ہے۔۔وہ میٹرک پاس نہیں بلکہ ایک کامیاب کانٹکریکٹر انجنیر ہے۔۔جس کا انٹرنیشنل سطح پر کافی نام ہے۔

یہ کیسی محبت تھی اس کی ؟؟۔۔ ہمیشہ اسے تکلیف دی۔۔ جب تک وہ اس کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی تھی وہ باندھ کر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔۔ زبردستی کرتا تھا۔۔ اب وہ اس کے عشق میں پاگل ہو چکی تھی۔۔ وہ کسی اور کا ہونا چاہتا تھا۔

بہارے نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔۔ جہاں اسے ابھی تک جلن ہو رہی تھی۔۔ یہ تھپڑ اس نے کسی دوسری عورت کی وجہ سے مارا۔۔ جلن ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ بہارے کی سسکیوں میں بتدریج آضافہ ہو رہا تھا۔

شہرام دروازہ کھولتے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔۔ غصے سے اس کے ماتھے کے بل گہرے ہوے تھے۔۔ شہرام نے اپنا کوٹ اتارتے غصے سے بیڈ پر پھینکا۔۔۔ ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر اس کے طیش و اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔۔ باہر برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں۔۔ اگر

اسے بخار تھا تو وہ باہر کیا کر رہی تھی۔۔ وہ تن فن کرتا ٹیرس کی طرف بڑھا۔۔

بہارے کو دیکھ کر اس کا چہرہ مزید غصے سے مزید سرخ ہوا تھا۔

وہ بغیر دوپٹے کے کھلے بکھرے بالوں کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔۔ حویلی بے شک بہت بڑی تھی۔۔۔ نیچے کی طرف حویلی کا سرسبز لان اور کار پورچ دکھائی دیتا تھا۔۔ جہاں گل خان اور بہت سے ملازم ہوتے تھے. کسی کی بھی نظر پڑ سکتی تھی۔ شہرام اپنے طیش و اشتعال پر قابو پاتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔ پہلے تو اس نے کبھی یوں خود سے لاپرواہی نہیں برتی تھی ۔۔ اب وہ اکثر ایسے نظر آتی تھی۔۔ آج تو حد ہی ہو گئی تھی اس کے وجود پر کوئی شال نہیں تھی۔۔

بہارے نے اپنے گرد اس ستم گر کی خوشبو محسوس کرتے بے یقینی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔ اپنے سامنے شہرام کو دیکھ کر اس کی آنکھیں مزید بے یقین ہوئی تھیں۔

وہ ریلنگ کے ساتھ لگے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام کی خونخوار نظریں اس کے کندن مخملی نشیب و فراز پر تھیں۔۔ اس کے گہرے سانس بھرنے پر ان کی دلکشی میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ شہرام کا خون کھول رہا تھا اسے ایسے دیکھ کر۔۔۔

وہ گہرے سانس لیتی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

شہرام نے اس کے نشیب و فراز سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے پر اپنی خونخوار نظریں گاڑھیں۔۔ وہ اس کے دیکھنے پر گہرے سانس لیتے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اپنے گال پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

شہرام اس کی حرکت پر لب بھینچ گیا تھا۔۔ اس کے گال پر وہ اپنی انگلیوں کے نشان دیکھ چکا تھا۔۔ دو دن بعد وہ نشان ویسا ہی تھا۔۔ بلکہ مزید گہرا ہو چکا تھا۔۔

وہ بچپن سے ایسے ہی کرتی تھی۔۔ جب بھی وہ اسے کچھ کہتا تھا۔۔ اسے ڈانٹ دیتا تھا وہ ناراضگی کے طور پر اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی تھی۔۔

اپنی نفرت کا اظہار کھل کر کرتی تھی مگر اس کے ذرا سا ڈانٹنے پر وہ ہمیشہ روتے ہوے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی۔۔ جیسے خود اسے

برملا نفرت کا اظہار کرنے کا حق ہے۔ اور اسے جوابًا اسے ڈانٹنے کا بھی حق نہیں۔۔ اور یہ بھیگی شکوہ کناں نگاہیں ہفتوں اس کا چین سکون سب لوٹ لیتی تھیں۔ وہ اس رات اس کے پاس بیٹھے اس کی بند آنکھوں پر گھنیری پلکوں کو اپنے لبوں سے چھوتا رہتا تھا۔ اس کے کان میں جھکے سرگوشی میں معافیاں مانگتا رہتا تھا۔۔

اسے تو اب معلوم ہوا تھا مقابل سویا نہیں ہوتا تھا اس کی تڑپ اس کے ہر ایکٹ سے بخوبی واقف تھا۔۔

شہرام اس کی شکوہ کناں نگاہیں دیکھتے اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد سٹیرنگ پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔۔۔

بہت زور سے لگی تھی کیا؟؟۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

مجھے کتنی زور سے لگی ہے اپنی بے رحمی اپنی آنکھوں سے دیکھ

لو۔۔۔ بہارے نے اپنے گال سے ہاتھ ہٹایا تو وہ اپنی نظریں چرا گیا

تھا۔۔ اس کی پانچوں انگلیوں کا نشان اس کے گال پر چھپا ہوا تھا۔ وہ اچھی

طرح جانتا تھا اس نے اسے اپنی پوری قوت لگائے تھپڑ مارا تھا۔۔ نظریں

مت چراؤ دیکھو اپنی آنکھوں سے بے اپنی بے رحمی شہرام

خان۔۔۔۔۔ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لیتے کہا۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔۔ یہ کس حلیے میں یہاں کھڑی ہو تم ؟؟ تمھیں احساس

ہے۔ بد تمیز اور خود سر تم بچپن سے ہی تھی اب بے شرم بھی ہو چکی

ہو۔۔ شہرام نے اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

میں جس بھی حلیے میں یہاں کھڑی ہوں۔۔ تمھارا مجھ سے اب کوئی مقصد

نہیں ہونا چاہیے۔۔ ویسے بھی اب تم مجھ پر اپنا حق کھو چکے ہو سمجھے

تم۔۔ بہارے نے غصے سے کہتے اسے کے سینے پر ہاتھ مارتے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔ مقابل کی تپش زدہ سانسیں اس کا انگ انگ جیسے جھلسا رہی تھیں۔

شہرام اس کی بات پر مزید اس کے قریب ہوا تھا۔۔ اب شہرام کے عنابی لب بہارے کے کپکپاتے خشک لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔۔ شہرام کی سرد سیاہ آنکھیں بہارے کی براؤن شبمنی آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔

کیا مطلب اس بکواس کا؟؟ شہرام نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے اس کے چہرے پر تپش زدہ سانسیں چھوڑیں۔

مطلب یہ کہ تمھیں اس آیزل کو اپنانے کے بعد مجھ پر اپنا ہر حق ختم کرنا ہو گا۔۔ اس کمرے میں آنے کا حق کھو دو گے تم۔۔۔۔ بہارے نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کیا تھا۔۔

تمھیں لگتا ہے آیزل سے شادی کرنے کے بعد میری اس کمرے میں یا تم میں دلچسپی باقی رہے گی۔۔ جو مجھے تم سے چاہیے۔۔ وہ مجھے کسی اور سے مل جائے گا تو میں کیوں آؤں گا واپس اس حویلی میں یا پھر اس کمرے میں۔ شہرام اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔۔

شہرام خان۔۔۔۔۔ میں تمھاری جان لے لوں گی۔۔ بہارے اس کی بات پر سرخ چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔۔ کانپتے ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑنا چاہا۔۔ شہرام اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

جیسے میرے تم پر سارے حق ختم۔۔ ایسے تمھارے بھی مجھ پر سارے حق ختم۔۔۔ میرا گریبان پکڑنے کا تمھیں اب کوئی حق نہیں۔۔ اس لیے آئندہ

خبر دار تم نے میرے گریبان کو چھوا بھی۔۔ شہرام نے اسے سرد لہجے میں تنبیہ کرتے اس کے ہاتھوں کو چھوڑا تھا۔۔

بہارے گہرے سانس لیتے رخ موڑ گئی تھی۔

شہرام کی گہری نگاہیں اس کی کمر پر بکھرے اس کے براؤن الجھے بالوں میں تھیں۔ وہ گہرے سانس لیتے اب ہلکا ہلکا کانپ بھی رہی تھی۔ اندر چلو ۔۔۔ شہرام نے اس کا کانپنا محسوس کرتے لب بھینچے کہا۔

نہیں آؤں گی اندر شہرام خان۔۔۔۔۔۔ مجھے تمھارے ساتھ ایک کمرے میں رہنا قبول نہیں ہے۔۔ آج ساری رات اس ٹیرس پر کھڑی رہوں گی۔۔ بہارے نے چیختے ہوے کہا۔

شہرام اس کے یوں چیخنے پر غصے سے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ موڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔ بہارے کی شبنمی آنکھیں شہرام کی سیاہ پرکشش آنکھوں سے ٹکرائیں۔۔ شہرام کی سانسوں میں گھلی سگریٹ کی مہک اس کی سانسوں میں گھلی تھیں۔ وہ اسے بازو سے سختی سے جکڑے اپنے بے حد قریب کیے ہوے تھا۔ بہارے اس کی اتنی نزدیکی پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔

تم سے شکوہ کریں

یار ہم کس طرح

تم تو تم ہی رہے

ہم اگر اب ہم نہیں

درد ہو گا اب دوا

کوئی ہمدم نہیں

بہارے نے گلابی آنکھوں سے دیکھتے کرب سے ہچکی لی۔۔ شہرام خان کی سرد سرخ نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔۔ بخار کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔ بال کی لٹیں اس کے بھیگے عارض اور گردن سے چپکی ہوئیں تھیں۔ آنکھیں گلابی اور متورم تھیں۔۔۔ وہ کپکپاتے بدن اور کپکپاتے لبوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شہرام کی انگلیاں بے اختیار اس کے نشان زدہ عارض کو چھو گئی تھیں۔

شہرام نے اسے غصے سے دیکھتے اپنے لب مزید سختی سے بھینچے۔۔ وہ واقعی آگ کی بھٹی کی مانند جل رہی تھی۔

اندر چلو۔۔۔ شہرام نے غراتے ہوے کہا۔۔

نہیں چلوں گی اندر آج رات ادھر ہی کھڑی رہوں گی۔۔ تم کچھ بھی کر لو شہرام خان۔۔۔ ساری رات ٹیرس پر کھڑی رہوں گی۔۔ چاہے اس سردی میں میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔۔ وہ ضدی اٹل لہجے میں چیخی تھی۔۔ شہرام کی گرم سانسیں اس کے اندر آگ مزید بھڑکا رہی تھی۔۔ ان سانسوں اس مہک پر کسی اور کا حق ہو گا۔۔۔ وہ تندور کی مانند جل رہی تھی جیسے۔۔۔ وہ اسے دہکتی نظروں سے دیکھتے رخ موڑ گیی تھی۔۔ وہ مزید اس سفاک انسان کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

شہرام خان نے اس کے ضدی انداز پر گھورتے ہوے اسے دیکھا۔ شہرام اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھ کر اپنی گھنی بئیرڈ پر جھنجھلاتے ہوے ہاتھ پھیر

گیا۔۔ شہرام نے اس کے قریب ہوتے ریلنگ پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے اسے محصور کیا۔۔ بہارے نے اپنی کان کی لو پر اس کی سلگتی سانسیں محسوس کرتے رخ پلٹنا چاہا تھا۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس کی پیٹ پر سختی سے ہاتھ جما گیا تھا۔ بہارے اب ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ جمائے سسک پڑی۔۔ اس ستمگر کی تپتی سانسیں اسے مزید جھلسا رہی تھیں۔

شہرام اسے سسکتے دیکھتے اس سے تھوڑا دور ہوا تھا۔

بہارے نے رخ پلٹتے اسے غصے سے خود سے پوری قوت سے دور دھکیلا تھا۔۔ شہرام اسے یکدم بازوؤں میں بھرے اپنی گود میں اٹھا گیا۔۔

شہرام چھوڑو مجھے بہارے سسکی لیتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی ۔۔۔ شہرام اسے گود میں اٹھائے اندر کی جانب بڑھا۔۔۔ وہ اس کی شرٹ

مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپائے بری طرح سسکیاں بھر رہی تھی۔۔

اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو اس کے سانسوں میں گھلتی اس کے حواس معتل کر رہی تھی۔۔ مقابل کے بدن سے اٹھتی خوشبو واقعی میں جان لیوہ تھی۔ ڈریسنگ پر رکھے پرفیوم کی خوشبو الگ تھی مگر جب یہ پرفیوم شہرام کے بدن میں سماتی تھی اس کی خوشبو ہی بدل جاتی تھی۔۔ عجیب سی جان لیوہ۔۔۔ جو ابھی بھی اس کی جان لے رہی تھی۔۔

اسے بیڈ پر بٹھاتے وہ ٹیرس کے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ اسے بند کرتے اندر سے لاک لگاتے پردے برابر کیے تھے۔

بہارے غصے سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔ بیڈ پر پڑی اپنی شال اچھی طرح خود پر لپیٹتے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ شہرام نے اسے دروازے کی جانب بڑھتے دیکھتے غصے سے پوچھا تھا۔۔

اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔۔ جب میرا تم پر حق ختم ہو چکا ہے تو یہ کمرہ کیسے میرا ہوا؟؟۔ بہارے نے رخ موڑے مضبوط آواز میں کہا۔۔ مگر اس کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔ شہرام نے غصے سے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے اسے ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کیا۔

پہلے ہی تم میرا کافی تماشہ بنا چکی ہو۔۔ اب مزید تماشہ بنوانا چاہتی ہو۔۔ کیا چاہتی ہو ہاں؟؟ بیڈروم کی باتیں باہر تک جائیں۔۔ شہرام نے اسے بازو سے جکڑتے غراتے ہوئے پوچھا۔

تم حویلی نہیں آتے۔ اس کمرے میں نہیں آتے۔۔ تب تمھارا تماشہ نہیں بنتا۔ بیڈروم کی باتیں تم چاہتے ہو سب کے سامنے آئیں۔۔ اگر تمھارا یہی

رویہ رہا۔۔۔میں داجی کو تمھاری حرکتیں بتادوں گی۔۔بہارے نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اسے وارن کیا تھا۔

اچھا کیا بتاؤ گی؟؟۔کیا ہے میری حرکتیں ذرا بتانا مجھے؟؟۔۔۔شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔اس نے اسے کمر سے جکڑے اس کے کپکپاتے بدن کو سنبھالا تھا۔۔مگر اس کی بات پر شہرام کا غصہ حدوں کو چھوا تھا۔۔یقیناً وہ پھر سے اس کے کردار پر وار کرنے والی تھی۔

یہی کہ تم دوسری شادی کر رہے ہو؟؟بہارے نے سسکی لیتے کہا۔۔وہ اسے ڈرا دھمکا کر آئزل سے شادی سے روکنا چاہتی تھی۔

اس سے کیا ہو گا؟؟تمھیں کیا لگتا ہے مجھے کوئی روک سکتا ہے؟؟شہرام نے استھزائیہ انداز میں ابرو اچکائے تھے۔۔

بہارے اس کے انداز پر اپنے لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔ اسے واقعی میں کوئی روک نہیں سکتا تھا۔۔ وہ جاہل ان پڑھ شہرام نہیں بلکہ پڑھا لکھا کانریکٹر انجینیر تھا۔۔ وہ کیونکر کسی کی سنے گا۔

تم نے میرے بارے میں بہت غلط اندازے لگائے ہیں۔۔ بلکہ تم میری فطرت ابھی تک جان ہی نہیں سکی۔۔ میں جو کرنے کی ٹھان لیتا ہوں۔ وہ میں کر کے ہی رہتا ہوں۔۔ جو تمھارے دماغ میں چل رہا ہے کہ تم عابیر کو ہتھیار بنا کر مجھے روک لو گی تو ایسا کچھ کرنے کا سوچنا بھی ناں۔۔۔ ورنہ میرا وہ روپ دیکھو گی۔۔ جو میں نے تمھیں نہیں دکھایا۔۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں وارن کیا۔۔

تو دکھاؤ شہرام وہ روپ میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمھارا وہ روپ۔۔۔ بہارے تڑپتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی.

دیکھ لو گی تم وہ روپ بھی لیکن یاد رکھنا اگر ہمارے بیڈ روم کی کوئی بھی بات باہر گئی میں جو آیزل سے شادی کرنے کا کل سوچ رہا ہوں۔۔ وہ آج کر ڈالوں گا۔۔ اور تمھاری نظروں کے سامنے اسے اس کمرے میں لے کر آؤں گا۔۔ شہرام کی بات پر وہ اس کی شرٹ مزید مٹھیوں میں جکڑ گیی تھی۔۔

یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟؟ یہ۔۔۔۔ یہ مم میرا کمرہ ہے۔۔ یہ مم میری حویلی ہے ۔تم اسے کیسے یہاں لا سکتے ہو۔۔۔ بہارے نے اس کی شرٹ پکڑے کپکپاتے لبوں سے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

شہرام نے اس کی کمر کو مزید مضبوطی سے تھاما تھا۔۔ ورنہ وہ زمین بوس ضرور ہو جاتی۔۔

یہ کمرہ تمھارا ہی ہے۔۔۔ تم ہی اس کمرے سے جانے کی بات کر رہی تھی۔۔ شہرام نے اس کے کپکپاتے لبوں کو بغور دیکھتے کہا۔

نہیں جاؤں گی اس کمرے سے پھر تو میرا کمرہ کسی کو نہیں دو گے ناں۔۔ بہارے نے لرزتے لبوں سے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔

نہیں دوں گا۔۔ تمھاری کوئی بھی چیز کسی کو نہیں دوں گا۔۔ شہرام اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھتے اس کی کمر کو سختی سے جکڑتے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

اس کے بدن کی کپکپاہٹ شدد اختیار کر گئی تھی.

چھوڑو مجھے۔۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔ مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے سمجھے تم۔۔۔ بہارے شہرام کے سینے سے الگ ہوتے شہرام کی سرد سپاٹ آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔۔ اس کا گھر اسے دے دیا۔۔ اس کے حق بھی اسے دے دیے تھے. اب یہ کمرہ بھی اسے دے رہا تھا۔ وہ اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوے تھا۔۔ مگر آنکھیں ویسے ہی سرد سپاٹ تھیں۔

۔ بہارے نے اسے زخمی نظروں سے دیکھتے اپنی پوری قوت لگاتے ہوے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ شہرام نے اس کے دور دھکیلنے پر اسے اسی لمحے چھوڑ دیا تھا۔

بہارے کی آنکھوں کی نمی میں مزید آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ بدل گیا تھا وہ واقعی میں بدل گیا تھا۔۔ جو اس کے بار بار دھتکارنے پر اسے نہیں چھوڑتا

تھا۔۔ آج اس کے لرزتے اور کپکپاتے تپتے بدن کو دیکھتے بھی اس نے اسے چھوڑ دیا تھا۔۔

بہارے کے سر میں درد کی ٹھیسیں اٹھی تھیں۔ سر میں پھر سے دھماکے ہوے تھے۔۔ مائیگرین کے درد نے اسے کبھی اتنا نہیں ستایا تھا جتنا اب ستا رہا تھا۔۔ وہ درد سے مرنے والی ہو گئی تھی۔

بہارے نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے بمشکل تھاما تھا۔ زوردار چکر آیا تھا۔۔ کمرے کے در و دیوار ہلتے نظر آئے تھے۔۔ بہارے اپنے چکراتے سر کو تھامتے پھر سے سامنے کھڑے ستمگر کی شرٹ مٹھیوں میں تھام گیی تھی۔۔ ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔

بہارے کیا ہوا ہے ؟؟ شہرام اب کی بار پریشان ہوا تھا۔۔ اس کی حالت سچ میں کافی خراب تھی۔۔

شہرام کی آواز میں پریشانی محسوس کرتے بہارے نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔۔

سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے؟؟جتنے زور سے تم نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔۔میرے سر سے درد ہی ختم نہیں ہو رہا۔۔تم بہت بے رحم ہو شہرام۔۔۔تم بہت سفاک ہو شہرام۔۔۔حویلی کے ہر مرد سے بدتر۔۔۔۔بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں پکڑتے شدت سے چلائی۔۔۔

شہرام اس کی حالت دیکھتے لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

چلو بیڈ پر کچھ کھالو میں تمھیں میڈیسن دیتا ہوں۔شہرام نے نرمی سے اس کی کمر پر حصار مضبوط کیا۔۔

مجھے کچھ کھانا ہو امیڈیسن لینی ہوئی میں خود لے لوں گی۔ مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔۔۔۔ سمجھے تم۔۔ بہارے پھر سے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

شہرام نے لب بھینچتے ہوے اسے حلق کے بل چیختے ہوے دیکھا تھا۔۔

وہ اس سے دور ہوئی۔ ھی۔ مگر پھر سے اپنے چکراتے سر کو سنبھالتے لڑکھڑا گئی تھی۔

شہرام نے اسے جلدی سے کلائی سے جکڑتے صوفے پر بٹھایا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے اب بیٹھ گئی تھی۔۔ مزید بدن میں طاقت نہیں رہی تھی۔۔ مزید قدموں کے سہارے کھڑا ہونا مشکل تھا۔۔

شہرام نے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے گال پر نرمی ہاتھ رکھا تھا۔۔ جسے اس نے غصے سے بوری قوت سے جھٹک دیا تھا۔۔ شعلہ

بار نگاہوں سے شہرام کو دیکھا۔۔ شہرام نے گہرا سانس لیتے ٹیبل پر پڑا جوس کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا جو اس نے پکڑتے پوری قوت سے زمین پر پھینک دیا تھا۔۔

شہرام نے اب کی بار سرخ چہرے کے ساتھ غصے سے اسے دیکھا۔۔ وہ ہچکیاں لیتی گلابی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔ آج کتنے دنوں بعد وہ ایسے اس کے قدموں میں بیٹھا اس کے ناز نخرے اٹھا رہا تھا۔

شہرام نے اپنا ماتھا مسلتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ اس کی طبعیت بہت خراب تھی اسی لیے وہ اپنے غصے پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ بلکہ وہ اس کی طبعیت کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

کیا چاہتی ہو بہارے کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو؟؟ شہرام نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے لب بھینچے نرمی سے استفسار کیا۔۔

تم میری وجہ سے پریشان نہیں ہوتے۔۔ اس لیے جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔۔ تم سفاک ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹے بھی ہو۔۔ بہارے کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

بہارے تم نے مزید مجھ سے بحث کی یا میری بات نہیں مانی تو میں سچ میں سفاکی پر اتر آؤں گا۔۔ سمجھی تم۔۔۔ شہرام اس کی آنکھوں میں جھانکتے سرد لہجے میں بولا تھا۔۔

کیا کرو گے مارو گے مجھے پھر سے؟؟ یا دوسری شادی کی جگہ تیسری شادی کی دھمکی دو گے۔۔ بہارے نے ہچکیوں سے چیختے کہا۔

بہارے کیوں چاہتی ہو میں واپس چلا جاؤں۔۔مجھے مجبور مت کرو میں اسی وقت واپس چلا جاؤں۔۔ شہرام نے اسے سرد لہجے میں وارن کیا۔

تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔مجھے اس حالت میں چھوڑ کر اس کے پاس جاؤ گے ۔۔۔میں تمھیں شوٹ کر دوں گی شہرام خان۔۔ بہارے شدت غم سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

میں کہیں نہیں جا رہا اس لیے خاموشی سے کھانا کھاؤ۔۔ شہرام نے نرمی سے کہتے اپنی شرٹ اس کے ہاتھوں سے چھڑوائی۔

میں کچھ نہیں کھاؤں گی شہرام۔۔۔۔۔چاہے میری جان چلی جائے۔۔ بہارے پھر سے حلق کے بل چیخی تھی۔

Shut up just shut up..

شہرام کھڑے ہوتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔وہ مزید خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

شہرام کے چیخنے پر بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

کھانا کھاؤ بہارے۔۔۔ورنہ بہت برے طریقے سے پیش آؤں گا۔شہرام نے اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔سن نہیں رہی۔۔۔کیا کہہ رہا ہوں میں؟؟۔۔شہرام سرد لہجے میں غرایا تھا۔

وہ کچھ پل اسے روتے ہوے دیکھتی رہی۔۔پھر ٹرے سے سینڈوچ اٹھا کر چھوٹی چھوٹی بایٹ لینے لگی۔۔

شہرام نے لب بھینچتے گہرا سانس لیا تھا۔ ورنہ اس کی ضد سے بخوبی واقف تھا۔۔ اپنی ضد پر ہر حال میں قائم رہتی تھی۔۔ مگر اس کے غصے پر فوراً ٹھیک ہو جاتی تھی۔۔ بچپن سے ہی ایسے کرتی تھی۔۔ مگر وہ اس پر جلدی غصہ نہیں کرتا تھا۔۔ ایسا ہر بار ہوتا تھا۔۔ وہ اس کا ظبط اس لیول پر لے آتی تھی وہ غصہ کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔۔

شہرام اس کے قدموں میں پھر سے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے ہاتھ سے سینڈوچ لے کر اسے خود کھلانے لگا۔۔ وہ کھا کم رہی تھی اسے دانتوں سے کتر زیادہ رہی تھی۔۔ وہ اب خاموشی سے اس کے ہاتھ سے کھانے لگی۔۔۔

شہرام نے اس کی سعادت مندی پر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔۔ اس کی سعادت مندی بعد میں اس کے لیے ہمیشہ کوئی طوفان ہی لاتا تھا۔۔

شہرام نے سینڈوچ کھلانے کے بعد اسے پانی کا گلاس پکڑایا۔ وہ بھی اس نے خاموشی سے تھام لیا تھا۔۔

شہرام اٹھتے ہوئے سایید ٹیبل کی طرف بڑھا۔۔ وہاں سے اس کی میڈیسن نکال کر وہ دوبارہ سے بہارے کی طرف آیا۔۔ پھر سے اسی پوزیشن میں بیٹھتے اس کی طرف میڈیسن بڑھائی۔۔ جسے اس نے خاموشی سے تھامتے منہ میں رکھتے پانی کے ساتھ نگل لی تھی۔۔ شہرام نے اس سے گلاس تھام کر ٹیبل پر رکھا۔۔۔ بہت نرمی سے اس کے ایک شانے پر بکھرے بال پیچھے کرتے کان کے پیچھے اڑسے۔۔

بال بہت الجھے ہوئے تھے۔۔ وہ لب بھینچ گیا تھا۔۔ کبھی بھی اس کے بالوں کی اتنی خراب حالت نہیں دیکھی تھی۔

شہرام نے نرمی سے اس کے جسم سے شال علیحدہ کی۔۔وہ اب بلکل خاموش تھی۔اس کی ہر بات میکانکی انداز میں مان رہی تھی۔۔بلکہ اس کے ہر ایکٹ پر خاموشی سے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے اس کندھوں سے تھام کر صوفے پر ہی نرمی سے لٹاتے اس کے سر کے نیچے کشن رکھا۔۔اس کے پاؤں کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے اس کے پیروں سے اس کے شوز اتارے تھے۔۔

بیڈ سے کمبل اٹھائے اس نے بہارے پر اچھی طرح اوڑھایا۔۔بہارے اب سیدھے لیٹے آنکھیں موند چکی تھی۔

شہرام اس کے قریب صوفے پر بیٹھ کر نرمی سے اس کا سر دبانے لگا۔

۔بہارے کی بند آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھر سے بہا تھا۔۔شہرام کافی

نرمی سے اس کا سر دبا رہا تھا۔ وہ جتنی نرمی سے اس کا سر دبا رہا تھا۔۔ اتنی تیزی سے بہارے کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔

شہرام کافی دیر سے اس کے قریب بیٹھا اس کا سر دبا رہا تھا۔۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے یا لمحے وہ نہیں جانتی تھی۔۔۔ مگر رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔۔ مقابل کے ہاتھ ایک پل کے لیے نہیں رکے تھے۔۔ وہ اس کے قریب بیٹھے مسلسل اس کا سر دبا رہا تھا۔۔ اس دوران بہارے نے اپنی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ مگر بند آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔۔

ارحام خانزادہ اس کی کلائی جکڑے بہت تیزی سے قدم اٹھاتے ہوے آگے بڑھ رہا تھا۔۔ حور اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔۔ حور نے ڈبڈبائی

آنکھوں سے ارحام خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھا۔۔ شرٹ ہر طرف سے خون سے داغدار تھی۔۔ حور کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے شدت اختیار کی۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے دروازہ کھولتے اسے اندر کی جانب کافی بے دردی سے دھکیلا۔۔ حور اس کی سختی پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔ اسے اس کی بے رحمی کی عادت ہو چکی تھی۔ مگر مقابل کچھ عرصے سے اسے کافی نرمی سے چھوتا تھا۔۔ اس لیے اس کی بے رحمی اب تکلیف دے رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی حور کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔ نہ وہ دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ اس کا قیامت خیز بدن اس کی کمزوری

تھا۔۔وہ اپنی بیوی کے جسم پر مرتا تھا۔۔اس کے نشیب و فراز پر نظر پڑتے ہی وہ بہکنے لگتا تھا۔۔ آنکھیں اسی لمحے خمار آلود ہو جاتی تھیں۔۔اسے اپنی بانہوں میں بھرتے وہ ہر حد سے گزرنا چاہتا تھا۔۔ مگر آج دل کر رہا تھا۔اسے آگ لگا دے۔۔اس کے خوبصورت جسم جلا کر راکھ کر دے۔۔جو سب کے سامنے دعوت نظارہ بنا ہوا تھا۔۔ جس کے سر کے ایک بال پر نظر گوارانہ تھی۔۔۔وہ کبھی اس طرح غیر مردوں کی نگاہوں کو تروات بخشے گی۔۔وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔۔وہ محرم تھا جب اسے دیکھتا اس کی خوبصورتی دیکھ کر پاگل ہو جاتا تھا۔۔ نفرت میں بھی وہ خود کو اس کے قریب جانے سے روک نہیں سکتا تھا۔

پارٹی میں آئے ہوے ہر عیاش مرد اس کی بیوی کو دیکھ کر کیا کیا خیال اپنے دل میں نہیں لائے ہوں گے۔۔ یہ سوچتے ہی ارحام خانزادہ کا خون لاوے کی طرح بھڑک رہا تھا۔

جی کر رہا تھا پاس بیٹھی اپنی بے درد بیوی پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دے اور خود بھی اسی آگ میں جل کر رکھ ہو جائے۔۔

ارحام خانزادہ نے سٹیرنگ پر پوری قوت سے مکہ مارتے ڈرائیونگ کی سپیڈ بڑھائی۔۔ حور جو سانسیں روکے خوشی سے بیٹھی ونڈ سکرین پر نظریں جمائے برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے سٹیرنگ پر مکہ مارنے پر وہ نامحسوس انداز میں گاڑی کے دروازے کی طرف کھسکی تھی۔ اپنا حلیہ دیکھتے وہ بار بار اپنے لب بے دردی سے کاٹنے لگتی تھی۔۔۔ وہ باہر اس کے چہرے پر سے چادر سرکنے نہیں دیتا تھا۔۔ آج وہ حویلی اس حلیے میں جا رہی

تھی۔ مقابل پر کیا گزر رہی ہو گی۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔ حور نے نم آنکھوں سے ارحام کو دیکھا۔ جس کے بازو سے مسلسل خون رس رہا تھا۔۔ وہ زخموں سے چور حالت میں پچھلے دو گھنٹوں سے سپاٹ سرد چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ وہ لوگ اسلام آباد سے بہت آگے نکل آئے تھے۔۔ سوات آنے میں اب دو گھنٹے رہ گئے تھے۔۔ رات کی سیاہی مزید گہری ہو چکی تھی۔ وہ لوگ جیسے جیسے سوات کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔ بارش میں مسلسل آضافہ ہو رہا تھا۔۔ حور نے ایک پل کے لیے بھی آنکھیں نہیں جھپکی تھیں۔ ارحام خانزادہ کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔۔ اس کے گہرے زخم تکلیف دے رہے تھے۔۔

وہ ارحام خانزادہ کے خوف سے سانس بھی بمشکل لے رہی تھی۔۔ وہ اس کی حالت دیکھتے اس کے ساتھ چلی تو آئی تھی۔۔ مگر پاس بیٹھے انسان سے شدید

خوف محسوس ہو رہا تھا۔۔وہ کسی بھی صورت اس انسان کی زندگی کے ساتھ نہیں کھیل سکتی تھی۔۔اتنا تو جانتی تھی وہ اگر اس کے ساتھ نہ آتی وہ موت کو گلے لگا لیتا مگر اسے ادھر چھوڑ کر کبھی نہ آتا۔۔حور نے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

میں گل سے نہیں تم سے محبت کرتا ہوں ڈیم اٹ۔۔۔۔۔۔۔سماعتوں میں اس ستمگر کے لفظ گونجے تو حور نے آنکھیں کھولتے اپنے گلے میں جھولتے پینڈٹ کو مٹھی میں جکڑا تھا۔۔۔جس پر اس ستمگر کے لمس کے ساتھ اس کا خون بھی تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔حور نے آنکھیں کھولتے ارحام خانزادہ کو بھیگی آواز میں پکارا۔۔

حور کے پکارنے پر ارحام کی آنکھوں میں مزید خون اترا تھا۔۔ جو وہ کب سے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ اسکی آواز کانوں میں پگھلے سیسے کی مانند محسوس ہوئی تھی۔۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے گاڑی کو روک چکا تھا۔۔

چلتی گاڑی کو ارحام خانزادہ نے یکدم بریک لگائی تو گاڑی بری طرح اچھلی تھی۔۔

حور کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔۔ حور نے دل پر ہاتھ رکھتے خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔ جو اس کی سیٹ کی طرف ہوتے اس پر جھک چکا تھا۔

حور اب خوفزدہ نگاہوں سے اپنا سانس روکے ارحام خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔

کیوں جان بچائی میری؟؟ کیوں آئی ہو میرے ساتھ واپس؟؟۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گرجتے ہوئے پوچھا۔۔

کیونکہ۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔۔

بکواس بند کرو اپنی ورنہ میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔ وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔ ارحام کی دھاڑ پر حور کی آواز حلق میں اٹکی

جھوٹ۔۔۔ جھوٹ۔۔۔۔ سے مجھے سخت نفرت ہے۔۔۔ خبردار مجھ سے اب مزید جھوٹ بولا تو۔۔۔ ارحام اس کا جبڑہ پوری قوت سے دبوچتے غرایا ۔۔۔

درد کی شدت سے حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

مم میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔۔ مم میں بلکل سچ کہہ رہی ہوں

ارحام۔۔۔۔ حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولتے ہچکی لی تھی۔

تم سر سے پیر تک ایک مکار عورت ہو۔۔۔ مردان کی انھیں سڑکوں پر تم

نے مجھ سے ایک ایک لفظ جھوٹ بولا تھا۔۔

پھر تم نے میری حویلی جا کر مجھ پر الزام لگایا۔۔ میں نے تم سے کتنی بار پوچھا

تمھارے بارے میں تم نے ہر بار اک نیا جھوٹ میری آنکھوں میں دیکھتے

بولا۔۔۔ اب تم میری آنکھوں میں دیکھتے پھر سے جھوٹ بول رہی

ہو۔۔ ارحام اس کے جبڑے پر اپنی سفاک گرفت مظبوط کرتے غرایا۔۔

اس کے سفاکی پر حور کی سانسیں الجھیں تھیں۔۔ ارحام نے اسے گھورتے

اس کا جبڑہ چھوڑ دیا تھا۔ مگر وہ اس کے اوپر ایسے ہی جھکا ہوا تھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنا سانس بحال کیا تھا۔

مم میں جھوٹ۔۔۔۔۔ جھوٹ نہیں بول رہی ارحام۔۔۔ حور نے اس کے دونوں عارض پر نرمی سے اپنے کپکپاتے ہاتھ جمائے۔۔

وہ اس کے ہاتھوں کو اچھوت کی مانند جھٹک گیا تھا۔۔ اپارٹمنٹ میں اس کا قریب آنا یاد آیا تھا۔۔۔ اسی طرح وہ اس کے جذبوں کے ساتھ کھیلتی اس کے قریب آئی تھی۔۔

آج ساحر خانزادہ کے قریب اس کا کھڑا ہونا یاد آیا تھا۔۔ کس طرح وہ دیوانوں کی طرح اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔۔ اور وہ اسے ایسے ہی بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے خون میں بھانبھڑ جلے تھے۔وہ اس کے بالوں کو گدی سے بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔

کیا کہا تھا میں نے تمھیں اگر تمھارے سر کے ایک بال پر بھی کسی کی نظر پڑی میں تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دوں گا۔۔ہمت کیسے ہوئی تمھاری اس طرح غیر مردوں کے سامنے جانے کی۔۔ارحام اس کے بالوں کو بے دردی سے جھٹکا دیتے طیش و اشتعال سے غرایا۔

ارحام میں وعدہ کرتی ہوں میں آئیندہ کبھی بے پردہ ایسے کسی غیر مرد کے سامنے نہیں جاؤں گی۔۔حور نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

اچھا اس طرح کے کتنے وعدے کر چکی ہو اس ساحر خانزادہ سے تم؟؟ارحام نے خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھتے پوچھا۔۔

سس ساحر کک کک کون ساحر؟؟حور کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ارحام خانزادہ کا رنگ طیش و اشتعال سے مزید دہکنے لگا تھا۔۔پارٹی میں اس کے قریب اس حلیے میں کھڑی تھی اور اب پھر سے جھوٹ بول رہی تھی۔۔۔

ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا..

یہ لفظ پھر سے یاد آئے تو اس کا پورا بدن آتش گیر مادے کی طرح پھٹنے لگا تھا۔۔

کیا کہا تھا تم نے مجھ سے تمھاری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہوں۔۔۔ کیوں جھوٹ بولا مجھ سے تم نے؟ ارحام خانزادہ کرب سے بولتے سوال داغے تھے۔

آپ جانتے ہیں مم مجھے آپ کے علاوہ کبھی کسی نے نہیں چھوا۔۔ مم میں نے سچ بولا تھا۔۔ میرے جسم پر حکومت کرنے والے آپ پہلے اور آخری مرد ہیں۔۔ میں نے کبھی آپ کی آمانت میں خیانت کرنے کا سوچا بھی نہیں۔۔ آپ سے نکاح کے بعد میں نے اس کے متعلق سوچا بھی نہیں۔ حور نے روتے ہوے ہچکیوں سے کہا۔

عشق بلاتا تھا وہ تمھیں۔۔۔ ارحام نے آگ برساتے لہجے میں پوچھتے اس کے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔۔

نن نہیں تو مم میں نے بتایا تھا ہمارے شیف کا چھوٹا سا بیٹا مجھے عشق عشق آپی بلاتا تھا۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ گاڑی میں اس نے بتایا تھا عشق نام اس کے مما پاپا نے رکھا تھا۔ اور پھر حویلی میں بتایا تھا کہ عشق اسے اس کے نیبرز کا چھوٹا سا بیٹا پکارتا تھا۔۔ آج وہ کہہ رہی تھی ان کے شیف کا بیٹا پکارتا تھا مگر حقیقت سے وہ واقف ہو چکا تھا عشق اسے کون بلاتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔۔ مقابل پر اس کے محرم رشتے کا حق برداشت نہیں ہوتا تھا۔ وہ ٹی وی سکرین پر کسی مرد کو دیکھ لیتی وہ برداشت نہیں کرتا تھا۔۔ اسے کوئی اور پاگلوں کی طرح چاہتا تھا۔ وہ اندر سے جیسے مر رہا تھا۔۔

آج پہلی بار اسے اپنے خدا سے شکوہ ہوا تھا۔۔ کاش خدا مقابل کی اتنی محبت اس کے دل میں نہ ڈالتا۔۔ سامنے بیٹھی لڑکی سے عشق کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا۔۔ وہ دن بدن اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔ نہیں گوارا تھی اس پر کسی کی نظر۔۔۔۔۔۔

تم جھوٹی مکار عورت ہو۔ تم۔۔۔ تمھاری وفا تمھاری فرمانبرداری صرف میرے خوف سے مشروط ہے۔۔۔ تمھارا سب کچھ ڈھونگ ہے۔ ارحام اس کے خوبصوت نقوش کو دیکھتے زہریلے انداز میں پھنکارا۔۔

میں نے جھوٹ بولے مگر صرف مجبوری میں۔۔ میں نے کبھی آپ سے بیوفائی نہیں کی۔۔ تب بھی نہیں جب مجھے لگتا تھا ساحر نے مجھے دھوکہ دیا ۔۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ تب بھی نہیں جب میں آپ سے محبت نہیں

کرتی تھی۔۔ میں نے کبھی آپ سے بیوفائی نہیں کی۔۔۔۔ حور شدت سے روتے ہوے بولی۔

خبردار تم نے اب کبھی اس ساحر کا نام لبوں سے بھی نکالا۔۔۔۔ میں تمھاری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔۔ حور کے لبوں سے ساحر نام سنتے اس کے اندر بھانبھڑ جلے تھے۔۔

حور اب اسے نم آنکھوں سے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔۔

اگر تم نے مجھ سے کبھی بیوفائی نہیں کی تو کیا کر رہی تھی۔۔ آج اس حلیے میں اس کے قریب کھڑی ہو کر۔ کیوں دیکھ رہا تھا وہ تمھیں؟؟ کس طرح حق دیا وہ تمھیں دیکھ سکے۔۔ کیوں تمھیں میرا خیال نہیں آیا کہ تمھیں کوئی اور ذرا

سا دیکھے تو میری جان نکل جاتی ہے۔۔ کیوں حور؟؟ ارحام نے کرب سے سوال داغے۔ آنکھوں میں لالی کے ساتھ نمی بھی تھی۔

میرا یقین کریں ارحام۔۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا وہ پارٹی میں آ آئے گا۔۔ مم میں سچ کہہ رہی ہو۔ اب کی بار اس نے ساحر کا نام لینے کی غلطی نہیں کی تھی۔۔

بس۔۔۔۔ بہت سن لیے تمھارے۔ جھوٹ۔۔۔ تم ایک فریبی عورت ہو۔ ۔۔ میرے نزدیک تم عورت کہلانے کے بھی لائق نہیں۔ ارحام اس کی بات کاٹتے حلق کے بل دھاڑا۔

ارحام۔۔۔۔ میں ایسی نہیں ہوں۔۔۔ حور بھی شدت غم سے چیخ اٹھی تھی۔۔ اس کا بار بار الزام لگانا اسے بھی پاگل کر گیا تھا۔۔

اپنی آواز نیچے رکھو میرے سامنے۔۔۔ حلق سے کھینچ لوں گا زبان تمھاری۔

۔۔ تم جھوٹی ہو اور ہمیشہ رہو گی.. مگر میں اپنی زبان کا پکا ہوں۔ اب تم میری حویلی میں رہو گی۔۔ میرے کمرے میں قید۔۔۔ آج کے بعد تمھاری آواز بھی کوئی غیر مرد نہیں سنے گا۔۔ اپنے بدن کی نمائش کرنا تو دور کی بات ہے اب۔۔۔ ارحام اس کے نشیب و فراز پر قہر بار نگاہیں گاڑھتے بولا۔۔

آپ میرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔ حور نے روتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی۔۔

یہ تم اپنے آپ سے پوچھو تم نے کیا کیا ہے۔۔ اب میں وہی سلوک کروں گا جو تم جیسی عورت ڈیزرو کرتی ہے۔۔ ارحام اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے غرایا۔۔

مجھ جیسی عورت سے کیا مراد ہے آپ کی۔۔۔ حور اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کی شرٹ پھر سے مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔ مقابل کی باتیں اسے تازیانے کی طرح لگ رہی تھیں۔

جھوٹی بیوفا عورت ہو تم۔۔۔ جس نے اپنے مجازی خدا کی محبت میں شرک کیا ہے۔۔ اور میرے نزدیک شرک ایسا گناہ ہے جو نا قابل معافی ہے۔۔

اگر میں نے شرک کیا ہے تو آپ اپنا بتائیں۔۔ مجھ سے محبت عشق کے دعویدار ہیں آپ۔۔۔ پھر آپ کی ہر بات میں وہ گل کیوں ہوتی ہے؟۔۔ کیوں ہر رات ہر پل میرے سامنے اس کا ذکر کیا۔۔۔ کیوں ہر بار کہتے ہیں میں نے آپ کو برباد کر دیا؟؟۔۔ آپ آج تک گل کو نہیں بھولے۔۔۔ بیوفا آپ بھی ہیں۔۔ شرک آپ نے بھی کیا ہے۔۔ حور شدت غم سے چیخی تھی۔۔

ہاں نہیں بھولا اسے۔۔۔نہ کبھی بھول سکتا ہوں۔۔وہ ایک وفادار عورت تھی۔۔تم جیسی نہیں۔۔وہ ہمیشہ یہاں رہے گی اس جگہ پر

۔۔۔۔۔۔ارحام اپنے سینے پر ہاتھ مارتا چلایا تھا۔۔

حور اس کی بات پر سٹل ہوئی تھی۔۔

تمھارا مقام میری نظروں اور میرے دل سے گر چکا ہے۔ارحام کی بات پر حور کی رنگت سرخ ہوئی۔۔آنکھوں میں گلابی پن بڑھا تھا۔۔حور کے کپکپاتے ہاتھ کی مٹھی نے اپنے گلے میں پہنے لاکٹ کو مضبوطی سے جکڑا۔۔۔

مم مجھ جیسی عورت کو حویلی کیوں لے کر جا رہے ہیں پھر؟؟حور کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی۔۔

ارحام خانزادہ کل بھی تم سے نفرت کرتا تھا۔۔ارحام خانزادہ آج بھی تم سے نفرت کرتا ہے۔۔میری نفرت تمھیں کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔تم کل بھی میری نفرت میں جھلستی تھی۔۔تم اب ساری زندگی میری نفرت میں جھلسو گی۔۔تڑپو گی مگر تمھیں مجھ سے رہائی نہیں ملے گی۔۔

تم اب ہمیشہ ان اونچی دیواروں والی حویلی میں قید رہو گی۔۔۔ارحام خانزادہ کہتے ہوے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔۔حور نے اپنے لاکٹ کو مٹھی میں جکڑتے بے دردی سے پوری قوت سے بے دردی سے کھینچا تھا گلے میں اس کی بے رحمی سے نشان پڑ چکا تھا۔۔ایک پل کے لیے سانسیں ٹوٹی تھیں۔۔وہ گہرے سانس لے کر رہ گئی۔۔اس کی چین ٹوٹتے لاکٹ اس کے ہاتھوں میں تھا۔۔جسے اس نے اہستگی سے اپنے قدموں میں پھینک دیا تھا۔۔۔اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اس نے سیٹ سے ٹیک لگائی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر حویلی کے کار پورچ میں آکر بری طرح چرچرائے تھے۔ بارش اور سردی کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔۔ گیٹ پر اس وقت صرف گل خان موجود تھا۔ حویلی کی پچھلی سائیڈ پر ایک دو گارڈز موجود تھے۔۔ حویلی میں سناٹوں میں ڈوبی تھی۔۔ صرف برستی بارش کی آواز گونج رہی تھی۔ ارحام نے سٹیرنگ پر ہاتھ جمائے اپنے اندر بھڑکتی آگ ٹھنڈی کرنے کی کوشش کی۔ جو وقت کے ساتھ تند و تیز آلاو اختیار کرتی جا رہی تھی۔۔

ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔ عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔۔

ارحام خانزادہ نے وہ لفظ یاد کرتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔۔یہ لفظ نہیں خنجر تھے جو جب یاد آتے اس کے دل میں پیوست ہو جاتے تھے۔۔

ارحام خانزادہ نے وہ لفظ یاد کرتے سٹیرنگ پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا کہ رکی گاڑی میں ارتعاش پیدا ہوا تھا

حور ٹپاٹ انداز میں بیٹھی تھی۔۔اس کا بدن بری طرح کپکپا اٹھا تھا۔

مم میں گاڑی سے نہیں اتروں گی۔۔حور کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی تھی۔

اس کے لفظ سنتے ارحام خانزادہ نے خون اتری آنکھیں اس پر گاڑھیں۔

میں آپ کے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی۔۔ حور کے کپکپاتے لبوں نے ایک بار پھر سے جنبش کی تھی۔ وہ ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے گہرے سانس لے رہی تھی۔

میرے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی تو کہاں جاؤ گی۔۔ ارحام خانزادہ دھاڑا تھا۔۔

کہیں بھی جاؤں گی مگر آپ کے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی۔۔ حور ارحام کو دیکھتے اب کی بار پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

اس کے یوں چیخنے پر ارحام بری طرح مشتعل ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ مقابل کی آواز اونچی ہوئی تھی وہ بھی حویلی کے کارپورچ میں۔۔۔۔۔

آواز نیچے ورنہ آج تمھارا بہت حشر کروں گا۔۔ خبر دار یہاں اب تم نے آواز بھی نکالی سمجھی تم۔۔۔۔ ارحام خانزادہ اس پر جھکا غرایا تھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے گلابی آنکھوں سے اس کی آگ برساتی آنکھوں میں دیکھتے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔

ارحام کچھ پل اس کے حسین نقوش کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا تھا۔۔

حور کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے اس کی کلائی جکڑی تھی۔۔

چھوڑیں مجھے ارحام۔۔۔۔ مجھے آپ کے ساتھ اندر نہیں جانا۔۔ حور پھر سے حلق کے بل چیخی تو اس کی آواز پوری حویلی میں دور دور تک گونجی تھی.

ارحام خانزادہ کے خون میں آگ بھڑکی تھی۔۔وہ اسے کلائی سے کھینچتے ہوے ایک جھٹکے سے باہر نکال چکا تھا۔۔وہ ارحام خانزادہ کے چوڑے سینے میں آسمائی تھی۔

اب تمھاری ایک بار اور آواز نکلی میرا تم پر ہاتھ اٹھ جائے گا۔۔میں نہیں چاہتا میں سب کے سامنے تم پر ہاتھ اٹھاؤں۔اس لیے خاموشی سے اندر چلو ۔۔میرا مزید تماشہ مت بناؤ۔۔ارحام نے اس کا بازو سختی سے دبوچے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد انداز میں تنبیہ کی تھی۔۔

نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ اندر کچھ بھی کر لیں آپ۔۔۔جو ہاتھ آپ نے اندر اٹھانا ہے وہ آج سب کے سامنے اٹھالیں۔حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

حور بکواس بند کرو اپنی۔۔۔۔۔۔ اپنا حلیہ دیکھو۔۔۔ اگر میری حویلی میں سے کسی کی بھی تم پر نظر پڑی تو میں زندہ جلا دوں گا تمھیں۔۔ خاموشی سے اندر چلو۔ ارحام برفیلے لہجے میں کہتا اس کی کلائی جکڑے اندر کی جانب بڑھا۔

چھوڑو مجھے ارحام خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔ مجھے اپنے پاپا کے پاس واپس جانا ہے۔۔ حور اپنا ہاتھ چھڑواتے حلق کے بل پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے اسے کلائی سے سختی سے جکڑے اندر کی جانب بڑھا۔۔ حور کے چیخنے پر اس کے اشتعال میں بری طرح اضافہ ہو رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا حور کے آج بخیے ادھیڑ ڈالے۔ اس کا یوں چیخنا چلانا اس کے اعصاب مشتعل کر رہا تھا۔۔ بہلی

مرتبہ وہ یوں چیخ چلا رہی تھی۔۔ورنہ اس کی سرد نظر پر وہ نظریں جھکا لیتی تھی.

ارحام چھوڑیں مجھے۔۔۔مجھے اپنے پاپا کے پاس واپس جانا ہے۔۔مجھے آپ جیسے جانور انسان کے ساتھ نہیں رہنا۔۔حور اپنی کلائی چھڑواتے اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی حلق کے بل چیخی تھی۔۔ارحام خانزادہ اسے لیے زنان خانے میں داخل ہو چکا تھا۔۔اس کی چیخ و پکار زنان خانے کے لاونج میں گونجی تھی۔۔ارحام خانزادہ نے اسے کلائی سے جکڑے اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کیا تھا۔۔

جانور بولا ہے مجھے۔۔۔آج رات تمھیں میں جانور بن کر دکھاؤں گا۔اس لیے اتنا ہی مجھے غصہ دلاؤ جتنا آج رات مجھے سہن کر سکو۔۔ارحام اس کے

بالوں کو بے دردی سے جکڑتے اس کے لبوں پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔۔

آپ کا جانوروں والا روپ میں پہلی رات دیکھ چکی ہوں۔

اور کیا دکھائیں گے مجھے۔ حور نے سسکی لیتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔۔ خاموشی سے اندر چلو آواز نہ نکلے اب تمھاری۔۔۔

آواز نکلے گی آرحام۔۔۔۔۔ درد دیں گے تو میں بھی بلبلاؤں گی۔۔ تھپڑ ماریں گے تو اس کی گونج کے ساتھ میری چیخ و پکار بھی گونجے گی۔۔ میں

فیصلہ کر چکی ہوں مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔۔مجھے اپنے پاپا کے پاس جانا ہے۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے چیختے ہوئے کہا۔

ارحام اس کے چیخنے اور اس کے لفظوں پر اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا وہ اس کی کلائی جکڑے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔۔اب اس نازک جان کے ساتھ جو بھی کرنا تھا۔۔وہ کمرے میں جا کر کرنا تھا۔۔ آج وہ اس کا نازک بدن سے بیلٹ سے داغدار کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

Arhaam leave me۔i dont want to be with you..

حور بری طرح ہچکیوں سے روتے ہوئے چلائی تھی۔وہ بہت بے دردی سے اس کی کلائی جکڑے ہوئے گسھیٹتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے ؟؟ درید خان کی بھاری غصیلی آواز لاونج میں گونجی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے قدم رکے تھے۔۔ارحام خانزادہ نے اپنا ماتھا مسلتے ہوے گہرا سانس لیا تھا۔۔ارحام نے جلتی نظر حور پر ڈالی تھی۔۔وہ جس حلیے میں تھی وہ کبھی نہیں چاہتا تھا حویلی کے کسی بھی مرد کی اس پر نظر پڑے ۔۔ارحام خانزادہ نے مڑتے ہوے درید خان کو دیکھتے حور کو خونخوار نظروں سے دیکھا وہ آنسو بہاتے ہچکیاں بھرتے کھڑی تھی۔۔ میکسی میں اس کا دو آتشہ روپ قیامت ڈھا رہا تھا۔۔درید خان نے حور کو ایک نظر دیکھے مارے اشتعال کے نگاہیں پھیر لیں تھیں۔۔

حور اپنے کمرے میں جاؤ۔۔۔ارحام نے ظبط سے جبڑے بھینچتے اسے دیکھتے کہا۔۔

میں نہیں جاؤں گی کمرے میں۔۔ حور ہچکیوں سے روتے ہوے چیخی۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہے یہ لڑکی اب یہ تمھارے کمرے میں نہیں جائے گی۔۔لاونج میں سمیع اللہ کی گرجدار آواز گونجی تھی۔۔

سمیع اللہ کی گرجدار آواز زنان خانے کے درودیوار ہلا چکی تھی۔۔

سمیع اللہ کی گرج دار آواز اور حور کی چیخیں سنتے اب سب اپنے اپنے کمروں سے نکلتے لاونج میں آ چکے تھے۔

امینہ خانم روزینہ خانم اربد خان۔ ۔۔ سمیع اللہ خان ۔۔۔حویلی کی تمام ملازمائیں تک آ چکی تھیں۔۔

ارحام کی حالت دیکھتے امینہ خانم تڑپتے ہوے آگے بڑھیں تھی۔۔رک جاؤ امینہ جب تک یہ لڑکی ارحام کی زندگی میں ہے تب تک ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔کوئی اس کے قریب نہیں جائے گا.

داجی یہ لڑکی میری زندگی میں ہمیشہ رہے گی۔۔جب تک میں زندہ ہوں ۔۔۔اس سے میرا تعلق رہے گا۔۔اگر آپ لوگوں نے مجھ سے تعلق توڑنا ہے تو شوق سے توڑیں۔مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔۔ارحام نے سپاٹ انداز میں کہا۔

یہ لڑکی تمھاری بیوی کہلانے کے لائق نہیں ہے۔۔نہ ہی اس حویلی میں رہنے کے لائق ہے۔۔اس نے تم پر الزام لگایا۔۔اپنے باپ کے ساتھ تمھاری عزت پر دو حرف بھیج کر بنا کسی چادر کے چلی گئی۔۔ تمھارا ملازموں

تک نے اسے دیکھا۔۔ آج یہ اس بے ہودہ حلیہ میں سب کے سامنے بے شرموں کی طرح کھڑی چیخ رہی ہے۔۔

داجی یہ عزت ہے میری اس کے بارے میں بہت سوچ سمجھ کر بات کریں۔ برداشت نہیں کروں گا میں اگر اسے کسی نے کچھ بھی کہا تو۔۔ ارحام نے سرد آواز میں کہا۔

اچھا کیا کرو گے برداشت نہیں کرو گے تو اپنی غنڈہ گردی دکھاؤ گے۔۔۔ اس لڑکی کے لیے ہم پر گولی چلاؤ گے یا پھر گولی کھاؤ گے۔۔ ہم کو بتا دو۔۔۔ سمیع غصے سے دھاڑے تھے۔۔

حور کمرے میں جاؤ۔۔۔ ارحام نے اس کی طرف دیکھتے اسے سرد انداز میں حکم دیا۔

نہیں جاؤں گی کمرے میں۔۔۔مجھے نہیں رہنا اس حویلی میں۔۔حور شدت غم سے روتی ہوئی بولی۔۔

یہ نہیں رہنا چاہتی تو یہ اب یہاں نہیں رہے گی۔۔۔اس بے شرم لڑکی کا یہاں وجود ہم کو بھی گوارا نہیں۔

درید خان غصے سے حور کی طرف بڑھے تھے۔۔

خبر دار آپ نے اسے کچھ بھی کہا اسے ہاتھ لگایا برداشت نہیں کروں گا میں۔۔ارحام خانزادہ پوری قوت سے چلاتے حور کے آگے آیا تھا۔۔حور اب اس کی چوڑی پشت کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

عزت ہے یہ میری۔۔۔بیوی ہے میری میری عورت۔۔۔میرے ہی سامنے آپ لوگ کس طرح اسے بے شرم پکار سکتے ہیں۔۔ارحام خانزادہ حلق کے بل چیخا تھا۔۔

ارحام کی چیخ پر شہرام اپنے کمرے سے نکلتا باہر آیا آیا تھا۔۔باہر آکر ارحام کی حالت دیکھتے وہ تڑپتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

لالا۔۔۔یہ کیا ہوا ہے آپ کو یہ کس نے کیا۔۔ارحام کی شرٹ خون آلود تھی۔۔بازو سے خون رس رہا تھا۔۔چہرے اور سر پر زخم تھے۔۔۔شہرام کے خون میں شعلے بھڑکے تھے۔

دفعتاً وہ ارحام کی طرف بڑھتے رکا تھا۔۔حور پر نظر پڑتے شہرام کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے اترے تھے۔۔وہ جبڑے بھینچے وہیں رک گیا تھا۔۔ہمیشہ حور کو چادر میں لپٹا دیکھا تھا۔۔آج وہ بے پردہ کھڑی تھی۔۔

شہرام اپنی مٹھیاں بھینچے الٹے قدموں اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔۔ بھابھی تھی اس کی ایک نظر اس پر ڈال کر وہ مر جاتا دوسری نظر نہ ڈالتا مگر ارحام کے سامنے اس کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔۔ ارحام کی کیا حالت ہوئی ہو گی اپنی عزت کو دیکھتے یہ ارحام کے زخموں سے چور بدن کو دیکھتے اندازہ ہو گیا تھا۔۔

وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

اگر اس لڑکی کو بے شرم نہیں پکارے تو کیا تم کو بغیر۔۔۔ت پکاریں۔۔۔ تم اپنا غیرت اپنا شرم ولحاظ کہاں بھول آیا ہے جو جس جیسا لڑکی کے لیے اپنا خون بہا رہا ہے۔۔ بھول گیا تم ایک پانچ سال کا معصوم بیٹی کا باپ ہے۔۔ اگر تم کو کچھ ہو گیا تو تمھارا بیٹی کا کیا ہو گا۔۔ اس بے شرم لڑکی کو کوئی فرق نہیں

پڑے گا۔۔۔بلکہ تم سا بڑھ کر اس کو کوئی دوسرا مل جائے گا۔۔اور یہ خوشی خوشی اس سے نکاح کر لے گا۔

بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک لفظ اور نہیں۔۔۔۔ارحام بھوکے درندے کی مانند دھاڑا تھا۔۔۔

خار حام کی پشت کے پیچھے کھڑی حور کی لرزاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

آپ کی ہمت کیسے ہوئی میری عزت میری عورت کے بارے میں ایسا کہتے ہوے۔۔۔ارحام نے آگے بڑھتے سمیع اللہ خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔۔

تم اس لڑکی کی خاطر ہمیں آنکھیں دکھائے گا۔۔اس لڑکی کی خاطر جس کو اس طرح کا لباس میں تم باہر سے لایا ہے۔۔جس نے جرگے میں تمھارا عزت دو کوڑی کی خاطر رکھ لضدیا تھا۔۔

اس لڑکی نے نہیں آپ لوگوں نے میری عزت دو کوڑی کا رکھ دیا تھا۔اس نے تو مجھ پر الزام لگایا تھا۔مگر یقین کس نے کیا تھا۔۔اس کے الزام نے نہیں مجھے مارا تھا داجی نے۔۔آپ لوگوں کی بے اعتباری نے مجھے مارا تھا۔ ۔مجھے میرے اپنوں کی بے اعتباری نے اس رات میری ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔۔کسی کو مجھ پر یقین نہیں۔تھا۔میری بیوی جس کے نزدیک پانچ سال میری وفا کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔۔ایک انجان لڑکی اور اس کے الزامات پر اس نے یقین کرتے بھرے جرگے میں مجھ پر کیچڑ اچھالا۔۔اس

رات اس گل نے میری محبت میری وفا پر نہیں ایک انجان لڑکی خوبصورتی پر یقین کیا۔

ارحام خانزادہ کے منہ سے گل کا نام سنتے حور کی ہچکیاں بلند ہوئی تھیں۔

۔ آپ لوگوں کو بھی اپنا پوتے سے زیادہ اسی لڑکی پر اعتبار تھا۔۔ تو بتائیں کس نے میری عزت دو کوڑی کی کی۔ اس لڑکی نے یا پھر آپ لوگوں نے۔

۔ ارحام کرب سے چلایا تھا۔۔

ہم سے بہت بڑا غلطی ہو گیا جو اپنا پوتا پر یقین نہیں کیا۔۔ ہم کو اس رات ذرا بھی خبر ہوتا ہم اس لڑکی کا نکاح اس شاہنواز سے کر دیتا۔۔

ارحام نے سینٹرل ٹیبل اٹھا کر اسی لمحے پوری قوت سے زمین پر دے ماری تھی۔۔ ٹیبل چکنا چور ہوتے زمین پر بکھڑی۔۔ امینہ خانم نے تڑپتے ہوے رونا شروع کر دیا تھا۔۔

مار دیں داجی مجھے ایک مرتبہ ہی مار دیں کیوں میری جان ایسے لے رہے ہیں۔۔ یہ عزت ہے میری میری ملکیت جس پر ایک نظر گوارا نہیں آپ بار بار اس کے لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔۔ آج کے بعد میں آپ سب سے اپنا ہر تعلق توڑتا ہوں۔۔ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔۔۔۔ ارحام غصے سے چیختا ہوا حور کی طرف بڑھا تھا اس کی کلائی جکڑے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔۔ اس بار حور نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔۔ وہ ارحام کی گرفت میں کھنچتی ہوئی اس کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔۔ اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا تھا مگر اس کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔۔

ارحام مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔مجھے میرے پاپا کے پاس جانا ہے ۔خدا کے لیے مجھے جانے دیں۔۔ حور کمرے میں داخل ہوتے روتے ہوے التجائیہ لہجے میں بولی۔باہر ارحام کا روپ دیکھ کر وہ مزید خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔

ارحام نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے بے دردی سے دیوار کی طرف دھکیلا تھا۔۔ حور کی کمر بہت بے دردی سے دیوار کے ساتھ لگی تھی۔۔ درد پورے وجود میں سرائت کرتا محسوس ہوا تھا۔۔شال زمین بوس ہوئی تھی۔۔

وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے چیخیں مار مار کر رو دی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اس کی چیخیں سن رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے کمرے میں رکھا کرسٹل واز اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا تھا۔۔ کرسٹل واز حور کے قریب دیوار پر آکر لگا۔۔ اس کی چیخیں یکدم تھمی تھیں۔۔ وہ خوفزدہ نظروں سے اپنے پیروں کے پاس پڑے ٹوٹے کانچ کو دیکھ رہی تھی۔۔ واز اس سے دو انچ کی دوری پر لگا تھا۔۔ ارحام نے یہ واز اسے مارا تھا۔۔ اس نے بے یقینی سے اس ٹوٹے کانچ کو دیکھتے ارحام خانزادہ کو دیکھا تھا۔

یہ واز آپ نے۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مجھے مارنے کے آرادے سے دیوار پر مارا تھا۔۔ حور نے ٹوٹے لفظوں سے بے یقینی سے پوچھا۔۔ سامنے

کھڑا انسان ظالم تھا۔۔ سفاک تھا بے رحم بھی تھا۔۔ لفظوں سے اس کا دل چھلنی کرنا جانتا تھا۔۔ وہ شدتیں ڈھانے میں بھی ہر حد سے گزر جاتا تھا۔۔ مگر وہ اسے جان سے مارنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔۔ اتنا ظالم نہیں تھا۔۔

اگر تمھیں مارنے کے یہ واز مارا ہوتا تو میر انشانہ کبھی نہ چونکتا۔ لیکن کاش آج میر انشانہ چونک جاتا تو اچھا ہوتا ارحام ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد دیوار پر اپنے ہاتھ محصور کر چکا تھا۔

جھوٹ۔۔۔ جھوٹ۔۔۔۔ بولتے ہیں آپ۔۔۔ یہ واز آپ نے مجھے مارنے کے لیے مارا تھا۔۔ آپ ایک درندے ہیں۔۔ جو کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ آپ

مجھے مار بھی سکتے ہیں۔۔ حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے سسکیوں سے بولی۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو.. میں تمھیں مار بھی سکتا ہوں۔ کیونکہ تم جیسی عورت کا انجام یہی ہے کہ اسے مار دیا جائے۔۔ آج تمھاری جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔

آپ کو کیا لگتا ہے ؟؟ آپ مجھے جان سے ماریں گے تو آپ چین سے اپنی زندگی گزار لیں گے۔۔ سلطان شاہ اس حویلی کے درودیوار ہلا دے گا۔۔ اگر اس کی بیٹی کو ایک آنچ بھی پہنچی۔۔۔ ابھی تو میں نے اپنے باپ کو آپ کے اس ظلم کے بارے میں نہیں بتایا۔۔ جو آپ نے مجھ پر ہمارے نکاح کی رات کو ڈھایا تھا۔۔ انھیں خبر بھی ہو گئی کس طرح آپ نے مجھے

اپنی درندگی سے مسلا تھا۔۔وہ آپ کی جان اپنے ہاتھوں سے لیں گے۔۔حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکیوں سے بولی۔۔

اچھا تمھارا باپ میری جان لے گا۔۔۔اور جو تم نے اس رات مجھ پر ظلم ڈھایا تھا۔مجھے برباد کیا تھا۔۔اس کا کیا؟؟ارحام چیخا تھا۔۔

جائیں اپنا لیں اس گل کو۔۔جو آپ کے انتظار میں آج بھی بیٹھی ہے۔۔دل میں تو وہ آپ کے ہے ہی اس حویلی اس کمرے اس بستر پر بھی لے آئیں۔۔حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اب کی بار چیختے ہوے بولی۔۔

لے آؤں گا اسے بہت جلد وہ ادھر اس بیڈ پر ہو گی۔۔مگر تمھیں پھر بھی کہیں نہیں جانے دوں گا۔۔یہی رہو گی اب ہمیشہ میری قید میں۔۔۔ارحام

اس کے بال بے دردی سے دبوچے غرایا تھا۔اس کے بار بار یہاں سے جانے کی بات پر اس کے طیش او اشتعال میں مزید آضافہ ہوا تھا۔۔پارٹی میں ہوے تماشے باہر لاونج میں ہوے تماشے نے اس کی دماغ کی رگیں بھڑکائیں ہوئی تھیں۔۔اوپر سے حور کا چیخنا اس کی زندگی سے جانا اسے مزید پاگل کر گیا تھا۔۔

مجھے نہیں رہنا آپ جیسے درندے کے ساتھ سنا آپ نے۔۔۔میں یہاں نہیں رکوں گی۔۔دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہیں آپ مجھے؟؟۔۔حور نے ارحام خانزادہ کو پوری قوت سے دور دھکیلا۔۔مگر ارحام کو وہ ایک آنچ نہیں خود سے دور نہیں کر سکی تھی۔۔وہ ارحام کو گلابی آنکھوں سے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔۔ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔۔

اپنی انرجی ویسٹ مت کرو۔۔۔۔نہ تم تمھارا باپ میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔۔اور تم جو یہاں سے جانے کا سوچ رہی ہو یہ ناممکن ہے۔۔۔اب تم کھلے آسمان کو دیکھنے کو ترسو گی۔۔بہت پہلے بھی میں نے تمھیں یہی کہا تھا۔۔مگر اب میں یہ کر کے دکھاؤں گا۔۔تمھارا اس کمرے سے بھی باہر جانا بند۔۔۔کسی سے بات کرنا بند۔۔۔میرے علاوہ تم اب کسی کا چہرہ نہیں دیکھ سکو گی۔۔۔ساری عمر اب صرف میرا چہرہ دیکھو گی۔۔جس چہرے سے تم سب سے زیادہ نفرت کرتی ہو۔۔افسوس اب دن رات وہی چہرہ دیکھنے کو ملے گا۔۔کیا گزری گی اس معصوم دل پر۔۔۔۔ارحام نے اس کی دھڑکنوں پر انگلی رکھی تھی۔۔۔حور نے نفرت سے اس کی انگلی جھٹکی تھی۔۔

ارحام کے پورے بدن میں جیسے سوئیاں چبھی تھیں۔۔اس کا انگلی جھٹکنا وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ آنکھوں سے شرارے اسی پل نکلے تھے۔۔

ارحام نے اسی پل اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی میکسی کی سائیڈ زپ کھولتا اسے کندھوں سے نیچے کھسکاتا جھکتے ہوے اس کی گہرائیوں میں اپنا شدت بھرا لمس چھوڑا تھا۔۔اس کی شدت پر حور کی سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔ حور نے اسے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور کرنے کی کوشش کی ۔۔وہ اس کی بیلی بٹن پر اپنا ہاتھ سختی سے ہاتھ جمائے اسے مزید دیوار کے ساتھ لگائے اس کی گہرائیوں پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔ حور نے سسکتے ہوے دونوں ہاتھوں سے اسے خود سے دور کرنا چاہا۔۔

ارحام کے ہاتھوں کی بے باکی نے شدت اختیار کی تھی۔ اپنے پورے بدن پر اس کے ہاتھوں کی بے باکی وہ محسوس کر رہی تھی۔۔ اس کے ہاتھ کچھ ہی لمحوں میں اس کے بدن کی ہر گہرائی کو ماپ چکے تھے۔۔

چھوڑیں مجھے ارحام۔۔۔۔۔۔ حور نے سسکتے ہوئے کہا۔۔

وہ مزید اس کا جنونی لمس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

ارحام اس کے تڑپنے پر اس سے دور ہوا۔۔

۔ابھی صرف اتنی سی شدت ڈھائی ہے۔۔ تمھارا یہ حال ہو گیا ہے۔۔ آئندہ مجھے خود سے دور جھٹکا۔۔ صرف اپنے ہاتھوں کی بے باکی نہیں دکھاؤں گا۔۔ بہت کچھ کروں گا۔۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو میرے بہت کچھ سے کیا مراد ہے۔۔ ارحام خانزادہ اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے ڈریسنگ

کی طرف بڑھا... ڈریسنگ کے ڈرار سے میڈیکل باکس نکالتے اسے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا۔۔ اپنی شرٹ اتار کر اس نے دور اچھالی تھی۔۔

بازو کا زخم اتنا گہرا تھا کہ حور کی نظر اس کے گہرے زخم پر پڑی تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہچکیاں روک چکی تھی۔۔

ارحام نے میڈیکل باکس سے زخم صاف کرنے والی سپرٹ نکالتے کاٹن پر ڈالتے بے دردی سے اپنے بازو پر رکھتے زخم صاف کیا تھا۔۔ پٹی نکالتے اس نے بے درددی سے اپنے بازو پر لپیٹے اسے گرہ لگائی تھی۔

حور دیوار کے ساتھ لگی اسے لرزتے ہوئے بھیگی گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ مرر میں دیکھتے سپاٹ انداز میں اپنا کام کر رہا تھا۔۔ جہان بدن کے زخموں کا کوئی درد نہیں تھا۔۔ چہرہ انتہائی سرد پتھریلا تھا۔۔

وہ بہت ہی بے دردی سے اپنا کام کر رہا تھا۔۔۔ سر سے بہتا خون بھی اس نے کاٹن سے بے دردی صاف کیا تھا۔۔ اب وہ ڈریسنگ پر دونوں ہاتھ رکھے تھوڑا جھکتے مرر میں سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

مرر میں نظر آتا حور کا ہچکولے لیتا وجود دیکھ کر وہ اپنا سر جھٹکتے ایک بار پھر سے استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔

حور نے اس کی دہکتی نظروں پر اپنی میکسی کندھوں سے اوپر کرتے اپنی میکسی کی سائیڈ زپ بند کی تھی۔۔ ارحام کی سرخ سرد نظریں مرر میں نظر آتے اس کے لہروں کی مانند بل کھاتے بدن پر تھیں۔ میکسی بدن کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔۔ اس کے نشیب و فراز جیسے باہر آنے کو بیتاب تھے۔۔ اتنی فٹنگ تھی میکسی کی کہ ایسا لگتا تھا جیسے میکسی پہن کر اسے سلوایا گیا ہو۔۔ ارحام خانزادہ کی نظروں میں تپش بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔

اسی حلیے میں وہ بنا کسی شرم کے پارٹی میں کھڑی تھی۔۔اس ساحر خانزادہ کے قریب کھڑی تھی۔اور اسی حلیے میں آج اسے اس کے گھر والے بھی دیکھ چکے تھے۔ارحام خانزادہ کے چہرے پر ایک بار پھر سے تکلیف کے اثار نمودار ہوے تھے۔

مجھے قبول یہ بھی نہیں

تجھ کو آئینہ دیکھے

تجھ کو صرف میں دیکھوں

اور صرف میرا خدا دیکھے

ساحر خانزادہ کی نگاہیں یاد آئیں تھیں جو وہ اس کی حور پر گاڑھے ہوے تھا۔۔اور وہ ایسے ہی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ ڈریسنگ مرر کی ٹیبل پر زور سے مکہ مارتا چلا اٹھا تھا۔۔

ارحام کی چیخ پر حور منہ پر ہاتھ رکھے چیخ پڑی تھی۔۔وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی۔۔اسے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر ارحام خانزادہ کے طیش و اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اس کی طرف بڑھتے اسی کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے اپنے مقابل کیا تھا۔۔

مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔۔مجھے جانا ہے یہاں سے۔۔

مجھے جانے دیں ارحام۔۔۔ حور اس کی گرفت میں بری طرح پھڑ پھڑاتے ہوے چیخی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کے خون میں بھانبھر اٹھے تھے۔۔ وہ یہاں سے کیوں جانا چاہتی تھی؟؟ وہ سمجھ گیا تھا۔۔ کوئی اس کا آج بھی منتظر تھا۔۔

میں سچ میں ساحر خان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مگر ساحر خان کسی اور کا دیوانہ نکلا.. وہ سچ میں بہت لکی تھی۔۔ جتنی وہ خوبصورت تھی۔۔ اتنی ہی لکی کہ ساحر خانزادہ جیسا انسان اس پر مرتا ہے۔۔ مگر افسوس وہ جتنی خوبصورت تھی۔۔ وقت کے ساتھ وہ اتنی ہی بدقسمت ٹھہری کہ اس کی زندگی میں ساحر خانزادہ نہ رہا۔۔ اب ساحر خانزادہ جیسا بندہ کسی کی زندگی میں نہ رہے۔۔ وہ بدقسمت ہی ہو گا ناں۔۔۔۔۔ نشا کے الفاظ یاد کرتے وہ پاگل ہوا تھا۔۔

کیوں جانا چاہتی ہو یہاں سے ہاں ؟؟.۔۔اس کے پاس جانا چاہتی ہو ناں تم ۔۔اپنے عاشق کے پاس۔۔۔۔۔ارحام طیش او اشتعال سے چلایا تھا۔

ہاں اس کے پاس جانا چاہتی ہوں۔۔اس سے پہلے وہ حور اپنا جملہ مکمل کرتی ارحام اس کی گردن جکڑ چکا تھا۔۔

کیا بکواس کی ہے تم نے ؟؟ارحام اس کی گردن پر دباؤ ڈالتے دھاڑا تھا۔۔

حور نے اپنی گردن دونوں ہاتھوں سے چھڑوانے کی کوشش کی۔۔وہ اس کی گردن پر خطرناک حد تک دباؤ ڈال گیا تھا۔۔

حور کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں تھیں۔

ارحام خانزادہ نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو حور گھٹنوں کے بل گری تھی۔۔وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانس رہی تھی۔۔

نہیں رہوں گی آپ کے ساتھ۔۔۔ نہیں رہوں گی آپ کے ساتھ۔ چلی جاؤں گی اپنے پاپا کے پاس۔۔۔ حور ہچکیوں سے روتے ہوے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپا گئی تھی۔۔

ارحام گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پانے لگا۔۔

اپنی پینٹ کی بیلٹ اتارتے اس نے زمین پر دے ماری تھی۔۔

بیلٹ حور کے پاس آکر گری تو حور گھٹنوں میں ہی منہ چھپائے لرز اٹھی تھی۔۔ارحام کی سرد نظریں اس کے لرزتے وجود پر ہوتی زمین پر پڑی اپنے چمڑے کی بیلٹ پر تھیں۔

وہ اپنا سگریٹ اور لائیٹر نکال کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھا سگریٹ جلا کر لبوں سے لگا گیا تھا۔۔

حور اس کے قدموں میں بیٹھی گھٹنوں میں منہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔۔ ارحام اسے سرخ آنکھوں سے گھورتے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔.

ارحام صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔۔ آنکھوں میں سرخی کے ڈوروں کے ساتھ جنونی کیفیت بھی تھی۔ نظریں صرف قدموں میں بیٹھے ہچکولے بھرتے نازک وجود پر تھیں۔ جو گھٹنوں میں منہ دیے ہچکیوں سے روتے ہوئے بری طرح لرز رہی تھی۔۔

ارحام کی آنکھوں میں تپش اور جنونیت بڑھتی جا رہی تھی۔۔وہ اب اپنی ایک ٹانگ ہلاتے حور کے قریب اپنی بیلٹ کو دیکھ رہا تھا۔۔سامنے بیٹھی اس کی بیوی نے اپنے جسم کی نمائش کی تھی۔۔اس جسم کو داغدار کرنے سے کم سزا تو ہونی نہیں چاہیے۔اس جسم کو اتنا بدصورت ہونا چاہیے کہ مقابل کبھی اپنے جسم کی نمایش نہ کر سکے۔۔ارحام خانزادہ چبھتی نظروں سے اس کی بل کھاتی کمر کو دیکھتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ مارتے ایک ہاتھ سے سگریٹ کے گہرے کش لیتے سوچ رہا تھا۔۔اس کے گھٹنوں کے گرد لپٹے میکسی کے باریک کٹ دار سلیوز سے نظر آتے لشکارے مارتے دودھیا بازوؤں کو تپش زدہ جھلستی نگاہوں سے وہ دیکھ رہا تھا۔۔اپنے سینے میں بھڑکتی آگ کو سگریٹ کا دھواں اپنے اندر اتارتے کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جو کم ہی نہیں ہو رہی تھی مزید بھڑکتی جا رہی تھی۔۔۔

ارحام خانزادہ کی نظریں اب اپنے ہاتھ میں پکڑے جلتے سگریٹ پر تھیں۔ دل دو دماغ جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں تھا۔۔ ایسی آگ بھڑک رہی تھی کہ دل کر رہا تھا آج سامنے بیٹھے وجود کو وہ جلا ڈالے اور دل پھر بھی چین نہ پائے۔۔ اٹھو یہاں سے جاؤ چینج کرو۔۔۔ اس شرمناک بے ہودہ لباس کو اپنے جسم سے آزاد کرو۔۔۔ حویلی کی عورتوں کی طرح شرم وحیا والا لباس پہنو۔۔ جس میں تمھارے جسم کی نمائش نہ ہو سکے۔۔ ارحام خانزادہ نے اسے چبھتی نگاہوں سے دیکھتے کاٹ دار لہجے میں حکم دیا۔۔

کیا خرابی ہے اس لباس میں ؟؟۔۔ مجھے اسی طرح کے لباس پہننے کی عادت ہے۔۔ میں نے ہمیشہ ایسا ہی لباس پہنا ہے اور کمرے میں تو میں آپ کو اس سے بھی بدتر لباس میں اچھی لگتی ہوں۔۔۔ جس طرح کی ولگر نائٹیز آپ نے میرے لیے خریدی ہیں۔ وہ تو پہننے کے لائق تو دور دیکھنے کے بھی لائق

نہیں ہیں۔۔ مگر ہر رات آپ کے حکم پر وہ پہنی ہیں تا کہ مجھے دیکھ کر آپ کو خماری چڑھ جائے اور رات رات بھر میں آپ کی حوس کا نشانہ بن سکوں۔۔۔ حور گھٹنوں سے منہ اٹھائے چیخ پڑی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس کے چیخنے اور اس کی بات پر بری طرح مشتعل ہوتے اس کی طرف جھکتے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔۔

یہ لباس تم نے تب پہنا جب تم حور سلطان شاہ تھی۔۔ اب تم حور خانزادہ ہو ۔۔۔ یعنی میری بیوی میری ملکیت میں۔۔۔

اور جب تم رات رات بھر میری حوس کا نشانہ بنتی تھی تو تمھارے وجود پر وہ ولگر نایٹیز بھی نہیں رہتی تھیں۔ لگتا بھول گئی ہو رات رات بھر میرے حوس کا نشانہ بنتے تم کس حلیے میں میری بانہوں میں ہوتی تھی۔۔

وہ نائٹیز تم کمرے میں اپنے شوہر کے سامنے پہنتی تھی۔۔ یہ لباس تم نے غیر مردوں کے سامنے پہنا ہے۔۔ میں حق رکھتا ہوں تم پر۔۔۔ تمھیں جیسے چاہوں چھو سکوں۔۔ جیسے چاہوں دیکھ سکوں۔ اور کوئی دوسرا مرد تمھارے ایک بال کو دیکھنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔۔ تمھیں خدا نے سر سے پیر تک صرف میرے لیے بنایا ہے۔۔

ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچ گیا تھا۔۔

آئندہ اس طرح کی بکواس کی۔۔۔ میرے حق کو یوں چیلنج کیا۔۔ میں تمھارا خوبصورت بدن اس سگریٹ سے داغدار کر دوں گا۔۔ ارحام کی بات پر حور نے خوفزدہ ہوتے اس کے ہاتھ میں پکڑے جلتے سگریٹ کو دیکھا تھا۔۔

ارحام نے اس کا جبڑہ ایک جھٹکے سے چھوڑا تو وہ اس سے دور ہوتے پیچھے کو کھسک گئی۔۔

آپ بہت برے ہیں ارحام۔۔۔۔۔۔بہت برے۔۔۔۔میں بھولی نہیں ہوں جو سلوک میرے ساتھ آپ نے ہمارے نکاح کی رات کو کیا۔۔میرے بدن کو نوچا تھا آپ نے۔۔۔کتنا چیخی تھی کتنی معافیاں مانگیں۔۔مگر آپ کی سفاکی آپ کا ظلم بڑھتا گیا۔۔میری چیخیں تک آپ نے روک دیں تھیں۔۔مجھے نفرت ہے شوہر کے اس حق سے۔۔۔مجھے نفرت ہے آپ کے حق سے۔۔مجھے نفرت ہے آپ سے۔۔۔۔حور پیچھے کو کھسکتی سسکیوں سے روتے ہوئے بولی۔۔

حور کی باتوں پر ارحام کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی جا رہی تھیں۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نفرت کا اظہار کر رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ صوفے سے اٹھتے ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھا تو حور منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ پڑی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے اسے بالوں سے دبوچتے کھڑا کرتے اپنے مقابل کیا تھا۔۔ حور نے درد سے کراہتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا۔۔

اس ایک رات کو تم آج تک نہیں بھولی۔۔ اگر ہر رات تمھاری ویسی ہی گزرے تو پھر تمھاری نفرت کی انتہا کیا ہو گی۔۔

اتنی نفرت کرو گی مجھ سے۔۔۔۔۔ جتنی نفرت مجھے اس وقت تم سے محسوس ہو رہی ہے۔ ارحام اس کے بالوں کو دبوچتے اس کے گردن کو بری طرح جھٹکا دیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

میری نفرت کا آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔۔ جتنی میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔۔اس کی کوئی انتہا نہیں۔۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں گلابی آنکھوں سے دیکھتے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔۔ ارحام نے بہت بری طرح اس کے بالوں کو جھٹکا دیا تھا۔۔اس کی گردن اور سر میں شدید کھنچاؤ پڑا تھا۔۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔

حور کے نفرت کے اظہار پر ارحام کے چہرے پر کرب واذیت کی انتہا لہرائی تھی۔۔ آنکھوں میں وحشت کی سرخی چھائی تھی.۔۔

ارحام اس کے بالوں کو ایک جھٹکے سے چھوڑتے رخ موڑ گیا تھا۔۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر بمشکل قابو پایا تھا۔ ارحام کی بے رحم گرفت سے آزادی ملتے ہی حور پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بری طرح رونے لگی تھی۔۔ مقابل سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ نفرت بھی محسوس ہو رہی تھی۔۔

اپنی تذلیل پر رونا بھی آ رہا تھا۔۔ ارحام اس کی چیخیں سنتے بری طرح مشتعل ہوتے اس کی طرف مڑا۔۔

جتنی مرضی نفرت کر لو۔۔۔ تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ تم اب اس کمرے میں میرے پاس رہو گی۔۔۔ جتنی مرضی چیخیں مارو... تمھاری چیخیں اس کمرے کے در و دیوار سے ہوتے مجھ تک ہی پلٹا کریں گی۔۔۔ اب کوئی غیر مرد تمھیں نہیں دیکھے گا۔ بلکہ کوئی عورت بھی تمھیں نہیں دیکھ سکے گی۔۔ میرے نزدیک تمھاری یہی سزا ہے۔۔ ارحام اس کے گرد دیوار پر

ہاتھ رکھے اس کے چہرے پر جھکتے اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے سلگتے لہجے میں پھنکارا تھا۔

اب ڈریسنگ روم میں جاؤ۔۔۔۔۔اس لباس کو چینج کرو۔۔۔مجھے یہ لباس کانٹوں کی طرح چبھ رہا ہے۔۔ایک آگ دہکتی ہے میرے اندر جب اس لباس میں تمھیں دیکھتا ہوں۔۔اسے اتار کر مجھے دو تاکہ اسے نظر اتش کر سکوں۔۔اگر کچھ دیر اور تم اس لباس میں رہی تو میں اس لباس سمیت تمھیں آگ لگا دوں گا۔۔ ہمممم۔۔۔۔۔۔۔اب جاؤ۔۔۔۔۔۔مجھ سے خوفزدہ ہونے کی شاندار ایکٹنگ کرتے کانپتے لرزتے اس لباس کو چینج کرو۔۔۔

ارحام نے اس کے لرزتے وجود اور اس کی خوف زدہ آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا۔۔ مقابل اس سے ایسے ڈرتی لرزتی تھی۔۔۔ جیسے ابھی جان سے چلی جائے گی۔۔۔ مگر ہمیشہ وہ ہی کرتی تھی جو اس کے غصے کا سبب بنتا تھا۔۔ ارحام نے غضبناک ہوتے حور کے وجود پر اپنی سرد نگاہیں گاڑھیں۔

بدن بری طرح لرز رہا تھا وہ اپنی گلابی بھیگی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھی۔

اس کا بری طرح لرزنا محسوس کرتے وہ اپنے اندر اٹھتے طوفانوں پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ یہ وہی جانتا تھا وہ ضبط کے کس مراحل سے گزر رہا تھا۔۔۔ ایسی وحشت ایسے جنون کے ابال اٹھ رہے تھے۔۔ دل کر رہا تھا آج پھر سامنے کھڑے نازک وجود کو روند ڈالے۔۔۔ مگر آج مقابل کے ساتھ اس کے دل

کا رشتہ تھا۔۔ سامنے کھڑی لڑکی کو دیوانگی کی حد تک چاہتا تھا۔ اس کا جنون اس کی دیوانگی سامنے کھڑی لڑکی کو کچھ کہنے نہیں دے رہی تھی۔۔ اور اس کی یہی دیوانگی یہی محبت یہی جنون اس پر کسی کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ لاوے کی طرح پھٹ رہا تھا۔۔ آتش گیر مادے کی طرح اس کے وجود کے اندر سے ٹکڑے ہو رہے تھے۔۔

وہ اسی جنون اسی تڑپ میں سلگتے جھلستے سامنے کھڑی لڑکی کے بھی ٹکڑے کرنا چاہتا تھا۔۔۔

نہیں کروں گی یہ لباس چینج ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آج سے وہ حور مر گئی۔۔ جو آپ کا ہر حکم خاموشی سے مانتی تھی۔۔ حور نے نڈر لہجے میں چیخ کر کہا تھا۔۔ مقابل کی سختی اور بے رحمی اس کے حواص سلب کر رہی تھی۔۔ اب کچھ ہی وقت تو ہوا تھا۔۔ وہ اسے اپنی پناہوں میں مان اور محبت

بخشنے لگا تھا۔ جنونی لمس بھری شدتوں میں کتنی تڑپ ہوتی تھی۔۔ لبوں کی حدود سر کے بالوں سے پیروں تک آ گئی تھی۔۔۔ آج وہ پھر سے نفرت کا راگ آلاپتے اس کی تذلیل کر رہا تھا۔۔ اب یہ تذلیل اس کی روح کو بھی گھائل کر رہی تھی۔۔ جو اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔ وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔

ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔۔ پھر اسے کلائی سے جکڑے واش روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو گیا۔۔

ارحام چھوڑیں مجھے۔۔۔ حور اپنی کلائی چھڑواتے چیخی تھی۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا وہ سمجھ چکی تھی۔۔ اس واش روم میں وہ بہت بار اپنا حق لے چکا تھا۔۔ حور کی رگوں میں اس کی جنونی شدتیں یاد کرتے سنسنی دوڑی

تھی۔۔ حور نے چیختے تڑپتے اپنی کلائی چھڑوانی چاہی۔۔ وہ اسے بے دردی سے جکڑے باتھ ٹب کی طرف بڑھا۔۔

واش روم کے بیچ و بیچ بنے راونڈ شیپ میں بنے باتھ ٹب میں اسے وہ بہت بے دردی سے دھکیل گیا۔۔

حور پانی سے بھرے باتھ ٹب میں سیدھی کمر کے بل جا گری تھی۔۔

اس سے پہلے وہ اس باتھ ٹب سے نکلتی وہ روف شاور آن کرتے باتھ ٹب میں گھس چکا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور خوفزدہ ہوتے چیختے ہوے پیچھے کو کھسکی تھی۔۔

۔۔روف شاور سے ان دونوں پر پانی گر رہا تھا۔۔ جس سے دونوں کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔۔ حور کا پورا بدن پانی میں ڈپ

تھا۔۔ ارحام پانی میں اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کیے اس کی کمر کو جکڑے اپنا وزن اس پر ڈالے ہوے تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے گہرے سانس لیتے ارحام کو پکارا۔۔

روف شاور سے پانی کی بوچھاڑ تیزی سے ان دونوں پر گرتی ان دوونوں کی سانسیں بلکل ناہموار کر چکی تھی۔۔ باتھ ٹب کافی گہرا اور بڑا تھا اور اوپر تک پانی سے بھرا ہوا تھا۔۔

ارحام کی سرد سرخ جنونی نظروں سے اس کی جان جا رہی تھی۔ باتھ ٹب کے ٹھنڈے پانی میں اسے ارحام کا بدن تانبے کی مانند جلتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ مقابل کی دیوانگی اور کمزوری سے اچھی طرح واقف تھی۔۔ اس کے

قریب آتے ہی مقابل کا بدن ایسے ہی سپارک کرنے لگتا تھا۔۔ پورے وجود سے شعلے پھوٹنے لگتے تھے۔۔

حور سرخ رنگت کے ساتھ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ آج بھی میرے ساتھ وہی کچھ کریں گے آپ۔۔۔۔ جو ہمیشہ کرتے ہیں۔ حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سسکی لی تھی

ہاں۔۔۔۔ تاکہ تمھیں احساس ہو کہ تم آج بھی میری ملکیت ہو۔۔ تمھارے پور پور صرف میرا حق ہے. ارحام اس کے بالوں کو دبوچے اس کے لبوں پر شدت سے جھکتے پانی میں گم ہوا تھا۔۔

اس کے اس طرح رونے اور تڑپنے پر وہ پاگل ہوا تھا۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے قطرہ قطرہ اس کی سانسیں کھینچتے اس کی گہرائیوں پر اپنے ایک ہاتھ سے شدت بھرا لمس چھوڑتے اسے باور کروا رہا تھا۔۔ وہ صرف اس کی ہے وہ اس کے جسم و جاں کا مالک ہے۔۔

ارحام کے شدت بھرے لمس اور پانی میں اس کی سانسیں ناہموار ہوتے مدھم ہوئیں تھیں۔۔ ارحام خانزادہ اس کی سانسیں انہیل کرتے اس کے لبوں کو شدت سے اپنے دانتوں میں دبا گیا تھا۔۔ حور کی سانسیں اب تقریباً رک گئی تھیں۔

جسے محسوس کرتے ارحام اس کے لبوں کو آزادی دیتے اس کی کمر کو جکڑے اوپر کو ہوا۔۔ پانی کی سطح پر آتے حور گہرے سانس لیتے ارحام کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔۔ جن میں خوف کی گہری تحریر رقم تھی۔۔ وہ

جس طرح اسے جکڑے ہوے تھا۔۔ وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ زخمی ہوتے ہوے بھی اس پر پوری طرح قابو پائے ہوے تھا۔ حور کے چہرے پر بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ جب بھی اس کے قریب آیا۔۔ اس نے کبھی خوف سے مزاحمت نہیں کی تھی۔۔ اور آج اسے احساس ہوا تھا۔۔ وہ مزاحمت کر بھی نہیں سکتی تھی۔۔ وہ پہاڑی خان تھا۔۔ جس کی پناہوں میں اس کے پہاڑ جیسے وزن سے سانس آ جائے تو غنیمت تھا کجا کہ وہ مزاحمت کرتی۔۔۔

ارحام اپنی بے ترتیب سانسوں کو بے حال کرتے اس کے چاندی جیسے مہکتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔۔ ارحام خانزاہ کی سرد سرخ جنونی نگاہیں اس کے شولڈر پر موجود سیاہ تل پر تھیں۔۔ جو آج میکسی میں بھی نظر آ رہا تھا۔

حویلی میں ان چھ ماہ میں اس نے جیسا لباس پہنا تھا۔۔اس میں کبھی اس کا یہ تل نظر نہیں آیا تھا۔۔اگر کبھی کسی ڈیپ گلے کی وجہ سے اس کے گردن کے پاس شولڈر پر وہ تل نظر بھی آجائے تو اوپر بہت بڑی چادر اوڑھ کر رکھتی تھی۔۔۔۔اس کے بالوں کے ساتھ بدن کے تل پر بھی وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اسی لیے وہ اس کی چادر سرکنے نہیں دیتا تھا۔۔اور اس کے سامنے لرزتے نازک وجود کو اس بات کی خبر تھی۔۔اس تل میں اس کی جان بستی ہے۔۔وہ اس کے بدن کے ہر تل کو کتنی شدت سے چومتا تھا۔۔یہ نازک وجود اچھی طرح جانتا تھا۔۔

مگر آج یہ سیاہ تل اس کی میکسی سے دکھائی دیتا پوری آب تاب وسے چمک رہا تھا۔۔

ارحام نے اس کے قریب ہوتے اس کی دونوں کلائیاں اس کی کمر کے پیچھے لے جا کر لاک کیں۔۔۔ حور اس کے ایکٹ پر مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔

وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔۔

ارحام۔۔۔ حور نے پھر سے اسے بے بسی سے پکارا۔۔

ارحام نے اس کی کلائیاں اس کی کمر پر لاک کرتے شولڈر کے تل پر بہت بے رحمی سے دانت گاڑھے تھے۔۔ ارحام کی شدت پر وہ چیخ اٹھی تھی۔۔

ارحام کی شدت پر حور کی آنکھوں سے سیال مادہ شدت سے جاری ہوا تھا۔۔ ارحام اپنے دانتوں کا دباؤ شولڈر کے تل پر بڑھاتا جا رہا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کی شدت اس کے تل پر بڑھتی جا رہی تھی۔۔ حور کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔۔

آج اس تل پر غیر مردوں کی نظر پڑی تھی۔۔۔ آج وہ یہ تل فنا کر کے رکھنا چاہتا تھا۔۔ جسے دیکھنے کا حق صرف اسے تھا۔۔

ارحام اپنا جنونیت بھرا لمس اس کے شولڈر پر دے کر پیچھے ہوا۔۔

حور اب خوف سے سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی۔ ایک ٹک ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔۔

اپنے بدن کے اسی تل کی نمائش کی تم نے آج۔۔۔۔ اسے میں سزا دے چکا ہوں۔۔۔ اور تمھارے بدن پر کہاں کتنے تل ہیں۔۔ کتنے نشان ہیں۔۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔۔ تمھارے بدن کی ایک ایک گہرائی سے واقف ہوں۔۔ اتنا تم نے خود کو نہیں دیکھا ہو گا۔۔ جتنا میں نے تمھیں دیکھا

ہے۔۔یہ تل کافی اوپر تھا۔۔اس لیے تمھاری بچت ہو گئی۔۔خدا قسم تمھارے بدن کا کوئی اور تل ذرا سا بھی نمایاں ہو جاتا۔۔میں وہ حصہ کاٹ کر پھینک دیتا۔۔۔آج کے بعد اس تل کی بھی تم نمایش نہیں کرو گی۔۔جب جب تمھیں میرا یہ لمس یاد آئے گا۔۔تم خود کو سات پردوں میں چھپا کر رکھو گی۔۔اس تل کو تو اب تم بھی نہیں دیکھو گی۔۔

وہ اس کی خوفزدہ نگاہوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔حور کی گلابی آنکھیں مزید گلابی ہوئیں تھیں۔وہ سسکتے ہوے ارحام کو دیکھنے لگی۔۔اس نے بہت بے رحمی دکھائی تھی شولڈر کے اس تل پر۔۔۔

ویسے میں بھی کتنا بیوقوف ہوں۔۔جو بار بار ایک ہی بات کر رہا ہوں۔۔تم اپنی نمائش اب کر ہی نہیں سکتی۔۔اس کمرے سے باہر نکلو گی تو اپنی نمائش کر سکو گی۔۔اب تو یہ کمرہ یہ واش روم تمھاری ملکیت اور تم میری

ملکیت۔۔ ارحام اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے بولا تھا۔۔ باتھ ٹب کے پاس بنے خوبصورت فینسی سٹینڈ پر پڑے بہت سارے تہہ کیے ہوے ٹاولز میں سے ایک کو پکڑے وہ باتھ ٹب سے باہر نکلا تھا۔۔ اپنی کمر پر وہ ٹاول لپیٹتے الماری کی طرف بڑھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے سامنے کھڑے ظالم انسان کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا۔۔ اپنے لبوں کے زخم پر انگلیاں لگاتے اس نے اپنے شولڈر کی طرف نگاہ کی جہاں سامنے کھڑے سفاک انسان کی بے رحم شدت رقم تھی۔۔ وہ تل اس کی جنونیت میں چھپ گیا تھا۔

وہ سچ میں بے رحم تھا۔۔۔ وہ کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔۔ اس سفاک انسان کے ساتھ نہ رہنے کا فیصلہ اس کا پختہ ہوتا جا رہا تھا۔۔

ارحام الماری سے باتھ گاؤن نکالتے حور کی طرف بڑھا۔ جو باتھ ٹب میں بیٹھی سسک رہی تھی۔ ارحام باتھ گاؤن حور کے پاس زمین پر پھینکتے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔

مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔ مجھے طلاق چاہیے۔۔

حور روتے ہوئے شدت غم سے یکدم چیخی تھی۔ اس کی سفاکی اس کی جان لے رہی تھی۔۔ وہ پاگل ہو رہی تھی جیسے۔۔

ارحام کے مضبوط ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکے تھے۔۔ چہرے کے سرخی میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔۔ پورے وجود کی رگیں طیش و اشتعال سے ظاہر ہونے لگی تھیں۔۔

ارحام نے پلٹتے ہوے حور پر اپنی سرخ سرد نظریں گاڑھیں۔۔جو سسکیاں پر بھیگ چکی تھی۔۔

حور باتھ روب گاؤن پہن کر باتھ ٹب سے اٹھتی ارحام کے مقابل ائی تھی۔۔

میں اب آپ کی درندگی نہیں سہوں گی۔۔مجھے آپ سے طلاق چاہیے ۔۔ابھی اور اسی وقت طلاق دیں مجھے۔۔۔حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بے خوف لہجے میں بولی تھی۔۔یہ پہلی مرتبہ تھا اس کی آواز میں بلکل لرزش نہیں تھی۔۔۔نہ ہی اب اس کا بدن لرز رہا تھا۔وہ سپاٹ نگاہوں سے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

حور اپنی بکواس بند کرو۔۔۔ورنہ میں تمھیں بیلٹوں سے آج داغ دوں گا۔۔ارحام نے گہرے سانس لیتے اسے تنبیہ کی۔۔مقابل کا طلاق مانگنا اسے جلتے توے پر بٹھا چکا تھا۔۔

اس کی رگوں میں خون پھر سے بھڑکا تھا۔۔وہ اسے ایک پل کے لیے خود سے جدا نہیں کر سکتا تھا۔۔وہ اس سے طلاق مانگ رہی تھی۔۔اور طلاق لے کر وہ کس کے پاس جانا چاہتی تھی۔۔وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔۔اور وہ اب تو مر کر بھی اسے اس کے پاس نہ جانے دے۔۔۔اسے آج تک کسی سے حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔۔مگر اس ساحر خانزادہ سے وہ اتنا حسد محسوس کر رہا تھا کہ اس کا نام سوچتے ہی اس کے اندر تپش اٹھنے لگتی تھی۔۔۔۔جو اسے پیروں تک جھلسا دیتی تھی۔۔سینے میں آگ کے دریا دوڑنے لگتے تھے

۔

آپ کی شدتوں سے نہ سہی تو آج یہ بدن آپ کی بیلٹ سے داغ جائے گا ارحام۔۔۔مجھے عادت ہے آپ کی بربریت سہنے کی۔۔۔

آپ چاہیں آج مجھے بلیٹ سے داغیں۔۔چاہیں میری جان لیں۔۔میں آپ سے چیخ چیخ کر طلاق مانگوں گی۔۔مجھے طلاق چاہیے ارحام۔۔۔۔۔۔مجھے آپ سے طلاق چاہیے۔۔۔اگر آپ مجھے طلاق نہیں دیں گے میں آپ جیسے درندے سے خلع لوں گی۔۔۔حور ارحام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چیخ رہی تھی.

چٹاخ کی آواز کے ساتھ حور کی زبان رکی تھی.۔۔۔۔

ارحام کے بھاری تھپڑ کی گونج پورے واش روم میں گونجی تھی۔۔تھپڑ کی گونج اتنی شدید تھی کہ حور کو کچھ پل کے لیے کچھ بھی سنائی دینا بند ہو گیا تھا۔۔

کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔

حور گال پر ہاتھ رکھے پیچھے کو ہوتے بری طرح لڑکھڑا گئی تھی۔اس سے پہلے وہ گرتی۔۔ارحام اسے بازو سے جکڑے دوسرے گال پر بھی پوری قوت سے تھپڑ لگا چکا تھا۔۔سارا غصہ اشتعال وہ حور کے نازک گالوں پر اتار چکا تھا۔۔

حور پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔

اب وہ تھر تھر کانپتے دیوار کے ساتھ لگے دونوں گال پر ہاتھ جمائے ہوے تھی۔۔

تھپڑ بہت ہی جاندار تھے۔۔وہ مزید ارحام سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔

آئندہ طلاق کا لفظ بھی منہ سے نکالا میں تمھاری زبان کاٹ دوں گا۔۔۔ابھی کے لیے تمھاری اتنی سزا کافی ہے۔۔وہ اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد دونوں ہاتھ جما گیا تھا۔۔

جہاں تک بات ہے۔۔میری شدتوں میری بربریت سہنے کی۔۔تم اسی کمرے میں میری بن رہو گی۔۔مگر میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔۔کل تک تمھاری نفرت میں تمھارے قریب آتا تھا۔۔مگر اب تم میری نفرت کے بھی قابل نہیں رہی۔۔اس لیے اس لیے میں تمھیں چھونے کے قابل نہیں سمجھتا۔۔

مگر ایک بات یاد رکھنا۔۔رہو گی تم ہمیشہ میری۔۔۔چاہے میں تمھیں چھوؤں یا نہ چھوؤں۔۔۔مگر تم پر صرف میرا اختیار ہو گا۔۔۔اب ساری

زندگی صرف میری رہو گی۔۔ ارحام اس کے لرزتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالتا دروازہ دھاڑ سے کھولتا چلا گیا تھا۔۔

حور زمین پر دوزانو بیٹھتی چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر سسک پڑی تھی۔۔

رات کی سیاہی گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔ طوفانی برفیلی بارش کی شدت میں آضافہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ وہ حویلی کے پچھلے لان میں ریلنگ پر ہاتھ جمائے دریا کی موجوں پر نظریں جمائے ہوے تھا۔۔۔ بارش کا شور دریا کی موجوں کے شور میں دب رہا تھا۔۔ مگر دریا میں شدید طغیانی تھی۔۔ وہ برستی بارش میں کھڑا مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔۔ وہ اس وقت بلیک ٹراوزر پر بلیک ٹی شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔

مجھے طلاق چاہیے آپ سے۔۔۔ حور کے لفظ یاد کرتا وہ اس ٹھنڈی بارش میں بھی تانبے کی مانند سلگ رہا تھا۔۔

ہاں میں اسی کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں۔. حور کے الفاظ یاد کرتے ارحام اپنی سرخ آنکھیں مسلتے لوہے کے آہنی جنگلے پر پوری قوت سے ہاتھ مار گیا تھا۔۔ مگر درد کی شدت ہاتھ میں نہیں اس کے دل میں اٹھی تھی۔۔

وہ مجھے عشق بلاتا تھا۔۔ پھر سے اس ستم گر کے لفظ اسے سماعتوں میں گونجتے سنائی دیے۔۔

ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کی منگنی کر دی تھی۔۔ عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔۔

میرے لیے یہ کانٹریکٹ یہ پیسہ کوئی معنی نہیں رکھتا اگر کچھ معنی رکھتی ہے

وہ جو ساحر خانزادہ کی روح میں

رہتی ہے۔۔

میں نے سنا ہے کہ ساحر خانزادہ کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار تھا۔۔جب سے وہ لڑکی اس کی زندگی سے گئی ہے۔۔وہ اسی طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔۔اب دیکھو اس لڑکی کے لیے پانچ سو کڑوڑ کو لات مار دی۔۔

میں سچ میں ساحر خان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مگر ساحر خان کسی اور کا دیوانہ نکلا.. وہ سچ میں بہت لکی تھی۔۔ جتنی وہ خوبصورت تھی۔۔اتنی ہی لکی کہ ساحر خانزادہ جیسا انسان اس پر مرتا ہے۔۔ مگر افسوس وہ جتنی خوبصورت تھی۔۔وقت کے ساتھ وہ اتنی ہی بدقسمت ٹھہری کہ اس کی

زندگی میں ساحر خانزادہ نہ رہا۔۔اب ساحر خانزادہ جیسا بندہ کسی کی زندگی میں نہ رہے۔۔وہ بدقسمت ہی ہو گا ناں۔۔۔۔۔

یہ لفظ گڈ مڈ ہوتے اس کی دماغ کی طنابیں ہلا رہے تھے۔

سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔۔کچھ تو نہ رہا تھا اس کے پاس۔۔۔کوئی رشتہ کچھ بھی اپنا نہ رہا تھا۔۔

جسے وہ اپنا بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔۔وہ اس کی بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔

مجھے آپ سے طلاق چاہیے۔۔مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔

لفظوں کی بازگشت پھر سے سنائی دی تو ارحام اب کرب سے چلاتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

کیا کروں میرے خدا؟؟۔۔۔کیوں اتنا جنون پیدا کیا اس لڑکی کے لیے میرے دل میں کہ نہیں برداشت کر سکتا اس کا نام بھی کسی کے ساتھ۔۔۔ارحام اب آسمان کی طرف دیکھتے اپنے رب سے شکوہ کرتے کرب سے آنکھیں میچ گیا تھا۔۔

اسے حور کی خوبصورتی سے محبت نہیں ہوئی تھی۔۔وہ اچھی طرح جانتا تھا ۔۔۔اسے اس پر کیے گیے ظلم کی وجہ سے محبت ہوئی تھی۔۔اس پہلی رات کی بربریت یاد کرتے وہ بھی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا تھا۔۔اس کی چیخیں اس کا رونا کرلانا یاد آتا تو وہ خود کو اس کے بارے میں سوچنے سے روک نہیں پاتا تھا۔۔رات کو جب وہ اس کے پہلو میں سو جاتی تو وہ اسے گھنٹوں سوتا ہوا دیکھتا رہتا۔۔۔اس کے لبوں کو غور سے دیکھتا۔۔جو اس نے پہلی رات بے دردی سے کچلے تھے۔اس کے بدن کو دیکھتا رہتا۔۔جو اس نے پہلی رات بے

دردی سے مسلہ تھا۔۔ اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سگریٹ پیتے ہوے اسے خود سے نفرت ہونے لگتی تھی۔۔ اپنی محرم اپنی عزت کو اس طرح چھونے پر وہ کتنی بار خود سے شرمندہ ہوتا تھا۔۔ مگر جب اس کا ایکٹ یاد آتا تو یہ شرمندگی دور کہیں جا سوتی تھی۔۔ مگر ہمدردی اس نازک وجود کے ساتھ کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔۔۔ کیونکہ وہ بہت ہی نازک تھی۔۔ اس کے نشیب و فراز اس کے جسم کی گہرائیاں جسے پہلے کبھی کسی نے نہیں چھوا تھا۔۔ اس کے ملکوتی حسین نقوش دیکھ کر وہ سوچتا کیا یہ لڑکی ایسے چھونے کے قابل تھی۔۔ کیا یہ کسی اور کے پاس ہوتی تو وہ کیا اسے ایسے چھوتا اپنے ہی سوال پر اس کا دل جل اٹھتا تھا وہ مزید بے چین ہو جاتا۔۔۔ عجیب سی گھٹن ہوتی جب وہ سوچتا یہ کسی اور کے پاس ہوتی۔۔۔ اسی بات کو لے کر وہ اس کے لیے حساس ہو گیا۔۔۔

اسی ہمدردی اور حساسیت میں میں کب اسے عشق ہوا اسے پتہ نہیں چلا۔۔ شروع شروع میں وہ اس کو اٹریکشن نفرت کا نام دیتا تھا کہ وہ اس کے قریب جا کر اپنی نفرت اس کے نازک وجود پر اتارتا ہے۔

اور اس کی بیوی بے حد خوبصورت ہے محرم ہے تو وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔۔

مگر اسے بعد میں احساس ہوا۔۔۔ اسے اس نازک وجود سے پہلی رات نفرت ہوئی۔۔۔۔ پھر ہمدردی ہوئی۔۔۔ پھر اٹریکشن اور پھر محبت۔۔۔۔ اور پھر عشق۔۔۔۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا اس سے اونچا بولنا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ مگر کچھ عرصے کے لیے اسے عورت نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی اور بیوی رشتے سے نفرت ہو گئی تھی۔۔ کیونکہ دو عورتوں نے اس کی بیوی کا مقام حاصل کیا تھا۔۔ دونوں اس کے نزدیک ظالم نکلی تھیں۔۔۔۔ مگر آہستہ

آہستہ اپنے کیے ظلم پر وہ حور کو لے کر اتنا حساس جنونی ہونے لگا کہ اسے درخشاں کے ساتھ دیکھتے بھی وہ جلنے لگتا تھا۔۔

۔اسے سمجھ نہیں آتا تھا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔۔۔۔۔وہ اپنی عورت کو کس طرح رکھے۔۔۔جو کم عمر بے پناہ خوبصورت ہے۔۔۔

اس کی بیوی جو سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔۔جس کا ہر لفظ جھوٹ تھا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔۔۔۔لیکن اسے لگتا تھا۔۔۔وہ ساری عمر اب صرف اس کی رہے گی۔۔حق ملکیت کے احساس سے وہ ہر ٹائم اسے اپنی پناہوں میں رکھتا تھا۔۔جس میں اس کی محبت اس کی جنونیت اور اس کی عزت شامل ہوتی تھی۔۔۔اس ایک رات کے اس کے ظالمانہ عمل سے خدا

نے اسے بہت بڑی سزا دی تھی۔۔اس عورت کا عشق اس کے اندر ڈال دیا تھا۔۔جو اس سے نہیں کسی اور سے محبت کرتی تھی۔

اور اس کے خدا نے اسے واقعی میں بہت بری سزا دی تھی۔

ایک طرفہ محبت ہی بہت خطرناک ہوتی ہے۔۔اور وہ اس عورت سے عشق کر بیٹھا تھا۔۔۔

ارحام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اندر اٹھتے درد پر قابو پانے لگا۔۔۔طوفانی بارش میں کھڑا وہ مسلسل بھیگ رہا تھا۔۔اس کے زخموں سے خون رستا بھی زمین پر بہتی برستی بارش میں شامل ہو رہا تھا۔۔وہ بے حس بنا کھڑا تھا۔۔۔رات کی تاریکی صبح کی روشنی میں تبدیل ہو گئی تھی۔۔وہ وہیں پر کھڑا تھا۔۔

ارحام خانزادہ صبح ہوتے ہی ڈیرے پر چلا آیا تھا۔۔اب رات کے دس بج رہے تھے۔۔وہ خود سے لڑتے تھک ہار کر اب وہ حویلی واپس آیا تھا۔۔وہ اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔۔سیاہ ہی شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔۔اس کے بھاری بے چین قدموں کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔۔جہاں اس کی زندگی موجود تھی۔۔۔حویلی میں سب کو وہ صبح غصے میں منع کر آیا تھا۔۔۔اس کے کمرے میں کوئی نہیں جائے گا۔۔مگر آج سارا دن اس کی جان سولی پر لٹکی رہی تھی۔۔اس نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا۔۔اور وہ کل رات سے بھوکی پیاسی کمرے میں بند تھی۔۔وہ مزید بے چین ہو گیا تھا۔۔درخشاں کو فون پر اس نے ہدایت دی تھی کہ رات کا کھانا اس کے کمرے میں پہنچایا جائے۔۔۔۔

ارحام خان تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس نے بے چینی سے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے دروازہ کھولا ہی تھا کہ حور کی چیختی آواز سنائی دی تھی۔۔

لے جاؤ یہ کھانا مجھے نہیں کھانا۔۔۔ میری سزا یہ ہے کہ میں اس کمرے میں بند رہوں گی تو جاؤ کہہ دو اپنے ظالم لالا سے مجھے بھوکا رکھ کر سزا دے۔۔۔ تاکہ میری جان چلی جائے اور میری اس کمرے سے جان چھوٹ جائے۔۔ ارحام حور کی چنگاڑتی آواز پر لب بھینچ گیا تھا۔۔ یہ انداز کہاں دیکھے تھے اس کے۔۔ وہ اپنے جبڑے بھینچتے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے کندھے پر گرم گرم چائے کا کپ آکر بڑی زور سے لگا تھا۔۔ کپ اس کے کندھے پر لگتا زمین پر گر تا ٹوٹ کر چکنا چور ہو چکا تھا۔۔ مگر گرم گرم چائے کا کچھ حصہ اس کی گردن کو جلا چکا تھا۔۔

حور بیڈ پر بیٹھی گہرے سانس لیتے ارحام کو دیکھتے اپنا منہ پھیر گئی تھی۔۔

لالا بھابھی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے؟؟۔۔وہ اتنا چلا رہا ہے۔۔ہم نے بہت بولا کھانا کھالو پر بھابھی نے نہیں کھایا۔۔یہ چائے کا کپ انہوں نے دروازے پر مارا تھا۔۔مگر یہ آپ کو لگ گیا۔۔ارحام کو حور کو خونخوار نگاہوں سے گھورتے دیکھ کر درخشاں نے جلدی سے وضاحت دی ۔۔ارحام کے غصے سے واقف تھی۔اور حور سے وہ شدید محبت کرتی تھی ۔۔حور کے گالوں پر ارحام کی انگلیوں کے نشان بھی دیکھ چکی تھی.۔اس لیے ارحام کو جلدی سے گھبراتے ہوے وضاحت دی۔۔

تم جاؤ یہاں سے۔۔۔اب تب تک کھانا اس کمرے میں نہیں آئے گا۔۔جب تک یہ خود نہیں مانگے گی۔۔۔ارحام حور کو سرد نگاہوں سے

گھور تا درخشاں سے بولا۔۔ درخشاں اثبات میں سر ہلاتی جلدی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

میں کبھی کھانا نہیں مانگوں گی ارحام۔۔۔۔۔ مر جاؤں گی مگر کھانا نہیں کھاؤں گی۔۔ حور بیڈ سے اٹھتے ارحام کے مقابل آئی تھی۔۔

وہ گلابی کلر کے فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر بڑی سی بلیک شال اس نے کندھے پر ڈال رکھی تھی۔۔ بال الجھے سے کمر اور شانوں پر بکھرے تھے۔۔ رنگت شدید گلابی ہو رہی تھی۔۔ آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔۔ دونوں عارض پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے۔۔ آنکھیں جتنی سوجی ہوئیں تھیں۔ اتنی ہی گلابی تھیں۔۔ یقیناً وہ کل رات سے اب تک روتی رہی تھی۔۔ مگر اب اس کی آنکھوں کے آنسو خشک تھے۔۔ ارحام کی بے چین نظریں اس کا دیوانگی سے طواف کر رہی

تھیں۔۔اسے مکمل ڈریس اور شال کے ساتھ دیکھ کر اس کے جلتے تڑپتے دل کو تھوڑی سی راحت ملی تھی۔۔

جب بھوک لگے گی مانگو گی بھی۔۔۔اور کھاؤ گی بھی۔۔۔بھوک چیز ہی ایسی ہے۔۔ارحام اس کے متورم آنکھوں کو بغور دیکھتے بولا تھا۔۔

نہیں کھاؤں گی۔۔تب تک نہیں کھاؤں گی۔۔جب تک میرے پاپا مجھے لینے نہیں آجاتے۔۔میں جانتی ہوں ارحام میرے پاپا ضرور آئیں گے۔

۔اس کے دور جانے کی بات پر ارحام کا چہرہ سرخ سرد ہوا تھا۔۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ تھی۔غصہ اشتعال نے ایک بار پھر سے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔۔

ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔تم ہمیشہ میرے پاس رہو گی۔۔سلطان شاہ کو میں اس حویلی میں گھسنے نہیں دوں گا۔۔پہلے تم اس لیے چلی گئی کیونکہ میں یہاں

نہیں تھا۔اب وہ پوری پولیس فورس کو بھی لے آئیں۔۔تب بھی وہ تمھیں نہیں لے کر جاسکتے۔۔۔

کیونکہ ارحام خانزادہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔۔وہ گولیاں مارنا بھی جانتا ہے اور گولیاں کھانا بھی۔۔۔۔اگر تم نے غلطی سے بھی اس کمرے سے باہر قدم نکالا تو خون کی ندیاں ہر طرف بہیں گی۔۔جس کی ذمہ دار صرف تم ہو گی۔۔ارحام نے سرد آواز میں بولتے اسے پیچھے کو دھکیلا تھا۔۔

حور لڑکھڑاتی ہوئی ارحام کی شال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔میرے پاپا کو ایک آنچ بھی آئی میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔۔دنیا میں میرے لیے سب سے بڑھ کر میرے پاپا

ہیں۔۔ میری سب سے بڑی غلطی اس رات مردان کی سڑک پر آپ کی مدد لینا تھی۔۔ اے کاش میں اس رات کسی گاڑی کے نیچے آجاتی۔۔

جس انسان سے میں اپنی عزت بچا کر بھاگ رہی تھی۔۔ اس کی حوس کا نشانہ بن جاتی مگر آپ کی گاڑی سے نہ ٹکراتی۔۔۔ حور ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے غم سے روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

حور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ارحام نے غیض غضب سے دھاڑتے ہوئے اپنا ہاتھ اسے مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔۔ حور اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ گئی۔

رات کے تھپڑوں کی شدت وہ ابھی تک بھولی نہیں تھی۔۔ مقابل کا ہاتھ بہت بھاری تھا۔۔ ساری رات اس کے گال درد اور جلن سے جھنجھناتے رہے تھے۔

ارحام اپنا ہاتھ ہوا میں ہی معلق کرتے اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔۔ارحام گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پانے لگا۔

حور کی حوس کا نشانہ بننے والی بات پر ارحام کا تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔۔وہ بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔اس کی دماغ کی شریانیں جیسے پھٹنے کے قریب تھیں۔۔

وہ قہربار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔

حور اب لرزتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔۔اسے اپنے زبان سے نکلے لفظوں کا احساس شدومد سے ہوا تھا۔۔اسی عزت کو بچاتے ہوے تو وہ اس ظالم انسان کی پناہوں میں آگئی تھی۔۔اسی عزت کو بچاتے وہ دربدر ہوئی ۔۔۔کیسے وہ یہ لفظ منہ سے نکال سکتی تھی۔۔

کمرے میں اب حور کے دل کی دھک دھک اور ارحام کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔۔

حور دونوں گال پر ہاتھ رکھے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ارحام اسے سرخ نظروں سرد نظروں سے طیش و اشتعال سے گھور رہا تھا۔۔اس کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔۔

یکدم ارحام کے موبائل فون کی چنگاڑتی آواز گونجی تھی۔۔حور کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے ہوے ارحام نے اپنی شرٹ کی پاکٹ سے فون نکال کر کان سے لگایا۔سرد سرخ نظریں اس کی ابھی بھی حور پر جمیں تھیں۔۔

کیا کہہ رہی ہو؟کیا ہوا ہے پریذے کو؟؟ارحام فون پر گرفت مظبوط کرتے چلایا..

حور نے گھبراتے ہوے ارحام کو دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر زلزلوں کے اثار تھے۔۔

میں آرہاہوں۔۔۔ارحام فون پاکٹ میں ڈالتا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

کیاہواہے ارحام پریذے کو؟؟حور نے ڈبڈبائے لہجے میں پوچھا۔۔پریذے سے وہ خود بہت محبت کرتی تھی۔۔خود کو اس کا گناہ گار بھی سمجھتی تھی۔۔احساس جرم میں وہ پریذے سے شدید محبت کرنے لگی تھی۔

ارحام کے مضبوط ہاتھ ہینڈل پر ہاتھ رکے تھے۔۔۔وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔۔ ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔۔وہ ہینڈل پر ہاتھ رکھے بنا رخ پلٹے بولا۔۔

اور یہ ہونا تھا۔۔۔میری قسم کی وجہ سے آج میری پریذے کی یہ حالت ہوئی ہے۔

قسم کھائی تھی پریذے کہ تمھارے سر کے ایک بال پر بھی کسی غیر مرد کی نظر پڑی۔۔۔تم نے اپنے جسم کی نمائش کی میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ مگر میں ایسا نہ کر سکا۔۔اور نہ کبھی کر سکوں گا۔ مگر تمھاری وجہ سے آج میں نے اپنی بیٹی کو بھی کھو دیا۔۔ارحام نم آواز میں کہتا دروازہ کھولتا چلا گیا تھا۔۔

حور گہرے سانس لیتے بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔

اور آج تمھاری وجہ سے میں نے اپنی بیٹی کو بھی کھو دیا۔۔ ارحام کے لفظ یاد کرتے وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت غم سے رو دی۔۔۔

خود پر قابو پاتے وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔ وہ اپنی شال کو اچھی طرح خود پر لپیٹے کمرے سے باہر نکلی تھی۔۔

لاونج میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کار پورچ میں آئی۔۔ ارحام کی گاڑی اسے گیٹ سے نکلتی دکھائی دی تھی۔۔

گل خان۔۔۔۔۔۔۔۔ حور نے آگے بڑھتے کانپتی آواز میں گل خان کو پکارا۔۔۔

چہرہ اس نے مکمل چادر میں ڈھانپ رکھا تھا۔۔

گل خان۔۔۔ نے حیرت سے حور کو دیکھا تھا۔

جی بی بی جی۔۔۔۔۔ گل خان نے نظریں جھکائے کہا۔۔۔

پریذے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔۔ جس کی وجہ سے داجی کو کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔ ارحام تو جلدی میں نکل گیا ہے۔۔ اب گھر میں کوئی مرد نہیں۔۔ امینہ خانم کی طبعیت بھی خراب ہو گئی ہے۔۔ جلدی جاؤ داجی کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔۔ جلدی اندر جاؤ داجی کی طبعیت بہت خراب ہے۔۔۔ حور نے جلدی جلدی ایک ہی سانس میں روانی میں کہا تھا۔۔

گل خان یہ سنتا تیزی سے اندر کی جانب بھاگا تھا۔۔ حور تیز تیز قدم اٹھاتی برستی بارش میں حویلی کا گیٹ عبور کر گئی تھی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ طوفانی بارش نے شدت اختیار کی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔۔ پریذے کا معصوم چہرہ نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔۔ وہ سٹیرنگ پر مکہ مارتے کرب سے چلا اٹھا تھا۔۔

زندگی میں دو ہی رشتوں سے وہ اپنی جان سے بڑھ کر محبت کرتا تھا۔ اور دونوں ہی رشتے اس سے دور ہو رہے تھے۔ ارحام خانزادہ کو اپنے بدن سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ زندگی میں بہت بار اسے امتحانوں سے گزرنا پڑا تھا۔۔ مگر اس کا دل یوں خوف سے کبھی بند نہیں ہوا تھا۔۔ مگر آج اس کا دل خوف سے بند ہو رہا تھا۔۔ مضبوط ہاتھوں کی انگلیاں سٹیرنگ پر کانپ رہی تھیں۔ آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کرتے عارض پر بہنا شروع کر دیا تھا۔۔ اسے نہیں یاد پڑتا تھا۔ وہ زندگی میں کبھی رویا ہو۔۔ جب

اس نے اپنے مورے اور اپنے جان سے پیارے بابا کو کھویا تھا۔۔ وہ تب بھی نہیں رویا تھا۔۔ کہیں اسے روتا دیکھ کر فرشتے اور زیادہ نہ ٹوٹ جائے۔۔ فرشتے کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نہیں بہا تھا۔۔ مگر آج اس کی آنکھوں سے گرم سیال جاری تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی نم زدہ سرخ آنکھیں بازو سے رگڑتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کی۔۔ اسے جلد از جلد اپنی بیٹی کے پاس پہنچنا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی نے ضبط کی وجہ سے شدت اختیار کرلی تھی۔۔۔ شدید طوفانی بارش میں اس کی گاڑی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی کہ یکدم ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا موبایل فون چنگھاڑا تھا۔۔

ارحام نے گل خان کا نمبر دیکھتے فون اٹھائے کان سے لگایا۔۔

فون پر ملنے والی خبر نے اس کے حواس کچھ پل کے لیے چھین لیے تھے. وہ فون ڈیش بورڈ پر مارتا پوری قوت سے چلا اٹھا تھا۔۔ گاڑی کو ٹرن کرتے اس نے حویلی کی طرف موڑا تھا۔ اب وہ خطرناک سپیڈ سے گاڑی حویلی کی طرف دوڑا تھا۔۔ مضبوط ہاتھوں کی نیلی رگیں اجاگر تھیں۔۔

چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور طیش او اشتعال تھا۔۔ جو آج سب کچھ مسخ کر کے رکھ دینا چاہتا تھا۔ سب کچھ جلا کر رکھ دینا چاہتا تھا۔۔ جس میں وہ نازک وجود جلا کر بھسم کر دینا چاہتا تھا۔

.----------

ارحام خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر گل خان کے قدموں کے پاس آکر چرچرائے ۔۔ وہ بری طرح اچھلا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کو گاڑی سے طیش او اشتعال سے نکلتے دیکھ کر گل خان کا رنگ فق ہوا تھا۔۔

ارحام نے آگے بڑھتے اسے گریبان سے جکڑتے اسے اپنی گاڑی کی بونٹ پر پوری قوت سے پٹخا تھا۔۔ اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے اس نے گل خان کا چہرہ پل میں مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔۔ وہ پوری قوت سے گل خان کے جبڑے پر مکے مار رہا تھا۔۔

خان صاحب ہم کو معاف کر دو۔۔ گل خان نے چلاتے ہوے التجا کی۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کے چلانے پر اپنی پسٹل نکال کر اس کے ماتھے پر رکھی تھی۔۔

گل خان کی آنکھیں خوف سے مزید کھل گئی تھیں۔ ارحام خان کا طیش والم سے سرخ چہرہ دیکھ کر اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے ۔اسے پورا یقین تھا۔۔ یہ جنونی انسان اسے جان سے مارنے میں پل نہیں لگائے گا۔۔

تمھیں میں نے کیا بولا تھا کہ تم ایک منٹ کے لیے یہاں سے ہلو گے نہیں۔۔ تمھارے ہوتے وہ کیسے یہ گیٹ عبور کر گئی۔۔ ارحام پسٹل کی ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھاتے چلایا۔

خان صاحب بی بی جی نے کہا تھا کہ داجی کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔۔ ہم کو سب اندر بلا رہا ہے۔ ہم اندر گیا تو بی بی جی کھلے گیٹ سے پیچھے سے نکل گیا۔ ہم کو معاف کر دو خان صاحب۔۔ ہم وعدہ کرتا ہے آئیندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔ گل خان ہاتھ جوڑتے گڑگڑاتے ہوے بولا۔۔

ارحام کی آنکھوں کی جنونیت سے وہ کافی ڈر گیا تھا۔ کوئی بعید نہیں تھا ارحام خانزادہ کی گولی اس کا بھیجہ اڑا دیتی۔۔

تم آئیندہ اس قابل ہی نہیں رہو گے اس گیٹ پر کھڑے ہو سکو۔۔ ارحام نے طیش والم میں چلاتے ہوے پسٹل کی نوک اس کے جبڑے پر پوری قوت سے دے ماری تھی۔۔ گل خان کے منہ سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔۔۔ وہ درد سے چلا اٹھا تھا۔۔

ارحام نے اب کی بار اس کے گلے پر اپنی پسٹل رکھی تھی۔۔۔

خان صاحب رحم کریں۔۔ ہمارا چھوٹا چھوٹا بچہ ہے۔۔ گل خان نے ایک بار پھر سے رحم کی بھیک مانگی۔۔ ارحام کی ماتھے کی رگوں نے مزید تناؤ کی کیفیت اختیار کی تھی۔۔۔ اس نے پوری قوت سے گل خان کے گال پر پسٹل کی نوک مارتے اسے گریبان سے جکڑتے سڑک پر دھکا دیا تھا۔۔

وہ سڑک پر اوندھے منہ جا گرا تھا۔۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے آئندہ مجھے تمھاری شکل یہاں نظر نہ آئے۔۔ ورنہ میں تمھارے وجود میں گولیاں اتار دوں گا۔۔ ارحام پھولتی رگوں کے ساتھ حلق کے بل چیخا۔۔ گل خان زمین سے جلدی سے اٹھتا وہاں سے بھاگ گیا تھا۔۔۔ ارحام خانزادہ کے سر پر اس وقت خون سوار تھا۔۔ کوئی بعید نہیں تھا وہ اسے اپنی گولیوں سے بھون ڈالتا۔۔۔

حور۔۔۔۔۔۔۔۔ جان سے مار ڈالوں گا آج تمھیں۔۔۔ ارحام گاڑی کے بونٹ پر مکہ مارتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔ ارحام اپنی پسٹل اپنی شرٹ کی پاکٹ میں ڈالتے تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔ اب اس کی گاڑی اسلام آباد جانے والی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور برستی بارش میں حویلی سے نکل آئی تھی۔۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔وہ کہاں جائے؟؟نہ اسے ان اونچے نیچے راستوں کی خبر تھی۔۔وہ بھاگتی جارہی تھی۔۔اسے ان پہاڑوں کے شہر میں نہیں رہنا تھا۔۔جہاں سب اس کے لیے پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت اور پتھر دل ثابت ہوے تھے۔

آج میں نے تمھاری وجہ سے اپنی بیٹی بھی کھو دی۔۔کانوں میں اس ستمگر کے لفظ گونج رہے تھے۔وہ اسے ہر تکلیف ہر پریشانی سے اب آزاد کرنا چاہتی تھی۔۔

وہ اس کے ساتھ اپنے باپ کی محبت کو ٹھکرا کر اس لیے آئی تھی۔کیونکہ وہ کبھی بھی اپنی وجہ سے اسے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔اگر وہ اس وقت

اس کے ساتھ نہ آتی تو سلطان شاہ اسے مارنے میں پل نہیں لگاتا۔۔۔وہ اس لیے بھی اس کے ساتھ چلی آئی تھی اسے لگا تھا وہ اس سے محبت کرتا ہے۔۔

ہاں نہیں بھولا اسے۔۔۔نہ کبھی بھول سکتا ہوں۔۔وہ ایک وفادار عورت تھی۔۔تم جیسی نہیں۔۔وہ ہمیشہ یہاں رہے گی اس جگہ پر۔۔۔۔۔

یہ لفظ اب ہمیشہ اس کے دل میں رہنے والے تھے۔اس نے اس کی پناہوں میں اس کے منہ سے بہت بار گل کا نام سنا تھا۔

وہ قربت کے لمحات میں بھی اکثر اسے اس کی اوقات بتانے کے لیے گل کا نام لیتا تھا۔مگر کل اس کے منہ سے یہ لفظ بہت چبھے تھے جو اس کا دل گھائل کر گئے تھے۔

جب وہ اس کا ہی تھا پھر وہ اس کی کیوں بن کر رہے۔۔۔

اسے اس کی جنونیت نہیں بننا تھا محبت بننا تھا۔۔جب وہ اس کے دل میں نہیں تھی... وہ اس کی جنونیت بن کر کرتی بھی کیا؟؟ حق ملکیت کے نام پر وہ روز اسے اپنی حوس کا نشانہ بناتا یہ اب اسے گوارا نہ تھا۔ نفرت سے بھرپور سرگوشیاں سنتے وہ ہر روز اس کے وجود کا حصہ نہیں بن سکتی تھی۔۔

پریذے۔۔۔۔۔بھاگتے ہوے اس کے کپکپاتے لبوں سے پریذے کا نام نکلا تھا۔۔

پریذے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔۔اسے حویلی میں پریذے کی قاتل بن کر نہیں رہنا تھا۔۔

وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔۔ ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔۔اور یہ ہونا تھا۔۔۔میری قسم کی وجہ سے آج میری پریذے کی یہ حالت ہوئی ہے۔ قسم کھائی تھی پریذے کہ تمھارے سر کے ایک بال پر

بھی کسی غیر مرد کی نظر پڑی۔۔۔ تم نے اپنے جسم کی نمائش کی میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ مگر میں ایسا نہ کر سکا۔۔ اور نہ کبھی کر سکوں گا۔ مگر تمھاری وجہ سے آج میں نے اپنی بیٹی کو بھی کھو دیا۔۔

وہ ارحام کے لفظ یاد کرتے شدت غم سے رو دی تھی.

اور اگر پریذے کو کچھ ہو گیا تو کیا رہ جائے گا پھر۔۔۔ وہ تو اس سے اور بھی زیادہ نفرت کرے گا۔۔ اسے جان سے مار ڈالے گا۔۔ وہ جانتی تھی ارحام اسے کبھی سلطان شاہ کے پاس واپس نہیں جانے دے گا۔ اور اس کا باپ اسے لینے ضرور آئے گا۔۔ وہ سفاک انسان کہیں اس کے باپ کو ہی نہ مار دے۔۔ اسی لیے اسے جلد از جلد اپنے پاپا کے پاس پہنچنا تھا۔۔ حور اونچے نیچے راستوں پر بھاگ رہی تھی۔۔ اس وقت اس کے دل میں ارحام خانزادہ

کا خوف براجمان تھا۔۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔۔ پریذے کو کچھ ہو نہ جائے۔۔۔ وہ اس کی زندگی کے لیے بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔۔ اور ارحام کی سزاؤں کے خوف سے اس کے رگوں میں دوڑتا خون بھی منجمند ہو رہا تھا۔۔

حور یکدم بھاگتے بھاگتے رکی تھی۔۔ وہ بھاگتے ہوے حویلی سے کافی دور نکل آئی تھی۔۔ اس کا تنفس بری طرح پھول رہا تھا۔۔۔ پورا بدن بری طرح ہانپ رہا تھا۔۔ وہ کچھ ہی دیر میں تھکن سے چور ہو گیی تھی۔۔ کل رات کا کھانا کھایا ہوا تھا۔۔ بھوک کی شدت اور ساری رات رونے کی وجہ سے اس کا بدن نقاہت کا شکار تھا۔

حور نے سامنے نظریں دوڑائیں جہاں سڑک پر کبھی کبھار کوئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آجاتی تھیں۔ برستی بارش اور سڑکوں پر گھپ اندھیرا تھا۔۔

میں ایسے تو اسلام آباد نہیں پہنچ سکوں گی۔۔ مجھے کسی ایسی گاڑی سے لفٹ لینی پڑے گی۔۔ جس میں کوئی فیملی موجود ہو۔۔ یقیناً وہ مجھے ضرور اسلام آباد تک پہنچا دیں گے۔۔ سلطان شاہ کا نام سنتے کوئی بھی اس کے ساتھ کچھ نہیں کرے گا۔

حور نے زیر لب بولتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے اپنے چہرے کا اچھی طرح نقاب کیا تھا۔۔ وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔۔ گلابی فراک جسم کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔۔ چادر جسم پر موجود ہونے سے بچت ہو گئی تھی۔۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنے چہرے کا نقاب کر رہی تھی۔۔

یہ چہرہ اس کی عزت کا دشمن تھا۔۔وہ اچھی طرح اپنے حسن سے واقف تھی۔۔

جب اس چہرے پر کسی کی نظر نہیں پڑے گی کون اسے حوس زدہ نظروں سے دیکھے گا۔۔حور کو اپنے خوبصورت نقوش سے یکدم نفرت ہوئی تھی۔۔اسی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا شوہر بے پناہ نفرت کرنے کے باوجود اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔اسی خوبصورتی کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوسروں کی نظر میں آجاتی تھی۔۔

گاڑی کی تیز ہیڈ لائیٹس نے اس کی آنکھیں یکدم چندھیا دی. تھیں۔۔اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں پر بازو رکھا۔۔گہرے سانس لیتے اس نے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو اس کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئی

تھیں۔ پورے وجود پر کپکپی طاری ہوئی تھی۔ خوف کی لہر سے اس کے اعصاب منجمند ہوے تھے۔

وہ ان دو مکرو چہروں کو مرتے دم تک نہیں بھول سکتی تھی۔۔ خوف سے تھر تھر کانپتے اس کے چہرے کا نقاب اب اتر چکا تھا۔۔

گاڑی میں بیٹھے وہ دونوں اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے شیطانی انداز میں مسکرائے تھے۔۔۔

حور کے قدموں میں سے تو جیسے جان نکل گئی تھی۔۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے اس کے قدموں کو کسی فولادی چیز نے جکڑ لیا ہو۔

ان دو غلیظ چہروں کو دیکھ کر اس کے وجود کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی ۔۔ چھ مہینے پہلے کی وہ قیامت رات یاد آئی تھی۔۔۔ جب ان دونوں کی حوس

کا شکار ہوتے ہوتے وہ بچی تھی۔۔ مگر سامنے بیٹھے دو شیطان صفت انسانوں کا غلیظ لمس وہ آج بھی اپنے کلائیوں پر محسوس کرتی تھی۔۔

حور نے کانپتے ہوئے پیچھے کو قدم بڑھائے۔ ان دونوں کے چہرے پر رقصاں شیطانی مسکراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔ ان دونوں نے بھی ریس پر پاؤں رکھتے گاڑی ذرا سی حور کی طرف بڑھائی تھی. حور خوفزدہ ہوتے بری طرح اچھلی تھی۔۔ ان دونوں کے مکروقہقے گاڑی میں گونجے تھے۔۔

حور نے پیچھے کو مزید قدم بڑھاتے یکدم مڑتے ہوئے پوری قوت سے سامنے سڑک کی طرف بھاگنا شروع کر دی۔۔ آگے راستہ دو سڑکوں کی طرف جاتا تھا۔۔ ایک سڑک کافی تنگ تھی۔۔ اس کے دوسری طرف گہری کھائی تھی۔ جہاں سے گاڑی کا گزرنا بہت مشکل تھا۔

وہ لوگ اس سڑک پر گاڑی سے اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔اس لیے اس نے بنا کچھ سوچے سمجھے تنگ سڑک اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا تھا۔۔

وہ دونوں حور کی ہوشیاری پر غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔۔ گاڑی سے نکلنے کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔۔ آج ہر حال میں انھیں حور چاہیے ہی تھی۔۔

نازنین بائی نے انھیں ڈیڈ لائن دے دی تھی کہ وہ حور کو جلد از جلد ان کے پاس نہ لا سکے تو وہ انھیں جان سے مار ڈالے گی۔۔ سلطان شاہ اور ارحام خانزادہ کے ہوتے یہ ناممکن تھا کہ حور کو وہ لوگ گندی نظروں سے بھی دیکھ سکے کجا کہ اغوا کرنا۔ مگر انہوں نے پوری نظر حور پر رکھی ہوئی تھی

۔۔۔ چھ ماہ انہوں نے حور کی تلاش میں چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ اس دوارن نازنین بائی کو حور کے بارے میں کچھ پتہ چل سکا تھا۔ شاہزیب اور ماہ جبین

بیگم سے بھی کوئی معلومات نہیں مل سکی تھی۔ کیونکہ کسی کو نہیں پتہ تھا۔۔ حور سلطان شاہ سوات کی کسی حویلی میں کسی خانزادہ کی بیوی بن کر رہ رہی ہے۔۔

مگر حور کے سلطان شاہ کے پاس واپس آنے پر شاہزیب خان نے حور کی تمام معلومات نازنین بائی تک پہنچادی تھیں۔۔ اس دن سے نازنین بائی کے آدمیوں نے حور پر پوری نظر رکھی ہوئی تھی۔۔ وہ لوگ ارحام خانزادہ کے حویلی کے ارد گرد ہی تھے۔۔ آج پہلے ارحام کو حویلی سے نکلتے دیکھا پھر حور کو حویلی سے نکلتے دیکھا تو ان کے مکروچہرے کی باچھیں ہی کھل گئی تھیں۔۔ حور کو ارحام خانزادہ کے ہوتے اور حویلی کے اندر سے اغوا کرنا بہت مشکل تھا۔۔

وہ کسی ایسے ہی معجزے کے منتظر تھے۔۔جو آج حور نے حویلی سے اکیلے نکلتے پورا کر دیا تھا۔۔

اسی وقت سے وہ حور کے پیچھے تھے۔۔

وہ دونوں گاڑی سے نکلتے حور کے پیچھے پوری قوت سے بھاگے تھے۔۔

وہ لوگ حور کو غلیظ گالیاں دیتے برستی بارش میں اس کے پیچھے اس تنگ سڑک پر بھاگ رہے تھے۔

حور تیزی سے اس تنگ سڑک پر برستی بارش میں بھاگ رہی تھی۔۔وہ خوف سے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔۔اپنے پیچھے قدموں کی رفتار سنتے اس نے سانس روکے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔وہ لوگ اس کے پیچھے ہی تھے

حور نے اب پوری قوت سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت اس میں کوئی انجانی طاقت آگئی تھی۔۔ جس طرح آج سے چھ ماہ پہلے آئی تھی۔۔ آج بھی کچھ بھی ہو جاتا وہ اپنی جان تو دے سکتی تھی۔۔ مگر ان لوگوں کی حوص کا نشانہ خود کو نہیں بننے دے سکتی تھی۔۔

اے رک

۔۔۔ سا۔۔۔۔۔۔۔ل۔۔۔۔۔۔۔ی۔۔۔۔۔۔ک۔۔۔۔ت۔۔۔ی۔۔

۔وہ لوگ حور کو انتہائی گندی غلیظ گالیوں سے نواز رہے تھے۔۔ اس لڑکی نے چھ ماہ سے ان کی جان سولی پر لٹکائی ہوئی تھی۔۔ آج وہ اس کے ساتھ حیوانوں سے بڑھ کر سلوک کرنا چاہتے تھے۔۔

نازنین بائی کا حکم تھا حور کے بدن کو تار تار کرتے اسے اس کے پاس لایا جائے۔۔۔

وہ پوری قوت سے بنا رکے بنا سانس لیے بھاگ رہی تھی۔۔ حور نے سڑک کا موڑ مڑتے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔۔

جس کی چڑھائی چڑھنا مشکل تھا۔۔ مگر وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چڑھ رہی تھی۔ اسے ہر حال میں اپنی عزت بچانا تھی۔۔۔۔ وہ انچائی پر چڑھتے اب قدرے تھوڑی سیدھی جگہ پر آگئی تھی۔۔۔ یہ اس پہاڑ کی اونچائی تھی ۔۔۔ یہاں سے ایک طرف سڑک بھی جاتی تھی جو پہاڑ کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔

یہ جگہ کافی بڑی ایک میدان کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ پہاڑ کے اطراف میں نیچے کی طرف میں گہری کھائیاں اور بہتے دریا تھے۔۔۔ اور ایک طرف اونچی نیچی سڑک تھی۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنے منتشر ہوتی دھڑکنوں اور حواص پر قابو پایا تھا۔۔

وہ لوگ اب اس کے پیچھے نہیں تھے۔۔ انھیں شائد اندازہ نہیں تھا وہ اوپر چڑھائی پر چڑھتے پہاڑ کی ڈھلوان پر آگئی ہے۔۔ حور نے برستی بارش اور اندھیری رات میں پہاڑوں میں گرے اس سرسبز پہاڑ کو دیکھا جس کی انچائی آس پاس دور دکھائی دیتے پہاڑوں سے چھوٹی تھی۔۔ اس لیے وہ تھوڑا آسانی سے اس پر چڑھ آئی تھی۔۔

جہاں کوئی ذی روح نہیں تھا۔۔نہ ہی دوسری طرف جاتی سڑک پر کوئی گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔۔واپس حویلی بھی نہیں جاسکتی تھی ۔اسے حویلی کے راستوں کی بھی خبر نہیں تھی۔۔

حور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک بار پھر سے سڑک کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔۔جہاں سے راستہ پتہ نہیں کس طرف جارہا تھا۔۔مگر اسے اب رکنا نہیں تھا۔۔ان لوگوں سے بہت دور جانا تھا۔۔

وہ تیزی سے بھاگ رہی تھی کہ اس کا پیر کسی بڑے سے پتھر سے ٹکرایا ۔۔وہ اوندھے منہ اس پتھر پر جا گری۔۔اس کا سر اسی پتھر سے ٹکرایا تو خون کی دھار اس کے ماتھے سے بہی تھی۔۔حور نے درد سے کراہتے ہوئے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔۔اپنی انگلیوں پر خون دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو

دی تھی. چادر اس کے کندھوں سے پھسلتی زمین بوس ہوئی تھی۔ حور نے کانپتے ہاتھوں سے چادر زمین سے اٹھاتے اپنے کندھے پر ڈالی۔۔ پتھر پر بیٹھتے ہوے اس نے گہرے سانس لیے تھے. وہ برستی بارش میں آسمان کو دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔

میری سب سے بڑی غلطی اس رات مردان کی سڑک پر آپ کی مدد لینا تھی۔۔ اے کاش میں اس رات کسی گاڑی کے نیچے آجاتی۔۔ جس انسان سے میں اپنی عزت بچا کر بھاگ رہی تھی۔۔ اس کی حوس کا نشانہ بن جاتی مگر آپ کی گاڑی سے نہ ٹکراتی...

اپنے لفظ یاد کرتے وہ شدت سے رو دی تھی۔۔ ہر انسان اپنے لفظوں کا بوجھ کہیں نہ کہیں کسی صورت میں اٹھاتا ضرور ہے۔۔ وہ اپنے لفظ یاد کرتے بری طرح رو رہی تھی۔۔

شائد خدا نے اسی لمحے اس کی دعا قبول کر لی تھی۔

اب وہ آسمان کی طرف دیکھتے چیختے ہوے رو رہی تھی.

اے میرے خدا مجھے معاف کر دے۔۔۔۔ تو عظیم ہے تو غفور و رحیم ہے۔۔ اپنے انسانوں کی غلطی معاف کرنے والا۔۔۔ مجھے معاف کر دے۔۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے میں اپنے لفظوں کا بوجھ اٹھا سکوں۔۔ اگر ان میں سے کسی نے بھی مجھے چھوا میں خودکشی جیسے حرام گناہ کرنے کی مرتکب ہو جاؤں گی۔۔ اے میرے اللہ مجھے ازمائش میں مت

ڈال۔۔۔وہ آسمان کی طرف چیخیں مار مار کر رو دی تھی۔وہ کافی دیر تک اس پتھر پر بیٹھی روتی رہی تھی۔

مجھے حویلی نہیں چھوڑنی چاہیے تھی۔۔وہ جیسا بھی تھا مگر میری عزت تو وہاں محفوظ تھی۔۔حور نے کپکپاتے لبوں سے زیر لب بولتے اپنی شال اچھی طرح خود پر لپیٹی۔۔سردی کی وجہ سے اس کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی تھی.

اسے اپنے قریب قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تو حور کی سانسیں رک گئی تھی۔اس نے خوفزدہ ہوتے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ دونوں اس کے پیچھے ہی کھڑے تھے۔۔

حور جلدی سے پتھر سے اٹھتی اندھا دھند بھاگنے لگی۔۔اس کے ایک پیر سے اس کا جوتا نکل گیا تھا۔۔وہ اپنی چادر شولڈر سے ایک ہاتھ سے جکڑے

پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی. شال صرف ایک کندھے پر لٹکی تھی۔۔بال بھیگے ہوے گردن اور اس کی بھیگی فراک کے ساتھ چپکے ہوے تھے۔

وہ تیزی سے بھاگ رہی تھی کہ اس کی کلائی کسی کی گرفت میں آئی تھی..

اس نے خوفزدہ ہوتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔ان میں سے ایک آدمی نے اس کی کلائی دبوچی ہوئی تھی۔۔

دوسرا پاس ہی کھڑا گہرے سانس لیتا اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اسے خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔۔۔۔حور خوفزدہ ہوتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

لو چھوڑ دیا۔۔۔اس آدمی نے کمینگی سے مسکراتے ہوے پوری قوت سے حور کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ مارتے اس کی کلائی چھوڑی تھی۔۔۔

حور کمر کے بل خار دار پتھروں سے بھری زمین پر گری تھی۔۔اس کی کمر اور سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ سر کے پیچھے زخم بھی آیا تھا۔۔

۔پتھروں سے اس کی کمر چھل چکی تھی۔ حور درد سے کراہتے اپنی ہمت مجتمع کرتے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوے پیچھے کو کھسکنے لگی تھی۔

حور کے چہرے پر خوف اور بے بسی دیکھ کر دونوں کی مکروہ ہنسی گونج رہی تھی۔۔۔

حور گہرے سانس لیتے روتے ہوے پتھروں سے بھری زمین پر پیچھے کو کھسک رہی تھی۔۔

اب ہم سے بچ کر کہاں جاؤ گی؟؟۔۔بے بی گرل۔۔۔ایک آدمی کمینگی سے قہقہ لگا کر بولا۔۔

حور خوفزدہ ہوتے مزید پیچھے کو ہوئی تھی۔۔۔

بہت دوڑایا ہے ہمیں۔۔۔۔۔۔۔چھ مہینے ہو گئے ہیں تمھارے پیچھے بھاگتے ہوے۔۔ آخر کار تم ہمارے ہاتھ لگ گئی۔۔۔اب تم سے چھ مہینے کا حساب لیں گے۔۔۔وہ حور کی طرف بڑھتے ہوے سفاکی سے بولا۔۔۔

مجھے چھونا مت۔۔۔۔تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔۔ حور پیچھے کو ہوتی چیخی تھی۔۔

ہم جاننا چاہتے ہیں تم کون ہو؟؟وہ خباثت سے مسکراتا ہوا اپنی شرٹ اتار چکا تھا۔

اس خوفناک انسان کو شرٹ لیس دیکھ کر حور کی خوف سے رنگت زرد ہوئی تھی۔۔

میں سلطان شاہ کی بیٹی ہوں۔۔وہ تم لوگوں کے چھیتڑے اڑادے گا۔۔حور نے کپکپاتے لبوں سے چیخ کر کہا تھا۔۔

او۔۔۔بے بی گرل۔۔۔۔قربان جاؤں تمھاری معصومیت پر۔۔۔تم پھر نازنین بائی کو نہیں جانتی وہ کون ہے؟؟سلطان شاہ جیسے بڑے بڑے آدمی اس کے قدموں کی زینت بنے رہتے ہیں۔۔کیونکہ تمھارے جیسے بہت سے نایاب ہیروں کی مالک ہے نازنین بائی۔۔اب تو نازنین بائی کے سلطان شاہ جیسے لوگ تلوے بھی چاٹیں گے۔۔کیونکہ تم جیسا قیمتی ہیرہ جو نازنین بائی کی ملکیت بننے لگا ہے۔وہ دونوں کا شیطانی قہقہ پہاڑوں سے ٹکرایا

تو حور نے روتے ہوے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ ان کی غلیظ باتوں کی وہ تاب نہیں لا سکتی تھی۔۔

مگر نازنین بائی کا حکم ہے۔۔ تم جیسے ہیرے کی پھرک پہلے ہم کریں ۔۔۔ کیونکہ نازنین بائی اب مزید صبر نہیں کر سکتی۔۔ سلطان شاہ کو خبر بھی دینی ہے اس کی بیٹی کوٹھے کی زینت بن چکی ہے۔۔۔ اس نے زہریلے انداز میں بولتے ہوے حور کو ٹانگ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔۔

حور نے زمین سے پتھر پکڑتے اس کے سر پر مارنا چاہا تو دوسرا آدمی اس کے سر کی طرف بڑھتا اس کے دونوں ہاتھ جکڑ چکا تھا۔۔

بے بی گرل۔۔۔۔ اس دن تم مجھے پتھر مار کر بھاگ گئی تھی۔۔ مگر آج نہیں۔۔۔ آج پہلے تم ان پتھروں پر ہماری حوص کا نشانہ بنو گی۔۔۔ اور پھر گاڑی میں بنو گی۔۔۔

پھر کوٹھے پر سلطان شاہ جیسے مردوں کی حوص کا نشانہ بنو گی۔۔ تمھارے گاہک بھی زیادہ ہوں گے۔۔۔ کڑوڑوں میں بکو گی ہر رات۔۔۔۔۔۔ ہر کوئی اس انمول ہیرے کو اپنے بستر کی زینت بنانا چاہے گا۔ آخر کار سلطان شاہ کے دشمن بھی تو تم سے اپنی پیاس مٹا کر سلطان شاہ سے بدلہ لیں گے۔۔۔۔ جب انھیں پتہ چلے گا تم نازنین بائی کے کوٹھے کی زینت ہو ۔۔۔ نازنین بائی مزید طاقتور ہو گی۔۔۔ کیونکہ سلطان شاہ جیسے بڑے آسامیوں کی نازنین بائی کو فل سپورٹ حاصل ہو گی۔۔ حور اس کی خباثت سے بھری باتیں سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔۔

میرے قریب مت آنا۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔۔ ارحام خانزادہ کو نہیں جانتے۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوا بھی وہ تم لوگوں کو ایسی موت دے گا کہ موت کو بھی تم پر رحم آجائے گا۔۔

بہت دردناک موت دے گا۔۔وہ تم اور تمھارے جیسے غلیظ مردہ لوگوں سے نہیں ڈرتا۔۔۔وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔۔

حور پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

سلطان شاہ سے وہ لوگ ڈر نہیں رہے تھے۔۔اسے پورا یقین تھا وہ ارحام خانزادہ سے ضرور ڈریں گے۔۔اگر ان دونوں نے ایک جھلک بھی اس کے شوہر کی دیکھی ہوئی تو وہ ضرور ڈریں گے.۔۔۔

اب تم نے ہمیں ٹھیک بندے سے ڈرایا ہے۔۔اس سے تو ہم واقعی میں ڈرتے ہیں۔۔دیکھا ہے تمھارے شوہر کو۔۔۔۔پتہ چلا سلطان شاہ کی پارٹی سے وہ تمھیں کیسے لایا ہے۔۔

ساری معلومات لی ہیں اس خانزادہ کی۔۔۔۔اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔۔

اس لیے تو اس کی بیٹی کو آج سیڑھیوں سے دھکا دیا ہماری ہی ایک بندی نے۔۔۔جو ان کے گھر ملازمہ بن کر رہ رہی تھی۔۔

تمھارا شوہر اب نہیں آنے والا۔۔۔وہ اپنی بیٹی کی میت پر آنسو بہا رہا ہو گا۔۔۔وہ آدمی خباثت سے بولا تو حور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔اس کی وجہ سے پریذے کے ساتھ یہ سب ہوا۔۔اس کی چیخیں اب آسمان کو چھونے لگی تھیں۔

اس کی بدقسمتی کا سایہ اس معصوم بچی پر بھی پڑ گیا تھا۔۔

اس کا کیا قصور تھا وہ پانچ سال کی چھوٹی سی بچی ہے۔

حور روتے ہوے چیخی تھی۔۔

ہمارے لیے چھوٹا بڑا کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔اسے تو صرف سیڑھیوں سے دھکا دیا ہے۔۔ورنہ اتنی چھوٹی چھوٹی بچیوں سے بھی ہم اپنا کاروبار کرواتے ہیں۔۔

ان کی شیطانی صفت باتیں سنتے حور کی چیخیں آسمان کو چھونے لگی تھیں۔۔وہ سچ میں انسان نہیں درندے تھے۔۔۔

تم سے اتنی بیوقوفی کی امید نہیں تھی۔۔تم نے حویلی چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی۔۔۔اب تم اس کا خمیازہ بھگتو گی ہر پل ہر لمحہ۔۔۔۔۔وہ اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا حور پر جھکا ہی تھا کہ دلخراش چیخوں سے پہاڑ تھر تھرا اٹھے تھے ۔حور کی سانسیں تھمی تھیں۔۔

اس پر جھکا آدمی سر پر ہاتھ رکھتا چیخیں مارتے ہوے اس کے پاس گرا تھا۔۔

حور کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔۔

وہ سٹل ہوئی تھی۔۔۔

سامنے ہی ارحام خانزادہ کھڑا تھا۔۔ جس کے ہاتھ میں بڑا سا پتھر تھا۔۔ جو اس نے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا ہوا تھا۔۔

جس آدمی نے اس کے ہاتھ پکڑے ہوے تھے۔۔۔ اس نے اپنی ساتھی کی حالت دیکھتے اور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی موت کا رقص دیکھتے حور کے ہاتھ جلدی سے چھوڑ دیے تھے۔۔

وہ خوفزدہ نگاہوں سے اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔۔ جس کا سر پھٹ چکا تھا۔ وہ خون سے لت پت پڑا تھا۔۔ ارحام خانزادہ نے جو پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ کافی بڑا تھا۔ جو اس کے سامنے کھڑا پہاڑی خان ہی اٹھا سکتا تھا۔

حور ارحام کو دیکھتے پیچھے کو کھسکتی اپنی شال شانوں پر ڈالتے پتھر سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

وہ تھر تھر کانپتے اپنے سامنے پڑے آدمی کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کے سر سے بہتا خون زمین پر پڑے پتھروں کو تیزی سے بگھو رہا تھا۔۔ پتھریلی زمین سرخ ہو رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی طرف اس کی دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔۔وہ ایک بار بھی اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔۔ورنہ اسے دوسرا سانس نہ آتا۔۔

نازنین بائی کے دوسرے آدمی کی ارحام خانزادہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔۔۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے صرف ارحام کو دیکھے جارہا تھا۔ ۔جس کی آنکھوں میں موت کی سرخی تھی۔

ارحام خان ابھی بھی پتھر ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیا تا اپنے سامنے بڑے درد سے چلاتے زخمی انسان کو دیکھ رہا تھا جو حور پر جھکا ہوا تھا۔۔اس کی حور اس کی بیوی اس کی عزت پر کوئی جھکا ہوا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے وہی پتھر جھکتے ہوے اپنے سامنے پڑے چیختے ہوے آدمی کے منہ پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔۔

اس آدمی کے چہرے سے خون کا فوارہ چھوٹا کچھ چھینٹیں حور کے منہ پر پڑی تھیں۔۔وہ بری طرح چیختے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

اس آدمی کا پورا منہ مسخ ہو چکا تھا۔۔اس کی چیخیں بند ہو چکی تھیں۔۔

مگر اس کی سانسیں ابھی بھی چل رہی تھیں۔۔اس کی ناک آنکھیں مسخ ہو چکے تھے۔۔

ارحام نے اس کی طرف جھکتے اپنا بھاری بوٹ والا پاؤں اس کے سینے پر رکھتے اس کے بازو کو جکڑا تھا۔۔

اس ہاتھ سے تم نے میری حور کو چھوا۔۔۔ ارحام پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔۔ اس سے زیادہ حور چیخی تھی۔۔۔

اس آدمی کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔۔ پتھر مارنے اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔۔

کڑک کی آواز ائی تھی۔ ارحام اس کا بازو مڑوڑتے ہوے اس کی ہڈی توڑ چکا تھا۔۔ ارحام نے اس کا دوسرا بازو جکڑے اس کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا تھا۔۔ کڑک کی زوردار آواز پھر سے گونجی تھی۔۔

حور اب منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخیں روک چکی تھیں۔۔

ارحام کی جنونیت اس کی جان نکال رہی تھی۔

دوسرا آدمی اپنے ساتھی کی حالت دیکھتے تیزی سے وہاں سے بھاگ نکلا۔۔۔

ارحام نے جھکتے ہوے اپنے شوز میں سے چاقو نکالا تھا۔

حور خوف سے اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ رہی تھی اب وہ کیا کرنے والا تھا۔۔وہ آدمی تو بے حس و حرکت لاش کی طرح پڑا تھا۔۔پتہ نہیں اس کی سانسیں بھی چل رہی تھیں کہ نہیں۔۔۔حور کی نظریں ارحام کے چہرے پر تھیں جہاں موت کے سناٹے چھائے تھے۔۔۔

ارحام پنجوں کے بل بیٹھتے اس آدمی پر جھکا تھا۔۔اس پر جھکتے ہوے اس نے چاقو اس کی شہ رگ پر رکھا تھا۔۔میری حور کو چھوا تم نے۔۔میری حور کو گندی نظروں سے دیکھا تم نے۔۔۔ارحام حلق کے بل دھاڑتا جا رہا تھا۔۔

حور کی اب سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔۔ارحام نے اسی چاقو سے اس کی شہ رگ کاٹی تھی۔۔۔اس کے منہ سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔۔وہ پھر ساکت ہو چکا تھا۔۔

حور اب اپنے چکراتے سر کو تھام گئی تھی۔

ارحام نے پیچھے مڑتے وہی چاقو اس بھاگتے ہوے انسان کا نشانہ لیتے اسے مارا تھا۔۔ وہ چاقو اس کی پچھلی گردن پر پیوست ہوا تھا۔

ارحام بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔۔۔

حور خوف سے منہ پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ ارحام خان کا یہ روپ اس کے دل مین مزید دہشت بٹھا چکا تھا۔۔ یہ کیسا روپ تھا اس انسان کا۔۔ ہر روپ دیکھ چکی۔ تھی۔ مگر یہ روپ تو مقابل کا حوف اس کی رگ رگ میں بٹھا چکا تھا۔۔

ارحام اب بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔وہ انسان اپنی موت اتنی دردناک نہیں چاہتا تھا۔۔۔اس لیے وہ زخمی اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ارحام نے اپنی پسٹل نکالتے اس کی ٹانگ پر فایر کیا۔وہ چیختا ہوا رکا تھا۔۔مگر ارحام کا اتنا خوف اس پر چھایا تھا۔۔وہ زخمی ٹانگ کے ساتھ بھی اپنی پوری قوت لگا کر بھاگ رہا تھا.

ارحام نے اپنی پسٹل سے دوسرا فائر اس کی دوسری ٹانگ پر کیا تھا۔۔وہ درد سے بلبلاتا چیختا ہوا وہیں پر گر چکا تھا۔۔مم مجھے معاف کر دو خدا کا واسطہ ہے ۔۔۔میرا کوئی قصور نہیں ہے۔۔میں تو صرف نازنین بائی کے کہنے پر یہ سب کر رہا تھا۔۔

وہ زمین پر چت لیٹا چیختیں ہوے معافی مانگ رہا تھا۔۔

تم نے اپنے ان غلیظ ہاتھوں سے میری بیوی کو چھوا۔۔ میری حور کو چھوا تھا۔۔ ارحام نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے ہاتھ کو پکڑا۔۔۔

نن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں میں نے نہیں چھوا۔۔ میں سچ کہہ رہا ہوں میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔۔ میں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔۔۔ میں قسم کھاتا ہوں۔۔ میں نے اسے چھوا نہیں۔۔ ارحام کی جنونی آنکھوں میں دیکھتے وہ خوف سے چیختے ہوئے بولا۔۔

تم نے انھیں ہاتھوں سے میری بیوی کو چھوا تھا ذ۔۔۔۔لی۔۔۔ل انسان۔۔۔۔

تمھارے غلیظ ہاتھوں کو میں آج ایسی سزا دوں گا کہ تمھاری روح کانپ جائے گی۔۔ ارحام خانزادہ دھاڑتے ہوئے اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر بیٹھا۔۔.

اس کے ہاتھ کی انگلیاں پکڑتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے مڑوڑ دی

تھیں۔۔وہ درد سے بلبلاتا چیخ پڑا۔۔۔پتھر کے ساتھ جڑ کر بیٹھی حور کی کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔وہ خوف سے منہ پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔۔سامنے ہی مسخ شدہ لاش پڑی تھی۔۔دوسرے آدمی کی بھی یہی حالت ہونے والی تھی۔وہ جانتی تھی۔۔وہ خود اس طرح کے غلیظ انسانوں کی دردناک موت چاہتی تھی۔۔مگر اب وہ خود خوف سے کانپ رہی تھی۔۔۔ا

ارحام نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مڑوڑتے ہوے توڑ دی تھیں۔۔وہ آدمی پاگلوں کی طرح معافیاں مانگ رہا تھا۔۔

جی تو کر رہا ہے تمھیں زندہ چھوڑ دوں تاکہ تمھیں دیکھ کر تمھارے جیسے آدمی عبرت حاصل کر سکیں۔۔اور وہ تمھاری نازنین بائی کو بھی پتہ چلے کہ اس نے کس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔۔میری عزت میری

حور میری بیوی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔۔ ارحام اپنے سینے پر ہاتھ مارتا غرایا تھا۔۔ میری حور کو چھوا۔۔ میری حور کو چھوا۔۔۔ میری حور پر گندی نظر ڈالی۔۔۔ ارحام پاگلوں کی طرح چیخا۔۔۔ جنون ہے وہ میرا ۔۔۔۔ صرف ارحام خانزادہ کی ملکیت۔۔۔ صرف ارحام کی عورت ارحام کی حور۔۔۔۔۔۔ ارحام اس کی گردن پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے پھنکارا۔۔

وہ سلطان شاہ کی بیٹی بعد میں۔۔۔ ارحام خانزادہ کی بیوی پہلے ہے۔۔۔ میری بیوی پر نظر رکھی۔۔ اسے تکلیف دی۔۔ اسے چھوا تم لوگوں نے۔۔۔ ارحام غضبناکی سے دھاڑا تھا۔۔

اس لیے اب تمھیں ایسی سزا ملے گی کہ تمھاری روح کانپ جائے گی۔۔ ارحام نے اپنی پسٹل سے اس کی دونوں آنکھوں میں باری باری فائر کیا تھا۔۔

اور تیسرا فائر وہ اس کا منہ کھولتا اس کے جبڑے میں کر چکا تھا۔۔ وہ ساکت بے جان ہو چکا پھا۔۔

حور نے اب اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔ آنکھوں کے آگے بہت تیزی سے اندھیرا چھایا تھا۔۔ اس نے اسی لمحے اپنی موت کی دعا کی تھی۔۔

وہ جانتی تھی اس کی سزا بھی ان لوگوں سے کم نہیں ہو گی۔۔۔وہ سفاک جنونی انسان اسے نہیں چھوڑے گا۔۔وہ موت کے خوف سے نہیں کانپ رہی تھی۔۔۔ارحام خانزادہ کے خوف سے کانپ رہی تھی۔۔

ارحام اب گہرے سانس لیتے اٹھا تھا۔۔چین اسے پھر نہیں آیا تھا۔ایک بار پھر سے اس نے اس آدمی کے منہ پر اپنا بھاری بوٹ مارا تھا۔۔

ارحام اپنی پسٹل اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے اس آدمی کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے پہاڑ کے کنارے لے گیا۔۔۔جس کے ایک طرف کھائی تھی ۔ارحام نے نے پہاڑ سے اس انسان کی بے جان وجود کو بے دردی سے کھائی میں پھینکا تھا۔۔

اب وہ حور کی طرف بڑھا جہاں دوسرا آدمی پڑا تھا۔

حور مزید پتھر میں سماتے خوف سے آنکھیں میچ چکی تھی۔۔۔۔ارحام اس آدمی کو بھی کلائیوں سے جکڑے گھسیٹتا ہوا کھائی کی طرف لے جاتے پھینک چکا تھا۔۔

بارش ابھی بھی شدید ہو رہی تھی۔۔۔ حور کانپتے ارحام کی چوڑی پشت کو دیکھ رہی تھی۔۔وہ پہاڑ کے کنارے کھڑا گہرائی میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔۔شائد اسے ابھی بھی چین نہیں آیا تھا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے کپکپاتے ہوئے پتھر کو پکڑے بمشکل اٹھی۔۔۔۔

اپنی شال کو سینے سے جکڑے وہ تھر تھر کانپتے کھڑی تھی۔۔

ارحام اپنی شال سے اپنے ہاتھوں سے نکلتا خون صاف کرتے حور کی طرف بڑھا۔۔اس کی آنکھیں ابھی بھی سرخ اور سرد تھیں۔۔اپنا غصہ اشتعال قہر ان لوگوں پر نکال کر بھی اس کے اندر بھر کتی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی ۔بلکہ مزید بھڑک رہی تھی۔۔

وہ جس طرح حور کے اوپر جھکا ہوا تھا۔۔اس کے ہاتھ پکڑے ہوے تھے۔۔اس کا لہو شریانوں میں جیسے بھڑک رہا تھا۔۔جسم کی رگیں پوری طرح ظاہر تھیں۔۔سانس بری منتشر تھیں۔۔سب کچھ سامنے کھڑی لڑکی کی وجہ سے ہوا تھا۔۔۔اس پر کسی کی نظر گوارا نہیں تھی آج اسے ان غلیظ لوگوں نے چھوا تھا۔۔۔جس طرح کی گندی غلیظ باتیں کر رہے تھے۔۔وہ تو اس کے دل و دماغ میں آگ لگا چکے تھے۔۔

ارحام غصے اور اشتعال سے حور کی طرف بڑھا تھا۔۔

ارحام اپنی شال سے اپنے ہاتھوں سے نکلتا خون صاف کرتے حور کی طرف بڑھا۔۔اس کی آنکھیں ابھی بھی سرخ اور سرد تھیں۔۔اپنا غصہ اشتعال قہر ان لوگوں پر نکال کر بھی اس کے اندر بھر کتی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی ۔بلکہ مزید بھڑک رہی تھی۔۔

وہ جس طرح حور کے اوپر جھکا ہوا تھا۔۔اس کے ہاتھ پکڑے ہوے تھے۔۔اس کا لہو شریانوں میں جیسے بھڑک رہا تھا۔۔جسم کی رگیں پوری طرح ظاہر تھیں۔۔سانس بری منتشر تھیں۔۔سب کچھ سامنے کھڑی لڑکی کی وجہ سے ہوا تھا۔۔۔اس پر کسی کی نظر گوارا نہیں تھی آج اسے ان غلیظ لوگوں نے چھوا تھا۔۔۔جس طرح کی گندی غلیظ باتیں کر رہے تھے۔۔وہ تو اس کے دل و دماغ میں آگ لگا چکے تھے۔۔

ارحام غصے اور اشتعال سے حور کی طرف بڑھا تھا۔۔

سزا تو اس کی بھی خطرناک بنتی تھی اور کچھ نہیں تو وہ اس کے نازک گالوں کا حشر بگاڑ دینا چاہتا تھا۔۔جو رات کے اس پہر برستی بارش میں تن تنہا حویلی سے نکل آئی۔۔

اتنا تو جانتا تھا آج کے بعد وہ اس کی آجازت کے بغیر کمرے سے قدم نکالنا تو دور کی بات۔۔۔وہ بیڈ سے بھی نیچے نہیں اترے گی۔۔ مگر گرم بھڑکتا خون سامنے کھڑی تھر تھر کانپتی لڑکی کو سزا دے کر ہی ٹھنڈا ہونا تھا۔۔جو آج ہر حد پار کر چکی تھی۔۔اس کے نزدیک یہ آخری حد تھی۔۔۔

ارحام کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر حور نے خوف سے پیچھے کو قدم بڑھائے تھے۔

ارحام مم۔۔۔۔۔۔میرا کک۔۔۔۔. کوئی قصور۔۔۔۔ نہیں ہے۔۔ ممم۔۔۔لوگ نازنین بائی کے آدمی ہیں۔۔ارحام میرا کوئی کک۔۔۔کوئی قصور نہیں ہے۔۔۔پپ پلیز مم۔۔۔۔مجھے کچھ نہ کیجیے گا. ۔ارحام۔۔۔۔۔ مم مجھے معاف کر دیں ارحام۔۔۔۔۔ آپ کو خدا کا واسطہ ہے۔۔۔ حور پیچھے کو قدم بڑھاتے دونوں ہاتھ جوڑتے گڑگڑاتے روتے ہوے بولی۔۔

اس کے رونے گڑگڑانے اور ہاتھ جوڑنے پر وہ مزید سیخ پا ہوا تھا۔۔ وہ اسے یوں ہاتھ جوڑے گڑگڑاتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔۔ مگر یہ لڑکی اس کی ظبط کی طنابیں ہلا دیتی تھی۔۔ اس کی بیٹی پر یذے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی

تھی اور وہ یہاں تھا۔۔ آج پھر وہ اپنی بیٹی اور بیوی میں سے اپنی بیوی کی عزت چن چکا تھا۔۔

آج سے چھ ماہ پہلے میں نے سلطان شاہ اس وجہ سے چھوڑا تھا۔۔۔ کیونکہ میری سوتیلی ماں ماہ جبین نے میرا سودا کر دیا تھا۔۔

حور کی بات پر ارحام کے قدم اس کی طرف بڑھتے رکے تھے۔۔

پاپا اس وقت لندن میں تھے۔۔ ماہ جبین نے پوری پلینگ کی تھی۔۔ مم۔۔۔۔۔ جب۔۔۔ مجھے پپ۔۔۔۔۔۔ پتہ چلا میں شاہ مینشن سے بھاگ آئی۔۔ مگر ان دونوں نے مجھے راستے میں اغوا کر لیا تھا۔۔ راستے میں ان دونوں کی نیت مجھ پر خراب ہو گیی تھی۔۔ ان میں سے ایک آدمی مجھے

گاڑی سے نکالتا گھسیٹتا ہوا پاس بنے کھیتوں میں لے گیا۔۔ مگر خدا کو میری عزت عزیز تھی۔۔

میں نے اسے خود کو چھونے بھی نہیں دیا تھا۔۔ اور زمین پر پڑے پتھر سے اس کے سر پر مارتے وہاں سے بھاگ گئی۔ حور اب روتے ہوئے ہچکیوں سے بول رہی تھی۔۔ وہ اپنے حواص میں نہیں لگ رہی تھی.

ارحام کی مٹھیاں بھنچتی جا رہی تھیں۔۔۔ رنگ تانبے کی مانند سرخ ہو رہا تھا۔۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ نے وہ رات سڑکوں پر چھپ کر گزاری تھی۔۔ اس آدمی کا فون لے کر میں بھاگی تھی۔۔ میں نے پاپا کو سب کو کال کی۔۔ مگر اس رات میری قسمت خراب تھی۔۔ پاپا نمبر بند آ رہا

تھا۔۔۔ ارحام۔۔۔ مم۔۔۔ میں اس رات وہاں بنی دکانوں کے

شیڈ کے نیچے کھڑی رہی۔۔ زرمش کو کال کی کہ وہ مجھے مدد بھیج دے۔۔ مگر اس نے ساحر کی وجہ سے میری مدد نہیں کی۔۔ حور روتے ہوئے گہرے سانس لیتے پیچھے کو قدم بڑھا رہی تھی۔۔ شال اس کے ایک کندھے پر لٹک رہی تھی۔ بکھرے بال بھیگا جسم وہ بری طرح کپکپا رہی تھی. وہ غم کی تفسیر بنی تھی۔۔ چہرے پر ارحام کا خوف صاف ظاہر تھا۔۔۔۔۔

مم۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔نے صبح ہوتے ہی ایک ٹیکسی کروائی.

مم۔۔۔۔۔مجھے نہیں پتہ تھا مجھے کہاں جانا ہے۔۔ وہ کوئی نیک انسان تھے۔۔ جنھوں نے مجھے ایک گرلز ہاسٹل پہنچا دیا۔۔ مجھے اپنا نمبر بھی دیا کہ مجھے ان کی جب ضرورت ہو میں انھیں کال کر سکتی ہوں۔۔

وہاں بھی میری روم میٹ نے کسی کے ساتھ میرا سودا کر دیا تھا۔۔ میری خوبصورتی دیکھ کر اور مجھے راتوں کو تکیے میں منہ چھپاتے روتے ہوئے دیکھ کر

اسے لگا میں لاوارث ہوں۔۔ مم۔۔۔ میرا کوئی نہی۔۔۔۔۔۔ مجھے جیسے خبر ہوئی میں نے وہ ہاسپٹل بھی چھوڑ دیا۔۔۔ اسی بزرگ کو کال کی۔۔ وہ مجھے وہاں سے آکر لے گئے۔۔ وہ مجھے اپنی بیٹی کے گھر لے گیے تھے۔۔ مگر وہاں بھی میری خوبصورتی میری کم عمری میری جوانی میری آزمایش بن گئی۔۔ اس بزرگ کی بیٹی کے شوہر نے مجھ پر بری نظر رکھی۔۔ مجھے جیسے ہی اس کے آرادوں کی خبر ہو گئی۔۔ میں وہاں سے بھی بھاگ نکلی۔۔۔ اور اس رات مردان کی سڑک پر بھیگتے ہوے آپ کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔۔ حور کی اب ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔۔

ارحام لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔

آپ ہی وہ پہلے انسان تھے۔۔۔ جس نے مجھ پر بری نظر نہیں ڈالی تھی ۔۔ میں سارے راستے آپ کو دیکھتے آئی مگر آپ نے مم مجھ پر ایک نظر نہیں ڈالی۔۔۔

اس رات گاڑی میں ممم۔۔۔۔۔ مجھے آپ کے ہر ایکٹ سے محبت ہو گئی۔۔ میں نے اتنے حوس پرست مردوں کی نظریں دیکھی تھیں۔۔ آپ ہی وہ پہلے انسان تھے جس کی نظریں شفاف تھیں۔۔

مجھے نہیں پتہ تھا۔۔ مجھے بلکل نہیں پتہ تھا۔۔۔ آپ شادی شدہ ہیں۔۔ درخشاں نے آپ کی مجھ سے بہت تعرفیں کیں آپ بہت اچھے ہیں۔۔ آپ نے گاؤں میں ونی کی رسم ختم کر دی۔۔ آپ عورت پر چلاتے

نہیں ہیں۔۔ آپ سب سے محبت کرتے ہیں۔۔ وہ روتے ہوے ہچکیوں سے ٹوٹے لفظوں سے بول رہی تھی۔۔

ممم۔۔۔ مجھے لگا آپ ہی وہ انسان ہیں۔۔۔ جو مجھے عزت کے ساتھ تحفظ دے گا۔۔ حور نے بے تحاشا روتے ہوے اپنی آنکھیں بازو سے رگڑیں تھیں۔۔ وہ مسلسل پیچھے کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

مم۔۔۔ میری سمجھ میں جو آیا میں نے کر دیا۔۔ مجھے لگا آپ پر الزام لگاؤں گی۔۔ سب میرا نکاح آپ سے کر دیں گے۔۔ اور میں آپ سے معافی مانگ لوں گی۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے اس رات خود کچھ نہیں پتہ تھا میں کیا کر رہی ہوں۔۔ مجھے صرف یہ پتہ تھا مجھے آپ سے نکاح کرنا ہے۔۔ مجھے آپ ہی تحفظ دے سکتے ہیں۔ مگر میں غلط تھی۔۔ حور اب کی بار پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے اسے بے بسی سے دیکھا۔۔۔

وہ اتنے بڑے ٹروما میں تھی اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔۔

میں غلط تھی ارحام آپ۔۔۔۔ آپ بھی باقی مردوں کی طرح نکلے۔۔۔ نکاح کے بعد میرے ساتھ جیسا سلوک کیا۔۔ کیا شوہر پہلی رات ایسا سلوک کرتے ہیں اپنی بیوی کے ساتھ۔۔۔۔ حور شدت غم سے روتے ہوے چیخی۔۔

ارحام نے لب کچلتے اس کی طرف دیکھا تھا. آنکھوں میں سرخی گھلی تھی۔۔۔ برستی بارش میں گہرا سانس لیا تھا۔۔

آپ نے مجھے باہر کی دنیا سے تحفظ دے دیا مگر کمرے میں عزت نہیں دی۔۔۔ ارحام۔۔۔۔۔۔ حور اب چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

میں چھ ماہ آپ کے ساتھ رہی... آپ کے خوف سے میں نے آپ کی ہر بات مانی۔۔۔ آپ نے مجھ سے میرے متعلق پوچھا۔۔ میں نے اس لیے آپ کو نہیں بتایا کیونکہ میں اپنا ماضی نہیں بتانا چاہتی تھی۔۔۔ جس میں میری ماں طوائف تھی اور میرا باپ میری ماں کا قاتل۔۔۔ حور چیختے ہوئے بولی۔۔ ارحام اس کی بات پر چونکا تھا۔۔

میں چھ ماہ آپ کے ساتھ رہی... آپ کے خوف سے میں نے آپ کی ہر بات مانی۔۔۔ آپ نے مجھ سے میرے متعلق

پوچھا۔۔میں نے اس لیے آپ کو نہیں بتایا کیونکہ میں اپنا ماضی نہیں بتانا چاہتی تھی۔۔۔جس میں میری ماں طوائف تھی اور میرا باپ میری ماں کا قاتل تھا۔۔۔حور چیختے ہوے بولی۔۔ارحام اس کی بات پر چونکا تھا۔

اس نے بے یقینی سے حور کی طرف دیکھتے اس کے لفظ سنے تھے۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام وہ اذیت و کرب سے اسے پکارتے اپنا سینہ مسل رہی تھی۔۔یہ حقیقت بتانا اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔۔یہ اس کی اکھڑتی بکھرتی سانسوں سے معلوم ہو رہا تھا۔۔وہ اب اپنا گلہ جکڑے ہوے تھی۔۔

ارحام کی اس کی طرف بڑھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ یہ کیسا انکشاف تھا۔۔ جو ارحام کی روح تک کو جھنجھوڑ چکا تھا۔ ارحام خانزادہ کو اس پر ترس آیا تھا وہ اٹھارہ سال کی عمر میں کیا کچھ سہن کر چکی تھی.

آسمان میں بجلی زور سے کڑکی تو وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح کپکپا اٹھی۔۔۔ بدن پر شدید لرزہ طاری ہوا تھا۔ ارحام بغور اس کے بدن کی لرزاہٹ دیکھ رہا تھا۔۔

حور نے اپنے چہرے سے ہاتھ اٹھائے خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھا تھا۔۔

اسے دور کھڑا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے پیچھے کی طرف مزید اپنے قدم بڑھائے تھے۔

پھر اسے دور کھڑا دیکھ کر اس کے رونے میں آضافہ ہوا تھا.. وہ پاگلوں کی طرح پھر سے رو دی تھی۔۔۔ جانتی تھی اس کی سچائی جاننے کے بعد سامنے کھڑا انسان اب اور اس سے نفرت کرے گا۔۔

وہ اب آسمان کی طرف دیکھتے برستی بارش میں روتے ہوے چیخیں مار رہی تھیں۔

ارحام بے بسی سے لب بھینچے اسے یوں روتے ہوے دیکھ رہا تھا۔۔ مقابل کا غم اس کا دل چیر رہا تھا۔۔ وہ کیا کچھ نہیں سہہ رہی تھی اور اسے خبر ہی نہیں تھی.

ارحام۔۔۔۔۔ ماہ جبین نے مجھے ہمیشہ نشا سے بڑھ کر پیار دیا۔۔ مجھے کبھی پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ وہ میری عزت کا سودا کر سکتی ہے۔۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا وہ میری سگی ماں نہیں ہے۔۔

وہ رات قیامت کی رات تھی۔۔وہ ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔اس رات کے بعد میری زندگی میں آنے والی ہر رات قیامت تھی۔۔۔۔حور کے لہجے کی چبھن میں آضافہ ہوا تھا۔جہاں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی.

ارحام خانزادہ کے دل کے کئی ٹکڑے ہوے تھے۔۔اس کی پناہوں میں ہر رات مقابل کے لیے قیامت تھی۔۔یہ لفظ نہیں خنجر تھے جو اس کے دل میں پیوست ہوے تھے۔۔۔وہ اپنا مضبوط ہاتھ اپنے کمزور دل پر رکھ گیا تھا۔

اس رات مجھے پتہ چلا ماہ جبین میری سگی ماں نہیں۔۔میری ماں مہر ماہ تھی۔۔ماہ جبین نے مجھے وہ تصویریں دکھائیں۔۔جس میں میں چھ ماہ کی اپنی ماں کے ساتھ تھی۔۔

اس نے مجھے بتایا کہ سلطان شاہ نے آج سے سترہ سال پہلے مہر ماہ کو قتل کر دیا تھا۔۔ کیونکہ مہر ماہ نے سلطان شاہ کو دھوکہ دیا تھا۔۔

مجھے اس رات پتہ چلا پاپا کی آنکھوں کی نمی کی وجہ۔۔ مجھے اس رات پتہ چلا پاپا اور ماہ جبین کا کمرہ کیوں الگ الگ ہے۔۔۔ مجھے اس رات پتہ چلا پاپا ہنستے ہنستے آخر

کیوں رو پڑتے ہیں۔۔ مجھے اس رات پتہ چلا پاپا مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں۔۔ حور ہچکیوں سے بولتے روتے ہوے ہنس پڑی تھی۔۔

سب کے پاپا پیار کرتے ہیں۔۔ بہت پیار کرتے ہیں۔۔ مگر سلطان شاہ جیسی محبت کوئی بھی اپنی بیٹی سے نہیں کر سکتا۔۔

حور کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

پتہ ہے پاپا مجھ سے اتنا کیوں پیار کرتے ہیں۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے ہچکی لیتے استفسار کیا تھا۔۔

کیونکہ میرا چہرہ میری ماں سے ملتا ہے۔۔ حور کی چیخوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ بارش نے شدت اختیار کی تھی۔۔ حور کی ہچکیوں میں آضافہ ہوتا جارہا تھا۔۔

دونوں کی آنکھوں میں دھندلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔۔ اور مقابل کا درد ارحام خانزادہ کے دل میں اترتا جارہا تھا۔

مجھے ماہ جبین نے اس رات تھپڑ مارے تھے۔۔۔ پتہ ہے ارحام کتنے تھپڑ مارے تھے۔۔ ایک۔۔۔۔۔ دو۔۔۔۔۔ تین۔۔۔۔ وہ اب انگلیوں پر تھپڑ گن رہی تھی۔۔ اس کی ہچکیوں میں بتدریج آضافہ ہو رہا تھا۔۔ وہ اپنے حواص میں نہیں لگ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کرب سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔ جانتا تھا اس کے مارے ہوے تھپڑ بھی وہ انگلیوں پر گنے گی ضرور۔۔۔۔۔۔۔ تب وہ کیا کرے گا۔۔ ان تھپڑوں کا حساب وہ کیسے چکائے گا۔

اللہ نے اس رات کے بعد تھپڑ میرے مقدر بنا دیے تھے۔۔ اپنی عزت بچاتے تھپڑ کھائے۔۔ آپ سے نکاح کرنے کے بعد تھپڑ کھایا۔۔ کل آپ کے تھپڑ کھائے۔۔ اور آج پھر تھپڑ کھایا۔۔ حور کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال کو دیکھتے ارحام خانزادہ کے دل کو ٹھوکا لگا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے گال پر رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔ ارحام اپنی نم ذدہ نظریں پھیر گیا تھا۔۔ اس کی شکوہ کناں نگاہوں میں درد تو صرف اس کے مارے ہوے تھپڑوں کا تھا۔۔

ارحام کی مٹھیاں ضبط سے بھینچی تھیں۔۔وہ کرب سے آنکھیں میچ گیا ۔یکدم اس کی مٹھیاں غیض و غضب سے بھینچی تھیں۔ آنکھوں میں غیض و غضب کی سرخی چھائی تھی۔۔

اس کی حور کو تھپڑ مارنے والوں کی موت اور مشکل ہونی چاہیے تھی.۔وہ انھیں اتنی آسان موت دینے پر پچھتا رہا تھا۔۔اس کے نزدیک ان کی موت آسان ہی تھی۔۔۔اس کی حور کو چھونے والے کی موت اس سے بھی درد ناک ہونی چاہیے تھی۔

میرے پاپا نے مجھے کبھی فنگر بھی نہیں لگائی ارحام۔۔۔

وہ تو میرے ڈمپل کو کتنی بار چومتے تھے۔کاش وہ میرے گال کو چومنے کی بجائے مجھے تھپڑوں کی تکلیف سے روشناس کروا دیتے تو شائد اتنی تکلیف نہ ہوتی۔۔حور نے روتے ہوے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔

اس رات مجھے پتہ چلا ساحر خانزادہ نے مجھ سے مگنی توڑ دی۔۔ یہ بریکنگ نیوز چلی تھی ہر نیوز چینل پر۔۔۔ وہ اس وقت جرمنی میں تھا اپنے کنسرٹ کے سلسلے میں۔

مجھے ماہ جبین نے بتایا کہ ساحر نے میری حقیت جاننے کے بعد مجھ سے مگنی توڑ دی ہے۔۔

میں اس رات ٹوٹ گئی تھی ارحام۔۔۔۔۔ ساحر نے مجھے چھوڑا اس لیے نہیں ٹوٹی تھی۔۔۔ بلکہ اس لیے میرا باپ میری ماں کا قاتل تھا۔۔ میرے باپ نے میری ماں کو مار دیا۔۔

کہنے کو یہ صرف لفظ ہیں۔۔ مگر جب جب سوچتی ہوں۔ یہ لفظ دہراتی ہوں۔ میرا دل زخموں سے چور بلبلاتا ہے۔۔ ارحام درد یہاں سے اٹھتا ہے ۔۔۔۔ بہت درد ہوتا ہے۔۔ حور نے روتے ہوئے اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے بے دردی سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیا۔۔ بارش کی بوندوں کے ساتھ خون کا ذائقہ اسے اپنے حلق میں گھلتا محسوس ہوا تھا۔۔

جب مجھے پتہ چلا ساحر نے مجھے میری پہچان پر چھوڑ دیا۔ میں نے اسی رات ساحر کو اپنے دل سے اتار کر پھینک دیا تھا۔۔ یہ جو حور آپ کے سامنے کھڑی ہے۔۔۔ حور نے روتے ہوئے خود کی طرف اشارہ کیا۔۔

آج سے چھ ماہ پہلے حور ایسی نہیں تھی۔۔وہ سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔۔بہت مغرور خود سے محبت کرنے والی۔۔اپنی عزت نفس پر سمجھوتہ نہ کرنے والی۔۔

وہ تو حور سلطان شاہ کو جب سڑکوں کی زینت بننا پڑا تو حور حور سلطان شاہ نہیں رہی۔۔بلکہ صرف حور رہ گئی۔۔

جو ہر کسی کے آگے جھک جاتی تھی۔۔جس نے اپنا لباس کبھی دوسری بار نہیں پہنا تھا۔۔اس نے مہینوں کسی کی اترن پہنی اور بار بار پہنی۔۔۔

ارحام نے بے چینی اظطراب سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے خود پر قابو پایا تھا۔۔مقابل تو ہر بات یاد رکھے ہوے تھی۔۔بلکہ دل سے لگائے ہوے تھی۔۔

ساحر خان کہیں نہیں تھا میری زندگی میں۔۔۔وہ بھی میری طرح اپنوں کی سازش کا شکار ہو گیا تھا۔۔ مگر

مجھے تب حقیقت نہیں پتہ تھی۔۔۔جب حقیت پتہ چلی وہ اس دل میں رہا ہی نہیں تھا۔۔اس دل میں ان دھڑکنوں میں آپ جیسے ظالم انسان کا لمس دھڑکنے لگا تھا۔۔حور ہذیانی چیخی تھی۔۔

ارحام اس کے ہذیانی چیخنے کرب سے آنکھیں میچ گیا تھا۔۔

مجھے تو آپ کو دیکھتے ہی آپ کی آنکھوں سے محبت ہو گئی تھی۔۔ مگر اس رات کے بعد میں نے کبھی آپ کی آنکھوں میں نہیں دیکھا کیونکہ آپ کی آنکھوں کی سرخی سے مجھے ڈر لگتا ہے۔۔ارحام مجھے آپ سے خوف آتا ہے ارحام۔۔۔اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔۔

اور ارحام خانزادہ کا پورا وجود جیسے کوئی آرے سے کاٹ رہا تھا۔۔ ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا وہ اس سے یوں خوفزدہ ہو۔۔ اسے صرف اپنا دیکھنا چاہتا تھا۔۔ صرف اتنی سی ہی تو تمنا تھی۔۔

آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے۔۔ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے ارحام۔۔۔ آپ کو آج بھی گل سے محبت ہے۔۔ آپ کو میری محبت پر یقین نہیں ہے ارحام۔۔۔۔ آپ کو اتنا نہیں پتہ چلا کہ میں آپ کے ساتھ اس دن اپنے پاپا کو چھوڑ کر کیوں آئی۔۔۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں ارحام۔۔۔۔ آپ کو اتنا نہیں پتہ چلا۔۔۔ کیونکہ آپ اپنی جنونیت میں کبھی میرا درد سمجھ نہیں سکے۔۔ میرے دل کی آواز نہیں سن سکے۔۔۔ وہ روتے ہوئے ہذیانی کیفیت میں اپنے دل کی تمام حقیقت اشکار کر چکی تھی۔

ارحام خانزادہ کی تشکر بھری نم زدہ آنکھیں آسمان کی طرف تھیں۔۔ جس عورت پر وہ مرتا تھا۔۔ جس عورت سے عشق کرتا تھا۔۔ خدا نے اس کے دل میں اسے ڈال دیا تھا۔۔

اسے اور کیا چاہیے تھا۔

جھوٹ میں نے نہیں بولا تھا۔۔ جھوٹ آپ نے بولا تھا آفس میں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔۔

آپ کو صرف میری خوبصورتی سے محبت ہے۔۔ میرے جسم سے محبت ہے۔۔ مجھے آپ کی جنونیت نہیں بننا۔۔۔ نفرت تھی تو جنون تھی محبت ہوں تو جنون ہوں۔۔۔ نہیں ارحام مجھے نہیں بننا آپ کا جنون۔۔۔۔

حور ایسی بات نہیں ہے۔۔ ارحام نے بے بسی سے کہتے اس کی طرف اپنے قدم بڑھائے تھے۔۔ وہ مزید پیچھے کو اپنے قدم بڑھا گئے تھے۔۔ ارحام لب بھینچے رک گیا تھا۔۔

وہ اس کی کیفیت سمجھتے اس کے قریب نہیں جا پا رہا تھا۔۔ وہ اس سے خوفزدہ ہونے کے ساتھ بدگمان بھی تھی۔

مہرماہ بھی سلطان شاہ کا جنون تھی۔۔ اسی جنون میں سلطان شاہ نے مہرماہ کو مار دیا تھا۔۔ آپ بھی مجھے اس جنون میں ایک دن مار دیں گے۔

ارحام نے اب تذبذب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔۔۔ وہ اس سے اس حد تک بدگمان تھی یہ اسے معلوم نہیں تھا۔

ارحام۔۔۔ مم مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔ مم مہر ماہ نہیں بننا۔۔۔اس سے پہلے آپ مجھے ماریں۔۔مجھے زندہ نہیں رہنا۔۔۔ حور پیچھے کو قدم بڑھاتے چیخی تھی۔۔

حور۔۔۔۔۔ارحام اس کی طرف بڑھا تھا۔۔وہ زہنی ابتر حالت میں بہت ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی۔۔اس کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔۔ایسا لگ رہا تھا وہ کسی بھی پل زمین بوس ہو جائے گی۔۔وہ چاہتا تھا آج وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ دے۔۔اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکال دے۔ مگر وہ اب مزید اسے یوں روتے تڑپتے ہوے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

آپ مجھے مار دیں گے ارحام۔۔۔۔۔۔پریذے کو کچھ ہو گیا تو آپ تب بھی مجھے مار دیں گے ارحام۔۔۔ حور خوف سے بولتے پیچھے کو ہوئی تھی۔۔

پریذے بھی میری وجہ سے آج اس حالت میں ہے۔۔ حور ایک بار پھر شدت سے رو پڑی۔

پریذے۔۔۔۔۔۔ پریذے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے چیخیں مار رہی تھیں۔

اس کی چیخوں پر پہلی مرتبہ ارحام کا دل بند ہوا تھا۔۔ آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔۔ وہ بے دردی سے اپنی آنکھیں مسل گیا۔

کچھ نہیں ہو گا پریذے کو حور۔۔۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔ ارحام کی آواز بارش کے شور آنسوؤں کی نمی میں جیسے دب گئی تھی.

پریذے۔۔۔۔۔۔پریذے۔۔۔۔۔میری جان۔۔۔۔۔۔میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر اگر تمھیں کچھ ہوا۔۔۔۔مجھے اور بوجھ لے کر نہیں جینا۔۔حور کی چیخوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔

ارحام کے کرب میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

سامنے کھڑی لڑکی تو سراپہ محبت تھی..جو اس سے ہی نہیں اس کی بیٹی سے بھی شدید محبت کرتی تھی۔۔

کچھ نہیں ہو گا تمھاری پریذے کو حور۔۔۔۔ارحام نے سختی سے کہتے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔۔مگر وہ اس کی چیخوں کو نہیں دبا سکا تھا۔۔

پریذے۔۔۔۔۔۔اس کی چیخیں وقت کے ساتھ پہاڑوں سے ٹکراتی بلند ہو رہی تھی۔ارحام خانزادہ کی سانسیں رک رہی تھیں۔۔

Shut up....Dont cry any more۔nothing to do with our preezy

ظبط کا دامن چھوٹا تو ارحام غصے سے حلق کے دھاڑ اٹھا۔اس کی چیخیں اس کا امتحان لے رہی تھیں جیسے۔۔۔

اس کی دھاڑ پر حور کی چیخیں تھمی تھیں۔۔بلکہ اس کی سانسیں رکی تھیں۔مقابل کی دھاڑ سے وہ اپنی سانسیں روک چکی تھی.

کچھ نہیں ہو گا پریذے کو۔۔۔ارحام نے نم لہجے میں کہتے حور کی طرف قدم بڑھائے تھے. وہ تیزی سے یہ فاصلہ طے کر کے اپنے اور اس کے بیچ یہ فاصلہ مٹانا چاہتا تھا۔۔اس کے چہرے پر وہ مزید اپنا خوف نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

اگر کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔۔ حور نے ہچکیوں سے استفسار کرتے پیچھے کو قدم بڑھائے تھے۔۔

وہ اس کے پیچھے قدم بڑھانے پر پریشان ہوا تھا۔۔ وہ ابھی بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ اس کے چہرے پر اس کا خوف واضح تھا۔

میں کہہ رہا ہوں ناں اسے کچھ نہیں ہو گا۔۔ مجھ پر یقین ہے ناں تمھیں۔۔۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کی طرف قدم بڑھائے

نہیں ہے۔۔ آپ پر یقین نہیں ہے۔۔ حور نے روتے ہوے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

ارحام کے قدموں کی رفتار میں آضافہ ہوا تھا۔۔وہ اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھرتے اسے اپنے سینے سے لگانا چاہتا تھا۔۔اس کی ہر تکلیف کا مداوہ کرنا چاہتا تھا۔

حور نے یکدم سر نفی میں ہلایا تھا۔۔مم۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔۔اتنی دردناک موت نہیں مرنا۔۔۔۔اس کے کپکپاتے لبوں کی جنبش پر ارحام کے بھاری قدم رکے تھے۔

وہ اس سے اس حد تک خوفزدہ ہو چکی تھی کہ اسے لگ رہا تھا وہ اسے مار دے گا۔۔ارحام نے کرب سے اس کے لرزتے وجود کو دیکھا۔۔وہ اسے کیسے بتاتا وہ اس کی جان کبھی نہیں لے سکتا تھا۔اگر وہ اسے کسی کے لیے چھوڑ کر بھی چلی جاتی وہ اسے نہیں مار سکتا تھا۔۔ہاں اسے واپس لے کر ضرور آتا۔۔اسے اپنے پاس قید کر لیتا۔۔۔اس پر کسی کی نظر نہ پڑنے دیتا۔۔۔اس کا

جنون یہیں تک تھا۔۔ وہ اس کی رہے اور اس کے پاس رہے۔۔ مگر وہ سامنے کھڑے وجود کی سانسیں کبھی نہیں کھینچ سکتا تھا۔۔ وہ ارحام خانزادہ تھا۔۔ سلطان شاہ نہیں۔۔۔۔ کیونکہ سامنے کھڑی لڑکی کی سانسیں چلنا بند ہو جاتی تو اس کی بھی سانسیں بند ہو جاتیں۔۔

ارحام کے قدموں میں تیزی آئی تھی۔۔۔ مقابل کے قدموں نے بھی پیچھے کی طرف اپنے قدم تیزی سے بڑھائے تھے۔۔

مم میں آپ کے ہاتھوں سے مرنا۔۔۔ خود موت کو گلے لگانا پسند کروں گی۔۔۔ حور کے ٹوٹے لفظ سن کر ارحام کے قدم رکے تھے۔۔ ارحام کے چہرے پر خوف سا لہرایا تھا۔۔

اسے اب سمجھ آیا تھا وہ پیچھے کی طرف قدم کیوں بڑھا رہی تھی۔

حور۔۔۔۔ارحام خوفزدہ ہوتا چیخا تھا۔۔۔ارحام کی چیخ پر حور نے یکدم مڑتے ہوئے تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔۔

اس کے قدموں کا رخ پہاڑ کے کنارے کی طرف تھا۔۔

ارحام اس کے آرادے سمجھتا پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگا تھا۔۔۔

وہ روتے ہوئے بھاگتی جا رہی تھی۔شال زمین بوس ہوئی تھی. وہ بنا رکے بھاگ رہی تھی۔۔اس سے پہلے وہ پہاڑ سے نیچے کھائی میں چھلانگ لگاتی۔۔۔ارحام اس کی کلائی جکڑے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔حور اسی لمحے اس کی بانہوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

وہ اسے سینے میں سختی سے بھینچے زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔اسے اپنے سینے میں بھینچے وہ آسمان کی طرف دیکھے چیخیں مار رہا تھا۔۔

تیرے بن جینا ہے ایسے

دل دھڑکا ہو نہ ہو جیسے

آ دلوں کی راہوں میں

ہم کچھ ایسا کر جائیں

ایک دوسرے سے بچھڑیں

تو مر جائیں ہم

او خدا بتا دے

کیا لکیروں میں لکھا

ہم نے تو بس عشق کیا

وہ اس کے سامنے بیڈ پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔۔

ارحام اس کے قریب بیٹھا اس کے اوپر جھکے اس کے نم زدہ بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھنسائے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔۔اس کی گرم سانسیں اس کے خوبصورت نقوش پر بکھر رہی تھیں۔ آج ان سانسوں کی تپش بہت زیادہ تھی۔۔وہ خود اپنی سانسوں کی تپش سے اندر تک جھلس رہا تھا۔

میں غلط تھی ارحام آپ۔۔۔۔ آپ بھی باقی مردوں کی طرح نکلے۔۔۔ نکاح کے بعد میرے ساتھ جیسا سلوک کیا۔۔ کیا شوہر پہلی رات ایسا سلوک کرتے ہیں اپنی بیوی کے ساتھ۔۔۔۔

ارحام کے آنکھوں میں سرخی کے ساتھ نمی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

خدا کے لیے مم مجھے معاف کر دو۔۔ مم مجھے جانے دو۔۔

آج سے چھ ماہ پہلے حور کا گڑ گڑانا یاد آیا تھا۔۔

جانے دوں تمھیں۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمھارا اور میرا نکاح ہوا ہے۔۔ اور یہ نکاح تم نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔۔

جانتی ہو ایک مرد نکاح کیوں کرتا ہے؟؟۔۔ اسے عورت سے کیا چاہیے ہوتا ہے؟؟ اپنی دھاڑ اپنے ہی لفظ یاد کرتا وہ کرب کی انتہا پر تھا۔۔

یہ سوال میں تم سے کیوں کر رہا ہوں؟؟۔۔ تم جیسی لڑکی کو تو سب کچھ پتہ ہو گا۔۔ آخر تم نے مجھ سے نکاح اسی مقصد کے لیے تو کیا ہے۔ یا یہ مقصد کوئی مجھ سے پہلے ہی پورا کر چکا ہے۔

اپنے لفظوں کی بدصورتی کا اسے شائد کبھی احساس نہیں ہوتا اگر سامنے پڑا نازک وجود اپنے لفظوں کی خوبصورتی کا اسے احساس نہیں دلاتا۔

آپ ہی وہ پہلے انسان تھے۔۔۔ جس نے مجھ پر بری نظر نہیں ڈالی تھی ۔۔میں سارے راستے آپ کو دیکھتے آئی مگر آپ نے مم مجھ پر ایک نظر نہیں ڈالی۔۔۔

اس رات گاڑی میں مم۔۔۔۔۔مجھے آپ کے ہر ایکٹ سے محبت ہو گئی۔۔میں نے اتنے حوس پرست مردوں کی نظریں دیکھی تھیں۔۔ آپ ہی وہ پہلے انسان تھے جس کی نظریں شفاف تھیں۔۔

ارحام خانزادہ کی کھردری انگلیاں اس کے عارض پر نرمی سے سرسرا رہی تھیں۔۔جو نیلے ہوے تھے۔جہاں اس کی انگلیوں کی گہری چھاپ تھیں۔۔اس کے لب نرمی سے اس کی بند آنکھوں کو چھو گئے تھے. جن

آنکھوں نے اس کی آنکھوں کی شفافیت کو دیکھا تھا۔۔اسے تو بھی اس رات ان آنکھوں سے محبت ہوئی تھی۔ارحام کے لب دیوانہ وار اس کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوم رہے تھے۔

یکدم وہ اس سے کرنٹ کھا کر دور ہوا تھا۔

اپنے لفظ پھر سے یاد آئے تھے. اب کی بار تو دل کیا تھا وہ زمین کی تہہ میں سما جائے۔

ارے اتنی معصوم کیوں بن رہی ہو؟؟جو میں کہنا چارہا ہوں تم نہیں سمجھی۔۔اس نازک جان کو اپنے سینے میں بھینچنا یاد آیا تھا۔۔

وہ کیسے خوف کے عالم میں کانپتی ہوئی اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔اس کی تیز ہوتی دھڑکنیں تک اس کے سینے کا حصہ بن گئی تھیں۔

بند کرو یہ ڈارامے۔۔ یہ اتنا ڈرنے کی ایکٹنگ۔۔۔۔

تم جیسی لڑکیاں اس طرح گھبراتی ڈرتی اچھی نہیں لگتی۔۔ ایسے ایکٹ مت کرو جیسے تمھیں پہلے کسی نے چھوا نہیں۔۔ تم نے مجھ سے پہلے کوئی مرد دیکھا نہیں۔ جانے کتنے مردوں کو اپنے حسن اور معصومیت کے جال میں پھنسا کر بیوقوف بنا چکی ہو۔ اس رات اس کے ذلت بھرے الفاظ سن کر وہ ٹھنڈی زمین کا حصہ بنی تھی۔۔

آج ٹھنڈی زمین کا حصہ بننے کو ارحام خانزادہ کا دل کر رہا تھا۔

مم میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔۔ وہ اس کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔

جو حور آپ کے سامنے کھڑی ہے۔۔۔ آج سے چھ ماہ پہلے حور ایسی نہیں تھی۔۔ وہ سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔۔ بہت مغرور خود سے محبت کرنے والی۔۔ اپنی عزت نفس پر سمجھوتہ نہ کرنے والی۔۔ وہ تو حور سلطان شاہ کو جب سڑکوں کی زینت بننا پڑا تو حور حور سلطان شاہ نہیں رہی۔۔ بلکہ صرف حور رہ گئی۔۔ جو ہر کسی کے آگے جھک جاتی تھی۔۔

ارحام کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے گلابی لبوں پر شبنم کی طرح چمکے تھے۔

میرے سامنے اگر دوبارہ تمھاری آواز اونچی ہوئی تو تمھارا وہ حال کروں گا تم دوبارہ بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔

اور تم کیسی لڑکی ہو یہ ابھی پتہ چل جائے گا۔

مطلب یہ کہ ابھی پتہ چل جائے گا۔ تمھیں مجھ سے پہلے بھی کسی نے چھوا بھی ہے یا نہیں۔۔۔ ارحام نے اب اس کمرے کو دیکھا تھا۔۔ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اس بیڈ کو دیکھا۔ جہاں اس نے اس رات اپنی بیوی سے اچھی طرح خراج لیا تھا۔۔ اس کے جسم کو درندوں کی طرح مسلا تھا۔۔

اس کے نازک حصوں کو بھنبھوڑا تھا۔۔ اچھی طرح جسم کی ہر گہرائی کو چھوتے چیک کیا تھا اس سے پہلے اسے کبھی کسی نے چھوا بھی ہے یا نہیں۔۔ اسے اس کمرے اس بیڈ سے وحشت ہوئی تھی۔ اپنے ظلم کی کوئی وجہ کوئی دلیل اس کے پاس رہتی تھی بھلا کیا؟؟ اس رات گل کو طلاق اس نے دی تھی۔۔ اس پر الزام اس کی بیوی اس کے گھر والوں نے لگایا

تھا۔۔ مقابل نے تو یہ بات بند کمرے میں کہی تھی۔۔ چیخ چیخ کر تو اسے گل نے غلط ثابت کیا تھا۔۔

سزا اس معصوم کے حصے میں کیوں آئی۔۔ وہ اس رات اگر اسے اپنے نکاح اپنی سپردگی میں لے ہی چکا تھا تو اس پاک نکاح کی لاج ہی رکھ لیتا۔۔۔ جہاں رب نے مرد کو عورت کے معاملے میں ڈرنے کو کہا۔۔ جہاں اللہ نے عورت کو مرد کے سپرد بطور امانت دیا ہے۔۔

اور وہ اس آمانت میں خیانت کر بیٹھا۔۔

اگر خدا سے وعدہ کر ہی لیا تھا وہ اس نازک وجود کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ تو معاف بھی کر دیتا۔۔ آج وہ یوں کرب واذیت پر نہ ہوتا۔۔۔۔

جس وقت اس نازک وجود کو اس کی ضرورت تھی اس وقت سب سے زیادہ تکلیف اس نے ہی دی۔۔۔ کیا وہ کبھی خود کو معاف کر پائے گا۔۔ اس کے کرلاتے تڑپتے دل نے سوال کیا تھا۔۔

کیا کبھی وہ اس لڑکی کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہو گا وہ اسے معاف کر پائے گی؟؟۔۔ اس سوال پر تو وہ گھبراتے ہوئے اپنا دل مسلنے لگا۔۔

اگر بات سامنے پڑے نازک وجود کے معاف کرنے پر آئی تو یقیناً نازک وجود کبھی اسے معاف نہیں کرے گا۔۔ کیونکہ اب وہ خود کو حور نہیں۔۔۔ حور سلطان شاہ سمجھتی تھی۔۔ حور سلطان شاہ میں کتنا نخرہ تھا وہ سمجھتا تھا۔۔ وہ سلطان شاہ کی بیٹی تھی جس نے اپنے جنون میں اپنی محبت کو قتل کر دیا تھا۔۔ ارحام نے اب اپنے لب بے دردی سے کچلے تھے۔۔

آپ کو صرف میری خوبصورتی سے محبت ہے۔۔ میرے جسم سے محبت ہے۔۔ مجھے آپ کی جنونیت نہیں بننا۔۔۔ نفرت تھی تو جنون تھی محبت ہوں تو جنون ہوں۔۔۔ نہیں ارحام مجھے نہیں بننا آپ کا جنون۔۔۔۔۔ اس کے لفظ یاد کرتے ارحام خانزادہ کی سانسیں تیز ہوئیں تھیں۔۔

وہ اس کے لبوں پر جھکے انھیں اپنے لبوں میں دبا گیا

وہ اس کے بے جان وجود سے شدت سے سانسیں کھینچ گیا تھا۔۔ مگر اس کی دیوانگی کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔۔

یکدم وہ پر سکون ہوتا اس کے لبوں کو بہت نرمی سے اپنے لبوں میں دبا گیا ۔اس کے لب نرمی سے اس کے ہر نقوش کا سفر کرنے لگے۔۔ جانے کتنی دیر وہ اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھتا چلا گیا تھا۔۔ اس کے لب دیوانہ وار اس کے ایک ایک نقش کو چوم رہے تھے۔۔۔

تم میرا جنون ہو اور ہمیشہ رہو گی۔۔۔ حور خانزادہ ارحام کا جنون تمھارے لیے کبھی کم نہیں ہو سکتا۔۔ اور یہ آج اور بڑھ گیا ہے۔۔ مگر وعدہ ہے میرا تم سے آج کے بعد اس جنونیت میں جتنی بھی تکلیفیں اٹھاؤں گا میں اٹھاؤں گا۔۔ تم پر میری جنونیت کی ایک آنچ نہیں پہنچے گی۔۔ ارحام نے اس کے کان میں جھکے سرگوشی کرتے اس کے کان کی لو کو دانتوں سے کھینچا تھا۔۔

اس کے لبوں کو جھکتے اس نے نرمی سے اس کے زخم پر اپنی زبان کا مرہم لگایا تھا۔۔

ارحام نے سیدھے ہوتے بہت نرمی سے اس کی کمر میں ہارھ ڈالتے اسے اوپر اٹھاتے اس کے وجود کو گیلے کپڑوں سے آزاد کیا۔۔

اسے تکیے پر لٹاتے اس نے گہری نظروں سے اپنی بیوی کے چاندی جیسے شفاف بدن کو دیکھا تھا۔

نظریں اس کے کندھے پر دی ہوئی اپنی جنونی سوغات پر آ کر ٹھہریں تھیں۔۔ارحام کی ٹھنڈی انگلیاں اس کے کندھے سے ہوتی اس کے دھڑکنوں پر آ کر رکی تھیں۔اس کی گہری نظریں اپنی بیوی کی دھڑکنوں کے مقام پر تھیں۔۔وہ یکدم جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

اس کی انگلیاں ابھی تک اس کے دل کے مقام پر سرسرا رہی تھیں۔۔

کل رات اس نے غصے اور جنون میں اس کے کندھے پر اپنی شدت دکھائی تھی اور یہ سچ تھا اس وقت اس کا دل یہی کر رہا تھا اس تل کو فنا کر کے رکھ دے۔۔ اور اس نے یہ سب کچھ جنونیت میں ہی کیا تھا۔ مگر اس جنونیت میں بھی اسے صرف اپنی بیوی حور کی فکر تھی۔۔۔

اس نے اس کے کندھے پر شدت دکھاتے ہوے اس کے دل کے پاس وہ مائیکرو چپ انسرٹ کی تھی۔۔ جسے ٹریک کرتے وہ آج تک اس تک پہنچا تھا۔۔ کندھے پر اس وقت اس کے دانتوں کا دباؤ اس لیے بڑھتا جا رہا تھا تاکہ اسے خبر نہ ہو اس کے اندر اس نے کہاں کیا انسرٹ کیا ہے۔۔ وہ اس وقت اس تکلیف سے بلبلا اٹھی تھی۔۔ اسے درد کی شدت سے احساس ہی نہیں ہوا وہ چپ اس کے اندر انسرٹ ہو چکی تھی۔

وہ سلطان شاہ نہیں تھا۔۔۔جو صرف جنون دکھانا جانتا تھا۔۔وہ ارحام خانزادہ تھا جو جنون کے ساتھ اپنے رشتوں کی حفاظت بھی کرنا جانتا تھا۔

اسے ماہ جبین پر اسی دن شک ہو گیا تھا۔ جس دن نشانے اسے بتایا کہ ماہ جبین حور سے نفرت کرتی ہے۔۔۔اس وقت تو اسے معلوم نہیں تھا نشا حور کے بارے میں بات کر رہی ہے۔۔

مگر جب سے حور سلطان شاہ کے پاس تھی اس کی ماہ جبین پر گہری نظر تھی۔۔اس کے فون تک اس نے ٹریس کر رکھے تھے۔ مگر اسے کوئی معلو مات نہیں مل سکی تھی۔۔

حور کے بارے میں ابھی بھی کوئی نازنین بائی کو خبریں دے رہا تھا۔۔ لیکن کون ؟؟۔۔۔ ارحام لب بھینچے سوچ رہا تھا۔۔ ماہ جبین اکیلی یہ سب نہیں کر سکتی تھی۔۔ کیونکہ سلطان شاہ کی پاور سے وہ بخوبی واقف تھی۔۔ یقیناً کوئی اور بھی تھا۔۔ جو سلطان شاہ جتنی حیثیت رکھتا تھا یا پھر اس سے کم۔ مگر تھا وہ بھی طاقتور۔۔۔۔ ارحام اپنی مٹھیاں بھینچے سوچ رہا تھا۔

کل وہ حور کو اپنے پاس لے آیا تھا۔۔ مگر اس کے دل کا ڈر جو حور کو لے کر تھا وہ کل رات اور شدت اختیار کر گیا تھا۔۔ جب وہ چیخ چیخ کر سلطان شاہ کے پاس جانے کو کہہ رہی تھی۔۔ اسے لگا جب وہ چھ ماہ پہلے اپنے باپ کا گھر چھوڑ سکتی ہے۔۔ کبھی کسی لمحے وہ اس کی حویلی سے بھی بھاگ سکتی ہے۔۔ اسی لیے اس نے کل رات اس کے سینے میں وہ چپ انسرٹ کی۔۔۔۔

اپنی بیوی کو اب وہ خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔۔ کسی صورت بھی نہیں۔۔۔۔ اسے ہر پل اس پر نظر رکھنی تھی تا کہ وہ جہاں بھی جائے ۔۔۔ وہ اسے اپنے پاس لے آئے۔۔۔ اور اس کی حور کو کوئی غلطی سے بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔

آج وہ حور کی لوکیشن ٹریس کرتے بہت آسانی سے اس تک پہنچ گیا تھا۔۔

ارحام نے جھکتے ہوئے پھر سے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

یہ اب ہمیشہ تمھارے سینے میں رہے گی۔۔ میری خوبصورت بیوی۔۔۔ تمھارا ارحام آج بھی تمھارا جنونی ہے۔۔۔ تمھیں کبھی ایک پل کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ ارحام نے جھکتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔۔۔۔

اسے احتیاط سے کپڑے پہناتا وہ اس کے پاس سے اٹھا تھا۔۔

وہ اپنا سیل فون اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالتا گاڑی کی چابیاں پکڑے کمرے سے نکل آیا تھا۔۔۔ گاڑی سٹارٹ کرتے اس نے گاڑی ہاسپٹل کے راستے پر ڈالی۔۔۔ جہاں اس کی بیٹی اس کا انتظار کر رہی تھی۔۔ جو اللہ نے اسے پھر سے واپس لٹا دی تھی۔

بہارے کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑاتے ہوئے اٹھی تھی۔۔ وہ اس وقت صوفے کی بجائے بیڈ پر تھی۔۔ بہارے نے اپنی گلابی انکھوں سے پورے کمرے

میں نظریں دوڑائیں اس کی سانسیں سینے میں اٹکی تھی وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی۔۔۔

وہ ستمگر کمرے میں کہیں نہیں تھا وہ اسے پھر سے چھوڑ کر چلا گیا تھا وہ گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی دل میں درد کے شدید ابال اٹھے تھے۔۔

بیڈ سے ٹیک لگائے وہ گہرے سانس لیتے بھیگی گلابی انکھوں سے کمرے میں نظریں دوڑا رہی تھی۔۔ وہ ساری رات اس کے قریب تھا ساری رات اس نے اس کا سر دبایا تھا۔۔ وہ صبح اذانوں تک اس کے ہاتھوں کا لمس اپنی پیشانی

پر محسوس کرتی رہی تھی اس نے اس لیے انکھیں نہیں کھولی تھی وہ کہیں چلا نہ جائے۔۔ آج پہلی بار اس نے فجر کی نماز چھوڑ دی تھی۔۔ اور اس کے بعد وہ کب سوئی اسے پتہ نہیں چلا۔۔ اس نے اسے بیڈ پر کب ڈالا اس سے پتہ نہیں چلا شہرام خان کے عشق نے اسے آج خدا سے بھی دغا کرنے پر مجبور کر دیا تھا فجر کی نماز قضا ہونے پر بہارے بری طرح رو دی تھی۔۔

بہارے نے ہچکیاں بھرتے ہراست نظروں سے اس خالی کمرے کو دیکھا تھا اس ستمگر کے بغیر اب اسے کمرے کی تنہائی سے وحشت ہونے لگتی تھی بہارے گھٹنوں میں منہ چھپائے بلک بلک کر رو دی تھی۔ وہ اس کے پاس چلا گیا وہ جل کر راکھ ہو رہی تھی وہ اس سے دور تو رہ سکتی تھی مگر اس سے کسی اور کا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آیزل کے ساتھ اسے سوچتے ہی اس کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگتی تھی اسے نہیں پتہ تھا محبت عشق کیا ہوتا ہے

بس اسے اتنا پتہ تھا وہ شہرام کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی اس کے قریب کسی دوسری عورت کا سایہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

وہ اس کا جنون بن چکا تھا اس کا ایڈکٹ بن چکا تھا اسے اپنا وہی شہرام واپس چاہیے تھا ورنہ اسے لگتا تھا اس کی چلتی سانسیں کسی دن رک جائیں گی

بہارے گہرے سانس لیتے بیڈ سے اٹھی۔۔ وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی گلابی سلوٹ زدہ فراک بال الجھے بکھرے سے انکھیں متورم اور گلابی بدم ہر ٹائم لرز تا رہتا تھا۔۔ وہ کچھ عرصے میں کیا سے کیا بن گئی تھی بہارے کی انگلیاں اپنے الجھے بکھرے بالوں میں الجھی تھی اسے اپنے بالوں سے کتنی محبت تھی قربت کے لمحات میں وہ اس کے بالوں کو چھوتا تو وہ اس کے غصے سے ہاتھ جھٹک دیتی تھی وہ پھر بھی اس کے بالوں کو نرمی سے چھوتا

اور اپنے لب رکھتا تھا اس کی جان لیوا قربت میں بالوں کا حشر ہونا ہی تھا اور ہو بھی جاتا تھا۔ بعد میں وہی دو سلجھاتا تھا ان بالوں کو۔۔

اس دن اس کی قربت کے بعد اس نے اپنے بال نہیں سلجھائے تھے دو دن پہلے اس کی جان لیوا قربت میں سب سے برا حشر بالوں کا ہی ہوا تھا۔۔ اس کے بعد اس نے ان بالوں کو سلجھایا ہی نہیں تھا وہ تڑپ کر مرنے والی ہو جاتی تھی جب وہ ان بالوں کو سلجھانے لگتی تو اس ستمگر کی یاد اتنی بری طرح اس پر حملہ اور ہوتی تھی کہیں نہ کہیں اس کے دل میں مبہم سی امید تھی وہ اس کے بکھرے الجھے بالوں کو دیکھ کر سلجھائے گا ضرور مگر اس نے تو اس دن اپنی جان لیوا آگ جیسی قربت میں ساری رات اسے جھلسایا تھا اس کے بالوں کو بھی وہ جیسے چاہا چھوتا رہا اس نے ایک آہ منہ سے نہیں نکالی اتنی بے

رحمی دکھا کر بھی اس نے اس کے بال نہیں سلجھائے تھے اسی درد تکلیف سے اس نے اپنے بال ہی سلجھانا چھوڑ دیے تھے۔۔۔۔

بہارے نے ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھائے بے دردی سے اپنے بالوں میں برش کرنا شروع کر دیا تھا بال شدید الجھے ہوئے تھے وہ بڑی بے رحمی سے بالوں میں برش کر رہی تھی جس کی وجہ سے سر میں ایک بار پھر سے درد شروع ہو گیا تھا۔۔ اس نے ایک بار پھر سے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا یہ درد لگتا تھا اس کی جان لے کر چھوڑے گا کاش یہ درد میری جان لے لے شہرام تمہیں کسی اور کا ہوتے دیکھنے سے پہلے میں مرنا پسند کروں گی۔۔

بہارے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی بہارے نے ایک بار پھر سے خود کو ڈریسنگ مرر میں دیکھا تھا اتنے بدتر حلیے میں بھی وہ چاند کی طرح چمک رہی تھی اب اس ستمگر کو اس میں کشش کیوں نہیں محسوس ہوتی

کیا دوسری عورت کا جادو مرد پر اتنا اثر کرتا ہے اسے اپنی بیوی میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔۔

بہارے نے اپنے چاندی جیسے نشیب و فراز کو دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے اذیت کی انتہا پر سوچا تھا کیوں رہے گی دلچسپی اپنی بیوی میں ؟؟ جب اللہ نے ہی چار کی اجازت دے رکھی ہے بہارے بھڑ بھڑ جلتے آئینے میں دیکھتے چیخ اٹھی۔۔

اس کی کل رات کی توجہ نے اسے مزید پاگل کر دیا تھا۔۔ کل رات وہ ساری رات اس کے قریب صوفے پر بیٹھے اس کا سر دباتا رہا مگر اس نے ایک بار بھی اسے چھوا نہیں تھا۔۔ کل رات سر درد اس کی جان نکال رہا تھا مگر اگر کل رات شہرام اس کے قریب اتا وہ کبھی بھی انکار نہ کرتی۔۔

پہلے والی بہارے کی اپنے شوہر کی قربت سے جان جاتی تھی آج والی بہارے کے لیے اپنے شوہر کی جان لیوہ قربت ہی سب کچھ تھی شہرام کی قربت اس

کی طلب نہیں تھی وہ اس کی طلب بننا چاہتی تھی۔۔ اور عورت اور مرد کی محبت میں کتنا فرق ہوتا ہے مرد عورت کے پاس صرف اپنی طلب مٹانے آتا ہے اور عورت مرد کی طلب اس کی ضرورت اس کا سکون بننے کی چاہ کرتی ہے۔۔ وہ آئینے میں دیکھتے روتے ہوئے سوچ رہی تھی اور وہ کتنی نادان ٹھہری تھی اس کی قربت میں اسے دھتکارتی رہی۔۔ آج وہ اسے دھتکار رہا تھا تو برداشت نہیں ہو رہا تھا بہارے روتے ہوئے چیختے ہوئے اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی بال بہت بری طرح الجھے ہوئے تھے جنہیں وہ سلجھا کم رہی تھی الجھا زیادہ رہی تھی یکدم اس کے برش کرتے ہاتھ پر ایک مضبوط ہاتھ ان ٹھہرا تھا۔۔ بہارے نے انسوؤں کی چادر سے بے یقینی سے اپنے بے حد قریب کھڑے اس ستمگر کو دیکھا تھا۔۔ بلو جینز پر بلو شرٹ پہنے ہوئے اس کے قریب کھڑا تھا نم زدہ بالوں سے پانے کی بوندیں ٹپک رہی تھی جو

بہارے کے چہرے پر گری تھی۔۔ بہارے کی سانسیں ایک بار پھر سے سینے میں اٹکی تھی اس کے بدن سے اٹھتی دل فریب خوشبو سے اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی بہارے اسے بغور دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھیں۔۔ اس کے اتنے قریب ہو کر اس کا بدن بھی اب دہکنے لگا تھا کبھی اس ستمگر کا بدن دہکتا تھا۔ آج وہ اس کے حصار میں جلنے لگتی تھی شہرام نرمی سے اس کے ہاتھ سے برش لے چکا تھا بہارے نے نظریں اٹھائے ڈب ڈبائی نظروں سے حیرانگی سے اسے دیکھا وہ اسے برش لیتے نرمی سے اس کے بالوں میں برش کر رہا تھا۔۔ شہرام کی توجہ اس کے بالوں پر تھی جنہیں وہ بہت نرمی سے چھو رہا تھا بہارے کی بھیگی نگاہیں آئینے میں نظر اتے اس کے عکس پر ٹھہر گئی تھی وہ بہت نرمی سے اس کے بالوں میں برش کر رہا تھا بہارے کی بھیگی دیوانہ وار نگاہیں شہرام کے نقوش کا طواف کر رہی تھی اس

کے طلسماتی نقوش پر اس کا اپنے لب رکھنے کو دل کر رہا تھا اس کی باہوں میں سما کر وہ اس کی دھڑکن بن کر رہنا چاہتی تھی۔۔

بہارے کے نم زدہ انکھیں اب اس کی سیاہ پر کشش انکھوں پر تھیں۔۔ جس میں اس کا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔۔ بہارے ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جما گئی تھی ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔۔ اس کا شوہر اتنا ہینڈسم تھا اس نے کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔۔

کتنا خوبصورت مرد ہے تمہارا اس کو ادائیں دکھا کر اپنا بنا کر رکھو جس دن اس نے تمہارا جگہ کسی اور کو دے دیا تم سر پکڑ کر روئے گا۔۔ روزینہ خاونم کے لفظ اس کی سماعتوں کو چیر رہے تھے واقعی میں ہی اس کا مرد بہت خوبصورت تھا مگر افسوس اس کا مرد اب اس کا نہیں رہا تھا۔۔

اس مرد کی خوبصورتی کوئی اور عورت دیکھ چکی تھی اور محسوس بھی کر چکی تھی بہارے کی نظریں اس کے سرد سپاٹ چہرے پر تھی وہ جتنی نرمی سے برش کر رہا تھا اتنا ہی اس کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔۔ بہارے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلا تھا۔ اس کا سرد سپاٹ چہرہ اس کے دل پر چھریاں چلا رہا تھا شہرام بہت احتیاط بے حد نرمی سے اس کے بالوں میں برش کر رہا تھا کہ اتنے الجھے ہوئے بالوں میں بھی ایک مرتبہ کھنچ نہیں پڑی تھی وہ پچھلے بیس منٹ سے اس کے بالوں میں برش کر رہا تھا۔۔

بہارے کی انکھوں میں نمی بڑھی تھی کل ساری رات اس نے اس کا سر دبایا تھا اب وہ بیس منٹ سے اس کے بالوں کا تھوڑا تھوڑا حصہ لیے برش کر رہا تھا

بہارے کا احساس زیاں بڑھتا جا رہا تھا اتنے نخرے اتنا خیال اب وہ کسی اور کا رکھا کرے گا۔۔۔۔

وہ آئزل کے بالوں میں بھی برش کرے گا بہارے کو یک دم چکر آیا تھا اس سے پہلے وہ گرتی شہرام اسے کمر سے جکڑے تھام چکا تھا کیا ہوا ہے بہارے؟؟ شہرام نے بہت نرمی سے اس کے عارض پر ہاتھ رکھا۔۔ شہرام کی انکھوں میں پریشانی دیکھ کر وہ اس کی شرٹ جکڑے اس کے سینے میں روتے ہوئے منہ چھپا گئی تھی۔۔ شہرام نے نرمی سے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔ کیا ہوا ہے بہارے؟؟ وہ بہت نرمی سے اس کی کمر کو سہلاتا پوچھ رہا تھا بہارے کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔۔ سر میں ابھی بھی درد ہو رہا ہے بہارے؟؟ شہرام نے اسے اپنے سینے سے علیحدہ کرتے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اس کا ٹمپریچر بالکل اتر چکا تھا۔۔ بہت درد ہو رہا شہرام جسم کے ہر

حصے میں دل میں سب سے زیادہ درد ہو رہا ہے بہارے روہانسے ہوتے

ہچکیوں سے بولتے شہرام کی شرٹ جکڑے پھر سے اس کے فراغ کشادہ سینے

میں سما گئی تھی۔۔ شہرام نے اسے سختی سے اپنے سینے میں بھینچا تھا ایک دم

شہرام کا فون رنگ ہوا تھا شہرام نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے

ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے فون پر نگاہ کی جہاں ائزل کا نام جگمگا رہا تھا بہار نے اس

کے سینے سے سر اٹھائے اس کے موبائل کو دیکھا جہاں ائزل کا نام جگمگاتے

دیکھ کر بہارے کرنٹ کھا کر اس کے سینے سے الگ ہوئی تھی۔۔۔

اب وہ سلگتی بھیگی نگاہوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی شہرام فون کو ایک نظر

دیکھتے اسے اپنے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔۔ شہرام کی توجہ ڈریسنگ ٹیبل پر

رکھے اپنے موبائل پر تھی اپنا موبائل سائلنٹ موڈ پر کرتے وہ بنا بہارے پر

کوئی نظر ڈالے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا شہرام کے قدموں کی عجلت

اور چہرے پر بے تابی دیکھتے بہارے کا پورا وجود آندھیوں کی جکڑ میں آیا تھا جیسے۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کا کارنر ایک ہاتھ سے جکڑ گئی بہار سن ہوتے دماغ کے ساتھ کھڑی تھی اسے سمجھ نہیں ارہا تھا وہ کیا کرے۔۔ وہ کیسے شہرام کی زندگی سے اس ائیزل نام کا چیپٹر کلوز کرے۔۔ وہ ابھی اس سے اپنے دل کا حال بیان کرنے ہی والی تھی مگر ائیزل اس کے بیچ پھر سے آچکی تھی ٹیبل پر رکھے فون پر ایک بار پھر سے ایزل کا نمبر جگمگایا تھا۔۔

شہرام کے فون پر ائزل کا نمبر دیکھ کر اب کی بار وہ پاگل ہوئی تھی بارود کے گولے سے اس کے اندر بنے تھے۔ بہارے نے شہرام کا فون اٹھایا اس نے گہرے سانس لیتے دیکھا تھا دوسرے پل وہ فون زور سے ڈریسنگ مرر میں مار چکی تھی۔۔ یہ کیا بد تمیزی ہے؟؟ یہ کیا کیا ہے تم نے؟؟ شہرام کی گرجدار اواز پر بہارے نے روتے ہوئے اسے دیکھا۔۔ بد تمیزی میں نہیں یہ شیم

لیس کریکٹر لیس عورت کر رہی ہے۔۔ جب اس سے یہ پتہ چل چکا ہے کہ تم شادی شدہ ہو یہ گھٹیا عورت تمہیں فون کیوں کر رہی ہے تمہارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی۔۔ بہارے نے روتے ہوئے شہرام کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑا تھا بہارے اپنی زبان کو قابو میں رکھو خبردار ائیزل کے کریکٹر پر ایک بات بھی کی تم نے شہرام نے سے سختی سے تنبیہی کرتے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑوائی تھی۔۔

ورنہ کیا کرو گے تم طلاق دو گے مجھے ؟؟؟ بہارے نے سسکتے ہوئے پوچھا۔۔ شہرام قہربار نگاہوں سے اسے گھورتے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا جس شہرام سے تم بچپن سے طلاق مانگتی آرہی ہو اس شہرام اور اس شہرام میں بہت فرق ہے آئندہ تم نے طلاق کا لفظ بھی منہ سے نکالا میں تمہاری زبان کھینچ ڈالوں گا سمجھی تم۔۔ شہرام اسے خون اشام نگاہوں سے

گھورتا اسے جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا بہارے ڈریسنگ ٹیبل سے جا لگی تھی

بہارے کی سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔۔ شہرام نے اسے سرد سرخ نظروں

سے گھورتے اپنا فون ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھایا جو آف ہو چکا تھا۔ مگر بالکل

ٹھیک تھا شہرام نے بہارے کو گھورتے فون ان کیا فون ایک بار پھر سے بجنا

شروع ہو چکا تھا بہارے نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اپنا نچلا لب بے

دردی سے کچلا تھا وہ سچ میں شیم لیس عورت تھی جو اس کے شوہر کا پیچھا نہیں

چھوڑ رہی تھی۔۔ یا وہ شیم لیس عورت نہیں ایک عقلمند عورت تھی اس کی

طرح بے وقوف نہیں جو شہرام جیسے مرد کو اپنی بے وقوفیوں سے خود سے

دور کر دے اب کی بار وہ خود پر استہزائیہ ہنسی تھی۔۔

ہاں بولو آئزل شہرام نے فون اٹھاتے کہاں سے لگایا۔ اوکے ٹھیک ہے میں تمہیں مارکیٹ لے جاؤں گا تم اپنی مرضی سے اپنی پسند کا لے لینا اوکے رینٹ کلر کا لینا۔۔ ہاں۔۔۔

مجھے بھی یہی کلر پسند ہے شہرام کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی یا پھر اسے لگی تھی بہارے کا وجود زلزلوں کی زد میں ایا تھا۔۔۔

وہ بیڈ سے اپنا کوٹ اور ڈریسنگ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائے دروازے کی جانب بڑھا۔۔

ایک مرتبہ پھر اس کا فون بج اٹھا تھا اس گھر کی فل پیمنٹ ہو چکی ہے مجھے اسی وقت اس گھر کی چابیاں چاہیے۔۔ مجھے آج رات ہر حال میں اس گھر کو رینو

ویٹ کروانا ہے نہیں ایک دن اور نہیں آج مطلب آج مجھے اجث ہی وہ گھر اپنی ملکیت میں چاہیے۔۔ شہرام سختی سے کہتا فون بند کر چکا تھا اور اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے وہ کمرے کا دروازہ کھولتا باہر نکل گیا بہارے نے اپنے اس چکراتے وجود کو بمشکل سنبھالتے اپنے سر کو جکڑا تھا۔۔

شہرام کے جانے کے بعد بہارے کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی کب سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہوئے تھی۔۔ بدن پر شدید لرزہ طاری ہوا تھا وہ اپنے نقاہت زدہ اور چکراتے وجود کو سنبھالتے بمشکل صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔

میں تمہیں مارکیٹ لے جاؤں گا۔۔ تم اپنی مرضی سے اپنی پسند کا کلر لے لینا۔۔ اوکے ریڈ کلر کا لینا۔۔ ہاں۔۔۔ مجھے بھی یہی کلر پسند ہے یہ لفظ تیر کی

طرح اس کے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے تھے۔۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی یعنی وہ آج اس سے نکاح کرنے والا تھا۔۔

وہ گھر بھی اس نے ائیزل کے لیے خریدا تھا یعنی وہ آج اس گھر میں اپنی ویڈنگ نائٹ منانے والا تھا۔۔ مجھے بھی ریڈ کلر پسند ہے شہرام کے لفظ جیسے اسے انشدھن کی طرح دہکا رہے تھے۔۔

بہارے ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھتی ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی۔۔ اپنی کبرڈ کھولے اپنے سارے کپڑے نیچے گرا دیے تھے وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کپڑا نیچے گراتے کچھ تلاش کر رہی تھی مگر وہ اسے مل نہیں رہا تھا۔۔ بہارے کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا اپنے شوہر کی طرح اس کی دی ہوئی کوئی بھی چیز اس نے سنبھال کر نہیں رکھی تھی۔۔

اف کہاں گیا وہ بہارے نے روتے ہوئے اپنے الماری کا حشر بگاڑ ڈالا تھا وہ ڈریسنگ روم سے نکلتی کمرے سے باہر آئی۔۔ درخشاں درخشاں وہ لاونج میں آتے ہوئے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

امینہ خانم نے حیرانگی سے اسے چیختے ہوئے دیکھا وہ بغیر دوپٹے شال کے لاونج میں کھڑی تھی۔۔ کیا ہوا ہے بہارے بچہ ؟؟ یہ تم اتنا چیخ چلا کیوں رہا ہے امینہ خانم صوفے سے اٹھتے بہارے کے مقابل ائی تھی۔۔ کچھ نہیں ہوا مجھے اب جو کچھ ہو گا اس شہرام خان کو ہو گا بہارے نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے چیخ کر کہا تھا۔۔ امینہ خانم اس کے چیخنے پر ناگواری سے لب بھینچ گئی تھی اس کی حالت دیکھتے وہ اپنا غصہ دبا گئی تھی۔۔

وہ بری طرح روتے ہوئے کپکپا رہی تھی۔۔ بہارے جتنی بھی روڈ اور بد تمیز سہی مگر اس نے کبھی ان سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی آج پہلی مرتبہ اس لب و لہجے میں بات کی تھی امینہ خانم نے بمشکل ہی اپنا غصہ دبایا۔۔

درخشاں وہ ایک بار پھر سے چیخی تھی درخشاں بہارے کی چیخ پر بھاگتے ہوئے کچن سے آئی تھی جی بہارے باجی درخشاں لاؤنج میں داخل ہوتے پوچھا۔۔ بہارے کی حالت دیکھتے وہ بھی ایک پل کے لیے ٹھٹک کر رکی تھی۔۔ وہ بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی یہ اس کے لیے بھی اچھنبے کی بات تھی۔۔

میرا شادی کا لہنگا کہاں ہے ؟؟ وہ میری الماری میں نہیں ہے بہارے نے روتے ہوئے پوچھا بہارے باجی آپ نے خود ہی تو کہا تھا میں اسے باہر پھینک دوں یا پھر کسی غریب کو دے دوں درخشاں کی بات پر بہارے نے ایک بار پھر سے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا۔۔ آمینہ خانم کے چہرے پر بھی برہمی کے اثرات ظاہر ہوئے انہوں نے غصے سے بہارے کو دیکھا جو اپنی مٹھیاں میچے بری طرح لرز رہی تھی۔۔ آنکھوں سے آنسو متواتر گر رہے تھے۔۔

اپنی شادی کا جوڑا ہر عورت سنبھال کر رکھتا ہے اس میں اس کا پہلی رات کا شوہر کا پیار چھپا ہوتا ہے۔۔ جو اس رات کے بعد شوہر اس طرح کا محبت اپنی عورت سے نہیں کر سکتا اس پہلی رات میں مرد کا محبت اس کا تڑپ اس کا

دیوانگی الگ ہی ہوتا ہے کیونکہ اس رات وہ اپنا نکاح میں آیا ہوا عورت کو تسخیر کرتا ہے اس کو اپنا بناتا ہے۔ تم نے اپنا پہلی رات کا جوڑا باہر پھینکنے کو کہا۔۔ تم کو معلوم ہے وہ شہرام اپنی پسند کا لے کر آیا تھا۔۔ پچاس لاکھ کا وہ جوڑا تھا۔۔ جس کو تم نے باہر پھینکنے کو کہا پھر تم اس کا حویلی نہ آنے کا ماتم کرتا ہے ایسا بیوی جس کا ہو کون سا مرد اس کے پاس اتا ہے۔۔

مرد میں عورت جتنا صبر نہیں ہوتا۔ وہ عورت کا بے اعتنائی برداشت کرے عورت مرد کا محبت دیکھ کر سمجھتا ہے مرد مجھ سے عشق کرتا ہے میرے بغیر رہ نہیں سکتا مگر یہی اس عورت کا بھول ہوتا ہے مرد رہ بھی سکتا ہے اس عورت کا جگہ کسی دوسری عورت کو بھی دے سکتا ہے امینہ خانہ اس کے

سسکیاں بھرتے وجود کو اشتعال بھری نگاہوں سے دیکھتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

بہارے اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو دی تھی کس کس بات کا وہ ماتم منائے اسے سمجھ نہیں اتا تھا شہرام کی دیوانگی شہرام کا پاگل پن اسے بھی یاد تھا وہ اس ڈریس میں دیکھ کر اپنے حواس ہی جیسے کھو چکا تھا۔۔

کتنی محبت کتنا مان کتنی دیوانگی تھی اس کے لمس میں اس کے دہکتے لبوں میں اس کے دہکتے لبوں نے اس کے پور پور کو جھلسایا تھا۔۔ اس رات کو تو اسے اچھی طرح احساس ہو چکا تھا شہرام اس کا دیوانہ ہے اور اس کا اس رات کے بعد تو اس کی مغروریت میں اضافہ ہوا تھا۔۔

بہارے باجی ہم نے اپ کا شادی کا جوڑا کسی کو نہیں دیا در خشانث بہارے کو بری طرح ہچکیاں بھرتے دیکھ کر کہا۔۔ در خشاں کی بات پر بہارے نے نم بے یقین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا کہاں ہے میرا جوڑا؟؟ بہارے نے سسکتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔۔ اسے اپنا جوڑا ہر حال میں چاہیے تھا۔ باجی شہرام لالا کو پتہ چل گیا تھا آپ نے وہ جوڑا باہر پھینکنے کو بولا ہے لالا نے وہ جوڑا ہم سے لے لیا تھا ہم کو نہیں معلوم لالہ نے کہاں رکھا ہے۔۔

بہارے اب صوفے پر گرنے کے انداز میں ڈھے سی گئی تھی۔۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ کیا ہوا بہارے باجی؟؟ در خشاں نے پریشانی سے پوچھا۔ بہارے کی دلسوز چیخوں میں اضافہ

ہوا تھا درخشاں نے ترہم امیز نگاہوں سے بہارے کو دیکھا وہ پچھلے ایک مہینے سے یوں ہی رو رہی تھی پوری حویلی واقف ہو چکی تھی جو بہارے شہرام خان سے نفرت کی دعویدار تھی وہ آج اس کے عشق میں پاگل ہو چکی ہے۔۔

بہارے ایک ہی جھٹکے سے صوفے سے اٹھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھی کمرے میں داخل ہوتے اس ایک بار پھر سے چکر آیا تھا وہ بے حس بنی ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تھی شہرام کی کبرڈ کھولتے اب اس نے اس کی ایک ایک چیز نیچے پھینکی تھی۔ کل دوپہر میں اس نے اپنی اتنی طبیعت کی خرابی کے باوجود اس کی الماری سیٹ کی تھی اس کے تمام کپڑے پریس کیے تھے۔۔

اس کی ایک ایک چیز اس نے سمیٹ کر رکھی تھی۔۔۔تب اس سے اپنا شادی کا لہنگا کہیں نظر نہیں ایا تھا وہ چیخیں مارتے ہوئے اپنا لہنگا تلاش کر رہی تھی۔۔کہاں رکھا ہے تم نے شہرام میرا جوڑا؟؟وہ پاگلوں کی طرح حلق کے بل چیخی تھی۔۔۔

کہیں میرا جوڑا اس آیزل کو تو نہیں دے دیا بہارے کا جھٹکے کھاتا وجود ساکت ہوا تھا نہیں وہ میرا لہنگا تھا وہ میرے سہاگ کا جوڑا تھا وہ کسی کو کیسے دے سکتا ہے بہارے شدت غم سے رو پڑی میرا گھر بھی تو دے دیا تھا۔۔ میرا لہنگا بھی دے دیا ہو گا اس کے کپکپاتے لب جنبش کر رہے تھے میرا شہرام بھی تو اسی کو دے دیا۔۔

بہارے اب ڈریسنگ روم میں زمین پر بیٹھ کر چیخ چیخ کر رو دی۔۔ جان سے مار ڈالوں گی تمہیں شہرام اگر میرا وہ جوڑا تم نے کسی کو دیا ہوا تو۔۔ وہ اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے تمام ہمت مجتمع کرتے اٹھی تھی اس کی الماری پھر سے کنگالنے لگی۔۔ یکدم اس کے قدموں میں کچھ پیپرز ان گرے تھے بہارے نے وہ پیپرز اٹھا کر دیکھے وہ کسی پراپرٹی کی رجسٹری تھی۔۔

بہارے نے وہ دیکھتے روتے ہوئے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے میرا گھر بھی اس ائیزل کو دے دیا اب یہ گھر بھی وہ ائزل کو دے رہا ہے وہ درد سے بلبلاتے ہوئے چیخی تھی۔۔ تمہیں اب کچھ بھی اسے نہیں دینے دوں گی تم صرف میرے ہو تم سے وابستہ ہر چیز میری ہے بہارے نے بے دردی سے اپنے انسو صاف کیے بہارے نے ڈریسنگ روم میں پڑے سٹول پر چڑھتے ہوئے کبرڈ کی اوپر والی الماری کھولی تھی۔

اسے ایک بار پھر سے چکرایا تھا۔۔اس نے الماری کو پکڑتے خود کو سنبھالا تھا مگر وہ بے حس بنی اوپر والی کبرڈ سے تمام چیزیں نکال کر پھینک رہی تھی اس سے وہ اپنا ریڈ کلر کا دلہن کا جوڑا ہر حال میں چاہیے تھا نہیں شہرام میرا وہ جوڑا کسی کو نہیں دے سکتے تم۔۔اپنا سب کچھ دے دو اس کو مگر میرا جوڑا نہیں دے سکتے وہ میرا جوڑا تھا میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں شہرام ہزیانی ہو رہی تھی جیسے۔۔

الماری کے اوپر والے باکس میں سے بھی وہ ہر چیز پھینک چکی تھی۔۔اس کا شادی کا وہ لہنگا کہیں نہیں تھا اسے مل ہی نہیں رہا تھا۔۔

وہ مم میرا ڈریس نہیں دے سکتا اسے تو وہ نیا جوڑا دلا رہا ہے وہ ایک بار پھر سے روتے ہوئے چیخی تھی۔۔ جان سے مار ڈالوں گی تمہیں شہرام جان سے مار ڈالوں گی تمہیں۔۔ وہ الماری کا دروازہ تھامے روتے ہوئے چیخی تھی۔۔۔

یک دم اس کی چیخیں تھمی تھی بہارے نے آنسو صاف کرتے ہوئے پیکٹ دیکھا جو تھوڑا پیچھے کر کے پڑا تھا بہارے کے رونے میں پھر سے اضافہ ہوا تھا وہ اس کا ہی لہنگا بلاؤز تھا۔۔

بہارے نے احتیاط سے اسے اتارا ڈریس اتار کر وہ اسٹول سے آرام سے اتری تھی۔۔ اپنا ڈریس پکڑے وہ بے دردی سے اپنے انسو صاف کرتے ڈریسنگ روم سے نکلتے واش روم میں داخل ہوئی۔۔

بہارے اس وقت بلڈ ریڈ کلر کے لہنگا چولی میں ملبوس تھی۔۔ جس کا پچھلا گلا کافی ڈیپ تھا۔۔ ماتھا پٹی لگائے گلے میں چوکر پہنے ریڈ دلہن کی طرح دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔۔ ہونٹوں پر بلڈ ریڈ لپسٹک لگائی ہوئی تھی انکھوں پر گلٹری ڈل گولڈن شیڈ لگائے وہ ایک دلہن کی طرح سج سنور کر کھڑی تھی۔۔ اس لہنگے میں اس کا بدن قیامت سا منظر پیش کر رہا تھا۔۔ وہ اپنی رخصتی کی رات سے بھی اچھا تیار ہوئی تھی۔۔ شہرام کا فیورٹ پرفیوم خود پر چھڑکتے اس کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا شاور لینے کی وجہ سے اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔۔ بخار کی حدت میں اضافہ ہوا تھا بہار سائڈ ٹیبل کی طرف بڑھی ڈرار سے میڈیسن نکال کر اس نے اپنی ہتھیلی پر رکھی۔ منہ میں رکھتے رکھتے وہ یک دم رکی تھی اس نے گہرا سانس لیتے میڈیسن کو دیکھا جس کی اسے اشد ضرورت تھی سر میں شدید دھماکے ہو رہے تھے بہارے کافی

دیر تک میڈیسن کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتی رہی اگر مائیگرین کی میڈیسن نہ لیتی تو اس کا سر درد اس کی جان لے لیتا۔۔ وہ لرزتے ہوئے میڈیسن کو دیکھ رہی تھی یک دم اس نے وہ میڈیسن زمین پر پھینک دی تھی وہ اپنی بھیگی نگاہیں رگڑتے اس نے بیڈ پر پڑی چادر سے خود کو اچھی طرح کور کرتے اپنے چہرے کا نقاب کیا تھا اپنا پرس پکڑتے اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی مطلوبہ چیز اٹھائے پرس میں ڈالی پرس پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔۔ آنکھوں سے انسو اب خشک ہو چکے تھے انکھوں میں نمی کا گلابی پن نمایاں تھا۔۔ وہ اپنے پرس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے کمرے سے نکلتی باہر کار پورچ میں آئی جہاں رحیم خان گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔۔ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔۔ گاڑی گیٹ سے نکلتے اونچے رستوں پر دوڑنے لگی تھی سر سبز پہاڑوں پر نظر جمائے بہار

گل خان کی انکھیں سرد و سپاٹ تھی اور اپنے پرس پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔۔

گاڑی پہاڑوں کے درمیان گرے ایک خوبصورت گھر کے سامنے آکر رکی تھی۔۔ اس وقت رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔۔ چاند کی چاندنی میں وہ گھر اور بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

بہارے کی گلابی آنکھیں ایک بار پھر سے جلنے لگی تھی۔۔۔ یہ گھر اس گھر سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔۔ جو شہرام نے اس کے لیے خریدا تھا۔۔ مگر اسے تو وہی چھوٹا سا گھر پیارا تھا جو اس نے اس کے لیے خریدا تھا۔۔

بہارے گاڑی سے نکلتے گیٹ کی طرف بڑھی۔۔۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔۔

کون ہے بی بی تم؟ گیٹ پر موجود چوکیدار نے پوچھا۔۔

گیٹ کھولو میں شہرام خان کی بیوی ہوں۔۔ یہ گھر میرا ہے۔۔ میری ملکیت ہے یہ گھر۔۔۔۔۔ بہارے اس کے سوال پر سلگ اٹھی تھی۔۔ اس لیے چیختے ہوے کہا۔۔

گیٹ پر موجود چوکیدار نے جلدی سے ہڑبڑاتے ہوے گیٹ کھولا تھا۔۔

بہارے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اس کے بدن کی لرزاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

اس کی گرفت ہاتھ میں پکڑے پرس پر مضبوط ہوئی تھی۔۔

گھر جتنا باہر سے خوبصورت تھا۔۔ اتنا اندر سے خوبصورت تھا۔۔ ایک طرف سرسبز لان اونچا نیچا بنا ہوا تھا۔ جس کے اوپر کی طرف ڈھلوان تھی۔۔۔ جہاں بڑے بڑے پتھر سجے تھے۔۔۔ لان میں گلاب اور موتیے کے پھولوں کی بھرمار تھی۔۔۔ گلاب اور موتیا شہرام کو بہت پسند تھا وہ جانتی تھی۔۔

بہارے داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔ اس نے دروازے کا پٹ زور سے تھاما ورنہ وہ گر جاتی۔۔۔ اندر سے پورا گھر سرخ گلاب اور سفید گلابوں سے سجا ہوا تھا۔۔

بہارے کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔ اس نے آج یہ گھر آیزل کے لیے سجایا تھا۔۔ وہ سمجھ چکی تھی۔۔۔

سامنے بہت بڑا لاونج تھا۔۔ جس کے ایک طرف گلاس ڈور لگا تھا۔۔۔ جس سے اندر کا منظر واضح نہیں تھا۔ مدھم سے عکس سے معلوم ہوتا تھا۔۔ وہ ڈائینگ ایریا ہے۔۔ جس کے ساتھ ہی اوپن کچن تھا اور دوسری طرف ایک ڈیوری بنی تھی جس کا راستہ کمروں کی طرف جاتا تھا۔۔

بہارے گل کے قدم اوپر بنی سیڑھیوں کی طرف تھے۔۔ جہاں پھولوں کی روش بنی ہوئی تھی۔۔ وہ نم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی ایک ایک قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔۔ سب کچھ واضح تھا۔۔ یہ سب کچھ اس نے آیزل کے لیے کیا تھا۔۔ اب کیا رہ جاتا تھا وہ ادھر کیوں تھی ۔۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ اس کے کمرے میں اس کے بیڈ پر وہ سجی سنوری کسی دوسری عورت کو دیکھے گی تو وہ تڑپ کر ہی مر جائے گی۔۔

وہ سچ میں بدل گیا تھا۔۔ وہ سچ میں اب اس کا نہیں رہا تھا۔۔ وہ مشکل سے ہی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے چکر کھا کر گر پڑے گی۔۔

کیا وہ آیزل سے نکاح کر چکا ہے ؟؟۔۔ سڑھیاں چڑھتے اس کے دل کے اندر اٹھتے واہموں نے مزید اسے پاگل کیا تھا۔۔

کیا وہ اندر آیزل کے ساتھ اپنی ویڈنگ نایٹ منا رہا ہے ؟؟۔۔۔ بہارے گل کے اندر جیسے کسی نے تندور دہکا دیے تھے۔ پرس پر اس کی گرفت مزید مضبوط ہوئی تھی۔۔۔ بہارے تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر کمرے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوئی جہاں کوئی نہیں تھا۔۔

بیڈ کو سرخ گلابوں سے سجا دیکھ کر وہ پاگل ہوئی تھی۔۔

وہ چاروں اور کمرے کو دیکھ رہی تھی۔۔ضبط گریاں سے اس کی آنکھیں شدت سے گلابی ہوئی تھیں۔۔ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھیں۔۔وہ گہرے سانس لیتے یہ سب دیکھ رہی تھی۔۔چادر اس کے سر سے پھسلتی اس کے ایک شانے پر لہرا رہی تھی۔۔ایسا ہی تو کمرہ سجا تھا آج سے کچھ ماہ پہلے۔۔۔اس رات بھی کمرے میں گلاب اور کینڈل سجی تھیں۔۔آج بھی یہ کمرہ ویسے ہی سجا تھا۔۔بہارے جلتی نگاہوں سے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔۔اس بیڈ کو دیکھ رہی تھی۔۔جہاں اس کا شوہر کسی دوسری عورت کے ساتھ اپنی ویڈنگ نائٹ منانے لگا تھا۔۔۔نہیں شہرام میں تمھیں کسی دوسری عورت کے ساتھ ویڈنگ نائٹ نہیں منانے دوں گی۔۔

تم نے اسے چھوا بھی میں تمھیں اور اس کمرے کو آگ لگا دوں گی۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے اپنا گلہ جکڑتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔۔ اس کے سر کے دھمک میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔ سانس بمشکل آ رہا تھا۔۔ وہ اپنے پرس پر گرفت مضبوط کرتے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے وجود پر چادر زمین بوس ہوئی تھی۔۔

اسی اثناء میں شہرام ڈریسنگ روم سے نکلتا کمرے میں آیا تھا۔۔ وہ سفید شلوار قیمض میں ملبوس تھا۔۔ جس پر سکن کلر کی مردانہ شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔ وہ خوشبوؤں میں نکھرا سا کھڑا تھا۔۔ وہ اسے اتنا تیار دیکھ کر دہکتے شعلوں کی مانند جلی تھی۔۔

بہارے نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے اپنے پرس پر گرفت مزید مضبوط کی۔

شہرام اپنے نم زدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔ بہارے کو دیکھ کر وہ یکدم ٹھٹک کر رکا۔ تھا۔۔ جو دلہن کے لباس میں سجی سنوری اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ شعلہ جوالہ بنی گہرے سانس لیتی اسے بھیگی نگاہوں سے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

بہارے تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام حیرت سے اس کی طرف بڑھا ۔اس کا یہاں موجود ہونا ہی حیرانگی کا باعث تھا۔۔ کیونکہ اس گھر کا پتہ کسی کو نہیں پتہ تھا۔۔ پھر اس کا دلہن کے لباس میں ملبوس ہونا اس کے لیے حیرانگی کا باعث نہیں پریشانی کا بھی باعث تھا۔

رک جاؤ شہرام وہیں پر تم۔۔۔۔۔ بہارے چیختے ہوئے پرس سے پسٹل نکال کر شہرام خانزادہ پر تان چکی تھی۔۔

شہرام لب بھینچے وہیں پر رک گیا تھا۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے پسٹل دونوں ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھی۔۔

یہ کیا طریقہ ہے بہارے؟ اب کونسا پاگل پن دکھا رہی ہو۔؟! شہرام نے جبڑے بھینچتے اسے قہربار نگاہوں سے گھورا۔۔

وہ دلہن کے لباس میں سج سنور کر اسے یہاں پر مارنے آئی تھی۔ اگر مارنا ہی تھا تو ایسے ہی مار دیتی۔۔ دلہن کے لباس میں سج سنور کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔

ابھی تم نے بہارے گل خان کا پاگل پن دیکھا ہی کہاں ہے ؟؟ ابھی تم اس کا پاگل پن دیکھو گے۔۔ جب اس پسٹل کی ساری گولیاں تمھارے سینے کے آر پار ہوں گی۔۔ بہارے نے استھزائیہ مسکراتے ہوے بھیگے لہجے میں چیخ کہا۔

شہرام نے اس کے یوں پاگلوں کی طرح چیخنے اور اس کے ہاتھ میں پسٹل دیکھتے ظبط سے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔

وہ اسے خون اشام نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔۔

کہا تھا تم سے تمھاری ہی پسٹل سے تمھاری جان لوں گی۔۔ تم نے کہا تھا لے لینا اس میں گولیاں نہیں ہیں۔۔ مگر آج اس میں گولیاں ہیں شہرام خان۔۔۔ اور یہ پسٹل مجھے چلانی بھی آتی ہے۔۔ کہو تو تمھیں ٹریلر

دکھاؤں۔۔ بہارے نے کہتے ہوے ایک طرف رکھے واز پر فایر کیا۔ واز ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

شہرام نے ظبط سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔ آنکھوں کی رنگت سرخ ہوئی تھی.

دیکھا شہرام خان۔۔۔ مجھے فائر بھی کرنا آتا ہے اور میرا نشانہ بھی اچھا ہے۔۔ بہارے گل استھزائیہ ہذیانی ہنسی۔۔

تمھیں پسٹل بھی چلانی آتی ہے اور تمھارا نشانہ بھی اچھا ہے۔۔ تو رکی کیوں ہو؟؟ چلاؤ گولی۔۔۔ مجھے مار دو جان سے۔۔۔۔ مگر مارنے سے پہلے میرا جرم ضرور بتا دینا۔۔ شہرام نے اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے سرد سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔ وہ بظاہر سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔۔ مگر اس کا بدن مسلسل ہچکولے لے رہا تھا۔۔ شہرام کی نظر اس کی آنکھوں کے

گلابی پن پر تھیں۔ آنکھوں کی رنگت میں اب گلابی پن کے ساتھ سرخیاں بھی گھل رہی

تھیں۔

--

اتنے جرم تم نے کیے ہیں شہرام خان کہ تمھیں خود ہی نہیں پتہ تمھارا جرم کیا ہے ؟۔۔۔ شہرام کی بات پر بہارے گل پاگلوں کی طرح ہنسی۔۔۔

شہرام اس کے یوں ہنسنے پر اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ اس کی بیوی کا ہر انداز اسے پاگل کر دینے کے مترادف ہوتا تھا۔۔

تمھارا جرم ہے مجھ سے محبت کرنا۔۔ مجھ سے عشق کا دعوی کرنا۔۔۔ میرے نخرے اٹھانا۔۔۔ رخصتی سے پہلے راتوں کو میرے کمرے میں آنا۔۔۔ ہر کسی کے آگے میرے لیے ڈھال بن جانا۔۔۔ میرے منہ سے ہر خواہش نکلنے سے پہلے پورا کر دینا۔۔ بہارے روتے ہوئے چیخی تھی۔۔

شہرام کی نظریں اب اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر تھیں۔۔ اس کی بیوی سچ میں پاگل تھی۔۔ وہ اس کے آنسوؤں کو بغور دیکھتے اپنی ہلکی گھنی بیئرڈ پر جھنجھلاتے ہوئے ہاتھ پھیرا۔۔

یہ جرم کم تھے جو تم رخصتی کے بعد میرے لیے تڑپتے ہوئے راتوں کو جاگتے تھے۔۔ سگریٹ پیتے رات رات بھر مجھے پیاسی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔۔۔ کیوں دیکھتے مجھے ان نگاہوں سے ؟؟۔۔۔۔ بہارے نے روتے ہوئے استفسار کیا تھا۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو یہ جرائم تو بہت بڑے ہیں۔ میں خود ان جرائم کا مرتکب ہوتے پچھتا رہا ہوں۔ شہرام نے لب بھینچے اسے گھورتے کہا۔۔۔

شہرام کی بات پر بہارے کے ہاتھوں میں لرزش ہوئی تھی۔۔ پسٹل اس کے ہاتھوں سے گرتی گرتی بچی تھی۔۔

شہرام کی نظریں اس کے کپکپاتے وجود سے ہوتے اس کے ہاتھوں کی لرزش پر آٹھہریں تھیں۔۔

تم بہت بے رحم ہو شہرام۔۔۔ وہ شدت غم سے روتے ہوے بری طرح چیخی۔۔

میں بے رحم ہوں یا تم بے رحم ہو۔۔ میرے رات رات بھر تڑپنے پر تم سکون حاصل کرتی تھی۔۔ میری تڑپ کو دیکھتے ہوے بھی تم جان بوجھ کر

سوتی رہتی تھی۔۔اب مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہی ہو۔۔کیوں آئی ہو

یہاں پر وہ بھی اس لباس میں۔۔جسے تم نے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔شہرام نے

چبھتے لہجے میں سوال کیے۔اس کا دو آتشہ روپ اسے جیسے پاگل کر چکا

تھا۔پہلی رات کا ایک ایک پل اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔۔محرم کی

قربت کے لیے اس کا وجود ایک بار پھر سے مچلنے لگا تھا۔اس کی بیوی ادھر

یقیناً اس کا امتحان لینے ائی تھی.۔۔اس کی تڑپ میں اپنا سکون ڈھونڈنے آئی

تھی۔۔شہرام نے سلگتی نگاہوں سے اس کے دہکتے بہکتے روپ کو دیکھا تھا۔۔

کیوں تم اس لباس میں آج اس آیزل کو دیکھنے کے تمنائی تھے۔۔۔یہ سیج بھی

تم نے اس کے لیے سجائی ہے۔۔بہارے گل ایک بار پھر ہذیانی چیخی۔۔

جس کے لیے بھی سجائی ہو تم مجھ سے پوچھنے کا اختیار نہیں رکھتی۔۔۔جب تمھیں مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔۔نہ کبھی ہو سکتی ہے۔۔تو پھر یہ تڑپ کیوں ہے؟؟۔۔کیا میرے انجینیر بنتے ساتھ ہی تمھیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔۔

شہرام نے سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اور لائیٹر جلا کر لبوں سے لگاتے سگریت کا دھواں چھوڑتے سامنے کھڑے کپکپاتے نازک وجود کو جیسے سلگایا تھا۔۔

شہرام کی بات پر بہارے گل کے لبوں پر استھزائیہ کرب بھری مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔۔اس نے اس سے وہی کہہ دیا تھا جو اسے یقین تھا وہ اس کے محبت کے اظہار میں اس سے کہے گا۔۔

مجھے تم سے محبت نہ کبھی تھی اور نہ کبھی ہو گی شہرام خان۔۔۔بہارے گل مرنا پسند کرے گی تم جیسے بے حس انسان سے محبت کرنے سے

پہلے۔۔ میرے نزدیک تمھاری کوئی ویلیو نہیں ہے۔ تم انجینیر ہو یا بہت بڑے کانٹریکٹر یا پھر تمھارے پاس یہ زمین و جائیداد ہے۔۔ تم میرے لیے کل بھی یوزلیس تھے تم میرے لیے آج بھی یوزلیس۔ ہو۔ وہ ایک بار پھر سے بھڑ بھڑ جلتے چیخی تھی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

یہ تو میں جانتا ہوں بہارے گل خان کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔۔ مگر میرا سوال اب بھی برقرار ہے۔۔۔ یہ تڑپ کیوں ہے؟؟ کیوں میرے دوسری شادی کرنے پر ایک محبت کرنے والی بیوی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ ایک عشق کرنے والی بیوی کی طرح تڑپ رہی ہو۔۔۔ آج اپنے شادی کے جوڑے میں ملبوس سجی سنوری اپنے شوہر کے سامنے کیوں موجود ہو۔۔۔

شہرام نے بہارے پر گہری نظر ڈالتے ٹھنڈے لہجے میں سوال کیا۔۔ ساتھ میں سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔۔

شہرام کے سوال پر اب وہ ٹوٹ کر جیسے بکھری تھی۔۔

وہ بری طرح رو دی۔۔ وہ مزید اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکی تھی۔۔

تم تڑپنے کی بات کر رہے ہو شہرام خان۔۔۔ بہارے گل مر رہی ہے۔۔ اس کے اندر دہکتے آلاؤ روشن ہیں۔۔۔ بہارے گل خان شہرام خان سے محبت نہیں کرتی۔۔ مگر شہرام خان کو کسی دوسری عورت کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔۔ نہیں دیکھ سکتی شہرام خان کو کسی اور کے پہلو میں سوتے ہوے۔۔ کسی اور عورت پیار سے دیکھے۔۔۔ اس کے نخرے اٹھائے۔۔۔ اس سے محبت کا دعوی کرے۔۔

ایسالگ رہا ہے جیسے مجھے کوئی اندر سے خنجر سے کاٹ رہا ہے۔۔ شہرام خان۔۔۔۔۔۔۔ میں مر رہی ہوں۔۔۔ شہرام خان۔۔ دوزخ کی آگ اتنی دہکتی نہیں ہو گی۔۔۔ جتنی میرے اندر تمھیں اس آیزل کے ساتھ دیکھ کر دہکتی ہے. بہارے نے تڑپتے ہوے ہچکیوں سے کہا۔۔ظبط کا دھارا چھوٹ گیا تھا۔۔وہ اس ستمگر کے سامنے بکھر گئی تھی۔۔

شہرام سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

تمھیں کیا چاہیے ؟؟ مجھ سے میری قربت چاہیے۔۔ میرا جسم چاہیے۔۔۔ میں سب کچھ دینے کے لیے تیار ہوں شہرام خان۔۔ رات رات بھر تمھاری شدتیں سہو گی۔۔ اف نہیں کروں گی۔۔

اگر دن کو بھی اپنے پاس رکھو گے۔۔ میں تمھاری قربت تمھاری بانہوں میں رہوں گی۔۔۔ ایک سسکی ایک آواز نہیں نکلے گی۔۔ بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

شہرام خان کی گرم آنچ دیتی نگاہوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔

جیسا تم چاہتے ہو شہرام خان۔۔۔ ویسا ہی کروں گی۔ بہارے گل تمھارے سامنے اونچی آواز سے بولے گی بھی نہیں۔۔۔ تم جہاں رکھو گے وہاں رہ لوں گی۔ اگر تم کہو گے حویلی سے باہر نہیں نکلو تو نہیں نکلوں گی۔۔ تم سے نظریں اٹھا کر بات بھی نہیں کروں گی۔۔ ایک فرمانبردار بیوی کی طرح رہوں گی۔۔

میں نے تم سے کب ان سب کی ڈیمانڈ کی ؟؟۔۔۔ شہرام نے سگریٹ لبوں میں دبائے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

تو پھر کیا چاہیے تمھیں جو تم اس آیزل سے نکاح کر رہے ہو؟؟ اور ناراض تو تم اسی بات پر ہوے تھے کیونکہ میں تمھیں تمھارا حق نہیں دیتی تھی۔۔ اب دینے کو تیار ہوں۔ بہارے سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ جھک تو گئی تھی آج اس کے سامنے اور اسے کیا چاہیے تھا۔

جہاں تک بات ہے میرے حق کی۔۔ وہ تم دو یا نہ دو۔۔۔ میں تم سے لے سکتا ہوں۔۔ مجھے تمھاری رضامندی یا آجازت کی ضرورت نہیں۔

۔۔ کیونکہ تم شہرام خان کی بہارے ہو۔۔ صرف شہرام خان کی سر سے لے کر پیروں تک صرف شہرام خان کا تم پر حق ہے۔۔۔ شہرام نے اسے اوپر سے نیچے گہری استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھا تھا.

لیکن اب مجھے تم میں انٹرسٹ نہیں۔۔۔۔ شہرام کی بات پر بہارے کی رنگت توہین و خجالت کے احساس سے سرخ ہوئی تھی۔ اسے بری طرح چکر آیا۔ تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے سب کچھ چکراتا محسوس ہوا تھا..

دوسرے لمحے وہ خود پر قابو پاتے وہ پسٹل پر اپنے ہاتھ مضبوط کر چکی تھی.

شہرام خان نے محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ پسٹل اس پر پھر سے تانے ہوے تھی۔۔

شہرام خان۔۔۔۔۔۔۔ آج اس کمرے سے تمھاری لاش اٹھے گی۔۔۔ بہارے گل خان آج تمھیں جان سے مار ڈالے گی۔۔ مگر تمھیں کسی اور کا ہونے نہیں دے گی۔۔ بہارے ہذیانی چیخی تھی۔۔

ہو سکتا ہے میں اب تک کسی اور کا ہو گیا ہوں۔۔ شہرام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ٹھنڈے سلگتے لہجے میں کہا تھا۔۔

بہارے کے ہاتھوں سے اسی لمحے پسٹل چھوٹتا زمین پر گرا تھا۔۔ وہ چکراتے سر کو سنبھالتے دیوار کو ایک ہاتھ سے جکڑ گئی۔۔۔

کک کیا مطلب تم تم آیزل سے نکاح کر چکے ہو۔۔ بہارے نے کانپتے لبوں سے بمشکل کہا تھا۔

اگر میں کہوں ہاں تو پسٹل کی گولیاں ایک بار ہی میرے سینے میں اتارو گی یا باری باری۔۔۔ شہرام نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اطمینان سے پوچھا۔۔

بہارے کے بدن کی لرزش میں آضافہ ہوا تھا۔۔

یہ کیسی محبت تھی تمھاری شہرام۔۔ یہ کیسا عشق تھا تمھارا شہرام۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم نے اپنے عشق میں شراکت کر ڈالی۔۔ جہاں عشق ہو وہاں شرک نہیں ہوتا۔۔۔ تم نے شرک کر ڈالا۔۔۔ تم نے میری جگہ کسی اور کو دے دی۔۔۔ وہ دیوار کے ساتھ کانپتے ہوئے ٹیک لگا گئی تھی ۔ورنہ وہ گر جاتی۔۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے اب دیکھ رہی تھی۔

شہرام نے اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔

محبوب بے رحم ہو تو دغا کرنے میں کیا حرج ہے ؟؟۔۔۔ شراکت داری کی آجازت بھی تو تم نے ہی دی تھی۔۔

شہرام نے اطیمنان سے کہا۔۔

تم مجھے کسی جگہ پر بٹھا کر جاؤ اور بولو بہارے۔۔۔۔میرے آنے تک یہاں سے ہلنا مت۔۔۔۔۔بہارے گل خان۔۔۔قیامت تک وہیں پر تمھارے انتظار میں بیٹھے رہے گی۔کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔۔تم تو مجھ سے محبت کا دوی کرتے تھے۔۔۔عشق کا دعوی پھر اتنی بڑی بیوفائی کیسے کر سکتے ہو۔۔یا پھر تم نے مجھ سے کبھی محبت بھی کی ہی نہیں۔۔بہارے نے کپکپاتے لبوں سے زخمی لہجے میں سوال کیا۔۔

جانتا ہوں بہارے گل مر تو سکتی ہے کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔نہ کبھی دیکھا ہے نہ کبھی دیکھے گی۔یہاں تک کہ میرے مرنے کے بعد بھی بہارے گل خان ساری عمر کسی کی طرف ایک نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔۔شہرام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے کہا۔

بہارے کل دیوار میں سمائے آنکھیں میچے بری طرح رو دی۔ تھی۔ شہرام سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک تک ایسے ہی دیوار کے ساتھ لگے آنکھیں میچے روتی رہی ۔۔۔ شہرام کی نظریں مسلسل اس کے دو آتشہ بدن اور دہکتے روپ پر تھیں۔

بہارے نے روتے ہوے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے شہرام کو ایک نظر دیکھا جو اطمینان سے سگریٹ کے کش لے رہا تھان۔ بہارے نے جھکتے ہوے زمین پر پڑی وہ پسٹل اٹھاتے شہرام پر تانی

تم نے پوچھا تھانہ کہ تمھاری کیا سزا ہو گی ؟؟۔۔ تو تمھاری سزا تمھاری پسٹل کی ہی گولیاں ہیں شہرام خان۔۔۔۔ مگر نشانہ تم نہیں۔۔۔ نشانہ بہارے گل ہو گی۔۔

بہارے شدت سے چیختے وہ پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ چکی تھی۔ شہرام اب کی بار کرنٹ کھا کر صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔۔

بہارے یہ کیا کر رہی ہو۔۔۔ شہرام کے چہرے پر ہوائیاں اڑی تھیں۔۔ رنگت شدید سرخ ہوئی تھی۔۔۔

شہرام خان نہیں تھی بہارے گل خان نہیں۔۔۔۔۔

شہرام خان نہیں تو یہ ہاسپٹل نہیں۔۔

شھرام خان نہیں تو ڈاکٹر کی ڈگری نھیں۔۔

شہرام خان نہیں تو یہ سانسیں نہیں۔۔

شہرام خان نہیں تو یہ بچہ نہیں۔۔۔۔ بہارے گل نے پسٹل اپنی کنپٹی سے ہٹاتے اپنے پیٹ پر رکھی تھی۔ شہرام کا پورا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔

ماتھے پہ پسینے کی بوندیں چمکی۔

شہرام نے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے مزید اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔ کمرے میں صرف گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز گونج رہی

تھی۔۔شہرام کی خاموشی پر بہارے کی پر سوز سسکیوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔

اگر میں کہوں ہاں تو تم کیا کرو گی بہارے؟؟۔۔شہرام کی سنجیدہ آواز پر بہارے کی دھڑکنیں جیسے رکی تھیں۔

بہارے نے شہرام کے سینے سے سر اٹھاتے ہوے اس کی سیاہ سنجیدہ آنکھوں میں بھیگی نگاہوں سے جھانکا تھا۔۔

شہرام کا لہجہ جتنا سنجیدگی لیے ہوے تھا۔۔اس سے زیادہ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔بہارے کی اس بار سچ میں سانسیں رکی تھیں۔

بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنا گلہ جکڑ گئی تھی۔۔اسے کمرے میں یکدم اکسیجن کی کمی لگی تھی.

بہارے نے گلہ جکڑے گہرے سانس لینے کی کوشش کی۔۔

بہارے کیا ہوا ہے ؟؟ شہرام نے پریشانی سے پوچھتے ہوے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑتے تکیے پر لٹایا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے ابھی بھی اپنا گلہ جکڑے ہوے تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔ شہرام نے اس کے اوپر جھکتے ہوے اس کے عارض پر پریشانی سے ہاتھ جمائے۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔۔۔ اگر تم۔۔۔نے۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میری محبت میں۔۔ شراکت کی ہوئی۔۔۔ مم میری جگہ کسی دوسری عورت کو دی۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ تمھاری شکل نہیں دیکھوں گی۔۔۔ شش۔۔ شش۔۔ شہرام۔۔۔۔ تت۔۔۔۔ تمھیں۔۔۔۔ تمھارے۔۔۔۔ بب۔۔۔۔ بچے۔۔۔ کی بھی۔۔۔۔ شکل نہیں۔۔ دیکھنے دوں گی۔۔۔ بہارے ٹوٹی بکھرتی سانسوں سے گہرے سانس لیتے چیخی تھی.

شہرام اس کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔۔ لمحوں میں اس کی سانسیں بکھر رہی تھیں۔۔

وہ جلدی سے اٹھتا کمرے میں رکھی ٹیبل کی طرف بڑھا۔۔ جہاں پانی کا جگ پڑا تھا۔۔ شہرام جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر بہارے کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔ اتنی ہی دیر میں اس کی جان ہتھیلی پر سجی تھی.

بہارے یونہی لیٹے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔ شہرام نے اس کے قریب بیٹھتے اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی کو تھامتے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے۔۔

بہارے سسکیاں لیتے اس کا ہاتھ جھٹکتی اٹھ کر بیٹھی تھی.

۔۔ مم۔۔۔۔ میرے قریب مت آنا۔۔ مم مجھے مت چھونا۔۔۔ میں تمھاری کچھ نہیں لگتی۔۔۔ نہ یہ بچہ تمھارا ہے۔۔۔ دور رہو۔۔۔ تم بیوفا ہو۔۔۔ تم جیسے بیوفا سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ میرے بچے سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ تم جاؤ اپنی آیزل کے پاس۔۔۔ وہ اپنا گلہ جکڑے سسکیاں بھرتے شدت سے روتے ٹوٹے لفظوں سے بول رہی تھی۔۔

بہارے پانی پیو۔۔۔ شہرام نے پانی کا گلاس پکڑے اس کے لبوں سے لگاتے اس کی کمر میں اپنی بانہیں حمائل کیں۔

وہ بری طرح ہچکولے کھا رہی تھی۔۔ شہرام خان کی سانسیں اٹک رہی تھیں اسے ایسے دیکھ کر۔۔

دور رہو مجھ سے۔۔۔۔۔ خبردار مجھے چھوا۔۔۔ شہرام خان۔۔۔۔ بہارے حلق کے بل چیختے ہوے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پوری قوت سے زمین پر پٹخ چکی تھی۔۔۔

شہرام نے اپنا ماتھا مسلتے اسے دیکھا جس نے اب اپنے پہلو پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

کیا ہوا ہے بہارے؟؟ شہرام نے پریشانی سے بہارے کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے اس سے پوچھا۔

بہارے اس کا ہاتھ جھٹکتے بیڈ کی دوسری سائیڈ سے نیچے اتری ہی تھی کہ اسے زوردار چکر آیا تھا۔۔ شہرام ایک ہی جست میں اٹھتے اسے کمر سے جکڑے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔ چھوڑو مجھے شہرام۔۔۔۔

بہارے کمزور سی مزاحمت کرتے اس کے سینے میں سما گئی تھی۔۔۔ قدموں کے سہارے کھڑا رہنا مشکل ہوا تھا۔۔ کل رات کا ایک سینڈوچ کھایا ہوا تھا۔۔ نقاہت اور شدید رونے کے باعث اس کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی۔۔ چیخیں مارنے کے باعث تو اب اس کا گلہ بھی دکھنے لگا تھا۔۔ وہ شدت سے روتے ہوئے پھر سے اسی ستمگر کی بانہوں میں سما گئی ۔۔ جسے پاس آنے پر وہ جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔۔

شہرام اسے بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھائے صوفے کی جانب بڑھا

۔۔جانتا تھا اسے اگر بیڈ پر لٹایا تو اس کی حالت مزید خراب ہو جائے گی۔۔

بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آنکھیں موند گئی تھی۔۔ مگر

پلکوں کی باڑ توڑتے بہت سے آنسو بے مول ہوتے اس کے عارض پر گر

رہے تھے۔۔۔اس کے لبوں سے دبی دبی سسکاریاں بلند ہو رہی

تھیں۔ شہرام نے بہت احتیاط سے اسے صوفے پر لٹایا۔۔وہ ابھی تک

آنکھیں موندے ہوے تھی۔ مگر سسکاریاں ہنوز بلند تھیں۔

شہرام اس کے لرزتے بدن اور اس کے آنسوؤں کو بغور دیکھتے ڈریسنگ ٹیبل

پر رکھے اپنے فون کی طرف بڑھا۔۔

فون پر نمبر ڈائل کرتے اس نے فون کان سے لگایا تھا۔۔

دل شیر خان۔۔۔پانچ منٹ تک رات کا کھانا میرے کمرے میں

پہنچاؤ۔۔ساتھ میں فریش جوس بھی ہونا چاہیے۔۔۔شہرام ہدایت دیتا اپنا

فون آف کر چکا تھا۔۔اگر غلطی سے بھی آیزل کی کال آجاتی اور بہارے کی

نظر پڑ جاتی تو وہ یقیناً خود کو تکلیف پہنچانے میں پل نہ لگاتی۔۔وہ مزید خود کو

تکلیف دے وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔اب سوال صرف اس کی بیوی کا

نہیں بلکہ اس کے بچے کا بھی تھا۔۔اپنا بچہ اور بیوی اسے بہت عزیز تھے۔۔

شہرام آہستگی سے چلتا ہوا بہارے کے قریب آیا۔۔وہ آنکھیں بند کیے

ہوے بری طرح سسکتے ہوے رو رہی تھی۔۔

شہرام نے اس کے قریب بیٹھتے ہوے اس کی کلائی پکڑے نرمی سے اس کی

چوڑیاں اتارنی شروع کیں۔بہارے ہنوز آنکھیں بند کیے ہوئی تھیں۔۔

اب وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔۔ مگر اس کی دلسوز سسکیاں عروج پر تھیں۔۔ شہرام کے چوڑیاں اتارنے پر اس کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

مجھے یہ تو پتہ تھا میری بہارے خود سر ہے بد تمیز ہے۔۔ مگر بے انتہا جذباتی اور بیوقوف بھی ہے۔۔ یہ معلوم نہیں تھا۔۔ شہرام اس کے لرزتے اور سسکاریاں بھرتے وجود کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بول رہا تھا۔۔

بہارے نے آنکھیں کھولتے گلابی آنکھوں سے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔

تمھاری بیوفائی پر مرنے کو دل کر رہا ہے شہرام۔۔۔۔ یہ جذباتی پن نہیں ہے۔۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔۔۔۔ میں کیسا محسوس کر رہی ہوں؟؟۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے تیز دار آلے سے میرا وجود کئی حصوں میں کاٹ دیا گیا ہو۔ ۔بہارے نے بھیگے لہجے میں کہا۔

شہرام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے نرمی سے اسے بٹھاتے اس کے مزید قریب ہوا۔۔

مرنا تب جب میں نے تم سے بیوفائی کی ہو۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے اس کے دوپٹے سے پنز اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا وہ اس کے ہاتھ کو غصے سے جھٹک گئی تھی۔۔

کیوں شہرام۔۔۔۔ کیوں؟؟ کیوں میری جگہ کسی اور کو دی۔۔۔۔۔ بہارے اس کا گریبان جکڑتے شدت سے روتے ہوے چلائی..

بہارے۔۔۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے ہاتھوں سے گریبان چھڑوانے کی کوشش کرتے اسے پکارا تھا۔۔

میں تمھیں مار ڈالوں گی شہرام۔۔۔۔ میں خود کو مار ڈالوں گی شہرام۔۔۔۔ مگر تمھاری بیوفائی نہیں سہوں گی۔۔ تمھیں شئیر نہیں کروں گی۔۔ بہارے اس کا گریبان اور بھی شدت سے مٹھیوں میں دبوچے حلق کے بل چیخی تھی۔۔ شہرام کے ٹھنڈے سپاٹ سے انداز اسے بہت کچھ باور کروا رہے تھے۔۔ صاف معلوم ہو رہا تھا وہ اپنے بچے کی وجہ سے جیسے اس سے کچھ چھپا رہا ہو۔۔۔

بہارے میں نے تمھاری جگہ کسی کو نہیں دی۔۔۔ شہرام اپنا گریبان چھڑواتے نرمی سے بولا تو وہ اور بھی زیادہ شدت سے رو دی تھی۔۔ وہ اس

کی جگہ کسی کو نہ دینے کی بات کر رہا تھا.. مگر نکاح کرنے کی تردید نہیں کر رہا تھا۔۔ بہارے جیسے اپنے حواص کھو رہی تھی.

نکاح کیا ہے کیا تم نے اس سے ؟؟۔۔ یہ کمرہ تم نے اس کے لیے سجایا ہے ؟؟اس کے ساتھ اپنی ویڈنگ نائٹ منانے کا سوچ رہے تھے.۔۔ میں نہ آتی اس وقت تمھیں اسے لینے جا رہے ہوتے یا پھر اس نے تمھارے پاس آنا تھا۔۔۔۔۔ بولو کیا پلیننگ تھی آج رات کی تمھاری۔۔۔۔ جواب دو مجھے۔۔ مجھے اپنے سوالوں کے جواب چاہیے۔۔۔۔ بہارے نے اس کا گریبان اور بھی شدت سے جکڑتے ہوئے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے چیختے ہوئے استفسار کیا تھا۔۔

بہارے۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔ شہرام نے اپنا گریبان چھڑواتے ہوئے لب وا کیے ہی تھے وہ پھر سے اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔۔

ایک بات یاد رکھنا میرے کسی بھی سوال کا جواب ہاں میں ہوا میں تمھاری اور اپنی جان لے لوں گی۔۔ یاد رکھنا اب کی بار میں تمھیں دھمکی نہیں دے رہی۔۔۔ نہ اپنی زندگی میں تمھیں کسی کا ہوتے دیکھ سکتی ہوں۔۔ اور نہ اپنے مرنے کے بعد۔۔۔۔۔۔۔ بہارے شہرام کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے سسکیاں بھرتے غرائی تھی۔

بہارے میں صرف تمھارا ہوں۔۔۔ تمھاری جگہ نہ میں نے کبھی آئزل کو دی ہے۔۔ نہ میں کبھی کسی دوسری عورت کو دوں گا۔۔۔ شہرام اسے کلائی سے جکڑے بہت نرمی سے اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔۔

یہ پھر کمرہ تم نے کس لیے سجایا پھر؟؟۔ یہ سیج کس کے لیے سجائی؟؟۔۔ مجھے آیزل سے نکاح کرنے کی دھمکی کیوں دی؟؟۔۔ کیوں اسے اتنا حق دیا وہ تمھارے آگے پیچھے پھرے؟؟۔۔۔ کیوں اسے میرا گھر دیا؟؟۔۔ کیوں اس کے ہاتھ کا زہریلا کھانا کھایا۔۔ کیوں اس کے ساتھ ڈانس کیا تھا۔۔ کیوں اسے اس دن ہوٹل میں ایسے چھوا تھا۔۔ کیوں تمھارا ہاتھ اس کی کمر کے ساتھ لپٹا تھا؟؟۔۔ کیوں شہرام؟؟ کیوں؟؟ بہارے اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی شرٹ اپنے کانپتے ہاتھوں میں جکڑتے شدت سے ہذیانی روتے ہوے بولی۔۔

شہرام نے اس کی حالت دیکھتے گہرا سانس لیا تھا۔ اس کی بہارے کبھی اس سے اتنی محبت کرے گی۔۔۔ وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

یہ کمرہ یہ سجاوٹ میں نے صرف اپنی بہارے کے لیے کی تھی۔۔ شہرام کی بات پر نے اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔

جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔ اپنے بچے کی وجہ سے جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔ ڈر سے جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے کچھ ہو نہ جائے۔۔ مم میں کک کچھ کر نہ ڈالوں۔۔۔ اس لیے جھوٹ بول رہے ہو۔۔ جج۔۔۔۔۔ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔۔۔ جھوٹ سچ سے بھی زیادہ اذیت دے گا مجھے ۔۔۔۔ بہارے ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں کے درمیان بولتے دونوں ہاتھوں سے اس کے کالر جکڑ گئی تھی۔

بہارے مرد جتنی شدت سے محبت کرتا ہے۔۔ اس سے کئی زیادہ اس میں آنا ہوتی ہے۔۔ یہ سب جھوٹ ہے۔۔ جہاں عشق ہو وہاں انا کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔۔ مرد کی آنا کو جب چوٹ پہنچتی ہے تو سب کچھ بہت پیچھے رہ جاتا

ہے۔۔اور مرد اگر شوہر ہو تو پھر کچھ بھی معنی نہیں رکھتا سوائے اس کی آنا کے۔۔۔ شہرام نے کہتے ہوے نرمی سے اس کے ہاتھوں سے اپنا کالر چھڑوایا تھا۔۔

بچپن سے تم مجھ سے طلاق مانگتی آئی۔۔ مگر تمھاری اس ضد کو میں نے کبھی اپنی نفرت اور ضد نہیں بنایا تھا۔۔ تمھیں طلاق کبھی نہیں دے سکتا تھا۔۔ کیونکہ میں تم پر اپنا حق ختم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ من پسند عورت کے بغیر مرد رہ بھی لے۔۔۔ مگر اسے کبھی کسی دوسرے کی دسترس میں جاتے ہوے نہیں دیکھ سکتا۔۔ جس عورت سے عشق کا دعویدار ہو وہ تو اسے چھونے والی ہواؤں سے بھی لڑ پڑتا ہے۔۔

تمھیں طلاق دینے کا مطلب تھا۔۔ تم پر اپنا حق ختم کرنا جو میں مر کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔

تمھارا بار بار نفرت سے طلاق مانگنا۔۔ مجھے کبھی تم سے نفرت نہیں کروا سکا۔۔ ایک پل کے لیے بھی نہیں۔۔۔ نہ کل نہ آج۔۔۔ میں تم سے نفرت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔

مگر میری ایگو بہت ہرٹ ہوتی تھی تب بھی۔۔۔ اسی ایگو اسی ضد میں نے پڑھائی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔۔ مگر میں اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔۔ تمھارے مدمقابل آنے کے لیے مجھے پڑھنا ہی تھا۔۔ لیکن تمھیں نہیں بتایا۔۔ میری ایگو تمھیں بتانے ہی نہ دیتی کہیں تمھیں یہ نہ لگے کہ میں تمھاری وجہ سے جھک گیا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ جھک ہی جاتا تو شائد یہ سب کچھ آج نہ ہوتا۔۔ شہرام بہارے کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

تم مجھ سے طلاق مانگتی اور میں تمھیں تمھاری بے بسی کا احساس دلا کر حظ اٹھاتا تھا کہ چاہے کچھ بھی کر لو رہنا تمھیں ان پڑھ جاہل گنوار کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ لیکن بہارے ایگو کے ساتھ دل بھی بہت ہرٹ ہوتا تھا۔۔ سگریٹ پیتے ہوے رات رات بھر ایک ہی بات سوچتا رہتا۔۔۔ تم تک میرے سچے جذبوں عشق کی آنچ کیوں نہیں پہنچتی۔۔۔ تمھیں میری تکلیف کا احساس کیوں نہیں ہوتا؟؟۔۔ تمھاری آنکھوں سے نکلا ایک ایک آنسو میری نیندیں اڑا دیتا تھا۔۔ تمھیں مجھ سے محبت کیوں نہیں ہے؟؟۔۔ تمھیں میری روح سے محبت کیوں نہیں ہے؟؟۔۔ شہرام اس کی دونوں ہتھیلیاں اپنے انگوٹھوں سے سہلاتے نرمی سے بول رہا تھا۔۔

بہارے کی آنکھوں سے آنسو شدت سے جاری تھے۔۔

(شہرام تم جاہل اور ان پڑھ نہیں ظالم بھی ہو اس لیے مار دھاڑ کرتے رہتے ہو۔۔ اگر تم پڑھ لکھ جاتے تو تم ارحام لالا زاران لالا اسفند لالا کی طرح بزنس سنبھالتے یوں ڈیرے پر سارا سارا دن چارپائیاں نہ توڑتے)

بہارے اپنے لفظ یاد کرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ الفاظ دن رات وہ مقابل کے سامنے دہراتی رہتی تھی۔۔ کبھی مقابل کی تکلیف کا اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔۔ آج مقابل اسے کبھی ایسے لفظوں کی مار مارے تو وہ تو دوسرا سانس بھی نہ لے پائے۔۔۔ جس سے محبت ہو اس کا تو ہر لفظ روح میں اترتا ہے۔۔

چاہتا تو تمھاری پڑھائی ختم کر کے تمھیں حویلی بٹھا کر تمھیں سزا دیتا۔۔ مگر میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔

تم مجھ سے نفرت کرتی تھی۔۔ مگر کبھی بھی میں انسکیور نہیں ہوا تھا۔۔ تم پر خود سے بھی زیادہ اعتبار کرتا تھا۔ کرتا ہوں۔۔ کرتا رہوں گا۔۔ شہرام نے اس کی ہتھلیاں شدت سے چومی تھیں۔۔ بہارے ایک بار پھر سے شدت سے رو دی تھی۔۔

تم پر کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ اتنی محبت کرتا ہوں۔۔ مگر یہ جانتا تھا میری بہارے خود سر بد تمیز سہی مگر اپنے دل میں کبھی کسی دوسرے مرد کو جگہ نہیں دے گی۔۔ اپنے قریب کسی غیر مرد کو نہیں آنے دے گی۔۔۔ بہارے شہرام خان سے شدید نفرت کرتی تھی۔۔ مگر اس کے دل میں نفرت بن کر بھی صرف شہرام ہی رہے گا۔۔ نہ نفرت نہ محبت کے لیے کسی دوسرے مرد کی جگہ ہے۔۔ رہے گا تو صرف شہرام خان ہی

چاہے جیسے بھی رہے۔۔ شہرام کی باتوں پر بہارے کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ تو یہ بھی جانتی تھی۔۔ وہ اس پر اعتبار خود سے بھی زیادہ کرتا ہے۔۔ ورنہ کبھی اسے کو ایجوکیشن میں نہ پڑھنے دیتا۔ اسے جلانے کے لیے وہ اس کے سامنے گھنٹوں اپنی سہیلیوں سے فون پر بات کرتی تھی۔ وہ اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے آنکھ ونک کرتے اسے فلائنگ کس کرتا رہتا۔۔ وہ اس کے انداز پر اور جلتی تھی۔

۔ بھی اس نے اس کا فون چیک نہیں کیا تھا۔۔ بلکہ ہر ہفتے اس کے فون پر بنا کہے ہی پیکج کروا دیتا تھا۔۔۔۔ وہ اتنی محبت کرنے والے انسان کی محبت کو ٹھکراتی رہی۔۔

بہارے کی پر سوز سسکیوں میں ایک بار پھر سے آضافہ ہوا تھا۔

بہارے تم نے حویلی سے بھاگنے کی کوشش کی۔۔ تم پر غصہ اشتعال بہت آیا ۔۔۔ دل تو کیا تھا تمھاری جان لے لوں۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم ایسی بیوقوفی کرو گی۔۔ مگر تمھیں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔۔۔ لیکن اگلے دن ہی رخصتی کر لی تاکہ تمھیں احساس دلوا سکوں تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔۔ جہاں تک بات ہے تمھیں اپنے بارے میں سچ بتانے کی۔۔ بہت بار کوشش کی تمھیں بتانے کی۔۔ رخصتی سے پہلے جب تمھارے لیے گھر خریدا ۔۔ اس دن تمھیں بتانا چاہتا تھا۔۔ مگر تم گاڑی سے نہیں اتری۔۔ تم نے وہ گھر جیسے میرے منہ پر مار دیا تھا۔۔ گھنٹوں تمھاری منتیں کیں۔۔ اس دوران اپنا آپ بہت چھوٹا لگا تھا۔۔ جب تم میرے ہزار بار کہنے پر گاڑی سے نہیں اتری۔۔

جس دن تمھیں ہاسپٹل لے کر آیا اس دن بھی تمھیں بتانا چاہتا تھا کہ میں انجینیر ہوں۔۔ میں نے اپنی سٹڈی کمپلیٹ کی ہے۔۔ رخصتی کے بعد تم سے کچھ بھی چھپانا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔۔ مجھے تکلیف ہوتی تھی کہ میری بیوی کو میرے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔۔۔۔

کیونکہ تم میرا دین مکمل کر چکی تھی۔۔ تمھاری قربت میں مجھے راحت پہنچتی تھی۔ تم سے ایسا سکون ایسی راحت ملی مجھے۔۔۔ رخصتی کے بعد تم سے اور عشق ہو گیا تھا۔۔ تم سے عشق ہونے کے ساتھ اپنے خدا سے بھی اور محبت ہوئی کہ اس نے بیوی جیسی خوبصورت نعمت بنائی مرد کے لیے۔۔۔ تب اندازہ ہوا خدا نے عورت کو کیوں سکون کہا ہے مرد کے لیے۔۔۔ شہرام کی باتوں پر بہارے نظریں جھکائے اب رو دی تھی۔۔ اس کی قربت میں چیخیں

مارنا واویلا کرنا یاد آیا تھا۔۔ اسے دھتکارنا یاد آیا تھا۔۔ وہ تو اتنی سی قربت میں بھی خدا کا شکر ادا کرتا تھا۔۔ اسے اپنا سکون گردانتا تھا۔۔

مگر تم نے ہاسپٹل کے سٹاف روم میں مجھ پر دباؤ ڈالا کہ میں یہاں کسی کو نہ بتاؤں کہ تم میری بیوی ہو۔۔ وہ اس دن میری آخری کوشش تھی تمھیں بتانے کی۔۔ اس دن میں بہت ہرٹ ہوا تھا۔۔ تم نے ہمیشہ کی طرح میرے ہاسپٹل کا سارا کریڈٹ کسی اور کو دے دیا تھا۔۔ زمین داجی کی تھی۔۔ اور تمھارے نزدیک سرمایہ ارحام لالا نے دیا تھا۔۔ ہمیشہ کی طرح میں صفر تھا تمھارے لیے۔۔۔ اور ہاسپٹل میں تم اپنا اور میرا ریلیشن اس لیے چھپانا چاہتی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں ان پڑھ ہوں۔۔ بہارے اس دن مجھے اتنی تکلیف پہنچی تھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔۔۔ تمھیں میری پہچان سے شرم آتی تھی۔۔ تمھارے نزدیک شہرام خان کوئی وقعت نہیں رکھتا

تھا۔۔ ایک بیوی دوسروں کے سامنے اپنی شوہر کی پہچان پر شرم محسوس کرے۔۔ کیا محسوس کر سکتا ہے وہ مرد۔۔۔ تم سوچ نہیں سکتی۔۔۔

بہارے تمھیں حویلی ڈراپ کرنے کے بعد میں ڈیرے پر چلا گیا تھا۔۔ اس دن میں نے کتنے سگریٹ پھونکے تم سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ یہ جھوٹ ہے بہارے۔۔۔ مرد ہرٹ نہیں ہوتا۔۔۔ مرد بھی ہرٹ ہوتا ہے۔۔۔ بہت ہرٹ ہوتا ہے۔۔ بس وہ عورت کی طرح آنسو نہیں بہا سکتا۔۔۔ تم نے اس دن میری ایگو میری سلیف سٹیم بہت بری طرح ہرٹ کی۔۔۔

ہر بار کی طرح یہ بات بھی میں نے دل سے نکال کر پھینک دی۔۔۔ تمھارے لیے اس دل میں اتنی محبت تھی کہ کوئی بات دل میں رہ ہی نہیں سکتی تھی۔۔۔

محبت تھی۔۔۔۔ شہرام۔۔۔۔۔۔ بہارے تڑپتے ہوے شہرام کی بات کاٹ گئی تھی۔۔

شہرام اس کے یوں تڑپنے پر گہرا مسکرایا تھا۔۔

ہے میری جان۔۔۔۔ بہت محبت ہے۔۔ ایک یہی کام تو ہے جو تمھارا شہرام دن رات کرتا ہے۔۔ اور اب پریکٹیکل بھی تم سے محبت دن رات کرے گا۔۔ کیونکہ میری بیوی رات کو ہی نہیں دن کو بھی میری بانہوں میں رہنے کو تیار ہے۔۔ شہرام اس کے عارض سے آنسو انگوٹھے سے صاف کرتے ذو معنی انداز میں بولا تو بہارے کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔۔ اپنے لفظ یاد آئے تھے وہ نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔ اس یے انداز پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

بہارے۔۔۔۔ لیکن ساری باتیں نکل گئیں۔۔ مگر ایک بات دل میں پھانس کی طرح چبھ گئی وہ نکل ہی نہیں سکی۔۔۔

جب تم نے کہا کچھ بھی ہو جائے تمھیں کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی۔۔ میں تمھیں خود سے محبت کروانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔۔ شہرام کے لہجے میں زخمی پن محسوس کرتے بہارے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔۔

مجھے سب کچھ قبول ہے۔۔ مگر تم مجھے خود سے محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔ میں تمھاری وفادار ہوں۔۔ ہمیشہ رہوں گی۔۔ مگر اس سے آگے مجھ سے کچھ توقع نہ کرنا۔۔

اپنے ہی لفظوں کی بازگشت سنائی دی تو بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

اس دن صیح معنوں میں ایک شوہر کی ایگوہرٹ ہوئی تھی۔۔۔میرے نذدیک تمھاری حیثیت بھی صفر ہو چکی تھی۔۔اس دن شہرام خان کے دل سے تمھاری محبت پانے کی چاہ نکل چکی تھی۔۔

بہارے، شہرام کی بات پر تڑپتے ہوے روتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔برداشت نہیں ہوئی تھی اس کی بات۔۔۔۔۔۔وہ اس کی بات پر سچ میں مر گئی تھی۔۔

شہرام نے نرمی سے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑوائی تو بہارے روتے ہوے چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔۔اس کی حیثیت مقابل کی

نظروں میں صفر ہو یہ کہاں برداشت ہونا تھا؟ وہ بن آب مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گئی تھی۔

شہرام نے اس کے ہاتھ نرمی سے چہرے سے ہٹاتے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔۔

بہارے نے سسکی لیتے بھیگی گلابی آنکھوں سے اس کی سیاہ پرکشش آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔

بہارے تم نے پوچھا آیزل کیوں میرے آگے پیچھے پھرتی تھی۔۔

شہرام کی بات پر بہارے نے تڑپتے ہوے زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا اس کے منہ سے آیزل کا نام بھی سننا گوارا نہیں تھا۔۔

تم نے موقع دیا اس کو میرے قریب آنے کا۔۔۔ اسے پتہ ہوتا تم میری بیوی ہو۔۔ وہ کبھی میرے آگے پیچھے نہ پھرتی۔۔

شہرام کی بات پر وہ سر نفی میں ہلا گئی تھی۔۔

یہ تمھارا ایکسکیوز نہیں ہے شہرام۔۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جاتا تم نے کیوں ایک غیر عورت کو امپورٹنس دی۔۔۔ کیوں دی اتنی امپورٹنس ؟۔۔۔ شہرام۔۔۔ بہارے نے ہچکی بھرتے سوال کیا۔

جس ہاسپٹل میں میری بیوی غیروں کی طرح رہ رہی تھی۔۔مجھے دیکھتے ہی اجنبیوں کی طرح منہ پھیر لیتی تو کیا کرتا اسے کیسے روکتا۔۔۔اسے بتا چکا تھا کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں۔۔ مگر اپنے شادی ہونے کا نہیں بتا سکا۔

کیونکہ تمھارا مجھ سے اجنبیت بھرنا مجھے شرمندگی میں مبتلا کر دیتا تھا ۔۔۔شہرام یکدم بھڑک اٹھا تھا۔۔

بہارے کی اس فضول سی ضد پر وہ کن اذیتوں سے گزرا تھا وہ اسے کیسے بتاتا۔۔شہرام کے بھڑکنے پر بہارے نے ہچکی لیتے منہ پھیرا تھا۔۔

شہرام گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔۔جانتا تھا اس کے سامنے اس کی نازو اندام دکھانے والی بیوی ہی نہیں تھی اب اس کے ہونے والی بچے کی ماں بھی تھی۔۔اور وہ اپنی اس حیثیت سے بخوبی واقف بھی تھی کہ وہ اس کے لیے

کیا معنی رکھتی ہے۔۔ورنہ وہ کبھی یوں دھڑلے سے اپنے پیٹ پر پسٹل نہ رکھتی.

بہارے۔۔۔۔۔۔یہ میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔۔ہاسپٹل میں تمھارا منہ بھیرنا۔۔

کتنی بار تمھیں سمجھایا کہ سب کو بتا دیتے ہیں۔ مگر تم نہیں مانی۔۔ہاسپٹل سے اتنی دور گاڑی کھڑی کرنی پڑتی تھی۔۔کسی کو پتہ نہ چلے تم شہرام خان کی بیوی ہو۔۔۔سوچو میرے لیے کتنا تکلیف دہ تھا۔۔

آیزل یا پھر کسی کو نہیں بتا سکتا تھا کہ میری شادی ہو چکی ہے۔۔۔۔اگر کسی کو پتہ چل جاتا کہ تم میری بیوی ہو۔۔سب کو تو یہی لگتا شہرام خان نے چھپایا۔۔جیسے سب ڈاکٹرز اور پورا ہاسپٹل ابھی بھی یہی سمجھتا ہے یہ سب میں نے کیا۔۔میں نے اپنے رشتے کی حقیقت چھپائی۔۔کیونکہ شہرام خان

غیر شادی شدہ ہونے کی آڑ میں ایک غیر عورت کے ساتھ نام نہاد افیر چلانا چاہتا تھا۔۔

عورت ایسا نہیں کر سکتی۔۔ مرد حاکم ہے عورت بیچاری مظلوم ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔۔ اور وہ شہرام خان جس کا اتنا بڑا ہاسپٹل ہے۔۔ جس کی شہرت کے چرچے پاکستان سے باہر بھی ہیں۔۔ جو اتنا با اثر ہے۔۔ اتنا طاقتور ہے۔۔ اسے کیا مجبوری ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا ریلیشن شپ چھپائے۔۔۔ یقیناً شہرام خان خود ہی نہیں چاہتا تھا اس کا شادی شدہ ہونا دوسروں کی نظروں میں آئے۔۔

اور یہ خبر انٹرنیشنل جریدے اور یہاں بھی سوشل میڈیا کی زینت بن چکی ہے کہ سوات کے ہاسپٹل کے مالک ایک بہت بڑے انجینئر اور کانٹریکٹر شہرام خان کا افیر جرمنی کی ڈاکٹر سے چل رہا ہے۔۔ اور شہرام خان اپنی بیوی

کے سامنے ہی یہ افیر چلا رہا تھا۔۔اور مین ہیڈ لاین پتہ ہے کیا تھی۔۔شہرام نے بہارے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے استفسار کیاو۔

کیا؟؟ بہارے نے ہچکی لیتے استفسار کیا تھا۔۔

Shehraam khan's wife breaks down infront of Others due to her husband disloyalty.

ڈاکٹر آیزل اور میری تصویر بھی چھپی ہے۔۔

سوچو اگر تمھارا چہرہ بھی دنیا کی نظروں کے سامنے آجاتا تو میں کیا کر گزرتا۔۔

شہرام نے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں سوال کیا تھا۔۔بہارے نظریں جھکا گئی تھی۔اس کی آنکھیں بھی اب سرد ہوئیں

تھیں۔۔ لہجہ بھی کافی ٹھنڈک لیے ہوے تھا۔۔ وہ سمجھ گئی تھی شہرام ابھی تک اس بات کو بھولا نہیں ہے۔۔ اس کا یوں سب کے سامنے عیاں ہونا اسے پسند نہیں آیا تھا۔۔

بہارے مجھے بہت بار لگا تم آیزل سے انسکیورفیل کر رہی ہو۔۔ مگر میں اپنی ہی سوچیں جھٹلاتا رہا۔۔ مجھے لگا یہ صرف تمھاری انسکیورٹی ہے۔۔ تم ایک کانٹریکٹر انجینیر اور پاورفل شہرام کو کھونا نہیں چاہتی۔۔۔

تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو. یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ کیونکہ شہرام خان کے نزدیک بہارے خان کی بہت ویلیو تھی۔۔ وہ اس کے دل کے سب سے اونچے مسند پر بیٹھی تھی۔۔۔۔ بہارے خان کے دل تک رسائی کبھی شہرام حاصل کر ہی نہیں سکتا تھا۔۔

شہرام کے تھی کہنے پر وہ ایک بار پھر سے تڑپ اٹھی تھی.

اس کی باتیں اس کے دل میں چرکیں لگا رہی تھیں۔

مگر تمھارا تڑپنا تمھارا رونا کچھ اور ہی ظاہر کر رہا تھا۔۔

تم جب لاونج میں بیٹھی مجھے بدعائیں دے رہی تھی۔۔اس دن میں ٹھٹھک گیا تھا۔

بہارے نے فق رنگت کے ساتھ شہرام کو دیکھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی.

تمھاری بدعائیں تو بچپن سے سنتا آرہا تھا۔ مگر اس دن بدعائیں کچھ الگ تھیں۔۔

کیا کہہ رہی تھی۔۔ تم اس دن؟؟ شہرام پر سوچ انداز میں مسکرایا تھا۔۔ میں بہت بڑا اکسٹریکٹر ہوں اب کیوں پسند آئے گی حویلی میں رہنے والی اپنی بیوی۔۔ کیا تھے وہ الفاظ۔۔۔ شہرام نے یاد کرتے ہوئے دہرائے تھے۔

اتنا بڑا کانٹریکٹر ہے انجینیر ہے اب اس کا معیار تو بہت اونچا ہو گا۔ امریکہ جرمنی سے آئی ہوئی لڑکی۔۔ اپنے خاندان کی حویلی میں رہنے والی لڑکی سے اسے کیونکر دلچسپی ہو گی۔۔۔۔ بہارے خفت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ اسے اندازہ نہ تھا اس نے یہ سب سن لیا ہو گا۔۔ اور بدعائیں کیا تھیں۔۔ وہ بہارے کی حیران آنکھوں میں دیکھتے اب گہرا مسکرایا تھا۔

کاش شہرام تم کچھ نہ ہوتے۔۔ تم میٹرک پاس بھی نہ ہوتے۔۔ نہ ہی تمھارے پاس کوئی زمین جائیداد ہوتی۔۔ بلکہ تم سڑک کے فقیر ہوتے۔

۔ پھر تمھیں اپنی بہارے کی قدر ہوتی۔۔ اللہ کرے تم سے سب کچھ چھن جائے۔۔ تم سڑکوں پر آجاؤ۔۔ تمھارے پاس کچھ بھی نہ ہو سوائے میرے۔۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے مسکرایا تھا۔ بہارے نظریں جھکاتے اپنا نچلا لب کاٹا تھا۔۔

میرے پاس کچھ نہ رہے۔۔۔ میں سڑک کا فقیر بن جاؤں۔۔ اور اور میرے پاس کچھ نہ رہے اگر رہے تو وہ صرف بہارے رہے۔۔

ویسے تم مجھے بدعائیں دے رہی تھیں یا دعائیں دے رہی تھی۔ میرے پاس کچھ بھی نہ رہے اور صرف بہارے رہے۔۔۔ تو پھر مجھے اور کیا چاہیے ہو گا اپنے رب سے۔۔۔۔ میری بیوفوقوف بہارے۔۔۔۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اس کا نچلا لب دانتوں تلے سے چھڑوایا تھا۔۔

بہارے نے شہرام کی بات پر بھیگی نگاہوں سے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔۔وہ کیا اس سے ابھی بھی محبت کرتا ہے۔۔وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔

تم لاونج میں جس طرح مجھ سے لڑ رہی تھی۔۔دوسری شادی پر مجھے قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔۔مجھے میرے جرائم یاد دلا رہی تھی۔۔مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

تم یہ سب کہہ رہی ہو۔۔۔ تمھارے ایک ایک انداز سے ظاہر تھا۔تم آیزل سے بری طرح جیلس ہو رہی ہو۔۔اور جیلس وہی بیویاں ہوتی ہیں جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہیں۔اور تم

اندر کمرے میں تم مجھے سونپ چکی تھی۔۔سب کچھ تو سامنے تھا۔اپنی بہارے کے جذبیں مجھ تک عیاں ہونے لگے تھے۔۔مگر اتنی بار نفرت کا

اظہار سن چکا تھا۔۔۔ تمھارے ایکشنز پر یقین کرنا مشکل تھا۔ تم خود سر بد تمیز بے حس بیوی وائلڈ وایف بن گئی تھی۔۔ میرے لیے تو پہلے بھی تھی میری جنگلی بلی کاٹ کھانے کو دوڑنے والی میری بہارے۔۔۔ مگر اس دن تو خونخوار بہارے سے سامنا کرنا پڑا۔۔ جب تم نے میرے سینے پر اپنے دانت گاڑھے تھے۔۔۔۔ شہرام کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اور بہارے کی بھیگی گلابی آنکھوں میں استعجاب بڑھتا جا رہا تھا۔۔

اس دن رات کو تم سے اپنا حق جس طرح لیا تھا۔۔ اتنے دنوں بعد تمھارے قریب آیا تھا۔۔ سارا غصہ اشتعال جو میرے اندر جمع تھا۔ وہ تم پر اتارا۔۔ بیوی کے ہوتے میری راتیں عذاب کی طرح گزرتی تھیں۔۔ مرد جس عورت کا عاشق ہو۔۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ یہ ضرورت یہ

جذبات خدا نے اس کے اندر ڈالے ہیں۔۔ عورت اور مرد کے جذبات میں بہت فرق ہے۔۔۔۔ یہ کہنا محبت عشق تو روح سے ہوتی ہے یہ غلط ہے۔۔۔ نکاح کے بعد محبت عشق جسم کے بندھن سے بھی مشروط ہوتی ہے۔۔ جس حق کو خدا نے جائز کر دیا۔۔ اس حق کو تم عورتیں کس طرح حوس کا نام دے دیتی ہو۔۔۔ شہرام کی باتوں پر بہارے نے ایک بار پھر سے نظریں جھکائیں تھیں۔

مجھے تمھاری تڑپ نظر نہیں آئی یا پھر جان بوجھ کر اگنور کرتا رہا۔۔ میں نہیں جانتا۔۔ مگر تم پر غصہ اتر ہی نہیں رہا تھا۔۔ تمھاری بے حسی تمھارے لفظوں کا زہر اتنی آسانی سے معاف کرنے کو دل نہیں کرتا تھا۔۔

ہاسپٹل میں جو تم نے تماشہ لگایا۔۔وہ میرے اندر تمھارے لیے غصے اشتعال کو اور بھڑکا گیا۔۔تم وہ کر چکی تھی جو میں سوچ نہیں سکتا تھا۔۔اس دن اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ تمھاری بات ماننی ہی کیوں؟؟۔۔۔کیوں تمھارے کہنے پر اپنا اور تمھارا رشتہ چھپایا۔۔اگر میں بتا دیتا تو تم کیا کر لیتی۔۔۔۔روتی چیختی چلاتی۔۔مجھ سے ناراض ہو جاتی۔۔وہ تو تم ہر بار کرتی تھی۔اس بار بھی کر لیتی.

تمھارے آگے ہر بار جھکنے پر مجھے پچھتاوہ ہوا۔۔تمھارے ناز نخرے اٹھانے پر مجھے پچھتاوہ ہوا۔۔۔تمھارے لیے جو کچھ میں نے آج تک کیا مجھے اس پر پچھتاوہ ہوا۔۔مجھے لگا مجھے تمھاری لگامیں شروع دن سے کھینچ کر رکھنی چاہیے تھی تاکہ تم ایسا کرنے کا سوچ بھی نہ سکتی..

تم نے مجھے اس ہاسپٹل کے ایک ایک بندے کے سامنے ذلیل کر دیا

تھا۔۔سب صاف ظاہر تھا تم مظلوم تھی میں جابر تھا۔۔ جس کے دو چہرے

تھے۔۔۔تم سے اپنا ریلیشن چھپانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔اس دن بات تم

میرے کریکٹر پر لے ائی تھی۔۔۔

جی کر رہا تھا اس دن تمھاری چمڑی ادھیڑ دوں۔۔۔ تمھارا بدن بیلٹ سے داغ

دوں۔۔ مرد ہوں اور پھر شوہر ہوں غصہ آتا ہے۔۔۔اور بہت آیا بھی۔

۔۔۔اپنے غصے اور اشتعال پر قابو پا

رہا تھا۔کیو مکہ مرد تھا شوہر بھی تھا۔۔ مگر تم بیوی سے بڑھ کر تھی میرے

لیے۔۔۔اگر تمھیں صرف بیوی سمجھتا تو ایک شوہر کی طرح سزا دیتا۔۔۔

مگر تم جیسی بھی سہی شہرام خان کا عشق تھی۔۔۔

تمھیں تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔۔۔ تمھیں جانوروں کی طرح مارتا

۔۔۔خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔۔ مگر جب تم نے اپنے آپ کو غیر

مرد سے منسوب کیا۔۔تو میرا ہاتھ تم پر اٹھ گیا۔۔

تم پر ہاتھ میں نے آیزل کی وجہ سے نہیں اٹھایا تھا۔۔جو بات تم نے

دوسروں کو سر عام سمجھائی۔۔۔وہ تم لفظوں میں بند کمرے میں لے آئی

تھی۔۔جب تمھیں سر عام خود پر کیچڑ اچھالتے کچھ نہیں کہا تو بند کمرے میں

کیا کہتا۔۔ مگر تمھارا الزام لگانا بھی سیدھا دل پر لگا تھا۔۔میں اتنا گھٹیا تھا

تمھاری نظروں میں تم نے آیزل کو میری رکھیل کہہ دیا۔

اور اس وقت میں نے سچ بولا تھا میں آیزل سے نکاح کروں گا۔۔

بہارے کی اب سانسیں اٹکی تھیں۔۔شہرام بہارے کی آنکھوں میں خوف

دیکھ کر اپنی پیشانی مسل گیا تھا۔۔

اس اندھیری طوفانی بھیگی رات کا ایک ایک تلخ منظر نظروں کے سامنے آیا تھا۔۔

شہرام نے گہرے سانس لیتے اپنی پچھلی گردن رب کی تھی۔۔ بہارے سانسیں روکے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے بہارے کا ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگایا۔۔

شائد میں غصے میں ایسا کچھ کر بھی گزرتا۔۔ مگر تمھیں تھپڑ مار کر میرا چین سکون سب کچھ لٹ چکا تھا۔۔ جتنا غصہ اشتعال تھا تمھارے لیے میرے اندر۔۔۔۔ وہ ایک تھپڑ سے نکل گیا۔۔۔

تب وہی شہرام تھا جو تمھیں کچھ بھی کہہ کر تمھارے قدموں میں آبیٹھتا تھا۔۔۔

واپس آنا چاہتا تھا تمھارے پاس اس رات۔۔۔۔۔ مگر نہیں آ سکا۔۔ شہرام نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلائی تھی۔۔۔

طوفانی اندھیری بارش میں کسی کی سسکیاں چیخیں یاد آئی تھیں۔۔۔

بہارے۔۔۔۔۔۔۔ آج میں سب کچھ ختم کرنا چاہتا تھا۔۔ تمھاری فیلنگز سب کچھ سمجھتے انجان بنا رہا آج رات میں اس کا مداوہ کرنا چاہتا تھا۔۔۔

ابھی میں تمھیں ہی لینے آ رہا تھا۔۔۔ مگر تم خود آ گئی۔۔۔ مجھے پتہ تھا میری بیوی کا یہی ری ایکشن ہو گا۔۔۔ مگر تم یہاں دلہن بنی آ جاؤ گی یہ نہیں پتہ تھا۔۔۔

تم۔۔۔سچ کک۔۔۔۔ کہہ۔۔۔۔رہے ہو۔۔۔یہ میرے لیے تھا۔۔تت

تم نے آیزل سے نکاح نہیں کیا۔۔کک ہمارے بچے کی قسم کھاؤ۔۔بہارے

نے روتے ہوے بمشکل پوچھا تھا۔۔اس کے لفظ گلے میں گھٹ رہے تھے۔

یہ سب تمھارے لیے تھا۔۔میں صرف تمھارا ہوں۔۔۔میری زندگی میں

کسی ڈوسری عورت کی گنجائش نہیں ہے۔۔میرے دل میں تم تھی اور تم ہی

رہو گی۔۔۔اور یہ بچے کی نیوز دے کر تم نے مجھے خرید لیا ہے بہارے۔

۔۔۔شہرام خان کا اب ساری عمر اس کی بہارے کے سامنے سر جھکا رہے گا۔

شہرام نے بہارے کی آنکھوں پر باری باری اپنے اپنے لب رکھے تھے۔

بہارے شہرام کے سینے کے ساتھ لپٹتے ہوے شدت سے رو دی تھی.

شش شہرام۔۔۔مجھے میری غلطیوں پر بیلٹ سے داغ دینا۔۔ مم مجھے جان سے مار دینا۔۔ لیکن کبھی دوسری عورت کا نام بھی اپنے لبوں سے مت لینا۔۔ میں سچ میں مر جاؤں گی۔۔ میں تمھیں کسی کے ساتھ شئر نہیں کر سکتی۔۔ بہارے اس کے سینے میں سمائے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔۔۔

شہرام اسے شدت سے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔

دروازہ ناک ہونے پر وہ بہارے کو خود سے الگ کرتے صوفے سے اٹھتے دروازے کی طرف بڑھا۔۔

دروازہ کھول کر باہر کھڑی ملازمہ کے ہاتھوں سے کھانے کی ٹرے لیے وہ بہارے کے پاس آیا تھا۔

کھانے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہ بہارے کے پاس بیٹھا۔۔

ٹرے سے جوس اٹھا کر بہارے کے لبوں سے لگایا تھا۔۔۔ جسے بہارے نے ایک ہی سانس میں ختم کیا تھا۔

کب کھانا کھایا تھا تم نے ؟؟۔۔۔ شہرام نے جوس کا کلاس ٹیبل پر رکھتے پوچھا۔۔

کل رات کو جو تم نے کھلایا تھا۔۔ بہارے نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے نروٹھے انداز میں کہا۔۔

شہرام اس کے انداز پر مبہم سا مسکرایا تھا۔ اس کی بیوی کے ناز و اندام شروع ہو چکے تھے۔۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ پریگننسی میں اسے کافی ٹف ٹائم دینے والی ہے۔۔۔

شہرام نے پلاؤ کا چمچ بھر کر بہارے کے منہ میں ڈالا

بہارے نے اسے نم زدہ نگاہوں سے دیکھتے بایٹ لی تھی۔

شہرام نے سارا کھانا اسے اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔۔۔

جو بہارے نے بنا کسی تردد کے کھالیا تھا۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

اس نے ایک بار بھی اسے کھانا کھانے کو نہیں کہا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی بیوی اس کے عشق میں پاگل ضرور ہے۔۔ مگر نازو اندام ہمیشہ اپنے ہی اٹھوائے گی۔۔۔ اور اس وقت وہ وہی بہارے خان ہو گی جو ہمیشہ سے وہ اپنے شہرام کے لیے تھی۔

بہارے کو کھانا کھلا کر شہرام نے ٹرے سائیڈ پر رکھی تھی. اور اسے بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھایا تھا۔۔

بہارے شہرام کی طرف دیکھتے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے مسکرائی تھی.

افف۔۔۔میری بہارے میری جان لوگی کیا تم؟؟شہرام اسے گود میں اٹھائے اس کے چہرے پر جھکا تھا۔۔بہارے کی ہنسی کی جھنکار کمرے میں گونجی تھی۔۔

شہرام اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔۔بہارے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔۔۔۔

شہرام خانزادہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے اسے نرمی سے چوم رہا تھا۔۔بہارے شہرام کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے اس کی نرم گرم

شدت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔۔ شہرام کافی دیر تک اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے ہوے تھا۔۔ بہارے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے مزید اس کے ساتھ لپٹے تھی۔۔ شہرام کی شدت میں اسے کچھ کمی سی لگی تھی.

وہ پہلے بھی اسے بہت سختی سے نہیں چھوتا تھا مگر اس کے انداز میں پاگل پن ہوتا تھا۔۔ جو بہارے کو آج مفقود لگا تھا۔۔۔ وہ فلوقت اس کی نرمی سہنے کی مجازنہ تھی کجا کہ اس کی سختی سہتی تھی۔۔ پریگننسی اور اس کے دوران ٹینشن لینے سے وہ اندرونی طور پر کافی ویک ہو گئی تھی۔۔ مگر شہرام خان کو لے کر وہ کافی انسکیور ہو چکی تھی۔ اس کی ذراسی بے توجہی کسی حال میں اب برداشت نہیں ہوتی تھی۔۔

ابھی بھی اس کی شدت میں کمی محسوس کرتے وہ اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اس انداز میں لپٹی تھی کہ وہ پاگل ہو جائے تھی۔۔بیوی تھی اپنے شوہر کی کمزوریوں سے واقف تھی۔۔بہارے کے لپٹنے کے انداز پر شہرام کی آنکھوں میں خمار کی سرخی گہری ہوئی تھی۔۔۔

مگر اس خماری میں بھی اس کی پوری کوشش تھی کہ بہارے کے پیٹ پر اس کا وزن نہ پڑے۔۔

شہرام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے عارض پر ہاتھ جماتے اس کی براؤن آنکھوں میں گہرے سانس بھرتے جھانکا تھا۔۔

بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی تھی۔۔۔

شہرام اس کی ادا اس کے لپٹنے کے انداز پر پاگل ہوا تھا۔ اس کی قربت میں وہ پہلی بار مسکرا رہی تھی اس کے ساتھ لپٹ رہی تھی۔۔۔ شہرام خانزادہ کے پورے وجود میں سپارک سا ہوا تھا۔۔ وہ بہارے کو پانے کے لیے مچل اٹھا۔ تھا۔

ریڈ دلہن کے لباس میں اس کا بدن دو آتشہ لگ رہا تھا۔۔ رونے کی وجہ سے اس کا میک اپ سارا اتر گیا تھا مگر وہ پہلے سے زیادہ نکھری لگ رہی تھی۔ شہرام کی ذرا سی توجہ محبت اور آیزل نام کا کانٹا دور ہو جانے کی وجہ سے اس کے چہرے پر گلال سے بکھر گئے تھے۔ پچھلے ایک مہینے سے وہ اپنے شوہر کی قربت اس کی محبت کے لیے پاگل ہو رہی تھی۔۔۔ جو کمی ان کی فرسٹ ویڈنگ نائٹ کو رہ گئی تھی۔۔ وہ چاہتی تھی آج پوری ہو جائے۔۔ آج وہ اس کی شدتوں میں پورا پورا ساتھ دینا چاہتی تھی۔۔

اپنے شوہر کو اپنی خوبصورتی اپنی اداؤں میں وہ باندھ کر رکھنا چاہتی تھی۔۔روزینہ خانم کی بات اس کے دماغ سے ابھی بھی نہیں نکلی تھی. دوسری عورت کے نام سے ہی ڈرنے لگی تھی. شہرام کے نزدیک وہ کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔۔

شہرام نے اسے کمر سے جکڑے اوپر کو اٹھاتے بٹھایا تھا۔۔اور خود بھی بیٹھتے اس کا دوپٹہ پنز سے آزاد کرتے بیڈ پر رکھا۔۔بہارے کے قریب ہوتے اس کی ماتھا پٹی نرمی سے اتاری تھی. میری بہارے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔مجھے تو تم ہر حال میں اچھی لگتی ہو۔۔شہرام نے اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے گھمبیر آواز میں کہب۔۔

بہارے شہرام کے چوڑے سینے سے آلگی تھی۔شہرام کے ہاتھ اس کی بلاؤز کی ڈوریوں پر سفر کر رہے تھے۔۔

بہارے شہرام کے کے سینے سے مزید لپٹی تو شہرام اس کی بلاوز کی ڈوریاں ایک ہی جھٹکے سے کھینچتا توڑ چکا تھا۔ڈوریوں کے ساتھ لگے موتی ٹوٹتے ہوے فرش پر دور جا گرے تھے۔۔ شہرام خانزادہ اسے خود سے الگ کرتے اسے تکیے پر لٹائے اپنے اور اس کے گرد تمام پردوں کو ہٹا گیا تھا۔۔ شہرام کمرے کی تمام لائٹس ریموٹ سے آف کرتے بیڈ کے اوپر ایک ایل ای ڈی لایٹ آن رہنے دی تھی۔۔ جس کی خوبصورت لایٹ کی کرنیں بیڈ کے وسط پر بکھر رہی تھیں۔

وہ بہارے کی گردن پر جھکے اپنی شدتیں بکھیرنے لگا۔۔۔ بہارے اپنی آنکھیں بند کیے شہرام کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر چکی تھی.۔۔ پلکوں کی باڑ توڑتے بہت سے آنسو اس کے عارض کا حصہ بنے تھے۔۔ شہرام خان کی

قربت اس کی محبت اس کے لیے کیا تھی۔۔۔یہ بہارے خان لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی تھی۔۔

بہارے شہرام کی بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس اس کے سینے پر سر رکھے لیٹے تھی۔۔جو اس کے گھٹنوں سے نیچے آتی تھی. اس کا نازک وجود شہرام کے سینے پر منتقل تھا۔۔

شہرام نے مسکراتے ہوے بہارے کو دیکھا جو اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کب سے باتیں کر رہی تھی۔

شہرام اس کی باتیں سنتا کب سے مسکرا رہا تھا۔۔بہارے کے یہ انداز بھی ہوں گے اسے معلوم نہ تھا۔۔وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اس کے سینے سے لپٹی

مسلسل باتیں کر رہی تھی۔ کبھی اس کے سینے سے لپٹتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھے اس شرٹ پر انگلیاں پھیرتے ہوے اس سے باتیں کرتی۔۔ کبھی اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے باتیں کرتی۔۔ شہرام ساتھ ساتھ اس کے نرم لبوں کا لمس اپنے سینے پر محسوس کر رہا تھا۔ وہ کتنی بار باتوں باتوں میں اس کے گال پر بھی اپنے لب رکھ چکی تھی۔۔ اپنی ہی حرکتوں پر وہ گلابی ہو کر مسکراتے ہوے نظریں جھکاتی تو شہرام کا اپنی مسکراہٹ ظبط کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس کی بہارے کے انداز اسے مزید پاگل کر رہے تھے.

شہرام نے بہارے کی طرھ دیکھتے کمرے میں لگی گھڑی کی طرف دیکھا جہاں رات کے دو بج رہے تھے۔۔ اور اس کی بیوی کا ابھی سونے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔۔۔ شہرام نے بمشکل آنکھیں کھولتے اس کے خوبصورت چہرے کو

دیکھا۔۔ جہاں ان گنت رنگ بکھرے ہوے تھے۔۔ خوبصورت براؤن

نکھوں میں نیند کی کوئی رمک نہ تھی۔ شہرام اس کے عارض پر بکھری لٹ کو

کان کے پیچھے اڑسے مبہم سا مسکرایا تھا۔۔ اس ٹائم اس کے لیے آنکھیں

کھولنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔ وہ ہمشکل ہی آنکھیں کھولے بہارے کو دیکھ

رہا تھا. پچھلے دو دن سے وہ سویا نہیں تھا۔۔ بہارے کو تھپڑ مار کر نیند اس پر

حرام ہو چکی تھی۔ پھر ان دو دنوں میں جو کچھ ہو چکا تھا۔۔ نیند آنا مشکل ہی

نہیں ناممکن بھی تھا۔۔ بہارے کی قربت نے سکون دیا تھا تو آنکھیں خود بخود

بند ہو رہی تھیں۔ مگر بہارے کی ناراضگی کی ءحوف سے وہ آنکھیں بند نہیں

کر رہا تھا۔۔ جانتا تھا اس کی بیوی ناراض ہو گئی تو منانے کے لیے اسے مزید دو

گھنٹے اور جاگنا پڑے گا۔۔ اور بہارے کو ایسے دیکھ کر اس کے جذبات پھر

سے بہک رہے تھے۔۔ مگر اس کی پریگننسی کا خیال کرتے وہ خود پر قابو پا رہا تھا جو بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔

شہرام۔۔۔ بہارے نے اس کے سینے پر سر رکھے نرمی سے اسے پکارا تھا۔۔

جی میری جان۔۔۔۔۔ شہرام نے اس کے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے نرمی سے کہا۔

شہرام اب ہم اسی گھر مین رہیں گے ناں۔۔ بہارے نے سر اٹھائے شہرام کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔

نہیں۔۔۔۔۔ ہم حویلی جائیں گے۔۔ شہرام نے اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے کہا۔۔

لیکن میں تمھارے ساتھ اس گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔۔ ویسے بھی تم نے یہ گھر میرے لیے خریدا ہے۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔ میں تمھارے ساتھ اپنی زندگی کا ایک ایک پل بتاؤں۔۔ جہاں تیسرا کوئی نہ ہو۔۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

یہ گھر تمھارا ہے میری بہارے۔۔۔۔ میری ہر چیز تمھاری ہے۔۔ مگر اس وقت تمھیں سب کی ضرورت ہے۔ میں اپنے بچے کے حوالے سے کوئی رسک نہیں لے سکتا۔۔ میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔۔

لیکن میں یہاں اکیلی کیوں ہوں گی شہرام۔۔۔ تمھارے ساتھ ہاسپٹل جاؤں گی۔ تمھارے ساتھ ہاسپٹل سے واپس آؤں گی۔۔ تم تو ہر وقت میرے ساتھ ہو گے۔۔ بہارے عجلت بھرے انداز میں اس کی بات کاٹ چکی تھی۔۔

مجھے کل ہی آؤٹ آف کنٹری جانا ہے۔۔۔ایک پروجیکٹ کے سسلسلے میں۔۔۔شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

آؤٹ آف کنٹری۔۔تم کل جارہے ہو۔تم نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔۔بہارے کی آواز اسی لمحے بھیگی تھی.

بہارے۔۔۔۔آج تمھیں بتانا ہی تھا۔۔اور میں یہ کانٹریکٹ ایک مہینہ پہلے سائن کر چکا ہوں۔۔

ٹھیک ہے میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گی۔۔بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

بہارے تمھاری کنڈیسن ایسی نہیں ہے کہ میں تمھیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں۔کافی لمبا سفر ہے.۔شہرام نے اس کی بات پر لب بھینچتے کہا

کیا ہوا ہے میری کنڈیشن کو۔۔ میں پریگننٹ ہوں شہرام۔۔ بیمار نہیں۔۔۔ اور یہ کس نے کہا تم سے۔۔ پریگننٹ عورت سفر نہیں کر سکتی۔۔ میں کچھ نہیں جانتی۔۔ میں تمھارے ساتھ جاؤں گی۔ بہارے اٹل انداز میں بولی۔۔

شہرام نے اب لب بھینچتے اس کی ضد پر اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔

بہارے میں اپنے بچے کے معاملے مین کوئی بھی رسک نہیں لے سکتا۔۔ گارنٹی دیتی ہو اتنا لمبا سفر کرنے کے بعد میرے بچے کو کچھ نہیں ہو گا۔۔ شہرام نے لب بھینچے کہا۔

ٹھیک ہے پھر تم بھی کہیں نہیں جاؤ گے۔ منع کر دو اس پروجیکٹ کو میں تمھیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔۔ اگر تم جاؤ گے تو مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے۔۔

بہارے میں اس کانٹریکٹ کے لیے سائن کر چکا ہون۔ ایڈوانس پیمنٹ لے چکا ہون۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔ شہرام کا لہجہ سخت ہوا تھا۔۔

جسے محسوس کرتے بہارے کی آنکھیں بھیگ اٹھی تھیں۔۔ وہ اسے اس حال میں چھوڑ کر جا رہا تھا۔۔ آج ہی تو وہ اس کے پاس آیا تھا پھر اس سے دور جا رہا تھا۔ اس کا شہرام ایسا تو نہیں تھا۔۔ اور وہ اسے کسی بھی حال میں اکیلے نہیں جانے سکتی تھی۔۔ اسے لے کر اچھی خاصی پوزیسیو ہو چکی تھی۔۔

اسے اکیلے نہیں جانے دے سکتی تھی۔۔ آیزل سے ملاقات جرمنی میں ایسے کسی پروجیکٹ کے سلسلے میں ہوئی تھی۔۔ اس کا شوہر کتنا بااثر اور ہینڈسم تھا وہ جانتی تھی۔۔

اگر تم جاؤ گے تو مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے۔۔ ورنہ نہیں جاؤ گے۔۔ اگر تم مجھے یہاں چھوڑ کر گئے تو میں وعدہ کرتی ہوں۔۔ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں اسے دھمکی دی تھی.

بہارے میرے کیریر کا سوال ہے۔۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔۔ شہرام نے لب بھینچے اسے دیکھتے کہا۔۔

شہرام۔۔۔ تمھارے لیے کبھی میں سب سے زیادہ امپورٹنٹ تھی۔۔ یہ کیریر یہ پیسہ کچھ معنی نہیں رکھتا تھا۔۔ اب تم مجھے اس کنڈیشن میں چھوڑ کر جانے کی بات کر رہے ہو۔ تم بدل چکے ہو شہرام۔۔ تمھاری محبت تمھاری بے قراریاں بے تابیاں سب ختم ہو چکی ہین۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں کہتے اس کے اوپر سے اٹھی تھی

شہرام نے جھنجھلاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔۔ اسے کلائی سے پکڑے وہ پھر سے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے رخ پلٹے اس پر جھکا۔۔

میری بے تابیاں بے قراریاں تمھارے لیے ویسی ہی ہیں۔ بلکہ پہلے سے بڑھ گئی ہیں۔ میری بہارے۔۔۔ یہ ادائیں یہ محبت۔۔۔۔ پہلے کہاں دکھائی تھی تم نے۔۔ میری بہارے۔۔۔۔ شہرام نے بھاری آواز میں کہتے اس کے ہوش ربہ سراپے پر گہری نظر ڈو معنی انداز ڈالتے کہا۔۔

مجھے تو نظر نہیں آرہی تمھاری بے تابیاں۔۔ بے قراریاں۔۔۔ تمھارا اتنا جلدی تو دل نہیں بھرتا تھا مجھ سے۔۔

بہارے نے اس کی شرٹ پر انگلی پھیرتے کہا۔۔ شہرام کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔۔ وہ اسے ساری رات اپنی قربت میں رکھتا تھا پھر بھی اس کا دل نہیں بھرتا تھا۔ آج وہ بہت پہلے اسے اپنی پناہوں اور قربت سے آزادی

دے چکا تھا۔۔ بہارے اس کا ہر انداز محسوس کر رہی تھی۔۔ وہ اس کے لیے پاگل ہو۔۔ ویسے ہی اس کے لیے بے قراریاں دکھائے۔۔۔ اسے اپنا وہی شہرام چاہیے تھا۔۔ اس کی ذرا سی بے اعتنائی بے توجہی اسے کھلنے لگتی تھی۔۔ اس کی بات ک مطلب سمجھتے شہرام کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

میری بے تابیاں بے قراریاں سہنے کے لیے تمھاری نازک جان ابھی اس قابل نہیں ہے۔۔ میری بہارے۔۔۔ جس دن ہمارا بچہ آ گیا اس دنیا میں۔۔ اس کے بعد بلکل رحم نہیں کھاؤں گا تم پر۔۔۔۔ یہ جو شکوہ کر رہی ہو۔۔ یہ شکوہ کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔۔ وہ حال کروں گا تمھارا تم منہ چھپاتی پھرو گی مجھ سے بھی۔۔ میری وایلڈ bossy گرل۔۔۔۔ شہرام نے اس کی گردن پر جھکتے شدت سے دانت گاڑھے تھے۔۔ بہارے کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی رہی۔

اب بتاؤ۔۔۔اتنی سی شدت برداشت نہیں ہوئی میرا پاگل پن کیسے برداشت کرو گی۔۔شہرام نے

صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔پریذے کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔۔وہ پریذے اور گل کو حاکم خان کی حویلی ڈراپ کرتے سیدھا اپنی حویلی چلا آیا تھا۔۔جتنی دیر پریذے کے ساتھ رہا حور کا خیال ایک پل کے لیے اس سے جدا نہیں ہوا تھا۔۔اسے اس کی ضرورت ہے۔۔وہ سمجھتا تھا مگر پریذے کو بھی اس کی ضرورت تھی۔۔اس نے یہ دو دن مکمل طور پر پریذے کو دیے تھے۔۔اس دوران وہ فون پر امینہ خانم اور درخشاں سے حور کے متعلق پوچھتا رہا تھا۔

ارحام خانزادہ کے لب دیوانہ وار اس کے عارض سے ہوتے اس کی سائیڈ گردن پر محو سفر کر رہے تھے۔۔ حور نے مزید اپنی آنکھیں میچی تھی۔۔ ارحام کے ہاتھوں کی بے باکیاں شروع ہو چکی تھیں۔

وہ اسے نرمی سے سیدھا کرتا اس کی گردن پر جھکے اپنا پر تپش لمس بکھیرنے لگا۔۔ حور لب بھینچتے ہوئے ارحام کا دہکتا لمس برداشت کر رہی تھی۔۔ اس کے لبوں کی حدود اور تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کے لبوں کا لمس دہکتی چنگاریوں کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ ارحام کے بدن کی تپش سے بھی اس کا نازک وجود جیسے جھلس کر رہ گیا تھا۔۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اس کی گردن پر اپنا لمس بکھیر رہا تھا۔۔ حور کی سانسیں تیز ہوئیں۔۔

ارحام کا ایک ہاتھ اب اس کی کمر کے نیچے اس کی شرٹ کی زپ پر تھا۔ اپنی فراک کی زپ نیچے کی طرف کھسکتی محسوس کرتے حور نے آنکھیں کھولتے

پوری قوت سے ارحام کو خود سے دور دھکیلا تھا۔۔ ارحام مکمل مدہوشی کے عالم میں اس پر جھکا ہوا تھا۔۔ حور کے اس طرح دھکیلنے پر وہ پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا حور نے اسے یوں خود سے دور دھکیلا تھا۔۔

حور کے اس طرح دور دھکیلنے پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں مدہوشی خمار بھری سرخ آنکھوں میں حیرانگی چھائی تھی۔۔۔ حور کی سرد سپاٹ آنکھوں میں جھانکتا وہ گہرے سانس لیتا اس سے دور ہوا تھا۔۔

حور نے اٹھ کر پیٹھتے اپنی فراک کی زپ بند کی۔۔ نظریں اس دوران جھکی ہوئی تھیں۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے ارحام کو خود سے یوں دور دھکیلا تھا۔ ورنہ اس نے کسی بھی سچویشن میں اسے کبھی خود سے دور نہیں جھٹکا تھا۔ ۔ آفس میں بھی نہیں۔۔۔ جب وہ اپنے باپ کے ایمپئیر میں سی ای او بن کر بیٹھی تھی۔۔۔ وہ اسے جھٹک سکتی ہی نہیں تھی۔۔ چھ مہینوں میں پل پل

سامنے بیٹھے ستمگر کی فرمانبرادری کی تھی۔۔۔ مگر اب اسے سامنے بیٹھے ستمگر کی کٹھ پتلی نہیں بننا تھا۔۔

ارحام کی سرخ نظریں حور کا طواف کر رہی تھیں۔۔ وہ نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔ اس کے اتنے قریب آکر اس سے دور ہونا ارحام کو جیسے پاگل کر گیا تھا۔۔ وہ لمحوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔۔ سامنے بیٹھی لڑکی کا وہ دیوانہ تھا۔۔ یہ کہنا بجا تھا وہ اس کی کمزوری تھی۔۔ اس کی قربت اس کی کمزوری تھی۔۔ اسے دیکھتے ہی شورش جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتے تھے۔۔ وہ ایک مضبوط مرد تھا مگر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھتے ہی اس کے جذبے کمزور پڑنے لگتے تھے۔۔ پتہ نہیں وہ اس کی محبت دیوانگی کو سمجھ پاتی تھی کہ نہیں مگر وہ اسے لے کر ایسے ہی تھا۔۔ اسے دیکھ کر خود کے جذبات پر کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے ہوے حور کو دیکھا جو ابھی تک نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔

کیسی طبعیت ہے تمھاری؟۔۔۔ارحام خانزادہ نے گہرا سانس بھرتے اس کے قریب ہوتے اس کے عارض پر ہاتھ جماتے بے حد نرمی سے پوچھا۔۔

پریذے کیسی ہے؟؟حور نے نظریں اٹھائے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا۔۔ جو بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔۔جہاں اس کی قربت کی پیاس اور شدید تھکاوٹ واضح تھی۔۔۔وہ پھر سے نظریں جھکا گئی تھی۔

ٹھیک ہے۔۔۔اسے ڈسچارج کر دیا ہے۔۔اسے حویلی ڈراپ کرنے کے بعد سیدھا تمھارے پاس چلا آیا ہوں۔۔دو دن سے سویا نہیں ہوں۔تھکن سے برا حال ہے۔۔سوچا تھا اپنی خوبصورت بیوی کی بانہوں میں تھوڑا سکون حاصل کر لوں گا۔۔اپنی تھکاوٹ دور کر لوں گا۔۔ایسے تو مجھے نیند بھی نہیں

آئے گی۔۔ تم میرے لیے کیا ہو تم اچھی طرح جانتی ہو۔۔ ارحام کی گہری بے باک نگاہوں کی تپش میں آضافہ ہوا تھا۔۔ آواز میں بوجھل پن گھمبیر پن محسوس کرتے حور کی نظریں بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا۔۔۔

۔۔اس کی گہری نگاہں کی عرضی سمجھتے اس نے سپاٹ انداز میں اپنے بالوں کو جوڑے میں مقید کیا تھا۔۔ سامنے بیٹھے انسان ذو معنی باتوں میں چھپے ایک ایک مطلب کو وہ بخوبی سمجھتی تھی۔۔ اس کی سرخ انکھیں اور اس کے گرم ہاتھوں کی تپش نے اس پر سب کچھ باور کروادیا تھا۔ وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔ آنکھوں میں بے قراری اس کی طلب واضح تھی۔

اسے دیکھتے ہی تو اسے اپنی تھکاوٹ اتارنے کا یاد آجاتا تھا۔۔

ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے اس کے بالوں کو پھر سے کھول دیا تھا۔۔ اتنے خوبصورت بال ہیں تمھارے۔۔۔۔۔۔ میرے سامنے کھول کر رکھا کرو۔۔۔ دیوانہ ہوں میں تمھارے بالوں کا۔۔

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹ گیا تھا۔۔

حور نے اب کی بار اسے خود سے دور نہیں دھکیلا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنی پر تپش دہکتی سانسیں بکھیر رہا تھا۔۔ ارحام کی گہری ہوتی سانسیں اس کے لبوں پر بکھر رہی تھیں۔ ارحام نے اس کی پیشانی پر لب رکھتے اسے تکیے پر نرمی سے لٹائے اس پر مکمل گھٹا بن کر چھایا ۔۔

اب وہ اس پر جھکا اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔

تم انتہائی خوبصورت ہو۔۔۔ میرے دل کا سکون۔۔۔ میری کمزوری

۔۔ میری جان میری زندگی ہو تم۔۔۔۔۔ ارحام نے بے قراری سے کہتے

اس کے عارض پر لب رکھے تھے۔

حور نے ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنی نظریں جھکائی تھیں۔۔

کیسی طبعیت ہے اب تمھاری؟؟۔۔۔ ارحام نے اس کی گھنیری پلکوں پر

اپنے لبوں رکھتے پھر سے پوچھا تھا۔۔۔۔

ٹھیک ہوں۔۔۔ حور نے آہستگی سے کہا۔۔

کھانا کھایا تھا۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوری پر اب لب رکھتے پوچھا۔۔

کھایا تھا۔ حور نے اس بار بھی آہستگی سے مگر سپاٹ لہجے میں کہا۔۔ ارحام کے ایک ہاتھ کی بے باکی محسوس کرتے حور نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا۔۔

مت کیا کرو جان۔۔۔۔ تم ان لبوں کو ایسے چھوتی ہو تو حسد ہونے لگتا ہے مجھے۔۔۔۔ یہ لب یہ سب کچھ میرا ہے۔ انھیں میں ہی ایسے چھو سکتا ہوں۔۔ ارحام نے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی پیشانی پر اپنے سلگتے لب رکھے۔۔ وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے اس کے لبوں پر جھکنے ہی لگا تھا کہ کمرے دروازہ کسی نے زور زور سے کھٹکھٹایا تھا۔۔

ارحام لب بھینچے حور سے دور ہوا۔۔ آج سب میری جان نکال کر رہیں گے۔۔۔ تمھارے اتنے قریب آکر تم سے دور جانا کتنا مشکل ہے۔۔ یہ سب کو کیسے بتاؤں۔۔ ارحام حور کے گلابی چہرے کو دیکھتے ذو معنی انداز میں کہتا

اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔ مگر اٹھنے سے پہلے اس نے حور کی پیشانی پر ایک بار پھر سے اپنے سلگتے لب رکھے تھے۔۔

دوپٹہ لو۔۔۔ ارحام اسے کہتا دروازے کی طرف بڑھا۔ حور نے اٹھتے ہوے دوپٹہ اپنے شانوں پر اچھی طرح پھیلاتے سر پر لیا تھا۔۔

ارحام اپنے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے دروازے کی طرف بڑھا۔۔

درخشاں کو دیکھتے ارحام خانزادہ کا پارہ مزید ہائی ہوا۔ تھا۔

وہ۔۔ لالا۔۔۔ ہم کبھی نہ آتا مگر باہر سلطان شاہ آیا ہے۔۔۔ اپنا بہت سارا گارڈز اور گاڑیوں کے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔

درخشاں کی بات سنتے ارحام خانزادہ کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔۔

حور ایک ہی جست سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔ ارحام نے پلٹتے ہوے حور کو ایک نظر دیکھا تھا۔۔ جو اسے گہرے سانس لیتے نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

سلطان شاہ مردانے میں اضطرابی انداز میں بیٹھا تھا۔۔ سامنے ہی اربد خان درید خان اور سمیع اللہ خان بیٹھے تھے۔۔ سلطان شاہ بلیک تھری پیس سوٹ میں اضطرابی کیفیت میں صوفے پر پہلو بدل رہا تھا۔

دو دن سے وہ ہاسپٹل میں تھے۔ انھیں ہارٹ اٹیک آیا تھا۔۔

انڈر ابزرویشن میں تھے۔۔۔ان کی حالت ایسی نہیں تھی وہ سفر کر سکتے۔۔۔ مگر آج وہ اپنی بیٹی کو لینے آ گیئے تھے۔۔اگر وہ آج بھی نہ آتے تو انھیں دوبارہ سے ہارٹ اٹیک آ جاتا۔۔یہ دو دن وہ جیسے نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے۔۔ان کے سامنے ان کی بیٹی کو جس طرح ارحام خانزادہ کلائی سے پکڑ کر لے کر گیا۔۔وہ ان کے سینے میں آگ لگائے ہوے تھا۔۔

ان کی جان سے بھی پیاری بیٹی کو کوئی ایسے چھو سکتا ہے۔۔اس سے ایسے بات کر سکتا ہے۔۔وہ پاگل ہو رہے تھے جیسے۔۔۔دو دن سے آنکھوں کی نمی خشک نہیں ہوئی تھی۔

وہ اظطرابی کیفیت میں بیٹھے تھے کہ ارحام خانزادہ مردانے میں داخل ہوا تھا۔۔

سلطان شاہ اسے دیکھتے ہی غصے سے صوفے سے اٹھے۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے اپنی سرخ آنکھیں سلطان شاہ کی آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

ہمت کیسے ہوئی آپ کی؟میری حویلی میں داخل ہونے کی؟؟ارحام خانزادہ نے غراتے ہوے پوچھا۔۔

سمیع اللہ اور درید خان اربد خان صوفوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔۔ان کے چہرے بھی اشتعال سے سرخ تھے۔۔ آج پھر سلطان شاہ کا گارڈز کے ہمراہ آنا طیش و اشتعال میں مبتلا کر چکا تھا۔۔ مگر ارحام کی وجہ سے خاموش تھے۔۔

اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔تم جیسے انسان کے ساتھ میں اسے ایک پل نہیں رہنے دوں گا۔۔تم حویلی میں داخل ہونے کی بات کر رہے ہو۔۔اگر تم پاتال کی گہرائیوں میں بھی چھپے ہوتے۔۔۔میں تمھیں وہاں سے بھی ڈھونڈ

نکالتا۔۔ مگر اپنی بیٹی کو اب تم جیسے انسان کے ساتھ ایک پل نہیں رہنے دے سکتا۔۔ تم میری پاور سے واقف نہیں ہو۔۔ اتنی بڑی تمھاری حویلی نہیں ہے۔۔ جتنے زیادہ میرے گارڈز تمھاری حویلی میں موجود ہیں۔۔ سلطان شاہ بھی جواباً غرائے تھے۔

سلطان شاہ اس حویلی تو کیا پورے سوات میں بھی تمھارے خریدے ہوے گارڈز بھر جائیں۔۔ پھر بھی ارحام خانزادہ کی عزت کو تم اس کی موجودگی میں یہاں سے لے کر نہیں جاسکتے۔۔۔ اگر یقین نہیں آتا تو آزما کر دیکھ لو۔۔ میری بیوی تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔۔ کسی بھی قیمت پر نہیں جائے گی۔۔ ارحام سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا پھنکارا تھا۔۔

اور اپنی پاور کی دھمکیاں کسی اور کو دینا۔ جن گارڈز کی پاور کی مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔۔ وہ گارڈز بھی مجھے لگتا ہے تمھارے وفادار نہیں ہیں۔۔ ورنہ

سلطان شاہ کے اتنے بڑے بنگلے جہاں سکیورٹی کی بھرمار ہے۔۔ وہاں سے اس کی بیٹی کیسے راتوں رات بھاگ سکتی تھی؟؟۔ ارحام نے خانزادہ طیش اشتعال سے سوال داغے تھے۔

کیا کہنا چاہتے ہو تم؟؟ سلطان شاہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائے۔۔

یہی کہ جو سلطان شاہ اپنی بیٹی کی ہر مومنٹ پر نظر رکھتا تھا۔ اس سلطان شاہ نے یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ وہ جس رات حور نے شاہ میشن چھوڑا۔۔ شاہ میشن کے تمام سکیورٹی کیمرا ز کہاں تھے؟۔ وہ کیمرے آپ نے ابھی تک کیوں چیک نہیں کیے۔۔ ارحام خانزادہ نے غصے سے مزید سوال داغے۔۔۔ سلطان شاہ کی لاپرواہی کی وجہ سے حور کو اتنا کچھ سہنا پڑا۔۔ ارحام کا غصہ سلطان شاہ پر ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔۔ مزید بھڑکتا جا رہا تھا۔۔

کیونکہ اس رات شاہ مینشن میں چھوٹا سا شارٹ سرکٹ ہوا تھا۔۔ جس کے باعث کچھ دیر کے لیے شاہ میشن کا پاور گرڈ سیکشن بند ہو گیا تھا۔۔ اس لیے کیمرا ز آف ہو گئے تھے۔۔ جس دوران حور نے شاہ مینشن چھوڑا۔۔۔

اور میں اس وقت امریکہ میں نظر بند تھا۔۔ پاکستان سے میرا رابطہ منقطع تھا۔ جس نمبر سے میں بات کرتا تھا۔۔ وہ بھی ٹریس کیا جاتا تھا۔ میری ہر کال ریکارڈ کی جا رہی تھی۔۔ مجھے صرف ایک ہی نمبر پر بات کرنے کی آجازت تھی۔۔ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی فیسلٹی نہیں تھی۔ ورنہ سلطان شاہ کے چپے چپے پر میری نظر ہوتی۔۔۔

سلطان شاہ نے جبڑے بھینچتے ارحام کے سوالوں کا جواب دیا۔۔ ارحام کے سوال انھیں آگ لگا گئے تھے۔۔

اور یہ بات آپ کی بیوی ماہ جبین کو بھی پتہ تھی؟؟

ارحام طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

کیا کہنا چاہتے ہو؟؟ کھل کر کہو۔۔ سلطان شاہ غصے سے پھنکارے۔۔

تو سنیں پھر سلطان شاہ۔۔۔۔ میں اپنی بیوی کو شاہ مینشن کبھی نہیں بھیجوں گا۔۔ جہاں میری بیوی کی عزت اور جان کو خطرہ ہو۔۔ سلطان شاہ کی اتنی پاور ہونے کے باوجود اس کی بیٹی کو نقصان پہنچانے والے اس کی بیوی ہی ہو۔۔ اور سلطان شاہ صرف دھمکانا جانتا ہو۔۔۔ اپنے سو کالڈ گارڈز کے بدولت اپنی صرف اپنی پاور اور حیثیت شو کرنا جانتا ہو۔۔۔ جسے آج تک یہ ہی نہ پتہ چل سکا ہو کہ ماہ جبین عورت ہونے کے نام پر ایک دھبہ ہے۔۔ جس نے آج سے چھ ماہ پہلے میری بیوی میری حور کی عزت۔۔۔۔۔۔۔ ارحام خانزاہ کہتے کہتے رکا تھا۔۔ اس نے اپنے جبڑے

بری طرح بھینچتے مردانے میں کھڑے سلطان شاہ کے گارڈز اور سمیع اللہ خان درید خان اور اربد خان کو دیکھا تھا۔۔

اپنے گھر والوں کے سامنے وہ اس بھیانک رات کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔اس کی حور کے ساتھ جو کچھ ہوا۔۔وہ نہیں چاہتا تھا کسی کو غلطی سے بھی پتہ چلے۔۔

سلطان شاہ سرخ چہرے کے ساتھ ارحام خانزادہ کو دیکھ رہے تھے۔۔وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑے تھے۔۔

یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔میری بیٹی کو وہ عورت نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔۔ان کی مضبوط بھاری آواز لڑکھڑائی تھی۔آج سے چھ ماہ پہلے انہوں نے قران پر یقین کیا تھا۔۔جو ماہ جبین نے اٹھایا تھا۔۔خدا کی کتاب پر اتنا یقین تھا کہ انھیں لگا کوئی بھی مسلمان جتنا بھی گناہ گار ہو قران پر جھوٹی قسم

نہیں کھا سکتا۔۔ مگر آج ان کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔۔۔ ارحام کے لہجے کی مضبوطی انھیں بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔۔۔ وہ وہ سب کچھ جان گیا تھا جو وہ آج تک نہیں جان سکے تھے۔

سلطان شاہ وہ عورت حور کو بہت نقصان پہنچا چکی ہے۔۔ لیکن اس سے کئی زیادہ وہ آپ کو نقصان پہنچا چکی ہے۔۔ ایک بار مہر ماہ کی حقیقت بھی اس سے پوچھ لینا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔۔۔ اگر مہر ماہ حور کی ماں تھی تو وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔۔۔ اگر حور کو شاہ میشن میں نقصان پہنچایا جا سکتا ہے تو مہر ماہ کو بھی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔۔ ارحام کی باتوں پر سلطان شاہ دل پر ہاتھ رکھے صوفے پر جا گرے تھے۔۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔ مہر ماہ کا خون میں لت پت وجود نظروں کے سامنے آیا تھا۔ وہ اپنا سینہ بری طرح مسل رہے تھے۔۔

ارحام نے استھزائیہ نگاہوں سے سلطان شاہ کو دیکھا۔ان کے نزدیک وہ رحم کے قابل نہ تھے۔۔جن کی وجہ سے اس کی حور کو اتنی تکلیف سے گزرنا پڑا تھا۔

سمیع اللہ خان درید خان اور اربد خان لب بھینچے یہ سب دیکھتے سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے.

سلطان شاہ کے پرسنل گارڈز سلطان شاہ کی طرف بڑھے۔۔سلطان شاہ انھیں ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے سے روک چکے تھے.

تم لوگ جاؤ یہاں سے۔۔سلطان شاہ لڑکھڑاتی آواز میں بمشکل بولے۔۔۔

پاپا۔۔۔۔۔کی بھیگی آواز مردانے میں گونجی تھی.

درید اربد اور سمیع اللہ خان نے غصے سے ارحام کو گھورا تھا۔۔

حور تابی سے سلطان شاہ کو پکارتی سلطان شاہ کی طرف بڑھی تھی۔جو اپنا دل مسلتے صوفے پر بیٹھے تھے۔حور کے مردانے میں داخل ہونے پر ارحام نے لب بھینچتے اپنی مٹھیاں دبوچی تھیں۔

مردانے میں موجود سلطان شاہ کے گارڈز ارحام کے اشارے پر وہاں سے نکل گئے تھے۔۔ارحام خانزادہ کی بارعب پرسنیلٹی سے وہاں کھڑے گارڈز ویسے ہی خائف تھے۔۔دوسراوہ حویلی کے رسم ورواج سے واقف تھے ۔۔۔مردانے میں عورت کی اینٹری منع ہے۔۔حور کو وہ جانتے تھے اس لیے خاموشی سے نکل گئے تھے۔۔

پاپا کیا ہوا ہے آپ کو؟؟حور سلطان شاہ کے پاس بیٹھی ان کا سینہ مسلتے ہوے چیخی تھی۔۔۔۔

سلطان شاہ صوفے پر بیٹھے نظریں جھکائے اپنے دل پر ہاتھ رکھے بیٹھے گہرے سانس لے رہے تھے۔۔ حور کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا نظروں کے سامنے مہر ماہ کا ساکت وجود ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔

کیا کہا ہے آپ نے میرے پاپا کو؟؟ حور صوفے سے اٹھتی ارحام کے مقابل آتے غرائی تھی۔

ارحام نے قہربار نگاہوں سے حور کو گھورا جو دوپٹہ اچھی طرح اوڑھے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ وہ مردانے میں اس کی آجازت کے بغیر چلی ائی تھی۔۔ وہ اندر سے سلگ کر رہ گیا تھا۔۔

اندر جاؤ حور۔۔۔۔۔ ارحام نے ظبط سے اسے حکم دیا تھا۔

میں اندر نہیں جاؤں گی۔۔ میرے پاپا کو کیا کہا ہے آپ نے جو ان کی یہ حالت ہوئی۔۔۔ حور تڑپتے ہوئے چیخی تھی.

حور۔۔۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔۔۔ تم چلو میرے ساتھ۔۔۔ سلطان شاہ نے صوفے سے کھڑے ہوتے بمشکل کہا۔۔ وہ ابھی تک سینے میں ہاتھ رکھے کھڑے تھے. پتہ نہیں ہارٹ اٹیک تھا. یا دل کا درد۔۔۔ وہ نہیں جانتے تھے مگر درد تھا بہت شدید۔۔ن

سلطان شاہ میری بیوی تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔ میں کسی صورت اسے نہیں جانے دوں گا۔۔ ارحام کی بھاری اٹل آواز مردانے کی در و دیواروں سے ٹکرائی تھی

میں جاؤں گی ارحام۔۔۔ میں اپنے پاپا کے ساتھ جاؤں گی۔ ہر صورت جاؤں گی۔۔ اور میں دیکھنا چاہوں گی۔۔ آپ میرے سر پر بندوق رکھ کر

مجھے یہاں روکتے ہیں۔۔یا پھر مجھے تھپڑ مار کر روکتے ہیں۔۔حور نے ارحام کی آنکھوں دیکھتے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔

ارحام نے حور کی بات پر اسے سرد سرخ آنکھوں کے دیکھا۔۔وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے.۔

چلیں پاپا۔۔۔مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔۔حور نے ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے بھرائی آواز میں کہا۔۔

ارحام نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔۔اس کی آنکھوں میں نمی دیکھتے ارحام نے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔

سلطان شاہ نے آگے بڑھتے حور کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیا تھا۔۔

حور سلطان شاہ کے بازو کے حلقے میں آگے بڑھی۔۔

منہ ڈھک لو حور۔۔۔۔ ارحام کے سرد لہجے پر حور کے قدم رکے تھے۔۔ اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

سلطان شاہ کے آشارے پر حور نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ اچھی طرح ڈھکا۔

ارحام چلتا ہوا سلطان شاہ کے مقابل آیا تھا۔۔

ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ حور کو ایک آنچ بھی پہنچی میں شاہ مینشن کی دیواریں ہلا دوں گا۔۔ اور میں ارحام خانزادہ ہوں۔۔ سلطان شاہ نہیں جو آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے۔۔ حور یہاں سے جا تو رہی ہے مگر ارحام خانزادہ اس کا سایہ بن کر رہے گا۔۔ اپنی عزت اپنے رشتوں کے معاملے میں مجھے صرف دیوانگی دکھانا نہیں آتی۔۔ ان کی حفاظت بھی کرنی آتی ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے سرد انداز میں ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

سلطان شاہ کچھ پل ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔۔ پھر وہ حور کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے وہاں سے نکل گیے تھے۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطان شاہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنے کوٹ سے موبائل نکالتے ہوے کال ملائی تھی۔۔

ابھی اور اسی وقت ماہ جبین کو شاہ مینشن لے کر آؤ۔۔ اپنے ساتھ فی میل سکیورٹی رکھ لینا۔۔۔ اور اگر وہ ذرا سا بھی آنے میں تردد کرے ایک سے دوسری بات کرے۔۔ اور اس کا حلیہ بگاڑ دیا جائے۔۔ مجھے بہت خوشی ہو گی اگر وہ مجھے زخمی حالت میں شاہ مینشن میں ملے گی۔۔ سلطان شاہ سرد انداز میں بولتے فون بند کر چکے تھے۔

حور نے تحیر زدہ نگاہوں سے سلطان شاہ کو دیکھا تھا۔۔ جن کے چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔۔۔ آنکھوں کا رنگ سرخی مائل تھا۔۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں کو اتنا سرخ دیکھا تھا۔۔

پاپا۔۔۔۔ حور نے سلطان شاہ کو پکارا جو اپنے ہاتھ کا مکہ بنائے اپنے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا مار رہے تھے۔۔

سلطان شاہ نے حور کے پکارنے پر بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا سلطان شاہ نے اس کی پکار پر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔۔ ورنہ وہ تو اس کی پکارنے سے پہلے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیتے تھے۔۔

گاڑی تیز چلاؤ۔۔۔۔۔ مجھے شاہ مینشن جلد از جلد پہنچنا ہے۔۔ سلطان شاہ دھاڑے تھے۔ سلطان شاہ کی دھاڑ پر حور نے دھڑکتے دل سے سلطان شاہ کو دیکھا جن کا چہرہ سرد سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔۔

ماہ جبین اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ اس کے کمرے میں دو تین فی میل سکیورٹی گارڈ داخل ہوئیں۔۔

ایک فی میل سکیورٹی گارڈ نے اگے بڑھتے اس پر پانی کا جگ انڈیلا تو ماہ جبین ہڑبڑاتی ہوئی اٹھی تھی۔

اپنے سامنے دو تگڑی سی سیاہ فام خواتین کو دیکھ کر ماہ جبین حیران ہوئی تھی۔۔

یہ سلطان شاہ کی فی میل سکیورٹی گارڈز تھیں۔۔وہ جانتی تھیں۔۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟؟۔۔اور ہمت کیسے ہوئی اس طرح میرے کمرے میں داخل ہونے کی؟؟۔۔اور یہ سب کرنے کی۔۔ماہ جبین غصے سے چیخی تھی۔۔

ایک فی میل سکیورٹی گارڈ نے اگے بڑھتے ماہ جبین کے منہ پر زوردار تھپڑ جڑ دیا تھا۔۔اس کا ہاتھ مردانہ ہاتھ سے بھی خطرناک تھا۔۔ماہ جبین کا اسی پل سر گھوما تھا۔۔

دوسری فی میل گارڈ نے ماہ جبین کو بالوں سے پکڑ کر اسے بیڈ سے اتار کر زمین پر دھکا دیا۔ماہ جبین منہ کے بل جا گری تھی۔

ماہ جبین نے پلٹتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔۔ایک فی میل گارڈ نے آگے بڑھتے ماہ جبین کی لیپ پر اپنا بھاری بوٹ والا پاؤں رکھ کر اس کے بالوں کو گدی سے پکڑ کر اس کی طرف جھکتے ہوے غرائی.

تمھیں سلطان شاہ نے شاہ مینشن میں یاد کیا ہے۔۔اور تمھاری اچھی خاصی تواضع کر کے وہاں لانے کو کہا ہے۔۔

کک کیوں؟؟ماہ جبین خوفزدہ ہوتے چلائی تھی۔

یہ تم سلطان شاہ سے پوچھنا ہم تو ان کے حکم کے غلام ہیں۔۔ تمھیں جان سے مارنے کو کہتے ہم تمھیں مار ڈالتے مگر اس وقت صرف تمھیں زخمی کرنے کو کہا۔۔وہ ماہ جبین کو آنکھ مارتے شاطرانہ ہنسی تھی۔

ویسے اتنے زخم کافی ہیں۔۔۔یا کچھ اور دیے جائیں۔۔۔اس نے ماہ جبین کا چہرہ دبوچتے اپنی ساتھی سے پوچھا۔۔

تھوڑے سے اور ہونے چاہیے۔۔۔کیا پتہ سلطان شاہ اس کے زخموں پر ہمیں کوئی انعام دے دیں۔۔اس کی ساتھی مکاری سے مسکرائی تھی۔۔

ٹھیک کہا تم نے۔اس نے کہتے ساتھ ہی ماہ جبین کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ماہ جبین زمین پر لیٹی بری چیخیں مار رہی تھی۔۔

حور سلطان شاہ کے ہمراہ شاہ میشن داخل ہوئی تھی۔۔ہمیشہ کی طرح سلطان شاہ نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا ہوا تھا۔۔انہوں نے گاڑی سے اترتے اور شاہ مینشن میں داخل ہوتے اس کی ہتھیلیاں اور اس کی پیشانی ہمیشہ کے طرح چومی تھیں۔۔

پاپا کیا ہوا ہے آپ کو؟؟حور نے سلطان شاہ کی سرد برفیلی خون اتری آنکھوں کو دیکھتے پوچھا۔۔

سلطان شاہ بنا کوئی جواب دیے اسے اپنے بازو کے حلقے سے آزاد کرتے تیزی سے آگے بڑھے۔۔

حور نے ان کے قدموں کی سیدھ میں ماہ جبین بیگم کو زمین پر بیٹھے دیکھا تھا جو اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ جمائے بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ الجھے بکھرے بال وہ سفید کلر کی فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔ سامنے ہی دو فی میل گارڈز کھڑی تھیں۔۔ جنھیں ماہ جبین دیکھتے ہوے کانپ رہی تھی۔ سلطان شاہ کے اشارے پر وہ فی میل گارڈز وہاں سے چلی گئی تھیں۔۔

ماہ جبین سلطان شاہ کو دیکھتے ہی زمین سے اٹھتے ان کے مقابل آئی۔۔

سلطان یہ میرے ساتھ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟؟ بیوی ہوں میں تمھاری۔۔۔ماہ جبین کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ سلطان شاہ کا بھاری ہاتھ اس کا سرخ سوجا گال مزید سجا چکا تھا۔۔

ماہ جبین زمین پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔ اسے اب پتہ چلا تھا مرد عورت کے ہاتھ میں کیا فرق ہوتا ہے۔۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ ماہ جبین کتنی دیر زمین کا حصہ بنی رہی تھی۔۔

حور نے لڑکھڑاتے قدموں سے دیوار کا سہارا لیا تھا۔۔ تو آج تمام حقیقتوں کے اشکار ہونے کا وقت تھا۔۔ جس میں اس کا باپ اس کی ماں کا قاتل تھا۔۔ حور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سلطان شاہ کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے ماہ جبین کو دیکھ رہے تھے۔۔ حور نے سلطان شاہ کے مضبوط ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو بغور دیکھتے ان کے لبوں کو دیکھا جو بری طرح کپکپا رہے تھے

۔حور ان کے لبوں کی جنبش دیکھتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ان کے لب بے آواز مہر ماہ پکار رہے تھے۔۔۔۔وہ مہر ماہ پکار نہیں مار رہے تھے۔

حور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بری طرح رو دی تھی۔۔

سلطان شاہ نے آگے بڑھتے ماہ جبین کو بالوں سے پکڑتے کھڑا کرتے ہوے اپنے مقابل کیا۔۔

آج جو بھی حقیقت ہے مجھے اپنی ناپاک زبان سے خود ہی بتا دو۔۔۔ورنہ تمھاری زبان کھینچ کر میں تمھاری گردن سے لپیٹ دوں گا۔۔اور تم پھر ہمیشہ کے لیے بولنے کے قابل نہیں رہو گی۔۔سلطان شاہ ماہ جبین کے بالوں کو دپوچے غرایا تھا۔۔

کک کون سی حقیقت۔؟؟۔۔سلطان۔۔۔مم۔۔۔مجھے نہیں پتہ۔۔۔ماہ جبین نے بری طرح کپکپاتے ہوے سلطان شاہ کی سرد سرخ ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

سلطان شاہ نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پر مارا تھا۔۔ مگر وہ اس کے بالون کو ہنوز اپنی گرفت میں لیے ہوے تھے۔

ماہ جبین درد سے بلبلاتے چیخ اٹھی.

رحم کرو۔۔۔۔سلطان مجھ پر۔۔۔۔۔مم میں نے تمھاری بیٹی کو ماں بن کر پالا ہے۔۔ماہ جبین بری طرح گڑگڑائی تھی.۔۔وہ چند تھپڑوں کی مار سہتی ہی آدھ موئی ہو گئی تھی۔۔

خبردار تم نے میری بیٹی کا نام بھی اپنی زبان سے لیا۔ تمھارا گلہ دبا دوں گا۔ تمھیں کیا لگا تھا تم میری بیٹی کو نقصان پہنچاؤ گی مجھے خبر نہیں ہو گی۔۔ میں نے اس دن تم پر نہیں اپنے رب کی سچی کتاب پر یقین کیا تھا۔۔ لیکن میں بھول گیا تھا۔۔ منافقوں اور تم جیسے منکروں نے ہمیشہ اس پاک کتاب کو اپنی ڈھال بنانے کی کوشش کی ہے۔۔ مگر ہمیشہ وہ منہ کے بل گرے ہیں۔ آج تمھارا گرنے کا ٹائم ہے۔۔ تمھیں ایسی سزا دوں گا۔ تمھاری روح کانپ جائے گی۔۔۔۔ تم اپنے ناپاک عزائم میں اس مقدس کتاب کو بیچ میں لائی ۔۔۔۔۔ سلطان شاہ ماہ جبین کا گلہ دبوچتے ہوے پھنکارا۔۔۔۔۔

ماہ جبین سلطان شاہ کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ تھی۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کی تھی۔۔

سلطان شاہ نے اسے آخری لمحے چھوڑتے اس کی سانسیں اسے لوٹائی تھیں۔ انھیں ابھی اس عورت کے منہ سے ساری سچائی جاننی تھی۔ ورنہ وہ اسے ختم کرنے میں پل نہ لگاتے۔۔۔

لیکن ان کا دل آج رب سے دعا کر رہا تھا فریاد کر رہا تھا۔۔۔ آج سے سترہ سال پہلے مہر ماہ نے انھیں دھوکہ دیا ہو۔۔ مہر ماہ سچ میں بیوفا ہو۔۔۔ سترہ سال وہ مہر ماہ کی بیوفائی میں پل پل جلے تھے۔۔ ہر رات روتے ہوئے چلاتے ہوئے مہر ماہ کی تصویروں سے سوال کیا تھا۔۔ کیوں اس نے دغا کیا؟؟۔۔ کیوں بیوفائی کی؟؟۔۔ اس کے دھوکے سے آج بھی ان کے سینے میں دہکتے آلاؤ روشن ہو جاتے تھے۔۔۔ وہ جلتے تندور کی مانند سلگ دہک اٹھتے۔۔ یہ دہکتی چنگاریاں انھیں ایک پل کے لیے سکون نہیں لینے دیتی تھیں۔

بیوفائی کا زخم آج بھی تازہ تھا۔۔ بلکہ ناسور بن گیا تھا۔ جو انھیں مہرماہ کی قبر کو بھی آگ لگانے کے لیے اکساتا تھا۔۔۔ اور ہر روز چیختے ہوے فریاد کرتے کہ کاش مہرماہ تم مجھ سے بیوفائی نہ کرتی۔۔

مگر آج ان کا دل رب سے دعا کر رہا تھا مہرماہ بیوفا ہو۔۔۔ کیسے برداشت کریں گے وہ یہ سچائی جس میں ان کی مہرماہ صرف ان کی تھی۔ مہرماہ کے خون میں لت وجود کو یاد کرتے سلطان شاہ کی آنکھیں مزید سرخ ہوئی تھیں۔

ماہ جبین زمین پر گھٹنوں کے بل گری کھانستے ہوے گہرے سانس لیتے اپنا سانس بحال کر رہی تھی۔۔

بولو۔۔۔۔ سلطان شاہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا بوٹ والا پاؤں رکھتے ہوے بری طرح مسلا تھا۔۔ ماہ جبین کی دردناک چیخیں شاہ مینشن کی دیواروں کو ہلا گئی تھی۔۔ اسے اپنی انگلیاں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں

سلطان شاہ نے اپنی پینٹ کی بیلٹ اتارتے ہوئے ماہ جبین کی کمر پر پوری قوت سے ماری تھی۔۔ پینٹ بکل والا حصہ ماہ جبین کی کمر داغدار کر چکا تھا۔۔ وہ چیختے ہوئے زمین پر لیٹتے تڑپ کر رہ گئی۔۔۔ حور روتے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔ جس عورت کو ساری عمر اس نے ماں کا درجہ دیا تھا۔۔ اس کی یہ حالت دیکھنا اس کے لیے اذیت ناک تھا۔۔۔

میں بتاتی ہوں۔۔ سلطان مجھے اور مت مارنا۔ بیلٹ کی دوسری ضرب پر وہ بلبلاتی ہوئی ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔ دو ہی ضربوں سے اس کے بدن سے خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔۔۔ سمجھ گئی تھی اپنی دردناک سزا۔۔۔ نہ بولنے پر زیادہ دردناک ہو گی۔۔۔

مم میں نے حور کو کک کبھی اپنی بیٹی سمجھا ہی نہیں تھا۔۔ میرا۔۔ مقصد تو صرف تم سے شادی کرنا تھا۔۔ حور میری نظر میں کک کانٹا تھی

۔۔تت۔۔۔ تم اپنی تمام جائیداد حور کے نام کرنا چاہتے تھے۔۔ تم نے نشا کے نام کچھ بھی نہیں کرنے کا سوچا تھا۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے تب احساس ہوا۔۔ مم۔۔۔۔ میں جیسی بھی سہی دل سے حور سے نفرت کرتی تھی مگر میں نے حور کو ماں کا پیار تو دیا تھا۔۔ چاہے دل سے نہ دیا ہو۔۔ مگر کبھی اسے اکیلے میں بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔۔۔ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دی اپنی نفرت۔۔۔۔۔

تم میری بیٹی کو تکلیف پہنچا بھی نہیں سکتی تھی۔۔ میں نے اپنی بیٹی کو کبھی تمھارے پاس اکیلا چھوڑا ہی نہیں۔۔۔۔ صرف ایک بار چھوڑا تھا جس کی سزا میں نے پل پل بھگتی۔۔۔ ذلیل عورت۔۔۔۔۔ سلطان شاہ ماہ جبین کا گلہ دوچتے غیض و غضب سے دھاڑ اٹھے۔۔ حور سے نفرت کا اقرار سنتے ان کا انگ انگ سلگ اٹھا تھا۔۔

ماہ جبین کی سانسیں پھر سے گھٹی تھیں۔۔

سلطان شاہ نے خون اتری آنکھوں سے اسے گھورتے چھوڑا تھا۔جی تو کر رہا تھا ساری سچائی جانے بغیر وہ ماہ جبین کی سانسیں چھین لیں۔۔ مگر اس سفاک حقیت کو جاننا ہی تھا۔۔ جنھوں نے سترہ سال سے ان کی نیندیں چھینی ہوئی تھیں۔

آگے بولو۔۔۔۔ سلطان شاہ ماہ جبین کو گہرے سانس لیتے دیکھ کر حلق کے بل دھاڑے۔۔

مم۔۔۔۔۔ میں نے ایک پلین بنایا تھا۔۔۔۔ حور کو تمھاری زندگی سے دور کرنے کے لیے۔۔۔ ماہ جبین خوفزدہ ہوتے ایک بار پھر سے خاموش ہوئی ۔۔۔۔ آگے بتانے کی ہمت نہیں تھی۔۔ اسے یقین تھا سلطان شاہ اس کے منہ سے اگلی بات سن کر ان کی سانسیں پل میں چھین لے گا۔۔

آگے بولو۔۔۔۔ سلطان شاہ کی بیلٹ کی ضرب اس بار جبین کے منہ پر لگی تھی۔۔ماہ جبین اوندھے منہ گری چیخ اٹھی تھی۔۔۔۔ گال سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا۔۔

سلطان شاہ نے اسے بالوں سے دبوچتے اوپر کو اٹھایا تھا۔ آگے بولو۔۔۔۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔۔۔۔ سلطان شاہ کی بیٹی کے ساتھ تم نے اس رات کیا کیا تھا؟؟۔۔ تم نہیں بولو گی۔۔ تمھاری سزا دل دہلانے والی ہو گی۔۔ تم بولو گی تو تمھاری سزا دل دہلانے والی ہی ہو گی۔۔ مگر فرق یہ ہو گا۔۔ تمھارے منہ سے تمھارے کرتوت سننے کے لیے مجھے تمھاری زبان پر جلتا انگارہ رکھنا ہو گا۔۔ سلطان شاہ نے ماہ جبین کا منہ خطرناک دبوچا۔۔ماہ جبین نے خوف سے سامنے دیکھا جہاں شاہ مینش کی ملازمہ ٹرے میں جلتے انگارے پکڑے آ رہی تھی۔۔

وہ انگارے ٹیبل پر رکھتے سلطان شاہ کے اشارے پر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔۔۔۔

ماہ جبین کا خوف سے رنگ زرد پڑا تھا۔۔ وہ اپنی نفرت میں سلطان شاہ کو بہت ہلکے میں لے گئی تھی۔۔۔۔

اسے اتنا تو پتہ تھا حقیقت کھلنے پر اس کا انجام بہت دردناک ہو گا۔۔ مگر اسے لگا تھا مہر ماہ کی حقیقت جیسے آج تک چھپی رہی۔۔ حور کی حقیقت بھی کبھی سامنے نہیں آئے گی۔۔ اگر حور اس رات نازنین بائی کے ہاتھوں لگ جاتی۔۔ آج سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہوتا۔۔ ساری جائیداد کی مالک ہوتی۔۔ سلطان شاہ تو اپنی بیٹی کی جدائی میں آج نہیں تو کل مر ہی جاتا۔ اس صورت میں ساری جائیداد اس کی ہوتی۔۔۔

ماہ جبین نے نفرت امیز نگاہیں حور پر گاڑھیں۔۔

سلطان شاہ کا الٹے ہاتھ کا تھپڑ ماہ جبین کی سانسیں پھر سے روک گیا تھا۔ منہ میں خون کا ذائقہ گھلا تھا۔۔

میری بیٹی کو آنکھیں نکالو گی۔۔۔ جانتی ہو حور میرے لیے کیا معنی رکھتی ہے ؟؟۔۔ لیکن نہیں تم نہیں جانتی اگر جانتی تو کبھی میری بیٹی کو تکلیف دینے کا نہیں سوچتی۔۔

سلطان شاہ نے غیض غضب سے دھاڑتے ہوئے ٹرے سے جلتا انگارہ اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا۔۔۔۔ ماہ جبین مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے لاونج میں پڑی کرسی گھسیٹ کر ماہ جبین کے سامنے رکھی تھی۔۔۔ اور اس کرسی پر کروفر سے بیٹھے۔

جلتا انگارہ ان کی ہتھیلی پر دہک رہا تھا۔۔

یہ دیکھ کر ماہ جبین کی آنکھوں کی پتلیاں خوف سے ساکت ہوئی تھیں۔۔ سلطان شاہ کا چہرہ سرد برفیلا تھا۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔ جلتے انگارے کی کوئی تکلیف ان کے چہرے پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔۔ وہ ہتھیلی پر رکھے جلتے انگارے کو اپنی سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے.

پاپا۔۔۔۔۔ حور تڑپتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔۔۔

رک جاؤ حور۔۔۔۔۔۔۔ یہ سزا ہے میری۔۔۔ میرے گھر میں میری بیٹی کو تکلیف دی گئی اور میں بے خبر رہا۔۔ ابھی ایسے کتنے انگارے میرے مقدر بننے ہیں۔۔ سلطان شاہ کی آواز سرد سپاٹ تھی۔۔

لیکن پاپا۔۔۔ حور نے روتے ہوئے ہچکی لی تھی۔ سلطان شاہ کی ہتھیلی پر جلتا انگارہ اس کا دم نکال رہا تھا۔۔

آگے نہیں بڑھو گی تم۔۔ حور۔۔۔۔۔۔ تمھیں میری۔۔۔۔ قسم۔۔۔

آج یہاں جو کچھ ہو گا تمھیں آگے نہیں بڑھو گی۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا تھا یہاں جو کچھ ہو تم دیکھو۔۔ تم سنو۔۔۔

مگر سلطان شاہ کی بیٹی اب اتنی طاقتور ہو گی کہ اپنے مجرموں کو سفاک سزا ملتے دیکھ بھی سکے اور اپنے ہاتھوں سے دے بھی سکے۔۔۔ اب سے سلطان شاہ کی بیٹی کی ڈکشنری میں معافی لفظ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔۔ اس کی ڈکشنری میں ایک ہی لفظ ہونا چاہیے۔۔۔ سفاکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطان شاہ پتھریلے لہجے میں بولتے وہ انگارہ اپنی مٹھی میں دبوچ گئے۔۔ حور تڑپتے ہوئے سلطان شاہ کی قسم پر دوبارہ سے دیوار میں سمائے تھی۔۔۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے تڑپ تڑپ کر رو دی تھی۔۔ سلطان شاہ کی تکلیف جیسے اندر سے کاٹ گئی تھی۔۔

بولو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ کی دھاڑ پر ماہ جبین زمین پر بیٹھی خوف سے بری طرح اچھلی..

میں نے بہت سے گارڈز کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔۔کیونکہ میں ان کی موجودگی میں حور کو نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔۔۔۔اگر حور کو میں اغوا کرواتی تو تمھیں پتہ چل جاتا۔۔کیونکہ اتنی سکیورٹی میں حور کو اغوا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔۔اس لیے میں نے حور کے گارڈز بھاری معاوضہ دے کر خریدے۔۔۔۔ان کے ذریعے تمھیں حور کی جھوٹی خبریں پہنچائیں۔ حور کے پرسنل گارڈز نے حور کی تصویریں اس کے کلاس فیلو کے ساتھ اس انداز میں کھینچیں کہ تمھیں شک ہو اور تم حور سے باز پرس کرو۔۔اور حور اور تمھارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو۔اور اسی ناراضگی میں وہ بچپنے میں شاہ مینشن چھوڑ دے۔۔۔۔میں تمھیں یہ تاثر دینا چاہتی تھی۔۔۔۔اور وہی

ہوا۔۔ تمھارے ذرا سے باز پرس کرنے پر حور تم سے ناراض ہو گئی۔۔۔اور میں نے اسی چیز کا فائدہ اٹھاتے حور سے اس کا فون چھین لیا۔ تا کہ تمھیں لگے حور ناراضگی میں تم سے کانٹیکٹ نہیں کر رہی۔۔ تمھیں مجھ پر شک نہ ہو۔۔

اس رات مم میں نے۔۔۔حور کا۔۔۔۔۔۔۔ سس۔۔۔۔۔ سودا۔

۔۔۔۔۔۔مم میں نے۔۔۔۔۔۔ماہ جبین کے لفظ گلے امیں ٹکے تھے۔۔

سلطان شاہ کرسی پر بیٹھے فون میں کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔۔۔انہوں نے ٹایپ کرتے فون ٹیبل پر رکھا۔۔وہ خاموشی سے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھے اب سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگائے ہوے تھے۔اور وہ آج پہلی بار سگریٹ حور کے سامنے پی رہے تھے.۔پانچ سال کی تھی حور جب اس نے

منع کیا تھا۔۔تب سے آج تک وہ حور سے چھپ کر سگریٹ پیتے تھے۔ حور نے روتے ہوے انھیں سگریٹ پیتے دیکھا تھا۔۔

ماہ جبین خاموشی سے خوفزدہ نگاہوں سے جلتے انگارے دیکھ رہی تھی. جو ابھی تک دہک رہے تھے۔ آگے بولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی. سلطان کی خاموشی پر وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔

سلطان شاہ بلکل خاموش تھے۔۔وہ سگریٹ کے مرغولے اڑاتے غیر مرئی نقطوں کو گھور رہے تھے۔لاونج میں صرف گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ ماہ جبین کی دبی دبی دردناک سسکیاں گونج رہی تھیں۔

کچھ دیر میں سلطان شاہ کے موجودہ گارڈز ٹارچل سیل میں قید سکیورٹی گارڈز کے ہمراہ اندر داخل ہوے تھے۔۔۔ جنھیں سلطان شاہ نے سزا کے طور پر اپنے پرسنل ٹارچر سیل میں رکھا ہوا تھا۔۔وہ ایک لمبی قطار میں سر جھکائے

کھڑے تھے۔۔ان کے پیچھے بندوقوں کے ساتھ دوسرے گارڈز کھڑے تھے۔۔۔وہ خوفزدہ سے کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے۔۔۔

ماہ جبین انھیں دیکھتے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔سلطان شاہ کیا کرنا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

جنھوں نے تمھارا ساتھ دیا تھا۔۔ان گارڈز کی طرف اشارہ کرتی جاؤ۔۔سلطان شاہ نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے سرد لہجے میں حکم دیا۔۔

ماہ جبین خاموشی سے کانپتے ہوئے ان گارڈز کو دیکھ رہی تھی۔

جلدی کرو۔۔۔سلطان شاہ نے دھاڑتے ہوئے ٹیبل سے پسٹل اٹھائے چھت میں لگے فانوس کا نشانہ لیا تھا۔فانوس بری طرح تھر تھرایا تھا۔۔لائٹس میں چنگاریاں اٹھی تھیں۔۔

ماہ جبین نے خوف سے چیختے ہوے جلدی سے انگلی سے اشارہ کیا۔ سلطان شاہ اسی پل اس گارڈ کا نشانہ لیتے اس کے سینے پر فائر کر چکے تھے۔ وہ چیختے ہوے زمین پر اوندھے منہ گرتے ساکت ہو چکا تھا۔۔

حور نے منہ پر ہاتھ رکھے چیخ روکی تھی۔۔۔ ماہجبین چیختے ہوے بری طرح رودی تھی۔۔

ماہ جبین نے گھبراتے تھر تھر کانپتے ہوے دوسرے گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔ سلطان شاہ نے اسی پل اس کا بھی نشانہ لیا تھا۔۔ جو جو ماہ جبین سے ملے تھے۔۔ وہ گڑاگڑاتے ہوے گھٹنوں کے بل گرے سلطان شاہ سے معافی مانگتے ہوے چیخ و پکار کرتے رحم کی بھیک مانگنے لگے۔۔ سلطان شاہ نے اسی پل ان گارڈز کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔۔۔

وہ سب بے حس و حرکت زمین پر پڑے تھے۔۔لاونج کا سفید ماربل خون سے داغدار ہو چکا تھا۔

سلطان شاہ کے اشارے پر ان کے گارڈز اپنے سامنے پڑی بے حس و حرکت لاشوں کو گھسیٹتے ہوے لے گئے تھے۔۔باقی گارڈ جو سلطان شاہ کی حراست میں تھے۔۔۔سلطان شاہ نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا۔ انہوں نے بے یقنی سے سلطان شاہ کو دیکھا تھا۔۔وہ سلطان شاہ کی آنکھ اشارہ سمجھتے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے وہاں سے نکل دیے تھے۔حور منہ پر ہاتھ رکھے کانپتے کھڑی تھی۔اس کے باپ کا یہ روپ بھی تھا اسے معلوم نہیں تھا۔۔ماہ جبین کی تو یہ حالت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔۔۔۔۔

آگے بتاؤ۔۔۔ تم بولتی جاؤ میں سنتا جاؤں گا۔۔۔ دیکھتا ہوں تمھارے بولنے کی سکت پہلے ختم ہوتی ہے یا میرے سننے کی۔۔۔ سلطان شاہ کی سرد آواز پر ماہ جبین چیختے ہوئے رو دی تھی۔

بولو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلطان شاہ دھاڑا تھا۔۔

میں نے حور کا سودا کر دیا تھا۔۔ وہ روتے ہوئے چیخ اٹھی۔۔۔

سلطان شاہ کی مٹھیاں غیض و غضب سے بھینچی تھی۔۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔۔۔ بند مٹھیوں کی کی کڑ کڑاہٹ سنتے ماہ جبین کے لفظ پھر سے گلے میں اٹکے تھے۔۔۔ مگر بولنا تو تھا ہی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ سلطان شاہ کے چہرے کو دیکھتے خوف سے ٹوٹے لفظوں سے بولنا شروع ہوئی۔۔۔

مم۔۔۔۔میں نے اس رات حور کو مہر ماہ کی حقیت بتائی کہ اس نے تمھیں دھوکہ دیا تھا تم نے اسے مار دیا۔۔ماہ جبین کی بات پر حور نے اپنی سسکیاں اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے دبائی تھیں۔

سلطان شاہ کی انکھیں انگارہ ہوئی تھیں۔

مہر ماہ کو میں نے مارا یہ تمھیں کیسے پتہ چلا۔سلطان شاہ کو اپنی آواز کھائی سے آتے محسوس ہوئی تھی۔۔

نظروں کے سامنے مہر ماہ کا خون لمیں لت پت وجود آیا تھا۔۔لاونج میں موت سا سناٹا چھایا تھا۔۔

یہ سچ ہے۔۔۔۔وہ تمھیں اور تمھاری بیٹی کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔۔ طوائف کبھی بھی کسی ایک کی نہیں ہو سکتی۔۔ آج سے سترہ سال پہلے کے ماہ جبین کے لفظ سماعتوں میں سنائی دیے تھے۔۔

سترہ سال پہلے اپنے ہنکار اور غصے میں وہ غور نہ کر سکے تھے مہر ماہ طوایف ہے یہ حقیقت ماہ جبین کو معلوم نہیں تھی۔۔۔اور آج تک وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکے تھے۔۔ مہر ماہ نے بیوفائی کی۔۔ اس غم اس تکلیف میں انہوں نے کبھی کسی اور بات کو سوچا ہی نہیں تھا۔۔ مگر آج ہر حقیقت ہر رنگ واضح ہو رہا تھا

۔

سلطان شاہ کے سوال پر ماہ جبین کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑا تھا۔۔ سلطان شاہ کا ہاتھ جلتے انگارہ والی ٹرے پر تھا۔۔ وہ بہت سے انگارے اپنی مٹھی میں دبوچ چکے تھے۔۔

حور کی آنکھوں سے اشک رواں جاری ہوا تھا۔۔ وہ سلطان شاہ کو ایسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔۔ وہ تکلیف سے آنکھیں میچ گئی۔۔

سلطان شاہ کی نظروں کے سامنے وہی دردناک منظر آنکھوں کے آگے لہرایا ۔۔۔ جنھوں نے سترہ سال سے انھیں سونے نہیں دیا تھا۔۔

دلہن کے لباس میں وہ بھاگتے ہوئے ان کی طرف بڑھتی ان کے سینے سے لپٹی تھی۔۔

شاہ مجھے پتہ تھا تم آؤ گے۔۔ اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔۔۔۔ وہ روتے ہوے ان کے سینے میں سمائی تھی.

۔

ٹھیک کہتے ہیں۔۔ طوائف کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔۔ یہ تم نے آج ثابت کر دیا۔۔ اپنے لفظ سماعتوں میں گونجے تو انگاروں کی تپش کئی گنا بڑھتی محسوس ہوئی تھی.

۔۔

شاہ۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں اپنا خون تت۔۔۔۔ تمھیں معاف کرتی ہوں۔۔ قیامت والے دن تم۔۔۔۔ تم پر میرے خون۔۔۔ خون کک۔۔ کک۔۔ کا کوئی حساب نہیں ہو گا۔۔ کیونکہ تت تم میرے لیے آج

بھی فرشتہ بن کر آئے۔۔۔۔۔۔۔ آج مہر ماہ کے لفظوں میں وہ سچائی وہ درد محسوس ہوا تھا۔۔۔ جو لفظ سترہ سال سے ان کے لیے صرف کوکھلے لفظ تھے۔۔۔ جن کی کوئی حیثیت نہ تھی۔۔

کیا کیا تھا تم نے میری مہر ماہ کے ساتھ ؟؟ سلطان شاہ کی سرد پھنکار پر ماہ جبین گھسٹتی ہوئی زمین پر پیچھے ہوئی تھی.. آج قیامت تھی ان کے لیے۔۔۔۔۔ حساب کا وقت

تھا۔۔ جس نے اپنی محبت اپنی جان سے بھی بڑھ کر بیوی پر رحم نہیں کھایا تھا ۔۔وہ اس پر رحم کیونکر کھائے گا۔۔ماہ جبین اپنا انجام سوچتے خوف سے تھر تھرا رہی تھی۔

سلطان شاہ ایک ہی جست مین ماہ جبین تک پہنچتا اس کا منہ کھولتا اس کے حلق میں انگارہ رکھ چکا تھا۔۔

ماہ جبین کی دردناک چیخیں ایک بار سے پھر سے لاونج میں گونجی اٹھیں۔

اگر تم نے ایک ہی سانس میں سب کچھ نہ بتایا میں سارے جلتے انگارے تمھارے حلق میں اتار دوں گا۔۔ سلطان شاہ نے دھاڑتے ہوے ماہ جبین کے حلق سے وہ انگارہ نکالا تھا۔۔

ماہ جبین سے وہ حقیقت ہر حال میں سننی ہی تھی۔۔ جسے سنتے ہی ان کی روح پرواز ہونی تھی۔۔۔۔۔۔وہ سمجھ گیے تھے اتنے دردناک انکشاف کے بعد شائد ہی وہ دوسرا سانس لے سکے۔۔ جس حقیقت میں وہ اپنی مہر ماہ کے مجرم اس کے قاتل تھے۔۔

مم مجھے نہیں پتہ تھا سلطان۔۔۔۔۔۔۔ مم مجھے صرف یہ پتہ ہے۔۔ سلطان شاہ سے بیوفائی کرنے والوں کا انجام دردناک موت ہے۔۔ مہرماہ نے بیوفائی کی تھی تو سلطان شاہ اسے موت سے کم سزا تو دے گا نہیں۔۔۔ ماہ جبین چیخیں مارتے بمشکل بول رہی تھی۔۔۔

زبان سے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔۔ اس کی زبان جل گئی تھی۔۔ مگر سچ نہیں بتا سکتی تھی۔۔۔ یقیناً سلطان شاہ سچ سننے کے بعد اس کی زبان کاٹ دیتا۔۔

میری مہرماہ کو ایک بار اور بیوفا بولا تو تمھاری زبان کھینچ دوں گا

ذل۔۔ی۔۔۔ل عورت۔۔۔۔۔۔۔ تم اس قابل نہیں ہو اس کا نام بھی لو۔۔۔۔ سلطان شاہ اپنی بیلٹ اس کی گردن پر لپیٹتے حلق کے بل چیخا۔

بتاؤ میری مہر ماہ کے ساتھ کیا کیا تھا تم نے ؟؟ سلطان شاہ نے بیلٹ سے مہر ماہ کا گلہ گھونٹتے ہوے دھاڑتے پوچھا۔۔

ایک لفظ جھوٹ نہیں۔۔۔۔۔۔ایک لفظ جھوٹ نہیں۔۔۔زندہ زمین میں اتار دوں۔۔۔۔۔ تمہیں اپنے پالتو کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔۔۔۔تم جانتی ہو میں یہ کر سکتا ہوں۔۔۔۔سلطان شاہ نے اس کا گلہ خطرناک حد تک گھونٹا تھا۔۔

بتاتی ہوں۔۔۔۔مم مجھے چھوڑ دو سلطان۔۔۔۔۔۔ماہ جبین سلطان کے قدموں میں گرتے گڑگڑائی تھی۔۔ بمشکل سانس لیتے وہ گھٹی گھٹی آواز میں بول رہی تھی۔۔۔

سلطان شاہ نے اسے چھوڑتے اسے بری طرح زمین پر دھکا دیا تھا۔۔

وہ اوندھے منہ پڑی بری طرح کھانسنے لگی۔۔

جلدی بولو۔۔۔۔۔ سلطان شاہ دھاڑا۔۔

اس رات تت۔۔۔۔۔ تمھارے دبئی جانے کے بعد۔۔۔ اس رات مم میں نے مہر ماہ کے کھانے میں نیند کی گولیاں کافی مقدار میں ملا دی تھی۔۔۔ اور اسے بیہوش ہی نازنین بائی کے حوالے کر دیا تھا۔۔

مہر ماہ کو مجبور کیا۔۔۔ اسے ڈرایا دھمکایا کہ وہ تم سے فون پر بات کر کے اپنی بیوفائی قبول کرے۔۔۔۔۔ کیونکہ ہمیں پتہ تھا تم کسی کی بات پر یقین نہیں کرو گے۔۔ جب تک مہر ماخود قبول نہ کرے کہ اس نے تم سے بیوفائی کی ہے۔۔۔۔ ورنہ تم اسے ڈھونڈ کر واپس لے آؤ گے۔۔ اور پھر نازنین بائی

اور ہمیں نہیں چھوڑو گے۔۔۔اسی لیے مہر ماہ کو حور کی ویڈیو بھیجی

۔۔۔جس میں نے میں نے حور کو مارنے کی کوشش کی۔۔۔وہ اتنا ڈر گئی

تھی کہ اس نے وہی کیا جو ہم چاہتے تھے۔۔۔۔اس نے تمھیں فون کر کے

کہا کہ وہ تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور تت تم نے یقین بھی کر

لیا۔۔۔۔ماہ جبین گلے پر ہاتھ رکھتے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی

گئی تھی۔

حور دیوار کے ساتھ لگی پتھرائی کیفیت میں کھڑی تھی۔۔ماہ جبین عورت

کے نام پر گالی تھی۔۔۔عورت ایسی بھی ہوتی ہے اسے یقین نہیں آرہا تھا

۔

سلطان شاہ کے مظبوط مردانہ قدم لڑکھڑائے تھے۔۔

انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے شاہ میشن کی دیواروں اور چھت کو دیکھا تھا نن۔۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا۔ ساری دیواریں دھڑ دھڑ ان پر گر رہی ہیں۔ ۔۔ سانس سینے امیں اٹکا تھا۔۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔۔

ٹھیک کہتے ہیں۔۔ طوائف کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔۔ یہ تم نے آج ثابت کر دیا۔۔۔ سلطان شاہ نے چیختے ہوے کانوں پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ مہر ماہ کی آہیں مہر ماہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔۔۔

شاہ مجھے پتہ تھا تم آؤ گے۔۔ اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔۔۔ سلطان شاہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیخ رہے تھے۔۔۔ سلطان شاہ کی چیخوں کے ساتھ حور

بھی روتے ہوے چیخ رہی تھی۔۔۔۔وہ دیوار کے ساتھ لگی بری طرح چیخ رہی تھی۔۔ سلطان شاہ کا غم اس کا سینہ چیر رہا تھا۔۔اس کی اتنی ہمت نہیں تھی وہ سلطان شاہ کے قریب جاتی۔۔۔۔وہ روتے ہوے سلطان شاہ کو چیخیں مارتا دیکھ کر چیخ رہی تھی۔۔۔۔اگر وہ چیختی نہ اس کا دل بند ہو جاتا۔۔۔ماہ جبین نے کیا کر ڈالا تھا۔۔اس کے ماں باپ کے ساتھ۔۔۔

شاہ۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔میں اپنا خون تت۔۔۔۔تمھیں معاف کرتی ہوں۔۔قیامت والے دن تم۔۔۔۔تم پر میرے خون۔۔۔خون کک۔۔کک۔۔کا کوئی حساب نہیں ہو گا۔۔کیونکہ تت تم میرے لیے آج بھی فرشتہ بن کر آئے۔۔۔۔

مہر ماہ۔۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے درد سے چیخ رہے تھے۔۔۔

ساحر خان اسی لمحے لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔سلطان شاہ کی طبعیت کے بارے میں اسے آج ہی پتہ چلا تھا۔۔۔اندر کا منظر دیکھ کر وہ دروازے پر ہی رک گیا تھا۔۔

مہر ماہ۔۔۔۔سلطان شاہ نے لاونج میں پڑی ٹیبل اٹھاتے پوری قوت سے زمین پر ماری تھی۔۔۔۔۔میز چکنا چور ہوئی تھی۔۔

ماہ جبین نے چیختے ہوے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے تھے۔۔

ورنہ کانچ کے ٹکڑے اس کی آنکھوں میں پیوست ہو جاتے۔۔

سلطان شاہ اب گھٹوں کے بل بیٹھے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چھت کی طرف دیکھتے اونچا اونچا رو رہے تھے۔۔ اتھے۔۔۔ ان کی چیخیں سلطان شاہ کے در و دیوار ہی نہیں بلکہ وہاں کھڑے ہر انسان کا دل دہلا رہے تھے. ان کی چیخوں میں ایسا درد تھا کہ روح کانپ رہی تھی.

میری مہر ماہ۔۔۔۔۔۔ میری مہر ماہ۔۔۔۔ ایک بار واپس آ

جاؤ۔۔۔۔۔ صرف ایک بار واپس آ جاؤ۔۔۔ تمھیں تمھارے سلطان شاہ کی قسم۔۔۔ صرف ایک بار لوٹ آؤ۔۔۔ مہر ماہ تمھیں خدا کا واسطہ ہے ایک بار پلٹ کر آ جاؤ۔۔۔۔۔۔ مہر۔۔ ماہ۔۔۔۔۔۔ میں عدہ کرتا ہوں۔۔ میں تم پر یقین کروں گا۔۔ اپنی مہر ماہ پر یقین کروں گا۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔۔ میں تمھاری ہر بات مانوں گا۔۔ میں ماہ جبین کو گھر سے نکال دوں گا۔۔ تم یہی چاہتی تھی ناں میں اس عورت کو گھر سے نکال دوں۔۔ میں وعدہ کرتا

ہوں۔۔میں اس عورت کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔۔۔میں تمھیں کبھی اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔۔ مم۔۔واپس آجاؤ ہماری حور کو تمھاری ضرورت ہے۔۔ تمھارے سلطان کو تمھاری ضرورت ہے۔۔۔میں پچھلے سترہ سال سے سویا نہیں ہوں۔ تمھاری بانہوں میں سونا ہے مجھے۔۔۔۔ تمھارے پہلو میں سونا ہے مجھے۔۔۔تم جانتی ہو میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں۔۔ سلطان شاہ زمین پر بیٹھا دھاڑے مار مار کر رو رہا تھا۔۔ ساحر خانزادہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

سلطان شاہ۔۔۔۔۔اسے شاہزیب جتنے ہی عزیز تھے۔ان دکھ اس کا سینہ چیر رہا تھا۔۔ اپنی محبت سے جدائی کتنی اذیت ناک ہوتی ہے۔۔وہ وہی جانتا تھا۔۔۔

ساحر خان نے اپنی آنکھیں اپنے بازو سے رگڑیں۔۔ مگر اس نے ایک بار بھی روتی بلکتی حور کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔۔ اس نے قسم کھائی تھی وہ اب تا عمر حور کی طرف نہیں دیکھے گا۔۔ ساحر خان کو یقین تھا وہ ایک بار حور شاہ کو دیکھے گا۔۔ وہ جان سے جائے گا۔۔

سلطان شاہ گہرے سانس لیتے زمین سے اٹھے۔

کیوں کیا تم نے ایسا؟؟ تمھیں اور تمھاری بیٹی کو پناہ دی۔۔ کیوں کیا؟؟۔۔ تمھیں دولت جائیداد چاہیے تھی۔ ایک بار مانگ لیتی۔۔ میں اپنی مہر ماہ کا صدقہ سمجھ کر تمھیں دے دیتا۔۔۔ میرے سینے میں خنجر اتار دیتی۔۔۔ مگر میری مہر ماہ کی عزت کا سودا نہ کرتی۔۔۔۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟؟۔۔۔ کیوں؟؟ کس بات کی سزا دی تم نے مجھے۔۔ سلطان شاہ نے کرب سے بہتی آنکھوں سے سوال داغا تھا۔۔

ماہ جبین سلطان شاہ کی طرف دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

سلطان شاہ میرے منگیتر تھے تم۔۔۔ بچپن سے میری مگنی تھی تم سے۔۔۔ تم نے خالہ کے مرنے کے بعد میری شادی کر دی۔۔ مجھ سے پوچھنا گوارا نہیں کیا۔۔ اتنی بڑی جائیداد میں تم نے چند کڑوڑ کی زمین میرے نام کی تھی۔ اور تم نے تو مجھے بوجھ کی طرح اتار پھینکا تھا۔۔ جس انسان سے شادی کروائی وہ عیاش نکلا۔۔۔ میں نے تم سے اور مہر ماہ سے ہر پل نفرت کی تھی۔ اپنی طلاق کے بعد مجھے تمھیں مہر ماہ سے چھینا ہی تھا۔۔ تمھاری خوبصورت بیوی سمجھ چکی تھی۔۔ عورت تھی سمجھ چکی تھی میرے آرادے۔۔۔ اس لیے میرے یہاں رہنے پر اعتراض کرتی رہی۔۔ روتی رہی لڑتی رہی تم سے۔۔۔۔۔

تم نے اس کی ہر بات کو اس کی انسکیورٹی۔ سمجھا۔ اور مجھ سے ہمدردی کھائی۔۔ میں نے نہیں سلطان شاہ تم نے خود کو برباد کیا۔

یقین تم نے مہر ماہ پر نہیں کیا تھا۔۔ اتنی جنونی محبت کا دعوی کرتے تھے۔ ۔ تھوڑا اعتبار بھی کر لیتے مہر ماہ پر۔۔۔ ماہ جبین زہر خند لہجے میں بولی۔۔ اپنی دردناک موت کا انجام اسے نظر آ گیا تھا۔۔ جانتی تھی رونے گڑگڑانے سے کچھ نہیں ہو گا۔۔ الٹا سلطان شاہ اسے اتنی ہی دردناک موت دے گا۔۔

اس کی کسی بات پر وہ جنونی ہوتا غصے سے پاگل ہوتا اپنی پسٹل سے موت کے گھاٹ تو اتار دے گا۔۔ وہ اب صرف تھوڑی آسان موت مرنا چاہتی تھی ۔۔۔ اور دل میں شدید نفرت بھی زبان پر آ گئی تھی۔۔ اسے بلکل پچھتاوہ نہیں تھا۔۔ وہ آج بھی حور اور مہر ماہ سے نفرت کرتی تھی.

میری حور کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟؟ مہر ماہ سے تم نفرت کرتی تھی۔۔۔ مگر تمھیں سب کچھ مل تو گیا تھا۔۔ حور نے تمھیں ماں بلایا۔۔۔۔۔۔ماں سمجھا۔۔ پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟؟۔۔۔اس کی عزت کا سودا کر دیا ۔ چلو مان لیتا ہوں۔۔ تم نفرت کرتی تھی۔۔ مگر ایک عورت ہو تم۔۔۔ عورت کو پتہ ہوتا ہے۔ایک عورت کے لیے عزت کیا معنی رکھتی ہے۔

میری مہر ماہ کو اس رات تم کھانے میں زہر دے دیتی۔۔۔اس کی عزت کا سودا نہ کرتی۔۔ اسے اس دردناک جگہ پر نہ پہنچاتی۔۔ کتنی تکلیف ہوئی ہو گی۔۔ آنکھ کھلنے پر میری مہر ماہ کو کتنی خوفزدہ ہوئی ہو گی۔۔ مجھے پکارا ہو گا۔۔۔ سلطان شاہ رو رہے تھے۔۔

ساحر اور حور بھی بری طرح رو رہے تھے۔۔۔

سلطان شاہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔۔

۔

میری بیٹی کی عزت کا سودا کیا۔۔ میرے گھر میں رہ کر۔۔۔۔ یہ کیسا روپ ہے عورت کا؟؟۔ آج پتہ چلا۔۔ طوائف صرف کوٹھے پر رہنے والی عورت ہی نہیں ہوتی۔۔ طوائف تم جیسی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔۔۔ جو عزت دار گھروں میں رہتی ہیں۔۔ عزت دار مردوں کا نام استعمال کرتی ہیں۔۔ تم طوائف سے بھی بدتر عورت ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کبھی چیک کرنا۔۔۔ تم عورت ہو بھی نہیں۔۔۔۔۔ سلطان شاہ روتے ہوئے چیخے تھے۔۔

ماہ جبین کی زہریلی ہنسی گونجی تھی۔۔

عورت ہوں یا نہیں تم نے کبھی چیک ہی نہیں کیا۔۔ میرے قریب آتے تو تمھیں پتہ چلتا میں عورت ہوں کہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ماہ جبین زہریلی ہنسی ہنستے ہوے نفرت سے چیخی تھی۔۔۔

اگر مہر ماہ کی سسکیاں نہ سنی ہوتی تو میں تمھیں نامرد سمجھتی۔۔۔ مگر تمھارے کمرے کے باہر کھڑے رہ کر رات رات بھر مہر ماہ کی سسکیاں آوازیں سنی ہیں.۔۔جو آگ لگا دیتی تھیں مجھے۔۔۔

رات رات بھر جگاتے تھے تم اسے۔۔۔اس کے بدن پر تمھاری جنونیت کے نشان بھی بہت بار دیکھ چکی تھی.۔۔۔ جس دن اس کے کھانے میں نیند کی گولیاں ملائی تھیں۔۔

اس دن بھی میں نے تمھاری بیوی کے خوبصورت بدن پر تمھاری جنونیت کے نشان دیکھے تھے. ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں تم نے اسے نشان نہ دیے ہو۔۔۔بہت پاگل تھے تم سلطان شاہ اس کے لیے۔۔۔

میری مہرماہ کو چھوا تم نے۔۔۔میری مہرماہ کو دیکھا تم نے ذل۔۔۔یل فاح۔۔۔شہ عورت سلطان شاہ ایک ہی جست میں اس تک بڑھتے اس کا گلہ دبوچ گیا۔۔۔۔۔حور منہ پر ہاتھ رکھے سسک پڑی تھی. ماہ جبین سچ میں عورت نہیں تھی۔۔غلاظت تھی۔۔۔گندگی کا ڈھیر تھی۔۔

میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔۔سلطان شاہ حلق کے بل چیخا۔۔

مار دو مجھے سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مار دو مجھے سلطان شاہ۔۔مگر پہلے اس انسان کا نام جان لو.. جس نے اصل میں خنجر گھونپا ہے۔۔تم سچ میں نامرد ہو سلطان شاہ۔۔۔ایک لاچار۔۔۔ایک ایسا مرد۔۔۔۔۔جو اندھا

ہے۔۔۔اصل میں غلطی ہماری نہیں۔۔۔ تمھاری ہے۔۔۔ تم جیسے

مردوں کو طوایف سے شادی نہیں کرنی چاہیے۔۔اعتبار تم نے مہرماہ پر نہیں

کیا تھا۔۔۔اس کے مجرم سترہ سال تمھارے ساتھ رہے۔۔۔ مگر تم پہچان نہ

سکے۔۔۔۔کیونکہ تم مہرماہ کی پہچان کو کبھی بھولے ہی نہیں۔۔۔۔

تمھیں لگا تمھیں دھوکہ دینے والی مہرماہ نہیں۔۔۔بلکہ طوائف تھی۔۔۔۔.

۔ماہ جبین گھٹی گھٹی آواز میں بولتے چیخی۔۔۔۔

کون ہے وہ؟؟جس نے تمھارا ساتھ دیا۔۔سلطان شاہ غیض وغضب سے

دھاڑا۔۔

شاہزیب خان۔۔۔۔۔۔۔جس کی تمھاری مہرماہ پر پہلے دن سے نظر تھی۔۔۔اس نے کوٹھے پر مہرماہ کو دیکھا تھا۔۔

تب سے اس کا دیوانہ تھا۔۔ تمھارے پاس دیکھ کر وہ پاگل ہو گیا تھا۔۔۔

مہرماہ کو آفر دی اس نے کہ اس کے ساتھ ایک رات گزار لے۔۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔وہ طوائف سے تمھاری عورت بن گئی تھی۔۔ایک شریف زادی سے بھی زیادہ شریف۔۔۔ مگر تم جیسے مرد ایسی عورتوں کے قابل نہیں ہوتے۔۔۔ تم جیسے مرد مجھ جیسی عورت کے ہی قابل ہوتے ہیں۔۔۔وہ کہتے ہیں ناں زہر کو زہر ہی مارتا ہے۔۔ تم اسی قابل تھے ۔۔سلطان شاہ۔۔۔۔ماہ جبین نفرت سے پھنکاری۔۔۔۔سلطان شاہ اب اسے چھوڑ چکے تھے۔ماہ جبین زمین پر جاگری تھی۔۔

ساحر خان کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔اس کے دل میں ایک بار پھر سے شدید درد اٹھا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیتا زمین پر بیٹھ گیا تھا۔۔آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کی گھنی بیرڈ کو بھگو رہا تھا۔۔حور نے روتے ہوے آنکھیں میچی تھیں۔۔شاہزیب خان اتنا گرا ہوا ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔۔

سلطان شاہ اب اپنے سیاہ بوٹوں پر نظریں گاڑھے ہوے تھے۔۔وہ نظر اٹھانے کے قابل رہے تھے۔۔نہ بولنے کے قابل رہے تھے۔۔۔۔اس کے گھر میں اس کی عزت پر اس کا دوست نقب لگا کر بیٹھا تھا اور انھیں خبر ہی نہیں تھی۔۔۔

ان کا بھائی جیسا دوست۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ گہرے سانس لیتے خاموش تھے۔۔

شاہ زیب خان نے مہر ماہ کی عزت پر حملہ بھی کیا تھا۔۔ تمھاری غیر موجودگی میں وہ آیا تھا۔۔۔ مگر مہر ماہ نے اسے خود کو چھونے نہیں دیا سلطان شاہ ۔۔۔۔۔۔اس نے تمھاری عزت بچانے کے لیے شاہزیب جیسے بھیڑیا پر پسٹل تان دی تھی۔۔ وہ اس بھیڑیا کے آگے ڈٹ گئی۔۔ مگر اسے خود کو چھونے نہیں دیا۔۔

تم اس کے قابل نہیں ہو سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔ تم قابل نہیں ہو۔۔۔ مجھے مارنے سے پہلے تمھیں خود کو شوٹ کر دینا چاہیے۔۔۔۔ ماہ جبین حلق کے بل چیخی تھی۔۔

سلطان شاہ نے آگے بڑھتے اپنی پسٹل سے ماہ جبین پر فائر کیا.. جو اس کے بازو پر لگا تھا۔۔ وہ درد سے چیخ اٹھی...

میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔۔ میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔۔ میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔۔ میں تم سے اتنی نفرت کرتا ہوں۔ تم مرتے ہو امیر انام لے کر اس دنیا سے جاؤ مجھے گورا نہیں ہے۔۔۔

سلطان شاہ دوسرا فائر کرنے لگے تھے نشا جو تھوڑی دیر پہلے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔۔ ماہ جبین کے منہ سے اس کا ہر جرم سن چکی تھی۔ مگر ماہ جبین کو گولی لگتا دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے تڑپتے ہوئے سلطان شاہ کے قدموں سے لپٹ گئی۔۔

پاپا۔۔۔ خدا کا واسطہ ہے چھوڑ دیں ماما کو۔۔۔ آپ کو اللہ کا واسطہ ۔۔۔۔ آپ کو اپنی بیٹی حور کا واسطہ پاپا۔۔ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنا پاپا سمجھا ہے۔۔ اس باپ لفظ کی لاج رکھ لیں پاپا۔۔

پاپا چھوڑ دیں ماما کو۔۔۔ آپ کو مہر ماہ کا واسطہ پاپا۔۔۔۔۔۔ پاپا۔۔۔۔۔۔ میں آپ کی بیٹی ہوں۔۔ خدا کا واسطہ ہے میری ماں کو چھوڑ دیں۔۔۔ نشا بلکتے ہوے سلطان شاہ کے قدموں سے لپٹی گڑ گڑا رہی تھی۔۔

اس ناپاک وجود کو لے جاؤ میری نظروں سے۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنی مہر ماہ کے لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔۔ جس کی عزت کا سودا کیا۔۔ اسی کی خاطر میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔۔ مگر معاف نہیں کیا اور نہ میرا رب اسے معاف کرے گا۔۔۔۔ سلطان شاہ اپنی پسٹل پھینکتے چلائے تھے۔۔

نشا جلدی سے اٹھتی ماہ جبین کی طرف بڑھی۔۔ اس نے اسے بازوؤں کے سہارے پکڑتے اٹھایا تھا۔۔ ماہ جبین کراہتے ہوے اٹھی تھی۔۔۔ نشا اسے بازو سے جکڑے شاہ مینشن عبور کرنے لگی۔۔ ماہ جبین بھی تیزی سے اپنا ہر درد بھلائے تیز تیز قدموں سے شاہ میشن کے لاونج سے نکل رہی تھی۔

۔۔۔سلطان شاہ نے اسے چھوڑ دیا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔ مگر سلطان شاہ نے ایک بار پھر سے غلطی کی تھی۔اس نے پلٹتے ہوئے نفرت سے حور کو دیکھا تھا اور شاہ مینش کے لاونج عبور کر گئی۔۔۔

سلطان شاہ نے زمین سے پسٹل اٹھائے اپنی کنپٹی پر رکھی تھی۔۔ حور تیزی سے بھاگتے ہوئے سلطان شاہ کی طرف بڑھی...

پاپا یہ کیا کر رہے ہیں؟؟ حور ان کے سینے سے لپٹے چیخی..

مجھ جیسے انسان کو مر جانا چاہیے حور۔۔۔۔ جس نے اپنی مہر ماہ پر یقین نہیں کیا۔۔ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔۔۔۔

پتہ ہے حور۔۔۔اس نے میرے پہلو میں میرے سینے سے لپٹے اپنی سانسیں گنوائیں تھیں۔۔اور مرتے ہوے اس نے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔۔بلکہ مجھے معاف کیا تھا۔۔آخری سانسوں میں مجھے معاف کیا تھا۔۔۔اپنی سانسیں بھی مجھ پر وار دی تھیں۔۔سلطان شاہ درد و اذیت سے روتے ہوے بلبلاے ۔۔۔

وہ اس دن خوشی سے مجھ سے لپٹی تھی اسے یقین تھا۔۔۔میں اسے بچانے آؤں گا۔۔اور میں نے اسے طوائف کی گالی دیتے اس پر فائر کر دیا۔۔۔کاش ایک بار میں اس سے بات کر لیتا۔۔۔کاش ایک بار اس کی سن لیتا۔۔۔قیامت والے دن میرا رب کیا میری سنے گا۔۔میں اپنے گناہ کی کی کیا وضاحت دوں گا۔۔۔

مجھے مرنا ہے حور۔۔۔۔۔ سلطان شاہ روتے ہوے بولے۔۔

پاپا میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟؟۔۔۔ کیوں مجھے اس بے رحم دنیا کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔۔ آپ کے ہوتے ہوے اس بے رحم دنیا نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟؟۔۔ آپ نہیں ہوں گے تو کیا ہو گا میرا۔۔۔.

۔۔۔پاپا۔۔۔۔۔۔ میں کیسے جیوں گی پاپا۔۔۔ میں بھی مر جاؤں گی پاپا۔۔۔ حور ان کے سینے سے لپٹتے ہوے شدت سے روتے ہوے بولی۔۔۔

سلطان شاہ نے چیختے ہوے پسٹل زمین پر پھینکی۔۔

آج مرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔۔ جس بیٹی کے لیے وہ سترہ سال سے جی رہے تھے۔۔۔ اسے کیسے اب چھوڑ کر جا سکتے تھے۔۔ ان کی حور سچ میں اس بے رحم دنیا کو جھیلنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی.۔۔۔

یہ رات کیسے کٹے گی حور؟؟۔۔۔ آنے والی زندگی کی ہر رات کیسے کٹے گی حور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیسے یہ بوجھ لے کر جیوں گا۔۔ جس میں سلطان شاہ اپنی پاکباز بیوی کا قاتل ہے۔۔۔ کیسے جیوں گا اب میں؟؟۔۔۔۔۔۔ سلطان شاہ حور کو سینے میں چھپائے رو دیے تھے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شاہزیب خان سٹنگ ایریا میں شام کی چائے پی رہا تھا۔۔ بعیہ بیگم ان کے سامنے صوفے پر بیٹھیں تھیں۔۔

ساحر خانزادہ گلاس سلائڈنگ ڈور کھولتا طیش و اشتعال سے اندر داخل ہوا تھا۔۔۔

اس کی سرخ نم زدہ نگاہیں سلوٹ زدہ لباس دیکھتے ربعیہ اور شاہزیب اپنی نشستوں سے اٹھے تھے.

ساحر بیٹا کیا ہوا ہے؟؟ شاہزیب بے قراری سے آگے بڑھے۔۔ وہ آج ہفتے بعد گھر آیا تھا۔۔۔ ربعیہ بیگم بھی تڑپ کر آگے بڑھی تھیں۔۔

رک جائیں مام۔۔۔ میری طرف مت بڑھیے گا۔۔ پہلے میری بات کا جواب دیں مام...

میرا باپ کون ہے؟؟ ساحر خان نے ربعیہ بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کیا۔۔

یہ کیسا سوال ہے؟؟ ساحر ہوش میں تو ہو۔۔ ربعیہ بیگم نے غصے سے کہا۔۔

یہ سوال بلکل ٹھیک ہے۔۔ کیونکہ سامنے کھڑا انسان شیطان کہلانے کے لائق ہے۔۔۔ مگر باپ کہلانے کے لائق نہیں مجھے پورا یقین ہے۔۔۔۔ یہ انسان میرا باپ نہیں ہو سکتا۔۔ یقیناً میرا باپ کوئی اور ہے۔

ساحر خان کی بات پوری ہونے سے پہلے ربعیہ بیگم نے پوری قوت سے ساحر خان کے گال پر تھپڑ دے مارا تھا۔۔

شاہزیب خان اپنی مٹھی دبوچ گئے۔۔۔۔ ساحر خان کے لفظ انھیں طمانچہ مار گئے تھے۔

تمھارا باپ تو یہی ہے۔۔۔۔ مگر تم ہمارے بیٹے نہیں ہو مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے۔۔۔ تمھیں شرم آنی چاہیے اپنے باپ کے بارے میں ایسے بات کرتے ہوے۔۔۔ ربعیہ بیگم غصے سے گرجین۔۔

شرم مجھے نہیں اسے آنی چاہیے۔۔ آپ اسے میرا باپ کہہ رہی ہیں۔۔ یہ ایک حوس پرست عورتوں کا سودا کرنے والا۔۔۔ عورت کی عزت سے کھیلنے والا درندہ ہے۔۔ ساحر خان روتے ہوے چیخا تھا۔۔ شاہزیب خان کا رنگ سرخ ہوا تھا۔۔۔ انھیں سمجھ آگئی تھی ساحر خان تمام حقیقت سے واقف ہو چکا ہے۔۔ اپنے بیٹے کے منہ سے یہ لفظ سنتے ان کے لفظ حلق میں اٹک گئے تھے۔۔ اپنی صفائی کے لیے لفظ نکل ہی نہیں رہے تھے۔۔ جھوٹ بولتے ہوے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔۔

تم سے یہ سب حور نے کہا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔۔۔ شاہزیب نے جلدی سے لڑکھڑاتی زبان سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔۔۔۔

ویل پلیڈ شاہزیب خان۔۔۔ تم نے تو خود ہی اقرار کر لیا تم گناہ گار ہو۔۔۔ ساحر کے شاہزیب پکارنے پر شاہزیب خان پیچھے کو ہوتے لڑکھڑائے تھے.

ربعیہ بیگم نے اگے بڑھتے ساحر خان کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیا تھا۔۔ تمھاری ہمت کیسے ہوئی میرے شوہر سے اس لہجے میں بات کرنے کی ؟؟۔۔ انھیں نام سے پکارنے کی۔۔ ربعیہ بیگم ساحر کا گریبان پکڑتے روتے ہوے بولی۔۔

مام یہ پسٹل پکڑیں میرے سینے میں اتار دیں۔۔ میں مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا۔۔ ساحر خان نے اپنے کوٹ سے پسٹل نکالتے ربعیہ بیگم کو پکڑائی.

مام مار دیں مجھے۔۔۔۔میں شرم سے زمین میں گڑھا جا رہا ہوں۔۔ایک بیٹے کے لیے اس کا باپ آئیڈیل ہوتا ہے۔۔ایک بیٹے کے لیے اس کے باپ کا نام فخر کا باعث ہوتا ہے۔۔مگر میرے لیے میرے باپ کا نام شرم کا باعث ہے۔۔ذلت کا باعث ہے۔۔ساحر خان روتے ہوئے چیخا تھا۔۔

یہ کیا کہہ رہے ہو ساحر؟؟ربعیہ بیگم ساحر کا گریبان جکڑے شدت سے رو دی تھیں۔۔

ساحر خان کی حالت ساحر خان کی باتیں ان کی جان نکال رہی تھیں۔۔

شاہزیب خان سر جھکائے کھڑا تھا۔۔ایک بیٹے کے منہ سے ایسی باتیں کوئی باپ نہیں سننا چاہتا تھا۔۔

مام۔۔۔۔۔کاش میں ناجائز اولاد ہوتا۔۔۔میرے پاس میرے باپ کا نام نہ ہوتا۔۔۔میں گالی ہوتا۔۔۔میرا وجود نفرت کے قابل ہوتا صرف یہ انسان میرا باپ نہ ہوتا۔۔ساحر خان شاہزیب خان کو نفرت سے دیکھتے چیخا تھا۔۔

ساحر یہ کیا کہہ رہے ہو؟؟تم اپنی ماں کو بھی گالی دے رہے ہو۔ربعیہ بیگم روتے ہوئے شدت غم سے بولی۔

مام۔۔۔آپ میں گالی ہیں۔۔۔انہوں نے ہمیں گالی بنا دیا ہے۔۔ساحر خان چیخا تھا۔۔

یہ جو آپ کے سامنے نظریں جھکائے کھڑا ہے۔یہ جو آپ کو پردہ کرنے کو کہتا ہے۔۔یہ جو آپ پر کسی کی نظر پڑتا نہیں دیکھ سکتا۔۔۔یہ انسان دوسروں کی بیٹیوں کی عزت کا سودا کرتا ہے اور دوسرا بھی کون

۔۔۔۔۔۔اپنا ہی دوست۔۔۔۔۔ساحر خان شاہزیب خان کی طرف دیکھ کر نفرت و کرب سے بولا۔۔۔۔

کیا کیا ہے تمھارے باپ نے؟؟شاہزیب خان کو خاموش کھڑا دیکھ کر ربعیہ نے کانپتے لبوں سے سوال کیا۔۔

سلطان شاہ کی بیوی مہر ماہ کی عزت لوٹنے کی کوشش کی۔۔اس پر بری نظر رکھی۔۔۔رات کے اندھیرے میں اپنے دوست کی غیر موجودگی میں اسے اپنی حوس پوری کرنے کی کوشش کی۔۔جب اپنے آرادے میں ناکام ہو گئے تو اسی عورت کو دھوکے سے کوٹھے پر بیچ دیا۔۔۔تاکہ وہاں پر اس کی بے بسی کا تماشہ ایکھتے اس کی عزت کے ساتھ باقی مردوں کے ساتھ مل کر کھیلا جا سکے۔۔۔۔

سترہ سال پہلے انہوں نے یہ روح کانپنے والا ظلم کیا۔۔۔۔اور سترہ سال بعد اسی انسان کی بیٹی کا پھر سے سودا کیا۔۔اسے بھی بیچنے کی کوشش کی۔۔۔یہ بھی نہ سوچا کہ وہ میری محبت میری زندگی ہے۔۔میری حور ہے۔۔۔ساحر

خان روتے ہوے درد سے بلبلایا۔

ربعیہ بیگم نے اپنی بے یقین نگاہیں شاہزیب پر گاڑھیں۔۔۔

یہ جھوٹ ہے ربعیہ میں ایسا نہیں ہوں۔۔۔شاہزیب خان جلدی سے بولے۔۔۔۔۔۔

یہ جھوٹ ہوتا تو جو تھپڑ مام نے مارے۔۔وہ تم مجھے مارتے۔۔ تمھاری خاموشی تمھاری زبان کی لڑکھڑاہٹ کہہ رہی ہے کہ تم مجرم ہو شاہزیب خان۔۔۔۔ساحر خان دھاڑا تھا۔۔

ربعیہ بیگم نے لڑکھراتے ہوے دیوار کا سہارا لیا تھا۔۔

مجھے آج پتہ چلا میرے حور سے اتنی محبت کرنے کے باوجود عشق کرنے کے باوجود وہ مجھے کیوں نہیں ملی۔۔۔ساحر خان کرب سے بولتے ہوے شاہزیب خان کے مقابل جا کھڑا ہوا تھا۔۔میرے سچے جذبے کے باوجود رب نے اسے میرا مقدر کیوں نہیں بنایا۔۔۔تم کیا یہ پوری کائنات بھی اسے مجھ سے چھینے کی کوشش کرتی وہ مجھ سے کبھی دور نہ جاتی۔۔۔

کیونکہ عشق کیا ہے وہ بھی اس کی روح سے۔۔۔۔۔۔خدا کبھ سچی محبت کرنے والوں کا امتحان نہیں لیتا۔۔ مگر میرا لیا کیونکہ مجھے تمھارے کیے کی سزا بھگتنی ہی تھی۔

تم نے آج سے سترہ سال پہلے دو عشق کرنے والوں کو جدا کیا۔۔۔سلطان شاہ کی آہیں مجھ پر پڑ گئیں. شاہزیب خان۔۔۔۔ساحر خان شاہزیب خان کی آنکھوں میں دیکھتے چیخا۔۔

سترہ سال وہ رویا ہے۔۔۔اس کے آنسو مجھ پر پڑ گئے شاہزیب خان.۔۔۔

تم نے جو بویا وہ مجھے کاٹنا پڑے گا۔۔ مگر دعا کروں گا تنھارا کیا میری پاکباز ماں کے سامنے نہ آئے۔۔۔۔۔۔۔اس سے پہلے ہی میری ماں مٹی تلے جا سوئے۔۔۔ساحر خان نے روتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

ساحر۔۔۔۔۔شاہزیب تڑپتے ہوے ساحر کی طرف بڑھا۔۔

آگے مت بڑھنا مجھے مت چھونا ان ناپاک ہاتھوں سے۔۔۔۔۔

ساحر خان پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔۔

ربعیہ بیگم دیوار کے ساتھ لگی پتھرائی کیفیت میں کھڑی تھی.

شکر کریں مام۔۔۔۔خدا نے آپ کو بیٹی نہیں دی۔۔۔۔بہت شوق تھا آپ کو کہ آپ کی بیٹی ہوتی۔۔۔۔آج خدا کا شکر ادا کریں۔۔آپ کی بیٹی نہیں۔۔۔ورنہ یہ اسے بھی بیچ آتے۔۔۔۔۔اس کی عزت کا بھی سودب کر آتے۔۔۔۔اگر یہ نہ کرتے تو کوئی اور کر آتا۔۔

ساحر۔۔۔۔۔شاہزیب اب کی بار ساحر کی بات کاٹتے طیش و اشتعال سے چیخا۔۔۔

۔۔۔کیا ہوا تکلیف ہوئی؟؟ غیرت پر بات آگئی۔۔۔۔ساحر خان نے ہنستے ہوے تالی بجائی تھی۔۔

سوچو ایک پل کے لیے سلطان شاہ پر کیا گزری ہو گی جس کی بیوی بیٹی کا تم نے سودا کر دیا۔۔۔کیسے نظریں ملاو گے تم اس سے۔۔۔وہ تمام حقیقت جان چکا ہے۔۔

لیکن نہیں۔۔۔۔تم کیسے سوچ سکتے ہو۔۔۔ تمھارے پاس ضمیر ہی نہیں ہے۔۔۔تم ایک بے حس انسان ہو۔۔۔۔۔۔۔ساحر خان دل پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانسا تھا۔۔

شکر ہے قیامت والے دن انسان کو اس کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔۔ اگر باپ کے نام سے پکارا جاتا تو میں روز

محشر میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہتا۔۔۔ ساحر خان کی بات پر شاہزیب خان کی آنکھیں اشک بار ہوئیں تھیں۔۔

روز محشر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔۔۔ جب رب کائنات تم سے مہر ماہ کے بارے میں سوال کرے گا۔۔۔ کیا قصور تھا مہر ماہ کا۔۔۔۔۔۔ عورت تھی وہ۔۔۔ عورت عورت ہوتی ہے چاہے وہ طوائف ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔ اس کی عزت اتنی ہی قیمتی ہوتی ہے۔۔ جتنی ایک گھر میں بیٹھی شریف ذادی کی۔۔۔

ساحر خان اپنے بال جکڑتے اونچا اونچا رونے لگا تھا۔۔۔ ربعیہ بیگم بھی رونا شروع ہو چکی تھیں۔۔

مام۔۔۔۔۔۔دعا کریں اس انسان کا کیا ہمارے سامنے نہ آئے۔۔۔میرے ساتھ چلیں مام۔۔۔میں آپ کو کہیں چھپا دوں۔۔۔۔۔چھپ جائیں مام ۔۔۔۔۔۔زمین کی تہہ میں چھپ جائیں۔۔۔۔اس انسان کا کیا آپ کے سامنے نہ آجائے۔۔۔۔۔

ساحر خان نے روتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں رگڑیں۔۔

وہ گہرے سانس لیتا اب زمین پر فقیروں کی مانند بیٹھ گیا تھا۔۔۔۔کیسے نظریں ملاؤں گا حور سے۔۔۔۔کیسے ؟؟میرے باپ نے اس کے ساتھ یہ سب کیا۔۔۔۔ساحر خان دل پر ہاتھ ایک بار پھر سے شدت سے رو دیا تھا۔۔

ربعیہ بیگم ساحر خان کی حالت دیکھتے تڑپتے ہوئے بلک بلک کر رو دیں۔۔

شاہزیب خان نظریں جھکائے کھڑا رو رہا تھا۔۔ سترہ سال پہلے کا گناہ آج رلا رہا تھا۔۔ وہ خدا کو بھول گیا تھا۔۔ آج یقین ہوا تھا خدا ہے۔۔۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔۔۔ شاہزیب کی سزاؤں کا وقت شروع ہو گیا تھا۔

ساحر اپنے آنسو صاف کرتے زمین سے اٹھا تھا۔۔۔

میں جا رہا ہوں مام۔۔۔۔ ہمیشہ کے لیے۔۔۔۔۔۔۔ آپ اپنے باپ بھائیوں کے پاس چلی جائیں۔۔۔۔ اس کے ساتھ مت رہیے گا۔۔۔۔

اگر میں مر جاؤں اور آپ کو خبر ہو جائے اس انسان کو میرے جنازے کو کندھا مت دینے دیجیے گا۔۔۔ یہ مجھ پر احسان کر دیجیے گا۔۔ ض

ساحر خان روتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

ربعیہ بیگم چیخیں مار مار کر رو دیں تھیں۔۔شاہزیب خان تڑپتے ہوے ان کی طرف بڑھا۔۔۔

ربعیہ بیگم نے تھپڑ ان کے منہ پر جڑ دیا تھا۔۔شاہزیب نے سرخ بے یقین نگاہوں سے ربعیہ بیگم کو دیکھا۔۔

اس سے زیادہ شرم کا ایک شوہر کے لیے کوئی مقام نہیں ہو گا۔۔ جس بیوی نے آپ سے کبھی آنکھ اٹھا کر بات نہیں کی۔ آج اس نے آپ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔۔اور مجھے اس کے لیے کوئی پچھتاوہ نہیں۔۔۔۔پچھتاوہ اس بات کا ہے تم جیسے شیطان کے ساتھ اپنے ماہ سال برباد کر دیے۔۔

خلع کے پیپرز مل جائیں تمھیں گے سائن کر دینا۔۔۔۔۔ربعیہ بیگم نفرت سے لفظ چباتے وہاں چلی گئی تھی۔۔

شاہزیب خان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سٹڈی روم میں راکنگ چیئر پر بیٹھا جھول رہا تھا۔سٹڈی روم میں نیم اندھیرا چھایا تھا۔۔۔وہ روشنی میں اپنا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا ۔۔نہ دنیا کا اب سامنا کرنا چاہتا تھا۔۔

آنکھوں کے آگے مہرماہ کا چہرہ آرہا تھا۔۔۔جو بے بس سی اس کمرے میں کھڑی تھی جس کے چہرے پر اپنی عزت کا خوف واضح تھا۔۔۔۔

کیا ہوا وہ ایک طوائف تھی۔۔۔ مگر تھی تو ایک عورت۔۔۔۔۔ جسے اپنی عزت کا اتنا ہی خوف تھا جس طرح ہر عزت دار عورت کو ہوتا ہے۔۔۔سلطان شاہ نے اپنے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔۔۔۔

روز محشر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔۔۔۔جب رب کائنات تم سے مہر ماہ کے بارے میں سوال کرے گا۔۔۔کیا قصور تھا مہر ماہ کا۔۔۔۔ساحر خان کے لفظ انھیں کچوکے لگا رہے تھے۔۔

آج رب کائنات کے سامنے جانے کا خوف اسے مار رہا تھا۔۔روز محشر سے ڈر لگ رہا تھا۔

شکر کریں مام۔۔۔۔۔خدا نے آپ کو بیٹی نہیں دی۔۔۔۔بہت شوق تھا آپ کو آپ کی بیٹی ہوتی۔۔۔۔آج خدا کا شکر ادا کریں۔۔ورنہ یہ اسے بھی

بیچ آتے۔۔۔۔۔اس کی عزت کا بھی سودب کر آتے۔۔شاہزیب نے اپنے لب بری طرح بھینچتے کرب سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔۔ زرمش کارونا یاد آیا تھا۔۔اسے بھی وہ اپنی بیٹی سمجھتے تھے۔۔آج سمجھ آئی تھی ساحر نے اسے کیوں نہیں اپنایا تھا۔۔ان کے کیے کی سزا ان کے ہر رشتے کو مل رہی تھی.

مام۔۔۔۔۔دعا کریں اس انسان کا کیا ہمارے سامنے نہ آئے۔۔۔میرے ساتھ چلیں مام۔۔۔میں آپ کو کہیں چھپا دوں۔۔۔۔۔چھپ جائیں مام ۔۔۔۔۔زمین کی تہہ میں چھپ جائیں۔۔۔۔اس انسان کا کیا آپ کے سامنے نہ آجائے مام۔۔شاہزیب خان چیختے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے رو رہا تھا۔۔۔

سٹڈی روم کا دروازہ کٹکھٹاتے ہوے ملازم اندر داخل ہوا۔

سر باہر گیٹ پر سلطان شاہ اپنے گاڈز کے ہمراہ آیا ہے. ملازم نے اندر آتے اطلاع دی۔۔۔شاہزیب خان زخمی سا کرب سے مسکرایا تھا۔۔

میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟؟میں تو دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔۔۔شاہزیب خان زیر لب کرب سے بولا۔۔۔

مجھے سامنے ڈرار سے پسٹل نکال کر دو۔۔۔۔شاہزیب خان نے اپنے ملازم کو حکم دیا

ملازم نے ڈرار سے پسٹل نکالتے شاہزیب کو پکڑائی..

میں تمھارا سامنا نہین کر سکتا سلطان شاہ۔۔۔۔

شاہزیب خان بولتے ہی پسٹل سے اپنی کنپٹی پر فائر کر چکا تھا۔

سر۔۔۔ ملازم چیختے ہوے شاہزیب کی طرف بڑھا۔ مگر وہ ساکت پڑا کرسی پر جھول رہا تھا۔۔

سلطان شاہ سٹڈی روم کا دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے کھولتا دھاڑ سے اندر داخل ہوا تھا۔۔

شاہزیب کو کرسی پر ساکت دیکھ کر سلطان شاہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے تھے۔۔۔

تم اسی قابل تھے.. تم حرام موت مرو۔۔۔۔۔ یہ موت تم نے خود کو نہیں دی۔۔۔ خدا نے تمھاری مقدر بنائی تھی۔۔۔ میرے رب کو گوارا نہیں تھا کہ تمھاری موت بھی ہلال ہوتی۔۔۔۔۔ خب۔۔ی۔۔ث

انسان۔۔۔۔۔۔۔سلطان شاہ نے دھاڑتے ہوے پوری قوت سے اپنا پاؤں شاہزیب کے چہرے پر دے مارا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ماہ جبین نے شاہ میشن سے نکلتے ہی ایک ٹیکسی بک کرواتے اسے پتہ سمجھایا تھا۔۔

مام کہاں جارہے ہیں ہم ؟؟ آپ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔۔۔نشانے ماہ جبین کے بازو سے بہتے خون کو دیکھتے کہا۔۔

جب تک میں سلطان شاہ سے اپنے زخموں کا بدلہ نہ لے لوں مجھے چین نہیں ائے گا۔۔مہر ماہ تو طوایف بننے سے بچ گئی تھی مگر حور نہیں بچ سگے گی ۔۔۔۔۔ماہ جبین نفرت سے پھنکاری تھی۔

مام چھوڑ دین اس کا پیچھا۔۔۔بہت غلط کیا آپ نے ان کے ساتھ۔۔۔بس کر دیں اب۔۔نشا چیخی تھی۔

یہ میرا آخری وار ہو گا۔۔ماہ جبین غصے سے غرائی۔۔

نشا اسے تاسف سے دیکھتے لب بھینچ گئی تھی۔۔

ٹیکسی کافی دیر بعد اندرون شہر کی گلیوں میں آکر رکی۔۔

نشا نے حیرت سے یہ گلیاں اور عجیب و غریب لوگوں کو دیکھا تھا۔۔مام یہ کہاں آگئی ہیں؟؟

نشا نے متعجب ہوتے پوچھا۔۔۔

ماہ جبین خاموشی سے اگے بڑھی تو نشا اس کے ہمقدم ہوئی تھی۔۔۔ماہ جبین کے ہمراہ وہ ایک بہت بڑے حویلی نما گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

ماہ جبین کو دیکھتے نازنین بائی صوفے سے اٹھتے تحیر زدہ ہوتے آگے بڑھی۔۔

ماہ جبین نایٹی میں ملبوس خون رستے بازو اور زخموں سے چور کھڑی تھی۔

نازنین نے اشارے سے تمام رقص کرنے والی لڑکیوں کو اشارہ کیا۔۔وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

ماہ جبین کراہتی ہوئی صوفے پر بیٹھی۔۔۔نشا بھی پریشانی سے اس کے ساتھ بیٹھی۔۔اس کا دل گھبرا رہا تھا ادھر۔۔۔

کچھ کچھ وہ سمجھ چکی تھی یہ جگہ کون سی ہے۔۔

کیا ہوا ہے ماہ جبین یہ کس نے کیا؟؟نازنین بائی مصنوئی پریشانی سے پوچھا۔۔

یہ سلطان نے کیا ہے میرے ساتھ۔۔میں اسی لیے تمھارے پاس آئی ہوں ۔۔تمھیں حور چاہیے۔۔۔میں تمھاری مدد کروں گی۔۔۔

تم اسے لے آؤ۔۔۔سلطان شاہ برباد ہو جائے گا۔۔ تمھارا بدلہ پورا ہو جا گا۔۔ تمھارا کوٹھا بھی آباد ہو جائے گا۔۔۔ماہ جبین نفرت سے دھاڑی۔۔۔وہ زخمی ناخن لگ رہی تھی اس ٹائم۔۔رنگ مزید سیاہ لگ رہا تھا ۔اس کے اندر کی بدصورتی بھی آج اس کے چہرے پر عیاں تھی۔۔

نازنین کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

تم میری کیسے مدد کرو گی؟؟سلطان شاہ کے ہوتے کیسے ممکن نے؟؟نازنین نے سگریٹ کا کش لیتے مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہادوں گی۔۔ تمھاری مدد کرنے میں۔

نازنین بائی کا ایک بار پھر سے قہقہ گونجا تھا۔۔۔

تم کیا میری مدد کرو گی تمھیں تو خود مدد کی ضرورت ہے نازنین بائی استھزائیہ مسکرائی تھی.

لیکن تم میری مدد کر سکتی ہو۔۔۔اور میرا کوٹھا بھی آباد کر سکتی ہو۔۔نازنین بائی نے ن گہری نگاہوں سے نشا کو دیکھتے کہا۔

کیا مطلب؟ ماہ جبین نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔

پہلی مرتبہ ماہ جبین کا دل گھبرایا تھا۔۔نازنین کی نظریں اپنی بیٹی پر چبھی تھیں۔۔

یہی کہ تمھاری بیٹی میرا کوٹھا آباد کر سکتی ہے۔۔

نازنین۔۔۔۔ماہ جبین صوفے سے اٹھتی غرائی۔۔

چیخو مت۔۔۔۔ماہ جبین۔۔۔۔۔ تمھیں یہاں سے آنے سے پہلے پتہ ہونا چاہیے تھا تم اپنی جوان بیٹی کے ساتھ کہاں آرہی ہو۔۔۔

اتنی آسانی سے ہم ہاتھ آیا شکار جانے نہیں دیتے۔۔۔ آج سے تمھاری بیٹی اس کوٹھے کا حصہ ہے۔۔۔ہاں تم جا سکتی ہو۔۔ تم جیسی اندر باہر سے بدصورت عورت کی ضرورت نہیں ہے۔۔نازنین سفاکی سے بولی۔۔۔

نشانے گھبراتے ہوے ماہ جبین کو دیکھا تھا۔۔

نازنین تم ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔میں تمھاری خیر خواہ ہوں۔ تمھاری کتنی مدد کی۔۔۔ماہ جبین گڑگڑائی تھی۔

تمھاری مدد کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔الٹا نقصان ہوا ہے۔۔اب یہ نقصان تمھاری بیٹی پورا کرے گی۔۔۔ہاں تم پر ایک احسان کر سکتی

ہوں۔۔۔یہ مہر ماہ کی طرح یہاں صرف رقص کرے گی۔۔دھندا

نہیں۔۔۔لیکن کب تک یہ رقص کرے گی۔۔یہ مجھے معلوم

نہیں۔۔۔۔نازنین قہقہہ لگاتے وہاں سے چلی گئی

تھی۔۔نازنین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔ماہ جبین دروازے

پر دو ہٹے گارڈز کو دیکھ کر بری طرح چیخی تھی۔۔

چیخیں مت مام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حور کو یہاں لانا چاہتی تھی آپ۔۔۔آج

کی بیٹی یہاں کھڑی ہے۔۔۔اب نشا کی ب

پہچان بھی ایک طوائف ہو گی۔۔۔خدا نے آپ کو سزا دے دی۔۔۔۔۔مہر

ماہ کی آہیں سسکیاں سترہ سال پہلے اس کوٹھے پر گونجی ہوں گی۔۔جب

آپ نے اس کا سودا کیا تھا۔۔اب آپ ہر روز سنیں گی۔۔۔ایک نئی مہر ماہ کی

آہیں سسکیاں۔۔۔نشا روتے ہوے بولتی وہاں کھڑی ایک ملازمہ کے ہمراہ اندر چلی گئی تھی۔

ماہ جبین اسے لمحے زمین بوس ہوئی تھی۔

حور اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی کہ اس کی ملازمہ دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوئی۔۔حور نے گہری نیند سے بمشکل آنکھیں کھولتے اسے غصے سے دیکھا تھا۔۔سوری میم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ پارسل آپ کے لیے آیا ہے۔۔۔مسٹر ارحام خانزادہ نے اپنی سیکرٹری کے ہاتھ بھجوایا ہے۔۔انہوں نے کہا کہ بہت ضروری ہے آپ کو ابھی دیا جائے۔۔۔حور کی پرسنل میڈ نے جلدی سے وضاحت دی۔۔واٹ تم نے یہ پارسل دینے کے لیے مجھے میری نیند سے جگا دیا۔حور نے غصے سے کہا۔

وہ انسان تو ویسے ہی میری نیند کا دشمن ہے۔۔ حور غصے سے بڑبڑائی تھی.

حور کے چہرے پر شدید برہمی دیکھتے حور کی میڈ پریشان ہوئی.۔ ارحام حور کا ہسبنڈ ہے یہ سوچتے ہی وہ حور کو یہ پارسل دینے آئی تھی۔۔ مگر حور کا ری ایکشن دیکھتے وہ حیران ہوئی تھی۔۔۔

میم کیا کروں اس کا؟؟ اس کی پرسنل میڈ نے پارسل کی طرف اشارہ کرتے پوچھا۔

پھینک دو اسے۔۔۔ حور نے گلابی آنکھوں سے اس کے ہاتھ میں موجود خوبصورت سے باکس کو دیکھا تھا۔۔ ارحام خانزادہ کا تو نام سننا اسے گوارا نہ تھا۔۔ اس کی بھیجی ہوئی چیز کی طرف وہ مر کر بھی نہ دد یکھتی۔۔۔

اوکے میم۔۔۔ میڈ اثبات میں سر ہلاتی دروازے کی طرف بڑھی۔

رکو۔۔۔۔۔ حور کی آواز پر اس نے مڑتے ہوئے حور کو دیکھا۔۔

حور بیڈ سے اترتی اس کی طرف بڑھی تھی۔۔ وہ بلیک کلر کی بے حد خوبصورت سلیولیس نائٹی میں ملبوس تھی۔۔

سلکی کمر تک آتے بال کھلے تھے۔ نیند سے اٹھنے کے باعث وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔

دو مجھے۔۔۔ حور نے وہ باکس اس سے لیا تھا۔۔

میڈ کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ جس باکس کو وہ پھینکنے کا کہہ رہی تھی۔ اب وہ متجسس نگاہوں سے پکڑتے دیکھ رہی تھی۔۔ میڈ سمجھ گئی تھی کہ اس کی میم اپنے ہسبنڈ سے شدید ناراض ہے۔

حور نے باکس کھول کر دیکھا جس میں بلیک کلر چادر تھی۔۔ حور نے وہ چادر نکال کر تحیر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔۔ جو کہ بہت بڑی تھی۔۔۔ حور نے گہرا سانس لیتے وہ چادر بیڈ پر رکھی تھی.

باکس کے اندر نظر پڑتے ہی وہ اب کی بار گلابی ہوئی تھی۔۔۔ وہ ایک ریڈ کلر کی ساڑھی تھی۔۔ حور نے بلاوز نکال کر اسے ہاتھ میں پکڑا جو انتہائی شارٹ تھا۔۔۔

حور کی رنگت غصے اور خفت سے مزید سرخ ہوئی کسی عورت کے سامنے بھی میرے بدن سے دوپٹہ اتر جائے تو رنگت اشتعال کے مانند سرخ پڑ جاتی ہے مسٹر جنونی خانزادہ کی۔۔۔ اور بند کمرے میں میں انھیں اس سے بھی زیادہ ولگر حلیے میں چاہیے ہوں میں۔۔ کچھ نہ بھی پہنا ہو تو چلے گا۔۔ بلکہ اور کیا

چاہیے اس انسان کو۔۔۔۔ لگتا ہے اس کی زندگی میں ایک ہی کام ہے۔۔ دن رات رومانس۔۔۔۔۔۔۔

حور نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔

حور کی بات پر میڈ کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری۔۔ اسے اب سمجھ آئی تھی اپنی میم کی ناراضگی کا سبب۔۔۔۔ وہ اپنے جنونی خانزادہ کے دن رات کے رومانس سے تنگ ہیں۔۔

حور نے میڈ کو گھورتے ہوے خفت سے اپنا لب کاٹا۔

ساڑھی کو دیکھ کر اسے اتنا غصہ آیا تھا کہ وہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کی میڈ اس کے پاس ہی کھڑی ہے۔۔

میم آپ اتنی خوبصورت ہیں۔۔۔ کونسا ہسبنڈ اپنی اتنی خوبصورت اور کم عمر بیوی کو چھوڑتا ہے۔۔۔ اس کی پرسنل میڈ نے رشک بھری نظروں سے اس کی خوبصورتی کو دیکھا۔۔

جانتی ہوں وہ میری خوبصورتی پر مرتا ہے۔۔ دل میں تو اس کے کوئی اور رہتی ہے۔۔۔ حور کی سماعتوں میں اس کے لفظ گونجے تھے۔ ہاں نہیں بھولا اسے۔۔۔ نہ کبھی بھول سکتا ہوں۔۔ وہ ایک وفادار عورت تھی۔۔ تم جیسی نہیں۔۔ وہ ہمیشہ یہاں رہے گی اس جگہ پر۔۔۔۔۔۔۔ حور کی آنکھوں میں شبنم سی چمکی تھی۔۔

جی میم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میڈ نے حیرانگی سے حور کی بات سنتے کہا۔ کچھ نہیں جاؤ تم۔۔۔۔ حور نے اسے جانے کو کہا وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوے چلی گئی۔۔

باکس کے اندر ایک خوبصورت سا کارڈ تھا۔۔ حور نے وہ نکال کر اونچی آواز میں پڑھا۔۔۔

ایک دیوانا شوہر اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ آج ڈنر کرنا چاہتا ہے۔۔ کیا ایک مغرور بے رحم خوبصورت بیوی کی طرف سے آجازت ملے گی کہ ایک جنونی دیوانہ شوہر آج رات اپنی پیاسی نظروں کی پیاس بجھا سکے۔۔ کارڈ پر جگمگاتے لفظ پڑھ کر حور کی رنگت غصے سے سرخ ہوئی تھی.

صرف نظروں کی پیاس کی بات ہے تو آج اس پیاس کو بجھاؤں گی نہیں بڑھاؤں گی۔۔۔ حور نے غصے سے لفظ چباتے وہ کارڈ اس باکس میں رکھا تھا۔

ویسے بھی مجھے لگتا ہے یہ پارسل غلط جگہ پر آگیا ہے۔۔ اس پر ایڈرس سوات کا ہونا چاہیے تھا اور نام گل کا ہونا چاہیے تھا۔۔ حور نے وہ باکس غصے سے بیڈ پر پھینکا تھا۔۔۔

آج ڈنر میں میں آپ کی توقع سے بڑھ کر تیار ہوں گی۔۔ حور نے اپنا موبائل اٹھائے کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔۔

.....----------

ارحام خانزادہ کی گاڑی پچھلے ایک گھنٹے سے شاہ مینشن کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔۔۔ ارحام خانزادہ نے بے چینی سے سیٹ پر پہلو بدلا۔۔

اس کے مضبوط مردانہ ہاتھ کی انگلیاں سٹیرنگ پر اظطراب سے تھرتھرا رہی تھیں۔۔ وہ اس وقت بلیک ڈیزائنر پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا جس میں اس کا کسرتی ورزشی جسم بہت نمایاں ہو رہا تھا۔۔ ہلکی گھنی بئیرڈ وہ بار

بار بے چینی سگ انگلیوں سے سہلا رہا۔ تھا۔

آج ایک ہفتے بعد وہ حور سے ملنے لگا تھا۔۔

یہ ایک ہفتہ اس نے کیسے گزارا تھا یہ وہی جانتا تھا۔۔

ایک چکر اس کا سوات ہوتا تھا دوسرا چکر اسلام آباد کا ہوتا تھا۔ روز ڈرائیو کر کے وہ پریذے سے ملنے بھی جا رہا تھا۔۔ اور اگلے دن وہ اسلام آباد ہوتا تھا۔۔ حور کو وہ کسی قیمت پر اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔ اس ایک ہفتے میں حور سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔۔۔ مگر پھر بھی وہ حور سے اتنے ڈسٹنس پر نہیں رہ سکتا تھا۔۔ اس کی سکیورٹی کو لے کر وہ بہت حساس ہو گیا تھا۔۔

اس دن بھی سے اس لیے آنے دیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا اس کے ساتھ زور زبردستی کرے۔۔ وہ سلطان شاہ کے مدمقابل کھڑا ہو سکتا تھا۔ مگر حور

خانزادہ کو اپنے مد مقابل کھڑا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔نہ ہی وہ اپنی جنونیت میں اسے مزید تکلیف دے سکتا تھا۔۔جب حور نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا فیصلہ سنایا اور اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر اسے اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔۔وہ اسے مزید روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔

لیکن ایک ہفتے میں ہی جیسے وہ پاگل ہو گیا تھا۔حور خانزادہ سے دور رہنا ننگی تلوار پر چلنے کے مترداف تھا۔جو پچھلے ایک ہفتے سے وہ چل رہا تھا۔۔۔۔

آج وہ اپنی خوبصورت بیوی کو لینے آیا تھا۔۔اسے پیار سے منانے آیا تھا ۔۔۔وہ اب اسے اور شاہ مینشن مزید نہیں رہنے دے سکتا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے گاڑی سے نکلتے گاڑی سے ٹیک لگائے اپنی پاکٹ سے سگریٹ اور لائیٹر نکال کر لبوں سے لگایا

نشا کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

حور سلطان شاہ کو سگریٹ پینے والوں سے سخت نفرت ہے۔۔ سلطان شاہ نے آج تک اس کے سامنے سگریٹ نہیں پیا۔۔ وہ حور سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اس سے چھپ کر سگریٹ پیتے ہیں۔ مگر آج تک پکڑے نہیں گئے۔۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے وہ سگریٹ لبوں سے نکالتے زمین پر پھینک کر اپنے شوز سے مسلا تھا۔۔ وہ سگریٹ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔۔ اپنی خوبصورت بیوی کے بغیر تو اس کی طلب شدید ہونے لگتی تھی۔۔ جب سے دور ہوئی تھی وہ اس بے بے جان چیز کا طلب گار زیادہ ہو گیا تھا۔۔

اب تو وہ اس کے پاس آ رہی تھی کبھی نہ دور جانے کے لیے رویہ نشہ اس کی طلب نہ رہی تھا۔۔ اب طلب نشہ بن کر وہ ہر وقت اس کی آنکھوں اور دل میں رہنے والی تھی۔۔ دھڑکنوں سے بھی زیادہ قریب۔۔۔۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی نشے کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ وہ بھی تو کسی نشے سے کم نہ تھی۔۔ ارحام کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔ اپنی خوبصورت بیوی کا قیامت خیز سراپہ آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔ وہ مزید بے چین ہوا۔۔۔

ارحام نے بے چینی سے شاہ مینشن کے بڑے سے گیٹ اور اس کے اطراف میں کھڑے گارڈز کو دیکھا تھا کہ اسے حور گیٹ سے چار عدد گارڈز کے ہمراہ باہر آتی دکھائی دی تھی۔۔

سر سے پیر تک اس کی دی ہوئی کالی چادر میں لپٹی ہوئی۔۔ چہرہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ اسے سر سے پیر تک چادر میں لپٹا دیکھ کر ارحام خانزادہ کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔۔۔ کوئی اس سے پوچھتا اسے اپنی حور پر کونسا لباس سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے وہ بلا تردد اپنا پسندیاہ لباس اس کی بدن کے ساتھ لپٹی چادر کو قرار دے دیتا۔۔

ارحام خانزادہ نے حور کو دیکھتے شعلہ بار نگاہوں سے اس کے گرد یونیفارم پہنے گارڈز کو دیکھا تھا۔۔

ارحام نے ظبط سے اپنی پچھلی گردن رب کی تھی۔۔ اس کے اتنے نزدیک گارڈز بری طرح چبھے تھے۔۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیا تھا۔۔ اب تو وہ اس کے پاس آ رہی تھی ہمیشہ کے لیے۔ آج کے بعد وہی اس کا گارڈ وہی سب کچھ تھا۔۔ اسے اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہ تھی۔۔

حور ارحام کے قریب آکر رکی۔۔ارحام نے چادر میں نظر آتی اس کی کاجل سے لبریز خوبصورت آنکھوں کو گہری نظروں سے دیکھتے حور کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

حور خاموشی سے گاڑی کے اندر بیٹھ گئی۔۔۔

ارحام نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گارڈز کو دیکھا جو اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

تم لوگوں کو پیچھے آنے کی ضرورت نہیں۔۔میرے ہوتے میری بیوی کو کسی گارڈ کی ضرورت نہیں۔۔ارحام خانزادہ نے سرد لہجے میں حکم دیتے گاڑی کے اندر بیٹھتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔۔

ارحام خانزادہ نے ڈرائیو کرتے ہوے گہری نظر حور پر ڈالتے ہوے اس کے ہاتھ کو پکڑتے دبایا تھا۔۔ حور ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔۔ اس نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔۔ وہ یونہی سپاٹ سے انداز میں بیٹھی تھی.

ارحام نے حور کے ہاتھ کو پکڑتے اب اپنے لبوں سے لگایا تھا۔۔ حور سٹل سپاٹ سی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ حور کی خاموشی محسوس کرتے ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔۔۔ اس کے قریب آتے ہی وہ ایسے ہی خاموش ہو جاتی تھی۔ نظریں نہیں اٹھاپاتی تھی۔۔۔ وہ اس کی قربت میں خاموش ہو جاتی تھی۔ ارحام نے ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روکی۔۔

اپنے دیوانے شوہر سے کہاں کی پردہ داری ہے ؟؟۔۔ آج رات تو سارے پردے گرنے کی باری ہے۔۔۔ میری جان۔۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کی طرف جھکتے اس کے چہرے سے نقاب اتارا۔

حور کے لبوں کو بلڈ ریڈ لپ سٹک سے سجے دیکھ کر ارحام کی آنکھیں خمار زدہ ہوئیں۔۔

تم جانتی ہو تمھارے لبوں پر شروع شروع میں مجھے لپ سٹک بہت اچھی لگتی تھی۔۔ مگر پھر پتہ نہیں بعد میں کیا ہوا تمھارے لبوں پر سجے رنگ سے بھی حسد ہونے لگا۔

جیسے میں اس رنگ سے حسد محسوس کر رہا ہوں۔۔ ان لبوں پر مجھے صرف اپنی شدت کا رنگ دیکھنا ہے۔۔ ارحام نے حور کے خوبصورت چہرے کو

دیوانگی بھری نگاہوں سے دیکھتے گھمبیر آواز میں کہا۔۔اس کا خوبصورت چہرہ دیکھتے ہی ارحام خانزادہ کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئیں۔۔

جانتی ہوں۔ آپ کو میرے بدن سے لپٹے کپڑوں سے بھی حسد ہونے لگتا ہے۔۔بند کمرے میں آپ میرے بدن پر بھی صرف اپنی شدتوں کے نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔۔ حور نے ارحام کی سیاہ مقناطیسی پرکشش آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔۔

ارحام کی سانسوں کی تپش اپنے لبوں پر بکھرتے محسوس کرتے اور اس کی سرخ مدہوشی بھری آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔۔

حور کی بات اور اس کے سٹل آنکھوں میں دیکھنے پر ارحام کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔۔وہ بمشکل ہی اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔ مگر وہ سٹل اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔۔جو کہ اس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔وہ اس کی لرزتی پلکوں سے بخوبی عیاں تھا۔۔

توسیع کرلو میری بے انتہا خوبصورت بیوی۔۔۔۔۔میں بند کمرے میں تمھارے بدن پر اپنی شدتوں کے رنگ دیکھنا نہیں بلکہ تمھارے خوبصورت بدن پر اپنی شدتیں ڈھانے کا زیادہ خواشمند ہوتا ہوں۔ارحام نے مدہوشی سے کہتے اپنے سلگتے لب اس کے عارض پر رکھے تھے۔۔۔

And you r right....I envay of every thing of you even liittle clothes you wear۔۔۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کے کان میں جھکتے گھمبیر آواز میں مدھم سی سرگوشی کی۔۔ارحام کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے حور کے عارض سے چنگاریاں پھوٹیں۔

عارض دہکتے سرخ تندور بنے تھے۔۔ نظریں اس نے ابھی تک نہیں جھکائی تھیں۔۔ارحام خانزادہ نے اس کے سرخ عارض کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے عارض پر انگلی رکھی۔جو دہکتا شعلہ کے طرح گرم تھا۔۔ارحام نے مسکراتے ہوے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے گاڑی سٹارٹ کی۔

چہرہ ڈھکو میری جان۔۔۔ارحام نے ڈرائیونگ کرتے حور کے کھلے چہرے کو دیکھتے نرمی سے کہا۔۔اس کے لہجے میں تحکم کے ساتھ ہلکا سا سرد پن بھی تھا۔۔جسے حور نے محسوس کرتے جلدی سے اپنا چہرے کا نقاب کیا۔وہ اس کے پردے کو لے کر پہلے دن کی طرح ہی سخت تھا۔۔ارحام نے مسکراتے

ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کا ہاتھ اپنے گرم مضبوط ہاتھ میں لیتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

گاڑی ایک بہت خوبصورت ہوٹل کے سامنے آکر رکی تھی۔۔

حور نے متعجب نگاہوں سے ہوٹل کو دیکھا۔وہ اسے ساڑھی میں ہوٹل میں ڈنر کروانے لایا تھا۔۔یہ بات حیرانگی کا باعث تھی۔

حور نے گہرا سانس لیا۔وہ سمجھ چکی تھی ارحام نے اس کے لیے ہوٹل میں کمرہ بک کروایا ہو گا۔۔وہ کبھی بھی کسی بھی صورت بڑی سی چادر میں بھی ہوٹل کے ڈائینگ ایریا میں اس کے ساتھ ڈنر نہیں کرے گا.۔۔اس کے چہرے پر بھی کسی کی نظر پڑتے وہ گوارا نہیں کرتا تھا۔

ارحام نے گاڑی سے اترتے ہوے حور کے لیے دروازہ کھولتے اس کا ہاتھ تھامتے اسے گاڑی سے باہر نکالا۔۔

حور ارحام کا مضبوط ہاتھ تھامے گاڑی سے باہر نکلی۔

ارحام اسے لیے ہوٹل کے اندر داخل ہوا تھا۔۔ یہ ایک جدید بہت ہی خوبصورت عالیشان ہوٹل تھا۔۔

حور ارحام کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھوں کا پھیلا استعجاب بڑھا تھا۔۔ ہوٹل کے ڈائینگ ایریا میں کوئی نہیں تھا۔۔ پورا ڈائینگ ایریا خالی تھا۔۔ بلکہ پورا ہوٹل ہی خالی تھا۔۔ ہوٹل کے باہر ارحام خانزادہ کے گارڈز کھڑے تھے۔ ہوٹل کے اندر کچھ ویٹر تھے جو ٹیبل سیٹ کر رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھتے ہی ڈائینگ ایریا سے نکل گیے تھے۔۔۔ ڈائینگ ایریا کے ایک طرف بہت بڑی ٹیبل پر بوفٹ ڈنر سجا ہوا تھا۔۔ ان ڈشز کے نیچے مدھم سی

آنچ جل رہی تھی۔۔ایک طرف خوبصورت سی ٹیبل کے وسط میں سرخ گلاب سجے تھے۔۔پوراڈائینگ حال ہی گلاب کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔۔

حور حیرت و استعجاب سے سب دیکھ رہی تھی۔وہ اس کے لیے پوراڈائینگ حال سجائے گا اسے امید نہ تھی۔۔

ارحام ڈائینگ حال کا بہت بڑا گلاس سلائیڈنگ ڈور کو لاک کرتے حور کی طرف بڑھا۔۔۔جو حیرت و استعجاب سے سجے ہوے حال کو دیکھ رہی تھی ۔ارحام نے حور کو مسکراتے ہوے دیکھتے ٹیبل سے ریموٹ اٹھاتے پریس کیا تو ڈائینگ حال کی تمام گلاس وال اور دروازے پر بلائینڈ گر گئے تھے۔

ارحام نے مسکراتے ہوے حور کے ہاتھ تھامے۔۔

یہ ہوٹل میں نے تمھارے لیے خریدا ہے۔۔ تاکہ میری خوبصورت بیوی کا جب بھی باہر کھانا کھانے کا من ہو ہم یہاں آسکے۔۔ تمھیں اعتراض تھا میں نے آفس کے روم میں تمھارے ساتھ وہ سب کچھ کیوں کیا؟؟ تم سے اپنا حق کیوں لیا؟؟۔۔ اسی لیے میں نے یہ ہوٹل خریدا ہے۔۔ حور نے ارحام کی بات پر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔۔ اس ہوٹل کے خریدنے کا آفس رومانس سے کیا تعلق۔۔۔

ارحام اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے گہرا مسکرایا تھا.

تاکہ اگر میں تمھیں یہاں دیکھتے بہک جاؤں۔۔ کچھ گستاخیاں کر ڈالوں ۔۔ تم مجھ پر بعد میں غصہ نہ ہو سکو۔۔ ارحام کی بات پر حور نے اسے سلگتی نگاہوں سے گھور کر دیکھا تھا۔۔

وہ ہمیشہ صرف ایک ہی چیز کے بارے میں بات کر سکتا تھا۔۔ جس کے لیے وہ آج اسے یہاں لایا تھا۔۔ اور اب ادھر اس حال میں رومانس کرنے کا آراداہ رکھتا تھا۔ ایک رومانس کرنے کے لیے اس نے ہوٹل خرید ڈالا۔۔ وہ غصے سے بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔۔۔

یہاں سب کچھ میرے کنٹرول میں ہے۔۔ یہاں کی ایک ایک چیز پر میری نظر ہے۔۔۔ ویسے بھی ارحام خانزادہ کی موجودگی میں کوئی اس کی بیوی اس کی ملکیت کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔۔ اور تم صرف میری ہو۔۔ تمھیں دیکھنے کا تمھیں چھونے کا حق صرف میرا ہے۔۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے بدن سے چادر اتاری۔۔۔ تم صرف میری ہو جان۔۔ ارحام کے باقی لفظ حلق میں ہی دم توڑ گئے تھے۔۔

ارحام خانزادہ سٹل مجسم ہوا تھا۔ وہ گنگ ہوا تھا۔

کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہ تھا۔۔

حور ریڈ کلر کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔۔ جس کا بلاوز انتہائی ڈیپ اور چست تھا۔ ساڑھی کا پلو انتہائی باریک تھا۔ جس میں اس کا دودھیا پیٹ واضح ہو رہا تھا۔۔ سلکی لمبے بال کھلے ہوے تھے۔ ہونٹوں پر ریڈ لپسٹک لگائے ۔۔ آنکھوں میں باریک کاجل لگائے وہ اپنے بجلیاں گراتے حسن کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔ وہ بھڑکتا شعلہ لگ رہی تھی اس ٹائم۔۔۔ اس کا سنگ مرمر سا تراشا بدن۔۔۔ دلکش کندن نشیب و فراز بل کھاتی کمر پانی میں آگ لگانے کے مترادف تھا جیسے۔۔۔۔

ارحام کو یکدم حال میں گھٹن سی ہونے لگی تھی۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے اپنی پچھلی گردن رب کی تھی۔۔

اس کی بیوی اپنے تمام تر جلوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔۔ساڑھی انتہائی سٹائلش اور بولڈ تھی۔۔ جتنی سٹائلش تھی اتنی ہی حور کے قیامت خیز بدن پر جچ رہی تھی۔۔اس کی رعنائیاں چھلک چھلک کر باہر آ رہی تھیں۔۔۔اس کا دودھیا بدن عیاں ہوتا ارحام کے جواں جذبے اسی ٹائم بھڑکا گیا تھا۔۔

ارحام نے حور کو دیکھتے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے۔۔۔وہ اسے کیا کہنا چاہتا تھا؟؟ کیا کہنے والا تھا۔۔وہ بلینک ہو گیا تھا۔لفظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔۔

وہ اپنی سرخ مدہوش آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔۔وہ اس کی بہکتے حسن کے آگے مسمرائز ہوا تھا۔۔

ارحام نے ایک بار پھر سے اپنے سامنے کھڑی حور کو گہری نگاہوں سے دیکھا جو اس کے سامنے کافی پر اعتماد سی کھڑی تھی. جو حویلی کے کمرے میں اس کے ذرا سا دیکھنے پر سرخ گلاب ہوتے نظریں جھکا لیتی تھی۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ عارض سرخ آنار ہو رہے تھے۔۔ مگر وہ نظریں نہیں جھکا رہی تھی۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے اپنی سرخ آنکھیں مسلی تھیں۔۔ جو اسے دیکھتے خماری سے سرخ ہو رہی تھیں۔۔ اس کا خود پر کنٹرول مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔۔

وہ حور سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔۔ ایسے ہی اس کے قریب نہیں جانا چاہتا تھا۔۔ وہ اسے لے کر بہت سی غلط فہمیوں کا شکار تھی۔۔ جو وہ دور کرنا چاہتا تھا۔۔ مگر وہ اس ساڑھی میں اسے پاگل کر چکی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔۔ اس وقت وہ صرف اسے پانے کے لیے مچل رہا تھا۔۔ اس

کے بدن کا حصہ بننے کے لیے اس کے جواں جذبے بہک گیے تھے

۔۔ارحام نے حور پر گہری نگاہ ایک بار پھر سے ڈالی تھی۔۔۔یہ ساڑھی

۔۔۔۔ارحام نے یاد کرنے کی کوشش کی۔۔یہ وہ ساڑھی نہیں تھی جو اس

نے بھیجی تھی۔۔۔اس کا بلاوز اور پلو ایسا نہیں تھا۔۔بلاوز شارٹ تھا مگر

ڈیپ نہیں تھا۔۔ارحام نے جھنجھلاتے ہوے اپنی گردن مسلی۔۔

حور نے مسکراتے ہوے ارحام کو دیکھا۔اس کا ڈمپل دیکھ کر ارحام خانزادہ

مزید پاگل ہوا تھا۔۔

میں آتا ہوں۔۔۔ارحام اپنی آنکھیں مسلتا ہوٹل کے حال میں بنے ہوے

ایک طرف واش روم کی طرف بڑھا

ارحام نے جدید سٹائلش واش روم میں داخل ہوتے ہی اپنا کوٹ اتار کر

دروازے کے ساتھ ہینگ کیا۔

مرر میں دیکھتے ارحام نے واش بیسن کا نل کھل کھولا۔

ارحام کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔۔ ارحام نے اپنی سرخ آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔۔

مجھے آپ سے خوف آتا ہے ارحام۔۔۔۔ مجھے آپ کی سرخ آنکھوں سے خوف آتا ہے ارحام۔۔۔ سماعتوں میں حور کے لفظ گونجے تھے۔

ارحام نے بے تحاشا اپنی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے تھے... اس کی بیوی کو اس کی سرخ آنکھوں سے خوف آتا تھا۔۔ جو اسے دیکھتے مدہوشی سے سرخ ہوئیں تھیں۔۔ ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھوں پر پانی کے مزید چھینٹے مارے۔۔۔ جن کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی ۔وہ اپنی ہی بیوی کا اس قدر دیوانا تھا اسے دیکھتے ہی پاگل ہونے لگتا تھا۔۔ مگر اس کی کم عمر بیوی اپنے لیے اس کی محبت دیوانگی کو سمجھتی ہی نہیں تھی۔۔

ارحام آپ کو میری خوبصورتی اور میرے جسم سے محبت ہے

صرف۔۔۔ سماعتوں میں حور کے لفظ گونجے تو ارحام نے گہرے سانس لیتے

ٹاول سٹینڈ سے ٹاول اتارتے اپنا چہرہ خشک کیا۔

وہ اسے کیسے سمجھاتا اس کے اندر یہ خواہش پیدا ہی تب ہوتی تھی۔۔ جب وہ

اسے دیکھتا تھا سوچتا تھا۔۔ اسے سمپل سے حلیے میں دیکھتے ہی وہ پاگل ہو جاتا

تھا۔ آج تو وہ قیامت خیز حلیے میں اس کے سامنے تھی۔۔

یہ ساڑھی وہ نہیں ہے جو میں نے بھیجی تھی۔۔ ارحام ٹاول سے چہرہ خشک

کرتے زیر لب خود سے بولا تھا۔۔

ہاں یہ وہ ساڑھی نہیں ہے۔۔۔ رنگ وہی ہے مگر یہ وہ ساڑھی نہیں

ہے۔۔ آئی ایم شیور یہ وہ ساڑھی نہیں ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے ٹاول سٹینڈ

پر لٹکاتے شیلف پر ہاتھ جماتے مرر میں دیکھا تھا۔۔

آئی ایم ڈیم شاریہ ساڑھی وہ نہیں ہے۔۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے کہا تھا۔۔

ارحام نے جھنجھلاتے ہوئے ایک بار پھر سے اپنی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔۔ آنکھوں کی سرخی کا کیا کرے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔

ارحام نے سیدھے ہوتے مرر میں دیکھتے ٹاول سے اپنا چہرہ خشک کیا تھا.. اپنے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے اس نے اپنی پینٹ کی بیلٹ ایک بار پھر سے جھنجھلاتے ہوئے ٹھیک کی تھی۔۔ اپنی ہی بیوی کو دیکھتے کوئی یوں بھی اپنا اختیار کھوتا ہے۔۔ وہ بری جھنجھلایا تھا۔۔

مرر میں دیکھتے اس نے اپنے لب بھینچے تھے۔ آنکھوں کی رنگت مزید سرخ ہوگئی تھی۔۔ ارحام نے اپنا کوٹ کے دروازے کے ہینگر سے کھینچ کر اتارا تھا۔۔ اور واش روم کا دروازہ کھولتا باہر آیا۔۔

ارحام کے بھاری قدم حال کے وسط میں ہی رکے تھے۔۔ حور ٹیبل کے پاس کھڑی تھی اس کی پشت اس کی طرف تھی۔۔ اس کے آدھے سلکی بال کمر پر لہرا رہے تھے۔۔ آدھے ایک طرف شانے پر لہرا رہے تھے۔۔

ارحام کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔۔ اس کا بلاوز صرف ایک ڈوری سے اٹیچ تھا۔ باقی کمر برہنہ تھی۔۔۔ اس کی دودھیا شفاف بل کھاتی کمر پر نظر پڑتے ہی ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا ۔۔ اب تو اسے پکا یقین ہو گیا تھا۔۔ یہ وہ ساڑھی نہیں ہے جو اس نے اس کے لیے خریدی تھی۔۔۔ اس ساڑھی کے بلاوز کے پیچھے ہکس تھے۔۔ اور اس بلاوز کے پیچھے صرف ایک ڈوری ہے۔۔ ارحام خانزادہ نے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ مسلی۔۔۔ وہ اپنی سرخ آنکھیں مسلتا حور کی طرف بڑھا۔۔

کیسی ہو ٹھیک ہو؟؟ ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے عارض مسکراتے ہوے ہاتھ رکھا۔

مجھے کیا ہونا ہے۔ میں بلکل ٹھیک ہوں۔۔ حور مبہم سا مسکرائی تھی۔ ڈمپل ایک بار پھر سے شو ہوا تھا۔۔

ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے اس کے ڈمپل پر اپنے لب رکھ گیا۔۔

میرا دھڑکنیں روکنا آتا ہے تمھیں۔۔۔۔ میری بے رحم بیوی۔ ارحام اس کی برہنہ کمر پر اپنا سلگتے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے اس کے کان میں گھمبیر آواز میں بولتا مدھم سی سرگوشی کر گیا تھا۔۔۔ ارحام نے اسے اپنے سینے میں بھینچتے اس کی ناز کی محسوس کرتے اپنی آنکھیں بند کیں۔۔ ایک سکون سا رگوں جاں میں اترتا محسوس ہوا۔۔

حور نے ارحام کے سینے پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔ارحام گہرا سانس لیتے اس کے دھکیلنے پر پیچھے ہوا تھا

۔۔

اس کا یوں پیچھے دھکیلنا اسے ایک پل کے لیے مشتعل کر گیا تھا۔۔ مگر وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے چیئر پر بٹھایا۔وہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔۔اس کے دو ونوں ہاتھ چومتے اس کے لیپ پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

ارحام خانزادہ کے لب اس کے لیپ کو شدت سے چوم رہے تھے۔۔ ایک ہاتھ اس کی کمر پر بے باکی سے رینگ رہا تھا۔۔ حور نے اپنی کمر پر لپٹا ارحام کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔۔ جس کی بے باکی نے شدت اختیار کرتے اس کی دھڑکنوں کو چھوا تھا۔۔۔ حور کے ہاتھ پیچھے ہٹانے پر ارحام نے سرخ آنکھوں سے حور کو دیکھا جو اس کے دیکھنے پر اپنی نظریں پھیر گئی تھی۔۔

ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا جو اپنی نظریں چرائے ہوے تھی۔ چہرے پر ناگواری کا تاثر نہیں تھا۔۔ مگر شدید ناراضگی تھی۔ چہرہ سرد سپاٹ بھی تھا۔۔

کیا ہوا ہے میری جان؟؟ اتنی شدید ناراضگی؟؟ اب کیا کرنا پڑے گا اس بیچارے شوہر کو؟؟ جو اس کی خوبصورت پلس بے رحم مغرور بیوی کو آج کی

رات اپنے شوہر پر رحم آجائے۔۔وہ اپنے شوہر کی شدتوں کی بارش میں بھیگتے اپنے بے قرار شوہر کو سکون دے دے۔۔۔

ارحام نے اس کی لیپ پر ایک بار پھر سے اپنے لب رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے عارض پر اپنا ہاتھ رکھا۔۔

میں بلکل ناراض نہیں ہوں آپ سے ؟؟میرا ماننا ہے انسان کو اس سے ناراض ہونا چاہیے۔۔جو آپ کی زندگی میں میٹر کرتا ہو۔ایگزیسٹ کرتا ہو۔۔جس پر آپ کو مان ہو۔۔

حور کی بات پر ارحام کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔۔

رنگت میں اسی پل سرخیاں گھلی تھیں۔۔وہ اس کی زندگی میں ایگزیسٹ نہیں کرتا۔۔یہ بات اس کے رگوں میں دوڑتا خون بھڑکا چکی تھی۔۔وہ جانتا تھا وہ غصے میں کہہ رہی ہے۔۔مگر پھر بھی برداشت نہیں ہوا تھا۔۔

ارحام کے چہرے کی رنگت شدید سرخی میں بدلتے دیکھ کر حور کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔۔۔جانتی تھی وہ اتنی ہی دیر اپنے غصے پر کنٹرول کر سکتا ہے۔۔۔

پھر غصے میں وہی سب کچھ کرتا ہے جو اصل میں وہ ہے۔

حور کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں شکوے دیکھ کر ارحام نے لب بھینچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔۔

میری جان۔۔۔۔۔۔ تمھارے سب ہی راستے مجھ تک ہی تو آتے ہیں۔۔ جہاں بھی نظر کرو گی اب صرف اپنے شوہر کو پاؤ گی۔۔ ہمممممم۔۔۔۔۔ ارحام نے حور کے عارض پر نرمی سے ہاتھ رکھتے بمشکل ہی اپنی نظریں اس کے دلکش کندن سے خدوخال سے چرائیں تھیں۔۔

ساڑھی کا بلاوز انتہائی ڈیپ اور سٹائلش تھا۔۔ ساڑھی کی بہت خوبصورت فال بنا کر پلو شولڈر سے پن کیا ہوا تھا۔۔

کندھوں اور نشیب و فراز پر گلٹر مساج کیا ہوا تھا۔۔ وہ جانتا تھا وہ بہت ماڈ اور سٹائلش تھی۔۔۔ بیسٹ ورلڈ ڈیزاینر کپڑے پہننے کی عادت تھی اسے۔۔۔ وہ اس ساڑھی میں جتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ اس سے کہیں زیادہ پرکشش اور پے انتہا ماڈ لگ رہی تھی۔ اس نے بہت اچھے انداز

میں ساڑھی کو کیری کیا ہوا تھا۔ اس کا خوبصورت بدن ساڑھی میں قیامت ڈھا رہا تھا۔ ارحام خانزادہ کی نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے سے ہوتی اس کے بدن کے نشیب و فراز میں الجھ کر رہ جاتی تھیں۔۔

ارحام کو ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔۔ وہ اس سے ناراض تھی تو اتنا تیار ہو کر کیوں آئی تھی۔ اور آنا ہی تھا تو اس کی دی ہوئی ساڑھی کیوں نہیں پہنی ۔۔۔ وہ بھی اتنی سٹائلش اور بقول اس کے ولگر۔۔۔ کمرے میں ایسی نائیٹیز پہنتے ہوئے اس کی جان جاتی تھی۔۔ آج یہ ساڑھی بھی اس کی لائی ہوئی ولگر نائیٹیز سے کم نہ تھی۔۔ وہ اس کی دلکش نشیب و فراز پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔۔ حور اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے غصے سے سرخ ہوئی۔

یہ آپ کو لگتا ہے مگر میرے نزدیک ایسا کچھ نہیں ہے۔ حور نے سپاٹ لہجے میں کہتے ارحام کا ہاتھ جھٹکا جو اس کی دھڑکنوں پر سفر کر رہا تھا۔۔

اس کی بات اور ہاتھ جھٹکنے پر ارحام خانزادہ ایک بار پھر سے مشتعل ہوا تھا۔۔

میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔۔ اسی لیے میں آج تمھاری ناراضگی دور کرنے کے لیے ہی لایا ہوں۔۔ ارحام نے اپنے اٹھتے اشتعال کو دباتے اس کے ہاتھوں کو تھامتے اس کی ہتھیلیاں شدت سے چومی تھیں۔۔

اس کے جھٹکنے پر اس کی رگیں غصے سے بھڑکنے لگتی تھیں۔۔ مگر وہ خود پر قابو پا رہا تھا۔ اگر وہ اپنی ناراضگی صرف لفظوں سے شو کرتی تو وہ برداشت کر جاتا۔۔ مگر وہ بار بار اس کے ہاتھ جھٹک رہی تھی۔ جو ارحام خانزادہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کی تھی صرف اس کی۔۔ اس کی

ملکیت۔۔۔اس کا جھٹکنا کہاں گوارا تھا۔۔ اوپر سے وہ بھڑکتا شعلہ بنی ہوئی تھی۔۔جو اس کے تن بدن میں بھی بھڑکتے شعلے دہکا چکی تھی۔۔

میں آپ سے ناراض نہیں ہوں ارحام۔۔۔نہ کبھی ہوں گی۔۔کیونکہ مجھے آپ نے ناراض ہونے کا کبھی حق دیا ہی نہیں۔۔ آپ سے ناراضگی کیسے شو کرنی ہے؟؟ مجھے معلوم نہیں ہے۔۔۔حور سلطان شاہ انھیں ہی اپنی ناراضگی دکھاتی ہے۔۔۔جو اس کے نخرے اٹھاتے ہیں۔۔جیسے سلطان شاہ۔۔ان سے بڑھ کر میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔میں کسی اور سے ناراضگی جتاتی پھروں۔۔

حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

حور کا خود کو حور سلطان شاہ کہنا ارحام خانزادہ کو جیسے سوئیاں چبھو گیا تھا۔۔اور سلطان شاہ کا نام تک اس کے لبوں سے اچھا نہیں لگا تھا۔۔اس کی

زندگی میں اس سے زیادہ کوئی اور اہمیت رکھے یہ برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔۔

میں تمھارے نخرے اٹھاؤں گا۔۔جتنے نخرے کرو گی۔۔ تمھارا ارحام اٹھائے گا۔۔میری جان۔۔۔۔۔۔اور جہاں تک ناراضگی شو کرنے کی بات ہے۔۔وہ تو تم حویلی کے کمرے میں بھی بہت بار شو کر چکی ہو۔۔میری نرمی پر تم ہمیشہ ایسے ہی نخرے دکھاتی ہو.. جیسے ابھی دکھا رہی ہو۔۔ارحام نے اس کے اس کے عارض پر بکھری لٹ بے حد نرمی سے کان کے پیچھے اڑستے بے حد نرمی سے کہا۔

حور سلطان شاہ نے اگر کسی کی نرمی دیکھی ہے وہ صرف سلطان شاہ ہے۔

۔مسٹر ارحام خانزادہ کی نرم طبعیت سے میں واقف نہیں ہوں۔۔سنا ہے

مسٹر ارحام خانزاہ کسی کے لیے کبھی بہت نرم ہوا کرتے تھے۔۔ حور آخری لائن کے لفظ چباتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرائی۔۔

ارحام نے اس کی بات پر سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً گل کی بات کر رہی تھی۔۔۔ وہ آج کی رات گل کا نہ نام لینا چاہتا تھا اور نہ سننا چاہتا تھا۔۔ وہ اپنے اور اس کے بیچ اب کسی تیسرے کا نام بھی نہیں چاہتا تھا۔

اوکے میری جان۔۔۔۔ میں اپنے تمام گناہوں کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔ ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں۔۔۔۔ ارحام نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے حور کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔۔ حور نے حیرت سے اسے دیکھا وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھب۔۔

مجھے آپ کی معافی نہیں چاہیے ارحام۔۔۔۔ حور نے چیختے ہوئے کہا تھا۔۔ وہ غصے سے چیئر سے اٹھتے کھڑی ہوئی تھی۔

ارحام نے لب بھینچے اسے چیختے ہوے دیکھا۔

ارحام بھی اٹھتا کھڑا ہوا۔۔

کیا چاہیے پھر تمھیں؟؟ وہ بتا دو وہ دے دیتا ہوں تمھیں۔۔ ارحام نے لب بھینچے غصے سے کہا۔۔ آپ ہمیشہ ایک ہی بات کرتے ہیں ارحام۔۔۔ آپ کو مجھ سے کیا چاہیے وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔۔ حور چبھتے لہجے میں کہتے آگے بڑھی تھی۔۔ ارحام اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔

کیا چاہیے مجھے تم سے؟؟ ذرا بتاؤ مجھے۔۔ ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے حور کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا۔۔

جس کے لیے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔۔ جس کے لیے آپ نے یہ عالیشان ہوٹل خرید ڈالا۔۔ آپ نے اتنے زیادہ لفظ مجھ سے نہیں بولے۔۔ جتنی

مرتبہ آپ کے ہاتھوں نے بے باکی دکھائی ہے۔۔۔ حور نے غصے سے ارحام کو دور جھٹکا تھا وہ اسے اور قریب کر گیا تھا۔

جتنی بار خود کو مجھ سے دور کرو گی۔۔ اتنا ہی تمھارے قریب آؤں گا۔۔ جب جب تم مجھے ایسے دور جھٹکتی ہو۔۔ تمھارے لیے میری پیاس کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔۔۔ ارحام اسے کمر سے جکڑے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا..

حور نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی اور وہ بھی شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا تھا۔۔

ارحام اپنا جنون اپنی تڑپ اپنی پیاس اس کے سرخ لبوں پر اپنی شدت ڈھاتے اتارنے لگا۔۔۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کیے اس کی سانسیں بے رحمی سے انہیل کر رہا تھا۔۔

حور کی مزاحمت پر ارحام نے اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے زمین سے اوپر اٹھاتے اس کے لبوں کو اور بھی شدت سے انہیل کیا تھا۔۔

اس کے دور جھٹکنے پر اسے اپنی شدت سے سمجھانے کی کوشش کی تھی وہ اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔۔۔نہ ہی وہ اس کے دور جھٹکنے پر کبھی اس سے دور ہو گا۔ارحام کی بے رحم شدت پر حور کی مزاحمت رکی تھی۔۔وہ اس کی مزاحمت پر اس کے لبوں کو بری طرح نشانہ بنانے لگتا تھا۔۔وہ اس کی شدت مزید نہیں سہہ سکتی تھی۔۔

ارحام نے اس کے لبوں کو آزادی دیتے حور کی آنکھوں میں اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے جھانکا۔۔وہ ابھی تک اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے زمین سے اوپر کو اٹھائے ہوے تھا۔۔

حور گہرے سانس لیتی زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔وہ ابھی بھی اپنی من مانیاں کرنے کے لیے اسے یہاں لایا تھا۔۔

ارحام نے گہری نظر اس کے لبوں پر ڈالی جو پہلے سے کہیں زیادہ اس کی شدت سے سرخ اناری ہو گیے تھے۔۔۔

یہ رنگ تمھارے لبوں پر اچھا لگتا ہے۔۔میری شدت کا رنگ۔۔۔ارحام نے گھمبیر آواز میں بولتے نرمی سے اپنے لب اس کے سرخ لبوں پر رکھے تھے۔.

تم میرے لیے کیا ہو؟؟میں تمھیں لفظوں میں کبھی نہیں سمجھا سکتا۔تم بھی اپنی اہمیت میری زندگی میں جانتی ہو۔۔اچھی طرح جانتی ہو میں تمھارا دیوانہ ہوں۔۔اسی لیے تو تم آج اس طرح تیار ہو کر آئی۔۔مجھے ازمارہی تھی۔۔۔دیکھو میں تمھاری آزمائش میں فیل ہو چکا ہوں۔۔اور مجھے کوئی غم

نہیں کہ میں اپنی خوبصورت بیوی کی آزمائش میں پورا نہیں

اترا۔۔۔ کیونکہ تم جب جب ایسے میرا امتحان لو گی تو میں پاگل ہو جاؤں

گا۔ آج یہ بات جان لو۔۔۔ تمھارے لیے میرا جنون کبھی کم نہیں ہو

گا۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں پر اپنے لب باری باری رکھتے انھیں نرمی

سے چوما۔ اس کے چہرے کے نقوش کو وہ دیوانوں کی طرح اپنے لبوں سے

چھوتے وہ اس کی دودھیا گردن پر آیا تھا۔۔ وہاں اپنے لب شدت سے رکھتے

حور کی دودھیا گردن جھلسائی تھی۔۔ ارحام کی شدت اور اس کے دہکتے

لبوں کی تپش سے حور کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔ وہ ابھی بھی اسے زمین

سے اوپر کو اٹھائے ہوے تھا۔۔ ارحام نے اسے زمین پر اتارتے جھکتے ہوے

اس کی دھڑکنوں پر لب رکھے۔۔ حور نے تڑپتے ہوے ارحام کو خود سے

دور کیا وہ اور بھی شدت سے اپنے لب اس کی دھڑکنوں پر رکھتے اس کی

دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا۔۔ ارحام کے لب سرکتے ہوئے اب دھڑکنوں سے نیچے تھے۔۔ ارحام زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے پیٹ پر نرمی سے اپنے پر حدت بوسوں کی بوچھاڑ کرنے لگاون

حور نے گہرے سانس لیتے اسے خود سے دونوں ہاتھوں سے دور کرنا چاہا وہ اس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈالتے جھٹکے سے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

ارحام نے زمین سے اٹھتے حور کو دیکھا جو گہری ہوتی سانسوں سے اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

یہ

ارحام یہاں یہ سب کریں گے آپ میرے ساتھ ؟؟۔۔ حور نے روہانسے ہوتے پوچھا۔۔

اس سب کے لیے میں نے کمرہ بک کروایا تھا۔۔ مگر تمھارے دو آتشہ بہکتے روپ نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔۔ تم سے ایک پل کے لیے دوری مجھے میری دھڑکنیں روک دے گی۔ تم سے مزید ایک پل دور رہا میں مر جاؤں گا۔۔

حور نے رخ پلٹے ارحام کو پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا. ارحام بلکل مدہوش ہوا حور کے قوت سے دور دھکیلنے پر وہ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔۔

ارحام گہرے سانس لیتا جبڑے بھینچتا سرخ آنکھوں سے حور کو دیکھ رہا تھا۔۔ جو دیوار میں سمائے اپنا پلو کندھے سے جکڑے اسے بھیگی نگاہوں سے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

اس کے خود سے دور دھکیلنے سے زیادہ اس کا ساڑھی میں خود کو لپیٹنا اسے مشتعل کر گیا تھا۔۔

وہ ساڑھی کا پلو جیسے کندھے سے جکڑے ہوے اپنے بلاؤز کو نیچے کھسکنے سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی وہ ارحام خانزادہ کا خون بھڑکا گیا تھا۔۔

اس دن آفس میں اپنا حق زبردستی لیا۔۔ آج یہاں لیں گے آپ۔۔۔۔ کوئی تو جگہ چھوڑ دیا کریں مسٹر خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حور ارحام کو دیکھتے غصے سے چیخی تھی۔۔

ارحام اس کے مسٹر خان کہنے پر بری طرح مشتعل ہوا۔۔۔وہ اپنے ہر ایکٹ سے اجنبیت برتنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔وہ جگہ آفس کا تمھارا پرسنل کمرہ تھا۔۔اور یہ ساری جگہ ارحام خانزادہ کی ملکیت ہے جیسے تم ارحام خان کی ملکیت ہو۔۔میری حور ہو تم؟؟میری۔۔بیوی۔۔اور تم اتنا ایکٹ کیوں کر رہی ہو؟؟اچھی طرح جانتی ہو تم۔۔میں تمھارے بغیر نہیں رہ۔سکتا۔۔تم یہ ساڑھی پہن کر آؤ گی اور میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔یہ امپاسبل ہے۔اصل میں تم میرے اموشنز کا مذاق اڑا رہی تھی۔۔یہ سب کچھ تم نے اس لیے کیا تاکہ تم میرا ظبط آزما سکو۔۔۔۔ارحام نے غصے سے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

آپ نے مجھے بلایا میں یہاں چلی آئی اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنی کمر کے پیچھے ہاتھ لے جاتے اپنی ڈوریاں باندھنے کی کوشش کی۔۔

اگر ایسی بات ہے وہ ساڑھی کیوں نہیں پہنی۔۔۔ جو میں نے تمھارے لیے بھیجی تھی۔۔ اتنی ولگر چیپ ساڑھی کیوں پہن کر آئی ہو۔۔ جس میں تمھارا آنگ انگ جھلک رہا ہے۔۔ ارحام ایک ہی جست میں اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ پن کر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال داغا تھا۔۔

وہ۔۔۔۔ ساڑھی مجھے فٹ نہیں آئی میرے سائز کی نہیں تھی۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔۔

مسسز ارحام خانزادہ۔۔۔۔ جتنا تم نے خود کو نہیں دیکھا ہو کا جتنا میں نے دیکھا ہے اس سے کہیں زیادہ تمھارے خوبصورت بدن کی ہر گہرائی اور حصے کا جائزہ لیا ہے۔۔

مجھے ایکوریٹ پتہ ہے تمھارا سائز کیا ہے۔۔ وہ ساڑھی تمھیں فٹ نہ آئے یہ امپاسبل ہے۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ لہجے میں اسے جتایا تھا۔۔

ارحام کی بے باکی سے کہی بات پر وہ تانبے کی مانند سرخ پڑی تھی۔۔۔ آپ کی دی ہوئی ساڑھی بھی چیپ اور ولگر ہی تھی۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے کہا۔۔

لیکن اس ساڑھی سے کہیں کم۔۔۔ مجھے یہ نہیں جاننا کونسی ساڑھی زیادہ چیپ تھی یہ جاننا ہے یہ ساڑھی آخر کیوں پہنی ؟؟ جس میں تمھارا چھپانا یا نہ

چھپانا کوئی معنی نہین رکھتا۔۔ ارحام نے لفظ چباتے ہوے اس کا پلو ایک جھٹکے سے کھینچ ڈالا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور غصے سے چیخی تھا۔

اس کے چیخنے پر ارحام نے بری طرح جبڑے بھینچے تھے۔۔

کیا چاہتی ہو حور؟؟۔۔۔ تمھیں میرا قریب آنا برا لگ رہا۔ ہے۔

مسلہ کیا ہے تمھارے ساتھ۔۔ ارحام نے مشتعل ہوتے پوچھا۔۔ وہ اپنے غصے پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ جو اس کے ہر ایکٹ پر اس کا خون گرما رہا تھا۔۔

مجھے آپ کے قریب آنے سے زیادہ یہ جگہ بری لگ رہی ہے۔۔

مجھے آپ کے ہر جگہ اپنا حق لینے سے سخت نفرت ہے۔ حور نے غصے سے چیختے ہوے کہا۔۔

ٹھیک ہے حویلی چلتے ہیں۔۔ لگتا ہے تمھیں وہ کمرہ بہت یاد آرہا ہے۔۔ ارحام نے اسے دیکھتے غصے سے کہا۔۔

میں مر کر بھی اس کمرے میں نہیں جاؤں گی۔۔۔ وہ کمرہ مجھے سخت زہر لگتا ہے۔۔۔ حور پہلے سے بھی زیادہ غصے سے چیخی تھی۔

ارحام نے جھنجھلاتے ہوے اپنی کنپٹی مسلی۔۔۔

اوکے میری جان۔۔۔۔ تمھیں وہ کمرہ سخت زہر لگتا ہے۔ میں حویلی میں کوئی اور کمرہ ہمارے لیے سیٹ کروا دیتا ہوں۔۔

لیکن حویلی جانے میں ہمیں ابھی چار گھنٹے لگیں گے۔ اتنی دیر تم سے دور رہا تو میں مر جاؤں گا۔ نہ ہی میں ڈرائیو کر سکوں گا۔۔۔ اس لیے آج رات مجھے خود کو یہاں پیار کرنے کا موقع دو۔۔۔ کل صبح جیسے تم چاہو گی۔۔ ویسا ہی ہو گا۔۔ جیسے کہو گی ویسا ہی کروں گا۔۔ ہمممم ارحام نے گھمبیر آواز میں کہتے حور کے عارض پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کی گردن میں منہ چھپاتے اس کی جان لیوہ خوشبو اپنی سانسوں میں اتاری تھی۔۔۔

یہاں لیں گے اپنا حق۔۔۔ حور نے غصے سے لفظ چباتے اسے خود سے پھر سے دور دھکیلا تھا۔

ارحام نے دور ہوتے اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔ اس کا بار بار جھٹکنا ارحام کا ٹیمپر لوز کر گیا تھا۔۔ وہ بنا جھٹکے بھی تو کہہ سکتی تھی۔۔

میں نے تمھارے لیے اس ہوٹل کا روم ڈیکوریٹ کروایا ہے۔ تمھیں اس بہکتے روپ میں دیکھتے خود پر کنٹرول نہیں کر سکا۔۔ یہ حال یہ ہوٹل ہر جگہ تمھاری ملکیت ہے۔۔ مگر تم یہاں نہیں چاہتی۔۔ ہم روم میں چلتے ہیں۔۔ ارحام نے اس کی کمر کے پیچھے ہاتھ ڈالتے اسے اپنے سینے سے لپٹاتے اس کے بلاوز کی ڈوری باندھی تھی۔۔۔۔

آپ نے کمرہ بھی ڈیکوریٹ کروایا تھا۔۔ حور کی بھیگی آواز پر ارحام نے ایک بار پھر سے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اس کی بیوی اس سے کیا چاہتی ہے۔۔ ارحام نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی شرٹ کا تیسرا بٹن بھی غصے سے کھولا تھا11۔۔ اپنا غصہ وہ کیسے دبائے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

تمھارے لیے کمرہ ڈیکوریٹ کروایا تھا۔۔ تمھیں سرپرائز کرنا چاہتا تھا۔۔ لیکن تم نے مجھے سرپرائز کر دیا۔ ارحام نے زبردستی مسکراتے ہوے کہا۔۔ شعلہ بار نگاہ اس کے دہکتے روپ پر بھی ڈالی تھی. جو اسے ایک آزمایش میں ڈالے ہوے تھا۔۔

آپ کمرہ نہ ڈیکوریٹ کرواتے میں تب زیادہ سرپرایز ہوتی۔۔ حور تلخی سے مسکرائی تھی۔

ارحام نے لب دانتوں میں پیوست کیے حور کو ایک نظر دیکھا جو اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔ وہ کیا چاہتی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔۔ مگر وہ کیا چاہتا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔۔

ارحام نے آگے بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھایا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور نے چیختے ہوے مزاحمت کی۔ ارحام اسے اپنے مضبوط بانہوں میں بھرتے حال کے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ دروازہ کھولتے وہ باہر نکل گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہوٹل کے خوبصورت سرخ گلاب سے ڈیکوریٹ کمرے میں داخل ہوتے ارحام نے دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے بند کرتے وہ بیڈ کی طرف بڑھا جہاں سرخ گلاب کی پتیاں پڑی تھیں۔۔

ارحام مجھے نیچے اتاریں۔۔ حور نے کمرے کو دیکھتے ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بھیگے لہجے میں کہا تھا۔۔

ارحام اس کی پکار سنی ان اسنی کرتا اسے لیے بیڈ کی طرف بڑھتے اسے بیڈ کے وسط میں نرمی سے لٹایا تھا۔

ارحام نے اس پر جھکتے اس کی دہکتی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔۔۔

ہے یہ نشہ ہے یا زہر

اس پیار کو کیا نام دیں ہم

کب سے ادھوری اک داستاں

آجا آج اسے انجام دیں

کیا جانے تو میرے آرادے

لے جاؤں گا سانسیں چرا کر

میں جو جی رہا ہوں وجہ تم ہو

ارحام نے گنگناتے ہوے حور کے عارض پر اپنا ہاتھ جماتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

حور نے ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے گلابی ہوتے نظریں جھکائی تھیں۔۔ ارحام کی بے باک نگاہیں اور اس کے ہاتھوں کی تپش سے وہ سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔

حور کے نظریں جھکانے پر ارحام نے مسکراتے ہوے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔۔

ارحام۔۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔۔ حور نے ارحام کو دور دھکیلتے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔۔

ارحام نے اس کی کلائیاں جکڑے حور کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

حور اب اور نہیں۔۔۔۔۔۔۔میں برداشت نہیں کروں گا۔۔میں آج کی رات میں تمھاری رضامندی چاہتا تھا۔ مگر مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔۔بات جب جب تمھاری رضامندی کی آئے گی۔۔تم یہی سب کرو گی۔۔اور میں یہ رات تمھاری بیوقوفیوں اور بچپنے کی نظر نہیں کر سکتا۔۔ارحام نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھتے اس کی آواز گلے میں ہی گھونٹی تھی۔

وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں پیوست کیے چوم رہا تھا۔۔

اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں سختی سے لاک کیے ہوے تھا۔۔ حور اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

اپنی بے بسی پر حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ ارحام اس کے لبوں کو کافی دیر چومنے کے بعد اپنے لب اس کی گردن پر رکھنے لگا

ارحام آج پھر آپ نے ثابت کر دیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔۔ میری خوبصورتی اور میرے جسم سے محبت ہے۔ حور کی بات پر ارحام کے لب بھینچے تھے۔۔ کمر کے بلاوز کی ڈوری پر اس کے ہاتھ رکے تھے۔ ارحام نے اوپر کو ہوتے حور سے دور ہوتے حور کو سلگتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔

آپ کی ہر بات سچ ہو سکتی ہے آپ کو مجھ سے محبت ہے۔۔میں کبھی مر کر بھی یقین نہیں کر سکتی۔۔ جسم کی محبت کو آپ محبت سے مشروط کر رہے ہیں صرف۔۔۔۔ حور نے سرد لہجے میں کہتے ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔وہ اسے خود سے دور دھکیلتی بیڈ سے اٹھتی کمرے سے مکل گئی تھی۔۔ارحام کافی دیر تک بیڈ پر لب بھینچے بیٹھے رہا تھا۔۔اس نے غصے سے گہرے سانس لیتے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔۔اس نے جبڑے بھینچتے اپنے ایک ہاتھ کا مکہ پوری قوت سے اپنی ہتھیلی پر دے مارا تھا۔۔

ارحام بیڈ سے اٹھتے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولتے تیز تیز قدموں سے حال کی جانب بڑھا۔۔

وہ ٹیبل کے پاس کھڑی گہرے سانس لے رہی تھی۔

ارحام نے اس کی طرف بڑھتے اس کے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کیا۔۔

کیا چاہتی ہو تم؟؟خود سے محبت کرنے کی سزا دو گی مجھے تم؟؟اگر مجھے تمھارے جسم سے خوبصورتی سے محبت ہے تو کیا کوئی غیر عورت ہو تم۔۔۔بیوی ہو میری۔۔میری ملکیت میری حور۔۔۔۔اگر تمھیں دیکھتے جسم کی بھوک اٹھتی ہے تو تمھیں اتنی سی بات کیوں سمجھ نہیں آتی۔۔۔یہ جذبہ یہ تڑپ یہ ضرورت صرف تمھیں دیکھ کر تمھیں سوچ کر ہی امڈتی ہے۔۔تمھیں دیکھ کر بے قرار ہو جاتا ہوں۔۔تمھیں سوچ کر ہی تڑپ اٹھتا ہوں۔ارحام اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے غصے سے بولا تھا۔۔

آپ کی محبت جسم سے شروع ہو کر جسم پر ہی ختم ہوتی ہے۔۔آپ نے میرے ساتھ جو کیا ہے میں کبھی نہیں بھولوں گی یاد رکھیے گا۔حور نے جوابًا سپاٹ لہجے میں کہا۔۔

سزا دو گی مجھے اس طرح اپنے قریب نہیں آنے دو گی۔ مجھے۔ ارحام نے سرد لہجے میں استفسار کرتے غرایا تھا۔۔

آپ کی سزا اس سے بڑھ کر ہے مسٹر۔۔۔ خان۔۔۔۔۔۔ یہ سزا تو کچھ نہیں ہے۔

حور کے مسٹر۔ خان۔۔ کہنے پر ارحام نے اپنے لب بری طرح بھینچے تھے۔۔

اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی۔ ہے۔ تم پر حق رکھنے کے باوجود جتا نہیں پا رہا۔۔۔ تمھیں پانے کے لیے کتنا تڑپ رہا۔ ہوں۔ تم میری محبت دیوانگی کبھی سمجھ ہی نہیں۔ سکتی۔۔

خانزادہ نے حور کو سرد نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔۔ وہ اس سے کیا چاہتی ہے؟؟ وہ یہ بات سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔ اس نے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ سرخ و سفید رنگت میں مزید سرخیاں سی گھلی تھیں۔

آپ نے مجھے یہ ڈاکومنٹس دکھائے جن کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔ اب میں آپ کو کچھ ڈاکومنٹس دکھاتی ہوں۔۔ مجھے زیادہ کچھ نہیں چاہیے صرف آپ کے سائن چاہیے ان پر۔۔۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنے سٹائلش سے بیگ سے کچھ پیپرز اور پن نکال کر ٹیبل پر پھینکے تھے۔

ارحام حور پر نظریں گاڑھے ہی اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔ بند مٹھیوں کی کڑکڑاہٹ پورے ہال میں گونجی تھیں۔

اس نے ایک بار بھی ان پیپرز کو نہیں دیکھا تھا۔

حور ارحام کے اشتعال بھرے سرخ چہرے کو دیکھتے نامحسوس انداز میں ٹیبل سے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

جو تمھیں چاہیے وہ منہ سے بولو میری جان۔۔۔ ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے جھکتے ہوے حور کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

سائن کر دیں منہ سے بھی بول لوں گی۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔۔ مگر اس کے قدم نامحسوس انداز میں بتدریج پیچھے کی جانب بڑھ رہے تھے۔۔ جو ارحام کی زیرک نظروں سے مخفی نہ رہ سکے تھے۔

ارحام نے سیدھے ہوتے وہ پیپرز اٹھا کر انھیں کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرتے اپنی مٹھی میں مسلتے زمیں پر پھینکا تھا۔۔

میرے نزدیک بھی تمھارے ان پیپروں کی یہی اوقات ہے۔۔

ارحام حور کی طرف دیکھتے استھزائیہ انداز میں مسکرایا تھا۔۔

اب بولو منہ سے کیا چاہیے تمھیں مجھ سے ؟؟ ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

حور نے سہمتے ہوے بھیگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھتے اپنے قدم مزید پیچھے کی جانب بڑھائے۔۔

وہ آج پوری کوشش کر رہا تھا اس کا ٹیمپر لوز نہ ہو۔۔ مگر سامنے کھڑا نازک وجود اس کا رگوں میں دوڑتا خون اتنا بھڑکا چکا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔۔ مقابل کو آگ لگا دے۔۔ سامنے کھڑی لڑکی آج اس کی جان بھی مانگ لیتی وہ اس کے بنا کہے دے دیتا۔۔ وہ اس سے جو مانگ رہی تھی۔۔ وہ مر کر بھی نہیں دے سکتا تھا۔۔

وہ اس بہکتے دو آتشہ روپ میں اس سے طلاق مانگنے آئی تھی۔۔۔ عورت کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ اور یہ آج اس کی کم سن بیوی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔۔

ارحام نے حور کو سلگتی شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر بمشکل ہی قابو پایا تھا۔۔۔ اپنی پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگایا۔۔ جس سگریٹ کو جس کی وجہ سے نہ پینے

کا وہ تحیہ کر چکا تھا۔۔اب اسی کی وجہ سے وہ پھر سے منہ کو لگائے ہوے تھا۔۔۔اسے یقین ہو چلا تھا اب اس نشے سے اس کی جان نہیں چھوٹنی تھی۔ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے سلگتی تڑپتی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔وہ سچ میں اس کے لیے بے رحم ثابت ہوئی تھی ۔وہ سچ میں حور سلطان شاہ تھی۔۔سلطان شاہ کی بیٹی۔۔۔۔۔اتنی ہی بے رحم اور سفاک۔۔۔۔۔

ڈائینگ ہال میں اب گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ دو نفوس کی سانسیں بھی گونجتی سنائی دے رہی تھیں۔۔

ارحام سگریٹ کے گہرے کش لیتا اپنے ٹیبل کے دوسری طرف اپنے سامنے کھڑے نازک وجود کو سلگتی تبش زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔حور

گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھے۔

ارحام اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جھنجھلایا تھا۔۔

بے رحمی بھی دکھا رہی تھی اور اسے بھیگی نگاہوں سے بھی دیکھ رہی تھی..

ارحام اب اسے دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔۔

کیا اس کی محبت کی ذرا سی آنچ بھی کبھی سامنے کھڑی لڑکی تک نہیں پہنچ پائی۔۔ وہ اس کی بانہوں کی گرمائش میں کبھی اپنے لیے دیوانگی محسوس نہیں کر سکی۔۔

اگر وہ اس سے صرف اپنا حق لیتا اپنی ضرورت پوری کرتا اس کے بدن کے پور پور اپنی سلگتے تڑپتے لبوں کی مہر نہ لگاتا۔۔ رات رات بھر اس کی بانہوں

میں اس کی پیار اور شدتوں میں بھیگتے کیا اسے کبھی اس کی شدتوں میں عشق کی آنچ محسوس نہیں ہوئی..

آج بھی وہ اس کی تڑپ کیوں محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔وہ کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔اگر اسے صرف اپنی ضرورت ہی پوری کرنی ہوتی تو وہ یوں اس کے لیے تڑپ نہ رہا ہوتا۔

وہ اس کی کمزوری تھی اس کے جائز حق کے تقاضے اور تڑپ کے لیے وہ اسے سزا دینا چاہتی تھی۔۔۔

ارحام خانزادہ اب بری طرح پچھتا رہا تھا۔۔وہ آخر کیوں اسے دیکھتے اپنے حواس کھو دیتا ہے!؟؟اسے سوچتے ہی وہ کیوں تڑپ کر رہ جاتا ہے۔۔آخر کیوں وہ اتنا مضبوط مرد ہوتے اپنی کم سن بیوی کے آگے کمزور پڑ جاتا

تھا۔۔ ارحام نے اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھتے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔۔

ٹھیک ہے اگر آپ چاہتے ہیں میں لفظوں سے آپ سے وہ مانگوں تو میں مانگنے کو تیار ہوں۔۔ حور نے ہمت مجتمع کرتے ارحام کی طرف اپنے قدم آہستگی سے بڑھائے تھے۔۔

مجھے آپ سے طلاق چاہیے۔۔ حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں کی لالی نے اسی لمحے شدت اختیار کی تھی۔۔ اس نسگریٹ لبوں سے نکالتے اپنے زخمی انگوٹھے کے پور سے جلتا سگریٹ مسلتے حور کی طرف قدم بڑھائے تھے جسے دیکھتے حور پھر سے کتنے قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

خبر دار ارحام آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔باہر میرے گارڈز کھڑے ہیں۔۔حور پیچھے کو ہوتے اپنے دونوں عارض پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔وہ سامنے کھڑے سفاک انسان کے مارے گئے تھپڑ بھولی نہیں تھی۔۔۔

ارحام اس کی بات سنتے رکا تھا۔۔۔وہ اپنے ساتھ گارڈز بھی لے کر آئی تھی۔۔وہ تو انھیں منع کر آیا تھا۔۔.

ارحام اس کی بات سنتے رکا تھا۔۔۔وہ اپنے ساتھ گارڈز بھی لے کر آئی تھی۔۔وہ تو انھیں منع کر آیا تھا۔ارحام خانزاہ نے اپنی سرد سرخ سوالیہ نگاہیں نازک وجود پر گاڑھیں تھیں۔

آپ کو کیا لگتا ہے۔؟؟میرے پرسنل گارڈز آپ کا حکم مانیں گے۔۔وہ حور سلطان شاہ کے گارڈز ہیں۔۔سلطان شاہ کے ہائر کردہ گارڈز ۔۔۔۔۔۔۔میں جانتی تھی آپ انھیں ساتھ نہیں آنے دیں گے۔۔اس لیے میں نے انھیں پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ ہر حال میں میرے پیچھے آئیں گے۔۔حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔۔

ارحام کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی.

وہ اسے یوں دھمکی دے گی۔۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اچھی طرح جانتی تھی وہ اس سے کتنے ہی فٹ کی دوری پر بھی کسی مرد کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔وہ اس کے معاملے میں گارڈز پر بھروسہ کر رہی تھی۔وہ یہاں ساڑھی پہن کر اس سے ڈائیورس مانگنے کی ہمت اس لیے کر

پائی تھی کیونکہ باہر اس کے گارڈز کھڑے تھے۔۔۔ارحام خانزادہ نے اسے طیش واشتعال سے گھورتے ٹیبل پر بچھے کپڑے کو کھینچا تو ٹیبل پر موجود کانچ کے خوبصورت برتن ایک ہی جست میں زمین بوس ہو کر چکنا چور ہوے تھے۔۔

حور منہ پر ہاتھ رکھ کر چیختے ہوے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔اس کب سٹائلش بیگ بھی زمین بوس ہوا تھا۔۔حور نے جلدی سے زمین سے اپنا پرس اٹھاتے اس میں سے فون نکالا۔۔۔

ارحام سمجھ گیا تھا وہ باہر کھڑے اپنے کسی گارڈز کو فون کر رہی ہے۔۔ارحام نے آگے بڑھتے اسے بازو سے جکڑے اس کے ہاتھ سے سیل فون لیتے پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور نے حلق کے بل چیختے ہوے ارحام کو خود سے دور دھکیلا۔ ارحام اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔

آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ میں جان لے لوں گی آپ کی۔۔ میں حویلی میں رہنے والی حور نہیں ہوں۔۔ جس کے پاس اس کا باپ نہیں تھا۔۔ آپ کے سامنے حور سلطان شاہ کھڑی ہے۔۔ میں آپ کا ظلم مزید نہیں سہوں گی۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سپاٹ مگر لرزتے لبوں سے چیخی تھی.

کیسے لو گی جان میری؟؟۔۔۔۔ اپنے ہاتھوں سے لو گی یا پھر اپنے پرسنل گارڈز کے ہاتھوں مجھے مرواؤ گی۔۔ مسسز ارحام خانزادہ۔۔۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لفظ چباتا ہوا غرایا تھا۔۔

مم میں۔۔۔۔ می۔۔۔ں اپنے ہاتھوں سے لوں گی۔۔ حور کے لہجے میں شبنم کے ساتھ لہجے کی کپکپاہٹ بھی بڑھی تھی۔۔۔ وہ مقابل کے سامنے جتنی مرضی بہادری کا مقابلہ کرے۔۔۔ مگر مقابل کا ڈر اس کے حواسوں پر آج بھی برقرار تھا۔۔ وہ بھولی نہیں تھی اس کے بے رحم انداز اس کی بے رحم شدتیں۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ دیتا تھا۔۔ اس پر بری نظر رکھنے والوں کو مقابل نے کتنی بے رحم موت دی تھی۔۔۔ وہ بھولی نہیں تھی۔۔

مہر ماہ کے ساتھ برا کرنے والوں کو اتنی بے رحمی سے تو سلطان شاہ نے بھی موت نہیں دی تھی۔۔ جتنی بے رحمی اور سفاکی سے مقابل نے اس پر بری نظر رکھنے والوں کو کاٹا تھا۔۔ وہ جانتی تھی سامنے کھڑا انسان سلطان شاہ سے کہیں زیادہ جنونی ہے.

اور یہ بھی جانتی تھی وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ مگر اس نے جو اس کے ساتھ کیا وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔۔ جتنی تکلیف اس نے اسے دی وہ بھی اسے دینا چاہتی تھی۔۔ وہ کبھی بھی اس کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ جو دل میں اپنی پہلی بیوی کو بسائے بیٹھا تھا۔۔ وہ مزید اس کے بستر کی زینت بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔۔۔۔ وہ مزید اس کی جنونیت نہیں سہہ سکتی تھی.

ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے حور کی آنکھوں کی شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔۔

کیسے لو گی اپنے ہاتھوں سے جان۔۔۔۔ یہ بھی بتا دو۔۔۔ کیونکہ ان نازک ہاتھوں میں اتنی جان تو ہے نہیں کہ میرا گلہ دبا سکے۔۔۔ بلکہ میرے گلے تک یہ ہاتھ پہنچ بھی نہیں سکیں۔ ارحام اپنے حصار میں اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے استہزائیہ مسکرایا تھا۔۔

ایک منٹ۔۔۔۔ کہیں میری جان لینے کا بھی بندوبست کر کے تو نہیں آئی تھی؟؟۔۔ ارحام نے طنزیہ بولتے حور کو اپنی بانہوں سے آزاد کیا تھا۔ اس کا پرس ٹیبل سے اٹھائے کھولتے اسے چیک کیا تھا۔۔

جس میں چھوٹی سی پسٹل دیکھتے وہ استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔ وہ ساڑھی پہن کر اس کے سامنے آکر طلاق مانگنے کی جرات اس لیے کر سکی۔۔ کیونکہ وہ اپنے حفاظتی اقدام کر کے آئی تھی.

ویسے تمھیں اس کی ضرورت نہیں تھی تم لفظوں اور اتنے ایکٹ سے بھی میری جان لینا بخوبی جانتی ہو۔۔ ارحام پسٹل دور اچھالتا اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کے سرخ لبوں پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے زخمی لہجے میں بولا۔۔۔

کچھ بھی سمجھیں ارحام۔۔۔ مم میں آپ کے ساتھ حویلی واپس نہیں جاؤں گی۔۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔۔ آپ جان لیں یہ بات۔۔۔۔۔۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سسکی لیتے اپنا فیصلہ سنایا۔۔ وہ اس کے بالوں کو بے رحمی سے جکڑے ہوے تھا۔

میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا یہ بھی جانتی ہو۔۔۔ پھر بار بار مجھ سے طلاق کیوں مانگتی ہو؟؟۔۔۔ ارحام نے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے سلگتے لہجے میں سوال داغا تھا۔۔

مم۔۔۔۔۔۔ میں نہیں بھول سکتی ارحام۔۔۔۔ جو آپ نے میرے ساتھ کیا ۔۔مجھے حویلی میں گھٹی ہوئی وہ راتیں یاد آتی ہیں۔۔ آپ کی تذلیل یاد آتی ہے۔۔ میں جانتی ہوں آپ نے وہ سب اس لیے کیا۔۔۔ کیونکہ میں نے

آپ کے ساتھ غلط کیا تھا۔۔۔ آپ نے مم مجھے۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ سزا دی۔۔ اب سزا دینے کا وقت حور سلطان شاہ کا ہے۔۔ وہ پھر سے خود کو حور سلطان شاہ بولتے اس کے زخمی دل کو کچوکے لگا گئی تھی.

مت کہو خود کو حور سلطان۔۔۔۔۔۔۔ نہیں گوارا تمھارے نام کے ساتھ بھی کسی اور کا نام گوارا..... چاہے تمھارا محرم ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ تم حور خانزادہ ہو۔۔۔ میری حور صرف۔۔۔۔۔ ارحام نے سرد لہجے میں کہتے اس کے بالوں کو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔۔ مگر اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کیا تھا۔۔

مجھے آپ کی ایسی دیوانگی بھری جنونیت میں واپس نہیں آنا

ارحام۔۔۔۔۔ میں حور سلطان شاہ ہوں۔۔۔ صرف حور سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔

حور نے کپکپاتے لبوں سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی

۔۔۔ارحام خانزادہ کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئ تھیں۔۔وہ خود کو حور سلطان شاہ کہہ کر اس کے جنون کو مزید ہوا دے رہی تھی۔۔وہ آتش گیر مادے کی طرح اندر سے پھٹ رہا تھا جیسے۔۔۔۔۔۔۔

میری جائز خواہش۔۔۔۔۔۔اپنے لیے میری تڑپ میری محبت کی مجھے سزا دے رہی ہو ناں۔۔۔ارحام نے سلگتے لہجے میں اس کی براؤن کانچ کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا تھا۔۔حور نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔۔مقابل کی سلگتی سانسیں اس کے ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔۔سانسوں کی آمد روفت سے اسے اپنی سانسیں ٹوٹتی

محسوس ہو رہی تھی۔۔ ارحام اس کی برہنہ کمر پر اپنے گرم آہنی ہاتھ کا دباؤ بڑھا گیا تھا۔۔ حور کے لب اس کی ٹھوڑی سے آن لگے تھے۔۔

تم نے جو کیا میں نے سزا دی۔۔۔ میں نے جو کیا اس کی سزا بھی مجھے مل چکی ہے۔۔ تمھارے عشق تمھاری تڑپ کی صورت میں۔ پھر یہ دوری میرا مقدر کیوں بنانا چاہ رہی ہو؟؟۔ ارحام نے اس کے بالوں کو پھر کے گدی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال داغا۔۔

میرا عشق میرا ساتھ ہمیشہ آپ کے لیے سزا رہا ہے ارحام۔۔۔

حور کے لہجے میں شبنم سی گھلی تھی۔۔

سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔۔۔۔ گل کو اپنا لیں۔۔ وہ آج بھی آپ کے انتظار میں بیٹھی ہے۔۔ آپ کی بیٹی ہے۔۔ جسے آپ اور گل کی ضرورت

ہے۔۔ آپ کا گھر بھی آباد ہو جائے گا دل بھی۔۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے بھرائی آواز میں کہب۔۔

اس ایک بات کی کب تک سزا دو گی؟؟۔۔ ایک مرتبہ گل سے محبت کا جھوٹا اقرار کیا۔۔۔ وہ تمھیں یاد ہے۔۔ اور جو کتنی بار تم سے عشق کا اظہار کر چکا ہوں۔۔ وہ تمھیں محسوس کیوں نہیں ہوتا۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ آپ نے یہ بات تب کہی جب میں نے سچے دل سے آپ سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔۔ آپ کے لفظ میرے منہ پر طمانچہ تھے۔۔

کیسے یقین کروں میں آپ پر؟؟۔۔۔۔ چھ مہینے آپ کے ساتھ رہی ۔۔۔ پانچ مہینے آپ کے منہ سے نفرت کا اظہار سنتی۔۔۔ رہی۔ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔۔ مجھے آپ کی محبت محسوس نہیں ہوتی۔۔۔ آپ کے

منہ سے لفظ عشق مجھے کھوکھلا اور بے معنی لگتا ہے۔ آپ کی محبت محبت نہیں حوس لگتی ہے۔۔ وہ سرد سپاٹ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اس کی روح پر جیسے تازیانے لگا چکی تھی۔۔۔ ارحام نے حور کو اسی لمحے اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔۔ حور پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

ارحام کے چھوڑنے پر حور نے گہرے سانس لیتے نم نگاہوں سے ارحام کو ۔ دیکھا۔ وہ اسے خالی خالی سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

ایک بار پھر سے ہال میں گھمبیر اور گہری خاموشی چھائی تھی. دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔ ایک کی نظروں میں خالی پن تھا۔ دوسرے کی نظروں میں سرد مہری تھی۔۔۔

جیسے تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔۔ہال میں پھیلی خاموشی کو ارحام کی سرد سپاٹ آواز نے توڑا تھا۔۔ارحام خانزادہ کو اپنی آواز جیسے کھائی سے آتے محسوس ہوئی تھی۔۔

حور نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔کیا وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔۔اس نے بے یقینی سے اس کے لفظ سنتے اس کی سرد سپاٹ آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔وہ تو اسے مر کر بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے اتنا یقین تھا۔۔مگر مقابل کیا کہہ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔۔حور نے الجھن بھری نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔۔

جو اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔تھوڑی دیر پہلے والی تڑپ ہر جذبہ مفقود تھا۔لہجہ برف سے بھی زیادہ برفیلہ تھا۔۔

ارحام خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ پن کر گیا تھا۔۔اپنی سرد آنکھیں مقابل کی بے یقین آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

اب میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ آج کے بعد تمھیں دیکھ کر میری پیاس نہیں بڑھے گی۔ آج کے بعد تمھیں دیکھتے میرے اندر کوئی جذبہ نہیں جگے گا۔۔

آج کے بعد ارحام خانزادہ کے لیے اس کا بزنس اس کی بیٹی اہمیت رکھیں گے۔۔ تمھارے بارے میں سوچنے کے لیے ایک لمحہ نہیں ہو گا میرے پاس.۔۔۔۔تم سے اب کبھی اپنے جائز حق کا مطالبہ نہیں کروں گا۔۔نہ کبھی تمھارے بدن تمھاری سانسوں پر اپنا حق جتاؤں گا۔۔۔

لیکن تمھیں چھوڑوں گا نہیں۔۔۔۔۔۔۔ تم میری ہو۔۔۔ میری رہو گی۔

۔۔ جہاں بھی رہو گی۔۔ میری بن کر رہو گی۔۔ اگر اس چہرے کو ارحام

خانزادہ نہیں دیکھے گا۔۔ دنیا کا کوئی مرد نہیں دیکھے گا۔۔۔ چاہے وہ

تمھارے پرسنل گارڈز ہی کیوں نہ ہو ارحام اس کی آنکھوں میں آنکھیں

گاڑھے برفیلے لہجے بولا۔ ارحام کے لہجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا سرد پن

اس کی رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر گیا تھا۔۔

حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا

تھا۔۔ سامنے کھڑے انسان کا یہ روپ بھی الگ تھا۔۔ جو پل میں اس کے

اعصاب ساکت کر گیا تھا۔۔

یہ چہرہ یہ بدن میری آمانت ہیں۔ ان پر غلطی سے بھی کسی کی نظر پڑی

۔۔۔ تم مجھے اس سے بھی بڑھ کر جنونی پاؤ گی۔ سلطان شاہ کے پاس مجھ سے

بڑھ کر پیسہ پاور ہو سکتی ہے۔۔ مگر میرے جیسا جنون نہیں۔۔۔۔۔اس لیے آئیندہ غلطی سے بھی غلطی نہ کرنا۔۔ آج کے بعد تمھارے اور میرے راستے جدا ہیں۔ مگر پھر بھی تم ارحام خانزادہ کے حصار میں رہو گی۔

۔۔۔ صرف اس کی بن کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کو میری دھمکی مت سمجھنا۔۔۔۔میرے بے رحمی سفاکی دیکھ چکی ہو۔۔ تمھیں ذرا سا چھونے والوں کا میں نے کیا حال کیا تھا۔۔

اس لیے خود سے بڑھ کر اس چادر کی حفاظت کرنا۔۔۔ارحام نے سپاٹ لہجے میں بولتے ہوے اس کی چادر کی طرف بڑھا جو چیئر پر پڑی تھی۔۔ارحام نے وہ چادر اٹھا کر سٹل کھڑی حور کی طرف بڑھائی۔

جو حور نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑی تھی۔۔ ارحام کے سرد چہرے کی طرف دیکھتے اس نے چادر اچھی طرح سر پر جماتے اپنا چہرہ ڈھکا تھا۔۔ ارحام تیز تیز قدموں سے ہال سے نکل گیا تھا۔۔

تمھیں اتنی سی بات سمجھ نہیں آرہی کہ میری ضرورت میری ضرورت میری تڑپ کا ہر راستہ تم تک آتا ہے۔۔۔ کوئی اور ذریعہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔۔ اگر محبت ہے۔۔ جسم کی بھوک ہے تو صرف تم سے مشروط ہے۔۔ ارحام اسے کمر سے جکڑے ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔۔

آپ کی جسم کی بھوک مٹانے کا راستہ ہے۔۔ آپ کی محبت آپ کی گل ۔۔۔۔ جو آپ کے دل میں ادھر رہتی ہے۔ حور نے انگشت شہادت کی انگلی ارحام خانزادہ کے دل پر رکھی تھی۔ اسے لے آیئے اپنی زندگی میں

واپس۔۔۔دل میں ہے آپ کے بستر پر بھی آجائے گی۔۔آپ کے بے قرار دل کو قرار آجائے گا۔۔پھر حور کی ضرورت نہیں رہے گی۔۔حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کاٹ دار لہجے میں بولی۔۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے اسے دیکھا تھا۔۔وہ ابھی تک اس کی بات دل پر لگائے ہوے تھی۔

حور گل میری محبت نہیں ہے۔۔تم جانتی ہو یہ سب۔۔۔اس دن میں نے غصے اور اشتعال سے کہا جو بھی کہا۔ارحام نے لب بھینچے وضاحت دی تھی۔

اور انسان غصے میں اکثر اوقات سچ بولتا ہے۔۔۔اور گل آپ کی محبت ہے یہ میں ایک بار نہیں کئی بار سن چکی ہوں۔قربت کے لمحات میں کتنی بار جتایا

ہے کہ گل آپ کو بستر پر بہت خوش رکھتی تھی۔۔میں آپ کا حق ٹھیک طرح سے نبھاتی نہیں۔۔جائیں اب اسی سے اپنا حق لیں جو ٹھیک طرح سے ادا کرنا جانتی ہو۔.

حور کی باتوں پر ارحام نے اپنی پچھلی گردن بری طرح مسلی تھی۔وہ اس کی ہر بات دل پر لگائے بیٹھی تھی۔۔وہ اسے اذیت دینا چاہتا تھا آج خود اذیت پر تھا۔۔

وہ سب تمھیں تکلیف پہنچانے کے لیے کہا تھا۔۔گل سے مجھے اسی دن نفرت ہو گئی تھی جس دن اس نے میرا بچہ اپنے پیٹ میں مار دیا تھا۔۔ہماری پہلی رات کے بعد گل کا نام جب بھی زبان سے لیا صرف نفرت میں لیا تھا۔۔وہ میرے دل میں کہیں نہیں ہے۔میرا یقین کرو۔۔ارحام نے اس کے ہاتھ نرمی سے پکڑے ان پر اپنے لب رکھے..

آپ نے جو میرے ساتھ پہلی رات کیا۔۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔۔ مجھے اس ریلیشن شپ سے نفرت ہے۔۔ مجھے آج تک آپ کی قربت میں سکون نہیں ملا۔۔ آپ نے کبھی میرے بارے میں نہیں سوچا۔۔ حور کا لہجہ گلوگیر ہوا تھا۔۔

اس کی بات پر ارحام تڑپ اٹھا تھا۔۔ یہ صرف لفظ نہیں طمانچہ تھے اس کے لیے۔۔ اس کی بیوی کو اس کی قربت میں کبھی سکون نہیں ملا۔۔ جب اسے محبت کا احساس ہوا تھا تو اس نے ہمیشہ کوشش کی وہ اسے سکون دے۔۔ وہ پہلی رات کو آج تک بھولی ہی نہیں تھی.

اب موقع دو حور بہت پیار کروں گا تم سے۔۔۔ تم میری پناہوں میں سکون پاؤ گی۔۔ تم تو میرا سکون ہو ہی۔۔ میں بھی تمھارا سکون بن جاؤں

گا۔۔ ارحام نے بھاری آواز میں کہتے اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کیا تھا۔۔

میں کبھی موقع نہیں دوں گی آپ کو۔۔۔ آپ نے میرے ڈاکومنٹس جلا دیے تھے۔۔ میں کبھی آپ کی بے رحمی نہیں بھولوں گی۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے اس کا ظلم یاد دلایا تھا۔۔

میں نئے ڈاکومنٹس بنوادوں گا حور۔۔۔۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے کہا

آپ کو کیا لگتا ہے جھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ حور سلطان شاہ خود بنوا سکتی ہے۔ حور نے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

حور سلطان شاہ نہیں۔۔۔۔ حور ارحام خانزادہ ہو تم۔۔ ارحام ٹیبل پر مکہ مارتے دھاڑا تھا۔۔ ٹیبل پر موجوڈ چھریاں کانٹے اور گلاس کی زور دار چھنگ ہوئی تھی۔ ٹیبل بری طرح لرزی تھی۔۔

ارحام کی دھاڑ پر حور بھی بری طرح لرزی۔۔۔ آنکھوں میں شبنم چمکتی عارض کا حصہ بنی تھی.۔۔

حور کو لرزتے دیکھ کر ارحام نے اپنی کنپٹی مسلتے خود پر قابو پایا

حور خانزادہ ہو تم۔۔۔۔۔ ارحام نے نرم لہجے میں اب کی بار آہستگی سے کہا۔

چلا سکتے ہیں۔ مجھے عادت ہے آپ کی دھاڑ سننے کی۔۔ آپ کی بے رحمی سہنے کی۔۔ میرے انگوٹھے کٹ گیا تھا۔۔ کتنی بے رحمی دکھائی تھی دو دن تک مجھے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر گئے تھے۔۔ پاپا ہوتے تو مجھے ایسے دیکھ کر

اپنی جان دے دیتے۔۔۔وہ مجھے سختی سے چھونا تو دور کی بات اونچی آواز میں بات نہیں کرتے۔

حور کی بات ابھی لبوں پر ہی تھی کہ ارحام نے ٹیبل پر سے چھری اٹھا کر اپنے انگوٹھے پر رکتے گہرا کٹ لگایا تھا۔ بھل بھل بہتا خون جاری ہوا تھا۔

حور نے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی چیخ گھونٹی۔۔

اتنا ہی گہرا زخم تھا یا اس سے زیادہ تھا کہتی ہو تو انگوٹھا ہی کاٹ کر پھینک دیتا ہوں۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

آپ۔۔۔آپ نے۔۔۔۔مم میرے۔۔۔زخم پر سپرٹ لگائی تھی جانتے ہیں مجھے کتنی تکلیف ہوئی تھی۔۔حور نے گہرے سانس لیتے ٹوٹے لفظوں سے روتے ہوے کہا۔

ٹیبل سے بلیک پیپر کی ڈبی پکڑ کر ارحام نے اپنے انگوٹھے کے زخم پر چھڑ کا

۔۔

اب کی بار حور کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی تھی جو اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر رو کی نہیں تھی۔

حور اپنے ہر ظلم کا مداوہ کر دوں گا۔۔ میں اپنا سب کچھ تمھارے نام کر چکا ہوں۔۔ یہ ڈاکومنٹس ہیں۔۔ ارحام نے ٹیبل سے ڈاکومنٹس اٹھا کر حور کو پکڑائے تھے۔ جو پریذے کا حصہ تھا وہ اس کے نام کر چکا ہوں۔ یہ ہوٹل میرا بزنس سب تمھارے نام کر چکا ہوں۔۔ بلکہ اپنا آپ بھی تمھارے نام کر چکا ہوں۔۔

مجھے اس سب کی ضرورت نہیں آپ جانتے ہیں۔ حور کے لہجے میں شبنم گھلی تھی. اور بھیگی نگاہیں اس کے زخمی انگوٹھے پر تھیں۔۔۔ جہاں اس نے اچھا خاصہ گہرا کٹ لگایا تھا۔

جانتا ہوں تمھیں اس کی ضرورت نہیں۔۔ یہ میرا پیار ظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔۔۔ تمھیں بتانا چاہتا ہوں۔۔ تم کتنی قیمتی ہو میرے لیے۔۔۔ تمھارے لیے کیا خریدوں کیا کروں۔۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔۔ اس لیے خود سمیت سب کچھ تمھارے نام کر دیا۔۔ تمھیں بتانے کے لیے تمھارا ارحام تمھارے لیے پاگل ہے۔ تم سے محبت نہیں عشق کرتا ہے۔۔

مجھے یہ سب نہیں کچھ اور آپ سے چاہیے۔۔۔ حور نے ڈاکومنٹس ٹیبل پر پھینکے تھے۔۔ ارحام نے ان ڈاکنمنٹس پر نگاہ ڈالتے حور کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے حور کو سرد نگاہوں سے دیکھا تھا۔وہ کیا کہنا چاہتی ہے ۔۔وہ اس سے کیا چاہتی ہے؟؟وہ یہ بات سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔اس نے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔سرخ و سفید رنگت میں مزید سرخیاں سی گھلی تھیں۔

آپ نے مجھے یہ ڈاکومنٹس دکھائے جن کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔اب میں آپ کو کچھ ڈاکومنٹس دکھاتی ہوں۔۔مجھے زیادہ کچھ نہیں چاہیے صرف آپ کے سائن چاہیے ان پر۔۔۔حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنے سٹائلش سے بیگ سے کچھ پیپرز اور پن نکال کر ٹیبل پر پھینکے تھے۔

ارحام حور پر نظریں گاڑھے ہی اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔ بند مٹھیوں کی کڑ کڑاہٹ پورے ہال میں گونجی تھیں۔

اس نے ایک بار بھی ان پیپرز کو نہیں دیکھا تھا۔

حور ارحام کے اشتعال بھرے سرخ چہرے کو دیکھتے نامحسوس انداز میں ٹیبل سے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

جو تمھیں چاہیے وہ منہ سے بولو میری جان۔۔۔ ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے جھکتے ہوے حور کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔۔

سائن کر دیں منہ سے بھی بول لوں گی۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔۔ مگر اس کے قدم نامحسوس انداز میں بتدریج

پیچھے کی جانب بڑھ رہے تھے۔۔جو ارحام کی زیرک نظروں سے مخفی نہ رہ سکے تھے۔

ارحام نے سیدھے ہوتے وہ پیپرز اٹھا کر انھیں کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرتے اپنی مٹھی میں مسلتے زمیں پر پھینکا تھا۔۔

میرے نزدیک بھی تمھارے ان پیپروں کی یہی اوقات ہے۔۔

ارحام حور کی طرف دیکھتے استھزائیہ انداز میں مسکرایا تھا۔۔

اب بولو منہ سے کیا چاہیے تمھیں مجھ سے ؟؟ارحام ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

حور نے سہمتے ہوے بھیگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھتے اپنے قدم مزید پیچھے کی جانب بڑھائے۔۔

وہ آج پوری کوشش کر رہا تھا اس کا ٹیمپر لوز نہ ہو۔۔ مگر سامنے کھڑا نازک وجود اس کا رگوں میں دوڑتا خون اتنا بھڑکا چکا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔۔ مقابل کو آگ لگا دے۔۔ سامنے کھڑی لڑکی آج اس کی جان بھی مانگ لیتی وہ اس کے بنا کہے دے دیتا۔۔ وہ اس سے جو مانگ رہی تھی۔۔ وہ مر کر بھی نہیں دے سکتا تھا۔۔

وہ اس بہکتے دو آتشہ روپ میں اس سے طلاق مانگنے آئی تھی۔۔۔ عورت کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ اور یہ آج اس کی کم سن بیوی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔۔

ارحام نے حور کو سلگتی شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر بمشکل ہی قابو پایا تھا۔۔ اپنی پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگایا۔۔ جس سگریٹ کو جس کی وجہ سے نہ پینے کا وہ تحیہ کر چکا تھا۔۔ اب اسی کی وجہ سے وہ پھر سے منہ کو لگائے ہوے تھا۔۔ اسے یقین ہو چلا تھا اب اس نشے سے اس کی جان نہیں چھوٹنی تھی۔ ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے سلگتی تڑپتی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔ وہ سچ میں اس کے لیے بے رحم ثابت ہوئی تھی ۔وہ سچ میں حور سلطان شاہ تھی۔۔ سلطان شاہ کی بیٹی۔۔۔۔۔ اتنی ہی بے رحم اور سفاک۔۔۔۔۔

ڈائینگ ہال میں اب گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کے ساتھ دو نفوس کی سانسیں بھی گونجتی سنائی دے رہی تھیں۔۔

ارحام سگریٹ کے گہرے کش لیتا اپنے ٹیبل کے دوسری طرف اپنے سامنے کھڑے نازک وجود کو سلگتی تبش زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ حور گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھے۔

ارحام اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جھنجھلایا تھا۔۔

بے رحمی بھی دکھا رہی تھی اور اسے بھیگی نگاہوں سے بھی دیکھ رہی تھی..

ارحام اب اسے دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔۔

کیا اس کی محبت کی ذرا سی آنچ بھی کبھی سامنے کھڑی لڑکی تک نہیں پہنچ پائی۔۔ وہ اس کی بانہوں کی گرمائش میں کبھی اپنے لیے دیوانگی محسوس نہیں کر سکی۔۔

اگر وہ اس سے صرف اپنا حق لیتا اپنی ضرورت پوری کرتا اس کے بدن کے پور پور اپنی سلگتے تڑپتے لبوں کی مہر نہ لگاتا۔۔رات رات بھر اس کی بانہوں میں اس کی پیار اور شدتوں میں بھیگتے کیا اسے کبھی اس کی شدتوں میں عشق کی آنچ محسوس نہیں ہوئی..

آج بھی وہ اس کی تڑپ کیوں محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔وہ کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔اگر اسے صرف اپنی ضرورت ہی پوری کرنی ہوتی تو وہ یوں اس کے لیے تڑپ نہ رہا ہوتا۔

وہ اس کی کمزوری تھی اس کے جائز حق کے تقاضے اور تڑپ کے لیے وہ اسے سزا دینا چاہتی تھی۔۔۔

ارحام خانزادہ اب بری طرح پچھتا رہا تھا۔۔وہ آخر کیوں اسے دیکھتے اپنے حواس کھو دیتا ہے!؟؟اسے سوچتے ہی وہ کیوں تڑپ کر رہ جاتا ہے۔۔آخر

کیوں وہ اتنا مضبوط مرد ہوتے اپنی کم سن بیوی کے آگے کمزور پڑ جاتا تھا۔۔ ارحام نے اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھتے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔۔

ٹھیک ہے اگر آپ چاہتے ہیں میں لفظوں سے آپ سے وہ مانگوں تو میں مانگنے کو تیار ہوں۔۔ حور نے ہمت مجتمع کرتے ارحام کی طرف اپنے قدم آہستگی سے بڑھائے تھے۔۔

مجھے آپ سے طلاق چاہیے۔۔ حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں کی لالی نے اسی لمحے شدت اختیار کی تھی۔۔ اس نسگریٹ لبوں سے نکالتے اپنے زخمی انگوٹھے کے پور سے جلتا سگریٹ مسلتے حور کی طرف قدم بڑھائے تھے جسے دیکھتے حور پھر سے کتنے قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

خبر دار ارحام آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔باہر میرے گارڈز کھڑے ہیں۔۔حور پیچھے کو ہوتے اپنے دونوں عارض پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔وہ سامنے کھڑے سفاک انسان کے مارے گئے تھپڑ بھولی نہیں تھی۔۔۔

ارحام اس کی بات سنتے رکا تھا۔۔۔وہ اپنے ساتھ گارڈز بھی لے کر آئی تھی۔۔وہ تو انھیں منع کر آیا تھا۔۔.

ارحام اس کی بات سنتے رکا تھا۔۔۔وہ اپنے ساتھ گارڈز بھی لے کر آئی تھی۔۔وہ تو انھیں منع کر آیا تھا۔ارحام خانزاہ نے اپنی سرد سرخ سوالیہ نگاہیں نازک وجود پر گاڑھیں تھیں۔

آپ کو کیا لگتا ہے۔؟؟میرے پرسنل گارڈز آپ کا حکم مانیں گے۔۔وہ حور سلطان شاہ کے گارڈز ہیں۔۔سلطان شاہ کے ہائر کردہ گارڈز ۔۔۔۔۔۔۔میں جانتی تھی آپ انھیں ساتھ نہیں آنے دیں گے۔۔اس لیے میں نے انھیں پہلے ہی کہہ دیا تھا وہ ہر حال میں میرے پیچھے آئیں گے۔۔حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔۔

ارحام کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی.

وہ اسے یوں دھمکی دے گی۔۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اچھی طرح جانتی تھی وہ اس سے کتنے ہی فٹ کی دوری پر بھی کسی مرد کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔وہ اس کے معاملے میں گارڈز پر بھروسہ کر رہی تھی۔وہ یہاں ساڑھی پہن کر اس سے ڈائیورس مانگنے کی ہمت اس لیے کر

پائی تھی کیونکہ باہر اس کے گارڈز کھڑے تھے۔۔۔ارحام خانزادہ نے اسے طیش واشتعال سے گھورتے ٹیبل پر بچھے کپڑے کو کھینچا تو ٹیبل پر موجود کانچ کے خوبصورت برتن ایک ہی جست میں زمین بوس ہو کر چکنا چور ہوے تھے۔۔

حور منہ پر ہاتھ رکھ کر چیختے ہوے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔اس کب سٹائلش بیگ بھی زمین بوس ہوا تھا۔۔حور نے جلدی سے زمین سے اپنا پرس اٹھاتے اس میں سے فون نکالا۔۔۔

ارحام سمجھ گیا تھا وہ باہر کھڑے اپنے کسی گارڈز کو فون کر رہی ہے۔۔ارحام نے آگے بڑھتے اسے بازو سے جکڑے اس کے ہاتھ سے سیل فون لیتے پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ حور نے حلق کے بل چیختے ہوے ارحام کو خود سے دور دھکیلا۔ ارحام اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔

آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ میں جان لے لوں گی آپ کی۔۔ میں حویلی میں رہنے والی حور نہیں ہوں۔۔ جس کے پاس اس کا باپ نہیں تھا۔۔ آپ کے سامنے حور سلطان شاہ کھڑی ہے۔۔ میں آپ کا ظلم مزید نہیں سہوں گی۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سپاٹ مگر لرزتے لبوں سے چیخی تھی.

کیسے لو گی جان میری؟؟۔۔۔۔ اپنے ہاتھوں سے لو گی یا پھر اپنے پرسنل گارڈز کے ہاتھوں مجھے مرواؤ گی۔۔ مسسز ارحام خانزادہ۔۔۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لفظ چباتا ہوا غرایا تھا۔۔

مم میں۔۔۔۔ می۔۔۔ں اپنے ہاتھوں سے لوں گی۔۔ حور کے لہجے میں شبنم کے ساتھ لہجے کی کپکپاہٹ بھی بڑھی تھی۔۔۔ وہ مقابل کے سامنے جتنی مرضی بہادری کا مقابلہ کرے۔۔۔ مگر مقابل کا ڈر اس کے حواسوں پر آج بھی برقرار تھا۔۔ وہ بھولی نہیں تھی اس کے بے رحم انداز اس کی بے رحم شدتیں۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ دیتا تھا۔۔ اس پر بری نظر رکھنے والوں کو مقابل نے کتنی بے رحم موت دی تھی۔۔۔ وہ بھولی نہیں تھی۔۔

مہر ماہ کے ساتھ برا کرنے والوں کو اتنی بے رحمی سے تو سلطان شاہ نے بھی موت نہیں دی تھی۔۔ جتنی بے رحمی اور سفاکی سے مقابل نے اس پر بری نظر رکھنے والوں کو کاٹا تھا۔۔ وہ جانتی تھی سامنے کھڑا انسان سلطان شاہ سے کہیں زیادہ جنونی ہے.

اور یہ بھی جانتی تھی وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔۔ مگر اس نے جو اس کے ساتھ کیا وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔۔ جتنی تکلیف اس نے اسے دی وہ بھی اسے دینا چاہتی تھی۔۔ وہ کبھی بھی اس کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔ جو دل میں اپنی پہلی بیوی کو بسائے بیٹھا تھا۔۔ وہ مزید اس کے بستر کی زینت بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔۔۔۔ وہ مزید اس کی جنونیت نہیں سہہ سکتی تھی.

ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے حور کی آنکھوں کی شبنم بڑھتی جا رہی تھی۔۔

کیسے لو گی اپنے ہاتھوں سے جان۔۔۔۔ یہ بھی بتا دو۔۔۔ کیونکہ ان نازک ہاتھوں میں اتنی جان تو ہے نہیں کہ میرا گلہ دبا سکے۔۔۔ بلکہ میرے گلے تک یہ ہاتھ پہنچ بھی نہیں سکیں۔ ارحام اپنے حصار میں اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے استہزائیہ مسکرایا تھا۔۔

ایک منٹ۔۔۔۔ کہیں میری جان لینے کا بھی بندوبست کر کے تو نہیں آئی تھی؟؟۔۔ ارحام نے طنزیہ بولتے حور کو اپنی بانہوں سے آزاد کیا تھا۔ اس کا پرس ٹیبل سے اٹھائے کھولتے اسے چیک کیا تھا۔۔

جس میں چھوٹی سی پسٹل دیکھتے وہ استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔ وہ ساڑھی پہن کر اس کے سامنے آکر طلاق مانگنے کی جرات اس لیے کر سکی۔۔ کیونکہ وہ اپنے حفاظتی اقدام کر کے آئی تھی.

ویسے تمھیں اس کی ضرورت نہیں تھی تم لفظوں اور اتنے ایکٹ سے بھی میری جان لینا بخوبی جانتی ہو۔۔ ارحام پسٹل دور اچھالتا اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کے سرخ لبوں پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے زخمی لہجے میں بولا۔۔۔

کچھ بھی سمجھیں ارحام۔۔۔ مم میں آپ کے ساتھ حویلی واپس نہیں جاؤں گی۔۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔۔ آپ جان لیں یہ بات۔۔۔۔۔۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سسکی لیتے اپنا فیصلہ سنایا۔۔ وہ اس کے بالوں کو بے رحمی سے جکڑے ہوے تھا۔

میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا یہ بھی جانتی ہو۔۔۔ پھر بار بار مجھ سے طلاق کیوں مانگتی ہو؟؟۔۔۔ ارحام نے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے سلگتے لہجے میں سوال داغا تھا۔۔

مم۔۔۔۔۔۔ میں نہیں بھول سکتی ارحام۔۔۔۔ جو آپ نے میرے ساتھ کیا ۔۔مجھے حویلی میں گھٹی ہوئی وہ راتیں یاد آتی ہیں۔۔ آپ کی تذلیل یاد آتی ہے۔۔ میں جانتی ہوں آپ نے وہ سب اس لیے کیا۔۔۔ کیونکہ میں نے

آپ کے ساتھ غلط کیا تھا۔۔۔ آپ نے مم مجھے۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ سزا دی۔۔ اب سزا دینے کا وقت حور سلطان شاہ کا ہے۔۔ وہ پھر سے خود کو حور سلطان شاہ بولتے اس کے زخمی دل کو کچوکے لگا گئی تھی.

مت کہو خود کو حور سلطان۔۔۔۔۔۔۔ نہیں گوارا تمھارے نام کے ساتھ بھی کسی اور کا نام گوارا..... چاہے تمھارا محرم ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ تم حور خانزادہ ہو۔۔۔ میری حور صرف۔۔۔۔۔ ارحام نے سرد لہجے میں کہتے اس کے بالوں کو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔۔ مگر اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کیا تھا۔۔

مجھے آپ کی ایسی دیوانگی بھری جنونیت میں واپس نہیں آنا

ارحام۔۔۔۔۔ میں حور سلطان شاہ ہوں۔۔۔ صرف حور سلطان شاہ۔۔۔۔۔۔۔۔

حور نے کپکپاتے لبوں سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی

۔۔۔ارحام خانزادہ کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئ تھیں۔۔وہ خود کو حور سلطان شاہ کہہ کر اس کے جنون کو مزید ہوا دے رہی تھی۔۔وہ آتش گیر مادے کی طرح اندر سے پھٹ رہا تھا جیسے۔۔۔۔۔۔۔

میری جائز خواہش۔۔۔۔۔۔اپنے لیے میری تڑپ میری محبت کی مجھے سزا دے رہی ہو ناں۔۔۔ارحام نے سلگتے لہجے میں اس کی براؤن کانچ کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا تھا۔۔حور نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔۔مقابل کی سلگتی سانسیں اس کے ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔۔سانسوں کی آمد روفت سے اسے اپنی سانسیں ٹوٹتی

محسوس ہو رہی تھی۔۔ ارحام اس کی برہنہ کمر پر اپنے گرم آہنی ہاتھ کا دباؤ بڑھا گیا تھا۔۔ حور کے لب اس کی ٹھوڑی سے آن لگے تھے۔۔

تم نے جو کیا میں نے سزا دی۔۔۔ میں نے جو کیا اس کی سزا بھی مجھے مل چکی ہے۔۔ تمھارے عشق تمھاری تڑپ کی صورت میں۔ پھر یہ دوری میرا مقدر کیوں بنانا چاہ رہی ہو؟؟۔ ارحام نے اس کے بالوں کو پھر کے گدی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال داغا۔۔

میرا عشق میرا ساتھ ہمیشہ آپ کے لیے سزا رہا ہے ارحام۔۔۔

حور کے لہجے میں شبنم سی گھلی تھی۔۔

سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔۔۔۔ گل کو اپنا لیں۔۔ وہ آج بھی آپ کے انتظار میں بیٹھی ہے۔۔ آپ کی بیٹی ہے۔۔ جسے آپ اور گل کی ضرورت

ہے۔۔ آپ کا گھر بھی آباد ہو جائے گا دل بھی۔۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے بھرائی آواز میں کہب۔۔

اس ایک بات کی کب تک سزا دو گی؟؟۔۔ ایک مرتبہ گل سے محبت کا جھوٹا اقرار کیا۔۔۔ وہ تمھیں یاد ہے۔۔ اور جو کتنی بار تم سے عشق کا اظہار کر چکا ہوں۔۔ وہ تمھیں محسوس کیوں نہیں ہوتا۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں ٹھہری شبنم کو بغور دیکھتے پوچھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔۔ آپ نے یہ بات تب کہی جب میں نے سچے دل سے آپ سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔۔ آپ کے لفظ میرے منہ پر طمانچہ تھے۔۔

کیسے یقین کروں میں آپ پر؟؟۔۔۔۔ چھ مہینے آپ کے ساتھ رہی ۔۔۔ پانچ مہینے آپ کے منہ سے نفرت کا اظہار سنتی۔۔۔ رہی۔ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔۔ مجھے آپ کی محبت محسوس نہیں ہوتی۔۔۔ آپ کے

منہ سے لفظ عشق مجھے کھوکھلا اور بے معنی لگتا ہے۔ آپ کی محبت محبت نہیں حوس لگتی ہے۔۔ وہ سرد سپاٹ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اس کی روح پر جیسے تازیانے لگا چکی تھی۔۔۔ ارحام نے حور کو اسی لمحے اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔۔ حور پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

ارحام کے چھوڑنے پر حور نے گہرے سانس لیتے نم نگاہوں سے ارحام کو ۔ دیکھا۔ وہ اسے خالی خالی سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

ایک بار پھر سے ہال میں گھمبیر اور گہری خاموشی چھائی تھی. دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔ ایک کی نظروں میں خالی پن تھا۔ دوسرے کی نظروں میں سرد مہری تھی۔۔۔

جیسے تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔۔ہال میں پھیلی خاموشی کو ارحام کی سرد سپاٹ آواز نے توڑا تھا۔۔ارحام خانزادہ کو اپنی آواز جیسے کھائی سے آتے محسوس ہوئی تھی۔۔

حور نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔کیا وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔۔اس نے بے یقینی سے اس کے لفظ سنتے اس کی سرد سپاٹ آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔وہ تو اسے مر کر بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے اتنا یقین تھا۔۔مگر مقابل کیا کہہ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔۔حور نے الجھن بھری نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔۔

جو اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔تھوڑی دیر پہلے والی تڑپ ہر جذبہ مفقود تھا۔لہجہ برف سے بھی زیادہ برفیلہ تھا۔۔

ارحام خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ پن کر گیا تھا۔۔اپنی سرد آنکھیں مقابل کی بے یقین آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

اب میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ آج کے بعد تمھیں دیکھ کر میری پیاس نہیں بڑھے گی۔ آج کے بعد تمھیں دیکھتے میرے اندر کوئی جذبہ نہیں جگے گا۔۔

آج کے بعد ارحام خانزادہ کے لیے اس کا بزنس اس کی بیٹی اہمیت رکھیں گے۔۔ تمھارے بارے میں سوچنے کے لیے ایک لمحہ نہیں ہو گا میرے پاس.۔۔۔۔تم سے اب کبھی اپنے جائز حق کا مطالبہ نہیں کروں گا۔۔نہ کبھی تمھارے بدن تمھاری سانسوں پر اپنا حق جتاؤں گا۔۔۔

لیکن تمھیں چھوڑوں گا نہیں۔۔۔۔۔۔۔ تم میری ہو۔۔۔ میری رہو گی۔

۔۔ جہاں بھی رہو گی۔۔ میری بن کر رہو گی۔۔ اگر اس چہرے کو ارحام

خانزادہ نہیں دیکھے گا۔۔ دنیا کا کوئی مرد نہیں دیکھے گا۔۔۔ چاہے وہ

تمھارے پرسنل گارڈز ہی کیوں نہ ہو ارحام اس کی آنکھوں میں آنکھیں

گاڑھے برفیلے لہجے بولا۔ ارحام کے لہجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا سرد پن

اس کی رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر گیا تھا۔۔

حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا

تھا۔۔ سامنے کھڑے انسان کا یہ روپ بھی الگ تھا۔۔ جو پل میں اس کے

اعصاب ساکت کر گیا تھا۔۔

یہ چہرہ یہ بدن میری آمانت ہیں۔ ان پر غلطی سے بھی کسی کی نظر پڑی

۔۔۔ تم مجھے اس سے بھی بڑھ کر جنونی پاؤ گی۔ سلطان شاہ کے پاس مجھ سے

بڑھ کر پیسہ پاور ہو سکتی ہے۔۔ مگر میرے جیسا جنون نہیں۔۔۔۔۔اس لیے آئیندہ غلطی سے بھی غلطی نہ کرنا۔۔ آج کے بعد تمھارے اور میرے راستے جدا ہیں۔ مگر پھر بھی تم ارحام خانزادہ کے حصار میں رہو گی۔

۔۔۔ صرف اس کی بن کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کو میری دھمکی مت سمجھنا۔۔۔۔میرے بے رحمی سفاکی دیکھ چکی ہو۔۔ تمھیں ذرا سا چھونے والوں کا میں نے کیا حال کیا تھا۔۔

اس لیے خود سے بڑھ کر اس چادر کی حفاظت کرنا۔۔۔ارحام نے سپاٹ لہجے میں بولتے ہوے اس کی چادر کی طرف بڑھا جو چیئر پر پڑی تھی۔۔ارحام نے وہ چادر اٹھا کر سٹل کھڑی حور کی طرف بڑھائی۔

جو حور نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑی تھی۔۔ ارحام کے سرد چہرے کی طرف دیکھتے اس نے چادر اچھی طرح سر پر جماتے اپنا چہرہ ڈھکا تھا۔۔ ارحام تیز تیز قدموں سے ہال سے نکل گیا تھا۔۔

ساحر خان نے ڈرائیو کرتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔۔

خود پر اتنا غرور نہیں ہونا چاہیے۔۔ ہو سکتا ہے میں اٹھارہ کی ہونے سے پہلے میں کسی کی ہو جاؤں۔۔ ساحر اس دشمن جاں کے سفاک لفظ یاد کرتے بہتی آنکھوں سے مسکرایا تھا۔

خبر دار۔۔۔۔ تم نے میرے لیے بھیک مانگی۔۔۔ جان لے لوں گا میں تمھاری۔۔ ارحام کی دھاڑ اب اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دی تھی۔ ساحر خان ایک بار پھر سے مسکرایا تھا۔

نہیں پاپا آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا میں اس پسٹل سے اپنی جان لے لوں گی۔۔ وہ اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھے یاد آئی تھی. وہ وہ حور سلطان شاہ تھی ہی نہیں۔۔۔۔ جو کسی کی ذرا سی اونچی آواز پر رشتے توڑ دیتی تھی۔۔۔ وہ تو اس انسان کی ہر بات برداشت کر رہی تھی۔۔

ساحر خان ایک بار پھر سے زخمی سا مسکرایا تھا۔۔

نصیب نصیب کی بات ہے

کوئی نفرت کر کے بھی پیار پاتا ہے

کوئی بے پناہ محبت کر کے

بھی اکیلا رہ جاتا ہے

ساحر خانزادہ اونچی آواز میں بولتے ہنس پڑا تھا۔۔ مگر آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔۔

مجھے اپنوں نے لوٹا غیروں میں کہاں دم تھا

میری کشتی وہاں ڈوبی جہاں پانی میں کم تھا

ساحر خان نے ہنستے ہوے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ نکال کر لبوں سے لگایا۔۔

گاڑی بری طرح ڈولی تھی۔ سٹرینگ پر اس نے گرفت چھوڑ دی تھی۔۔

ساحر خان نے گاڑی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی وہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹتی سڑک کے درخت کے ساتھ جا ٹکرائی تھی.۔۔۔ گاڑی رک چکی تھی۔۔۔ ساحر خان کا سر سٹیرنگ پر لگا تھا۔۔۔ ماتھے سے خون کی دھار بہی تھی۔۔۔

ساحر خان۔۔۔ ماتھے سے خون انگلیوں کے پوروں سے چنتے ایک بار پھر سے ہنس پڑا تھا۔۔

مجھے تو موت بھی نہیں آتی

کمبخت عین ٹائم پر

دھوکہ دے جاتی ہے

ساحر نے ہنستے ہوے سگریٹ پھر لبوں سے لگاتے گہرا کش لیا تھا۔۔

اس نے سیٹ سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوے آنکھیں بند کیں۔۔وہ ستم گر نظروں کے سامنے آئی تھی۔۔اسے یکدم کھانسی کا دوڑا پڑا تھا۔۔وہ دل پر ہاتھ رکھتے کھانستا چلا گیا تھا۔ساحر نے سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیے۔۔۔۔۔

کیسے بند کروں یہ آنکھیں

بند آنکھوں پر اس کی شبیہ

اور واضح ہو جاتی ہے

وہ پھر سے اونچی آواز میں بولا تھا۔۔

ساحر خانزادہ تم نے صیح پروفیشن نہیں چنا۔۔۔۔ تمھیں سنگر کی جگہ شاعر ہونا چاہیے تھا۔۔وہ مسکراتے ہوے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔

کیسا ہے سفر وفا کی منزلوں کا

نہ ہے کوئی حل دلوں کی مشکل کا

دھڑکن دھڑکن بکھری رنجشیں

سانسیں سانسیں ٹوٹی بندشیں

دے دے کوئی جان بھی اگر

دلبر دلبر پہ نہ ہو کوئی اثر

ساحر خان کے لبوں پر مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ آنکھوں سے آنسو جھرنے کی صورت میں بہتے اس کی گھنی بئیرڈ کو بگھو رہے تھے۔۔

پیار ہے یا سزا اے میرے دل بتا

ٹوٹتا کیوں نہیں درد کا سلسلہ

ارحام سرد و سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ حور اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔۔ وہ سرد و سپاٹ انداز میں ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی ۔سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔۔

گئیر بدلتے ہوے ارحام کا ہاتھ حور کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔۔

ارحام نے سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔۔۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔۔ غلطی سے ٹچ ہوا میری کوئی انٹیشن نہیں تھی۔۔ ارحام نے اس کی سیاہ چادر سے نظر آتی آنکھوں میں دیکھتے وضاحت دی تھی۔۔

اٹس اوکے۔۔۔۔ حور سپاٹ انداز میں کہتے ونڈ سکرین پر نظریں جما گئی تھی۔۔ ارحام نے اس کے سرد انداز پر اس کی طرف دیکھتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے۔۔۔۔۔۔ ونڈ سکرین پر برستی بارش کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔۔

ارحام نے آگے ہوتے ہاتھ سے شیشے کو صاف کیا تھا۔۔ جس کی دھنلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔۔

یارباد ے دے کوئی جان بھی اگر

دلبر دلبر پہ نہ ہو کوئی اثر

ارحام خانزادہ نے گاڑی روکتے گہرے سانس لیے تھے۔۔۔ حورا ابھی بھی ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔۔۔

لگتا ہے گاڑی خراب ہو گئی ہے۔۔ میں چیک کرتا ہوں۔۔ ارحام کہتے ہوے گاڑی سے اترا تھا۔۔ تیز برستی بارش کی بوچھاڑ نے اسے بگھو دیا تھا۔ ارحام نے گاڑی سے ٹیک لگائے اپنی پاکٹ سے سگریٹ لائیٹر نکالتے دونوں ہاتھوں

سے پکڑتے بمشکل ہی جلایا تھا۔۔ بارش کی وجہ سے جل ہی نہیں رہا تھا

۔۔۔ ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔۔۔ بارش

کی بوندیں چہرے پر گر رہی تھی۔۔۔۔

ایسی ہی سردیوں کے اغاز میں برستی بارش میں وہ ملے تھے۔۔۔ اور آج

جاتے ہوئی سردی انھیں جدا کر چکی تھی۔۔

ارحام نے سگریٹ لبوں سے نکالتے شوز کے نیچے مسلا تھا۔۔

جو بجھ چکا تھا۔۔ ارحام نے اپنے گرد گارڈز کی رکی گاڑیوں کو دیکھا تھا

۔۔۔ حور سلطان شاہ کے گارڈز کی گاڑیاں۔۔۔۔۔ وہ تلخی سے زیر لب بولتا

مسکرایا تھا۔۔

وہ کافی دیر تک گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا تھا۔۔

کوئی نہ سنے سسکتی آہوں کو

کوئی نہ دھرے تڑپتی بانہوں کو

ارحام برستی بارش کو ایک نظر دیکھتے گاڑی کا دروازہ کھولتے گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ وہ ابھی تک ونڈ سکرین پر نظر جمائے پتھر سی بیٹھی تھی۔۔ ارحام نے لب بھینچتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

گاڑی میں ایک بار پھر سے گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔

برستی بارش کی بوندیں جب ونڈ سکرین پر پڑتی تو یہ گھمبیر خاموشی ٹوٹ جاتی۔۔

مجھے آپ کی محبت محسوس نہیں ہوتی۔۔۔۔ آپ کی محبت محبت نہیں مجھے حوس لگتی ہے۔۔۔ ارحام کی سماعتوں میں اس ستم گر کے زہریلے لفظ گونجے تھے۔

ارحام خانزادہ نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔۔۔۔ اسے جلد از جلد اس بے رحم وجود کو اس کی منزل تک پہنچانا تھا۔۔ اور اس کی منزل شاہ مینشن تھی۔۔۔

وہ تھوڑی دیر میں شاہ مینشن کے گیٹ پر تھا۔

شاہ مینشن آنے پر گاڑی رکی تھی۔۔اس کے ارد گرد بہت سی گارڈز کی گاڑیاں آرکی تھی۔۔ارحام گاڑی روکے ونڈ سکرین پر سرد انداز میں نظریں جمائے بیٹھا تھا۔۔

دونوں ہی سرد انداز میں ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھے۔۔ایک گارڈ نے گاڑی سے اترتے حور کی طرف کا گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔۔

حور خاموشی سے گاڑی سے اترتی شاہ مینشن کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔ گارڈز اس کے ہمراہ اندر داخل ہوے تھے۔۔

ارحام گاڑی میں بیٹھے اسے شاہ مینشن کے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔۔

ارحام کی سلگتی سرد نظریں اس کی پشت پر تھی۔۔وہ گارڈز کے حصار میں آگے بڑھ رہی تھی۔۔

یارباد ے دے کوئی جان بھی اگر

دلبر دلبر پہ ہوناں کوئی اثر

وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو ارحام نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

حیدر خان بلیک شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔۔کندھوں پر بلیک ہی مردانہ شال ڈال رکھی تھی۔۔ہلکی گھنی بیرڈ اور تراشیدہ مونچھوں کے ساتھ بہت وجیح اور خوبرو لگ رہا تھا۔۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا رقیہ خانم کی پکار پر اسے رکنا پڑا۔۔

جی مورے۔۔۔۔ حیدر خان نے رکتے ہوے رقیہ خانم کو دیکھا۔۔

ماشاءاللہ ہمارا بیٹا پر کتنا روپ آیا ہے۔۔ چاند کی طرح چمک رہا ہے ہمارا بیٹا۔ ۔ کنوارا لڑکی سے نکاح کا الگ ہی بات ہوتا ہے۔ رقیہ خانم نے حیدر کی بلائیں لی تھیں۔

حیدر خان پھیکا سا مسکرایا تھا۔

یہ لو۔۔. تم تو اوز گل کے لیے منہ دکھائی کے لیے کچھ لایا نہیں ہو گا۔ رقیہ خانم نے اپنے خاندانی جڑاؤ کنگھن حیدر خان کو تھمائے تھے۔

حیدر نے خاموشی سے وہ کنگھن پکڑے۔۔۔۔ حیدر تم دیکھنا تم کو اللہ جلد دو جڑواں بیٹوں سے نوازے گا۔۔۔۔۔ تمھارا اولاد جلد اس دنیا میں آئے گا۔۔ ہم نے بہت دعائیں تمھارا واسطہ کیا ہے

جانتا ہوں۔۔ مورے۔۔ مجھے آپ کی دعاوؤں پر پورا بھروسہ۔ ہے۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو اپنے حصار میں لیتے ان کا ماتھا چوما تھا۔ اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔ جہاں اوزگل اس کا انتظار کر رہی تھی۔۔

ہمارا بیٹا ہمارا کتنا فرمانبردار ہے۔ فرشتہ جیسا ہزاروں لڑکیاں وہ ہمارے سر پر وار دے۔۔۔ وہ ایک فرشتے کیا چیز تھا۔۔ بانجھ۔۔۔۔۔ طلاق یافتہ عورت ۔۔۔۔۔ ہمارا کنوارا بیٹے کے لائق ہی نہیں تھا۔۔

رقیہ خانم ہنکار بھرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔۔

حیدر خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وز گل ریڈ دلہن کے جوڑے میں نظریں جھکائے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔۔

حیدر خان نے اس کمرے کو بغور دیکھا تھا جہاں کسی کی یادیں بکھری تھیں۔۔وہ گہرا سانس لیتے اوز گل کی جانب بڑھا۔

اس کے قریب بیٹھتے حیدر نے اسے وہ کنگھن پکڑائے تھے۔۔

اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

پہنا دیں خان۔۔ اوز گل نے مسکراتے ہوے اپنی کلائی اس کے سامنے کی تھی۔۔

مجھے آئیندہ خان کبھی مت کہنا اوز گل۔۔۔۔ حیدر اس کی کلائی میں کنگھن پہناتے ہوے بیڈ سے اٹھا۔۔

حیدر کی بات پر اوز گل نے اپنے لب بھینچے تھے۔ حیدر خان حکو بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر وہ اپنا بھاری بھر کم لہنگا سنبھالتے بیڈ سے اٹھتی حیدر کی طرف بڑھتے حیدر خان کے سینے سے آن لگی تھی۔

جو حکم تمھارا حیدر۔۔۔۔ تم اب ہمارا شوہر ہے تم جیسا کہے گا ہم ویسا کرے گا۔۔ اوز گل حیدر خان کے سینے سے لپٹتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اک ادا سے بولی تھی۔

حیدر اس کی بے باکی پر ششدر ہوا تھا۔۔

اوز گل مزید حیدر خان کے ساتھ لپٹی تھی۔۔ رقیہ خانم کی نصیحتوں کا اثر تھا کہ وہ آج کی رات ہر حال میں حیدر سے اپنا حق لے۔۔۔ اور وہ خود بھی یہی چاہتی تھی۔۔ حیدر کی اولاد پیدا کر کے وہ اس حویلی کی مالک بننا چاہتی تھی۔۔۔ اور اس فرشتے کو وہ کسی قیمت حیدر خان کی زندگی میں واپس آنے نہیں دے سکتی تھی۔ وہ بانجھ عورت۔۔۔۔ اوز گل زہریلے لہجے میں سوچتے زہر خند مسکرائی تھی۔۔

اوزگل یہ کیا طریقہ ہے؟؟حیدر خان نے اسے اپنے سینے سے علیحدہ کرتے غصے سے کہا۔

کیوں کیا ہوا حیدر ہم تمھارا نکاح میں آچکا ہے۔۔اب کیسی شرم ۔۔۔۔ تمھارا نظریں چرانا کہہ رہا ہے کہ تم جیسے آج رات ہمارا حق نہیں دے گا۔خالہ تمھارا ہمارا اولاد دیکھنا چاہتا ہے۔۔ہم صبح اٹھ کر خالہ کو کیا منہ دکھائے گا تم نے ہم کو ہمارا حق ہی نہیں دیا۔۔

حیدر اس کے بے باکی بھرے سوال پر ششدر ہوا تھا۔۔وہ اچھی خاصی بے باک تھی۔۔اپنی بات کہہ کر بھی اس کی آنکھوں مین کوئی شرم نہ تھی۔۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔۔

تمھیں تمھارا حق ضرور ملے گا۔۔۔اور آج کی رات ہی ملے گا۔۔میری اولاد اس دنیا میں آئے میں بھی یہ چاہتا ہوں۔۔تاکہ میری زندگی میں سکون آئے۔۔۔۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں تم بے شرمی کی ساری حدیں پار کرو۔۔۔عورت ہو عورت کی طرح ایکٹ کرو۔۔آئندہ میرے مقابل آتے سوال نہ کرنا۔۔حیدر خان۔۔۔۔غصے سے واش روم دروازہ دھاڑ سے کھولتا اندر داخل ہو چکا تھا۔۔

تم ہمارا حق آج رات تو کیا ہر رات دے گا۔۔ہم فرشتہ نہیں اوزگل ہے جو اپنا حق لینا جانتا ہے۔۔تمھارا اولاد آنے دو ہمارا گود میں۔۔۔۔۔ہم دیکھتا ہے تم کیسے اس فرشتہ کا سوگ مناتا ہے۔۔۔وہ فرشتہ اب کبھی تمھارا زندگی میں نہیں آئے گا۔۔۔ایک بانجھ عورت ہمارا مقابل کھڑا ہو رہا تھا۔۔ہمممم

بانجھ کہیں کا۔ اوزگل نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی چوڑیاں اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر ماریں تھیں۔

سات ماہ بعد

زاران خانزادہ بلیک جینز پر وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر بلیک کیجول کوٹ پہنے ہوئے تھا۔۔ جو اس کی سرخ و سفید رنگت اور اس کی ورزشی کسرتی بدن پر خوب جچ رہا تھا۔۔

وجیح خوبرو پر سنیلٹی اور شاندار لگ رہی تھی۔۔

زاران نے اپنے کمرے کی گلاس ونڈو سے باہر جھانکا تھا۔۔ رات شدید برف باری ہوئی تھی۔ ہر چیز سفیدی سے ڈھکی ہوئی تھی۔۔ حویلی کے سرسبز لان

پر برف کی سفید چادر بنی ہوئی تھی۔۔ زاران نے اپنی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی جہاں دن کے نو بج رہے تھے۔۔۔

اسے ایک ایک میٹنگ میں جلد از جلد پہنچنا تھا۔ جو اس کی کے چیف منسٹر کے ساتھ منعقد تھی۔۔ اس کے بعد اسے ایک انٹر پرائزز کے افتتاح کے لیے جانا تھا۔۔ وہ باقاعدہ طور پر سیاست میں قدم رکھ چکا تھا۔۔ ان کچھ ماہ میں وہ شہرت کی بلندیوں پر چڑھ چکا تھا۔۔ اپنے علاقے کا سردار تو پہلے ہی تھا۔۔

اب اپنے صوبے کا منسٹر بھی بن چکا تھا۔۔

زاران اپنا موبائل ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھاتے اپنے کوٹ میں ڈالنے ہی لگا تھا کہ اس کے وٹس اپ میں جس میں ایک ان ناؤن نمبر سے میسجز کی بھرمار تھی۔۔

جنھیں اس نے رات سے سین نہیں کیا تھا۔۔زاران نے نچلا لب دانتوں میں دبائے میسجز اوپن کیے تھے۔۔

جس میں where are you?

بہت سے سوالیہ ؟؟؟مارک سے ریلیٹڈ میسج تھے۔۔جو بہت زیادہ تعداد میں تھے.۔۔

ایک میسج پر اس کی نظر ٹھہری تھی۔

Black does,nt suits you so that's why dont wear black color in today's meeting

آپ پر بلیک کلر بلکل سوٹ نہیں کرتا تو آپ میٹنگ میں بلیک کلر مت پہنیے گا۔۔

زاران خانزادہ نے لب بھینچتے وہ میسج پڑھا تھا۔

زاران نے اپنا کوٹ اتار کر بیڈ اپر چھالا تھا۔۔ اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوے اس نے شرٹ بھی بیڈ پر اچھالی تھی۔ وہ لب بھینچے سنجیدگی سے ڈریسنگ کی طرف بڑھا تھا۔۔ کبرڈ سے بلیک کلر کی شرٹ نکالتے وہ باہر آیا تھا۔۔ اب وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا مرر میں دیکھتے شرٹ پہنتے اس کے بٹن بند کر رہا تھا۔۔۔ اپنا کوٹ بیڈ سے اٹھائے اس نے پہنتے ہوے ڈریسنگ مرر میں دیکھا۔۔ اب وہ فل بلیک کلر میں ملبوس تھا۔۔

ان سات ماہ میں اس نے پہنا ہی صرف بلیک تھا۔

سماعتوں میں کسی کے لفظ گونج رہے تھے۔

زاران مجھے آپ پر بلیک کلر نہیں پسند مت پہنا کریں۔

پھر اپنے لفظ یاد آئے تھے.

اوکے ڈن نہیں پہنوں گا۔۔اگر میری بیوی کی نہیں پسند تو نہیں پہنوں گا۔۔

سچ میں نہیں پہنو گے۔۔اس کی بھیگی آنکھیں یاد آئی تھیں۔۔وہ اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے شدت سے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔۔

زاران نے کوٹ کے اگلے دو بٹن بند کرتے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے خود پر پرفیوم چھڑکا تھا۔۔

ان سات ماہ میں اس نے پہنا ہی بلیک کلر تھا۔۔ کوئی اور کلر پہننا اس پر حرام ہو چکا تھا۔۔ وہ سنجیدگی سے مرر میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی ڈریسنگ پر پڑے موبائل کی وائبریٹ ہونا شروع ہو چکی تھی۔۔

اسی انجان نمبر سے ایک بار پھر سے میسج آنا شروع ہو چکے تھے۔ جنھیں اگنور کرتا وہ موبائل پاکٹ میں ڈالتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

ابرش اپنے کمرے کے بیڈ پر لیٹی اپنے سینے پر موبائل رکھے چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔۔ اس وقت ادھر رات کے تین بج رہے تھے۔۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔۔ اس ستم گر کو کب سے میسج کیے ہوے تھے۔ مگر اس نے ابھی تک سین نہیں کیے تھے۔۔ ابرش کی آنکھوں کے گوشے سے آنسو گرتے تکیے کو بگھو رہے تھے۔۔ ان سات مہینے میں اس

نے ایک کال ایک میسج نہیں کیا تھا اسے۔۔ اسے ہر نمبر آئی ڈی سے وہ بلاک کر چکا تھا. وہ اسے ایک انجان نمبر سے میسج کرتی تھی۔ جسے وہ کبھی کبھی سین کرتے ریپلائے کر دیتا تھا۔۔

ان سات مہینوں میں وہ پاکستان کی مشہور شخصیت بن چکا تھا۔ جس کے ڈفرنٹ انٹریویو اس کے سوشل ایونٹ ہر چیز پر وہ نظر رکھے ہوے تھی۔۔ سارا سارا دن وہ زاران خانزادہ کے بارے مین سرچ کرتی۔ اس کا سوشل سرکل بہت ہائی ہو چکا تھا۔۔ اس کے سوشل اکاؤنٹ میں صرف سات ماہ میں ملین فالورز کی تعداد ہو چکی تھی۔۔ چیف منسٹر سے لے کر پرائم منسٹر کے ساتھ اس کی تصویریں سوشل میڈیا کی زینت بنتی رہتی تھی۔ اس کی فی میل فینز کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اپنی کارکردگی اور اپنی شاندار

پرسنیلٹی کی بدولت اس کے فینز میں ایک بڑی تعداد فی میل کی تھی۔۔ابرش بھی اسے ایک فین بن کر میسج کرتی تھی۔

ابرش اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے سایڈ کروٹ لیے لیٹی تھی۔۔موبائل سکرین پر نظریں دوڑائیں۔۔وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔اس نے اس کے میسج سین کر لیے تھے۔۔مگر ہمیشہ کی طرح جواب نہیں دیا تھا۔

ابرش اپنی بھیگی نگاہیں رگڑتے گھٹنوں میں منہ چھپائے شدت سے رو دی تھی

۔۔۔۔

وہ سچ میں ایک سفاک خانزادہ تھا جو اسے بھول چکا تھا۔۔

میں تمھیں کبھی نہیں بھول سکتی مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔میں تم سے آج بھی اتنی ہی شدت سے محبت کرتی ہوں۔۔اور کرتی رہوں گی۔۔۔وہ ہچکولے لیتے وجود کے ساتھ ہچکیوں سے روتے ہوئے بول رہی تھی.

حیدر خان اوزگل کے ساتھ لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔رقیہ خانم بے قراری سے صوفے سے اٹھتے حیدر خان کی طرف بڑھیں۔

کیا کہا ہے ڈاکٹر نے ؟؟رقیہ خانم نے بے تابی سے پوچھا تھا۔۔

یہی کہ اوزگل کبھی ماں نہیں بن سکتی۔۔حیدر خان سپاٹ لہجے میں بولتا صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔۔اوزگل بھی پتھرائی کیفیت میں صوفے پر بیٹھی تھی۔۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم حیدر۔۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ اوزگل کیسے بانجھ ہو سکتا ہے۔۔ رقیہ خانم نے بھرائی آواز میں سوال کیا۔۔

یہ ہو چکا ہے مورے۔۔۔۔ اوزگل ماں نہیں بن سکتی۔۔ اب ایسا کرین میری تیسری شادی کروادیں۔۔ اگر تیسری شادی سے بھی اولاد نہیں ہوئی تو چوتھی بھی کروادیجیے گا میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حیدر سپاٹ انداز میں کہتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا.

یہ کیا ہو گیا؟؟ یہ کیسے ہو گیا؟؟ رقیہ خانم صدمے کی کیفیت میں بول رہی تھی۔۔

یہ سب تمھارا وجہ سے ہوا خالہ۔۔ تمھارا فرشتے پر ظلم کی وجہ سے ایسا ہوا۔۔ اس کو بانجھ کہہ کر اس حویلی سے نکالا تھا۔۔ آج میں ہم بھی بانجھ ہو چکا ہے۔ تمھارا بڑا بول کی سزا ہم کو مل گیا۔ اوزگل رقیہ خانم کو دیکھتے غصے سے چیخی تھیں۔

اوزگل یہ کس لہجے میں بات کر رہا ہے ہم سے ؟؟ حیدر سن لے گا تو تمھیں اسی وقت گھر سے نکال دے گا۔۔ رقیہ خانم نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔۔

ہم اسی لہجے میں تم سے بات کر رہا ہے۔ جس کے تم لائق ہے۔۔ ہمارا قسمت خراب تھا جس کی وجہ سے ہم تمھارا باتوں میں آ گیا۔۔ ہم یہ حویلی اس زمین جائیداد کی لالچ میں اگیا تھا۔۔ سوچا تھا حیدر خان کو اولاد دے کر ہم اس حویلی کا مالک بن جائے گا۔۔۔ مگر کیا ہوا۔۔۔ نہ حیدر ہمارا ہوا اور نہ یہ

حویلی۔۔۔ایک بٹا ہوا انسان ہمارا حصہ میں آیا ہے۔۔وہ ہم سے محبت کیا کرے گا۔۔اپنا قربت کا لمحات وہ ہم پر احسان کر کے ہمیں دیتا ہے۔۔

کیا فائدہ ہوا اس حیدر خان سے شادی کر کے۔۔۔نہ ہم کو جسمانی سکون ملا حیدر کی قربت سے۔۔۔نہ دلی سکون ملا۔۔اس سے اچھا تھا ہم اس حویلی کا کسی نوکر سے نکاح کر لیتا۔۔کم سے کم وہ ہم کو خوش تو رکھتا۔۔

اوزگل تم ہوش میں ہے یہ کس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔۔تمھارا شرم بلکل مر گیا ہے۔۔تم ہمارا حیدر خان کی بیوی کا ہوتے اس کے نوکر سے شادی کی بات کرتا ہے۔۔اتنا بیہودہ بات کرتا ہے۔۔حیدر نے سن لیا تو زندہ زمین میں گاڑھ دے گا تمھیں۔تم جیسا بے شرم عورت ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔۔۔رقیہ خانم غصے سے بولی۔۔

ہم بے شرم نہیں ہے تم بے شرم ہے۔۔ ہمارا دماغ خراب تھا جو حیدر سے نکاح کر لیا۔۔ اچھا خاصہ ہمارا چچا کا بیٹا ہم سے شادی منا رہا تھا۔ مرتا تھا ہم پر۔۔۔ ہم نے اس حویلی اور جائیداد کی خاطر اس کو منع کر دیا۔۔ مگر اب پچھتا رہا ہے۔۔ ایک بات یاد رکھنا ہم فرشتے نہیں ہے۔۔ جو تمھارا کڑوا کسیلا بات سنے۔۔ وہ حیدر خان پر مرتا تھا۔ مگر ہم نہیں مرتا۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا وہ فرشتے اس حویلی میں داخل نہیں ہو گا۔۔ اگر کبھی ایسا ہوا ہم اپنا جان نہیں لے گا۔۔ تمھارا اور تمھارا بیٹے کی جان لے لے گا۔۔ اوز گل پھنکارتے ہوے وہاں سے اٹھتی کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

فرشتے ریڈ کلر کے خوبصورت کامدار فراک میں ملبوس تھی۔ ریڈ دوپٹہ سر پر اوڑھے۔۔ ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔۔

وہ اتنی دوست غنچہ گل کی بارت پر شریک ہونے آئی تھی.۔۔

فرشتے کے معصوم اور خوبصورت چہرے سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔ آج اسے ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔۔ وہ ریڈ فراک میں اپنی سہیلی غنچہ سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔۔

غنچہ نے گھور کر فرشتے کو دیکھا تھا۔ فرشتے تم کو کس نے بولا تھا کہ تم آج کا دن ہمارا بارات میں یہ سرخ رنگ پہن کر دلہن کی طرح تیار ہو کر آؤ۔۔۔ بارات ہمارا ہے تمھارا نہیں۔۔ غنچہ نے غصے سے فرشتے کو گھورتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

فرشتے زور سے کھکھلائی تھی. دلہن اتنا نہیں بولتا۔۔ زیادہ بولو گی تو یہ روپ بھی ختم ہو جائے گا۔۔ فرشتے لب دانتوں میں دبائے بولی تھی۔۔

فرشتے تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔۔ ہم سچ کہہ رہا ہے۔۔ ہمارا اساس بھی تم پر کیسے واری ہو رہا تھا۔۔ وہ تو تمھارا بیٹوں کو دیکھ لیا تو وہ بیچارہ مایوس ہو گیا۔۔ ورنہ ہم کو تو لگ رہا تھا۔ وہ ہمارا نکاح کی جگہ تمھارا نکاح اپنا بیٹا سے پڑھوا لے گا۔۔

کیسی باتیں کر رہی ہو غنچہ۔۔۔ میں بیوی ہوں حیدر خان کی۔ اس کی آمانت۔۔۔ تم کیسے کسی کا نام بھی میرے ساتھ جوڑ سکتا ہے۔ فرشتے نے سرخ چہرے کے ساتھ غنچہ کو دیکھتے کہا۔

ہم تو مذاق کر رہا تھا تم برا مان گیا۔ غنچہ نے منمناتے ہوے وضاحت دی۔ فرشتے نے بنا کوئی جواب دیے پرام سے دراب کو پکڑتے اپنی گود میں اٹھایا تھا۔۔ جو ہلکا ہلکا نیند سے اٹھتا کسمسا رہا تھا۔۔ فرشتے نے دراب کو اٹھاتے درخشاں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں۔ جو نظر نہیں آ رہی تھی۔۔ دراب کو اس نے جیسے ہی گود میں اٹھایا تھا۔۔ پرام میں سویا زراب گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔ فرشتے نے گھبراتے ہوے زراب کو دیکھا تھا۔۔ وہ دونوں کو بیک وقت گود میں نہین اٹھا سکتی تھی۔ ابھی وہ مہینے کے ہی ہوے تھے۔۔ مگر وہ کافی صحت مند تھے۔

ایک کو ہی گود میں اٹھا لے تو بڑی بات تھی۔۔فرشتے زراب کو روتے ہوے دیکھ کر روہانسی ہوئی تھی ۔ان دونوں میں سے کوئی بھی روتا تھا ۔۔اس سے زیادہ وہ رونے لگ جاتی تھی ۔

لیکن دونوں کو ایک ہی ٹائم پر رونا ہوتا تھا ایک ہی ٹائم پر فیڈ کرنا ہوتا تھا۔۔فرشتے نے زراب کو روتا دیکھ کر اسے بھی پرام سے نکالتے گود میں اٹھایا تھا۔۔اب وہ صوفے سے اٹھتے دونوں کو اپنے کندھوں سے لگائے تھپک رہی تھی.۔۔دونوں گلہ پھاڑ کر رو رہے تھے۔فرشتے نے روہانسے ہوتے درخشاں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں وہ وہاں نظر نہیں ائی۔۔دونوں کو بھوک لگی تھی۔۔وہ ایک ٹائم میں ایک کو ہی فیڈ کرواسکتی تھی۔۔

فرشتے دونوں کو بازوؤں میں بھرتے درخشاں کی تلاش میں آگے بڑھی تھی کہ غنچہ کی دس سال کی بتیجی نے اس سے دراب زبردستی پکڑا تھا.

اللہ باجی۔۔۔۔۔یہ کتنا پیارا ہے۔۔اس نے چٹا چٹا دراب کے گالوں کے بوسے لیے تھے.

رعنا دراب کو مجھے پکڑاؤ۔۔فرشتے نے اگے ہوتے ذعنا سے دراب لینا چاہا۔۔فرشتےءباجی آپ سے ذراب نہیں سنبھالا جارہا۔۔اس کو کیسے دیکھے گا۔۔یہ ہم کو دے دو۔۔ہم اس کو سنبھال لے گا۔۔رعنا دراب کو سینے میں بھینچے بولی۔۔

رعنا تم چھوٹی ہو تم سے گر گیا تو دے ہو دراب مجھے۔۔ فرشتے نے رعنا سے دراب لینا چاہا تھا۔

اللہ فرشتہ باجی۔۔ ہم اتنا چھوٹا بچی نہیں ہے گر جائے۔۔ ہم ابھی آتا ہے۔۔ رعنا دراب کو پکڑے تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیی تھی۔

رعنا۔۔۔ فرشتے تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔۔ وہ اتنی دیر میں ے اس کی طرف بڑھی تھی اتنی دیر میں وہ دراب کو لیے زنان خانے سے نکل گئی تھی۔۔

حیدر خان مردانے سے نکلتا تیزی سے حویلی کے کارپوچ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اوزگل کا فون آیا تھا کہ رقیہ خانم کی طبعیت بہت خراب ہے۔۔ وہ اس

وقت سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ جس پر بلیک شال کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔۔ وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے تیزی سے مردانے سے باہر نکلتا کار پورچ کی جانب بڑھ رہا تھا کہ رعنا جو دراب گود میں اٹھائے بھاگتی ہوئی آرہی تھی۔ حیدر خان سے ٹکرا گئی تھی۔۔ دراب اس کی گود میں گرتے گرتے بچا تھا۔ حیدر خان نے جلدی سے دراب کو پکڑا تھا۔۔ ورنہ وہ گر زمین پر گر جاتا۔۔۔ حیدر خان نے دراب کو پکڑتے اپنے کندھے سے لگایا ۔۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔ یہ کس طرح تم نے ایک چھوٹے سگ بچے کو پکڑا ہوا تھا۔ اور اسے لیے تم بھاگتی آرہی تھی۔۔ یہاں کتنی سردی ہے۔ اس بچے کی ماں کہاں ہے۔۔ حیدر خان نے رعنا کو گھورتے کہا۔۔ رعنا اس کے دوست بازل خان کی بیٹی تھی۔۔ وہ اچھی طرح اس آفت کی پرکالہ کو جانتا

تھا۔۔اس کا دوست بازل خان رعنا کی حرکتوں سے خود بہت تنگ تھا۔جو کوئی نہ کوئی کارنامہ سرانجام دیتی رہتی تھی۔

ہم کو نہیں پتہ۔۔اس کا مورے کہاں ہے۔۔ہم کو تو یہ زمین پر پڑا ملا تھا ہم لے آیا۔۔اب تم ہی اس کا مورے کو ڈھونڈ لو۔۔رعنا دراب کو گرتے دیکھ کر کافی ڈر گئی تھی۔۔حیدر خان کی باز پرس وہ منہ بناتے ہوے بولتی بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

حیدر خان اسے پکارتا رہ گیا تھا۔۔حیدر خان نے دراب کو کندھے سے ہٹاتے دونوں بازوؤں میں اٹھایا تھا۔۔وہ ابھی تک رو رہا تھا۔حیدر خان نے اسے پھر سے کندھے سے لگاتے تھپکی دی تھی۔۔باہر بے تحاشا سردی تھی۔بچہ اچھے خاصے گرم کپڑوں میں ملبوس تھا۔۔حیدر خان نے اپنی شال اس کے گرد دیے اسے اپنے کندھے سے لپٹایا۔۔۔۔وہ تھوڑی ہی دیر میں چپ ہو گیا

تھا۔ حیدر خان کی رگوں میں ایک سکون سب اترا تھا۔۔ آنکھیں نم ہوئی تھیں۔۔ اولاد کی نعمت کا اسے بھی شوق تھا۔۔ کبھی اس نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔۔ مگر اس کے سب دوست صاحب اولاد تھے۔۔ سب کے بچے پانچ پانچ دس سال کے تھے۔۔ حیدر خان کی روح میں اتنے عرصے بعد سکون اترا تھا۔۔۔ حیدر خان نے دراب کو کندھے سے ہٹاتے نم نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔ جو خاموشی سے انگوٹھا چوس رہا تھا۔ حیدر نے مسکراتے ہوئے انگوٹھا اس کے منہ سے نکالا تھا۔۔ دراب کو دیکھتے حیدر خان کے دل میں اولاد کی تمنا شدت سے جاگی تھی۔۔

حیدر خبن نے مسکراتے ہوئے دراب کے ماتھے پر لب رکھے تھے۔ وہ چونکا تھا۔۔ دراب کے کان کے تھوڑا سا نیچے گردن کی طرف ایک ساہ دھبہ سا تھا ۔۔۔۔۔ برتھ مارک۔۔۔ ایسا ہی نشان اس کی گردن کی سائیڈ پر بھی تھا

۔۔اور حاکم خان کی گردن پر بھی تھا۔حیدر خان نے حیرانگی سے دیکھا تھا۔۔ایک پل کے لیے حیدر خان کو دراب میں اپنا عکس نظر آیا وہ بلکل اس کی طرح کا تھا۔۔۔وہی آنکھیں۔۔وہی ناک نقشہ سب کچھ حیدر خان پر تھا۔۔

حیدر خان نم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ حیدر خان کی آنکھوں سے آنسو گرت دراب کے گال پر برسا تھا۔۔دل میں شدت سے تمنا جاگی تھی

۔۔دراب اس کا بیٹا ہوتا۔۔

وہ دراب کو یکدم گلے سے لگا گیا تھا۔۔

فرشتے ذراب کو سینے میں بھینچے تیز تیز قدم اٹھاتے زنان خانے سے نکلتی باہر آئی تھی۔۔ رعنا اسے اندر کہیں نہیں دکھائی دے رہی تھی۔۔ نہ درخشاں دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی جان حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔۔ دراب اور زراب میں اس کی جان بستی تھی۔۔۔ وہ بھیگی نگاہوں سے دراب کی تلاش میں آگے بڑھ رہی تھی. یکدم اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔ دراب حیدر خان کی بانہوں میں تھا۔۔ جسے وہ بازو میں اٹھائے بے تحاشا چوم رہا تھا۔۔ فرشتے کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ وہ سات ماہ بعد حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ دراب کو حیدر خان کی گود میں دیکھ کر اس کی رنگت فق ہوئی تھی۔۔ سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔ فرشتے نے زراب کو سختی سے اپنے بازوؤں میں بھینچا تھا۔۔

خان۔۔۔۔۔۔۔۔میرا بچہ واپس دو۔۔۔۔۔فرشتے نے لرزتے لبوں سے حیدر خان کو پکارا۔۔

حیدر نے فرشتے کی آواز پر حیرت سے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔۔

اپنے سامنے کھڑی فرشتے کو دیکھتے حیدر خان پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔۔وہ ریڈ لباس میں ریڈ دوپٹہ اوڑھے بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔اگود میں ایک بچہ اٹھائے ہوے تھی۔۔جو اسی بچے کا ہم شکل تھا جو حیدر خان نے گود میں بٹھایا ہوا تھا۔۔

حیدر حیرانگی سے فرشتے کو ایکھ رہا تھا. جو پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔۔وہ اسے اتنا تیار دیکھ کر بھی حیران تھا۔اسے تو پورا یقین تھا فرشتے نے اس کی جدائی میں آئینہ دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہو گا۔۔وہ تو اس کے سامنے دلہن بنی کھڑی تھی۔۔

خان۔۔۔میرا بچہ مجھے واپس کر دو۔۔۔فرشتے اب کی بار چیخی تھی۔۔

تمھارا بچہ۔۔۔۔حیدر نے نا سمجھی سے فرشتے کو دیکھا تھا۔۔جو گود میں بچہ اٹھائے بری طرح لرز رہی تھی۔۔

میرا بچہ ہے خان ہہ۔۔میرے بیٹوں پر آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔۔آپ ان کے باپ ضرور ہیں۔۔گر حق صرف میرا ہے۔۔میں اپنا دراب آپ کو نہیں دوں گی۔۔ذراب دراب دونوں میرے بیٹے صرف میرے بیٹے ہیں۔۔آپ کا میرے بیٹوں پر کوئی حق نہیں ہے۔۔فرشتے ذراب کو سینے میں بھینچتے حیدر خان کی طرف بڑھی تھی۔۔ایک ہاتھ سے دراب حیدر خان سے لینا چاہا تھا۔۔حیدر کئی قدم پیچھے کو ہوتے دراب کو سینے میں بھینچ گیا تھا۔

خان۔۔۔فرشتے روتے ہوے چلائی تھی۔

یہ میرے بیٹے ہیں خان۔۔۔ آپ کا میرے بیٹوں پر کوئی حق نہیں ہے۔۔۔مجھے میرا دراب دیں خان۔۔۔ فرشتے ذراب کو سینے میں بھینچتے روتے ہوے بولی۔۔

حیڈر خان دراب کو سینے میں بھینچتے نم نگاہوں سے بے یقینی سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا.

دراب اور زراب اس کے بیٹے تھے۔وہ دو بیٹوں کا باپ تھا۔اسے معلوم نہیں تھا۔حیدر خان نے کندھے سے گود میں منتقل کرتے دراب کو دیکھا تھا۔۔حیدر خان نم نگاہوں سے دراب کو دیکھ رہا ھا۔۔

فرشتے۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا ہے تم یہاں کیوں کھڑا ہے۔۔ درخزئی کی آواز پر فرشتے جلڈی سے درخزئی کی طرف بڑھی تھی۔۔

درخزئی۔۔۔۔۔یہ بچے میرے ہیں۔۔ان کا خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔میرا بیٹا ہے تم خان سے مجھے لے دو۔۔فرشتے درخزئی سے التجائیہ لہجے میں بولی۔۔

درخزئی نے فرشتے کے لرزتے وجوڈ کو دیکھتے زراب کو اس سے لیا تھا۔۔جو فرشتے نے اسے آسانی سے دے دیات ءا۔

حیدر خان نے دراب کو سینے میں بھینچتے فرشتے کے قڑیب کسی غیر مرد کو کھڑے دیکھا تھا۔۔

جو سیاہ لباس میں ملبوس اچھی خاصی پرسینلٹی کا حامل انسان تھا۔۔فرشتے اس کے بے حد قریب کھڑے رو رہی تھی۔۔

حیدر خان کے ماتھے کی رگیں تنی تھیں۔۔رنگت اشتعال کے مارے سرخ ہوئی تھی۔وہ اتنی تیار ہو کر ایک غیر مرد کے قریب کھڑی تھی۔اس کی فرشتے تو کسی غیر مرڈ کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھولتی تھی.

درخزئی تم کھڑے کیا کر رہے ہو۔میرا بچہ خان سے لے کر دو۔۔مجھے اپنا دراب خان کے پاس قبول نہیں ہے۔۔میرے بیٹوں پر اور مجھ پر اب خان کا کوئی حق نہیں ہے۔فرشتے درخزئی کی طرف دیکھتے شدت غم سے روتے ہوے چلائی تھی۔۔

فرشتے کی بات پر حیدر خان کے ماتھے کی رگیں تنی تھیں۔۔رنگت اشتعال کے مارے سرخ ہوئی تھی۔

اس کا فرشتے پر کوئی حق نہیں۔۔فرشتے کے لبوں سے یہ لفظ اسے سوئیاں چبھو گئے تھے۔۔فرشتے ایسا کبھی بولے گی۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔وہ

تو یہی سمجھتا تھا۔ وہ جب بھی اس کی طرف پلٹے گا وہ اس کی ایک پکار پر اس کے پاس چلی آئے گی۔ وہ اس کی تھی صرف اس کی ذاتی ملکیت۔۔۔۔ حیدر خان نے قہر آلود نگاہوں سے فرشتے کو گھورا تھا۔

وہ اتنی تیار ہو کر ایک غیر مرد کے قریب کھڑی تھی۔ اس کی فرشتے تو کسی غیر مرد کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھولتی تھی. حیدر خان سرخ آنکھوں سے فرشتے کو غیض و غضب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا اتنا تیار ہو کر یہاں آنا حیدر خان کے تن بدن میں آگ لگائے ہوے تھا۔۔ اوپر سے وہ کھلے چہرے کے ساتھ باہر کھڑی تھی۔۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اس کے چہرے پر وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ اسے کیسے سات پردوں میں چھپا کر

رکھتا تھا۔۔اور اب وہ کھلے چہرے کے سات ایک غیر مرد کے پاس کھڑی تھی

دراب اب حیدر خان کے حصار میں بری طرح رونے لگا تھا۔۔حیدر خان اسے بہت سختی سے خود بھینچے ہوے تھا۔۔

درخزئی۔۔۔۔فرشتے دراب کے رونے پر بری طرح تڑپتی درخزئی کو ہچکی لیتے پکارا تھا۔۔

حیدر خان کے پورے وجود کی رگیں جیسے ظاہر ہوئی تھی۔۔اس نے مٹھی دبوچتے دراب کو دیکھا جو اس کے حصار میں بری طرح مچلتے رو رہا تھا۔

درخزئی نے آگے بڑھتے حیدر خان کے بانہوں میں مچلتے روتے دراب کو لیا تھا۔ حیدر خان نے خود پر قابو پاتے دراب کو دے دیا تھا۔۔ وہ بری طرح رو رہا تھا۔۔ دراب کا رونا حیدر خان کو تڑپا گیا تھا۔۔ درخزئی حیدر خان کو سرد نگاہوں سے گھورتے دراب اور زراب کو اپنے بازوؤں میں بھرتے فرشتے کی طرف بڑھا۔

چلو یہاں سے درخزئی۔۔۔۔ فرشتے نے ہچکی لیتے ہوے درخزئی کی مضبوط مردانہ بالوں سے بھری ہوئی کلائی تھامی تھی۔۔ وہ ایک نظر حیدر خان پر ڈالتے آگے بڑھ گئی تھی۔

حیدر خان اپنے جبڑے بھینچتے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔۔

سینے میں دہکتا تندور جلا تھا۔۔ اس نے اس کے سامنے کسی غیر مرد کی کلائی پکڑی تھی۔۔ اس کی فرشتے جو کسی غیر مرد کے چھونے پر دوزخ کی آگ

سے ڈرتی تھی۔ وہ آج کسی غیر مرد کی کلائی جکڑے ہوے تھی۔ حیدر خان کے پورے وجود میں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔

فرشتے اسی ریڈ دوپٹے کا نقاب کرتے درخزئی کے ہمراہ تیز تیز قدموں سے کارپورچ کی طرف بڑھی۔۔۔

حیدر خان اپنے بچوں اپنی بیوی کو کسی غیر انسان کے ساتھ جاتا دیکھتے خود پر بمشکل قابو پائے ہوے تھا۔۔

اسفندیار خان امریکہ کی سٹی نیویارک میں اپنے اپارٹمنٹ میں صوفے پر بیٹھے دونوں ٹانگوں کو ٹیبل پر پھیلائے ہوے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے ہوے تھا۔ لیپ ٹاپ اس کی لیپ پر رکھے ہوے تھا۔ وہ سگریٹ

سلگائے لبوں میں دبائے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے ہوے گہرے کش لے رہا تھا۔۔ نیلی آنکھوں کی رنگت ہلکی سی سرخی مائل تھی۔۔ چہرہ سرد و سپاٹ تھا۔۔

اس وقت پاکستان میں رات کے دو بج رہے تھے۔۔ نیو یارک میں شام کے چار بج رہے تھے۔۔

سکرین پر نظر آتے منظر کو دیکھتے اسفندیار خان کی مردانہ آنا کو کافی سکون مل رہا تھا۔ وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا اس نازک وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو پچھلے چار گھنٹوں سے تکیے میں منہ چھپائے زار و قطار رو رہی تھی۔۔ اس کے گلابی لبوں کی جنبش سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ لب کس کو پکار رہے ہیں۔ وہ نازک وجود رات کو گھنٹوں اسی ایک نام کی تو مالا جپتے روتے رہتا تھا۔

اسفندیار خان کے لبوں پر بکھری تلخ زخمی مسکراہٹ میں آضافہ ہو رہا تھا۔۔

۔اس کی آنکھیں سرد سرخ تھیں۔۔وہ اس نازک وجود کو روتے دیکھ کر

اظطرابی انداز میں سگریٹ کی گہرے کش لے رہا تھا۔

۔وہ زاران خانزادہ کی بہن کو تکلیف دینا چاہتا تھا۔۔وہ پچھلے سات ماہ سے اس

کی بہن کو بن آب مچھلی کی طرح تڑپا رہا تھا۔۔اس کی سسکیاں اس کا تڑپنا

اسفندیار خان کو کافی سکون پہنچا رہا تھا۔۔وہ جب اس کے کمرے میں اس کی

تصویر کو چومتے بے تحاشا روتی تو اسفندیار خان کی کھردری انگلیاں سکرین پر

تھرتھراتی رہتی تھیں۔۔

جانتا تھا وہ اس کی محبت میں دیوانی ہے۔ اور یہ سات ماہ اسے بخوبی احساس دلا چکے تھے وہ تو اس کی محبت میں شدید پاگل ہے۔۔ اس کا کمرہ عابیر خان کے لیے ماتم کدہ بن چکا تھا۔۔

ان سات ماہ میں اس نے پل پل عابیر پر نظر رکھی تھی۔۔ عابیر خان کو تڑپتے دیکھ کر اسفندیار خان کے بدلے کی آگ کو کافی ٹھنڈک پہنچ رہی تھی۔۔ وہ پاس رہ کر عابیر اسفندیار خان کو کبھی تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔۔ مگر دور رہ کر وہ اسے درد کی انتہا پر تڑپتے دیکھنا چاہتا تھا تاکہ زاران خانزادہ بھی اسی تکلیف سے گزرے جس تکلیف سے وہ گزر رہا تھا۔۔

اسفندیار خان نے تلخی سے مسکراتے لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھا جہاں نازک وجود بری طرح ہچکولے بھر رہا تھا۔ اسفندیار خان نے استھزائیہ

مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ کو بند کیا تھا۔۔وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا

آنکھیں موند گیا تھا۔۔ نظروں کے سامنے وہ دلہن بنی نظر آئی

تھی۔۔میرون پٹھانی فراک پہنے ہوئے تھی۔۔ماتھا پٹی لگائے ریڈ لپ سٹک

لگائے اپنے سہنری سلکی بالوں کا ڈھیلا سا سائیڈ جوڑا بنائے ہوئے

تھی۔۔ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل کی باریک تہہ لگائے ہوئے تھی.

۔وہی کاجل جو کبھی اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اچھا نہیں لگا تھا۔۔اپنی

انکھوں کو وہ سجائے کہاں گورا تھا۔۔وہ گہری سرمئی آنکھیں تو ویسے ہی اسے

پاگل کر دیتی تھیں۔۔اور اس رات بھی اس کی سرمئی آنکھوں میں کاجل

اچھا نہیں لگا تھا۔۔وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے آنکھیں موندیں ہوئے

تھا۔کہ اس کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے بے چین کر چکے تھے

!!اسفندیار خان عابیر خان اب کبھی آپ کے لیے خود کو نہیں سجائے گی۔۔اپنے دل سے آج اور ابھی میں ہر جذبہ نکال کر پھینکتی ہوں۔عابیر خان وہ دل ہی نکال کر پھینک دے گی جو کبھی آپ کے نام پر دھڑکا بھی ۔۔یہ لب اب کبھی اسفندیار خان نہیں پکاریں گے۔۔یہ دل آپ کے نام پر اب کبھی نہیں دھڑکے گا!!

اسفندیار خان عابیر کے لفظ یاد کرتا استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

مسسز عابیر خان روز راتوں کو تکیے میں منہ چھپائے اسفندیار خان کے نام کی مالا جپتی ہو۔اور بات کرتی ہو مجھے اپنے دل سے نکالنے کی۔۔تم مر سکتی ہو اسفندیار خان کو نہیں بھول سکتی۔۔اب ساری عمر تم میرے لیے تڑپو گی۔۔یہی تمھاری سزا ہے۔اسفندیار خان نے آنکھیں موندیں اپنے عنابی لبوں سے روز کے لفظ دہرائے تھے۔

نظروں کے سامنے اس کا دو آتشہ روپ آیا تھا۔۔ اسفندیار خان آنکھیں کھولتا بے چینی سے سیدھا ہوا تھا۔۔

اسفند اس کا دہکتا روپ یاد کر کے جلتی لکڑی کی مانند دہکا تھا۔

میں اسفندیار خان ہوں۔ اپنے دشمن کی آنکھوں میں دیکھتے ان کی آنکھیں نکال لینے والا۔ اپنے رب کے علاوہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔۔ دوستوں کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہوں۔۔ مگر دشمنوں کے لیے میں ایک قہر ہوں۔۔ کیسے بھول گیا یہ زاران خانزادہ؟؟ وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے حلق کے بل دھاڑا۔۔

کیسے بھول گئے تم زاران خانزادہ میری فطرت کو؟؟۔۔۔ کیسے بھول گئے کہ میں تم سے اپنا بدلہ نہیں لوں گا؟۔۔ میرے بھائی میرے بابرک کو بے

رحمی سے موت دی۔۔ میری دوستی تک کو فراموش کر بیٹھے۔۔ اسفندیار خان کے لہجے کی تپش بڑھی تھی.

تمھاری چلتی سانسیں میری امانت ہیں۔۔ جس دن تمھاری سانسیں چھیننے کی مجھ میں ہمت آگئی اس دن تمھاری بہن کی سزا ختم ہو جائے گی۔ اسفندیار خان ٹیبل پر مکہ مارتے غرایا تھا۔۔

اس نے گہرے سانس لیتے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے صوفے سے ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موندیں۔۔۔

نظروں کے سامنے اس کا دہکتا روپ ایک بار پھر سے آیا تھا۔۔ اس رات کا ایک ایک پل اس کی نظروں کے سامنے آتا روز کی طرح اسے اظطراب میں مبتلا کر گیا تھا

عابیر میرون پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ بالوں کا میسی سا سائیڈ جوڑا بنائے ہوے تھی۔۔ ماتھا پٹی لگائے ہیوی جیولری پہنے میرون لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔۔

عابیر نے اپنا کمرہ دیکھا جو خوبصورت کینڈل سے جگمگا رہا تھا۔۔ ریڈ گلاب کے پھولوں سے اس نے اپنا کمرہ سجایا تھا۔۔ عابیر مرر میں دیکھتے سرخ گلاب ہوئی تھی۔ نظریں خود بخود جھکی تھیں۔ دل کانوں میں بج رہا تھا۔۔

وہ یہ سب کچھ کر تو بیٹھی تھی مگر اب مسلسل لب کاٹتے سرخ گلاب ہو رہی تھی۔۔ نظروں کے سامنے اسفندیار خان کا وایلڈ مین روپ آ رہا تھا۔ جو اس دن اس نے گیسٹ ہاؤس میں دکھایا تھا۔ وہ اتنا جنونی اور بے باک ہو گا عابیر خان سوچ بھی نہیں سکتی۔ تھی۔ مگر اس دن اسفندیار خان نے اپنا کہا سچ کر

دکھایا تھا۔۔بے باکی کی انتہا کرتے اسے آنکھیں بند نہیں کرنے دی تھیں۔

۔ساری رات اپنی بے باک شدتوں سے اسے ستاتے اسے اپنی بانہوں میں رکھا تھا۔ مگر ایک پل کے لیے اسے نظریں جھکانے نہیں دی تھیں۔۔عابیر دہکتا شعلہ بنی رہی تھی۔۔ایسی تپش اس کے گال چھوڑ رہے تھے۔۔وہ وہی جانتی تھی۔۔مکئی کے دانے کی طرح بٹھی میں جلتے اس کے گال تپش چھوڑ رہے تھے۔۔

عابیر مرر میں دیکھتے ایک بار پھر سے سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔فراک کا گلہ کافی گہرا تھا۔

!!مرد کو عورت کے جسم کی چاہ نہ ہو تو وہ کبھی عورت کے اتنے نخرے نہ اٹھائے۔۔۔اگر مرد کی عورت کے جسم کی طلب ہے تو یہی بات ایک

عورت کے لیے فخر کا باعث ہوتی ہے۔۔وہ مرد کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے اسے بے بس کرتی ہے!!

اسفندیار خان کے لفظ یاد کرتے عابیر نے لب کاٹتے ہوئے ہوئے اپنے اگلے دو فینسی بٹن کھولے تھے۔۔۔

اسفندیار خان دو دن سے حویلی نہیں آیا تھا۔نہ ہی اس کا سیل فون مل رہا تھا۔۔عابیر خان پر یہ دو دن قیامت سے گزرے تھے۔۔وہ اسفندیار خان کے لیے جتنی پوزیسیو تھی۔

اس کا دو دن غائب رہنا اسے جلتے انگاروں پر لوٹا گیا تھا۔۔

اسفندیار خان آج جب سے آیا تھا وہ نیچے روزینہ خانم کے کمرے میں تھا۔ اسے دیکھتے بھی اسفند نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔۔ اسفند کا سرد سپاٹ رویہ دیکھتے اس کا معصوم دل لرز اٹھا تھا۔۔

عابیر کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو وہ اسفندیار خان کے لیے تیار ہوئی تھی۔۔۔ اس کی بے رخی وہ نہیں سہہ سکتی تھی۔

جانتی تھی اسفند اسے اس روپ میں دیکھ کر پاگل ہو جائے گا۔۔ گیسٹ ہاؤس اور وہاں سے آنے کے بعد اسفندیار خان کی رات رات بھر جنون خیزیاں اور محبت بھری سرگوشیوں سے اسے اندازہ ہوا تھا۔۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔۔

عابیر خان کو گیسٹ ہاؤس میں گزری رات یاد آئی تو وہ سرخ گلاب ہوتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔ اسفندیار خان کا اظہار محبت وہ کیسے بھول سکتی تھی؟؟۔ اس کا اسفندیار خان صرف اسی کا تھا۔۔ عابیر مرر میں دیکھتے شرمیلا سا مسکرائی تھی۔

عابیر نے کمرے میں لگے وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائیں جہاں رات کے دس بج رہے تھے۔۔ اسفندیار خان ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا۔

وہ نیچے کیا کر رہے ہیں؟؟ اتنی دیر تو اسفند کبھی نیچے رکتے۔۔ عابیر کے دل میں وسوسے چھائے تھے۔ اسفند روزینہ کے ساتھ بیٹھا یہ بات اس کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔

روزینہ خانم کی وہ ہر بات مانتی تھی ان کا چھوٹے سے چھوٹا کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی۔ مگر روزینہ خانم اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی

تھی۔ اسفند کا سرد سپاٹ رویہ سوچتے اس کا دل پریشان ہوا تھا۔۔ یقیناً روزینہ خانم نے ہی کچھ کہا تھا۔

عابیر بے چین ہوتے دوپٹہ سر پر اچھی طرح جماتے سیڑھیاں اترتے نیچے کی طرف بڑھی۔۔ کچھ ہی سیڑھیاں اتری تھی کہ اس کے قدم رکے تھے.

نیچے کا منظر دیکھ کر اس کا نازک وجود بری طرح لڑکھڑایا تھا۔۔۔ وہ بے یقینی سے لرزتے ہوئے وہ سب دیکھ رہی تھی۔

یہ کیا کہہ رہے ہو تم اسفند یار؟؟۔۔۔ سمیع اللہ خان گرجے تھے۔

میں بلکل ٹھیک کہہ رہا ہوں داجی۔۔۔ میں نے عابیر سے نکاح صرف زاران سے بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔۔ زاران کی بہن میرے لیے کوئی

اہمیت نہیں رکھتی۔۔ اپنے بھائی کے قاتل کی بہن کو میں کبھی اپنا نہیں سکتا۔۔ اسی لیے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امریکہ جا رہا ہوں۔۔ اسفندیار خان کی بات پر لاونج میں کھڑے زاران اور درید خان نے مٹھیاں دبوچی تھیں۔ امینہ خانم نے دہلتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

روزینہ خانم کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ مگر وہ خود پر قابو پائے کھڑی تھیں۔ اپنے دل کا زہر وہ اب لبوں پر نہیں لانا چاہتی تھی۔

بہارے کی خاطر وہ آج سب کے سامنے اپنے اندر کا زہر ظاہر نہیں کر سکتی تھیں۔۔ جو وہ چاہتی تھی وہ وہ اسفندیار خان کر رہا تھا۔۔ بہارے کی کنڈیشن سے انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بہارے امید سے ہے۔۔ کنفرم کرنا ابھی باقی تھا۔ مگر ان کی تجربہ گار نگاہیں کہہ رہی تھیں بہارے کے پیٹ میں شہرام خان کا بچہ ہے۔۔ اب انھیں بہارے کی طرف سے کوئی ڈر نہیں تھا۔۔

۔شہرام اب کبھی بہارے کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔جو اپنی بیوی سے اتنی محبت کرے وہ اپنے بچے سے کتنی محبت کرے گا۔انھیں پورا یقین تھا شہرام اپنے ہونے والے بچے کی ماں کو کبھی تکلیف نہیں دے گا۔اتنا تو وہ شہرام خانزادہ کو جانتی تھی۔وہ حویلی کے مردوں جیسا نہیں تھا۔

اور اب وہ عابیر کو اسفند کی زندگی میں مزید نہیں رہنے دینا چاہتی تھی۔

اگر تم عابیر کو چھوڑ کر جائے گا تو یہ یاد رکھنا ہم تمھیں اپنا زمین جائیداد اس حویلی سے عاق کر دے گا۔۔تم پلٹ کر یہاں کبھی واپس نہیں آسکے گا۔۔سمیع اللہ نے گرجتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا۔

مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے داجی۔۔۔اور جہاں تک بات ہے پلٹنے کی۔۔اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔۔ کبھی نہیں۔۔اسفند زاران کی طرف دیکھتے سفاکی سے مسکرایا تھا۔۔

زاران اسفند کے انداز پر مبہم سا جوابًا استھزائیہ مسکراتے ہوے اسفند کے مقابل آیا تھا۔

میں نے سوچا تھا کچھ بھی کر کے تمھیں اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں گا۔ مگر اب نہیں۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔میری بہن اتنی آرزاں نہیں جو تم جیسے کمزرف انسان کے ساتھ رہے۔۔زاران اسفند کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ایک ایک لفظ چباتے بولا۔۔

زاران تم میرے پیچھے آؤ گے جلد آؤ گے۔

میرے پیروں پر گر کر گڑا گڑا کر معافی مانگو گے۔اپنی بہن کی تڑپ نہیں دیکھ سکو گے تم۔تب تمھیں احساس ہو گا مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟؟۔۔ایک دوست کے ہاتھوں دھوکہ کھا کر مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟؟۔۔اپنے چھوٹے بھائی کو گولیوں سے چھلنی دیکھ کر مجھ پر کیا گزری ہو تھی؟؟۔۔جب میں سوچتا ہوں میرا ابرک تمھاری ماری گئی گولیوں سے تڑپا ہو گا۔۔اس نے تڑپتے روتے ہوے اپنی جان دی ہو گی۔۔میں کیسے تڑپتا ہوں؟؟۔۔مجھے کتنا درد ہوتا ہے تمھیں تب احساس ہو گا کہ جب تمھاری بہن تڑپے گی۔۔

اسفندیار خان نے کرب سے بولتے زاران کی براؤن آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں گاڑھیں۔

میں نے بابرک کو نہیں مارا۔۔۔زاران نے اسفند کی آنکھوں میں درد و کرب دیکھ کر گہرا سانس لیتے وضاحت دی۔۔

اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔اور اسفندیار خان کی آنکھوں میں کرب دیکھ کر وہ خود اذیت کی انتہا پر جل رہا تھا۔اسفندیار خان کو کھو کر وہ خود کہاں خوش تھا۔وہ اسے کیسے بتاتا کہ اسفندیار خان زاران خانزادہ کے لیے کیا تھا۔زاران خانزادہ کی جان بستی تھی اسفندیار خان میں۔

تمھاری بات پر کیسے یقین کر لوں کہ تو نے بابرک کو نہیں مارا۔جس گیسٹ ہاؤس میں میرے بھائی کا قتل ہوا اس میں تو میرا بھائی آہل اور پیروز اور زرتاج تھے۔۔تو غصے میں بارک کا پیچھا کرتے ہوے گیسٹ ہاؤس گیا۔۔اور اس کے بعد وہاں سے پیروز اور بابرک کی لاشیں آئیں۔

تم سب صیح سلامت باہر آئے صرف میرا بھائی مردہ حالت میں آیا۔ پھر بھی تم چاہتے ہو میں تم پر یقین کروں۔۔ کیسے مجھے بتاؤ کیسے یقین کروں۔ اسفند نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال داغا۔ زاران اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

سب گھر والے خاموشی سے کھڑے تھے۔ اربد خان کو زاران پر پورا یقین تھا وہ کبھی بابرک کو نہیں مار سکتا۔ اگر اس نے مارا ہوتا وہ کب سے سرینڈر کر دیتا۔ وہ اپنے بتیجھے کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ مگر اسفندیار خان اپنے دوست کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اربد خان نے تاسف سے روزینہ خانم پر نظریں گاڑھیں جو پر سکون کھڑی تھیں۔ عابیر کو تکلیف پہنچانے کے لیے وہ اپنے ہی بیٹے کو خود سے دور کر رہی تھیں۔ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں۔ اسفند

صرف عابیر سے دور نہیں ہو گا ان سب سے بھی دور ہو گا۔ اربد خان گہرا سانس لے کر رہ گئے تھے۔

میں تو بہت پہلے یہ جان گیا تھا کہ بابرک کو تو نے مارا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر آہل پر الزام لگایا تھا۔۔ میں ابرش کے ذریعے تمھیں تکلیف دینا چاہتا تھا۔

ابرش کا نام مت لینا۔۔ اس کا نام مت لینا۔ زاران نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے طیش والم میں برفیلے لہجے میں اسفندیار خان کو وارن کیا۔۔

ابرش کا نام بھی کسی کے لبوں سے زاران خانزادہ کو گوارا نہیں تھا۔ ابھی بھی ابرش کا نام سنتے اس کی دماغ کی رگیں بھڑک اٹھی تھیں۔

جس دن سے ابرش کا تجھ سے نکاح ہوا۔ اسی دن سے وہ صرف میرے لیے میری دوست کی عزت تھی۔

بلکہ اس دن سے نہیں جس دن پتہ چلا کہ وہ تیری منگیتر تیری محبت ہے۔۔۔ اسفندیار کی نگاہیں تیری عزت کے سامنے جھک گئی تھیں۔۔

تجھ سے بدلہ لینے کے لیے میں نے جرگے میں وہ سب کچھ کیا۔۔ ابرش کو لے کر جھوٹ بولا۔

مگر آج بھی اسفندیار خان شرمندہ ہے۔۔ شرمندہ ہے خود سے نظریں نہیں ملا سکتا کہ اتنا گھٹیا حرکت میں کیسے کر سکتا ہوں۔ اپنے دوست کی ہونے والی عزت کا نام سر عام جرگے میں کیسے لے سکتا ہوں؟؟ اسفندیار خان کرب سے بولتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

زاران نے بے چینی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔

وہ جانتا تھا اس کا اسفند ایسا ہی کچھ محسوس کر رہا ہو گا۔ مگر پھر بھی ابرش کا نام تک کسی کے لبوں سے گوارا نہیں تھا پھر چاہے اسفند یار خان ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن تو شرمندہ نہیں ہے۔۔ تو میرے بھائی کو مار کر شرمندہ تک نہیں ہے۔ تجھے میرے درد کا احساس تک نہیں ہے۔۔ تجھے پتہ ہی نہیں مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔۔ تو دوست کے نام پر دھبہ ہے۔ اسفند یار خان اب چیخا تھا۔

میں نے بابرک کو نہیں مارا۔۔ زاران نے لب بھینچے ایک بار پھر سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

جھوٹ بول رہا ہے تو زاران۔۔۔۔ جھوٹ تو ایک مکار سفاک انسان ہے۔ مجھے بتا تو نے بابرک پر حملہ نہیں کروایا تھا۔ تو نے اسے زخمی نہیں کیا تھا۔ بے رحمی سے اسے ڈنڈے نہیں مروائے تھے۔ سفندیار خان نے زاران کو دیکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

ہاں کیا تھا حملہ اس نے عابیر کو سیڑھیوں سے دھکہ دیا۔

وجہ جو بھی تھی تم نے میرے بھائی کو جان سے مارنے کی کوشش کی کہ نہیں۔۔ اسفند سرد لہجے میں زاران کی بات پوری ہونے سے پہلے کاٹ گیا۔

کی تھی۔۔۔۔ زاران نے سپاٹ لہجے میں قبول کیا۔

تم نے بابرک کو جان سے مارنے کی کئی بار مارنے کی دھمکیاں دیں تھیؤ۔ اسفند نے ایک اور سوال داغا۔

ہاں دی تھیں۔زاران نے سنجیدگی سے اثبات میں جواب دیا۔۔

تونے بابرک کی موت کے بعد شہرام سے یہ کہا کہ نہیں کہ بابرک کی موت عابیر کے لیے خوشی لائی ہے۔۔بابرک اگر زندہ رہتا تو عابیر سولی پر لٹکے رہتی۔۔اسفند کے اس سوال پر زاران خاموش ہو گیا تھا۔۔

اسفند نے اس کی یہ بات سنی اسے اس بات کا بلکل اندازہ نہیں تھا۔۔سب گھر والوں نے زاران کو اب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔سارے شکوک و شبہات زاران کی طرف جا رہے تھے۔

کہا تھا کہ نہیں۔۔۔۔اسفند نے زاران کی خاموشی پر چیختے ہوے پوچھا۔

کہا تھا۔۔زاران نے اسفندیار کو دیکھتے قبول کیا تھا۔

سنا دا جی۔۔۔۔۔۔آپ کے سب سے چہیتے پوتے نے کیا کہا۔۔

اسفند زخمی سا استھزائیہ لہجے میں بولتا نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔۔ سب بے یقینی سے زاران کو دیکھ رہے تھے۔

میں اس دن آرہا تھا تمھارے پاس اپنے تمام سوال لے کر۔۔ میں مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا تھا میرا جگری یار میرا زاران میرے بھائی کو مار سکتا ہے۔۔ مگر میری ساری غلط فہمی تیری باتوں نے دور کر دی تھی۔ اسفند یار خان زخمی سا مسکرایا تھا۔۔ داجی مردانے میں کھڑا یہ شہرام سے باتیں کر رہا تھا۔۔ اس کے سفاک جملے سن کر میں بھی جیسے مر گیا تھا۔۔ اس نے میرے بھائی کا قتل نہیں بلکہ میری دوستی میرے بھروسے کا بھی قتل کیا تھا۔ اسفند نم آواز مین چیخا تھا۔۔

میں نے بابرک کو نہیں مارا۔۔ میرا یقین کرو۔ میرے پاس اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں سوائے ایک انھیں لفظوں کے می نے اسے قتل نہیں کیا اور

نہ میں اسے مارنے کے آرادے سی گیا تھا۔ زاران اسفند کی آنکھوں میں نمی دیکھتے لب بھینچے بولا۔

ایک ثبوت دے دو میں تمھارا یقین کر لوں گا۔۔ چلو ثبوت نہ سہی ایک ایسی بات کر لو میں تمھارا یقین کر لوں گا۔۔ صرف اتنا کہہ دو تم اس دن گیسٹ ہاوس میں نہیں تھے۔۔ صرف ایک ثبوت دے دو مجھے۔ اسفندیار خان نے سرد انداز نیں وضاحت طلب کی۔۔

میرے پاس میری بے گناہی کا ثبوت نہیں ہے۔ مگر میں نے اسے نہیں مارا وہ آہل اور زرتاج کو مارنا چاہتا تھا انھیں بچاتے ہوے۔۔۔۔۔

انھیں بچاتے ہوے تم نے میرے بھائی کی قربانی دے دی۔ تم نے سوچا اس طرح تم بابرک کو مار کر عابیر کو بچا لو گے۔۔ مگر کیا ہوا؟؟ تمھارے جرم کی

سزا تمھاری بہن بھگتے گی اب ساری عمر۔ افسوس۔۔۔۔۔ تم اسے بچا نہ سکے۔ بلکہ تم نے اس کی زندگی صیح معنوں میں سولی پر لٹکا دی۔

تمھاری نظروں کے سامنے وہ اب ساری بیوہ جیسی زندگی گزارے گی۔ شوہر کے ہوتے بیوہ جیسی زندگی گزارے گی۔ اسفند سفاکی سے بولتے زاران کا لہو اسی لمحے گرما گیا تھا۔ اسفند کے لفظ اس کے رگوں میں دوڑتا خون بھڑکا گئے تھے۔

تمھیں لگتا ہے میں اپنی عابیر کو ایسی زندگی گزارنے دوں گا۔ اسفند یار خان ۔۔۔ عابیر بہن نہیں میری بیٹی ہے سمجھو۔۔۔ زاران خانزادہ اس کی خاطر جان دے سکتا ہے۔ مین اسے تیرے نکاح میں نہیں رہنے دوں گا۔۔ تو اس حویلی سے قدم نکالنے سے پہلے طلاق دے کر جائے گا۔ زاران دھاڑا تھا۔

امینہ خانم درید خان اربد خان سمیع اللہ خان پریشانی سے سب کو دیکھ رہے تھے۔وہ لوگ کس کا ساتھ دیں کس کا نہیں سمجھ نہیں آرہا تھا۔درید خان اربد خان سمیع اللہ عابیر اور اسفند کی طلاق کسی صورت نہیں چاہتے تھے۔حویلی میں دو طلاقیں ہی بہت تھیں۔جو آج تک کوئی نہیں بھولا تھا۔

اگر تو نے ایک لفظ اور کہا میں تیری جان لے لوں گا۔

۔اسفند یار خان اتنی زور سے گرجا تھا کہ حویلی کے دور و دیوار گرج اٹھے تھے۔

کبھی نہی؟ چھوڑوں گا اسے۔۔۔۔وہ اس حویلی میں اسفند یار خان کی ملکیت بن کر رہے گی صرف میری ہو کر۔تم نے جو کرنا ہے کر لو۔میرے سینے میں گولیاں اتار دو۔میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔نہ اسے چھوڑنے کے لیے اس سے نکاح کیا تھا۔میں بے غیرت نہیں ہوں اپنی بیوی کو چھوڑ

دوں۔ اسفند غیض و غضب سے بولتے زاران کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔

میں اپنی بہن کو تجھ جیسے انسان کی ملکیت میں رہنے نہیؤ دوں گا۔۔ تجھے ہر حال میں آج اسے طلاق دینی پڑے گی۔۔ زاران اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتے جوابی کرنے کے لیے اسفند کی طرف بڑھا ہی تھا کہ درید خان کی گرج پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

رک جاؤ زاران۔۔۔۔ تم سب کا شرم و حیا مر گیا ہے کیا؟؟ تم بڑوں کے سامنے یہ بکواس کر رہا ہے۔۔ درید خان غصے سے بولتے اسفند اور زاران کے بیچ حائل ہوے تھے۔

ان کا شرم وحیا مر گیا ہے۔۔ بلکہ ان کا غیرت مر گیا ہے جو یہ دونوں ایسی باتیں کر رہا۔ ہے۔ بلکہ یہ دونوں ہی ہمارا نزدیک بے غیرت ہے۔۔ دونوں کا مقابلہ جاری ہے کون سب سے بڑا بے غیرت ہے۔ سمیع اللہ خان کا آج ظبط کا دھارہ چھوٹا تھا۔ وہ غصے سے بھڑک اٹھے تھے۔ اسفند اور زاران کے ائے روز کے مقابلے بازی سے سمیع اللہ خان کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

زاران تم اسفند کو طلاق دینے کا کہہ رہا ہے کیا تم نے ابرش کو طلاق دے دیا ۔ سمیع اللہ خان نے زاران کے مقابل سے سوال کیا؟؟۔۔ داجی۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟؟ بیوی ہے وہ میری۔۔ زاران کا چہرہ سمیع اللہ کی بات پر سرخ ہوا تھا۔ وہ لاٹھی کے سہارے اپنے کپکپاتے وجود کو سنبھالے ہوے تھے۔ ان کا سرخ چہرہ اس بات کا گواہ تھا ان کا بی پی ہائی ہے۔۔ زاران لب

بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔ ورنہ ابرش کو طلاق دینے والی بات اسے بری طرح چبھی تھی۔

طلاق بیوی کو ہی دیا جاتا ہے۔۔ مانس کو نہیں جو تمھارا چہرہ سرخ ہو گیا۔

۔ سمیع اللہ زاران کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر طنزیہ کہا۔ زاران اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے خاموش ہو گیا تھا

ہم کو یہ بتاؤ ابرش کہاں ہے ؟؟۔ سمیع اللہ نے زاران کو خاموش دیکھتے اگلے سوال داغا۔

وہ اپنے گھر اسلام آباد ہے۔۔ زاران نے لب بھینچے جواب دیا۔۔

وہ اسلام آباد نہیں امریکہ چلا گیا ہے۔۔ سمیع اللہ خان زاران کے جھوٹ پر بھڑکتے ہوئے بولے۔ سمیع اللہ کی بات پر زاران کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہوئی تھیں۔۔ وہ امریکہ چلی گئی ہے یہ بات سمیع اللہ کو کیسے پتہ چلی. وہ نہیں جانتا تھا۔ زاران خاموش ہو گیا تھا۔ ابرش اور اس کے بیچ کیا ہوا وہ کسی کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ وہ بہزاد خان کا سچ کسی کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ابرش امریکہ چلی گئی۔ رقیہ خانم نے تحیر زدہ ہوتے زاران کو دیکھا تھا۔ زاران نے ابرش کو کیسے جانے دیا وہ حیران ہوئی تھیں۔

یہ تو ہو سکتا نہیں تمھیں نہ پتہ ہو وہ امریکہ گیا ہے۔ یقیناً تمھیں پتہ ہے وہ امریکہ چلا گیا ہے۔۔ ہم کو اتنا بتا دو وہ امریکہ تمھارا آجازت کے بغیر کیسے چلا گیا۔

جس لڑکی کو تم کمرے سے باہر نہیں نکلنے دیتا تھا. وہ سات سمندر پار چلا گیا تم آرام سے کھڑ ہاے۔۔ یہ کیسا غیرت ہے تم سب کا۔ میرا ملکیت ملکیت کا رٹ لگائے پھرتا ہے تم سب۔۔ یہ کیسا غیرت یہ یہ کیسا ملکیت ہے تم آج کل کا خون کا۔۔ مرد عورت کا ملیکت تب بنتا ہے جب عورت کو اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس کا حفاظت کرتا ہے۔ وہ امریکہ چلی گئی ہے۔۔ تمھیں اس کا خبر نہیں۔۔

داجی ابرش زاران خانزادہ کی ملکیت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ کس نے کہا مجھے خبر نہیں۔۔ عزت ہے وہ میری۔۔۔۔ میں اس سے کبھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔۔ میرے اور ابرش کے معاملے سے دور رہیں آپ۔۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

پھر تم اسفند کے معاملے سے دور رہو۔۔ اگر کوئی تم سے تمھارا بیوی کے بارے میں سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ تو تم اسفند سے سوال جواب طلب کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

سمیع اللہ خان نے زاران کو گھورتے غصے سے لفظ چبائے

داجی آپ اسفند کی حمائت کر رہے ہیں۔۔ زاران نے لب بھینچے پوچھا۔

میں کسی کی حمائت نہیں کر رہا۔۔ مگر اب اس حویلی میں طلاق کی بات نہیں ہو گی۔ ہمارا بڑا پوتا جو سب سے عزت دار بنا پھرتا ہے۔ اس کا دیا ہوا طلاق ہی ہمارا ماتھا پر تمغہ سجانے کے لیے بہت ہے۔ سمیع اللہ طنزیہ بولے تھے۔

اسفند جانا چاہتا ہے جائے اسے کوئی نہیں روکے گا۔۔ سمیع اللہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔۔

اسفند تم جاؤ یہاں سے۔۔۔اب ہم بھی تمھارا اس حویلی میں شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔۔مزید تماشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔اپنا بیگ اٹھاؤ اور جاؤ یہاں سے۔۔۔

سمیع اللہ خاموش کھڑے اسفندیار کو دیکھتے سنجیدگی سے حکم دیتے اپنے لاٹھی پر دباؤ ڈالتے وہ مردانے کی طرف بڑھ گئے تھے۔۔

ایک بات یاد رکھنا اسفندیار خان۔۔ہم بھی نہیں چاہتا ہمارا بیٹی کا طلاق ہو۔مگر جس دن ہمارا بیٹی نے فیصلہ کر دیا وہ تمھارا ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔قسم خدا کی ہم اپنا بیٹی کے لیے اس خاندان کی رسموں سے لڑ جائے گا۔یہاں تک کہ اپنا بابا کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔تم نے ہمارا بیٹی کو بہت آرزاں سمجھا ہے۔ہم یہ بات کبھی نہیں بھولے گا۔درید خان سرد لہجے میں بولتے سرخ چہرے کے ساتھ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کر گئے تھے۔۔

درید خان کی بات پر اسفند یار خان نے اپنے جبڑے بھینچتے خود پر قابو پایا تھا۔ عابیر اسے لے کر کبھی کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی تھی۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا وہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس نازک وجود کی جان لینا زیادہ پسند کرتا۔

اسفند کچھ پل سب کو دیکھتا رہا تھا پھر روزینہ خانم کی طرف بڑھتے انھیں گلے سے لگایا تھا۔۔

ہم نے تم کو اللہ کی آمان میں دیا روزینہ خانم نے بھیگے لہجے میں بولتے اسفند کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔ اسفند کی جدائی ان کا دل چیر رہی تھی۔ مگر عابیر اور زاران سے نفرت اس قدر شدید تھی کہ وہ اسفند کی جدائی بھی سہنے کے لیے تیار تھی۔

اسفند روزینہ خانم کی ہتھیلیاں چومتا سرخ آنکھوں سے اربد کی طرف بڑھا۔

رک جاو ادھر ہی ہے۔ ربد خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا تھا۔۔ ہمارے لیے ہمارے بابرک بیٹے کی طرح تم بھی مر گیا ہے آج سے۔۔۔۔ عابیر میرا لیے بہارے کی طرح ہے تم نے اس سے بدلہ کی خاطر شادی کیا۔۔۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتا تم ایسا کر سکتا ہے۔۔ اربد خان اسفند پر تاسف بھری نگاہ ڈالتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

اسفند لب بھینچے انھیں دیکھتے رہا۔۔ آنکھوں کی سرخی میں آضافہ ہوا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچے مردانے کی طرف دیکھا تھا جہاں سے اربد خان کی طرف گئے تھے۔ پھر وہ سر جھٹکتا اپنا بیگ گھسیٹتا داخلی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔۔

امینہ خانم نے روتے ہوے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھیں تھیں۔ بھابھی صبر حوصلہ سے کام لیں۔ یہ بچہ لوگ کہاں ہمارا سنتا ہے۔ ہم بھی تو ہے ہم اپنا بیٹا کی جدائی برداشت کر رہا ہے۔ روزینہ خانم نے صوفے پر بیٹھتے امینہ خانم کو تسلی دی تھی۔۔ جوابًا امینہ خانم نے انھیں جن نظروں سے دیکھا تھا وہ نظریں چرا گئی تھیں۔ بھابھی ہم پہلے ایسا چاہتا تھا مگر اب نہیں۔۔ ہم نے تو اسفند کو بہت سمجھایا مگر وہ کسی کا سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ روزینہ خانم نے دوپٹے سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔ امینہ خانم گہرا سانس رہ کر خاموش ہو گئی تھیں

مجھے لگا تھا تم عابیر سے محبت کرتے ہو۔۔ مگر آج میں غلط ثابت ہوا ہوں۔ اگر تم اس سے محبت کرتے کبھی اسے میڑے کیے کی سزا نہ

دیتے۔۔مجھے افسوس ہے میں نے اسے تمھارے نکاح میں دیا۔۔زاران کی بات پر اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔

عابیر سے میں نے کبھی محبت نہیں کی۔۔نہ کبھی کرنے کا آرادہ ہے۔۔وہ پہلی رات سے میرے لیے صرف ایک مہرہ تھی۔۔اسفندیار خان نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ لہجے میں کہا۔۔زاران اسفند کی بات پر نظریں نیچے کیے مبہم سا مسکرایا تھا۔۔

یہ تو وقت بتائے گا تم اس سے محبت کرتے ہو کہ نہیں۔۔لیکن تب بہت دیر ہو جائے گی۔زاران استھزائیہ مسکرایا تھا۔

اور تب تک تو نہیں رہے گا۔ تب تک تجھے مارنے کا مجھ میں حوصلہ آجائے گا اور تیری بہن کی سزا بھی اسی دن ختم۔۔ تیری چلتی سانسین تیری بہن کی سزا ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا اسفند نے زاران کو غصے سے گھورتے غضبناکی سے کہا۔ زاران کی آنکھیں سرد سپاٹ ہوئی تھیں۔۔ اسفند اسے گھورتے اپنا ٹعالی بیگ گھسیٹتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

عابیر جو تیسری سیڑھی پر کھڑی یہ سب بھیگی نگاہوں سے لرزتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسفندیار کو داخلی دروازے کی طرف دیکھتے تیزی سے سیڑھیاں اتری۔۔ دوپٹہ سر سے اترتا اس کے کندھے پر لہرا رہا تھا۔۔ دوپٹے کا پلو اس کے پیروں کے نیچے آیا تھا۔۔ آخری سٹیپ پر وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ وہ منہ کے بل زمین پر گری تھی۔۔ اس کے لبوں سے دلسوز چیخ برامد ہوئی تھی.

اسفندیار خان کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔ مضبوط مردانہ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔ مگر وہ پلٹا نہیں تھا۔ عابیر کی چیخ پر زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ زاران نے آگے بڑھتے اسے جلدی سے اٹھایا تو زاران کرب سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کر گیا تھا۔۔

عابیر کے ماتھے پر چوٹ آئی تھی۔۔ چوڑیاں کلائی میں ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بری طرح وہ لرز رہی تھی۔۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ اور اسے اتنا تیار دیکھ کر زاران خانزادہ تڑپ کر مرنے والا ہو گیا تھا۔

لالا چھوڑیں مجھے۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ اسفند سے بات کرنے دیں۔۔ عابیر زاران کے حصار سے نکلتے روتے ہوے اسفند کی طرف تیزی سے بڑھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتے اسفندیار خان کے مقابل آئی تھی۔

اسفند اسے دیکھتے نظریں چرا گیا تھا۔۔وہ میرون ڈریس میں دلہن کا طرح تیار تھی۔۔دوپٹہ ایک شانے پر لہرا رہا تھا۔۔میرون لپ سٹک لگائے اس کے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے.۔۔ماتھے پر چوٹ کا نشان۔۔وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

اسفند نے دوسری نظر اس پر ڈالی تو رنگ اشتعال کے مانند سرخ ہوا تھا۔۔اس کا اگلا گلہ کافی گہرا تھا۔اسفند کی سرد اشتعال بھری نگاہوں کا مطلب سمجھتے عابیر نے جلدی سے دوپٹہ سینے پر پھیلاتے سر پر لیا تھا۔۔

مم مجھے پتہ نہیں تھا۔۔وہ میں جلدی میں۔۔۔۔عابیر نے اسفندیار کی سرد آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے وضاحت دی۔

اب وہ دوپٹہ سر پر پھیلائے روتے ہوے اسفندیار خان کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

اسفند اس کی ہیزل گرے کاجل لگی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔وہ آج بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل آج بھی۔اسفندیار سے برداشت نہیں ہوا تھا۔وہ کچھ پل اسے دیکھتا رہا اس کے بھڑکتے روپ کو بغور دیکھتے اس نے اپنی نگاہیں پھیریں تھیں۔وہ بنا اس سے کچھ بھی کہے داخلی دروازے کی طرف بڑھا اس سے پہلے وہ مزید آگے بڑھتا کہ عابیر کا کپکپاتا ہاتھ اسفندیار کے بازو پر آن ٹھہرا تھا۔

کک مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ؟؟ آپ یہ کیسے کر سکتے ہیں

اسفند۔۔۔ آپ نے کک کہا آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔۔اس دن

گیسٹ ہاؤس میں کیا کہا تھا مجھ سے ؟؟۔۔عابیر نے اسفند کے قریب ہوتے لرزتے لبوں سے کافی آہستگی سے سوال کیا تھا۔۔اسفند کی ناراضگی کے خوف سے وہ بہت آہستگی سے بات کر رہی تھی۔۔ایک مرتبہ لاونج میں اپنے حق کے لیے آواز اٹھاتے ہوے اسے بے شرمی کے طعنے مل چکے تھے۔۔درید خان سے تھپڑ کھا بیٹھی تھی۔آج وہ کچھ بھی کہہ کر سب کی ناراضگی کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی۔۔آج اگر درید خان نے تھپڑ مار دیا تو سامنے کھڑا سفاک انسان شائد آج ڈھال بھی نہ بنے۔۔وہ تو سفاکی کی ہر حد پار کرتے اسے ملے بغیر چھوڑ کر جا رہا تھا۔۔

کیا کہا تھا میں نے ؟؟اسفند نے اس کے دو آتشہ روپ کو بغور دیکھتے برفیلے لہجے میں پوچھا۔۔

اسفند نے بھی کافی آہستگی سے اس کے سوال پر پوچھا تھا۔ وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گھر والوں تک ان کی کنورسیشن پہنچے۔

وہ اس طرح سب کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اسے کمرے میں بھی نہیں لے کر جا سکتا تھا۔۔ اس کا دو آتشہ روپ دیکھتے وہ کمرے میں بہک سکتا تھا جو وہ نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ مقابل کے کسی بھی روپ سے بہکنا نہیں چاہتا تھا

آپ کو یاد نہیں اسفندیار خان۔۔۔۔ عابیر شدت غم سے بری طرح رو دی تھی۔ اس کا نازک وجود ہچکولوں کی نذر ہوا تھا۔ وہ روتے ہوئے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی.

نن۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ یاد ہو گا۔ اگر یاد ہوتا تو مجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتے۔ عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے لفظ ادا کرتے اپنے سینے پر دوپٹہ اچھی

طرح پھیلایا تھا۔ گلہ واقعی میں گہرا تھا۔ اگلے دو بٹن اس نے ستم گر کے لیے کھولے تھے۔۔ عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے وہ بٹن بند کیے تھے۔ اسفند یار خان اس کے سامنے آیا تھا۔ تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اب اس کا نازک وجود اس کے چوڑے وجود کے آگے چھپ گیا تھا۔

لاونج میں موجود اب کسی کی بھی نظر عابیر پر نہیں پڑ رہی تھی۔

کک۔۔۔۔ کچھ۔۔۔۔ بھی یاد نہیں اسفند۔۔ اتنی کمزور یاداشت تو آپ کی نہیں۔۔ یا پھر میرے معاملے میں ہو گئی ہے۔ عابیر اسفند یار کو دیکھتے زخمی سا مسکرائی تھی۔

اس کے کٹاؤ دار میرون گپ سٹک سے سجے ہونٹوں کو دیکھ کر اسفند نے نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیا تھا۔ گلے میں کانٹے سے چبھے تھے۔

مجھے کچھ یاد نہیں۔۔ تمھارے ساتھ بتایا ہوا ایک لمحہ یاد نہیں تو اپنے بولے گئے لفظ کیا یاد ہوں گے۔۔ اسفند سفاکی سے بولتے عابیر کے دل میں چرکے لگا گیا تھا۔ عابیر کی رنگت جیسے لمحوں میں زرد پڑی تھی۔۔ بدن میں شدید لرزاہٹ ہوئی تھی۔

وہ عابیر کو ایسی تکلیف دینا چاہتا تھا کہ زاران عابیر کو دیکھتے تڑپ کر رہ جائے۔۔ اور وہی ہوا عابیر تڑپتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ ورنہ وہ شائد گر جاتی۔۔

امینہ خانم صوفے پر بیٹھیں رو رہی تھیں۔۔ مگر عابیر کی طرف دیکھنے کی ہمت انھیں بھی نہیں تھی۔۔ روزینہ خانم قہربار نگاہوں سے عابیر کو گھور رہی تھیں۔ عابیر جس طرح تیار بھڑکتہ شعلہ بنی ہوئی تھی وہ ان کے بیٹے کے قدم ہلا سکتا تھا۔۔ جانتی تھی عابیر کی خوبصورتی پر ان کے بیٹے کی نظر نہیں

ٹھہرتی تھی۔۔ اسفند کی گہری پیاسی نگاہیں انہوں نے اکثر عابیر کا گہرائی سے طواف کرتے دیکھا تھا۔ عابیر کا نمکین حسن اسفندیار خان کے کب سے ہوش ٹھکانے لگا گیا تھا۔ اتنا تو وہ جانتی تھی۔

زاران سرد سپاٹ نگاہوں سے اسفند اور عابیر کو دیکھ رہا تھا۔۔ وہ عابیر کی طرف نہیں بڑھا تھا۔۔ وہ چاہتا تھا عابیر اسفندیار خان کی جدائی قبول کرے۔ اس سے بات کرے۔۔ تاکہ کل کو اسے کوئی پچھتاوہ نہ ہو کہ وہ اسفند کو روکتی تو شائد رک جائے۔۔ وہ ان دونوں کے بیچ نہیں آنا چاہتا تھا۔ نہ اختیار رکھتا تھا مگر عابیر کی حالت اس کا دل چیر رہی تھی۔ وہ رخ پلٹے مٹھیاں بھینچ گیا۔۔ وہ مزید اسے ایسے روتے کرلاتے نہیں دیکھ سکتا تھا

نن۔۔۔۔ نہیں یاد اسفند۔۔۔۔ آپ نے مم مجھ سے محبت کا اظہار کیا تھا کہ اگر آپ کبھی مجھ سے جدا ہوے تو مر جائیں گے آپ۔۔۔ آپ نے یہ ایک بار نہیں کئی بار کہا تھا۔ عابیر نے اسفند یار خان کی آنکھوں میں انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اس کے سینے پر رکھی ہچکی لیتے اسے یاد کروایا۔

جھوٹ بولا تھا میں نے۔ تمھارے جذبات کے ساتھ کھیلا تھا میں نے۔۔۔ میں گیسٹ ہاؤس میں بھی وہی اسفند یار خان تھا جو ہمارے نکاح کی پہلی رات کو تھا۔۔ صرف لفظوں کا ہیر پھیر کیا تھا۔۔ تم ہی نہیں سمجھ پائی ۔۔۔ ورنہ میری پہلی رات کی شدتوں میں اور اس دن گیسٹ ہاؤس کی شدتوں میں خاص فرق نہیں تھا۔۔ بے رحمی ہی بے رحمی تھی۔ تم ہی سمجھ

نہیں پائی۔۔وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے سرگوشی نما آواز میں اس کے کان مین پھنکارا۔۔

عابیر کی رنگت شدید سرخ پڑی تھی۔۔اس کے بدن کی لرزاہٹ میں اضافہ ہوا تھا۔

کک کیوں کیا؟؟کیوں میرے جذبوں کے ساتھ کھیلا۔۔مم میں نے تو آپ کو آپ کی سفاکیت سمیت قبول کر لیا تھا۔۔

آپ مم مجھ سے کہتے رہے۔۔آپ مجھے چھوڑ کر جائیں گے۔۔میں جانتی تھی آپ مجھے چھوڑ کر جائیں گے۔۔آپ ایسے ہی مجھے چھوڑ کر چلے جاتے۔۔تب بھی درد ہوتا بہت درد ہوتا۔۔عابیر خان آپ کی جدائی میں تڑپ کر مرنے والی ہو جاتی۔جانتے ہیں شدید محبت کرتی ہوں آپ سے۔۔۔عابیر خان آپ پر مرتی ہے۔۔آپ کی دیوانی ہے۔۔

مگر جواب درد ہوا ہے۔۔ وہ شدید ہوا ہے۔۔ آپ کی عابیر تڑپ کر مرنے والی نہیں ہوئی بلکہ مر چکی ہے۔۔ کیونکہ آپ کے گیسٹ ہاؤس میں بولے گئے لفظ میرے لیے کیا ہیں۔۔ آپ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔۔ اگر مجھے چھوڑ کر جانا ہی تھا تو وہ لفظ نہ کہتے۔ اگر وہ سب کہہ ہی دیا تھا تو یہ نہ کہتی کہ آپ نے مجھ سے جھوٹے لفظ بولے تھے۔ اب کیسے جیوں گی میں۔۔ میں مر جاؤں گی اسفند۔۔۔ عابیر اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے تڑپتے روتے ہوئے ہچکیوں سے ٹوٹے لفظوں سے بولی۔

جتنا تڑپو گی اتنا ہی تمھارا بھائی تڑپے گا۔۔ تب تم دونوں بہن بھائیوں کو میری تکلیف کا احساس ہو گا کہ میں کیسے تڑپ رہا ہوں؟؟ اور تم مجھے بتاؤ کیا چاہتی ہو میں اپنے بھائی کی موت بھلا کر تمھارے آگے پیچھے پھروں۔۔ تمھیں خوش رکھوں۔ اگر ایسا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے میں کرنے کو تیار ہوں۔۔ اپنے

لالا کو بولو وہ سرینڈر کر دے میرے اگے۔۔۔خود کو شوٹ کر ڈالے۔۔وہ ایسا کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے میں تمھیں اپنا لیتا ہوں۔۔یقین کرو میں تم سے بہت محبت کروں گا جو الفاظ گیسٹ ہاؤس میں بولے وہ دن میں ہزاروں بار بولوں گا۔۔اسفند اس کی طرف دیکھتے سفاکی سے بولا۔۔اب کی بار آواز اتنی اونچی ضرور تھی۔۔۔وہاں کھڑے ہر انسان تک بخوبی پہنچی تھی.

زاران اسفند کے لفظ سنتے غصے سے عابیر کی طرف بڑھا تھا۔وہ مزید اپنی بہن کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

رک جائیں لالا۔۔۔۔۔مجھے اسفندیار خان سے بات کرنے دیں۔۔۔بولنے دیں انھیں۔۔۔۔۔۔یہ جتنی میری تذلیل کریں گے مجھے انھیں بھولنے میں اتنی ض آسانی ہو گی۔۔عابیر بھیگے لہجے میں بولی تھی

۔زاران اپنی مٹھیاں دبوچے ادھر ہی رک گیا تھا۔۔زاران نے طیش و اشتعال سے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا

بولیں اسفندیار خان۔۔۔۔بول ڈالیں جتنا زہر ہے وہ نکال کر جایئے گا۔۔ آپ کا بولا گیا ہر لفظ مجھے آپ سے دور لے جائے گا۔۔عابیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے مگر سپاٹ لہجے میں کہا۔۔ مگر اب کی بار اس کی آواز لرز نہیں رہی تھی۔۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنے کپکپاتے وجوض پر قابو پائے کھڑی تھی۔۔بنا مقابل کا سہارا لیے۔۔اب سے مقابل کے سہارے کی ضرورت نہ تھی

اسفند کے بولے گیے لفظ اس کی روح پر طمانچے کی طرح لگے تھے۔وہ انسان نہیں جانتا تھا۔۔ گیسٹ ہاؤس میں بولے گئے لفظ جیسے اسے اس کے بے انتہا قریب لے آئے تھے۔۔ آج بولے گئے لفظ اسے اس سے صدیوں کے

فاصلے پر لے کر جا رہے تھے۔ اس نے محبت کی توہین کی تھی۔۔ اس انسان کی نفرت قبول تھی مگر محبت میں چھپا جھوٹ اور دھوکہ قبول نہ تھا۔ اس نے اسے تکلیف پہنچانے کے لیے محبت کا سہارا لیا تھا۔ عابیر خان کو یہ قبول نہ تھا.

تم مجھے کبھی نہیں بھول سکتی مسسز اسفندیار خان۔۔۔ جو لڑکی میرے ذرا سے نزدیک آنے پر ہر بار پگھل جاتی تھی۔ جو میرے نفرت کے اظہار کے باوجود ہر بار مجھے خود کو سونپتی رہی۔ جس لڑکی کے نزدیک اپنی آنا اپنی عزت نفس سے عزیز اس کی محبت ہو۔ جو لڑکی میری بے رحم شدتیں سہتے کبھی لبوں سے آہ نہ نکالے۔ بلکہ میرے سینے میں چھپے خود کو میرے حوالے ایسے کرے کہ جیسے وہ کھلونا ہو۔

وہ لڑکی مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔۔

اور یہی تمھاری اور تمھارے بھائی کی سزا ہے۔۔۔ اسفند یار خان ایک بار پھر سے دسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کے کان میں سرگوشی نما آواز میں پھنکارا تھا۔۔

عابیر اس کی باتوں پر کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ اسے اندازہ ہوا تھا محبت میں اپنی عزت نفس کو کبھی نہیں گرانا چاہیے۔۔۔ چاہے مقابل اس کا مجازی خدا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔

اسفند نے اس کی بند آنکھوں سے موتی گرتے دیکھ کر استھزائیہ مسکراتے ہوے اسے چھوڑا تھا۔۔ عابیر لڑکھڑتے لڑکھڑاتے بچی تھی۔۔ عابیر نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ اسفند اس کے لرزتے وجود پر ایک نظر ڈالتے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

عابیر نے روتے ہوے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا پھر وہ بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھی۔

اس سے پہلے وہ داخلی دروازہ کھولتا اس کا نازک کپکپاتا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر آن ٹھہرا تھا۔۔

اسفندیار خان۔۔۔۔۔عابیر خان کے دل سے آپ آج اور ابھی سے اتر گئے ہیں۔

اسفندیار خان۔۔۔۔۔عابیر خان اب کبھی آپ کے لیے خود کو نہیں سجائے گی۔۔اپنے دل سے آج اور ابھی میں ہر جذبہ نکال کر پھینکتی ہوں۔عابیر خان وہ دل ہی نکال کر پھینک دے گی جو کبھی آپ کے نام پر دھڑکا بھی

۔۔یہ لب اب کبھی اسفندیار خان نہیں پکاریں گے۔۔یہ دل آپ کے نام پر اب کبھی نہیں دھڑکے گا۔۔ آپ کو لگتا ہے آپ تین لفظ بولیں گے تو ہی آپ کا حق مجھ پر ختم ہو جائے گا۔

طلاق دلوں کی بھی ہوتی ہے۔اور اس میں مرد عورت کسی کو بھی اختیار ہوتا ہے وہ طلاق دے۔۔۔

عابیر خان کے دل نے اسفندیار خان کو آج سے طلاق دے دی ہے۔۔ آپ کے مطابق آپ کا حق مجھ پر رہے گا۔۔ مگر میرے مطابق آپ کا حق مجھ پر ختم۔۔عابیر دروازے سے ٹیک لگائے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے لرزتے لبوں سے بول رہی تھی۔۔

عابیر کی باتوں پر اسفندیار خان کا رنگ شدید سرخ پڑا تھا۔۔ وہ سامنے کھڑی لڑکی پر کبھی اپنا حق ختم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔ وہ حق ختم کرنے کی بات کر رہی پھی۔۔

اسفند اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جما گیا۔۔

جس دن ان آنکھوں سے آنسو ختم ہو گئے۔۔ جس دن میرے بغیر تم دل سے مسکرائی میں سمجھ جاؤں گا۔۔ تم مجھے بھلا چکی ہو۔۔ جس دن تم نے مجھے بھلایا اس دن میں تم پر اپنا حق ختم کر دوں گا۔ مگر میں جانتا ہوں ایسا تا قیامت تک نہیں ہو سکتا۔۔ تم پر تا قیامت میرا حق رہے گا۔۔ تمھارے دل میں صرف اسفندیار خان رہے گا۔۔ اسفند اس کے لرزتے لبوں پر پھونک مارتے سفاکی سے مسکراتے ہوے بولا۔۔

ایسی بات ہے۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لی تھی.

یہ دیکھیں۔۔۔۔میری آنکھوں میں آنسو بھی نہیں اور میں مسکرا بھی رہی ہوں۔۔عابیر اپنی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑتے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔اب وہ مسکراتے ہوئے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

ایک پل کے لیے اسفندیار خان خاموش ہوا تھا۔۔وہ سسکیاں لیتے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے مسکرا رہی تھی.۔

اس کا دو آتشہ معصومانہ روپ اسفند کے دل میں پہلی رات کی طرح اترا تھا۔یہ تو طے تھا اتنا شفاف حسن اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔نہ مقابل جیسا انسان۔۔۔جس کا ہر روپ ہر انداز الگ تھا۔وہ سچ میں حویلی میں رہنے والی لڑکی نہیں لگتی تھی۔۔وہ اس سے جدائی بھی ہنس کر قبول کر رہی

تھی۔۔ دل کا کرب آنکھوں اور چہرے سے عیاں تھا مگر اس کے یاقوتی لب مسکرا رہے تھے۔

اسفند کچھ پل اس کے خوبصورت روپ کو دیکھتا رہا۔۔

پھر اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

جس دن تم دل سے مسکرائی۔ اس دن اسفندیار خان اپنا حق تم پر ختم کر دے گا۔۔ اسفند اس کے لرزتے لبوں اور اس کی آنکھوں میں ٹھری شبنم کو بغہر دیکھتے بولا۔۔

اگر ایسا ہو گیا تو اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔۔ عابیر نے ہچکی لیتے مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔

اسفندیار خان اپنے وعدوں سے کبھی نہیں مکرتا چاہے تو آزما کر دیکھ لینا۔۔وہ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔۔عابیر خان کا پورا وجود ہچکیوں کی نظر ہوا تھا۔۔وہ دروازے میں سمائے تڑپتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی

اس کی دلسوز چیخیں سنتے زاران خانزادہ اس کی طرف تڑپتے ہوئے بڑھا تھا۔۔امینہ خانم گہرے سانس لیتے صوفے پر آنکھیں موند گئی تھی۔۔ان کا دل کا درد جیسے تجاوز اختیار کر گیا تھا۔ان کا کوئی بھی بچہ خوش نہیں تھا۔

امینہ خانم نے روتے ہوئے بے آواز لبوں سے ارحام کو پکارا تھا۔جسے وہ کبھی نہیں بھولتی تھی۔

روزینہ خانم عابیر کی چیخین سنتے مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔اس کی چیخیں ان کے دل کو سکون دے گئی تھی

زاران نے عابیر کی طرف بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھرا۔

لالا آخری بار مجھے سنبھال لیں۔۔ آخری بار مجھے اپنی بانہوں کا سہارا دے دیں۔۔ صرف آخری بار اپنی عابیر کو سنبھال لیں۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔۔ آج کے بعد میں کبھی نہیں روؤں گی۔۔ صرف آخری بار لالا۔۔۔ وہ شدت سے روتے ہوئے زاران کے سینے پر سر رکھے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوئی تھی۔۔ زاران اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے اپنے آنسوؤں پر بمشکل قابو پائے ہوئے تھا۔۔

حیدر خان سرد سرخ چہرے کے ساتھ اپنی حویلی داخل ہوا تھا۔۔ حویلی کے زنان خانے کے سٹنگ ایریا میں حاکم خان رقیہ خانم اور اوزگل بیٹھے تھے۔۔ رقیہ خانم کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ جو اب

کافی سٹیبل تھا۔۔مگر ان کی طبعیت پوری طرح ٹھیک نہیں تھی.

اوزگل بھی مجبورًا رقیہ خانم کے پاس بیٹھی تھی۔حیدر خان کے ڈر سے وہ سٹنگ ایریا میں موجود تھی۔۔رقیہ خانم کے معاملے میں اوزگل کو بلکل چھوٹ نہیں تھی۔۔نہ حیدر خان رقیہ خانم کے معاملے میں اوزگل سے نرمی برتتا تھا۔۔حیدر خان اسی اثناء میں زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔وہ سب کو اگنور کرتا تیز تیز قدموں سے لاونج سے ہوتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔سب نے حیرت سے حیدر خان کی چوڑی پشت کو بے یقینی سے یکھا تھا۔وہ بغیر سلام دعا کے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔۔اور رقیہ خانم کی طبعیت خراب تھی ۔وہ جانتا تھا پھر بھی وہ بغیر پوچھے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔یہ بات ناقابل یقین تھی۔۔حیدر خان مر تو

سکتا تھا مگر رقیہ خانم کے معاملے میں لاپرواہی نہیں برت سکتا تھا۔۔رقیہ خانم نے پریشانی سے دہلتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا ۔۔حاکم خان بھی پریشانی سے صوفے سے کھڑے ہوے تھے۔حیدر خان کے یہ اندازو اطوار نہ تھے ۔مگر حاکم خان اس کا طیش و اشتعال سے پڑتا سرخ چہرہ دیکھ چکے تھے. ۔۔بات بہت بڑی تھی حاکم خان نے پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا

کمرے سے آتی آوازں پر سب پریشانی سے صوفے سے کھڑے ہوتے حیدر خان کے کمرے کی طرف بڑھے تھے ۔۔

حیدر خان نے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتے اندر سے لاک کیا۔وہ اس وقت کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا تھاحیدر خان نے

کمرے میں موجود ٹیبل اٹھاتے پوری قوت سے دیوار پر دے ماری تھی۔

غصہ اشتعال اظطراب کرب تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔۔آنکھوں کے آگے سے وہ منظر ہٹ ہی نہیں رہا تھا جب اس کی فرشتے نے کسی غیر مرد کی کلائی پکڑی تھی. اس کے بچے کسی غیر مرد کے بازوؤں میں تھے۔۔

آہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حیدر خان اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت غم سے چیخا تھا۔۔

اس کے بچے کب اس دنیا میں آئے؟؟ اسے پتہ ہی نہیں تھا۔۔اسے اپنے بچوں کے نام کا بھی ابھی پتہ چلا تھا۔۔اس کی بیوی نے اسے بتانا ضروری ہی نہیں سمجھا تھا کہ وہ باپ بننے والا

ہے۔۔اس کی فرشتے ایسا کر سکتی ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔سات مہینوں سے وہ عذاب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔اس خوشخبری کے لیے اس نے ایک ایک لمحہ انتظار کیا تھا۔۔ہر مہینے اس نے ایک آس لگائی تھی۔۔اسے اللہ نے یہ نعمت کب سے دے دی تھی۔ اسے خبر ہی نہ ہو سکی۔۔وہ اپنے بیوی کے پیٹ میں اپنے بچوں کا وجود محسوس ہی نہیں کر سکا تھا۔۔اپنی فرشتے کا اس وقت خیال ہی نہیں رکھ سکا جب اسے اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔۔حیدر خان کرب کی انتہا پر تھا۔۔حیدر خان نے چیختے ہوے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار میں دے مارا۔

خان کا مجھ پر اور میرے بچوں پر کوئی حق نہیں ہے۔۔میرے !! !!بچے مجھے خان سے لے کر دو درخزئی

حیدر خان نے اب سائیڈ ٹیبل پر پڑا لیمپ اٹھا کر پوری قوت سے دیوار دے مارا تھا۔

فرشتے ایسے کبھی اس سے کہہ سکتی ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ۔اپنی فرشتے پر اسے کسی کی نظر گوارا نہ تھی ۔۔اور وہ یوں دلہن بنی آئی ہوئی تھی۔۔وہ کیسے اس کی غیر موجودگی میں اتنا سنگھار کر سکتی ہے ۔

وہ کیسے اتنا تیار ہو کر شادی میں آئی۔۔اگر آ گئی تھی وہ کیسے کھلے منہ کے ساتھ باہر آ گئی اور وہ درخزئی کون تھا؟؟ جسے وہ اتنے مان سے پکار رہی تھی۔۔اس کے سامنے وہ کیسے اپنا چہرہ کھول سکتی ہے ۔۔حیدر خان یہ سب سوچتے جیسے پاگل ہو رہا تھا۔۔

فرشتے کا سات ماہ اس نے پتہ نہیں کیا کیونکہ حیدر خان کو پورا یقین تھا فرشتے حویلی سے اس کی آجازت کے بغیر باہر قدم بھی نہیں نکالے گی۔ ۔چار ماہ س کی فرشتے نے اس ساتھ گزارے تھے۔۔ نظریں اٹھا کر بات نہیں کر سکتی تھی اس سے۔ ۔۔اس کی قربت میں سرخ گلاب ہوتے آنکھیں میچ لیتی تھی۔۔ اس کی فرشتے شرم و حیا کا پیکر تھی۔ ۔راتوں کو لمبے سجدے کرتے اسے دیکھا تھا۔ لبوں پر ہر وقت درود ہوتا تھا۔ہر لمحہ وہ اس پر پھونکیں مارتی تھی۔اس کی فرشتے کیسے کسی کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے؟؟ کیسے کسی کی کلائی پکڑ سکتی ہے۔ حیدر خان نے چیختے ہوے کمرے میں رکھا بڑا سا واز اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔۔اپنی فرشتے کو لے کر وہ پوزیسیو تھا۔۔ مگر وہ اسے لے کر اتنا جنونی ہے یہ اسے آج

اندازہ ہوا تھا۔حیدر خان نے آگے بڑھتے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے تمام پرفیوم باڈی سپرے اوزگل کا میک آپ کا سامان ایک ہی جست میں زمین بوس کیا تھا۔

وہ میرے بچے ہیں۔۔حیدر خان کے بچے ہیں۔ دیکھتا ہوں کیسے تم ان پر حق جتانے سے مجھے روک سکتی ہو۔ تم پر بھی صرف میرا حق ہے ۔۔تاقیامت رہے ۔گا۔۔۔حیدر خان ڈریسنگ مرر میں دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔

تمھیں اور اپنے بچوں کو اب میں مزید ادھر رکنے نہیں دے سکتا۔۔مجھے میرے دراب زراب میرے پاس چاہیے۔۔حیدر خان نے مرر میں دیکھتے جبڑے بھینچتے خود سے کہا۔

حیدر خان کی نظر اپنی گردن پر بنے نشان پر پڑی ۔۔

دراب کا لمس یاد آیا تھا۔اس کی گردن پر بنا نشان یاد کرتے حیدر خان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔۔ذراب کو تو اس نے چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔۔کیا اس کی گردن پر بھی نشان ہے۔۔۔ذراب کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے۔اسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔۔حیدر خان اپنے ذراب کو سینے سے لگانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔۔حیدر خان نے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھا۔ اس کی فرشتے نے اس سے بچوں کی خبر چھپائی وہ ابھی بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔کیسے کر سکتی ہو تم خانم ایسا۔؟؟۔کیسے تم میرے بچوں کا مجھ سے چھپا سکتی ہو کیسے تم کسی غیر مرد کی کلائی کو چھو سکتی ہو۔۔کیسے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہو۔۔کیسے؟؟ حیدر خان نے پوری قوت

سے مکہ ڈریسنگ مرر میں دے مارا تھا۔۔شیشہ تڑختا اس کے ہاتھ کو زخمی کر گیا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتا مرر میں دیکھ رہا تھا۔۔اس کا سینہ دہکتی آگ بنا ہوا تھا۔۔اپنے بچے اپنی بیوی اسے ہر حال میں اپنے پاس چاہیے تھے ۔

حیدر حاکم خان نام ہے میرا۔۔۔۔۔۔۔۔تم نے میرے بچوں کا مجھ سے چھپایا تمھیں اس حساب دینا پڑے گا خانم۔۔تم نے کسی غیر مرد کی کلائی کیوں چھوئی؟؟ کیوں کسی غیر مرد کے سامنے اپنا چہرہ عیاں کیا ؟؟اس بات کا حساب تمھیں دینا پڑے گا۔۔وہ ایک بار بھر سے اپنے زخمی ہاتھ مکہ ڈریسنگ مرر کے تڑختے شیشے مارتے غرایا تھا۔

اس کے کمرے کا دروازھ دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔۔

حیدر خان نے سرد سرخ نظریں کمرے کے بند دروازے کو دیکھا ۔۔وہ گہرے سانس لیتے سیدھا ہوا تھا۔اس وقت وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ کچھ پل سرخ آنکھوں سے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتا رہا دوسرے لمحے وہ واش روم کا دروازہ دھاڑ سے کھولتا اندر داخل ہو گیا تھا۔۔

شاور کے نیچے کھڑے ہو کر حیدر خان نے ٹھنڈے پانی کا ٹیب کھولا ٹھا اس کا کھولتا دماغ اور کھولتا سینہ ایسے ہی ٹھنڈا ہونا تھا۔اپنے بچے اور بیوی پھر سے نظروں کے سامنے آئے تھے۔حیدر خان نے چیختے ہوے دیوار پر اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ ایک بار پھر سے دے مارا

تھا۔۔اپنے چہرے پر اپنی خانم کا لمس یاد آیا تھا۔اپنی خانم کی بے قراریاں اس کی وفائیں یاد آئیں تھیں۔۔نظروں کے سامنے بہت سے فرشتے کی سنگت میں گزرے بہت سی قربت کی راتیں یاد آئی تھیں۔

حیدر خان کمرے کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا تو فرشتے بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی۔۔حیدر خان کو دیکھتے وہ بیڈ سے اٹھتی کھڑی ہوئی .اپنا سفید دوپٹہ سر پر جمایا تھا۔۔

اسلام و علیکم خان۔۔۔۔۔فرشتے نے حیدر خان کی سرد سرخ نظریں دیکھتے نظریں جھکائے کہا۔۔کس چیز کا سوگ منا رہی ہو؟؟صبح سے تم کمرے سے باہر نہیں نکلی ۔۔جانتی ہو ناں مورے

آج ہی ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی ہیں۔انھیں دیکھ بھال کی کتنی ضرورت ہے ۔حیدر خان نے فرشتے کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے غضبناکی سے کہا۔

خان۔۔۔۔۔مم میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔صبح سے چکر آ رہے ہیں۔ہم یہاں نہیں تھے تو کچن کی حالت ابتر تھی ۔۔۔کسی ملازمہ سے بھی مورے نے کوئی کام نہیں کروایا۔۔نہ اوزگل نے دو دن کچن کے برتن دھوئے ہیں۔۔چار گھنٹے لگے مجھے برتن دھوتے ہوے ۔۔۔میں نے مورے کے لیے یخنی تیار کر دی تھی۔۔کھانا بھی تیار کر دیا تھا۔۔صرف روٹیاں بنانا رہ گئی ہیں۔۔میں ابھی بنا دیتی ہوں۔۔میرے پہلو میں بہت درد ہو رہا ہے۔۔میں صرف تھوڑی دیر آرام کرنے آئی تھی کمرے میں۔۔فرشتے نے بھیگے لہجے

میں حیدر خان کے غصے سے گھبراتے جلدی سے وضاحت دی

۔۔حیدر خان کا غصہ ناراضگی اس کی جان لے لیتی تھی۔۔اب تو وہ

بلکل بھی حیدر خان کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔وہ

اوزگل سے شادی کر رہا تھا۔وہ اپنی کسی غلطی کوتاہی سے حیدر خان

کو خود سے دور نہیں کر سکتی تھی۔

فرشتے میں سب سمجھ رہا ہوں۔۔ تم میرے سامنے کاموں کا رونا

کیوں رو رہی ہو تمھاری طبعیت بھی آچانک کیوں خراب ہو گئی

ہے۔۔میں اوزگل سے شادی کر رہا ہوں اس لیے تم یہ سب

ڈرامہ کر رہی ہو ۔کمرے میں چھپ کر سوگ منا رہی ہو۔مگر ایک

بات یاد رکھنا۔۔مجھے حویلی میں کسی قسم کا تماشہ نہیں

چاہیے۔۔مورے کا ہر حکم تم مانو گی۔۔ملازمہ کا بندوبست کل ہی ہو جائے گا۔تمھیں یہ کام نہیں کرنے پڑیں گے۔مگر مورے کا ہر حکم پھر بھی تم مانو گی۔۔۔اور جہاں تک بات ہے اوزگل سے شادی کی۔۔تمھارے اور اوزگل کے حقوق میں برابری کی سطح پر ادا کروں گا۔۔اس لیے یہ روتی دھوتی مجھے تم ائیندہ نظر نہ آؤ۔۔حیدر نے اپنی کلائی سے رسٹ واچ اتارتے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے سختی سے کہا۔۔

میں نے آپ سے کب اپنے حقوق کی بات کی خان۔۔۔۔آپ مجھے دن میں ایک بار اپنا چہرہ دکھا دیجیے گا۔۔میرے لیے یہی بہت

ہے۔۔بس یہ حق مجھ سے مت چھینیے گا۔۔فرشتے نے بھرائی آواز میں کہا۔

فرشتے کی بات پر حیدر نے لب بھینچے اسے دیکھا تھا۔وہ نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔سفید کلر کے لباس میں ملبوس تھی جو ملگجا سا ہوا تھا۔رنگ شدید گلابی ہو رہا تھا۔۔عارض ناک گلابی ہتے۔۔وہ کل سے اب کمرے میں آیا تھا یقینًا وہ کل رات سے رو رہی تھی۔حیدر اسے بغور دیکھتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔

اسے اوزگل سے شادی ہر قیمت پر کرنی تھی۔۔رقیہ خانم سے بڑھ کر اسے کوئی عزیز نہیں ہو سکتا تھا۔اور نہ ہی اب وہ چاہتا تھا کہ اوزگل سے شادی کرنے کے بعد اسے فرشتے کمرے میں یوں روتی دھوتی ملے۔۔وہ جانتا تھا اس کا سکون اس کی محبت مرتے دم تک

صرف فرشتے ہی تھی۔۔اوزگل اس کے بچوں کی ماں ہو سکتی تھی مگر اس کے دل کے کسی خانے کو کبھی نہیں چھو سکتی تھی۔۔جہاں صرف اس کی خانم رہتی تھی۔۔اس کی فرشتے اس کے دل کا سکون تھی اس کی محبت۔۔اسے ہر حال میں آگے بھی صرف فرشتے کی قربت سے سکون چاہیے تھا۔

حیدر خان اس کے ملگجے حلیے کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

وہ ڈریسنگ روم سے کپڑے بدل کر باہر آیا تو فرشتے ویسے ہی بیڈ کے پاس کھڑی تھی ۔آنکھوں سے ابھی بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

حیدر خان اسے اگنور کیے بیڈ کی طرف بڑھتے تکیہ کراوں کے ساتھ نیم داراز ہوا تھا۔۔ہمیشہ کی طرح فرشتے نے آگے بڑھتے حیدر خان کی ٹانگوں پر کمبل دیا تھا اور اس کی ٹانگوں کے قریب بیڈ پر بیٹھتے وہ اپنے نازک ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں دبانے لگی۔۔

حیدر خان نے سکون سے اپنی آنکھیں موندیں تھیں۔اس کے ہاتھوں کی نرماہٹیں اسے اندر تک سکون دے گئی تھی۔۔

حیدر خان نے آنکھیں کھولتے گہری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھا ۔وہ نظریں جھکائے اس کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔ہر تھوڑی دیر بعد وہ اپنی ہتھیلی سے اپنے آنکھوں سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتی۔

حیدر کی نظریں اس کے ٹھوڑی پر موجود سیاہ گھنگھور تل پر جا ٹھہریں تھیں۔۔جس میں اس کی جان بستی تھی۔۔حیدر خان نے گہری نگاہوں سے اس کا پھر سے جائزہ لیا تھا۔۔وہ ہمیشہ اسے تیار ہی کمرے میں ملتی تھی۔ چاہے کتنی ہی تھکی کیوں نہ ہو وہ مسکراتے ہوے نکھری سی نہائی ہوئی ملتی تھی۔۔ آج یہ پہلی بار تھا وہ اس حلیے میں تھی۔۔

حیدر خان نے اس کے لرزتے روتے وجود کو دیکھتے گہرا سانس لیا تھا۔۔وہ بھی بہت کرب سے گزر رہا تھا۔بچے کی خواہش دل میں موجود ہونے کے باوجود وہ اوزگل سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا

۔مگر رقیہ خانم کی زندگی کے لیے وہ یہ سب کرنے پر مجبور تھا۔اس وقت وہ شدید تھکان اور ذہنی کرب میں مبتلا تھا۔۔

حیدر خان نے ہاتھ بڑھا کر فرشتے کو کلائی سے پکڑتے اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے کشادہ سینے کا حصہ آبنی تھی۔ حیدر خان نے اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔

فرشتے کا دوپٹہ اتارتے حیدر خان نے اس کی نازک کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے سائیڈ لمیپ بجھائے کمرے کی ہر بتی گل کر دی تھی۔۔

آئیندہ مجھے خانم تم اس حلیے میں نہ ملو۔۔۔کمرے میں آتے ہی مجھے تمھارا وہی روپ چاہیے۔ جو دو دن ہوٹل کے کمرے میں تھا۔حیدر

نے اس کے کان میں بھاری آواز میں مدھم سی سرگوشی کرتے اس کی کان کی لو لبوں سے کاٹا تھا۔۔

جی خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔جیسا آپ کہیں۔۔فرشتے کی بھیگی کانپتی آواز سنائی دی تھی۔وہ روتے ہوے حیدر خان کے چوڑے سینے میں سما گئی۔مت رو خانم ۔۔۔اس ٹائم مجھے سکون پہنچاؤ ۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے تمھاری ضرورت ہے۔۔حیدر خان کی آواز گھمبیر ہوئی تھی۔۔وہ فرشتے کی شرٹ کی زپ کھولتا اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا چکا تھا۔۔فرشتے اسی ٹائم اپنے آنسو صاف کرتے خوڈ کو مکمل طور پر حیدر خان کے حوالے کر چکی تھی۔۔اور اس رات اس نے ایک اچھی بیوی کی طرح حیدر خان کا حق بہت اچھے سے ادا کیا

تھا۔حیدر خان نے فرشتے کی قربت سے پوری رات سکون حاصل کیا تھا۔

حیدر خان نے گہرے سانس لیتے ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیریں ۔اس کی فرشتے اتنی محبت کرنے والی اتنی وفادر خانم کیسے اس سے اس کے بچوں کا چھپا سکتی ہے۔۔

حیدر خان نے ایک بار پھر سے پوری قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا تھا۔

بہارے نے فق رنگت کے ساتھ پلٹتے ہوئے شہرام کو دیکھا۔ جو دروازے کے وسط میں کھڑا اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ ڈاکٹر آیزل بھیگی نگاہوں سے شہرام کو دیکھتے اس کے پاس سے ہو کر گزرتی سٹاف روم سے نکل گئی تھی۔ یہ بات کرنے کا کونسا طریقہ ہے؟؟ یہ حویلی کا ہمارا کمرہ نہیں جہاں تم چینچو چلاؤ اور کچھ بھی الزام لگا دو۔ دوسرا تمھارے الزام اور چیخنے چلانے پر کچھ بھی نہ کہے۔ شہرام اور چیخنے پر غصے سے بھڑکتے بولا۔۔

حویلی کے کمرے میں تم ہمیشہ مجھ سے ڈبل چھینتے ہو۔۔ میرے الزام لگانے پر تم نے مجھے تھپڑ مارا تھا بھولو مت۔۔ بہارے نے شہرام کی طرف بڑھتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں کہا۔

شہرام اس کا بھیگا لہجہ محسوس کرتے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلتے خود پر ضبط کر گیا تھا۔

اپنا وجود چادر سے ڈھانپو۔۔ تم ماں بننے والی ہو اپنی نمائش کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ شہرام بہارے کو سرد نگاہوں سے دیکھتے غصے سے لفظ چباتے ہوے دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں جا رہے ہو؟؟ اس آیزل کے پیچھے جا رہے ہو تم؟؟ بہارے نے روہانسے ہوتے چیختے ہوے پوچھا تھا۔

اس کا سوال وجواب کرنا برداشت نہیں ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے ایک مریض کو ڈاکٹر آئزل کی وجہ سے بری طرح پیٹا تھا۔ اب اس سے سوال وجواب کر رہا تھا۔ بہارے کے وجود پر جیسے کسی نے کھولتا پانی انڈیل دیا تھا۔ وہ غم وغصے سے بلبلا کر رہ گئی تھی۔

شہرام کے بھاری قدم اس کے چیخنے پر ٹھہرے تھے۔۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھ کی مٹھیاں دبوچے اس کے یوں چیخنے پر اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

ہاں اسی کے پاس جا رہا ہوں۔ شہرام نے مڑتے ہوئے بہارے کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے غصے سے بھڑکتے کہا۔۔ وہ اس کے بغیر چادر کے وجود کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے دروازہ دھاڑ سے بند کرتا چلا گیا تھا۔ بہارے اس کے دھاڑ سے دروازہ بند کرنے پر لرز اٹھی تھی۔ بہارے نے یکدم اپنے پیٹ پر لرزتے ہوئے ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بہت زور سے دروازہ بند کر گیا تھا۔ دروازے کی دھاڑ اس کے کانوں میں گونجتی ابھی تک اسے لرزائے ہوئے تھی۔۔

آج اس نے اپنے بچے کی بھی پرواہ نہیں کی۔ ورنہ ان سات مہینوں میں اس نے اس سے اونچی اواز میں بات تک نہیں کی تھی۔

بہارے گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

شہرام نے ڈرائیو کرتے ہوئے بہارے پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ جو سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی طرف سے رخ موڑے اپنی سائیڈ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام نے سرد سانس کھینچتے بے چینی سے اپنی بھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا سرخ متورم چہرہ دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ یقیناہاسپٹل کے سٹاف روم میں روتی رہی ہے۔ شہرام نے بے اختیار خود کو کوسا تھا۔ وہ ہی اس ٹائم اپنے غصے پر قابو پالیتا۔ وہ اس حالت میں روتی رہی ہے۔ ذرا سے رونے پر اسے

مائیگرین فوراشروع ہو جاتا تھا۔ اوپر سے وہ میڈیسن بھی نہیں لے سکتی تھی۔

شہرام نے وہ پریشانی سے اس کے گلابی چہرے کو دیکھا تھا۔

میری بہارے کیا ہوا ہے ؟؟ شہرام نے اس کا ہاتھ تھامتے شدت سے چوما۔

بہارے نے غصے اپنا ہاتھ کھینچا جسے شہرام مسکراتے ہوے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔

اب یہ ہاتھ تا قیامت نہیں چھوٹنا۔۔ جتنی مرضی کوشش کرلو۔۔۔ شہرام گاڑی روکتے اس کی سیٹ پر اس کے چہرے پر جھکا۔

شہرام کی بات پر بہارے نے گلابی آنکھوں سے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی شکوہ کناں نگاہوں پر شہرام نے سرد سانس کھینچا تھا۔۔ سٹاف

روم میں غصہ کر بیٹھا تھا اب اپنی bossy woman کو منانا بھی تھا۔ جو کہ بہت مشکل تھا۔

میری بہارے مجھ پر غصہ آرہا ہے تو میرے سینے پر اپنے دانت گاڑھ دو۔۔ مگر یوں خود کو پریشان نہ کرو۔ آنسو مت بہاؤ۔۔ شہرام نے اس کے چہرے پر جھکتے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔۔ میری فکر تمھیں صرف اپنے بچے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ورنہ تمھیں میری ذرا پرواہ نہیں۔۔۔ بہارے نے شہرام کو غصے سے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے خود سے دور دھکیلتے شبنمی لہجے میں کہا۔۔

شہرام نے اس کے مزید قریب ہوتے اس گردن میں منہ چھپائے اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے اپنی یعنی مونچھیں رگڑیں۔ ہمیشہ کی طرح اس کا

ہاتھ بہت نرمی سے اس کے پیٹ پر سرسرا رہا تھا۔۔ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی بہارے کے پیٹ پر ذرا دباؤ نہ پڑے۔ مجھے اپنے بچے کی خوبصورت ماں کی فکر ہے۔ جو آج بھی ویسے ہی ہے جیسے رخصتی سے پہلے تھی۔۔ اور شہرام خان آج بھی اس کا ویسا ہی دیوانہ ہے جیسے پہلے دن تھا۔ شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کی گردن پر اپنے دانت گاڑھتے اس کے بدن کی خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔ اٹھواں مہینہ چل رہا تھا بہارے کا۔۔ مگر وہ بلکل ویسے ہی دکھتی تھی بلکہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔۔ نظر نہیں سکتی تھی اس پر۔۔ اوپر سے شہرام اس کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اس کے حد سے زیادہ نخرے اٹھاتا تھا۔ وہ آدھی رات کو بھی کچھ کھانے کا کہہ دیتی وہ گھنٹوں کی ڈرائیو کر کے اس کے لیے اس کا پسندیدہ کھانا لاتا جو چاکلیٹس براونیز کیک پر مشتمل ہوتا تھا۔ شہرام کی اتنی کیبیر پر وہ مزید

اسے نخرے دکھاتی تھی۔ آج شہرام کا غصہ برداشت نہیں ہوا تھا۔ اور آیزل سے بات کرنا تو اسے جلتے توے پر بٹھا گیا تھا جیسے۔۔۔ بہارے نے غصے سے اسے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی۔ شہرام کے پہاڑی وجود کو وہ ایک انچ نہیں ہلا سکی تھی۔۔ نتیجہ بری طرح ہلکان ہوتے اس کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

شہرام اسے کے گلابی چہرے اور اس کے بگڑے تنفس کو دیکھتے اس سے دور ہوا۔ بہارے اسے دور ہوتا دیکھتے اسے کالر سے جکڑے خود کے قریب کرتے اس کی گردن پر شدت سے دانت گاڑھ گئی۔۔

شہرام کے لب مبہم سا مسکرائے تھے۔۔ وہ اس کی گردن پر اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھے پیچھے ہوئی۔

شہرام نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا جواب بھیگی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے شہرام کی گردن پر بنے اپنے دانتوں کے بے رحم نشان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو نیلاہٹ زدہ ہو گیا تھا۔ دانتوں کی گھڑی بھی واضح طور پر بنی تھی۔ اب کل مجھے ہائی نیک پہنی پڑے گی۔۔۔۔ مائی وایلڈ وومن تھوڑا نیچے اپنا غصہ اتار لیتی۔ شہرام بہارے کے سرخ عارض پر بھاری بھاری اپنے لب کھتے وہ اس کی سانسوں کو جکڑ گیا۔ بہارے شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اس کی شدت برداشت کرنے لگی۔۔ بلکہ اس کی شدت میں اس کا

ساتھ دینے لگی۔۔ وہ شدید غصے میں بھی اس کی شدتوں پر دور نہیں جھکتی تھی۔

شہرام بہارے کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے پیچھے ہوا۔

تم نشہ ہو میری بہارے ؟؟ شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے سرخ بھیگے لبوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔

کیوں گئے تھے اس کے پیچھے ؟؟۔۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہر وہانسے ہوتے شکوہ کیا۔

میں اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔۔ یہ تم کسی سے بھی پوچھ سکتی ہو۔ اور ویسے بھی اگر میں اس کے پیچھے گیا ہوتا تو تم یوں آرام سے مجھ سے سوال نہ کرتی۔۔ بلکہ پہلے تیز دھار چاقو میرے سینے میں اتارتی پھر مجھ سے سوال کرتی۔۔ شہرام اس کے عارض پر ہاتھ جمائے اس چہرے پر پر تپش سانسیں چھوڑتا بھاری آواز میں بولا۔۔

اس کے لبوں کو چھونے کے بعد اس کی پیاس مزید بڑھ گئی تھی۔ تو کہا بھی کیوں شہرام کہ تم اس کے پیچھے جا رہے ہو؟؟۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے سوال داغا۔

بہارے شروعات تم نے کی تھی۔ کیا ضرورت تھی اسے وہ سب کہنے کی ؟؟۔۔ آگے اتنا تماشہ ہوا وہ کم تھا جو تم مزید کرنے کا سوچ رہی تھی۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ شہرام یکدم بھڑک اٹھا تھا۔

اس کے لفظ یاد آئے تھے جو وہ ڈاکٹر آئیزل کے بول رہی تھی۔ بہارے کے منہ سے چیپ گھٹیا جیسے لفظ اسے بلکل اچھے نہیں لگے تھے۔ تو کیا کر رہی ہے وہ یہاں؟؟ واپس کیوں نہی چلی جاتی وہ۔

۔۔ بہارے شہرام کے بھڑکنے پر اپنے بھاری ہوتے اعصابوں کے ساتھ چھٹتے ہوے بولی۔ تو کیا کروں اسے خود جرمنی چھوڑ آؤں۔۔۔ اسے اب زبر دستی تو اس ہاسپٹل سے نکالنے سے رہا۔ شہرام بہارے سے دور ہوتی جھنجھلاتے ہوئے بولا۔۔ آواز ابھی بھی بلند تھی تو نکال دو اسے۔۔ وہ تمھارا ہاسپٹل ہے۔ جیسے مجھے نکالا تھا۔ بہارے تڑختے ہوے بولی۔۔ لہجے میں شکوہ تھا۔ ڈاکٹر آیزل کا طعنہ یاد آیا تھا۔ وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔

بہارے کی بات پر شہرام نے لب بھینچے تھے۔ بہارے کی سوئی ابھی بھی ڈاکٹر آیزل میں اٹکی تھی۔ اس لیے وہ بہارے کے سامنے بات نہیں کرتا تھا۔ خود بھی ٹینشن لیتی تھی اسے بھی دیتی تھی۔

شہرام نے بنا کوئی جواب دیے لب بھینچتے گاڑی سٹارٹ کی۔

بہارے نے شہرام کے سرخ سرد چہرے کو دیکھا وہ سرد تاثرات کے ساتھ لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔۔

میں حویلی جا کر کھانا نہیں کھاؤں گی۔ شہرام کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے بہارے نے بھیگے لہجے میں دھمکی دی۔ میں کھلا دوں گا۔ مجھے عادت ہو گئی

ہے۔ یہ روز کا ہے تمھارا۔۔۔ شہرام نے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

تو تم مجھ سے تنگ آ گئے ہو۔۔ بہارے نے اس کے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرے کو دیکھتے تنک کر پوچھا

بلکل نہیں۔۔۔۔ میں صرف سوچ رہا ہوں۔۔ اس بچے کے اس دنیا میں آنے کے بعد تم مجھے کیا دھمکی دیا کرو گی۔۔ لگتا ہے تم مجھے اسے فیڈ نہ کروانے کی دھمکی دو گی۔

شہرام نے اب اس کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مزید اپنی ناراضگی برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر اور اپنی ناراضگی شو کرتا تو وہ یقیبارونا شروع ہو جاتی اور اس کا رونا وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

دھمکی نہیں دوں گی۔ سچ میں فیڈ نہیں کرواؤں گی۔

بہارے بھی جواباً لب پھیلائے مسکرائی تھی۔

کیا مطلب ہے اس بات کا اگر یہ مذاق ہے تو مجھے اس طرح کا مذاق بلکل پسند نہیں جو میرے بچے کو لے کر ہو۔ وہ سنجیدہ ہوا تھا بہارے شہرام کے انداز

اور سنجیدگی پر بھڑ بھڑ جلی تھی۔ یہ تو طے تھا وہ اس سے زیادہ اپنے بچے سے محبت کرتا تھا۔

مذاق نہیں ہے شہرام۔۔۔ میں بے بی کو فیڈ نہیں کرواؤں گی۔ بہارے اٹل انداز میں بولی تھی۔ کیوں؟؟ شہرام نے بہارے کو گھورتے جبڑے بھینچے سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کی۔۔ اس کی فضول کے نخرے اور ضد برداشت کر سکتا تھا مگر اپنے بچے کے حوالے سے وہ اس کا ذرا سا مذاق بھی براشت نہیں کر سکتا تھا۔

کیونکہ میں اپنا فگر نہیں خراب کرنا چاہتی۔۔ بہارے کی بات پر شہرام نے گاڑی ایک ہی جھٹکے سے روکی تھی۔ بہارے کیا فتور چل رہا ہے تمھارے دماغ میں؟؟ بچے کو فیڈ کروانے سے مگر خراب ہونے کا کیا تعلق؟؟۔۔ اگر خراب ہوتا بھی تو ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔ ماں ہو تم۔ اور ایک ماں

کے لیے اپنے بچے سے بڑھ کر کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ شہرام بہارے کو سرد نگاہوں سے گھورتے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

میں بیوی بھی ہوں۔ اور اپنے بچے سے بھی بڑھ کر تمھیں چاہتی ہوں۔ تم میرے علاوہ کسی کی طرف نہ دیکھو۔ اس لیے میں اپنا نگر خراب نہیں کرنا چاہتی۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔

اور تمھیں لگتا ہے میں تمھارے فگر سے محبت کرتا ہوں۔ شہرام نے لب بھینچے پوچھا تھا۔

نہیں۔۔۔۔ مگر رات کو جب تمھارے قریب ہوتی ہوں تو تمھاری محبت کا انداز جنونی ہوتا ہے۔ بلکل ویسا شہرام جو میرے لیے بھی تھا۔ اس کے بعد

تم بدل جاتے ہو۔ جیسے آج مجھے سٹاف روم میں چھوڑ کر غصے سے چلے گئے۔ اگر پہلے والا شہرام ہوتا وہ میرے قدموں میں بیٹھ کر گھنٹوں مجھے وضاحت دیتا۔ میری بھیگی آنکھیں دیکھ کر تڑپ جاتا۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں اپنے اوپر جھکے شہرام کے گردن کے نشان پر نرمی سے انگلی ٹریس کرتے شکوہ کیا تھا۔ جہاں کچھ دیر پہلے اس نے اپنے موتیوں جیسے دانتوں سے بے رحمی دکھائی تھی۔ نرمی سے بہارے کے عارض پر ہاتھ رکھا۔

بہارے تم اپنا ایکٹ ہمیشہ بھول جاتی ہو۔ جو باتیں تم ڈاکٹر آیزل سے کہہ رہی تھی۔ جس طرح کی لینگوج یوز کر رہی تھی کوئی اور سن لیتا تو کیا کہتا۔ شہرام نے نرمی سے بہارے کے عارض پر ہاتھ رکھا۔ اگر تمھیں مجھے اپنے قدموں میں بٹھانے کا بہت شوق ہے تو میں کمرے میں چل کر تمھارے قدموں میں بیٹھنے کو تیار ہوں۔۔ شہرام نے نرمی سے اس ٹھوڑی پکڑتے

اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی پوزیسیونیں اور شدید محبت سے آگاہ تھا۔۔ اس لیے لہجہ نرم ہوا۔ اسے احساس ہوا تھا اسے بہارے کے سامنے اسے آیزل سے بات نہیں کرنی تھی۔ تم طنز کر رہے ہو۔ بہارے روہانسی ہوئی۔ شہرام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

مجھ سے محبت کرنے کے بعد تم میرے لیے خطرناک ہونے کے بعد تم میرے! گئی ہو۔

اس سے اچھی تو پہلے والی بہارے تھی جس نے مجھے سپیس دے رکھی تھی۔ شہرام لب دانتوں میں دبائے شرارتی لہجے میں بولا۔ کاش میں پہلے والی ہی

بہارے ہوتی تم کچھ بھی کرتے مجھے فرق نہ پڑتا۔ بہارے نے غصے سے شہرام کے سینے پر نروٹھے انداز میں مکہ مارا تھا۔ افف۔۔۔۔ میری قاتل حسینہ شہرام اس کے عارض کو نرمی سے چومتا پیچھے ہوے تھا۔

بہارے نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے مزید اپنے قریب کیا تمھیں سپیس چاہیے مجھ سے ؟؟ تمھیں اچھا نہیں لگتا میں تمھیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی۔ پچھلے سات مہینوں سے تم نے کوئی کانٹریکٹ نہیں لیا۔۔ تم مجھ سے تنگ پڑ گئے ہو۔ بہارے پھر سے روہانسی ہوئی تھی۔ شہرام کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ پرمینسی اور اس کے بے حد کثیر کرنے پر اس کے انداز و اطوار بدل گیے تھے۔۔ وہ بے حد نخرے کرتی تھی۔۔ بات تو کرتی ہی ایسے تھی۔

نہیں مجھے اپنی بہارے کا یہی انداز اچھا لگتا ہے۔ میری boss lady میری وائلڈ وومن۔۔۔ اور مجھے اپنے بچے اور بیوی سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔ شہرام نے بہت نرمی سے اس کی پلکوں سے نرمی سے آنسو اپنے لبوں سے چنے۔

تم مجھ سے زیادہ اپنے بچے سے محبت کرتے ہو ناں؟؟ بہارے کا لہجہ پھر سے روہانسا ہو اتا۔

بلکل اگر میری زندگی میں ایک اور بہارے آئی تو تو وہ مجھے اپنی boss lady سے کہیں زیادہ عزیز ہو گی۔۔ مگر اب اس کے چانسز زنہ ہونے کے

برابر ہیں۔ اس لیے اب مجھے اپنے بچے سے زیادہ تم عزیز ہو۔ الٹا مجھے حسد ہوا کرے گا۔۔ شہرام کی بات پر بہارے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔۔

شہرام اسے ہنستا دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتے پیچھے ہوئے تھا۔ ورنہ اسے کمرے میں چل کر گھنٹوں اسے منانا پڑتا۔۔ شہرام نے بہارے کا ہاتھ نرمی سے پکڑے اس کی ہتھیلی کو چومتے گاڑی سٹارٹ کی۔ شہرام تمھیں کیا ضرورت تھی؟؟ ہاسپٹل میں اس پیشنٹ پر ہاتھ اٹھانے کی؟؟۔ تمھیں کسی کے لیے بھی اپنے ہاسپٹل کی ریپوٹیشن خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ جانتے ہو وہ خزر خان کا بیٹا ہے۔۔ اور وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ بہارے کی بات پر شہرام نے لب بھینچے تھے۔

بہارے کی سوئی ابھی بھی ڈاکٹر آیزل میں اٹکی تھی۔ اس لیے وہ بہارے کے سامنے بات نہیں کرتا تھا۔ خود بھی ٹیشن لیتی تھی اسے بھی دیتی تھی۔

میرے لیے ہاسپٹل کی ریپوٹیشن سے زیادہ ایک عورت کی عزت میٹر کرتی ہے۔ اگر ڈاکٹر آیزل کی جگہ کوئی بھی عورت ہوتی میں یہی کرتا۔ اور میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ خزر خان ابھی مجھے نہیں جانتا۔۔ جس دن جان جائے گا وہ میری دشمنی سے ڈرے گا۔ شہرام نے سنجیدگی سے جواب دیتے ڈرائیونگ پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کی۔ شہرام نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ جو بہارے نے بری طرح محسوس کیا تھا۔ اگر ڈاکٹر آئیزل کی جگہ میں ہوئی تو تب بھی تم یہی کرتے تو بہارے کی بات پر شہرام ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روک چکا تھا۔ آج تو یہ بات کر دی ہے آئیندہ ایسی بات منہ سے مت

نکالنا۔۔ ورنہ تمھاری کیا حالت ہے میں لحاظ نہیں کروں گا۔ میں تصور میں بھی برداشت نہیں کر سکتا کوئی تمھارا ہاتھ بھی چھوے۔۔۔ شہرام بہارے پر جھکا سرد لہجے میں غرایا۔

تمھیں کوئی چھونا تو دور کی بات۔۔۔ تم پر نظر ڈالنے کی ہمت نہیں سکتا۔ کیونکہ سب جانتے ہیں تم شہرام خانزادہ ی عزت اس کی ملکیت ہو۔۔۔ اگر کوئی تمھیں چھوتا تو میں قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی۔۔۔ میں اس کا ہاتھ جڑ سے کاٹ کر پھینک دیتا۔۔ آئیندہ ایسی بات مت کرنا مجھ سے شہرام سرد لہجے میں بہارے کا منہ دبوچے غرایا تھا۔۔ شہرام کی آنکھوں کا سردین دیکھ کھوں کا سردین دیکھتے بہارے نے گھبراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔ آج بہت عرصے بعد اسے شہرام میں پہلے والی جھلک دکھائی دی تھی۔ جو اس

کے لیے جنونی تھا۔۔ اور یہ سچ تھا وہ اس کی جنونیت برداشت جنونی یہ سچ تھا وہ کی نہیں کر سکتی تھی۔

شہرام نے اس کا جبڑہ چھوڑتے گاڑی سٹارٹ کی۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کو دیکھتے سیٹ سے ٹیک لگائی۔ شہرام نے پھر سے گاڑی روکی تھی۔ بہارے نے تحیر زدہ نگاہوں سے شہرام کو دیکھا جس نے اس کی طرف جھکتے بہت احتیاط سے اس کے گرد سیٹ بیلٹ لگا رہا تھا۔ بہارے کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ شہرام نے اس سے دور ہونے سے پہلے اس کی آنکھوں پر باری باری لب رکھے تھے۔۔ اور سیدھے ہوتے گاڑی سٹارٹ کی۔

زاران خانزادہ نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے غصے سے اپنا کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل بھی غصے سے بیڈ پر پوری قوت سے پھینکا تھا۔ زاران خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولے۔۔ آکسیجن کی مقدار بہت کم لگ رہی تھی۔۔ اپنے پھڑے سے عالیشان بڑے سے عالیشان کمرے میں اسے گھٹن سی ہو رہی تھی۔ زاران خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے مزید بٹن کھولے تھے۔ غصہ اظطراب کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ زاران نے غصے سے پوری قوت سے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر دے مارا تھا۔ جی کر رہا تھا پوری دنیا کو آگ لگا دے۔ پچھلے دو دن سے اس آئی ڈی سے کوئی میسج کوئی کال نہیں آئی تھی۔۔ اور یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔ جس آئی ڈی نے ان سات مہینوں میں دن رات

میں اسے سینکڑوں کی تعداد میں میسجز کیے تھے۔ وہ اتنی بار سانس نہیں لیتا تھا جتنی بار وہ میسج کرتی تھی۔۔

زاران خانزادہ نے اپنی شرٹ اتار کر بیڈ اپر چھالی۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنی ملکی گھنی ہیئر ڈ پر اشتعال کے مارے ہاتھ پھیرا تھا۔

اس کا سکس پیک چٹانی سینہ عیاں تھا۔ اس کا کسرتی ورزشی بدن پہلے سے زیادہ جاذب نظر ہو گیا تھا۔۔ اس کے سینے میں بنے کٹس تک نمایاں تھے۔ ان سات ماہ میں اس نے باقاعدگی سے جم کی تھی۔۔ اونچے نیچے پہاڑوں پر اس نے گھنٹوں ورزش کی تھی۔۔ وہ گھنٹوں پتھر پہلے پتھروں پر پہاڑوں پر پش اپس کرتا تھا۔ اس کے اندر کا غصہ اضطراب پھر بھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ اس

کی کمر کا وہ سیاہ تل بھولتا ہی نہیں تھا۔ اس کے پوسٹر کسی غیر مرد کے کمرے میں اس کا سینہ ہمہ وقت دہکائے رکھتے تھے۔

زاران نے کمرے میں رکھی سائیڈ ٹیبل پر بڑی پانی کی بوتل اٹھائے ایک ہی سانس میں خالی کی تھی۔

زاران خانزادہ اب اپنے کمرے کے ماربل پر پش اپس کرنے لگا تھا۔۔
آنکھیں سرد سرخ تھیں۔ وہ بہت تیزی سے پیش ایپس کر رہا تھا

نظروں کے سامنے اس کا دلہن سے سجا سنورہ روپ آرہا تھا۔۔۔ سماعتوں میں اپنے ہی لفظ گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے۔

!!ابرش میں چاہتا ہوں۔۔ تمھیں اس طرح سجا سنورہ میرے علاوہ کوئی بھی نہ دیکھے!!

کیا مطلب زاران؟؟گھر میں کتنی عورتیں ہیں۔میں کیسے کسی کو خود کو دیکھنے سے منع کر سکتی ہوں؟۔اب میں گھونگھٹ نکالنے سے تو رہی۔اب اس کی میٹھی جھنجھلاتی آواز سماعتوں میں سنائی دی تھی۔

گڈ آئیڈیا۔۔۔ گھونگھٹ نکال لو ۔۔۔۔ میری جان۔۔۔۔۔ !!

میں کیا کروں۔۔۔ میرا خود پر اختیار نہیں۔۔ میرا بس چلے تو

تمھیں ایسے خود میں قید کروں کہ تم پر کسی کی نظر بھی نہ پڑنے دوں۔ زاران خانزادہ کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

زاران خانزادہ کی آنکھوں کا سردین بڑھتا جارہا تھا۔ وہ اس دلہن کے لباس میں اتنے بدترحلیے میں اس بہزاد کے ساتھ بیٹھ کر اسلام آباد گئی تھی۔

زاران کے پش اپس کرنے میں تیزی آئی۔ وہ بہت تیزی سے پش اپس کر رہا تھا۔۔ کمرے کا نمبر بچرا اچھا خاصہ سرد تھا۔۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ مگر بند کمرے میں زاران خانزادہ پورا پسینے میں نہا گیا تھا۔۔ اس کی برہنہ کمر اس کے ماتھے اس کی گردن پر پینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

وہ دلہن کا لباس اس نے سپیشلی اس کے لیے تیار کروایا تھا۔۔ اس میں اس کا انگ انگ نمایاں تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا اسے اس دلہن کے لباس میں کوئی مرد نہیں دیکھے گا۔۔ وہی نکاح کے بعد اس کے بدن کی رعنائیوں کو گہرائی سے ماپے گا۔۔ مگر ہوا کیا اس دن ہر ایک مرد نے اسے دیکھا تھا۔ اس ذلیل زعیم اس کے گارڈز اس بہزاد اس کے گارڈز شائد سوات کے ہر مرد نے اسے دیکھا تھا۔ زاران اب ایک ہاتھ زمین پر رکھے ایک کمر پر پیچھے کی طرف لے جاتے پش اپس کر رہا تھا۔ اس کے پورے وجود نیلی رگیں طیش او اشتعال سے ظاہر ہونے لگی۔ وہ اس رات چادر میں بھی تو جا سکتی تھی۔۔ وہ ایسے کیوں گئی آخر؟؟ کیوں اس ہے۔۔۔ غیرت بہزاد کی گاڑی میں بیٹھی۔۔۔ زاران خانزادہ نے غصے سے چیختے ہوے ایک ہاتھ کا مکہ بنائے

ٹھنڈے فرش پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔ رگوں میں دوڑ تا لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔ دماغ کی آتش فشاں رگیں پھٹنے کے قریب تھی۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بنار کے بہت تیزی سے پش اپس کر رہا تھا۔۔ اب اس کی سانسوں کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

نظروں کے سامنے وہ سیاہ تل ایک بار پھر سے آیا تھا۔ اس کے بدن کی رعنائیاں آنکھوں کے سامنے آئیں تھیں۔

اس کی آنکھیں شدت گریہ سے جلنے لگی تھیں۔ ہر روز کی طرح ہر رات کی طرح اس کی قربت میں گزرے پر فسوں لمحے اس کی آنکھوں کی جلن مزید مزید بڑھا چکے تھے۔۔ اس کے پش اپس کرنے میں مزید تیزی آئی تھی۔ ماتھے سے ٹپکتا پسینہ فرش کو بھگونے لگا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔ ابرش نے تیز ہوتی سانسوں سے زاران کو پکارا جو اس کی کمر کے تل پر کب سے اپنے دہکتے لبوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

ابرش کے پکارنے پر زاران نے اس کی کمر کے قتل پر اپنے دانت شدت سے گاڑھے تھے۔۔ ابرش کی سسکیاں برامد ہوئیں۔

زاران اسے کندھے سے سیدھا کرتا اس پر جھکا تھا۔ بیوی تم پوری کمال ہو۔۔ سر سے پیر تک قیامت۔۔۔ زاران نے سرخ خمار زدہ نشیلی آنکھوں سے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے عارض کو اپنے لبوں سے جھلسایا تھا۔ اس کے لبوں کے دہکتے لمس سے ابرش کی سانسوں کی روانی

میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ اب اس دھڑکنوں پر جھکا تھا۔۔ اس کے لبوں کی تپش اب دھڑکنوں پر بڑھتی جا رہی تھی۔ ابرش اس کی قربت میں پگھل کر فنا ہو رہی تھی۔۔

زاران کے پر تپش لبوں کیحدود بڑھتی جا رہی تھی۔ زاران نے اس کے بیلی بٹن کے پاس دو بھورے تلوں پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔۔ ابرش کی انگلیاں زاران کے گھنے بالوں میں سرسرا رہی تھیں۔ ابرش کی آنکھیں بھی اب خمار زدہ ہوئی تھیں۔ وہ نرمی سے وہاں لب رکھے اپنے دانت گاڑھ گیا تو ابرش نے بری طرح سسکی لی تھی۔۔ زاران اسے بے حد نرمی سے چومتا اوپر کی طرف آتے اس کی گردن میں منہ چھپائے اس کی داغدار گردن پر اپنی کھنی بیرڈر گڑ گیا۔۔ شدید داغدار پر جلن سے ابرش بری طرح کسمسائی تھی۔

بیوی۔۔۔۔۔ تمھارے بدن پر موجود ہر تل کا میں دیوانہ ہوں۔ پتہ ہے کیوں؟؟ زاران نے گردن سے چہرہ نکالتے ابرش کی خمار زدہ شیلی آنکھوں میں دیکھتے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے پکڑے گھمبیر لہجے میں پوچھا کیوں؟؟

ابرش زاران کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اسے اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔

زاران کے لب اس کے لبوں سے جا ٹکرائے تھے۔ زاران نے نرمی سے اس کے لبوں کو گیلا کیا تھا۔

اس کی نشیلی آنکھوں میں گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

کیونکہ تمھارے بدن کے ان مول پر کبھی کسی کی نظر نہیں پڑی۔۔۔ انھیں دیکھنے والا صرف میں ہوں۔۔ یہاں تک تم نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔۔ اس لیے تمھارے بدن کے یہ تل میری جان نکال دیتے ہیں۔ اور تمھاری خمدار

کمر کے اس سیاہ تل میں زاران خانزادہ کی جان بستی ہے۔جی کرتا ہے اپنی شدتوں سے فنا کر دوں۔۔زاران نے بوجھل گھمبیر آواز میں اکہتے س کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹا تھا۔

تو منع کس نے کیا ہے مسٹر خانزادہ فنا کر دو۔۔۔میں تمھاری شدتوں سے فنا ہونا چاہتی ہوں۔

ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے شدت سے اس اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دباتے اس کے نچلے لب پر اپنے دانت گاڑھ چکی تھی۔۔زاران کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

بیوی اتنا جنگلی پن دکھاؤ گی تو پھر میں بھی ایسا جنگلی پن اپنے پسندیدہ مقام پر دکھاؤں گا زاران نے ابرش کو ذو معنی اشارہ کیا تو ابرش سرخ گلاب ہوتی اس کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔۔زاران مسکراتے ہوے اپنے پسندیدہ

مقام پر جھکتے اپنی شدتیں دکھانے لگا۔ ابرش اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر چکی تھی۔۔

پش اپس کرتے زاران خانزادہ کی آنکھوں سے اب لہو چھلک رہا تھا۔۔ اس کے پش اپس کرنے میں مزید تیزی آئی تھی۔۔ ان سات مہینوں میں اس دشمن جاں کے ساتھ گزرا ہر پل اسے اس کے اندر صرف آگ بھڑکاتا تھا۔۔ جیسے اب وہ بھڑک رہا تھا۔

زاران خانزادہ اٹھتے ہوے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔

کبرڈ سے ٹاول نکالتے اس نے اپنی گردن اور اپنا کٹاؤ دار سینہ ٹاول سے اچھی طرح رگڑا۔۔

سارا دن آج اس نے اس ائی ڈی کے میسج کا انتظار کیا تھا۔

وہ کہاں ہے ؟؟ اس نے کانٹیکٹ کیوں نہیں کیا۔ اپنے سینے پر ٹاول رگڑتے وہ مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

وہ جبڑے بھینچتے باہر آیا تھا۔۔ بیڈ پر پڑا موبایل اٹھا کر اس نے بے چینی سے آن لاک کیا۔

مگر اس کے وٹس اپ پر وہ نمبر جو ہمیشہ اوپر رہتا تھا۔ آج کافی نیچے تھا۔۔۔

زاران خانزادہ نے گہرے سانس لیتے غصے سے موبائل پوری قوت سے دیوار پر دے مارا تھا۔ موبایل زمین بوس ہوتے ٹکڑے ہوے تھا۔

کہاں ہو تم بیوی ؟؟ دو دن سے تم نے رابطہ کیوں نہیں کیا ؟؟

وہ حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

بس نے گہرے سانس لیتے ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا سا جھکتے ہوے مرر میں دیکھا۔اس کی سرد آنکھوں کا برفیلہ پن بڑھتا جا رہا تھا۔

میں تمھیں بھول جاؤں یہ ممکن ہے مگر تم مجھے بھول جاؤ یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔وہ ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ مارتے غرایا تھا۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔اسفندیار خان نے لیپ ٹاپ کی سکرین میں روزینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا۔وہ بس وقت لاونج میں صوفے پر موبائل ہاتھ میں پکڑے بیٹھی اس سے ویڈیو کال میں مصروف تھیں۔

وعلیکم اسلام۔۔۔کیسا ہے ہمارا بیٹا؟؟روزینہ خانم نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

بہت خوش اور بہت سکون میں ہوں۔۔اسفندیار خان نے صوفے سے ٹیک لگائے گلابی انچل کو دیکھتے بلند آواز میں کہا تھا۔جو صوفے کی بیک سے اپنی ذرا سی جھلک دکھلا کر اسفندیار خان کو بے چین کر گیا تھا۔۔

اللہ تمھیں ہمیشہ سکون میں رکھے۔۔ہم تو کہتا ہے تم ادھر شادی منا لو۔۔روزینہ خانم نے بھی بلند آواز میں اپنی بات کسی کی سماعتوں تک پہنچاتے اسے تکلیف دینا چاہی تھی۔

اسفندیار خان کی بے چین نگاہیں اس گلابی انچل کا ہی طواف کر رہی تھیں۔

جو ایک بار پھر سے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتا اسفندیار خان کے رگوں وپے میں بے چینی بھر گیا تھا۔ وہ روزینہ خانم کے بلکل پیچھے صوفے کی بیک سائیڈ پر کھڑی تھی

اب وہ مکمل طور پر اسفند کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے خوبصورت نقوش اس کا دو آتشہ بدن سب کچھ اسفندیار خان کے سامنے تھا۔ وہ صوفے کے پیچھے کھڑی درخشاں کو کچھ ہدایت دے رہی تھی۔۔

اسفندیار خان سلگتی نگاہوں سے اس کا کافی گہرائی سے جائزہ لے رہا تھا۔

وہ شاکنگ پنک کلر کے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ جس پر شاکنگ پنک نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔۔ سنہری بال گیلے تھے۔ جن سے پانی ٹپکتا اس کی پشت کو گیلا کر رہا تھا۔ وہ درخشاں سے باتیں کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔

اب اس کی پشت اسفندیار خان کی طرف تھی۔۔ وہ درخشاں کو رات کے کھانے کے بارے میں ہدایت دے رہی تھی۔۔ اس کی کھنکتی آواز اسفند کو بخوبی سنائی دے رہی تھی۔

اسفندیار خان اس کی گیلی دودھیا پشت دیکھتا اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔ جو نیٹ کے دوپٹے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔

روزینہ خانم اس سے کیا کہہ رہی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔۔ اس کی سماعتیں اور اس کی سلگتی نگاہیں اس کا نازک وجود کی طرف پوری طرح متوجہ تھی۔۔ اس کا اتنے تیز رنگ کے لباس میں ملبوس ہونا ہی

اسفندیار خان کے رگوں کے دوڑتے خون کو بھڑکا رہا تھا۔ اوپر سے وہ کھلے بالوں میں گیلی پشت کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسفند نے قہر آلود نگاہیں اس کی پشت پر گاڑھیں۔ جی کر رہا تھا۔ سامنے کھڑے وجود کو آگ لگا دے۔

وہ درخشاں کی کسی بات پر کھل کھلا کر ہنسی تھی۔ اسفندیار خان کے سینے میں جیسے آگ بھڑکی تھی۔۔ وہ اب صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔ آنکھوں کی تپش بڑھی تھی۔ اس کا یوں ہنسنا اسفندیار خان کو مزید پاگل کر گیا تھا۔ سات مہینوں بعد اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔۔ ورنہ سامنے کھڑا وجود تو اجڑے ماتم کدہ حلیے میں پھرتا رہتا تھا۔ ہنسنا تو دور کی بات وہ مسکرا جائے بڑی بات تھی

مورے۔۔۔۔۔ میں جلد دوسری شادی کروں گا۔۔ ایک لڑکی ہے میری زندگی میں۔ میں آپ کو تصویریں بھیجتا ہوں کچھ دیر میں۔۔ اسفندیار خان

نے تپش زدہ لہجے میں لفظ چباتے عابیر پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں جو ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔۔

اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ مقابل تک بخوبی پہنچتی۔ جانتا تھا یہ جملے سنتے اس کے لبوں سے مسکراہٹ سے لے کر اس کے چہرے کا ہر رنگ چھین لے گی۔۔

اس کی کھل کھلاہٹ پھر سے سنائی دی تھی۔۔

وہ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی جیسے اس نے سنا نہیں یا پھر اسے فرق ہی نہیں پڑا۔۔ اسفند نے بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں کاجل کی باریک تہہ بھی لگائے ہوے تھی۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں لگا کاجل بہت بری طرح چبھا تھا۔

اسفند تم نے تو ہمارا دل خوش کر دیا۔ جلدی سے اس کا تصویریں بھیجو ۔۔۔ ہم کو یقین ہے وہ بہت اچھا اور خوبصورت ہو گا۔ آخر ہمارا خوبرو بیٹا کا پسند اتنا ہلکا تو نہیں ہو سکتا۔۔ روزینہ خانم نے عابیر پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھے زہر خند لہجے میں کہا۔

بہت خوبصورت ہے مورے وہ۔۔۔ اسفند یار خان نے سگریٹ سلگاتے عابیر کے دہکتے روپ پر شعلہ بار نگاہ ڈالے دانت پیسے تھے۔

وہ ان سات مہینوں میں پہلی بار اتنا تیار ہوئی تھی اور پہلی بار اسے یوں خوش دیکھا تھا۔۔ اور وہ اتنی خوش آخر کیوں تھی۔۔ ایسا کونسا قارون کا خزانہ لگ

گیا تھا کہ سامنے کھڑے نازک وجود کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔ اسفندیار خان طیش اولم سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا

عابیر درخشاں سے باتیں کرتے کچن کی طرف بڑھی.

عابیر۔۔۔۔۔ روزینہ خانم کی آواز پر اس نے پلٹتے ہوے استفہامیہ نگاہوں سے روزینہ خانم کو دیکھا تھا۔

ہمارا کپڑا اچھی طرح دھو کر استری کر دو۔۔ اور رات کا کھانا میں ہمارا لیے کچھ پرہیزی کھانا بنا دینا۔۔ یخنی کا پلاؤ اور بکرے کا شوربہ۔۔۔ کالی مرچ موالا۔ ہمارا بی پی آج ہائے ہے۔ روزینہ خانم نے عابیر کو دیکھتے نخوت سے حکم دیا۔

ان سات مہینوں میں عابیر ان کا ہر کام کر رہی تھی۔۔ بلکہ ان کی بہت خدمت کرتی تھی۔ روزینہ خانم سمجھتی تھی وہ ان کی خدمت اسفندیار خان کے لیے کرتی تھی۔ تاکہ وہ اس کے خلاف اسفندیار خان سے کچھ نہ کہیں۔ ۔جب جب وہ اسفندیار سے فون پر بات کرتی۔ عابیر ان کے گرد منڈلاتی رہتی تھی تاکہ ان کی خدمت سے اسفندیار خان کا دل نرم کر سکے۔۔ روزینہ خانم اسے ہمہ وقت گھن چکر بنوائے رکھتی تھی۔۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کر کے ان کے جلے دل کو ٹھنڈک پہنچتی تھی۔۔ روزینہ خانم ابھی بھی اسے دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔۔ وہ ساری عمر اب صرف ان کی خدمت گزار ہی بن کر رہنے والی تھی۔۔ اسفندیار خان اب کبھی تو دل پگھلنے والا نہیں تھا۔ نہ وہ ایسے ہونے دیتی کبھی۔۔

میرے پاس آج بلکل ٹائم نہیں ہے۔اپنے کپڑے حویلی کی ملازماؤں سے دھلوائیں جن کا یہ کام ہے۔۔اور رات کے کھانے میں آپ کا پرہیزی کھانا نہیں تیار کر سکتی۔۔کیونکہ میں ویسے ہی بہت ساری ڈشز تیار کر رہی ہوں۔۔ویسے بھی آپ نے پرہیزی کھانا چھوڑ کر وہی کھانا ہوتا ہے جو سب کے لیے بنا ہوتا ہے۔۔میں خود کو تکلیف کیوں دوں۔پھر بھی بہت دل کیا تو اپنی بیٹی بہارے کو کہہ دیجیے گا۔جو کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی۔عابیر سنجیدگی سے جواب دیتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

روزینہ خانم نے بے یقینی سے عابیر کی پشت کو دیکھا تھا۔۔ان کی رنگت تانبے کی مانند شدید سرخ ہوئی تھی۔۔

فون پر موجود اسفندیار خان ظبط سگ اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔اس نے تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔۔

وہ ایسے کیسے کر سکتی ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اس کے سامنے اس کی مورے سے اتنی زبان درازی کی۔ اسفندیار خان کی آنکھوں کا رنگ سرخی مائل ہوا۔۔

اس کی زندگی میں دوسری لڑکی ہے یہ سن کر بھی عابیر نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔۔ اس کی آواز بھی کپکپائی نہیں تھی۔ وہ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی جیسے وہ اس کی زندگی میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دیکھا تم نے تمھارا بیوی نے ہم کو کیسے ٹکا سا جواب دیا۔ تم نے اچھا کیا اس بدزبان لڑکی کو چھوڑ ڈیا ہے۔ اب جلد از جلد وہاں پر شادی منا و۔۔۔ یہ تمھارا لائق نہیں ہے۔۔ روزینہ خانم غصے سے

گہرے سانس لیتے اونچی آواز میں بول رہی تھیں ۔مگر وہاں سن کون رہا تھا

اسفندیار نے غصے سے لیپ ٹاپ ایک ہی جھٹکے میں بند کیا۔عابیر نے اس کی مورے کو اس کے سامنے جواب دیا۔اسفندیار خان کے دماغ کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔ نظروں کے سامنے اس کا دو آتشہ روپ آرہا تھا۔۔وہ آتشی گلابی سوٹ میں کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی بلکہ ہنس رہی تھی۔اسفندیار خان کے سینے میں جلتے بھانبھڑوں کے آلاؤ شدت اختیار کر رہے تھے۔۔

جس دن تم دل سے مسکرائی۔ اس دن اسفندیار خان اپنا حق تم پر ختم کر دے گا. اسفندیار خان کو سات ماہ پہلے اپنے بولے گئے لفظ سنائی دیے تھے۔۔ آج وہ مسکرا ہی نہیں بلکہ ہنس رہی تھی۔

اسفندیار خان نے غصے سے سیل فون اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر پھینک دیا تھا۔۔

آخر وہ اتنی خوش کیوں تھی۔۔ اسفندیار خان جلتا سگریٹ اپنی مٹھی میں دبوچ گیا تھا۔

اب تو اسے رات کا انتظار تھا۔۔ جب اس کا کمرہ اس نازک وجود کی پر سوز سسکیوں سے گونجے گا۔۔ تب ہی اس کے جلتے تڑپتے دل کو راحت ملنی تھی۔ آج رات کا انتظار اسفندیار خان کے لیے مشکل تھا۔ وہ اپنا کوٹ پہنتے

سگریٹ سلگائے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔ اب وہ نیویارک کی سڑکوں پر تیزی سے بھاگتے خود پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

حیدر خان شاور لے کر بلیک شلوار قمیض میں ملبوس باہر آیا تھا۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر بھی غصہ اظطراب کم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آضافہ ہوا تھا۔ یہ غصہ اظطراب تک ختم نہیں ہونا تھا۔ جب تک وہ اپنے بیوی بچوں کو اپنے پاس نہ لے آتا۔ جس کے لیے وہ ایک لمحہ کی تاخیر اور نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ابھی اسی لمحے اب اپنی خانم اپنے دراب زراب ہر حال میں اپنی حویلی اپنے کمرے میں چاہیے تھے۔۔ وہ مزید تاخیر نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے دراب زراب کو وہ بانہوں میں لینے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اور

اپنی خانم کو دیکھتے حیدر خان کے آنگ آنگ میں اس کی طلب اس کی پیاس جگی تھی۔ وہ ریڈ دلہن کے لباس میں سجی سنوری حیدر خان کو پاگل کر چکی تھی۔ نظروں کے سامنے ایک بار پھر سے وو منظر آیا تھا وہ اتنی سج دھج کر کسی غیر مرد کے قریب کھڑی تھی۔۔ اس کی کلائی تھامے ہوے۔۔ کون تھا آخر وہ؟؟۔۔ حیدر خان نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے طیش او الم میں بھڑکتے ہوے سوچا۔

ایک بار میرے پاس آجاؤ خانم۔۔۔ تا قیامت تمھارے چہرے پر کسی غیر مرد کی نظر نہیں پڑے گی۔ یہ وعدہ ہے حیدر حاکم خان کا خود سے۔۔ حیدر خان اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اونچی آواز میں غرایا تھا۔

حیدر خان نے کبرڈ سے بلیک شال نکالتے ہوے اپنے کندھوں پر ڈالی۔ وہ ایک نظر کمرے کی بکھری حالت کو دیکھتے کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر لاونج میں رقیہ خانم حاکم علی خان اور اوزگل پریشان چہروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔وہ دروازہ کھٹکٹا کر تھک چکے تھے۔۔ مگر حیدر خان نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔رقیہ خانم کا بی پی پھر سے ہائی ہو گیا تھا۔۔

حیدر خان بھاری قدموں سے سنجیدگی سے سب کو اگنور کرتا داخلی دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

حیدر۔۔۔۔حاکم خان کی بھاری آواز پر حیدر خان کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔

جی بابا۔۔۔۔حیدر خان نے پلٹتے ہوے سنجیدگی سے پوچھا۔

کہاں جا رہے ہو؟؟ اور ایسا کیا ہو گیا جو تم آج سلام کرنا بھول گئے۔ تمھارا مورے کا طبعیت خراب ہے۔۔ تم نے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ حاکم خان نے حیدر خان کے مقابل آتے استفہامیہ مگر نرم لہجے میں پوچھا۔

بابا میں جلدی میں ہوں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔ حیدر خان سنجیدگی سے کہتا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

حیدر خان۔۔۔۔ رقیہ خانم کی گرجدار آواز پر حیدر خان کے قدم پھر سے ٹھہرے تھے۔

ایک رقیہ خانم ہی تھیں جو حیدر خان سے اس لب و لہجے میں بات کر سکتی تھیں۔ ورنہ حاکم خان تک حیدر خان سے ڈرتے تھے۔۔ حیدر خان غصے کا انتہا کا تیز تھا۔ مگر اس نے کبھی اپنا غصہ رقیہ حانم کے ظاہر نہیں کیا تھا۔ رقیہ خانم کے سامنے اس کی کبھی آواز بھی بلند نہیں ہوئی تھی۔

جی مورے۔۔۔۔۔حیدر خان نے پلٹتے ہوے احتراماً پوچھا تھا۔غصے اظطراب میں ہونے کے باوجود اس کی آواز آہستہ ہوئی تھی۔ورنہ اس وقت حیدر خان کا پورا وجود جیسے دہک رہا تھا۔اپنے بیوی بچوں کے لیے وہ تڑپ رہا تھا۔اس کے سرخ پڑتے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا ہے۔

ہم نے یہ تربیت تمھارا نہیں کیا تم بڑوں کو سلام کرنا بھی گوارا نہ کرو۔۔اپنا مورے کو نظر انداز کرو۔۔ہمارا حیدر کی زندگی میں اس کا مورے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔۔اگر قیامت بھی آجائے تو ہمارا حیدر کو اپنا نہیں اپنا مورے کا فکر ہو گا پھر آج ایسا کیا ہو گیا جو تم کو ہمارا خراب طبعیت بھی نظر نہیں آیا۔رقیہ خانم نے حیدر خان کے سرخ چہرے کو دیکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا تھا۔

حیدر خان کی بے اعتنائی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ حیر خان کے معاملے میں تھوڑی خود غرض تھیں۔ حیدر خان کی زندگی میں ہمیشہ وہ سب سے اہم رہنا چاہتی تھیں۔ حیدر خان جیسا بیٹا بھی تو کسی کسی ماں کو ملتا ہے۔ وہ حیدر خان کی محبت میں مغرور بھی تھیں۔

قیامت آجاتی تو اچھا ہوتا مورے۔۔ کیونکہ آج جو کچھ ہوا وہ میرے لیے قیامت سے کم نہیں۔۔ سمجھ نہیں آتا حیدر حاکم خان جو اپنے علاقے کا سردار ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کا مالک ہے۔ وہ اس بات پر خوشی منائے یا پھر غم منائے۔ حیدر خان ٹوٹے کانچ سے لہجے میں بولا۔۔

کیا کہنا چاہتے ہو حیدر؟؟۔۔۔ رقیہ خانم نے حیدر خان کے لہجے میں غصہ اور اظطراب محسوس کرتے بے چینی سے پوچھا۔ حیدر خان کا سرخ سرد چہرہ دیکھ کر ان کا دل بریشان ہوا تھا۔

حیدر خان کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ نمی بھی تھی۔ رقیہ خانم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔ حیدر خان جو چٹانوں کی طرح مضبوط تھا اس کی آنکھ میں اگر آنسو آسکتا تھا تو وجہ صرف ان کی ذات ہو سکتی تھی۔ ورنہ ان آنکھوں میں آنسو آنا ناممکن تھا۔

میں دو بیٹوں کا باپ ہوں مورے۔۔ اور یہ مجھے آج پتہ چلا۔۔ میرے بیٹوں کی عمر کیا ہے مجھے یہ بھی نہیں پتہ۔۔ حیدر خان کے لہجے میں اظطراب کی شدید جھلک نمایاں تھی۔

حیدر خان کی بات پر رقیہ خانم نے ناسمجھی سے حیدر خان کو دیکھا تھا۔

حاکم خان الجھن بھری نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھتے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اوزگل جو اطمینان سے صوفے پر بیٹھی یہ فیملی اموشنل ڈرامہ دیکھ رہی تھی یکدم کرنٹ کھا کر صوفے سے اٹھی تھی۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم حیدر خان؟؟ ہم اس طرح کا مذاق برداشت نہیں کر سکتا۔ تم اچھی طرح جانتا ہے ہمارا ہر دعا میں خدا سے تمھارا لیے اولاد کا ہی دعا ہوتا ہے۔۔ ہمارا دل کے زخموں کو مت کھریدو۔۔ ورنہ تمھارا اس مذاق کو سمجھ کر ہمارا جان نکل جائے گا۔

رقیہ خانم کا لہجہ بھر آیا تھا۔

مورے میں مذاق نہیں کر رہا میں دو بیٹوں کا باپ ہوں۔ دراب حیدر خان اور زراب حیدر خان۔۔ مگر حیدر خان اپنے بیٹوں کے دنیا میں آنے سے ہی انجان تھا۔ وہ دنیا میں کب آئے۔۔ مجھے اس سے بے خبر رکھا گیا۔۔ اگر مجھے

آج بھی پتہ نہ چلتا تو شائد مجھے بے خبر ہی رکھا جاتا۔ میرے بیٹے میرے دراب میرے زراب۔۔۔ اور میں بے خبر رہا۔۔

حیدر خان نے لفظ چباتے طیش والم میں اپنے ایک ہاتھ کا مکہ بنائے اپنی دوسری چوڑی ہتھیلی پر زور سے دے مارا تھا۔

یہ یہ تم کک کیا کہہ رہا ہے ؟؟۔ ہم کو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ رقیہ خانم نے لڑکھڑاتی زبان میں پوچھا۔

فرشتے کے پاس میرے بیٹے ہیں۔۔۔ میرے بیٹے میرے دراب زاراب۔۔ حیدر خان کی بھاری آونچی آواز پر سب مذید بے یقین ہوے تھے۔ اوزگل کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔

یہ کیا کہہ رہا ہے حیدر؟؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو بانجھ تھا۔

نہیں ہے وہ بانجھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے میرے بیٹوں کو جنم دیا ہے۔ دو بیٹوں کی ماں ہے وہ۔۔۔ حیدر خان رقیہ خانم کی بات کاٹتے حلق کے بل چیخا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اس کی آواز رقیہ خانم کے سامنے یوں بلند ہوئی تھی

رقیہ خانم کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔ حاکم خان نے آگے بڑھ کر انھیں سہارا دیا تھا۔۔ ورنہ وہ گر جاتی۔۔

یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ وہ سات ماہ پہلے ادھر سے گیا ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔ جب وہ ادھر سے گیا۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔ اور وہ بانجھ تھا اس لیے تو اسے طلاق ہوا تھا۔ رقیہ خانم حاکم خان کی بانہوں میں سمائے

ٹوٹے لفظوں سے بول رہی تھیں۔ ان کے حیدر کے دو بیٹے تھے۔ ان کے وارث اس دنیا میں تھے۔۔۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

فرشتے کی طلاق والی بات پر حیدر خان نے اپنی مٹھیاں بھینچیں۔ وہ اس کے لیے لفظ بانجھ سن سکتا تھا۔ مگر اس کے نام کے ساتھ کسی کا نام بھی سن نہیں سکتا تھا۔

اس کی فرشتے تو صرف اس کی تھی۔ بہت پاک بہت معصوم۔۔۔ شرم و حیا کا پیکر۔۔۔ صرف حیدر خان کی ملکیت۔۔۔

وہ جب ادھر سے گئی مورے۔۔۔ اس کے پہلو میں میرے بچے تھے۔ آپ کو یاد ہو گا وہ اس دن کہہ رہی تھی کہ اس کی طبعیت خراب ہے۔ اسے صبح سے چکر آ رہے ہیں۔ مجھے بھی بتایا تھا اس نے۔ کچن میں کھڑے ہو کر چار گھنٹے برتن دھونے سے اس کے پہلو میں درد ہو رہا ہے۔ مگر میں اگنور کر

گیا۔۔ اسے ہی ڈانٹ دیا۔ حیدر خان اظطرابی لہجے میں بولتے اپنے بال دبوچ گیا تھا۔ آنکھوں کی سرخی اور نمی نے شدت اختیار کی تھی۔

کک کہاں ہے ہمارا پوتا؟؟۔۔ تت تم نے انھیں گلے سے لگایا انھیں چھوا۔۔ وہ کیسا ہے؟؟۔۔ رقیہ خانم شدت سے رودی تھیں۔

لگایا ہے اپنے سینے دراب کو۔۔۔۔ مگر زراب کو نہیں لگا سکا۔ حیدر خان کی آواز نم ہوئی تھی۔

وہ کیسے یہ کر سکتا ہے۔۔ ہمارا حویلی کے وارث ہمارا پوتوں کا کیسے چھپا سکتا ہے۔۔ ان سب کا یہ کرنے کا ہمت کیسا ہوا۔ حاکم خان غصے سے گرج اٹھے تھے۔

اس بات کا حساب لینے جا رہا ہوں اپنی خانم۔سے۔۔۔ سمیع اللہ خان اور اس کے پوتے ارحام خانزادہ سے ان کی ہمت کیسے ہوئی میرے بیٹوں سے مجھے لاعلم رکھنے کی۔

میں اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی کو لینے جا رہا ہوں۔ حیدر خان کی غراہٹ حویلی کے درودیوار میں گونجی تھی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟۔ فرشتے کیسے ادھر آسکتا ہے خالہ ؟؟۔۔۔ تم نے تو کہا تھا۔ تمھارا ہوتا وہ فرشتے اب کبھی حویلی داخل نہیں ہو گا۔۔ حیدر خان مر جائے گا۔ مگر اب کبھی فرشتے کو حویلی نہیں لائے گا۔ اوزگل نے آگے بڑھتے چیختے کہا۔ فرشتے حویلی رآہی ہے۔ وہ غم وغصے سے پاگل ہوئی تھی۔

پہلے کی بات اور تھی اس کے پاس ہمارا پوتا ہے۔ ہم کسی صورت اپنا پوتا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ ہم کو صرف ہمارا پوتا سے غرض ہے۔ اگر تم ہم کو پوتا دے دیتا تو آج اس کا نوبت نہ آتا۔ رقیہ خانم سفاکی سے بولیں۔

پہلے کی بات کیسے اور تھا خالہ۔۔۔ تم اس کو دن رات بانجھ ہونے کے طعنے دیتا تھا۔ اسے طلاق یافتہ ہونے کے طعنے دیتا تھا۔ اتنا بڑا حویلی ہوٹلوں کا مالک ہونے کا باوجود اس سے حویلی کا ہر کام کرواتا تھا۔ دو ٹکے کا عزت نہیں تھا اس کا تمھارا نزدیک۔۔۔ اب وہ ماں بن گیا تو وہ تمھارا پیارا ہو گیا۔ تمھارا طعنوں کی وجہ سے تمھارا غرور کی وجہ سے خدا نے ہم کو سزا دیا تو سزا ہم کیوں اکیلا بھگتے تم بھی بھگتے گا ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دے گا۔ وہ ادھر کبھی نہیں آئے گا۔

اوزگل بلند اواز میں چیخی تھی۔

حیدر خان بے یقینی سے اوز گل کی اتنی لمبی زبان دیکھ رہا تھا۔ اوز گل زبان دراز ہے۔ وہ جانتا تھا مگر رقیہ خانم سے وہ اس لب و لہجے میں بات کر سکتی ہے۔ وہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔

وہ غصے سے اوز گل کی طرف بڑھا تھا۔ اوز گل ڈرتے ہوئے پیچھے ہوئے تھی۔ حاکم خان نے اسے شانوں سے تھام کر پیچھے کیا۔

کیا کر رہا ہے تم؟؟ اپنا بیوی پر ہاتھ اٹھائے گا۔۔ حاکم خان غصے سے چیخے تھے

اس کا زبان دیکھیں بابا۔۔ آپ ہاتھ اٹھانے کی بات کرتے ہیں میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔ حیدر خان غصے سے چیخا تھا۔ اوز گل اونچا اونچا رونا شروع ہو چکی تھی۔ اس کی چیخیں حویلی کے لاونج میں گونج رہی تھیں۔

حیدر خان نے سرخ سرد نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔اس کی آواز حویلی سے باہر تک جا رہی تھی۔

تم فرشتے ہو بھی نہیں سکتی۔۔اپنا اور فرشتے کا موازنہ آئیندہ مت کرنا۔۔تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی وہ ادھر نہیں آئے گی۔وہ بیوی ہے میری۔۔اب وہ میرے ساتھ میری حویلی میں ہی رہے گی۔کسی صورت اسے خود سے جدا نہیں کروں گا۔حیدر خان اس کے یوں واویلا مچانے پر غصے سے گرجتے ہوے بولا۔۔

لیکن حیدر ہم بھی تمھارا بیوی ہے۔۔حیدر کے گرجنے پر اوزگل نے ڈبڈبائے لہجے میں احتجاج کیا تھا

بیوی فرشتے بھی ہے میری۔ اور تم سے پہلے تھی تب تمھیں تو اس بات کا خیال نہیں آیا اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔۔ تم میرے ساتھ شادی کرنے پر مری جا رہی تھی۔

ائیندہ میرے معاملے میں تم نے آواز نکالی۔۔ مورے کے سامنے چیخی ۔۔ تم اس حویلی میں ہی نہیں میری زندگی میں بھی نہیں رہو گی۔۔ اسی لمحے تمھیں اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکوں گا۔ حیدر خان کی سرد برفیلے لہجے پر اوزگل خاموش ہوئی تھی۔

فرشتے اور اپنے بچوں کو لینے جا رہا ہوں میں۔ حیدر خان کہتے داخلی دروازہ کی طرف بڑھا تھا۔

اگر وہ نہ آیا تو۔۔ رقیہ خانم کی بے چین آواز ابھری تھی۔

وہ آئے گی۔ وہ ضرور آئے گی۔ وہ نہیں آئی میں اپنے بیٹوں کو اس کے پاس کسی قیمت نہیں رہنے دوں گا۔ دراب زراب میرے بیٹے ہیں۔۔۔ حیدر خان سرد لہجے میں کہتے حویلی کا دروازہ عبور کر گیا تھا

زاران۔۔۔۔ اس مووی میں ایسی کیا بات ہے؟؟ جو پچھلے ایک گھنٹے سے تمھیں اس کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔۔

ابرش نے غصے سے جھنجھلاتے ہوئے برش ڈریسنگ ٹیبل پر دے مارا تھا۔

۔زاران ایل ای ڈی پر ایک انگلش مووی بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ اس کی پسندیدہ بلیک نائٹی میں ملبوس تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے صرف زاران کے لیے شاور لیا تھا۔ اس کی پسندیدہ بلیک نائٹی پہنی تھی۔

وہ خوشبوؤں میں بسی بلیک نائیٹی میں غضب ڈھا رہی تھی مگر زاران نے ایک مرتبہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

تمھیں کس نے کہا میں مووی دیکھ رہا ہوں؟؟ اور اس مووی میں کوئی خاص بات ہے؟؟۔ یہ مووی تو بری طرح فلاپ ہو چکی ہے۔ بہت ویک سکرپٹڈ ہے اس مووی کا۔ اور پکچرائزنگ بھی بہت گھٹیا ہے۔ زاران ایل ای ڈی پر نظریں گاڑھے ہی بولے تھا۔۔ ابھی بھی اس نے ابرش کی طرف نہیں دیکھا تھا۔۔

تو پھر تم کیا دیکھ رہے ہو؟؟۔ ابرش نے تپش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا وہ بہت غور سے سکرین کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ ذرا سی نظر ہٹائے گا تو کچھ بہت خاص اس کی نظروں سے دور ہو جائے گا۔ وہ بہت گہری نگاہوں سے سکرین کو دیکھ رہا تھا۔

میں تو اپنی فیورٹ ہیروئن کو دیکھ رہا ہوں۔ پکچر فلاپ ہے تو کیا ہوا

۔۔سنڈے کرافرڈ تو ہے۔ میری تو نظر اس سے ہٹ نہیں رہی۔۔ واٹ آ

بیوٹی۔۔۔۔ زاران سکرین پر نظریں گاڑھے بھاری آواز میں بولا۔

زاران کے لبوں سے کسی اور عورت کی تعریف سنتے ابرش کے دل میں جلن

کی لہریں اٹھی تھیں۔ زاران کے لبوں سے دوسری عورت کی تعریف

برداشت نہیں ہوئی تھی۔ وہ بھڑ بھڑ تندور کی مانند جلی تھی۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے سامنے ہی کسی دوسری عورت کو نادیدہ

نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ابرش روہانسی ہوئی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے لب کاٹتے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے سلگتی

نگاہوں سے زاران کو دیکھا جو ابھی بھی سکرین کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مزید

برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کچھ دیر اور سکرین کو دیکھتا تو وہ یقیناً مسٹر

خانزادہ کی آنکھیں نکال دیتی۔۔ ابرش غصے سے سٹول سے اٹھتی زاران کی طرف بڑھی۔۔

زاران کی توجہ ابھی بھی سکرین کی ہی طرف تھی۔ ابرش نے بیڈ پر بیٹھتے ایک نظر سکرین کو دیکھا۔ جہاں بہت خوبصورت سی لڑکی جلوہ گر تھی ۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔ ورنہ جی کر رہا تھا سائیڈ ٹیبل پر پڑا لیمپ اٹھا کر مسٹر خانزادہ کے سر پر دے مارے۔

ابرش کچھ پل سلگتی نگاہوں سے زاران کو دیکھتی رہی۔ پھر زاران کے قریب ہوتے اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی تھی

زاران نے اس کے قریب آنے پر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے اس کی ٹانگوں پر اپنی ٹانگ رکھے کے سینے پر سر رکھ کر اس کے سینے پر اپنے لب رکھے تھے۔

زاران ابھی بھی سامنے لگی سکرین پر متوجہ ہوا تھا۔ اس کے اتنے قریب آنے پر جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس کے اتنا قریب آنے پر زاران کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

ابرش نے روہانسے ہوتے سکرین کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک بے حد خوبصورت سی ہیروئن چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنے ہوے تھی۔۔ اور زاران کیا دیکھ رہا تھا اسے سب سمجھ آگئی تھی۔

بے شرم خانزاہ۔۔۔ ابرش نے غصے سے دانت پیسے تھے

ابرش نے سکرین کو دیکھتے اپنا گاؤن ریموو کرتے غصے سے زمین پر پھینکا۔ وہ اب سلیولیس بے حد شارٹ نائیٹی میں ملبوس تھی جو باریک نیٹ پر مشتمل تھی۔

وہ اب اپنا تمام وزن منتقل کرتے زاران کے سینے پر آئی تھی۔

اپنے گلابی نرم لبوں سے وہ زاران کی گردن کو چھونے لگی۔

زاران نے حیرت سے اپنے اوپر جھکے اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔ جو بہت نرمی سے اس کی گردن کو چوم رہی تھی۔ اس طرح کی محبت تو وہ ہمیشہ نشے میں اس سے جتاتی تھی۔۔ آج ہوش میں جتا رہی تھی۔۔ زاران کی آنکھیں اسی لمحے خمار آلود ہوئیں تھیں۔

وہ کافی دیر تک اسے سختی سے سینے سے لپٹائے رہا۔ ابرش مزید اس کے سینے میں سمائے اسے مدہوش کر رہی تھی۔۔

زاران اسے تکیے پر گرائے اس پر گھٹا بن کر چھاتے اس پر مکمل ہاوی ہوا تھا۔ ابرش زاران کو دیکھتے مسکرائی تھی۔ زاران جیسے پاگل ہوا تھا۔ وہ بے خود اس کے لبوں پر جھکنے لگا تھا کہ ابرش نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔۔ زاران پوری طرح مدہوش تھا ابرش کے پوری قوت سے دھکا دینے پر وہ بری طرح لڑکھڑاتے ہوے تکیے پر گرا۔ ابرش زاران کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔ زاران نے حیرانگی سے سرخ نگاہوں سے ابرش کو دیکھا جو زمین پر پڑا اپنا گاؤن اٹھا کر پہن رہی تھی۔۔ چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ زاران نے گہرے سانس لیتے الجھن بھری نگاہوں سے ابرش کو دیکھا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے قریب بھی

خود آئی تھی اور مسکرا بھی رہی تھی۔۔زاران نے لب بھینچے اپنی بیوی کو دیکھا تھا جو ہمیشہ ایسے کرتی تھی۔اسے خود ہی سمجھ جانا چاہیے تھا اگر وہ ہوش کے ہوتے اس کے قریب آئی ہے تو یقیناً وہ کچھ ایسا ہی کرے گی۔ابرش زاران کو غصے سے گھورتے اپنے گاؤن کی ڈوریاں کس کر باندھتے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔۔زاران سمجھ گیا تھا وجہ بہت بڑی ہے اب وہ اپنا غصہ شاور لے کر اتارنے لگی ہے۔۔زاران نے ایک نظر سکرین پر سنڈے کرافرڈ کو دیکھا تھا۔اسے سب سمجھ آگیا تھا اور یہ بھی یہ آخری مرتبہ ہی وہ سنڈے کرفرارڈ کو آخری مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

زاران جلدی بیڈ سے اترتے ابرش کی طرف بڑھا تھا۔اسے بازو سے جکڑے اپنی بانہوں میں بھر گیا۔

یہ کیا طریقہ ہے بیوی؟؟زاران نے ابرش کے سرخ چہرے کو دیکھتے لب دانتوں میں دبائے پوچھا تھا۔ابرش نے جواباً اسے جن شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تھا۔۔زاران کا اپنا قہقہ روکنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ اپنی بیوی کی شعلہ بار نگاہیں دیکھ کر سمجھ گیا تھا۔اسے اچھی خاصی آگ لگی ہے۔۔زاران کے لب اس کے لبوں سے جا ٹکرائے تھے۔زاران نے نرمی سے اس کے لبوں کو گیلا کیا تھا۔

اس کی نشیلی آنکھوں میں گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

تو منع کس نے کیا ہے مسٹر خانزادہ فنا کر دو۔۔۔میں تمھاری شدتوں سے فنا ہونا چاہتی ہوں۔

ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے شدت سے اس اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دباتے اس کے نچلے لب پر اپنے دانت گاڑھ چکی تھی۔۔زاران کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

بیوی اتنا جنگلی پن دکھاؤ گی تو پھر میں بھی ایسا جنگلی پن اپنے پسندیدہ مقام پر دکھاؤں گا زاران نے ابرش کو ذو معنی اشارہ کیا تو ابرش سرخ گلاب ہوتی اس کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔۔

پش اپس کرتے زاران خانزادہ کی آنکھوں سے اب لہو چھلک رہا تھا۔۔اس کے پش اپس کرنے میں مزید تیزی آئی تھی۔۔ان سات مہینوں میں اس دشمن جاں کے ساتھ گزرا ہر پل اسے اس کے اندر صرف آگ بھڑکاتا تھا۔۔جیسے اب وہ بھڑک رہا تھا۔

زاران خانزادہ اٹھتے ہوئے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔

کبرڈ سے ٹاول نکالتے اس نے اپنی گردن اور اپنا کٹاؤ دار سینہ ٹاول سے اچھی طرح رگڑا۔۔

سارا دن آج اس نے اس ائی ڈی کے میسج کا انتظار کیا تھا۔

وہ کہاں ہے ؟؟اس نے کانٹیکٹ کیوں نہیں کیا۔اپنے سینے پر ٹاول رگڑتے وہ مسلسل ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

وہ جبڑے بھینچتے باہر آیا تھا۔۔بیڈ پر پڑا موبایل اٹھا کر اس نے بے چینی سے آن لاک کیا۔

مگر اس کے وٹس اپ پر وہ نمبر جو ہمیشہ اوپر رہتا تھا۔ آج کافی نیچے تھا۔۔۔

زاران خانزادہ نے گہرے سانس لیتے غصے سے موبائل پوری قوت سے دیوار پر دے مارا تھا۔موبایل زمین بوس ہوتے ٹکڑے ہوے تھا۔

کہاں ہو تم بیوی؟؟ دو دن سے تم نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟؟

وہ حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

بس نے گہرے سانس لیتے ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا سا جھکتے ہوے مرر میں دیکھا۔ اس کی سرد آنکھوں کا برفیلہ پن بڑھتا جا رہا تھا۔

میں تمھیں بھول جاؤں یہ ممکن ہے مگر تم مجھے بھول جاؤ یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ مارتے غرایا تھا۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔ اسفند یار خان نے لیپ ٹاپ کی سکرین میں روزینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا۔ وہ بس وقت لاونج میں صوفے پر موبائل ہاتھ میں پکڑے بیٹھی اس سے ویڈیو کال میں مصروف تھیں۔

وعلیکم اسلام۔۔۔ کیسا ہے ہمارا بیٹا؟؟ روزینہ خانم نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

بہت خوش اور بہت سکون میں ہوں۔۔ اسفند یار خان نے صوفے سے ٹیک لگائے گلابی انچل کو دیکھتے بلند آواز میں کہا تھا۔ جو صوفے کی بیک سے اپنی ذرا سی جھلک دکھلا کر اسفند یار خان کو بے چین کر گیا تھا۔۔

اللہ تمھیں ہمیشہ سکون میں رکھے۔۔ہم تو کہتا ہے تم ادھر شادی منا لو۔۔روزینہ خانم نے بھی بلند آواز میں اپنی بات کسی کی سماعتوں تک پہنچاتے اسے تکلیف دینا چاہی تھی۔

اسفندیار خان کی بے چین نگاہیں اس گلابی انچل کا ہی طواف کر رہی تھیں۔

جو ایک بار پھر سے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتا اسفندیار خان کے رگوں وپے میں بے چینی بھر گیا تھا۔وہ روزینہ خانم کے بلکل پیچھے صوفے کی بیک سائیڈ پر کھڑی تھی

اب وہ مکمل طور پر اسفند کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔اس کے خوبصورت نقوش اس کا دو آتشہ بدن سب کچھ اسفندیار خان کے سامنے تھا۔وہ صوفے کے پیچھے کھڑی درخشاں کو کچھ ہدایت دے رہی تھی۔۔

اسفندیار خان سلگتی نگاہوں سے اس کا کافی گہرائی سے جائزہ لے رہا تھا۔

وہ شاکنگ پنک کلر کے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔جس پر شاکنگ پنک نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔۔سنہری بال گیلے تھے۔جن سے پانی ٹپکتا اس کی پشت کو گیلا کر رہا تھا۔وہ درخشاں سے باتیں کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔

اب اس کی پشت اسفندیار خان کی طرف تھی۔۔وہ درخشاں کو رات کے کھانے کے بارے میں ہدایت دے رہی تھی۔۔اس کی کھنکتی آواز اسفند کو بخوبی سنائی دے رہی تھی۔

اسفندیار خان اس کی گیلی دودھیا پشت دیکھتا اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔۔جو نیٹ کے دوپٹے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔

روزینہ خانم اس سے کیا کہہ رہی تھیں۔اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔۔اس کی سماعتیں اور اس کی سلگتی نگاہیں اس کا نازک وجود کی طرف پوری طرح متوجہ تھی۔۔اس کا اتنے تیز رنگ کے لباس میں ملبوس ہونا ہی اسفندیار خان کے رگوں کے دوڑتے خون کو بھڑکا رہا تھا۔اوپر سے وہ کھلے بالوں میں گیلی پشت کے ساتھ کھڑی تھی۔اسفند نے قہر آلود نگاہیں اس کی پشت پر گاڑھیں۔جی کر رہا تھا۔سامنے کھڑے وجود کو آگ لگا دے۔

وہ درخشاں کی کسی بات پر کھل کھلا کر ہنسی تھی۔اسفندیار خان کے سینے میں جیسے آگ بھڑکی تھی۔۔وہ اب صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔آنکھوں کی تپش بڑھی تھی۔اس کا یوں ہنسنا اسفندیار خان کو مزید پاگل کر گیا تھا۔سات

مہینوں بعد اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔۔ ورنہ سامنے کھڑا وجود تو اجڑے ماتم کدہ حلیے میں پھرتا رہتا تھا۔ ہنسنا تو دور کی بات وہ مسکرا جائے بڑی بات تھی

مورے۔۔۔۔۔ میں جلد دوسری شادی کروں گا۔۔ ایک لڑکی ہے میری زندگی میں۔ میں آپ کو تصویریں بھیجتا ہوں کچھ دیر میں۔۔ اسفندیار خان نے تپش زدہ لہجے میں لفظ چباتے عابیر پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں جو ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔۔

اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ مقابل تک بخوبی پہنچتی۔ جانتا تھا یہ جملے سنتے اس کے لبوں سے مسکراہٹ سے لے کر اس کے چہرے کا ہر رنگ چھین لے گی۔۔

اس کی کھل کھلاہٹ پھر سے سنائی دی تھی۔۔

وہ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی جیسے اس نے سنا نہیں یا پھر اسے فرق ہی نہیں پڑا۔۔ اسفند نے بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں کاجل کی باریک تہہ بھی لگائے ہوے تھی۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں لگا کاجل بہت بری طرح چبھا تھا۔

اسفند تم نے تو ہمارا دل خوش کر دیا۔ جلدی سے اس کا تصویریں بھیجو ۔۔۔ ہم کو یقین ہے وہ بہت اچھا اور خوبصورت ہو گا۔ آخر ہمارا خوبرو بیٹا کا پسند اتنا ہلکا تو نہیں ہو سکتا۔۔ روزینہ خانم نے عابیر پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھے زہر خند لہجے میں کہا۔

بہت خوبصورت ہے مورے وہ۔۔۔ اسفند یار خان نے سگریٹ سلگاتے عابیر کے دہکتے روپ پر شعلہ بار نگاہ ڈالے دانت پیسے تھے۔

وہ ان سات مہینوں میں پہلی بار اتنا تیار ہوئی تھی اور پہلی بار اسے یوں خوش دیکھا تھا۔۔اور وہ اتنی خوش آخر کیوں تھی۔۔ایسا کونسا قارون کا خزانہ لگ گیا تھا کہ سامنے کھڑے نازک وجود کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔اسفندیار خان طیش اولم سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا

عابیر درخشاں سے باتیں کرتے کچن کی طرف بڑھی.

عابیر۔۔۔۔۔روزینہ خانم کی آواز پر اس نے پلٹتے ہوے استفہامیہ نگاہوں سے روزینہ خانم کو دیکھا تھا۔

ہمارا کپڑا اچھی طرح دھو کر استری کر دو۔۔اور رات کا کھانا میں ہمارا لیے کچھ پرہیزی کھانا بنا دینا۔۔یخنی کا پلاؤ اور بکرے کا شوربہ۔۔۔کالی مرچ موالا۔ ہمارا بی پی آج ہائے ہے۔روزینہ خانم نے عابیر کو دیکھتے نخوت سے حکم

دیا۔

ان سات مہینوں میں عابیر ان کا ہر کام کر رہی تھی۔۔ بلکہ ان کی بہت خدمت کرتی تھی۔ روزینہ خانم سمجھتی تھی وہ ان کی خدمت اسفندیار خان کے لیے کرتی تھی۔ تاکہ وہ اس کے خلاف اسفندیار خان سے کچھ نہ کہیں۔ ۔جب جب وہ اسفندیار سے فون پر بات کرتی۔ عابیر ان کے گرد منڈلاتی رہتی تھی تاکہ ان کی خدمت سے اسفندیار خان کا دل نرم کر سکے۔۔ روزینہ خانم اسے ہمہ وقت گھن چکر بنوائے رکھتی تھی۔۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کر کے ان کے جلے دل کو ٹھنڈک پہنچتی تھی۔۔ روزینہ خانم ابھی بھی اسے دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔۔ وہ ساری عمر اب صرف ان کی خدمت گزار ہی بن کر رہنے والی تھی۔۔ اسفندیار خان اب کبھی تو دل پگھلنے والا نہیں تھا۔ نہ وہ ایسے ہونے دیتی کبھی۔۔

میرے پاس آج بلکل ٹائم نہیں ہے۔اپنے کپڑے حویلی کی ملازماؤں سے دھلوائیں جن کا یہ کام ہے۔۔اور رات کے کھانے میں آپ کا پرہیزی کھانا نہیں تیار کر سکتی۔۔کیونکہ میں ویسے ہی بہت ساری ڈشز تیار کر رہی ہوں۔۔ویسے بھی آپ نے پرہیزی کھانا چھوڑ کر وہی کھانا ہوتا ہے جو سب کے لیے بنا ہوتا ہے۔۔میں خود کو تکلیف کیوں دوں۔پھر بھی بہت دل کیا تو اپنی بیٹی بہارے کو کہہ دیجیے گا۔جو کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی۔عابیر سنجیدگی سے جواب دیتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

روزینہ خانم نے بے یقینی سے عابیر کی پشت کو دیکھا تھا۔۔ان کی رنگت تانبے کی مانند شدید سرخ ہوئی تھی۔۔

فون پر موجود اسفندیار خان ضبط سگ اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔اس نے تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔۔

وہ ایسے کیسے کر سکتی ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔اس نے اس کے سامنے اس کی مورے سے اتنی زبان درازی کی۔اسفندیار خان کی آنکھوں کا رنگ سرخی مائل ہوا۔۔

اس کی زندگی میں دوسری لڑکی ہے یہ سن کر بھی عابیر نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔۔اس کی آواز بھی کپکپائی نہیں تھی۔وہ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی جیسے وہ اس کی زندگی میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دیکھا تم نے تمھارا بیوی نے ہم کو کیسے ٹکا سا جواب دیا۔تم نے اچھا کیا اس بدزبان لڑکی کو چھوڑ ڈیا ہے۔اب جلد از جلد وہاں پر شادی منا و۔۔۔یہ تمھارا لائق نہیں ہے۔۔روزینہ خانم غصے سے

گہرے سانس لیتے اونچی آواز میں بول رہی تھیں ۔مگر وہاں سن کون رہا تھا

اسفندیار نے غصے سے لیپ ٹاپ ایک ہی جھٹکے میں بند کیا۔عابیر نے اس کی مورے کو اس کے سامنے جواب دیا۔اسفندیار خان کے دماغ کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔ نظروں کے سامنے اس کا دو آتشہ روپ آرہا تھا۔۔وہ آتشی گلابی سوٹ میں کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔

وہ مسکرا رہی تھی بلکہ ہنس رہی تھی۔اسفندیار خان کے سینے میں جلتے بھانبھڑوں کے آلاؤ شدت اختیار کر رہے تھے۔۔

جس دن تم دل سے مسکرائی۔ اس دن اسفندیار خان اپنا حق تم پر ختم کر دے گا. اسفندیار خان کو سات ماہ پہلے اپنے بولے گئے لفظ سنائی دیے تھے۔۔ آج وہ مسکرا ہی نہیں بلکہ ہنس رہی تھی۔

اسفندیار خان نے غصے سے سیل فون اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر پھینک دیا تھا۔۔

آخر وہ اتنی خوش کیوں تھی۔۔ اسفندیار خان جلتا سگریٹ اپنی مٹھی میں دبوچ گیا تھا۔

اب تو اسے رات کا انتظار تھا۔۔ جب اس کا کمرہ اس نازک وجود کی پر سوز سسکیوں سے گونجے گا۔۔ تب ہی اس کے جلتے تڑپتے دل کو راحت ملنی تھی۔ آج رات کا انتظار اسفندیار خان کے لیے مشکل تھا۔ وہ اپنا کوٹ پہنتے

سگریٹ سلگائے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔ اب وہ نیویارک کی سڑکوں پر تیزی سے بھاگتے خود پر کنٹرول کرنے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

ابرش کی بند آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے کی گلاس ونڈو سے ٹیک لگائے کھڑی تھی

زاران کی باتیں اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔

!!بیوی وعدہ ہے میرا تم سے۔۔ جس لڑکی کے ہونٹوں پر تل ہوا اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھوں گا۔۔۔

اگر کبھی دیکھا تو اس دن سمجھنا تمھارا مسٹر خانزادہ اس لڑکی کی زلفوں کا اسیر ہو چکا!!

ابرش وہ منظر اور اس کی باتوں کو یاد کرتے دو دن سے انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

اپنے موبائل میں اس تصویر کو دیکھتے اس لڑکی کے اپر لپ کے مول پر انگلی رکھی جس نے دو دن سے اسے انگاروں پر لوٹایا ہوا تھا۔

وہ ایک گرینڈ پارٹی کی تصویر تھی جس میں زاران خانزادہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ جس میں اس کے بے حد قریب ستارہ خان کھڑی تھی۔ یہ پارٹی زاران نے اسلام آباد میں اپنے بنگلے پر منعقد کی تھی۔۔ ستارہ خان اس کی مخالف پارٹی سے تھی۔

سوشل میڈیا پر ستارہ خان اور زاران خانزادہ کو لے کر بہت سی خبریں آ رہی تھیں۔ کہا جا رہا تھا زاران خانزادہ نے سپیشلی ستارہ خان سے پرسنلی طور پر اس کے دفتر میں ملاقات کی تھی۔ اسے اپنی پارٹی میں انوائٹ کیا تھا۔۔ ستارہ خان کسی پارٹی میں شرکت نہیں کرتی تھی۔ اس نے پہلی بار کسی پارٹی میں شرکت کی تھی۔ وہ بھی اپنے مخالف پارٹی کی شخصیت کی طرف سے دی ہوئی پارٹی میں تو زاران خان اور ستارہ کو لے کر بہت سی نیوز گردش میں تھیں۔۔ رہی سہی کسر پارٹی میں اتنی نزدیکی پر کھڑی ستارہ خان اور زاران کی تصویر نے پوری کر دی تھی۔

ابرش نے بھیگی نگاہوں سے اس تصویر کو دیکھا تھا۔ جس میں زاران ستارہ خان کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اور ستارہ خان بھرپور مسکرا رہی

تھی۔۔ستارہ خان کے ہونٹ کے تل پر ابرش کی انگلی آکر رکی تھی۔ابرش کی آنکھوں کی جلن بڑھی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے موبائل بیڈ پر پھینکا تھا۔

مسٹر خانزادہ تم سفاک ظالم بے حس اور ایک جھوٹے خانزادہ ہو۔۔۔۔

سب وعدے توڑ چکے ہو۔۔مجھے کبھی نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا مجھے چھوڑ دیا۔ بلیک کلر نہ پہننے کا وعدہ کیا۔۔ پچھلے سات ماہ میں تم نے صرف بلیک کلر ہی پہنا ہے۔کسی لڑکی کی طرف نہیں دیکھو گے۔۔ تمھارے گرد اب صرف لڑکیاں ہی گھومتی ہیں۔وہ پلوشہ تک تمھاری حویلی میں رہتی ہے۔تم تو ابھی تک اپنی ابرش کی سانسیں بھی نہیں پہچان سکے۔۔اتنا نہیں تمھیں پتہ چلا تمھاری ابرش تمھیں میسج کرتی ہے۔۔ابرش بھیگی آواز میں بال مٹھیوں میں جکڑے اونچی آواز میں مخاطب تھی۔۔

اب میں تمھیں کبھی میسج نہیں کروں گی۔۔ بلکہ تمھیں دیکھوں گی بھی نہیں۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے موبائل بیڈ سے پکڑے اٹھایا تھا اور زاران کی تصویر پر نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگی۔۔

آئی ہیٹ یو مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے اس کی تصویر دیکھتے بھیگے لہجے میں بولتے بیڈ گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔۔

حور سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوئی تھی ہاتھوں میں کچھ بکس پکڑے ہوے تھی۔ چہرے پر نقاب ڈالے وہ اپنے کار پورچ کی طرف بڑھی جہاں اس کے گارڈز مستعدی سے کھڑے تھے۔۔

حور کے گاڑی کی طرف بڑھنے پر اس کے پرسنل گارڈ نے جلدی سے اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

حور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی۔ اس کے گاڑی میں بیٹھنے پر باقی گارڈز نے اپنی گاڑیاں سنبھالی تھیں۔

حور کی گاڑی آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیوں کے ہمراہ شاہ میشن سے باہر آئی تھی۔۔۔

حور نے پیچھے مڑ کر گارڈز کی گاڑیوں میں کسی کی گاڑی تلاش کرنا چاہی تھی.

حور کی خوبصورت براؤن کرسٹل آنکھوں میں حیرت و استعجاب پھیلا تھا۔۔ آنکھوں میں ہلکی سی بے چینی بھی ابھری تھی۔۔ وہ گاڑی اسے کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔

یکدم اسے ان گارڈز کی گاڑیوں کے ہمراہ وہ گاڑی نظر آئی۔ جو پچھلے سات ماہ سے ہر جگہ پر اس کے ساتھ ہوتی تھی۔۔

وہ شاہ مینشن سے ابھی نکلتی نہیں تھی۔۔ وہ بلیک شیشوں والی گاڑی ہمیشہ اس کی گاڑی کے پیچھے ہوتی تھی۔۔

حور نے وہ گاڑی دیکھتے اپنی گاڑی کی سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔۔ حور کی خوبصورت آنکھوں میں مغروریت سی تھی۔۔

کسی کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

!!اب میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ آج کے بعد تمھیں دیکھ کر میری پیاس نہیں بڑھے گی۔ آج کے بعد تمھیں دیکھتے میرے اندر کوئی جذبہ نہیں جگے گا۔۔ آج کے بعد ارحام خانزادہ کے لیے اس کا بزنس اس کی بیٹی اہمیت رکھیں گے۔۔ تمھارے بارے میں سوچنے کے لیے ایک لمحہ نہیں ہو گا میرے پاس!!

آپ نے سچ میں ان سات ماہ میں ثابت کر دیا مسٹر خان۔۔۔۔۔۔ آپ کی زندگی میں مجھے سوچنے کے لیے بھی وقت نہیں۔۔ حور استھزائیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے سیٹ سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسفندیار خان۔۔۔۔ سگریٹ لبوں میں دبائے لیپ ٹاپ کی سکرین کو بے چینی سے دیکھ رہا تھا۔ جہاں انھیرا سا چھایا تھا۔۔ اسفند نے اپنا نچلا لب

دانتوں میں دبائے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔۔اس وقت پاکستان میں رات کے گیارہ بج رہے تھے۔۔وہ ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔۔وہ تھوڑا حیران تھا۔۔وہ تو سر شام کمرے میں آجاتی تھی۔۔اسے دن بھر کی زبردستی مسکراہٹ کا ماتم جو منانا ہوتا تھا۔۔مگر آج گیارہ بج رہے تھے وہ ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔

اسفند نے بے چینی سے سگریٹ کے گہرے کش لیے تھے۔اگر وہ کمرے میں نہ آئی تو اس کے جلتے دل کو سکون کیسے ملے گا۔۔وہ کب سے بے چینی کی انتہا پر تھا۔وہ مسکرا رہی تھی ہنس رہی تھی۔۔اتنا تیار تھی جو اسفند یار خان کے دل میں آگ کے آلاؤ روشن کیے ہوے تھا۔

اسفند نے اضطرابی انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔اس کے دہکتے روپ اس کے پور پور کو دیکھنے کا حق صرف اسے تھا۔۔وہ اتنا تیار تھی اسے گہرائی سے دیکھنے کو لیے اسفندیار خان کی نیلی آنکھیں بے تاب تھیں۔

یکدم سکرین پر روشنی ہوئی تھی۔۔وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔۔اسفند یار خان کے جلتے تپتے دل کو راحت ملی تھی۔۔

عابیر نے کمرے کی تمام لائٹس آن کر دی تھی۔سکرین پر منظر پوری طرح روشن تھا۔

اسفند نے سگریٹ کا بے چینی سے گہرا کش لیا۔ اور نازک خوبصورت وجود کو دیکھتے اپنے بالوں میں اضطرابی انداز میں انگلیاں پھیریں۔ اس کا قیامت سا بدن اس کی بل کھاتی لہروں کی مانند کمر اس کے سامنے تھی۔

ہر روز کی طرح اسفندیار خان کے جواں جذبوں میں آگ لگی تھی۔ ہر روز کی طرح وہ اپنی ٹانگیں اضطرابی انداز میں لگاتے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

عابیر نے اپنا دوپٹہ اتار کر بیڈ پر رکھا تھا۔۔ ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے وہ برش اٹھاتے اپنے سنہری بالوں میں برش کرنے لگی۔۔ اسفند کی بے چینی اضطراب میں مزید آضافہ ہوا تھا۔۔ وہ کب رات کو بالوں میں برش کرتی تھی۔۔ وہ تو ان سات ماہ میں کمرے میں آتے ہی بیڈ پر گرتی پھوٹ پھوٹ کر روتی تھی۔۔ آج تو اس کی دلسوز چیخیں عروج پر ہونی چاہیے تھیں۔

اس کی زندگی میں کوئی ہے وہ دوسری شادی کر رہا ہے۔۔ یہ خبر سن کر تو آج اسے ٹوٹ کر بکھرنا چاہیے تھا۔ جانتا تھا اسے لے کر وہ کتنی پوزیسو ہے۔ وہ دوسری شادی نہ کرلے اسی بات کو کر مقابل کیسے اس کے آگے پیچھے منڈلاتا تھا۔

اسفند نے سکرین کو زوم کیا تھا۔۔ وہ مرر کے آگے کھڑے اپنے سنہرے بالوں میں برش کرتے مسکرا رہی تھی۔۔

اسفندیار خان نے جلتے سگریٹ کو اپنے انگوٹھے کے پور سے مسلا۔۔

عابیر کے لب سنہرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے مسکرا رہے تھے۔

تمھاری طرح مجھے بھی اپنے بال بہت پسند ہیں۔۔ عابیر مرر میں دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔

اسفندیار خان اس کے لبوں کی جنبش دیکھتے مزید بے چین ہوا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

ان سات ماہ میں اس نے اس کے کپکپاتے لبوں کی جنبش میں اسفندیار خان کا نام ہوتا تھا۔

آج اس کے لب کپکپا نہیں رہے تھے۔۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی۔۔ اسے سنائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کے کپکپاتے لب اسفندیار خان نہیں پکار رہے تھے۔

اسفندیار خان نے بے چینی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

اظطارب بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

ان چار دنوں میں ایسا کیا ہوا ہے کہ مقابل کا ہر انداز بدل گیا ہے۔ وہ اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں اینجل لاس گیا ہوا تھا۔ ان سات ماہ میں صرف یہی چار دن تھے جس میں وہ اس نازک وجود سے لاپرواہ ہوا تھا۔۔ ورنہ وہ ہر رات ہر پل اس پر نظر رکھتا تھا۔۔ وہ جب تک کمرے میں ہوتی اسفندیار خان اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا رہتا۔ جب وہ سو جاتی تب بھی۔۔۔ مگر وہ سوتی ہی کہاں تھی وہ تو رات رات بھر اس کی جدائی کا ماتم مناتی تھی۔

اسفند نے گہرے سانس لیے سکرین میں دیکھا وہ بیڈ پر لیٹ چکی تھی۔۔۔ تکیے پر سر رکھے سیدھے لیٹے چھت کو دیکھ رہی تھی۔۔ اپنے بالوں کی لٹ گھماتے وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔۔ جیسے کسی کے خیالوں میں کھوئی

ہو۔۔اسفندیار خان کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔وہ کسے سوچ رہی تھی۔اسے سوچ کر تو وہ صرف روتی تھی۔

عابیر کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کی وجہ کیا ہے؟؟۔۔اسفندیار خان نے سوچتے ہوے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں دبوچیں۔

اسفند نے اسے بغور دیکھا وہ تکیے کے گرد اپنی بانہیں حمایل کرتی آنکھیں موند چکی تھی۔اسفند کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔اس کے بدن کے ارتعاش سے اندازہ ہو رہا تھا وہ گہری نیند میں چلی گئی ہے۔اسفندیار خان کے خون میں انگارے دوڑے تھے۔۔

وہ آج بنا آنسو بہائے بنا اسے پکارے بنا اس کی تصویر دیکھے سو گئی تھی۔۔ یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔ اس کی زندگی میں کسی دوسری عورت کا سن کر بھی وہ پرسکون تھی یہ کیسے ممکن تھا آخر۔۔۔۔ اسفند جیسے پاگل ہو رہا تھا۔

جس دن ان آنکھوں سے آنسو ختم ہو گئے۔۔ جس دن میرے بغیر تم دل سے مسکرائی میں سمجھ جاؤں گا۔۔ تم مجھے بھلا چکی ہو۔۔ جس دن تم نے مجھے بھلایا اس دن میں تم پر اپنا حق ختم کر دوں گا۔ مگر میں جانتا ہوں ایسا تا قیامت تک نہیں ہو سکتا۔۔ تم پر تا قیامت میرا حق رہے گا۔۔ تمھارے دل میں صرف اسفند یار خان رہے گا۔۔

اسفند کو اپنے لفظ سنائی دیے تو اسفند نے لیپ اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔۔

!!اسفند یار خان۔۔۔۔ عابیر خان اب کبھی آپ کے لیے خود کو نہیں سجائے گی۔۔ اپنے دل سے آج اور ابھی میں ہر جذبہ نکال کر پھینکتی

ہوں۔ عابیر خان وہ دل ہی نکال کر پھینک دے گی جو کبھی آپ کے نام پر دھڑکا بھی۔۔ یہ لب اب کبھی اسفندیار خان نہیں پکاریں گے۔۔ یہ دل آپ کے نام پر اب کبھی نہیں دھڑکے گا۔۔ آپ کو لگتا ہے آپ تین لفظ بولیں گے تو ہی آپ کا حق مجھ پر ختم ہو جائے گا!! یہ لفظ آج پہلی مرتبہ اسفندیار خان کو چبھ رہے تھے۔

!!طلاق دلوں کی بھی ہوتی ہے۔ اور اس میں مرد عورت کسی کو بھی اختیار ہوتا ہے وہ طلاق دے۔۔۔ عابیر خان کے دل نے اسفندیار خان کو آج سے طلاق دے دی ہے۔۔ آپ کے مطابق آپ کا حق مجھ پر رہے گا۔۔ مگر میرے مطابق آپ کا حق مجھ پر ختم!!

اس دشمن جاں کے لفظ سماعتوں میں سنائی دیتے اس کی دماغ کی رگیں پھڑکا رہے تھے۔

۔اسفندیار خان نے آگے بڑھتے وہ لیپ اٹھائے اسے آن کرنے کی کوشش کی تھی۔اس کی سکرین ذراسی ڈیمج ہو چکی تھی۔۔وہ آن نہیں ہو رہا تھا۔۔

اسفندیار خان اسے پاگلوں کی طرح آن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تمم کبھی دل سے نہیں مسکرا۔سکتی۔ تمھاری آنکھوں سے کبھی آنسو حتم نہیں ہو سکتے۔۔ تمھارے لب کبھی مجھے پکارنا بند نہیں کر سکتے۔۔ تمھارے وجود پر میرا حق ہے تمھارے دل میں بھی صرف اسفندیار خان رہے گا۔ ۔تم پر میں کبھی حق ختنم نہیں کروں گا۔۔سنا تم نے مسز زعابیر اسفندیار خان وہ چلاتا ہوا لیپ اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے پھینک چکا تھا۔۔

آج وہ سکون سے سو چکی تھی۔۔اور وہ بے سکونی سے جلتے سگریٹ کی مانند سلگ رہا تھا۔

حیدر خان مردان خانے میں موجود سمیع اللہ خان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے۔ سامنے ہی صوفے پر درخزئی خان سفید شلوار قمیض پر بلیک شال کندھوں پر ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔ جو اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے حیدر خان کو اشتعال بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

داجی۔۔۔۔ درخزئی نے حیدر خان پر نظریں گاڑھے اونچی آواز میں سمیع اللہ کو پکارا تھا۔

ہمارا بندوق اور ہمارا نشانہ اتنا اچھا ہے کہ ہم رات کے اندھیرے میں بھی کسی پر گولی چلائے تو وہ سیدھا اگلے بندے کے دل کا مقام پر لگتا ہے۔ سینہ کا بائیں

طرف۔۔۔ درخزئی نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے پٹھانی ایسنٹ میں کہا تھا۔ نظریں ابھی بھی حیدر خان پر گاڑھی ہوئی تھی۔

سمیع اللہ خان نے غصے سے پہلو بدلہ تھا۔ وہ کس کو سنا رہا تھا۔ وہ بخوبی جانتے تھے۔

حیدر خان کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوئی تھی۔

حیدر خان نے درخزئی کو گھورتے اپنی پسٹل اپنی قمیض کی پاکٹ سے نکالتے ہوے اپنی سامنے پڑی ٹیبل پر رکھتے ہوے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔۔

درخزئی خان نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنی قمیض کی پاکٹ سے اپنی پسٹل نکالتے ٹیبل پر رکھی۔ اپنی کمر پر لگی بیلٹ سے ایک اور پسٹل نکالتے وہ

بھی ٹیبل پر رکھی۔۔ جھکتے ہوے اپنی شوز کی سائیڈ سے منی سائز کا ایک اور پسٹل نکالا تھا۔ سمیع اللہ خان لاٹھی پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے اپنے اشتعال پر قابو پا رہے تھے۔۔ ان کے سامنے پڑا ٹیبل پسٹلز سے بھر چکا تھا ۔ درخزئی پتہ نہیں کہاں کہاں سے پسٹلز نکال کر ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

رخزئی خان نے اپنی شلوار کی پاکٹ سے بھی ایک پسٹل نکالتے ٹیبل پر رکھا۔ وہ حیدر خان کو استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔

پورا ٹیبل اب درخزئی کی پسٹل سے بھر چکا تھا۔ حیدر خان کا رنگ اشتعال کے مانند سرخ پڑا رہا تھا۔

سمیع اللہ خان بمشکل ہی خود پر ظبط کیے ہوے تھے۔

درخزئی تم اندر جاؤ۔۔۔ سمیع اللہ خان نے جبڑے بھینچتے درخزئی سے کہا۔

سمیع اللہ کی بات پر سنتے حیدر خان صوفے سے ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا تھا۔ درخزئی کا زنان خانے میں کیا کام ؟؟؟؟۔۔۔ آخر کیا رشتہ تھا درخزئی کا سب سے ؟؟۔۔ حیدر خان کی ماتھیں کی رگیں اشتعال کے مارے تنی تھیں۔

داجی ہمارا دراب زراب سو رہا ہے۔ ہم کیا کرے گا اندر جا کر۔۔ ہم ادھر ہی ٹھیک ہے ؟؟ درخزئی صوفے سے ٹیک لگاتے حیدر خان کو بغور دیکھتے مسکراتے ہوے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

ہمارا دراب زراب کہنے پر حیدر خان کے پیروں سے تپش نکلتے دماغ تک پہنچی تھی۔ حیدر خان کی گردن کی نیلی رگیں اجاگر ہوئیں تھیں۔ وہ مٹھیاں بھینچے خود پر قابو پانے لگا۔ ارہا تھا۔

یہاں میں آج بہت سے سوالوں کے جواب لینے آیا تھا۔ مگر اب اس کی نوبت نہیں رہی۔ جو بھی سوال و جواب کرنے ہوں گے۔ میں اب اپنی خانم سے کروں گا۔ اس لیے زنان خانے میں پیغام پہنچایا جائے۔۔ فرشتے تیار ہو جائے اگلے دس منٹ تک۔۔ میں اپنے بچوں اور فرشتے اپنی خانم کو یہاں سے دس منٹ تک لے کر نکلوں گا۔ حیدر خان کے مطالبے پر سمیع اللہ خان اور درخزئی نے جبڑے بھینچتے بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔۔

وہ بنا کسی ندامت کے ان کے سامنے ہی بیٹھا ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھا۔

حیدر خان ہمارا فرشتے اتنا ارزاں نہیں ہے جو تم بنا کسی شرمندگی اور معذرت کے اس کو ادھر سے لے جاؤ۔۔ سمیع اللہ خان نے غصے سے کہا۔

معذرت شرمندگی۔۔۔۔یہ آپ لوگوں کو میرے سامنے ہونی چاہیے۔۔میرے بچوں کا مجھ سے چھپایا۔۔ہمت کیسے ہوئی آپ لوگوں کی؟؟۔۔حیدر حاکم خان ہے میرا۔میری اولاد کا مجھ سے چھپایا۔۔کیسے کر سکتے ہیں آپ لوگ یہ؟؟

حیدر خان غصے سے غرایا تھا۔

جس کے سامنے اور جس کی حویلی میں حیدر حاکم خان بیٹھا ہے۔۔وہ بھی سمیع اللہ خان ہے۔جس کے سامنے کبھی کسی کی آواز اونچی نہیں ہوئی۔۔۔زاران خانزادہ مردان خانے کے دروازے کے بیچ و بیچ کھڑے حیدر خان کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے پھنکارا تھا۔

زاران تم جاؤ ہم بات کرے گا۔ سمیع اللہ خان لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوتے زاران خانزادہ سے بولے۔

وہ بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ حیدر خان فرشتے کو لینے آگیا تھا۔ وہ دو چار باتیں کر کے فرشتے کو حیدر کے ساتھ رخصت کرنا چاہتے تھے۔۔ مگر زاران کو ادھر دیکھ کر وہ پریشان ہوے تھے۔۔ وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔۔ اس کی آچانک آمد سمیع اللہ کے لیے پریشان کن تھی۔ وہ فرشتے کو اتنی آسانی سے نہیں جانے دے گا۔۔ وہ سمجھتے تھے۔ اور سمیع اللہ معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔۔ حیدر خان کے چہرے پر سرخیاں گھلے دیکھ کر وہ پریشان ہوے تھے۔

زاران اپنے کوٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے حیدر خان کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھا۔

کس بات کی شرمندگی داجی کو ہونی چاہیے ؟؟ حیدر حاکم خان ؟ زاران نے غصے سے لفظ چباتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے آبرو اچکائے پوچھا۔

میں کسی کے سامنے کسی کے سوالوں کا جواب دہ نہیں ہوں۔۔ میں اپنی خانم اور اپنے بیٹوں دراب زراب کو لینے آیا ہوں۔ مجھ سے کوئی بھی سوال کرنے کا حق تم تو بلکل نہیں رکھتے۔ حیدر خان زاران خانزادہ کو گھورتے ہوے غصے سے غرایا۔

کیوں نہیں رکھتا میں ؟؟ فرشتے بہن ہے میری۔۔ زاران ٹیبل پر ہاتھ مارتے دھاڑا تھا۔ ابرش نے پچھلے تین دنوں سے رابطہ نہیں کیا تھا۔۔ وہ ویسے ہی تپا ہوا تھا اوپر سے حیدر خان سے سامنا ہو گیا جسے دیکھتے زاراان کے اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔ اب اپنا غصہ نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔۔ اور اس حیدر حاکم خان پر وہ شدید تپا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ارحام خان پریشان رہا۔ اس کی بہنوں کی طرح معصوم سی فرشتے روتی رہی۔۔۔

فرشتے کے تم بھائی ہو چلو مان لیتا ہوں۔ میں پوچھ سکتا ہوں یہ کون ہے ؟؟ اور کس حق سے یہاں موجود ہے۔ میں اپنی خانم کا کسی غیر کے سامنے نام بھی لینا پسند نہیں کرتا۔۔ یہ کون ہے اور کس حق سے ادھر موجود ہے۔ حیدر خان کے سوال پر درخزئی اور زاران کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

ہم کون ہے اور فرشتے کا کیا لگتا ہے تمھیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ درخزئی مسکراتے ہوے بولا۔

میری فرشتے کا نام بھی اپنی زبان سے مت لینا اور تم کس حیثیت سے یہاں بیٹھے میری خانم کا نام لے رہے ہو۔۔

حیدر خان صوفے سے اٹھتے دھاڑا تھا۔

زاران اور در خزئی بھی اب صوفوں سے اٹھ کھڑے ہوے تھے۔ سمیع اللہ خان زاران کو غصے سے گھور کر رہ گیے تھے وہ جب سے منسٹر بنا تھا۔ ایسے ہی ہواؤں سے بھی لڑنے کو تیار ہوتا تھا۔۔ اس کے غصے اور مغروریت میں پہلے سے کہیوز یادہ آضافہ ہوا تھا۔

حیدر خان یہ حویلی ارحام خانزادہ کے نام پر ہے۔۔ یعنی میرے لالا کی ملکیت ۔۔۔ اور میرے لالا کی ہر چیز پر ہم بھائیوں کا پورا حق ہے۔ یعنی یہ حویلی ہماری ہم بھائیوں کی ملکیت۔۔۔ شہر ام خانزادہ زاران خانزادہ اور ارحام خانزادہ کی ملکیت۔۔۔ تم میری حویلی میں کھڑے ہو کر ہمارے مہمان پر یوں چلا نہیں سکتے۔۔ زاران نے غصے سے گرجا تھا۔

یہ مہمان ہے۔۔ مہمان بن کر رہے۔۔ یہ کس حیثیت سے زنان خانے میں جا سکتا ہے۔ شہر ام خانزادہ۔ زاران خانزادہ اور ارحام خانزادہ کی غیرت

کہاں مر گئی ہے جو ایک غیر کو اپنی حویلی کے زنانے میں جگہ دے دی۔۔ حیدر خان نے استھزائیہ انداز میں غراتے ہوے سوال داغا۔

ہم کون ہے یہ تم کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا؟؟

تمھیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جسے بولنا ہی نہ آتا ہو اسے بولنا نہیں چاہیے۔ حیدر خان درخزئی کی بات کاٹتے اس کے پٹھانی ایسنٹ پر چوٹ کرتے تلملاتے ہوے بولا حیدر خان کا غصہ درخزئی کو دیکھ کر بڑھتا جا رہا تھا۔ فرشتے نے درخزئی کی کلائی آخر کس حق سے پکڑی۔۔ یہ سوال دل و دماغ میں کھلبلی مچائے اس کے دماغ کی بھڑکتی رگیں پھڑکائے ہوے تھا۔

۔

حیدر خان یہ ہمارا پختون ایسنٹ ہے. اس طرح جو ہمارے بڑے فخر سے بولتے ہیں۔ اب تمھیں کیا چیز بری لگی۔۔ یہ میں نہیں جانتا۔ زاران حیدر خان کے تلملانے پر چوٹ کرتا استتھزائیہ لہجے میں ہولا۔

درخزئی تم جاؤ یہاں سے ہم بات کرتا ہے حیدر سے۔۔۔ معاملہ بگڑتے دیکھ کر سمیع اللہ خان نے درخزئی کو سرد لہجے میں حکم دیا۔

جی دا جی جیسے آپ کہیں۔۔۔ ویسے بھی میری ڈیوٹی کا ٹائم ہو رہا ہے۔ مجھے ڈی جی آئی سے ملنا تھا۔ میں چلتا ہوں۔۔۔۔ درخزئی اپنی گھڑی میں ٹایم دیکھتے ہموار لہجے میں اردو میں بولا۔۔

Ok zaraan I have to go .you know very well government job is very tough

درخزئی زاران کے گلے لگتے ہوے بولا تھا۔حیدر خان نے اس کے انگلش بولنے پر اپنی پچھلی گردن رب کرتے خود کے اضطراب پر بمشکل قابو پایا۔جتنی اس کی پرسنیلٹی جاندار تھی۔۔وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔وہ کسی بڑی پوسٹ پر تھا۔۔

میں جانتا ہوں۔جب سے منسٹر بنا ہوں سمجھ آگئی ہے۔اپنے بزنس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔زاران اس کے گلے لگتے مبہم سا مسکرایا تھا۔

درخزئی حیدر پر سرح سرد نظر ڈالتا وہاں سے واک آوٹ کر گیا۔۔

زاران اپنے سامنے کھڑے حیدر خان کی طرف متوجہ ہا

حیدر خان تمھیں درخزئی کے بارے میں جاننا تھا تو تمھیں بتا دیتا ہوں۔

درخزئی فرشتے کے ماموں کا بیٹا ہے۔اور ہمارے علاقے کا ایس پی تعینات

ہوا ہے۔ زاران خان کے تعارف کروانے پر حیدر خان نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

میں فرشتے کو لینے آیا ہوں اس تک خبر پہنچا دیں کہ وہ تیار ہو جائے۔۔ حیدر خان اپنے غصے پر کنٹرول کرتے سمیع اللہ سے مخاطب ہوا تھا۔

فرشتے تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔۔ میں اپنی معصوم بہن کو تمھارے ساتھ نہیں بھیج سکتا۔ ارحام لالا سے بہت بڑی غلطی ہو گئی جو حیدر حاکم خان کو نہ پہچان سکے۔۔ اب اپنی بہن کا ہر فیصلہ میں کروں گا۔ اور میرا فیصلہ یہ ہے فرشتے تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔ زاران نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

زاران مجھے بات کرنے دو۔۔ سمیع اللہ خان نے کافی سختی سے اب کی بار زاران سے کہا تھا۔

داجی مجھے بات کرنے دیں حیدر حاکم خان سے۔۔۔جو اپنے علاقے کا سردار ہے۔سوات کے بڑے بڑے ہوٹلوں کا مالک۔۔۔اپنی ماں کے حقوق نبھاتے نبھاتے اپنی بیوی کے حقوق نبھانا بھول گیا۔۔زاران کی بات پر حیدر کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی

تم نے پوچھا ہم نے کیوں چھپایا تم سے تمھارے بچوں کا۔زاران نے حیدر کے مقابل آتے حیدر خان کی آنکھوں میں ڈالے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

تم صرف اتنا بتا دو سات مہینوں تک تم نے اپنی بیوی کا کیوں پتہ نہیں کیا۔۔تم نے دوسری شادی کرنی تھی کرتے۔مگر فرشتے کے حقوق بھی ساتھ ہی نبھاتے۔۔دوسری شادی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلی بیوی سے لاتعلق ہو جاؤ۔اگر فرشتے کے پاس تمھارے بچے نہ ہوتے تو

تمھیں آج بھی فرشتے کی یاد نہ آتی۔۔زاران نے چبھتے لہجے میں سوال کیے۔۔

تمھارے یہ سوال اپنی جگہ۔ مگر میرے بچوں کا مجھ سے چھپانا کسی کو حق نہیں پہنچتا تھا۔۔اگر مجھے یہ بات پتہ چل جاتی میں دوسری شادی نہ کرتا۔۔میں نے دوسری شادی اولاد کے لیے کی تھی۔۔اپنے ہنکار اور ضد سے سب سے زیادہ نقصان آپ لوگوں نے فرشتے کو پہنچایا ہے۔حیدر خان نے جواباً غصے سے زاران کو گھورتے کہا۔

زاران حیدر کی بات پر استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔اس سے پہلے وہ کچھ بولتا۔۔

بس۔۔۔۔۔۔۔میں یہاں موجود ہوں فیصلہ کرنے کے لیے۔۔اور میرا فیصلہ یہ ہے فرشتے حیدر کے ساتھ جائے گی۔ سمیع اللہ نے غصے سے دھاڑتے اپنا فیصلہ سنایا۔

زاران لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

میں اب کسی کو اس کے سوالوں کے جواب نہیں دوں گا۔ اپنی خانم اور اپنے بیٹوں کو میں ہر حال میں لے کر جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔ حیدر خان اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے غصے سے گرجتے ہوئے اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے زنان خانے کی ظرف بڑھا۔۔

زاران جبڑے بھینچتے حیدر خان کی طرف بڑھا تھا۔۔۔

سمیع اللہ کی حکمیہ سرد پکار پر اسے رکنا پڑا تھا۔

جی دا جی۔۔۔۔۔ زاران نے پلٹتے ہوئے سمیع اللہ سے ظبط سے کہا۔ ورنہ جی کر رہا تھا آج اپنے اندر کا غصہ حیدر خان کی جان لے کر اتار دے۔۔

وہ اس حویلی کا داماد ہے۔ فرشتے کے شوہر اور بچوں کا باپ ہے۔ جب اتنا سال اس شاہ نواز کو برداشت کیا تو حیدر خان کو برداشت کرنے میں کیا حرج ہے۔ حیدر خان شاہ نواز سے لاکھ درجے بہتر ہے۔

داجی۔۔۔ حیدر خان شاہ نواز سے بھی بدتر ہے میرے نزدیک۔۔۔ شاہ نواز جیسا تھا ہم سب جانتے تھے۔۔ مگر حیدر خان ایسا نکلے گا یہ ہم نہیں جانتے تھے۔۔ زاران سرد لہجے میں کہتے واک اوٹ کر گیا تھا۔

حیدر خان زنان خانے میں داخل ہوا تو اس وقت لاونج میں کوئی نہیں تھا۔۔ حیدر لاونج میں موجود ملازمہ سے فرشتے کے کمرے کا پوچھتے اس کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔ بھاری قدموں میں اظطراب اور چہرے میں شدید سرخیاں سی گھلی تھیں۔ درخزئی فرشتے کے ماموں کا بیٹا

ہے یہ بات حیدر خان کو مزید سلگا چکی تھی۔۔ اپنی خانم پر خود سے کہیں زیادہ اعتبار تھا۔ مگر اس نے درخزئی کے سامنے اپنا چہرہ آخر کیوں کھولا اور اس کی کلائی کیوں پکڑی۔۔ وہ تو زاران اسفند اور شہرام کے سامنے بلا ضرورت نہیں جاتی تھی۔ نہ ہی ان سے غیر ضروری بات کرتی تھی۔ پھر وہ کیسے درخزئی کے ساتھ اتنا سج سنور کر شادی پر چلی آئی۔ درخزئی فرشتے کو لے کر کتنا کنسرن ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فرشتے کے لیے پسندیدگی اور پریشانی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔۔ یہ تو طے تھا درخزئی فرشتے کو پسند کرتا ہے۔۔ اس کی خانم تو صرف اس کی تھی۔۔ مگر کسی غیر مرد کے لبوں پر بھی اپنی فرشتے کا نام گوارا نہ تھا۔ وہ مزید فرشتے کو ایک پل ادھر نہیں رہنے دے سکتا تھا۔ نہ اپنے بچوں کے بغیر رہ سکتا تھا۔ وہ آج ہر حال میں انھیں ساتھ لے جانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔

حیدر خان بھاری قدموں سے فرشتے کے کمرے کی طرف بڑھتے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

فرشتے بیڈ پر بیٹھے دراب کو اپنی گود میں لیے فیڈ کروا رہی تھی۔ زراب اس کے قریب لیٹا منہ میں انگوٹھا لیے کھیل رہا تھا۔

حیدر خان دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ فرشتے نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑے حیدر خان کو دیکھا۔ جو گہرے سانس لیتے سرخ سرد نگاہوں سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بے یقینی سے پتھرائی کیفیت میں حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کس حلیے میں ہے وہ بھول چکی تھی۔ وہ صرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان کی نگاہیں اب فرشتے کے گود میں لیٹے دراب پر تھیں۔ جس کی سائیڈ گردن پر وہ نشان نظر آ رہا تھا۔

حیدر خان کی نم نگاہوں کا رخ اب زراب کی طرف تھا۔ اس نے اس دن زراب کو گلے نہیں لگایا تھا۔ اسے چھوا نہیں تھا۔

حیدر خان بے تابی سے زراب کی طرف بڑھتے اسے اٹھاتے ہوئے نرمی سے اپنے سینے سے لگایا۔ فرشتے جو نم نگاہوں سے سٹل حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جلدی سے دراب کو اپنے سینے سے لگائے بیڈ سے اٹھتی کھڑی ہوئی

تھی۔۔ دراب کا ابھی پیٹ نہیں بھرا تھا۔ وہ بہت بری طرح رونے لگا تھا ۔بلکہ تقریباً فرشتے کے حصار میں بری طرح مچلنے لگا تھا۔

فرشتے دراب کو بری طرح سینے میں بھینچے حیدر خان کو بھیگی گلابی نگاہوں سے لرزتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔۔ جو دیوانوں کی طرح زراب کے نقوش کو چوم رہا تھا۔

خان چھوڑیں میرے بچے کو۔۔۔ فرشتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔

وہ اس کے کمرے میں اتنے حق سے آتے اس کے بچے کو ایسے پیار کرے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں کھڑی تھی۔ حیدر خان کو کیسے اس کے کمرے میں آنے دیا؟؟ وہ بے یقینی سے پتھرائی سی کھڑی تھی۔

دراب زراب کے زندگی میں آنے کے بعد وہ خود ارحام کو منع کر چکی تھی

کہ حیدر خان کو اس کے بچوں کا نہ بتایا جائے۔۔ حیدر خان شاہ نواز سے بھی

زیادہ ظالم ثابت ہوا تھا اس کے لیے۔۔ وہ سامنے کھڑے بے حس انسان

سے شدید محبت کرتی تھی۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی یہ جانتے ہوے

بھی اس ظالم بے حس انسان نے سات مہینوں سے اس کا پتہ نہیں کیا

تھا۔۔ بے قصور ہوتے ہوے بھی اسے سزا سنائی۔۔ اس ظالم انسان سے جدا

ہوتے وہ کتنے دن وہ نیم بیہوشی کی حالت میں رہی تھی۔ اگر اسے ماں بننے کی

نوعید نہ ملتی تو شائد وہ زندہ بھی نہ رہتی۔ ایسے ظالم انسان کے ہاتھوں میں وہ

اپنے بچے کیسے دیکھ سکتی تھی۔۔ بلکہ اسے سامنے کھڑے انسان کا سایہ بھی

اپنے بیٹوں پر قبول نہ تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ فرشتے کو اس سے حد درجہ

سفاکیت کی امید تھی۔ وہ شاہ نواز سے بھی بدتر ثابت ہوا تھا اس کے لیے.

فرشتے اس وقت چنٹوں والے آف وائٹ پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس کے اگلے سارے بٹن کھلے ہوے تھے۔

لمبے گھنے سلکی سنہری بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔ بہت ساری لٹیں اس کے عارض پر بکھری تھیں۔

وہ لرزتے کانپتے دراب کو سینے سے لگائے حیدر خان کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان ذراب کی گردن کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں کوئی نشان نہیں تھا۔۔

میرا بیٹا زراب میری جان میرا زراب خان۔۔ اچھی بات ہے تمھاری گردن پر نشان نہیں ہے۔ ورنہ تمھارے بابا تمھیں کیسے پہچانتے؟؟ حیدر خان نے

نم آنکھوں سے مسکراتے ہوے زراب کے منہ سے انگوٹھا نکالا وہ اپنی سیاہ چمکدار آنکھوں سے حیدر کو دیکھتے کب سے انگوٹھا چوس رہا تھا۔

خان۔۔۔ اپنے بچوں میں پہچان کرنے کے لیے کسی نشانی کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔ یہ دیکھنے میں ایک جیسے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی پہچان آسانی سے ہو سکتی ہے۔۔ پہچان کرنے والا سچی اور بے غرض محبت کرنے والا ہونا چاہیے۔۔ آپ جیسا بے حس انسان نہیں۔ فرشتے دراب کو سینے میں جکڑے غصے سے چیخی تھی۔۔ فرشتے کے چیخنے پر دراب بری طرح رونے لگا۔ پہلی مرتبہ ان کے سامنے کوئی ایسے چلایا تھا۔۔ دراب تو پہلے ہی سسکیاں لے رہا تھا۔ اسے فیڈ کرتے ہوے چھڑوایا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پایا تھا۔

فرشتے کے چیخنے پر زراب بھی بری طرح رونے لگا تھا۔ اور انھیں ایسے روتا دیکھ کر فرشتے بھی سسکیاں بھرتے رو رہی تھی۔ اس نے اپنے بچوں کو کب ایسے روتے دیکھا تھا۔

حیدر خان نے ذراب کو سینے میں بھینچتے چپ کروانے کی کوشش کی۔۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ رونے لگا تھا۔۔

دراب تو باقاعدہ ہچکیوں سے روتے ہوئے فرشتے کی بانہوں میں مچل رہا تھا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ گئی تھی۔ اسے فرشتے نے فیڈ کرواتے ہوئے اسے جھٹکے سے خود سے چھڑوایا تھا۔ وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکا تھا۔ اس لیے وہ اتنے. برے طریقے سے رو رہا تھا کہ اب جیسے اس کی سانسیں رک رہی تھی۔

حیدر خان دراب کی حالت دیکھتے فرشتے کی طرف بڑھا۔

آگے مت بڑھیے گا خان۔۔۔ فرشتے پیچھے کو ہوتی روتے ہوے بلق کے بل چیخی تھی۔۔ حیدر خان اس کے بچوں کو نہ لے جائے وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ دراب کی بگڑتی حالت بھی محسوس نہ کر سکی تھی۔

دراب کی سرخ پڑتی رنگت اور رکی سانسیں دیکھ کر حیدر خان نے جلدی سے زراب کو بیڈ پر ڈالا تھا۔۔۔ فرشتے کی طرف بڑھتے زبردستی دراب اس سے لیا تھا۔ وہ اسے سختی سے سینے میں بھینچے ہوے تھی۔ حیدر خان کا دراب سختی سے لینے پر وہ لڑکھڑائی دیوار کے ساتھ جا لگی۔

خان میرا بچہ مجھے دیں۔۔ فرشتے حلق کے بل چیختے ہوے حیدر خان کی طرف بڑھی۔۔ اب کی بار فرشتے کے چیخنے پر دراب کا سانس واپس نہیں آیا

تھا۔ دراب کا چہرہ خطرناک حد تک نیلا پڑا۔۔ فرشتے نے جھپٹ کر دراب کو لینا چاہا تھا۔

حیدر نے پوری قوت سے فرشتے کو دھکا دیا تھا۔ فرشتے اوندھے منہ زمین پر جا گری تھی۔۔ سٹیچز میں شدید درد ہوا تھا۔ وہ اوندھے منہ گری سسک کر رہ گئی۔

بیوقوف عورت دراب کی حالت دیکھو ایک بار اور تم چیخی۔۔ یہیں تمھاری قبر بنا دوں گا۔۔ حیدر خان نے غراتے ہوے فرشتے کو خونخوار نگاہوں سے گھورتے کہا۔

فرشتے نے سیدھے ہوتے فق رنگت سے گہرے سانس لیتے دراب کی بے جان حالت دیکھی۔۔

دراب۔۔۔ حیدر نے تڑپتے ہوے دراب کو پکارا۔۔ جس کے ہونٹ نیلے پڑ گیے تھے۔۔ حیدر کی چیخ پر فرشتے زمین سے اٹھتی حیدر کی طرف بڑھی۔۔

حیدر خان کی بانہوں میں دراب کی حالت دیکھتے وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔۔ دراب۔۔۔۔۔ فرشتے پوری قوت سے خوفزدہ ہوتے چیخی تھی۔ اس کا دراب حیدر خان کی بانہوں میں بالکل بے جان تھا۔

فرشتے کے چیخنے پر حیدر نے اپنی بے تحاشا سرخ آنکھیں فرشتے پر گاڑھیں۔

کیا ہوا ہے خان میرے دراب کو۔۔ فرشتے دراب کی بے جان حالت دیکھتے تڑپتے روتے ہوے بولی۔

حیدر خان نے دراب پر جھکتے اسے سانسیں دی تھیں۔۔۔ خان۔۔۔ فرشتے حیدر خان کا بازو جکڑے شدت سے روتی جا رہی تھی۔۔ حیدر خان اس کے اوپر جھکے اسے مصنوئی سانسیں دے رہا تھا۔

زراب جو خاموش لیٹا انگوٹھا چوسنے لگا تھا۔ وہ پھر سے بری طرح حلق کے بل ہچکیوں سے رو رہا تھا۔۔

حیدر خان کے مضبوط توانا ہاتھ کانپ رہے تھے۔۔ آنکھوں میں سرخی کے ساتھ نمی بھی بھی تھی۔ جو عارض پر بہہ رہی تھی۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا حیدر خان کی آنکھوں کی نمی عارض پر بہی تھی۔۔۔

حیدر خان دراب پر جھکے مسلسل سانسیں دے رہا تھا۔ دراب کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی تھی۔۔ اس نے اپنے ہاتھ پیر ہلائے تھے اس نے آنکھیں کھولتے حیدر خان کو دیکھا۔۔ اس کے چہرے کی رنگت بھی اب قدرے بحال ہوئی تھی۔۔۔ وہ کافی دیر تک روتا رہا تھا۔ ور اس کے سانسیں مدھم پڑنے سے وہ خاموش سا نیم غنودگی میں چلا گیا۔

خان کیا ہوا ہے دراب کو یہ رو کیوں نہیں رہا یہ خاموش کیوں ہو گیا ہے۔ فرشتے روتے ہوئے تڑپتے ہوئے بولی۔۔ فرشتے کے چیخنے پر رراب نے سوتے ہوئے جھٹکا لیا تھا۔ وہ بری طرح کانپا تھا۔ حیدر خان نے دراب کو سینے سے لگاتے فرشتے کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا تھا۔

فرشتے نے سسکتے ہوے دراب کو حیدر خان سے لینا چاہا تھ۔۔ حیدر نے اسے بازو سے جکڑے پھر سے بے دردی سے دھکا دیا تھا۔۔ وہ دیوار کے ساتھ لگے سسکنے لگی تھی

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی حیدر خان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے خاموش رہنے کو کہا تھا۔۔

حیدر خان کی سرد سرخ نظر اور اور دراب زراب حالت دیکھتے وہ خاموشی سے دیوار میں سمائے رونے لگی تھی۔

حیدر خان نے دراب کو بیڈ پر نرمی سے لٹایا۔ وہ سو چکا تھا۔۔ زراب جو ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ وہ بھی رو رو کر تھکتے ہوے نیم غنودگی میں اب ہچکیاں بھر رہا تھا۔

حیدر خان نے دراب کا انگوٹھا پکڑتے اس کے منہ میں ڈالا۔

جسے وہ چوسنے۔ اور زراب کا بھی انگوٹھا منہ میں ڈالا تھا۔ دونوں انگوٹھا چوستے گہری نیند میں چلے گئے تھے۔۔

فرشتے لرزتے ہچکیوں سے دراب زراب کو دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان نے قہر آلود فرشتے پر گاڑھیں۔۔۔ جو بری طرح سسکیاں بھر رہی تھی. فرشتے کی بیوقوفی کی وجہ سے دراب کی حالت اتنی خراب ہوئی۔ حیدر خان کا دل کر رہا تھا فرشتے کی جان لے لے۔ اپنے بچوں پر وہ

ایک آنچ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔تکلیف دینے والی اس کی خانم بھی ہوئی وہ اس کی سانسیں کھینچنے میں رحم نہیں کر سکتا تھا۔

حیدر خان فرشتے کو بازو سے بے رحمی سے جکڑے واش روم کی طرف بڑھا۔

خان۔۔۔فرشتے نے خود کو چھڑواتے آہستگی سے حیدر خان کو پکارا..

حیدر خان اسے بازو سے جکڑے واش روم کے اندر داخل ہو گیا تھا۔دروازو لاک کرتے حیدر خان نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

فرشتے واش بیسن کی سلیب سے بری طرح جا ٹکرائی تھی۔۔کمر کے ساتھ پیٹ کے سٹیچز میں شدید درد اٹھا تھا۔

فرشتے نے سسکتے ہوے زخمی نظروں سے حیدر کو دیکھا جو سرخ سرد شرربار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

یہ خیال رکھ رہی ہو تم میرے بیٹوں کا۔۔ اتنی لاپرواہی

خانم۔۔۔۔ حیدر خان غصے سے گرجتے ہوے بولا۔

وہ آپ کے بیٹے نہیں میرے بیٹے ہیں۔ فرشتے نے سسکی بھرتے کہا۔

حیدر خان ایک ہی جست میں اس تک بڑھتے اس کے گرد سلیب پر اپنے ہاتھ پن کر گیا۔

ذرا بتاؤ کیسے وہ صرف تمھارے بچے ہیں خانم ؟؟ حیدر خان اس پر جھکے غرایا تھا۔

وہ صرف میرے بچے ہیں میں صرف اتنا جانتی ہوں۔ آپ کا ان پر کوئی حق نہیں۔۔ فرشتے ٹوٹے بھیگے لہجے میں بولی۔۔

دراب زراب پر حق جتانے سے پہلے ماں ہونے کا صحیح فرض نبھاؤ

۔۔۔ تمھاری لاپروہی اور چلانے پر دراب کی کیا حالت ہوئی۔۔ دیکھی تم نے میرے بیٹے کی حالت۔۔ دوبارہ زندگی ملی ہے اسے۔۔۔ حیدر خان اس پر جھکے طیش والم میں غرایا۔

مم۔۔۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ دراب سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ بہت دیر فیڈ لیتا ہے۔۔ پھر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔۔ میں نے زراب کو فیڈ کروانے کے بعد دراب کو فیڈ کروانا شروع کیا ہی تھا کہ آپ آ گئے۔۔ اس لیے وہ یہ برداشت نہیں کر سکا۔۔۔ فرشتے نے سسکتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے جواب دیا۔

دراب کی حالت دیکھتے وہ صدمے کی کیفیت میں تھی۔ اسے بانہوں میں لینے کو تڑپ رہی تھی۔ پورا وجود کانپ رہا تھا۔

اوپر سے ظالم انسان اس پر جھکے دھاڑ رہا تھا۔ فرشتے کی دھڑکنیں اب دھڑکتی باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔

جسے حیدر خان اگنور کر گیا تھا۔ دراب کی حالت اسے بھول ہی نہیں پا رہی تھی۔

جب تمھیں پتہ ہے وہ ایسا ہے۔ پھر اسے فیڈ کروانا بند کیوں کیا ؟؟۔۔ میرے دراب کے معاملے میں لاپرواہی کیوں برتی۔۔ حیدر خان نے جبڑے بھینچتے سوال داغا۔

حیدر خان کے میرے دراب کہنے پر وہ سسک ہی پڑی تھی۔۔ مقابل تو اس کا رہا نہ تھا۔ اب وہ اس کے بیٹوں میں بھی شراکت کر رہا تھا۔ فرشتے کی آنسوؤں کی روانگی میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ اپنے بیٹوں کو لے کر بہت شدت پسند تھی۔۔ یہاں تک کہ وہ مقابل کی محبت میں شراکت برداشت کر سکتی

تھی۔ کرلی تھی۔ مگر اپنے بیٹوں پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ سامنے کھڑے انسان ک تو بلکل نہیں۔۔

آپ آگئے تھے اس لیے۔۔ فرشتے نے نظریں جھکائے سسکتے ہوے جواب دیا۔

میں کون ہوں تمھارا خانم ؟؟ حیدر خان نے لب بھینچے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے پوچھا۔۔

فرشتے حیدر خان کے سوال پر خاموش ہوئی تھی۔

جواب دو خانم میں کون ہوں تمھارا؟ حیدر خان نے غراتے ہوے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

آپ آپ۔۔۔خا۔۔خان ہیں میرے۔۔۔۔فرشتے نے ٹوٹے لفظوں سے بولتے درد سے سسکی لیتے اپنا نچلا لب۔بے دردی سے کاٹا۔

نن نہیں۔۔۔مم۔۔۔۔میرے خان صرف۔۔۔نہیں ہیں۔۔اب تو اس اوزگل کے بھی ہیں۔فرشتے نے کرب سے سسکی لیتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھا۔

نہیں حق دیا اسے خان کہنے کا۔۔۔خان صرف تمھارا ہوں۔حیدر خان نے اس کے یوں زخمی تڑپتی نگاہوں سے دیکھنے پر تڑپتے ہوے اس کے عارض پر نظریں جمائے اس کی ٹھوڑی کے تل پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔

حیدر خان کے لمس پر فرشتے کی تڑپ میں آضافہ ہوا تھا۔بہت کچھ یاد آیا تھا جو وہ بھول گئی تھی۔۔فرشتے نے تڑپتے ہوے حیدر خان کو خود سے دور جھٹکا۔

نہ آپ میرے خان ہیں۔۔نہ میں آپ کی خانم ہوں نہ میرے بیٹے آپ کے ہیں۔۔سنا آپ نے میرے دراب زراب صرف میرے ہیں۔فرشتے تڑپتے روتے ہوے بری طرح چیخی تھی۔۔

بھول گیی ہو میری رات رات بھر کی شدتیں۔۔میری شدتوں میرے اتنے محنت ک کرنے پر ہی یہ دراب زراب اس دنیا میں آئے ہیں۔حیدر خان اس کے یوں چیخنے اور خود پر کوئی حق نہ رکھنے والی بات پر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔وہ اس کے قریب ہونے فرشتے کے نقوش پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔

حیدر خان کی بات پر فرشتے کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔فرشتے حیدر خان کی اتنی نزدیکی اور اس کی بے باک بات پر سرخ انار ہوئی تھی۔ ۔وہ اپنے کانپتے ہاتھ حیدر کے سینے پر جمائے لرزتے ہوے نظریں جھکا گئی

تھی۔۔اس کی اب اتنی ہمت نہیں تھی حیدر خان کو خود کے دور دھکیلتی۔۔ مقابل اس پر جھکے اسے سیلب کے ساتھ محصور کیے اس کے ٹھوڑی کے تل پر اپنی پر تپش سانسیں بکھیر رہا تھا۔

فرشتے کی نظریں بے اختیار اپنے کھلے بٹنوں سے ہوتے سینے پر پڑیں۔

اپنی بکھری حالت پر نظر پڑتے اس نے آنکھیں پھاڑے حیدر خان کو دیکھا ۔حیڈر خان کی نگاہیں بھی اس کے اگلے کھلے بٹنوں پر پڑیں۔اس کے نشیب و فراز بلکل نمایاں تھے۔۔بلکہ فیڈ کروانے کی وجہ سے شرٹ اچھی خاصی گیلی ہو چکی تھی۔۔

فرشتے شدید سرخ ہوتے اپنے لب کاٹتے نظریں جھکا گئی۔۔

دراب کی وجہ سے حیدر خان کو فرشتے پر شدید غصہ تھا۔۔ مگر اس کا یوں شرم وحیا سے سرخ پڑنا اس کے حصار میں لرزنا حیدر خان کے جلتے تپتے دل کو راحت پہنچا گیا تھا۔

ایسے ہی تو وہ اس کی بانہوں میں سرخ گلاب ہوتی تھی۔

تم نے آج کہا خانم۔۔۔۔۔ میرا تم پر کوئی حق نہیں۔۔ اب اس طرح سرخ گلاب ہو کر خود ہی ثابت کر رہی ہو۔۔ اگر تم پر کسی کا حق ہے وہ صرف حیدر خان کا۔۔ حیدر نے فرشتے کے سرخ عارض پر نرمی سے ہاتھ جماتے گھمبیر لہجے میں کہا۔

فرشتے نے نظریں جھکائے ہی حیدر خان کا ہاتھ اپنے گال سے جھٹکا تھا۔۔

اس کا یوں جھٹکنا حیدر خان کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔

تیار ہو جاؤ خانم تم اور میرے بچے ابھی میرے ساتھ چل رہے ہو۔۔ حیدر خان نے جبڑے بھینچتے سرد لہجے میں حکم دیا۔۔

کہاں؟ فرشتے نے ناسمجھی سے حیدر کی طرف دیکھا۔

میری حویلی میرے پاس۔۔۔۔ حیدر خان نے اس کے یوں حیرانگی بھری نظروں پر دانت پیستے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ وہ اتنی حیران کیوں ہو رہی تھی۔۔ وہ اس کے پاس تھا تو اسے لینے ہی آیا تھا۔

میں اور میرے بیٹے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جائیں گے۔۔ فرشتے نے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوطی سے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ اس کی آواز

اب لرز نہیں رہی تھی۔۔وہ حیدر خان کی آنکھوں آنکھوں میں ڈالے اپنا فیصلہ سنا رہی پھی

فرشتے کی بات اور اس کے مضبوط لہجے پر حیدر خان کی دماغ کی رگیں پھڑکیں تھیں۔

میں تمھیں ہر حال میں آج یہاں سے لے کر جاؤں گا خانم۔۔۔۔ تمھارا فیصلہ میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔حیدر خان نے غصے سے غراتے ہوے اپنا فیصلہ سنایا۔

کیوں؟؟فرشتے دبی آواز میں چیخی تھی۔

کیونکہ تم بیوی ہو میری اور تمھارے پاس میرے بیٹے ہیں۔

فرشتے کے چیخنے پر حیدر خان بھی غصے سے دبے آواز میں چیخا تھا۔

آپ کو آپ کی مورے اور آپ کی بیوی سے آجازت مل گئی کہ آپ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا سوچیں۔۔ یہ جو آپ پانچ گھنٹوں بعد آئے ہیں۔ لگتا ہے اپنی مورے اور بیوی کے گھٹنے سے لگ کر انھیں مناتے رہے ہیں۔ فرشتے استھزائیہ انداز میں بولی تھی۔

فرشتے کی بات اور اس کے انداز پر حیر خان گردن تک سرخ پڑا تھا۔۔ پہلی مرتبہ یوں فرشتے نے اسے جواب دیا تھا۔۔ وہ بھی اتنی بدتمیزی سے حیدر خان کو اس کے جواب اور اس کے انداز پر آگ لگی تھی۔

مجھے کسی سے آجازت ملے یا نہ ملے۔۔ مگر تم جیسی لاپرواماں کے پاس میں اپنے بچے نہیں چھوڑوں گا۔۔ حیدر خان نے جوابی کاروائی کرتے گہرا وار کیا۔

فرشتے کا یہ انداز برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اندر تک سلگ رہا تھا۔ اس لیے اس نے اسے زیر کرنے لیے یہ لفظ بولے تھے۔۔ وہی ہوا فرشتے کا رنگ لمحوں میں اتنی تیزی سے زرد پڑا تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر ہلدی مل لی ہو۔ دوسرے ہی لمحے اسے چکر آیا تھا۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئی

حیدر خان نے جلدی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے سنبھالا ورنہ وہ گر جاتی۔

اگر تم نہیں چاہتی کہ میں تم سے دراب زراب چھینوں۔۔ میرے ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو۔۔۔ ورنہ میں اپنے بچوں کو لے جاؤں گا۔ حیدر خان نے مزید گہری چوٹ لگائی وہ اس وقت صرف اپنے بیٹوں اور اپنی خانم کو ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔ فرشتے کی حادلت دیکھتے وہ سمجھ گیا تھا وہ دراب زراب کو لے کر کتنی پوزیسیو ہے۔۔ کتنی شدید محبت کرتی ہے۔

آپ۔۔ آپ۔ ایسا نہیں کر سکتے۔۔ مم مجھ سے میرے بیٹے نہیں چھین سکتے۔ وہ صرف میرے ہیں خان۔۔۔ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟؟۔۔ آپ کو اوزگل سے اولاد ہونے والی ہو گی۔۔ آپ کے پاس آپ کی بیوی آپ کی مورے سب کچھ ہے۔۔ مم مگر میرے پاس تو صرف دراب

زراب ہیں۔۔ آپ ایسے کک کیسے کر سکتے ہیں۔۔ فرشتے اپنا گلہ جکڑے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی۔۔

اسے جیسے پینک اٹیک آیا تھا۔۔ جب حیدر نے اسے تچھوڑا تھا۔ اسے کچھ دن ایسے پینک اٹیک آتے رہے تھے۔ اب یہ اٹیک سات مہینوں بعد آیا تھا دراب زذاب کی دوری والی بات پر اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔

فرشتے۔۔۔ حیدر خان نے بے تابی سے اسے پکارا۔ فرشتے کی جیسے سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ اپنا گلہ جکڑے ہوے تھی..

فرشتے۔۔۔ حیدر نے پریشانی سے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے عارض پر ہاتھ جمائے تھے۔

دور رہیں خان مم۔۔۔۔ مجھ سے۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔۔ سچ میں ظالم ہیں۔ آپ۔۔۔ ممم۔۔۔۔ میرے دراب زراب کو مجھ سے چھین سکتے ہیں۔ آپ یہ کر سکتے ہیں۔۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔۔

مم مجھ سے بھی تو خود کو چھینا تھا۔ آپ یہ بھی کر سکتے ہیں۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے گہرے سانس لیتے چیختے بمشکل بول رہی تھی۔۔

میں ایسا نہیں کروں گا۔۔ میرے ساتھ چلو۔۔ تمھارا خان تمھارے دراب زراب۔ تمھارے پاس رہیں گے اب۔۔۔ حیدر نے نم آواز میں کہتے اسے بانہوں میں بھرنے کی کوشش کی۔۔

فرشتے کی طبعیت دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔

کل کو آپ کی مورے نے پھر سے آپ کو کہہ دیا کہ مجھے چھوڑ دیں تو۔۔۔ فرشتنے نے ہچکیوں سے روتے ہوے سوال کیا۔

وہ اب کبھی نہیں کہیں گی۔۔ نہ میں اپنی خانم دراب زراب کو کبھی چھوڑوں گا۔۔ جان بستی ہے میری تم لوگوں میں۔ خان نے تڑپتے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

مجھے آپ پر یقین نہیں۔۔ بہت سے وعدے کیے تھے میرے ساتھ۔۔ لیکن اب نہیں۔۔۔ میں اپنے دراب زراب آپ کو نہیں دوں گی۔۔ فرشتے حیدر خان کو خود سے دور دھکیلتی واش روم کا دروازہ کھولتی بھاگتے ہوے باہر نکلی تھی۔۔

حیدر خان اس کے پیچھے تیزی سے لپکا تھا۔۔ فرشتے نے کمرے میں جاتے ہی دراب زراب کو سوتے میں اٹھاتے انھیں سینے سے لگایا۔ دراب زراب پھر سے رونے لگے تھے

فرشتے یہ کیا پاگل پن ہے۔۔ یہ کیا کر رہی ہو۔۔ چھوڑو انھیں حیدر خان نے دراب لینا چاہا جو جو پھر سے سانسیں روکے رو رہا تھا۔۔۔ فرشتے یہ دیکھتے پیچھے کو ہوئی تھی۔۔ دراب کی سانسیں اکھڑتی محسوس کرتے فرشتے کی رنگت فق ہوئی۔۔ فرشتے نے زراب حیدر خان کو پکڑایا۔ جو اس نے جلدی سے فرشتے سے لیا تھا۔ فرشتے بیڈ پر بیٹھ کر دراب کو جلدی سے فیڈ کروانے لگی۔۔

دراب شدید روتے ہوئے چپ ہوا تھا۔۔ حیدر خان اطمینان کی سانس لیتے روتے ہوئے زراب کو سینے سے لگائے اسے کی کمر کو تھپک رہا تھا۔۔

دراب پر سکون ہوتے فیڈ کرنے لگا تو فرشتے اپنی حالت دیکھتے جلدی سے حیدر خان کی طرف سے رخ موڑ گیی تھی۔۔

فرشتے کے یوں رخ موڑنے پر حیدر خان کا پارہ ہائی ہوا تھا۔اس کی حرکتیں حیدر خان کو طیش دلا رہی تھیں۔وہ ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے وہ اس پر حق کھو چکا ہے۔

ذراب حیدر خان کے سینے سے لگے سو گیا تھا۔۔

دراب بھی پر سکون ہوتے سوتے ہوے فیڈ کر رہا تھا۔۔ فرشتے کافی دیر تک اسے فیڈ کرواتی رہی تھی۔۔

تقریباً آدھا گھنٹہ فیڈ کروانے کے بعد فرشتنے نے اسے خود سے علیحدہ کرتے نرمی سے بیڈ پر لٹایا۔

اپنی شرٹ ٹھیک کرتے کمرے میں اپنے دوپٹے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں جو کہیں نہیں تھا۔۔

فرشتے سرخ چہرے کے ساتھ بیڈ سے اٹھی تھی اور حیدر خان سے زراب لیا جو حیدر خان نے آسانی سے دے دیا۔

انھیں اپنے فیڈ کے علاوہ ڈبے کا دودھ نہیں دیتی خانم۔۔ حیدر خان نے فرشتے کو بغور دیکھتے سوال کیا۔۔ جو فیڈ کرواتے ہوے ہلکان ہوئی تھی۔

نہیں۔۔۔اور شکر ہے میں نے انھیں اپنے فیڈ کے علاوہ کوئی اور دودھ نہیں دیا۔ورنہ آپ جیسا بے حس انسان سچ میں میرے بچوں کو مجھ سے چھین لیتا۔فرشتے نے زراب کو بیڈ پر لٹاتے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حیدر خان نے خونخوار نگاہوں سے فرشتے کی پشت کو گھورا۔۔دو بیٹوں کی ماں بنتے اس کے منہ میں زبان آگئی تھی۔

تمھیں لگا ہے میں ایسے اپنے بیٹے تم سے نہیں لے سکتا۔۔حید ذنے دانت پیستے غراتے ہوے پوچھا۔۔

لے کر جا کر دیکھ لیں۔دراب کی ذراسی بگڑی حالت دیکھتے آپ کی آنکھوں کے آنسو بہنے لگے تھے۔۔میرے بغیر یہ نہیں رہ سکتے۔۔اور میرا فیڈ نہ ملنے پر آپ کے دونوں بیٹوں کی سانسیں بکھرنے لگتی ہیں۔کس سے کروائیں گے انھیں فیڈ اوز گل سے۔۔۔یا کسی غیر عورت کو پیسے دے کر اپنے بچوں

کو فیڈ کروائیں گے۔ وہ طیش سے بولتے دراب زراب کو حیدر کے بچے کہہ گئی تھی

حیدر خان اسے لب بھینچتے دیکھتا رہا۔ سوئے ہوئے دراب کو دیکھتے وہ بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

خان۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ کسی صورت نہیں۔۔۔ نہ دراب زراب کو لے کر جانے دوں گی۔۔ کچھ بھی کر لیں آپ۔۔ فرشتے حیدر کے مقابل آتے غرائی تھی۔۔

اس کی غراہٹ پر دراب کو سوتے میں پھر سے جھٹکا لگا تھا۔ دراب ڈرا ہوا تھا اس لیے وہ سے ذرا سے کھٹکے پر بھی لرز اٹھتا تھا۔

حیدر نے اپنی مٹھیاں دبوچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔ سامنے کھڑی عورت اس کے بیٹوں کی ماں نہ ہوتی وہ اسے اچھی خاصی سزا دیتا۔

حیدر نے آگے ہوتے فرشتے کو بازو سے جکڑے دیوار کے ساتھ لگایا تھا

خان۔۔۔اس سے پہلے فرشتے آواز نکالتی وہ اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

خانم۔۔۔۔۔ابھی تو تمھیں اور اپنے بیٹوں کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر جلد تمھیں اور اپنے بیٹوں کو یہاں سے لے کر چلا جاؤں گا۔

آئندہ میرے بیٹوں کے معاملے میں لاپرواہی برتی۔۔ان کے سامنے چیخی چلائی۔۔میں تمھاری چیخیں اس طرح نکلواؤں گا سوچ ہے

تمھاری۔۔۔میرے بیٹوں پر ایک آنچ نہیں آنی چاہیے۔۔وہ اس کا جبڑہ بری طرح دبوچتے فرشتے کے کان میں جھکے سرگوشی نما آواز میں پھنکارا تھا۔

فرشتے نے درد سے سسکاری بھرتے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا تھا

۔

آئیندہ کمرے کا دروازہ لاک کر کے فیڈ کروانا۔۔ تمھارا محرم میں ہوں۔۔ صرف میرے سامنے تم اپنا سب کچھ دکھا سکتی ہو۔۔ غلطی سے بھی کسی پر نظر نہیں پڑنی چاہیے تم پر۔۔۔ اور ہاں بس درخزئی سے دور رہنا۔۔ جتنا ہو سکے اتنا۔۔۔۔ تم ائیندہ اس کے سامنے نہیں آؤ گی سمجھی تم ۔۔ حیدر خان نے فرشتے کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچتے سرد لہجے میں اس کے کان پر جھکے پھنکارہ۔ اپنے بیٹوں کی وجہ سے وہ آہستہ بول رہا تھا۔ مگر لہجے اور سانسوں میں بے انتہا تپش تھی. جسے فرشتے محسوس کرتے بری طرح کانپ رہی تھی۔

فرشتے نے درد سے کراہتے پھر سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ حیدر خان فرشتے کو چھوڑتے ایک نظر بیڈ پر سوئے دراب زراب کو دیکھا تھا۔۔ اور ڈوسرے لمحے وہ جلدی سے کمرے سے نکل گیا۔

فرشتے زمین پر بیٹھے گہرے سانس لیتے اپنا گلہ جکڑ گئی تھی۔۔۔ دراب زراب کی دوری کا سوچتے ایک بار پھر سے اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

حور بلیک فل گاؤن نائیٹ میں ملبوس تھی۔۔ اس کے چاکلیٹی سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ وہ لاوج میں لگی بڑی سی ایل ای ڈی کی سکرین پر کب سے نظریں جمائے کھڑی تھی۔۔۔ جہاں شاہ مینشن کے گیٹ کے باہر کا منظر

بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ اور وہ روز کی طرح اس ٹائم سوئی نہیں تھی۔۔ بلکہ لاونج میں کھڑی ہو کر سکرین پر نظر آتے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔۔ جسے دیکھتے اس کی آنکھوں میں مغروریت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ کبھی سکرین پر نظر آتے منظر کو دیکھ کر لب بھینچ لیتی۔۔ کبھی اپنے سلکی بالوں میں انگلیاں پھنسائے لب کاٹتے ہوے سکرین کو دیکھتی۔

شاہ مینشن کے گیٹ کے باہر کھڑی وہی کالے شیشوں والی گاڑی کو وہ سکرین پر دیکھ رہی تھی

جس میں بیٹھا شخص سکرین پر صاف نظر آ رہا تھا۔۔ وہ سگریٹ انگلیوں میں دبائے گاڑی کی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

وہ انسان آج بھی ویسا ہی تھا۔ بلا کا مغرور شاندار۔۔ زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ کر دینے والا ساحرانہ پرسنیلٹی والا۔۔۔۔۔ وہ اس وقت بلیک پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ ہمیشہ کی طرح اگلے دو بٹن کھلے تھے۔۔ سکرین پر اس کی آنکھوں کی سرخی بخوبی واضح ہو رہی تھی۔

جواب پہلے سے کہیں زیادہ سرخی اختیار کر گئی تھی۔ ان سات ماہ میں اس انسان کی آنکھوں کی سرخی بڑھتے ہی دیکھی تھی وہ لب بری طرح بھینچے سکرین پر نظر آنے والے شخص کو دیکھ رہی تھی

مقابل کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

آج کے بعد تمھارے اور میرے راستے جدا ہیں۔ مگر پھر بھی تم ارحام خانزادہ کے حصار میں رہو گی۔ آج کے بعد ارحام خانزادہ کے لیے اس کا بزنس اس کی بیٹی اہمیت رکھیں گے۔۔ تمھارے بارے میں سوچنے کے لیے

ایک لمحہ نہیں ہو گا میرے پاس۔۔۔۔تم سے اب کبھی اپنے جائز حق کا مطالبہ نہیں کروں گا۔۔نہ کبھی تمھارے بدن تمھاری سانسوں پر اپنا حق جتاؤں گا.

واقعی میں ان کے راستے جدا ہو گیے تھے. مگر وہ ان سات ماہ میں اس کے حصار میں رہی تھی۔۔وہ اسے ایک نظر دیکھتا نہیں تھا۔نہ ان سات ماہ میں اس نے اسے اپنا چہرہ دکھایا تھا۔وہ اس کے سامنے نقاب کے بغیر آئی ہی نہیں تھی۔

مگر وہ اسے ایک پل کے لیے اکیلا نہیں چھوڑتا تھا۔۔وہ کالج جاتی تو اس کی گاڑی اس کے پیچھے ہی ہوتی تھی۔۔کالج سے واپسی پر بھی اس کی گاڑی اس

کے ہمراہ ہی ہوتی۔۔اور پچھلے سات ماہ میں ہ ہر ارات شاہ مینشن کے باہر گاڑی میں گزارتا۔

حور اہستگی سے قدم بڑھاتے ہوے سکرین کی طرف بڑھی تھی۔اس کی انگلیاں روز کی طرح اس مغرور انسان کی مغروریت اسے اٹھی ناک کو چھو رہی تھیں۔اور اس کی گھنی بئیرڈ پر اب رسرسراہی تھیں۔

مسٹر خان۔۔۔یقنیناً آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ تبھی تو آپ سایہ بن کر میرے ساتھ رہتے ہیں۔اور تبھی آپ نے وہ چپ میرے اندر انسرٹ کی تھی کہ مجھ پر نظر رکھ سکیں۔افسوس وہ چپ میں نکلوا چکی ہوں۔حور طنزیہ بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

شاہ مینشن آنے پر اس کا کمپلیٹ چیک اپ ہوا تھا۔۔اور حور کو تب پتہ اچلا س ظالم انسان نے اس کے اندر چپ انسرٹ کی ہے۔حور بہت غور سے

ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو بے چینی سے اپنی ٹانگ ہلاتے کبھی اپنی پینٹ کی بیلٹ کو ٹھیک کر رہا تھا۔ کبھی اپنی ہلکی گھنی بیرڈ سہلاتا۔۔ کبھی اپنی پچھلی گردن سہلاتا۔۔ اوہ س کی بے چینیوں کی وجہ سمجھتی تھی۔ وہ یقیناً ابھی بھی اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔۔ اسے دیکھتے سوچتے اس کی یہی تو حالت ہوتی تھی۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایہ سے معلوم تھا۔۔ اور اس کی بے چینیوں اور اس کے بے تحاشا سگریٹ پینے اور رات دن اس کا پیچھا کرنے سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس کا دیوانہ ہے۔۔ اس کے بغیر رہنا اس کے لیے عذاب ہے۔

حور نے ارحام خانزادہ کو دیکھا جو اب جلتا سگریٹ اپنی انگلیوں کے پوروں میں دبائے ہوے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہنے تھا۔ حور کے خوبصورت لبوں پر اب مبہم سی استھزایہ مسکراہٹ تھی۔

آپ سچ میں مجھے نہیں بھولیں مسٹر خان۔۔۔ حور کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔

آپ مجھے بھولیں ہیں یا نہیں مگر آپ کا کیا ہوا ظلم میں کبھی نہیں بھول سکتی۔

Never ever۔۔۔۔۔

حور لفظ چباتی سر نفی میں ہلاتے ہوے بولی تھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

براک کی آمد کا سن کر عابیر تیزی سے مردانے کی طرف بڑھی تھی۔۔ روزینہ خانم نے چبھتی نگاہوں سے عابیر کی پشت کو گھورا

تھا۔۔ براک کا سن کر وہ ایسے ہی پاگل ہو جاتی تھی۔۔ وہ مردانے کی طرف دوپٹے میں ہی چلی گئی تھی۔۔ یہاں تک کہ اپنا چہرہ بھی ڈھکنا بھول گئی تھی۔۔ اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ عابیر خان جیسے خود کو بھی بھول گیی تھی۔

عابیر جلدی سے مردانے میں داخل ہوئی۔۔

براک عابیر کو دیکھتے ہی بھاگتے ہوے اس کے ساتھ لپٹ گیا تھا۔۔

عابیر جان کیسی ہیں آپ؟؟ وہ اس کے ساتھ لپٹتے ہوے خوشی سے چہکتے بولا

۔

میں ٹھیک ہوں براک آپ کیسے ہیں؟؟ عابیر نے جھکتے ہوے اس کے دونوں گال باری باری چومے تھے۔۔ براک نے بھی اس کے گال چومتے اس کا دوپٹہ سر سے اتار دیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے بال

چھوے تھے۔اس کی حرکت پر عابیر سرخ ہوتے لب کاٹ گئی

تھی۔۔ نظریں سامنے بیٹھے دارم خان پر پڑیں تھیں۔وہ بھی شرمندگی سے

عابیر کو دیکھتا اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے نظریں چرا گیا تھا۔عابیر کے

سنہری بال ایک شانے پر بکھرے تھے۔ جنھیں براک نے ابھی تک نہیں

چھوڑا تھا۔

نتیجتاً عابیر ابھی بھی تھوڑا جھکی ہوئی تھی۔براک بال چھوڑو

میرے۔۔۔عابیر نے نرمی سے کہا۔

لیکن عابی جان۔۔۔۔۔میں نے یہ کتنے دن سے چھوے نہیں۔۔مجھے آج

ان کے ساتھ بہت کھیلنا ہے۔۔عابیر نے لب کاٹتے ہوے ایک بار پھر

سامنے بیٹھے دارم خان کو دیکھا جو ابھی بھی نظریں چرائے ہوے تھا۔۔

سمیع اللہ خان کی لاٹھی کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دی تھی۔۔عابیر نے فق رنگت سے دارم خان کو دیکھا تھا۔

براک اس کے بال چھوڑنے کو تیار ہی نہ تھا۔

براک۔۔۔۔۔۔دارم نے بہت ونچی آواز سے براک کو پکارا تھا۔وہ بہت ضدی بچہ تھا۔نرمی سے بات نہیں سنتا تھا۔دارم خان اسے کبھی سختی سے نہیں پکارتا تھا۔براک میں اس کی جان بستی تھی۔مگر عابیر کی قفق رنگت دیکھتے وہ پہلی بار اس نے براک کو سختی سے پکارا تھا۔براک نے عابیر کے بال چھوڑ دیے تھے۔۔مگر اس کی کانچ سی گرے آنکھوں میں آنسو اسی پل جمع ہوے تھے۔۔

جنھیں دیکھتے عابیر تڑپ اٹھی تھی۔اس نے سیدھے ہوتے اپنا دوپٹہ سر پر اچھی طرح جما کر گھور کر دارم خان کو دیکھا۔

کیا ضرورت تھی بچے کو اس طرح پکارنے کی۔۔میں چھڑوا لیتی اپنے بال۔۔۔عابیر نے براک کو خود سے لپٹاتے دارم خان کو گھورتے غصے سے کہا۔براک تو ہچکیوں سے باقاعدہ رونے لگا تھا

عابیر کے اس طرح گھورنے پر دارم خان بری طرح سٹپٹایا تھا۔۔اس نے دانت کچکچاتے اپنے بیٹے کو دیکھا جو اس طرح کے ڈرامے کرنے میں ماہر تھا۔وہ جانتا تھا۔وہ جھوٹ موٹ ہچکیاں بھر رہا تھا.

عابیر براک کا ہاتھ پکڑے غصے سے وہاں سے واک آوٹ کر گئی تھی۔براک نے پیچھے مڑتے دارم کو منہ چڑایا تھا۔وہ عابیر کے دارم کو ڈانٹنے پر بہت خوش تھا۔دارم نے شعلہ بار نگاہوں سے براک کو گھورا تھا۔وہ عابیر کے ساتھ لپٹتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

دارم خان عابیر کے جانے کے بعد اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بے اختیار ہنس پڑا تھا۔۔

.....

کیسی ہیں مورے اسفندیار خان نے روزینہ خانم کو ویڈیو کال پر دیکھتے کہا ۔ نظریں اور سماعتیں بے چینی سے کسی کی منتظر تھیں۔ روزینہ خانم لاونج کے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ سامنے پڑی ٹیبل پر لیپ ٹاپ پڑا تھا۔ جس پر وہ آج اسفندیار خان سے ویڈیو پر بات کر رہی تھیں۔۔ اسفند بہت بے چینی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلا رہا تھا۔ آنکھوں میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔ وہ دو دن سے سویا ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنے فیلیٹ سے نہیں نکلا تھا۔۔ عابیر کا ہنسنا مسکرانا اسفندیار خان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔ وہ کمرے میں آتے اپنے بالوں میں برش کرتے اپنے بالوں کو چھوتے مسکراتی

رہتی۔۔بیڈ پر لیٹ کر بھی وہ مسکراتے ہوے کچھ سوچتے سو جاتی۔۔اسفند یار خان سے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہوتا جارہا تھا۔اس کے سینے میں آگ سے دہک رہی تھی.

میں ٹھیک ہوں تم اپنا سناؤ۔۔روزینہ خانم نے مسکراتے ہوے کہا۔

لاونج میں عابیر کے کھل کھلانے کی آواز گونجتی اسفند یار خان کو سنائی دی۔۔جو اسفند یار خان کو سنائی دیتی مزید بے چین کر گئی تھی۔

اسفند نے اظطرابی انداز میں ٹانگ ہلاتے اپنی گھنی بیرڈ سہلائی۔۔

عابیر کے کھل کھلانے پر روزینہ خانم نے ناگواریت سے منہ بنایا تھا۔

اپنا بیوی کا کرتوت دیکھا ہے تم نے؟؟روزینہ خانم نے سامنے دیکھا جہاں عابیر براک کے پیچھے بھاگتے کھیل رہی تھی۔

کیا ہوا ہے ؟؟۔۔ اسفند صوفے پر بے چینی سے سیدھا ہوا تھا۔۔

تمھارا بیوی کو محبت ہو گیا ہے وہ بھی جنونی قسم کا۔ روزینہ خانم کی بات پر اسفندیار خان کے چہرے کا رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔

کیا کہہ رہی ہیں مورے ؟؟۔۔ اسفند نے مٹھیاں دبوچی تھیں۔ آواز حلق میں ہی اٹکی تھی۔ اس کے منہ سے لفظ نکلے ہی نہیں تھے۔۔ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر ہوا تھا۔

تمھارا بیوی کو ایک سات سالہ بچے سے عشق ہو گیا ہے۔ ہر ٹائم براک ہو اور تمھارا بیوی ہو۔۔ قسم سے وہ بچہ کم افلاطون زیادہ ہے۔۔ اتنا شرارتی ہے کیا بتاؤں ؟؟۔ کتنا مہنگا ڈیکوریشن کا پیس توڑ دیا۔ مگر توبہ کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا ہے۔ تمھارا بیوی کسی کو کچھ کہنے نہیں دیتا۔

ہر ٹائم وہ براک براک کرتا پھرتا ہے۔۔ کوئی مرے یا جیے اسے پرواہ نہیں۔۔

ادھر سے کھانا بن کر براک کے لیے جاتا ہے۔اس کا سکول کا لنچ باکس بھی تیار کر کے عابیر روز رحیم خان کے ہاتھ بجھواتا ہے۔۔روزانہ رحیم خان اتنی دور گاڑی پر دے کر آتا ہے۔۔ تمھارا بیوی یہ فضول حرکات کر رہا ہے۔کوئی اسے کچھ نہیں کہتا۔۔الٹا سب اس کا ساتھ دیتا ہے۔۔روزینہ خانم منہ بنائے لہجے میں کڑواہٹ لیے بتا رہی تھیں۔۔اسفندیار خان کی رنگت اشتعال کے مانند سرخ پڑ رہی تھی۔۔اسے اب سمجھ ائی تھی اس کے خوش رہنے کی وجہ۔۔۔۔ مگر پھر بھی وہ تندور کی مانند دہک رہا تھا۔۔اسفند نے جھنجھلاتے ہوے ہوے اپنی پچھلی گردن سہلائی۔۔وہ ایک سات سال کے

بچے سے اتنی جلن محسوس کر رہا تھا کہ اسے آگ کی لپیٹیں اپنے گرد محسوس ہو رہی تھی۔

براک میرے بال چھوڑو۔۔۔عابیر کی چیختی آواز سنائی دی تھی۔اسفند عابیر کی آواز سنتے مزید جھنجھلایا تھا۔براک نے عابیر کے بالوں کو پکڑا ہے۔۔اس کے بالوں کو چھوا ہے۔وہ مزید دہکا تھا۔شعلوں کی مانند دہکا تھا وہ۔۔

تمھارا بیوی کا بال براک کو بہت پسند ہے۔۔ہر تھوڑی دیر بعد تو اس نے تمھارا بیوی کا بال چھونا ہوتا ہے۔اور تمھارا بیوی بھی بال کھول کر رکھتا ہے کہ براک کو اس بال بہت پسند ہے۔۔یہ سنتے اسفند کی رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔اسفند کی مٹھیاں اتنی زور سے بھینچی تھی کہ بند مٹھی کی کڑکڑاہٹ گونجی تھی۔۔۔

عابی جان۔۔۔۔۔مجھے آپ کے ہاتھ کا پاستہ کھانا ہے۔میں یہ رائس نہیں کھاؤں گا۔براک کی آواز اسفندیار کو سنائی دی تو اسفند نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔وہ عابیر کو جان کہہ رہا تھا۔۔اسفند کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔جان تو اس نے آج تک نہیں بولا تھا۔۔اسفندیار خان دہکتے تندور کی مانند جل رہا تھا۔۔

اوکے براک جان۔میں بنا دیتی ہوں مگر ایک شرط پر عابیر کی آواز سنائی دی ۔۔اسفند تو یہ سب سنتا جیسے جلتے توے پر بیٹھا تھا۔۔اسفنڈ نے جھنجلاتے ہوے سگریٹ ٹیبل سے اٹھائے اسے لایٹر سے سلگاتے لبوں میں دبایا۔

کیا عابی جان۔۔۔۔براک نے اپنی گرے آنکھیں پھیلائیں۔عابیر کھل کھلا کر ہنسی تھی۔آپ کو میرے ساتھ کچن میں چلنا ہو گا میرے پاس وہاں

رہیں گے پھر بناؤں گی۔۔عابیر مسکرائی ہوے بولی۔اوکے ڈن۔۔۔مگر آپ سر پر دوپٹہ نہیں لیں گی۔۔براک نے بھی جواباً شرط رکھی تو عابیر کی کھل کھلاہٹ ایک بار پھر سے گونجی تھی۔

اسفند گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر قابو پا رہا تھا۔

برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔اٹھایس سالہ مرد ہو کر وہ ایک بچے سے اتنی جلن محسوس کرے گا کہ اس کے اندر آگ کی لپیٹیں اٹھیں گی۔وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

کون ہے یہ براک؟؟۔۔اسفند نے روزینہ خانم سے پوچھا جو کب سے اپنے سامنے صوفے عابیر اور براک کو گھور رہی تھیں۔۔عابیر اور براک کے وہاں سے جانے پر وہ اسفند کی طرف متوجہ ہوئیں۔

تمھارے داجی کا دور کا رشتہ دار ہے۔۔اس کا بیٹا دارم خان ہے۔سنا ہے زاران کا بہت اچھا دوست ہے۔۔زاران کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے آج کل؟؟ادھر کا ایم این بے بھی ہے۔براک اس دارم خان کا بیٹا ہے۔

اس کا بیوی آج سے چھ سات ماہ پہلے کینسر کی وجہ سے اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔۔براک کا دادی تھا۔وہ براک کا دیکھ بھال کرتا تھا۔وہ بھی کچھ دن پہلے اللہ کو پیارا ہو گیا۔اس دن عابیر بھی امینہ بھابھی کے ساتھ براک کی دادی کا جنازہ پر گیا تھا۔۔ہم بھی گیا تھا۔۔براک کو روتا ہوا یہی چپ کرواتا رہا تھا۔۔۔براک کی خاطر یہ سارا دن دارم کی حویلی میں رہا۔۔امینہ خانم بھی عابیر کے ساتھ ہی رکا تھا۔۔

اس دن کے بعد براک روز ہی عابیر سے ملنے آتا ہے۔۔ دارم براک کو ادھر چھوڑ جاتا ہے اور رات کو اس کو لے جاتا ہے۔۔ امینہ خانم تفصیلاً بتا رہی تھی۔

۔

اسفند لب بھینچے اپنی ٹانگ اظطراری کیفیت میں ہلاتے سن رہا تھا۔۔ مگر ہم کو تمھارا بیوی کا اس بچہ کے ساتھ محبت پسند نہیں آیا۔۔ وہ اتنا پاگل ہے براک کے لیے کہ آج اس کا آمد کا سن کر دوپٹے میں مردانے میں چلا گیا۔۔

اپنا چہرہ بھی نہیں ڈھکا۔۔۔ اب مردانے میں صرف براک تو نہیں تھا دارم بھی تھا۔۔ روزینہ خانم کی بات سنتے ہی اسفندیار خان لیپ ٹاپ بند کر چکا تھا۔۔ وہ مزید نہیں سن سکتا تھا

اسفند نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔۔ اسفند کے پورے وجود کی نیلی رگیں ظاہر ہوئیں تھیں۔

اپنا چہرہ بھی نہیں ڈھکا۔۔اب مردانے میں صرف براک تو نہیں تھا دارم خان بھی تھا۔۔روزینہ خانم کے لفظ سماعتوں میں سنائی دیے تو اسفندیار خان نے لیپ ٹاپ اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر مارا تھا۔ آنکھیں لہو چھلکانے لگی تھیں۔

تمھارا بیوی کا بال براک کو بہت پسند ہے۔۔اسفندیار نے سیدھے ہوتے اب ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔

عابی جان۔۔۔۔براک کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو اسفند نے اپنے پاوں کی ٹھوکر ٹیبل کو رسید کی تھی جو الٹتے ہوے دور جا گری تھی۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہارے نے مٹن چانپ کو دم لگاتے گہرا سانس لیا تھا۔

درخشاں یہ کیا کر رہی ہو؟؟۔ بہارے نے درخشاں کو جھنجھلاتے ہوے پکارا جو مٹن کڑاہی میں دہکتا کوئلہ رکھ رہی تھی۔۔

کیا ہوا باجی آپ نے خود ہی تو کہا کہ اسے کوئلے کا دم دینا ہے۔ درخشاں نے بہارے کے پکارنے پر پوچھا۔

کوئلے کو روٹی کے ٹکڑے کے اوپر رکھ کر کڑاہی میں دم دو۔۔

بہارے نے تھکے تھکے انداز میں کہتے پھر سے گہرے سانس لیے تھے۔ وہ اپنے سر کو تھامتے کچن میں موجود ڈائینگ ٹیبل کے گرد چیئر پر بیٹھ کر سر ہاتھوں میں جکڑے آنکھیں موند گئی تھی۔

آج پھر شام سے سر میں درد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور بنا اپنی پرواہ کیے تب سے ہی شہرام کے لیے مختلف کھانے تیار کر رہی تھی۔۔ اسے اس کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا۔۔

وہ شہرام کو سرپرائز کرنا چاہتی تھی۔ شہرام اسے کچن میں قدم نہیں رکھنے دیتا تھا۔ وہ اسے بنا بتائے ہی اس کے لیے ڈنر تیار کر رہی تھی۔

پچھلے تین گھنٹوں میں اس نے درجنوں ڈشز بنالی تھیں۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔۔ دو دن سے موومنٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ابھی ہلکی سی موومنٹ محسوس ہوئی تو بہارے کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ مبہم سا مسکرائی تھی۔ دو دن سے وہ اس بات پر بھی ٹینشن لے رہی تھی کہ موومنٹ کیوں نہیں ہو رہی تھی۔ اسے

یہ بچہ جان سے بڑھ کر عزیز تھا کیونکہ اس میں شہرام کی سانسیں بستی تھیں۔ اور اس کی سانسیں شہرام میں بستی تھیں۔

بہارے باجی آپ آرام کرلو آپ کب سے کام کر رہا ہے۔ آپ کا طبعیت ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔ درخشاں نے بہارے کی پر مشدہ حالت دیکھتے کہا۔

میں شاور لے کر تیار ہونے لگی ہوں۔ تم فرائیڈ رائس کو پانچ منٹ بعد دیکھ لینا اور باقی ڈشز کو دس منٹ بعد دم سے ہٹانا۔ اور گاجر کے حلوے پر میں خود ڈرائے فروٹ گارنش کروں گی۔۔ تم مت کرنا شہرام بہت باریک گارنش پسند کرتا ہے۔ بہارے نے چیئر سے کھڑے ہوتے ہدایت دیں۔ اللہ باجی اس ٹائم نہائے گا۔ باہر کتنا سردی پڑ رہا ہے پھر آپ اس حالت میں ہے۔ درخشاں نے بہارے کو دیکھتے پریشانی سے کہا۔

وہ روز ہی رات کو شاور لیتی تھی۔۔ مگر کچھ دن سے سردی زیادہ پڑ رہی تھی۔۔ اس لیے اس نے اسے روکنا چاہا تھا۔

باہر سردی ہے مگر اندر نہیں۔۔ اور میں گرم پانی سے نہاؤں گی ٹھنڈے پانی سے نہیں۔۔ بہارے درخشاں کو سنجیدگی سے کہتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

بہارے بلو کلر کے خوبصورت گہرے چنٹوں والے فراک میں ملبوس تھی۔ کندھے پر ایک سائیڈ گرم بلو ایمبرائڈری پشمینہ شال ڈال رکھی تھی۔ براؤن سلکی بال بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ پنک لپ سٹک لگائے اور آنکھوں میں کاجل لگائے وہ تیار تھی.

بہارے مرر میں دیکھتے سرخ گلاب ہوتے مسکرائی تھی۔ شہرام اسے دیکھتے پاگل ہو جائے گا وہ جانتی تھی۔ شہرام کی محبت شہرام کی جنونیت یاد آئی تو وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔۔۔ وہ ساری رات اسے اپنی بانہوں میں نرمی سے رکھتا تھا۔۔ اس کے پیٹ پر نرمی سے اپنا ہاتھ پھیرتے اس کے عارض کو لبوں سے چھوتا رہتا تھا۔۔۔ وہ بہت کم اس سے اپنا حق لیتا تھا۔ بہارے جانتی تھی وہ بچے کی وجہ سے اس کا خیال کرتا ہے۔۔ وہ بہت مشکل سے اپنے جواں جذبوں پر کنٹرول کرتا ہے۔ مگر بہارے کو یہ بات بھی چبھتی تھی۔۔ وہ ہمیشہ اس کی دیوانگی جنون بننا چاہتی تھی۔ آج وہ خاص طور پر اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔۔

بہارے نے موبائل میں ٹائم دیکھا جہاں رات کے آٹھ بج رہے تھے۔۔۔ وہ آج ہاسپٹل سے پانچ بجے ہی حویلی آگئی تھی۔ شہرام اسے خود حویلی چھوڑنے

آیا تھا۔۔ مگر ہاسپٹل میں کچھ امیر جنسی ہو گئی تھی۔۔ جس کی وجہ سے شہرام دوبارہ سے ہاسپٹل چلا گیا تھا۔

بہارے نے شہرام کا نمبر ڈائل کرتے کان سے لگایا۔۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ مگر شہرام نے فون اٹھایا نہیں تھا۔۔ بہارے نے حیرانگی سے پھر سے اس کا نمبر ڈائل کیا۔۔ وہ ہمیشہ اس کا فون اٹھاتا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔ کتنی بڑی میٹنگ ہو کچھ بھی ہو جائے وہ دوسری بیل پر اس کا فون اٹھا لیتا تھا۔۔

بہارے نے تین مرتبہ شہرام کا نمبر ڈائل کیا جو بیل ہونے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔۔ شہرام اٹھا نہیں رہا تھا۔۔ بہارے اب کی بار پریشان ہوئی تھی۔

بہارے نے پریشانی سے ہاسپٹل فون لگایا۔

میں ڈاکٹر بہارے بات کر رہی ہوں۔ شہرام اس وقت کہاں ہیں؟؟۔ سپیکر پر رسیپشسنٹ کی گونجتی آواز پر بہارے نے اپنا تعارف کرواتے پوچھا۔

ڈاکٹر بہارے سر شہرام تو کچھ دیر پہلے ڈاکٹر آیزل کے ساتھ باہر نکلے ہیں۔ رسیپشسنٹ شایستگی سے بولی تھی۔

یہ سنتے ہی بہارے کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر زمین بوس ہوا تھا۔

بہارے گہرے سانس لیتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔۔ بہارے نے اب جلدی سے دیوار کا سہارا لیتے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔

وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔۔ شہرام ائزل کے ساتھ باہر گیا ہے۔۔ وہ پانچ بجے سے ہاسپٹل میں ڈاکٹر آیزل کے ساتھ تھا۔ ڈاکٹر آیزل کی تورات

کی ڈیوٹی تھی۔ جو نو بجے شروع ہونی تھی۔۔ وہ ہاسپٹل کب آئی اور شہرام اس کے ساتھ کہاں گیا تھا

بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے لرزتے وجود کو بمشکل سنبھالت فون زمین سے اٹھائے کانپتے ہاتھوں شہرام کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ دل اور وجود میں آندھیوں کے جکڑ چل رہے تھے۔ دل میں دہکتے تندور کے بھانبھڑ جل رہے تھے۔۔ ڈاکٹر آیزل کا وجود کسی قیمت پر بھی شہرام کے گرد برداشت نہیں تھا۔

اس کا فون پھر سے نہیں اٹھایا گیا تھا۔ بہارے نے روتے ہوے ایک بار پھر سے شہرام کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل مسلسل جا رہی تھا۔۔ وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا ۔ وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہا تھا وہ سب سمجھ رہی تھی۔ بہارے نے روتے ہوے پاگلوں کی طرح اس کا نمبر پھر سے ڈائل کیا۔ اس کے ہاتھوں میں فون

لرز رہا تھا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے فون ہاتھ میں پکڑے اس کا فون ملا رہی تھی ۔وجود میں جلتے آلاؤ نے تیزی اختیار کی تھی۔ بہارے نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ایک بار پھر سے شہرام کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

پانچویں بار فون کرنے پر اس کا فون اٹھالیا گیا تھا۔ بہارے ٹھیک ہو تم اتنے فون کیوں کیے ؟؟۔۔۔ شہرام کی پریشان واز سپیکر پر گونجی تھی۔

کہاں ہو تم ؟؟ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی بھیگی لرزتی آواز پر بمشکل قابو پاتے پوچھا۔ شہرام اس آواز میں شبنم محسوس کر چکا تھا۔

میں راستے میں ہوں تھوڑی دیر تک پہنچتا ہوں۔ شہرام نے محتاط ہوتے ب سنجیدہ آواز میں کہتے اپنے ساتھ بیٹھی ڈاکٹر آیزل کو دیکھا تھا۔ اس نے پریشانی سے اپنی کنپٹی مسلی تھی. اپنی بیوی کی آواز میں زلزلوں کی ذدوہ

محسوس کر چکا تھا۔ تھوڑا بہت وہ سمجھ چکا تھا اسے پتہ چل گیا ہے وہ آیزل کے ساتھ ہے۔

کس کے ساتھ ہو تم ؟ بہارے نے شہرام کے جھوٹ پر چیختے ہوے پوچھا۔۔

شہرام نے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ڈاکٹر آیزل کو دیکھتے سپیکر پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ بہارے اتنی زور سے چیخی تھی باہر تک آواز آئی تھی. بہارے میں نے کہا میں راستے میں ہوں گھر آکر بات کرتا ہوں۔ شہرام نے اب کی بار خود کے غصے پر قابو پاتے آہستگی سے کہا۔اس کے یوں چیخنے پر اس کی دماغ کی رگیں نہ چاہتے ہوے بھی پھڑک گئی تھیں۔

مجھے ابھی بات کرنی ہے اس وقت کس کے ساتھ ہو تم ؟؟

بہارے فون پر حلق کے بل چیخی تھی۔۔

آہستہ چیخو یہ کس طرح بات کر رہی ہو تم؟؟۔ شہرام نے فون دوسرے کان سے لگائے ایک نظر ڈاکٹر آیزل کو دیکھتے لب بھینچے کہا تھا۔

تم آیزل کے ساتھ ہو۔۔ بہارے فون پر اب شدت سے رو دی تھی۔۔ شہرام نے اس کے یوں رونے پر جبڑے بھینچتے فون بند کرتے غصے سے ڈیش بورڈ پر پٹخا تھا۔۔ ڈاکٹر آیزل نے شہرام کو ایک نظر دیکھتے سپاٹ انداز میں ونڈ سکرین پر نظریں جمائیں تھیں۔۔

شہرام نے اضطرابی انداز میں اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ فون ایک بار پھر سے بجنا شروع ہو گیا تھا۔

شہرام نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچتے فون ڈیش بورڈ سے اٹھائے کال کاٹی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے فون پھر سے وائبریٹ ہونا شروع ہو چکا تھا

شہرام نے غصے سے ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روکی۔۔ڈاکٹر آیزل نے بمشکل ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھتے اپنا سر ٹکرانے سے بچایا۔

وہ فون ڈیش بورڈ سے اٹھائے اپنی سائیڈ کا دروازہ دھاڑ سے کھولتے باہر نکلا۔۔شدید بارش نے اس کا استقبال کیا تھا۔بارش کی بوچھاڑ میں وہ ایک لمحے میں گیلا ہو چکا کیتھا۔شہرام نے فون رسیو کرتے کان سے لگایا۔۔

بہارے میں حویلی ہی آرہا ہوں۔ تھوڑی دیر تک آجاؤں گا مسئلہ کیا ہے۔

شہرام دبے آواز میں چیخا تھا۔۔

تم آیزل کے ساتھ کیا کر رہے ہو شہرام؟؟۔۔۔ سپیکر بہارے کی روتے ہوے سسکاریاں گونجی تھیں۔ شہرام نے اس کے اس طرح رونے پر جھنجھلاتے ہوے اپنی پیشانی مسلی۔

وہ بری طرح پچھتایا تھا وہ ڈاکٹر آیزل کے ساتھ آیا ہی کیوں؟؟ یہ گھر جانے کا ٹائم تھا اس کے لیٹ ہونے پر اس کی پوزیسیو جذباتی بیوی نے یہی سب کچھ کرنا تھا۔۔ اور آج پتہ نہیں فون کیسے سائلنٹ پر رہ گیا۔۔ اگر وہ پہلی کال رسیو کر لیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔۔ شہرام نے جھنجھلاتے ہوے برستی بارش کو دیکھا تھا۔۔ بہارے کی کال سننے کے لیے وہ تھٹھرتی بارش میں پورے پورا گیلا ہو چکا تھا۔

آیزل کے پاس آج کوئی کنوینس نہیں تھی۔ ۔شدید طوفانی بارش کی وجہ سے وہ کیسے گھر جاتیں. میں اسے گھر ڈراپ کرنے جا رہا تھا ۔۔شہرام نے جھنجھلاتے ہوے وضاحت دی۔

جھوٹ۔ شہرام۔۔۔۔۔ جھوٹ بول رہے ہو بہانہ بنا رہے ہو تم۔۔ اگر مجھے ہاسپٹل فون کرنے پر پتہ نہ چلتا تو تم مجھے پتہ ہی نہ لگنے دیتے کہ تم ڈاکٹر آیزل کو پک اینڈ ڈراپ سروس دیتے رہتے ہو۔۔۔ وہ فون پر روتے ہوے چیخی تھی۔

تم نے میرا پتہ کرنے کے لیے ہاسپٹل فون کیا تھا؟؟۔ شہرام کی آواز سرد ہوئی تھی۔

ہاں کیا تھا اور شکر ادا کرتی ہوں میں نے ہاسپٹل فون کیا۔۔ ورنہ مجھے کیسے پتہ چلتا تم یہ سب کرتے پھر رہے ہو۔۔۔ بہارے دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے شدت غم سے روتے ہوئے بولی تھی۔

بہارے کی بات سنتے شہرام کا پارہ ہوا تھا۔۔ شہرام کے مٹھیاں خود بخود بھینچی تھیں۔

اب پتہ چل گیا ہے میں یہ سب کرتا پھر رہا ہوں۔۔ اب بیٹھ کر اونچا اونچا ماتم مناؤ۔۔۔ شہرام غصے سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔

بہارے فون زمین پر پوری قوت سے مارتے چیخیں مار مار کر رونے لگی تھی۔ وہ نہیں برداشت کر سکتی تھی شہرام کے قریب کسی بھی دوسری عورت کا سایہ۔۔۔ ڈاکٹر آیزل کا وجود تو اسے کانٹوں کی طرح چبھتا تھا۔

بہارے نے روتے ہوئے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ اسے ہلکے ہلکے فٹس سے لگ رہے تھے۔ پیٹ پر لوئر سایڈ پر دباؤ پڑھ رہا تھا۔ جو اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اسے پین سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اس حالت میں شدید ٹینشن لے تھی۔۔ اب طبعیت بگڑ رہی تھی۔ سر کا درد بھی شدت اختیار کر گیا تھا۔ بہار نے بری طرح رو دی تھی۔

وہ اپنے بچے سے بھی کہیں زیادہ شہرام کو چاہتی تھی۔ خود سے بھی بڑھ کر۔۔۔ ڈاکٹر آیزل شہرام سے محبت کرتی ہے۔ اس لیے وہ اسے لیے کر انسکیور تھی اور ضرورت سے زیادہ اس سے جیلس بھی ہوتی تھی۔۔ بہارے

نے روتے ہوے اپنی آنکھوں سے بے دردی سے آنسو صاف کیے۔۔ وہ غصے اشتعالسے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولتے باہر آئی۔۔ لاونج میں آتے ہی اس نے چیختے ہوے درخشاں کو پکارا تھا۔

جی بہارے باجی۔۔۔ وہ بھاگتی ہوئی تھی۔۔ سات ماہ بعد بہارے کو دورہ پڑا تھا۔۔ وہ یوں چیخ رہی تھی۔۔

بہارے کی حالت دیکھتے وہ پریشان ہوئی تھی۔۔ شال ایک کندھے پر لٹک رہی تھی۔۔ بکھرے بال سرخ متورم چہرہ وہ روتے ہوے بری طرح لرز بھی رہی تھی.

امینہ خانم بھی لاونج میں آتے ٹھٹھک کر ایک پل کے لیے رکی تھیں۔۔

بہارے سسکیاں بھرتے اپنے پیٹ کے نچلے حصے پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔

وہ یہ دیکھتے پریشانی سے بہارے کی طرف بڑھیں۔ مگر بہارے کی اگلی بات سنتے ان کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

سارا کھانا اٹھا کر حویلی سے باہر پھنکوا دو۔۔ بہارے نے روتے ہوے درخشاں کو حکم دیا۔

کیا کہہ رہا ہے یہ تم بہارے باجی؟؟ درخشاں نے نا سمجھی سے بہارے کو دیکھا ۔۔

سارا کھانا باہر پھینک دو۔۔ بہارے غصے سے چیخی تھی۔

لیکن بہارے باجی۔۔۔۔ آپ نے یہ سب شہرام لالا کے لیے بنایا ہے وہ آتا ہی ہو گا۔ درخشاں نے جلدی سے کہا۔۔

میں نے بنایا تھا اب میں ہے کہہ رہی ہوں۔۔ سارا کھانا پھینک دو۔۔ بہارے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے سرد لہجے میں بولی۔

لیکن باجی ابھی آٹھ بھی نہیں بجا۔۔ لالا بیچارہ آتا ہی ہو گا۔ اور حویلی کا مرد لوگ کسی نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا اگر سب کھانا پھینک دے گا تو وہ سب کیا کھائے گا۔۔ درخشاں نے پریشانی سے کہا۔ بہارے کی ضدی طبعیت سے واقف تھی۔۔ وہ کھانا پھنکوا کر ہی دم لے گی۔۔ اور رات کے کھانے میں باقی سب کیا کھائیں گے۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔ درخشاں بہارے کے رونے پر سمجھ گئی تھی کہ شہرام آج لیٹ ہو چکا ہے اس لیے بہارے اتنا رو رہی ہے۔ اپنا غصہ نکال رہی ہے۔۔ وہ شہرام کو لے کر کتنی حساس تھی۔ حویلی میں اب سب جانتے تھے۔

حویلی کے مرد جائیں باڑھ میں۔۔۔۔۔۔یہ کھانا تم باہر پھینک دو بس۔۔۔وہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں تھی۔۔شہرام کو آیزل کا ساتھ سوچتے ہی وہ درد و کرب کی انتہا پر تھی۔۔وہ ابھی ے اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔وہ ابھی بھی آیزل کے ساتھ ہے وہ تو مرنے والی ہو رہی تھی.

بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔امینہ خانم بہارے کو سختی سے پکارتے اس کی طرف بڑھیں۔۔وہ مزید اس کی بد تمیزی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

تمھیں کسی بات کا تمیز نہیں۔۔تم کس کے بارے میں کیا اور کیسے بات کر رہا ہے؟؟۔حویلی کا مرد لوگ میں تمھارا بابا تمھارا دادا جی بھی شامل ہیں۔جسے تم بنا کسی شرم کے کہہ رہا ہے بھاڑ میں جاؤ۔بہت برا تربیت کیا ہے روزینہ خانم

نے تمھارا۔ امینہ خانم بہارے کے مقابل آتے اس کے سسکتے لرزتے وجود پر قہربار نگاہ ڈالتے ناگواریت سے بولی۔

آپ نے کیسی تربیت کی ہے یہ بھی سب جانتے ہیں۔ بہارے نے روتے ہوے تنک کر جواب دیا تھا۔

بہارے کے جواب پر امینہ خانم کی برداشت کی حد جیسے ختم ہوئی تھی۔۔ رنگ غصے سے سرخ ہوا تھا۔

کیسا تربیت کیا ہے ہم نے ؟۔۔ بتاؤ ذرا ہم کو۔۔ ہمارا بیٹی عابیر نے کبھی تمھارا مورے کو جواب نہیں دیا۔ اس کے آگے رات دن ملازموں کی طرح کھڑا رہا۔ تمھارا بھائی نے بدلہ کی خاطر ہمارا عابیر سے شادی منایا اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ کبھی دیکھا اس کو اس طرح چلاتا ہوا۔۔ غلطی تمھارا نہیں ہمارا بیٹا کا

ہے۔۔ جس نے تم کو اتنا سر پر چڑھا کر رکھا ہے۔ امینہ خانم غصے سے گرجی تھیں۔

بہارے کی بدتمیزی انھیں اچھا خاصہ سلگا چکی تھی۔

کیا سر پر چڑھا رکھا ہے اس نے ؟؟۔۔ آپ کے بیٹے جیسا کوئی بے رحم سفاک نہیں ہے۔ بہارے شدت غم سے روتے ہوے سسک پڑی تھی۔ وہ ایزل کے ساتھ ہے اس کا وجود کانٹوں پر گھسٹ رہا تھا۔

تم سچ میں ناشکرا عورت ہے۔ پورا حویلی جانتا ہے تم کو پھولوں کی طرح رکھا ہوا ہے ہمارا شہرام نے۔ یہاں تمھارے منہ سے کوئی بات نکلتا نہیں۔۔۔ وہ پورا پہلے کرتا ہے۔۔ سانس بعد میں لیتا ہے۔ بیچارہ کا سانس تب تک لینا حرام ہوتا ہے۔ جانتا ہے وہ جب تک پورا نہ کیا تم ایسے ہی واویلا مچائے گا۔

تمھارا آگے پیچھے پھرتا ہے۔ کھانا تک وہ تمھیں اپنے ہاتھوں سے کھلاتا ہے۔

اور کیا چاہتا ہے تم۔۔۔ کیا کرے وہ بیچارہ تمھارا واسطے کیا اپنا سر کٹوا

دے۔۔ پھر خوش ہو گا۔۔ لگتا ہے کوئی انوکھا بچہ پیدا کر رہا ہے۔۔

تم جو ہر ٹائم نخرہ ہر ٹائم کا واویلا۔۔۔ امینہ خانم نے غصے سے بہارے کو

گھورتے اس کی اچھی خاصی کلاس لی تھی۔۔۔ بہارے پیٹ پر ہاتھ رکھے

روتے ہوے انھیں دیکھ رہی تھی

۔تم کو بھی پتہ چلتا جب ہمارا شہرام عابیر کا بدلہ تم سے لیتا۔ تم پر سوتن

لاتا۔۔ پھر تمھارا ہمت نہ پڑتا ہم سے اس لہجے میں بات کرنے کا۔۔۔

کیوں لاتا وہ مجھ پر سوتن۔۔ ایسا بھی کیا کیا ہے میں نے۔۔ امینہ خانم کی سوتن

والی بات پر وہ بلبلاتے ہوے چیخ پڑی تھی۔۔ سوتن والی بات برداشت نہیں

ہوئی تھی۔ وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی جیسے۔۔ بہارے کی آواز اچھی خاصی اونچی تھی۔ درخشاں نے پریشانی سے بہارے کو دیکھا تھا۔۔

پلوشاں بھی اپنے کمرے سے نکلتے باہر آئی تھی۔

روزینہ خانم جو لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ بہارے کی چیخ سنتے وہ رکی تھیں۔۔ بہارے کو یوں روتے دیکھ کر وہ اس کی طرف پریشانی سے بڑھیں۔ بہارے پیٹ پر ہاتھ رکھے لرزتے ہوئے سکیوں سے رو رہی تھی۔

کیونکہ تمھارا حرکتاں ایسا ہے اس لیے تم جیسا عورت پر سوتن آنا بڑا بات نہیں۔۔ کوئی اور حویلی کا مرد ہوتا۔ وہ اب تک شادی منا بھی چکا ہوتا۔۔ وہ ہمارا شہرام ہے جو تم جیسا عورت کو برداشت کرتا ہے اور پتہ ہے وہ کیوں

کرتا ہے کیونکہ ہمارا تربیت ہے اس کا اندر۔۔۔۔۔ جس تربیت کا تم ہم کو طعنہ دیتا ھے۔ امینہ خانم اپنے سینے پر ہاتھ مارتے کاٹ دار لہجے میں بولیں۔ بہارے کی تربیت والی بات اور اس کی بد تمیزی پر ان کا خون کھول گیا تھا۔

عابیر کی وجہ سے بھی ان کا ظبط ختم ہو رہا تھا۔۔ بہارے کی کچھ طبعیت کی وجہ سے وہ خاموش تھیں۔ اور دوسرا وہ نہیں چاہتی تھیں اسفندیار خان تک کوئی بات پہنچے۔۔ وہ اسفندیار خان کا دل نرم ہونے کی امید لگائے بیٹھی تھیں۔ مگر آج ان کے برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی۔۔

بہارے روزینہ خانم کی بات پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔۔ شہرام کی دوسری شادی والی بات پر وہ پاگل ہو رہی تھی جیسے۔۔۔ روزینہ خانم کچھ بھی

کہہ لیتی یہ نہ کہتی۔۔ شہرام کی دوسری شادی کو لے کر اس کے اندر کتنا خوف تھا۔ یہ وہی جانتی تھی۔

بھابھی یہ کیا کہہ رہا ہے؟؟۔۔ اس کا حالت تو دیکھو تم۔۔ تمھارا وارث پیدا کر رہا ہے ہمارا بیٹی۔۔۔ اس حویلی کا وارث۔۔ سب سے چھوٹا بہو ہے تمھارا ۔۔ مگر وارث ہمارا بیٹی دے رہا۔ تمھارا شہرام کا بیٹا کچھ ہی دنوں تک۔۔ ۔۔ تم کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ تم اس سے اس طرح بات کر رہا ہے۔ ۔روزینہ خانم نے بہارے کے لرزتے وجود کو کندھوں سے تھامتے غصے سے کہا۔ بہارے بمشکل ہی کھڑی تھی۔ اس کا ہچکولے بھرتا وجود بری طرح سسکیاں بھر رہا تھا۔۔ سوتن والی بات پر اس کا دل جیسے آہیں بھر رہا تھا۔ پورے وجود میں ٹوٹے کانچ کی برچھیاں چبھ رہی تھیں۔ وہ اس وقت

آیزل کے ساتھ تھا اور امینہ خانم کی باتوں سے اس کے دل و دماغ میں تپش اٹھ رہی تھی۔ اس کی سسکیاں حویلی کے لاونج میں گونج رہی تھیں۔

اب تو باقی ملازمائیں بھی آگئی تھیں۔ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ امینہ خانم کی آواز پہلی مرتبہ یوں اونچی ہوئی تھی۔۔

کیا کہا ہے ہم نے تمھارا بیٹی کو؟؟۔۔۔ مارا ہے یا اپنا بیٹا کے ہاتھوں ذلیل کروایا ہے۔ جب سے رخصتی ہوا اس نے ہمارا کوئی کام کیا۔۔ کبھی ہم سے پانی کا پوچھا۔

یہ جب چاہے اٹھتا ہے۔ جب چاہے سوتا ہے۔۔ اپنا شوہر کے ساتھ ہسپتال جاتا ہے۔ اس کے ساتھ آتا ہے۔ کبھی جاتے ہوے ہمیں بتایا۔۔ ہم سے

کبھی آجازت لی۔ تم نے ہمارا بیٹی کو نوکر بنا کر رکھا ہم نے کبھی تم کو کچھ کہا۔ ۔ہمارا بیٹی پر اتنا بڑا ظلم کیا۔ کبھی ہم نے آواز نکالا۔۔اس کا سزا تمھارا بیٹی کو دیا۔۔اصولاً دنیا کا دستور ہے۔اپنا اولاد کا بدلہ دوسرا کی بیٹی سے لیتا ہے۔ جیسے تم نے لیا۔۔ مگر تم ہمارا خاموشی کا ناجایز فائدہ اٹھا رہا ہے۔

ایک بات یاد رکھنا روزینہ اپنا بیٹی کے آگے ایک ماں کے لیے کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ وارث بھی نہیں۔۔ شہرام کا خون اس کا بیٹا بھی نہیں۔۔۔۔

اپنا بیٹی کی آنکھوں کا اداسی دیکھتا ہوں تو ہمارا بھی دل کرتا ہے۔۔ ہم شہرام کو اپنا دودھ کا قسم دے کر وہی سب کچھ شہرام سے کروائے۔۔ جو اسفند نے کیا۔ اور کچھ نہیں تو شہرام کا دوسری شادی کروادے۔۔ روزینہ خانم غصے سے لفظ چباتے بولیں۔

شہرام کی دوسری شادی والی بات پر بہارے کے آنسوؤں کی روانگی میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

خدا کا خوف کرو امینہ یہ کیسا باتیں کر رہا ہے تم ؟؟ روزینہ خانم نے بہارے کو روتے دیکھ غصے سے کہا۔۔

کیوں ہم ہی کیوں خدا کا خوف کرے۔ تم کو خوف نہیں آتا۔۔ جو یہاں بیٹھے اسفند کو دوسری شادی کے مشورے دیتا ہے۔ امینہ خانم کی بات پر روزینہ خانم گڑبڑائی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں۔ امینہ خانم یہ سب کچھ جانتی ہیں۔

بات کرتا ہے ہمارا تربیت کا۔۔ جس کو خود نہیں پتہ تربیت ہوتا کیا ہے۔۔ اپنا اولاد کا بھی ایسے ہی تربیت کرے گا۔ غلطی ہمارا شہرام کا تم کو سر پر چڑھایا ہوا۔۔ پہلے دن تم کو تمھارا اوقات میں رکھت۔ اتم تیر کی طرح سیدھا

ہوتا۔۔روزینہ خانم غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔۔

بہارے نے اپنے چکراتے سر کو جکڑا تھا۔شہرام کی دوسری شادی والی بات پر اس کے سر میں شدید دھمک ہو رہی تھی۔۔

آپ کا تربیت سب میں نظر آتی ہے۔ارحام لالا نے کیا کیا حور بھابھی کے ساتھ سب جانتے ہیں۔۔بہارے روتے ہوئے چیخی تھی۔

امینہ خانم نے اس کے چیخنے پر مڑتے ہوئے اسے کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا۔ارحام کا نام وہ کسی کے لبوں سے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

بہارے۔۔۔روزینہ خانم نے اسے کندھوں سے تھامے اسے روکا تھا۔وہ روزینہ خانم کے ہاتھ جھٹکتے امینہ خانم کے مقابل آئی۔

شہرام کیوں بدلہ لے گا مجھ سے بتائیں مجھے۔ ۔۔زاران لالا نے میرے لالا کا قتل کیا ہے۔۔میرے لالا نے آپ کے کسی بیٹے کو نہیں مارا۔۔

یہ ہمارا حوصلہ ہم ایک قاتل کو اس حویلی میں برداشت کرتے ہیں۔۔زاران لالا قاتل ہے میرے لالا بابرک کا۔۔

بہارے روزینہ خانم کے مقابل آتے چیختی ہوے بولی۔۔ بہارے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام کی گرجدار آواز پوری حویلی میں گونجی تھی۔۔ بہارے نے لرزتے ہوے فق رنگت سے سامنے دیکھا۔ شہرام داخلی دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ بہارے روتے ہوے پیچھے کو ہوتے دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔ اس سے

مزید کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔۔پیٹ کے نچلے حصے میں درد نے شدت اختیار کی تھی۔شہرام کی سرد سرخ نظر اس کی سرد دھاڑ پر وہ خوفزدہ ہوئی تھی

امینہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے لڑکھڑائی تھیں۔زاران کو قاتل کہنا ان سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

درخشاں نے آگے بڑھ کر امینہ خانم کو سنبھالا۔۔

روزینہ خانم جلدی سے پریشانی سے شہرام کی طرف بڑھیں۔شہرام کے تیور خطرناک لگ رہے تھے۔

شہرام بیٹا تم جانتا ہے۔وہ کس حالت میں ہے۔ایسے حالت میں عورت ایسے ہو جاتا ہے۔اسے کچھ سمجھ نہیں آتا۔روزینہ خانم نے شہرام کو جلدی سے وضاحت دی۔

ایسی حالت میں عورتیں بد تمیز ہو جاتی ہیں۔ یہ مجھے آج پتہ چلا ہے۔ جہاں سے ریسرچ کی ہے آپ نے مجھے بھی بتایئے گا۔ شہرام نے روزینہ خانم کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔

آپ کی بیٹی پہلے بھی ایسی ہی تھی آج بھی ویسے ہی ہے۔ اسے کسی کا خیال نہیں۔۔ بد تمیز جاہل۔۔۔۔ شہرام نے بہارے کو خونخوار نگاہوں سے گھورتے شعلہ بار لہجے میں لفظ چبائے تھے۔

بہارے شہرام کی بات پر شدت سے رو دی تھی۔۔ وہ یوں اسے سب کے سامنے بے عزت کرے گا۔ اس کے لیے یہ لفظ بولے گا۔ وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔

شہرام اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے بہارے کی طرف بڑھا۔

یہکیا طریقہ ہے مورے سے بات کرنے کا؟؟ تم جو بھی کہہ رہی تھی۔اب میرے سامنے کہو۔۔۔میرے سامنے اونچا اونچا میرے لالا کو قاتل کہو۔۔شہرام بہارے کو دیکھتے غصے سے چیخا تھا۔

بہارے اس کے چیخنے پر منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔شہرام کی آنکھیں سرد سرخ تھیں۔وہ ان سات مہینوں میں پہلی بار اس پر ایسے چلایا تھا۔آج اسے اپنے بچے کا بھی خیال نہیں رہا تھا

۔

انہوں نے مجھے طعنے دیے تھے۔۔۔۔بہارے شدت غم سے روتے ہوے چیخی۔

اپنی بکواس بند کرو تم۔۔۔۔اگر تم یہاں چیخی تمھاری ذرا سی بھی آواز نکلی ۔۔کسی کا لحاظ نہیں کروں گا میں۔میرا ہاتھ اٹھ جائے گا سب کے سامنے تم پر۔۔۔۔شہرام بہارے کا بازو جکڑے اسے اپنے قریب کرتے سرد آواز میں پھنکارا تھا۔۔

بہارے نے لرزتے روتے ہوئے بے یقینی سے شہرام کو دیکھا

شہرام نے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے چھوڑا تھا۔وہ یکدم لڑکھڑائی تھی۔۔شہرام اسے پھر سے بازو سے جکڑ گیا تھا۔

درخشاں۔۔۔۔۔۔۔جی لالا۔۔۔درخشاں جلدی سے آگے بڑھی۔

اپنی بھابھی کو اندر کمرے میں چھوڑ کر آؤ۔۔۔ شہرام نے بہارے کو گھورتے درخشاں سے کہا۔۔ وہ ابھی تک اس کا بازو جکڑے ہوے تھا۔ بہارے نے اسے سسکتے ہوے دیکھا تھا۔

میں خود جا سکتی ہوں۔ بہارے روتے ہوے اپنا بازو سختی سے شہرام کی گرفت سے چھڑواتے تیزی سے کمرے کی جانب بڑھی۔

شہرام نے جبڑے بھینچتے اس کے قدموں کی تیز رفتاری دیکھی تھی.

وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔ بہارے کے فون کال پر وہ آیزل کو اس کے گھر ڈراپ کر کے بیس منٹ کا راستہ پانچ منٹ میں طے کرتا آیا تھا۔ اتنی تیزی سے ڈرائیو کی تھی کہ دوبار ایکسڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا ۔۔ اور حویلی پہنچتے اسے یہ تماشہ دیکھنے کو ملا۔۔ اس کا دماغ لاوے کی طرح

ابل رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اس کی مورے کو باتیں سنا رہی تھی اس کے لالا کو قاتل کہہ رہی تھی۔

شہرام اپنی کنپٹی مسلتے امینہ خانم کی طرف بڑھا جو نڈھال سی صوفے پر بیٹھی دوپٹے سے اپنے آنسو خشک کر رہی تھیں۔

شہرام نے ان کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے ان کے ہاتھ پکڑتے ان کی ہتھیلیاں چومیں۔۔

مورے بہارے کی جگہ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی وہ آپ کو جواب نہیں دے گی۔ آپ سے اونچی آواز میں بات نہیں کرے گی۔۔ شہرام نے امینہ خانم کے آنسو صاف کرتے کہا۔

امینہ خانم کے آنسو شہرام کا خون کھولا رہے تھے۔۔ وہ ماں بننے والی نہ ہوتی پتہ نہیں وہ کیا کر ڈالتا۔۔

تمھیں معافی مانگنا کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ شائد ہمارا غلطی ہے۔۔ ہم کو خود پر کنٹرول کرنا چاہیے تھا۔ بڑا کا عزت اس کا اپنا ہاتھ میں ہوتا ہے۔۔ ہم کو خیال رکھنا چاہیے تھا۔ وہ اس حالت میں ہے۔ آج پتہ نہیں ہم کو کیا ہو گیا۔ عابیر کا دکھ ہمارا کلیجہ چیرتا ہے۔ امینہ خانم بھیگے لہجے میں بولی۔

روزینہ خانم ماں بیٹے کا پیار دیکھتے غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔

امینہ خانم کی بات پر شہرام نے ضبط سے اپنی آنکھیں میچیں۔۔ عابیر کا دکھ تو اس کا بھی کلیجہ چیرتا تھا۔۔ وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔۔ جہاں اسے دیکھتا تھا خاموشی سے پلٹ جاتا تھا۔ کہیں اس کی آنکھ کا آنسو اس کی

تکلیف دیکھتے وہ ایک شوہر کی جگہ صرف بھائی نہ بن جائے۔۔وہ عابیر کی وجہ سے کہیں بہارے کو تکلیف نہ دے دے۔۔

شہرام نے اپنی آنکھیں عقیدت سے امینہ خانم کے ہاتھوں کی پشت پر لگائیں۔بہت محبت کرتا تھا امینہ خانم سے۔۔بہارے کا اس طرح بات کرنا شہرام کو بے حد تکلیف دے گیا تھا۔۔اس کے خون میں شرارے پھوٹ رہے تھے۔آج پہلی بار اسے اپنے بچے کی بھی فکر نہیں ہو رہی تھی۔

تم اب کمرے میں جا کر اسے کچھ نہ کہنا۔ہم تمھارا ماں ہے تو یہ بات یاد رکھنا وہ تمھارا ہونے والا بچہ کا ماں ہے۔امینہ خانم نے شہرام کے سر پر ہاتھ رکھتے سنجیدگی سے کہا۔

امینہ خانم کی بات پر شہرام کا بہارے پر غصے میں مزید آضافہ ہوا تھا ۔۔ شہرام نے جبڑے بھینچتے بمشکل اثبات میں سر ہلاتے امینہ خانم کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

شہرام کمرے میں داخل ہوا تو بہارے بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں منہ دیے سسک رہی تھی۔

شہرام نے بہارے کے لرزتے سسکتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالی تھی۔ اپنا کوٹ اتارتے ہوے غصے سے صوفے پر پھینکا تھا۔۔ اپنی رسٹ واچ اتار کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر پورے قوت سے دے ماری تھی۔

بہارے گھٹنوں میں منہ دیے سسکتے ہوے لرز اٹھی تھی۔

کس بات کا ماتم منا رہی ہو یوں رو کر؟؟ باہر تماشہ لگا کر میری مورے سے بد تمیزی کر کے اب یہ رو کر مظلوم بن رہی ہو تم؟؟ شہرام غصے سے چیخا تھا۔

بہارے نے شہرام کے چیخنے پر گھٹنوں سے سر اٹھا کر شہرام کو دیکھا جو اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

تمھاری محبت مرنے کا ماتم منا رہی ہوں۔۔ تمھاری بیوفائی کا ماتم منا رہی ہوں۔ بہارے سسکتے ہوے بولی۔۔

شہرام نے بہارے کی بات پر بری طرح جبڑے بھینچے۔ اس کی ہر بات اسی ایک تان پر آ کر ٹوٹتی تھی۔۔ وہ اپنی محبت کا اسے کیسے یقین دلائے اسے سمجھ نہیں آتا تھا۔

اور تم نے وہ سنا جو میں نے کہا جو تمھاری مورے نے کہا وہ تم نے نہیں سنا ۔۔اگر وہ تمھاری مورے ہیں۔ میں تمھاری بیوی ہوں۔۔ بہارے نے روتے ہوے اسے احساس دلایا۔

میری مورے تمھیں کچھ بھی کہتیں تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھ۔۔اتم انھیں آگے سے جواب دیتی۔۔اگر تم میری بیوی ہو تو وہ بھی ایک ماں ہیں۔ایک بیٹی کی ماں۔۔۔ تمھیں اپنا غم تو نظر آتا ہے کبھی میری مورے کا غم نظر آیا۔اگر انہوں نے تمھیں کچھ کہہ دیا تھا تو برداشت کر لیتی۔میری خاطر برداشت کر لیتی۔میں کمرے میں آتا مجھ پر چیخ چلا۔لیتی۔ مگر مورے کے آگے نہ بولتی۔۔ شہرام غصے سے پھنکارا۔ بہارے کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

اور میرے لالا کو قاتل کہا تم نے۔۔اس کے آنسوؤں دیکھتے مشتعل ہوا تھا۔

۔ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی بوتل اٹھائے زمین پر مارتے وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔بہارے اس کی دھاڑ اور پرفیوم کے بوتل کی چھنک پر بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔

کیا یہ سچ نہیں ہے میرے لالا کو تمھارے لالا نے نہیں مارا۔بہارے شدت سے روتے ہوے بولی۔مگر شہرام کو غصے میں دیکھ کر اس کی آواز آہستہ ہوئی تھی۔

بکواس بند کرو اپنی تم ۔ایک لفظ میرے لالا کے خلاف کہا زبان کھینچ لوں گا تمھاری ۔۔۔یہ بھی لحاظ نہیں کروں گا تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو۔۔شہرام اس کی بات پر غصے سے چیخا تھا۔۔

بہارے نے روتے ہوے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔وہ روتے ہوے گھٹنوں میں منہ دے گیی۔۔وہ ایسے ہی کافی دیر تک روتی رہی تھی۔۔

شہرام نے اپنی کنپٹی مسلتے کمرے میں چکر لگاتے اس کی سسکیاں سنتے خود پر قابو پا رہا تھا۔

بہارے تھوڑی دیر بعد بیڈ سے اٹھتے شہرام کے مقابل آئی تھی۔۔شہرام اسے دیکھ کر لب بھینچے رک گیا تھا۔

سیدھی طرح کہو تم صرف اس لیے میری پرواہ کرتے ہو کیونکہ میں تمھارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ورنہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔بہارے نے لرزتے ہوے انگشت شہادت کی انگلی اٹھاتے سسکتے ہوے کہا۔

کیسے ثابت کروں میں تم سے محبت کرتا ہوں؟؟ تم بتادو مجھے۔۔۔اس طرح ثابت کروں کہ تم میری مورے سے بدتمیزی کرو اور کمرے میں آکر میں تمھارے قدموں میں بیٹھ جاؤں۔۔۔۔۔ایسے ثابت کروں میں

۔۔۔شہرام آخری جملہ بولتا چیخا تھا۔

شہرام کے چیخنے پر وہ لرزتے ہوے اور بھی شدت سے رو دی۔۔۔اس ک سامنے کھڑا آج اس کا شہرام تھا ہی نہیں۔۔

بہارے میرا ظبط مت آزمایا کرو۔۔۔۔میری بہن کی تڑپ مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔۔ جس دن میں نے تمھارے بھائی کی طرح سفاکی دکھادی۔۔

اس دن میں اپنے بچے کے بارے میں بھی نہیں سوچوں گا۔۔ شہرام نے اس کے لرزتے روتے وجود کو دیکھتے اب کی بار تحمل سے کہا تھا۔۔۔اور اپنے بال جکڑتے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔۔

وہ اس کے لالا کو قاتل کہہ رہی تھی۔۔ شہرام کی دماغ کی رگیں پھڑک رہی تھیں۔

کیا کرو گے شہرام۔۔۔ بتاؤ مجھے۔۔۔ میرے لالا کا کیا مجھ سے۔ بدلہ کیسے لو گے۔۔ اس آیزل کے ساتھ وقت گزار کر لو گے کیسے لو گے تم۔۔۔ بہارے نے روتے ہوئے شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی۔ شہرام کا دماغ پھر سے گرم ہوا تھا۔

اگر تم سے بدلہ لینا ہوتا بہت پہلے لے لیا ہوتا۔۔ مگر تم اس لائق ہی نہیں ہو تمھارے بارے میں سوچا جائے۔ شہرام نے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے اسے بازوے جکڑا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ گرے۔۔۔ مگر آج اسے بہارے پر بے حد حد غصہ تھا۔ جی کر رہا تھا اپنے بچے کی بھی پرواہ نہ کرے۔

تبھی تم مجھے حویلی چھوڑ کر اس کے ساتھ گھومتے ہو۔وہ تمھیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی ہے۔۔تم اس سے نظریں چراتے ہو۔۔یعنی سب کچھ صاف ہے۔ تمھیں صرف اپنے بچے کی پرواہے۔

بہارے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی.

تمھیں کچھ بھی کہنا بیکار ہے۔۔اور نہ اب میں تمھیں کبھی وضاحت دوں گا۔تم جو سوچنا چاہتی ہو سوچو۔۔تمھاری کسی بات کی مجھے اب پرواہ نہیں ہے۔۔شہرام نے سرد لہجے میں کہا۔

تو پھر ایڈمٹ کرو تمھیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔۔ تم میرے شہرام نہیں رہے۔۔ بہارے جنونی ہوتی چیخی تھی

اس وقت میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔۔ یہی بہتر رہے گا تمھارے لیے میرے لیے۔ شہرام اسے سرد نظروں سے گھورتا اپنا کوٹ اور چابیاں اٹھائے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

تم ایسے نہیں جاسکتے۔۔ جب تک میرے سوالوں کا جواب نہ دو۔۔ کیوں گئے تم اس آیزل کو ڈراپ کرنے۔۔۔ بہارے روتے ہوے شہرام کی طرف بڑھی تھی۔۔ شہرام اسے اگنور کرتے دروازے کی جانب بڑھا ۔۔ یکدم بہارے کی شال اس کے قدموں کے نیچے آئی تھی۔ بہارے

اوندھے منہ زمین پر گری تھی۔۔ بہارے کی دلسوز چیخ پر شہرام پلٹتے ہوے تیزی سے بہارے کی طرف بڑھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام جلدی سے بہارے کی طرف بڑھا۔۔ شہرام نے جھکتے ہوے اسے کندھوں سے تھامے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے سیدھا کرتے بٹھایا تھا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے رو رہی تھی۔

شہرام ہمارا بچہ۔۔۔۔۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے روتے ہوے بولی۔

کچھ نہیں ہوا ہو گا بہارے سب ٹھیک ہو گا۔۔ شہرام نے اس کے عارض پر ہاتھ جماتے نرمی سے کہا۔۔ مگر اس کی مضبوط بھاری آواز میں کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

تم سچ کہہ رہے ہو؟! بہارے نے روتے ہوے اس کی شرٹ جکڑے زمین سے اٹھنے کی کوشش کی۔ شہرام سے گود میں اٹھاتے ہوے سیدھا ہوا تھا۔ بہارے اس کی شرٹ مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔ شہرام اسے لیے بیڈ کی طرف تیزی سے بڑھا۔ شہرام کے مضبوط قدموں میں اظطراب نمایاں تھا۔۔ بہارے کا رونا شہرام کے اعصاب ساکت کر رہا تھا۔ اسے بے حد نرمی اور احتیاط سے بیڈ پر لٹاتے وہ بہارے پر جھکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ اب اس کے رونے پر اس کا دل بری طرح لرز رہا تھا۔

بہارے کیا ہوا ہے ؟؟۔۔ ٹھیک ہو ناں۔۔۔ شہرام نے اس کے پیٹ پر نرمی سے ایک ہاتھ رکھتے دوسرا اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے پوچھا۔

شہرام کل سے موومنٹ نہیں ہو رہی تھی۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے موومنٹ ہوئی تھی۔۔ اب دیکھو ہو رہی ہے موومنٹ۔۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے زمین پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔۔ میرا پیٹ زمین نہیں لگا۔ مگر مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ ڈر لگ رہا ہے۔ ہمارے بیٹے کو کچھ نہ ہو گیا ہو۔۔ بہارے نے اپنے اوپر جھکے شہرام کی شرٹ پکڑتے ہچکیوں سے کہا۔

شہرام نے گھبراتے ہوئے بہارے کے پیٹ پر اپنے ہاتھ پھیرا۔۔

شہرام ہو رہی ہے ناں موومنٹ۔۔۔ بہارے سسکتے ہوئے شدت سے رو دی تھی۔

چیک کر رہا ہوں بہارے۔۔ شہرام نے اس کے پیٹ پر جلدی سے ہاتھ رکھے بچے کی موومنٹ چیک کرنے کی کوشش کی۔

جو اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔

تمھیں درد تو نہیں ہو رہا۔۔ شہرام نے اس کے آنسو انگوٹھے کی پور سے صاف کرتے پریشانی سے پوچھا۔۔

نہیں۔۔۔ مگر موومنٹ فیل نہیں ہو رہی۔۔ بہارے شہرام کی شرٹ جکڑے ہذیانی روتے ہوے بولی۔۔ شہرام نے اس کے رونے اور اس کی بات پر لب بھینچتے گہرے سانس لیے۔۔ وہ اچھا خاصہ گھبرا گیا تھا۔ اب خود پر شدید غصہ آیا تھا۔۔ وہ آج آئزل کے کو ڈراپ نہ کرنے جاتا تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔۔ اگر اس کے بچے کو کچھ ہو گیا تو وہ۔۔۔۔ اس سے آگے کا سوچ کر ہی وہ درد و اذیت میں جلا تھا۔

شہرام نے نرمی سے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے جھکتے ہوئے اپنے لب بھی اس کے پیٹ پر نرمی سے رکھے۔ شہرام کے لبوں کا نرم لمس اپنے پیٹ پر محسوس کرتے وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر سسکاریاں بھر کر رونے لگی تھی.

بہارے کیا ہوا ہے درد ہو رہا ہے کیا؟؟ شہرام نے سیدھے ہوتے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے۔ درد نہیں ہو رہا مگر موومنٹ نہیں ہو رہی.. مم۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ بہارے نے سسکتے ہوئے کہا۔ شہرام نے گہرے سانس لیتے پریشانی سے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے تھے۔۔ اسے اب گھٹن سی محسوس ہوئی تھی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکے تھے۔ یہ بچہ اسے جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔

شہرام نے گہرا سانس لیتے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ پھر سے بہارے کے پیٹ پر رکھتے مومومنٹ چیک کی۔

یکدم اسے موومنٹ فیل ہوئی تھی۔۔ شہرام نے گہرا سانس لیتے مسکراتے ہوے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلیں۔ اسے اچھی خاصی موومنٹ محسوس ہوئی تھی۔ بہارے بھی اب آنکھیں میچے بر سکون ہوئی تھی۔

شہرام گہرے سانس لیتے بہارے کے پیٹ پر ہاتھ رکھے کافی دیر تک بیٹھا رہا۔ ابھی جو ہوا وہ سوچ کر ہی اس کا مضبوط دل کانپ رہا تھا۔ شہرام کی آنکھوں کی نمی کے ساتھ سرخ بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اس کا بچہ آج اس کی وجہ سے تکلیف میں آیا۔ اس کا خود پر اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

بہارے نے آنکھیں کھولتے ایک نظر شہرام کو دیکھا جو سرخ نم آنکھوں سے اسے کافی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

بہارے نے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹاتے اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنے لمبے سلکی بال جوڑے میں لپیٹے تھے۔۔وہ شہرام سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔شہرام کی سرد سرخ نظروں پر اس کے چٹختے اعصاب مزید بھاری ہو رہے تھے۔۔وہ اسے جسٹفیکشن دینے کی بجائے ایسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ آیزل کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔آخر وہ اسے کیوں چھوڑنے گیا؟؟بہارے نے گہرا سانس بھرتے اپنے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اپنے اندر اٹھتے اظطراب پر قابو پانے کی ناکام سعی۔۔یہ سوال اس کی بے چینی اظطراب میں آضافہ کر رہے تھے۔وہ انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند دہک رہی تھی۔

چلو بہارے ہاسپٹل چلتے ہیں۔چیک اپ ہو جائے تو بہتر ہے۔

شہرام نے اس کی گلابی آنکھوں کو دیکھتے سنجیدگی سے کہتے اس کے ہاتھ نرمی سے تھامے سہلائے تھے

مجھے نہیں جانا ہاسپٹل۔۔۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔ بہارے نے اپنے ہاتھ چھڑواتے اپنے سلکی بالوں کو پھر جوڑے میں لپیٹتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

لہجے میں ناراضگی کا عنصر نمایاں تھا۔ اپنے پیٹ میں بے بی کی مومونٹ وہ بھی فیل کر چکی تھی۔ بلکہ بہت تیزی سے فیل ہو رہی تھی۔ اس لیے اسے اطیمنان ہوا تھا۔۔ مگر شہرام سے ناراضگی ہنوز برقرار تھی۔

شہرام نے اس کے نروٹھے چہرے کو بغور دیکھا۔۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ نروٹھے انداز میں اپنے لب کاٹتے دوسری طرف دیکھتے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی تھی۔ بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔

رونے کی وجہ سے آنکھیں ناک عارض گلابی ہو رہے تھے۔۔

آنکھوں میں لگا کاجل ہلکا سا پھیل چکا تھا۔ بلو ڈریس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے اتنا تیار ہوئی وہ سمجھ چکا تھا۔۔ جب تک اس کا پیٹ واضح نہیں ہوا تھا۔ وہ روز رات کو کمرے میں اسے مختلف نائیٹی پہنے سرخ گلاب بنی نظریں جھکائے ملتی تھی۔ پہلے اس کی شدتوں اس کی قربت سے دور بھاگتی تھی۔ اب وہ ہر لمحہ کمرے میں اس کے ساتھ لپٹتے اس کے قربت میں رہتے اس کی شدتیں سہنا چاہتی تھی۔۔ ان سات ماہ میں وہ اسے

ایسے ہی تیار ملتی تھی۔اس کی پسند کے کپڑوں نایٹی میں ملبوس۔۔۔رات رات بھر وہ اس کے ساتھ لپٹتی رہتی تھی۔

وہ اس کی شدید محبت سے واقف تھا۔وہ یہ سب کچھ صرف اسے اپنا بنائے رکھنے کے لیے کرتی تھی۔

اس لیے اسے لے کر ضرورت سے زیادہ پوزیسیو تھی۔بلکہ بہت زیادہ تھی۔۔آیزل کے علاوہ بھی اس کا کسی دوسری عورت سے بات بھی کرنا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

شہرام نے گہرا سانس لیتے اس کے ہاتھ تھامے جسے اس نے اب کی بار جھٹکے نہیں تھے۔آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر پھر سے عارض کا حصہ بنے تھے۔سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔نظریں جھکائے وہ رو رہی تھی۔

کھانا کھایا ہے تم نے ؟؟۔۔ شہرام نے اس کے ہاتھ تھامتے نرمی سے پوچھا۔

نہیں کھایا۔۔۔ میں شام سے تمھارے لیے کھانا بنا رہی تھی

شہرام۔۔ تمھاری پسند کی ڈشز بنائی۔ اتنا تیار ہو کر تمھارا انتظار کر رہی تھی۔ مگر تم ڈاکٹر آیزل کے ساتھ۔۔۔۔ وہ اتنا کہہ کر پھر سے رونے لگی تھی۔۔ شدت غم سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں بہارے۔۔۔ شہرام نے اس کے یوں رونے پر لب بھینچتے پوچھا۔

کیسے اعتبار کروں ؟؟ اگر تم پر اعتبار کر لیتی ہوں ڈاکٹر آیزل پر کیسے اعتبار کروں۔۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ یہ بات میرے لیے تکلیف دہ ہے تم

کیوں نہیں سمجھتے۔۔مجھے اس سے انسکیورٹی فیل ہوتی ہے۔۔مجھے ڈر لگتا ہے وہ تمھیں مجھ سے چھین نہ لے شہرام۔۔۔وہ ایسا کر بھی سکتی ہے۔تم مجھے اس سے شادی کرنے کی دھمکی دے چکے ہو۔بتاؤ کیسے یقین کروں تم پر؟؟۔بہارے شدت گریہ سے روتے ہوے سوال کیا۔۔

وہ صرف دھمکی تھی بہارے۔شہرام کا لہجہ بے انتہا سنجیدہ ہوا تھا۔

تم نے بولا تھا کہ تم اس دن اس سے شادی کر بھی لیتے مگر مجھے تھپڑ مار کر تم نے اپنا آرادہ بدلا تھا۔یہ لفظ میرے دل میں سوئیوں کی مانند چبھتے ہیں شہرام ۔۔۔تمھاری محبت صرف جنون دکھانے کی حد تک تھی۔۔تم نے مجھ سے بیوفائی کرنے کا کیسے سوچا؟؟۔کیسے سوچ سکتے ہو؟؟سزا دیتے مجھے سخت سزا دیتے۔۔میری طرح مجھے بے اعتنائی کی مارتے۔۔مجھ سے لاتعلق ہو جاتے۔۔مگر اس آیزل سے نکاح کرنے کا نہ سوچتے۔۔

بہارے نے بھیگے شکوہ کناں آنکھوں سے شہرام کو دیکھا تھا۔

شہرام جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔ نظروں کے سامنے وہ طوفانی بارش والی رات آئی تھی۔۔ شہرام نے پریشانی سے انگلی سے اپنی کنپٹی سہلائی۔

شہرام نے اپنی شرٹ کا کالر جھنجھلاتے ہوے ٹھیک کیا تھا۔

وہ بہارے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ شہرام کے نظریں چرانے پر بہارے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو دی تھی۔۔ شہرام اس سے کچھ چھپا رہا تھا۔۔ اس کی سسکتھ سینس اس سے ہمیشہ یہی کہتی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ کیوں بار بار ایسے روتی ہو۔۔ شہرام نے اسے یوں ماتم زدہ انداز میں روتے دیکھ کر غصے سے پوچھا۔

وہ اسے ویسے روتے ہوے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے اس کنڈیشن میں ایسے روتے دیکھ کر بہت مشکل سے برداشت کر رہا تھا۔

اسے جرمنی بھیج دو۔ اس سے ہر تعلق ختم کر دو۔۔ بہارے نے اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہچکی لیتے کہا۔ وہ اسے ایک بار اور آیزل کے ساتھ دیکھتی تو تڑپ کر مر جاتی۔۔

شہرام بہارے کے مطالبے پر کچھ پل کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

شہرام کی خاموشی پر بہارے سلگ کر کوئلہ بنی تھی۔

جانتی ہوں تم یہ نہیں کر سکتے۔۔ اتنے بڑے ہاسپٹل کا آرنر ایک ملنیر کانٹریکٹر انجینیر جو اتنا بااثر ہے۔۔ وہ شہرام خانزادہ بہت مجبور ہے۔۔ ایک لڑکی کو واپس جرمنی نہیں بھیج سکتا۔۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کی شکوہ کناں نظروں سے شرمندہ ہوا پھرتا ہے۔ بہارے شہرام کی خاموشی پر طنزیہ بولتے ہوے ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔ اسے یکدم چکر آیا تھا۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی

۔ شہرام نے بیڈ سے اٹھتے اسے جلدی سے بانہوں میں بھر اور نہ وہ گر جاتی۔۔

بہارے نے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے خود سے دور جھٹکا تھا۔ مگر وہ اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے ایک جھٹکے سے اسے اپنے قریب کر گیا۔۔

جو تم چاہتی ہو ویسے ہی ہو گا۔ وہ جرمنی چلی جائے گی۔۔ مگر تمھارے لبوں سے میں آیندہ ڈاکٹر آیزل کا نام نہ سنوں۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے اسے چھوڑتے اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔۔

بہارے دیوار میں سمائے اس کے سرد چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں عجیب سی کاٹ عجیب سی پریشانی تھی۔

وہ اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے اپنے شرٹ کے بٹن بند کرتا کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا تھا

کہاں جارہے ہو تم ؟؟ بہارے نے اپنے شبنمی لہجے پر قابو پاتے بے تابی سے پوچھا۔ اس کا اس ٹائم کہاں جارہا تھا۔ اسے باہر جاتا دیکھ کر اس کے اعصاب چٹخے تھے جیسے۔۔

مورے کے پاس جارہا ہوں۔۔ تمھارے علاوہ اس حویلی میں میرے اور بھی رشتے ہیں۔۔ میرے لالا میری بہن۔۔۔ میری مورے۔۔۔۔ یہ سب بھی مجھے تمھاری طرح بہت عزیز ہیں۔ مورے کی طبعیت ٹھیک نہیں۔ میں ان کے پاس ہی رکوں گا۔۔ اس کی آواز میں شبنم اور اضطرار محسوس کرتے اس نے بنا پلٹے ہی کہا تھا۔

درخشاں کے ہاتھ کھانا بھجوا رہا ہوں کھالینا۔۔ میں تمھاری ہر بات مانوں گا مگر میرے بچے کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

شہرام نے سرد انداز میں کہتے ایک نظر اس کے لرزتے وجود پر ڈالی تھی۔

دوسرے ہی پل وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

دروازہ بند ہونے پر بہارے نے اپنے لب بری کاٹتے ہوے اپنے بہتے آنسو بہت بے دردی سے اپنے ہاتھ سے صاف کیے۔۔۔

اپنے کانوں میں پہنے ٹاپس اتار کر اس نے زمین پر پھینکے تھے۔اور اپنے ہونٹوں پر لگی لپ سٹک ہاتھوں سے بے دردی صاف کرتے وہ بیڈ سے اٹھتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔اسے یہ لباس اتارنا تھا جو اس نے شہرام کے لیے پہنا تھا۔۔

عابیر ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ وہ اس وقت ریڈ کلر کی خوبصورت گرم نفیس پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔

جس پر بلیک اینڈ ریڈ کلر کی گرم شال تھی۔۔ اس کی آنکھوں میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔ وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی۔۔ شاور لیتے ہوے وہ روتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس ٹائم گلابی ہو رہی تھیں۔

عابیر اپنے گیلے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ اس کا فون بجنا شروع ہو چکا تھا۔۔ براک کا نمبر دیکھ کر اس نے بے تابی سے اٹھایا تھا۔

ہیلو براک جان کیسے ہیں آپ ؟؟ اسے کل رات سے بخار تھا۔ وہ کل رات سے ہی اس کے لیے پریشان تھی۔ اب تو وہ باقاعدہ رونا شروع ہو چکی تھی

عابی جان۔۔ براک کی رونے کی آواز سن کر عابیر مزید پریشان ہوئی تھی

عابی جان میرے پاس آجائیں۔ ورنہ میں بھی اللہ کے پاس چلا جاؤں گا۔۔ مجھے آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا عابی جان۔

وہ فون پر بری طرح رو رہا تھا۔۔

عابیر اس کی بات سنتے تڑپ اٹھی تھی۔۔

ایسے کیوں کہہ رہے ہو براک میری جان ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔ عابیر کی لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔

عابی جان ایسے ہی ہوتا ہے۔۔ مورے کو بھی ایسے بخار ہوا تھا۔۔ دادو کو بھی ایسے ہی بخار ہوا تھا۔۔ وہ چلی گئی اللہ کے پاس میں بھی چلا جاؤں گا۔ میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔

براک اب ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

لیکن براک میں کیسے ادھر آسکتی ہوں۔ عابیر نے اپنے چھلکتے آنسوؤں پر قابو پاتے لب کاٹتی کہا۔

ٹھیک ہے مت آئیں۔۔ میں اب کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا اور نہ ہی میں دوائی کھاؤں گا۔ میں بھی اللہ کے پاس چلا جاؤں گا پھر آپ بھاگتی آنا مگر میں آپ کو نہیں ملوں گا۔ براک غصے سے روتے ہوئے فون بند کر چکا تھا۔

عابیر نے دل پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے براک کا نمبر ڈایل کیا جو اب آف جا رہا تھا۔ عابیر نے دو تین مرتبہ اس کا نمبر ڈایل کیا جو آف جا رہا تھا۔ عابیر کے آنکھوں سے آنسو دریا کی طرح بہے تھے۔۔ عابیر بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھتے سر دونوں ہاتھوں میں گرا چکی تھی۔۔

براک کا رونا براک کے لفظ اس کا دل چیر رہے تھے۔

عابیر لب کاٹتے فون ہاتھ میں پکڑے ٹہلنے لگی۔ اس نے پریشانی سے کچھ سوچتے دارم کا نمبر ڈائل کیا۔

ہیلو۔۔ دارم کی بھاری آواز پر وہ ہچکچاتے ہوئے خاموش ہوئی تھی۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ وہ میں نے آپ کو براک کے لیے فون کیا۔ اس کا نمبر بند تھا۔۔ وہ رو رہا تھا۔ عابیر نے لب کاٹتے آہستگی سے کہا۔ عابیر کے لہجے میں شبنم محسوس کرتے دارم نے اپنے لب بری طرح بھینچے تھے۔

براک کی طبعیت واقعی میں بہت خراب ہے۔ اور وہ رات سے آپ کو یاد کرتے رو رہا ہے۔

آپ اسے یہاں لے آئیں۔۔ عابیر نے عجلت میں پریشانی سے دارم کی بات کاٹی۔

میں اسے وہاں لا سکتا ہوں عابیر مگر میں اسے لاؤں گا نہیں۔۔ کیونکہ مجھے رات سے احساس ہوا ہے۔ وہ آپ پر ڈپینڈ کرنے لگا ہے۔ وہ آپ کے لیے بہت حساس اور پوزیسیو ہو گیا ہے۔ وہ اپ سے اتنی محبت کرنے لگا ہے۔ جتنی اپنی ماما سے بھی نہیں کرتا تھا۔

اور مجھے اس کا آپ کے لیے اتنا حساس ہونا ٹھیک نہیں لگ رہا۔ دارم خان کی آواز سرد سپاٹ تھی

لیکن صرف وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا میں بھی کرتی ہوں۔ عابیر دارم کی بات پر فون پر رو دی تھی۔

آئی تھنک یہ محبت نہیں ہے وقتی اٹریکشن ہے۔ یا شائد آپ کے لیے دل بہلانے کا ذریعہ اور میرا بیٹا کسی کے دل بہلانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔۔

آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ میری سچی بے غرض محبت کو اٹریکشن دل بہلانے کا ذریعہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ عابیر اس کی بات پر غصے سے چیخی تھی۔

اچھا پھر مجھے بتائیں وہ رات سے آپ کو بلا رہا آپ کیوں نہیں آئی؟؟۔۔ وہ رات سے بخار میں تپ رہا ہے۔ نیم بیہوشی کے حالت میں آپ کو پکار رہا ہے۔۔ آپ اس کی پکار سنائی دی؟؟۔ دارم نے سرد لہجے میں استفسار کیا تھا۔۔

اس کے لیے آپ کے دل میں تڑپ ہوتی تو آپ ضرور آتی۔۔ یقیناً آپ رات کو سکون سے سو گئی ہوں گی۔ مگر میں اور بیٹا نہیں سوئے۔ وہ ساری رات آپ کو پکارتا رہا اور میں بے بسی سے اس کی پکار سنتا رہا۔۔ دارم فون پر سرد و سپاٹ لہجے میں مخاطب تھا۔

میں بھی نہیں سوئی۔۔۔۔عابیر گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔

میرے پاس صرف میرا بیٹا ہی ہے۔۔اور کچھ نہیں خدا کے لیے اسے چھوڑ دیں۔میں اسے سمجھالوں گا۔اپنی ماں اور دادی کے بغیر رہنا سیکھ چکا ہے۔۔وہ آپ کے بغیر بھی سیکھ لے گا۔۔وہ سرد آنداز میں کہتا فون بند کر چکا تھا۔۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا تھ۔

دوسرے لمحے وہ بھاگتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔ڈریسنگ روم سے اپنی چادر لے کر اسے اوڑھتی ہوئی وہ اپنا سیل فون پکڑے تیزی سے کمرے سے باہر نکلی۔۔

اسفندیار خان اپنے لیپ ٹاپ کی سکرین پر عابیر کو بے تابی سے فون پر روتے ہوے بات کرتا دیکھتے سگریٹ سلگائے اظطراری انداز میں بیٹھا سکرین کو سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کس سے بات کر رہی تھی اور کیا بات کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

مگر وہ رات سے ہی بے چین تھی۔ ساری رات کروٹے بدلتے اٹھتے بیٹھتے اسے بار بار موبائل چیک کرتے دیکھا تھا۔

اس کے آنسو اس کی بے چینی اس کے لیے نہیں تھی۔ اسفند اپنی بیوی کے ہر رنگ سے واقف تھا۔ ہیزل گرے آنکھوں میں اس کے لیے تڑپ نہیں

رہی تھی۔ وہ اس کی بے چینی دیکھتے سار یکر رات سگریٹ پھونکتا رہا تھا۔ نیند جیسے اسفندیار پر حرام ہو چکی تھی۔۔ اپنی بیوی کے گرد ایک سات سال کا بچہ بھی گوارا نہیں تھا۔ اس کے دل دماغ پر اسفندیار خان کو اپنی حکومت چاہیے تھی

اسے خود پر چادر لپیٹے دیکھ کر اسفندیار خان نے سگریٹ لبوں سے نکال کر انگلیوں کے پوروں سے مسلا تھا۔ لیپ ٹاپ بند کیے اس نے اپنے فون سے روزینہ خانم کو کال ملائی۔ وہ اتنی عجلت میں وہ اتنی صبح آخر کہاں جا رہی تھی۔ اسفندیار خان یہ جاننے کے لیے پاگل ہوا تھا۔

..---------

عابیر چادر اوڑھے تیز تیز سیڑھیاں اترتے بھاگتے ہوئے نیچے آئی تھی ۔لاونج میں روزینہ خانم اور امینہ خانم بیٹھی تھیں۔

وہ جلدی سے امینہ خانم کی طرف بڑھی۔

مورے۔۔۔۔براک کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔مم۔۔۔مجھے اس سے ملنے جانا ہے۔عابیر نے بھیگے لہجے میں امینہ خانم سے آجازت لی تھی۔

کال پر موجود اسفندیار خان جو روزینہ خانم سے بات کر رہا تھا۔

عابیر کی آواز کانوں میں پڑتے اس نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے فون پر اپنی گرفت مضبوط کی۔۔

کیا ہوا براک کو؟؟۔۔امینہ خانم عابیر کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر پریشانی سے صوفے سے اٹھی تھیں۔

مورے اسے بہت تیز بخار ہے۔وہ دوائی بھی نہیں لے رہا رھا۔وہ بہت رو رہا ہے میرے لیے۔۔۔رات سے رو رہا ہے۔میں اس سے مل کر دوا کھلا کر

آجاؤں گی۔۔پانچ منٹ ہی ادھر ٹھہروں گی۔۔مجھے جانے دیں مورے۔۔عابیر التجائیہ بھیگے لہجے میں بولی۔

عابیر بیٹا تم اس طرح پریشان نہ ہو تم جاؤ۔۔اللہ سب ٹھیک کرے گا۔۔امینہ خانم نے عابیر کو یوں تڑپتے دیکھ کر آجازت دی۔۔عابیر کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا ان کے لیے اب بہت مشکل تھا۔۔براک جب سے اس کی زندگی میں آیا تھا وہ خوش رہنے لگی تھی۔۔انھیں اور کیا چاہیے تھا۔اسفندیار سے انھیں ساری امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔۔اپنی اتنی خوبصورت کم عمر بیٹی کے لیے وہ دن رات تڑپتی تھیں۔بچپن میں نکاح ہوا اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوئی اور ابھی بیس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسے اس کا شوہر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔۔عابیر کے خوبصورت نقوش دیکھ کر انہوں نے اپنی

آنکھیں دوپٹے سے بے دردی سے رگڑیں۔ وہ سیاہ چادر میں چاند کی طرح دھمک رہی تھی۔۔

یہ کیا کہہ رہا ہے بھابھی تم اسے کیسے آجازت دے سکتا ہے۔ تمھارا غیرت مر گیا ہے جو اسے غیر کی حویلی میں بھیجے گا۔ روزینہ خانم بھڑکتے ہوے بولی۔ کال انہوں نے کاٹی نہیں تھی اسفند فون پر ہی موجود تھا۔ اور اسے سب سنانا ہی مقصد تھا۔

اس میں غیرت کہاں سے اگئ؟؟۔ عابیر مشتعل ہوتے بولی تھی۔ روزینہ خانم کو اب وہ جواب دینے لگی تھی۔ ان کا ہر کام بھی بند کر دیا تھا۔ روزینہ خانم تو اسے دیکھتے ہی جلتے توے پر بیٹھ جاتی تھیں۔ اس کا براک کے ساتھ ہنسنا کھیلنا سخت زہر لگتا تھا۔

غیرت یہاں سے آگئی اس حویلی میں وہ دارم خان بھی ہو گا تم اکیلا وہاں جائے گا۔ بلکہ تم اکیلا کیوں تم کسی کے ساتھ بھی نہیں جا سکتا۔۔ ہم تمھیں آجازت نہیں دے گا۔ وہ غصے سے گرجتے ہوے بولیں۔

اور آپ کون ہوتی ہیں مجھے آجازت نہ دینے والی؟؟ عابیر نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ لہجے میں پوچھا۔

ہم تمھارا ساس تمھارا شوہر کی ماں ہے۔۔ اور تم ہمارا بیٹا کی عزت ہے غیرت ہے۔۔

روزینہ خانم فون ٹیبل پر پٹختے کھڑی ہوئی تھیں۔

اگر میں آپ کے بیٹے کی غیرت ہوں۔ عزت ہوں تو کہاں ہے وہ؟؟ عابیر نے غصے سے بھڑکتے ہوے سوالیہ لہجے میں طنزاً پوچھا تھا۔

عابیر۔۔۔۔روزینہ خانم نے اس کی اونچی آواز پر ٹوکا تھا۔

بولنے دیں مورے مجھے۔۔۔بہت رہ لیا میں نے خاموش۔۔۔جس کے لیے عابیر خاموش ہوتی تھی۔۔جس کے لیے ان کی غلامی کرتی تھی۔اب وہ عابیر خان کی زندگی میں اہمیت نہیں رکھتا کہ میں ان کی یہ کڑوی کسیلی باتیں سنوں۔عابیر نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے کہا۔۔

آپ کے بیٹے کی نہ میں غیرت ہوں نہ عزت۔۔۔وہ سب کے سامنے قبول کر کے گیا ہے کہ اس نے اپنے بدلے میں مجھے استعمال کیا ہے۔۔میں اس کا بدلہ تھی۔۔اور ہمیشہ رہوں۔اگر وہ مجھے اپنی عزت مانتا بھی ہے۔۔پھر بھی مجھے فرق نہیں پڑتا ہے۔کیونکہ میں خود کو اسفندیار کی عزت نہیں مانتی۔میں عابیر اسفندیار خان نہیں بلکہ۔۔۔۔عابیر درید خان ہوں۔اور

مجھے درید خان کی عزت اپنی جان سے بھی بڑھ کر پیاری ہے۔ عابیر ایک یک لفظ چباتے داخلی دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے بڑھی۔ براک کی طبعیت کا سوچتی اس کے قدموں میں عجلت آئی تھی

فون پر ایک ایک حرف سنتا اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں لہو اتر رہا تھا۔ اس کی وجود کی ابھرتی نیلی رگوں سے ظاہر تھا وہ اتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا ہے۔

عابیر خود پر اچھی طرح چادر اوڑھتے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔۔ اس کی رنگت شدید گلابی ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ گلابی

چہرے پر شدید اظطراب تھا۔ ہیزل گرے آنکھوں کا کلر گلابی ہو رہا تھا۔ روزینہ خانم کی وجہ سے نہیں۔۔ بلکہ اس کی آنکھیں براک کی وجہ سے شبنمی ہو رہی تھیں۔۔ کانوں میں براک کے لفظ گونجتے جیسے ہوش و خرد سے دیوانہ کر رہے تھے۔

ٹھیک ہے مت آئیں۔۔ میں اب کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا اور نہ ہی میں دوائی کھاؤں گا۔ میں بھی اللہ کے پاس چلا جاؤں گا پھر آپ بھاگتی آنا مگر میں آپ کو نہیں ملوں گا۔ وہ بھاگتے ہوئے کار پورچ کی طرف بڑھی تھی۔ اسے جلد از جلد دیکھنا تھا۔

براک اس کے لیے کچھ ہی دنوں میں بہت اہم ہو گیا تھا۔ اس کی ہنسی اس کی باتوں نے اسے اس ستم گر کو بلکل بھلا دیا تھا۔ وہ یاد آئے بھی تو وہ براک کے

بارے میں سوچتی تھی۔ اور اسے سوچتے ہی اسے وہ نیلی آنکھوں والا سفاک انسان بھول جاتا تھا۔۔

وہ اپنی چادر سے اپنی آنکھیں رگڑتے کار پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

وہ اتنی عجلت میں تھی کہ اپنا چہرہ ڈھکنا بھول چکی تھی۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوے گاڑی کی طرف بڑھی۔۔ رحیم خان مستعدی سے ہی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔

جلدی چلیں رحیم کاکا۔ وہ بھرائی آواز میں بولتی گاڑی کی طرف بڑھی۔۔

یکدم اس کا فون بجنا شروع ہو چکا تھا۔ عابیر نے تحیر زدہ نگاہوں سے فون کو دیکھا۔۔ پورا وجود آندھیوں کی جکڑ میں آیا تھا۔ آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

اس نے بے یقینی سے سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھا تھا۔

وہ کچھ پل پتھرائی کیفیت میں بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھتی رہی۔۔

اس کے گلابی لبوں نے بے اختیار جنبش کی تھی۔

اسفندیار خان۔۔۔۔وہ آج سات ماہ بعد اسے فون کر رہا تھا۔

وہ بے یقینی کی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے سکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ رہی تھی۔وہ تو ہر تعلق توڑ کر جا چکا تھا۔وہ پھر آج اسے فون کیوں کر رہا تھا۔جب وہ ہر آس ہر امید ختم کر چکی تھی۔وہ اسے فون کیوں کر رہا تھا۔

سماعتوں میں اس بے رحم کے لفظ گونجتے اس کے وجود میں جیسے نیلا زہر اتار چکے تھے

!! جھوٹ بولا تھا میں نے۔ تمھارے جذبات کے ساتھ کھیلا تھا میں

نے ؟؟۔۔ میں گیسٹ ہاؤس میں بھی وہی اسفندیار خان تھا جو ہمارے نکاح

کی پہلی رات کو تھا۔۔ صرف لفظوں کا ہیر پھیر کیا تھا۔۔ تم ہی نہیں سمجھ پائی

۔۔۔ ورنہ میری پہلی رات کی شدتوں میں اور اس دن گیسٹ ہاؤس کی

شدتوں میں خاص فرق نہیں تھا۔۔ بے رحمی ہی بے رحمی تھی۔ تم ہی سمجھ

نہیں پائی۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اس کے لفظ یاد کرتے موبائل کو دیکھ رہی

تھی !!

بدن میں لرزاہٹ طاری ہوئی تھی

عابیر نے بے دردی سے اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔

۔اب یہ آنسو صرف اسی کے لیے بہہ سکتے ہیں۔ جس کے پاس وہ جا رہی تھی۔۔ جسے اس کی ضرورت تھی۔ اس کی محبت اس کا سب کچھ وہ سات سال کا بچہ تھا۔ جو اس کی طرح اس سے بے غرض محبت کرتا تھا۔۔

عابیر فون کاٹتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔۔

اس کے نمبر پر اسی ستم گر کا پھر سے فون آنا شروع ہو چکا تھا۔ وہ اسے فون کیوں کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ آج سات مہینے بعد وہ اسے آخر کیوں فون کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچتے پاگل ہو رہی تھی۔۔

عابیر کی آنکھیں شدت گریہ سے پھر سے گلابی ہوئیں

عابیر نے غصے سے اس کا ایک بار پھر سے فون کاٹ دیا تھا۔ اس کے لفظ یاد آتے اسے اب تند و تیز بھانبھڑوں کی لپیٹ میں لے چکے تھے۔

تم مجھے کبھی نہیں بھول سکتی مسسز اسفند یار خان۔۔۔جو لڑکی !!
میرے ذرا سے نزدیک آنے پر ہر بار پگھل جاتی تھی ۔جو میرے
نفرت کے اظہار کے باوجود ہر بار مجھے خود کو سونپتی رہی ۔جس
لڑکی کے نزدیک اپنی آنا اپنی عزت نفس سے عزیز اس کی محبت ہو
۔جو لڑکی میری بے رحم شدتیں سہتے کبھی لبوں سے آہ نہ نکالے
۔بلکہ میرے سینے میں چھپے خود کو میرے حوالے ایسے کرے کہ
!!جیسے وہ کھلونا ہو۔وہ لڑکی مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔۔

اس ستمگر کے لفظ یاد کرتے عابیر کی آنکھیں جیسے جلنے لگی تھیں۔۔یہ لفظ
نہیں طمانچے تھے جسے وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

عابیر نے چادر ٹھیک کرتے اپنی سائیڈ کے شیشے سے رحیم خان کو دیکھا جو فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔۔

عابیر کے موبائل پر اسی وقت میسج بیپ ہوئی تھی۔۔عابیر نے گہرا سانس لیتے موبائل ان لاک کرتے میسج دیکھا۔

وہ جیسے جیسے پڑھتے جا رہی تھی۔اس کی رنگت متغیر ہوتی جا رہی تھی۔

اگر تم نے آج حویلی سے باہر قدم رکھا میں دارم خان پر گولیاں چلوا دوں گا اور میں ایسا کر سکتا ہوں۔یقین نہیں آتا تو آزما کر دیکھ لو۔

میسج پڑتے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

اسفندیار خان کی کال ایک بار پھر سے آنا شروع ہو چکی تھی۔

عابیر نے جلدی سے بلا تردد اس کا فون اٹھا لیا تھا۔

آپ ایسا کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔ عابیر فون پر چیخی تھی۔

بلکو اس بند کرو اپنی ورنہ تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ وہ فون پر حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

اسفندیار خان کی دھاڑ پر وہ بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔ فون اس کے ہاتھوں میں لرزا تھا

آپ کیسے اسے جان سے مار ڈالنے کی بات کر سکتے ہیں۔۔ جانتے ہیں وہ براک کا باپ ہے۔ دا۔۔۔۔

خبر دار تم نے اس کا نام اپنے لبوں سے نکالا۔۔ قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی۔۔ تم اس کا نام ابھی منہ سے نکالو گی نہیں۔۔ میں اسے شوٹ کرواڈالوں گا۔۔ وہ اس کی بات کاٹتے بھوکے شیر کی مانند غرایا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔۔۔۔ عابیر نے سسکتے ہوے بے یقینی سے اسے پکارا۔۔

اس کے سسکنے پر اسفندیار خان کی دماغ کی رگیں پوری طرح پھڑک گئی تھیں۔

ابھی اسی وقت گاڑی سے اترو۔۔۔۔۔ اسفندیار خان نے سرد انداز میں حکم دیا۔

اسفند براک کو میری ضرورت ہے میں گاڑی سے نہیں اتروگی۔

عابیر اپنے حواس کھوتی بری طرح چیخی تھی۔ وہ کیسے اسے سات سمندر پار بیٹھے حکم دے سکتا تھا۔ وہ تو ہر تعلق توڑ کر جا چکا تھا۔ کاغذی تعلق بھی اس لیے قائم تھا کیونکہ وہ اسے سزا دینا چاہتا تھا

اگر تم نے اس کی حویلی میں قدم رکھا اس سے ملی۔۔ میرے گارڈ جو اس کے حویلی کے باہر تعینات ہیں۔ اس کے باہر آتے اسے گولیوں سے بھون ڈالے گیں۔۔ یہ وعدہ ہے اسفندیار خان کا۔۔ وہ سینے پر ہاتھ مارتا ہوا دھاڑا تھا۔

اسفند۔۔۔۔ عابیر نے بے بسی سے اسے روتے پکارا۔۔

ایک منٹ سے پہلے گاڑی سے اترو۔۔۔۔ وہ حلق کے بل چیخا تھا۔۔

عابیر بری طرح سسک پڑی تھی۔

آئیندہ تم نے میری آجازت کے بغیر حویلی سے باہر قدم رکھا۔۔میں تمھاری سانسیں اتنی بے رحمی سے کھینچوں گا۔تم ایک ایک سانس کے لیے تڑپو گی۔تم اسفندیار خان کی ہو صرف اسفندیار خان کی۔۔۔وہ شیشے کی ٹیبل پر پوری مکہ مارتے ہوے دھاڑا تھا۔۔

شیشہ ٹوٹ کر اسفند کا ہاتھ زخمی کر گیا تھا۔۔فون پر ٹوٹے کانچ کی چھنک عابیر کو بخوبی سنائی دی۔۔

I said get down from the car

وہ اتنی زور سے چیخا تھا کہ عابیر کو اپنے کان کے پردے پھٹتے ہوے محسوس ہوے تھے۔۔اسفندیار خان کی دھاڑ پر وہ لرزنے لگی تھی۔۔وہ فون بند کرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔وہ گاڑی سے اترتے بھاگتے ہوے اندر کی جانب بڑھی۔

زاران خانزادہ اپنے کوٹ کے بٹن کھولتے مردانے کی طرف بڑھا۔ اسے حویلی میں داخل ہوتے ہی اسے پتہ چلا تھا ارحام آیا ہوا ہے۔۔ مردانے کی طرف بڑھتے اس کے بھاری قدموں کی رفتاری میں تیزی آئی تھی۔

پچھلے دنوں اسلام آباد میں بھی ارحام سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ ارحام میٹنگ میں مصروف تھا۔۔ اور رات کو وہ اپنے فیلیٹ میں ملتا نہیں تھا۔۔

زاران خانزادہ نے غصے سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ ارحام خانزادہ کی راتیں کہاں گزرتی تھیں۔ اور یہ بات اسے برداشت نہیں ہوتی تھی اس کا لالا یوں اپنی بیوی کا باڈی گارڈ بنا پھرے۔۔۔ حور سلطان شاہ پر اسے بے انتہا غصہ تھا۔ اس کے لالا کی عزت نہ ہوتی۔۔ وہ خود اس سے بات کرتا۔

زاران اپنے غصے پر قابو پاتے مردانے میں داخل ہوا جہاں ارحام صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ انگلیوں میں دبائے انکھیں موندے ہوے تھا۔۔

ارحام کو اس طرح دیکھ کر زاران کا غصہ مزید بڑھا تھا

اسلام و علیکم لالا۔۔۔زاران نے خود پر قابو پاتے لب بھینچے

سلام کیا۔

ارحام نے سیدھے ہوتے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا تھا اور کھڑے ہوتے زاران کے گلے لگا۔۔

کیسے ہو تم مسٹر منسٹر۔۔۔۔ارحام نے مسکراتے ہوے پوچھا۔لالا آپ کے لیے میں صرف زاران ہوں۔۔۔مجھے منسٹر مت پکارا کریں۔۔زاران نے جوابًا سنجیدگی سے کہا۔۔

ارحام کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر اس کا چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔ سامنے کھڑا انسان سوئے گا نہیں تو آنکھوں کی سرخی تو ایسی ہی ہو گی۔۔ زاران نے اپنی گھنی بیرڈ مسلی تھی

اوکے نہیں پکارتا مگر آفس میں اپنی شکل دکھا دیا کرو۔۔۔ وہ بزنس میرا اکیلا کا نہیں ہے۔۔ پہلے میں نے تمھیں اس لیے ڈھیل دی تھی کیونکہ تم ابرش اور عابیر کو اکیلے چھوڑ کر آنا نہیں چاہتے تھے۔ اب تمھیں منسٹری ٹائم نہیں دیتی.. تم بزنس کی طرف کب توجہ دو گے۔۔ ارحام نے صوفے پر بیٹھتے سگریٹ ایک بار پھر سے لبوں میں دبائے لائیٹر سے سلگایا تھا۔

لالا داؤد اینڈ سنز والا پروجیکٹ ہینڈل کر تو رہا ہوں۔ اور میں نے ٹینڈر بھی پاس کروالیا ہے۔ اب منسٹر بنا ہوں تو ذمہ داری تو نبھانا پڑے گی۔ زاران نے ارحام کے ہاتھ میں دبے سگریٹ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

ہممم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جانتا ہوں۔۔ایسے ہی کہہ رہا تھا۔۔ارحام نے سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگایا۔

لالا آپ زیادہ نہیں سگریٹ پینے لگے۔۔زاران نے ایش ٹرے میں سگریٹ کے ادھ جلے ٹوٹوں کو دیکھتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

اس کے بغیر میرا گزارا نہیں۔۔اچھی بات ہے۔۔تمھیں اس کی لت نہیں لگی۔۔ارحام سگریٹ کا کش لیتے مسکرایا تھا۔

میں زاران خانزادہ ہوں لالا۔۔۔۔خود پر قابو پانا جانتا ہوں۔۔میں اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنانا جانتا ہوں۔دنیا میں نہ ایسا کوئی رشتہ ہے اور نہ ایسی چیز جو میری کمزوری بن سکے۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہتے اپنے سیل فون کو دیکھتے ان لاک کیا تھا۔your die hard fan کی طرف سے آج بھی

کوئی میسج کوئی کال نہیں آئی تھی۔۔زاران خانزادہ نے سلگتے ہوئے غصے سے اپنا موبائل ٹیبل پر پٹخا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ لگتا ہے کوئی کمزوری مسٹر زاران خانزادہ کی رہ گئی ہے جو اپنی کمزوری غصے کی آڑ میں چھپائی جا رہی ہے۔ ارحام نے اس کے چہرے کے تاثرات بغور دیکھتے طنزا کہا تھا۔۔

میری کوئی کمزوری نہیں ہے۔۔زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی بیرڈ انگلیوں سے سہلاتے جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ پچھلے تین دنوں سے وہ جیسے سلگ رہا تھا۔

ایک ایک لمحہ اس پر عذاب گزر رہا تھا۔۔ ہزاروں بار وہ فون چیک کرتا تھا۔ وہ بارود کا گولا بنا پھر رہا تھا۔

میسج بیپ پر اس نے بے تابی سے اپنا موبائل پکڑے فون ان لاک کیا۔ اپنے دوست کا میسج دیکھ کر ایک بار پھر سے اس نے غصے سے فون ٹیبل پر پٹخا تھا۔

ارحام اس کے تاثرات بغور دیکھتے سگریٹ کا گہرا کش لے رہا تھا۔

لالا۔۔۔۔مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔۔زاران صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔

بولو۔۔۔۔۔ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔

لالا بھابھی کب آرہی ہیں حویلی۔۔۔زاران نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔۔۔

ارحام کی آنکھوں میں زارن کے سوال پر اظطراب چھایا تھا۔ چہرہ بے حد سنجیدہ ہوا تھا۔۔

وہ اب کبھی نہیں آئے گی۔۔ارحام نے سنجیدگی سے جواب دیتے سگریٹ زمین پر پھینکتے اپنے شوز کے نیچے مسلا تھا.

کیا مطلب لالا۔۔۔کیوں نہیں آئیں گی وہ؟؟وہ سلطان شاہ جیسے رئیس کی بیٹی ہیں۔اس لیے اس حویلی آنا انھیں گوارا نہیں ہے۔یہ نکاح انہوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔؟ارحام خانزادہ جو اپنی بیوی کے معاملے میں ہمیشہ اپنی مرضی کرتا تھا۔آج بات آپ نے ان کی مرضی پر کیوں چھوڑی ہوئی ہے۔بھابھی کم عمر ہے۔۔آپ تو میچور ہیں۔سلطان شاہ سے بات کریں۔حور بھابھی کو زبردستی لے کر آئیں یہاں۔انھیں منائیں انھیں سمجھائیں۔ایسا کب تک چلے گا۔

زاران نے اپنے غصے پر قابو پاتے کہا۔

میں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔۔نہ ہی میں اس ٹاپک پر بات کرنا چاہتا ہوں۔۔ارحام سنجیدگی سے کہتے صوفے سے اٹھا تھا۔۔

زاران بھی صوفے سے اٹھتا کھڑا ہوا تھا۔

چلتا ہوں میں۔۔۔۔ صبح میری میٹنگ ہے۔ابھی نکلوں گا تو صبح مٹینگ پر ٹائم سے پہنچ سکوں گا۔

زاران نے ارحام کی بات پر اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔۔جہاں شام کے چھ بج رہے تھے۔ابھی دو گھنٹے پہلے ارحام پہنچا تھا۔اب وہ جا رہا تھا اور وہ کیوں جا رہا تھا وہ بخوبی جانتا تھا۔۔

لالا پریذے کو بہت تیز بخار ہے۔۔زاران کی بات پر ارحام نے پریشانی سے دیکھا۔

میں ابھی ملا ہوں وہ تو ٹھیک تھی۔۔ ارحام پریشانی سے۔ بولا۔

لالا۔۔ اسے پچھلے ہفتے سے رات کو بہت تیز بخار ہو جاتا ہے۔ وہ روز رات میں سوتے ہوئے آپ کو پکارتی ہے۔۔ میں نے ڈاکٹر سے چیک کروایا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے میڈیسن کی ضرورت نہیں آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کو ادھر آج کی رات رکنا چاہیے۔ زاران نے سنجیدگی سے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں پریشانی واضح تھی۔۔

میں دیکھتا ہوں پریذے کو ارحام کہتے زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔ لالا پریذے میڈیسن لے کر مورے کے کمرے میں سو رہی ہے۔۔ مورے بھی ساتھ آرام کر رہی ہیں۔۔ زاران کی بات پر ارحام رکا تھا۔۔ پھر وہ پریشانی سے تیز تیز قدموں سے زنان خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

سوری لالا۔۔۔ اگلے دو دن تک آپ اپنی بیوی کے باڈی گارڈ نہیں بن سکیں گے۔۔ زاران خود سے بولتا اپنا فون اٹھائے تیزی سے حویلی کے بیسمنٹ کی طرف بڑھا۔۔ جہاں اس کا جم خانہ تھا۔۔۔ اپنے اندر کا تمام غصہ اشتعال اس نے پنچنگ بیگ پر مار کر اتارنا تھا۔۔

بہارے بلیک شیفون کے فراک میں ملبوس تھی۔ جس کے سینے پر گہری چنٹیں تھیں۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی ڈریسنگ کرتی تھی۔۔ سارے ڈریسز شہرام اس کے لیے لایا تھا۔

اس طرح کے فراک میں اس کا پیٹ واضح نہیں ہوتا تھا۔ اور شہرام کو بلکل پسند نہیں تھا۔ وہ یوں عیاں ہو۔ اس لیے وہ حویلی میں بھی سب کے سامنے بہت بڑی شال اپنے گرد لپیٹ کر رکھتی تھی۔۔

وہ لب کاٹتے بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوے اس کا انتظار کر رہی تھی کہ درخشاں دودھ کا گلاس لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔بہارے باجی آپ کے پیروں کا مالش کر دوں۔ درخشاں نے دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوے اسے ٹہلتا دیکھ کر پوچھا

۔آٹھواں مہینہ سٹارٹ ہوتے ہی اس کے پیروں میں سویلنگ رہنے لگی تھی۔

نہیں شہرام کر دے گا وہی تو روز کرتا ہے۔بہارے نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔۔سارا دھیان شہرام کی طرف تھا۔وہ تب سے امینہ خانم کے کمرے میں تھا۔وہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔امینہ خانم کے دل میں اسے لے کر

اتنی نفرت تھی اسے اندازہ نہ تھا۔۔ شہرام آگے اس سے ناراض ہے۔۔ وہ امینہ خانم کے کچھ کہنے پر مزید ناراض نہ ہو جائے۔

وہ شہرام کو دوسری شادی کا نہ کہہ رہی ہو۔ اسے کب سے دھڑکا لگا ہوا تھا۔

!!اپنا بیٹی کی آنکھوں کا اداسی دیکھتا ہے۔ تو ہمارا بھی دل کرتا ہے۔۔ ہم شہرام کو اپنا دودھ کا قسم دے کر وہی سب کچھ شہرام سے کروائے۔۔ جو اسفند نے کیا۔ اور کچھ نہیں تو شہرام کا دوسری شادی کروادے!!

ان کے لفظ یاد آتے وہ سلگ کر راکھ ہو رہی تھی۔ بے چینی اس کے پورے وجود کا آحاطہ کیے ہوے تھی۔ شہرام کی دوسری شادی والی بات ہی اس کے حوس جیسے کھونے لگتی تھی۔

ویسے باجی۔۔۔ شہرام لالا آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔ اتنا کون بیوی کا خدمت کرتا ہے۔ سارا حویلی کا مرد لوگ صرف اپنا حق لینا جانتا ہے۔ مگر اس طرح محبت اور پیار اور خدمت صرف شہرام لالا ہی کر سکتا ہے۔

درخشاں کی بات پر وہ چونکی تھی۔ آنکھوں کی شبنم میں آضافہ ہوا تھا۔

کہاں ہے تمھارا شہرام لالا؟؟ اپنی مورے کے کمرے میں ہے۔ بہارے کی آواز شدت سے بھیگ اٹھی۔۔

ہاں بھابھی وہ شہرام لالا امینہ خانم کے کمرے میں ہے۔ ان کا پاؤں دبا رہا ہے۔ ان کا طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔

کیا ہوا ہے انھیں ؟؟ زیادہ طبعیت خراب ہے۔ بہارے نے لرزتے لبوں سے سوال کیا۔ وہ امینہ خانم کو جواب دیکھ کر اب پچھتا رہی تھی۔ امینہ خانم کی طبعیت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ شہرام اس سے زیادہ ناراض نہ ہو جائے۔۔ سارے ڈر خوف وہم ایک بیوی کی طرح ستا رہے تھے۔ ساری سوچیں کسی اکٹوپس کی طرح اس کے اعصاب کے ساتھ لپٹی ہوئی تھیں۔۔ جو اسے جیسے پاگل کر رہی تھیں۔

بہارے گہرے سانس لیتے بیڈ پر بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا گئی۔ اب اس کا ذرا ذرا سی بات پر دل لرزنے لگتا تھا۔ وہ کبھی کسی بات سے ڈری نہیں تھی۔ مگر شہرام سے محبت ہونے کے بعد وہ ہر چیز سے ڈرنے لگی تھی۔ محبت عورت کو کہیں کا نہیں چھوڑتی اسے اندازہ ہوا تھا۔ کاش شہرام اس سے ایسی

محبت نہ کرتا۔ جو ایک مرد کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن شائد وہ غلط تھی۔ اب وہ بھی صرف ایک عام مرد تھا۔

بہارے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک اٹھی رہی۔

وہ امینہ خانم کو کبھی جواب نہ دیتی شہرام آیزل کے ساتھ ہے۔ وہ اس وقت اپنے حواص میں نہیں تھی۔۔۔ امینہ خانم کی بات پر اس کا ظبط چھوٹ گیا تھا۔۔ ان کے لبوں سے شہرام کی دوسری شادی والی برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔ مگر اب پچھتا رہی تھی. امینہ خانم کی وجہ سے نہیں صرف شہرام کی وجہ سے۔۔ شہرام کی محبت شہرام کی ناراضگی بے اعتنائی اس کے لیے بڑی معنی رکھتے تھے۔۔ اس کی ناراضگی بھی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے جسم کی عمارت اندر سے ٹوٹ کر جھڑنے لگتی تھی۔

بھابھی کیا ہوا ہے ؟؟ درخشاں نے اسے ایسے بیٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

تم جاؤ یہاں سے۔۔ بہارے نے اس چہرہ اوپر کرتے اس کی طرف ایک نظر دیکھتے کہا۔۔

بھابھی دودھ ضرور پی لینا۔ لالا نے سختی سے ہدایت کیا ہے۔

درخشاں کی بات پر بہارے کی آنکھوں میں شبنم بڑھی تھی۔ یہ تمھیں تمھارے لالا نے کہا ہے۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں کہتے ہچکی بھری تھی

۔۔

جی انہوں نے بولا میں آپ کو یہ دودھ پلوا کر آؤں۔ اب دودھ پینا میں نخرا کرتا ہے۔۔ درخشاں کی بات وہ بھیگی آنکھوں سے یقدم مسکرائی تھی۔۔

یہ نخرے تو میں صرف اسی کو دکھاتی ہوں۔اس کے بغیر تو میں آرام سے دودھ پی لیتی ہوں کھانا کھا لیتی ہوں۔ بہارے شبنمی لہجے میں بولتے ہلکا سا ہنسی تھی۔

کیا باجی؟؟ درخشاں نے اسے روتے سے ہنستے دیکھا تو دیکھتے حیران ہوئی تھی۔ آنسوؤں اور مسکراہٹ کا میل سمجھ نہیں آیا تھا۔

کچھ نہیں تمھارا لالا نے اگر پوچھا میں نے دودھ پیا ہے یا نہیں۔۔ تم کہنا میں نے دودھ نہیں پیا۔۔ بہارے نے روہانسے لہجے میں منہ بناتے کہا۔

درخشاں کو بہارے کے انداز پر ہنسی آئی تھی۔۔ وہ سچ میں شہرام کی شہزادی تھی۔ یہ بات پوری حویلی جانتی تھی۔

ٹھیک ہے باجی جیسا آپ کہو۔۔۔ درخشاں بہارے کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے چلی گئی تھی۔

تمھارے بغیر کھانا آج کھالیا ہے مگر دودھ نہیں پیوں گی۔ بہارے روہانسے لہجے شہرام سے وشکنوں کناں لہجے میں مخاطب ہوئی تھی۔ بیڈ پر لیٹتے کمبل خود پر لپیٹا تھا۔ مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔۔ جب تک وہ ستمگر کمرے میں نہ آجاتا اسے نیند کہاں آنی تھی۔ بے چینی سے کروٹے لیتے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا۔

بہارے کی رات کو آنکھ کھلی تو شہرام اس کے پاس بیڈ پر سو رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ نرمی سے اس کے پیٹ پر لپٹا تھا۔ بہارے نے کمرے کی جلتی مدھم روشنی میں بھیگی نگاہوں سے شہرام کو دیکھا جو سوتے ہوئے بھی لب بھینچے ہوئے تھا۔۔ بہارے کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔ اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر لپٹے دیکھ کر بہارے لب دانتوں تلے دبائے مسکرائے تھی۔

وہ اس سے ناراض ضرور تھا مگر وہ اس سے دور ہو کر سو نہیں سکا تھا۔ روز کی طرح وہ اسے اپنی بانہوں میں لے ہی سویا تھا۔ بہارے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ اس نے زاران کی طرف رخ پلٹتے اسے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

بہارے نے اس کی ناک کی ٹپ پر انگلی رکھتے اس کے عنابی لبوں پر انگلی رکھی تھی۔ اب وہ بہت نرمی سے اپنی انگلی اس کے برہنہ چٹانی سینے پر پھیرتے اس کے خوبرو طلسماتی نقوش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

شہرام کے مغروریت سے بھرے نقوش کو دیکھ کر بہارے کی آنکھیں جلنے لگی تھی۔

!! تمھارا مرد اتنا خوبصورت ہے اس کو اپنا خوبصورتی اداؤں میں باندھ کر رکھا کرو۔ جس دن تمھارا جگہ کسی دوسرب عورت کو دے دیا تم سر پکڑ کر روئے گا!!

بہارے کی آنکھوں سے آنسو پھسلتے اس کے شفاف رخصار کا حصہ بن رہے تھے۔۔۔ روزینہ خانم کے لفظ آج بھی اس کے سماعتوں میں گونجتے اسے بے چین کر دیتے تھے۔

اپنی غلطیوں کا احساس شد و مد سے ہوتا تھا۔ اسے اپنے شوہر کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے حقوق کا استحصال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسے ہاسپٹل میں اپنا رشتہ چھپانے کے لیے شہرام کو فورس نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کہیں نہ کہیں اس نے خود شہرام کو دوسری لڑکی کی طرف دھکیلا تھا۔ اور آج وہ سزا بھگت رہی تھی۔ ڈاکٹر آیزل اس کی زندگی کا نایٹ مئیر بن چکی تھی۔۔ جو چوبیس گھنٹے اس کے حواصوں پر سوار رہتی تھی۔

وہ شہرام کو کسی صورت کسی دوسری لڑکی کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتی تھی۔

بہارے نے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اس کی گھنی بیرڈ اور مونچھوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔ وہ بہت نرمی سے اس کے گال اس کی ناک کی ٹپ اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ رہی تھی۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

i love you shehraam

تمھاری بہارے تم سے محبت نہیں عشق کرتی ہے۔ بہارے نے اس کی ٹھوڑی پر اپنے لب رکھتے مدھم سی سرگوشی کی ت ء ی

وہ اس کے قریب ہوتے اس سینے میں سمائے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

بہارے کی آنکھ کمرے میں کھٹ پٹ سے کھلی تھی۔

بہارے نے نیند کے خمار سے مشکل سے آنکھیں کھولتے شہرام کو دیکھا جو ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ وہ آف وائٹ سیلف لائینگ شرٹ اور بلو جینز میں ملبوس تھا۔

چہرہ سرد اور سنجیدہ تھا۔ بہارے اس کے سرد و سپاٹ چہرے اور اسے اتنا تیار دیکھ کر بیڈ سے اٹھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

شہرام تم کہاں جا رہے ہو؟؟ بہارے نے اس کے قریب جاتے پوچھا۔ وہ سفید شرٹ میں بہت اٹریکٹو لگ رہا تھا۔ بہارے کی سنہری آنکھیں اس کے طلسماتی نقوش پر اٹکی تھیں۔۔

یہ ہاسپٹل جانے کا وقت ہے۔ وہیں جا رہا ہوں اور کہاں جانا ہے مجھے۔۔؟؟۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے اپنے کف لنکس لگانے لگا۔ اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔۔ ورنہ وہ صبح اسے دیکھتے ہی پہلے اپنی بانہوں میں بھر کر اس کی پشانی پر لپ رکھتا تھا۔ اور پھر اسے ڈیپ کس کرتا تھا ۔ بہارے اس کا سرد سپاٹ چہرہ دیکھ کر روہانسی ہوئی تھی۔

لیکن ہاسپٹل میں بھی جاتی ہوں تمھارے ساتھ۔۔ تم بلکل تیار ہو مجھے اٹھایا بھی نہیں۔ بہارے اپنی بھیگی آنکھیں اس کے سرد سپاٹ چہرے پر گاڑھتے کہا۔

تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں تھی اس لیے تمھیں نہیں اٹھایا۔۔اور اب تم ہاسپٹل نہیں جاؤ گی۔۔شہرام نے اس کی بھیگی آنکھوں کو نظر دیکھتے حکمیہ لہجے میں کہا۔

کیوں؟؟بہارے نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

کیونکہ تمھیں آرام کرنے کی ضرورت ہے۔اور تمھیں گھر پر رہ کر آرام کرنا چاہیے۔۔شہرام نے اب کی بار اس کی طرف دیکھتے کافی نرمی سے کہا تھا۔اس کی بھیگی آنکھیں دیکھتے لہجہ خود بخود نرم ہوا تھا۔

لہجہ نرم تھا مگر آنکھیں سرد سپاٹ تھا۔آنکھوں کے سرد پن پر وہ قابو نہ پا سکا تھا۔

لیکن میں تمھارے ساتھ جاؤں گی شہرام۔۔مجھے نہیں لگتا مجھے آرام کی ضرورت ہے۔۔بہارے جلدی سے بولتے اس کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ جما گئی تھی۔

جس وجہ کے لیے تم ہاسپٹل جاتی ہو۔آج وہ وجہ وہاں نہیں رہے گی۔۔اس لیے اب سکون سے گھر بیٹھو۔جب تک ہمارا بچہ اس دنیا میں نہیں آ جاتا۔۔شہرام اس کے ہاٹھ اپنے سینے سے ہٹاتے سنجیدگی سے کہتے اپنا کوٹ بیڈ سے اٹھائے پہنا تھا۔

تمھیں لگتا ہے میں اس لیے ہاسپٹل جاتی ہوں۔بہارے کے سوال پر شہرام نے اسے جواباً سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

مجھے لگتا نہیں ہے مجھے یقین ہے بہارے۔۔ تم میرا سایہ بن کر کیوں رہتی ہو۔۔ صرف میں نہیں پورا ہاسپٹل جانتا ہے۔ شہرام اس کے نظریں چرانے پر طنزیہ مسکراتے ہوے بیڈ پر بیٹھ کر شوز پہننے لگا۔

تو پھر یوں کہو ناں۔۔۔۔۔۔ تمھیں میرا وجود چبھنے لگا ہے۔ تمھیں مجھ سے ایریٹیشن ہوتی ہے۔ کبھی تم میرا سایہ بن کر رہنا چاہتے تھے۔ اگر آج میرا سایہ بننا تمھیں گوارا نہیں۔ بہارے نے شکوہ کناں آنکھوں سے دیکھتے شکوہ کیا۔

شہرام اس کی بات پر اسے ایک نظر دیکھتا اپنے شوز پہنتے اس کے مقابل جا کھڑا ہوا تھا۔ میں تمھارا سایہ بننا نہیں چاہتا تھا۔۔ میں تمھارا سایہ ہی بن کر رہتا ہوں۔ جب سے تم نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا۔ خود کو مجھے سونپا

۔۔اس دن کے بعد کیا کبھی شہرام خانزادہ نے تمھیں اکیلا چھوڑا؟؟ تمھارے وجود سے کبھی لاپرواہی اختیار کی؟؟۔۔ شہرام نے اسے بازو سے نرمی سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال داغا تھا۔

نہیں۔۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں بے اختیار سر نفی میں ہلایا۔۔

تم نے مجھے ان سات ماہ میں کوئی کانٹریکٹ نہیں کرنے دیا۔ میں نے نہیں کیا۔۔ کتنے کانٹریکٹ سائن کیے۔۔ وہ میں نے چھوڑ دیے۔ صرف اس لیے کہ تم نہیں چاہتی تھی۔ میری ساکھ کو نقصان پہنچا۔۔ مجھے مالی نقصان بھی ہوا۔۔

لاکھوں کا نہیں کڑوڑوں کا۔۔۔ مگر یہ سب میں نے کس کی خاطر برداشت کیا۔ شہرام کے سوال پر بہارے کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔

پچھتا رہے ہو۔؟؟۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں الٹا سوال کیا تھا۔ وہ اس کی باتوں کا ہمیشہ کی طرح غلط مطلب لے گئی تھی۔

نہیں تمھاری بے اعتباری دکھ دیتی ہے۔ شہرام اس کے سوال پر استھزائیہ انداز میں مسکرایا تھا۔ شرام کے استھزائیہ انداز بہارے نے بری طرح اپنے لب کاٹے تھے۔

ان سات ماہ میں تمھارے ساتھ ہاسپٹل گیا۔۔ تمھارے ساتھ ہی آیا۔ پھر بھی کل تم نے وہ سب کیا۔ تم نے کہا تم اگر ہاسپٹل فون نہ کرتی تو تمھیں پتہ ہی نہ چلتا میں آیزل کو پک اینڈ ڈراپ دیتا ہوں۔ صرف مجھے اتنا بتا دو۔۔ میں

تمھارے بغیر کب اکیلا ہاسپٹل گیا جو اسے پک اینڈ ڈراپ دیتا رہا۔ شہرام کے سوال پر وہ بلکل خاموش ہوئی تھی۔

یعنی تمھارے نزدیک میں ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں۔۔ اگر مجھے پانچ منٹ بھی لیٹ ہو جائے۔ تم یوں تماشہ لگایا کرو گی۔۔ اس طرح ہاسپٹل فون کیا کرو گی۔۔ شہرام کی آواز اونچی ہوئی تھی۔۔ بہارے نے اس کی اونچی آواز پر گہرا سانس لیتے اپنی آنکھوں کی نمی پیچھے کی طرف دھکیلی تھی۔

تمھارے فون کال پر میں نے بیس منٹ کا راستہ پانچ منٹ میں طے کیا ۔۔ راستے میں کتنی بار ایکسیڈنٹ ہوا۔۔ صرف دل دماغ میں یہی ٹینشن تھی۔ تم رو رہی ہو گی۔۔ اپنی فکر رہی ہی نہیں تھی۔ جانتا ہوں اب تم کہو گی کہ مجھے اپنے بچے کی فکر ہے۔ شہرام نے اس کے بازو کو نرمی سے جکڑا تھا۔۔ اس

کی ذرا سی سختی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھا۔ اسے ڈر تھا وہ کہیں گر نہ جائے ۔وہ اسے دیکھتے رو رہی تھی۔

شہرام اس کے بازو کو نرمی سے چھوڑ کر اسے ڈریسنگ ٹیبل سے لگاتے اس کے قریب ہوتے اس کے بہتے آنسو اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے سے صاف کیے تھے۔۔ بہارے نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈریسنگ ٹیبل جکڑتے اس کے کھردے انگوٹھوں کی نرمی اپنے عارض پر محسوس کرتے اس کی سرد سپاٹ آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

نہیں ہے کیا تمھیں مجھ سے زیادہ اپنے بچے کی فکر؟؟۔۔وہ پھر سے بھیگے لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کر گئی۔

بچے کی جتنی مرضی فکر ہو مرد کو۔۔ مگر اتنی کیئر وہی مرد کرتا ہے۔ جسے اپنے بچے کی ماں کی بھی فکر ہوتی ہے۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے اس کی بھیگی آنکھوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔

بہارے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ اس کی لبوں کی نرمی کا لمس اس کے اندر تک اترا تھا۔ شہرام اس سے دور ہوا وہ آنکھیں کھولتے سر نفی میں ہلاتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اسے اپنے قریب کر گئی۔

شہرام نے نرمی سے اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے اس سے تھوڑا دور ہوا۔۔

میں اتنی تیز ڈرائیو کرتے میں حویلی آیا تو یہ تماشہ دیکھنے کو ملا

بہارے۔۔۔ماں ہیں وہ میری۔۔۔مجھے اپنی بیوی بچہ عزیز ہیں تو اپنی ماں بھی اتنی عزیز ہے۔۔مجھے کل بلکل پسند نہیں آیا۔ جس طرح تم ان کے سامنے زبان درازی کر رہی تھی۔۔ملازموں کا خیال بھی نہیں کیا۔۔مجھے بلکل اچھا نہیں لگا۔

شہرام نے اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے کہا تھا۔

شہرام انہوں نے مجھے طعنے دیے تھے۔۔وہ تمھاری دوسری شادی کا کہہ رہی تھیں۔

اور تمھیں لگتا ہے میں ان کے کہنے پر دوسری شادی کر لیتا۔۔شہرام نے لب بھینچے تیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔۔

نہیں مگر۔۔۔۔۔ بہارے نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے نظریں جھکائیں۔

بہارے مرد جب دوسری شادی کرتا ہے تو اس کے پاس دوسری شادی کرنے کا ایک ہی جواز ہوتا ہے کہ اسے خدا نے اختیار دے رکھا ہے۔۔ بس وہ ایک اس بات پر بات ہی ختم کر دیتا ہے۔۔ مگر جب وہ اختیارات ہونے کے باوجود اپنا حق استعمال نہ کرے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے وہ اس عورت سے بے حد محبت کرتا ہے۔۔ جو اس کی زندگی میں پہلے سے موجود ہے۔ وہ اس کے آنسوؤں کی خاطر اسے دکھ نہ دینے کی وجہ سے ساری عمر اس عورت سے وفا کرتا ہے۔۔ وجہ کیا ہوتی ہے وہ محبت جو وہ اس عورت سے کرتا ہے۔ شہرام نے اس کی متورم گلابی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔ بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

میری مورے کے طعنے سن لیتی بہارے۔۔ میرے کمرے میں آنے کے بعد مجھ پر چیختی چلاتی۔۔ میں تمھارے قدموں مین بیٹھ کر تمھیں مناتا۔۔ جس طرح ہمیشہ کرتا ہوں۔ مگر تم نے جو کل کیا۔۔ وہ مجھے بلکل اچھا نہیں لگا۔ اگر میں تمھیں لے کر حساس ہو سکتا ہوں۔ تو سوچو میرے لیے باقی رشتے کتنی اہمیت رکھتے ہوں گے۔ شہرام خانزادہ اپنی بیوی کے لیے پاگل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے اس کے باقی رشتے بھی اس کا جنون ہیں۔ اس کا سب کچھ ہیں۔

آیندہ یہ سب نہیں ہونا چاہیے۔ مورے کے سامنے تمھاری آواز اونچی نہیں ہونی چاہیے۔۔ شہرام سرد انداز میں تنبیہ کرتے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔۔

تم کہتے ہو تو میں ان سے معافی مانگ لیتی ہوں۔۔ وہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔ وہ اس سے ناراض ہو کر جا رہا تھا۔ بہارے سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

شہرام نے اس کی بات پر مڑ کر اسے دیکھا۔۔ بہارے تیزی سے اس کی طرف بڑھتی اس کا بازو جکڑ گئی۔

شہرام میں معافی مانگ لوں گی مورے سے۔ جیسے تم کہو گے ویسے کر لوں گی۔۔ اگر تمھیں میرا چیخنا چلانا نہیں

پسند۔۔ میں بلکل تم پر چیخوں گی نہیں۔۔ نہ ہی کوئی نخرہ دکھاؤں گی۔ میں اتنی بری نہیں ہوں۔ جتنا تمھاری مورے مجھے کہہ رہی تھی۔ یا تم سمجھتے ہو۔ جہاں بات تمھیں شئیر کرنے کی آتی ہے میں اپنا ظبط کھو دیتی ہوں۔ اس نے سسکی لیتے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

تمھیں ہمیشہ نخرے دکھائے۔۔ کیونکہ تم اٹھاتے ہو۔۔ بچپن سے اٹھاتے ہو۔ مگر اب نہیں دکھاؤں گی۔ جیسے تم کہو گے ویسے بن جاؤں گی۔۔ جیسے تمھاری مورے چاہتی ہیں۔ ویسے بن جاؤں گی بہارے لب کاٹتے اس کے بازو کو جکڑتے اپنی شبنمی آواز پر قابو پاتے ٹوٹے لفظوں سے بول رہی تھی ۔مقابل کا سرد پن اس کی رگوں میں برف بن کر اتر رہا تھا۔

اگر تم میں کچھ بدلنا ہوتا تو ان سات ماہ میں بدل چکا ہوتا۔۔ تمھارے نخرے اٹھانے کا مطلب ہے۔ تم مجھے جیسی ہو ویسے ہی پسند ہو۔۔ مگر یہ نخرہ یہ بدتمیزی چیخنا چلانا صرف مجھ تک محدود رہے تو مجھے پسند ہے۔۔ خود کو بدلنے سے اچھا ہے۔ صرف مجھ پر اعتبار کر لو۔

شہرام نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے چھڑوائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

شہرام اپنے آفس کی چیئر پر لب بھینچے بیٹھا ہوا تھا۔۔ اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے وہ اپنے سامنے پڑے جرمنی کی ٹکٹ کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کی رنگت سرخ تھی۔ شدید سرخ تھی۔۔

سماعتوں میں اپنے لفظ گونج رہے تھے۔

!!میں شہرام خانزادہ درید خان کا بیٹا ہوں۔ اپنے لفظوں اور قول سے پھر جاؤں یہ ہو نہیں ہو سکتا.۔ اگر میں اپنے قول وعدے سے پھر گیا تو سمجھنا میرے اندر درید خان کا خون نہیں۔ میں خانزادہ نہیں!!۔۔

آج سے سات ماہ پہلے یہ لفظ بولتے جیسے اس نے خود کو گالی دے دی تھی ۔ آج بھی ان لفظوں کے طمانچوں کی گونج اسے نظریں اٹھانے نہیں دیتی تھی۔

ان لفظوں نے اس سے اس کی نیندیں چھین لی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ شہرام خانزادہ جو اپنے قول اور ضد کا پکا ہے۔ وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔ مگر اس نے کیا۔۔ ایک عورت کے آنسوؤں نے اس سے کروایا۔۔

افففف۔۔۔۔۔۔ شہرام خانزادہ نے اذیت سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔

اپنے وعدے اپنے قول سے مکرنا ایسا تھا اس کے لیے جیسے وہ خانزادہ خون ہی نہیں۔۔ سینہ ٹھوک کر کہا تھا اس نے اگر ایسا ہوا تو وہ درید خان کا خون نہیں خود کو کہلائے گا۔

آج وہ کس منہ سے کہے گا اس سے واپس جانے کو؟؟۔۔کیسے نظریں ملائے گا اس سے؟؟۔۔۔ نظروں کے سامنے اس رات کا ایک ایک منظر آتا اسے پاگل کر رہا تھا۔۔وہ چیئر کی پشت کے ساتھ ٹیک چھوڑے ٹیبل پر ہاتھ جماتے مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

دروازہ ناک ہونے پر شہرام کی بند مٹھیوں کی کڑکڑاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔اس کے لبوں سے مشکل سے ہی یس نکلا تھا۔ آواز جیسے حلق میں ہی اٹکی تھی۔

شہرام کی آجازت ملنے پر ڈاکٹر آیزل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ آج بھی بلیک ڈریس پہنے ہوے تھی۔اس کا فیورٹ کلر۔۔۔دوپٹہ سر پر لیے ہوے تھی۔شہرام اسے دیکھتے ایک بار پھر سے اس سے نظریں چرا گیا تھا۔

تم نے مجھے بلایا تھا شہرام۔۔ آیزل نے شہرام کو بغور دیکھتے پوچھا۔

ہاں وہ۔۔۔۔۔۔مجھے کہنا تھا شہرام نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی گردن رب کی ۔وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہا تھا۔ لفظ حلق میں اٹک رہے تھے۔ گہری خاموشی چھائی تھی۔ جسے ڈاکٹر آیزل کی آواز نے توڑا تھا۔

جو بھی کہنا ہے کہہ دو شہرام۔۔۔۔ سات ماہ میں نے تمھارے لفظوں کا انتظار کیا ہے۔ سات ماہ تمھارے وعدے پر اعتبار کیا ہے۔۔ سات ماہ سے میں ان پہاڑوں میں صرف تمھارے وعدے تمھاری کہی ہوئی اس بات پر رہ رہی ہوں۔ جب تم سینہ ٹھوک کر کہا تھا تم شہرام خانزادہ ہو جو اپنے وعدے سے نہیں پھرتا۔

ڈاکٹر آیزل کی باتوں پر شہرام کی آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔۔

شہرام۔۔۔۔تم نے اس لال رنگ میں خون کی بہتی ندی بھی شامل کر دے تھی۔۔کیوں کیا تم نے ایسا؟؟تم تو ایک عام مرد نہیں تھے مگر تم عام مرد سے بھی بدتر نکلے. ایک بزدل ڈرپوک۔۔۔۔کمزور مرد۔۔ایک عام سے سطی مرد۔۔۔۔نامرد

بس۔۔۔۔۔۔۔۔شہرام چیئر سے اٹھتے ٹیبل پر ہاتھ مارتا غرایا تھا۔بس ڈاکٹر آیزل ایک لفظ اور نہیں میں آپ کی عزت کرتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں آپ اپنی لمٹس کراس کر جائیں۔۔شہرام آیزل کی طرف دیکھتے سرد تنبیہ انداز میں غرایا تھا

شہرام کی غراہٹ پر آیزل کچھ پلوں کے خاموش ہوئی تھی۔

کیوں شہرام ایک لفظ اور کیوں نہیں۔۔۔سچائی برداشت نہیں ہو رہی۔مجھے صرف اتنا جواب دے دو۔۔تم میری اس ایک رات کا مداوہ کیسے کرو

گے۔۔ڈاکٹر آیزل نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔شہرام نے جھنجھلاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ مسلی تھی۔

ایک رات میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں۔گیارہ دس یا پھر نو۔۔۔ان نو گھنٹوں میں کتنے منٹس ہوتے ہیں۔540 منٹ ہوتے ہیں۔ان منٹس میں کتنے سیکنڈ ہوتے ہیں32400۔۔۔آیزل کا لہجہ شدت سے بھیگتا جارہا تھا۔شہرام لب بھینچے نظریں چرائے کھڑا تھا۔۔

تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔میں یہاں کسی سے نظریں نہیں ملا سکتی۔۔لیکن میں پھر بھی یہاں پچھلے سات ماہ سے پتہ ہے کیوں ہوں۔کیونکہ مجھے اس گھڑی کا انتظار تھا۔تمھاری خاموشی ٹوٹنے کا انتظار تھا۔تمھارے مقابل آنے کا انتظار تھا۔اور فائنلی آج وہ گھڑی آگئی.

ڈاکٹر آیزل نے بھیگے لہجے میں کہتے شہرام خانزادہ کو دیکھا جو اسے سرخ نگاہوں سے لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل نے اپنی نیلی آنکھیں شہرام خانزادہ کی براؤن ساحرانہ آنکھوں میں گاڑھیں۔

تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔؟؟ آیزل نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے شکوہ کیا جو سات ماہ پہلے بھی نہیں کر سکی تھی۔

بتایا تھا میں کسی سے محبت کرتا ہوں ایک بار نہیں کئی بار۔۔۔۔ لیکن تم ہر بار مجھے قسم دیتی رہی کہ میں تمھیں اس ہاسپٹل سے نہ نکالوں۔۔۔

شہرام کے تم کہنے پر ڈاکٹر آیزل سسکتے ہوے رو پڑی تھی۔ مقابل کے لبوں سے تم سننے کی کتنی تمنا تھی۔۔ آج پوری بھی ہوئی کن حالات میں۔

بہارے تمھاری بیوی ہے کیوں چھپایا مجھ سے ؟؟۔ اس ہاسپٹل کے ہر انسان سے کہ کیوں چھپا کر رکھا تم نے اس سے اپنا تعلق۔ اگر تم مجھے بتا دیتے شائد میں خود کو روک لیتی۔۔ شائد روک دیتی خود کو آرزاں ہونے سے۔۔ آیزل نے روتے ہوے سوال کیا۔

اس کے منہ سے نکلے گئے لفظوں کو پورا کرنے کے لیے شہرام خانزادہ ہر بار سولی پر چڑھ جاتا ہے۔ سمجھو ان لفظوں کو پورا کرنے کے لیے میرا سولی پر چڑھنا لکھا جا چکا تھا۔۔ اور آج تک جان سولی پر اٹکی ہے. شہرام نے زخمی سے لہجے میں جواب دیتے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھے۔۔

!!میں نہیں چاہتی یہاں کسی کو پتہ چلیں ہم ہسبنڈ اینڈ وائف ہیں۔ میں یہاں اپنی قابلیت منوانا چاہتی ہوں۔ مجھے شہرام خان کی بیوی کہلوانا نہیں پسند!!

بہارے لفظ یاد کرتے اس کی آنکھیں سرد ہوئی تھیں۔

کسی کی محبت میں کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلنا کہاں کا انصاف ہے۔۔ کیوں کھیلا میرے سیٹیمنٹس کے ساتھ وہ بھی اس نازک حالت میں۔۔ جہاں میں نے تمھارے ہر لفظ کو سچ جانا تھا۔ ڈاکٹر آیزل کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہتے اس کے عارض کو بگھوتے شہرام سے شکوہ کر گئے۔۔

میں مجبور تھا آیزل۔۔۔۔ شہرام نے سیدھے ہوتے لب بھینچے کہا۔ اس سے آگے کیا صفائی دیتا۔۔ غلطی تو اس سے ہوئی تھی۔ وہ دونوں عورتوں کا مجرم تھا۔ دونوں اس سے عشق کی دعویدار تھیں۔

مرد مجبور نہیں ہوتا۔۔۔ آیزل چیخ اٹھی تھی۔۔۔

مجھے لگتا ہے مرد سے بڑا مجبور کوئی نہیں۔۔ شہرام تلخی سے مسکرایا تھا۔۔

تمھاری ہر مجبوری کا نام بہارے ہے۔۔ڈاکٹر آیزل سسکتے ہوئے طنزیہ بولی۔

شائد۔۔۔۔ شہرام آیزل کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے اس کا الزام قبول کر گیا تھا۔

تم خود غرض ہو۔۔۔ آیزل نے اس کے سچ بولنے پر کرب سے ہچکی لی تھی۔۔ محبت میں خود غرض کون نہیں ہوتا؟؟۔ شہرام کی بات پر آیزل کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی شدت نے اختیار کی تھی۔ وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھے بری طرح سسک پڑی تھی۔ شہرام لب بھینچے بے بسی سے اسے روتے

ہوے دیکھ رہا تھا۔ انھی آنسوؤں کی وجہ سے وہ پچھلے سات ماہ سے ڈاکٹر آیزل کو نظر انداز کر رہا تھاو

یکدم ڈاکٹر آیزل کی نظر ٹیبل پر رکھے جرمنی کے ٹکٹ پر پڑی۔۔ آیزل کے آنسو تھمے تھے۔ وہ پہلے بھی دوبار اس کے لیے جرمنی کے ٹکٹ بجھوائے تھے۔ تب وہ خود سامنے نہیں آیا تھا۔۔ مگر آج وہ اس کے سامنے تھا۔ اس نے آج اسے واپس بھیجنے کے لیے اپنے آفس بلایا تھا۔ وہ شرمندہ نہیں تھا۔ ۔نہ سامنے کھڑے سفاک انسان کو اپنی بے رحمی کا احساس تھا۔

ڈاکٹر آیزل نے سسکی بھرتے اپنے بہتے آنسو صاف کیے

کبھی انسان سے ایک لمحہ وہ سب کچھ کروا دیتا ہے۔ جسے کرنے کے لیے انسان ہفتوں مہینوں سوچتا ہے۔ مگر کر نہیں پاتا۔۔ آج وہ فیصلہ ہو چکا تھا۔۔ آج اس ایک لمحے نے ڈاکٹر آیزل سے وہ کروا دیا تھا جو شائد وہ کبھی نہ کر پاتی۔۔

اسے احساس ہوا تھا محبت سے بڑھ کر سیلف رسپیکٹ ہوتی ہے۔ جو وہ پچھلے ایک سال سے بھولی ہوئی تھی۔

اب اور وہ کتنی بار خود کو ڈی گریڈ کرتی۔

شہرام میں جرمنی جانا چاہتی ہوں۔ڈاکٹر آیزل نے گہرے سانس لیتے اپنی بات مکمل کی۔ مقابل سے دوری اس کی جان نکال رہی تھی جیسے۔۔ڈاکٹر آیزل کی بات پر شہرام نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔۔

ڈاکٹر آیزل نم نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بے یقین مت ہو۔۔ تم نے ٹھیک کہا تھا محبت خود غرض بنا دیتی ہے۔۔ میں بھی شائد خود غرض ہو گئی تھی۔۔شائد آج سے سات ماہ پہلے بھی اس رات کو بھی خود غرض ہو گئی تھی۔۔ درد کی انتہا پر تھی۔۔مجھے لگا میرے ہر درد کا علاج تم ہو۔

ڈاکٹر آیزل نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔ شہرام نے گہرا سانس لیتے اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلائی۔

مگر اس خود غرضی میں میں نے اپنا سب سے اچھا دوست کھو دیا۔۔ڈاکٹر آیزل بھیگے لہجے میں بولتی ایک بار پھر سے رو دی تھی۔۔

میں آپ کا ہمیشہ دوست رہوں گا۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہا تو ڈاکٹر آیزل کھکھلائی تھیو

تم خود غرض ہی نہیں جھوٹے بھی ہو۔۔۔وہ تمھیں لے کر بہت پوزیسیو ہے۔۔وہ تمھیں کبھی مجھ سے بات نہیں کرنے دے گی۔اور تم ہر بار کی طرح اس کے آنسوؤں کے اگے ہتھیار ڈال دو گے۔ تم وہ شہرام نہیں ہو۔۔۔ جس کی بہادری اور سچائی سے مجھ سے محبت ہوئی تھی

ڈاکٹر آیزل تلخی سے بولتے زخمی س مسکرائی تھی

ٹھیک کہا تم نے سارے الزمات کے ساتھ خسارے بھی میرے حصے میں آئے۔اور ظالم جھوٹا بے حس بھی میں ٹھہرا۔۔شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔

خسارے تمھارے حصے میں نہیں میرے حصے میں آئے ہیں۔ تمھارے پاس تمھاری بیوی بچہ ہیں۔۔میرے پاس کچھ نہیں رہا وہ آس بھی نہیں جس نے مجھے ان پہاڑوں میں رہنے پر مجبور کیا۔۔ڈاکٹر آیزل نے کرب سے کہتے اپنی بھیگی آنکھوں میں آئی نمی آنکھیں جھپک کر پیچھے کی طرف دھکیلی۔

اینی ویز۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو یہ کہہ رہی تھی تم اگر میرے دوست ہوتے تو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے۔۔ایک بار مجھے وہی اپنا دوست دے دو۔۔ڈاکٹر آیزل نے بھیگے لہجے التجائیہ لہجے میں کہا۔

شہرام مبہم سا مسکرایا تھا۔۔ڈاکٹر آیزل بھی نم آنکھوں سے

مسکرائی تھی۔۔

آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ میری وجہ سے تم بہت پریشان رہے۔۔ڈاکٹر آیزل نے آگے بڑھتے ٹیبل سے جرمنی کی ٹکٹ اٹھائی تھی۔وہ یکدم بے قراری اور بے اختیاری میں شہرام کے مضبوط سینے میں آسمائی تھی۔

شہرام ڈاکٹر آیزل کی حرکت پر سٹل ہوا تھا۔

میں یہاں سے تمھارا لمس لے کر اپنے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔۔وہ شہرام کے سینے سے لگے نم آواز میں بولتے اس کے سینے کے ساتھ مزید لپٹی تھی۔یہ پہلی مرتبہ تھا ڈاکٹر آیزل نے ایسی حرکت کی تھی۔شائد جدائی کے لمحات وہ برداشت نہیں کر سکی تھی۔۔

شہرام لب بھینچے کھڑا تھا۔نہ اس نے ڈاکٹر آیزل کو خود سے الگ کیا تھا۔نہ اس کے گرد اپنے مضبوط ہاتھ لپیٹے تھے۔

اسی اثناء میں یکدم آفس کا دروازہ کھلا تھا۔۔

شہرام اس سے پہلے ڈاکٹر آیزل کو دور کرتا بہارے کو اندر داخل ہوتا دیکھتے شہرام ایک پل کے لیے ششدر ہوا تھا۔دوسرے لمحے شہرام نے حواس باختہ ہوتے ڈاکٹر آیزل کو خود سے دور کیا۔ڈاکٹر آیزل بھی جلدی سے دور ہوئی تھی۔

بہارے گہرے سانس لیتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کو ہوتے دروازے کے ساتھ جا لگی تھی۔۔وہ بے یقینی کی کیفیت میں لرزتے ہوے دروازے میں سمائے ہوے تھی۔

آنکھوں نے جو منظر دیکھا وہ نا قابل دید تھا اس کی سنہری آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برس رہے تھے۔وہ روتے ہوے شہرام کو گلابی زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

درد ہے عشق کا

عشق کا درد ہے

شہرام تیزی سے بہارے کی طرف بڑھا تھا۔ جو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اپنا گلہ جکڑے اب گہرے سانس لے رہی تھی۔۔

وہ بلیک گرم فراک کے اوپر بلیک شال اوڑھے ہوے تھی۔

چہرہ بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا۔ پورا بدن ہچکولوں کی نذر تھا۔

بہارے کیا ہوا تمھیں۔ شہرام اس کی حالت دیکھتے بے تابی سے اس کی طرف بڑھا۔

قریب مت آنا میرے۔۔۔۔۔ بہارے حلق کے بل چیخی تھی۔

اس کے اس طرح چیخنے پر شہرام کے بھاری قدم ایک پل کو ٹھہرے تھے۔ دوسرے لمحے وہ ایک ہی جست میں اس کے قریب ہوا

بہارے یہ کیا کر رہی ہو؟؟ ہاسپٹل ہے یہ۔۔ شہرام ناگواری سے سرد لہجے میں پھنکارا۔۔ یہ آفس تھا حویلی کا کمرہ نہیں جہاں وہ اس کی چیخنا برداشت کرتا۔ اس کے اس طرح چیخنے چلانے پر اس کا اور آیزل کا کردار پھر سے مشکوک ہو سکتا تھا۔ جو وہ نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے بہارے کی کنڈیشن نظر انداز کرتا وہ مشتعل ہوا تھا۔

ہاسپٹل ہے یہ؟؟۔۔۔۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں شہرام کے لفظ یاد کرتے بھیگی آنکھوں سے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتی روتے ہوے درد و کرب سے مسکرائی تھی۔

برداشت نہیں ہوا تم سے۔۔ اس لیے یہاں اسے اپنے سینے کے ساتھ لگائے اپنا حق لے رہے تھے۔

بہارے دروازے میں سمائے کرب سے بولتے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ شہرام نے غراہٹ بھرے لہجے میں کہتے ڈاکٹر آیزل کو ایک نظر دیکھا تھا۔ جو پریشانی سے کھڑی شہرام کو نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک بار وہ اور اپنا تماشہ بنتے نہیں دیکھ سکتے تھی۔

واہ کیا بات ہے تمھاری شہرام خانزادہ۔۔۔ تم اپنے قول کے پکے ہو تم نے آج ثابت کر دیا کہ تم بدلہ لینے کے لیے ہر حد تک جا سکتے ہو۔۔ مجھے صرف یہ بتا دو تم نے آیزل سے نکاح کر کے مجھ سے میری بے رخی میری بے اعتنائی کا بدلہ لیا یا میرے لالا کا بدلہ لیا یا پھر تم جیسے مرد کا ایک عورت سے گزارا نہیں ہوتا۔۔ بہارے نے چیختے ہوے سوال کیا تھا۔

بہارے۔۔۔اپنی آواز پر قابو پاؤ۔۔۔ورنہ بھول جاؤں گا تم ماں بننے والی ہو۔۔شہرام ایک ہی جست میں آگے بڑھتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ پن کر گیا تھا۔

بہارے کی بھیگی گلابی آنکھوں میں اپنی خون اتری آنکھیں گاڑھیں۔

سات ماہ مجھے دھوکہ دیا۔۔اس بچے کی وجہ سے تم مجھے برداشت کرتے رہے۔۔بچے کی وجہ سے تم میرے ناز نخرے اٹھاتے رہے۔۔کتنے منافق ہو تم اگر مجھے دھوکہ ہی دینا تھا۔۔تو ان سات ماہ میں مجھ پر یہ باور کیوں کروایا کہ تم بہت اچھے شوہر ہو۔۔حویلی کے مردوں کی طرح ایک عام مرد بن کر رہتے۔۔بہارے نے سسکی لیتے شہرام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے کرب سے سوال داغا تھا۔۔

شہرام کی پر تپش سانسیں اپنے چہرے پر بکھرے محسوس کرتے اس کے اندر کی تپش میں آضافہ ہوا رہا تھا۔ ان سانسوں پر کسی اور کا بھی حق تھا۔ وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔

شہرام لب بھینچے اس کی سنہری متورم آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو زخمی سی اس سے سوال کر رہی تھیں۔

بہت برا بدلہ لیا ہے مجھ سے۔۔ تم بہت سفاک بے رحم ہو۔ میں تو تم پر مر مٹی تھی۔ تمھارے عشق میں پاگل۔۔ تمھاری دیوانی۔۔ ان سات ماہ میں جیسے رکھتے رہ لیتی۔ کہہ دیتے تم بدل گئے ہو۔ یا پھر شہرام خان ویسا نہیں رہا۔ بہارے اب تمھیں بھی حویلی کی عورتوں کی طرح رہنا ہو گا۔ بہارے بری طرح روتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی لہجے میں بولتے کرب سے بول رہی تھی۔

اتنا اچھا بننے کا ناٹک کیوں کیا۔ کیوں مجھے ان سات ماہ سینت سینت کر رکھا۔ کیوں دن رات میری کیئر کی۔ کیوں مجھے احساس دلایا میں تمھاری شہزادی ہوں۔

بلکہ بچپن سے مجھ سے ایسی محبت کیوں کی ؟؟۔۔ جیسے کوئی کسی سے نہیں کر سکتا۔ کیوں احساس دلایا میں سب سے الگ ہوں۔ کیوں مجھے اپنی محبت میں اتنا مغرور بنایا۔

کیوں اتنا بڑا ظلم کیا مجھ پر ؟؟۔۔ کیوں میرا مان میرا غرور مجھ سے چھینا۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے سوال کرتے ہزیانی چیخی تھی۔

بہارے۔۔۔۔۔۔میری بات سنو۔۔۔وہ اس کے ہذیانی چیخنے پر اس کا بازو نرمی سے جکڑ گیا تھا۔وہ اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی۔۔اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔آنکھوں سے آنسو جیسے دریا کی صورت میں بہہ رہے تھے۔آنکھوں کی رنگت گلابی سے سرخی میں تبدیل ہو رہی تھی۔

نہیں سنو گی تمھاری بات۔۔۔نہیں اعتبار کروں گی تمھارے کسی بھی جملے پر۔۔۔یقیناً آج بھی تمھیں اپنے بچے کا خیال ہو گا۔۔مجھے اتنا بتا دو میری سزا صرف تمھاری بیوفائی تھی یا پھر یہ بچہ بھی مجھ سے چھیننے کا آرادہ تھا۔۔میرا بچہ آیزل کو دینے کا آرادہ ہے تمھارا۔۔وہ ایک بار پھر سے چیخی تھی۔۔بہارے ایسا کچھ نہیں ہے۔شہرام نے اس کے چیخنے پر اپنے اشتعال

پر قابو پاتے پیشانی انگلی سے مسلی۔۔۔یہ ہاسپٹل تھا حویلی نہیں تھی۔وہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔وہ اس کی طبعیت دیکھتے پریشان ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر آیزل بے بسی سے کھڑی تھی۔وہ باہر نہیں جاسکتی تھی۔بہارے دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔مگر بہارے کے رونے اور چیخنے پر وہ کافی پریشان تھی۔

ایسا ہی ہے شہرام خان۔۔مگر میں اپنے بچے پر تم جیسے انسان کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے چیخی تھی۔

ایسا کیا کیا ہے میں نے؟؟شہرام بھی اب چیخا تھا۔اپنے مشتعل ہوتے اعصابوں پر وہ قابو نہیں پاسکا تھا۔بے قصور ہوتے ہوے بھی وہ پچھلے سات ماہ سے سزا بھگت رہا تھا۔

جو تم ابھی کر رہے تھے۔۔ وہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ تمھاری بیوفائی میں عملاً دیکھ چکی ہوں۔ کاش میں دیکھنے سے پہلے مر جاتی۔ بہارے شدت غم سے رو دی۔۔

آنکھوں کے آگے وہ منظر آیا تھا۔

اس کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا جیسے۔۔ پورے بدن میں شعلے دہکتے اس کے اوپر گرم لاوا انڈیل چکے تھے۔

کیا میں نے پا دیا ہے

کیا میں نے کھو دیا ہے

تو ہی تو تھا اپنا میرا

کیسے ٹوٹا یہ سپنا

تو جو کھو جائے گا

جینا مشکل ہو جائے گا

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

وہ بمشکل سانس لیتے شہرام کو سرخ زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

بہارے۔۔۔۔ شہرام نے ڈاکٹر آیزل کو ایک نظر دیکھتے لب بھینچے نم نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

میرے سامنے دیکھ رہے ہو اسے ؟؟۔۔ بہارے نے کرب سے درد سسکی بھری تھی.

شہرام نے پیچھے ہوتے گہرا سانس لیتے اپنی آئی برو مسلی تھی۔

یہ عشق کی ہیں راہیں

جن میں کب سے چل رہا ہوں

نجانے میں کب سے اس آگ میں جل رہا ہوں

وہ اپنے بال اب مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں نمی سی اتری تھی۔ بچپن کے عشق نے ہمیشہ اسے سولی پر لٹکایا تھا۔ آج بھی وہ سولی پر لٹکا تھا جیسے۔۔

بہارے میری بات سنو۔۔۔ میں تمھیں سب ایکسپلین کرتا ہوں۔ شہرام خود پر قابو پاتے پھر سے اس کے قریب ہوا تھا۔

ایکسپلین کرو گے تم۔۔۔ بہارے شدت غم سے بری طرح روتے ہوے روتے لرزتے لبوں سے بولی تھی۔۔

کرو ایکسپلین۔۔ بولو جھوٹ۔۔۔۔ ایک نیا بہانہ ایک نیا جواز گڑو۔۔۔۔ بتاؤ مجھے ان پیپرز کی اہمیت کیا ہے۔۔۔ بہارے نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پیپرز شہرام کے منہ پر مار دیے تھے۔۔

پیپرز شہرام کے منہ پر لگتے اس کے قدموں میں آن گرے تھے۔

شہرام نے سرخ چہرے کے ساتھ اپنے قدموں میں گرے ہوے پیپرز جھکتے ہوے اٹھائے تھے۔ وہ پیپرز دیکھتے شہرام کا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔ شہرام نے غصے سے اپنے لب بھینچتے اپنی چوڑی ہتھیلی پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

کیا جسٹفیکشن ہے تمھارے پاس۔۔ تم نے اس رات وہ گھر کسی اور عورت کے لیے سجایا تھا۔ اس سیج پر تم نے میرے ساتھ وہ سب کیا۔۔ جو کسی دوسری عورت کے لیے تھا۔

تم نے میری تذلیل کی۔۔ اس بیڈ پر جو کسی دوسری عورپ کے لیے تھا۔ کیسے کر سکتے ہو تم؟؟ کیسے کر سکتے ہو تم؟؟ اتنا بڑا دھوکہ اتنی بڑی بیوفائی۔۔۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت غم سے روتے ہوے ہذیانی چیخی تھی۔

شہرام نے اس کے چیخنے پر اور یہ پیپرز دیکھتے پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفلوج ہوا تھا جیسے۔۔ آخر وہ ان پیپرز کی کیا صفائی دیتا تھا۔ جو حقیقت تھی وہ وہ برداشت نہ کر پاتی۔۔

میں اپنے بچے پر اب کبھی تمھارا سایہ نہیں پڑنے دوں گی۔۔ کبھی نہیں۔اس بچے کے لیے تم نے مجھے سات ماہ بیوقوف بنایا۔سات ماہ میں ایک دھوکے باز انسان کے ساتھ رہی۔۔اب سزا میں دوں گی تمھیں۔جس بچے میں تمھاری جان بستی ہے۔۔میں اس پر تمھارا سایہ نہیں پڑنے دوں گی۔۔

بہارے نے شہرام کو پوری قوت سے خود سے دور جھٹکا تھا۔شہرام اس کے جھٹکنے پر خود ہی دور ہو گیا تھا۔وہ ذرا سی فورس لگانے پر بری طرح ہانپ گئی تھی۔وہ شہرام کو سرخ آنکھوں سے دیکھتی دروازہ کھولتی نکل گئی تھی۔۔

بہارے۔۔۔۔۔شہرام نے چیختے ہوئے پوری قوت سے دیوار پر مکہ دے مارا تھا۔۔اس نے اتنی زور سے دیوار پر پنچ مارا تھا کہ کا آہنی ہاتھ کی انگلیاں زخمی سی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر آیزل نے منہ پر ہاتھ رکھتے پیچھے کو ہوتے شہرام کی حالت دیکھی تھی۔۔اس کی انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔

شہرام گہرے سانس لیتے کچھ پل کھڑا رہا پھر تیزی سے دروازہ کھولتے بہارے کے پیچھے لپکا تھا۔

ڈاکٹر آیزل نے شہرام کے جانے کے بعد آگے بڑھتے زمین سے وہ پیپرز اٹھا کر دیکھے تو وہ پیپرز پکڑے شدت سے رو دی تھی۔۔

شہرام بھاگتا ہوا بہارے کے پیچھے گیا۔جو تیز تیز قدموں سے کوریڈور کراس کر چکی تھی۔اب وہ ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی

۔وہ ہاسپٹل کا گیٹ کیوں کراس رہی تھی۔وہ رحیم خان کے ساتھ واپس حویلی کیوں نہیں گئی۔وہ آخر یوں پیدل اس حالت میں کہاں جا رہی تھی۔

وہ اسے ہاسپٹل کے گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

کوریڈور سے گزرتے لوگوں نے شہرام کو یوں بھاگتے دیکھ کر حیرانگی سے دیکھا تھا۔۔بہارے کو کچھ دیر پہلے سب نے روتے ہوے دیکھا تھا۔۔اب شہرام کو یوں بھاگتا دیکھ کر سب لوگوں کی نظروں میں تجسس تھا۔

وہاں سے گزرتے لوگوں کی آنکھوں میں تجسس دیکھ کر وہ بیک لمحے کو ٹھہرا تھا۔دوسرے ہی لمحے اس کے قدموں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔۔اسے اس وقت صرف اپنی بیوی اور بچے کی پرواہ تھی۔۔دنیا کیا سوچتی ہے اسے کوئی غرض نہیں تھی۔۔

بہارے بھاگتی ہوئی ہاسپٹل کا پچھلا گیٹ کراس کر چکی تھی۔۔اسے یوں بھاگتا دیکھ کر شہرام خانزادہ کی جان حلق میں اٹکی تھی۔۔اس کی بہت قیمتی چیز اس کے پاس تھی۔

اور وہ شدت غم یہ بھول چکی تھی۔وہ بچہ دونوں کے لیے زندگی سے بڑھ کر تھا۔

درد ہے عشق کا

عشق کا درد ہے

وہ روتے ہوئے تیز تیز قدموں سے سڑک سے گزر رہی تھی۔موسم سرد تھا۔۔ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی رھی۔اس وقت دن کے گیارہ بج

رہے تھے۔۔ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ کی طرف سڑکیں اوپر نیچے تھی۔ جس سڑک پر وہ چڑھ رہی تھی۔ وہ ڈھلوان کی طرف جاتی تھی۔

بہارے کا سانس پھول گیا تھا۔ بدن ہانپ رہا تھا۔ سر سے شال اتر چکی تھی. ۔۔کھلے بال کمر پر بکھرے تھے۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس کی چادریوں سوات کی سڑکوں پر اتری تھی۔

وہ روتے ہوئے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔۔ اسے پیٹ میں ہلکا ہلکا پین ہونا شروع ہو چکا تھا۔۔ مگر وہ مسل بنار کے آگے بڑھ رہی تھی۔۔ شہرام کی بیوفائی اسے بچے سے بھی جیسے بے نیاز کر چکی تھی۔۔

وہ آیزل کو سینے سے لگائے کھڑا تھا۔ وہ منظر یاد کرتے وہ شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

اب وہ سڑک پر کھڑی چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

بہارے۔۔۔ شہرام نے یکدم اس کی کلائی جکڑی۔۔۔ بہارے نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے شہرام کو دیکھا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کا ہاتھ اچھوت کی مانند جھٹک دیا تھا۔

چھوڑو مجھے میرے قریب مت آنا شہرام خان۔۔ وہ پیچھے کو قدم بڑھاتے روتے ہوئے چیخی۔۔

بہارے کیا کر رہی ہو۔؟؟۔ سوات کی سڑکوں پر چلاؤ گی۔ اپنا حلیہ دیکھو تم ۔۔ شہرام نے اس کی حالت دیکھتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پایا تھا۔

ورنہ اس کا حلیہ شہرام خان کے خون میں آگ بھڑکا چکا تھا۔

بلیک شال اس کے سر سے اتر چکی تھی۔ بال کھلے تھے۔۔ آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔ وہ ہچکیاں بھرتے رو رہی تھی۔

میری فکر مت کرو شہرام خان۔۔ اپنی اس عزت کی پرواہ کرو۔ جسے تم گلے سے لگائے کھڑی تھے۔۔ جس سے بدلہ لیا جائے وہ عزت نہیں ہوتی۔ بہارے ہچکی لیتی بولی۔

میری عزت تم ہو۔۔ صرف تم۔ شہرام نے آگے بڑھتے اس کے سر پر چادر دی تھی۔۔ بہارے کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

نہیں ہوں میں تمھاری عزت۔۔۔۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔۔ مجھے سزا دی ۔۔ بہارے نے ہچکی لیتے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے۔۔

میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔۔ کوئی بیوفائی نہیں کی میرا یقین کرو۔۔۔ شہرام بہارے کو روتا دیکھ کر بے بسی سے بولا۔۔

کیسے یقین کرو تم بتادو؟؟۔۔ تم اسے گلے سے لگائے کھڑے تھے۔۔ وہ منظر تو بہارے خان کے دل و دماغ میں پیوست ہو گیا تھا۔۔ آگ سی دہک رہی تھی اس کے اندر۔۔ اس کا شہرام کسی دوسری عورت کو گلے لگائے کھڑا تھا۔

کب کب اس سے اپنا حق لیا۔ ہاسپٹل میں اس گھر میں کتنی بار اپنا حق گیا۔۔ اتنی بار لیا جتنی بار مجھ سے لیا ہے۔۔ بہارے شدت غم سے روتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہذیانی کیفیت میں ٹوٹے لفظوں سے بولی۔

بہارے ایسا کچھ نہیں ہے میرا یقین کرو۔۔ شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کرتے اسے اپنے قریب کر گیا تھاو۔ وہ ہذیانی ہو رہی تھی۔۔ بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ روتے ہوے ہچکیاں لے رہی تھی۔ وہ اسے اپنے قریب کرتے اس کے کانپتے بدن کو اپنے سینے میں بھینچ گیا۔

وہ بھول گیا تھا۔ وہ سوات کی سڑک پر کھڑا ہے۔ اس وقت اسے صرف اپنی بہارے کی فکر تھی۔۔

مت چھوؤ۔۔۔ مجھے جن ہاتھوں سے تم نے کسی دوسری عورت کو چھوا ان ہاتھوں مسے ت چھوؤ۔۔ بہارے اس کے سینے پر سر رکھے ہلکی آواز میں بولی۔۔ وہ رو رو کر چیخ چیخ کر تھک چکی تھی۔ وہ اس کے سینے میں سمائے رو رہی تھی۔ شہرام بہت نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ شہرام کے سینٹ کی خوشبو اور اس کے بدن سے اٹھتی اس کی مخصوص خوشبو بہارے کو اپنی

سانسوں میں گھلتی محسوس ہوئی تھی۔ یہ خوشبو کوئی اور عورت بھی محسوس کر چکی ہے۔۔ وہ بدحواس ہوتی اس سے ایک جھٹکے میں دور ہوئی تھی۔ دور رہو مجھ سے شہرام خان۔۔ بہارے پر تمھارا کوئی حق نہیں۔ بہارے اسے خود سے دور کرتے چیخی تھی۔

اس کے چیخنے پر شہرام کا خون ایک بار پھر سے رگوں میں بھڑکا تھا۔

یہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ ہاسپٹل کی پچھلی سائیڈ پر تھے۔۔ جہاں نیچے کی طرف بہتا دریا تھا۔ دوسری طرف ڈھلوان کی طرف اوپر نیچے جاتی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں۔۔ جہاں سے گاڑیاں بھی بہت کم گزرتی تھیں۔ مگر کبھی کبھار کوئی گاڑی ان کے قریب سے گزر جاتی تھی۔

وہ دونوں سڑک پر کھڑے تھے۔۔ جہاں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس کی بہارے یوں چیخے چلائے گی۔

بہارے حویلی چلو یہاں تماشہ مت لگاؤ۔۔ شہرام اس کے چیخنے پر اس کا بازو جکڑے غرایا تھا۔

نہیں جاؤں گی اس حویلی۔۔ جہاں تم رہتے ہو۔۔ بہارے پیچھے کو ہوتے روتے ہوے بولی۔۔ سات ماہ سے تم نے میری کیر کی میرے نخرے اٹھائے۔۔ پھر بھی مجھے ہر پل ایسا محسوس ہوا تم وہ شہرام نہیں ہو۔۔ اس رات بھی جب تمھارے لیے دلہن کی طرح سج سنور کر تمھارے آئی ۔۔ اور تم نے اس سیج پر مجھ سے حق لیا۔ جو دوسری عورت کے لیے تھا۔ ۔ بہارے روتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔ شہرام نے لب کاٹتے بے سے بسی اسے دیکھا تھا۔

جی کر رہا ہے خود کو آگ لگا دوں۔ تم نے کسی کو اور چھوتے مجھے بھی چھوا

۔۔کیسے کرتے تھے۔۔پہلے میرے پاس آتے تھے یا پھر اس کے پاس جاتے

تھے۔۔بتاؤ مجھے کب کب اس کے پاس جاتے ہو۔ دو دن سے میرے قریب

نہیں آئے۔ کل اسے گھر اس لیے ڈراپ کرنے گئے کیونکہ تمھیں اس کی

ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ بہارے نے روتے ہوے اذیت ناک سوال کیا

۔

بہارے ایسا کچھ نہیں ہے۔ شہرام چٹختے اعصابوں سے بولا۔۔

اسی لیے تم میرے قریب زیادہ نہیں آتے۔۔ مم مجھے لگا تم ہمارے بچے کی

وجہ سے میرا خیال کرتے ہو آج پتہ چلا تمھاری ضرورت تمھاری دوسری

بیوی پورا کرتی ہے۔ اور بہت اچھے سے کرتی ہو گی۔ تبھی میرے قریب

ہوتے ہوے بھی تم برداشت کر جاتے ہو۔۔ بہارے سسکتے ہوے بولی۔۔

کیا بکواس کر رہی ہو تم بہارے۔۔۔ شہرام غصے سے گر جا تھا۔ وہ مزید اس کی بکواس نہیں سن سکتا۔ اس لیے اپنا ظبط کھو گیا

نکاح کر چکے ہو اس سے۔۔ وہ گھر آیزل کے لیے سجا کر بھی تم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو۔۔ سنا تھا مرد جب بیوفائی کرتا ہے تو وہ آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتا ہے۔ آج دیکھ بھی لیا۔ تمھیں اپنے کیے پر ذرا شرمندگی نہیں۔۔

نہیں نکاح کیا اس سے میں نے۔۔ وہ حلق کے بل چیخا تھا۔۔

جھوٹ بولتے ہو تم جھوٹ بولتے ہوت۔۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں پھر سے روتے ہوے جکڑ گئی۔۔ اس نے خود کو سنبھالا دیا تھا۔ ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔

مین سچ کہہ رہا ہوں بہارے۔۔۔ میں آج بھی صرف تمھارا ہوں۔ شہرام نے اس کے عارض پر ہاتھ رکھے تھے۔

تو ان کاغذات پر آئزل کا نام کیوں تھا۔ وہ گھر تم نے آیزل کے نام کیوں کیا؟؟۔۔ بہارے نے اس کا گریبان جکڑے روتے ہوے سوال کیا۔۔

شہرام اس کے سوال پر اس کی آنکھوں میں دیکھتے لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

بہارے اس کی خاموشی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

تو ایڈمٹ کرو شہرام خان۔۔ تم بیوفائی کر چکے ہو۔ تم نے وہ گھر آیزل کے لیے سجایا تھا۔۔ تم اس سے نکاح کر چکے ہو۔ اس رات تم مجھے نہیں اسے لینے جا رہے تھے۔ اور وہاں میں آ گئی اور اپنے بچے کا سن کر تم نے بازی پلٹ

دی۔۔۔ بہارے رورتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی ہوئی۔

یہ سچ ہے وہ گھر آیزل کے نام کیا تھا۔۔ شہرام کہتے کہتے رکا رھا۔۔ بہارے نے روتے ہوے اسے خاموش ہوتے دیکھا۔ وہ گھر بھی میں نے اس کے لیے سجایا تھا۔۔ مگر میں نے اس سے نکاح نہیں کیا۔

شہرام کی بات پر بہارے اس کی شرٹ چھوڑتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کو ہوئی تھی۔ وہ اپنے منہ سے قبول کر چکا تھا۔ اب مزید کیا رہ گیا تھا۔

بہارے میں آج بھی تمھارا ہوں۔۔۔ شہرام کہتے ہوے اس کی طرف بڑھا ۔۔

نہیں ہو تم میرے۔۔۔ تم میرے نہیں ہو۔۔۔ سوچ لیا۔۔ہ۔ سمجھو تم نے بیوفائی کر دی۔۔۔ اپنے بچے کی وجہ سے تم نے مجھے قبول کیا۔۔۔ اگر میں اس رات نہ آتی تم آیزل سے نکاح کر کے اس کے ساتھ اپنی رات رنگین کر رہے ہوتے۔۔ بہارے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔۔

تم مجھ سے محبت نہیں کرتے ناں۔۔۔۔۔ بہارے نے ہچکیوں سے وہ سوال کیا جو اسے کب سے اذیت دے رہا تھا۔ وہ مقابل کی محبت نہ رہی تھی اب۔ اس کی محبت اب کوئی اور تھی۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ اپنے بچے سے بھی زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔۔ تم آج بھی جنون ہو شہرام خانزادہ کا بہارے خان۔ ساری دنیا سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔ شہرام چیخا تھا۔ سات ماہ میں ہر پل ہر لمحہ

سامنے کھڑی عورت کو اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔ وہ کل بھی یقین نہیں کرتی تھی۔ وہ آج بھی یقین نہیں کر رہی تھی۔

وہ اس کے اظہار پر سر نفی میں ہلاتے روتے ہوئے پیچھے قدم بڑھاتی جا رہی تھی۔

یہ عشق کی ہیں راہیں

جن میں کب سے چل رہا ہوں

نجانے میں کب سے

اس آگ میں جل رہا ہوں

وہ سرخ نم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو آج بھی بے یقین تھی۔ اس کے عشق میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔ اس کی سزائیں ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔

جھوٹ جھوٹ تمھاری ہر بات جھوٹ ہے۔۔اگر تم مجھ سے محبت کرتے اس سے نکاح کرنے کا سوچتے بھی ناں۔

میں مجبور تھا بہارے۔۔۔۔شہرام نم آواز میں اس کی طرف بڑھا۔

مرد مجبور نہیں ہوتا۔۔۔۔بہارے چیخی تھی۔شہرام اب کرب سے ہنستا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو مرد مجبور نہیں ہوتا۔۔مجھے تو لگتا ہے مرد انسان ہی نہیں ہوتا۔نہ اس کے سینے میں دل دھڑکتا ہے۔۔پتھر ہوتا ہے مرد۔۔کیونکہ تم عورتوں کا بس چلے تم عورتیں مردوں کو انسانوں کی کیٹگیری سے ہی نکال دو۔۔۔۔شہرام زخمی سا بولتے دبے انداز میں چیخا تھا۔۔

تم پتھر ہو شہرام خان۔۔۔اب پتھر بنے گی بہارے خان۔۔۔۔جب تم سے تمھارا بچہ چھینے گی۔اس پر کبھی تمھارا سایہ نہین پڑنے دے گی. بہارے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے اپنے آنسو صاف کرتے بے رحمی سے بولی

کیا کیا ہے میں نے بہارے؟؟۔۔۔۔بیوفائی کرنے کا سوچا ضرور ہے مگر کی نہیں۔۔شہرام جبڑے بھینچتے کرب سے بولا۔

سوچا بھی کیوں؟؟بیوفائی بیوفائی ہوتی ہے۔۔بیوفائی کی معافی نہیں سزا ہوتی ہے۔بہارے نے روتے ہوے کہا۔

جرم کا سوچنے کی تو قانون بھی سزا نہیں دیتا۔۔شہرام نے نم آنکھوں سے بہارے کی طرف دیکھا۔

مگر خدا کے برابر کسی اور ذات کو سوچنے سے ہی شرک ہو جاتا ہے۔۔ جس کی معافی نہیں۔اس طرح محبت میں شرک کیا ہے تم نے۔۔ جس کی معافی نہیں بہارے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔۔

اور تم نے سوچا نہیں تم نے میری محبت میں شراکت عملاً بھی کی ہے۔۔ تبھی تم اسے گلے سے لگائے کھڑے تھے۔۔ بہارے کرب سے بولتی پھر سے رو دی تھی۔اب یہ آنسو کبھی ختم نہیں ہونے تھے۔۔ مقابل کا دیا ہوا زخم ہی بہت گہرا تھا۔اب تو ان آنکھوں سے پانی کی جگہ لہو برسنا تھا۔

شہرام اب خاموش ہو گیا تھا۔۔ وہ شدت سے روتے اپنا گلہ جکڑے ہوے تھی۔

ٹھیک ہے مت معاف کرنا ابھی حویلی چلو۔۔۔ شہرام نے سختی سے اس کا ہاتھ جکڑا۔وہ اب باقی باتیں حویلی جا کر کرنا چاہتا تھا۔

نہیں جاؤں گی تمھارے ساتھ کہیں شہرام خان۔۔۔ آج ان پہاڑوں پر سے کود کر جان دے دوں گی۔ اب کبھی حویلی نہیں جاؤں گی. بہارے شہرام کو خود سے دور دھکیلتی حلق کے بل چیخی تھی۔۔

شہرام اسے بازو سے جکڑے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔ اب اگر تمھاری آواز نکلی۔۔ تم نے مزید بکواس کی بہارے خان۔۔ سوات کی سڑک پر تمھارا منہ تھپڑوں سے لال کر دوں گا۔ شہرام کے ضبط کی طنابیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ مقابل کے لیے شدید غصہ اشتعال اس کے اندر جمع ہوا تھا۔ وہ سڑک پر کسی بے شرم عورت کی طرح چیخ رہی تھی۔۔ اس کی ڈھیل اس کی نرمی کا وہ ہمیشہ ایسے ہی فائدہ اٹھاتی تھی۔ شہرام خان کو سمجھ آ گیا تھا۔ وہ قیامت تک یہاں ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہے گا۔ وہ پھر بھی نہیں مانے گی۔ اس لیے وہی زبان استعمال کی جو وہ سمجھتی تھی

دکھادی ناں اپنی اوقات۔۔۔ آگئی ناں اصلیت۔۔۔ بہارے اس کے دھاڑنے پر اس کے سینے پر انگلی رکھتے لرزتے لبوں سے بولی۔۔ اس پورے عرصے کے دوران پہلی بار اس کی آواز آہستہ ہوئی تھی۔

ہاں یہی ہے میری اصلیت۔۔۔ جو تم سمجھو۔ مگر میری عزت کو مزید نیلام کیا مزید چیخی۔۔۔ میں سچ میں تمھیں یہاں پہاڑوں میں رہنے والا خان بن کر دکھاؤں گا۔۔

اپنی چادر سر پر اوڑھو۔ تمھارے سر کے ایک بال پر بھی کسی غیر مرد کی نظر پڑی۔ مزید تمھاری چادر سر سے ڈھلکی۔۔ میں تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دوں گا۔۔ وہ دھاڑا تھا۔ شہرام کے دھاڑنے پر وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔

وہ اس سے ایسے اس کنڈیشن میں بات کرے گا۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ وہ بیوفائی کر کے بغیر کسی پچھتاوے کے کھڑا تھا۔ بہارے روتے کانپتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

بہارے شہرام خان۔۔۔ اور حویلی کے مرد بلکل سفاک نہیں ہے۔۔ تم مجھے ان سے کہیں بڑھ کر سفاک پاؤ گی۔۔۔ اپنی چادر سر پر اوڑھو۔۔۔ شہرام اب اس کی انکھوں میں دکھتے غرایا۔۔ اس کے کھلے بال اسے آگ لگا چکے تھے۔

بہارے نے اس کی سرد سرخ نظر پر ڈرتے ہوئے ہچکی لیتے کانپتے ہوئے چادر سر پر اوڑھی تھی۔۔ شہرام اسے بازو سے سختی سے جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ وہ ہچکیاں بھرتے اب خاموشی سے اس کے ساتھ چل

رہی تھی۔۔ یکدم بہارے کے لبوں سے دلسوز چیخ برامد ہوئی تھی۔۔ شہرام نے گھبراتے ہوے اسے دیکھا۔۔ وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے چیخ رہی تھی.

شہرام ہمارا بچہ۔۔۔۔ بہارے نے چیختے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی۔ شہرام اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں اور یوں حلق کے بل چیختے ہوے دیکھ کر بری طرح گھبرایا تھا۔۔ دوسرے پل وہ اس کی بانہوں میں جھول چکی تھی۔۔۔۔۔۔

شہرام اسے اپنی گود میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے سڑک کے نیچے کی جانب اترتے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوا۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ شہرام خانزادہ کی سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اسے لیے کوریڈور سے

گزرا تو ڈاکٹر آیزل جو وہاں سے گزر رہی تھی بھاگتے ہوئے شہرام کی طرف بڑھیں۔

شہرام کیا ہوا ہے بہارے کو؟؟ ڈاکٹر آیزل شہرام کے ساتھ چلتے ہوئے پریشانی سے پریشانی سے بولی۔

پتہ نہیں۔۔ یہ آچانک بیہوش ہو گئی۔ آپ ڈاکٹر سبین ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر فوزیہ کو جلدی سے آئی سی یو میں بھجیں۔۔

Quick fast hurry up

ڈاکٹر آیزل کو یونہی کھڑا دیکھ کر شہرام چیخا تھا۔۔ ڈاکٹر آیزل اثبات میں سر ہلاتی ڈاکٹر سبین اور باقی ڈاکٹرز کو بلانے کے بھاگی تھی۔

شہرام اسے لیے آئی سی یو روم کی طرف بڑھا.. اسے بیڈ پر لٹاتے وہ اس پر جھکا تھا۔

میری بہارے۔۔۔ میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔۔ تمھیں کچھ بھی نہیں ہونے دوں گا۔ نہ اپنے بچے کو کچھ ہونے دوں گا۔ شہرام اس پر جھکے اس کا چہرے پر دیوانوں کی طرح اپنے لب رکھتے نم آواز میں بولا. اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے اس کی آنکھوں کی نمی عارض پر بہنے لگی تھی۔

کیسے بتاؤں تمھیں تم میرے لیے کیا ہو میری بہارے۔۔ شہرام کے لہجے میں شبنم سی گھلی تھی۔ تمھیں کچھ ہو گیا شہرام خان زندہ نہیں رہ پائے گا۔ وہ اس کے چہرے پر نرمی سے انگلیاں پھیرے رو رہا تھا۔

اکٹر سبین اور ڈاکٹر ماہم کے اندر داخل ہونے پر وہ اپنی آنکھیں بازو سے رگڑتے پیچھے ہوا تھا۔

ڈاکٹر سبین اور ڈاکٹر ماہم نے آگے بڑھ کر جلدی سے بہارے کو چیک کیا۔

کیا ہوا ہے ڈاکٹر انھیں ؟؟۔ یہ رسپانڈ کیوں نہیں کر رہیں۔ کیوں یہ ایسے پڑی ہیں۔ شہرام جو بہ بہارے کے قریب کھڑا تھا نم آواز میں پوچھا۔

سر ان کا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔ اور بلیڈنگ بھی سٹارٹ ہو گئی ہے۔۔ ان کا اپریٹ کرنا ہو گا۔ ڈاکٹر سبین نے کہا۔۔

اپریشن کیسے ہو سکتا ہے ڈاکٹر ؟؟ یہ آٹھواں مہینہ چل رہا ہے۔ شہرام کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔ اس کا تو واقعی میں سب کچھ داؤ پر لگ چکا تھا۔

مجبوری ہے۔بچے کی دل کی دھڑکن بھی فی الحال محسوس نہیں ہو رہی۔۔جو بھی کرنا ہو گا جلدی کرنا ہو گا۔ڈاکٹر سبین شہرام کو سنجیدگی سے بتاتے ہوے ڈاکٹر رانیہ اور ڈاکٹر ماہم کو مختلف ہدایت دینے لگی۔

شہرام پیچھے کو ہوتا دیوار کے ساتھ جا لگا تھا۔۔ڈاکٹر شہرام ان کے لیے خون کا انتظام کرنا ہو گا۔ان کا خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔پتھرائی کیفیت میں کھڑے شہرام کو دیکھتے ڈاکٹر سبین نے کہا تو شہرام اثبات میں سر ہلاتا جلدی سے باہر کی طرف بڑھا۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اپریشن تھیٹر کے باہر دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔۔آنکھیں نم اور سرخ ہو رہی تھیں۔

نظروں کے سامنے وہ قیامت رات آئی تھی۔ جس نے شہرام خانزادہ سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کا چین اس کا غرور اس کا سب کچھ ۔۔۔۔ بہارے کی محبت اور اتنی بڑی خوشی پا کر بھی وہ ایک رات سکون سے نہ سو سکا تھا۔

وہ اس سنگین جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی جان سولی پر لٹکی رہی ان سات ماہ میں۔۔ وہ درد و اذیت کی بھٹی میں جلتا رہا۔

شہرام خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے رگڑیں تھیں۔ وہ سسکیاں وہ آہیں وہ چیخیں وہ آج تک نہیں بھول سکا تھا۔ جس نے شہرام خانزادہ جیسے عاشق کو بیوفا بنا دیا۔

سات ماہ پہلے

شہرام نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے غصے سے پوری قوت سے سٹرینگ پر مکہ مارا تھا۔

سماعتوں میں اس عورت کے لفظ گونج رہے تھے جس سے وہ آج بھی انتہا پر عشق کرتا تھا۔

!!اتنی تکلیف تمھیں اس عورت کے آنسوؤں کی کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا دیا!!اس کے لفظ یاد کرتے اب وہ گہرے سانس لیتے لب بھینچے ہوئے تھا۔

!!ہاں بہت تکلیف ہے مجھے اس عورت کے آنسوؤں کی۔۔اور کیوں نہ ہو تکلیف؟۔۔۔۔۔۔۔تم نے پوری دنیا کے سامنے اس پر اور مجھ پر الزام لگایا ہے۔۔اس عورت کی تکلیف اور میری تکلیف ایک ہی ہے۔۔اس لیے اس

کی تکلیف سیدھا دل پر لگی ہے!!اس کے بولے گئے لفظوں کے ساتھ اپنے لفظوں کی بازگشت سنائی دی تو اس کا تڑپ کر رونا یاد آیا تھا شہرام اپنا نچلا لب دانتوں تلے بری طرح کچل گیا تھا۔

آیزل کو اپنی رکھیل بنا کر رکھا ہے تم نے۔۔۔جب حرام ملے گا !! تو تمھیں کیوں حلال میں سکون ملے گا!!۔۔ اس کے الزام پر شہرام خان کا خون ابھی بھی رگوں میں بھڑک رہا تھا۔

منہ کیوں چھپا رہے ہو شہرام خانزادہ؟؟ ۔۔۔۔کیوں ہاتھ اٹھاؤ گے !! مجھ پر بتاؤ مجھے ؟؟کیا کیا ہے میں نے ۔۔ تمھاری طرح غیر مرد کے

ساتھ میرے تعلقات ہیں جو تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے!! اس کا خود کا کسی غیر مرد کے ساتھ جوڑنا ہی شہرام کا وجود جلا کر خاکستر کر چکا تھا۔ اور وہ نہ چاہتے ہوے بھی اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔

نہیں رہے گا اب اس سے حرام کا رشتہ۔۔۔مطلب !!

یہ۔۔۔۔میں آیزل سے نکاح کروں گا۔۔اسے اپنی محرم کا درجہ دوں گا۔۔اسے اپنی بیوی بناؤں گا!!

شہرام خانزادہ نے اپنے لفظ یاد کرتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

اس کی بے یقین آنکھیں یاد آئی تھیں۔اس کے گال پر موجود اپنی انگلیوں کے نشان یاد آیا تو وہ غصے سے وہی ہاتھ سٹیرنگ پر مارتے چلا گیا تھا۔ جس سے اس نے اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

کیسے مار سکتا ہوں میں اسے ؟؟۔۔ شہرام نے اب گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔

شہرام خان نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔شدید بارش کی وجہ سے گاڑی ٹوٹی پھوٹی سڑک پر پھسلتی چلی گئی تھی۔۔رات کی گہری سیاہی اور شدید برستی بارش کی وجہ سے اس کے ہاتھوں سے گاڑی کا کنٹرول چھوٹ رہا تھا۔شہرام نے گاڑی کو سنبھالتے سٹیرنگ کو پوری طرح گھماتے گاڑی کا رخ حویلی کی طرف کیا۔وہ اپنی بہارے کو ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔اسے منانا ہی تھا۔۔اپنے لفظوں اور مارے گئے تھپڑ کا مداوہ اپنے پیار سے کرنا ہی تھا۔

شہرام نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی۔ برستی بارش میں بھی اس کی گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔ کبھی کبھی گاڑی سڑک کے کسی گڈے پر زور سے اچھلتی تو گاڑی کا کنٹرول بھی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔

مگر اسے اس وقت اپنی بیوی کی پرواہ تھی۔ جو یقیناً اس کے مارے گئے تھپڑ پر زار و قطار رو رہی ہو گی۔ یہ سوچ کر ہی وہ پاگل ہو رہا تھا۔۔ اس ایک تھپڑ بہارے پر سارا غم ہو غصہ بہا کر لے گیا تھا۔۔ جو اتنے دنوں سے اس کے اندر تھا۔ بلکہ اب صرف پچھتاوہ تھا۔۔ اسے اب اپنی بیوی اپنی بہارے سے ہاتھ جوڑ کر اپنے تمام جرائم کی معافی مانگنی ہی تھی۔ غلطی جس کی بھی ہو مگر تھپڑ مارنے کا جرم اس سے ہوا تھا۔۔

وہ بے چینی اظطراب سے ڈرائیو کر رہا تھا کہ اس کا موبائل زوروں شور سے بج اٹھا تھا۔ موبائل پر اس کے دوست سبتگین خان کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

وہ ہاسپٹل میں ڈاکٹر بھی تھا۔۔ آج اپریشن کرتے ہوے ایک مریض کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ جن کے لواحقین نے بہت شور مچایا تھا۔ وہ لوگ بندوقوں کے ساتھ ہاسپٹل میں گھس آئے تھے۔۔ شہرام کے سمجھانے پر وہ لوگ خاموش ہوے تھ۔ ورنہ وہ ڈاکٹر سبتگین کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ صبح سے وہ اس مسلے میں الجھا ہوا تھا۔ اور شام میں یہ تماشہ ہو گیا تھا۔۔ سبتگین خان کو ذاتی طور پر یا اس کے گھر والوں کو مریض کے لواحقین نے کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو شہرام نے یہ سوچتے جلدی سے اس کی کال رسیو کی۔

سبتگین تم ٹھیک ہو؟؟ شہرام خان نے فون کان سے لگائے عجلت میں پوچھا۔ دل و دماغ بہارے میں الجھا ہوا تھا۔

شہرام آج جو ہاسپٹل میں سب کے سامنے ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ ڈاکٹر سبتگین کی بات سنتے اس کے لب بری طرح بھینچے تھے۔۔ آج جو کچھ

ہاسپٹل میں ہوا وہ اس کے متعلق نہ سننا چاہتا تھا۔نہ بات کرنا چاہتا تھا۔کیونکہ اس میں بہارے کا بھی ذکر ہوتا جو اسے گوارا نہ تھا۔اپنی بیوی کا نام بھی کسی کے لبوں سے گوارا نہ تھا۔

کیون فون کیا ہے؟؟شہرام کی آواز سرد ہوئی تھی۔

شہرام جو ہاسپٹل میں ہوا اس بات کو تین گھنٹے نہیں ہوے۔۔نیوز ہر جگہ سرکولیٹ کر رہی ہے۔لندن کے جس جریدے میں تمھارا انٹریو چھپا تھا۔وہاں تمھاری اور ڈاکٹر آیزل کی تصویر چھپی ہے۔بہت برے لفظوں کے ساتھ۔شہرام نے یہ سنتے جلدی سے فون بند کرتے گاڑی ایک جھٹکے سے روکی۔

شہرام نے موبائل ان لاک کیے موبائل میں نظریں دوڑائی اس اس کے فرینڈز ہاسپٹل مختلف نیوز چینل سے آئی ہوئی مسڈ کالز تھیں۔مختلف میسج

تھے۔۔ تین گھنٹے میں ہی نیوز سوشل میڈیا پر سرکولیٹ ہو گئی تھی۔ اسے اور آیزل لے کر مختلف میمز بن رہی تھی۔۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ڈاکٹر آیزل کو بہت بری طرح ٹرول کیا جا رہا تھا۔۔۔ اس کی اور آیزل کی مختلف تصویریں بھی سرکولیٹ ہوئی تھیں۔

وہ ایک بہت با اثر انسان تھا۔ سوات جیسے شہر میں اس نے بہت بڑا ہاسپٹل تعمیر کیا تھا۔ جس نے پاکستان کے بڑے بڑے پرائیویٹ ہاسپٹلز کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ عربوں روپیہ شہرام کا لگا اس ہاسپٹل پر لگا تھا۔ بہت سے ادراوں نے شہرام کو ڈونیشن فراہم کی تھیں۔ اس کا اپنا پیسہ اور جو اس کے نام زمینیں تھیں۔ سب بیچ کر اس نے اس ہاسپٹل پر لگا دیں تھیں۔ اس کے بنائے ہوے ڈیزائن بلڈنگ بنانے کے کانٹریکٹ بر بھی اسے سالانہ کڑوڑوں روپے ملتے تھے۔ اسے پاکستان ہی نہیں مختلف ممالک سے بھی اپروچ کیا جاتا

تھا۔۔وہ ایک بااثر شخص تھا۔اب تو وہ ڈاکٹر کو بھاری تنخواہیں فراہم کر رہا تھا۔اس کے کانٹیکٹس اتنے زیادہ تھے۔کہ باہر کے ممالک کے ڈاکٹرز بھی اس کے ساتھ کام کرنے کو تیار تھے۔مگر وہ پاکستانی شہریوں جو باہر کے ممالک میں رہ کر دوسرے ملک اور وہاں کے لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے تھے۔۔وہ زیادہ تر انھیں اپروچ کرتا تھا۔۔

شہرام نے غصے سے موبائل فون ڈیش بورڈ پر پٹخا۔۔وہ تو شکر ہے کہ آج کسی نے ویڈیو نہیں بنالی تھی۔اس کی اور ڈاکٹر آیزل کی پرانی تصاویر چھپی تھیں۔بہارے کو کوئی نہیں جانتا تھا۔اس لیے کسی کے پاس اس کی تصویر نہیں تھی۔ورنہ وہ پتہ نہیں وہ کیا کر ڈالتا۔۔مگر بہارے خان کا نام استعمال ہو رہا تھا۔شہرام نے غصے سے سٹیرنگ پر ہاتھ مارات۔۔بہارے پر شدید غم و غصہ آیا تھا۔۔جو بھی تھا اسے یوں سر عام تماشہ نہیں لگانا چاہیے تھا۔وہ

اچھی طرح جانتی تھی اس ہاسپٹل میں دوست دشمن سب تھے۔۔ہاسپٹل کا ایک نام تھا۔اس طرح کرنے سے ڈاکٹر آیزل کا نہیں اس کا کردار بھی بری طرح مشکوک ہوا تھا۔شہرام نے گہرا سانس لیتے گاڑی سٹارٹ کی۔جو بھی تھا اسے اپنی بیوی کے پاس جا کر اسے منانا ہی تھا۔جو وہ ہمیشہ کرتا تھا۔۔اپنے مارے گئے لفظوں اور تھپڑ کا مداوہ کرنا ہی تھا۔۔اسے تھپڑ مار کر سارا غصہ اشتعال نکل گیا تھا۔اب تو شدید پچھتاوہ ہو رہا تھا۔اسے تھپڑ مارا ہی کیوں؟؟غصہ تھا اشتعال تھا کیا بیوی پر ایسے نکالا جاتا ہے؟؟۔۔شہرام کے سامنے اس کا نازک گال آیا تھا۔شہرام خان نے سرد سانس کھینچی تھی۔پہلی مرتبہ اسے اتنی بے رحمی سے مارا تھا۔ورنہ پہلے بھی دو مرتبہ وہ مجبور ہو کر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔مگر غصے اشتعال میں ہونے کے باوجود اس نے پورا خیال رکھا تھا۔اسے زیادہ ہرٹ نہ کرے۔مگر آج تو وہ شائد بے رحمی کی مثال

قائم کر آیا تھا۔ ایک بار پھر سے اس کا بکھرا حلیہ یاد آیا۔ وہ پاگل ہوا تھا۔ وہ اس وقت شدید سٹریس اور ذہنی دباؤ میں تھا۔ اسفند نے عابیر کے ساتھ کیا کیا اسے پتہ چلا تھا۔ ایک طرف اس کا دل کرتا تھا اسفند کے کیے کی سزا بہارے کو دے دے۔۔ کیونکہ عابیر کا غم دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ دوسرے پل بہارے ہی نظروں کے سامنے آجاتی۔۔ بچپن کا عشق تھا۔ اس کے بھائی کی سزا وہ کیسے اسے دیتا۔۔۔ شہرام نے گہرے سانس لیے گاڑی سٹارٹ کی۔ وہ اپنی بیوی کو مزید تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول چکا تھا جو اس کی بیوی نے اس کے ساتھ کیا اور جو اس کی بیوی کی وجہ سے کسی اور کے ساتھ ہوا۔۔

شہرام خان نے گاڑی سٹارٹ کی ہی تھی کہ ایک بار پھر سے اس کا فون بجنا شروع ہو چکا تھا۔ شہرام نے فون اٹھاتے ایک نظر فون پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا۔۔ڈاکٹر آیزل کا نمبر دیکھ کر اس نے بری طرح لب بھینچے تھے.

شہرام نے گہرا سانس لیتے کال اٹینڈ کی۔۔

ہیلو بولنے سے پہلے ہی اسے ڈاکٹر آیزل کی فون پر سسکیاں سنائی دی تھیں۔

کیا ہوا ہے ڈاکٹر آیزل ؟؟۔۔۔ شہرام نے پریشانی سے پوچھا۔

شہرام ماما نے مجھ سے ہر تعلق توڑ دیا ہے۔ ہمارے بارے میں جو نیوز چھپی ہے اس کی وجہ سے پاپا کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔

آیزل روتے ہوے بولی۔

یہ سنتے شہرام کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ وہ کچھ پلوں کے خاموش ہو گیا تھا۔ بولنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کی سٹیپ مام لیزا پہلے ہی آیزل کو اس کے پاپا سے بہت کم ملنے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے باپ کی جائیداد اور پیسے میں بھی اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس طرح اس نے ائزل کے پاپا کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔ وہ فیملی ہوتے ہوے بھی جرمنی میں تن تنہا رہتی تھی. یقیناً یہ نیوز بھی بڑھا چڑھا کر اس کی سٹیپ مام نے جان بوجھ کر اس کے پاپا تک پہنچائی تھی۔۔ تاکہ وہ آیزل سے نفرت کرنے لگ جائیں۔ آیزل کے پاپا وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکے انھیں ہارٹ اٹیک آ گیا۔

شش شہرام۔۔۔ مم میرا کک کیا قصور ہے ؟؟۔۔ مم مجھے پاپا کو دیکھنے کی بھی آجازت نہیں۔۔ ممم۔۔۔۔ مام۔۔۔ نے کہا میں انھیں آخری لمحوں میں

بھی نہیں دیکھ۔ سکتی۔ اس سے پہلے وہ انھیں دفنا دیں گی۔۔ آیزل شدت غم سے روتے ہوے بمشکل ہی بول رہی تھی۔

ڈاکٹر آیزل۔۔۔ آپ کہاں ہیں اس وقت؟؟ شہرام نے سپیکر پر بارش کی آوبز سنتے پوچھا۔

شہرام مم میں جا رہی ہوں۔ یہاں مم میرے لیے کک کچھ۔۔ نن۔ ۔۔۔ نہیں۔ تت تمھارے لیے یہاں تھی۔۔ یہ جانتے ہوے بھی کہ تت تم کک کسی اور سے محبت۔۔۔۔ کرتے ہو۔۔۔۔ مم مجھے امید تھی کہ مم میں تمھیں پالوں گی۔۔ میری زندگی کے جیسے بب باقی رشتوں نے مم مجھے چھوڑ دیا۔۔ ویسے ہی تت تم بھی نہیں رہے۔۔ اب تو عزت بھی نہیں رہی۔ ۔ڈاکٹر آیزل کے ٹوٹے لفظ سن کر شہرام پریشان ہوا تھا۔

ڈاکٹر آیزل آپ کو سانس نہیں آ رہا۔ آپ کا انہیلر کہاں ہے؟؟۔۔ انہیلر لیں۔ شہرام نے ڈاکٹر آیزل کی رکتی سانسیں محسوس کرتے بلند آواز میں کہا۔

مم مجھے نہیں پتہ۔۔ مم میں ساتھ نہیں لائی۔۔ ڈاکٹر آیزل نے بمشکل ہی لفظ ادا کیے تھے کہ یکدم فون پر ڈاکٹر آیزل کی خوفناک چیخ سنائی دی تھی۔ شائد فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔ مگر اس کی چیخوں کی مسلسل آواز اسے آ رہی تھی۔

ڈاکٹر۔۔ آیزل۔۔۔۔ شہرام نے فون پر چیختے ہوئے اسے پکارا تھا۔۔

دوسرے ہی لمحے شہرام نے گاڑی سٹارٹ کرتے گاڑی کا رخ ڈاکٹر آیزل کے گھر کی طرف موڑا۔۔ فون پر بارش کی آواز سے سمجھ گیا تھا۔۔ ڈاکٹر آیزل غم کی شدت میں تنہا ہی گھر سے نکل آئی تھیں۔ ڈاکٹر آیزل کی چیخیں

مسلسل اسے فون پر سنائی دے رہی تھیں۔۔ آندازہ ہوا تھا وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں ہے۔ اور جو وہ سوچ رہا تھا۔۔ وہ سوچ کر ہی شہرام حواس باختہ ہو رہا تھا۔ قدموں تلے جیسے زمین نہ رہی تھی۔۔ شہرام نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔

شہرام شدید بارش میں اندھا دھند ڈرائیو کرتے ہوئے وہاں پہنچا تھا۔ ڈاکٹر آیزل گھر کے آس پاس کہیں نہیں دکھائی دی تھی۔۔ شہرام گاڑی سے اترتا ڈاکٹر آیزل کی تلاش میں بڑھا تھا۔

اس سے پہلے وہ آگے بڑھتا پیچھے سے کسی نے اس کے سر پر ڈنڈے سے وار کیا تھا۔ سر پر زخم آیا تھا۔۔ شہرام خان نے درد سے کراہتے پلٹتے ہوئے دیکھا ۔۔اس سے پہلے اس کے سامنے کھڑا آدمی اس پر ڈنڈے سے ایک اور وار

کرتا۔۔ شہرام نے وہی ڈنڈا ہاتھ میں پکڑتے اپنی طرف کھینچتے اس آدمی کو ایک ہی جست میں گریبان سے پکڑ کر اس کے منہ اور ناک پر مکوں کی بارش کر دی تھی۔۔

اس آدمی نے جوابًا شہرام کے منہ پر مکے برسائے تھے۔۔ شہرام نے ایک ٹانگ اس کے پہلو میں رسید کی تھی۔۔ وہ زمین پر سر کے بل گرا تھا۔ شہرام نے زمین پر پڑے ڈنڈا اٹھاتے اس کے سر اور ٹانگوں پر بری طرح برسانے لگا۔۔ وہ برستی بارش میں پاگلوں کی طرح اس پر ڈنڈے برسا رہا تھا اس کی چیخیں بارش میں گونج رہی تھی۔۔ شہرام پاگلوں کی طرح اس پر وار کر رہا تھا۔ اسے ادھ موا کرتے

شہرام نے گہرے سانس لیتے وہ ڈنڈا دور پھینکا تھا۔ اسے گریبان سے پکڑتے اپنے مقابل کرتے کھڑا کیا تھا۔۔

کہاں ہے وہ؟؟ شہرام نے چیختے ہوے پوچھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ ڈاکٹر آیزل اسی انسان کے پاس ہے تبھی اس پر پیچھے سے وار کیا گیا تھا۔

وہ۔۔۔۔۔ اس طرف جنگل میں۔۔۔ اس آدمی نے انگلی سے اشارہ کیے بمشکل کہا۔ اس کے سر اور چہرے سے خون برس رہا تھا۔ شہرام خان نے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا وہ زمین پر گرا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ زمین سے اٹھتے بھاگ نکلا تھا۔۔

شہرام نے چیختے ہوے اسے گالی دی تھی۔ شہرام خان اپنے چہرے کے زخم اپنے بازو سے رگڑتے بھاگتے ہوے جنگل کی طرف بڑھا۔۔ سامنے نظر آتے منظر نے شہرام کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کارگوں میں دوڑتا خون منجمند ہوا تھا۔

ڈاکٹر آیزل کے اوپر کوئی درندہ صفت انسان جھکا ہوا تھا۔

ڈاکٹر آیزل کی گھٹی گھٹی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

شہرام خان ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔ اسے پیچھے سے اس کی شرٹ کو کالر سے جکڑتے پوری قوت سے کھینچا تھا کہ وہ زمین پر دور جا گرا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتا زمین پر گرا شہرام خان کو دیکھ رہا تھا۔ شہرام خان ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔ زمین پر گرے چھوٹے سے پتھر کو اٹھاتے شہرام خان نے اس کے چہرے پر کتنی ہی ضربیں لگائیں تھیں۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے اس کے چہرے پر وار کیے جا رہا تھا۔ پل میں اس کا چہرہ

بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے چیخ رہا تھا۔۔ شہرام خان گہرے سانس لیتے پیچھے ہوا۔ اسے ڈاکٹر آیزل کی فکر ہوئی تھی۔ اسے استھمے کے اٹیک بہت بری طرح آتے تھے۔ اس کی سانسیں پہلے ہی اکھڑ رہی تھیں۔ اب تو وہ اسے چھوڑ تا ڈاکٹر آیزل کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر آیزل کی اکھڑتی بکھرتی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے زمین پر لیٹے اپنا گلہ جکڑے ہوے تھی۔ اس کی سانسیں جیسے ٹوٹنے ہی والی تھیں۔

ڈاکٹر آیزل پر نظر پڑتے شہرام خان نے اپنا چہرہ پھیر لیا تھا۔ شریانوں میں بہتا خون پھٹنے کے قریب ہوا تھا۔ شرٹ کے نام پر بدن پر صرف چھیتڑے تھے۔۔ چہرہ بری طرح نیلا ہوا تھا۔ ماتھے پر چوٹ کا نشان۔۔ گال سوجھے ہوے ہونٹوں پر گہرا زخم۔۔ سینے اور گردن پر حیوانیت کے نشان

تھے۔یقیناً ڈاکٹر آیزل نے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی تھی۔ نتیجتاً اس درندے نے اس کا یہ حال کر دیا تھا۔ شہرام خان نے اپنی شرٹ اتار کر آیزل کے قریب ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنی شرٹ پہنائی ۔۔وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو رہی تھی۔ شہرام نے اسے بازوؤں میں بھرتے گود میں اٹھایا تھا۔۔ شہرام خان نے اس درندے انسان کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔ شہرام نے چیختے ہوے اسے گالی دی تھی۔۔ جنگل میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ ان کے چہرے بھی ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا ان لوگوں کو آگ لگا دے۔۔ جنھوں نے کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر آیزل کا یہ حال کر دیا تھا۔

شہرام آیزل کو لیے اس کے گھر کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا۔

ڈاکٹر آیزل کی سانسیں بہت مدھم چل رہی تھیں۔ شہرام خان کے قدموں میں تیزی آئی تھی۔ شہرام خان نے گھر میں داخل ہوتے ڈاکٹر آیزل کو لاونج کے صوفے پر لٹایا۔۔

ڈاکٹر آیزل کا انہیلر تلاش کیا تھا۔ اس کی سانسیں رک رک کر آ رہی تھیں۔ شہرام تیزی سے ڈاکٹر آیزل کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سائیڈ ٹیبل پر انہیلر پڑ دکھائی دیا تھا۔ شہرام وہ اٹھاتے ڈاکٹر آیزل کی طرف بڑھا۔ ۔اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے انہیلر ڈاکٹر آیزل کے منہ سے لگایا۔۔

ممم مجھے۔۔۔ نن نہیں۔۔۔ لینا۔۔ مم مجھے مرنا۔۔۔ ہے۔۔ ڈاکٹر آیزل نے بمشکل بولتے کانپتے ہاتھوں سے انہیلر پیچھے کیا۔

شہرام خان نے اس کی کمر کو جکڑے زبردستی انہیلر ڈاکٹر آیزل کے منہ سے لگایا تھا۔ ڈاکٹر آیزل میں مزاحمت کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ شہرام کے

انہیل کروانے پر ڈاکٹر آیزل کی سانسیں بحال ہوئیں تھیں۔ وہ گہرے سانس لیتے صوفے سے ٹیک لگا گئی۔۔

ڈاکٹر آیزل کو پر سکون ہوتا دیکھ کر شہرام کچن کی طرف بڑھا تھا۔ کچن سے پانی کا گلاس لے کر وہ ڈاکٹر آیزل کے پاس آیا جو صوفے پر لیٹے آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برس رہے تھے۔ شہرام نے ڈاکٹر آیزل کے قریب صوفے پر بیٹھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا تھا۔ پانی کا گلاس اس ے لبوں سے لگایا تھا کہ ڈاکٹر آیزل نے وہ گلاس شہرام سے لیتے زمین پر پھینک دیا تھا۔

کیوں بچایا مجھے مرنے دیتے۔۔ مجھے اب جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ڈاکٹر آیزل چیخی تھی۔

کیوں نہیں ہے آپ کو جینے کا حق۔۔ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔ شہرام نے ڈاکٹر آیزل کے چیخنے پر ظبط سے پوچھا۔ڈاکٹر آیزل کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔اس کی حالت ایسی تھی۔وہ دیکھ سکتا ہی نہیں تھا۔وہ درد کی تفسیر ناقابل رحم لگ رہی تھی۔وہ ڈاکٹر آیزل تھی ہی نہیں جو اپنے اندر کا غم چھپائے ہر وقت مسکراتی رہتی تھی۔

کیا کہہ رہی ہوں میں شہرام؟؟ حالت دیکھو میری۔۔اس درندے نے مجھے نوچ ڈالا ہے۔میں تمھاری شرٹ میں ملبوس ہوں۔میرے بدن پر لباس کے نام پر چھیتڑے ہیں۔کچھ بھی تو نہیں رہا میرے پاس۔۔۔میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا عزت محبت ہر رشتہ۔۔ڈاکٹر آیزل روتے ہوے چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی

کچھ بھی نہیں ہوا آپ کے ساتھ۔۔۔ آپ کے بدن پر نوچنے کے نشان نہیں۔ بلکہ ان کے کیے ہوے ظلم کے نشان ہیں۔ جو آپ نے خود کو بچانے کے لیے سہے۔۔ آپ کی عزت ابھی بھی صیح سلامت ہے۔۔ شہرام خان نے ڈاکٹر آیزل کے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹائے تھے۔۔

نوچنے اور کسی درندے کے ظلم کرنے میں کیا فرق ہے۔ عزت بچ گئی تو کیا ہوا۔۔ مگر اس غلیظ انسان نے مجھے چھوا ہے۔۔ میری گردن میرے سینے پر اس کی حیوانیت کے نشان ہیں۔ تم نہ آتے تو یہ بچی کچھی عزت بھی نہ رہتی۔۔۔ کیوں بچایا مجھے ؟؟۔۔۔ کیوں بچائی میری عزت۔۔۔ مرنے دیتے مجھے ان لوگوں کے ہاتھوں۔۔ کچھ بھی نہیں بچا میرے پاس۔۔۔ نہ کوئی رشتہ نہ محبت اور نہ عزت۔۔۔ بدنام تو میں ہو چکی ہوں۔۔ زندہ رہ کر کیا

کرتی میں ؟؟ یہ زندگی نہیں بوجھ ہے میرے لیے۔۔ڈاکٹر آئزل شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے شدت غم سے روتے ہوئے پھٹ پڑی تھی۔

شہرام صوفے سے اٹھتا کھڑا ہوا تھا۔۔اپنی گھنی بیرڈ پر پریشانی سے ہاتھ پھیرا تھا۔۔وہ اسے کیسے تسلی دیتا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔وہ ٹوٹی بکھری لگ رہی تھی۔۔اس لڑکی کو کیسے تسلی دیتا۔۔جس کی عزت لٹنے میں کوئی کسر نہ رہ گئی ہو۔جس نے اپنے جان سے پیارے باپ کو ایک ہی لمحے کھو دیا ہو۔جس نے ایک ہی لمحے میں دوسروں کی نظروں میں اپنی عزت کھو دی ہو۔۔شہرام نے ڈاکٹر آیزل کو ایک نظر دیکھا۔وہ پھر سے اپنا رخ پھیر گیا تھا۔۔چہرے پر ہر جگہ زخم کے نشان تھے۔۔یہی حال بدن کا تھا۔وہ کوئی شیطانی صفت انسان تھے۔جنھوں نے کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر آیزل کا یہ حال

کر دیا تھا۔۔۔ اگر وہ بروقت نہ پہنچتا تو ڈاکٹر آیزل اپنی عزت واقعی میں کھو دیتیں۔۔

شہرام کو رخ موڑے دیکھ کر ڈاکٹر آیزل کی دردناک چیخوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ شہرام کی شادی اس کے لیے سب سے بڑا دھچکا ثابت ہوئی تھی۔۔ وہ اسے بارہاں مرتبہ بتا چکا تھا کہ وہ کسی سے شدید محبت کرتا ہے۔۔ وہ بہت بار اس کی محبت ٹھکرا چکا تھا۔ مگر کل تک ڈاکٹر آیزل کے دل میں آس امید تھی۔۔ وہ اس کی محبت دیکھتے اسے اپنا لے گا۔ مگر آج وہ آس بھی ختم ہو چکی تھی۔

پاپا۔۔۔۔ ڈاکٹر آیزل نے شدت غم سے روتے ہوے اپنے پاپا کو پکارا تھا۔

!!تم بیٹی کے نام پر گالی ہو۔ وہاں پہاڑوں میں رہ کر ایک شادی شدہ مرد کے ساتھ منہ کالا کر رہی ہو۔ اس سے اچھا تھا خودکشی کر لیتی۔۔ کاش کسی دن تمھارے بھائی کی طرح تمھاری لاش بھی کر آجائے مجھے سکون آجائے!!

لفظ تھے کہ خنجر جو ڈاکٹر آیزل کے پورے جسم کو لہولہان کر چکے تھے۔ ایک باپ کے منہ سے ایسے لفظ کون سی بیٹی برداشت کر سکتی ہے۔۔

وہ یہ سب یاد کرتے اگلے ہی لمحے صوفے سے بھاگتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

ڈاکٹر آیزل کو کچن کی طرف جاتا دیکھ کر شہرام تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ڈاکٹر آیزل کی ذہنی اور فزیکل کنڈیشن ٹھیک نہیں تھی۔۔وہ کچھ بھی کر سکتی تھیں۔

شہرام کے قدم کچن کے دروازے پر رکے تھے۔۔ڈاکٹر آیزل تیز دھار چاقو اپنی کلائی پر رکھے کانپتے کھڑی تھی۔۔

شہرام تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

وہیں پر رک جاؤ شہرام۔۔۔۔ورنہ یہ چاقو میری کلائی کاٹ ڈالے گا۔دیکھ رہے ہو ناں اس کی نوک کتنی تیز دھار ہے۔۔ڈاکٹر آیزل نے چاقو کی ناک اپنی کلائی پر بڑھائی تھی۔

کلائی پر خون کی بوندیں چمکیں تھیں۔

شہرام لب بھینچے دروازے کے وسط میں ہی پر رک گیا تھا۔

ڈاکٹر آیزل اس سب کا یہ حل نہیں ہے۔۔ موت ہر چیز کا حل نہیں ہوتی۔۔ شہرام نے گہرے سانس لیتے ڈاکٹر آیزل کو سمجھانے کی کوشش کی۔۔

موت ہی میرے نزدیک اب ہر چیز کا حل ہے۔۔ تم ہی بتاؤ کیا کروں گی زندہ رہ کر۔۔ پاپا کی موت کی ذمہ دار میں ہوں۔ اپنے بھائی کی موت کی ذمہ دار میں ہوں۔ یہاں تک کہ اپنی ماں کی موت کی ذمہ دار بھی میں ہوں۔ جس لڑکی نے اتنے قتل کیے ہوں۔۔ وہ کیسے زندہ رہے گی۔۔ اب موت ہی میرے ہر مسلے کا حل ہے۔۔ ڈاکٹر آیزل روتے ہوئے بول رہی تھی۔

شہرام نے گہرا سانس لیتے کرب سے آنکھیں میچیں۔

جانتے ہو ناں۔۔۔۔صفان کی موت کیسے ہوئی تھی۔۔ڈاکٹر آیزل نے روتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

شہرام نے نم آنکھوں سے آیزل کو دیکھا تھا۔اس کی زندگی کے ہر راز سے واقف تھا۔۔یہ دوستی سات سال پرانی تھی۔

آیزل کی طرف سے کب محبت میں تبدیل ہوئی اسے پتہ نہیں چلا۔۔اس کے نزدیک تو دوستی سے بھی زیادہ عزت کا رشتہ تھا ان دونوں کے بیچ۔۔اسی لیے تو وہ کبھی اسے سخت الفاظ نہ کہہ سکا۔۔اس کے اندر چھپے گہرے غموں سے بھی واقف تھا۔۔عزت کے ساتھ ہمدردی کا رشتہ بھی تھا۔

میری خواہش پر صفان بلکہ میری ضد پر ہائکنگ کرنے میرے ساتھ گیا تھا۔وہ پہاڑ سے گر کر مر گیا اور میں زندہ واپس آگئی۔۔کتنی محبت کرتا تھا مجھ سے وہ۔۔ڈاکٹر آیزل ہر بار کی طرح صفان کا نام لیتے بکھر گئی تھی۔۔پاپا نے

مجھے اس کی موت کا ذمہ دار قرار دے کر گھر سے نکال دیا۔۔ یہ کہہ کر مجھے وہ کسی اور فنج میں دے دیتے تو اچھا ہوتا۔۔ کیونکہ میں اپنے بھائی کی موت کی ذمہ دار ہی نہیں بلکہ ماما کی موت کی بھی ذمہ دار ہوں۔ کیونکہ مجھے پیدا کرتے وہ جان سے چلی گئی تھیں۔۔ اور آج میری وجہ سے پاپا بھی چلے گئے۔۔ چاقو کی نوک آیزل کی کلائی پر بڑھتا جا رہا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل ایسا کچھ نہیں موت برحق ہے۔ اس میں آپ کا کیا قصور۔۔۔ شہرام کی نظریں چاقو پر ہی تھیں۔ کلائی سے خون نکلتا زمین پر ٹپک رہا تھا۔۔ چاقو کی نوک وین پر نہیں تھی۔ اس لیے بچت تھی۔۔ وہ مسلسل چاقو کی نوک کلائی پر بڑھاتی جا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کلائی سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

موت برحق ہے پھر مجھ پر الزام کیوں لگا۔ پتہ ہے پاپا کے مرنے سے کچھ دیر پہلے میری ان سے بات ہوئی۔۔ جب سے یہاں آئی ہوں۔۔ پہلی بار مجھے کال کی۔۔ کاش مجھے پتہ ہوتا میری ان سے آخری بار بات ہو رہی میں ان سے بات ہی نہ کرتی۔۔ ڈاکٹر آیزل کی دردناک سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ اور شہرام کے کرب میں۔۔ ڈاکٹر آیزل کی حالت کا ذمہ دار وہ خود کو گردان رہا تھا۔

انہوں نے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ کہا کہ میں ان کی بیٹی نہیں۔۔ میں نے یہاں پہاڑوں پر اپنا منہ کالا کر دیا ہے۔۔ میرے تمھارے ساتھ جسمانی تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر آیزل کی بات پر شہرام خان کی اذیت میں آضافہ ہوا تھا۔۔ ہاسپٹل اور ہر جگہ کچھ ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ سوشل میڈیا پر

اس سے کہیں زیادہ ڈاکٹر آیزل کو ٹرول کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ ایک بروکر تھی جو شادی شدہ انسانوں کے بیچ آئی۔۔ سوشل میڈیا پر بہارے خان کو سب سے زیادہ ہمدردی مل رہی تھی۔ جو سب سے زیادہ معصوم تھی۔۔ پہاڑوں میں رہنے والی مضلوم لڑکی۔۔ جسے اپنے حق کے لیے بولنا نہیں آتا۔۔ جس پر اس کے شوہر شہرام خانزادہ نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیے تھے۔۔

شہرام آج پچھتا رہا تھا۔ اسے دوستی کو بڑھاوا دینا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔ خدا نے مرد عورت کی دوستی کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی لیے تو وہ آج اذیت کی انتہا پر تھا۔ خدا کے بنائے ہوے قانون کو توڑنے والوں کا حال بدتر ہی ہوتا ہے۔ یہ آج شہرام خانزادہ کو اندازہ ہوا تھا۔ وہ پچھتا رہا تھا وہ مرد تھا اپنی

عورت کا حاکم خدا نے اس کو اس عورت کو اس کی سرپرستی میں دیا تھا۔ اسے بہارے پر اپنی گرفت ہمیشہ سخت رکھنی چاہیے تھی۔۔ عشق میں وہ اس کے آگے جھکتا رہا وہ اس کے سر پر چڑھتی رہی۔۔ اگر وہ بہارے کی بات نہ مانتا ۔اس کا اور اپنا رشتہ نہ چھپاتا تو یہ سب آج نہ ہوتا۔۔ دو عورتوں کے اموشنز کی وجہ سے وہ مجبور ہوا۔ ایک کے آنسو برداشت نہیں ہوتے تھے۔

۔دوسری عورت کے ساتھ ہمدردی تھی۔۔ ڈاکٹر آیزل کی ذہنی حالت سے وہ واقف تھا۔ اس کی بروکن فیملی اور اذیت ناک سوچوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیے کبھی سختی نہ کر سکا۔۔ بہارے اور اپنے بیچ تعلق نہ چھپاتا تو شائد بات آگے نہ جاتی۔۔ وہ چاہ کر بھی ڈاکٹر آیزل کو بہارے کے متعلق نہ بتا سکا تھا۔ اس کی بیوی اسے دیکھتے ہی چار فٹ کی دوری پر جا کھڑی ہوتی تھی۔۔ بہارے کا یہ رویہ اسے منہ پر طمانچوں کی صورت لگتا تھا۔۔ اس لیے کبھی وہ

بہارے کے متعلق بتا ہی نہ سکا کہ بہارے کی بیگانگی اور بے اعتنائی کی کیا وضاحت دے گا۔ یہ بتانا تو آسان تھا میری محبت مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ مگر یہ بتانا مشکل تھا کہ میری بیوی مجھ سے نفرت کرتی ہے۔۔

مگر آج شہرام خان سب کی حالت کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہا تھا۔۔ وہ مرد ہو کر اتنا کمزور تھا کہ عورت کے اموشنز کے دھاروں میں بہہ گیا۔۔۔ یا پھر مرد ہوتا ہی کمزور ہے۔ کیونکہ عورت مرد کو اموشنلی ایکسپلویٹ کرنا جانتی ہے۔ کبھی اپنے غم سے کبھی آنسوؤں سے۔ کبھی اسی مرد کی اولاد سے۔۔۔ شہرام خان بالوں میں انگلیاں پھنسائے کھڑا تھا۔

ڈاکٹر آیزل بری طرح رو رہی تھی۔۔ وہ ڈاکٹر آیزل کی طرف ایک بار پھر سے بڑھا تھا۔ ڈاکٹر آیزل پیچھے کی طرف ہوئی تھی۔

نہیں شہرام۔۔۔۔ تم نہیں جانتے میں کتنی تکلیف سے گزر رہی ہوں۔ پاپا کی باتوں پر میں نے پہلی مرتبہ انھیں جواب دیا۔۔ پتہ ہے میں نے کیا کہا؟۔ڈاکٹر آیزل ہذیانی ہنسی تھی۔۔

میں نے کہا ہاں میرے تم سے ناجائز تعلقات ہیں۔۔ڈاکٹر آیزل حلق کے بل پوری قوت سے چیخی تھی۔

ڈاکٹر آیزل۔۔۔ شہرام نے اس کی چیخ میں کرب محسوس کرتے بے بسی سے اسے پکارا۔۔

کیا کرتی میں۔۔۔ پاپا کے منہ سے غلیظ گالیاں سن کر میں نے بھی چیختے ہوے خو کو گالی دے دی۔۔ مگر وہ برداشت نہ کر سکے۔۔ اسی لمحے وہ جان سے ہاتھ گنوا بیٹھے۔۔ مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ بھی میری طرح اذیت میں تھے۔۔

اور کیوں نہ ہوتے۔۔۔مجھے بد چلن بد کردار۔۔۔ایک ایسی عورت پکارا جارہا تھا۔۔جو شادی شدہ مرد کے ساتھ افیر چلا رہی ہے۔وہ بھی اسی مرد کی بیوی کے سامنے۔پورا ہاسپٹل مجھے جن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔میں ہی جانتی ہوں ۔اگر تمھاری بیوی نے یہی سب کرنا تھا تو مجھے الگ میں کہہ دیتی۔یوں میرا تماشہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ڈاکٹر آیزل کے سوال پر شہرام خان کے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا۔بہارے خان ایسی ہی تھی۔وہ اس کے ساتھ زیادتی کر کے ہمیشہ مظلوم بن جاتی تھی۔وہ آج تک اس کے عشق کا حساب مانگتے آئی تھی۔۔

سب کچھ چھین گیا۔تم بھی چھن گیے۔۔وہ آس بھی چھن گئی جس کی وجہ سے میں پہاڑوں پر رہ رہی تھی۔۔سب کی جدائی برداشت کر سکتی

ہوں۔۔ مگر تمھاری نہیں شہرام۔۔۔ میں تمھارے بنا مر جاؤں گی۔۔ ڈاکٹر آیزل نے روتے ہوے چاقو کی نوک مزید اپنی کلائی پر بڑھائی تھی.

ڈاکٹر آیزل مت کریں خود کشی حرام ہے۔۔ شہرام کہتے اس کی طرف بڑھا۔

رک جاؤ۔۔۔۔ شہرام میرے لیے زندگی دوزخ ہے۔ کونسی جنت ہے جو میں حرام موت مرنا نہیں چاہوں گی۔۔ یہاں بھی دوزخ میں جل رہی ہوں۔ وہاں بھی دوزخ میں جلوں گی۔۔ ڈاکٹر آیزل ہذیانی کیفیت میں رو رہی تھی۔

شہرام آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر آیزل کچھ بھی کر سکتی تھیں۔ چاقو کی نوک اب اس کی کلائی کی وین پر تھی۔ وہ جتنی درد و اذیت میں تھی۔۔ اس کے لیے بدن کا درد اس کی تکلیف کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی

صرف تمھاری خاطر میں یہاں پر رہ رہی تھی۔ تمھیں میری محبت نظر نہیں آئی۔۔۔ کیا کروں زندہ رہ کر پھر میں۔۔۔۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا ۔۔ یہاں سے چلی بھی جاؤں گی۔۔ زندہ نہیں رہ پاؤ گی۔۔ اس لیے مجھے اذیت ناک موت مرنا ہی ہے۔۔ کیونکہ میرے لیے زندگی اذیت ناک ہے۔

ڈاکٹر آیزل کچھ بھی اذیت ناک نہیں ہے۔۔ آپ کے سامنے آپ کی کامیاب زندگی ہے۔۔ آپ کو کامیاب سرجن بننا ہے۔ اپنا خواب پورا کرنا ہے۔ زندگی میرے بعد رک تھوڑی جائے گی۔۔ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر انسان آپ کو ملے گا۔۔ میں تو شائد آپ کی محبت کے قابل بھی نہیں۔۔ شہرام کی بات پر ڈاکٹر آیزل زخمی سا ہنسی۔

تم سے بہتر انسان کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے پوچھو اپنی ویلیو۔۔ زندگی کی ہر نعمت ہر چیز سے بڑھ کر تمھیں چاہتی ہوں۔ ان پہاڑوں میں یہاں تن تنہا میں صرف تمھاڑی خاطر رہ رہی ہوں۔ غم کی اس حالت میں میرا دل صرف تمھیں خدا سے مانگ رہا ہے۔ جانتی ہوں تم کسی اور کے ہو۔۔ پھر بھی میرا خود غرض دل تاویلیں دے رہا ہے۔ کیا ہوا خدا نے تمھیں حق دیا ہے۔ تم ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔۔ میں دوسری عورت بننے کے بھی تیار ہو چکی ہوں۔ تم سے جدائی نہیں قبول کر پا رہی۔۔۔۔ میرا دل غم سے پھٹ رہا ہے۔۔ یہ میں نہیں کہہ رہی۔۔ شہرام یہ میرا دل کہہ رہا ہے۔ دل پر تو اختیار نہیں ناں کسی کا۔۔ ڈاکٹر آیزل درد و کرب سے بولتے شہرام کو اذیت سے دوچار کر گئی تھی۔

یہ جملے وہ سننا چاہتا تھا مگر سامنے کھڑی عورت کے لبوں سے نہیں بلکہ کسی اور عوت کے منہ سے۔ اس اسے یہ سب سن کر اچھا نہیں لگ رہا تھا ۔۔ صرف اذیت ہی ہو رہی تھی۔۔ مجھے اپنالو شہرام۔۔۔ مجھے سہارا دے دو۔۔ ورنہ میں زندہ نہیں رہوں گی۔۔ کچھ بھی. نہیں رہا میرے پاس۔۔۔ مجھے اپنالو۔۔۔ تمھیں خدا کا واسطہ۔۔۔۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔ ڈاکٹر آیزل نے گڑگڑاتے ہوے کہا۔

ڈاکٹر آیزل یہ ممکن نہیں ہے۔۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔۔ شہرام نے گہرا سانس لیتے نظریں چرائیں۔ مگر لہجہ دوٹوک تھا۔۔ وہ اپنی زندگی اذیت ناک نہیں بنا سکتا تھا۔۔ جس سے عشق تھا۔ اس کی بے رخی سہہ سہہ کر نڈھال ہو چکا تھا۔ وہ مزید اس کی بے رخی سہتا تو مر۔ جاتا۔ ڈاکٹر آیزل کے ساتھ نکاح پر اس بے رحم عورت کے پاس جواز ہوتا۔ وہ بنا جواز کے نفرت

کر سکتی تھی۔ تو جواز کے بعد تو وہ اس کی شکل بھی نہ دیکھتی۔ شہرام خانزادہ کا ڈھیٹ اور خود غرض دل آج بھی بہارے خان کو ہی مانگ رہا تھا۔

کیوں شہرام ؟! خدا نے تمھیں آجازت دے رکھی ہے۔ ڈاکٹر آیزل نے کرب سے ہچکی بھرتے سوال کیا۔ بہت مشکل تھا کسی سے اسی کو مانگنا۔۔

میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں۔ صرف اس بنیاد پر کہ مجھے خدا نے آجازت دے رکھی ہے۔ میں اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ بات اگر اسے دھوکہ نہ دینے کی بھی ہوتی۔ میں اپنے عشق سے دغا نہیں کر سکتا۔۔ شہرام کے برفیلے لہجے پر ڈاکٹر آیزل کے پورے بدن میں برف اتری تھی۔ سامنے کھڑا انسان اس کے لیے صرف گلیشیر تھا۔ جسے وہ آج تک پگھلا نہ سکی۔۔

شہرام کی باتیں ڈاکٹر آیزل کے دل و دماغ میں آگ دہکا چکی تھیں۔۔ اپنے لیے بولے گئے اذیت ناک گالیاں یاد آئی تھین۔ بہارے کے الزامات یاد آئی تھے۔ اپنے باپ کی گالی یاد آئی۔۔ سامنے کھڑے انسان کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ ابھی ابھی اسی عورت کی تھی. ڈاکٹر آیزل تکلیف کی ٹرس شدت سے گزر رہی تھی کہ مقابل کے دل میں رہنے والی عورت سے اسی انسان کو چھیننے کی خواہش مند پیدا ہوئی تھی۔۔ اور یہ خواہش جنونیت اختیار کر گیی تھی۔۔ غلط صیح کچھ نہ رہا تھا۔۔ کیونکہ جو انسان سامنے کھڑا تھا وہ اس کے دل کے اونچے مقام میں رہتا تھا۔ دھڑکنیں دھڑکتی ہی اس کے نام پر تھیں۔ اس کے لیے دھڑکتی تھیں۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی۔۔ شہرام خان یا پھر حرام موت۔۔۔

فیصلہ تمھارے ہاتھوں میں ہے شہرام۔۔۔اگر تم مجھے اپناؤ گ نہیں تو میں اپنی جان ضرور لوں گی۔۔اگر اب تمھیں بچا بھی لو گے میں قسم کھاتی ہوں اپنے پاپا کی۔۔میں اپنی جان ضرور دوں گی۔۔اس کے ذمہ دار ہو گے صرف تم۔ڈاکٹر آیزل نے اب اپنی کلائی کی وین پر چاقو کا دباؤ بڑھایا۔۔

ڈاکٹر آیزل۔۔شہرام چیختا ہوا اس کی طرف بڑھا۔۔وین پر چاقو کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

شہرام مت آگے بڑھنا میں قسم کھا چکی ہوں۔اب میں اپنے قول سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔۔آیزل نے کہتے اپنی کلائی سے چاقو ہٹاتی اپنی ہتھیلی پر چاقو سے کٹ لگایا۔ہتھیلی سے خون کی دھار بہی تھی۔

شہرام پتھرائی کیفیت میں اس کی ہتھیلی سے خون ٹپکتا دیکھ رہا تھا۔۔

ابھی یہ چاقو ہتھیلی پر چلا ہے اب یہ میری شہہ رگ پر چلے گا۔۔ڈاکٹر آیزل نے چاقو اپنے گلے پر رکھا۔۔

ڈاکٹر آیزل۔۔۔۔ شہرام نے اسے پکارتے اب اپنے لب بری طرح بھینچے۔۔وہ اسے کیسے روکے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ ہتھیلی سے لگے کٹ سے اندازہ ہو گیا تھا۔ڈاکٹر آیزل صرف دھمکی نہیں دے رہی۔۔ بلکہ وہ سچ میں اپنی جان لے سکتی ہے۔جو بھی فیصلہ لینا تھا۔وہ شہرام خان کو لینا ہی تھا۔

تم نے تمھاری بیوی نے مجھے برباد کر دیا۔۔ تم ایک نامرد بزدل انسان ہو ۔۔۔۔پہاڑوں میں رہنے والے سخت دوغلے انسان۔۔ اپنی شادی مجھ سے چھپا کر میرے جذبات کے ساتھ کھیلا۔۔ تمھاری بیوی نے میری عزت کی دھجیاں اڑا کر میری کردار کشی کی۔۔ میرا باپ چلا گیا۔۔ تم ایک بزدل انسان

ہو شہرام۔۔۔ میرے موت کے ذمہ دار تم ہو گے۔۔ ڈاکٹر آیزل نے چیختے ہوے چاقو شہہ رگ پر دبایا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل رک جایئے میں آپ سے نکاح کروں گا۔۔ شہرام کو اپنی آواز ہی اجنبی لگی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا وہ یہ لفظ بول چکا تھا۔ مگر سامنے کھڑی لڑکی کی ابتر حالت کا ذمہ دار وہی تھا۔۔ وہ اس کی موت کا ذمہ دار نہیں بننا چاہتا ھا۔ اسے وہ لفظ کہنے پڑے جو وہ کہنا نہیں چاہتا تھا۔۔ مگر وہ یہ فیصلہ لے چکا تھا۔۔ پورے ہوش و حواص میں یہ فیصلہ لے چکا تھا۔ اس کے پاس فیصلے کا اختیار تھا۔۔ خدا کا بنایا ہوا قانون تھا۔۔

تم جھوٹ کہہ رہے ہو شہرام۔۔۔۔ تم مجھے نہیں اپناؤ گے۔ تم مجھے بچانا چاہتے ہو۔۔ تم اگر مرد ہوتے میرے جذبات سمجھتے ایک عورت کو یوں بے سہارا نہ چھوڑتے۔ امجھے پہاڑوں پر بے سہارا نہ چھوڑتے۔۔ تمھاری وجہ سے

آج میری عزت پر حملہ ہوا۔۔ کیا ایک خان کے لیے اپنی ہی عورت کی عزت ہوتی۔ ہے۔ میری عزت جو تمھاری بیوی نے اچھالی اس کی کوئی عزت نہیں۔۔ مجھے مرنے دو۔۔۔ تم جیسا انسان جو اپنی شادی چھپا سکتا ہے۔۔ وہ اپنی بات سے مکر بھی سکتا ہے۔ آیزل نے سسکی لی تھی۔ وہ اموشنز میں آخری عورت وکٹم کارڈ کھیل چکی تھی۔ اس کے آنسو بھی سچے تھے۔ جذبات بھی سچے تھے۔ محبت بھی سچی تھی۔۔ مگر سامنے کھڑے مرد کو اپنے اموشنز میں الجھا چکی تھی۔ کیونکہ سامنے کھڑا مرد اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھا۔ شرمندگی کی انتہا پر تھا۔ اذیت کی انتہا پر تھا۔

میں شہرام خانزادہ درید خان کا بیٹا ہوں۔ اپنے لفظوں اور قول سے پھر جاؤں۔۔ یہ ہو نہیں ہو سکتا۔۔ اگر میں اپنے قول وعدے سے پھر گیا تو سمجھنا

میرے اندر درید خان کا خون نہیں۔ میں خانزادہ نہیں!!۔۔ شہرام خان یکدم دھاڑا تھا۔

اگر ایسا ہوا تو۔۔۔ ڈاکٹر آیزل جو ابا چیخی تھی۔۔

تو سمجھنا میرے اندر درید خان کا خون نہیں۔۔ شہرام نے سرخ چہرے کے ساتھ سینا ٹھوکا تھا۔۔

ڈاکٹر آیزل ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔۔ وہ جیت چکی تھی۔۔ اس انسان کو پالیا تھا۔ جو اس کے لیے سب کچھ تھا۔ جس کے بغیر زندہ رہنا مشکل تھا۔

شہرام خان سرخ آنکھوں سے آیزل کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑی عورت اب پر سکون تھی۔۔ مگر اسی عورت کے سامنے کھڑا مرد بے سکون تھا۔

شہرام اب ڈاکٹر آیزل کی طرف بڑھا تھا۔ڈاکٹر نے آیزل پیچھے کو ہوتے چاقو گلے سے ہٹاتے اپنی کلائی کی وین پر رکھے اپنی وین تیزی سے کاٹی تھی۔۔

ڈاکٹر آیزل یہ کیا کیا آپ نے ؟؟میں وعدہ کر تو چکا تھا۔شہرام نے اس کے بے جان ہوتے وجود کو سنبھالا تھا۔

تمھیں یہ بتانے کے لیے کہ اگر کبھی تم اپنی بات سے مکرو گے۔میں اپنی جان دے دوں گی. تمھیں بتانے کے لیے کہ میں ناٹک نہیں کر رہی تھی. ممم میں سچ میں اپنی جان دے سکتی ہوں۔ڈاکٹر ایزل ٹوٹے لفظوں سے بولتی اس کی بانہوں میں جھول چکی تھی۔۔شہرام خان نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکالتے ڈاکٹر ماہم کو کال کی۔۔

شہرام خان اس وقت بلیک ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔ بال ہلکے گیلے تھے۔۔ وہ سلیب کے گرد ہاتھ جمائے واش روم مین لگے بڑے سے مرر میں اپنی سرخ آنکھین گاڑھے کھڑا تھا وہ آیزل سے نکاح کا وعدہ کر چکا تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد اس کا نکاح تھا۔ اسے لینے کے لیے نکلنا تھا۔

اپنے فیصلے پر بہت مظبوطی سے کھڑا بھی تھا۔۔ اندھی آئے طوفان آئے اسے ہر حال میں آیزل سے شادی کرنی ہی تھی۔۔ وہ اپنے فیصلے سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔۔

وہ دو دن پہلے اس کی سکیورٹی کے لیے یہ گھر بھی اس کے نام کر چکا تھا۔۔ نکاح کے بعد اسے انسکیورٹی نہ ہو اس لیے اس نے اس کے نام گھر کیا تھا۔

مگر کیا وہ اسے اس کا حق دے پائے گا۔۔ جو نکاح کے بعد مرد عورت پر فرض ہو جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے حقوق نبھائے۔ وہ کل سے یہی سوچ رہا تھا۔۔ سوچ سوچ کر اس کی دماغ کی شریانیں پھٹ رہی تھیں۔ کل ساری رات اس نے بہارے کے پاس اس کا سر دباتے گزاری تھیں۔ اسی گلٹ میں وہ ساری رات اسے دیکھتے اس کا سر دباتے گزاری تھی۔

وہ ساری رات سوئی نہیں تھی۔۔ آنکھیں بند کیے لرزتی پلکوں سے لیٹی رہی۔۔ جیسے وہ سوئے گی اور وہ چلا جائے گا۔۔ آگے پیچھے بھی وہ اس کا سر دباتا رہتا تھا۔ مگر وہ سو جاتی تھی۔۔ وہ اس کے سونے کے بعد بھی اس کا سر دباتا رہتا تھا۔ مگذ کل رات کیوں نہیں سوئی۔۔ وجہ وہ شائد جانتا تھا۔۔ مگر دل بیچارے کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جس عورت سے عشق کرتا ہے۔۔ وہ

اس سے محبت بھی کر سکتی ہے۔ مگر اس کا رونا اس کی پوزیسونیس تو یہی ثابت کر رہی تھی۔ وہ محبت کرنے لگی ہے۔

اور شہرام کی اذیتوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ دل دعا کر رہا تھا۔ بہارے خان آج بھی اس سے نفرت کرتی ہو۔ کبھی تمنا تھی۔۔ مگر اب ڈر لگ رہا تھا۔۔ کیسے اسے دھوکہ دے گا۔ اس کا دل دکھائے گا۔

شہرام نے مرر میں دیکھتے گہرا سانس لیا۔ دو دن سے ڈاکٹر آیزل کو یقین دلا رہا تھا وہ خوش ہے۔ وہ دن میں فون کر کے دس مرتبہ پوچھتی وہ خوش ہے۔ وہ مجبورًا کہتا ہاں۔۔ وہ جانتا تھا۔۔ وہ ڈر رہی ہے کہیں وہ اس سے نکاح کو مکر نہ جائے۔۔

اس لیے اس کی انسکیورٹی کے لیے یہ گھر اس کے نام کر دیا۔

کیا آیزل کے نام گھر کر کے وہ اسے سکیور کر رہا تھا۔ کیا آیزل کو اس گھر ضرورت تھی۔۔ یہ سوال اس سے اس کا سکون چھینے ہوے تھے۔۔

مگر بہارے کے علاوہ کسی دوسری عورت کے قریب کیسے میں جا سکتا ہوں۔ شہرام نے آئینے میں دیکھتے خود سے سوال کیا۔ مرد کبھی یہ سوال کرتا ہے۔ مگر وہ یہ کر رہا تھا۔ بہارے خان کا عشق رگوں میں خون کی طرح دوڑتا تھا۔

کیا کرو گے شہرام خان؟؟۔۔ نکاح کی تذلیل کرو گے۔۔ وہی سب کچھ اس عورت کے ساتھ کرو گے. جو تمھاری بیوی تمھارے ساتھ کرتی رہی.

۔۔اس کی سچی محبت کی تذلیل کرو گے۔۔

سب سے بڑھ کر نکاح جیسے پاک رشتے کی تذلیل کرو گے۔ خدا کے بنائے ہوے قانون سے منہ موڑو گے۔۔ جس عورت کو سرپرستی میں لیا جائے ۔اس کا حق ادا کرنا مرد پر واجب ہو جاتا ہے۔ تم اپنے خدا کو کیا جواب دو گے۔۔

شہرام کے اندر سے کوئی بولتا اسے بلبلانے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ ایک ایسا مرد تھا۔ جس نے اپنی بیوی سے اس لیے عشق کیا کیونکہ وہ اس کی بیوی تھی۔ خدا نے جب اسے اس کا بنایا تو شہرام خان نے اس سے عشق فرض عبادت کی طرح کیا۔

اب جب کسی اور کو عزت بنائے گا۔اس کی محبت کو ٹھکرائے گا۔۔اس سے اچھا وہ یہ نکاح نہ کرے پھر۔۔شہرام خان نے واش بیسن کے چمچاتے سلیب پر پڑے تمام پروڈکٹس ہاتھ مارتے ایک ہی جست میں گرا دیے تھے۔

اپنے لفظ یاد آئے تھے۔

!!میں شہرام خانزادہ درید خان کا بیٹا ہوں۔اپنے لفظوں اور قول سے پھر جاؤں۔۔یہ ہو نہیں ہو سکتا۔۔اگر میں اپنے قول وعدے سے پھر گیا تو سمجھنا میرے اندر درید خان کا خون نہیں۔میں خانزادہ نہیں!!

اور ڈاکٹر آیزل کا بے جان وجو۔۔۔۔۔شہرام نے کرب سے آنکھیں میچیں۔

بہارے کی تڑپ یاد آئی تھی۔۔ بہارے تم سے محبت کرنے لگی ہے۔۔ وہ یہ برداشت نہیں کر پائے گی۔۔ اپنے اندر اٹھتے سوالوں سے وہ نظریں چرا گیا تھا۔۔ واش بیسن کی ٹیپ کھولتے پانی کے چھینٹے آنکھون پر مارے تھے۔

وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔۔ کب اس نے لفظوں سے مجھ سے کہا۔ جب سے میرے انجئیر بننے کا پتہ چلا اسے مجھ سے محبت ہو گئی۔ شہرام مرر میں دیکھتے زخمی سا ہنسا تھا۔۔ وہ شائد خود کو تسلی دے رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیوفائی نہیں کر رہا۔۔ مرد تھا نہ اپنی بیوفائی کا کوئی نہ کوئی جواز گڑھنا ہی تھا۔ اور وہ ٹھہرا خود غرض مرد۔۔ بے حس مرد۔۔۔ شہرام خود پر استھزائیہ ہنسا تھا۔

میں اسے دھوکہ نہیں دے رہا نہ ہی میں کوئی گناہ کر ذہا ہوں۔ ایک لڑکی کو کیسے بے اسرا کر سکتا ہوں۔ جو مجھ سے محبت کی دعویدار ہے۔ جو میری خاطر

اپنی جان دے رہی ہے۔۔ وعدہ کر چکا ہوں۔ اسے نبھاؤں گا بھی آخری سانسوں پر۔۔۔ بہارے کو کبھی نہیں پتہ چلنے دوں گا۔۔ اب اس کا دل ڈر سے تاویلیں گڑھ رہا تھا۔ مسلہ یہ تھا وہ مرد تھا مگر ڈرپوک مرد۔۔۔۔ جس کا ڈر بہارے خان کو کھونا تھا۔

شہرام نے ٹاول سٹینڈ سے ٹاول اتارتے اپنا چہرہ خشک کیا۔

لیکن جو بھی ہو میں اگر یہ نکاح کروں گا۔۔ تو اس نکاح کی لاج بھی رکھوں گا۔۔ اپنی عزت کو رسوا نہیں کروں گا۔ اسے وہ تکلیف نہیں دوں گا۔ جو میں نے ہر پل سہی ہے آج بھی سہہ رہا ہوں۔ میں اپنے خدا کے بنائے ہوے پاک رشتے کا مذاق نہیں اڑاؤں گا۔ میں اسے اپنے نکاح میں لے کر اس کے حقوق سے نظریں نہیں چرا سکتا۔۔ جس لڑکی کے پاس کچھ نہیں اسے میری عزت میرے یقین میری محبت کی ضرورت ہے۔۔

میں شہرام خان ہوں۔۔ اپنے وعدے سے نہ پھرنے والا۔۔۔ جب وہ عزت بنے گی تو اس کا کوئی حق میں مجروح نہیں ہونے دوں گا۔۔ شہرام خان نے مرر میں دیکھتے خود سے عہد لیا تھا۔۔

مگر یہ عہد لیتے وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔۔ کیونکہ اس کا دل آج بھی بہارے بہارے پکار رہا تھا۔۔ شہرام خان نے اپنی آہنی ہاتھ کا مکہ پوری قوت سے مرر میں دے مارا تھا۔۔

وہ اپنی شرٹ پہنتے باہر آیا۔۔ کمرے کے وسط میں کھڑی دلہن بنی بہارے کو دیکھ کر چونکا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ پھر ہارنے والا تھا۔۔ اب ایک بار وہ پھر سے ایک عورت کے اموشنز سے ہارنے والا تھا۔۔ اب عورت و کٹم کارڈ کھیلنے کی باری اس عورت کی تھی۔ جو اس کی محرم تھی۔ اور وہ پھر سے نامرد

کہلانا تھا۔ وہ اس عورت کے آنسوؤں کے آگے خود کو گالی دینا گوارا تھا۔ مگر سامنے کھڑی عورت کے آنسو نہیں۔۔

۔۔۔

رسیو ہوا ہے۔۔۔ تم پر پل پل میری نظر رہی ہے۔ جانتا ہوں۔۔ پچھلے چار دنوں سے تم گھر سے بھی باہر نہیں نکلی۔۔

ان چار دنوں میں تم کیا کرتی رہی۔۔ اس کا حساب لینے کا وقت آ گیا ہے بیوی۔۔۔۔۔ آ رہا ہے تمھارا مسٹر خانزادہ تمھارے پاس۔۔۔۔ زاران نے اونچے آواز میں غراتے ہوے اپنی شرٹ اتارتے ہوے بیڈ پر اچھالی تھی۔

تمھیں لے کر آج بھی اتنا پوزیسیو ہوں۔۔ مگر تمھیں معاف کرنے کا ضرف نہیں خود میں پا رہا۔۔ تمھاری بدن کی رعنائیوں پر صرف میرا حق ہے۔۔ اور تھا بھی۔۔

جو زاران خانزادہ کا ہے وہ صرف اس کا ہے۔۔ میری جنونیت یہی کہتی ہے مجھ سے۔۔۔۔ لیکن تم مجھ سے لاپرواہی برتو۔۔ مجھے بھول جاؤ۔۔ یہ اس جنم میں ممکن نہیں۔۔۔ جب بات دیوانگی کی آئے گی تو ابرش خانزادہ کا نام اوپر ہی ہو گا۔۔ کیونکہ تم سے زیادہ محبت اور عشق کرنے والی عورت ہو ہی نہیں سکتی۔۔ زاران خانزادہ نے موبائل سے ابرش کا نمبر ڈائل کیا۔ نو انسرنگ پر زاران فون بیڈ پر اچھالتے وہ غصے اشتعال سے واش روم کی طرف بڑھا۔ غصہ اشتعال ٹھنڈے یخ پانی سے شاور لے کر ہی اترنا تھا۔

عابیر اپنے کمرے کے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی کب سے رو رہی تھی۔ اسفندیار خان طیش و اشتعال سے لیپ ٹاپ سے نظر آتے اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ سرخ پٹھانی فراک میں وہ بغیر دوپٹے کے کھلے بالوں کے

ساتھ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے رو رہی تھی۔اس کی بل کھاتی کمر بھی اس کے ہچکولے لیتے وجود کے ساتھ بری طرح ہل رہی تھی

اس کا یوں پاگلوں کی طرح رونا آج اسفندیار خان کی مردانہ آنا کو تسکین نہیں پہنچا رہا تھا۔۔ بلکہ اسے مشتعل کیے ہوے تھا۔اس کے رونے کی وجہ اسفندیار خان کی ذات نہیں بلکہ کسی اور کی ذات تھی۔جو اسفندیار خان سے برداشت نہیں ہو رہی تھا۔

اسفندیار خان نے غصے سے فون اٹھائے عاپیر کا نمبر ملایا۔موبائل سکرین کی بجتی ٹون پر اس نے اس نے پاس پڑے موبائل پر نظریں دوڑائیں جہاں

اسفندیار خان کا نمبر دیکھ کر اس کی ظبط سے مٹھیاں بھنچی تھی۔۔ آنکھوں کے ڈوروں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ عابیر نے ایک ہی جھٹکے سے اٹھتے فون رسیو کرتے کان سے لگایا۔۔

چاہتے کیا ہیں اسفندیار خان؟؟ کس حق سے اب یوں مجھ پر حق جتا رہے ہیں۔ ہر حق ہر رشتہ ختم کر کے گئے تھے آپ۔۔ عابیر فون پر حلق کے بل پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔۔

اپنی آواز نیچی رکھو عابیر اسفندیار خان۔۔۔ تم آج بھی میرے نکاح میں ہو۔۔ اسفندیار خان کی ہو تم۔۔ اسفندیار خان کی ملکیت وہ فون پر اس کی اونچی آواز سنتے مزید مشتعل ہوتے غرایا تھا۔

اچھا مجھے تو ایسا نہیں لگتا کہ آپ کا مجھ پر کوئی حق ہے۔ کہیں سے بھی آپ کو لگتا ہے عابیر خان آپ کی ہے۔۔ آپ کی ملیکت ہے۔۔ آج سے پہلے کبھی

آپ کی عابیر کی آپ کے سامنے آواز اونچی ہوئی۔عابیر کبھی آپ کے حکم کے خلاف گئی

آپ کی ایک دھاڑ پر عابیر لرزتے نظریں جھکا لیتی تھی۔۔ مگر آج میرے وجود پر آپ کی چیخنے دھاڑنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔۔۔عابیر استھزائیہ لہجے میں اپنے آنسو ہتھیلی سے بے دردی سے صاف کرتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

تمھارے چیخنے چلانے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم آج بھی خود پر میرا حق سمجھتی ہو۔۔ جہاں تک میرے دیے ہوے حکم کی بات ہے۔تم کبھی میرے خلاف نہیں جاسکتی۔۔ اگر ایسا ہوتا تم یوں بند کمرے میں ماتم نہ منا رہی ہوتی۔۔ اسفند اس کے لب ولہجے اور اس کے سوالوں پر خود پر قابو پاتے استھزائیہ لہجے میں بولا تھا۔۔

آپ بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اسفندیار خان۔۔۔عابیر کو شائد اس کے آنسو کمزور بناتے ہیں۔ آپ میرے آنسوؤں میں شائد اپنے لیے اس کھو کھلی محبت کو تلاش کر رہے ہیں۔جو کب سے. مر چکی ہے۔۔ لیکن آپ نے میرا سوال نہیں سنا۔۔میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ عابیر خان آج سے پہلے آپ کے حکم کے خلاف کبھی گئی۔۔عابیر نے اپنی گلابی بھیگی آنکھیں رگڑتے اپنا سوال دہرایا تھا

نہیں گئی تم کبھی میرے حکم کے خلاف۔۔اسفند لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتے اس کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے چونکتے ہوے سیدھا ہوا تھا۔یہ سچ تھا عابیر خان نے اس کے حکم پر اپنی پڑھائی چھوڑ دی تھی۔۔وہ حویلی سے باہر قدم رکھے گوارانہ تھا۔۔وہ ڈپلومیٹ مرد نہ تھا مگر عابیر کے معاملے میں تھا۔وہ جانتا تھا وہ اسے عنقریب چھوڑ دے گا۔اور وہ اس کے پیچھے حویلی سے

باہر قدم رکھے گوارانہ تھا۔۔وہ ساری عمر حویلی میں صرف اس کی بن کر رہے۔۔یہی عابیر خان کی سزا تھی۔۔اور یہی اسفندیار خان کی خود کی سزا تھی۔مقابل کے بنا رہنا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔یہ گزرتے وقت کے ساتھ اسفندیار خان کو بخوبی معلوم ہو رہا تھا۔۔مگر اسے کبھی عابیر کے پاس پلٹنا نہیں تھا۔وہ اپنی بات پر آج بھی روز اول کی طرح

مگر اب عابیر آپ کے حکم کے خلاف جائے گی۔۔میں براک سے ملنے جاؤں گی۔۔جو کرنا ہے کر لیں۔مجھے شوٹ کروانا ہے وہ بھی کرواسکتے ہیں۔مگر عابیر خان آج ہر حال میں براک سے ملے گی۔۔عابیر نے اٹل لہجے میں کہتے

بیڈ پر پڑی چادر اپنے شانوں پر ڈالی۔

عابیر۔۔۔وہ فون پر دھاڑا تھا۔

اسفندیار خان اپنی انرجی مت ویسٹ کریں۔۔ایک شوہر اپنی بیوی کو طلاق کی دھمکی دے کر اسے اپنے قابو کرتا ہے۔یا پھر دوسری شادی کی دھمکی دے کر عورت کو اپنے سامنے زیر کرتا ہے۔۔اسے آپ کی طرح چھوڑ کر جانے کی بات کرتا ہے۔۔محبت کرنے والی بیوی ہمیشہ اپنے شوہر کو کھونے سے ڈرتی ہے۔اس لیے اس کا جایز ناجایز حکم مان لیتی ہے۔۔۔میرے دل سے آپ نے سارے ڈر ختم کر دیے۔۔جو عابیر ایک منٹ آپ کے بغیر جینے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔۔وہ پچھلے سات ماہ سے آپ کے بغیر رہ رہی ہے۔۔آپ نے مجھے احساس دلایا میں آپ کے بغیر رہ سکتی ہوں۔جو عابیر سات مہینوں میں گرزتی راتیں اور دن اسفندیار خان کی سانسوں کی خوشبو محسوس کیے بغیر رہ سکتی ہے۔وہ سات سال بھی رہ سکتی ہے اور سات

صدیاں بھی۔ میں کبھی دوسری عورت کو آپ کے قریب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ یہی میری سب سے بڑی کمزوری تھی۔۔۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ آپ کے اگے جھکتی رہی۔۔ کسی دوسری عورت کے ساتھ آپ کو سوچتے ہی میرا وجود تندور کی مانند دہکتا تھا۔۔ اب ان سات ماہ آپ کو کسی دوسری عورت کے ساتھ سوچتے دن رات اتنا جلی ہوں کہ مجھ پر کوئی آگ اثر ہی نہیں کرتی۔ آپ نے یہ ڈر بھی ختم کر دیا۔۔ آپ اپنی مورے کے سامنے یہ کنفیس کر چکے ہیں آپ کی زندگی میں دوسری عورت موجود ہے۔۔ جس سے آپ دوسری شادی کرنے والے ہیں یا ہو سکتا ہے اب تک کر بھی چکے ہوں۔ اور سارے حقوق بھی دے چکے ہوں گے۔۔ اگر شادی نہیں بھی کی تو یقیناً امریکہ جیسے شہر میں اس کو اپنی قربت ضرور مہیا کی ہو

گی۔۔وہ لرزتے لبوں سے بولتے جیسے اس سے دوسری عورت کے متعلق استفسار کر رہی تھی۔

اسفند اس کی باتیں سنتے جبڑے بھینچے اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جہاں دوسری عورت والی بات پر اس نے اپنا نچلا لب اتنی بے دردی سے کچلا تھا۔ کہ خون کی ننھی ننھی بوندیں نازک لبوں پر آن ٹھہرین تھیں۔ اسفند یار خان سیگریٹ سلگائے سکون سے کرسی سے ٹیک لگا گیا تھا۔ اسے تو لگا تھا مقابل کو فرق ہی نہیں پڑتا وہ تو بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

وہ کس طرح جل رہی تھی تڑپ رہی تھی وہ اس کے لبوں پر ٹھہری خون کی بوندوں سے عیاں تھا۔

تم بلکل ٹھیک کہہ رہی ہو ایسا ہی ہے؟ اسفند نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے اس کے شانے پر ایک طرف لہراتے سلکی ابشار کو بکھرے دیکھا تھا. وہ اپنے بال کھلے رکھتی تھی کیونکہ براک کو اس کے بال چھونا پسند تھا۔۔ اسفند نے جلتے سلگتے ہوے عابیر کو جلایا تھا۔۔ وہ کھلے چہرے کے ساتھ مردانے گئی تھی جہاں دارم خان بھی تھا۔ اسفند نے سفاکی سے اپنے سینے کی کھولن کسی غیر عورت کے ساتھ جھوٹے تعلق پر اقرار کرتے اتاری تھی۔

اسفند کی باپ پر عابیر خان کی آنکھوں میں جیسے لہو اترا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے مٹھیاں بھینچ گئی تھی۔ عابیر نے موبائل فون بیڈ پر پھینکتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔۔ ڈریسنگ ٹیبل سے واز اٹھا کر زمین پر پھینکا تھا۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے اونچا اونچا بین کرتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی

اسے ایسے دیکھتے اسفندیار خان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔۔ حویلی میں رہنے والی عابیر خان اس کے لیے کتنی پوزیسو تھی یہ اسفندیار خان بخوبی جانتا تھا۔ وہ اس کی جدائی برداشت کر سکتی تھی۔ اس کے قریب کسی دوسری عورت کا سایہ نہیں۔۔۔

اسفندیار خان پر سکون ہوتے اسے یوں تڑپتا دیکھ رہا تھا۔ چار دن سے جلتے تڑپتے دل کو قرار مل گیا تھا جیسے۔۔۔ عابیر نے زمین سے اٹھتے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اپنے سر سے ڈھلکتی چادر سر پر اوڑھی تھی اور وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔۔۔ اسے کمرے سے چادر میں لپٹے باہر نکلتا دیکھ کر اسفند نے غصے اشتعال سے ٹیبل پر مکہ مارا تھا۔

عابیر تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتے نیچے آئی تھی۔۔زاران کو لاونج میں داخل ہوتے دیکھتے ہی وہ بھاگتے ہوے اس کے سینے سے جا لگی تھی.

کیا ہوا عابیر؟؟زاران نے اس کے سر پر ہاتھ رکھے پریشانی سے پوچھا۔عابیر میں اس کی سانسیں بستی تھیں۔ان سات ماہ میں عابیر کے لیے وہ دن رات پریشان رہتا تھا۔

لالا مجھے براک سے ملنے جانا ہے اس کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔آپ مجھے لے چلیں اس کے پاس۔۔عابیر اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

عابیر کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔اس سے پہلے وہ کچھ کہتا امینہ خانم کی سرد سپاٹ آواز سنائی دی

عابیر رہنے دو۔۔جب براک ٹھیک ہو گا یہاں آجائے گا پھر مل لینا اس سے۔۔۔

کچھ دیر پہلے عابیر روتے بھاگتے ہوے باہر سے ائی تھی۔وہ سمجھ گئی تھیں کہ اسفند نے اسے منع کیا ہے..اس لیے اب امینہ خانم بھی نہیں چاہتی تھی وہ دارم خان کی حویلی میں جائے۔۔

روزینہ خانم صوفے پر بیٹھیں استھزائیہ مسکرا گئی تھی

لیکن مورے آپ نے پہلے مجھے خود آجازت دی تھی۔اب آپ منع کیوں کر رہی ہیں۔آپ جانتی ہیں براک مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔عابیر نے سسکاری بھرتے التاجائیہ لہجے میں کہا۔

کیونکہ تمھارا مورے میں سویا ہوا غیرت جاگ گیا ہے جو ہمارا بیٹا نے جگایا ہے.. اب زاران کو بھی چاہیے کچھ غیرت کرے۔۔ اپنا بہن کو اپنا دوست کے بیٹا سے دور رکھے۔۔ ورنہ وہ اچھی طرح جانتا ہے ہمارا اسفندیار خان کو ۔۔ روزینہ خانم صوفے سے اٹھتے زہر خند لہجے میں بولی۔

نہیں میں نہیں جانتا اسفندیار خان کو اور نہ میری بہن جانتی ہے۔۔ اور نہ ہم دونوں بہن بھائی جاننا چاہتے ہیں وہ کون ہے۔۔ عابیر براک سے ملنے جائے گی اور اسے میں لے کر جاؤں گا۔ اسفندیار خان کو کہیے گا جو کرنا ہے کر لے۔۔۔ سات سمندر پار بیٹھے جتنا چیخنا ہے چیخ لے۔۔ اگر اس کی غیرت جاگ گئی تو اسے کہیے گا آزاد کر دے میری بہن کو۔۔۔ زاران جواباً طنزیہ مسکراتے ہوے بولا۔

ہمارا بیٹے کا غیرت تب ہی جاگے گا جب تمھارا جاگے گا۔ تمھارا بیوی بھی سات سمندر پار رہتا ہے جس دن تم اس کو طلاق دے گا۔ ہمارا بیٹا بھی اس کو طلاق دے دے گا۔

زاران کا چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا۔ عابیر اس کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔۔

آپ بڑی ہیں اس لیے لحاظ کر رہا ہوں۔۔ اینده ابرش کا کوئی بھی حوالہ دیا میں برداشت نہیں کروں گا یاد رکھیے گا۔ زاران سرخ چہرے کے ساتھ لفظ چباتا عابیر کا بازو جکڑے داخلی دروازے کی بڑھا تھا۔۔ روزینہ خانم نے غصے سے فون اٹھائے اسفندیار خان کو کال ملائی.

روزینہ یہ آگ لگا کر تمھیں کچھ نہ ملے گا۔۔ امینہ خانم تاسف بھری نگاہ روزینہ خانم پر ڈالتے چلی گئی تھیں۔

دارم خان نے زاران کے گلے لگتے ہوے اپنے سامنے کھڑی سر سے پیر تک چادر میں لپٹے عابیر کو سرد نظروں سے دیکھا تھا۔ جس کا چہرہ ب ڈھکا ہوا تھا۔ صرف ہیزل گرے آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ جن کا گلابی پن دیکھتے دارم خان کو اندازہ ہوا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک روتی رہی ہے۔۔

براک کہاں ہے ؟؟ عابیر نے سپاٹ سرد لہجے میں دارم خان سے پوچھا تھا۔ لہجے میں ناراضگی اور خشکی عنصر نمایاں تھا۔ دارام خان نے زاران کو ایک نظر دیکھتے عابیر کو دیکھا تھا جو اب اس سے نگاہیں پھیرے کھڑی تھی۔

زاران کو دیکھتے وہ خود پر بمشکل قابو پائے کھڑے تھا۔۔ ورنہ اپنے بیٹے براک پر مقابل کا سایہ بھی برداشت نہیں تھا۔ جس طرح براک نے کل رات روتے عابیر کے لیے گزاری تھی۔ وہ کل سے اپنا فیصلہ لے چکا تھا۔۔ مگر زاران جگری یار تھا۔۔ اپنی دوستی کی وجہ سے خاموش تھا۔

دل اویز خانم انھیں براک کے کمرے میں لے جائیں۔ براک کی دیکھ بھال کے لیے رکھی گئی عمر رسیدہ سی خاتون کو دارم خان نے پکارا تھا۔ دل اویز خانم اثبات میں سر ہلاتے براک کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔ عابیر خانم اس کی ہمراہی میں براک کے کمرے کی طرف بڑھی۔

بیٹھو زاران۔۔۔ دارم خان نے زاران کو کھڑے دیکھ کر کہا۔

زاران سنجیدگی سے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

تم مجھے کال کر دیتے میں براک کو لے آتا حویلی تم نے کیوں تکلیف کی۔

براک کی طبعیت کو کیا ہوا ہے۔زاران دارم کے سوال کو یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔۔سماعتوں میں روزینہ خانم کے لفظ گونج رہے تھے۔وہ بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

کل رات سے بہت تیز بخار اتر ہی نہیں رہا۔دارام نے پریشانی سے ماتھا سے مسلا تھا اتر جائے اگا اللہ پر بھروسہ رکھو۔۔زاران نے کہتے ہوے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے موبائل فون نکالا تھا۔۔فون پر اسفندیار خان کا نام جگمگاتا دیکھ کر زاران کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

آتا ہوں میں۔زاران سنجیدگی سے کہتا فون پکڑے باہر کی جانب بڑھا۔۔

دارم خان لب بھینچے براک کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

دارم خان دروازہ ناک کیے کمرے میں داخل ہوا تو عابیر یاس طرف پشت کیے براک کے سامنے بیڈ پر بیٹھی اسے سوپ پلا رہی تھی۔۔جو سوپ وہ کل رات سے اسے پلانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے ایک چمچ نہیں پیا تھا۔اب وہ پانچ منٹ میں سامنے بیٹھی ایک غیر لڑکی کے ہاتھوں سے پی رہا تھا۔

منع کیا تھا کہ میرے بیٹے سے دور رہیں. پھر کیوں ائی ہیں آپ یہاں؟؟ دارا کی سرد سپاٹ آواز پر عابیر سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پڑ رکھتے بیڈ سے اٹھتی دارم کی طرف بڑھی۔۔وہ ابھی بھی سر سے پیروں تک چادر میں لپٹی تھی۔ اب چہرے پر نقاب نہیں تھا۔۔دارم خان اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھتے نظریں چرا گیا تھا۔۔اس کی آنکھیں ہی نہیں اس کا چہرہ بھی گلابی ہو رہا

تھا۔۔وہ شائد اس کے سنگین لفظوں پر روتی رہی ہے۔۔وہ مقابل کی اپنے بیٹے سے سچی بے غرض محبت سے بخوبی عیاں تھا۔ مگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ براک مزید اس لڑکی میں انوالو ہو۔۔کل سے جس طرح وہ عابیر کے لیے تڑپ رہا تھا اندازہ ہو رہا تھا۔وہ بہت حساس ہے عابیر کو لے کر۔۔

آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟میری محبت پر شک کرنے والے آپ ہوتے کون ہیں۔

میں براک کا بابا ہون۔دارم خان نے لب بھینچتے کہا۔

تو پھر دارم کے بابا بن کر رہیں تو بہتر ہو گا۔۔۔عابیر تنک کر بولی تھی

اور آپ کیسے میری محبت پر سوال اٹھا سکتے ہیں؟؟ اگر میرے ساتھ یہی سب کرنا تھا۔ پہلے دن براک کو مجھ سے ملنے سے روکتے۔۔ نہ براک کو میری عادت پڑتی نہ مجھے۔

تو پھر اپ مانتی ہیں براک آپ کی صرف عادت ہے۔ وہ عابیر کی بات کاٹتے بھڑکا تھا۔

تو پھر آپ بھی جانتے ہیں کہ عادت محبت سے زیادہ جان لیوہ ہوتی ہے۔۔ عابیر بھی جوابًا بھڑکتے ہوے بولی۔

وقت پڑے لوگ اپنی عادتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ دارم طنزیہ مسکرایا تھا۔

جو عادتیں بری ہوں وہ۔۔۔۔ عابیر نے تندہ تیز لہجے میں جواب دیا۔

مانتی ہیں آپ عادتیں جان لیوہ ہوتی ہیں۔۔ کیوں میرے بیٹے کی جان کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اسے آپ سے محبت اور آپ کی عادت دونوں ہو گئی ہیں۔ کیوں چاہتی ہیں جب کبھی آپ اسے چھوڑ دیں تو وہ اپنی جان سے جائے۔۔

لیکن میں اسے کیوں چھوڑوں گی۔۔ عابیر دبے انداز میں احتجاجًا چلائی تھی۔

مس عابیر خان میرے بیٹے کو کل رات سے بخار ہے۔ وہ بخار کی حالت میں صرف آپ کو پکار رہا تھا۔۔ آپ کو اس کے پاس آنے کے لیے ایک رات اور آدھا دن لگا اس بیچ میرا بیٹا اپنی جان سے چلا جاتا پھر۔۔۔ اس کا قصوروار کون ہوتا۔۔ دارام نے سفاکی سے کہتے استفسار کیا۔

آپ کس طرح یہ بات کر سکتے ہیں۔ بہت سفاک ہیں آپ۔۔ براک کی موت والی بات پر عابیر کی آواز میں شبنم گھلی تھی۔۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے یہ لفظ کیسے بول سکتا ہے وہ بے یقین ہوئی تھی۔

میں سفاک نہیں ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں آپ سے جو برداشت نہیں ہو رہا ہے۔۔ میں نے اپنے جان سے پیاروں کو کھونے کا درد محسوس کیا ہے۔ اپنی جان سے پیاری بیوی کو کھویا ہے۔ اپنی ماں کو کھویا ہے۔۔ کھونے کا درد کیا ہوتا ہے یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ بات میرے لیے کرنا جتنی تکلیف دہ تھی آپ نہیں سمجھ سکتی۔۔ کیونکہ آپ کو ابھی کھونے کے درد کا پتہ ہی نھیں ہے۔ دارم خان نے کرب سے استھزائیہ مسکراتے ہوے عابیر پر چوٹ کرتا بولا۔

صرف موت ہی کھونے اور جدائی کا درد نہیں دیتی۔۔۔زندہ رہ کر جدائی کے عذاب سہنا زیادہ دردناک ناک ہوتا ہے۔اس درد کا بھی آپ کو پتہ ہی نہیں ہے۔۔عابیر نے اپنی ہیزل گڑے شبنمی آنکھیں دارم خان کی براؤن آنکھوں میں گاڑھیں تھیں۔اس کے انکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے پر وہ گڑبڑایا تھا۔حویلی میں رہنے والی لڑکی اتنی کانفیڈنس ہو گی۔وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔وہ کسی بھی اینگل سے پہاڑوں میں رہنے والی نہیں لگتی تھی۔حسن پہاڑوں میں رہنے والی لڑکی سے بھی بڑھ کر تھا۔مگر انداز شہری لڑکی جیسے تھے۔۔۔شاید اس نے اتنی کانفیڈنٹ لڑکی شہر میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

مس عابیر خان دور رہیں میرے بیٹے سے۔۔ وہ اپنی ماں کی موت کی جدائی برداشت کر گیا ہے۔ مگر آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا۔۔ دارم خان نے غصے سے کہتے اپنے لفظوں پر زور دیا۔

آپ کو کیوں لگتا ہے میں اسے چھوڑ دوں گی۔۔ عابیر چیخی تھی۔ اس کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔ براک کے بغیر رہنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

مس عابیر ایک دن آپ کی شادی ہو جائے گی۔۔ آپ کو حویلی چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ پھر کیا کریں گی آپ بتائیں مجھے۔۔ کیسے براک سے ملیں گی۔۔ جواب دیں مجھے۔ دارم نے جبڑے بھینچتے سوال کیا

بے فکر رہیں میری شادی کبھی نہیں ہو گی. میں حویلی چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔۔ براک میری آخری محبت ہے۔ میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں

گی۔۔ مجھ پر یقین رکھیں۔ عابیر اٹل لہجے میں بولتے رخ پلٹے براک طرف بڑھی تھی۔ جو خاموشی سے ان دونوں کی کنورسیشن سن رہا تھا۔۔

میں پھر بھی آپ کو آجازت نہیں دوں گا۔ دارم خان کی ببت پر عابیر پلٹی تھی

آپ ہوتے. کون ہیں مجھے براک سے ملنے سے روکنے والے ؟؟ میں اسے ملوں گی۔۔ آپ نے جو کرنا ہے کر کے دیکھ لیں۔ جیسے آج ملی ہوں۔ ایسے ہر روز ملوں گی۔ عابیر نے دارم کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔

دارم عابیر کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے پر خاموش ہو گیا تھا.

دونوں اب ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے

بابا۔۔۔ ماما کے بعد عابی جان ہی آپ کو ڈانٹ کر خاموش کرواسکتی ہیں۔

براک کی بات پر عابیر کی رنگت شدید سرخ ہوئی تھی۔۔ دارم نے بھی اپنی نظریں چرائی تھی

بابا آپ عابی جان سے شادی کر لیں پھر یہ ہمارے پاس آجائیں گی۔ اور ہمیں کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔۔

براک کی بات پر اب دونوں کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھتے دونوں نے براک کو گھور کر دیکھا تھا۔

شٹ اپ براک۔۔۔۔ دارم اور عابیر بیک وقت اونچی آواز میں بولے تھے. دارم عابیر کے خفت زدہ سرخ چہرے کو دیکھتا جلدی سے کمرے سے نکل گیا تھا. عابیر اپنے لب بے دردی سے کچلتے براک کی طرف بڑھی۔۔

شہرام آئی سی یو کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آنکھوں سے بہتی نمی عارض پر بہہ رہی تھی۔۔

وہ دو عورتوں کے اموشنز سے ایکسپولوئیٹ ہو گیا تھا۔ ایک گلے پر چاقو رکھے کھڑی ہو گئی تھی۔۔ دوسری اپنے پیٹ پر پسٹل رکھے کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ اس رات نکاح کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ آیزل کو اپنی وجہ سے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنی کلائی اور ہتھیلی کاٹ کر ثابت کر چکی تھی وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ مگر اس رات وہ بہارے کے آنے کے بعد اس کے پاس نہیں گیا ۔۔ بہارے گل کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ اس کے پاس نہیں تھا ۔۔ آیزل دلہن بنی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور وہ اس رات آیزل کے موت کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔۔

مگر اپنی بیوی کی خاطر اس نے ایزل کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس وقت اپنا آپ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ نہ آیزل سے کیا ہوا اپنا وعدہ نبھا سکا اور نہ اپنی بیوی سے وفا۔۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس سے کہاں غلطی ہوئی۔ کیا وہ سچ میں بیوفا تھا ۔۔ اپنی اسی بیوفائی کو سوچتے سات ماہ وہ بہارے کے سامنے مرنے والا ہو جاتا تھا۔ بہارے کی حد سے بڑھی پوزیسیونیس اور اس کی شدید محبت دیکھتے وہ پریشان ہو جاتا تھا۔ راتوں کی نیندیں اڑ جاتی تھیں

پل پل یہ احساس اسے کچوکے لگاتا تھا کہ بہارے کو کبھی اس رات کے بارے میں پتہ چل گیا۔ گھر سجانے کی حقیقت معلوم ہو گئی تو کیا ہو گا۔ محبوب کے نزدیک بیوفائی کی جسٹیفیکشن نہیں ہوتی۔۔ اور اس کے پاس

کوئی جسٹیفیکشن رہی بھی نہیں تھی۔۔ بہارے کی بے اعتنائی بے رخی کی وجہ سے وہ آیزل کی طرف بڑھا ہی نہیں تھا۔ وہ احساس جرم کی وجہ سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ جذبات کے دھاروں میں بہہ گیا تھا۔۔ وہ اموشنلی ایکسپولوئیٹ ہو گیا تھا۔ کیا عشق کرنے والا مرد اموشنلی ایکسپولوئیٹ ہوتا ہے۔ شہرام خان نے اپنے بال کرب سے جکڑے۔

دو تین مرتبہ آیزل کے گھر میں جرمنی کی ٹکٹس بھی بھجوائیں۔۔ مگر آیزل کی طرف سے کوئی ری ایکشن نہیں آیا تھا۔۔ نہ اس نے اس رات کے بعد اس نے شکوہ کیا تھا۔ نہ اس سے کسی قسم کے سوال وجواب۔۔۔ وہ آمنا سامنا ہونے پر صرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی۔۔ اور شہرام خان کو آیزل کو دیکھتے صرف اپنے لفظ یاد آتے۔

میں شہرام خانزادہ درید خان کا بیٹا ہوں۔ اپنے لفظوں اور قول سے پھر جاؤں۔۔ یہ ہو نہیں ہو سکتا۔۔ اگر میں اپنے قول وعدے سے پھر گیا تو سمجھنا میرے اندر درید خان کا خون نہیں۔ میں خانزادہ نہیں!!۔۔

اپنے ہی لفظ یاد کرتے وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔ ۔خانزادہ خون تھا اپنے قول اور وعدے سے نہ پھرنے والا۔ اسے آیزل کو دیکھتے اپنا وجود گالی کی طرح محسوس ہوتا۔

وہ اس رات کے بعد آیزل سے نکاح کر سکتا تھا۔۔ مگر بہارے کی دیوانگی تڑپ دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔۔ وہ اپنے قول وعدے سے مکر گیا مگر بہارے خان کو نہین کھو سکتا تھا۔۔ وہ اس کے بچے کی ماں ہی نہیں اس کی محبت عشق بھی تھی۔۔۔ اور آج اسی کی وجہ سے اس کی محبت اس کا عشق موت کے منہ میں تھی۔ اس کا بچہ جس میں اس کی سانسیں بستی تھیں۔ اگر

اسے کچھ ہو گیا تو وہ کیسے جیے گا۔ شہرام خان نے اپنی آنکھیں اپنے بازو سے بے دردی سے رگڑیں۔۔ آیزل جو اس کے سامنے کھڑی کب سے اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی سسکیاں گلے میں گھوٹ گیی تھی.

۔۔ جس سے محبت عشق کا دعوی کیا جائے کیا اس کی زندگی اتنی تنگ کر دی جاتی ہے۔۔ یہ کیسی محبت تھی آیزل تمھاری جس پر شہرام کی سانسیں تنگ ہو گئی۔۔ آیزل شہرام خان کو دیکھ کر روتے ہوے اپنا گلہ جکڑ گئی۔ اسے استھمے کا اٹیک پھر سے پڑا تھا۔ اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ وہ سامنے کھڑے انسان کو اپنے سامنے شرمندہ دیکھنا چاہتی تھی۔۔ وہ اس رات کا حساب مانگنا چاہتی تھی۔ جب دلہن بنے اس نے پوری رات انتظار کیا تھا۔ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ مگر وہ ایک سیکنڈ کے لیے بیٹھی نہین تھی۔ مگر آج سامنے کھڑے انسان کی آنکھوں سے گرتے

انسو اس کے دل میں اتر رہے تھے۔ شہرام خان تو ازل سے بہارے خان کا تھا۔ سات سال پہلے بھی وہ اس کی آنکھوں میں کسی کا عکس دیکھ چکی تھی۔ بلکہ وہ شہرام اور بہارے کی حقیقت کے معلوم نہ ہونے کے باوجود وہ شہرام خان کی آنکھوں میں بہارے کا عکس دیکھ چکی تھی۔ مگر وہ محبت میں خود غرض ہو گئی تھی۔۔ شاید ہر انسان ہو جاتا ہے۔۔ آج بھی خود غرض تھی۔ دل کا ایک خانہ بہارے خان کی موت کی دعائیں کر رہا تھا۔۔ وہ زبردستی لبون پر بہارے کی زندگی کی دعائیں سجائے ہوے تھی۔ کیونکہ شہرام خان کو وہ مزید تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

اس رات اپنے گلے پر چاقو رکھ کر اس نے سامنے کھڑے انسان سے عورت وکٹم کارڈ کھیلا تھا۔ کیونکہ اس رات ہر رشتہ کھونے کے بعد وہ شہرام خان کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔۔ اپنی کلائی کی نس بھی شہرام خان کو اموشنلی

ایکسپولیٹ کرنے کے لیے کاٹی تھی۔ دو دن وہ شہرام خان کو اموشنلی ایکسپولیٹ کرتی رہی۔ وہ اسے چھوڑ تو نہیں دے گا۔ اس کے سوا اس کا کوئی نہیں۔۔ وہ مر جائے گی۔

مگر وہ پھر بھی اس کا نہ ہوا۔۔ اس کے لیے سجائی ہوئی سیج پر بہارے خان کا ہی حق ٹھہرا تھا.. آیزل نے اپنے کندھے سے لٹکے بیگ سے انہیلر نکالتے اپنی اکھڑتی سانسوں کو انہیل کیا تھا۔

آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا۔ ڈاکٹر سبین کے باہر آنے پر شہرام اور آیزل دونوں اس کی طرف بڑھے تھے.

مبارک ہو شہرام خان۔۔۔ اللہ نے آپ کو بیٹا دیا ہے۔ ڈاکٹر سبین مسکرائی تھی.

ڈاکٹر بہارے کیسی ہے۔ شہرام خان نے بے چینی سے پوچھا۔

وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ مگر ہوش میں نہیں ہیں۔ بچے کو چوبیس گھنٹے انکوبیٹر میں رکھا جائے گا۔۔ کیونکہ وہ وقت سے پہلے دنیا میں آ گئے ہیں۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں۔۔ ڈاکٹر سبین نے شہرام کی سرخ آنکھیں دیکھتے مسکراتے ہوے کہا۔ تھا آیزل اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے خاموشی سے وہاں سے چلی گیی تھی۔

شہرام خان نے تشکر کا گہرا سانس لیتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی آنکھیں بازو سے رگڑتے موندیں۔

ارحام خانزادہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے اس کے اوپر ہٹا تھا۔۔تکیے پر سر رکھے پر سکون ہوتے گہرے سانس لیتے آنکھیں موند گیا۔حور نے اس سے دور ہوتے بیڈ سے نیچے گری ارحام کی سفید ہاف سلیوز ٹی شرٹ جلدی سے پہنی تھی۔کیونکہ پاس پڑی اس کے بدن سے اتری نائیٹی اس قابل نہیں تھی کہ وہ پہنتی۔۔حور بیڈ سے اترنے ہی لگی تھی کہ ارحام اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے کلائی سے کھینچتے اپنے برہنہ چٹانی سینے پر گرا چکا تھا۔حور کی رنگت پھر سے سرخ گلاب ہوئی تھی۔وہ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔جہاں ہلکی ہلکی سرخی کے ساتھ سرد پن بھی نمایاں تھا۔ارحام نے اس کی جھکی نریں دیکھتے اس کا پورا وجود اپنے چٹانی سینے پر منتقل کرتے اس کی کمر پر سختی سے اپنا بازو لپیٹے اسے اس طرح اپنے ساتھ لپٹایا تھا کہ وہ اس کے کشادہ سینے کا حصہ بنی اپنی نازکی کا بھرپور احساس ارحام

خانزادہ کو کرواچکی تھی۔ ارحام بہت سختی سے اسے خود میں بھینچے ہوا تھا۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔۔ حور کی کرسٹل شفاف براون آنکھیں ارحام کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں سے ٹکرائیں تھیں۔

کتنی بار کہا ہے میرے پاس سے مت ہلا کرو۔۔۔ مجھے ابھی سکون کی مزید ضرورت ہے۔۔ ارحام کی گھمبیر آواز سنتے حور کی رگوں میں سنسنی دوڑی تھی۔۔ اب وہ کون سے سکون کی بات کر رہا تھا۔ دو گھنٹے کی اپنی جان لیوہ قربت سے اس نے لمحہ بھر پہلے تو خلاصی دی تھی۔۔ حور کی آنکھوں میں سراسیمگی پھیلی تھی۔ جسے دیکھتے ارحام کے لب مسکرائے تھے۔ ابھی نہیں میری جان۔۔۔ ابھی تو پوری رات پڑی ہے۔ رات بات باقی۔۔۔ مجھے ابھی سکون تمھارے بدن کی خوشبو اور نازکی سے لینا ہے۔۔ ارحام اس کے

کان میں مدھم سرگوشی کرتے اسے مزید اپنے سینے سے لپٹائے سکون سے آنکھیں موند گیا تھا۔ حور گہرا سانس لیتے اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔ اس کی پناہوں سے آزادی ملنا ناممکن تھا۔۔ ابھی تو سچ میں پوری رات پڑی تھی۔

حور آنکھیں موندے سونے کی کوشش کرنے لگی۔۔

ارحام کے ہاتھ کی انگلیاں اس کی کمر پر بکھرے سلکی بالوں کو نرمی سے سلجھا رہی تھیں۔ جو اس کی قربت میں بہت بری طرح الجھے تھے۔ روز کی طرح وہ انھیں نرمی سے سلجھا رہا تھا۔ یکدم ارحام کی انگلیاں رکی تھیں۔ چہرہ سرد سپاٹ ہوا تھا۔

حور۔۔۔ ارحام نے اسے سرد آواز میں پکارا۔۔ وہ گہری نیند میں چلی گئی تھی۔۔ ارحام اس کی مدھم سانسوں کی آواز سنتے لب بھینچ گیا تھا۔ ارحام

نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کی لمبائی ماپی تھی۔ شدید غصہ اس کے اندر بھڑکا تھا۔ وہ اس پر اب بہت کم غصہ کرتا تھا۔ بلکہ کرتا ہی نہیں تھا۔ مگر آج پھر سے اس کے اندر شدید غصہ اشتعال چھایا تھا۔۔

حور۔۔۔ ارحام مزید اپنے غصے پر کنٹرول نہ کر سکا تھا۔ اس لیے اس کی آواز اچھی خاصی اونچی ہوئی تھی۔ حور اس کی سرد پکار پر ایک دم ہڑبڑاتے ہوے اٹھی تھی۔ حور نے گھبراتے ہوے معصومیت سے اپنی گلابی آنکھیں ارحام کی آنکھوں میں گاڑھیں۔۔ ارحام کے چہرے پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر وہ مزید گھبرائی تھی۔ وہ اب اس پر غصہ نہیں کرتا تھا۔ مگر ارحام کے غصے سے ابھی بھی اس کی جان جاتی تھی۔

کک کیا ہوا ارحام؟؟ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی لہجے میں پوچھا۔۔ آواز میں نہ چاہتے ہوے بھی شبنم گھل آئی تھی۔ ارحام نے اس کی

آنکھوں کے گوشوں پر ٹھہری نمی دیکھتے اپنے لب بری طرح بھینچے خود پر قابو پایا تھا۔

حور کو اپنی بانہوں سے آزاد کرتے اسے خود سے دور کیا۔۔ اتنے کپڑے پہنتے وہ بیڈ سے اٹھا تھا۔

حور بیڈ پر بیٹھی ارحام کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام نے حور کی سائیڈ پر آتے اسے کلائی سے پکڑے بیڈ سے نیچے اتارا۔۔ حور خاموشی سے بیڈ سے اتری۔۔ ارحام نے اسے ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑا کیا۔

حور مرر کے آگے کھڑی اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔ گھٹنوں سے بھی اوپر شرٹ میں ملبوس تھی۔ بدن پر اس کے جنون خیزیوں کی سوغاتیں رقم

تھیں۔وہ مقابل کے سامنے اپنے بدن پر نگاہ نہیں ڈال سکتی تھی جہاں قربت کے بے باک لمحات جنون خیزیوں کی صورت میں رقم تھے۔

ارحام نے اس کی کمر پر بکھرے بال اس کے شانے پر ایک طرف اگے کیے تھے۔۔

کیا ہے یہ ؟؟ارحام نے مرر میں حور کو دیکھتے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

کیا ہوا؟؟حور نے معتجب نگاہوں سے مرر میں نظر آتے ارحام کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

کیا کیا ہے تم نے بالوں کے ساتھ ؟؟ارحام کے سوال پر حور کی رنگت پل میں متغیر ہوئی تھی۔

کچھ بھی تو نہیں کیا ارحام۔۔ حور نے رخ پلٹتے ارحام کو دیکھا تھا۔ ارحام کی سرد بے یقین نگاہوں کو دیکھتے وہ ڈریسنگ ٹیبل سے جا لگی تھی۔

اپنے بال شانے سے جھٹکتے کمر پر کرتے حور نے نچلا لب دانتوں سے کاٹا۔ جسے ارحام نے ہمیشہ کی طرح اپنی انگلی سے چھڑوایا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اپنی بیوی کی حرکت ناگوار گزری تھی۔

حور تم نے بال کاٹے ہیں۔ ارحام کے سوال پر حور نے گھبراتے ہوک سر نفی میں ہلایا تدرخشاں سے اس نے آج ہاف انچ سے بھی کم بال کٹوائے تھے۔۔ جو بلکل بھی محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ مقابل کو پتہ چل جائے گا وہ حیران ہوئی تھی۔

حور کے جھوٹ پر ارحام کے لب بھینچے تھے۔ حور تم نے بال کاٹے ہیں۔ بالوں کی لینتھ کم ہے۔ یہ دیکھو تقریباً ہاف انچ سے بھی کم۔۔ ارحام

نے اس کے بال پکڑتے فنگر سے ایکزیکٹ پیمائش بتائی۔۔ تو حور نے حیرانگی سے آنکھیں جھپکیں تھیں۔ وہ بلکل ایگزیکٹ پیمائش بتا رہا تھا۔۔ اس نے بھی تو درخشاں کو اتنی ہی پیمائش فنگر سے بتائی تھی تاکہ سامنے کھڑے اس جنونی خانزادہ کو خبر نہ ہو سکے۔۔ مگر پھر بھی مقابل کو پتہ تہ چل گیا تھا۔۔

آخر کیسے پتہ نہ چلتا وہ اسے اپنی بے باک نگاہوں سے دیکھتا ہی نہیں بے باکی سے چھوتے اسکے بدن کی گہرائیوں کو ماپتا بھی رہتا تھا۔ بالوں کی لینتھ تک ماپتا تھا اسے اندازہ نہ تھا۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ ارحام میں نے سچ میں بال نہیں کٹوائے۔ حور کو اپنی بات پر قائم دیکھ کر ارحام کے غصے کے گراف میں آضافہ ہوا تھا۔ مگر وہ اس وقت اس پر غصہ کرتا یا ذرا سا بھی ڈانٹتا تو اس کی آنکھوں سے دریا بہنے لگ جانے تھے۔ وہ اب اس کے غصے پر فورًا اسے رونا شروع کر دیتی

تھی۔پہلے تو اس کے ڈر سے آنکھوں میں آئے آنسو اندر اپنے اندر اتار لیتی تھی۔۔ مگر اب تو اس کی سسکیاں شروع ہو جاتی تھیں۔جو کافی دیر تک جاری رہتیں۔

ارحام نے خود پر قابو پاتے اپنی پچھلی گردن رب کی۔

اس کے بالوں کو لے کر بہت حساس تھا۔اس کے علاوہ اس کے بالوں کوئی عورت بھی چھوے گوارا نہ تھا اور اس نے کٹوا ہی دیے تھے۔

کس نے کاٹے بال؟؟ ارحام نے اس کے عارض پر نرمی سے ہاتھ جمائے بہت پیار سے پوچھا۔اپنی نازک بیوی کو تھوڑی سزا دینی تھی بلکہ اس انسان کو سزا دینی تھی۔۔ جس نے اس کی بیوی کے بالوں کو چھونے کی ہمت کی۔۔

ارحام کسی نے نہیں کاٹے۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ حور ارحام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنی بات پر قائم تھی۔ جانتی تھی وہ اس کے بالوں کو لے کر کتنا حساس ہے۔ اسے بھی سختی سے چھونے نہیں دیتا تھا۔۔ اپنے حصار میں قید کیے ہمیشہ اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے لبوں سے چھوتا رہتا تھا۔۔ قربت کے لمحات میں صرف بھول جاتا تھا اس کے بالوں کو نرمی سے چھونا۔۔ اس کی قربت میں تو وہ اپنے آپ کو بھول جاتا تھا۔ اتنی دیوانگی ہوتی تھی اس کی شدتوں میں۔۔ حور نے سلگتی شکوہ کناں نگاہوں سے غصے سے مقابل کو دیکھا۔ سامنے کھڑے انسان کی اسی جنونیت سے ہی تو اس کی جان جاتی تھی۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔

My and only mine My possession My beautiful wife

میں پتہ لگالوں گا تمھارے بالوں کو کاٹنے کی کس نے ہمت کی۔اس کے بعد سزا تم دونوں کی بنے گی۔۔کسی دوسرے کی سزا تو مختلف ہو گی۔مگر تمھاری سزا کیا ہو گی تم اچھی طرح جانتی ہو۔کہاں دوں گا یہ بھی جانتی ہو ارحام نے گہری بے باک نگاہ اس کی دھڑکنوں پر ڈالی تھی۔حور کی رنگت سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔۔اب جلدی سے بتاؤ کون ہے جس نے تمھارے بال

چھوے۔۔۔ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب سرد لہجے میں استفسار کر گیا۔

حور کی جان حلق میں اٹکی تھی۔۔ ارحام کی سزاؤں سے اس کی جان جاتی تھی۔۔ نہ چاہتے ہوے بھی لبوں سے نام برامد ہوا تھا

درخشاں۔۔۔۔ ممم۔۔۔ مگر ارحام سچ میں بہت کم کاٹے تھے۔ صرف ٹرم کیے تھے. مم مجھے عادت ہے ہر مہینے hair ٹریٹمنٹ لینے کی۔۔ حور نے لب دانتوں تلے دبائے وضاحت دی۔۔ جسے پھر سے ارحام نے اپنی انگلی سے چھڑوایا۔۔ حور کی جان جلی تھی خود جو مرضی کرے اس کے لبوں کے ساتھ ۔۔ بلکہ ہر جگہ اپنی مرضی چلاتا تھا اسے اس کے لبوں کو بھی چھونے نہیں دیتا تھا۔

حور میں بہت مہنگے پروڈکٹس تمھارے بالوں کے لیے لایا ہوں۔۔ مگر مجھے بلکل پسند نہیں کوئی تمھارے بالوں کو چھوے بھی۔۔ چاہے وہ کوئی عورت بھی ہو۔۔ اگر تمہیں لگانے میں پرابلم ہے تو میں خود تمھارے بالوں کی کیئر

کرلوں گا۔۔ مگر آئیندہ تم نے اپنے بال کٹوائے یا پھر کسی کو ہاتھ لگانے دیا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ارحام سرد اواز میں کہتا اسے کلائی سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کے بالوں کو چھوتے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔ اپنا سارا غصہ اشتعال اس کے نازک لبوں پر اتارنے لگا۔۔ حور ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت برداشت کرنے لگی۔۔ غلطی کی تھی اب اسے سامنے کھڑے سفاک انسان کی شدتوں کی صورت میں بھگتنی بھی تھی.

حور نے گہرے سانس لیتے یہ منظر یاد کرتے بہت ہی غصے سے اپنے گیلے بالوں میں ڈرائیر چلایا تھا۔

حور وایٹ باتھ گاؤن میں ملبوس تھی۔ اتنے سلکی کمر آتے بالوں کو ڈرائیر سے ڈرائے کر رہی تھی۔۔ رنگت میں گلابیاں سی گھلی تھیں۔ کرسٹل براؤن

آنکھوں کی رنگت بھی گلابی ہو رہی تھی۔ مرر میں اپنے لمبے بالوں کو دیکھتے پتہ نہیں کیوں وہ بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔ سارا غصہ اشتعال وہ اپنے بالوں پر اتار رہی تھی۔۔ آج ہی اس کا اپنے بال سیلون سے کٹوانے کا آرادہ تھا۔ اس کی پرسنل سٹائلسٹ ہمیشہ گھر آکر اسے ٹرینٹمنٹ دیتی تھی اگر اسے ہیر اور سکن ٹریمٹنٹ کروانی ہو۔۔ ورنہ وہ ہمیشہ امریکہ جاتی تھی۔ اپنے بالوں کا کوئی بھی ٹریٹمنٹ لینے۔۔ مگر آج اس کا خاص طور پر ٹریٹمنٹ لینے سلون جانے کا آرادہ تھا۔ تاکہ کسی کو آگ لگانے کا آرادہ تھا۔ جانتی تھی اسے سیلون جاتا دیکھ کر کسی کے وجود میں مرچیں سی دہکے گی۔۔ اور وہ دہکانا بھی چاہتی تھی۔ کل رات سے وہ بھی تو ایک آگ میں جل رہی تھی۔۔ حور نے ڈرائیر غصے سے ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اسے اتنا غصہ کیوں آرہا تھا۔۔وہ ساری رات ایک لمحہ نہیں سو سکی تھی۔ساری رات لاونج میں کھڑے گزاری تھی۔ان سات ماہ میں پہلی مرتبہ شاہ مینشن کے باہر اس کی گاڑی نہیں تھی۔ورنہ آندھی آئے طوفان ہر روز اس کی گاڑی ادھر موجود ہوتی تھی۔۔وہ کل رات سے کہاں ہے۔حور کل رات سے سوچ سوچ کر تھک گئی تھی۔وہ کل رات کیوں نہیں آیا۔وہ ٹھیک تو ہے۔وہ ساری رات لب کاٹتے مسلسل یہی سوچتی رہی تھی۔وہ اپنے لبوں کو کاٹ کاٹ کر ارحام پر غصہ اتار رہی تھی۔اسے اس کا لبوں کا چھونا چبھتا تھا۔وہ کل سے مسلسل وہی کر رہی تھی جو اسے برا لگتا تھا۔اپنے تئیں وہ اسے سزا دے رہی تھی۔اس کی چیزوں کو بے دردی سے چھو رہی تھی۔اب بالوں کی شامت آئی تھی۔حور نے غصے سے ڈرائیر اپنے بالوں میں پھر سے چلایا تھا۔دیکھتے جاؤ مسٹر خانزادہ میں ان بالوں کی لینتھ کمر

سے بھی اونچی کرواؤں گی۔ہاف انچ بھی کٹے بال میرے برداشت نہیں ہوتے تھے۔اب ان کی لی لینتھ دو تین انچ چھوٹی کرواؤں گی۔اور آپ کچھ نہیں کر سکیں گے. سوائے بے بسی سے دیکھے کے سوا۔حور مرر میں دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے بولی تھی

کہاں ہیں مسٹ خانزادہ۔؟؟ تھک گئے ہیں لگتا ہے۔اتنی ہی آپ کی محبت تھی۔۔اور آپ نے کبھی مجھ سے محبت کی ہی کہاں؟؟ہر وقت کا وہ چیپ رومانس۔۔حور نے غصے سے بولتے ڈرائیر ڈریسنگ کے مرر پر دے مارا تھا۔

حور گہرے سانس لیتے اپنے کمرے سے نکلتے شاہ مینشن کے لاونج میں ائی تھی۔ارحام کو اس کا کمرے سے باہر اس طرح کے حلیے میں آنا پسند نہیں تھا۔وہ غصے سے باتھ روب میں باہر آئی تھی. ی۔

لاونج میں ہی آتے سلطان شاہ سے سامنا ہوا جو صوفے پر بیٹھے سگار پی رہے تھے حور کو دیکھتے وہ سگار جلدی سے بجھاتے اپنی آنکھوں کی نمی اپنی انگلیوں سے صاف کرتے اس کی طرف بڑھے تھے۔

حور نے انھیں نروٹھے انداز میں دیکھا تھا۔ وہ ان سات ماہ میں بہت کم وقت گھر پر گزارتے تھے.. رات کو گھر پر نہیں ہوتے تھے۔ نہ ہی اسے بتاتے تھے وہ کہاں پر اپنی راتیں گزارتے ہیں۔ اور وہ اس کے سامنے سگار پی رہے تھے۔ حور کو ان سات ماہ میں پہلی بار سلطان شاہ پر شدید غصہ آیا تھا۔

انھیں دیکھتے ہی وہ غصے سے نروٹھے انداز میں رخ موڑ گئی تھی۔۔

سلطان شاہ کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔

وہ مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اس کے مقابل آئے تھے۔

حور نے انھیں نروٹھے انداز میں دیکھتے گھورا تھا۔۔ سلطان شاہ نے مسکراتے ہوے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کی ہتھلیاں چومیں۔۔

مت چھویں مجھے پاپا۔۔۔ آئی کانٹ بلیو آپ میرے سامنے وہ چیپ سگار پی رہے تھے حور نے اپنے ہاتھ چھڑواتے غصے سے کہا۔۔

میری جان۔۔۔۔۔۔ آئیندہ نہیں پیوں گا پکا پرامس۔۔ اس بار معاف کر دو۔۔ سلطان شاہ نے پھر سے اس کے ہاتھوں کو نرمی سے چھوا تھا۔

پاپا اگر آپ نے دوبارہ سے سگریٹ یا سگار کو ہاتھ لگایا تو میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ حور نے غصے سے اپنے ہاتھ پھر سے سلطان شاہ کے ہاتھوں سے چھڑوائے۔ کسی کا غصہ سلطان شاہ پر اتارا تھا۔

اگر تم بھی روٹھ جاؤ گی تو میں پھر کیسے جیوں گا۔ زندگی بوجھ ہے میرے لیے مگر پھر بھی روز اپنی زندگی کی دعا مانگتا ہوں۔ کیونکہ اپنی حور کو اس بے رحم دنیا کے حوالے کرنا نہیں چاہتا۔۔ سلطان شاہ کی بھیگی آنکھیں اور بھیگا لہجہ محسوس کرتے حور ان کے سینے سے جا لگی تھی۔

پاپا اس طرح کی باتیں مت کیا کریں۔ ورنہ سچ میں میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔۔ حور نے ان کے سینے پر مکہ مارتے نروٹھے انداز میں روہانسے ہوتے کہا۔

اوکے میری جان۔۔۔۔ یہ بتاؤ میری خوبصورت بیٹی کو صبح صبح اتنا غصہ کس بات کا ہے۔۔ سلطان شاہ نے حور کے بالوں پر اپنے لب رکھے تھے۔

مجھے یہ بتائیں آپ رات بھر کہاں ہوتے ہیں۔۔ اور سگار کو ہاتھ کیوں لگایا آپ نے؟؟ جانتے ہیں مجھے سخت نفرت ہے اس سگریٹ سے۔۔۔ جس چیز

سے میں مفرت کرتی ہوں۔اس کو آپ کیسے چھو سکتے ہیں۔ حور نے ان کے سینے سے سر اٹھاتے نروٹھے انداز میں پوچھا۔ نیکسٹ نہیں ہاتھ لگاؤن گا۔

اگر لگایا تو حور سلطان شاہ کی بات کاٹتے ہوے بولی۔

ثو مرضی سزا سنا دینا۔ اپنے کمرے کے باہر گھنٹوں کھڑا کر۔ دینا۔ سلطان شاہ مبہم سا مسکرائے تھے

میں کب کھڑا کرتی ہوں آپ کو کمرے سے باہر آپ خود ہی کھڑے ہوتے ہین۔ حور بھی مجوابًا مبہم سا مسکرائی تھی۔ سلطان شاہ نے نم انکھوں سے اس کے گال کے ڈمپل پر انگلی رکھی تو حور کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

کہاں تھے رات آپ؟؟ حور نے اپنا مخصوص سوال دہرایا تھا۔۔ جو پچھلے سات ماہ سے ہر دوسرے دن پوچھتی۔

سلطان شاہ لب بھینچے خاموش ہوے تھے۔ وہ اسے کیسے بتاتے ان کی ہر رات اب مہر ماہ کے ساتھ گزرتی تھی۔ اس کے قبر کے سرہانے بیٹھ کر وہ ساری رات اس سے معافی مانگتے رہتے تھے۔۔ سلطان شاہ کی ہیزل گرے آنکھوں میں تیزی سے نمکین پانی آن ٹھہرا تھا۔

وہ آنکھیں جھپکتے اپنے اندر اتار گئے تھے۔۔

چلو ہم اچھا سا ناشتہ کرتے ہیں۔ آج میں اپنی بیٹی کو کالج چھوڑ کر آؤں گا۔ سلطان شاہ نے بات بدلی تھی۔۔

ڈرائیور بنے گے میرے۔۔ سلطان شاہ کے بات بدلنے پر حور نے غصے سے کہا۔

ڈرائیور پلس باڈی گارڈ حور سلطان شاہ کا۔۔۔ سلطان شاہ اسے بازو کے حلقے میں لیے ڈائینگ روم کی طرف بڑھے۔۔ حور نے باڈی گارڈ لفظ پر اپنا نچلا لب دانتوں تلے بے دردی سے کچلا تھا۔ وہ کل رات کیوں نہیں آیا اس سوال نے ایک بار پھر سے اسے بے چین کیا تھا۔

زاران نے دارم خان کی حویلی کے لان میں آتے ہوے فون رسیو کرتے کان سے لگایا تھا۔

ہاں بولو۔۔۔ سات ماہ بعد اسفندیار خان کو آخر زاران خانزادہ کی یاد کیسے آ گئی ؟؟۔ زاران نے فون کان سے لگائے استھزائیہ انداز میں پوچھا۔

منسٹر بن کر تمھاری غیرت مر گئی ہے جو اپنی دوست کی حویلی میں اپنی بہن کو لے کر آئے ہو۔۔ اسفند فون پر غرایا تھا۔۔ امریکہ میں اپنے اپارٹمنٹ میں موجود اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ پڑ رہیں تھیں۔ گردن کی نیلی رگیں تک اجاگر تھیں۔۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ ممیں مسلسل طیش والم میں چکر لگا رہا تھا۔ اس کی بیوی اس کی عورت کسی غیر مرد کی حویلی میں تھی اسفندیار خان خون کھول رہا تھا۔

غیرت والی بات کون کر رہا ہے جو اس دنیا کے سب سے بڑا بے غیرت ہے۔۔ زاران استھزائیہ مسکراتے ہوے لان میں موجود کین کی چیئر پر بیٹھا تھا۔

اس وقت تم سب سے بڑے بے غیرت لگ رہے۔ ہو۔ ہمارے ہاں کب سے اپنے دوستوں کو حویلی کی چار دیواری عبور کروائی گئی ہے۔ جو تم انے

پنے جیسے ذلیل دوستوں کو حویلی کی شکل دکھائی اور تم میری بیوی کو کس کی آجازت سے یہاں لے کر آئے ہو۔ اسفند یار خان فون پر طیش و اشتعال سے چیخا تھا۔۔ اسفند کے سوال اور اس کے چیخنے پر زاران اپنے کوٹ اکے گلے بٹن کھولتا گہرا مسکرایا تھا۔

ہمارے ہاں آج سے پہلے اپنی عورت کو بدلے میں کب استعمال کیا گیا اسفند یار خان ؟؟۔۔ پہلے تم میرے سوال کا جواب دو۔۔ اور جس عورت کو بدلے کی وجہ سے نکاح میں لیا جاتا ہے۔ اس پر حق استعمال نہیں کیا جاتا۔۔ اس لیے تم اتنی دور بیٹھے غیرت کا راگ آلاپنا بند کر دو۔۔۔ کیونکہ اپنا ہر حق تم ختم کر کے جا چکے ہو۔۔ زاران نے ٹھنڈے لہجے مین کہتے اسفند کو مزید آگ لگائی تھی۔

تم سب کو اپنا جیسا سمجھتے ہو زاران۔۔ اپنی بیوی سے لا تعلق تم ہوے ہو۔ میں نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اپنی بیوی کو اپنی حویلی کی چار دیواری میں چھوڑ کر گیا ہوں۔ اس پر پوری پوری نظر ہے میری۔۔۔ میں سات ماہ میں ایک لمحہ اس سے غافل نہیں ہوا۔۔ آج اس نے حویلی سے باہر قدم رکھا اور مجھے خبر ہو گئی۔۔ اب سوچو تم بڑے بے غیرت ہو کہ میں۔۔۔ اسفندیار خان اپنے سامنے کرسی کو ٹھوکر مارتے طیش اضوالم میں کی پاگلوں کی طرح دھاڑا تھا ۔عابیر اس کی صرف اس کی عورت ہوتی تو تب بھی اس کے خون میں ایسے ہی شرارے پھوٹتے اور وہ تو اس کی محبت اس کا عشق تھی۔ اسفندیار خان کا خون رگوں میں بھڑکتا جیسے باہر آنے کو بے تاب تھا۔۔ عابیر اس وقت کسی غیر کی حویلی میں ہے۔ اسفندیار خان کے اوپر جیسے گرم گرم سیال مادہ انڈیل رہا تھا۔

اپنی غیرت تم ایسے فون پر دھاڑ کر جتاتے رہو۔۔۔عابیر اب تمھاری بیوی بن کر نہیں رہے گی۔وہ وہی کرے گی جو اس کا دل چاہے گا۔۔وہ براک سے ملے گی۔۔اگر اسے روز یہاں براک سے ملوانے کے لیے لانا پڑا میں لاؤں گا۔اور حویلی کے دروازے بھی دارم خان کے لیے کھلیں رہیں گے۔۔دوست ہے میرا۔۔۔یہاں دل میں رہتا ہے۔زاران نے اپنا سینہ ٹھوکا تھا۔اور تم دیکھنا عنقریب میں اس کے لیے زنان خانے کے دروازے بھی کھول لوں گا۔اور تم کچھ نہیں کر سکو گے۔۔سوائے وہاں بیٹھ کر خالی سکرین کو گھورتے رہنا۔۔کیونکہ عابیر تب تک تمھارے کمرے میں بھی رہنے کا حق کھو دے گی۔۔زاران نے سرد اواز میں کہتے اسفندیار خان کو پاگل کیا تھا۔وہ واقعی میں پاگلوں کی طرح اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔زاران کمرے میں لگے کیمروں کی حقیقت سے واقف تھا۔وہ نہیں

جانتا تھا۔۔ مگر اس وقت تو اسفند یار خان اس کے لفظوں میں الجھا ہوا تھا۔ ان لفظوں نے اس کے اندر بارود جیسے بارود بھر دیے تھے۔۔

کیا بکواس کر رہے ہو؟؟ کہنا کیا چاہتے ہو تم۔۔ اسفند بال مٹھی میں جکڑتے گہرے سانس لیتے حلق کے بل چیخا تھا۔

اسفند کے یوں تڑپنے پر زاران کے لبوں پر پر سکون مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔

جو تم سمجھنا چاہتے ہو وہی سمجھو۔ میں سیدھے اور آسان لفظوں میں کہہ رہا ہوں۔۔ عنقریب عابیر پر تمھارا حق ختم ہو جائے گا۔

اور تم جانتے ہو ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔ اس سے پہلے میں تیری جان لے لوں گا زاران۔۔۔۔ میرے گارڈز تمھاری جان لے لیں گے۔۔ میں سفاک

بے رحم بن جاؤں۔ میری بیوی مجھے اسی لمحے حویلی چاہیے۔۔ اسفندیار خان بلبلاتے ہوے دھاڑا۔

میں چاہتا ہوں اس بار تم اپنا کہا پورا کرو۔۔ گارڈز کے ہاتھوں مرنے کا مجھے کیا مزا آئے گا۔ مزا تو اسفندیار خان کے ہاتھوں آئے گا۔ جب مقابلہ برابری کی سطح پر ہو گا۔ اپنا بدلہ پورا کرو میرے سامنے آکر میری جان لو۔۔ بزدلوں کی طرح باہر چھپ کر کیوں بیٹھے ہو۔ اس بار تم میرے سامنے آئے میں گولی تمھارے سینے میں اتاروں گا۔ اور میری بہن کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ وہ آزاد ہو جائے گی۔ پھر میں اس کے لیے ہر فیصلہ لینے کے لیے آزاد ہوں گا۔۔ اور عابیر آج رات حویلی نہیں جائے گی۔۔ آج رات میں دارم خان کی حویلی میں اس کے ساتھ اس کا مہمان بن کر ٹھہروں گا۔ عابیر براک کے ساتھ ادھر ہی رہے گی۔۔ تمھاری عورت آج رات حویلی سے باہر کسی

اور کی حویلی میں رہے گی۔۔افسوس تم کچھ نہیں کر سکو گے۔۔یہاں آنے میں بھی تمھیں کم سے کم بیس گھنٹے تو لگیں گے۔۔اپنا پرائیویٹ جیٹ بھی کروالو۔۔پھر بھی تم جلدی نہیں پہنچ سکتے۔۔زاران کہتا فون بند کر چکا تھا۔۔

زاران تمھاری اور تمھاری بہن کی جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔اسفند نے حلق کے بل چیختے ہوے اپنے سامنے پڑی ٹیبل کو پاؤں سے ٹھوکر ماری تھی۔۔وہ الٹتے ہوے دور جا گری تھی۔۔شیشہ چکنا چور ہوتے زمین پر بکھرا تھا۔

شہرام کمرے کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہونے لگا تھا کہ عابیر روزینہ خانم اور امینہ خانم کو آتا دیکھ کر رکا تھا۔

عابیر کو دیکھ کر اس کے شہرام خان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔

وہ اس وقت بلیک پینٹ بلیک شرٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے پر تھکن کے شدید اثار تھے۔۔ مگر اپنی بہن کو مسکراتا دیکھ کر اس کی تھکن دور ہوئی تھی ۔وہ اتنا خوش کیوں تھی وہ سمجھ گیا تھا۔۔ بچوں میں اس کی جان بستی تھی۔ خود سب سے چھوٹی تھی اس لیے اس کے بعد کوئی بچہ آیا ہی نہیں تھا۔ ملازموں کے بچے سارا سارا دن گود میں لیے بیٹھی رہتی تھی۔ بچوں کے لیے اس کی دیوانگی دیکھ کر وہ اسے چھیڑا کرتا تھا وہ اس کی شادی اس انسان

سے کروائے گا جس کے پہلے سے بچے ہوں۔ تاکہ عابیر کو اپنے شوہر کی طرف سے منہ دکھائی میں بچوں کا گفٹ ملے۔

دوسرے لمحے عابیر کو دیکھ کر رخ پلٹے انگلیوں سے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں مسلتے مسکراتے ہوے اس کی طرف پلٹا تھا

عابیر شہرام کو دیکھتے بھاگتے ہوے اس کے سینے سے لپٹ گئی تھی۔ اسفندیار خان کے چھوڑ کر جانے کے بعد وہ دونوں بھائیوں کی لاڈلی ہو گئی تھی۔۔

شہرام جورات سے ایک ٹانگ پر کھڑا تھا۔۔ مرتے مرتے زندگی کی طرف پلٹا تھا۔ عابیر کو دیکھ کر جیسے زندگی کی طرف پلٹا تھا۔۔

مبارک ہو لالا۔۔ عابیر چہکتے ہوے شہرام کے سینے سے لگتے بولی۔

میری عابی کو بھی مبارک ہو۔ جو پھر سے پھوپھو بن گئی۔

شہرام نے مسکراتے ہوئے عابیر کے ماتھے پر لب رکھے۔

لالا میں نے اسے دیکھا ہے۔ وہ بہت پیارا ہے۔ میں اسے پیار کرنا چاہتی تھی مگر ڈاکٹر ماہم نے کہا کہ ابھی اسے انکوبیٹر سے نہیں نکال سکتیں۔ ایک دو دن تک اسے رکھنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد ہی میں اسے گود میں لے کر جی بھر کر پیار کر سکتی ہوں۔

عابیر کی بات پر شہرام مسکرایا تھا۔۔

کچھ دنوں کی بات ہے پھر میں اسے تمھیں ہی دے دوں گا۔۔ تم ہی اسے سنبھالنا۔۔ شہرام کی بات پر عابیر بے یقین ہوئی تھی

سچ میں لالا۔۔ آپ مجھے دے دیں گی بے بی۔۔ عابیر اس کے سینے سے سر اٹھاتے خوشی سے بے یقینی سے پوچھا۔

کیوں تم کو کیوں دے گا شہرام۔۔ اللہ ہمارا بہارے کو سلامت رکھے۔۔ اس کا ماں کو سلامت رکھے۔ وہ ہے اسے پالنے والا۔۔ ویسے بھی تم کو تو اس براک کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔ پریذے تک نظر نہیں آتا۔ بہت شوق ہے تم کو دوسراں کے بچے کا ماں بننے کا تو پریذے کا بنتا ماں۔ سمجھ نہیں آتا ۔۔ سات لسال کا بچہ میں تم کو کیا نظر آیا ہے۔ یا پھر بات کچھ اور ہے۔ جو تمھارا آج کل دارم خان کا حویلی کا چکر ہی ختم نہیں ہوتا۔۔ روزینہ خانم تنک کر بولی تھیں۔

کیا بات ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ براک مجھے بہت پیارا ہے۔ پریذے سے میں نے ہمیشہ محبت کی ہے۔ گل بھابھی ہم میں سے کسی کو بھی پریذے کے پاس زیادہ پھٹکنے نہیں دیتی تھیں۔ یاد ہو گا آپ کو گل بھابھی ذرا سا پریذے کو اٹھانے پر حویلی سر پر اٹھا لیتی تھیں۔ اور مجھے براک کے درد سے پیار ہوا ہے۔ اس کا درد اور میرا درد ایک جیسا ہے۔ بھول گئی ہیں آپ ۔۔ آپ کے بیٹے اسفندیار خان نے مجھے کتنا درد دیا ہے۔ آپ اور اسفند مجھے آخر خوش کیوں نہیں رہنے دیتے۔۔ ایک چھوٹے سے بچے سے کیا مسلہ ہے آپ کو۔ عابیر روتے ہوئے جھنجھلائی تھی۔ عابیر کے جواب اور اس کے لہجے کے بھیگے پن پر روزینہ خانم نے سٹپٹاتے ہوئے شہرام کو دیکھا۔۔ جس کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔

شہرام کی خون اتری آنکھوں کو دیکھتے عابیر کی رنگت لمحوں میں پھیکی پڑی تھی۔

لالا۔۔۔میں کل پہلی مرتبہ براک سے ملنے گئی تھی۔زارن لالا خود مجھے لے کر گئے تھے۔۔صرف آدھا گھنٹہ رکی تھی۔۔لالا مجھے اپنی حویلی واپس چھوڑ کر امریکہ کے لیے نکل گئے تھے۔عابیر نے شہرام کی شرٹ سینے سے جکڑتے لرزتے لبوں سے وضاحت دی تھی۔روزینہ خانم کل سے اس کے کردار پر بار بار حملے کر رہی تھی۔۔روزینہ خانم کی بات پر شہرام کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔اس لیے عابیر نے خوف سے وضاحت دی تھی۔اسفند یار کے چھوڑ کر جانے کے بعد وہ بظاہر تو بہادر بنی پھرتی تھی۔مگر وہ یونہی ہر کسی سے ڈر جاتی تھی۔اس کا کانفیڈنس اور عزت بری طرح مجروح ہوئی تھی۔خود پر اعتبار نہ رہا تھا تو کسی دوسرے پر اعتبار کیا کرتی۔۔کسی کی اپنے

لیے محبت محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ بھی تو پیار کا اظہار کر کے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔۔ اسفندیار خان نے نہ صرف جدائی دی تھی۔ بلکہ اس کا اپنوں پر یقین اعتماد بھی چھین چکا تھا۔

شہرام نے لب بھینچے سرخ چہرے کے ساتھ عابیر کی گڑگڑاہٹ دیکھی تھی وہ بھیگی آنکھوں سے لرزتے ہوئے وضاحت دے رہی تھی۔۔۔ روزینہ خانم کو اندازہ نہ تھا عابیر ان کو اس طرح شہرام کے سامنے جواب دے گی۔ یوں اسفندیار خان کا نام لے گی۔۔ انھیں کہاں عادت تھی عابیر کی آگے سے بولنے کی۔۔ اسفندیار خان کی حویلی میں موجودگی کے ہوتے وہ غلاموں کی طرح ان کے کام کرتی تھی۔ ان کی ایک آواز پر وہ ان کے سامنے ہوتی تھی۔ بلکہ اسفند کی غیر موجودگی میں بھی ان سات ماہ میں ان

کی غلام ہی بنی رہی تھی۔ مگر اب وہ عابیر عابیر رہی ہی نہیں تھی۔ جو اسفند یار خان کے پیار میں ان کے سامنے جھکا کرتی تھی

بات کچھ اور کیا ہے ؟؟ آپ مجھے بتانا پسند کریں گی۔ شہرام نے روزینہ خانم کو گھورتے اپنے لفظوں پر زور دیتے سرد لہجے میں پوچھا۔۔

لالا۔۔۔ خوشی کا موقع ہے۔ عابیر نے شہرام کو روزینہ خانم کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کا بازو جکڑا تھا۔

خوشی کے موقعے میں ہی کچھ لوگوں کو عادت ہوتی ہے۔ رنگ میں بھنگ ڈالنے کی۔ شہرام نے سرد نگاہوں سے روزینہ خانم کو دیکھا تو روزینہ خانم گڑبڑا گئی تھیں۔ ایک شہرام ہی تھا جس کے سامنے ہمیشہ ان کی بولتی بند ہو جاتی تھی۔ بہارے میں ان کی جان بستی تھی جانتی تھی شہرام جس دن بگڑ

گیا تو سب ختم ہو جائے گا۔ بہارے کے لیے شہرام کی شدید محبت کا بھی ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھاتی تھیں۔

اسفند لالا کی حرکات پر چپ تھا کیونکہ آپ کی بیٹی میرے بچے کو جنم دینے والی تھی۔ اب بچہ اور ماں دونوں صیح سلامت ہیں۔ اس لیے میری خاموشی کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں۔ اگر اسفند لالا کی طرح میں نے بہارے کو سزا دے دی تو دوسرا سانس نہیں لے پائے گی وہ۔۔۔۔ اپنی بیٹی کی شدت پسندی سے واقف ہیں آپ۔ کسی دوسری عورت کو اس کے سامنے نظر اٹھا کر دیکھ بھی لیا تو اسی پل اپنی سانسیں گنوا دے گی۔

میرے لاڈ اٹھانے کو میری کمزوری مت سمجھیں۔ کیونکہ میں آپ کے بیٹے کی طرح کمزرف نہیں ہوں کسی کی سزا کسی کو دوں۔ خاموش اس لیے ہوں کیونکہ مجھے بھی اب اسفند لالا جیسا کمزور انسان اپنی عابی کی زندگی میں نہیں

چاہیے۔ شہرام خان غصے سے ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔۔ روزینہ خانم پر اتنے عرصے کا غصہ تھا آج اس نے لفظوں کی صورت میں ساری بھڑاس نکالی تھی۔ عابیر کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔ شہرام کیا کرتا ہے۔۔۔ جانے دو اتنا خوشی کا موقع ہے۔ امینہ خانم نے آگے بڑھتے شہرام کو ٹوکا تھا۔

میرے بیٹے پر میرے عابیر میری مورے کا پورا پورا حق ہو گا۔ چاہے بہارے کو برا لگے یا اچھا۔ گل بھابھی وہ سب کچھ کرتی تھی کیونکہ لالا کو تمام حقیقت سے دور رکھا جاتا تھا۔۔ اپنی بیوی کے لیے اگر میں سب کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہوں۔ اپنی مورے اور عابی کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ کی بیٹی کو سر آنکھوں پر اس لیے بٹھایا کیونکہ شہرام خان کی بیوی ہے وہ۔۔۔۔ جس دن اسے اسفند لالا کی بہن سمجھا تو اسے سر سے اتارنے میں

پل نہیں لگاؤں گا۔اسے میری دھمکی مت سمجھیے گا۔۔شہرام خان ہوں میں تب تک جھکتا ہوں۔۔جب تک جھکنا چاہتا ہوں۔جس دن بگڑ گیا سب ختم ہو جائے گا۔اس دن آپ کو وٹے سٹے کا مطلب سمجھ آئے گا۔سمجھ آئے گا بلہ صرف خون کا ہی نہیں لیا جاتا۔

آئندہ میری عابی کے کردار پر انگلی اٹھائی مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا

شہرام روزینہ خانم کے قریب ہوتے انھیں سرد سرخ نگاہوں سے گھورتے تنبیہ انداز میں بولتے غصے سے وہاں سے واک آوٹ کر گیا تھا۔روزینہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ عابیر اور امینہ خانم کو گھورتے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر داخل ہو گئی تھی۔

یہ نہیں سدھر سکتا۔تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔۔امینہ خانم نے عابیر کی بھیگی آنکھیں دیکھتے کہا۔نہیں۔۔۔مورے میں تو بس ایسے ہی۔۔لالا کو اللہ نے

بیٹا دیا اس لیے رونا آرہا یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ عابیر اپنی نم آنکھیں دونوں ہتھیلیوں سے رگڑتے مسکرائی تھی۔ اللہ تمھیں بھی جلد پیارا سا بیٹا دے۔ امینہ خانم کی دعا پر عابیر کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔ امینہ خانم اپنی ہی دعا پر شرمندہ ہو گئی تھیں۔ وہ ہمارا مطلب ہے۔۔ امینہ خانم نے شرمندگی سے وضاحت دی۔ لالا کا بیٹا میرا بھی تو بیٹا ہے۔ عابیر اپنی چادر سے آنسو خشک کرتے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اللہ تم کو اپنا اولاد دے ہمارا بچہ۔۔ ہمارا تو یہی دعا ہے۔ اسفند کے دل میں رحم آ جائے۔ اتنا خوبصورت اور اتنا گنوں والا بیٹی کا قدر ہی نہ کیا اس نے بہت ناقدرہ انسان ہے وہ۔ جس کا اتنا خوبصورت ہو پیار کرنے والا بیوی ہو وہ کیسے اپنا بیوی کو چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ امینہ خانم خود سے بھرائے لہجے میں کہتے اپنی چادر سر پر اچھی طرح جماتے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھیں۔

بہارے بہت بہت مبارک ہو تمھیں۔۔عابیر نے بہارے کے قریب جا کر مسکراتے ہوے اسے مبارک باد دی۔جو بیڈ پر چت لیٹے چھت کو دیکھ رہی تھی۔آنکھوں کے گوشوں سے آنسو بہتے تکیے کو بھگو رہے تھے۔عابیر کے مبارک باد دینے پر اس میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔بہارے کیا ہوا تم ٹھیک ہو؟؟۔تمھیں درد تو نہیں ہو رہا ہے۔عابیر نے بہارے کے قریب ہوتے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں۔

بہارے نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو بے دردی سے رگڑتے عابیر کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

بہارے کا ہاتھ جھٹکنے پر عابیر نم آنکھوں سے مبہم سا مسکرائی تھی۔اسفند کے چھوڑ کر جانے کے بعد وہ خود کو بہت مضبوط اور ہمت والا ظاہر کرتی تھی

مگر اسے واقعی سب کی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت افیکٹ کرتی تھیں۔ ابھی بھی لمحوں میں رنگ پھیکا پڑا تھا۔

کیا ہوا ہے تم ٹھیک ہے امینہ خانم نے بہارے کے سرد سپاٹ رویے کو دیکھتے اپنے اندر کا غصہ اشتعال دباتے ہوے پوچھا۔ بہارے بنا کوئی جواب دیے آنکھیں موند چکی تھیں۔ پلکوں کی باڑ سے آنسو گرتے پھر سے اس کے تکیے کو بھگونے لگے تھے۔ دل اتنا زخمی تھا وہ کیا کسی سے بات کرتی۔۔ آنکھوں کے آگے وہی منظر چپک گیا تھا جب وہ اسے سینے سے لگائے کھڑا تھا۔ اتنی بڑی بیوفائی وہ بھی اس کی نظروں کے سامنے۔۔ اسے ایسا لگ رہ تھا جیسے اسے آرے سے کوئی کاٹ رہا ہو۔

کیا ہوا ہے ب بہارے ؟؟ تمھیں درد ہو رہا ہے ہم شہرام کو بلاتا ہے۔۔ امینہ خانم نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔۔

بہارے نے ابھی بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ امینہ خانم کا اب چہرہ ضبط سے سرخ ہوا تھا۔

بھابھی آپ جانتا ہے کتنا درد سے گزرا ہے۔ وقت سے پہلے اس کا اپریشن ہوا موت کے منہ سے واپس آیا ہے۔ شہرام کے وارث کو پیدا کیا۔ اس حویلی کے وارث کو پیدا کیا یہ چھوٹا بات نہیں ہے۔ روزینہ خانم نے بہارے کے کوئی جواب نہ دینے پر وضاحت دی۔

ہاں ٹھیک کہہ رہا ہے تم اس نے کوئی انوکھا بچہ پیدا کیا ہے۔ اور جس درد کی تم بات کر رہا ہے۔ وہ بھی ٹھیک کہا تم نے ہم نے بنا درد کے ہی بچہ پیدا کیا ہے۔ امینہ خانم طنزیہ بولیں تھیں۔

بھابھی اپریشن کا درد بہت ہوتا ہے۔ روزینہ خانم نے امینہ خانم کے طنز پر کہا۔

لگتا ہے تم بھول گیا ہے ہم نے کیسا چار چار دن درد کھا کر حویلی میں بچہ پیدا کیا۔ نہ کوئی ڈاکٹر ہوتا تھا نہ کوئی دوائی۔۔ شہرام کی مرتبہ موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔

ہم تو اگلہ دن ہی پورا حویلی کو دیکھنا شروع ہو گیا تھا۔ مجال ہے ساس سسر کا سامنا کبھی آواز بھی اونچا ہوا ہو یا پھر ان کا حکم کے بغیر دوسرا سانس بھی لیا ہو۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے کیونکہ ہمارا لڑکا لوگ زن مریدی کرنے لگ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے آج کل کا عورت کے پاس وہ کچھ انوکھا ہوتا ہے جو ہم عورتوں کے پاس نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ آج کل کا مرد لوگ کو اپنا بیوی کا سامنے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

شہرام نے تو سارا ریکارڈ توڑ ڈالا ہے زن مریدی میں۔ اگر وہ دن رات زن مریدی کرتا پھرے گا تو ہمارا بہو کیوں ہم کو منہ لگائے گا۔۔ غلطی بہارے کا

نہیں شہرام کا ہے۔۔اس لیے ہم اس کو کیا کہے گا۔مینہ خانم نے غصے سے طنزیہ لفظ چبائے تھے۔

مورے۔۔۔۔بس کر دیں۔بہارے کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔عابیر نے انھیں ٹوکا تھا۔امینہ خانم نے بہارے کو دیکھا جو ابھی آنکھیں موندے ہوے تھی۔چہرہ زرد ہو رہا تھا۔۔چہرے پر اپریشن کے تکلیف کے اثرات نمایاں تھے۔وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

عابیر کے ساتھ زیادتیاں دیکھ کر وہ اپنا ظبط کھونے لگی تھیں۔

عابیر بچہ تم ادھر صوفے پر بیٹھو اور اپنا مورے کو پانی پلاؤ ان کا بی پی ہائے ہو جائے گا۔پھر شہرام بیچارہ کس کس کو سنبھالے گا۔آگے بیچارہ رات سے ایک ٹانگ پر کھڑا ہے۔روزینہ خانم کے لہجے سے شہد ٹپکتے دیکھ کر عابیر کی

آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔وہ سمجھ گئی تھی شہرام کی باتوں کا وقتی اثر ہے کیونکہ وہ بدل جائیں ناممکن ہے۔

میرا بچہ صوفے پر بیٹھو تم۔میں شہرام کو بولتی ہوں وہ تمھیں حویلی چھوڑ دے گا۔امینہ خانم نے عابیر کو بہارے کے بیڈ کے قریب کھڑے دیکھ کر سرد لہجے میں کہا۔عابیر کی جھکنے والی فطرت انھیں بلکل پسند نہیں تھی۔وہ آج بھی اسفندیار خان کے رشتوں کے آگے جھک جاتی تھی۔وہ جانتی تھی عابیر آج بھی اسفندیار کے پلٹنے کی منتظر

تھی۔بدبدخت۔۔۔بدنصیب۔۔۔۔امینہ نے خانم زیرلب اسفندیار خان کو کوسا تھا۔

نہیں مورے میں ابھی حویلی نہیں جاؤں گی۔مجھے بچے کو پھر سے دیکھنا ہے اسے پیار کرنا ہے۔ڈاکٹر ماہم نے مجھے کہا ہے میں اسے تھوڑی دیر تک پھر

سے دیکھ سکوں گی۔عابیر کی ایکسائٹمنٹ عروج پر تھیں۔امینہ خانم گہرا سانس لیتے خاموش ہو گئی تھیں۔

آپ بیٹھیں ادھر میں تھوڑی دیر تک چلی جاؤں گی۔۔عابیر امینہ خانم کو بازو سے پکڑے صوفے کی طرف بڑھیں۔

----------عابیر امینہ خانم اور روزینہ خانم ہسپتال کے کمرے میں ایک طرف پڑے صوفوں پر بیٹھیں تھیں۔

امینہ خانم ایک طرف صوفے پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔عابیر خاموشی سے ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔کمرے میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔اس گھمبیر خاموشی کو روزینہ خانم کی بھاری آواز توڑتی وہ ہر تھوڑی دیر بعد بہارے سے کچھ کھانے کا پوچھتی تھی۔مگر وہ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔سات گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تھا۔چار گھنٹے وہ انڈر ابزرویشن رہی

تھی۔ڈاکٹرز نے اب بہارے کو سوپ پینے کو کہا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی کھا نہیں رہی تھی۔ایسے ہی خاموشی سی لیٹے تھی۔نہ سٹیچز میں درد کا کہہ رہی تھی۔نہ کروٹ لے رہی تھی۔نہ ہوش میں آنے کے بعد بچے کا پوچھا تھا۔بس سیدھے لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔۔ آنکھوں کے گوشوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ جس سے اس کا درد عیاں ہو رہا تھا وہ کتنے گہرے درد میں ہے۔

جب سے اسے ہوش آیا تھا شہرام خان تب سے ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا۔اور اس کے ابھی تک کمرے میں نہ آنے پر بہارے کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔وہ خود اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا کمرے میں نہ آنا اسے تکلیف دے رہا تھا۔شائد بچے کے آنے کے بعد اسے اس کا

جو خیال تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ وہ اب کھل کر اپنی اصلیت ظاہر کرنے والا تھا۔ جو نکاح کیا نہیں تھا شائد وہ کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

بہارے کی آنکھوں کے سامنے پھر سے وہ منظر آیا تھا جب وہ اسے سینے سے لگائے کھڑا تھا۔ بہارے نے بے حسی سے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔ آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔ بیوفائی کی کیسی تکلیف ہوتی ہے وہ اس تکلیف سے پہلے بھی گزری تھی۔ مگر بیوفائی کرتے دیکھا پہلی مرتبہ تھا ۔۔اور کیسی تکلیف تھی اس ستمگر کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر وہ وہی جانتی تھی یہاں تک اپنے بچے کو بھولے صرف اس ستمگر کی بیوفائی کو سوچ رہی تھی۔۔ اور جتنا سوچ رہی تھی اتنا تڑپ کر جیسے مر رہی

سماعتوں میں اس ستمگر کے لفظ مسلسل گونجتے اسے جیسے پاگل کر رہے تھے

!!وہ گھر کمرہ میں نے آیزل کے لیے سجایا تھا!!

وہ درد و کرب سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے کچل گئی تھی۔ آنکھوں سے گرم سیال شدت بہا تھا۔

اسی اثناء میں شہرام دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

شہرام تم ہی سمجھاؤ یہ کچھ بھی نہیں کھا رہا۔ ایسے تو یہ اور کمزور ہو جائے گا۔ روزینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے شیریں لہجے میں کہا۔

کھا لے گی اب میں آ گیا ہوں ناں۔۔۔۔ شہرام نے بہارے کو گہری نگاہوں سے دیکھا جو سپاٹ سی چھت کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے بہارے کی طرف بڑھا تھا۔۔اس نے ابھی بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔ مگر آنکھوں کے گوشوں سے سیال نکلتا تکیے کو بھگو رہا تھا۔ شہرام کی نظریں بھیگے تکیے پر تھیں۔

دوش وی دیے کس نوں انہاں حالاتاں دا

خواباں دی سولی اتے ٹنگیاں راتاں دا

کنے ہی سوال ایکو وار لے کہ آ گیا

اہو جے موڑ اتے پیار لے کہ آ گیا

شہرام اپنی پینٹ کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔ جو اب آنکھیں موند چکی تھی۔ شہرام نے اس کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔

بہت شکریہ اتنا خوبصورت تحفہ دینے کا۔۔ شہرام نے اس کی آنکھ کے گوشوں سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے نرمی سے آنسو صاف کیے۔

امینہ خانم کا چہرہ ناگواری سے سرخ پڑا تھا۔ عابیر گلابی ہوتی مبہم سا سکرائی تھی۔ روزینہ خانم نے مغروریت سے روزینہ خانم کو دیکھا تھا۔۔ یہ حویلی میں شہرام خان ہی تھا جو سب کے سامنے بھی بہارے کو ایسے ہی عزت دیتا تھا۔

کھانا کیوں نہیں کھا رہی تم بہارے۔۔۔ شہرام نے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے اس کے نرمی سے ہاتھ تھامتے اس کی گلابی آنکھوں میں جھانکا۔

بہارے نے بنا کوئی جواب دیے اپنا ہاتھ چھڑواتے اپنا چہرہ پھیرا تھا۔ شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑے اپنی طرف موڑا۔

اٹھو تھوڑا سا سوپ پی لو ہمممم۔۔ شہرام نے نرمی سے کہتے بیڈ کے سائیڈ پر لگے بٹن کو پریس کیا تھا۔ بیڈ تھوڑا سا اونچا ہوا تھا۔ شہرام نے بغور اس کا چہرہ دیکھا چہرہ زرد ہو رہا تھا بال بکھرے تھے شہرام نے بہت نرمی سے اس کے عارض پر آئے بال کان کے پیچھے اڑسے تھے۔

پاس پڑے باؤل میں پڑا سوپ اٹھا کر چمچ میں بھرتے چمچ اس منہ کی طرف بڑھایا۔

مجھے کچھ نہیں کھانا نہ پینا ہے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ تو بہتر ہو گا۔ بہارے نے شہرام کو ای ک نظر دیکھتے منہ پھیرا تھا۔ اس کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ سب کو بخوبی سنائی دی تھی۔

امینہ خانم نے خود پر قابو پاتے گہرا سانس لیا تھا۔ روزینہ خانم جز بز ہوئی تھی۔ عابیر نے پریشانی سے بہارے کو دیکھا تھا۔

شہرام نے اس کی اونچی آواز پر باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔۔

ہمارے بیچ جو کچھ بھی ہے۔ ہم اکیلے میں سورٹ آؤٹ کر دیں گے۔ مورے اور میری بہن کے سامنے تماشہ مت لگاؤ۔ شہرام نے اسے بغور دیکھتے آہستگی سے مگر کافی سرد آواز کہا۔

اب۔۔۔ کک کچھ بھی ہمارے درمیان ٹھیک نہیں ہو گا۔ تم کبھی کچھ بھی سورٹ آؤٹ نہیں کر سکو گے شہرام خان..

بہارے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولتے چیخی تھی۔۔ دوسرے ہی لمحے اسے کھانسی کا شدید غوطہ لگا تھا۔ بہارے نے اپنے پیٹ کے سٹیچز پر ہاتھ رکھتے بمشکل کھانسی کی۔۔

اس کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ آنکھوں سے نکلتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ اس ستمگر کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

بہارے۔۔۔ شہرام نے اس کے قریب ہوتے اس کا ہاتھ جکڑا تھا۔ اسے اتنا برا کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ روزینہ خانم عابیر اور امینہ خانم صوفے سے اٹھتی جلدی سے بہارے کی طرف بڑھیں۔ شہرام خان نے سائیڈ ٹیبل سے کھانسی کا سیرپ اٹھاتے اس کا ڈھکن کھولتے بہارے کے لبوں سے لگایا جو بہارے نے شہرام کے ہاتھوں سے لیتے زمین پر پھینک دیا تھا۔ عابیر اور امینہ خانم پیچھے کو ہوئی تھیں۔ روزینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ شہرام کا چہرہ ضبط سے سرخ ہوا تھا۔

دور ہٹو مجھ سے دور رہو۔۔۔ بہارے بمشکل کہتے گہرے سانس لیتے بیڈ کی دوسری سائیڈ سے اتری تھی۔۔ مگر قدم زمین پر رکھتے وہ درد سے چیخ پڑی تھی۔۔ اتنی تکلیف اتنا درد اٹھا تھا کہ اس کی دردناک چیخ گونجی تھی

شہرام جو سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے بیڈ پر بیٹھا اپنی مٹھیاں بھینچے ہوے تھا۔ بہارے کی دردناک چیخ پر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ واقعی میں اسے لیے شدت پسند تھی۔۔ وہ اپنے پیٹ پر لگے سٹیچز ہی بھول چکی تھی۔۔ اب وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے چیخ رہی تھی۔

بہارے مت کرو خود پر ظلم۔۔۔ تمھارا اپریٹ ہوا ہے۔ شہرام نے سرخ نم زدہ آنکھوں سے اسے دیکھتے کہا۔۔ اسے تھاما نہیں تھا۔ اگر وہ اسے تھامتا تو وہ اسے جھٹکا دیتی جو اس کے سٹیچز کے لیے نقصان دہ ہوتا۔۔ بہارے بمشکل

قدموں پر کھڑی اپنے سٹیچز پر ہاتھ رکھے چیخ رہی تھی۔ ٹانکے کچے تھے۔۔ یکدم کھڑے ہونے پر شدید کھچاؤ اور درد ہو رہا تھا۔ وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔

۔روزینہ خانم بہارے کی طرف جلدی سے بڑھیں۔ عابیر تو بہارے کی حالت دیکھتے لرزتے ہوئے رو رہی تھیں۔ امینہ خانم کا چہرہ ضبط سے سرخ تھا۔ وہ اپنی سرد نگاہیں شہرام پر گاڑھے ہوئے تھی۔۔ جس نے اپنی بیوی کو اتنا سر پر چڑھایا ہوا تھا وہ بھول ہی گئی تھی وہ ہاسپٹل کے کمرے میں ہے۔

ہاسپٹل کا کمرہ الگ تھلگ کونے میں تھا۔ ورنہ بہارے کی چیخیں یقیناً پورے ہاسپٹل میں گونجتیں۔

مورے میرا بچہ مجھے لا کر دیں مجھے حویلی جانا ہے۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ بہارے نے روتے ہوئے کہا۔ شہرام نے اب پریشانی سے ماتھا مسلہ تھا ۔وہ اس بات کو چھوٹا نہیں سمجھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا بہارے کا ری ایکشن بہت سخت ہو گا۔۔ مگر اتنا زیادہ ہو گا وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ تو جیسے موت کو گلے سے لگائے ہوئے تھی۔

شہرام کیا ہوا ہے تم دونوں کے بیچ۔۔ تمھارا بیوی اتنا تماشہ کیوں لگا رہا ہے۔۔ یہ ہسپتال ہے اس کو سارا شرم بھول گیا ہے۔۔ اور یہ سب کچھ تمھارا وجہ سے ہو رہا ہے۔ تم نے اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے اسے۔۔ امینہ خانم غصے سے بولیں تھیں۔

شہرام کو یوں بے بس کھڑا دیکھ کر امینہ خانم کا بی پی ہائی ہو رہا تھا۔

مورے کچھ نہیں ہوا اس کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی حالت دیکھیں آپ۔۔۔ میں دیکھ لیتا ہوں اسے۔۔ شہرام نے لب بھینچے بہارے کو کرب سے دیکھتے کہا۔ جو مریض کے سفید لباس میں ملبوس تھی۔ رنگت زرد تھی۔ بکھرے بال آنکھیں متورم اور گلابی تھیں۔۔۔ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔۔ شہرام نے ضبط سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔

بہارے نے روتے ہوئے اپنا سر جکڑا تو شہرام خان کی سانسین اٹکیں تھیں۔ ابھی تو وہ موت کے منہ سے واپس ائی تھی۔۔

بھابھی ہمارا بیٹی کا حال دیکھو تم اسے ہی باتیں سنا رہا ہے۔ روزینہ خانم بہارے کی حالت دیکھتے تڑپتے ہوئے بولیں۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے بیڈ کو جکڑا تھا۔ اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔۔ شہرام نے آگے بڑھتے اسے نرمی سے بازو سے جکڑے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے سینے میں بھینچال تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے درد سے کراہتے شہرام کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

میرا بچہ مجھے لا دو۔۔ میں اس پر تمھارا سایہ نہیں پڑنے دوں گی۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے نفرت سے اٹل لہجے میں کہا۔

نہ اک ہی ہو سکدے

نہ دکھ ہو سکدے

کہو جے موڑتے

پیار لے کہ آ گیا

بہاڑے کا لباس سارا خراب ہو چکا تھا۔ شہرام اسے پھر بھی اپنے سینے سے لگائے ہوے تھا۔ امینہ خانم شہرام کو غصے سے دیکھتی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

عابیر بہارے کو دیکھتے شہرام کے سامنے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ لالا میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔ عابیر کہتی کمرے سے نکل گئی تھی۔

لا دوں گا میں تمھیں تمھارا بچہ۔۔ لے جانا اسے مجھ سے دور۔ ابھی تم یہاں بیٹھو۔۔۔ شہرام نے اس کی کمر سہلاتے اسے نرمی سے جکڑے بمشکل بیڈ پر بٹھایا۔ بہارے بیڈ سے ٹیک لگائے درد سے رو دی تھی۔

شہرام کچھ پل بہارے کو روتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اپنی سرخ آنکھیں مسلتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

میرے بیٹے نے تم سے محبت کرنے کی سزا پائی ہے اور اپنے بیٹے کی اس غلطی کا حمیازہ، میں اور بیٹیاں آج تک بھگت رہی ہیں۔ زحلے کی بستیوں پر زرتاج کا رنگ تیزی سے سرخ پڑا تھا۔ آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے۔ ابرش آپی آپ کے لئے ناشتہ بنا کر لاتی ہوں۔ زرتاج صوفے سے اٹھتے بھیگی آواز پر قابو پاتے تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ماما کیا تھا یہ سب؟ ہر بات میں زرتاج کو سنانا لازمی ہوتا ہے۔ قصوروار صرف زرتاج نہیں بلکہ آہل بھی ہے۔ اور اس نے بھی کچھ کھو دیا ہے۔ عنایہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی سزا بہزاد خان کو اس کی دردناک موت کی صورت میں مل چکی ہے۔ بہزاد جیسا

بھئ تھا اس کا بھائی تھا۔ سوچیں ایک پل کے لیے بہزاد کی موت کا سن کر اسے کتنی تکلیف ہوتی ہو گی۔ ابرش نے روز کی طرح زحلے کو سمجھایا تھا جو روز کی طرح زرتاج کو سنانا نہیں بھولتی تھیں اور جو تمہارے ساتھ ہوا اس کا کیا؟ زحلے ابرش کی سنہری رنگت اور خوبصورت نقوش کو دیکھتے غصے سے تڑختے ہوئے بولی تھی۔

میرا مجرم تو کوئی اور ہے۔ ابرش اپنے لہجے کی شبنم پر قابو پاتے ہوئے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔

نظروں کی سامنے اس ستمگر کی ستارہ خان کے ساتھ تصویر ائی تھی۔ اس کے اپر لب مول نے ابرش کے وجود میں ایک بار پھر دہکتی آگ جلائی تھی۔ وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی بڑھی تھی۔ مگر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔ اسے اپنی سماعتوں میں اس ستمگر بے مہر کی آواز سنائی دی تھی۔ ابرش نے بے یقینی سے روخ پلٹا تھا۔

سامنے لگی ایل ای ڈی پر ایک معروف پاکستانی نیوز چینل ان تھا۔ وہ بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس کانفرنس کر رہا تھا۔ وہ رپیٹ ٹیلی کاسٹ کانفرنس تھی جو دوبارہ سے چینل پر نشر کی گئی تھی۔ جو کل سے کافی چرچے تھے۔ واؤ زران بھائی کی پرسنیلٹی تو پہلے سے بھی زیادہ چارمنگ ہو گئی ہے۔ اومائی گارڈ زران بھائی کتنے ڈیشنگ لگ رہے ہیں. عنایہ ہونٹ سکیڑتے بولی تو ابرش کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ سچ میں ان سات ماہ میں پہلے سے زیادہ سحر انگیز ہو گیا تھا۔ ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔ وہ کرسی کی سطح پر ہاتھ جما گئی تھی۔ عنایہ ریموٹ مُجھے دو مجھے ٹی وی شو دیکھنا ہے وہ آنے والا ہے۔، زحلے نے کن اکھیوں سے ابرش کو دیکھتے عنایہ کو گھورا

تھا۔ رہنے دیں ماما اسے اچھا ٹی وی شو کونسا ہو سکتا ہے۔ مجھے تو یہی دیکھنا ہے

مسٹر خانزادہ واقعی میں پہلے سے زیادہ چارمنگ ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نا کچھ

لوگوں کو حرام سوٹ کرتا ہے۔ آپ کے بھتیجے کا حرام راس آ گیا ہے۔ جب

سے سیاست میں گیا ہے مسٹر خانزادہ کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے ہیں۔

ابرش کی سلگتی نگاہیں اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی ستارہ خان پر تھیں۔ ابرش

نے بھیگی آنکھوں سے استہزایہ انداز میں اس کے ساتھ بیٹھی ستارہ خان کو

دیکھا۔ ستارہ خان کا ہماری پارٹی میں دوبارہ شامل ہونا بہت معنی رکھتا ہے۔

ستارہ جیسی باوقار اور ہارڈ ورکنگ عورت کا مقام داؤد عبدلاحق کی پارٹی میں

ہی تھا۔ اور ستارہ خان اور ہماری پارٹی کا ویزن یہی ہے کہ ملک و عوام کی

خدمت بنا کسی غرض کے کرنا۔ زران خانزادہ تھوڑا سا آگے ہوتے مائیک میں

بول رہا تھا۔ لیکن سر ستارہ خان نے یہ پارٹی کے چیرمین داود عبدلحق سے

اختلافات کی بنیاد پر چھوڑی تھی۔ کل تک میڈم ستارہ خان عبدالحق اور آپ کی پارٹی کے خلاف بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ آپ کی پارٹی پر کرپشن کا الزام بھی لگا رہی تھی۔ اب رات ورات ایسا کیا ہوا کہ میڈم ستارہ آپ کے حق میں ہو گئی ہیں۔ سننے میں آیا ہے یہ سب آپ کی زاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ میڈم ستارہ خان کا آپ کی پارٹی میں شامل ہونا آپ کے بنگلے میں آپ کی طرف سے دی گئی پارٹی میں ملاقات کا نتیجہ ہے۔ جنرلسٹ کے طنزیہ سوال پر زران کا رنگ سرخ ہوا تھا۔ وہ غصے سے اگے ہوتے کچھ بولنے لگا تھا کہ ستارہ خان نے زران کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ زران نے گہرا سانس لیتے پاس بیٹھی ستارہ خان کو دیکھ کر اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔ اور یہ منظر فلیش بیک کو صورت میں کیمروں نے محفوظ کیا تھا۔ ابرش نے اپنی نگاہیں پھیرتے گہرے سانس لیے تھے۔ جی بلکل ٹھیک کہا یہ سب کچھ اسی پارٹی سے شروع

ہوا ہے۔ آپ کو پارٹی میں ملاقات سے مسلہ ہے یا ستارہ خان کا اس پارٹی میں شریک ہونا۔ مجھے سمجھ نہیں ارہا لیکن حقیقت یہی ہے ستارہ خان ہمارے ساتھ ہے۔ زران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ سر ہمیں کیا مسلہ ہو سکتا ہے مگر رات ورات ستارہ خان کا اس پارٹی میں شریک ہونا سمجھ نہیں آتا وہ جنرلسٹ نے پھر سے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ زران نے اس بار ساتھ بیٹھے پارٹی کارکناں کے اشارے پر خاموش ہوا تھا۔ مگر جھنجھلاتے سیٹ سے ٹیک لگاے ہوئے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولے تھے۔

مسٹر خانزادہ سچ سننے والوں کا آپ جیسا ہی حال ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ ایک جھوٹے انسان ہیں۔ سر سے پیر تک جھوٹے اور منافق انسان۔ ابرش سر نفی میں ہلاتے استھزایہ مسکراتے زیر لب بولی تھی۔ اب کی بار ستارہ خان نے مسکراتے ہوئے اگے ہوتے مائیک ہو ہاتھ لگایا۔ یہ فیصلہ بہت پہلے کا ہے مگر

میں کشمکش کا شکار تھی۔ مگر مسٹر زران اور پارٹی کے باقی ارکان میں سے اس پارٹی میں ملی تو جو فیصلہ کرنے میں میں ہیزیٹیٹ ہو رہی تھی وہ میں نے زران سے بات کر کے لیا۔ ستارہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ باقی سب ارکان پریس کانفرنس ختم کرتے کھڑے ہوئے تھے۔ مسٹر زران آپ سے ایک آخری سوال آپ نے نیو نیو یہ سیاست جوائن کی ہے۔ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ ایک سوال ہے آپ سے۔۔ کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ زران ایک اور جنرلسٹ کے سوال پر رکا۔ ستارہ خان بھی رکی تھی۔

No I'm single

وہ سنجیدگی سے کہتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

Now I'm also single Mr khanzada.

ابرش نے زیر لب کہتے اپنی انکھوں میں ائے آنسو اندر اتارے ہوے گہرا سانس لیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ New York, کی ایک سڑک کے bridge پر کھڑے بہتے دریا کو دیکھ رہی تھی سماعتوں میں اس ستمگر کے لفظ گونج رہے تھے

وہ کب سے یہ لفظ پاگلوں کی طرح دہرا رہی تھی۔ I'm single لبوں پر حفیف سے مسکراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ مگر آنکھوں کی نمی بھی شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔

آساں تھے مگر

سادہ دل ایسے بھی نہیں تھے

کھا جائیں گے دھوکا

رہ جائیں گے تنہا

ہمیں معلوم نہ تھا

ایک بات یاد رکھنا مسٹر خانزادہ اگر مُجھے چھوڑ کر جاؤ گے۔۔

کبھی واپس نہیں اؤں گی تمہارے پاس کبھی اپنا چہرہ بھی نہیں دکھاؤں گی۔

میں آئیندہ زندگی میں تمہارا چہرہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ کتنے بے رحم الفاظ

تھے جو اس نے آسانی سے کہہ دیے تھے۔ وہ اس کے سفاک لفظ یاد کرتے

آج بھی یاد کر کے ٹوٹ کر بکھر جاتی تھی۔ وہ تھا کہ اسے احساس ہی نہیں

تھا۔ وہ جانتی تھی اس لیے حس انسان نے اسے کبھی ایک پل کے لیے یاد

نہیں کیا ہو گا۔۔ تو کیوں مجھ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ کیوں مسٹر خانزادہ

کیوں میرے دل میں اپنے لئے فیلینگز جگائیں۔ کیوں اتنی دیوانگی دکھا کر

مجھے کڈنیپ کر کے نکاح کیا۔ اس سب کو میں نے کبھی محبت مانا بھی نہیں

تھا۔ مگر پتا نہیں کب مجھے آپ جیسے سفاک انسان سے محبّت ہو گئی۔۔ کبھی آپ نے راستے جدا کیے تھے آج میں راستے جدا کرتی ہوں

اس امریکن لڑکے کا گال کچھ ہی پلوں میں شدید سوج چکا تھا۔ ابرش دور کھڑے گہرے سانس لیتے بے یقینی سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ زاران نے اب پوری قوت سے مکہ اس امریکن لڑکے کے اسی گال پر جڑا تھا۔۔ جس گال پر ابرش نے تھپڑ مارا تھا اس کا گال لہولہان ہو چکا تھا۔ اس نے شروع میں ایک دو وار کیے تھے۔۔ مگر زاران کی بھاری طمانچوں کے وار نہ سہتے ہوے وہ بے سدھ سا ہو چکا تھا

ابرش اس امریکن لڑکے کی حالت دیکھتے زاران کی طرف بڑھی تھی

ادھر ہی رک جاؤ۔۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ تمھارا ہاتھ اس ذلیل انسان کی گال کو چھوا ہے آج میں اس کے گال کا حشر بگاڑ دوں گا۔۔ زاران حلق کے بل چیخا تھا۔

ابرش اس کی دھاڑ پر وہیں رک گئی تھی۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا اسے لے کر کسی غیر مرد کے معاملے میں بلکل پہلے کی طرح جنونی۔۔۔۔ یعنی وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ سفاک ظالم بے رحم اس کے معاملے میں۔۔۔ اس نے کسی مرد کو تھپڑ مارا اور وہ اس کا ہاتھ کسی مرد کو ٹچ ہو تا برداشت نہ کر سکا۔۔ وہ جنونی انداز میں اس کے گال پر مکے برسا رہا تھا۔ یقیناً وہ آج بھی اسے اس بات کی سزا دے گا۔ جس میں اس کی غلطی نہ تھی۔

ابرش گہرے سانس لیتے پیچھے کو ہوئی تھی۔

جیتے جی لاش ہونے لگے

یوں تباہ کر دیا ہے تیرے پیار نے

کیسے ہنستے تھے ہم

کیسے رونے لگے

حال کیا کر دیا

یہ تیرے پیار نے

وہ برج پر موجود ریلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی. سات ماہ بعد اس سے ایسے ملاقات ہو گی۔ اس نے سوچا نہ تھا۔ وہ لرزتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ انسان زاران کے بھاری ہاتھ کے مکوں کی تاب نہ لاتے نیم بے ہوش ہو چکا تھا۔

چھوڑ دیں زاران اسے۔۔۔ یہ پاکستان نہیں امریکہ ہے۔۔ وہ بال مٹھیوں میں جکڑے یکدم چلائی تھی۔ اس کی چلانے پر زاران کا ہاتھ رکا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے پیچھے ہوے تھا۔ وہ اس کے اوپر سے اٹھتا ابرش کی طرف بڑھا جو مزید پیچھے کو ہوئی تھی۔۔۔ مقابل کے چہرے پر غصہ اشتعال دیکھ کر آج بھی ابرش کا خون رگوں میں منجمند ہوا تھا۔

وہ اس کے قریب آتا اس کے گرد ریلنگ پر اپنے دونوں ہاتھ جما چکا تھا۔۔ آج سات ماہ بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ دونوں کی سانسوں کی خوشبو ایک دوسرے کی سانسوں میں گھل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کی دل کی دھڑکنیں بھی بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ کتنے ہی پل خاموشی کے آئے تھے۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ زاران کی سلگتی سانسیں اس کے لبوں پر بکھر رہی تھیں

۔براؤن آنکھیں ابرش کی سنہری کانچ سی انکھوں میں گڑھی تھیں۔ابرش کی دھڑکنیں اب زاران کو اپنے سینے میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

کیا چاہتی ہو؟؟ تمھاری حرکتوں پر میں اپنی جان گنوا دوں۔ تمھاری وجہ سے کتنے خون کر چکا ہوں۔اب کیا چاہتی ہو تم کسی دن میں بھی مارا جاؤں۔۔وہ اس پر مزید جھکے دھاڑا تھا۔

کیا کیا ہے میں نے؟؟ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

کیا کر رہی ہو یہاں اس ٹائم؟؟زاران نے غراتے ہوے سوال کیا۔

آپ ہر سوال مجھ سے کرنے کا کھو چکے ہیں۔ مم میں کچھ بھی کروں آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے سوال کرنے والے۔۔سات ماہ پہلے آپ مجھے چھوڑ چکے

ہیں۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے آنسو اپنے اندر اتارتے بمشکل کہا تھا۔

مقابل کی سانسوں کی امد ورفت سے اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو ابرش کو اپنے حواصوں پر چھاتی محسوس ہوئی تھی۔

ابرش نے اتنے کانپتے ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر جمائے اسے دور کرنا چاہا تھا۔ وہ مزید اس کے قریب ہوا تھا۔

سوال میں تو تم سے بہت کروں گا اور تم مجھے جواب بھی دو گی۔۔ کیونکہ آج رات میں تم پر تمھاری سانسیں تنگ کر دوں گا بیوی۔۔ اپنی سانسوں کی رہائی کے لیے تم مجھے ہر سوال کا جواب دو گی۔

زاران غراتے ہوے اس کی کلائی جکڑتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا

زاران۔۔۔۔ابرش چیخی تھی۔۔زاران کے قدموں میں رفتاری آئی تھی

۔زاران اپنی گاڑی کا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے داندر دھکیل چکا تھا۔

خود ڈرائیونگ سیٹ پڑ بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

بہارے ہاسپٹل کے کمرے کے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔۔

اس کی طبعیت کافی بہتر تھی۔۔ سٹیچز میں پین بھی نہیں ہو رہا تھا. کل سے

اس نے بہت بار واک بھی کی تھی۔اچھا ٹریٹمنٹ ملنے کی وجہ سے اس کی

طبعیت کافی حد تک بہتر تھی. چوبیس گھنٹے ڈاکٹرز اس کے کمرے کا چکر لگا

رہی تھیں۔

وہ اس وقت جامنی کلر کی گرم سمپل سی فراک میں ملبوس تھی۔ بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دی ہوئی تھی۔ گرم شال کندھے پر ایک طرف ڈال رکھی تھی۔ روزین

دو دن سے شہرام ہاسپٹل کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ روزینہ خانم اس کے ساتھ کمرے میں رکی تھیں۔۔ عابیر اور امینہ خانم سے بھی کوئی نہیں آیا تھا

۔۔۔

روزینہ خانم صوفے سے اٹھتی بہارے کے پاس آئیں۔

بہارے دو دن سے تم سے پوچھ رہا ہے شہرام اور تمھارا بیچ کیا بات ہوا تم بتا نہیں رہا۔۔

بہارے نے روزینہ خانم کی بات پر لب بھینچے تھے

بہارے یہ اچھا بات نہیں ہے۔۔ شہرام دو دن سے کمرے میں نہیں آیا۔۔ تم کو اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت تم کو اپنا شوہر کا ضرورت تھا۔۔ ہمارا جگہ وہ ہوتا تمھارا پاس۔۔۔۔ ایسا کر کے تم اس کو اپنا سے دور کر رہا ہے۔ مرد جتنا بھی محبت کرتا ہو۔ مگر عورت کا نخرہ بد تمیزی ایک حد تک برداشت کرتا ہے۔ مرد کو اپنا بنا کر رکھنے اور اپنا گھر کو بچانے میں ہمیشہ عورت کو اپنا کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔۔ مرد کا گھر اور دل بسانا کے لے لیے باہر کا عورت ہمیشہ تیار رہتا ہے۔۔۔ اور شہرام جیسا مرد تو قسمت والیوں کو ملتا ہے۔۔

کیا چاہتی ہیں آپ شہرام کو اپنا بنائے رکھنے کے لیے اس کے نیچے بچھ جاؤں۔ بہارے روزینہ خانم کی بات کاٹتے چیخی تھی۔

وہ بھی کر لیا مورے۔۔ اس کو اپنا بنائے رکھنے کے لیے دن رات اس کے نیچے بچھتی رہی۔۔ اپنے پہلو میں اٹھتے درد کو بھول جاتی تھی۔۔ اپنے بچے کا بھول جاتی تھی۔۔ وہ مطمئن ہو جائے وہ پر سکون ہو جائے۔۔ وہ میرے علاوہ کسی اور کی طرف نہ دیکھے۔۔ ہر پل اس کے لیے تیار رہی۔۔۔ ایک یہی ڈر تھا۔۔ مگر کیا ہوا۔۔ وہ پھر بھی میرا نہیں ہوا۔۔

مرد کے بدلنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہوتی وجہ صرف بیوفائی ہوتی ہے۔ اور بیوفائی کی کوئی وجہ ہوتی ہی نہیں۔۔۔

جھکی ہوں مورے میں اس کے آگے۔۔ اجو بہارے کبھی اس کی طرق دیکھتی نہیں تھی۔ آج اس کے سونے کے بعد کتنی کتنی دیر اس کے نقوش کو اپنے لبوں سے چھوتی ہے۔۔ بہت محبت کی ہے میں نے اس سے۔۔ مگر وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔۔۔ بہارے شدت سے روتے ہوے بولی۔

کیا کہہ رہا ہے بہارے تم؟ روزینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

ہاں مورے۔۔۔ میری بے اعتنائی بے رخی کی سزا دی اس نے مجھے۔ اتنی بڑی سزا دی مجھے کہ میں تڑپ کر مر رہی ہوں میں۔۔۔ میں ماں بن چکی ہوں میرا بچہ میرے پاس نہیں ہے مگر میں ابھی بھی شہرام خان کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ اس کی بیوفائی کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ مورے مرد کو اپنا بنا کر رکھنے کے لیے یہ سب کچھ کیوں ضروری ہوتا ہے۔۔ مرد کو اپنی بیوی کی وفا کیوں نظر نہیں آتی۔ وہ ایک عورت کا ہو کر کیوں نہیں رہتا۔ بہارے نے روتے ہوے سوال کیا۔

کیا کیا ہے شہرام نے؟؟ کیا وہ کسی دوسرا عورت کے چکر میں ہے۔ روزینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھتے سوال کیا۔۔

روزینہ خانم کی بات پر بہارے کی آنکھوں میں نمی شدت سے عارض پر بہی تھی۔۔

بہارے اسی دن کا وجہ سے ہم تم کو سمجھاتا تھا۔۔اب دیکھو وہی ہو گیا نا جس کا ڈر تھا۔کتنا خوبصورت ڈاکٹر ہے ادھر کا۔۔کتنا پیسہ ہے تمھارا شوہر کے پاس۔۔کتنا خوبصورت ہے وہ۔۔۔۔کتنا با اثر ہے وہ۔۔سب کچھ دوسرا عورت کا نصیب میں جائے گا۔۔

روزینہ خانم سینے پر ہاتھ مارتے ہوے بولیں۔

مورے چپ ہو جائیں۔۔خدا کے لیے چپ ہو جائیں آپ کو لگتا ہے مجھے شہرام کا پیسہ چاہیے۔۔سارا پیسہ وہ دوسری عورتوں کو دے دے۔اپنا سب کچھ دے دے۔۔مجھے صرف شہرام چاہیے۔بہارے اپنے بال جکڑتے لرزتے لبوں سے بولی تھی۔

ادھر کتنی خوبصورت ڈاکٹر ہیں۔روزینہ خانم کی یہ بات اس کے دل پر تازیانے کے طور پر لگی تھی۔۔ایزل شہرام کے سینے سے لگی یاد آئی تھی۔۔

بہارے نے تکیے پر سر پٹختے اپنا سر جکڑا تو روزینہ خانم پریشان ہوئی تھیں۔

کیا ہوا ہے بہارے؟روزینہ خانم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔۔

مورے ڈاکٹر کو بلائیں میرے دماغ کی وینز پھٹ رہی ہیں۔میں مر جاؤں گی۔۔بہارے نے اپنب سر پکڑتے روتے ہوے کہا۔

روزینہ خانم جلدی سے باہر کی طرف بھاگی تھیں۔

ڈاکٹر بہارے کس بات کی ٹینشن لے رہی ہیں۔ بار بار بی پی کیوں ہائی ہو جاتا ہے۔۔ڈاکٹر ماہم نے مسکراتے ہوے پوچھا۔بی پی کا انجیکشن لگانے کے بعد بہارے اب ٹھیک تھی۔۔وہ بیڈ پر بیٹھے ڈاکٹر ماہم کو دیکھتے پھیکا سا مسکرائی تھی

ٹینشن نہیں لے رہی. اب تو بہت بہتر ہوں۔۔پتہ نہیں کیسے بی تی ہائی ہو گیا۔

اور آج تو میں تیار بھی ہوئی ہوں کیسی لگ رہی ہوں۔۔بہارے نے پھیکا سا مسکراتے ہوے پوچھا۔۔

پہلے سے کہیں زیادہ بہتر اور خوبصورت۔۔ڈاکٹر ماہم گہرا مسکرائی تھیں۔

میرا بچہ کیسا ہے؟؟ بہارے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے پوچھا تھا۔

ڈاکٹر بہارے کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ وہ بلکل ٹھیک ہے۔ تمام بچوں سے زیادہ صحت مند اور ایکٹو۔۔۔ لیکن آپ کے صاحبزادے ذرا جلدی اگئے ۔۔اس لیے کچھ دن انھیں یہی محسوس کروانا ہو گا وہ ابھی تک آپنی ممی کے پیٹ میں ہے۔ڈاکٹر ماہم بہارے کی کلائی سے بنولا اتارتے ہوے بولی۔

آپ بلکل ٹھیک ہیں۔ کل تک آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔

اور بے بی بھی آپ کو دے دیا جائے گا۔

so dont worry

ڈاکٹر ماہم کی بات پر بہارے مسکرائی تھی۔

ڈاکٹر ماہم سر شہرام ہاسپٹل میں ہیں اس وقت۔۔۔ بہارے نے لب کاٹتے ہوے ہچکچاتے ہوے پوچھا تھا۔

وہ پچھلے تین دنوں سے ہاسپٹل میں ہی ہیں۔ پچھلے تین دنوں سے انھیں آرام کرتے نہیں دیکھا۔۔ گھنٹوں کھڑے انکوبیٹر میں بے بی کو دیکھتے رہتے ہیں۔ بہت حساس ہیں وہ اپنے بچے کو لے کر۔۔۔۔ آپ بہت لکی ہیں ڈاکٹر بہارے۔۔۔ آپ کو سر شہرام جیسے انسان ملے۔۔ ڈاکٹر ماہم کی بات پر بہارے کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔ نظروں کے سامنے پھر سے وہ منظر ایا تھا جب وہ آیزل کو سینے سے لگائے کھڑا تھا۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں جھپکی تھیں

ڈاکٹر آیزل کہاں ہوتی ہیں آج کل۔۔۔ بہارے نے اپنے اندر کا اضطراب پر قابو پاتے بظاہر مسکراتے ہوے پوچھا۔

ڈاکٹر ماہم کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ بہارے کی پوزیسیو نیچر سے سب ڈاکٹرز واقف تھیں۔

وہ میں اس لیے پوچھ رہی تھی تمام ڈاکٹرز مجھے مل کر گئی ہیں مگر ڈاکٹر ایزل نہیں آئیں۔۔ ممجھے لگا وہ چھٹی پر ہیں۔ماہم کو مسکراتے دیکھتے بہارے نے لب کاٹتے ہوے وضاحت دی تھی۔

ابھی تو وہ جنرل راؤنڈ پر ہیں اور وہ روز ہی آ رہی ہیں۔ڈاکٹر ماہم نے سنجیدگی سے بتایا۔۔

ڈاکٹر ماہم کے جواب پر بہارے کی رنگت تیزی سے زرد پڑی تھی۔۔ جسے ڈاکٹر ماہم نے محسوس کیا تھا۔

اسی ثناء میں ڈاکٹر ایزل روم میں داخل ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر ماہم نے تحیر زدہ نگاہوں سے ڈاکٹر آیزل کو دیکھا جس کے اتھوں ومیں وائٹ روززکا بوکے پکڑے ہوے تھا۔

بہت بہت مبارک ہو ڈاکٹر بہارے۔۔۔ آیزل نے مسکراتے ہوے بوے بہارے کے قریب آتے وہ بوکے ڈاکٹر بہارے کے قریب بیڈ پر رکھا تھا۔

آپ دونوں باتیں کریں میں چلتی ہوں۔ مجھے اور بھی پیشنٹ کو دیکھنا ہے۔ ڈاکٹر ماہم بہارے کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے ایکسیوز کرتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

بہارے آیزل کو دیکھ کر بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوے تھی۔۔ آیزل آج بھی سیاہ لباس میں ملبوس تھی اور دوپٹہ سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر آیزل کو سیاہ رنگ میں دیکھ کر بہارے کا دل کوئلوں کی مانند جلتا تھا۔ ابھی وہ سلگ رہی تھی۔۔ دماغ میں تپش سی اٹھی تھی۔

۔۔

کیسی ہیں ڈاکٹر بہارے ؟؟ڈاکٹر آیزل نے مسکراتے ہوے پوچھا

ائی ایم سرپرائزڈ آپ مجھ سے میرا حال پوچھنے آئی ہیں اور یہ پھول لے کر ائی ہیں۔ جبکہ مجھے موت کے منہ میں آپ نے پہنچایا تھا۔اس سے پہلے میں اپنا ظبط کھو دوں چلی جائیں یہاں سے۔۔ بہارے نے اپنے غصے پر قابو پاتے گہرے سانس لیتے کہا۔

ڈاکٹر بہارے کو دیکھ کر اس کا بی پی پھر سے ہائی ہوا تھا۔جو ابھی بھی کنٹرول میں نہیں آرہا تھا۔

ڈاکٹر بہارے میں چلی جاؤں گی۔۔ میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گی. نہ ہی میں آپ کو اپنے کسی ایکٹ کی وضاحت دینے آئی ہوں اور نہ ہی معافی مانگنے۔۔ جو ایکٹ آپ کے نزدیک گناہ تھا۔وہ میرے نزدیک جائز تھا۔شہرام سے اتنی محبت کرتی ہوں کہ مجھے نہیں لگتا میں نے کچھ غلط کیا

ہے۔ڈاکٹر آیزل کی بات پر بہارے تکیے پر سر ٹکائے دونوں ہاتھوں سے جکڑ چکی تھی۔اسے لگا تھا کہ اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔۔

شہرام کو نکاح کرنے پر اس رات میں نے مجبور کیا تھا۔

تم نے ہاسپٹل میں تماشہ لگایا مجھے لگا بھرے بازار میں جیسے مجھے کسی نے کپڑوں کے بغیر لا کھڑا کیا ہو۔۔سب مجھے جن نظروں سے دیکھ رہے تھے ۔۔میرا دل زمین میں گڑھنے کو چاہ رہا تھا۔

یہاں پاکستان آکر میں نے شہرام سے اپنے دل کی تمام فیلنگز شیر کر دی تھیں۔تب اس نے مجھے بتایا وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔پاگلوں کی طرح اس سے عشق کرتا ہے۔جب میں نے اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ لوہ لڑکی اس سے نفرت کرتی ہے۔۔اور جب جب میں اس سے اپنی محبٹ کی بھیک مانگتی وہ ہر بار مجھے ٹھکراتا رہا۔۔میں اپنی عزت نفس

کو مار کر ہر بار اس کے آگے جھک جاتی۔ کتنی بار شہرام نے میرے لیے جرمنی کی ٹکٹس کروائیں۔ میں جانتی ہوں اگر اسے پتہ ہوتا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں وہ کبھی مجھے جرمنی سے نہ بلواتا۔ ڈاکٹر آیزل بھیگی آنکھوں سے ہنسی تھی۔۔

بہارے نے سر کو جکڑے اپنے سر میں اٹھتی دھمک پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ اسے آیزل کی باتیں سر پر بجتے ہتھوڑے کی مانند محسوس ہو رہی تھیں۔

اس رات لوگوں کی نظروں میں عزت کھوئی۔۔ اپنے پاپا کو کھویا۔۔ میں اتنی تکلیف میں اور ذہنی دباؤ میں تھی کہ مجھے لگا اگر شہرام کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دوں گی تو تڑپ کر مر جاؤں گی۔ اور میں تڑپ کر مر بھی رہی تھی۔ میں

نے اسے اموشنلی ایکسپلوئیٹ کیا۔۔گلے پر چھری رکھ کر نکاح کرنے پر مجبور کیا۔

اس نے وعدہ کیا مجھ سے۔۔اس نے قسم کھائی کہ وہ مجھ سے نکاح کرے گا۔مگر اس رات تم وہاں پر پہنچ گئی۔۔شہرام تمھارا ہی نصیب ٹھہرا۔۔پتہ نہیں میری دعاؤں میں اثر نہیں تھا یا میری محبت سچی نہیں تھی۔۔مگر میں اسے نہ پا سکی۔۔۔۔ڈاکٹر آیزل بری طرح رو دی تھی۔

ڈاکٹر بہارے میرے اور شہرام کے بیچ کچھ نہیں ہے۔نہ کبھی ہو سکتا ہے وہ صرف آپ کے ہیں۔ڈاکٹر آیزل نے اب کی بار بہارے کو دیکھتے بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا۔۔

ڈاکٹر آئزل شہرام میرا ہے یہ تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ میرا نہ بھی ہوا میں اسے اپنا بنالوں گی۔۔بہارے خان نام ہے میرا شہرام خان کی

بیوی اور اس کے بچے کی ماں ہوں۔۔۔اس نے جو میرے ساتھ کیا اس کی سزا شہرام خان کو مل کر رہے گی۔۔ مگر میں اسے کبھی چھوڑوں گی تو یہ تمھاری بھول ہے۔وہ صرف میرا رہے گا۔۔ شہرام خان کا عشق جھوٹا ہو سکتا ہے۔۔ مگر بہارے خان کا عشق یہاں کے کچھ پہاڑوں کی طرح کا ہے۔۔اندھی طوفان لینڈ زلزلے آجائیں۔۔وہ پہاڑ ویسے ہی اپنی جگہ مضبوطی سے جمے رہتے ہیں۔ایسا ہی عشق کرتی ہوں میں شہرام خان سے۔۔ تم جیسی عورتیں میرے دل میں شہرام کے لیے عشق کو ختم نہیں کر سکتی۔۔۔بہارے غرائی تھی

ابھی بھی سزا کی بات کر رہی ہیں میں آپ کو سب سچ بتا چکی ہوں۔۔ سزا والی بات پر آیزل پریشان ہوئی تھی۔۔وہ شہرام کو مزید تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

تمھارے سچ نے مجھے زیادہ تکلیف پہنچائی ہے۔۔ اگر وہ مجھ سے بدلہ لینے مجھے سزا دینے کے لیے تمھارے قریب آتا تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔۔ مگر اس سچ نے مجھے لہولہان کر دیا ہے۔۔ وہ اموشنلی ایکسپلوئیت ہو گیا تھا۔

شہرام خان ہمدردی میں تم جیسی عورتوں سے نکاح کرتا پھرے گا۔

مجھ جیسی عورت سے کیا مراد ہے آپ کی۔۔ ڈاکٹر آیزل اپنے لیے یہ لفظ سنتے بلبلائی تھی

میرے نزدیک تم چیپ عورت ہو۔ ایک بیوی کے نزدیک دوسری عورت گالی کی طرح ہوتی ہے۔ مجھے تم سے ذرا برابر ہمدردی نہیں ہے۔ بہارے نفرت سے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

میں جرمنی چلی جاؤں گی۔۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔۔

بہتر ہے چلی جائیں۔ کیونکہ شہرام خان کو اموشنلی ایکسپولوئٹ کرنے کے لیے اس کا بیٹا میرے پاس ہے۔۔ جس میں اس کی سانسیں بستی ہیں۔ یہ نہ ہو اس بار وہ اموشنلی ایکسپلویٹ ہو کر پورے ہسپٹل کے سامنے آپ کو دھکے دے کر نکالے۔۔ کیونکہ شہرام خان جیسے کمزور مرد کو ایکسپولوئٹ کرنا بہت اسان ہے۔۔ اور وہ یہ بھی کر گزرے گا۔ بہارے نے سرد آواز میں طنزاً کہا۔

ڈاکٹر آیزل کچھ دیر بہارے کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر دروازہ کھولتے نکل گئی تھی۔۔

بہارے اپنا سر جکڑتے خود کو تکیے پر گراتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ارحام حیرانگی سے اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا۔ ان سات ماہ میں یہ پہلی مرتبہ تھا کہ مقابل کے قدم اس کی طرف پلٹے تھے۔۔ ورنہ وہ تو اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی دل کی دھڑکنوں پر بمشکل قابو پاتے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔

وہ اس کی گاڑی کے پاس آکر رکی تھی۔۔۔ ارحام خانزادہ کی تحیر زدہ نگاہیں اب حور پر تھیں۔

ارحام نے گاڑی میں بیٹھے تحیر زدہ نگاہوں سے حور کو دیکھ رہا تھا جو گارڈز کے ہمراہ اس کی گاڑی کے پاس کھڑی تھی.

ارحام خانزادہ کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی.

وہ سیاہ چادر میں لپٹی اس کی سائیڈ کی طرف کھڑی اس کی گاڑی کے کالے شیشوں کو گھور رہی تھی۔ ارحام اسے پتھرائی کیفیت سے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ سات ماہ بعد اس کے اتنے پاس تھی۔ مگر وہ اس کی طرف کیوں آئی تھی۔ اس کی بے رحم بیوی کو اس سے آخر کیا کام ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی دل کی منتشر ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً حور نے جھکتے ہوئے اس کی طرف کا شیشہ انگلیوں سے کھٹکھٹایا ۔۔ ارحام نے حیرانگی سے بٹن دبائے شیشہ نیچے کیا۔۔

ذرا باہر آیئے۔۔۔وہ اس کی طرف دیکھتے سرد و سپاٹ حکمیہ لہجے میں بولی۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت ابھری تھی۔۔

وہ اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھولتے گہرا سانس لیتے باہر نکلا تھا۔وہ اس وقت وائٹ تھری پیس پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔۔اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔صرف دو قدم فاصلے پر کھڑے تھے۔

ارحام خانزادہ کی سیاہ مقناطیسی آنکھیں دیوانوں کی طرح اس کی نقاب میں نظر آتی براؤن کانچ سی خوبصورت آنکھوں پر تھیں۔اس کے بدن سی اٹھتی سی گلاب سی خوشبو محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے نظریں اپنے سیاہ چمکتے بوٹوں پر گاڑھیں۔بہت مشکل تھا مقابل کو اتنے پاس دیکھ کر خود پر قابو پانا۔اس کا جیسے سات ماہ کا صبر کا پیمانہ یکدم لبریز ہوا تھا۔اسے بانہوں میں بھرنے کے لیے اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے

منتشر ہوئی تھیں۔اس کا چہرہ دیکھنے کے لیے دل بے تاب ہوا تھا۔۔ آنکھوں کی رنگت پل میں سرخی میں تبدیل ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر اسے سوچتے ان آنکھوں کی رنگت تبدیل نہ ہو یہ ناممکن تھا۔وہ اپنی بیوی کا دیوانہ تھا۔۔

دنیا کی نظروں میں یہ روگ ہے

ہو جن کو وہ جانے یہ جوگ ہے

اک طرفہ شائد ہو دل کا بھرم

دو طرفہ ہو تو یہ سنجوگ ہے

لائی ہمیں زندگی کی کہانی کیسے موڑ پر

ہوے رے خود سے پرائے کسی سے نینا جوڑ کہ

ہزاروں میں کسی کی تقدیر ایسی

ملی ہے ایک رانجھا اور ہیر جیسی

ارحام خانزادہ اپنی نگاہیں اپنے سیاہ بوٹوں پر گاڑھے ہوے تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں ایک بار اور دیکھتا تو شائد جان سے جاتا۔۔۔

سمجھتے کیا ہیں خود کو آپ؟؟ حور نے اسے نظریں جھکائے دیکھتے تپتے لہجے میں پوچھا۔۔ سامنے لگا انسان بے باکی کی حد تک بے شرم تھا۔۔ نظریں ایسے جھکائے کھڑا تھا جیسے اس سے زیادہ سیدھا کوئی نہیں۔۔۔ حور اس کے نظریں جھکانے پر بھڑ بھڑ جلی تھی۔

حور کی بات پر ارحام نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔۔ آپ کو کیا لگتا ہے مجھے آپ کی سرونگ کی ضرورت ہے۔۔ کتنے گارڈز ہیں میرے ارد گرد پھر آپ اپنا وقت برباد کیوں کر رہے ہیں۔ سات ماہ پہلے ہم اپنے راستے جدا کر چکے ہیں پھر یہ سب کچھ کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔۔ یہ دکھاوا کیوں کر رہے ہیں؟؟۔ حور نے ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے جیسے انگارے چبائے تھے۔

اس کی باتوں پر ارحام کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ سات ماہ بعد اس سے یہ کہنے آئی تھی۔ اسے لگا تھا شائد اسے اس پر رحم آ گیا ہے۔۔ مگر وہ سچ میں بے رحم تھی۔۔ اس کی حور جو حویلی کے کمرے میں اس کے حکم پر جان دینے والی حور تو رہی ہی نہیں تھی۔۔۔ جس دن سے اس کی حویلی پار کی اس دن سے مقابل صرف اس کے لیے پتھر تھا۔

آئیندہ میرے پیچھے مت ایئے گا۔۔ حور سلطان شاہ نام ہے میرا

۔۔۔چاہوں تو آپ جیسے کتنوں کو ہی خرید سکتی ہوں۔ سیکنڈوں کے حساب

سے لاکھوں روپے دے سکتی ہوں۔۔۔اور دیتی بھی ہوں۔ میرے لیے یہ

گارڈز کافی ہیں جو میرے حکم کے بغیر سانس بھی نہیں لیتے۔

اس لیے آئندہ مجھے میرے ارد گرد نظر نہ آئیں۔ جہاں پچھلے تین دن سے

آپ تھے۔۔ مجھے لگتا ہے آپ کو اپنا تمام وقت اسی ضروری کام کے ساتھ

گزارنا چاہیے۔۔ جس کی وجہ سے آپ پچھلے تین دن سے نہیں آئے۔۔ حور

نے شعلہ بار لہجے میں کہا۔۔

ارحام خانزادہ اس کی باتیں سنتا اسے حیرت و استعجاب سے دیکھے جا رہا

تھا۔۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ اسے اس کے تین دن

سے نہ آنے پر غصہ تھا یا پھر اس کے آنے پر غصہ تھا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔۔ آج سات ماہ بعد آچانک سے اس کی بیوی کو اس پر اتنا شدید غصہ کیوں آیا تھا۔۔ اتنا غصہ تو اس نے کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ نہ اتنی کبھی آواز اونچی ہوئی تھی۔ وہ تو گارڈز کا لحاظ کیے بغیر سڑک پر اونچی آواز پر اس پر برس رہی تھی۔۔

آئی تھنک آپ کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہو گی۔ جس کی وجہ سے آپ آ نہ سکے۔۔ اس لیے آپ کو اپنا امپورٹنٹ بزنس سنبھالنا چاہیے۔ یہی کہا تھا آپ نے آج سے سات ماہ پہلے کہ آپ اپنے بزنس کو توجہ دیں گے تو پھر یہاں کیا کر رہے ہیں آپ؟؟ جایئے مسٹر خان یہاں ٹائم ویسٹ مت کریں۔۔ ارحام اس کی انکھوں میں الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے اس کے لفظ سن رہا

تھا۔وہ ابھی سمجھ نہیں پا رہا تھا اسے اس کے یہاں موجودگی سے مسلہ تھا یا پھر تین دن نہ آنے سے مسلہ تھا۔۔کچھ عجیب تھا اس کے لہجے میں۔۔ عجیب سی تڑپ عجیب سی جھنجھلاہٹ۔۔ جیسے وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب ہو کہ وہ تین دن کہاں تھا۔

میں سوات گیا تھا۔۔۔

مطلب آپ کی بزنس میٹنگ نہیں تھی آپ بزنس میں مصروف نہیں تھے۔اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتا وہ اس کی بات کاٹ چکی تھی۔۔ اس کی آواز میں شبنم محسوس کرتے ارحام پریشان ہوا تھا۔

وہ بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی

وہ اس کی بھیگی نگاہیں دیکھتے مزید الجھن کا شکار ہوا وہ بزنس میں مصروف نہیں تھا یہ بات اس کے لیے پریشانی کا باعث کیوں تھی کہ اس کی آنکھوں میں شبنم آن ٹھہری تھی

ہاں میں سوات وہ۔۔۔۔۔۔پری۔۔۔۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں شبنم دیکھتے پریشانی سے وضاحت دی

تو آپ اپنی پری گل سے ملنے گیے تھے۔۔وہ پھر سے اس کی بات کاٹ چکی تھی۔اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی دیکھتے ارحام خانزادہ نے بے چینی سے اس کی آنکھوں کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔وہ سر نفی میں ہلاتے پیچھے ہوئی تھی۔

قریب مت آیئے گا میرے۔۔۔مجھے چھونے کا حق آپ کھو چکے ہیں۔وہ انگشٹ شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں بولتے پھنکاری تھی۔۔

اب کی بار ارحام خاموش ہوا تھا مقابل کی لہجے کی تڑپ دیکھ کر وہ چونکا تھا۔ نگاہیں کانچ سی آنکھوں پر جم کر رہ گیی تھیں جہاں گلابی پن شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

ہاں وہ میں۔۔۔. ارحام اتنا کہہ کر پھر سے خاموش ہوا تھا۔ کہنے کو کچھ بچا نہ تھا سب کچھ تو مقابل کی آنکھوں نے کہہ دیا تھا جہاں گلابی پن سرخی میں تبدیل ہو رہا تھا۔

مجھے نہیں پتہ تھا گل کب سے آپ کے لیے پری ہو گئی یا پھر آپ اسے ہمیشہ پری ہی بلاتے تھے۔۔ اس لیے تو اپنی محبت کی نشانی کا نام پریذے رکھا ہے۔۔

سات ماہ آپ جیسے انسان کے لیے سات سال ہوں گے۔ آپ جیسا اتنی دیر ہی عورت کے بغیر رہ سکتا ہے لگتا ہے فیصلہ کر چکے ہیں گل کو اپنی زندگی میں لانے کا۔ حور نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔۔

ارحام نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔ کانچ سی آنکھوں کی سرخی میں جلن ہی جلن تھی.

ارحام نے اپنے کوٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا۔۔۔ سات ماہ بعد جیسے جلتے دل کو سکون ملا تھا۔ مقابل کی تڑپ عجیب سا سکون دے گئی تھی. اس کی بے رحم بیوی اس کے لیے تڑپ بھی سکتی ہے یقین کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ارحام نے سگریٹ کا کش لیتے گہری نگاہوں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔۔

خدا نے شائد اس کی سزا مختصر کر دی تھی۔۔

میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔ حور نے ارحام کے لبوں سے سگریٹ نکال کر غصے سے زمین پر پھینکا تھا۔۔

ارحام کی آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔۔ دل کی دھڑکنیں سرپٹ دوڑنے لگی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ نظریں نیچے کیے اپنی پچھلی گردن رب کیے اپنی مسکراہٹ دبا گیا۔۔ آج وہ سچ میں بیوی لگی تھی۔ اس کی حور۔۔۔ حور ارحام خانزادہ۔۔۔۔۔

جی کہیے میم۔۔۔۔۔۔ سن رہا ہوں میں۔۔۔ ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

اس کی آنکھوں سے اب شرارے پھوٹے تھے. یقیناً اسے میم لفظ پسند نہیں آیا تھا۔۔ ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں سے شرارے نکلتے دیکھ کر محظوظ ہوا۔۔۔ اپنی مسکراہٹ پر قابو پانا اسے مشکل ترین امر لگا تھا۔۔ اس کی

معصوم سی بیوی اپنے تمام تر جذبے اس پر عیاں کر چکی تھی۔۔وہ تو جلتی لکڑی کی مامند سلگ رہی تھی۔۔

مجھے کچھ نہیں کہنا سوائے اس کے مجھے اپنے قریب بھی آپ نظر نہ آئیں ۔۔۔ آج رات شاہ مینشن کے گیٹ پر آپ کی گاڑی کھڑی نظر نہ آئے ۔۔۔۔اگر آپ کی گاڑی مجھے نظر آئی میں آپ کو گاڑی سمیت آگ لگادوں گی۔۔ مسٹر خان۔۔۔۔۔ حور نے لفظ چباتے مسٹر خان پر خاص طور پر زور دیا تھا۔۔وہ یقیناً اس کے میم کہنے کا بدلہ اتار رہی تھی.

اوکے میم جیسے آپ کہیں۔۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے اسے مزید جلایا تھا۔۔

یعنی آپ فیصہ کر چکے ہیں آپ آج رات نہیں آئیں گے۔۔ حور کے بے یقینی سے کیے سوال پر ارحام کے لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔ وہ تو جیسے تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔

اب کی بار وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا تھا۔۔

اس کے سیاہ بوٹوں نے اس کی طرف قدم بڑھاتے وہ فاصلہ ختم کرنے کی کوشش کی جو ارحام خانزادہ کو پاگل کیے ہوے تھا۔۔ ارحام خانزادہ کے سیاہ بوٹوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ اس کے قدم پیچھے کی جانب بڑھے تھے ۔مقابل کی نزدیکی آج بھی گوارانہ تھی۔۔ سانسیں جیسے تھمی تھیں۔۔ وہ زندہ وجودوں کو پلٹنے والا بے رحم شہزادہ کیسے کیسے اس کی جان نکالتا تھا یہ وہی جانتی تھی۔۔ اس نے کس طرح اس کے وجود کو الٹا پلٹا تھا۔۔ اور پھر وہ اس

کے وجود کو پلٹتے اس کے دل کو بھی پلٹ چکا تھا۔۔وہ اس مغرور بلا کے ہینڈسم شہزادے سے محبت کر بیٹھی۔۔جس سے محبت کرنے پر آج تک اسے افسوس تھا۔

!!ہاں نہیں بھولا اسے۔۔۔نہ کبھی بھول سکتا ہوں۔۔وہ ایک وفادار عورت تھی۔۔تم جیسی نہیں۔۔وہ ہمیشہ یہاں رہے گی اس جگہ پر!!

اس انسان کو دیکھتے ایک یہی لفظ تو یاد آتے تھے۔۔ان لفظوں کو نہ بھولنے کا وہ تحیہ کر چکی تھی۔۔وہ حور سلطان شاہ تھی جس کے نزدیک محبت میں دغا بازی کی معافی نہیں تھی۔۔مقابل نے اب تا عمر ان لفظوں کا بوجھ اٹھانا تھا۔۔نہ

اس نے اس ظالم انسان کی بے رحم سفاک قربت میں اس کی دردناک بے رحم شدتیں سہتے کبھی اس سبز انکھوں والے شہزادے کو یاد نہیں کیا تھا وہ کیسے پھر محبت کا دعوی کرنے کے بعد کسی کا نام لے سکتا تھا۔

وہ اس ظالم انسان کو نہ چھوڑنے کا ارادہ رکھتی تھی نہ اسے کسی کی طرف پلٹنے دے سکتی تھی۔۔وہ تاعمر ایسے ہی صرف اس کا بن کر رہے یہی اس سفاک انسان کی سزا تھی۔

وہ اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھا رہی تھی۔اس کے پیچھے کھڑے گارڈز نے بھی اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھائے تھے

ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے نرمی سے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔وہ اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔حور کے سینے میں بجتی دھڑکنیں ارحام خانزادہ کے سینے میں بجنے لگی تھیں۔۔حور نے اپنے کپکپاتے ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر جماتے بھیگی نگاہوں سے اس کی سیاہ مگر سرخ آنکھوں میں جھانکا تھا۔۔

میں آج رات آیا تو میری کم سن خوبصورت بیوی اپنی حسین آنکھوں سے پھوٹتے شراروں سے ہی مجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔میرے جلنے تڑپنے کے لیے میری حسین بیوی کی یادیں ہی کافی ہیں۔جس آگ میں میں دن رات شمع کی طرح قطرہ قطرہ جلتا ہوں۔۔ارحام نے اسے گاڑی سے لگائے اس کے کان میں مدھم

سرگوشی کرتے اپنے ہاتھ میں پکڑا لائٹر جلا کر اس کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔

حور کی کانچ سی براؤن آنکھیں لائٹر کے جلتے شعلے پر تھیں۔۔ جسے ارحام اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھو گیا تھا۔ حور نے سراسیمگی سے ارحام کو دیکھتے حام کی انگلیوں کو دیکھا جو جلتی آگ کو پکڑے ہوے تھیں۔

جو آگ تمھارے بدن سے نکلتی میرے بدن کو چھو گئی ہے میری خوبصورت بیوی۔۔۔ اس آگ کا اس اگ سے کیا مقابلہ۔۔۔ انتظار رہے گا جب تم مجھے گاڑی سمیت آگ لگاؤ گی۔۔ مگر آج رات میں آ نہیں سکوں گا مجھے ایک ضروری کام ہے۔۔ اس لیے میرا انتظار نہ کرنا۔۔ مائی ڈیئر وائفی ۔۔ ارحام اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے حور کی شبنمی آنکھوں میں دیکھتے آنکھ ونک کیے لائٹر کو بجھاتے پیچھے ہوے تھا۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنی دھڑکنوں پر قابو پایا تھا۔ مقابل کی اتنی نزدیکی آج بھی اسے سرخ قندھاری کر چکی تھی۔۔ اس کے بدن سے اٹھتی مسحور کن خوشبو سے حور کو اپنے حواص معتل ہوتے محسوس ہوے تھے۔ وہ ابھی تک ارحام خانزادہ کی گاڑی سے ٹیک لگائے ہوے اس پر نظریں جمائے گہرے سانس لے رہی تھی۔

ارحام نے اسے بازو سے نرمی سے جکڑے اسے گاڑی سے دور کیا تھا۔

حور اسے پتھرائی بے یقین انکھوں سے دیکھ رہی تھی.

آپ کے گارڈز گاڑی روکے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ انھیں سیکنڈ کے حساب سے لاکھوں روتے دے سکتی ہیں ۔۔ مگر میرا ٹائم بہت قیمتی ہے۔۔ مجھے ایسے کتنے ہی لاکھوں روپے کو کڑوڑوں روپے میں بدلنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے ۔اس لیے پلیز میم.۔میری گاڑی سے دور ہٹیے۔۔میرا آگے بہت ٹائم ویسٹ ہو چکا ہے جس کا احساس آپ نے ابھی مجھے کروایا ہے۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں سنجیدگی سے دیکھتے سرد لہجے میں لفظ چبائے تھے۔حور کچھ پل ارحام کی سیاہ آنکھوں میں بے یقینی سے دیکھتی رہی .پھر وہ غصے سے ارحام کے سینے پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے اسے خود سے دور دھکیلتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

اس کے گارڈز بھی اس کے ساتھ بڑھے تھے۔ ارحام کی سرد نگاہوں کا مرکز اس کے گرد بڑھتے گارڈ تھے۔

وہ چبھتی سلگتی نگاہوں سے اپنی بیوی کے ارد گرد ان گارڈز کو دیکھ رہا تھا۔۔ پھر اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنی گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔ سٹیرنگ پر اپنے مضبوط ہاتھ جماتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔

اب اس کی گاڑی کا ارخ پنی بیوی کی گاڑی کے پیچھے نہیں تھا۔۔ بلکہ وہ اپنی گاڑی اپنے آفس کی طرف موڑ چکا تھا۔۔ یہ ان سات ماہ میں پہلی مرتبہ تھا اس نے اپنی بیوی کا اس کے کالج تک پیچھا نہیں کیا تھا۔۔۔

زاران گاڑی روکیں۔۔مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟؟ گاڑی کو انجان راستوں پر دیکھتے ابرش دبے انداز میں چلائی تھی

زاران اس کے چیخنے پر ایک ہی جھٹکے سے گاڑی روکتے اس پر جھکا۔۔

پہلے تم مجھے بتاؤ یہ سکارف کیسے اترا تھا۔۔کیا کہا تھا اس خبیس نے تم سے۔۔زاران اس کے چہرے پر تپش زدہ سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔۔اس کی غراہٹ پر ابرش کی سانسیں اٹکی تھیں۔وہ اس پر مکمل طور پر جھکے ہوے تھا۔

وہ مم۔۔۔مجھے کچھ بھی کہے آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔۔اور یہ سکارف تو آج تھوڑی اترا تھا۔میں سات مہینے سے اس حلیے میں پھر رہی ہوں۔۔آپ نے آج دیکھ لیا تو آپ کی غیرت جاگ گئی۔۔چادر میں تب تک خود کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔۔جب تک آپ کی حویلی میں رہتی

تھی۔۔ابرش خانزادہ بن کر۔۔۔۔ابرش پاشا کہہ کر مجھے اپنی زندگی سے نکالا تھا بھول گئے آپ۔۔ابرش نے اپنی انگشت انگلی کی شہادت اس کے سینے پر رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

سکارف کیسے اترا تھا۔؟؟۔کیا کہا اس نے تم سے جو دو سیکنڈ میں سکارف اتر گیا ۔۔زاران نے اس کے گلے سے لپٹا سکارف کھینچ کر اتارتے ہوئے ایک بار پھر سے دانت کچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔۔وہ کھلے بالوں میں کسی غیر مرد کے سامنے برداشت نہیں ہوئی تھی۔۔اس امریکن لڑکے نے کیسے اس کے بالوں کی تعریف کی تھی۔وہ زاران خانزادہ ابھی تک بھول نہیں پا رہا تھا۔۔حویلی میں وہ چادر میں لپٹی رہتی تھی۔۔اب یہاں وہ اس طرح کا حجاب کر رہی تھی۔۔زاران خانزادہ کو یہ حجاب سخت ناگوار لگتا تھا جس میں جسم کا

کور ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔۔ سفید جینز پر بلو جرسی نما شرٹ بہت سٹائلش تھی۔ سلکی براؤن کھلے بالوں میں وہ بھڑکتا شعلہ لگ رہی تھی۔۔ اوپر سے اسے جس طرح شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔ زاران کے جواں جذبوں میں جیسے آگ لگی تھی۔

اسی خوبصورتی اور جوانی پر تو صرف اس کا حق تھا تو پھر وہ کیوں ہر بار دوسروں کے سامنے عیاں ہوتی تھی۔۔ وہ تندور کی مانند دہکا تھا۔۔ مگر اب کی بار وہ خود سے عہد لے چکا تھا۔۔ وہ اپنی بیوی کو اپنی حویلی میں اپنے پاس رکھے گا۔ اور اس کے چہرے پر کوئی غیر نظر بھی ڈال نہیں سکے گا چاہے اسے قید ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔۔

اس نے کہا تھا وہ میرے بال دیکھنا چاہتا ہے اس لیے میں نے وہ سکارف اتارا تھا۔۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے روانی میں بتایا تھا۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟؟

how could you this??

وہ جانتا تھا وہ جھوٹ کہہ رہی ہے پھر بھی اسے شدید غصہ آیا تھا۔۔۔وہ جیسے بارود کا گولہ بنا تھا۔

کیا بکواس کر رہی ہوں؟؟ حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ آپ کو کیوں مرچیں لگ رہی ہیں؟؟۔۔جو شوہر اپنی بیوی اپنی عورت اپنی عزت سے سات ماہ

غافل رہے اور آچانک سے وہ نیند سے جاگ کر یہ کہے کہ تم میری عزت ہو

--

What nonsenss is this?? bluddy ghairat...

آپ نہ آتے تو آج رات میرا نیویارک کے بار ایکسپلور کرنے کا آرادہ

تھا۔۔ بلکہ آج رات میں مختلف بار ایکسپلور کروں گی۔ ابرش پاشا نیویارک کی

خوبصورت رات کی خوشبو اور مہک سے پھر سے خود کو زندہ کرے گی

۔۔ کیونکہ آج ہی مجھے پتہ چلا ہے کہ میں سنگل ہوں۔۔ ابرش زاران کی

آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے بول رہی

تھی۔ ایک ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر جمایا ہوا تھا۔ اسے خود سے ٹچ نہیں

ہونے دینا چاہتی تھی۔۔ ستمگر کے بدن کی شرونگ مردانہ خوشبو اسے جیسے

پاگل کر رہی تھی۔اس کے حواص معتل ہو رہے تھے۔وہ اپنے شوہر کی دیوانی تھی۔۔وہ اجڈ گنوار سفاک بے رحم خانزادہ پر مرتی تھی۔۔

تم سنگل ہو مسز زاران خانزادہ۔۔۔زاران نے غصے سے اس کے کہتے آبرو اچکائے۔۔اس کا خود کو سنگل کہنا سوئی کی طرح چبھا تھا۔

سات ماہ سے تو یہی لگ رہا سنگل ہوں۔۔۔ابرش کی آنکھوں میں شکوے کے ساتھ گلابی پن بھی بڑھا تھا. وہ کیسے اس سے سات ماہ تک اس سے لا تعلق رہ سکتا ہے۔۔وہ عورت ہو کر اس سے لا تعلق نہ رہ سکی۔۔اور وہ مرد ہو کر اپنی عزت سے لا تعلق ہو گیا۔۔امریکہ جیسے شہر میں اپنی غیرت کو تنہا چھوڑ دیا۔۔تکلیف کی بات یہ تھی وہ آج بھی غیرت کا راگ آلاپ رہا تھا۔

۔ابرش کی آنکھوں نے شدت سے گلابی پن اختیار کیا۔اگر فیصلہ لینے کا اختیار اس کے پاس وہ کبھی اس ستم گر کو نہ چھوڑتی۔۔اس کی پناہوں میں

اس قید میں زندگی گزار دیتی مگر اس سے ایک پل دور نہ ہوتی۔ مقابل تو سانسوں سے زیادہ ضروری تھا۔۔

وہ بھیگی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ پتہ نہیں اسے کیا ہوا وہ یکدم اس کے کالر دونوں مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

تم سنگل ہو سکتے ہو میں کیوں نہیں یہی کہا تھا نہ تم نے پوری دنیا کے سامنے ۔ابرش نے گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں ڈالتے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

زاران اس کے سوال اور زخمی لہجے پر چونکا تھا۔۔ وہ سمجھ چکا تھا وہ پریس کانفرنس سن چکی ہے۔۔ اور یہ اس کے لیے حیرانگی کا باعث نہیں تھا۔۔ وہ پل پل اس کی خبر رکھتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا وہ یہ پریس کانفرنس نہ دیکھتی

۔اس نے چار دن اس سے بات نہیں کی تھی مگر اس کی بیوی اس سے لا تعلق ہو جائے یہ ناممکن تھا۔

ابرش خانزدہ دیوانی تھی اس کی۔۔۔اس کے عشق میں پاگل۔یہ ان سات ماہ میں وہ اس پر باور کروا چکی تھی۔۔وہ اس کے پیار میں پاگل ہے۔۔اور زاران خانزادہ کو اسی دیوانگی میں اب کمی نہیں چاہیے تھی۔۔۔

تمھیں آج احساس دلانا پڑے گا تم سنگل نہیں ہو۔۔وہ اس کے عارض پر ہاتھ جمائے اس کے لبوں پر شدت سے جھکا جو اس کے حلق میں کب سے میں کانٹے اگائے ہوئے تھے۔زارن کی سانسوں سے سانسیں گھلنے اور لبوں سے لب ٹکرانے پر ابرش کی سانسیں تھمی تھیں جیسے۔۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے زاران کو خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔۔وہ اس کے چہرے کو تھامے اس کے لبوں کو مزید قندھاری کر گیا تھا۔۔۔اس کی سانسوں کو

انہیل کرتے کچھ پلوں میں اس کی مکمل سانسیں چرا گیا تھا۔۔ ابرش کی کمزور سی مزاحمت بھی ساکت ہوئی تھی۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی بے رحم شدت برداشت کر رہی تھی۔

زاران خانزادہ کی بے رحم شدت پر آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے ۔۔ وہ بنا رحم کھائے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں پی رہا تھا۔

پچھلے چار دنوں کا غصہ اشتعال سارا اس کے نازک لبوں پر اتار رہا تھا۔

ابرش میں مزید اس کی شدت برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی۔۔ اسے غوطہ سا لگا۔ سانسیں رکی سی گئی تھی۔ اس کی سانسیں تھمتی محسوس کرتے زاران نے اس کے لبوں پر اپنی گرفت ہلکی کی۔۔ مگر وہ اس سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ اب اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں سے کھینچتے ان پر نرمی سے

دانت گاڑھ رہا تھا۔۔ ابرش نے کانپتے ہاتھوں سے زاران کو دور کرنے کی کوشش کی۔۔ وہ ابرش کی سیٹ کا بٹن پریس کرتے سلیٹ کو مکمل طور پر نیچے جھکا گیا تھا۔۔ وہ اس کی دونوں کلائیاں ایک ہاتھ سے جکڑے اوپر کی طرف سیٹ سے پن کرتے ایک ہاتھ سے سختی سے اس کی دھڑکنوں کو چھو رہا تھا۔۔ زاران کے پہاڑی وجود کے نیچے اب وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ پہلے بھی اس کے پہاڑی وجود کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔ اب تو وہ جیسے پہاڑ سے بھی زیادہ سخت تھا۔۔ اس کا چٹانی سینہ ابرش کو اپنی دھڑکنوں سے چھوتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ ہاتھوں کی بے باکی شدت اختیار کرتے اس کے بدن کے ہر حصے پر استحقاق سے اپنا حق جتا رہے تھے۔۔ زاران نے پل میں اس کے بدن پر موجود کپڑوں میں گہری سلوٹیں ڈال دی تھیں۔

ابرش گہرے سانس لیتے اس بے شرم انسان کی بے باک شدتوں پر گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔۔ گال تپ کر قندھار ہوے تھے۔۔ بدن سے آگ نکلنا شروع ہو گئی تھی۔

زاران ابھی بھی بے باک حرکتیں کرتے اپنا تمام وزن اس پر منتقل کر گیا۔۔ ابرش کی سانسیں اٹکی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی وہ جان بوجھ کر ایسے کر رہا ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ شدت پسند ہو گیا تھا۔۔

اس نے رحم کھاتے اس کی کلائیوں کو آزاد کیا تو ابرش نے کانپتی انگلیاں اس کے سکس پیک شرٹ سے نظر آتے برہنہ چٹانی سینے کو چھو گئی تھیں۔ اگلے کھلے دو بٹنوں سے وہ اس کا سکس پیک بالوں کے بغیر سینہ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔۔۔ سینے پر کٹس اور پیکس نمایاں تھے۔۔ اس نے بال بھی ریموو کروائے تھے۔۔ ابرش یہ دیکھتے بھڑ بھڑ جلی تھی۔ پہلے کم تباہ کن پر سنیلٹی

تھی مسٹر خانزادہ کی۔۔اب تو نظر بھر کر دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔۔اس کی باڈی دیکھتے ابرش کا اپنے حواس پر قابو پانا مشکل تھا جیسے۔۔۔ابھی بھی اس کے سینے کو چھونے کی دیر تھی اس کی دھڑکنوں میں انتشار بھرپا ہوا تھا۔

زاران اس کی دھڑکنوں کو سختی سے چھوتے اس کے نچلے لب پر اب اپنے دانت شدت سے گاڑھ گیا۔۔اس نے اپنا سکارف خود اتارا تھا۔اس نے اس کا ہاتھ سکارف کی طرف جاتے دیکھا تھا۔۔وہ سمجھ گیا تھا اس نے جذباتی پن میں اس کی پریس کانفرنس سنتے اپنا سکارف اتارا تھا۔۔وہ شائد اسے انجانے طور پر سزا دے رہی تھی۔اپنی بیوی کی پوزیسیو نیچر سے واقف تھا۔یقینا اسے ستارہ کے ساتھ دیکھ کر وہ غصے سے وہ ان سات ماہ میں پہلی بار تن تنہا نیویارک کی سڑکوں پر نکلی تھی۔۔

مگر کیسے ایسے کسی مرد کے کہنے پر سکارف اتار سکتی ہے ؟؟۔۔ زاران تو جیسے اپنے خواص میں نہیں رہا تھا۔ اس نے دبے دردی سے اس کے لبوں پر اپنے دانت گاڑھے اسے کے لبوں پر خون کی بوند دے کر اس کے لبوں کو آزاد کیا تھا۔۔ مگر اس کے اوپر سے ہٹا نہیں تھا۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے زاران کو روتے ہوے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ ہی لمحوں میں اس کا حلیہ بگاڑ چکا تھا۔ زاران نے اس کے عارض پر بہتے آنسو دیکھتے اس کے لبوں پر خون کی بوند دیکھتے اپنا ہاتھ اس کے نچلے لب کی طرف بڑھایا۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے سسکی لی تھی۔۔ زاران نے گہرا سانس لیتے اس کے لب پر اپنے ہونٹ نرمی سے رکھتے اپنے لبوں سے وہ خون کی بوند چنی۔۔

اب بتاؤ کون سے بار ایکسپلور کرو گی بیوی؟؟ اور ایک بار اور پھر سے بولو تم نے وہ سکارف خود اتارا تھا۔ زاران نے اس کے نچلے لب کے کٹ پر انگلی پھیرتے اس کی نازک ہوتی حالت دیکھتے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔ سات ماہ تمھیں امریکہ میں رکھ کر بہت بڑی غلطی کی۔۔ سزا دینی تھی تمھیں تو اپنے کسی اپارٹمنٹ میں تمھیں قید کر لیتا۔۔ بلکہ تمھیں حویلی کے تہہ خانے میں قید کرتا پھر تو میری خوبصورت بیوی اپنی نمائش نہ کر پاتی۔۔ نہ اپنے خوبصورت بالوں کی اور نہ اپنے کمر پر اس سیاہ تل کی۔۔۔

زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔۔۔ ابرش نے اسے گلابی نکھوں سے دیکھتے ہچکی لی۔۔۔ وہ آج بھی اس کا جرم نہیں بھولا تھا۔۔ مقابل کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلتے دیکھ کر ابرش کی اذیت میں آضافہ ہوا تھا۔۔

جب اپنے دل میں میرے لیے گنجائش پیدا نہیں کر سکے تو یہاں کیوں آئے ہیں۔ ابرش اسے خود سے دور دھکیلتی چیچنی تھی۔۔ اس کے پھر سے آپ کہنے پر زاران خانزادہ کے لبوں کو مہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔۔

وہ آج بھی نہیں بدلی تھی اس کے ڈر سے ہمیشہ اس کے لبوں سے آپ نکلتا تھا۔۔

تمھیں لگتا ہے میں تمھارے لیے آیا ہوں۔ میں یہاں سے گزر رہا تھا اپنی سو کالڈ بے شرم بیوی پر نظر پڑ گئی اور اپنی بے شرم بیوی کو دیکھتے آپ کی سو کالڈ غیرت جاگ گئی-- ابرش زاران کی بات کاٹتے تڑختے ہوئے بولی۔۔

زاران اس کی بات پر اپنی گھنی بٹیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پیچھے ہوا۔ یہ تو سچ تھا اسے خود سے دور رکھ کر اس سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔۔ زاران نے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن بند کرتے ابرش کی سیٹ کا بٹن پریس کرتے

سیٹ اونچی کی۔۔ ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے سیٹ پر سیدھی ہوئی تھی۔۔

زاران نے غصے سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔ ابرش ن نیچے پڑا اسکارف اٹھاتے گاڑی کا شیشہ کھولتے باہر پھینکتے غصے سے زاران کو دیکھا تھا۔

زاران نے غصے سے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی اپنی بے شرم بیوی کی شرم وحیا کیسے لوٹانی ہے یہ آج رات ہوٹل کے کمرے میں تمھیں بتاؤں گا۔۔ تمھارا وہ حال کروں گا تم اپنے شوہر کے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا پاؤ گی۔۔ کسی اور مرد سے بات کرنا تو دور کی بات ہے۔۔ زاران نے غصے سے کہتے سٹرینگ پر ہاتھ مارا تھا۔۔

حیدر خان کی بڑی سی لینڈ کروزر سمیع اللہ کی حویلی کے گیٹ کے سامنے آکر رکی تھی۔۔۔وہ آج اپنے بچوں سے ملنے آیا تھا۔۔دراب زراب کے لیے رقیہ خانم شدید تڑپ رہی تھیں۔حیدر خان کا خود بھی دراب زراب اور اپنی خانم کے بغیر رہنا بہت مشکل تھا۔دراب زراب میں تو اس کی جان بستی تھی۔اس نے اس دن کے بعد فرشتے سے زبردستی نہیں کی تھی۔۔نہ ہی وہ حویلی ملنے آیا تھا۔۔دراب کی حالت دیکھتے وہ کافی ڈر گیا تھا۔۔مگر آج وہ دراب زراب سے ملنے آیا تھا۔۔

وہ اس وقت بلیک شلوار قمیض پر بلیک شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔۔

چہرے پر اضطراب کی کیفیت نمایاں تھی۔۔دو دو بیٹوں کا باپ تھا۔وہ خوشیاں منانا چاہتا تھا۔۔ساری برداری کو بلا کر عقیقہ کرنا چاہتا تھا۔مگر وہ تو

جیسے خوش بھی نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ صرف اپنے بچوں کے لیے نہیں تڑپ رہا تھا۔ بلکہ اپنی فرشتے کے لیے بھی تڑپ رہا تھا۔ اسے درخزئی کے ساتھ دیکھ کر احساس ہوا تھا وہ اس کے لیے پاگل ہے۔۔ اسے کسی غیر مرد کے قریب نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ وہ ہر وقت جیسے بھڑکتا شعلہ بنا پھرتا تھا۔۔ فرشتے کے چہرے پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔ اور اس نے کسی مرد کی

کلائی چھوٹی تھی۔۔ یہ منظر یاد کرتے وہ اپنے خواص کھونے لگتا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے گاڑی سے اترا۔۔ یکدم اس کے بھاری قدم رکے تھے ۔۔ اس کے سامنے ہی گیٹ سے بلیک گاڑی نکلی جس کی فرنٹ سیٹ پر فرشتے درخزنی کے ساتھ دراب یازراب میں کسی کو گود میں لیے بیٹھی تھی

۔۔

حیدر خان کے ماتھے پر بلوں کا جال گہرا تھا۔ گردن کی پھولتی رگیں اجاگر ہوئی تھیں۔۔ رنگت طیش او اشتعال سے سرخ ہوئی تھی۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتا اپنی گاڑی کی بونٹ پر طیش و

اشتعال سے مکہ مار گیا تھا۔۔ دماغ کی وینز پھٹنے کے قریب ہوئیں۔

وہ درخزئی کے ساتھ کہاں گئی ہے اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حیدر خان کا خون آگ کی طرح گرم ہوا تھا۔۔ حیدر نے گہرے سانس لیتے خود کے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ مگر اس کی وجود کی تمام رگیں یہ ظاہر کر رہی تھی وہ بمشکل ہی اپنے غصے پر کنٹرول کیسے ہوے تھا۔

حیدر خان نے جبڑے بھینچتے گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔

حیدر خان کی گاڑی کا رخ درخزئی کی گاڑی کے پیچھے تھا۔ خانم بہت برداشت کر لیا میں نے۔ میری عزت کو یوں نیلام کرو گی تم۔۔ ایک غیر مرد کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھو گی تم۔ منع کیا تھا اس درخزنی کے آس پاس بھی نظر نہ اؤ پھر ہمت کیسے ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کی۔۔ حیدر خان نے غصے اشتعال سے سٹیرنگ پر مکہ مارا تھ حیدر خان ریش ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ درخزنی کی گاڑی کی سپیڈ بھی کافی تیز تھی۔ جیسے وہ بہت عجلت میں ڈرائیو کر رہا ہو۔۔

درخزئی کی گاڑی اس کے سامنے ایک ہاسپٹل کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔ فرشتے اس کے سامنے ہی درخزئی کے ساتھ اترتی ہوئی ہاسپٹل کے اندر بڑھ گئی تھی۔۔ وہ اس وقت بہت بڑی چادر میں خود کو چھپائے ہوئے تھی۔۔ صرف اس کی آنکھیں نمایاں تھی۔

حیدر خان اپنے غصے پر قابو پاتا گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھا۔۔

ہاسپٹل کے اندر داخل ہونے پر اندڑ کا منظر دیکھتے حیدر خان کی رگوں میں بھڑکتا خون لاوے کی طرح ابلا تھا۔

اس کا بچہ اب درخزنی کے ہاتھوں میں تھا۔۔ اور فرشتے درخزئی کی کلائی تھامے دراب کو نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی درخزنی کی کلائی پر لیٹا فرشتے کا ہاتھ حیدر خان کو سوئیوں کی مانند چھا تھا۔۔ بلکہ زہریلے ناگ کی طرح خود کو ڈستا محسوس ہوا تھا۔ اپنی عزت اپنی من پسند عورت پر مرد تو ہوا کا چھونا بھی برداشت نہیں کرتا اور اس کی خانم کسی غیر مرد کی کلائی تھامے ہوئے تھی۔ تپش تو پیروں سے اٹھتی دماغ تک پہنچی تھی جیسے۔۔

وہ ایک ہی جست میں ان تک بڑھتے فرشتے کی کلائی جکڑے اسے درخزئی سے دور کر چکا تھا۔۔

خان۔۔۔ فرشتے نے گھبراتے ہوے حیدر خان کو دیکھا جو اسے لہو اتری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ درخزئی نے لب بھینچے حیدر خان کو دیکھا۔۔

منع کیا تھا تمھیں۔ تم مجھے اس انسان کے ساتھ نظر نہ آؤ۔۔ حیدر خان فرشتے کی کلائی جکڑے دبے انداز میں غرایا۔۔ خان ادھر تماشہ مت لگائیں یہ شہر ام لالا کا ہسپتال ہے۔۔ سب کیا کہیں گے ؟؟-لالا کی بہت عزت ہے ادھر۔۔ فرشتے نے بھیگے التجائیہ لہجے میں کہا۔۔ آج سے پہلے حیدر خان کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔۔ فرشتے کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔۔

صرف تمھارے لالا کی نہیں۔۔۔ حیدر خان کی بھی عزت ہے اس علاقے میں۔۔ میری عورت ہو تم۔۔۔ میری آجازت کے بغیر کس طرح تم حویلی

کی دہلیز عبور کر سکتی ہو۔۔ ہمت کیسے ہوئی ایک غیر مرد کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کی ؟؟۔۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

حیدر خان ادھر تماشہ مت لگاؤ۔۔۔ تمھیں جو بھی کہنا ہے وہ حویلی چل کر کہو۔۔ اور اپنا حق جتانا بھی بند کرو۔۔ نکاح کے نام پر عورت پر حق جتانے سے ایک مرد کی غیرت ثابت نہیں ہوتی۔۔ درخزئی حیدر خان کو دیکھتے پھنکارا تھا۔

اس وقت کوریڈور میں کوئی نہیں تھا۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔۔ دن کے ٹائم بھی ہسپتال سونا تھا۔۔۔

اپنی بکواس بند کرو ورنہ میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔۔۔ حیدر خان نے اپنی قمیض سے پسٹل نکال کر درخزئی کی پیشانی پر رکھی تھی۔۔

فرشتے نے چیختے ہوے منہ پر ہاتھ رکھنا تھا۔ حیدر خان تو جیسے اپنے حواص میں نہیں تھا۔

مرد کا بچہ ہے تم تو چلاؤ گولی حیدر خان۔۔۔ درخزئی غصے سے دھاڑا۔۔

درخزئی کی دھاڑ پر کمبل میں لپٹا دراب گلہ پھاڑ کر مچلتے ہوے رویا۔۔

فرشتے کی تو پہلے ہی سانسیں اٹکی تھیں۔۔ دراب کے چیخنے پر تو وہ سٹل ہوئی تھی۔ اس دن کے بعد دراب کو شاکس لگنے شروع ہو گئے تھے۔۔ ذرا سی اونچی آواز پر اس کی سانسیں رکنے لگتی تھی۔۔

ابھی بھی اس کی دوسری سانس نہیں آئی تھی۔۔ وہ چیخ مار کر چپ ہن گیا تھا ۔حیدر خان نے غصے سے جبڑے بھینچتے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا۔۔

خان۔۔۔۔۔ دراب کو دیکھیں۔۔۔ فرشتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

حیدر خان جھٹکا کھا کر پیچھے ہوے تھا۔۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری تھی۔۔

درخزئی نے جلدی سے دراب کو دیکھا جس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ جھکتے ہوے اسے سانسیں دیتا۔۔ حیدر خان نے اس سے دراب چھینتے اسے جلدی سانسیں دیں۔۔ چند ہی لمحوں میں دراب کی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔۔ فرشتے نے روتے ہوے دراب کو دیکھا۔۔ جو پرسکون ہوتے آنکھیں موند گیا تھا۔۔ حیدر خان نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔۔

خان۔۔۔ آپ اپنے ہی بچے کے دشمن ہیں۔۔ آپ کی وجہ سے میرے دراب کی دوبارہ یہ حالت ہوئی۔۔ کیوں نہیں چھوڑتے جان ہماری؟؟ خدا کے لیے ہماری جان چھوڑ دیں۔۔ فرشتے نے روتے ہوے حیدر خان کے

آگے ہاتھ جوڑے تھے۔۔ حیدر خان نے قہربار نظر فرشتے پر ڈالی تھی۔۔ جو ہاتھ جوڑے اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔۔

دراب تو اب میرے ساتھ ہی جائے گا۔ لاپرواہ ماں ہو تم۔ تم جیسی ماں کے پاس اپنے بچے نہیں چھوڑوں گا۔ ذراب بھی میں اپنے پاس لے آؤں گا۔۔ حیدر خان دراب کو سینے سے لگائے آگے بڑھا تھا۔۔ فرشتے نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

درخزئی۔۔۔ فرشتے نے ہچکی لیتے درخزئی کو پکارا۔۔ حیدر خان تیز تیز قدموں کے دراب کو لیے کوریڈور کراس کر رہا تھا۔

فرشتے حویلی چلو خاموشی سے۔۔۔ وہاں جا کر کچھ سوچتے ہیں۔۔ یہاں تماشہ لگانا مناسب نہیں ہے۔۔۔ دراب کی طبعیت دیکھ رہی ہو تم۔۔ اگر کچھ بھی ہوا اس پر اثر پڑے گا۔ درخزئی نے رسانیت سے فرشتے کو سمجھایا۔۔۔ در

اب کی طبعیت کی وجہ سے وہ خاموش ہو گیا تھا۔۔ اگر وہ فرشتے اور حیدر خان کے بیچ آتا تو اس ہاسپٹل میں گولیاں چل جانی تھی۔۔ حیدر خان کی خون اتری آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں۔ وہ دراب کی وجہ سے ظبط کیے ہوے تھا۔۔ ورنہ وہ گولی ضرور چلاتا-- درخزئی خود دراب طبعیت اور ارحام خان کی عزت کی وجہ سے خاموش تھا۔ ورنہ حیدر خان کے سینے میں وہ اپنی پسٹل کی گولیاں اتارنا چاہتا تھا۔ جس نے فرشتے جیسی لڑکی کو اتنی تکلیف پہنچائی۔۔۔ وہ پانچ سال پہلے پاکستان میں ہوتا تو کبھی فرشتے کی شادی شاہ نواز سے نہ ہونے دیتا۔ اور اس حیدر خان سے تو کبھی نہ ہونے دیتا۔۔

فرشتے ڈبڈبائی آنکھوں سے حیدر خان کی پشت کو کچھ دیر دیکھتی رہی۔۔ پھر بھاگتی ہوئی حیدر خان کی طرف بڑھی تھی۔ درخزئی ظبط سے دیوار پر پوری قوت سے مکہ مار گیا تھا۔۔

فرشتے بھاگتی ہوئی حیدر خان کے پیچھے ائی تھی۔۔ جو تیز تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے فرشتے کو بھاگنا پڑ رہا تھا۔ ۔ٹانکوں میں درد اٹھا تھا۔۔ مگر وہ بنا رکے بھاگ رہی تھی۔۔ دراب کے بنا وہ نہیں رہ سکتی تھی۔۔

خان دراب میرے بغیر کیسے رہے گا۔ اس کی طبعیت بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔ فرشتے بھاگتے ہوے حیدر خان کے ہم قدم ہوئی۔۔ وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ فرشتے نے روتے ہوے اب حیدر خان کا بازو جکڑا تھا۔۔۔

خبر دار مجھے اپنے ہاتھوں سے چھوا۔۔ جس ہاتھ سے تم نے کسی غیر مرد کی کلائی کو چھوا ہے۔۔ میری فرشتے نہیں ہو تم۔۔ میری فرشتے کو کسی غیر مرد

کے سامنے جاتے ہوے دوزخ کی اگ یاد آجاتی تھی۔ تم میری خانم نہیں ہو

۔۔

حیدر خان نے مڑتے ہوے فرشتے کو پیچھے سے اس کے بالوں سے جکڑتے گاڑی کے ساتھ پٹنا تھا۔

خان۔۔۔ فرشتے نے روتے ہوے اسے پکارا۔ فرشتے کا نقاب اتر گیا تھا۔ وہ روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔ حیدر خان قہر آلود اس پر نظر ڈالتے پیچھے ہوے تھا۔۔

دراب کو گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے پچھلی سیٹ پر ڈالتے حیدر خان نے احتیاط سے دروازہ بند کیا۔

خان میرا بچہ مجھے دے دیں۔۔ فرشتے نے روتے ہوے حیدر خان کا بازو پھر سے جکڑا تھا۔

کیوں آئی تم اس کے ساتھ۔۔۔۔ کیوں بیٹھی اس کے ساتھ گاڑی میں۔۔ حیدر خان اس پر جھکے غرایا تھا۔

خان وہ میرے ماموں کا بیٹا ہے۔۔ فرشتے نے حیدر خان کی سیاہ انکھوں میں دیکھتے ہچکی لیتے کہا۔

ماموں کا بیٹا ہے محرم نہیں ہے تمھارا۔۔۔ فرشتے اگر تم شہرام یا زاران کے ساتھ بھی اس طرح باہر آتی۔۔ میرا سوال تب بھی یہی ہوتا۔۔۔۔ تم جانتی ہو مجھے تمھارے چہرے پر کسی کی نظر گوارا نہیں۔۔ اور تم نے اس ہاتھ سے اسے چھوا۔۔

حیدر خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اتنی زور سے دبایا تھا کہ فرشتے نے درد سے سسکاری لی۔

آپ اتنے بے رحم کب سے ہو گئے۔۔ فرشتے نے درد سے سکاری لیتے پوچھا تھا۔ حیدر خان اسے یوں بھی اذیت پہنچا سکتا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

حیدر خان اپنی چیزوں کے معاملے میں ایسا ہی ہے۔ تمھاری طرف سات ماہ اس لیے نظر نہیں کی۔۔ جانتا تھا یقین تھا جب بھی پلٹوں گا۔ فرشتے میرے انتظار میں بیٹھی ہو گی مر جائے گی مگر خود کی حفاظت سیپ میں چھپے بند موتی کی طرح کرے گی۔۔۔ تمھاری طلاق کے باوجود تمھیں اس لیے اپنایا۔۔ کیونکہ تمھاری شرم وحیا نے مجھے متاثر کیا تھا۔ جو لڑکی ایک غیر مرد کے ذرا سا چھونے پر دوزخ کی آگ سے ڈرتی ہو۔۔ وہ لڑکی کی پاکدامنی کیسی ہو گی۔

۔اور تم میرے لیے پاکدامن تھی۔مجھے ہمیشہ ایسا لگا جیسے تمھیں چھونے والا میں پہلا مرد ہوں؟

تم میری فرشتے ہو صرف میری۔۔۔ مگر آج۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر آج کیا خان ؟؟میں پاکدامن نہیں رہی۔۔ میرے کردار پر سوال اٹھا رہے ہیں آپ؟؟۔۔ کیونکہ میں ایک غیر محرم کے ساٹھ گاڑی میں بیٹھ کر آئی۔۔ فرشتے نے کرب سے سوال کیا۔

تمھارے نزدیک یہ بات اہمیت نہیں رکھتی۔حیدر خان نے غراتے ہوے سوال کیا۔۔ فرشتے سر نفی میں ہلاتے زخمی سا ہنسی تھی۔

جب ایک مرد اپنی عورت کو دوسرے کے آسرے پر چھوڑتا ہے تو وہ دوسروں کے آسرے پر آجاتی ہے۔۔ آپ جھوٹی غیرت جتا رہے ہیں خان ۔۔اگر آپ غیرت مند ہوتے تو مجھے اس رات کو کبھی اپنی حویلی پار نہ

کرنے دیتے۔۔۔اوز گل سے شادی کرلی تھی ناں۔۔مجھے بھی اس کے برابر

کے حقوق دیتے میرے حقوق سے یوں نظریں نہ چراتے۔۔ نہیں خان--

-- آپ غیرت مند نہیں ہیں۔ آپ خود غرض اور کمزور مرد ہیں آ۔۔۔

آپ کو لگا اوز گل آپ کے بچے پیدا کرے گی اور رات کو بستر پر آپ کی

ضرورت کا سامان بھی بنے گی۔۔ تو فرشتے کا کیا کام ؟؟۔۔جب آپ کے بچے

ہو جائیں گے۔۔ پھر اپنی مورے کی منت سماجت کرتے مجھے بھی لے آئیں

گے۔۔اور مجھے اپنی مورے اور اپنی بیوی کی ملازمہ بنا کر رکھیں گے۔۔اور

جب اوز گل سے آپ کا دل بھرے گا تو پھر رات رات بھر مجھے نوچیں گے

۔۔یہ کہہ کر کہ مجھ پر آپ کا حق ہے۔۔بچے تو میں پیدا کر نہیں سکتی۔۔ مگر

ہمیشہ آپ کا بستر گرم رکھوں گی۔۔ نہیں خان میں اتنی آرزاں نہیں ہوں۔

آپ کی محبت پانے کے بعد مجھے لگا میں بھی انسان ہوں۔۔میں آپ کی محبت

پر مغرور ہوئی تھی۔۔ آپ نے مجھے تکلیف دہ والی باتوں پر رونا سکھایا تھا۔۔۔

شاہ نواز کے پاس رہتے میں رونا بھول چکی تھی۔۔ پتھر تھی تب میں۔۔۔

آپ کے زندگی میں آنے کے بعد مجھے خود سے محبت۔ ہوئی۔ مگر آج میں

کہتی ہوں میں شاہ نواز کے پاس ہی ٹھیک تھی۔۔ وہ جیسا بھی تھا آپ جیسا

دوغلا مرد نہیں تھا۔ حیدر خان کے بھاری تھپڑ نے فرشتے کو ساکت کیا تھا۔۔

تھپڑ اتنا شدید تھا وہ کچھ پلوں کے لیے ساکت ہوئی تھی۔۔ ہونٹ سے نکلا

خون حلق میں گھلا تھا۔

فرشتے نے اپنے ہونٹ سے نکلا خون اپنے انگوٹھے کی پور سے صاف کرتے

روتے ہوے زخمی نظروں سے حیدر خان کو دیکھا تھا۔۔

براک۔۔۔عابیر براک کو پکارتی تیز تیز قدم اٹھاتے حویلی کے کارپورچ کی طرف آئی تھی. وہ اس وقت بلیک کلر کی گرم شیشوں والی پٹھانی فراک ملبوس تھی۔۔بلیک کڑھائی والی نفیس سی پشمینہ شال سر پر اوڑھی ہوئی تھی۔۔

پورا کارپورچ برف کی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔۔رات سے برف باری ہو رہی تھی۔۔ابھی بھی ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی. سردی کی شدت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

براک اس ک سامنے ہی باہر آیا تھا وہ اسے پکارتی ہوئی باہر ائی تھی۔براک کی طبعیت ابھی سنبھلی نہیں تھی۔۔وہ عجلت بھرے انداز میں پریشانی سے باہر آئی تھی۔وہ کارپورچ میں کہیں نہیں دکھائی دیا تھا۔۔براک وہ اسے پکارتے ہوئے پریشانی سے لان کی طرف بڑھی۔۔وہ حویلی کے میلوں پھیلے

لان میں بھی کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔۔وہ اب پریشانی سے تیز تیز قدموں سے حویلی کے گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔۔اپنے چہرے کو اچھی طرح ڈھانپتے وہ گیٹ پر کھڑے گل خان کی طرف بڑھی۔۔

گل خان تم نے براک کو کہیں دیکھا ہے۔۔عابیر نے گل خان کے قریب جاتے ہوے پوچھا۔

نہیں بی بی جی ہم نے تو نہیں دیکھا وہ اس طرف نہیں آیا۔۔گل خان نے عابیر کو ایک نظر دیکھتے نظریں جھکائے جواب دیا تھا۔۔حویلی کی عورتیں اس طرح کبھی گیٹ پر نہیں آئی تھیں۔

اور گل خان یہ گیٹ کیوں کھلا ہے؟؟۔۔تم ابھی گیٹ پر موجود نہیں تھے۔۔کہاں تھے تم؟؟عابیر نے پریشانی سے کہا۔۔

جب وہ باہر آئی تھی گیٹ کھلا ہوا تھا۔۔ گل خان بھی گیٹ پر تب نہیں تھا۔۔ براک باہر نہ چلا گیا ہو عابیر کی ہتھیلیاں نم ہوئی تھیں۔ براک کو لے کر وہ بہت حساس تھی۔

بی بی جی وہ بڑا خان باہر گیا ہے۔۔ ان کا گاڑی کے لیے گیٹ کھولا تھا۔ ہم کو ایک فون آیا تھا وہ سننا کے لیے ذرا سائیڈ پر ہوا تھا۔ گل خان نے جواب دیا۔

ہو سکتا ہے براک گیٹ سے اس ٹائم باہر نکلا ہو۔۔ عابیر نے پریشانی سے گل خان کو دیکھتے کہا۔

ہن سکتا ہے بی بی جی۔۔۔۔۔ وہ بہت شیطان بچہ ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ گل خان کے براک کو شیطان کہنے پر عابیر نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔۔

زیادہ باتیں نہ کرو۔۔۔ تم جاؤ دیکھو وہ کہیں دور نہ نکل گیا ہو۔۔ عابیر نے دل پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے کہا۔۔

جی بی بی ہم دیکھتا ہے۔۔ گل خان کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

عابیر گیٹ پر کھڑی پریشانی سے گیٹ سے نظر اتی سفید سڑک کو دیکھ رہی تھی. پریشانی سے اس کے چہرے سے نقاب پھسل گیا تھا۔۔ شال بھی اس کے سر سے پھسلتے کندھوں پر ائی تھی۔ براک کے معاملے میں وہ خود سے لاپرواہ ہو جاتی تھی۔۔ دارم خان براک کو لے کر حد سے زیادہ حساس تھا۔۔ وہ براک کو اکیلے کہیں آجانے نہیں دیتا تھا۔ براک ہمیشہ گارڈز کے ہمراہ ہی باہر نکلتا تھا۔۔ دارم خان سیاست سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے دوست کم دشمن زیادہ تھے۔ ایک دو بار براک پر حملہ بھی ہو چکا تھا۔

۔یہ سب سوچتے عابیر کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔۔

اسے یکدم اپنے حلیے کا احساس ہوا تھا۔ وہ کھلے بالوں کے ساتھ گیٹ پر کھڑی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنی شال سر پر لی تھی اس سے پہلے وہ اپنا چہرہ ڈھانپتی۔۔۔ اس کی نظریں گیٹ سے نظر آنے والی سڑک پر آتی گاڑیوں پر پڑی۔۔۔ کچھ گاڑیاں آگے پیچھے آکر رکی تھی۔۔ وہ حیرانگی سے آگے پیچھے رکتی گاڑیاں دیکھ رہی تھی۔۔

عابیر نے جلدی سے گھبراتے ہوے اپنے چہرے پر نقاب کرنا چاہا تھا۔۔ گاڑیوں کے درمیان کھڑی سفید چمچماتی گاڑی سے اسفندیار خان کو نکلتے دیکھ کر وہ سٹل ہوئی تھی۔۔ سر سے پھسلتی شال کندھوں پر آئی تھی۔

وہ اب کھلے بالوں کے ساتھ کندھوں سے پھسلتی شال کو سینے سے جکڑے اسفندیار خان کو پتھرائی کیفیت میں دیکھ رہی تھی۔ جو سفید پینٹ پر بلیک شرٹ اور وائٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔

عابیر بے یقینی سے اسفندیار خان کو دیکھتے سر نفی میں ہلاتے کئی قدم پیچھے ہوے تھی۔

اس نے تو پاکستان کبھی نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔ پھر وہ یہاں پر کیا کر رہا تھا۔ اب کونسی سزا سنانے آیا تھا۔

وہ اسے دیکھتے پیچھے کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔ وہ اتنی شاک میں تھی کہ وہ سر پر چادر تک لینا بھول چکی تھی۔

وہ اسفندیار کے سرد چہرے کو دیکھتے مسلسل پیچھے کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔۔

اسفندیار خان اپنی گاڑی کے پاس کھڑا گہرے سانس لیتا اس نازک وجود کو طیش و اشتعال سے دیکھ رہا تھا۔۔وہ کبھی اس حلیے میں گیٹ پر کھڑی بھی ہو سکتی ہے۔یقین کرنا مشکل تھا۔

کیا اس کی غیر موجودگی میں اس کی عورت کو اس کی عزت کا نہیں اپنی عزت کا بھی خیال نہیں تھا۔

اسفندیار خان کا سرخ و سفید چہرہ اس نازک وجود کو دیکھتے مزید سرخ ہوتا جا رہا تھا۔۔

ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچتی جا رہی تھیں۔۔۔۔

اسفندیار خان کی انکھیں بے یقین تھیں۔۔وہ اس حلیے میں گیٹ پر آسکتی ہے۔۔یقین کرنا مشکل تھا۔کیا عورت کا پردہ مرد کے ڈر سے مشروط ہوتا

ہے۔وہ عابیر کو خون اتری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔اس کے گارڈز یہ منظر دیکھتے اپنی گاڑیوں کے ساتھ وہاں سے چلے گئے تھے۔۔وہ آج زاران خانزادہ کی جان لینے اپنے گارڈز کے ہمراہ آیا تھا۔مگر سامنا اس دشمن جان سے ہو گیا۔۔جو اصل میں جان لینے کی حقدار تھی۔

اسے اس حلیے میں دیکھتے اسفندیار خان کے خون میں شرارے پھوٹتے اسے پاگل کر رہے تھے۔۔

وہ خون اتری آنکھیں اس نازک وجود پر گاڑھے اس کی طرف بڑھا تھا۔

عابیر جو گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔

سات ماہ بعد وہ اس ستمگر کو دیکھ رہی تھی۔۔آنکھیں بے یقین تھیں۔۔

عابیر اسے دیکھتے دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے پلٹے ہی تھی وہ اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑ چکا تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے بے یقینی سے اس ستمگر کے مضبوط ہاتھوں میں اپنی کلائی دیکھی تھی۔وہ سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی کلائی جکڑے اگے بڑھ رہا تھا۔۔

وہ اس کے ساتھ تقریباً گھسٹ رہا تھی۔عابیر نے اسفند کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔گل خان اب گیٹ بند کر چکا تھا۔اسفند یار طویل ترین کاریورچ میں تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔۔

اس کی سخت گرفت میں اس کی کلائی ٹوٹنے والے ہو گئی تھی۔۔وہ بنا رحم کھائے اس کی فولادی گرفت میں گھسیٹتے ہوے آگے بڑھ رہی تھی۔۔عابیر

کے بدن میں اس کے سپاٹ نقوش اور اس کی خون اتری آنکھیں دیکھتے لرزہ ساطاری ہوا تھا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔۔۔۔۔عابیر یکدم حلق کے بل چلائی تھی۔دوسرے ہی لمحے وہ اسے کار پورچ میں کھڑی گاڑیوں کے درمیان ایک گاڑی کی بونٹ پر پٹخ چکا تھا۔

عابیر اوندھے منہ گاڑی کے بونٹ پر جا گری تھی۔اس نے گہرے سانس لیتے سیدھے ہوتے اسفندیار خان کو دیکھا جس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔وہ اسے خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔عابیر گہرے سانس لیتے بھیگی ہیزل گرے انکھوں سے سے اسے دیکھ رہی۔۔۔وہ اس کی طرف بڑھتے اس پر جھکے اس کے کھلے بالوں کو اپنی مٹھیوں میں دبوچ چکا تھا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر نے بے یقینی سے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا۔جو اس پر اپنا پورا وزن ڈالے اس پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے اسے خون اتری انکھوں سے گھور رہا تھا۔۔۔۔وہ اس پر اپنا پہاڑ جیسا وجود ڈالے اس کے بالوں کو وحشیوں کی طرح دبوچ گیا۔۔عابیر نے درد سے ہچکی لی تھی۔

اس کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر آن ٹھہرا تھا جس پر وہ مسلسل اپنی گرفت بڑھائے جا رہا تھا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر نے گہرے سانس لیتے اس کے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑوانے کی ناکام سعی کی دوسرے ہی لمحے وہ اپنے کوٹ سے پسٹل نکالے اپنی پسٹل اس کی پیشانی پر ٹکا چکا تھا۔۔

عابیر کی آنکھوں میں تحیر کے ساتھ سراسیمگی پھیلی تھی۔

اس کی نیلی آنکھوں میں ہر جذبہ مفقود تھا سوائے دہشت کے۔۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کانپتے ہوئے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی جو گہرے سانس لیتے اس پر جھکے اب اپنا گھٹنا بے دردی سے اس کی ٹانگوں پر رکھ گیا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔عابیر نے درد سے کانپتے ہوئے ہچکی لی تھی۔اس کا سینہ اس کی دھڑکنوں پر تھا اور اس کا گھٹنا اس کی ٹانگوں پر تھا۔۔اس کا ایک ہاتھ اس کے بالوں کو دبوچے ہوئے تھا۔دوسے ہاتھ سے وہ پسٹل اس کی پیشانی پر رکھے ہوئے تھا۔۔

بے بسی سے عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

اذیت ہی اذیت تھی۔

عابی جان۔۔۔۔۔۔۔۔براک کی آواز پر اسفندیار خان کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔۔اس نے مڑتے ہوے براک کو خون اشام نگاہوں سے گھورا۔۔

آپ کیا کر رہے ہیں میری عابی جان کے ساتھ۔۔براک غصے سے اسفندیار خان کی طرف بڑھتے اپنے ہاتھوں سے عابیر سے اسفند کو دور کرنے کی کوشش کی۔

اسفندیار خان نے اسے غصے سے دور دھکیلا تھا۔۔اسفند۔۔۔وہ بچہ ہے اسے کچھ مت کہیے گا۔۔عابیر نے روتے ہوے التجا کی۔

دور ہٹیں میری عابی جان سے براک چیخا تھا۔

اسفند عابیر کو چھوڑتا براک کی طرف بڑھا تھا۔ براک کے لبوں سے عابی جان اسے انگاروں پر لٹا چکا تھا۔ وہ مقابل پر کسی بچے کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ یہ اسفند یار خان کو اپنی رگوں میں بھڑکتے خون سے اندازہ ہو رہا تھا۔

اسفند کو براک کی طرف بڑھتے دیکھ کر عابیر گاڑی کی بونٹ سے جلدی سے اٹھتے براک کی طرف بڑھتی اسے اپنی ٹانگوں کے ساتھ لپٹاتے اسے اپنے ساتھ لپٹا چکی تھی۔

خبردار آپ نے اسے ہاتھ بھی لگایا اسفند یار خان۔۔ عابیر اسے اپنے ساتھ لپٹائے اسفند یار خان کو غصے سے دیکھتے چیخی تھی۔۔۔

عابی جان چھوڑیں مجھے میں اسے دیکھ لوں گا۔۔ اس نے کیسے آپ کو چھوا ۔۔ اس نے میری عابی کو کیسے ٹچ کیا۔

براک غصے سے بولتے عابیر کے حصار سے خود کو چھڑواتے ہوے اسفند کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ عابیر اسے پھر سے اپنے ساتھ لپٹا چکی تھی۔۔

اسفند نے گہرا سانس لیتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال کو دبانے کی کوشش کی تھی۔۔عابیر کے ساتھ براک لپٹا اسفند یار خان کے خون میں شعلے بھڑکا چکا تھا۔۔اس کی باتیں سنتا وہ پاگل ہوا تھا۔۔ تپش سے اس کا انگ انگ جھلسا تھا۔مقابل اپنے بھائیوں کے ساتھ کھڑی برداشت نہیں ہوتی تھی۔پھر یہ بچہ کیسے برداشت ہوتا جو اس کے لیے پاگل تھا۔

نو براک۔۔۔۔انہوں نے مجھے کس حق سے چھوا۔۔اس بات کا حساب میں ان سے لے لوں گی۔۔ آپ نے ٹھیک کہا آپ کی عابی کو یہ کیسے چھو سکتے ہیں۔۔۔عابیر خان۔۔۔۔۔۔کو اسفند یار خان آخر کیسے چھو سکتا ہے۔۔عابیر

نے اسفندیار خان کو دیکھتے روتے ہوے ہچکی لی تھی۔۔ اسفندیار خان کی نیلی انکھوں میں وہ اپنی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھے کھڑی تھی۔۔

اسفندیار خان اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جس کی باتیں اس کے اندر آتش گیر مادہ دہکائے ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان عابیر کی طرف بڑھتے براک کو بازو سے جکڑے اس سے علیحدہ کرتے اسے پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔

براک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عابیر براک کو زمین پر گرتا دیکھ کر حلق کے بل چیخی تھی۔۔ اس سے پہلے براک گرتا دارم خان اسے اپنے ساتھ لپٹاتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

بابا۔۔۔عابی جان۔۔۔وہ دارم کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹا ہچکیوں سے رو رہا تھا۔۔

عابیر جلدی سے رخ موڑتے شال سر پر جما چکی تھی۔۔اسفندیار خان کی آنکھوں میں خون سوار تھا۔۔دارم خان کے سامنے اسے چہرہ ڈھکے بغیر دیکھتا تو وہ سچ میں اس کی اور دارم کی جان لے لیتا۔

دارم خان نے حیرانگی سے اسفندیار خان کو دیکھا۔۔جو اس کا جگری یار تھا۔۔وہ اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اسفند۔۔۔دارم نے اسے حیرانگی سے پکارا۔جو گہرے سانس لیتا اب اسے خون اتری انکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اسفند عابیر کی کلائی جکڑے اندر داخل ہو چکا تھا۔

دارم خان کی حیرانگی میں مزید آضافہ ہوا تھا۔۔وہ کس حق سے عابیر کی کلائی تھامے ہوا تھا۔۔عابیر خاموشی سے اس کے ساتھ اندر داخل ہو چکی تھی۔

بابا۔۔۔یہ کیسے میری عابی کو چھو سکتا ہے۔آپ کے آنے سے پہلے وہ عابی جان کو گاڑی کی بونٹ پر لٹائے اس پر جھکا ہوا تھا۔۔میری عابی کو کیسے وہ چھو سکتا ہے؟؟۔براک اب ہچکیوں سے رو رہا تھا۔۔دارم خان نے پریشانی سے اپنا ماتھا سہلایا

براک عابیر کو لے کر اتنا پوزیسیو ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔۔

اسفندیار خان کے ہاتھوں میں عابیر کی کلائی دارم خان کو بھی چبھی تھی۔۔۔کیوں وہ نہیں جانتا تھا۔۔مگر تپش کا احساس سا ہوا تھا اسے۔۔۔

حیدر خان کی گاڑی اس کی حویلی کے کار پورچ میں آ کر رکی تھی۔۔ فرشتے نے بھیگی آنکھوں سے کرب سے اس حویلی کو دیکھا جو اسے رات کے اندھیرے میں چھوڑنی پڑی تھی۔ حیدر خان نے گاڑی سے اترتے پچھلی سیٹ سے دراب کو احتیاط سے نکالتے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

فرشتے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جھرنے کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ نچلے لب سے خون رس رہا تھا۔ حیدر خان نے بہت بے رحمی سے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس کا سر تک جھنجھنا رہا تھا۔ گال پر حیدر خان کی بھاری انگلیوں کا نشان چھپ کر رہ گیا تھا۔

حیدر خان دراب کو سینے سے لگائے فرشتے کی طرف بڑھا۔ فرشتے کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے کلائی سے جکڑا۔

خان۔۔۔۔۔مجھے آپ کی حویلی میں قدم نہیں رکھنا مجھے میرا دراب دے دیں۔ فرشتے نے التجائیہ لہجے میں سسکی لیتے فریاد کی۔۔

حیدر خان نے اس کے بازو میں اپنی انگلیاں سختی سے گاڑھتے اسے کھینچتے ہوے باہر نکالا۔

کس کے پاس جانا چاہتی ہو؟؟اسی کے پاس واپس جس سے تعلق ٹوٹنے پر پچھتا رہی ہو تم۔۔حیدر خان نے اپنی لہو اتری آنکھیں فرشتے کی گہری انکھوں میں گاڑھی تھیں۔۔

خان۔۔۔۔۔فرشتے نے حیدر خان کی لہو اتری آنکھوں میں دیکھتے خوف سے سسکی لی تھی۔۔

حیدر خان کا یہ روپ ہو گا وہ جانتی نہ تھی۔۔

بہت غلط کیا تم نے اپنے لبوں سے اس کا نام لے کر بہت غلط کیا۔۔ حیدر خان دبی اواز میں غراتے ہوے فرشتے کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔ فرشتے درد سے کراہ کر رہ گئی تھی۔۔

فرشتے کے لبوں سے شاہ نواز کا نام اس کی غیرت پر جیسے کاری وار تھا۔۔ حیدر خان کو اپنا وجود آتش گیر مادے کی طرح پھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ کیسے آخر شاہ نواز کا نام لے سکتی ہے۔۔ وہ تو پاگل ہو رہا تھا۔

حیدر خان نے بے رحمی سے اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچا تھا۔۔ فرشتے نے کانپتے ہاتھوں سے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔۔

حیدر خان نے اس کا جبڑہ چھوڑتے اسے خود سے دور پٹخا تھا۔۔ فرشتے گاڑی کی بونٹ پر اوندھے منہ جا گری تھی.

وہ دراب کی وجہ سے درد سے کراہتے ہوئے اپنی سسکیاں روک گئی۔۔

حیدر خان اس کا بازو جکڑے داخلی دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

زنان خانے میں اس وقت رقیہ خانم حاکم خان اور اوزگل بیٹھے ہوئے تھے۔

حیدر خان اور فرشتے کو دیکھ کر سب اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوئے تھے۔

رقیہ خانم نے دہلتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔وہ جلدی سے حیدر کی طرف بڑھی تھی۔۔حیدر خان کے سینے سے لگے دراب کو لیا تھا۔۔

خان۔۔۔۔دراب کو رقیہ خانم کو پکڑانے پر فرشتے نے تڑپتے ہوئے حیدر خان کو پکارا تھا۔۔رقیہ خانم کے پاس اپنا دراب برداشت نہیں ہوا تھا۔

حیدر یہ ہمارا پوتا ہے۔۔رقیہ خانم نے کمبل میں لپٹے سوئے دراب کو دیکھتے بے یقینی سے پوچھا۔۔

ہاں مورے یہ حیدر خان کا بیٹا ہے۔حیدر خان کا وارث اس کا خون۔۔۔حیدر خان نے دراب پر نگاہ ڈالتے کہا۔۔

رقیہ خانم روتے ہوے دراب کے چہرے پر بوسے دے رہی تھیں۔۔

فرشتے رقیہ خانم کی طرف بڑھی تھی۔۔حیدر اس پر قہربار نگاہ ڈالتے اسے بازو سے جکڑے پیچھے کر گیا تھا۔۔

خان دراب میرا بیٹا ہے۔۔۔صرف میرا بیٹا۔۔۔فرشتے زخمی لہجے میں سسکی لیتے دبے انداز میں چیخی تھی۔

دراب زراب اسے حیدر خان کے پاس برداشت نہیں ہوتے رہے رقیہ خانم کی گود میں دیکھ کر وہ زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ آواز نہ نکلے خانم۔۔ ورنہ سب کے سامنے بھی لحاظ نہیں کروں گا۔۔ حیدر خان فرشتے کو بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے دبے انداز غرایا تھا۔

حیدر یہ کیا طریقہ ہے ؟؟ یہ کس طرح تم اپنا بیوی سے بات کر رہا ہے۔ اور تم نے کیا فرشتے پر ہاتھ اٹھایا ہے۔۔ حاکم خان نے فرشتے کی حالت دیکھتے لب بھینچے پوچھا۔

اوزگل بھی حیرانگی سے فرشتے کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو سیاہ چادر میں لپٹی تھی۔ جس یے گال پر انگلیوں کا نشان تھا۔۔ نچلے لب سے خون رس رہا

تھا۔۔جبڑے کے اطراف میں بھی انگلیوں کا نشان تھا۔وہ روتے ہوے کانپ رہی تھی۔۔دراب کو دیکھ کر وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

حیدر خان فرشتے پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔

بابا میرے اور میری بیوی کے معاملے میں کوئی نہیں بولے گا۔۔مجھے آج سمجھ آیا ہے اپنی عورت کو کیسے قابو میں رکھتے ہیں۔حیدر خان نے قہر بار نگاہ فرشتے پر گاڑھیں۔۔

درخزئی کے ساتھ دیکھ کر وہ اپنے حواص کھو رہا تھا اوپر سے اس نے اس خبیث شاہ نواز کا نام لے لیا تھا۔۔حیدر خان کے مساموں سے بھی جیسے دھواں نکل رہا تھا۔

حیدر ہمارا دوسرا پوتا کہاں ہے۔۔رقیہ خانم نے سوئے ہوے دارب کو سینے میں بھینچتے پوچھا تھا۔

وہ بھی آجائے گا مورے۔۔اب میرے بیٹے اور میری خانم میری حویلی میں رہے گے۔۔حیدر خان نے سرد انداز میں کہتے استھزائیہ نگاہ فرشتے پر ڈالی تھی۔

یہ آپ کی بھول ہے خان۔۔۔۔۔۔میں اور میرے بیٹے آپ کے پاس رہیں گے۔۔فرشتے حیدر خان کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے دبے انداز میں چیخی تھی

فرشتے کی بات پر حیدر خان نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔دوسرے ہی لمحے وہ فرشتے کو بازو سے جکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔۔

حاکم خان نے اپنا ماتھا مسلتے خود پر قابو پایا تھا۔۔ حیدر خان غصے کا تیز تھا مگر اپنی ماں اور بیوی کے معاملے اس طرح غصہ نہیں کرتا تھا۔ وہ ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے یقین کرنا مشکل تھا۔

رقیہ خانم۔۔۔ حیدر نے فرشتے پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اور تم نے اسے کچھ نہیں کہا۔۔ حاکم خان نے غصے سے رقیہ خانم کو گھورا تھا۔۔

ہم کو صرف اتنا پتہ ہے۔۔ ہمارا پوتا ہمارا پاس ہے۔ ہم کو اپنا دونوں پوتا اپنا پاس چاہیے پھر حیدر خان کسی کا قتل کرے یا مارے ہم کو نہیں معلوم۔۔ ہم کو اپنا پوتا چاہیے۔

رقیہ خانم نے سفاکی سے کہتے دراب کو نرمی سے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔

تمھارا نزدیک یہ غلط بات نہیں ہے۔ یہ تربیت کیا تم نے اس کا۔۔ تم نے لگتا ہے اسے صرف یہی سکھایا ہے کہ عزت صرف تمھارا کرے۔۔ بیوی کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کرے۔۔ حاکم خان نے اسے کڑے تیوروں سے گھورتے لفظ چبائے تھے۔

ہم نے اس کا بہت اچھا تربیت کیا ہے۔۔ اس نے ایک طلاق یافتہ بانجھ عورت کو عزت سے اپنایا تھا۔۔ اسے اپنا محبت بھی دیا۔ ہم کو بتاؤ کیا آج سے پہلے حیدر نے فرشتے پر ہاتھ اٹھایا۔۔ دوسرا شادی بھی کیا اوز گل جیسا بد تمیز عورت پر اس نے کبھی ہاتھ اٹھایا۔ اگر آج اس نے ہاتھ اٹھایا ہے تو یقیناً بات بڑا ہوا گا۔۔

رقیہ خانم کی بات پر اوز گل نے ٹیبل پر پڑی فروٹ باسکٹ میں چھری کو دیکھا تھا۔۔۔ رقیہ خانم کا کسی دن وہ اس چھری سے گلہ چاک کرنے کا آرادہ

رکھتی تھی۔ وہ غصے سے رقیہ خانم کو گھورتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کمرے میں توحیدر فرشتے کو لے گیا تھا۔۔ اوزگل کا بس نہیں چل رہا تھا ان ماں بیٹا کو آگ لگا دے۔۔

تم ہی بتاؤ خان۔۔۔ فرشتے کو حق پہنچتا تھا ہمارا پوتا کا ہم سے چھپانا۔۔ تمھارا نزدیک یہ چھوٹا بات ہے۔ ایسا باتوں پر بندوقیں چل جاتا ہے قتل ہو جاتا ہے۔۔ ہمارا حیدر خان کا وارث چھپایا۔۔ ان کا فرض تھا ہم کو بتانا کہ ان کا بیٹی ہمارا حیدر کا بچوں کا ماں بننے والا ہے۔۔ ہم سب جاتا فرشتے کو مان سے لے کر آتا۔۔ اور ہم اپنا بیٹا کا دوسرا شادی بھی نہ کرواتا۔۔ لیکن کیا کیا ان لوگوں نے ؟؟ اکڑ کر بیٹھ گیا۔۔ کوئی گناہ کرنے جا رہا تھا ہمارا بیٹا کیا۔ دوسرا شادی وہ بھی اولاد کے لیے اس کا حق تھا۔۔ ہمارا بیٹا کو اس معصوم نظر آنا والا عورت نے دھوکہ دیا۔۔ ٹھیک کر رہا ہے ہمارا بیٹا۔۔ ایسا عورت کو ایسا ہی قابو کیا جاتا

ہے۔۔رقیہ خانم پھنکارتے ہوے دراب کو سینے سے لگائے اندر چلی گئی تھیں۔۔

حیدر خان نے کمرے میں داخل ہوتے فرشتے کو دھکا دیا تھا۔وہ اوندھے منہ زمین پر جا گری تھی۔۔فرشتے نے سیدھے ہوتے حیدر خان کو دیکھا۔۔جو ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھا تھا۔۔فرشتے پیچھے کو کھسکتی بیڈ کے ساتھ جا لگی تھی۔حیدر خان پنجوں کے بل زمین پر بیٹھتے اس کے بال گدی سے جکڑ گیا تھا۔

خان۔۔۔۔فرشتے نے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا۔وہ قربت میں بھی اس کے بالوں کو نرمی سے چھوتا تھا اتنی محبت کرتا تھا وہ اس کے بالوں سے ۔۔۔آج وہ بے دردی سے جکڑے ہوے تھا۔

اس کے نزدیک آج شاہ نواز اور حیدر خان میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔

تم ادھر ہی رہو گی خانم اب میرے پاس۔۔ میرے کمرے میں۔ اب تمھیں کہیں نہیں جانے دوں گا خانم۔۔۔ حیدر خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے دھاڑا تھا۔

کیسے روکیں گے خان مجھے ؟؟۔۔ زبردستی قید کر کے رکھیں گے۔۔۔ اتنا یاد رکھیے گا اب میں آپ کی خانم صرف نہیں ہوں۔۔ جس کی آپ کے بغیر سانسیں نہیں چلتی تھیں۔ میرے نزدیک آپ کی کوئی حیثیت نہیں۔۔ میں دو بیٹوں کی ماں ہوں۔ آپ اپنی فرشتے کو یہاں قید کر سکتے ہیں۔ مگر اپنے بچوں کی ماں کو نہیں۔۔۔ فرشتے نے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے چیختے ہوے جواب دیا تھا۔۔

حیدر خان کا رنگ طیش و اشتعال سے سرخ ہوا تھا۔ہ فرشتے کی زندگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔۔یہ بات نیزے کی طرح وجود میں آر پار ہوتے محسوس ہوئی۔

ٹھیک کہا تم نے خانم۔۔۔۔میں دو بیٹوں کی ماں کو یہاں قید نہیں کر سکتا ۔۔لیکن اگر میری فرشتے دو بیٹوں کی ماں ہی نہ رہے تو۔۔۔حیدر خان نے فرشتے کے بالوں پر اپنی گرفت سخت کی تھی.

کک کیا مطلب خان؟؟۔فرشتے نے تڑپتے ہوے حیدر خان کا گریبان دونوں مٹھیوں میں جکڑا تھا۔

دراب زراب میرے بیٹے ہیں۔۔اب وہ تمھارے پاس نہیں رہیں گے ۔انھیں اوزگل پالے گی۔۔اور تم یہاں صرف میرے کمرے میں میری خانم بن کر رہو گی۔۔تم نے شاہ نواز کا نام لے کر مجھے احساس دلوایا ہے میں

اپنی خانم کے لبوں سے کسی کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتا۔اس لیے تم میرے پاس قید رہو گی میری بن کر۔۔۔۔ تمھارے لبوں سے جب بھی نکلے گا صرف خان نکلے گا۔اب اس درخزئی اور شاہ نواز کا نام نہیں لے سکو گی ۔حیدر خان اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔۔ فرشتے بیڈ کے ساتھ لگتی سسک کر رہ گئی۔۔

وہ فرشتے پر سرد نگاہ ڈالتے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔۔

کیسے رکھیں گے میرے بچے میرے بغیر۔۔۔۔ماں ہوں ان کی۔دودھ پلاتی ہوں انھیں اپنا۔۔۔۔دراب کو لے ائیں ہیں زراب کو کیسے لائیں گے آپ ۔۔اگر آپ حیدر حاکم خان ہیں تو میں سمیع اللہ خان کی پوتی اور ارحام خانزادہ کی بہن فرشتے خان ہوں۔۔میرا لالا مجھے آپ کے پاس نہیں رہنے

دے گا۔ میں اپنے دراب زراب آپ کے پاس نہیں رہنے دوں گی۔۔ فرشتے زمین سے اٹھتے حیدر خان کے مقابل آئی تھی۔۔

حیدر خان نے فرشتے پر قہر بار نگاہ ڈالتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی چادر زمین پر پڑی تھی۔ وہ سفید چنٹوں والے فراک میں اس کے سامنے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

دراب زراب میری حویلی میں ہی رہیں گے۔۔ اور تمھیں بھی کہیں نہیں جانے دوں گا۔ تمھارے لالا کے سینہ میں گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔۔ اگر اس نے میرے بچوں اور میری خانم پر ذرا سا بھی حق جتایا۔۔ حیدر خان سخت الفاظ میں کہتا دروازہ کھولتا چلا گیا تھا۔۔

فرشتے نے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتے دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھا۔۔ مگر حیدر خان اتنی دیر باہر سے لاک کر کے جا چکا تھا۔۔

دراب زراب۔۔ فرشتے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے سسکتے ہوے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔۔

حیدر خان لاونج میں سب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔۔ خوبرو چہرے پر سنجیدگی اور کرختگی کے اثار تھے۔۔ دراب رقیہ خانم اور اوزگل پاس تھا۔ حیدر خان صوفے پر بیٹھے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔ وہ وہاں ہوتے ہوے بھی نہیں تھا۔

!!شاہ نواز کے پاس رہتے میں رونا بھول چکی تھی۔۔ پتھر تھی تب میں۔۔۔ آپ کے زندگی میں آنے کے بعد مجھے خود سے محبت۔ ہوئی۔ مگر آج میں کہتی ہوں میں شاہ نواز کے پاس ہی ٹھیک تھی۔۔ وہ جیسا بھی تھا آپ جیسا دوغلا مرد نہیں تھا!!

سماعتوں میں فرشتے کے لفظ گونجتے اس کے وجود میں جیسے درد کا طوفان برپا کیے ہوے تھے۔۔ وہ بارود کے گولے کی طرح جیسے پھٹ رہا تھا۔۔ یہ لفظ کسی زہریلے ناگ کی طرح اس کے اعصاب کے ساتھ لپٹ گئے تھے۔۔

مرد تھا اپنی عورت کے منہ سے کسی غیر مرد کا نام برداشت نہیں تھا۔۔ پھر اس عورت کے لبوں سے اس کے پہلے شوہر کا ذکر کیسے برداشت ہوتا جس سے وہ عشق کرتا تھا۔

وہ تو جیسے تپتا برزخ بنا ہوا تھا۔ جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔۔ فرشتے اس کے انگ انگ میں بستی تھی۔۔ ان سات مہینے میں اس نے اسے پل پل یاد کیا تھا۔ وہ اسے یہاں رکھ کر تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ اوزگل اور اس کی مورے اسے تکلیف دیں گی وہ جانتا تھا۔ رقیہ خانم کی جان جانے کے ڈر سے بھی وہ فرشتے کے حقوق سے نظریں چراتا رہا تھا۔۔ مگر وہ اپنا بچہ اوزگل سے

پیدا کرنے کے بعد فرشتے کو واپس لانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ تاکہ رقیہ خانم کو فرشتے سے کوئی خار نہ رہے۔۔

حیدر دراب کونسا دودھ پیتا ہے۔۔ حیدر خان رقیہ خانم کی بات پر صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔۔

کیا ہوا ہے؟ حیدر خان نے چونکتے ہوے پوچھا۔

ہم کو لگتا ہے دراب کو بھوک لگا ہے۔۔ پچھلا پانچ گھنٹہ سے یہ بھوکا ہے۔۔ اب یہ منہ مار رہا ہے۔۔ اس کو بھوک لگا ہے۔۔ رقیہ خانم نے محبت بھری نظروں سے دراب کو دیکھتے کہا جو سر دائیں بائیں ہلاتے منہ دودھ پینے کے انداز میں کھولتا بند کر رہا تھا۔

مورے اسے صرف فرشتے اپنا دودھ پلاتی ہے۔۔حیدر خان نے پریشانی سے کہا۔۔دراب اب گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔۔

دراب دودھ نہ ملنے پر اپنی سانسیں نہ روک لے۔۔حیدر خان پریشان ہوا۔۔

حیدر خان نے صوفے سے جلدی سے دراب کو رقیہ خانم کے ہاتھوں سے لیا تھا۔۔وہ اسے سینے سے لگائے کمرے کی جانب بڑھا جہاں فرشتے پانچ گھنٹوں سے قید تھی۔۔

.----------

زاران خانزادہ کی گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے آکر رکی تھی۔

زاران نے ابرش پر قہر آلود نگاہ ڈالی۔۔ وہ اپنا سکارف گاڑی سے نیچے پھینک چکی تھی۔ اب وہ کھلے بالوں کے ساتھ ایک جینز اور ایک شرٹ میں ملبوس تھی۔

ابرش نے لب کاٹتے خود کو دیکھا تھا۔ وہ اس حلیے میں گاڑی سے باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

وہ آج بھی غصے میں ایسا حجاب کر کے آئی تھی ورنہ وہ گھر سے باہر نکلتے خود کو چادر یا عبایہ میں ڈھانپ کر رکھتی تھی۔۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی کنپٹی مسلتے ابرش پر نگاہ ڈالی جو نظریں جھکائے بیٹھی اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

زاران نے گاڑی کی پچھلی سیٹ سے ایک چادر اٹھا کر ابرش پر پھینکی تھی۔۔

ابرش نے حیرانگی سے وہ چادر کو دیکھتے زاران کو دیکھا تھا۔۔ تمھارے لیے لی تھی۔مجھے پتہ تھا میری بے شرم بیوی کو اپنا آپ عیاں کرنے کا بہت شوق ہے۔۔۔وہی ہوا تم آج بھی مجھے اس حلیے میں ملی۔۔۔زاران نے طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔۔

ابرش نے اس چادر سے خود کو اچھی طرح کور کیا۔۔اترو گاڑی سے ۔۔زاران نے حکم دیتے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

میں آپ کے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی۔ آپ اپنی بے شرم بیوی کو گھر ڈراپ کر دیں۔۔ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

زاران گاڑی کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتے اس پر جھکا تھا۔۔

ابرش بنا کسی تماشے کے باہر آؤ۔۔۔زاران اس پر جھکے غرایا تھا۔۔

نہیں آؤں گی تو کیا کریں گے۔۔ماریں گے مجھے۔۔۔اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں مسٹر خانزادہ؟؟ مجھ سے ہر تعلق توڑ کر مجھے بری حالت میں میرے گھر پھینک کر چلے گئے تھے۔

جو سزا آپ نے مجھے دی۔۔اس سے بدتر سزا کیا ہو سکتی ہے؟؟۔۔یہاں ہوٹل کے کمرے میں مجھے لے جا کر کیا کریں گے۔۔اور کیا سزا دیں گے مجھے۔۔خود کو نوچنے نہیں دوں گی آپ کو۔۔۔نیویارک کی سڑک پر گزرتے ہوئے مجھے دیکھا اور آپ کو لگا آج رات میرے ساتھ گزار کر اپنی رات حسین بنائیں گے اور اگلے دن مجھے یہاں چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔

ابرش نے زاران کی انکھوں میں دیکھتے زخمی لہجے میں کہا۔

زاران خانزادہ کا سرد و سپاٹ رویہ اس کے دل میں چرکے لگا رہا تھا۔

وہ سات ماہ بعد اس سے ملا تھا۔۔ مگر اج بھی وہ ویسے ہی بے حسی دکھا رہا تھا۔ اسے دیکھتے اس کی انکھوں میں سرد مہری تھی کاٹ تھی مگر محبت نہیں تھی۔ وہ بھول ہی گیا تھا اس نے کبھی اس سے محبت کے دعوے کیے تھے۔۔ رات رات بھر اسے بانہوں میں بھر کر جان لیوہ سرگوشیاں کی تھی۔ اسے کبھی نہ چھوڑنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ ابرش اپنے اوپر جھکے زاران کی براؤن پرکشش آنکھوں میں بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

تمھیں لگتا ہے تمھارے ساتھ گزری ہوئی میری رات حسین بھی ہو سکتی ہے۔۔ اور تم جیسی بیوی اپنے شوہر کے سکون کا سامان بھی بن سکتی ہے۔ تم میرے نزدیک ایک بے شرم عورت ہو۔۔ جسے اپنے شوہر کو سکون پہنچا کر نہیں بلکہ اپنے جسم کی نمایش کر کے سکون ملتا ہے۔

زاران کی بات پر وہ تڑپتے ہوے اس کے کالر جکڑ گئی تھی۔۔

ہچکی لیتے سر نفی میں ہلاتے کرب سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

بہت سزا کاٹ چکی ہوں۔۔اب اور آپ کے تذلیل بھرے لفظ نہیں سہوں گی۔۔مجھ جیسی بیوی سے کیا مراد ہے آپ کی ہاں؟؟۔۔

رات رات بھر اپنا بستر گرم کیا ہے مجھ جیسی بیوی سے۔۔۔مجھ جیسی بیوی سے ہی اپنی اولاد پیدا کرنے جا رہے تھے۔جس کے لیے آپ بہت حساس تھے۔۔وہ بچہ جان سے بڑھ کر تھا آپ کے لیے۔ابرش نے ہچکی لیتے کہا۔

بچے کی بات پر زاران کی آنکھوں میں کرب چھایا تھا۔۔زخم ہرے ہوے تھے۔۔زاران نے اپنا گریبان چھڑوانے کی کوشش کی وہ اور بھی مظبوطی سے اس کے کالر جکڑ گئی تھی۔۔

میں سکون ہوں آپ کا یہ بات ہزاروں بار کہہ چکے ہیں۔۔رات رات بھر مجھے اپنی بانہوں میں رکھا ہے۔۔اپنی دیوانگی جتائی ہے۔۔اپنی محبت کی برسات کی ہے۔اور تب مجھ سے بے شرمی کی توقع کرتے تھے۔وہ سٹیسفیکشن چاہتے تھے جو کسی عورت نے اپنے شوہر کو نہ دی ہو۔۔ابرش بری طرح رو دی تھی۔وہ مقابل کو خوش کرنے کے لیے رات رات بھر اس کے ساتھ لپٹتی تھی۔شرم سے سرخ پڑتے اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔۔آج وہ کہہ رہا تھا اسے اس سے سکون نہیں ملا۔۔اسے زاران کے الفاظ طمانچوں کی طرح لگے تھے۔

اور بے شرم میں نہیں وہ پلوشہ جیسی اور ستارہ خان جیسی عورتیں ہیں۔جو تم جیسے مردوں کو ٹریپ کرتی ہیں۔یو نو واٹ مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔تم انہی عورتوں کے قابل ہو۔۔تم جیسے شریف انسان کو اس طرح کی شریف

عورتیں ہی سوٹ کرتی ہیں۔ مجھ جیسی بے شرم عورت نہیں۔۔ اس لیے چھوڑ دو مجھے۔۔۔۔ ابرش نے تڑپتے ہوئے زران کی گردن اپنے ناخنوں سے بری طرح نوچی تھی۔۔

زاران اس کے ہاتھ جھٹکتا غصے سے پیچھے ہوئے تھا۔۔ جہاں اس نے اپنے ناخنوں سے گہری کھروچیں دے ڈالی تھیں۔۔ جہاں سے خون رس رہا تھا۔ زاران اپنی گردن سے خون کی بوندیں انگلیوں سے چنتا اس پر جھکا تھا۔ جو گہرے سانس لیتے رخ موڑ گئی تھی۔۔ زاران اسے بازو سے جکڑے سیٹ پر پٹختے اس پر جھکا تھا

بہت شریف ہو تم۔۔۔۔ مجھے صرف یہ بتاؤ تمھاری کمر پر جس جگہ تل ہے ۔۔ وہ تل تم نے آج تک نہیں دیکھا وہ کیسے کوئی غیر مرد دیکھ سکتا ہے۔۔ بتاؤ مجھے۔۔ زاران اس کے عارض پر ہاتھ جماتے اس پر جھکا تھا۔۔

وہ دلہن کا ڈریس آپ نے بنوایا تھا۔۔ ابرش نے ہچکی لی تھی۔

اپنے لیے بنوایا تھا۔۔ کیونکہ اس ڈریس میں تمھارے ساتھ ویڈنگ نائٹ منانا چاہتا تھا۔۔ تمھارے بدن کو اس ڈریس میں ہر اینگل سے گھنٹوں دیکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ اس پر جھکے دھاڑا تھا۔

تم جانتی تھی وہ ڈریس کسی عورت کے سامنے پہن کر جانے کے بھی قابل نہیں تھا۔۔۔ تم سوات کی سڑکوں پر پہن کر نکل گئی اور اس کمینے کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔۔ تمھیں لگتا ہے اس نے ان چار گھنٹوں میں تمھارے بدن کو جانچا نہیں ہو گا۔۔ اس کے گارڈز نے تمھیں دیکھا نہیں ہو گا۔۔ کتنی بار اس بے غیرت نے سوچا ہو گا وہ تمھیں نوچ ڈالے۔۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا تمھارے ساتھ اس رات۔۔ تم نے ایک پل کے لیے نہیں سوچا۔۔

میں تب آپ کے نکاح میں نہیں تھی۔۔ابرش اس کی باتوں پر بلبلاتے ہوے چیخی تھی۔

جب دوسری بار بھاگی تھی میرے نکاح میں تھی۔۔وہ ابرش سے زیادہ حلق کے بل چیخا تھا۔۔

چادر تھی تب میرے وجود پر۔۔۔وہ تڑپ کر روتے ہوے بولی۔۔

چادر ہونے کا یہ مطلب نہیں تم گلی کے کتوں پر بھی اعتبار کرتے رات کے اندھیرے میں اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔۔کیا ہوا مل گیے نہ تمھیں راستے میں وہ کتے۔۔جو گھات لگا کر بیٹھے تھے۔۔وہ غرایا تھا۔ابرش اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

ایک ہی خواہش تھی جو عورت میری زندگی میں آئے اسے میرے علاوہ کسی نے نظر بھر کر دیکھا نہ ہو۔۔ لیکن تمھیں گلی کے ہر کتے نے دیکھا ہے ابرش خانزادہ۔۔۔ زاران اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹاتا اس پر تپش زدہ سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔

اگر ایسی لڑکی کی خواہش تھی تو اپناتے اپنے گاؤں کی کوئی اجڈ گنوار لڑکی کو۔۔ میری زندگی کیوں برباد کی۔۔ کیوں مجھ سے محبت کا دعوی کیا۔۔ کیوں زبردستی نکاح کیا مجھ سے۔۔ امریکہ سے تھی میں۔۔۔ امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی ایسی ہوتی ہے چادر میں لپٹی نہیں۔۔۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا کر لو اس پلوشہ سے شادی جسے تمھارے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا۔۔ جو آج بھی تمھاری حویلی میں رہ رہی ہے۔ میں حیران ہوں وہ ابھی تک تمھارے

کمرے میں کیوں نہیں آئی۔۔ابرش اس کی شرٹ پھر سے جکڑے چیخی تھی ۔زاران خانزادہ کے الفاظ برداشت نہیں ہوے تھے۔

اسے لگا جیسے زاران اسے اب اپنے قابل نہیں سمجھتا۔۔وہ زخمی پرندے کی مانند بلبلا اٹھی تھی۔

جلد آئے گی تم فکر نہ کرو یہاں سے جا کر اسے کمرے میں گے جانے کا انتظام ہی کروں گا۔زاران اپنی شرٹ چھڑواٹے ہوے پیچھے ہوتے گاڑی سے اترا تھا۔

ابرش اس کے لفظ سنتے بے یقین ہوئی تھی۔۔وہ اسے یہ بتانے آیا تھا کیا؟؟ابرش نے گہرے سانس لیتے دل پر ہاتھ رکھا۔زاران نے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے اسے بازو سے جکڑے گاڑی سے باہر نکالا۔۔وہ پتھرائی کیفیت میں زاران کے پتھر جیسے وجود سے آلگی تھی۔۔۔زاران

اس کے سرخ کرب زدہ چہرے کو بغور دیکھتا اس کی کلائی جکڑے ہوٹل کے اندر داخل ہوا تھا۔

زاران خانزادہ نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے ہوئے ڈریسنگ مرد سے نظر آتے ابرش کے عکس پر نگاہ ڈالی جو بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔۔۔چادر اب زمین پر پڑی تھی۔وہ کھلے بالوں کے ساتھ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔۔زاران ڈریسنگ مرد سے اس کے نظر آتے عکس کو کافی دیر تک دیکھتا رہا۔وہ سٹل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔۔

وہ کیا سوچ رہی ہے اس کے چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔ اس کے چہرے پر درد و کرب دیکھتے زاران خانزادہ کے کرب میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔۔

زاران کمرے میں موجود کبرڈ سے ہاتھ روب نکالتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تھا۔

یہ لو اسے پہن کر ریلیکس ہو جاؤ۔ زاران نے نرمی سے کہتے وہ باتھ روب گاؤن اس کی طرف بڑھایا۔۔

جسے ابرش نے اس کی طرف بنا دیکھے ہی وہ باتھ روب گاؤن پکڑے بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں تھیں۔ زاران اس کی آنکھوں سے نکلتے انسو کچھ پل دیکھتا رہا پھر وہ تیز تیز قدموں سے واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زاران نے واش روم میں داخل ہوتے ہی شرٹ اتارتے ہوئے زمین پر پھینکی تھی۔

واش بیسن کی سلیب پر مکہ مارتے ہوئے اس نے غصے سے سلیب پر پڑے تمام پروڈکٹس ہاتھ سے ایک ہی جست میں زمین پر پھینکے تھے۔۔

چادر تھی تب میرے وجود پر۔۔۔ ابرش کا تڑپ کر رونا وہ بھول نہیں پا رہا تھا۔ زاران نے مرد میں دیکھتے گہرے سانس لیے۔۔

چادر ہونے کا یہ مطلب نہیں تم گلی کے کتوں پر بھی اعتبار کرتے رات کے اندھیرے میں اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔۔ کیا ہوا مل گیے نہ تمھیں راستے میں وہ کتے۔۔ جو گھات لگا کر بیٹھے تھے !!۔۔ زاران نے گہرے سانس لیتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ ایک ہی خواہش تھی جو عورت میری زندگی میں آئے اسے میرے علاوہ کسی نے نظر بھر کر دیکھا نہ

ہو۔۔ لیکن تمھیں گلی کے ہر کتے نے دیکھا ہے ابرش خانزادہ!!۔۔۔ اپنے ہی لفظوں کی بازگشت اس کے اندر آندھیوں کے جکڑ چلائے ہوئے تھی۔۔

اپنی عورت کو لے کر اس کے اندر ایک یہی خواہش تھی۔۔ اسے عورت کی خوبصورتی سے زیادہ اس کی پاگیزگی پسند تھی۔ ابرش کو وہ پہلی نظر میں وہ ریجیکٹ کر چکا تھا۔ اس کی ڈریسنگ اسے اس کی نظروں میں کرا چکی تھی۔ پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔۔ وہ وائٹ جینز کے اوپر بیلو شارٹ شرٹ پہنے ہوئے تھی۔۔

جس میں اس کا سب کچھ نظر آرہا تھا۔۔ اسے ابرش سے اسی لمحے نفرت محسوس ہوئی تھی۔۔ اسے اس کی خوبصورتی سے گھن آئی تھی۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اتنا ہی عیاں ہو رہی تھی۔۔ اس کے کپڑوں میں اس کے

بدن کی ہر رعنائی واضح تھی۔ وہ بے یقین بھی تھا وہ زحلے کی بیٹی ہو کر کیسے اس طرح کی ڈریسنگ کر سکتی تھی۔۔

تو کے تذلیل بھرے لفظ سنتا اس کا غصہ آسمانوں کو چھونے لگا تھا اور وہ تب اپنی نفرت کا برملہ اظہار بھی کر آیا تھا۔ وہ پتہ نہیں کب کیسے اس کے دل کی ملکہ بن چکی تھی۔

جب وہ اسے پہچان چکا تھا۔ جب وہ پہلی ملاقات میں سمع اللہ کے پیروں کی جانب بنا کسی ہچکچاہٹ کے بیٹھی تو وہ تھوڑا حیران ہوا تھا۔۔ اتنی مغرور بد تمیز لڑکی جو سمیع اللہ کی پیٹھ پیچھے انھیں سخت سست الفاظ سنا رہی تھی۔۔ آج ان کی پائینتی کی جانب آرام سے بیٹھی تھی۔ جب اس نے بنا کسی نفرت کے اس کا نام سب کے سامنے آرام سے لیا تو وہ مزید حیران ہوا ابھی تھوڑی دیر پہلے

وہ کمرے کے باہر اس سے لڑ رہی تھی۔۔ اب اس کا نام لے کر سمیع اللہ کو ان کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔

اسے احساس ہوا ابرش پاشا در حقیقت جتنا اٹیٹیوڈ دکھاتی ہے اتنا ہے نہیں اس میں۔۔ جب اس کے احساس دلوانے پر وہ اسے دیکھتے خود کو چھپانے لگتی تھی۔۔ اپنے سینے پر وہ سٹالر ڈالنے لگی۔۔ اسے دیکھتے ہی اس کا سٹالر سکارف اس کی دھڑکنوں پر ہوتا تھا۔۔ وہ اس کیحرکت پر تپنے کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی ہونے لگا تھا۔۔ اس کی ڈریسنگ میں زمین سے آسمان کا فرق آیا تھا۔۔ اور اسیا یکٹ پر وہ ابرش پاشا کا دیوانہ ہو گیا۔۔ اس ابرش پاشا کو وہ ابرش خانزادہ بنانے کے لیے مچل گیا تھا۔۔ مگر وہ اس کی محبت ٹھکرا کر زعیم کے پاس چلی گئی۔۔ جو اس جیسے منتقم مزاج اور حد سے زیادہ پوزیسیو انسان

کے لیے جیسے اس کی غیرت پر وار تھا۔۔ وہ زخمی پرندے کی مانند جیسے پھڑ پھڑا اٹھا تھا۔۔

وہ تو اسی دن اسے اپنی غیرت مان چکا تھا جب دل میں ابرش کے لیے محبت کی کونپل پھوٹی تھی۔ اب تو دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی وہ زاران خانزادہ کی ہو چکی تھی۔ وہ کسی اور سے بھی محبت کرتی وہ اس سے چھین کر اسے اپنا بنا لیتا۔ وہ اپنی چیزوں اپنی رشتوں کے معاملے میں ایک خود غرض بندہ تھا۔ جو اس کا تھا صرف اس کا تھا۔ اس پر تو کسی کی نظر گوارا نہ تھی کجا کہ اسے کوئی چھو بھی لیتا۔ مگر وہ تو اس سے محبت کا اظہار کر کے اس سے دور بھاگنے لگی۔ کیوں وہ سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔ وہ جہاں جاتی وہ اسے اپنے پاس لا پچھتا۔ کیونکہ اسے وہ کبھی کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ وہ اس کی محبت ان باتوں کی بنیاد پر ٹھکراتی رہی جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔۔ ابرش پاشا کے لیے

ہر انسان اعتبار کے لائق تھا۔ سوائے زاران خانزادہ کے۔۔۔ زاران واش روم کے فینسی مرر میں دیکھتا زخمی سا مسکرایا تھا۔

دلہن کے لباس میں وہ بغیر کسی دوپٹے کے زعیم کے سامنے بنا کسی شرم کے کھڑی تھی۔۔ اس ڈریس میں اس کا انگ انگ واضح تھا۔۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اس سے وعدہ لے کر گیا تھا کہ وہ عورتوں کے سامنے بھی نہیں آئے گی۔

اور وہ اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس کا اظہار محبت سن رہی تھی۔۔ اس منظر نے اس کے اندر آگ بھڑکائی تو تھی ہی مگر اس منظر نے زاران خانزادہ کے دل میں سامنے کھڑی لڑکی محبت نہ صرف کم ہوئی تھی بلکہ دل میں پالتی شدید محبت بھی ہرٹ ہوئی تھی۔۔ اس منظر نے اس کا دل بری طرح دکھایا تھا۔۔ جو لڑکی اس سے نکاح کرنے جا رہی تھی وہ اس کی بات کی لاج رکھ لیتی کمرے میں پڑی چادر سے اپنا وجود ہی ڈھانپ لیتی۔۔ وہ تو بھیگی

نگاہوں سے سامنے کھڑے اس ذلیل انسان کا اظہار محبت سن رہی تھی۔۔

وہ مرد ہو کر اس انسان کی نظریں پہچان چکا تھا جو وہ اس کے لئے تھی اور وہ عورت ہو کر اس کی نظریں وجود پر گاڑھے ہوے نے نہ بچان سکی۔۔

خانزادہ خون تھا ایسا بھڑکا کہ وہ بارود کا گولہ بن گیا۔۔ کچھ ہی پلوں میں اس نے زعیم کا نقشہ بگاڑ دیا تھا۔۔ زعیم کے ارادوں سے وہ کب سے واقف ہو چکا تھا۔۔

زعیم کی اس کی حویلی میں اینٹری ایسے ہی نہیں ہوئی تھی وہ اس کی حویلی کے ہر راستے سے بھلا کیسے واقف ہو سکتا تھا۔۔ وہ حویلی کے پچھلے لان کی طرف سے ابرش کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ اس کے پیچھے کوئی تو تھا۔۔ اسے اسی دن گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ اسے پتہ چلا تھا۔ زعیم کے پیچھے بہزاد خان کا ہاتھ تھا۔ بہزاد خان اسے کچھ دن پہلے ہی تو دھمکی دے چکا تھا کہ آہل کو

زرتاج سے دور رکھا جائے ورنہ وہ اس کی عزت پر وار کرے گا۔۔ اس نے اہل کو روکا تھا مگر آہل اس کے روکنے کے باوجود بھی نہیں رکا تھا۔

اس دن زعیم کی سب پلینگ تھی وہ ابرش کو ساتھ لینے آیا تھا۔ وہ تو شائد اس کے ساتھ چلی بھی جاتی اگر وہ نہ آتا۔۔ کیونکہ اس کی محبت اس سے محبت تو کرتی تھی اعتبار نہ کرتی تھی۔ وہ اس دن کیسے زعیم کو زندہ جانے دیتا۔ مگر ابرش ایک بار پھر سے اس دلہن کے ڈریس میں حویلی کے لان میں اس کے گارڈز کے سامنے چلی آئی۔۔ اور اسے دیکھتے زاران کو لگا تھا کہ وہ مر گیا ہے۔۔

کمرے میں آکر ابرش کی بدتمیزی کرنے پر اس کا ہاتھ اٹھتا اٹھتا رہ گیا وہ اس بات کو بنیاد بنا کر اس کے نکاح سے بھاگ گئی۔۔ وہ بھاگی نہیں تھی اس کے دل پر کئی زخم دے کر گئی تھی۔ اس کی غیرت نے کتنی بار کہا کہ اسے

گولیوں سے بھون ڈالے مگر اس کی شدید محبت آڑے آگئی۔۔ وہ اس کے پاس گیا مگر وہ اس کی دی ہوئی انگوٹھی اس کے منہ پر مار چکی تھی۔ اور ایک بار پھر سے زعیم سے نکاح کرنے چلی گئی۔۔ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے پھر سے وہاں سے لے آیا۔ اور اس نے ایک بار پھر سے بھرے مجمعے میں اس کی غیرت پر ایسا وار کیا کہ وہ بلبلانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے ہی بھائی سے محبت کا اظہار کرتے نکاح کا کہہ دیا وہ اپنے ہر ایکٹ سے اس کے اندر اپنی محبت ختم کرتی جا رہی تھی۔۔

اسے بھی ابرش پاشا سے نفرت ہوئی شدید نفرت ہوئی۔۔ مگر اپنی بات پر وہ قائم رہا نفرت کرتا یا محبت مگر یہ طے تھا ابرش پاشا کو ابرش خانزادہ بننا ہی تھا۔۔

اسے اپنے نکاح میں لینے کے بعد وہ ابرش کے لیے اپنا دل نہ صاف کر سکا۔۔

اسفند سے کیے گئے محبت کے اظہار نے اس کے دل میں آگ بھڑکائے رکھی جو کبھی ٹھنڈی ہی نہیں ہوئی۔۔ مگر ابرش کی محبت نے ایک بار پھر سے اس کی طرف بڑھنے پر مجبور کیا۔۔ جب ولیمے کے لباس میں دلہن بنی اس نے اپنی محبت کا اظہار کیا۔۔ وہ اپنے معصوم لفظوں سے پھر اسے پھر سے اس کے لیے وہی ابرش بن چکی تھی جو اس کی تھی۔ مگر وہ اس کے اور اپنے درمیان پلوشہ کو لے آئی جو کبھی تھی ہی نہیں۔۔ اس نے تو کبھی پلوشہ سے کبھی دو گھڑی بات بھی نہیں کی تھی۔۔ اس کا ہوٹل سے بھاگنا بہزاد کے آدمیوں کے پاس اس حالت میں دیکھنا۔۔۔ اسے لگتا تھا وہ ابرش کو اب بے پردہ دیکھے گا تو شائد خود کی ہی جان لے لے۔۔ اور وہ آخری مرتبہ تھا جب ابرش کو اس نے بہزاد کے پاس دیکھا تھا ابرش کے پوسٹر دیکھے۔۔ اس کی

کمر کا تل جس میں اس کی جان بستی تھی۔۔ وہ بہزاد دیکھ چکا تھ نہ صرف دیکھ چکا تھا بلکہ اس کی بیوی کے پوسٹرز تک اس کے بیڈ روم اس کے واش روم تک میں تھے۔۔ اس کی بیوی پھر سے اس پر اعتبار نہ کرنے کے باوجود رات کے اندھیرے میں اس کی حویلی چھوڑ کر چلی گئی۔۔۔ وہ کتنے گھنٹے بہزاد کے پاس رہی۔۔ اور اس دن تو وہ جیسے سچ میں مر گیا تھا۔۔ بہزاد کو کتوں جیسی موت دینے کے باوجود وہ ابرش کو معاف کرنے کا حوصلہ نہیں خود میں پا رہا تھا۔۔ اور وہ اسلام آباد بہزاد کی گاڑی میں بیٹھ گئی یہ بات سب کچھ ختم کر چکی تھی۔ ان سات ماہ میں وہ پل پل جلا تھا تڑپا تھا۔ بہزاد کے کمرے اس کے واش روم میں ابرش کے لگے پوسٹرز نے اسے ان سات مہینوں میں ایک پل کے لیے سونے نہیں دیا۔۔ سینے میں دہکتی آگ ٹھنڈی ہی نہیں ہوتی تھی مگر وہ ابرش کو ایک پل کے نہیں بھول سکا۔۔ یہ جاننے

کے باوجود کہ ابرش کے دل میں صرف وہی ہے۔۔ اس کی بیوی صرف اس کی ہے۔۔ مگر آج بھی وہ پوسٹرز اس کے اندر ایندھن دہرکا دیتے تھے۔۔ وہ ان سات مہینوں میں بھی اس سے غافل نہیں رہا تھا۔۔ جس لڑکی پر کسی کی نظر گوارانہ تھی کیسے اس سے امریکہ جیسے شہر میں رکھ کر غافل ہو سکتا تھا۔۔ جانتا تھا اس کی ابرش نے سنگین غلطیاں کی ہیں مگر گناہ نہیں۔۔۔ وہ اس کی ہی تھی۔۔

وہ صرف اسے سزا دینا چاہتا تھا مگر خود بھی سزا کاٹ رہا رھا۔۔

زاران نے ٹب کھولتے پانی کے چھینٹے چہرے پر مارے۔۔

آج پھر دل کی کھولن بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اپنی جلتی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی ناکام سعی کی۔ مگر ٹھنڈک کی بجائے آنکھوں کی تپش بڑھ رہی تھی۔۔ ہاتھ لیبن کی طرف بڑھتے زاران نے شاور کھولتے اپنے تے سلگتے

دماغ کو راحت پہنچانے کی کوشش کی۔۔ وہ کافی دیر تک گرم پانی سے خود کو پرسکون کرتا رہا تھا۔

ابرش نے دھاڑ سے واش روم کا دروازہ کھولتے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہاتھ روب گاؤن زاران کے چہرے پر دے مارا تھا جو مرر کے آگے کھڑا بلیک ٹراوزر پہنے شرٹ لیس اپنے گیلے بال ٹاول سے خشک کر رہا تھا۔

زاران نے لب بھینچتے اسے دیکھا جو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اسے شرربار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

کیا سمجھتے ہیں آپ خود کو مسٹر خانزادہ؟؟ میں آج سے سات ماہ پہلے والی ابرش خانزادہ ہوں۔ جو آپ کے عشق میں پاگل تھی۔۔ آپ کے چھوڑ کر

جانے پر جو مر گئی تھی۔۔ آپ کے سامنے جو کھڑی ہے وہ ابرش پاشا ہے۔ جس کے دل میں اب مسٹر خانزادہ کی پرچھائی بھی نہیں۔۔ جو تھوڑی محبت بچی تھی وہ آج آپ کی باتوں سے ختم ہو چکی ہے۔۔ ابرش واش روم کے دروازے کے ساتھ لگے زاران کو سرد نگاہوں سے دیکھتے بولی۔ اس کے گاڑی میں بولے تذلیل بھرے لفظوں نے اسے بلبلانے پر مجبور کر دیا تھا۔۔

تم پہلے بھی مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی۔ اگر عشق تمھارے جیسا ہوتا ہے تو مجھے عشق سے نفرت ہے۔ زاران مرر میں دیکھتے اپنے بال ٹاول سے خشک کرتے سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔۔

زاران کی بات پر ابرش واش روم کے دروازے میں سمائے گہرے سانس لیتے کرب سے انکھیں بیچ گئی۔ نازک وجود کا ارتعاش بڑھا تھا۔ زاران ٹاول

ٹاول ریک میں رکھتے اس کی طرف بڑھا جواب گہرے سانس لیتے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

کیا ہے تمھارے نزدیک عشق کی ڈیفینشن ؟؟۔۔۔ مسٹر خانزادہ۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اس پر گہری نگاہ ڈالتے اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ جما گیا تھا۔

پتہ نہیں۔۔۔ عشق کیا ہے ؟؟ عشق کیا وہ ہے ؟؟ جو زاران خانزادہ نے کبھی ابرش پاشا سے کیا تھا؟؟ عشق کیا وہ ہے ؟؟ جب زاران خانزادہ ابرش پاشا کی کنپٹی پر بندوق رکھ کر اسے زبردستی اپنے ساتھ لایا تھا۔۔ کیا عشق وہ ہے ؟؟ جب تمھیں اپنی ونی میں اس لیے لیا کیونکہ تمھیں کوئی اور اپنے نکاح میں نہ

لے سکے۔۔ کوئی تمھیں اپنے بدلے کے لیے استعمال نہ کر سکے۔۔ کیا عشق یہ ہے ؟؟ جب تمھیں کسی کے ساتھ دیکھتا ہوں تو مر جاتا ہوں

کیا عشق یہ ہے ؟؟ جب تمھیں کوئی نظر بھر کر دیکھتا ہے تو سینے میں آگ دہکنا شروع کر دیتی ہے۔۔ کیا عشق یہ ہے ؟؟ جب تمھیں بے پردہ دیکھتا ہوں تو اپنے حواس کھو دیتا ہوں۔

کیا عشق یہ ہے ؟؟ کہ تمھارے کمر کا تل کسی اور مرد نے بھی دیکھا یہ ایک بات مجھے تمھاری طرف بڑھنے نہیں دیتی۔۔

ابرش زاران کی آخری بات پر زخمی سا استہزائیہ ہنسی تھی۔۔ وہ اس کے اس جرم کو کبھی بھولنے والا نہ تھا۔ اور بات عشق کی کرتا تھا۔

تمھارے نزدیک بھی یہ عشق نہیں ہے ناں۔۔ زاران نے اس کے زخمی ساہننے پر اس کی گہری جھیل سی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا۔۔

نہیں۔۔۔ یہ عشق نہیں ہے یہ ایک اجڑ گنوار سفاک خانزاہ مرد کی جھوٹی مردانہ انا ہے۔ جسے وہ اپنی محبت کا نام دیتا ہے۔۔ مسٹر خانزادہ نے کبھی مجھ سے عشق کیا ہی نہیں۔۔ میں صرف مسٹر خانزادہ کی ضد ہوں۔۔ وہ مجھے کنیٹی پر بندوق رکھ کر اس لیے لایا کیونکہ مسٹر خانزادہ کی جھوٹی غیرت کو گوارانہ تھا وہ اپنی منگیتر کو کسی اور کے پاس دیکھ سکے۔۔ ونی میں اس لیے نہیں جانے دیا۔۔ اپنے بھائی کو وہ خود سے جیتنے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تم مجھے کسی کے ساتھ دیکھ کر مرتے نہیں ہو۔ بلکہ اپنے سفاک لفظوں سے مجھے مارتے ہو۔۔ جب تم مجھے بے پردہ دیکھتے ہو تم اپنے حواص کھوتے نہیں ہو بلکہ میری تذلیل کرتے میری روح زخمی کرتے ہو بتاؤ مجھے مسٹر خانزادہ

تمھارے نزدیک عشق یہ ہوتا ہے جو کسی کو خود سے نفرت کرنے پر مجبور کر دے۔۔

تمھارے لفظوں نے ہمیشہ مجھے خود سے نفرت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ابرش نے زاران کی طرف بھیگ نگاہوں سے دیکھتے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

مانتی ہو پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے سے عشق نہیں کیا۔۔

زاران نے ابرش کے نقوش کو دیوانگی سے دیکھتے ہوئے زخمی لہجے میں کہا۔

ہاں ہم دونوں نے عشق نہیں کیا۔۔۔ کبھی نہیں کیا۔۔ بلکہ ہم نے تو محبت بھی نہیں کی۔۔ ابرش روتے ہوئے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔۔ زاران اس کے رونے پر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔

چلو ہم اس نفرت بھری محبت کو آج رات ختم کرتے ہیں۔۔

کیا مطلب؟؟زاران نے ابرش کی بات پر اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔

چھوڑ دو مجھے۔۔۔ابرش نے اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

یہ سزا خود کو سنا رہی ہو یا مجھے۔۔۔زاران نے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کے نقوش پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑی تھیں۔

جب تک تمھارے نکاح میں رہوں گی تم روز مرتے رہو گے۔۔

اس لیے ختم کرو ابرش پاشا پر اپنا ہر حق۔۔تاکہ ابرش پاشا کو بھی سکون آئے۔۔وہ بھی روز جیتی مرتی ہے تمھیں کسی کے ساتھ سوچ کر۔۔۔ابرش کرب سے مسکرائی تھی۔۔

تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔۔ چھوڑ کر جانا تمھیں آتا ہے۔۔ زاران نے ابرش سے دور ہوتے تلخی سے کہا۔۔

چھوڑا تم نے تھا اس رات؟ بلکہ جب مجھے تمھاری ضرورت ہوتی ہے تم مجھے چھوڑ دیتے ہو۔۔ پھر چاہے کمرے میں رات رات بھر تمھارا انتظار کرنا ہو یا پھر ان سات ماہ کے ہر پل تمھارے ایک فون کال کا انتظار کرنا۔ ابرش کے لہجے میں شبنم بڑھی تھی۔۔۔

میں نے چھوڑا تمھیں اس رات؟؟۔۔۔ زاران نے اس کے قریب ہوتے سوالیہ غراتے ہوئے پوچھا۔۔

مجھے تو لگا تھا تم اجڑ گنوار سفاک انسان ہو مگر آج پتہ چلا تمھارے اندر ایک اور خوبی بھی ہے تمھاری یاداشت بھی تمھاری طرح کھوکھلی اور کمزور ہے۔۔ ابرش استہزائیہ بولی۔۔

اپنی حد میں رہو۔ زاران نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے وارن کیا۔۔

اپنی حد میں ہوں ورنہ تمھارے جرم اتنے بڑے ہیں کہ

تمھیں قتل بھی کر دوں تو کم ہے مسٹر خانزادہ۔ ابرش دوبدو تڑختے ہوے

بولی۔۔

اس رات تم مجھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔۔ زاران یکدم بدحواص ہوتا چینچا

تھا۔۔

لیکن حقیقت پتہ چلنے پر تمھارے پاس واپس آ رہی تھی۔ ابرش بھی جوابا

دروازے میں سمائے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے حلق کے بل چیچنی

تھی۔

سات ماہ کا غبار تھا تڑپ تھی جو اسے پاگل کیسے ہوے تھی۔جی کر رہا تھا

سامنے کھڑے انسان سے اپنی ہرارات کے سسکنے کا حساب لے لے۔۔اس

کا برہنہ سینہ اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالے۔۔اپنے دانت گاڑھ دے۔۔

سامنے کھڑے انسان کو قتل کر دے۔۔

یہی تو میرا سوال ہے تم سے ابرش۔۔۔مجھے چھوڑنے کا خیال کیوں آیا

تمھارے دل میں؟؟۔مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کیا؟؟۔۔کیوں میری حویلی

سے بھاگی؟؟۔کیا تمھارے نزدیک چھوٹی بات ہے اپنے شوہر کے گھر کی

دہلیز کو راتوں رات عبور کرنا۔۔وہ بھی ایک غیر مرد کے بہکاوے میں آکر

۔۔کیوں کیا تم نے اس زعیم کو کال؟؟۔۔۔۔مت کرتی اعتبار مجھ پر مگر

اس کتے کو تو کال نہ کرتی تم۔۔وہ گہرے سانس لینا بھوکے درندے کی مانند

جیسے غرایا تھا۔۔

بتاؤ تمھارے نزدیک یہ چھوٹے جرم ہیں۔۔ زاران نے سرد لہجے میں استفسار کیا۔ ابرش دروازے میں سمائے سک پڑی تھی۔ کس کے جرم بڑے تھے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

تم نے بھی تو ہمارے بچے کے معاملے میں مجھ پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ کس طرح مجھ پر الزام لگایا تھا۔ اپنے اور میرے بیچ تم بھی تو کسی تیسرے کو لائے تھے۔۔ ابرش کی آنکھوں سے انسوؤں کا جھرنا بہہ تھا۔۔

پلوشہ کو میں نہیں تم لائی ہمیشہ۔۔ میں نے تو کبھی اس سے بات بھی نہیں کی۔ اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔۔ اپنی مورے سے تم نے اس سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ اور کس طرح لاتے ہیں کسی تیسرے کو بیچ۔۔ جب تمھیں پتہ ہے کہ مجھے وہ نہیں پسند تو ابھی تک کیوں ہے وہ تمھاری حویلی ہیں ابرش زاران کی بات کاٹتے چینی تھی۔۔ یہی ایک بات تو اسے سب سے

زیادہ زخمی کرتی تھی وہ کیوں تھی اس کی حویلی میں اب تک۔۔۔ کیا مقابل نہیں جانتا تھا وہ اسے لے کر کتنی پوزیسیو ہے۔۔ اس کے قریب کسی دوسری عورت کی پرچھائی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ تمھیں تو کوئی بھی عورت نہیں پسند۔۔ جو الزام تم مجھ پر اور پلوشہ پر لگا چکی ہو۔۔ وہ تم مجھ پر اور ستارہ خان پر بھی لگا چکی ہو۔۔۔ اب تمھاری پوزیسیونیس کی وجہ سے میں دنیا کی ہر عورت کو دیکھ کر آنکھیں نہیں بند کر سکتا۔۔ زاران اس کے چیخنے پر غصے سے بولا۔۔

جب مجھ سے ایکسپیکٹ کرتے ہو کہ میں دنیا کے ہر مرد کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لوں تو تم کیوں نہیں کر سکتے ہو۔۔ ابرش نے چٹختے ہوئے کہا۔

کرتی ہو تم آنکھیں بند؟؟۔۔۔ ابھی اس امریکن لڑکے کو دیکھ کر تم نے آنکھیں بند کی تھیں۔ اپنا سکارف کیوں اتارا تھا بتاؤ مجھے۔ زاران شعلہ بار

لہجے میں سوال کیا۔ تمھیں سزا دی تھی۔۔ اور اگے بھی دیتی رہوں گی۔۔

ساری دنیا کے سامنے تم نے خود کو سنگل کہا ہے۔۔ اب میں بھی تمھیں آزاد رہ کر دکھاؤں گی۔۔ اس نیویارک کی سڑکوں پر ویسے ہی رہوں گی۔۔ جیسے تمھارے آنے سے پہلے رہتی تھی۔۔ جیسے آج سے پہلے ابرش پاشا تھی۔۔ تم سے نکاح سے پہلے ابرش پاشا نے کسی مرد کو منہ نہیں لگایا تھا۔۔ میری زندگی میں تم تھے آنے والے پہلے مرد۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔

اب کیا کرو گی تم؟؟ زاران نے اس کے گرد ہاتھ جماتے اس پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے تپتے لہجے میں پوچھا۔۔

ستارہ خان کی وجہ سے تم نے خود کو سنگل کہا ناں۔۔ اس کا اپر لپ مول تمھیں پسند ہے۔۔ کمزوری ہے ناں تمھاری۔۔

عورت کے اپر لپ پر مول۔۔۔۔کیسے تعلقات ہیں تمھارے ساتھ اس کے۔۔۔کتنی بار کس کر چکے ہو اسے تم؟؟ بتاؤ مجھے۔۔۔اس کے ساتھ شادی کرنے کا آرادہ ہے ناں تمھارا۔ ابرش نے زاران کے سینے پر اپنے ہاتھ جماتے پیتے ہوے تپتے لہجے میں پوچھا۔۔

وہ کب سے اتنا کیوں تڑپ رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ ستارہ خان کے اپر لپ مول سے خار کھائے بیٹھی تھی۔ مگر وہ اس پر اتنا گھٹیا الزام لگائے گی۔ اس سے یہ ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔

سچ میں مینٹلی سک دومین ہو۔۔ زاران نے دانت پیسے تھے۔۔

تم نے اور میرے باپ نے بنایا مجھے مینٹلی سک وومین۔۔۔ بھی تم نے میری انسکیورٹی دور کی۔۔۔ مجھ سے پیار سے بات کی۔ کمرے میں اس وقت آتے تھے جب تمھیں میری ضرورت ہوتی تھی۔۔ مگر بستر پر میرے

نخرے بھی اٹھاتے تھے اور محبت کا اظہار بھی کرتے تھے۔۔۔یاد ہے ناں مسٹر خانزادہ۔تب تم اپنی عزیز جان مورے کو بھی بھول جاتے تھے۔۔ تمھیں کمرے میں روکنے کے لیے مجھے وہ چھوٹی چھوٹی چیپ نائٹیز پہنی پڑتی تھی۔ پھر تو تم نہیں جاتے تھے بھاگے بھاگے اپنی مورے کے قدموں میں بیٹھنے کو۔۔۔ تم مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔۔ عورت سے صرف ایک ہی چیز چاہیے ہوتی پھر وہ چاہے وہ گھر کی عورت ہو یا باہر کی عورت۔۔۔ ابرش نے غصے سے سلگتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو مرد کو عورت سے ایک ہی چیز چاہیے ہوتی ہے۔۔۔ اسی لیے تو آج تمھیں یہاں لایا ہوں۔۔ زاران اس پر جھکے غرایا تھا۔۔ تمھاری بھول ہے میں تمھیں اپنے قریب آنے دوں گی۔۔

ابرش کے لفظ منہ میں تھے وہ اس کے بالوں کو گدی سے جکڑتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے ذرا سا اوپر اٹھائے سانسوں پر قابض ہوتے اس کے لبوں پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔۔

ابرش نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سکس پیک چٹانی سینے پر اپنے ناخن گاڑھے تھے۔۔ زاران اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف جکڑے دیوار سے دروازے سے بین کرتے دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کو بے دردی سے جکڑے مزید اوپر کو اٹھایا تھا۔۔ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے وہ اس کی سانسیں مزید جکڑ گیا تھا۔۔

ابرش اب اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔ وہ اس کے لبوں پر زخم دے کر پیچھے ہوا تھا۔ مگر ابرش کی کمر اور اس کے ہاتھوں کو آزاد نہیں کیا تھا۔۔

ابرش نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھا جو گہرے سانس لیتا اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

مرد کو عورت سے صرف یہ کس نہیں کچھ اور بھی چاہیے ہوتا ہے

بیوی۔۔۔۔۔ابھی تو اتنی سی کس پر تمھارا یہ حال ہو گیا ہے۔۔ آج پوری رات تمھارا کیا ہو گا۔کیسے برداشت کرو گی مجھے زاران نے اس کے ہاتھ آزاد کرتے اس کی ایک ٹانگ کو اپنی کمر کے گرد لپیٹتے اس کی شرٹ کو کندھوں سے نیچے کھسکائی تھی۔

تمھاری بھول ہے آج رات تم مجھ سے اپنی حوس پوری کر سکو گے۔۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے چیختے ہوئے کہا۔۔

اتنی ہی باتیں کرو بیوی جس پر قائم رہ سکو۔۔ یہ نہ ہو میرے حوس پورے کرتے کرتے تم بھی مجھ سے اپنی حوس پوری کر لو۔۔۔۔۔رات رات بھر

تم میرے قریب ایسے نہیں رہتی تھی۔۔ تمھیں بھی میری طلب ہوتی تھی

۔۔اپنی حرکتوں اور نشیلی آن آنکھوں سے بہت بار مجھے سمجھا چکی ہو تم

تمھیں کب کیا چاہیے ہوتا ہے۔۔زاران کی بات پر ابرش کا رنگ تانبے کی

مانند سرخ ہوا تھا۔۔۔وہ سچ میں منتقم مزاج بندہ تھا۔لفظ منہ پر کیسے مارتے

ہیں اسے اچھی طرح پتہ تھا۔۔ابرش اس کے لفظوں پر توہین و خجالت سے

بھر بھڑ جلی تھی۔۔۔آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔۔زاران اس کی

حالت دیکھتے گہرا مسکرایا تھا

مجھے تمھاری کبھی طلب نہیں ہوئی۔۔اور نہ کبھی ہو گی۔مگر یہ تمھاری بھول

ہے کہ تم آج رات میرے قریب اوگے۔۔ابرش نے زاران کو ایک نظر

دیکھتے اس کے چوڑے سینے پر اپنے ہاتھ جمائے اسے پیچھے دھکیلا

تھا۔۔۔ویسے مجھے کیوں لگ رہا ہے تم مجھے اپنی باتوں سے اکسا رہی ہو۔۔

کہیں میرے سکس پیک باڈی دیکھ کر تمھاری مجھ پر نظر تو خراب نہیں ہو گی۔ زاران نے لب دانتوں تلے دبائے ابرش کی شرٹ اب اس کے بدن سے ریموو کرتے اسے مزید اگ لگائی تھی۔ اس کی حالت دیکھتے اس کے تپتے دل کو کچھ سکون ملا تھا۔

ہاؤ چیپ مسٹر خانزادہ تم کیسے اپنی بیوی کے لیے یہ لفظ بول سکتے ہو۔۔ اور مجھے تمھارا یہ بنا بالوں والا سینہ بلکل پسند نہیں ایا۔۔ اور یہ میرے لیے نہیں بلکہ اس ستارہ خان کے لیے تم نے کیا ہے۔ مجھے تو یہاں سڑک سے گزرتے دیکھا تھا۔۔ اس لڑکے سے بات کرتے دیکھ کر تمھاری پٹھان غیرت نے جوش مارا اور اب تمھاری حوس تم سے یہ سب کروا رہی ابرش گہرے سانس لیتے چیچنی تھی۔ ایک بیوی اپنے شوہر کو حوس پرست کہہ سکتی ہے تو ایک وس شوہر کیوں نہیں۔۔۔ اور تمھیں میری باڈی پسند نہیں آئی مگر مجھے تم بنا

شرٹ کے بہت پسند آئی ہو۔۔ میرے اندر کی حوس جاگ چکی ہے بیوی۔۔

زاران نے ابرش کی سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے اسے آنکھ ماری۔ ابرش نے بے بسی سے اس کے چوڑے سینے پر اپنے ناخن گاڑھے۔۔ زاران کی مسکراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔

آئی لاتک بلیک کلر۔۔۔ تمھیں میرے ٹیسٹ اور میری پسند کا ہمیشہ خیال رہتا ہے میری فرمانبردار بیوی۔۔۔۔ اب دیکھو پٹھان غیرت نے بھی جوش مارا اور پٹھانی خون نے بھی جوش مارا۔۔ حوس تو سچ میں جاگ گئی۔۔۔۔ اب تو ہر حال میں پوری کرنی ہی ہے تم سے اپنی ضرورت۔۔۔۔

زاران نے اس پر گہری نگاہ ڈالتے استہزائیہ انداز میں لفظ چہائے تھے۔

ابرش کے لفظ اس کے اندر ایندھن دہکائے ہوئے تھے۔ وہ نیویارک کی سڑکوں پر ابرش پاشا بن کر رہنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں اب پہلا مرد نہیں رہے گا۔ بہت مشکل سے اس نے یہ لفظ کہے تھے۔

میں اتنی آرزاں نہیں ہوں مسٹر خانزادہ۔ آج رات آپ کے بیڈ کی زینت بنوں۔ حویلی کے کمرے زبردستی کر چکے ہو کیونکہ وہاں میں وہ کمزور ابرش تھی جسے تم نے اپنی حویلی میں قید کیا تھا۔ اور وہ ابرش تم سے محبت بھی کر بیٹھی تھی۔۔ اب نہ میں تمھاری قید میں ہوں اور نہ تمھاری محبت میں دیوانی۔۔ تم مجھے اب بھی نہیں پاسکتے۔۔ بھی نہی۔۔۔ ابرش نے اسے خود سے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔

Lets seee

مسز ابرش خانزادہ تم اپنی بات پر کب تک قائم رہتی ہو.. وہ اسے بازو سے جکڑے سلیب کے اوپر جھکاتے اس پر جھک گیا تھا۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اسے خود سے دور جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اس پر مزید اپنا وزن ڈال گیا تھا۔۔

ابرش نے تڑپتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ اس کی بے بسی پر گہرا مسکرایا تھا۔۔ زاران ابرش کی دھڑکنوں کو چھوتے اس کی گہرائیوں میں اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھائی تو ابرش کی سانسیں گہری ہوئی تھی۔ وہ بن آب مچھلی کی طرح تڑپی تھی۔۔ یہ تو ڈیموہے بیوی۔۔۔ زاران مسکراتے ہوئے اس پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دیا گیا تھا۔۔

زاران اسے گود میں اٹھائے واش روم سے باہر آیا تو ابرش گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں موندے ہوئے تھی۔۔ اندر وہ کافی مزاحمت کر چکی تھی۔ وہ اتنا ہی اسے تھکا چکا تھا۔۔ زاران اس کے آنکھیں بیچنے پر مہم سا مسکرایا تھا۔ اسے بیڈ پر لٹائے اس پر مکمل طور پر قابض ہوا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ تمھارا مجھ پر کوئی حق نہیں۔۔۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔

وہ اس پر اپنا مکمل وزن ڈال گیا تھا۔ وہ اب اس کے نیچے سانس بھی بمشکل لے پا رہی تھی۔

حق تو میرا ہے ازل سے تم پر اور رہے گا۔۔ چاہے تم امریکہ میں رہو یا پھر پاکستان میں۔ میں اپنی چیزوں پر ہمیشہ اپنا حق بھی نہیں چھوڑتا۔۔ زاران

نے گہری نگاہوں سے اس کے اس کے نشیب فراز کا معائنہ کرتے وہاں اپنے دانت گاڑھے تھے۔۔

اگر تم نے مجھ سے زبردستی کی۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں میں تم سے وعدہ کرتی ہوں میں تم سے اپنا ہر تعلق ختم کر دوں گی۔۔ ابرش اسے خود سے دور دھکیلتے چیخی تھی۔۔

میں بھی وعدہ کرتا ہوں تم سے۔۔ تم آج سے دو دن بعد پاکستان میں ہو گی۔۔ میری حویلی میں میرے کمرے میں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے پاس قید۔۔۔ آج کے بعد تم نیویارک کی سڑکوں پر ابرش پاشا بن کر نکلنا تو دور کی بات۔۔ تم اس ہوٹل کے کمرے سے بھی باہر نہیں نکل سکو گی۔۔ ڈائریکٹ فلائٹ یہاں سے پاکستان کی۔۔ زاران اس کے سٹریپ میں انگلیاں ڈالے ایک جھٹکے سے ریموو کر گیا تھا۔۔

زاران۔۔۔ ابرش نے اس کے سینے پر اپنے ناخن گاڑھے تھے۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اپنی شرٹ بیڈ سے اٹھاتے اس کے دونوں کلائیوں کو اوپر کی جانب کرتے انھیں باندھ چکا تھا۔۔

زاران۔ ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔۔ ان سات ماہ میں تمھارے لیے میں پہلے سے زیادہ جنونی ہو چکا ہوں۔ یہ تمھیں آج رات میری شدتوں سے اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہ تم کبھی میرے علاوہ کسی غیر مرد کا نام بھی لبوں سے نہیں نکالو گی۔ زاران اس کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے اس کے چہرے کے نقوش پر گہری نگاہیں گاڑھتے بولا۔

مانتے ہو تم میں صرف تمھاری جھوٹی غیرت ہوں۔۔ تم نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی۔۔ تمھیں تمھاری ضرورت کھینچ لائی مجھ تک۔۔۔ اب تم مجھ پر اپنی مردانگی ایسے ثابت کرو گے۔ مجھے بے بسی کا احساس دلا کر۔۔ مجھے سزا

دو گے۔ ابرش نے سسکی لی تھی۔۔ تم جو بھی سمجھو۔۔۔ تم کبھی نہیں سمجھ سکتی۔۔۔ نہ میں تمھیں کبھی سمجھاؤں گا۔ اگر تمھیں لگتا ہے تم میری ضرورت ہو تو ہاں تم ہو۔۔ اگر تمھیں لگتا ہے تم میری حوس ہو تو ہاں تم ہو۔ اگر تمھیں لگتا ہے میں تم سے محبت نہیں کرتا ہاں نہیں کرتا۔ وہ اس کے لبوں پر جھکتے اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔۔ اس کی سانسوں کو انہیل کرتے پیچھے ہوئے تھا۔۔ ابرش نے بمشکل ہی اپنی سانسیں درست کی تھیں۔

مگر تمھیں بھی چھوڑوں گا یہ تمھاری بھول ہے۔ تم پر اپنا حق ختم کروں گا یہ تمھاری بھول ہے۔۔ تمھیں تب کہیں جانے نہیں دیا جب تم میرے نکاح میں نہیں تھی۔۔۔ لے کر آیا نہ تمھیں اپنے پاس۔۔ اب بھی تمھارا مقدر زاران خانزادہ کی بانہیں ہیں۔۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اس کے اور اپنے درمیاں تمام پردے ہٹا گیا تھا۔۔ ابرش اپنی حالت دیکھتے سرخ ہوئی تھی۔

میں تمھیں اس کے لیے بھی معاف نہیں کروں گی۔ ابرش نے زاران کی سرخ نشیلی آنکھوں میں دیکھتے وارن کیا۔۔ اگر آج میں تمھارے قریب نہ آیا تو تم مجھے اس کے لیے بھی معاف نہیں کرو گی۔ تمھیں لگے گا تمھارے اتنے قریب آکر میں تم سے دور کیسے ہو گیا۔ یقینا میری ضرورت پورا کرنے کا اور بھی کوئی ذریعہ ہے۔۔ وہ کہتے ہوئے اس میں مکمل طور پر سما گیا تھا۔۔ اس کی دیوانگی بھری شدت پر ابرش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ وہ اپنی شدتیں جنونی انداز میں اس پر ڈھا رہا تھا۔ ابرش اپنی آنکھیں بند کر چکی تھی۔۔ اسے اس ٹائم اپنا آپ صرف زاران کا کھلونا لگ رہا تھا۔۔

وہ اس کے لبوں سے نکلنے والی چیخیں سسکیاں اپنے لبوں سے گھوٹ رہا تھا۔۔ اپنی جنونی شدت پر وہ اسے لبوں سے آہ بھی نہیں نکالنے دے رہا تھا۔۔

وہ اس کی شدتوں سے سکون کا سانس لیتی تو وہ اپنی شدتیں بڑھاتا اس کی دھڑکنوں پر جھکتے اسے سسکنے پر مجبور کر دیتا۔۔ کمرا بھی جیسے زاران کی شدتوں سے لرز رہا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے اوپر جھکے زاران کو دیکھا۔ اس نے ابھی تک اس کی کلائیاں آزاد نہیں کی تھی۔ وہ شدت سے اس لبوں کو انہیں کیے ہوئے رتھا۔ ابرش ایک بار پھر گہرے سانس لیتے آنکھیں موند گئی تھی۔ زاران کے لبوں کی تپش کا احساس اپنے نقوش پر محسوس کرتے ابرش نے اپنی بھیگی گلابی متورم انکھیں کھولی تھیں۔۔

وہ دیوانوں کی طرح اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔۔ اس کی انکھوں سے نکلتے آنسو وہ اپنے لبوں سے چن رہا تھا۔۔ ابرش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ وہ اس کے نقوش پر اتنی دیوانگی کیوں دکھا رہا تھا آخر؟؟۔۔ جب وہ اس وقت اپنی ضرورت پوری کر

رہا تھا۔ ابرش کی سانسیں پھر سے گہری ہوئی تھیں۔ اس کی شدتوں میں نرمی آئی تھی مگر اس کے پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ میں آضافہ ہوا تھا۔ اب اس کے لبوں کی تپش سے اس کی سانسیں گہری ہو رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ اپنے لب وہ کہیں اور رکھنا بھول گیا تھا۔ دیوانوں کی طرح اس کے نقوش چوم رہا تھا۔ ابرش اپنی آنکھیں بیچ گئی تھی۔۔۔ ابرش کی کانپتی انگلیاں اس کے گھنے بالوں کو چھو گئی تھی۔۔ وہ یہ محسوس کرتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔ ابرش کو لگا تھا جیسے پتا انگارہ اس کے لبوں پر رکھ دیا ہو۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی سانسوں کو جکڑے اس کی سانسیں اکھیڑ گیا۔۔ وہ سچ میں آج اسے سہن نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔ عجب سی دیوانگی تھی اس کے ہر لمس میں۔۔۔

یکدم وہ پر سکون ہوتا اس پر اپنا تمام وزن ڈالتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں موندیں۔۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور کرنا چاہا۔۔ وہ مزید اس کے ساتھ لپیٹا تھا۔ ابرش بے بی سے آنکھیں بیچ گئی.

کچھ دیر بعد ابرش کو اپنی گردن پر نمی کا احساس ہوا تھا۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔ ابرش چونکی تھی۔ زاران۔۔۔ ابرش نے حیرانگی سے اسے پکارتے زاران کو خود سے دور کیا۔ وہ اس سے دور ہوتا بنا اس کی طرف دیکھے اپنے کپڑے اٹھائے واش روم میں داخل ہو چکا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے رخ پلٹے بیڈ شیٹ کو مٹھیوں میں دبوچے سسک پڑی تھی۔۔ اس بے رحم کی شدتوں سے انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔

اسفندیار خان عابیر کی کلائی جکڑے اندر داخل ہوا تھا۔ زنان خانے میں اس وقت روزینہ خانم امینہ خانم اربد خان اور درید خان بھی موجود تھے۔ اسفند یار خان کو دیکھ کر وہ سب صوفوں سے اٹھے تھے۔۔

اسفند جو غصے اور اشتعال سے عابیر کی کلائی جکڑے اندر داخل ہوا تھا۔ سب کو دیکھ کر رکا تھا مگر عابیر کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اور بھی سختی سے جکڑ گیا تھا۔ عابیر سب کو دیکھتے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔ شال سر سے پھسلتی اب ایک شانے پر لہرا رہی تھی۔۔ سلکی سنہری بال کمر پر لہرا رہے تھے۔ عابیر کے حلیے پر اسفند نے اس پر سرد سرخ نگاہ ڈالی۔۔ آج سے پہلے کبھی بھی اس کے بال یوں سب کے سامنے کھلے نہیں دیکھے تھے۔ وہ اپنے بال کیوں کھلے رکھتی تھی یہ سوچ کر ہی اسفندیار خان کا خون رگوں میں پھر سے بھڑکا

تھا۔عابیر نے اسفندیار خان کی سرد سرخ نگاہ پر اپنی شال ایک ہاتھ سے سر پر ڈالتے اپنے سینے سے جکڑ گئی۔

اسفند تم یہاں۔۔۔۔روزینہ خانم نے کہتے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

باقی سب بھی بے یقینی سے اسفندیار خان کو دیکھ رہے تھے۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔اسفندیار خان نے عابیر کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتے بھاری آواز میں سب کو سلام کیا۔

اسلام و علیکم بابا۔۔۔۔سب کی خاموشی پر اسفندیار خان نے اربد خان کو مخاطب کرتے سلام کیا۔

اربد خان اسفندیار خان کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے رخ موڑ گئے تھے

۔۔اسفندیار خان کا چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔۔اربد خان نے ان سات ماہ میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔

روزینہ خانم بے تابی سے اسفندیار خان کی طرف بڑھی۔۔مورے میں ملتا ہوں آپ سے۔۔۔۔اسفندیار خان نے انھیں اپنے حصار میں لیتے ان کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھے تھے دوسرے لمحے وہ عابیر کی کلائی کو بے رحمی سے جکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔عابیر اس کی بے رحم گرفت میں کھنچتی ہوئی اس کے ساتھ گئی تھی۔شال سر سے پھسلتی کندھوں پر آئی تھی۔اسفندیار خان تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔۔اسفندیار خان کے بھاری قدموں کا ساتھ دینے کے لیے عابیر کو بھاگتے ہوئے

سیڑھیاں چڑھنا پڑ رہا تھا۔ جہاں وہ رکتی وہ اتنی بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتا وہ گرتے گرتے بچتی۔۔۔

درید خان یہ دیکھتے اسفندیار کی طرف بڑھے تو امینہ خانم نے ان کی کلائی جکڑی تھی۔۔

خان۔۔۔۔ اسفند شوہر ہے عابیر کا۔۔ آپ کا کوئی حق نہیں بنتا میاں بیوی کا معاملہ میں بولنے کا۔ امینہ حانم نے ان کی کلائی جکڑے کہا۔

شوہر ہے اس کا۔۔ سات مہینہ پہلے اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور اب کیسے ہمارا سامنے ہمارا بیٹی کو لے کر گیا ہے۔ درید خان غصے سے گرجے تھے۔

خان۔۔۔جب وہ چھوڑ کر گیا تھا تو آپ سب نے اپنا بیٹی کا اسفند سے جان کیوں نہیں چھڑوایا۔۔یہ حقیقت ہے اسفند کا عابیر پر حق ہے۔۔اس لیے آپ اسفندیار خان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔امینہ خانم نے رسانیت سے کہا۔

جس طرح وہ اس کو لے کر گیا ہے۔تم کو لگتا ہے وہ اس کا ساتھ اچھا سلوک کرے گا۔ایسا لگتا ہے جیسا وہ عابیر کو پھر سے کوئی سزا دینے آیا ہے۔اوپر جا کر ہمارا بیٹی پر ہاتھ اٹھائے گا۔اور ہم یہاں بے غیرتوں کی طرح اپنا بیٹی کا پٹنے کا انتظار کرے۔۔۔دریدخان نے لب بھینچتے اربدخان کو گھور کر دیکھا تھا۔۔دریدخان شرمندگی سے نظریں جھکا گئے تھے۔۔

خان وہ سزا دے یا پھر عابیر کو کچھ بھی کہے ہم کو اتنا معلوم ہے ا۔سفند عابیر کا شوہر ہے۔اس پر حق رکھتا ہے عابیر کو وہی کرنا چاہیے جو اس کا شوہر بولے۔۔چاہے کوئی بھی سزا دے۔۔اس کو وہ سزا سہنا چاہیے۔

امینہ تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے عورت ہو کر ایسا بات کر رہا ہے ماں ہے تم عابیر کا۔۔ کس بات کا آخر وہ سزا سہے۔ درید خان ناگواریت سے بولے۔

عورت ہے تو یہ سب کہہ رہا ہے۔۔ ماں ہے تو یہ سب کہہ رہا ہے۔ شوہر کا بنا رہنے کا سزا کیا ہوتا ہے وہ درد آپ مرد لوگ نہیں سمجھ سکتا۔ شوہر کا بنا عورت سیدھا بھی چلے تو لوگ بولتا ہے وہ الٹا چل رہا ہے۔۔ عورت کا کپڑوں میں پڑا سلوٹ تک لوگوں کو نظر آجاتا ہے۔۔ اس سلوٹ کا لوگ کیا کیا معنی نکالتا ہے۔۔ یہ سوچ کر ہی تمھارا ہم جیسا لوگ ذلت سے مر جائے۔۔ درید خان ناگواریت سے لب بھینچ گئے تھے۔۔ اربد خان نے روزینہ خانم کو گھورا تھا۔ جو حق دق پریشان سی کھڑی سیڑھیوں کو گھور رہی تھی جہاں اسفندیار خان گزر گیا تھا۔ اور بتاؤ ہم کو کیا کریں ہم اس کا تیسرا شادی کا آس لگائے اب۔۔ یا پھر سارا عمر اس کو دوسرا کا بچوں کا پیچھے پاگل

ہوتا دیکھے۔۔ ہمارا نزدیک اکیلا رہنا سے شوہر کا تھپڑ مار سہنا زیادہ اسان ہے۔ امینہ خانم نے ڈبڈبائے لہجے میں کہتے اپنی آنکھیں چادر سے مسلی تھیں۔

امینہ خانم تمھارا وجہ سے ہوا ہے جو کچھ عابیر کا ساتھ ہوا۔ امینہ خانم کی باتوں پر درید خان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

ہمارا وجہ سے نہیں تم مرد لوگ کی وجہ سے ہوا۔ عابیر کا نکاح بابرک کے ساتھ ہم نے نہیں گھر کا مرد لوگ نے کروایا۔ اس کا دوسرا نکاح بھی تم مرد لوگ نے کروایا۔ ہم عورت کو کہاں اختیار دیا وہ فیصلہ لے سکے۔۔ اب بتاؤ عابیر کے پاس اختیار ہے وہ اسفندیار خان سے طلاق لے سکے۔۔ جب تک وہ گا نہیں ہوا سے طلاق ہو گا نہیں۔۔ اگر وہ خلع بھی لینا چاہے تو کیا وہ اکیلا عدالت میں جا سکتا ہے۔ کیا اس حویلی کا مرد لوگ اس کو باہر قدم نکالنے

دے گا۔اس سے پہلے ہی تم مرد لوگ اس کا سینے میں گولیاں آتار دے گا۔

امینہ خانم کی آواز اب حویلی کے لاونج میں گونجی تھی۔۔درید خان نے غصے سے اپنے جبڑے بھینچتے خود پر قابو پایا۔امینہ خانم کی سچی تلخ باتیں برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔یہ سچ تھا وہ عابیر کی طلاق کسی صورت اسفندیار خان سے ہونے نہ دیتے۔

جب تک اسفند ادھر حویلی میں تھا۔تمھارا بیٹی اس کا سرد رویہ پر بھی خوش تھا۔اس کا دھتکار پر بھی خوش تھا۔اس کا پیچھے پیچھے پھرتا تھا۔اس کا ماں کا غلام بنا رہنے پر بھی خوش تھا۔دل سے ہنستا تھا۔اگر کبھی روتا بھی تھا تو اسفند کا ہی کسی بات کا سوچ کر ہنس پڑتا تھا۔

اس کا جانے کے بعد تم سب نے اس کا مسکراہٹ میں اداسی نہیں دیکھا۔اس کا ہنسنے میں درد نہیں دیکھا۔اس کا چال میں اس کا لڑکھڑاہٹ نہیں دیکھا۔

کیسے دیکھتا تم مرد لوگ۔۔تم مرد لوگ عورت سے زیادہ کمزور ہوتا ہے ۔اس کا بھائی تک اس کا آنکھوں میں نہیں دیکھتا کہیں اس کا دکھ سے ان کا دل نہ پھٹ جائے۔۔تم لوگ سے اس کا آنکھوں میں نہیں دیکھا جاتا۔۔سوچو جس کا آنکھ میں اتنا دکھ درد ہے وہ کیسے جیتا ہو گا۔وہ کیسے سہتا ہو گا۔

۔امینہ خانم نے بھرائی اواز میں کہا تو درید خان مٹھیاں بھینچتے وہاں سے چلے گئے تھے۔وہ مزید برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

اربد خان روزینہ خانم پر سرد نظر ڈالتے درید خان کے پیچھے گئے تھے۔۔ درید خان بڑے بھائی تھے ان کے۔۔ وہ آج تک ان کے مقابل نہیں آئے تھے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود دونوں نے ایک دوسرے سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ مگر دونوں کے تعلق میں اجنبیت سی آگئی تھی جو اربد حان کو تکلیف دیتی تھی۔۔

روزینہ خانم توہین و خجالت سے سرخ چہرے کے ساتھ بے یقینی کے کھڑی تھیں۔ اسفند سات ماہ بعد پاکستان آیا اور انھیں ملے بغیر عابیر کو لیے کمرے میں چلا گیا تھا۔۔ اس کا پاکستان آنا برداشت نہیں ہوا تھا اور وہ آتے ساتھ عابیر کو لیے کمرے میں چلا گیا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے غصے سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

اسفند نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی عابیر کو بری طرح دھکا دیا۔۔وہ اندھے منہ بیڈ پر جا گری تھی۔عابیر نے سیدھے ہوتے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھا جو اس کی طرف بڑھتے اس کے ایک طرف اپنا گھٹنا رکھے اس کا منہ دبوچ گیا تھا۔

ہمت کیسے ہوئی تمھاری میری بات کے خلاف جانے کی؟!۔کسی غیر مرد کی حویلی میں رات گزارنے کی۔اسفند اس پر جھکے غرایا تھا۔

اتنی اتنی بات پر آپ پاکستان آنے لگے تو آپ کو اپنا پرائیویٹ جیٹ لینا پڑے گا۔۔کیونکہ اب آئے روز آپ کے پاکستان کے چکر لگتے رہیں گے۔عابیر اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔۔

اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھ کر سلگا تھا۔ وہ اج بھی اس کی آنکھوں میں بنا سہمے اپنی انکھیں گاڑھے ہوے تھی۔۔ وہ بنا پلیکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی

یعنی تم روز روز اس کی حویلی جاؤ گی۔۔ اسفند اس کا جبڑا طیش و اشتعال سے خطرناک حد تک دبوچ گیا تھا۔

اسفندیار خان کا بس نہیں چل رہا تھا مقابل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔۔ وہ گیٹ پر جس حلیے میں کھڑی تھی۔۔ اور دارم خان کیسے اس کی حویلی آ گیا تھا۔۔ آج تک اس نے اپنے کسی دوست کو حویلی کا گیٹ نہیں عبور کروایا تھا۔۔ اب زاران ایسے کیسے کر سکتا تھا۔۔ ایک غیر مرد کو حویلی کا راستہ دکھا دیا۔ اور اس کی بیوی اس کی عورت کو اس دارم خان کی حویلی میں بھی لے کر گیا۔۔ زاران کو وہ اس بات کی سخت سزا دینے آیا تھا۔۔ مگر اس

سے پہلے وہ اس نازک وجود کے بخیے ادھیڑنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ اس کی غیر موجودگی میں کمرے سے بھی نکلتے ہوئے ہزار بار سوچ کر بھی نکل نہ سکے۔۔ وہ اس کی ٹانگوں میں اپنا گھٹنا بے دردی سے مسلتے اپنی کھردری انگلیاں اس کے نازک گالوں میں کھبو گیا تھا۔۔ عابیر نے درد سے آنکھیں میچتے سسکی لی تھی.

عابیر نے پوری اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا جبڑہ چھڑوانے کی ناکام سعی کی تھی۔ اسفند نے بے دردی سے اپنا گھٹنہ اس کی ٹانگوں پر رکھ کر دبایا تھا۔ عابیر اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی. اسفندیار خان کی بے باک اور بے رحم حرکت پر اس کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔

آپ۔۔۔ اپنی۔۔۔۔ طاقت۔۔ دکھا کر اپنی مم۔۔۔ مردانہ آنا کو سکون پہنچا سکتے ہیں۔ مگر یاد رکھیے گا عابیر خان کے جسم کو تو مسل سکتے ہیں۔۔ مگر اب عابیر خان کے دل کو نہیں دکھا سکتے۔۔ عابیر نے بمشکل ہی لفظ ادا کیے تھے۔

دل بھی دکھے گا مگر دھڑکنے کے قابل نہیں رہے گا۔۔ ایسی سفاکی دکھاؤں گا وہاں۔۔ اسفند نے اس پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑتے اس کا جبڑے پر اپنی گرفت مزید سخت کی۔۔ عابیر نے درد سے کراہتے اپنی آنکھیں میچتے اپنے آنسو بمشکل پیے تھے۔۔

دیکھیں آپ کی سفاکی پر آپ کو یہاں دیکھ کر عابیر درید خان کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں۔ آپ کو دیکھ کر عابیر کی دل کی دھڑکنیں نہیں بڑھیں۔۔۔ عابیر خان کے دل میں اسفند یار خان

کے لیے کچھ نہیں رہا۔عابیر خان اب آپ کی نہیں رہی۔کیونکہ عابیر خان غیر محرم کے متعلق نہ سوچتی ہے نہ اسے دل میں رکھتی ہے۔عابیر دل سے آپ کو طلاق دے چکی ہے۔۔اب آپ میرے لیے غیر محرم ہیں

عابیر خان نے اپنی گہری سرمئی آنکھیں اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں گاڑھتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل کہا۔۔اسفندیار خان کی بے رحم گرفت میں وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔مشکل سے ہی لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔اسفندیار خان کی اتنی بے رحمی پر بھی اس کی آنکھوں سے موتی نہیں برسے تھے۔۔اسفندیار خان اس کے لبوں سے ٹوٹے لفظ سنتا جیسے پاگل ہوا تھا۔لفظ نہیں تھے خار دار کانٹے تھے جو اسفندیار خان کو اپنے سینے میں کھبتے محسوس ہوے وہ بلبلا کر رہ گیا تھا۔۔

وہ اس لمحے غصے سے پاگل ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے بدن پر اپنا پہاڑ جیسا وجود ڈالے اس کی شال کو ایک ہی جھٹکے سے اتارتے زمین پر پھینکی تھی۔۔ عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے اسے دور کرنے کی کوشش کی ۔اسفند نے اس کے سینے پر جھکتے ہوے اس کے اگلے دو بٹن اپنے دانتوں سے توڑتے ہوے اس کے اس کی دل کے مقام پر اپنے دانت گاڑھے تھے۔

عابیر نے اس کی بے رحمی پر سسکی لی تھی۔ جسے اس نے لب دانتوں تلے دبائے روکی تھی۔۔ اس کے بے رحمی سے دانت گاڑھنے پر اس نے آنسوا اندر اتارے تھے۔ آج ان آنسوؤں کو اس نے نہیں بہنے دینا تھا۔۔

اسفندیار خان اپنی بے رحمی اپنا غصہ اشتعال دکھا کر پیچھے ہوا تو عابیر بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے آنکھیں موندیں ہوے تھی۔۔ آنکھوں کے گوشوں

سے آنسوؤں کی لڑیاں نکلتے دیکھ کر اسفندیار خان کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ برامد ہوئی تھی۔

عابیر اسفندیار خان کا نہ صرف جسم بلکہ اس کا دل بھی صرف اسفندیار خان کا ہے۔۔عابیر خان کے آنسو نہیں بہے۔۔کیونکہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اسفندیار خان ہی آنسو بن کر ٹھہر گیا ہے۔اور عابیر خان وہ آنسو بہا کر اسفندیار خان کو کھونا نہیں چاہتی۔۔اسفندیار خان نے اس کے کان کی لو دانتوں کی لو بے دردی سے کھینچتے اسے اپنے سینے پر منتقل کیا تھا۔

کھو تو چکی ہوں آپ کو آج سے سات ماہ پہلے۔۔۔جب آپ مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔۔جب مجھے بدلے کے طور پر استعمال کیا تھا۔جب مجھے عشق کرنے کی سزا دی تھی۔

پتہ ہے اسفندیار خان قصور آپ کا نہیں۔۔ بلکہ میرا ہے۔۔ آپ نے مجھے میرے لالا کے کیے کی سزا نہیں دی۔ بلکہ آپ نے مجھے خود سے بے انتہا عشق کرنے کی سزا دی۔۔ اگر میں آپ سے عشق نہ کرتی تو آپ مجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتے۔۔ میری تڑپ میری سزا تھی۔۔ لیکن آپ بھول گئے تھے ۔۔ عشق کی آخری حد جنون ہوتا ہے اور جنون کی آخری حد موت ہوتی ہے ۔۔ اور آپ کی عابیر مر چکی ہے۔۔ عابیر کے دل میں اسفندیار خان کی محبت مر گئی۔۔ عابیر اسفندیار خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی نیلی انکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔۔

اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں سرخ کی حدت بڑھی تھی۔۔ مقابل کے لبوں سے ایسے لفظ سنتا وہ زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا۔ سینے میں

دہکتے آلاؤ بھڑک رہے تھے۔۔وہ دارم خان کی حویلی میں رات رکی یہ جرم کم تھا۔اب وہ اسے اپنے لفظوں سے سلگا رہی تھی۔۔

وہ اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنا قریب کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔اس کے لبوں پر اپنے دانت اتنی زور سے گاڑھے تھے کہ عابیر کے لبوں سے خون نکلتا اسفندیار خان کے حلق میں اترا تھا۔۔مگر اسفندیار خان نے اسے چھوڑا نہیں تھا۔۔وہ بے رحمی سے اس کی سانسوں کو جکڑے ہوے رہا۔۔

وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی ۔۔وہ اس کی کمر کو اتنی بے رحمی سے جکڑے ہوے تھا۔۔وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔وہ اسے اس کی بے بسی کا احساس خوب دلا رہا

تھا۔۔وہ ہاتھوں سے مزاحمت کرتی تو وہ اپنی بے رحم شدت بڑھانے لگتا تھا۔۔

اسفند نے اس کی سانسیں اکھڑتی محسوس کرتے اس کے لبوں کو آزاد کیا ۔۔عابیر نے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے گہرے سانس لیے تھے۔

جب جب خود پر میرا حق ختم ہونے کی بات کرو گی ایسے ہی زخم دوں گا۔۔۔اور کیا کہہ رہی تھی مجھے کہ میں غیر محرم ہوں۔۔۔اپنی حالت دیکھو پتہ چلے گا میں تمھارا کون ہوں۔۔اور صرف دو منٹ لگیں گے تمھاری حالت غیر کرنے کے۔۔پھر تمھیں احساس ہو گا تم کس کی ملکیت ہو۔۔ تمھارے پور پور پر اسفندیار خان کا حق ہے۔اسفندیار نے اس کے

زخمی لبوں کو بے دردی سے اپنے انگوٹھے سے مسلتے ہوئے اس کی حلیے پر اپنی نگاہیں گاڑھے استھزائیہ لہجے میں کہا۔۔

عابیر کی اگلے بٹن کھلے ہونے کی وجہ سے شرٹ کندھوں سے نیچے ڈھلک رہی تھی۔ دھڑکنوں پر اس کی شدتوں کے بے رحم نشان تو تھے۔۔ لبوں پر اس کی دی ہوئی گہری سوغات تھی۔۔ لباس میں گہری سلوٹیں تھیں۔ وہ پل میں اس کا حلیہ بگاڑ گیا تھا۔۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے اس سے دور ہونا چاہا تھا وہ اس کی کمر سے جکڑے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔۔ اسفند نے اس کی نازکی اپنے سینے پر محسوس کرتے اسے مزید خود میں بھینچ کر اس پر باور کروایا تھا کہ وہ اس پر کتنا گہرا حق رکھتا ہے۔۔

عابیر نے بھیگی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا جو ذو معنی انداز میں استھزائیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

بات تو پھر وہاں پر آ گئی کہ عابیر کے جسم تک رسائی تو مل جائے گی۔۔ مگر اس کے دل تک کبھی پہنچ نہیں پائیں گے۔۔ عابیر نے اپنا زخمی لب دانتوں تلے دبائے درد سے ہچکی لی۔۔

اسفند اس کے بالوں کو جکڑے اس کا اپنا چہرہ اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

جس عابیر کو میں جانتا ہوں۔ وہ کمزور صرف اسفندیار خان کی محبت میں پڑتی ہے۔۔ اگر عابیر کے دل میں اسفندیار خان نہ ہوتا تو وہ اسفندیار خان کو اپنے اتنے قریب بھی نہ انے دیتی۔۔ جو لڑکی پہلی رات میں اپنے شوہر کو چاقو مار سکتی ہے۔۔ اور پھر بڑی بہادری سے اسی شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کر خود کو سونپ سکتی ہے۔۔وہ اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔۔۔وہ اپنا یہ حال ہوتا برداشت کر لے۔۔اس کا یہی مطلب ہوا عابیر خان اسفندیار خان کی قربت اس کی بانہوں کے لیے مری جا رہی ہے۔۔

اسفند اس کی ہیزل آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

اسفند کی بات پر عابیر کی ہیزل گرے انکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں کا گلابی پن دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔اسفندیار خان نے اسے مزید اپنے سینے سے لپٹایا تھا۔

عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں سختی سے جکڑ گئی تھی ۔دوسرے ہی لمحے وہ اسفندیار خان کی پاکٹ سے چھوٹا سا چاقو نکالے پوری قوت سے اس کے کھلے بٹنوں کے سینے پر مار چکی تھی۔

اسفندیار خان کے حلق سے چیخ برامد ہوئی تھی۔۔عابیر کی کمر پر اس کی گرفت کمزور ہوئی تھی۔۔

عابیر اس کی گرفت سے نکلتے بیڈ سے اتری۔۔اسفند نے لب دانتوں تلے دبائے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے عابیر کو دیکھا جو اسے دیکھتے اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھا رہی تھی۔۔اسفند کے سینے سے بل بل خون بہتا اس کی شرٹ کو بھگو رہا تھا۔۔وہ گہرے سانس لیتا بے یقینی سے عابیر کو دیکھ رہا تھا

اب پتہ چلا اسفندیار خان آپ کا میرے دل میں کیا مقام ہے۔اگر اس چاقو کی جگہ پسٹل بھی ہوتی میں اس کی گولیاں آپ کے سینے میں اتار دیتی۔۔عابیر اپنی سرمئی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے مسلتے بولی تھی۔۔

اسفند گہرا سانس لیتے اپنے سینے میں اٹھتے درد کو برداشت کرتے بیڈ سے اٹھا تھا۔۔اپنے سینے سے نکلتے خون کو دیکھ کر وہ استھزائیہ کرب سے مسکرایا

تھا۔۔ اپنے نکاح کی رات کو مقابل سے چاقو کا زخم کھا کر صرف کلائی میں درد ہوب تھا۔۔ آج سینے میں چاقو کھا کر دل میں بھی شدید درد ہوا تھا۔

آپ نے مجھے آج اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں میرے دل میں آپ کے لیے کچھ نہیں بچا۔۔ پہلی رات آپ کی کلائی میں چاقو مارا تھا۔ آج آپ کے سینے میں اتارا۔۔ اس رات آپ کو شوہر ہونے کا مارجن دے دیا تھا۔۔ مگر آج آپ کے سینے میں یہ چاقو اتار کر ثابت کیا ہے کہ میں اب آپ کو اپنے شوہر کا بھی درجہ نہیں دیتی۔۔ عابیر پیچھے کو ہوتے دیوار میں سمائے غرائی تھی۔۔ ہیزل گرے آنکھوں کا مرکز اس کی سیاہ شرٹ پر تھی۔۔ جو مزید سیاہ ہو رہی تھی۔۔

اس کی سانسیں گہری ہو رہی تھی۔۔ ہیزل گرے آنکھوں کی نمی بڑھ رہی تھی۔۔

شوہر کا درجہ تو دو گی تم جب میں تمھارے اندر اتروں گا۔۔ پہلی رات چاقو مارا تھا۔۔ آگے کا پروسیس بھی یاد ہو گا تمھیں۔۔ اس رات بستر پر تمھاری تذلیل نہیں کی تھی۔۔ مگر آج کروں گا۔ اسفند اس کی طرف بڑھتے اس کے بال مٹھی میں دبوچ گیا تھا۔

عابیر کی سرمئی انکھیں اس کے سرد سرخ چہرے پر نہیں اس کی سیاہ شرٹ پر تھیں۔ جو۔ دور سے سیاہ لگ رہی تھی۔ مگر اب اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔

اس رات آپ کو خود کو اس لیے سونپا تھا آپ سے محبت نہیں کرتی تھی۔ مگر شوہر کا درجہ دیتی تھی۔۔ اس رات کی آپ کی قربت کے بعد آپ سے محبت ہوئی تھی. پہلے مرد تھے جو میرے اتنے قریب آئے۔۔ آپ کی بے رحم قربت آپ کے لبوں کی تپش سے عشق ہو گیا تھا۔۔ آپ کو اس لیے خود کو سونپتی رہی۔۔ میں تو صرف خود کو آپ کی عورت سمجھتی تھی۔۔ جس پر صرف آپ کا حق تھا۔۔ پھر چاہے آپ میرے ساتھ کچھ بھی کرتے۔۔ کیونکہ آپ کا سکون بننا چاہتی تھی۔۔ یہ جسم ہی تھا میرے پاس آپ کو دینے کے لیے۔۔ آپ کو اپنا بنا کر رکھنے کے لیے۔۔

آپ نے مجھے کھلونا سمجھا مگر میں نے تو صرف آپ کو شوہر سمجھا تھا۔۔ نفرت ہوتی ہے مجھے آپ کے لمس سے۔۔ میں نے شوہر سمجھ کر آپ کے حقوق کی پاسداری کی۔ آپ نے بستر پر بھی مجھے صرف بدلے کے طور

پر استعمال کیا۔ نفرت ہے مجھے آپ سے۔ عابیر نے اپنے ہونٹ سختی سے رگڑتے اسفند کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لی تھی۔۔

جب جب میرا لمس مٹاتی ہو جانتی ہو ناں میں کیا کرتا ہون تمھارے ساتھ۔۔ اسفند اس کی باتوں اور اس کا لمس لبوں پر رگڑنے سے خون اشام درندے کی مانند غرا اٹھا تھا۔۔

درد سینے میں لگے زخم پر نہیں اٹھ رہا تھا۔ مقابل کی باتوں سے اس کا وجود جیسے زخموں سے چور ہوا تھا۔

جانتی ہوں کیا کرتے ہیں۔۔اور آج بھی کریں گے تو میں تیار ہوں اسفند یار خان۔۔۔نوچ ڈالیں مجھے۔یہ لیں تیار ہوں۔عابیر نے اپنا گلہ دونوں ہاتھوں سے بے دردی سے چاک کیا۔۔

اسفند نے خونخوار نگاہیں عابیر پر گاڑھیں۔۔وہ اس کے بالوں کو مزید سختی سے دبوچ گیا۔

مگر یاد رکھیے گا اس کے بعد عابیر خان کے دل میں آپ کی نفرت میں مزید آضافہ ہو گا۔کیونکہ آپ کی قربت میرے لیے نفرت کا درجہ رکھتی ہے۔عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی

اور آج میں تمھیں خود سے نفرت کرنے پر مجبور کر دوں گا۔اسفند نے اسے بیڈ پر دھکیلتے اس کی طرف بڑھتے اس پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنی قید میں کر گیا تھا۔

اتنی شدت سے اس نے عابیر کے لبوں پر قہر ڈھایا تھا کہ عابیر اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔۔

عابیر کے چاقو مارنے کا غصہ نہیں آتا رہا تھا۔اس کے لبوں سے اپنے لیے نفرت سن کر وہ پاگل ہوتا اپنے حواص جیسے کھو رہا تھا۔۔

عابیر کے زخمی لبوں کو نیا زخم دے کر وہ پیچھے ہوا تو عابیر بھیگی سہمی انکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی. اتنی شدت اتنا قہر اس نے لبوں پر ڈھایا تھا۔۔وہ اب آگے کیا کچھ نہیں کرے گا وہ اب سہم گئی تھی۔۔وہ خوفزدہ

نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی سرد سرخ آنکھوں مین برف اتری تھی۔

عابیر کی آنکھوں میں ڈر سراسیمگی دیکھ کر وہ طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

اتنی ہی اکڑ تھی نکل گئی۔۔ اتنی بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔۔ اب آگے بھی کرتی۔۔ میری خوبصورت حسینہ۔۔۔۔ اسفند نے استھزائیہ انداز میں لفظ چبائے تھے۔

نکاح کی رات تمھیں چھونے کا میرا کوئی آرادہ نہیں تھا مگر تمھارے چاقو مارنے کے بعد تم جیسی لڑکی کی گہرائیوں کو ماپنا چاہتا تھا۔۔ دیکھنا چاہتا تھا آخر اتنی بہادر لڑکی کی قربت کا نشہ کیا ہو گا۔۔ ڈری سہمی لڑکیاں مجھے ویسے بھی پسند نہیں تھی۔۔ اس لیے دیکھنا چاہتا تھا تم جیسی لڑکی مجھے کس طرح برداشت کرتی ہے. اور تم نے پہلی رات مجھے برداشت کیا۔۔ تمھاری جگہ

کوئی اور ہوتی تو وہ جان سے جاتی۔۔ ایمپریسیو۔۔۔ بہت ایمپریس ہوا تھا۔۔ تمھاری بستر پر تذلیل نہیں کی تھی۔۔ مگر تم پر پھولوں کی برسات بھی نہیں کی تھی۔۔ پھر بھی تمھیں میری بے رحم سفاک شدتوں سے میری قربت سے پیار ہو گیا۔۔ تم سچ میں کمال ہو مسسز اسفندیار خان۔۔ تم سچ میں الگ ہو۔۔۔ مسسز اسفند عابیر خان۔۔۔۔۔۔۔ وہ اس کی ڈری سہمی آنکھوں میں دیکھتے سرگوشی کر گیا تھا۔۔ عابیر نے ہچکی لیتے آنکھیں موندیں تھیں۔

مگر تم مجھے خود کو نہ سونپتی میں کبھی تمھارے قریب نہ آتا۔۔۔ اسفندیار خان نے اس کے لبوں پر اب نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔ جہاں گہرا زخم تھا۔

عابیر نے اس کی نرمی پر بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

میں آج بھی اپنی بات پر قائم ہوں میں تم سے محبت نہیں کرتا۔۔ تمھیں دیکھ کر میرے اندر ایک ہی جذبہ ہاٹھتا ہے وہ بدلے کا۔۔ مگر ایک اور جذبہ بھی اٹھتا ہے وہ جذبہ ہے حسد ور قابت کا جب تمھیں کسی اور کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ چاہے وہ یک سات سالہ بچہ ہی کیوں نہ۔ ہو۔۔ اور تم اس دارم خان کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ گئی۔۔ اس کی حویلی میں رکی۔۔ سوچو میرا کیا حال ہوا ہو گا۔۔ کیسا محسوس ہوا ہو گا مجھے۔۔ س ینے میں اگ دہک اٹھی۔۔

ایسے لگا جیسے کسی نے کھولتا پانی میرے وجود میں انڈیل دیا ہو۔۔ یہ بائیس گھنٹے میں نے آگ کے دریا پر سفر کیے تھے۔۔ ایک ایک پل میم ہزار بار جلا ہوں تڑپا ہوں۔۔ میری عورت میری بیوی کسی غیر کی حویلی میں رکی۔۔ ہمت کیسے ہوئی اس کی حویلی میں قدم رکھنے کی۔۔ وہاں رات رکنے

کی۔۔ اسفندیار خان اس پر جھکے دھاڑا تھا۔۔ عابیر کانپتے ہوے اپنے منہ دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔ وہ اتنا جنونی ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔۔ مگر اس کی آنکھوں اور باتون سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔۔ دارم خان کی حویلی میں جانا اس کے لیے چھوٹی بات نہیں تھی۔۔

تم ساری عمر روتی سسکتی میں کبھی پاکستان نہ آتا۔ لیکن میں آیا ہوں۔۔ اس لیے دور رہنا اس براک اور دارم خان سے۔۔۔ ورنہ تمھارے چیتھڑے کر دوں گا۔۔۔ اب میں یہاں پر ہی رہوں گا تمھارے پاس تمھارے قریب۔۔۔۔۔۔۔ جو سزا تمھارے ذریعیے تمھارے لالا کو دینی تھی۔ اب وہ تمھارے لالا کو دوں گا۔۔ اس بار میرا عہد کوئی بھی نہیں توڑ سکتا۔۔ نہ میری دوستی اور نہ تمھارے آنکھ کے آنسو۔۔ مروں گا یا مار دوں گا۔ لیکن

یاد رکھنا میرے مرنے کے بعد بھی تم میری ہی رہو گی۔۔ اسفند اس کے بال دوبوچے غراتے ہوے اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔۔

عابیر اس کی خون آلود شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اسے اپنے قریب کر گئی تھی۔۔

میرے لالا کو آپ ایک آنچ نہیں پہنچائے گے اسفندیار خان۔۔۔ جو بدلہ لینا ہے مجھ سے لیں۔۔ میرے سینے میں گولیاں چلائیں۔۔ اپنی قربت سے سزا دینی ہے تو دیں میں اف نہیں کروں گی۔۔ میری جتنی تذلیل کرنی ہے کریں۔ مگر میرے لالا کو کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ میرے لالا جان ہیں میری۔۔۔ میرے زاران لالا کو کچھ نہیں کہیں گے۔۔ ورنہ میں بھی مر

جاؤں گی اسفند یار خان۔۔۔عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی۔۔

اس کے چیخنے پر اسفند کی نیلی انکھوں میں کرب اترا تھا۔۔مقابل کو اس کے درد کی پرواہ نہیں تھی۔۔وہ اس کی خون آلود شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھی۔۔جس سے اس کے ہاتھ خون سے رنگ چکے تھے۔۔وہ اپنے لالا سے اتنی محبت کرتی تھی۔اسفند یار خان کرب سے جلا تھا۔۔زاران خانزادہ سے بھی آج اسے جلن ہوئی تھی۔۔مقابل پر نہ کسی کی پرچھائی برداشت تھی نہ اس کے لبوں سے اس کے محرم رشتوں کا نام بھی۔۔

اسفند اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑواتا بیڈ سے اٹھتا واش روم کا دروازہ کھولتے دھاڑ سے بند کر چکا تھا۔

اسفندیار خان۔۔ میرے لالا کو کچھ نہیں کہیں گے آپ۔۔۔ ورنہ عابیر مر جائے گی۔۔ میرے لالا کو آپ نے ایک آنچ بھی پہنچائی میں اپنی جان دے دوں گی اسفندیار خان۔۔ عابیر واش روم کا بند دروازہ کھٹکھٹاتے چیخ رہی تھی۔۔

اسفند اس کی چیخ و پکار سنتا اپنی شرٹ لیس باتھ کیبن میں شاور کے نیچے کھڑا تھا۔۔ باتھ کیبن کا فرش سرخ تھا۔۔ وہ اپنے سینے کے زخم پر ہاتھ رکھے کرب سے مسکرایا تھا۔۔ تم واقعی میں مجھ سے عشق نہیں کرتی عابیر خان۔۔ وہ استھزائیہ مسکراتا باتھ کیبن کے شیشے سے سر ٹکا گیا۔

حیدر خان دراب کو پکڑے کمرے میں داخل ہوا فرشتے زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے تھی۔ بالوں کی لٹیں الجھی سی عارض کو چھو رہے تھے۔۔

حیدر خان اس کے عارض پر اپنی انگلیوں کے نشان اور ہونٹ پر زخم دیکھتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔

وہ بغیر چادر کے ایسے ہی ٹھنڈی زمین پر پچھلے پانچ گھنٹوں سے بیٹھی تھی۔۔ کمرے کب ٹمپریچر کافی سرد تھا۔۔ حیدر خان نے جلدی سے کمرے کب ہیٹر آن کیا۔۔ دراب کو کہیں سردی نہ لگ جائے وہ پریشان ہوا تھا۔

دراب کے رونے کی آواز سنتے فرشتے نے اپنی متورم گلابی آنکھیں کھولی تھیں۔۔ وہ دراب کو دیکھتے تڑپ کر زمین سے اٹھی تھی۔۔ مگر پھر حیدر خان سے کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔

حیدر خان نے حیرت سے اسے رکتے ہوے دیکھا تھا۔۔

اسے بھوک لگی ہے اسے فیڈ کرواؤ۔۔ حیدر خان نے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں کو بغور دیکھتے سرد لہجے میں حکم دیا۔۔

نہیں کرواؤں گی دراب کو فیڈ۔۔۔۔ اوزگل سے کہیں اسے فیڈ کروائے۔ فرشتے نے روتے ہوے دراب کو دیکھتے خود کی تڑپ پر قابو پاتے کہا۔۔

فرشتے تم جانتی ہو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔۔ فیڈ نہ ملنے پر یہ اپنی سانسیں روک لیتا ہے۔۔ حیدر نے خود کے اشتعال پر قابو پاتے کہا تھا۔۔ فرشتے سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔ اس سے کہیں زیادہ تو اس کی سانسیں دراب میں بستی تھیں۔

نہیں کرواؤں گی فیڈ۔۔لے جایئے اسے یہاں سے۔۔فرشتے نے روتے ہوئے دراب کو دیکھتے تڑپتے ہوئے سسکی لی تھی۔۔

خانم ضد مت کرو۔۔دراب کو بھوک لگی ہے۔۔اسے تمھارے فیڈ کی ضرورت ہے۔۔حیدر خان نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے نرمی سے کہا۔اسے وقت صرف دراب کی فکر تھی۔۔فرشتے ہی اسے فیڈ کرواسکتی تھی۔اس کے پاس اور کوئی متبادل نہیں تھا اور فرشتے ضد کر رہی تھی۔۔

میرے بیٹوں کو اوزگل کو دینے کا آرادہ تھا۔۔میرے بیٹے کو آپ نے اپنی مورے اور اوزگل کو میرے سامنے پکڑایا۔۔میں اپنے بیٹوں پر آپ کی پرچھائی برداشت نہیں کر سکتی۔۔تو اپنے بیٹوں پر آپ کی مورے اور بیوی کا حق کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔دراب زراب صرف میرے

ہیں۔۔ نہیں کرواؤں گی اسے فیڈ خان۔۔۔۔۔یہ جتنا تڑپے گا اتنا آپ تڑپیں گے پھر آپ کو میری تڑپ کا اندازہ ہو گا۔۔ فرشتے روتے ہوے اٹل ضدی لہجے میں بولی۔

ٹھیک ہے مت کرواؤ میں اس کے لیے ڈبے کے دودھ کا بندوبست کرتا ہوں۔عادت ہو ہی جائے گی اسے۔۔ حیدر خان نے روتے ہوے دراب کو سینے سے لگایا۔۔

دراب کے رونے میں مزید آضافہ ہوا تھا۔وہ فرشتے کو دیکھ چکا تھا۔۔اس لیے وہ اب تڑپ کر رو رہا تھا۔۔

فرشتے مزید خود پر قابو نہ پا سکی تھی۔۔حیدر خان سے جلدی سے دراب کو پکڑتے اپنے سینے سے لگا گئی تھی۔

حیدر خان نے سکون کا سانس لیا تھا۔لب مبہم سی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے ۔۔وہ جانتا تھا وہ اتنی ہی دیر خود پر کنٹرول کر سکتی ہے۔۔

آپ کی ہمت کیسے ہوئی خان میرے بیٹوں کو ڈبے کا دودھ پلانے کا سوچنے کی بھی؟؟۔۔دراب ذراب صرف میرا فیڈ کریں گے سنا آپ نے۔۔فرشتے دراب کو سینے سے لگائے غرائی تھی۔۔

خانم اتنی محبت کرو اپنے بیٹوں سے جتنی میں برداشت کر سکوں۔۔تمھارا خان تمھارے لیے بہت پوزیسیو ہے۔۔۔اپنے ہی بیٹوں سے کیوں رقابت محسوس کروانے پر تلی۔ہو۔حیدر خان فرشتے کو بازو سے نرمی سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ا

میرا خان میرا خان کب رہا۔اس لیے آئیندہ خود کو میرا خان مت کہیے گا ۔اپنے بیٹوں سے میں آپ کی سوچ سے بھی زیادہ محبت کرتی ہوں۔اس لیے

نہیں کہ ان کی رگوں میں آپ کا خون دوڑ رہا ہے۔۔اس لیے محبت کرتی ہوں کیونکہ انہوں نے میری کوکھ سے جنم لیا۔۔میں اپنے بیٹوں اور خود پر آپ کا کوئی حق نہیں سمجھتی۔ آپ جتنا مرضی حق جتالیں۔۔ مگر دراب خان زراب خان اور فرشتے خان پر آپ کا کوئی حق نہیں۔۔ فرشتے اپنا بازو چھڑواتے دراب کو سینے سے لگائے بیڈ کی جانب بڑھی۔۔

حیدر خان نے فرشتے کی باتوں پر گہرے سانس لیتے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کیا تھا۔۔

فرشتے نے زمین سے چادر اٹھاتے ہوے بیڈ پر بیٹھتے دراب کو گود میں لیے اپنے اوپر اچھی طرح شال اوڑھی تھی۔۔وہ دراب کو شال میں چھپائے فیڈ کروانے لگی۔۔

اس کو اس طرح خود چھپانے پر حیدر خان بری طرح سلگا تھا۔

حیدر خان نے اگے بڑھتے وہ شال فرشتے کے بدن سے کھینچ کر اتاری تھی ۔وہ اس کے لفظوں کی تپش سے جھلس رہا تھا کہ وہ اس پر حق نہیں رکھتا۔وہ خود کو یوں چھپا کر اپنے لفظوں پر مہر لگا رہی تھی۔اور حیدر خان سے یہ برداشت نہیں ہو رہا تھا

فرشتے نے سرخ رنگت کے ساتھ حیدر خان کو دیکھا جو اس کی شال دور اچھال کر پھینک چکا تھا۔۔

فرشتے نے بری طرح اپنے لب کاٹے تھے۔۔رنگت میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی تھیں۔۔نہ وہ دراب کو فیڈ کروانا بند کر سکتی تھی نہ حیدر خان کی بے باک گہری نگاہوں سے خود کو چھپا سکتی تھی۔۔وہ بے باکی سے اس پر نظریں گاڑھے ہوے تھا

فرشتے نے اپنے لب بری طرح کاٹتے نظریں جھکائے اپنی شرٹ تھوڑی نیچے کی۔۔ دراب کو یہ مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔۔ وہ فیڈ چھوڑ تا گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔۔ فرشتے نے جلدی سے شرٹ اوپر کرتے اسے خود کے ساتھ لگاتے فیڈ کروایا۔۔

خانم میرا بیٹا بھی میری طرح ضدی ہے۔۔ خود کو ہلکان مت کرو۔۔ تم پر میرا کتنا حق ہے یہ تمھیں پتہ چل گیا ہو گا۔۔ عادت ڈال لو اب میرے سامنے ہی فیڈ کروانے کی۔۔ حیدر خان نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔ فرشتے نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ دراب کو فیڈ کروانے لگی۔۔ حیدر خان اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا فرشتے پر گہری اور سلگتی نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔۔ فرشتے کی بے اعتنائی

اس کی بیگانگی حیدر خان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔وہ انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند سلگ رہا تھا۔۔جتنا عرصہ اس کے ساتھ رہی۔بے انتہا فرمانبرداری دیکھی تھی اپنی خانم کی.۔۔فرشتے کو آدھی رات کو سجدوں میں خود کا نام لیتے روتے ہوے دیکھا تھا۔۔وہ اسے پانے کے بعد بھی خدا سے اسے مانگتی تھی۔۔سوتے میں اپنے چہرے پر فرشتے کے نرم لبوں کی پھوار محسوس کی تھی۔۔۔اپنے لیے دوسروں کے آگے جھکتے دیکھا تھا۔۔وہ تو اس کی اتنی محبت پر مغرور تھا۔

اب سامنے بیٹھے نازک وجود کی بیگانگی اس کے لبوں سے نکلے لفظ برداشت نہیں ہو رہے تھے۔۔

حیدر خان اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا صوفے کی سطح پر سر رکھے آنکھیں موند گیا تھا۔۔ دل میں شدید کرب کے طوفان اٹھے تھے جو اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہے تھے۔

تقریباً پونے گھنٹے کے بعد وہ دراب کو فیڈ کروا کر فارغ ہوئی تھی۔۔ دراب کو گود سے اٹھاتے سینے سے لگایا وہ رونے لگا تھا۔۔

کیا ہوا خانم اس کا پیٹ نہیں بھرا۔۔ حیدر خان نے فرشتے کے زرد چہرے کو بغور دیکھتے پوچھا۔

ماں کا پیٹ نہیں بھرا ہو گا تو بچے کا کیسے بھرے گا۔ پچھلے پانچ گھنٹوں سے حیدر خان نے اپنے بیٹوں کی ماں کو قید میں بھوکا پیاسا رکھا ہوا تھا۔ حیدر خان سچ میں ظالم ہے۔۔۔ اپنے بیٹوں کی پرواہ ہے مگر ان بیٹوں کی ماں کی نہیں۔۔ فرشتے نے دراب کو تھپکتے سینے سے لگائے سنجیدگی سے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

اس کے معصوم سے شکوے پر حیدر خان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔۔ اس کی خانم آج بھی معصوم تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی اس پر اس کے بیٹون پر اس کا کوئی حق نہیں اور کتنی بار وہ اسے دراب زراب کا باپ کہہ چکی تھی.

دوسرے لمحے حیدر خان کی آنکھوں میں سرد مہری چھائی تھی۔۔

اس کے لبوں سے شاہ نواز کا نام نکلتا یاد ایا تھا۔اس کا ہاتھ کسی غیر محرم کی کلائی کو چھوتا یاد آیا تھا.

حیدر خان کی آنکھیں پل میں لال انگارہ ہوئی تھیں۔۔۔وہ اپنی مٹھیاں بھینچتے دروازے کی جانب بڑھا۔۔اگر وہ کچھ دیر اور فرشتے کے سامنے رہتا تو یقیناً اسے تکلیف دیتا جو وہ نہیں چاہتا تھا۔۔۔

رکیے خان۔۔۔۔فرشتے کی آواز پر اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے.

فرشتے دراب کو بیڈ پر لٹائے حیدر خان کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔۔

بھوک تو زراب کو بھی لگی ہو گی۔ دراب کی بند ہوتی سانسوں کی بہت فکر تھی آپ کو۔۔ اگر وہاں ذراب کی سانسیں بند ہو گئی تو۔۔

فرشتے نے حیدر خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کیا۔ فرشتے کے سوال پر حیدر خان کا رنگ سرخ ہوا تھا۔۔ دل میں درد کی لہریں اٹھی تھیں۔ زراب کے لیے وہ شدت سے تڑپا تھا۔۔

اپنے ذراب کو لینے جا رہا ہوں میں۔۔ کچھ ہی دیر میں ہمارا ذراب بھی ہمارے پاس ہو گا۔۔ حیدر خان سختی سے کہتے دروازے کی جانب بڑھا۔

کیسے لائیں گے خان اسے۔۔ آپ کو سب اتنا آسان لگ رہا ہے.. آپ ذراب کو لینے جائیں گے تو وہ اسانی سے آپ کو دے دیں گے۔ آپ کو لگتا ہے وہ

خاموش ہیں۔ نہیں ہیں وہ خاموش۔۔ داجی میرے لالا کا انتظار کر رہے ہیں۔۔ اور میرے لالا آتے ہی ہوں گے.. میرے لالا کی برداشت کو اکثر لوگ ان کی کمزوری سمجھتے ہیں۔۔ ان کی کمزوری ان کے رشتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔۔ جس شاہ نواز کا نام آپ میرے لبوں سے سن کر تڑپ گئے ہیں۔ وہ پچھلے آٹھ مہینوں سے بستر پر ہے۔ اور اس کی یہ حالت کی میرے لالا نے۔۔

کیوں چاہتے ہیں کہ دونوں خاندانوں کے بیچ گولیاں چل جائیں؟؟۔۔ میرے بیٹوں کے پاس ان کا باپ تو کبھی تھا ہی نہیں۔۔ کیوں ان سے ان کا ماموں بھی چھینا چاہتے ہیں؟؟۔۔ فرشتے نے روتے ہوے کہا۔۔

تمھیں اپنے لالا کی فکر ہے میری نہیں خانم۔۔۔۔ تمھارے کہنے نہ کہنے سے

کیا ہو گا۔۔ دراب ذراب میرے بیٹے ہیں۔۔ وہ شاہ نواز تھا غلیظ انسان

۔۔۔۔۔ میں حیدر حاکم خان ہوں۔۔ مجھے مارنا اتنا آسان نہیں

ہے۔۔ میرے لیے بھی میرے رشتے میری جان سے بڑھ کر اہمیت رکھتے

ہیں۔ اور تم تینوں میں میری جان بستی ہے۔۔

گولیاں میں تمھارے لالا کے سینے میں اتاروں گا۔۔ اگر کوئی بھی میرے

بیٹوں اور میری خانم کے بیچ آیا۔۔ حیدر خان ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔

خان۔۔۔۔۔۔ آپ کیسے دراب زراب کے باپ ہو سکتے ہیں ؟؟۔ بتائیں

مجھے۔۔۔ جب آپ نے مجھے گھر سے نکالا خان وہ میرے پیٹ میں

تھے۔۔ میں نے کہا آپ سے خان۔۔۔۔ میرے پہلو میں درد ہے۔۔ آپ

کے ہوتے پھر بھی مجھ سے اس حویلی کا سارا کام کروایا گیا۔۔۔ آپ سے درد

کی شکائت کی تو آپ نے مجھے اتنا ہی بستر پر بھنبھوڑا۔۔۔ کیونکہ اس رات آپ نے اوزگل سے نکاح کرنے کی ہامی بھرنے پر اپنا غم غلط

میرے جسم کے ساتھ کھیل کر کرنا تھا۔۔۔ خان آپ بھول ہی گئے تھے ضرورت تو مجھے تھی اس رات آپ کی۔۔۔ مجھ سے کیا گیا ہر وعدہ توڑا آپ نے۔۔۔ خانم کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا۔۔ خانم مجھے تو صرف اپنی خانم چاہیے۔۔

خانم قیامت بھی آجائے میں کبھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گا۔۔ فرشتے روتے ہوے بول رہی تھی۔۔ حیدر خان منہ پر ہاتھ پھیرتے سن رہا تھا۔

پہلی رات کہا خانم میری مورے کی ہر کڑوی بات سن لینا۔۔ میں ہر بات کا مداوہ کروں گا کمرے مین آکر۔۔۔ ہر وعدہ توڑا خان۔۔۔ مگر یہ وعدہ نہیں توڑا آپ نے۔۔۔ آپ نے تو اپنی دوسری شادی کا مدواہ بھی کمرے میں آکر بستر پر کیا تھا۔۔ فرشتے یکدم چیخی تھی..

حیدر خان نے لب بھینچتے اسے دیکھا تھا۔۔

مجھے تو خان آپ نے احتجاج کا حق بھی نہیں دیا۔۔ اتنا حق نہیں دیا میں آپ کے سینے کے ساتھ لگے دو آنسو بہالوں۔۔ کیوں خان؟؟ کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟؟۔

بہت محبت کی خان آپ سے۔۔۔ سجدوں میں خدا سے آپ کی محبت مانگی۔ آپ کی محبت میں اتنی پاگل تھی کہ خدا سے اولاد مانگنے لگی۔۔ پتہ تھا میں بانجھ ہوں۔۔ کبھی نہیں اولاد مانگی تھی میں نے۔۔ اپنی قسمت پر سمجھوتا کر

لیا تھا کہ میں بانجھ ہوں مجھے اولاد ہو نہیں ہو سکتی۔۔شاہ نواز کے ساتھ رہتے ہوے ان پانچ سالوں میں کبھی اولاد نہیں مانگی۔۔۔۔۔۔

خانم۔۔۔اب ایک بار اوراس کا نام لیا قسم کھاتا ہوں دراب ذراب کی تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔۔حیدر خان اس کے بال گدی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے حلق کے بل خون اشام درندے کی مانند غرایا۔۔خانم دراب زراب میں میری جان بستی ہے۔۔اگر میں نے ان کی قسم کھائی ہے تو ہر حال میں پوری کروں گا۔۔زبان کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینکوں گا۔اگر اب کسی غیر مرد کا نام لیا۔۔حیدر خان نے برفیلے لہجے میں دھمکی دی۔

فرشتے حیدر خان کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھے لرز اٹھی تھی۔اس کی آنکھوں میں برفیلا پن کہہ رہا تھا۔۔وہ اپنی قسم ضرور پوری کرے گا۔

نہیں لوں گی خان اس کا نام کبھی بھی۔۔کیونکہ وہ فرشتے کے لیے کوئی اہمیت رکھتا ہی نہیں ہے۔۔فرشتے کے لیے کوئی اہمیت رکھتا ہے تو وہ صرف حیدر حاکم خان ہے۔جس سے فرشتے آج بھی پاگلوں کی طرح محبت کرتی ہے۔

اپنے دراب زراب میں اپنے حیدر خان کو دیکھتی ہے۔۔دراب کو ذراب سے اس لیے زیادہ اہمیت دیتی ہے کیونکہ دراب کی گردن پر وہی نشان ہے جو حیدر خان کی گردن پر ہے۔۔وہ گھنٹوں نرمی سے اس نشان کو چومتی ہے۔

حیدر خان بیوفا ہو سکتا ہے۔۔مگر حیدر خان کی خانم نہیں۔فرشتے روتے ہوے حیدر خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔حیدر خان نے

سے کرب آنکھیں میچی تھیں۔وہ جانتا تھا اس کی معصوم فرشتے صرف اس کی تھی۔وہ مر کر بھی اس سے ایک پل کے لیے بیوفائی نہیں کر سکتی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ فرشتے کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔وہ اس کی سانسوں کو نرمی اسے انہیل کرنے لگا ۔۔فرشتے نے حیدر خان کو خود سے دور کیا تو وہ اور بھی شدت سے فرشتے کے لبوں سے لپٹا تھا۔۔فرشتے بے بسی سے اس کی شرٹ جکڑ گئی۔۔حیدر خان کی شدت بڑھتی جا رہی تھی

کافی دیر بعد فرشتے کو چھوڑا تو فرشتے گہرے سانس لیتے پیچھے کی جانب قدم بڑھا گئی تھی۔

نہیں خان۔۔۔۔۔۔ فرشتے اتنی محبت کرنے کی باوجود اب کبھی آپ کے پاس نہیں آئے گی۔۔ میں اپنے بیٹوں کو لے کر آپ سے دور چلی جاؤں گی۔۔ فرشتے نے اٹل لہجے میں کہتے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔۔

یہ فیصلہ تم نہیں کرو گی خانم۔۔۔ یہ فیصلہ میں کروں گا۔ تم اس وقت میری حویلی میرے کمرے میں ہو۔ اب تم کبھی میری اس حویلی سے میری آجازت کے بغیر قدم نہیں نکالو گی۔ حیدر خان نے لب بھینچتے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

آپ مجھے یہاں روکنے کا حق کھو چکے ہیں خان۔

یا پھر آپ سوچ رہے ہیں میں وہی خانم ہوں جو آپ کے حکم پر جان دیتی تھی تو یہ آپ کی بھول ہے۔ آپ سے محبت کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔

مگر آپ سے دور رہنا میرے اختیار میں ہے۔ فرشتے نے اپنے آنسو صاف کرتے اپنی چادر زمین سے اٹھاتے اچھی طرح خود پر اوڑھی تھی۔

حیدر خان قہر آلود نگاہوں سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا جو بیڈ کی طرف بڑھ رہی تھی

فرشتے نے بیڈ کی طرف بڑھتے سوئے ہوے دراب کو اٹھاتے اپنے سینے سے لگایا۔

حیدر خان نے آگے بڑھتے فرشتے کے ہاتھوں سے دراب کو لیا تھا

خان میرا بچہ مجھے دیں۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ فرشتے نے کہتے دراب کو حیدر سے لینا چاہا۔۔ حیدر خان فرشتے کو بازو سے جکڑے ایک جھٹکے سے پیچھے کر گیا۔ فرشتے بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

میرا بیٹا کسی قیمت پر تم یہاں سے لے کر نہیں جا سکتی اور نہ اب تم اس حویلی سے باہر نکل سکتی ہو۔۔اس لیے خانم مزید خود کو ہلکان مت کرو۔حیدر خان نے فرشتے کے بازو کو جکڑتے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔۔وہ اوندھے منہ بیڈ پر جا گری تھی۔۔فرشتے نے سیدھے ہوتے حیدر خان کو دیکھا جو اسے سرد تنبیہی نگاہوں سے گھورتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔فرشتے نے بے بسی سے گہرے سانس لیتے نم نگاہوں سے حیدر خان کی چوڑی پشت کو بے بسی سے دیکھا تھا۔

حیدر خان دراب کو لیے دروازے کی جانب بڑھا اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتا اوزگل اسی لمحے دروازہ کھولتے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

حیدر خان نے گھور کر اوزگل کو دیکھا جو بنا ناک کیے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔۔

وہ حیدر ہم کمرے سے اپنا کپڑا لینے آیا تھا۔ ہم صبح سے نہایا نہیں ہے۔ ہمارا طبعیت ٹھیک نہیں تھا اس لیے نہایا نہیں۔۔ اوزگل نے فرشتے کو دیکھتے تھوڑا سا شرماتے ہوے کہا۔

حیدر خان نے اس کی بات پر لب بھینچے تھے۔ اس نے صبح خود اوزگل کو شاور لیتے دیکھا تھا۔ وہ جان بوجھ کر فرشتے کے سامنے یہ سب کہہ رہی تھی۔۔ حیدر اپنی آئی برو مسلتے خان نے قہر الود نگاہ اوزگل پر ڈالی۔۔. جس کا شرم لحاظ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہم جانتا ہے حیدر تم کو عورت کا اتنا دیر ناپاک رہنا پسند نہیں ہے۔ مگر ہم نے بتایا ناں تم کو کہ ہمارا طبعیت ٹھیک نہیں تھا۔ اوزگل کی بات پر حیدر کی رنگت میں اب مزید سرخیاں گھلی تھیں۔ وہ اتنی ہی بے شرم تھی اور بدلحاظ تھی۔

حیدر نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے فرشتے کو ایک نظر پریشانی سے دیکھا۔ جو بیڈ پر بیٹھی گلابی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پر وہ نگاہیں پھیر گئی تھی۔ اوزگل نے جو آگ لگائی تھی وہ لگ چکی تھی۔۔ جو فرشتے کے سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں سے بخوبی عیاں تھا۔ وہ بمشکل ہی خود کے ضبط پر کنٹرول کر رہی ہے۔ اسے اوزگل سے یہ سب سن کر اچھا نہیں لگا حیدر خان نے فرشتے کو ایک نظر دیکھتے گہرا سانس لیا۔

کپڑے تم بعد میں لینا۔۔ دراب کو مورے کو پکڑا کر آؤ۔ اور اس کے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کرنی۔ یہ ڈر جاتا ہے۔ حیدر نے دراب اوزگل کو پکڑایا تو فرشتے تڑپ کر بیڈ سے اٹھتی دراب کی طرف بڑھی تھی۔ حیدر اسے بازو سے جکڑ گیا تھا۔

خان میرا بیٹا۔۔۔ فرشتے نے لرزتے ہوے دراب کو اوزگل کی گود میں دیکھا تھا۔ اوزگل کے پاس اپنا ذراب دیکھ کر وہ تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔

اوزگل فرشتے کے لرزتے وجود کو دیکھتے دراب کو سینے سے لگائے کمرے سے نکل گئی تھی۔

یہ کیا کیا خان ؟؟ میرے بیٹے کو اوزگل کو کیوں دیا؟؟۔ آپ کو سمجھ نہیں آتی ۔۔ مجھے اپنے بیٹوں پر آپ کی بیوی اور آپ کے مورے کا سایہ بھی نہیں چاہیے۔۔ فرشتے چیختے ہوے بولی۔۔

خانم آواز نیچے۔۔۔ حیدر خان اس کے یوں چلانے پر مشتعل ہوتے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے غرایا تھا۔

کہاں برداشت تھا فرشتے جیسی فرمانبردار عورت کا اپنے سامنے چیخنا چلانا۔

کیوں خان؟؟ کیوں آواز نیچے کروں؟؟ مجھے بنا قصور کے آپ نے تھپڑ مارا ۔۔اور مجھے پانچ گھنٹوں سے آپ نے اس کمرے میں قید کر کے رکھا ہے۔ میرے ذراب کو مجھ سے دور کیا ہی ہے. اب میرے دراب کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے چاہتے ہیں میں آواز بھی نہ نکالوں۔ نہیں خان۔۔ میں پہلے والی فرشتے نہیں ہوں جس کے منہ میں زبان نہیں تھی۔ فرشتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

کیا فرق آگیا ہے اب خانم ذرا وضاحت دو مجھے؟؟ تم آج بھی میرے نکاح میں ہو۔ میری عورت ہو تم میری ملکیت۔

حیدر خان اس کے طور اطوار دیکھتے سلگتے ہوے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔ اپنی فرشتے کی اتنی ضدی طبعیت سے وہ ناواقف تھا۔ اب اسے فرشتے کا ضدی پن مشتعل کر رہا تھا

خان میں آپ کی عورت ضرور ہوں۔ مگر اب میں دو بیٹوں کی ماں ہوں۔۔ میرا مقام آپ کی عورت سے بڑھ کر ایک ماں کا ہو گیا ہے۔۔ میرا مقام اسی بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس فرشتے کو آپ نے رات کے اندھیرے میں نکالا۔۔ جس کی طرف آپ نے اس رات ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔ آج اس فرشتے کو اپنی حویلی میں اپنے کمرے میں لانے کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ میں کمزور کہاں رہی خان۔۔ میری طاقت میرے بیٹے ہیں۔ اس لیے اب مجھے اپنی ملکیت سمجھنے کی غلطی مت کیجیے گا۔ فرشتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے اپنی ہچکی پر قابو پاتے ہوے بولی۔

دراب کو اوزگل گے گئی اسے سینے میں جیسے آگ لگی تھی۔ اپنے بیٹوں پر اوزگل کا سایہ بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ رہا تھا۔

حیدر خان اس کی باتوں پر مشتعل ہوتے اس کی انگلی جکڑے اپنے قریب اپنے آہنی ہاتھ میں بے دردی سے دبا گیا۔ اس کی نازک انگلی حیدر خان کے مضبوط آہنی ہاتھ میں

بھنچی ہوئی تھی۔ جسے اس نے بے دردی سے جکڑے ہلکا سا مڑوڑا تھا۔۔ فرشتے اس کی بے رحمی درد سے سسکی لے کر رہ گئی تھی۔

دو بیٹوں کی ماں ہو تم ہاں۔۔۔۔ پھر یوں منہ اٹھائے ایک غیر مرد کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟؟ اور تم پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟؟۔ تمھیں اس کمرے میں

بند کیوں کیا؟؟ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ ایک غیر مرد کی کلائی جکڑے کھڑی تھی تم سر عام۔ تمھاری سزا ایک تھپڑ نہیں بلکہ میری پسٹل کی گولیاں تھیں۔۔ جانتی ہو ناں حیدر خان کی بیوی ہو۔ ایک پٹھان کی بیوی۔ میرے نکاح میں میری عورت۔۔ میں ساری عمر تمھاری طرف نہ پلٹتا۔ تمھیں حق نہیں تھا تم اس حویلی سے بھی باہر قدم نکالتی۔۔ کیوں نکالا قدم حویلی سے؟؟۔ کیا رشتہ ہے تمھارا اس درخزئی سے؟؟۔ کیوں اس کے سامنے اپنا چہرہ کھولا۔ جب جانتی ہو مجھے تمھارے چہرے پر کسی غیر مرد کی نظر نہیں گوارا۔ حیدر خان نے اس کی انگلی سختی سے دبوچتے غراتے ہوے سوال کیے ۔ درخزئی سے آخر فرشتے کا کیا رشتہ ہے یہ سوال ابھی بھی اس کے اندر آگ دہکائے ہوے تھے۔ جو فرشتے کے اظہار محبت کرنے کے بعد بھی اس دہکتی آگ میں کمی نہیں ہوئی تھی

درخزئی سے میرا کیا رشتہ ہے؟۔ آپ جاننے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ نہ میں کبھی آپ کو بتاؤں گی۔

فرشتے۔۔۔ حیدر خان نے چیختے ہوے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا

۔۔

برداشت نہیں ہو رہی تھی مقابل کی اتنی سرشت نافرمانی۔۔ وہ غلطی پر ہوتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ کسی غیر مرد کی کلائی جکڑنا وہ خود اچھی طرح جانتی تھی یہ غلطی نہیں گناہ ہے۔ پانچ سال پہلے اس کے ذرا سا چھونے پر کیسے وہ دوزخ کی آگ سے ڈری تھی۔ اور آج اسے کسی غیر مرد کی کلائی جکڑنے پر ذرا بھی ندامت ذرا بھی پشیمانی نہ تھی۔

فرشتے حیدر خان کے ہاتھ اٹھانے پر ڈر کر دو قدم پیچھے ہوے تھی۔ پانچ گھنٹے مارے جانے والے تھپڑ کی جھنجھناہٹ ابھی تک گال پر محسوس ہو رہی تھی۔

حیدر خان اس کی آنکھوں میں ڈر اور اس کے ہونٹوں پر زخم دیکھتے ہاتھ ہوا میں معلق کرتے اسے اپنے پہلو میں گراتے دبوچ گیا تھا۔

فرشتے گال پر ہاتھ رکھے سر نفی میں ہلاتے اب کئی قدط پیچھے ہو گئی تھی

م۔کیسے پٹھان ہیں آپ خان ؟؟۔۔ کیسی غیرت ہے آپ کی۔اپنی بیوی کو رات کے اندھیرے میں گھر سے نکال دیا اور سات مہینے تک اپنی عورت اپنی غیرت کا پتہ نہیں کیا۔اب اپنے بچوں کو دیکھ کر آپ کی غیرت جاگ گئی۔اگر آپ کے بچے میرے پاس نہ ہوتے تو آپ کی یہ غیرت کبھی نہ جاگتی۔ کبھی میرا پتہ نہ کرتے۔۔ فرشتے نے روتے ہوے شکوہ کیا تھا.

ایسی بات نہیں ہے خانم۔۔ حیدر فرشتے کے الزمات سنتے مشتعل ہوتے چیخ اٹھا تھا۔

ایسی ہی بات ہے خان۔۔۔ آپ کو آج بھی فرشتے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اپنے بیٹوں کی محبت آپ کو میری طرف لائی۔ فرشتے بھی حیدر خان کی بات کاٹتے چیخی تھی۔

تم مجھ پر الزام نہیں لگا سکتی۔ بلکہ میری گناہ گار تم ہو خانم۔ تم نے کیسے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی۔ تم میرے بچوں کی ماں بننے والی ہو۔ کیوں چھپایا خانم کیوں؟؟۔ حیدر خان نے فرشتے کو بازوؤں سے پکڑے بری طرح جھنجھوڑا تھا۔

خان۔۔۔۔ جب آپ کی حویلی سے نکلی مجھے اپنی ہوش نہ تھی آپ کو کیا بتاتی۔ دو تین دن تو مجھے ہوش ہی نہیں آیا۔ جب ہوش آیا تو پتہ چلا میرے پہلو میں آپ کا خون پروان چڑھ رہا ہے۔ خان غیرت بھی مرد پر جچتی ہے۔ خون بھی مرد کا گرم ہوتا ہے۔ فیصلہ بھی مرد کرتا ہے۔ اور فیصلہ ہو

چکا تھا۔۔ آپ نے رات کو مجھے اپنی حویلی سے نکالا اس لیے سزا کے طور پر آپ کو اس بات کی خبر نہیں ہونے دی جائے گی کہ آپ باپ بننے والے ہیں۔ آپ دوسری شادی کریں یا نہ کریں آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔

فیصلہ کرنے والا میر الالا بھول ہی گیا کہ غیرت عورت میں بھی ہوتی ہے۔ اسے بھی اتنی ہی تکلیف ہوتی اپنے شوہر کو کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر۔ جتنی ایک مرد کو اپنی عورت کو کسی غیر مرد کے ساتھ سوچ کر ہوتی ہے۔ لالا کا حکم تھا فرشتے حیدر خان کے پاس واپس نہیں جائے گی۔ وہ حیدر خان کی بیوفائی برداشت کرے گی۔ اور مجھے لالا کا حکم ماننا ہی تھا۔۔ آپ نے اپنی حویلی سے نکال دیا۔ میں خاموشی سے نکل گئی۔ لالا نے کہا واپس آپ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ میں نے خاموشی سے مان لیا۔ مجھے

فیصلے کا اختیار دیا ہی نہیں جو میں فیصلہ کرتی۔۔ فرشتے نے کرب سے سسکی لی تھی۔ حیدر خان لب بھینچے بے بسی سے اسے روتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

مگر خان۔۔۔ مجھے بعد میں سمجھ آئی میرے لالا نے یہ فیصلہ میرے لیے لیا تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے۔ حیدر حاکم خان اپنی مورے کا یہ حکم ہر حال میں پورا کرے گا۔ اپنے بچوں کا سن کر بھی وہ دوسری شادی کرے گا۔ کیونکہ دوسری شادی کرنا مرد کے نزدیک گناہ نہیں اس کا حق ہے۔ مجھ سے اولاد بھی ہو جاتی اور اس اوزگل سے بھی اولاد ہو جاتی۔ تو کیا فرق پڑتا۔ اوزگل اور فرشتے ایک جگہ پر بھی رہ لیتی۔۔ آپ کی تو نسل ہی بڑھتی ناں۔۔۔ فرشتے تلخی سے ہنسی تھی۔

تم ماں بننے والی ہو یہ سن کر میں کبھی دوسری شادی نہ کرتا۔ حیدر نے گہرا سانس لیتے کہا۔

یہ تو خان آپ اب کہہ رہے ہیں۔ دیکھی نہیں کبھی آپ نے اپنی مورے کی نظروں میں میرے لیے نفرت۔۔ خان انھیں میرے بانجھ پن سے خار نہیں تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکی تھیں۔ آپ نے ان پر کسی کو فوقیت دی۔ آپ نے ان کے خلاف جا کر مجھ سے شادی کی تھی۔ وہ ہر حال میں آپ کی دوسری شادی کرواتی اور آپ اپنی مورے کے لیے دوسری شادی ضرور کرتے۔۔

خان یہ سب ایسے ہی ہونا لکھا تھا آپ کی بیوفائی میرا مقدر ٹھہرنا ہی تھی۔ لیکن یہ میرے لالا کا احسان تھا مجھ پر انہوں نے مجھے احساس دلایا فرشتے حیدر خان کے بغیر رہ سکتی ہے۔ وہ زندہ لاش لے کر گئے تھے اس دن آپ کی حویلی سے۔ مجھے لگا تھا میں مر جاؤں گی خان آپ کے بغیر۔ دو چار دن بیہوشی میں بھی صرف آپ کو پکارتی رہی۔

اب دیکھیں اتنی محبت کرنے کے باوجود بھی فرشتے آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ فرشتے نے روتے ہوے ہچکی لی تھی

نہیں خانم ایسے مت بولو۔۔۔ میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں مر جاؤں گا خانم تمھارے بغیر۔۔۔ حیدر نے اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے تڑپتے ہوے اس کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔ جس تل نے اسے سات مہینوں سے بے چین کر کے رکھا تھا۔ حیدر خان نے اپنی شدت سے اسے گیلا کیا تھا۔ فرشتے اسے اپنے کانپتے ہاتھوں سے دور کر گئی تھی۔

خان آپ رہ سکتے ہی میرے بغیر ورنہ یہ سات ماہ کبھی نہ رہتے۔ آپ کی دوسری شادی کا اتنا دکھ نہیں ہے۔ آپ کی سات ماہ کی لاتعلقی اور بیگانگی کے

دکھ نے مجھے مارا ہے۔ فرشتے حیدر خان کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور کرتے پیچھے کو ہوتے بولی۔

خانم میں نے تمھیں صرف اس لیے جانے دیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا۔ تمھیں اوزگل اور مورے تکلیف پہنچائیں۔ تمھاری حالت دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ لیا تھا۔۔ میں جانتا تھا تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میں نے یہی سوچا تھا اوزگل سے اولاد ہونے کے بعد تمھیں اپنے پاس لے آؤں گا۔ تب تک مورے بھی تمھیں قبول کر لیں گی۔

مگر خانم ان سات ماہ میں ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ جب میں نے تمھیں سوچا نہ ہو۔ میں ہر سانس کے ساتھ تمھیں سوچتا تھا۔

اوزگل سے بتائے ہوے قربت کے لمحات میں بھی مجھے سوچتے تھے۔ کل رات اوزگل سے اپنا حق لیتے ہوے بھی مجھے سوچ رہے تھے۔۔ فرشتے نے حیدر خان کی بات کاٹتے ہوے استھزائیہ انداز میں پوچھا۔

حیدر خان نے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اوزگل کی بات پر وہ ابھی تک تڑپ رہی تھی۔ یہ اس کی انکھوں کے گلابی پن سے واضح تھا۔

خانم اوزگل بیوی ہے میری۔۔۔۔ اولاد کے لیے شادی کی تھی اس سے۔۔ تم یہ باتیں سوچ کر خود کو تکلیف دے رہی ہو۔ ان باتوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ ایک کمرے میں میرے ساتھ رہتی ہے۔ میاں بیوی کی قربت صرف محبت سے نہیں ضرورت سے بھی مشروط ہوتی ہے۔

حیدر خان نے فرشتے کی گلابی آنکھوں کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

تو خان مانتے ہیں ناں میرے متبادل کے طور پر اوز گل آپ کے پاس تھی۔ آپ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے۔ خان آپ نے سوچ سمجھ کر گیم کھیلی ہے خان۔۔ مجھے حویلی سے نکال کر آپ کا کمرہ اور راتیں آباد ہو گئی تھیں۔ آپ جھوٹ بولتے ہیں آپ کو میری یاد آئی۔ تنہائی میرے مقدر میں آئی تھی۔ اس سات مہینے میں ہر لمحہ ہر پل میں نے آپ کو یاد کیا ہے آپ نے نہیں۔۔ کل اوز گل آپ کی ضرورت تھی۔ آج آپ کے بیٹوں کی وجہ سے میں آپ کی ضرورت ہوں۔ محبت کہاں ہے اس میں بتائیں مجھے۔۔ فرشتے نے بھیگے لہجے میں چٹختے ہوے سوال کیا۔

خانم بات ختم کرو۔ اوز گل کو تم قبول کر چکی تھی۔ اب یہ رونے دھونے اور شکوہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حیدر خان نے لب بھینچتے کہا۔

خان یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ اوزگل کو جب ء آپ کی بیوی کے طور پر میں نے قبول کر گیا تھا تو خان میرے حقوق سے نظریں کیوں چرائیں۔ مجھ سے بیگانگی لاتعلقی کیوں برتی۔۔ کیا میں اتنی آرزاں تھی آپ کے لیے کہ اوزگل کے حقوق کا خیال تھا میرا نہیں۔۔ یا پھر اوزگل کنواری تھی اس لیے آپ کے نزدیک وہ اہمیت رکھتی رہی اور میں بھرتائی ہوئی عورت جس کی کوئی وقعت نہیں۔۔۔۔

خانم۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدر خان کا ہاتھ ایک بار پھر سے فرشتے کو مارنے کے لیے اٹھا تھا۔ مگر اس بار وہ مڑتے ہوئے غصے سے پوری قوت سے اپنی چوڑی ہتھیلی کا مکہ بنائے دیوار پر مار گیا تھا۔

فرشتے ڈرتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی۔

حیدر خان پلٹتے ہوے اس کے بال گدی سے جکڑے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

میرے نزدیک تم میری خانم ہمیشہ سے تھی۔۔وہ خانم جسے چھونے والا پیار کرنے والا مرد صرف میں تھا۔۔میری محبت کی توہین مت کرو۔۔۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے اتنا کہ تم سوچ نہیں سکتی۔۔۔خبردار تم نے آئیندہ خود کے لیے یہ لفظ منہ سے نکالے۔۔حیدر خان اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

خان یہ لفظ بہت بار آپ کی مورے آپ کی بیوی کے منہ سے سنے ہیں ۔۔آپ کی لاتعلقی نے بھی یہی احساس دلایا۔فرشتے حیدر خان کی شرٹ جکڑے شدت سے رودی تھی۔

خانم تمھیں تکلیف نہ پہنچے صرف اس لیے جانے دیا۔۔ رشتوں کے معاملے میں بہت کمزور ہوں۔ مورے سے شدید محبت کرتا ہوں۔ ان کے ہارٹ اٹیک سے ڈر گیا تھا۔ آج بھی ڈرتا ہوں۔ صرف اس لیے ان کی بات مانی ۔۔۔ دل میں اولاد کی محبت بھی تھی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو دوسری شادی اپنا حق سمجھ کر کی کہ خدا اولاد بھی دے دے گا۔ اور میری جنت بھی خوش رہے گی۔ لیکن تمھیں چھوڑنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔ اگر تم اذیت میں جلی ہو یہاں میں بھی جلا ہوں۔ حیدر خان نے فرشتے چہرہ تھامتے اس کے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھے۔

نہیں خان۔۔۔ آپ اتنے کمزور نہیں ہیں۔ جو اپنی مورے کو سمجھا نہیں سکتے تھے۔۔ سمجھا سکتے تھے۔۔ ان کے قدموں میں ہاتھ جوڑ کر بیٹھ

جاتے۔ مورے تھی آپ کی تڑپ اٹھتی۔۔ مگر آپ نے لڑے بغیر ہتھیار ڈالے۔۔ آپ کو مجھ سے بیوفائی کرنا لڑنے سے زیادہ آسان لگا تھا۔

کیونکہ آپ اولاد چاہتے تھے آپ کو پتہ تھا۔ فرشتے کمزور ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے کبھی نہیں لڑے گی۔ اوزگل سے شادی کی صورت میں اولاد مل جائے گی۔۔ فرشتے کی صورت میں آپ کی محبت بھی آپ کے قریب رہے گی۔۔

خانم کیا غلط تھا اولاد کی خواہش کرنا غلط ہے کیا۔ حیدر نے اسے اپنی بات سے پیچھے نہ ہٹتے دیکھ کر کرب سے پوچھا۔ وہ اس کی کسی صفائی کسی بات کو مان ہی نہیں رہی تھی۔۔ وہ اس کے سوالوں پر تڑپ رہا تھا

نہیں وے غلط خان۔۔ مگر جھوٹے وعدے کرنا غلط ہے۔۔ مجھ سے شادی کے بعد پہلی رات ہی کہہ دیتے کہ آپ اولاد کے لیے دوسری شادی کریں

گے۔۔میں آپ سے کوئی مان کوئی امید نہ لگاتی۔۔ آپ نے میرا یقین توڑا خان۔۔میرا مان توڑا جو اب کبھی نہیں جڑ سکتا۔۔ فرشتے روڑے ہوے بولی۔

خانم جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے تم دراب زراب اب میرے پاس رہو گے۔۔حیدر خان نے اسے سختی سے اپنی بات پر قائم رہتے دیکھ کر سختی سے اپنا فیصلہ سنایا۔وہ اسے کسی صورت اب خود سے دور جانے نہیں دے سکتا تھا۔

خان میرا فیصلہ بھی یہی ہے میں یہاں نہیں رہوں گی۔۔ فرشتے ضدی انداز میں بولی۔۔

کیوں خانم کیوں ضد کر رہی ہو۔۔جب میری شادی قبول کر چکی تھی اب کیا مسلہ ہے۔۔دراب زراب کو صرف ماں کی ضرورت نہیں۔باپ کی بھی ضرورت ہے۔۔حیدر خان غصے سے گر جا تھا۔

خان میں نے آپ کی دوسری شادی قبول کی ہے۔آج بھی کرتی ہوں۔مجھے ڈر لگتا ہے خان۔۔آپ مجھے پھر سے چھوڑ دیں گے۔۔پھر سے اپنی مورے کے حکم کے آگے مجبور ہو جائیں گے۔۔مجھ سے میرے دراب ذراب چھین لیں گے۔۔فرشتے نے روتے ہوئے اپنا ڈر بیان کیا۔

خانم میں ایسا کیوں کروں گا۔۔میرے بیٹوں کی ماں ہو تم۔۔

حیدر خان نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ جھنجھلاتے ہوئے رب کی۔

خان۔۔۔۔۔۔بیٹوں کی ماں ہونے سے پہلی آپ کی بیوی تھی۔جب اپنی بیوی کی تکلیف نظر نہیں آئی اپنے بیٹوں کے ماں کی بھی نظر نہیں اۓ گی خان۔۔۔آپ جانتے تھے فرشتے آپ کے بغیر مر جاۓ گی۔۔پھر بھی آپ نے مجھے اپنی حویلی سے جانے دیا۔۔اب آپ کو پتہ ہے میری کمزوری میرے بیٹے ہیں۔آپ جیسا ظالم انسان اب مجھے میرے بیٹے چھین کر تکلیف دے گا۔۔کیونکہ فرشتے کی اہمیت نہ کل آپ کے نزدیک تھی نہ آج ہے۔۔اس لیے مجھے جانے دیں۔۔فرشتے اپنی چادر سر پر اوڑھتے ہوے دروازے کی جانب بڑھی۔۔۔حیدر خان اسے کلائی سے کھینچتے غصے سے اسے بیڈ پر پٹخ چکا تھا

خانم تمھیں حویلی سے جانے دینا میری غلطی تھی جس کا مداوہ میں اب کروں گا۔۔اب کبھی تمھیں خود سے دور جانے نہیں دوں گا۔تم میں اور

میرے بیٹوں میں میری جان بستی ہے۔۔ اپنی جان ایک بار اور کسی کو نکالنے نہیں دوں گا۔ حیدر خان غصے سے بولتے دروازے کی جانب بڑھا۔ اوزگل کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔

حیدر وہ باہر فرشتے کا لالا آیا ہے۔۔ ہم تو یہ بتانے آیا تھا۔۔ اوزگل نے حیدر خان کے سرخ اشتعال زدہ چہرے کو دیکھتے ڈرتے ہوے جلدی سے وضاحت دی۔۔ حیدر فرشتے کو ایک نظر دیکھتا اپنی شال گردن میں جھٹکتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اوزگل انے ستھزائیہ نگاہ فرشتے پر ڈالی جو بیڈ پر بیٹھی گہرے سانس لیتی اپنے انسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔

حیدر خان تمھارے بیٹوں کی وجہ سے تمھیں یہاں لایا ہے۔۔ کیونکہ میں ماں نہیں بن سکتا۔۔ یعنی تمھیں صرف اس لیے لایا ہے کیونکہ تم اس کے

بیٹوں کا ماں ہے۔ ورنہ تمھارا کوئی وقعت نہیں اس کا نظروں میں۔۔۔ تم یہاں آ گیا ہے۔ کوئی بات نہیں۔۔ لیکن ہم تمھیں یہاں زیادہ دیر رہنے نہیں دے گا۔۔ اب کی بار تمھارا بیٹا چھین کر تمھیں یہاں سے نکالے گا۔ ۔اوزگل فرشتے کے قریب جاتے غرائی تھی۔

فرشتے غصے سے بیڈ سے اٹھی تھی۔ اوزگل کے قریب جاتے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا تھا۔۔ تمھارا حیدر خان تمھیں مبارک ہو۔۔ میرے بیٹوں کا نام بھی مت لینا آئیندہ سے۔۔ دراب زراب پر میں تمھارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔ فرشتے ایک ایک لفظ چباتی اپنی چادر ٹھیک کرتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ارحام خانزادہ سرد سرخ چہرے کے ساتھ حیدر خان کی حویلی کے مردان خانے میں چکر لگا رہا تھا۔ درخزئی کے فون کال پر وہ اسی لمحے اسلام آباد سے یہاں چلا آیا تھا۔ چار گھنٹے کا سفر اس نے کیسے طے کیا تھا۔ وہ وہی جانتا تھا۔ حیدر خان نے اس کی معصوم سی فرشتے پر کہیں ہاتھ نہ اٹھایا ہو۔ یہ سوچ کر ہی ارحام خانزادہ کے خون میں آگ بھڑک رہی تھی۔ درخزئی کو اس نے حویلی میں سب کو بتانے سے منع کیا تھا۔ زاران امریکہ میں تھا۔ اور شہرام کو بھی اس نے بتانے کو منع کیا تھا۔ زاران شہرام اچھے خاصے جذباتی تھے۔ اگر انھیں خبر ہوتی حیدر خان فرشتے کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر گیا ہے۔ وہ بات بعد میں کرتے گولیاں پہلے چلاتے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کوئی بھی بیچ میں آئے۔ شہرام زاران کو ایک آنچ بھی آئے۔ شہرام زاران اسے فرشتے کی ہی طرح عزیز تھے۔۔ ارحام اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے

ہوے مردانے میں حیدر خان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت وائٹ پینٹ پر بلو شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر وائٹ ہی کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اظطراری انداز میں چکر لگا رہا تھا۔ حیدر خان کو مردان خانے میں داخل ہوتے دیکھ کر طیش و اشتعال سے ارحام کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔

ارحام نے اپنی پاکٹ سے سگریٹ لایٹر نکال کر جلاتے ہوے اسے لبوں سے لگائے اپنے اندر اٹھتے غصے پر بمشکل قابو پایا۔ حیدر خان کو دیکھ کر ہی اس کے مساموں سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

فرشتے کے ساتھ اس کے رشتے کی وجہ سے وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔ ورنہ وہ حیدر خان کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا۔۔

کیوں آئے ہو تم یہاں؟؟ اگر فرشتے کو لینے آئے ہو تو بھول جاؤ۔ فرشتے اب یہاں سے کہیں بھی جائے گی۔ حیدر خان نے ارحام خانزادہ کو گھورتے ہوے صوفے پر بیٹھتے ٹانگ پر ٹانگ جمائی تھی۔۔

حیدر خان کس بات کی اتنی اکڑ دکھا رہے ہو کہ اس وقت میں تمھاری حویلی میں ہوں یا باہر تمھارے گارڈ کھڑے ہیں۔ ایک بات یاد رکھنا نہ تم اور تمھارے گارڈز مجھے میری بہن کو یہاں سے لے کر جانے سے روک سکتے ہیں۔ ارحام نے اپنی کوٹ کی پاکٹ سے پسٹل نکال کر حیدر خان پر اسی لمحے تانی۔ اس کو اپنے کسی عمل پر شرمندہ نہ دیکھ کر ارحام کے تن بدن میں آگ دہکی تھی

مردانے میں کھڑے حیدر خان کے گارڈز جلدی سے اندر بڑھتے ارحام پر بندوقیں تان چکے تھے۔

حیدر خان ارحام کو دیکھ کر استھزائیہ مسکراتے ہوے کھڑا ہوتے اس کے مقابل ہوا۔ گارڈز کو ہاتھ کے اشارے سے درور ہونے کو کہا۔ وہ دوبارہ سے اپنی اپنی جگہ پر مستعدی سے جا کھڑے ہوے تھے۔

میں کسی بات کی اکڑ نہیں دکھا رہا۔۔ خانم عورت ہے میری۔۔۔ میری ملیکت میرے بیٹوں کی ماں۔ اکڑ تم دکھا رہے ہو جو میری عورت کو لینے آ گئے۔۔ اور جتنی اکڑ دکھائی تم لوگوں نے دکھائی مجھ سے میرے بیٹوں کا چھپا کر۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا۔ اب فرشتے یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔۔ حیدر خان نے ارحام کے سرخ چہرے کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔ اس کے بچوں کا ارحام نے چھپایا حیدر خان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اپنی پسٹل کی گولیاں مقابل کے سینے میں اتار دے۔

وہ تو تم نے دیکھ لیا اپنے بیٹوں کو۔ ورنہ میں تو تا قیامت تمھیں ان کا پتہ نہ چلنے دیتا۔ ویسے کیسا لگتا حیدر حاکم خان کو؟؟ جب آخری سانسیں گنتے ہوے پتہ چلتا وہ دو جوان بیٹوں کا باپ ہے۔۔ کیسا لگتا سانسیں ہی اٹک جاتی نہ تمھاری۔۔ مرنے کے بھی قابل نہ رہتے۔۔ ارحام طنزیہ مسکرایا تھا۔ ارحام کے طنز پر حیدر خان کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔ ارحام حیدر خان کی رنگت میں سرخیاں گھلی دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا.

مجھے تو یہ سوچ کر بہت مزا آرہا ہے۔

حیدر حاکم خان کو اپنے آخری وقت میں پتہ چلتا اس کی اولاد اس کی حویلی میں نہیں بلکہ دوسروں کی حویلی میں پلی بڑھی۔ حیدر حاکم خان کی عورت جسے وہ اپنی جوانی بیوگی میں رکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ حیدر خان کے ساتھ کے بغیر بہت خوش تھی۔

حیدر حاکم خان کی غیرت کی لوگ مثالیں دیتے۔۔ ارحام نے حیدر خان کی انکھوں میں سرخ ڈورے تیرتے دیکھ کر سگریٹ کا گہرا کش لیا۔ ویسے تمھاری غیرت کی مثالیں ابھی بھی سب دیں گے۔ جب تمھاری عورت تمھارے ساتھ نہیں رہے گی اور تمھارے بیٹے بھی تمھاری حویلی میں نہیں پلیں بڑھیں گے۔ ارحام حیدر خان کی سیاہ آنکھوں میں سگریٹ کا کش لیتے دیکھ دیکھتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

حیدر حاکم خان کی آنکھوں میں اب خون اترا تھا۔ ماتھے کی نیلی رگیں آجاگر ہوئی تھیں۔ وہ طیش و اشتعال سے ارحام کا گریبان اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

میں تمھاری جان لے لوں گا اگر تم نے مزید بکواس کی۔ حیدر حلق کے بل خون اشام درندے کی مانند غرایا۔۔ ارحام کے لفظ نہیں پتھر تھے جو اسے پڑھتے لہولہان کر چکے تھے۔

کیوں کیا ہوا غیرت جوش میں آگئی۔ یہ غیرت تب دکھاتے جب اسے رات کے اندھیرے میں میرے ساتھ جانے دیا تھا۔

ارحام نے حیدر خان کو گھورتے ہوے ایک ہی جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑوایا۔

ایک بات یاد رکھنا اب تمھاری عورت اپنی جوانی میری حویلی میں ایک بیوہ کی طرح گزارے گی اور تمھارے بیٹے بھی میری حویلی میں پلے بڑھیں گے۔

ایک لفظ اور نہیں ورنہ تمھاری لاش اس حویلی سے جائے گی۔ حیدر خان نے غراتے ہوے اپنی قمیض سے پسٹل نکال کر ارحام کے سینے پر رکھی. ارحام استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔

خان۔۔۔ فرشتے بھاگتی ہوئی حیدر خان کے مقابل آئی تھی

خان پسٹل ہٹائیں۔ میرے لالا پر ایک آنچ بھی آئی میں برداشت نہیں کروں گی۔ فرشتے نے چیختے ہوے کہا تھا دوسرے ہی لمحے وہ ارحام کے سینے سے لپٹی تھی۔

لالا آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔ فرشتے نے ارحام کے سینے سے لپٹتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں۔۔ میری فکر مت کرو۔۔ ارحام نے فرشتے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

حیدر نے گہرا سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے پسٹل پیچھے کرتے فرشتے پر سرد نگاہ ڈالی جو مردانے میں آگئی تھی۔ چادر میں لپٹی تھی چہرہ بھی ڈھکا تھا۔ مگر پھر بھی وہ مردانے میں برداشت نہیں ہوئی تھی۔

حیدر خان نے گارڈز کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تھے۔

خانم عورت کا مردانے میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ جانتی ہو تم پھر کیوں آئی مردانے میں۔ حیدر خان نے پسٹل پیچھے کرتے خود پر قابو پاتے کہا۔

حیدر خان۔۔یہ جھوٹی غیرت مت جتاؤ۔۔جب رات کے اندھیرے میں اپنی عورت کو اپنی حویلی سے جانے دیا تھا۔تب یہ غیرت کہاں تھی۔بات بات پر پسٹل نکالنے سے چہرہ سرخ ہونے سے غیرت ثابت نہیں ہوتی۔

ارحام نے فرشتے کو خود سے نرمی سے دور کرتے صوفے پر بیٹھتے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔حیدر خان کا تپتا چہرہ اس کے اندر ٹھنڈک ڈال رہا تھا۔سات ماہ کا غصہ اشتعال وہ حیدر خان پر نکال رہا تھا۔جو فرشتے کے آنسوؤں کا سبب بنا۔

غیرت کی باتیں تم پر سوٹ نہیں کرتیں ارحام خانزادہ۔بھرے جرگے میں اپنی عورت کو طلاق تم نے دی تھی۔کیسے کیسے الزام لگے تھے تم پر کہ تمھیں سرداری سے بھی ہاتھ دھونا پڑا تھا۔میں نے تو صرف اپنی عورت کو

اس کے بھائی کے ساتھ جانے دیا تھا۔ حیدر خان نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ارحام کو سلگایا۔ ارحام کی باتیں اس کے اندر آگ لگا چکی تھیں۔

حیدر خان۔۔ غیرت مند وہ نہیں ہوتا جو اپنی عورت کو کسی بھی حالت میں طلاق نہیں دیتا۔ غیرت مند وہ ہوتا ہے جو عورت اس کے نکاح میں ہو۔ اس کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ اسے اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس کو تکلیف پہنچانے والوں کو سزا دیتا ہے۔ جس عورت کو میں نے طلاق دی۔ جب تک وہ میرے نکاح میں تھی۔ اس پر ایک آنچ نہیں آنے دی۔ اسے کبھی اپنے گھر کی دہلیز پار نہیں کرنے دی۔ اس نے میری حویلی تب ہی چھوڑی۔ جب اس پر میرا حق ختم ہو چکا تھا اور ارحام خانزادہ نے دوبارہ پلٹ کر اس عورت پر ایک نگاہ نہیں ڈالی۔ جو میرے نکاح میں ہے۔ اس کی عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اس سے کبھی ایک پل

کے لیے میں غافل نہیں ہوا۔نہ کبھی ہوں گا۔ارحام صوفے سے اٹھتا حیدر خان کے مقابل ہوتا گرجا تھا۔

۔تم بتاؤ مجھے فرشتے تمھارے نکاح میں ہے۔کیسے تم نے اس سے لاتعلقی اختیار کی۔کیسے اس رات اسے جانے دیا۔کیسے اس سے سات مہینے سے غافل رہے۔اگر تم فرشتے سے غافل نہ رہتے تو ہم میں سے کسی کو تمھیں بتانے کی ضرورت نہ رہتی کہ تم باپ بننے والے ہو۔تم اس وقت اپنی عورت کے پاس ہوتے۔جب اسے تمھاری سب سے زیادہ ضرورت تھی ۔جب درد سے مرتے ہوئے وہ تمھارے بیٹوں کو جنم دے رہی تھی۔اس وقت اس کا لالا نہیں تمھیں اس کے پاس ہونا چاہیے تھا۔تمھیں اپنا خسارہ نظر آرہا۔۔صرف دو مہینے تمھارے بیٹوں کو تم سے دور رکھا۔۔فرشتے کا ایک پل کے لیے سوچو۔ایک عورت کو ان نو مہینوں میں اپنے گھر والوں کی

یہاں تک کہ اپنی ماں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر تم اس کے پاس نہیں تھے۔ ارحام حیدر خان کی سرخ آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے۔۔ حیدر خان کی سرخ آنکھوں کا مرکز نقاب سے نظر آتی فرشتے کی گلابی آنکھوں پر تھا۔ اس کی آنکھوں کے بہتے آنسو اس کے نقاب کو چادر کو بھگو رہے تھے۔ حیدر خان نے کرب سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔

حیدر خان اس طرح کی باتیں ہم پٹھان لوگ نہیں کرتے۔ ہمارے گھر کی بھابھی بہن جب اپنے بچے کو جنم دیتی ہے۔ ہمیں تب ہی خبر ہوتی ہے۔ مگر تم نے مجبور کیا میں یہ سب تم سے کہوں۔

کیسے تمھارے ہوتے فرشتے پر تمھاری مورے نے ہاتھ اٹھایا۔ فرشتے پر تم حق رکھتے ہو تمھاری مورے نہیں۔۔ اگر تم اس پر ہاتھ اٹھاتے شائد میں

برداشت کر جاتا۔ مگر تمھاری مورے نے کیسے میری بہن پر ہاتھ اٹھایا جواب دو۔۔۔ ارحام حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔

حیدر خان نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔ خانم تم اندر جاؤ دراب کو دیکھو۔۔ میں ذراب کو لے کر آؤں گا۔۔ مگر تم دونوں کو آج یہاں سے کہیں نہیں جانے دوں گا۔۔ حیدر خان نے سرد لہجے میں فرشتے کو حکم دیا۔

فرشتے اندر نہیں جائے گی۔ نہ ذراب ادھر آئے گا۔ ارحام نے اٹل لہجے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

خانم اندر جاؤ۔۔ فرشتے کو یونہی کھڑے دیکھ کر حیدر خان حلق کے بل دھاڑا تھا۔ حیدر خان کی دھاڑ پر فرشتے نے ڈرتے ہوے ارحام کا بازو جکڑا۔۔ حیدر خان کے اشتعال میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ غصے فرشتے کی طرف بڑھا تو فرشتے نے ارحام کے بازو کو مزید مضبوطی سے جکڑا تھا۔۔

اس سے پہلے وہ فرشتے کو ارحام سے دور کرتا۔ رقیہ خانم اور اوزگل چیخ و پکار سنتے مردانے میں داخل ہوئیں تھیں۔

اوزگل کے ہاتھوں میں دراب کو دیکھ کر ارحام کے طیش و اشتعال میں آضافہ ہوا تھا۔ ارحام نے بمشکل ہی خود پر قابو پایا تھا

کیا ہوا حیدر یہ اتنا شور کیوں ہو رہا ہے۔ رقیہ خانم نے ارحام کو گھورتے ہوے پوچھا۔

اوزگل دراب کو لے کر یہاں سے جاؤ۔۔ یہ اونچی آواز برداشت نہیں کر سکتا۔۔ سانسیں روک لیتا ہے اپنی۔۔ حیدر خان نے پریشانی سے پیشانی مسلتے کہا۔۔

فرشتے نے اسی لمحے آگے بڑھتے جلدی سے دراب کو اوز گل سے لیتے اپنے سینے سے لگایا۔۔

نہیں خان نہ میں اور میرا بیٹا اندر جائے گا۔مجھے جانے دیں خان۔۔۔ذراب کو میری ضرورت ہے۔رحم کریں اپنے بیٹوں اور ان کی ماں پر۔۔فرشتے دراب کو سینے سے لگائے التجائیہ لہجے میں روتے ہوے بولی۔

حیدر اگر فرشتے جانا چاہتا ہے تو یہاں سے جائے مگر ہمارا پوتا کہیں نہیں جائے گا۔۔رقیہ خانم فرشتے کی طرف بڑھی تھی۔۔فرشتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کی جانب ہوئی تھی۔یکدم پیچھے ہوتے اس کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔پیچھے سینٹرل ٹیبل تھی اس سے پہلے وہ اس پر گرتی حیدر خان نے آگے بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں تھامتے دراب کو فرشتے سے پکڑتے اپنے سینے سے لگایا تھا۔فرشتے فق رنگت کے ساتھ دراب کو دیکھ رہی تھی۔اگر

حیدر خان اسے نہ تھامتا تو وہ ٹیبل پر جا گرتی۔ دراب کو بھی چوٹ لگ سکتی تھی۔ یہ سوچ کر ہی وہ بری طرح لرز رہی تھی۔

حیدر خان دراب کو خود میں بھینچے دیوانوں کی طرح اس کے چہرے پر بوسوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔۔ دراب حیدر کے بوسوں کی بوچھاڑ اور اس کی تاب نہ لا سکا تھا۔ وہ سوتے میں رونے لگا تھا۔۔

فرشتے نے روتے ہوئے دراب کو حیدر سے لینا چاہا۔ حیدر نم آنکھوں سے سے اسے سینے سے لگا گیا تھا۔۔

خانم یہ کیا کر رہی تھی؟؟ اگر میرا بیٹا گر جاتا تو ہاں۔ حیدر خان اس کا بازو سختی سے جکڑے اسے اپنے مقابل کڑتے غرایا تھا۔

خان مم مجھے پتہ نہیں چلا۔۔ فرشتے روتے ہوے بولی تھی۔ دراب اس کے ہاتھوں سے گرنے لگا تھا۔ وہ ابھی تک لرز رہی تھی.

خانم ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں۔ مگر میرے بیٹوں کے معاملے میں لاپرواہی مت کرنا۔۔ حیدر نے سختی سے کہتے دراب فرشتے کو پکڑایا تھا۔۔

فرشتے نے اثبات میں سر ہلاتے دراب کو پکڑتے اپنے سینے سے لگایا۔۔

حیدر تم نے ہمارا پوتا فرشتے کو کیوں دیا۔ ہم نے کیا بولا تھا اس کو جانے دو ہمارا پوتا کو اس کا ضرورت نہیں ہے۔ رقیہ خانم فرشتے کے ہاتھوں میں دراب کو دیکھتے غصے سے بولی تھیں۔

مورے میرے بیٹوں کو ان کی ماں کی ضرورت ہے۔

۔وہ نہیں رہ سکتے فرشتے کے بغیر۔۔۔ذراب کی کیا حالت ہو رہی ہو گی۔یہ سوچ کر میری سانسیں اٹک رہی ہیں۔جانے دیں اسے۔۔حیدر خان نے اپنی نم آنکھیں فرشتے پر گاڑھتے کہا۔

چلیں لالا۔۔فرشتے حیدر کی بات سنتے جلدی سے ارحام کی طرف بڑھی۔جو حیدر خان کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حیدر خان آج تو تم میری بہن کو یہاں لے آئے۔مگر آئیندہ تمہیں اپنی بہن اور اپنے بتیجوں کے پاس نہ دیکھوں۔۔ارحام حیدر خان کو وارن کرتے فرشتے کو بازو کے حلقے میں لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

حیدر خان کی نم نگاہیں فرشتے کی پشت پر تھیں۔وہ خاموشی سے ارحام کے بازو کے حلقے میں اس کے دراب کو سینے سے لگائے داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

حیدر خان کو اپنی سانسیں سینے سے پرواز ہوتے محسوس ہو رہی تھیں۔

حیدر وہ ہمارا پوتا کو لے کر جا رہا ہے روکو اسے۔۔رقیہ خانم حیدر کا بازو جکڑے چیخی تھیں۔ان کا دل پھٹ رہا تھا دراب کو جاتے دیکھ کر۔

کیسے روکوں مورے۔۔جب اس دن نہیں روکا جب وہ جاتے ہوے مجھے آس بھری نگاہوں سے مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی کہ ایک بار اسے روک لوں۔آج کیسے روک سکتا ہوں۔جب اس نے جاتے ہوے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔حیدر خان کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی کھنک تھی۔۔

تم روک سکتا ہے تم شوہر ہے اس کا حق رکھتا ہے اس پر۔رقیہ خانم روتے ہوے چیخی تھین۔

شوہر رہنے ہی کہاں دیا مجھے مورے۔۔ میں تو صرف ایک بیٹا ہوں۔ جس نے اپنی جنت کو خوش کرتے اپنی دنیا دوزخ بنالی۔ حیدر خان کی بات پر رقیہ خانم سٹل ہوئی تھی۔۔ حیدر خان کے مضبوط ہاتھ پر ان کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔

انہوں نے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا۔

مورے پتہ نہیں میں جنت کا حق دار ٹھہرا ہوں یا نہیں مگر سچ میں دنیا دوزخ بن چکی ہے۔ جس میں دن رات جلتا ہوں۔۔۔ حیدر خان ٹوٹے لہجے میں کہتے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا چلا گیا تھا۔

ابرش نے اپنی آنکھیں کھولتے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ وہ سامنے ہی کھڑا مرر میں دیکھتا اپنی سیاہ شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا. ابرش نے بیٹھتے ہوے کمبل گردن تک لپیٹا۔۔ خود پر نظر پڑھتے وہ سرخ ہوئی تھی۔ وہ رات کب سو گئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ پورا بدن ابھی بھی زاران کی شدتوں سے دکھ رہا تھا۔ ابرش نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زاران کو دیکھا جو بلیک پینٹ پر بلیک ہی شرٹ پہنے ہوے تھا۔۔ وہ مرر میں اپنی سرد نگاہیں گاڑھے اپنے بٹن بند کر رہا تھا۔ وہ رات کتنی دیر تک واش روم میں رہا۔ کب کمرے میں واپس ایا وہ نہیں جانتی تھی۔ کیا اس نے رات اس کے پہلو میں گزاری تھی؟؟۔ ابرش نے ایک بار پھر سے خود کو دیکھا تھا۔ وہ اپنی ہی سوچ کو جھٹلا گئی تھی۔ اگر وہ رات اس کے پہلو میں گزارتا تو وہ اسے ایسے دیکھے اس کے بغیر نہ رہ سکتا۔ جانتی تھی اس کی دیوانگی کو۔۔ اگر وہ سوتے میں اس کے

قریب پھر سے آتا تو اسے خبر ضرور ہوتی۔۔اس کی شدتیں سہتے انسان مر سکتا تھا مگر سویا نہیں رہ سکتا تھا۔ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو اندر اتارے۔اس نے رات بہت بے رحمی دکھائی تھی۔اس کے منع کرنے کے باوجود زبردستی کی۔اسے صرف اس کے جسم سے دلچسپی تھی۔وہ اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا تو پھر کیوں اس کے قریب آیا؟؟۔۔وہ اس کی بے رخی تذلیل بھرے لفظ سہتے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑے گہرے سانس لیتے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔اس کے کپڑے اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ابرش نے بے بسی اور خفت کے احساس سے اپنے قندھاری لب کاٹتے مزید قندھاری کیے۔جہاں اس اجڈ گنوار کی شدت سے بہت جلن ہو رہی تھی۔

زاران نے اپنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے مرر میں نظر آتے ابرش کے عکس کو بغور دیکھا تھا۔اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا۔۔

اپنی رات والی شرٹ زمین سے اٹھاتے اس کی طرف بڑھائی۔ جسے ابرش نے دیکھتے منہ پھیر لیا تھا۔

پہن لو اس کے علاوہ کوئی اپشن نہیں ورنہ اپنے کپڑے تمھیں لینے کے لیے واش روم تک جانا پڑے گا۔زاران نے ابرش کے سرخ گلاب چہرے کو بغور دیکھتے کہا۔

میں تمھاری یہ شرٹ نہیں پہنوں گی۔چاہے مجھے سارا دن اسی طرح بیڈ پر رہنا پڑے۔ابرش نے زاران کو ایک نظر دیکھتے سلگتے ہوے کہا۔

کیا پرابلم ہے۔ تمھیں تو عادت ہے اس سے بھی شارٹ اور چیپ نائیٹیز پہن کر مجھے کمرے میں روکنے کی۔۔ یا پھر آج بنا کچھ پہن کر ہی میرے آگے پیچھے پھرنے کا آرادہ ہے تاکہ میں باہر نہ جاسکوں۔ زاران اپنی شرٹ ابرش پر اچھالتا صوفے کی جانب بڑھا تھا۔ جہاں اس کی بیلٹ پڑی تھی۔ وہ بیلٹ اٹھا کر سنجیدگی سے پہننے لگا۔

ابرش اس کی بات پر کان کی لوؤں سے گردن تک سرخ پڑی تھی۔ وہ اس سے اتنی شدت سے محبت کرتی تھی۔ اسے کمرے میں روکنے کے لیے وہ بہت شارٹ نائیٹیز پہن کر پھرتی تھی۔ تاکہ وہ نیچے امینہ خانم کے پاس نہ جائے۔ زاران کچھ دیر بھی امینہ خانم کے پاس بیٹھتا تھا اس کی جان سولی پر لٹکی رہتی تھی۔ کہیں وہ اسے پلوشہ سے پھر سے شادی کرنے پر فورس نہ کریں ۔اور نیچے پلوشہ بھی تو ہوتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کو کمرے میں روکنے کے لیے

اس طرح کی حرکتیں کرتی تھی۔ ایسے کرتی وہ خود سرخ گلاب بنی رہتی تھی۔ زاران کے سامنے وہ نائٹیز اسے نظریں اٹھانے نہ دیتی تھی مگر وہ پھر بھی پہنتی تھی۔ اور وہ بھی تو پھر کہیں نہیں جاتا تھا۔ پورا پورا دن اس کے ساتھ کمرے میں گزار دیتا تھا۔

ابرش کی آنکھیں یکدم جلنے لگی تھیں۔ اس کا وجود اس کے لیے صرف وقت گزاری ہی تو تھا۔۔ رات بھی اسے ایسے چھویا جیسے وہ اس کا کھلونا ہو۔ اپنی ضرورت پوری کر کے وہ اب اس سے لاتعلقی برت رہا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے زاران کی شرٹ پہنی۔ وہ شرٹ پہنتے بیڈ سے اترتے زاران کے مقابل آئی جو مرر میں دیکھتا اب اپنا کوٹ پہن رہا تھا۔

میں پہنتی تھی وہ شارٹ نائٹیز کیونکہ تم مجھے اس میں دیکھنا چاہتے تھے۔ دنیا کے سامنے تم مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھنا چاہتے ہو۔ مگر کمرے میں

تمھیں ہر مرد کی طرح اپنی بیوی اسی بے باک حلیے میں خود سے لپٹتے چاہیے تھی۔۔ اگر میں ایسی حرکتیں کرتی تھیں تو تمھیں سوچنا چاہیے تھا کہ میں کتنی انسکیور ہوں۔ تمھاری جان لیوہ شدتیں تمھاری آگ جیسی قربت ہر پل برداشت کرنے کے لیے تیار تھی۔ مگر تم کمرے سے جاؤ یہ گوارانہ تھا۔ تمھیں کبھی میری ان حرکتوں میں میری محبت نظر نہیں آئی۔ تم اپنی باتوں سے اپنی محبت سے میری انسکیورٹی دور کرتے۔ مگر تم نے ہمیشہ ایسے ہی لفظوں سے میری روح چھلنی کی ہے۔۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

تمھاری ساری امیچور حرکتیں ایک طرف تمھارا حویلی سے بھاگنا ایک طرف۔۔ ان دونوں میں موازنہ کرتا ہوں تو تمھاری حویلی سے بھاگنے والی حرکت ٹھاہ کر کے دل پر لگتی ہے

پھر مجھے صرف تمھاری کمر کا وہ سیاہ تل یاد آجاتا ہے۔ جس میں کبھی میری جان بستی تھی۔

زاران دل پر ہاتھ رکھے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

۔۔جان بستی تھی۔۔ ابرش زاران کے لفظ دہراتے نم آنکھوں سے مسکرائی تھی.

ہاں بستی تھی مسسز ابرش خانزادہ میں نے تو ہمیشہ تمھارے قریب آکر اس سیاہ تل کی رنگت اپنی شدتوں سے بدلی ہے۔ کتنی جان جاتی تھی تمھاری ۔۔اور جس دن اس تل کو نہ چھوؤں اس دن بھی تمھاری جان جاتی تھی۔ کیونکہ میری شدت اس تل پر سہنا تمھاری عادت ہو چکی تھی۔ رات تم نے محسوس نہیں کیا میں نے اس تل کو چھونا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔۔۔ زاران اس کی نم آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولا۔

یہ تل اب ساری عمر ہمارے درمیان رہے گا ناں۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔

ہاں ساری عمر رہے گا۔ اس لیے کوشش کرنا اس تل پر میری نظر نہ پڑے۔۔ ورنہ فنا کر کے رکھ دوں گا اور تم میری شدت برداشت نہیں کر سکو گی۔ زاران نے اپنے کوٹ کے دو بٹن بند کرتے سپاٹ لہجے میں کہتے مرر میں اپنی سرد نگاہیں گاڑھیں۔

اب ساری عمر تمھاری نظر ابرش پاشا پر بھی نہیں پڑے گی۔ نہ مجھ پر نظر پڑے گی نہ تمھیں وہ تل نظر آئے گا۔ میں تمھارے ساتھ کسی کی بھی صورت پاکستان نہیں جاؤں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ابرش مستحکم آواز میں کہتے واش روم کی طرف بڑھی۔۔ زاران نے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کیا تھا۔

مسسز زاران خانزادہ تم ہر صورت میرے ساتھ پاکستان جاؤ گی۔۔اب میں تمھیں کسی صورت یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ تمھیں میرے پاس میری حویلی میرے کمرے میں اب رہنا ہے۔ جہاں تم میری آجازت کے بغیر باہر بھی قدم نہیں رکھو گی۔اب کبھی بھی ایک لمحے کے لیے تمھیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔زاران نے اس کے خوبصورت نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑیں۔

کیوں مسٹر خانزادہ؟؟ مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟؟ تمھیں لگتا ہے میں ابرش پاشا بن کر نیویارک کی سڑکوں پر گھوموں گی۔۔ابرش تلخی سے مسکرائی تھی

۔

تم پر اعتبار ہمیشہ سے تھا مسسز خانزادہ۔۔۔ آج بھی ہے خود سے زیادہ ہے۔۔تم غلطیاں کرتی ہو مگر وہ غلطیاں میری ضد میں نہیں کرتی۔اپنے

جذباتی پن میں کرتی ہو۔ اپنی بیوی کے انھیں جذباتوں کو لگام دینا ہے مجھے۔۔۔ زاران نے غصے سے لفظ چبائے تھے

اور تم ان جذباتوں کو لگام مجھ پر چیخ کر چلا کر مجھے قید میں رکھ کر کرو گے۔۔ ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلتے سوال کیا۔

زاران اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔

ایک بات یاد رکھنا مسٹر خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عورت کو محبت سے قابو کیا جاتا ہے۔۔ رات بستر پر میری تذلیل کرنے کے بعد بھی محبت دکھاتے میں پگھل کر تمھاری بانہوں میں سما جاتی۔ مگر تم نے مجھے رات احساس دلایا کہ میں صرف تمھارا کھلونا ہوں۔ ابرش نے نم آواز میں شکوہ کیا تھا۔ اس کی بے رحم شدتوں سے اس کا بدن کا پور پور دکھ رہا تھا۔

تمھیں اپنا آپ میرا کھلونا اس لیے لگا کیونکہ تم نے خود کو کھلونا

سمجھا۔ میرے قریب آنے سے پہلے ہی تم میرے بہکنے کو میری حوس کہہ

چکی تھی۔ سات ماہ بعد اپنی محرم کو دیکھ کر بہکنا تمھارے نزدیک میری حوس

تھی۔۔ اگر رات تم میری شدتوں میں اپنے لیے محبت تلاش کرتی تو ضرور

نظر آتی۔۔ زاران نے نرمی سے کہتے اس کے. گلاب گالوں کو دیکھا جہاں

اس کی شدت کا نشان واضح تھا۔ رات اس کے گلاب عارض پر بھی اس نے

اپنے دانت گاڑھے تھے۔ جہاں اب نشان واضح تھے

تم نے رات کہا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔۔ میں صرف تمھاری ضرورت

ہوں۔ اور جو بار بار مجھے میری سنگین غلطیاں یاد دلاتے ہو ان کا کیا۔۔ میں

ایسے تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔۔ اور میں غلطیاں تمھاری ضد میں کرتی

ہوں۔ نہ تم پلوشہ سے شادی کی ہامی بھرتے نہ میں اس رات حویلی

چھوڑتی۔ میری غلطیوں میں تم برابر کے شریک ہو۔ ابرش نے روتے ہوے کہا۔

ابرش لاسٹ ٹائم ایکسپلین کر رہا ہوں۔ میرا پلوشہ سے ستارہ خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمھارے علاوہ میں نے کبھی کسی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھا جن نظروں سے تمھیں دیکھتا ہوں۔ ستارہ خان کے اپر لپ پر مول ہے یہ رات مجھے تم سے پتہ چلا۔ میں نے کبھی اسے اتنے غور سے نہیں دیکھا کہ مجھے پتہ چلتا کہ اس کے کہاں کتنے تل ہیں۔ اس لیے آئیندہ مجھ پر الزام مت لگانا۔۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔۔ رات تک آجاؤں گا۔ اس کے بعد ہماری پاکستان کی فلائٹ ہے۔۔ کھانا باہر لاونج میں رکھا ہے۔ کھالینا ۔۔ اور غلطی سے بھی کمرے سے باہر قدم نہ نکالنا۔۔ اس بار میں تمھاری

جذبات میں کی ہوئی کسی حماقت کو برداشت نہیں کروں گا۔۔زاران نے اس کے آنسو دیکھتے سخت لہجے میں دھمکی دی تھی۔۔

کیا کرو گے تم؟؟ابرش نے غصے سے زاران کی بلیک شرٹ مٹھیوں میں جکڑی۔اس سیاہ ڈریسنگ میں وہ غضب ڈھا رہا تھا۔ابرش اسے یوں تیار دیکھ کر بھڑ بھڑ جلی تھی۔

میں سچ میں تمھیں پھر اجڈ گنوار سفاک خانزادہ بن کر دکھاؤں گا۔ایک پٹھان بن کر دکھاؤں گا۔جو اپنی عورت کے اس طرح بھاگنے پر اسے ایک ہی سزا سناتے ہیں اور وہ سزا ہے موت۔۔۔ہمم۔اس لیے بی کئرفل مائی ابوڈینٹ وائف۔۔زاران اس کے گال کو نرمی سے چھوتا اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

شہرام کی گاڑی حویلی کے کارپورچ میں آکر رکی تھی۔ شہرام نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھی بہارے کو دیکھا جو بڑی سی چادر میں لپٹی بچے کو گود میں لیے سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ شہرام اس کے سرد سپاٹ چہرے کو بغور دیکھتا گاڑی سے اترا تھا۔ اس کی طرف کا دروازہ کھولتے بہارے کی گود سے بچہ لیا تھا۔ جسے اس نے خاموشی سے دے دیا تھا۔ شہرام نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

میں اتر سکتی ہوں۔ بہارے سرد لہجے میں کے کہتے گاڑی سے باہر نکلی تھی۔ سٹیچز میں کھچاؤ اور درد کی وجہ سے گاڑی سے نکلتے بہارے نے گہرے سانس لیے تھے۔ شہرام نے لب بھینچتے اسے دیکھے تھا۔ وہ خود کو چھونے ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے سٹیچز میں ابھی بھی درد اور کھچاؤ تھا یہ اس کے زرد چہرے سے بخوبی عیاں ہوتا تھا۔

داخلی دروازے کی طرف بڑھتے پتھر کے سٹیپ کو دیکھتے شہرام نے ایک بار پھر سے نرمی سے بہارے کی کلائی جکڑی۔ جسے اس نے سرعت سے شہرام کے حصار سے کھینچی تھی۔ خاموشی سے کمرے تک چلو۔ جو تماشہ لگانا میرا گریبان کھینچنا ہوا۔ وہ اندر چل کر کرنا۔ باہر ملازم کھڑے ہیں۔ یہاں غلطی سے بھی سین کریٹ مت کرنا۔ شہرام نے سرد آواز میں کہتے بہارے کی کلائی پر گرفت مضبوط کی۔ شہرام کی سرد آواز پر بہارے مزاحمت ختم کرتے اس کا مضبوط ہاتھ تھامے سیٹیپ پر قدم رکھے۔ سٹیپ پر چڑھتے ہوے شہرام نے بچے کو سینے سے لگائے بہارے کو بہت نرمی سے اپنے بازو کے حلقے میں لیتے اس کے ماتھے پر نرمی سے لب رکھے تھے۔ بہت شکریہ میری بہارے تم نے مجھے اتنا پیارا بیٹا دیا۔ شہرام نے مسکراتے بہارے نے ہوئے اسے دیکھا تھا جلتی آنکھوں سے شہرام کو دیکھا تھا۔ شہرام نے نرمی

سے اس کی گلابی آنکھوں پر اپنے لب باری باری رکھے۔ بہارے بھیگی انکھوں سے شہرام کو دیکھتے سر نفی میں ہلاتے شہرام کے حلقے سے نکلتے داخلی دروازہ کھولتے اندر داخل ہو گئی۔ اس کے قدموں میں تیزی دیکھتے شہرام نے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔ وہ زنان خانے میں روزینہ خانم رقیہ خانم عابیر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

بہارے اور اسے دیکھتے سب اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوئے تھے۔۔ عابیر نے بے تابی سے شہرام کی طرف بڑھتے اس سے بچے کو لے کر اپنی گود میں اٹھاتے چٹاچٹ اس کے گالوں پر بوسے دیے۔

بہارے تم ٹھیک ہے۔ روزینہ خانم نے بہارے کو دیکھتے پوچھا۔

جی مورے ٹھیک ہوں۔ بہارے آہستگی سے کہتے صوفے پر بیٹھی تھی۔ رقیہ خانم نے ایک نظر بہارے پر نہیں ڈالی تھی۔ ہاسپٹل میں بہارے کی بد

تمیزی پر ان کا دل بہارے سے بہت برا ہو گیا تھا۔ انہوں نے سختی کے عابیر کو بھی منع کیا تھا وہ بہارے سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ لالا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں ؟؟۔ میں بہارے اور بے بی کے ویلکم کے لیے پوری حویلی کو سجاتی۔۔ عابیر نے بچے کو سینے سے لپٹاتے ہوئے خوشی سے کہا۔ بے بی کا نام بہرام ہے۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے بہارے پر گہری نظر ڈالی تھی۔ بہارے کی بہرام نام پر آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

یہی نام تو ان دونوں نے ایک دوسرے کی بانہوں میں بہت سے نام سوچتے ہوئے ڈیسائیڈ کیا تھا۔ جو نام اسے پسند ہوتا۔ وہ شہرام ریجیکٹ کر دیتا جو شہرام کو پسند ہوتا وہ ریجیکٹ کر دیتی۔ بہت مشکل سے وہ دونوں ایک نام پر متفق ہوئے تھے۔ وہ سب یاد کرتے بہارے کی آنکھیں شدت گریہ سے

جلی تھیں۔ بہرام نام مجھے پسند نہیں میں اپنے بچے کا نام ضرار خان رکھوں گی۔ بہارے نے سپاٹ لہجے میں کہتے اپنی نگاہیں پھیریں۔

میرے لیے تو ہماری محبت کی نشانی کا نام بہرام ہو گا جو ہم دونوں نے ڈیسائیڈ کیا تھا تم جو مرضی پکارو۔۔۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ہم کو بھی بتا دینا ہم کیا بولے تمھارا بچہ کو۔ کیونکہ ہم کو ڈر ہے تمھارا بیوی اس کو بہرام پکارنے پر پورا حویلی سر پر نہ اٹھا لے۔ کیونکہ بڑا چھوٹا کا اس کو تمیز تو ہے نہیں۔۔ کسی نہ کسی بات پر اس کو چیخنا چلانا کی کا عادت ہے۔ اللہ نے بہوؤں اور داماد کا معاملے میں ہمارا نصیب بہت کھوٹا رکھا ہے۔ اب پتہ نہیں اس میں ہمارا قصور ہے یا پھر ہمارا بیٹوں کا جو زن مرید بنا پھرتا ہے۔ امینہ خانم کے طنز پر شہرام نے گہرا سانس لیا تھا۔ ہاسپٹل میں جو کچھ ہوا امینہ خانم اس سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اس سے

ناراض ہوئی تھیں۔ آپ کا زن مرید بیٹا بہوؤں کے معاملے میں آپ کا نصیب بدلنا چاہتا تھا۔ مگر آپ کے بیٹے کی قسمت اچھی نہیں تھی جو ایک بار پھر سے آپ کی قسمت میں بد تمیز بہو آئی۔ بہارے میں بد تمیز نے شہرام کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے بھیگے لہجے میں کہتے ہچکی لی تھی۔ بہارے کی گلابی آنکھوں کو دیکھتے شہرام نے لب بھینچتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

بہارے تم یہ جو طنز کرتا رہتا ہے۔ سیدھا طرح بتاؤ کیا چاہتا ہے۔ اگر تم سمجھتا ہے کہ تم نے بیٹا کیا چاہتا پیدا کر کے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ تو ہمارا لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہمارا لیے صرف آپ اپنے بیٹے سے کہیں مجھے اور میرے بیٹے کو چھوڑ کر چلا جائے۔ مجھے شہرام خان کی ضرورت نہیں ہے۔ بہارے نے اپنی بھیگی آنکھیں شہرام پر گاڑھیں تھیں۔

ہمارا بیٹوں کا سکون معنی رکھتا ہے۔ ورنہ تمھارے ساتھ ہم وہ سب کچھ کرواتا جو تمھارا بھائی نے ہمارا بیٹی کو سزا دیا۔ امینہ خانم شہرام کو خاموش کھڑا دیکھ کر غصے سے بولی تھیں۔

بہارے کی بات پر امینہ خانم نے غصے سے شہرام کو گھورا جو ہاسپٹل کی طرح بے یہاں بھی بے بس سا کھڑا بہارے کو دیکھ رہا تھا۔ امینہ خانم کے دیکھنے پر شہرام نے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی۔

بہارے یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟؟ اللہ نہ کرے کبھی شہرام تمھیں اور بہرام کو چھوڑے۔۔ بہرام ہمیشہ شہرام کی محبت میں پلا بڑھے۔ روزینہ خانم شہرام کے بے انتہا سنجیدہ چہرے کو دیکھتے جلدی سے بولیں۔ بہارے کی بات پر ان کا دل لرزا تھا اللہ کرے ایسا ہی ہو مگر مجھے نہیں لگتا ایسا ہو گا۔ ائی کبھی کبھی موت کی صورت میں؟ مقدر ٹھہرتی ہے۔۔ آپ کی بیٹی کی دی

ہوئی بدعاؤں میں یہ بدعا ہمیشہ سر فہرست رہی ہے۔ وہ بھی بدعا کرتی ہے۔۔ ہے۔۔ وہ آج بھی یہی بدعا کرتی ہے۔ اسے جدائی چاہیے چاہے وہ پھر کسی بھی صورت میں جدائی چاہیے وہ پھر سے ہو۔ شہرام سنجیدگی سے کہتا کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔۔

شہرام کی بات پر بہارے نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے اتنی بے دردی سے دبایا کہ خون کی بوند لبوں پر آن ٹھہری تھی۔ بہارے نے درد سے پچکی لی تھی۔

جس مرد کا زندگی میں سکون نہ ہو وہ مرنے کا ہی بات کرتا ہے۔ امینہ خانم نے قہربار نگاہیں بہارے کے بے حد سرخ چہرے پر ڈالیں۔ ہم کو آج پتہ چلا تم ہمارا پیٹا کو مرنے کا بدعائیں دیتا تھا۔ ہمارا بس چلے تم جیسا عورت کو ایک منٹ سے پہلا اس کا زندگی سے نکال دے۔ امینہ خانم بہارے کو دیکھتی غصے

سے گرج اٹھیں۔ مورے اتنا خوشی کا موقع ہے یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟؟۔ ادھر آئیں ادھر بیٹھیں۔ یہ دیکھے بہرام کتنا پیارا ہے۔ بلکل لالا اور میری طرح ہے۔ عابیر نے امینہ خانم کو گہری سانسیں لیتے دیکھتے دیکھ کر ان کا ہاتھ نرمی سے جکڑے انھیں صوفے پر بٹھایا۔ امینہ خانم نے اپنے غصے اور اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ شہرام کا خود کو موت کی بد عا دینا اور بہارے اسے بد عائیں دیتی تھیں۔ وہ یہ سنتے تڑپ ہی اٹھیں تھیں۔ امینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھ کر گہرے سانس لیے۔ پیچھے کرو اس کو عابیر۔۔۔۔ ہمیں اپنا بیٹا سے کوئی بھی پیارا نہیں۔۔ ہمارا بیٹا اپنا آپ کو موت پیارا ہمارا کو بد عا دے کر کے گیا ہے۔ وہ کیسے یہ سب کہہ سکتا ہے۔ کیا اس کو نہیں پتہ ہم اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ امینہ خانم کی کرب سے بولتے آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

بہارے نے امینہ خانم کی باتیں سنتے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کیے تھے۔ اسے بھی شہرام کے لفظ تڑپا گئے تھے۔ عابیر کی آنکھیں بھی نم ہوئی تھیں۔ شہرام کے لبوں سے نکلے لفظ اس کے دل کو بھی جیسے ہلا گئے تھے۔ شہرام اور زاران میں اس کی جان بستی تھی۔

لاونج میں اس وقت گہری خاموشی چھائی تھی. شہرام کے لفظ سب کے ہی دل کے آر پار ہوے تھے.

عابیر نے اپنی نم آنکھیں رگڑتے بہرام کو دیکھا جو کمبل میں لپٹا تھا۔ اب وہ نیند سے اٹھ گیا تھا۔

عابیر نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر اپنے لب رکھے۔ وہ ٹکر ٹکر عابیر کو دیکھ رہا تھا۔ مورے یہ دیکھیں اس کی آنکھوں کا رنگ سرمئی ہے میرے جیسا۔ یہ تو بلکل میرے جیسا ہے مورے۔۔ یہ تو لالا اور بہارے پر نہیں گیا

یہ تو میرا بیٹا ہے۔ میرا بیٹا مورے۔۔ عابیر اسے دیکھتے مسکراتے ہوئے بچوں کی طرح خوش ہوتے بول رہی تھی۔ روزینہ خانم نے غصے سے عابیر کو گھورا۔ جو آف وائٹ کلر کے شیشوں والے بہت خوبصورت سے چنٹوں والے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ سفید نیٹ بیٹس والا دوپٹہ سر پر اوڑھے بیا ہوئے تھی۔ سنہری بال نیٹ کے دوپٹے سے جھلکتے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔ اور لبوں پر میرون کلر کی لپ سٹک اس کے خوبصورت نقوش کی خوبصورتی میں کئی گنا اضافہ کر گئی تھی۔ اسے اتنا تیار دیکھ کر روزینہ خانم بھڑ بھڑ جلی تھیں۔ وہ کیوں اتنا تیار ہوئی یہ سوچ کر ہی وہ پاگل ہو رہی تھیں۔ رات اسفند اسے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس کے اور اسفند کے درمیان سب ٹھیک ہو گیا ہے وہ یہ سوچ کر ہی رات سے بے سکون تھی۔ رات سے اسفند کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔ اسفند اپنا بدلہ بھول گیا ہے۔ وہ یہ

مسلسل سوچ رہی تھیں۔۔ مگر عابیر جیسی کم عمر خوبصورت عورت کمرے میں اسفندیار خان کے ساتھ ہو وہ اسے نہ چھوئے ناممکن تھا۔ عابیر کی بے پناہ خوبصورتی انھیں ہمیشہ سے ڈرائے رکھتی تھی۔ عابیر سے وہ اتنی نفرت کرتی تھیں۔ اسفندیار کی بے سکونی یہاں تک اس کی جدائی عزیز تھی مگر اس کے کمرے اس کے دل میں عابیر گوارانہ تھا۔ کسی صورت گوارانہ تھی۔

آپ اپنے پپے بابا اور مورے کے بیٹے نہیں ہو اپنی عالی کے بیٹے ہو ناں۔۔۔ عابیر بہرام کو دیکھتے مسکراتے ہوئے مسلسل بچوں کی طرح بول رہی تھی۔۔ سڑھیوں سے بچا نیچے اترتے اسفندیار خان کے یہ منظر دیکھتے قدم ٹھہرے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر یکدم رکا تھا۔ بھاری قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تھا۔ وہ آف وائٹ لباس میں قیامت لگ رہی تھی۔ اسے اتنا تیار دیکھ کر اور اس کے لبوں پر گہرا رنگ دیکھ کر اسفندیار خان کے دل میں شعلے

سے دہکے تھے۔۔ وہ رات جب واش روم سے باہر آیا تو وہ اس کے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کا کمرے سے چلے جانا ساری رات انگاروں پر لوٹا گیا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ مقابل پر ایک پل کے لیے اس کا تسلط ختم ہو اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے آنکھیں موند نہیں سکا تھا۔ ساری رات اس کے بغیر اور اس کے لفظ یاد کرتے سگریٹ پھونکتے گزاری تھی۔ اپنے سینے کے زخم پر کتنی بار اس نے جلتا سگریٹ رکھا تھا۔ سینے پر اس کے دیے ہوے زخموں سے اس کے دل میں جیسے خون رس رہا تھا۔ وہ اسے بے دردی سے چاقو مار کے گئی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اب اسے یوں تیار دیکھ کر اور مسکراتے دیکھ کر وہ اذیت کی انتہا پر چلا تھا وہ جس طرح بہرام کو گود میں اٹھائے دنیا جہاں سے بے نیاز تھی۔ وہ اسفندیار سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی ملکی کھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیر پے جھنجھلا گیا تھا۔

مقابل کو ایک آٹھ سالہ بچے کے ساتھ ہی نہیں بلکہ چند دن کے بچے کے ساتھ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

عجیب سی جلن کی لہریں اس کے دل میں انھیں تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا آخر وہ مقابل کو لے کر اتنا پوزیسیو کیوں ہے کہ اس کی ذرا سی توجہ بھی کہیں برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ پاگل ہو اٹھتا تھا۔

اسفندیار خان اپنی بلو کلر کی قمیض کی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے لاونج کی طرف بڑھا۔ وہ اس وقت بلو کلر کی شلوار قمیض پر آف وائٹ مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔

اسفندیار خان عابیر کو اگنور کیسے صوفے پر بیٹھی بہارے کی طرف بڑھا۔ جو سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھی اپنے کپکپاتے لبوں کو بے دردی سے کچل رہی تھی۔

بہارے۔۔۔۔ اسفندیار خان نے اسے نرمی سے پکارا۔ بہارے اسفندیار خان کو دیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اپنے سٹیچز پر ہاتھ رکھتے صوفے سے اٹھتے اسفندیار خان کی طرف بڑھی۔ اسفندیار خان کو دیکھتے وہ روتے ہوئے اس کے سینے میں سما گئی تھی۔ کیسی ہو بہارے؟؟ اسفند نے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھتے نرمی سے اس کے لرزتے وجود کو خود میں سمیٹا۔۔ وہ اسفند کی شمال دونوں مٹھیوں میں جکڑے اونچا اونچا رو دی تھی۔۔ امینہ خانم نے پریشانی سے بہارے کو دیکھا۔ جو زار و قطار رو رہی تھیں۔ جس کی سسکیاں پورے لاونج میں گونج رہی تھیں۔ امینہ خانم کی پریشان نگاہوں کا مرکز عابیر کا سجا سنورہ روپ تھا۔ وہ اسے اس طرح تیار دیکھ کر بہت خوش تھیں۔۔ عابیر کی تیاری کو اور اسفندیار کی قربت پر محمول کر رہی تھی۔ انھیں لگا تھا رات عابیر اور اسفند میں سب ٹھیک ہو گیا ہے۔

مگر اب بہارے کو روتا دیکھ کر وہ اچھا خاصہ پریشان ہوئی تھیں۔ انہوں نے عابیر پر نگاہیں گاڑھیں جو بہارے کے اس طرح رونے پر بے نیاز سی بہرام میں مصروف تھی۔ اسے بہارے کا رونا اور اسفند کے سرد سپاٹ چہرے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ پہلے والی عابیر تو اسفند کا ذرا سا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر لرزنے لگتی تھی۔

بہارے بیٹا کیا ہوا؟؟ اسفند یار خان نے اسے یوں بلکتے روتے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

لالا۔۔۔ بہارے اسفند یار خان کو پکارتے زار و قطار رو رہی تھی۔۔ شہرام کے خود کے لیے موت والے بولے کئے لفظ اسے تڑپا چکے تھے۔ پتہ نہیں کیوں وہ اس کے لفظ یاد کر کے اتنا تڑپ رہی تھی۔

روزینہ خانم بہارے کو روتا دیکھ کر تڑپ رہی تھیں۔ وہ اس وقت میں جہاں اسے آرام اور خوراک کی ضرورت تھی۔ وہ اسے دن رات روتا دیکھ رہی تھی۔ ہاسپٹل کے کمرے میں بھی اسے رات کو تکیے میں منہ چھپائے سسکتے ہوے۔ وہ شہرام خان کو لے کر اتنی جذباتی اور پائل ہے یہ انھیں اب اندازہ ہوا تھا۔

نرمی اس مار خان نے اسے دہی سے اپنے سینے سے علیحدہ کرتے اسے صوفے پر بٹھایا۔ اس کے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے عابیر پر سرد سرخ نظر ڈالی جو بلکل لاپرواہ کھڑی بہرام سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھی۔ اپنی ذات اور اپنے رشتوں سے اس کی لاپرواہی بری طرح کھلی تھی۔ وہ تو جیسے یہاں ہو کر بھی نہیں تھی۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ اس کے گرد منڈلانے والی یہاں تک کہ وہ بہارے اور روزینہ خانم کے آگے پیچھے بھی پھرتے دیکھا تھا

و۔ وہ جانتا تھا وہ اسے خوش رکھنے کو ایسا کرتی ہے۔ اتنی کانفیڈنٹ لڑکی کو اپنی محبت میں جھکتے دیکھا تھا۔

اب تو وہ جیسے سارے تعلق توڑے کھڑے تھی۔ عابیر بہارے کے لیے پانی لاؤ۔ اسفند نے عابیر کو دیکھتے دانت پیستے کہا جو ابھی بھی اس سے بے نیاز بہرام کو گود میں اٹھائے بچوں کی طرح ہنستے ہوے معصومیت سے باتیں کر رہی تھی۔

اسفند یار خان کو آج اندازہ ہوا تھا مقابل بچوں پر جان دیتی ہے۔ میرا بچہ میری جان۔۔ میرا بہرام میلا چھپ کچھ۔۔ عابیر نے بہرام کو دیکھتے اس کی پیشانی پر لب رکھے وہ اسفند یار خان کی بات کے حکم کو سرے سے نظر انداز کر گئی تھی۔ اسفند یار خان نے لب بھینچتے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اس کی کہی ہوئی بات یوں نظر انداز نہیں کی

تھی۔ وہ تو اس کے آگے ایک بھنورے کی طرح منڈلاتی رہتی تھی۔ اس کے کپڑے اس کے جوتے اس کی کافی اس کی ہر چیز کہے بغیر اس کے سامنے ہوتی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتا تھا وہ سٹڈی روم کمرے میں اس کی ضرورت کی ہر چیز پہنچائی تھی۔۔ وہ بلیک کافی پانی کی طرح پیتا تھا۔ وہ جتنی بار بلیک کافی لاتی ساتھ میں اس کے لیے ایک فریش جوس کا گلاس بھی لے آتی تھی۔۔ اس کے سرد و سپاٹ رویے پر اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اس کے سامنے وہ چیزیں رکھ کر چلی جاتی تھی۔

اسفند نے سرد نگاہیں اس کے سنہری بالوں پر ڈالی جو نیٹ کے دوپٹے سے نظر آرہے تھے۔

عابیر اسفند کیا کہہ رہا ہے ؟؟ بہارے کے لیے پانی لاؤ۔ امینہ خانم نے عابیر کو اسفند کی بات نظر انداز کرتے دیکھ کر سختی سے کہا۔ مورے میں بہرام سے

کھیل رہی ہوں۔ آپ اسفندیار سے کہیں اپنی بہن کے لیے پانی خود لے آئے یا پھر درخشاں کو کہہ دے۔ عابیر نے سپاٹ لہجے میں کہتے بہرام کے عارض پر نرمی سے لب رکھے تھے۔ عابیر کے جواب پر اسفندیار خان کا رنگ تانبے کی مانند سرخ پڑا تھا۔ اس کا انکار چابک کی طرح لگا تھا۔ رات سے زیادہ درد ہوا تھا۔ روزینہ خانم اسفند پر نگاہ ڈالتے طنزیہ مسکرائی تھی۔

ویسے بھابھی آپ نے بلکل ٹھیک کہا تھا۔ آج کل کا مرد لوگ اپنا بیویوں کا نیچے لگا ہے۔۔ زن مرید بنا پھرتا ہے۔ اپنا ہی عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہے۔۔ نہ پھر اپنا ماں کا ہوش رہتا ہے نہ اپنا بہن ک۔ اور ان کا عورت اپنا مرد کا اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اس کا ہی گھر والوں کا سامنے اپنا ہی مرد کو ٹکا سا جواب دیتے ان کا اوقات یاد کرواتا ہے۔ پھر ہم بیچارہ ماؤں کو اپنا بیٹا کی بے عزتی پر غصہ ہی آئے گا۔ تم بلکل ٹھیک کہہ رہا تھا قصور ہمارا بیٹا کا ہے۔

جو زن مرد بنا پھرتا ہے کہ سات مہینہ بعد آکر اپنا مورے کو ہے بھول گیا۔۔ روزینہ خانم کے لفظوں پر عابیر کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ اسفند یار کو طیش نہ دلائے یہ نام ناممکن تھا۔ وہ سر جھٹک کر بہرام کو پیار کرنے لگی۔ امینہ خانم نے اسفند کے بے تحاشا سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے تاسف سے سر ہلایا تھا۔ اسفند یار مٹھیاں بھینچے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔

اسفند مزید اس کی لاپرواہی برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھا ہی تھا۔ بہارے نے اسفند کی کلائی پر نرمی سے ہاتھ رکھے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں عابیر کو کچھ بھی کہنے سے منع کیا تھا۔ اسفند جبڑے بھینچتے خود پر قابو پائے خاموش ہو گیا۔

تم اپنا بیٹا کی بات کرتا ہے کہ وہ زن مرید بنا پھرتا ہے ہمارا بیٹا تو اپنا جوان بھائی کا قتل اس کا جنازہ اپنا ماں کا انسو تک بھول گیا ہے۔ اس کو یاد ہے تو اپنا بیوی کا خوبصورتی اس کا جوانی روزینہ خانم کا لہجہ شدت سے اب بھیگا تھا۔

اسفندیار کا رنگ اب تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔ آنکھوں کا رنگ لہو رنگ ہوا تھا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچے داخلی دروازے کی جانب بڑھا۔

آپ کا زن مرید بیٹا اپنی اس خوبصورت بیوی کو عنقریب چھوڑ دے گا۔ بدلے میں لی ہوئی عورت کو اتنا دیر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں رات اسفندیار خان میرے قریب نہیں آیا آج سے سات ماہ پہلے اس نے مجھے جتنا استعمال کرنا تھا کر لیا۔ اب میں آپ کے بیٹے کو کبھی اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔ عابیر خان اپنی جان لے لے گی۔ اسفندیار خان کو چھونے نہیں دے گی۔ عابیر کی بات پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔ خون

رگوں میں بھڑکا تھا۔ وہ سب کے سامنے اتنی بے شرمی سے یہ سب کہے گی۔

اسفندیار نے بے انتہا غصے میں بھی کبھی اپنے بیڈروم کی باتیں اس طرح کی بات گھر والوں کے سامنے نہیں کی تھی۔ نہ کبھی وہ سوچ سکتا تھا۔ مقابل کی بے شرمی پر اسفند کا دل کیا تھا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اسفندیار خان کا خون لاوے کی طرح ابلا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتا پلٹا تھا۔ امینہ خانم نے غصے سے عابیر کو گھورا۔ اس کے لفظ انھیں بھی پسند نہیں آئے تھے۔۔

کیا بکواس کی ہے؟؟ اسفندیار خان نے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑی تھی۔

وہی جو آپ نے سنا۔۔ آپ کی مورے کی پریشانی دور کی ہے۔ وہ بے چین تھیں یہ جاننے کے لیے رات آپ نے اپنا حق لیا یا نہیں۔ عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اسفند کی نیلی آنکھوں میں گاڑھیں۔

اپنی پرسنل باتیں یوں سب کے سامنے کرو گی تم۔۔ اسفند نے اسے گھورتے لفظ چباتے اس کے بال گدی سے جکڑے۔ امینہ خانم بہارے روزینہ خانم سب صوفوں سے اٹھے تھے۔۔

سب گھر والوں کے سامنے آپ کہہ کر گئے کہ آپ نے بدلے کے طور پر مجھ سے نکاح کیا تھا۔ بدلے کی عورت کے لیے غیرت نہیں دکھاتے۔ بلکہ وہ غیرت ہوتی بھی نہیں وہ صرف بدلہ ہوتی ہے۔ اپنی عورت اپنی بیوی سمجھتے بھی میرے بال یوں سب کے سامنے نہ جکڑتے۔۔ یقینا یہ غیرت یہ غصہ اپنی مورے کو دکھا رہے ہیں۔ آپ مرد ہے آپ پر میرا کتنا زور چلتا ہے۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

اسفند نے عابیر کو خون آشام نگاہوں سے گھورتے اس کے بال ایک جھٹکے سے چھوڑے تھے۔

عابیر نے بہرام کو اپنے سینے سے لپٹایا تھا۔ اسفند چھوڑو اس بے شرم عورت کو۔۔ اس کا شرم لحاظ مر گیا ہے۔ اس کا ساتھ ہر تعلق ختم کر دو۔ اس طرح کا عورت مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اچھا تھا تمھارا ہوتے ہوے بھی بیوہ کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔۔ روزینہ خانم نے غصے سے کہا۔ مورے بس کریں۔۔ بہارے نے اپنے سر کو جکڑے کہا۔

جہاں یہ سب دیکھ کر دھمک ہو رہی تھی۔

بیوہ اتنے تیز رنگ کے کپڑے نہیں پہنتی۔۔ اسفند کی غیر موجودگی میں میں نے تیز رنگ کے کپڑے پہنے ہیں۔ مگر اسفند کے ہوتے میں نے سفید لباس پہنا ہے۔ عابیر کے جواب پر اسفند کے پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔ اس کے باتیں اس کے اندر ایندھن دہکا چکی تھیں۔

تم اسفند کی غیر موجودگی میں رنگین کپڑا اس براک کے لیے پہنتا تھا ہم کو معلوم ہے۔ تم کو ایک سات سالہ بچے سے محبت ہو گئی ہے۔۔ روزینہ خانم نے دارم خان کا نام لینے سے خود کو روکا تھا۔ شہرام کی دھمکی کی وجہ سے انہوں نے براک کا نام لیا تھا۔ ورنہ دل تو کر رہا تھا۔ دارم خان کا نام لے کر اسفندیار خان کے ہاتھوں عابیر کا مل کروادے۔۔ اسفندیار خان کو دیکھ کر انھیں اندازہ تھا۔ وہ دارم کا نام لیتی وہ عابیر کا قتل کر دیتا۔ اپنے بیٹے کے جذباتی پن سے واقف تھی۔ وہ سامنے کھڑی عورت کو لے کر کتنا جذباتی کتنا حساس ہے۔۔

میں براک سے محبت نہیں عشق کرتی ہوں۔

عابیر نے کہتے ہوئے بہرام کو سینے میں بھینچا تھا۔ اسفندیار خان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ وہ عابیر سے بہرام اسی لمحے چھین گیا تھا۔

جی تو کیا تھا مقابل کی سانسیں چھین لے۔۔ عابیر کا ہر لفظ اسے بری طرح چھا تھا۔۔ وہ دہکتے کوئلوں پر کھڑا تھا۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنے لیے کوئی جذبہ نظر نہیں آیا تھا۔ اسفند۔۔۔۔۔ عابیر نے بہرام کو اسفند کی گود میں دیکھتے اسے بھیگے لہجے میں پکارتے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

بہرام کا اسفند کا یوں چھینا اس کی آنکھیں پل میں بھگو چکا تھا۔۔ وہ بچوں کو لے کر واقعی میں بہت حساس تھی۔

مجھے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھنا بند کرو تم۔

تمھارا اس حویلی کے کسی بچے سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔۔ تمھیں تو عادت ہے سات سال کے بچوں کو گود میں کھلانے کی۔۔ ان سے عشق کرنے کی۔ اسفند نے عابیر کو گھورتے بہرام کو صوفے پر لٹایا۔ وہ مقابل سے سب کچھ چھین لینا چاہتا تھا۔ اگر اس کی زندگی میں وہ نہیں تو کوئی نہیں۔

بہرام پر کس کا حق ہے کس کا نہیں یہ تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں اسفند یار خان۔۔

تمھارا اس حویلی کے کسی بچے سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔۔ تمھیں تو عادت ہے سات سال کے بچوں کو گود میں کھلانے کی۔۔ ان سے عشق کرنے کی۔ اسفند نے عابیر کو گھورتے بہرام کو صوفے پر لٹایا۔ وہ مقابل سے شہرام کی آواز پر امینہ خانم اور روزینہ خانم نے فق رنگت سے اسے دیکھا تھا۔۔ بہارے درد سے کراہتے اپنے سٹیچز پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ شہرام نے پہلی مرتبہ اسفند کو اس کے نام سے پکارا تھا۔ ورنہ وہ اسے لالا ہی کہتا تھا۔

عابیر جلدی سے شہرام کی طرف بڑھی۔۔ لالا جانے دیں پلیز مجھے اسفند یار خان کی باتوں سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ عابیر نے شہرام کی کلائی جکڑے اسفند یار خان کو دیکھا تھا۔

اسفندیار خان نے بمشکل ہی اس کے لفظ برداشت کیے تھے۔ ابھی وہ اس کے بولے گیے پہلے لفظوں کے حصار سے نہیں نکل سکا تھا۔ وہ مزید اسے طیش میں مبتلا کر چکی تھی۔

اسفند غصے سے عابیر کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے اسفند عابیر کی کلائی پکڑتا اسفند کی کلائی پر شہرام کا مضبوط ہاتھ آن ٹھہرا تھا۔۔ دور رہو میری عالی سے۔ ورنہ یہ کلائی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔۔ شہرام اسفند کی کلائی بھٹکتے غرایا تھا۔

شہرام۔۔۔۔۔ بہارے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

رک جاؤ بہارے۔۔ تم میری بیوی میرے بیٹے کی ماں ہو۔ تمھاری ہر بات برداشت کر سکتا ہوں۔ لیکن وہ بات میری ذات سے جڑی ہو۔ میرے رشتوں کے بیچ بھی نہ آنا۔۔ اور میری عالی کے معاملے میں کبھی مت بولنا۔

وہ برداشت نہیں کروں گا۔ شہرام ہاتھ کے اشارے سے بہارے کو وہیں روکتا اسفندیار خان کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے گر جاتھا۔۔ میں تمھیں بھی حق نہیں دیتا تم میری بیوی کے متعلق مجھ سے سوال جواب کرو۔ اسفندیار خان عابیر کی کلائی جکڑے اسے اپنے قریب کر گیا۔۔۔ اسفند چھوڑیں مجھے۔۔ عابیر اپنی کلائی چھڑواتے چیچنی تھی۔ خاموش عابیر آواز نہ نکلے تمھاری۔۔ اتنی دیر سے تمھاری بکواس برداشت کر رہا ہوں۔ اسے میری کمزوری مت سمجھو۔۔ اسفند عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔ شہرام جانے دو۔ اسفند ٹھیک کہہ رہا ہے وہ عابیر کا شوہر ہے۔ جس طرح تمھارا بہارے پر حق ہے۔ اس طرح اسفند کا عابیر پر حق ہے۔ امینہ خانم نے شہرام کے قریب آتے اسے سمجھایا۔ انھیں آج عابیر پر شدید غصہ تھا۔

انہوں نے عابیر کی تربیت ایسی نہیں کی تھی وہ اپنے شوہر کے سامنے یوں بے شرمی کی حد پار کرے۔ اپنے کمرے کی باتیں کرے۔

مورے میں بہارے پر حق رکھتا ہوں۔ کیا اس حق کا کبھی غلط استعمال کیا ؟؟۔ کبھی بہارے کی حق تلفی کی ؟؟۔ کبھی کسی کے سامنے اپنی بیوی کے لیے تذلیل بھرے لفظ استعمال کیے۔۔ اسفندیار کے کیے کی سزا اسے دی۔۔ چاہتا تو بڑی آسانی سے بہارے کو سزا دیتے اسفندیار خان کو امریکہ سے یہاں بلا سکتا تھا۔ اسفندیار خان اپنی بہن کے آنسو دیکھتا سر کے بل پاکستان آتا۔۔ مگر نہیں اس میں میری بیوی کی تذلیل تھی۔ اس کا وہ مقام گر جاتا جو میرے دل میں اس کے لیے ہے۔ جب میں اپنی بیوی کے لیے اپنے لبوں سے بولے گئے تذلیل بھرے لفظ نہیں برداشت کر سکتا تو کیسے اپنی بہن کی تذلیل اس کے آنسو برداشت نہیں کروں گا؟؟۔ شہرام کی

گرجدار آواز حویلی کے در و دیوار میں گونج رہی تھی۔ شہرام تم میرے لالا سے ایسے بات نہیں کر سکتے۔۔ اور جہاں تک کہ بات ہے اپنی بیوی کے آنسوؤں کی۔ تم سب مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔۔ اپنی بہن کے آنسو برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر رات رات بھر بیوی کی سسکیاں سنتے تم مردوں کو سکون ملتا ہے۔ کتنا ترپایا ہے تم نے مجھے۔ رات رات بھر مجھے انسو بہاتا دیکھا ہے۔ مجھے صوفے پر بیٹھے راتوں کو جاگتے دیکھا ہے۔ سزا تو تم نے بھی مجھے دی میری بے رخی کی۔ مرد تو تب لگتے جب بنا مجھے کوئی سزا دیے بغیر میری محبت پاتے۔۔ اور مجھے موت کے منہ میں لے کر جا بھی تم میرے حقوق کی بات کرتے ہو۔ ڈبل سٹینڈرڈ ہے تمھارا شہرام خان۔۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئی تھی۔ اپنی حیثیت تو تم نے آج خود ہی سب کے سامنے واضح کر دی ہے۔ جس طرح تم آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے مجھ پر سب کے سامنے سوال اٹھا رہی ہو۔ مجھ سے بات کر رہی ہو۔ حویلی کا کوئی اور مرد ہوتا تو تمھارا گال تھپڑ سے سرخ کر دیتا۔

شہرام بہارے کی آنکھوں میں دیکھتا طنزیہ مسکرایا تھا۔

کہہ دیا تم نے بھی تھپڑ مار دیا۔ سوچ لیا تم نے بھی بیوفائی کر لی۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں تڑپتے ہوئے شہرام کے کالر جکڑے تھے۔ آنکھوں میں گہرے شکوے واضح تھے۔ وہ کیسے کسی اور عورت کے لیے کمرہ سجا سکتا تھا۔

اس کی جگہ کسی دوسری عورت کو دینے کا سوچ سکتا تھا۔ وہ کیسے کسی دوسری عورت کو سینے سے لگائے کھڑا ہو سکتا تھا۔۔۔ عشق کا دعوا کرنے والے کا اتنا کمزور عشق۔ اس نے کبھی اس سے عشق کیا ہی نہیں تھا۔ یہی سوچ کر وہ دن رات تڑپتی تھی۔

کیوں کیا میرے ساتھ ایسا۔ بہارے نے شہرام کا گریبان جکڑتے روتے ہوے پوچھا۔

کیا کیا ہے اس نے تمھارے ساتھ ؟؟۔۔ اسفندیار خان آگے بڑھتے بہارے کو شہرام سے الگ کرتے قہر آلود اواز میں پوچھا تھا بہارے اسفند یار کے سینے سے لگے تڑپتے ہوے رو پڑی تھی.

شہرام نے لب بھینچتے ہوئے بہارے کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ صوفے پر لیٹے بہرام کے رونے کی اواز پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے.

شہرام بچے کے سامنے ایسے مت چلاؤ۔ فرشتے کا دراب کا سانسیں اٹک جاتا ہے۔ ذرا سا بھی کوئی اس کا سامنے اونچا بولتا ہے۔ امینہ خانم نے شہرام کو احساس دلایا تھا۔ عابیر جلدی سے آگے بڑھی تھی اسفندیار خان نے عابیر کی

کلائی سختی سے تھامی۔۔۔ شہرام نے یہ دیکھتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔ بہارے اسفند کے حصار سے نکلتے بہرام کی طرف بڑھی تھی۔

درخشاں نے جلدی سے آگے بڑھتے بہرام کو گود میں اٹھایا تھا۔ اور شہرام کے اشارے پر وہ اسے لیے ان کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھی۔۔

اسفندیار خان کچھ بھی ہو جائے۔ زمین آسمان ایک ہو سکتے ہیں۔ قیامت آسکتی ہے۔ عابیر تمھاری ملکیت تمھاری عورت نہیں رہ سکتی۔ ہر حال میں تمھیں عابیر کو چھوڑنا پڑے گا۔ شہرام نے اسفند کے قریب ہوتے عابیر کی کلائی اسفندیادر خان کے ہاتھوں سے چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔

اسفندیار خان نے پوری قوت سے مکہ شہرام کے منہ پر جڑ دیا تھا۔ لالا ۔۔۔۔ عابیر تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔ اسفند نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مزید مضبوط کی۔

بہارے یہ سب دیکھتے ایک بار پھر سے صوفے سے سے اٹھی تھیں روزینہ خانم بھی اب بہت پریشان ہوئی تھیں۔

تم بھی سن لو شہرام خان۔۔ زمین آسمان کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ نہ قیامت اپنے وقت سے پہلے آسکتی ہے۔ یہ باتیں ناممکنات میں سے ہیں۔ اسی طرح اسفندیار خان کا حق عابیر پر کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔۔ اسفند پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

بھی ختم نہیں ہو سکتا۔۔ اسفند پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔ شہرام کے جبڑے سے خون نکلتا دیکھ کر عابیر بری طرح رو دی تھی۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو اندر اتارے تھے۔

شہرام نے آگے بڑھتے اسفند کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔ امینہ خانم لرز کر رہ گئی تھی۔

شہرام یہ کیا کر رہا ہے تم اسفند بڑا ہے تم سے۔۔ رہا امینہ خانم شہرام اور اسفند کے بیچ حائل ہوئیں تھیں۔ انہوں نے اپنا مقام گرا دیا ہے میری نظروں میں مورے۔ جو کبھی نہیں اٹھ سکتا۔ کسی صورت عابیر کو اسفند کے ساتھ نہیں رہنے دوں گا۔ عابیر کو اسفند سے طلاق دلوا کر میں بدلوں گا حویلی کی روایات۔ پہلے میں اپنی بہن کے لیے کھڑا نہ ہو سکا۔ اس کے ڈاکٹر بننے کے لیے کھڑا نہ ہو سکا مگر اب عابی کے ساتھ ہوں۔

یہ کیا ہو رہا ہے ؟!۔ ارحام فرشتے کے ساتھ زنان خانے میں داخل ہوتا دانت پر دانت جمائے بولا تھا۔۔ زنان خانے کا منظر دیکھتے اس کے اعصاب ساکت ہوے تھے۔ فرشتے دراب کو سینے سے لگائے جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔ شہرام تم بڑے چھوٹے کی تمیز بھول گئے ہو۔ اسفند بڑا ہے تم سے۔۔ ارحام شہرام کے مقابل آتے سرد لہجے میں بولا۔

مجھے کچھ بھی لالا آپ میرے ٹکڑے کر دیں۔ کہہ لیں میری اواز تو نکلنا دور میری نظریں بھی آپ کے سامنے نہیں اٹھیں گی۔۔ لیکن آپ یہ چاہیں گے کہ میں اسفندیار خان کے سامنے چپ ہو جاؤں۔ یہ سب کی بھول ہے۔ عابیر اسفند کی زندگی میں نہیں رہے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ابھی بھی آپ

کے احترام میں پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ مگر عابیر اسفند کے ساتھ نہیں رہے گی۔۔ شہرام اپنی بات مکمل کرتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

اسفند سات مہینے بعد اگر تمھاری غیرت جاگ گئی ہے تو اسے اپنے کمرے تک محدود رکھو تو بہتر ہو گا۔ ارحام اسفند کے مقابل آتے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لالا۔ اب یہ غیرت کمرے میں ہی جاگے گی۔۔

اسفند عابیر کو قہربار نگاہوں سے گھورتے اسے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔۔ اسفند۔۔۔۔ عابیر حلق کے بل چلائی تھی۔ اسفند اس کی کلائی جکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

ارحام عابیر کی طرف بڑھا۔ امینہ خانم نے ارحام کی کلائی جکڑی۔۔ ارحام رہنے دو۔۔ وہ اس کا شوہر ہے۔ تم کچھ بھی کہے گا۔ وہ تم سے بد تمیزی کرے گا۔ پھر یہ حقیقت ہے وہ اس کا شوہر ہے۔ امینہ خانم نے ڈبڈبائے لہجے میں کہا۔

مورے ارحام نے ان کی ہتھیلیاں چومتے انھیں سینے سے لگایا۔ داجی سب کہاں ہیں؟؟ اتنا تماشہ ہو گیا کسی نے روکا کیوں نہیں۔۔ ارحام نے امینہ خانم کو سینے سے لگائے پوچھا۔

تمھارا بابا داجی سب کسی کا فوتگی میں گیا ہے۔ شکر ہے تم آگیا ورنہ شہر ام ہمارا قابو میں نہیں آرہا تھا۔ امینہ خانم ارحام کو اپنے سامنے دیکھتے رو دیں تھیں۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ عابیر کی کلائی جکڑے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ اسے پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔ عابیر اوندھے منہ کارپٹ پر گری

تھی۔ اب تم تب تک اس روم میں بند رہو گی۔ جب تک تمھارا لالا امریکہ سے واپس نہیں آجاتا۔ اسے دردناک موت دینے کے بعد ہی اب یہ دروازہ کھلے گا۔ اسفند غراتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا تھا۔ عابیر زمین سے اٹھتے ہوئے اسفند کی طرف بڑھتے اس کی شال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

میرے لالا کو کچھ بھی ہوا تو اسفندیار خان بھی نہیں رہے گا۔ یہ وعدہ ہے ایک بہن کا۔ عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔۔ تمھارے لالا کی جان لینے کے بعد تم میری جان لے لینا۔ میں تمھاری جان لے لوں گا۔

ایک ساتھ تین تین جنازے اٹھیں گے۔ تمھیں سزا نہیں دینا چاہتا۔ مگر کیا کروں اپنے مرنے کے بعد بھی گوارا نہیں تم دوسروں کے بچے پالو۔۔

اسفندیار خان اپنی شال اس کی مٹھیوں سے چھڑوانا اسے دھکا دیتے دروازہ کھولتے باہر نکل گیا۔۔ عابیر تیزی سے زمین سے اٹھتی دروازے کی طرف

بڑھی۔ مگر وہ اتنی دیر میو دروازہ باہر سے لاک کرتا چلا گیا تھا۔ عابیر لاک کو گھماتے گہرے سانس لیتے زمین پر دوازانو بیٹھتے سکتے ہوے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔

ابرش زاران کے جانے کے بعد جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ جسے وہ لاک کر گیا تھا۔ ابرش نے لاک کو گھماتے کافی مرتبہ کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کھل نہیں سکا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

ہوٹل کا یہ ایریا دو کمروں میں مشتمل تھا۔ ایک بیڈ روم تھا۔ ایک بے حد خوبصورت سٹائلش سا سٹنگ ایریا تھا۔۔ جہاں کمفر ٹیبل سے صوفے رکھے تھے اور ایک طرف چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل تھی۔ ابرش سٹائلش سی ڈائینگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ جہاں ٹیبل پر بہت شاندار سا کھانا سجا ہوا تھا۔ تمام ڈشز کے کور ہٹاتے ہوئے وہ نم آنکھیں لیے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ابرش نے بیڈ روم میں آتے ہی واش روم سے اپنی شرٹ اور باہر زمین پر پڑی اپنی جینز پہنی جلدی سے پہنی تھی۔ اپنے وجود کو چادر سے اچھی طرح لپیٹا تھا۔ اسے زاران کے آنے سے پہلے کچھ بھی کر کے اس کمرے سے نکلنا تھا۔

وہ بیڈ روم میں رکھے لینڈ لائن فون کی طرف بڑی تھی۔ ہوٹل ریسپشن کا نمبر ڈائل کرتے اس نے فون کان سے لگایا

Hello i m talking from room no 145.i m stuck in room -plz do some thing

ابرش نے فون کان سے لگائے کہا تھا۔۔ ہوٹل عملے نے شائستگی سے اسے انگلش میں کام رہنے کو کہا تھا۔ پانچ منٹ کے اندر اسے روم سے باہر نکال لیا جائے گا اسے یقین دہانی کروائی تھی۔

مسٹر خانزادہ میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں. تم اپنی حویلی میں قید کر کے بھی رکھو گے تو رہ لوں گی۔ تمھاری آنکھوں میں سرد پن قبول ہے مگر تمھاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت قبول نہیں۔ تم ساری عمر مجھے بہزاد خان کا طعنہ دو گے۔ جبکہ جانتے ہو اپنی عزت سے زیادہ مجھے تمھاری عزت عزیز تھی۔ اپنی چادر تک نہیں اترنے دی تھی۔ اس دن۔۔ مگر تم مرد ہو ناں اس لیے کبھی یہ نہیں بھول سکتے۔ بھولنا چاہو بھی نہیں بھولو گے۔۔ ابرش

نے اپنی انکھوں سے بہتے آنسو صاف کرتے فون کریڈل پر رکھا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ جلدی سے باہر کی طرف بڑھی تھی۔

ہوٹل سے باہر نکلتے ہوے اس کے قدم یکدم رکے تھے۔ آنکھوں میں بے یقینی سی ٹھہری تھی۔

کانوں میں اس ستم گر کے لفظ گونجے تھے۔ وہ گہرے سانس لیتے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

!!ابرش لاسٹ ٹائم ایکسپلین کر رہا ہوں۔ میرا پلوشہ اور ستارہ خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمھارے علاوہ میں نے کبھی کسی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ جن نظروں سے تمھیں دیکھتا ہوں۔ ستارہ خان کے اپر لپ پر

مول ہے یہ رات مجھے تم سے پتہ چلا۔ میں نے کبھی اسے اتنے غور سے نہیں دیکھا کہ مجھے پتہ چلتا کہ اس کے کہاں کتنے تل ہیں۔ اس لیے آئیندہ مجھ پر الزام مت لگانا!!

ابرش مسلسل سر نفی میں ہلاتے گلاس ونڈو سے نظر آتے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کے عارض کو بھگو رہا تھا۔ وہ کرب سے لب دانتوں تلے دبائے ہچکی لے کر رہ گئی تھی۔

وہ ہوٹل کے ڈائینگ ایریا میں ستارہ خان کے سامنے والی چیئر پر بیٹھا پر تکلف ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کے اپر لپ پر مول نہ دیکھنے کا دعوا کرنے والا اس وقت صرف اس کے اپر لپ پر مول پر نظریں گاڑھے بیٹھا تھا۔ اور کہیں اس کی نظریں تھیں ہی نہ تھی۔ وہ تو دنیا جہاں سے جیسے بے خبر تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں دبوچ گئی تھی۔ آنکھوں کے گلابی پن نے سرخی اختیار کی تھی۔ وہ سامنے بیٹھے انسان سے اتنی شدت سے محبت کرتی تھی۔ اسے کسی کے ساتھ سوچ کر ہی مرنے والی ہو جاتی تھی۔ اسے کسی عورت کے چہرے پر نظریں گاڑھے دیکھ کر اس کی سانسیں جیسے بند ہو گئی تھیں۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچ گئی تھی۔

اک تو ہی ہے دولت میری حاصل تو میرا

کتنی ہے محبت تجھ سے بے حساب وفا

حسرتوں سے بڑھ کر اپنی چاہا تجھے ہمیشہ

یہ قصور میرا یقین کیا ہے

دل تیری ہی خاطر رکھ چھوڑ دیا ہے

وہ آنکھیں میچے اپنے لرزتے وجود کو بمشکل سنبھالے کھڑی تھی۔ ستارہ خان زاران کے اتنے قریب بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اگر وہ کبھی کسی دوسری عورت کو کبھی اس کی جگہ دے دے گا تو وہ سچ میں دوسرا سانس نہیں لے پائے گی۔۔

تو تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ تم میرے لیے یہاں نہیں آئے۔ تم اس ستارہ خان کے ساتھ یہاں آئے ہو۔ گزرتے ہوئے مجھ پر نظر پڑی تو تمھاری غیرت جاگ گئی۔ پٹھانوں کا خون کھول اٹھا۔ اب تم مجھے حویلی لے جا کر قید کرنا چاہتے ہو۔ پھر سے وہ کہانی دہرانا چاہتے ہو۔ مجھے اپنے کمرے میں قید کر رکھ کر دوسری عورتوں کے ساتھ تعلق نبھاؤ گے۔۔ نہیں مسٹر خانزادہ میں ابرش پاشا ہوں۔ میں تمھارے ساتھ واپس نہیں جاؤں گی۔ تمھیں مبارک

ہو پلوشہ اور ستارہ خان جیسی گھٹیا عورتیں۔ تم اسی قابل ہو تمھیں ایسی ہی عورتیں ڈیزرو کرتی ہیں مسٹر خانزادہ۔۔

ابرش سسکی لیتے اپنی آنکھیں رگڑتے یکدم پاگلوں کی طرح چیخی تھی ۔پاسے گزرتے کچھ امریکن کپل نے ابرش پر ناگوار نگاہ ڈالی تھی۔ وہ اتنے درد میں تھی وہ بھول ہی چکی تھی وہ کہاں ہے۔

.وہ اپنے آنسو صاف کرتے جلدی سے ہوٹل کے اینٹرس ڈور کی طرف بڑھی تھی۔ ابرش نے پلٹتے ہوے ایک بار پھر سے پیچھے مڑ کر گلاس وال سے نظر آتے اس منظر پر نظریں دوڑائیں تھیں۔ جو اس کے اندر آگ دہکائے ہوے تھا۔

وہ ابھی بھی اسی پوزیشن میں بیٹھا مسکراتے ہوے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

!!مجھے عورت کا اپر لپ مول بہت اٹریکٹ کرتا ہے!!

اس کے لفظ یاد کرتے وہ بری طرح سسک پڑی تھی۔ وہ شعلہ جوالہ کی طرح سلگی تھی۔ وہ وہاں مزید ٹھہر نہیں سکی تھی۔ وہ اسے ایک بار اور دیکھتی تو اسے ستارہ خان سمیت آگ لگا دیتی۔ وہ اپنے آنسو صاف کرتے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوٹل سے باہر نکل آئی تھی۔

زاران خانزادہ کی گاڑی نیویارک کی سڑکوں کی کب سے خاک چھان مار رہی تھی۔ وہ پچھلے تین گھنٹوں سے ڈرائیو کرتے ابرش کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ گھر بھی نہیں گئی تھی۔ یہ بات اسے زحلے سے پتہ چل گئی تھی۔ دو گھنٹے بعد اس کی پاکستان کی فلائٹ تھی۔ اور وہ ابرش کو کسی قیمت پر یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ کسی قیمت پر وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنی بیوی

اپنی حویلی اپنے کمرے میں چاہیے ہی تھی۔۔ مگر اسے آج ہی فلائٹ لینی تھی۔ وہ یہ فلائٹ بھی مس نہیں کر سکتا تھا۔

اسفند یار خان اور شہرام میں جو کچھ ہوا اسے پتہ چل چکا تھا۔ اسے اب جلد از جلد پاکستان پہنچنا تھا۔ اس پر ایک ایک پل بھاری پڑ رہا تھا۔ اسفند پاکستان آئے گا وہ جانتا تھا۔ مگر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اتنی جلد آئے گا۔ اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ سچ میں پرائیویٹ جیٹ کروا کے آیا تھا۔ یہ بات اسے مزید پریشان کر چکی تھی

وہ جانتا تھا اسفند یار خان عابیر کے لیے پاگل ہے۔ مگر دیوانگی کی حد تک پاگل ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔ دارم خان والی بات پر وہ اس کے اسی ری ایکشن کا منتظر تھا۔ مگر اب اس کی جان سولی پر لٹکی تھی۔۔ اس بات کو لے کر اسفند

نے کہیں عابیر کو ہرٹ نہ کر دیا ہو۔ یقیناً وہ بھی اسفند کی جگہ ہوتا تو ابرش کو بہت بری طرح سزا دیتا۔ وہ ایک غیر مرد کی حویلی میں رات گزارتی تو وہ پاگل ہو جاتا۔ یہ بات اسے طیش دلانے کے لیے کہی تھی۔ اب بات اس کے ہاتھوں سے جیسے نکل گئی تھی۔ اسفند یار خان پر اس کا غصہ بھی مسلسل بڑھ رہا تھا۔ عابیر کو اس نے ذرا بھی ہرٹ کیا ہوا وہ اس کی جان لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔ تھا۔ زاران نے پوری قوت سے سٹیرنگ پر مکہ دے مارا تھا۔۔ عابیر کے لیے اس کا دل بہت پریشان تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح وہ اپنی بیوی کے مسائل میں الجھا تھا۔

کہاں ہو تم بیوی؟؟ زاران نے طیش و اشتعال سے سٹرینگ پر مکہ دے مارا تھا۔

ہمیشہ کہتا ہوں تمھاری جان لے لوں گا۔ آج دعا ہے میری کہ تم پر گولی چلاتے ہوئے میرے ہاتھ نہ کانپے۔ زاران غصے سے حلق کے بل چیخا تھا کہ اس کی گاڑی بھی اس کی چیخ پر بری طرح ڈولی تھی۔

!! آپ نہ آتے تو آج رات میرا نیویارک کے بار ایکسپلور کرنے کا آرادہ تھا۔۔ بلکہ آج رات میں مختلف بار ایکسپلور کروں گی۔ ابرش پاشا نیویارک کی خوبصورت رات کی خوشبو اور مہک سے پھر سے خود کو زندہ کرے گی!!

اس کے لفظ سوچتے وہ مزید پاگل ہو رہا تھا

کہیں وہ بار تو نہیں چلی گئی۔۔ یہ سوچ آتے ہی اسے اپنا پورا وجود آتش گیر مادے کی طرح پھٹا محسوس ہو رہا تھا۔۔

یہ نہیں کر سکتی تم بیوی۔۔۔یہ غلطی تم جذبات میں آکر کبھی نہیں کر سکتی۔۔اگر تم نے بار میں قدم بھی رکھا قسم کھاتا ہوں تمھیں زندہ دفنا دوں گا.

زاران نے دھاڑتے ہوئے اپنی گاڑی کا رخ نیویارک کے سب سے فیمس بار کی طرف موڑا تھا۔جو یہاں آس پاس ہی تھا۔

تم یہ نہیں کر سکتی بیوی۔۔تم ایسا نہیں کر سکتی۔وہ مسلسل سر نفی میں ہلاتے تند و تیز گاڑی چلا رہا تھا۔

رنگت اشتعال کے مارے سرخ تھی۔وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔اس کی بیوی کچھ بھی کر سکتی تھی۔اتنا تو اسے اندازہ تھا۔اسے جذبات میں سمجھ نہیں

آتا۔ وہ چادر میں بھی بار جا سکتی ہے۔ مگر کسی بار میں اس کا چادر میں لپٹا وجود بھی گوارا نہ تھا۔

زاران نے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں پسٹل چیک کرتے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولے تھے۔ اسے یکدم اکسیجن کی کمی لگی تھی۔ دل و دماغ پر جیسے اس وقت کسی نے کھولتا پانی انڈیل دیا تھا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

آنکھیں جتنی سرخ تھیں۔ اتنی ہی سرد اور سپاٹ بھی تھیں۔۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی بیوی۔۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔۔ وہ حلق کے بل دھاڑا۔۔۔ بے بسی کے احساس سے وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا۔

زاران کے گاڑی کے ٹائر چرچراتے ہوئے یکدم رکے تھے۔ زاران نے سرد سرخ نگاہ سڑک کے دوسرے اطراف میں کھڑے وجود پر ڈالی۔ وہ سڑک کے دوسری طرف اسی دریا کے پل کے کنارے کھڑی تھی۔ جہاں اسے کل

رات ملی تھی سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی تھی۔وہ سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔اس کے سامنے جانے سے پہلے اسے اپنے غصے اور اشتعال پر کنٹرول کرنا ہی تھا۔

کیا چاہتی ہو تم؟؟جس دن تمھارے لیے کسی کو قتل نہ کروں اس دن خودکشی کرلوں۔۔زاران اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے سرد آواز میں مدھم آواز میں سرگوشی کر گیا تھا۔زاران کی آواز سنتے اس کا وجود لرزا تھا۔۔اس کا لمس اسے اس ٹائم زہریلے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہوا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے پلٹنا چاہا۔وہ اس کی پشت کو اپنے سینے سے لگاتے

اس کے پیٹ پر سختی سے ایک ہاتھ جما گیا تھا۔ ابرش اب اس کے حصار میں حرکت بھی کر نہیں پا رہی تھی۔۔ زاران نے اس کی چادر میں ہاتھ ڈالے اس کی بیلی بٹن کو اپنے ہاتھ کی مٹھی میں اتنی سختی سے بھرا تھا کہ ابرش سسک کر رہ گئی تھی۔ اس نے چادر کے اندر سے بے باک حرکت کرتے ابرش کی رنگت سرخ کی تھی۔ ابرش کا پورا بدن کانپا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف موڑ چکا تھا۔

ابرش نے شبنمی آنکھوں سے زاران کی براؤن پرکشش آنکھوں میں دیکھا تھا۔ جو سرد سرخ تھیں۔۔ وہ اس کے نقوش اپر اپنی سرد نگاہیں گاڑھے اپنی پرتپش سانسیں چھوڑ رہا تھا۔

منع کیا تھا نا تمھیں بیوی تم کمرے سے باہر نہیں نکلو گی۔ کیوں نکلی تم ؟؟ زاران اس کے سرخ چہرے پر نظریں جمائے غرایا۔

مجھ سے محبت نہیں کرتے نا تم۔ میں صرف تمھاری جھوٹی غیرت ہوں ناں۔ ابرش نے اس کا سوال نظر انداز کرتے شبنمی لہجے میں سوال کیا۔

ابرش۔۔۔ ان باتوں کا مقصد تم کمرے سے اکیلے نکل آئی۔۔ میں پچھلے تین گھنٹوں سے سڑکوں پر خوار ہو رہا ہوں۔ تم یہاں پر کھڑے روتے ہوئے مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ زاران نے اس کی متورم آنکھیں دیکھتے دانت پیسے تھے۔۔۔ وہ اس پر اپنی گہری نگاہیں گاڑھے اس سے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

اس ستارہ خان سے تمھیں ٹائم مل گیا جو تم مجھے ڈھونڈنے رہے۔ ابرش کی بات پر اس کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔

ابرش کیا کہا تھا کہ مجھ پر آئیندہ الزام مت لگانا۔۔میر استارہ خان سے کوئی تعلق نہیں۔۔زاران اس کی بات کاٹتے درشت لہجے میں بولا

تم نے کہا کہ تمھیں یہ بھی نہیں پتہ ستارہ خان کے اپر لپ مول پر تل ہے۔۔مگر ہوٹل کے ڈائینگ ایریا میں بیٹھے تمھاری نظریں اس کے اپر لپ پر ہی تھیں۔ابرش نے چٹختے ہوے اس کے چٹانی سینے پر اپنا ہاتھ مارا تھا۔وہ تڑپتے ہوے اسے روتے ہوے دیکھ رہی تھی۔

وہ سمجھ چکا تھا وہ اسے ہوٹل میں ڈائینگ ایریا میں ستارہ خان کے ساتھ بیٹھا دیکھ چکی ہے۔

زاران اس کا بے انتہا سرخ چہرہ متورم آنکھیں لرزتا وجود دیکھے تاسف سے سر ہلایا تھا۔وہ پچھلے چار گھنٹوں سے یقیناً رو رہی تھی۔

دیکھ سکتے ہو مجھے ایسے۔۔مجھے شکی ذہنی مریض بلڈی وومن بلا سکتے ہو۔جو انسکیور ہے۔ابرش نے کرب سے ہچکی لی۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا تھا۔

مین تم سے ایک بات پوچھتی ہوں۔تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔مجھے ایسے کسی مرد کے ساتھ باتیں کرتے دیکھتے تو کیا سوچتے۔وہی سوچتے ناں جو میں سوچ رہی ہوں۔ابرش نے زاران کی سرخ انکھوں میں دیکھتے کہا جو اس کی بات پر مزید سرخ ہوئیں تھیں۔

نہیں کر سکے ناں برداشت میرے لبوں سے یہ بات سن کر بھی۔۔ اگر مجھے ایسے کسی سے باتیں کرتا دیکھ لیتے تو یقیناً مجھے اور اسے جان سے مار ڈالتے۔ ابرش نے استھزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

ہاں جان سے مار ڈالتا۔۔ اور مارا بھی ہے تمھاری آنکھوں کے سامنے ان کتوں کی جان لی بھی ہے۔ زاران اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولا۔۔

مجھے بتاؤ میں کیا کروں ؟؟۔ کیا میں بھی اس پلوشہ ستارہ کی جان لے لوں ۔۔ ابرش روتے ہوے بری طرح چیخی تھی۔

لے سکتی ہو تو لے لو۔۔ مگر تم ایسا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عورت ہو تم۔۔ اس لیے بات کرتے اور کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کرتے ہمیشہ یاد رکھا کرو عورت ہو تم۔۔

عورت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے میں سب کچھ برداشت کروں۔ ابرش اس کی بات کاٹتے پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں چیخی تھی۔

ابرش کیا برداشت کیا ہے تم نے۔ ذرا بتاؤ مجھے۔ وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا۔ ابرش پیچھے کو ہوتی ریلنگ کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ برداشت کی حد کو تم نے میری ازمایا ہے۔ ابھی بھی آزما رہی ہو تم۔۔ زاران نے اسے گھورتے لفظ چبائے تھے۔

کون سی برداشت کی حد کو آزمایا میں نے۔ برداشت میں کر رہی ہوں تمھیں۔۔ ہر بار تمھارا اجڈ گنوار سفاک رویہ برداشت کرتی ہوں۔ میری غلطی تھی تم جیسے اجڈ گنوار سے پیار کیا۔ جو بیوفا بھی ہے۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ زاران غصے سے مزید اس کے قریب ہوا۔

ہر لمحہ آگ میرے سینے میں دہکتی ہے۔ان سات ماہ میں انگاروں پر لوٹا ہوں۔اتنا جلا اتنا تڑپا ہوں کہ سونا بھول چکا ہوں۔ مجھ سے مقابلہ مت کرو ورنہ ہار جاؤ گی۔بہت گہرے زخم ھیں یہاں۔۔زاران نے سینے پر ہاتھ مارا تھا

تم ہمیشہ مجھے وہ سب یاد دلا کر ذہنی ٹارچر کرو گے۔ابرش نے روتے ہوے پوچھا۔

اسی لیے کہہ رہا ہوں عورت ہو عورت بن کر رہو مسسز خانزادہ۔۔۔۔جتنے گھٹیا الزام تم نے مجھ پر پلوشہ اور ستارہ خان کو لے کر لگائے ہیں۔اگر میں کبھی ایسا لفظ منہ سے بھی نکالتا تم ساری عمر میری شکل دیکھنا گوارا نہ کرتی۔۔زارن نے اس کے آنسو دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا۔

تم الزام لگا چکے ہو۔ جو مجھے طعنے دیتے ہو وہ سب کیا ہے۔ ابرش اس کی بات پر بلبلائی تھی۔

طعنہ مارنا اور الزام لگانے میں فرق ہوتا ہے۔ میں نے کبھی تمھاری کردار کشی نہیں کی۔ نہ کبھی کروں گا۔ تمھیں تمھاری سنگین غلطیاں یاد دلائی ہیں مگر تمھارا نام کبھی کسی کے ساتھ جوڑا نہیں۔ یہ ہوتی ہے ایک مرد کی برداشت۔۔ مرد تم عورتوں کے شک میں بھی اپنے لیے بے پناہ محبت تلاش کر لیتا ہے۔۔ اپنے کردار پر الزام ہنس کر سہہ لیتا ہے۔ نہ صرف ہنس کر سہتا ہے گھنٹوں صفائیاں بھی دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عورت اس کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے۔

زاران نے ابرش کے بہتے آنسوؤں کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے گلاب عارض پر بہتے آنسوؤں پر اپنی انگلیاں نرمی سے رکھیں۔ جسے ابرش بری طرح جھٹک گئی تھی۔

تم مردوں پر وہ الزام نہیں ہوتا۔۔ تم مردوں کے دل میں ہمیشہ دوسری عورت کی گنجائش رہتی ہے۔ رہے گی کیوں نہیں تم مردوں پر بیک وقت چار ہلال جو ہوتی ہیں۔ ابرش اسے خود سے دور دھکیلتی سلگتے لہجے میں بولی۔

تم نے خود ہی اپنے سوالوں کا جواب دے دیا کہ تم عورت ہو۔ اور تمھیں اپنی حد میں رہنا چاہیے۔

چار ہم مردوں پر ہلال ہوئی ہیں۔ مگر عورت ایک مرد کے نکاح میں رہتے ہوے کسی دوسرے کو ایک پل کے لیے بھی سوچ نہیں سکتی۔ کیونکہ خدا نے عورت کے لیے یہ حدود تعین کی ہیں۔ مرد کے لیے بھی کی ہیں۔۔ اسے

بھی باوفا رہنے کو کہا۔ نظریں جھکانے کو کہا مگر دوسری عورت سے نکاح جائز اور ہلال بنایا۔ پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم میری جگہ ہوتی۔۔ اگر عورت مرد کی جگہ ہو تو ایسی عورت کو بدکار کہا جاتا ہے۔۔ اور میرے نزدیک مرد عورت کے حسن پر نہیں مرتا عورت کی وفا پر مرتا ہے۔ زاران اسے گھورتے سرد آواز میں پھنکارا تھا۔

اور میں تمھاری وفادار نہیں ہوں۔ ابرش نے روتے ہوئے سسکی لی تھی۔

اگر تم میری وفادار نہ ہوتی۔ حویلی سے تمھارا جنازہ اٹھتا۔ تمھیں کبھی امریکہ نہ آنے دیتا۔۔ تمھاڑے پیچھے کبھی امریکہ نہ زآتا۔ زاران نے گھمبیر لہجے میں کہتے اس عارض پر نرمی سے پھر سے انگلیاں جمائی۔

جھوٹ مت بولو۔ تم اس ستارہ خان کے ساتھ عیاشی کرنے آئے ہو۔ اگر ایسا کچھ نہ ہوتا تم مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر اس ستارہ کے ساتھ ناشتہ نہ کر رہے ہوتے۔ ابرش نے سلگتے ہوئے کہا

زاران اس کی بات پر لب بھینچتے کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔

ابرش کا الزام اس کی رگوں میں خون ساکت کر چکا تھا۔

گردن کی ویز طیش و اشتعال سے ظاہر ہوئی تھیں۔ زاران نے جبڑے بھینچتے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

کیا چاہتی ہو تم۔۔ کم ٹو دا پوائنٹ۔۔ مجھے پاکستان ہر حال میں آج نکلنا ہے ۔میری بہن کو میری ضرورت ہے۔ میں تمھارے فضول کے نخرے نہیں اٹھا سکتا۔ زاران نے رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں

مجھے پاکستان نہیں جانا۔ اور نہ ہی تمھارے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ہے۔

تمھیں ستارہ اور پلوشہ جیسی عورتیں مبارک ہو۔ تم انھیں ہی ڈیزرو کرتے ہو۔ ابرش اپنے آنسو صاف کرتے اٹل لہجے میں کہتے زاران کی سرد آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔

ابرش کی بات پر زاران نے لب بھینچتے اسے دیکھتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ وہ کچھ پل اس کے روتے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ زخمی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اوکے۔۔ جیسے تم چاہو۔ زاران سنجیدگی سے کہتا اس سے دور ہوا تھا۔

ابرش نے نم آنکھوں سے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا.

تم۔۔ تم۔۔۔۔ مم۔۔۔مان گئے۔۔ ابرش کے لب بے یقینی کی کیفیت میں جنبش ہوے تھے۔

زاران کی نگاہیں اس کے جنبش ہوتے لبوں پر تھیں۔

تم چاہتے ہی نہیں تھے۔ میں تمھاڑے ساتھ پاکستان جاؤں۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے چٹختے ہوے کہا.

تمھارے فیصلے کا احترام کر رہا ہوں۔ ویسے بھی یہ سات ماہ بہت سکون سے گزرے ہیں تمھارے بغیر۔۔۔ حویلی جاؤ گی وہی چخ چخ شروع ہو جائے گی۔ مورے کے پاس بیٹھوں گا تمھیں اعتراض ہو گا۔ نیچے لاونج میں دو گھڑی سب کے درمیان بیٹھوں گا۔ تب بھی تمھیں اعتراض ہو گا۔ اب تو میں منسٹر بن چکا ہوں۔ مجھے ہزاروں کام ہوتے ہیں۔ اپنے بزنس کو بھی توجہ دینی ہے۔ ایک رات حویلی سے باہر گزار لی تم نے میرا جینا حرام کر

دینا۔۔مجھے لگتا سنگل لائف اچھی ہے میرے لیے۔اگر خود کو قید کرنے کا آرادہ بھی ہوا تو دنیا میں خوبصورتی کم نہیں بیوی۔۔۔۔بقول تمھارے ہم مردوں پر بیک وقت چار ہلال ہیں۔اور تم مجھے آجازت بھی دے چکی ہو۔

زاران نے اس کی طرف جھکتے ہوے مدھم سرگوشی کی تھی۔

ابرش کی آنکھوں کی گلابی سرخی میں تبدیل ہوئی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے رخ موڑ گئی۔

اس کی پشت کو دیکھتے زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔وہ ریلنگ پر ہاتھ جمائے اپنے لرزتے وجود پر بمشکل قابو پا رہی تھی

چلو بیوی تمھیں گھر چھوڑ دوں۔زاران نے اس کی پشت کو دیکھتے اس کے قریب ہوتے کہا۔وہ اس کے قریب ہونے پر تڑپ کر رہ گئی تھی

میں خود چلی جاؤں گی مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ ابرش اس کی طرف مڑتے حلق کے بل چیخی تھی۔

لیکن میں تمھیں تمھارے گھر ڈراپ کر کے رہوں گا۔ آخر پٹھان مرد ہوں اس طرح تمھیں نیویارک کی سڑک پر کیسے اکیلا چھوڑ سکتا ہوں۔ زاران اس کی کلائی جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھات

زاران۔۔۔ ابرش نے تڑپتے ہوے اس کے حصار سے کلائی چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔ وہ اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ گاڑی کے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر بے دردی سے پٹخا تھا۔ خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر جلدی سے گاڑی سٹارٹ کی تھی

---.----------

ابرش کا گھر آنے پر زاران نے گاڑی روکتے ابرش کو دیکھا جو ونڈ سکرین پڑ نظریں جمائے سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔

زاران مسکراہٹ دبائے کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ جو ساکت سی بیٹھی تھی۔

گھر آگیا ہے بیوی۔۔۔ زاران نے اس کی طرف جھکتے مدھم سی سرگوشی کرتے اس کے کان کی لو کو نرمی سے دانتوں سے کاٹا تھا۔۔

زاران کی گرم سانسیں اپنی کان کی لو پر محسوس کرتے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے زاران کو خود سے دور جھٹک چکی تھی۔ اس

نے بھیگی آنکھوں سے زاران کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے پیچھے ہوتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا اپنی سن گلاسز آنکھوں پر لگا تھا

کیا ہوا بیوی اتر نہیں رہی گاڑی سے ؟؟ تمھیں بتایا ناں مجھے بہت جلدی ہے۔۔ زاران نے رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔

مم۔۔۔ میں اترنے ہی لگی تھی۔۔ ابرش نے زاران کے خوبرو چہرے کو دیکھتے اپنی بھیگی آواز پر قابو پایا تھا۔ لفظ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔ وہ سچ میں اس کے لیے بے رحم سفاک اجڈ گنوار خانزادہ تھا۔ جدائی کی سزا پر وہ خوش ہو رہا تھا۔ ابرش نے بے تابی سے اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑھیں تھیں۔

دوسرے لمحے اس نے رخ موڑتے کپکپاتے ہاتھوں سے گاڑی کے ہینڈل پر ہاتھ جمایا۔۔

زاران اس کی کلائی اپنی طرف کھینچتے اس کی طرف جھکتے گاڑی لاک کر چکا تھا۔

اس کی سیٹ کو بٹن سے پش کرتے تھوڑا سا نیچے جھکاتے اس پر جھکا ابرش نے بھیگی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

آخری ملاقات ہے۔۔اب کہ ہم بچھڑے پتہ نہیں ملے کہ نہیں۔۔اسی لیے تھوڑی گرم نرم سانسوں کا تبادلہ تو ہونا چاہیے۔سانسوں میں سانسیں تو الجھنی چاہیے۔۔زاران نے گرم نگاہیں اس کے گلابی کٹاؤ لدار لبوں پر گاڑھیں۔

میں۔۔تمھیں اپنے لبوں کو۔۔چھونے نہیں دوں گی۔ابرش نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

لیٹس سی بیوی۔۔۔۔۔۔۔زاران اپنی گلاسسز اتارتے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے اس کے لبوں پر جھکا ابرش نے کپکپاتے ہاتھوں سے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ سانسیں گہری اور گرم ہوئیں تھیں۔ وہ سسکی لیتے زاران کی شرٹ جکڑ گئی۔ زاران شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا اس کے لبوں کو اپنی شدت سے قندھاری کرتے ان کی جلن میں آضافہ کر رہا تھا۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے نرمی سے اپنے دانت گاڑھتے نچلے لب کو کھینچتا تو ابرش کی سسکیوں میں آضافہ ہوتا۔ مگر وہ کتنی دیر سے یہ کھیل کھیل رہا تھا۔ اس کی سانسوں میں اپنی سانسیں الجھائیں کبھی اپنی سانسیں اسے دیتا کبھی اس کی سانسیں چھینتا۔

یکدم زاران کا فون رنگ ہوا تھا۔۔ زاران ابرش کے لبوں سے لپٹے ہی فون اٹھا کر اسے آف کرنے لگا تھا۔ وہ نمبر دیکھ کر سرعت سے پیچھے ہوا تھا۔

سوری مائی وائفی۔۔ امپورٹنٹ کال ہے۔ ورنہ تم اچھی طرح جانتی ہو تمھارے لبوں کا میں کتنا دیوانہ ہوں۔ کتنی بار مورے کی کال یہاں تک ارحام لالا کی کال بھی ڈسکنکٹ کی ہے۔ زاران ابرش کی بے ترتیب سانسوں کو دیکھتے مسکراتے ہوے پیچھے ہوے تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے سیٹ سے ٹیک لگا گئی تھی۔ وہ واقعی میں اس کے ہونٹوں سے لپٹے ساری دنیا بھول جاتا تھا۔ بستر پر وہ واقعی میں اپنا ہر رشتہ بھول جاتا تھا۔۔۔ اس کی قربت کا دیوانہ تھا وہ کبھی۔ ابرش نے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے گاڑی کے لاک پر اپنے ہاتھ جمائے

ہاں بولو ستارہ۔۔۔ زارن کی آواز پر وہ رکی تھی۔

کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ تم سچ میں۔ او۔۔۔ آئی کانٹ بلیو۔۔۔ زاران فون پر اپنی گرفت مضبوط کرتے بے یقینی سے بولا تھا۔

ستارہ میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمھیں اپنے فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔ تمھارے ہر قدم پر زاران خانزادہ تمھارے ساتھ ہو گا۔ زاران گہرے سانس لیتے پر جوشی سے بولتے سٹیرنگ پر ہاتھ مار گیا۔۔

ابرش بے یقینی سے اس کے لفظ سن رہی تھی۔ اوہ س کی موجودگی یکسر فراموش کیے ہوے تھا۔

ابرش کی نگاہیں اس کی مردانہ مضبوط کلائیوں پر تھیں۔ جس کی نیلی رگیں تک اجاگر تھیں۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے سٹیرنگ پر ایک ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

وہ اتنا خوش تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل چکی ہو۔

۔ابرش مذید خود پر قابو نہیں پا سکی تھی۔اس کے اندر بھانبھڑ جلے تھے۔وہ دہکتا تندور بنی تھی۔وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے جلدی سے باہر نکل گئی۔۔وہ روتے ہوا اپنے آنسو عارض سے بے دردی سے صاف کرتے بھاگتے ہوے نیویارک میں اموجود اپنے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسے زاران کی گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دے۔ابرش نے یکدم مڑتے ہوے دیکھا۔وہ فون کان سے لگائے گاڑی بیک کرتا اسے موڑ رہا تھا۔زارن کی نظریں اس پر نہ تھیں۔۔۔وہ فون پر بری طرح مصروف تھا۔وہ کب سے بے یقینی سے ادھر کھڑی تھی۔وہ کب سے جا چکا تھا۔

نیویارک میں اس ٹائم برف باری شروع ہو چکی تھی۔وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہاں پر پتھر بنی کھڑی تھی

ابرش ابھی بے تک پے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ اس نے اس کا گھر کے اندر داخل ہونے کا ویٹ بھی نہیں کیا تھا۔وہ چلا بھی گیا تھا

۔

ستارہ میں وعدہ کرتا ہوں ۔ تمھیں اپنے فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے !! !!گا۔ تمھارے ہر قدم پر زاران خانزادہ تمھارے ساتھ ہو گا

زاران کے لفظ اس کے وجود میں شعلے دہکا چکے تھے۔وہ اپنے چہرے اور چادر سے برف جھاڑتی اپنے گھر کی طرف بڑھی تھی۔

سلطان شاہ کے لبوں سے ارحام خانزادہ کا نام سن کر حور کے اپنے کمرے میں جاتے قدم رکے تھے۔۔ حور نے لب کاٹتے ہوے سلطان شاہ کو دیکھا جو فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔

ارحام کا نام سنتے ہی اس کی رنگت میں غصے سے سرخیاں سی گھلی تھیں۔ دل جلتے بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آیا تھا۔

وہ اس دن کے بعد اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ نہ ہی وہ اس نے رات شاہ مینشن کے گیٹ پر گزاری تھی۔

وہ کیوں نہیں آیا۔ وہ کہاں ہوتا ہے آج کل۔ وہ بھر سوات تو نہیں چلا گیا ۔وہ ہر لمحہ یہی سوچ رہی تھی۔

سات مہینے اس مغرور انسان نے اپنا ہر لمحہ جیسے اسے دیا تھا۔۔ ایل ای ڈی سکرین پر اسے ساری ساری رات بے چین دیکھا تھا۔ محبتوں کے معاملے میں ہمیشہ وہ مغرور رہی تھی۔ پھر چاہے سلطان شاہ کی محبت ہو ساحر خانزادہ یا پھر ارحام خانزادہ۔۔۔ مگر ارحام خانزادہ کی محبت نے اسے بے انتہا مغرور کر دیا تھا۔۔ اتنا مغرور کہ وہ کبھی سلطان شاہ کی محبت میں بھی نہیں ہوئی تھی ۔اتنا تو وہ ابھی بھی جانتی تھی وہ ارحام خانزادہ کی سانسوں میں بستی ہے۔ وہ پاگل ہے اس کے لیے۔۔ وہ جانتی تھی وہ اسے اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ اور یہی بات اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی کہ پھر وہ کیسے اس سے لاپرواہ ہو سکتا ہے۔۔۔ بے تحاشا نفرت میں بھی اسے کبھی ایک پل کے لیے خود سے غافل نہیں دیکھا تھا۔ اب جبکہ عشق کا دعوا کر چکا تھا تو کیسے اوہ سے ایسے چھوڑ سکتا تھا۔ اور اس نے عشق کا دعوا کیا نہیں تھا ان سات ماہ میں

بتایا بھی تھا وہ اس سے دیوانوں کی طرح محبت کرتا ہے۔ اپنی سیلف رسپیکٹ ختم کرتے پوری پوری رات گاڑی میں اس کے گیٹ کے سامنے گزاری تھی۔ خود پر شاہ مینشن کے گارڈ کی طنزیہ نظریں برداشت کی تھیں۔ سلطان شاہ کی سلگتی طنزیہ نظریں برداشت کی تھیں۔ اس کی بے اعتنائی برداشت کی تھیں۔۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ وہ تو ایک سرخ نظر سے جان نکالنا جانتا تھا۔ اس کی بھی تو حویلی کے کمرے میں اس پر ایک نظر ڈالتے اس کی سانسیں روک دیتا تھا۔ مگر آج اسے دیکھتے ہی نظریں جھکا لیتا تھا۔ مگر جو بھی تھا بھی وہ آندھی طوفان میں اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس نے ان سات ماہ میں اسے بتایا وہ کتنی قیمتی ہے اس کے لیے۔۔

وہ کیا تھک چکا ہے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے۔ کیا وہ پریذے کے لیے اور اپنی حویلی کا کمرہ آباد کرنے کے لیے گل کو اپنی زندگی میں واپس لا رہا ہے۔ یہ سوچ کر ہی حور کو اپنا رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوتا محسوس ہوتا۔۔۔ وہ ساری عمر اس کے بغیر رہے یہ اس کی سزا تھی مگر وہ کسی اور کے ساتھ رہے یہ گوارا نہ تھا۔ عجب سی آگ دہکنے لگنے لگ جاتی تھی اسے کسی دوسری عورت کے ساتھ سوچ کر۔۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی اگر وہ گل کے پاس واپس گیا وہ کسی صورت اس کے نکاح میں نہیں رہے گی۔ وہ اپنی پوری پاور استعمال کرتے اس سے طلاق لے گی۔ اسے ایسا غم دے گی۔ وہ تڑپ کر مر جائے۔ اتنا تو جانتی تھی اس انسان کی سزا اس کے چہرے پر کسی غیر کی مرد کی ایک نظر ہی کافی ہے۔ اسی میں ہی وہ تڑپ کر مر جائے گا۔ جب وہ اس کی دسترس میں نہیں رہے گی۔۔ دن

رات وہ اسے کسی اور کے ساتھ سوچ کر ہی سیکنڈ میں ہزاروں بار جلے گا تڑپے گا مگر مر بھی نہیں سکے گا۔

مسٹر خان آپ نے کسی دوسری عورت کو سوچا بھی ایسی سزا دوں گی آپ یاد رکھیں گے۔۔ حور سلطان شاہ بہت ظالم ہے۔ آپ نے ابھی تک اپنی حور کا یہ روپ دیکھا ہی نہیں۔۔ وہ لاونج میں کھڑی زیر لب بولتے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس پوری قوت سے لاونج کے چمچماتے فرش پر مار چکی تھی۔

سلطان شاہ نے لب بھینچے اپنے سامنے کھڑی حور کو دیکھا تھا۔۔ وہ اسے پچھلے ایک ہفتے سے ایسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بات بعد میں کرتی تھی۔۔ گلاس پہلے توڑتی تھی۔ کافی کے مگ۔۔ ڈائینگ ٹیبل پر رکھے برتن۔۔۔ لاونج میں لگی ایل ای ڈی وہ پچھلے ایک ہفتے میں درجنوں مرتبہ توڑ چکی تھی۔

اپنا موبائل بھی وہ ہر دوسرے دن زمین پر مار کر توڑ چکی تھی۔ ملازمائیں تک اس سے ڈرنے لگے تھے۔ سلطان شاہ خود اس سے بات کرتے ڈرتے تھے۔ اسے اتنا غصہ کرتے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے عادت تھی اپنا غصہ وہ کچھ نہ کچھ توڑ کر نکالتی تھی۔ مگر اتنا ایکسٹریم لیول کا غصہ کرتے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے غصے میں عجیب سی تڑپ تھی۔ وہ اسے دیکھ کر پریشان رہنے لگے تھے۔

سلطان شاہ حور کو دیکھتے صوفے سے اٹھتے اس کے مقابل ہوے۔۔ کیا ہوا میری جان کو اپنے پاپا پر اتنا غصہ ہے کیا؟؟۔ سلطان شاہ نے اسے سینے سے لگاتے س کے بالوں پر لب رکھے تھے۔۔

غصہ تو آپ پر بھی بہت ہے مجھے۔ حور ان کے سینے سے سر اٹھاتے غصے سے بولی۔

مجھ پر بھی غصہ ہے۔اور یہ بھی کون ہے۔ جس پر میری پرنسسز کو غصہ ہے۔سلطان شاہ نے اس کی ہتھیلیوں پر اپنے لب نرمی سے لب رکھتے نرمی سے پوچھا۔

پاپا نہ میں اس کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔اور نہ اس کا نام لینا چاہتی ہوں۔۔

I hate him papa

حور نے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

Hate him

یعنی وہ he ہے۔سلطان شاہ نے پر سوچ انداز میں زیر لب آہستگی سے کہا تھا۔

مجھ پر کیوں غصہ ہے۔ میں نے کیا کیا ہے ؟؟ سلطان شاہ نے حور کو دیکھتے اپنی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح روٹھی انھیں بہت کیوٹ لگی تھی۔

پاپا کل میچ تھا آپ ہمیشہ وہ بورنگ میچ میرے ساتھ دیکھتے ہیں۔ گھنٹوں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کرکٹ میچ دیکھے ہیں۔۔ آپ کہ پتہ تھا مجھے کرکٹ میچ سے نفرت ہے پھر بھی۔ مآپ زبردستی مجھے اپنے پاس بٹھا کر وہ میچ دکھاتے تھے۔ میرے بغیر ایک میچ تک آپ دیکھ نہیں دیکھ سکتے تھے کل ساری رات

وہ بورنگ میچ لگائے آپ کا انتظار کرتی رہی۔ مگر آپ نہیں آئے۔۔ آپ کی محبت میرے لیے کم ہو گئی ہے پاپا۔ حور کے شکوے پر وہ تڑپ کر رہ گئے تھے۔

میری جان ہر سانس کے ساتھ تمھارے لیے میری محبت بڑھتی ہے۔۔ جس دن میرے دل میں تمھارے لیے محبت کم ہو گئی سمجھ لینا تمھارے پاپا کی سانسیں رک گئی ہیں۔ سلطان شاہ نے نم آنکھیں حور کے خوبصورت چہرے پر گاڑھتے اس کے ماتھے پر لب رکھے۔

پاپا اب آپ نے کبھی دوبارہ مرنے کی بات کی میں ہمیشہ کے لیے آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔ حور بھیگے لہجے میں کہتے ان کے سینے میں سمائی تھی۔

اس دن تو واقعی میں مر جاؤں گا۔ سلطان شاہ مبہم سا مسکرائے تھے۔۔ پاپا

حور نے چیختے ہوے ان کے سینے پر مکہ مارا

سلطان شاہ مبہم سا ہنس پڑے تھے۔۔

پاپا آج رات آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ میں اور آپ بورنگ میچ دیکھیں گے اور ساتھ میں کافی پیئیں گے۔ مگر آپ کی ہاتھ کی۔ حور نے سلطان شاہ کو دیکھتے نروٹھے انداز میں کہا۔

رات کو۔۔۔ سلطان شاہ نے پر سوچ میں آواز میں کہا۔

رات کو کیا ہے پاپا میچ رات کو ہی شروع ہو گا۔ حور نے بغور ان کا چہرہ دیکھا تھا جہاں پریشانی چھائی تھی۔ گرے آنکھیں ویران سی ہوئیں تھیں۔

کچھ۔ نہیں۔۔ جو میری بیٹی کہے۔ سلطان شاہ نے اس کے گال پر بوسہ دیا۔

۔سچ میں پاپا۔۔ حور خوشی سے سلطان شاہ کے ساتھ لپٹی تھی۔

بلکل سچ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئے تھے۔

مجھے معاف کر دینا مہر ماہ۔۔۔ آج رات نہیں آسکوں گا۔۔۔ تم سے زیادہ اپنی حور سے پیار کرتا ہوں۔ تمھاری حق تلفی کر سکتا ہوں۔ مگر حور کی نہیں۔ سلطان شاہ مہر ماہ سے دل ہی دل میں مخاطب ہوے تھے۔ انہوں نے اپنی سرخ آنکھیں بے دردی سے انگلیوں سے مسلیں۔

سلطان شاہ حور کو بازو کے حلقے میں لیے صوفے کی طرف بڑھتے صوفے پر بیٹھے

پاپا وہ آپ فون پر ارحام کا ذکر کر رہے تھے۔ کس ارحام کی بات ہو رہی تھی۔ حور نے لب دانتوں تلے دبائے پوچھا۔

وہ حور کی بات پر چونکے تھے۔ وہ اپنے کیوٹکس کو دیکھتے لاپرواہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ مگر اس کے لہجے اور انداز میں بے چینی تھی۔ جسے وہ چھپا نہ سکی تھی۔

ارحام خانزادہ کے متعلق بات ہو رہی تھی۔اس کی کمپنی کا پروجیکٹ ہماری دوسری کمپنی کے ساتھ ڈن ہوا ہے۔مجھے ابھی ابھی اس کمپنی کی تمام ڈیٹیل وہاں کے مینجر نے دی ہیں۔ مگر ارحام کو نہیں پتہ کہ وہ ہماری کمپنی ہے۔مینجر مجھ سے آجازت لے رہا تھا۔وہ پروجیکٹ ارحام کی کمپنی سے کنیسل کر دیں یا پھر ہونے دیں۔کیونکہ کل ارحام کی ہماری دوسری کمپنی کے سی ای او کے ساتھ میٹنگ ہے

پاپا وہ پروجیکٹ ہونے دیں۔وہ میٹنگ میں اٹینڈ کروں گی۔ور ارحام کو اس بات سے بے خبر رکھا جائے کہ میٹنگ حور سلطان شاہ سے ہو رہی ہے۔حور سلطان شاہ کی بات کاٹتے عجلت بھرے انداز میں بولی۔سلطان نے پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔

۔

کیا ہوا پاپا میں یہ میٹنگ نہیں اٹینڈ کر سکتی۔۔ حور نے سلطان شاہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

کیوں نہیں میری جان۔۔۔ میری ہر چیز تمھارے نام ہے۔۔ تمھاری ملکیت ہے۔۔ پورا ایمپئیر یہ گھر ہر چیز تمھاری ہے۔ تم جو چاہو کر سکتی ہو۔ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

تو پھر ٹھیک ہے پاپا مسٹر خان کی ملاقات حور سلطان شاہ سے ہو گی۔ جو سلطان شاہ کے پورے اسٹیٹ کی اکلوتی مالک ہے۔۔ مسٹر خان کو پتہ چلنا چاہیے حور سلطان شاہ آخر کون ہے۔ حور سنجیدگی سے کہتے صوفے سے اٹھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

سلطان شاہ کی گہری نگاہوں نے حور کا دور تک پیچھا کیا تھا. وہ پر سوچ انداز میں صوفے سے ٹیک لگائے سگار سلگائے منہ گول گا چکے تھے۔

ابرش اپنے گھر کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تو سٹنگ ایریا میں اس وقت سب موجود تھے۔

وہ سب کو نظر انداز کرتے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

یقیناً سب اس کے رات باہر رکنے پر سوال وجواب کریں گی۔ وہ رات زاران کے ساتھ تھی وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔

ابرش۔۔۔۔۔۔۔۔زحلے کی آواز پر وہ رکی تھی۔

جی ماما۔۔۔اس نے گہرے سانس لیتے مڑ کر انھیں دیکھا تھا۔

اپنا سامان پیک کر لو تھوڑی دیر بعد ہماری پاکستان کی فلائٹ ہے۔

جی۔۔۔۔۔۔ابرش نے آہل عنائیہ زرتاج کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے زحلے کو نا سمجھی سے دیکھا تھا۔

ہم سب آج کی فلائٹ سے ہمیشہ ہمیشہ اپنے ملک اپنے پاکستان جا رہے ہیں۔ یہاں کبھی نہ آنے کے لیے۔۔۔زحلے کے اٹل اور سنجیدہ لہجے پر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔

ماما آپ ہوش میں نہیں ہیں اس وقت۔۔اس لیے یہ سب کہہ رہی ہیں۔ آہل انھیں سمجھاؤ انھیں خود نہیں پتہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ابرش آہل کو دیکھتے استھزائیہ لہجے میں بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

آہل عنائیہ زرتاج سب اسی لمحے اپنی نشستوں سے اٹھے تھے۔زحلے اور ابرش میں جذباتی سین ہونے والا تھا۔اب سب پریشان ہوے تھے۔۔

کیا مطلب میں ہوش میں نہیں۔ اپنے پاکستان اپنے ملک اپنوں کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں۔ کیا غلط ہے اس میں ؟؟

زحلے کی بات پر ابرش اب کی بار سر نفی میں ہلاتے استھزائیہ ہنسی تھی۔

ان اپنوں کی بات کر رہی ہیں ماما۔۔۔ جنھوں نے ہمیشہ آپ سے غیروں والا سلوک کیا۔ آپ زندہ ہیں مر گئی ہیں کبھی آپ کا پتہ نہیں کیا۔ روز جیتی تھی تھیں۔ آپ روز مرتی تھیں آپ۔۔ مگر آپ کے اپنوں نے کبھی آپ کا پتہ نہیں کیا تھا۔

غلطی مجھ سے ہوئی تھی سزا بھی تو بھگتنی تھی۔ زحلے کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔

غلطی ہوئی تھی گناہ نہیں جو حویلی کے لوگ خدا بن کر سزا دیتے۔ ابرش یکدم چیخی تھی۔

ابرش کام ڈاؤن۔۔۔۔ آہل نے اسے چیختے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

کیسے کام ڈاؤن ہو جاؤں میں۔۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ جہاں اسے درد سا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ ظبط کرنا مشکل تھا۔

بابرک کے قتل کا الزام آہل پر لگایا گیا تھا ماما۔ اور آپ کے اپنے بابا جان نے اپنی ہی بیٹی کا پتہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹے اربد خان کو کھونا نہیں چاہتے ۔ عنائیہ کو کڈنیپ کیا گیا۔ کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ آپ کے سو کالڈ غیرت مند بھائیوں کو پتہ ہی نہیں تھا کہ عنائیہ کڈنیپ ہے۔ کیسے پتہ

ہوتا وہ پتہ کرتے تو پتہ چلتا زحلے اسلام آباد میں اکیلی کن طوفانوں سے لڑ رہی ہے۔ ابرش اپنے لب کاٹتے ہوئے زخمی لہجے میں بولی تھی۔

زحلے ابرش کے سامنے کھڑی اپنے لرزتے وجود پر قابو پائے ہوئے تھی ۔۔سب ہی پریشانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آہل بابرک کی ماری گئی گولیوں سے موت کے منہ سے واپس آیا ہے۔ آج میرا بھائی ایک ٹانگ سے ٹھیک طرح چل نہیں سکتا۔ میری عنائیہ تین ماہ اس بہزاد کی قید میں رہی۔

اور آپ کی بزدلی اور اپنوں کی محبت نے میری زندگی بھی برباد کر دی۔ آپ کے سامنے وہ مجھے پسٹل کی نوک پر رکھ کر لے کر گیا تھا۔ آپ کچھ

نہیں کر سکیں۔ زاران کا خیال آتے ہی اس کی سانسیں جیسے اکھڑی تھیں۔ اس نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیے تھے۔

آہل ابرش کو دیکھتے نم آنکھوں سے اپنا نچلا لب کچل گیا تھا۔

آپ ہر لمحہ پاکستان جانے پر پچھتاتی تھیں۔ یہاں آنا چاہتی تھیں۔ آج پھر پاکستان جانا چاہتی ہیں۔ اور کیا چھینا چاہتی آپ ہم سے۔۔ سب کچھ تو چھین لیا آپ کے پاکستان اور آپ کے اپنوں نے ہم سے۔۔ اب کیا بچا ہمارے پاس جو آپ چاہتی ہیں وہ بھی چھن جائے۔ ابرش تلخی سے بولتے چیخی تھی۔

نظروں کے سامنے پھر سے وہ سفاک اجڈ گنوار خانزادہ آیا تھا۔ جو اس کا سب کچھ چھین چکا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو اپنے اندر اتارے تھے۔ اب اس سفاک انسان کے لیے اس نے آنسو نہیں بہانے تھے۔

میرے اپنوں نے مجھے کبھی نہیں چھوڑا۔ میر ازاران ہر لمحہ ہر قدم پر میرے ساتھ تھا۔ آہل کو بچانے کے لیے اس نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔۔۔ آہل کی سیفٹی کے لیے اس نے اپنی بہن کی خوشیوں کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اکیلا سب سے لڑتا رہا مگر اہل کو کسی کا پتہ نہیں چلنے دیا۔ عنائیہ کو بہزاد کی قید سے بچانے کے لیے اس نے اپنی جان لگا دی تھی۔ تم بھول سکتی ہو میں اپنے بھتیجے کے احسان کبھی نہیں بھول سکتی۔۔ زحلے ابرش کے مقابل آئی تھیں۔

آپ کا بھتیجا سفاک اجڈ گنوار ہے۔۔ وہ ویسا نہیں جیسا دکھتا ہے۔ ابرش زاران کے نام پر تڑپتے ہوئے حلق کے بل چیخی تھی۔

تم بھی اپنے باپ کی طرح ہو ابرش۔۔۔بیوفا بے حس۔۔ابرش کے چیخنے وہ مشتعل ہوتے سفاکی سے بولیں تھیں۔

زحلے کی بات پر عنائیہ نے بے یقینی سے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا۔زحلے اکثر ابرش کے ساتھ زیادتی کر جاتی تھیں۔مگر وہ ابرش کو یہ لفظ کہہ سکتی ہیں اسے یقین نہیں آیا تھا۔

زحلے کے لفظ سنتے ابرش کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

میں بیوفا ہوں میں بے حس ہوں۔ابرش نے اپنے سینے پر انگلی رکھتے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے بھیگی آنکھوں سے آہل کو دیکھا تھا۔

آہل اب تیزی سے ابرش کی طرف بڑھا تھا۔اپنی بہن کی جذباتی پن سے واقف تھا یہ لفظ اس کے لیے بہت تھے۔

ماما کیا کہہ رہی ہیں آپ یہ ؟؟ آہل نے ابرش کو کندھوں سے تھامتے زحلے سے کہا۔ ابرش کا وجود بری طرح لرزنا شروع ہو گیا تھا۔

ہاں بے حس ہو۔۔ بیوفا ہو تم۔ زحلے گہرے سانس لیتے درشت لہجے میں بولی۔ ابرش نے ہمیشہ انھیں ان کے باپ بھائیوں کی بے اعتنائی بے حسی یاد دلائی تھی۔ جو ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

ابرش گہرے سانس لیتے اپنے گلے کو جکڑتے آہل کے سینے میں سمائی تھی۔

آہل نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا

بھول گئی ہو تم۔۔ تمھیں زاران نے زعیم سے بچایا۔ اس بہزاد سے تمھاری عزت بچائی۔ اگر زاران نہ آتا تو وہ بہزاد تمھیں نوچ کھاتا۔ بھول گئی ہو اس

کا ہر احسان۔۔ زحلے بے رحمی سے بولتے ابرش کے وجود کو مزید لہولہان کر گئی تھی۔

آہل ان کو بولو خاموش ہو جائیں۔۔۔ ان کو بولو خاموش ہو جائیں۔ ابرش اہل کی شرٹ مٹھیوں میں پکڑے روتے ہوے چیخی تھی۔

ماما خاموش ہو جائیں۔ آپ جانتی ہیں وہ کتنی جذباتی ہیں۔ کیوں اسے یہ سب یاد کروا رہی ہیں۔ اہل بے بسی سے نم لہجے میں بولا۔۔ اپنی بہن میں اس کی جان بستی تھی۔

اسے ایسے وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میں جذباتی نہیں ہوں آہل۔ میں بے حس نہیں ہوں اہل۔ میں بیوفا نہیں ہوں آہل۔۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے روتے ہوے بول رہی تھی۔ میں جانتا ہوں تم ایسی نہیں ہو۔۔ میں جانتا ہوں تم جیسا کوئی نہیں۔۔ آہل نے نم لہجے میں کہتے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کیے۔

میں جس سے بھی محبت کرتی ہوں۔ ٹوٹ کر کرتی ہوں۔ یہی میری کمزوری ہے۔ مگر میں اپنے باپ جیسی نہیں ہوں۔ میں ابرش پاشا خود کو کہتی ہوں۔ مگر پاشا جیسی خود کو کہلوانا پسند نہیں کرتی۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے سر نفی میں ہلاتے ہچکیوں سے بول رہی تھی۔

عنائیہ زرتاج کی آنکھیں نم تھیں۔ زحلے بے حس سی خود پر قابو پائے کھڑی تھی۔

تم نہیں ہو پاشا جیسی۔۔۔۔ تم کسی جیسی نہیں ہو۔۔ اہل اسے بچوں کی طرح اسے پچکار رہا تھا۔

میری کمزوری محبت ہے۔ صرف محبت ہے میری کمزوری۔۔ محبت نے مجھے ایسا بنایا۔

بچپن سے اپنی ماں کی محبت کو ترسی۔ باپ کی محبت کو ترسی۔ جس عمر میں بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں۔ میں تمھیں پال رہی تھی۔ انھیں سنبھال رہی تھی۔

لیکن ان کو کبھی مجھ پر ترس نہیں آیا۔ انہوں نے تو کبھی دو گھڑی مجھ سے ہنس کر بات بھی نہیں کی۔ ان کے لیے ان کا غم ہی بڑا تھا۔ میرے غموں کا کیا آہل؟؟۔۔۔ جو کوئی نہیں سمجھ پاتا مجھے کیوں کوئی سمجھ نہیں پاتا۔۔ ابرش روتے ہوئے ٹوٹے کانچ سے لہجے میں بولی۔

میں سمجھتا ہوں تمھیں۔ تمھارا بھائی سمجھتا ہے تمھیں۔ آہل بھی اب رو دیا تھا۔۔

بچپن کھو دیا سب کچھ کھو دیا۔ کب پندرہ کی ہوئی کب اٹھارہ کی ہوئی؟ کب بیس کی ہوئی پتہ ہی نہیں چلا؟؟

پھر یہ زبردستی پاکستان لے گئیں۔

نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر انھوں نے اموشنلی بلیک میل کیا۔ ہر بار کی طرح انہوں نے مجھے بلیک میل کیا۔ اور ابرش پاشا اپنی ماں کے آگے ہار گئی۔۔ ابرش اب شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ آہل کی شرٹ چھوڑنے کو تیار ہی نہ تھی۔ آہل کا اب کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بغیر سٹک کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی ٹانگ میں شدید درد اٹھا تھا۔ جو اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

یہ دیکھتے زرتاج جلدی سے ابرش کی طرف بڑھی۔ آہل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں پر رکنے کو کہا۔ زرتاج گہرا سانس لیتے رک گئی تھی۔ زحلے اپنے لرزتے وجود پر قابو پائے کھڑی تھی۔ بہت عرصے بعد انھیں اپنے سر میں درد ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اپنا دماغ تاریکی میں جاتا محسوس ہو رہا تھا۔۔

میں ان کے سو کالڈ بھتیجے کی محبت کو ٹھکراتی رہی۔۔ کیونکہ محبت مجھے راس نہیں آتی اہل۔۔۔۔ جس لڑکی کو اپنی ماں کی محبت نہ ملی ہو۔ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلنے کو ترسی ہو۔ اس لڑکی کو کیسے کوئی محبت کر سکتا تھا۔ زحلے کی بے پناہ خوبصورتی پر پاشا نے اسے رول دیا تھا۔ کیونکہ زحلے نے اس سے محبت کی تھی۔۔ تو ابرش کو کیسے اس کی خوبصورتی کی بناہ پر محبت

مل جاتی ؟؟۔۔اہل میں کمزور نہیں ہوں۔میں چاہوں تو تنہا زندگی گزار دوں۔مگر کیا کروں اس دل کا جو سب کی محبت مانگتا ہے۔اور سب سے زیادہ اس سفاک انسان کی محبت مانگتا ہے۔مگر ابرش پاشا سے کوئی بھی محبت نہیں کرتا۔۔۔ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آہل سے لپٹی تھی۔ابرش کا پورا وزن آہل کی ٹانگوں پر آرہا تھا۔وہ اپنی بہن کا تھوڑی دیر وزن نہیں سنبھال پا رہا تھا۔وہ اسے کیسے سہارا دیتا۔وہ بے بسی سے رو پڑا۔

میں کرتا ہوں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔موت سے لڑتے ہوئے تمھیں یاد کرتا رہا۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے آہل اسے سینے میں بھینچے شدت سے رو دیا تھا۔

میری ماں مجھے آج تک طعنے دیتی ہے۔ دنیا کیسے بولے گی میرے جرم۔۔۔ ابرش نے سسکی لیتے آہل کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔

تمھیں احساس دلا رہی ہوں ابرش۔۔۔ تمھیں اپنے شوہر کا گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ کچھ بھی ہو جاتا تمھیں رات کے اندھیرے میں گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ عورت کی غلطیاں یہ معاشرہ کبھی نہیں بھولتا۔ مجھے دیکھ کر بھی تم نے سبق نہیں سیکھا۔ زحلے نے دیوار کا سہارا لیتے کہا۔

آپ کو نہیں پتہ میں کن عذابوں سے گزر رہی تھی۔ میرا شوہر میرا ہوتے ہوے بھی میرا نہیں تھا۔ مجھے وہ کمرہ قید لگتا تھا۔ سانسیں بند ہوتی تھیں میری۔

ابرش بری طرح چیخی تھی۔ زاران کا ستارہ خان کے ساتھ آج صبح ناشتہ کرنا یاد آیا تھا۔ اس کی کل بھی سانسیں بند ہوتی تھیں۔ اس کی آج بھی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔

اسی کمرے اسی قید میں تم واپس جانے کے اس کی منتیں کر رہی تھیں۔ زحلے کی بات پر وہ کرب سے آنکھیں میچ گئی تھیں۔ آہل نے اس کے لرزتے وجود کو بانہوں میں بھرا۔

وہ ایک جھٹکے سے اس سے دور ہوئی تھی۔

چھوڑ گیا تھا وہ مجھے۔ اب اس کے پاس کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔ ابرش اپنے آنسو صاف کرتے اٹل لہجے میں بولتے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

ابرش تم جاؤ گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔اگر تم نہ گئی تو میں اپنی جان لے لوں گی۔زحلے کی آواز پر رکی تھی۔

کتنی بار ماما۔۔کتنی بار ماما۔۔کب تک ابرش پاشا کو ایسے بلیک میل کریں گے۔۔میری محبتوں کا اب سب امتحان کب تک لیں گے۔میں جانتی ہوں وہ بھی اس لیے اتراتا ہے۔اسے پتہ ہے ابرش پاشا کی دھڑکنوں پر اس کا نام دھڑکتا ہے۔

ابرش نے مڑتے ہوے زحلے کو دیکھا تھا۔

مگر اب اور نہیں میں کسی کو خود کو اموشنلی ایکسپولیٹ کرنے نہیں دوں گی۔ابرش کہتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

ابرش کے انکار پر زحلے کو اپنا دماغ چکراتا محسوس ہوا۔ بابا۔۔۔۔ زحلے نے روتے ہوے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ اسی ٹائم زحلے کو بری طرح فٹس پڑا تھا۔۔ ان کے بدن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔ آہل عنائیہ جلدی سے زحلے کی طرف بڑھے۔ ابرش نے پلٹتے ہوے زحلے کو دیکھا جو آہل کی بانہوں میں بیہوش تھیں۔ ابرش نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلتے زحلے کو روتے ہوے دیکھا۔ دوسرے لمحے وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ابرش بیڈ پر ٹانگیں نیچے کی طرف لٹکائے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیتے بیٹھی تھی۔ چادر اس کی زمین پر پڑی تھی۔ ظبط سے اس کا بدن ہچکولے لے رہا تھا۔ زحلے کو آج چھ ماہ بعد دورہ پڑا تھا۔ وہ ہوش و خرد

سے بیگانہ ہوئی تھی۔ جب زاران اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کے ہوش میں آنے پر زحلے کو بہت بار دورے پڑے تھے۔ اسے روتے تڑپتے دیکھ کر زحلے کو ہر دوسرے دن دورہ پڑتا تھا۔ امریکہ آنے کے بعد زحلے ٹھیک رہی تھی۔ آج پھر سے وہ بیہوش تھی۔ ابرش گہرے سانس لیتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا گئی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے سامنے دیکھا جہاں سے عنائیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

کیسی ہیں ماما؟؟۔۔ ابرش نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے پوچھا۔

کیسی ہوں سکتی ہیں۔ ویسی ہی جیسے ہر فٹس کے بعد ہوتی ہیں۔ بہت بری حالت ہے ان کی۔ عنائیہ نے سنجیدگی سے کہتے الماری سے بیگ نکالتے بیڈ پر رکھتے ابرش کے کپڑے ڈالے تھے

یہ کیا کر رہی ہو؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں چٹختے پوچھا۔

آپ جانتی ہیں ماما آپ کے بغیر نہیں جائیں گی تو ضد کرنے کا فائدہ۔۔ عنائیہ نے سنجیدگی سے کہتے ابرش کی ضرورت کی چیزیں بیگ میں ڈالی تھیں۔

میں ضد کر رہی ہوں۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

چلیں ماما ضد کر رہی ہیں۔ مگر وہ ہماری ماما ہیں آپی۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتی زندگی نے انھیں کچھ نہیں دیا۔ ہم سے کہیں زیادہ انہوں نے سہا ہے۔

ان کے ایک غلط فیصلے نے سب برباد کر دیا۔ اور انہوں نے مجھے برباد کر دیا۔ ابرش تلخی سے بولتے ہنس پڑی تھی۔

آپی بھول جائیں بچپن کی محرومیاں۔۔۔ عنائیہ نے ضبط سے کہا۔

بچپن کی محرومیاں وہ زیر لب لفظ عنائیہ کے لفظ دہراتے زخمی سا مسکرائی ۔میرے لیے زندگی کا دوسرا نام ہی محرومی ہے۔خوشی دیکھی ہی کہاں میں نے ؟؟۔ابرش بولتے ہوے زخمی سا ہنس پڑی تھی۔

آپی میں نے بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ تین مہینے اس بند کمرے میں رہی۔ کسی انسان کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ مگر میں نے اس بات کو اپنی کمزوری نہیں طاقت بنایا۔ خدا کا شکر ادا کیا اللہ نے میری عزت بچائی۔اس قید سے باہر آتے میں نے مثبت پہلو کو دیکھا۔

بھول جائیں سب کچھ یہاں سب نے ہی سہا ہے۔ جتنا یاد کریں گی زندگی سزا جیسی لگے گی۔ عنائیہ نے رسانیت کہا کیسے بھول جاؤں۔۔

آسان نہیں ہے میرے لیے۔۔ کوئی مجھے بھولنے ہی نہیں دیتا۔۔ابرش بیڈ پر سیدھا لیٹتے چہرہ ہاتھوں میں ہاتھ چھپائے اونچا اونچا رو دی تھی۔

تمھارے کمر کا تل کسی اور مرد نے بھی دیکھا یہ ایک بات مجھے !!
!!تمھاری طرف بڑھنے نہیں دیتی

اس ستم گر کے لفظ یاد کرتے وہ ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔ وہ اسے ہمیشہ لفظوں کی مار مارتا تھا۔ مگر کچھ لفظ جیسے اس کی روح پر زخم دے چکے تھے۔

!!تمھیں لگتا ہے تمھارے ساتھ گزری ہوئی میری رات حسین بھی ہو سکتی ہے۔۔ اور تم جیسی بیوی اپنے شوہر کے سکون کا سامان بھی بن سکتی ہے۔ تم میرے نزدیک ایک بے شرم عورت ہو۔۔ جسے اپنے شوہر کو سکون پہنچا کر نہیں بلکہ اپنے جسم کی نمایش کر کے سکون ملتا ہے ایک ہی خواہش تھی جو عورت میری زندگی میں آئے اسے میرے علاوہ کسی نے نظر بھر کر دیکھا نہ ہو۔۔ لیکن تمھیں گلی کے ہر کتے نے دیکھا ہے!!

ابرش بری طرح رو دی تھی۔ اس نے امریکہ میں رہتے جہاں اس پر کسی نے پابندی نہیں لگائی تھی۔ کبھی کسی کو اپنا ہاتھ نہیں پکڑنے دیا۔ بولڈ ڈریسنگ بھی کر لیتی تھی مگر کبھی نہیں چاہا اس میں بدن کی نمائش ہو کوئی مرد اس کو دیکھے۔ تب بھی نہیں جب زعیم نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ تو زعیم کی آنکھوں میں جمے انسوؤں پر نظریں ٹکائی ہوئی تھی۔ ایک جذباتی لڑکی جو ایک مرد کے انسوؤں پر یقین کر بیٹھی تھی۔ اسے گلی کے ہر کتے نے دیکھا تھا مگر اس نے کبھی کسی کتے کو نہیں دیکھا تھا۔ نہ کسی کو اپنے قریب آنے دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی عزت کے خوف سے گہرے پانی میں اتر گئی تھی ۔ وہ نہ آتا تو خوشی خوشی موت کو گلے لگا لیتی۔ مگر کسی کتے کو اپنے قریب نہ آنے دیتی پھر بھی وہ سمجھ نہیں پایا تھا اسے کہ وہ کیسی ہے۔ ابرش گہرے سانس لیتے بیڈ پر چت لیٹی ماتم کدہ انداز میں رو رہی تھی۔

تو انتہا میری

تو میرا جہاں

تو ہی جدا

تیری ہوں جان لے

روح مجھ سے باندھ لے

ہر شے میں تو

ہر خواش میں تو

ہر ضد میں تو

آپی زاران بھائی اتنے برے نہیں ہیں۔ عنائیہ نے اسے اونچا اونچا روتے دیکھتے تڑپتے ہوئے کہا۔

میں نے کب کہا وہ برا ہے۔ وہ بہت اچھا ہے۔ وہ اپنی بہن کے لیے اچھا ہے۔ وہ اپنی مورے کے لیے اچھا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لیے اچھا ہے۔ وہ سب کے لیے اچھا ہے۔ یہاں تک وہ اپنی پارٹی میں کام کرنے والی اس ستارہ خان کے لیے اچھا ہے۔ وہ اپنے گھر میں رہنے والی اپنے ماموں کی بیٹی پلوشہ کے لیے بھی مہربان ہے۔ وہ درخشاں کے لیے بھی اچھا ہے۔ وہ گیٹ پر کھڑے گل خان کے لیے بھی اچھا ہے۔ صرف میرے اچھا نہیں ہے۔ ابرش اپنے آنسو صاف چھت کو دیکھتے کرب سے بولی تھی۔

عنائیہ اس کی باتوں پر سرد سانس کھینچ گیا۔

تم سمجھاؤ ماما کو مجھے نہیں جانا۔۔۔مجھے یہاں چھوڑ دیں۔۔ عنائیہ مجھے نہیں جانا۔ ابرش بیڈ سے اٹھتے عنائیہ کے مقابل آئی تھی۔۔

۔ آپی ماما نہیں مانیں گی۔ داجی نے انھیں خود کال کی ہے۔ آپ کو پتہ ہے وہ اپنے بابا جان کے لیے پاگل ہیں۔ اور وہ کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ اور آپ نہیں جائیں گی تو روز انھیں ایسے دورے پڑیں گے۔۔ وہ اب اپنی زندگی اپنوں کے درمیان گزارنا چاہتی ہیں۔ مت کریں ان کے ساتھ ایسا۔ عنائیہ نے التجائیہ لہجے میں کہتے ابرش کے ہاتھ پکڑے تھے۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے عنائیہ کو ڈبڈبائے لہجے میں دیکھا تھا۔۔

پھر سے میرا امتحان لے رہی ہیں۔ کیسے مضبوط ہوں میں جب قدم قدم پر تم لوگ مجھے ایسے بلیک میل کرو گے۔

ابرش نے اپنے ہاتھ چھڑواتے بے بسی سے کہا۔

آپی چلیں جائیں ایک بار پھر ہم ماما کو منا کر آہل بھائی کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ابھی چلی جائیں۔عنائیہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

ابرش اپنا ہاتھ چھڑواتے بھیگی آنکھوں سے دیکھتی سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

وہ اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔۔

آپی داجی کہہ رہے تھے حویلی میں بہت بڑا فنکشن ہے۔مجھے لگتا ہے کسی کی شادی ہے۔عنائیہ کی بات پر اس کے قدم رکے تھے۔

شادی کس کی ہے؟؟۔ارحام لالا کی ہے کیا؟؟۔۔ابرش نے عجلت میں بولتے اپنے نچلا لب دانتوں تلے دبایا تھا۔

وہ جانتی تھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ارحام حور کے علاوہ کسی دوسری عورت کو دیکھ کر اپنی سانسیں روک سکتا ہے مگر اس کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا۔ وہ حویلی میں رہ کر یہ جان چکی تھی۔ ارحام خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں اس کی بیوی رہتی تھی۔ وہ دیوانہ تھا اس کا۔ مگر کسی اور کا نام کیسے وہ لے لیتی اگر لیتی تو سانسیں رک جاتی اس کی۔

ان کی کیسی ہو سکتی ہے ؟؟۔ وہ حور آپی سے بہت پیار کرتے ہیں۔۔ یہ تو سب جانتے ہیں۔ آپ کو لگتا ہے وہ ایسا کریں گے کبھی کیا؟؟ عنائیہ نے ابرش کے گلابی چہرے کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے سوال کیا

پھر۔۔۔۔ ابرش نے بے یقینی سے عنائیہ کو دیکھتے دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیے تھے۔ عنائیہ کہیں وہ نام نہ لے لے جس کا سوچ کر ہی اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔

!!ستارہ تمھیں اپنے فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔ تمھارے ہر قدم پر زاران خانزادہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو گا!!

اس سفاک اجڈ گنوار کے لفظ یاد کرتے ابرش نے سر نفی میں ہلاتے ہوے ڈبڈبائی آنکھوں سے عنائیہ کو دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔۔۔بیڈ کی پائینتی سے اس کا پاؤں بری طرح ٹکرایا تھا۔

سسی کی آواز نکالتے وہ رکی تھی۔ناخن ٹوٹ کر انگوٹھے سے علیحدہ ہو گیا تھا۔درد کی لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔وہ اپنب سر جکڑ گئی تھی۔ عنائیہ جلدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

وہ بھاگتے ہوے واش روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو گئی تھی۔ شاور کھولتے وہ کپڑوں سمیت ہی وہ بھیگ رہی تھی

زاران خانزادہ نے اپنی رسٹ واچ میں نظریں دوڑاتے پریشانی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلائی۔ فلائٹ کے ٹیک آف ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی تھی۔ ابھی ان سب کی بورڈنگ ہونا کلیرنس ہونا باقی تھا۔ اور اس کی بیوی کا کچھ نہیں پتہ تھا۔ وہ اس وقت ائیرپورٹ کے لاونج میں بیٹھا بے چینی سے اپنا ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے اپنی ٹانگیں ہلاتے اپنے چمکدار سیاہ بوٹوں پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔

آج بھی وہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ اس کی بہن اس کی جان نکالے ہوے تھی۔ اس پر لمحہ بالمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی جان سے بھی زیادہ اگر

کسی سے محبت کرتا تھا۔ وہ اس کی بہن تھی۔ جس کی خوشیوں کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اس کی خوشی کیا تھی وہ جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا ایک مرتبہ اس کے اپنے اسے پھر سے تنہا کر دیں گے۔ وہ ان طوفانوں سے اکیلے لڑے گا۔ اب کی بار وہ اپنے بھائی کو کھو دے گا۔ زاران نے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھولتے گہرا سانس لیا تھا۔

وہ اس وقت بلیک کلر کی پینٹ بلیک کلر کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس پر بلیک کلر کا کوٹ تھا۔

نظروں کے سامنے اپنی بیوی کا چہرہ آیا تھا۔ جب وہ اس کی شرٹ جکڑے اس کی شدت اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔ رات کے وہ لمحے اس کی نظروں کے سامنے آئے تھے۔ سات ماہ بعد وہ سکون کی گھڑیاں یاد تھیں جو

اس نے اپنی بیوی کے پہلو میں گزاری تھیں۔ وہ اپنے بوٹوں پر نظریں گاڑھے اپنی آنکھیں انگلیوں سے بے دردی سے مسل گیا تھا۔

بیوقوف جذباتی ابرش خانزادہ جو اپنے شوہر کی دیوانی ہے۔ وہ مسکراتے ہوے بڑبڑایا تھا۔

Your die hard fan

وہ زیر لب لفظ چباتا مسکراتے ہوے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔۔

اس کے سامنے ہی ائیر پورٹ لاونج میں ستارہ خان بیٹھی تھی۔ جو بلیک کلر کی جینز پر بے حد شارٹ ٹاپ پہنے ہوے تھی۔ جس پر چھوٹی سی جیکٹ پہنے ہوے تھی۔ شولڈر کٹ بال اس کے شانوں پر بکھر رہے تھے۔

ستارہ خان نے فون کان سے لگائے بات کرتے چمکتی آنکھوں سے زاران کو دیکھتے اوکے کا آشارہ کیا تھا۔ زاران گہرا سانس لیتے اپنے کوٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے گہرا مسکراتے صوفے سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ جما گیا تھا۔

زاران کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔ سامنے سے اسے زحلے عنائیہ اور اہل زرتاج آتے نظر آئے۔ وہ جلدی صوفے سے اٹھتے ان کی طرف بڑھا۔ قدموں میں عجلت اور بے چینی تھی۔

عنائیہ بھاگتے ہوئے زاران کے گلے لگی تھی۔ زاران اس کے لیے مسیحا تھا۔ وہ زاران سے بے حد محبت کرتی تھی۔ تین ماہ کی قید کے بعد پہلا چہرہ زاران کا ہی تو دیکھا تھا۔ اسے اپنے لیے پریشان دیکھا تھا۔ اسے بہزاد نے چھوانہ ہو وہ ایک بڑے بھائی کی طرح پریشان تھا۔ اس کی عزت صیح سلامت ہے یہ سب پوچھتے کیسے زاران خانزادہ جیسے چٹان انسان کے لب

کپکپا رہے تھے۔ وہ آج تک وہ لمحے بھولے نہیں تھی۔ زاران نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

کیسی ہے میری گڑیا؟؟۔۔ زاران نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں منسٹر صاحب۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟؟ عنائیہ نے جواباً مسکراتے ہوئے آئی برو اچکاتے پوچھا۔

عنائیہ کی بات اور انداز پر زاران کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔ وہ اس وقت جینز پر گھٹنوں تک شارٹ گرم جرسی پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں مفلر لیا ہوا تھا۔ اونچی پونی بنائے وہ بے حد معصوم لگ رہی تھی۔ بلکل ویسے جیسے آج سے دس ماہ پہلے تھی۔ بہزاد کی قید نے اس کی معصومیت اور بچپنے پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ زاران اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔۔ شکر کیا تھا وہ اپنی بہن جیسی جذباتی نہیں ہے۔

آہل نے سٹک کے سہارے آگے بڑھتے نم آنکھوں سے زاران کو گلے سے لگایا تھا۔

بہت اچھا لگا زاران بھائی آپ کو دیکھ کر۔۔۔ آہل مسکراتے ہوئے زاران سے الگ ہوا تھا۔ مجھے بھی اچھا لگا بریو مین۔۔۔ زاران نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپتپایا۔

زاران نے آگے بڑھتے زرتاج کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ زرتاج کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔۔ وہ لمحہ یاد آیا تھا جب بابرک جیسے درندے سے زاران نے بچایا تھا۔۔ اس کی اور اس کے شوہر کی جان کا وہ محافظ تھا۔ زاران کو دیکھتے وہ رو دی تھی۔ بہزاد کی موت یاد آئی تھی۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ایک محبت نے اس سے اس کا بھائی چھین لیا تھا۔ پتہ نہیں وہ غلط تھی یا اس کا بھائی۔ آج بھی روہ راتوں کو یہ سب سوچتے خود سے سوال کرتے ہوے سو نہیں پاتی تھی۔

زاران نے آگے بڑھتے اب زحلے کو اپنے سینے سے لگایا تو زحلے زاران کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھیں۔

پھوپھو اب آپ ہمیشہ کے لیے ہمارے پاس آ رہی ہیں۔ آپ کو میں اب حویلی سے کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آپ اپنے بابا اور بھائیوں کے پاس رہیں گی۔ زاران نے زحلے کے ہاتھ نرمی سے تھامتے کہا۔ زحلے اثبات میں سر ہلاتے نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

زاران کی بے چین نگاہوں کا مرکز سامنے کی طرف تھا. وہ اپنی ضدی بیوقوف جذباتی بیوی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ کیا نہیں آئی. ؟؟ وہ یہ سوچ کر ہی

پاگل ہوا تھا۔ یکدم اس کی براؤن آنکھیں چمکی تھیں۔ نظریں سامنے جم کر رہ گئی تھیں۔ جہاں اس کی بیوی سر سے پیر تک چادر میں لپٹی آ رہی تھی۔ اپنا چہرہ تک اس نے ڈھانپا ہوا تھا۔

زاران خانزادہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ زاران نے بہت گہری نگاہوں سے اپنی بیوی کا استحقاق سے معائینہ کیا جو مکمل طور میں چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ اپنے خوبصورت بدن کو مکمل طور پر ڈھانپے ہوے ۔۔ اسے ایسے خود کو چھپائے دیکھ کر زاران کے لبوں پر مغرورانہ مسکراہٹ چھائی تھی۔۔ خود پسند مغرور مسکراہٹ۔۔۔ جو ایک پاک عورت کی ہمراہی پر مرد کے چہرے پر ہوتی ہے۔

ابرش جو آہستگی سے چلتے ہوے آگے بڑھ رہی تھی۔ زاران کو دیکھتے ابرش کے قدم رکے تھے۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ زاران نے اپنی مسکراہٹ دبائے اپنے چمکتے بوٹوں کو دیکھا تھا۔

نقاب سے نظر آتی ابرش کی آنکھیں شدت سے جھلملائیں تھیں۔

زاران نے دوبارہ سے نظریں اٹھائے اس کی طرف دیکھا جو ائیر پورٹ لاونج کے وسط میں اسے دیکھ کر رک گئی تھی۔ وہ پتھرائی کیفیت میں کھڑی تھی۔ زاران کی گہری بے چین نگاہیں اس کی براؤن شفاف آنکھوں پر تھیں۔ جن کا درد آج کچھ الگ تھا۔

آدھی ہے رہ گزر آدھا ہے آسماں

آدھی ہے منزلیں آدھا ہے جہاں

تیرا ہوں جان لے

روح مجھ سے باندھ لے

بانہوں میں تھام لے

کر دے زندہ

زاران بہت گہری نگاہوں سے اس کے ساکت وجود کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے سپاٹ نگاہوں سے کھڑے دیکھ رہی تھی۔ آگے بڑھ ہی نہیں رہی تھی۔

دوسرے پل وہ اہستگی سے چلتے ہوے سب کی طرف آئی تھی۔

آہل فلائٹ ٹیک آف ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی ہے۔ ابھی بورڈنگ بھی رہتی ہے۔ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ چلو یہاں سے۔۔ ابرش زاران کو بلکل نظر انداز کر گئی تھی۔

اس کے نظر انداز کرنے پر زاران کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے کتنا نظر انداز کر سکتی تھی وہ جانتا تھا۔

ہاں چلتے ہیں۔ آہل نے ابرش کو اپنے حصار میں لیے اس کی آنکھوں پر باری باری لب رکھے تھے۔ وہ اس کی بھیگی انکھیں دیکھ چکا تھا۔۔ اس لیے تڑپتے ہوے لب رکھتے اسے یقین دلایا تھا وہ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے

۔

ٹھیک ہو تم۔۔۔ اہل نے ابرش کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے مسکراتے ہوے پوچھا۔

مجھے کیا ہونا ہے ؟؟ میں بلکل ٹھیک ہوں۔ ابرش سنجیدگی سے بولتے ہوے اس کے حصار میں آگے بڑھی۔ وہ سٹک کے سہارے اپنی بہن کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ ابرش کے قدم یکدم رکے

تھے۔ سامنے ہی صوفے پر ستارہ خان لیپ ٹاپ گود میں لیے بیٹھی اس میں بری مصروف تھی۔ ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے مڑتے ہوئے زاران کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

زاران اس کی گلابی زخمی نظروں کا مطلب سمجھتے سرد سانس کھینچ گیا تھا۔

چلو یہاں سے ابرش آہل کو کہتے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

زاران نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ابرش کے سرد سپاٹ رویے کو محسوس کیا تھا۔ وہ اس ابرش سے بہت مختلف تھی۔۔ جو کل سے اس کے پاس تھی۔ تھوڑا سرد سا رویہ تھا عجیب سا۔۔

عنائیہ نے زاران کو پریشان دیکھتے اسے آنکھ ماری تھی۔

ابھی عشق میں امتحاں ہیں اور بھی۔۔ ابھی سے ہمت ہار گئے منسٹر صاحب ۔۔۔ عنائیہ نے زاران کے قریب ہوتے شرارتی لہجے میں سرگوشی کی تھی۔

نہ امتحانوں سے اور نہ عشق کرنے سے میں ڈرتا ہوں تمھاری جذباتی بہن کو مجھے کنٹرول کرنا آتا ہے تم فکر نہ کرو۔۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے اسے کیسے قابو کرنا ہے۔ زران نے جوابًا مسکراتے ہوے کہا۔

زحلے اور زرتاج آہل اور ابرش کی طرف بڑھیں۔ عنائیہ بھاگتے ہوے سب کے ہم قدم ہوئی تھی۔۔

زاران نے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے اپنی بیوی کے قدموں کی عجلت دیکھی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

شہرام نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر اچھالا تھا۔۔ اپنی شرٹ کے کف فولڈ کرتے وہ کمرے میں رکھے ایک طرف رکھے بے بی بیڈ کی طرف بڑھا۔ بہرام بیڈ پر لیٹا گہری نیند میں محو تھا۔ شہرام نم آنکھوں سے مسکراتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

ڈریسنگ روم کا دروازہ کھلنے پر اس نے سامنے دیکھا۔ جہاں سے بہارے باہر آئی تھی۔ وہ اس وقت بلیک کلر کی چنٹوں والی لانگ گرم فراک میں ملبوس تھی۔ براون سلکی لمبے بال کھلے ہوے تھے۔ شہرام نے گہری نگاہ بہارے پر ڈالی۔

جو اسے ماں بننے کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت لگنے لگی تھی۔۔ شہرام نے اوپر سے نیچے تک استحقاق سے اس کا معائنہ کیا۔۔

بہارے کو ڈریسنگ روم سے نکلتا دیکھ کر وہ اب تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا اس کے سٹیچز میں شدید درد ہے۔

کچھ چاہیے تھا مجھے بتاتی۔۔ تم کیوں گئی ڈریسنگ روم میں۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھتے اس کے شانے پر بکھرے بال پیچھے کرتے اسے بہت نرمی سے اپنے سینے میں بھینچتے خود کو سکون پہنچایا تھا۔ جس سکون کے لیے وہ پچھلے کچھ دنوں سے ترس گیا تھا۔

بہارے نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا۔۔۔

شہرام اس کے دھکیلنے پر خود ہی جلدی سے اس سے دور ہوا۔

بہارے تمھارے سٹیچز ابھی ٹھیک نہیں ہوے۔ اس طرح مت کیا کرو۔۔ شہرام نے پیچھے ہوتے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے کہا۔ جہاں اس

کے قریب آنے پر ناگواری چھائی تھی۔ جو شہرام خان کو اذیت کی انتہا پر لا کھڑا کر گئی تھی۔

وہ اسے وہی بہارے لگی جو آج سے کچھ ماہ پہلے اس کے لیے تھی۔ ایسی ہی ناگواری اس کے چہرے پر ہوتی تھی جب وہ اس کے قریب جاتا تھا۔

تمھیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھ سے دور رہا کرو بس۔۔ بہارے اس کے سائیڈ سے گزرتے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

بیڈ کراؤن کو پکڑے وہ آہستگی سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے سے سٹیچز میں شدید کھچاؤ پڑتا تھا۔ نہ وہ کھانا کھا رہی تھی۔ دو لقمے لے کر وہ کھانا واپس کر دیتی تھی۔ رقیہ خانم کی ہزاروں منت سماجت پر وہ کھانا نہیں کھاتی تھی۔ لقمے اس کے حلق سے اترتے ہی نہیں تھی۔ نہ ہی پراپر میڈیسن لے رہی تھی۔ جس کی وجہ سے سٹیچز میں شدید درد تھا۔

۔

شہرام کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر آہستگی سے چلتا اس کے سامنے اس کے قریب بیٹھ پر بیٹھا۔

وہ شہرام کو دیکھ کر اپنی نگاہیں پھیر کر رہ گئی تھی۔

کب تک ایسے رہو گی۔۔ کتنی سزا دو گی مجھے۔ شہرام نے اس کے بال عارض سے نرمی سے کان کے پیچھے اڑسے۔۔

سزا کیا ہوتی ہے تمھیں معلوم ہی نہیں ہے۔ سزا وہ ہے جو میں نے کاٹی ہے ان کچھ دنوں میں۔ اور ابھی اور کاٹوں گی بھی شائد ساری عمر۔۔۔ بہارے سپاٹ استھزائیہ لہجے میں شہرام کو دیکھتے بولی۔

میرے لیے تو سزا تمھاری بے رخی ہے۔ اور میں تو بچپن سے کاٹ رہا ہوں۔ شہرام نے نرمی سے کہتے اس کے ہاتھوں کو پکڑتے اس پر لب رکھے تھے۔۔ وہ اب بہت نرمی سے اس کی ہتھیلیاں انگلیوں سے سہلا رہا تھا۔ وہ خود کو کتنی تکلیف دے رہی تھی وہ جانتا تھا۔ اس کی کنڈیشن دیکھتے وہ اس کے لیے بے حد پریشان تھا۔

اب یہ سزا تمھیں ساری عمر کاٹنی پڑے گی۔ بہارے نے اپنے ہاتھ شہرام کے ہاتھوں سے سرعت سے کھینچے تھے۔

تم پاس رہو۔۔ میری ہو کر رہو۔ کاٹ لوں گا یہ سزا بھی۔ مجھے عادت ہے تمھاری بے رخی سہنے کی۔ سوچوں گا میری زندگی کے سات ماہ خوبصورت خواب کی طرح تھے۔ جب بہارے گل اپنے شہرام پر جان دیتی تھی۔ اسے خود سے زیادہ چاہتی تھی۔

وہ سات ماہ خواب نہیں سراب تھا۔۔ سب کچھ جھوٹ تھا۔ ان سات ماہ میں جو شہرام خان میرے ساتھ تھا۔ وہ۔۔۔۔ وہ شہرام خان نہیں تھا جو میری بے رخی سہہ کر بھی مجھ سے محبت کا دعویدار تھا۔ ان سات ماہ میں ایک بٹا ہوا انسان میرے ساتھ تھا۔ جو ہر پل ایک غیر عورت کے دکھ کے بارے میں سوچتا تھا۔ جو میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہوتا تھا۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی لہجا بھیگتے شکوہ کناں ہو گیا تھا۔

وہ ایک عام شوہر ہوتا تو وہ بھول جاتی اس کی بیوفائی اس کے دیے ہوز خم وہ ہنس کر سہہ لیتی۔ مگر وہ کیا کرتی ؟؟ شہرام خان ایک عام مرد نہیں تھا۔ وہ ایک عام پٹھان نہیں تھا۔ کیسے اس نے خود کو خاص سے عام کیا۔ وہ شہرام خان کا عام ہونا کیسے برداشت کر سکتی تھی۔۔

تمھارے پاس ہوتے شہرام خان کبھی کسی دوسری عورت کو نہیں سوچ سکتا۔ شہرام خان نے بہارے خان کے لیے اس

دوسری عورت کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ جس کا تمھیں لگتا ہے میں نے روگ پالا ہے۔۔۔ شہرام خان کا روگ ایک ہی عورت ہو سکتی ہے۔ وہ ہے اس کے بچپن کی منکوحہ اس کی محبت اس کا عشق۔۔۔ بہارے گل خان۔۔۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

بہارے کی آنکھوں میں شبنم کے ساتھ استھزائیہ پن بھی آن ٹھہرا تھا۔

شہرام خان نے اپنے خون پر سوال اٹھا دیے تھے۔ اپنے قول اپنے وعدے سے پھر گیا تھا۔ مگر تمھاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دیے۔ شہرام نرمی سے کہتے اس کی آنکھ کے گوشے پر ٹھہری شبنم اپنی لبوں سے چن گیا تھا۔

شہرام خان بیوفاؤں سے بھی بڑا بیوفا نکلا۔ جسے اپنی بیوفائی پر ذرا برابر شرمندگی نہیں ہے۔ بہارے اسے خود سے دور دھکیلتے دبی آواز میں چیخی تھی۔ اس کے بدن سے اٹھتی مہک جو ہمیشہ اسے جان لیوہ لگتی تھی۔۔ آج بھی جان لیوہ تھی جو اس کی جان نکال رہی تھی۔

کیسے شرمندہ ہوں بہارے؟؟۔۔۔ کیا کروں تمھیں یقین آجائے کہ میں نے کبھی تم سے بیوفائی نہیں کی۔ شہرام نے اس کے دور دھکیلنے پر کرب سے پوچھا۔

بیوفائی کیا ہے تمھارے نزدیک ؟؟۔۔۔بتاؤ مجھے۔۔ کسی دوسری عورت سے شادی کا وعدہ کرنا۔اس کے لیے گھر اپنا کمرہ سجانا۔اس دوسری عورت کو اس عورت کا حق دینے جا رہے تھا شہرام خان جس عورت سے عشق کا دعوا کیا تھا۔

بند کمرے میں شہرام خان اسی دوسری عورت کو اپنے سینے سے لگائے کھڑا تھا۔۔اور کہتا ہے وہ بیوفا نہیں۔۔۔میں کہتی ہوں شہرام خان سے بڑا بیوفا کوئی نہیں۔۔بہارے استھزائیہ زخمی سا مسکرائی تھی۔

بہارے بند کمرے میں وہ ایک لمحہ تھا۔جب وہ میرے قریب آئی۔یقین مانو وہ کبھی میرے قریب نہیں آئی۔وہ میرے سینے سے لگی ضرور تھی۔مگر میں نے اسے اپنے سینے سے نہیں لگایا تھا۔

واہ کیا جسٹفیکشن ہے تمھاری؟؟۔۔وہ تمھارے سینے سے لگی تھی لیکن تم اسے لگائے نہیں کھڑے تھے۔بہارے شہرام کی بات کاٹتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

مجھے صرف اتنا بتادو شہرام خان۔۔۔اس طرح کوئی مرد مجھے سینے سے لگائے کھڑا ہوتا تو تم کیا کرتے۔

بہارے۔۔۔شہرام بہارے کو مارنے کے ہاتھ اٹھاتے یکدم پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔بہارے گال پر ہاتھ رکھے اس کی دھاڑ پر بری لرز کر رہ گئی تھی۔وہ بے یقینی سے گال پر ہاتھ رکھے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔جس کی آنکھوں میں خون کی لالی اتری تھی۔شہرام خان نے بہارے کو قہربار نگاہوں سے گھورتے اپنا ہاتھ پہلو میں گراتے لب بھینچے تھے۔

شہرام کی دھاڑ پر بہرام سوتے میں اٹھتا بری طرح ڈر گیا تھا۔ وہ بری طرح رونے لگا تھا۔ بہارے نے شہرام کو نم آنکھوں سے دیکھا جو مٹھیاں بھینچے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

بہارے بہرام کے رونے پر بیڈ سے اٹھتے جلدی سے بہرام کے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اٹھاتے سینے سے لگایا تھا۔ وہ بری طرح ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ بہارے بھی اسے سینے سے لپٹائے رو پڑی تھی۔۔ سٹیچز میں شدید درد اٹھا تھا۔ پتہ نہیں وہ سٹیچز میں اٹھتے درد کی وجہ سے رو دی تھی یا دل میں اٹھتے درد کی وجہ سے۔۔ مگر وہ بہرام کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔ ایک شہرام خان کے مارنے کی کسر رہ گئی تھی۔ جو اس کی اس حالت

میں پوری کرنے لگا تھا وہ اسے اس کنڈیشن میں مارنے لگا تھا۔ وہ بے یقین تھی۔ وہ بہرام کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔

شہرام نے غصے سے پوری قوت سے سائیڈ ٹیبل پر مکہ دے مارتے خود کے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ بہارے کے لفظوں نے اسے پاگل کیا تھا۔ خون رگوں میں آگ کی بھٹی کی طرح گرم ہوا تھا۔ وہ بہارے کا نام بھی کسی مرد کے ساتھ نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے آج پھر خود کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ جوڑا تھا۔

بہرام اور بہارے کو روتے دیکھ کر شہرام اب جھنجھلا کر رہ گیا تھا وہ بیڈ سے اٹھتا بہارے کی طرف بڑھا۔ جو بہرام کو سینے سے لپٹائے بری طرح رو رہی تھی۔

لاؤ مجھے دو۔۔ شہرام نے بہرام اس سے لینا چاہا۔

رہنے دو تم۔۔ میرا خیال نہ سہی اپنے بچے کا تو کر لیتے۔۔ تمھاری دھاڑ پر وہ ڈر گیا ہے۔ بہارے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

میری ذرا سی بات برداشت نہیں کر سکے جو کبھی ہوئی نہیں اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ سوچو شہرام مجھ پر کیا بیتی ہو گی۔ پھر بھی تم کہتے ہو تم نے بیوفائی نہیں کی۔ بہارے بہرام کو سینے سے لپٹائے روتے ہوئے بولی۔

بہارے بہرام رو رہا ہے۔ اسے مجھے۔۔ دو۔ شہرام نے لب بھینچے کہا تھا۔۔

اگر بہرام نہ روتا تو تم مجھ پر ہاتھ بھی اٹھا دیتے۔۔ یہاں تک یہ بھی یہ خیال نہ رکھتے میری کنڈیشن کیا ہے۔ میرے لبوں سے کسی غیر مرد کا نام بھی نہیں سن سکتے۔ میں تم سے طلاق مانگتی تھی تم ہمیشہ کہتے تھے کہ تم مجھے طلاق نہیں دو گے۔۔ کیونکہ تم مجھ پر اپنا حق تسلط ختم نہیں کر سکتے۔ تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ کبھی زندگی میں کسی اور کا تسلط مجھ پر ہوا۔ ایک یہی وجہ ہوتی ہے

تم مرد اپنی عورت کو چھوڑتے نہیں ہو۔اس عورت کو کسی دوسرے کے دسترس میں جاتے نہیں دیکھ سکتے۔۔

ورنہ تم مرد اتنے ظالم ہو کہ ہم عورتوں کو ہماری غلطیوں کی سزا طلاق کی صورت میں دو۔۔ جدائی تم مردوں کو نہیں مارتی غیرت مارتی ہے۔کوئی دوسرا کیسے تمھاری عورت کو دیکھ سکتا ہے؟؟ چھو سکتا ہے۔ہے ناں۔۔۔۔؟؟اس نے شہرام کی سرخ آنکھوں میں گاڑھے سوال کیے۔

شہرام نے اپنے جبڑے بھینچے اس کے سوالوں کا زہر پیا تھا۔

تو بتاؤ مجھے عورت کیسے برداشت کر سکتی ہے اسی مرد کی بیوفائی۔بہارے ایک ہاتھ پیٹ پر رکھے شدت سے رودی تھی۔

بہارے۔۔۔۔شہرام اس کی طرف بڑھا۔۔وہ سرعت سے پیچھے ہوئی تھی۔

کاش تم مجھ سے کبھی اپنی جھوٹی محبت کا دعوہ نہ کرتے۔یہی ایک بات مجھے مارتی ہے کہ میں کیسے تمھاری جھوٹی محبت کو سچ مانتی رہی۔

جھوٹی محبت نہیں کی میں نے تم سے۔۔میرے لیے محبت کا نام ہی بہارے خان ہے۔شہرام نے بہارے کو دیکھتے تڑپتے لہجے میں کہا۔

میرے لیے بیوفائی کا نام شہرام خان ہے۔بہارے روتے ہوے بولی تھی۔۔

یکدم مسٹیچز میں شدید درد کی وجہ سے وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔اس کے لبوں سے دلسوز چیخ برامد ہوئی تھی۔

شہرام نے جلدی سے اس سے بہرام لیا تھا۔اسے سینے سے لگاتے بہارے کی کلائی جکڑے اسے بہت آرام سے بیڈ پر بٹھایا۔۔

بہارے پیٹ پر ہاتھ رکھے گہرا سانس لیتے بیڈ پر بیٹھی تھی۔۔

شہرام نے روتے ہوئے بہرام کو سینے سے لگائے اسے اس کے کاٹ میں ڈالا ۔اسے جھولا دیتے سلانے کی کوشش کی۔وہ ہچکیاں لیتے تھوڑی ہی دیر میں سو گیا تھا۔

شہرام آہستگی سے چلتا بہارے کے قریب آیا جو بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے انکھیں موندے ہوئے تھی۔

شہرام نے اس کے پیٹ سے فراک سرکاتے اوپر کیا تھا۔

رہنے دو۔۔۔بہارے نے اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔

شہرام اس کا ہاتھ سختی سے پکڑتے اس فراک اوپر کھسکا گیا تھا۔

شہرام نے سٹیچز پر لگی پٹی احتیاط اور نرمی سے ریموو کی۔ کچھ سٹیچز میں سے بلڈ نکل رہا تھا۔ ان کی حالت خراب تھی شہرام یہ دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔

بہارے اتنی لاپرواہی۔۔۔ اگر یہ سٹیچز کھل گئے تو دوبارہ لگیں گے اور یہ زیادہ تکلیف دہ ہو گا۔ ایک ڈاکٹر ہوتے تم اس طرح کر رہی ہو۔

میرے لیے یہ تکلیف کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ جو درد تم نے مجھے دیا ہے۔ اس درد سے بڑا ابھی کوئی درد ہو سکتا ہے۔۔

تمھاری بیوفائی کا درد سہہ لیا یہ بھی سہہ لوں گی۔ بہارے بھیگے سپاٹ لہجے میں بولتے منہ چہرہ پھیر گئی تھی۔

شہرام نے جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔

اپنی گردن سہلاتے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ بہارے کے طعنے اس کا آنگ انگ سلگا دیتے تھے۔

وہ اسے دیکھتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ وہاں سے میڈیکل باکس لاتے وہ بہارے کے پاس بیڈ پر بیٹھا۔ کاٹن نکالتے اس نے بہارے کے سٹیچز پر پائیو ڈین لگاتے انھیں صاف کیے تھے۔۔۔ اور احتیاط سے وہاں پٹی کی تھی۔

بہارے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔۔ شہرام کے نرمی سے پٹی کرنے پر بھی اسے شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بہت احتیاط سے بیڈ پر بٹھایا تھا۔اس کے بالوں کو پیچھے کرتے اس نے رف سے انداز میں اس کا جوڑا بنایا۔۔

شہرام کی اتنی کیئر پر اس کے دل کا درد مزید بڑھ رہا تھا۔

سائیڈ ٹیبل پر پڑی میڈیسن اور پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے بہارے کی طرف بڑھایا تھا۔

بہارے نے گلاس اور میڈیسن تھام کر میڈیسن منہ میں رکھتے پانی سے نگلی تھی۔

شہرام نے اسے پھر سے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر لٹایا۔۔ بہارے اہستگی سے رخ موڑ گئی تھی۔۔ شہرام کچھ پل اسے دیکھتے رہا۔ اس پر کمبل دیتے وہ اس کے قریب ہوا تھا۔ اپنا گرم ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھتے بہت نرمی سے اس کا سر دبانے لگا تھا۔

بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ وہ گہرے سانس لیتے آنکھیں موند گئی تھی۔۔

مسٹر رضوان ملک آج کی میٹنگ میں آپ مجھے ریپریزنٹ کریں گے۔ مجھے ایک پرسنل کام ہے میں چاہ کر بھی اٹینڈ نہیں کر سکوں گا۔ ارحام نے اپنے مینجر کو دیکھتے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں تھیں۔ حور کو کل سے نہیں دیکھا تھا۔ فرشتے کا مسلہ سلجھا کر وہ اسی وقت وقت اسلام آباد کے لیے نکل

آیا تھا۔ حور کو اس نے ابھی بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اب اس کی گاڑی حور کی گاڑی کے پیچھے نہیں ہوتی تھی صرف۔ وہ ہر روز اسے چادر میں لیٹے ضرور دیکھتا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے بے تابی سے پیچھے مڑ کر کسی کی تلاش میں نظر دوڑاتی تھی۔۔ وہ اس کی بے تابیاں دیکھتے گہرا مسکراتا تھا سات ماہ بعد اس کے رب کو اس پر رحم آگیا تھا کہ مقابل کی آنکھوں میں اس کے لیے تڑپ ڈال دی تھی۔ وہ مر کر بھی اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس کی سکیورٹی کو لے کر وہ بہت حساس تھا۔ مگر اپنی بیوی کو اسے اپنے پاس واپس لانا ہی تھا۔ اسے حور خانزادہ کو نظر انداز کرنا ہی تھا۔ اسے پتہ ہی نہیں تھا اس کی بیوی اس کی محبت پر مغرور ہے۔

وہ ظالم بھی تھی بے رحم بھی تھی۔ وہ ساری عمر ایسے ہی گزرانا چاہتی تھی۔ مگر اس کے پاس نہیں آنا چاہتی تھی۔ وہ گزار سکتی تھی مگر وہ اپنی حور کے

بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر اس کی بیوی کے دل میں خدا اس کے لیے محبت نہ ڈالتا تو وہ ساری عمر ایسے گزار لیتا مگر اب جبکہ اسے پتہ چل چکا تھا وہ اسے چاہتی ہے۔ اسے اپنی بیوی کو اپنے پاس اپنی بانہوں میں واپس لانا ہی تھا۔

ارحام مسکراتے ہوے سیٹ سے ٹیک لگا گیا تھا۔ نظروں کے سامنے وہ ساڑھی میں لپٹی آئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے سرد سانس کھینچ گیا تھا۔ دل میں خدا سے پھر سے اپنی بیوی کو مانگا تھا۔ جو وہ پچھلے سات ماہ میں ہر سانس میں مانگا تھا۔

جی سر آپ فکر نہ کریں میں اٹینڈ کر لوں گا۔ ویسے سر مجھے نہیں لگتا وہ ہمارے ساتھ پروجیکٹ کرنے میں سیریس ہیں۔ رضوان ملک نے ارحام کو چیر سے ٹیک لگائے مسکراتے دیکھ کر کہا۔۔

کیا مطلب؟؟ ارحام خانزادہ نے آنکھیں بند کیے ہی کہا تھا۔

سر مجھے ابھی بھی خبر ملی ہے وہ کمپنی سلطان شاہ کی ہے اور یہ میٹنگ سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان شاہ اٹینڈ کر رہی ہے۔

کیا؟؟ ارحام اپنی آنکھیں کھولتے کرسی پر جھٹکا کھا کر سیدھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں الجھن کے ساتھ یکدم غصہ بھی اترا تھا۔ اب نظروں کے سامنے اس کی وہی بولڈ ڈریسنگ آئی تھی۔ جب اس نے بورڈ آف ممبران کی میٹنگ اٹینڈ کی تھی۔ ارحام نے اظطرابی انداز میں اپنی سفید شرٹ کی اگلے دو بٹن بھنجھلاتے ہے کھولتے خود کو پر سکون کیا تھا۔

ارحام ٹیبل پر ہاتھ جماتے گہرے سانس لے رہا تھا۔ وہ میٹنگ کیوں اٹینڈ کر رہی تھی آخر۔۔ کیوں؟؟ ارحام نے جبڑے بھینچتے ٹیبل پر مکہ مارا تھا۔

رضوان ملک ہڑبڑا کر رہ گیا تھا۔ آچانک سے ارحام کیا نکھوں میں بڑھتی سرخی اور گردن کی پھولتی رگیں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔۔ ارحام کو کیا بات

بری لگی اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ ٹیبل پر ہاتھ جمائے غیر مرئی نقطے کو گھورتے گہری سوچ میں گم تھا۔

ارحام خانزادہ کے چہرے پر اظطراب اور الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ اس پر کسی صورت اب غصہ نہیں کر سکتا تھا مگر وہ اب کیا چاہتی تھی۔ آخر اسے کیوں پریشان کر رہی تھی۔ اگر اسے یہ سب کچھ ایسے چلانا تھا تو ٹھیک تھا وہ ساری عمر ایسے رہنے کو تیار تھا۔ ہر طرح کی سزا بھگتنے کو تیار تھا۔ اس سے دور بھی رہ لیتا۔ مگر اب آخر وہ کیا کرنا

چاہ رہی تھی۔ وہ ایک بات سے بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ وہ تھا وہ اپنے آپ کو غیر مردوں کے سامنے عیاں کرے۔۔ ارحام نے خود پر قابو پاتے ہوے اپنی ملکی کھنی بیرڈرب کی تھی۔

وہ اب خود کو کور کر کے رکھتی تھی۔ اپنے کالج میں بھی وہ اپنا چہرہ نہیں کھولتی تھی۔ مگر اس کا میٹنگ اٹینڈ کرنے کا مطلب سمجھ نہیں آئی تھی۔ ارحام نے یہ سوچتے ایک بار پھر سے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی تھی۔ سر حور سلطان شاہ بہت کم عمر ہیں۔ وہ میڈیکل کے فرسٹ ائیر میں ہیں۔ سمجھ نہیں آرہا یہ میٹنگ آخر وہ کیوں اٹینڈ کر رہی ہیں۔ اور سب سے اہم بات ہے ہمیں انفارم تک نہیں کیا گیا کہ یہ میٹنگ حور سلطان شاہ اٹینڈ کر رہی ہیں۔ مگر مجھے پتہ چلا ہے سلطان شاہ نے اپنی بیٹی کے لیے سپیشل کمرہ راتوں رات تیار کروایا ہے۔ اور اپنی کمپنی کی سیکورٹی بھی راتوں رات بڑھا دی ہے۔ اب اس کمپنی میں اتنے ورکر نہیں جتنے سکیورٹی گارڈ ہیں۔ میں نے سنا تھا سلطان شاہ اپنی بیٹی کو لے کر بہت پوزیسیو ہیں۔ آج مجھے اندازہ ہوا ہے بات بہت حد تک درست ہے۔ سلطان شاہ واقعی میں جذباتی ہیں۔ ورنہ وہ اتنے

بڑے پروجیکٹ کی ذمہ داری اپنی کم عمر بیٹی کو نہ سونپتے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اپنی ہی بیٹی کی کوئی بچگانہ خواہش پوری کی ہے۔ لیکن سمجھ نہیں آتا حور سلطان شاہ آخر ہماری کمپنی کے ساتھ پروجیکٹ میں اتنی انٹرسٹ کیوں لے رہی ہیں۔ رضوان ملک ارحام کے پرسوچ سرخ چہرے کو بغور دیکھتے بتا رہا تھا۔ ارحام رضوان ملک کے آخری جملے پر وہ چونکا تھا۔ ارحام کے خوبرو چہرے کی ماتھے کی وینز مزید ظاہر ہوئی تھی۔ ٹھیک ہے سر میں اور ہماری ٹیم ممبر نکلتے ہیں اس میٹنگ کے لیے۔ دیکھیں کیا کہتی ہیں سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی۔

رضوان ملک کہتے اپنی چیر سے اٹھا تھا۔

ایک منٹ مسٹر رضوان ملک۔۔۔۔ یہ میٹنگ آپ نہیں میں اٹینڈ کروں گا۔ ارحام خان نے رضوان ملک کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جی سر۔۔۔رضوان ملک نے حیرت سے ارحام کو دیکھا تھا۔

آج کی میٹنگ میں اٹینڈ کروں گا۔ آپ میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہیں ہو گا۔میری پرسنل سیکرٹری بھی نہیں میرے ساتھ ہو گی۔ارحام سنجیدگی سے کہتا کرسی سے ٹیک لگا گیا تھا۔

رضوان ملک مزید حیران ہوا تھا۔ارحام اپنی پرسنل سیکرٹری کے بغیر میٹنگ اٹینڈ نہیں کرتا تھا۔ مگر آج وہ بغیر پریزنٹیشن کے میٹنگ تنہا اٹینڈ کرنے کو کہہ رہا تھا۔

رضوان ملک کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ارحام شائد سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ اکیلے ہی میٹنگ اٹینڈ کرنا چاہ رہا تھا۔۔شائد بہت سے مردوں کی طرح وہ بھی سلطان شاہ کی بیٹی کو اپروچ کرنا چاہتا تھا۔

رضوان ملک نے ارحام کی شاندار پرسنیلٹی کو بغور دیکھا جو سفید کلر کے پینٹ کوٹ میں غضب ڈھا رہا تھا۔

اس نے سنا تھا سلطان شاہ کی بیٹی بہت خوبصورت ہے۔ مگر ارحام خانزادہ جیسے بندے سے یہ امید نہیں تھی وہ یوں حور سلطان شاہ کو دیکھنے کے لیے مرا جائے گا یا وہ بھی ایک عام مرد کی طرح ٹھرکی ہو گا۔ جی سر جیسے آپ کہیں۔ رضوان ملک اپنی ٹائی ٹھیک کرتے چلا گیا تھا۔

!!لیکن سمجھ نہیں آتا حور سلطان شاہ آخر ہماری کمپنی کے ساتھ پروجیکٹ میں اتنی انٹرسٹ کیوں لے رہی ہیں!!رضوان ملک کے لفظ یاد کرتے اس کی آئی بروتنیں تھیں۔

وہ سیٹ سے پھر سے ٹیک لگا گیا تھا۔ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے حور کی انکھوں میں اتری جلن یاد کی تھی۔۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں تڑپ یاد کی تھی۔۔

تو میری بیوی مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے اکیلے میں ملنا چاہتی ہے۔ مجھ پر اپنی پاور شو کرنا چاہتی ہے۔ مجھے بتانا چاہتی ہے وہ گل کی طرح ایک عام لڑکی نہیں بلکہ حور سلطان شاہ ہے۔ ارحام سیٹ سے ٹیک لگائے گہرا مسکرا گیا تھا۔

زاران نے اپنی سیٹ سے ٹیک لگائے ابرش کو دیکھا۔ اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔ وہ پچھلے سات گھنٹوں سے اپنی بیوی کی بے چینیاں ملاحضہ کر رہا تھا۔

وہ اس کے مخالف سمت والی رو پر دو تین نشستیں چھوڑے سائیڈ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

وہ سب اس وقت بزنس کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ اس نے اپنی ساتھ والی سیٹ ابرش کے لیے بک کروائی تھی۔۔ مگر وہ اسے اگنور کیے آگے بڑھ گئی تھی۔

مگر پچھلے سات گھنٹوں میں وہ ایک پل چین سے نہیں بیٹھی تھی۔ پچھلے سات گھنٹوں سے زاران کی گہری نگاہیں اپنی بیوی پر ہی تھیں۔

اس نے کھانا یہاں تک پانی بھی نہیں پیا تھا۔ وہ سب کچھ ائیر ہوسٹس کو واپس کر چکی تھی۔۔ وہ کیوں اتنی بے چین ہے وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ اس کے ستارہ

خان کے ساتھ بیٹھنے پر اتنی بے چین ہے۔ وہ ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتی تو اسے پتہ چلتا ستارہ خان اس کے ساتھ نہیں بیٹھی۔ ابرش یہاں موجود نہ بھی ہوتی وہ کبھی ستارہ خان کے ساتھ نہ بیٹھتا۔ میٹنگ کی وجہ سے ایک ساتھ ناشتہ کرنا یا پھر کسی ضروری کام کے امریکہ میں ملاقات کرنا الگ بات تھی مگر پلین میں ایک ساتھ بیٹھنا الگ بات تھی۔ حویلی چل کر اپنی بیوی کی تمام انسکیورٹیز دور کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔ ستارہ خان تھی صرف اس کے لیے اس کی پارٹی ممبر تھی۔ کا اس کے علاوہ اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہاں تک کہ دوستی کا بھی رشتہ نہیں تھا۔ وہ اس کی پارٹی کی ممبر تھی بس۔۔۔۔ وہ یہ بھی جانتا تھا اس کا کوئی فائدہ ہونا تو نہیں تھا۔ اس کی بیوی اس کے قریب دنیا کی کسی عورت کو ذرا برابر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے ہی محتاط ہو کر رہنا تھا۔

مگر ابرش نے پچھلے سات گھنٹو؟ سے خود پر قابو رکھا یہ اس کے لیے تھوڑا حیران کن تھا۔ وہ اس کے معاملے میں جتنی پوزیسیو تھی وہ جانتا تھا۔ وہ بے چین تھی مگر اس نے پیچھے مڑ کر ایک بار نہیں دیکھا تھا۔ وہ اتنی دیر خود پر قابو پالے ناممکن تھا۔۔ اسے پورا یقین تھا ابرش خود اس کے پاس آئے گی۔۔ وہ اپنی جگہ کبھی نہیں چھوڑے گی۔۔ پلوشہ کے ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑنے پر اس نے واویلہ کھڑا کر دیا تھا۔

زاران اب تھوڑا بے چین ہوا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کچھ بہت سیریس ہوا ہے۔ یہ ابرش کی آنکھوں سے اسے اندازہ ہوا تھا۔ کیا وہ ستارہ خان کو لے کر پریشان ہے یا بات کوئی اور ہے۔۔ اس کی زخمی نگاہیں یاد آئیں جو اس نے ائیر پورٹ لاونج پر اس پر ڈالی تھیں۔

بیوی کیسے تمھیں بتاؤں تمھیں تم ہی میرے لیے سب کچھ ہو۔۔۔ دنیا کی کسی عورت میں مجھے انٹرسٹ نہیں۔نہ کبھی ہو سکتا ہے۔۔زاران سیٹ سے ٹیک لگائے زیر لب بڑبڑایا تھا۔

ابرش نے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

وہ عنائیہ کے ساتھ سیٹ پر بیٹھی تھی۔زحلے زرتاج اور اہل اس سے اگلی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔انھیں ٹیک آف کیے سات گھنٹے ہو گئے تھے۔پلین میں اس وقت لائٹس آف تھیں۔مدھم سی روشنی جل رہی تھی۔ابرش نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے سیٹ سے ٹیک لگائی۔پورا وجود انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند دہک رہا تھا۔پچھلے سات گھنٹوں سے وہ خود پر قابو پائے ہوے تھی۔اپنے نچلے لب کو وہ اتنی بے دردی سے کاٹ رہی تھی کہ لبوں پر

خون کی ننھی ننھی بوندیں آن ٹھہری تھیں۔۔زاران اور ستارہ ان کے ساتھ ہی فلائٹ میں داخل ہوے تھے۔وہ ستارہ کے ساتھ پچھلے سات گھنٹوں سے بیٹھا ہوا ہے۔یہ سوچ کر ہی وہ کب سے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہی تھی۔اس کا ضبط جیسے ختم ہو رہا تھا۔ایک پل کے لیے اس نے آنکھیں موند کر نہیں دیکھی تھیں۔پچھلے سات گھنٹوں سے وہ خود کو باور کروا رہی تھی ۔اسے فرق نہیں پڑنا چاہیے وہ کچھ بھی کرے۔وہ کسی کے ساتھ بھی بیٹھے۔اوہ سیٹ سے ٹیک لگائے ہزاروں بار یہ جملہ دہرا چکی تھی۔مگر ہر بار اسے اندازہ ہوتا وہ خود کو جیسے تسلی دے رہی ہے۔یہ لفظ بولتے وہ ٹوٹ کر بکھرتی تھی۔بے بسی سے اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برستے تھے۔اسے اندازہ ہوتا تھا وہ کبھی مضبوط نہیں ہو سکتی۔۔وہ اس کی روح میں رہتا تھا کیسے وہ خود کو مضبوط ظاہر کرتے انجان بن جائے۔پتہ نہین مضبوط

لڑکیاں کیسے ہوتی ہیں۔ ابرش نے بے دردی سے اپنی انکھیں رگڑتے دل پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔

وہ پچھلے سات گھنٹوں کے ہر پل میں وہ ہزاروں بار جلی تھی اور ہزاروں بار مری تھی۔ اسے کسی کے ساتھ سوچنا جان لیوہ تھا اور وہ اس کے ساتھ ایک ہی فلائٹ میں کسی کے ساتھ اتنا قریب بیٹھا ہوا تھا۔ افففف یہ تو جیسے جن نکالنے کے مترادف تھا۔ ابرش نے دل پر ہاتھ رکھے سیٹ سے ٹیک لگائے خود کو باور کروایا اس کا زاران سے کوئی تعلق نہیں مگر دل میں جلتے بھانبھڑ اسے بتا رہے تھے وہ اس کا سب کچھ ہے۔

وہ کسی کے ساتھ بھی بیٹھے وہ کچھ بھی کرے ابرش پاشا تمھیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔۔ تم ابرش خانزادہ نہیں ابرش پاشا ہو۔۔ ابرش نے ہزاروں دفعہ کی طرح یہ لفظ دوبارہ سے دہرائے تھے۔

عنائیہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے تاسف سے ابرش کو دیکھا جو ہزار بار یہ لفظ دہرا چکی تھی۔

وہ مزید خود پر کنٹرول نہیں کر سکی تھی۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔ ابرش بے چینی سے نظریں دوڑاتے اس ستمگر کو تلاش کر روی تھی۔۔ پچھلی طرف سیٹس نظر آ رہی تھیں۔ مگر کوئی ان پر بیٹھا نظر نہیں آ رہا تھا۔

آپی زاران بھائی ستارہ خان کے ساتھ نہیں بیٹھے.. عنائیہ کی آواز پر ابرش بری طرح اچھلی تھی۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھتے اپنے ساتھ بیٹھی عنائیہ کو دیکھا جو سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے مبہم سا مسکرا رہی تھی۔

مم۔۔۔میں۔۔۔زاران کو تھوڑی دیکھ رہی تھی۔ابرش نے لب کاٹتے ہوے اٹکتے ہوے مکمل طور پر انجان بنتے کہا۔

جی بلکل آپ انھیں نہیں دیکھ رہی تھی۔نہ ہی پچھلے سات گھنٹوں سے اتنی بے چین تھیں۔وہ کچھ بھی کریں وہ کسی کے ساتھ بھی بیٹھے آپ کو فرق نہیں پڑتا۔آپ یہ لفظ بھی نہیں دہرا رہی تھیں۔کب سے میرے کان بج رہے ہیں۔عنائیہ نے شرارتی انداز میں کہتے کان میں انگلی مارے۔۔

ابرش اسے گھورتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔

ویسے آپ مجھ سے پوچھ لیتی میں آپ کو بتا دیتی۔زاران بھائی بیچارے اکیلے بیٹھے ہیں۔ان کے ساتھ کوئی نہیں بیٹھا۔یقیناً انہوں نے اپنے لیے دو سیٹس بک کروائی ہوں گی۔پتہ تھا اپنی ایکسٹرا پوزیسیو وائفی کا۔۔۔غلطی سے بھی

ان کے ساتھ کوئی عورت بیٹھ گئی تو مس ابرش پاشا نے جل جل کر کوئلہ ہو جانا ہے۔اعنائیہ ابرش کو دیکھتے شرارتی لہجے میں بولی تھی۔

شٹ آپ عنائیہ۔۔۔ابرش نے آنکھیں کھولتے عنائیہ کو دیکھتے غصے سے کہا۔

عنائیہ نے مسکراتے ہوے لب پھیلائے تھے۔دوسرے پل اس نے سیٹ پر گھٹنوں کے بل اونچے ہوتے پیچھے دیکھتے زاران کو دیکھا جو ان کی ساتھ والی رو میں دو تین نشستیں چھوڑ کر بیٹھا تھا۔عنائیہ کے دیکھنے پر اس نے مسکراتے ہوے اسے اشارہ کرتے آنکھ ونک کی۔

ابرش کے پیچھے مڑ کر دیکھنے پر وہ خود ہی سائیڈ پر ہوا تھا۔اپنی بیوی کی بے چینیاں ملاحظہ کرنی تھی۔وہ جس طرح بے چین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ زاران خانزادہ کے جلتے دل کو سکون دے گیا تھا۔پچھلے سات

گھنٹوں میں اپنی بیوی کی ایک نظر کا اس نے بھی ان سات گھنٹوں میں ایک ایک پل انتظار کیا تھا۔۔ وہ اسے نظر انداز کرے کہاں گوارا تھا۔

عنائیہ نے مسکراتے زاران کو ہاتھ سے ویو کیا تھا۔۔ وہ بچوں کی طرح سیٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھے سیٹ کی سطح پر دونوں بازو رکھے بچوں کی طرح مسکراتے ہوے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

زاران نے اشارے سے اسے ابرش کو بلانے کو کہا۔ اپنی بیوی کو مزید تنگ کرنے کا آرادہ تھا۔

آپی آپ کو زاران بھائی بلا رہے ہیں۔ عنائیہ نے زاران کے اشارے پر ابرش سے کہا۔ عنائیہ ویسے ہی بیٹھی ابھی تک زاران کو دیکھ رہی تھی۔

عنائیہ کی بات پر ابرش نے بے اختیاری میں یکدم پیچھے مڑتے ہوئے اسے دیکھا۔۔ مگر وہ بری طرح پچھتائی تھی۔ یہ بلکل بے اختیاری میں ہوا تھا۔ وہ زاران کے معاملے میں اتنی ہی جذباتی تھی۔

ابرش کے دیکھنے پر زاران نے اسے آنکھ ونک کرتے ہونٹوں کو جوڑتے اسے فلائنگ کس کرتے ذو معنی بے باک اشارہ تھی۔ زاران کی حرکت پر برش کی رنگت قندھاری ہوئی تھی۔

وہ جلدی سے رخ پلٹ گئی۔۔

ابرش نے پلٹتے ہوئے عنائیہ کو دیکھا جو ویسے ہی گھٹنوں کے بل سیٹ پر بیٹھی زاران پر نظریں گاڑھے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ تھی۔ عنائیہ سیدھے ہو کر بیٹھو۔۔ ابرش نے عنائیہ کو دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔

زاران نے عنائیہ کے سامنے یہ حرکت کی وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔ عنائیہ تو اس کا ذو معنی اشارہ نہیں سمجھی تھی۔ مگر زاران کے بے باک اشارے اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ اسے لاونج میں بیٹھا دیکھ بہت بار ایسے اشارے کر چکا تھا۔ کمرے میں لے جا کر ان اشاروں کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھا چکا تھا۔

اس کا اتنا دل جلا کر وہ ایسی حرکتیں کر رہا تھا۔ اس کے اندر پنپتے غصے میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔

زاران نے گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بٹن دبائے ائیر ہوسٹس کو بلایا۔

یس سر۔۔۔ کچھ ہی سیکنڈ میں وہ اس کے پاس حاضر تھی۔

سیٹ نمبر 54 پر جو خاتون بیٹھی ہیں۔انھیں اچھا سا میل سرو کریں۔۔فریش فلاور کے ساتھ۔۔زاران نے ایئر ہوسٹس سے انگلش میں کہا۔

? Sorry sirI didn't understand what r you saying

وہ حیران ہوتے بولی۔

I am saying to delivere some delicaious food

with with fresh flower to the seat no 54

زاران نے سنجیدگی سے کہتے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

Sure sir

ائیر ہوسٹس نے مسکراتے ہوے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس ابرش کے لیے بہت اچھا کھانا فریش سفید پھولوں کے ساتھ لے کر گئی تھی۔

I didn't need it

ابرش نے کہتے کھانا واپس کیا تھا۔۔ ائیر ہوسٹس نے سانس بھرتے زاران کو دیکھا۔

Mam i think you need it you have been hungry for a long time

ائیر ہوسٹس نے زاران کے اشارے پر دانت پیستے کہا۔

You didn,t force me.It will be better if you do you your job.

ابرش نے غصے سے کہتے سیٹ سے ٹیک لگائی

ائیر ہوسٹس خود پر ظبط کرتے زاران کو ایک نظر دیکھتے کھانا واپس لے گئی تھی۔

زاران گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ ابرش نے کل سے اس کے ساتھ تھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ کل رات اس نے بہت برے طریقے سے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کی تھیں۔ اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب گہری رات ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح اپنی بیوی کو جانتا تھا۔ اس نے کھانا نہیں کھایا ہو گا۔ کل اس کی بے رحم شدتیں سہتے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔ اس کی بے جان ہوتی حالت سے اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ تب بھی بھوکی تھی۔ وہ حویلی

میں بھی دو دو دن کھانا کھائے بغیر رہ لیتی تھی۔ شروع میں ابرش پر غصہ ہی ختم نہیں ہوتا تھا وہ درخشاں کے بتانے کے باوجود اسے کھانے کا نہیں کہتا تھا ۔ مگر آج اس کا بھوکا رہنا اسے بری چبھا تھا۔ پلین میں داخل ہوتے ابرش کو بری طرح چکراتے دیکھا تھا۔ اب وہ کچھ کھا بھی نہیں رہی تھی

زاران نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھتا ابرش کی طرف بڑھا۔

عنائیہ تم تھوڑی دیر کے لیے میری سیٹ پر جا سکتی ہو۔ زاران کی آواز پر ابرش نے حیرت سے زاران کو دیکھا جو اس کی سیٹ پر ہاتھ جمائے اس کے پاس کھڑا تھا۔

جی بھائی تھوڑی دیر کے لیے کیوں ؟؟ میں جب تک سفر ختم نہیں ہو جاتا میں تب تک بیٹھ سکتی ہوں۔۔ عنائیہ مسکراتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھی تھی۔

کوئی ضرورت نہیں عنائیہ کہیں جانے کی۔۔ ابرش نے زاران کو دیکھتے عنائیہ سے سختی سے کہا۔

عنائیہ جو سیٹ سے اٹھنے لگی تھی خاموشی سے واپس سیٹ پر بیٹھی۔۔ ابرش کی آواز کافی اونچی تھی۔

عنائیہ نے گھبراتے ہوئے زاران کو دیکھا تھا۔

عنائیہ تم یہاں سے جاؤ۔۔زاران نے ابرش کو گھورتے دانت پیسے تھے۔

تم نہیں جاؤ گی عنائیہ ان منسٹر صاحب کو بولو ساری دنیا کو بتائیں یہ سنگل ہیں۔میرے ساتھ بیٹھنے پر سب کو پتہ چل جائے گا یہ سنگل نہیں ہیں۔ ابرش نے زاران کو ایک نظر دیکھتے غصے سے کہا۔

عنائیہ نے اب بیچارگی سے زاران کو دیکھا تھا۔

عنائیہ تم جاؤ یہاں سے۔۔۔زاران کی سرد آواز پر عنائیہ اپنی سیٹ سے اٹھتے وہاں سے نکلتے زاران کی سیٹ کی طرف بڑھی۔

آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو مسٹر خانزادہ۔۔ابرش غصے سے ایک جھٹکے سے سیٹ سے اٹھی تھی۔

یکدم اسے زوردار چکر آیا تھا۔ اسی دوران پلین نے بھی جھٹکا کھایا تھا۔ اس سے پہلے ابرش گرتی زاران اسے اپنی بانہوں میں تھام چکا تھا۔

زاران نے جلدی سے ابرش کو اپنے سینے سے لگایا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔۔ مجھے موت بھی تمھاری بانہوں میں قبول نہیں۔ ابرش نے پلین کو جھٹکے کھاتے محسوس کرتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

میرے لیے وہ موت بھی میٹھی ہو گی جو تمھاری بانہوں میں ہو گی۔۔ زاران اسے سختی سے اپنی بانہوں میں بھینچ گیا تھا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ ابرش اسے خود سے دور دھکیلتے دبے انداز میں چیخی تھی۔۔ زاران نے اس کے چیخنے پر غصے سے اسے گھورا تھا۔ وہاں بیٹھے کچھ

پیسیجنجر متوجہ ہوے۔ائیر ہوسٹس کو اپنی طرف آتا دیکھت زاران نے

سختی سے ابرش کو ونڈو والی سائیڈ پر دھکیلا تھا۔ تھا۔وہ گرنے والے انداز پر

سیٹ پر بیٹھی تھی

زاران اپنے کوٹ کو دونوں ہاتھوں سے جھٹکتے خود اس کے ساتھ والی سیٹ پر

بیٹھا۔۔

Sir any thing problem

ائیر ہوسٹس نے ان کے قریب آتے ہوے پوچھا۔

Nothing

زاران نے ابرش کو گھورتے ایک لفظی لفظ کہا۔

ابرش کی طرف جھکتے اس کی سیٹ بیلٹ باندھی۔

ابرش کو خاموش دیکھ کر ائیر ہوسٹس خاموشی سے چلی گئی تھی۔ ابرش کی خاموشی پر ائیر ہوسٹس کو اندازہ ہوا تھا۔ دونوں کا تعلق کافی گہرا ہے۔ وہ سمجھ چکی تھی وہ اس Laddy کا man ہے۔

ابرش گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس نے سیٹ بیلٹ باندھ کر اس کی چادر اچھی طرح اس کے سر پر جمائی تھی۔ جو سر سے پھسل گئی تھی۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔۔ تم نرمی سے میری بات سنتی نہیں ہو مجبوراً مجھے تم پر سختی کرنی پڑتی ہے۔ زاران اس کے دیکھنے پر سنجیدگی سے بولا۔

حویلی میں گزرے ہوے ان پانچ مہینوں میں کوئی ایک پل یاد کر کے بتانا مجھے جب تم نے مجھ سے نرمی سے بات کی ہو۔ سوائے بیڈ پر گزرے قربت کے لمحات میں۔۔۔ ابرش کہتے رخ موڑ چکی تھی۔

کیا کروں؟؟ تم جتنی بیڈ پر خوبصورت لگتی ہو اتنی کہیں نہیں لگتی۔۔ زاران نے اس کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی کی تھی۔

ابرش نے بٹن دبائے ائیرہوسٹس کو بلایا تھا۔

ائیرہوسٹس دانت کچکچاتے ہوے آئی تھی۔ اس کلاس میں صرف یہ دو پیسینجر ہی تنگ کر رہے تھے۔

ائیرہوسٹس آنے پر ابرش نے اس سے انگلش میں ٹمپریچر کی میڈیسن لینے کو کہا۔

زاران نے ابرش کو دیکھتے اس کی پیشانی کو چھوا اوہ تپتی بھٹی کی طرح جل رہی تھی۔اس سے پہلے ائیر ہوسٹس جاتی زاران نے اسے میڈیسن کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی لانے کو کہا۔

Sur sir

ائیر ہوسٹس کا رنگ اب ظبط سے سرخ ہوا تھا۔وہ زاران کو مسکراتے ہوے دیکھتے چلی گئی۔

کھانا آنے پر ابرش نے ٹرے سے میڈیسن اور پانی کا گلاس اٹھاتے میڈیسن لینا چاہی۔زاران نرمی سے اس کا ہاتھ جکڑ چکا تھا۔

پہلے کھانا کھالو پھر میڈیسن لے لینا۔ زاران نے نرمی سے کہتے اس کے عارض پر بکھری لٹ پیچھے کی تھی۔

زاران مجھے عادت ہے بہت بار ایسے میڈیسن لی ہے۔ کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابرش نے سنجیدگی سے کہا۔

تمھاری ساری بری عادتیں بدل دوں گا میں۔ اس لیے پہلے کھانا کھاؤ۔۔ زاران نے ٹرے سے سینڈوچ اٹھاتے ابرش کی طرف بڑھایا تھا

مجھے نہیں کھانا۔۔ ابرش ضدی انداز میں کہتے رخ موڑ گئی تھی۔

ابرش ضد مت کرو نہ یہ ضد کرنے کا وقت ہے۔ ابھی کافی سفر پڑا ہے۔ طبعیت دیکھو اپنی پہلے کھانا کھاؤ پھر میڈیسن لینا۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

مجھے نہیں کھانا تم کچھ بھی کر لو میں نہیں کھاؤں گی۔ ابرش نے اپنی بھیگی آواز پر بمشکل قابو پایا تھا۔

اپنی پریگننسی یاد آئی تھی۔ جب وہ ایسے ہی اس کے کھانا نہ کھانے پر پریشان ہو جاتا تھا کبھی پیار اور کبھی سختی سے کھانا کھلاتا تھا۔

ابرش مجھے مجبور مت کرو میں یہاں تم پر سختی کرو۔۔ کھانا کھاؤ۔ زاران نے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو مسٹر خانزادہ؟؟ جاؤ اس ستارہ خان کے پاس جاؤ وہ تمھارا انتظار کر رہی ہو گی۔ ابرش گہرے سانس لیتے دبے انداز میں چیختے ہوے بولی۔

برداشت کرلو گی میرا اس کے پاس جانا۔۔زاران نے اس کی طرف جھکتے اس کے گلاب گال پر بہت نرمی سے اپنی چوڑی ہتھیلی جمائی تھی۔

وہ بلیک چادری میں بخار سے تپتی کافی سرخ سی اسے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ امریکہ کے ائیرپورٹ پر چادر میں لپٹی آئی تھی۔وہ بھی اپنا چہرہ ڈھانپے ۔۔۔وہ اس کا مزید اسیر ہوا تھا۔۔

ہاں مجھے فرق نہیں پڑتا تم کچھ بھی کرو ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اچھا تبھی پچھلے سات گھنٹوں میں بہت بے چین تھی۔پانی کی ایک بوند تک نہیں لی۔ایک پل کے لیے آنکھیں نہیں موندیں۔بار بار گہرے سانس لیتے اپنے گلے کو جکڑ رہی تھی۔وہ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہے یہ سوچ کر

ہی تمھاری سانسیں بند ہو رہی تھی ناں۔۔۔۔۔زاران نے ابرش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے مسکراتے ہوے آنکھ ماری۔

زاران کی باتوں پر ابرش کی آنکھوں میں شبنم بڑھی۔وہ پچھلے سات گھنٹوں میں اس کا تڑپنا محسوس کر چکا تھا۔اسے تڑپتے دیکھ کر سکون محسوس کر رہا تھا۔۔اس کا تڑپنا مقابل کے چہرے پر مغروریت بڑھا گیا تھا۔یہ دیکھ کر وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔

تمھیں کیوں لگتا ہے زاران؟؟مجھے ایک صرف یہی غم ہے۔میری زندگی میں تمھاری ستارہ خان تمھاری پلوشہ کے علاوہ بھی بہت بڑے غم ہیں۔ ابرش پاشا کے لیے تم اتنی اہمیت نہیں رکھتے میں اپنے سات گھنٹے برباد کروں۔مجھے تو اپنے سات مہینے برباد کرنے پر افسوس ہے۔ابرش بولتے ہوے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ابرش کی باتوں پر زاران کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ سمٹی۔ وہ اسے آج زاران بلا رہی تھی ورنہ وہ لڑائی غصے میں ٹڑپتے ہوئے اسے مسٹر خانزادہ بلاتی تھی۔ اس کے لہجے میں اجنبیت محسوس کرتے زاران کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔

کھانا کھاؤ۔ اپنے سات مہینے برباد ہونے پر حویلی جا کر کمرے میں خوب ماتم منانا۔۔۔ ممممم۔۔۔۔ کیونکہ تمھیں اپنی ساری زندگی اب میرے ساتھ برباد کرنی ہے۔۔ بہت ماتم مناؤ گی۔ کبھی میری بانہوں میں میری شدتیں سہتے سسکیاں بھرتے۔۔ کبھی خود سے فضول باتیں سوچتے۔۔

زاران نے نرمی سے اس کی ٹھوری چھوتے سرد لہجے میں کہتے اس کی کانچ سی آنکھوں میں جھانکا۔

زندگی جتنی برباد ہونی وہ ہو گئی مگر اب ماتم کبھی نہیں مناؤں گی۔۔ ابرش نے سپاٹ لہجے میں کہتے پھر سے رخ موڑ چکی تھی۔

کھانا کھاؤ ابرش۔۔۔ زاران نے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔

نہیں کھاؤں گی تم کچھ بھی کر لو۔۔ ابرش نے ضدی انداز میں کہا۔

کیوں چاہتی ہو میں سب کے سامنے تمھیں ڈیپ کس کرتے تمھاری سانسیں بند کروں۔ تمھاری کڑوی زبان کو اپنے لبوں سے جکڑتے تمھارے لفظ حلق میں گھوٹوں۔۔ زاران نے ابرش کی طرف جھکتے اس کے عارض پر اپنی ہلکی گھنی بئیرڈر گڑی۔۔

تم کبھی یہاں ایسا نہیں کرو گے۔۔ تمھیں اپنی سو کالڈ غیرت اور عزت بہت پیاری ہے۔ تمھارے کسی بھی ایکٹ پر تمھاری بیوی دوسروں کے نظروں

میں آئے تمھیں گوارا نہیں۔ اس لیے تو تم مجھ پر چلا نہیں رہے۔ بہت نرمی سے بات کر رہے ہو۔ نہ دنیا کو پتہ نہیں لگنے دینا چاہتے ہو اور نہ ستارہ خان کو کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہے۔ اگر دنیا کو پتہ لگ گیا کہ منسٹر صاحب صاحب سنگل نہیں ہیں ہے تو کیا عزت رہ جائے گی منسٹر صاحب کی۔ منسٹر صاحب کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ برش تلخی سے بولتے طنزیہ مسکرائی تھی۔۔ ابرش میڈیسن اٹھائے منہ میں رکھے اسے پانی کے ساتھ نگلنے لگی۔ زاران ایک بار پھر سے اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔

ابرش پہلے کچھ کھاؤ پھر میڈیسن لینا۔ زاران کے نرم لہجے پر وہ اب کی بار حیران ہوئی تھی۔ وہ اس کی باتیں اتنی دیر سے کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اسے تو عادت تھی جوابی کاروائی کرنے کی۔

مجھے کچھ نہیں کھانا نہ میڈیسن لینی ہے۔ ابرش ضدی انداز میں بولتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔۔ زاران نے لب بھینچے اس کے چہرے کو دیکھتے اپنے اندر اٹھتے غصے اظطراب پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ وہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پائے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے وہاں سے اٹھتے اپنی سیٹ کی طرف بڑھا۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش نے آنکھیں کھولے اپنے پاس خالی سیٹ کو دیکھا تھا۔

تم اتنی ہی دیر میرے نخرے اور میرے ضدی انداز کو برداشت کر سکتے ہو مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش نے تلخی سے بولتے ٹرے سے سینڈوچ اٹھائے چھوٹی چھوٹی بائٹ لی تھیں۔ بھوک اور نقاہت سے اسے چکر آرہے تھے۔ خالی

میڈیسن لیتی تو اس کے دل پر جا کر لگتی۔ اس کی طبعیت مزید بگڑ جاتی وہ تو صرف اس ستمگر کو نخرے دکھا رہی تھی جو وہ ہمیشہ کی طرح اٹھا نہ سکا تھا۔

ابرش نے آدھا سینڈوچ کھا کر پانی کے ساتھ میڈیسن لیتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

زاران اسے سینڈوچ کھاتا دیکھ کر اپنی سیٹ سے ٹیک لگائے اطمینان سے آنکھیں موند گیا تھا

زاران سب کے ساتھ حویلی کے زنان خانے میں داخل ہوا تو سب اس وقت لاونج میں بیٹھے تھے۔ روزینہ خانم امینہ خانم پلوشہ بہارے اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

زحلے اور باقی سب کو دیکھتے سب ہی پریشانی سے اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔

زاران نے ابرش کی کلائی نرمی سے جکڑتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔ ابرش نے حیرت کی زیادتی سے زاران کو دیکھتے اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کی وہ مزید مضبوطی سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ وہ پہلی مرتبہ سب کے سامنے اسے کلائی سے جکڑے ہوے تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے سب گھر والوں کے سامنے چھوا تھا۔ ورنہ ہمیشہ اس کے ذرا سا قریب آنے پر سب کے سامنے اس سے دور ہو جاتا ہے۔

پلوشہ نے ہونق چہرے کے ساتھ ابرش کو زاران کے قریب دیکھا تھا جو ابرش کی کلائی جکڑے ہوے تھا۔۔ پلوشہ نے پریشانی سے ہونق چہرے سے

امینہ خانم کو دیکھا۔ جو خود شاکڈ کے عالم میں کھڑی تھیں۔ زاران نے سب کو بتایا تھا۔ وہ امریکہ اپنے کسی کام سے جا رہا ہے۔

اسلام و علیکم مورے۔۔ زاران نے امینہ خانم کو سلام کرتے ابرش کو اشارے سے امینہ خانم سے سلام کرنے کو کہا۔

امینہ خانم اور پلوشہ کو دیکھتے اس کے زخم ہرے ہوے دلتھے۔۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوے امینہ خانم کو دیکھا تھا۔ اس کے قدم پتھر ہوے تھے۔ وہ چاہ کر بھی امینہ خانم سے اگے بڑھ کر نہیں مل سکتی تھی۔ جنھوں نے اسے بے حد ذہنی اذیت دی تھی ابھی بھی وہ ان کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔ پلوشہ کو دیکھتے اس تکلیف میں آضافہ ہی ہوا تھا۔ وہ مزید ذہنی اذیت اور کرب میں مبتلا ہوئی تھی۔

سلام کرو مورے سے۔۔ زاران نے ابرش کو ایسے ہی کھڑا دیکھتے اب کی بار سخت لہجے میں کہا۔ زاران کا لہجہ بہت سختی لیے ہوے تھا۔۔ اور اچھا خاصہ اونچا بھی تھا۔ وہ زاران کی سرد آنکھوں میں دیکھتے نہ چاہتے ہوے بھی امینہ خانم کی طرف بڑھی

اسلام و علیکم آنٹی۔۔۔ ابرش نے ان کے پاس جاتے آہستگی سے کہا۔

وعلیکم اسلام کیسا ہے تم؟؟ امینہ خانم نے ابرش کو اپنے ساتھ ہلکا سا لگایا تھا ۔۔ ٹھیک ہوں۔ ابرش آہستگی سے بولتے ان سے علیحدہ ہوئی تھی.

ان کا چہرہ سرد سپاٹ تھا۔ ان کے لہجے میں بیگانگیت محسوس کرتے ابرش کی بے اختیار نگاہ پلوشہ کی طرف اٹھی۔ جو اسے استھزائیہ نگاہوں سے دیکھ

رہی تھی۔ ابرش گہرا سانس لیتے خود پر قابو پاتے ہوے پیچھے کو ہوتی زاران کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

زاران پھر سے اس کی کلائی نرمی سے جکڑ گیا تھا۔ ابرش کی آنکھیوں ڈبڈبائی تھیں ورنہ امینہ خانم کا روکھا رویہ دیکھ کر وہ تکلیف کی انتہا پر تھی۔ اسلام و علیکم بھابھی زحلے آگے بڑھتے امینہ خانم کے گلے لگی تھی.

وعلیکم اسلام.۔۔ امینہ خانم نے خشک لہجے میں کہا۔

زحلے سب کو دیکھ کر وہ شاکڈ تھیں۔ آہل پر بابرک کے قتل کا الزام تھا وہ ان سب کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اور انھیں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

زاران تم زحلے آہل کو یہاں کیسے لا سکتا ہے ؟؟۔۔ ہمت کیسا ہوا ہمارا بیٹا کے قاتل اور اس کا خاندان کو ہمارا حویلی لانے کا۔ روزینہ جو کتنی دیر سے برداشت کر رہی تھیں۔ یکدم پاگلوں کی طرح غصے سے چیخی تھیں۔

آہل نے بابرک کو نہیں مارا۔۔ آہل قاتل نہیں ہے۔ زاران نے لب بھینچے کہا تھا۔

تم کیسے کہہ سکتا ہے یہ سب ہاں ؟؟۔ جرگے میں یہ ثابت ہو چکا ہے آہل بابرک کا قاتل ہے۔ پہلے تم نے اس قاتل کی بہن کو ہمارے سر پر لا کر بٹھایا ۔۔ اب تم اس کا پورا خاندان کو ہمارے سر پر بٹھا کر لا کر بٹھانا چاہتا ہے۔ کس طرح کا انسان ہے تم زاران ؟؟ بابرک تمھارا بھائی تھا۔۔ ایک ساتھ پلا بڑھا تم لوگ۔۔ تمھارا لیے تو وہ شہرام کا برابر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے کیا کیا ؟؟ تم نے صرف ایک لڑکی کا واسطہ ہم سب کو دکھ دیا۔ نہ زحلے آہل یہاں

رہے گا اور نہ یہ یہ لڑکی یہاں رہے گا۔ جو رات کے اندھیرے میں یہاں سے بھاگ گیا تھا۔

روزینہ خانم کی بات پر وہ چونکا تھا۔ زاران کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ وہ اتنی بے خبر نہیں تھی جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ ابرش نے حویلی خود چھوڑی یہ اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔۔ کیا روزینہ خانم کو بہزاد اور زعیم کا بھی پتہ ہے؟؟۔ زاران بری طرح پریشان ہوا تھا۔ رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ ابرش کے کردار پر اوارس کی عزت پر حملہ تھا۔۔ وہ اپنی بیوی کا نام کسی غیر مرد کے ساتھ نہیں سن سکتا تھا۔۔ ابرش کی کلائی اس کے ہاتھوں سے چھوٹی تھی۔ زاران ظبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا.

امینہ خانم روزینہ خانم کی بات پر چونکی تھیں۔۔ انھیں تو یہی پتہ تھا کہ زاران نے ابرش کے بچہ ضائع ہونے پر اسے حویلی سے خود نکالا تھا۔

ابرش کی رنگت بھی فق ہوئی تھی۔ آہل زر تاج عنائیہ سب پریشان سے کھڑے تھے۔۔

مردان خانے سے اب ابد خان درید خان اور سمیع اللہ بھی روزینہ خانم کی چیخوں پر زنان خانے میں داخل ہوے تھے۔

بابا۔۔۔۔۔زحلے جلدی سے سمیع اللہ کی طرف بڑھی تھی۔۔

سمیع اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خود کی طرف بڑھنے سے روکا تھا ۔زحلے منہ پر چادر رکھے روتے ہوے وہیں پر رک گئی تھی۔

سمیع اللہ کا رویہ دیکھتے ابرش نے استفہامیہ نگاہوں سے زاران کو بے یقینی سے دیکھا تھا۔۔جب اس نے سب کچھ کلیر نہیں کیا تھا وہ انھیں لایا ہی کیوں؟؟

یہ کیا کہہ رہا ہے تم روزینہ ؟؟ تمھارا عادت ہے ہر کسی پر الزام لگانا۔۔ مگر ابرش رات کے اندھیرے میں خود حویلی چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔ زاران نے اسے خود حویلی سے نکالا تھا۔ اسے اسلام آباد چھوڑ کر آیا تھا۔ امینہ خانم نے غصے سے کہا۔

ابرش نے زاران کو نم نگاہوں سے دیکھا جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔ وہ بمشکل ہی خود پر قابو پائے کھڑا تھا

بھابھی الزام نہیں لگا رہا۔ حقیقت بیان کر رہا ہے۔ تم سب اپنا آنکھیں بند کر کے سوتا ہے مگر ہم تو سوتا میں بھی آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ ابرش نے رات کا اندھیرا میں حویلی چھوڑا تھا۔ وہ بھی اس زعیم کا واسطہ۔۔۔۔ اور ابرش کو بہزاد نے اغوا کیا تھا۔ یہ کتنا ہی گھنٹہ اس بہزاد مردود کے پاس رہا۔۔

بس ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ ابرش کے خلاف ایک لفظ اور نہین۔۔ ایک لفظ اپنی بیوی کے خلاف جھوٹ نہیں سنوں گا۔۔ زاران حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ اس کی گردن کی رگیں بری طرح پھول رہی تھی۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر تھیں۔۔

ابرش کی کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔ اس نے بمشکل ہی اپنے چکراتے وجود کو سنبھالا تھا۔ بہارے اپنے سٹیچز پر ہاتھ رکھتے اٹھی تھی۔ اس چیخو پکار سے اسے اپنا سر پھٹتا محسوس ہوا۔

خبردار میری بیوی کے کردار پر ایک لفظ بھی کہا۔ مذید جھوٹ بولا ۔۔ برداشت نہیں کروں گا۔ زاران روزینہ خانم کے مقابل آتے ان کی آنکھوں میں خون اتری آنکھوں سے دیکھتے غرایا تھا۔

زاران یہ کیا ہو رہا ہے ؟؟ درید خان گرجے تھے۔

بابا یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔۔ میں نے ابرش کو خود حویلی سے نکالا تھا۔۔ ابرش حویلی چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ زاران نے گہرے سانس لیتے ضبط سے کہا۔

زاران کے جھوٹ پر ابرش نظریں جھکائے لب کاٹتے ہوئے آنسو بہا رہی تھی۔ وہ اس کی وجہ سے شرمندہ ہو یہ تو کبھی نہیں چاہا تھا اس نے۔۔۔ رات کے اندھیرے میں عورت کا گھر چھوڑنا اس سے سے کہیں زیادہ اس کے رشتوں کو شرمسار کرتا ہے۔ یہ زاران کے جھوٹ سے عیاں تھا۔ اس جھوٹ میں اس کے لہجہ زلزلوں کی زد میں تھا۔ جسے ہر کوئی بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

ابرش اب بری طرح رو دی تھی۔۔جو بات وہ خود آج تک نہیں بھولا تھا ۔اس کی مان نہیں بھولی تھی وہ ساری دنیا کیسے بھولے گی اب۔۔۔یہ طعنے کیا اس کی زندگی کا حصہ تھے۔۔ابرش نے زاران کے سرخ چہرے کو دیکھتے اپنی بہتی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑیں۔

اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں تو زاران تم اپنا مورے کا سر کا قسم کھاؤ۔۔ان کا جان کا قسم کھاؤ کہ ابرش حویلی سے بھاگا نہیں تھا۔اس کو بہزاد خان نے اغوا نہیں کیا تھا۔روزینہ خانم سینہ پیٹتے ہوے درشت لہجے میں بولی۔

میں کسی کی وجہ سے اور کسی کو یقین دلانے کے لیے اپنی مورے کی قسم کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔چاہے کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔۔لیکن آپ نے ایک لفظ اور میری بیوی کے متعلق کہا تو میں اپنی اوقات میں آجاؤں گا۔یہاں سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔جب میں اپنی اوقات میں آتا

ہوں تو پھر میرے لیے کوئی رشتہ کوئی بڑا معنی نہیں رکھتا۔ زاران نے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے روزینہ خانم کو سرد لہجے میں وارن کیا تھا۔

زاران۔ روزینہ بڑا ہے تم سے تمھارا ماں کا جگہ۔۔۔۔ ہم آج تک اپنا بیٹا بابرک کی وجہ سے کبھی کسی کا سامنے کھڑا نہیں ہوا۔ تمھیں کبھی اپنا بیٹا کا قاتل نہیں سمجھا۔ اپنا بیوی کو جھوٹا کہا۔ اپنا بیٹا اسفند سے تعلق ختم کر لیا۔ آج تم ہمارا سامنے ہمارا بیوی سے اس طرح بد تمیزی کرے گا۔ ہم بداشت نہیں کرے گا۔ اربد خان زاران کے مقابل آئے سخت لہجے میں بولے۔

سب ہمیشہ ہم کو غلط بولتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ تم سب کو لگتا ہے ہم ابرش پر الزام لگا رہا ہے۔۔ ہم نے اپنا آنکھوں سے ابرش کو رات کا اندھیرا میں چادر میں لپٹا حویلی سے نکلتے دیکھا تھا۔ چلو ہم پر کسی کو یقین نہیں ہے۔ اس

عنائیہ سے پوچھو۔۔ جس رات ابرش حویلی چھوڑ کر گیا۔ اس رات یہ آیا تھا حویلی۔۔۔ اس نے سب کو کیا کہا تھا کہ یہ ابرش سے ملنے کے واسطہ آیا ہے یہ امریکہ جا رہا تھا اسی لیے اسے زاران کا کہنا پر رحیم یار خان اسلام آباد سے حویلی چھوڑ کر گیا۔۔۔ بلاؤ رحیم یار خان کو ابھی سچ اور جھوٹ سامنے آجائے گا۔ روزینہ خانم کے اتنے اعتماد پر سب کی نگاہوں کا رخ عنائیہ پر تھا۔

ہم پر یقین نہیں اس عنائیہ سے پوچھ لو اس نے ہم کو خود بتایا تھا بہزاد کا متعلق کہ اس نے تین ماہ اس کو اپنا قید میں رکھا۔۔ روزینہ خانم کی بات پر سب کی نظروں کا رخ عنائیہ کی طرف اٹھا تھا۔ عنائیہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

جس رات بہزاد کی قید سے چھوٹنے کے بعد رمضان اسے حویلی چھوڑ کر گیا تھا۔ روزینہ خانم نے اس رات حویلی میں اس سے زور زبردستی سے سب

اگلوالیا تھا۔ وہ ڈری ہوئی تھی وہ زاران کے سکھائے ہوے جھوٹ پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔۔ سب کچھ بہزاد کے متعلق روزینہ خانم کو بتا دیا تھا۔ عنائیہ کی جھکی نظریں روزینہ خانم کے لفظوں پر سچ کی مہر لگا چکی تھیں۔

زاران بے بس نگاہوں سے سب کو دیکھتے مٹھیاں بھینچے ہوے تھا۔ جو بات وہ خود سے کرتے ڈرتا تھا۔ اب سب کریں گے۔ اس کی بیوی کو کسی غیر مرد سے منسوب کریں گے۔۔ اس کا وجود طیش او اشتعال سے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔

زاران نے اگلے دن ہم سب سے جھوٹ بولا کہ وہ غصے میں ابرش کو کسی بات پر عنائیہ سمیت اسلام آباد چھوڑ آیا ہے۔۔ میں خاموش رہی۔۔۔ اس کا عزت رکھا مگر اس زاران کیا کیا ہمیشہ ہمارا زخموں پر نمک چھڑکا۔۔ ہمارا سینے میں خنجر گھونپا۔۔

یہی کہا تھا زاران نے تم سب سے۔۔ تم سب مرد لوگ بیوقوف ہو سکتا ہے مگر ہم نہیں۔۔۔۔ زاران کبھی بھی اپنا عورت کو کیوں حویلی سے نکالے گا؟؟ اگر اس کو نکالنا ہوتا تو اس ابرش سے زبردستی نکاح کیوں کرتا۔۔۔ اور ہمارا حویلی کا مرد لوگ کبھی بھی اپنا عورت کو کسی صورت اپنا حویلی سے جانے نہیں دیتا۔ مار کر پھینک سکتا ہے مگر اپنا عورت کو نہیں نکال سکتا۔ تو زاران جیسا مرد جس نے اپنا منگیتر کو جانے نہیں دیا تھا وہ اپنا عورت کو کیسے امریکہ جانے دے سکتا تھا۔ روزینہ خانم ایک ایک لفظ چباتے ابرش کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے بول رہی تھیں۔

زاران نے سرخ آنکھوں اسے ابرش کو دیکھا جو زاران کو دیکھتے روتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔

آہل سٹک کے سہارے بے بسی سے کھڑا ابرش کو رورتے ہوے نظریں جھکائے دیکھ رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہا ہے روزینہ ۔۔۔عنائیہ بہزاد کی قید میں تھا۔۔ سمیع اللہ کی گرج پوری حویلی میں گونجی تھی۔وہ سٹک پر اپنا پورا وزن منتقل کر گئے تھے۔

زاران لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔۔وہ کیا کہتا سب سے۔۔ جیسے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔۔

زاران ہم تم سے پوچھ رہا ہے یہ سچ ہے عنائیہ تین ماہ بہزاد کی قید میں رہا۔ درید خان پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑے تھے۔ سب ہی شاکڈ تھے۔۔

جی بابا۔۔ عنائیہ بہزاد کی قید میں تھی۔۔ آہل کے زرتاج سے بھاگ کر نکاح کرنے پر بہزاد نے بدلے کے طور پر عنائیہ کو قید کیا تھا۔ زاران نے گہرا سانس لیتے بمشکل بتایا۔

ہمارا بھانجی تین ماہ اس مردود کے قیڈ میں رہا ہم کو خبر ہی نہیں تھا۔ تمھارا ہمت کیسا ہوا یہ سب چھپانے کا؟؟۔ اور اس زرتاج کو ادھر کیوں لایا۔۔ اس آہل بغیرت کو ادھر کیوں لایا تم۔۔ جس وکاجہ سے یہ سب ہوا۔۔ درید خان نے دھاڑتے ہوک پوچھا تھا۔

بابا بہزاد کو میں نے کتے کی موت دے دی تھی۔۔ میں اس سے بدلہ لے چکا ہوں۔ اب زرتاج اور آہل کا کیا قصور اس میں۔ زاران نے سنجیدگی سے وضاحت دی۔۔

زاران تم اتنا بغیرت ہو گا ہم کو معلوم نہیں تھا۔ ہم نے ہر معاملے میں تمھارا ساتھ دیا۔ ہم کو لگتا تھا تم سمجھدار ہے مگر نہیں۔۔۔۔ تم سب سے بڑا اغیرت ہے اور ہمارا غیرت تم نے مار دیا۔ ہمارا بھانجی اس بہزاد کی قید میں تھا اور ہم سب یہاں آرام سے بیٹھا تھا۔ اسی انسان کا بہن تم اس حویلی لے آیا۔۔ اب تو ہم کو یقین ہے روزینہ جو کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔۔ تمھارا بیوی رات کا اندھیرا میں حویلی سے بھاگا ہے۔۔ جو لڑکی ایک مرتبہ بھاگ سکتا ہے وہ دوبارہ بھی بھاگ سکتا ہے۔ تم اس بے شرم لڑکی کو دوبارہ حویلی

لے آیا۔۔اس بے شرم لڑکی کو ابھی طلاق دے کر ہماری نظروں سے دور کرو۔۔۔درید خان غصے سے دھارے

بس بابا اور نہیں۔۔۔۔۔عورت ہے یہ میری۔۔۔اس کو جان سے مار سکتا ہوں۔ چھوڑ نہیں سکتا۔زاران سرخ چہرے کے ساتھ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے پوری قوت سے دھاڑا۔

ابرش کے آنسوؤں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔امینہ خانم نے نفرت امیز نگاہیں اس پر گاڑھیں تھیں۔

تو پھر اس کو اسی دن مار آتے جس دن بہزاد کے پاس سے لے کر آئے تھے۔۔مگر آج پتہ چلا تم بغیرتوں سے بھی بڑا بے غیرت اور ذلیل ہے۔جو اوپر اوپر سے غیرت غیرت کا راگ الاپتا ہے۔۔منسٹر بن کر تمھارا شرم و حیا مر گیا ہے۔

سمیع اللہ خان زاران کے مقابل آئے تھے۔۔ ابرش زاران کے سرخ چہرے کو دیکھتے دل پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

بابا۔۔۔ زحلے نے تڑپتے ہوے انھیں پھر سے پکارا۔

مت بولو بابا ہم کو۔۔۔ اتنا پیار دیا مان دیا تم کو لڑکوں کا کالج میں جانے دیا۔ سب نے کہا سمیع اللہ لڑکی ہے اس کو لڑکوں کے کالج مت بھیجو ۔۔۔ لڑکی ذات کو اتنا مت پڑھواؤ۔ ہم نے کہا ہمارا بیٹی لڑکی نہیں ہمارے لیے لڑکا ہے۔ ہم فرق نہیں کرتا۔۔ سینہ ٹھوک کر کہا تھا پورا برادری کے سامنے۔۔ ہمارا بیٹی اپنا باپ کا عزت کبھی داغدار نہیں کر سکتا۔۔ ہاتھ جوڑا تھا تمھارا آگے جس دن تم بہلے دن یونیورسٹی گیا۔۔ ہمارا عزت کا لاج رکھنا۔ تم نے کیا کیا وہاں جا کر عشق معشوقی کیا۔۔۔ چلو تم نے یہ کر ہی لیا تھا۔ اپنا اولاد

کا اچھا تربیت تو کرتا۔ نہ بیٹی کا تربیت کیا۔ نہ بیٹے کا تربیت کیا۔ ارے کیسا بیٹی ہے یہ تمھارا۔۔۔ نکاح سے بھاگا۔۔ نکاح کے بعد بھی بھاگ گیا۔۔۔ اس کو بتایا نہیں شوہر کیا ہوتا ہے؟؟۔۔ عزت کیا ہوتا ہے؟؟۔۔ رات کے اندھیرے میں گھر سے بھاگنے والا عورت کو کیا کیا نہیں کہا جاتا۔ کیا عزت رہ گیا ہمارا پوتے کا۔۔ کیا بنا دیا تمھارا بیٹی نے ہمارا پوتا کو۔۔۔۔ یہ ہمارا پوتا کے لائق ہی نہیں تھا۔ سمیع اللہ غضبناکی سے بولے۔۔

ابرش نے روتے ہوئے نظریں جھکائے صوفے کی سطح پر ہاتھ جمایا تھا۔

زاران نظریں جھکائے مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا۔

اب یہ ہمارا فیصلہ ہے۔۔۔ ابرش ادھر نہیں رہے گا۔ ہمارا زاران کی زندگی میں نہیں رہے گا۔ سمیع اللہ نے اپنا فیصلہ سنایا

میرا بھی یہ آخری فیصلہ ہے۔ ابرش ادھر ہی رہے گی۔۔ اور یہ مرتے دم تک یہ میری عورت رہے گی۔۔ زاران حلق کے بل دھاڑا تھا۔

ٹھیک ہے اگر یہ یہاں رہتی ہے تو رہے۔ مگر ایک ونی کے طور پر آئی ہو لڑکی کے طور پر رہے گا۔

اور زحلے آہل عنائیہ ادھر کا کبھی رخ نہیں کرے گا۔ روزینہ خانم غصے سے چیخیں تھیں۔

زحلے پھوپھو عنائیہ آہل ادھر ہی رہیں گے۔ یہ میرا بھی آخری فیصلہ ہے ۔۔ شہرام کی گرجدار آواز گونجی تھی۔ بہارے نے چونکتے ہوئے سامنے دیکھا۔۔ شہرام داخلی دروازے کے بیچ و بیچ بلیک شلوار قمیض پر بلیک شال کندھوں پر ڈالے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے زنان خانے میں داخل رہو ہا تھا۔

بہارے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں بے انتہا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس ک سرخ و سفید رنگت غضب ڈھا رہی تھی۔ بہارے نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔۔۔

شہرام کا اس کے گھر اوالوں کے ساتھ رویہ انتہائی سخت اور مضحکہ خیز تھا۔ وہ اربد خان روزینہ خانم کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ مقابل کا اپنے گھر والوں کے یہ ساتھ رویہ برداشت نہیں ہو تھا۔ وہ تو کسی کی عزت کرنا ہی بھول گیا تھا۔ زحلے پھوپھو عنائیہ آہل زرتاج یہیں رہیں گے۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ وہ اپنے بھاری قدموں سمیت روزینہ خانم کی طرف بڑھتے ان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اٹل لہجے میں جتاتے ہوے بولا۔ اس کے

جتانے والے انداز پر بہارے نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ روزینہ خانم کو کیا جتا رہا تھا وہ سمجھ چکی تھی۔

وہ ان پر اپنا رشتہ واضح کر رہا تھا۔۔ وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ روزینہ خانم کو سخت نگاہوں سے وارن کر رہا تھا۔

میں اپنے لالا کے ہر فیصلے میں ان کے ساتھ کھڑا ہوں۔۔ مجھے یقین ہے میرے لالا بھی میرے لیے ہوے فیصلے میں میرا ساتھ دیں گے۔۔ شہرام نے سب کی طرف دیکھتے زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

میں اپنے لالا کے ہر فیصلے میں ان کے ساتھ کھڑا ہوں۔۔مجھے یقین ہے میرے لالا بھی میرے لیے ہوے فیصلے میں میرا ساتھ دیں گے۔۔شہرام نے سب کی طرف دیکھتے زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔

زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے شہرام کو دیکھا۔جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔جس کے چہرے پر چٹانوں سی سختی تھی۔

شہرام زاران کو دیکھتے روزینہ خانم کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔زحلے پھوپھو عنائیہ آہل یہاں ہی رہیں گے۔یہ میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں۔روز روز نہیں کہوں گا۔شہرام نے روزینہ خانم کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے سرد لہجے میں کہتے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔

شہرام۔۔بہارے مزید خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔اس لیے شہرام کو غصے سے پکار بیٹھی۔

بہارے کے پکارنے پر شہرام نے سوالیہ نگاہوں سے بہارے کو دیکھتے آئی بروا چکائے تھے۔

تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ تمھیں اونچا نہیں بولنا چاہیے۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے بہارے کے قریب ہوا۔

شہرام کے اس طرح قریب آنے پر بہارے آہستگی سے اپنے دو قدم پیچھے کی طرف بڑھا گئی۔ وہ لاونج میں سب کی پرواہ کیے بغیر اس کے قریب ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ہاف انچ کا بھی فاصلہ نہیں تھا۔ شہرام کا چوڑا سینہ تک اس کے سینے سے ٹچ ہوا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو اسے اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہوئی تھی۔

شہرام کے اس طرح سب کے سامنے قریب آنے پر اس کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ نظریں جھکا کر رہ گئی تھی۔ پیچھے صوفہ ہونے کی وجہ سے وہ مزید پیچھے نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے اس کے اور قریب ہوا۔ اب دونوں میں ہوا کا گزر بھی نہیں تھا۔ بہارے نے گہرے سانس بھرتے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ چکی تھی اسے اس کا اس طرح سب کے سامنے غصے سے پکارنا پسند نہیں آیا تھا۔

اب بولو۔۔۔۔ شہرام اسے سرد نگاہوں سے گھورتے بولا۔

مم۔۔۔ مورے۔۔ بڑی ہیں۔۔ تمھیں اس طرح ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جانا چاہیے۔۔ بہارے نے تھوڑا سا پیچھے کی طرف کھسکتے اس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے اٹکتے ہوئے بمشکل کہا۔

مورے بڑی ہیں۔۔ شہرام بہارے کے لفظ دہراتا استھزائیہ ہنسا تھا۔۔ لگتا ہے اس حویلی میں تمھاری مورے ہی بڑی ہیں۔ شہرام اب کی بار روزینہ خانم کو دیکھتے طنزیہ بولا تھا۔

شہرام کے مضحکہ خیز رویے پر روزینہ خانم توہین و خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔۔ وہ خود پر ضبط کرتے خاموش ہو گئی تھیں۔ بہارے کی حالت نازک تھی۔ شہرام اور بہارے کا رشتہ بھی انتہائی نازک موڑ پر تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں ان کے کچھ بھی کہنے سے ان کی بیٹی کی خوشیوں پر کوئی بھی آنچ آئے۔ ان دونوں کے درمیان مزید فاصلے بڑھیں۔ اب تو بہارے شہرام کے بیٹے کی ماں تھی۔ انھیں اپنا نواسہ بھی بہت پیارا تھا۔

میرالا قتل ہوا تھا۔ بہارے شہرام کے طنزیہ انداز پر بے قابو ہوتے اعصابوں کے ساتھ چیخ پڑی تھی۔

آواز نیچے۔۔۔۔ اتمھارا لالا قتل ہوا تھا اس کا یہ مطلب نہیں میرے لالا کو قاتل کہا جائے۔ میرے لالا کی بے عزتی کی جائے۔ شہرام یکدم حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

شہرام کی دہشت ناک دھاڑ پر وہ جی جان سے لرز اٹھی تھی۔ بے یقینی سے شہرام کو دیکھا۔ وہ اس سے سب کے سامنے ایسے بات کرے گا وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔ وہ نم نگاہوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی جو خونخوار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

روزینہ خانم اور اربد خان پریشان ہوے تھے۔۔۔ اربد خان نے روزینہ خانم کو اشارہ کرتے بہارے کو خاموش رہنے کو کہا تھا۔ روزینہ خانم نے بے بسی سے شہرام اور بہارے کو دیکھا جو سب کے سامنے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کھڑے تھے۔ بہارے بھیگی آنکھوں سے ہلکا

ہلکا لرزتے شہرام کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ شہرام کی آنکھوں کا سرد پن بڑھتا جا رہا تھا۔

شہرام۔۔۔ درید خان نے غصے سے شہرام کو پکارا۔

ایک منٹ بابا جان۔۔۔۔۔۔۔ مجھے بات کرنے دیں۔ شہرام نے ہاتھ کے اشارے سے درید خان کو روکتے بہارے کو غضبناک نگاہوں سے گھورا تھا۔

درید خان لب بھینچے خاموش ہو گئے تھے۔ شہرام غصے میں چھوٹے بڑے کا لحاظ بھول جاتا تھا۔ اس لیے وہ خود پر ضبط کرتے خاموش ہوے تھے۔ وہ بچپن سے ہی ایسے تھا۔ بہت ایکسٹریم لیول پر غصہ آتا تھا۔

زاران خاموشی سے کھڑا اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ابرش کے لیے بولے گئے لفظ جیسے اس کے اندر ایندھن دہکائے ہوئے تھے۔۔ زخم سارے ہرے ہوئے تھے۔ وہ خون اتری آنکھوں سے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔ جو صوفے کی سطح کو جکڑے لرزتے ہوئے ہوئے نظریں جھکائے رو رہی تھی۔ چہرہ سرخ انار کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی آنکھیں اور ناک چادر سے رگڑ رہی تھیں۔ کبھی گہرے سانس لیتے بے انتہا شدت سے بے دردی سے آنکھیں رگڑتے اپنے گال بھی سختی سے رگڑ ڈالتی۔۔۔ جس کی وجہ سے عارض جیسے خون چھلکا رہے تھے۔ زاران کی نگاہیں مسلسل خود پر محسوس کرتے وہ نظریں بھی اٹھا نہیں رہی تھی۔ اسے لگتا اب اس کی آنکھ سے آنسو نہیں بہیں گے مگر اسی لمحے اتنی شدت سے آنسو بہتے وہ اپنی سسکیاں گھوٹنے پر مجبور ہو جاتی۔

تو پھر بتاؤ میں میرے لالا میری مورے میرے بابا کس عدالت کا کٹھرا کھٹکھٹائیں۔ میری مورے اپنے جوان بیٹے میرے لالا اپنے جوان بھائی کی موت کا بدلہ کہاں سے لیں؟؟

بارک لالا کے سینے پر تین گولیاں بے دردی سے ماری گئی تھیں۔ میرے لالا کا جنازہ اس حویلی سے اٹھا تھا۔ قاتل کون ہے؟؟ آہل نہیں۔۔ تمھارے لالا نہیں.. کون ہے پھر؟؟۔۔۔ سب بے قصور ہیں یہاں۔ پھر گناہ گار کون ہے؟؟ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنی شبنمی لہجے پر قابو پاتے شہرام کی لہو اتری آنکھوں میں دیکھتے استفہامیہ لہجے میں کرب سے پوچھا۔ شہرام اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔

بہارے اس کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دیکھ کر اب خود اس کی قریب ہوئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان اب ہاف انچ کا فاصلہ بھی نہیں رہا تھا۔

اگر میری مورے اپنے درد کو کڑواہٹ کی صورت میں نکالتی ہیں تو مورے بہت بری ہیں۔ اگر میرے لالا اپنے بھائی کی موت کا بدلہ تمھاری بہن سے لے تو میرا لالا سفاک ہیں۔ اگر میں چلاتے ہوے تم سے اپنے لالا کے قاتل کا پوچھوں تو میں بد تمیز ہوں۔۔ بتاؤ پھر ہم کہاں سے انصاف مانگیں ؟؟۔ بتاؤ شہرام خان۔۔۔ کیسے انصاف دو گے تم ہمیں ؟؟

ہے انصاف تمھارے اور تمھارے لالا کے پاس ؟؟۔ پچھلے ایک سال سے میری ماں راتوں کو سوتی نہیں۔۔۔ یخ برفیلی ہواؤں میں وہ حویلی کے لان میں کھڑے ہوتے لالا کو پکارتی ہیں۔ میرے لالا کی سرخ آنکھوں میں بدلہ خون بن کر اترتا ہے۔ مگر وہ پھر بھی اپنا بدلہ تمھارے لالا کو قتل کر کے لے

نہیں پا رہا۔ میرے لالا کی بے بسی کسی کو کیوں نہیں دکھائی دیتی۔ میرے بابا اپنے ہی بیٹے سے تم لوگوں کی وجہ سے لاتعلق ہو گیئے۔ تم سب ایک ہو۔ بکھر تو ہم گئے۔ اکیلے تو ہم لوگ ہو گئے۔ میرے لالا تن تنہا کھڑے ہیں۔ کون ہے ان کے ساتھ ؟؟ تم زاران لالا یا ارحام لالا کون ہے ان کے ساتھ ؟؟ تم سب کو ہمارا دکھ تکلیف کیوں نظر نہیں آتا ؟؟

بہارے نے روتے ہوئے شہرام کے قریب ہوتے کئی سوال اٹھائے تھے

۔۔

میرے لالا اگر بے گناہ ثابت ہوئے تو کیسے میرے لالا کے لیے بولے گئے ہتک امیز لفظوں کا مداوہ کرو گے تم سب۔۔ تمھاری مورے تمھارے لالا ۔۔۔ بولو جواب دو.. ہے تمھارے پاس اس بات کا جواب۔۔۔۔ شہرام نے

بہارے کی بہتی آنسوؤں بھری آنکھوں کو دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔ جو لرزتے ہوے اس کی آنکھوں میں ڈالے کھڑی تھی۔۔

میری بہن جو ایک سال سے بے گناہ ہوتے ہوے بھی سزا سہہ رہی ہے۔ جس کی آنکھیں ہر صبح گلابی ہوتی ہیں۔ وہ سب کو دیکھتے اپنی گلابی آنکھوں میں کچھ پڑنے کا بہانہ کرتے ہر روز کھانے کی میز سے اٹھتی اپنے کمرے کی طرف بڑھتی ہے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوے کھانے کی میز سے اپنے کمرے تک جاتی ہے۔ ان قدموں میں لڑکھڑاہٹ گن سکتی ہو کہ وہ سیڑھیاں چڑھتے کتنی بار لڑکھڑائی تھی۔ اور ان گلابی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں گن سکتی ہو۔۔ شہرام نے استھزائیہ مسکراتے ہوے سوال کیے۔

بہارے کی آنکھوں میں شبنم بڑھی تھی۔ مقابل کو سب کی تکلیف کا احساس تھا۔ سوائے اس کے۔ وہ بھی تو اس کے لرزتے بدن کے ہچکولے نہیں گن سکتا تھا۔ وہ بھی تو ان کچھ دنوں کی اذیت کا ازالہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کتنی بار ٹوٹی کتنی بار بکھری۔۔ وہ شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی آنکھیں ہتھیلی سے رگڑ گئی۔۔

اور پم جواب دو مس بہارے خان۔۔ وہ اس کے اور قریب ہوا تھا میری مورے کی اذیت کا کیا جو روز اپنے بیٹے کے لیے قاتل کا لفظ سنتی ہیں؟؟۔ اپنی جوان بیٹی کو پچھلے سات ماہ بیوہ جیسی زندگی گزارتے دیکھ رہی ہیں۔ اور ان کی بے بسی دیکھو وہ اس بات کو مان چکی ہیں اب ان کی جوان بیٹی بیوہ جیسی ہی بیوہ جیسی زندگی گزارے گی بنا اپنے لبوں پر کوئی شکوہ لائے بغیر۔۔ اس تکلیف کا مداوہ ہو سکتا ہے۔۔ وہ یکدم چیخا تھا۔۔ بہارے اس کی

آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے طنزیہ مسکراتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

میرے لالا نے ایک سال اپنوں کی آنکھوں میں بدگمانی دیکھی ہے۔ میرے لالا کی سرخ انکھوں میں تم نے وہ اذیت دیکھی ہی نہیں۔۔ جو اپنے دوست کو کھونے کی تھی۔ اپنی بہن کے روگ کی اذیت تھی۔ اور میری اذیت تم نے کبھی محسوس ہی نہیں کی جب اپنی بیوی کی زبان سے اپنے لالا کے لیے قاتل کا لفظ سنتا ہوں۔ کیسا لگتا ہے اپنی بیوی کے لبوں سے اپنے گھر والوں کے لیے گالیاں سن کر۔۔۔ شہرام بہارے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولا تھا۔

میں نے کب گالیاں دی تمھارے گھر والوں کو۔۔ بہارے نے ہچکی لیتے اپنے سر کو جکڑتے پوچھا جہاں شدید دھمک ہو رہی تھی۔ جب سے اسے

سامنے کھڑے سفاک انسان سے محبت ہوئی تھی یہ سر درد اس کی جان کا آزار بن گیا تھا۔

میرے لالا کے لیے قاتل لفظ میرے لیے گالی ہی ہے۔ شہرام اونچی آواز میں چیخا تھا۔۔

شہرام۔۔۔ زاران نے شہرام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے روکا تھا۔۔

شہرام پیچھے کو ہوتے اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں کو جکڑتے ضبط سے گہرے سانس لینے لگا۔۔

قاتل قاتل قاتل۔۔۔۔ شہرام نے چیختے ہوے لاونج میں پڑی شیشے کی ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔۔ شیشہ تڑخ کر اس کے ہاتھ کو زخمی کر گیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتا زخمی نگاہوں سے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔ جو

کبھی اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ وہ اس کے مخالف کھڑی ہوتی تھی۔۔ مقابل کی آنکھوں میں ہمیشہ خود کے لیے نفرت دیکھی تھی۔ آج بھی ان آنکھوں میں صرف اپنے خسارے تھے۔ اس کے لیے تو کچھ نہ تھا۔

بہارے نے لرزتے ہوئے تڑپتے ہوئے شہرام کو دیکھا تھا۔ جس کے ہاتھ سے خون کے قطرے فرش پر گرتے سفید ماربل کو داغدار کر رہے تھے

زاران شہرام کے ہاتھ سے خون بہتا دیکھ کر یکدم اس کی طرف بڑھا۔

ضرورت نہیں کسی کی۔۔ شہرام نے اپنے زخمی ہاتھ کو اپنی شال پر بے دردی سے رگڑا۔ درید خان غصے سے شہرام کو گھور کر رہ گئے تھے۔۔ امینہ خانم بے بسی سے سب دیکھتے آنسو بہا رہی تھیں۔ روزینہ خانم شہرام کی حالت دیکھتے اب پچھتا رہی تھیں وہ خاموش رہتیں۔

سمیع اللہ خان اپنی سٹک پر وزن ڈالتے صوفے پر بیٹھے تھے۔ انھیں شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ جیسے ان کے پوتے جوان ہوے تھے انھیں ان سب الگ کر دینا چاہیے تھا۔ ان کے پوتے اپنی مرضی کے مالق تھے۔ کوئی بھی تو ان کا فرمانبردار نہ رہا تھا۔ آج وہ پھر خود کو کمزور محسوس کر رہے تھے۔

بابرک کا قتل ہوا یہ سب کو پتہ ہے مگر کسی نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس کا قتل کیوں ہوا؟؟ شہرام سب کو گھورتے ہوے چیخا تھا۔

کیوں ہوا تھا اس کا قتل مجھے جاننا ہے؟؟۔۔ اسفند کی گرجدار بھاری اواز زنان خانے میں گونجتی زنان خانے کے درودیوار کو ہلا چکی تھی۔۔ سب کی بے اختیار نظریں زنان خانے کے داخلی دروازے کی طرف اٹھیں۔

وہ داخلی دورازے میں کھڑا تھا۔اس کی سرد سرخ نگاہوں کا مرکز زاران خانزادہ تھا۔۔زاران خانزادہ نے بھی اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سرد نگاہیں اسفندیار خان پر گاڑھیں۔جو اس وقت سفید شلوار قمیض پر آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے ہوے اسے خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے زاران کو گھورتے اس کی طرف بڑھا تھا ۔۔زاران بھی اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسے گھورتے اس کی طرف بڑھا۔دونوں ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے۔

شہرام نے بلکل ٹھیک کہا یہ تو کسی نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی وہ کیوں قتل ہوا؟؟ آج میں تمھیں موقع دیتا ہوں ثابت کرو تم بے گناہ ہو۔۔سب کو ثبوتوں سے بتاؤ تم بے گناہ ہو۔ایک سال بہت ہوتا ہے۔۔یقیناً زاران

خانزادہ جیسے ہوشیار انسان نے ثبوت اکٹھے کر لیے ہوں گے۔۔ابھی بھی میں تمھیں مزید وقت دیتا ہوں۔60 منٹ ہیں تمھارے پاس۔۔مطلب ایک گھنٹہ تمھارے پاس ہے۔اس سے ایک سیکنڈ نہ تمھیں اوپر ملے گا نہ نیچے ملے گا۔پورے ایک گھنٹے بعد میری پسٹل کی گولی ہو گی تمھارا سینہ ہو ہو گا۔

اسفند اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائے بولا تھا۔

اپنی پسٹل اس نے اپنی شرٹ کی پاکٹ سے نکال کر اس نے سینٹرل ٹیبل پر اچھالی تھی۔

Your time start now۔۔۔

اسفند زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔

شہرام غصے سے اسفند کی طرف بڑھا۔

نہیں شہرام آج کوئی اگے نہیں بڑھے گا۔ آج تمام حساب کتاب صرف میرے اور اسفندیار خان کے بیچ ہو گا۔ زاران ضنے ہاتھ کے اشارے سے شہرام کو روکا تھا۔

لالا شہرام خان ہر اس معاملے میں آئے گا۔ جو اس کے اور اس کے رشتوں کے بیچ آئے گا۔ اسفند کی پسٹل سے گولی بعد میں نکلے گی۔۔۔ شہرام خان کی پسٹل سے گولی پہلے نکل کر اسفندیار خان کا سینہ چیر جائے گی۔۔ شہرام نے آگے بڑھتے اپنی پاکٹ سے پسٹل نکال کر ٹیبل پر پھینکتے اسفندیار کو سرد نگاہوں سے گھورا تھا۔

اسفندیار خان صرف اپنی سرد سرخ نظریں زاران پر گاڑھے ہوے تھا۔۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے

تھے۔۔ شہرام اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اسفندیار خان کو گھور رہا تھا۔

درید خان اور اربد خان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اپنی اپنی داڑھیوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔۔

بابا جان آپ بیچ میں نہیں آئیں گے۔ آج آر یا پار ہو گا۔ آپ میرا جنازہ اٹھانے ہی اب میرے قریب آئیں گے۔۔ آپ کو قسم ہے میری۔۔۔ اسفند اور زاران بیک وقت درید خان اور اربد خان کی طرف دیکھتے بولے تھے۔

امینہ خانم روزینہ خانم نے اپنے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ دونوں کے دل اپنے اپنے جوان بیٹوں کو کھونے سے لرزے تھے۔۔

ابرش نے فق رنگت سے ٹیبل پر پڑی پسٹل کو دیکھا تھا۔۔اس نے دل پر ہاتھ رکھتے زاران کو دیکھا۔

درید اور اربد خان غصے سے دونوں کی طرف بڑھے تھے۔وہ دونوں اپنے اپنے جوان بیٹوں کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔۔

رک جاؤ تم لوگ۔۔۔درید اربد تم کو ہمارا قسم۔۔۔ہم دیکھنا چاہتا ہے۔آج پہلا ہمارا کس پوتا کا جان جاتا ہے اور کون سا پوتا ہمارا جنازہ اٹھانے کے لیے زندہ بچتا ہے۔۔ سمیع اللہ خان گہرے سانس لیتے غصے سے دھاڑے تھے۔۔

لیکن بابا جان۔۔۔یہ بچہ لوگ ہے گرم خون ہے ان کا بیوقوفی کی وجہ سے ہم اپنا جوان بیٹا نہیں کھو سکتا۔درید خان سنجیدگی سے بولے۔

تم کو قسم ہے ہمارا کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ جو آگے بڑھے گا وہ اپنا بابا کو کھو دے گا۔ اب ہم دیکھتا ہے ہمارا بیٹا کو اپنا بابا پیارا ہے یا اپنا اپنا بے غیرت بیٹا۔۔ سمیع اللہ خان غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ شہرام اسفند زاران کو گھورتے بولے جو بنا کسی بڑے کا لحاظ کیے لاونج کے وسط میں کھڑے ایک دوسرے کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

درید خان اربد خان سمیع اللہ کی ماتھیں کی وینز پھولتی دیکھ کر بے بسی سے اپنی اپنی جگہ پر رک گئے تھے۔۔۔ سمیع اللہ کا بی پی ہائی ہو رہا تھا۔ وہ ان کی بات نہ مانتے تو یقیناً وہ غصے میں اپنا بی پی ہائے کر دیتے۔

خاموش رہ کر ان بے غیرت گرم خون کا سب ڈرامہ دیکھو۔۔ جو ہمارا حویلی کا لاونج میں ہر دوسرا دن چلتا ہے۔ وہ کیا کہتا ہے آج اس ڈرامہ کا

ڈراپ سین ہم سب دیکھے گا۔۔۔اور آخر پر تالی بجا کر ان بے غیرتوں کو ہم انعام دے گا۔اگر یہ گدھا نا ہنجار لوگ زندہ بچ گیا۔۔ سمیع اللہ خان نے لاٹھی پر دباؤ ڈالتے زاران شہرام اسفندیار خان کو گھورتے ہوے لفظ چباتے بولے۔۔

اب کس بات کا انتظار کر رہا ہے۔شروع ہو جاؤ تم گدھا لوگ۔۔۔ سمیع اللہ خان اسفند زاران شہرام کو خاموش کھڑا دیکھ کر غصے سے گرجے تھے۔

ایک گھنٹے سے پہلے ہی میں نے ثابت کر دیا میں بے گناہ ہوں بمعہ ثبوتوں کے ساتھ تو تم کیا کرو گے اسفندیار خان۔۔۔زاران نے اسفند کو گھورتے

اپنے کوٹ سے پسٹل نکال کر ٹیبل پر پھینکتے اپنا کوٹ بھی اتار کر دور اچھالا تھا۔ اپنی اوپری شرٹ کے دو بٹن کھولتے اپنی کف کے بٹن کھولتے اپنی استین کہنیوں تک فولڈ کرتے ایک ٹانگ ٹیبل پر رکھتے اسفندیار خان کو گھور کر دیکھا تھا۔

یہ تو وقت بتائے گا تم زندہ بچو گے تو میں تمھیں اس کو سچن کا جواب ضرور دوں گا۔ اسفندیار خان زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

زاران اسفندیار خان کی بات پر استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

پہلے میں تمھیں وہ ثبوت فراہم کروں گا جن کا ثبوت تمھیں یہاں گھر کا ہر فرد دے گا۔۔ زاران اپنی ٹانگ نیچے رکھتے مسکراتے ہوے بولا۔

تمھاری عورت تمھاری غیرت تمھاری بیوی تم سے پہلے تمھارے بھائی کے نکاح میں تھی۔

خبر دار خبر دار میری عورت کا نام تم نے اپنی گندی زبان سے نکالا۔۔۔ اسفند نے آگے بڑھتے زاران کا گریبان جکڑا تھا۔۔ کسی کا نام کہاں گوارا تھا اس کا نام بھی کسی کے ساتھ۔۔ اسفند کی دماغ کی رگیں بھڑکیں تھیں۔

تمھاری عورت تمھاری غیرت تمھاری عزت تم سے پہلے زاران خانزادہ کی بہن ہے اور اپنی بہن میں زاران خانزادہ کی جان بستی ہے۔ وہ تمھاری غیرت نہیں ہے میری بھی غیرت ہے۔ زاران اپنا گریبان چھڑواتے پھنکارا۔

اچھی غیرت ہے تمھاری۔۔ میری عورت کو تم بے غیرت بن کر اپنے بے غیرت دوست کی حویلی لے کر چلے گئے۔ اسفندیار خان نے پوری قوت سے

اپنی آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے زارن کے جبڑے پر دے مارا تھا۔۔اس ایک بات نے دو دن سے اس کے اندر آگ لگائی ہوئی تھی۔۔

تم جیسے ذلیل بے غیرت انسان کی غیرت لانے کے لیے مجھے یہ کرنا پڑا ۔۔۔ورنہ تم جیسے بے غیرت کی غیرت کیسے آتی۔۔۔زاران نے پوری قوت سے جوابی کروائی کرتے اسفندیار خان کے جبڑے پر مکہ دے مارا تھا۔

سب بے بسی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔۔شہرام نے اپنی گھنی بئرڈ پر ہاتھ پھیرتے خود پر ظبط کیا تھا۔۔اسفند کے جبڑے سے نکلا خون اس کے اعصاب پر سکون کر گیا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے چکراتے وجود کے ساتھ ٹیبل پر پڑی پسٹل کو ہی دیکھ رہی تھی۔۔

زحلے عنائیہ آہل پریشانی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔۔زرتاج نے کانپتے ہوے اہل کا بازو جکڑ رکھا تھا۔

بہارے نم نگاہوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔۔جو خون اتری آنکھوں سے اسفند کو گھور رہا تھا امینہ خانم کا بی پی ہائی ہو چکا پھا۔۔پلوشہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھتے ان کی ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔۔

روزینہ خانم دریدا ربد سمیع اللہ ظبط سے سب کو دیکھ رہے تھے۔ سمیع اللہ کی قسم کی وجہ سے وہ خاموش تھے۔

اب سننے کا حوصلہ پیدا کرو تمھاری غیرت کو تمھارے بھائی نے کیسے کیسے تکلیف پہنچائی تھی؟؟اور مجھے بتانا میں ایک بھائی ہونے کے ناطے کہاں غلط تھا۔

زاران اسفند کو گھورتے اس سے دور ہوا۔ اسفند اپنی شال کو جھٹکتے پیچھے ہوے تھا۔۔

سب سے پہلے بابرک میری بہن کے سپنوں کے بیچ آیا۔ پورے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا مگر بابرک نے اس کا داخلہ میڈیکل کالج نہیں ہونے نہیں دیا۔۔ زاران اسفند کو گھورتے بلند آواز میں بول رہا تھا۔ اس کی بھاری آواز زنان خانے کے لاونج میں گھور رہی تھی۔

کوئی بات نہیں اگر اس نے نہیں ہونے دیا۔ عابیر اس کے نکاح میں تھی اس کا حق تھا اس پر۔۔۔ یہی بتایا گیا ہمیں عورت پر سب سے زیادہ اس کا حق اس کے شوہر کا ہوتا ہے۔۔ اس طرح بابرک کا بھی حق تھا عابیر پر۔۔۔ وہ اس کا اچھا برا فیصلہ لے سکتا تھا۔

اس کالالازاران جس کی اس حویلی میں چلتی تھی وہ ابھی اس نکاح کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔۔ کیونکہ کسی بڑے نے بولنے ہی نہیں دیا۔ یہی کہا جس کی عورت ہے وہ ہی جانے۔۔ اس کالالا شہرام جو تمھاری بہن یعنی اپنی عورت کے میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہاں کے سب سے بڑے پرائیویٹ کالج میں شہرام نے تمھاری بہن یعنی اپنی عورت کا داخلہ خود کروایا تھا سب کے مخالف جا کر۔۔۔ مگر اپنی بہن کی جب باری آئی نہیں بول سکا۔ کیونکہ اس کے دونوں بھائی اس حویلی کی راوائتوں میں خود کو جکڑتے محسوس کرتے اپنی بہن کا والی وارث بابرک کو مان چکے تھے۔۔ زاران نے گہرے سانس لیتے بولتے ہوے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ عابیر کے ساتھ ہوئی زیادتیوں نے اج پھر زاران کی آنکھیں نم کر چکی تھیں۔ شہرام نے اپنے زخمی ہاتھ کا مکہ اپنی چوڑی ہتھیلی پر

مارتے خود پر قابو پایا۔۔ وہ اپنی بہن کے لیے سٹنڈ کیوں نہ لے سکا وہ یہ سوچ کر اذیت کی انتہا پر تھا۔

یہاں تک سب ٹھیک تھا۔۔ مگر تمھارے بھائی نے اس کے میڈیکل کالج میں داخلہ نہ ہونے دینے کے لیے اس پر طرح طرح کے الزام لگائے۔ اس کے کردار پر وار کیے۔۔ مردانے میں کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر کہا کہ اسے عابیر پر اعتبار نہیں ہے۔ وہ لڑکوں کے کالج جا کر لڑکوں سے دوستیاں گانٹھے گا۔ اپنے عاشق پیدا کرے گا۔ زاران کی بات پر زلزلے جیسے زمین پر گڑھیں تھیں۔ اپنا جرم یاد آیا تھا۔

یہ سب امریکہ میں سن کر مجھے کیسا لگا ہو گا۔ ایک بار میری جگہ پر خود کو رکھ کر سوچنا۔۔ میری جگہ تمھاری بہن ہوتی تو۔۔ زاران نے اسفند کی سرخ آنکھوں میں گھورتے لفظ چبائے تھے۔۔ اسفند یہ سب سنتا گہرے سانس

بھرتا بمشکل خود پر قابو پا رہا تھا۔ سینے میں اگ کے دریا روڑ رہے تھے جیسے۔۔۔ اس سفاک پٹھانی کے لیے کبھی ایسے لفظ بھی سننے پڑیں گے وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ اور وہ سن کر ضبط کر لے گا یہ بھی اندازہ نہ تھا۔

یہاں پاکستان میں بیٹھے اس کے بھائی اور امریکہ میں بیٹھے اس کے لالا نے کیسے یہ سب برداشت کیا تم نہین جانتے۔۔ نہ کبھی جان سکتے ہو۔

اور اس بات کا ثبوت تمھیں یہاں ہر کوئی دے گا۔ چاہو تو اپنی مورے سے پوچھ لو۔۔۔ زاران نے روزینہ خانم کی طرف استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے اس کی طرف دیکھا تھا۔ روزینہ خانم کی آنکھوں میں زاران کے نفرت کے شرارے پھوٹے تھے۔ وہ اسے زہر خند نگاہوں سے گھور کر رہ گئیں۔

تم نے مجھ سے پوچھا میں نے بابرک کو جانوروں کی طرح مارا تھا۔ جس دن میری مگنی تھی۔۔ ہاں مارا تھا۔۔ تمھاری مورے نے تمھیں بتایا بھی ہو گا مگر

اپنے لفظوں میں۔۔۔۔زاران نے اب پھر سے روزینہ خانم پر ماستھزائیہ نگاہ ڈالی تھی۔

لیکن آج میں تمھیں اپنے لفظوں میں بتاؤں گا۔اپنے دل کے زخم دکھاؤں گا۔کیسا لگا تھا مجھے اس دن؟؟۔۔زاران نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

بابرک عابیر پر اپنے نکاح میں ہونے کا فائدہ اٹھاتا تھا اس پر حق سمجھتا تھا نکاح میں تھے دونوں۔۔شہرام بہارے بھی تھے نکاح میں تھے۔بچپن کے نکاح تھے۔۔شہرام بھی بہارے پر حق جتاتا تھا۔یہاں ہو یا پھر جرمنی میں فیصلہ بہارے کا ہر فیصلہ شہرام لیتا تھا۔مرضی صرف شہرام کی چلتی تھی۔۔بہارے کب کالج سے آئی کب کالج گئی۔۔بہارے کو کب کیا چاہیے۔۔یہ تمھارے گھر والے بھول گیے تھے۔۔کیونکہ اس کی ہر ضرورت اس کی ہر بات کا ذمہ دار صرف شہرام تھا۔پوچھو اپنے بابا سے اسے

کالج سے ایک دن بھی لینے گئے یا پھر رحیم یار خان کو بولا بہارے کو آج کالج سے لے ائیں۔ شہرام جرمنی میں بیٹھے رحیم خان کو فون کرتا تھا۔ مگر تمھارے بابا یہاں بیٹھے رحیم خان کو بہارے کو کالج سے لانے کے لیے نہیں کہتے تھے۔ زاران کی بات پر اربد خان نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا بہارے کی انہوں نے کوئی ذمہ داری نہیں اٹھائی تھی۔ چودہ سال کی عمر سے ہی شہرام بہارے کی ہر ذمہ داری لے چکا تھا۔

۔ بہارے کبھی ایک منٹ کے لیے کالج سے لیٹ نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے اس کے کالج کے باہر گارڈز کی لائن کھڑی ہوتی تھی۔۔ یہ تھا میرے بھائی کا حق جو تمھاری بہن پر جتاتا تھا۔۔ زاران کی بات پر بہارے نے گہرے سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے شہرام کو دیکھا جو اسفند کو سرد نگاہوں کے حصار میں لیے کھڑا تھا۔

اب میں بتاتا ہوں تمھارا بھائی کیسے میری بہن پر حق جتاتا تھا۔ سننے کا حوصلہ رکھنا۔ تمھاری غیرت بلبلا اڑھے گی۔ زاران طنزیہ مسکرایا تھا۔ اسفندیار خان ظبط سے مٹھیاں بھینچ گیا۔

اس کو کمرے میں گھسیٹ کر لے جانے کا حق جتاتا تھا صرف تمھارا بھائی ۔زاران اسفند کو گھورتے ہوے بولا تو زاران کی بات پر اسفند دھاڑتے ہوے زاران کا

گریبان جکڑ گیا تھا۔۔

درید خان اربد خان کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے نظریں چرا گئے تھے۔۔ سمیع اللہ خان صوفے پر بیٹھے لاٹھی پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے زمین کو گھور کر رہ گئے۔ بچپن کے نکاح کے فیصلہ آج انھیں

سراسر غلط لگا تھا۔ ان باتوں کے متعلق تو انہوں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ جو آج زاران انھیں بخوبی احساس دلا چکا تھا۔

حقیقت بتا رہا ہوں۔۔۔ اسفندیار خان غیرت کو ایک سائیڈ پر رکھ کر سنو۔۔۔ زاران اپنا گریبان چھڑواتا چیخا تھا۔

جس دن میں نے اسے جانوروں کی طرح مارا۔ وہ نیچے شور شرابے کا فائدہ اٹھا کر عابیر کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا۔

لالا تھا اس کا جب وہ بھاگتے ہوئے میرے گلے لگی۔۔۔ بھول گیا میں کہ بابرک اس پر حق رکھتا ہے۔ آگ لگ گئی خون میں۔۔۔ جی تو کر رہا تھا اس کی جان لے لوں مگر کیا کروں کمبخت غیرت کے آگے دوستی آگئی۔۔ زاران اسفند کی خون اتری آنکھوں میں گاڑھتے طنزیہ بولا۔

بہن کے بھی آگے زاران خانزادہ کے آگے اس کا دوست آگیا۔۔۔زاران اپنے سینے پر ہاتھ مارتا غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ اب چیخا تھا۔

اسفند گہرے سانس لیتے زاران کو گھور رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔۔وہ یہ سب کیسے برداشت کر رہا تھا وہ وہی جانتا تھا۔خون میں ابال اٹھ رہے تھے وہ پاگل ہو رہا تھا۔اسے لگتا تھا وہ جلد اپنے حواص کھو دے گا۔

شہرام خان اپنی مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا۔بابرک کے ان کارناموں کا اسے بھی نہیں پتہ تھا۔

تم نے آج سے سات ماہ پہلے عابیر کو سزا سناتے مجھ سے پوچھا میں نے بابرک پر جان سے مارنے کا حملہ کیا۔

میں نے کہاہاں اور تم میرا جواب سنتے چیخنے لگے۔۔سب کو اونچا اونچا بتانے لگے میں نے تمھارے معصوم بھائی پر جان لیوہ حملہ کروایا تفا۔اور یہی میرے گناہ گار ہونے کا پختہ ثبوت تھا۔۔یہی کہا تھانہ تم نے زاران نے ائی بروا چکاتے استفسار کیا۔۔اسفند اپنے جبڑے بھینچ گیا۔

توسنو میں نے بابرک پر حملہ کیوں کیا؟؟زاران سب کو دیکھتے گر جا ٹھا۔

خجستہ کی بارات والے دن بابرک نے عابیر کو بے دردی سے سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا۔۔کیونکہ عابیر نے ایک دن پہلے بابرک کی آنکھوں میں پیپر سپرے پھینکا تھا۔اس بات کی سزا بابرک نے عابیر کو بے دردی سے سیڑھیوں سے بے رحمی سے دھکہ دے کر دی۔

دوسری سیڑھی سے دھکا دیا تھا۔۔وہ بھی اس کی میکسی پر پاؤں رکھتے اسے دھکا دیا تھا۔وہ سر کے بل گری تھی۔۔سیدھا دوسری سیڑھی سے نیچے زمین

پر آئی تھی۔۔۔خون ہی خون تھا یہاں ہر طرف۔۔۔۔اس بات کا ثبوت تمھیں یہاں کھڑے بہت سے لوگ دیں گے۔۔کیسے وہ خون میں لت پت بیوش پڑی تھی۔زاران نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے اپنی سرخ آنکھیں مسلیں۔

اسفندیار خان کے سماعتوں میں عابیر کے لفظ گونجے تھے۔جب وہ اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا۔۔

!!اس نے مجھے بے رددی سے سیڑھیوں سے دھکا دیا تھا۔سر کے بل گری تھی کتنے ہی گھنٹے میری کنڈیشن کرٹیکل رہی۔صرف اس وجہ سے کہ میں نے اسے اس کا حق لینے نہیں دیا تھا۔۔وہ جہاں ملتا تھا مجھ سے دست رازی کرتا تھا۔۔کبھی کالج جاتے ہوے اپنے کمرے میں کھینچ کر لے جاتا تھا۔۔کبھی میرے کمرے میں آجاتا تھا۔۔یہی کہتا تھا۔۔وہ میرا وہ حال کرے گا

کہ میرا لالا اس کے قدموں میں جھک کر میری حالت دیکھتے رحم کی بھیک مانگے گا!!

اسفند نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے گہرے سانس بھرتے رخ پھیر گیا۔ وہ مزید نہیں سن سکتا تھا۔

شہرام کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔ عابیر کو بابرک نے دھکا دیا اسے آج پتہ چلا تھا۔ شہرام نے غصے سے اب زاران کو گھورا تھا۔ شہرام نے غصے سے چیختے ہوئے ایک بار پھر سے ٹیبل پر مکہ دے مارا تھا۔

بہارے شدت سے لرز اٹھی تھی۔ سب ہی ہونق بنے کھڑے تھے۔ عابیر کو بابرک نے دھکا دیا یہ سب کو آج پتہ چلا تھا۔

روزینہ خانم کو کچھ کچھ پتہ تھا آج اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی عابیر کو بابرک نے دھکا دیا تھا۔ اس لیے وہ خاموش کھڑی تھیں۔ جانتی تھی یہ الزام نہ تھا۔

بابرک پر جان لیوہ حملہ کر کے اس سے اپنی بہن کا بدلہ لیا تھا اسفندیار خان۔۔۔ زاران اس کی پشت کو دیکھتے غرایا تھا۔۔ چلو پھر تم سے پوچھتا ہوں تم میری جگہ ہوتے کیا کرتے ؟؟۔۔ زاران نے اسفندیار خان کے مقابل سرد نظروں سے استفسار کیا۔۔

کیا کرتے اپنی بہن کو بے دردی سے سیڑھیوں سے دھکہ دینے پر کم سے کم موت کی سزا تو دیتے۔۔ زاران نے اسفند کی آنکھوں مین دیکھتے سوال داغا۔ اسفند نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے نگاہیں پھیر کر رہ گیا تھا۔

میں نے اس پر جان لیوہ حملہ کیا۔۔وہ جان سے کیوں نہیں گیا۔۔اگر گولی اس کے بازو پر لگ سکتی تھی سینے پر کیوں نہیں لگی۔اس کے سر پر ڈنڈے برسائے جاسکتے تھے تو تو انھیں ڈنڈوں سے اس کا سر کیوں نہیں کچلا گیا۔ کیوں اسے چھوڑ دیا؟؟۔۔زاران نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے آئی برو اچکایا۔۔اسفند کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جارہی تھی۔

کیونکہ تب بھی زاران کے اگے اس کا دوست آگیا تھا۔اسفند یار خان آگیا تھا۔۔اپنی بہن کی خوشیوں کی قربانی دے دی۔۔مگر اپنے دوست کو دھوکہ نھیں دیا۔زاران اسفند کو خاموش کھڑا دیکھ کر استھزائیہ مسکرایا تھا

اب سوال یہ آتا ہے بابرک نے یہ سب کیا بھی ہے تو اس سے اس پر قتل واجب نہیں ہو جاتا۔۔بابرک کے اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اگر میں نے اس کا قتل کیا تو تیری گولی کا حقدار تو پھر بھی ہوں۔ کہیں نا کہیں اس کی

حرکتوں سے تو تو بھی واقف تھا.. زاران طنزیہ مسکرایا تھا۔ اسفند اسے سرد نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اب میں تمھیں دیتا ہوں ٹھوس ثبوت۔۔۔ زاران نے طنزیہ کہتے درخشاں کو آواز دی۔

درخشاں۔۔۔ درخشاں۔۔ زاران نے بلند آواز میں درخشاں کو پکارا تھا.

درخشاں اپنی پکار سنتے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔۔

جی لالا۔۔۔ درخشاں نے زاران کو دیکھتے کہا۔

کچھ چیزیں تمھیں کچھ دن پہلے پکڑائی تھیں۔ وہ لا کر دو۔۔ زاران نے اسفند کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جی لالا درخشاں کہتے چلی گئی تھی۔

لاونج میں موت سا سناٹا چھایا تھا۔ زاران کے پاس اپنی بے گناہی کے کیا ثبوت ہو سکتے تھے۔ اگر تھے تو وہ ابھی تک خاموش کیوں تھا۔ سب سانس روکے کھڑے تھے۔

شہرام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا زاران کی طرف بڑھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد درخشاں ایک پیکٹ کے ہمراہ واپس آئی تھی۔۔ وہ زاران کو وہ پیکٹ پکڑاتے وہاں سے

واپس چلی گئی تھی۔

اس دن بابرک کے ساتھ پیروز بھی ڈیرے پر مردہ حالت میں پایا گیا تھا

۔۔ پیروز بابرک کا خاص آدمی تھا۔۔۔ تم اس کی لاش ڈیرے پر چھوڑ آئے

تھے۔ اپنے بھائی کی حویلی لے آئے تھے۔۔ اگر بابرک کو میں نے مارا ہے تو پیروز کو بھی میں نے مارا ہو گا۔ اس میں تو شک ہو ہی نہیں سکتا۔ پیروز کو مارنے ولا صرف میں یا آہل ہو سکتے ہیں۔ اور اس کے سینے پر گولیاں بھی میری پسٹل سے نکلی ہونی چاہیے ہے ناں۔۔ زاران نے اسفند کو دیکھتے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔ سب نے الجھن بھری نگاہوں سے زاران کو دیکھا تھا اس کے سوال سمجھ نہیں آیا تھا۔

بابرک کا اس دن پوسٹ مارٹم نہ ہو سکا نہ تم نے کروانے دینا تھا۔ مگر پیروز کا پوسٹ مارٹم میں نے کروایا تھا۔ یہ پوسٹ مارٹم رپورٹ۔۔۔ زاران نے پوسٹ مارٹم رپورٹ ہاتھ میں پکڑے اسفند کی طرف لہرائی تھی۔۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے گولی دو فٹ کی دوری پر پیروز کے سینے میں آر پار ہوئی اور جس پسٹل کی گولی سے لگی وہ ہم میں سے کسی کی نہیں تھی۔۔ پیروز کو

لگنے والی گولی بابرک کی پسٹل سے نکلی ہوئی گولی تھی۔۔زاران کی بات پر سب چونکے تھے۔۔

زران نے وہ پوسٹ مارٹم رپورٹ اسفنڈ کو پکرائی۔۔اور یہ پسٹل بابرک کی ہے۔۔۔زاران نے وہ پسٹل بھی اسفندیار خان کو پکڑائی تھی۔۔چیک کر لو۔۔۔اچھی طرح۔۔۔اس میں تمام ڈٹیل لکھی ہے۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

اسفند پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دیکھتے حیران تھا۔۔بابرک پیروز کو کیوں مارے گا۔بات حیران کن تھی۔۔

میں یہ بھی جانتا ہوں یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس دن بابرک مارنے کے بعد میں نے بابرک کی پسٹل سے پیروز کو مار دیا ہو۔۔ یہ ثبوت ناکافی ہیں۔ عدالت بھی ریجیکٹ کر دے گی۔۔ زاران نے سب کو دیکھتے کہا۔۔

اسفند کی آنکھوں کی الجھن مزید بڑھی تھی۔

چلو سب سے ٹھوس اور پختہ ثبوت دینے سے پہلے تمھیں میں زبانی کلامی بتاتا ہوں اس دن آخر ہوا کیا تھا۔۔ چاہو تو یقین کر لینا چاہو تو نہ کرنا مگر ٹھوس ثبوتوں کے بعد تمھیں میری ہر بات پر یقین کرنا پڑے گا۔

زاران سب کو دیکھتے مسکرایا۔۔۔ سب ہونق پریشان س چہروں ے زاران کو دیکھ رہے تھے۔

شہرام بھی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے زاران کو دیکھ رہا تھا۔ اس دن گیسٹ ہاؤس میں کیا ہوا یہ اسے بھی جاننا تھا۔۔

میں اسلام آباد سے واپس حویلی آرہا تھا۔ واپسی پر مجھے رمضان کی کالر سیو ہوئی کہ آہل زرتاج کو بھگا کر لے آیا ہے۔ اور بابرک کی گاڑی آہل اور زرتاج کی گاڑی کا پیچھا کرتے ان پر فائر کر رہی ہے۔۔ یہی ہوا تھا آہل ۔۔۔۔ زاران نے بلند آواز میں اہل سے پوچھا۔

جی بھائی۔۔ آہل نے سٹک پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے کہا۔

میں نے رمضان سے کہا میرے آنے تک ان کا پیچھا کرو بابرک پر نظر رکھو اسے روکنے کے لیے اس کی گاڑی پر فائر کرو مگر بابرک کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ لفظ میں نے فون پر رمضان سے بولے تھے۔۔ میرا خدا جانتا ہے

میں نے یہی لفظ بولے تھے آپ لوگ یقین کریں نہ کریں۔ زاران سب کو دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

آدھے گھنٹے بعد رمضان کا فون آیا سر بابرک اسے ڈاج دے کر نکل گیا ہے۔۔ اور آہل اور زرتاج کی گاڑی بھی نہیں مل

رہی۔ میں نے اس سے پوچھا کہاں ہو تم۔ اس نے مجھے اپنی لوکیشن بتائی تو مجھے پکا یقین ہو گیا بابرک گیسٹ ہاؤس میں ہو گا۔ وہاں آس پاس ہمارا گیسٹ ہاؤس تھا۔

میں پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتے وہاں پہنچا تھا۔۔سچ بولوں گا بلکل سچ بولوں گا مجھے بابرک کی پرواہ نہیں آہل اور زرتاج کی پرواہ تھی۔۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

میں جب گیسٹ ہاؤس پہنچا تو گیسٹ ہاؤس کھلا ملا۔ مطلب اس کا اینٹرس ڈور تک کھلا تھا۔ حیران کن بات تھی۔ بابرک اندر تھا تو اس نے اینٹرس ڈور لاک کیوں نہیں کیا۔ گیٹ کھلا کیوں رکھا؟؟زاران نے سب کو دیکھتے سوال کیے۔سب خاموش کھڑے تھے۔لاونج میں صرف زاران کی آوبز گونج رہی تھی اور گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی

کیونکہ اس دن وہ ٹریپ آہل اور زرتاج کے لیے نہیں بلکہ مجھے مارنے کے لیے بچھایا گیا تھا۔۔زاران کی گرجدار آواز پر سب شاکڈ ہوے۔سب نے

الجھن بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا زاران کیا کہہ رہا تھا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا.

میں گیسٹ ہاؤس کے اندر داخل ہوا اندر کے منظر نے میری آنکھیں خطرناک حد تک کھول دی تھیں۔ بلکہ مجھ جیسا پتھر دل انسان لرز کر رہ گیا۔

اندر اہل زمین پر بڑا تڑپ رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں پر گولیاں ماری گئی تھی۔۔ اور زرتاج کو بالوں سے بابرک نے بے دردی سے جکڑے ہوے تھا۔۔ زرتاج کی شال اس کے قدموں میں پڑی تھی۔ وہ آہل کو زخمی دیکھ کر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ زرتاج یہ سب سنتے آہل کا بازو پکڑے شدت سے رو دی تھی۔ ابرش کی آنکھوں سے بھی گرم سیال پوری شدت سے بہا تھا۔

پیروز اور بابرک کے فلک شگاف قہقہے گونج رہے تھے۔ یہ غیر انسانی سلوک دیکھ کر ایک پل کے لیے میں ساکت ہو گیا۔۔

تم جھوٹ بول رہا ہے میرا بابرک ایسا نہیں ہے یہ الزام ہے۔۔ روزینہ خانم غصے سے چیخیں تھیں۔

ثبوت ہے میرے پاس۔۔۔ زاران نے روزینہ خانم کو چیختے دیکھ کر کہا۔۔

تو دو ثبوت۔۔۔۔ ہم بھی دیکھیں کیسا ثبوت ہے خالی باتوں سے تم ہمارا بیٹے کو گناہ گار نہیں ثابت کر سکتا روزینہ خانم غصے سے پاگلوں کی طرح چیخیں۔۔

باقی سب خاموش کھڑے تھے۔ حقیقت سامنے آنے پر سب پتھر ہوے تھے۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہیں کیا کریں۔

زاران نے اس پیکٹ سے ایک موبائل نکال اس کی ریکارڈنگ آن کی۔۔۔

لاونج میں اس وقت گہری خاموشی چھا گئی تھی۔۔

لالا تم امیریکہ سے پڑھ لکھ کر آیا ہے۔۔مگر آج تم ہم جیسا ان !! پڑھ انسان کے ہاتھوں بیوقوف بن گیا۔۔آہل اور زرتاج تو بہانہ تھا۔۔ہم تمھیں یہاں بلانا چاہتا تھا۔۔تاکہ تمھیں یہاں بلا کر تمھیں تمھاری موت دے سکوں۔۔جس کا ہم جانے کب سے انتظار کر رہا ہے؟؟۔تم نے ہم پر حملہ کروایا تھا۔۔ہم نے اسی دن فیصلہ کر لیا تھا۔تمھیں ایسی موت دے گا کہ موت کو بھی تم پر ترس آ جائے گا۔۔

بابرک کی آواز سپیکر پر گونج رہی تھی

باکرک تم نے مجھے ہی مارنا تھا۔اس سب میں آہل اور زرتاج کو کیوں گھسیٹا؟؟اب زاران کی آواز سب کو سنائی دی تھی۔

کیونکہ ہمیں تمھارے قتل کا الزام بھی تو کسی پر لگانا تھا۔اب ہم تمھارے قتل کا الزام آہل پر لگا دے گا۔۔ایک تیر سے دو شکار۔۔۔۔بابرک کی آواز پھر سے گونجی۔۔

اچھا میرے قتل کا الزام آہل پر لگا کر سب سے کیا کہو گے ؟؟۔۔مجھے آہل نے کیوں مارا؟؟۔۔زاران کی آواز اب سب کو سنائی دے رہی تھی۔سب خاموشی سے کھڑے سن رہے تھے۔

اسفندیار خان گہرے سانس لیتے کھڑا تھا۔ریکارڈنگ کی اونچی آواز لاونج میں گونج رہی تھی

نہ نہ لالا یہ غلطی نہ کرنا۔۔ ادھر تم گولی چلائے گا۔ ادھر زرتاج اور آہل کو ہم ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دے گا۔۔

بابرک انھیں چھوڑ دو تم کسی بھی صورت یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔۔ نہ ہی تم میرے قتل کا الزام آہل پر لگا سکتے ہو۔۔ جانے دو انھیں۔۔ اب کی بار زاران چیخا تھا۔

لالا ساری پلینگ کر چکا ہے ہم۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔ ہم کہہ دے گا کہ تم نے ابرش کی بھاگنے کی سزا آہل کو دینی چاہی تھی۔ بدلے میں آہل نے تم پر گولی چلا دی۔۔

اور تم دونوں ایک دوسرے کو مارتے کتے کی موت مر گئے۔۔ بابرک اپنی بات کرتے کمینگی سے ہنسا جس میں پیروز نے اس کا پورا ساتھ دیا تھا۔ سب بے یقینی سے سب خاموش کھڑے یہ سب سن رہے تھے. بند گرہیں کھل

رہی تھی۔ سب کی نگاہیں زاران پر تھیں۔ جو لبوں پر انگلیاں رکھے سرخ آنکھیں لیے کھڑا تھا

اور زرتاج کے بارے میں سب کو کیا کہو گے۔ پھر سے زاران کی آواز سنائی دی۔

یہی کہوں گا کہ وہ اپنے کسی یار کے ساتھ بھاگ گئی۔۔ وہ شاطرانہ ہنسی ہنسا تھا۔

بارک میری بات سنو۔۔ تمھاری جو بھی دشمنی ہے وہ میرے ساتھ ہے۔۔۔ تم نے جو بھی کرنا ہے میرے ساتھ کرو۔۔ زرتاج اور آہل کو جانے دو۔ اس میں ان دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔۔ زاران کی گڑاگڑاہٹ سنائی دی۔

اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو لالا۔۔ ورنہ زرتاج اور آہل پر بنا کوئی رحم کھائے ان کے سینے میں ہم ساری گولیاں اتار دے گا۔۔ جہاں تک بات ہے ان کے بے قصور ہونے کی۔۔ یہ دونوں قصوروار ہیں۔۔ یہ ہمارا گاؤں کی لڑکی بھگا کر لے جا رہا تھا۔۔ اس کو سزا دینا بنتا تھا۔۔ بابرک چیخا تھا۔۔

بابرک تمھاری کہانی پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔۔ تم یہ سب کہو گے اور تمھیں لگتا ہے سب اس بات پر یقین کریں گے کہ آہل نے مجھے مار دیا۔۔

آہل اکیلا مجھے کیسے مار سکتا ہے ؟؟۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تم آہل کو پسند نہیں کرتے۔۔ سارا شک تم پر ہی جائے گا۔۔ تم مجھے مار کر بچ نہیں سکو گے۔۔ ارحام لالا تمھیں نہیں چھوڑے گا۔۔

بات تو تم ٹھیک کہہ رہا ہے لالا۔۔ دم خم ہے تمھاری بات میں۔۔ یہ چوزا تمھیں کہاں مار سکتا ہے۔؟؟۔ بارک کی مکروہنسی سنتے سب ہونق سے کھڑے تھے۔ وہ انسان میں چھپا بھیڑیا تھا۔ سب کو آج پتہ چلا تھا۔

کیا کروں پیروز خان؟؟ بارک کی آواز کے ساتھ فائر کی گونجتی آواز سنائی دی تھی۔ ساتھ ہی پیروز کی چیخ۔۔

خدا کے لیے ہم کو جانے دو۔۔۔ زرتاج کی تھر تھر کانپتی آواز اب سپیکر پر گونجی تھی۔

جانے دوں گا۔۔پہلے میں اپنے لالا کو اوپر پہنچاؤں گا۔۔ پھر تمھیں بھی اوپر پہنچاؤں گا۔۔۔۔

لالا اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو۔ ورنہ زرتاج بھی پیروز کی طرح اپنی جان سے جائے گا۔۔ تمھیں پتہ چل گیا ہو گا۔۔ ہم کسی کو بھی جان سے مار سکتا ہے۔۔اس لیے تمھارا بہتری اسی میں ہے۔ اپنا پسٹل زمین پر پھینک دو۔۔ تمھاری وجہ سے ایک معصوم سا خوبصورت لڑکی جان سے جائے گا۔

ہم کو یقین ہے تم اتنا حسین لڑکی کا جان اپنے سر پر کبھی نہیں لے گا۔۔اس لیے اپنی پسٹل زمین پر پھینک دو۔۔

!!تم سوچ رہا ہو گا کہ ہم نے پیروز کو کیوں مارا؟؟۔۔ بابرک کا فلگ شگاف قہقہہ گونجتا لاونج میں سب کو بخوبی سنایا دیا تھا۔۔

تمھیں آہل نہیں مار سکتا۔ مگر پیروز تو مار سکتا ہے ناں۔۔۔۔

پیروز زرتاج سے محبت کرتا تھا۔ اس نے آہل اور زرتاج کا پیچھا کیا۔۔ اور زرتاج اور آہل کو مار دیا۔ تم نے آہل اور زرتاج کو بچاتے ہوے اپنی جان گنوادی۔۔ پیروز نے مرتے مرتے تمھارے سینے پر گولی چلادی۔۔ اور تم موقع پر ہی ڈھیر ہو گیا۔۔ جب تک ہم پہنچا تم سب کا کام خلاص ہو گیا تھا۔۔ ہمارا اس بات پر سب یقین کرے گا۔۔ اور مرنے کے بعد تمھیں سب ہیرو کے طور پر یاد رکھے گا۔۔ اپنی بھاگی ہوئی منگیتر کے بھائی کی خاطر تم نے اپنی جان گنوادی۔۔ تم تو سچا عاشق نکلا۔۔۔ لوگ ہیر رانجھے کی جگہ تمھارا داستان یاد رکھے گا۔۔ تم مر کر بھی سب کی نظروں میں زندہ رہے گا

۔۔

بابرک اب پاگلوں کی طرح اونچا اونچا ہنس رہا تھا!!!

سب خاموشی سے ریکارڈنگ سن رہے تھے۔۔ جس میں ایک ایک لفظ بابرک کے خلاف جارہا تھا۔ اب ریکارڈنگ میں زرتاج کی گھٹی گھٹی چیخیں کچھ چھینا چھپٹی سنائی دی تھی۔ اور ایک زوردار تھپڑ کی گونج اور زرتاج کی چیخ سنائی تھی۔۔ جیسے کوئی منہ کے بل گرا ہو۔

اس کے بعد پسٹل کی گولی اور بابرک کی چیخ سنائی دی۔

پھر زاران کی اواز سنائی دی تھی۔ نہیں رمضان گولی مت چلانا زاران چیخا تھا۔۔ مگر اسی دوران کچھ فائر سنائی دیے تھے۔

سب پتھر بنے سن رہے تھے۔۔ لاونج میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔ پھر روزینہ خانم کی دبی دبی سسکیاں سنائی دینے لگی۔۔ بہارے نے بے دردی سے اپنی اندکھوں سے آنسو صاف کیے۔۔

سب سے پہلا فائر میں نے بابرک کی ٹانگ پر مارا۔۔ جب زرتاج نے بابرک سے پسٹل چھینے کی کوشش کی۔ بابرک نے زرتاج کو تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ اوندھے منہ گری تھی۔ اسی بات کا فائدہ اٹھا کر میں نے زمین سے پسٹل اٹھا کر بابرک کی ٹانگ پر فائر مارا۔۔ مقصد اس وقت بابرک کو روکنا تھا۔ وہ پیروز کو مار چکا تھا۔۔ آہل کو شدید زخمی کر چکا تھا۔۔ وہ مجھے اور آہل کو مار کر زرتاج کو اپنی حوس کا نشانہ بنا کر مارنا چاہتا تھا۔۔ میں صرف بابرک کو زخمی کر کے روکنا چاہتا تھا۔

مگر رمضان اسی لمحے وہاں پر داخل ہوا تھا۔۔ وہ سچویشن کو سمجھتے آہل کو شدید زخمی اور پیروز کی لاش دیکھ کر بابرک پر فائر کر چکا تھا۔ یہ جھوٹ ہے میرا بابرک ایسا نہیں تھا۔ روزینہ خانم گھٹی گھٹی سسکیوں سے بول رہی تھی۔۔ اسفندیار خان نم نگاہیں لیے گہرے سانس لے رہا تھا۔۔

اربد خان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سمیع اللہ کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔

اب آپ لوگ کہہ رہے ہوں گے یہ ثبوت میرے پاس تھے تو میں اتنا عرصہ خاموش کیوں رہا۔۔ زاران نے سب سے سوال کیا۔۔ سب کے دماغ میں یہ سوال تھا بھی۔ سب کی نگاہیں پھر سے زاران پر اٹھیں تھیں۔

میں نے گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوتے سچویشن سمجھتے رمضان کو اپنی کوٹ کی پاکٹ سے ڈائلڈ لسٹ میں رمضان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔۔ اس دوران رمضان کال پر تھا۔ وہ یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔۔ مگر مجھے اس بات کی خبر نہیں تھی کہ رمضان کال اٹینڈ کر چکا ہے۔

مگر ہم میں سے کسی کو نہیں پتہ تھا ریکارڈر آن ہے اور دوسرا رمضان کا فون ایک دن بعد ہی خراب ہو گیا تھا۔۔

کسی کے دماغ میں ہی نہیں آیا کہ کال آن تھی تو کسی نہ کسی طرح یہ ریکارڈنگ نکلوائی جا سکتی تھی۔ اور رمضان کی سیفٹی کے لیے میں نے اسے اگلے دن ہی آہل سمیت غائب کر دیا تا کہ رمضان اسفند کے ہاتھوں نہ لگ جائے۔ کچھ دن پہلے رمضان نے مجھے بتایا کہ اس نے لائن پر ایک ایک لفظ ہماری گفتگو کا سنا تھا۔ تب میں نے اپنے رسورسسز سے یہ فون ریکارڈنگ نکلوائی۔۔۔۔۔

زاران نے سنجیدگی سے بتاتے گہرے سانس لیے لاؤنج میں سب کو دیکھا۔ لاونج میں ایک بار پھر سے موت کا سناٹا سا گونجا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لاونج میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔اس خاموشی میں روزینہ خانم کی دبی دبی پر سوز سسکیاں گونج رہی تھی۔

ایک ایک بات واضح ہو چکی تھی۔کچھ پوچھنے کچھ کہنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

شہرام خان کی سرخ آنکھیں اسفندیار پر گڑھیں تھیں جس کی آنکھوں کی سرخی شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔وہ سپاٹ سب چہرہ لیے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

سب کو لگتا ہو گا میں نے یہ چھپا کر ٹھیک نہیں کیا مجھے سب کچھ پہلے دن کلیر کر لینا چاہیے تھا۔زاران آہستگی سے چلتا ہوا ایک بار پھر سے اسفندیار کے مقابل آیا اس کی سرخ آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھیں۔

کیا بتاتا کیا صفائی دیتا جب کچھ لوگوں نے مجھے گناہ گار سمجھ ہی لیا تھا۔ میں کچھ بھی کہتا کچھ فرق نہیں پڑنا تھا۔ آسان نہیں تھا میرے لیے یہ سب چھپانا۔

اگر میں سب کو بتاتا کہ میرے گارڈ کی پسٹل سے نکلی گولیوں نے بابرک کی جان لی ہے تو سب مجھے قصوروار سمجھتے۔۔ تازہ تازہ زخم تھا جتنا کھرینڈ تازخم اتنا ہی بڑا ہوتا۔ تب سب نے مجھے ہی قصورار سمجھنا تھا۔ اسفندیار خان تو مجھے قاتل سمجھ ہی رہا تھا۔ میری سچائی بتانے پر آپ سب بھی مجھے قاتل سمجھتے۔ ۔ساری باتیں میرے خلاف جا رہی تھیں آہل ابرش کا بھائی ہے۔ سب کو یہی لگتا میں ابرش کے لیے اسے بچا رہا ہوں۔

بابرک کو میں ہزاروں بار جان سے مارنے کی دھمکی دے چکا تھا کون میری سچائی پر یقین کرتا سب کو یہ کہانی لگتی۔ سب کو یہی لگتا میں نے آہل اور زرتاج کو اپنے عزائم پورا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ میں نے عابیر کی

بابرک سے جان خلاصی کے لیے یہ گیم کھیلی۔۔زاران اپنی بات کہتے خاموش ہو چکا تھا۔

لاؤنج میں ایک بار پھر سے موت سا سناٹا چھایا تھا۔سب بلکل خاموش ہو گئے تھے۔لاونج میں سب کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔

میرے پاس اپنی بے گناہی کا ایک اور ثبوت اور بھی ہے۔میں کبھی نہیں چاہتا تھا۔وہ سچائی بابرک کے مرنے کے بعد سب کے سامنے آئے۔مگر مجھے لگتا ہے آج اسفندیار کے سامنے سارے حقائق آنے چاہیے تاکہ اسے پتہ چلے اس پتھر دل زاران خانزادہ کے سینے میں کتنے سوراخ ہیں۔اسے پتہ چلے کسی اپنے کے لیے اپنے کی قربانی دینا کیسا ہوتا ہے؟؟زاران نے بے دردی

سے اپنے کھلے بٹنوں سے نظر آتے سینے پر پوری قوت سے مکے مارے تھے۔زاران کا ہیر لیس سینہ پل میں سرخ ہو چکا تھا۔۔

اسفند نے اب اپنی سرخ آنکھیں زاران پر گاڑھیں۔۔زاران اسفند یار کی بے انتہا سرخ آنکھیں جن میں ہلکی سی نمی بھی تھی دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

ہو سکتا ہے اسفند یار خان جیسا خود غرض بندہ کل کو کہے کہ یہ ریکارڈنگ جھوٹی ہے یہ مجھ جیسے ہوشیار انسان کی پری پلیننگ تھی۔اس لیے اسے اور بھی ثبوت دکھانا ضروری ہے۔

زاران کی بات پر اسفند کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھی تھی۔جسے دیکھ کر زاران کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوئی۔

سب الجھن بھری پریشان نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہے تھے۔اب کونسا ثبوت بچا تھا۔۔جو زاران دکھانا چاہتا تھا۔

زاران ٹیبل پر پڑے پیکٹ سے ایک پین ڈرائیو نکال کر لاونج میں لگی ایل ای ڈی کی طرف بڑھا۔۔

سب کی نگاہیں زاران کے چمکتے سیاہ بوٹوں کی طرف تھی جس کی ٹک ٹک کی آواز زنان خانے میں گونج رہی تھی۔

شہرام خان کی الجھن بھری نگاہیں زاران کی پشت پر تھیں۔وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا زاران کی طرف بڑھا۔زاران کے قدم ہال کے بیچ یکدم رکے تھے۔اس نے مڑ کر ابرش پر اپنی نگاہ گاڑھی جو اب خشک انکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔زاران کے دیکھنے پر ابرش نے گھبراتے ہوے اپنی چادر اچھی طرح سر پر جمائی۔

یہاں مورے اور روزینہ چچی کے علاوہ کوئی بھی عورت نہیں ٹھہرے گی۔۔۔زاران نے ابرش کو سرد نگاہوں سے دیکھتے ایک نظر وہاں موجود تمام خواتین کو دیکھا تھا۔

زاران کی بات پر وہاں موجود تمام عورتوں نے الجھن بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔سب کے چہروں پر تجسس گہرا ہوا تھا۔وہ لوگ الجھن بھری نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہے تھے

زاران نے ابرش کو انکھوں کے اشارے سے وہاں سے جانے کو کہا۔ابرش زاران کے اشارے پر اپنی چادر اچھی طرح سر پر جماتے جلدی سے لاونج سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

درخشاں پھوپھو عنائیہ اور زرتاج کو مہمان خانے میں بٹھاؤ۔زاران نے وہاں کھڑی درخشاں کو دیکھتے حکمیہ لہجے میں کہا۔

جی لالا۔۔ درخشاں نے سعادت مندی سے سر ہلایا تھا۔ زحلے عنائیہ اور زرتاج درخشاں کی ہمراہی میں مہمان خانے کی طرھ بڑھیں۔

پلوشہ بے نیاز سی وہاں پر بیٹھی امینہ خانم کا بازو دبا رہی تھی۔ وہ متجسس سی تھی کہ اس یو ایس بی میں ہے کیا جو سب عورتوں کو زاران جانے کو کہہ رہا ہے۔

مورے۔۔۔۔۔۔۔۔ پلوشہ کو وہیں جمے دیکھ کر زاران نے بھاری آواز میں امینہ خانم کو تھوڑا غصے سے پکارا۔

جاؤ بچہ تم یہاں سے۔۔۔ امینہ خانم نے زاران کی آواز میں غصہ محسوس کرتے پلوشہ کو وہاں سے جانے کو کہا۔

پلوشہ گہرا سانس لیتے اٹھی تھی مرے مرے قدموں سے آہستگی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

اب لاونج میں امینہ خانم روزینہ خانم اور بہارے تھیں۔ بابرک کی بہن ہونے کے ناطے پر وہ وہاں پر کھڑی تھی۔ اسے اپنی بھائی کی ہر سچائی جاننے کا حق تھا۔ بہارے وہیں پر کھڑی ایل ای ڈی کو دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام کچھ پل بہارے کو وہاں کھڑا دیکھ کر گھورتا رہا جو سپاٹ سا چہرہ لیے کھڑی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف بڑھا تھا۔

تمھیں یہاں سے جانے کے لیے الگ سے انویٹیشن دینا پڑے گا۔۔ شہرام نے بہارے کو سرد نظروں سے دیکھتے طنزیہ کہا۔ شہرام کی بات پر بہارے

نے اسے غصے سے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تھا۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ شہرام نے اس کے اندازو اطوار دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

زاران نے ایل ای ڈی کی طرف بڑھتے وہ پین ڈرائیو اس میں انسٹال کرتے ایل ای ڈی آن کی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں ایک ویڈیو چلنا شروع ہوئی تھی۔

جسے دیکھ کر سب کے چہروں کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ امینہ خانم اپنے چہرے پر اپنی چادر ڈال چکی تھی۔ روزینہ خانم منہ پر ہاتھ رکھتے روتے ہوئے اپنا رخ پھیر گئی تھی۔

دریدار بد سمیع اللہ خان کی رنگت غصے سے شدید سرخ پڑی تھی۔۔ ایل ای ڈی پر چلتی ویڈیو کو دیکھتے انہوں نے غضبناک نگاہوں سے زاران کو گھورا۔

شہرام اور اسفندیار بے یقین نگاہوں سے یہ سب دیکھتے ایل ای ڈی کی طرف بڑھے۔ دونوں کی سانسیں غصے سے پھول رہی تھیں۔ آنکھوں کی رنگت خون چھلکا رہی تھی۔

سکرین پر بابرک کسی لڑکی کے ساتھ زبردستی کر رہا تھا۔ وہ لڑکی بری طرح چیخیں مار رہی تھی۔ بابرک اور اس کے دوست ہنستے ہوئے اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کر رہے تھے۔۔

زاران نے آگے بڑھتے ایل ای ڈی آف کر دی تھی۔اس سے اگے کے سین دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔۔۔زاران نے اسفند کے چہرے کو دیکھتے طنزیہ کہا جہاں شدید زلزلوں کے اثار تھے۔.وہ پھولتی رگوں کے ساتھ ایل ای ڈی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

بابرک ریڈ لائٹ ایریا سے ایک لڑکی بک کر کے میرے فلیٹ میں لایا تھا ۔اس بیچاری لڑکی کو معلوم نہ تھا وہاں اس کے دوست بھی ہیں۔اس نے اور اس کے دوستوں نے اس لڑکی پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔میرے فلیٹ میں کیمرے لگے ہیں یہ بات بابرک کو معلوم نہ تھی۔اس کے یہ کرتوت میں پہلے بھی حویلی کے مردوں کو دکھا چکا ہوں۔ تمھارے بابا کیوں خاموش تھے؟؟انہوں نے کیوں کبھی تمھارا ساتھ نہیں دیا؟؟اس کا جواب بھی

تمھیں آج مل گیا ہو گا۔ زاران اسفند یار کو دیکھتے طنزیہ بولا جو گہرے سانس لیتا اپنی شرٹ کے اگلے بٹن کھول رہا تھا۔۔ اسفند کی پھولتی سانسوں سے عیاں تھا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ وہ گہرے سانس لیتا کبھی سانس باہر کی طرف خارج کرتا کبھی اندر کی طرف کھینچتا۔ وہ تو جیسے مرنے کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ زاران اس کی حالت دیکھتے استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا۔۔

زاران یہ کیا طریقہ ہے گھر کا عورتوں کا تو خیال رکھ لیتا؟؟۔۔ تمھارا آنکھوں کا شرم مر گیا ہے کیا؟؟۔ درید خان زاران کو گھورتے غصے سے گرجے تھے۔ زاران نے یہ گندی ویڈیو امینہ اور روزینہ کے سامنے چلا دی ان کے غصے کا گراف بلند ہو رہا تھا۔

بابا بابر ک کی شرمناک سچائی گھر کی اس عورت کے سامنے آنا ضروری تھی جو کسی کو نیچا دکھانے کو کوئی کسر نہیں چھوڑتیں۔ انھیں بھی پتہ ہونا چاہیے

بات جب خود پر آتی ہے کیسے لگتا ہے۔ زاران روزینہ خانم کی پشت کو دیکھتے طنزیہ بولا۔۔ روزینہ خانم نے ابرش کے کردار پر وار کیا یہ بات زاران کے سینے میں آگ دہکائے ہوے تھی۔

بس زاران بہت ہو گیا بند کرو یہ تماشہ۔۔ ہم سب یہ پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔ مر چکا ہے ہمارا بیٹا۔۔ جیسا بھی تھا وہ ہمارا بیٹا تھا مرنے کے بعد یہ سب مت کرو۔۔۔ اربد خان نے اپنی نم آواز پر قابو پاتے اپنی سرخ آنکھیں مسلیں۔ وہ جیسا بھی تھا ان کا بیٹا تھا۔ وہ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکے تھے۔

اسفند نے اپنے سرخ بے یقین نگاہیں اربد خان پر گاڑھیں۔ بابرک اس حد تک گرا ہوا ہو گا اسے اندازہ نہیں تھا۔ اسے کسی نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔۔ اسفند کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔

اسفندیار خان نے اپنے لب بے دردی سے دانتوں تلے کچلتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے بال مٹھی میں دبوچ گیا تھا۔

کسی کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے۔

یہی کہتا تھا۔۔وہ میرا وہ حال کرے گا کہ میرا لالا اس کے !! قدموں میں جھک کر میری حالت دیکھتے رحم کی بھیک مانگے گا۔۔آپ بھی تو یہی چاہتے ہیں۔۔ میرا وہ حال کرنا کہ میرے لالا آپ کے سامنے جھک جائیں۔بولیں کیا فرق ہے آپ اور آپ کے بھائی میں؟؟۔۔آپ بابرک کی طرح ہی بے حس ظالم ہیں۔۔۔وہ بھی مجھ پر ایسے ہی حق جتاتا تھا۔۔اپنے ناجائز تعلقات کا میرے سامنے اعتراف کر کے میری بے بسی کا مذاق اڑاتا تھا۔۔آپ

دوسری شادی کی دھمکی دے کر میری بے بے بسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔کوئی فرق نہیں ہے آپ اور آپ کے بھائی میں!!

اسفندیار خان نے گہرے سانس لیتے اپنی شال اتار کر زمین پر پھینکی تھی۔اسے لاونج میں گھٹن سی محسوس ہوئی تھی۔

امیزنگ ویلڈن لالا۔۔۔۔آخر کار ہو گیا ڈراپ سین اس ڈرامے کا۔اس کا سارا کریڈٹ جاتا ہے میرے لالا زاران خانزادہ کو۔۔شہرام کلیپینگ کرتے استھزائیہ انداز میں اونچا بولتے زاران کے مقابل آیا تھا۔

ویلڈن لالا۔۔۔اپنے دوستی کی خاطر اپنی چھوٹی بہن کی قربانی کیسے دی جاتی ہے کوئی آپ سے سیکھے۔عابی کی جگہ آپ کی بیٹی ہوتی تو کیا تب بھی آپ یہی کرتے جو عابی کے ساتھ آپ نے کیا۔

شہرام کے سوال پر زاران نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

عابیر میرے لیے میری بیٹی جیسی ہی ہے۔زاران نے اپنی آنکھوں کی نمی پیچھے دھیکلتے ہوے کہا۔شہرام کے لفظ اسے کوڑے کی مانند لگے تھے۔۔وہ شائد اپنی بیٹی سے اتنی محبت نہ کرے جتنا عابیر سے کرتا تھا۔۔آج اس کا چھوٹا بھائی اس کی محبت پر شک کر رہا رہا تھا۔وہ جیسے ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

فیصلہ ہو گیا بیٹی ہونے اور بیٹی جیسی میں فرق ہوتا ہے۔بہن بیٹی نہیں ہو سکتی ۔۔بیٹی اور بہن میں فرق ہوتا ہے۔شہرام زاران کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

کیا کہنا چاہتے ہو تم؟؟ زاران نے لب بھینچے پوچھا۔

بابرک جیسے ذلیل انسان کے کرتوت جانتے ہوئے بھی آپ خاموش تھے۔ اسفندیار جیسے سفاک بے حس انسان جس کے رگوں میں خون کی جگہ پانی دوڑتا ہے اس انسان کے ساتھ دوستی نبھا رہے تھے۔ شہرام حلق کے بل یکدم حلق کے بل چیخا تھا۔

ایسی بات نہیں ہے شہرام میں کبھی عابیر کی رخصتی بابرک کے ساتھ نہ ہونے دیتا۔ شہرام کے اس طرح چیخنے پر زاران نے مشکل سے ہی خود پر قابو پاتے وضاحت دی۔ پہلی مرتبہ اس نے اس سے لہجے میں بات کی تھی۔ وہ تو بات کرتے اس کے ساتھ اس کے احترام میں نظریں جھکا لیتا تھا۔

نہیں لالا آپ اپنی دوستی کی خاطر عابیر کی رخصتی بھی ہونے دیتے۔ آج آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ کو ہم سے بھی زیادہ اپنی دوستی پیاری ہے۔ شہرام سر جھٹکتے خفیف سا طنزیہ مسکرایا تھا۔

ایسا نہیں ہے مجھے عابیر اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ اگر ایسی بات نہیں ہے لالا تو جس دن بابرک نے اسے دھکا دیا تھا آپ نے بابرک کو جان سے کیوں نہیں مارا۔ شہرام زاران کی بات کاٹتے غصے سے دھاڑا تھا۔۔

تم میری جگہ ہوتے کیا کرتے ؟؟ اگر عابیر میری بہن تھی تو بابرک اس حویلی کا پوتا تھا۔۔ اتنا بڑا دکھ کیسے سب کو دیتا۔۔ زاران نے لب بھینچے سوال پوچھا تھا۔

لالا سانپ کو دودھ نہیں پلاتے اس کا سر پہلے دن ہی کچل دیتے ہیں تاکہ وہ آپ کو ڈس نہ سکے۔۔ بابرک ایک گندی نالی کا کیڑا تھا اس کو کتے کی موت

دینی چاہیے تھی۔۔ آپ کے بچانے سے کیا ہوا مر گیا ناں کتے کی

موت۔۔ ایسے انسان کی موت ایسے ہی لکھی ہوتی ہے۔ آپ نہ مارتے کوئی

اور مار دیتا۔۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تھے تو مجھے بتاتے میں اس کتے کو کتوں

جیسی ایسی موت دیتا موت بھی ایک بار رحم کھاتی اس ذلیل انسان پر

۔ شہرام زاران کی آنکھوں میں دیکھتا ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

ہمارا بیٹا مر گیا ہے۔ اس کے لیے ایسے لفظ مت بولو۔۔۔ ورنہ ہمارا کلیجہ پھٹ

جائے گا۔ روزینہ خانم شدت غم سے روتے ہوئے چیخیں تھیں۔

یہ کلیجہ آپ کا تب نہیں پھٹا جب میری بہن کے ساتھ آپ کا بیٹا جانوروں

جیسا سلوک کرتا تھا۔ ماں تھی آپ اس کی میں مان ہی نہیں سکتا آپ کو اس

کے کرتوتوں کا نہ پتہ ہو۔ شہرام روزینہ خانم کو دیکھتے غصے سے پھنکارا۔

اربد خان شہرام کے لفظ بمشکل برداشت کر رہے تھے۔ بہارے کی وجہ سے وہ خاموش تھے۔ اپنے مرے ہوے زانی ظالم بیٹے کے لیے بولتے بھی تو کیا بولتے۔ وہ نظریں جھکا کر رہ گئے تھے۔۔ سمیع اللہ خان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔ وہ بمشکل اپنے ناتواں وجود پر قابو پائے بیٹھے تھے۔

بس کر دو شہرام ہمارا بیٹا کے خلاف ایک لفظ مت بولنا ورنہ ہم بھول جائے گا ۔ ہمارا تمھارا ساتھ کیا رشتہ ہے۔ روزینہ خانم چیخیں تھیں۔

تو بھول جائیں پھر آپ کا مجھ سے کیا رشتہ ہے۔۔ آپ تو بھولنے کا آرادہ رکھتی ہیں میں بھول چکا ہوں میرا آپ سے کیا رشتہ ہے۔ شہرام دھاڑا تھا۔

اب بات ختم کر کے آگے بڑھو۔۔۔۔۔۔۔ سمیع اللہ شہرام کو پکارتے اپنی سٹک پر زور ڈالتے صوفے سے بمشکل ہی اٹھے تھے۔۔

داجی بات ختم نہیں ہو گی۔ آپ بڑے ہیں بہت فیصلے کیے آپ نے۔ آپ کے احترام میں خاموش بھی رہے ہم سب۔۔ مگر اب نہیں۔۔ اب بات ختم نہیں ہو گی۔

شہرام یہ کیا طریقہ ہے بابا سے بات کرنے کا۔۔ شہرام کے انداز اور بات پر درید خان غصے سے گرجے تھے۔

بابا جان۔۔ میں دو کو چار چار کو دو نہیں کہتا۔ مجھے منافقت نہیں آتی۔ اپنے رشتوں کے معاملے میں میں سیدھا اور کھڑا ہوں۔۔ جسے چاہتا ہوں شدت سے چاہتا ہوں۔ اسی طرح اپنی بہن کو بھی لے کر شدت پسند ہوں۔

اگر چاہتا تو بہت پہلے اسفند یار خان کو امریکہ سے پاکستان بلا لیتا۔ ایک دھمکی دینے کی دیر تھی۔۔ اپنی بہن کی خاطر اسفند یار خان سر کے بل چلتا ہوا یہاں آتا۔ اتنا تو میں جانتا ہوں اسفند یار خان جیسا پتھر دل انسان بھی اپنی بہن کو طلاق یافتہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر یہ سب میں نے کیوں نہیں کیا؟؟

۔۔ بہارے میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا ایسی بات نہیں ہے۔۔ اسفند یار جیسا انسان مجھے اپنی بہن کی زندگی میں چاہیے ہی نہیں تھا۔ جس دن اسفند یار میری بہن کو چھوڑ کر گیا اسی دن فیصلہ کر چکا تھا۔۔ عابیر کو کبھی بھی اسفند یار کے پاس واپس جانے نہیں دوں گا۔۔ شہرام اسفند کو گھورتے ہوئے لفظ چبا رہا تھا۔ شہرام کی باتوں پر اسفند یار خان اپنی مٹھیاں دبوچتے رخ پلٹ گیا تھا۔

بابا جان میری عابی کی زندگی کا فیصلہ اب کوئی نہیں کرے گا۔ اب اگر کسی نے بھی میری عابی کی زندگی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی تو میں بھول جاؤں گا۔ اس کے ساتھ میرا رشتہ کیا ہے۔ شہرام خان نے اپنی زخمی ہاتھ کا مکہ بنائے پوری قوت سے ٹیبل پر مارا تھا۔

اس کا زخمی ہاتھ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ زاران بے بسی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے کچھ بھی کہتا وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتا۔ اس کے گردن کی پھولتی رگیں اور اس کی سفید کلائیوں کی نمایاں ہوتی گہری نیلی موٹی وینز ظاہر ہوتے اس کے اندرونی غماز کو ظاہر کر رہی تھیں کہ اس کے اندر آتش بارود بن رہا تھا۔

وہ اب گہرے سانس لیتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لے رہا تھا۔

میری عابی کو سیڑھیوں سے دھکا دیا۔ میری عابی کی عزت اس کے دو جوان بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی محفوظ نہ تھی۔۔ کیا گزرتی ہو گی اس کے معصوم دل پر۔۔ کتنی بار وہ تکیے میں منہ چھپا کر روئی ہو گی۔ لعنت ہے ہم جیسے بھائیوں پر۔۔۔ شہرام اپنے بال مٹھیوں میں حلق کے بل چیخا تھا۔

سمع اللہ لاٹھی پر دباؤ ڈالتے پھر سے صوفے پر بیٹھے تھے۔ انھیں اپنے فیصلے سر سر اغلط لگے تھے۔ زحلے کی وجہ سے انہوں نے اپنی پوتیوں کا نکاح کیا تھا تاکہ وہ کل کسی دوسرے کے ساتھ نہ بھاگ جائیں۔ اس سے پہلے ہی ان کے مرد انھیں اپنے قابو میں رکھیں۔ اسی لیے پہلے دن سے ہی انہوں نے بابرک اور شہرام کو ان عابیر اور بہارے کے معاملے میں مکمل چھوٹ دے دی تھی۔۔ سمع اللہ کی سرخ آنکھوں سے پھر سے سیلابی ریلا بہا تھا۔ ان کی بیٹی نے انھیں شرمسار کر دیا تھا۔

لالا۔۔۔ ہمارے ہوتے کیسے عابی کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے ؟؟ کیسے بابرک اسے سیڑھیوں سے دھکا دے سکتا ہے ؟؟ جو مرد عورت کی حفاظت نہ کر سکتا ہو۔ جو مرد عورت کو صرف روندھنا جانتا ہو. وہ کیسے اس کا مرد ہو سکتا ہے ؟؟ عورت کو مرد کے سپردگی میں اس لیے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی عزت کا محافظ ہوتا ہے وہ۔۔۔ اس لیے عورت کو مرد کی عورت کہا جاتا ہے۔۔۔ یعنی صرف اس مرد کی عورت ہوتی ہے جو اسے اپنے نکاح میں لیتا ہے۔۔۔ مکمل طور پر سر سے پاؤں تک اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔۔ عورت خوشی خوشی خود کو مرد کے سپرد کرتی ہے۔ عورت مرد کی ملکیت بننے پر تب فخر محسوس کرتی ہے جب وہ اس کے حقوق نبھا کر اسے سب سے خاص ہونے کا احساس دلاتا ہے۔

مگر یہ کیسی روائت ہے۔ جہاں نکاح کے بعد عورت کے حقوق کا استحصال کرتے اس کو جکڑ لیا جاتا ہے۔ صرف اش بنا پر کہ وہ اس مرد کے نکاح میں ہے۔ شہرام نے زاران کے مقابل آتے سوال کیا۔

زاران اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسل گیا تھا۔ شہرام کی باتوں پر سب گھر والوں کی آنکھیں نم تھیں۔

لالا جو ہو گیا سو ہو گیا۔۔ مجھے یقین ہے اب آپ میرا ساتھ دیں گے۔۔ میرا لالا اب دوستی نہیں نبھائے گا۔ دوستی نبھاتے نبھاتے آپ نے اپنا دوست پھر بھی کھو دیا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے ایسی دوستی پر ہزار بار لعنت بھیج کر اب آپ اپنے بھائی کا ساتھ دیں گے۔ شہرام کی بات پر زاران کے گلے میں گلٹی

سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا

۔۔

شہرام زاران کو دیکھتے اسفند کے مقابل آیا۔

بولو اسفند یار اب کس کی پسٹل سے نکلی گولی سے کس کے سینے کو چیرنا چاہیے۔۔ شہرام نے اسفند کے مقابل آتے دھاڑتے ہوے پوچھا تھا۔۔

۔

تمھارے سامنے پسٹل پڑی ہے اس سے میرا سینہ چیر دو مگر جو تم چاہتے ہو وہ کبھی نہیں ہو گا۔ تمھاری بہن بیوہ ہو سکتی ہے۔ اسفند یار خان اسے چھوڑ

دے یہ ہو نہیں سکتا۔ اسفندیار خان نے پسٹل اٹھا کر شہرام کے ہاتھ میں پکڑائی تھی۔

ٹھیک ہے اسفندیار خان۔۔۔۔۔ اگر ایسے سہی تو ایسے سہی میری بہن کی جان ایسے تم سے چھوٹ سکتی ہے تو میں تمھارے سینے میں ایک نہیں کئی گولیاں چلاؤں گا۔ شہرام نے گرجتے ہوئے پسٹل اسفندیار خان کے سینے پر تانی تھی۔

اس کی بلند دہشت ناک دھاڑ پر کمرے میں بیٹھی بہارے تک لرزا تھی۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے شدت سے رو دی تھی۔ وہ اس کا ایک ایک لفظ بخوبی سن رہی تھی۔

شہرام کا یہ روپ بھی ہو گا اسے اندازہ نہ تھا وہ ہمیشہ بڑوں کا لحاظ کرتا تھا حویلی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا وہ تو آج تمام لحاظ بلائے طاق رکھے ہوے تھا۔ اپنے لالا اپنی مورے اپنے بابا کی بے بسی اسے خون کے انسو رلا رہی تھی۔۔ اس کی طلاق والی بات پر وہ اندر سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تھی۔۔ وہ سچ میں اس کے ساتھ اپنا رشتہ بھول چکا تھا۔

وہ اس کا تو رہا ہی نہ تھا۔ شہرام کی دھاڑ پر بہارے ہہرام کو کاٹ میں لٹاتے تیزی سے کمرے سے نکلتی باہر آئی۔

باہر کا منظر دیکھ کر وہ بے یقین ہوئی تھی۔ شہرام اسفند پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔ اسفندیار کی نم بے بس نگاہیں دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔ بابرک ہر طرح کے سلوک کا مستحق تھا مگر اسفند نہیں تھا۔ اسفندیار خان کو وہ بخوبی جانتی تھی۔ بابرک کی سچائی سامنے آنے پر وہ پتھر کی طرح خاموش تھا۔ وہ کیسے یہ سب سہہ رہا ہے یہ اس کی کرب زدہ آنکھوں سے عیاں تھا۔ وہ تو آج بھی اکیلا تھا۔

اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں کھڑا تھا۔

اس سے پہلے شہرام گولی چلاتا زاران نے آگے بڑھ کر شہرام کا ہاتھ پکڑے پسٹل کو چھت کی طرف کیا تھا۔ فائر چھت کو جا کر لگا تھا۔

سب کی سانسیں سینے میں اٹکتی بحال ہوئی تھیں۔روزینہ خانم دھاڑے مار مار کر رو دی تھیں۔اربد درید خان کے مضبوط جسم تک کپکپاہٹ کا شکار ہوے تھے۔شہرام گولی چلا دے گا کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

۔فائر کی آواز سنتے سب ہی کمروں سے نکلتے بھاگتے ہوے باہر آئے تھے۔ابرش کچن سے نکلتے تیزی سے بھاگتے ہوے باہر آئی تھی۔۔۔

زاران کو دیکھتے اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ بھاگتے ہوے زاران کی طرف بے تابی سے بڑھی۔۔زاران نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھتے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا تھا۔۔ابرش گہرے سانس لیتے وہیں پر رک گئی تھی۔مگر اس کا بدن شدید کانپ رہا تھا۔اسے لگا جیسے گولی زاران پر چلی ہے۔۔اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔

یہ کیا کر رہے تھے پاگل ہو چکے ہو تم۔۔۔زاران شہرام کو دیکھتے بلند آواز میں چیخا تھا۔

پاگل کر دیا ہے لالا آپ سب نے مل کر مجھے پاگل کر دیا ہے۔۔میرے رشتے اتنے خود غرض کیوں ہیں؟؟۔آپ سب کو میرا درد کیوں نظر نہیں آتا؟؟۔عابیر کا دکھ مجھے مار رہا ہے۔ایک بات یاد رکھیے گا اگر آپ نے اس بار اسفند کا ساتھ دیا میں اسفندیار کی جان اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔بھول جاؤں گا اس کے اور میرے درمیان رشتہ کیا ہے۔۔شہرام ضبط سے گہرے سانس لیتا چیخے ہوے اپنی شال جھٹکتے داخلی دروازے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا۔۔

اسی لمحے بہارے اپنے سر کو جکڑتے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا۔نظروں کے سامنے ہر منظر دھندلا ہوا تھا۔وہ ستم گر کی پشت بھی اوجھل ہوئی تھی

اس نے صوفے کی سطح کو مضبوطی سے جکڑا تھا۔

بہارے روزینہ خانم چیختے ہوے بہارے کی طرف بڑھی۔۔

روزینہ خانم کی چیخ پر شہرام کے بھاری قدم رکے تھے۔وہ پلٹتے ہوے تیزی سے بہارے کی طرف بڑھا تھا۔اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی وہ اسے اپنی مضبوط بانہوں میں جکڑ گیا تھا۔وہ شہرام کی شال جکڑتے اس کی سیاہ پر کشش آنکھوں میں دیکھتے اسی لمحے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی

بہارے۔۔۔ شہرام نے بے تابی سے تڑپتے ہوے اسے پکارا۔۔ اگلے ہی لمحے وہ اسے گود میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

لاونج میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔۔لاونج میں اس وقت سمیع اللہ ابرش زحلے امینہ خانم عنائیہ زرتاج اور آہل اور پلوشہ موجود تھے تھے۔روزینہ خانم کی حالت کافی خراب تھی اربد خان انھیں لیے کمرے میں چلے گئے تھے۔دریدخان بھی غصے وہاں سے چلے گئے تھے۔۔

زاران گہرے سانس لیتا وہاں پر کھڑا تھا۔

زاران نے ایک نظر ابرش کو دیکھا جو صوفے کی سطح کو جکڑے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔بدن کی کپکپاٹ کم تھی۔اس کی آنکھوں میں تڑپ دیکھ چکا تھا۔جب وہ گولی کی آواز سنتے تڑپ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔اپنی بیوی کی آنکھوں میں اپنے لیے موت کا خوف دیکھ چکا تھا۔جب وہ لاؤنج میں کھڑے پسٹل پر نظریں گاڑھے ہوے تھی۔وہ یقیناً آگے کا سوچتے اس کی موت کا خود سے سوچ چکی تھی۔وہ اسے دیکھتے مبہم سا مسکرایا

تھا۔اس کے بے پناہ پیار پر پیار آیا تھا۔ مگر آنکھوں میں سرد پن بھی تھا

۔۔اس کے جذباتی پن کی وجہ سے آج اسے کیا کچھ نہیں سننا پڑا تھا۔ابرش

کے لیے بولے گئے لفظ ابھی بھی اس کے سینے میں اگ دہکائے ہوے تھے۔

زاران آہستگی سے چلتا ہوا ابرش کے پاس آیا۔ کمرے میں چل کر آرام کرو

میں آتا ہوں۔زاران ابرش کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد لہجے میں

بولا۔۔

زاران کے لہجے میں سرد پن محسوس کرتے ابرش کی آنکھوں کی نمی بڑھی

تھی۔پلین والی نرمی بلکل مفقود تھی۔وہ سمجھ چکی تھی یہ سب کی باتوں کا اثر

ھے۔اور یہ محسوس کرتے ابرش تکلیف کی انتہا پر تھی۔اسے وہ اپنی جگہ

ٹھیک لگا تھا کوئی بھی مرد ہوتا تو وہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتا بلکہ زیادہ ہی ری

ایکٹ کرتا۔۔ مگر پھر بھی اس کا سرد پن اب وہ برداشت نہیں کر سکتی

تھی۔اس نے کیسے خود کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔وہ گولی کی آوبز سنتے تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی۔اسے اس کی نہیں اپنے گھر والوں کی پرواہ تھی۔۔کسی کے سامنے اس نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے مسلتے زاران کی براؤن آنکھوں میں اپنی سپاٹ آنکھیں گاڑھیں۔

میں کمرے میں نہیں جاؤں گی۔میں گیسٹ روم میں رہوں گی۔مجھے لگتا ہے مجھے گیسٹ روم میں جانے کی بھی ضرورت نہیں اس سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ابرش زاران کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولتے منہ پھیر گئی تھی۔

ابرش ضد مت کرو میں پہلے ہی پریشان ہوں مجھے اور پریشان مت کرو۔۔زاران نے مزید اس کے قریب ہوتے آہستگی سے بولتے دانت پیسے تھے۔۔

آپ کی ابھی کی پریشانی مجھے گوارا ہے۔ آپ مزید میرے لیے ذلیل ہوں مجھے یہ گوارا نہیں۔۔۔میرا جرم نہ آپ بھولے ہیں نہ آپ کے گھر والے آپ کو بھولنے دیں گے۔اس لیے بہتری اسی میں ہے مجھے جانے دیں۔۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

ابرش کی آواز اتنی آہستہ نہ تھی کسی تک نہ پہنچتی لاونج میں موجود سمیع اللہ خان نے زاران کو گھورتے زحلے پر ناگوار نظر ڈالی۔زحلے بے بسی سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

امینہ خانم کا غصہ بھی ساتویں آسمان پہنچا تھا۔

ابرش۔۔۔مجھے غصہ مت دلاؤ میں گھر والوں کے سامنے تمھیں سخت لفظ بولوں۔مجھے مجبور مت کرو تم۔۔وہ اسے بازو سے جکڑے قریب کرتے سرگوشی کر گیا تھا۔

آپ بھی اپنا شوق پورا کر لیں۔۔کمرے میں چل کر بھی تو آپ کے لفظوں کی مار سہنی ہے۔یہاں سب گھر والوں کے سامنے سہہ لوں گی تو کیا حرج ہے۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔۔۔

امینہ خانم ضبط کی انتہا پر تھیں۔ابرش کے نخرے انھیں ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے۔امریکہ سے پاکستان چلی آئی تھی۔اب کمرے تک جانے پر ان

کے بیٹے کو نخرے دکھا رہی تھی۔ شہرام اسفند پر گولی چلانے لگا تھا۔ وہ بے حد پریشان تھی ایسے میں ابرش کے لفظ انھیں سوئیوں کی مانند چبھ رہے تھے۔۔ انہوں نے بھی زحلے پر غصیلی نگاہیں گاڑھیں۔ وہ بے بسی سے ابرش کو دیکھتے اپنی نم زدہ آنکھیں رگڑ گئی۔

زاران تم سفر سے تھکے ہوے آئے ہو۔ تمھارا لیے تمھاری پسند کا کافی بنا کر لاؤں۔ جو تم ابرش کے جانے کے بعد بہت شوق سے ہم سے بنواتا تھا ۔۔ پلوشہ کی بات پر ابرش نے شعلہ بار نگاہوں سے زاران کو دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے ابرش نے بری طرح زاران کے سینے پر ہاتھ مارتے خود سے دور دھکیلا تھا۔

زاران نے پلوشہ کو گھورتے جھنجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیر ڈ پر ہاتھ پھیرا۔ درخشاں کی غیر موجودگی میں ایک دو مرتبہ اس نے سب کے سامنے اسے کافی بنانے کو کہا تھا۔ ابرش کے سامنے اس نے جس طرح ذکر کیا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا اس نے جان بوجھ کر ذکر کیا ہے۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے زاران کو شرربار نگاہوں سے دیکھا جو اب اپنی غصیلی نظریں پلوشہ پر گاڑھے ہوے تھا۔ وہ زاران کو دیکھتے مسکرا رہی تھی۔۔

ابرش کا سامان میں پلوشہ سے کہتے مہمان خانے میں رکھوا دیتا۔ ہے۔ پلوشہ نے مسکراتے ہوے کہا۔

کوئی ضرورت نہیں میرا سامان مہمان خانے رکھوانے کی۔ جب میرے شوہر کا کمرہ ہے تو میں کیوں مہمان خانے ٹھہروں۔۔ اور کمرہ تم خالی کر دو اپنا۔۔ کیونکہ مہمان خانے میں ٹھہرنے کے لیے مہمان آچکے ہیں۔ اب تمھیں اپنے گھر جانا چاہیے۔ ابرش نے پلوشہ کے قریب آتے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورتے طنزیہ لفظ چبائے تھے۔

ابرش کے انداز پر امینہ خانم اور سمیع اللہ خان کے چہروں پر ناگواری کی لہر دوڑی تھی۔۔

زاران ابرش کو سرد نگاہوں سے گھور کر رہ گیا تھا۔ جو لاونج میں تماشہ لگائے کھڑی ہو گئی تھی۔ ابھی سب گہرے صدمے میں تھے۔ یقیناً سب نے ابرش کو ہی قصوروار کہنا تھا۔

تم زاران کے کمرے میں نہیں جائے گا۔ اور نہ زحلے لوگ مہمان خانے میں ٹھہرے گا۔ اور پدلوشہ یہاں سے کیوں جائے گا۔ اس نے مہمان ہوتے ہمارا عزت کا خیال رکھا تم ہمارا نواسی ہوتے ہمارا پوتا کی بیوی ہوتا ہمارا عزت کی لاج نرکھ سکا۔ ہمیں لگتا ہے ہمارا ہیر اپوتا کی زندگی مین تم جیسا عورت نہیں کوئی ایسا عورت ہونا چاہیے جو اس کا عزت کا حفاظت خود سے بڑھ کر کر سکے۔ تمھارا طرح نہیں جو بات بات پر گھر سے بھاگ جائے۔ سمیع اللہ خان صوفے سے اٹھتے ابرش کے مقابل آئے تھے۔

داجی۔۔۔ زاران تنبیحی انداز میں سمیع اللہ کو پکارتے ابرش کی طرف بڑھا۔۔

زاران تم بہت بولا آج۔۔ ہم تمھاری کسی بات میں نہیں بولا۔ مگر اب تم ہمیں چپ نہیں کروائے گا۔ سمیع اللہ نے زحلے پر پر خونخوار نظریں ڈالے کہا۔ وہ اپنے ناتواں کمزور وجود کو سنبھالے بمشکل ہی کھڑی تھی۔ سمیع اللہ کی خود پر سرد نظریں محسوس کرتے وہ مر رہی تھی جیسے۔۔

زاران کی بیوی ضرور ہوں میں۔ مگر آپ کی نواسی نہیں ہوں میں داجی ۔۔۔جب آپ نے اپنے باپ ہونے کا کوئی حق نہیں نبھایا تو میں آپ کی نواسی کیسے ہوئی۔ اکیس سال کی عمر میں پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا تھا ۔اس سے پہلے ہمیشہ آپ کی عظمت کے کارنامے سنے تھے آپ کی بیٹی کے منہ سے۔۔ مگر مجھے یہاں آکر پتہ چلا آپ کی بیٹی کا ایک ایک لفظ جھوٹ تھا آپ کے متعلق۔۔

ابرش۔۔۔ داجی سے مزید ایک لفظ نہیں کہو گی تم۔۔

زاران نے غصے اسے سے پکارتے اس کا بازو سختی سے دبوچتے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہ کی تھی۔

عنائیہ نے تاسف سے ابرش کو دیکھا وہ ہمیشہ ایسے ہی جذبات میں بولتی تھی پھر نقصان اٹھاتی تھی۔ زحلے کی باتوں پر بھی خاموش نہیں ہوتی تھی۔۔

کیوں نہیں کہہ سکتی زاران میں کچھ۔۔۔۔ یہ خود کو میرے نانا کہتے ہیں ۔۔ میں نے بھی سنا تھا۔۔۔ نانا کی شفقت کے بارے میں۔

سیرت ﷺ پڑھ کر مجھے پتہ چلا۔۔۔ نانا کی شفقت کیا ہوتی ہے۔۔ وہ کیسے اپنے نواسوں سے پیار کرتے تھے۔ جب جب سیرت ﷺ پڑھتی تو میرے دل میں داجی کو دیکھنے کی خواہش ہوتی کہ جس پیارے نبی نے امت کو بیٹی کے حقوق کے بارے میں بتایا۔ معاف کرنا سکھایا۔ جن کی نسل ان کی

بیٹی سے چلی۔۔ان کی ہی امت کا انسان سمیع اللہ خان کیسا ہو گا۔ آخر انہوں نے بھی سیرت محمد پڑھی ہو گی۔

مگر یہ کیسے grand father تھے جنھیں اپنے نواسوں کے بارے میں پتہ ہی نہیں تھا۔۔ کبھی ہمارا پتہ ہی نہیں کیا۔۔

جب میری ماں کو معاف کرنے کا خود میں حوصلہ نہیں پایا تھا۔۔ پھر ہمیں کیوں یہاں حویلی بلوایا تھا۔ کیوں میری اور تمھارا رشتہ طے کیا۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں سوال کیے۔

میں نے تمھاری ماں کو معاف کر دیا تھا۔ مگر تمھارا جیسا بیٹی کی وجہ سے آج ہم پھر زحلے سے نفرت کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ سمیع اللہ خان ابرش کو گھورتے ہوے بولے۔۔ ابرش کی باتیں انھیں سیخ پا کر گئی تھیں۔۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ آپ کے پوتے نے میرے پر کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے وہ بنانا چاہا جو میں تھی ہی نہیں۔۔ درد جب حد سے بڑھا تو کسی کو یہاں اپنا نہ پایا تو یہاں سے چلی گئی۔ مرد کی عورت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عورت انسان نہیں ہوتی۔ جس رات میں اس حویلی سے نکلی میں نے خود کو زاران کی عورت نہیں صرف خود کو انسان سمجھا تھا۔۔ اور یہی آپ لوگوں نے میرا جرم بنا دیا۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہا۔

اچھا تم نے خود کو انسان سمجھا۔۔ کیا ہوا پھر جب تم نے رات کے اندھیرے میں خوڈ کو انسان سمجھتے یہ حویلی چھوڑا۔۔ باہر کا مرد لوگ نے

بھی تمھیں انسان سمجھا کیا؟؟۔تب تم انسان سے عورت بن گیا تھا جو تمھارا عزت بچانے کے لیے ہمارا پوتا کو تمھارا مرد بننا پڑا۔۔

داجی۔۔۔۔زاران سمیع اللہ کو پکارتے دھاڑا۔۔

سمیع اللہ نے بے یقین نگاہوں سے زاران کو دیکھا وہ ابرش کی وجہ سے ان پر چلائے گا انھیں یقین نہین آرہا تھا۔ سمیع اللہ لاٹھی پر دباؤ ڈال کر رہ گئے۔۔

ابرش تماشہ مت کرو۔۔ جاؤ اپنے کمرے میں تم۔زحلے نے روتے ہوے ابرش کو غصے سے کہا۔۔ سمیع اللہ کا جھکی نظریں دیکھ کر ان کا دل پھٹ رہا تھا۔

زاران نے ابرش کو اب سرخ آنکھوں سے دیکھا جو گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں چادر سے بے دردی سے رگڑ رہی تھی۔ وہ تو جیسے رشتوں کے بیچ پھنس کر رہ گیا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔ اپنا آواز نیچے رکھو۔۔۔ تم ابرش کا شوہر ہونے سے پہلے ہمارا بیٹا اور داجی کا پوتا ہے۔ امینہ خانم صوفے سے اٹھتی سرد سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔۔

جس کا عزت کا واسطے تم دو لفظ نہیں سن سکتا۔ اس نے رات کے اندھیرے میں حویلی چھوڑتے تمھارا عزت کا خیال کیوں نہیں کیا؟؟۔۔۔ امینہ خانم نے ابرش کو قہربار نگاہوں سے گھورتے کہا۔

عورت انسان ہونا سے پہلے بھی صرف ایک عورت ہے۔ عورت لفظ عورت پر شروع ہو کر عورت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے کچھ معنی نہیں رکھتا۔۔ تمھارا ماں نے بھی یونیورسٹی جاتے خود کو کو عورت کی جگہ انسان سمجھا تھا۔ کیا ہوا تمھارا باپ پاشا نے اسے عورت ہی سمجھا ناں۔ اگر تمھارا ماں واقعی خود کو ایک عورت سمجھتا تو کبھی آج تمھیں دا جی پر اپنا نواسی ہونے کا حق جتانا نہ پڑتا۔۔ اپنا حقوق کی بات کرنا نہ پڑتا۔ خجستہ بھی دا جی کا نواسی ہے۔ اس کا ماں دا جی کا بیٹی۔۔۔ اس حویلی میں ہم سے زیادہ تمھارا خالہ کو مان دیا جاتا تھا۔۔ بات صرف اتنا ہے جب رشتوں کا مان رکھا جاتا ہے۔ تو تب اپنا حق کے لیے سوال کیا جاتا ہے۔ تم ہمارا بیٹے پر اپنا حق کھو چکا ہے۔ امینہ خانم نے ابرش کو گھورتے غصے سے کہا۔

آپ کے بیٹے پر میرا کوئی حق ہے بھی نہیں نہ وہ مجھے اتنا حق دیتا ہے۔اس کے لیے اپنا ہر رشتہ جان سے پیارا ہے سوائے اس بیوی کے۔۔ابرش زاران کی آنکھوں میں گلابی آنکھوں سے دیکھتے شکوہ کناں لہجے میں بولی۔زاران نے بری طرح جبڑے بھینچے تھے۔۔اپنی بیوی کی انھیں شکوہ کناں نگاہیں اسے جھنجھلانے پر مجبور کرتی تھیں۔وہ ساری دنیا سے لڑ سکتا تھا مگر اس کی شکوہ کناں نگاہوں کے سوالوں کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔جو ہمیشہ خود کو مظلوم ظاہر کرتی تھیں۔

ٹھیک کہہ رہا ہے تم۔۔ تمھارا کوئی حق نہیں ہمارا بیٹے پر۔۔اس لیے اتم اس کا کمرے میں نہیں مہمان خانے میں ٹھہرو گی۔۔امینہ خانم نے غصے سے کہا۔

مورے ابرش میری بیوی ہے۔یہ کہاں رہے گی۔کہاں نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا۔یہ میرے کمرے میں ہی رہے گی۔کس کا کیا حق ہے مجھ پر

میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لیے ائیندہ کوئی بھی ابرش سے سوال جواب طلب نہیں کرے گا۔۔۔

اس نے رات کے اندھیرے میں حویلی چھوڑی۔۔ اپنی بیوی کے ہر عمل کا میں ذمہ دار ہوں۔ اسے سزا جزا دینے کا حق میں رکھتا ہوں۔۔

یہ ہم کو کچھ بھی بولے ہم آگے سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کا بد تمیزی تمھیں نظر نہیں آتا۔ امینہ خانم زاران کی بات کاٹتے غصے سے بھڑکیں۔

مورے اس نے کبھی آپ سے بد تمیزی نہیں کی۔ اس لیے نہیں کہ اس کے منہ میں زبان نہیں ہے۔ آپ سے اس لیے بد تمیزی نہیں کی یہ مجھے جانتی ہے۔۔ کیونکہ میں نے پہلے دن سے اس پر آپ کا مقام واضح کر دیا تھا۔

اور مورے جس دن اس نے آپ سے بد تمیزی کی قسم کھاتا ہوں

مورے۔۔۔ کمرے میں جا کر اس کے گال سرخ کر دوں گا۔ ایک بیٹا ہونے

کے ناطے اپنی ماں کے احترام میں کسی صورت کمی برداشت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ایک شوہر ہونے کے ناطے اپنی بیوی کے احترام میں کسی صورت

کمی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے نہیں بلانا آپ لوگوں نے مت بلائیں۔۔

مگر اس کے کردار پر کسی نے بھی انگلی اٹھائی تو برداشت نہیں کروں

گا۔ زاران نے سرد لہجے میں تنبیہی کی تھی۔

زاران کی گال سرخ کرنے والی بات پر ابرش نے بری طرح اپنے لب کاٹے

تھے۔

کیا کرو گے بتاؤ تم اگر تمھارا بیوی کو کچھ کہا اس کا گال سرخ کرو گے۔ ہمارا

ساتھ کیا کرو گے تم۔۔ امینہ خانم غصے سے بولی۔

مورے بار بار اپنے لفظ دہراؤں گا نہیں۔۔ ابرش کو ایک بہو ہونے کے ناطے اس کی کوتاہیوں پر آپ ڈانٹ سکتی ہیں۔ مگر اسے کسی صورت آپ طعنہ نہیں دیں گی۔ آئیندہ ایسا ہوا میں تمام عمر آپ لوگوں کو ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھنے دوں گا۔ یہ میری بیوی تو ہو گی مگر آپ کی بہو نہیں رہے گی۔ اسے میں اسلام آباد شفٹ کر دوں گا۔ بیٹا ہونے کے ناطے آپ کے حقوق میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔۔ مگر ابرش کے حقوق پھر مجھے اسلام آباد میں رہ کر نبھانے پڑیں گے۔۔۔ یقیناً آپ دونوں نہیں چاہیں گی میرا چہرہ کئی کئی دن بعد دونوں کو دیکھنے کو ملے۔۔ زاران اپنی بات اٹل لہجے میں کہتے مکمل کر چکا تھا

امینہ خانم زاران کا سرخ چہرہ اور اس کی دھمکی سن دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ زاران ان سے دور جائے یہ کسی صورت برداشت نہیں تھا۔

ابرش تم اپنے کمرے جاؤ۔۔زاران نے اسے دیکھتے سختی سے کہا۔۔ابرش نے اسے نم آنکھوں سے دیکھتے نفی میں سر ہلایا تھا ابرش۔۔۔۔۔زاران نے اسے سختی سے پکارا تو وہ جلدی سے تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

زاران اس کے انداز پر لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

دیکھا تم نے اس کا انداز کیسے وہ گیا ہے یہاں سے ؟؟تم اس لڑکی کا ساتھ دے رہا ہے۔امینہ خانم کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔

مورے جو بھی ہے اب کوئی بھی اسے زحلے پھوپھو کا طعنہ نہیں دے گا۔اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔زاران سختی سے کہتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا

زاران۔۔۔ سمیع اللہ کی نم زدہ پکار پر وہ نہ چاہتے ہوے بھی کا تھا۔

جی دا جی۔۔۔۔۔۔ زاران نے مڑتے ہوے احترا ما کہا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔

زاران ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔۔ ہم نے زحلے کی بیٹی کو تمھارا بیوی بنایا۔ ہم نے زحلے کو معاف کیا۔ مگر آج لگتا ہے غلط ہوا۔ زحلے کی ایک غلطی کی سزا ہم آج تک بھگت رہا ہے۔ تم کو لگتا ہے جب زحلے کو کوئی طعنہ دیتا ہے ہم کو اچھا لگتا ہے۔ ابھی امینہ نے جو ابرش سے کہا اس کا سب سے زیادہ تکلیف ہم کو پہنچا۔ کیونکہ اس نے ہمارا بیٹی کا طعنہ مارا تھا۔ ہم زحلے کو کچھ بھی کہہ دے مگر کوئی دوسرا کچھ کہہ دے ہم مر جاتا ہے۔

سمیع اللہ کی بات پر زحلے کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ آہل زرتاج اور عنائیہ زحلے کی حالت پر تڑپ کر رہ گئی تھے۔۔

سمیع اللہ کی بات پر امینہ خانم نے شرمندگی سے نظریں جھکائیں۔ اپنے سسر کا وہ دل ہرگز دکھانا نہیں چاہتی تھیں۔ ابرش کی باتوں پر انھیں غصہ آگیا تھا۔ ورنہ انہوں نے کبھی اپنے شوہر اپنے بچوں کے سامنے زحلے کا ذکر توہین امیز لفظوں میں نہیں کیا تھا۔

سمیع اللہ زاران کے قریب ہوے تھے۔

زاران ایک بات کا احساس ہوا۔ عورت کا جذبات میں کیا ہوا غلطی کی سزا صرف اس کو نہیں اس کا آنے والی نسل اس کا ماں باپ تک کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ہم نے یہ سب برداشت کر لیا۔ مگر تمھیں کوئی طعنہ دے ہم برداشت نہیں کر سکتا۔ جو لڑکی ایک دو مرتبہ تمھارا اپنا ہون سے بھاگ سکتا ہے۔ وہ کل کو ذرا سا کچھ اور ہونے پر دوبارہ یہ سب بھی کر سکتا ہے۔ آج پہلی مرتبہ

ہم نے تمھیں بے غیرت کہا۔۔۔سب نے تم پر سوال اٹھایا۔۔ تمھارا جھکا ہوا نظریں اسی لمحے ہمیں مار چکا تھا۔

ہم زحلے کو معاف کر دے گا۔ تم ابرش کو طلاق مت دو۔ مگر اس کو واپس زحلے کے ساتھ امریکہ بجھوا دو۔۔اس کا ساتھ تمھیں تکلیف دے گا۔اب کی بار اس نے تمھارا ساتھ پھر سے یہ سب کیا تم برداشت نہیں کر سکے گا ۔ہمارا طرح ٹوٹ جائے گا۔ تمھارا کندھا جھک جائے گا۔جو ہم برداشت نہیں کر سکے گا۔

یہاں کا کسی اچھا لڑکی کے ساتھ شادی کر لو۔۔چاہے شہر کا کیوں نہ ہو۔۔۔مگر ابرش تمھارا لائق نہیں ہے۔ سمیع اللہ نے کہا۔

داجی۔۔میں کسی قیمت پر اسے واپس نہیں بھجواؤں گا۔وہ میری عورت ہے۔اسے اب کسی قیمت خود سے دور نہیں کروں گا۔وہ میرے لیے کیا معنی رکھتی ہے آپ سب نہیں جان سکتے۔۔اس نے غلطی کی ہے مگر گناہ نہیں کیا کہ میں اسے معاف نہ کروں۔۔سات ماہ اسے سزا دے کر دیکھ لی۔اس سے دور رہ کر اس سے زیادہ میں نے سزا سہی ہے۔اور آپ مجھے بتائیں یہ کیسی غیرت ہے ایک مرد کی عورت کو اپنے نکاح میں رکھتے ہوے اسے خود سے دور کر دینا۔۔اپنی عزت کو طلاق نہ دوں۔مگر اسے دور کر دوں۔۔یہ جھوٹی غیرت سات ماہ تک بہت جتالی۔۔اب اصلی مرد کی طرح اس کی حفاظت کروں گا۔اسے اگر سزا بھی دوں گا تو اپنے پاس رکھ کر دوں گا۔مگر کسی دوسرے کو اس پر انگلی نہیں اٹھانے دوں گا۔اور دوسری شادی کا سوال ہی نہیں ہے۔نہ کبھی کسی بھی صورت کروں گا۔وہ زندہ نہیں رہے

گی تو پھر بھی دوسری شادی نہیں کروں گا۔زاران نے سختی سے اپنے لفظوں پر زور دیا۔

اور آپ نہیں چاہتے زحلے پھوپھو کو کوئی طعنہ دے تو پہلے خود کو بدلیں۔۔ معاف کر دیں انھیں۔ورنہ آپ کے سامنے ہر کوئی انھیں طعنہ دے گا۔۔بہت سزا بھگت لی انہوں نے۔۔اب اور نہیں۔۔۔۔ آپ معاف کریں گے تو ان کی ہر کوئی عزت کرے گا۔زاران نے نرم لہجے میں کہتے سمیع اللہ کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔زحلے کی سسکیاں تیز ہوئی تھیں۔

سمیع اللہ اپنی لاٹھی پر دباؤ ڈالتے خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تھے۔

زاران زحلے کو مہمان خانہ ٹھہراؤ۔۔۔امینہ خانم کہتے چلے گئی تھیں

پھوپھو آپ لوگ مہمان خانہ جا کر آرام کریں۔۔زاران نے انھیں نرمی سے کہا۔۔

زاران بھائی ہمیں آجازت دیں ہم اسلام آباد جانا چاہتے ہیں۔ آہل نے اگے بڑھتے آجازت چاہی تھی۔

آہل چلے جانا۔۔کچھ دن رک جاؤ۔۔ مجھ پر یقین رکھو سب ٹھیک ہو گا۔۔ تم مہمان خانہ جا کر آرام کرو۔۔زاران اس کے کندھے پر ہاپھ رکھتے کچن کی طرف بڑھا تھا۔۔

ابرش کچن کی شیلف پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہی تھی۔!!ابرش نے رات کا اندھیرا میں حویلی چھوڑا تھا۔وہ بھی اس زعیم کا واسطہ۔۔۔۔۔اور

ابرش کو بہزاد نے اغوا کیا تھا۔ یہ کتنا ہی گھنٹہ اس بہزاد مردود کے پاس رہا!!

روزینہ خانم کے لفظ یاد کرتے وہ شدت سے رو دی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے اس نے سیدھے ہوتے شیلف سے ٹیک لگائی تھی۔۔ اپنے گلے کو جکڑے گہرے سانس لیتے وہ چھت کی طرف دیکھتے ایک بار پھر سے رو دی تھی۔ پھر سے سماعتوں میں لفظ سنائی دیے جو اسے پگھلے ہوے سیسے کی مانند لگے۔

جو لڑکی ایک مرتبہ بھاگ سکتا ہے وہ دوبارہ بھی بھاگ سکتا ہے۔ تم اس بے شرم لڑکی کو دوبارہ حویلی لے آیا۔۔ اس بے شرم لڑکی کو ابھی طلاق دے کر ہماری نظروں سے دور کرو!!

وہ ایک بار پھر سے شدت سے رو دی تھی۔ یہ لفظ کس نے بولے تھے وہ نہیں جانتی تھی مگر مسلسل لفظوں کی بازگشت اسے اپنے سماعتوں میں پڑتے سنائی دیتی تو اس کی رگیں جیسے زہریلی ہوئی لگتی تھی۔

!!بس بابا اور نہیں۔۔۔۔۔ عورت ہے یہ میری۔۔۔ اس کو جان سے مار سکتا ہوں۔ چھوڑ نہیں سکتا!!اس ستمگر کا بے بس چہرہ یاد آیا تھا۔ اس کے کردار کی وضاحت دیتے اس کا لہجہ مضبوط تھا مگر آنکھیں جھکی تھیں۔ وہ اس سے جب نفرت کی دعویدار تھی تب بھی کبھی نہیں چاہا تھا اس کی آنکھیں کبھی کسی کے سامنے جھکی ہوں۔۔ وہ بری طرح رو دی تھی۔

اس ستمگر سے نفرت کی ہی کب تھی۔ اسے نہیں یاد پڑتا تھا اس نے کبھی ایک پل کے لیے بھی زاران خانزادہ سے نفرت کی ہو۔ وہ تو شروع دن سے ہی جیسے اس کے رگ و پے میں سرائت کر گیا تھا۔

!!تو پھر اس کو اسی دن مار آتے جس دن بہزاد کے پاس سے لے کر آئے تھے۔۔ مگر آج پتہ چلا تم بغیرتوں سے بھی بڑا بے غیرت اور ذلیل ہے۔ جو اوپر اوپر سے غیرت غیرت کا راگ الاپتا ہے۔۔ منسٹر بن کر تمھارا شرم وحیا مر گیا!!لفظ پھر سماعتوں میں زہر بن کر اترتے اس کے جسم وجاں کو نیلا کر چکے تھے۔

یاد نہیں آیا تھا یہ لفظ کس نے بولے تھے۔۔ مگر ان لفظوں نے تو جیسے روح ہی چھلنی کر دی تھی۔

وہ بری طرح سبک پڑی تھی۔ جب وہ یہ لفظ نہیں بھول رہی تھی تو وہ کیسے بھولے گا یہ لفظ۔۔۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو بے دردی سے رگڑے۔ وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں رہے گی اور آہل کے

یہاں سے جانے پر وہ اس کے ساتھ واپس امریکہ چلی جائے گی۔ اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کیا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے کافی بنانے کے لیے چائے کی کیٹل میں پاس پڑی فلٹرائز بوتل سے پانی لیتے ابلنے کے لیے رکھا ہی تھا کہ یکدم دو مضبوط ہاتھ اس کے پیٹ پر جماتے اسے اپنے قریب کر گئے تھے۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے نروٹھے لہجے میں کہا۔۔ سب کے بولے گئے لفظوں پر وہ اس سے ناراض سی ہو چکی تھی۔۔ اس کی شدید محبت خود کے لیے باہر دیکھ چکی تھی۔ اس لیے اس کے قریب آتے ہی لہجہ نروٹھا سا ہو گیا تھا چھوڑنے کے لیے تھوڑی تم سے نکاح کیا تھا۔

زاران نے اس کی شرٹ کے اندر ہاتھ ڈالتے اس کے بیلی بٹن والے حصے کو اپنے ہاتھ سے سختی سے چھوتے بے باک شرارت کی تو ابرش کی سانس سینے میں اٹکی تھی۔ رنگت گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔ اس کی بے باکیوں کی کوئی حد نہ تھی۔۔ وہ اس کے حصار میں لرز اٹھی تھی۔

زاران اس کی سانسیں مدھم ہوتے محسوس کرتے گہرا مسکرایا تھا۔ اس کا ایک جھٹکے سے رخ اپنی طرف موڑ گیا۔۔ کافی بنانے کے لیے کافی میکر کیوں استعمال نہیں کر رہی۔۔ زاران نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑتے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔

وہ کافی میکر ارحام لالاحور کے لیے لائے تھے۔ آپ میرے لیے نہیں لائے تھے۔۔ ابرش کی بات پر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔ وہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں محسوس کرتی ہے اسے اندازہ نہ تھا۔۔ وہ اس سے اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں

ایکسپیکٹ کرتی ہے۔ اور ایک عام سی لڑکی کی طرح اسے بھی اپنے شوہر کی محبت کم ہی لگتی تھی۔ زاران نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا وہ وہ ابرش تھی ہی نہیں جسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔۔ جو بے انتہا ماڈ لباس میں اس کے سامنے کانفیڈنٹ سے کھڑی تھی۔ اب تو وہ پوری طرح اس کی پسند میں رنگی تھی۔۔۔ سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی۔ باہر لاونج میں بھی وہ بار بار اپنی چادر ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے ذرا سا دیکھنے پر گھبراتے ہوئے چادر ٹھیک کرنے کے زیر سا لگ جاتی تھی۔ اسے خود سے زیادہ اس کی فکر تھی۔ زاران نے گہری نگاہوں سے کافی استحاق سے اس کا معائنہ کیا۔ وہ چادر میں لپٹی اسے بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔۔ نظریں جھکائے نروٹھی سی تھی۔۔

تمھارے لیے بھی لادوں گا اور تم اگر لالا کالایا ہوا کافی میکر بھی استعمال کر لو گی کوئی حرج نہیں ہو گا۔ زاران نے لب دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں کہا۔

ضرورت نہیں جب میں نے یہاں سے چلے ہی جانا ہے تو میں کیا کروں گی کافی میکر کا۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سرد سپاٹ لہجے میں کہتے رخ موڑنا چاہا تھا۔

زاران اسے کندھے سے جکڑ کر سختی سے شیلف سے لگا گیا تھا۔ ابرش کی بات پر زاران کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔

ابرش میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں تمھارے نخرے اٹھاؤں۔ میں ابھی کسی کام سے باہر جا رہا ہوں جب واپس آؤں تم مجھے اپنے کمرے میں

ملو۔۔ تم۔۔ زاران نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد حکمیہ لہجے میں کہا۔۔

زاران میں۔۔۔۔۔۔۔ اس سے پہلے ابرش اپنی بات مکمل کرتی

پلوشہ کے بچن میں داخل ہونے پر زاران ابرش سے جلدی سے دور ہوا تھا۔

اس کا یوں دور ہونا ابرش کو اچھا خاصہ چبھا تھا۔

زاران تمھارا کپڑا استری کر دوں۔۔۔ پلوشہ نے زاران کو دیکھتے مسکراتے کہا۔ ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے زاران کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا۔ جو اسے دیکھتے اب پلوشہ کو دیکھ رہا تھا۔

یہ کھڑی ہے کمرے کی اور میری مالک اس سے پوچھ لو اگر یہ تمھیں کمرے میں جانے کی آجازت دیتی ہے تو میری بلیک شلوار قمیض استری کر دینا۔

زاران نے بھاری آواز میں کہتے ابرش کے شرربار سرخ چہرے پر گہری نگاہ ڈالتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ زاران کی بات پر ابرش نے اپنی مٹھیاں دبوچے اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔ وہ اسے اپنے کپڑے استری کرنے کی آجازت بھی کیسے دے سکتا ہے ؟؟ وہ بھڑ بھڑ جلی تھی۔

پلوشہ اس کے زاران کے کپڑوں کو ہاتھ لگائے یہ گوارانہ تھا۔ سن لیا تم نے وہ کیا کہہ کر گیا ہے ؟؟۔ تمھیں اس کمرے میں جانے کے لیے میری آجازت کی ضرورت ہے۔ وہ کمرہ رہ اور زاران خانزادہ میری ذاتی ملکیت ہے۔۔

میری ملکیت۔۔۔ صرف میری ملکیت۔۔۔ زاران صرف میرا ہے۔ ابرش پلوشہ کے قریب ہوتے استہزائیہ مسکرائی تھی۔

کب تک رہے گا وہ تمھاری ملکیت ؟؟۔۔ اسے اپنا بنا کر رکھنے کے لیے ابرش پاشا تمھیں ننگے پیر پتھروں پر چلنا پڑے گا۔

تم ان پتھروں پر چل نہیں سکو گی۔۔ زخمی ہوتے بلبلاتے ہوئے تم بہت جلد مخملی قالین کی روش منتخب کر لو گی۔ پلوشہ ابرش کی سرخ متورم آنکھوں کو دیکھتے کاٹ دار لہجے میں بولی تھی۔

تم پتھروں کی بات کرتی ہو میں ننگے پیر پل صراط سے گزر چکی ہوں۔ جو پل صراط سے گزر گیا ہو اس کے لیے راستے میں پڑے پتھر جو ٹھوکروں کی زد میں آتے ہوں کیا معنی رکھتے ہیں۔ ابرش کی بات میں چھپے ہوئے طنز کو سمجھتے وہ توہین و خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

اور زاران خانزادہ کی ہمراہی میں پتھر بھی قبول ہیں اس کا ساتھ ہو گا تو وہ پتھر پھولوں کی روش میں تبدیل ہو جائیں گے۔۔ ابرش پلوشہ کا سرخ چہرہ دیکھ کر اب گہرا مسکرائی تھی۔

ایسی بات ہے تو باہر کیوں نخرے دکھا رہی تھی۔ تم اس کے ساتھ کمرے میں نہیں رہو گی۔ پلوشہ دبے انداز میں چلائی تھی۔

کیونکہ ابرش پاشا اپنے شوہر کو نخرے دکھا رہی تھی۔ نو نو ابرش پاشا نہیں۔۔۔۔ ابرش خانزادہ ہوں میظ۔۔۔۔۔۔۔ ابرش نے بہم سا مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تمھارے سامنے اور دنیا کی ہر اس عورت کے سامنے جو اس کے مسٹر خانزادہ کو غور سے بھی دیکھے گی اس کے لیے مسز خانزادہ ہوں۔ ابرش پاشا تو میں صرف اپنے مسٹر خانزادہ کے لیے ہوں۔ وہ جب میرے لبوں سے ابرش پاشا سن کر جھنجھلاتا ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ اس کی اس جھنجھلاہٹ میں مجھے اپنے لیے شدید محبت نظر آتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھنے کے لیے میں اس کے سامنے خود

کو ہمیشہ ابرش پاشا کہتی رہوں گی۔ ابرش پلوشہ کے سرخ چہرے کو دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں بولتے مسکرادی تھی.

تم غلط ہو ابرش۔۔ زاران کی ہمراہی میں وہ پتھر خاردار کانٹے اور نیزے بن سکتے ہیں مگر پھول نہیں۔۔۔ زاران کو یہاں کوئی تمھارا نہیں ہونے دے گا۔ چاہے تم خود کو ابرش پاشا کہو یا پھر ابرش خانزادہ۔۔۔ تمھاری غلطی وہ نبی نہیں بھولے گا۔ اگر وہ بھول بھی کی تو دنیا ہیں بھولنے دے گی۔ پلوشہ نے شعلہ بار لہجے میں زہر اگلا تھا۔۔

تم کتنے ہی گھنٹے غیر مرد کے پاس رہی۔ ہو سکتا ہے بھی زاران کے دل میں آجائے اس مرد نے تمھیں چھوا ہو گا۔ تب تو وہ تمھارا نہیں رہے گا۔

پلوشہ کی چلتی زبان کو ابرش کے زناٹے دار تھپڑ نے بریک لگائی تھی۔ تھپڑ اتنا زناٹے دار تھا کہ پلوشہ پیچھے کو ہوتے لڑکھڑاتی تھی۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے بے یقین نگاہوں سے ابرش کو دیکھ رہی تھی۔ ابرش گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ میں کچھ گھنٹے غیر مرد کے پاس رہی۔ مگر تم پچھلے نو مہینوں سے ایک غیر مرد کے آگے پیچھے پھر رہی ہو۔ پھر تو تمھاری اوقات زاران کی نظروں میں واضح ہو گی کہ وہ تمھیں کس طرح کی لڑکی سمجھتا ہے۔۔ جس لڑکی کے لیے ایک شادی شدہ مرد اہمیت رکھتا ہو اس کا کریکٹر کیا ہو گا۔۔ یہ کافی بنا کر کپڑے استری کر کے تم اسے پانے کے خواب دیکھ رہی ہو بھول جاؤ۔ یہ کام تو درخشاں بھی کرتی ہے اور اچھی طرح کرتی ہے۔ درخشاں کی ویلیو پھر بھی ہے زاران کے نزدیک تمھاری ویلیو صفر بھی نہیں۔۔ تم نے اپنا درجہ حویلی کی ملازماؤں سے بھی نیچے گرا دیا۔ ابرش اس کے گال پر اپنی انگلیوں کا نشان دیکھ کر طنزیہ بولی۔

اور جہاں تک بات ہے میرے متعلق غلط سوچنا۔۔ اگر وہ ایسا ویسا کچھ سوچتا تو یوں باہر کھڑے ہو کر میری سائیڈ نہ لیتا۔ دیکھا نہ تم نے اپنی جان سے پیاری مورے سے کیا کہا۔ مجھے لے کر الگ ہونے کی دھمکی دی۔۔ اس حویلی اور اس کے مکینوں میں جان بستی ہے۔ مگر مجھے کوئی ایک لفظ کہے اسے گورا نہیں۔۔۔ وہ میرے لیے اس حویلی کو بھی چھوڑ سکتا ہے۔ تم آخر کس بات کی بنا پر یہاں ڈیرا ڈالے بیٹھی ہو۔۔۔ تمھاری اپنی کوئی عزت ہے۔۔ کہیں سے بھی نہیں لگتا تم پٹھان فیملی سے ہو۔ تمھارے ماں باپ میں غیرت نام کی کوئی چیز بھی ہے۔۔ انہوں نے اپنی جوان بیٹی کو دوسروں کے در پر اس لیے چھوڑ دیا تا کہ وہ ایک شادی شدہ مرد کو بہکا سکے

ابرش نے سرخ چہرے کے ساتھ گہرے سانس لیتے اس کے ہتک امیز لفظ اس کے منہ پر مارے تھے۔ بہزاد کا طعنہ لیکن تم اپنے شوہر کو کیسے یقین دلاؤ

گی کہ اس دن بہزاد نے تمھیں چھوا نہیں تھا۔ پلوشہ کے زہریلے لفظوں پر ابرش کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔ تم اتنی گری ہوئی لڑکی ہو گی میں سوچ نہیں سکتی۔ ابرش نے اسے گلابی شبنمی آنکھوں سے دیکھتے سر نفی میں ہلاتے ہوے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ لفظ گلے میں اٹکے تھے۔۔ اس کے لفظ نہیں تھے کوڑے تھے جو ابرش کو اپنے بدن پر بے دردی سے برستے محسوس ہوے۔

تم۔۔۔۔۔۔ تمھاری۔۔۔۔۔۔۔ غلطی۔۔۔ نہیں ہے۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ میرے سامنے کھڑے ہو کر یہ بکواس کر سکو۔۔ یہ زاران کی غلطی ہے۔ وہ اگر پہلے دن تمھیں یہاں سے نکال دیتا تو تم آج یہ بکواس نہ کرتی۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے زخمی سائنم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

پلوشہ اس کے تڑپنے پر استہزائیہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔ ابرش کتنی جذباتی تھی یہ اس کے اس طرح زخمی پرندے کی مانند تڑپنے پر اندازہ ہو گیا تھا۔

دو تھپڑوں کا وہ اس ایک بات سے سود سمیت حساب لے چکی تھی۔ اسے پلٹ کر تھپڑ مارنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

جس طرح وہ گہرے سانس بھرتے لرز رہی تھی۔ ابرش کی حالت دیکھتے اس کے جلتے دل کو سکون مل گیا تھا۔ ایسے ہی اس نے اس دن بھی وار کیا تھا اور ابرش نے اپنا بچہ کھو دیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا وہ ابرش کو پھر سے اس کے جذباتی پن کی بدولت زاران کی زندگی سے نکال دے گی۔

ابرش زاران مجھے اپنائے گا یا نہیں۔ مگر تمھاری ایک کی ہوئی غلطی کی وجہ سے وہ تمھارا بھی نہیں رہے گا۔ داجی جن کا تمھارے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔۔ وہ زاران کو کسی شہر کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کو کہہ رہے

تھے۔ انھیں تم زاران کی زندگی میں قبول نہیں ہو۔ وہ جتنا مرضی تمھاری سائیڈ لے لے مگر اپنے رشتوں کے آگے مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے پہلے اپنی مورے کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ کیا تھا ان سے وعدہ دوسری شادی کا۔۔ اب پھر مجبور ہو جائے گا۔ اس سے پہلے تمھیں وہ پھر سے دھکے دے کر نکالے چلی سے جاؤ یہاں سے۔۔ پلوشہ نے زہر خند لہجے میں بولتے اس مزید تڑپایا تھا۔۔ داجی نے زاران سے دوسری شادی کرنے کو کہا وہ یہ سن کر تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی اسی لمحے زاران کا فون جو شیلف پر پڑا تھا۔ وہ رنگ ہوا تھا۔۔ دونوں کی نظریں بے اختیار پر سکرین پر پڑی تھیں جہاں ستارہ خان کا نام جگمگا رہا تھا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے فون پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا تھا پلوشہ ابرش ابرش کو دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔

کس کس سے بچاؤ گی اپنے شوہر کو۔ نہ تمھارا شوہر تمھارا نہ اس کے گھر والے تمھارے۔۔۔ پلوشہ افسوس کرنے والے انداز میں طنزیہ بولی۔۔ ستارہ خان کا نام فون پر دیکھ کر ابرش کی آنکھوں میں شرارے پھوٹتے دیکھ چکی تھی۔ اس لیے اسے مزید سلگایا تھا۔ اسی لمحے زاران اپنا فون لینے کچن میں داخل ہوا تھا جو وہ شیلف پر بھول چکا تھا۔۔ زاران نے اندر داخل ہوتے ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس لیتی کھڑی تھی جس کی آنکھیں شبنمی تھی۔۔ زاران کی نظریں ابرش پر ہوتی پلوشہ پر جا ٹھہریں جس کے گال پر انگلیوں کا نشان تھا۔ وہ جیسے پل میں سچویشن سمجھ چکا تھا۔ یقیبا اس کے آنے سے پہلے یہاں کوئی بڑا معرکہ ہوا ہے۔۔ زاران کی نظریں بے اختیار ابرش کے عارض پر ٹھہریں تھیں۔ پلوشہ نے اس پر کہیں جو اگا ہاتھ نہ اٹھا دیا ہو۔ یہ سوچ کر ہی

زاران کا خون رگوں میں بھڑک اٹھا تھا۔ ابرش کے گال سرخ تھے مگر انگلیوں کا نشان نہیں تھا۔

زاران نے فون اٹھاتے اپنی پاکٹ میں ڈالا تھا۔ ابرش زاران کو دیکھتے رخ موڑ چکی تھی۔۔ چادر اس کے ایک کندھے پر لٹک رہی تھی۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کا رخ موڑتے اسے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا۔

ابرش کٹی ہوئی ڈال کی طرح اس کے سینے سے آن لگی تھی۔ ابرش نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے شبنمی نگاہوں سے اس کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت اسے زاران اسے بے انتہا برا لگ رہا تھا۔ اس کے فون پر ستارہ خان کی کال دیکھ کر اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ جی تو کر رہا تھا اپنے ساتھ اسے بھی آگ میں جھونک دے۔۔ پلوشہ کی وجہ سے وہ اسے خود سے دور نہیں دھکیل پا رہی تھی۔ پلوشہ کو دکھانے کے لیے

وہ اس کی شرٹ جکڑے مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔ زاران نے اس کی شبنمی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر پلوشہ کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہوئی تھی۔۔۔ زاران کی نظروں میں اس ایک ایکٹ سے ہی ابرش کا مقام واضح ہو گیا تھا۔

زاران کے لمس پر ابرش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں مزید مضبوطی سے جکڑتے اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔ ساری انسکیورٹیز اس ایک لمحے میں جیسے دور ہوئی تھیں۔ پلوشہ کی حالت تو ایسے تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔۔ اس کے قدم تک پتھر ہو چکے تھے۔۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی وہ یہاں سے ہل بھی سکتی.

تم میٹھی ہو مگر یہ موتی مکین ہیں میری جان کیوں مجھے بی پی کا مریض بنانا چاہتی ہو؟؟ اگر دن رات یہ موتی چنتے انھیں حلق میں اتاروں گا تو بہت جلد

ہائی بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ زاران نے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر جھکتے انھیں لبوں سے چنتے اپنے حلق میں اتارا تھا۔۔ ابرش زاران کے انداز اور بات پر ہنستے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

باقی کا پروسیس رات میں۔۔ اس وقت یہ آنسو بھی بیٹھے لگیں گے۔۔ زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس سے الگ ہوا تھا۔۔ ساتھ ایک قہر بھری جتاتی نگاہ پلوشہ پر بھی ڈالی تھی۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔۔ واپسی پر مجھے تم شارٹ نائیٹی میں ملو۔۔ وعدہ ہے میرا ایک مہینہ کمرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔ زاران نے اس کی طرف جھکتے بے باکی سے کہتے سرگوشی کی تھی۔ ہم ۔۔۔ زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار چاہا تھا۔ ابرش نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔ وہ اس کے پیشانی پر لب رکھتا کچن سے چلا گیا تھا۔

مجھے تم سے اس سے آگے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا کردار میرے شوہر کی نظروں میں کیا ہے؟؟ تمھیں پتہ چل گیا ہو گا۔ میں تم جیسی گھٹیا اور بے شرم نہیں ہوں۔ ورنہ تمھیں بتاتی وہ مجھے کیسے کیسے پیار کرتا ہے۔۔ میری بانہوں میں وہ نہ منسٹر ہوتا ہے نہ زاران خان ن ہوتا ہے۔۔۔ جس کے سامنے کوئی بھی بات کرتے سوچتا ہے۔ بلکہ وہ صرف میرا زاران ہوتا ہے جسے میرے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کی لبوں اور شدتوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔۔ سر سے پاؤں تک وہ اپنی شدتیں مجھ پر لٹاتا ہے۔ جس طرح تمھارے سامنے اس نے میرے آنسو اپنے اندر اتارے۔ اگر اس کے دل میں میرے لیے ذرا بھی کڑواہٹ ہوتی وہ اس طرح بھی نہ کرتا۔۔۔ رات کو تو اس سے کہیں زیادہ ہو گا۔۔ جس طرح تم دروازے پر

کان لگا کر کھڑے ہو کر باتیں ہماری باتیں سنتی تھی۔۔یقینا میری سسکیاں بھی سنی ہو گی۔۔پتہ چل گیا ہو گا وہ مجھے لے کتنا شدت پسند ہے۔

ابرش اس پر استہزائیہ نگاہ ڈالتی چلی گئی تھی۔

زاران سنجیدہ چہرے کے ساتھ تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔اس وقت شدید بارش ہو رہی تھی۔بارش میں اس سے ڈرائیو کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔اس کے خوبرو چہرے پر رہا نظر کی گہری لکیریں تھیں۔

آنکھوں کے ڈورے سرخ تھے۔وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرے اضطرابی انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا شہرام کے لفظ جب سوچتا تو اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوتی۔۔

!!لالا جو ہو گیا سو ہو گیا۔۔مجھے یقین ہے اب آپ میرا ساتھ دیں گے۔۔

میرا لالا اب دوستی نہیں نبھائے گا۔دوستی نبھاتے نبھاتے آپ نے اپنا

دوست پھر بھی کھو دیا تھا۔مجھے پورا یقین ہے ایسی دوستی پر ہزار بار لعنت بھیج

کر اب آپ اپنے بھائی کا ساتھ دیں گے !!شہرام کے الفاظ سوچتے ہوئے

گاڑی ایک پل کے لیے اس کے ہاتھوں سے ڈولی تھی۔۔زاران نے بہت

مشکل سے سٹیرنگ پر گرفت مظبوط کرتے گاڑی سنبھالی ورنہ گاڑی کا

کنٹرول چھوٹتا تو بائیں طرف گہری کھائی میں گاڑی جا کرتی زاران کی آنکھوں

کے سامنے اسفندیار کی سرخ نم زدہ آنکھیں آئی تھیں۔وہ ظبط سے اپنا نچلا

لب دانتوں تلے دبائے پوری قوت سے سٹیرنگ پر مکہ مار گیا تھا۔مکا ایک

مرتبہ میرے سامنے آجاؤ اسفندیار خان تمھارے سینے پر چھ چھ گولیاں برسا

دوں گا۔۔ زاران جھنجھلاتے ہوئے طیش والم میں چلایا۔ اس کی نم زدہ آنکھیں اسے بھول نہیں پائی تھی۔۔

اسفندیار خان اسی وقت حویلی سے چلا آیا تھا۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا۔۔ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہو گا۔ زاران کی گاڑی گیسٹ ہاؤس پر آر کی۔۔ اسفندیار کی جیپ آریار دیکھتا زاران کی آنکھوں میں غصے کی شدت بڑھی تھی۔۔ کمینہ۔۔۔۔ سالا۔۔۔۔۔۔ زاران اس کی جیپ دیکھ کر غرایا تھا۔

وہ گیسٹ ہاؤس کے اوپر یٹ والی سائیڈ میں داخل ہوا تھا۔۔ جس کی بیک پر پہاڑوں کے درمیان گھرے بہت بڑے میلوں پھیلے اونچے نیچا سرسبز میدان تھا۔

جس کے ایک طرف چھوٹا سا بہتا دریا بھی گزرتا تھا۔۔۔زاران کے بھاری قدم رکے تھے۔وہ دریا کے پاس کھڑا تھا۔شدید سردی میں وہ بارش میں بھیگتا کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

جس کے ایک طرف چھوٹا سا بہتا دریا بھی گزرتا تھا۔۔۔

زاران کے بھاری قدم رکے تھے۔وہ دریا کے پاس کھڑا تھا۔

شدید سردی میں وہ بارش میں بھیگتا کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

زاران اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف بڑھا تھا۔۔اس کے مقابل آتے اس نے اسے بنا کوئی موقع دیے پوری قوت سے اسفندیار کے جبڑے پر مکہ دے مارا تھا۔

اسفندیار نے اپنے ہونٹوں سے نکلے خون کو اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے ہوے اپنے سامنے کھڑے زاران کو بے یقینی سے دیکھا تھا جو تیز بارش میں بھیگتا اسے شرربار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اسفند بھی جواباً کچھ پل زاران کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھتے پوری قوت سے مکہ اس کے جبڑے پر دے مارا تھا۔

زاران نے پیچھے ہوتے اپنے لبوں سے نکلے خون کو انگوٹھے سے صاف کرتے اسفندیار خان کو دیکھا جو دور کھڑا اسے گھور رہا تھا۔۔

زاران کا گرم خون اسے گھورتے دیکھ کر رگوں میں بھڑکا تھا۔

وہ اسی پل اس کے قریب ہوتے اس کا گریبان ایک ہاتھ سے پکڑے اس کے جبڑے پر کئی مکے مار گیا تھا۔۔

ذلیل کمینے انسان دل کر رہا ہے تمھارے سینے پر گولیاں چلا دوں۔۔ زاران حلق کے بل دھاڑا تھا۔

اسفند نے اپنا گریبان چھڑواتے اسے پوری قوت سے دھکا دیا۔ وہ زمین پر سیدھا آن گرا تھا۔ اس سے پہلے وہ اٹھتا اسفند یار خان اس کے سینے پر گھٹنا رکھے اس پر جھکا تھا۔ پوری قوت سے کئی مکے اس کے منہ پر دے مارے تھے۔

کس نے روکا ہے تمھیں ہاں۔۔۔ جس طرح تمھارے بھائی نے گولی چلائی تھی تم بھی چلا دیتے۔ اسفند اس پر جھکے طیش والم میں غرایا۔۔

زاران نے اس کے منہ پر مکہ مارتے اسے پیچھے کی طرف پوری قوت سے دھکیلا تھا۔ اسفند اس کے دھکیلنے پر پیچھے کی طرف گرا تھا۔ زاران نے زمین سے اٹھتے اپنے لبوں سے نکلے خون کو اپنی شرٹ کی آستین سے صاف کیا۔

تم جیسے بغیرت کو دل تو یہی کر رہا ہے جان سے مار ڈالوں مگر کیا کروں اپنی بہن کو بیوہ ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ سالا۔۔۔ بے غیرت۔۔۔ زاران اسفند کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے ہوے پھنکارا.

اسفند جو زمین پر بیٹھا اپنے جبڑے سے نکلا خون صاف کر رہا تھا۔ زاران کی بات سنتے اس کے مقابل آیا تھا۔

ایک یہی رشتہ رہ گیا ہے ناں تمھارے اور میرے بیچ۔۔۔ بھولو مت جان سے پیارے دوست تھے میرے۔۔ اسفند زاران کو دیکھتے نم لہجے میں بولا۔۔

اسفند کے لہجے میں نمی محسوس کرتے زاران نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

جان سا پیارا دوست تھا۔۔ زاران اس کے لفظ دہراتا استھزائیہ ہنسا تھا۔۔ تھا کہہ کر تم نے بات ہی ختم کر دی۔۔۔ زاران اسے گھورتے طنزیہ بولا تھا۔

میرے لیے تو ہو مگر تیرے لیے تھا میں۔۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسفند کرب سے مسکرایا تھا۔۔

اگر میرے لیے تم تھا ہوتے تو یہاں کیا جھک مارنے آیا ہوں۔ اپنی بیوی کو انتظار کرنے کا کہہ کر بارش میں اندھا دھند ڈرائیو کرتے یہاں پہنچا ہوں۔ ۔اسفندیار خان جیسے بے شرم بے غیرت انسان کے لیے میں اپنی جان سے پیاری بیوی کو انتظار کروا رہا ہوں۔۔ زاران نے غصے سے لفظ چباتے حلق میں اترا خون تھوکا تھا۔

جو کہنا ہے کہہ دے۔۔ جتنی گالیاں دینی ہے دے۔۔۔ بھروسہ نہیں کیا تیرا۔ اپنی دوستی پر شک کیا۔۔ جتنی لعنت برسا سکتا ہے برسا۔۔۔ یہاں

دریا کے کنارے کھڑا ہوا چیختے ہوئے یہی تو کر رہا تھا میں۔ اسفند نے تلخی سے بولتے گہرے سانس لیتے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

تو اس سے بھی زیادہ لعنت اور گالیوں کا حقدار ہے اسفند یار خان۔۔۔۔ تم نے میرا مان توڑا۔۔ میرا یقین توڑا۔۔ زران نے تلخی سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اسفند کے مقابل آتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

زاران کی آنکھوں میں دیکھتے اسفند کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔

تجھے کیا لگتا ہے میں اتنا کمزور ہوں جو آسانی سے عابیر کا نکاح تجھ سے ہونے دیا تھا۔۔ زمین اسمان ہل سکتے تھے اگر میں نہ چاہتا تو تیرے ساتھ عابیر کا نکاح نہ ہوتا۔۔ جب تو نے عابیر کو اپنے نکاح میں لینے کی بات کی تو زاران خانزادہ کے برسوں کے دل کی خواہش پوری ہوئی تھی۔

سب سے پہلے تم نے میری عزت کا نام لیا۔۔۔ توڑ دیا اس دن تم نے

مجھے۔ اسفندیار تو وہ تھا جس پر خود کے بعد سب سے زیادہ میں بھروسہ کرتا

تھا۔ وہ مر سکتا تھا مگر میری عزت کی طرف انکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیتا

بدلہ مجھ سے مجھے مار دیتا۔ اپنے ہاتھوں سے میری عزت میری محبت تک کو

مار دیتا۔۔ مگر اس کا نام اپنے لیے نہ لیتا۔ اس دن جرگے میں تو اکیلا نہیں تھا۔

زاران خانزادہ بھی اکیلا تھا۔ ساری دنیا یہاں تک میرے بھائی ایک

طرف۔۔۔ اسفندیار خان میرے لیے ایک طرف تھا۔۔۔۔ اسفندیار

خان اگر زاران کے ساتھ کھڑا نہیں تو سمجھ زاران سے زیادہ غریب اس دنیا

میں کوئی نہیں۔۔۔ زاران اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا جس کی

آنکھوں کی نمی بتدریج شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

لیکن پھر بھی تیری بیوفائی کے باوجود بھی یقین نہیں ٹوٹا تھا تجھ پر۔۔۔۔

عابیر کو خود تیرے نکاح میں دیا۔ نہیں حوصلہ تھا اسے باہر کسی بھی غیر کو سونپنے کا۔۔۔ میرے نزدیک میرا اپنا صرف اسفندیار خان تھا۔ اسے تیرے حوالے کر کے تیری سپردگی میں دے کر اس رات چین سے سویا تھا۔۔ یقین تھا اب میری بہن پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔۔۔

اور ایسا ہی ہوا۔۔۔ تو نے اسے اپنی عزت سمجھا جب تو اس پر حق جتاتے میرے حصار سے کھینچ کر لے جاتا تھا۔۔ ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا زاران خانزادہ کے لبوں پر کیسی مسکراہٹ ہوتی تھی۔۔ تیرا حق جتانا اگر کسی کو اچھا لگتا تھا وہ میں تھا۔۔ تیرا جلنا مجھے سکون دیتا تھا۔۔

ثابت کیا تو نے تو میرا اسفندیار خان ہے۔۔۔ جس نے ابرش کے میرے نکاح میں آتے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا تو دور کی بات اس کے متعلق ایک پل کے لیے نہیں سوچا۔۔ میرا اسفندیار خان جو کھرا اور سچا تھا۔ اس پر

محرم حلال رشتہ اثر نہ کرے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔۔ تیری آنکھوں میں اتری عابیر کے لیے جلن نے بتایا تو دل و جان سے اپنی محرم کا ہو چکا ہے۔

تو نے اس پر پہلی رات ہاتھ اٹھایا مجھے پتہ تھا میں بچہ نہیں ہوں۔ اگلے دن اس کے گال پر انگلیوں کا نشان دیکھ کر سمجھ گیا تو نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ بری طرح مشتعل ہوا۔۔ پاگل ہو گیا اس کے گال پر انگلیوں کا نشان دیکھ کر۔۔ مگر پھر بھی ایک پل کے لیے بھی میں پچھتایا نہیں اسے تیرے نکاح میں دے کر۔۔۔ کیونکہ جانتا تھا اسفندیار خان کے گرنے کی حد تک یہاں تک تھی۔۔ اس سے نیچے اسفندیاڑ رخان نہیں گر سکتا۔

جس دن تم نے زنان خانے میں چیختے ہوئے اس کے کردار پر کسی کو بات نہیں کرنے دی۔ اپنے مورے کے مقابل آ گئے سمجھو ہر کڑواہٹ ہر بات ہر تھپڑ کا جیسے آزالہ ہو گیا تھا۔

جب بابا نے اسے تھپڑ مارا۔ وہ میرے سینے سے نہیں تیرے سینے سے لگی

اسفندیار خان۔۔۔۔ تو تب میں نے کیا محسوس کیا تو سمجھ نہیں سکتا

۔۔۔ اس دن تو میں مغروریت سے مسکرایا تھا۔۔ تیرے ہوتے اسے

میری بھی ضرورت نہیں۔۔ اور میں تو چاہتا تھا تم اس کے سب کچھ ہو۔

تیرے ہوتے ہوئے وہ ہم سب کو بھول جائے۔۔

تجھے کیا لگتا ہے تو کھینچ کر گھسیٹ کر جب اسے سب کے سامنے لے کر چلا جاتا

تھا تو میں اس لیے جانے دیتا تھا کہ تو اس پر حق رکھتا ہے۔ ایسا نہیں میرے

نزدیک رشتہ معنی نہیں رکھتا۔۔ میرے نزدیک رشتہ نبھانے والا معنی رکھتا

ہے۔۔۔ ایسا ہوتا تو اسے چپ کر کے بابر کے حوالے کر دیتا۔۔ میرے

نزدیک اسفندیار خان معنی رکھتا تھا۔۔ جس کی آنکھوں میں اس کی بیوی

جنون بن کر رہتی تھی۔۔

اسی اسفندیار خان نے زاران کی بہن کو ہی نہیں اپنی جان سے پیاری بیوی کو تکلیف دی۔۔۔وہ گڑگڑائی میرے سامنے تیرے آگے تو پھر بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا۔۔تو نے پھر سے زاران کو توڑ دیا تھا۔۔جیسے جرگے میں تو نے ابرش کا نام لیا میں ٹوٹا اسی طرح اس دن بھی ٹوٹا۔۔۔

لیکن نفرت نہیں کر سکا تجھ سے۔۔۔وو یہاں تڑپتی تھی تو وہاں تڑپتا تھا۔تم دونوں کو تڑپتا دیکھ کر زاران خانزادہ تڑپتا تھا۔زاران گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنے دل کی ہر بات کہہ چکا تھا۔۔

اسفندیار خان اس کی باتیں سنتے اپنی آنکھیں آستین سے رگڑتے رخ موڑے ابلتے دریا کو دیکھنے لگا۔۔دونوں اب بہتے دریا کو دیکھ رہے تھے۔ ۔برستی بارش بہت تیز ہو رہی تھی۔بہتے دریا اور برستی بارش کے شور میں دونوں کی سانسوں کا مدھم شور بھی سنائی دے رہا تھا۔۔۔

جب جانتا تھا وہ میرے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے تو پھر کیوں تم اسے دارم کی حویلی لے کر گئے۔۔ اسفند یار خان نے زاران کو دیکھتے وہی شعلہ بار لہجے میں سوال دہرایا جس کے لیے وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔

اس بات کا جواب تمھیں ہزار بار دے چکا ہوں۔ کیوں ایک بار پھر سے گالی سننا چاہتا ہے۔۔ اس بار پہلی گالی سے بدتر گالی دوں گا تجھے۔ زاران اس کی طرف دیکھتے آگ لگانے والے انداز میں طنزیہ مسکرایا تھا۔۔

اور میں تیرے گالی بکنے سے پہلے تیرا منحوس چہرہ توڑ دوں گا۔۔ اگر مجھے کسی چہرے سے نفرت ہے وہ تیرے چہرے سے ہے زاران خانزادہ۔۔۔ اسفند نے دھاڑتے ہوئے اس کے منہ پر مکہ مارا تھا۔۔ زاران نے اسی لمحے جوابی کاروائی کرتے اسفند کے چہرے پر مکہ مارا تھا۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کالر جکڑے گھتم گھتا ہوتے دریا میں گرے تھے۔

پانی اچھا خاصہ گہرا تھا۔۔ ٹھنڈے پانی میں دونوں گہرائی میں اترے تھے۔

۔دونوں کو تیرتے ہوے سطح پر آنے پر کافی ٹائم گا تھا۔زاران نے اوپر سطح پر آتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے گہرے سانس لیتے اسفند کو دیکھا جو گہرے سانس لیتا ابھی بھی خونخوار گاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

شکر کر تو واپس اگیا ہے ورنہ میں نے اپنی بہن کے لیے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا۔۔زاران نے اس کے زخمی چہرے کو دیکھتے اسے مزید سلگایا تھا۔

کیا بکواس کر رہا ہے کیا سوچا ہے تم نے ؟۔۔اسفند زاران کا گریبان جکڑے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔

باہر آؤ بتاتا ہوں تمھیں۔زران اپنا گریبان چھڑواتے ہوے تیرتے ہوے کنارے پر آیا۔۔اسفند یار بھی تیرتے ہوے کنارے پر آیا تھا۔

دونوں اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے خشکی پر آئے تھے۔۔

اسفند نے سرخ آنکھیں زاران پر گاڑھیں۔ جو گہرے سانس لیتا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسفند اپنی نم زدہ آنکھیں انگلیوں سے رگڑتے زاران کے قریب ہوا۔

آسان نہیں تھا تیرے خلاف جانا۔۔۔ تیرے لیے تو ایک طرف تیرے بھائی دوسری طرف اسفندیار خان تھا۔ میرے لیے تو ہر طرف تو ہی تھا۔

بابرک بھائی تھا میرا۔۔۔ اپنے کندھے پر اس کا جنازہ اٹھایا۔ اپنی ماں کے بین سنے۔۔۔ سارے ثبوت تیرے خلاف جا رہے تھے۔۔ آیا تھا تمھارے کمرے میں تم سے بات کرنے۔۔ مگر جو الفاظ تم نے شہرام سے بابرک کے لیے بولے سن کر الٹے قدموں پلٹ گیا۔

اس رات میں بھی مر گیا تھا ٹوٹ کر گیا تھا۔۔ بابرک کے مرنے پر اتنا نہیں رویا جتنا تیرے دھوکے کا سوچ کر رویا تھا۔

تم سے دو طریقوں سے بدلہ لیا جا سکتا تھا تمھیں مار کر یا پھر تمھاری قیمتی چیز چھین کر۔۔ تمھیں مار نہیں سکتا تھا۔۔۔ تم تک انی والی پسٹل اکی گولی اسفند یار خان کا سینہ چیر سکتی ہے۔ مگر اسفند یار خان کی پسٹل سے نکلی ہوئی گولی زاران خان کا سینہ نہیں چیر سکتی۔ تمھارے پاس سب سے قیمتی چیز تمھاری محبت تھی۔۔ مگر سچ کہہ رہا ہوں دل سے خدا سے یہ دعا مانگی تھی میں ہار جاؤں۔ تمھاری محبت تمھاری عزت کیسے میرے نام ہو سکتی ہے؟؟۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میں شائد روز محشر میں اپنے خدا سے بھی نظر نہ ملا سکتا۔۔ بدلہ لینا چاہتا تھا مگر ایک پل کے لیے بھی اس وقت بھی تیری محبت تیری عزت کے متعلق سوچا نہیں تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ دلہن کے لباس میں کھڑی

تھی۔۔ایک بار اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔۔مجھے تو اب اس کے نقش بھی یاد نہیں۔۔میرے لیے تو وہ اتنی احترام کے قابل ہے۔اسے دیکھتے ہی نظریں جھک جاتی ہیں۔کیونکہ وہ تیری عزت ہے۔۔

پھر خیال آیا تیری دوسری قیمتی چیز کا تیری بہن کا۔۔۔سوچا اس سے بدلہ لوں گا۔۔بہت کوشش کی لینے کی۔۔لیا بھی اس کا دل دکھایا۔۔اسے رلایا بھی۔۔مگر خود بھی خوش نہیں رہ پایا۔۔اپنا بدلہ بھول گیا تھا کیونکہ اس کی تجھ میں جان بستی ہے۔اسے دکھ نہیں دے سکتا تھا۔۔

مگر جس دن تجھے بچانے کے اپنے بازو پر گولی کھائی۔۔۔اس دن میں پاگل ہو گیا تھا۔اسفندیار خان جو ایک پٹھان ہے۔۔وہ کیسے اپنے بدلے سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔خون کے بدلے خون ہے۔۔خئی تو پٹھان کے رگوں میں خون کی طرح بستی ہے.

اس رات گاڑی موڑ کر تیری طرف آ رہا تھا۔۔تجھے مارنے کے لیے۔۔۔ مگر احساس ہوا میں تمھیں مار نہیں سکتا۔۔ یہ ہاتھ کبھی تم پر گولی نہیں چلا سکتے۔۔۔ تو میں نے اپنی اس کمزوری پر اس وائلڈ پٹھانی کو سزا نہیں دی تھی۔ خود کو دی تھی۔۔ وہ تو شائد میرے بغیر رہ سکتی ہے مگر میں نہیں۔۔ اسفند اپنے سینے پر انگلیاں پھیرتے کرب سے مسکرایا۔ اس کا چاقو مارنا وہ بھول ہی نہیں پا رہا تھا۔

اس کے ذریعے اپنے بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ خود کو یقین دلاتا رہا اسفندیار خان بزدل نہیں ہے۔۔۔۔

امریکہ سے مجھے مارنے کے لیے ہی تم اپنا پرائیویٹ جیٹ کرو کر آئے ہو بھولو مت۔۔ زاران اس کی بات کاٹتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

سچ کہہ رہا ہوں تمھیں مارنے ہی آیا تھا۔۔اور خدا کی قسم کھاتا ہوں

۔۔۔اب کی بار تمھیں مارتے ہوئے میرے ہاتھ نہیں کانپنے تھے۔۔ایک

ہی وار سے تمہیں مار دیتا۔۔

وہ جنون ہے اسفندیار خان کا۔۔اس پر برستی بارش کی بوند بھی مجھے چبھتی

ہے۔۔وہ خود کو خود چھوے میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔اس پر کسی کا سایہ

بھی برداشت نہیں۔ جس کو میں اس کے بھائیوں کے حصار میں برداشت

نہیں کر سکتا۔۔تو کیسے اسے کسی غیر کی حویلی میں برداشت کر سکتا

ہوں۔اس کے لیے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔اسفندزاران کو

خونخوار نگاہوں سے گھورتے خون اشام درندے کی مانند دھاڑا۔

میں تم سے معافی مانگوں گا بھی نہیں۔۔۔نہ ہی سات مہینے اپنی بہن کے

آنسوؤں کے لیے تمھیں معاف کروں گا۔

۔زاران اسفند پر قہر بار نگاہ ڈالتے پتھریلے لہجے میں بولا۔۔ اسفند اس کی بات پر اسے دیکھتا رخ پلٹ گیا تھا۔

۔زاران کچھ پل اس کی چوڑی پشت کو گھورتا رہا۔۔ پھر وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے گیسٹ ہاؤس سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔ اسفند نے رخ پلٹے بغیر اسے بھاری آواز میں پکارا تھا۔۔ جس میں آنسوؤں کی امیزش بھی شامل تھی۔

زاران کے قدم اس کی آواز میں آنسو محسوس کرتے رکے تھے۔۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف پشت کیے کھڑے تھے. کتنے ہی پل بیت گئے تھے۔۔۔ خاموشی گہری ہوئی تھی

مر گیا تیرے لیے زاران۔۔۔۔۔نام مت لینا آئیندہ سے میرا۔۔زاران نے رخ پلٹے بغیر کہا تھا۔۔پھر وہ تیز تیز قدموں سے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

اسفندیار خان کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔۔اس نے گہرے سانس لیے تھے۔۔ابھی تو اس وائلڈ پٹھانی کے سامنے بھی جانا تھا۔۔جو اس کے لیے وائلڈ کم سفاک زیادہ تھی۔اسفندیار خان نے زخمی سا مسکراتے ہوے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا جھاں اس کا دیا ہوا زخم کافی گہرا تھا۔۔

وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے تیز تیز قدموں سے اپنی جیپ کی طرف بڑھا تھا۔۔

اسفندیار خان اپنے کمرے میں داخل ہوتے تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔ وہ کل سے ڈریسنگ روم میں بند تھی۔ اب تو اس کا سوچ کر اسفندیار خان کی سانسیں رک رہی تھی۔ شہرام کی طلاق والی بات اور عابیر کی بے رخی پر اس وقت اسے اپنے حواص معتل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ جس طرح لاونج میں اس سے بے نیازی اور بے رخی برت رہی تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔۔ عابیر خان نے اس سے محبت نہیں عشق کا دعوا کیا تھا۔۔ پھر وہ کیسے اتنی سفاک ہو سکتی تھی؟؟۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے کوئی جذبہ نہ رہے۔ اس نے تو کبھی عابیر کے لیے خود سے بھی عشق تو دور محبت کا دعوا بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے جذبوں کو وہ ہمیشہ ہمیشہ تھپک تھپک کر سلا دیتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اسے ایک پل کے لیے نہیں بھلا سکا تھا۔ عشق

میں دیوانی تو وہ تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عشق کا دعوا تو اس نے کیا تھا۔۔ وہ اب جیسے اس کے لیے انجان بن چکی تھی۔۔ لیکن وہ عشق کا ورد کرتے کرتے کیسے اتنی سفاک ہو سکتی تھی کہ اس کی آنکھوں میں اسفندیار خان کی پرچھائی تک نہ دکھے۔

اسفندیار خان نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولا تھا۔ ڈریسنگ روم کے اندر قدم رکھتے ہی زمین و آسمان جیسے اس پر گرے تھے.

وہ ڈریسنگ روم کے ٹھنڈے فرش پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔۔ عابیر اسفندیار خان اسے بیتابی سے پکارتا تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ ۔۔ ڈریسنگ روم کا ٹمپریچر انتہائی سرد تھا۔

اور وہ ٹھنڈے فرش پر سکڑی سی بیہوش پڑی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔۔

عابیر۔۔۔ اسفندیار خان نے تڑپتے ہوئے اسے پکارتے اس کے ساکت وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا۔ وہ اسے سفاک کہتا تھا سفاکی تو اس نے دکھائی تھی۔ کل سے اسے ڈریسنگ روم میں بند کیا ہوا تھا۔ ایک بار بھی اس کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔۔

اسفندیار خان اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرے بانہوں میں اٹھائے ڈریسنگ روم سے نکلتا باہر آیا۔ اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے وہ کمرے میں میں لگے سینٹرل ہیٹر کی طرف بڑھا۔ سینٹرل ہیٹر آن کرتے وہ بے تابی سے عابیر

کی طرف بڑھا تھا۔۔اس پر کمبل دیے اس کے گلے سے اس کی شال نرمی سے آزاد کی تھی۔

عابیر۔۔۔۔۔اسفندیار خان نے اس کے گال نرمی سے تھپتپاتے ہوے اسے ایک بار پھر سے پکارا تھا۔۔۔

عابیر میری جان اٹھو۔۔اسفندیار خان نے اس کی ٹھنڈی ہتھیلیاں رب کرتے ہوے اسے دیوانوں کی طرح پکارا۔۔

اسے ایسے دیکھ کر اس کی جان لبوں پر سج رہی تھی۔۔اس کی سرخ و سفید رنگت میں اس وقت صرف سفیدیاں سی تھیں۔ارحام نے ایک جھٹکے سے حور کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔

وہ۔نے اسے پکارتے اس کی گردن کو چھوا جو یخ ٹھنڈی تھی۔اس کا پورا بدن ہی برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

اسفندیار خان جلدی سے اپنی شرٹ اتارتے ہوے اس کے بدن کا حصہ بنا ۔۔کمبل خود پر لپیٹے وہ اپنا پہاڑ جیسا وجود اس پر منتقل کر گیا تھا۔وہ اس کے وجود کا حصہ بنے اپنے گرم بدن سے اس کے ٹھنڈے بدن کو گرمائش پہنچا رہا تھا۔اپنے اور اس کے اوپر وہ کمبل اچھی طرح لپیٹ گیا تھا۔اس کے بدن کا حصہ بنے اسفند کی گرم انگلیاں اس کے خوبصورت نقوش پر سرسرانے لگی تھیں۔وہ بے تابی سے اس کے نقوش پر بہت نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

اسفندیار خان نے تڑپتے ہوئے اپنے سلگتے ہوئے لب دیوانہ وار اس کے خوبصورت نقوش پر رکھے تھے۔ وہ مزید خود پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اسفند کے لب یہاں رکے نہیں تھے۔ عابیر کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کے لب دیوانوں کی طرح اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چھوتے گئے تھے۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کے اس کے نقوش کو اپنے گرم لبوں سے جھلسا رہا تھا۔

وہ اسے خود میں بھینچے اس کے کمر میں ہاتھ ڈالتے تھوڑا سا اوپر کو اٹھا گیا تھا۔۔ اسفندیار خان نے رخ پلٹے اب اس کے نازک بے جان وجود کو اپنے چٹانی سینے پر منتقل کیا تھا۔ عابیر کے بدن کی نازکی کو محسوس کرتے اسے اپنے سینے کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا گیا تھا۔ عابیر کو سینے کے ساتھ لپٹانے کی دیر تھی سلگتے بھٹی کی طرح دہکتے بدن کو راحت ملی تھی۔۔ وہ پچھلے کچھ

دنوں جس آگ میں جھلس رہا تھا۔ اسے اپنے اندر جیسے پھوار سی گرتی محسوس ہوئی تھی۔۔ وہ مزید شدت سے اس کے نازک وجود کو اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

یک عجیب سا سکون اسے اپنی رگوں جاں میں اترتے محسوس ہوا۔ عابیر کے بدن کی خوشبو جو گلاب سی تھی اس کے روم روم کو مہکا گئی تھی۔ عابیر کے بدن سے اٹھتی انوکھی اور جان لیوہ خوشبو سے اسفند کو بن پیے نشہ سا محسوس ہوا۔ اسفندیار خان کی سانسیں یکدم تیز ہوئی تھیں۔ وہ تو اس کے بدن کا دیوانہ تھا۔ اس کے ایک ایک نقش اس کے سنہری بالوں اس کی ہیزل گرے انکھوں کا وہ دیوانہ تھا۔ اس کی وائلڈ سفاک پٹھانی کو ہی نہیں اسے بھی پہلی رات کی قربت کے بعد اس سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ کیسے خود پر ظلم کرتا تھا۔ وہ وہی جانتا تھا۔۔ پہلی رات کی قربت سے جو سکون ملا وہ اسے آج

تک کہیں نہیں ملا تھا۔ زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی جسے چھوا تھا۔ جس کے وجود میں اترا تھا۔ کیسے. عشق نہ ہوتا۔ جس طرح اس نے پہلی رات اس کی شدتیں برداشت کیں۔ اس کے لپٹنے سے اس کی سکیوں سے اس کے تڑپنے سے اسفندیار خان کو عشق ہونا ہی تھا اور ہو گیا تھا۔۔ وہ تو خئی کی اگ میں جلتا رہا اور جلاتا رہا۔ اصل ظلم تو وہ خود پر کرتا تھا۔۔ جس عورت کے لیے وہ اتنا پاگل تھا وہ اسے اس کے بھائیوں کے پاس برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے لیے اس کی محبت دیوانگی کا کیا عالم ہو گا۔۔ حسد ور قابت جلن کا جذبہ اس کے اندر صرف اپنی بیوی کے لیے ہی اٹھتا تھا۔ اتنا دیوانہ تھا وہ اپنی نازک بیوی کا۔

راتوں کو سگریٹ پیتے وہ اس کے بغیر عذاب راتیں گزارتا تھا۔۔ اس کے بدن کی نازکی اس کے ان چھوئی نازک گہرائیاں اسے پاگل کیے رکھتی

تھیں۔۔ان سات مہینے میں وہ پل پل اس کے خوبصورت بدن اس کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو کے لیے تڑپا تھا۔۔جب وہ سو جاتی تھی وہ کتنی کتنی دیر مدھم روشنی میں نظر آتے اس کے وجود کو لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھتا رہتا تھا۔

ہے میری سفاک پٹھانی۔۔۔۔۔مت ستاؤ مجھے۔۔۔

اسفندیار خان اب رخ پلٹے اسے تکیے پر منتقل کر گیا تھا۔عابیر کے لب جو نیلے تھے۔اسفندیار خان کافی دیر تک اس کے نیلے لبوں پر اپنا انگوٹھا رگڑتا رہا۔۔

اسفند اس کے لبوں پر انگوٹھا رگڑتے اسے اپنے بے قرار پیاسے لبوں میں دبا گیا جو اس کے لبوں کا جام پینے کو کب سے تڑپ رہے تھے۔

اس کے لبوں کو وہ کتنی دیر اپنے لبوں میں دبائے اس کی مدھم سانسوں میں اپنی گرم سانسیں انڈیلتے رہا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک بہت نرمی سے اس کی سانسوں میں اپنی گرم سانسیں انڈیل رہا تھا۔۔ وہ اس کے اوپر لیٹا اس کے ٹھنڈے بدن کو اپنے بدن کی حدت سے گرمی پہنچاتے اس کے نیلے لبوں کو اپنی شدت سے قندھاری کر رہا تھا۔

اسفند نے کافی دیر بعد اس کے لبوں کو آزاد کیا اب وہ اس کی شدت پر سرخ ہو رہے تھے۔۔ چہرے کی رنگت میں بھی کچھ کچھ سرخیاں سی گھلی تھیں۔

اسفند نے گہرا سانس لیتے اس کے چہرے میں گھلی سرخیاں دیکھی تھی۔۔ اسفند کے کھردے ہاتھ اس کے فراک کے اندر اس کے نازک بدن پر تھے۔۔ اس کا جسم ابھی بھی ٹھنڈا تھا۔۔ کمرہ اچھا خاصہ گرم ہو چکا تھا۔۔ مگر اس کے بدن کا ٹمپریچر ابھی بھی سرد تھا۔۔

اسفندیار خان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی کمر کی زپ کھولتے ہوے اس کی دودھیا کمر پر اپنا ہاتھ پھیرتے

اپنے گرم بھٹی کی طرح تپتے بدن کو اس کے ٹھنڈے بدن کا حصہ بنایا تھا۔۔

اس کے اتنے قریب آکر اسفند کے بدن میں شعلے سے دہکے تھے۔وہ بکھرے حلیے میں اس کے سامنے تھی۔۔اس کا دو آتشہ بدن اس کی بانہوں میں اس کے سامنے تھا۔۔اسفند کی گہری گرم نگاہیں اس کے کندن سے نشیب و فراز پر تھیں۔جو مدھم سانسوں کی وجہ سے مدھم مدھم ہچکولے بھر رہے تھے۔

اسفندیار خان اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکاتے بیتابی سے اس کی دھڑکنوں پر جھکا۔۔ اب تو اسفندیار خان کو اپنے بدن سے سپارک سا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ اسفندیار خان کے ہاتھ ہر طرح کی بیباکی محسوس کرتے اپنا حق جتاتے اس کی دھڑکنوں کو سختی سے چھو رہے تھے۔۔ اسفندیار خان کی پل میں آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔۔ سات مہینے کے گزرے ان تمام پلوں کی تشنگی اسے اپنے رگ وپے میں سرایت کرتی محسوس ہوئیں۔ جب عابیر کو لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھتے وہ ساری ساری رات اپنے اندر اٹھتے جوانی کے پرزور تقاضوں کو سلاتے سلاتے بے حال ہو جاتا تھا۔۔

عابیر جنون ہو تم میرا۔ تم ہی میری تشنگی تم ہی میری ضرورت۔ تم ہی تم ہی میرا عشق ہو۔۔۔ میں نے تم سے بے انتہا عشق کے باوجود کبھی تم سے اظہار نہیں کیا۔۔ مگر آج میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ تم دیوانگی ہو میری۔۔۔۔ نہ تم

سے پہلے میری زندگی میں کوئی تھا نہ تمھارے آنے کے بعد کوئی میرے زندگی میں آیا۔۔ میں جانتا ہوں جس طرح میں تمھارے لیے شدت پسند ہوں۔۔ تم بھی مجھے لے کر شدت پسند ہو۔۔۔ میں یہ بھی جانتا ہوں تمھاری شدید ناراضگی اور بے رخی کی وجہ دوسری عورت ہے۔۔ جو تمھیں لگتا ہے میں نے تمھارا حق کسی دوسری عورت کو دیا تو یہ غلط ہے عابیر۔۔۔ ان سات ماہ میں میری زندگی میں کسی دوسری عورت کا وجود نہیں تھا۔۔ میں سب تمھیں تڑپانے کے لیے کہتا تھا جب تم دوسری عورت کو لے کر اپنی شدت اپنی پوزیونیس دکھاتی تھی۔۔ تو تمھیں بتادوں میری سفاک ظالم حسینہ مجھے تمھاری یہی شدت خود کے لیے دیوانگی کی حد تک پسند ہے۔ تمھارے اسفند یار خان کو تمھاری دیوانگی تمھارا جنون پسند ہے۔۔۔ اسفند یار خان اس کے چہرے پر اپنے لبوں کی بوچھاڑ کرتا گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ گہرے

سانس لیتا اس سے مزید لپٹا تھا۔۔اس کے اتنے قریب آکر اسفند کے گرم نرم جذبات اس کے اختیار سے باہر ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا. اگر وہ کچھ دیر اور اس سے ایسے لپٹا رہتا تو کوئی بعید نہیں تھا وہ ہر حد سے گزر کر اس میں سما جاتا۔وہ اس کی تھی حق رکھتا تھا اس پر۔جیسے بھی چاہے اپنی بیوی اپنی عابیر سے سکون حاصل کر سکتا تھا۔۔اور اس کا روم روم اس وقت عابیر کے لیے تڑپ بھی رہا تھا۔اسے اتنی ظالم حسینہ کی آجازت کی ضرورت نہ تھی۔نہ وہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

مگر وہ اپنی سات ماہ کی تشنگی ایسے نہیں اتارنا چاہتا تھا۔وہ اسے اس کے ہوش میں رہ کر اسے بتانا چاہتا تھا وہ اس کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔

وہ ایسے اپنی سفاک پٹھانی کو چھونا نہیں نہیں چاہتا تھا ایسے اس کے اندر سمانا نہیں چاہتا تھا۔۔ اسفند یار خان نے اس سے دور ہوتے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔ اس کے سنہری بالوں میں انگلیاں چلاتے اب اس کے بند آنکھوں پر گھنیری پلکوں پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔

ہے مائن گرل۔۔۔۔ تمھیں تو پتہ ہی نہیں اسفند یار خان تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ تم میری روح میں رہتی ہو۔ خون بن کر رگوں میں دوڑتی ہو۔۔ میں تمھیں بتاؤں گا اسفند یار خان عابیر خان سے کتنی شدت سے محبت کرتا ہے۔۔ اسفند نے بھاری آواز میں کہتے اس کی چھوٹی سی تیکھی ناک پر اپنے لب رکھے تھے۔ وہ اب اس کے پیروں کی طرف بڑھا۔۔ کمبل ہٹاتے اسفند نے اس کے سفید نرم ملائم پاؤں کو بہت نرمی سے انگلیوں سے سہلاتے اس کے پاؤں کے تلوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔ اسفند یار

خان بہت نرمی سے اس کے پیروں کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا جتنی محبت جتنا عشق وہ عابیر خان سے کرتا تھا اس نے کبھی اپنے عشق کا ایک پرسنٹ بھی عابیر پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا جس دن اس نے اس پر اپنے عشق کا وہ ون پرسنٹ بھی اپنی ظالم بیوی پر شو کر دیا وہ اس کی شدتیں اس کا جنون سہن نہیں کر پائے گی۔۔ اسفند اب اس کے پیروں کے پاس بیٹھا اس کے پیروں کو بہت نرمی سے اپنے ہاتھوں سے رب کرتے ہوئے گرمائش پہنچا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اس کے پیروں کو رب کرتا تھا۔ اسفند کے گرم ہاتھوں نے اس کے ٹراوزر کے اندر سے اس کی پنڈلیوں کو چھوا۔۔ اس کا بدن اب گرم ہو چکا تھا۔ مگر اس کے بے جان وجود میں ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ اسفند اب اس کے قریب بیڈ پر بیٹھا۔ اس کی پیشانی کو چھوا جو نارمل تھی۔ چہرہ پر نیلاہٹ کی جگہ سرخی تھی۔۔ گرم کمرہ گرم کمبل کی وجہ سے

اس کا بدن نارمل تھا۔ لیکن ابھی تک اس کے بے جان وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ اسے ایسے بے سود پڑا دیکھ کر اسفندیار خان کی جان لبوں پر سجی تھی۔ جسم کو گرمی ملنے کے بعد اسے ہوش میں آجانا چاہیے تھا۔ مگر وہ ابھی تک ہوش میں کیوں نہیں آرہی تھی۔ اسے ایسے بے جان دیکھ کر اسفندیار خان کی دھڑکنیں سست پڑنے لگی تھی۔۔ اسفندیار خان نے اس کے کندھوں سے شرٹ اوپر کرتے اس کے کمر کی زپ بند کی تھی۔۔ اپنی شرٹ بیڈ سے اٹھا کر پہنی تھی۔

ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے الماری سے عابیر کی گرم بڑی سی چادر نکالی تھی۔ اس کے گرد اچھی طرح لپیٹتے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھایا۔ وہ اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھرتے کمرے سے نکلتے نیچے سیڑھیوں سے اترتا لاونج میں آیا جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے لیے باہر کار پورچ

کی طرف بڑھا۔۔ اپنی گاڑی میں عابیر کو بہت نرمی سے اگلی سیٹ پر ڈالتے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

ارحام خان اس وقت آف وائٹ پینٹ میں ملبوس تھا۔ گھنے سیاہ ہلکے نم بالوں میں پانی ٹپکتا اس کے ورزشی کسرتی برہنہ چٹانی سینے پر پھسل رہا تھا۔۔ ارحام نے ٹاول سے اپنے بالوں کو خشک کرتے ٹاول بیڈ پر اچھالا تھا۔ بیڈ پر پڑی آف وائٹ شرٹ پہنتے ہوے مرر میں دیکھتے اپنی شرٹ کے بٹن بند کیے تھے۔۔ بیڈ پر پڑی بیلٹ اٹھا کر اسے پہنتے ہوے اس نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے اندر پنپتے جذبوں اور ضرورتوں پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔۔ اس دشمن جاں کی طلب پھن پھیلائے ناگ کی طرح اس کے اندر

اینٹھن کی طرح سمائے ہوے تھی۔ آنکھوں کی رنگت اس وقت شدید سرخ تھی۔ دو دن سے وہ ایک پل کے لیے سو نہیں پایا تھا۔ حور اس کے جذبوں کا اس کا اس طرح مذاق بنائے گی وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

ارحام خان نے اپنی گھنی بئیرڈ پر اظطرابی انداز میں جھنجھلاتے ہوے ہاتھ پھیرا۔۔ دو دن پہلے میٹنگ حور سلطان شاہ کی طرف سے کینسل کر دی تھی۔ وہ اس دن جب کمپنی پہنچا تو اسے بتایا گیا یہ میٹنگ نہیں ہو گی۔ ارحام خان نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔۔ آنکھوں کی رنگت لمحوں میں سرخ ہوئی تھی۔ وہ اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے کافی دیر تک میٹنگ روم میں بیٹھا رہا تھا۔ اسے لمحوں میں سمجھ اگیا تھا۔۔ اس کی بیوی اس کے ظبط کو آزما رہی تھی۔۔ اس تک ہر خبر نادانستہ طور پر حور کی طرف سے پہنچائی گئی

تھی۔ ورنہ اس کی میٹنگ حور کے ساتھ ہے۔ اگر حور نہ چاہتی بات کبھی اسے پتہ نہ چلتا۔۔ اب عین وقت پر میٹنگ کینسل کر کے صرف اس کے ظبط کو آزمایا گیا ہے۔ اس وقت بھی ارحام کی نظریں میٹنگ روم میں لگے کیمروں ہی تھیں۔۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ان کیمروں کو دیکھے گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی بیوی ان کیمروں کے تھرو اسے دیکھ رہی ہے۔ ارحام خان ان کیمروں کو دیکھتے اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں کر پایا تھا جو شدید سرخی کی صورت میں اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حور خانزادہ کے بارے میں وہ ایسا ہی تھا۔ وہ تیس سال کا مرد تھا

گر اپنی بیوی کے معاملے میں ایسا ہی تھا۔۔ اپنے جذبوں پر اختیار نہ رکھنے والا ۔۔ وہ کتنی شدت سے اپنی بیوی سے عشق کرتا تھا کہ وہ سرخی بن کر اس کی

آنکھوں میں دوڑنے لگتی تھی۔ سات مہینے بعد وہ اس کے چہرے کو دیکھنے کی آس لے کر اس میٹنگ روم میں پہنچا تھا۔ جہاں اسے بتایا گیا یہ میٹنگ نہیں ہو گی۔ وہ تو جیسے پاگل ہوا تھا۔ دماغ کی نسیں پھٹنے کے قریب ہوئی تھیں۔۔ پورے وجود کی رگیں طیش اوالم اور ظبط کے کڑے مراحل سے گزرتے پل میں ظاہر ہوئی تھیں۔

ارحام کچھ پل کیمروں کو سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارتے ہوئے اسی لمحے اس میٹنگ روم سے نکل آیا تھا۔ یہ دو دن اس نے کیسے گزارے تھے۔ وہ وہی جانتا تھا وہ حور کے پیچھے نہیں گیا تھا۔ نہ سلطان شاہ کے گیٹ پر رات گزاری تھی۔ اپنے فلیٹ پر دو دن جاگتے ہوئے سگریٹ پھونکتے ہوئے گزاری تھی۔۔ حور خانزادہ کو لے کر وہ اتنا ہی پاگل تھا۔ سات مہینوں سے وہ ایک آبلہ پائی کا سفر طے کر رہا تھا۔ سات

مہینوں سے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اور ارحام خانزادہ پر کیا بیتتی تھی وہ وہی جانتا تھا۔ جس نازک وجود کو چھوے بغیر اس میں سمائے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ حویلی میں گزرے چھ ماہ میں اسے ہر لمحہ اپنے بدن کا حصہ بنائے رہتا تھا۔ وہ اسے نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ اس کے روم روم میں نشے کی طرح رچ بس گئی تھی۔ عشق تو بہت بعد میں ہوا تھا۔ پہلے تو اس کا ایڈکٹ بنی تھی۔ اور وہ اس کا عادی۔۔ جیسے کسی نشے کے عادی مجرم کو بروقت نشہ نہ ملے تو وہ مرنے لگتا ہے۔ اس کے لیے اس کی بیوی بھی ایسے ہی تھی۔ مگر وہ ان چھ ماہ میں اسے جب وہ چاہیے ہوتی تھی۔۔ وہ اس کی بانہوں میں ہوتی تھی۔ جب وہ چاہے وہ اسے میسر ہوتی تھی۔۔ اس کی فرمانبردار بیوی اس کی بانہوں میں خود کو اسی لمحے ایک اشارے پر سونپ دیتی تھی۔ وہ کتنی ہی شدتیں نچھاور کرے۔۔ کچھ بھی کرے وہ کبھی اسے خود سے دور جھٹکتی تک نہ تھی۔ اسے

سہنا اسان نہ تھا وہ ٹوٹ کر بکھرتے اور بے تحاشا آنسو بہاتے ہوے بھی اس کی بانہوں میں ہی سماتی تھی۔۔ تو پھر اسے ایسی عورت سے عشق کیسے نہ ہوتا۔؟؟؟ عشق ہونے کے بعد تو وہ اس کے لیے مزید پاگل ہو گیا تھا۔ وہ ساری ساری رات سارا سارا دن اسے اپنی پانہوں میں بھرتے اس کے خوبصورت بدن پر سلگتے لب رکھ کر انھیں دہکاتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کی آنکھوں میں بہت بار مغروریت دیکھی تھی۔ وہ اس سے ڈرتی تھی۔ بے تحاشا ڈرتی تھی۔ اس کی شدتیں نہیں سہہ سکتی تھی۔ مگر اس کے معصوم سے نازک اندام اور اس کی کرسٹل گہری شفاف براؤن آنکھوں میں مغرویت دیکھ کر سمجھ چکا تھا۔ وہ اپنی اہمیت سے بخوبی واقف ہو چکی ہے۔ وہ اس لمحے اس کے لیے پاگل ہو جاتا تھا۔ اٹھارہ سال کی کم عمر امیچور لڑکی ایک تیس سال کے مرد کی کمزوری سے واقف ہو چکی تھی وہ کیا معنی رکھتی ہے اس کے

لیے۔۔اور اب سات مہینوں سے اسے چھوا نہیں تھا۔وہ اکثر کچھ لمحوں میں مرنے والا ہو جاتا تھا۔جب اس کی طلب حد سے زیادہ اس کے اندر جاگتی تھی۔وہ ان مردوں میں سے تھا جو عورت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔اور اس کی طلب اس کی پیاس ایک عام عورت تھی ہی نہیں اس کی حور تھی جو پیاس بن کر اس کے لبوں پر رہتی تھی۔ضرورت بن کر اس کے نسوں میں دوڑتی تھی۔طلب بن کر اس کے رگوں وپے میں بہتی تھی۔وہ مرد جو عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔وہ اتنی خاص عورت کے بغیر کیسے رہتا تھا وہ وہی جانتا تھا۔اپنی بیوی سے عشق کی انتہا یہ تھی اسے صرف وہی چاہیے تھی۔۔کوئی دوسری عورت اس کے سامنے بنا کپڑوں کے بھی آجاتی وہ اسے دیکھنا بھی پسند نہ کرتا۔ساری عمر اس کے لیے تڑپتے ہوے گزار سکتا تھا۔۔کبھی کسی

دوسری عورت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی بیوی سے وہ اتنی شدت سے عشق کرتا تھا۔

وہ اپنا کوٹ پہنتے ہوے مرر میں خود کو دیکھتا اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا جن کی سرخی پر وہ بہت حد تک قابو پا چکا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا۔

ارحام سلطان شاہ کی بہت بڑی عالیشان کمپنی میں داخل ہوا تھا۔ سلطان شاہ کی اسلام آباد میں کتنی ہی کمپنیاں تھیں۔ یہ کمپنی بھی سلطان شاہ کی تھی اسے کچھ دن پہلے معلوم نہ تھا۔

ارحام اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اظطرابی انداز میں آفس کی طرف بڑھا تھا کہ ریسیپشسنٹ پر موجود حور کی سیکرٹری اس کی طرف بڑھی تھی۔

سر آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔ میم آپ کا اندر انتظار کر رہی۔ آیئے سر۔۔۔۔وہ شائستگی سے کہتے اگے بڑھی تھی۔ ارحام اپنی گھنی بئرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے اس کی ہمراہی میں آگے بڑھا توہ دروازہ ناک کر کے اس کے ساتھ ہی آفس کے اندر داخل ہوئی۔۔

آفس کے اندر داخل ہونے پر ارحام کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔ دھڑکنیں جیسے رک گئی تھیں۔ وہ سامنے ہی چیئر پر بیٹھی تھی۔ سیاہ لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ اسے دیکھتے مسکراتے ہوے چیئر سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

سات ماہ بعد وہ اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے خوبصورت سلکی بالوں کا جن کا وہ دیوانہ تھا۔ اس کے خوبصورت بدن کا جس کا پیاسا تھا۔۔۔ جس کا وہ عاشق تھا۔ وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ بلیک سٹائلش سے ٹراوزر پر بے حد سٹائلش سی بلیک بے انتہا شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس کی آستین فل سلیوز میں تھیں۔ مگر شرٹ کا اگلا گلہ انتہائی ڈیپ تھا۔ اور باریک سٹائلش شرٹ سے اس کا دودھیا بدن پوری طرح اپنی رعنائیاں بکھیر رہا تھا۔ اپنے سلکی براؤن بالوں کو اس نے نیچے سے لائٹ کرل کیے ہوئے تھے۔ جن کی لینتھ کمر سے تھوڑی اوپر تھی۔ لائٹ سا پنک لپ گلوز لگائے۔ کانوں میں چھوٹے سے ٹاپس پہنے ہوئے تھی۔ گردن میں نازک سی چین پہنے ہوئے تھی۔۔ وہ کچھ ہی پلوں میں اس کا بہت باریک بینی اور بے حد گہرائی سے اس کا مکمل معائینہ کر چکا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی دھڑکنوں کے انتشار پر قابو پاتے اپنے معتل ہوتے حواص پر قابو پایا تھا۔ آنکھوں کی رنگت جس کی سرخی پر قابو پا رہا تھا وہ پل میں سرخ ہوئیں تھیں۔

ارحام کی بے قرار نگاہوں کا رخ اس کے بالوں پر تھا جو اس نے اچھے خاصے چھوٹے کروائے تھے۔ جو بال کمر سے نیچے آتے تھے۔ اب وہ اس کی کمر سے کافی اونچے اس کے ایک سائیڈ شانے پر پڑے تھے۔ ارحام نے خود پر قابو پاتے انگلیوں سے اپنی ہیلکی گھنی بئیرڈ سہلائی تھی۔ اس کے چھوٹے بال بری طرح چبھے تھے۔۔ ارحام گہرے سانس لیتا خود پر قابو پا رہا تھا۔ وہ اتنی ماڈ ڈریسنگ میں برداشت نہیں ہوئی تھی۔

۔اس کے شولڈر کے پاس تل بھی چمکتا اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا۔

حور چیئر سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے کانفیڈنٹ سے اسے دیکھ رہی تھی.

ارحام کی تڑپ کا جیسے وہ مزہ لے رہی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

ارحام نے اس کے ایکشن دیکھتے اپنے جبڑے بھینچے خود پر قابو پایا تھا۔۔ آج سے سات ماہ پہلے ساڑھی میں ملبوس جب وہ ہوٹل میں ملنے آئی تھی۔ اس کے تب بھی کم و بیش یہی تاثرات تھے۔ تب وہ بھی وہ اس چیپ سی ساڑھی میں اسے دیکھتے ایسے ہی مسکرا رہی تھی۔ وہ اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ جیسے وہ آج اسے دیکھتے اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ آج وہ اس سے کیا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔۔ آج تو اس کی ہر ادا نرالی تھی۔ وہ جتنی ماڈ اور سٹائلش تھی یہ اس کی ڈریسنگ سینس سے بخوبی عیاں تھا۔ اس نے اپنے کندھوں اور دھڑکنوں پر لائٹ سا گلیٹر گولڈن مساج کیا ہوا تھا۔ ارحام نے بے چینی سے

اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے اپنی بیلٹ ٹھیک کی تھی۔۔ جسے دیکھ کر حور گہرا مسکرائی تھی۔ پاس کھڑی سیکرٹری حیران پریشان نظروں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

حور سلطان شاہ جو پردہ کرتی تھی۔ جو باہر سے بہت بڑی چادر میں خود کو لپیٹ کر آئی تھی۔ جس میں اس نے اپنا چہرہ بھی چھپایا ہوا تھا۔ اس کمرے میں کسی گارڈ کسی میل ایمپلائے کو آنے کی آجازت نہ تھی۔ وہ ایک غیر مرد کے سامنے اس طرح کے حلیے میں بیٹھی گہرا مسکرا رہی تھی۔

سیکرٹری نے تعجب سے اب ارحام کو دیکھا تھا۔ جو سٹل کھڑا بہت گہرائی سے سرخ آنکھوں سے بہت استحقاق سے حور کو دیکھ رہا تھا۔

جی مسٹر خان۔۔۔ آج وہیں پر کھڑا رہنے کا آرادہ ہے۔۔ آئی تھنک آپ میٹنگ اٹینڈ کرنے آئے ہیں۔ حور کرسی پر سیدھا ہوتے ٹیبل پر ہاتھ رکھتے بولی تھی۔

اس کی گہرائیاں مزید واضح ہوئی تھیں۔ جنھیں دیکھتے ارحام کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔

حور کے سامنے کھڑی سیکرٹری نے اب ناپسندیدہ نگاہیں حور پر گاڑھیں جو ایک غیر مرد کے سامنے ایسے بے باکی سے بیٹھی تھی۔۔

اور سامنے کھڑا غیر مرد بھی اپنے سامنے بیٹھی حسینہ پر جیسے بری طرح گھائل ہو چکا تھا۔ جو اس کے ماتھے پر چمکتے پسینے اور اس کے پتھرائے وجود سے بخوبی عیاں تھا کہ وہ کیسے پاگل ہو گیا ہے۔

سیکرٹری نے گہرا سانس لیتے ارحام کی خوبرو طلسماتی پرسینلٹی کو دیکھا تھا ۔۔وہ جتنی مرضی طلسماتی پرسینلٹی رکھتا ہو مگر سامنے بیٹھی کم عمر دوشیزہ کا حسن بھڑکتا اگ کا گولہ تھا۔۔جو کسی بھی عابد و زاہد کا ایمان پل میں ڈگمگا سکتا تھا۔وہ تو پھر ایک عام سا انسان تھا۔ جس کے پاس شائد صرف اس کی پرسنیلٹی ہی تھی۔۔ کردار تو شائد تھا ہی نہیں۔۔ تبھی تو وہ ایک خوبصورت حسینہ کو دیکھ کر اپنے حواص کھو بیٹھا تھا۔ سیکرٹری نے ایک بار پھر سے گہرا سانس لیا تھا۔ اسے اب اس میں ارحام کا کوئی قصور نہیں لگا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی بلا کی خوبصورت تھی اور جس طرح اس نے اپنی خوبصورتی کو انہانس کر رکھا تھا۔ عورت ہو کر اس کی نظریں اس کے خوبصورت چست فگر پر جا ٹھہرتی تھیں۔ اللہ نے اسے بھرپور ناز کی عطا کی ہوئی تھی۔ اس کے نقوش تو

تھے ہی خوبصورت مگر کندن سے نشیب و فراز تو پانی میں جیسے آگ بھڑکانے کے مترادف تھے۔

Sir have a seat

۔سیکرٹری نے ترحم امیز نگاہیں ارحام پر ڈالیں جو پیاسی نگاہوں سے سامنے بیٹھی عورت کو دیوانگی سے دیکھ رہا تھا۔

سیکرٹری کی آواز پر ارحام نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے اپنے معتل ہوتے حواصوں پر قابو پایا تھا۔وہ اپنی بیوی کو دیکھ کر جان سے تو گیا ہی تھا۔اسے ایسے دیکھ کر اس کے دماغ کی رگیں بھی اشتعال کے مارے پھڑکیں تھیں۔وہ اسے ایسے کسی عورت کے سامنے بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔وہ اپنا دوپٹہ بھی کسی عورت کے سامنے اتارے اسے گوارانہ تھا۔وہ

اس طرح کے حلیے میں اپنی سیکرٹری کے سامنے تھی۔اس کے بالوں کی لینتھ دیکھ کر بھی وہ اپنے اندر بھڑکتی اگ پر بمشکل قابو پائے ہوے تھا۔

ارحام خان اپنے اندر اٹھتے اظطراب بے چینی اشتعال پر قابو پاتے نظریں بنچ اپنی پچھلی گردن ہاتھ سے رب کی۔۔

اوکے مس یو گو ناؤ۔۔۔مجھے آپ کی اور اپنی میم مس حور سلطان شاہ سے اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں میٹنگ کرنی ہے۔ارحام کے لبوں سے حور سلطان سن کر حور کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹی تھی۔جسے ارحام کی

زیرک نظروں نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ اپنی بیوی کے چہرے پر غصہ اشتعال دیکھ کر وہ اب گہرا مسکرایا تھا۔

اس کے خوبصورت نقوش کے بگڑے زاویوں کو دیکھ کر ارحام خانزادہ کو بخوبی اندازہ ہوا تھا۔۔ حور خانزادہ کو اب اپنے شوہر کے لبوں سے حور سلطان شاہ سننا بھی گوارانہ تھا۔ ارحام پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے اپنے بھاری قدموں کی رفتار سے حور کی طرف بڑھا۔ حور نے کرسی سے ٹیک لگائے شعلہ بار نگاہیں ارحام پر گاڑھیں جو اس کے قریب کھڑا اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ویسے مجھے آپ کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ میں چاہوں گا آپ اپنی میم کو گائیڈ کریں کیونکہ میڈیکل کی سٹوڈنٹ کو کہاں ان پیچیدہ

اکاؤنٹس اور ڈفیکلٹیز کا پتہ۔۔۔ ارحام نے جھک کر ٹیبل سے پن اٹھاتے اس کے نیشیب فراز کی گہرائیوں پر چلایا تھا۔۔

ارحام کی حرکت پر حور کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہوئی تھی۔ کان کی لوؤں سے لے کر وہ گردن تک سرخ پڑی تھی۔ ارحام کی بے باک حرکت پر اس کی نظریں نہ چاہتے ہوے جھک گئی تھیں۔ پلکوں کی جھالر عارض پر سجدہ ریز ہوئیں۔

سانسیں سینے میں اٹکی تھیں جیسے۔۔۔ وہ سیکرٹری کے سامنے ایسی حرکت کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ کبھی بھی کسی کے سامنے ایسی حرکت نہیں کر سکتا تھا وہ کسی کے سامنے اسے ایسے چھوتا نہیں تھا۔۔ اس نے سات مہینے بعد اسے اتنی بے باکی سے چھوا تھا۔ حور کا دل پہلو میں دھڑکا تھا۔ عارض تپتا کندن بنے تھے۔

اب وہ بہت گہری نگاہوں سے بہت بے باکی سے اس کے نشیب و فراز پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔ وہ اس کی نظروں کی تپش اپنے نشیب و فربز پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی جھلساتی سانسیں تک اس کے نشیپ و فراز کو دہکا رہی تھیں۔

ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے حور کی جھکی نگاہوں اور گہری ہوتی سانسوں کو دیکھا تھا۔۔۔

سیکرٹری فق رنگت سے ارحام اور حور کو دیکھ رہی تھی۔ ارحام کی حرکت پر حور سے زیادہ اس کی رنگت سرخ قند ھاری ہوئی تھی۔ ارحام کیسے اس

طرح کسی غیر عورت سے بے باک حرکت کر سکتا تھا؟؟ اور سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی حور سلطان شاہ کیسے اپنے سامنے کھڑے مرد کی شرمسار حرکت برداشت کر سکتی تھی۔ ابھی بھی ایک غیر مرد بڑے حق سے اس کی میم حور سلطان شاہ پر اپنی بے باک نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔ سیکرٹری تو غش کھانے کو تھی جیسے۔۔ اس نے جلدی سے دیوار کا سہارا لیا ورنہ وہ گر جاتی۔۔

کیا ہوا یہ نظریں کیوں جھک گئی ہیں؟؟۔ ابھی تو میں نے کچھ کیا بھی نہیں۔ جب میرے گرم ہاتھ تمھاری دھڑکنوں کو سختی سے چھوتے تھے تو تب تم مرنے والی ہو جاتی تھی۔ میرے سلگتے لبوں اور دانتوں کی شدت برداشت کرتے تڑپنے لگتی تھی تم۔ کیا چاہتی ہو تمھاری سیکرٹری کے سامنے ہی وہ سب کچھ کروں جس کی وجہ سے تم میرے پاس واپس آنا نہیں

چاہتی؟؟۔۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے دیوانوں کی طرح اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھا۔

حور نے اس کی بے باک باتوں پر اپنا غصہ دباتے اسے گھورا۔

بے فکر رہو ایسا ویسا کچھ نہیں کروں گا۔مجھے صبر آگیا ہے۔ایک دیوانے پاگل شوہر کو سمجھو کچھ دنوں سے راحت مل چکی ہے۔۔ تمھاری اتنی تیاری برباد گئی۔۔ارحام نے جھکتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

میں آپ کے پاس کیوں واپس نہیں آنا نہیں چاہتی آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ حور نے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے پیپر ویٹ کو اپنی مٹھی میں دبوچا تھا۔

ارحام کی نظریں اس کے مٹھی میں دبوچے پیرویٹ سے ہوتے حور کی سرخی چھلکاتی آنکھوں پر جا ٹھہریں تھیں۔

تم مجھے برداشت نہیں کر سکتی اس لیے تم میرے پاس واپس نہیں آنا چاہتی.

۔۔ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے اسے مزید سلگایا تھا۔

اور میں کبھی آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گی۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ حور دبے انداز میں غرائی تھی۔

بلکل میم میں آپ کے اس فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے ایسی کوئی چاہ بھی نہیں۔۔ مجھ میں صبر آگیا ہے۔ عورت کے بغیر رہنا میں نے سیکھ لیا ہے۔ مگر پریذے اپنی مما کو بہت یاد کرتی ہے۔ اس کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا۔ ارحام نے اس کی سرخی چھلکاتی آنکھوں میں دیکھتے لب دانتوں تلے دباتے کہا۔

اس بات پر اس کے پیپر ویٹ پر ہاتھ مضبوط ہوے تھے۔

ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ پر قابو پائے ہوے تھا۔ جہاں آگ کے شرارے پھوٹی تھے۔

وہ آخر اتنا کیوں سلگ رہی تھی؟؟۔ وہ سمجھتے ہوے بھی جیسے نہ سمجھا تھا۔ وہ اسے لے کر اتنی بھی پوزیسو نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کی بات میں چھپا معنی نہ سمجھتی۔۔ پریذے کی مما وہ خود تھی مگر اس کی گہری ہوتی سانسوں اور

آنکھوں میں بڑھتے شعلوں سے اندازہ ہو رہا تھا وہ گل کو پریذے کی مما سمجھ رہی ہے۔

سیکرٹری ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی انکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھے۔ ارحام کے لب حور کے گلابی لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔

ارحام سرعت سے حور کے کٹاؤ دار گلابی لبوں کو دیکھتے پیچھے ہوے تھا۔ حلق میں کانٹے سے چبھے تھے۔ اس کے بدن کی کستوری خوشبو کو ارحام نے گہرا سانس لے کر اپنے اندر اتارا تھا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا اس کی بیوی کے بدن کی خوشبو اس کی سانسوں میں گھلی تھی اور سات ماہ بعد خدا نے ان خوبصورت نقوش کو دیکھنا ایک بار پھر اس کا مقدر ٹھہرا دیا تھا۔۔۔ ان سات مہینوں میں اگر اس نے ان نقوش کو نہیں دیکھا تھا تو کسی اور مرد نے بھی

نہیں دیکھا تھا۔۔۔اس کی بیوی کی ہر چیز صرف اس کی تھی۔۔ارحام نے نامحسوس انداز میں اس کی کمر پر بکھرے بالوں کو چھوا۔ان بالوں کو چھوے بغیر وہ کیسے رہ سکتا تھا بھلا؟؟۔اس کی انگلیوں نے نامحسوس انداز میں اس کے سلکی بالوں کی نرماہٹوں کو چھوا تو ارحام کو رگ وجاں میں سکون سا اترتا محسوس ہوا۔

کیا نام ہے مس آپ کا؟؟۔۔ارحام نے سیدھے ہوتے سکیرٹری سے پوچھا۔

عائش۔۔۔۔۔عائشہ۔۔۔وہ اٹکتے ہوے بمشکل بولی تھی۔

مس عائشہ۔۔۔۔۔۔آپ جاسکتی ہیں۔مجھے اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ کچھ رومانٹک وقت گزارانا ہے۔ارحام کی بات پر اس کی آنکھیں باہر کو ابلی تھیں۔

کیا ہوا آپ حیران کیوں ہو رہی ہیں؟؟

She is my wife .

آپ کو ان کی یہ تیاری دیکھ کر آ اندازہ نہیں ہوا ایک بیوی ہی اپنے شوہر کے لیے ایسا تیار ہو سکتی ہیں۔ ارحام نے حور پر گہری نگاہ ڈالتے کہا جواب بے رخی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔

اور مجھے دیکھ کر تو آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔ ایک شوہر ہی اپنی بیوی کو ایسے دیوانوں کی طرح دیکھ سکتا ہے۔ اور میں دیوانہ پاگل شوہر ہوں جو اپنی بیوی سے دیوانوں کی طرح محبت کرتا ہے۔ ویسے میری خوبصورت لٹل وائف میری س کمزوری سے بخوبی واقف ہیں۔ بہت بار اپنی دیوانگی ان کے لیے جتا چکا ہوں۔ انھیں مجھے تڑپانا بھی خوب آتا ہے۔۔ ارحام نے حور پر

گہری نگاہ ڈالتے بھاری آواز میں کہا۔ حور نے ایک بار پھر سے اسے شلعہ بار نگاہوں سے دیکھا تھا۔۔

سیکرٹری ابھی بھی ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھیو۔

اب آپ جاسکتی ہیں مس عائشہ۔۔۔۔ہوپ ہمیں کوئی بھی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ ارحام نے اب کی بار سنجیدگی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

ارحام نے گہری اور بے باک نظر حور پر ڈالی جو اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کی ادائیں اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں کو دیکھتے سرد سانس کھینچ گیا تھا۔ اس کے دیکھنے کے انداز سے ہی وہ بری طرح گھائل ہو رہا تھا۔ یہ

کرسٹل براؤن آنکھیں جو کبھی اس کے ڈر سے جھکتی تھیں۔ آج بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھیں۔ ارحام جھک کر پھر اس کے قریب ہوا تھا۔۔

ائی ایم سوری میم آپ کی سیکرٹری پر نہ چاہتے ہوے بھی مجھے ہمارا رشتہ واضح کرنا پڑا۔۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ آپ کے کردار کے متعلق کوئی بھی بری بات سوچے۔۔ آپ کو اس قسم کی بیہودہ ڈریسنگ میں دیکھتے یقیناً وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہو گی۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے گہری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

یہ میری لائف ہے۔مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کوئی کچھ بھی سوچے میں سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان شاہ ہوں۔۔۔مجھے کسی کی چھوٹی ذہنیت اور سک مینٹلی سے کوئی فرق نہیں پڑتا.

Who cares??

حور نے ارحام کی آنکھوں میں استھزائیہ انداز میں دیکھتے مسکراتے ہوے لب سکوڑتے ارحام کو آگ لگائی تھی۔جو تب سے اپنی باتوں سے اس کا دل جلا رہا تھا۔

حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

اس کا خود کو حور سلطان شاہ کہنا ٹھاہ کر کے دل پر لگا تھا۔۔ وہ حور سلطان شاہ کہلوانا خود کو پسند کرتی تھی۔ مگر اسے اس کے نام کے ساتھ بھی کسی کا نام گوارا نہ تھا اور یہ بات مقابل کے لبوں سے سن کر زیادہ تکلیف دیتی تھی۔۔

تمھیں فرق نہ پڑتا ہو مگر مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ کوئی تمھارے متعلق کچھ بھی غلط کہے۔ یقین مانو میری سانسیں رک سکتی ہیں۔ حور خانزادہ کی عزت مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔۔ ارحام نے اس کی انکھوں میں دیکھتے حور خانزادہ پر زور دیا تھا۔۔ حور اس کی بات پر نظریں چرا گئی تھی۔

شروع کرتے ہیں میم میٹنگ۔۔۔ جس کے لیے آج کی یہ مینٹنگ ڈن ہوئی ہے۔ ارحام کہتے ہوے اس سے سے دور ہوتے اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھا۔

آئی ایم سوری دو دن پہلے مجھے میٹنگ کینسل کرنی پڑی آپ کو برا تو بہت لگا ہو گا۔ مگر۔ مجھے آچانک سے یاد آیا تھا کہ میری سیلون میں اپوائٹمنٹ ہے ۔مجھے اپنے بالوں کی کٹنگ کروانی تھی۔ آپ تو جانتے ہیں میرے بال کمر سے نیچے آتے تھے۔ میں نے ان کی لینتھ کم کروائی ہے۔ اور میری فرینڈز کہہ رہی تھیں مجھے پر یہ کٹنگ بہت سوٹ کر رہی ہے۔ حور نے اپنے سارے بال کمر سے اپنے ایک شانے پر کرتے لب پھیلائے کہا تھا۔

ہاں مجھے برا تو بہت لگا تھا کیونکہ میرے نزدیک سنسیرٹی بہت معنی رکھتی ہے۔ چاہے پروفیشنلزم میں ہو یا پھر رشتے میں ہو۔۔ میں ایک سنسیر بندہ ہوں۔ اس لیے اس دن مجھے بہت برا لگا تھا جب آپ کی طرف سے میٹنگ کینسل ہوئی۔۔ مگر اٹس اوکے میں اسی رات سوات چلا گیا تھا۔ ارحام نے حور کے بالوں کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

وہ نہ بھی بتاتی اسے پتہ چل گیا تھا اس نے اپنے بال چھوٹے کروائے ہیں۔ اور اس اس بات نے بہت تکلیف بھی پہنچائی تھی۔۔ وہ ابھی بھی اپنی سرد نگاہیں اس کے بالوں پر گاڑھے ہوے تھا جن میں اس کی جان بستی تھی۔

آج کل آپ کے سوات کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے۔ حور نے اپنے سامنے پڑی فائل کو دیکھتے بظاہر ادائے بے نیازی سے پوچھا۔ مگر اس کے سوات کے جانے کا سن کر اس کے اندر آگ سی بھڑکی تھی۔۔

سوات میرے لیے میری جنت ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں پہاڑ دریا۔۔ جو بات سوات میں ہے وہ یہاں شہر میں کہاں۔۔ سمجھیں سوات میں میری جان بستی ہے۔۔

ارحام۔ نے اس کے بالوں کو اپنی سرد نظروں کے حصار میں رکھتے کہا اس نے اچھی خاصی لینتھ چھوٹی کروائی تھی۔

وہ سلگتا کوئلہ ہو رہا ہے۔اس نے اپنی بیوقوف کم عمر بیوی کو سلگاتے بدلہ لیا تھا

یعنی کہ گل۔۔۔۔ حور نے زیر لب لفظ ادا کرتے دانت پیستے فائل ٹیبل پر غصے سے پٹخی تھی۔

حور کے لبوں کی جنبش کو بغور دیکھتے ارحام نے محظوظ ہوتے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔اسے جلتے دیکھتے رگ وپے میں سکون کی لہر سی دوڑی تھی.

میٹنگ شروع کریں میم۔۔۔ ارحام نے کہتے چیئر سے ٹیک لگائی۔۔۔وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔

وہ شعلہ جوالہ بنی بیٹھی تھی اس کے سامنے۔۔سات ماہ بعد اس کے خوبصورت چہرے اور اس کے خوبصورت بدن کو دیکھا تھا۔۔وہ ایک

کمرے میں اس کے ساتھ ہو اسے اس کی طلب نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا۔ اس کا انگ انگ اسے اپنی بانہوں میں لینے کو تڑپ رہا تھا۔۔ وہ بہت مشکل سے اپنی بے چینیوں پر قابو پائے ہوے تھا۔ اپنی آنکھوں کی سرخ پن پر بھی وہ قابو پائے ہوے تھا۔۔

ارحام نے اپنی تمام تر توجہ اپنے سامنے پڑی فائل پر مرکوز کی۔ وہ حور کو اب مکمل اگنور کر گیا تھا۔۔

حور نے ارحام پر اپنی سرد سلگتی نگاہ ڈالی جو اس کے سامنے بے نیازی سے بیٹھا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟ وہ اسے یوں کمرے میں تنہا پائے اور اپنی دیوانگی اپنی شدتیں اس پر نچھاور نہ کرے۔۔ اسے دیکھتے ہی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔

حور نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ مقابل کی ادائے بے نیازی اسے آگ لگا چکی تھی۔ ارحام کی بے اعتنائی اسے بری طرح چبھی تھی۔۔

!! مجھ میں صبر آ گیا ہے۔ عورت کے بغیر رہنا میں نے سیکھ لیا ہے۔ مگر پریذے اپنی مما کو بہت یاد کرتی ہے۔ اس کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا!!

حور نے اس پر نظریں گاڑھے اس کے لفظ یاد کیے تھے۔ سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ وہ گل کو پریذے کے لیے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتا تھا ۔۔ پریذے کی ماما تو وہ تھی۔ پھر وہ کیسے اس کی جگہ کسی اور کو دینے کا سوچ سکتا تھا۔

حور نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ارحام کو ایکھا جو اپنے سامنے رکھی فائل میں بری طرح محو تھا اسے ارد گرد کی ہوش ہی نہ تھا۔۔ جیسے اس فائل سے زیادہ ضروری اس کے لیے کچھ نہ ہو۔

مسٹر خان مجھے اس کنڈیشن پر اعتراض ہے جو آپ کی کمپنی کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ حور اپنی چیئر سے اٹھتے ارحام کے قریب آئی تھی۔۔ ارحام کے بہت قریب کھڑے ہو کر اس نے جھکتے ہوے اس کے سامنے پڑے فائل پر انگلی رکھی۔ ارحام خانزادہ کو جیسے کچھ پلوں کے لیے نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بے حد قریب جھکتے کھڑی تھی۔ حور کا کندھا ارحام کے کندھے سے مس ہو رہا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر کرسی سے کھڑا ہوا۔۔ وہ مزید خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی بیوی کو اتنے قریب پا کر اس کا خود پر ظبط کرنا اب ناممکن ہوا تھا۔۔ کیا ہوا مسٹر خان؟؟۔۔ حور نے ارحام کے چہرے کو دیکھتے لب پھیلائے کہا۔ جہاں شدید قسم کی بوکھلاہٹ تھی۔۔ حور ارحام کے مزید قریب ہوئی تھی۔ ارحام کی آنکھیں یکدم سرخ ہوئی

تھیں۔اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو نے اس کے بھاری ہوتے اعصاب جیسے مزید بھاری ہوے تھے۔۔

کیا ہوا مسٹر خان؟؟ آپ کی آنکھیں آچانک سرخ کیوں ہو رہی ہیں۔؟؟حور نے ارحام کی آنکھوں کی بدلتی رنگت کو بغور دیکھتے ہوے محظوظ ہوتے پوچھا۔۔

کچھ نہیں مجھے لگتا ہے میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔ارحام نے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلتے نظریں جھکائیں تھیں۔

دکھائیں مسٹر خان۔۔۔وہ اس کے قریب ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔۔ارحام مزید بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔وہ اپنی ہیل اس کے شوز پر رکھے اس کی شرٹ جکڑے اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے گلابی لب ارحام کے لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔۔اور اس کے نشیب و فراز اس

کے پہاڑی چٹانی سینے سے ٹکرا رہے تھے۔۔ ارحام کی آنکھوں میں وہ نشہ بن کر اتری تھی۔۔

ارحام کی آنکھوں کی بدلتی رنگت دیکھتے حور کی سانسیں گہری ہوئی تھیں ۔۔ وہ اس کی شرٹ مزید مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔۔ ارحام کے شوز پر اس کے دونوں پاؤں کی ہیل کا دباؤ بڑھا تھا۔۔

مقابل کی کبھی دیوانگی رہی تھی ان لبوں پر وہ رات رات بھر حکومت کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اس شدت سے لپٹتا تھا اس کی سانسیں اکھیڑ دیتا تھا پھر بھی وہ رحم نہیں کھاتا تھا۔ سات ماہ اس انسان کی دیوانگی اور تڑپ کو اور طریقے سے دیکھا تھا۔ کوئی بھی مرد وہ ایک شوہر ہو وہ اپنی بیوی کو ایسے پروٹیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔۔ جس طرح وہ دن رات اس کا سایہ بنا رہتا تھا۔ اسے تو مقابل کی محرم بنتے ہی اس کی دیوانگی سے محبت ہوئی تھی۔۔ مگر حور سلطان

شاہ کے لیے اس محبت کی کوئی وقعت نہ تھی۔ جو اپنے محرم کے لیے تھی۔ وہ اپنی سیلف ریسپیکٹ کے لیے مقابل کو چھوڑ بھی سکتی تھی۔ جب اس نے اس کے سامنے دوسری عورت کے لیے لفظ بولے تھے۔ وہ اس کی محبت اس کی ہر معافی اس کے منہ پر مار آئی تھی۔

مگر ان سات ماہ میں مقابل نے اپنے ہر عمل سے خود سے پیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔۔ اسے مقابل کے عشق سے عشق ہو گیا تھا۔ مقابل کی آنکھوں کی سرخی سے محبت ہو گئی تھی۔

اسے کسی دوسری عورت کے قریب نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مقابل کی بے اعتنائی تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی۔۔ یہ اسے ان دو ہفتوں میں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔۔

وہ چاہتی تھی وہ آج اس پر اپنا حق جتائے اور وہ اس کے حق جتانے پر اس کا گریبان جکڑتے ان دو ہفتوں کے پل پل کا حساب چیختے ہوے مانگے۔ اس کے پاس واپس تو نہیں جانا تھا مگر اس نے اپنے دو ہفتے کہاں اور کیسے گزارے اسے جاننا ہی تھا۔۔ اسے اس کا حساب چاہیے ہی تھا۔

ارحام نے اپنے شوز پر اس کی ہیل کا دباؤ محسوس کرتے اس کی کمر کو مظبوطی سے جکڑا۔۔ جس طرح وہ اپنی دونوں ہیل اس کے شوز پر جمائے اس کے قریب ہوئی تھی۔ وہ پیچھے کو گر سکتی تھی۔ اب دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ ہوا کا گزر بھی ناممکن تھا۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اسے خود کے بے حد قریب کر گیا تھا۔۔۔ ارحام کو اس کی کتنی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اس کے بے حد قریب ہوتے اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔۔۔ کوئی دوری رہی نہ تھی۔ وہ اس کی ضرورت بن کر اس وقت اس کی

رگوں میں دوڑتے اسے پاگل کر رہی ہے۔۔ وہ اس کے ساتھ لپٹنے پر اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

حور کی نگاہیں اس کی خون چھلکاتی آنکھوں پر تھیں۔ ارحام نے اس کی کمر پر دباؤ ڈالتے س کے سلکی بالوں کو مٹھی میں جکڑا۔۔ حور اب کی بار اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے چوڑی پشت پر اپنے ہاتھ جما گئی تھی۔ ارحام کی تیز ہوتی دھڑکنیں حور کی دھڑکنوں میں دھڑک رہی

تھیں۔ ارحام کی گرم سانسیں حور کی سانسوں میں گھل رہی تھیں۔ حور اب ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے مبہم سا مسکرائی تھی۔ اس کا ڈمپل شو ہوا تھا۔ ارحام کا پورا وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔ ارحام کی گردن سے ٹپکتا پسینہ دیکھ کر حور کی جان اب لبوں پر سجی تھی۔ وہ اتنی سردی میں تندور کی مانند دہک رہا تھا۔ ارحام کے گرم ہاتھ اس کی کمر کو جیسے جھلسا گیے تھے۔ ارحام کے بدن

سے نکلتی ہیٹ حور کے بدن میں جیسے سوئیاں چبھو گئی تھی۔ ارحام نے ایک جھٹکے سے حور کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔

حور کے لبوں سے سسکی سی بلند ہوئی تھی۔

یکدم وہ اپنے دہکتے لب اس کے لبوں پر رکھ گیا تھا۔ وہ اتنی شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا تھا کہ حور پیچھے کو لڑکھڑائی تھی۔۔ حور نے ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ ایک پل میں وہ اپنی شدت سے اس کی سانسیں اکھیڑ چکا تھا۔ حور اس کی شدت پر گھل کر فنا ہوئی تھی ۔۔ اسے لگا جیسے کوئی اس کے لبوں پر دہکتا انگارہ رکھ گیا ہو۔ وہ ارحام کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح پھڑ پھڑائی تھی۔ حور نے تڑپتے ہوئے اس سے دور ہونا چاہا۔۔ ارحام اسے کمر سے جکڑے ٹیبل پر لٹا گیا تھا۔۔ اس کے اوپر جھکتے وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں میں اپنے لبوں کو اور بھی

شدت سے پیوست کر گیا تھا۔ حور اب اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنا پہاڑ جیسا وجود اس پر منتقل کیے ہوے تھا۔۔ ارحام کی جنونیت اپنے ہونٹوں پر بری طرح محسوس کرتے وہ تڑپ اٹھی تھی۔ اس کی جھلساتی سانسیں اس کی سانسوں تک کو جھلسا چکی تھی۔ وہ اس کے حصار میں وہ بری طرح لرزا اٹھی تھی۔۔ ٹانگیں بری طرح پینک ہوئی تھیں۔

وہ اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کر گیا تھا۔۔۔ ارحام سات ماہ کی اپنی ہر تشنگی ہر پیاس اس کی گلابی لبوں سے مٹا رہا تھا۔ کس کا دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔ حور کی سانسیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ وہ اسے چھوڑنے کو تیار ہی نہ تھا۔۔ یکدم اس نے اس کی بلکل مدھم پڑتی سانسیں محسوس کرتے اس کے لبوں کو آزادی دی۔ حور نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اس کی آنکھوں میں نم ذدہ انکھوں سے دیکھا۔ اپنے لیے

جنون سا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے اپنی سانسیں سینے میں دبتے محسوس ہوئی تھیں۔ لبوں پر شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔

ارحام حور نے کانپتے لبوں سے بمشکل اسے پکارتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑیں۔ وہ اس کی کلائیاں چھوڑ چکا تھا۔

حور نے گھبراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ارحام کا ہاتھ بہت بے باکی سے اس کی دھڑکنوں کو سختی سے چھو رہا تھا۔

ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی شرٹ کی سائیڈ زپ کھولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا گیا تھا۔ وہ اس کی گردن پر جھکتے جگہ جگہ دانت گاڑھنے لگا۔ حور کی بے ترتیب سانسیں مزید بے ترتیب ہوئی تھیں۔ وہ پل امیں س کی گردن جامنی کر چکا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔وہ تیز ہوتی سانسوں سے اسے مسلسل آہستگی سے پکار رہی تھی۔

اب وہ اس کے کندھے اور اس کے دودھیا بازو پر اپنی شدتوں کی سوغاتیں چھوڑ رہا تھا۔

حور میں اتنی سکت نہیں تھی وہ اسے روکتی۔ وہ اپنی شدتوں سے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند پھلا چکا۔ تھا۔۔۔

سانسوں کی بڑھتی روانگی سے وہ ارحام کا نام بھی نہیں لے پا رہی تھی۔

۔ارحام کا گرم ہاتھ اس کی بیلی بٹن کے پاس گھومتا اسے آگ کی بھٹی کی طرح گرم کر چکا تھا۔ ارحام کے بدن سے نکلتے سپارکس سے وہ خود کو جھلستا

محسوس کر رہی تھی۔۔ ارحام کے لب اب اس کی دھڑکنوں پر تھے اور ہاتھ ہر طرح سے اس پر مکمل حق جتاتے اس کی گہرائیوں میں اتر رہے تھے۔

ارحام۔۔۔ حور نے گہری ہوتی سانسوں سے اسے پکارا۔ وہ مزید اس کے ہاتھوں کی بے باکیاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ارحام کی سانسیں خود دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ حور اس کی شرٹ سختی سے مٹھی میں جکڑ گئی ۔اس کی ذرا سی شدتوں سے وہ بے حال ہو چکی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔ یہ طے تھا وہ اس ستمگر کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے پہلے ارحام اس کے اور اپنے گرد تمام پردے ہٹاتا اس میں پوری طرح سماتا۔۔ مقابل کے لفظ سماعتوں میں اسے سنائی دیے۔

!!مجھے آپ کی محبت حوس لگتی ہے۔ آپ جسم کی محبت کو روح کی محبت سے مشروط کر رہے ہیں!!

وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا۔ وہ آج پھر یہ لفظ کہہ دیتی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک یہی جذبہ اس کے اندر پنپتا تھا۔۔ مگر وہ یہ سمجھتی نہیں تھی کہ صرف اسے ہی تو دیکھ کر یہی جذبہ پنپتا تھا۔ جسم کی بھوک اسے سوچ کر اسے دیکھ کر ہی تو جاگتی تھی۔

ائی ایم سوری۔۔ میں بہک گیا تھا۔ ارحام نے حور کی گلابی نشیلی آنکھوں میں دیکھتے اس کی شرٹ کی سائیڈ زپ بند کی۔ وہ اس کے اوپر سے جلدی سے اٹھا۔۔

What do you mean??

آپ بہک گئے تھے۔

حور نے ٹیبل سے اٹھتے ارحام کی طرف دیکھتے گہرے سانس لیتے چٹختے ہوے پوچھا۔۔وہ اس کی حالت دیکھتے نظریں چرا گیا تھا۔اس کی گردن کندھے اس کے بازو اس کی دھڑکنوں پر ہر جگہ اس کی شدتوں کے نشان تھے ۔یہاں تک کہ اس کے ڈمپل والی جگہ پر اس کے دانتوں کا نشان تھا۔اس کے لبوں پر اس کی دیوانگی کی جنون خیزی ہلکی سی خون کی بوند کی صورت میں رقم تھی۔

اس کے لباس کی حالت بہت بری تھی۔اس کے بدن پر موجود ہوتے ہوے بھی جیسے نہیں تھا۔اس کی گلابی آنکھیں نشیلی تھیں۔۔۔

ارحام نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔۔وہ جیسے مرنے کے مترادف ہوا تھا۔۔اتنے پاس آکر وہ کیسے اس سے دور ہو سکتا

تھا۔وہ یہاں اس کے سامنے مزید رکتا تو وہ پاگل ہو جاتا۔حور گہرے سانس لیتے اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

وہ بہک گیا تھا یہ لفظ اسے دہکا چکے تھے۔۔

ارحام جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا۔

What do you mean ??

آپ بہک گئے تھے۔آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی۔۔حور حلق کے بل چیخی تھی۔۔

ارحام اس کی چیخ سنتے ایک پل کے ٹھہرا تھا۔دوسرے پل وہ واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

You blo۔۔udd۔۔۔y nons۔۔۔ense

حور نے ٹیبل پر پڑا کرسٹل شو بیس اٹھا کر واش روم کے دروازے پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔

سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو؟؟ کیسے مجھے چھو سکتے ہیں آپ؟؟ آپ کو صرف میرے جسم سے محبت ہے۔ آپ جیسا انسان کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔۔ حور ٹیبل پر پڑی چیزیں اٹھاتے دیوار پر زمین پر مارتے ہوے بری طرح چلا رہی تھی۔

وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔ وہ بہک گیا تھا یہ لفظ اسے کوڑے کی مانند لگے تھے۔۔۔ وہ کیوں پاگل ہو رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس کی شدتوں سے ڈر رہی تھی مگر وہ اس سے ایسے دور ہوا تھا اس سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ نہیں برداشت ہو رہا تھا وہ اس کے اتنے قریب آ کر کیسے خود پر

قابو پا سکتا ہے۔ وہ اپنی طلب کیسے ادھوری چھوڑ سکتا ہے۔ وہ اس کی شدتوں میں اس کا ساتھ آخر کیوں دے رہی تھی۔۔

اگر وہ بہک گیا تھا تو وہ پھر اس کے ساتھ آخر کیا کر رہی تھی۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چلائی تھی۔

وہ اب پاگلوں کی طرح ٹیبل سے چیزیں اٹھا اٹھا کر واش روم کے بند دروازے پر مار رہی تھی۔۔۔۔

ارحام نے واش روم کے اندر داخل ہوتے ہی جھنجھلاتے ہوئے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر دے مارا تھا۔ اب وینٹی کا ٹیپ کھولے اس کے آگے کھڑا مرر میں دیکھتے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کی سانسیں ابھی بھی دھونکنی کی

مانند چل رہی تھیں۔ ارحام نے جبڑے بھینچتے پوری قوت سے سلیب پر مکہ دے مارا تھا۔ اسے اب خود کی کمزوری پر غصہ آ رہا تھا۔

وہ اخر خود پر کیوں قابو نہ رکھ سکا تھا؟؟۔ وہ اتنا بھی کمزور مرد نہیں تھا خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ ایک ایکسپیرینسڈ شادی شدہ مرد رہ چکا تھا۔۔ اپنے جذبوں پر کیسے کنٹرول کرنا ہے اسے پتہ تھا۔ عورت کو اپنی کمزوری بنانے کے وہ سخت خلاف تھا۔ حور سے پہلے کوئی عورت اس کی کمزوری رہی بھی نہیں تھی۔ لیکن وہ اپنے ہر رشتے کو لے کر باوفا ضرور تھا۔ ہر رشتے کو اس کا مقام دیتا تھا۔

مگر حور کے لیے اس کی فیلنگز احساسات سب کچھ الگ تھا۔ بہت الگ تھا۔ عجیب سی دیوانگی تھی حور کو لے کر۔۔ وہ اکثر خود سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔ وہ

آج تک یہ بھی سمجھ نہیں پایا تھا آج سے پانچ سال پہلے اسے محبت ہوئی بھی تھی یا نہیں۔۔۔

کیونکہ ان تڑپتے سلگتے جذبوں سے پہلے کہاں آگاہی ہوئی تھی۔ کسی کو رات بھر سگریٹ پیتے ہوئے سوچتے بری طرح تڑپنا۔ کوئی جنون بن کر آنکھوں میں آتر آئے۔۔ کسی کی عزت کی پرواہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر ہو۔۔ کسی کو وہاں ہوا بھی چھوے تو وہ یہاں پاگل ہو جائے۔ کہاں کسی کو چاہا تھا پہلے اس سے بڑھ کر؟؟۔۔۔۔ کہاں کوئی دوڑا تھا رگوں میں خون بڑھ کر؟؟۔ وہ آخر کیوں نہیں بھول پاتا تھا اپنی بانہوں میں اس کم سن حسینہ کی فرمانبرداری۔ اس کا ٹوٹ کر روتے ہوئے تڑپتے ہوئے اس کی ہی بانہوں میں سمانا۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے پانی کے چھینٹے اپنی آنکھوں پر مارے تھے۔ وہ گہرے سانس لیتا اپنے اندر بھڑکتے شعلوں پر مبنی شورش جذبات پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ پورا بدن تپتے کندن کی مانند تپ رہا تھا۔ وہ اپنی خوبصورت بیوی کو پانے کے لیے مچل رہا تھا۔ اس کا دماغ اب جیسے آتش فشان مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اسے نہ ملی تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ نظروں کے سامنے اس کا بہکتا روپ آ رہا تھا۔ وہ مزید پاگل ہو رہا تھا۔

اپنی دی سوغاتیں اس کے بھڑکتے شعلہ جواں بدن پر اس کی نظروں کے سامنے لہرائی تو اسے اپنا سانس سینے میں گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ یہی سوچ کر آیا تھا وہ اسے دیکھ کر صرف اپنی آنکھوں کو سکون پہنچائے گا۔ جو سات ماہ سے ہر روز اسے دیکھنے کو تڑپتی تھیں۔ جلتی تھیں۔ اسے اندازہ نہ تھا حور اس

طرح کی ڈریسنگ میں اس طرح خود اس کے قریب آئے گی۔ اسے لگا وہ دونوں مہذب طریقے سے ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ کر کچھ باتیں کریں گے ۔وہ جانتا تھا وہ جاننا چاہتی تھی وہ آج کل کہاں ہوتا ہے؟؟۔ وہ اسے صرف اپنی باتوں سے بھڑکانا چاہتا تھا تاکہ وہ جلن میں آکر اپنے اندر کی فیلنگز بیان کر دے۔۔ وہ اتنا تو جان گیا تھا حور سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی تھی جسے اپنی خوبصورتی اور سٹیس پر گھمنڈ تھا۔ جتنی وہ خوبصورت تھی اس سے زیادہ غرور اس پر جچتا تھا۔ حویلی میں رہنے والی اور اس حور میں فرق تھا۔ حویلی میں رہنے والی حور ایک بے بس لاچار حور تھی۔ جو سلطان شاہ کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی تھی جو اس کی ماں کا قاتل تھا۔ وہ آج سے چھ ماہ پہلے اپنا غرور اپنا سٹیس اپنا کانفیڈنس اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔ اور اتنی کم عمری اور معصومیت میں اس نے اس کے ساتھ پہلی رات جو سلوک کیا تھا۔ اس کے

معصوم دل میں اس کے خوف کی شدید قسم کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ تو حویلی میں گزرے پہلے دو تین ماہ میں اسے دیکھتے ہی خوف سے کانپنا شروع کر دیتی تھی۔ اسی خوف کے اثر میں وہ اس کی شدتیں لبوں پر کوئی بھی شکوہ لائے بغیر سہتی تھی۔

ارحام گہرے سانس لیتے سلیب سے ٹیک لگائے اپنے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

اپنے نکاح کی پہلی رات وہ بھی آج تک بھول نہیں پایا تھا۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر اپنے سینے سے لپٹائے اس ایک رات کا مداوہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ تھی کہ اب اس کے پاس واپس آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

مگر وہ اس کے بغیر اب نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے بغیر مزید رہتا تو وہ شائد اپنی جان سے جاتا۔ یہ اسے آج بخوبی اندازہ ہوا تھا۔ وہ تو جیسے اب مر رہا تھا۔

ارحام نے بے چینی اظطراب سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔ وہ گہرے سانس لیتے اپنی محرم کے لیے اپنے اندر اٹھتے پنپتے جذبوں پر قابو پانے لگا۔ اپنی بیوی سے اکیلے میٹنگ کرنا اسے مہنگا پڑ گیا تھا آج۔۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے اسے اتارتے ہوے غصے سے واش روم کی چمچاتی ٹائلز پر دے ماری تھی۔۔۔

عشق کرنے کی اسے ایسی سزا ملے گی اسے معلوم نہ تھا۔ اس سے اچھا تھا اس کی بیوی اس کے سینے میں کوئی زہریلا چاقو اتار دیتی۔ خود سے دور رکھ کر وہ اسے ایسی سزا دے رہی تھی وہ تڑپ کر مرنے والا ہو جاتا تھا مگر مر نہیں پاتا تھا۔۔

ارحام اپنے پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر سگریٹ جلائے لبوں میں دبا گیا تھا۔

باہر سے حور کی مسلسل چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ واش روم کے بند دروازے پر وہ ہر تھوڑی دیر بعد کچھ نہ کچھ بجتا محسوس کر رہا تھا۔ اسے کیوں غصہ آ رہا تھا وہ چاہ کر بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اگر وہ ہر حد سے گزر جاتا تو وہ کیا آج اسے معاف کرتی۔۔ تب بھی تو یہی کہتی کہ اس نے اپنی حوس پوری کی ہے۔ اب وہ اسے ایسے چھوڑ آیا تھا تب بھی وہ یہی کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ ارحام نے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔ وہ تیس سال کا امیچور مرد ہو کر اٹھارہ سال کی امیچور لڑکی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے غصے سے واش روم کی خوبصورت ٹائلز لگی دیوار پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

کیسے سمجھتا وہ اسے وہ تھی ایک امیچور اٹھارہ سال کی ٹین ایج گرل۔۔۔ مگر تھی تو ایک عورت جسے سمجھنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔۔

واش روم کے بند دروازے پر ایک بار پھر سے کچھ ٹکرایا تھا۔ اس نے باہر سے شائد پھر کوئی واز یا شوپیس دے مارا تھا۔ شدید قسم کی آواز سے مضبوط دروازہ لرزا تھا۔

ارحام نے اپنی سرخ آنکھیں واش روم کے بند دروازے پر گاڑھیں۔

باہر اسے اس کے چلانے کی آواز آئی تھی۔۔

What do you mean

آپ بہک گئے تھے۔۔ اندر کیا کر رہے ہیں؟؟ باہر آکر مجھے اس بات کا مطلب سمجھائیں۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اب چیخی تھی۔۔ ارحام نے

غصے سے سگریٹ کا گہرا کش لیتے سگریٹ فرش پر پھینکتے جوتے کے نیچے غصے سے مسلا تھا۔

اپنی بیلٹ اتارتے زمین پر پھینکتے وہ باتھ کیبن کی طرف بڑھا تھا۔۔روف شاور آن کرتے وہ ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے بدن کے اندر دہکتی آگ ٹھنڈی کرنے لگا۔۔

کافی دیر تک گلاس وال سے سر ٹکائے شاور کے نیچے کھڑا خود کو پر سکون کرتا رہا۔بدن تھوڑا پر سکون ہوا تو دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کے قابل ہوا تھا۔

اپنی بیوی کی نشیلی آنکھیں یاد آئی تھیں۔اس کا اپنی شرٹ جکڑنا یاد آیا تھا۔ اس کے دور ہونے پر اس کا تڑپنا یاد آیا تھا۔پہلی بار اس کی بیوی کی آنکھیں اس کی بانہوں میں نشیلی ہوئی تھیں۔

اس کے لبوں پر اب مبہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔اس کی بیوی نے آج پہلی مرتبہ اسے محسوس کیا تھا۔ نکاح کی پہلی رات کا خوف اس کے اندر اتنی شدت سے سرائت کر گیا تھا۔وہ اسی ڈر کی وجہ سے اس کی گرم نرم شدتوں کو کبھی محسوس ہی نہ کر پاتی تھی۔اس کے قریب آنے سے پہلے ہی خوف سے اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹنے لگتے تھے۔ مگر اب اس کی بیوی اس سے ڈرتی نہیں تھی۔یعنی اسے اب یقین تھا وہ اسے کبھی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔۔ آج وہ اسے محسوس کر رہی تھی۔اس کی کم عمر بیوی کو بھی اپنے شوہر کی طلب تھی۔وہ اس کی گرم نرم شدتوں میں ڈوب گئی تھی۔اسی لیے اس کے دور جانے پر تڑپ اٹھی۔۔

اپنی کم عمری کے باعث وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ اسے بھی آج ارحام خانزادہ یعنی اپنے شوہر کی ضرورت تھی۔

ارحام نے ٹیپ گھماتے اب گرم پانی آن کیا۔۔جو اسے پہلے سے زیادہ سکون دے گیا تھا۔سینے میں اٹھتی کھولن کم ہوئی تھی۔وہ پر سکون ہوتا اب باتھ کیبن سے سر ٹکا گیا تھا۔اپنی بیوی کی آنکھوں میں خود کی طلب دیکھ کر ارحام خانزادہ کے روگ وپے میں ٹھنڈک سی اتری تھی۔

اس کے لفظوں کی بازگشت اسے اپنی سماعتوں میں سناتی آج بھی بے چین کر دیتی تھی

آپ نے جو میرے ساتھ پہلی رات کیا۔۔میں کبھی نہیں بھول !! سکتی۔۔مجھے اس ریلیشن شپ سے نفرت ہے۔۔مجھے آج تک آپ کی قربت میں سکون نہیں ملا۔۔آپ نے کبھی میرے بارے میں !! نہیں سوچا

حور کے لیے جب سے اپنے اندر پنہاں جذبوں سے وہ اگاہ ہوا تھا۔ اس کی شدتیں اس کا ہر انداز بدل گیا تھا وہ اسے لے کر جنونی تھا۔ مگر اس کی شدتوں میں اس کی دیوانگی کا ایک نیا انداز ہوتا تھا۔ اس کے لب سر کے بالوں سے لے کر اس کے پاؤں تک اسے نرمی سے چھوتے تھے۔ مگر تب وہ اسے محسوس کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔۔ اس کی محبت پر یقین نہیں کرتی تھی۔۔۔ اسی لیے اس نے کبھی اسے محسوس نہیں کیا۔ مگر آج وہ اس کے دور جانے پر تڑپ گئی تھی یعنی وہ بھی اسے اپنی بانہوں میں چاہتی تھی.

ارحام ایک بار پھر سے گہرا مسکرایا تھا۔

باتھ کیبن سے باہر آتے اس نے اپنی کمر کے گرد ٹاول لپیٹتے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتے اپنے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا تھا۔

باہر سے آتی توڑ پھوڑ کی آوازوں پر وہ بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

بہت مزا دے رہی ہے تمھاری تڑپ میری جان۔۔۔ تمھاری اتنی سی تڑپ جیسے میرے سات ماہ کی پل پل کی تڑپ کا آزالہ کر چکی ہے۔وہ مرر میں دیکھتے زیر لب بولتا ایک بار پھر سے ہنس پڑا تھا۔

سات ماہ بعد وہ آج کھل کہ ہنس رہا تھا۔بہت جلد تم میری بانہوں میں ہو گی میری حور میری زندگی۔۔اپنی محبت سے تمھارے ساتھ ہوے ہر سلوک کا مداوہ کروں گا۔موقع دو گی تو دن رات تمھارے آگے تمھاراارحام خان ہاتھ جوڑے سر جھکائے رہے گا۔جو چاہو میرے ساتھ سلوک کرنا میری جان اف نہیں کروں گا۔مگر تمھیں جو بھی سلوک کرنا پڑے گا میری بانہوں میں رہ کر کرنا ہو گا۔اپنی بانہوں سے تمھیں کہیں نہیں جانے دوں گا ۔میری حور میری جان۔۔۔ارحام مرر میں دیکھتا گہرا مسکرایا تھا۔

میری جان بہت جلد تم میرے پاس میری حویلی میرے کمرے میں ہو گی۔ پھر تمھیں ایک پل کے لیے خود سے جدا نہیں کروں گا۔ اپنے ارحام کا وہ روپ دیکھو گی جو تم کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتی۔ ارحام کے لب گہرا مسکرا رہے تھے۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا اپنی مغرور نازک کم عمر قاتلانہ حسینہ کو کیسے اپنے پاس لانا ہے۔

حور سلطان شاہ بے انتہا مغرور تھی۔۔ وقت نے اسے بے بس بنا دیا تھا۔ مگر وہ تھی ایک مغرور عورت۔۔۔ جسے خود پر بہت غرور تھا۔

حور سلطان شاہ جو نخریلی اپنے باپ کی محبت پر غرور تھی۔۔ وہ اسے کبھی خود سے معاف نہ کرتی چاہے وہ دن رات شاہ مینشن گیٹ پر ہاتھ جوڑے کھڑا

رہتا۔۔وہ سلطان شاہ کی بیٹی تھی سفاک اور ضدی۔۔۔۔۔ کبھی اسے معاف نہ کرتی۔۔

اسے اپنی حور کے دل میں چھپی محبت کو لبوں پر لانا ہی تھا۔۔وہ سفاک ضدی تھی مگر محبت کے معاملے میں بھی سلطان شاہ پر گئی تھی۔شدت پسند اور جذباتی اس کی ساری غلطیاں معاف کر گئی تھی مگر اس کے لبوں سے گل کے لیے جھوٹی محبت کے لیے نکلے گیے لفظ معاف نہیں کر سکی تھی۔مگر اب تو اپنی کم سن بیوی کے جذبوں سے وہ اگاہ ہو چکا تھا۔وہ بھی اس سے اب شدید محبت کرتی ہے۔۔یہ اس کی نشیلی آنکھوں اور اس کے قریب آنے سے پتہ چل گیا تھا۔وہ اس کی شدتوں سے ڈر رہی تھی مگر اس کے قریب بھی خود ہو رہی تھی۔۔ارحام کو اس سے دور ہونے پر اس کا تڑپنا یاد آیا تھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

باہر اب خاموشی چھائی تھی۔۔خاموشی میں چھپا طوفان۔۔۔وہ کھل کر ہنسا تھا پہلی بار اپنی کم سن بیوی کے غصے سے ڈر لگا تھا۔۔وہ بپھری شیرنی بنی ہوئی تھی۔اس کے باہر نکلنے پر کچھ بھی اس کے سر پر دے مار سکتی تھی۔یا جنگلی بلی کی طرح اس کا منہ اور گردن نوچ ڈالتی۔۔ارحام خان مرر میں دیکھتے اب گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے مسلسل ہنس رہا تھا۔

اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے اس نے اپنی بلیٹ پہنتے مرر میں دیکھا اس کی آنکھوں کی سرخی بہت تک کم ہو چکی تھی۔ارحام اپنا کوٹ پہنتے اپنے بال برش سے اچھی طرح سیٹ کرتے اپنے ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے باہر آیا تھا۔

کمرے کا حال دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے سچ میں پریشان ہوا تھا۔ ٹیبل پر پڑی ہر چیز زمین ٹوٹی پڑی تھی۔ لیپ ٹاپ تمام فائلز موبائل وائرلیس سیٹ ۔۔ٹوٹے کانچ کی کرچیاں بھی بکھری تھیں۔ آفس میں رکھے قیمتی شو پیس وازوہ سب توڑ چکی تھی۔ کمرے میں پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ کمرے کی حالت دیکھتے اسے اپنا فیوچر نظر آیا تھا۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے اس کی زمین پر پڑی چادر دیکھی۔ جو اسے ایک پل کے لیے مشتعل کر چکی تھی۔

وہ چادر نہیں اس کی عزت تھی جسے وہ قدموں میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ارحام نے وہ چادر اٹھائے اسے ٹیبل پر رکھا۔۔ اپنی بیوی کو گہری نگاہوں سے دیکھا جو چیئر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔ اس کے باہر آنے پر

اسے دیکھتے اس نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ دوسرے پل وہ اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے اپنی چیئر کا رخ موڑ چکی تھی

اس کی ادا پر ارحام کا دل پہلو میں ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ اس کے ایسے دیکھنے پر بری طرح بے چین ہوا تھا۔ اس نازک وجود کو بانہوں میں لینے کے لیے وہ پھر سے مچل گیا تھا۔۔

ارحام خود پر قابو پاتے اس کی طرف بڑھا۔

اس کے سامنے چیئر پر بیٹھتے اس نے اپنی چیئر سے ٹیک لگائی..

حور ارحام کو دیکھتے چیئر پر سیدھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر پڑی فائل اور بچھے کچھے پیپرز کو وہ فائل میں لگانے لگی۔۔

ارحام مسکراہٹ دبائے اپنی بیوی کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں غیض واشتعال کی سرخی چھائی تھی۔

میری کمپنی آپ کے ساتھ یہ ڈیل کینسل کرتی ہے۔ آپ کی کمپنی کی اتنی ورتھ اتنی حیثیت نہیں کہ آپ سلطان شاہ کے ساتھ کام کر سکیں اور نہ آپ میں اتنی ورتھ ہے کہ آپ حور سلطان شاہ کے ساتھ کام کر سکیں۔ حور نے سلگتے ہوئے وہ فائل ارحام کے سامنے پٹخی تھی۔

ارحام نے اس کے سلگتے ہوئے چہرے کو دیکھتے مشکل سے ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔۔۔

اوکے میم جیسے آپ کہیں۔۔ آپ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میری کمپنی کی اتنی ورتھ ہی نہیں جو سلطان شاہ کے عربوں کے اس شاندار ایمپئر اور عربوں کا کانٹریک اویل کر سکے۔۔ مجھے تب ہی یہ بات سمجھ لینی چاہیے تھی

کہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی جو ٹین ایج امیچور ہے وہ کہاں ارحام خانزادہ کی ملینیر کمپنی کے ساتھ ڈیل کر سکتی ہے۔

حور سلطان شاہ میں نہ اتنے گٹس ہی نہیں ہیں۔ وہ ارحام خانزادہ کو ڈیل کر سکے۔ ارحام نے اپنے کوٹ کی پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالے اسے سلگا کر لبوں میں دبائے حور کے لہو چھلکاتے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھا.

جب حور سلطان شاہ میں اتنے گٹس نہیں ہیں تو کیا کر رہے ہیں آپ یہاں؟؟ اور کیا کرتے رہے آپ سات ماہ میرے باڈی گارڈ بن کر۔۔۔ حور شاہ میں بہت گٹس ہیں آپ جیسے مرد کو ڈیل کرنے میں۔۔۔ مگر مجھے آپ جیسے مرد کو ڈیل کرنا ہی نہیں جو عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جائے۔ جب تک اسے اپنی حوس کا نشانہ نہ بنالے اسے چین نہ آئے حور نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔

حور کے لفظوں سے ارحام خان کی آنکھوں میں سرخی کی جگہ خون چھلکا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں کرسی سے اٹھتا اس کی طرف بڑھا تھا۔۔ اسے بازو سے جکڑے کرسی سے کھینچتے ہوے اٹھایا تھا۔ دوسرے لمحے پوری قوت سے دیوار میں پٹخا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔ حور گھبراتے ہوے چلائی تھی۔

وہ اس کی طرف بڑھتا اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے محصور کر گیا۔۔

اگر میں حوس پرست انسان ہوں۔ عورت کو دیکھ کر میرے اندر حوس جاگتی ہے۔ میں عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہوں۔ کیوں اس طرح کی ڈریسنگ کر کے میرے سامنے آئی ہو۔ کیوں اس بند کمرے میں میرے ساتھ میٹنگ ارینج کی؟؟

ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

ارحام دور ہٹیں مجھ سے۔۔ حور اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولی تھی۔

ان آنکھوں میں اب اس کے طلب کی سرخی نہیں غیض واشتعال کی سرخی تھی۔۔ جس سے حور کی جان لبوں پر سجی تھی۔ دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔ حویلی کے کمرے والا ارحام خان یاد آیا تھا وہ جی جان سے لرزی تھی۔

ارحام اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے خود پر قابو پاتے پیچھے ہوا۔۔

حور گہرے سانس لیتے دیوار میں سمائے اسے اب بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ارحام اس کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

اگر تم عورت کی جگہ یہ کہہ دیتی. اپنی عورت کو دیکھ کر میں پاگل ہو جاتا ہوں ۔۔اسے دیکھ کر میرے اندر حوس جاگتی ہے تو میں تمھاری بات ہنس کر سہہ لیتا۔۔۔

مگر تم مجھے عورت کا طعنہ مارتی ہو یعنی مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو کہ میرے لیے صرف عورت معنی رکھتی ہے۔ پھر چاہے وہ اپنی عورت ہو یا پھر باہر کی عورت۔۔۔مجھے ایک بات بتاؤ اگر عورت میرے لیے اتنی ہی معنی رکھتی تو یہ سات ماہ میں سلطان شاہ کے گیٹ کے باہر ساری ساری رات نہ گزارتا ۔۔۔ان سات ماہ کے میرے ہر گزرے ہوے ہر پل سے تم واقف ہو۔ اپنے بزنس اپنی بیٹی کو چھوڑ کر جس عورت کا باڈی گارڈ بنا رہا۔ اس عورت نے تو ان سات ماہ میں ایک پل کے لیے مجھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس عورت کے جسم تک رسائی تو دور کی بات میں تو اس کے بدن کی خوشبو تک

رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ پھر تم مجھ پر کیسے الزام لگا سکتی ہو؟؟ کہ عورت میرے لیے اتنی معنی رکھتی ہے کہ میں اسے دیکھتے پاگل ہو جاتا ہوں۔ تم عورت نہیں ہو میرے لیے میری عورت ہو میری محرم میری بیوی۔

۔ارحام نے اس کے دونوں طرف ہاتھ محصور کرتے غرایا تھا۔

" What do you mean you got lost? How did you manage to come close to me?"

(اس بات کا کیا مطلب ہے آپ بہک گئے تھے۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرے قریب آنے کی)

حور اس کے سوالوں کو نظر انداز کرتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے استفسار کیا تھا۔ اس کا ایسے اسے چھوڑ کر جانا اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ خود اپنے جذبات نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ وہ بہک گیا تھا یہ لفظ اسے بری طرح چبھے تھے۔ وہ اس کے بہکنے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی یہ بات اسے زیادہ مشتعل کر چکی تھی۔

مجھے صرف اتنا بتا دو تمھیں میرا قریب آنا برا لگا ہے یا تمھیں ادھورا چھوڑنا ۔۔ ارحام کہتے مزید اس کے قریب ہوا تھا۔

کک کیا مطلب اس بات کا؟؟ حور کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

مطلب تم مجھے اپنی بانہوں میں چاہتی ہو مگر اقرار نہیں کر رہی۔۔ تمھیں میرا خود کے قریب آنا برا نہیں لگا بلکہ میرا دور جانا برا لگا ہے۔ تم سے برداشت نہیں ہو رہا میں کیسے اپنی طلب اپنی دیوانگی پر قابو پا سکتا

ہوں۔ تمھارے قریب آکر میں مر تو سکتا ہوں تمھارے پاس آکر دور جاؤں یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اپنی شوہر کی دیوانگی میں کمی تم برداشت نہیں کر پا رہی۔۔

ایک بیوی اپنے شوہر کی بے اعتنائی کی وجہ سے پاگل ہو رہی ہے۔ ارحام کی باتوں پر حور نے غصے سے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔۔

مسٹر خان دور ہٹیں آپ مجھ سے۔۔ آپ بے بنیاد باتیں کر رہے ہیں۔ میں کیوں آپ کے دور جانے پر تڑپوں گی۔ مجھے تو آپ کا قریب آنا نہیں اچھا لگا۔ آپ ایک بات یاد رکھیے گا۔۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔ حویلی میں گزرے وہ لمحات میں نہیں بھول سکتی جب آپ نے مجھے اذیت دی تھی۔ کوئی لفظ کوئی بات میری اس رات کا مداوہ نہیں سکتی۔ جب بے بسی کی انتہا پر میں نے آپ سے معافیاں مانگی تھی۔ مگر آپ کو مجھ پر رحم

نہیں آیا تھا۔ حور بھیگے لہجے میں بولتے کرب سے ارحام کی آنکھوں میں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔ کیسے وہ اس رات درندہ بنا ہوا تھا۔

حور کی باتوں پر ارحام کی آنکھوں میں اذیت کی پرچھائی لہرائی تھی۔

کیوں بھول جاتی ہو اس رات میں میں نہیں تھا۔۔ اس ایک رات نے ارحام خانزادہ کو بدل کر رکھ دیا تھا۔۔ مگر میں ساری عمر اپنی اس غلطی اس درندگی کا مداوہ کرنے کو تیار ہوں۔ ارحام نے اس کے گال پر اپنا ہاتھ جمایا تھا۔

وہ اسے کبھی نہیں کہہ سکتا تھا اس رات نے اسے ایسا بنایا تھا کیونکہ وہ اس کی زندگی میں اس کا عشق بن کر داخل ہوئی تھی۔ جب اس نے پہلے سے بڑھ کر پایا تھا وہ کیا شکوہ کرتا۔۔۔

ارحام کا ہاتھ حور نے غصے سے جھٹکا۔۔۔ آپ کا مداوہ یہی ہے آپ ساری عمر مجھ سے دور رہیں۔۔ آپ ساری عمر میرے باڈی گارڈ بن کر بھی رہیں گے میں پھر بھی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔۔ حور گہرے سانس لیتے ارحام کی شرٹ جکڑے اس کی انکھوں میں دیکھتے مغروریت سے بولی تھی۔

حور کی بات پر ارحام کچھ پل اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا جہاں صرف اپنے باپ کی محبت کا غرور ہی نہیں اپنے شوہر کی محبت کا بھی غرور تھا۔ وہ اس کے سامنے جھک کر ایک بار پھر سے اس پر باور کروا چکا تھا وہ اس کے لیے سانسوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ارحام اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتا پیچھے ہوا۔۔ نظریں جھکائے اپنے چمکتے سیاہ بوٹوں کو دیکھتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔

وہ ابھی تک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام نے نظریں اٹھائے اس کی شفاف کرسٹل براؤن آنکھوں میں دیکھا جہاں اپنی ذات اپنی خوبصورتی اپنے محرم رشتوں کی بے تحاشا محبت کا غرور تھا جو کسی بھی حال میں اسے تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔

ارحام پھر سے اس کے قریب ہوتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے سرخی مائل لب جو اس کی شدت سے ابھی تک سرخ تھے وہاں نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔ حور گہرا سانس بھرتے اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اپنی بیوی کی معصوم ادائیں دیکھیں۔

حور نے آنکھیں کھولتے ارحام کو دیکھا جو اس کے بہت قریب اس کے لبوں پر اپنی سلگتی گرم سانسیں چھوڑتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

تمھیں کس نے کہا کہ میں ساری عمر تمھارا باڈی گارڈ بن کر رہوں گا۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کیا۔

حور نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا.

میری جان میری پیاری بیوی۔۔۔۔۔۔۔ میری حور میری کم سن میری خوبصورت حسینہ میری میری عورت۔۔۔۔۔ تمھیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں پچھلے دو ہفتوں سے تمھارا باڈی گارڈ بن کر شاہ مینشن میں اپنی راتیں کیوں نہیں گزار رہا۔

کیوں ؟؟ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

ارحام اس کی عجلت پر گہرا مسکرایا تھا۔

کیونکہ میں جان چکا ہوں۔۔۔ تمھیں میری ضرورت نہیں۔۔ تمھارے پاس تمھارے باپ کے ہائر کردہ بہت گارڈز ہیں۔ جنھیں تم ہر سانس کے ساتھ لاکھوں روپے دے سکتی ہو اور دیتی بھی ہو۔۔ تمھیں میری کیا ضرورت۔۔۔ ارحام نے اسی کے لفظ اسے لوٹاتے اس کے خوبصورت نقوش کے بگڑے زاویے کو دیکھا۔۔

مجھے اب اپنی بیٹی کا سوچنا ہے۔۔ جو اپنی مما کو دن رات یاد کرتی ہے۔

وہ مجھے اپنی مما کہتی ہے۔ اور پچھلے دو ہفتوں سے میری اس سے کوئی بھی بات نہیں کروا رہا۔۔۔ وہ تڑختے ہوئے اس کی بات کاٹ چکی تھی۔

ارحام نے اس کی بات پر بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔ اس کے ہی کہنے پر حور کی کال پریذے تک پہنچائی نہیں جا رہی تھی۔۔

اور اس بات پر اس کی بیوی بری طرح تڑپ رہی تھی۔ سات ماہ میں یہی دو ہفتے گزرے تھے پریذے کی اس سے بات نہیں ہوئی تھی۔۔

وہ تم سے خود ہی بات کرنا نہیں چاہ رہی۔۔ مگر کل فون پر روتے ہوے وہ مجھ سے کہہ رہی تھی اسے اس کی مما حویلی میں چاہیے۔۔ ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے کہا۔

مگر میں حویلی کبھی نہیں آؤں گی۔ بات کروائیں پریذے سے میری میں اسے سمجھا دوں گی۔ وہ میری بات فوراً مانتی ہے۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ دو ہفتوں سے وہ مسلسل پریذے کو کال ملا رہی تھی۔ درخشاں نے اس کی ایک کال نہیں اٹھائی تھی۔

وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔۔

لیکن کیوں؟؟ حور ارحام کی بات پر تڑپ اٹھی تھی۔۔

پتہ نہیں۔۔۔ ارحام کندھے اچکاتا اس سے دور ہوا تھا۔

یکدم ارحام کا فون رنگ ہوا۔

ارحام نے حور کو ایک نظر دیکھتے فون پر فنگر ٹیپ کرتے فون کان سے لگایا

ہیلو۔۔۔ ہاں بولو۔۔ گل۔۔ ارحام فون کان سے لگائے کئی قدم حور سے

دور ہوا۔۔

حور نے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا جو اس کے سامنے ہی گل سے بات کر رہا

تھا۔۔

تمھاری پریذے سے بات ہو گئی۔۔ اوکے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ٹھیک ہے دو دن بعد میں سوات پہنچ جاؤں گا۔ ہاں ہم دونوں اسے لے چلیں گے۔۔ ارحام نے کن اکھیوں سے حور کو دیکھا جو گہرے سانس بھرتے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارحا. نے فون بند کرتے اپنی پاکٹ مین ڈالا تھا۔

ائی ایم سوری ضروری تھا ورنہ کبھی نہ اٹھاتا۔۔۔ پریذے کو میرے اور گل کے ساتھ پلے لینڈ جانا ہے۔۔ میں انکار کر دیتا مگر پریذے نے خود گل کو فون کر کے یہ پلین بنایا۔ پریذے کی بات میں ٹال نہیں سکتا۔۔ ارحام نے حور کو دیکھتے کہا جس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا وہ بمشکل ہی یہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔

تمھیں تو کوئی اعتراض نہیں۔۔ ارحام نے حور کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے کہا۔

نہیں۔۔۔ مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔ جب پریذے یہ چاہتی ہے۔ حور نے بمشکل ہی یہ لفظ ادا کیے تھے۔

ہاں پریذے یہ چاہتی ہے ورنہ میں انکار کر دیتا۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے کہا۔ حور کا چہرہ زلزلوں کی زد میں تھا۔۔

ضرورت نہیں پریذے کی خوشی امپورٹنٹ ہونی چاہیے۔۔ اب کی بار حور کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔ جسے محسوس کرتے ارحام نے گہرا سانس لیا تھا۔

اسے تکلیف دینا اس کا مقصد نہیں تھا مگر اپنی بیوقوف بیوی کی فضول سی ضد بھی تو توڑنی تھی۔

آئی ایم سوری میم... وہ پھر سے اس کے قریب ہوا۔

سوری فار واٹ۔۔۔ میرے قریب آئے اس لیے۔۔ حور نے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے سلگتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کو میری جان میری پیاری بیوی۔۔۔۔۔۔۔ میری حور میری کم سن میری خوبصورت حسینہ میری میری عورت کہا۔۔

اب آپ سے میرے لیے صرف میم ہیں۔ ارحام نے اس کے نقوش کو دیکھتے کہا۔۔

آپ۔۔۔ بھی۔۔۔ میرے۔۔ لیے۔۔۔۔۔۔۔ مسٹر خان ہیں۔ حور نے اٹکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

اب آپ یہاں سے جاسکتے ہیں۔۔ حور نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلا تھا۔ ارحام سرعت سے پیچھے ہو گیا تھا۔

حور ٹیبل کی طرف بڑھتے بچھے کچھے پیرز سمیٹنے لگی۔ ارحام اس کے سرد سپاٹ تاثرت غور سے دیکھ ذہارھاوہ لب بھینچے کچھ پیپرز فائل مین رکھ رہی تھی کچھ پیپرز پھاڑتے ہوے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے اپنا غصہ نکال رہی تھی۔

ارحام لبوں پر انگلیاں جمائے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ جس نے ٹیبل پر پڑا آخری شوپیس بھی فرش پر مارتے ہوے توڑ دیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کر رہی تھی۔۔

ہو گیا ہو تمھارا تو اب چلیں یہاں سے۔۔ ارحام نے اسے بغور دیکھتے کہا وہ اسے یہاں اس حلیے میں وہ بھی اتنے غصے نیؤ چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے۔ حور نے مڑتے ہوے ارحام کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں پوچھا۔

مطلب یہ کہ چادر اوڑھو میں تمھیں شاہ مینشن ڈراپ کر دوں گا۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔ مجھے آپ کی سروس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کمپنی کے باہر میرے درجن سے بھی زائد گارڈز کھڑے ہیں۔

میرے باڈی گارڈ کی ڈیوٹی چھوڑ کر اب میرے ڈرائیور کی ڈیوٹی سنبھالنا چاہ رہے ہیں کیا۔۔ حور نے ارحام کو گھورتے تیکھے چتون اٹھائے سوال کیا۔

میں ایسی کوئی ڈیوٹی نہیں نبھانا چاہ رہا۔۔ مگر اس ٹائم میں تمھیں ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ ر۔ اگر رات گہری ہو رہی ہے۔ میں تمھیں یہاں کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتا۔

اگر رات گہری نہ بھی ہوتی پھر بھی میں تمھیں کسی قیمت پر نہ چھوڑتا۔ چادر سے خود کو اچھی طرح کور کرو۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے حکم دیا۔

مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ میں آج یہیں پر اسی چیپ حلیے میں رات گزاروں گی اور آپ ہوتے کون ہیں مجھ پر حکم چلانے والے۔ حور تڑختے ہوے دبے انداز میں چیخی تھی۔۔

بس۔۔۔۔ ارحام ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوے دھاڑا تھا۔ حور۔۔۔۔۔۔ اس کی دھاڑ پر بری طرح لرزتے ہوے ٹیبل سے کئی قدم پیچھے ہوے تھی

ارحام تھوڑا سا جھکتے اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

فیصلہ یہ ہوا ہے تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی میرے پاس کبھی واپس نہیں اؤ گی مگر تم اگر یہ سمجھتی ہو کہ میں تم پر اپنا حق ختم کر دوں گا یہ تمھاری بھول

ہے۔ تم میری تھی اور میری ہی رہو گی۔ اب چاہے تم حور سلطان شاہ خود کو کہلواؤ۔۔۔ یا پھر حور خانزاہ رہو گی صرف میری۔۔۔ تمھیں یہاں میں کسی قیمت پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گا یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ اس لیے بنا بحث کیے چادر سے خود کو اچھی طرح کور کرو کہ تمھارا چہرہ بھی نظر نہ ائے وہ ٹیبل پر ہاتھ جمائے حور کی لرزتے وجود کو دیکھتے لفظ چباتے ہوے سرد لہجے میں بولا۔

حور گہرے سانس بھرتے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی دہشت بھری دھاڑ سے آج بھی اس کی جان جاتی تھی۔ وہ اسے جن نگاہوں سے گھور رہا تھا اس کے ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔

"Did you not hear what was I said? Wrap yourself up properly."

اسے یونہی کھڑا دیکھ کر ارحام ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارتے سرد سپاٹ لہجے میں اپنے الفاظ دہراتے غرایا تھا۔

حور نے بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھتے اثبات میں سر ہلاتے ٹیبل پر پڑی اپنی چادر سے خود کو اچھی طرح کور کرتے اپنا چہرہ بھی ڈھکا تھا۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اپنی مضبوط ہاتھ میں اس کی کلائی جکڑتے وہ آفس سے باہر نکلا تھا

--

رسیشن پر موجود حور کی سیکرٹری نے تعجب سے یہ منظر دیکھا تھا۔ ارحام کی مضبوط ہاتھ میں حور کا نازک کلائی تھی۔ جسے وہ جکڑے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔

حور اس کی گرفت میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

آفس کے کمرے سے باہر موجود اس کے پرسنل گارڈز کھڑے حور اور ارحام کے پیچھے پیچھے ان کی طرف بڑھے تھے

وہ جہاں جہاں سے گزر رہا تھا۔ جگہ جگہ حور کے گارڈز کھڑے ان کی طرف بڑھ رہے تھے

ارحام لب بھینچے تیز تیز قدموں سے اس کی کلائی جکڑے اگے بڑھ رہا تھا۔

وہ اپنے مظبوط ہاتھ میں اس کی کلائی جکڑے آفس سے باہر آیا جہاں حور کے باقی گارڈز کھڑے جلدی سے اس کی طرف بڑھے تھے ارحام نے اپنے جبڑے بھینچتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

اب وہ دونوں بہت سارے گارڈز کے حصار میں تھے۔ جن کی تعداد کافی زیادہ تھی.

حور نے ارحام کو بھیگی سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنی کلائی جھٹکے سے چھڑوائی تھی۔ اس کے اس طرح کلائی چھڑوانے پر ارحام کے گلے میں گلیٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی وہ اسے دیکھتے بے رخی سے نظریں پھیرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔۔ اس کے سارے گارڈز یونیفارم مینو جود بھی اس کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ رہے تھے

ارحام گہرے سانس لیتا اپنی بیوی اپنی زندگی کو گارڈز کے ہمراہ بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی سرخ انکھوں میں اب ہلکی سی نمی چھائی تھی۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے گاڑی میں بیٹھتے جا چکی تھی۔ درجنوں گاڑیاں اس کے اگے پیچھے بڑھی تھیں۔

....----

عابیر نے بمشکل آنکھیں کھولتے ہاسپٹل کے کمرے کو دیکھا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اپنے سر کو جکڑتے اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھ ہوا ہے کیا ہے۔

اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے جیسے مفلوج ہوا تھا۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے سنہری کھلے بالوں کو دبوچتے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں تھیں۔ یکدم اسے سب کچھ یاد آیا تھا۔

کس طرح اسفندیار خان نے اسے بے دردی سے دھکا دیا تھا۔

اور ڈریسنگ روم میں بند کر کے وہ اس کے وجود سے لاپرواہ ہو گیا تھا۔

وہ پوری رات سردی سے ٹھٹھرتی ڈریسنگ روم کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہی تھی۔ مگر اس نے نہیں کھولا تھا۔ سردی کی شدت اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے کب وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی اسے پتہ نہیں چلا۔ عابیر کی بند آنکھوں سے انسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔

اس ستمگر سے اسے اسی سفاکی کی امید تھی جو اس کے رونے گڑگڑانے پر اسے ہمیشہ کی جدائی کی وعید سنا کر جا سکتا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اپنا رونا

گڑ گڑانا یاد آیا تھا۔ صرف اسفندیار خان کے پیروں میں گرنا باقی رہ گیا تھا۔ کس طرح اسے روتے سسکتے روکا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اس سے دیوانوں کی طرح عشق کرتی ہے۔ وہ پھر بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اب سات ماہ بعد بھی وہ اپنا بدلہ اس کے لالا سے لینے آیا تھا۔

عابیر نے بے دردی سے اپنی انکھیں رگڑتے صاف کی۔۔

۔

مجھے یہاں کون لایا ہے۔ زاران لالا یا پھر شہرام لالا لائے ہیں

عابیر نے اپنی کلائی پر لگی ڈرپ کو بغور دیکھتے سوچا تھا۔

مگر اپنے گرد لپٹی آف وائٹ مرادہ شال سے اٹھتی مسحور کن خوشبو جو اس وجود میں سماتے اسے باور کروا رہی تھی اسے یہاں آخر کون لایا ہے

اسی لمحے روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اسفندیار خان کو دیکھتے عابیر کی رنگت اشتعال کے مارے سرخ ہوئی تھی۔ عابیر نے دہکتی نگاہوں سے اس ستم گر کو دیکھا جو اس وقت وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ کسرتی ورزشی چوڑا چٹانی جسم

طلسماتی نقوش جس پر متضاد نیلی آنکھیں جو اس کی سرخ و سفید رنگت کو مزید خوبرو بناتی تھی۔

عابیر اسفندیر خان کو دیکھتے بے رخی سے نظروں کا زاویہ بدلتے عابیر نے اپنے وجود سے شال اتار کر زمین پر پھینکی تھی۔

اسفند کے بھاری قدم اس کی طرف بڑھتے رکے تھے۔

وہ بیڈ پر بیٹھی اسے دہکتی نظروں سے دیکھ رہی تھی

اسفند نے بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ان ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی پرچھائی کے علاوہ کوئی اور جذبہ کہاں گوارا تھا۔وہ اسے سرد سپاٹ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اسفند کی نظریں اس کی ہیزل گرے آنکھوں سے زمین جیپر پڑی اپنی شال پر تھیں۔جسے وہ اجنبیت سے اتارتے زمین پر پھینک چکی تھی

اسفند نے آگے بڑھتے جھکتے ہوے اپنی شال اٹھائی تھی۔اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد اپنی شال اوڑھائی تھی۔۔

عابیر نے حیرانگی سے اسفندیار کو دیکھا جو اس کے گرد اپنی شال لپیٹے اسے اس کے سینے سے جکڑے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

عابیر نے گہری سانسیں لیتے اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں اپنی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھیں۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھے۔اسفند کی گرم گہری نگاہوں کا وہ مطلب سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔ان آنکھوں میں وہی گرمی تھی جو اس نے گیسٹ ہاؤس کی اس رات میں تھا جب اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے کتنی بار اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

میری وائلڈ پٹھانی اسفند یار خان صرف تمھارا ہے۔تم سے پہلے !!

کسی عورت کو اسفند یار خان نے چھوا تک نہیں۔تم ہی ہو جسے

اسفند یار خان کے لبوں نے چھوا۔تمھاری دھڑکنوں کو ہی تمھارے

اسفند یار خان نے سنا ہے۔تمھارا اسفند یار خان تم سے اپنی جان

!!سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔تم مجھے اپنے ہر رشتے سے پیاری ہو

اسفند یار خان کا اظہار آج بھی اس کی سماعتوں میں گونجتا تھا۔۔

وہ اس کے گرد شال کو جکڑے اس کی ہیزل گرے انکھوں میں ٹھہرے

موتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

عابیر سٹل اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔۔

اب اس کی سماعتوں میں پھر سے اس کے لفظ گونجے تھے۔

جھوٹ بولا تھا میں نے ۔ تمھارے جذبات کے ساتھ کھیلا تھا میں !!

نے۔۔۔میں گیسٹ ہاؤس میں بھی وہی اسفند یار خان تھا جو ہمارے

نکاح کی پہلی رات کو تھا۔۔صرف لفظوں کا ہیر پھیر کیا تھا۔۔تم ہی

نہیں سمجھ پائی ۔۔۔ورنہ میری پہلی رات کی شدتوں میں اور اس

دن گیسٹ ہاؤس کی شدتوں میں خاص فرق نہیں تھا۔۔بے رحمی ہی

!!بے رحمی تھی۔تم ہی سمجھ نہیں پائی

عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلاتے نم زخمی انکھوں سے مسکرا گئی تھی۔۔

اسفندیار خان مسکراتے ہوے اس کی شبنمی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھ گیا تھا۔وہ اپنی شال کو اس کے سینے سے سختی سے جکڑے ہوے تھا۔اس کی گرفت سے اندازہ ہو ارہا تھا عابیر کا خود کے وجود سے شال اتارنا پسند نہیں آیا تھا۔

عابیر نے حیرانگی اس کے لبوں کی گرمی کے ساتھ نرمی محسوس کی تھی۔۔وہ اس کے قریب ہوتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کی پیشانی پر اب اپنے لب رکھ گیا تھا

عابیر کی حیرانگی مزید بڑھی تھی۔وہ سٹل سی اس کے لبوں کی نرمی اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔وہ دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک

نقوش پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ اسفندیار خان کے گرم نرم لب رک ہی نہیں رہے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح اسے چومے جا رہا تھا

۔

عابیر نے ڈرپ لگے کانپتے ہاتھ سے اسے خود سے دور کرنا چاہا اس کی شدت میں مزید تیزی ائی تھی۔ وہ اپنے لمس سے اس کا چہرہ جھلسا چکا تھا۔

عابیر نے اب کی بار اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اسے بوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔ وہ بے خود سا اس کے نقوش کو چھو رہا تھا۔ پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔

عابیر گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں سرخ ڈورے لہرائے تھے۔اس کے خود سے دور جھٹکنے پر اس کی انکھوں مین جنونیت سی لہرائی تھی۔ایک یہی چیز تھی وہ مقابل کی برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ اسے خود سے دور جھٹکے یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کے قریب ہوتا اس کے لبوں پر اپنے دہکتے لب رکھ کر انھیں شدت سے اس کی سانسیں گھوٹ گیا تھا۔

وہ بہت شدت سے اس کے لبوں کو جکڑے اس کی سانسیں کھینچ رہا تھا۔عابیر نے اپنے ناخنوں سے اس کی گردن پر بے دردی سے خروچیں ڈالی تھیں۔

اسفندیار مسکراتے ہوے پیچھے ہوا تھا۔اپنی گردن سے اس کے دیے ہوے کھرونچوں پر خون کی بوندوں کو انگلیوں سے چنتے اس نے عابیر کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مجھے عادت ہے تمھارے زخموں کی۔ جب تک تم زخم نہ دے لو مجھے چین نہیں آتا میری سفاک بے رحم پٹھانی۔۔ اسفند نے ایک بار پھر سے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں؟؟ اسفند یار خان۔۔۔ ان نیلی آنکھوں میں سرد پن اور بے رخی کی جگہ نرمی اور گرمی کیسے شامل ہو گئی۔۔ راتوں رات کیا ہو گیا جو اسفند یار خان مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ عابیر نے اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا

اس ایک رات میں میں میرے لبوں نے تم سے محبت کا اقرار کیا ہے جو پچھلے سات ماہ میں نہ کر سکے۔۔ اور آج اسفند یار خان اپنی سفاک پٹھانی سے اس محبت کا اقرار کرنے آیا ہے جو میری بیوی میری آنکھوں میں اپنے لیے دیکھتی تھی۔ مگر لفظوں کی صورت میں سننے کی خواہشمند تھی۔ اب دن رات

تمھارا اسفندیار تمھیں بتائے گا تم اسفندیار خان کو اس کی عابیر اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اسفند نے جھکتے ہوے اس کی سفید دودھیا گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے نرمی سے وہاں اپنے دانت گاڑھتے لو بائٹ بنا رہا تھا۔

عابیر نے اسے ایک بار پھر سے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں پھر سے غصے کی آگ دہکی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس کے قریب ہوتا۔ عابیر بے دردی سے اپنی ڈرپ کھینچ کر اتارتے دوسری طرف سے بیڈ سے اترتے دروازے جانب بڑھی تھی۔

اسفندیار خان اسے بنا شال بنا جوتے کے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر مشتعل ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھتا اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے کھینچتا اپنے سینے کے ساتھ لپٹا چکا تھا

میں جانتا ہوں میری سفاک پٹھانی کو مجھ پر بہت غصہ ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بے پردہ اس کمرے سے باہر نکلو۔۔ اسفند اس کے بال گدی سے نرمی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے قریب کر گیا تھا۔

اسفندیار خان خود کو سمجھتے کیا ہیں؟؟ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟؟ میں خئی ہوں آپ کے لیے۔۔ یعنی آپ کا انتقام۔۔

آپ کا انتقام ساری عمر مجھے تڑپنا دیکھنا تھا تاکہ میرے لالا کو میری صورت اذیت دے سکیں۔۔ سات ماہ ساری عمر تو نہیں ہوتی۔۔ پھر یہ نرم گرم بانہیں آخر کیوں؟؟ اسفندیار خان کے لبوں کی تپش میں محبت کی گرمی آخر کیسے؟؟

عابیر اسفندیار خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی۔

اسفندیار خان نے اس کے چیخنے پر نرمی سے اس کی مٹھیوں کو جکڑا تھا جو اس کی شرٹ سختی سے جکڑے ہوے تھیں۔ وہ اپنی شرٹ چھڑواتے نرمی سے اپنے دہکتے لب اس کی بند مٹھیوں پر رکھ گیا تھا۔ اسفندیار خان کے لب رکے نہیں تھے۔ وہ بہت نرمی سے عابیر کی آستین سے نظر آتی اس کی سفید کلائی کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔

یہ کیا کر رہے ہیں اسفندیار خان۔۔۔ عابیر روتے ہوتے ہوے بولی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی کلائی کو اپنے لبوں سے چھوتا اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کی دھڑکنوں کو نرمی سے چھوتے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے پیٹ کو نرمی سے چھو رہا تھا

اسفندیار خان۔۔۔۔۔ اس کے لبوں کی تپش کو اپنے پورے وجود پر محسوس کرتے شدت سے رو دی تھی۔

وہ دیوانوں کی طرح اسے چھوتا جا رہا تھا اتنی دیوانگی سے اس نے کبھی اسے نہ چھوا تھا۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھین یکدم خوف سے پھیلی تھیں۔رنگت میں زردیاں سی گھلی تھیں۔۔سانسیں سینے میں اٹکی تھیں

جو سزا تمھارے ذریعیے تمھارے لالا کو دینی تھی ۔اب وہ !! تمھارے لالا کو دوں گا۔۔اس بار میرا عہد کوئی بھی نہیں توڑ سکتا۔۔نہ میری دوستی اور نہ تمھارے آنکھ کے آنسو ۔۔مروں گا یا مار دوں گا۔لیکن یاد رکھنا میرے مرنے کے بعد بھی تم میری ہی رہو گی!!

عابیر کی سانسیں اٹکی تھین۔ اسفند کے گذم نرم لبوں کی تپش کی وجہ اب سمجھ ائی تھی وہ اپنا انتقام لے چکا تھا۔ وہ خئی کی رسم نبھا چکا تھا۔ اور اب اسے ساری عمر اس انسان کی بن کر رہنا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے لالا کو مار چکا تھا۔

لالا۔۔۔۔ عابیر کے لب خوف سے پھڑ پھڑائے تھے۔ اسفند یار کا لمس زہریلے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہاسپٹل کی ٹھنڈے فرش پر گھٹنے جمائے اس کی کمر کو جکڑے اس کے پورے بدن کو اپنے لبوں سے جھلسا رہا تھا۔

لالا۔۔۔۔ عابیر کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔ وہ اپنے گلے کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔

اگر اس کے لالا نہیں تو وہ کیسے زندہ ہو سکتی تھی

لالا۔۔۔۔عابیر کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔

اسفند کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوتے کھڑا ہوا۔

وہ گلے پر ہاتھ رکھے چیخ رہی رھی

لالا میرے لالا۔۔۔۔۔۔عابیر حلق کے بل بہتے آنسوؤں سے چیخی تھی

عابیر کیا ہوا؟؟اسفند نے اس کے ہاتھ گلے سے ہٹائے تھے

وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

اسفند یار خان تم نے میرے لالا کو مار دیا۔لے لیا تم نے اپنا انتقام۔۔کیسے کر سکتے ہو تم ایسا؟؟میرے لالا کو مار کر تم کیسے مجھے چھو سکتے ہو۔اسفند یار خان۔۔۔۔تمھیں کیا لگتا ہے میرے لالا کو چھو کر تم مجھے پا سکتے ہو۔۔میں

خود کی جان لے لوں گی اگر تم نے مجھے چھوا بھی۔ اسفندیار خان میرے لالا کو مار دیا تم نے۔۔۔ تم نے مجھے بھی مار دیا ہے۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔

اسفند اس کے لبوں سے اپنے لیے تم سن کر اذیت کی انتہا پر جلا تھا۔ مقابل ایسی تو نہ تھی وہ اسے کبھی تم کہہ کر پکارے۔۔۔

عابیر۔۔۔۔ اسفند نے اسے نرمی سے پکارا۔

نہیں سننا تمھارے لبوں سے اپنا نام۔۔۔ نہیں دیکھنا تمھارا چہرہ۔۔۔ اپنے لالا کے قاتل کو میں نہیں دیکھ سکتی۔ عابیر اپنی آنکھیں بند کیے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔

عابیر۔۔۔اسفند نے آگے بڑھتے نرمی سے اس کے بازو کو جکڑا اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔

دور رہو مجھ سے اسفند یار خان۔۔عابیر آنکھیں کھولتے بدحواص ہوتے چیخی تھی

کیا سمجھتے تھے تم اسفند یار خان۔۔تم میرے لالا کو مارو گے میں خاموش رہوں گی کہ تم نے اپنا انتقام لیا۔خون کے بدلے خون۔۔۔اور میں ساری عمر تمھاری عورت بن کر رہوں گی۔۔۔میں اس حویلی میں رہنے والی عورت ضرور ہوں مگر ان حویلی میں رہنے والی عورتوں جیسی نہیں ہوں۔ تمھارے ذانی بھائی جو مجھ سے کئی گنا طاقتور تھا کبھی اسے خود کو چھونے نہیں دیا۔۔اس کے تھپڑ کھا لیے تھے مگر اس کے لبوں اور ناپاک ہاتھوں کبھی مجھے چھو نہیں سکے۔تم نے مجھے چھوا کیونکہ عابیر خان تمھیں دل سے اپنا

شوہر مان چکی تھی۔ مگر تم آج اور ابھی سے ہر حق مجھ پر کھو چکے ہو۔ عابیر ہذیانی چیخی تھی۔۔

عابیر تمھارا لالا کو کچھ نہیں ہوا وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ میں نے اسے نہیں مارا۔۔ اسفندیار خان اسے دونوں بازوؤں کو جھنجھوڑتے ہوے چیخا تھا۔

عابیر جیسے یکدم ہوش میں آئی تھی۔۔ تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ سچ بول رہے ہیں میرے لالا کو کچھ نہیں ہوا۔۔ آپ نے مم میرے لالا کو کچھ نہیں کہا۔ عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہچکی سے پوچھا۔

نہیں کہا اور نہ کبھی کچھ کہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں تمھارے لالا کی طرف بڑھتی گولی بھی اپنے سینے پر کھالوں گا۔ اسفند عابیر کی بہتی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اٹل لہجے میں بولا۔

سچ سچ کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔ عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے بولی۔

بلکل سچ کہہ رہا ہوں اسفند یار کی جان زاران خانزاہ کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ اسے کبھی ایک آنچ نہیں ائے گی۔ اسفند عابیر کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر جھکتے ہوے اپنے رکھے تھے۔۔

عابیر اس کی سینے سے لگے اس کی سرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے رو دی تھی۔۔

اسفند اسے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ چکا تھا۔۔

لالا۔۔۔عابیر زاران کو پکارتے روتے ہوے اس کے سینے میں سمارہی تھی۔اسفند نے گہرا سانس لیتے اسے مزید سینے میں بھینچا تھا

یکدم وہ اس کے حصار سے الگ ہوئی تھی۔

اسفند نے گہری نگاہ اس پر ڈالی وہ آف وائٹ ڈریس میں کھڑی تھی۔سنہری سلکی بال کھلے تھے۔رونے کی وجہ سے عارض اور ناک سرخ ہو رہے تھے۔

وہ اس وقت بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔

اسفنڈ اس کی طرف بے تابی سے بڑھا تھا وہ اپنے قدم پیچھے کو بڑھا گئی تھی

اسفند کے قدم رکے تھے۔اسفند نے اگے بڑھتے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔۔

عابیر میں اپنی ہر غلطی کی معافی مانگتا ہوں تم سے۔۔ تم سے ایک ریکویسٹ کروں گا میرے مرے ہوے بھائی کا ذکر آئیندہ میرے سامنے مت کرنا۔۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔۔ اسفند نے بھاری آواز میں کہتے اس کی انکھوں مین دیکھا تھا۔

کیوں نہ کروں وہ ایک ریپیسٹ تھا جس نے میرے اور لالا کی زندگی برباد کر دی۔۔۔ آپ نے اس کی وجہ سے میری تذلیل کی۔

تو کروں گا ناں ہر چیز کا مداوہ چاہو گی تو ساری عمر ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہوں گا۔ اسفند یار خان تڑپتے ہوے چیخا تھا۔

وہ جیسا بھی تھا اس کا بھائی تھا اس کے بارے میں یہ سب سن کر وہ اندر سے مر گیا تھا۔ خون کے رشتے جیسے بھی ہوں مگر خون کی کشش مار دیتی ہے۔ وہ

بھی آج جیسے مر گیا تھا۔نہ سر اٹھانے کے قابل رہا تھا نہ مرنے کے قابل

کیوں معافی مانگیں گے اسفند یار خان۔۔۔کیا ہوا ہے؟؟میرے لالا بے گناہ ثابت ہو گئے۔عابیر نے اپنے آنسو صاف کرتے تحیر سے پوچھا۔

ہاں تمھارا لالا بے گناہ ہے۔میرا بھائی بد کردار ظالم بے حس شیطان ثابت ہو چکا ہے۔اسفند اپنی انگلیوں سے اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا تھا۔

عابیر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

وہ کافی دیر کھڑے اسے روتے لرزتے دیکھتا رہا۔پھر اس کے قریب ہوا تھا۔

مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں مجھے اپنی بانہوں میں بھر لو ۔۔اسفند اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے التجائیہ لہجے میں بولا۔۔۔.

مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں مجھے اپنی بانہوں میں بھر لو

۔۔اسفند اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے التجائیہ لہجے میں بولا۔

عابیر نے اپنی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتے الجھن بھری نگاہوں سے اسفند کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ سمجھی نہیں تھی یا پھر سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔وہ سر نفی میں ہلاتے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی تھی۔

ٹوٹ کر بکھری تو میں بھی تھی اس رات جس دن آپ مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔عابیر زخمی سا ہنسی تھی۔

سب مداوہ کر دوں گا ہر رات ہر زخم ہر اس بات کا جس کی وجہ سے تم نے تکلیف سہی۔

کیسے کریں گے مداوہ میرے ہر زخم ہر تکلیف ہر اس بات کا جس نے مجھے گھنٹوں رلایا تڑپایا۔

عابیر نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اپنی محبت سے تمھارے زخم زخم پر اپنے تشنہ لب رکھوں گا۔ میری بانہوں میں تمھیں کچھ یاد نہیں رہے گا۔ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔ اسفندیار خان نے اس کے گال پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھا تھا۔

عابیر زخمی سا ہنستے ہوئے آنکھیں بند کرتے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔ موتی ٹوٹ کر عارض پر شدت سے بکھرے تھے۔

اسفند نے دوسرے ہاتھ سے اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسفند کی گرم نگاہوں کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔

عابیر کی آنکھوں سے شبنم گرتی اس کے عارض کا حصہ مسلسل بن رہی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔

آپ مردوں کو ایسا کیوں لگتا ہے؟؟ آپ مرد عورت کو جتنی مرضی تکلیف دے دیں۔ ہر تذلیل ہر تھپڑ کا مداوہ اسی مرد کا پیار ہے۔ جس نے اس عورت کو زخم دیتے اسے اپنی عورت تو دور انسان تک نہیں سمجھا تھا۔

عابیر نے اپنے گال پر رکھے اسفند کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے زخمی لہجے میں سوال کیا تھا۔

اسفند نے اس کے سوال پر اسے کمر سے جکڑے خود کے قریب کرتے اس کے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھتے انھیں اپنے حلق میں اتارا۔

عابیر اس کی شرٹ اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

اسفند اسے اپنے مضبوط بانہوں میں تھامے اس کے عارض پر بہتے آنسو دیوانگی کے عالم میں اپنے لبوں سے چن رہا تھا۔

عابیر زخمی سا مسکراتی اس کی دیوانگی اپنے عارض اپنے ہر نقش پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے پر حدت لبوں کی تپش سے اس کے نقوش کو جھلسا رہا تھا۔

عابیر کی سانسیں اس کی دیوانگی پر بری طرح الجھ رہی تھیں۔۔ کب سہی تھیں مقابل کی اتنی دیوانگی اور تڑپ۔۔۔ کب چھوا تھا اس نے ایسے کبھی۔

اسفند اس کے لبوں پر جھکے ایک بار پھر سے اس کی سانسیں اپنی گرم سانسوں میں انہیل کر گیا تھا۔

عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی جنون خیزی اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔

اسفند اس کی کمر کو ایک ہاتھ سے جکڑے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کے لبوں کو اپنی شدت سے قندھاری کر رہا تھا۔۔ وہ اتنی شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا تھا کہ عابیر کو اپنی سانسیں بری طرح اکھڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ اس کی شرٹ جکڑے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔ اس کے لبوں پر اپنی جنون خیزی ہلکی سی خون کی بوند کی صورت میں وہ دے کر پیچھے ہوا تھا۔

یہ ہے آپ کا مداوہ؟؟عابیر گہرے سانس لیتے اپنے لبوں سے اس کی دی ہوئی سوغات خون کی بوند کی صورت میں لبوں پر چنتے گہرا مسکرائی تھی۔

اسفند اس کے سوال اور انداز پر الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔۔

لفظوں کی مار مارتے آپ عورت کی روح زخمی کر دیں اور تھپڑوں سے اس کا گال لال کر دیں گے اور مداوہ کریں گے راتوں کو اپنا بستر گرم کر کے۔۔اس عورت کے بنا کپڑوں کے وجود کے ساتھ لپٹ کر۔۔جایئے اسفند یار خان کوئی اور طریقہ ڈھونڈیے تاکہ میں آپ کو معاف کرنے کا خود میں حوصلہ

پیدا کر سکوں۔ عابیر استھزائیہ مسکراتے ہوے بیڈ پر رکھی اپنی چادر کی طرف بڑھی تھی۔

اسفند اس کی طرف بڑھتے اس کا رخ اپنی طرف پلٹ گیا تھا

کیا چاہتی ہو پھر کیسے مناؤں تمھیں؟؟ جس چیز پر سوال اٹھا رہی ہو وہی ایک محرم کی محبت کا ثبوت ہوتی ہے۔

رات کو مرد ہی صرف اپنا بستر گرم نہیں کرتا۔ اس عورت کو اپنی بانہوں میں بھر کر اسے وہ عزت دیتا ہے جو محرم بن کر وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ مرد اگر رات کو اس عورت کا حق ادا نہ کرے تو یہ عورت کی تذلیل ہے۔ وہ اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف موڑتے گہری ہوتی سانسوں سے بولا۔۔ سامنے کھڑی سفاک پٹھانی کی سانسیں چھیننے پر اس کی سانسیں بھی اکھڑ رہی تھی۔ وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو گہرے سانس لیتا ترتیب دے رہا تھا۔

میرے ہر سوال کا جواب تو آپ نے خود ہی دے دیا عابیر اسفند کی باتوں پر شبنمی آنکھوں سے زخمی سا ہنس پڑی تھی۔

پہلی رات کو مجھ سے اپنا حق اس لیے لیا کیونکہ آپ حویلی کی اس بہادر لڑکی جس نے اپنے شوہر کی کلائی پر چاقو دے مارا تھا۔۔اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی بہادری چیک کرنا چاہتے تھے کہ وہ آپ جیسے پہاڑی چٹان جیسے مرد کو کیسے برداشت کر سکتی ہے

ان الفاظ میں کہاں میرے لیے عزت تھی؟؟۔کیا ایک شوہر اپنی سہاگ رات کو ایسے الفاظ اپنی بیوی کے بولتا ہے جو آپ نے بولے۔ایسے لفظ تو ایک طوائف کے لیے بولے جاسکتے ہیں مگر بیوی کے لیے نہیں۔

عابیر۔۔۔۔۔۔اسفند نے چیختے ہوے اپنا ہاتھ اسے مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔۔ مگر وہ ضبط سے گہرے سانس لیتا عابیر کو لہو اتری آنکھوں سے دیکھتے اپنے ہاتھ کو دبوچے پہلو میں گرا گیا

عابیر سر نفی میں ہلاتے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کر گئی تھی۔

ساری رات آپ کی سفاک شدتیں سہتے گزاریں جس میں آپ صرف میرا ضبط اور میری گہرائیاں ماپ رہے تھے۔ایک شوہر کی عزت کہاں تھی اس سب میں ؟؟۔میری بند ہوتی سانسوں میری رنگت میں اتری زردیاں میری آنکھوں سے بہتے آنسو آپ کمرے میں جلتی مدھم روشنی میں دیکھ کر سکون حاصل کر رہے تھے۔۔ایک بار بھی آپ نے اپنے پر حدت لمس سے مجھے

سکون پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔۔ میرے درد کی اس رات آپ کو پرواہ تھی ہی نہیں۔ اسفندیار توجیت کے نشے کے احساس میں تھا اس وقت ۔۔۔ جس لڑکی نے کچھ دیر پہلے اسے چاقو مارا۔۔ اب وہی اسفندیار خان کی بانہوں میں بری طرح سسک رہی تھی۔ اسفندیار خان پوری طرح اس پر حاوی ہوے اس کے بدن کی ہر گہرائی اس کے نازک حصوں پر اپنا حق جماتے بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔ میرے چاقو مارنے پر آپ نے اپنے درد کی تسکین پوری طرح اپنی شدتیں میرے نازک وجود پر ڈھاتے لیں۔ کہاں عزت تھی اس رات ایک شوہر کی قربت میں۔ ایک لمحہ ایک پل ایسا نہیں تھا جس میں مجھے ایک شوہر کی طرف سے عزت محسوس ہوئی ہو۔

پھر بھی ایک بیوی ہونے کا حق میں نے نبھایا۔۔ آپ کی قربت آپ کی سانسوں آپ کے لبوں کی تپش سے محبت کی میں نے۔ آپ کے بدن کی

خوشبو میری سانسوں میں رچ بس کر مجھے آپ کا اسیر کر گئی تھی۔ میں نے کبھی آپ کے حق کی تذلیل نہیں کی۔۔ اس رشتے کی تو ہمیشہ میں نے عزت رکھی۔۔ آپ نے کہاں اس رشتے کو اور مجھے ویلیو دی۔۔ عابیر کے سوالوں پر وہ اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔

اس کی طوائف والی بات پر ابھی تک وہ سلگ رہا تھا۔

اور اگلی صبح کے لفظ آپ بھول گئے ہوں تو آپ کو یاد کرواتی ہوں۔ عابیر اسفند کی طرف بڑھتے اس کے قریب ہوئی تھی۔۔ اب دونوں کے درمیان ہاف انچ کا فاصلہ بھی نہیں تھا۔

"Your punishment is the closness of your husband"

وہ اس کے قریب ہوتے اپنی ایڑھیاں اوپر کو اٹھا گئی تھی۔ اس کی طرف جھکتے اس کے کان میں بھیگے لہجے میں مدھم سرگوشی کی۔

اسفند اب اپنی ظبط سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔اس کے وجود کی نیلی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔

یہی کہا تھاناں آپ نے پہلی رات مجھے بستر پر دھکیلتے ہوے۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں اب دیکھتے بولی تھی۔۔اسفندیار خان لب بھینچے اس کی بھیگی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔

اور اگلی صبح کیا کہا آپ نے یاد تو ہو گا آپ کو۔۔وہ اب پھر سے ہنسی تھی۔

نہیں نہیں یاد ہو گا آپ کو اسفند یار خان۔۔۔۔۔ کہنے والا بھول جاتا ہے۔ سننے والا ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ اور جو لفظ دل کو لگ جائیں وہ کہاں بھولتے ہیں۔ عابیر دل پر ہاتھ رکھتے اسفند کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔

اسفند کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ اس کی سفاک پٹھانی تو سچ میں سفاک تھی وہ تو سب کچھ یاد رکھے ہوے تھی۔

!! تمھیں اب میں کبھی نہیں چھوؤں گا۔۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے۔۔ مگر اسفند یار خان کو تمھاری اب کبھی طلب ہو۔۔۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔۔ کیونکہ تم وہ لڑکی ہی نہیں ہو۔۔۔ جس پر اس کا شوہر ایک بار نگاہ ڈالنے کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ آج کی رات تمھارے ساتھ بتانے کے بعد یہ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے۔۔

You have lost your charm and beauty to me "

"I will never come you" never ever my beautiful

women "!!

مجھ میں اتنادم خم ہی نہیں مجھ میں وہ بات ہی نہیں جو آپ میرے قریب

دوبارہ آئیں۔یہی لفظ بولے تھے ناں آپ نے۔۔۔عابیر نے چٹختے ہوے

کہا۔۔۔وہ پیچھے کو ہوئی تھی یکدم لڑکھڑا گئی تھی۔اسفند اسے کمر سے تھام گیا

تھا۔

عابیر نے اب کی بار اسفند کو تھاما نہیں تھا۔۔وہ تو بس اس کی نیلی آنکھوں میں

دیکھتے جارہی تھیو

آپ کو شائد اندازہ نہ ہو ایک بیوی اپنے شوہر کے لبوں سے یہ لفظ سن کر کیسا محسوس کرتی ہے ؟؟ اور وہ بیوی جو ایک ہی رات میں اپنے شوہر کی اسیر ہو چکی ہو۔

اس جائز حق کی اس رشتے کی عزت کی تذلیل آپ نے کی۔ میں نے کبھی نہیں کی۔۔ آپ جب جب میرے قریب آئے۔ مجھے دھتکارا۔۔۔ مجھے تھپڑ مارے۔۔ لفظوں سے میری تذلیل کی۔۔ رات رات بھر میرے قریب ہوتے مجھے چھوا نہیں۔۔ کیسا لگتا تھا مجھے آپ کے پہلو میں سوتے ہوے ؟؟۔ اپنی خوبصورتی سے مجھے گھن آتی تھی۔ جس کا شوہر اس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھے وہ عورت مر جاتی ہے۔۔ حویلی کی وہ بہادر لڑکی رات رات بھر جاگتے ہوے اسفندیار خان کو سوتا ہوا دیکھ کر سوچتی تھی کہ اس میں ہی کوئی خاص بات نہیں جو اس کا شوہر اسے ہاتھ نہیں لگاتا۔ آپ

نے حویلی کی اس کانفیڈنٹ لڑکی کی عزت نفس کو بری طرح مجروح کیا تھا۔ بہت الگ طریقے سے سزا دی آپ نے مجھے۔۔ دن رات لفظوں سے میری تذلیل نہیں کی۔۔ بستر پر مجھے دن رات روندا نہیں۔۔۔ نہ ہی بہت سے تھپڑوں کا آپ کا نشانہ بنی۔۔ مگر پھر بھی آپ نے عابیر کو گہرے زخم دیے جو اس کی روح پر لگے۔ کیونکہ آپ کی ذرا ذرا سی بات عابیر خان کی روح ہی زخمی کر جاتی تھی۔ عابیر اب کی بار روتے ہوئے بولی۔

اسفند اس کی باتوں پر تڑپ اٹھا تھا۔

ایسا نہیں ہے اس ایک رات کی قربت کے بعد تمھیں ہی نہیں مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی تھی۔ صرف تم ہی نہیں میں بھی ساری ساری رات سلگتا تھا۔ تمھارے پاس رہ کر تم سے دور رہنا بہت مشکل تھا۔۔ ہر پل میں مرتا تھا۔۔ ہر پل تڑپتا تھا۔ تمھیں کیا لگتا ہے تم مجھے راتوں کو دیکھتی تھی؟؟ میں

سویا ہوتا تھا۔۔ تمھاری نظروں کی تپش اپنی پشت اپنے چہرے پر محسوس کرتا تھا۔ کیسے تم جیسی عورت کے قریب آکر اس کا شوہر سو سکتا ہے؟؟ اس سے غافل ہو سکتا ہے۔ ایک آگ کا دریا تھا جس پر میں سفر کرتا تھا ننگی تلوار پر چلتا تھا میں۔۔

تم کتنی خوبصورت ہو۔۔ بہت الگ ساری دنیا کی عورتوں سے الگ۔۔۔ تمھارا اسفند پہلی رات ہی تمھارا دیوانہ ہو چکا تھا۔۔

اسفند اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے عارض پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا ۔ تم بہت خوبصورت ہو۔۔ تمھارے لب تمھاری آنکھیں تمھارے گال ۔۔ تمھارا خوبصورت بدن تمھاری سنہرے بال۔۔۔ صرف تم نے نہیں تمھارے اسفندیار خان نے بھی تمھیں سوتے ہوے گھنٹوں دیکھا ہے۔ تمھارے نقوش کو گھنٹوں نرمی سے چھوا ہے۔۔ دیوانہ ہوں

تمھارا۔۔ تمھارے بدن کی گلاب خوشبو کا۔۔ اسفند نرمی سے اب اس کی گردن پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔

یعنی آپ سوتے نہیں تھے۔۔ میرے تڑپنے کا مزا لیتے تھے۔ عابیر اسفند کو خود سے دور دھکیلتی ہذیانی چیخی تھی۔

اسفند اس کے قریب ہوتا اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔

مت دھکیلا کرو خود سے دور مجھے۔ نہیں برداشت کر سکتا تمھارا جھٹکنا۔۔ تم نہیں سمجھ سکتی تم میرے لیے کیا ہو؟؟۔۔ دیوانہ ہوں تمھارا۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔ اتنی شدت سے تم سے محبت کرتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔

کہ آپ کی شدت بھری محبت سے مجھے نفرت ہو گئی۔۔ عابیر اسفند کی بات کاٹتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تھی۔۔

اسفند کی گرفت اس کے بالوں پر خطرناک حد تک مضبوط ہوئی تھی۔۔عابیر بری طرح سسک کر رہ گئی۔۔

اسفند کی نیلی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ظبط کرنا مشکل تھا اپنی بے رحم سفاک پٹھانی کے منہ سے نفرت کا اظہار۔۔۔وہ تڑپ کر مر رہا تھا۔وہ تو کبھی نفرت بھرے لفظ نہیں بولتی تھی۔۔

محبت تب آپ مجھ سے شدت سے کرتے. جب کسی بھی صورت میں آپ کا انتقام نہ بنتی۔۔ جس عورت کو اپنے تمام گھر والوں کے سامنے اپنا انتقام کہا جائے وہ صرف بدلہ ہو سکتی ہے. نفرت ہو سکتی ہے محبت نہیں۔۔۔عابیر نے سسکی لیتے کہا۔

اپنے بھائی کی تکلیف کا سن کر کیسے تڑپ اٹھتی ہو؟؟۔۔اسے کچھ ہو نہ گیا ہو تھاری سانسیں بند ہو رہی تھیں۔۔ کس طرح تم اپنے حواص کھو بیٹھی تھی

ایک بار میری جگہ خود کو رکھ کر سوچو۔۔۔مجھے بھی ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی ۔۔۔ تمھارے لالا کو سزا دینا چاہتا تھا تمھاری صورت۔۔ کیا کرتا؟؟ میں اسے مار نہیں سکتا تھا کیونکہ جگری یار تھا میرا۔۔ یہاں بستا تھا۔۔ اسفند اپنے سینے پر مکے مارتے ہوے بولا تھا۔ جو یہاں بستا ہو کیسے اس کے سینے پر گولی چلا دیتا۔۔ وہاں اس کی سانسیں بند ہوتی تو اسفند کی سانسیں بھی بند ہو جاتیں۔۔ تمھیں سزا دی مگر خود زیادہ سزا سہی۔۔ ایک پل کے لیے میری تکلیف بھی سوچو.. کیسے بدلہ لیتا اپنے جوان بھائی کی موت کا بتاؤ مجھے ؟؟۔ کیا آپشن تھا میرے پاس۔۔ جواب دو مجھے۔۔۔ اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

تو یہ آپش تھا آپ کے پاس کہ ایک عورت سے آپ اپنے جوان بھائی کی موت کا بدلہ لیتے۔۔ جس کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ جو دونوں بار نکاح کرنے پر مجبور ہوئی۔۔

میں نے بتایا تھا آپ کو آپ کے بھائی کے بارے میں۔ اس نے مجھے سیڑھیوں سے دھکا دیا۔ میں نے بتایا تھا آپ کو آپ کے بھائی کے غیر عورتوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو آپ کا بھائی ایک ریپسٹ تھا۔۔۔ کیوں نہیں تحقیق کی آپ نے۔۔۔ جو دوست آپ کے سینے میں بستا تھا اس پر اعتماد کیوں نہیں کیا؟؟

عابیر کی باتوں پر اسفند اس سے دور ہوتے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

بابرک کے لیے یہ لفظ سننا اسے پاگل کر رہا تھا۔ ساری دنیا اسے ریپسٹ ذانی کہہ سکتی تھی مگر وہ نہیں سن سکتا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا اس کا بھائی۔۔

میرے سچ بولنے پر تھپڑ مار کر چپ کروا دیا۔۔ اسفندیار خان تو اتنا کمزور نہیں تھا اور نہ ہی پوری طرح اپنے بھائی کے کرتوتوں سے لاعلم۔۔۔ ایک بار تو تحقیق کرواتے۔۔ مگر نہیں آپ نے نہیں کروائی کیونکہ آپ ہارنا نہیں چاہتے تھے۔۔ آپ کو اپنے بھائی کے جرموں پر پردہ ڈالنا تھا۔ اپنی بیوی اور دوست کا رشتہ نبھانے سے زیادہ آپ اپنے بھائی کے ساتھ رشتہ نبھا رہے تھے۔۔۔ آپ کو زیادہ آسان لگا اس عورت کو تکلیف دینا جو آپ کے عشق میں پاگل تھی۔۔۔ کیونکہ بدلے میں وہ عورت ہمیشہ آپ کی رہتی۔۔ اس عورت کی آنکھوں میں جنون دیکھ چکے تھے آپ۔۔۔ اپنے بھائی کی سچائی سامنے آنے پر آپ کی نظریں جھک جاتی جو آپ نہیں چاہتے تھے۔۔

اسفند اب بے ترتیب سانسوں کے ساتھ اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

مجھ سے پوچھا۔۔ میں آپ کی جگہ ہوتی کیا کرتی ؟؟۔۔ اسفند یار میں کبھی آپ کی طرح نہ گرتی۔۔ جو غلطی آپ نے کی ہی نہیں میں کبھی آپ کو سزا نہ دیتی۔۔ کبھی اس پاک رشتے کی تذلیل نہ کرتی۔۔ عابیر اپنے آنسو صاف کرتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

ابھی کیا کر رہی ہو ؟؟ اس رشتے کی تذلیل نہیں کر رہی۔ اپنے شوہر کو دھتکار نہیں رہی۔۔ اس کی محبت کو اپنے لفظوں سے اس کے منہ پر نہیں مار رہی۔۔ اسفند اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا۔

اسفند یار خان تذلیل پتہ ہے کیا ہوتی ہے بتاؤں آپ کو۔۔ تذلیل وہ ہوتی ہے جو آج سے سات ماہ پہلے آپ نے سب گھر والوں کے سامنے میری کی۔

۔۔

کیا کہا تھا آپ نے مجھے۔۔۔۔

تم مجھے کبھی نہیں بھول سکتی مسسز اسفند یار خان۔۔۔جو لڑکی !!
میرے ذرا سے نزدیک آنے پر ہر بار پگھل جاتی تھی ۔جو میرے
نفرت کے اظہار کے باوجود ہر بار مجھے خود کو سونپتی رہی ۔جس
لڑکی کے نزدیک اپنی آنا اپنی عزت نفس سے عزیز اس کی محبت ہو
۔جو لڑکی میری بے رحم شدتیں سہتے کبھی لبوں سے آہ نہ نکالے
۔بلکہ میرے سینے میں چھپے خود کو میرے حوالے ایسے کرے کہ
!!جیسے وہ کھلونا ہو۔وہ لڑکی مجھے کبھی نہیں بھول سکتی

عابیر اس کے لفظ یاد کرتی زخمی لہجے میں بول رہی تھی۔

ٹھیک کہا تھا آپ نے۔۔ آپ جیسے انسان کو اپنے قریب آنے دینا میری غلطی تھی۔۔ آپ جب جب میرے قریب آئے میں خود کو آپ کو سونپتی رہی۔۔۔ اسی لیے میرا مقدر آپ کی دی ہوئی ذلت ٹھہری۔۔۔ میں خود کو نہ گراتی آپ کبھی مجھے نہ گراتے۔۔۔ اب اور نہیں میں اپنی تذلیل میں کبھی بھول نہیں سکتی۔۔

عابیر نے سپاٹ لہجے میں کہتے بیڈ پر پڑی اپنی چادر سے خود کو اچھی طرح لپیٹا تھا۔۔

عابیر میں جھک رہا ہوں اس لیے تم مجھے معاف نہیں کر رہی۔۔۔ میرا جھکنا تم میں اکڑ پیدا کر چکا ہے۔۔ غلطی میری ہے جو تم سے معافی مانگ رہا تھا۔۔ بیوی ہو میری۔۔۔ مجھے تم سے سیدھا سیدھا اپنا رشتہ نبھانا چاہیے.

۔۔ اب مجھے تمھاری معافی کی ضرورت نہیں۔۔ چادر سے اچھی طرح خود کو

لپیٹو۔۔ حویلی چلتے ہیں۔۔ کمرے میں چل کر باقی باتیں کریں گے۔۔ مجھے آج رات اپنی بیوی اپنی بانہوں میں چاہیے تو امید کرتا ہوں۔ جس طرح ہر بار ایک اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دیا۔۔ آج بھی دو گی۔ اسفند نے اس کے قریب ہوتے اس کی ٹھوڑی پکڑے سرد لہجے میں کہا۔

یہ ہیں آپ اصل میں اسفند یار خان۔۔۔۔ یہی ہے آپ کی اصلیت۔۔۔۔ عابیر نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔۔۔

لیکن عابیر خان اب وہ عابیر نہیں رہی۔ جتنے بھی زخم کھائے وہ محبت میں کھائے۔۔ اب نہیں۔۔ عابیر نے جواباً سرد لہجے میں کہا۔

کیا ہوا ہے عابیر خان کو ہاں۔۔۔۔ کیسے بدل گئی عابیر خان۔۔۔۔ ان چند دنوں میں۔۔ ہاں بولو۔۔۔۔ سات ماہ عابیر خان نے ہر پل اسفند یار خان کی

جدائی کا ماتم منایا ہے۔ راتوں کو روتے ہوئے تکیے میں منہ چھپائے اسفند یار خان کو تڑپتے ہوئے پکارا ہے۔۔ اسفند اس کا بازو دبوچے غرایا تھا۔

میں کبھی آپ کے لیے نہیں روئی۔۔۔ عابیر خان اتنی آرزاں نہیں جو اپنی تذلیل کرنے والے انسان کے لیے روئے۔

عابیر جو ابا سپاٹ لہجے میں غرائی تھی۔

جھوٹ مت بولو مسسز عابیر اسفند یار خان۔۔۔ اپنی آنکھوں سے تمھیں دن رات روتے تڑپتے ہوئے دیکھا ہے۔۔ اس دن بھی میرے چھوڑ کر جانے پر تم ڈائیلاگ بول رہی تھی کہ عابیر خان کے دل نے اسفند یار خان کو طلاق دے دی ہے۔۔۔ تم صرف ڈائیلاگ بولتی ہو ورنہ تمھارے دل تمھاری روح میں صرف اسفند یار خان ہے۔۔ اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے لفظ چباتے بولا تھا۔۔

جھوٹ ہے۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔ جھوٹ مم میں کبھی آپ کے لیے راتوں کو نہیں روئی۔۔ مم عابیر خان کے دل نے اسی دن اسفندیار خان کو طلاق دے دی تھی۔ جس دن اس اسے چھوڑ کر گیا تھا۔عابیر ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔

میرے پاس ثبوت ہے تمھارے رونے تڑپنے سسکنے کا۔اس لیے یہ تماشہ بند کرو۔۔ اسفند غصے سے استھزائیہ لہجے میں بولا۔۔

ثبوت کیسا ثبوت ؟؟۔۔عابیر نے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔۔

تمھیں کیا لگتا ہے ان سات ماہ میں تم سے غافل رہا۔۔ تو سنو مسسز اسفندیار خان۔۔۔ اسفندیار خان نہ تم سے غافل رہ سکتا ہے نہ تمھیں کبھی چھوڑ سکتا

ہے۔۔میں سات سمندر پار ضرور تھا۔ مگر تم ہر پل میری نظروں کے سامنے ہوتی تھی۔ تمھارے بین سنے ہیں میں نے رات رات بھر۔ میری تصویر کو رات رات بھر سینے لگائی تڑپی ہو روئی ہو۔ محبت نہیں عشق کرتی ہو تم مجھ سے۔۔ میری دیوانی ہو تم۔۔ عابیر خان اسفندیار خان کی دیوانی ہے۔۔ اسفند کے لفظ سنتے عابیر مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

کک کیسے ؟؟ عابیر نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا۔

ہمارے کمرے میں میں نے کیمرے نصب کیے تھے۔۔ ہر پل تمھیں دیکھا ہے میں نے ان کیمروں میں۔۔ اسفندیار خان نے گہرے سانس لیتے کہا۔

اسفند کی بات سنتے عابیر کا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ اس حد تک گر سکتے ہیں۔۔ آپ یہ کک کیسے کر سکتے ہیں۔۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔۔ نے مم۔۔۔۔۔۔ مجھ پر نظر رکھی تھی۔۔ ممم۔۔۔۔ میری۔۔۔۔۔۔ تڑپ کا۔۔۔۔ مزا لے رہے تھے۔ عابیر کے لبوں سے لفظ بمشکل ہی ادا ہوے تھے۔

بیوی ہو میری تم میری عورت۔۔۔۔۔۔ تم پر نظر رکھ سکتا ہوں۔۔ اس میں گرنے کی کیا بات ہے۔۔ تمھارے کمرے میں ہی نہیں تمھارے چینجینگ روم میں بھی کیمرے لگوا سکتا ہوں۔ حق رکھتا ہوں تم پر۔۔۔ اسفند غصے سے اسے قریب کر گیا تھا۔

نہیں اسفندیار خان آپ میرے چینجنگ روم میں بلا آجازت آسکتے ہیں۔ مجھے چینج کرتے ہوے بھی دیکھ سکتے ہیں۔

مگر کیمرے لگانے کا آپ کو کوئی حق نہیں تھا۔۔ آپ نے میری انسلٹ کی ہے۔۔ آپ نے میرے جذبات کا مذاق اڑایا ہے۔ آپ کی مردانہ آنا کو سکون ملتا تھا مجھے دن رات تڑپتے دیکھ کر۔۔ آپ کے بدلے کی آگ ٹھنڈی ہوتی تھی۔ عابیر اسے خود سے دور دھکیلتی چیخی تھیی۔۔

عابیر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔ تمھیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا ۔تم میرے لیے تڑپتی تھی میری مردانہ آنا کو سکون نہیں ملتا تھا۔۔ میرے اندر تمھارے لیے دہکتے جذبوں کو سکون ملتا تھا کہ جتنا میں تمھارے لیے تڑپتا ہوں اس سے کئی زیادہ تم تڑپتی ہو۔۔ وہ عابیر کے قریب ہوتا تڑپتے ہوے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر گیبا۔۔

اسفندیار خان جھوٹ۔۔۔۔ سب کچھ جھوٹ اب پتہ چلا آپ واپس کیوں آئے ہیں؟؟۔۔ مجھے براک کے ساتھ ہنستا مسکراتا نہیں دیکھ سکے۔۔ آپ

کے لیے میری تڑپ کم ہوئی بلکہ ختم ہو گئی آپ برداشت نہ کر سکے اور واپس آ گئے اور وجہ بیان کی کہ آپ غیرت کی وجہ سے واپس آئے کہ آپ مجھے دارم خان کی حویلی میں برداشت نہ کر سکے۔۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ آپ مجھے ہنستا مسکراتا خوش نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر میں خوش رہتی تو اسفندیار خان کا انتقام کیسا پورا ہوتا

اور اب جب آپ کو پتہ چلا بابرک گناہ گار ہے اور میرا لالا بے قصور تو آپ نے سوچا اپنا پرانا رشتہ میرے لالا اور اپنی بیوی سے کیوں نہ استوار کر لیا جائے۔۔ عابیر چیختے ہوئے بولی تھی۔

ایسا نہیں ہے کہ صرف تم میری غیرت ہو۔۔ تم عشق ہو اسفندیار خان کا۔۔ تم پر ہوا کا گزر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔۔ اتنا پوزیسیو ہوں تمھیں لے کر۔۔۔ تم دارم کی حویلی می رکی یہ ایک شوہر برداشت نہیں کر سکا

کیونکہ تم میرا جنون ہو۔۔ تم پر کسی کا سایہ برداشت نہیں۔ اسفند گھمبیر آواز میں بولا۔۔

اور بتاو مجھے میرے لیے تمھاری تڑپ کیسے ختم ہو گئی بتاؤ مجھے۔۔۔۔ کیسے ہو سکتی ہے۔۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اس کے بال مٹھی میں جکڑتے تڑپتا ہوا غرایا تھا۔

عورت محبت کرتی ہے۔ ٹوٹ کر کرتی ہے۔۔ عبادت سمجھ کر کرتی ہے۔ اس میں شرک کا سوال ہی نہیں ہوتا۔۔ لیکن اگر اس کی محبت میں شرک کیا جائے۔ تو وہ جواباً شرک نہیں کرتی بلکہ اپنا مہذب ہی بدل دیتی ہے۔

آپ کے لیے تڑپنا تو دور کی بات آپ کو سوچنا بھی اب عابیر خان اپنی توہین سمجھتی ہے۔۔ عابیر سفاکیت سے بولتے اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔

اسفند اس کی باتیں سنتا پاگل ہوا تھا۔۔

میں نے کبھی تمھاری محبت میں شرک نہیں کیا۔۔ میں نے تمھارے علاوہ کبھی کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا۔ وہ سب میں تمھیں تڑپانے کے لیے کہتا تھا۔۔ میں صرف تمھارا ہون میرا یقین کرو۔۔ اسفند یار خان اس کی طرف دیکھتے تڑپتے ہوے بولا۔۔

کیسے یقین کروں میں ؟؟ آپ کے منہ سے ہی دوسری عورت کے متعلق لفظ سنے ہیں۔ اپنی مورے کو بتا رہے تھے کہ آپ کی زندگی میں دوسری عورت ہے۔۔ اور میرے سامنے آپ نے اقرار کیا تھا کہ آپ میرا حق اسے دے چکے ہیں۔ میں ایک پل کے مان لیتی ہوں کہ آپ نے مجھے تڑپانے کے لیے ایسا کہا۔۔ لیکن کیوں اسفند یار خان ؟؟ کیوں آپ مرد عورت کو زیر کرنے کے لیے دوسری عورت کا نام لیتے ہیں۔ اگر عورت ایسا کرے تو اس کا سر

دھڑ سے اسی ٹائم الگ کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اور اگر عورت کی باتوں میں ذرا سی بھی سچائی ہو تو اس کا سر دھڑ سے الگ بھی کر دیتے ہیں۔

بند کمرے میں دوسری عورت کا ذکر کر کے آپ میری توہین کرتے ہی تھے ۔۔ اپنی مورے اور حویلی کی ملازماؤں کے سامنے دوسری عورت کے ساتھ تعلقات کا اقرار کرتے بھی آپ نے میری توہین کی۔۔ جس طرح درخشاں اور دوسری ملازمائیں مجھے ترحم امیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

میرے دل سے آپ اسی دن اتر چکے تھے۔۔ ایسی غیرت آئی مجھے کہ آپ میرے دل سے اتر گئے۔۔ عابیر اسفندیار خان کا گریبان پکڑ کے چیخی تھی۔

اسفندیار خان نے بے بسی سے عابیر کو دیکھتے اسے کے اس ہچکولے بھرتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھرنا چاہا۔۔

عابیر بدک کر پیچھے ہوئی تھی

کہا تھا آپ سے جس دن میرا لالا بے گناہ ثابت ہوے میں آپ کو سزا سناؤں گی۔۔ کل آپ نے مجھے سزا سنائی اور میں نے وہ سزا سہی۔۔ آج میں آپ کو سزا سناؤں گی آپ کو سہنی پڑے گی۔۔

عابیر خبر دار کوئی بکواس کی کوئی ایسا ویسا لفظ منہ سے نکالا جان سے مار ڈالوں گا۔ تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ چاہے تمھارا لالا مجھے جان سے مار ڈالے۔۔ اسفند غرایا تھا۔۔

اسفند یار خان میں نے کہا تھا آپ کی سزا یہ ہو گی آپ کو میری قربت نہیں ملے گی۔ آپ میرے قریب نہیں آئیں گے۔۔ اب چاہیں تو یہ سزا برداشت کریں چاہیں تو مجھے چھوڑ کر کسی دوسری عورت کو اپنا لیں۔ اب عابیر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ عابیر اپنا فیصلہ سناتی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔۔

اسفند اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

بکواس بند کرو اپنی تم۔۔۔ میری زندگی میں نہ کوئی عورت ہے ناں کبھی آئے گی۔ اور تمھارے قریب میں آؤں گا۔۔۔ چاہے تم آجازت دو یا نہ۔ دو۔

اسفند اس کی طرف بڑھتا اس کے بال دبوچے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔

عابیر نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ وہ مزید اس پر حاوی ہوا۔۔۔ وہ بنا رحم کھائے پر اس اپنی شدت نچھاور کرتے اس کے لفظوں کا زہر اتار رہا تھا۔۔ جو اس کے جسم و جاں کو نیلا کر چکے تھے۔۔ اس عورت پر وہ اپنا تسلط کبھی ایک پل کے لیے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی باتیں اسفند یار خان کو پاگل کر رہی تھیں۔ وہ تو مر رہا تھا اگر یہ عورت اس کے پاس نہ رہی تو کیا رہے گا اس کے پاس وہ تو مر ہی جائے گا۔

عابیر نے اسفندیار خان کی شرٹ کی پاکٹ میں ہاتھ مارتے ہوے اس کا موبائل نکالا تھا۔۔ اسفند بے خود سا اس کی باتوں کا سارا جنون اس کے لبوں پر اتار رہا تھا۔۔ اسے محسوس ہی نہیں ہوا عابیر اس کا فون نکال چکی ہے۔۔

عابیر نے فون نکالتے زاران کا نمبر ڈائل کیا جو دو چار بیل پر اٹھا لیا گیا تھا۔۔

عابیر نے جلدی سے سپیکر آن کیا۔۔

ہیلو۔۔۔ زاران کی آواز پر اسفندیار خان ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔۔ وہ سرعت سے پیچھے ہوا۔ عابیر کے ہاتھوں میں موبائل فون دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔۔

عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے موبائل کان سے لگا چکی تھی۔

لالا۔۔۔۔مجھے یہاں سے لے جائیں پلیز لالا۔۔۔عابیر گہرے سانس لیتے فون پر روتے ہوے بولی۔۔

اسفند بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کہاں ہو تم؟؟زاران کی پریشان آواز گونجی تھی۔۔

عابیر کی سسکیاں بڑھی تھیں۔۔

کہاں ہو تم؟؟۔۔۔اب زاران دھاڑ سپیکر پر سنائی دی تھی۔۔۔

اسفند عابیر سے موبائل لیتا کان سے لگا چکا تھا۔۔

عابیر میرے ساتھ ہاسپٹل میں ہے۔۔اسفند عابیر کی طرف زخمی نظروں سے دیکھتے آہستگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔۔

عابیر اسفند کو دیکھتے رخ پھیر چکی تھی۔۔

اسفند کافی دیر تک سرخ زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ اٹھتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

شہرام بہارے کے قریب بیٹھا آہستگی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔۔ہاسپٹل سے ڈاکٹر ماہین آکر اسے چیک کر گئی تھی اس کا بی پی ہائی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بہوش ہو گئی تھی۔

شہرام لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔اسے مائیگرین کا مسلہ تھا مگر اس کا بی پی اب ہائے رہنے لگا تھا جو کنٹرول نہیں ہوتا تھا۔۔

شہرام نے گہرا سانس بھرتے اسے دیکھا۔ اسے ایسے دیکھ کر اس کی جان لبوں پر سجی ہوئی تھی۔۔

اسے کھونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کا عشق تو د تھی اب تو اس کے بچے کی ماں تھی وہ اسے اپنی جان سے بھی بڑھ کر تھی.۔۔

شہرام اس کے سلکی بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا جو الجھے سے تھے۔ جن میں اس نے شائد برش کرنا چھوڑ دیا تھا۔۔ جانتا تھا اس کی بیوفائی کی سزا وہ اپنے بدن کے ہر حصے سے لے رہی تھی۔۔ نہ کھانا کھا رہی تھی نہ میڈیسن نہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

شہرام نے گہرا سانس لیا تھا۔ پتہ نہیں اس کی بہارے اس کا یہ جرم کب معاف کرے گی۔ وہ کرب زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اس کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی۔

بہارے نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑتے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ شہرام کو اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

میری بہارے۔۔۔۔۔۔ شہرام نے جھکتے ہوئے اس کی سرد پیشانی پر اپنے گرم لب رکھے تھے۔۔۔

بہارے نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اس کے لبوں کی تپش اپنی پیشانی پر محسوس کی تھی۔

شہرام نے نرمی سے اب اس کے عارض پر لب رکھے تھے۔۔

وہ بے یقینی سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔جو اس پر گہری گھٹا بن کر چھایا تھا۔

اس کو مکمل طور پر اپنے حصار میں لیے ہوے تھا۔۔ مگر اپنا وزن اس کے پیٹ پر نہیں ڈالے ہوے تھا۔۔ بہارے اس کی سیاہ شرٹ مٹھیوں میں جکڑ چکی تھی۔۔

پہلے بھی تو ایسے ہی کرتا تھا جب بہرام پیٹ میں تھا ایسے ہی اس پر رات رات بھر گھٹا بن کر چھاتا تھا مگر اس کے پیٹ پر اپنا ذرا وزن نہیں ڈالتا تھا۔۔

اس کی شدتوں میں آگ ہوتی تھی مگر وائلڈ پن نہیں ہوتا تھا۔۔ اتنی نرمی سے اسے چھوتا تھا وہ خود حیران ہوتی تھی۔۔۔ شہرام اب نرمی سے اس کے

عارض کو چھوتے اس پر اپنی گھنی مونچھیں رب کر رہا تھا۔ بہارے اب ہلکا سا ہنس پڑی تھی۔ اس کی عادت تھی کبھی اس کے عارض کبھی اس کی گردن پر اپنی گھنی مونچھیں رب کرتا رہتا۔ اور وہ اس چبھن پر مصنوعی سا اسے گھورتے اس کے سینے پر مکے مارتی تھی۔۔ یا دبی آواز میں چیختی تھی۔ وہ اسے خود کے قریب کرتے غصے سے مزید اس کے عارض پر اپنی مونچھیں رب کرتا۔ وہ تب ہنستے ہوے اس کے ساتھ لپٹتے اس کی گردن پر اپنے دانت گاڑھتے اس کا مونچھیں رب کرنے کا بدلہ لیتی۔۔

بہارے نے نرمی سے اس کی مونچھوں کو اپنی کپکپاتی انگلیوں سے چھوا تھا۔۔ وہ اس کی کلائیوں کو جکڑے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔۔

بہارے کی آنکھوں سے شبنم بہتی عارض پر بہی تھی۔۔ وہ اس کی سانسوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے اس کے لبوں کی نرماہٹیں محسوس کرتے آنکھیں موند چکا تھا۔۔

بہارے نے پر سکون ہوتے اپنی آنکھیں موندیں۔۔ اس ستم گرفت کے حصار میں وہ بھول ہی چکی تھی ان کے بیچ کوئی دوری بھی کبھی آئی تھی۔۔ اسے تو یہ شہرام خان وہی شہرام خان لگا جو آج سے کچھ دن پہلے اس کے لیے تھا۔ جو سات ماہ اس کا بن کر رہا۔۔ اسے خود سے بھی زیادہ سینت سینت کر رکھا۔۔

شہرام اس کے لبوں سے ہوتا اب اس کی گردن پر آیا تھا۔ اب وہ اپنے دہکتے لب اس کی گردن پر رکھ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کی کمر پر لپٹے ہوے اس کی فراک کی زپ پر سرسرا رہا تھا۔ جسے وہ نرمی سے کھول چکا تھا۔۔ اس کی

کمر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے وہ اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکا چکا تھا ۔۔اس کے لبوں کا رخ نرمی سے اس کے کندھوں سے ہوتے اس کی دھڑکنوں پر تھا۔وہ بہت نرمی سے اس کی دھڑکنوں کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔۔

بہارے کو اپنے بدن میں سرد سی لہر اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔۔شہرام کا لمس برف کی مانند ٹھنڈا محسوس ہوا۔۔اس کے لبوں کی گرمی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔

!!میں نے بیوفائی کرنے کا سوچا ضرور تھا مگر بیوفائی کی نہیں ۔!!

شہرام کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔۔وہ سجا ہوا بیڈ وہ گھر نظروں کے سامنے آیا تھا۔جو اس نے آیزل کے نام کیا تھا۔۔وہ سیج جس پر وہ اپنی سہاگ منانے کا سوچ رہا تھا۔اس کا حق کسی دوسری عورت کو دینے کا سوچ رہا تھا۔۔ بہارے جیسے پیرالائز ہوئی تھی۔وہ اب ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔۔آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔۔

وہ اسے خود سے دور دھکیلنا چاہتی تھی۔مگر دھکیل نہیں رہی تھی. عجیب سا خوف اس کے گرد گھیراؤ کیے ہوے تھا۔جیسے وہ اسے خود سے دور کرے گی وہ دوسری عورت کے پاس چلا جائے گا۔۔وہ جانتی تھی شہرام خان اس وقت اس سے سکون حاصل کر رہا ہے۔اس کی عادت تھی وہ اس میں بنا سمائے بھی اپنے لبوں سے اس کے پورے بدن پر مہریں لگاتے سکون حاصل کرتا رہتا تھا۔وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی اس کے بدن کو اپنے لبوں سے

نرمی سے چھوتا رہتا تھا۔ ان گزرے سات ماہ میں بہرام کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے وہ اسے بانہوں میں بھر کر اس کے بدن کو لبوں سے ساری ساری رات چھوتا مگر اپنا حق نہیں لیتا تھا۔۔ بہارے کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ اتنی محبت کرنے والے شوہر کی بیوفائی وہ بھلا کیسے بھلا سکتی تھی۔۔ وہ ایسی ہی محبت کسی اور سے کرنے کا خواہشمند تھا اسے اس کے علاوہ بھی کسی اور عورت کی ضرورت تھی۔ بہارے اذیت کی انتہا پر سوچتے مر رہی تھی۔

تو بھول جائیں پھر آپ کا مجھ سے کیا رشتہ ہے۔۔ آپ تو بھولنے !! !!کا آرادہ رکھتی ہیں میں بھول چکا ہوں میرا آپ سے کیا رشتہ ہے

بہارے نے اس ستمگر کے لفظ یاد کرتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

!!اگر چاہتا تو بہت پہلے اسفندیار خان کو امریکہ سے پاکستان بلا لیتا۔ ایک دھمکی دینے کی دیر تھی۔۔ اپنی بہن کی خاطر اسفندیار خان سر کے بل چلتا ہوا یہاں آتا۔ اتنا تو میں جانتا ہوں اسفندیار خان جیسا پتھر دل انسان بھی اپنی بہن کو طلاق یافتہ نہیں دیکھ سکتا تھا!!

بہارے کو اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہوئیں۔۔ اب اسے گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔۔ اور اسفندیار خان کی بے بس نگاہیں۔۔

بہارے نے پوری قوت سے شہرام کو خود سے دور دھکیلا تھا۔

شہرام اس کے دور دھکیلنے پر سرعت سے پیچھے ہوے تھا۔

بہارے جلدی سے بیڈ سے اٹھنے لگی۔۔

شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے احتیاط سے بٹھانے کی کوشش کی ۔۔ بہارے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹک چکی تھی۔۔

شہرام نے دور ہوتے اسے جبڑے بھینچتے اسے دیکھا تھا۔

جو شہرام خان باہر تھا وہ والا روپ دکھاؤ نہ مجھے۔۔۔۔ کمرے سے باہر تو کوئی اور شہرام خان ہوتا ہے جو ایک مرد بنا ہوتا ہے جسے اپنے گھر والوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بہارے شہرام کو دیکھتے سرد لہجے میں بولی۔

تمھارے نزدیک اپنے گھر والوں کو پروٹیکٹ کرنا غلط ہے اپنے بہن کے اوپر ہوے ظلم کا حساب مانگنا غلط ہے۔۔ شہرام نے لب بھینچے سوال کیا۔

بلکل غلط نہیں ہے اپنی بہن کے اوپر ہوے ظلم کا حساب مانگنا۔۔ مگر جس دن میرے لالا نے اپنی بہن کے اوپر ہوے ظلم کا حساب مانگ لیا۔ اس دن کیا کرو گے تم ؟؟۔ بہارے نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

اس کی بہن کو میں نے ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھایا ہے۔۔ جس طرح وہ رہتی ہے اس طرح حویلی کی کوئی عورت نہیں رہی آج تک۔۔

تم اور تمھاری مورے تمھارے عظیم لالا کو تمھارے مجھ پر کیے احسانات بہت یاد ہیں۔۔ اور وہ بھولتے نہیں ہیں جو تم نے میرے لیے کیا۔ میں اور میرے گھر والے تمھارے احساناتوں کے نیچے دبے ہیں۔ میں تو حیران ہوں جس طرح تم میری مورے کو میرے مرے ہوے بد کردار لالا کے طعنے مار رہے تھے۔ اسی طرح سب کو چیخ چیخ کر کیوں نہیں بتایا کہ میں یہ حویلی چھوڑ کر دبئ بھاگ رہی تھی۔۔

بتا دیتے تمھاری اور واہ واہ ہوتی اور میری مورے میرے بابا میرے لالا کی آنکھیں مزید جھک جاتیں کہ تم نے ان کی بد تمیز حویلی سے بھاگنے والی عورت کو سر پر بٹھا کر رکھا ہے۔۔ شہرام پاس بیٹھا اس کی باتیں بمشکل برداشت کر رہا تھا۔ مگر اس کی بھاگنے والی بات برداشت نہ کر سکان

کیا بکواس کر رہی ہو بہارے ؟؟ تمھاری عزت میری عزت ہے میں مر سکتا ہوں یہ لفظ کبھی منہ سے نہیں نکال سکتا۔۔

میں کیوں یہ سب کے سامنے کہوں گا۔۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے غصے مٹھیاں بھینچی تھی۔

شہرام خان اور کتنی منافقت دکھاؤ گے تم۔۔ جس عورت کی عزت تمھاری ہے۔اسے ہی طلاق دینے کی بات کر رہے تھے۔۔

جس عورت سے عشق کے دعویدار تھے اسی عورت سے بیوفائی کر رہے تھے تم۔۔۔

بہارے میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔ شہرام نے گہرے سانس لیتے اس کی بات کاٹی.

کسی بات کسی ایکٹ پر پر تو قائم رہو تم۔

بیوفائی تم پوری طرح نہ کر سکے۔۔۔۔ میرے لیے طلاق کے بولے گئے لفظوں کا مطلب وہ نہیں تھا جو میں اور وہاں کھڑا ہر شخص سمجھا۔۔

اسی طرح تم تو آج بھی اپنی بات پر قائم ہو کہ تم نے بیوفائی نہیں کی۔ مگر تم نے وہ کمرہ آیزل کے لیے سجایا وہ بیڈ اس کے لیے سجایا۔۔ اسے اپنے سینے سے لگائے کھڑے تھے۔۔ مگر تمھارے نزدیک وہ بیوفائی نہیں ہے۔ کاش بیوفائی ماپنے کا کوئی آلہ ہوتا میں تمھیں بتاتی تم مجھ سے پوری طرح بیوفائی کر چکے ہو۔۔ بہارے تڑختے ہوے بولی۔۔

شہرام بیڈ سے اٹھتا اپنی گھنی بئرڈ پر ہاتھ پھیرتے کمرے کے وسط میں چکر لگانے لگا۔۔

بہارے بیڈ پر بیٹھی اسے آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک کمرے کے فرش پر گونج رہی رہی تھی۔۔

وہ جبڑے بھینچے اپنی مونچھوں اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔

بہارے اسے غصے سے کمرے میں چکر لگاتے دیکھ کر زخمی نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ اپنے ہاتھ پیچھے لے جا کر اپنی فراک کی زپ بند کی تھی۔

کب بھولو گی تم یہ سب کچھ۔۔۔ شہرام نے رکتے ہوے اسے گھورتے ہوے پوچھا۔۔

جس دن مجھے یقین آجائے گا تم بیوفا نہیں ہو۔۔ اور ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔ جس طرح بیوفائی ماپنے کا کوئی آلہ نہیں ہے۔ اس طرح یقین کرنے کی بھی کوئی میڈیسن نہیں ہوتی۔۔ جسے کھانے سے میں سب کچھ بھول کر تم پر یقین کر بیٹھوں۔۔ بہارے تلخی سے بولی۔

ایسے گزارو گی میرے ساتھ ساری زندگی۔۔۔ مجھے پل پل طعنوں کی مار مارو گی۔۔ مجھے ذلیل کرو گی۔ شہرام سرد لہجے میں غرایا تھا۔

بہارے بیڈ سے اٹھتی شہرام کے قریب آئی۔

میں پہلے بھی تمھیں طعنے مارتی تھی۔ تمھیں ذلیل کرتی تھی مگر تم کبھی ذلیل نہیں ہوے۔۔ ثابت ہوا شہرام خان پکا پکا بیوفا ہو چکا ہے۔۔ اسے اب بہارے خان کی ہر بات چبھتی ہے۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

شہرام خان کو بیوفا کہہ کر تم ایک دن بیوفا بنا دو گی۔۔ یاد رکھنا تم۔۔۔۔

شہرام کی بات پر بہارے تڑپتے ہوے اس کا گریبان جکڑ گئی۔

دھمکی دے رہے ہو تم مجھے۔۔ شہرام خان۔۔۔۔ مجھے میری کمزوری کا طعنہ مار رہے ہو جانتے ہو تم تمھیں میں کسی عورت کے ساتھ برداشت نہیں

کر سکتی۔۔ تم میری سانسیں روکنا چاہتے ہو۔۔ پہلے میری بے اعتنائی کی سزا دی تم نے مجھے۔۔ اب پھر اپنی غلطی کا قصور میرے کھاتے میں ڈال کر تم بیوفائی کی بات کر رہے ہو۔۔۔ ثابت ہوا تم حویلی کے مردوں سے بھی زیادہ سفاک بے رحم ہو۔ بہارے اس کا گریبان پکڑتے تڑپتے ہوئے بولی۔۔

تمھاری کمزوری اگر دوسری عورت ہے تو میری کمزوری تم ہو۔۔ کیوں نہیں سمجھتی تم۔۔۔ تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ معاف کر دو میری غلطی۔۔۔ معاف کر دو مجھے۔ شہرام خان اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے بھاری آواز میں گڑگڑاتے ہوئے بولا۔۔

بہارے اس کی شرٹ مزید مضبوطی سے جکڑے رو دی تھی۔۔

کیا کروں شہرام خان؟؟ تمھارے منہ سے اب یہ سارے لفظ کھوکھلے لگتے ہیں۔ یقین مانو تم پر یقین کرنا چاہتی ہوں مگر یقین نہیں آتا۔۔۔ جب تم سے

نفرت کرتی تھی تمھاری ہر بات پر یقین تھا۔ آج تم سے عشق کرتی ہوں مگر تمھاری کسی بات پر یقین نہیں۔۔ کیا کروں میں بتاؤ مجھے شہرام خان ؟؟۔۔۔ میرا قصور بتاؤ مجھے میں کیا کروں۔ بہارے شدت غم سے روتے ہوے بولی۔۔

کیسے یقین آئے گا کہو تو اپنی جان دے دوں۔۔ پھر تو یقین کرو گی مجھ پر ۔۔۔ میں صرف جذبات کے دھاروں میں بہہ گیا تھا۔۔ وہ جذبات محبت اور پسندیدگی پر نہیں ہمدردی پر مشتمل تھے۔۔ یقین کرو میرا۔۔ تمھارا شہرام خان صرف تمھارا ہے۔۔

شہرام نے اس کا چہرہ نرمی سے تھاما۔۔

بہارے اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔۔

ہمدردی میں بھی کیوں کسی عورت کے قریب گئے شہرام

خان۔۔۔ بہارے خان خود کا وہ حصہ کاٹ کر پھینک دے جو جس پر کسی

کی نظر پڑے۔۔ تم کیسے کسی دوسری عورت کو سینے سے لگائے کھڑے

تھے۔۔ تمھیں میرا درد کیوں نہیں نظر آتا۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کیا کروں میں بہارے۔۔۔ بتاؤ مجھے کیسے تمھارا درد دور کروں۔۔۔۔ تم

ہی بتاؤ۔۔۔ جو تم کہو گی ویسے ہی کروں گا۔ شہرام نے اسے سینے میں بھینچتے

کرب سے کہا۔۔

مجھے چھوڑ دو شہرام خان۔۔۔ بہارے شہرام کے سینے سے سر اٹھاتے ہوئے

بولی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام خان کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ رگوں میں

دوڑتا خون منجمند ہوا تھا

مر سکتا ہوں مگر تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔۔ تمھیں خار دار کانٹوں پر چلتے صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد پایا ہے۔۔۔ تمھیں کیسے چھور سکتا ہوں میں ؟

شہرام خون اتری آنکھوں سے زخمی لہجے میں بولا۔

تم نے مجھے پا کر کھو دیا شہرام خان۔۔۔۔ تم بہت ان لکی ہو۔۔ تمھاری قسمت میں پھر سے خار دار کانٹے آن ٹھہرے۔ بہارے زخمی سا مسکرائی تھی۔۔

شہرام نے جبڑے بھینچتے اسے دیکھا تھا۔۔ پھر سے پالوں گا تمھیں ۔۔۔۔ خار دار کانٹوں پر چلنے کی عادت ہے مجھے۔ سمجھوں گا تمھارا عشق ہی میرے لیے خار دار کانٹے ہیں۔۔ شہرام اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

مگر میں تمھیں مزید ان خار دار کانٹوں پر چلنے نہیں دوں گی۔۔ بہارے سرد لہجے میں کہتے بہرام کے کاٹ کی طرف بڑھی تھی۔۔ سوئے ہوے بہرام کو اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے سے لگائے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔ اپنی شال کندھوں پر ڈالے وہ دروازے کی جانب بڑھی ت۔

شہرام جو الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ اسے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔۔

وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

اتنی رات کو کمرے سے باہر کہاں جا رہی ہو؟!۔۔۔ شہرام نے سختی سے اس کی کلائی جکڑے غراتے ہوے پوچھا۔۔

میں تمھارے ساتھ ایک کمرے میں اب مزید نہیں رہ سکتی۔نہ تمھارا چہرہ آئیندہ کبھی دیکھنا ہے۔۔بہارے نے سرد لہجے میں کہتے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔کیا تماشہ لگا رہی ہو تم۔۔۔اب تم ہمارے بیچ کی باتیں کمرے سے باہر لاؤ گی۔۔میرا تماشہ لگاؤ گی تم۔۔شہرام دبی آواز میں غرایا۔

تمھیں میرا کمرے سے جانا نہیں چبھ رہا۔۔بلکہ اس بات کا ڈر لگ رہا ہے کہیں تمھارے کرتوت گھر والوں کے سامنے نہ آجائیں۔۔بہارے کی بات پر شہرام اس کے بال جکڑ گیا۔۔

کون سے میرے کرتوت جواب دو مجھے۔۔میں شہرام خان ہوں۔جو کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔۔اگر کسی سے آج تک ڈرا ہوں وہ صرف شہرام خان کی عورت بہارے خان ہے۔۔جس کے آنسوؤں سے شہرام خان ڈرتا ہے۔

۔تم چیخ چیخ کر گھر والوں کو سب کچھ بتا دو۔۔میں مزید بے خوف ہو جاؤں

گا۔ اگر تم ایسا کر کے مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتی ہو تو تم غلط سوچ رہی ہو۔ اس لیے تماشہ مت کرو بہرام کو کاٹ میں لٹاؤ اور تم آرام سے بیڈ پر چلو۔۔۔ شہرام اس کے بال جکڑے اس کی نم آنکھوں میں دیکھتے دبی آواز میں غرایا تھا۔

تب تو ڈرو گے ناں جب میرا لالا تم سے میرے ہاسپٹل میں زندگی اور موت سے لڑنے کی بابت پوچھے گا۔۔ تب تو ڈرو گے ناں جو میں اس نازک حالت میں دن رات رو رہی ہوں۔ میرے آنسوؤں کا حساب میرا لالا بھی تمھارا گریبان پکڑ کر لے گا۔ تم بھی میرے لالا کی طرح بے بس کھڑے ہو گے تب تمھیں شائد میری اور میرے لالا کی تکلیف کا اندازہ ہو۔ بہارے بہرام کو سینے سے لگائے روتے ہوے بولی۔

تو تم یہ کمرہ اسفندیار خان کی وجہ سے چھوڑ کر جا رہی ہو۔۔ شہرام تلخی سے بولتے اس کے بال چھوڑ چکا تھا۔

میرے لالا پر گولی چلائی تم نے شہرام خان۔۔ مجھے اتنا بھی حق نہیں میں رو سکوں تم سے حساب مانگ سکوں۔۔ اپنے لالا اپنی بہن کے ساتھ کھڑے تھے تم۔ میرا شوہر میرا شہرام خان کہاں تھا اس وقت ؟؟۔۔۔ اگر میرے لالا نے غلطی کی ہے وہ سزا بھگتے گا تو سزا تم بھی بھگتو گے اب میری اور بہرام کی جدائی کی صورت میں۔۔ میرے اور میرے بہرام کے قریب آئیندہ مت آنا۔۔ بہارے سرد و ٹپاٹ لہجے میں بولتے کمرے کا دروازہ کھولتے نکل گئی تھی۔۔

شہرام خان نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے۔ دوسرے ہی پل اس نے چیختے ہوے کمرے میں رکھا واز اٹھا کر زمین

پر پٹخ دیا تھا۔۔ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تمام چیزیں ایک ہی جست میں نیچے الٹ دی تھیں۔وہ چیختے ہوئے کمرے کی ایک ایک چیز نیچے پھینک رہا تھا۔۔

اپنا کمرہ بہارے اور بہرام کے بغیر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔۔وہ پاگل ہو رہا تھا جیسے۔۔۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت سے چیخا تھا۔

اسفندیار ہاسپٹل کے کمرے کے باہر کھڑا ٹہلتے ہوئے سگریٹ پی رہا تھا۔۔عابیر کے بی رخی بے اعتنائی جیسے اس کے حواص صلب کر رہی تھی۔اس کی باتیں اس کے لہجے کا سرد پن رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر رہا تھا۔سات ماہ اسے خود کے لیے تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔اب وہ کہہ رہی تھی وہ اس کے دل میں نہیں رہتا۔۔اسفندیار خان تو جیسے مر رہا تھا۔سب

کچھ قبول تھا جدائی بھی قبول کر سکتا تھا۔ مگر اس پر اپنا تسلط کبھی ختم نہیں کر سکتا تھا۔۔

اسے لے کر وہ بے انتہا پاگل تھا۔ اسے بہت پہلے معلوم ہو گیا تھا یہ عورت اس کے لیے بہت خاص ہے جب وہ رات رات بھر سو نہیں پاتا تھا۔ کروٹ کے بل مدھم روشنی میں اس کے خوبصورت چہرے کو تکتا رہتا تھا۔ اب تو وہ جیسے اس کے رگوں میں خون کی مانند دوڑتی تھی۔

نہیں برداشت کر سکتا تھا ہیزل گرے آنکھوں میں اپنے لیے ہر جذبہ ٹھنڈا پڑتا دیکھ کر۔۔۔

مگر سچ میں اب ہیزل گرے آنکھوں میں وہ نہیں تھا۔ وہاں اسے دیکھ کر صرف سرد مہری تھی۔ وہ تو اس کے قریب آنے پر برف کی سل کی طرح ٹھنڈی تھی۔۔ گرم تو اس کا بدن ہوا تھا۔۔ اگ کی بھٹی کی مانند وہ تپ رہا

تھا۔ وہ تو گلیشیر کی طرح سرد تھی۔ اسفندیار خان کو اس کی ٹھنڈی دھڑکنیں ٹھنڈے ہاتھ یاد آئے تھے آج اس کے بدن کی گرمی اس کے جذبوں کی تپش اسے گرم ہی نہ کر سکی تھی۔

اسفندیار خان نے طیش والم میں چیختے ہوئے پوری قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ پھر مکے مارتا ہی چلا گیا تھا۔۔ تڑپنا کیا ہوتا ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا ان سات ماہ میں تو وہ تڑپا تھا ہی نہیں۔ اس سفاک پٹھانی کو خود کے لیے تڑپتا دیکھ کر اس کے اندر سلگتے تڑپتے جذبوں کو راحت مل جاتی تھی۔ مگر آج تو وہ آتش گیر مادے کی طرح جیسے پھٹ رہا تھا۔

وہ اتنی اجنبیت کیسے برت سکتی ہے؟؟ کیسے زاران کو فون کر سکتی تھی؟؟ ۔عابیر نے زاران کو کال کی وہ ابھی تک جیسے صدمے کی کیفیت میں تھا۔ اس نے کئی بار اس پر ہاتھ اٹھایا۔ ایسے پہلے بھی اسے ڈریسنگ روم میں بند کیا

تھا۔ سر پر چوٹ لگنے کے باعث وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ مگر اس نے کبھی بھی زاران کو کسی بات کی خبر نہیں ہونے دی۔۔ وہ سب کے سامنے اس کی کلائی پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے جاتا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑتی تھی۔ کبھی اپنی کلائی چھڑواتی نہیں تھی۔ آج اس نے کیا کیا؟؟ قربت کے لمحات میں زاران کو کال کر ڈالی۔۔ اسفند اپنی گردن رب کرتے ٹہلتے ہوئے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا تھا۔۔ سینے میں بھڑکتی آگ بھڑکتی ہی جا رہی تھی۔۔

اگر زاران اس کے لیے ابھی تک اس کا دشمن ہوتا تو وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اس کی اوقات یاد دلا دیتا۔۔ عابیر پر اپنا حق جتاتے اس کی نظروں کے سامنے اپنے ساتھ لے جاتا۔۔ مر جاتا یا مار دیتا عابیر پر کسی کو حق نہ جتانے دیتا۔۔

بات شہرام خان کی بھی ہوتی وہ اس کا مقابلہ کر لیتا۔۔ مگر زاران خانزادہ کا کیا کرتا؟؟۔وہ اس کا جگری یار تھا اس سے کیسے لڑتا؟؟۔۔اس سے نظریں کیسے ملاتا؟؟۔۔ اسفند نے چیختے ہوئے پھر سے ایک بار پوری قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا تھا۔ عورت کی بے اعتنائی مرد کا فولادی جگر اچیر کر رکھ دیتی ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔

اس وقت کوریڈور میں کوئی نہیں تھا۔۔۔وہ ٹھنڈے یخ کوریڈور میں سگریٹ کے گہرے کش لیتا اشتعال سے چکر لگا رہا تھا کہ سامنے سے زاران آتا دکھائی دیا جو بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال کندھوں پر ڈالے یوے تھا۔

چہرے پر سنجیدگی اور کرختگی دور سے ہی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اسفند اسے دیکھ کر رکا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ آئے گا مگر اسے یہاں دیکھ کر اسفند یار خان کا خون رگوں میں شعلوں کی مانند بھڑکا تھا۔

سالا۔۔۔ کمینہ۔۔۔۔۔ اسفند نے اسے دیکھ کر دانت پیسے تھے۔

زاران کا عابیر پر حق جتانا اسے ہمیشہ اشتعال میں مبتلا کر دیتا تھا۔ آج اسے یہاں دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا زاران کے زخمی چہرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے۔

زاران اسفند یار خان کے قریب آکر رکا۔ کندھوں پر شال جھٹکے اس پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

کیوں چاہتا ہے جو گولی میں نے تجھ پر چلنے نہیں دی وہ عنقریب میں خود تیرے سینے میں اتاروں۔ زاران نے اسفند کو خون اشام نگاہوں سے گھورا

تو کیوں چاہتا ہے تیرا زخمی چہرہ میں اس حد تک بگاڑ کر رکھ دوں تو اپنی جان سے پیاری بیوی کے پاس جانے کے قابل نہ رہے۔۔ اسفند جواباً زاران کے قریب ہوتے غرایا۔

اپنی گندی زبان سے میری بیوی کا ذکر ایک بار اور کیا تو ابھی اسی وقت تیرے سینے پر گولیاں چلا کر اپنی بہن کو بیوہ کر دوں گا۔ زاران اسفندیار خان پر قہر نگاہ ڈالتے اس کا گریبان جکڑ گیا۔

جواباً اسفند نے زاران کے زخمی ہونٹ پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

میری زبان سے اپنی بیوی کا ذکر تجھے گوارا نہیں تو پھر کیوں میری بیوی پر اپنا حق جتاتے یہاں چلا آیا۔ جب تجھے پتہ چل چکا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہے تو پھر کیوں آیا۔ اسفند زاران کا گریبان جکڑے غرایا تھا۔

بہن ہے میری وہ تا قیامت تک اس پر اپنا حق جتاؤں گا۔ تیرے ساتھ ہے تو اس لیے یہاں آیا ہوں۔ کیونکہ تیرے نزدیک میری بہن کے آنسوؤں کی قیمت نہیں ہے۔ اسفندیار خان امریکہ میں بیٹھ کر کیمروں میں میری بہن کو روتا ہوا دیکھ کر سکون محسوس کرتا تھا۔ اس اسفندیار خان پر میں کیسے بھروسہ کروں؟؟ جو بھروسے اور دوستی کے لائق نہیں۔

زاران کی بات پر اسفندیار خان کا چہرہ اشتعال کے مارے سرخ ہوا

اسے کیمروں والی بات پتہ تھی یہ اسے امریکہ میں پتہ چل چکا تھا۔۔ مگر وہ یہ بات جتا کر اس کے غصے اور اشتعال میں آضافہ کر گیا تھا۔

اپنے حد میں رہو تو بہتر ہو گا۔ ورنہ بھول جاؤں گا تم میرے جگری یار ہو جو مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔۔ اسفند غصے سے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے گر جا تھا۔

زاران نے اس کی بات پر اپنا زخمی ہونٹ انگوٹھے سے مسلتا اسے گھور کر دیکھا تھا۔

اور جس دن میں بھول گیا کہ تو مجھے جان سے بڑھ کر عزیز ہے اس دن ایک دن اپنی بہن تیرے پاس نہیں رہنے دوں گا۔ زاران نے جواباً اب اسفند کے جبڑے پر مکہ مارتے اپنا بدلہ اتارا تھا۔

اسفند نے اپنے ہونٹ سے نکلا خون صاف کرتے زاران کو خون اشام نگاہوں سے گھورا تھا۔

شکر منا مجھے تو اپنے خون کے رشتوں سے بھی بڑھ کر پیارا ہے ورنہ سچ میں آج اپنی بہن کو بیوہ کر ڈالتا۔۔ زاران سنجیدگی سے کہتے کمرے کی طرف بڑھا۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔ اسفند نے گہرے سانس لیتے اسے پکارا.. سفاک پٹھانی تو اسے دھتکار چکی تھی۔ وہ اندر سے ٹوٹ رہا تھا اسے سفاک پٹھانی کے سفاک بھائی کی ضرورت تھی۔ جس کے گلے وہ لگنا چاہتا تھا۔

زاران اس کے لہجے میں تڑپ محسوس کرتے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ اس کا فولادی دل اپنے دوست کی پکار پر تڑپا تھا۔

کتنے ہی پل خاموشی کے بیت گئے تھے۔۔۔ کوریڈور کی سرد فضا میں خاموشی گہری ہوئی تھی۔

مدھم سانسوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

مر گیا تیرے لیے زاران۔۔۔۔۔ نام مت لینا آئیندہ سے میرا۔۔ زاران نے رخ پلٹے بغیر کہا تھا۔۔ وہ تیز قدموں سے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہونے لگا تھا۔ عابیر کمرے سے چادر میں لپٹی نکلی تھی۔

لالا۔۔۔ عابیر زاران کو پکارتے اس کے سینے میں سمائی تھی۔۔ اسفند رخ پلٹے ہی کھڑا تھا۔۔۔

کیا ہوا عابیر بیٹا۔۔۔ تم یہاں کیسے ؟؟ زاران نے پلٹتے ہوے اسفند کی پشت کو گھورتے پوچھا تھا۔

لالا اسفندیار خان نے مجھے غصے میں آکر ڈریسنگ روم میں بند کر دیا تھا۔ پورا ایک دن اور رات بند کرنے کے بعد اسفندیار خان کو ہوش آیا کہ وہ ایک جیتے جاگتے وجود کو ڈریسنگ روم میں بند کیے ہوے ہے۔۔

ایک رات اور اس ایک دن میں سردی کی شدت اور بھوک ت

پیاس سے ہوش کھو بیٹھی۔۔ آج آپ کی بے گناہی پر اسفندیار خان مجھ پر رحم کھا کر ہاسپٹل لے آیا۔

عابیر کی بات پر اسفند کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ وہ سچ میں اس کی نہ رہی تھی۔۔ اس نے پلٹتے ہوے بے یقینی سے عابیر کو دیکھا جو چادر میں لپٹی اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران اسفندیار کی طرف غصے سے بڑھا تھا۔ رہنے دیں لالا۔۔۔ میں اسفند یار خان کو سزا سنا چکی ہوں۔ اور وہ میری سزا قبول بھی کر چکا ہے۔۔ اب میرا اور آپ کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ عابیر سرد انداز میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھا جو پتھرائی کیفیت میں کھڑا تھا۔ زاران نے لب بھینچے اسفند کو دیکھتے اپنی گردن رب کی تھی۔ پھر وہ گہرا سانس لیتے عابیر کی طرف بڑھ گیا جو تیز تیز قدموں سے کوریڈور عبور کر چکی تھی۔

ابرش بلیک فل گاؤں نائٹی میں ملبوس تھی ۔ سلکی براؤن بال کمر پر بکھرے تھے۔ وہ مہمان خانہ کے کمرے میں موجود کب سے اظطرابی انداز میں چکر لگا رہی تھی۔

وہ پچھلے چار گھنٹوں سے مسلسل اظطرابی کیفیت میں چکر لگا رہی تھی۔ وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے حویلی واپس نہیں آیا تھا۔ ستارہ خان کی کال اسے کیوں آئی؟؟۔ اور ایسا کیا ضروری کام تھا اسے جانا پڑا۔۔

چکر لگاتے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ مگر اسے ایک پل کے لیے چین نہیں آ رہا تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے پہلے کمرے کی گلاس ونڈو سے اس کی گاڑی کو کارپورٹیکو میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔۔ دس منٹ بعد اس کی گاڑی کو پھر سے حویلی کے گیٹ سے باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ تب سے مزید بے چین ہو

چکی تھی۔۔اسے دوبارہ باہر جانے کی ضرورت کیوں پڑی؟؟۔سوچ سوچ کر اس کی ٹانگوں کے ساتھ دماغ بھی شل ہو چکا تھا۔۔اسے پورا یقین تھا زاران خانزادہ اسے کسی دن سچ میں پاگل کر دے گا۔

کیوں گیا وہ دوبارہ حویلی سے باہر؟؟کیا مجھے کمرے میں نہ پا کر وہ غصے سے گیا ہے۔ابرش نے بے چین ہوتے بیڈ پر بیٹھے سوچا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے پر وہ ہڑبڑا کر بیڈ سے اٹھی تھی۔

زاران کو اپنے سامنے دیکھ کر ابرش کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔

وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر سیاہ ہی مردانہ شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔

ہونٹوں پر گہرا زخم تھا۔ اسے دیکھتے ہی دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔ دل میں مبہم س امید تھی وہ اسے ڈھونڈتے ادھر ضرور آئے گا۔۔ کچن میں اپنے شوہر کی دیوانگی دیکھ چکی تھی۔ مگر پھر دل میں وسوسے بھی اٹھتے تھے وہ بے حس بھی بہت ہے اس کے بغیر رہنے پر آئے وہ رہ لیتا ہے۔

ابرش اسے بلیک کلر میں دیکھتے بے رخی سے منہ موڑ گئی تھی۔ اس کلر کے علاوہ دنیا میں رنگ ختم ہو چکے تھے۔ جو وہ ہر لباس سیاہ کلر کا پہنتا تھا۔ اور یہ لباس اس پر کتنا جچ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا دل اس کی طرف ہمکنے لگا تھا۔۔ وہ کتنا ڈیشنگ ہو چکا تھا ان سات مہینوں میں۔۔ یا پتہ نہیں اسے لگتا تھا۔۔ مگر فی الوقت وہ اسے سیاہ لباس میں زہر ہی لگا تھا۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟؟زاران نے ابرش کو اوپر سے نیچے گھورتے ہوے پوچھا۔

میں نے کہا تھا میں تمھارے ساتھ کمرے میں نہیں آؤں گی۔

میں جب تک یہاں موجود ہوں گیسٹ روم میں رہوں گی۔۔ابرش نے پلٹتے ہوے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔اس کی گہری نگاہیں اپنے وجود کے آر پار ہوتے محسوس کرتے وہ تپ کر آنار ہوئی تھی

دوسرے لمحے وہ بیڈ کی طرف بڑھتے کمبل میں غروب ہو چکی تھی۔زاران کی بے باک گہری نگاہیں اپنے وجود پر برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔

زاران دروازے کو لاک لگاتے اپنی شال صوفے پر اچھالتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھات۔ اس پر سے کمبل ایک ہی جست میں اتارتے وہ اس پر مکمل طور حاوی ہوا۔

مسٹر۔۔۔ خانزادہ۔۔۔ یہ یہ۔۔۔ کک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا حرکت ہے؟؟ دور۔۔۔۔ دور۔۔۔۔۔ رہوم۔۔۔۔ مجھ سے۔ ابرش نے زاران کے کھلے بٹنوں سے نظر آتے اس کے سکس پیک ہیئر لیس چٹانی سینے کو دیکھتے اٹکتے ہوے بمشکل ہی کہا۔

اس کا سکس پیک چٹانی ہیر لیس سینہ دیکھتے وہ لب دانتوں تلے دبا گئی تھی ۔اپنے شوہر کا سکس پیک چٹانی سینہ اسے اپنی طرف بری طرح راغب کر رہا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے اسے اپنے حواص معتل محسوس ہوے تھے۔

اس نے اسے جس طرح اپنی فیملی کے سامنے اسے پروٹیکٹ کیا۔ پلوشہ کے سامنے اسے عزت محبت دی۔۔ وہ اس کے لیے اب مچل رہی تھی۔۔ اپنے شوہر کی قربت اسے پاگل کر رہی تھی۔ مگر اسے سزا بھی تو دینی تھی جو لفظوں سے اس کا دل دکھاتا رہا۔ مگر جانتی تھی اسے سزا نہ دے سکے گی۔۔

کچن میں کیا بات ہوئی تھی ہماری؟؟۔۔۔ زاران نے اس کے گداز لبوں پر انگوٹھا پھیرتے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

یہی کہ تمھارے لیے چیپ سی نائٹی پہن کر تمھارا انتظار کروں۔ تم ایک مہینہ کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اٹکتے ہوئے کہا۔

نہیں پہنی تم نے وہ چیپ سی نائٹی۔۔زاران گہرا مسکرایا تھا۔

نہیں اور نہ کبھی پہنوں گی۔ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلا۔مزید اس کا چٹانی وجود برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔وہ جان بوجھ کر پورا وزن اس پر ڈالے ہوے تھا

لیٹس سی۔۔۔اس گاؤن کے نیچے تم نے کیا پہنا ہے؟؟مجھے ذرا چیک کرنے دو۔۔۔زاران نے اس کی نائٹی کا گاؤن کی ڈوری کھینچتے ایک ہی جھٹکے سے کھولی تھی۔

زاران کی حرکت پر ابرش کی رنگت قندھار کی طرح سرخ ہوئی تھی۔وہ فل گاؤن کے نیچے نیٹ کی بے حد شارٹ نائٹی پہنے ہوے تھے۔۔جو اس نے اس ستمگر کے لیے ہی پہنی تھی۔

آئی لائک دس بیوی۔۔زاران نے مسکراتے ہوے اس کی سٹریپ کندھوں سے نیچے کھسکائی۔

بٹ آئی ڈونٹ لائک یو ان بلیک۔۔۔۔ابرش غصے سے اس کا کالر جکڑ گئی۔۔۔

لیکن مجھے لگتا ہے میں بلیک میں بہت اچھا لگتا ہوں۔زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا۔۔

میری بہت سی فینز نے مجھے یہ بتایا ہے۔صرف ایک ڈائی ہارٹ فین تھی اسے مجھ پر بلیک کلر نہیں پسند تھا تمھاری طرح۔۔۔زاران کی بات پر ابرش کی رنگت فق ہوئی تھی۔وہ جلدی سے نظریں جھکا گئی تھی۔زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

اپنی ساری فینز سے بات کرتے ہو تم؟؟ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے لب کاٹتے پوچھا۔

تمھاری قسم کسی سے بھی نہیں کرتا۔ زاران نے ابرش کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھے۔

اب چلیں کمرے میں میری جان۔۔۔ باقی کی تشویش کمرے میں چل کر۔۔۔ زاران نے اس کے گال پر شدت سے دانت گاڑھے تھے۔ ابرش اس کی شدت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔

زاران مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔ تمھارے ساتھ۔۔۔۔۔ نہیں رہنا۔۔اس سے پہلے وہ اپنا جملہ مکمل کرتی زاران اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں گھونٹ چکا تھا۔اس کی سانسوں کے ساتھ بری طرح کھلواڑ کرتے زاران پیچھے ہوا تو ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے اسے دیکھا تھا۔

باقی کے گلے شکوے اپنے کمرے میں چل کر۔۔مجھے تبدیلی بلکل پسند نہیں۔۔بہت سیدھا بندہ ہوں ون وومن مین ہوں۔

نہ اپنی زندگی میں دوسری عورت پسند ہے نہ اپنے کمرے کے علاوہ کوئی جگہ ۔۔۔۔

ورنہ میں یہ کمرہ اور بیڈ آج کی رات ضرور انجوائے کرتا۔۔زاران نے ابرش کی اکھڑی سانسیں دیکھتے اسے آنکھ ماری۔۔۔

ون وومین مین ہو تم۔۔۔سچ میں۔ابرش نے اس کے چٹانی سینے پر انگلی پھیرتے پوچھا۔

سچ میں میری جان تمھاری قسم۔۔۔۔زاران خانزادہ ون اینڈ اونلی وومین امس امیریکہ کا ہے۔۔زاران نے اس کی دھڑکنوں کو بے باکی سے ہاتھوں سے چھوا۔۔

زاران میں تمھارے ساتھ کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ابرش نے بے ترتیب سانسیں درست کرتے بمشکل کہا۔اس کے بدن سے اٹھتے سپارک اس کی سانسیں تیز کر رہے تھے۔

ابرش۔۔۔۔۔میں نخرے اٹھانے والا انسان نہیں ہوں۔ تمھیں اب تک میرے ساتھ رہ کر اندازہ ہو جانا چاہیے ہو گا۔۔ سٹریٹ فارورڈ منتقم مزاج بندہ ہو۔ جو فیصلہ کر لیتا ہوں اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔۔

میں امریکہ سے تمھیں پاکستان لے کر آسکتا ہوں تو کمرے میں لے جانا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ اسی لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلو۔۔ رات گہری ہو چکی ہے۔ اور میری سانسیں بھاری ہو رہی ہیں۔۔ انھیں اپنے خوبصورت بدن کی مہک سے راحت دے دو۔۔ زاران کا سرد لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔

پچھلے پانچ گھنٹوں سے جہاں تم تھے۔۔ وہاں تمھیں راحت نہیں ملی۔۔ ابرش کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔

افففف۔۔ زاران گہرا سانس لیتا اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔۔

جانتا تھا ساری عمر میری ایسی ہی گزرنی ہے۔۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں مجھے ان خوبصورت بانہوں میں قید ہونے کا شوق ہے۔۔ زاران نے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن کو نرمی سے اپنے لبوں سے چومتے اسے اپنی سانسوں کی تپش سے دہکایا۔ زران کی بے باکیوں پر ابرش نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکا جو اس کے بیلی بٹن کے گرد سرسرا رہا تھا۔

زاران مدہوش ہوے اس کی گردن کو چومتے اپنے ہاتھوں سے گہری بے باک گستاخیاں کر رہا تھا۔ ابرش کے ہاتھ جھٹکنے پر زاران کا سارا خمار بھک سے اڑا تھا۔ زاران نے سرد سرخ نگاہیں ابرش پر گاڑھیں۔ جو زاران کی سرد نظر پر اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ زاران سرعت سے پیچھے ہوتے ابرش کے اوپر سے اٹھا۔۔ ابرش اپنا نچلا لب بری طرح کاٹتے اٹھ کر بیٹھتے اپنے گاؤن کی ڈوری کس کے بند کی۔

زاران نے بیڈ سے اٹھتے ابرش پر نظر ڈالی جو کمبل خود پر لپیٹتے اس میں غروب ہو چکی تھی۔۔

زاران جھنجلاتے ہوئے کچھ پل اسے دیکھتا رہا جو کمبل میں دبکی اس کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھی..

ابرش رات بہت ہو گئی ہے نو مور ڈرامہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت تھکا ہوا ہوں۔۔ پچھلے چار دن سے مسلسل سفر میں رہا ہوں۔۔۔مجھے مزید ٹینشن مت دو۔ تم حویلی میں رہتے ہوئے اپنے کمرے میں نہیں کہیں اور ٹھہرو گی ۔۔یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔ اور مورے یا داجی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ تم مہمان خانہ میں رکی ہو صبح ہوتے ایک ہنگامہ کھڑا ہو گا۔ جس پلوشہ کو تم میرے کپڑوں کو بھی ہاتھ لگاتے برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے آسانی سے

میرے کمرے تک رسائی مل جائے گی۔۔زاران کی بات پر ابرش کمبل خود سے اٹھاتے ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔زاران کی بات اسے آگ لگا چکی تھی۔۔زاران اس کا سرخ چہرہ دیکھتے اپنی مسکراہٹ ظبط کر گیا تھا۔جانتا تھا اب وہ روبوٹ کی مانند کمرے میں اس کے ساتھ چل پڑے گی۔۔وہ بیڈ سے اترتے غصے سے زاران کے مقابل آئی تھی۔

تو اگر اسے تمھارے کمرے تک آسانی مل جائے گی تو پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو جاؤ اس کے لیے آسانیاں پیدا کرو۔۔۔باہر کھڑے ہو کر تم بڑے برے ڈائیلاگ بول رہے تھے کہ اپنی بیوی کی عزت میں کمی برداشت نہیں کرو گے۔بند کمرے میں تم ایک عام مرد کی طرح دوسری شادی کی دھمکی دے کر اسے اپنے سامنے جھکانا چاہتے ہو۔۔۔ابرش نے اس کے قریب ہوتے بھیگے لہجے میں کہا۔

تم یہاں رات رک کر میری نظریں سب کے سامنے نہیں جھکانا چاہتی کیا؟؟۔۔ مورے کو تم سے یہی ایک مسلہ ہے۔ انھیں لگتا ہے تم میرے حقوق پورا نہیں کرتی۔۔ جب میں کمرے سے باہر راتیں گزارتا تھا۔ ہمارے بیچ پلوشہ آئی ناں۔ اب تم رات یہاں رکو گی تو وہ ہمارے بیچ نہیں آئے گی کیا؟؟

لیکن کیوں آئے گی وہ ہمارے بیچ؟؟۔۔۔ تم اسے حویلی سے کیوں نہیں نکالتے۔۔۔۔ آج سب تمھارے سامنے خاموش ہو گئے تھے۔ اس حویلی میں تمھاری چلتی ہے۔۔ تمھاری مورے بھی تمھارے سامنے نہیں بولتی۔۔

تم اتنے مجبور نہیں ہو کہ اس پلوشہ کو حویلی سے واپس نہ بھیج سکو۔۔۔ ابرش نے غصے سے لفظ چباتے بھیگے لہجے میں کہا۔ ابرش

۔۔۔کیوں چاہتی ہو کہ میں سب کے مقابل آؤں.؟؟۔۔جس انداز سے میں نے آج ض مورے سے بات کی۔میں نے کبھی نہیں کی۔۔میں شوہر ہونے سے پہلے ایک بیٹا ہوں یہ بات یاد رکھنی چاہیے تمھیں۔پلوشہ یہاں رہے گی یہ موردے کا فیصلہ ہے۔۔میں ان کے فیصلے کے خلاف کیسے جاؤں؟؟۔۔بتاؤ مجھے۔زاران نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

انہوں نے تو تمھاری شادی بھی پلوشہ سے طے کی تھی تو وہ بھی کر لیتے۔۔۔اگر تم اپنی مورے کے خلاف نہیں جاسکتے۔۔ابرش اس کی باتوں پر روہانسی ہوئی۔۔

زاران اسے کلائی سے کھینچے اپنے قریب کر گیا تھا۔میرا جینا مرنا تمھارے ساتھ ہے میری جان۔۔میری خوبصورت بیوی۔۔۔۔جس دن یہ سمجھ جاؤ گی کبھی کوئی تمھیں لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گا۔۔میں تمھارا ہوں یہ تم اپنے

انداز میں پلوشہ کو سمجھاؤ۔۔وہ خود ہی یہ حویلی چھوڑ دے گی۔۔مجھے نہیں لگتا وہ یہاں پر اب مزید رکے گی۔۔کچن میں جو ڈیمو دیکھ چکی ہے۔وہ اس کا چہرہ کیسے لال کر گیا تھا۔تم نے ہاتھ اٹھا کر اس کا گال لال کیا۔میں نے بنا ہاتھ اٹھائے۔۔یہی فرق ہے تم میں اور مجھ میں میری جذباتی بیوقوف بیوی۔۔

زاران نے ابرش کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی نازک کمر اپنی مضبوط مٹھی میں بھری۔۔ابرش اس کی حرکت پر بری طرح سسکی تھی۔۔اس کی بے باک حرکتیں شروع ہو چکی تھیں۔

زاران جس دن ہمارا بچہ۔۔۔جس دن ہم۔۔۔۔۔۔مم۔۔۔۔۔میں نے اپنا بچہ کھویا۔۔پپ پلوشہ نے مم۔۔۔مجھے وہ ریکارڈنگ سنائی تھی۔۔جس میں آنٹی پلوشہ کے بابا سے تمھاری اور پلوشہ کی شادی کی بات کر رہی تھیں۔۔مم مجھے اس وجہ سے بہت برا شاک لگا تھا۔۔مم۔۔۔۔مجھے اس نے

بولاتت۔۔۔ تم مجھے..... بیوقوف بنارہے ہو۔ تم صرف بچے کی وجہ سے ممم مجھے برداشت کررہے ہو۔۔ میرا بچہ تم دنیا میں آنے کے بعد اسے دے دو گے۔۔ ابرش اس کے سینے سے لگے سب بتاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچ گیا تھا۔۔ آنکھوں کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔۔ اس بات کی وہ اسے سخت سزا دینے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ پلوشہ اس حد تک جاسکتی ہے اسے یقین نہ تھا۔۔ مگر ابرش کے اس پر یقین کرنے پر اسے پلوشہ سے زیادہ اپنی بیوی پر غصہ آیا تھا۔ جب وہ کلیر کر چکا تھا تو پھر اس نے کیوں کسی تیسرے پر یقین کیا۔ وہ گہرا سانس بھرتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔۔ اسے اس کی ضرورت تھی۔۔۔ ابھی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ مگر اسے احساس دلانا چاہتا تھا وہ کہاں غلط تھی۔۔

مت کرو ذکر پرانی باتوں کا مجھے اذیت ہوتی ہے۔۔۔پلوشہ نے تمھارے ساتھ اس لیے یہ سب کیا۔کیونکہ تم نے کبھی اپنی اہمیت میری زندگی میں سمجھی نہیں۔۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اس کا چہرہ تھامے اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو اپنے انگوٹھے سے نرمی سے صاف کیے۔۔۔

تم نے کبھی بتائی ہی نہیں۔۔ابرش نے بھیگے لہجے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

چلو کمرے میں چلو تمھیں اچھی طرح بتاتا ہوں تم میرے لیے کیا ہو۔۔زاران نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے ٹھوڑی پر جھکتے اپنے دانت وہاں پر گاڑھے۔

تمھارے مورے کو لگتا ہے میں تمھارے حقوق پورے نہیں کرتی۔ اپنی مورے کو بتاؤ تم کہ تم پوری پوری رات اپنا حق مجھ سے لیتے رہے ہو۔۔ دن میں بھی تمھارا دل نہیں بھرتا تھا۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بھیگے نروٹھے لہجے میں بولی۔۔

ایسا کرنا کل خود بتا دینا بلکہ میری شدتوں کے نشان دکھا بھی دینا۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔ ابرش کے بیوقوفانہ بات پر اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

میں بتاؤں کیا؟؟ ابرش نے حیرانگی سے کہا۔

نہیں میں بتاؤں گا اپنی مورے کو۔۔۔ کل صبح اٹھتے بتاؤں گا آپ کی بہو ایک فرمانبردار بیوی ہے جو بستر پر اپنے سفاک اجڈ گنوار جاہل شوہر کو بہت خوش رکھتی تھی۔۔۔ مجھے جتنا سکون آپ کی بہو کی قربت میں ملا آج تک کہیں نہیں ملا۔۔ زاران گھمبیر لہجے میں کہتا مدہوش ہوتا اس کی گردن پر

جھک گیا تھا۔۔ وہ اس کے معاملے میں بیوقوف تھی۔ مگر اسے ان بیوقوفیوں سے ہی اسے ہینڈل کرنا تھا۔

بتاؤ گے تم یہ سب؟؟ ابرش نے اس کی شدتیں اپنی گردن پر سہتے گہری ہوتی سانسوں سے پوچھا۔

ابرش کی بات پر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔ ابرش نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ اب مس امریکہ کو نئی فکر لگ گئی ہے اپنی ساس کو کیسے بتانا ہے وہ ایک اچھی بیوی ہے۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے کہا۔۔

میں نہیں بتانا چاہتی تم نے ہی کہا تمھاری مورے کو لگتا ہے۔ میں تمھارے حقوق پورا نہیں کرتی۔۔ تمھاری مورے کو پتہ ہونا چاہیے۔ اپنے بیٹے کو جتنا شریف سمجھتی ہیں. وہ ہے نہیں ان کی بہو اسے حق نہ بھی لینے دے وہ لے

لیتا ہے اور زبردستی لیتا ہے. وہ بھی بہت بے دردی سے۔۔ ابرش شکوہ کناں لہجے میں ہوٹل کے کمرے میں اس کی بے رحم شدتوں کا جتایا تھا۔

شریف میں تو نہیں ہوں۔۔ یہ تمھیں آج پتہ چل جائے گا۔۔ آج رات سات مہینے کی ہر تڑپتی تنہارات کا تم سے حساب لوں گا۔ اور تمھیں دینا پڑے گا۔۔ زاران نے شال اٹھائے اس کے گرد اچھی طرح لپیٹی تھی۔ اور اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھایا۔۔

زاران کیا کر رہے ہو؟؟۔۔ ابرش نے گھبراتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی.

تم نے یہاں ہی سب وقت برباد کر دینا ہے۔ مجھے صبح اسلام آباد کے لیے نکلنا ہے میری امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔۔ پیچھے رات کتنی رہ گئی ہے۔۔ اور مجھے تمھیں آج ساری رات پیار کرنا ہے۔۔ زاران کی آواز گھمبیر ہوئی تھی۔

میٹنگ۔۔۔ کون سی میٹنگ ؟؟ ابرش نے زاران کے گلے میں بانہیں حمائل کیں۔ اس کا صبح اسلام آباد جانا بہت چبھا تھا۔۔ ستارہ خان یاد آئی تھی۔۔۔

ہے جان بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔۔ منسٹر ہوں۔۔۔ آئے روز میٹنگ ہوتی ہے۔۔ کس کس میٹنگ کا حساب رکھو گی تم۔۔ فکر نہ کرو رات تمھارے پاس ہی ہوا کروں گا۔۔ پرائیویٹ جیٹ خرید لوں گا۔۔ تاکہ آدھے گھنٹے میں تنھارے پاس۔۔ وہ ابرش کو مزید اوپر کو اٹھائے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

تم مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد لے جایا کرو۔۔۔ تمھارا اتنا بڑا بنگلہ ہے۔۔ ہم وہاں پر بھی رہ سکتے ہیں۔ جب حویلی آیا کرو تمھارے ساتھ واپس آجایا کروں گی۔۔ زاران صبح اسلام آباد جا رہا تھا۔۔ ابرش سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

ہممم۔۔۔میری جان یعنی پورا پورا اپنے قابو میں رکھنے کا آرادہ ہے۔۔۔تاکہ ایک پل کے لیے نظر ادھر سے ادھر نہ کر سکوں۔زاران کہتے کمرے کا دروازہ کھولتے باہر آیا

ابھی بھی چانسز ہیں نظر ادھر ادھر کرنے کے۔۔ابرش کی بات پر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔مجھے اپنی خوبصورت بیوی کے ہاتھوں مرنا نہیں ہے۔۔زاران نے جھکتے ہوے اس کے لبوں پر نرمی سے لب رکھے تھے۔

ابرش مسکراتے ہوے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔۔

زاران اسے لیے لاونج سے ہوتے سیڑھیوں پر چڑھا۔۔ امینہ خانم جو کچن سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔۔ زاران ابرش کو گود میں اٹھائے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر ان کی رنگت شرم سے سرخ ہوئی تھی۔۔ وہ اسے بے باکی سے گود میں اٹھائے باتیں کرتے ہنے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے اس کے سینے سے لپٹی ہوئی۔۔ مدھم آواز میں کچھ کہہ رہی تھی۔

اس کی کسی بات زاران کا سیڑھیاں چڑھتے ہوے قہقہ بلند ہوا تو امینہ خانم گہرا سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

زاران کو خوش دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ ابرش کو زاران کے سینے سے لپٹے بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان کے دل میں سکون کی لہر دوڑی

تھی۔۔ آج جس طرح وہ چادر میں لپٹی نظریں جھکائے کھڑی بری طرح رو رہی تھی۔ انھین احساس ہوا تھا۔۔ ابرش جب سے ان کے بیٹے کے نکاح میں آئی تھی۔ ایسے ہی رو رہی تھی۔۔ کوئی نہ کوئی اسے ہمیشہ سوالوں کے کٹہرے میں کھڑا کیے رکھتا تھا۔۔ آج زحلے کی وجہ سے سمیع اللہ نے اس پر سوال اٹھائے تھے۔ روزینہ خانم نے اسے کیا کچھ نہیں کہا۔۔ مگر وہ خاموش رہی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی ابرش کی جگہ ان کی بہو بہارے اور ان کی اپنی بیٹی عابیر ہوتی تو اپنے حق کے لیے بولتے چھوٹے بڑے کی تمیز بھول جاتیں۔۔ عابیر بھی جب بات عزت نفس پر آتی تھی تو برداشت نہیں کرتی تھی۔

بہت دفعہ وہ لاونج میں اسفندیار خان کی انکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔۔ مگر نکاح کے بعد ابرش نے کسی کے سامنے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی۔

۔ابرش کی خاموشی ہمیشہ ان کی عزت کرنا وجہ صرف زاران کی ذات تھی جس سے وہ ٹوٹ کر پیار کرتی تھی۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا۔۔ اپنے بیٹوں کا سکون ہی تو انھیں پیارا تھا۔۔ ان کے دل میں کچھ وہم تھے ابرش کو لے کر ۔وہ دوبار حویلی چھوڑ کر نہ چلے جائے۔۔ مگر وہ اپنے بیٹے زاران کو اچھی طرح جانتی تھی۔۔ ابرش کو اب وہ ڈیل کر لے گا۔۔۔ وہ شہرام اور ارحام کی طرح نہ تھا۔ اسے سب کو ڈیل کرنا آتا ہے۔۔ وہ گہرا سانس بھرتے سب خدا پر چھوڑتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

زاران اسے لیے کمرے میں لیے داخل ہوا تو ابرش کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ اس کمرے کو سات ماہ بعد دیکھ رہی تھی۔ جس میں قدم رکھنے کی اس نے آس بھی چھوڑ دی تھی۔

ابرش زاران کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اس کے سینے کے ساتھ شدت سے لپٹی۔۔

زاران اسے لیے واش روم کی طرف بڑھا۔

زاران واش روم کیوں جا رہے ہیں؟؟۔ ابرش نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔

کیونکہ تم واش روم میں رومانس کرتے وائلڈ ایگریسیو وومین بن جاتی ہو۔۔۔۔۔زاران کی بات پر وہ سرخ ہوئی تھی۔وہ سوات کے ہوٹل والی بات چھوڑتا ہی نہیں تھا۔جب وہ اس کی شدتیں برداشت کرتے جذباتی ہو گئی تھی۔۔ قربت کے لمحات میں وہ اس کا ایک ایک ایکٹ یاد کرواتا تھا۔وہ ہمیشہ سرخ ہوتے اس کے سینے سے لپٹ جاتی تھی

ابرش اس وقت بھی اس کے سینے سے سے لپٹ کر اپنا چہرہ چھپا گئی۔۔

زاران مسکراتے ہوئے اسے لیے واش روم میں داخل ہوا۔باتھ ٹب میں پانی اور ببلز دیکھ کر ابرش کی رنگت سرخ ہوئی تھی.۔وہ کیا چاہتا تھا وہ سمجھ گئی تھی بہت بار وہ باتھ ٹب رومانس کر چکا تھا۔زاران نے مسکراتے ہوئے اس کے وجود کو باتھ ٹب کے گرم پانی جس میں ببلز بنے ہوئے تھے۔اس میں پھینکا تھا۔ابرش باتھ ٹب کے پانی میں گرتے ہوئے مکمل بھیگی تھی۔

زاران ابرش نے گھبراتے ہوے اسے پکارا تھا۔

زاران روف شاور آن کرتے اپنی شرٹ اتارتا ہوا باتھ ٹب میں داخل ہوا۔ اس کے گرد لپٹی اپنی شال نرمی سے اتاری۔۔وہ باتھ ٹب میں داخل ہوتے اسے اپنے چٹانی سینے پر منتقل کر چکا تھا۔اب وہ راؤنڈ باتھ ٹب کے گرم بلبلز واٹر میں لیٹے ہوے باتھ ٹب کے کنارے کی سطح پر سر رکھے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔

ابرش اس کے سکس پیک چٹانی سینے پر ہاتھ جمائے اس کی طرف دیکھتے نشیلی آنکھوں سے مسکرائے تھی۔۔

زاران اس کی کرسٹل براؤن نشیلی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔اس کی بیوی کو اتنی دیر ہی لگتی تھی۔اس کے چھونے کی دیر ہوتی

تھی۔ وہ اس کی طلب بن کر اس کی آنکھوں میں دوڑنے لگتا تھا۔ وہ اس کی محبت کی شدت تھی وہ اسے اتنی جلد محسوس کرنے لگتی تھی۔۔

زاران اس کے بال گدی سے جکڑے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لے چکا تھا۔۔ ابرش اس کے سکس پیک چٹانی سینے پر ہاتھ جمائے اس کی شدت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

روف شاور سے پانی گرتا ان کی سانسیں بھاری کر چکا تھا۔ ابرش پوری طرح اس کی شدت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔ پانی ان کے اوپر گرتا ان کی سانسیں بھاری کر چکا تھا۔

زاران نے اس کی سانسیں انہیل کر کے اسے چھوڑا تو ابرش گہرے سانس لیتے اس کے سینے پر اپنے لب رکھ گئی تھی۔۔

زاران تمھارے ساتھ میں بھی کل صبح اسلام آباد جاؤں گی۔

ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا وہ بے خودی میں اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ رہا تھا۔

زاران نے اس کی بات پر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔۔ وہ اس وقت بھی یہی بات سوچ رہی تھی۔۔ زاران کی ساری بے خودی جیسے اڑھنچھو ہوئی تھی۔ اتنے قریب قربت کے لمحات میں اس کے حواصوں پر اسلام آباد سوار تھا۔ اور کیوں سوار تھا؟؟ وہ وجہ اسے مزید مشتعل کر چکی تھی۔

ابرش۔۔۔۔ تم اس حویلی میں ہی رہو گی۔۔ تم کسی صورت اس حویلی سے نہیں نکلو گی۔ میں نے کہا ناں میں رات حویلی ہی رکوں گا۔۔ مگر ابھی میں تمھیں کسی قیمت اسلام آباد نہیں لے جا سکتا۔۔ اور اس بات پر مزید بحث نہیں ہو گی. تم کسی صورت حویلی سے باہر نہیں جاؤ گی۔ اور یہ بات میں

اخری مرتبہ کہہ رہاہوں۔۔تم میری آجازت کے بغیر کبھی بھی حویلی سے باہر قدم نہیں رکھو گی۔

وہ اسے لے کر جذباتی تھی۔۔وہ اسلام آباد میٹنگ کے لیے گیاہو۔۔وہ کسی وجہ سے اس کے پیچھے بھی آسکتی تھی۔جس طرح پلوشہ کی باتوں پر بنابتائے گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔وہ کوئی اور حماقت نہ کرے وہ پریشان ہوا تھا۔اس حویلی سے باہر ابھی وہ اسے کہیں نہیں لے کر جاسکتا تھا۔منسٹر بن کر وہ مذید خطروں میں گر چکا تھا۔

۔زاران کا بے حد سنجیدہ چہرہ دیکھ کر ابرش روہانسی ہوئی تھی۔۔

اتنابڑا بنگلہ ہے تمھاراتم اپنی بیوی کو وہاں نہیں رکھ سکتے۔۔کیوں کیا وجہ ہے اس بات کی؟؟۔۔پھر تم مجھے مینٹلی سک وومین کہتے ہو جو کچھ بھی سوچ لیتی ہے۔اس ستارہ کو لے کر تم اس بنگلے پر پارٹی تھرو کر سکتے ہو۔مگر مجھے نہیں

لے کر جاسکتے۔۔ ابرش کی بات پر زاران اسے خود کے اوپر سے بری طرح سے دور دھکیلتا باتھ ٹب سے باہر نکل آیا تھا۔۔ وہ ٹاول ریک سے ٹاول لیے غصے سے باتھ کیبن میں داخل ہوتے شاور ان کیے شاور کے نیچے کھڑا ہو چکا تھا۔

۔ابرش نے روہانسے ہوتے بے یقینی سے زاران کو دیکھا جو شاور ان کیے شاور لے رہا تھا۔۔

ابرش کتنی دیر بھیگی آنکھوں سے باتھ کیبن سے اس کے شرٹ لیس مدھم سے نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتی رہی۔

وہ اسے یوں بیچ میں چھوڑ جائے گا۔اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔ جس طرح اس نے اسے خود سے دور دھکیلا وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

جس رومانس کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا اب اسے چھوڑ کر شاور لے رہا تھا

۔۔ابرش نے بے دردی سے اپنے لب کاٹے۔۔وہ ایسا ہی تھا وہ کیوں بھول جاتی تھی؟؟۔اگر ایسا نہ ہوتا وہ اس کے بغیر کیسے اتنی راتیں گزار سکتا تھا۔ابرش کو وہ وقت یاد آیا جب وہ دو دو تین دن کمرے میں نہیں آتا تھا۔کیسے وہ ایک بیوی کی اکڑ توڑ چکا تھا۔۔چار ماہ حویلی میں گزرے ہوئے عرصے میں وہ راتوں کو دو ماہ وہ کمرے میں نہیں آیا تھا۔۔یہ دو ماہ وہ راتیں اس نے کیسے تڑپتے تنہا سسکتے ہوئے تنہا گزاریں تھیں۔اسی بے اعتنائی نے اس کے اندر اس کا کانفیڈنس سب ختم کر دیا تھا۔

وہ نیچے اس کے لیے سیٹینڈ لے سکتا تھا مگر بند کمرے میں چند سوالوں کے جواب دے کر اس کی انسکیورٹی دور نہیں کر سکتا تھا۔۔ائیر پورٹ

۔۔۔ہوٹل اور پارٹی میں ستارہ کو دیکھ کر وہ اپنے شوہر سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے باتھ ٹب سے اٹھی تھی وہ غصے سے باتھ کیبن کا گلاس ڈور کھولتے اندر داخل ہوئی۔۔گلاس ڈور اس نے اتنی زور سے بند کیا تھا۔۔گلاس ڈور بری طرح جھنجھنا اٹھا۔

زاران نے سرد نگاہوں سے ابرش کو دیکھا جو اسے بھیگی شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

وہ دونوں غصے سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں انکھیں گاڑھے ہوے تھے۔۔

یکدم زاران اس کے بالوں کو پیچھے گدی سے پکڑے اس اپنے قریب کرتے اس کے بھیگے گلابی لبوں پر جھکے اس کی سانسیں گھوٹ گیا۔۔ ابرش نے تڑپتے ہوے اسے خود سے دور کرنا چاہا وہ اس کی نائٹی کی ڈوری کھینچتے اسے ریموو کرتے ابرش کو کلاس وال کے ساتھ لگ گیا۔

وہ دونوں شاور کے نیچے بھیگ رہے تھے۔ زاران اسے گلاس وال سے لگائے اس کی گردن کو دبوچے اس کے لبوں پر شدت سے جھکا اپنے لبوں کی تشنگی پیاس مٹا رہا تھا۔ ابرش ذرا سی مزاحمت کرتی زاران کے ہاتھ کا دباؤ اس کی گردن پر بڑھنے لگتا تھا۔ ابرش اپنی مزاحمت روکتے زاران کا وحشی لمس اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔۔

شاور سے گرتی نیم گرم پانی کی بوچھاڑ ان کی سانسوں میں ہلچل مچا چکی تھی۔ زاران کی شدت پر ابرش کی سانسیں گھٹ رہی تھیں۔ مگر پورا وجود بے ترتیب ہوتا جیسے ہچکولے بھر رہا تھا۔ باریک نائٹی سے نظر آتے دلکش خدوخال نظر آتے زاران کا بدن ابرش کے نازک بدن کا طبگار ہوتا جا رہا تھا ۔زاران ایک ہاتھ سے اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتے اس کے لبوں کو اب دانتوں میں دبا گیا تھا۔ ابرش اس کے حصار میں تڑپ کر رہ گئی تھی۔

زاران کافی دیر تک اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں بری طرح انہیل کرنے کے بعد پیچھے ہوا تو اس کے نازک لب لہو چھلکا رہے تھے۔ خون کی ہلکی سی بوند اس کے لبوں پر چمک رہی تھی۔

ابرش گلاس وال سے ٹیک لگائے اپنی سانسیں بحال کرتے آنکھیں موند گئی تھی۔ زاران اپنی شدت سے اس کی جان جیسے نکال چکا تھا وہ اس کے معاملے میں ایسا ہی جنونی تھا۔ اسے اپنی قربت میں سانس نہیں لینے دیتا تھا۔

زاران اس کی بے ترتیب نائٹی میں اس کے خوبصورت بدن کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے لبوں سے خون کی بوند چننے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ابرش اسے اپنا منہ پھیر گئی تھی۔

ضرورت نہیں مجھے تمھاری۔۔ رہنے دو اس زخم کو تاکہ صبح تمھاری مورے کو پتہ چلے تم نے اپنا حق بہت بے دردی سے لیا ہے۔ تاکہ ان کی نظروں میں میری عزت بڑھ جائے۔ کیونکہ رات بھر میں نے ان کے بیٹے کو خوش رکھا ہے۔۔ اس کے بعد مجھے ایک اچھی بیوی ہونے کا خطاب ملے گا۔ برش نے شبنمی لہجے میں کہتے اپنا زخمی ہونٹ بے دردی سے انگوٹھے سے رگڑا۔

اب مورے کو بیچ میں کیوں لا رہی ہو؟؟زاران نے لب بھینچے اس کے نچلے لب کو گہری نگاہوں سے دیکھا جہاں زخم کافی گہرا تھا۔وہ اپنے جنون میں اس کے لبوں کی نازکی بھول گیا تھا۔

کیوں نہ لاؤں زاران بیچ میں؟؟۔انھیں لگتا تھا میں تمھارے حقوق پورے نہیں کرتی۔اس لیے وہ بیچ میں پلوشہ کو لے آئیں۔جس عورت کو ان کا بیٹا گن پوائینٹ پر اپنے گارڈ کے ہمراہ اٹھا کر زبردستی اپنی حویلی لے آئے ۔جس عورت کو وہ بھرے جرگے میں تھپڑ لگائے اور اس کے بعد اسی عورت سے نکاح کر لے۔اس عورت کی کیا وقعت ہو گی آخر اس مرد کی نظر میں ۔وہ مرد اس سے زبراستی اپنا حق وصول کرے گا کہ نہیں۔۔

حویلی بھی اسی مرد کی کمرہ بھی اسی مرد کا اور عورت بھی اسی مرد کی۔۔وہاں وہ عورت کیا کر سکتی ہے؟؟۔جو مرد اس پر حق رکھتا ہو جو اس سے طاقت

میں کئی گنا زیادہ ہو اس مرد کے ایک تھپڑ پر عورت دور لڑکھڑاتی ہوئی جا پڑے۔۔وہ اس مرد کا کیا مقابلہ کرے گی آخر؟؟۔۔مگر پھر بھی آپ کی مورے نے مجھے قصوروار سمجھ کر سزا دی۔۔اتنی ناسمجھ اور معصوم تو نہیں آپ کی مورے۔جو سمجھ نہ سکیں کہ حقوق پورے کرنے کی ذمہ داری آپ کی تھی میری نہیں۔مجھے تو بے بسی سے صرف بیڈ پر سہنا تھا۔

پھر بھی آخر کیوں آپ نے انھیں اتنا حق دیا وہ میرے اور آپ کے بیچ آئیں؟؟وہ آپ سے ہماری پرسنل باتیں کریں۔ابرش نے تلخی سے بولتے استفسار کیا۔کچھ دیر پہلے جو اسے خود سے دور جس طرح دھکیل کر آیا زاران کی یہ حرکت جیسے اس کا دل توڑ چکی تھی۔عجب سی تذلیل محسوس ہو رہی تھی۔

ابرش مورے کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گا۔ اور جہاں تک بات ہے تمھارے ساتھ زبردستی کرنے کی۔ پہلی رات چاہتا تو تم سے زبردستی کرتا۔ مگر نہیں کی۔

دو مہینے تمھارے قریب نہیں آیا۔ اور جب تمھارے قریب آیا تم نے مجھے seduce (بہکانا) کیا تھا۔ میں تمھارے قریب تمھاری مرضی پر آیا۔۔ زاران نے اسے گھورتے لفظ چبائے تھے۔

۔یہی تو کہہ رہی ہوں زاران کیوں مجھے ضرورت پڑی تمھیں seduce کرنے کی؟؟۔ اپنے ولیمہ نائٹ کو خود کو تمھیں سونپا تھا۔ کیوں تم نے مجھے ٹھکرا کر میری تذلیل کی؟؟۔ ان دو ماہ میں تم کیوں میری آنکھوں میں اپنی چاہت اور طلب دیکھ نہ سکے؟؟۔ تم نے کیوں اپنی مورے کو نہیں بتایا کہ وہ عورت تو میرے حقوق پورا کرنا چاہتی تھی مگر میں نے اس کے حقوق ادا

نہیں کیے۔۔بتاتے ناں اپنے مورے کو تم اس عورت کو اپنے گھٹنوں پر لا کر اس کی سیلف ریسپیکٹ مار کر تمھیں سکون ملتا ہے۔ابرش شبنمی لہجے میں بولتے اپنے رخ پر گری شبنم بے دردی سے ہتھیلی سے صاف کر گئی تھی۔

ابرش اس سب باتوں کا مطلب؟؟

can you explain??

ابھی تھوڑی دیر پہلے تم مجھے خود کو سونپ چکی تھی۔میری شدت میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔اس نازک وقت میں تمھاری ان باتون کا مطلب؟؟کیوں چاہتی ہو میں آج رات بھی بیوی ہوتے ہوے بھی تکیے کے

ساتھ لپٹ کر سوؤں۔ زاران اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا تھا۔۔

ابرش کا گیلا بدن اس کے ہوش اڑا رہا تھا وہ آج رات اس سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ اپنی بیوی کے جذباتی پن سے واقف تھا یہ بات نہ سہی وہ کوئی اور بات پکڑ لیتی۔

سو سکتے ہو تمھارے نزدیک شائد مجھ سے زیادہ وہ تکیہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جو میری کمی ان سات ماہ میں پورا کرتا رہا۔۔ ابرش اسے خود سے دور کرتے چٹختے ہوے بولی۔

لہجے میں شدید جلن تھی وہ تکیے سے لپٹ کر سو کر اس کی کمی پورا کر لیتا تھا۔ وہ کوئلوں کی مانند جیسے سلگی تھی۔ وہ اس کے معاملے میں اتنی ہی پوزیسیو تھی۔ وہ کبھی اس کی محبت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کبھی لفظوں کی مار مار کر کبھی

خود سے دور دھکیل کر اس کا وجود کرچیوں سے بھر دیتا تھا۔ نیچے جو ہوا امریکہ میں زحلے نے جو کہا وہ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں تھی۔ زاران کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے جیسے کاٹ رہی تھیں۔

زاران اس کے لہجے میں جلن محسوس کرتے اسے خود سے لپٹائے اس کے عارض پر شدت سے اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔

ابرش نے اس کی شدت پر سسکتے ہوئے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی وہ مزید اسے اپنے سینے سے لپٹائے اسے خود میں بھینچے اس کی نازکی محسوس کرنے لگا جو اس کے جواں جذبوں میں آگ لگا گئی تھی۔

چھوڑو مجھے تم ان نازک لمحات میں بھی مجھ سے دور ہو سکتے ہو خود پر کنٹرول کر سکتے ہو۔ میں تمھارے لیے کبھی تمھاری دیوانگی نہیں بن سکتی۔۔ کبھی تمھارا جنون نہیں بن سکتی۔ تم کبھی میرے ناراض ہونے پر پریشان نہیں ہو

سکتے۔ تم کبھی میرے لیے رات بھر تڑپ نہیں سکتے۔ کیونکہ تمھیں میرے دل میری روح سے محبت نہیں ہے۔ تمھیں صرف میرے جسم سے دلچسپی ہے۔ تمھیں قربت کے لمحات میں خوش رکھوں تمھیں صرف ایسی عورت چاہیے تھی۔ جو تمھارے سٹینڈرڈ کے مطابق ہو۔۔ جیسے امریکہ سے آئی ہو لڑکی ابرش پاشا۔ جو بہت ماڈ تھی۔ جو کمرے میں تمھارے لیے ایک ماڈل کی طرح ہوتی ہے۔ جو قربت کے لمحات میں ایک عام لڑکی کی طرح تمھاری بانہوں میں ری ایکٹ نہیں کرتی۔ تمھیں پوری طرح سیٹسفائیڈ کرتی ہے۔ اس لیے تم مجھے اپنی زندگی میں واپس لے آئے۔

ابرش کی بات پوری ہونے پر وہ اسے خود سے الگ کرتے گلاس وال پر بری طرح پٹخ چکا تھا۔

وہ بری طرح گلاس وال کے ساتھ لڑ کھڑائی تھی۔ ابرش نے گلاس وال میں سماتے زاران کو دیکھا جو اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

یہی سمجھی ہو ابھی تک میری زندگی میں اپنی اہمیت۔ خود کو ایک چیپ ماڈل سے ملا رہی ہو۔ تمھیں سر سے پیر تک پردے میں چھپا کر ایسے ہی رکھتا ہوں۔ عورت ماڈل بھی ہو تو مرد نکاح کے بعد اسے صرف اپنی عورت دیکھنا چاہتا ہے۔ کمرے میں امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی ہو یا اس حویلی کی عام لڑکی وہ اپنے شوہر کے لیے ہر وہ چیز کرتی ہے جو تم کرتی ہو۔ ایسا کیا نیا کرتی ہو تم اور ایسا کیا نیا کرتا ہوں میں جو تم مجھے طعنے مار رہی ہو۔

زاران اس کی باتوں پر بھڑکتا مشتعل ہو چکا تھا۔

تم نے مجھے میری اہمیت یہی سمجھائی ہے۔۔ یہی تلخ حقیقت ہے جسے قبول کرو یا نہ کرو۔ تمھیں میری محبت کبھی نظر نہیں آسکتی۔ تمھاری مورے نے

حویلی میں تمھارے لیے آپشن رکھا ہے۔اور خود کو ساری دنیا کے سامنے سنگل کہہ کر تم نے خود کو دوسروں کے لیے آپشن کے طور اویل کر دیا ہے ۔ابرش نے اس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے کانچ سے لہجے میں کہا۔

زاران نے اپنے بال مٹھی میں دبوچتے گہرے سانس لیے تھے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے پھولتی رگوں کے ساتھ گلاس وال پر مکہ دے مارا تھا۔فینسی گلاس وال بری طرح جھنجھنا اٹھا تھا۔ابرش سہمتے ہوئے گلاس وال میں سمائی تھی۔

تمھیں لگتا ہے میں مینٹلی سک وومین ہوں جس نے تمھاری زندگی برباد کر دی۔میں خوامخواہ پلوشہ سے انسکیور ہو رہی ہوں زاران۔۔۔روتے ہوئے چیخی تھی۔

زاران نے خاموشی اسے دیکھتے لب بھینچے تھے۔

پلوشہ نے کچن میں مجھے کتنی باتیں سنائیں۔ میرے کردار پر بات کی۔۔ مجھے ستارہ خان کے حوالے سے طعنے مارے۔ جس نے ہمارے بچے کو مار دیا۔ پلوشہ کی ساری سچائی سننے کے بعد بھی تم نے مجھے ٹکا سا جواب دے دیا کہ تم اپنی مورے کے خلاف نہیں جاسکتے۔ جب تم نے ابھی بھی صرف بیٹا بننا تھا مجھے امریکہ سے کیوں لائے ؟؟ کیوں اس پلوشہ کو یہاں سے نہیں نکالتے ؟؟ میں تمھاری جگہ ہوتی اس پلوشہ کو جان سے مار ڈالتی جس نے ہمارے بچے کو نقصان پہنچایا۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے چیخی تھی۔

میرے قصور ایک بار بتا دو مجھے۔ ستارہ خان میری مورے وہ پلوشہ یا پھر تمھارے جسم کی چاہ۔۔۔۔۔ یا پھر تمھیں باتھ ٹب میں خود سے دور

جھٹکنا۔ایک بار بتاؤ کیا گناہ ہوا ہے مجھ سے ؟؟۔زاران نے اس کے قریب ہوتے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

ابرش اس کی باتوں پر اسے خود سے دور دھکیلتے باتھ کیبن کا شیشہ کھولتے باہر جانے لگی۔زاران اسے بازو سے جکڑے گلاس وال سے لگا گیا تھا

کیا چاہتی ہو مجھے بتاؤ؟؟ تمھیں لگتا ہے مجھے صرف تمھارا جسم چاہیے میرے نزدیک تمھاری یہی ویلیو ہے۔میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔زاران نے ابرش کو گھورتے سنجیدگی سے کہا۔

کمرے سے باہر رہ کر۔۔ اپنی راتیں نیچے لاونج اور اپنی مورے کے گھٹنوں سے لگ کر گزارو گے۔ زاران کے قریب نہ آنے والی بت پر وہ مزید سلگی تھی۔

میں کمرے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ مجھے احساس ہے کہ میں نے امریکہ میں تمھارے ساتھ غلط کیا۔۔ تم سے زبردستی کی۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔۔ جب تک تم نہیں چاہو گی میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ لیکن اب کی بار میں تمھاری جذباتیت برداشت نہیں کروں گا۔ پلوشہ کو تم کل کے بعد تم اس حویلی میں نہیں دیکھو گی۔ مگر اب تمھارے لبوں سے میں ستارہ خان اور پلوشہ کا نام نہ سنوں۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں رات تمھارے پاس اس حویلی کے کمرے میں گزاروں گا۔۔ مگر تم اب کی بار اس حویلی سے میری آجازت کے بغیر قدم نہیں نکالو گی۔ اب کی بار عنائیہ آہل

زرتاج پھوپھو کوئی بھی وجہ ہوئی جس کی وجہ سے تم حویلی سے نکلنے پر مجبور ہوئی ایسا غلطی سے بھی کچھ ہوا میں برداشت نہیں کروں گا۔ زاران سرد تنبیہی آواز میں کہتے گلاس وال کا دروازہ کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

تمھیں مجھ پر یقین نہیں ہے کیا؟؟ میں کیوں اس حویلی سے تمھاری آجازت کے بغیر نکلوں گی۔ ابرش اس کے پیچھے آتی ہوئی چیخ کر بولی تھی۔

وہ کیا چاہ رہی تھی وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ سات ماہ بعد بھی اس سے دور رہ سکتا ہے وہ تڑپ اٹھی تھی جیسے۔۔

جو چیز انسان دوسرے کو نہ دے سکے وہ اسے کسی دوسرے سے بھی ایکسپیکٹ نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک یقین کی بات ہے تم نے مجھ پر کبھی کیا میں کروں ؟؟ زاران پلٹتے ہوے آئی برو اچکاتے سرد لہجے میں بولا۔

میں تمھارے پیچھے امریکہ چلا آیا۔۔ تمھیں اپنی گود میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ پوری حویلی کو چیخ چیخ کر بتا دیا تم میرے لیے کیا ہو۔ اور کیا کروں میں ؟؟۔ اگر تمھیں لگتا ہے میں اپنے بچے کے کھونے کا ذمہ دار پلوشہ کو سمجھ کر تم پر اور خود پر ترس کھاؤں تو یہ میں نہیں کروں گا۔

حقیقت کو ایکسیپٹ کرتے سوچو اپنے بچے کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ جس بچے کو تم مارنے کے لیے گولیاں کھا رہی تھی۔ اس سے اگلے دن تم اسی بچے کے لیے رو رہی تھی۔ اس دن تم بنا کسی کو بتائے حویلی سے نکل گئی

ابرش۔۔ اس وقت میں عنائیہ کو بچانے بہزاد کے آدمیوں کے ساتھ لڑ رہا

تھا۔ اپنے رستے زخموں پر انگلیوں کے پوروں سے ابھی مرہم نہیں رکھ سکا تھا کہ مجھے فون آتا ہے۔ میری بیوی رات کے اندھیرے میں گاڑی لے کر میری حویلی عبور کر گئی ہے۔۔ اپنے زخموں پر مرہم لگانا بھول گیا بھاگتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ اندھا دھند گاڑی چلاتے تمھیں سڑکوں پر ڈھونڈ رہا تھا ۔ تمھیں میرے بچے کو کچھ نہ ہو گیا ہو۔ ان چند گھنٹوں میں اپنے بچے سے پہلے میں کئی بار مرا اور زندہ ہوا۔ وہ گاڑی کا تمھارا مانگنا تمھارا گولیاں کھانا ایسا لگا تمھیں یہ بچہ نہیں چاہیے۔ تم نے مجھے اذیت پہنچانے کے لیے یہ سب کیا۔

تمھارے جذباتی پن نے کیا کچھ نہیں چھینا مجھ سے۔۔

سچ بتاؤں مجھے ڈر لگتا ہے تمھاری انسکیورٹی اور تمھاری شدید محبت سے۔۔۔ یقین تو بہت بعد میں آتا ہے۔

۔اب میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا۔وہ بچہ میرے لیے کیا تھا تم کبھی سمجھ نہیں سکتی۔تم میرے زخم ادھیڑتی ہو صرف۔۔

۔زاران اپنی بات مکمل کرتے ڈریسنگ روم میں چلا گیا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے بیڈ کی طرف بڑھی ۔وہ گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھی۔وہ بچہ میرے لیے بھی سب کچھ تھا کیونکہ وہ تمھارے لیے سب کچھ تھا۔یہی زخم یہی غم تو تمھاری بانہوں میں بانٹنا چاہتی ہوں۔ تمھیں سمجھ کیوں نہیں آتا۔یہ غم کسی نے مجھ سے آج تک نہیں بانٹا۔یا پھر کوئی بانٹ ہی نہیں سکتا۔مجھے تو صرف تمھاری ضرورت ہے اور تمھاری ضرورت تھی۔تم بھی کیوں ہر بار مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہو۔وہ زیر لب آہستگی سے بولتے بیڈ پر لیٹتی کمبل خود پر پوری طرح لپیٹ چکی تھی۔

ابرش ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنے سلکی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ وہ اس وقت بلو کلر کی ویلوٹ کی لانگ شرٹ اور سلک کے ٹراوزر میں ملبوس تھی۔ وہ رات گیلی نائٹی میں سو چکی تھی۔ جس کے باعث اس کا بدن حرارت سے تپ رہا تھا. چہرہ بھی بخار کی تمازت سے سرخ تھا۔

گال اور ہونٹوں پر زاران کا دی ہوئی شدت ابھی بھی پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ ابرش میرون لپ سٹک ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے اپنے زخمی لبوں پر لگا رہی تھی کہ زاران ڈریسنگ روم سے بلیک پینٹ پر بلیک شرٹ پہنے نکلا تھا۔ اپنے گیلے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ اپنی شرٹ کے

بٹن بند کرتے ڈریسنگ مرر کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ رات صوفے پر سویا تھا۔ رات سے ان کے درمیان بات چیت بند تھی۔

زاران کو دیکھتے ابرش کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے تھے اس کے سکس پیک چٹانی سینہ مرر میں بخوبی نظر آ رہا تھا۔ وہ مینٹنگ کے لیے سیاہ لباس پہن کر ہی جا رہا۔ ابرش سر جھٹکتی زخمی سا مسکراتے اپنے ہونٹوں پر لپ سٹک لگانے لگی۔ زاران نے یکدم ابرش کی کلائی پکڑتے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ زاران کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

یہ کیا کر رہی ہو بیوی؟؟ زاران اس کا رویا متورم چہرہ بغور دیکھتے بولا۔ اس کا متورم چہرہ اور گلابی آنکھیں دیکھتے وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ رات بھر روتی رہی وہ جانتا تھا۔ وہ خود رات ایک پل سویا تھا۔ رت جگے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

تمھارا دیا ہوا زخم اس لپ سٹک سے چھپانے لگی ہوں۔ ابرش خود کو اس کے حصار سے چھڑواتے ہوے بولی۔

زاران اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کر گیا تھا۔

مگر میں کہوں مجھے تمھارے لبوں پر اپنی شدت کے علاوہ کوئی رنگ نہیں پسند تو؟؟ زاران اپنے انگوٹھے سے اس کے نچلے لب پر لگی لپ سٹک بے دردی سے صاف کر گیا تھا۔

تو کیا؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

تو مت لگاؤ کوئی بھی رنگ ان پر۔۔۔۔ تم مجھے ایسے ہی پسند ہو۔۔ اور میں چاہتا ہوں ہمارے بیچ رات کو کچھ نہیں ہوا۔ یہ بات کسی کو پتہ نہ چلے۔ نہ تمھارے بھیگی آنکھوں سے اور نہ تمھارے متورم چہرے سے۔۔ اس لیے کوئی ضرورت نہیں یہ زخم چھپانے کی۔ زاران نے سنجیدگی سے حکم دیا۔۔

مجھے کوئی چاہت نہیں میں تمھاری مورے کو بتاؤں کہ میں تمھارے حقوق اچھی طرح بستر پر نبھاتی ہوں ابرش نے تلخی سے بولتے خود کو اس کے حصار سے چھڑوایا۔

زاران اسے کمر سے مضبوطی سے جکڑے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ ابرش کے لب اس کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے۔

ابرش کی گلابی آنکھیں زاران کی پرکشش سیاہ آنکھوں میں گڑھی تھیں۔ دونوں کی خوشبو ایک دوسرے کی سانسوں میں انہیل ہوئی تھی۔ رات کے مناظر دونوں کی نظروں کے سامنے لہرائے تھے۔ ایک دوسرے کی طلب دونوں کی آنکھوں میں دوڑتی ان کی آنکھیں اسی خمار آلود کر گئی تھی۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔ زاران اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔ دونوں کی دل کی دھڑکنیں ایک دوسرے کے سینے میں بجنے لگی تھیں۔

مجھے چھوڑو مجھے میک اپ کرنا ہے۔ ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلا ۔۔ زاران اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کیے ہوے تھا۔

میں چاہتا ہوں تم بلکل میک اپ نہ کرو اور سب کو بتاؤ تمھارے پور پور پر زاران خانزادہ بستا ہے۔ وہ رات کو ٹوٹ کر تم پر برسا تھا۔ تمھاری چہرے کی سرخیاں میری قربت پر محمول ہیں۔ زاران نے کہتے اس کے دوسرے عارض پر شدت سے دانت گاڑھے۔ ابرش اس کی شدت پر سسکی تھی۔ وہ ایک سیکنڈ میں اس کا گلابی گال نیلا کر گیا تھا۔

۔اس سے کیا ہو گا؟؟۔ ابرش نے زاران کی دی ہوئی شدت اپنی ہتھیلی سے رگڑتے مٹانی چاہی زاران اس کی کلائی پکڑتے اسے روک چکا تھا۔

ابرش مورے داجی زحلے پھوپھو سب ایک مینٹلی ٹروما سے گزر رہے ہیں اس میں ہماری طرف سے ذرا بھی ٹینشن ان سب کو بہت زیادہ لگے گی۔ میں نہیں چاہتا کوئی ہماری وجہ سے پریشان ہو۔۔ زاران کی بات پر وہ نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ وہ ایک اچھا بیٹا ہونے کے ساتھ اچھا داماد بھی

تھا۔ صرف ایک اچھا شوہر نہ تھا۔ ابرش اپنی کانچ سی شبنمی آنکھوں میں اب کاجل لگانے لگی تھی۔

دوپٹہ اوڑھو ایسے ہی نیچے چلتے ہیں۔ بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم ۔۔۔ زاران اس کی کلائی جکڑے اسے کاجل لگانے سے بھی روک چکا تھا۔

زاران نے نرمی سے اس کی ٹھوڑی چھوتے اسے قریب کرتے اس کے سلکی بالوں میں ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے پیچھے ہاتھ لے کر جائے کیچر لگایا۔ تمھارے کھلے بال بھی مجھے نہیں پسند۔۔۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ میرے لیے کمرے میں یہ سب کرو۔۔ زاران نے اس پر نیٹ کا دوپٹہ اڑھایا تھا۔

بیٹس لگے دوپٹے نیٹ کے بلو دوپٹے میں وہ چمکنے لگی تھی۔ زاران اپنے اندر شورش جذبات سے لڑتے ہوے جلدی سے پیچھے ہوا تھا۔

مگر میں تمھارے لیے کبھی اب تیار نہیں ہوں گی۔۔۔ابرش نے سپاٹ انداز میں کہتے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر جمایا تھا۔۔زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔وہ اس کو دیکھتے رخ موڑ چکی تھی۔زاران اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے کمرے سے باہر نکل آیا تھا

زاران ابرش کی کلائی پکڑے ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔

ڈائینگ روم میں اس وقت عابیر امینہ خانم روزینہ خانم پلوشہ موجود تھے۔۔ سمیع اللہ درید اور اربد خان زیادہ تر ناشتہ مردانے میں ہی کرتے تھے۔۔شہرام اسفندرات سے حویلی نہیں آئے تھے۔بہارے اپنے سٹیچز کی وجہ سے کمرے میں ہی ناشتہ کرتی تھی۔

اپنے گھر والوں کو ڈائینگ روم میں نہ دیکھ کر ابرش کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ یقیناً انھیں کسی نے پوچھا ہی نہ تھا۔ ان کی بے بسی یاد آئی تھی۔ رات کو کسی نے انھیں کھانے تک کا نہ پوچھا تھا۔ اس نے کون سا کھانا کھایا تھا۔ زاران اسے چھوڑتا اپنے ضروری کام کے لیے نکل گیا تھا۔ اور واپس آکر بھی اسے ذرا پرواہ نہیں تھی کہ اس نے کھانا کھایا کہ نہیں۔۔ ابرش تلخی سے سوچ کر رہ گئی تھی۔

اسلام وعلیک مورے۔۔۔ زاران نے آگے بڑھتے امینہ خانم سے سلام کیا۔

وعلیکم سلام زاران۔۔۔ کیسا ہے تم ٹھیک ہے؟؟ امینہ خانم نے چئیئر سے کھڑے ہوتے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے بغور ابرش کو دیکھا جو زاران کے ساتھ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ زاران اس کی کلائی جکڑے ہوے تھا جو اس نے ابھی تک چھوڑی نہیں تھی۔

لالا اسلام و علیکم ؟؟ عابیر آگے بڑھتے زاران کے سینے سے لگی۔ زاران نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اس کے سر کو چوما۔ وہ اب ابرش کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔ جسے ابرش نے بری طرح محسوس کیا۔

ابرش چیئر کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ زاران پھر سے اس کی کلائی جکڑ چکا تھا۔ اسے نظروں نظروں ہی میں امینہ خانم سے سلام کرنے کو کہا۔

زاران کا اشارہ سمجھتے ابرش نے گہرا سانس لیتے امینہ خانم کو دیکھا تھا۔ جو سنجیدگی سے کھڑی اس کا بغور معائینہ کر رہی تھی۔ ابرش نے سرخ پڑتے اپنا دوپٹہ اچھی طرح ٹھیک کیا۔

زاران نے اسے میک اپ نہیں کرنے دیا تھا۔ ہونٹوں کا زخم اور عارض پر نیلاہٹ کا نشان اچھی طرح واضح ہو رہا تھا۔ ابرش کی اب رنگت تپ کر

قندھار ہوئی تھی۔نہ صرف امینہ خانم بلکہ روزینہ خانم اور پلوشہ کی چبھتی نظریں تک اس پر گڑھیں تھیں۔

اسلام و علیکم آنٹی۔۔ابرش نے اپنا زخمی لب دانتوں تلے چھپاتے سلام کیا تھا۔نیٹ کے دوپٹے سے عارض چھپانے کی بھی کوشش کی۔اس طرح فیملی میں اسے بہت عجیب لگا تھا۔امریکہ میں رہنے کے باوجود وہ اپنی لمٹس کبھی نہیں بھولی تھی۔

وعلیکم سلام بچہ کیسا ہے تم؟؟۔۔تمھارا طبعیت ٹھیک ہے۔یہ چہرہ سرخ کیوں ہو رہا ہے؟؟۔ابرش کے چہرے کی شدید سرخی وہ زاران کی قربت پر محمول کر رہی تھیں۔چہرہ متورم اور سرخ تھا۔وہ سمجھ چکی تھی ابرش کو بخار ہے۔زاران کی شدتیں سہتے اسے شائد بخار چڑھا ہے۔زاران اسے جس

طرح گود میں اٹھائے کمرے میں لے کر جا رہا تھا۔یقیناً اس نے رحم نہیں کھایا تھا اپنی بیوی پر۔۔

امینہ خانم اسے دیکھتے اب مبہم سا مسکرائی۔ابرش ان کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے نظریں جھکا گئی تھی

اسلام و علیکم۔۔۔۔۔بھابھی کیسی ہیں آپ؟؟۔۔عابیر مسکراتے ہوے اس کے گلے لگی ت۔

ٹھیک ہوں ابرش آہستگی سے بولتے اس سے الگ ہوئی تھی۔۔

زاران ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے چیئر پر بیٹھا۔ابرش کی جھکی نظریں اور اس کے تپتے عارض کو بغور دیکھ رہا تھا۔۔اسے بھی ابرش کے چہرے پر اپنی

دی ہوئی شدتیں خفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔۔ اپنی موے اور بہن کے سامنے وہ اچھا خاصہ خفت میں مبتلا ہوا بھی تھا۔

مگر وہ آج ابرش کو سکیور فیل کروانا چاہتا تھا یقیناً وہ کل کو یہ سوچتی اس نے اپنا اور اس کا رشتہ گھر والوں پر اچھی طرح واضح نہیں کیا۔ کل رات اسی بات کو لے کر وہ اس سے بار بار سوال کر رہی تھی۔ مگر ابرش کی اب جھکی نظریں دیکھ کر وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ ایک عورت کیا چاہتی ہے خاص طور پر بیوی وہ ایک مرد کبھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ابرش بچہ تم کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرو۔۔ امینہ خانم نے اسے کھڑا دیکھ کر کہا۔ ابرش آہستگی سے چلتے ہوے زارن کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی۔

پلوشہ ابرش کے عارض اور ہونٹ پر زاران کی شدت دیکھ کر جلن سے سرخ پڑی تھی۔ امینہ خانم کا میٹھا لہجہ ابرش کے ساتھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ غصے سے چیئر گھسیٹ کر اٹھی۔

بیٹھی رہو وہیں پر۔۔۔ زاران کی بلند دھاڑ پر وہ اچھل کر رہ گئی تھی۔

نہ صرف پلوشہ بلکہ ابرش عابیر بھی بری طرح اچھلی تھیں۔ امینہ خانم نے پریشانی سے زاران کو دیکھا جو اپنی کرسی پر بیٹھا خشمگیں نگاہوں سے پلوشہ کو گھور رہا تھا۔

روزینہ خانم نے غصیلی کاٹ دار نگاہیں زاران پر ڈالیں جو پتہ نہیں اب کیا تماشہ لگانے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔ بابرک کی سچائی سب کے سامنے آنے پر ان کا دل زاران کی طرف سے مزید زہر خند ہوا تھا۔ کل رات سے اسفندیار

خان گھر واپس نہیں ایا تھا۔ اور ان کا فون اٹھا رہا تھا۔ انھیں لگ رہا تھا وہ بابرک کے بعد جیسے اسفندیار خان کو بھی کھو چکی ہیں۔

زاران یہ کیا طریقہ ہے ؟؟۔ تم پلوشہ سے کیسے بات کر رہا ہے ؟؟۔ یہ مہمان ہے ادھر۔ امینہ خانم نے زاران کے سرخ چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ پلوشہ کی رنگت میں زردیاں گھلی دیکھ کر بھی وہ پریشان ہوئی تھیں۔

زاران اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پلوشہ کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔

امینہ خانم کا سوال وہ نظر انداز کر گیا تھا۔ وہ اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے پلوشہ کو صرف خون اتری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ زاران کی سرد سرخ نگاہیں اسے کانپنے پر مجبور کر رہی تھیں اور وہ کانپ بھی رہی تھی۔

جس دن ابرش انے پنا بچہ کھویا اس دن تم نے مجھے فون پر کیا کہا تھا؟؟ زاران نے پلوشہ کو گھورتے ہوے برفیلے لہجے میں سوال کیا۔ زاران کے سوال پر پلوشہ کا حلق خشک ہوا تھا۔

زاران۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ کو۔۔۔۔۔ معلوم۔۔۔۔۔ ہے ہم ۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ نے کیا۔۔۔ کہا۔ تم۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔ پوچھ۔۔ رہا ہے؟؟ پلوشہ کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔

مجھے معلوم ہے تم نے کیا کہا؟؟ میری یاداشت بہت اچھی ہے۔ میرا نام زاران خانزادہ ہے۔ جو ایک ایک بات دوسرے کی یاد رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر سود سمیت حساب بھی چکاتا ہے سمجھو تمھارا وقت آ گیا۔ زاران چیئر پر سیدھا ہوتے استھزائیہ مسکرایا۔

پلوشہ کا رنگ لٹھے کی مانند سفید ہوا۔ اس نے گھبراتے ہوے ابرش کو دیکھا جو بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

زاران۔۔۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہا ہے؟؟۔ امینہ خانم کی پریشان آواز گونجی تھی۔ زاران کا انداز انھیں پسند نہیں آیا تھا۔ پلوشہ ان کے اکلوتے بھائی کی بیٹی تھیں۔ جس کی وجہ سے انھیں بہت عزیز بھی تھیں۔ زاران کا ہتک امیز رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا ان سے۔۔۔۔

ایک منٹ۔۔۔۔ مورے۔۔ آپ اب جو کچھ بھی بولیں گی وہ میری اور پلوشہ کی بات مکمل ہونے کے بعد بولیں گی۔۔ اس سے پہلے کوئی نہیں بولے گا۔ زاران سنجیدگی سے بولتا مینہ خانم کو ٹوکا تھا۔

امینہ خانم زاران کے انداز پر لب بھینچے خاموش ہو گئی تھیں۔

روزینہ خانم زاران کی بلند اور سرد آواز پر زہریلا مسکرا کر رہ گئی تھیں۔

کیا کہا تھا تم نے فون پر؟؟ سب کو ایک ایک لفظ بتاؤ۔۔ زاران نے سرد آواز میں پلوشہ کو حکم دیا۔

وہ۔۔۔ زاران۔۔۔ پلوشہ نے تھوک نگلا تھا۔

بتاؤ سب کو۔۔ زاران نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ چمچ پلیٹوں کی آواز کے ساتھ ٹیبل کا شیشہ بری طرح تھرتھرایا تھا۔ پلوشہ کی رنگت مزید فق ہوئی تھی۔ وہ کرسی پر پھر سے اچھلی تھی۔ زاران کے غصے سے بخوبی واقف تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں اس کی جان نکال رہی تھی۔

یہی کہا تھا کہ ابرش۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔ کمرے۔۔۔۔ میں۔۔۔ آئی۔۔۔ تھی۔ وہ۔۔۔۔ اس۔۔۔۔ نے۔۔۔۔ مجھ پر۔۔۔۔ اور

۔۔۔تم پر۔۔۔الزام لگایا تھا۔پلوشہ اپنی بات کرتے گہرے سانس لیتے رکی تھی۔

آگے بتاؤ۔۔۔زاران کرسی سے ٹیک چھوڑتے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے آگے کو ہوتا غرایا۔

پلوشہ نے بے چارگی سے امینہ خانم کو دیکھا جو شرمندگی سے اس سے نظریں چرائے ہوے تھی۔

اس نے گہرے سانس لیے بتانا تو تھا ورنہ سامنے بیٹھا خان اسے چھوڑتا ناں۔۔۔پلوشہ نے اپنا اعتماد بحال کیا۔زاران کے پاس ثبوت تو ہو سکتا نہیں تھا۔اس لیے اس نے خود کے ڈر پر قابو پایا۔آخر وہ بھی ایک خان کی بیٹی تھی۔زاران اسے کیا کہہ سکتا تھا۔

اس نے مجھ پر تم پر بہت برے الزام لگائے تھے اور کہا تھا وہ تمھیں سزا دینے کے لیے اپنا بچہ مار دے گی۔ یہ سچ ہے زاران۔۔۔ ابرش نے ایسے ہی کہا تھا۔ پلوشہ نے ایک ہی سانس بات میں اپنی بات مکمل کرتے گہرا سانس لیا۔

تم سچ بول رہی ہو اس بات کا فیصلہ تم نہیں میں کروں گا۔۔ امینہ خانم نے کینہ توز نگاہیں ابرش پر ڈالیں جو نیٹ کے دوپٹے سے اپنی سرخ متورم آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔

اب تم بتاؤ ابرش کیا ہوا تھا؟؟ زاران نے ابرش کے بھیگے چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ابرش کی آنسوؤں کی روانگی میں آضافہ ہوا تھا۔

آنسو مت بہاؤ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔ زارن ٹیبل پر مکہ مارتے ہوے پھنکارا

۔ ابرش نے اس کی یقینی سے اسے دیکھا جو اسے گھورتے پلوشہ پر خون اشام

نگاہیں گاڑھ چکا تھا۔۔ زاران کے چہرے کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی

ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں لہو اترا ہوا تھا وہ حیران ہوئی تھی رات اس کا نارمل

ری ایکشن تھا۔ لیکن وہ اپنے اندر اتنا غصہ دبائے ہوے تھا اسے اندازہ نہ تھا

۔ زاران کی سرخ آنکھوں میں اپنے بچے کو کھونے کا کرب صاف نظر آرہا

تھا۔ ابرش نے سسکی لیتے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

پلوشہ اس دن میرے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ آنٹی آپ کا

اور اس کا رشہ پکا کر چکی ہے۔ اس نے وہ مجھے ریکارڈنگ سنائی۔ جس میں

آنٹی نے پلوشہ کے بابا سے آپ کا اور اس کا رشتے کی حامی بھری تھی۔ پلوشہ

نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھے ہمارے بچے کی وجہ سے برداشت کر رہے

ہیں۔۔ جیسا ہی بچہ ہو گا آپ مجھ سے میرا بچہ چھین کر اس کو دے دیں گے۔ اور جو تھپڑ آپ نے مجھے بند کمرے میں مارا تھا۔ پلوشہ کو اس تھپڑ کے بارے میں بھی پتہ تھا۔ جب میں نے پوچھا کہ اسے کیسے پتہ اس نے کہا کہ تھپڑ تمھیں بند کمرے میں مارا تو گونج مجھے کیسے سنائی دی۔ کیونکہ آپ اسے اپنی پرسنل ہر بات بتاتے ہیں۔ مجھے کتنے تھپڑ مارے۔ مجھے کتنا ذلیل کیا ۔پلوشہ کو ہر بات پتہ ہوتی ہے۔ ابرش نے اب زخمی شکوہ کناں نگاہ زاران پر ڈالی تھی۔ اس کے مارے ہوے تھپڑوں کی اذیت میں آضافہ ہوا تھا۔ سب کے سامنے بتانے پر اسے توہین وخفت کا احساس ہوا تھا۔

ابرش کی تھپڑوں والی بات پر امینہ خانم اور عابیر نظریں چرا گئی تھیں۔

پلوشہ اب روتے ہوے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔۔

خانم بی۔۔۔ یہ جھوٹا الزام مجھ پر لگا رہا ہے۔ میں انے سے ایسا کچھ نہیں کہا۔ پلوشہ سر نفی میں ہلاتے روتے ہوے امینہ خانم کو دیکھتے بولی۔

میں نے ابرش کو تھپڑ مارا تمھیں کیسے پتہ چلا؟؟۔۔ زارن نے چمچ ٹیبل پر پٹختے ہونے لفظ چباتے استفسار کیا۔

زاران ہم اپنا مورے بابا کا قسم کھاتا ہے۔ تم کسی کا بھی قسم لے لو۔ یہ آیا تھا ہمارا کمرہ میں۔ اس نے ہم پر اور تم پر گندا گندا الزام لگایا۔ اس کو ہمارا ادھر رہنا چبھتا ہے۔ یہ حسد میں ہم پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔ اس نے رات کو باورچی خانہ میں ہم کو دھمکی دیا تھا کہ یہ ہم کو کل تک اس حویلی سے نکال کر دم لے گا۔ پلوشہ کرسی سے اٹھتے ہوتے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔

زاران میں بھی قسم کھاتی ہوں یہ جھوٹ۔۔۔

تم اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قسم نہیں کھاؤ گی۔ زاران سرد انداز میں ابرش کی بات کاٹ چکا تھا۔ نظریں ابھی بھی پلوشہ پر تھیں۔

زاران پلوشہ اپنا مورے بابا کا جھوٹا قسم نہیں کھا سکتا ہے۔ یہ بہت محبت کرتا ہے اپنا مورے بابا سے۔۔ ہم تمھارا بیوی کے خلاف نہیں ہے۔ مگر ابرش تمھارا بیوی ہے تمھیں لے کر جذباتی ہے۔ پلوشہ کو یہاں سے نکالنے کے لیے یہ کر سکتا ہے۔ امینہ خانم کی بات پر ابرش کی آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔

مورے میں آپ کی قسم کھاتا ہوں۔ ابرش جھوٹ نہیں بول رہی۔ وہ جھوٹ نہیں بولتی۔۔ اب بتائیں میں آپ کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہوں؟؟۔ زاران نے امینہ خانم کی طرف دیکھتے آئی بروا چکائے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

زاران کی بات پر ابرش کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔اس نے نیٹ کے دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور ناک رگڑیں۔

زاران جب تمھارا بیوی سچا ہے تم اس بات پر مہر لگا چکا ہے تو بیچاری پلوشہ کو کٹھہرے میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے؟اس کو سزا سناؤ تم۔۔اور جہاں تک بات ہے تمھارا اور تمھارا بیوی کا سچا ہونے کا۔کل رات تم اس بات سے بھی مکر چکا تھا کہ تمھارا بیوی حویلی سے بھاگا نہیں ہے۔۔تم اپنا بیوی کا بچانا کے واسطے کچھ بھی کر سکتا ہے۔مگر اپنا مورے کی قسم کھا سکتا ہے یہ ہم کو معلوم نہ تھا۔امینہ خانم تلخی سے بولتے زہر خند لہجے میں مسکرائی۔۔۔زاران نے

اپنی پچھلی گردن رب کرتے کرسی سے اٹھتے ہوے ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھاد کر یوار پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔ شیشے کا گلاس چکنا چور ہوا تھا۔

سب ہڑبڑاتے ہوے اپنی اپنی نشستوں اٹھے تھے۔۔ آخری بار کہہ رہا ہوں میری بیوی پر آپ کوئی بات نہیں کریں گی۔ ورنہ میں لحاظ نہیں کروں گا۔ زاران ان کے قریب ہوتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے سرد لہجے میں بولا۔

زاران۔۔۔۔ اسفندیار خان کی سرد آواز پر زاران اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا

۔

اپنی حد میں رہو۔۔ رات تم حق پر تھے میں خاموش تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری مورے سے اس لہجے میں بات کرو۔۔ اسفند نے آگے

بڑھتے روزینہ خانم کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھرا۔ جو اسفند کو دیکھتے اس کے سینے سے لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں ان سے آئیندہ ایسے بات کرنا تو دور کی بات بھی نہیں کروں گا تم انھیں اپنے لفظوں سے سمجھا دو یہ میرے اور ابرش کے معاملے سے دور رہیں۔

یقیناً تم بھی اپنی بیوی کے متعلق کسی کے منہ سے غلط بات برداشت نہیں کرو گے۔۔ زاران نے اسفند کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔

لالا۔۔۔ اسفند یار خان کسی کے بھی منہ سے اپنی بیوی کے لیے ہر لفظ سن بھی سکتا ہے۔ برداشت بھی کر سکتا ہے۔ اور لالا آپ مجھے ائیندہ اسفند یار کی

بیوی نہیں بولیں گے۔ خئی بولا کریں خئی۔۔۔۔ میں بیوی نہیں اسفندیار خان کا انتقام ہوں۔ عابیر طنزیہ لفظ چباتے بولی تو اسفند کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ وہ جب سے آیا تھا ایسے ہی لفظوں کی مار مار رہی تھی۔

اسفندیار خان نے مٹھیاں بھینچے عابیر پر نظر ڈالی جو ریڈ فراک پر ریڈ نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے سرخ لپ سٹک لگائے شعلہ جوالہ بنی سی کھڑی تھی۔ ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل کی گہری رمک تھی۔ اسفند نظر بھر کر اس کی طرف دیکھ نہ سکا تھا وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اپنی نظریں پھیر کر رہ گیا

امینہ خانم نے قہر آلود نظر عابیر پر ڈالی جو اسفند پر سرد انداز میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔ انھیں اپنی بیٹی کے انداز و اطوار پسند نہیں آرہے تھے۔

روزینہ خانم کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔ عابیر کی باتوں پر اسفند کی خاموشی انھیں دکھ اور غصے میں مبتلا کر گئی تھی۔ عابیر انھیں آج بھی اپنے بیٹے کی زندگی میں قبول نہ تھی۔

یہ صبح صبح کیا ہو رہا ہے یہاں ؟؟۔ درید خان ڈائینگ روم میں داخل ہوتے بولے۔ عنائیہ زرتاج زحلے بھی آوازیں سنتے ڈائینگ روم میں داخل ہوے تھے۔

اسلام و علیکم بابا۔۔ زاران نے احتراماً کہا۔ درید خان نے ہنکار بھرتے سلام کا جواب دیا۔ بابرک کی گندی ویڈیو دکھانے پر وہ زاران سے بری طرح خفا تھے۔ جس نے گھر کی عورتوں کا خیال نہیں کیا تھا۔

مورے اپنا فون دیں۔ زاران نے امینہ خانم کو دیکھتے ان سے ان کا فون مانگا۔

ہمارا کمرا میں ہو گا۔ جاؤ پلوشہ بچہ ہمارا فون لاؤ۔ امینہ خانم نے پلوشہ سے کہا۔

پلوشہ اپنی آنکھیں دوپٹے سے رگڑتے آگے بڑھی ہی تھی کہ زاران کی سرد آواز پر اسے رکنا پڑا۔

تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ زاران حلق کے بل گرجا۔ پلوشہ بری طرح کانپ کر رہ گئی تھی۔

ابرش پریشانی سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔ جو بپھرا شیر بنا ہوا تھا اسے اندازہ نہ تھا زاران یوں سب کے سامنے یہ سب کچھ کرے گا۔ سب دوبارہ سے اس پر اور زحلے کو برا بھلا نہ کہنا شروع ہو جائیں وہ پریشان ہوئی تھی۔ مزید اپنے کردار پر وہ وار نہ سہہ پاتی۔

درخشاں۔۔۔۔ درخشاں۔۔۔۔ زاران بلند آواز میں چلایا تھا۔

جی لالا درخشاں بھاگتی ہوئی آئی۔ مورے کا موبائل لاؤ۔ زاران نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

جی لالا۔۔۔ درخشاں کہتے ڈائینگ حال سے نکل گئ۔۔

سب خاموشی سے کھڑے تھے۔ پلوشہ کی بلند آواز میں ہچکیاں جاری تھیں۔ ابرش زاران کے خوف سے اب اپنے آنسو تک روکے ہوے تھی۔۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ اسفند کی سرخ نظروں کا ارتکاز عابیر پر تھا۔ جو شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی۔ اس کے سنہری بال کھلے تھے۔ جو نیٹ کے دوپٹے سے نظر آرہے تھے۔ اس کے کھلے بال اسے کمرے سے باہر پسند نہیں تھے۔ وہ اسے سختی سے منع بھی کر چکا تھا۔ وہ اس بات کا خیال بھی رکھتی تھی۔ مگر آج وہ کھلے بالوں کے ساتھ نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی

جس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اسفند سرد نظریں اس پر گاڑھے ہوے تھا۔ وہ اتنا تیار کیوں تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔

درخشاں نے امینہ خانم کا فون ان کے کمرے سے لا کر زاران کو پکڑایا۔

زاران نے فون ریکارڈر آن کیا۔ جس میں امینہ خانم اور پلوشہ کے بابا کی بات وہی چیت تھی۔۔ جس میں وہ اس کی اور پلوشہ کی بات طے کر رہی تھیں۔

امینہ خانم نے پریشانی سے اب پلوشہ کو دیکھا۔ سب حیرانگی سے امینہ خانم کو دیکھ رہے تھے جو فون پر پلوشہ اور زاران کی بات طے کر رہی تھیں۔

درید خان نے بھی غصے سے امینہ خانم کو گھورا تھا۔ وہ ابرش ک ہوتے کیسے پلوشہ اور زاران کی بات طے کر سکتی تھیں۔ زحلے نے گہرا سانس لیتے امینہ

خانم کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا جو ان کی بیٹی پر اپنا بڑا ظلم کرنے کا آرادہ رکھتی تھی۔

مورے اس فون میں صرف یہی فون کال ریکارڈ ہے اور کسی کی کال کی ریکارڈنگ موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا پلوشہ نے یہ خاص طور پر اس دن آپ کی کال ریکارڈ کی تھی۔

زارن یہ غلطی سے ہو گئی ہو گی۔ ہم نے نہیں کیا۔ پلوشہ روتے ہوے بولی۔

اچھا غلطی سے ہو گئی تھی۔ صرف ایک یہی کال۔۔ زاران طنزیہ مسکرایا تھا۔

میں بتاتا ہوں پلوشہ تم باربینا کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ تم نے ہی عنائیہ کا اغوا کروایا تھا۔ تم ہماری حویلی کی ہر خبر اس بہزاد اور زعیم تک پہنچاتی رہی۔ زاران بلند آواز می؟ دھاڑا تھا۔

پلوشہ کی تھرتھراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔ سب حیران پریشان ہوے تھے۔ یہ بات بہت بڑی تھی جو زاران کہہ رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم گھر کا بچی پر کیسا الزام لگا رہا ہے؟؟۔ ہمارا حویلی کا بچی ایسا نہیں ہو سکتا۔ درید خان غصے سے بولے۔

بابا میں بلکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میرے پاس ثبوت ہیں یہ باربینا کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ تبھی تو یہ ہر وقت میرے کمرے کے باہر کھڑی رہتی تھی۔ اس نے ہر خبر بہزاد تک پہنچائی۔۔ باربینا کو تو میں نے سخت سزا دی ہے۔ اس کی زبان کاٹ دی تھی۔

اب پلوشہ کو اس سے بھی سخت سزا دوں گا۔ اس کی زبان آنکھیں نکال دوں گا۔ اس نے میری عزت سے کھلواڑ کیا۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کی۔ اس کی سزا باربینا سے بھی زیادہ سخت ہو گی۔۔ زاران غصے سے گرجا۔

پلوشہ زاران اور اس کی گرج پر بیہوش ہونے کو تھی۔

نہیں زاران ہم نے یہ سب نہیں کیا۔ پلوشہ تھر تھر کانپتے ہوے بولی۔

تم نے ہی یہ سب کیا ہے۔ ورنہ باربینا کے لیے یہ آسان نہیں تھا۔۔ بہزاد کو موت کے گھاٹ اتارا اب تمھاڑی باری۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو میں تمھارے ساتھ کتنا برا سلوک کروں گا۔ زاران اس کے مقابل آتے غصے سے پھنکارا تھا۔

زاران میں نے صرف ابرش سے اس دن یہ سب جھوٹ بولا تھا۔ کیونکہ ہم چاہتا تھا ابرش کا بچہ ضائع ہو جائے۔ ہم صرف تمھیں پانا چاہتا تھا۔ اس لیے ہم نے یہ سب نے کیا۔ تم نے اسے تھپڑ مارا ہم نے تمھارا کمرا کے دورازے کے باہر یہ سب سنا۔۔ ہم نے باربینا کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم اپنا مورے بابا کا قسم کھاتا ہے۔ ہم نے باربینا کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم کو تو آج سے پہلے پتہ بھی نہیں تھا باربینا نے یہ سب کیا۔ پلوشہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ڈائینگ حال میں موت سا سناٹا ایک پل کے لیے چھایا تھا۔۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ ڈائینگ ہال میں پلوشہ اور ابرش کے رونے کی صرف اواز سنائی دے رہی تھی۔

زاران نے اسی لمحے پوری قوت سے پلوشہ کے گال پر زناٹے دار تھپڑ جڑ دیا

۔

پلوشہ اپنے تھر تھرائے وجود پر بمشکل قابو پائے گال پر ہاتھ رکھے نظریں جھکائے بری طرح سسک پڑی۔ زاران کے تھپڑ پر حلق میں خون اترا تھا۔ اس نے پوری فورس لگائی تھی تھپڑ مارتے ہوے۔ پلوشہ اب سن دماغ کے ساتھ کھڑی نظریں جھکائے تھی۔

باقی سب خاموش سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ امینہ خانم نظریں جھکائے کھڑی کرسی کی پشت پر ہاتھ سختی سے جمائے ہوے تھیں۔۔

میرے بچے کو مارنے کی کوشش کی تم نے۔۔ زاران خانزادہ کے بچے کو۔۔ جی کر رہا ہے تمھیں زندہ زمین میں گاڑھ دوں۔ مگر دکھ اس بات کا

بھی ہے قصور صرف تمھارا نہیں۔ میرا اور کسی اور کا بھی تھا۔ زاران نے ابرش پر اپنی سرد نظریں گاڑھیں۔

ابرش روتے ہوے نظریں جھکا گئی۔۔

اگر تم باربینا سے ملی ہوتی مجھے اس بات کا ذرا سا بھی شک ہوتا تمھیں گولیوں سے بھون کر تمھاری قبر اس حویلی میں بنا دیتا۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ابرش میری عزت ہے اور میری عورت کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والی کی سزا موت سے بڑھ کر ہے۔ باربینا کی زبان چاقو سے میں نے خود کاٹی تھی۔ تمھاری سزا تو اس سے بدتر ہوتی۔ تمھارے منہ سے یہ سچائی نکلوانے کے لیے میں نے یہ جھوٹ بولا۔ زاران حلق کے بل دھاڑا تھا۔

عنائیہ نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ابرش کو دیکھا۔۔ ابرش پر اسے ترس آیا تھا جو ایک خان کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔

زاران کی سرد سرخ آنکھیں دیکھتے وہ پکا آرادہ کر چکی تھی۔ وہ کنواری مر جائے گی کسی خان سے شادی نہیں کرے گی۔ پہلی بار اپنی بہن پر ترس آیا تھا۔

مورے یہ نتیجہ ہوا آپ کے پلوشہ کو یہاں رکھنے کا۔۔ میں نے صاف لفظوں میں منع کیا تھا آپ کو پلوشہ کو یہاں سے رخصت کریں۔ مگر آپ نہیں مانی۔ آپ کی ضد کی وجہ سے مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔۔ زارن نے امینہ خانم کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

امینہ خانم نے شرمندگی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔ انھیں اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ وہ خود کو زاران اور ابرش کا قصوروار سمجھ رہی تھیں۔

مورے میں اسلام آباد جا رہا ہوں واپسی پر اس کا گندا وجود مجھے یہاں نہ ملے ۔بلائیں اس کے بابا کو اس کے کرتوت بتا کر اس کو عزت رخصت کریں۔زاران غصے سے بولتا وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

امینہ خانم پلوشہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو پلوشہ روتے ہوے امینہ خانم کی طرف بڑھی تھی۔۔

خانم بی ہم نے صرف یہ سب زاران کو پانے کے لیے کیا۔

اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ امینہ خانم کا ہاتھ اس کا سوجا ہوا گال مزید سجا چکا تھا۔

تم نے ہمارا اعتبار ہمارا بیٹا کا بچہ مارا۔۔۔اسے اتنا تکلیف دیا۔

تم انتہا کا گھٹیا عورت ہے۔ ہم نے بڑا مان سے زاران سے کہا تھا ہمارا پلوشہ تم کو خوش رکھے گا تم کو سکون دے گا۔ تم جیسا عورت جو اس کا بچہ چھین لے۔ وہ کیسے کسی بھی مرد کو خوش رکھ سکتا ہے۔ ارے وہ امریکہ سے آیا ہوا لڑکی میں شرم وحیا ہے مگر تم جو پٹھان فیملی سے ہے اس میں شرم حیا نام کا نہیں ۔ امینہ خانم پھنکاری تھیں۔

آپ مجھ پر الزام نہیں لگا سکتا خانم بی۔۔۔ آپ نے ہم کو جو سپنا دکھایا اس کا حقیقت میں ڈھالنے کا واسلطے یہ سب ہم نے کیا۔ کیا کرتا ہم ؟؟ زاران ہماری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ وہ بچہ ہو جاتا ہم اس کو کھو دیتا۔ زاران کو کھونا کا ڈر سے کیا۔ پلوشہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے روتے ہوے بولی۔

تم ہمارا بابا سب اس میں برابر کا قصور وار ہے۔۔ ہم کو پہلے دن ہی اس حد تک لے کر نہیں جانا تھا۔ زاران کا شادی کا بعد ہم نے صبر کر لیا تھا۔ مگر تم نے

اور بابا نے یہ سب کیا۔ اس سب میں تم سب برابر کا قصور وار ہے۔۔ ہمارا دل پر زخم لگانے والا تم لوگ ہے۔۔ تم لوگ۔۔۔۔ تم بھی اپنا پوتا پوتی کا قتل میں برابر کا شریک ہے پھر سزا ہم کو ہی کیوں ملا۔۔ پلوشہ بدا حواص ہوتے چیخی۔۔

ہم نے بھی سزا بھگت لیا ہے۔ ہم اپنا بیٹا کے سامنے نظر اٹھانا کے قابل نہیں رہا۔۔ ہمارا زندگی کا سب سے بڑا غلطی ہے تمھیں یہاں رکھنا۔۔ تمھارا بابا کو سب کچھ بتا دیا ہے. اس نے اپنا دوست کے ہاں تمھارا رشتہ طے کر دیا ہے۔۔۔ وہ آرہا ہے تمھیں لینے

اپنا سامان باندھو اور یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔۔ امینہ خانم غصے سے کہتے چلی گئی تھی۔

تم پر ہمارا بابا پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔۔ تم سب قصور برابر کا قصور وار ہے۔۔ ہمارا اٹھارہ سال کا معصوم دل کا ساتھ کھلواڑ کیا۔۔ تم سب اس میں برابر کا قصور وار ہے سزا صرف ہم کو کیوں۔؟؟ کیسے ہم سے پوچھے بغیر رشتہ طے کر دیا۔ کیسے یہ کر سکتا ہے تم لوگ؟؟

پلوشہ بیڈ پر گرتے ہوئے ہچکیوں سے رونے لگی۔۔

عابیر بلیک چنٹوں والے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر بلیک نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ پنک لپ سٹک لگائے آنکھوں میں گہرا سیاہ کاجل لگایا ہوا تھا۔ وہ لاونج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گود میں بہرام کو اٹھائے ہوے تھی۔ سامنے صوفے پر روزینہ خانم اور امینہ خانم بیٹھیں تھیں۔۔

میلا کیوٹ سا بے بی بہرام میرا بچہ۔۔ بہت پیارا ہے یہ تو اپنی عابی پر گیا ہے۔۔۔ ہے نا کیوٹو۔۔ پارا بے بی۔ عابیر بہرام ہاتھوں میں اٹھائے مسکراتے ہوئے بچوں کی طرح اس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اپنی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

عابیر کبھی اس کے گال چومتی کبھی اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ چومتی۔۔

اسفندیار خان نے سیڑھیاں اترتے ہوئے عابیر کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے سنہری سلکی بال ایک سائیڈ پر بکھرے تھے۔ جو نیٹ کے دوپٹے میں عیاں ہو رہے تھے۔ اسفندیار خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ اس کے سنہری بالوں اور سنہری رنگت کا وہ دیوانہ تھا۔ وہ کل کی ساری رات ایک پل کے لیے سویا نہیں تھا۔ بلکہ وہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ سو ہی نہیں پایا تھا۔ یا شائد پچھلے سات ماہ سے وہ ایک پل کے لیے

چین سے سو نہیں پایا تھا۔۔ لیپ ٹاپ کی سکرین پر اس کے جواں زرخیز بدن کو دیکھ کر اس کے جواں جذبے اتنے عروج پر ہوتے تھے۔ وہ سگریٹ سلگائے انھیں تھپک تھپک کر سلاتے ہانپ جایا کرتا تھا۔ اپنی سفاک پٹھانی کے ساتھ گزرے لمحات تو اسے پاگل کر دیتے تھے۔ اب تو اس کے جواں جذبوں میں مزید آگ لگ چکی تھی۔ وہ دوریاں ختم کرنا چاہتا تھا وہ بڑھانا چاہتی تھی۔ وہ اس وقت براؤن شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر آف وائٹ مردانہ شال اوڑھے ہوئے تھا۔

وہ اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے اپنے بھاری قدموں سے اپنی بیوی کی طرف بڑھا۔ اس کے بدن کی گلاب سی خوشبو وہ محسوس کرنا چاہتا تھا۔

اسلام و علیکم مورے۔۔ اسفند نے عابیر پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے روزینہ خانم سے سلام کیا۔

وعلیکم اسلام۔۔ میرا بچہ۔۔۔ روزینہ خانم صوفے سے اسفند کو پیار دینے کے اٹھی ہی تھیں کہ اسفند عابیر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ روزینہ خانم اپنے غصے پر قابو پاتے ہوے واپس صوفے پر بیٹھیں۔۔۔ جو اسے دیکھتے ہوے بھی انجان سی بیٹھی بہرام سے باتیں کر رہی تھیں۔

اسفند گہرا سانس لیتے اس کی طرف بڑھا۔ اس کی بے نیازی نے اس کے دل کو بری طرح گھائل کیا تھا۔

اسفند یار خان اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے عابیر کے قریب صوفے پر بیٹھا۔۔ وہ اس کے پاس بیٹھنے سے اس سے کھسکتی ہوئی دور ہوئی تھی۔ اسفند یار خان نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنا بازو اس کی کمر کے پیچھے سے لے جاتے اپنا مضبوط ہاتھ اس کی پہلو سے لپیٹا۔

عابیر اسفندیار خان کو اپنے مزید قریب ہوتے دیکھ کر اس سے تھوڑا اور دور کھسکی کہ وہ اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جماتا اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

عابیر کی رنگت سرخ گلاب ہوئی تھی۔ سامنے ہی روزینہ خانم امینہ خانم بیٹھی تھیں۔ اس کا مضبوط ہاتھ اس کے پیٹ سے لپٹا سب کو دکھائی دے رہا تھا۔ امینہ خانم تو اپنی توجہ ہاتھ میں پکڑی تسبیح پر کر چکی تھیں۔ مگر روزینہ خانم کی شعلہ اگلتی آنکھیں عابیر اور اسفندیار خان پر ٹکی تھیں۔ اسفندیار خان ان کی شعلہ اگلتی آنکھوں کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ جمائے بیٹھا تھا۔ عابیر اب ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

عابیر نے اسفندیار کو گھورتے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹانا چاہا وہ اس کے پیٹ کو مٹھی میں بھرتا اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے نیٹ کے دوپٹے میں اس کا ہاتھ چھپانا چاہا۔ مگر نیٹ کے دوپٹے میں بھی اس کا مضبوط ہاتھ اس کے پیٹ پر لپٹا صاف نظر آرہا تھا۔

مائی لیڈی لو۔۔ میری سفاک پٹھانی اگر ایسا دوپٹہ یا چادر لے لیتی جو تمھارے خوبصورت وجود کو ڈھانپے ہوتی تو تمھیں یہ مشقت نہ کرنی پڑتی۔ جو دوپٹہ تمھارے وجود کو نہ ڈھانپ سکا وہ میری بے باکیوں کو کیا دوسروں کی نگاہوں سے چھپائے گا۔ اسفند نے اپنی سلگتی سانسیں اس کی کان کی لو پر چھوڑتے مدھم سرد آواز میں سرگوشی کی۔۔۔ عابیر بے بسی سے دانت کچکچاتے اسے

دیکھ کر رہ گئی تھی۔ جو اپنی نیلی سرد آنکھیں اس پر گاڑھے ہوے تھا۔ نگاہیں سرد تھیں مگر پہلو سے لپٹا ہاتھ آگ کی مانند تھا۔

وہ اسے اتنا محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کی سانسوں اور اس کے جسم سے نکلتی آگ کی لپٹوں سے جھلس رہی تھی۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے خود کو پر سکون کیا تھا۔ اسفندیار کی گرم سلگتے لب اس نیٹ کے دوپٹے کے ہالے سے اس کی سائیڈ گردن کو چھو رہے تھے۔۔ اسفندیار خان کی اتنی بے باکی پر وہ شرم سے پانی پانی ہوئی تھی۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی تھیں۔

وہ سب کے سامنے اتنی بے باکی کیوں دکھا رہا تھا وہ سمجھ گئی تھی وہ اسے انڈائریکٹلی وارن کر رہا تھا کہ وہ آئیندہ نیٹ کا دوپٹہ نہ لے۔۔ وہ اسے نیٹ کے دوپٹے میں برداشت نہیں کر سکا تھا۔ عابیر اپنے چہرے کی سرخی پر قابو پاتے ہوے بہرام کی طرف متوجہ ہوئی جو اب اس کی گود میں ہلکا ہلکا

کسمسانے لگا تھا۔ وہ شائد اس کی توجہ چار ہا تھا۔۔ عابیر نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھائے اسے ہلکا ہلکا ہلانے کی کوشش کی۔ وہ مزید رونے لگا تھا۔

بہرام میرا بے بی۔۔۔ کیوں رو رہے ہو؟؟۔۔ عابی کی جان ۔۔۔۔ خاموش۔۔ عابیر نے اسے ہلاتے ہوے اسے چپ کروانے کی کوشش کی۔ وہ گلہ پھاڑ کر اب رونے لگا تھا۔۔

بہرام دیکھو مت روؤ۔۔ تم بلکل اپنی عابی پر گئے ہو۔۔ کیوٹ سے پیارے بہرام۔۔ عابیر بہرام کو ہلاتے پچکارتے ہوے بولی۔

بلکل نہیں یہ بلکل تم پر نہیں گیا۔ میری بیوی اچھی خاصی خوبصورت ہے۔ یہ شہرام اور بہارے پر گیا ہے۔ ہمارے بچے تم پر جائیں گے۔ بلکہ ہم دونوں پر جائیں گے۔ ہیزل اور بلو آنکھوں کے کمبینشن سوچو کتنے خوبصورت ہوں

گے۔اسفند مسکراتے ہوے مدھم آواز میں بولتے اس کے پیٹ پر مزید سختی سے ہاتھ جما گیا۔

اسفند یار خان لگتا ہے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے۔میرے اور آپ کے بچے کیسے ہو سکتے ہیں؟؟ہاں امریکن لڑکیوں کے بچے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔مشرقی مرد اور امریکن لڑکی کے بچے مجھے بہت یقین ہے بہت خوبصورت ہوں گے۔

The meeting of blue eyes with blue eyes is more beautiful.

عابیر اسفند یار خان کی طرف دیکھتے لب پھیلائے بولی۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ عابیر نے اپنے پیٹ سے اس کی کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔ اسفند کے ہاتھ کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔

بہرام بہت بری طرح رونے لگا تھا۔ عابیر نے گہرا سانس لیتے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی نیلی آنکھیں اس کی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھے ہوئے اسے گھور رہا تھا۔

روزینہ خانم کی آنکھوں سے یہ دیکھتے شرارے سے نکل رہے تھے۔ ان کا بیٹا تو پاگل تھا اپنی بیوی کے لیے یہ انھیں آج پتہ چلا تھا ورنہ آج تک حویلی کے کسی مرد نے اتنی بے باکی نہیں دکھائی تھی۔۔

بے شرم۔۔۔۔اپنا بیوی کے نیچے لگا ہے۔ماں تو نظر نہیں آتا۔پتہ نہیں کون سا جادو ٹونا کیا ہمارا بیٹا پر۔۔۔روزینہ خانم نے اسفند کو گھورتے دانت پیسے۔۔امینہ خانم بلند آواز میں تسبیح پڑھنے لگی تھی۔

بہرام کو بری طرح روتے دیکھتے اسفندیار خان نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔عابیر بہرام کو سینے سے لگائے صوفے سے جلدی سے اٹھی تھی ۔اور اسے اپنے سینے سے لگائے اس کے سامنے ہی چکر لگانے لگی۔اب نیٹ کا دوپٹہ اس کے ایک شانے پر لہرا رہا تھا۔کمر پر سلکی بال بکھرے تھے۔فراک کے اگلے دو بٹن بھی کھلے تھے۔اسفندیار خان صوفے سے ٹیک لگائے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اپنی بیوی کی اداؤں سے کچھ کچھ واقف تھا مگر یہ حرکتیں وہ کمرے میں کرتی تھی۔ایسے سب کے سامنے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا

اسفند بے بسی سے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس کے دلکش خدوخال سیاہ فراک میں بری طرح اجاگر ہو رہے تھے۔ نیٹ کا دوپٹہ شانے سے لہراتا زمین بوس ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل اس کے سامنے بہرام کو سینے سے لگائے چکر لگا رہی تھی۔

اسفند بیٹا تم کل سے کمرے میں بند ہے تمھارا لیے اچھا سا ناشتہ بنوائے ہم۔ روزینہ خانم نے اسفند کی گہری نگاہیں عابیر پر مرکوز کرتے خود پر قابو پائے پوچھا۔

مورے میں نے پچھلے دو دن سے کھانا نہیں کھایا۔ اور آپ کو پتہ ہے مجھے ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں پسند۔۔۔ مجھے گھر کی عورت کے ہاتھ کا کھانا پسند ہے۔ میں نے دو دن سے کافی تو دور کی بات پانی کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

اسفندیار خان نے عابیر پر نگاہیں مرکوز کرتے اپنی ہلکی گھنی بھیرڈ کو سہلایا تھا۔

وہ کسے سنا رہا تھا سب سمجھ چکے تھے۔۔ روزینہ خانم دانت پیس کر رہ گئی تھیں۔ عابیر بے نیاز سی بنی چکر لگاتے بہرام کو سینے سے لگائے تھپک رہی تھی۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔۔

اسفند کی نیلی آنکھوں میں اس کی بے نیازی پر شعلے سے لپکے تھے۔ گلے میں بار بار گلٹی سی ابھر کر معدوم ہو رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی جب وہ اس سے ناراض ہوتا تھا کھانا پینا چھوڑ دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے علاوہ وہ پانی بھی کسی کے ہاتھ کا نہیں پیتا تھا۔ ناراضگی میں بھی اسے وہ ہر وقت اپنے آگے پیچھے منڈلاتی چاہی تھی۔ اور وہ منڈلاتی بھی تھی۔۔ اب وہ دو دن سے بھوکا پیاسا تھا اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ اسفندیار خان نے اسے سرد نگاہوں سے

دیکھتے اپنے سینے پر اب ہاتھ رکھا جہاں اس کے دیے ہوئے گہرے زخم سے درد کی ٹھیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جو مقابل کی بے اعتنائی پر مسلسل بڑھ رہی تھی۔ ض

سوچیا نہ سی میرا پیار پل جائیں گی

اینے جیتے کیتے قرار پل جائیں گی

دل مل کے بچھڑ گیا یارا

تیری میری یوں ٹوٹ گئی سوہنیے

جیویں ٹوٹیا امبر تو تارا

اسفند کی سلگتی نگاہیں مسلسل اپنی سفاک پیٹھانی پر تھیں۔ جو اتنی سفاک ہو گی اسے اندازہ نہ اتھا۔ اب وہ اگلے بٹن کھولے اپنے زخم پر ہاتھ پھیرتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

عابیر جاؤ اسفند کے لیے اچھا سا ناشتہ بناؤ۔ امینہ خانم نے اسفند یار کو عابیر پر نگاہیں گاڑھے دیکھ کر عابیر کو سرد لہجے میں حکم دیا۔

مورے اسفند یار خان نے اپنی آدھی عمر امریکہ میں گزاری ہے۔ تو کیا اسفند یار خان نے اپنی آدھی عمر بھوکی گزار دی ہے۔؟؟ عابیر نے ٹہلتے ہوے بہرام کو سینے میں بھینچتے طنزیہ مسکراتے ہوے اسفند کو ایک نظر

دیکھا جس کی آنکھوں میں لپکتے شعلے بڑھے تھے۔ عابیر اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ بہرام اب گہری نیند سو گیا تھا۔ عابیر نے اسے احتیاط سے لاونج کے صوفے پر لٹایا۔ وہ بہرام کو صوفے پر لٹانے کے لیے جھکی تو اسفندیار کی رنگت اشتعال سے سرخ پڑی تھی۔ اس کے جھکنے پر اس کے اگلے بٹن کھلے ہونے سے اس کے کندن سے دلکش خدوخال واضح ہوے تھے۔

اسفند خود پر قابو پاتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر گیا۔ ورنہ سینے میں اٹھتی اگ کی لپیٹوں میں مسلسل آضافہ ہو رہا تھا۔

عابیر بحث مت کرو جاؤ اسفند کے لیے ناشتہ بناؤ۔۔ امینہ خانم نے غصے سے اب کی بار حکم دیا۔

مورے مرد کو عادت ہوتی ہے اپنی بھوک کی تشہیر کرنے کی۔ لیکن مرد کبھی بھوکا نہیں رہتا۔ اپنی بھوک مٹانے کے اس کے پاس کئی طریقے ہوتے

ہیں۔اب اسفندیار خان کو عادت ہے انگریزی کھانا کھانے کی وہ بھی ایک انگریزنی کے ہاتھوں کی۔۔اب یہاں کا مشرقی کھانا اسے اپنے انتقام میں لی ہوئی عورت کے ہاتھ کا پسند نہیں آئے گا۔اسفندیار خان کے منہ کا ذائقہ بدل گیا ہے۔اب اسفندیار خان بھول جائے اسے کبھی حویلی کا کھانا نصیب ہو گا۔اسفندیار خان کو فرنگن مبارک ہو۔۔۔۔

عابیر سپاٹ طنزیہ لہجے میں بولتے اسفندیار خان کو آگ لگا گئی تھی۔

وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ بخوبی سمجھا تھا۔اسفند نے سرخ سرد نظر عابیر پر گاڑھیں جو نیٹ کا دوپٹہ سر پر اب اوڑھ چکی تھی۔

امینہ خانم غصے سے عابیر کو گھورا۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا اپنی بیٹی کی چلتی زبان کاٹ دے۔

عابیر تمھارا زبان زیادہ چلنے لگا ہے۔ یہ مرد ہے تمھارا کاٹ کا الو نہیں۔۔ جسے تم ہر وقت بے عزت کرو۔۔ روزینہ خانم صوفے سے غصے سے اٹھیں تھیں۔

اسفند بھی جلدی سے صوفے سے اٹھتا عابیر کی طرف بڑھات۔۔ وہ روزینہ خانم سے بد تمیزی نہ کر ڈالے اسفند اسے کلائی سے کھینچتے اپنے مقابل کر گیا ۔۔

وہ اسفند یار خان کے چوڑے چٹانی سینے سے آن ٹکرائی۔

عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اسفند کی نیلی آنکھوں میں گاڑھے اس کے سینے پر ہاتھ مارتے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ اس کے ہاتھ مارنے پر اس کا گہرا دیا زخم جھنجھنا اٹھا تھا۔ اسفند نے دانت پر دانت جمائے درد برداشت کر گیا۔ فی الحال مقابل کی بے اعتنائی ہی مار رہی تھی۔

۔اسفند نے اسے سرد آنکھوں سے تنبیہ کرتے خاموش رہنے کو کہا۔

اگر مرد ایسے ہوتے ہیں تو مجھے اسفند یار خان جیسا مرد نہیں چاہیے جو اپنی بیوی سے بدلہ لینے کے لیے اس حد تک گر جائے اپنے اور اس کے درمیان دوسری عورت کو لے آئے۔عابیر اپنی نیلی آنکھیں اسفند یار خان کی آنکھوں میں گاڑھتے بولی تھی۔دوسرے ہی پل اس نے اسفند کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلا۔اسفند عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھ کر پریشان ہوا۔۔

اسفند یہ کیا تماشہ ہے؟؟ تمھارا بیوی ہر دوسرا تیسرا دن سب کے سامنے یہاں تماشہ لگاتا ہے اور تم بے شرموں کی طرح خاموش کھڑا رہتا ہے۔روزینہ خانم غصے سے بلند آواز میں چیخیں۔۔اسفند کی بے قراریاں اور عابیر کی زبان درازی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مورے کیا کروں کیا چاہتی ہیں آپ؟؟ ہاتھ اٹھاؤں اس پر کیا اب؟؟ اسفند مشتعل ہوتے جھنجھلاتے ہوے بولا۔

اٹھالیں اسفندیار خان ہاتھ سب کے سامنے بھی۔۔ بند کمرے میں اٹھایا ہے سب کے سامنے بھی اٹھائیں گے کوئی بڑی بات نہیں ہو گی۔ آپ کے چھوڑ کر جانے کے بعد آپ کی مورے نے بہت بار اپنے لفظوں کے تھپڑوں سے میرے گال سرخ کیے ہیں۔ آج آپ کی باری۔۔۔ مگر یاد رکھیے گا میں وہ عابیر خان نہیں ہوں جو یہ سب برداشت کروں گی۔ عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے انگشت شہادت اٹھائے غرائی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے انداز و اطوار دیکھتے پریشان ہوا تھا۔ وہ سچ میں حویلی کے جیسی لڑکیوں جیسی نہ تھی۔

کیا کرے گا تم ہاں بولو کیا کرے گا تم؟؟ یہی کرے گا ناں جو تم اب کر رہا ہے۔ اس طرح بن سنور کر ہمارا بیٹا کو تڑپائے گا۔ اس کا سامنے بال کھول کر

اس کا سامنا جھک کر اپنا نمائش کرے گا اسے تڑپائے گا۔ روزینہ خانم استھزائیہ مسکرائی تھیں۔

روزینہ خانم کی بات پر عابیر کی نظریں بے اختیار اسفندیار خان پر اٹھیں جو اب اسے چھوڑے ہونٹوں پر انگلیاں جمائے اسے ہی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

عابیر کی رنگت میں خون چھلکا رہا تھا۔ وہ کان کی لوؤں سے لے کر گردن تک سرخ پڑی تھی۔

اسفند اسے اس طرح سرخ پڑتا دیکھ کر اپنی مسکراہٹ دبا گیا۔ وہ گہرے سانس لے رہی تھی اب اس کے لبوں سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی.

میں آپ کے بیٹے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ عابیر نے گہرا سانس لیتے اسفند یار خان پر نگاہیں گاڑھے مضبوط لہجے میں کہتے اپنی لڑکھڑاتی آواز پر قابو پایا تھا۔ اسفند اس کی آنکھوں میں نمی اور بیک وقت شرارے نکلتا دیکھ کر اپنی انگلیاں مزید سختی سے اپنے لبوں پر جما گیا۔

تم یہ سب کر کے ہمارا بیٹا کا دماغ بند کر سکتا ہے ہمارا نہیں۔ ہم جانتا ہے تم جیسا عورت کیا کر سکتا ہے ؟؟۔ ایک طرف کو بولتا ہے اس کو معاف نہیں کرے گا دوسری طرف جب سے اسفند یار خان آیا ہے تمھارا بننا سنورنا ہی ختم نہیں ہوتا۔ اتنا تیار ہونا یہ تیز رنگ ہونٹوں پر لگانا۔ فراک کا اگلہ بٹن اپنا میاں کا سامنے کھول کر رکھنا۔ سب کا نظریں خراب ہو سکتا ہے ہمارا نہیں۔۔ ابھی جو بٹن بند تھا اسفند کا آنے کا بعد کیسے کھل گیا؟؟

میں اسفند کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ عابیر نے اسفند کو دیکھتے اپنے لفظوں پر زور دیا۔

اسفند یار خان ابھی بھی خاموشی سے کھڑا ہونٹوں پر ہاتھ جمائے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔

امینہ خانم کی رنگت بھی روزینہ خانم کی باتوں پر سرخ ہو رہا تھا۔

ہمارا بیٹا چاہے تو دو منٹ میں تمھارا اکڑ توڑ کر رکھ دے۔ تم کو گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے کر چلا جائے پھر یہ نخرہ کس کو دکھائے گا تم؟؟ اس لیے اس حویلی کی عورتوں کی طرح رہو۔ جیسا تمھارا بھابی ابرش رہتا ہے۔ وہ حور رہتا تھا۔

جس دن ہمارا بیٹا نے تمھارا عظیم لالا ارحام اور زاران کی طرح کا تم کو بن کر دکھایا۔ تمھارا اکڑ غرور سب ختم ہو جائے گا۔ پھر تم روز میرا ہی بیٹا کے کمرے سے اپنا بھیگا زلفیں لے کر نکلے گا۔۔ یہ ادائیں یہ طعنے مارنا سب ختم ہو جائے گا۔

روزینہ خانم کی بات پر عابیر نے زخمی شکوہ کناں نگاہ اسفند پر ڈالی جو بلکل خاموش کھڑا تھا۔۔ جس نے ایک بار بھی روزینہ خانم کو ٹوکا نہیں تھا۔

ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ اگر ایسا کبھی ہوا میں خود کی جان لے لوں گی۔ عابیر سپاٹ لہجے میں بولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

سنا تم نے یہ کیا کہہ کر گیا ہے اور تم خاموشی سے کھڑا سن رہا تھا۔

میں نے سنا جو اس نے کہا اور آپ نے جو کہا وہ بھی سنا۔ جتنی گہرائی سے آپ نے عابیر کو باتیں سنائی ہیں امید کروں گا۔ آپ آئیندہ نہیں سنائیں گی۔

جو باتیں یہاں کھڑے ہو کر میں ایک مرد ہو کر سن نہیں پا رہا تھا۔ آپ عورت ہو کر کیسے کر سکتی ہیں؟؟ عابیر بیوی ہے میری۔ اگر وہ میرے لیے تیار ہوئی اور وہ سب کر بھی رہی تھی تو اپنے شوہر کے لیے کر رہی تھی۔ وہ گناہ نہیں تھا بلکہ اس کا ہر عمل جائز تھا۔ اس بات کی آجازت خدا نے اسے دی ہے۔ وہ اپنی ادائیں اپنی خوبصورتی اپنے شوہر کے سامنے عیاں کر سکتی ہے۔ اس کے جائز عمل کو گناہ مت بنائیں۔ اسفند سرد آواز میں بات مکمل کرتا لمبے لمبے ڈھگ بھرتا چلا گیا تھا۔

روزینہ اب تو چھوڑ دو عابیر کا پیچھا۔۔۔ چلو ہمارا بیٹی کا واسطہ نہیں اپنا بیٹا کی خوشیوں کا واسطہ ہی سہی۔۔ اسفند کا آنکھوں میں دیکھو اس کا آنکھوں میں

اپنا بیوی کے لیے تڑپ نظر آئے گا۔ تم کیوں یہ باتیں کر کے اس کا دل برا کرنا چاہتا ہے؟؟ سات مہینہ دور رہا ایک دوسرا سے۔ اب تو ان کو ملنا دو۔۔ امینہ خانم نے رسانیت سے روزینہ خانم کو سمجھایا جو سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔

امینہ بھابھی یہی بات تم نے اپنا بہو ابرش کے لیے تو نہ سوچا کبھی۔۔۔۔ اس بیچاری پر تم تو سوکن لا رہا تھا۔ تب تمھیں اپنا بیٹا زاران کی آنکھوں میں اس کا بیوی نظر نہیں آیا۔ تم نے تو اپنا دل بڑا نہ کیا۔ سات مہینہ تمھارا بیٹا بھی تمھارا بہو سے دور رہا۔ ان سات مہینہ میں تمھیں اپنا بیٹا کا تڑپ نظر نہیں آیا ۔ مگر اپنا بیٹی کا دکھ کے لیے دن رات تڑپتا تھا۔ یہاں اس کے ساتھ اس کا بھائی اور تم تھا۔ مگر تمھارا بہو کے ساتھ کون تھا؟؟ اس کا تو بھائی بیچارہ معذور ہو چکا تھا۔ ہم سب جانتا ہے زحلے کیسا ہے۔ وہ تو بیچارہ ذہنی طور اور جسمانی

طور پر بیمار رہتا ہے۔ ابرش کے پاس تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنا بچہ کھویا تمھارا فضول سا ضد کی وجہ سے۔۔۔ تمھارا بیٹا اس پر کمرے میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔ بھرے جرگے میں اس بیچارہ پر ہاتھ اٹھایا۔ اس سے زبردستی نکاح کیا۔ وہ دو مہینہ کمرہ سے نہیں نکلا۔ تم نے تو کبھی اس سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ نہ اس کا دکھ کبھی سمجھا۔ اس بیچارا نے تو کبھی تمھارا آگے زبان تک نہیں چلایا۔۔ اس بیچارہ ہیرا جیسی لڑکی کو تم نے اور تمھارا بیٹا نے رول دیا۔

پھر بھی تم اس پر ظلم کرنے جا رہا تھا۔ دوسروں کا بیٹی کا ساتھ ظلم کرتے وقت تم کو خدا کا خوف نہیں آیا۔۔ جو تم ہم کو اب نصیحت کر رہا ہے۔ روزینہ خانم نے اپنی باتوں سے امینہ خانم کا چہرہ پل میں لال کر دیا تھا۔

تم بھی تو ابرش کو باتیں سناتا تھا۔۔اس کو اپنا بیٹا کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا۔اور ہم نے کیا ظلم کیا اس پر کبھی اس سے کچھ نہیں کہا۔اس پر زہر کا تیر نہیں چلایا۔ جس طرح تم عابیر پر چلاتا ہے۔اور ہم کو یہی لگا کہ ہمارا بیٹا خوش نہیں اس لیے اس کا دوسرا شادی کروا رہا تھا اور دوسری شادی گناہ تو نہیں ۔ہم تو صرف اپنا بیٹا کو خوش دیکھنا چاہتا تھا اس کو سکون میں دیکھنا چاہتا ہے۔امینہ خانم نے بمشکل ہی اپنی بات مکمل کی تھی۔لفظ منہ سے نکل نہیں رہے تھے۔روزینہ خانم جیسے کئی تھپڑ ان کے منہ پر مار چکی تھیں۔ابرش اتنی تکلیف میں تھی انہوں نے تو کبھی محسوس ہی نہیں کی تھی۔

بھابھی اس کو ہم باتیں سناتا تھا اس کو تھپڑ بھی مارا کیونکہ ہم کو لگتا تھا ہمارا بیٹا کے قاتل کی بہن ہے۔ مگر تم نے اپنا بہو کو میرا تھپڑ مارنے پر آواز کیوں نہیں اٹھایا؟؟اس کو تھپڑ کھاتا دیکھ کر خاموش کیوں ہو گیا؟؟

ایک تھپڑ مارا ہم نے عابیر کو تمھارا بیٹوں نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ پورا حویلی عابیر کو ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔

مگر اسے تھپڑ مارا تم خاموشی سے کچن سے نکل گیا۔

اور تم کہہ رہا ہے تم نے اس کو باتیں نہیں سنایا۔ اس سے اچھا تھا تم اس کو دن رات طعنے مارتا۔ باتیں سناتا تو وہ بیچارہ بھی اپنا اندر کا غصہ بھڑاس آگے سے تم کو باتیں سنا کر اتار دیتا۔ مگر تم اور تمھارا بیٹا نے اس کو تنہائی کا مار مارا ۔۔ اسے اتنا بڑا حویلی میں سب رشتہ ہونے کے باوجود تنہا کیا۔۔ اس کا آنکھ سے نکلا آنسو ہم کو تو اب خون کی طرح لگتا ہے۔ مگر تمھیں تو کبھی وہ آنسو پانی بھی نہیں لگا۔ اتنا بے مول تھا اس کے آنکھ کا آنسو کہ تم نے اس کا اوپر سوتن لانے کا سوچا۔ سوتن سوتن ہوتا ہے عورت شوہر سے نفرت بھی کرتا ہو۔ وہ ونی کے طور پر بھی بھی آیا ہو۔ شوہر کا حویلی میں پرانے کاٹھ کباڑ کی

طرح بھی رہتا ہو ہو پھر بھی دوسرا عورت کا تکلیف اس کے لیے پہلو میں اٹھتے اینٹھن کی طرح ہوتا ہے۔۔ جس کا درد سے یہی لگتا ہے وہ اب مرا وہ اب مرا۔۔۔ روزینہ خانم نے استھزائیہ انداز میں غصے سے لفظ چبائے تھے۔

روزینہ۔ ہمارا بیٹی کے ساتھ بھی بہت ظلم ہوا ہے۔ کس طرح وہ روتے ہوے تڑپتے ہوے تمھارا بیٹا کی منتیں کر رہا تھا۔ کس طرح اس نے بین ڈالے تھے۔ جس کا شوہر اسے اپنا بدلہ کہہ کر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔۔ سوچو ہمارا بیٹی کا معصوم دل پر کیا گزری ہو گی؟؟ کس طرح سات مہینہ اس نے گزارا؟؟ تم بھی تو دن رات اسفند کو دوسرا شادی کرنا کا مشورہ دیتا تھا ۔اور تم تمھارا بیٹا اس پر جتاتا تھا کہ اس کا زندگی میں دوسرا عورت ہے۔ سات مہینہ ہمارا بیٹی کا وجود میں بھی یہ اینٹھن اٹھتا رہا۔ وہ بھی تو تڑپ کر مرتا

تھا۔ مگر ہم نے پھر بھی تمھارا بیٹی پر ظلم نہیں کیا۔ ہمارا بیٹا نے تو اسے پھولوں کی طرح رکھا۔ اگر ہم اتنا برا ہوتا تو تمھارا بیٹی کو بھی خوش نہ رہنے دیتا۔ امینہ خانم نے جیسے روزینہ خانم کو نہیں خود کو وضاحت دی تھی۔

تمھارا بیٹی نے بین ڈالے پوری حویلی نے سنے۔۔۔ مگر تمھارا بہو ابرش کا بین کبھی کوئی نہ سن سکا۔ کیونکہ تم لوگ اس کا بین سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا سسکیاں آہیں اس کا بین اس کمرے کی دیواروں سے پلٹ کر اس بیچارہ پر واپس پلٹ آتا تھا۔ اور تم نے ہمارا بیٹی کو اس لیے کبھی کچھ نہیں کہا۔۔ کیونکہ تم خود غرض ہے۔ تم میٹھا چھری ہے۔۔ تم نے بہارے کو خوش اس لیے رہنے دیا۔ کیونکہ تم چاہتا تھا اسفندیار خان عابیر کو اپنا لے۔ تمھیں پتہ تھا بہارے اگر خوش نہ رہی تو معاملہ زیادہ خراب ہو سکتا ہے۔ تم چاہتا تھا بہارے اور شہرام کا بچہ ہو جائے تاکہ پھر تم بہارے کا ذریعہ اسفند پر دباؤ

ڈالتے اسے واپس بلائے۔۔۔بھابھی ہم تمھارا طرح منصوبے نہیں بناتا۔ہم جیسا ہے ویسا ہے سب کی نظروں میں برا بن جاتا ہے۔مگر بات وہی کرتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔اور ہمارا بہارے کا جہاں تک خوش رہنے کی بات ہے ۔تم تو اتنا خود غرض ہے جس طرح تم کو ابرش کا آنسو نظر نہیں آتا تھا۔۔ بہارے کا بھی آنسو نظر نہیں آرہا۔اس سے ایک دن نہیں پوچھا کہ تم اتنا نازک حالت میں کیوں روتا رہتا ہے۔تمھارا چہرہ کیوں زرد رہتا ہے۔بچہ پیدا کرنے کے بعد وہ بھی بیٹا پیدا کرنے کا بعد عورت کا چہرہ سے خوشی نہیں جاتا۔وہ ہر وقت لبوں پر فخریہ مسکراہٹ سجائے پھرتا ہے۔اپنا آپ کو کچھ سمجھتا ہے۔ہزار نخرے کرتا اپنے شوہر سے بہت سارا باتیں منواتا ہے۔تم نے تو محسوس ہی نہیں کیا۔جس کمرے سے قہقوں کے آوازے آنے چاہیے۔وہاں رات کی تنہائی میں سسکیاں کیوں گونجتی ہیں۔وہاں ماتم کیوں

بچھا ہے۔ تمھارا بیٹا شہرام دو دن حویلی نہیں کیوں نہیں آیا۔ ہمارا بیٹی نے اپنا کمرہ کیوں بدل لیا ہے۔

روزینہ خانم امینہ خانم کی فق رنگت کو دیکھتے استھزائیہ سوال اٹھائے۔ امینہ خانم نے یہ سب سنتے دل پر ہاتھ رکھے تھے۔

بھابھی تم تو نہیں پوچھے گا مجھ سے نہ اپنا بیٹے نہ بہارے سے۔۔۔۔ ہم تم کو بتاتا ہے تمھارا شہرام نے کیا کیا ہے ہمارا بیٹی کے ساتھ۔۔ ہمارا بیٹی کا نظروں کے سامنے کسی دوسری عورت کا ساتھ چکر چلایا ہے۔۔ جس پہلو کے اینٹھن سے ابرش اور عابیر کا جان سولی پر لٹکا تھا۔ مرا نہیں ابھی تک۔۔۔ مگر ہمارا بیٹی اس سولی پر لٹک کر مر بھی چکا ہے۔ روزینہ خانم لفظ چباتے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

امینہ خانم گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھیں۔ان کا بی پی بری طرح شوٹ کر گیا تھا۔

اسفند اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے کچن میں داخل ہوا۔

لالا۔۔۔ آپ یہاں کچھ چاہیے آپ کو۔۔ درخشاں نے اسفند کو دیکھتے پوچھا۔عابیر جو سٹوو پر رکھی ہانڈی میں چمچ چلا رہی تھی۔ایک پل کے لیے اس کا ہاتھ رکا تھا۔دوسرے لمحے وہ اپنا کام کرنے لگی۔۔اسفند یار خان نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔وہ بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔اپنے سنہری بالوں کو اب ڈھیلے سے جوڑے کی شکل میں لپیٹا ہوا تھا۔

اسفند نے عابیر کا استحقاق سے جائزہ لیتے درخشاں کو کچن سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اسفند کے اشارے پر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ اسفند کچن کا دروازہ لاک کرتے عابیر کی طرف بڑھا۔ جو سپاٹ چہرہ لیے اب کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ اسفند یار خان کو مکمل نظر انداز کیے وہ سبزیاں کاٹ رہی تھی۔ شیشے کے کٹنگ بورڈ پر چاقو کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ بہت تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی

اسفند یار خان نے مسکراتے ہوے اس کے پہلو میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے اسے اپنے چوڑے سینے سے لگایا تھا۔ کٹنگ کرتے عابیر کے ہاتھ رکے تھے۔ اپنے بال باندھ کیوں لیے ؟؟۔ جب میرے لیے کھولے ہیں میرے لیے تیار ہوئی ہو تو مجھے سراہنے کا موقع دو مائی لیڈی لو۔۔ میری جنگلی زہریلی

سفاک پٹھانی۔ اسفندیار خان نے اس کی گردن کے پچھلے حصے پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔۔

آپ کو اپنی مورے کی طرح غلط فہمی ہوئی ہے میں آپ کے لیے کیوں تیار ہونے لگی؟؟۔ اور آپ کے قریب آنے پر میں اب پگھلنے نہیں لگی۔ کیونکہ میں وہ اب عابیر خان ہوں جسے اپنی عزت نفس سے کچھ زیادہ عزیز نہیں۔ اگر مجھے کبھی اپنی عزت نفس اور اسفندیار خان میں سے کسی کو چننا پڑا تو میں اپنی عزت نفس کو چنوں گی۔ عابیر سپاٹ انداز میں کٹنگ بورڈ پر ہاتھ چلایا ۔۔ چاقو پوری قوت سے کٹنگ بورڈ پر مارا۔

اسفندیار خان اسے کندھے سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔

عابیر کے بال کھل کر اسے کے شانے اور کمر پر بکھرے تھے۔ اسفندیار خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے مزید قریب کر گیا۔

شوہر اور بیوی میں کہاں سے عزت نفس آ گئی۔ میں نے تمھارا سب کے سامنے دل دکھایا اور بند کمرے میں تم سے معافی مانگ لی۔ ایک بیوی کے لیے شوہر کی معافی ہی کافی ہوتی ہے۔ بند کمرے میں شوہر کے جڑے ہاتھ اور شوہر کی گرم بانہیں اس کی شدید محبت اور کیا چاہیے بیوی کو۔۔

اسفندیار خان نے اس کے گال پر ہاتھ جماتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھا۔

اتنا ہی سمجھے ہیں عورت کو اور اس رشتے کو۔ د۔۔ اگر اس رشتے میں اتنی آسانیاں ہوتی تو طلاق جیسا لفظ نہ ہوتا اسفندیار خان۔۔ یہ رشتہ تو سب سے زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔۔ یہاں مرد کے منہ سے طلاق نکلا وہاں عورت اس

کے حصار سے نکل کر دوسرے مرد کے پاس چلی جاتی ہے۔ پھر کہاں کی معافی کہاں کی تلافی ؟؟ اسفند یار خان۔۔۔ عابیر سپاٹ لہجے میں بولی۔

مگر محبت کرنے والا مرد مر جاتا ہے یہ لفظ نہیں بولتا۔

محبت کرنے والا مرد سے مراد۔۔۔ بیلٹوں سے داغنے والا۔۔ دن رات ذلیل کرنے والا۔۔ بند کمرے میں تھپڑ مارنے والا۔۔ راتوں کو بستر پر گرم کرنے والا۔۔ دوسری عورت کے ساتھ افیر چلانے والا۔۔۔۔ عابیر استہزائیہ انداز میں سوال کیے۔

یہاں بھی میرے اور آپ کے خیالات نہیں ملتے۔۔ میرے نزدیک محبت کرنے والا مرد مر جاتا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ راتوں کو اپنا بستر گرم کرنے سے زیادہ عورت کو سکون پہنچانے کے لیے وہ زیادہ پریشان ہوتا ہے۔ مر جاتا ہے اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ اسے اپنا خئی

نہیں کہتا۔۔ دوسری عورت کے ساتھ افیئر نہیں چلاتا۔ عابیر گہرے سانس لیتے اس کی شرٹ جکڑ گئی تھی۔ آخری بات پر اس کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

جس عورت کے تم باہر طعنے دے رہی تھی۔ میرا یقین مانو میری زندگی میں کوئی عورت نہیں ہے۔ اور نہ کبھی آئے گی۔۔ اسفند نے اس کی سرخ رنگت کو بغور دیکھتے اس ک. کی ٹھوری نرمی سے چھوتے اس کی آنکھوں پر باری باری نرمی سے اپنے لب رکھے۔ جہاں شبنم سی ٹھہر گئی تھی

مجھے فرق نہیں پڑتا آپ کی زندگی میں کوئی عورت ہے کہ نہیں۔۔ میری طرف سے آپ کو آجازت ہے آپ دوسری شادی کر سکتے ہیں۔ عابیر نے سپاٹ انداز میں کہتے اسفند کو خود سے دور دھکیلات۔ مگر وہ اس کے مزید قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں شیلف پر ہاتھ جما گیا۔

برداشت کرلو گی میرا کسی کے قریب جانا۔۔ تمھارے عشق کی انتہا تو یہ تھی میرے لبوں سے کسی دوسری عورت کا نام سن کر تمھاری آنکھوں میں لہو اتر آتا تھا۔۔ اور ایسا عشق کرنے والی عورت تو کبھی نہیں بدلتی۔ یہ تمھاری عارض میں گھلی سرخیاں دیکھ کر ابھی بھی ایسا لگتا ہے تم اپنے اسفندیار خان کی دیوانی ہو۔۔ جو صرف دوسری عورت کے نام پر تڑپتی ہے۔

ایسا عشق کرنے والی عورت مر جاتی ہے یا مار دیتی ہے اس دوسری عورت کو۔ یا پھر اپنے ہاتھوں سے اپنے عشق کو ہی مار دیتی ہے۔ کہیں میرے دوسری شادی کرنے پر مجھے مارنے کا آرادہ تو نہیں۔ جو چاقو اس دن سینے میں ذرا سا اتارا تھا اب کی بار پورا پورا کا سینے میں اتارنے کا آرادہ تو نہیں ہے۔ اسفند نے عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے بھاری لہجے میں کہتے اس کی انکھ میں لگا کاجل اپنی انگلی سے بے دردی سے صاف کیا۔

اسفند کی بے رحمی پر اس کی آنکھ سے آنسو نکلتے عارض پر بہے تھے۔۔ اسفند نے اس کی دوسری آنکھ سے بھی کاجل اپنے انگوٹھے سے بے دردی سے صاف کیا۔

جب یہ تیاری میرے لیے نہیں تو تمھیں ان آنکھوں میں کاجل لگانے کا کوئی حق نہیں۔ اسفند اس کے عارض پر گرتے آنسو اپنے لبوں سے چنتے اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جماتے اس شیلف سے لگا گیا تھا۔

عابیر نے اپنی پوری فورس لگاتے اسے اسے خود سے دور دھکیلنا چاہا۔ وہ اسے شیلف پر لٹاتے اس کی گردن پر جھکے اسے اپنے دہکتے لبوں سے دہکانے لگا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔ عابیر اس کے حصار میں بری طرح پھڑ پھڑائی تھی۔ یہ سنہرا روپ میرا ہے۔ جب تم نے میرے لیے اتنی تیاری کی ہے میں تمھیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟؟

زیادہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ تمھارا روپ تہس نہس تو کر سکتا ہوں۔ زیادہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ مگر تمھاری گردن پر اپنے لبوں کی مہر تو لگا سکتا ہوں۔

زیادہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ تمھیں اپنی جنون کی سوغاتیں تو دے سکتا ہوں۔ وہ مدہوشی میں بولتے ہوئے اس کی گردن پر جھکے وہاں اپنی جنون خیزیاں رقم کر رہا تھا۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ تمھارے بدن کی خوشبو میں اپنی خوشبو تو شامل کر سکتا ہوں۔ اسفندیار خان کے لبوں کی حدود تجاوز کرتے اس کے کھلے بٹنوں سے نظر آتی گہرائیوں پر تھیں۔ وہ مدہوشی میں دیوانگی کے عالم میں وہاں پر اپنی محبت کی مہریں لگا رہا تھا۔

اسفندیار خان۔۔۔عابیر اسے خود سے دور دھکیلتی چیخی تھی۔وہ اس کی کلائیاں اپنی فولادی ایک ہاتھ میں سختی سے اوپر کی طرف جکڑ گیا تھا۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔ تمھارا لباس تمھارے بدن پر موجود رہتے اسے بے ترتیب کر سکتا ہوں۔اسفند ایک ہاتھ سے اسے بے باکی سے چھوتا اس کے لباس میں گہری سلوٹیں ڈال چکا تھا۔

اسفند کی گہری بے باک حرکتوں پر اس کی سانسیں دھونکنے کی مانند چل رہی تھیں۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔میں تمھاری سانسوں کو دہکاتے ان میں ہلچل تو مچا سکتا ہوں۔اسفند کے لب اس کی دھڑکنوں سے ہوتے اس کے پیٹ کو نرمی سے چھو رہے تھے۔

اسفند یار خان چھوڑیں مجھے ورنہ آپ کی جان لے لوں گی۔۔عابیر پھولتی سانسوں کے ساتھ حلق کے بل چیخی تھی۔اسفند کے ہاتھ کی بے باکی شدت اختیار کر گئی تھی۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔تمھارے لبوں میں اپنے انگارہ لب رکھ کر تمھاری کڑوی زبان کی کڑواہٹ تو محسوس کر سکتا ہوں۔اسفند یار خان کہتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی ہلچل مچاتی سانسوں کو مزید دہکاتے انھیں گھوٹ چکا تھا۔

عابیر اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔وہ بہت شدت سے اس کے لبوں سے لپٹے اس کی لبوں کے نرماہٹیں محسوس کرتے اپنی آنکھیں سکون سے بند کرتے اپنا پہاڑی وجود جیسا وزن اس پر ڈالے اس کے بدن کی ناز کی محسوس کر رہا تھا۔

عابیر بے بسی سے تڑپ کر رہ گئی تھی۔وہ کچھ نہ بھی کرتے بہت کچھ کر گیا تھا۔وہ بری طرح اس کے حصار میں تڑپ رہی تھی۔اس کی جلتا بدن اس کے پور پور کو جھلسا رہا تھا۔اسفندیار خان اس کی سانسوں کو کافی دیر تک انہیل کرنے کے بعد پیچھے ہوا تو عابیر نے گہری سانسوں اور نم نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھتے منہ پھیرا تھا۔

اسفند نے مسکراتے ہوے پاس پڑا چاقو اٹھایا۔

اسفند کے ہاتھ میں چاقو دیکھ عابیر کی آنکھوں میں خوف ہو ہر اس پھیلا تھا۔ وہ اپنے ایک ہاتھ سے اسی کی کلائیاں جکڑے ہوے تھا۔ اور اپنا وزن اس پر مکمل طور پر ڈالے ہوے تھا۔ اس کی کمر شیلف پر بینڈ ہوئی تھی۔ ٹانگیں زمین پر تھیں۔ جن پر وہ اپنی ٹانگوں سے مسلسل دباؤ ڈالتے اسے سسکنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔ عابیر نے اپنی بے ترتیب سانسوں سے اسے سہمتے ہوے دیکھا جو چاقو کی نوک اس کی گہرائیوں پر نرمی سے پھیر رہا تھا۔

اسفند۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ اس۔۔۔۔۔۔ سے

۔۔۔۔۔ اذیت۔۔۔۔۔۔ دیں گے۔۔ میرے چاقو مارنے پر مجھ سے بدلہ لیں گے۔ عابیر اکھڑتی سانسوں سے بمشکل بولی۔۔

تم سے بدلہ لینے کے لیے مجھے تمھیں چاقو مارنے کی ضرورت نہیں

۔۔۔۔ میری سفاک پٹھانی۔ اگر پلٹ کر تم پر تمھاری ہی طرح وار کرنا ہوتا

تو۔ اپنی پہلی رات ہی پلٹ کر خدا قسم تمھارے دیے ہو زخم کا تمھیں دس پرسنٹ جتنا بھی زخم دیتا تو تم آج تک میری شکل دیکھنے کی رودار دنہ ہوتی۔ تم نے اس رات میری شدتیں سہیں۔ مجھے خود کو سونپا تم جانتی تھی کہ میں تم پر حق رکھتا ہوں۔۔ تمھیں مجھے سونپنا ہی تھا۔

کہا تھا تم سے کہ تم سے حق سے زیادہ نہیں لوں گا نہ تمھاری تذلیل کروں گا ۔اس رات میری شدتوں میں جنون تھا مرد ہونے کا غرور بھی تھا۔ مگر ایک بار بھی کیا تمھاری تذلیل کی ؟؟۔ تمھیں اپنی بانہوں میں قربت کے لمحات میں دھتکارتے تمھیں تذلیل بھرے لفظوں سے پکارا۔۔ تم خود سونپتی رہی میں تمھیں اپنی بانہوں میں سمیٹتا رہا۔ اگر اپنے بھائی کے موت کا بدلہ لینا ہوتا بہت آسان تھا۔۔ پہلی رات تمھارا غرور اس طرح توڑتا تم کبھی مجھے

دوبارہ زخم دینے کا سوچتی ناں۔۔۔ اسفند چاقو کی نوک اس کی گہرائیوں پر بڑھاتے اپنی سرخ آنکھیں اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں گاڑھے بول رہا تھا۔

عابیر کی آنکھیں اسفند کی سرخ جنونی آنکھیں دیکھتے خطرناک حد تک کھل گئی تھیں۔ اپنی دھڑکنوں پر چاقو کی نوک محسوس کرتے اس کی آنکھوں میں آنسو خوف کی مانند ٹھہر گئے تھے۔

اور اس دن بند کمرے میں میری بانہوں میں میرے سینے میں بے رحمی سے چاقو نہ اتارتی۔ تمھیں یقین تھا اسفند یار خان تمھیں پلٹتے ہوئے کبھی سفاک سزا نہیں دے سکتا۔۔ بدلے میں لائی ہوئی عورت سے نکاح کی رات کوئی مرد چاقو کا زخم کھانے کے بعد اس عورت کے ساتھ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے کبھی تنہائی میں بیٹھتے سوچنا۔۔۔ اگر میں وہ چاقو کی نوک تمھاری دھڑکنوں

میں ذرا سا بھی چبھو دیتا تو۔۔۔ اسفند نے کہتے وہ چاقو کی نوک اس کی دھڑکنوں پر نرمی سے رکھتے ذرا سی چبھوئی تو عابیر آنکھیں سختی سے میچیں بری طرح سسکیاں بھر چکی تھی۔۔

اسفندیار خان کا اس کے بدن کی کپکپاہٹ اس کی سسکاریاں محسوس کرتے قہقہ بلند ہوا تھا۔۔ میری جان تنکے جتنا درد بھی تم نے نہیں سہا۔۔ مگر سسکاریاں میری قربت میں دی ہوئی شدتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ جو مجھے پاگل کر دیتی تھیں۔ اسفند نے معنی خیزی میں کہتے اسے آنکھ ونک کی۔۔ عابیر کی نظریں اسفند کی پھولتی سانسوں اور اس کی سرخ انکھوں پر تھیں۔ وہ چاقو کی نوک اس کی دھڑکنوں پر رکھے ہوے تھا۔ وہ تو شائد سانس لینا بھی بھول چکا تھا۔ اس نازک حصے پر وہ مقابل کی سفاکی

برداشت نہیں کر سکتی۔۔وہ خوف سے مر رہی تھی جیسے۔۔۔پیشانی پر موتی چمکے تھے۔

اسفند نے ذرا سا اوپر ہوتے اس کی کلائی آزاد کرتے اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی۔اب عابیر کے سامنے اس کا چٹانی سینہ تھا۔۔وزشی سینہ جس پر کٹس نمایاں تھے۔عابیر اس کے سینے پر اپنا دیا ہوا گہرا زخم دیکھ کر نظریں پھیر چکی تھی۔زخم کی حالت بہت بری تھی۔جیسے اس پر مرہم رکھا ہی نہیں گیا تھا ۔وہ گہرا اور سرخ تھا۔۔زخم کی گہرائی بھی واضح تھی۔

نظریں کیوں پھیر رہی ہو اپنی آنکھوں سے اپنی سفاکی دیکھو۔۔اسفند یار خان نے اس کا منہ دبوچتے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔لہجے میں بھی درد کی گہری رمک تھی جسی عابیر محسوس کرتے تڑپی تھی۔

اس۔۔۔کی۔۔۔۔۔۔ڈریسنگ۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔نہیں کی۔عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا تھا۔اس کا گہرا زخم اس کے چہرے پر زردیاں بکھیر چکا تھا۔عابیر نے اپنی کانپتی انگلیاں اس کے زخم پر رکھنی چاہی وہ اس کا ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

تب چھونا جب میری بانہوں میں خود کو سونپتے اس زخم پر نرمی سے اپنے لب رکھ سکو۔۔ تمھارا دیا ہوا اس جسمانی زخم نے مجھے اندر سے نہیں مارا۔ تمھاری سفاکی نے اسفندیار خان کو مارا ہے۔۔ساری ساری رات سگریٹ پیتے ہوے سوچتا ہوں۔جو لڑکی عشق کی دعویدار ہو وہ کیسے میرے وجود کو زخمی کر سکتی ہے۔اس لیے پتہ ہے تمھارا نام کیا رکھا ہے۔۔۔اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا ہنزا تھا۔عابیر کی نگاہیں اس کے زخم سے رستے خون پر تھیں۔

سفاک پٹھانی۔۔۔۔۔۔سفاک پٹھانی۔۔ سفاک پٹھانی۔۔۔ وہ کرب سے بولتا نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔۔ عابیر اس کی نیلی آنکھیں دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنی نظریں پھیر چکی تھی۔

قسم کھائی ہے اس زخم پر تب ہی مرہم رکھوں گا۔ جب تم اس زخم پر اپنے لب رکھو گی۔ ورنہ یہ زخم ناسور بنے گا میرے لیے۔۔ اسفند اس کے اوپر سے اٹھتا سیدھا ہوا تھا۔

عابیر بھی سیدھی ہوتی سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے اپنے بے ترتیب لباس کو درست کرنے لگی۔۔

اسفند نے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہنی تھی۔

آئیندہ اتنا تیار ہو کر میرے سامنے نہ آنا۔ ورنہ ایسے ہی کبھی کچن کبھی واش روم کبھی کمرے میں تمھارے قریب آجایا کروں گا۔ تم سے محبت کا یہ عالم ہے تمھارے خوبصورت پاؤں دیکھ کر اسفندیار خان اپنے ہوش کھو دیتا ہے ۔اس طرح تیار ہو کر آیا کرو گی تو اسفندیار خان عنقریب پاگل ہو جائے گا۔ اسفند اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ عابیر اس کے حصار میں اب لرزتے کھڑے تھی۔۔ بدن ابھی بھی کپکپا رہا تھا۔

تم اپنی خوبصورتی میرے علاوہ کسی اور کے سامنے اجاگر کرو یہ بھی برداشت نہیں۔۔ چھپا کر رکھا کرو خود کو۔۔ تمھارے خوبصورت بدن پر عورت کی نظر بھی گوارا نہیں۔۔ اتنی محبت کرتا ہوں تم سے۔۔ مگر تم پر پابندی نہیں لگاؤں گا۔ یہی میری سزا ہے تمھارے قریب رہ کر تمھارے لیے تڑپنا۔۔ مگر یاد رکھنا سزا اتنی ہی اسفندیار خان کو دینا جتنی وہ برداشت کر سکے

۔جس دن تم نے یہ آگ حد سے زیادہ بھڑکا دی تو اس آگ میں تم بھی جھلسو گی تڑپو گی مگر تم پر رحم نہیں کھاؤں گا۔وہ اسے چھوڑتا اپنی شال زمین سے اٹھائے اسے کندھوں پر جھٹکتا کچن کا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا

عابیر گہرے سانس لیتے کچن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

حیدر خان اپنے بہت عزیز دوست عباس خان کے ولیمے کے لیے پہنچا تھا۔یہ لوگ حیدر کی شادی پر اسٹریلیا میں تھے۔

عباس خان خاص طور اپنے بچپن کی منگ سے شادی کے لیے سوات آیا تھا۔اور اپنی فیملی اور بیوی کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسٹریلیا شفٹ ہونے کا آرادہ رکھتا تھا۔

اس نے اپنا ولیمہ بہت اونچے پیمانے پر منعقد کیا تھا۔ اپنی بہت بڑی حویلی کے سرسبز لان اور مردان خانے میں یہ انتظام تھے۔۔ وہ لوگ کافی ماڈ تھے ۔۔ اس لیے عورت اور مردوں میں پردے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا تھا۔ اس لیے جو لوگ پردے کا خیال رکھتے تھے ان کے لیے مردان خانے اور زنان خانے میں الگ الگ انتظام کر رکھا تھا۔

حیدر خان عباس خان کے بہت اصرار پر آج اپنے ساتھ رقیہ خانم اور اوزگل کو لایا تھا۔

حیدر خان کی سیاہ لینڈ کروزر عباس خان کے بہت بڑے گیٹ کے سامنے آ کر رکی تھی۔

حیدر خان اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے گاڑی سے اترا۔۔ رقیہ خانم اور اوزگل بھی گاڑی سے بڑی بڑی چادروں میں لپٹی اپنا منہ ڈھکے اتری تھیں۔

حیدر خان سفید شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ مردانہ شال کندھوں پر جھٹکتے گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے سامنے بہت بڑی سفید گاڑی آکر رکی تھی۔

حیدر خان کے بھاری قدم رکے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بڑھی تھیں۔

اس میں سے امینہ خانم اور فرشتے اور پلوشہ اتری تھیں۔

حیدر خان فرشتے کو دیکھ کر سٹل ہوا تھا۔ وہ سفید چادر میں لپی ہوئی تھی۔ اپنی گود میں دراب کو اٹھائے ہوے تھی۔ درخشاں کے ہاتھوں میں ذراب تھا۔

حیدر خان کے فولادی قدم زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔ اپنے بچوں اور بیوی کو دیکھ کر۔۔۔۔۔۔ وہ تو ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔

حیدر خان کی پوری دنیا اس کے سامنے تھی۔ اس کی زندگی اس کی سانسیں

اس کی خانم اس کے جان سے پیارے دراب زراب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رقیہ خانم اپنے پوتے دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں۔

فرشتے اپنے دھیان میں دراب کو اٹھائے گیٹ کے اندر داخل ہونے لگی تھی

کہ اپنے سامنے حیدر خان کو دیکھ کر وہ رکی تھی۔ دراب پر اس کی گرفت

مضبوط ہوئی تھی۔۔۔ وہ بہت سختی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکی تھی۔

اوزگل حیدر خان کے قریب ہوتے اس کا بازو جکڑ گئی تھی..

امینہ خانم۔۔۔ اور درخشاں رقیہ خانم اور حیدر خان کو دیکھتے پریشان ہوے

تھے۔

حیدر خان جیسے مضبوط انسان میں ہلنے کی سکت بھی نہ رہی تھی۔ اس کی بیوی اس کے بچے۔۔۔ جنھیں وہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتا تھا۔ وہ اس کے قریب ہوتے بھی صدیوں کے فاصلے پر تھے۔ بے بسی کا عالم کیا تھا وہ اپنی یہ خوشی اپنے دوستوں کے ساتھ بھی شئیر نہ کر سکا تھا۔ وہ دو دو بیٹوں کا باپ ہے۔۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ اوزگل کا ہاتھ کا دباؤ حیدر خان کے بازو پر بڑھتا جا رہا تھا

فرشتے کے ہاتھ کا دباؤ دراب کی کمر پر بڑھتا جا رہا تھا۔

چلو بچہ۔۔۔۔ امینہ خانم نے فرشتے کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ جو دراب کو شدت سے سینے میں بھینچے حیدر خان کو سرد سپاٹ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رقیہ خانم بے تابی سے اپنے پوتوں کی طرف بڑھیں۔۔

فرشتے نے جلدی سے درخشاں سے زراب کو لے کر اسے اپنے دوسرے کندھے سے لگایا تھا۔وہ تیز تیز قدموں سے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی تھی۔امینہ خانم رخشاں اس کے پیچھے تیزی سے گیٹ کے اندر داخل ہوے تھے۔

رقیہ خانم روتے ہوے حیدر خان کی طرف بڑھیں۔حیدر اوزگل کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑواتا ہوا گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔رقیہ خانم کی رنگت اہانت کے احساس سے سرخ پڑی تھی۔اوزگل تمسخراتی نگاہوں سے رقیہ خانم کو دیکھتے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔رقیہ خانم بے یقینی سے پتھرائی کیفیت میں کھڑی تھی۔اتنا فرمانبردار بیٹا ان کے آنسو نظر انداز کر گیا

۔انھیں یقین نہیں آرہا تھا۔وہ اپنے آنسو پونچھتے گیٹ کے اندر داخل ہوئیں۔

فرشتے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔فرشتے کے قدموں کی عجلت دیکھتے حیدر خان کے بارعب خوبرو چہرے پر غصے کی پرچھائی لہرائی تھی۔وہ اپنے ساتھ اس کے بیٹوں کو بھی تکلیف پہنچا رہی تھی ۔بہت سختی سے دراب زراب کو خود میں بھینچے ہوے تھی

یکدم اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔اس سے پہلے وہ گرتی حیدر خان یہ کچھ قدموں کا فاصلہ طے کرتا اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھام چکا تھا۔

فرشتے کا نقاب ڈھیلا ہوتا اتر چکا تھا۔ حیدر خان اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر مزید اضطراب میں مبتلا ہوا۔ گہری گرم نگاہیں اس کے ٹھوڑی کے سیاہ گنگور تل پر تھیں۔

اور ایک ہاتھ کی انگلیاں اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جا ٹھہریں تھیں۔

فرشتے سختی سے دراب زراب کو اپنے کندھوں سے لگائے حیدر کو دیکھ رہی تھی۔ جو سب کی موجودگی فراموش کیے دیوانوں کی طرح اسے کے نقوش پر گہری گرم نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

رقیہ خانم اوز گل امینہ خانم درخشاں سب ہی ان دونوں پر نظریں جمائے ہوے تھے۔

حیدر خان دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کی موجودگی یکسر فراموش کر چکا تھا۔ یہاں تک اپنے بچے بھی بھول چکا تھا۔ کیا نعمت خدا کی وہ ٹھکرا چکا تھا۔ دل میں اظطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

دراب زاراب کے رونے پر حیدر خان ہوش میں آیا تھا۔ حیدر خان نے دراب فرشتے سے پکڑنا چاہا۔ فرشتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کو ہوئی تھی۔

نہیں خان۔۔۔۔۔۔ میرے دراب زراب پر آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔ انھیں ہاتھ مت لگایئے گا۔ ورنہ الٹے قدموں واپس چلی جاؤں گی۔۔ آج آپ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر مجھے زبردستی نہیں لے جا سکتے۔۔ اس دن فرشتے کمزور پڑ گئی تھی۔ مگر مجھے اس دن ہی اندازہ ہو گیا تھا۔۔ میرے بیٹے میری کمزوری نہیں۔۔ میری طاقت ہیں۔ کمزوری یہ اپنے باپ کے لیے ہیں۔ وقت بدل گیا ہے۔۔ آج فرشتے خان طاقت ور اور حیدر خان کمزور

ہے۔ فرشتے دراب زراب کو سختی سے خود میں بھینچتے پتھریلے لہجے میں بولی۔

حیدر خان فرشتے کی مظبوط آواز پر مسکرایا تھا۔

حیدر خان آج بھی طاقتور ہے۔۔۔ مگر وہ اپنی طاقت کبھی بھی اپنے رشتوں پر نہیں دکھا سکتا اور حیدر خان کی یہی کمزوری ہے۔ حیدر خان اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔

حیدر خان رشتوں پر نہیں صرف اپنے ایک رشتے پر طاقت نہیں دکھاتا ۔۔وہ ہے اس کی جنت۔۔۔۔اور میری دعا ہے حیدر خان قیامت والے دن بھی جنت کا حقدار ٹھہرے۔۔ میرے حقوق کی کوتاہی میں پکڑا نہ جائے۔ فرشتے آہستگی سے کہتے دراب زراب کو کندھوں سے لگائے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی.

حیدر خان اس کی بات پر پتھر ہوا تھا۔ سب اندر چلے گئے تھے۔ مگر وہ وہیں پر کھڑا تھا۔

حیدر خان نے گہرے سانس لیتے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں کے پوروں سے مسلیں۔ وہ جانتا تھا جنت پانے کے چکر میں وہ دوزخ کا حقدار ٹھہرا تھا۔ یہ اس کے دل میں جلتے سلگتے بھڑکتے بھانبھڑ اسے ہر ہر لمحہ اس پر باور کرواتے تھے۔۔۔۔۔ وہ اپنی شال جھٹکتے اپنی مونچھوں پر پھیرتے داخلی دروازے سے داخل ہوتے اندر بڑھ گیا

ارحام خانزادہ حویلی کے اپنے کمرے میں پریذے کے ساتھ بیڈ پر بیٹھا تھا۔ جو اس کے سینے سے ٹیک لگائے سامنے لگی ایل ای ڈی پر کارٹون دیکھ رہی تھی۔

ارحام ابھی کچھ دیر پہلے ہی پہنچا تھا۔ یہاں آنے پر اسے پتہ چلا تھا کہ فرشتے امینہ خانم کے ساتھ ان کے کسی بچپن کی سہیلی کے بیٹے کی شادی پر گئی ہیں۔ وہ زبردستی فرشتے کو اپنے ساتھ لے کر گئی تھیں۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی۔ اس لیے امینہ خانم اسے زبردستی ساتھ لے کر گئی تھیں۔۔ ارحام یہ سنتا خوش ہوا تھا۔ فرشتے کو وہ خود لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا دیکھنا چاہتا تھا۔

زاران بھی اسلام آباد تھا۔ وہ باقی سب سے مل کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ پریذے پچھلے دو گھنٹوں سے اس کے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے کارٹون دیکھ رہی تھی۔ اور وہ بھی پچھلے دو گھنٹوں سے وہ کارٹون دیکھ رہا تھا۔ پریذے ہر تھوڑی دیر بعد کارٹون کریکٹرز کے متعلق بات کرتی تو اسے بھی اپنی

دلچسپی شو کروانی پڑ رہی تھی۔ وہ کارٹون دیکھ کر کسی کارٹون کریکٹر کے ایکٹ پر ہنستی تو اسے بھی اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے پریذے کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔ ایل ای ڈی پر اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔ جن میں رت جگے کی سرخی نمایاں تھی۔ پچھلے تین دنوں سے اس نے سو کر نہیں دیکھا تھا۔ حور سے ذرا سی ملاقات پر اس کے اندر اس کے لیے طلب کی پیاس اس کی جدائی کی تڑپ کئی گنا بڑھ گئی تھی۔۔ اس کے پرسنل گارڈز ہر وقت حور پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ حور کی پل پل کی خبر اس تک پہنچائی جا رہی تھی۔ مگر وہ اس دن کے بعد اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے لیے وہ مزید بے چین تھا۔

ارحام نے بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں تھیں کہ دروازہ ناک کرتے عابیر اندر داخل ہوئی۔

اسلام و علیکم لالا۔۔۔عابیر نے ارحام دیکھتے کہا۔

و علیکم اسلام عابیر ارحام سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔۔۔

پریذے بابا کو تنگ تو نہیں کر رہی۔۔۔عابیر نے مسکراتے ہوے پریذے کو دیکھا۔

پریذے تو کسی کو تنگ نہیں کرتی ہے ناں پاپا۔۔۔پریذے نے ارحام کی طرف دیکھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے گال پر لب رکھے۔

لالا۔۔۔۔میرے فون پر کب سے حور بھابھی کا فون آرہا ہے۔وہ پریذے سے بات کرنا چاہتی ہے۔آپ کی آجازت ہو تو کروادوں۔عابیر نے اپنے فون کو دیکھتے کہا جہاں حور کی پھر سے کال آرہی تھی۔

مجھے ماما سے بات کرنی ہے پاپا۔۔ پریذے جلدی سے بولی۔۔

فون مجھے دو میں کرواتا ہوں۔ ارحام نے عابیر سے فون مانگا۔ عابیر ارحام کو فون پکڑائے خاموشی سے چلی گئی تھی۔

ارحام نے لب بھینچے فون کو دیکھا جہاں اس کی کال پھر سے آرہی تھی۔۔

پریذے میں فون اٹھا رہا ہوں.. مگر ماما کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ارحام نے پریذے سے کہا۔

پاپا جھوٹ بولوں گی میں۔ ماما کہتی ہیں کچھ بھی ہو جائے جھوٹ نہیں بولتے۔۔ پریذے سر نفی میں دائیں بائیں جانب ہلاتے ہوے بولی۔

ارحام نے گہرا سانس لیا۔۔

کبھی کبھی بول لیتے ہیں۔ ایسا کرو آج لاسٹ ٹائم آپ جھوٹ بول لینا اور پھر ہم دونوں مل کر ماما سے سوری کر لیں گے۔ سمجھو ہم ماما کو تنگ کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ ہمارے پاس آجائیں گی۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے کہا تو پریذے کی آنکھیں خوشی سے چمکی تھیں

اوکے پاپا ڈن۔۔۔۔۔ پریذے مسکرائی تھی۔

ارحام نے کال اٹینڈ کرتے سپیکر آن کرتے فون پریذے کو پکڑایا۔

ہیلو پریذے جان کیسی ہو آپ۔۔ حور کی آواز سپیکر پر سنتے ارحام کے دل میں سکون کی لہر اتری تھی۔ وہ سکون سے آنکھیں موند گیا۔ یہ آواز بھی اس کا سکون تھی۔؟؟

ٹھیک ہوں ماما۔۔ آپ کیسے ہو۔۔ پریذے بیڈ پر اچھلتے ہوے خوشی سے بول رہی تھی۔

پریذے ڈونٹ جمپ۔۔ حور کی بات پر پریذے جمپنگ کرتے ہوے رکی تھی۔

ماما آپ کو کیسے پتہ چلا پریذے جمپنگ کر رہی تھی۔ پریذے نے حیرانگی سے پوچھا۔

ماما کو سب پتہ ہوتا ہے۔ ماما نے بتایا تھا ناں کہ ماما کیمروں میں سب دیکھتی ہے۔ اس لیے مجھے آپ کے بارے میں سب پتہ ہوتا ہے۔ حور کی بات پر ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔ وہ بند آنکھوں سے گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی حور تو سچ میں ماما بن چکی تھی۔

پھر تو آپ پاپا کو بھی دیکھ رہی ہوں گی۔ پریذے کی بات پر ارحام نے جلدی سے آنکھیں کھولیں۔۔ ارحام نے اسے جلدی سے اشارے سے اپنے بارے میں بتانے سے منع کیا۔

پاپا۔۔۔ ماما آپ کو اور مجھے کیمروں میں دیکھ رہی ہے۔ میں جھوٹ بولوں گی تو ماما کو پتہ چل جائے گا۔ پریذے فون کے سپیکر پر ہاتھ رکھتے ارحام کے کان میں جھکتے سرگوشی سے بولی۔

ارحام پریذے کی معصومیت پر مسکرا کر رہ گیا۔

پریذے ماما کو کیمروں میں صرف آپ نظر آ رہی ہیں میں نہیں۔۔ میرے بارے میں آپ نے نہیں بتانا۔۔ میں ماما کے hide and seak کھیل رہا ہوں۔ میں ماما کو نہیں دکھائی دے رہا آپ ماما کو بتائیں گی تو پاپا ہار جائیں

گے۔۔ارحام نے اسے اس کے کان میں سرگوشی کرتے اسے معصومیت سے ڈیل کیا۔

Ok papa insh Allah You will win

پریذے نے سرگوشی میں کہا۔

سپیکر پر مسلسل حور پریذے کو پکار رہی تھی۔۔ارحام کے اشارے پر وہ فون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

ہیلو ماما۔۔۔پریذے نے فون کان سے لگائے کہا۔

کیا ہوا تھا کس سے بات کر رہی تھیں آپ؟؟ اور پاپا کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔ حور کی آواز میں بے چینی محسوس کرتے ارحام کے تپتے جلتے دل کو راحت ملی۔ وہ پھر سے گہرا مسکرایا تھا۔

کچھ نہیں ماما پاپا تو میرے پاس نہیں ہیں۔۔۔ نہ وہ میرے ساتھ کارٹون دیکھ رہے ہیں۔ پریذے کی بات پر ارحام نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔ اسے پورا یقین تھا پریذے جلد بتا دے گی کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

پریذے آپ پاپا اور اپنی مورے گل کے ساتھ پلے لینڈ گئی تھیں۔ حور کی کپکپاتی آواز سپیکر پر گونجی۔

ارحام جلدی سے سیدھا ہوا تھا۔

Say yes..

ارحام نے پریذے کے کان میں سرگوشی کی۔

Yes

پریذے نے جلدی سے یس کہا۔

سپیکر پر کچھ پل خاموشی کے چھائے تھے۔

ارحام کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔۔اس کی سانسوں کی آواز سنتے ارحام کی سانسیں بھی گہری ہوئی تھیں۔

وہ بھی بے چین ہوا تھا۔اپنی بیوی کے اگلے لفظ سننے کے لیے وہ اظطراب میں مبتلا ہوا۔

پاپا مورے سے بات کر رہے تھے کیا؟؟میرا مطلب ہے پاپا آپ کو پیار کر رہے تھے یا آپ کی مورے کو ہی دیکھ رہے تھے۔حور کی آواز میں اظطراب

کے ساتھ بھیگا پن بھی تھا۔ ارحام نے اب بمشکل ہی اپنا قہقہ گھونٹا تھا۔ تمام اظطرب بے چینی جیسے دور ہوئی۔۔ اب وہ گہرا مسکرا رہا تھا۔

مسسز خان بھی پوزیسیو تھیں۔ اور یہ انکشاف تو بڑا جان لیوہ تھا۔ وہ ایک بار بولتی وہ اپنی آنکھیں نکال دیتا کسی عورت کی طرف نہ دیکھتا۔۔ وہ تو ابھی تک اپنی اہمیت سے واقف نہ تھی۔

پاپا تو صرف مورے سے ہی بات کر رہے تھے۔ میری طرف تو دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔۔ ارحام نے پریذے کے کان میں سرگوشی کی۔

پاپا صرف مورے سے بات کر رہے تھے میری طرف تو دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ پریذے اس کا رٹا رٹایا جملہ روانی سے بولی۔ دوسری طرف لائن فورًا سے کاٹ دی گئی تھی۔۔۔ وہ جانتا تھا دوسری طرف طوفان آچکا ہے۔۔

ارحام کا رکا ہوا بلند قہقہ گونجا تھا۔

پریذے تمھاری ماما بہت جلد پاپا کے پاس ہوں گی۔ ارحام پریذے کو گدگدی کرتا خوشی سے چہکتے اونچی اواز میں بولا۔۔

پریذے کی کھکھلاہٹ کے ساتھ ارحام کے قہقے بھی اس کمرے میں گونج رہے تھے۔

حور بے یقینی سے فون ہاتھ میں پکڑے ہوے تھی۔

!!پاپا صرف مورے سے بات کر رہے تھے میری طرف تو دیکھ بھی نہیں رہے تھے!!

حور گہرے سانس لیتے فون کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کیسے یہ کر سکتا تھا کیسے ؟؟ وہ اس کے علاوہ کیسے کسی دوسری عورت کو دیکھ سکتا تھا؟؟۔ وہ فون زمین پر پوری قوت سے مارتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔

پچھلے سات ماہ سے اس نے اپنا چہرہ کسی مرد کے سامنے نہیں کھولا تھا یہاں تک اپنے کالج میں بھی وہ چہرے پر حجاب ڈالے رکھتی تھی۔

حور سلطان شاہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی جو اتنی ماڈ اتنی کانفیڈنس تھی۔ جس کے گارڈز کالج کے اندر بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کی کلاس سے باہر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔۔ وہ ارحام خانزادہ کے حکم پر خود کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں بھی کبھی اس کے ساتھ بیوفائی نہیں کی۔

اتنی پاور ہونے کے باوجود حور سلطان شاہ نہیں ہر جگہ صرف حور خانزادہ ہوتی تھی۔

پھر وہ کیسے ایسے کر سکتا تھا؟؟ اگر وہ اس کی ملیکت تھی تو وہ بھی تو اس کی ملیکت تھا۔ پھر وہ کیسے ایسے کر سکتا تھا۔ حور نے گہرے سانس لیتے اپنے سامنے پڑا واز اٹھا کر سامنے ڈریسنگ مرر میں دے مارا تھا۔۔

آپ ایسا نہیں کر سکتے ارحام؟؟۔۔۔۔ آپ نے ثابت کر دیا آپ اب میرے لیے مسٹر خان ہیں۔ آپ نے شراکت کی میری محبت میں ۔۔۔ کیسے کر سکتے ہیں آپ یہ سب؟؟ حور گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔۔

آپ پریذے کے بے حاف پر گل کو واپس لانا چاہتے ہیں کہ پریذے ایسا چاہتی ہے؟؟ اور آپ کے پاس ایکسپیلنیشن یہ ہو گی آپ حق رکھتے ہیں ۔ آپ ایک وقت میں دو عورتیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ حویلی میں رہے گی۔۔ اور

میں یہاں ہمیشہ آپ کے نکاح میں۔۔۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میں حور سلطان شاہ ہوں۔ جو کبھی آپ کی بیوفائی قبول نہیں کرے گی۔

اب اپنی سزا کے لیے آپ تیار ہو جائیں۔۔ ایسی سزا دوں گی تو آپ تڑپ کر رہ جائیں گے۔۔ حور نے زیر لب بولتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔

نہیں روؤں گی۔۔ ایک آنسو نہیں بہے گا آپ کی بیوفائی پر۔۔۔۔ ان سات ماہ میں مجھے لگا تھا آپ ایک عام مرد نہیں ہیں۔ آپ جدا ہیں ہر مرد سے۔۔۔

مگر آپ نے ثابت کیا آپ حویلی میں رہنے والے ایک وہی ظالم بے حس مرد ہیں جو بستر پر اپنی طاقت دکھا کر اپنی فتح کا جیت مناتے ہیں۔ عورت کو کیسے فتح کیا جاتا ہے۔ افسوس آپ کو اج تک پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔ حور نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے گہرے سانس لیے تھے۔۔

وہ اپنی نایٹی کا گاؤن اتارتے واش روم کی طرف بڑھی تھی کسی کی بیوفائی نے اس کے اندر بھانبھڑ جلا دیے تھے۔۔اس جلتے بھانبھڑوں کو شائد پانی کو بوچھاڑ ختم کر دے۔۔

زاران ستارہ خان کو دیکھتے کمفرٹیبل صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔وہ اس کے سامنے ہی براؤن لیدر کے ون سیٹر صوفے پر بیٹھی تھی۔بلیک کلر کے بہت اونچے چست ٹراوزر پر بے حد شارٹ شرٹ پہنے ہوئی تھی۔شرٹ اور ٹراوزر سے اس کا سفید گداز بدن چھلک چھلک کر باہر آرہا تھا۔کندھوں تک سلکی بال بال بکھرے ہوے تھی۔وہ خان فیملی سے تھی اس لیے رنگت بہت زیادہ سرخ و سفید تھی۔اپر لپ پر مول بہت گہرا تھا۔جو اس کے

پر کشش چہرے پر بہت اٹریکٹو لگتا تھا۔ وہ اچھی خاصی خوبصورت لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی۔

زاران اس کے سامنے سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس بیٹھا ہوا تھا۔

یہ میٹنگ زاران کے عالیشان بنگلے میں ہو رہی تھی۔ جہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔۔ اس وقت اس بنگلے پر کوئی ملازم تک نہیں تھا۔ ستارہ خان کے پرسنل گارڈز اس وقت لان میں موجود تھے۔ اور زران کے پرسنل گارڈز گیٹ پر تعینات تھے۔

ستارہ خان نے لیپ ٹاپ سے وہ پین ڈرائیو نکال کر زاران کے سامنے ٹیبل پر رکھی تو زاران کی براؤن آنکھیں چمکی تھیں۔ زاران نے جلدی سے وہ پین ڈرائیو اٹھا کر اپنے کوٹ کی اندرونی پاکٹ میں ڈالی۔

زاران میرے لیے یہ سب کرنا آسان نہیں تھا میں سچ بتاؤں میں اندر سے بہت خوفزدہ ہوں۔۔ وہ بہت خطرناک ہے تمھاری سوچ سے بھی زیادہ۔۔۔۔ ستارہ خان نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

اب کس بات کا ڈر اس کی ساری کمزوریاں میری جیب میں ہیں۔ اب سمجھو اس کی گردن چھری کے نیچے ہے صرف وہ تیز دھار چھری چلانے کی دیر ہے۔ زاران گہرا مسکرایا تھا۔

زاران عبدالحق ایک جونک کی طرح ہے جو ہمارے ملک کو کھوکھلا کر چکا ہے۔ میں نے اس دن قسم کھائی تھی جس دن اپنی بہن کی لاش دیکھی تھی۔۔ عبدلحق کے بیٹے نے میری بہن کے ساتھ حوس پوری کر کے اسے مار کر پھینک دیا تھا۔ مگر میں کچھ نہ کر سکی۔ بلکہ اواز تک نہ اٹھا سکی۔ تم نہیں جانتے زاران میں نے کیا کیا کھویا. میں نے اپنی ماں کو اپنے باپ کو کھو دیا جو

میری بہن کی موت برداشت نہ کر سکے۔ کیسے برداشت کرتے زاران وہ

۔۔۔۔وہ اپنی عزت کھو کر مری تھی۔ میرا منگیتر جو مجھ سے محبت کا

دعویدار تھا وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ عبدالحق سے بدلہ لینے کے لیے اس کی

پارٹی جوائن کی۔ مگر کچھ نہ کر سکی۔ بہت سے راز پتہ ہونے کے باوجود میں

اس کے خلاف کھڑی نہ ہو سکی۔ اسی لیے اس کی پارٹی چھوڑ دی۔ مگر

تمھارے یقین اور بھروسے پر میں نے یہ پارٹی دوبارہ جوائن کی ہے۔ میں

اسے سزا دلوانا چاہتی ہوں مگر میں خوفزدہ ہوں اگر اسے ذرا بھی خبر ہو گئی وہ

مجھے نہیں چھوڑے گا۔ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں اپنی عزت کی پرواہ ہے

زاران۔۔۔ ستارہ خان نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

تمھاری عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے ستارہ۔۔۔ تم ہی نہیں

تمھاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی مجھے اس کی عزت اپنی جان سے بھی زیادہ

عزیز ہوتی۔۔ مگر میں نے یہ پارٹی تمھیں انصاف دلانے کے لیے نہیں جوائن کی تھی۔ وہ ایک نمبر کا کرپٹ بندہ ہے۔۔ اسے میں مزید اپنے ملک کو کھوکھلا نہیں کرنے دے سکتا۔

زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔۔

بہزاد خان جیسے بہت سے کمینوں کو سپورٹ کرنے والا عبدالحق ہی تھا۔۔ ابرش کو بہزاد کے پاس دیکھ کر اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ عبدلحق کو برباد کر دے گا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے یہ پارٹی جوائن کی تھی۔ زاران صوفے سے اٹھتا سٹنگ ایریا کے لاونج کے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔۔

ابرش کی کمر کا تل ان پوسٹرز پر یاد آیا تھا۔ ابرش کی وہ تصویریں یاد آئی تھیں جو اس بہزاد خان کے کمرے اس کے واش روم تک میں

تھیں۔زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جارہی تھی۔وہ پوسٹرز بہزاد خان کے کمرے میں تھے تو صرف بہزاد خان نے تو نہیں دیکھے ہوں گے اس کے دوستوں اس کے گارڈز پتہ نہیں کس کس نے ان پوسٹرز کو نہیں دیکھا ہو گا۔زاران کی آنکھوں میں سرخی لہو بن کر اتری تھی۔زاران نے گلاس وال پر مکہ مارتے اس کے ساتھ سر ٹکاتے گہرے سانس لیے تھے۔۔وہ اپنے اندر اٹھتے اظطراب پر قابو پانے لگا۔ابرش کے جذباتی پن نے اسے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔۔وہ جن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا دن میں دس بار مرتا تھا کہیں کسی کتے نے اس کی بیوی کے پوسٹر نہ دیکھے ہو۔وہ گلاس وال سے پیشانی ٹکائے گہرے سانس لے رہا تھا۔

عبدالحق کے بارے میں اس نے مکمل معلومات حاصل کیں۔جس پرائیویٹ طیارے میں بہزاد خان ابرش کو لے کر باہر کے ملک فرار ہونا

چاہتا تھا۔ وہ طیارہ بھی عبدالحق کا تھا۔ یعنی بہزاد خان کو اس کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔ اس لیے اس نے عبدلحق کی پارٹی جوائن کی۔ اسے اس بات کی خبر نہیں ہونے دی کہ وہ اس بات کی اگاہی رکھتا ہے کہ وہ بہزاد خان کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ وہ اس بات کی خبر رکھتا ہے۔ مگر عبدلحق اس کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا تھا یہ اسے معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا بہزاد جس کو اغوا کرنے جا رہا تھا وہ اس کی بیوی تھی۔ مگر عبدالحق نے اس پر کھی شو نہیں کروایا تھا بلکہ عبدلحق نے تو بہزاد خان کی موت یا گمشدگی کے بارے میں کوئی بیان کوئی کاروائی نہیں کی تھی۔ اس کی موت کے پردہ اٹھتے ہی اس کے بھی بہت سے راز افشاں ہوتے۔ اس لیے بہزاد خان کے بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی۔۔ عبدلحق خود غرض کرپٹ بندہ تھا وہ لوگوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ مرے ہوے بہزاد خان نے اسے کیا فائدہ

پہنچانا تھا۔ اس لیے بہزاد کی موت ایک مسٹری تھی۔۔ بہزاد کی جگہ اب اسے فائدہ زاران خانزاہ پہنچا رہا تھا۔۔۔ عبد لحق کی پارٹی کو زاران کی ہر طرح کی سپورٹ حاصل تھی۔۔۔ چاہے وہ سپورٹ پارٹی کو ڈھیر سارا سرمایہ فراہم کرنے کی ہو یا لوگوں کی سپورٹ کی۔۔ زاران کو بہت سے لوگ ایڈمائر کرتے تھے۔۔ بہت سے علاقوں کی سپورٹ زران کو حاصل تھی۔۔

عبد لحق اس کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا تھا۔ مگر ستارہ خان کی ہسٹری سے واقف نہ تھا۔ اس لیے دونوں پر شک نہیں جا سکتا تھا۔ پارٹی کے لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ زاران اور اس کے بیچ افیر چل رہا ہے۔ اسی لیے زاران نے خود کو سنگل کہا تھا۔ وہ لوگ امریکہ میں ملے تھے۔ سب کو پتہ تھا مگر وہ دونوں پارٹی کے سامنے اس طرح ظاہر کرتے کہ ان کے بیچ کچھ نہیں ہے۔۔ مگر سب کو شک میں بھی مبتلا کر رہے تھے کہ ان کے بیچ افیر چل رہا

ہے۔۔ تا کہ بنگلے میں ہوئی خفیہ ملا قاتوں کو عبد لحق ان کے بیچ تعلقات کو سمجھے۔۔ کیونکہ وہ جانتا تھا عبد لحق کہیں نہ کہیں اس پر نظر رکھے ہوے ہے.

زاران سب کو یہی لگتا ہے میرے اور تمھارے بیچ افیر چل رہا ہے۔ مگر ہم اپنے تعلقات چھپا رہے ہیں۔ اس لیے ہماری ملا قاتوں پر کسی کو ہم پر شک نہیں ہو سکتا۔۔ مگر آگے کیا کرو گے تم ؟؟۔۔ کیسے کرو گے تم یہ سب ؟ ستارہ خان صوفے سے اٹھتے زاران کے مقابل آئی تھی۔

پوری دنیا کے سامنے اس کا ہر کرتوت لاؤں گا۔ پورے میڈیا کے سامنے۔۔۔۔ لائیو ٹیلکاسٹ چلے گا اس کا ہر گناہ میرے اس بنگلے پر ایکسپوز ہو گا۔۔۔۔۔ اور وہ پھر قانون کے شکنجے میں ہو گا۔۔

اور وہ پھر تمھیں اور مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ تمھیں اور مجھے ذرا سی آنچ آنے کا مطلب۔۔۔ عبدالحق کے گرد پھندہ اور ٹائٹ ہو گا۔۔ اور ویسے بھی زاران خانزادہ کو نقصان کوئی نہیں پہنچا سکتا۔۔ کیونکہ میرا ڈسا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا۔۔۔ زاران طنزیہ ہنستے زہریلہ سا مسکرایا تھا۔

ٹھیک ہے زاران میں نکلتی ہوں۔ ستارہ خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اوکے۔۔۔۔۔۔ ملیں گے جلد۔۔۔ زاران ستارہ کو دیکھتے گہرا مسکرایا تھا

ضرور میں بھی اس کا انجام دیکھنا چاہوں گی۔۔ اسے اور اس کے بیٹے کو پوری دنیا کے سامنے نظریں جھکائے دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہی رنگ ان دونوں کے چہرے پر دیکھنا چاہوں گی جو میرے اماں اور میرے بابا کے چہرے پر دنیا کو فیس کرتے ہوئے تھے۔۔ ڈوب کر مرنے والے رنگ۔۔۔۔ اپنی عزت کو کھو دینے کے رنگ۔۔ لاچاری اور بے بسی کے رنگ۔۔۔ بے گناہ ہوتے

گناہ گار ہونے کے رنگ۔۔۔ستارہ خان کے لہجے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں سے بھی شعلے سے لپک رہے تھے۔

بہت جلد ہو گا سب۔۔۔ تمھاری عزت اور جان کی ذمہ داری میں لیتا ہوں ۔۔خدا کے بعد اب میری ذمہ داری ہے۔۔زاران نے مضبوط لہجے میں کہا۔

مجھے اپنے رب پر پورا یقین ہے۔ظالموں کی رسی ایک حد تک ہی دراز ہوتی ہے۔ہر بار کہانی خود کو دہراتی نہیں ہے۔اب وقت ظالموں کا ہے۔۔اس بار عبد لحق اپنے انجام کو جائے گا۔ستارہ مضبوط آواز میں کہتے ہوے مسکرائی تھی۔

زاران بھی جوابًا بھرپور مسکرایا تھا۔

میں چلتی ہوں زاران۔۔۔۔۔ستارہ نے مسکراتے ہوے آجازت چاہی۔۔۔

میں بھی نکلتا ہوں مجھے سوات کے لیے نکلنا رات بہت ہو گئی ہے۔۔زاران نے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں تھیں۔جہاں ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔۔اسے بائے سوات پہنچنے تک چار گھنٹے لگ جانے تھے۔اس لیے زاران فلائٹ کے ذریعیے سوات جانے کا آرادہ کیا تھا۔ستارہ کے جانے کے بعد زاران اپنی کوٹ کی پاکٹ میں اس پن ڈرائیو کو ہاتھ لگاتے گہرا مسکرایا تھا۔

حیدر خان بسمل خان اور عباس خان کے ساتھ مردانے میں بیٹھا ہوا تھا۔جہاں ان کے کچھ اور دوست بھی تھے۔حیدر خان کو بے پردگی نہیں

پسند تھی۔ اس لیے وہ باہر لان میں نہیں گیا تھا۔۔ عباس اور بسمل خان حیدر خان کے جگری یار تھے۔۔ جو اپنے دوست اور باقی دوستوں کے ساتھ مردانے میں ہی بیٹھے تھے۔ مردانے اور زنان خانے میں ایک گلاس ڈور سے پارٹیشن کی گئی تھی۔ مردانے کے گلاس سے مدھم ساز زنان خانے کا عکس بھی بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ حیدر خان صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اس کی اپنی حویلی میں مردانے اور زنانے میں کافی ڈسٹنس تھا ۔۔ تھیں۔۔ مگر یہاں ڈفرنس نہ ہونے کے برابر تھا۔ زنان خانے کی آوازیں تک مرادنے میں آرہی تھیں۔

عباس خان کا چھوٹا بھائی بسمل خان جو عباس کی طرح ہی حیدر خان کا جگری دوست تھا۔۔ وہ کتنی ہی بار زنان خانے کا چکر لگا آیا تھا۔۔ حیدر خان یہ سب دیکھتے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اظطرابی انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔

اس طرح کا ماحول ان کی حویلی کا نہ تھا۔ عورتوں کے ہوتے ہوے حویلی کا مرد بھی زنان خانے نہیں جا سکتا تھا۔ اسے بار بار بسمل خان کا زنان خانے کا چر لگانا پسند نہیں آ رہا تھا۔

اس کی دونوں بیویاں زنان خانے میں موجود تھیں۔ اوزگل شادی سے پہلے پردہ نہیں کرتی تھی مگر اس سے نکاح کے بعد مکمل پردہ کرتی تھی۔۔ مگر وہ اس وقت فرشتے کے لیے حساس ہو رہا تھا۔۔ جو عورت مرد کے پاس نہ ہو شائد ہر مرد ایسے ہی اپنی عورت کے لیے جذباتی او حساس ہو جاتا ہے جیسے وہ ہو رہا تھا۔۔ یا پھر وہ عورت جس سے عشق کرتا ہے۔۔ وہ اوزگل پر بھی کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر فرشتے پر پڑنے والی نظریں جیسے اس کا وجود کاٹ دیتی تھیں۔ وہ مرنے لگتا تھا۔ یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی اس کی

خانم پر کسی کی نظر پڑے۔۔اپنے سامنے کسی کی نظر پر تو وہ تڑپ کر مر سکتا تھا۔جیسے در خزئی کے ساتھ کھڑا دیکھ کر وہ آج بھی شعلوں کی مانند دہکنے لگتا تھا۔

۔اور اب تو فرشتے اس کے پاس نہیں تھی تو حیدر خان جیسے اس کے لیے پہلے سے زیادہ پاگل ہو گیا تھا۔۔حیدر خان کو اس کا معصوم چہرہ یاد آیا تھا۔اس کے لبوں پر لگی وہ سرخ یاقوتی لپ سٹک نظروں کے سامنے آئی تھی۔اس کا وہ سیاہ گھنگور تل۔۔حیدر خان ایک بار پھر سے بے چین ہوا تھا۔بسمل خان کو ایک بار پھر سے زنان خانے کی طرف جاتے دیکھ کر حیدر خان نے اپنی مونچھوں پر بے چینی سے ہاتھ پھیرا۔

فرشتے گرین کلر کی بہت خوبصورت فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر گرین کلر کا دوپٹہ سر پر اٹیچ کیا ہوا تھا۔ ماتھا پٹی پہنے ہوے تھی۔ گلے میں گرین زرقون سے سجا نیکلس پہنا ہوا تھا۔ کانوں میں زرقون کے جھمکے پہنے ہوے تھے۔ ہونٹوں پر ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔۔ عابیر نے اس کی آنکھوں پر گولڈن گلٹری شیڈ بہت خوبصورتی سے لگائے تھے۔۔ ذرا سے میک اپ میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ کہیں سے بھی وہ دو بچوں کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔

اس کی خوبصورتی اس کی کشش اس کی معصومیت تھی۔ جو اس کے سامنے بے پناہ خوبصورتی کو بھی مات دے دیتی تھی۔ زنان خانے میں اتنی ساری لڑکیوں کے ہوتے ہوے بھی صرف اس پر ہی نظر ٹک رہی تھی بلکہ اس پر نظر ٹھہرانا مشکل ہو رہا تھا۔

دراب زراب کیری کاٹ میں کھیل رہے تھے۔ انھیں درخشاں ہی دیکھ رہی تھی۔ فرشتے نے کام والا ڈریس پہنا تھا وہ دراب زراب کو اٹھا نہیں رہی تھی کہ انھیں اس کے ہیوی کام والے ڈریس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔۔

بسمل خان نے زنان خانے میں داخل ہوتے فرشتے پر گہری نگاہ ڈالی تھی۔۔ جو پہلے بھی اسے دیکھتے اپنا چہرہ ڈھک چکی تھی۔ مگر اس بار بسمل خان نے اپنی پوزیشن بدلتے فرشتے کو اپنی نظروں کے حصار میں لیا تھا۔ وہ فرشتے کو دیکھ سکتا تھا مگر فرشتے کی اس پر نظر نہیں پڑ رہی تھی۔ اسے ان تمام لڑکیوں میں فرشتے خود کے لیے بہت پسند آئی تھی۔۔ زریمان خانم اس کی مورے اور عباس خان اس پر بہت دباؤ ڈال رہے تھے وہ بھی نکاح کر کے اسٹریلیا جائے۔۔ بسمل خان کو اپنے خاندان کی تیز طرار لڑکیاں نہیں پسند تھیں۔۔ اسٹریلیا میں رہنے کے باوجود وہ خود کے لیے ایک ایسی لڑکی چاہتا تھا

جس کی خوبصورتی اس کی شرم وحیا ہو۔۔اس نے اتنی شرم وحیا والی اور پاکیزہ لڑکی آج تک نہیں دیکھی تھی۔۔ مگر آج لگتا تھا اس کی تلاش ختم ہو چکی ہے۔۔

وہ اپنی ہلکی گھنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتا فرشتے کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔زریمان نے اس کے کندھے پر زور سے مکہ مارتے اس کی توجہ اپنی طرف کی۔

افف مام آپ کی یہ ادئیں میں تو گھائل ہو گیا آپ پر۔۔ بسمل خان نے اپنی مورے زریمان خان کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا جو لائٹ گرین کلر کے سوٹ میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

شرم کرو تم۔۔۔ایسے بات کرتے ہو جیسے میں تمھاری مام نہیں گرل فرینڈ ہوں۔زریمان مسکرائی تھی۔

اور اپنی نظروں کو کنٹرول کرو۔۔اچھا نہیں لگتا وہ لڑکی پردہ کرتی ہے

۔زریمان نے بسمل خان کے کان کھینچے۔

مام اسی لیے تو پسند آئی ہے۔

I like her so much her innocence is her beauty

بسمل خان اپنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتے بولا۔۔

بسمل یہ امینہ کی بیٹی ہے۔مگر اس کو طلاق ہو چکی ہے۔یہ ماں نہیں بن سکتی

شائد اس لیے اسے طلاق ہوئی تھی۔

مجھے یہ اسٹریلیا میں ہی پتہ چلا تھا۔۔زریمان نے بسمل خان کو سنجیدگی سے بتایا

۔

اوکم آن مام۔۔۔ آپ اس طرح کی باتیں کیسے کر سکتی ہیں؟؟۔ طلاق یافتہ لڑکی ہے وہ۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟ طلاق یافتہ لڑکی اور کنواری لڑکی میں آخر کیا فرق ہے؟؟۔ میں اس فرق کو نہیں مانتا۔ بسمل خان نے چڑتے ہوے کہا۔ معاشرے کے اس روائتی سوچ کو میرا ذہن ایکسیپٹ نہیں کرتا۔ وہ لڑکی طلاق یافتہ ہے یہ ایسے بتایا جاتا ہے جیسے اوہ س کا عیب ہو۔ جیسے وہ اس کا گناہ ہو۔

Whats difference between a divorced woman and!!

!!virgin girl let me explain

بسمل خان بھڑکتے ہوے بولا۔

بسمل میرے نزدیک بھی یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ طلاق یافتہ ہے مگر وہ بانجھ ہے یہ معنی رکھتا ہے۔ طلاق یافتہ عورت کو اپنایا جا سکتا ہے مگر جو عورت نسل نہ بڑھا سکے وہ کچھ عرصے بعد اسی مرد کے لیے اس بنجر درخت کی طرح ہو جاتی ہے جس کے سائے تلے بھی وہ مرد کچھ دیر تک بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ میں کسی کی بیٹی پر ظلم نہیں کر سکتی۔۔ دیکھو اسے وہ کتنی خوش ہے۔ ہنس رہی مسکرا رہی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ بھائی کے پاس خوش ہے۔ تم کیوں اس کی یہ مسکراہٹ چھینا چاہتے ہو۔ زریمان کی نظروں کے تعاقب میں بسمل خان نے دیکھا تھا۔ فرشتے دراب کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اس کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہنس رہی تھی۔۔

بسمل خان اسے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

مام مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ بانجھ ہے آپ مجھے اچھی ح جانتی ہیں۔ میں عام مرد کی طرح نہیں ہوں۔ نہ میں اپنے فیصلے پر پچھتاتا ہوں۔ اور اس میں کمال میرا نہیں آپ کا ہے۔ جس طرح آپ نے میری تربیت کی آپ کو لگتا ہے میں کسی کی بیٹی وہ بھی اپنی بیوی کو تکلیف دوں گا۔ آپ ابھی اور اسی ٹائم وہ اپنی سہیلی امینہ خانم سے بات کریں۔ میں بھی نکاح کر کے اپنی دلہن اسٹریلیا لے جانے کا آرادہ رکھتا ہوں۔ بسمل خان اٹل لہجے میں کہتے وہاں سے چلا گیا تھا۔

رقیہ خانم کے ساتھ بیٹھی اوزگل جو ریڈ کلر کے لباس میں تھی۔ اتنا مہنگا لباس اتنا اچھا میک اپ کرنے کے باوجود وہ

فرشتے کے سامنے پھیکی پڑ رہی تھی۔۔وہ کب سے حسد بھری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھ رہی تھی۔۔جو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ بلکل ایک مکمل عورت لگ رہی تھی۔اوزگل فرشتے کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔ بھلا عورت مرد کے بغیر کبھی مکمل ہو سکتی ہے؟؟۔۔بے شک وہ بیٹوں کی ماں تھی مگر حیدر خان تو اس کے پاس نہیں تھا۔حیدر خان جیسا شاندار شخص تو اس کا مقدر ٹھہرا تھا۔حیدر خان اس کا تھا اور اس کے پاس تھا۔۔اوزگل اب فرشتے پر نگاہیں گاڑھے استھزائیہ مسکرائی تھی۔دوسرے ہی لمحے اوزگل کی آنکھوں میں آنسو سے جھلملائے تھے۔۔کیا سچ میں حیدر خان اس کا تھا؟؟کیا سچ میں حیدر خان اس کے پاس تھا؟؟۔دل میں تپتے سوالوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔ان سوالوں کے جواب پر اس کا دل شدید زخمی ہوا تھا۔پہلی رات سے لے کر آج تک اس نے کہاں

حیدر خان کو پایا تھا؟؟۔ وہ تو اولاد پیدا کرنے کے لیے اس کے پاس آتا تھا

۔۔ اس کے بانجھ کا پتہ چلنے کے بعد وہ اس کے بعد صرف اپنی ضرورت

پوری کرتا تھا۔ اور اب تو اسے لگتا تھا جیسے حیدر خان اس پر ترس کھا کر اس

کے حقوق پورے کرتا ہے۔۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے حیدر خان کی وہ اب

ضرورت بھی نہ رہی تھی۔۔ ساری ساری رات حیدر خان کو کمرے میں ٹہلتے

دیکھا تھا۔ کرسی پر جھولتے اسے کمرے میں موجود انگیٹھی میں موجود دہکتے

کوئلوں کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے دیکھا تھا۔ کتنی بار حیدر خان کو ان دہکتے

کوئلوں کو اپنی مٹھی میں دباتے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ دہکتے کوئلے نہ

صرف انگیٹھی میں جلتے تھے بلکہ حیدر خان کے دل میں بھی دہکتے رہتے تھے

۔۔ اب اوزگل کی رائے بدل چکی تھی۔ دیکھنے کا انداز بھی بدل چکا تھا۔ اب

حسد کے ساتھ وہ رشک میں بھی مبتلا ہوئی تھی۔ اسے فرشتے مکمل لگی تھی

مکمل بہت مکمل جس کے پاس سب کچھ تھا۔۔۔دو بیٹے اور اس مرد کی دیوانوں والی محبت جو اس کے بیٹوں کا باپ تھا۔۔

خالی ہاتھ تو وہ رہ گئی تھی۔۔اوزگل اب خود پر استھزائیہ ہنسی تھی۔۔اس نے حیدر فرشتے سے چھینا چاہا تھا مگر وہ تو چھین کے بھی چھین نہ سکی تھی اور وہ بنا چھینے بنا لڑے حیدر خان کو اس سے چھین چکی تھی۔اوزگل کی آنکھوں سے لڑھکتے آنسو اس کے عارض کا حصہ بن رہے تھے۔

اب تو اسے اپنے ماموں کا وہ عام شکل کم حیثیت بیٹا بہت یاد آتا تھا جسے وہ دیکھتے نفرت سے منہ پھیر لیتی تھی

اپنے ماموں کا وہ غریب بیٹا جس کی کوئی اوقات نہیں تھی نہ شکل نہ زمین جائیداد آج اسے وہ حیدر خان سے زیادہ خاص لگتا تھا۔ جس نے اس سے کبھی عشق کا دعوا کیا تھا۔ جس کا پرپوزل جس کی محبت وہ حیدر خان کی خاطر اس کے منہ پر مار چکی تھی.۔ اسے اب پتہ چلا تھا عورت کو مرد کی صورت اس کے پیسے سے عشق نہیں کرنا چاہیے اس کے دل سے کرنا چاہیے جو صرف اس کے لیے ہو۔

کیا دے رہا تھا یہ روپیہ دولت بڑی سی حویلی اور حیدر خان کی بے پناہ مردانہ وجاہت جب حیدر خان کے دل میں اس کے لیے جگہ نہ تھی۔ اوزگل کی انکھوں سے انسوؤں کی برسات جاری تھی۔۔ فرشتے کا معصوم چہرہ دھندلا ہو رہا تھا۔

اپنے ماموں کا وہ کم صورت بیٹا نظروں کے سامنے آ رہا تھا۔ جس کے گھر کی اب داسی بن کر رہنے کو تیار تھی۔ بس اسے اب اپنے مرد کے دل میں رہنا تھا۔ اوزگل کی ہچکی بندھی تھی

اب تو وہ اس کے پاس پلٹ کر واپس بھی نہ جا سکتی تھی۔۔ کل وہ بہت خاص تھی مگر آج وہ بہت عام تھی۔۔ جیسے آج سے سات ماہ پہلے فرشتے بہت عام تھی۔۔ یکدم اوزگل کا دل گھبرایا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے وقت پلٹ کر اس کی طرف آیا ہے۔ وہ آج فرشتے تھی۔۔۔ اوزگل لب دانتوں تلے دبائے بے آواز سسک کر رہ گئی تھی۔۔ وہ تو فرشتے سے بھی زیادہ بدقسمت ٹھہری تھی۔

شاہ نواز نے اس کی جان چھوڑ دی تھی۔۔ مگر جانتی تھی حیدر خان اپنی عزت کو کبھی نہیں چھوڑے گا وہ اسے گولی مار دے گا۔ مگر اسے نہیں چھوڑے گا اور کسی دوسرے کے لیے تو کبھی نہیں۔۔۔ اگر کبھی معجزہ ہو بھی گیا

۔۔حیدر خان نے اسے چھوڑ دیا تو کیا وہ فرشتے کی طرح مان بن سکے گی۔۔اوز گل اب بے آواز آنسوؤں سے رو پڑی۔وہ جانتی تھی ایسا کبھی نہیں ہو گا۔خدا ان لوگوں کو نوازتا ہے جو فرشتے کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔

جن کے دل مین کینہ نہیں ہوتا جو کسی سے کچھ چھینتے نہیں ہیں۔بلکہ اپنا سب کچھ بھی ان کو دے جاتے ہیں جنھوں نے اس سے سب کچھ چھینا ہوتا ہے۔۔اوز گل نے اپنے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔۔فرشتے کو دیکھتے اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔۔اس کا بس چلتا آج پھر وہ فرشتے سے اپنا مقدر بدل لیتی۔۔۔اوز گل نے فرشتے کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے اپنی نگاہیں پھیریں۔۔وہ مزید اسے خوش نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

رقیہ خانم صوفے پر بیٹھی فرشتے کو کب سے اپنی سرد نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوے تھیں۔ وہ بھسم ذدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ جس کے پاس ان کے پوتے تھے۔

اور وہ اتنی بے بس تھی اپنے پوتوں کو پیار بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ دراب کو تو انہوں نے پیار کیا تھا مگر ذراب کو تو دیکھا بھی نہیں تھا۔۔ ان کا بیٹا ہار نہ مانتا تو وہ فرشتے کو اس کی اوقات یاد دلا دیتیں۔

رقیہ خانم نے اپنے دوپٹے سے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں وہ اپنے پوتوں کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ دن رات ایسے ہی روتی رہتی تھیں۔۔ آج تو انھیں امینہ خانم نے بھی بلکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ رقیہ خانم نے کوشش کی تھی امینہ خانم سے بات کرنے کی مگر امینہ خانم نے بہت برے طریقے سے نظر آنداز کر دیا تھا تب سے وہ زیادہ تڑپ رہی

تھیں۔ امینہ خانم تو ایسی خاتون تھی جو جو مصلحت پسند تھی۔ اور فرشتے کی وجہ سے وہ تو ان کے آگے بہت جھکتی تھیں۔ مگر آج فرشتے سے بھی زیادہ امینہ خانم کا رویہ بہت سنجیدہ اور ہتک امیز تھا۔۔۔ رقیہ خانم اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتے فرشتے کو دیکھے جا رہی تھیں۔ جو ان کے پوتوں کی مالکن بنی بیٹھی تھی۔ ان کے بیٹے حیدر خان کی اولاد ان کے وارث ان کے پوتے تھے۔ وہ ایک معصوم سی فرشتے کے اگے کیسے ہار سکتی تھیں۔ کیسے وہ اپنے پوتوں کے بغیر ساری عمر گزار سکتی تھیں۔ کیسے وہ حیدر خان کو ساری عمر بے اولاد دیکھ سکتی تھیں۔ انھیں اپنے پوتے ہر حال میں چاہیے تھے۔۔۔ رقیہ خانم دماغ جیسے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔ انھیں لگ رہا تھا ان کی آج سانسیں رک جائیں گی۔۔۔ رقیہ خانم نے اپنی بی پی کی گولی پرس سے نکالتے اوز گل کو پانی لانے کو کہا۔ ان کا بی پی ہائی ہو چکا تھا۔

زریمان گہرا سانس لیتے امینہ خانم کی طرف بڑھیں۔ بسمل کی ضد پر انھیں آج ہی امینہ خانم سے بات کرنی تھی۔ ورنہ بسمل کے غصے سے وہ بخوبی واقف تھی انہوں نے دو دن بعد اسٹریلیا کے لیے نکلنا تھا۔۔۔ انھیں بھی فرشتے بہت پسند تھیں۔ ان کی تو جیسے دلی مراد پوری ہو گئی تھی۔

انھیں پورا امید تھی امینہ خانم ضرور مان جائیں گی۔ ان کی فیملی کو اچھی طرح جانتی تھی۔

امینہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے تمھاری بیٹی فرشتے کے متعلق۔۔۔۔ زریمان نے امینہ خانم کے پاس بیٹھتے کہا۔ امینہ خانم کے ساتھ رقیہ خانم جو تھوڑا دور صوفے پر بیٹھیں تھیں۔ پوری طرح ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

ہمارے بیٹے بسمل خان کو تمھاری بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اپنے ساتھ اسٹریلیا لے جانا چاہتا ہے۔ اگر تم ہاں کرتی ہو ہم کل ہی نکاح کرنے آجائیں گے اور ساتھ رخصتی بھی۔۔۔ زریمان کی بات پر امینہ خانم کے ساتھ رقیہ خانم کا چہرہ بھی شدید سرخ ہوا تھا۔

زریمان تمھیں پتہ نہیں فرشتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ امینہ خانم نے خود پر قابو پاتے بات شروع کی۔۔۔

پتہ ہے مجھے فرشتے بانجھ ہے۔۔ اس لیے شاہ نواز نے اسے طلاق دی ۔۔۔ بسمل کو اور مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ ہمارے لیے یہ بات معنی نہیں رکھتی۔ ہم تمھاری بیٹی کی سکیورٹی کے لیے بسمل خان کے نام کی ساری جائیداد فرشتے کے نام کر دیں گے۔۔ تاکہ تم لوگ اس کے مستقبل سے بے فکر رہو کہ بسمل خان کبھی اس کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ زریمان

کی باتوں پر امینہ خانم کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ جواب دیتیں۔

ادھر دو ہمارا پوتا۔۔۔۔۔۔۔رقیہ خانم کی بلند آواز پر وہ صوفے سے ہڑبڑا کر اٹھیں تھیں۔۔نہ صرف امینہ خانم زریمان بلکہ تمام ممان صوفوں سے مہمان بھی اٹھتے کھڑے ہوے تھے۔

رقیہ خانم دراب کو فرشتے کے ہاتھوں سے چھینے کھڑی اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

میرا بیٹا دیں آپ کی ہمت کیسے ہوئی اسے چھونے کی؟؟۔۔فرشتے دراب کو پکڑنے کے لیے اگے ہوئیں تو رقیہ خانم کئی قدم پیچھے کو ہوئی تھیں۔

ارے تم کیسے اس کا ماں ہو ایا تم جیسا لڑکی کیسے ان کا ماں ہو سکتا ہے ؟؟۔۔ دراب زراب میرے حیدر کے بیٹے ہیں اس کا خون ہیں۔ تم تو راتوں رات نکاح کر کے اسٹریلیا جا رہا ہے۔۔ رقیہ خانم روتے ہوے دراب کو سینے سے لگائے پھنکاری تھیں۔

فرشتے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بے یقینی سے رقیہ خانم کو دیکھا جو اسے کیا کہہ رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔ امینہ خانم معاملے کی نزاکت سمجھتے رقیہ خانم کی طرف بڑھیں۔

زریمان حق دق پریشان سی سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مہمان بھی حیران پریشان تھے۔

رقیہ کیا کر کہہ رہا ہے تم؟ یہ تمھارا بیٹا کی عزت ہے کچھ تو خیال کرو تمھارا بیٹا مردان خانے میں بیٹھا ہے۔ وہ سنے گا تو کیا کہے گا اس کا کیا عزت رہ جائے گا۔۔ تم خوامخواہ بات کو طول دے رہا ہے تمھیں اچھی طرح پتہ ہے بات کیا ہے۔ اس میں فرشتے کا کوئی غلطی نہیں زریمان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ امینہ خانم نے رقیہ خانم کے پاس جا کر آہستگی سے کہا۔۔ وہ نہیں چاہتی تھی بات حیدر خان تک جائے وہ غصے کا تیز تھا۔ پھر بات عزت پر آجاتی تو قصوروار فرشتے کو ہی سمجھا جاتا۔

بات وہی ہے جو ہم سمجھا ہے فرشتے ہمارے بیٹے حیدر خان کے بیٹوں کی ماں ہے۔ اس کے بیٹوں کو ایک گناہ کی طرح کیوں چھپایا جا رہا ہے؟؟۔۔ ہمارے بیٹے کو اس کے بیٹوں سے کیوں دور رکھا جا رہا ہے؟؟۔۔ دوسری شادی کرنا گناہ ہے کیا جو ہمارا بیٹا کو تمھارا یہ معصوم بیٹی سزا دے رہا ہے۔ اس کا تو صاف

مطلب ہے تم لوگ فرشتے کا تیسرا شادی کرنا چاہتا ہے۔۔رقیہ خانم زہریلے انداز میں بولیں۔زریمان نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔انھیں اب سب کچھ سمجھ آیا تھا۔وہ پریشان ہوئی تھیں۔یہ ان سے کیا ہو گیا تھا۔

رقیہ خدا کا خوف کرو۔۔۔۔کس طرح کا الزام لگا رہا ہے ہمارا معصوم فرشتے پر۔۔۔۔وہ کتنا معصوم اور پاکیزہ ہے۔۔اگر ایسا بات ہوتا ہم اب تک تمھارا بیٹے سے طلاق نہ لے لیتا۔۔ہمارا فرشتہ نے طلاق کی دور بات ہمارا بیٹا ارحام نے بھی کبھی طلاق کا لفظ منہ سے نہیں۔نکالا۔امینہ خانم نے فرشتے کو دیکھتے کہا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے رقیہ خانم کو دیکھ رہی تھی۔

بس کرو۔۔۔۔امینہ اتنا شریف بننا۔۔۔۔۔اس ارحام خان نے اپنا بیوی کو بھرے جرگہ میں طلاق دے دیا تھا۔ایک اٹھارہ سال کی خوبصورت لڑکی کا واسطہ۔۔۔۔۔۔جس کا ساتھ وہ شادی سے پہلے ہی منہ کالا کر چکا تھا۔یہ ہم

تھا تمھارا طلاق یافتہ جس کو سارا دنیا بانجھ کہتا تھا اس کو اپنایا۔۔اس کو عزت دیا۔۔یہ کیا کر رہا ہے ہمارا بیٹا کے ساتھ ؟؟۔۔ٹھیک ہے تم لوگ اس کا شادی کرنا چاہتا ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔۔ہمارا پوتا ہمیں دے دو ۔۔پھر جو مرضی کرے۔رقیہ خانم بلند آواز میں پھنکاری تھی۔۔وہ اپنے پوتوں کی محبت تڑپ میں جیسے پاگل ہو رہی تھیں۔

زنان خانے سے آتی آوازوں پر عباس اور بسمل خان اور ان کے کچھ مرد رشتہ دار اٹھتے زنان خانے کی طرف بڑھے تھے۔رقیہ خانم کی آواز پہچانتے حیدر خان بھی جلدی سے زنان خانے کی طرف بڑھا۔۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔مضبوط بھاری قدم مردانے کے دروازے پر ٹھہرے تھے۔

رقیہ خانم دراب کو سینے سے لگائے کھڑی تھیں۔ فرشتے مٹھیاں بھینچے ڈبڈبائی آنکھوں سے گہرے سانس لیتے رقیہ خانم کو دیکھ رہی تھیں۔

سارے مہمان ان کے ارد گرد کھڑے تھے۔۔ عباس خان بسمل خان اور کچھ اور مرد بھی ان مہمان عورتوں کے بیچ کھڑے تھے۔

حیدر خان کی سرد سرخ بے یقین نگاہیں فرشتے پر تھیں۔ جو نیٹ کے دوپٹے میں شعلہ جوالہ اپنی تمام خوبصورتی لیے کھڑی تھی۔۔ وہ جیسے بھول ہی چکی تھی کہ وہ کس حلیے میں کھڑی ہے اور یہاں مرد بھی تھے۔ وہ تو گہرے سانس لیتے مٹھیاں بھینچے رقیہ خانم کو دیکھ رہی تھی۔

یکدم بسمل خان اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے فرشتے کی طرف بڑھا۔ ۔۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کیا ہوا ہے۔ مگر وہ غصے کا بے حد تیز تھا۔ غلط بات

برداشت نہیں کرتا تھا۔ سامنے کھڑی خاتون کو وہ چیختے ہوے دیکھ چکا تھا۔

اس لیے وہ غصے سے رقیہ خانم اور فرشتے کی طرف بڑھا تھا۔

اس سے پہلے وہ فرشتے کی طرف بڑھتا زریمان اس کی کلائی پکڑ چکی تھی۔

آنکھوں کے آشارے سے اسے رخاموش رہنے اور اگے بڑھنے سے منع کیا تھا۔

حیدر خان تو پریشان ہوتا یہ سب دیکھ رہا تھا۔

بسمل خان فرشتے سے دو قدموں کی دوری پر کھڑا تھا۔

حیدر خان کو اب اپنا وجود چکراتا محسوس ہوا۔ اس کی فرشتے کسی غیر مرد کے پاس کھڑی تھی۔

وہ چکراتے وجود کے ساتھ فرشتے کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو زنان خانے میں موجود مردوں کو دیکھ چکی تھی۔ بسمل خان کے قریب آنے پر اسے کئی قدم دور ہوتے بھی دیکھا تھا۔

مگر اس نے خود کو بڑی سی چادر میں ڈھانپا نہیں تھا۔

حیدر خان بے یقینی سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا۔۔ بلکہ وہ جیسے مر رہا تھا۔ اس کی ماں اس کی بیوی اس کے بیٹے۔۔ یہ سب تو اس کی زندگی تھے۔۔ مگر جیسے سب ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

یکدم فرشتے کی نگاہیں حیدر خان کی طرف اٹھیں تھیں۔ اب وہ گہرے سانس لیتے کانچ سی انکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔ اس کی کانچ سی

کاجل لگی آنکھوں میں آج کچھ الگ تھا۔ بہت کچھ الگ۔۔۔۔۔۔ جیسے سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔ حیدر خان اس کی بھیگی آنکھیں دیکھتے تیز تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا

بس خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔ نزدیک مت آیئے گا۔۔۔ وہ گہری ہوتی سانسوں سے اسے دیکھتے غرائی تھی۔۔ حیدر خان کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔ حیدر خان نے بے یقینی سے اپنی خانم کو دیکھا جو اسے خود کے پاس آنے سے منع کر چکی تھی۔ مگر اب وہ اس کی طرف ہی بڑھ رہی تھی.

شہرام سوات میں موجود اپنے بڑے سے بنگلے کے اپنے کمرے میں شرٹ لیس بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیڈ پر بیٹھا اپنی انگلیوں میں جلتا سگریٹ دبائے بیٹھا تھا۔آنکھیں رت جگے کی وجہ سے سرخ تھیں۔وہ دن سے یہاں اپنے گھر میں بند تھا۔ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔بلکہ وہ اس دن سے ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔جس دن بہارے اور بہرام کو ڈسچارج کروا کر لایا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ ہاسپٹل جائے اور بہارے پھر کسی بات کو لے کر اسے اور خود کو سزا دے۔۔وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس پر بیوفائی کی مہر ہی لگا دے۔۔ بیوفائی کی مہر کیا لگائے گی وہ تو پکا پکا اسے بیوفا سمجھتی تھی۔۔وہ اپنی سوچ پر زخمی سا مسکرایا۔

اس کی وفا اس کی محبت اس کا عشق وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ اس کی غلطی کو وہ بیوفائی کا نام دے چکی۔ تھی۔ شہرام تلخی سے مسکراتے سگریٹ لبوں میں دبا گیا۔

شہرام نے اب سگریٹ کو لبوں سے نکالتے جلتے سگریٹ کو انگلیوں کے پوروں میں مسلہ تھا۔ بچپن کا عشق اسے یوں سزا دے گا اس نے سوچا نہ تھا۔ وہ کل بھی جلتا تھا وہ آج بھی جل رہا تھا۔ وہ کل بھی تڑپتا تھا وہ آج بھی تڑپ رہا تھا۔ کل اسے پانے کے لیے تڑپتا تھا۔ آج اسے پا کر کھو دینے کے درد سے تڑپ رہا تھا۔

اسے کیسے بتاتا؟؟ کیسے سمجھاتا اپنی اس غلطی جو اس کے نزدیک بیوفائی تھی۔ اسے سوچتے ہوے بھی ہزار بار جلا تھا ہزار بار تڑپا تھا۔ آج بھی وہ تڑپ کر مر رہا تھا۔ اسے خود کو سزا دیتا دیکھ کر وہ کتنا تڑپتا تھا وہ کیسے سمجھاتا اپنی ضدی

بہارے کو آخر۔۔ جو ہمیشہ سے اس کے لیے ضدی رہی تھی۔ وہ کیسے اسے بتاتا؟

اسے اگر بیوفائی کرنی ہوتی وہ کب سے بیوفائی کر چکا ہوتا۔ جب وہ اس سے دور بھاگتی تھی اس کے نکاح میں ہوتے دن رات نفرت کا اظہار کرتی تھی۔۔ لفظوں کے تیروں سے اس کا دل چھلنی کرتی تھی۔

اس وقت اس کی بے رخی پر اسے سزا نہیں دی تھی۔ جب ہاسپٹل میں اس سے اپنا رشتہ چھپائے رکھتی تھی۔۔

وہ تو کبھی بہارے کو سزا دینے کے بھی آیزل کے قریب نہیں گیا۔ اسے یقین ہی نہیں تھا اس کی سنگدل بہارے اسے لے کر پوزیسو ہو سکتی ہے۔ وہ ایک مہینہ حویلی نہیں آیا تھا۔ بہارے نے ایک فون کال نہیں کیا تھا۔۔ وہ ہر رات اس کے فون کال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ ایک فون کال کرے وہ اس

کے پاس دوڑا چلا جائے۔۔ مگر عورت ہو کر وہ بے رخی برت رہی تھی۔ اس کے اندر کی مردانہ آنا کو وہ اپنے رویے سے مضبوط کرتی جا رہی تھی۔۔ وہ ہر روز رات کو خود سے وعدہ کرتا ہہ بہارے کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ جب وہ ہاسپٹل میں اسے دیکھتے نظریں پھیر کر نکل جاتی۔۔ وہ آفس میں بیٹھا انتظار کرتا رہتا کہ وہ آج آکر کہے گی شہرام حویلی آجاؤ۔۔ ایک بار آکر کہتی شہرام تم آج رات حویلی میں موجود ہو تو وہ سر کے بل چلتا ہوا جاتا۔۔

وہ سوچتا رہتا۔ کیا وہ کم صورت ہے کیا اس میں کوئی کوالٹی نہیں۔ جو اس کی بیوی کو اس کی پرواہ نہیں۔۔۔

وہ اپنے رویے سے اسے خود سے دور کرتی جا رہی تھی۔۔ مگر پھر بھی اس کی جگہ کسی کو دینے کی سوچی نہ تھی۔۔

کبھی کسی عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا نہ کبھی ایزل کو کسی غلط نظر سے دیکھا تھا اس کے محبت کے اظہار کرنے کے باوجود کبھی ایک پل کے لیے اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ آئزل کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔۔ جانتا تھا وہ ٹوٹی بکھری ایک لڑکی ہے جو راتوں کو نیند کی میڈیسن لے کر سوتی ہے۔ کتنی بار اسے کہا چلی جائے۔ مگر وہ واپس نہیں گئی۔۔۔ مگر اس کے ساتھ دوستی تھی۔ وہ جرمنی میں پڑھا تھا۔ اپنا کام بھی وہیں سے سٹارٹ کیا تھا۔ بہت سی لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی۔۔ آیزل بھی اس کی کولیگ اس کی دوست تھی اس کے لیے۔۔

بہارے اگنور کرتی تو اس کے اندر تلخی بڑھتی۔۔ اس کا دل کرتا وہ شرم سے منہ چھپا لے۔ اگر کسی کو پتہ چلا بہارے اس کی بیوی ہے تو وہ کیا کہے گا۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔ مگر حقیقت جو تھی وہ اسے خود سے شرمسار کرتی

تھی۔۔ ایک بیوی کیسے اپنے شوہر کو اگنور کر سکتی ہے۔ اسے تو لگتا تھا نکاح بہت پاک رشتہ ہے جس میں ایک دوسرے کے حقوق کا استحصال نہیں کیا جاتا۔ اور عورت کبھی اپنے مرد کے حقوق کا استحصال نہیں کرتی۔۔۔ نکاح کی اس کے لیے اہمیت تھی تبھی اسے اپنی بہارے سے عشق ہوا تھا۔ نکاح کی اہمیت کو سمجھتا تھا تو اس کی بے رخی پر اسے چھوڑا نہیں تھا۔

جب وہ یہی نکاح کسی دوسری عورت سے کرنے جا رہا تھا تو کیسے اس کے حقوق کی استحصال کرتا۔ اس سے نکاح کرنے لگا تھا تو یہ رشتہ پوری سچائی سے نبھانا چاہتا تھا۔ وہ اس رشتے کی تذلیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس تذلیل کے احساس سے وہ دن رات گزرا تھا مرد جتنا مرضی مضبوط ہو مگر عورت کے بار بار ٹھکرانے پر وہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔۔ جب وہ نفرت سے اسے ٹھکراتی تھی اس کی تذلیل کرتی تھی وہ ٹوٹتا تھا جڑتا تھا مرتا تھا اپنے

وجود سے نفرت ہوتی تھی۔۔ سیلف رسپیکٹ مجروح ہوتی تھی۔۔ اتنا بڑا آدمی ہونے کے باوجود وہ خود کو بہت چھوٹا سمجھتا تھا۔ کیونکہ جس عورت سے وہ عشق کرتا تھا وہ اس سے بار بار نفرت کرتی تھی۔ بہارے خان کی محبت پانا بہت آسان تھا اس کے لیے۔۔ وہ اپنی سچائی اسے بتا دیتا کہ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ اس سے شاید محبت بھی کر لیتی۔۔ مگر اسے بہارے خان کی وہ محبت چاہیے تھی جو وہ شہرام خان کی روح سے کرے۔۔ اور خدا کو اس پر رحم آیا اس کی دعائیں قبول ہوئیں۔۔ اس پتھر دل ظالم اس کی بہارے کو اس سے محبت ہوئی بھی۔۔۔

۔ مگر اس کی محبت اس کے بدن سے روح نکال کر لے گئی تھی۔۔ اس کی نفرت بھی مارتی تھی اس کی محبت بھی مارتی تھی۔۔۔۔

اگر وہ کل کی طرح اس سے نفرت کا اظہار کرتی تو وہ آج بھی ہنس کر سہہ لیتا۔۔ مگر خود کے لیے بیوفا کا نام کیسے سنتا؟؟۔ یہ اس کا خدا اور وہ جانتا تھا۔ نہ اس کے دل ناس سے بیوفائی کی تھی۔ نہ اس کے جسم نے اس سے بیوفائی کی تھی۔۔۔ ایک غلطی وہ بھی اس حد تک لے جانے والی وہ خود بھی تھی اسے بیوفائی کا نام دے چکی تھی۔ وہ بھی خود کے لیے اس کی شدت کو دیکھتے خود کو بیوفا سمجھتا۔۔ سات مہینوں میں اسے اپنی بانہوں میں دیکھتے اس کی شدید محبت دیکھتے وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر اس کے پاس ایسی کوئی جادو کی چھڑی نہیں وہ گھماتا سب پہلے جیسے ہو جاتا۔۔ وہ جانتا تھا جو کیا جب بہارے کے سامنے آئے گا وہ تڑپ کر مر جائے گی۔ وہ یہ سوچ کر راتوں کو سوتا نہیں تھا۔

مگر اس اپنی ایک غلطی پر وہ بھی تو تڑپا تھا مرا تھا۔ پھر اسے ہمیشہ کی طرح اس کی تکلیف کیوں نظر نہیں آتی تھی۔

وہ کبھی اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہوئی ؟؟۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔عابیر کے لیے دن رات تڑپتا تھا۔ اسے اپنی بانہوں میں بھرتے کبھی اس کے ساتھ یہ تکلیف نہیں بانٹی کہ کہیں اسفندیار کے کیے ہوئے پر اس کی بیوی کی نظریں اس کے سامنے نہ جھک جائیں۔۔ ان سات ماہ میں ایک بار اسے اسفندیار کا گناہ نہیں جتایا تھا۔ آج اسے اس کے ساتھ کھڑے ہونا چاہیے تھا۔ وہ تھی اس کا کمرہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اگر ساتھ نہیں دے سکتی تھی اسے تنہا نہ کرتی۔ شہرام خان کے لبوں پر کرب زدہ مسکراہٹ بکھرتی جا رہی تھی۔۔۔

تو نے مجھ سے وفا نہیں کی

تجھ کو کیسے وفا نہیں ملے گی

تو نے مجھ کو درد دیا ہے

تجھ کو کیسے دوا ملے گی

شہرام نے آنکھیں موندیں بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔۔ جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں کے پوروں کو جلا رہا تھا۔ یکدم اسے احساس ہوا یہ تکلیف کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے جسم کو اس سے زیادہ تکلیف ملنی چاہیے۔۔

شہرام خان نے لائٹر جلا کر اس کا شعلہ اپنی دوسری ہتھیلی کو دکھایا تھا۔۔ لاٹر کے جلتے شعلے اس کی چوڑی ہتھیلی کو جلا رہے تھے۔۔۔ یہ تکلیف اس کے

لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جو بہارے کے بار بار بیوفا کہنے سے ہوتی تھی۔۔۔۔وہ اپنی سیاہ ہتھیلی کو دیکھتے کرب سے مسکرایا تھا۔

کانٹے چن کر تیرا دامن

پھولوں سے بھر جاؤں گا

اس سے بڑی سزا کیا ہو گی

معاف تجھے کر جاؤں گا

بس خان۔۔۔۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔۔نزدیک مت آیئے گا۔۔۔وہ گہری ہوتی سانسوں سے اسے دیکھتے غرائی تھی۔۔حیدر خان کے بھاری قدم

ٹھہرے تھے۔ حیدر خان نے بے یقینی سے اپنی خانم کو دیکھا جو اسے خود کے پاس آنے سے منع کر چکی تھی۔ مگر اب وہ اس کی طرف ہی بڑھ رہی تھی اس کی ہیل کی ٹک ٹک زنان خانے کے فرش پر گونج رہی تھی۔ سب کی حیران نظریں حیدر اور فرشتے پر تھیں۔

فرشتے اس کے مقابل آکر رکی تھی۔ حیدر کی آنکھیں سرخ لہو رنگ تھی ۔فرشتے کی آنکھیں بھیگی کانچ سی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔۔ حیدر خان نے اس کے وجود کو نیٹ کے دوپٹے میں دیکھتے اپنی چادر اتارتے اس کے گرد لپیٹنا چاہی وہ سر نفی میں ہلاتے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

حیدر خان کے وجود میں آندھیوں کے جکڑ چلے تھے۔۔پورے وجود میں آتش گیر مادہ دہکا تھا۔حیدر خان نے سرخ نگاہیں فرشتے پر گاڑھیں۔وہ نم آنکھوں سے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

خان یہ چادر آپ میرے وجود پر کیوں دینا چاہتے؟؟تاکہ آپ کی عزت کو کوئی نہ دیکھے آپ کی خانم پر یہاں کھڑے کسی مرد کی نظر نہ پڑے۔فرشتے نے بھیگے لہجے میں سوال کیا؟؟

حیدر نے الجھن بھری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھا تھا۔

خانم خود کے وجود کو ڈھانپو جو کہنا ہے مجھ سے تنہائی میں کہو۔میری عزت کا تماشہ مت لگاؤ۔۔۔مجھے ظالم حیدر حاکم خان بننے پر مت مجبور کرو۔

۔۔حیدر دبی آواز میں غراتے ہوے فرشتے کو بازو سے جکڑے اپنے قریب

کر گیا تھا۔ اسے سرد سرخ تنبیہی آنکھوں سے دیکھتے اس کے گرد اپنی مردانہ شال اچھی طرح لپیٹی۔

خان آپ اچھی طرح جانتے ہیں اپنی خانم کو!! پردہ میرے لیے کیا ہے؟؟۔ اس چادر اور آپ کی عزت کی میرے نزدیک کیا اہمیت ہے؟؟ میں بے پردہ ہوئی۔ صرف آپ کی وجہ سے۔ جس خانم پر آپ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتے۔ یہاں کھڑے مردوں نے دیکھا صرف آپ کی وجہ سے۔۔۔ میرے کردار پر وار ہوا صرف آپ کی وجہ سے۔۔۔۔ فرشتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

اپنا کیا دھرا ہمارا بیٹا پر کیوں تھوپ رہا ہے تم؟؟ اس سے پہلے تمھارا جلوہ بسمل خان دیکھ چکا تھا۔ ایسے ہی تو نہیں وہ تمھارے لیے پاگل ہوا۔۔ ایسے ہی تو نہیں اس کا مورے نے تمھارے لیے اس بسمل خان کا رشتہ دیا۔ ادھر کتنا

کنوارہ لڑکی ہے۔۔ مگر اس بسمل خان کو تم میں کیا پسند آیا جو تم سے نکاح کرنے کو مارا جا رہا ہے؟؟

مورے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدر خان حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ حیدر خان کی بلند دھاڑ پر رقیہ خانم کی چلتی زبان رکی تھی۔

بسمل خان اپنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتے اپنے سنہری گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اپنے جگری یار کے آگے وہ شائد نگاہیں اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔ عباس خان نے بسمل خان کو دیکھتے زریمان کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو بھیگی آنکھوں سے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

دراب بدحواص ہوتا رونے لگا تھا۔ رقیہ خانم دراب کو سینے سے لگائے اسے تھپکنے لگی۔

حیدر خان مٹھیاں بھینچے اپنی لہو اتری آنکھیں رقیہ خانم پر گاڑھیں۔ حیدر کے پورے وجود کی رگیں اشتعال سے ظاہر تھیں..

امینہ خانم درخشاں پریشانی سے کھڑے تھے۔ تمام مہمان اپنی اپنی سوچ کے مطابق سچویشن کو سمجھتے آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ فرشتے حیدر خان کی بیوی ہے اور وہ دو بیٹوں کا باپ ہے یہ سب کو آج پتہ چلا تھا۔

فرشتے حیدر خان کی شال سینے سے جکڑے بند آنکھیں کیے کرب سے مسکرائی تھی۔ بہت سے آنسو اس کی آنکھوں سے نکلتے اس کے شفاف عارض کا حصہ بنے۔۔

آہہہ مورے۔۔۔۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟ میری خانم میری عورت پریوں سب کے سامنے الزام لگا رہی ہیں۔

جانتی ہیں آپ اس کے کردار پر حملہ میری عزت پر حملہ ہے۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو نم آنکھوں سے دیکھتے کرب سے سوال کیا؟؟ حیدر خان کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔ رقیہ خانم ایسا کریں گی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کے مقابل کوئی اور ہوتا وہ اس کے سینے میں گولیاں اتار دیتا۔۔ مگر سامنے کھڑی وہ عظیم ہستی تھی جس سے وہ آج بھی سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ جس کے احترام میں آج بھی اس کی نظریں جھکتی تھیں۔

ہم الزام نہیں لگا رہا حیدر۔۔۔ بسمل خان کا مورے نے تمھارب بیوی کا رشتہ اس کا مورے سے مانگا ہے۔ ہم پر یقین نہیں تم کو آتا تم بسمل خان کا مورے سے پوچھ لو۔۔۔ رقیہ خانم نے زریمان کی طرف اشارہ کیا جو شرمندگی سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ بسمل خان بھی گہرے سانس لے رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی کو پسند کیا تھا مگر وہ اس وقت خود کو شرمندگی کی

اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا محسوس کر رہا تھا۔ یہی حال عباس خان کا تھا وہ بھی اس بار شرمندہ ہوا تھا۔۔ عباس خان نے سرد سرخ نگاہیں بسمل خان پر گاڑھیں تھیں وہ گہرا سانس لیتے نگاہیں پھیر گیا تھا۔

ان ماں بیٹا کو تمھارا بیوی کے طلاق یافتہ ہونا سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ یہ بانجھ ہے اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ یہ بسمل خان کا سارا جائیداد فرشتے کے نام کرنے کو تیار ہے۔۔ اب تم ہی بتاؤ یہ ابھی تک شاہ نواز کی طلاق یافتہ کا نام سے کیوں پہچانا جاتا ہے؟؟۔۔ تمھارا نام سے اس کو کوئی کیوں نہیں جانتا۔ اس کا پاس تمھارا دو بیٹا ہے یہ بات سب کو کیوں نہیں پتہ؟؟ شادی شدہ ہو کر اس کا اتنا اچھا رشتہ کیسا آسکتا ہے؟؟۔ کتنا کنوارا لڑکی ادھر ہے مگر بسمل خان کو صرف یہی کیوں پسند آیا؟؟ اس کا تو یہی مطلب

ہوا تمھارا عورت کا بھی قصور ہے۔اس لیے تو وہ تمھارا پاس واپس نہیں آ رہا۔

رقیہ خانم نے حیدر کے مقابل آتے اس کا بازو جکڑا تھا۔حیدر خان بے یقینی سے گہرے سانس لیتا سر نفی میں ہلاتے رقیہ خانم کو دیکھ رہا تھا۔جو اسے آج زندہ مار چکی تھیں۔وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

حیدر کی نظریں بسمل خان پر اٹھیں جو اسے دیکھتا رخ موڑ چکا تھا۔حیدر خان نے فرشتے کو دیکھا جو آنکھوں میں آنسو لیے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔وہ اس کی شکوہ کناں زخمی نگاہیں دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔فرشتے کی آنکھوں میں شکوے اور رقیہ خانم کے سوال اسے جیسے تھپڑ مار رہے تھے۔۔اسے لگا تھا اس سے بڑا غیرت اس علاقے میں کوئی

نہیں۔۔۔ بھری محفل میں اس کی ماں نے اسے بے غیرت نہیں بنا دیا تھا

۔۔اس کی کمزوری نے اسے بے غیرت بنا دیا تھا۔۔وہ رشتوں میں توازن نہ

رکھ سکا تھا۔اپنی جوان خوبصورت بیوی کو تنہا کیا۔اس کے حقوق سے

نظریں چرائیں۔ آج اس کا جگری یار اس کی ہی بیوی کو پسند کر بیٹھا۔ آج اگر

فرشتے حیدر خان بن کر ادھر آتی تو کیا اس کی بیوی پر کوئی بھی نظر ڈالنے کی

ہمت کر سکتا تھا۔۔وہ آج بھی اس کے نام سے نہیں شاہ نواز کی طلاق یافتہ

کے نام سے جانی جا رہی تھی۔

آہہہہ۔۔۔۔۔۔حیدر خان اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیخا تھا۔

بسمل خان حیدر خان کو تکلیف میں دیکھتا تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا

تھا۔

وہ پاگل ہو رہا تھا اس کی ماں کے سوالوں نے اس کے اندر ایندھن دہکا دیے تھے۔

کتنا عرصہ رہی تھی اس کی فرشتے اس کے پاس۔۔ پانچ سال کا عشق پانچ سال کی جدائی سہنے کے بعد اسے پایا تھا اور دو مہینے بھی وہ اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا تھا۔ کون پہچانتا کہ وہ تو صرف حیدر خان کی ملکیت ہے۔۔ اس نے گہرے سانس لیتے فرشتے کو دیکھا جو اپنی گلابی آنکھیں اس پر گاڑھے ہوے تھی۔ سامنے کھڑی لڑکی کو پانچ سال سجدوں میں مانگا تھا۔ خدا نے اسے اس کا مقدر بنا دیا تو اس نے کیا کیا اس کے ساتھ ؟؟ وہ تو فرشتے کا ہی نہیں خدا کا بھی گناہ گار ٹھہرا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شرک کر بیٹھا تھا۔ اپنے سجدوں اور دعاؤں اور خدا کی دی ہوئی نعمت کی لاج نہ رکھ سکا تھا۔ اس سے بڑا فریبی کون ہو سکتا تھا۔ خدا نے اس کی دعاؤں اور سجدوں کی وجہ سے

سامنے کھڑی لڑکی کو شاہ نواز کی زندگی میں نہ رہنے دیا۔ اور اس نے کیا کیا ؟؟ خدا کی اتنی بڑی مہربانی اتنی پیاری نعمت کی کفران نعمت کر گیا۔ جس کی سزا اسے آج بڑی محفل میں ملی۔

مگر آج میں کہتی ہوں میں شاہ نواز کے پاس ہی ٹھیک تھی ۔۔وہ !! !!جیسا بھی تھا آپ جیسا دوغلا مرد نہیں تھا

فرشتے کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اس کے اندر اندھیوں کے جکڑ چلا چکے تھے۔۔وہ زخم خوردہ ہوا تھا۔

آج اسے شاہ نواز خود سے بہتر لگا تھا۔ اس کے پاس ہوتے کبھی کوئی فرشتے کے کردار پر بات تو نہیں کر سکا ہو گا۔

مگر اس کے ہوتے ہوے کیا ہوا؟؟

حیدر۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔ ہم جھوٹ نہیں بول یہ سچ میں۔۔۔۔ رقیہ خانم روتے ہوے حیدر خان کی گردن اور ماتھے کی پھولتی رگیں دیکھ کر اس کے قریب ہوتے پھر سے اس کا بازو جکڑے وضاحت دینے کی کوشش کی

حیدر خان اپنا بازو رقیہ خانم سے بے دردی سے چھڑواتا اپنے بال جکڑے رخ موڑ چکا تھا۔۔ اس کا مضبوط توانا بدن لرز رہا تھا۔ رقیہ خانم نے سوال نہیں کیے تھے اس کے منہ پر تھپڑ مارے تھے وہ بھی سب کے سامنے!!

حیدر ہم سچ کہہ رہا ہے ہمارا بات سنو۔۔۔ رقیہ خانم نے حیدر کا بازو بھر سے جکڑا۔۔۔ ہاتھ مت لگایئے گا مجھے۔۔ نام مت لیجیے گا میرا۔۔۔ حیدر رقیہ

خانم کو سرخ نم زدہ آنکھوں سے دیکھتے کرب سے غرایا تھا۔۔رنگت سرخ تھی لفظ اس کے منہ سے بمشکل ہی نکلے تھے

تم۔۔۔تم۔۔۔۔۔اس۔۔۔۔۔عورت۔۔۔۔اس

۔۔۔۔۔کے۔۔۔۔۔۔لیے ہم سے۔۔۔۔۔اپنا۔۔۔۔۔ماں سے ایسے بات کر رہا ہے۔۔رقیہ خانم نے ٹوٹے لفظوں سے بے یقینی سے ہچکیوں سے کہا۔حیدر خان کے لفظ سنتے بے یقین ہوئی تھیں۔وہ تو مر سکتا تھا مگر ان کے سامنے یہ لفظ نہیں بول سکتا تھا۔

ہاں کیونکہ یہ عورت میری عورت ہے۔۔میری عزت میری خانم میرا عشق میرے بیٹوں کی ماں۔۔۔حیدر خان لاونج میں نظریں دوڑائے سب کو دیکھتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔

امینہ خانم حیدر اور فرشتے کی حالت دیکھتے دل پر ہاتھ رکھتے صوفے پر بیٹھے رونے لگی تھیں۔

دراب بری طرح پھر سے رونے لگا تھا۔ جس میں زراب نے بھی پورا پورا ساتھ دیا تھا

حیدر خان کی ملکیت ہے یہ۔۔۔ میری عورت یہ ہے۔۔۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو دیکھتے گہرے سانس لیتے فرشتے کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑا۔

تم اپنا بیوی کے لیے اپنا جنت کو ٹھکرا رہا ہے۔ ساری دنیا کا سامنے اپنا ماں پر چلا رہا ہے۔ ہم نے تمھیں دودھ پلایا۔ تم آج اس دودھ کا یہ حق ادا کر رہا ہے۔۔ رقیہ خانم شدت غم سے روتے ہوے بولی۔

کاش آپ نہ پلاتی مجھے دودھ۔۔۔اتنی بار آپ مجھ سے اس کا قرض مانگ چکی ہیں۔ تھک گیا ہوں۔وہ قرض ادا ادا کرتے۔۔میرا سب کچھ آپ نے گروی رکھ لیا۔اب اور کیا دوں؟؟۔ایک جان بچی ہے تو کہوں تو وہ بھی دے دوں۔حیدر خان رقیہ خانم کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے کرب سے بولا۔

رقیہ خانم۔۔۔دل پر ہاتھ رکھتے پیچھے کو ہوتی لڑکھڑائی تھیں۔دراب رقیہ خانم کے حصار میں بری طرح رو رہا تھا۔فرشتے نے اگے بڑھتے دراب رقیہ خانم سے لینا چاہا۔

ہم اپنا حیدر کا بیٹا تم کو نہیں دے گا۔یہ ہمارا پوتا ہے۔۔رقیہ خانم روتے ہوے سر نفی میں ہلاتے پیچھے ہوئی تھیں۔

دراب صرف میرا بیٹا ہے۔۔فرشتے اب حیدر خان کو دیکھتے غرائی تھی۔

تمھارا پاس ذراب ہے۔ تم ذراب رکھ لو دراب ہم کو دے دو۔۔۔ رقیہ خانم کی بات پر فرشتے نے بے یقینی سے رقیہ خانم کو دیکھا۔

مورے دراب فرشتے کو دیں۔ حیدر نے سختی سے کہا۔

نہیں دوں گی یہ ہمارا پوتا ہے تمھارا بیٹا۔۔ ہم نہیں دے گا۔ رقیہ خانم نے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔۔

حیدر نے آگے بڑھتے رقیہ خانم سے روتے ہوے دراب کو سختی سے لیتے فرشتے کو پکڑایا۔ فرشتے نے دراب کو جلدی سے سینے سے لگایا تھا۔ رقیہ خانم پیچھے کو لڑکھڑاتی صوفے پر بیٹھنے کے انداز مین جا گریں۔ بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا جو ان کی پرواہ کیے بغیر زراب کی طرف بڑھا تھا۔

حیدر خان نے آگے بڑھتے درخشاں سے زراب لیا۔ اسے صوفے پر کیری کاٹ میں لٹاتے وہ فرشتے کی طرف بڑھا تھا۔ جو دراب کو سینے سے لگائے تھپکیاں دے رہی تھی۔ وہ فرشتے کلائی پکڑے وہ اپنے مضبوط قدموں سے زنان خانے سے باہر کی طرف بڑھا۔ فرشتے اس کے حصار میں نظریں جھکائے درب کو ایک ہاتھ سے سینے سے جکڑے چل پڑی تھی۔

یکدم حیدر خان کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ اس نے پلٹتے ہوئے رقیہ خانم کو دیکھا جو روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

گاڑی بجھواتا ہوں۔۔۔ اوزگل اور آپ حویلی چلی جائیں۔۔ آتا ہوں آپ کے پاس۔۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو دیکھتے کہا تھا اور فرشتے کا ہاتھ جکڑے وہ لاونج عبور کر گیا تھا۔۔

حیدر خان اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے کیری کاٹ کو بچھلی سیٹ پر رکھا ۔سوئے ہوے ذراب کو احتیاط سے اس میں لٹایا میں تھا۔ فرشتے سے دراب کو لیا۔ جو ہچکیاں بھرتے سو چکا تھا۔ احتیاط سے لیا جو اس نے آرام سے دے دیا تھا۔ حیدر خان نے اسے بھی احتیاط سے اسی کیری کوٹ میں ایڈجسٹ کیا تھا۔ا

فرشتے کی کلائی پکڑتے اسے نرمی سے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھایا وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔

حیدر خان اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اظطرابی انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔رات تاریک اور سرد تھی۔وہ کب سے ڈرائیو کر رہا تھا اسے خود نہیں پتہ تھا۔۔ آج اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ پل وہ آگ کے دریا پر دوڑ رہا تھا۔سینے میں آگ دہک سی رہی تھی۔۔ جن دوستوں سے وہ اپنے بیٹوں کی خوشی بانٹنا چاہتا تھا۔۔ آج اس کے بیٹوں کا سچ کس انداز میں آیا تھا۔

۔ڈرائیونگ کرتے وہ کبھی پیچھے مڑ کر اپنے بیٹوں کو دیکھتا کبھی اپنے پہلو میں اپنی خانم کو جو سپاٹ سا چہرہ لیے ونڈ سکرین کو دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔۔وہ شعلہ جوالہ سی بنی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ جس کے چہرے پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔۔ آج بھری محفل میں وہ سب کی نظروں کی زینت بنی ہوئی تھی۔۔

آہہہ۔۔۔۔وہ ایک بار پھر سے کرب سے اپنے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔ گاڑی ڈولی تھی۔

حیدر خان اپنی سرخ آنکھیں آستین سے مسلتے سٹیرنگ کو سنبھالتے پیچھے مڑ ایک نظر سوئے دراب زراب کو دیکھا۔جو سو رہے تھے۔۔وہ نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔۔اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی خانم کو دکھتے اس نے آنکھیں میچتے خدا سے ایک بار پھر اپنی خانم مانگی تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کے سرد سپاٹ چہرے پر نگاہ ڈالتے گاڑی کی سپیڈ تیز کی۔۔

۔

گاڑی حیدر خان کے عالیشان ہوٹل کے سامنے آکر ٹھہری تھی۔

چہرہ ڈھک لو خانم۔۔۔۔۔ حیدر خان نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ فرشتے نے حیدر خان کی حکم کی تعمیل کرتے اپنا چہرہ اچھی طرح چادر سے چھپایا تھا۔

حیدر خان کی گاڑی کو دیکھتے ہوٹل کے گارڈ اس کی طرف بڑھے تھے۔ حیدر خان نے گاڑی روکتے ہاتھ کے آشارے سے انھیں قریب آنے سے منع کیا تھا۔۔ وہ وہیں پر رک گئے تھے۔ حیدر خان نے فرشتے کی طرف کا دروازہ کھولتے اس کی کلائی نرمی سے تھامے احتیاط سے اسے باہر نکالا. فرشتے خاموشی سے باہر نکل آئی تھی۔

حیدر خان نے پچھلی سیٹ سے دراب زراب کا کیری کوٹ نکالتے کیری کوٹ کو احتیاط سے پکڑا تھا۔ فرشتے کی کلائی پکڑے وہ اپنے گرینڈ ہوٹل کے اندر داخل ہوا۔

حیدر خان اپنے ہوٹل میں داخل ہوا تو ہوٹل کے بہت سے ملازم اس کی طرف تیزی سے بڑھے تھے۔ حیدر خان ہاتھ کے اشارے سے انھیں اپنی طرف آنے سے روکتے فرشتے کے نازک وجود کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے اپنے بچوں کو اٹھائے ہوٹل میں موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا

.----------

کمرے میں داخل ہوتے ہی حیدر خان نے دراب زراب کو کیری کاٹ سے نکال کر انھیں بیڈ پر نرمی سے لٹایا۔۔ سوتے ہوئے دراب زراب کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھے ان پر ان کا چھوٹا سا بلیلنکٹ نرمی سے اوڑھایا۔۔

فرشتے کمرے کے وسط میں سرد سپاٹ سی کھڑی تھی۔ حیدر خان کی شال اس کے وجود پر لپٹی تھی۔ چہرے کا حجاب کھل چکا تھا۔ بھاری شال سر سے پھسلتی اب صرف کندھوں پر تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کی طرف بڑھتے فرشتے کے نازک وجود سے اپنی شال علیحدہ کرتے اسے صوفے پر اچھالی۔

فرشتے اب نیٹ کے دوپٹے میں اپنے شعلہ جوالہ روپ کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ حیدر خان اس کے روپ کو دیکھ کر کرب سے آنکھیں میچ گیا تھا۔

اس کی خانم اس کی عورت کا یہ روپ آج کس کس نے نہیں دیکھا تھا؟؟ اس کے جگری یار اس کی عورت کو دیکھ چکے تھے۔ وہ اب کیسے ان لوگوں کا سامنا کرے گا۔ بسمل خان جس نے اس کی عورت کو اپنی عورت بنانے کا سوچا آج کے بعد وہ اپنے جگری یار کو بھی کھو چکا تھا۔

حیدر خان فرشتے کی طرف بڑھتے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے بے قراری سے اپنے تشنہ لب فرشتے کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر رکھ گیا تھا۔۔

حیدر خان کے جھلساتے لب فرشتے کی ٹھوڑی کو سختی سے چھو گئے تھے. وہ آنکھیں بند کیے کافی دیر تک اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر رکھے اس کی کمر میں ایک ہاتھ ڈالے اسے اپنے بے حد قریب کر گیا تھا۔ فرشتے کے سینے میں بجتی دھڑکنیں حیدر خان کے سینے میں دھڑکنے لگی تھیں۔

مگر فرشتے کے سرد سپاٹ وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔۔ جسے محسوس کرتے حیدر خان اذیت کی انتہا پر تھا۔

اس کی خانم تو اس کے حصار میں اس کی ذرا سی قربت میں لرزنا شروع کر دیتی تھی۔ مگر آج وہ پتھر کی بت بنی کھڑی تھی۔۔ حیدر خان نے اپنی سرخ

نم زدہ آنکھیں فرشتے کی آنکھوں میں گاڑھیں۔ جہاں اب شبنم تک نہ تھی۔۔ وہ سرد برفیلی سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان تڑپتے ہوے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر اپنے سلگتے لب رکھنے لگا۔۔

اس کے تڑپتے سلگتے لب دیوانہ وار اس کے ایک ایک نقش پر محو سفر تھے ۔۔۔ وہ اتنی دیوانگی سے اس کے نقوش کو چھو رہا تھا کہ حیدر خان کی سانسیں پھول کر انگارہ ہوئی تھیں۔ مگر وہ اپنی سانسوں کی تپش اور دہکتے لبوں سے اس کی سانسوں میں ہلچل نہ مچا سکا تھا۔

حیدر خان اب بے چین ہوتے اس کے چہرے کو تھامے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھک گیا۔۔۔ وہ اس کی لبوں کی سرخی اپنی لبوں سے مٹاتے اس میں اپنی شدتوں کا رنگ بھر رہا تھا۔۔ وہ بہت شدت سے اس کے لبوں

کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں کھینچ رہا تھا۔۔اس کی دیوانگی پر فرشتے کے نازک وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ جسے محسوس کرتے حیدر خان پاگل ہوا تھا۔ وہ اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں سے کھینچتے اس کی نازک کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے بہت شدت سے خود سے لپٹا گیا تھا۔۔ فرشتے کے لبوں سے ایک سسکی بھی برامد نہیں ہوئی تھی۔۔ حیدر خان کے سینے میں آگ سی بھڑکی تھی۔ اس کے بدن کا سرد پن اور سانسوں کی ٹھنڈک حیدر خان کا جیسے وجود شعلوں کی مانند دہکا چکی تھی۔ وہ اب اس کے نچلے لب پر بے دردی سے اپنے دانت گاڑھ گیا ۔۔ حیدر خان کی شدت پر فرشتے کے وجود نے سسکی بھری تھی.. آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔ حیدر خان کی بے قرار روح کو قرار آیا تھا۔ وہ جلدی سے اس سے پیچھے ہوا۔ اس کے نچلے لب پر خون کی ننھی

بوند آن ٹھہری تھی۔ بند آنکھوں سے موتی گرتے اس کے عارض پر گر رہے تھے۔ حیدر خان اس کے چہرے کو دیوانوں کی طرح تھامے اس کے عارض پر جھکتے اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتے اس کے لبوں سے نکلتی خون کی بوند پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ اس کے لبوں کے زخم پر اپنے زبان کا مرہم وہ رکھ گیا تھا۔۔ اب وہ اپنے دیے ہوے زخم پر دیوانگی سے اپنی زبان کا مرہم رکھتے اس کے لبوں کو اپنی زبان سے گیلا کرتے وہ اس کی نازک گردن کے پیچھے ہاتھ لے جاتے اس کی چوکر کی ڈوری کھینچتا اسے ڈھیلا کرتے اس کے گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ کر دانت گاڑھنے لگا۔۔ حیدر خان کی دیوانگی جنون کی صورت میں اس کی گردن پر ظاہر ہو رہی تھی۔۔ اس کی گردن پر حیدر خان کی جنون خیزیاں آب و تاب سے چمکنے لگی تھیں۔۔۔ وہ

دیوانوں کی طرح اس کی گردن اپنے لبوں سے جھلساتے اس کی گردن جامنی کر رہا تھا۔

وہ نرمی سے اس کی دھڑکنوں پر لب رکھتے اس کے پیٹ پر آیات۔۔وہ گھٹنوں کے بل جھکتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے پیٹ کو نرمی سے اب چھو رہا تھا۔

وہ بہت نرمی سے اس کے پیٹ کو چھوتا جا رہا تھا۔

یکدم حیدر خان کے گھنے بالوں می؟ فرشتے کی نازک انگلیاں آن ٹھہری تھیں۔حیدر خان اس کی نازک انگلیاں اپنے گھنے بالوں میں محسوس کرتے

حیدر خان اس کے کمر مین سختی سے ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ شدت سے لپٹا تھا۔ حیدر خان کی سیاہ آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔۔

خان۔۔۔ دور۔۔۔ دور۔۔۔ رہیں۔۔۔ مجھ۔۔۔ سے۔۔۔ فرشتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

حیدر خان مزید اس کے ساتھ لپٹے گہرے سانس لینے لگا۔

خان۔۔۔ دور۔۔۔ ہوں۔۔۔ مجھ۔۔۔ سے۔۔۔ فرشتے کے ٹوٹے کانچ سے لفظوں میں اب کی بار سختی تھی۔۔ حیدر خان کی گرفت اس کی کمر پر مزید سخت ہوتی جا رہی تھی۔

سنا نہیں خان۔۔۔۔۔ دور رہیں مجھ سے۔۔۔ فرشتے اب حلق کے بل دھاڑی تھی۔۔

فرشتے کی دھاڑ پر دراب جھٹکا کھا کر اٹھتا ڈرتے ہوے بہت بری طرح رونے لگا۔ حیدر خان جلدی سے فرشتے کو اپنے حصار سے آزاد کرتے دراب کی طرف بڑھا جو ہچکولوں سے بری طرح رو رہا تھا۔۔ حیدر خان نے اسے سینے سے لگائے اسے تھپکتے فرشتے کو سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا جو حیدر خان کے دیکھنے پر رخ موڑ چکی تھی۔

حیدر خان اسے نرمی سے تھپکتے اسے سلانے لگا۔ وہ ہچکیاں بھرتے تھوڑی دیر میں سو گیا تھا۔ درب کو بیڈ پر لٹاتے حیدر خان نے اس کے منہ میں اس کا انگوٹھا دیا۔۔ وہ پھر سے نہ اٹھے حیدر خان نے اس لیے اس کے منہ میں انگوٹھا دیا تھا۔۔ دراب انگوٹھا چوستا گہری نیند چلا گیا تھا۔ مگر اس کا وجود ابھی بھی ہچکولے بھر رہا تھا۔ حیدر خان اسے دیکھتے فرشتے کی طرف بڑھا جو اس سے رخ پلٹے کھڑی تھی۔۔ حیڈر خان اسے کلائی سے پکڑے کمرے سے

ملحقہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھا جہاں خوبصورت کمفر ٹیبل صوفے رکھے ہوے تھے۔

حیدر خان نے کمرے کا دروازہ بند کرتے فرشتے کو بے دردی سے صوفوں پر دھکیلا۔ فرشتے صوفے پر اوندھے منہ جا گری تھی۔ سر پر پنز کے ذریعے اٹیچ دوپٹہ کو بری طرح کھچ پڑی تھی۔ وہ دوپٹہ سر اور شانوں سے پھسلتا زمین بوس ہوا تھا۔ بال ڈھیلے جوڑے میں لپٹے کھلتے کمر پر بکھرے تھے۔

فرشتے نے صوفے پر سیدھے ہوتے حیدر خان کو دیکھا جو اسے سرد خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

کیا ہوا خان؟؟ گرم نرم نگاہوں کی جگہ یہ سرد پن کیوں؟؟

آپ کے تو جذبات بھی آپ کے فیصلوں کی طرح جلد بدلتے ہیں۔۔ فرشتے چلتی ہوئی حیدر خان کے مقابل آئی تھی۔

درارب زراب میرے بیٹے میرے وارث میرا خون ہیں۔ ان پر ایک آنچ برداشت نہیں کر سکتا۔ چاہے ان کو تکلیف پہنچانے والی ان کی ماں ہو یا پھر میری ماں۔۔۔ حیدر خان اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا غرایا تھا۔

تم ان کی ماں ہو میرے دراب زراب کو تمھاری ضرورت ہے۔۔ اس لیے حیدر خان اپنے دل پر پتھر رکھ کر ان کی دوری سہہ رہا ہے۔ ورنہ حیدر خان اپنے بیٹوں کو کبھی ایک پل کے لیے خود سے دور نہ کرتا۔ حیدر خان فرشتے کو بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مقابل نے اسے دور جھٹکا تھا۔۔ وہ سامنے کھڑی لڑکی کی بے رخی پر بری طرح جل

رہا تھا۔ اس کی بے رخی آنکھوں اور جسم کا برفیلا پن اس کا وجود جیسے دہکا چکا تھا۔

وہ اذیت و کرب کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہا تھا۔

اس میں میں کہاں آتی ہوں خان؟؟ میرا مقام کہاں ہے؟؟ فرشتے تو آپ کا عشق ہے۔۔ پھر کبھی آپ اپنی مورے اور کبھی اپنے بیٹوں کی وجہ سے آپ کیوں مجبور ہو جاتے ہیں؟؟ کل اپنی مورے کی وجہ سے مجھے جدائی کی سزا سنائی۔۔ آج اپنے بیٹوں کی وجہ سے مجھے ان سے جدائی کی سزا نہیں سنا رہے۔۔ یعنی آپ کے بیٹوں کو میری ضرورت نہ ہوتی آپ مجھ سے میرے بیٹے چھین لیتے۔ فرشتے نے پھنکارتے ہوئے حیدر خان کی سیاہ سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے سوال کیے۔۔

میرے بیٹوں کی ماں ہو تو۔۔۔ اس لیے تو یہ سب برداشت کر رہا ہوں ورنہ حیدر حاکم خان جو اتنے بڑے بڑے ہوٹلوں کا مالک ہے۔ جو کئی گاؤں کا سردار ہے۔۔۔ جس کے انڈر بہت سے علاقے آتے ہیں۔ جس کی پاور تمھارے اس ارحام لالا سے بہت زیادہ ہے۔۔ تمھیں اور اپنے بیٹوں کو یوں چٹکیوں میں اپنے پاس لے آتا۔۔ حیدر خان نے فرشتے کو سرخ آنکھوں سے گھورتے چٹکیاں بجائی تھیں۔

میں بھی سمیع اللہ خان کی پوتی ہوں۔۔ نوریز خان کی بیٹی۔۔ اور میں صرف ارحام لالا کی بہن نہیں۔۔ زاران لالا شہرام لالا۔۔۔ اسفند لالا درخزئی لالا کی بہن ہوں. میرے زاران لالا منسٹر ہیں۔ بہت سے علاقوں کے سردار ہیں۔ میرے درخزئی لالا اس علاقے کے ڈی ایس پی ہیں۔ میرے ارحام لالا نے اتنے بڑے بزنس کو سنبھالا ہوا ہے۔ میرے شہرام لالا اتنے بڑے آدمی

ہیں ان کے بارے میں تو آپ کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں وہ کتنے بڑے آدمی ہیں اور میرے اسفند لالا اپنے رشتوں کے لیے اپنا سینہ آگے کر دیتے ہیں۔ اتنا بڑا جگرا ہے ان کا۔۔ فرشتے نے سینے غراتے ہوئے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

اگر وہ چپ ہیں تو اپنی بہن کی وجہ سے ہیں۔۔ جس دن میری طرف سے ایک آشارہ مل گیا۔۔ حیدر خاان آپ صرف اپنے بیٹوں کے باپ رہ جائیں گے۔۔ میری خانم۔۔۔۔۔ میری خانم۔۔۔۔ کہنے کا حق کھو دیں گے۔۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان اسے بالوں سے بے دردی سے جکڑے اپنے قریب کر گیا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔۔

بکواس بند کرو ورنہ۔۔۔۔ تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔۔ تمھاری قبر اسی ہوٹل میں بناؤں گا۔۔ تمھارے اتنے سارے لالا کو خبر بھی نہیں ہو گی۔۔ حیدر فرشتے کی بات پر پاگل ہوتا چیخا تھا۔۔ وہ کسی قیمت پر اس پر اپنا تسلط ختم نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ اس کے لیے کیا تھی وہ ان سات ماہ میں سمجھ چکا تھا۔

حیدر خان میری پہچان ایک اور بھی ہے۔۔ میں حیدر خان کے بیٹوں کی ماں ہوں۔۔ اس لیے حیدر خان مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا ہے۔۔ دو دو بیٹوں کی ماں ہوں میں حیدر خان۔۔۔۔ فرشتے اپنے بال چھڑواتے ہوے چیخی تھی.

حیدر خان اس کے بال جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔

فرشتے کے قدم نازک لڑکھڑائے تھے مگر وہ اسی لمحے خود کو سنبھال چکی تھی۔۔ حیدر خان اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا جو گہرے سانس لیتے

شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ چاکلیٹی سلکی لمبے گھنے بال کمر اور اور ایک شانوں پر بکھرے تھے۔ ماتھا پٹی لگائے ہوے تھی۔ گردن اور ہونٹوں پر اس کی شدتوں کے نشان تھے۔۔

حیدر خان کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر پوری قوت سے چیختے ہوے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر دے مارا تھا۔

وہ دیوار سے سر ٹکائے گہرے سانس لینے لگا۔

حیدر خان میں آپ کے ساتھ خاموشی سے چلی آئی۔۔۔ آپ اسے میری کمزوری سمجھ بیٹھے۔۔ میں نے وہاں ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی

عزت رکھی تھی۔ جسے اس کی ماں نے ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ چاہتی تو چیخ چیخ کر وہاں سب کو بتاتی اصل میں حیدر خان جیسا آدمی جو بظاہر طور پر مضبوط بنا پھرتا ہے کتنا کمزور ہے۔ جو اپنے رشتوں میں توازن ہی نہ رکھ سکا۔۔ خدا نے اسے مرد کا منصب عطا کیا تھا کیونکہ وہ طاقتور ہوتا ہے۔۔ مرد نکاح کر کے عورت کو اپنی سپردگی میں لیتا ہے۔ اسے زمانے کی گرم سرد ہواؤں سے بچاتا ہے۔۔۔۔ آپ نے کیا کیا مجھے ان گرم سرد ہواؤں کے سپرد کر کے خود گرم نرم آغوش میں اپنی پناہیں ڈھونڈ لیں۔۔ فرشتے حیدر خان کی پشت کو دیکھتے پھنکاری تھی۔۔

حیدر خان اپنی مضبوط ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔۔

میری خانم میری خانم۔۔۔۔ آپ کے منہ سے سوٹ نہیں کرتا آج سے آپ مجھے میری خانم کہنے کا حق کھو چکے ہیں. میں آپ کے سارے حق خود پر

ختم کرتی ہوں.. آج سے اور ابھی سے۔۔ فرشتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔ حیدر خان نے پلٹتے ہوے فرشتے کو دیکھا جو مٹھیاں بھینچے اسے سرد سپاٹ شرربار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

آپ کی وجہ سے حیدر خان۔۔۔ آج آپ کی ماں نے میرے کردار پر وار کیا۔۔ آپ نے انھیں موقع دیا انھیں بڑھاوا دیا۔۔۔ اگر وہ میری اہمیت سے آپ کی زندگی میں واقف ہوتی وہ کبھی ایسا نہ کرتی۔۔ انھیں پتہ تھا آپ اپنی جنت کھونے کے خوف سے آج بھی اپنی نگاہیں پھیر لیں گے۔۔ فرشتے غرائی تھی۔۔

کہاں پھیریں تم سے نظریں؟؟ تمھاری وجہ سگ اپنی جنت ٹھکرا تو آیا ہوں۔ حیدر خان اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے چیخا تھا۔

میری وجہ سے حیدر خان۔۔۔ میری وجہ سے۔۔۔ فرشتے نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے استھزائیہ زخمی لہجے میں سوال کیا۔

حیدر خان آپ جیسا مرد ہمیشہ اپنے کیے کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔۔ کل مجھے اکیلا کیا تھا آج اپنی مورے کو تنہا کر آئے۔۔

آپ تو کسی کے نہ ہو سکے حیدر خان۔۔۔ فرشتے استھزائیہ زہنسی تھی۔۔

اور میرے لیے نہیں کیا آپ نے اپنی عزت بچائی۔۔۔

کیسا لگتا وہاں سب کے سامنے آپ اپنی جنت بچانے کی خاطر آپ کہہ دیتے کہ میں بدکردار ہوں آپ کو مجھ پر یقین نہیں میں سچ میں آپ کے دوست

بسمل خان سے نکاح کرنے لگی تھی۔۔ آپ کو دھوکہ دے کر آپ کے نکاح میں ہوتے راتوں رات سٹر یلیا جارہی تھی..

فرشتے۔۔۔۔۔ حیدر خان نے چیختے ہوے اسے مارنے کے ہاتھ اٹھایا.. مگر وہ خود پر قابو پاتے اپنا ہاتھ مٹھی میں دبوچ گیا۔

ماریں حیدر خان۔۔۔ ماریں مجھے۔۔۔ بہت تھپڑ کھائیں ہیں میں نے اپنی زندگی میں ون۔ مجھے ان تھپڑوں سے ڈر نہیں لگتا۔ تھپڑ صرف اس مرد کے ہاتھ کا کھا کر عورت مرتی ہے جسے اپنا سمجھتی ہے۔۔ جسے اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔ جس مرد کے لیے دل میں عزت نہ رہے اس کے تھپڑ کیا اس کی لاتیں کیا۔۔ فرشتے استھزائیہ ہنستے ہوے بولی۔۔

حیدر خان مٹھیاں بھینچے اس نازک وجود کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا جو آج اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی.. وہ ایسے چیخے گی چلائی گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا

آپ کی مورے نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنا کر مجھ پر احسان کیا کیونکہ میں طلاق یافتہ اور بانجھ تھی۔

دیکھا حیدر خان میرے طلاق یافتہ ہونے اور بانجھ کا سن کر بھی میرے لیے آپ کے دوست بسمل خان کا رشتہ آیا۔۔

اگر مجھے آپ نہ اپناتے تو آپ سے بہتر انسان اپنا لیتا۔۔ آج میں بسمل خان کے نکاح میں ہوتی۔۔۔۔

فرشتے۔۔۔۔حیدر خان کا بھاری ہاتھ اب فرشتے کے گال پر پڑتا اسے سرخ کر چکا تھا۔۔فرشتے گال پر ہاتھ رکھے گلابی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کو دیکھتے دیوار گیر فینسی مرر پر اپنا ہاتھ مارا تھا۔۔شیشہ تڑختا اس کا ہاتھ زخمی کر چکا تھا۔مگر وہ رکا نہیں تھا چیختے ہوے اپنا ہاتھ مرر میں مارتا گیا۔۔شیشہ ٹوٹتا اس کا ہاتھ بری طرح زخمی کر چکا تھا۔ہاتھ سے خون ٹپکتا زمین پر گر رہا تھا۔مگر وہ مارتا جا رہا تھا۔۔فرشتے آگے بڑھتے کا گریبان جکڑ چکی تھی۔

حیدر خان کیسا لگا یہ سن کر تکلیف ہوئی ناں۔۔۔تڑپے ناں۔۔۔۔درد ہوا۔۔میرا نام بھی کسی کے ساتھ نہیں سن سکتے۔۔میرے سامنے آپ نے اوزگل کو میرا مقام دیا۔۔ہر جگہ وہ آپ کے نام سے جانی جاتی ہے۔۔میں

نہیں۔۔۔ کیا گزرتی ہے میرے دل پر۔۔ کبھی میری تکلیف محسوس کی۔ آپ کی وجہ سے آج میرا رشتہ آیا۔ آپ کی وجہ سے آپ کے دوست نے مجھ پر نظر ڈالی۔۔۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا۔ بسمل خان کون ہے؟؟۔۔ میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔۔۔۔۔ آپ کی وجہ سے میرے کردار پر حملہ ہوا آپ کی وجہ سے۔۔۔۔۔۔ فرشتے مر سکتی ہے کبھی آپ کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتی۔۔۔ فرشتے اس کا گریبان پکڑ کر چیخی تھی۔

حیدر خان خاموشی سے کھڑا اسے چیختے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

کل درخزئی کے حوالے سے آپ نے مجھ پر الزام لگایا۔ آج آپ کی مورے نے مجھ پر الزام لگایا۔۔۔ آپ اپنا ساتھ تو دے نہ سکے اعتبار بھی نہیں دیا۔۔

درخزئی کے ساتھ کھڑے دیکھ کر میرے کردار کی دھجیاں اڑادیں۔۔۔وہ میرا دودھ شریک بھائی ہے۔۔میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے ارحام لالا۔۔۔۔۔۔حیدر خان۔۔۔۔۔۔فرشتے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

حیدر خان نے یہ سنتے اپنا نچلا لب بری طرح دانتوں کے نیچے کچلا تھا۔۔زخمی ہاتھ کو بری طرح دبوچا تھا۔

۔آپ میرے لیے شاہ نواز سے بھی بدتر ثابت ہوے۔۔اس انسان نے کبھی میرے کردار پر وار نہیں کیا۔۔مگر آپ کی وجہ سے بار بار میرے کردار پر حملہ ہوا۔۔فرشتے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

حیدر خان کی رنگت شدید سرخ ہو رہی تھی۔۔اس کا دماغ جیسے تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔۔پورے بدن کے مساموں سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

آج پھر وہ اس پر شاہ نواز کو ترجیح دے چکی تھی۔ وہ بے بسی کی انتہا پر بھڑکتے دماغ اور بھڑکتے وجود کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

آپ کی وجہ سے آج میں بے پردہ ہوئی۔۔ آپ کی وجہ سے آج مجھے غیر مردوں نے دیکھا۔۔ آپ جیسے کمزور مرد سے مجھے کیوں محبت ہوئی؟؟ ۔۔۔ آپ کیوں میری زندگی میں آئے۔۔ اگر آ ہی گئے تھے یہ ضروری تھا آپ میری روح میں سماتے۔۔۔۔ یہ ضروری تھا میرے دل پر آپ کا نام لکھا جاتا۔۔ فرشتے حیدر خان کی شرٹ جکڑے روتے ہوئے بولی۔۔

حیدر خان تڑپتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں پر شدت سے جھک گیا۔۔ فرشتے نے اسے خود سے دور

دھکیلا۔۔ مگر حیدر خان اس کی کمر کو جکڑے مزید شدت سے جکڑے اس کی سانسوں میں اپنی سانسیں انڈیل ہو گیا تھا..

فرشتے نے پوری قوت سے حیدر خان کے سینے پر مکے مارے تھے۔۔ حیدر خان اسے کمر سے جکڑے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام گیا۔۔

مجھے معاف کر دو فرشتے۔۔ میں تمھارا مجرم ہوں۔۔ میرے پاس آجاؤ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔۔ تمھیں پوری عزت دوں گا۔ جو تمھارا مقام ہو گا وہ کسی کا نہیں ہو گا۔ حیدر خان فرشتے کی پیشانی سے پیشانی ٹکائے بھاری آواز میں بولا۔۔ حیدر خان کی آنکھوں سے آنسو گرتے فرشتے کے عارض کو بھگو رہے تھے۔۔ ہاتھ سے ٹپکتا خون اس کی گردن پر گر رہا تھا۔

جسے محسوس کرتے فرشتے بری طرح رو دی تھی

میرا مقام ہوتا تو آج میں آپ کی حویلی میں ہوتی۔۔ آپ تو ابھی بھی رشتوں میں الجھے ایک کمزور مرد ہیں۔ اسی لیے مجھے اپنی حویلی نہ لے جا سکے ۔۔ فرشتے نے ہچکی لی تھی۔

میں تمھارے لیے الگ حویلی خریدوں گا جس کی مالکن صرف تم ہو گی ۔۔۔ حیدر خان بھیگے لہجے میں بولتے اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھ گیا۔

حیدر خان انصاف کیسے کریں گے آپ ؟؟۔ ماں اور بیوی میں انصاف کر نہ سکے۔۔ اب دو بیویوں مین کیسے کریں گے ؟؟۔ فرشتے نے استھزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

فرشتے. تم خانم ہو میری بہت محبت کرتا ہوں۔ میرے بیٹوں کی ماں ہو ۔ تمھارے ساتھ کبھی ناانصافی نہیں ہو گی۔ میں اپنا سب کچھ تمھارے نام کر دوں گا۔

مجھے آپ کا سب کچھ نہیں آپ چاہیے تھے مگر جب آپ میرے نہیں میں کیا کروں گی اس سب کا۔ فرشتے حیدر کو خود سے دور دھکیلتے اس سے دور ہوئی تھی۔ وہ اس کے کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا۔۔

میں صرف تمھارا ہوں۔۔ حیدر خان کا دل صرف تمھارا ہے۔ حیدر خان نے گھمبیر آواز میں کہا۔۔

حیدر خان میں اب وہ فرشتے نہیں جو خود کی عزت نہیں کرتی تھی۔ خود سے محبت نہیں کرتی تھی۔۔ آج کی فرشتے خود سے محبت بھی کرتی ہے اور عزت بھی کرتی ہے۔ اب مجھے آپ کا دل نہیں چاہیے۔۔۔ آپ سے نکاح کی پہلی رات یہ لفظ سنے تھے۔ آج تک خود پر ہنسی آتی ہے۔۔ میں نے آخر مرد ذات پر اعتبار کیسے کر لیا؟؟

اور ویسے بھی میں آپ کے گناہوں میں مزید آضافہ نہیں کر سکتی۔۔ میں نہیں چاہتی آپ کل کو خدا کی بارگاہ میں اوزگل کے حقوق میں پکڑے جائیں۔۔۔ آج اوزگل میری جگہ ہے۔۔ آپ کی دوسری شادی پر میرا دل سوکھے پتے کی طرح کانپتا تھا کہ آپ مجھے اوزگل سے شادی کے بعد بھول جائیں گے۔۔ میری حویلی میں رہنے والے کاٹھ کباڑ کی حیثیت ہو گی۔۔ اگر اوزگل آپ کے بچوں کو جنم دے دی گی تو میں کیا کروں گی کیسے آپ کو دیکھے بغیر جیوں گی۔ اوزگل کی آنکھوں میں بھی آج میں نے وہی ڈر دیکھا ہے۔۔ میرے پاس تو آپ کے دو بیٹے بھی ہیں۔ اس کے پاس کچھ نہیں۔۔۔ میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتی۔۔ آپ کو اب اوزگل اور آپ کی ماں مبارک ہو۔۔۔ میرا اور میرے بیٹوں کا آپ سے کوئی تعلق

نہیں۔۔میں اپنے حقوق آپ کو معاف کرتی ہوں فرشتے نے سرد آواز میں حیدر کو خود سے دور دھیکلا۔۔

کیوں کر رہی ہو فرشتے ایسا؟؟ کیوں؟؟ کیوں مجھے زندہ مار رہی ہو؟؟۔۔۔کیسے جیوں گا اپنے بیٹوں اور تمھارے بغیر۔۔۔کیا کروں گا ان ہوٹلوں کا۔۔میرا سب کچھ ان کا تو ہے۔۔کیوں مجھے بغیرت بنا رہی ہو؟؟ میرے بیٹے کسی اور کی حویلی میں پلے بڑھے. یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔حیدر خان دھاڑا تھا۔

آپ کے بیٹوں کو آپ کے ہوٹل نہیں ایک مضبوط باپ چاہیے۔۔افسوس جو آپ نہیں۔۔۔۔۔۔میرے بیٹے نوریز خان کی حویلی میں پلے بڑھیں گے۔۔اور وہ حویلی ان کی ماں کی

بھی ہے۔ فرشتے نے اٹل لہجے میں بولتے کمرے کا دروازہ کھولتی باہر نکل گئی تھی۔۔ حیدر خان گہرے سانس لیتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اب وہ کسی قیمت پر فرشتے کو خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے طیش واشتعال سے اس کے پیچھے گیا۔

۔ فرشتے نے صوفے سے حیدر خان کی چادر اٹھائے خود بلغ اچھی طرح لپیٹی ۔ وہ سوئے ہوئے دراب زراب کی طرف بڑھی۔

حیدر خان جلدی سے فرشتے کی طرف بڑھا۔

فرشتے تم نہیں جا سکتی۔۔۔ یہ میرا حکم ہے۔۔ حیدر خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

حکم وہ شوہر دیتا اچھا لگتا ہے؟؟ جس نے شوہر ہونے کا فرض نبھایا ہو۔۔ فرشتے اپنی کلائی چھڑواتی دراب زراب کی طرف بڑھی۔۔۔ حیدر خان پھر سے اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔

تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔۔ اگر تم نے اس کمرے سے باہر قدم رکھا تم حیدر حاکم خان کا اصل روپ دیکھو گی۔ وعدہ کرتا ہوں تمھارے سارے بھائیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ کسی نے بھی تم لوگوں کو مجھ سے چھینے کی کوشش کی۔۔ سب کی بربادی کی ذمہ دار تم ہو گی۔۔ نہ تمھارے بھائی زندہ رہیں گے نہ تمھارا شوہر۔۔ ہر طرف جنازے اٹھیں گے۔۔۔ حیدر خان نے سرد لہجے میں دھمکی دی۔

میں بھی وعدہ کرتی ہوں قسم کھاتی ہوں آپ کے بیٹوں کی۔۔ آج آپ نے مجھے روکا۔ میں اپنا دودھ آپ کے بیٹوں پر حرام کر دوں گی۔۔ اب سوچ لیں

اگر میں یہاں رکی آپ کے بیٹوں کی جان خطرے میں ہو گی۔۔ اگر مجھے مجبور کر کے میری قسم توڑی پھر بھی نقصان آپ کے بیٹوں گا ہو گا۔ مجھے یقین ہے حیدر حاکم خان جتنا بھی ظالم ہو مگر اپنے بیٹوں کو تکلیف نہیں دے گا۔ فرشتے سرد سپاٹ انداز میں بے رحمی سے سپاٹ لہجے میں بولتے حیدر خان کا وجود کاٹ گئی تھی۔۔

اتنی بے رحم میری فرشتے کیسے ہو سکتی ہے؟؟ حیدر نے کرب سے سوال کیا۔

آپ نے مجھے ایسا بنایا۔۔ فرشتے جواباً زخمی مسکرائی تھی۔۔

حیدر فرشتے کو زخمی نگاہوں سے دیکھتا اس کی کلائی آزاد کر چکا تھا۔

فرشتے چادر سے اپنا چہرہ ڈھکتی دراب زراب کو بانہوں میں اٹھا چکی تھی۔۔حیدر خان اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے رگڑتا گاڑی کی چابیاں اٹھائے فرشتے کے ہمراہ ہوا۔۔

ابرش اپنے کمرے کے گلاس وال کے سامنے کھڑی باہر لان سے نظر آتے بڑے سے کارپورٹیکو پر نظریں جمائے ہوے تھی۔

اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔وہ اس وقت وائٹ کلر کی سلک کی لانگ گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔

زاران کی گاڑی کو کارپورٹیکو میں داخل ہوتے دیکھ کر ابرش کی آنکھوں سے شعلے سے لپکے تھے۔

وہ اپنے ہر عمل سے ثابت کر چکا تھا وہ اس سے محبت کرتا ہے۔اس کی زندگی میں صرف وہی ہے۔

بولے گئے ہر لفظ پر شرمندہ تھی۔ کل صبح سے وہ زاران کا انتظار کر رہی تھی ۔اور ہمیشہ کی طرح وہ اس کے پاس نہیں تھا۔ صبح سے رات ہو چکی تھی۔

۔ملازمہ کتنی بار اسے کھانے پر بلانے آچکی تھی۔وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔یہ پہلی مرتبہ تھا زاران کی غیر موجودگی میں اسے بار بار کھانے کے لیے بلایا گیا تھا۔۔اس کے نہ جانے پر کھانا اس کے کمرے میں بھجوایا گیا۔

۔۔

زاران نے اس کی اہمیت سب پر اچھی طرح واضح کر دی تھی۔۔۔ مگر وہ کل صبح سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔

رات سے وہ اس کی پسندیدہ آف وائٹ نائٹی میں ملبوس تھی۔۔رات سے اس پر ایک ایک لمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔۔پوری رات اس نے گلاس وال کے آگے کھڑے اس کا انتظار کرتے گزاری تھی۔۔دل میں غم وغصے کا طوفان اٹھ رہا تھا۔۔ایسی کونسی امپورٹنٹ میٹنگ تھی جو کل صبح سے وہ اسلام آباد میں تھا۔

دل میں پھر سے خدشے سر اٹھا رہے تھے۔۔افففف۔۔۔۔۔ابرش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔کل وہ اس کے اتنے قریب آکر آرام سے گہری نیند سو گیا تھا۔وہ ایک پل سو نہیں سکی تھی۔۔وہ گہری نیند سوتا رہا تھا۔سات ماہ بعد تو مسٹر خانزادہ کی بے چینیاں عروج پر ہونی چاہیے تھیں۔آخر بیوی تھی اس کی۔۔۔اس کی کمزوریوں سے واقف تھی۔۔وہ کیسے ایک کمرے میں

اس کے بغیر رہ سکتا ہے۔ محبت نہ سہی اپنی ضرورت ہی پوری کر لیتا۔۔ مگر اس نے تو اس کے وجود سے اپنی ضرورت بھی پوری نہیں کی۔۔

ابرش نے اپنے سیل فون ہاتھ میں پکڑے اس کا میسج پڑھا۔۔ جسے جب جب دیکھتی تھی وہ بری طرح جلتی تھی۔

سویٹ ہارٹ مائی جان!! جل جل کر اپنا خون مت ضائع کرنا۔۔ میں ایک میٹنگ میں ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے تمھارے پاس ہوں گا۔

Your man

only one

woman man

My die heart fan

ابرش جب جب یہ میسج دیکھتی اس کے خون میں شرارے سے پھوٹ رہے تھے۔یعنی وہ جانتا تھا سات ماہ اسے میسج کرنے والی وہ ہی تھی۔۔ پھر بھی وہ اسے اگنور کرتا رہا۔۔ وہ سچ میں بے حس تھا۔۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔

زاران کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ زاران کو دیکھتے رخ موڑ گئی تھی۔۔ وہ صبح والے لباس میں ملبوس نہیں تھا۔اب وہ بلیک جینز پر بلیک شرٹ اور بلیک لیدر جیکٹ میں ملبوس تھا۔یعنی وہ اپنے بنگلے سے آرہا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں دبوچیں۔بنگلے میں ایسا کیا کام تھا اسے وہاں پر جانا پڑا۔۔ ابرش لب بھینچے خود گہرے سانس لیتے خود پر قابو پا رہی تھی

زاران کی براؤن پرکشش آنکھوں کا مرکز اس کے گہرے سانس لیتے وجود سے اس کی دبوچی ہوئی مٹھیوں پر تھا۔ زاران کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی. اب

نگاہیں اس کے بالوں سے ٹپکتے پانی کی بوندوں پر تھیں جو اس کی سلک کی نائیٹی کو مکمل بھگو چکا تھا۔ زاران کی گرم نگاہوں کی حدت بڑھی تھی۔ اس کا بھیگا سراپہ اس کی آنکھیں پل میں خمار الود کر چکا تھا-- یقیناوہ اپنا غصہ بار بار شاور لے کر اتار رہی تھی۔۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا اس کی طرف بڑھتے اسے پیچھے سے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ مضبوط کرتے اسے اپنے چوڑے سینے سے لپٹا گیا چھوڑو مجھے زاران۔۔۔ ابرش ۔۔۔۔۔غصے سے بلبلائی تھی۔۔...

کیوں چھوڑوں میں میری ڈائی ہارڈ فین ؟؟---زاران نے مسکراتے ہوئے اس کی کان کی لو پر اپنے لب رکھے تھے۔

میں تمھاری ڈائی ہارڈ فین نہیں ہوں سمجھے تم ؟؟ ابرش نے رخ پلٹتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔

رسیلی۔۔۔وہ تم نہیں ہو۔۔۔۔پھر سات مہینے کون پاگل تھا؟؟ جو مجھے پل پل میسج کرتا تھا۔۔اکثر رات کو سوتے ہوے اس کی سانسوں کا رقص فون پر سنا ہے۔ تمھاری طرح اسے بھی مجھ پر بلیک کلر پسند نہیں تھا۔۔ مجھ سے اتنی محبت کرنے والی لڑکی تو ایک ہی ہو سکتی ہے۔اس لیے مجھے لگا وہ میری خوبصورت بیوی ون اینڈ اونلی مائی ابرش ہی ہو سکتی ہے۔۔مائی وومن ----زاران نے اپنی سلگتی سانسیں اس کے سرخ لبوں پر چھوڑیں جنھیں وہ کاٹ کاٹ کر سرخ کر چکی تھی۔۔

میں نہیں ہوں وہ۔۔۔۔ ہو سکتا کوئی اور ہو۔۔۔۔ میں کیوں تمھیں فون کرنے لگی؟؟۔۔ مجھے اپنی سیلف رسپیکٹ بہت عزیز ہے۔۔۔ تم جیسے سیلفش انسان کو میں کیوں فون کروں گی؟؟ میسج کروں گی؟؟ جو اتنی بری حالت میں مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جب مجھے مسٹر خانزادہ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ میرے پاس نہیں تھا۔ ابرش نے شبنمی لہجے میں کہتے اپنی بھیگی شکوہ کناں نگاہیں زاران کی براون آنکھوں میں گاڑھیں۔ وہ بہت سی تلافیاں کر چکا تھا۔ ایک اس بات کی تلافی رہتی تھی وہ اس کی آہ و پکار سنتے ہوے بھی اسے بے رحم بنا چھوڑ کر جا چکا تھا۔۔ اسے ان سات.. مہینوں کا حساب جاننا تھا مقابل کی تڑپ جاننی تھی کیا وہ بھی اس کے لیے اس کی طرح بے قرار تھا؟؟ کیا وہ بھی اس کی جدائی میں روز جیتا مرتا تھا۔ اسے زاران

خانزادہ کے دل کا ہر احساس جانتا تھا۔ مقابل کے دل میں چھپی اپنے لیے شدید محبت جانتی تھی۔

ان سات مہینوں کا حساب کتاب چھوڑ کر ہم اپنی آنے والی زندگی کو خوبصورت بنانا چاہیے۔۔ سات مہینے پہلے جو ہوا۔ شائد تمھارے لیے اتنا تکلیف دہ نہیں رہا جتنا میرے لیے رہا۔۔ اس لیے چھوڑو سب کچھ۔۔۔۔۔ ہم آج رات خوبصورت بناتے ہیں۔ مجھے تمھاری خوبصورت سانسوں اور تمھاری خوبصورت بانہوں کو محسوس کرتے اپنی سات مہینے کی ہر تھکن اتارنی ہے۔۔ ہر تشنگی تمھارے بدن کے پور پور سے اپنے سلگتے لبوں سے سے مٹانی ہے۔ اپنے حلق میں اگتے کانٹوں کو تمھارے ان لبوں کا جام پی کر راحت دینی ہے۔۔۔ ان برفیلی راتوں کو اپنے بدن کی گرمی سے گرم کر دو۔۔۔ یہ برفیلی ہوائیں تمھارے مسٹر خانزادہ کو سرد برفیلا بنا چکی ہیں۔ اس

سے پہلے میں گلیشیر بن جاؤں اپنے دہکتے مجھے پگھلا دلب میرے سینے پر رکھ کر مجھے. پھلا دو۔۔۔زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس کے چہرے کے نقوش پر اپنے سلگتی سانسیں چھوڑتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

ابرش کے دیکتے لب اس کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے۔۔دونوں کی سانسوں کی مہک ایک دوسرے کی سانسوں میں گھل رہی تھی۔بلکہ سانسوں کی امدورفت بری طرح ٹوٹ رہی رہی تھی۔

زاران کے بدن کی مرادنہ خوشبو اس کے حواص بری طرح معطل کر گئی تھی ۔ابرش کے بدن کی گلاب خوشبو سے زاران کی اس کی نازک کمر پر گرفت بہت مضبوط ہوئی تھی۔ابرش نے اس سے دور ہونا چاہا وہ وہ اسے کی کمر کو جکڑے قریب کر گیا۔۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ کل مجھے خود سے دور کیا تھا ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

آج چانسز ہی نہیں۔۔۔ آج دور جاؤں گا تو مر جاؤں گا۔-زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس جھٹکے سے پھر سے اپنے قریب کر گیا۔۔ ابرش کے کپکپاتے لب پھر سے اس کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے ابرش نے اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر شدت سے رکھے تھے۔۔ زاران اسے مزید اپنے قریب کرتے اپنے ساتھ لپیٹ گیا۔

ابرش کے لب اب اس کی ٹھوڑی سے ہوتے اس کی گردن کو چھونے لگے۔

زاران کی ہاتھ بے باکی سے اس کی کمر سے لپٹا اسے بے باکی سے چھو رہا تھا۔۔ ابرش کے پر حدت دیکھتے لب زاران کی گردن کو نرمی سے چھو رہے تھے۔۔ زاران نے مدہوشی میں اپنی آنکھیں بند کیں۔

وہ اس کی گردن پر اب اپنے موتیوں جیسے دانت گاڑھتے لو بائٹ بناتے زاران کے پورے وجود کو آگ کی بھٹی کی طرح گرم کر چکی تھی۔

زاران اپنی جیکٹ اتارتے اسے اسی لمحے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔ اپنی شرٹ اتارتے ہوئے وہ ابرش کی طرف بڑھتا اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔

ابرش کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھاتے اس کے وجود کو گاؤن سے ریموو کر گیا تھا۔ وہ نیٹ کی باریک گھٹنوں تک آتی نائٹی میں ملبوس تھی۔ ابرش کے چاندی جیسے وجود کو دیکھتے زاران کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں تھیں۔

ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی۔

زاران مزید بہکا تھا۔۔۔وہ اپنی انگلیاں اس کے گلابی تپش زدہ عارض پر نرمی سے پھیرنے لگا۔

تم بہت خوبصورت ہو مس امریکہ۔۔۔۔۔۔۔ تمھاری ہر ادا مجھ پر ڈھائے گئے تمھارے ہر ستم پر تمھارا مسٹر خانزادہ تمھارا دیوانہ ہوتا جارہا ہے۔۔وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اوپر کرتے اس کی گردن پر اپنے سلگتے لب رکھ گیا۔۔ابرش اسے بیڈ پر دھکیلتے اس کے اوپر آئی تھی۔زاران کی پیشانی پر نرمی سے اپنے لب رکھتے اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھتے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے اس کے برہنہ سینے پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔اپنا تمام وجود زاران کے چٹانی وجود پر منتقل کرتے ابرش نے زاران کی مہکتی سلگتی خمار آلود آنکھوں میں دیکھا جہاں اس کی طلب نشہ بن کر دوڑ رہی تھی۔

زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑتے اسے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبانے لگا تھا کہ ابرش نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

زاران نے اپنی الجھن بھری سرخ آنکھیں ابرش پر گاڑھیں۔۔ جو اسے کس کرنے سے روک چکی تھی۔

ہم آج سے سات ماہ پہلے کا حساب کتاب نہیں کرتے مسٹر خانزادہ۔۔۔ آج کی رات اور دن کا حساب کتاب تو کر سکتے ہیں ناں۔۔۔۔ ابرش نے زاران کی الجھن بھری نگاہوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

زاران کا سارا خمار بھک سے اڑا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی یہ ادا بھول ہی چکا تھا۔ وہ ایسے ہی نازک لمحات میں اسے اپنی اداؤں میں ٹریپ کرتے سوال جواب کرتی تھی۔ یا اپنا غصہ اتارتی تھی۔۔

کیا مطلب اس بات کا؟؟ ان نازک لمحوں میں تمھاری سوئی کہاں اٹکی ہے۔۔ تم یہ سب کچھ مجھے بہکانے کے لیے کر رہی تھی تا کہ یہ جان سکو۔۔ میں کہاں تھا۔ زاران نے لب بھینچے غصے سے کہا۔

وہ اس ٹائم کوئی بحث نہیں چاہتا تھا نہ زبردستی کرنا چاہتا تھا۔ امریکہ میں زبردستی کے دوران اس نے اسے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔۔ یہ اس کے چاندی جیسے وجود پر اپنی شدتوں سے ظاہر تھا جو ابھی بھی ویسے ہی آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

اس کے دودھیا وجود پر اتنے گہرے نشان اسے خود پر غصے میں مبتلا کر گئے تھے۔

تمھاری آج کوئی میٹنگ نہیں تھی۔۔ بلکہ آج تمھاری پارٹی کے ارکان کی میٹنگ عبدالحق کے گھر پر تھی۔۔ مگر وہاں تم نہیں تھے اور نہ وہ ستارہ خان

تھی۔۔ تم کہاں تھے مسٹر خانزادہ؟؟۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے شعلہ بار لہجے میں سلگتے ہوے پوچھا۔

تم نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہے ابرش۔۔۔۔ زاران کے لہجے میں بے یقینی سی تھی۔۔

زاران جب اس ڈائی ہارٹ فین جو امریکہ میں تھی اسے تمھارے پل پل کی خبر ہو سکتی تھی۔۔۔ یہاں پاکستان میں ہو کر تمھیں کیا لگتا ہے مجھے تمھارے بارے میں خبر نہیں ہو گی۔۔۔ تم کہاں تھے زاران؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کرتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

کون ہے وہ جو تمھیں میری خبریں پہنچاتا ہے۔۔ زاران

نے جبڑے بھینچتے ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے

بالوں کو گدی سے جکڑتے غراتے ہوے پوچھا۔

کوئی نہیں زاران کون ہو سکتا ہے ؟؟۔۔ عبد الحق کے بنگلے میں مٹنگ تھی یہ بات مجھے میڈیا سے پتہ چلی۔۔۔ ابرش نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

جھوٹ مت بولو ابرش۔۔۔۔۔۔۔۔ آج کی میٹنگ افیشلی نہیں تھی۔۔۔۔ اس کے بارے میں میڈیا میں اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ زاران نے اسے بالوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اپنی خون اشام نگاہیں اس کی آنکھوں میں گاڑھتے غرایا۔۔۔

زاران میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ کوئی نہیں ہے۔ مم میں تو ایسے ہی۔۔۔

زاران اسی لمحے ابرش کو خود سے دور دھکیلتا بیڈ سے اٹھا۔

ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو ڈریسنگ کی طرف

بڑھا تھا۔

زاران تک ڈریسنگ کی طرف بڑھتے ابرش کا فون اٹھایا۔۔

زاران یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟؟ ابرش بیڈ سے اٹھتے اس کے مقابل آئی۔ رنگت لمحوں میں فق ہوئی تھی۔ ابرش کے آپ کہنے پر زاران کے شک میں آضافہ ہوا تھا۔

اس کا پاسوورڈ بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔ زاران نے فون اس کے سامنے لہرایا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔

پاسورڈ بتاؤ زاران حلق کے دھاڑا تھا ابرش منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔

ابرش نے ڈرتے ہوے کپکپاتے لبوں سے بتایا۔

زاران نے ابرش کا فون ان لاک کرتے اس کی کال ہسٹری چیک کی۔

رحمان خان کے نام پر زاران نے لب بھینچے تھے۔۔ تم رحمان کے ذریعے میری جاسوسی کر رہی تھی۔۔ زاران اسے کلائی سے جکڑے دیوار میں پہنچ چکا تھا۔

زاران وہ میں۔۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے پکارتے زاران کی آنکھوں میں دیکھا۔

کیا میں۔۔۔۔ میرے گارڈ سے تم نے بات کی۔۔ مجھ پر نظر رکھی۔۔ زاران پاگل ہوتا چیخا تھا۔

زاران ---میرا یقین کرو۔۔۔مم میں نے آج پہلی مرتبہ بات کی ۔۔۔تم چیک کر سکتے ہو صرف پانچ منٹ بات ہوئی ہے۔۔ابرش نے کپکپاتے لبوں سے کیا۔

آج بھی کیوں کی؟؟اور پانچ منٹ بھی کیوں کی تم نے؟؟زاران بدحواص ہوتا دھاڑا تھا۔

زاران وہ--۔۔۔آپ۔۔۔۔کو۔۔۔۔دیر ہو گئی تھی۔۔۔میں۔۔۔نے اس سے پوچھا تھا تمھارا میرا مطلب ہے آپ کب نمبر نہیں مل رہا۔۔ میں نے صرف اس سے تمھارے بارے میں پوچھا کہ آپ کہاں ہیں۔ ابرش نے زاران کو شدید غصے میں دیکھتے بمشکل لفظ ادا کیے تھے۔

نمبر کہاں سے لیا؟؟ زاران نے اس کے گرد اپنے ہاتھ محصور کرتے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے پوچھا۔۔

تمھارے۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کے فون سے۔۔۔۔۔ ابرش نے لب کاٹتے ہوے نظریں جھکائی تھیں۔

زاران کچھ پل اس کی جھکی نظریں دیکھتا رہا۔ وہ اس کے حصار میں اب بری طرح لرز رہی تھی۔

تم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ مگر آج تم نے بہت ہی گھٹیا حرکت کی ہے ۔۔۔

میرے لیے یہ زلالت کی بات ہے میری بیوی میرے گارڈ کو فون کر کے میرے متعلق پوچھ رہی ہے۔۔ میری انویسٹی گیشن کر رہی ہے۔

ایک خان کی بیوی ہو تم۔۔ تمھیں سر سے پیر تک ڈھکا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم باہر نکلو میرے گارڈز تمھیں دیکھ کر اپنی نگاہیں جھکا لیں اتنی عزت تمھاری چاہتا ہوں۔ تمھیں لگتا ہے۔۔ تمھارے فون کال کا اس نے کسی سے ذکر نہیں کیا ہو گا۔۔۔ اور کیا کیا مطلب نہیں نکالا ہو گا۔ زاران نے تپش زدہ لہجے میں اس کی جھکی نظروں پر اپنی دہکتی سانسیں چھوڑیں۔

میرے فون کا پاسورڈ کیسے پتہ چلا تمھیں۔ زاران نے اس کا جبڑا نرمی سے دبوچتے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے سرد لہجے میں پوچھا۔

تمھارے۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کی فنگر پرنٹ سے موبائل ان لاک کیا تھا۔ کل رات جب تم سو رہے تھے۔۔ ابرش کی بات پر زاران کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس پر غصہ کرے یا ہنسے۔۔۔۔۔ کہیں سے نہیں لگتا تھا وہ بائیس سال

کی امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی ہے۔۔ وہ اس کے معاملے میں بہت شدت پسند اور جذباتی تھی وہ سمجھتا تھا۔۔ مگر یہ حرکت بہت عجیب تھی۔۔

تمھیں لگتا ہے میں ستارہ خان کے ساتھ انوالو ہوں۔ زاران نے لب بھینچے پوچھا۔

مجھے ایسے نہیں لگتا زاران۔۔۔ مگر تم اپنے ایکٹ سے ثابت کرتے ہو میری ویلیو تمھاری زندگی میں صفر ہے۔۔ ابرش کی بھیگے لہجے میں کہی ہوئی بات پر زاران نے بری طرح جبڑے بھینچے۔۔

میں جانتی ہوں تم کہو گے کہ تم پوری حویلی میں میری اہمیت بتا چکے ہو۔۔ میں جانتی ہوں میں تمھاری عزت ہوں۔۔ بیوی ہوں۔۔ تم مجھے کبھی خود سے جدا نہیں کرو گے۔۔ میری عزت کی حفاظت بھی کرو گے۔۔ اپنے بچوں کی ماں بھی شائد مجھے بناؤ۔۔۔ ابرش کے شائد کہنے پر زاران نے

تاسف سے سر نفی میں ہلایا۔۔ مگر تم ایک خان ہو۔۔ تمھارے نزدیک دوسری شادی کرنا کوئی عیب نہیں۔۔۔۔۔ تمھارے گھر والے دوسری شادی کی بات ایسے کرتے ہیں جیسے یہ بہت نارمل ہو۔۔۔ ورنہ کہاں ہوتا ہے یہ عام طور پر۔۔۔۔۔۔ داجی بھی تمھاری دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی مجھے تمھارے لیے صحیح نہیں سمجھتا۔۔

مجھے ڈر لگتا ہے میں تمھیں کھو دوں گی۔۔ تم کسی اور کے ہو جاؤ گے۔۔ تمھاری شادی کا خوف میری رگوں میں دوڑتے خون کو منجمند کر دیتا ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔۔۔ میں تمھیں کسی دوسری عورت کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔۔ تمھارے ذرا سا کمرے میں لیٹ آنے پر میری دل سوکھے پتے کی طرح کانپتا ہے۔۔ تمھاری مورے اور تم میرے ساتھ کیا کر چکے ہو تم سمجھ نہیں سکتے زاران۔۔۔ میں مینٹلی سک وومین نہیں ہوں۔۔ تمھیں کسی

دوسری عورت سے شئیر نہیں کر سکتی۔۔۔پلوشہ اور تمھاری مورے مجھے برباد کر چکے ہیں۔۔۔مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔۔زاران گہرا سانس لیتا پیچھے ہوا تھا۔

ابرش دیوار کے ساتھ لگے اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران نے گہرے سانس لیتے جبڑے بھینچتے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے تمام چیزیں ایک ہی جست سے نیچے پھینکتے مرر میں ابرش کا عکس دیکھتے خود پر قابو پایا تھا۔

وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی اپنی اہمیت۔۔۔وہ اس کا تھا صرف۔۔۔۔وہ مر کر بھی صرف اس کا تھا۔ مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔وہ سمجھتا تھا اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔۔جب پلوشہ پہلے دن ان کے درمیان آئی تھی۔

اسے اس دن ہی نکال باہر کرنا چاہیے تھا۔ چار مہینے اس نے ذہنی کرب میں گزارے تھے۔۔۔ اس کا رویہ بہت حد تک جسٹیفائی تھا۔ مگر اب وہ اپنے رویے سے اسے بھی تکلیف پہنچا رہی تھی۔۔ ابرش کی گارڈ کو فون کرنے والی حرکت اسے طیش و اشتعال میں مبتلا کر چکی تھی۔ زاران جبڑے بھینچتے ابرش کے عکس کو مرد میں دیکھتا رہا وہ لب کاٹتے اپنے آنسوؤں کو عارض پر بہنے سے روک رہی تھی۔

زاران گہرے سانس لیتے اس کی طرف بڑھا۔

میرا یقین کرو ستارہ خان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔ میں آج ستارہ خان سے نہیں ملا۔

میری زندگی میں آنے والی تم پہلی اور آخری عورت ہو۔۔ ہمممممم---

زاران نے نرمی سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔۔۔

ابرش نے بھیگے لہجے میں اثبات میں سر ہلایا۔۔

اب جاؤ سو جاؤ تمھیں آرام کرنا چاہیے۔۔ ہم زاران کی بات پر ابرش نے بے یقینی سے دیکھا۔

وہ کیا کہہ رہا تھا وہ اس کا ہے۔۔ یہ یقین دہانی تو اسے اس کی بانہوں میں ٹوٹ کر بکھرتے چاہیے تھی۔۔ وہ اس کا ہے.. یہ لفظ وہ اس کے سینے میں سماتے سننا چاہتی تھی۔۔ وہ عورت ہو کر اس کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ مرد ہو کر اس کے دو آتشہ وجود کو آج پھر سے ٹھکرا رہا تھا۔ ابرش نے اپنی گھٹنوں تک آتے باریک نیٹ میں مہکتے وجود کو دیکھا جو سامنے کھڑے انسان کو اس کا دیوانہ نہ بنا سکا تھا۔

زاران نے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہنتے ہوے اپنی جیکٹ پہنی تھی۔۔ گاڑی کی چابیاں اٹھائے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

دروازے کے بیچ وہ رکا تھا۔۔ سوات کی سڑکوں پر کچھ دیر ڈرائیو کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم سو جاؤ کچھ دیر تک آ جاؤں گا۔

زاران کہتے دروازے کی طرف بڑھا۔ پلٹتے ہوئے ابرش کو دیکھا جو اسے دیکھ رہی تھی۔۔

میرے فون سے ستارہ کا نمبر بھی لیا تھا۔۔ زاران نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

نہیں۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اس کا نہیں۔۔۔۔۔ لیا۔۔ ابرش نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

زاران نے سرد سرخ نظر اس پر گاڑھی تھی۔۔

لیا تھا اس کا نمبر بھی۔۔۔ ابرش نے اس کی سرد سرخ نظر پر نظریں جھکائے کہا۔

زاران گہرا سانس بھرتا کمرے کا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔

حیدر خان مردانے کے سٹنگ ایریا میں راکنگ چیئر پر جھولتے ہوے انگیٹھی میں دہکتے ہوے کوئلوں پر نظر جمائے ہوے تھا۔ وہ کوئلے صرف انگیٹھی میں ہی نہیں دہک رہے تھے۔ بلکہ اس کے دل میں بھی دہک رہے تھے۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے کب سے انگیٹھی میں موجود دہکتے کوئلوں کو دیکھ رہا تھا۔ رات گہری اور برف سے بھی زیادہ سرد تھی۔ جسے دہکتی انگیٹھی بھی گرم نہ کر سکی تھی۔

!!میرے لیے شاہ نواز سے بھی بدتر ثابت ہوے۔۔ اس انسان نے کبھی میرے کردار پر وار نہیں کیا۔۔ مگر آپ کی وجہ سے بار بار میرے کردار پر حملہ ہوا!!

فرشتے کے لفظ یاد کرتا وہ راکنگ چیئر سے اٹھتا انگیٹھی کی طرف بڑھتا پنجوں کے بل بیٹھتا انگیٹھی میں موجود ایک دہکتے کوئلے کو پکڑے اپنے زخمی ہاتھ کی مٹھی میں دبا گیا تھا۔

تکلیف سے اس کی سرخ آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ وہ دانت پر دانت جمائے وہ تکلیف برداشت کرنے لگا۔ بدن کی تکلیف اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ وہ تو سینے میں اٹھتی درد اذیت سے مر رہا تھا۔ وہ حیدر حاکم خان تھا جو زندگی میں کبھی بے بس نہیں ہوا. مگر آج خود کو بے بسی کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہا تھا۔

سوات میں موجود آدھے ہوٹلوں کا مالک۔۔۔ سینکڑوں کا ٹیج کا مالک۔۔۔۔ بڑے بڑے پہاڑ۔۔۔۔ زمینوں کا مالک اکلوتا وارث تھا۔۔ اگر دراب زراب نہیں تو کیا کرتا وہ یہ زمینیں

جائیدادیں ۔۔۔۔۔۔کیا کرتا ان بڑی بڑی حویلیوں کا۔۔۔حیدر خان نے نظریں گھماتے اپنی عالیشان حویلی کو دیکھتے وہ کرب سے نظرے جھکائے زخمی سا ہنس دیا تھا۔

!!آپ کی وجہ سے آج میں بے پردہ ہوئی۔۔ آپ کی وجہ سے آج مجھے غیر مردوں نے دیکھا۔۔ آپ جیسے کمزور مرد سے مجھے کیوں محبت ہوئی؟؟ ۔۔۔آپ کیوں میری زندگی میں آئے۔۔اگر آ ہی گئے تھے یہ ضروری تھا آپ میری روح میں سماتے۔۔۔۔یہ ضروری تھا میرے دل پر آپ کا نام لکھا جاتا!!

حیدر خان کوئلی مٹھی میں دبائے درد و کرب سے حلق کے بل چیخا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رقیہ خانم زنان خانے کے لاونج میں کب سے ٹہل رہی تھیں۔ حیدر خان نے واپس آکر ان سے ملاقات نہیں کی تھی۔۔ وہ جب سے آیا تھا مردانے میں ہی تھا۔

وہ حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی اور نمی بھول ہی نہیں پا رہی تھیں۔۔ اس کے الفاظ تو ان کے دل میں جیسے کھب گئے تھے۔۔

!!کاش نہ پلاتی دودھ مورے۔۔۔ اتنی بار قرض مان چکی ہیں کہ میں ادا کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب تو گروی رکھوانے کے لیے بھی میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ ایک جان ہی بچی ہے۔ کہیں تو وہ بھی دے دیتا ہوں!!

رقیہ خانم تب سے ہی رو رہیں تھیں۔ حیدر خان کبھی ان سے یہ لفظ کہے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ مگر وہ لفظ اور حیدر خان کی آنکھوں میں کرب یاد کر کے وہ مر رہی تھیں جیسے۔۔۔۔

حیدر خان کی زندگی میں فرشتے کو اس لیے برداشت نہیں کر سکیں وہ ان کے علاوہ کیسے کسی سے اتنی محبت کر سکتا تھا۔ کیسے ان کی حکم عدولی کر سکتا تھا وہ بھی ایک بانجھ اور طلاق یافتہ لڑکی کے لیے۔۔۔ حیدر خان ان کا اتنا فرمانبردار تھا کہ وہ اس کی نا کبھی کسی معاملے میں برداشت کر ہی. نہیں سکتی تھیں۔ وہ کرتا بھی نہیں تھا وہ بچپن سے ہی ان کے ہر فیصلے کے اگے سر جھکاتا تھا اتنی محبت اتنا احترام کرتا تھا کہ ان کے سامنے نظریں نہیں اٹھاتا تھا ۔۔ پانچ سال سے لے کر اکتیس سال کے مرد ہونے تک اس

نے اپنی نظریں ان کے سامنے نہیں اٹھائی تھیں۔ وہ حیدر حاکم خان جس کے غصے سے حاکم خان بھی دبتے تھے۔ وہ ان کے سامنے فدبتا تھا۔ فرشتے سے وہ شدید حسد کرتی تھیں۔ حیدر خان نے اوز گل کو ٹھکرا کر فرشتے جیسی بانجھ لڑکی کو اپنایا تھا۔ انھیں لگا وہ جلد فرشتے کی محبت کا بھوت حیدر خان

کے سر سے اتار دیں گی۔۔ مگر فرشتے کی معصومیت اور اس کے وجود سے عجیب سے لپکتی کشش محسوس کرتے وہ دن رات پریشان رہنے لگی تھیں۔ پہلا دھچکا انھیں تب لگا جب حیدر کی پہلی رات کی قربت کے بعد انہوں نے فرشتے کا مہکتا روپ دیکھا تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا وہ پانچ سال کی آزواجی زندگی گزار کر آئی ہے۔۔ وہ سب کے درمیاں سرخ سی نظریں جھکائے گھبراتے ہوے شرما رہی تھی۔ مہمان خواتین کے سامنے نظریں نہیں اٹھا رہی تھی۔ اور ایسا روپ آیا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اٹھارہ سال سے بھی کم عمر دوشیزہ لگ رہی تھی۔۔ فرشتے کی معصومیت اور اس کا بھڑکتا حسن دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ایک رات میں ان کے بیٹے نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ فرشتے کی معصومیت اور خوبصورتی میں کئی گنا آضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اسی دن ڈر گئی تھی۔ فرشتے کی معصومیت خوبصورتی اور حیدر خان

کی آنکھوں میں فرشتے کے لیے دیوانگی دیکھ کر وہ حسد مین مبتلا ہو جاتی۔۔اور فرشتے کا بانجھ پن انھیں بری طرح چبھتا تھا. ۔۔حیدر خان کو وہ اپنی ملیکت سمجھتی تھیں۔جب وہ فرشتے کو لے کر اپنے ساتھ اپنے ہوٹل کچھ دنوں کے لیے چلا گیا تھا ان کی حسد ور قابت میں آضافہ ہوا تھا۔حیدر خان نے اس دوران ان کا فون کاٹا تو غم وغصے سے پاگل ہو گئیں۔وہ ان پر ایک طلاق یافتہ بانجھ لڑکی پر فوقیت دے رہا تھا وہ برداشت نہ کر سکیں ۔۔حیدر خان کی اتنی سی بے اعتنائی پر انھیں ہارٹ اٹیک اگیا تھا۔

فرشتے کا بانجھ پن اور حیدر خان کی بے اعتنائی انھیں بہت سے وسوسوں مین مبتلا کر گئی تھی۔۔حیدر خان کے ساری عمر تنہارہ جانے کا خوف بھی ان پر حاوی ہو گیا۔

وہ حیدر خان کو بے اولاد نہیں دیکھ سکتی تھین۔ وہ کیسے بھی کر کے فرشتے کو برداشت کر لیتیں مگر اس کا بانجھ پن برااشت نہیں کر سکتی

تھیظ۔ حیدرء خان سے اپنی بات منوانے کے بعد فرشتے کو انہوں نے حویلی سے نکال دیا۔۔ انھیں لگتا تھا اوز گل سے اولاد کے بعد فرشتے خود ہی حیدر خان کے دل سے نکل جائے گی۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ حیدر خان کے بیٹوں کی ماں بننا فرشتے کا مقدر ٹھہرا تھا۔۔ درب زر اب انھیں جیسے حیدر خان سے بھی زیادہ پیارے تھے۔۔ جیسے فرشتے انھیں چبھتی تھی ایسے اوز گل چبھنے لگ گئی تھی۔۔ مگر اوز گل سے حسد ور قابت کبھی نہیں ہوا۔۔ حیدر خان کی زندگی میں اوز گل کا کوئی مقامنہیں تھا۔۔ رقیہ خانم شدت سے رودی تھیں۔ انھیں آج بھی فرشتے سے حسد ور قابت تھا۔ وہ

آج بھی حیدر خان کے دل میں رہتی تھی جہاں کبھی صرف ہوتی تھیں۔۔وہ حیدر خان کی بے اعتنائی پر تڑپ کر مر رہی تھیں۔۔

حیدر خان کی چیخ پر رقیہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے بھاگتے ہوے مردانے میں داخل ہوئی تھیں۔

حیدر خان کو انگیٹھی کے پاس پنجوں کے بل بیٹھے مٹھی میں دہکتے کوئلے دباتے دیکھ کر وہ ہانپتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں۔۔حیدر۔۔۔۔وہ تڑپتے ہوے اس کی طرف جھکی تھیں۔حیدر خان جلدی سے اٹھتا انھیں اپنی بانہوں میں بھر چکا تھا۔

کیا کر رہی تھیں مورے؟؟حیدر خان نے آہستگی سے کہا۔

یہ تم کیا کر رہا تھا۔ تم اپنا ہاتھ جلا رہا تھا۔ رقیہ خانم نے اس کی زخمی ہتھیلی دیکھی جو سیاہ تھی۔

جلنا میرے مقدر میں لکھا جا چکا ہے مورے ؟؟ آپ کو کیا پتہ ؟؟ سات ماہ سے کیسے کیسے شعلے دہکتے میرے اندر دہکتے ہیں۔۔ حیدر خان ان سے دور ہو تا رخ پلٹے اپنی نم سرخ آنکھیں آستین سے مسل گیا تھا۔

رقیہ خانم بری طرح سسک پڑی تھیں

انھیں روتا دیکھ کر حیدر خان بے تابی سے ان کی طرف بڑھا۔ مورے کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہیں۔ ؟؟ حیدر خان نے تڑپتے ہوے پوچھا۔

تمھارا قصوروار ہم ہے۔۔ ہم کو معاف کر دو ہم ماں ہو کر تمھارا درد نہ سمجھ سکا۔۔ حیدر ہم فرشتے سے حسد در قابت ضرور کرتا تھا۔۔ مگر اگر ہمیں پتہ

ہوتا وہ بانجھ نہیں ہے۔۔ ہم اسے کیسے بھی کر کے برداشت کر لیتا۔ شائد اس کا زندگی مشکل بناتا مگر کبھی اسے تمھارا زندگی سے نہ جانے خدیتا۔۔۔ کبھی اوزگل کو تمھارا زندگی میں نہ لاتا۔۔ ہمارا یقین کرو۔۔ ہمیں اپنا پوتا کا بہت تمنا تھا۔ ہم تم کو ساری عمر تنہا نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ رقیہ خانم روتے ہوے بولیں۔

مورے آپ مجھ سے معافی مانگ کر مجھے گناہ گار مت کریں۔۔ آگے بہت سے گناہ میرے کھاتے میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔۔ قصور صرف میرا تھا۔ میں ہی اس کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکا۔ آپ کا کوئی قصور نہیں تھا مورے۔۔۔ سارا قصور صرف حیدر حاکم خان کا تھا۔۔ حیدر نے کرب سے کہا۔

کیا کہتا ہے وہ؟؟اس کو واپس لے آؤ۔۔شوہر ہے تم اس کا۔اس کے بیٹوں کا باپ؟؟اس کو بتاؤ اس کا بیٹوں کو ایک باپ کا ضرورت۔ہے۔دنیا میں کوئی رشتہ باپ جیسا نہیں ہو سکتا۔اس کو بتاؤ دراب زراب کو ہر قدم پر تمھارا ضرورت ہے۔۔ہمارا ضرورت ہے۔۔ہم دادا دادی کا پیار سے ان کو کیوں محروم رکھنا چاہتا ہے۔کل ہم کٹھور بن رہا تھا اس کو سمجھاؤ آج وہ کھٹور نہ بنے۔۔رقیہ خانم نے تڑپتے ہوے کہا۔

وہ کھٹور بن چکی ہے مورے؟؟اس کو میری کوئی پکار میرا درد نظر نہیں آرہا ۔۔یہاں تک وہ اپنے بیٹوں کا بھی نہیں سوچ رہی۔۔حیدر کرب سے بولتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

حیدر۔۔۔۔وہ کوئی ضد کر رہا ہے تو پوری کرو۔۔۔اس کا نام یہ سارا جائیداد کر دو۔۔اگر وہ اوزگل کو طلاق دینے کا کہہ رہا ہے تو چھوڑ دو اسے۔۔ہر

حالت میں اس کو واپس لاؤ۔۔۔ حیدر حاکم خان ہے تم ؟؟ تمھارا پاس بہت طریقہ ہے اس کو یہاں لانے کا۔۔۔ خون خرابہ کرو کچھ بھی کرو۔۔ مگر ہمارا پوتا ہم کو لا دو۔۔ ہم تم کو یوں تڑپتا نہیں دیکھ سکتا۔۔ رقیہ خانم کی باتیں سنتے حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی مین آضافہ ہوا تھا۔

مورے آپ کل بھی صرف اپنے بارے میں سوچتی تھیں۔ آج بھی اپنے بارے میں سوچتی ہیں۔ میری تنہائی کا غم آپ کو ہوتا ان سات ماہ میں آپ کو محسوس ہو جاتا میں کتنا تنہا ہوں۔ مگر آپ کو کبھی میری تنہائی میرا غم نظر نہیں آیا۔ میری آنکھوں میں آپ کو فرشتے نظر نہیں آئی۔ میں نے تو ہمیشہ آپ کک ہر فیصلے پر سر جھکایا۔۔ جس دوست سے ملنے سے روکا اسے دیکھتے ہی راستہ بدل لیتا تھا۔ کہیں اپنی مورے کی بات نہ مان کر گناہ گار نہ ہو جاؤں۔ آپ نے ہمیشہ مجھے بتایا۔۔ جنت ماں کی فرمانبراری میں ہے۔ اس

کے حقوق پورے کرنے میں ہے۔۔ یہ بتایا ہی نہیں حقوق صرف ماں کے پورے کرنے پر جنت نہیں ملتی۔۔ انسان تو پڑوسی کے حقوق میں کوتاہی برت لے تو دوزخ کا حقدار ٹھہرتا ہے۔۔ اور فرشتے تو میری عورت ہے۔۔ اگر جنت صرف ماں کی فرمانبرداری میں ہے تو آپ کی فرمانبرداری کر کے بھی کیوں میں پلے صراط طے نہیں کر پا رہا۔ کیوں میری جان سولی پر لٹکی ہے۔ حیدر خان اذیت و کرب سے بولا۔

حیدر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔۔۔ تو

۔۔۔۔۔۔۔ تمھارا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واسطہ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کہہ۔۔ رہا ۔۔۔۔ ہے۔۔ رقیہ خانم نے اٹکتے ہوئے کہا۔

مورے۔۔۔۔۔۔ کل میں نے فرشتے کی حقوق سے نظریں چرائیں۔ آج آپ مجھے وہی سب کچھ دہرانے کو کہہ رہی ہیں۔ کل فرشتے بانجھ تھی تو آپ

نے اسے حویلی سے نکال دیا آج اوز گل بانجھ ہے اسے میں حویلی سے نکال دوں۔۔۔ کل بھی ایک میں ایک کمزور مرد ٹھہرا تھا۔ آج بھی آپ مجھے پھر سے ایک غلط فیصلہ لینے کو کہہ رہی ہیں۔ اپنی بیوی اپنی عزت کو چھوڑ دوں۔۔۔ اور آپ مجھے بتائیں اسے چھوڑ دوں کہاں جائے گی وہ؟؟ اس کا تو آپ کے اور میرے سوا کوئی نہیں۔۔۔ بچپن سے پالا ہے آپ نے اسے؟؟ پھر بھی اتنی خود غرضی مورے؟؟۔۔۔ ایک بار میں پہلے رشتوں میں توازن نہ رکھ کر اپنا سب کچھ کھو چکا ہوں۔ مگر اب نہیں۔۔۔۔ دراب زراب فرشتے میری کمزوری ہیں۔ ان کے بغیر جینا ایسے ہے جیسے سانسوں کے بغیر جسم۔۔۔۔ ہر ممکن کوشش کروں گا فرشتے کو اپنی زندگی میں لانے کی۔۔ جان دینی پڑی تو وہ بھی دے دوں گا مگر اب کی بار کوئی غلط فیصلہ

نہیں کروں گا۔۔۔حیدر خان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

حیدر خان کے بھاری قدموں کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔کمرے کے باہر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔

اندر سے اوزگل کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

بادشاہ خان ہم کو معاف کر دو۔۔ہم نے تمھارا محبت ٹھکرایا۔۔جس کا سزا ہم کو مل رہا ہے۔ہم نے تمھارا دل دکھایا جس کا سزا خدا نے ہم کو بانجھ ہونے کی صورت میں دیا۔

اوزگل کی سسکیوں کی اواز تیز ہوئی تھی۔۔

حیدر خان کی آنکھیں لہو رنگ ہوئی تھیں۔

ہم کو پتہ تھا تم ہم سے اتنا محبت کرتا ہے تم کو ہمارا بانجھ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ ہم بھی تمھارا پاس آنا چاہتا ہے۔۔ مگر ہم کو حیدر خان نہیں چھوڑے گا۔۔

وہ اپنا عزت کو نہیں چھوڑے گا۔۔ اس حویلی میں کاٹھ کباڑ کی حیثیت ہے ۔وہ ہمارا ہو کر بھی ہمارا نہیں۔۔۔۔ ہم تو اس دن کو پچھتاتا ہے جس دن اس حیدر خان سے شادی منایا۔۔۔ ہم کو تمھارا قدر آگیا ہے بادشاہ۔۔۔۔۔ ہم کو یہاں سے لے جاؤ۔۔ ورنہ ہم سسک سسک کر مر جائے گا۔ حیدر خان کی ظبط کی طنابیں چھوٹی تھیں۔ وہ آتش گیر مادہ جیسے بنا تھا۔ وہ لدروازہ دھاڑ سے کھولتے اندر داخل ہوا۔۔

فرشتے جو اوندھے منہ لیٹے فون پر بات کر رہی تھی۔ یکدم سیدھی ہوئی تھی۔۔ حیدر خان کو سامنے دیکھ کر اس کا پورا وجود پسینے میں بھیگا تھا۔

اس کے ہاتھوں سے فون چھوٹ کذ زمین بوس ہوا تھا۔ حیدر کی خون اتری آنکھیں دیکھ کر اس کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔

حیدر وہ۔۔۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ اوز گل اپنی لرزاہٹ پر قابو پاتے بیڈ سے اٹھتے حیدر خان کی طرف بڑھی تھی۔۔ حیدر خان کے بھاری تھپڑ سے وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔

وہ چکراتے وجود کے ساتھ بری طرح سسک پڑی تھی۔ اس سے پہلے وہ سیدھی ہوتی حیدر خان اس کی طرف بڑھتا اسے بالوں سے بے دردی سے دبوچتے اپنے سامنے کھڑا کر گیا۔

حیدر۔۔۔۔۔ ہمارا۔۔۔بات۔۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔۔اوزگل کانپتے لبوں سے بمشکل بولی۔۔

کیابات سنو تمھاری میں تم میری عزت کے ساتھ کھلواڑ کر رہی تھی اپنے اس یار بادشاہ کے ساتھ مل کر۔۔۔۔ حیدر حاکم خان کی عزت کے ساتھ۔۔۔ حیدر اس کے بال بے دردی سے دبوچتے غرایا تھا۔

نن۔۔۔۔۔۔۔۔ ممم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدر۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ نام مت لو اپنی گندی زبان سے۔۔۔ فاحشہ۔۔۔۔ عورت۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدر خان اس کے دوسرے گال پر بھی پوری قوت سے تھپڑ جڑ چکا تھا۔ اوزگل کے لبوں سے خون نکلتا اس کے حلق میں گھلا تھا۔

حیدر۔۔۔۔۔ہمارا۔۔بات۔۔۔۔سنو۔۔۔۔۔۔۔اوزگل اپنے بال جھڑواتے ہوے روتے ہوے چیخی تھی۔۔وہ مزید بے دردی سے اس کے بال دپوچتے اسے اپنے قریب کر گیا۔

کیابات سنو تمھاری۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔اس بادشاہ کے ساتھ تمھارابھاگنے کا پلین تھا۔ آج میں تمھاراوہ حال کروں گا تم بھاگنے کے قابل نہیں رہو گی ۔۔۔

حیدر ہم بھاگ نہیں رہا تھا۔۔ہم صرف اس کا ساتھ اپنا غم بانٹ رہا تھا۔۔اوزگل چیخی تھی۔۔۔

رات کے تین بجے تم ایک غیر مرد کے ساتھ اپنا غم بانٹ رہی تھی۔۔اس کو کھونے پر رو رہی تھی۔۔اس کے پاس واپس جانے کے لیے مری جارہی ہو

تم۔۔۔بے غیرت۔۔۔۔ عورت۔۔۔ حیدر خان پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔

کیا کرے ہم ؟؟ تم ہمارا ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔۔۔ تمھارا کمرہ کا بدرنگ پردے کی طرح تم نے ہمارا حال کر دیا۔۔ ہم انسان ہے حیدر۔۔۔۔۔۔ کوئی بے جان مورت نہیں جسے درد نہ ہو۔۔۔۔ اوزگل بھی جواباً غرائی تھی۔

مجھ کو سزا ملی ہے فرشتے جیسی پاک عورت کا دل دکھانے پر کہ تم جیسی بدکار عورت میرا نصیب بنی۔۔ حیدر خان غصے سے گرجا تھا۔۔

اسی بات کا غم ہے حیدر خان۔۔۔۔. تمھارا جیسا انسان کسی کا نہیں ہو سکتا۔۔ جب تم فرشتے کا تھا تب تم نے مجھے اپنا نکاح میں لیا۔۔ دن رات بستر پر اپنا ضرورت پورا کیا۔ اب جب ہم تم کو اولاد نہیں دے سکتا ہم تمھارا ضرورت بھی نہ رہا۔۔ تم کو کیا لگتا ہے عورت کا ضرورت نہیں ہوتا۔۔ اس کو

مرد کا ضرورت نہیں ہوتا۔ تم چاہتا ہے ہم اس حویلی میں رہے تمھارا عورت بن کر۔۔۔ تمھارا عزت کا پاسداری کرے۔۔ مگر تم ہمارا حقوق بھی پورا نہ کرے۔۔۔ اوز گل پاگل ہوتی چیخی تھی۔۔ حیدر خان اسے اچھوت کی طرح بستر پر دھکیلا تھا۔۔

تم ایک بے شرم عورت ہو۔۔۔۔ تمھارے انداز و اطوار میں پہلی رات دیکھ چکا تھا۔۔ تم عورت کے نام پر دھبہ ہو۔۔ عورت تو ساری عمر اپنے شوہر کے بغیر اس کے نام پر گزار دیتی ہے۔ اور تم شوہر کے ہوتے ہوے چند دن گزار نہ سکی۔۔ حیدر خان نفرت سے اسے دیکھتا چیخا تھا

جو چیز تم مجھے نہیں دے سکتا حیدر خان۔۔۔ وہ کیسے تم مجھ سے امید کر سکتا ہے۔۔ ہم دھبہ نہیں۔۔۔ تم بھی ایک مرد ہونے پر دھبہ ہے۔۔۔ اوز گل سیدھی ہوتی چیخی تھی۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔۔۔میں مرد کے نام پر دھبہ ہوں۔اس لیے آج تمھیں مرد بن کر دکھاؤں گا۔ تمھاری لاش آج اس حویلی میں قبر کھود کر دفناؤں گا۔۔حیدر خان طیش واشتعال سے غرایا تھا۔

اوزگل نے سیدھے ہوتے فق رنگت سے حیدر خان کو دیکھا جو الماری کی طرف بڑھ رہا تھا۔الماری سے حیدر خان کو بیلٹ نکال کر اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکے تھے۔

وہ سیدھی ہوتی بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

حیدر۔۔۔۔ہم کو معاف کر دو۔۔۔اوزگل کانپتے لبوں سے بمشکل بولی۔۔

حیدر خان کی بیلٹ کی ضرب اس کے منہ پر پڑی تھی۔۔وہ منہ پر ہاتھ رکھتے بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

حیدر خان کی یکے بعد دیگرے ضرب سے اس کی چیخیں اسمان کو چھو رہی تھیں۔

حیدر خدا کا واسطہ ہے ہم کو معاف کر دو۔۔۔اوزگل کی سسکیاں بری طرح کمرے میں گونج رہی تھی۔۔

حیدر نے بیلٹ پھینکتے اس کی طرف بڑھا تھا۔اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کیا۔

تم مجھ سے رہائی چاہیے تاکہ تم اس بادشاہ کے پاس جا سکو۔۔۔تم جاؤ گی اس بادشاہ کے پاس۔۔۔مگر زندہ نہیں۔۔۔وعدہ کرتا ہوں تمھاری لاش کا تحفہ بجھواؤں گا اس کے پاس۔۔۔۔حیدر خان نے ڈرار سے پسٹل نکالتے اوزگل کے ماتھے پر تانی۔۔

اوزگل خوف سے کانپتے ہوے حیدر خان کے قدموں میں گری تھی۔۔ ہم کو معاف کر دو حیدر۔۔۔ ہم وعدہ کرتا ہے۔ ہم ہمیشہ تنھارا وفادار رہے گا۔۔ تم جیسا رکھے گا ہم رہے گا۔۔ ہم کو معاف کر دو۔۔۔ تم کو اپنا بچوں کا واسطہ ہم کو معاف کر دو۔۔۔ تم کو دراب زراب کا واسطہ۔۔۔

اوزگل اس کے قدموں میں

گرتے گڑگڑائی تھی.

حیدر خان دراب زراب کے نام پر اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

ہم کو کسی کونے میں پھینک دینا۔۔ مگر ہم کو موت مت دو۔ ہم مرنا نہیں چاہتا۔۔۔

حیدر خان اسے بالوں سے دبوچتے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

تم جیسی عورت کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کر سکتی۔۔ حیدر حاکم خان تمھارے گندے خون کے ساتھ اپنے ہاتھ نہیں رنگ سکتا۔۔۔ حیدر حاکم خان کی غیرت کہہ رہی ہے تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔۔ مگر اپنے خدا کے لیے تمھیں معاف کرتا ہوں۔۔ جس نے مجھ پر تمھاری حقیقت اشکار کی۔۔ فرشتے جیسی نیک عورت میرا مقدر ٹھہرائی ۔۔ میں اپنے اسی خدا کے لیے تمھیں معاف کرتا ہوں۔۔ تم حیدر خان کا عشق ہوتی محبت ہوتی۔۔۔۔ خدا قسم۔۔۔۔۔۔ تمھاری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کو کھلا دیتا۔۔ مگر تم حیدر خان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ اپنی عزت سمجھتا تھا مگر اب تم وہ بھی نہیں رہو گی۔۔۔ حیدر خان اس کے بال جکڑ تا غرایا۔۔

میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔ مین تمھیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔۔ حیدر خان دھاڑتے ہوے اسے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

اوزگل بیڈ پر گرتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ حیدر خان صوفے کی طرف بڑھتا اس کی چادر اٹھاتا اس پر پھینک چکا تھا۔۔

اس سے اپنا وجود ڈھانپ لو۔۔۔ میرے گارڈز تمھیں بحفاظت اس بادشاہ کے پاس چھوڑ دیں گے۔۔ حیدر خان اوزگل کے سسکتے وجود کو قہر بار نگاہوں سے گھورتا دروازہ کھولتے باہر نکل گیا تھا ن

.....۔۔

بہارے اپنے روم میں بہرام کو فیڈ کروا رہی تھی۔۔ سٹیچز کی وجہ سے تھوڑا پرابلم ہوتا تھا اسی لیے اسے سائیڈ کروٹ لیے لیٹ کر فیڈ کروا رہی تھی۔۔

یکدم شہرام دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔ بہارے اسے دیکھتے اپنی شرٹ نیچے کرتے جلدی سے اٹھ کر بیٹھی۔۔۔

بہرام فیڈ چھڑوانے پر اسی لمحے رونے لگا تھا۔ بہارے اسے گود میں پکڑے چپ کروانے لگی تھی.

شہرام سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔ جہاں بہرام کی چیزیں پڑیں تھیں۔ شہرام فیڈر میں بوتل سے نیم گرم بوائل واٹر ڈالے اس میں ڈبے کا دودھ ڈالے فیڈر تیار کیا تھا۔۔

وہ بہارے کو مکمل نظر انداز کیے ہوے تھا۔ چہرہ سرد سپاٹ تھا۔۔

وہ فیڈر پکڑے بہارے کی طرف بڑھا اس سے بہرام کو پکڑتے بیڈ کے وسط میں لٹایا تھا۔۔ اس کے سر کے نیچے اس کا سوفٹ سا تکیہ رکھتے اس کے قریب لیٹے اس کے اوپر جھکے اس کے منہ میں فیڈر ڈالا تھا۔

بہرام جو بری طرح رو رہا تھا۔۔ وہ فیڈر ملنے پر روتے سے چپ ہوتے فیڈر پینے لگا۔۔ شہرام اسے سنجیدگی سے فیڈر پلا رہا تھا۔

بہارے نے اپنے لب کاٹتے ہوے شہرام کو دیکھا جو بلو جینز پر سفید لائینگ شرٹ میں ملبوس تھا۔ آستین کہنیوں تک فولڈ کیے ہوے تھا۔ اس کے سفید کلائیوں پر اس کی رگوں کے ساتھ براؤن بال واضح ہوتے اس کے مردانہ وجاہت میں آضافہ کر رہے تھے. ۔۔ بال سلیقے سے سیٹ کیے ہوے بہت تیز پرفیوم لگائے ہوے تھا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت سفید شرٹ میں مزید نکھر رہی تھی۔۔

بہارے اپنے لب کاٹتے ہوے اپنا چہرہ پھیر گئی تھی۔۔ وہ آج دو دن بعد حویلی آیا تھا۔ وہ دو دن سے ہاسپٹل نہیں گیا تھا یہ اسے ڈاکٹر ماہم سے ہی

معلوم ہوا تھا۔ڈاکٹر ماہم نے شہرام کا پتہ کرنے کے لیے اسے فون کیا تھا۔کیونکہ شہرام کسی کا فون بھی نہیں اٹھا رہا تھا۔

وہ خود اس وقت سمپل سے ییلو کلر کی گرم فراک میں

ملبوس تھی۔۔جو پچھلے ایک ہفتے سے تبدیل نہیں کیا تھا۔جس کی بیک پر سٹین تک لگے ہوے تھے۔۔

شہرام کا کمرہ جب چھوڑا تھا تب بھی وہ اسی ڈریس میں ملبوس تھی۔۔بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔

بہارے کی نگاہیں بے اختیار ڈریسنگ مرر کی طرف اٹھی تھیں۔اپنی زرد رنگت دیکھ کر لبوں پر پیڑیاں جمی دیکھ کر

 بری طرح اپنے لب کاٹنے لگی تھی۔اس کا دل ہی نہیں کرتا تھا خود پر توجہ دینے کا۔۔اس وقت اب اپنا آپ مقابل کے سامنے بے حد پھیکا لگا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ حویلی کے تمام مردوں سے زیادہ وجیح اور خوبرو تھا۔یا پھر اسے لگتا تھا۔بہارے کی براؤن کانچ سی آنکھیں شہرام کا بغور معائینہ کر رہی تھیں۔اس کے بدن سے اٹھتی مسحور کن خوشبو محسوس کرتے بہارے گہرے سانس لے کر رہ گئی۔۔اپنا گندہ ملگجا لباس بری طرح آج خود کے وجود پر چبھا تھا۔اپنی گرم چادر بیڈ سے اٹھائے اچھی طرح خود پر لپیٹتے اپنے دامن اور بیک پر لگے داغوں کو چھپایا تھا۔

شہرام اپنی پوری توجہ بہرام پر کیے ہوے تھا۔اسے احتیاط سے فیڈر پلا رہا تھا۔۔

مگر مجھ پر تم اپنا حق کھو چکے ہو یہ بات یاد رکھنا تم۔۔۔ شہرام کے سرد سپاٹ انداز پر بہارے بھڑ بھڑ جلتے بولی تھی

یہ حق تم بچپن سے ختم کرتی آئی ہو۔۔۔ مگر ختم نہ ہو سکا الٹا میرے بیٹے کو تم جنم دے بیٹھی۔۔۔ پہلے میری منکوحہ تھی پھر میری بیوی بنی اب میرے بیٹے کی ماں۔۔ حق حتم عورتوں کے کہنے سے نہیں ہوتے۔ حق مرد ختم کرتا ہے۔ اگر اس نے کرنا ہو تو وہ عورت کی طرح بار بار واویلا نہیں کرتا۔۔ تین لفظ بول کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا ہے۔۔

شہرام سرد لہجے مین بولتے بیڈ سے اٹھا تھا۔۔

بہارے بیڈ سے اٹھتے شہرام کے مقابل آئی تھی۔

کیا مطلب اس بات کا تم مجھے طلاق کی دھمکی دے رہے ہو۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو دھمکی دے مسسز بہارے شہرام خان۔۔۔ تم میری بیوی ہو۔۔۔ اور تاعمر رہو گی۔۔۔ اپنے ہاتھوں سے تمھیں قبر میں اتاروں گا۔۔ اگر زندہ رہا تو۔۔۔۔ شہرام خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولا۔۔

مارنے والے مرنے کی باتیں کرتے اچھے نہیں لگتے شہرام خان۔۔۔ بہارے طنزیہ بولتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔۔

ڈریسنگ روم مین داخل ہوتے اس نے سلائیڈنگ گلاس ڈور بند نہیں کیا تھا۔۔

وہ سٹول پر چڑھ کر اوپر والی کبرڈ کھولے اس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

شہرام نے جبڑے بھینچتے ہوے اسے دیکھا تھا۔ جو اوپر والی کبرڈ سے کچھ اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پنجوں کے بل اسے اوپر ہوتا دیکھ کر وہ غصے سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔

اترو نیچے کیا چاہیے بتاؤ مجھے۔۔۔ شہرام نے اسے دیکھتے سختی سے کہا۔

تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں لے سکتی ہوں۔۔۔ بہارے نے سپاٹ انداز میں بولتے اوپر سے ایک سوٹ کیس کھینچا تھا۔۔

شہرام نرمی سے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھا گیا۔۔

بہارے نے شہرام کے سینے پر ہاتھ مارتے اسے خود سے دور جھٹکا تھا۔۔ شہرام اسے اوپر کو کرتے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ تمھاری ضرورت ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ بہارے نے اس کے وجود سے اٹھتی مہک سے بدحواص ہوتے بے رحی سے کہا۔

مگر بہرام کو اس کی ماں کی بہت ضرورت ہے۔۔۔ اس کے لیے کر رہا ہوں یہ سب۔۔۔۔ شہرام بہارے کی کانچ سی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

ڈریسنگ روم سے باہر نکلتے نرمی سے اسے بیڈ پر لٹایا۔ آئیدہ ایسا کرتب کرنا ہوا تب کرنا جب میں کمرے میں نہ ہوا۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

مجھے جب کچھ چاہیے ہو اتب ہی اتاروں گی ناں تمھارا کمرے میں ہونے یا نہ ہونے سے کیا مطلب ؟؟ بہارے شہرام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے منہ موڑ گئی تھی۔

کیا چاہیے تھا تمھیں اوپر سے ؟؟ میں نے تمھیں کبھی لو لیٹر نہیں لکھے جو تم اوپر سے نکالے میرے منہ پر مارنے کا آرادہ رکھتی تھی۔۔ اچھا طریقہ ہے اپنے شوہر کی انٹینشن حاصل مسسز بہارے شہرام خان

۔۔۔۔۔۔ شہرام خان اس کے چہرے پر گرم سلگتی سانسیں چھوڑتے تپش زدہ لہجے میں بولی۔

ہو سکتا ہے تم نے کسی اور کے لیے لکھے ہو ؟؟ پہلے بھی تمھاری بیوفائی کے ثبوت ایسے ہی کسی الماری سے ملے ہیں۔

بہارے طنزیہ بولتے منہ پھیر گئی تھی۔

شہرام کا چہرہ سرد اور سنجیدہ ہوا تھا۔ ٹھیک کہہ رہی ہو تم ؟؟ مگر اس بار ایسا نہیں ہو گا۔ پکا کام کروں گا۔ شہرام نے لب بھینچے بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

کیا مطلب اس بات کا ؟؟ بہارے تڑپتے ہوے اس کا کالر جکڑ گئی تھی۔

شہرام اس کے ہاتھ اپنے کالر سے چھڑواتے ہوے اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر شدت سے جھکا تھا۔

وہ اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں نرمی سے انہیل کر گیا تھا۔ بہارے بری طرح پینک ہوئی تھی۔

وہ اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں اس طرح لاک کیے ہوے تھا اس کا وزن پیٹ پر نہیں پڑ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

وہ اس کے خشک لبوں کو اپنے لبوں سے گیلا کرتے پیچھے ہوا تھا۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے اسے نم آنکھوں سے دیکھتے لب بھینچے تھے۔

نہ تمھیں لب بھینچنے کی ضرورت ہے نہ اپنے کپڑوں پر لگے داغ چھپانے کے۔۔۔ مجھے تم ہر حال میں اچھی لگتی ہو۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے ہونٹوں سے چھوا تھا۔

تمھیں۔۔۔۔ غلط۔۔۔۔۔۔ فہمی۔۔۔۔ ہوئی۔۔۔۔ ہے۔ میں ایسا کیوں کروں گی؟؟ بہارے نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے شہرام کی سیاہ پرکش آنکھوں میں دیکھا۔۔

ہٹو مجھ پر سے۔۔۔ بہارے نے سرد لہجے میں کہتے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

سچ کہوں بہارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگتا ہی نہیں تم وہ بہارے خان ہو؟؟جو خوبصورت تھی۔۔ایک بچہ پیدا کرنے کے بعد تمھاری یہ حالت ہو گئی ہے۔فگر تمھارا ابھی اچھا ہے۔مگر عنقریب لگتا ہے وہ بھی خراب ہو جائے گا۔کیونکہ ڈائٹ تم لے نہیں رہی۔۔یقیناً بہت جلد تمھارا وزن بھی بڑھنے والا ہے۔۔شہرام بہارے کو بغور دیکھتا اس کے اوپر سے اٹھنے لگا تھا۔بہارے اس کا گریبان پھر سے جکڑ گئی تھی

تم نے کی ہے میری یہ حالت شہرام خان؟؟۔۔۔تمھارے وجہ سے میں ایسے ہوئی۔۔ورنہ کبھی تم میری خوبصورتی پر مرتے تھے۔بھول گئے ساری ساری رات میری تعرفیں کرتے تھے۔۔سیدھی طرح بولو تمھیں باہر کی وہ گھٹیا عورتیں اچھی لگتی ہیں جو تم جیسے مردوں کو اپنی خوبصورتی میں بہکا کر اموشنلی ایکسپولوئٹ کرتی ہیں۔۔تمھیں اپنی بیوی کیوں اچھی لگے

گی؟؟۔۔ بہارے تڑپتے ہوے اس کا گریبان جکڑتے بری طرح چیخی تھی۔

شہرام نے نرمی سے اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑوانے کی کوشش کی۔۔ وہ سسکتے ہوے پھر سے جکڑ گئی تھی۔۔

جان سے مار ڈالوں گی کسی دن تم دیکھنا۔۔۔ بہارے شہرام کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے سسکی لیتے غرائی تھی۔

چانسز تھے مارنے کے۔۔ مگر اب تم میرا کمرہ چھوڑ آئی ہو اموپاسبل ورنہ سوتے میں میرے گلے پر چاقو پھیر سکتی تھی۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اپنا کالر چھڑوانے کی کوشش کی۔ وہ اسے اپنے قریب کرتے اس کی گردن پر اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھ چکی تھی۔۔ شہرام نے دانت پر دانت جمائے درد برداشت کیا تھا۔ وہ سیدھا ہوتے نرمی سے اپنے سینے پر منتقل کر گیا۔۔

بہارے اس سے دور ہوئی تھی۔۔۔ شہرام اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گیا تھا۔۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کی گردن کو دیکھا جہان دانتوں کی نیلی گھڑی بنی تھی۔۔ بہارے اسے دیکھتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔۔

دروازے پر دستک پر شہرام نے بہارے کو اپنے حصار سے آزاد کرتے بیڈ سے نیچے اترا۔۔

بہارے نے بیڈ پر بیٹھتے اپنے کھلے بری طرح الجھے بالوں کو جوڑے میں لپیٹا تھا۔

آجاؤ۔۔۔ شہرام نے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن بند کرتے آجازت دی تھی۔۔

شہرام کی آجازت پر درخشاں اور اس کے ساتھ دو تین اور ملازمائیں اندر داخل ہوئی تھیں۔

جن کے ہاتھوں میں بہرام کا کاٹ بہرام کی مختلف چیزیں تھیں۔۔

بہارے نے حیرانگی سے ان سب کو دیکھا تھا۔

درخشاں بہرام کی ساری چیزیں یہاں سیٹ کر دو۔۔ میرے کمرے میں بہارے اور بہرام کی کوئی چیز نہ رہے۔۔ شہرام درخشاں کو ہدایت دیتے بولا۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔

بھابھی یہ کہاں سیٹ کروں؟

درخشاں نے کاٹ اور بہرام کے بیڈ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اسے لے جا کر باہر پھینک دو۔۔۔ میں اپنے بیٹے کے لیے ہر چیز نئی خرید سکتی ہوں۔۔۔ مجھے اور بہرام کو شہرام خان کے احسان کی ضرورت نہیں۔۔۔۔ بہارے چیخی تھی۔۔

درخشاں نے پریشانی سے شہرام کو دیکھا جو پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

شہرام کی گردن پر دانتوں کی نیلی گھڑی دیکھ کر باقی کھڑی ملازماؤں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔۔ درخشاں شہرام کی گردن پر دانتوں کا نشان دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ شہرام اور بہارے میں سب ٹھیک ہو گیا ہے کہ نہیں۔۔۔ ایسے کئی نشان شہرام کی گردن پر بہت بار دیکھے تھے۔۔ تب بھی جب بہارے ہر روز روتے ہوے

سرخ چہرے کے ساتھ کمرے میں ملتی تھی۔۔تب بھی جب اس کے چہرے پر قوس و قزاح کے رنگ بکھرے ہوتے تھے۔

درخشاں ابھی تم یہ سب کچھ ادھر سیٹ کر دو۔۔۔جب بہارے خان سب کچھ خرید لے گی تو یہ چیزیں اٹھا کر کسی ضرورت مند کو دے دینا۔۔شہرام نے بہارے کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جو اپنے پاؤں اوپر کی طرف سمیٹے اپنے سر کو جکڑے ہوے تھی۔۔یقیناً چیخنے پر اس کے سر میں دھمک ہو رہی تھی۔۔اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

درخشاں نے وہ کاٹ بیڈ کے پاس رکھا تھا۔۔

شہرام بہرام کی طرف بڑھا جو کھیلتے کھیلتے رونے لگا تھا۔

شہرام نے اسے نرمی اور احتیاط سے گود میں اٹھایا۔

اوکے بہرام پاپا کو آجازت دو۔۔اب پاپا آپ سے ایک ہفتے بعد ملیں گے۔۔شہرام کی بات پر بہارے بیڈ شیٹ مٹھی میں سختی سے جکڑ گئی۔۔

پاپا کو بہت بڑا کانٹریکٹ ملا ہے۔۔جو کانٹریکٹ میں نے سات ماہ میں ٹھکرا کر اپنی ساکھ متاثر کی۔۔اب وہ سارے کانٹریکٹ میں نے دوبارہ سے سائن کیے ہیں۔۔اس لیے پاپا اب آپ کو بہت کم حویلی ملیں گے. ابھی تو پاپا اسٹریلیا جا رہے ہیں۔۔جب آپ بڑے ہو جائیں گے تو آپ کو بھی ساتھ لے کر جایا کروں گا۔۔شہرام نے بہرام کو پیار سے دیکھتے کہا تھا اور احتیاط سے اسے کاٹ میں لٹایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

تم لوگ یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟جاو یہاں سے تم لوگ بھی بہارے درخشاں اور باقی ملازماؤں کو کھڑے دیکھ کر غرائی تھی.

جی بہارے باجی۔۔۔۔۔۔ درخشاں دوسری ملازماؤں کو اشارہ کرتے

روازے کی طرف بڑھی تھی۔

درخشاں۔۔۔۔ بہارے کی پکار پر وہ رکی تھی۔

جی بہارے باجی۔۔۔۔ درخشاں نے پلٹتے ہوے پوچھا۔۔

میرے لیے سیب کا فریش جوس اور اچھا سا ناشتہ لے کر آؤ۔۔۔۔ بہارے

کی بات پر درخشاں نے حیرانگی سے اسے دیکھا جو کھانے کے نام پر ہی کاٹ

کھانے کو دوڑتی تھی۔۔ اور اب ناشتہ لانے کو کہہ رہی تھی ابھی تھوڑی دیر

پہلے وہ چائے کے ساتھ بریڈ کے دو سلائس لے چکی تھی۔۔

سنا نہیں تم نے۔۔ میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنا کر لاؤ۔ اور میرا کوئی ڈریس

بھی نکال دو۔۔۔ میں شاور لینے لگی ہوں۔

گی۔۔ بہارے سرد انداز میں کہتے واش روم میں داخل ہو چکی تھی۔

۔۔۔

اس کی بھیگی آواز سن کر وہ اپنے لب بھینچ گیا پھا۔ امینہ خانم نے اسے ابھی بتایا تھا جو کل ہوا تھا۔۔ جسے سن کر ارحام کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔ بہت مشکل سے اس نے اپنے بھڑکتے اعصابوں پر قابو پایا تھا۔

اب فرشتے کی بھیگی آواز سن کر اس کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

فرشتے حیدر خان اس قابل نہیں جس کے لیے تم اپنے آنسو بہاؤ۔ ارحام نے فرشتے کے عارض سے بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کیے۔۔

لالا۔۔۔۔ مجھے حیدر خان سے دور جانا ہے اتنا دور وہ مجھ تک کبھی نہ پہنچ سکے۔۔ میں حیدر خان کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے وہ میرے بیٹے مجھ سے چھین لے گا لالا۔۔ فرشتے نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔۔

اس کی اتنی اوقات نہیں۔۔۔وہ ارحام کی حویلی میں گھس کر دراب زراب کو ہاتھ بھی لگا سکے۔۔۔اس حویلی کا گیٹ عبور کرنے سے پہلے اس کے سینے میں گل خان گولیاں اتار دے گا۔۔ارحام غرایا تھا۔

لالا میں نہیں چاہتی حیدر خان یا پھر آپ میں سے کسی کو بھی کچھ ہو۔۔حیدر خان یہاں نہیں آسکتا مگر وہ ایسے ہی مجھے جہاں دیکھے گا اپنے ساتھ لے جایا کرے گا۔۔۔یہ ڈر مجھے مار دے گا۔۔میں اپنے بیٹوں پر اس کا سایہ بھی نہیں پڑنے دے سکتی تھی۔ویسے بھی لالا ہر بار خان کو ٹھکرانا مجھے بھی اذیت دیتا ہے۔۔مجھے یہاں سے اتنی دور بھیج دو حیدر خان زندگی بھر مجھ تک نہ پہنچ سکے۔۔۔فرشتے ارحام کے سینے سے لگے سسک پڑی تھی۔۔

تم جیسا چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا۔۔حیدر خان کی سات نسلیں تمھیں ڈھونڈ نہیں سکیں گی۔۔وہ اب کبھی تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔۔اس

کے بیٹوں کی شکل بھی اسے نہیں دیکھنے دوں گا۔۔ ارحام مٹھیاں بھینچے اٹل لہجے میں بولا۔۔ فرشتے روتے ہوے ارحام کے سینے میں سما گیی تھی۔۔

تمھارے ہوتے ہوے میری پاک بہن کے کردار پر انگلی اٹھی۔ اب جب جب تم فرشتے تک پہنچنے کی کوشش کروگے۔۔ ارحام خانزادہ کو اپنے مقابل پاؤگے۔۔ تم تڑپ کر مر جاؤگے مگر فرشتے تک کبھی نہیں پہنچ سکو گے. ۔۔۔ اب سے شروع ہو گی حیدر خان تمھاری بربادی۔۔۔ جب تم اپنے بیٹوں کے لیے دن رات تڑپو گے مگر تم ان تک پہنچ نہیں سکو گے۔۔ ارحام اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے دل ہی دل میں حیدر خان سے مخاطب تھا۔

ارحام خانزادہ فلائٹ کے ذریعے اسلام آباد ائیر پورٹ پہنچا تھا۔ اس کا ڈرائیور گاڑی کے ساتھ ائیر پورٹ کے باہر باہر کھڑا تھا۔

اسلاوو علیکم سر---ڈرائیور نے ارحام کو دیکھتے سلام کیا۔

وعلیکم سلام۔۔۔ ارحام نے سن گلاسز لگائے اپنے کوٹ کوٹ کو دوسرے بازو پر منتقل کیا۔ وہ اس وقت آف وائٹ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔۔ کوٹ اپنے بازو پر ڈالے ہوے تھا۔

ڈرائیور نے مستعدی سے ارحام کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا۔۔

یکدم آرحام کا فون رنگ ہوا تھا۔۔ ارحام نے فون اٹھائے کان سے لگایا۔

واٹ۔۔۔۔۔فون پر ملنے والی خبر پر وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔۔رنگ تانبے کی مانند دہکا تھا۔۔پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔۔

گاڑی کی چابی دو۔۔۔ارحام نے پاس کھڑے ڈرائیور کو دیکھتے حکم دیا۔

ڈرائیور نے جلدی سے گاڑی کی چابی پکڑائی تھی۔۔ارحام نے غصے سے اپنا کوٹ اٹھا کر زمین پر مارا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔

How could you this??

وہ تند و تیز ڈرائیو کرتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔ڈیش بورڈ سے پسٹل نکال اس نے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالی تھی۔۔۔

حور نے شاہ مینشن سے نکلتے ہوے اپنے گرد گارڈز کی فوج کو ایک نظر دیکھا تھا۔

فیروز۔۔۔۔۔۔۔ حور نے اپنے پرسنل گارڈ کو پکارا۔

جی میم۔۔۔۔۔وہ مستعدی سے اگے آیا

میرے ساتھ آج گارڈز کی ایک ہی گاڑی جائے گی۔۔باقی گارڈز کو منع کر دو وہ ساتھ نہیں آئیں گے۔۔ حور نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

" I'm sorry, this is not possible. It is ordered that you not be left alone at any cost. Guards will accompany you at all times."

فیروز نے حور کو ایک نظر دیکھتے جوابًا سرد لہجے میں کہا۔

" What do you mean this is not possible? You guys work for me; it's your duty to obey my every command."

حور نے لب بھینچے غصے سے کہا۔

سوری میم۔۔۔ ہم آپ کا آرڈر نہیں مان سکتے۔۔ ہم سلطام شاہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ فیروز نے اس بار بھی سختی سے کہا۔

حور نے فیروز کو گھورتے اپنے ہاتھ میں پکڑے فون سے سلطان شاہ کو کال ملائی۔

ییس۔۔۔۔۔مائی بیوٹیفل گڑیا۔۔۔سلطان شاہ کی فون پر آواز گونجی تھی۔

پاپا۔۔۔۔میرے گارڈز میرے انڈر کام کرتے ہیں یا آپ کے انڈر جو یہ میرے آرڈر ماننے سے منع کر رہے ہیں۔ حور فون پر غصے سے بولی۔

حور کیا ہوا ہے؟؟ سلطان شاہ پریشانی سے چیئر پر سیدھے ہوے۔۔

پاپا موسم بہت اچھا ہے۔مجھے صرف ڈرائیو پر جانا ہے۔میں آج اپنے درجنوں گارڈز کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔۔ صرف چند گارڈز کے ساتھ باہر نکلنا چاہتی ہوں۔اتنے سارے گارڈز کے ساتھ مجھے کبھی کبھی سانس لینے میں بھی مشکل ہوتی ہے۔

Papa i need some space

پلیز میں تھوڑی دیر کے لیے تھوڑا خود کو آزاد محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ آپ فیروز اور دو چار گارڈ کو میرے ساتھ بھیج دے۔۔ آئی پرامس میں آدھے گھنٹے میں واپس آجاؤں گی۔۔ مگر آج گارڈز کی فوج مجھے اپنے ساتھ نہیں چاہیے۔۔ پلیز پاپا۔۔۔ حور نے فون پر التجائیہ لہجے میں کہا

لیکن حور۔۔۔ سلطان شاہ نے پریشانی سے ماتھا مسلہ۔۔ پلیز پاپا۔۔ حور نے منت کی تھی۔

اوکے۔۔۔ میں فیروز سے بات کرتا ہوں۔۔ مگر تم آدھے گھنٹے کے اندر شاہ مینشن ہو گی۔۔ یہ میرا حکم ہے۔ سلطان شاہ نے حکمیہ کہا۔

اوکے پاپا لو یو۔۔۔ حور چہکی تھی

لو یو ٹو میری جان۔۔۔ سلطان شاہ کے لب مسکراہٹ میں۔ ڈھلے۔

حور فون بند کرتے مسکراتے ہوے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔۔

فیروز فون پر سلطان شاہ کی ہدایت سنتا چند گارڈز کے ہمراہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔۔۔

ارحام تندو تیزی سے اپنی گاڑی چلا رہا تھا۔رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔فون پر ملنے والی خبر نے اس کے اندر غم وغصے کے طوفان کھڑے کر دیے تھے۔

وہ منہ پر ہاتھ پھیر تا خطرناک حد تک سپیڈ بڑھائے ڈرائیو کر رہا تھا۔

How can i do this??

How can i be so indifferent to my own existense ??how??

میں یہ کیسے کر سکتا ہوں ۔۔کیسے میں اپنے ہی وجود سے لاپرواہ ہو (سکتا ہوں

وہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے دھاڑا تھا۔

کیسے کر سکتا ہوں میں ؟؟بیوی ہے وہ میری۔۔میری عورت میری عزت۔۔۔۔کسی بھی وجہ سے کیسے اس کی ذات سے لاپرواہ ہو سکتا ہوں۔ارحام غصے سے اپنے بال مٹھی میں جکڑ گیا تھا۔

اسے فون پر پتہ چلا تھا کہ حور اکیلی گاڑی لے کر نکلی ہے اور وہ لوگ اس کی گاڑی لوکیٹ نہیں کر پا رہے۔ یہاں تک اس کے ساتھ اس کے ساتھ اس کے گارڈز بھی نہیں ہیں۔

ارحام کا مظبوط وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا۔ وہ پچھلے سات مہینوں سے اس کا سایہ اس لیے بنا رہا کیونکہ وہ اس کے معاملے میں کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔

ماہ جبین نے سلطان شاہ کی اتنی پاور ہوتے اس کی حور کا سودا کر دیا تھا۔ سلطان شاہ کے ہی ہائر کردہ گارڈز نے انھیں دھوکہ دیا تھا۔ اسی لیے وہ سلطان شاہ کے ان گارڈز پر بھی بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اپنی بیوی کے معاملے میں سلطان شاہ پر بھی بھروسہ نہیں کرتا تھا۔۔ مگر پچھلے کچھ دنوں سے اسے تڑپانے کے لیے وہ اس کے ساتھ کھیل کھیل رہا تھا۔ اب اسے لگ

رہا تھا یہ کھیل اس پر ہی بھاری پڑ چکا ہے۔۔وہ اکیلی گاڑی لے کر نکلی ہے۔اسے کچھ ہو نہ جائے

ارحام کا پہاڑ جیسا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔اس پر ایک خروچ بھی وہ کیسے برااشت کر سکتا تھا۔ارحام نے اپنے موبائل سے حور کا نمبر ڈائل کیا جو کچھ دیر پہلے آن تھا مگر اب مسلسل آف آرہا تھا۔

ارحام نے اپنی گاڑی شارٹ کٹ پر ڈالی۔وہ جلد آز جلد حور تک پہنچنا چاہتا تھا

کیا؟؟ سلطان شاہ فون پر حلق کے بل دھاڑا تھا۔

سر میم کی ضد تھی وہ خود ڈرائیو کریں گی۔ انہوں نے کسی گارڈ کو بھی اپنے ساتھ آنے نہیں دیا۔ ہم سب کو ان کے حکم پر پیچھے ہٹنا پڑا۔۔ مگر ہم سب انھیں دور سے فالو کر رہے تھے۔ مگر سر اب ان کی لوکیشن ٹریس نہیں ہو رہی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی گاڑی میں ٹریکر سسٹم لگا ہوا ہے۔ سلطان شاہ فیروز کی بات کاٹتے پھولتی رگوں کے ساتھ چیخا تھا۔

سر انہوں نے اپنی گاڑی استعمال نہیں کی۔ گارڈز کی گاڑی استعمال کی ہے ۔۔۔ فیروز کی بات پر سلطان شاہ اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔

Find her if a single harm comes to my daughter your breath written by my hand i will not spare any of you.your breaths are in my controll .i pay you in million.

i spend more money than your worth. i will grab you by the troat and hold you accountable for any harm that comes to my daughter

تلاش کرو اسے اگر میری بیٹی پر ایک آنچ بھی آئی تم سب کی !!
موت میرے ہاتھوں لکھی ہو گی۔۔تم سب کو چھوڑوں گا نہیں۔ تم
لوگوں کی سانسیں تک میری آمانت ہیں ۔لاکھوں روپے دیتا ہوں تم
لوگوں کا۔اتنا پیسہ خرچ کرتا ہوں جتنی تم لوگوں کی اوقات

نہیں۔۔ حلق میں ہاتھ ڈال کر اپنی بیٹی پر آئی ہوئی آنچ کا حساب

!!لوں گا

سلطان شاہ انگلش میں بولتے ٹیبل پر مکہ مارتے غرایا تھا۔

اپنا فون بند کرتے وہ اپنی پسٹل آفس کی ٹیبل کی ڈرار سے نکالتے اپنے آفس

سے نکلے تھے۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔ مگر گاڑی کا کنٹرول

اس کے ہاتھوں سے چھوٹ رہا تھا۔ پیشانی عرق آلود تھی۔ اس کے چہرے کا

نقاب کھل چکا تھا۔اس کی سیاہ چادر سر سے ڈھلکتی کندھوں پر تھی۔۔ سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔۔

پاپا۔۔۔۔ حور نے پیچھے مڑتے ہوئے روتے ہوئے سلطان شاہ کو پکارا تھا۔

گاڑی کی بیک پر بجتے فائر پر اس کے حلق سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ سٹیرنگ پر موجود حور کے ہاتھ بری طرح کپکپائے تھے۔اس نے اپنے ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کو اپنی چادر سے صاف کرتے ساتھ والی سیٹ پر پڑے موبائل کو دیکھا۔ جس کی سکرین بری طرح ڈیمج تھی۔ جسے تھوڑی دیر پہلے اس نے غصے سے یہاں سگنل نہ ہونے کی وجہ سے ڈیش بورڈ پر پوری قوت سے مار کر توڑ دیا تھا۔ مگر اب وہ بری طرح پچھتا رہی تھی۔۔

حور نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھاتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا اس کے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔

پاپا۔۔۔۔۔حور بری طرح سسک پڑی تھی۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل ڈرائیو کر رہی تھی۔وہ کہاں تھی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔وہ گھنے درختوں کے جھنڈ اور سرسبز پہاڑوں کے اطراف پر بنی سڑکوں پر اس کی اب گاڑی تھی۔۔۔

ارحام نے اس دن آفس کی میٹنگ کے بعد اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے اس نے ہر لمحہ اس کا انتظار کیا تھا۔جب سے پتہ چلا تھا وہ گل کے ساتھ پلے لینڈ گیا تھا۔اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود پر کوئی کھولتا پانی انڈیل چکا ہو۔اس لیے وہ آج جان بوجھ کر باہر آئی تھی۔اپنے گارڈز کو ڈاج دے کر وہ اپنی گاڑی خطرناک راستوں سے ہوتے انجان راستوں پر لے آئی تھی۔۔اسے جاننا تھا ارحام اس پر نظر رکھے ہوے ہے

کیا وہ اسے پروٹیکٹ کر رہا ہے۔۔ پچھلے سات مہینوں سے اسے ہر پل اپنا سایہ بنتا دیکھا تھا۔۔ وہ اب کیسے اس سے لاپرواہ ہو سکتا تھا؟؟

مگر پچھلے ایک گھنٹے سے ایک گاڑی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔۔۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔۔ جیسے وہ گاڑی جان بوجھ کر اسے ان خطرناک راستوں پر لائی ہے جو جنگل کی طرف جاتا تھا۔۔ جہاں گاڑیاں تو دور کی بات کوئی ذی روح بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔۔

کیا یہ لوگ نازنین کے آدمی ہیں؟؟ حور نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے سوچا تھا۔۔ اس کا پورا وجود اب پسینے سے بھیگا تھا۔ گاڑی میں یکدم اکسیجن کی کمی لگی تھی۔ اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔ ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ مگر اس کی پیشانی ویسے ہی غرق آلود تھی

وہ خوفناک رات بار بار اس کی نظروں کے سامنے آ رہی تھی۔ جب ان دو غلیظ آدمیوں نے اسے چھوا تھا۔ اور اس کی زندگی بدل گئی تھی پھر وہ آیا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔ حور نے سٹیرنگ پر گرفت مظبوط کرتے اسے پکارتے سسکی لی تھی۔

اب وہ قیامت رات یاد آئی تھی جب اس کی سسکیاں تک اس سفاک انسان نے اپنی سانسوں سے گھوٹ دی تھیں۔

ارحام۔۔۔۔۔۔۔ حور نے روتے ہوے اب ارحام کو پکارا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔ اب وہ روتے ہوے چیخیں مارتے ہوے اسے پکارے جا رہی تھی۔۔

کہاں ہیں آپ ؟؟ حور نے کانپتے ہاتھوں سے سٹیرنگ پر گرفت مظبوط کی۔۔۔

ساری دنیا بدل سکتی ہے آپ نہیں بدل سکتے۔۔ آپ مجھے کبھی تنہا نہیں کر سکتے۔۔ ان سات ماہ میں آپ نے بتایا میری عزت میری حفاظت سے بڑھ کر کچھ نہیں آپ کے لیے۔ ۔۔ بہت مرد دیکھے مگر آپ جیسا مرد نہیں دیکھا جس کے لیے اپنی عورت کی عزت اتنی معنی رکھتی ہو۔ وہ روتے ہوے سسکی تھی۔

نہیں دیکھے مرد۔۔ صرف آپ کو دیکھا ہے۔ صرف آپ کو جانا ہے صرف آپ کو سمجھا ہے۔۔ اسی لیے تو آپ کے لیے جنونی ہو چکی ہوں۔ آپ نے بتایا مر جاؤ مگر محبت میں شراکت برداشت مت کرو۔۔ آپ نے مجھے اپنے

عشق میں جنونی بنایا اور اب آپ میری محبت میں شرکت کر رہے ہیں۔ حور روتی ہوئی چیخی تھی۔۔

پیچھے سے آتا فائر اس کی گاڑی کو ایک بار پھر سے چھو گیا تھا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر بری طرح چیخی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے سٹیرنگ سنبھالتے اس نے سٹیرنگ کو پوری طرح گھمایا تھا۔ گاڑی کو دوسری سڑک پر موڑا تھا۔ جو کافی تنگ تھی۔ حور نے خوف سے اپنے بائیں طرف دیکھا جہاں گہری کھائی تھی ۔۔اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔۔ گاڑی بری طرح ڈول رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا تھا اس نے یہ موڑ مڑ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ اس سڑک پر ڈرائیو نہیں کر سکے گی۔ اور وہ بہت جلد اس تک پہنچ جائیں گے۔۔ حور نے اسی لمحے پوری قوت سے بریک پر پاؤں رکھتے ہینڈ بریک

کھینچ کر گاڑی روکی۔۔۔ گاڑی پھسلتی ہوئی گہری کھائی کی طرف بڑھی تھی۔۔ حور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر خوف سے بری طرح چیخی تھی۔۔

یکدم گاڑی رک گئی تھی۔۔

حور نے گہرے سانس لیتے بری طرح کانپتے ہوے آنکھیں کھولیں۔ اس کی گاڑی کے اگلے دو ٹائر کھائی کی طرف تھے۔۔ اور گاڑی بری ڈول رہی تھی ۔۔۔ حور تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

اسے جو بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اس گاڑی میں رہتی گاڑی کھائی میں جا گرتی اور وہ لوگ بھی اس تک جلد پہنچ سکتے تھے دونوں صورتوں میں موت تھی۔۔ اسے نہ اتنی بے درد موت مرنا تھا نہ ان لوگوں کے ہاتھ لگنا تھا۔۔

حور نے کانپتے ہاتھوں سے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا تھا۔۔ گاڑی کی تھر تھراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔وہ دروازہ بند کیے خوف سے رونے لگی تھی۔

پاپا۔۔۔۔ حور نے چیختے ہوے اب سلطان شاہ کو پکارا تھا۔

گاڑی نے ہچکولے بھرے تو اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی سسکیاں روکی تھیں۔

حور نے گہرے سانس لیتے جلدی سے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولتے وہ جلدی سے باہر نکلی۔۔

حور نے روتے ہوے آسمان کی طرف تشکر بھری نگاہوں سے دیکھا تھا ۔۔وہ اس وقت ریڈ کلر کی بے انتہا شارٹ شرٹ اور فلیپر نما ٹراوزر میں

ملبوس تھی۔چادر اس کی گاڑی گمیں ہی رہ گئی تھی۔حور سیٹ پر پڑی اپنی چادر کو دیکھا تھا۔وہ چادر پکڑنے کے لیے جھکی ہی تھی۔اسی لمحے گاڑی کھائی میں جا گری تھی۔۔وہ چیختے ہوے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔۔

پیچھے سے اتی گاڑی کی آواز سن کر وہ دوسرے لمحے اپنی ہیل اتارتے ہوے پوری قوت سے بھاگی تھی.۔

وہ بنار کے اپنی فورس لگاتے روتے ہوے بھاگی جا رہی تھی۔۔

سڑک کافی تنگ تھی۔۔۔اس لیے پیچھے سے آتی گاڑی بہت احتیاط سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔بلکہ رینگ رہی تھی۔

ایک فائر اس کے پاؤں کے پاس آکر لگا تھا۔وہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیخیں مارتے ہوے رکی تھی۔۔

حور نے کانپتے ہوے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔۔ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا گاڑی کی کھڑکی سے سر باہر نکالے اس پر فائر کر رہا تھا۔ مگر فائر اس کے آس پاس آکر لگ رہے تھے۔اس سے اندازہ ہو رہا تھا وہ فائر صرف اسے ڈرانے کے لیے اس پر کیے جا رہے تھے۔وہ اسے مارنا یا زخمی نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔

حور پھر سے روتے ہوے پوری قوت سے بھاگی تھی۔

ارحام۔۔۔۔۔وہ روتے ہوے آسمان کی طرف دیکھتے ارحام کو پکارے جا رہی تھی۔۔

حور نے رک کر گہرے سانس لیتے پیچھے مڑ کر دیکھا ان کی گاڑی اس کے اب پیچھے نہیں آرہی تھی۔ سڑک تنگ تھی آگے شائد ان کے لیے ڈرائیو مشکل ہو جاتی۔۔ حور نے بے یقینی سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں یہ کیسے ہو

سکتا تھا وہ اسے کیسے اس کا پیچھا چھوڑ سکتے ہیں۔ وہ سمجھ گئی تھی اسے ٹریپ کیا جا رہا ہے۔۔ وہ یقیناً کچھ ہی دیر تک اس تک پہنچ جائیں گے۔ اتنی دیر میں سلطان شاہ یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔۔ کیونکہ وہ بہت چالاکی سے اسے ٹریپ کرتے اس گھنے جنگل کی طرف لائے تھے۔۔ جہاں کا راستہ بہت پیچیدہ تھا۔۔ سلطان شاہ بنا کسی ٹریکنگ ڈیوائس کے اس تک آسانی سے نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔ اس کی گاڑی تک کھائی میں گر چکی تھی۔ اب اسے ڈھونڈنا مشکل تھا۔ وہ بری طرح پھنس چکی تھی حور اپنی فورس لگائے روتے ہوئے بھاگ رہی تھی۔ یکدم وہ آگے سے آتی گاڑی کی بونٹ سے جا ٹکرائی۔

حور نے سر اٹھائے خوف سے ونڈ سکرین کی طرف دیکھا۔

گاڑی میں بیٹھے انسان کو دیکھتے وہ بے یقین ہوتے ساکت ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے بے یقینی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھا تھا۔۔وہ

ارحام گاڑی سے نکلتا تیزی سے حور کی طرف بڑھا۔

ارحام۔۔۔۔حور روتے ہوے ارحام کی مضبوط بانہوں میں آن سمائی تھی ۔۔ارحام اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے سختی سے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔حور ارحام کے سینے سے لگے کانپتے ہوے بری طرح رو رہی تھی۔

ارحام نے اسے خود سے علیحدہ کرتے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کیے۔۔

کیا ہوا ہے؟؟ تمھاری چادر کہاں ہے۔ گارڈز کہاں ہیں؟؟ ارحام نے اس کے بے پردہ وجود کو دیکھتے پوچھا۔ اسے ایسے دیکھتے ارحام کی آنکھوں میں لہو سا اترا تھا۔ ارحام

۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ گاڑی۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میری۔۔۔۔۔ چادر۔۔۔۔۔۔ رہ گئی

۔۔۔۔۔۔ گاڑی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کھائی۔۔. میں۔۔۔. جا۔۔۔۔۔۔ گری۔۔۔۔ گارڈز۔۔۔ پتہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ کہاں

۔۔۔۔ہیں۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔. ایک۔۔۔۔۔ گاڑی

۔۔۔فالو۔۔ کر۔۔۔ رہی۔۔۔۔ تھی۔۔ مجھ

۔۔۔۔پر۔۔۔۔ گولیاں۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔ چلائیں۔ ارحام۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔وہ۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔سے۔۔۔ اغوا۔۔۔ کرنے۔۔۔ حور نے کانپتے

لبوں سے خوفزدہ ہوتے بتایا۔۔ ارحام کی خون اتری انکھوں کو دیکھتے اس کے بدن کی کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔۔

ارحام جلدی سے اسے اپنی بانہوں میں بھر چکا تھا۔ میرے ہوتے ہوے تمھیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ ایسی موت دوں گا انھیں موت کے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ ارحام اسے سینے میں بھینچتے غرایا تھا۔۔

اسے خود سے علیحدہ کرتے اپنی شرٹ اتارتے اس نے حور کے گرد دی تھی۔۔ حور ارحام کی شرٹ سینے سے جکڑتے بری طرح رو دی تھی۔۔

ارحام اب صرف وائٹ سینڈو میں ملبوس تھا۔ ارحام اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے گاڑی کی طرف بڑھتے دروازہ کھولتے نرمی سے اسے گاڑی میں بٹھایا خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی ہی تھی کہ اس کی گاڑی پر فائر آکر لگا تھا۔ حور بدحواص ہوتے چیخی تھی۔

ارحام نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔۔اس کے لیے ان سڑکوں پر گاڑی چلانا بچوں کا کھیل تھا۔۔سوات میں اس سے کئی گنا خطرناک سڑکیں تھیں۔

وہ سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کیے پوری قوت سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ گاڑی پر مسلسل وقفے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

ارحام نے پاس بیٹھی حور پر نظر ڈالی جو خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ارحام کی وپورے جود کی رگیں طیش واشتعال سے ظاہر ہوئیں تھیں۔

ارحام نے سٹیرنگ پر پوری قوت سے ہاتھ مارتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

ارحام نے اپنی پسٹل لوڈڈ کرتے اپنی طرف کے شیشے سے آتی گاڑی کے ٹائر کا نشانہ لیا۔

فائر ان کے اگلے ٹائر پر لگا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی گاڑی بری طرح ڈولی تھی۔

ارحام نے اب اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے اپنے موبائل کو دیکھا جہاں سگنل نہ ہونے کے برابر تھے۔۔

ارحام نے بری طرح چیختے ہوے فون ڈیش بورڈ پر دے مارا تھا۔ حور کانوں پر ہاتھ رکھے خوف سے چیخ پڑی تھی

ارحام نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا وہ حور کو خوف میں مبتلا نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ لوگ اس سے تعداد میں زیادہ تھے۔ یقیناً ان کے پاس ہتھیار بھی زیادہ تھے۔۔ اگر وہ ان تک پہنچ جاتے تو اس سے اگے کا سوچ کر ہی ارحام خانزادہ کو اپنے بدن سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ پاس بیٹھے نازک وجود پر کسی کی نظر برداشت نہیں تھی کجا کہ اسے کوئی چھوتا۔۔

ارحام نے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید تیز کی۔۔ پیچھے سے آتے فائر اب اس کی گاڑی کی بیک پر لگے تھے۔

حور بین ڈاون۔۔۔ ارحام نے اپنی طرف کے شیشے سے ایک اور فائر ان کی گاڑی پر کرتے کہا۔

ارحام آپ۔۔۔۔۔ حور ارحام کو دیکھتے بری طرح رو دی تھی۔

مجھے کچھ نہیں ہو گا اگر ہو بھی گیا تم فکر نہ کرو تمھیں سکیور کر کے ہی مروں گا۔۔ ارحام پیچھے سے آتی گاڑی پر فائر کرتے حلق کے بل چیخا تھا۔

حور نیچے کی طرف جھکو۔۔۔ پیچھے سے آتے فائر پر ارحام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے جھکایا تھا۔۔ گولی اگلے ونڈ سکرین سے ٹکراتے اس میں سوراخ کر چکی تھی۔

سا۔۔۔ لے حرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔۔۔زا۔۔۔۔۔۔۔میں

چھوڑوں گا نہیں تم لوگوں کو آج تم لوگوں کی موت آج تم لوگوں کو مجھ تک لائی ہے۔۔ارحام گالی دیتے چیخا تھا۔

حور اب سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں میچیں رو رہی تھی۔ارحام نے سٹیرنگ گھماتے ٹرن لیا تھا۔اسے یہ محسوس ہوا تھا وہ لوگ ان تنگ سڑکوں پر ڈرائیو مشکل سے کر رہے ہیں۔اور اس کی پسٹل سے نکلنے والے فائر سے ان کی گاڑی کا اگلا ٹائر بھی ڈیمج ہو چکا تھا اب ان کی گاڑی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔ گاڑی یکدم جھٹکے لیتے رک چکی تھی۔۔

ارحام نے اگنیشن میں چابی دیتے گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔۔ فائرنگ کی وجہ سے اس کی گاڑی کا پچھلا ٹائر بھی ڈیمج ہو چکا تھا۔

حور نے خوفزدہ نظروں سے ارحام کو دیکھا جو پاگلوں کی طرح بار بار اگنیشن میں چابی دے کر گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر گاڑی کچھ آوازیں نکال کر بند ہو جاتی۔

آہہ۔۔۔۔۔۔۔ ارحام نے پوری قوت سے مکہ سٹیرنگ پر دے مارا تھا۔

ارحام کک۔۔۔ کک۔۔۔۔ کیا۔۔۔ ہو۔۔۔۔ گا۔۔ اب حور نے تھر تھراتے ہوئے کہا۔

اترو گاڑی سے ارحام پسٹل اپنی پینٹ کی پچھلی پاکٹ میں اڑستا ہوا گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ حور اپنی طرف کا دروازہ کھولتے باہر نکلی۔

ارحام نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھائے سگنل چیک کیے مگر سگنل نہیں تھے۔۔ ارحام موبائل پینٹ کی سائیڈ پاکٹ میں ڈالتے حور کی طرف بڑھا جو کانپتے ہوئے جنگل کے چاروں اطراف میں دیکھی جا رہی تھی۔

چلو یہاں سے وہ اس گاڑی کے تھرو بہت جلد ہم تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں اس گھنے جنگل میں کچھ وقت گزارنا ہو گا۔ انھیں ڈاج دینا پڑے گا۔۔ ارحام حور کی کلائی جکڑے جنگل کی طرف بڑھا۔

حور اس کی سخت گرفت میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔ ارحام بنا رکے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اپنی گاڑی کی مخالف ڈائریکشن کی طرف وہ بھاری قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ تاکہ وہ کسی بھی صورت ان تک پہنچ نہ سکے شام گہری ہو رہی تھی۔ ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔۔

حور کی سسکی آواز پر ارحام کے قدم ٹھہرے تھے۔

اس نے مڑتے ہوئے حور کو دیکھا جو بہتی آنکھوں سے درد و کرب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا ہے حور؟؟ ارحام میرا پاؤں۔۔ حور نے درد سے سسکی لی تھی۔

ارحام جلدی سے حور کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس کا پاؤں پکڑتے دیکھا جہاں تلوے میں کانٹا چبھا ہوا تھا۔۔

ارحام نے اس کے پاؤں کی حالت دیکھتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔ارحام نے ایک ہی جست سے کانٹا کھینچ کر نکالا۔۔۔حور کی دلسوز چیخیں جنگل میں گونجیں تھیں۔ارحام خانزادہ کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپکا تھا۔

چھوڑوں گا نہیں تم لوگو کو۔۔میری عورت میری بیوی کو تکلیف پہنچائی ۔۔ارحام حور کی چیخوں پر حلق کے بل دھاڑا تھا۔

ارحام کی دھاڑ پر حور کی چیخیں تھمیں تھیں۔حور ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھے بری طرح سسک پڑی۔

ارحام نے زمین سے اٹھتے ہوے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا تھا۔حور ارحام کی سینڈو اپنے ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔

ارحام اسے اٹھائے تیز تیز قدموں سے آگے کی طرف بڑھا

گولی چلنے کی آواز پر اس کے قدم رکے تھے۔ حور چیختے ہوے ارحام کے سینے سے سر ٹکائے آنکھیں بند کر چکی تھی۔

ارحام نے جلدی سے آگے بڑھتے حور کو اپنی گود سے نیچے اتارا۔

حور تمھیں یہاں کچھ دیر ٹھہرنا پڑے گا۔ جب تک میں نہ کہوں تم کسی صورت یہاں سے ہلو گی نہیں۔۔ ارحام نے اسے ایک گھنے درخت کی آڑ میں کیا۔

مگر ارحام۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ اکیلی آرحام مجھے اکیلا مت چھوڑیں۔ اگر وہ لوگ مجھ تک پہنچ گئے تو۔ ارحام مم مجھے مہرماہ نہیں بننا ۔۔ مجھے کوٹھے کی زینت نہیں بننا۔

کیا بکواس کر رہی ہو تم۔۔۔۔ تم میری عورت ہو میری بیوی۔۔ تمھاری ہمت بھی کیسے ہوئی یہ سب کہنے کی۔ اس غلیظ جگہ کا نام بھی لینے کی۔ ارحام یکدم اس کا جبڑہ سختی سے دبوچ گیا۔ حور بری طرح سسک کر رہ گئی تھی۔

ارحام نے اس کا جبڑہ چھوڑتے خود پر قابو پایا

وہ تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔۔ میں آج انھیں ایسی موت دوں گا۔ ان کی دلسوز چیخوں سے یہ جنگل یہ پہاڑ تھر تھرا اٹھے گے۔۔ ارحام حور کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا

تم یہاں سے ہلو گی نہیں کسی صورت نہیں۔۔ ارحام سرد آواز میں حور کو تنبیہ کرتے اسے درخت کے تنے کی طرف سختی دھکیل گیا تھا۔

اپنی پینٹ کی پچھلی پاکٹ سے پسٹل نکالتے وہ ان لوگوں کی طرف بڑھا تھا۔

گھنا جنگل گولیوں کے شور سے لرز رہا تھا۔۔ مگر وہ لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔۔

ارحام دبے قدموں سے فائر کی آتی آوازوں کی سمت بڑھا تھا۔ اسے پہلے یہ جاننا تھا وہ لوگ کتنے ہیں۔۔

وہ اہستگی سے چوکنا ہوے آگے بڑھ رہا تھا۔ فائر کی آوازیں آنا رک گئی تھیں۔ مگر ان لوگوں کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

ڈھونڈو اس سالی اور اس کے حرام کے پلے کو ورنہ نازنین بائی ہمیں نہیں چھوڑے گی۔۔ ان میں سے ایک آدمی گرجا تھا۔

بہت مشکل سے ہاتھ لگی ہے اس کت۔۔۔۔۔۔۔ اکو آج نہیں چھوڑوں گا۔۔ وہ آدمی ہوائی فایر کرتا ہوا چیخا تھا۔

ارحام نے اسی لمحے اس کا نشانہ لیتے اس کا فائر کیا۔ گولی اس کا سر سے ہوتی اس کی پیشانی کو چھوتی نکلی تھی۔۔وہ اسی لمحے ہوا زمین بوس ہوتے بے حس و حرکت ہوا۔

ارحام اسی لمحے درخت کی اڑ میں چھپتا پیچھے ہوا۔

اس کے دوسرے دو ساتھی خوف سے اپنی ساتھی کی حالت دیکھتے ہل بھی نہیں رہے تھے۔۔

بشیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ساتھی چیختا ہوا اس کی طرف بڑھا۔۔

نازنین بائی نے کہا تھا سلطان شاہ سے بھی زیادہ ہمیں اس

سا۔۔۔۔۔۔ل۔۔۔۔۔کے مرد سے بچ کر رہنا ہے۔وہ سوات گیا ہوا تھا

وہ کیسے آ گیا ادھر۔۔۔ان میں سے ایک آدمی چیخا۔۔

ہمیں لگتا ہے ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔۔وہ آدمی اپنے ساتھی کا کندھا

ہلاتے ہوے بولا۔۔جو ساکت سا بشیر کی لاش کے پاس بیٹھا اسے دیکھ رہا

تھا۔

نہیں۔۔۔۔جاؤں گا اس کت۔۔۔۔ے کی موت آج میرے ہاتھوں سے

لکھی ہے۔وہ دھاڑتا ہوا اٹھا تھا۔اور غصے سے یکے بعد دیگرے ہوائی فائر

کیے تھے۔۔

ارحام درخت کی اوٹ میں چھپا ان کی باتیں سنتے اپنے بھڑکتے اعصابوں پر

قابو پا رہا تھا۔

یہ کیا کر رہے ہو؟؟ اپنی پسٹل کی گولیاں سنبھال کر رکھو۔ میری پسٹل کی گولیاں ختم ہو چکی ہیں تمھارے پاس ہی گولیاں بچی ہیں۔ اس کا ساتھی دبی آواز میں غرایا تھا۔

بشیر کی پسٹل پکڑ۔۔ اس کا ساتھی ایک اور فائر کرتا چیخا تھا۔

اس سے پہلے اس کا ساتھی زمین پر پڑی پسٹل کی طرف بڑھتا ارحام نے درخت کی اوٹ سے نکلتے اس جھکے ہوے آدمی پر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے تھے۔ ایک گولی اس کے کندھے پر آکر لگی تھی۔ وہ درد سے چیختا ہوا زمین پر گرے بری طرح بلبلانے لگا۔

کہاں ہے تو سالے ک۔۔۔تے۔۔۔ حرام زا۔۔ دے؟؟ ہمت ہے تو سامنے آ۔۔۔ اس کا ساتھی پاگلوں کی طرح چیخا۔۔

صرف سامنے نہیں آؤں گا۔ تمھارا وہ حال کروں گا تو اپنے زندہ رہنے پر پچھتائے گا۔۔ موت کی بھیک میرے قدموں میں گڑگڑاتے ہوئے مانگے گا۔ افسوس میں تمھیں موت نہیں دوں گا۔ ارحام درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے پوری قوت سے حلق کے بل پھنکار تھا۔ اس آدمی نے غصے سے پاگل ہوتے ارحام کی پھنکار کے سمت فائر کیا۔ ارحام کا اب فلک شگاف قہقہ گونجا تھا۔۔ جسے سنتے وہ مزید پاگل ہوا تھا اس نے غصے سے ایک اور فائر کیا۔ مگر پسٹل میں گولیاں ختم ہونے کے باعث صرف ٹریگر کی چلنے کی اواز آئی تھی۔۔ وہ بدحواص ہوتے زمین پر پڑی اپنی ساتھی کی پسٹل کی طرف بڑھا ارحام خانزادہ نے درخت کی اوٹ سے نکلتے اس کے ہاتھ پر فائر کیا۔۔ گولی اس کے ہاتھ میں سوراخ کر چکی تھی۔

وہ پیچھے ہوتے لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔۔ وہ دونوں زمین پر پڑے درد سے چیخ رہے تھے۔

ارحام اپنی پسٹل اپنی پینٹ کی جیب میں اڑستا ان لوگوں کی طرف بھاری قدموں سے بڑھا۔ دونوں ارحام کو اپنی طرف آتے دیکھتے اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر زمین سے جلدی سے اٹھتے بھاگے تھے۔ ارحام نے جھکتے ہوے زمین سے پڑا ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر ایک آدمی کے سر کے پیچھے دے مارا۔۔

وہ درد سے چیخا تھا مگر رکا نہیں تھا۔ وہ دونوں اپنی پوری فورس لگائے بھاگ رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ نے بھاگتے ہوے اپنی پسٹل جیب سے نکالتے ایک آدمی کی ٹانگ پر فائر کیا وہ چیختا ہوا زمین پر گرا۔ ارحام نے دوسرے آدمی کی ٹانگ پر بھی اپنی پسٹل سے نشانہ لیا۔ وہ بھی اس کے ایگزیکٹ نشانے

پر لگا۔۔ وہ بھی زمین پر چیختا ہوا گرا تھا۔ ارحام اب تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔۔ وہ دونوں زمین پر گرے بری طرح پہنچ رہے تھے۔۔ ارحام نے ان تک پہنچتے چیختے ہوے دونوں کی زخمی ٹانگوں پر اپنے بھاری بوٹ سے یکے بعد دیگرے پوری قوت سے کئی ضربیں لگائیں۔۔ وہ دونوں زخموں سے چور بلبلاتے بری طرح چیخ رہے تھے۔۔ ان کی چیخین سنتے حور درخت کی اوٹ میں چھپی کانوں پر ہاتھ رکھے خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے ان دو آدمیوں کا حال آیا تھا۔۔۔ جنھیں اس پہاڑی خان نے آج سے سات ماہ پہلے اس کی نظروں کے سامنے بہت بے رحم موت دی تھی۔ ان دونوں کا بھی وہ بہت برا حال کرے گا وہ جانتی تھی۔

حور درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے خوف سے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اب اسے ارحام سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ بعد میں اس سے اس کے اکیلے گاڑی لے کر نکلنے کا حساب ضرور لے گا۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنے بوٹوں سے ان دونوں کے ٹانگ پر لگے زخموں کو بری طرح مسلا۔ تم لوگوں کی اتنی ہمت میری عورت پر نظر رکھو۔۔ اسے اغوا کرنے کی کوشش کرو۔۔ ارحام نے دھاڑتے ہوئے بے رحمی سے ان دونوں کی ٹانگوں پر پوری قوت سے اپنے بوٹ والے پاؤں مارے۔۔

ہمیں۔۔۔ معاف۔۔۔ کر دو۔۔ ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہمیں نازنین بائی نے بھیجا ہے۔

وہ تمھاری عورت۔۔۔۔ کو۔۔۔ کوٹھے۔۔۔ کی۔۔ زینت بنانا۔۔ چاہتی ہے۔ ہم تو۔۔۔ اس۔۔۔ کے۔۔۔ حکم کے غلام ہیں۔۔ ہم اس

کی۔۔۔بات۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔مانتے تو وہ ہمیں مار دیتی۔۔۔ان میں سے ایک آدمی ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے گڑ گڑاتے ہوے بولا۔۔ سامنے کھڑا آدمی ان سے بھی سفاکی میں دو ہاتھ آگے آیا تھا وہ سمجھ چکے تھے۔

کہاں ہے تمھاری وہ نازنین بائی؟؟ ارحام نے آگے بڑھتے اس کے منہ پر بوٹ پوری قوت سے مارتے غراتے ہوے پوچھا۔۔ اس کے جبڑے اور حلق سے خون کا فوارہ پھوٹا تھا۔

مم۔مجھے۔۔۔۔ نہی۔۔۔۔۔ پتہ۔ ہماری۔۔۔۔ آج۔۔۔تک۔۔ اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ہمیں اس کے خاص آدمیوں کی طرف سے حکم ملا تھا۔ وہ ڈرتے ہکلاتے ہوئے بولا۔ ارحام اپنا بوٹ والا پاؤں اس کی گردن پر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے گلے سے بہت مشکل سے لفظ نکلے تھے۔ ارحام نے اب کی بار اپنا اپنا بوٹ کا اگلا حصہ اس کے منہ میں دے کر دبایا۔۔

جو کچھ بھی اس کے بارے میں جانتے ہو سب بتا دو۔۔۔ ارحام نے بوٹ اس کے منہ سے نکالتے اس کی آنکھوں میں بے دردی مارا

اس کا منہ بہت بری طرح زخمی ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔

بتاؤ۔۔۔۔ ارحام دونوں کے جبڑوں پر پھر سے اپنے پاؤں سے بے دردی پوری قوت سے ضربیں لگاتے دھاڑا۔

ہمیں۔۔۔ بس۔۔۔ اتنا پتہ۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔ وہ اگلے۔۔۔۔

مہینے پاکستان آ رہی ہے۔۔ یہاں۔۔۔ ایک بہت بڑا لڑکیوں کا بحری شپ دوسرے ملک سمگل کرنا ہے۔ وہ اسی لیے پاکستان آئے گی۔۔ وہ دونوں بیک ارحام کی طرف خوف سے دیکھتے وقت بولے تھے.

اور میری عورت پر کب سے تم لوگ نظر رکھے ہوئے ہو؟؟ ارحام نے پنجوں کے بل بیٹھتے پسٹل ایک آدمی کی آنکھ پر رکھے پسل کی نوک اس کی آنکھ پر مسلی۔۔۔ وہ شدید خوفزدہ ہوا تھا۔۔ لفظ حلق میں اٹکے تھے

مم میں۔۔۔ نے۔۔۔ نہیں۔۔۔ رکھی۔۔۔ تمھاری عورت پر نظر ۔۔۔۔۔ میں نے تو اس۔۔۔ کا چہرہ بھی کبھی نہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔ اس ۔۔۔۔۔ نے۔۔۔ رکھی۔۔۔ تھی۔ اس نے خوفزدہ ہوتے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ ارحام کے خوف نے اس کے کپڑے گیلے کر دیے تھے۔۔ جسے دیکھتے ارحام استہزائیہ مسکرایا۔

یہ جھوٹ بول رہا ہے میں نے بھی آج تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ دوسرا ساتھی خوفزدہ ہوتے چیچا تھا۔۔ ایسی بات تو ہے تو آج اس کے پیچھے کیوں آئے؟؟ اس کو تکلیف کیوں دی؟؟۔۔ وہ میری عورت میری عزت

ہے۔۔۔ کیوں اسے تکلیف پہنچائی ارحام کی دھاڑ پورے جنگل میں گو بھی تھی۔۔

حور ارحام کی دھاڑ سنتے بری طرح رو دی تھی۔۔ نازنین بائی کا حکم تھا کہ ہر حال میں اسے اگلے مہینے تک اسے اس تک پہنچایا جائے۔۔ جس پرائیویٹ جیٹ سے وہ پاکستان آتی جاتی ہے اسی پرائیویٹ جیٹ سے وہ حور کو۔۔۔۔۔ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ارحام اس کے منہ پر پھسل کی نوک پوری قوت سے مار چکا تھا۔

خبردار اپنی گندی زبان سے میری عورت کا نام لیا۔۔ ارحام طیش و اشتعال سے گرجا۔۔ وہ خوفزدہ ہوتے خاموش ہوا۔

تیم نے اپنی گندی زبان سے میری عورت میری عزت کا نام لیا۔ تمھاری گندی زبان اس قابل ہے میری بیوی کا نام لے سکو۔۔ ارحام نے اس کا جبڑہ

دبوچتے دوسرے ہاتھ سے اس کی زبان اپنے ہاتھ میں پکڑے کھینچی تھی۔

اسی زبان سے میری بیوی کو گالی دی تھی۔ ارحام نے اس کی زبان بے دردی سے کھینچی۔۔ خوف سے اس انسان کی رنگت زرد ہوئی۔

ارحام نے اسی لمحے اپنے شوز کی سائیڈ سے اپنا چھوٹا سا چاقو نکال کر اس کی زبان کاٹ دی تھی۔۔

اس کی دردناک چیخیں پورے جنگل میں گونج رہی تھیں۔ دوسرے آدمی کی آنکھوں کی پتلیاں اپنے ساتھی کی حالت دیکھتے خوف سے ساکت ہوئی تھیں۔

اب تم بتاؤ ایک ایک لفظ سچ۔۔۔۔۔ میری عورت پر کب سے اور کیسے نظر رکھی تھی۔۔ نام مت لینا اس کا۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں لوں۔۔۔۔

گا۔۔۔ تمھاری عورت۔۔۔ بولوں گا۔۔۔ وہ خوفزدہ ہوتے ارحام کی بات کاٹ گیا تھا۔

گڑ سمجھدار ہو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ ارحام نے وہ چاقو اس کے زخمی ہاتھ میں مارتے کھویا تھا۔ وہ درد سے چیخ اٹھا۔

جلدی بتاؤ ورنہ بولنے کے قریب نہیں رہو گے تم۔ ارحام نے وہ چاقو اس کی ہتھیلی میں پوری قوت سے کھیڑا تھا۔۔ وہ درد سے بلبلاتے چیخنے لگا۔

بتاؤ۔۔ ارحام نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پر جڑا تھا۔۔ پیچ پچھلے سات ماہ سے تمھاری عورت پر نازنین بائی کے آدمی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس میں سے تین ہم تھے۔ تت۔۔۔ تمھاری عورت۔۔۔۔ کے۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ گارڈز کی فوج اور تت۔۔۔ تم۔۔۔ بھی۔۔۔ ہوتے۔۔۔ ہو۔۔ تو بہت۔۔۔ مشکل تھا۔ تمھاری عورت کو نقصان پہنچانا۔۔

مگر نازنین بائی کا حکم تھا کبھی تو نت تم۔۔۔ تمھاری۔۔۔ عورت۔۔۔۔ کوئی غلطی کرے گی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔ اکیلی۔۔۔ ملے۔۔۔ گی۔۔ اس لیے اس پر ہر پل نظر رکھنے کا کہا۔

آج تنت۔۔۔۔ تمھاری عورت چند گارڈز کے ہمراہ باہر آئی۔۔۔ ہم تینوں تب سے اس کے پیچھے تھے۔ اسے ابھی بھی نقصان پہنچانا مشکل تھا۔ ہم نے اسی لمحے نازنین بائی کے باقی آدمیوں کو بھی فون کر دیا تھا۔۔ مگر۔۔۔۔۔ ہم تینوں تت۔۔۔۔ تمھاری عورت کا پیچھا کرنے لگے۔۔ تمھاری عورت نے راستے میں اپنی گاڑی سے اترتے گارڈز کی گاڑی میں بیٹھتے خود گاڑی ڈرائیو کرنا شروع کی۔۔

باقی گارڈز نے پیچھے ہوتے تمھاری عورت کی گاڑی کو جانے دیا تھا۔ وہ رکا تھا۔۔۔

آگے بولو ارحام پسٹل کا پچھلا سرا اس کے جبڑے پر مارا۔ تت تمھاری عورت نے اپنے گارڈز کو دھوکہ دیتے گاڑی جنگل کی طرف موڑی۔۔ اسی دوران ہم نے اس کا پیچھا کرتے اسے ہراساں کیا۔۔ اس پر فائر کیے۔۔ ہم صرف اسے اس طرف لانا چاہتے تھے تاکہ اسے آسانی سے اغوا کر سکیں۔۔ وہ ایک ہی سانس میں ارحام کے حوف سے سب بتا گیا تھا۔ ارحام یہ سب سنتے اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔ خون میں شعلے سے بھڑکے تھے۔ اس نازک وجود پر بھی شدید غصہ آیا تھا۔ جس نے یہ حرکت کی تھی۔۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ اس کی اچھی خاصی کلاس لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔ اس کی ہر غلطی ہر بات معاف بھی۔ دیگر وہ غلطی سے بھی اپنی عزت کو نقصان پہنچائے گی۔ وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ ارحام اپنے جبڑے بھینچتے اس کے منہ پر اپنے ہاتھ کا مکہ بنائے مار کر حور پر آیا ہوا غصہ آتارا تھا۔

وہ بری طرح چیخنے رونے لگا۔ اس کا دوسرا ساتھی تقریباً نیم بیہوش تھا۔۔

ارحام کی دھاڑ پر وہ بیہوشی کی حالت میں بھی کانپ اٹھتا تھا۔۔ درد سے

کراہتے انکھیں کھولتے خوف سے ارحام کو دیکھتا کہ اب وہ اسے پتہ نہیں کیا

سزا دے گا۔ آپ تم نے کہا تم نے اپنے باقی آدمیوں کو فون کیا۔ وہ سب

کہاں ہیں؟؟ ارحام نے سرد لہجے میں سوال کیا۔۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔۔

تت تمھارا بہت برا حال کریں گے۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔ تم بچ نہیں سکو گے۔

نازنین بائی کے آدمی بہت ظالم ہیں۔۔ ارحام کی آنکھوں میں اپنی موت

دیکھ کر خوف سے بولتے ہوے ارحام کو وارن کرتے اسے ڈرانا چاہا۔

اس کی بات پر ارحام کا فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔ تم مجھے نہیں جانتے میں کتنا

ظالم ہوں۔۔ کوئی بات نہیں کچھ لمحوں میں جان جاؤ گے۔۔۔ لیکن تم دونوں

ڈیسائیڈ کر لو کیسے زندہ چھوڑوں کسے دردناک موت دوں۔۔ ارحام نے ان دونوں کو دیکھتے کہا۔۔

مجھے۔۔۔۔ چھوڑ دو مجھے معاف کر دو۔۔۔ میں تو صرف نازنین بائی کے خریدا ہوا آدمی ہوں وہ خوف سے سے گڑ گڑایا۔

ساتھ لیٹا آدمی آرحام کی طرف دیکھتے اشارے سے خود کی طرف اشارہ کرتے اپنی زندگی کی موت کی بھیک مانگنے لگا۔

ارحام کا ایک بار بھی فلک شگاف خوفناک قہقہ گونجا تھا۔۔ ویسے جو بھی زندہ رہے گا۔۔ وہ زیادہ دردناک ہو گا۔۔ زندہ رہنے والا بعد میں اپنی موت کی بھیک مانگے گا مگر میں اسے موت نہیں ہوں گا۔

ارحام سرد آواز میں پھنکارا۔۔ تمھاری زبان کاٹی ہے تمھاری مجھے ضرورت نہیں اس لیے تمھاری موت پکی۔۔ ارحام نے پھنکارتے ہوئے اس کے منہ میں فائر کیا۔۔ وہ اسی لمحے ساکت ہوا۔ تم بتاؤ۔۔۔۔ کیا سلوک کرتے ہو تم لوگ جن عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہو۔ ایک ایک لفظ سچ بتانا ورنہ اسی پسٹل سے تمھاری آنکھوں میں فائر کر دوں گا۔

ارحام دھاڑا تھا۔۔ بہت برا سلوک کرتے ہیں۔۔ ان کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں۔۔ وہ ہماری کٹھ پتلیاں ہوتی ہیں۔

جو لڑکیاں ہماری بات نہ مانیں انھیں بہت بری طریقے سے اذیت دیتے ہیں۔ ان کے بدن گرم سلاخوں سے داغتے ہیں۔ اور بہت خوبصورت لڑکیوں کو باہر کے ممالک منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ خوف سے ہکلاتے ہوئے ایک ہی سانس میں بولا۔

تم ہی بتاؤ پھر تم جیسے درندوں کو میں کیسے چھوڑ دوں ؟؟ جو عورتوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ سب سنتے ارحام کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔۔ مگر یہ ہم۔۔۔ نہیں۔۔۔ کرتے۔۔۔ نازنین۔۔۔ بائی کرواتی ہے۔۔ وہ۔۔۔ بہت۔۔۔ طاقتور ہے۔۔ سلطان شاہ سے بھی زیادہ۔۔ بہت بڑے مگرمچھ اسے سپورٹ کرتے ہیں۔ وہ انھیں خوبصورت لڑکیاں فراہم کرتی ہے۔۔ باہر کے ممالک کے بڑے بڑے ڈان بھی اسے سپورٹ کرتے ہیں اس نے اپنے تئیں نازنین بائی کی پاور بتاتے ہوے ارحام کو ااور ڈرانے کی کوشش کی۔۔

اچھا۔۔۔ ارحام استہزائیہ ہنسا تھا۔

عنقریب تمھاری نازنین بائی اور اس کے سارے چھے ارحام خانزادہ کے نام سے بھی ڈریں گے۔۔

پہلے تو آج تمھاری حالت دیکھ کر وہ خوف سے سب اپنی سانسیں لمحوں میں گنوا دیں گے۔۔ان کی پینٹس بھی تمھاری پینٹ کی طرح گیلی ہو جائیں گی۔

ارحام نے اس کے غلیظ وجود کو تمسخراتی نگاہوں سے دیکھا۔

صرف تم نے انھیں میرا نام بتانا ہے۔۔ارحام نے کہتے ہنے ہوئے اٹھتے اس کی ٹانگوں کے بیچ فائر کیا۔وہ بری طرح چیختے اپنے ہوش کھونے لگا۔۔

ارحام نے اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے۔۔نازنین بائی کے آدمیوں کو بتانا اگر دبارہ میری عورت کو تکلیف پہنچائی تم لوگوں سے بدتر سلوک کروں گا۔اور نازنین بائی کو زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔میری عورت میری بیوی پر اس نے بری نظر رکھی۔اور حساب تو میں لے کر رہوں گا اس سے کہ اس کی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔۔ارحام نے اب اپنا چاقو اس کی ہتھیلی سے نکالتے اس کی آنکھ

میں دے مارا تھا۔ وہ اپنا ہوش اسی لمحے کھو چکا تھا۔۔ ارحام زمین پر پڑی اس کے ایک ساتھی کی پسٹل اٹھاتے ہوے حور کی طرف بڑھا۔ اسے اب ان کے آدمیوں کے آنے سے پہلے یہاں سے نکلنا تھا۔۔

ارحام بھاگتے ہوئے حور کی طرف بڑھا جو درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے ہلکا ہلکا لرز رہی تھی۔۔ ارحام اسے ایسے دیکھ کر اپنے ہاتھ کا مکہ بنائے درخت پر پوری قوت سے مار گیا۔

حور بری طرح لرز اٹھی تھی مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ اٹھو حور ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہو گا۔۔ ارحام نے اس کی کلائی دبوچتے ہوئے اسے کھڑا کیا۔ حور بے جان مورت کی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ ارحام اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر اسے بے دردی سے گھسیٹتے تیز تیز قدموں سے جنگل سے باہر کی طرف بڑھا۔۔ نازنین کے باقی آدمی کسی بھی لمحے یہاں

پہنچ سکتے تھے۔۔ وہ بہت بے دردی سے اس کی کلائی جکڑے آگے بڑھ رہا تھا۔ جانتا تھا اس کے پاؤں زخمی ہیں۔ وہ ننگے پاؤں ہے۔۔ وہ اسے اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ اسے چاروں طرف نظر بھی رکھنی تھی۔۔ اسے چوکنا ہو کر چلتا تھا۔ اور اسے اٹھا کر چلتا تو وہ اتنی تیزی سے نہ چل پاتا۔۔۔ وہ اسے جان بوجھ کر بے رحمی سے خود کے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ جانتا تھا وہ جتنی مرضی نرم و نازک ہو۔۔ نازک مزاج ہو مگر اس کے خوف سے وہ زخمی ہونے کے باوجود اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دے گی۔ وہ جانتا تھا وہ اس کے خوف سے اس کا ہر حکم آج بھی مان سکتی ہے۔ وہ اس کے اس طرح گھسیٹنے پر اس کے قدموں کا ہر حال میں ساتھ دے گی۔۔ اور وہی ہو رہا تھا وہ اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دینے کے لیے تیزی سے بھاگ رہی تھی۔

ارحام بنار کے چل رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے ٹارچ آن کیے سکنل ڈھونڈ رہا تھا۔۔ جہاں ابھی تک سکنل نہیں تھے۔۔

حور نے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے ہچکی لیتے ارحام کی چوڑی پشت کو زخمی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔ وہ ظالم بنا بہت تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ ننگے زخمی پاؤں کے ساتھ بھاگتے ہوئے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔ ارحام کے دس قدم اور اس کا ایک قدم تھا۔ وہ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔۔ وہ جہاں رکتی وہ بے دردی سے اسے کھینچتا وہ اس کے ساتھ گھسٹتی چلی جاتی۔۔

س۔۔۔ آہہ۔۔۔۔ حور نے رکتے ہوئے درد سے سسکی لی۔۔ کوئی پتھر اس کے پاؤں کو اب زخمی کر گیا تھا۔۔ ارحام کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ جبڑے بھینچے تھے۔۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا تھا۔

دوسرے لمحے وہ اس کی کلائی بے دردی سے کھینچ چکا تھا۔ حور اپنی ہتھیلی سے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے اس کا ساتھ دینے کے لیے تیزی سے بھاگنے لگی۔۔

ارحام حور کی کلائی پکڑے تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ جنگل بہت بڑا تھا۔ وہ پیدل اس خطرناک جگہ سے نہیں نکل سکتے تھے۔ وہ جانتا تھا سلطان شاہ اور اس کے اپنے گارڈز انھیں جلد تلاش کر لیں گے مگر اس سے پہلے نازنین بائی کے آدمی نہ ان تک پہنچ جائیں۔ اور یہ خوف اس کے پہاڑی وجود کو لرزا رہا تھا۔ وہ حور کے ہوتے ان کا کیسے مقابلہ کرے گا۔ اس کی پسٹل میں گولی بھی نہیں بچی تھی۔ ارحام خانزادہ کبھی کسی سچویشن میں گھبرایا نہیں تھا۔ مگر آج اس کا چٹانی وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔ شدید طوفانی برفیلی ہوائیں چل

رہی تھیں۔ مگر اس کا وجود جیسے پسینے سے تر تھا۔ اپنی حور کی عزت کھونے کے خوف سے وہ جیسے اندر سے لرز رہا تھا۔ اپنی جان دے کر وہ اس کی عزت اس کی جان بچا سکتا تھا مگر حور سکیور کرنے اور سلطان شاہ کے آنے سے پہلے اسے کچھ ہو گیا تو۔۔۔ یہی ایک خوف اسے مارے جا رہا تھا۔

ارحام نے حور کی کلائی بے دردی سے کھینچتے ہوئے مزید تیزی سے اپنے قدم بڑھائے تھے۔ حور نے بھی تیزی سے بھاگتے اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دیا۔ یکدم ہلکی ہلکی پھوار برسنا شروع ہوئی تھی۔۔ ارحام نے آسمان کی طرف دیکھا برستی بارش نے تیزی اختیار کی تھی۔

ارحام۔۔۔ حور نے سردی سے ٹھٹھرتے اسے پکارا۔۔۔ ٹھنڈی بوندوں نے اسے گلیشیر کی طرح جیسے سرد کر دیا تھا۔ ارحام نے رکتے ہوئے اسے اپنے موبائل ٹارچ کی روشنی میں دیکھا وہ پوری طرح بھیگ چکی

تھی۔ موبائل کی ٹارچ کی روشنی میں اس کے بلیک باریک ٹراوزمیں سے اس کی پنڈلیاں تک واضح ہو رہی تھیں۔ ارحام اسے دیکھتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ پتہ نہیں سامنے کھڑی لڑکی اسے کب تک ایسے تکلیف پہنچاتی رہے گی۔

ارحام

۔۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔ سردی۔۔۔۔۔۔لگ۔۔۔۔رہی۔۔۔۔ہے۔۔ حور ارحام کی خون اشام نگاہوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

دوسرے ہی لمحے وہ ارحام کی مضبوط بانہوں میں سما گئی۔ ارحام نے جبڑے بھینچتے اسے اپنے سینے میں سمائے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا اس کے خوف سے وہ اس کے سینے میں سمائی ہے۔

حور ارحام کے سینے سے لپٹی اس کی بیک پر سختی سے ہاتھ جمائے اس کے سینے میں سمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی اسے اپنی نازکی کا بھرپور احساس دلا رہی تھی۔۔

وہ خوفزدہ تھی اسے اس کی ضرورت تھی مگر اس وقت وہ اس کے خوف سے اس کے ساتھ لپٹی اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھیں۔ اب اس کے نرم و نازک لب نرمی سے ارحام کے چوڑے سینے کو نرمی سے چھو رہے تھے۔۔

ارحام کی رگیں طیش و اشتعال سے بھڑکیں تھیں۔۔۔ وہ کیا اسے اتنا کمزور اپنے معاملے میں سمجھتی تھی کہ وہ اس جنگل اور اس سچویشن میں بہک جائے گا۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے اپنے بھڑکتے اعصابوں کو پرسکون کرتے اسے اپنے سینے میں سختی سے بھینچے اس کا خوف دور کرنے کی کوشش کی تھی۔۔وہ روتے ہوے ارحام کی بانہوں میں مزید سمائی تھی۔

ارحام نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا۔۔ چلو یہاں سے ہم مزید یہاں نہیں رک سکتے۔۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس جنگل سے نکلنا ہو گا۔ہو سکتا ہے سلطان شاہ اور میرے گارڈز ہمیں تلاش کر لیں۔ورنہ کسی بھی پل نازنین بائی کے آدمی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ارحام سرد آواز میں کہتے اس کی کلائی جکڑی۔۔

نازنین بائی۔۔۔ مگر۔۔۔۔ ارحام۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔نے۔۔۔ انھیں مار۔۔۔ دیا۔۔ہے۔وہ پھر۔۔۔سے

۔۔۔کیسے۔۔۔۔ آ۔۔۔سکتے۔۔ہیں۔۔ حور خوفزدہ ہوتے بولی۔۔

انھیں بہت بے درد موت دی اور باقیوں کو بھی دوں گا۔ وعدہ ہے میرا تم سے تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ آخری سانس تک تمھاری حفاظت کروں گا۔۔ سلطان شاہ کے سپرد کر کے ہی تمھیں مروں گا۔۔۔ میرے ہوتے ہوے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر اٹل مظبوط لہجے میں غرایا تھا۔

اور سب سے پہلے تم مجھے بتاؤ گی کہ تم اکیلی گاڑی لے کر کیوں نکلی۔۔ یہ حرکت کیوں کی۔۔ جب تک تم سے حساب نہ لے لوں مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ ارحام اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ اب اس کی براؤن آنکھوں میں اس کا خوف تھا۔۔ جسے دیکھتے ارحام خانزاہ کے بھڑکتے اعصابوں کو کچھ حد تک راحت ملی تھی۔ مقابل کی آنکھوں میں کسی دوسرے کے لیے خوف تک گوارا نہ تھا۔۔

ارحام۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔ارحام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے حور کے لفظ حلق میں گھٹے تھے۔

وضاحت دینے کی ضرورت نہیں۔۔میں خود لے لوں گا۔ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے اپنی سینڈو اتار کر اس کی کمر پر اس طرح سے باندھی تھی کہ اس کی پنڈلیاں اور تھائس اس کی سینڈو میں چھپ گئ تھیں۔

ارحام اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے اگے بڑھا۔

حور ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی شرٹ لیس چوڑی پشت کو دیکھتے اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دینے لگی۔۔

وہ لوگ جنگل سے نکلتے باہر کشادہ سڑک جو پر آئے تھے۔ جس کے اطراف میں گھنے درخت پہاڑ تھے۔۔

حور فاسٹ۔۔۔ ارحام پیچھے مڑ کر حور کو دیکھتے چیخا تھا۔ وہ دونوں پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔۔۔ یہاں خطرے کے چانسز زیادہ تھے۔۔ نازنین بائی کے آدمی انھیں آسانی سے ڈھونڈ سکتے تھے۔۔ مگر ارحام جانتا تھا سلطان شاہ نے حور کی تلاش میں زمین و آسمان ایک کر دیے ہوں گے۔۔

وہ جلد انھیں تلاش کر لیں گے۔۔

یکدم ارحام کو رکنا پڑا تھا۔۔ دونوں طرف سے آتی گاڑیوں نے ان کا گھیراؤ کیا تھا۔

ارحام حور کی کلائی جکڑے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔ حور اس کے سینے میں سمائے بری طرح کانپ رہی تھی۔

گاڑیوں سے نکلتے آدمیوں نے ارحام اور حور کا گھیراؤ کرتے ارحام پر پسٹل تانی۔۔

ارحام خانزادہ نے اسی لمحے اپنی خالی پسٹل اپنی پچھلی پاکٹ سے نکالے سامنے کھڑے آدمی پر تانی۔۔۔ اپنا ایک بازو وہ حور کے گرد سختی سے لپیٹے ہوے تھا۔

اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔۔ ورنہ تمھیں گولیوں سے بھون ڈالوں گا۔ وہ ارحام کے سینے میں سمائے تھر تھر کانپتی حور کو گہری شیطانی نگاہوں سے دیکھتا بولا۔۔

اس لڑکی کی خوبصورتی کی تعریفیں بہت سن رکھی تھی۔اسے آج اس لڑکی کی خوبصورتی کا جام پینا تھا۔نازنین بائی کا وعدہ تھا اگر وہ حور کو اس کے پاس لے آئے گا اس کا حقدار سب سے پہلے وہ ہو گا۔اس آدمی نے اوپر سے نیچے اسے دیکھا۔۔حور کے بھیگی زلفیں اس کی کمر پر بکھری دیکھ کر ہی وہ پاگل ہوا تھا۔اس کا بدن گیلا ہونے کے باعث بھی مکمل چھپا ہوا تھا۔ارحام کی شرٹ اور اس کی سینڈو میں۔۔اس نے حور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ارحام خانزادہ نے اسی لمحے اپنی پسٹل کی نوک پوری قوت اس کی انکھ پر دے ماری تھی۔وہ درد سے بلبلاتا اپنی آنکھ پر رکھے ہوا پیچھے ہوتے گاڑی کے ساتھ جا ٹکرایا تھا۔پسٹل اس کے ہاتھ سے نیچے جا گری تھی۔ارحام نے بہت بے رحمی سے اس کی آنکھ میں پسٹل کی نوک ماری تھی۔وہ درد سے تڑپ رہا

باقی کھڑے آدمی جلدی س لیے ارحام کی طرف بڑھے۔۔

رک جاؤ ورنہ اپنی پسٹل کی گولیاں اس کے سر میں اتار دوں گا۔۔ ارحام نے حور کو اپنے سینے میں سختی سے بھینچے اپنی خالی پسٹل گاڑی کے ساتھ لگے درد سے بلبلاتے اس آدمی کی پیشانی پر تانی۔۔

گو بیک۔۔۔۔۔۔ وہ آدمی چلایا تھا۔

وہ سارے آدمی پیچھے ہوے تھے۔۔

تم مجھے نہیں مار سکتے۔۔ مجھے مارنے کے بعد میرے آدمی تمھیں مار دیں گے اور پھر میرے آدمی تمھیں مار دیں گے۔ اور اس کے بعد تمھاری اس چھمک چھلو کو ان آدمیوں سے اور نازنین بائی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔۔ اس لیے تمھارے لیے بہتر یہی ہے اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر کے اپنی جان بچالو۔۔۔ وہ آدمی ارحام کو دیکھتے بولا۔

میں تمھیں مار سکتا ہوں کہ یا نہیں یہ تمھاری آنکھوں ل میں مورت کا خوف دیکھ کر بخوبی معلوم ہو رہا ہے۔۔یقیناً تم جنگل میں پڑے اپنے جیسے کتوں کا حال دیکھ چکے ہو۔

میری پسٹل میں اس وقت چھ گولیاں ہیں۔ایک تمھارے سر میں اتاروں گا۔۔مرتے ہوے بھی کم سے کم چھ آدمی تو ٹپکا کے مروں گا۔ارحام اپنی پسٹل کی نوک دباؤ اس کی پیشانی پر بڑھاتے ہوے غرایا تھا۔۔

 تو پھر ٹپکا دو اس کو۔۔۔ایک گاڑی سے نازنین بائی کا ایک آدمی جو سوٹڈ بوٹڈ نکلا تھا۔۔وہ اپنی سن گلاسز اتارے ارحام کے مقابل آیا تھا

یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟رستم۔۔۔وہ آدمی غصے سے دھاڑا تھا۔

بلکل ٹھیک کہہ رہا ہوں تمھاری خاطر ہم آج کا موقع گنوا نہیں سکتے۔ نازنین بائی کو سلطان شاہ کی بربادی چاہیے اور مجھے یہ لڑکی جو میں کڑوڑوں میں خرید بھی چکا ہوں۔۔

بہت تعریفیں سنی ہیں تمھاری بیوی کی آج کی رات میں تمھاری بیوی کی خوبصورتی چکھوں گا۔۔ دیکھوں گا اخر اس میں ایسی کیا بات ہے جو تم اس کے لیے اپنی جان تک گنوانے کو تیار ہو۔۔ وہ ارحام کی بانہوں مین سمائی تھر تھر کانپتی حور کو بغور دیکھتے بے باکی سے بولا تھا۔

ارحام کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔۔ وہ مزید سختی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

جان سے مار ڈالوں گا تمھیں۔۔ ارحام اپنی پسٹل کا رخ اس کی طرف کرتے حلق کے بل پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا تھا۔

کم ان شوٹ می۔۔وہ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

شوٹ می۔۔۔اب کی بار وہ ارحام کو دیکھتے چیخا۔

ارحام اس پر پسٹل تانے حور کو اپنے سینے میں بھینچے گہری سانسیں لیتے کئی پیچھے ہوا تھا۔

میں جانتا ہوں تمھاری پسٹل میں ایک بھی گولی نہیں ہے۔

تم سب کو بیوقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے نہیں۔۔میں بعض سے بھی تیز نظر رکھتا ہوں۔۔انسان کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا جھوٹ سچ پکڑ لیتا ہوں۔وہ ارحام کو انکھ مارتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

اب تمھیں کتو؟ کی موت دے کر تمھاری بیوی کو آج رات اس کے حسن کا خراج دوں گا۔ لیکن ایک رات۔۔۔ کیونکہ میں ہر لڑکی کو ایک رات ہی استعمال کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمھاری بیوی کو زیادہ راتیں استعمال کر لوں۔ سنا ہے یہ بہت خوبصورت ہے۔۔ ہو سکتا ہے یہ میرا اصول بدل لے۔۔

بکواس بند کر اپنی ورنہ تمھاری زبان کھینچ لوں گا۔ ارحام پھولتی رگوں کے حلق کے بل چیخا تھا۔

رستم اور باقی سب کا فلک شگاف قہقہہ گونجے تھے۔

ارحام حور کو سختی سے اپنے سینے میں بھینچے پیچھے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

Shout him

رستم چیخا تھا۔۔

ارحام کئی قدم مزید پیچھے ہوا تھا۔

اس سے پہلے وہ سب ارحام پر فائر کرتے بہت سی گاڑیوں کے ہارن اور فائرنگ کی آوازیں گونجیں تھیں۔

سب نے بدحواص ہوتے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ درجنوں گاڑیاں اور اس کے اندر سے نکلتے گارڈز نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھیں۔۔

ارحام کے گارڈز کی گاڑیاں اور سلطان شاہ کے گارڈز کی گاڑیاں اور پولیس کی گاڑیاں چاروں طرف سے نازنین بائی کے آدمیوں کو گھیراؤ میں لے چکے تھے۔۔

چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔۔

ارحام وے حور کو اپنے بازو کے حلقے سے آزاد کرتا اسے درخت کی آڑ مین کیا۔ یہاں سے مت ہلنا۔۔ میں نہیں چاہتا تم پر کسی کی بھی نظر پڑے۔۔ یہاں تک میرے کسی گارڈ کی بھی۔۔ جتنی بے پردگی دکھانی تھی دکھالی۔۔ اور نہیں۔۔ ارحام خانزادہ نے حور کے کپکپاتے بدن کو سرد نگاہوں سے دیکھا۔۔ حور خوف سے اثبات میں سر ہلاتے درخت کی اوٹ میں ہوئی تھی۔

ارحام رستم کی طرف بڑھا جو پریشانی اور خوف سے یہ سب کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس کے بہت سے آدمی مر چکے تھے۔۔ ارحام نے اسے گریبان سے پکڑ کر گاڑی کے بونٹ پر پٹخا تھا۔ اور پوری قوت سے اس کے چہرے پر مکوں کی بارش کر دی تھی۔۔

رستم کے ایک آدمی نے ارحام کی بیک کو نشانہ بناتے فائر لینا چاہا۔۔ سلطان شاہ اپنی گاڑی سے نکلتا اپنی پسٹل سے اس پر فائر کر چکا تھا۔۔ ارحام نے پیچھے مڑ کر سلطان شاہ کو دیکھا تھا۔ سلطان شاہ ارحام کو سرد نگاہوں سے گھورتا حور کی طرف بڑھا جو درخت کی اوٹ میں کھڑی بری طرح کانپ رہی تھی۔

حور سلطان شاہ نے اسے بے تابی سے پکارا۔۔

پاپا۔۔۔ حور روتے ہوے سلطان شاہ کی بانہوں مین سمائی۔۔ میری جان تم ٹھیک ہو۔ سلطان شاہ نے اسے خود سے علیحدہ کرتے اس کے چہرے پر بے تابی سے اپنے ہاتھ پھیرا۔۔

ٹھیک ہوں پاپا اتنی دیر کیوں کی مجھے ڈھونڈنے میں۔۔ حور نے روتے ہوے سسکیاں لیتے شکوہ کیا۔

آئی ایم سوری بیٹا۔۔ معاف کر دو اپنے پاپا کو۔۔۔ سلطان شاہ اسے ایسے کانپتے دیکھ کر اسے اپنے سینے میں بھینچ چکے تھے۔۔

آہہہہ۔۔۔۔ حور نے درد سے کراہتے سسکی لی تھی

کیا ہوا میری جان؟؟ سلطان شاہ نے تڑپتے ہوے پوچھا۔

پاپا میرے پاؤں۔۔۔ حور نے روتے ہوے کہا۔

کیا ہوا ہے۔۔ سلطان شاہ حور کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھے تھے۔ ۔انہوں نے حور کا پاؤں اٹھا کر دیکھا جو شدید زخمی تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئے تھے۔

انہوں نے اپنے لب حور کے زخم پر رکھے حور شدت سے رو دی۔ تھی۔

پاپا یہ کیا کر رہے ہیں؟؟ حور بری طرح رو دی تھی۔

تم میرے لیے آج بھی تین سال کی حور ہو جو زخم کھا کر روتے ہوے مجھے پاپا پکارتے میرے پاس آتی تھی۔تب بھی تمھارے زخموں پر اپنے لب رکھتا تھا۔اور تم روتے سے خاموش ہو جاتی تھی۔۔سلطان شاہ نے حور کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے کہا۔

پاپا۔۔۔۔حور کے آنسوؤں کی روانگی میں آضافہ ہوا تھا۔

سلطان شاہ نے کھڑے ہوتے حور کے آنسو اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے صاف کیے۔

مجھے معاف کر دو۔۔۔اگر میں نازنین کو اس وقت ہی موت دے دیتا جب اس نے میری مہر ماہ کو تکلیف پہنچائی اسے اغوا کیا تو آج وہ یہ سب نہ کرتی۔۔مگر اس وقت میں اس ذلیل عورت کو موت دینے کی بجائے اپنی مہر ماہ کو موت دے آیا۔سلطان شاہ کی کرب سے آنکھیں چھلک پڑیں۔۔

حور تڑپتے ہوے سلطان شاہ کی بانہوں میں سما گئی تھی۔۔

کیا بکواس کی تھی میری بیوی کے متعلق تم نے ؟؟۔۔ارحام کی دھاڑ سلطان شاہ اور حور کے سماعتوں میں پڑی تھی۔ حور نے سلطان شاہ سے الگ ہوتے انھیں خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔۔

ریلیکس میں دیکھتا ہوں۔ سلطان شاہ نے اس کا عارض نرمی سے تھپکتے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔

حور ارحام سے ڈرتی ہے وہ جانتے تھے اور یہی ایک بات انھیں چبھتی تھی۔۔ سلطان شاہ حور کی پیشانی پر اپنے لب نرمی سے رکھتے ہوے ارحام کی طرف بڑھے جو رستم کو گاڑی کی بونٹ پر لٹائے بے دردی سے مار رہا تھا۔

  کیا کہا تھا میری عورت کے متعلق تم نے؟؟ ارحام نے حلق کے بل دھاڑتے ہوے رستم کے چہرے پر بے دردی سے مکوں کی بارش کر دی تھی۔

رستم نے جوابی کاروائی کرتے ارحام کے جبڑے پر مکہ مارا تھا۔ ارحام کے لبوں سے خون نکلتا اس کے حلق میں گھلا۔ ارحام نے اپنی پوری قوت لگاتے اس کے ناک پر مکہ جڑا تھا۔

رستم کی ناک سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔۔

کیا کہا تھا تمھاری نظر بعض سے تیز ہے تم دوسروں کی آنکھوں میں دیکھ کر سچ جھوٹ کا پتہ لگا لیتے ہو۔۔

اب غور سے میری آنکھوں میں دیکھ اپنی موت نظر ارہی کہ نہیں۔۔۔میں تم جیسے کتوں کو ایسی بے رحم دردناک بے شرم موت دیتا ہوں تو کہ مردار بھی تم جیسے کتوں پر کو کھانا پسند نہیں کرتے۔۔افسوس میری دی ہوئی موت کے بعد تیری گندی غلیظ لاش چیل کوں کے کام بھی نہیں آئے گی۔

ایسا حال کروں گا تیرا۔۔۔ارحام نے اس کی گردن ایک ہاتھ سے پوری قوت دباتے ہوے اس کی آنکھوں پر مکوں کی بارش کر دی تھی۔۔

نازنین بائی کے سارے آدمی مارے جا چکے تھے۔۔ارحام کے گارڈز سلطان شاہ کے گارڈز اور پولیس فورس میں افیسر سب وہیں پر کھڑے تھے۔

سلطان شاہ سگار جلا کر لبوں سے لگاتے ارحام کو دیکھا جو بنار کے رستم کے منہ پر مکے مارے جا رہا تھا۔

وہ نازنین میری عورت میری بیوی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی جب تک ارحام خانزادہ زندہ ہے اسے کوئی ایک آنچ بھی نہیں پہنچا سکتا۔۔ ارحام نے اب پوری قوت سے اپنا سر رستم کے سر سے ٹکرایا تھا۔

رستم درد سے چیخ رہا تھا۔۔ پولیس افسران میں سے کچھ لوگ ارحام کی طرف بڑھے تھے۔۔ سلطان شاہ ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے روک چکے تھے۔۔

وہ سگار کے گہرے کش لیتے ارحام کو دیکھ رہے تھے جو جنونی ہوا تھا۔ جس کے ہونٹوں اور ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔۔

نازنین کے پانچ کتوں کو کتوں والی موت دے چکا ہوں اب تیری باری۔۔۔ ارحام نے چیختے ہوے اپنی انگلیاں اس کی انکھوں میں دی

تھیں۔رستم کی دردناک چیخیں پہاڑوں سے ٹکراتی پہاڑوں کو تھرتھرانے پر مجبور کررہی تھیں۔

پولیس افسران میں ایس پی سلطان شاہ کی طرف بڑھا تھا۔

سر رستم کی موت نہیں ہونی چاہیے۔۔ہمیں یہ زندہ چاہیے نازنین کو اس کے ذریعیے ہی پکڑا جاسکتا ہے۔۔۔رستم خان کے پاس بہت سے راز ہیں نازنین کے۔۔اس کی زندگی بہت ضروری ہے۔۔ایس پی نے سلطان شاہ سے سنجیدگی سے کہا۔۔

سلطان شاہ ایس پی کی بات سن کر ارحام کی طرف بڑھا۔

چھوڑ دو اسے ارحام۔۔سلطان شاہ نے ارحام کے قریب آتے سرد لہجے میں حکم دیا۔

نہیں چھوڑوں گا اسے۔۔اس کے غلیظ وجود کو میں آج بہت دردناک موت دوں گا۔اس نے میری عزت میری عورت کے بارے میں غلیظ لفظ بولے۔ارحام نے حلق کے بل دھاڑتے ہوے رستم کے کانوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑتے کھینچتے مڑوڑا تھا کہ اس کی خوفناک چیخیں بلند ہوتی جارہی تھیں۔

ارحام رستم کی زندگی بہت ضروری ہے۔۔یہ نازنین کو پکڑنے میں مدد کرے گا۔۔قانونی طور پر نازنین کے خلاف گواہی دے گا۔۔سلطان شاہ نے لب بھینچے کہا۔

اس کی موت کے بعد نازنین کو دردناک موت دوں گا۔اگر قانون اس کا کچھ کر سکتا تو وہ آج اتنی طاقتور نہ ہوتی۔یہ قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔اسے چھوڑ دوں گا یہ چھوٹ جائے گا اور چھوڑے گا اسے یہی

قانون۔اس کتے کو نہیں چھوڑوں گا میں۔۔جس نے میری عورت کے لیے بکواس کی۔۔ارحام نے پاگلوں کی طرح چیختے اس کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا تھا۔

تمام پولیس اہلکار اور افسران ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنے لب بھینچ گئے تھے۔۔

ارحام غصے سے اس کی گردن پر دباو بڑھاتے جا رہا تھا رستم کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔

سلطان شاہ نے یہ دیکھتے اپنی پسٹل ارحام پر تانی۔۔

چھوڑ دو اسے ورنہ میری پسٹل سے نکلی گولی تمھارے آر پار ہو جائے گی۔۔

سلطان شاہ ارحام کی پشت پر پسٹل تانے غرایا تھا۔

ارحام خان کے گارڈز نے اپنی اپنی بندوقوں کا رخ سلطان شاہ پر کیا تھا۔ سلطان شاہ کے تمام گارڈز اپنی بندوقوں کا رخ ارحام کے گارڈز پر کر چکے تھے۔

حور یہ دیکھتے جلدی سے سلطان شاہ کی طرف بڑھی تھی۔

پاپا یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟؟ حور چیخی تھی۔

حور کی آواز سنتے ارحام خانزادہ نے آنکھیں میچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا تھا۔ جو اس کے منع کرنے کے باوجود سب کے سامنے چلی آئی تھی۔۔

ارحام چھوڑ دو اسے۔ ۔۔ ورنہ میں سچ میں گولی چلا دوں گا۔۔ سلطان شاہ حور کی پرواہ کیے بغیر غرائے تھے۔

پاپا۔۔۔ حور سلطان شاہ کو پکارتے بے یقین ہوئی تھی۔۔

ارحام چھوڑ دو اسے۔۔۔نازنین کے خلاف یہ رستم میری مدد کرے گا۔۔اسے میں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔۔اسے میں ٹارچر کر کے نازنین کے خلاف ہر انفارمیشن نکلواؤں گا۔۔چھوڑ دو اسے۔۔۔ورنہ میں تمھیں گولی مار دوں گا۔سلطان شاہ گرجا تھا۔

پاپا آپ ارحام کو کچھ نہیں کہیں گے۔۔حور چیخی تھی۔

ارحام گہرا سانس لیتے رستم کو چھوڑتے ہوئے پیچھے ہوئے تھا۔۔رستم اپنا گلہ جکڑے کھانستے ہوئے گہرے سانس لیتا زمین پر گر گیا تھا۔

ارحام نے حور کی طرف بڑھتے اس کی کلائی سختی سے جکڑی تھی اور اپنے گارڈز کی کھڑی گاڑیوں کی طرف بڑھا۔۔

 بہت تعریفیں سنی ہیں تمھاری بیوی کی آج کی رات میں تمھاری بیوی کی خوبصورتی چکھوں گا۔۔ دیکھوں گا اخر اس میں ایسی کیا بات ہے جو تم اس کے لیے اپنی جان تک گنوانے کو تیار ہو۔۔

رستم کے لفظ ارحام کی سماعتوں میں گونجتے اسے جیسے پاگل کر گئے تھے۔ ارحام نے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلتے خود پر قابو پایا تھا۔ دوسرے لمحے اپنے پاس کھڑے گارڈ سے پسٹل چھینتے وہ رستم کی طرف بڑھتے اس کے سینے میں کئی فائر کر چکا تھا۔۔ رستم ساکت ہوا تھا۔

حور منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخ گھونٹ چکی تھی۔۔

سلطان شاہ نے جبڑے بھینچتے ارحام کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے۔۔

پولیس افسران نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا تھا۔

چلو۔۔ارحام حور کی کلائی جکڑے اپنے گارڈز کی گاڑیوں کی طرف بڑھا۔

رکو۔۔۔سلطان شاہ ارحام کو پکارتے اس کے مقابل آئے تھے۔۔

میری بیٹی کو تم اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔سلطان شاہ ارحام کو دیکھتے سرد لہجے میں بولے۔۔

اپنی بیوی کو کسی قیمت پر آپ کے پاس نہیں چھوڑوں گا۔

باپ کے پاس رہنے کی اس کی عمر گزر چکی ہے۔اسے اب باپ کی نہیں شوہر کی ضرورت ہے۔ارحام نے حور پر سرد نگاہ ڈالتے لفظ چبائے تھے۔

بیٹی کو کس ضرورت ہے کسے نہیں یہ تمھیں بتانے کی س

ضرورت نہیں ہے۔۔یہ تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔۔۔اسے کسی قیمت تمھارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔جتنے غصے میں تم ہو یہ آج تو کسی قیمت تمھارے ساتھ نہیں جائے گی۔اسے میرے ہوتے کوئی سرد نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔اور تم اسے سختی سے چھورہے ہو۔۔۔سلطان شاہ نے شلعہ بار لہجے میں کہتے حور کی کلائی سرخ آنکھوں سے دیکھا تھا جو وہ سختی سے جکڑے ہوے تھا۔۔

سلطان شاہ کے ہوتے ہی میری بیوی کو دوبار نقصان پہنچایا گیا۔۔

جواب دیں کیسے یہ آج گاڑی لے کر نکلی۔۔کیسے یہ چند گارڈز کے ہمرارہ باہر نکلی۔۔اور آپ نے اسے جانے دیا۔۔بیٹیوں کی ہر ضد پوری نہیں کی جاتی۔

یہ اب میرے پاس حویلی رہے گی۔جہاں میری آجازت کے بغیر یہ حویلی سے نہیں نکلے گی۔۔آپ ایک باپ کے طور پر اس کی ہر ضد پوری کرسکتے

ہیں۔ چاہے اس کی ضد اس کے لیے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر مین ایک شوہر کے طور پر صرف اس کی وہی ضد پوری کروں گا جو پوری کرنے کے لائق ہو گی۔۔ جو ضد اس کے لیے نقصان دہ ہو گی۔ اس کی ضد پر اسے سختی سے چھوؤں گا بھی اور سرد نظروں سے دیکھوں گا بھی۔۔۔ ارحام سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لفظ چباتے ہوے بولا۔۔

سلطان شاہ نے غصے سے ارحام کو گھورتے حور کو دیکھا جو لب کاٹتے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ ارحام کے ہاتھ میں جکڑے اپنی کلائی چھڑوا نہیں رہی تھی۔

سلطان شاہ گہرا سانس لیتے حور کو دیکھتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔۔

ارحام حور کی کلائی جکڑے گارڈ کی ایک گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ حور کے لیے دروازہ کھولتے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔

ارحام کی گاڑی کے ساتھ اس کے گارڈز کی گاڑیاں آگے پیچھے بڑھیں تھیں۔

اسفندیار خان نے ڈائینگ روم میں داخل ہوتے قہربار نگاہ عابیر پر ڈالی جو بلیک کلر کی سٹائلش گرم چنٹوں والے فراک میں ملبوس تھی۔ گرم پشمینہ شال سر پر جمائے ہوے تھی۔ مگر وہ بار بار سر سے اتر رہی تھی۔ آج بھی اس کے سنہری بال کھلے تھے۔۔۔ وہ درخشاں کے ساتھ ٹیبل سیٹ کروا رہی تھی۔۔ اسفندیار خان نے اسے دیکھتے بے چینی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ

سہلائی تھی۔ درخشاں تم جاؤ یہاں سے۔۔ اسفندیار خان نے عابیر کو گہری نگاہ ڈالتے درخشاں کو حکم دیا تھا۔

اسفندیار خان کی بات پر عابیر کا ٹیبل سیٹ کرتا ہاتھ رکا تھا۔۔ دوسرے لمحے وہ سرد چہرے کے ساتھ ٹیبل سیٹ کرنے لگی۔

اسفند نے عابیر کے قریب جاتے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی نیلی انکھیں گاڑھیں۔

منع کیا تھا تمھیں میرا صبر اتنا آزمانا جتنا مجھے برداشت کر سکو۔۔۔ اسفند اپنی سلگتی سانسیں عابیر کے تیز رنگ میں رنگے ہونٹوں پر چھوڑتے سرد لہجے مین بولا۔

کیا کیا ہے میں نے اسفند یار خان جو آپ انگارے چبا رہے ہیں؟؟ عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

براک آج یہاں پر کیا کر رہا ہے؟؟ صبح سے وہ تمھارے کمرے میں تھا؟؟ کیوں کیا کر رہا ہے وہ یہاں؟؟ اسفند نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے پوچھا

اب عادت ڈال لیجیے اسے یہاں دیکھنے کی کیونکہ مجھے اسے اپنے قریب دیکھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ عابیر سپاٹ انداز میں بولتے رخ بدل چکی تھی۔

اسفند اسے بازو سے جکڑے ایک ہی جست میں اس کا رخ اپنے مقابل کر گیا تھا۔

عادت بدل لو مجھے وہ تمھارے گرد بلکل پسند نہیں ہے۔ دور رہو اس سے ۔۔ میں آج آخری بار وہ ادھر آیا ہے۔ آئیندہ مجھے نظر آئے تم خود اسے منع کرو گی۔۔ ورنہ میں اپنی زبان میں اسے منع کروں گا۔ جو تمھیں یقینًا پسند نہیں آئے گا

اسفند نے سرد لہجے میں تنبیہ کی تھی۔

وہ یہاں آئے گا ہر حال میں آئے گا۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں اتنی کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔۔ عابیر خان آپ کے بغیر تو رہ سکتی ہے مگر براک کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کی آنکھوں میں شعلے دہکے تھے۔

یعنی مجھے اپنا طریقہ اپنانا پڑے گا اسے تم سے دور رکھنے کا۔ اسفند یار خان اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا تھا۔

کیا کریں گے آپ؟؟ عابیر نے اسفند یار خان کو غصے سے دور دھکیلا ۔۔ اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔

تمھیں اپنے بچوں کی ماں بناؤں گا تمھیں کسی اور کے بچے کی ماں نہ بننی پڑے۔۔ مگر افسوس ہمارا بچہ تمھیں پال کر آٹھ سال کا کرنا پڑے گا۔ ڈائیریکٹ سات سال کا بچہ ڈاؤن لوڈ نہیں ہو سکتا۔ ابھی تک ایسا کوئی پروسیس نہیں ہے۔ ورنہ ضرور ٹرائے کرتا تمھیں ڈائریکٹ اپنے ساتھ سال بچے کی ماں بناتا۔ اسفند شعلہ بار لہجے میں کہتے اس کے گلابی لبوں پر شدت سے جھکتے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔

زاران نے اسفند یار خان کو دیکھا جو اس کی ساتھ والی چیئر پر بیٹھے اپنی ایک ٹانگ بے چینی سے ہلاتے اپنی ملکی گھنی بنیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

زاران نے گہرا سانس بھرتے عابیر کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا جو اس کے سامنے کھڑی ڈائینگ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی۔

اس کے ساتھ ہی چیئر پر براک کھڑا تھا۔۔ درخشاں کچن سے جو باؤل لا کر ٹیبل پر رکھتی وہ اس کا ڈونگہ اٹھا کر چیک ضرور کرتا۔۔ امینہ خانم نے اسفند یار خان کے سرد سرخ چہرے کو دیکھتے عابیر کو دیکھا تھا۔

عابیر براک کو کھانا تم لاونج میں دے دو۔۔۔۔ امینہ خانم نے عابیر کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

کیوں مورے ؟؟ یہاں کیا مسلہ ہے ؟؟ آج کا سارا کھانا میں نے بنایا ہی براک کے لیے ہے۔۔ عابیر براک کو دیکھتے مسکرائی تھی۔۔ اسفندیار خان نے ہاتھ میں پکڑا کانٹا ٹیبل پر غصے سے پٹختے چیئر سے ٹیک لگاتے خود پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

اسفند کے سامنے بیٹھی روزینہ خانم بھی غصے سے لب بھینچ گئی تھی.

امینہ خانم نے سرد نگاہوں سے عابیر کو گھورا۔ جو ہر چیز سے لاپرواہ بنی نظریں جھکائے ڈائینگ ٹیبل پر برتن سیٹ کر رہی تھی۔۔

اسلام و علیکم ----- ابرش آتشی گلابی گرم فراک میں ملبوس گرم شال سر پر اوڑھے ڈائینگ روم میں داخل ہوئی۔۔ سب ابرش کی طرف متوجہ ہوے تھے۔

اسفندیار خان ابھی بھی عابیر کو اپنی سلگتی نگاہوں کے حصار میں لیے ہوے تھا۔

زاران نے گہری نگاہ ابرش پر ڈالی جو ہونٹوں پر شاکنگ پنگ لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔

زران جلدی سے اپنی چیئر سے اٹھتا ابرش کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے ڈائینگ روم سے نکل گیا تھا۔۔

توبہ توبہ۔۔۔ ہم کو تو لگتا تھا ہمارا بیٹا ہی مریض عشق بنا پھرتا ہے یہاں تو ہر دوسرا مرد کا یہی حال ہے۔۔ روزینہ خانم نے اسفند کو گھورتے شعلہ بار لہجے میں لفظ چبائے جو اپنی سرد سرخ نگاہیں عابیر پر گاڑھے ہوے تھا۔

.....

زاران ابرش کی کلائی سٹڈی روم میں داخل ہوتے دروازے کو لاک کرتے اسے دروازے کے ساتھ لگاتے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کر گیا۔

کیا ہوا ہے زاران ؟؟۔۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا جو اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

یہ لپ سٹک کیوں لگائی ؟؟ زاران نے اس کے لبوں پر بے دردی سے اپنا انگوٹھا رگڑا۔۔

نہیں لگا سکتی کیا ؟؟ ابرش نے نروٹھے انداز میں زاران کی براؤن آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

دو دنوں سے وہ اس سے مکمل انجان بنے ہوئے تھا۔۔ صبح حویلی سے نکل جاتا۔رات کو دیر سے آتا اور صوفے پر سو جاتا۔

اب وہ اس کے قریب کھڑا گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

نہیں لگا سکتی۔۔مجھے بلکل نہیں پسند تم یوں اپنے لبوں کو اتنے تیز رنگ سے سجا کر سب کے سامنے آؤ۔

میرے لیے کمرے میں لگایا کرو بس۔۔۔زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس کی چادر اس کے وجود سے اتار گیا تھا۔

زاران یہ کیا کر رہے ہیں؟؟وہاں آپ کی مورے کیا سمجھ رہی ہوں گی۔

آپ سب کے سامنے مجھے کلائی سے پکڑ کر لے آئے۔۔ابرش نے اپنی چادر زران سے لینی چاہی جسے صوفے پر اچھال گیا تھا۔

زاران مسکراتے ہوے اس کے سٹرابیری لبوں پر جھکتے اس کی لبوں کی سرخی چراتے انھیں پل میں اپنی شدت سے قندھاری کر گیا۔۔

ابرش نے غصے سے پوری قوت سے مکے زاران کے چٹانی سینے پر۔۔۔ہ مارے۔۔۔زاران اس کے بالوں کو جکڑے مزید شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا۔۔

ابرش نے پہلے سے بھی زیادہ غصے سے اس کے سنے پر مکے مارے۔۔۔۔ زاران اس کے اس طرح مکے مارنے پر اپنا غصہ اس کے لبوں کو قندھاری کرتے آتار رہا تھا۔

میری مورے بہت اچھی ہیں وہ بہت خوش ہوئی ہوں گی میں تمھیں ایسے پکڑ کر لایا وہ سمجھ گئی ہوں گی کہ ان کے بیٹے کی حالت خراب ہو چکی ہے اپنی

خوبصورت بیوی کو دیکھ کر۔۔۔۔۔وہاں بیٹھے سب سمجھ گئے ہیں میں تمھیں وہاں سے کیوں لایا-زاران گھمبیر آواز میں بولا۔

کیوں لائے ہیں؟؟ابرش نے نا سمجھی سے زاران کو دیکھا۔۔مجھے اپنے بدن میں بھڑکتی آگ کو راحت پہنچانی ہے جو ایک بیوی کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

زاران مسکراتے ہوے اس کے سٹرابیری لبوں پر جھکتے اس کی لبوں کی سرخی چراتے انھیں پل میں اپنی شدت سے قندھاری کر گیا۔۔

ابرش نے غصے سے پوری قوت سے مکے زاران کے چٹانی سینے پر۔۔۔ہ مارے۔۔۔زاران اس کے بالوں کو جکڑے مزید شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا۔۔

ابرش نے پہلے سے بھی زیادہ غصے سے اس کے سنے پر مکے مارے۔۔۔۔

زاران اس کے اس طرح مکے مارنے پر اپنا غصہ اس کے لبوں کو قندھاری کرتے آتار رہا تھا۔

ابرش اب بے حال ہوتی اس کی بلیک شرٹ اپنی مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

زاران اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے اس کی کلائیاں اس کی کمر پر لگائے اسے دروازے کے ساتھ لگائے بہت نرمی سے اس کی سانسیں پینے لگا۔

ابرش کی حالت بے جان ہوئی تھی۔وہ کافی دیر سے اس کے لبوں سے لپٹا ہوا تھا۔

زاران اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس سے تھوڑا دور ہوا۔ مگر اس کی کلائیاں آزاد نہیں کی تھیں۔ وہ یونہی اس کی کمر سے لگائے ہوئے تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے آنکھیں میچھے دروازے کے ساتھ اپنا سر نکا گئی تھی

زاران نے گہری گرم نگاہ ابرش پر ڈالی جو گلابی کلر کی بہت سٹائلش اور فٹنگ والے فراک میں ملبوس تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے اس کے دیکتے بھڑکتے جذبوں میں آگ لگا گئی تھی۔

زاران اس کی کلائیاں آزاد کرتے اس کی گردن میں منہ چھپاتے اس کی گردن پر اپنے دیکتے لب رکھنے دیوانگی کے عالم میں رکھنے لگا۔

ابرش نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے زاران کو خود سے دور جھٹکا۔۔

زاران نے اس کی گردن سے چہرہ نکالتے ابرش کو غصے سے سرد نگاہوں سے گھورا جو اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔

اس کے اس طرح گھورنے پر زاران کے لبوں پر مہم سی مسکراہٹ بکھری جسے وہ لب دبائے چھپا گیا تھا۔ وہ اتنے غصے میں کیوں تھی وہ سمجھ گیا تھا۔

اس کی موسٹ رومانٹک بیوی کو بھرپور رومانس کی ضرورت تھی۔ اور وہ اسے اس وقت یہاں رومانس کرنے کے لیے ہی لایا تھا۔ یہ دو دن کی دوری اس پر بھی عذاب بن کر نازل ہوئی تھی۔۔۔ وہ اب اسے پانے کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔

آج تو صرف ان ہونٹوں پر یہ مصنوئی رنگت چرائی ہے۔ آئیندہ اتنا تیز رنگ لگایا تو ان ہونٹوں کو اپنی شدت سے اس طرح رنگوں گا کتنے دن تم کسی کے سامنے آنے کے قابل نہیں رہو گی۔ زارن گھمیر آواز میں بولتے اس کی گردن پر جھکے دانت گاڑھ گیا تھا۔

دور ہٹیں مجھ سے زاران۔۔۔ ابرش نے سرد سپاٹ انداز میں زاران کو خود سے دور دھکیلا۔

کیا ہوا ہے؟؟ اتنا کولڈ بیہیویر کیوں ہے تمھارا۔۔

رومانس کر رہا ہوں۔۔ ایسے توری ایکٹ نہین کرتی تم۔۔ زاران نے ابرش کے سرد سپاٹ چہرے کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔۔ اس کا بار بار دور دھکیلنا اب اس کے اعصابوں کو اچھا خاصہ بھڑکا گیا تھا۔

رومانس ہمارے درمیان ہوتا کب ہے ؟؟جو آپ کو میرے ایکشنز کا پتہ ہو۔۔ ابرش نے زاران کو گھورتے جوابی کروائی کرتے غصے سے لفظ چبائے۔

ابرش کی بات پر زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

اچھا اس لیے تپی ہوئی ہو رومانس کرنا ہے تم نے چلو پھر---زاران نے ابرش کی کلائی پکڑے اسے صوفے پر دھکیلا۔۔۔ ابرش صوفے پر اوندھے منہ گری تھی۔ وہ سیدھے ہو کر اٹھنے لگی تھی۔ وہ اس پر مکمل طور پر حاوی ہوتے اسے صوفے پر پٹخ گیا۔

زاران۔۔۔۔۔ ابرش نے غصے سے چیختے ہوئے اس کے چٹانی سینے پر پوری قوت سے مکے مارے۔

آواز نیچے۔۔۔ خبر دار آواز اونچی ہوئی۔۔ اپنی آواز اور غصے پر کنٹرول کرو۔

۔زاران دھاڑا تھا۔

ابرش اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

غلط ٹائم پر مجھے غصہ مت دکھایا کرو۔۔ دو دن سے برداشت کر رہا ہوں۔

اب اور نہیں۔۔۔ تمھیں یہ بات پہلے دن سمجھائی تھی.

بہت منتقم مزاج بندہ ہوں۔۔ نہ کسی کا احسان رکھتا ہوں نہ کسی کا ادھار رکھتا

ہوں۔ ہوں۔۔۔ نہ اپنا حق چھوڑتا ہوں۔ زاران نے ابرش کو کمر سے

جکڑے اسے اوپر اٹھائے اس کی کمر کی زپ ایک ہی جھٹکے سے کھولی۔

زاران یہ کیا کر رہے ہیں ؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں زاران کو آہستگی سے پکارا جو اس کی فراک کو اس کی آستینوں سے نکالتے زمین پر اچھال چکا تھا۔

آج تم کچھ بھی کہو جتنا مرضی شک کرو۔۔ مجھے غصہ دلاؤ میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔۔۔ سچویشن بہت خراب ہو چکی ہے۔۔ زاران اسے بے باکی سے دیکھتا مسکرایا تھا۔ اس کے چاندی جیسے بدن کو دیکھتے تھوڑی پہلے سارا غصہ اشتعال جھاگ کی مانند بیٹھا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھی وہ نرم

ہوا تھا۔

زاران دور ہٹیں مجھ سے۔۔۔ میری طبعیت ٹھیک نہیں ھے۔ ابرش نے زاران کو دیکھتے بے شبنمی لہجے میں کہا۔۔

طبعیت تو ٹھیک کرنے لگا ہوں تمھاری میری خوبصورت پری۔۔۔ یہ جو آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ جو مجھ پر غصہ آرہا ہے ابھی سب ختم ہو جائے گا۔

زاران اس کی سٹریپ میں انگلیاں ڈالتے اسے کھینچتے ابرش کو اپنے قریب کر گیا تھا۔ زاران آپ کچھ نہیں کر سکتے۔۔ دو دن آپ نے کیا نہیں اب اگلے کچھ دنوں تک مکمل چھٹی آپ کو اب آرام ہی کرنا چاہیے۔۔ ابرش زاران کو دیکھتے مجرڑ مجھڑ جلتے روبانے ہوتے بولی تھی۔۔ مگر اب کی بار اسے خود سے دور نہیں

جھٹکا تھا.

زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔

ابرش کی رنگت میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی تھیں۔۔وہ

..لب کاٹتے نظریں جھکا گئی

ابرش کی بات کا مطلب اسے اب سمجھ آیا تھا۔وہ گہرا سانس بھرتا اس کی گردن میں منہ چھپایا گیا۔

یار مجھے لگتا ہے مجھے کسی نے بدعادی تھی کہ اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوے بھی میں رومانس کو ترسوں۔۔زاران نے ابرش کے لبوں کو نرمی سے چھوا۔اپنے غصہ کرنے پر بھی وہ پچھتا رہا تھا۔۔

چھوڑیں مجھے مجھے جانا ہے۔۔اہرش نے زاران کو نرم پڑتا دیکھتے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے اسے غصے سے دور دھکیلا۔

کیا مطلب چھوڑوں آدھا ادھورا رمانس کر لیتے ہیں۔ زاران اسے صوفے پر نرمی سے دھکیلتے اسے بے باکی سے آنکھ مارتے اس کی گردن پر جھکتے اپنے لب رکھ گیا۔۔

.....

زاران ابرش کی کلائی پکڑے ڈائینگ روم میں داخل ہوا تو اسفندیار خان نے اپنی بیوی کو دیکھتے سلگتی نگاہ اب زاران پر ڈالی جس کا چہرہ چمک رہا تھا۔۔ جس طرح وہ دھڑلے سے ابرش کی کلائی پکڑ کر لے کر گیا تھا۔۔

وہ تب سے عابیر کو دیکھ کر سلگ کر راکھ ہو رہا تھا۔۔ زاران سے جیلسی محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی بیوی اس کے پاس تھی اور وہ تھا بیوی کے ہوتے سردی کی برفیلی راتیں تنہا سگریٹ پیتے کلستے ہوئے گزار رہا تھا۔

اس کی سفاک پٹھانی کو اس پر ذرا برابر ترس نہیں آرہا تھا۔ وہ سارا دن اس کے سامنے تیار ہو کر اس کا دل جلاتی رہتی تھی۔۔ باقی رہی سہی کسر آج براک نے پوری کر دی تھی جو عابیر کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ وہ بہت بری طرح جل رہا تھا۔ سینے میں آگ کے دریا بھڑک رہے تھے۔۔ براک بلکل عابیر کے ساتھ چپکا برداشت نہیں ہو رہا تھا

مورے کو سلام کرو۔۔۔۔۔۔ زاران نے ڈائنگ روم میں داخل ہوتے ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا جو اپنی شال اچھی سے جکڑے کندھے سے ہوے تھی۔ زاران کے حکم پر ابرش امینہ خانم کی طرف بڑھی۔۔

اسلام و علیکم آنٹی۔۔۔۔ ابرش نے پاس جاتے سلام کیا۔ و علیکم سلام بچہ -- -- امینہ خانم نے کرسی سے اٹھتے ابرش کی پیشانی پر نرمی سے بوسہ دیا تو زاران کے لب مسکراہٹ میں

ڈھلے تھے۔

اگر تم ہم کو مورے بولو گی تو ہم کو بہت اچھا لگے گا۔۔ تم ہمارا لیے عابیر کی طرح ہے ابرش۔۔۔ ہم عابیر کو پیار کرتا ہے تو اس کو ڈانٹ بھی دیتا ہے ۔اگر ہم کبھی تم کو کسی بات پر ڈانٹ دے غصہ کر لے تو یہ مت سمجھنا کہ ہم تمھارا اساس ہے یہ سمجھنا ہم تمھارا مورے ہے۔ امینہ خانم نے نرمی سے کہا تو ابرش نے اثبات میں سر ہلاتے اپنے سر سے سرکتی شال کو اب گردن سے جکڑا تھا۔۔۔ زاران کچھ ہی دیر میں جو اس کی حالت کر چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی امینہ خانم اس کی حالت دیکھے۔ امینہ خانم جس طرح مسکراتی گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

اسے احساس ہوا تھا زاران ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ان کے رومانس پر امینہ خانم خوش ہوتی ہیں۔ وہ اسے بہت پیار بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

مورے آپ ابرش کو ڈانٹ سکتی ہیں غصہ کر سکتی ہیں۔۔ آپ حق رکھتی ہیں میری بیوی پر۔۔۔زاران نے ابرش کو مسکراتی بکہ نگاہوں سے بے حد پیار سے دیکھتے کہا۔ وہ آدھے ادھورے رومانس سے ہی اسے سکون پہنچا چکی تھی ۔۔ اسے اپنی خوبصورت بیوی پر بے حد پیار آرہا تھا۔۔

زاران کی بات پر روزینہ خانم نے سلگتی جتاتی نگاہ اسفندیار پر ڈالی جو ان کے سامنے ہی بیٹھا اپنی شعلہ بار نگاہیں عابیر پر جمائے ہوئے تھا۔ جسے کتنی دیر سے کوئی ہوش نہیں تھا وہ اپنی نظریں بھی جھپکاتا۔ وہ کرسی سے ٹیک لگائے عابیر کو دیکھے

جارہا تھا۔

روزینہ خانم غصے سے اسفند کو دیکھ کو دیکھ کر رہ گئی۔

ہم اس کو کیوں ڈانٹے گا یا غصہ کرے گا۔۔ ہم کو تو بس اب ابرش سے تمھارا اولاد چاہیے۔۔ امینہ خانم کی بات پر ابرش زاران کو دیکھتے سرخ ہوئی۔ جس نے بے باکی سے اشارہ کیا

تھا۔

ابرش سٹڈی روم میں زاران کی شدتوں پر نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ زاران ک. بے باک اشارے پر وہ مزید گلابی ہوئی تھی امینہ خانم کی مسکراہٹ اور گہری نگاہوں سے خود کو دیکھتے وہ اب سمجھی تھی۔۔۔ وہ زاران کے رومانس پر کیوں خوش ہوتی

ہیں۔

زاران نے گہری نگاہ ابرش پر ڈالی جو نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔

زاران نے مسکراتے ہوے اپنی ملکی گھنی بنیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اس کی کلائی نرمی سے جکڑے اسے اپنے ساتھ والی چیئر پر بٹھایا اور اپنی چیئر کو گھسیٹتے وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

عالی جان یہ سب آپ نے بنایا ہے۔ براک آخری ڈش کا ڈونگہ اٹھائے اشتیاق سے بولا۔

جی میری جان صرف آپ کے لیے۔۔۔ عابیر نے مسکراتے ہوے کہا۔

اسفندیار خان کے ہاتھ میں پکڑے پانی کے گلاس پر اس کے ہاتھ دباؤ بڑھا تھا۔

براک نے چیئر پر کھڑے ہوتے اپنے پاس کھڑی عابیر کے گال پر کس کی تو اسفندیار خان کے ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس ٹوٹتا تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم

ہوا تھا۔ گلاس دو ٹکڑے ہوتے ٹیبل پر گرا تو سب کی بے اختیار نظریں اسفندیار پر اٹھیں۔

عابیر ایک نظر اسفند پر ڈالے نظریں دھڑکتے دل کے جھکا گئی تھی۔ اس کی سرد سرخ نگاہوں سے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی

زاران نے پریشانی سے اپنی پچھلی گردن رب کی۔

اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی آج کوئی طوفان آنے والا ہے۔۔ اسفند کیا ہوا ہے ؟؟ تم ٹھیک تو ہے۔۔ روزینہ خانم نے پریشانی سے اسفندیار خان کے ہاتھ کو دیکھا جہاں سے خون رس رہا تھا۔

ٹھیک ہوں مورے۔۔۔ اسفند نے ٹشو باکس سے ٹشو پیپر نکالتے اپنی ہتھیلی سے نکلتا خون صاف کیا۔

روزینہ خانم لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔ اسفند کے سختی سے سمجھانے پر وہ کب سے اپنے غصے پر کنٹرول کیے ہوے تھیں۔ ورنہ عابیر کو براک کے ساتھ دیکھ کر انھیں اسفندیار خان سے بھی زیادہ غصہ آرہا تھا۔

عابیر اسفند کو کھانا ڈال کر دو۔۔ امینہ خانم نے اسفند کے ہاتھ سے نکلتے خون کو دیکھتے عابیر کو سختی سے کہا.

عابیر خاموشی سے نظریں جھکائے لب کاٹتے کھڑی تھی۔ امینہ خانم کے کہنے پر بھی اسفند کو کھانا ڈال کر نہیں دیا تھا۔

سبھا بھی رہنے دو کس کو کہہ رہا ہے تم؟؟ اس کو سارے جہان کا فکر سوائے اپنا شوہر کے۔۔ کسی غیر مرد کا بچہ پالنے کا تمھارا بیٹی کو ہمدردی کا بخار چڑھا ہے۔ اب یہ ہمدردی اس بچہ سے یا پھر اس کے

با۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پ۔۔۔۔

بس مورے۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔ایک لفظ اور نہیں۔۔۔۔۔۔

اسفند نے دھاڑتے ہوے اپنے سامنے پڑا گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔ عابیر بری طرح لرزی تھی۔ براک عابیر کے ساتھ لپٹا پھا۔۔ روزینہ خانم بھی لرزتے ہوے خاموش ہوئی تھی ڈائینگ روم میں یکدم خاموشی چھائی تھی۔

صرف اسفندیار کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

زاران اپنے جبڑے بھینچتے اپنی بیٹیرڈ سہلا رہا تھا۔۔

امینہ خانم کا اب بی پی ہائی ہو رہا تھا۔۔ وہ آج زاران سے بات کرنے کا آرادہ رکھتی تھیں کہ عابیر کو اسفند کے کمرے منتقل کیا جائے اور براک کا حویلی آنا بند کیا جائے۔۔

براک بیٹھو تم کھانا شروع کرو۔۔ عابیر نے براک کو خود سے جدا کرتے اس کے لیے ایک پلیٹ میں کھانا نکالتے اس کے سامنے رکھا۔۔

اسفند اب استہزائیہ ہنسا تھا۔ زاران نے گہرے سانس لیتے اپنی پیشانی انگلی سے مسلی۔۔

براک اسفند کو گھورتے چیئر پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔۔

عابی جان یہ کھانا مجھے پیک بھی کر کے دیجیے گا۔۔ یہ سارا کھانا آپ نے میرے اور بابا جان کی پسند کا بنایا ہے۔۔ انھیں آپ کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند ہے۔ جو آپ نے پچھلی بار پاستہ بنایا تھا۔ وہ بابا نے بھی کھایا تھا۔ اور بابا کو پاستہ بلکل پسند نہیں وہ تو ماما کے ہاتھ کا پاستہ بھی نہیں کھاتے۔ مگر آپ کے ہاتھ کا پاستہ انہوں نے میرے لیے بھی نہیں چھوڑا تھا۔ براک کی بات پر

زاران نے پریشانی سے اسفندیار خان کو دیکھا جس کی آنکھوں میں یکدم خون اترا تھا۔۔

اسفند-----زاران نے اسے پکارا۔۔

عابیر نے سبھی پریشان ہوتے اسفندیار خان کو دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے اسفند نے کرسی سے کھڑے ہوتے کرسی کو پاؤں سے پوری قوت سے ٹھوکر ماری تھی۔۔سب اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔

عابیر براک کو خود کے ساتھ لپٹائے کئی قدم پیچھے ہوے تھی۔

اسفند عابیر کو سرخ آنکھوں سے گھورتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھا۔اسفند نے آگے بڑھتے ڈائننگ ٹیبل پر بچھا فینسی کپڑا ایک ہی

جست میں کھینچا۔ تمام کانچ کے برتن زمین پر گرتے چکنا چور ہوے تھے۔

سب بد حواصی میں پیچھے ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان کا خون رگوں میں بھڑک رہا تھا۔ عابیر نے دارم کی پسند کا کھانا بنایا اور دارم اس کے ہاتھ کا پاستہ کھا چکا ہے۔۔ اس کے اندر آندھیوں کے جکڑ چلے تھے۔ وہ پاگل ہو رہا تھا جیسے۔۔۔ رگوں میں دوڑتا خون ایسے بھڑک رہا تھا جیسے ابھی مجھڑک کر باہر آجائے گا۔۔

اسفند طیش والم میں عابیر کی طرف بڑھا۔ زاران کا اس کا کندھا جکڑے عابیر کی طرف بڑھنے سے روک چکا تھا۔

وہ عابیر کا منہ تھپڑوں سے لال کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔ اس وقت سامنے کھڑے نازک وجود پر اسے پیار نہیں بلکہ اس کو جیسے زندہ زمین میں گاڑھنے

کو دل کر رہا تھا۔ زاران کے روکنے پر اسفند یار خان گہرے سانس لیتا خود پر قابو پاتا مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

عابیر براک کو یہیں چھوڑ کر تم کمرے میں جاؤ۔۔ زاران نے اسفند کی مضبوط کلائی جکڑتے عابیر سے کہا۔ اسفند زاران کی طرف دیکھتے اسے سرد نگاہوں سے گھور کر رہ گیا تھا۔

لالا میں کیوں جاؤں کمرے میں اور اس میں براک کا کیا قصور۔۔ عابیر براک کو سینے، لگائے زاران کو دیکھتے بولی۔ سے اسفند اپنی مٹھی دبوچ گیا تھا۔ اس کی بند مٹی کی کڑ کڑاہٹ سب کو سنائی دی تھی۔۔

عابیر کیا کہہ رہا ہوں مین براک کو یہیں چھوڑ کر کمرے میں جاؤ۔۔ زاران پوری قوت سے حلق کے بل غصے سے گرجا عابیر نے زاران کی گرج پر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا۔ وہ اس پر یوں چلایا تھا۔۔ دوسرے

لمحے وہ زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے براک کو وہیں پر چھوڑتے وہاں سے نکل گئی تھی۔

.....

ارحام کی گاڑی اس کے گارڈز کی گاڑیوں کے ہمراہ آگے پیچھے بڑھ رہی تھی۔رات گہری ہوتی جارہی تھی گاڑی سوات کے راستوں پر تیزی سے رواں تھی۔

ارحام سرد چہرے کے ساتھ تندو تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔حور ونڈ سکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

۔

ارحام نے ڈرائیو کرتے سرد سلگتی نگاہ حور پر ڈالی جو کھلے بالوں کھلے چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔

رستم اور اس کے آدمیوں کی نگاہیں اسے بھول نہیں رہی تھیں۔ وہ جس طرح حور پر اپنی گندی نگاہیں گاڑھے ہوے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی حور کا چہرہ نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی ان کی نگاہیں یاد کرتے وہ ایندھن کی طرح دہک رہا تھا۔

پاس بیٹھی لڑکی کے لیے وہ اتنا ہی جنونی تھا کہ اس کے ایک بال پر بھی اسے کسی کی نظر گوارا نہ تھی رستم کو موت دینے کے بعد بھی وہ آتش گیر مادے کی طرح جیسے پھٹ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے گرم سلگتی نگاہ حور کے بے پردہ وجود پر ڈالتے اپنا موبائل ڈیش بورڈ سے اٹھائے کال ملائے کان سے لگایا۔

شارون۔۔۔۔دس منٹ تک ایک مال آنے والا ہے ایک بڑی سی گرم لیڈیز چادر اور ایک جینٹس شرٹ چاہیے۔ارحام نے اپنے پرسنل گارڈز کو حکم دیتے فون بند کر کے اسے ڈیش بورڈ پر اچھالتے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کی۔

حور نے لب کاٹتے ارحام کو دیکھا جو اب ونڈ سکرین پر نظر جمائے جبڑے بھینچے سرد چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ارحام کے ماتھے اور ہونٹوں پر گہرا زخم تھا۔ماتھے سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا

۔

حور نے اپنا ہاتھ ارحام کی پیشانی کے زخم کی طرف بڑھایا۔ارحام اسی لمحے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک چکا تھا۔ نظریں ونڈ سکرین پر ہی تھیں

حور نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے اپنے انسو اپنے اندر اتارتے ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو باکس سے ٹشو پکڑتے اب ٹشو ارحام کی پیشانی کی طرف بڑھایا ارحام پھر اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹک چکا تھا۔

ارحام کے سرد رویے پر حور نے روتے ہوے سسکی لی۔۔

ارحام نے سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

حور نے اب اپنا ہاتھ اس کے زخمی ہونٹوں کی طرف بڑھایا ارحام پھر سے اس کا ہاتھ جھٹک گیا تھا۔

حور نے اب کی بار ارحام کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے اس کی کلائی نرمی سے چھوئی۔۔ ارحام اس کا ہاتھ جھٹکے اپنی کلائی اس کی گرفت سے کھینچ چکا تھا

۔

ارحام کے رویے پر حور کی آنکھوں کی رنگت گلابی ہو رہی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ اسے کبھی خود سے دور نہیں جھٹکتا تھا۔ نفرت میں بھی اپنی پناہوں میں قید کر کے رکھتا تھا۔

حور نے ارحام کو دیکھتے اپنے لبوں کو بے دردی سے کاٹتے جان بوجھ کر سسکی بھری۔ جانتی تھی وہ اس کا اس کے لبوں کو ایسے چھونا پسند نہیں کرتا۔ اس وقت وہ ارحام کی توجہ اپنی طرف چاہتی تھی۔۔ اس کا سرد سپاٹ چہرہ اس کی جان خشک کیے ہوے تھا۔

ارحام نے اس کے سسکی بھرنے پر بھی اس پر نگاہ نہیں ڈالی تھی

حور نے اب ارحام کو ایک نظر دیکھتے سسکتے ہوے اپنا پاؤں سیٹ پر اوپر کی طرف کیا۔۔

ارحام نے جبڑے بھینچے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔

اس کے زخمی پاؤں پر اس کی نظر پڑ چکی تھی۔ جو اس کے اشتعال میں آضافے کا ہی سبب بنا تھا۔ خود کو تکلیف پہنچانے والی وہ خود ہی تھی۔ اور وہ خود کو خود بھی تکلیف پہنچائے یہ گوارا نہ تھا۔۔

ارحام

۔۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ بہت۔۔۔ درد۔۔۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔۔۔ رہا ۔۔۔۔۔۔ ہے۔۔ حور نے ارحام کی اپنی توجہ اپنی طرف نہ پا کر اب روتے ہوے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

اچھی بات ہے درد ہونا بھی چاہیے۔۔ جتنا درد ہو گا تمھیں اتنا احساس ہو گا کہ تم نے آج کیا کیا ہے۔ ارحام ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سفاکی سے بولا۔

ارحام کی بات پر حور کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔ زخمی دل فگار ہوا تھا۔۔ جنگل میں اس کی عزت بچانے کے لیے وہ اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔ رستم اور اس کے آدمیوں کی نظر سے بچانے کے لیے وہ سختی سے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھینچے ہوے تھا۔

اب پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ایسے لاتعلق اور بے رحم بنا بیٹھا تھا جیسے اس سے بڑا سفاک کوئی نہیں۔

آپ۔۔۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔ ظالم۔۔۔ ہیں۔۔ میرے معاملے میں۔ ہمیشہ۔۔ سے۔۔۔ ہیں۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔۔ کیوں۔۔۔ فرق

۔۔۔پڑے گا؟؟مجھے رات رات بھر درد دے کر آپ کو ہمیشہ سے سکون ملتا ہے۔میرے درد کی آپ کو کیا پرواہ؟؟

ارحام اس کی بات پر ایک جھٹکے سے گاڑی روکتا اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس آف کرتے اس کی سیٹ پر جھکا۔

وہ بٹن دباتے اس کی سیٹ پیچھے کی طرف بینڈ کرتے اس پر جھکتے اپنا تمام وزن اس پر ڈال گیا تھا۔ہاتھ میں پکڑے موبائل کی ٹارچ آن کرتے اس کی روشنی میں حور کو دیکھا جو اب اپنی کرسٹل براؤن آنکھوں میں خوف جمائے اسے دیکھ رہی تھی

ارحام۔۔۔۔۔حور نے خوف سے ارحام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے اسے پکارا۔۔

کیا درد دیا ہے تمھیں بتاؤ مجھے ؟؟ رات رات بھر کیسے درد دیا ہے تمھیں ؟؟

ارحام اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے غرایا تھا

آپ کو۔۔۔۔ پتہ۔۔۔۔ ہے۔ آپ۔۔۔۔ نے۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ کتنی۔۔۔

اذیت۔۔ دی ؟؟ پہلی۔۔۔۔ رات۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ نے۔۔۔۔

میرے۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔ سلوک۔۔۔ کیا۔۔ میرے۔۔۔۔

ہونٹوں۔۔۔۔ تک۔۔۔۔ کو آپ۔۔۔۔۔۔

نے۔۔۔۔۔۔ چبا۔۔۔۔۔ ڈالا۔۔۔۔۔

تھا۔۔ صرف۔۔۔۔ اپنی۔۔۔۔ گل۔۔۔۔ کی۔۔۔ وجہ۔۔۔۔ سے۔۔ حور

نے ارحام کی سیاہ سرد آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظ ادا کیے تھے۔

ارحام حور کی بات پر اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑتے اس کے گال پر

اپنے دانت گاڑھ گیا.

اہہہ۔۔۔۔ حور کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ ارحام اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے دانت شدت سے اس کے ڈمپل والی جگہ پر گاڑھ گیا تھا ۔۔

حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔

ارحام نے پیچھے ہوتے اسے دیکھا جواب سسکتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

دل تو یہی کر رہا ہے تمھارے ہونٹوں اور پورے بدن کو چبا ڈالوں۔۔ جو تم نے آج کیا ہے میرا غصہ ختم نہیں ہو رہا۔۔ بتاؤ کیسے سزا دوں تمھیں کہ میرا بھڑکتا دماغ ٹھنڈا ہو جائے۔

ارحام نے اس کے گال پر انگلیاں پھیرتے پوچھا جو سرخ ہو رہا تھا۔ جہاں اس کے دانتوں کا نشان واضح تھا۔

حور ارحام کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہچکی بھر کر رہ گئی۔۔

ارحام اپنے غصے پر قابو پاتے پیچھے ہوا تو حور اس کے گلے بانہیں حمائل کرتے اسے اپنے قریب کر گئی تھی۔۔۔

ارحام اس کی حرکت پر سیٹ کو مزید نیچے کی جانب جھکا گیا تھا۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا آگے پیچھے کھڑی گارڈز کی گاڑیوں میں سے کسی بھی گارڈ کی غلطی سے ان پر نظر پڑے۔۔ ارحام اب اس پر مکمل طور پر جھکے ہوئے اپنا پہاڑی وجود اس پر ڈالے ہوئے تھا۔

وہ اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے اس انداز سے اس سے لپٹ رہی تھی کہ اس کے کندن نشیب و فراز ارحام کو اپنے سینے سے مس ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اس کی بھرپور ناز کی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی لرزتی ٹانگیں تک اس کے بدن سے ٹچ کرتے اس کے گلے میں بانہیں سختی سے حمائل کیے ہوے تھی۔

اس کے ایکٹ پر ارحام کا رگوں میں خون مزید بھڑکا تھا۔ وہ اس کے غصے کے ڈر سے اسے اپنے قریب کرتے ایسی حرکتیں کر رہی تھی۔ وہ اس کی کمزوری سے بخوبی واقف تھی۔۔

لیکن آج اس کی کوئی حرکت اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں کر پا رہی تھی۔ بلکہ مزید بھڑکا رہی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو؟؟ ارحام نے اس کی کرسٹل براؤن شبنمی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔ جتنے وہ اس کے قریب تھی اور جس طرح اسے دیکھتے حرکتیں کر رہی تھیں کوئی اور وقت ہوتا وہ پاگل ہو جاتا۔

اب اس کا ہاتھ ارحام کی ہلکی گھنی بئیرڈ کو نرمی سے سہلا رہا تھا۔

آپ کا پیار۔۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں مدھم سا مسکرائی تھی۔۔ حور کا ڈمپل شو ہوا تو ارحام کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔ خود پر ظبط کرنا مشکل ہوا تھا۔۔

ارحام کوسٹل ہوتے دیکھ کر حور ارحام کے مزید قریب ہوتے اس کے سینے سے شدت سے لپٹی۔۔ وہ اسے دیکھتے اکثر حویلی کے کمرے میں بھی قربت کے لمحات میں کچھ لمحوں کے لیے ہیپاٹائز ہو جاتا تھا۔۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اسے کیا کرنا ہے۔

جانتی ہو میرا پیار میرے غصے سے زیادہ خطرناک ہے۔ سہہ نہیں سکو گی۔۔ جتنا غصہ اشتعال میرے اندر تمھارے لیے ہے۔۔ جو نشان گال پر دیا ہے ایسے کئی نشانوں سے تمھارے جسم کے پور پور کو داغ دوں گا۔ اس لیے ایسی حرکتیں مت کرو۔۔۔ ارحام نے اس کی بانہیں اپنے گلے سے جھٹکی تو حور نے سختی سے اس کے گرد اپنی بانہیں حمائل کرتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھتے بہت نرمی سے ارحام کے لبوں اپنے لبوں میں لیتے ارحام کے لبوں کو گیلا کرنے لگی۔۔

ارحام اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں سے کھینچتے نرمی سے اپنے دانت اس کے اس کے لبوں پر گاڑھ رہی تھی۔ ارحام کا پورا وجود ایندھن کی طرح اسی لمحے گرم ہوا تھا جسے محسوس کرتے حور مزید اس کے ساتھ لپٹی

تھی۔ ارحام اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔ وہ ٹارچ آف کرتے اس کے لبوں کو سختی سے اپنے ہونٹوں میں جکڑے اس کی سانسیں کھینچنے لگا۔ حور کے ہاتھ کی انگلیاں نرمی سے اس کے گھنے بالوں میں سرسرا رہی تھیں۔۔ ارحام نے اپنے دانت بے رحمی سے اس کے نچلے لب پر گاڑھے تو حور کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔

ارحام ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ چکا تھا۔۔ میرے قریب نہ ہی آؤ تو بہتر ہو گا ورنہ سچ میں تمھارے ہونٹوں کو چبا ڈالوں گا۔ ارحام اس سے ایک جھٹکے سے دور ہوتے سیدھا ہوا تھا۔ حور کی سیٹ کا بٹن دباتے اسے اوپر کیا۔

حور اپنے لب بری طرح کاٹتے خفت سے نظریں جھکاتے ارحام کی طرف سے رخ موڑے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔۔

ارحام اپنے اندر امڈتے جوانی کے بھڑکتے پروز تقاضوں پر قابو پائے ڈرائیو کرنے لگا۔ جو اس کی بیوی اس کے اندر بھڑکاتے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر چکی تھی۔ کچھ پل کے لیے اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ ارحام نے خود پر قابو پائے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کی۔ جو کہ فی الوقت ناممکن تھا۔

ارحام خانزادہ نے سوات میں مالم جبہ کے مقام پر اس نے اپنی گاڑی روکی تھی۔۔ برف باری بہت زیادہ ہو رہی تھی۔ ابھی حویلی پہنچنے میں کافی ٹائم تھا۔ رات ابھی بھی گہری سیاہ اور برفیلی تھی۔ برف باری بھی شدت سے ہو رہی تھی۔ ارحام کی گاڑی رکی تو اس کے آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں بھی رکی تھیں۔

ارحام نے حور پر گہری اور گرم نگاہ ڈالی تھی جو سیاہ گرم بڑی سی شال میں لپٹی گہری نیند سو رہی تھی۔

ارحام بے اختیاری میں اس پر جھکتے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا جہاں اس کی دی ہوئی سوغات رقم تھی۔ وہ نرمی سے اپنے لب وہاں پر رکھ گیا تھا۔

My innocent woman

ارحام نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔

ارحام کی سلگتی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کرتے حور کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنے اوپر جھکے ارحام کو دیکھ کر حور کی گلابی نیند میں ڈوبی آنکھوں میں تحیر پھیلا تھا۔

ارحام نے اسے گہری گرم نگاہ سے دیکھتے اس کے عارض پر بکھری لٹ بہت نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑسی۔

ارحام کی نگاہوں میں پیاس اور گرمی دیکھ کر حور نروٹھے انداز میں اپنا چہرہ پھیر گئی تھی۔

اس کے ایکٹ پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی سختی پر بھی اس کے قریب آرہی تھی اب اس کی آنکھوں میں ذراسی نرمی دیکھتے نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔

اپنا چہرہ چادر سے اچھی طرح کور کرو ہم یہاں ہوٹل میں کچھ آج کی رات رکیں گے کل صبح حویلی جائیں گے۔ ارحام سختی سے کہتے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے گاڑی سے اترا۔ اترنے سے پہلے وہ اپنی پسٹل اپنی پینٹ کی پاکٹ میں اڑسنا نہیں بھولا تھا۔ باہر نکلتے ہی سرد برفیلی ہواؤں نے اس کا

استقبال کیا۔ برف باری اس پر گرتے پل میں اسے سفید کر چکی تھی۔۔ ارحام اپنے بالوں سے برف جھاڑتے حور کی طرف بڑھا۔ جو اپنا چہرہ کور کرتے ابھی بھی گاڑی میں نروٹھے انداز میں بیٹھے اس کی طرف سے رخ موڑے ہوے تھی۔۔ اس کی بیوی اس کی ذراسی نرمی پر حور خانزادہ سے حور سلطان شاہ بن چکی تھی۔ ارحام نے مبہم سا مسکراتے ہوے اسے دیکھا اسے کیسے ڈیل کرنا ہے وہ جانتا تھا۔ اگر وہ ذراسی بھی نرمی دکھاتا وہ یقیناً اس کے لیے آج کی رات مشکل بنا دیتی۔۔ اور وہ آج کی رات اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے ذرا سے قریب آنے پر وہ اپنے ساتھ کیا ہر وعدہ بھول چکا تھا کہ وہ حور کی مرضی کے بغیر کبھی اس کے قریب نہیں جائے گا۔۔

اس کی مرضی ہو یا نہ ہو وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ حق ملکیت کا احساس اس پر حاوی ہوتا اسے ہر وعدہ بھلانے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر پہلے اس کے قریب آئی وہ صرف اس کا ڈر تھا وہ اس کے چھونے پر بھی برف کی طرح ٹھنڈی تھی جیسے حویلی مین قربت کے لمحات میں ہوتی تھی اس کے بدن سے نکلتی اگ بھی کبھی اسے گرم نہ کر سکی تھی۔۔

اس دن آفس میں پہلی مرتبہ وہ اس کے قریب آنے پر آگ کی بھٹی کی طرح گرم ہوئی تھی۔ مگر اب جو بھی تھا اس کے اندر بھڑکتی آگ اس کے قریب جا کر ہی ٹھنڈی ہونی تھی۔ ارحام مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

اس کی طرف کا دروازہ کھولتے ارحام نے اس پر نگاہ ڈالی جو اب اسے دیکھتے دوسری طرف رخ موڑ چکی تھی۔۔ ارحام نے بہت مشکل سے اپنے قہقہ پر قابو پایا تھا۔ اسے اس وقت پریذے اور حور میں کوئی فرق نہیں لگا تھا۔

اگر وہ اپنی بیٹی اور اپنی بیوی میں موازنہ کرتا تو یقیناً پریذے اپنی ماما سے زیادہ سمجھدار تھی۔

باہر نکلو۔۔۔۔یہ سارے نخرے ہوٹل کے کمرے میں چل کر لینا۔وہاں اٹھالوں گا بلکہ کچھ زیادہ ہی اٹھاؤں گا۔ارحام نے اس کی طرف جھکتے گھمبیر مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

مجھے یہاں پر ہی رہنا ہے میں باہر نہیں آؤں گی۔حور سپاٹ نروٹھے انداز میں بولتے سیٹ دوسری طرف کھسکی تھی۔

ارحام اسے کلائی سے کھینچتے اپنی طرف کر چکا تھا۔

ڈر گئی ہو مجھ سے۔۔۔ابھی تھوڑی دیر پہلے تمھیں ہی میرا پیار چاہیے تھا اب وہی پیار کرنے کے لیے تمھیں ہوٹل کے کمرے میں لے کر جا رہا ہوں تو

ان لبوں پر انکار کیوں؟؟ ارحام کی آواز مزید گھمبیر اور خمار آلود ہوئی تھی ۔وہ اس کے چہرے کا نقاب اپنی انگلیوں سے کھینچ کر اتار چکا تھا۔ اسے یہ چہرہ اب اپنی نظروں سے ایک پل اوجھل نہیں کرنا تھا جس میں اس کی جان بستی تھی۔

یہاں کیوں؟؟ آپ تو مجھے حویلی لے کر جا رہے تھے۔ حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

یہاں کیوں نہیں؟؟ وہ بیڈ زیادہ کمفرٹیبل تھا کیا؟؟ یا پھر کمرے میں رکھا صوفہ یا پھر ڈریسنگ روم کا صوفہ یا پھر واش روم کا باتھ ٹب یا پھر واش بیسن کے سلیب۔۔۔ ارحام نے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔ حور اس کی بات کا مطلب سمجھتے سرخ گلاب ہوئی تھی۔ وہ گھبراتے ہوئے اپنا رخ موڑ چکی تھی۔

باہر آؤ حور۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام نے ملائمت بھرے خمار آلود آواز میں اسے پکارا تھا۔

ارحام کے نرم لہجے پر حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔

اسے ارحام کے غصے سے بھی زیادہ سچ میں اس کے پیار سے ڈر لگ رہا تھا۔اس کا وجود پل میں پسینے میں تر ہوا تھا۔اس کی بے رحم شدتیں یاد آئی تھیں۔وہ سچ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

سات مہینے اسے تڑپتے دیکھا تھا وہ سات مہینے کی تڑپ کیسے کیسے نہیں اس پر اتارے گا۔۔

اسلام آباد میں وہ اس کے بغیر چار دن نہیں ٹھہرتا تھا۔ ہر دوسرے دن سوات ہوتا تھا اور دو دن کی دوری پر اس کی دیوانگی کا کیا عالم ہوتا تھا۔ حور اب روہانسی ہوئی تھی۔ اس نے سچ میں سوئے ہوئے شیر کو جگا دیا تھا۔

ارحام مجھے شاہ مینشن جانا ہے۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

حور کی بات پر ارحام کی انکھیں پل میں سرد اور سرخ ہوئی تھیں۔ حور ارحام کے چہرے پر غصے اشتعال کی سرخی دیکھتی مزید روہانسی ہوئی تھی۔ مقابل کے غصہ اور نرمی دونوں اس کے لیے حطرناک تھے۔ اس کے غصے سے بھی اس کی جان جا رہی تھی اور نرمی کا سوچتے ہی اس کی جان لبوں پر آجاتی تھی۔

اتر رہی ہوں۔۔ حور نے ارحام کی سرد سرخ آنکھیں اور بھنچے ہوئے لب دیکھتے گاڑی سے نیچے پاؤں رکھا تھا۔

ارحام اپنے جبڑے سختی سے بھینچتے سیدھا ہوا تھا۔

حور کی شاہ مینشن جانے والی بات پر اس کی رنگت میں ابھی بھی شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔ اس کے لبوں سے شاہ مینشن جانے والی بات اسے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

یعنی بات صاف ہو چکی تھی وہ تھوڑی دیر پہلے اس کے ڈر سے اس کے قریب آئی تھی۔ ارحام نے جبڑے بھینچتے آسمان کی طرف دیکھا۔

برف اس کے چہرے پر گرتی اس کے اندر بھڑکتے جذبوں کی طرح اس کے چہرے کو سرد اور برفیلا کر چکی تھی۔

وہ آسمان کی طرف سرخ آنکھوں سے دیکھتے گہرے سانس لیے تھے۔۔اس کی نازک سی بیوی سچ میں بہت بے رحم تھی۔

حور نے اپنے چہرے پر نقاب کرتے برف کی چادر پر اپنے ننگے زخمی پیر رکھتے ہلکی سی سسکی بھری۔

ارحام اس کی سسکاری بھرنے پر اس کی طرف جھکتے اس کے پیروں کو ہاتھ لگاتے دوبارہ سے گاڑی میں کر گیا تھا۔

حور نے تحیر بھری نگاہوں سے ارحام کو دیکھا جو اب اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حور اس کی سرد سپاٹ نگاہوں میں کچھ دیر پہلے والی گرمی اور خماری ڈھونڈ رہی تھی جو مفقود ہو چکی تھی۔

ارحام اسے اپنے بازوں میں نرمی سے بھرتے اسے اپنی گود میں اٹھاتے گاڑی سے باہر نکالا۔۔

حور ارحام کے گارڈز کو دیکھتے سرخ پڑی۔ جو گاڑی سے نکلے ان کے گرد ہی کھڑے تھے۔

ارحام کی شرٹ مٹھیوں کو مٹھیوں میں جکڑے وہ ارحام کے سینے کے ساتھ لپٹی۔۔

وہاں مجبوری تھی تمھیں گود میں اٹھا نہیں سکتا تھا اگر مجھے تمھاری عزت اور زندگی میں کسی چیز کو چننا پڑتا تو میں بلا تردد تمھاری موت چنتا۔۔

وعدہ کرتا ہوں زندگی میں کبھی بھی پر تمھارے پاؤں زمین پر پڑنے نہیں دوں گا۔ تمھیں تکلیف نہیں دوں گا۔ جہاں تم ہو گی وہاں میں میں نہیں

ہوں گا۔ وہاں صرف تم تم ہو گی۔۔ ارحام اس کی طرف جھکتے سرد آواز میں بولتے اسے اوپر کو مزید اٹھا گیا تھا۔

ارحام۔۔۔ آپ۔۔۔ کے گارڈز ہیں۔۔ مم میں چل لوں گی۔ حور نے سرخ پڑتے ارحام کی شرٹ کو مٹھیوں میں مضبوطی سے جکڑا

اور کسی کو بھی دیکھتے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں تم اس وقت پورے پردے میں اپنے شوہر کی بانہوں میں ہو۔ مجھے اپنی حور کی عزت کے علاوہ کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ارحام حور کو خفت سے آنکھیں بند کرتے دیکھ کر بولتے اسے اپنے سینے کے ساتھ مزید لپٹا گیا تھا۔

ارحام اسے لیے ہوٹل میں داخل ہوا تو وہ مزید حیران ہوئی تھی پورا ہوٹل خالی تھا۔۔ چند ملازم تھے جو ارحام کے اشارے پر وہاں سے اسی لمحے چلے گئے تھے۔

حور مزید حیران ہوئی تھی۔اس نے خالی ہوٹل کو حیرانگی سے دیکھتے ارحام کو دیکھا

۔بہت پہلے تمھارے لیے یہ ہوٹل خرید اتھا کہ یہاں برف باری کے دنوں میں یہاں لایا کروں گا۔۔ جتنی میری اوقات ہے تمھارے لیے کر سکتا ہوں اور کروں گا بھی۔۔ارحام سرد آواز میں کہتے لفٹ میں داخل ہوا۔

حور اس کے سرد پن پر اچھی خاصی پریشان ہوئی تھی۔۔

ارحام اسے لیے لفٹ سے نکلتا ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

اسے نرمی سے بیڈ پر لٹائے اس کے گرد سے شال اتاری تھی۔

حور کی پریشان نظریں اس کے سرد سپاٹ چہرے پر تھیں۔

وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

ارحام اسے بیڈ پر لٹائے کمرے کی دروازے کی طرف بڑھتے اسے لاک کیا تھا۔

وہ دوبارہ سے اس کے قریب بیٹھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے نرمی سے بٹھایا۔

اس کی شرٹ کے بٹن کھولتے اسے اتار کر زمین پر اچھالی۔

ارحام۔۔۔۔ حور نے پریشانی سے اسے پکارا جس کا چہرے میں انتہا کی سرخیاں گھلی تھیں۔ آنکھیں سرخ تھیں مگر خمار آلود نہیں تھیں۔

مم مجھے واش روم جانا ہے ارحام کے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے پر حور اس کی سرد نگاہوں سے گھبراتے جلدی سے بولی۔

ارحام اسے اپنی گود میں اٹھائے واش روم کی طرف بڑھا۔ ارحام

مم۔۔۔ میں۔۔۔ چلی جاؤں گی۔ حور نے منمناتے ہوے کہا۔

وہ اس کے ہوتے فریش کیسے ہو گی۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔

ارحام اسے واش روم میں اتارتے باہر نکل گیا تھا۔ حور ارحام کے رویے پر اچھی خاصی پریشان ہوئی تھی۔

حور واش روم کا دروازہ لاک کرتے واش روم باتھ کیبن کی طرف بڑھتے شاور آن کیا تھا۔

حور واش روم سے شاور لینے کے بعد پنک کلر کے شارٹ سے باتھ روب گاؤن میں باہر آئی۔ ارحام کمرے میں صوفے پر بیٹھا صوفے کی پشت کے ساتھ لگائے آنکھیں موندے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

حور کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ارحام صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔ اسے شارٹ سے باتھ روب گاؤن میں دیکھتے وہ اسی لمحے نظریں چرا گیا تھا۔ جلتی سگریٹ کو وہ اپنی انگلیوں کی پوروں میں دبا گیا تھا۔ حور نے بغور جلتے سگریٹ کو دیکھا جو اس کی انگلیوں کی پوروں کو جلا رہا تھا۔

تمھارے لیے کھانا رکھا ہے کھالو۔۔ ارحام اپنے سامنے ٹیبل پر رکھے کھانے کی طرف اشارہ کرتے سنجیدگی سے کہتے صوفے سے اٹھتے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا تھا۔

واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند ہونے پر حور جی جان سے کانپی تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے ٹیبل پر رکھے کھانے کی طرف بڑھی۔۔ ارحام کے سرد رویے پر اس کا بلکل من نہیں ہو رہا تھا کھانے کو۔۔۔ مگر وہ اپنے شوہر کو اچھی طرح جانتی تھی اسے آج رات اس بپھرے شیر کی شدتیں سہنی پڑیں گی ہی۔۔۔ وہ جس طرح کی حرکتیں کر رہا تھا وہ کیا چاہتا تھا وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

اسے آج ہر حال میں اس کی شدتیں سہنی ہی تھیں۔۔ اور اسے کچھ نہ کچھ اپنے حلق میں اتارنا ہی تھا ورنہ اس بپھرے شیر کی شدتیں سہتے اس کی جان نکلنی جانی تھی۔

حور سیڈوج کی بائٹ لیتے جوس کا گلاس اٹھائے لبوں سے لگائے پینے لگی۔۔

اسفند زاران کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے ڈائینگ روم سے نکلتے تیز تیز قدموں سے مردانے کی طرف بڑھا رنگت میں اشتعال کے مارے سرخیاں کھلی ہوئی تھیں۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوتے رگوں میں دوڑتے خون کو بھڑکا رہی تھیں۔

مردانے کے بڑے سے لکڑی کے منقشم دروازے کو عبور کرتے وہ باہر بڑے سے برامدے کی طرف بڑھتے حویلی کے پچھلے لان کی طرف بڑھا جہاں اونچی بچی ڈھلوان کی طرھ نیچے کی طرف بہتا دریا تھا۔ اسفندیار خان نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ اگر زاران اسے نہ روکتا شاید سب کے سامنے اس کا عابیر پر ہاتھ اٹھ جاتا۔۔

اس وقت اس کے مساموں سے جیسے دھواں نکل رہا تھا۔ پورے وجود کارواں رواں سلگ رہا تھا۔

دارم خان نے عابیر کے ہاتھ کا کھانا کھایا۔۔ اسے یہ بات سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی۔

!!سارا کھانا آپ نے میرے اور بابا جان کی پسند کا بنایا ہے۔۔ انھیں آپ کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند ہے۔ جو آپ نے پچھلی بار پاستہ بنایا تھا۔ وہ بابا نے بھی کھایا تھا۔ اور بابا کو پاستہ بلکل پسند نہیں وہ تو ماما کے ہاتھ کا پاستہ بھی نہیں کھاتے تھے۔ مگر آپ کے ہاتھ کا پاستہ انہوں نے میرے لیے بھی نہیں چھوڑا تھا!!

براک کی باتیں یاد کر کے اسفند کے دل میں شعلے سے دہکے تھے۔۔

انہہہہ۔۔۔۔۔۔۔اس نے چیختے ہوئے ریلنگ پر غصے سے پوری قوت سے مکہ مارا۔

اسفند۔۔۔زاران نے اسے پکارتے اس کے کندھے ہاتھ رکھا۔۔۔اسفندیار خان نے مڑتے ہوئے اس کا ہاتھ بھٹکتے خونخوار نگاہیں زاران پر ڈالیں۔

براک صرف سات سال کا بچہ ہے تم اس کی بات کو ضرورت سے زیادہ سیر میں لے رہے ہو۔۔زاران نے اسفندیار خان کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔۔۔

وہ سات سال کی بجائے سات دن کا بھی ہوتا تب بھی مجھے اپنی بیوی کے قریب چھتا۔اس کے نزدیک میں تمھیں۔

برداشت نہیں کر سکتا تم اس دارم خان کو لے آئے۔۔ اسفندیار خان نے چھتے لہجے میں کہتے شرربار نگاہیں زاران پر گاڑھیں۔

میں لایا ہوں اسے ؟؟ کیا بکواس کر رہے ہو اور تم عابیر پر شک کر رہے ہو۔۔ زاران اسفند کی بات پر مشتعل ہوا تھا۔

اگر اس پر شک کرتا ہوتا تو تو اس وقت اس کی لاش کے پاس بیٹھا رو رہا ہوتا۔ اسفند نے زاران کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں اپنی خون اتری انکھیں گاڑھیں۔

اتنا آسان نہیں کہ تو میرے ہوتے میری بہن کو ہاتھ بھی لگا سکتا تو اسے مارنے کی بات کر رہا ہے۔۔ زاران جواباً غرایا تھا۔ تو سچ کہہ رہا ہے تیرے ہوتے میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اتنی حیا ہے کہ تیری دوستی کی لاج رکھ سکوں۔ مگر بے شرمی تو نے دکھائی جو دوست تو کیا اپنے بھائی ہونے کی بھی

لاج نہ رکھ سکا اور بے غیرتوں کی طرح میری بیوی کو ایک غیر مرد کی حویلی لے کر چلا گیا۔ اسفند طیش والم میں پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا تھا۔

اگر تو بے غیرت بن کر اسے چھوڑ کر نہ جاتا تو میں اسے ادھر کبھی نہ لے کر جاتا۔ زاران نے جوابی کاروائی کرتے غراہٹ زدہ لہجے میں کہا صحیح کہہ رہا ہے تو میں بے غیرت تھا۔ اب میں غیرت مند بن کر دکھاؤں گا وہی کروں گا جو ایک غیرت مند شوہر کرتا ہے۔

تیری طرح غیرت دکھاتے اس کے منہ پر تھپڑوں کی بارش کرتے کمرے میں لے کر جاؤں گا۔ اور اس بند کمرے میں وہی سلوک کروں گا جو ایک غیرت مند خان کرتا ہے۔ اسفند زاران کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا.

اسفند۔۔۔۔۔زاران نے دھاڑتے ہوئے اس کا گریبان جکڑا۔۔اپنے غصے پر کنٹرول کرو۔۔۔۔وہ بیوی ہے میری۔۔۔میری عورت۔۔۔جس طرح تو ابرش پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا۔اس طرح میں بھی اپنی عورت پر اس کے بھائیوں کا حق برداشت نہیں کر سکتا۔۔اسفند نے غصے سے اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑوایا۔

ابرش کا نام یا پھر اس کے حوالے سے کوئی طعنہ دیا میں تجھے زندہ زمین میں گاڑھ دوں گا۔زاران سرخ چہرے کے ساتھ اس کا گریبان جکڑے سرد لہجے میں پھنکارا۔۔

تیری بیوی کا نام لیا ہے تو برداشت نہ کر سکا میری بیوی کو تو کسی غیر مرد کی حویلی لے کر چلا گیا۔

آج اسی غیر مرد کا سات سالہ بیٹا کہتا ہے کہ اس کے باپ کو میری بیوی کے ہاتھ کا پاستہ بہت پسند ہے۔ تیرے نزدیک یہ بات چھوٹی ہے یا پھر بات خود پر آئے تو تبھی بڑی لگتی ہے۔ آگ بھڑک رہی ہے میرے اندر اس وقت۔ دل کر رہا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔ اور سب سے پہلے تجھے اس آگ میں جھونک کر یہ نیک فریضہ انجام دوں۔ اسفند نے اپنا گریبان چھڑواتے ریلنگ کی طرف بڑھتے غصے سے پوری قوت سے اس پر مکہ مارا تھا۔

زاران نے اس کی پشت دیکھتے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔

وہ دارم کی حویلی میں رات نہیں رکی تھی۔۔ میں آدھے گھنٹے بعد اسے واپس لے آیا تھا۔۔

تو لے کر ہی کیوں گیا اسے ؟؟ میری عورت کو تیری ہمت کیسے ہوئی کسی غیر مرد کی حویلی عبور کروانے کی۔ اسفند اس کی بات کاٹتے حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ زاران نے اس کی دھاڑ پر غصے سے اپنی مٹھیاں دبوچیں۔

آئیندہ میرے سامنے اپنا چہرہ مت لے کر آنا۔ ورنہ میں یہ چہرہ بیگاڑ کر رکھ دوں گا جس سے میں سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ اسفند زاران کو گھورتا اپنی شال کندھے پر بھٹکتے غصے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ کی طرف بڑھا۔

اسفند۔۔۔۔زاران نے اسے بھاری آواز میں پکارا۔

زاران کی پکار پر اسفند کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔

دونوں کی پشت ایک دوسرے کی طرف تھی۔۔خاموشی کا طویل وقفہ آیا تھا۔

دونوں کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔

مر گیا اسفند تیرے لیے۔۔۔۔ آئیندہ میرا نام مت لیناوہ سرد کہتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

سالا کمینہ۔۔۔۔زاران نے مڑتے ہوئے اس کی پشت کو دیکھتے دانت پیسے تھے۔

اسفندیار کے بھاری قدموں کا رخ عابیر کے کمرے کی طرف تھا۔۔ زاران کی وجہ سے وہ اس وقت رک گیا تھا۔۔

مگر اب وہ اکیلے میں اس کا حال برا کر دینا چاہتا تھا جو اس کا ظبط اچھا خاصہ آزما چکی تھی۔۔

اسفند عابیر کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا عابیر جو بیڈ پر اوندھے لیٹی رو رہی تھی۔۔

اسفند کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر عابیر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے پاس پڑی اپنی شال اچھی طرح خود پر لپیٹ گئی۔۔ عابیر کے اس طرح خود کو چھپانے پر اسفند کی دماغ کی رگیں مزید بھڑکی تھیں۔

آپ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟؟ عابیر بیڈ کی دوسری جانب سے اترتے ہوے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے غرائی تھی۔ اسفند ایک ہی جست میں اس تک بڑھتا اس کی کلائی جکڑے باہر کی جانب بڑھا۔

اسفند یہ کیا کر رہے ہیں؟؟ کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے۔؟؟ عابیر دروازے کے پاس آتی چیچنی تھی۔

یہ تمھارا کمرہ ہے اس لیے تمھیں اپنے کمرے میں لے کر جا رہا ہوں۔ جہاں تم میری آجازت کے بغیر باہر قدم نہ رکھ سکو۔۔ اسفند اسے دروازے کے ساتھ پیٹتے اس کے گرد دونوں ہاتھ محصور کرتے غرایا۔

اسفند یار خان یہ آپ کی بھول ہے آپ مجھے زبردستی اپنے کمرے میں لے کر جائیں گے۔ میں پہلے والی عابیر نہیں رہی جو آپ کے کلائی پکڑنے پر آپ کے ساتھ آرام سے چل پڑے گی۔ عابیر اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔ مسز عابیر اسفند یار خان یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ کا اس کمرے میں رہنا آپ کا فیصلہ ہے۔۔ میں تمھیں ڈھیل دے رہا ہوں جس کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو مگر اب اور نہیں۔۔ اسفند اس کی کلائی جکڑے دروازہ کھولتے باہر کی طرف بڑھا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر لاونج میں آتے چینی تھی۔۔جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

عابیر آواز نہ نکلے تمھاری ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔۔بہت برا حال کروں گا تمھارا۔۔اسفند اسے اپنے قریب کرتے اس کی ہیزل گرے کاجل لگی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔

کیا کریں گے ؟؟ہاتھ اٹھائیں گے مجھ پر تو اٹھایئے اسفند یار خان۔۔۔ابھی ڈائیٹنگ روم میں یہی تو کرنے والے تھے۔

اگر لالا آپ کو نہ روکتے آپ یقینا مجھ پر ہاتھ بھی اٹھا لیتے۔۔عابیر اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے حلق کے بل چینی تھی۔۔اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں پر جھکے وہاں اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔

عابیر اس کی بے رحم گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔

عابیر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسفند کو خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی مگر وہ مزید شدت سے اس کے لبوں کو اپنے دانتوں میں دیا گیا تھا۔

عابیر اب لرزتے بدن کے ساتھ سک کر رہ گئی تھی۔

اس کے سسکنے پر اسفند نے مشتعل ہوتے اسے چھوڑا۔۔

عابیر گہرے سانس لیتے پیچھے کو ہوئی بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کر گیا۔ شال عابیر کے کندھے پر لہرا رہی تھی۔ بال کمر اور عارض پر بکھرے تھے۔ ہیزل گرے آنکھوں سے شبنم بہتی اس کے عارض پر بہہ رہی تھی۔۔ بدن بری طرح لرز رہا تھا۔ گلابی لب

سرخ گلاب ہو رہے تھے۔ اسفند کی شدت واضح تھی۔۔۔ اس کا لرز تا بدن بتا رہا تھا وہ اس کی شدت برداشت نہیں کر سکی تھی۔

اب خاموشی سے چلو کمرے میں ورنہ اس سے بھی برا حال کروں گا تمھارا۔۔۔ اسفند اسے گہری سلگتی نگاہوں سے دیکھتا بولا۔۔

اس کا ہاتھ جکڑے وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ زاران کو دیکھتے اسفند جلدی سے اس کی کلائی جکڑے پیچھے ہوتے لاونج کے احاطے میں بنے پلر کے ساتھ اپنی پشت لگاتے عابیر کو اپنے سینے میں قید کر گیا تھا۔ عابیر نے حیرانگی سے نظریں اٹھائے اسفندیار خان کو پلر کے پیچھے چھپتے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے عابیر کی نظر زاران پر پڑی جو سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اسفند کے پلر کے پیچھے چھپنے کی وجہ اب سامنے آئی تھی۔

لالا۔۔۔۔عابیر نے زاران کو دیکھتے اسے پکارتے ہوے اسفندیار خان کو خود سے بری طرح دور دھکیلا۔اسفند اسی لمحے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گیا تھا

عابیر اس کے حصار میں بری طرح پھڑ پھڑائی تھی۔خود کو چھڑوانے کی تگ و دود میں اس کی چوڑیوں کی کھنکھناہٹ لاونج میں گونجی تھی۔

زاران کے قدم سیڑھیوں پر رکے تھے۔۔زاران نے رکھتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔اسفند یہ دیکھتے اسی لمحے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے سامنے والے کمرے میں داخل ہو گیا۔۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔۔عابیر اندر داخل ہوتے چیچنی تھی۔۔اسفند اس کے چیچنے کی پرواہ کیے بغیر اسے کھینچتا ہوا واش روم کی طرف بڑھا۔۔اسفند کیا کر رہے ہیں؟؟ یہ آپ کی مورے کا کمرہ ہے کچھ تو خیال کریں۔۔عابیر اپنی کلائی چھڑواتے چینی تھی۔

شمال زمین بوس ہوئی تھی۔اسفند اسے لیے واش روم کے اندر داخل ہوتے واش روم کا دروازہ لاک کر گیا تھا۔

اسفند یار خان نے اسے غصے سے سامنے بنے باتھ ٹب میں دھکیلا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔عابیر سیدھی باتھ ٹب میں جا گری تھی۔۔ٹھنڈے پانی میں گرنے سے اس کی جیسے سانسیں بند ہوئی تھیں۔۔

پورے بدن پر کپکپی طاری ہوئی تھی۔عابیر نے باتھ ٹب سے اٹھتے جلدی سے باہر نکلنا چاہا۔اسفند دیوار پر لگے بٹن دباتے روف شاور آن کرے باتھ

ٹب میں گھستا اس کے باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود کرتے اسے کلائی سے جکڑتے دوبارہ سے باتھ ٹب میں پھینک چکا تھا۔۔ عابیر ایک بار پھر سے ٹھٹھر کر رہ گئی تھی۔

عابیر پیچھے کو ہوئی باتھ ٹب کے کنارے کے ساتھ جا لگی۔ اسفند اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔

اسفند یہ کیا طریقہ ہے ؟؟ پانی بہت ٹھنڈا ہے میں مر جاؤں گی۔ عابیر کپکپاتے لبوں سے بمشکل بولی۔ باتھ ٹب کا پانی یخ ٹھنڈا تھا روف شاور سے بارش کی طرح گرتا پانی گرم تھا۔۔ عابیر کی سانسیں جیسے رک رہی تھی پورا بدن کپکپا رہا تھا۔ مارنے ہی تو آیا ہوں تمھیں۔ اسفندیار خان اس کی گردن جکڑ گیا تھا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر۔۔۔اپنی گردن چھڑواتے ٹوٹتی سانسوں سے بمشکل بولی۔وہ اس کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے جا رہا تھا۔

عابیر کی رنگت اس کی گرفت میں بری طرح سرخ ہوئی تھی۔سانسیں گلے میں اٹکی تھیں۔وہ خود کو چھڑوانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہی تھی۔۔اسفند کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا۔اس کی بے جان ہوتی حالت دیکھتے اسفند نے لب بھینچتے اسے ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا۔عابیر ہاتھ ٹب کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سانسیں لیتے بری طرح کھانستے اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کرنے لگی۔۔اسفند یار خان اسے سرد

سرخ آنکھوں سے دیکھتے باتھ ٹب سے باہر آیا۔ باتھ ٹب سے نکلتے اسفندیار خان نے سلیب پر پوری قوت سے مکہ مارتے مرر میں دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنے اندر بھڑکتی آگ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

براک کی وجہ سے عابیر کا نام دارم خان کے ساتھ جوڑا جا رہا تھا۔ جو اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ بلکہ عابیر کی حرکتیں دیکھ کر اس کے اندر بہت سے سوال اٹھ رہے تھے۔ وہ براک کے ساتھ اتنی انچ کیوں ہے؟؟۔۔ کیا دارم خان عابیر کو دیکھ چکا ہے؟؟

کیا عابیر بھی اس کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ گئی ہے۔ اپنی بیوی کی خوبصورتی سے وہ بخوبی واقف تھا۔ وہ عاہدہ زاہد کا ایمان ڈگمگا سکتی تھی۔

!! تمھارا بیوی کو براک سے دیوانوں والا عشق ہو گیا ہے۔

کل وہ براک کا سن کر مردانے میں کھلے چہرے کے ساتھ چلا گیا تھا!! روزینہ خانم کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے.. وہ گہرے سانس لیتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔ آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔!! پاپا ماما کے ہاتھ کا پاستہ نہیں کھاتے تھے مگر آپ کے ہاتھ کا پاستہ انھیں بہت پسند ہے۔ انہوں نے تو میرے لیے بھی چھوڑا نہیں تھا!!

براک کے لفظ اس کا خون کھولا رہے تھے۔

بھابھی رہنے دو کس کو کہہ رہا ہے تم ؟؟ اس کو سارے جہان کا !! فکر سوائے اپنا شوہر کے۔۔ کسی غیر مرد کا بچہ پالنے کا تمھارا بیٹی کو

ہمدردی کا بخار چڑھا ہے۔ اب یہ ہمدردی اس بچہ سے یا پھر اس کے ہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ !!پ۔۔۔

اہے۔۔۔لفظ اس کی سماعتوں میں گونجتے گڑمد ہوتے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو جیسے زہریلہ کر رہے تھے۔ سفندیار خان نے چیختے ہوئے سلیب پر مکہ مارا۔۔۔۔

وہ اپنی غلطی مان رہا تھا سزا بھی بھگتنے کو تیار تھا مگر اس سزا کا حقدار نہ تھا کہ اس کی سماعتیں اس کے نام کے ساتھ بھی کسی کا نام سنے۔۔ اسفند مرر میں دیکھتے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پا رہا تھا۔۔

عابیر باتھ ٹب سے نکلتے اپنی بکھرتی سانسوں اور کپکپاتے بدن پر قابو پاتے دروازے کی طرف بڑھی۔ اسفند اسے کلائی سے جکڑے سلیب کے ساتھ بچ گیا تھا۔۔۔

اسفند۔۔۔۔ عابیر نے لرزتے ہونٹوں کے ساتھ اسے پکارا۔۔

آخری بار۔۔۔۔ آخری بار۔۔۔۔۔ تمھیں منع کر رہا ہوں۔ وہ براک تمھارے آس پاس بھی مجھے نظر نہ آئے۔۔ اس کے سائے سے بھی تم دور ر ہو گی۔۔ سمجھی تم۔۔۔ اسفندیار خان عابیر کے گرد دونوں ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

کیوں دور رہو میں اس سے ؟؟۔۔ کیوں دور رہوں اسفندیار خان ؟؟۔۔۔ ایک سات سالہ بچے سے اتنی جیلسی کیوں ؟؟ نکاح میں ہوں آپ کے۔۔ تو پھر اتنی انسکیورٹی کیوں ؟؟ آپ مردوں میں اتنی ہی برداشت ہے۔ پہاڑ سے بھی زیادہ مظبوط بنے پھرتے ہیں۔۔ مگر افسوس عورت جیسا جگرا نہیں ہو سکتا آپ مردوں کا۔

سات ماہ آپ کی بیوفائی کا عذاب جھیلا ہے۔ آپ کی ہونے والی بیوی کے ساتھ آپ کے جسمانی تعلقات تھے۔ یہ آپ نے میرے سامنے خود ایڈمٹ کیا تھا۔ آپ نے سوچا ایک بار بھی میرے دل پر کیا گزری ہو گی۔ کس طرح میں دوزخ کی دہکتی آگ میں جلی تھی۔

لیکن نہیں آپ کو کیا پرواہ؟؟ آپ تو اپنے بدلے میں لی ہوئی عورت کو سزا دینا چاہتے تھے۔ یہ کیسی سزا تھی اسفندیار جس نے مجھے پور پور جھلسا کر میرے دل کو اپنی طرف سے سیاہ کر دیا۔

میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کیا سمجھتے ہیں میں آپ کو معاف کر دوں گی۔۔

میری جگہ خود کو رکھ کر سوچیں کیا آپ معافی کے لائق ہیں۔ جس نے نکاح جیسے پاک رشتے کی توہین کی۔ پوری حویلی کے سامنے مجھے بدلے کی عورت کہا۔ میرے اور اپنے درمیان دوسری عورت کو لائے۔ اس کے ساتھ عیاشی

کرتے رہے۔۔ اب اپنا ناپاک وجود لے کر میرے پاس آ گئے۔۔ عورت ہوں اس کا یہ مطلب نہیں میرا خون جوش نہیں مارتا۔۔ میرے اندر غیرت نہیں۔۔ حویلی کی عورت ہوں۔۔ میرے اندر خانزادہ خون دوڑتا ہے۔ عابیر خان۔۔۔۔ ایک خان کی بیٹی خان کی بہن اور ایک خان کی عورت۔۔ اپنی چیز پر کسی کی نظر برداشت نہیں۔۔ جو میری ملکیت ہے۔۔ وہ صرف میری ملکیت ہے۔ جو میرا نہ رہا۔۔ جس نے میرا حق کسی اور کو دے دیا میں اس کی نہ رہی۔۔۔ عابیر اسفند کو خود سے دور دھکیلتے سرد آواز میں کپکپاتے لبوں سے بولتے پھنکاری تھی۔

اسفند جو گہرے سانس لیتا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی آخری بات پر مشتعل ہوتا اس کا جبڑہ سختی سے اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔۔

میں بھی ایک خان ہوں۔ میرے اندر بھی خانزادہ خون دوڑتا ہے۔۔ جو میرا ہے وہ صرف میرا ہے۔ جو میری ملکیت میں آگیا۔ وہ مرتے دم تک میری ملکیت میں رہا۔ اگر میری ملکیت میری عورت پر کسی کی بھی غلطی سے بھی نظر پڑی تو میں اپنی ملکیت کی سانسیں کھینچ کر اسے موت کی نیند سلا کر اس کی قبر کے کتبے پر یہ تحریر کرواسکتا عابیر نے اپنے جبڑے سے اسفندیار خان کا ہاتھ چھڑوانے کی ناکام سعی کی۔۔ وہ مزید سختی سے دبوچتا جارہا تھا۔ اسفند اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے اس کا جبڑہ ایک جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔ عابیر سلیب کے ساتھ جا ٹکرائی تھی۔۔ عابیر سلیب کے ساتھ لگی بری طرح سبک پڑی ہوں۔ یہاں اسفندیار خان کی ملکیت آرام فرمارہی ہے۔۔ براہ مہربانی دعا کے نام پر بھی یہاں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ یہاں آئتہ الکرسی پڑھنے کا حق بھی صرف اسفندیار خان کا ہے۔ اسفند اس کی باتوں پر سلگتے

ہوے طنزیہ لہجے میں لفظ چہاتے ہوے اس کا جبڑہ سختی سے دبوچتے سرد لہجے میں پھنکارا تھا۔

۔اس کی کلائی کی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی زخمی کر گئی تھی۔

اسفند اس کی کلائی میں ٹوٹی چوڑیاں پیوست دیکھتے اپنی مٹھیاں دبوچے رخ پلٹ گیا۔۔

عابیر سلیب کے ساتھ لگی اپنی کلائی میں پیوست ٹوٹی چوڑیاں نکالنے لگی۔

عابیر اپنی سسکیوں اور آنسوؤں پر قابو پائے ہوئے تھی۔ وہ اس ستم گر کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ جو سات مہینے اس کے رونے اور تڑپنے کا مزا لیتا رہا۔۔ اسے جب سے پتہ چلا تھا مقابل نے کمرے میں کیمرے لگائے تھے۔ اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔۔ وہ اس کے سامنے پتھر بنتے اپنی عزت نفس کا بھرم قائم رکھنا چاہتی تھی اور وہ تھا کہ اس کے دل

کے تمام حال سے واقف تھا۔ اسفند نے اس کی دبی دبی سسکیاں سنتے غصے سے دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارا۔۔

عابیر اس کے غصے پر استہزائیہ مسکرائی تھی۔

آپ نے سفاک پٹھانی کا نام دیا مجھے اسفند یار خان۔۔۔ ہوں میں سفاک پٹھانی۔۔۔ جس طرح مرد عورت کی بیوفائی پر اسے قتل کر دیتا ہے۔ میں نے بھی اپنے دل میں موجود آپ کے لیے تمام پیار اور جذبوں کا قتل کر دیا ہے۔۔ مر چکے آپ میرے لیے۔۔ عابیر اسفند کی چوڑی پشت کو دیکھتے ہذیانی چیخی تھی۔ وہ اس کی بیوفائی کے ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی اور وہ تھا کہ اب مکر رہا تھا۔

میرے کسی عورت کے ساتھ کوئی تعلقات نہیں تھے۔۔ان سات ماہ میں کسی عورت کو چھونا تو دور کی بات کسی عورت کو ایک نظر دیکھا بھی نہیں۔

اسفند اس کی طرف رخ پلٹتے جواباً چینا تھا۔

سات ماہ مجھے روتا تڑپتا دیکھ کر سکون حاصل کرتے رہے۔۔سب ختم ہو گیا سب ختم ہو گیا۔ نآپ سب ختم کر چکے ہیں۔اب پہلے جیسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ختم کر چکے مجھ پر اپنا حق۔۔۔نہ آپ کا مجھ پر رہا اور نہ میرا آپ پر رہا۔عابیر نے اسفندیار خان کی طرف بڑھتے اس کی نیلی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولتے اس کے گریبان کو پکڑتے گہرے سانس لیتے بری طرح جنجھوڑا۔۔

اسفندیار خان اس سے اپنا گریبان چھڑواتے اسے دیوار کے ساتھ لگاتے اس کی دونوں کلائیاں دیوار کے ساتھ پن کر گیا تھا۔۔

چھوڑیں مجھے اسفندیار خان۔۔۔۔عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے غرائی۔۔ تم پر کتنا حق رکھتا ہوں۔ یہ ابھی تم اپنی تار تار حالت دیکھتے بخوبی سمجھ جاؤ گی۔ آج بہت ساری سوغاتیں دوں گاں اور اس براک کے سامنے جاتے ائیوں تمھیں۔۔ تم اپنی بھائی ہوے سو بار سوچو گی۔ بلکہ کچھ دن کمرے سے بھی باہر نہیں نکلو گی۔۔ چلو کچھ دن کے لیے ہی سہی میرے جلتے دل کو سکون تو ملے گا۔ اسفندیار خان استہزائیہ انداز میں کہتے اس کی گردن پر جھکتے اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔

اسفند۔۔۔۔عابیر نے لرزتے لبوں سے اسے پکارا۔۔ اس کی شدت سے اس کی سانسیں جیسے ٹوٹی تھیں۔

اسفندیار خان اس کی گردن پر جھکے شدت سے اپنے دانت گاڑھتا اس کی گردن جامنی کر رہا تھا۔

کیا کہہ رہی تھی میرا حق نہیں تم پر۔۔۔۔ تمھارا تم پر حق نہیں ہو گا۔ مگر اسفندیار خان کا مرتے دم تک تم پر حق رہے گا۔ اسفند اس کی فراک کے اگلے بٹن کھولتا اس کی کمر اسفند۔۔۔۔ عابیر نے تڑپتے ہوئے بے بسی سے اسے پکارا۔۔ اسفندیار خان اسے ایک جھٹکے سے اپنے قریب کرتے اسے اپنے سینے میں سختی سے بھینچتے اس کے کندھے پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔۔۔۔ عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے اسے پکارتے اس سے دور ہونا چاہا تھا وہ اسے مزید سختی سے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔ وہ اس کے گیلے چٹانی وجود کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ وہ جس طرح بھینچے ہوئے تھا عابیر کی

کھلی تھیں۔ رنگت میں سرخیاں اسفند نے اسے خود سے جدا کرتے اسے کلائی سے جکڑے اسے باتھ ٹب میں پھینکا۔

عابیر اوندھے منہ پانی میں گری تھی۔۔ عابیر نے گہرے دھے ہوتے اسفند یار خان کو دیکھا جو باتھ ٹب سانس سیدھے: میں بھس چکا تھا۔۔ وہ اس کے اوپر آتے اسے ایک جھٹکے سے الٹا کرتے اس کی برہنہ بیک پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔

عابیر کی آنکھوں سے بے بسی دریا بہے تھے۔۔۔ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہی تھی اس کی کمر پر اپنی سوغاتیں چھوڑنے کے بعد اسفند یار خان نے عابیر کو سیدھا کیے اس کی شبنمی آنکھوں میں جھانکا۔۔ موں سے اسے دیکھتے گہرے شبنمی آنکھوں۔ وہ ہیزل گرے سانس لیتے بری طرح سسک رہی

تھی۔ عابیر کی سسکیاں نہ چاہتے ہوے بھی عروج پر تھیں۔۔ اتنا وحشی پن دکھا چکا تھا۔

ہم مائی لیڈی لوسائی یو ٹیل وائی۔۔۔۔ میری سفاک پٹھانی۔۔۔۔۔۔

سفاکیت کی انتہا دکھانے والے یوں بے بس نہیں ہوتے۔۔۔ خان کی عورت ہو دکھاؤ اپنا روپ مجھے۔۔ تم بھی بتاؤ کون ہو تم؟؟ اسفندیار خان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کرتے اس کی بھیگی زلفوں کو اپنے ایک ہاتھ سے جکڑتے اپنی سلگتی سانسیں اس کے چہرے پر چھوڑیں۔

اسفندیار خان کی بات پر عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کی گردن پر اپنے دانت گاڑھ گئی تھی۔۔۔۔

اسفندیار خان مسکراتے ہوے اس کی کمر کو جکڑے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔

عابیر پوری بے رحمی سے اپنے موتیوں جیسے دانت اسفندیار خان کی گردن میں گاڑھے ہوئے تھی۔۔

اسفندیار خان آنکھیں بند کیے سفاک پٹھانی کا دیا ہوا میٹھا درد برداشت کر رہا تھا۔ چاقو کے زخم کے بعد یہ اس کے لیے میٹھا درد ہی تھا۔۔ اس زخم کے بعد یہ جھوٹے چھوٹے وار اس کے لیے کیا معنی رکھتے تھے۔

وہ اسے ایسے ہی اپنے ساتھ لگائے رخ پلٹ گیا تھا۔ وہ ہاتھ ٹب کی بیک سے ٹیک لگائے عابیر کے نازک وجود کو اپنے اوپر کر گیا تھا۔ وہ ابھی تک اس کی گردن پر اپنے دانت گاڑھے ہوے تھی۔ جتنی بے رحمی سے وہ اپنی شدت دکھا رہی تھی اسفندیار خان کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سفاک پٹھانی سچ میں سفاک پٹھانی تھی۔

عابیر نے اپنی بے رحمی دکھانے کے بعد پیچھے ہٹتے ہوے گہرے سانس لیتے اسفند کی گردن کو دیکھا۔ اسفندیار خان کی گردن پر اس کی دی ہوئی سوغات خون کی بوندوں کی صورت میں چمک رہی تھی۔۔ وہ اس کی گردن پر خون کی بوندیں دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

اسفندیار خان اب اسے قریب کرتا اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑے اس پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔۔

عابیر اس کی گرفت میں بری طرح پھڑ پھڑائی تھی۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے ہوئے تھا۔۔ اچھی طرح اس کی سانسیں پینے کے بعد اسفند نے اس کے لبوں کو چھوڑتے آنکھ ونک کی تو عابیر اس کی شرٹ جکڑتے اس کے لبوں پر جھکتے بے رحمی سے اپنے دانت گاڑھ گئی تھی۔۔ اسفند کا قہقہ حلق میں گھٹا تھا۔۔ اس کی سفاک پٹھانی اتنی

بے رحمی سے اس کی سانسیں کھینچ رہی تھی۔ عابیر اسفند کے لبوں پر زخم دے کر پیچھے ہوئی تھی۔

اسفند یار خان مسکراہٹ دبائے اس کے بالوں کو جکڑے اس کے گال پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔

عابیر نے بھی جوابی کاروائی کرتے اسفند کے گال پر دانت گاڑھے تو اسفند یار خان کا فلک شگاف قہقہ گونجا تھا۔ عابیر گہرا سانس لیتے پیچھے ہوئے تھی۔ اسفند کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تو اسفند یار خان نے اس کے دیے ہوئے ہونٹ کے زخم پر اپنا انگوٹھا رگڑتے اسے انکھ ونک کی۔۔

عابیر اسفند یار خان کی حالت دیکھتے سرخ ہوئی تھی۔ گردن ہونٹوں اور اس کے گال پر اس کی جنونیت رقم تھی۔۔۔۔

سینہ رہ چکا ہے یہاں پر بھی اپنے دانت گاڑھ دو۔۔ اسفند نے بہم سا مسکراتے ہوے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے عابیر اس کا سینہ دیکھتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی ویسے بدلہ پورا پورا لینا چاہیے۔۔۔ میں نے بھی تو دیے ناں تمھیں نشان تمھارے وہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ اسے قریب کرتے اس کے کان میں بے باک سرگوشی کر گیا تھا۔۔ اسفند کی بے باک سرگوشی پر عابیر کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔

چھوڑیں مجھے اسفند یار خان۔۔۔ عابیر اس کے حصار میں بری طرح جھٹپٹاتے ہوے چلائی۔۔

اسفند نے اسے مزید شدت سے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔۔۔ عابیر اس کے سینے پر مکے مارتے چلائی۔

بس۔۔۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔اسفند اسے دونوں بازوؤں سے جکڑتے اپنے قریب کرتے دھاڑا۔۔

عابیر اس کی دھاڑ اس کی آنکھوں کی بدلتی رنگت دیکھتے خاموش ہوئی۔

تمھارے بدن کے ہر حصے پر اس وقت میری محبت کی سوغاتیں یہ ثابت کر رہی ہیں تم پر میرا حق ہے اور چاہوں تو تھوڑا آگے کا پروسیس بھی کر کے تمھیں اپنے بچے کی ماں بنالوں۔رکا اس لیے ہوں۔۔اپنی غلطی مانتا ہوں۔ خود کو سزا کا حق دار بھی سمجھتا ہوں۔مگر صرف تمھاری بے رخی کی حد تک۔۔۔اس سے آگے میرا ضبط مت آزمانا۔مجھے سچ میں ایک شوہر بننے پر مجبور مت کرنا۔۔۔ سمجھو یہ نخرے دکھا رہی ہو یہ بدتمیزی کر رہی ہو اپنے عاشق کو دکھا رہی ہو۔۔جس دن اپنے دل سے تمھارے دی تو مجھے صرف ایک شوہر پاؤ نکال کر پھینک دی لیے عاشقی نکال گی۔۔جس کے لیے اس کی

آنا اور غیرت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو گا۔ اس لیے آئیندہ تم مجھے براک کے قریب بھی نظر آئی تو برداشت نہیں کروں گا۔ اسفند اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے سرد آواز میں اسے تنبیہ کرتے پھنکارا تھا۔۔ کیوں اسفندیار خان ؟؟۔۔۔ کیوں ؟؟ براک سے میں سچ میں محبت کرتی ہوں۔۔ براک ہی تھا جس نے مجھے آپ کی بیوفائی بھلانے میں مدد کی۔۔ اور آپ سب میرے ساتھ نہیں اس سات سال کے بچے کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ کیسے برداشت کرے گا وہ میری جدائی۔۔ عابیر اسفندیار خان کی شرٹ جکڑتے تڑپتے ہوئے بولی۔۔ آئیندہ تمھارے لبوں سے بھی اس کا نام نہ سنوں سمجھی تم۔۔۔ ورنہ اگلی بار دانت تمھاری زبان پر گاڑھوں گا۔

اسفند نے سلگتے لہجے میں کہتے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتا باتھ ٹب سے نکلا۔

براک سے محبت والی بات اسے پھر سے سلگا گئی تھی۔۔۔ نہیں برداشت تھا اپنی سفاک پٹھانی کے لبوں سے کسی کے لیے بھی محبت۔۔۔

عابیر نے گہرے سانس لے کر باتھ ٹب سے نکلتے اپنے کندھوں سے اترتی فراک اوپر کرتے اپنی زپ بند کی تھی۔

اسفند واش بیسن کی سلیب کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے قریب جانے پر بہت سے جذبے اس کے اندر انڑتے اسے اپنی سفاک پٹھانی کے لیے پاگل کر گئے تھے۔

عابیر اسے مکمل اگنور کیسے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

سچ میں سفاک پٹھانی ہو تمھیں اپنے اسفند پر ترس نہیں آتا۔۔ اسفند اس کی گردن پر اپنے سلگتے لب رکھتا مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔

باتھ ٹب میں سمجھ گئی ہو گی میری کیا حالت ہو رہی تھی۔ میری آنکھوں کی سرخی دیکھ کر پتہ چل گیا ہو گا تم طلب بن کر میری آنکھوں میں آتر آئی ہو۔ ٹھنڈے پانی میں میرے بدن کی گرمی سے تمھیں اندازہ تو ہو گیا ہو گا میرے خون کی گردش میں تمھارے بدن کی گرمی سما چکی ہے۔ کیوں اتنی سفاک بن رہی ہو؟؟ میری بے رحم سفاک پٹھانی۔۔

تم نے سفاکیت اور بے رحمی میں حویلی کے خانزادوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اسفند اس کی گردن پر نرمی سے لب رکھتا اس کے کندھے سے ہوتے اس کے بازو کو نرمی سے اپنے لبوں سے چھوتے اس کی کلائی پکڑے اس کے زخمی کلائی پر نرمی سے لب رکھ رہب تھا جہاں کچھ دے رپہلے چوڑیاں ٹوٹ

کر پیوست ہوئی تھیں. عابیر نے سکتے سے گلابی آنکھوں سے دیکھتے اسے خود سے دور ہوئے اسے گا دھکیلا تھا۔۔ اسفند اسے بازو سے جکڑے اس کی شیلف پر

جھکاتے اس کے لبوں پر شدت سے جھک گیا واش روم کا دروازہ کسی نے باہر سے دھڑ دھڑ بجایا تھا۔۔ اسفند یار خان جو مدہوشی میں اس اس کی سانسیں انہیں کر رہا تھا۔۔

دروازہ بجنے پر وہ کرنٹ کھا کر عابیر کے اوپر سے اٹھات۔ عابیر نے سیدھے ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ اسفند یار خان کو دیکھا جو لب بھینچے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔۔ جسے باہر سے مسلسل بجایا جا رہا تھا عابیر نے پریشانی سے اپنا

بھیگا سراپہ مرر میں دیکھا۔۔ گردن گہرائیوں عارض اور ہونٹ ہر جگہ پر اسفند کی جنونیت کے نشان رقم تھے۔

فراک آگے سے پھٹ چکی تھی۔ پچھلے گہرے گلے سے نظر آتی بیک پر بھی اسفند کے دیے ہوے نشان تھی۔۔ عابیر نے اپنی حالت دیکھتے اسفند کو اب شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تھا۔

کیا دیکھ رہی ہو؟؟ میرا ابھی حال کم و بیش تمھارے جیسا ہے۔۔ اسفند اس کے گھورنے پر اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے مدھم سرگوشی کر گیا۔

اسفند آپ کو یہ مذاق لگ رہا ہے آپ کی مورے باہر کھڑی ہیں کیسے سامنا کروں گی میں۔ اس سب کا الزام بھی وہ مجھ پر لگا دیں گی۔ عابیر اسفند کو دیکھتے غصے سے بولی۔۔

کون ہے اندر۔۔ روزینہ خانم زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے چینی تھی.

عابیر روزینہ خانم کی آواز پر روہانسی ہوئی۔

خاموش رہو وہ دروازہ کھٹکھٹا کر شائد چلی جائیں۔ اسفندیار خان بھی اب بری طرح جھنجھلایا تھا۔

موت کا فرشتہ مل سکتا ہے مگر آپ کی مورے نہیں۔۔

جب تک وہ دروازہ کھلوا نہیں لیں گی انھیں سانسیں نہیں آئیں گی۔ عابیر کی بات پر اسفندیار خان نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

کھولو کون ہے اندر؟؟۔۔۔روزینہ خانم حلق کے بل چیچنی تھی۔

عابیر نے لب کاٹتے ہوے اسفندیار خان کو دیکھا جو اب خود گھبرایا ہوا تھا۔۔ آپ کی مورے کو پتہ ہے اندر ہم لوگ ہیں۔ مگر انہوں نے لائیو سنیما دیکھ کر مجھے بے عزت بھی تو کرنا ہے۔عابیر کو دیکھتے طنزیہ بولی۔۔

اسفند نے اسے اب اچھی خاصی سرد نگاہوں سے گھورا تھا۔ماں اور بیوی میں کسی کی زبان لمبی تھی وہ اندازہ نہیں کر پایا تھا۔

کون ہے اندر تم لوگ کھولتا ہے یا پھر ہم سب کو اکٹھا کرے۔۔۔روزینہ خانم کی بات پر عابیر کی رنگت میں ہوائیاں اڑیں تھی۔۔

وہ اسفندیار خان کو خود سے دور دھکیلتے دروازے کی طرف بڑھتے دروازے کا لاک کھولا۔۔ مگر دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی.

عابیر نے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھا جو واش بیسن کی سلیب سے ٹیک لگائے سنجیدگی سے کھڑا اپنی کھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

لاک کے کھلنے کی آواز پر روزینہ خانم دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئیں۔

اللہ اللہ۔۔۔۔۔۔ اسفند اور عابیر کو دیکھ کر انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ان کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔ ان دونوں کے بھیگے سراپے چہرے گردن پر نشان دیکھتے وہ جلدی سے رخ موڑتے واش روم سے باہر نکل گئی تھی۔۔

عابیر اسفندیار خان کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے واش روم سے باہر نکلتے زمین پر گرے اپنی شال اٹھائے اچھی طرح خود پر لیپیٹی تھی اور جلدی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

اسفند بھی جلدی سے واش روم سے نکلتا کمرے سے نکلتے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

حور ارحام کی بانہوں میں سمائے گہری نیند سو رہی تھی۔۔ اسے نیند میں بھی اپنے بالوں اپنے کندھے اور اپنے چہرے پر ارحام کے لبوں کی پر تپش بوچھاڑ محسوس ہو رہی تھی۔۔

حور نے اپنی نیند سے مندی گلابی آنکھیں کھولتے ارحام کے برہنہ سینے کو دیکھا۔ وہ اس کے چٹانی سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔۔ ارحام اسے کمر سے جکڑے ہوے تھا۔۔۔ حور کو اپنے پورے بدن سے ٹھیسیں اٹھتے محسوس ہو رہی تھیں۔ کچھ ارحام کی شدتیں اور کچھ اس کے چٹانی سینے پر سونے کی وجہ سے اسے اپنی کمر سر دکھتا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر ارحام کو اس کے ساتھ ایسا ہی سونا پسند تھا۔ وہ اسے حویلی میں بھی تکیے پر سر رکھنے نہیں دیتا تھا۔ اسے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے ہی سلاتا تھا۔ حور نے آہستگی سے ارحام سے دور ہونے کی کوشش کی وہ اسے سختی سے جکڑے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔ حور روہانسے ہوتے اس کے سینے میں سمائے آنکھیں موند چکی تھی۔

حور۔۔۔ ارحام نے اس کا جاگتا محسوس کر کے اسے نرمی سے پکارا۔۔ وہ مزید سختی سے آنکھیں بیچ چکی تھی۔۔۔ وہ نہیں چاہتی تھی وہ اسے جاگنا دیکھ

کر دوبارہ سے شروع ہو جائے۔۔ وہ اس کی شدتیں مزید برداشت نہیں کر سکتی وہ آج تو ارحام کا دل ہی نہیں بھر رہا تھا۔۔ رات سے تھی۔ تو ارصبح ہونے والی تھی وہ ایک پل نہیں سویا تھا۔ وہ تو کچھ دیر سو گئی تھی مگر ارحام کے لب ارحام کے ہاتھ اسے مسلسل نرمی سے چھو رہے تھے۔۔ جو ایک پل کے لیے نہیں رکے تھے۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے چھو رہا تھا۔ کبھی اس کی ہتھیلیاں چومتا کبھی اس کے بالوں کو کبھی اس کی پیشانی اور کبھی اس کے کندھے کو لبوں سے چھوتا۔۔

حور۔۔۔ ارحام نے اسے دوبارہ پکارا۔

حور اس کے سینے کے بالوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے مزید سختی سے اپنی آنکھیں بھینچ گئی۔۔

حور کی مٹھیوں کا دباؤ اپنے سینے پر موجود بالوں پر محسوس کرتے ارحام رخ پلٹے اسے تکیے پر لٹاتے اس پر مکمل حاوی ہوا۔

حور کی رنگت میں شدید گلابیاں کھلی تھیں۔ وہ آنکھیں اور بھی شدت سے بچ گئی تھی۔۔ ارحام نے بہم سا مسکراتے اس کے چہرے پر لرزتی پلکوں کو بغور دیکھا۔۔ سو رہی ہو حور۔۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔ جی بلکل۔۔۔۔ حور کے گلابی لبوں نے جلدی سے جنبش کی تھی۔

ارحام کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ حور اپنی بیوقوفی پر لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔۔

مم میرا مطلب تھا کہ میں سونے ہی لگی ہوں۔۔ حور نے آنکھیں کھولتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ ارحام کی آنکھوں میں خمار کی سرخی دیکھتے وہ سرخ گلاب ہوتے اپنی نگاہیں جھکا گئی تھی۔ وہ بری طرح جھنجھلا کر رہ گئی

تھی اس انسان کی خمار کی سرخی ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔۔ کیا چاہیے تھا تمھیں مجھ سے۔۔۔ ارحام نے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے گھمبیر آواز میں پوچھا۔

پپ۔۔۔ پیار۔۔۔۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے گھبراتے ہوئے کہا۔

ارحام کا پھر سے برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔ وہ تو تمھیں اب ساری عمر کروں گا۔۔ ہر پل ہر لمحہ ہر گھڑی۔۔ تم کہو گی تو آفس بھی نہیں جایا کروں گا۔ سارا دن ساری رات صرف تم اور میں۔ ارحام نے بہت نرمی سے اس کے گلابی لبوں کو اپنے لبوں سے چھوا تھا۔

نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ ایسا پیار بھی نہیں چاہیے۔۔

حور نے لرزتے لبوں سے جلدی سے کہا۔ مقابل سے شدت سے محبت کرنے کے باوجود اسے سچ میں اس کا ایسا پیار نہیں چاہیے تھا۔

پھر کیسا پیار چاہیے ؟؟ اور پیار میں کیا کیٹگیری ہوتی ہے پیار تو پیار ہوتا ہے۔ پیار میں جتنی شدت ہو پیار اتنا گہرا ہوتا ہے۔ ارحام گھمبیر آواز میں بولتے اس کی دھڑکنوں پر جھکا۔۔

ارحام۔۔۔ حور نے روہانسے ہوتے اسے پکارا۔۔ ارحام نے اس کی آواز میں بھیگا پن محسوس کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں شبنم اور خوف سا تھا۔ کیا ہوا ہے ؟؟ آج تو میری شدتوں میں صرف پیار تھا دیوانگی تھی۔۔ تمھیں سختی سے چھوا نہیں پھر خوف اور یہ شبنم کیوں ؟؟ ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔

ن۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں تو ارحام کی آنکھوں کا سر دین

دیکھتے وہ منائی تھی۔۔ ارحام کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا وہ نظریں جھکائے

لب کاٹتے اس کے سینے پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔۔ ارحام کی سلگتی نگاہوں

اور اس کی اتنی قربت اور اس کے بدن سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ خوشبو

محسوس کرتے وہ اس کی قربت میں نظریں اٹھا نہیں پا رہی تھی۔۔ ارحام

نے بری طرح اپنے جبڑے بھینچتے اس کے دانتوں سے اس کے ہونٹ

چھڑوائے تھے۔۔ وہ گہرا سانس بھرتا پیچھے ہوتا تکیے پر سر رکھ گیا۔

حور جلدی سے خود پر کمبل لپیٹے رخ پلٹ گئی تھی۔۔ ارحام کو اس کا رخ پلٹنا

بری طرح چبھا تھا۔

ارحام نے سلتی نگاہیں اس کی پشت پر ڈالیں۔ وہ رات سے محسوس کر رہا تھا وہ

اس کے خوف سے اس کے قریب آئی تھی۔۔ یعنی ان دونوں کا رشتہ آج

بھی اس موڑ پر کھڑا تھا یعنی آج سے سات ماہ پہلے والا۔۔۔وہ آج بھی صرف اس سے ڈرتی تھی۔۔کیا وہ اس کی محبت کو حوس سمجھتی تھی؟؟۔۔اس سوال نے ارحام کے دل میں بے چینیاں بھر دی تھیں۔

ارحام نے گہرے سانس لیتے اس کی پشت کو دیکھا وہ اب اس سے مزید دور ہوتے اپنی برہنہ پشت کو بھی کمبل میں چھپائے بیڈ کے کنارے پر ہو گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں شعلے سے لپکے تھے وہ بری طرح سلگا تھا۔ سات مہینے کی جدائی دینے کے بعد بھی اس کا دل نہیں بھرا تھا کہ وہ اس سے دور جانا چاہتی تھی۔۔اس سے کمبل ایک جھٹکے سے اتارتے اسے بازو سے کھینچتا اپنے قریب کر گیا تھا۔

حور نے سہتے ہوے ارحام کو دیکھا حور کی آنکھوں میں خوف دیکھتے ارحام خانزادہ کے خون میں شرارے سے پھوٹے تھے۔۔ وہ اس کے لبوں پر جھکتے انھیں اپنے لبوں میں قید کرتے اس کی کلائیاں جکڑتے اسے اپنی پناہوں میں قید کرتے اس اپنی شدتوں میں جکڑ چکا تھا۔

ارحام خانزادہ کی آنکھ کھلی تو وہ اس کے سینے سے لپٹی گہری نیند سو رہی تھی۔ ارحام نے نرمی سے اس کی پیشانی چومتے اس کے بال اس کے عارض سے پیچھے کیے تھے۔۔ ارحام نے ایک بازو اس کی کمر پر لیٹے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا جہاں دن کا ایک نہ رہا تھا۔ ارحام نے بہت نرمی سے اسے تکیے پر پلٹتے اس کے اوپر گھنی گھٹا بن کر چھایا تھا۔ ارحام اس کے عارض پر انگلیاں پھیرتے اس کے ملکوتی نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔۔

یہ نقوش یہ خوبصورت بدن وہ صرف اس کی تھی ارحام کے لبوں پر مغروریت بھری مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ وہ اس کے پاس تھی اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا۔۔ وہ ساری رات بار بار اسے چھوتا خود کو یقین دلا رہا تھا اس کی حور اس کی بانہوں میں ہے۔

ارحام نے نرمی سے اس کے عارض پر انگلیاں پھیرتے اس کے چہرے کے نقوش پر اپنے لب رکھے۔ اسے دیکھنے اسے چومنے سے اس کا دل ہی نہیں بھر رہا تھا۔۔۔ وہ اب بہت نرمی سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقوش کو چھو رہا تھا۔۔ کبھی اس کی ناک کی ٹپ کو چھوتا کبھی اس کے عارض وہ اس کے نقوش کو دیوانگی سے اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔

حور کی آنکھ ارحام کی لبوں کے لمس سے بھلی تھی۔۔ حور نے بے یقینی سے ارحام کو اپنے اوپر جھکے دیکھا۔ وہ اس کے چہرے کو بہت نرمی سے چھو رہا

تھا۔ حور کا دل ہتھیلی پر دھڑ کا تھا۔ جان لبوں پر سجی تھی۔ وہ کیا پھر سے شروع ہونے والا تھا۔ وہ سچ میں بے یقین ہوئی تھی۔

حور نے اسی لمحے پوری قوت سے ارحام کو خود سے دور دھکیلا۔۔ وہ مزید اس جن کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ارحام مدہوش ہوا اس کی گردن میں منہ چھپائے اس کی خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ حور کے دور دھکیلنے پر وہ اس کی گردن سے منہ نکالتے بے یقین ہوا۔ وہ اسے خوفزدہ نگاہوں بھیکی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام کے دیکھنے پر وہ منہ پھیر گئی تھی۔

ارحام اس پر جھکے کچھ پل اسے دیکھتا رہا وہ اب نظریں جھکائے لب کاٹتی رہی۔۔

ارحام بیڈ سے اٹھتا تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا۔۔۔۔ حور گہر اسانس لیتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔ زمین پر گری ارحام کی ٹی شرٹ اٹھا کر

پہنی۔۔وہ اپنی آنکھوں کے گوشوں پر ابھرتی نمی صاف کرتے کمبل لپیٹے آنکھیں موند گئی تھی۔

حیدر خان تند و تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔وہ سفید شلوار قمیض پر سفید مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔۔

اس کی گاڑی کے ساتھ آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں بھی تھیں۔۔وہ ابھی حویلی سے آرہا تھا۔اسے پتہ چلا تھا فرشتے حویلی نہیں ہے۔۔وہ یہ سنتا آپے سے باہر ہوا تھا۔فرشتے کہاں ہے یہ ارحام کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا جب سے اسے یہ پتہ چلا تھا۔۔وہ جیسے آگ کے بستر پر لوٹ رہا تھا۔۔اس کے مساموں سے دھواں نکل رہا تھا۔اس کی بیوی اس کے بیٹوں کو ارحام

خانزادہ اس کی آجازت کے بغیر کیسے حویلی کے نہیں اور منتقل کر سکتا تھا؟؟

وہ یہ جان کر پاگل ہو رہا تھا۔۔

اسی بات کا حساب لینے وہ اسلام آباد ارحام خانزادہ کے پاس جا رہا تھا۔

تمھیں حساب دینا پڑے گا ارحام خانزادہ میری خانم اور میرے بیٹوں کو تم نے کس کی آجازت سے کہیں اور منتقل کیا۔۔۔ حیدر سٹیرنگ پر مکہ مارتے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔ حیدر حاکم خان ہوں میں ارحام خانزادہ تمھارا وہ حال کروں گا تم یاد کرو گے۔۔ میری بیوی میرے بیٹوں کو مجھ سے دور کیا ہے۔۔ چھوڑوں گا نہیں تمھیں۔ حیدر خان غصے سے چیخا تھا۔۔۔۔۔

تمھیں بھی نہیں چھوڑوں گا خانم۔۔ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ پہلے میرے بیٹوں کا مجھ سے چھپایا اور اب میرے دراب زراب کو مجھ سے

دور لے گئی۔۔ کیا تمھیں یہ حق دنیا کا کوئی قانون دیتا ہے کہ تم ایک باپ کو اس کے بیٹوں سے دور کرو۔۔ نہ دنیا کا قانون نہ میرا خدا تمھیں حق دیتا ہے کہ تم خود کو اور میرے بیٹوں کو مجھ سے دور رکھو۔۔۔ بہت حقوق سیکھا رہی تھی مجھے۔۔ اب میں تمھیں حقوق سکھاؤں گا۔ ایک شوہر کے حقوق غضب کرنے والی بیویوں کے ساتھ اصل میں کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ حیدر خان پھولتی رگوں کے ساتھ چلایا۔ تمھیں حساب دینا پڑے گا خانم۔ کیسے تم نے میری عورت ہوتے میری آجازت کے بغیر حویلی سے باہر قدم رکھا۔۔۔

حیدر خان طیش اوالم میں چیخا تو گاڑی بھی بری طرح ڈولی تھی۔۔ اس کی گاڑی کا رخ اسلام آباد ارحام کے آفس کی طرف تھا۔

ارحام سفید باتھ روب گاؤن پہنے اپنے گیلے بالوں کو ٹاول سے خشک کرتے ہوے مرر میں دیکھ رہا تھا۔ ارحام کے لب بھینچے ہوے تھے۔۔ حور اس کے پاس تھی۔ شائد اس سے محبت بھی کرتی تھی۔ مگر یہ تو طے تھا وہ کل رات خوف سے اس کے قریب آئی تھی۔ ارحام نے جھنجھلاتے ہوے ٹاول زمین پر دے مارا تھا۔ وہ شائد محبت کرتی ہے۔۔ یہ لفظ سوچتے ہی اس کا دل فگار ہوا تھا۔ لفظ شائد سوئیوں کی مانند چبھا تھا۔

کل جس طرح کی سچویشن تھی۔ وہ اس سچویشن میں اس کے ساتھ چلی آئی اور اس کے غصے کے ڈر سے اسے

seduce

کر کے وہ اس کا غصہ دور کرنا چاہتی تھی۔۔ اس کی نرمی دیکھتے اس نے فوراً شاہ مینشن جانے کی بات کی

تھی۔۔

ارحام نے گہرا سانس لیا۔ وہ یہ سب ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا حور اس کے پاس خود آئے۔۔ اسے اپنی مرضی سے خود کو سونپے۔۔ اس سے دستبرداری کا تو وہ مر کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ ان سات مہینوں میں اسے ہر پل اپنے پاس لانے کا سوچا تھا۔ خدا سے بہت دعائیں مانگی تھیں۔

مگر یہ تو نہیں چاہا وہ اس سے ڈر کر اور شائد وہ اس کی جان اور عزت بچانے کو اس کا احسان سمجھ رہی تھی۔۔ جیسے سلطان شاہ نے کل اپنی بیٹی کو آرام سے اس کے ساتھ آنے دیا تھا۔ ورنہ اگر وہ نہ چاہتے تو یقیناً دونوں طرف کے گارڈز کی گولیاں چل جاتی۔۔ وہ بھی شائد کل اپنی بیٹی کی جان بچانے کے بدلے میں اس پر رحم کھا بیٹھے تھے۔

ارحام تلخی سے مسکرایا تھا۔ حور کی جان اور عزت بچا کر اس نے کسی اور پر نہیں بلکہ خود پر احسان کیا تھا۔ حور کی جان اور عزت تو تھی ہی اس کی۔۔ اس نے حور کی عزت نہیں بلکہ اپنی عزت بچائی تھی۔۔

وہ حور کو اپنی پناہوں میں تو قید کر کے رکھنا چاہتا تھا مگر اپنی حویلی میں قید کر کے نہیں رکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ ویسے ہی اپنی زندگی گزارے جیسے پہلے گزار رہی تھی۔ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں حور کی ہنسی کی جھنکار سننا چاہتا تھا۔ وہ اس کی بانہوں میں قید ہوتے اس کی دھڑکن دھڑکن پر اپنے لب رکھے اسے اپنے ہونے کا احساس دلائے۔۔ اگر وہ اس کی شدتوں سے ڈر رہی تھی تو اسے سمجھنا چاہیے تھا۔ وہ صرف اس کے لیے تھیں اسے ہی برداشت کرنا تھا۔ وہ اس کی بانہوں مین ہو وہ خود پر کنٹرول کر لے ناممکن تھا۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے مرر میں دیکھتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

اگر وہ اس کی محبت اس کا عشق دل سے محسوس کرتی تو وہ اس سے یوں خوف نہ کھاتی۔۔

یا پھر وہ ابھی تک اس کی محبت کو حوس ہی سمجھتی ہے۔اس سوال نے ایک بار پھر سے اسے بے چین کیا تھا؟؟

!!آپ کی محبت صرف جسم سے مشروط ہے جو میرے نزدیک حوس ہے!!

حور کے لفظ یاد کر کے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ جس عورت سے وہ جنون کی حد تک عشق کرتا تھا۔اس کی ذات اس کی روح میں صرف وہی وہ تھی۔

اس کے یہ لفظ اس کی روح کو آج بھی فگار کرتے تھے۔

ارحام لب بھینچے واش روم میں بنی کبرڈ کی طرف بڑھا تھا۔

ارحام واش روم سے بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال

کندھوں پر ڈالے باہر آیا۔

حور اس کی بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھی بلیک کافی پی رہی تھی.

ارحام گہری گرم نگاہ ڈالتے اس کی طرف بڑھا تھا۔ حور ارحام کو دیکھتے کافی

ٹیبل پر رکھتے کھڑی ہوئی تھی

ارحام مسکراتے ہوے اسے کمر سے تھامے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے

اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

ہمممم۔ پتہ ہے تمھارے خوبصورت بدن کی خوشبو بہت الگ ہے۔ گلاب سی کستوری کیا نام دوں اس خوشبو۔۔ کو ارحام حور کے بالوں میں منہ چھپائے گھمبیر آواز میں بولا۔۔

حور اس کے سینے پر سر رکھے اس کی شرٹ کے بٹن کے ساتھ انگلی سے کھیل رہی تھی۔۔

زیادہ پسند ہیں یہ بٹن تمھیں؟؟ یا میرا سینہ پسند ہے جو تمھاری انگلیاں ہر وقت یہاں حرکت کرتی رہتی ہیں۔ ارحام نے حور کی طرف دیکھتے شرارتی لہجے میں کہا۔

نہیں۔۔ مجھے آپ کا سینہ بلکل نہیں پسند۔۔۔ ہو سکتا ہے کسی اور کو پسند رہا ہو کبھی۔۔ آپ ایک ایکسپیرنس شادی شدہ مرد بھی تو رہ چکے ہیں ناں۔۔۔۔۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ بولی۔۔

ارحام نے مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

میرا سینہ کسی کو پسند نہیں رہا کبھی لیکن میں چاہوں گا کہ میری حور کو پسند ہو وہ جہاں میرا سینہ دیکھے ٹوٹ پڑے مجھے۔۔مجھے کاٹ کھائے۔۔جس طرح میں کرتا ہوں۔۔ارحام نے جھکتے ہوئے اس کی دھڑکنوں پر لب رکھتے انھیں سختی سے ہاتھوں سے چھوا۔۔

ارحام کی بے باک حرکت پر حور کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔

میں کیا پہنوں گی اب میرے کپڑے کہاں ہیں؟؟حور گلابی رنگت کے ساتھ بات بدلتے بولی۔

ارحام اس کی رنگت میں سرخیاں دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

واش روم کی کبرڈ میں تمھارے لیے کپڑے ہیں۔ جلدی سے پہن کر تیار ہو جاؤ ہم ناشتہ کر کے نکلتے ہیں۔ ارحام نے اس کے ماتھے پر لب رکھے تھے۔۔

حور اثبات میں سر ہلاتے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

ارحام اسے بازو سے جکڑے پھر سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

میری ٹی شرٹ تو دیتی جاؤ۔ ارحام نے اس کی ٹی شرٹ کے اندر ہاتھ ڈالتے اسے بے باکی سے چھوتے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے اس کے کان کی لو کو لبوں سے کاٹا۔

ارحام۔۔۔۔ آپ نے۔۔۔ کپڑے۔۔۔۔ پہن تو۔۔۔۔۔ لیے۔۔

اس۔۔۔ کا۔۔۔ کیا کریں۔۔۔ گے۔ حور سرخ پڑتے بے ساختہ بولی تو

ارحام کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ حور سرخ پڑتے اس کے سینے کے ساتھ لپٹی تھی۔ ارحام اسے سختی سے اپنے سینے میں بھینچ کا تھا۔

ارحام مجھے شاور لینا ہے حور ارحام کی گرفت میں بمشکل سانس لیتے بمشکل بولی تھی۔

ہمم۔۔۔ میرا تمھارے ساتھ ہی شاور لینے کا آرادہ تھا۔۔ مگر پھر تمھیں مشکل ہو جاتی۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے اسے آنکھ ونک کی تھی۔

حور سرخ چہرے کے ساتھ اس کے حصار سے نکلتی واش روم کی طرف بڑھی.

حور واش روم سے بلیک گرم پٹھانی فراک میں ملبوس باہر آئی تھی جس پر بلیک ویلوٹ کی شال تھی۔ جو اس نے ایک طرف کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ براؤن چاکلیٹی بال سلکی بال کھلے تھے.

ارحام جو فون پر بات کر رہا تھا۔ حور کو دیکھ کر وہ سٹل ہوا تھا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔ جو فیصلہ وہ لے چکا تھا۔ وہ کیسے اس پر قائم رہ سکے گا۔ ارحام کا دل بری طرح گھبرایا تھا دل میں جیسے شدید درد اٹھا تھا۔۔

ارحام کو مبہوت سا دیکھ سٹل جمے دیکھ کر حور کی رنگت گلابی ہوئی تھی. وہ فون پر بات کرنا بھول گیا تھا۔

فون کان سے لگائے وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حور کے لبوں پر مبہم سی مغروریت بھری مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

وہ ارحام کو اگنور کیے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی تھی۔

ڈریسنگ مرر پر پڑی لپ سٹک اٹھا کر لگانے لگی۔۔

ارحام جو مبہوت سا کھڑا تھا اس کے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھنے پر ارحام ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔

وہ حور کی طرف بڑھتے اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ جماتے اسے اپنے قریب کرتے اسے اپنی پشت کے ساتھ لگا گیا۔

اگر میں تم سے ایک ریکویسٹ کروں تو مانو گی کیا؟؟ ارحام مرر میں حور کا دھمکتا چہرہ دیکھ کر بولا۔۔

کیا؟؟حور نے حیرانگی سے مرر میں ارحام کو دیکھا وہ پہلی مرتبہ ریکویسٹ کر رہا تھا ورنہ تو وہ صرف اپنا حق جتاتے حکم دیتا تھا۔

تم اپنے ہونٹوں کو صرف میرے سامنے رنگا کرو۔۔ کسی دوسرے کے سامنے کبھی اپنے ہونٹوں پر گہرا رنگ نہیں لگاؤ گی۔۔ کبھی اپنی خوبصورتی کسی دوسرے کے سامنے شو نہیں کرو گی۔۔ چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔۔ ارحام اس کا رخ موڑتا اس کے تیز گلابی رنگ کی لپ سٹک سے سجے ہونٹوں پر جھک گیا تھا۔۔

حور ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

ارحام بہت نرمی سے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں انہیل کر رہا تھا۔۔ وہ اس کی ہونٹوں کی رنگت چرا کر پیچھے ہوا تو حور اس کے سینے پر سر رکھے اپنی ٹوٹی سانسیں بحال کرنے لگی۔۔

ارحام حور کو نرمی سے اپنے سینے سے علیحدہ کرتے اس کی گردن پر جھکے اپنی سلگتی سانسیں چھوڑیں۔۔ حور اس کی شرٹ جکڑے اپنی آنکھیں موند چکی تھی۔۔ ارحام اس کی گردن پر جھکے بہت نرمی سے اس کی گردن پر اپنی دی ہوئی سوغاتوں پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ حور اس کی شرٹ جکڑے آپنی انکھیں موندے ہوے تھی۔۔

ارحام نرمی سے لب رکھتے وہاں بہت نرمی سے لو بائٹ بنا رہا تھا۔ فون رنگنگ پر ارحام اسے چھوڑتا اپنی پاکٹ سے فون نکالے کان سے لگایا۔۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موندے ہوے تھی۔۔ ارحام ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپیٹے ہوے تھی۔۔

فون پر ملنے والی خبر پر ارحام کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

اوکے آرہا ہوں میں۔۔ ارحام سختی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔

حور چلو کھانا کھاتے ہیں۔ ارحام اس کا ہاتھ نرمی سے تھامے ٹیبل پر رکھے کھانے کی طرف بڑھا۔

گاڑی کو اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتے دیکھ کر رکی تو حور نے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا جو سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس وقت بڑی سی چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔۔ چہرہ بھی چھپا رکھا تھا۔ آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔۔

وہ پورے راستے سوتی آئی تھی۔۔ابھی آنکھ کھلی تو اس کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔وہ اسے اسلام آباد لے کر جارہا تھا مگر اس نے تو کہا تھا وہ لوگ حویلی جائیں گے۔۔

حور نے الجھن بھری نگاہوں سے ارحام کو دیکھتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائیں۔۔۔

کیا ارحام مجھے اپنے اپارٹمنٹ لے کر جارہے ہین۔حور نے بے چینی سے سوچا تھا۔

وہ لب کاٹتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی۔

ارحام مسکراتے ہوے اس کی طرف جھکا تھا۔

میری جان لب کاٹنا بند کرو۔۔ یہ کام صرف میرا ہے۔۔ کیوں میری چیزوں پر حق جتاتی ہو۔ ارحام نے حور کی طرف جھکتے سرگوشی کی تو حور کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھیلی تھیں۔

اس کا چہرہ تو ڈھکا ہوا اسے کیسے معلوم وہ اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

ارحام اس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔۔

میری جان میری نظروں سے خود کو دیکھو۔۔ میری آنکھوں کی گہرائی تمھیں پردے میں ماپ لیتی ہے۔۔ ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلی چومتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

تھوڑی دیر بعد ارحام کی گاڑی اور اس کی گارڈز کی گاڑیاں شاہ مینشن کے اطراف میں رکی تھی۔۔

حور نے حیرت سے ارحام کو دیکھا تھا۔

ارحام کی گاڑی دیکھتے ہی شاہ مینشن کا آوٹ میٹک گیٹ کھل چکا تھا۔

ارحام کی گاڑی شاہ مینشن کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔۔ حور گنگ سی پریشان بیٹھی تھی۔

ارحام۔۔۔ آپ۔۔۔ یہاں۔۔۔ حور نے حیرت سے کہا۔۔

ارحام نے نرمی سے اس کا نقاب اتارا۔

تم شاہ مینشن میں رہنا چاہتی ہو ناں۔۔ ارحام کے سوال پر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔۔

حور میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔ اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی۔ سچ کہوں میری محبت تمھارے لیے جنونی ہے۔ جو تمھیں ہرٹ بھی کرتی ہے۔ میرا جنون کہتا ہے تمھیں اپنی حویلی میں قید کر کے اپنی پناہوں میں رکھوں۔ میرا جنون کہتا ہے۔ تمھاری سانسوں پر ہر دم میں قابض رہوں۔ میرا جنون کہتا ہے تم پر کسی مرد کی نظر تو دور کی بات کسی عورت کی بھی نظر نہ پڑے۔۔۔

کچھ باتوں پر میں سمجھوتا نہین کر سکتا۔ نہ میرا جنون کم ہو سکتا ہے وہ وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ ہے تم پر کسی کی نظر نہ پڑے۔۔ مرتے دم تک تم پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دوں گا۔ تمھاری حفاظت کروں گا۔ اگر تمھیں یا سلطان شاہ کو لگتا ہے کہ میں نے تمھاری عزت تمھاری جان بچا کر کوئی احسان کیا ہے۔ تو یہ میرے نزدیک گالی ہے میرے لیے۔ تمھاری عزت تو تمھاری ہے ہی نہیں وہ تو صرف میری ہے۔ کل تمھاری عزت نہیں میں نے

اپنی عزت بچائی تھی۔ تمھاری سانسوں میں میری سانسیں بستی ہیں۔ اگر تمھاری سانسیں رک جائین تو کیا میں جی سکتا ہوں۔ ارحام اس کی ہتھیلیوں کو نرمی سے چومتا بولا۔۔

میرے لیے کل کی رات بہت حسین تھی۔۔ سچ بتاؤں میری زندگی کی ہر رات سے کل والی رات خوبصورت تھی۔۔ تمھارے ساتھ گزری ہر رات مجھے پچھلی رات سے خوبصورت لگتی ہے۔۔ مگر یہ رات تمھارے لیے بھی خوبصورت ہو یہ ضروری تو نہیں۔۔ ارحام کی بات پر حور نے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا تھا وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔

میرا جنونیت کی کوئی حد نہیں۔۔۔ میں پاگل ہوں تمھارے لیے۔۔ ہو سکتا ہے میں اپنی کہی ہوئی باتوں پر قائم نہ رہ سکوں۔۔ جیسے کل رات تمھارے قریب آنے پر قائم نہیں رہ سکا۔ وعدہ کیا تھا خود سے کہ تمھارے قریب

تب تک نہیں آؤں گا جب تک تم میری محبت کو حوس سمجھنا بند نہیں کرو گی ۔ مگر کل رات میں اپنے وعدے پر قائم نھیں رہ سکا۔

ارحام۔۔۔میں۔۔۔۔حور کے لبوں نے جنبش کی تھی۔۔

جانتا ہوں کل تم اس سچویشن کے بعد ڈری سہمی ہوئی تھی۔ تمھیں صرف میری بانہوں کی ضرورت تھی میری شدتوں کی نہیں میری قربت کی نہیں. مگر میں ساری رات تم پر اپنی شدتیں ڈھاتا رہا۔ ساری رات تمھارا ڈر خوف تمھاری آنکھوں میں چمکتی شبنم دیکھ کر میں انجان بنا رہا۔۔۔سچ بتاؤں تم پاس ہوتی ہو میں خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا۔۔۔مجھے تم صرف چاہیے ہوتی ہو اس سے آگے کچھ نہیں۔۔۔۔میں جانتا ہوں وقت کے ساتھ اس میں کمی آنے کی بجائے شدت آئے گی۔۔اور میں نہیں چاہتا تمھیں میری جنونیت حق ملکیت میں تکلیف پہنچے۔۔میں چاہتا ہوں تم خوشی خوشی میری حویلی میں

قید رہنا پسند کرو۔۔ میں چاہتا ہوں تم میری بانہوں میں اتنی ہی پر سکون ہو جس طرح میں ہوں۔۔ میں چاہتا ہوں جس طرح میرے لب دیوانگی کے عالم میں چھوے۔۔۔ تمھارے لب بھی کبھی میرے ہونٹوں کو نرمی سے چھو جائیں۔۔۔ بیوی ہو میری حق ملکیت کا احساس تمھارے اندر بھی ہے۔۔ تم گل سے جیلس ہوئی میں اسے تمھاری محبت سمجھ بیٹھا۔۔

تمھیں ایک بات کا یقین دلاتا ہوں۔۔۔ میں مرتے دم تک صرف تمھارا ہوں۔۔ میں اپنی زندگی میں کسی دوسری عورت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔ نہ میں اس کے ساتھ پلے لینڈ گیا تھا۔۔۔ پریذے کی ماما تم ہو اور ہمیشہ تم رہو گی۔۔

چاہے تم کہیں بھی رہو۔۔ مگر وہ ہمیشہ تمھیں ہی ماما پکارے گی۔۔ہاں چاہتا تھا پر یذے کا بھائی یا بہن آجائے مگر شائد یہ ممکن نہیں۔ارحام کی باتوں پر حور کی حیرانگی بڑھتی جارہی تھی وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

حور میں تمھیں کبھی فورس نہیں کروں گا تم میرے ساتھ حویلی رہو۔۔ تم شاہ مینشن رہو گی۔۔جب تک تم چاہو۔۔میرے پاس آؤ گی تو ارحام خانزادہ کی یہ خوش نصیبی ہو گی۔ورنہ ہر رات ارحام خانزادہ کی ماتم کدہ ہو گی.

۔

وہ ہر رات اپنی بدنصیبی پر روئے گا۔۔ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔حور کی آنکھوں کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔۔

تم پر میرے پاس آنے کی کوئی پابندی نہیں ہو گی مگر تم بے پردہ کبھی کسی کے سامنے نہیں آؤ گی۔تم خود پر کبھی کسی کی نظر نہیں پڑنے دو گی۔۔اگر

کبھی ایسا ہوا۔۔ میری جنونیت تمھین بہت تکلیف پہنچائی گی۔۔ صرف ایک یہی بات پر میں کمپرومائز نہیں کر سکتا۔۔ میں جانتا ہوں تم پردہ میری وجہ سے کرتی ہو میرے ڈر کی وجہ سے کرتی ہو۔۔ اور میں چاہتا ہوں یہ ڈر ہمیشہ قائم رہے۔۔۔ تمھارے وجوط پر صرف ارحام خانزادہ کا حق ہے اور مرتے دم تک رہے گا۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی میرا حق تم پر رہے گا۔۔ ارحام نے بھاری آواز مین کہتے اس کی آنکھیں بھاری بھاری چومین تھیں۔

وعدہ ہے آپ سے میرے وجود پر صرف آپ کا حق ہو گا۔ اب کیا حکم ہے میرے لیے۔۔ حور نے اپنا ہاتھ چھڑواتے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔۔

میں تمھارے حکم کا پابند ہوں حور۔ جیسے تم کہو۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے حور کے سرد سپاٹ چہرے پر نظر ڈالیء

حور استھزائیہ مسکرائی تھی۔

حکم تو آپ کا چلتا ہے۔۔مجھے اپنے وجود کو ڈھانپنا ھے۔مجھے حویلی جانا ہے ۔۔مجھے شاہ مینشن رہنا ہے۔۔ آپ یہی چاہتے ہیں مین شاہ مینشن رہوں تو میرے لیے یہ خوش نصیبی ہے میں شاہ مینشن رہوں۔ یہاں میری سانسیں چلتی ہیں مگر حویلی میں میرا دم گھٹتا تھا۔ اچھا کیا مجھے یہاں لے ائے۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہتے گاڑی کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

اور ہاں۔۔۔ کل رات کو آپ نے ان سات مہینے کی کسر نکالی تھی۔۔۔۔وہ رات خوبصورت ہوتے شائد آپ کے لیے بدصورت بن گئی ہے۔۔ کیونکہ آپ کا دل بھر چکا ہے۔ جیسے میرا دل بھر آیا ہے۔۔ حور سپاٹ لہجے مین کہتے ہوے گاڑی سے اترتی جلدی سے شاہ مینشن کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

ارحام کافی دیر تک لب بھینچے سٹیرنگ پر ہاتھ جمائے بیٹھا رہا تھا پھر گہرا سانس کھینچتے تھکے تھکے انداز میں گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

ارحام اپنے آفس داخل ہوا تو حیدر خان اس کے آفس میں اظطراری انداز میں اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے ایک ہاتھ میں پسٹل کو گھما رہا تھا۔

ارحام حیدر خان کو دیکھتے استھزائیہ مسکراتے اپنی چیئر کی طرف بڑھا۔

بولو حیدر حاکم خان۔۔۔ یہاں کیوں آئے۔۔ ارحام نے چیئر پر بیٹھتے استھزائیہ انداز میں پوچھا۔

میری بیوی اور بیٹے کہاں ہیں؟؟ حیدر خان نے اپنی سرخ انکھیں ارحام کی آنکھوں میں گاڑھتے پوچھا۔

کون بیوی اور بیٹے؟؟ حیدر حاکم خان کی تو کوئی اولاد ہی نہیں ہے۔۔ مجھے تو آج پتہ چلا وہ بھی حیدر خان کے بیٹے بھی ہیں۔ رہا سوال حیدر حاکم خان کی بیوی کا تو وہ بھی حیدر حاکم خان کی حویلی میں اس کے پاس ہے۔ ارحام چیئر سے ٹیک لگائے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

اپنی بکواس بند کرو۔۔ سیدھی طرح بتاؤ میری بیوی اور میرے بیٹے کہاں ہیں۔۔ ورنہ تمھاری سانسیں میں چھیننے میں پل نہیں لگاؤں گا حیدر چیئر سے اٹھتا دھاڑا تھا۔

بکواس میں نہیں بکواس تم کر رہے ہو۔۔ میرے سامنے یوں دھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ کونسی بیوی کونسے بیٹے۔۔ وہ بیوی جس کا تم نے سات ماہ پتہ نہین کیا وہ زندہ بھی ہے کہ مر گئی ہے۔ اور تمھاری ماں نے تمھاری بیوی کے کردار پر گھٹیا الزام لگائے تم چپ رہے۔۔ بتاؤ مجھے یہ کیسے ہو سکتا

ہے ایک مرد کے ہوتے اس کی عورت کے کردار پر وار کیا جائے۔۔۔کیسے

ہنت

زاران ابرش کے ساتھ سوات کے ایک بہت بڑے مال میں داخل ہوا تھا۔ ابرش سیاہ چادر جو سر سے پیر تک آ رہی تھی۔ اس میں لپٹی تھی۔۔ چہرہ بھی مکمل ڈھانپا ہوا تھا۔

زاران نے نرمی سے اس کی کلائی جکڑے ایک بوتیک میں داخل ہوا تھا۔

زاران کیسا ڈریس لوں؟؟ ابرش نے مختلف ڈریسز دیکھتے زاران سے کہا۔

تم کوئی سا بھی لے لوں بیوی۔۔ ہر ڈریس میں خوبصورت لگو گی۔۔ آج کی رات کے لیے جو مجھے لینا ہے وہ میں خود لے لوں گا۔ زاران نے ابرش کے پردے میں لپٹے وجود پر گہری نگاہ ڈالی تھی۔

ابرش زاران کو مسکراتی شرمیلی نگاہوں سے دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی.

افففف۔۔۔۔ زاران نے ابرش کو نظریں جھکائے دیکھ کر دل پر ہاٹھ رکھا تھا۔

جتنا مرضی شرما لو بیوی۔۔۔۔ آج رات تمھاری شرم اچھی طرح اتار دوں گا۔ تم جانتی ہو ناں تم مجھے بے شرم بہت پسند ہو۔۔ زاران اس کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی آواز میں بولا تو ابرش کھل کھلا کر ہنسی تھی۔

زاران اسے ہنستا دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔

ابرش مسکراتی ہوئی ڈریسز سیکشن کی طرف بڑھی تھی۔۔

ایک خوبصورت میرون کلر کی میکسی نکالتے ابرش نے زاران کو دکھائی جو فون سننے میں مصروف تھا۔

زاران یہ کیسی ہے؟؟ ابرش نے اپنے ساتھ لگاتے زاران کو کہا۔ زاران نے مسکراتے ہوے اوکے کا اشارہ دیا۔

زاران یہ ٹرائی کرلوں میں؟؟ ابرش نے زاران سے پوچھا جو فون پر بری طرح مصروف تھا۔۔

زاران کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ ٹرائل روم کی طرف بڑھی تھی۔

ابرش نے ٹرائل روم میں داخل ہوتے اپنی چادر اتار کر سائیڈ پر رکھی تھی ۔اس نے ابھی وہ میرون ڈریس ٹرائے ہی کی تھی

ٹرائل روم کا دروازہ دھڑ دھڑ بجا تھا۔۔

ابرش نے حیرت سے دھڑ دھڑ بجتے دروازے کو دیکھا جیسے باہر قیامت آگئی تھی.

دروازہ کھولو۔۔۔زاران کی بھاری آواز پر ابرش نے جلدی سے دروازہ کھولا۔۔

ابرش کو میرون ڈریس میں دیکھ کر زاران نے قہربار نگاہ اس کے وجود پر ڈالی

۔

کیا ہوا زاران ؟؟زاران کو سرد سرخ نگاہوں کو دیکھ کر ابرش نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

زاران اندر داخل ہوتا دروازہ لاک کر چکا تھا۔ کس نے کہا یہاں یہ ڈریس ٹرائے کرو۔۔ زاران نے اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھورا۔

زاران کیا مطلب ؟؟ میں نے آپ سے پوچھ کر ٹرائے کیا ہے۔

اور یہ ٹرائل روم ہے یہاں ڈریسز ٹرائے ہی کیے جاتے ہیں۔

ابرش نے پریشانی سے وضاحت دی۔

مین نے کب تمھیں کہا کہ یہ ٹرائے کرو۔۔۔ زاران نے غصے سے گھورا تھا

آپ فون پر بات کر رہے تھے۔۔ مم میں نے تم سے پوچھا تھا۔ آپ ۔۔۔ تم۔۔۔ نے۔۔ مجھے اشارے سے آجازت دی تھی۔ زاران کو اتنے غصے میں دیکھ کر ابرش کا لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔

زاران نے خود پر قابو پاتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ مسلی۔۔

چینج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اسے ہی پہنے رکھو چادر اوڑھو باہر آؤ میں اس ڈریس کی پیمنٹ کرتا ہوں۔۔زاران سختی سے کہتا ٹرائل روم کا دروازہ کھولتا باہر نکلا۔

ابرش اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوئے چادر اچھی طرح خود پر اوڑھتے باہر آئی۔۔

زاران اس کے لیے کچھ اور ڈریسز سلکیٹ کر کے پیمنٹ کر چکا تھا۔۔وہ ڈریسز پکڑتا بوتیک سے باہر آیا۔۔

ابرش نے بھیگی آنکھوں سے زاران کے سرد سرخ چہرے پر نظر ڈالی تھی.

زاران۔۔۔۔ستارہ کی پکار پر ابرش کے قدم ٹھہرے تھے۔۔زاران کے بھاری قدم بھی رکے تھے

وہ وائٹ کلر کی جینز پر وائٹ جرسی ٹائپ گھٹنوں تک آتے ٹاپ میں ملبوس تھی۔۔

کندھوں تک آتے سلکی بال کھلے تھے۔۔وہ مسکراتے ہوے زاران کی طرف بڑھی تھی۔

زاران نے ایک نظر ابرش کو دیکھا جس کی آنکھوں میں گلابی پن آن ٹھہرا تھا۔

زاران اپنی کنپٹی مسلتے ستارہ کی طرف بڑھا۔

کیسے ہو زاران؟؟ستارہ نے زاران کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

ابرش اپنی مٹھی بھینچتی منہ پھیر گئی تھی۔

میں ٹھیک ہوں زاران نے بھی جوابًا ہاتھ بڑھایا۔۔

تم یہاں کیسے ؟؟زاران نے ستارہ سے پوچھا۔۔ آج رات عبدالحق کے بنگلے میں پارٹی ہے۔میں بھی انوائٹڈ ہوں۔۔ستارہ کی بات پر زاران چونکا تھا۔

آج عبدلحق کے بنگلے پر پارٹی ہے لیکن یہ بات مجھے نہیں پتہ۔۔زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے ستارہ کو دیکھتے کہا۔۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے زاران۔۔عبدالحق تمھیں انوائٹ نہ کرے۔۔ستارہ نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔۔

ستارہ تم آج عبدلحق کے بنگلے میں نہیں جاؤ گی۔مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔۔کہیں عبدالحق کو ہم پر شک نہ ہو گیا ہو۔۔تمھیں میرے گارڈز بحفاظت اسلام آباد پہنچا دیں گے۔۔اور عبدلحق کا ڈراپ سین اگلے ہفتے نہیں بلکہ اب کل ہو ہو گا میرے بنگلے میں۔۔۔زاران کی بات پر ستارہ خان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

میں چلتا ہوں۔۔ زاران نے کہتے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا جہاں ابرش رخ موڑے کھڑی تھی۔۔

زاران ستارہ سے خدا حافظ کرتا برش کی طرف بڑھا۔ چلو زاران نے نرمی سے ابرش کا ہاتھ تھاما تھا۔۔

کہاں لگ کر جا رہے ہیں؟؟ ابرش نے زاران کو دیکھتے پوچھا۔

حویلی چل رہے ہیں۔۔ تم نے ڈریسز زلینے۔ تھے۔ وہ لے لیے۔۔ زاران اس کی بھیگی انکھوں کو دیکھتے بغور بولا تھا

یقیناً مجھے حویلی چھوڑ کر تمھیں اپنی کسی میٹنگ کے لیے نکلنا ہو گا۔ ابرش نے استھزائیہ انداز میں پوچھا تھا۔

ہاں میری ایک چھوٹی سی میٹنگ ہے میں رات کو جلدی آجاؤں گا۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ تو آپ آہی جائیں گے آپ کی میٹنگ خود چل کر اسلام آباد سے یہاں آ گئی ہے۔ابرش بھیگے لہجے میں کہتے تیزی تیزی سے ایک جیولری شاپ کی طرف بڑھی تھی۔

زاران اپنی کنپٹی مسلتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پاتے ابرش کے پیچھے جیولری شاپ میں داخل ہوا تھا۔

ابرش اپنے سامنے رکھے مختلف گولڈ کے سیٹس دیکھ رہی تھی۔۔زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر دوڑائی۔ابرش پچھلے ایک

گھنٹے سے مختلف جیولری سیٹس نکوا رہی تھی۔۔ پسند ایک بھی نہین کیا تھا۔ نہ اس سے اس کی پسند کا پوچھ رہی تھی۔۔ وہ جانتا تھا وہ ستارہ خان کی وجہ سے اس سے ناراض ہو چکی ہے اور جان بوجھ کر اب لیٹ کر رہی تھی۔۔ تاکہ وہ آج رات میٹنگ کے لیے نہ جا سکے۔۔

میم آپ کو کیا چاہیے ؟؟ ہم ویسا آپ کی پسند کا دکھا دیتے ہیں۔۔ سیلز مین شائد جھنجھلا گیا تھا۔۔ اس نے کاونٹر پورا بھر دیا تھا۔۔۔ شاپ کا ہر بھاری سیٹ اور مختلف سیٹس ابرش کے سامنے رکھے تھے۔۔ وہ ایک نظر دیکھتے پیچھے کر لیتی۔۔

زاران جس سیٹ پر ہاتھ رکھتا اس کی طرف تو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔۔

ابرش ان میں سے جو پسند ہے وہ لو۔۔ حویلی واپس چلنا ہے۔۔ کافی لیٹ ہو چکے ہیں۔۔ زاران نے اس کی طرف جھکتے دانت پیسے تھے۔۔

اس شاپ کا سب سے مہنگا سیٹ کتنے کا ہے۔ ابرش نے سیلز مین سے پوچھا۔

جی میم۔۔۔ سیلز مین حیران ہوا تھا۔

ابرش تمھیں جو پسند ہے وہ لے لو۔۔ مہنگا سستا کیوں پوچھ رہی ہو۔۔ زاران نے ابرش کو گھورتے مدھم آواز میں کہا۔

آپ نے جتنے بھی مجھے سیٹ دکھائے ہیں۔ یہ سارے پیک کر دیں۔ ابرش نے سیلز مین کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جی میم۔۔۔ سیلز مین مزید حیران ہوا تھا۔ یہ ساری جیولری تقریباً پندرہ کڑوڑ کی تھی۔

زاران گہرا سانس لیتا سیدھا ہوا تھا۔

ٹھیک ہے یہ سب پیک کر دو۔۔۔زاران نے اپنا کریڈٹ سیلز مین کی طرف بڑھایا۔

ابرش زاران کو دیکھتے بھیگی نگاہوں سے رخ پھیر گئی تھی۔۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو تمام جیولری سیٹ کپڑے زمین پر پڑے تھے ۔۔وہ کمرے میں نہیں تھی۔زاران نے لب بھینچتے جیولری سیٹ اٹھاتے ہوئے بیڈ پر رکھے تھے۔ایک جھٹکے سے وہ اس کا بینک بیلنس آدھا کر کے بھی خوش نہیں تھی۔زاران نے غصے سے واش روم کے بند دروازے کو گھورتے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر دے مارا۔وہ بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا ابرش کو کیسے ہینڈل کرے۔اگر وہ اسے ستارہ خان کی سچائی بتاتا تو کیا وہ سمجھتی۔۔ہزاروں مرتبہ پلوشہ کے بارے میں

صفائیاں دینے کے باوجود وہ سمجھی نہیں تھی۔ اسے ذرا بھی خبر ہو گئی کہ وہ ستارہ خان سے تنہائی میں بنگلے پر ملتا رہا ہے اور اس کے اور ستارہ خان کے بارے میں میڈیا میں مختلف خبریں بھی گردش کر رہی ہیں وہ دونوں ریلیشن میں ہیں۔ کیا وہ اس پر یقین کرے گی وہ سمجھ پائے گی یہ سب کچھ الٹا وہ اس کی ساری سچائی اس کے منہ پر مار کر وہی سوچے گی جو وہ سوچنا چاہتی ہے۔

افففف۔۔۔ زاران نے صوفے پر بیٹھے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں ۔۔ عبد لحق کچھ تو ایسا کر رہا تھا جو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔

زاران پریشانی سے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ہوئے تھا عبد لحق بہت خطرناک آدمی تھا بہزاد سے بھی کئی گنا۔ یقیناً اس کی اور ستارہ کی جان کو خطرہ بھی تھا۔ ستارہ خان کو سوات بلوانے کا مقصد بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا ۔۔ اب وہ خود اسلام آباد کیسے جائے گا۔ یقیناً عبد لحق نے اس پر نظر رکھی

ہوئی ہے۔۔اس سے پہلے عبد لحق کچھ کرے اسے اپنا داؤ پیچ کھیلنا تھا۔وہ بری طرح پھنس گیا تھا۔وہ اب کسی صورت پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو عبد لحق اس کی جان لے کر ہی چھوڑتا۔

افففف۔۔۔۔۔یہ سب کیسے ہو گا؟؟زاران نے جھنجھلاتے ہوئے مکہ ٹیبل پر مارا تھا۔

اسی لمحے ابرش واش روم سے باتھ گاؤن میں بھیگی زلفوں سے باہر آئی تھی۔۔

زاران کی نظریں اس پر اٹھیں۔ابرش کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔آنکھوں کی رنگت میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔یقیناً وہ باتھ روم میں شاور لیتے روتی رہی تھی۔

زاران نے بری طرح جبڑے بھینچتے سر نفی میں ہلاتے اپنی پچھلی گردن رب کی۔۔

زاران صوفے سے اٹھتا ابرش کے مقابل آیا۔۔

ابرش ستارہ خان جسٹ میری پارٹی کی میمبر ہے۔ تمھیں بتا چکا ہوں سب کچھ۔۔۔ پھر یہ رونا دھونا کیوں؟؟ زاران نے ابرش کے سرخ سفید چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

یہ رونا اس لیے کیونکہ پاکستان کا مسٹر زاران خانزادہ اپنی بیوی کو سر سے پاؤں تک چادر میں چھپا کر رکھتا ہے۔ ٹرائل روم میں بیوی کے کپڑے ٹرائے کرنے پر وہ غصے سے پاگل ہو جاتا ہے یہاں تک اپنی بیوی کو بتانا بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ وہ یوں آچانک غصے سے پاگل کیوں ہو گیا ہے۔ وہیں مسٹر خانزادہ سر عام اپنی پارٹی کے میمبر سے فخریہ ہاتھ ملاتا ہے۔ اور اپنی بیوی

سے ایکسپیکٹ کرتا ہے کہ وہ اس بات پر ری ایکٹ بھی نہ کرے۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے استھزائیہ انداز میں سوال کیا۔

بیوی نے اچھا خاصہ ری ایکٹ کیا ہے۔ ایک ہی لمحے میں شوہر کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے اور کیسے ری ایکٹ کرے یہ معصوم بیوی اور کیسے وضاحت دے اپنی محبت کا یہ معصوم شوہر۔۔۔ زاران اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

کاش تم سمجھ سکتے مجھے تم سے کیا چاہیے ؟؟ ابرش نے زاران کو زخمی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

کیا چاہیے تمھیں مجھ سے مجھے اچھی طرح پتہ ہے زاران اس کی گردن میں منہ چھپاتے ابرش کے گیلے بدن کی مہک اپنے اندر اتارتے گھمبیر تا لہجے میں بولا۔

مسٹر خانزادہ تم وہاں رومانٹک ہو جاتے ہو جہاں ہونا نہیں چاہیے۔۔ جہاں نہیں ہونا چاہیے وہاں رومانٹک ہو جاتے ہو۔ تم انجان کیوں بن جاتے ہو مجھے تم سے جو چاہیے وہ کیوں نہیں دیتے۔ ابرش زاران کی بات پر زخمی سا ہنستے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

تم خود ہی بتادو مسسز خانزادہ تمھین کیا چاہیے اور وہ دنیا کے کس کونے سے ملتا ہے خرید کر تمھارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ زاران کا لہجہ طنزیہ ہوا تھا۔

ابرش زاران کے طنز پر زخمی سا مسکراتی ہوئی اس سے علیحدہ ہوئی زاران اسے کمر سے تھامے پھر سے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

میرا انتظار کرنا۔۔ ڈریسنگ روم میں تمھارے لیے کچھ سپیشل رکھا ہے میں چاہتا ہوں میرے آنے پر تم مجھے وہ پہن کر ملو۔۔۔ تمھیں سر سے پیر تک

چوم کر تمھارے سارے گلے شکوے دور کر دوں گا۔ زاران اسے کمر سے جکڑے قریب کرتے بولا۔۔

ایسے ہوتے ہیں گلے شکوے دور۔۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں مسکراتے ہوے پوچھا۔

میرے نزدیک تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم میرے قریب ذرا سا آجاؤ میرے اندر تمھارے لیے موجود ہر کڑواہٹ مٹھاس میں بدل جاتی ہے۔ زاران اسے بغور دیکھتا اس کے لبوں پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

یعنی تمھارے دل میں ابھی بھی میرے لیے کڑواہٹ ہے۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کرتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں سختی سے جکڑی۔

ہوتی تو تمھیں امریکہ سے اپنے پاس واپس نہ لاتا۔۔یہی تو اس پاک بندھن کی خوبصورتی ہے۔۔ جسموں کے ملاپ سے سے دلوں کی کڑواہت تک ختم ہو جاتی ہے۔زاران اس کی گردن میں اپنی گھنی بئیرڈ سختی سے رب کی تھی۔ابرش سسکتے ہوے اس سے دور روئی تھی۔۔

میری خوبصورت بیوی۔۔۔۔مت جلایا کرو اپنا خون میں صرف تمھارا ہوں۔۔مرتے دم تک تمھارا رہوں گا۔زاران اس کی بھیگی آنکھوں کو نرمی سے چوم گیا تھا۔

مرنے کے بعد بھی صرف میرے رہو گے۔میں تو ستر حوروں کو بھی تمھارے پاس نہیں آنے دوں گی۔یاد رکھنا تم۔۔۔ابرش اس کی شرٹ پکڑے اسے اپنے قریب کر گئی تھی۔۔

اتنا ظلم مسسز خانزادہ۔۔۔۔۔یہاں بھی ایک وہاں بھی ایک۔۔کم سے کم ستر نہیں چار کو ہی میرے قریب آنے دے دینا۔زاران نے اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ایک عورت کی قربت تمھارے لیے ظلم ہے کیا؟؟چار عورتوں میں ایسا کیا ہو گا جو میرے پاس نہیں ہے۔ایسا بھی کیا وہ تمھیں دے سکتی ہیں جو میں نہیں دے سکتی۔۔ابرش کے آنکھوں کے گلابی پن نے شدت اختیار کی تھی

۔۔

افففف میری پوزیسیو بیوی۔۔۔۔۔یہ مسٹر خانزادہ جائے تو آخر کہاں جائے؟؟میری۔۔زاران نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

میری پوزیسیونیس تو دکھائی دیتی ہے تمھیں۔ میری شدید محبت نہیں دکھائی دیتی تمھیں۔ ابرش نے شبنمی لہجے میں سوال کرتے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔۔

تمھاری شدید محبت میں آج رات بیڈ پر دیکھ لوں گا۔۔ آج مجھے اپنی وائف کی طرف سے وائلڈ رومانس چاہیے جس طرح کا وائلڈ عشق کرتی ہے مجھ سے۔۔۔ زاران اس کے عارض پر شدت سے دانت گاڑھ گیا تھا

ابرش نے سسکی بھرتے عارض پر ہاتھ رکھا تھا۔ زاران مسکراتے ہوے اسے اپنی بانہوں سے آزاد کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

زاران۔۔۔ تمھاری میٹنگ ستارہ خان کے ساتھ ہے کیا؟؟ ابرش کے سوال پر اس کے قدم رکے تھے۔۔

زاران نے اس کے سوال پر گہرا سانس لیا تھا۔۔ نہیں زاران ایک لفظی جواب دیتا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے گہرے سانس لیتے اپنے لرزتے وجود پر قابو پایا۔۔

ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے وہ زاران کے فون کی طرف متوجہ ہوئی جو وائبریٹ ہوا تھا۔

اس نے بے یقینی سے موبائل پکڑ کر دیکھا جہاں ستارہ خان کے میسج کی نوٹیفیکشن تھی۔۔۔

وٹینگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میسج پڑھتے ابرش کے بدن کی لرزاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔وہ موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے جلدی سے واش روم کی طرف بڑھتے شاور آن کرتے وہ شاور کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔

بہارے نیوی بلو کلر کی خوبصورت سی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر خوبصوت سی مرینہ گرم بلوشال سر پر اچھی طرح اوڑھی ہوئی تھی۔۔

لمبے چاکلیٹی سلکی بال شال کے نیچے سے اپنی جھلک دکھا رہے تھے.

۔۔ہونٹوں پر گلابی شائینگ پنک لپ گلوز لگائے ہوے تھی. آنکھوں میں گہرا کاجل لگائے ہوے تھی۔ پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیا ہوا تھا۔وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ہاسپٹل کے آحاطے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے گرد اوڑھی ہوئی بلیک چادر اتار دی تھی۔۔

اسے آج صبح ہی خبر مل گئی تھی کہ شہرام آج صبح صبح اسٹریلیا سے واپس آ گیا تھا مگر وہ حویلی نہیں پہلے ہاسپٹل آیا تھا۔ جب سے اسے پتہ چلا تھا وہ کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔۔ بہارے تیز تیز قدم اٹھاتی کوریڈور سے ہوتی سٹاف روم میں داخل ہوئی تھی۔۔۔

سٹاف روم میں بیٹھی بہت سی ڈاکٹر بہارے کو دیکھ کر کھڑی ہوئی تھیں۔

ویلکم ڈاکٹر بہارے۔۔۔ ڈاکٹر ماہم نے مسکراتے ہوئے بہارے سے ہاتھ ملایا۔

تھینکیو۔۔۔ ڈاکٹر ماہم۔۔۔۔ بہارے مسکرائی تھی۔

ڈاکٹر بہارے آپ تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہوں۔ماں بننا سچ میں ایک خوبصورت احساس ہوتا ہے۔۔ڈاکٹر عنیزہ بہارے کو دیکھتے رشک سے بولی۔۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماں بننے سے زیادہ خوبصورت احساس کوئی نہیں ہوتا۔۔ مگر افسوس یہ خوبصورت احساس کوئی کوئی ہی محسوس کرتا ہے۔۔ماں بننے کے بعد خوبصورت لمحات ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتے۔۔ بہارے زخمی لہجے میں بولتی مسکرائی تھی۔۔

بہارے کی بات پر ڈاکٹر عنائزہ اور ڈاکٹر ماہم نے ایک دوسرے کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

اسی لمحے شہرام اندر داخل ہوا تھا۔

بہارے کو یہاں دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں تھیں۔ بہارے اسے دیکھتے نگاہیں پھیر کر رہ گئی تھی۔ شہرام اس پر سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔

وہ پورے دس دن بعد اسے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ جس حال میں اسے چھوڑ کر گیا تھا وہ تو وہ والی بہارے بلکل نہیں لگ رہی تھی۔۔ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت۔۔ رخصتی سے پہلے والی بہارے لگ رہی تھی۔۔ اس سے بھی کئی گنا زیادہ خوبصورت۔۔۔۔۔ شہرام نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔۔ شہرام کو اپنے دل میں بہارے کے لیے وہی جذبات پھوٹتے محسوس ہوے تھے جو رخصتی سے پہلے تھے۔۔ ویسی ہی دیوانگی محسوس کر رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس نے کبھی بہارے کو چھوا ہی نہیں۔ ویسے ہی وہ

اسے دیکھتے تڑپ اٹھا تھا۔ شہرام کو یوں دیوانوں کی طرح دیکھنے پر ڈاکٹر عنیزہ اور ڈاکٹر ماہم کے لبوں پر ذو معنی مسکراہٹ بکھری تھی۔۔

بہارے سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بے رخی سے کھڑی تھی۔

شال پھسلتی کندھوں پر آئی تھی۔۔۔ بہارے کے بھیگے کھلے بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ اس نے اپنی شال دوبارہ سر پر لینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ شہرام یہ دیکھ کر بھڑ بھڑ جلا تھا

شہرام نے خود پر قابو پاتے اپنی نگاہوں کا رخ ڈاکٹر عنیزہ اور ڈاکٹر ماہم کی طرف کیا۔۔۔

ڈاکٹر ماہم ہاسپٹل کے تمام ڈاکٹرز کو اگاہ کریں کہ آدھے گھنٹے تک میٹنگ روم میں جمع ہوں۔۔ دس دن یہاں نہیں تھا یہاں کی ہواؤن نے رخ ہی بدل ہی لیا ہے۔۔۔ اور مجھے بدلتی ہواؤں کا رخ بلکل پسند نہیں آیا۔۔ شہرام نے چبھتی نگاہ بہارے پر ڈالتے کہا تھا۔ بہارے کا اتنا تیار ہو کر ہاسپٹل آنا چبھا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ کھلے بالوں کے ساتھ ہاسپٹل میں کھڑی تھی۔۔ اس نے کبھی اس پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ مگر اس کے کھلے بال وہ کسی کے سامنے پسند نہیں کرتا تھا اور وہ خود بھی اس بات کا خیال رکھتی تھی۔ اپنے سر سے دوپٹہ اترنے نہیں دیتی تھی مگر آج تو اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔۔

جی سر۔۔۔۔ ڈاکٹر ماہم نے اثبات میں سر ہلایا۔

دس منٹ مطلب۔۔۔۔ دس منٹ۔۔۔۔۔۔ بہت سی شکائیتیں ملی ہیں مجھے آپ سب کی۔۔۔ جلدی سے سب جمع ہوں۔۔ شہرام سختی سے کہتا دروازے کی جانب بڑھا۔۔

اور ہاں ڈاکٹر بہارے۔۔۔۔۔ آپ مجھے دس منٹ سے پہلے میرے آفس میں ملیں۔۔ شہرام نے دروازے کے پاس رکتے ہوے حمکیہ لہجے میں کہا۔۔

بہارے کا سرد سپاٹ ری ایکشن دیکھتے شہرام کا پارہ ہائی ہوا۔۔

میں آپ سے بات کر رہا ہوں ڈاکٹر بہارے۔۔۔ شہرام کا سرد لہجہ اونچا ہوا تھا۔

اوکے سر۔۔۔۔ ملتی ہوں آپ سے۔۔ بہارے لفظ چباتے شہرام کو دیکھتی اس کے قریب سے گزرتے دروازہ کھولتے باہر نکل گئی تھی۔ شہرام

جسمجھلاتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اس کے پیچھے گیا تھا۔۔ مگر کوریڈور میں اس کا نام ونشان نہیں تھا۔۔ شہرام اس کی اتنی عجلت پر غصے سے بل کھا کر رہ گیا تھا۔ شہرام خود پر قابو پاتے اپنے آفس کی طرف بڑھا تھا۔۔

شہرام میٹنگ روم میں بیٹھا بہارے کا انتظار کر رہا تھا۔ جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔۔ تمام ڈاکٹر آچکے تھے مگر وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔۔۔

وہ پچھلے دس منٹ سے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بہارے کا انتظار کر رہا تھا۔

ڈاکٹر آیزل ڈاکٹر شمروز ڈاکٹر مارو اڈاکٹر دانیال۔ڈاکٹر عنیزہ ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر سبین ڈاکٹر مصطفی اس وقت جو ڈاکٹر بھی ڈیوٹی پر موجود تھے۔سب ہی میٹنگ روم میں موجود تھے سوائے بہارے کے۔۔وہ آفس میں بھی اس سے ملنے نہیں آئی تھی۔۔تمام ڈاکٹرز ایک دوسرے کو دیکھتے شہرام کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھ رہے تھے۔۔

اسی اثناء میں بہارے میٹنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

شہرام اسے دیکھتا چیئر پر سیدھا ہوا تھا۔

Dr bahary sit here

بہارے کو سامنے بڑھتا دیکھ کر شہرام نے اسے سنجیدگی سے پکارتے اپنی ساتھ والی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

I think i more comfortable here

بہارے شہرام کے ساتھ والی خالی چیئر کے ساتھ ڈاکٹر آیزل کو بیٹھا دیکھ کر سرد لہجے میں بولتی ڈاکٹر فرقان کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی تھی. بہارے کی بات پر شہرام کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ بہارے کو ڈاکٹر فرقان والی سیٹ کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر شہرام نے بمشکل ہی خود پر قابو پایا تھا۔

تمام ڈاکٹر یہ سب دیکھتے اپنی اپنی کرسیوں پر الرٹ ہو کر بیٹھے تھے۔۔ شہرام کے غصے سے سب بخوبی واقف تھے۔۔

اس کے چہرے میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی دیکھ کر سب کے چہرے سنجیدہ ہوے تھے۔۔

مجھے بتا سکتے ہیں آپ ڈاکٹر شمروز۔۔۔میرے دس دن ہاسپٹل میں نہ ہونے سے ایسا کیا ہو گیا کہ یہاں کے پیشنٹس اور کچھ جونیر ڈاکٹرز کو مسائل ہونے لگے۔۔

مجھے دس منٹ نہیں ہوے تھے ہاسپٹل میں داخل ہوے جتنی مجھے شکایت موصول ہوئی ہیں۔۔پیشنٹ سے لے کر ڈاکٹر تک۔۔۔وارڈ بوائے سے لے کر گیٹ پر کھڑے چوکیدار تک کو شکایت تھیں۔۔اور یہ فائلز دیکھیں یہ ریکارڈ دیکھیں سب ڈاکٹرز کا ان دس دنوں میں سب ڈاکٹرز نے ایک ایک چھٹی تو کی ہے۔۔کیا ہے یہ سب؟؟شہرام نے غصے سے فائل ٹیبل پر پٹخی تھی۔

شہرام ایسی بات نہیں ہے۔۔ڈاکٹر شمروز وضاحتی انداز میں بولتے سیدھے ہوے تھے۔

تو پھر کیسی بات ہے ڈاکٹر شمروز۔۔۔۔ آپ سینیر ہیں میرے بعد یہ ہاسپٹل آپ کے حوالے تھا مگر پھر بھی اتنا پور ریزلٹ۔۔

i m very disapointed

شہرام لفظ چباتے ہوے بولا۔۔

شہرام کے انداز پر ڈاکٹر شمروز لب بھینچے خاموش ہو گئے تھے۔

لیکن سر اس میں ڈاکٹر شمروز کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ آپ پر اعتماد بہت کرتے ہیں۔ ہم سب ڈاکٹرز کی کاسٹ زبان سب کچھ یہاں کے لوگوں سے الگ ہے۔ اور جہاں تک چھٹی کرنے کی بات ہے۔ جب کسی ڈاکٹر نے چھٹی کی ہے تو ڈاکٹر شمروز نے اس دن ڈبل ڈیوٹی دی ہے۔۔ ڈاکٹر فرقان نے سنجیدگی سے وضاحت دی۔۔

کاسٹ زبان الگ ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔۔ اعتماد دلانا پڑتا ہے اگر یہاں کے لوگ آپ ڈاکٹرز پر اعتبار نہیں کریں گے تو کس پر کریں گے۔۔ مگر زندگی میں ہر جگہ پر سیریس ہونا پڑتا ہے۔۔ فضول کے جوک سنا کر اپنی عزت نہیں گھٹائی جاتی۔۔ شہرام نے شعلہ بار لہجے میں ڈاکٹر فرقان کو گھورا تھا۔

ڈاکٹر فرقان کا چہرہ شدید سرخ پڑا تھا۔۔ وہاں بیٹھے تمام ڈاکٹرز کے چہرے حد تک سنجیدہ ہوے تھے۔ ڈاکٹر فرقان کی انسلٹ کسی کو پسند نہیں آئی تھی۔۔

اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا ہاسپٹل آپ کے بغیر کوئی نہیں سنبھال سکتا تو آپ کو یہاں سے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ آئی تھنک ڈاکٹر فرقان بلکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اعتماد کسی سیپسفک پرسن پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کے لوگ آپ پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ آپ نے ان کا اعتماد نہیں توڑا ابھی

تک۔۔۔ جس دن وہ اعتماد ٹوٹ گیا وہ آپ پر بھی اعتماد نہیں کریں گے۔ بہارے نے سنجیدگی سے شہرام کو دیکھتے کہا۔

بہارے کی بات پر شہرام کی رنگت میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی تھیں ۔اس کے لبوں سے ڈاکٹر فرقان کا نام اس کے اندر شعلے دہکا گیا تھا۔ وہ اس کی بیوی ہوتے سب ڈاکٹرز کے سامنے اس کے مخالف جا رہی تھی۔۔

میٹنگ روم میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔۔

ڈاکٹر شمروز اس ہاسپٹل کو اب آپ نے ہی دیکھنا ہے۔۔ میرے اب پاکستان اور ابروڈ کے چکر لگتے رہیں گے۔۔ پاکستان اور یہاں کے لوگوں سے میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے۔۔ شہرام بہارے کو سرد نگاہوں سے دیکھتا وہاں سے واک اوٹ کر گیا تھا۔۔

شہرام کے بھاری قدموں کا رخ جنرل وارڈ کی طرف تھا۔ وہ اس وقت بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوا تھا جس پر بلو سلیو لیس سویٹر پہنے ہوے تھا۔ شہرام کا چہرہ سرد اور سنجیدہ تھا۔

۔وہ جب سے ہاسپٹل آیا تھا اسے شکائتیں موصول ہو رہی تھیں۔ اس لیے اس نے پورے ہاسپٹل کا راؤنڈ لیا تھا۔۔ وہ بل وہ بچوں کے جنرل وارڈ میں داخل ہوتے اس کے بھاری قدم دروازے کے پاس رکے تھے۔۔۔ سفید رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ وہ سختی سے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

بہارے ڈاکٹر فرقان کے قریب کھڑی ہاتھ میں پکڑی فائل پر کچھ ڈسکشن کر رہی تھی۔۔ ڈاکٹر فرقان بہارے کے چہرے پر نگاہیں جمائے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔۔ شہرام کے خون میں بھانبھڑ سے جلے تھے۔۔ اسے کبھی اس

طرح ڈاکٹر فرقان سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جب بھی دیکھا تھا اسے ڈاکٹر فرقان کو سخت سست سناتے ہی دیکھا تھا۔ پہلے میٹنگ روم میں ڈاکٹر فرقان کی سائیڈ لینا اور اب وہ جس طرح ڈاکٹر فرقان کے سامنے کھڑی تھی یہ شہرام کا خون رگوں میں بھڑکا چکا تھا۔۔ ڈاکٹر فرقان کے دل میں بہارے کے لیے جذبات تھے اس وجہ سے وہ ڈاکٹر فرقان کے سامنے کھڑی بلکل برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔ آج پہلی بار بہارے کا وجود ہاسپٹل میں برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

شہرام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا وارڈ کے اندر داخل ہوتے مختلف پیشنٹس کی طرف بڑھا تھا۔۔

وہ ایک بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر اس پیشنٹ اور اس کی مدر سے بات کر رہا تھا کہ بہارے کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔۔ شہرام نے مٹھیاں بھینچے خود پر

بمشکل قابو پایا تھا۔۔ شہرام کی سلگتی نگاہیں بہارے پر بے اختیار اٹھیں تھیں اس کے سر سے سرکتی شال کندھے پر آئی۔ شہرام کی آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔ وہ اسی لمحے وہ شال سر پر جما چکی تھی۔

وہ غصے سے بہارے اور ڈاکٹر فرقان کی طرف بڑھا تھا۔

ڈاکٹر بہارے آپ مجھے آفس میں ملیں۔ شہرام نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے بہارے کو سرد نگاہوں سے گھورتے سے حکم دیا تھا۔

بہارے سنجیدگی سے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

میں آپ سے کہہ رہا ہوں ڈاکٹر بہارے مجھے میرے آفس میں آکر ملیں۔ شہرام غصے سے لفظ چباتے غرایا تھا۔۔

جی۔۔۔۔ بہارے نے فائل کی طرف دیکھتے کہا۔۔

دو سیکنڈ میں آپ آفس میں ہوں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ شہرام ڈاکٹر فرقان کو گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

شہرام اپنے آفس میں طیش والم میں چکر لگا رہا تھا۔ دل میں جلتے بھانبھڑ شعلوں کی لپیٹ میں تھے۔ بات اس کا کسی میل ڈاکٹر سے بات کرنا نہیں تھی بلکہ ڈاکٹر فرقان سے بات کرنا تھی جو اس کی بیوی کے لیے اپنے دل میں جذبات رکھتا تھا۔ وہ جس طرح ڈاکٹر فرقان سے ہنس کر بات کر رہی تھی ۔۔ وہ اس کے اندر ایندھن دہکا چکے تھے۔ اس کی شال بار بار سر سے سرک رہی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا اس کی شال یوں سر سے سرک جائے۔۔ وہ اپنی چادر کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ سر سے چادر سرکنے کا مطلب تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر سرکائی۔ ہو۔

کیسے کر سکتی ہے وہ ایسا؟؟ شہرام ٹیبل پر مکہ مارتا غرایا تھا۔۔

شہرام کو یاد آیا تھا رخصتی سے پہلے اس نے اسے جلانے کے لیے اپنے کالج ایسے ہی اپنے کولیگ کے سامنے اس نے سر سے دوپٹہ اتار کر اسے جلایا تھا۔۔

شہرام وہ یاد کر کے سلگ کر رہ گیا تھا یعنی وہ اسے آج بھی جلا رہی تھی۔۔ وہ جان بوجھ کر ڈاکٹر فرقان سے بات کر رہی تھی۔ اس کے سر سے بار بار شال کا ڈھلکنا بھی جان بوجھ کر تھا۔۔ شہرام کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔

شہرام نے ٹیبل پر ہاتھ مارتے سامنے لگی وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائیں۔ دس منٹ ہو گئے تھے وہ ابھی نہیں آئی تھی۔۔ شہرام نے منہ پر ہاتھ پھیرتے گہرے سانس لیے تھے۔۔

دوسرے ہی لمحے وہ آفس سے نکلتا تیز تیز قدموں سے جنرل وارڈ کی طرف بڑھا تھا۔۔

جنرل وارڈ میں داخل ہوتے شہرام کے پورے بدن میں آگ دہکی تھی وہ ابھی بھی ڈاکٹر فرقان کے پاس کھڑی بات کر رہی تھی.

شہرام تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا اس کی کلائی جکڑے وہ تیزی سے جنرل وارڈ سے نکلا۔۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے اپنی کلائی چھڑواتے ہوے دبے انداز میں چلائی تھی۔۔

ششش۔۔۔ شہرام نے پلٹتے ہوے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوے اسے سرخ نگاہوں سے دیکھتے خاموش رہنے کو کہا۔

بہارے اس کی سرد سرخ آنکھوں کو دیکھتے خاموش ہوئی تھی۔۔سینے میں دبتی سانسیں کچھ پلوں کے لیے خاموش ہوئی تھی۔اس کے غصے میں رخصتی سے پہلے والے شہرام کی جھلک تھی۔۔جسے وہ برااشت نہیں کر سکتی تھی۔۔

شہرام اس کی کلائی سختی سے دبوچے آفس کی طرف بڑھا تھا۔۔

آفس میں داخل ہوتے ہی شہرام نے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے اسے دروازے کے ساتھ پٹخا۔

شہرام کیا ہوا ہے؟؟یہ کیا طریقہ ہے مجھے ایسے کھینچ کر لانے کا سب کیا سوچ رہے ہوں گے شہرام۔۔۔بہارے شہرام کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی.

وہی سوچ رہے ہوں گے جو تم سب کو دکھانا چاہتی تھی۔

یعنی سب سوچ رہے ہوں گے شہرام خانزادہ اپنی بیوی کو اس لیے کلائی سے دپوچتے ہوے وہاں سے لایا ہے کیونکہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر مرد سے بات کرتا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکا۔ اس کی غیرت جوش مارنے لگی۔۔ اور وہ اپنی بیوی کی کلائی پکڑے وہاں سے لے آیا۔

شہرام غصے سے دھاڑا تھا۔

ڈاکٹر فرقان میرے کولیگ ڈاکٹر ہیں میں صرف ان سے آفیشلی بات کر رہی تھی. بہارے نے شہرام کی دھاڑ پر وضاحت دی۔۔

اچھا۔۔۔۔۔۔شہرام استھزائیہ ہنسا تھا۔یہ شال سر سے کیوں بار بار ڈھلک رہی تھی ہاں۔۔شہرام نے اس کے وجود سے شال اتار کر دور اچھالی۔۔

شہرام۔۔۔۔۔بہارے چلائی تھی.

چلاؤ میرے سامنے۔۔۔خبر دار تم چیخی تمھارے حلق میں ہاتھ ڈال کر زبان کھینچ لوں گا۔شہرام اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے غرایا تھا۔

بہارے شہرام کی غراہٹ پر لب کاٹتے خاموش ہوئی تھیو

جلا رہی تھی مجھے۔۔۔شہرام نے بہارے کی کاجل لگی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں پوچھا۔

میں نے کہاناں ایسا کچھ نہیں ہے تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے بہارے اس کے برفیلے لہجے پر نظریں جھکائے بولی۔۔

اوپر دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام اپنی سلگتی سانسیں بہارے پر چھوڑتا دھاڑا تھا۔

بہارے نے جلدی سے اپنی نگاہیں شہرام پر گاڑھیں۔

اب یہ نظریں نیچی نہیں ہونی چاہیے۔۔ جب تک میرے سوالوں کا جواب نہ دے دو یہ آنکھیں میری آنکھوں میں گڑھی رہنی چاہیے۔۔ شہرام نے سرد لہجے میں پھنکارا۔۔

مجھے جلا رہی تھی اس ڈاکٹر فرقان کے ساڑھ ہنس ہنس کر بات کر کے

۔۔۔اور شال تمھارے سر سے اتری نہیں تھی تم نے خود اتاری تھی۔اور یہ

تیاری خاص طور پر اس لیے کی تھی تا کہ مجھے بتا سکو کہ تم آج بھی بہت

خوبصورت ہو تمھیں کوئی بھی مل سکتا ہے۔

میں نے کہا تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ایسا کچھ نہیں۔۔۔

بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔

سچ بولو۔۔۔۔ جھوٹ نہیں۔۔۔۔ تمھاری فطرت میں اچھی طرح جانتا

ہوں۔مجھ سے بدلہ لے رہی تھی تم آج۔۔۔۔ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے تم

ہر حد تک گر سکتی ہو

شہرام غصے سے دھاڑا تھا۔۔

ایسا کچھ نہیں ہے میں تمھاری طرح نہیں ہوں۔ اور میرے ذرا سا ہنس کر بات کرنے سے تمھیں کتنی تکلیف ہو رہی ہے سوچو جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے مجھے کتنی اذیت پہنچی ہو گی۔۔

Just shut up just shut up

میں کچھ بھی کروں مسسز بہارے خان۔۔ تمھیں اتنا سا حق بھی نہیں پہنچتا تم میرے نکاح میں ہوتے کسی غیر مرد کے متعلق تنہائی میں بھی بیٹھ کر ایک لمحے کے لیے سوچو کجا کہ بات کرنا تو دور کی بات ہے۔۔ شہرام اس کی بات حلق کے بل چیخا تھا۔

کیا مطلب تم کچھ بھی کرو تمھیں اس سب کا حق ہے۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے پوچھا

ہاں مجھے حق ہے میں دوسرا تیسرا نکاح کر سکتا ہوں مگر تمھیں میرے نکاح میں ہوتے مجھے جلانے کا بھی حق نہیں سمجھی تم۔۔ شہرام اس کی طرف دروازے پر ہاتھ مارتا گر جاتھا۔۔

وہی نکاح جو تم کرنے جارہے تھے۔۔ وہی حق جو تم میرا کسی عورت کو دینے جارہے تھے کیونکہ تمھیں خدا نے حق دیا ہے۔۔ جب تمھیں خدا نے حق دیا ہے تو پھر کیوں اپنی بیوی اپنی عورت سے وعدہ کرتے ہو کہ تم صرف اس کے ہو۔ کیوں راتوں کو اپنی بیوی کے بدن سے کھیلتے اس کے کان میں سرگوشیاں کرتے ہو مرتے دم تک صرف اس کے رہو گے۔۔

کیوں اپنی بیوی سے ایسا عشق کرتے ہو کہ اسے ایسا لگتا ہے وہ اس دنیا کی ہے ہی نہیں۔۔ کیوں ایسے لفظ بولتے ہو جسے سن کر لگتا ہے کہ یہ لفظ کبھی کوئی بول ہی نہیں سکتا۔۔ کیوں اسے بتاتے ہو کہ وہ تم لوگوں کے لیے جنت کی

حور ہے۔پہلے دن کی سیج پر کیوں نہیں کہتے مجھے خدا نے حق دیا ہے بیوفائی کا۔۔میں میں تمھیں عنقریب تمھاری جگہ تمھاری سیج تمھارا گھر تمھاری ہر چیز کسی دوسری عورت کو دے دوں گا۔کیوں نہیں کہتے شہرام

خان۔۔کیوں نہیں کہتے شہرام خان۔۔تاکہ وہ عام عورت جسے تم خاص بناتے ہو وہ کبھی تم جیسے مردوں کو خاص نہ بنائے۔۔۔بہارے شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔۔

نہیں دوں گا تمھیں کوئی جسٹفیکشن۔۔۔۔نہین دوں گا تمھیں کوئی وضاحت۔۔۔نہیں دوں گا تمھیں بتاؤں گا میں تم سے کتنا وفادار ہوں۔۔۔جو تم نے آج کیا ہے میرے اندر تمھارے لیے آگ دہک رہی ہے۔۔میری بیوی میرے بچپن کا عشق مجھے میرے ہی ہاسپٹل میں جلانے کے لیے اس ڈاکٹر سے ہنس ہنس کر بات کر رہی تھی جو س کے دل میں فیلنگ

رکھتا ہے۔۔ جل رہا ہوں میں۔۔ میری غیرت مجھے تھپڑ مار رہی۔۔ ہے۔

شہرام غصے سے بولتا پیچھے ہوتا ٹیبل پر ہاتھ مارا۔۔

اگر اتنی غیرت تمھارے اندر جاگ رہی ہے تو ڈاکٹر فرقان کو ہا بھی تک اس ہاسپٹل سے نکالا کیوں نہین۔۔

کیونکہ مجھے اپنی بیوی پر یقین بہت تھا وہ مر سکتی ہے کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتی۔۔۔ شہرام ٹیبل پر پیپر ویٹ دیوار پر مارتا غرایا تھا۔۔

لیکن اب نہ ڈاکٹر فرقان ہاسپٹل میں رہے گا اور نہ تم۔۔۔ شہرام سرد لہجے میں کہتے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے بولا۔۔

کیا امطلب اس بات کا؟ بہارے نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

مطلب یہ کہ ڈاکٹر فرقان نے تم سے کبھی اپنی فیلنگ کا اظہار کیا۔ ہے۔

شہرام نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے ہوئے سرد لہجے میں استفسار کیا۔۔

نن نہیں۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ پتہ۔۔۔۔ یہ مجھے تم سے آج پتہ چلا کہ ایسا کچھ ہے۔۔ بہارے ٹوٹے لفظوں سے بولی۔۔

لشہرام جلے دل کے ساتھ استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

آج کے بعد تمھارا حویلی سے نکلنا بند۔۔۔ تم ہاسپٹل میں اب اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سنبھالو گی۔۔ حویلی میں رہنے والی باقی عورتوں کی طرح رہو گی تم۔ بہرام کو سنبھالو گی۔۔ جسے تمھاری ضرورت ہے۔۔ شہرام نے سرد لہجے میں حکم دیا۔۔

ایسا کچھ نہیں ہو گا۔۔ تم مجھے حکم دینے کا حق کھو چکے ہو۔۔ جب تم میرے پابند نہیں ہو میں تمھاری کبھی پابند نہیں ہوں گی۔۔ اس ہاسپٹل سے نکالو گے میں کسی دوسرے ہاسپٹل کو جوائن کر لوں لی۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اپنا فیصلہ سنایا۔۔

اچھا۔۔۔۔ ایسی بات ہے۔۔ شہرام نے بہارے کو غصے سے گھورتے اس کی شال زمین سے اٹھاتے اس کے گرد دیتے اس کے سر پر دی تھی

بہارے حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو فون کان سے لگائے ہوے تھا۔

رحیم کاکا۔۔۔ گاڑی ہاسپٹل کے اندر لے کرائیں۔۔ دو منٹ میں پہنچیں وہ چیخا تھا

آج کے بعد جو گاڑی تمھارے استعمال میں تھی اب وہ نہیں رہے گی۔۔نہ رحیم کاکا تمھارے ڈرائیور کے طور پر کوئی بھی فرائض سرانجام دیں گے ۔شہرام بہارے کے قریب ہوتا اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتا بولا۔

دوسرے لمحے وہ بہارے کی کلائی پکڑے آفس سے باہر نکلتے تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔۔

بہارے اپنی شال اچھی طرح سر پر اوڑھے سینے سے جکڑے اس کے ساتھ چل رہی تھی.۔۔شہرام نے گاڑی کے قریب آتے پچھلا دروازہ کھولتے اسے بٹھاتے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔

وہ غصے سے رحیم خان کی طرف بڑھا جو گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔۔

رحیم کاکا۔۔ آج کے بعد بہارے کسی صورت حویلی سے باہر قدم نہیں نکالے گی. شہرام سرد لہجے میں کہتا۔۔ہاسپٹل کیطرف بڑھ گیا تھا۔

شہرام تیز تیز قدموں کی طرف جنرل وارڈ کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر فرقان آپ کو ابھی اسی وقت ہاسپٹل سے فائر کیا جاتا ہے۔۔ آکاونٹس ڈیپارٹمٹ سے اپنا حساب کتاب کلیر کرلیں۔ شہرام نے ڈاکٹر فرقان کی طرف بڑھتے کہا۔

اوکے سر جیسے آپ کہیں۔۔ڈاکٹر فرقان سنجیدگی سے کہتا وہاں سے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نکل گیا تھا۔

شہرام اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے آپنے آفس میں طیش والم میں چکر لگا رہا تھا۔ ٹیبل پر پڑا لیپ اٹھا کر اس نے جھنجھلاتے ہوے زمین پر دے مارا تھا۔ دماغ آتش فشاں مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

شہرام نے جڑے بھینچتے ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے ہوئے جھکتے ہوئے گہرے سانس لے رہا تھا۔

آیزل دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوئی۔ شہرام خان کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ویسے ہی ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھے تھوڑا جھکے گہرے سانس لیتے سامنے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

شہرام تم نے مجھے بلایا۔ آیزل نے اسے دیکھتے پوچھا۔۔ شہرام ابھی بھی گہرے سانس لیتا سامنے دیکھ رہا تھا۔

Shehraam is it ok??

ایزل نے اس کے قریب جاتے اس کی کلائی کو ہاتھ کو چھوتے پوچھا۔۔

شہرام نے اپنی کلائی پر آئزل کا ٹھہر رہا تھ لب بھینچے دیکھتے آہستگی سے اس کے حصار سے چھڑوایا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ آیزل نے شہرام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

تم ابھی تک یہاں پر کیوں ہو ؟؟ شہرام نے آئزل کی طرف دیکھتے سر دسپاٹ لہجے میں استفسار کیا۔ آیزل اس کی بات اور انداز پر گڑبڑائی تھی۔

کیا مطلب کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔۔ آیزل نے لب کاٹتے شہرام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

مطلب صاف ہے آیزل تم اب تک یہاں پر کیوں ہو؟؟۔۔ کیا چیز تمھیں یہاں روکے ہوئے ہے؟؟ اب یہ مت کہنا کہ تمھیں ان پہاڑوں اور یہاں کے رہنے والوں سے بہت محبت ہے تم انھیں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔۔

شہرام نے آیزل کی آنکھوں میں دیکھتے سرد برفیلے لہجے میں کہا۔ محبت پہاڑوں میں رہنے والوں سے نہیں۔۔ صرف ایک ہی انسان سے ہے۔۔

آیزل کی آواز بھیگی تھی۔ شہرام گہرے سانس لیتا اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔۔ لیکن اس پہاڑ میں رہنے والے انسان کو آپ سے محبت نہیں ہے ہمدردی تھی اب وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔۔ شہرام سرد برفیلے لہجے میں بولتے اس سے دو قدم دور ہوا تھا۔ میری محبت کی اتنی ویلیو بھی نہیں تمھارے

نزدیک کہ تم مجھ پر ترس کھا سکو۔۔۔ آیزل کی بھیگی آواز پر شہرام استہزائیہ ہنسا تھا۔۔

تم پر ترس کھانا مجھ سے میرا بہت کچھ چھین چکا ہے۔ آیزل تمھیں سمجھ کیوں نہیں آتا۔۔ کس طرح بتاؤں تمھیں میں تم سے کبھی محبت نہیں کر سکتا۔۔ مت گراؤ خود کو میری نظروں میں اٹھ نہ سکو۔۔۔ شہرام حلق کے بل چیخا تھا۔۔ آیزل کی آنکھوں سے شبنم کرتی عارض پر یہی تھی۔۔۔

میں ایسا نہیں چاہتی تھی تمھیں بھی میری وجہ سے کوئی پریشانی ہو۔ میں نے تمھیں اموشنلی ایکسپلوئیٹ کیا تھا۔ وجہ صرف تمھیں پانا تھا۔ بہارے سے بدلہ لینا نہیں تھا۔

جانتا ہوں ہر بات جانتا ہوں۔۔ اس رات تمھارا گردن پر چھری رکھے کھڑا ہونا مجھے اموشنلی ایکسپولیٹ کرنا تھا۔ تمھارا مقصد مجھے پانا تھا۔ مگر میں نے اس رات تم پر ترس کھایا تھا۔ تم بھی یہ جانتی ہو۔۔ شہرام بھڑکا تھا۔

آیزل اس کی بات پر کچھ پل خاموش ہوئی تھی۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔

آیزل سمجھنے کی کوشش کرو۔۔ میرے لیے تم وہ لڑکی تھی جسے میری بیوی نے سب کے سامنے بے عزت کیا۔ جس نے اپنا باپ کھویا۔۔ جس کی کچھ دیر پہلے عزت لٹتے لٹتے بچی تھی۔

میرے لیے تم ایک کمزور لڑکی تھی۔۔ اس رات صرف تمھارے لیے میرے دل میں ترس ترس ہی تھا۔ نہ محبت نہ عزت نہ کچھ اور صرف ہمدردی۔۔۔ شہرام کی باتوں پر آیزل کی سسکیاں گونجی تھیں۔

میں جانتا ہوں میں اس وقت بے رحمی کی حد تک سچ بول کر آپ کا دل دکھا رہا ہوں۔ مجھے اندازہ ہوا ہے آیزل یہ سب کچھ مجھے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا کہ آپ اس حد تک جاتی ہی ناں۔۔۔ کہیں ناں کہیں میری نرمی نے آپ کو اس حد تک پہنچایا کہ آپ اس رات گردن پر چاقو رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔۔۔ مجھے احساس ہے ڈاکٹر آیزل مجھے احساس ہے ڈاکٹر آیزل میری وجہ سے یہ سب ہوا۔۔ مجھے احساس ہے۔۔۔ شہرام ٹیبل پر مکہ مارتا غرایا تھا۔

آیزل کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

تمھاری غلطی نہیں شہرام۔۔۔ تمھاری نرمی صرف اپنی دوست کے لیے تھی۔ یا صرف ایک بیمار لڑکی کے لیے جس کے پاس اس کا کوئی نہیں تھا۔۔

غلطی میری ہے شہرام۔۔۔ میری خود غرض محبت نے مجھ سے یہ سب کروایا۔۔۔ جب تم اس رات مجھ سے نکاح نہیں کرنے آئے۔ چاہتی تو موت کو گلے لگا سکتی تھی۔۔ مگر مجھے احساس ہو گیا تھا۔ تمھیں میری موت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر پڑتا تو تم ضرور آتے۔۔ مجھے احساس ہو گیا تھا تم بہارے سے بہت محبت کرتے ہو۔۔ ساری رات ایک ہی جذبہ میرے اندر پنپتا رہا۔۔ حسد و جلن رقابت کا۔۔۔ بہارے سے تمھیں چھین لینے کا۔۔ جانتے ہو شہرام خان اس رات چیخ چیخ کر بہارے کو بد عائیں دی تھیں۔ تم اس سے چھن جاؤ۔۔۔ اگر تم میرے پاس نہیں اس کے پاس بھی نہ رہو۔

سات مہینے میں نے ہر لمحہ خدا سے دعا کی ہے تم میرے نہیں تو اس سے بھی چھن جاؤ مگر اللہ نے میری ایک دعا نہیں سنی اور وہ تمھارے بیٹے کو جنم دے بیٹھی۔۔۔ میں سمجھ گئی تھی بہارے کی

محبت زیادہ سچی ہے۔۔ یا شائد محرم کی محبت میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔۔ میں اللہ سے تمھیں اس سے چھیننے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ وہ تمھارے محبت میں شدت کی دعائیں مانگ رہی ہو گی۔ تبھی تو اللہ نے تمھیں بہرام کی صورت میں اس سے اور بھی مضبوطی سے جوڑ دیا۔ آیزل ہچکیوں سے روتے ہوے بول رہی تھی۔۔ شہرام رخ پلٹے مٹھیاں دبوچے ہوے تھا۔

اس دن تمھیں آئی سی یو کے باہر روتے ہوئے دیکھا اس دن تڑپ اٹھی تھی میں۔۔ بہارے سے پھر سے جلن ہوئی۔۔ میرا دل اس کی موت کی بدعائیں کر رہا تھا۔۔ مگر میرا خدا جانتا ہے اس وقت میرے لب اس کی زندگی مانگ

رہے تھے۔۔۔ تمھیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔۔۔ تمھیں اس کے لیے تڑپتے دیکھ کر اندازہ ہوا۔۔ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو۔۔ تم کسی عورت کے رو بھی سکتے ہو یہ مجھے اندازہ نہ تھا۔ جتنے گھنٹے وہ اندر موت سے لڑتی رہی اتنے گھنٹے تمھارے آنسو بہتے رہے۔ مجھے اندازہ ہوا بہارے ساری دنیا کی عورتوں سے زیادہ خوش قسمت ہے۔۔ جس عورت کے لیے شہرام خان روئے وہ عورت اس دنیا کی ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔

اس دن مجھے شہرام خان سے عشق ہو گیا تھا۔ شہرام کے آنسوؤں سے عشق ہو گیا تھا۔ اندازہ ہوا تھا تم اس دن مجھ پر ترس کھانے پر بھی دور رہے تھے۔۔ آئزل بری طرح رو رہی تھی۔

میں نے وعدہ کیا تم سے یہاں سے چلی جاؤں گی۔ بہارے سے بھی کہا چلی جاؤں گی۔۔ کمھارے معاملے میں یہ دل خود غرض پھر سے ہو گیا تھا۔۔

میرا دل پھٹ رہا تھا کہ تمھیں دیکھے بغیر کیسے رہوں گی۔ میں جانتی ہوں مجھ جیسی لڑکیوں کو بہت کچھ کہا جاتا ہے جو ایک شادی شدہ مرد سے محبت کرتی ہیں۔۔ مگر جب محبت ہو جائے تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ میں خود غرض بھی ہوں۔۔ کمزور بھی ہوں شائد تم کہہ سکتے ہو مجھ میں عزت نفس بھی نہیں۔ مگر کیا کروں میں مجھے سمجھ نہیں آتا۔۔ میری طرف بڑھنے والے بہت ہاتھ ہیں شہرام۔ مگر میں سب کو جھٹک چکی ہوں۔۔ مجھے تمھارے علاوہ کوئی بھاتا ہی نہیں ہے۔۔ آیزل نے ہچکیوں سے کیا۔۔ مجھے بس اتنا بتا دیں آیزل آپ چاہتی کیا ہیں؟ آپ کے یہ اظہار بارہاں بار سن چکا ہوں۔۔ سمجھ کیوں نہیں آتا آپ کو؟؟۔۔۔ میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں اتنا کہ آپ سوچ نہیں سکتی۔۔ اب تو وہ میرے بیٹے کی ماں ہے۔۔ میں اسے کھونے کا تصور نہیں کر سکتا۔۔ اور آپ کی محبت سچ میں خود غرض

ہے آیزل۔۔۔ آپ کی بدعاؤں نے مجھے برباد کر دیا۔۔ آپ کی دعائیں اللہ نے قبول کرلی ہیں۔ چھن چکا ہوں میں اس سے۔۔۔ اس نے میری محبت میں شدت مانگی تھی۔۔ مگر آج اس کے نزدیک میری محبت محبت بھی نہیں۔ وہ میری محبت پر یقین تک نہیں کرتی۔ وہ مجھے اب اپنا نہیں مانتی۔۔ نہ اس کے نزدیک میری محبت کی ویلیو صفر ہے۔۔

بچپن کا عشق ہے وہ میرا۔۔ اتنی محبت اس سے کی ہے جتنی خود سے نہیں کی۔۔ مگر آج اس کے نزدیک میں صرف بیوفا ہوں۔۔۔ صرف بیوفا سمجھتی ہے۔۔ اور ساری عمر سمجھے گی۔۔ ساری عمر مجھ پر اعتبار نہیں کرے گی۔ وہ انسکیور رہے گی ساری عمر مجھے لے کر۔۔۔ سات مہینے پہلے اس کی انسکیورٹی مجھے مسکرانے پر مجبور کر دیتی تھی۔۔ اس کی محبت اس کی انسکیورٹی اس کی پوزیسونیس پر مجھے رشک ہوتا تھا۔۔ مگر آج اس کی محبت پوزیسونیں

انسکیورٹی میں صرف بے اعتباری شامل ہو چکی ہے۔۔ جو مجھے اندر سے مار رہی ہے۔۔

شہرام نے آیزل کی آنکھوں میں دیکھتے کرب زدہ انداز میں کہا۔ میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ آیزل بری طرح رو پڑی تھی۔

آپ نے کیا چاہا تھا کیا نہیں مگر میں ریکویسٹ کروں گا یہاں سے چلی جائیں۔۔ میں کبھی آپ کو اپنا نہیں سکتا۔ چلی جائیں یہاں سے۔۔۔ اس سے پہلے میرے دل میں آپ کے لیے جو بچھی کچھی عزت بچی ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔۔ اپنی طرف بڑھنے والے کسی ایک ہاتھ کو تھام لیں ڈاکٹر آیزل۔۔۔ محبت کرنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔۔ یہ مجھے ان سات مہینوں میں پتہ چلا ہے۔۔ یک طرفہ محبت صرف جان لیوہ ہوتی ہے۔ پل پل صرف مارنا جانتی ہے۔ لکڑی میں لگے

دیمک کی طرح آپ کو اندر سے کھا جاتی ہے اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

شہرام سرد آواز میں کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

ابرش گلاس وال کے پاس کھڑی سرسبز پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں رات کا اندھیرا ختم ہونے کو آیا تھا۔ مگر پھر بھی گہری دھند اور تاریکی تھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جیسے اس تاریکی نے اس کے اندر اندھیرا ڈال دیا تھا۔ وہ رات سے زاران کی لائی ہوئی نائٹی میں ملبوس تھی ۔۔۔ صبح کی سپیدی نکل آئی تھی۔ مگر وہ نہیں آیا تھا۔ کتنے فون کیے اسے مگر زاران کا نمبر مسلسل آف آ رہا تھا۔۔

ابرش نے اپنے ہاتھ میں پکڑے فون سے زاران کا نمبر پھر سے ملایا تھا۔ جو کہ آف آ رہا تھا۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے گلاس وال کو دیکھتے سر نفی میں ہلاتے

زخمی سا ہنس پڑی تھی۔ گلاس وال پر جمی نمی کو ہاتھوں سے صاف کرتے وہ گلاس وال کے ساتھ سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

دوسرے لمحے وہ بھاگتے ہوئے واش روم میں داخل ہوتے شاور کے نیچے کھڑی ہوتی ہذیانی کیفیت میں پھوٹ پھوٹ کر روتے فرش پر بیٹھتے چلی گئی تھی۔

نہیں معاف کروں گی تمھیں یاد رکھنا مسٹر خانزادہ تم نے میری جگہ کسی دوسری عورت کو دینا تو دور کی بات سوچا بھی۔ تمھیں میں جان سے مار ڈالوں گی دیکھ لینا تم۔ میں تمھیں اپنی ہاتھوں سے بے رحم موت دوں گی۔ تم مرد ہمیشہ عورت کو اس کی بیوفائی پر موت دیتے ہو۔۔ اس بار ایک عورت مرد کو بے رحم موت دے گی۔۔ ابرش ہذیانی روتے ہوئے چیخی تھی۔

ستارہ تم ٹھیک ہو۔۔زاران نے ڈرائیو کرتے ستارہ خان کو دیکھا جس کے بازو کو گولی چھو کر گزری تھی۔جو درد سے تڑپ رہی تھی

میں ٹھیک ہوں زاران تم میری فکر نہ کرو۔۔ستارہ خان نے گہرا سانس لیتے بمشکل کہا۔

ستارہ تم چاہو تو پیچھے ہٹ سکتی ہو۔۔میں اپنی وجہ سے تمھیں مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔زاران نے ستارہ خان کے بازو کو دیکھ کر لب بھینچے تھے۔جو خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

نہیں زاران یہ لڑائی تمھاری نہیں میری ہے۔ میں کیسے بھول جاؤں اپنی بہن کی لٹی پٹی لاش۔۔ کیسے بھول سکتی ہوں اپنی مورے اور اپنے بابا جان کی موت۔۔

کیسے بھول سکتی ہوں زوہیب خان کو جو آج بھی میری رگ رگ میں بستا ہے۔ کیسے بھول سکتی ہوں اس کی بیوفائی وہ صرف مجھے اس لیے چھوڑ گیا کیونکہ میری بہن کی عزت چلی گئی تھی۔ کیسے بھول سکتی ہوں سب کچھ۔ ۔کیسے میں عبد لحق کو معاف کر سکتی ہوں۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے غنودگی میں بھول رہی تھی۔۔ زاران نے جبڑے بھینچتے اس کی آنکھ سے بہتے آنسو دیکھے تھے۔۔

آج کی رات عبد لحق تمھاری آخری ہو گی۔۔۔ آج میرے بنگلے میں تمھارے تمام کرتوت پوری دنیا کے سامنے آجائیں گے اور پھر تم ہو گے

سلاخوں کے پیچھے۔۔زاران حلق کے بل چیخا تھا۔اس کی گاڑی اور اس کے درجنوں گارڈ کی گاڑیوں کا رخ اسلام آباد کے بنگلے کی طرف تھا۔

ابرش نے اپنی آنکھیں بمشکل کھولتے اپنے وجود سے کمبل ہٹایا تھا۔

آنکھیں سرخ اور متورم تھی۔رنگت میں سرخیاں گھلی تھی۔پورا وجود تانبے کی مانند تپ رہا تھا۔بار بار شاور لینے کی وجہ سے اسے بخار ہو چکا تھا۔۔زاران کا انتظار کرتے کرتے وہ کب نیند کی آغوش میں چلی گئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا یا پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چلی تھی۔

ابرش نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر اس میں ٹائم دیکھا جہاں شام کے چار بج رہے تھے۔۔ابرش نے کمرے میں نظریں دوڑائیں وہ رات سے ابھی تک نہیں آیا تھا۔ابرش نے زاران کا نمبر ڈائل کیا جو ابھی تک آف آرہا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے موبائل سکرول کیا تھا۔۔

زاران کی میٹنگ اور اس کی پارٹی کے حوالے سے نیوز تلاش کر رہی تھی۔

یکدم اس کے ہاتھ رکے تھے۔ایک نیوز پر اس کی نظریں ٹھہریں تھیں۔اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔

Mr Zaran khanzada is hosting a big party at his bungalow today. However, inside sources have revealed that he is going to announce his

engagement to Sitara Khan. This news is circulating on social media that Mr. Zaran and Sitara are in a relationship.

(مسٹر زاران خانزادہ اپنے بنگلے میں آج ایک بہت بڑی پارٹی دے رہا ہے۔مگر اندر کے رسورسز سے خبر ملی ہے کہ وہ آج ستارہ خان کے ساتھ اپنی مگنی کا اعلان کرنے والا ہے سوشل میڈیا پر یہ نیوز گردش کر رہی ہے کہ مسٹر زاران اور ستارہ ریلشن شپ میں ہیں)

ابرش نے بے یقینی سے یہ نیوز پڑھی تھی۔۔وہ کافی دیر تک بے یقینی سے دیکھتی رہی۔دوسرے لمحے اس نے گہرا سانس لیتے اپنی آنکھیں بے دردی

سے رگڑتے اپنے موبائل سے درخشاں کا نمبر ملاتے اسے کمرے میں کھانا بجھوانے کو کہا تھا۔۔

ابرش میرون کلر کے خوبصورت سے ڈریس میں ملبوس تھی۔ جو رات کو ہی زاران نے اسے دلوایا تھا۔

اپنے لمبے سلکی بالوں کو برش کرتے اس نے ایک سائیڈز سے پنز لگا کر باقی کے بال کھلے چھوڑے تھے.

چہرے پر ہلکا سا فاؤنڈیشن لگا کر اس نے اپنی

آنکھوں میں نیوڈ کلر کی پینسل سے ہلکی سی لکیر کھینچی تھی۔۔ ہونٹوں پر میرون کلر کی لپسٹک لگائی تھی۔

عارض پر لائٹ سا بلش لگا کر اپنی گھنیری پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیا تھا۔۔خود پر تیز پرفیوم چھڑکتے اس نے آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔

وہ بلا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔۔سفید رنگت ذرا سے میک اپ سے مزید دھمکنے لگی تھی۔۔

ابرش نے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے میڈیسن نکالتے اسے پانی کے ساتھ نگلی تھی۔ڈریسنگ روم سے اپنی بڑی سی بلیک چادر نکال کر اس نے اچھی طرح خود پر اوڑھتے اچھی طرح اپنا چہرہ ڈھانپا تھا۔اپنا موبائل اپنے چھوٹے سے بیگ میں ڈالتے وہ کمرے سے نکلتے تیز تیز سیڑھیاں اترتے نیچے لاونج میں آئی۔جہاں زحلے عنائیہ، امینہ خانم، روزینہ خانم عابیر بیٹھے تھے۔

وہ نیچے اترتے سب کو اگنور کرتے داخلی دروازے کی طرف بڑھی

ابرش بچہ کہاں جا رہی ہو؟؟ امینہ خانم نے ابرش کو چادر میں لپٹے دیکھ کر پوچھا تھا۔

ابرش کے قدم ایک پل کے لیے ٹھہرے تھے۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی داخلی دروازے کی طرف بڑھتی دروازہ کھول کر نکل گئی تھی۔

امینہ خانم کی رنگت سرخ پڑی تھی۔ زحلے نظریں چرا گئی تھی۔

بھابھی آج کل کا بہوؤں کو بچہ بچہ نہیں بولتے۔ ان سب کا دماغ ان کا مرد لوگ نے خراب کر کے رکھا ہے۔ اب ہمارا بیٹا نہ دن دیکھے گا نہ رات نہ اپنا مورے کا کمرہ دیکھے گا نہ مورے کا غسل خانہ۔۔ تو ایس میں ان عورت لوگ کا دماغ کہاں ٹھکانہ میں رہے گا۔ روزینہ عابیر کو گھورتے لفظ چباتے بولی تو عابیر نے سرخ رنگت کے ساتھ پہلو بدلا تھا۔

روزینہ تم تو چپ رہو۔۔ ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔ یہ ابرش آخر گیا کہاں ہے۔

امینہ خانم نے پریشانی سے ہتھیلیاں مسلی تھیں۔

بھابھی یہی تو بات ہے وہ کیسا کسی کو بھی بتائے بغیر حویلی سے نکل گیا۔۔ اس کا اتنا ہمت کیسا ہوا کہ وہ زاران کا غیر موجودگی میں حویلی سے نکل گیا۔ اب ساری ساری رات ہمارا بیٹا لوگ ان کو جگا کر ان کا بدن پر نشان ڈالے گا تو یہ تو اکڑے گا ہی۔۔ ہمارا زمانہ میں ایسا کہاں ہوتا تھا۔ ہمارا تمھارا بدن پر کبھی کوئی نشان کسی کو نظر آیا۔ اللہ اللہ ہم زندہ زمین میں نہ سما جائے اگر ایسا ہو جاتا۔۔ مگر آج کل کا خاص طور پر ہمارا حویلی کا عورت اتنا بے شرم ہے کہ کوئی شرم لحاظ نہیں۔۔ امینہ خانم عابیر کی طرف دیکھتے طنزیہ بولیں تو عابیر غصے سے صوفے سے اٹھتی تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

امینہ ایک تو تمھارا باتیں ہمارا کانوں سے بھی دھواں نکال دیتا ہے۔۔ پتہ نہیں آج کل کا لڑکی لوگ بے شرم ہے یا تم اس عمر میں آکر بے شرم ہو گیا ہے۔ کیا بات کہاں کرنا ہے تم کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ امینہ خانم غصے سے بولی تھیں۔

روزینہ خانم نے کچھ کہنے کے لیے لب واہ کیے ہی تھے کہ امینہ خانم نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔۔

یہ لو روزینہ ہم تمھارا آگے ہہ ہاتھ جوڑتا ہے ہم کو معاف کر دو۔ ہمارا جڑا ہوا ہاتھ دیکھ لو۔۔ ہمارا قصور بتا دو جو تم ہر وقت زہر اگلتا رہتا ہے۔۔ ہم آگے بہت پریشان ہے۔۔ ہمیں اور پریشان نہ کرو۔۔ امینہ خانم نے ہاتھ جوڑے کہا تو روزینہ خانم لب بھینچے خاموش ہو گئی تھی۔

زحلے یہاں بیٹا کیا کر رہا ہے جاؤ دیکھ کہاں جا رہا ہے تمھارا بیٹی۔ زاران کو تم جانتا ہے اچھی اس بار وہ تمھارا بیٹی کو چھوڑے گا نہین اس نے کچھ بھی ایسا ویسا کیا۔ جاؤ دیکھو اس کو اب کیا ہوا ہے۔ امینہ خانم نے اپنی پیشانی مسلتے کہا جہاں شدید درد اٹھا تھا۔

زحلے جلدی سے اٹھتے داخلی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

درخشاں ہمارا فون لا کر دو ہمیں۔۔ ہم زاران کو فون کریں امینہ خانم نے لرزتی آواز سے درخشاں کو پکارا۔ ان کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔

ابرش کو دیکھتے آہل اس کی طرف بڑھا جو کار پورٹیکو میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اہل ابرش کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

خیریت ابرش کیا ہوا ہے مجھے یہاں رکنے کو کیوں کہا۔ آہل اسے چادر میں لپٹے دیکھ کر پریشانی سے بولا۔

تم نے کہا تھا تم آج اسلام آباد جاؤ گے۔ ابرش کے سوال پر آہل نے اثبات میں سر ہلایا۔۔

مجھے بھی ساتھ لے چلو۔۔ ابرش کی بات پر آہل نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو آہل؟؟ مجھے اسلام آباد زاران کے بنگلے پر جانا ہے ۔اس نے ہی مجھے کہا ہے کہ میں تمھارے ساتھ آجاؤں تم مجھے وہاں چھوڑ دینا۔۔ ابرش نے آہل کا ہاتھ تھاما تھا۔

مگر زاران بھائی نے مجھے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ آہل تذبذب کا شکار ہوا۔

آہل کیا ہو گیا ہے بحث کیوں کر رہے ہو؟؟۔۔زاران نے مجھے کہہ دیا تمھیں کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم لے کر چل رہے ہو یا میں خود چلی جاؤں۔ ابرش بھڑکی تھی۔

لے چلتا ہوں میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔ آہل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کیسے جاؤ گے؟؟ ابرش نے آہل سے پوچھا۔

ٹیکسی بک کروائی ہے۔ آہل نے اپنی سٹک پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے فون کان سے لگائے کہا۔

آہل تمھارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ ابرش کے سوال پر وہ پھیکا سا مسکرایا تھا

اپنی گاڑی کہاں سے آگئی۔۔ اسلام آباد والا گھر بیچ کر امریکہ گئے تھے یاد ہے ناں تمھیں۔ تمھارے کہنے پر ہی تو ساری جائیداد داجی کو واپس کر دی تھی۔ اور ویسے بھی گاڑی ہوتی میں کون سا چلا پاتا۔۔ آہل نے مبہم سا مسکراتے ہوے کہا

ابرش اس کی بات پر زخمی سا مسکرائی تھی۔۔

جب داجی نے ہمیں ایکسیپٹ نہیں کیا تو ان کی جائیداد پر ہمارا کوئی حق نہیں ۔۔۔نہ کبھی ہو گا ہم کبھی ان سے ایک روپیہ نہیں لیں گے۔۔ ابرش مسکراتے ہوے اٹل لہجے میں بولی۔

اور کیا ہوا تم گاڑی نہیں چلا سکتے۔۔ عنقریب تم ڈرائیور ہائر کرو گے۔۔ کیونکہ the great Ahil shah ایک دن بہت بڑا ولوگر بنے گا۔۔۔۔

Hello, I am the Great Vlogger, the biggest king of YouTube. Thank you, thank you for making me such a big vlogger. How can I thank you?

ابرش آہل کے انداز میں بولی تو آہل ہنس پڑا تھا۔

don't laugh, one day you will say this. and we will be richer than those khanzadas too۔

ہنسو مت ایک دن تم یہ کہو گے۔۔اور ہم ان خانزادوں سے زیادہ (امیر ہوں گے)

ابرش انگلش ایسنٹ میں سنجیدگی سے بولی تو آہل مسکراتا ہوا سر نفی میں ہلا گیا۔

جتنا مرضی امیر بن جاؤں مگر ان خانزادوں جتنا امیر نہیں ہو سکتا۔۔اب چلو

آہل نے ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

چلو۔۔۔ابرش اس کی کلائی تھامتے گیٹ کی طرف بڑھی گل خان ابرش

اور آہل کو دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا۔

زحلے نے کار پورٹیکو میں آتے ابرش کو پکارا تھا۔

چلو جلدی ابرش زحلے کی پکار نظر انداز کرتی آہل کا ہاتھ تھامے گیٹ عبور

کر گئی تھی۔۔

پارٹی اپنے عروج پر تھی۔تمام میڈیا انوائیڈ تھا۔۔زاران نے اپنے پارٹی کے

تمام لوگوں کو انوائٹ کیا ہوا تھا۔

زاران کے بڑے سے بنگلے کے لان میں اس پارٹی کا ارینج کیا گیا تھا۔۔۔

زاران بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ستارہ خان بلیک ویلوٹ کے فل گاؤن میں ملبوس تھی۔۔بازو کا زخم اس کی فل آستینوں کے نیچے چھپا تھا۔۔

زاران عبد لحق کو پارٹی میں آتا دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔اس سے مسکراتے ہوے ہاتھ ملایا۔۔

آپ ہی کا انتظار تھا مسٹر عبد لحق۔۔ آپ نہ آتے میری پارٹی ادھوری رہ جاتی۔۔۔زاران نے مسکراتے ہوے کہا۔

مجھے تو آنا ہی تھا تمھاری پارٹی میں چار چاند لگانے کے لیے۔۔۔عبد لحق گہرا مسکرایا تھا۔۔

چار چاند تو واقعی میں لگے گے۔۔ آج کی پارٹی دنیا یاد رکھے گی۔۔ زاران بھی جواباً گہرا مسکرایا تھا۔

تم فکر نہ کرو زاران خانزادہ آج کی پارٹی نہ صرف دنیا بلکہ تم بھی یاد رکھو گے.

عبد لحق نے زاران کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

زاران نے عبد لحق کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

آج کی پارٹی کا مقصد سمجھ نہیں آیا۔ کیا تم اور ستارہ خان ایک ہونے والے ہو۔۔ عبد لحق نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

آپ بھی میڈیا کی افواہوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ پارٹی تو ایسے ہی رکھی ہے۔۔۔ اتنے دن ہو گئے تھے آپ کو ڈیکھا نہیں تھا سوچا اس بہانے مل بیٹھیں گے۔۔ زاران کی بات پر عبد لق نے قہقہ لگایا تھا۔۔

یہ تو آچھا کیا تم نے۔۔ مگر ایک بات بتاؤ یہاں میڈیا بلار کھا ہے کچھ پینے پلانے کا انتظام ہے کہ نہیں وہ بھی میڈیا سے چھپا کر رکھا ہے۔ عبد لحق زاران نے زاران کی طرف جھکتے سرگوشی کی تھی۔۔

میڈیا سے کیا چھپا ہے ؟؟ سب کچھ پتہ ہوتا ہے میڈیا کو۔۔ وہ باتیں بھی جو ہمیں نہیں بتہ۔۔۔ ان سے کیا چھپانا۔۔ انتظام ہے مگر یہاں نہیں اندر ہے۔۔ زاران نے اپنی ناگواری چھپاتے کہا۔

ویل جنٹلمین۔۔۔۔۔ یہ اچھا کیا۔۔ عبد لحق زاران کا کندھا تھپتپاتے باقی پارٹی میمبر کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

زاران نے اپنے لب بھینچتے خود پر قابو پایا تھا۔۔

عبد لحق نے اپنے فون سے نمبر ملائے کان سے لگایا تھا۔

ابھی تک وہ پن ڈرائیو حاصل نہیں کر سکے تم لوگ۔۔ عبد لحق لان کے الگ تھلگ گوشے میں کھڑا غرایا تھا۔

سر پوری کوشش کر رہے ہیں۔۔ زاران کے بنگلے میں موجود ہمارے آدمیوں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی ہے۔۔ وہ پین ڈرائیو نہیں ملا۔۔ مجھے لگتا ہے وہ زاران خان کی پاکٹ میں ہے۔ بہت مشکل ہے سر ان کی پاکٹ سے نکالنا۔۔ وہ انتہائی ہوشیار بندہ ہے ہر چیز پر اس کی نظر ہے۔۔ مجھے لگتا ہے وہ ہمارے کمرے کی تلاشی لینے سے بھی باخبر ہے۔ فون پر عبد لحق کی آواز گونجی تھی۔۔ عبد لحق اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

سر آپ زاران سے پہلے اپنا کارڈ کھیل لیں میں تو کہتا ہوں۔ فون پر عبد لحق کے آدمی نے مشورہ دیا۔

نو نو۔۔۔جب تک وہ پین ڈرائیو میرے ہاتھ نہیں لگتی میں کچھ نہیں کروں گا۔۔اگر میں اپنا کارڈ کھیل بھی لوں گا سب کو لگے گا میں نے خود کو بچانے کے لیے یہ گھٹیا کھیل کھیلا ہے۔۔سب کی نظروں میں آجاؤں گا۔۔یہ گیم بنا کسی کے نظروں میں آئی کھیلنی ہے۔۔مگر پہلے مجھے وہ پین ڈرائیو مل جائے۔عبد لحق سنجیدگی سے بولا۔۔

سر میں جھوٹ نہیں بولوں گا یہ ناممکن ہے۔۔زاران اور ستارہ خان پر حملہ کرنے کے باوجود ہم وہ پین ڈرائیو حاصل نہیں کر سکے۔۔آج تو ناممکن ہے۔۔

بکواس بند کرو اپنی۔۔آج اگر پین ڈرائیو نہ ملی میں برباد ہو جاؤں گا۔۔۔مجھے ہر حال میں وہ پین ڈرائیو چاہیے۔۔مجھے پورا یقین ہے وہ آج مجھے ضرور ایکسپوز کرے گا۔اور میں یہ نہیں ہونے دے سکتا۔کچھ بھی کرو۔۔زاران

کے جیب سے وہ پین ڈرائیو نکالو۔۔ عبد الحق سرد انداز مین دھاڑتے ہوے فون بند کیا۔۔ اپنے اشتعال پر قابو پاتے وہ پارٹی میں آئے ہوے لوگوں کی طرف بڑھا۔

ابرش پارٹی میں پورے پردے میں لپٹی داخل ہوئی تھی۔۔

اس نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے لان میں نظریں دوڑائیں تھیں۔

پارٹی میں رنگ و بو کا سیلاب تھا۔۔ ابرش نے زاران کی تلاش میں نظریں دوڑائیں دور کھڑا ایک طرف کچھ لوگوں سے بات کر رہا تھا۔

ابرش نے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ستارہ خان کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تھیں۔ جس سے وہ بطور خاص ملنے آئی تھی۔

وہ اسے ایک کونے میں دو تین عورتوں کے ساتھ بات کرتے نظر آئی تھی۔۔ ابرش کے قدم ستارہ خان کی طرف بڑھے تھے.

پارٹی میں آئے ہوے کچھ لوگوں نے اسے سر سے پیر تک چادر میں لپٹے دیکھ کر اسے عجیب نگاہوں سے دیکھا تھا۔ ابرش سب کی پرواہ کیے بغیر ستارہ خان کی طرف بڑھی تھی۔

ستارہ خان نے الجھن بھری نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑی ابرش کو دیکھا تھا جو پورے پردے میں تھی جس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

ایکسکیوزمی۔۔۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ کیا آپ مجھے تھوڑا وقت دے سکتی ہیں۔ ابرش نے ستارہ خان کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے کہا۔

میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ستارہ خان نے ابرش کو دیکھتے اپنے سامنے کھڑی دو عورتوں سے معذرت کی تھی۔

یہاں نہیں وہاں کونے پر چلو۔۔ابرش زاران کو ایک نظر دیکھتے بولی۔۔جس کی اس کی طرف پشت تھی۔

جی۔۔۔۔۔ستارہ خان حیران ہوئی تھی۔۔ابرش اس کی کلائی جکڑے تیزی سے الگ تھلگ گوشے کی طرف بڑھی تھی۔۔

کون ہیں آپ؟؟اور مجھ سے کیا کام ہے۔ستارہ خان نے ابرش کو دیکھتے پوچھا جو اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

تم بتاؤ تم کون ہو جو میرے شوہر کے ساتھ یوں دھڑلے سے گھومتی ہو ۔۔اس کے ساتھ افیر چلا رہی ہو۔ابرش نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔

کیا؟؟ستارہ خان ابرش کی بات پر حیران ہوئی تھی۔۔

ابرش ستارہ خان کی حیرانگی پر استھزائیہ ہنسی تھی۔۔

قربان جاؤں تمھاری معصومیت پر۔۔۔ جس مرد کے ساتھ افیر چلا رہی ہو اس کے بارے میں پتہ ہی نہیں وہ شادی شدہ ہے۔یا تم جیسی عورتوں کو اٹریکٹ ہی شادی شدہ مرد کرتے ہیں۔ابرش استھزائیہ انداز میں بولی۔

Shut up, stay in your limits, and stop your nonsense.

ستارہ خان غرائی تھی۔

Shut up and keep your nonsense to yourself. Keep your English to yourself. I have American

nationality and I speak better English than you, with a better accent. And in English, women like you are called a bloody bitch.

اپنی بکواس بند کرو .اپنی انگلش اپنے پاس رکھو امریکہ کی نیشنلٹی) ہے میرے پاس ۔تم سے اچھے ایسنٹ میں انگلش بول سکتی ہوں۔اور انگلش میں تم جیسی عورتوں کو بچھ کہا جاتا ہے۔ یو بلڈی (۔بچھ۔ ۔

ابرش جوابًا امریکن ایسنٹ کے ساتھ بولتے غرائی تھی۔

کیا کہہ رہی ہو کون ہو تم ؟؟ستارہ خان نے ظبط کرتے پوچھا تھا۔

میں مسسز زاران خانزادہ ہوں۔۔ زاران خانزادہ شوہر ہے میرا۔۔ یعنی میری ملکیت۔۔ صرف میرا۔۔۔ ابرش نے کہتے اپنا نقاب اتارا تھا۔۔

ستارہ خان نے پریشانی سے ماتھا سہلاتے زاران کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

مت دیکھ اس کی طرف۔۔ تمھیں میرے شوہر کو دیکھنے کا بھی حق نہیں ہے۔ تم اسے پانے کے خواب دیکھ رہی ہو۔۔

دیکھو میری طرف تم سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوں۔۔

امریکہ سے آئی ہوں۔ اس کے خاندان کی ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر محبت کی شادی کی ہے مجھ سے۔۔۔ مرد کو عادت ہوتی ہے ادھر ادھر منہ مارنے کی۔۔ وہ تم سے کبھی نکاح نہیں کرے گا۔ اگر کرنا ہوتا وہ تم سے یہ مگنی کا

کھیل نہ کھیلتا۔ سیدھا نکاح کرتا۔۔ جیسے مجھ سے نکاح کرنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ مرد جس عورت کو اپناتا ہے اس سے مگنیاں نہیں کرتا سیدھا نکاح کرتا ہے۔۔ اس لیے دور رہو میرے شوہر سے۔۔ ابرش شعلہ بار لہجے میں لفظ چباتے بولی۔۔

اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو اور تم اس کے نکاح میں ہو تم یہاں مجھے اپنی اہمیت کیوں بتانے آئی ہو۔۔۔ اس نے تم سے نکاح کیا ہے تو یقیناً اس کے نزدیک تھاری بہت اہمیت ہو گی۔ پھر مجھ جیسی عورت سے اتنی انسکیورٹیز کیوں؟؟

اپنی طرف دیکھو۔۔ امریکہ سے آئی ہو۔ سر سے پیر تک چادر میں چھپی ہو۔ یہ پردہ امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی نے تو کیا نہیں۔۔ یقیناً یہ پردہ زاران

خانزادہ نے اپنی عورت کو کروایا ہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تم پر کسی کی نظر پڑے۔۔

اور میری طرف دیکھو۔۔۔ میں کس حلیے میں ہوں۔۔ میرے بدن کا ہر حصہ نمایاں ہے۔۔۔ اگر وہ مجھے تمھاری جیسی عزت اور اہمیت دیتا تو میں بھی پورے پردے میں لپٹی ہوتی۔۔ تم یہاں سے بھی اپنی اہمیت نہیں سمجھ سکی تم اس کے لیے بہت خاص بہت قیمتی ہو۔۔ میں نہیں۔۔ مجھے تو وہ شائد دوست کا درجہ بھی نہیں دیتا۔۔ ستارہ خان نے سنجیدگی سے کہا۔

تو پھر کیا کر رہی ہو یہاں ؟؟ کیوں تھی امریکہ میں میرے شوہر کے ساتھ ؟؟ کیوں تمھارے اور میرے شوہر کے بارے میں میڈیا میں خبریں بن رہی ہیں۔ تم ان خبروں کی زینت بن کر بھی آج میرے شوہر کے بنگلے پر ہو۔۔۔ تمھارے نزدیک تمھاری عزت دو ٹکے کی ہے جو یوں اپنی عزت

اچھال رہی ہو۔ یا پھر میرے شوہر کی جوانی اس کا نام اس کا بینک دولت اتنا بھا گیا ہے کہ تم اپنا عورت ہونا بھول گئی ہو۔۔

اپنی بکواس بند کرو۔۔۔ ستارہ خان غصے سے چلائی تھی۔۔

اپنی بکواس تم بند کرو ورنہ تمھارا وہ حال کرو گی یاد کرو گی تم۔ ابرش بھی جوابًا چلائی تھی۔۔

ابرش۔۔۔۔ زاران کی بھاری بے یقین آواز پر ابرش کی سانسیں حلق میں گھٹی تھیں۔ رنگت فق ہوئی تھی۔

ابرش نے پیچھے مڑ کر دیکھا زاران کی آنکھیں سرخ اور بے یقین تھیں۔۔

یکدم کیمرے کے فلیش اس پر چمکے تھے۔۔

زاران جلدی سے آگے بڑھتا اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔۔

تمام میڈیا کے کیمرے کے فلیش بیک ان پر تھے۔۔

سر یہ کون ہیں؟؟ ابھی ابھی انہوں نے ستارہ خان سے کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ مگر آپ نے تو خود کو سنگل کہا تھا۔۔ اگر یہ آپ کی بیوی ہیں تو ستارہ خان سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔ آپ ان کے ساتھ آج مگنی کرنے والے تھے ۔ میڈیا کے تابڑ توڑ سوال گونج رہے تھے۔۔

پارٹی کے تمام لوگ زاران ابرش اور ستارہ خان کے گرد جمع ہو گئے تھے ۔ ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے زاران کے سینے میں منہ چھپائے ہوئی تھی۔۔ کیمرے کی لائٹس اس پر زاران پر ہی تھیں۔

کیمرے پیچھے کریں۔۔ میری بیوی کمفرٹیبل نہیں ہیں۔ زاران سرد آواز میں بولا تھا۔

سر آپ کی وائف یہاں تک آپ کے پیچھے چلی آئیں اور اب میڈیا کے سامنے آنے پر کمفرٹیبل نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا یہاں یہ آتی ہی کیوں۔ ایک رپورٹر نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

Just shut up don't be personal

زاران غصے سے غرایا تھا۔

سر پرسنل نہیں ہو رہے مگر آپ کی بیوی جو کچھ ستارہ خان سے کہہ رہی تھیں۔ وہ سب کچھ ہمارے کیمروں میں ریکارڈ ہن چکا ہے۔۔ وہ آپ کو دو نمبر آدمی بلا رہی تھیں۔ جو باہر منہ مارتا پھرتا ہے۔۔ اب بتائیں سر آپ کے ستارہ خان سے تعلقات کس حد تک ہیں۔ رپورٹر نے ایک اور طنزیہ سوال کیا تھا۔۔

زاران کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ستارہ خان نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

زاران ابرش کو اپنے سینے سے علیحدہ کیا تھا۔ابرش نے اپنا چہرہ تب تک ڈھاپ لیا تھا۔زاران اس کی کلائی تھامے باہر کی جانب بڑھا۔یکدم لان میں لگی سکرین پر ابرش کی تصویروں کے فلیش چمکے تھے۔

زاران کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔یہ وہی پوسٹر تھے جو بہزاد کے بیڈروم میں تھے۔۔۔

میڈیا کے کیمرے اب سامنے لگی بڑی سی سکرین پر تھے۔

زاران گہرے سانس خون اتری آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ابرش لرزتے وجود کے ساتھ کھڑی تھی۔

سر یہ آپ کی وائف ہیں۔ایک رپورٹر نے تصویروں کی طرف اشارہ کرتے سوال کیا۔

نہیں۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔میری۔۔۔۔بیوی۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔ ہے۔زاران کے لبوں سے ٹوٹے لفظوں سے نکلا تھا۔۔

ابرش نے روتے ہوے زاران کو دیکھا جو گہرے سانس لیتا غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

سر اگر یہ آپ کی بیوی نہیں تو جو آپ کے پہلو میں کھڑی ہیں یہ کون ہیں۔۔رپورٹر نے عبد لحق کی طرف ایک نظر دیکھتے سوال کیا۔۔

یہ میری بیوی ہے مگر وہ میری بیوی نہیں ہے زاران حلق کے بل چیخا تھا۔ دوسرے لمحے وہ ابرش کی کلائی چھوڑے عبدالحق کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔۔

اس کا گریبان پکڑے زاران نے اسے پوری قوت سے زمین پر دھکا دیا تھا۔ اس کے. سینے پر گھٹنا رکھ کر زاران نے پوری قوت سے اس کے منہ پر مکے مارے تھے۔۔

پارٹی کے میمبر زاران کی طرف بڑھے تھے۔ زاران کسی قیمت پر قابو میں نہیں آرہا تھا۔ وہ بنار کے پاگلوں کی طرح عبدلحق کو مارے جارہا تھا۔

عبدلحق کے گارڈز جو باہر کھڑے تھے۔ اطلاع ملنے پر وہ پارٹی مین داخل ھوتے زاران کی طرف بڑھے۔۔ اسے کنڈھوں سے جکڑ کر پیچھے کرنے کی کوشش کی۔۔

میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا ذلیل انسان زاران حلق کے بل چیختے ہوے اس کے جبڑوں پر مکے مارے جا رہا تھا۔۔

ابرش لرزتے ہوے دور کھڑی رو رہی تھی۔۔

عبد لحق کے گارڈز نے اسی لمحے زاراون پر پسٹل تانی تھیں۔زاران کے گارڈز نے بھی اپنی اپنی پسٹل عبد لحق پر تانی۔۔

پورا میڈیا اس وقت یہاں موجود تھا۔۔کیمروں کے فیلش پیک ابھی بھی چمک رہے تھے۔۔زاران عبد لحق کو چھوڑتا سکرین کی طرف بڑھا۔اسے اتارتے ہوے زمین پر ڈے ماری تھی۔وہ تیز تیز قدموں سے ابرش کی طرف بڑھا اس کی کلائی جکڑے وہاں سے نکل چکا تھا۔

زاران تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ ابرش سانس روکے ایک ہاتھ سے ڈیش بورڈ کو جکڑے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھی۔ آنکھوں میں آنسو خوف سے ٹھہر گئے تھے۔ وہ آنسو کیا بہاتی وہ تو خوف سے سانسیں تک روکے ہوے تھی۔

گاڑی کا کتنی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ گاڑی جب ڈولتی وہ اپنے منہ پر ہاتھ روکے اپنی چیخیں تک حلق میں گھوٹ دیتی۔۔ زاران کی طرف تو دیکھنے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔۔

زاران نے منہ پر ہاتھ پھیرتے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔ گاڑی سوات کے راستوں پر رواں دواں تھی۔۔ پیچھے گارڈ کی گاڑیاں آ رہی تھیں۔

زاران نے اپنے بال مٹھی میں دبوچتے سٹیرنگ پر اپنے ہاتھ کی گرفت مطبوط کی۔۔ہاتھ کی موٹی نیلی رگیں نمایاں ہو رہی تھیں۔۔سفید گردن تک سرخ ہو رہی تھی۔۔جس کی نیلی رگیں پھول رہی تھی.

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالا تھا۔۔وہ پن ڈرائیو اس کے پاکٹ میں نہیں تھی۔

زاران نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔۔ابرش کا سر ڈیش بورڈ کے ساتھ بجتے بجتے بچا تھا۔۔ابرش نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھتے اپنی چیخ گھونٹی تھی۔۔وہ کانپتے ہوے تھرتھراتے گاڑی کے دروازے کی طرف کھسکتی اس کے ساتھ چپکی تھی۔۔

زاران نے پاگلوں کی طرح اپنے پاکٹ میں وہ پن ڈرائیو تلاش کی۔۔وہ اس کے دونوں پاکٹس میں نہیں تھی۔۔زاران نے اپنا کوٹ اتارتے ہوے اچھی طرح کوٹ کو چیک کیا مگر وہ پن ڈرائیو نہیں تھی۔۔

اہہہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زاران نے چیختے ہوے وہ کوٹ غصے گاڑی کی ونڈ سکرین پر دے مارا تھا۔

ابرش بھی اس بار اپنی چیخ روک نہیں سکی تھی۔

ابرش کے چیخنے پر زاران نے اپنی خونخوار نظریں ابرش پر گاڑی۔۔وہ مزید گاڑی کے دروازے میں سمائی تھی۔

کیوں آئی تھی ادھر ؟؟ کیسے نکلی تم حویلی سے۔ ؟؟ کیوں کیا تم نے یہ سب ؟؟ زاران اس کے سائیڈ کے شیشے پر پوری قوت سے ہاتھ مارا تھا۔ ابرش نے اپنی چیخ اپنے منہ پر ہاتھ دونوں ہاتھ رکھ کر گھونٹی تھی.

زاران نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیتے گاڑی کی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

عبد لحق کا سب کھیل سمجھ آ گیا تھا۔

یہ سارا کھیل پن ڈرائیو کے لیے کھیلا گیا تھا۔ جب وہ عبد لحق کو مار رہا تھا اس وقت اس کی جیب سے وہ پن ڈرائیو نکال لی گئی تھی۔ عبد لحق موقعے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ موقع ابرش نے ادھر آ کر دے دیا تھا۔

اگر ابرش ادھر نہ آتی وہ اب تک اس کا ہر راز افشاں کر چکا ہوتا اور وہ کبھی ابرش کی تصویریں نہ دکھاتا۔۔

زاران سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے اپنے اندر بھڑکتی آگ پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔۔ جس عورت پر وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا اس کے پوسٹرز آج ساری دنیا دیکھ چکی تھی۔۔

آج تو اس کی روح جھلس چکی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کے بدن ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں بکھر رہا تھا۔ وہ پوسٹرز بہزد کے بیڈروم بہزاد کے واش روم میں لگے یاد کر کے وہ آج بھی سلگ کر آگ کی راکھ کا ڈھیر بن جاتا تھا۔

افففف۔۔۔۔۔۔ زاران نے گہرے سانس لیتے خود کے اشتعال پر قابو پایا تھا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے ڈیش بورڈ سے اپنی پسٹل تلاش کی تھی ابرش خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو ڈیش بورڈ سے ایک ایک چیز نکال کر پھینکتا وہ پسٹل ہاتھ میں پکڑ چکا تھا۔

ابرش چیختے ہوے دروازے میں سما چکی تھی۔۔

زاران۔۔۔ مم۔۔۔۔۔۔۔ مجھے

۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔۔ گولی۔۔۔ مار۔۔۔۔۔ دو۔۔۔ گے۔۔ تم۔۔۔ مجھے

۔۔۔ گولی۔۔۔۔ مار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔ سکتے۔۔۔ ہو۔۔۔ کیا۔۔۔ ا

برش نے ٹوٹے لفظوں سے بولتے زاران کو بے یقینی سے دیکھا

جو پسٹل کی نوک اپنے ماتھے پر ٹکائے اسے ہلکی ہلکی اپنی پیشانی پر مار رہا تھا۔۔

تم کون ہو؟؟ جسے میں گولی نہیں مار سکتا۔۔ کیا رشتہ ہے آخر میرا تم سے۔۔ زاران پسٹل کی نوک پیشانی پر مارتے برفیلے میں لہجے میں بولتے ابرش کی سسکیاں گلے میں گھونٹ چکا تھا۔۔

مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ تمھاری۔۔۔۔ بیوی۔۔۔۔۔۔ ابرش۔۔۔۔۔۔۔ ہوں۔۔۔ ابرش۔۔۔ گہرے سانس لیتے بھیگے لہجے میں بمشکل بولی۔۔

وہی بیوی۔۔۔ جو بڑے دھڑلے سے کہہ رہی تھی میرے شوہر کو باہر منہ مارنے کی عادت ہے۔ وہی بیوی جس نے ساری دنیا کو بتایا کہ میرے ستارہ خان کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ وہی بیوی جو ہر بار میری عزت کی دو کوڑی کی کر کے رکھ دیتی ہے۔۔ وہی بیوی جو میرے نکاح سے بھاگ جاتی ہے۔ وہی بیوی جو میرے نکاح سے بھاگ کر کسی دوسرے مرد سے نکاح

کرنے لگتی ہے۔وہی بیوی جو مجھ سے زیادہ دوسروں پر یقین رکھتی ہے۔۔وہ پسٹل کی نوک پیشانی پر ٹکائے سرد و سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں اسے پکارا۔۔

وہی بیوی ہاں۔۔۔۔۔جو میری حویلی سے بھاگ کر رات کے اندھیرے میں تن تنہا امریکہ جا رہی تھی۔۔وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ابرش اس کی چیخ پر بری طرح اچھلی تھی۔

وہی بیوی۔۔۔۔جو مجھے اس ذلیل بہزاد کے پاس سے ملی تھی ہاں۔وہ پسٹل اپنی پیشانی کی نوک سے ہٹائے چیخا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟تمھیں مجھ پر یقین نہیں ہے کیا۔۔میں بہزاد کے پاس سے ملی تھی مگر ہوں آج بھی تمھاری۔۔۔اس نے

مجھے چھوا تک نہیں تھا۔ تمھاری عزت پذ ایک آنچ نہیں آنے دی۔۔ تمھیں مجھ پر یقین نہیں کیا۔

مجھے تو یقین ہے مگر تمھیں مجھ پر یقین نہیں۔۔ زاران پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

مجھے یقین ہے میری بیوی آج بھی میری ہے۔۔ مجھے یقین ہے میری بیوی کو میرے علاوہ آج تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ مجھے یقین ہے میری بیوی نے اس دن بہزاد کو خود کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔۔۔ مجھے یقین ہے میری بیوی مجھ سے محبت نہیں عشق کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے میں مر بھی جاؤں پھر بھی میری ابرش کبھی خود کے پاس کسی کو نہیں آنے دے گی۔ مجھے یقین ہے

میری بیوی اپنی جوانی میری حویلی کے کمرے میں گزار دے گی۔ اتنا یقین ہے مجھے اپنی بیوی پر۔۔۔۔

مگر میری بیوی کو مجھ پر یقین کیوں نہیں ہے؟؟ زاران نے زخمی لہجے میں ابرش کو دیکھتے سوال داغا۔

ابرش اب پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

تم نے کہا ستارہ سے تمھاری میٹنگ نہیں۔۔ مگر تمھارے سیل پر اس کا میسج آیا تھا۔۔ ویٹنگ۔۔۔۔ ابرش ہچکیوں کے درمیان بولا۔۔

اور تمھیں یقین ہو گیا میں ایک دو نمبر انسان ہوں۔ جو اپنی بیوی کو چھوڑ کر اس کے ساتھ عیاشی کرنے جا رہا ہوں۔ اتنا بدکار سمجھتی ہو مجھے ہاں۔ زاران حلق کے بل چیخا تھا۔

ابرش چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے روتے ہوے کانپ اٹھی تھی۔۔۔

تم اس کے ساتھ مگنی کر رہے ہو۔۔۔ یہ نیوز سوشل میڈیا پر سرکولیٹ کر رہی ہے زاران۔۔۔۔ ابرش روتے ہوے بولی۔۔

سب پر یقین ہے۔۔ تمھیں سب پر یقین ہے۔۔ گلی کا کتا بھی آکر تم سے کہے تمھارا شوہر بدکار ہے تو تم یقین کر لو گی۔۔

زاران استھزائیہ ہنسا تھا۔۔

نہیں۔۔۔ ایسی۔۔۔۔ بات۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ ہے۔۔ تم نے مجھے کبھی یقین دلایا ہی نہیں۔۔۔

اور کیسے یقین دلاتے ہیں کتنی بار تم سے کہا کہ میں صرف تمھارا ہوں۔ کیا کروں اور کیسے بتاؤں میں صرف تمھارا ہوں۔ زاران سپاٹ لہجے میں بولتا پسٹل اپنی پیشانی کے ساتھ ٹکا گیا تھا۔۔

تو پھر آج کیا کر رہے تھے تم آج ستارہ خان کے ساتھ۔۔۔ کیوں نہیں آئے تم رات کو حویلی واپس۔۔ کیوں تمھارا نمبر آف تھا۔۔ ابرش بہتے آنسوؤں کے سوال کرتے چلائی تھی۔۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔

میرے سامنے آواز اونچی ہوئی تو بھول جاؤں گا تمھارے ساتھ میرا کوئی رشتہ ہے۔۔ زاران اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچتے اس پر جھکے غرایا۔۔

نہیں ہے میرا ستارہ پلوشہ یا دنیا کی کسی عورت سے بھی کوئی رشتہ۔۔۔۔میں صرف عبدالحق کو سزا دلوانا چاہتا تھا کیونکہ بہزاد کی طرح اس نے بھی میری بیوی کے پوسٹر دیکھ رکھے تھے یہ بات مجھے چین نہیں لینے دیتی تھی۔ مگر آج وہی پوسٹر ساری دنیا دیکھ چکی ہے۔اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟؟ساری دنیا کو مار ڈالوں میں کیا؟؟زاران نے پھنکارتے ہوئے پوچھا۔

ابرش نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے جبڑے سے زاران کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی وہ اس کا جبڑہ مزید سختی سے دبوچ گیا تھا۔

اب ایک ہی حل ہے میرے پاس۔۔۔زاران نے اپنی پسٹل ابرش کے ماتھے پر رکھی تھی۔۔ابرش کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔۔ابرش کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر زاران استھزائیہ ہنسا تھا۔دوسرے پل وہ پسٹل اپنی پیشانی پر ٹکا چکا تھا

زاران۔۔۔ابرش حلق کے بل چیخی تھی۔۔۔ٹریگر پر زاران کی انگلیوں کا دباؤ بڑھا تھا۔

کلک کی آواز آئی تھی۔۔ابرش کی سانسیں رکی تھیں۔

زاران نے ایک دوبار پسٹل کی ٹریگر دبائی مگر وہ خالی تھی۔۔ابرش گہرے سانس لیتے سیٹ سے سر ٹکا گئی تھی۔وہ پوری پسینے میں نہلا چکی تھی۔۔

اہہہہ۔۔۔۔۔زاران نے حلق کے بل چیختے ہوے پسٹل ونڈ سکرین پر دے ماری تھی۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے روتے ہوے اسے پکارا

خبردار میرا نام لیا بغیرت بولو مجھے۔جو تم نے آج کیا ہے اس ن۔ے مجھے بغیرتوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میرے اندر پٹھانوں کا خون نہیں۔ مجھ جیسا بغیرت کوئی نہیں۔ میری عزت کا تماشہ بنا دیا وہ ب

ھی ساری دنیا کے سامنے دا جی.. سب کو کیا جواب دوں گا میں۔۔ زاران گہرے سانس لیتا پھولتی رگوں کے ساتھ حلق کے بل چیخا تھا۔

ابرش منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سانسیں تک روک چکی تھی۔

زاران نے غصے سے گاڑی بیک پر لیتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔۔ گاڑی نے بری طرح جھٹکا کھایا تھا۔ زاران نے فل سپیڈ میں گاڑی سوات کے راستوں پر دوڑائی تھی

زاران کی گاڑی اس کے سوات میں موجود بہت بڑے فارم ہاؤس میں آ کر رکی تھی۔۔ ابرش نے خوفزدہ نگاہوں سے پہاڑوں کے درمیان گرے اتنے بڑے فارم ہاؤس کو دیکھا تھا۔ وہ پہلی بار اس فارم ہاوس کو دیکھ رہی تھی جو حویلی سے بھی بڑا تھا۔ رات کے اندھیرے میں یہ فارم ہاؤس بہت خطرناک بھی لگ رہا تھا۔ ابرش سانس روکے فارم ہاؤس کو دیکھ رہی تھی۔ گارڈز کی گاڑیاں بہت پیچھے رک گئی تھیں۔

زاران اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتے ابرش کی طرف بڑھا اس کی طرف کا دروازہ کھولتے ابرش کو کلائی سے جکڑتے باہر نکالا تھا۔۔

ابرش اس کے ساتھ کھچتی ہوئی چلی گئی تھی.

وہ اس کی کلائی بے دردی سے جکڑے فارم ہاؤس کے اندر داخل ہوا۔۔ ابرش سانس روکے روبوٹ کی مانند اس کے ساتھ چل رہی تھی.

زاران کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔۔چادر اندر داخل ہوتے زمین بوس ہو چکی تھی۔

وہ زاران سے اس قدر خوفزدہ تھی کہ اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔

زاران اس کی کلائی جکڑے سیڑھیاں اترا تھا۔ابرش اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔وہ بے دردی سے اسے کھینچ رہا تھا۔ایک جوتا سیڑھیوں پر اتر گیا تھا۔ایک وہ پہنے ہوے تھی. بال بکھرے ہوے تھی۔۔آنکھوں سے آنسو تک اس نے بہنے سے روکے ہوے تھے۔۔میرون لپ سٹک لگے ہونٹ برے طرح لرز رہے تھے۔۔

یکدم ابرش نے ریلنگ تھامی تھی۔۔وہ خوفزدہ ہوئی تھی وہ اسے پتہ نہیں کہاں لے کر جا رہا تھا۔زاران نے اسے اتنی بے دردی سے کھینچا تھا وہ دو تین

سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔۔وہ اسے بے دردی سے کھینچتا سیڑھیاں اترتا تہہ خانے کی طرف بڑھا تھا۔۔ تہہ خانے کا دروازہ کھولتے زاران نے ابرش کو پوری قوت سے دھکا دیا تھا۔ ابرش ٹھنڈی زمین پر اوندھے منہ جا گری تھی.

اب سے تم ادھر ہی رہو گی۔۔ تمھاری سزا یہ ہی ہے تم اپنی ساری عمر اس تہہ خانے میں گزار دو۔۔اب تم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکو گی۔۔۔یہی ہے تمھاری اوقات اور یہی تم ڈیزرو کرتی ہو بلڈی سک

وومین۔۔۔۔زاران غصے سے دھاڑا تھا۔ ابرش اوندھے منہ زمین میں سماتی بری طرح رو دی تھی۔ زاران غصے باہر نکلتا تہہ خانے کا دروازہ باہر سے بند کرتا جا چکا تھا۔۔

ابرش اوندھے منہ زمین میں سمائے چیخیں مار مار کر رو دی تھی۔۔۔فارم ہاؤس کے تہہ خانے میں اس کی فلک شگاف چیخیں گونج رہی تھی۔۔۔

ابرش نے سردی سے ٹھٹھرتے نیم اندھیرے میں تہہ خانے کو دیکھا جو بہت بڑا تھا۔۔جہاں کوئی بیڈ صوفہ نہ تھا۔۔ابرش نے ٹھٹھرتے ہوئے اپنے گھٹنوں کے گرد اپنا چہرہ دیا تھا۔۔

سردی کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔وہ صرف ایک کامدار میرون کلر کے ڈریس میں ملبوس تھی۔۔جس پر اس کے پاس شال تک نہ تھی۔جو وہ اپنے گرد اوڑھ کر خود کو حدت پہنچاتی۔۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی ہتھیلیاں رگڑتے خود کو گرم کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ شدید سردی اس کی ہڈیوں کے اندر گھستی جا رہی تھی۔۔

ابرش نے کانپتے ہوئے تہہ خانے کے اس کمرے میں نظریں دوڑائیں کچھ تو ایسا مل جائے جس سے سردی کی شدت کم ہو جائے۔۔ کوئی نرم گدا ہی صیحی۔۔ فرش بہت ٹھنڈا تھا۔۔۔ اس کے میروں ہونٹ اب نیلے پڑنا شروع ہو چکے تھے۔۔

کہاں ہو تم مسٹر خانزادہ؟؟ ابرش روتے ہوئے چیخی تھی۔

ساری عمر چاہتے ہو میں یہاں گزاروں۔ تم تھوڑی دیر اور نہ آئے تو تمھیں اس بلڈی سک وومین کی لاش ملے گی۔۔ کھو دو گے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے۔۔ مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش سکستے ہوئے گھٹنوں میں منہ چھپائی گئی۔

تم۔۔سچ۔۔۔۔میں۔۔۔۔سفاک۔۔۔۔اجڈ۔۔۔۔گنوار۔۔۔۔۔ہو

۔۔تم۔۔۔۔نے ثابت۔۔۔۔کر۔۔۔۔دیا

۔۔۔۔۔تم۔۔۔ایک۔۔۔۔سفاک خانزادہ ہو۔۔ایسے کون سزا دیتا ہے

اپنی بیوی کو۔۔۔۔ابرش بری طرح سسک پڑی تھی۔

ابرش نے گھٹنوں سے منہ اٹھاتے تہہ خانے میں ایک بار پھر سے نظریں

دڑائیں۔۔سردی سے اس کا وجود اکڑ رہا تھا۔وہ بری طرح کانپ رہی

تھی۔۔ابرش زمین سے اٹھتی تہہ خانے میں موجود کبرڈ کی طرف

بڑھی۔۔تہہ خانے میں ایک سنگل الماری تھی۔۔۔برش نے الماری کی

طرف بڑھتے اسے کھول کر کوئی گرم کمبل چادر تلاش کرنا چاہی۔۔اس

وقت اس کی حالت اتنی بری تھی۔۔گرم گرم کمبل سے بھی اس کے بدن

کے کپکپاہٹ ختم نہیں ہونی تھی۔۔بخار سے اس کا بدن بری طرح جل رہا

تھا۔ اسے ہیٹڈ کمرے اور کھانے اور میڈیسن کی ضرورت تھی۔ ورنہ سچ میں اس کی سانسیں رک جاتیں۔

ابرش نے الماری میں نظریں دوڑائیں کوئی کمبل کچھ بھی گرم کپڑا تک نہ تھا۔ ابرش نے روتے ہوئے الماری میں دیکھا رھا۔۔ جہاں کچھ بوتلیں پڑیں تھیں

ابرش بری طرح رو دی تھی۔۔ وہ اب تہہ خانے میں چکر لگاتے ہتھلیاں مسلتے خود کو گرمائش پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر سردی تھی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ پورے بدن کی نیلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

اگر اسے گرم کمبل گرم کمرہ نہ ملتا یقیناً اس کی سانسیں رک جاتیں۔۔ ابرش نے ٹھٹھرتے وجود کے ساتھ اپنے چکراتے سر کو سنبھالا تھا۔۔ ابرش نے کانپتے ہوئے دیوار کا سہارا لیتے الماری کی طرف نظریں دوڑائیں

تھیں۔ جہاں اس کی زندگی بچانے کا راستہ تھا۔۔ وہ بوتلیں کوئی بچہ بھی دیکھ کر پہچان لیتا وہ کون سی بوتلیں تھیں۔ وہ تو پھر بھی امریکہ میں پلی بڑھیں تھی۔۔۔

ابرش نے جلدی سے الماری کی طرف بڑھتے ایک بوتل نکال کر منہ سے لگائی تھی۔

تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی مسٹر خانزادہ امریکہ میں رہ کر کبھی اس غلیظ حرامشروب کو منہ نہیں لگایا۔ تمھاری وجہ سے آج مجھے اس حرامشروب کو حلق میں اتارنا پڑ رہا ہے۔۔ ابرش نے روتے ہوئے بوتل منہ کو لگایا تھا۔

وہ بوتل زمین پر رکھتے دوزانو بیٹھتی چلی گئی تھی۔۔ کب وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔۔

زاران کی گاڑی ہچکولے بھرتے ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔۔وہ کب سے اس برفیلی رات میں سوات کی سڑکوں پر گاڑی چلا رہا تھا۔۔

نظروں کے سامنے ابرش کے پوسٹرز آ رہے تھے۔۔وہ حویلی نہیں گیا تھا۔کس منہ سے جاتا۔۔سب کو کیا جواب دیتا۔۔

سب کو خبر مل گئی ہو گی وہ جانتا تھا۔۔سب کو کیا وضاحت دیتا۔۔سب کا سامنے کیسے جاتا۔۔زاران لب بھینچے سرخ آنکھوں کے ساتھ سوات کی سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا۔۔میڈیا نے ابرش کی تصویریں بلر کر کے دکھائی تھیں۔۔سوشل میڈیا پر اس نے اپنے ایک دوست جو سائبر کرائم میں تھا اس کے توسط سے تمام پکس ڈیل کروادی تھیں۔

اس کے خلاف میڈیا میں مختلف نیوز چل رہی تھیں۔ زاران نے گاڑی روکتے گہرے سانس لیے۔۔ اسے لگ رہا تھا اس کی سانسیں جیسے رک جائیں گی۔۔ یا اس کا وجود آتش گیر مادے کی طرح پھٹ جائے گا۔۔

زارن گاڑی سے نکلتا باہر آیا۔۔ برف باری شدت سے برس رہی تھی۔ گاڑی سے ٹیک لگائے آسمان کی طرف دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔ اہہہہہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر وہ بال جکڑے چیختا چلا گیا تھا۔ ٹھنڈی برفیلی رات میں اس کی چیخیں پہاڑوں سے

ٹکراتی اس تک پلٹ رہی تھی۔۔۔ برف گرتی اس کے سیاہ کپڑوں کو پل میں سفید کر چکی تھی۔

وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کافی دیر تک کھڑا رہا۔ شدید سردی میں رگوں میں دوڑتا خون منجمند ہو رہا تھا۔ مگر وہ بے حس بنا کھڑا تھا۔

ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے زاران کب چہرہ مزید سرخ کر دیا تھا۔ یکدم زاران کی نظروں کے سامنے ابرش کا روتا ہوا چہرہ آیا تھا۔

اپنی دھاڑ کانوں میں پڑتی سنائی دی۔۔

اب سے تم ادھر ہی رہو گی ۔۔ تمھاری سزا یہ ہی ہے تم اپنی !! ساری عمر اس تہہ خانے میں گزار دو۔۔اب تم یہاں سے کبھی نہیں نکل سکو گی ۔۔۔یہی ہے تمھاری اوقات اور یہی تم ڈیزرو کرتی ہو بلڈی سک وومین!!

اس کے زمین میں سمائے لرزتے وجود نے زاران کے انگ انگ میں جیسے بے چینی بھر دی تھی۔۔زاران بری طرح لب دانتوں تلے دبائے رہ گیا تھا۔۔زاران نے گہرے سانس لیتے آسمان کی طرف دیکھا برف باری میں آضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

تہہ خانے کا سرد کمرہ یاد آیا تھا۔ جہاں ایسی ہی برف جماتی سردی تھی.

۔۔۔زاران نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولتے گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی تھی.

اب وہ اندھا دھند گاڑی ڈرائیو کرتا فارم ہاؤس کی طرف جا رہا تھا۔

زاران تیزی سے سیڑھیاں اترتا تہہ خانے کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔۔

ابرش۔۔۔زاران اسے بے تابی سے پکارتے اس کی طرف بڑھا. وہ ہوش و خرد سے بیگانہ زمین پر سکڑی سی پڑی تھی۔ زاران اسے اپنی بانہوں میں اٹھاتے تہہ خانے سے نکلتا تے زتیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا فارم ہاؤس میں موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھا اسے نرمی سے بیڈ کے وسط میں لٹاتے

اس پر گرم کمبل دیا۔ کمرے میں لگے الیکٹرانک ہیٹر کی طرف بڑھتے ہیٹر آن کیا۔

وہ دوبارہ سے ابرش کی طرف بڑھا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اس کے بدن کا ٹمپریچر نارمل تھا۔۔ سانسیں بھی ٹھیک چل رہی تھیں۔۔۔

زاران اس کے قریب بیٹھا لب بھینچے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اسے اپنے دل میں ابرش کے لیے کوئی جذبہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خود کو پتھر محسوس کر رہا تھا۔۔ جہاں کچھ بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ زاران ابرش کو دیکھتے تلخی سے مسکرایا تھا۔

اپنے گھنے بالوں کو جکڑے اس نے گہرے سانس لیتے تھے۔ اس کی پاکٹ میں پڑا فون زور و شور سے بج اٹھا تھا۔

زاران نے اپنی پاکٹ سے فون نکالتے کان سے لگایا۔

سر ستارہ خان کی گاڑی پر پھر سے حملہ ہوا ہے۔۔زاران نے بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔۔

اسے پروٹیکٹ کرو۔۔میں آرہا ہوں۔زاران لب بھینچے بولا تھا اور بنا ابرش کی طرف دیکھتے وہ تیز تیز قدموں سے نکل آیا تھا۔

زاران تھکا تھکا اپنے فارم ہاؤس داخل ہوا تھا۔چہرے میں ابھی تک سرخیاں گھلی ہوئی تھی۔آنکھوں کی رنگت سرد اور سرخ تھی۔ستارہ خان کو فی الوقت اس نے سوات میں موجود اپنے دوست جو ڈی ایس پی کے بنگلے منتقل کر دیا تھا۔۔اس نے ستارہ خان کی پروٹیکشن کی یقین دہین کروائی تھی۔

عبد لحق اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑنے والا تھا۔ستارہ خان کے پاس ابھی بھی عبد لحق کے خلاف کافی ثبوت تھے۔وہ عورت تھی اس کا کوئی نہیں تھا اس لیے ستارہ خان اس کے لیے آسان حدف تھی۔زاران کو مجبورًا اپنے دوست کی مدد لینا پڑی تھی۔

زاران سیڑھیاں چڑھتا اوپر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔وہ دروازہ کھولتے کمرے میں داخل ہوا۔کمرے میں نیلگوں روشنی آن تھی۔

وہ بیڈ پر موجود نہیں تھی۔زاران خالی بیڈ اور خالی کمرہ دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

زاران اپنا کوٹ اتار کر واش روم کی طرف بڑھا جہاں سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔۔۔زاران واش روم کا آدھ کھلا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا

۔۔

وہ سامنے شاور کے نیچے کپڑوں سمیت بیٹھی تھی۔

زاران اسے دیکھتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

زاران غصے سے اس کی طرف بڑھا تھا کہ اس کی آواز پر زاران کے قدم رکے تھے۔۔

اے۔۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔۔ خانزادہ۔۔۔۔۔۔۔

وہیں۔۔۔۔ پر۔۔۔۔۔ رک۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔ میں۔۔ وہ ۔۔۔ پانی۔۔ کے ٹب۔۔۔ میں۔۔ ڈوب۔۔۔۔ کر۔۔۔۔ خود کشی کر۔۔۔ لوں۔ گی۔۔ زاران اس کی بات اور اس کے انداز پر حیران ہوا تھا۔۔

کیا ہوا ڈر گئے۔۔ وہ کھل کھلا کر ہنسی تھی۔۔

میں مر بھی جاؤں تمھیں کیا پرواہ۔۔ تم تو خوش ہو گے کہ ابرش پاشا۔ جیسی بلڈی سک وومین سے تمھاری جان چھوٹ گئی۔۔ ابرش زاران کی طرف دیکھتے زخمی مسکرائی تھی۔۔

زاران اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ عجیب بیہیو کر رہی تھی۔

بلڈی۔۔۔ سک۔۔۔۔۔ وومین۔۔۔۔ بلاتے ہو۔۔۔ ناں۔۔ مجھے۔۔۔۔

یہ

لفظ۔۔۔ میرے۔۔۔ دل۔۔۔۔ میں۔۔ سوئیوں۔۔۔ کی۔۔ طرح۔۔۔ چبھتے ہیں۔۔ میرا۔۔۔ دل۔۔۔۔ تمھارے

۔۔۔ ان۔۔۔ لفظوں۔۔۔ پر۔۔۔ ماتم۔۔۔ کرتا۔۔ ہے۔۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے ہنسی تھی۔۔

پہلا کام مجھے ایک بار میں ملا تھا۔ پندرہ سال کی تھی میں۔۔۔ وہاں پر سکرٹ اور بلاوز پہن کر جانا تھا۔

مگر میں جینز اور ٹاپ پہن کر چلی گئی۔۔ اس بار کے مالک نے بھی مجھے بلڈی سک وومین بلایا تھا۔ زاران جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی بات پر دروازے میں ہی رک گیا تھا۔ اس نے بار میں بھی کام کیا وہ یہ سن کر فریز ہوا تھا۔

اے۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔۔۔ خانزادہ۔۔۔ پریشان۔۔۔ مت ۔۔۔ ہو۔۔۔ نہیں پہنی تھی وہ سکرٹ اور بلاوز۔۔۔ میں نے اس کو بولا۔ میں یہ سکرٹ بلاوز نہیں پہنوں گی۔۔ کیا پتہ کل مجھے پیار کرے والا کوئی سفاک خانزادہ مل جائے اسے پتہ چلے میں نے سکرٹ اور بلاوز پہنا ہے اس کی دھڑکنیں ہی نہ رک جائیں۔

ابرش زاران کو سٹل دیکھ کر قہقہ لگا کر ہنسی تھی۔

نہیں پہنی تھی۔۔ جس ماں کو پردے کے پیچھے نفسیاتی ہوتے دیکھا تھا۔ جس ماں نے اپنی بیٹی کو اس پردے کے پیچھے نفسیاتی کیا تھا اس کی بلڈی سک وومین بیٹی کیسے وہ سکرٹ بلاوز پہن کر کام کر سکتی تھی۔

تبھی تو اس بار کے انگریز مالک نے تھپڑ مارتے ہوئے بلڈی سک وومین کہہ کر اس بار سے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔

ابرش زخمی سی مسکرائی تھی۔۔

زاران کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

اے۔۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔۔ خانزادہ۔۔۔۔ مجھ پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں۔۔ یہ پہلا تھپڑ تھوڑی تھا جو مجھے پڑا تھا۔۔ یہ تو تھپڑ باہر کی دنیا سے پہلی

مرتبہ پڑا تھا۔ ایسے کئی تھپڑ میں نے پندرہ سال کی عمر میں اپنے باپ پاشا اور اپنی ماں زحلے سے کھائے تھے۔ میرا باپ پاشہ میری ماں کا غصہ مجھ پر اتارتا میری ماں میرے باپ کا غصہ مجھ پر اتارتی۔۔

پاشا اور زحلے میں مقابلہ چلتا تھا کہ کون زیادہ زور سے ابرش کا گال گلابی کرے گا۔۔ ابرش بولتے ہوے اونچا اونچا ہنس پڑی تھی۔۔۔

مقابلہ چلتا تھا کہ نہیں مگر آئینے میں اپنے گال دیکھ کر میں تو یہی سوچتی رہتی تھی کونسا گال زیادہ سرخ ہے۔ سوچتی تھی اپنی ماں کے مرنے کی دعا کروں یا پھر اپنے باپ کے مرنے کی دعا۔۔ ابرش کرب سے بولتے مسکرائی تھی

بہت نفرت ہے ان تھپڑوں سے۔۔۔ یہ گال پر نشان نہیں چھوڑتے صرف روح پر بھی چھوڑتے ہیں۔۔

تھپڑ مارنے والا بھول جاتا ہے تھپڑ کھانے والا ہمشہ یاد رکھتا ہے۔۔۔بلڈی سک پیرنٹس۔۔۔۔ابرش غیر مرئی نقطے کو گھورتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

تمھیں یہ یاد ہے تمھارے نکاح سے بھاگی۔۔یہ یاد نہیں کیوں بھاگی؟؟

آسان تھا میرے لیے اپنی محبت سے دستبرداری۔۔۔آسان تھا تم جیسے سفاک انسان کی پناہوں سے دور بھاگنا۔۔

محبت کرتی تھی تم سے۔۔۔۔روح میں بستے تھے میرے۔۔کیسے پھر کھاتی تم سے تھپڑ؟؟کیسے زخم سہتی تمھارے ہاتھوں اپنی روح پر۔۔۔

گلی کے کتے سے تو ذلیل ہونا گوارا تھا مگر تم سے نہیں مسٹر خانزادہ۔۔۔ابرش زاران کو دیکھتے سرد لہجے میں بولی تھی۔۔

میں مینٹلی سک وومین ہوں۔ میں مینٹلی سک وومین ہوں تو تم کیا ہو مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش اب چیخی تھی۔

عورت کو چپ کروانے کے لیے تم مردوں کے پاس تھپڑ ہی کیوں ہوتے ہیں۔ کوئی اور طریقہ نہیں چپ کروانے کا؟؟

آخر تھپڑ ہی کیوں؟؟ ابرش بلبلاتے ہوے ہذیانی چیخی تھی۔۔

بہت تھپڑ کھائے زندگی میں۔۔۔ ایک سیاہ فام جوڑے کے گھر کام کیا تھا۔۔ اس کے بچے کی نینی بنی تھی۔ ایک بار اس کا بچہ مجھ سے گر گیا تھا۔ اس سیاہ فام عورت نے میرا گال تھپڑوں سے لال کر دیا تھا۔ تمھیں پتہ ہے مسٹر خانزادہ اس کا ہاتھ بہت بھاری تھا۔ تمھارے ہاتھ سے بھی بھاری۔۔۔ ابرش زاران کی طرف دیکھتے زخمی سا مسکرائی تھی

نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ تمھارے ہاتھ کا کوئی مقابلہ نہیں۔۔ تمھارا ہاتھ زیادہ بھاری ہے۔۔ ابرش انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے ہنسی تھی۔

کیسے کروں تم پر یقین۔۔۔۔ تم لوگ یہاں پر عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ میں امریکہ میں ٹکے ٹکے کی نوکری کر رہی تھی۔۔

زندگی میں جتنے مردوں سے پالا پڑا وہ مرد کہلانے کے لائق نہیں تھے۔

پاشا۔۔۔ بتاؤ وہ باپ کہلانے کے لائق تھا۔ سمیع اللہ بتاؤ وہ نانا کہلانے کے لائق ہے اور تم تم کیا شوہر کہلانے کے لائق ہو۔

ابرش حلق کے بل پوری قوت سے چیخی تھی۔

کیسے شوہر ہو جسے آج تک پتہ ہی نہیں چلا اس کی بلڈی سک دو مین آخر کیا چاہتی ہے؟؟

پندرہ کروڑ کی جیولری خرید دی۔۔ کوئی اہمیت نہیں میرے نزدیک۔۔۔۔ ایک ٹکے کی بھی نہیں۔۔۔ میرے کہنے پر خرید کر دی۔۔ خود سے تو کبھی کچھ نہیں لائے میرے لیے۔۔ ایک گولڈ کی رنگ بھی کبھی میرے لیے نہیں لائے۔ رنگ تو چھوڑو۔ ایک چھلا۔۔ چھلا ہوتا ہے ناں۔۔۔ باریک سا۔ ابرش نے انگشت شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو آپس میں رنگ کے انداز میں جوڑتے زاران کو دیکھتے زخمی سا مسکرائی تھی۔۔ وہ بھی بھی نہیں لائے۔ ابرش روتے ہوئے اب کرب سے سر نفی میں ہلاتے ہنس پڑی۔۔

تم تو اتنے سفاک ہو مسٹر خانزادہ تم چھلا تو چھوڑو میرے لیے کبھی ایک گلاب کا پھول بھی نہیں لائے۔ ابرش نے گلابی آنکھوں سے زاران کو دیکھا تھا۔

زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔

کہتے ہو تم پر یقین کروں۔۔ کتنا ٹائم گزارا ہے میرے ساتھ بتاؤ مجھے ۔۔۔۔۔ تم تو پوری رات تک میرے ساتھ گزار نہ سکے۔۔ تم نے مجھے احساس دلایا کہ میں خوبصورت نہیں ہوں۔۔ تم نے مجھے احساس دلایا میرے اندر کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ ابرش پاشا کو اپنی ایک خوبصورتی پر ہی تو مان تھا۔۔ تم نے وہ بھی توڑ دیا۔۔ ابرش کی آنکھوں سے انسو نکلتے عارض پر بہے تھے جس کا شوہر چار چار دن کمرے میں نہ آئے۔ جو اسے مہینوں ہاتھ نہ لگائے۔۔ وہ لڑکی کیسے خود کو خوبصورت کہہ سکتی ہے ؟؟۔۔۔

وہ آخر کیسے خوبصورت ہو سکتی ہے ؟؟۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے زخمی سا سکراتی تھی۔۔

تمھیں seduse کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔۔ تمھیں پھر بھی مجھ میں کشش نظر نہیں آئی۔ مجھے استعمال کر کے تم نے پھر کمرے میں آنا چھوڑ دیا۔۔

وہ حویلی کا کمرہ میرے لیے تاریک قبر ہے مسٹر خانزادہ جس میں تم نے مجھے زندہ در گور کیا۔۔ ابرش نے کرب سے سسکی لی۔۔ تین مہینوں میں 90 دن ہوتے ہیں۔ ان 90 دنوں میں کتنے گھنٹے کتنے منٹ ہوتے ہیں۔۔ تمھیں معلوم نہیں ہو گا مگر مجھے معلوم ہے۔۔۔ میں نے گئے ہیں۔۔ ہر پل ہر لمحہ مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ امریکہ میں رہ کر ہائی سکول تک نہیں گئی حساب کتاب نہیں آتا مجھے۔۔ تم امریکہ سے پڑھ کر آئے ہو۔۔ مگر تین مہینوں کے لمحے

اور پل گننے میں تم مجھ سے ہار جاؤ گے۔۔ نہیں کر پاؤ گے۔۔ کیونکہ میں ان لمحوں میں سو بار زندہ ہوئی سو بار مری ہوں مسٹر خانزادہ

کیا چاہتی ہوں میں تم سے ؟؟۔۔ میں روٹھوں تم مجھے مناؤ۔۔۔ میں تم سے ناراض ہو جاؤں۔ تم ساری رات سو نہ سکو۔۔ مجھے مناتے ہوئے سو بار کہو کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔ میرے بغیر تمھاری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔۔ تم میرے لیے پاگل ہو۔۔ میں تمھیں چھوڑ کر گئی تو تم مر جاؤ گے۔۔ ابرش اب دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بول آہستگی سے بول رہی تھی۔۔ زاران لب بھینچے سن رہا تھا۔

لیکن تم کیوں کہو گے تمھاری مردانہ انا آگے آتی ہے۔ تم کیوں کہو گے۔۔ اب وہ آنکھیں موندے رو رہی تھی۔

کہتے ہو تم پر یقین نہیں کرتی۔۔ کیسے یقین کروں تم پر؟؟ جس عورت کو اپنے شوہر کی زندگی میں اپنی ویلیو ہی نہ پتہ ہو وہ کیسے اپنی یقین کرے گی۔۔

ہاں گلی کا کتا بھی آ کر کہے گا کہ مجھ سے میرا شوہر بدکار ہے میں یقین کروں گی۔۔ کیونکہ میری اہمیت گلی کے کتے سے بھی کم ہے۔۔ ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔۔ وہ مٹھیاں دبوچ گیا۔

ہاں میں نے کہا مرد کو عادت ہوتی ہے منہ مارنے کی۔۔ ابرش نے آنکھیں کھولے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔ میرا باپ پاشا بہت بار باہر کی عورت کو گھر لایا تھا۔۔ میری ماں زحلے کے سامنے وہ اسے کمرے میں لے کر جاتا رہا۔۔ اور گالی نکال کر کہتا تھا بلڈی سک دو مین۔۔۔ تم میں کوئی خاص بات نہیں تم اپنی کشش کھو چکی ہو۔۔ ویسے تم مردوں کی گالیاں بھی

ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ابرش اب استہزائیہ ہنسی تھی۔۔ بلڈی سک

وومین۔۔۔

بلڈی سک وومین۔۔۔ نہیں ہوں میں۔۔۔ سنا تم نے نہیں ہوں میں۔۔۔

ابرش چیخی تھی۔

نہیں برداشت کر سکتی تمھیں کسی عورت کے ساتھ۔۔۔ ایک لمحے کے لیے

برداشت نہیں کر سکتی۔۔ تم پھر کسی عورت کے ساتھ ایسے میٹنگ کرو گے

اس کے ساتھ بنگلے میں پارٹی مناؤ گے۔۔ پھر آؤں گی تمھارے پیچھے۔۔ قید

کر کے رکھو گے کھڑکی سے بھاگ جاؤں گی۔۔ مگر میرے ہوتے تم کسی

دوسری عورت کے نہیں ہو سکتے۔۔۔ یاد رکھنا تم سفاک خانزادہ۔۔۔ یاد رکھنا

تم یہ۔۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے چیچنی تھی۔

کہتے ہو میں نے اپنا بچہ مارنے کی کوشش کی۔ ابرش نے روتے ہوے ہچکی لی

وہ بچہ کیوں ماروں گی جو تمھاری نشانی تھا؟؟۔۔ کیوں ماروں گی اس بچے کو جو تمھاری قربت کی صورت میں ملا؟؟۔ وہ جان سے بڑھ کر تھا میرے لیے۔۔۔

پلوشہ سے شادی سے روکنے کے لیے تمھارے سامنے جان بوجھ کر ناٹک کیا تھا۔ وہ گولیاں تھوڑی کھانے لگی تھی میں مسٹر بدھو۔۔۔ ابرش روتے ہوئے ہنس پڑی۔۔ زاران گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔

اپنی مورے سے دوسری شادی کا وعدہ کر کے کہتے ہو تم پر یقین کرو۔۔ میرا یقین تو اسی دن ٹوٹ گیا تھا تم پر۔۔ اس دن کیوں نہیں کہا اپنی مورے

سے۔۔ مورے میں مر جاؤں گا مگر کسی دوسری عورت کو اپنی ابرش کی جگہ نہیں دوں گا۔

تمھاری مورے اور تمھاری پلوشہ کی وجہ سے میں ذہنی دباؤ میں رہی۔۔ تم چند گھنٹے نیچے گزارتے تھے میں تڑپ کر مر جاتی تھی کہیں تم اپنی مورے کے آگے ہار نہ جاؤ۔۔ کہیں تمھیں پلوشہ کی جوانی نہ بھا جائے۔۔ پلوشہ نے جب وہ سب مجھ سے کہا بہت درد اٹھا میرے پہلو میں۔۔ جب اس نے کہا تمھیں تھپڑ مارا زاران نے۔۔۔ میں اس وقت مر گئی تھی۔۔ بند کمرے کے پتھروں کی گونج آخر بند کمرے سے باہر کیسے گئی۔۔۔ اب اتنا دماغ تھوڑی تھا میرے پاس کہ مجھے خبر ہوتی وہ بلڈی پیچ ہمارے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی ہماری باتیں سنتی تھی۔ اتنا ہی دماغ ہوتا تو آج میں بھی تمھاری

طرح منسٹر ہوتی۔ ابرش زاران کی طرف دیکھتے زخمی سا بولتے ہنس پڑی تھی۔ زاران نے اپنا نچلا لب بے دردی سے دانتوں کے نیچے کچلا۔۔

تمھارے بچے کو بچانے کے لیے حویلی سے گاڑی لے کر نکلی۔

یہاں کس کو بتائی آخر کون تھا میرا؟؟ جسے میرے درد کا احساس ہوتا۔۔

ابرش روتے ہوے چینی تھی۔

ہاسپٹل میں تمھارا انتظار کر رہی تھی مسٹر خانزاہ۔۔۔ تاکہ تم سے لیٹ کر بتا سکوں بہت درد ہوا مجھے۔۔ تمھیں بتاؤں حویلی سے ہاسپٹل تک کا سفر میں کانٹے ہی کانٹے تھے۔۔ مگر تم نے کیا کیا میرے ساتھ مجھ پر الزام لگا دیا۔۔ پھر کہتے ہو تم نے اپنے بچے کو نہیں مارا۔۔ تمھارے الزامات سن کر میرا بچہ تو کوکھ میں ہی مر گیا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں مر گئی تھی۔۔ ابرش چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ زاران کی مٹھیاں بھینچتے اپنے

لب دانتوں سے کچلتے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔۔بچہ کھو دیا میں نے اور تم نے کیا کیا دو دن بعد آئے کمرے میں۔۔۔بچہ کھونے کی اتنی تکلیف نہیں سہی تھی جتنی تمھاری دو دن کی بے اعتنائی اور مجھ سے لاتعلقی نے دی۔۔۔

ہاں یقین کیا اس زعیم پر۔۔۔۔۔۔۔کیا کرتی پھر تم ہی بتاؤ۔۔ہر طرف اندھیرا تھا کچھ بھی تو نہ بچا تھا میرے پاس۔نہ تم نہ اعتبار نہ تمھارا بچہ۔۔۔۔ ابرش پیٹ پر ہاتھ رکھے اب سکی تھی۔۔زعیم کی سچائی پتہ چلنے پر تمھارے پاس آرہی تھی۔۔برستی بارش میں بہتے دریاؤں سے۔۔ان پتھر جیسے پہاڑوں پر بھاگتے ہوئے زاران زاران پکارتی آرہی تھی۔اس قبر جیسے کمرے میں خود کو قید کرنے پھر سے واپس آرہی تھی۔مگر میری قسمت میری بے درد قسمت نے ایسا نہ ہونے دیا۔۔تمھارے آنے سے پہلے حویلی آنا چاہتی تھی مگر بہزاد آگیا۔۔تمھاری عزت کو آنچ نہیں آنے دی۔اپنی

چادر تک اپنے وجود سے اترنے نہیں دی۔۔۔ تمھیں سکرین پر دیکھا تھا

جب تم میرے پوسٹر دیکھ کر رو رہے تھے۔۔ مر گئی تھی تمھاری

ابرش۔۔۔۔ تمھیں ایسے دیکھ کر۔۔۔ وہ پوسٹر نہیں میرے لیے ذلت

تھے۔۔ مگر زاران میرا کیا قصور اس میں۔؟؟۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا جب

میری تصویریں کلک کیں۔ ابرش نے کرب سے سوال داغا۔۔ ابرش کے۔

ش کے سوال پر زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

جب جب تم ان پوسٹرز کا ذکر کرتے ہو کیسا لگتا ہے مجھے۔۔ مجھے لگتا ہے کسی

نے میرا دل اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالا ہے۔۔ ابرش دل پر ہاتھ رکھے رو دی

تھی۔

کس حالت میں تم مجھے بہزاد کی طرف سے لائے۔۔ دیکھی بھی نہ میری

احالت بھیگی ہوئی۔۔ میرے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔

۔۔۔پاؤں زخموں سے چور چور تھے۔۔اس سے سے بھی زیادہ میرا دل میری روح زخموں سے چور تھے۔۔

صرف ایک بار ایک بار مجھے سینے سے لگا دیتے۔۔۔ صرف ایک بار میرا اور دو بانٹ لیتے۔۔پوچھتے ابرش ان کچھ گھنٹوں میں تم ڈری تو نہیں تم نے مجھے پکارا تو نہیں۔

پھر چاہے مجھے کسی اچھوت کی طرح میرے گھر مجھے پھینک کر چلے جاتے۔۔ صرف ایک بار مجھ سے میرا اور دبانٹ لیتے۔۔ صرف ایک بار مجھ سے میرے بچہ کی موت کا غم منا لیتے صرف ایک بار۔۔۔۔ابرش بری طرح رو دی تھی۔۔سات مہینے پل پل تمھارا انتظار کیا۔۔ تمھیں میسج کیے۔۔ تم مجھے پہچان چکے تھے۔ پھر بھی مجھ پر رحم نہیں آیا۔۔کیوں مسٹر خانزادہ کیوں آخر کیوں؟ تمھیں میری تکلیف میری تڑپ نظر نہیں آتی۔۔کیوں

صرف تمھیں اپنے خسارے نظر آتے ہیں؟؟۔ کیوں زحلے کو پاشا کو کبھی ابرش کا غم نظر نہیں آیا؟؟ کیوں کسی کو ابرش پاشا کی تکلیف نظر نہیں آتی ؟؟۔

سات مہینوں میں میری ماں نے بھی مجھے بہزاد کے پاس ملنے کے طعنے مارے ہیں۔۔ کوئی میرا گناہ بھولتا ہی نہیں ہے۔۔ ہم آج بھی اسی زمانے میں جی رہے ہیں جہاں بیٹیوں کے پیدا ہوتے انھیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔۔

فرق صرف اتنا ہے کہ اب بیٹیوں کی قبر نظر نہیں آتی۔۔ مگر درگور تو اب بھی کیا جاتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہے آج کی قبریں انویسیبل ہوتی ہیں۔۔

ترقی یافتہ دور میں جی رہے ہیں۔ سب کچھ سائنٹفک ہوتا ہے۔۔ ابرش تلخی سے بولتے ہی تھی۔۔

اب تم بتاؤ کیسے مارو گے مجھے ؟؟۔۔ کیسے میرے گناہ کی سزا دو گے مجھے۔۔

تھپڑ مارو گے مجھے۔۔ ابرش نے استہزائیہ انداز میں سوال کیا۔

زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی پچھلی گردن رب کی۔ پلیز تھپڑ نہ مارنا مجھے۔۔ نفرت ہے تھپڑوں سے۔۔ تم ایسا کرنا مجھے بیلٹ سے مارو۔۔۔ ابرش نے زخمی لہجے میں کہا۔۔

نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ بیلٹ سے بھی مت مارنا۔۔۔ پاشا نے زحلے کو بیلٹ سے بھی مارا ہے۔۔ نفرت ہے اس ہر چیز سے جس سے میری ماں نے مار کھائی۔۔

ایسا کرو جوتے سے مارنا۔ نہیں جوتے سے بھی میری ماں پٹ چکی ہے۔۔ ایسا کرنا تم میرے بال کھینچنا۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ بال تو میرا باپ بھی میرے بہت بار کھینچ چکا ہے۔۔ ایسا کرنا میرا گلہ دبا دینا۔۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ گلہ بھی دبایا میرے باپ نے میری ماں کا۔۔ جب وہ زبان چلاتی تھی۔۔

ایسا کرو تم کوئی نیا طریقہ ڈھونڈو مجھے مارنے کا۔۔ جو میرے باپ نے اختیار نہ کیا ہو۔۔ ابرش نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ اگر تم سچ میں ایک مرد ہو مسٹر خانزادہ۔۔۔ تم ایک ایسا طریقہ ڈھونڈو جو میرے اجڑ گنوار ظالم باپ نے اختیار نہ کیا ہو۔۔۔ ابرش کرب سے بولتے آنکھیں موند گئی تھی۔

ایسا طریقہ ڈھونڈو۔۔۔ جو بھی کسی مرد نے اختیار نہ کیا ہو۔۔۔۔ ابرش روتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلاتے بولتی جا رہی تھی۔ وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔

زاران جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

رک جاؤ ادھر ہی مسٹر خانزادہ۔۔۔ ادھر ہی رک جاؤ۔۔۔ مسٹر خانزادہ۔

ابرش آنکھیں کھولتے بولی۔۔ زاران ادھر ہی رک گیا تھا۔۔

ابرش اسے رکتا دیکھ کر کھلا کھلا کر ہی۔۔ اے مسٹر سکس پیک۔۔۔۔۔۔۔

ویسے تو میری کوئی بات مانتے نہیں۔۔۔ دور رہنے والی بات فور آمان لیتے

ہو۔۔۔ اپنے لالا سے ہی کچھ سیکھ لو۔۔ دو دو دن کمرے سے نہیں نکلتے۔۔۔

سچ میں حور بہت خوش قسمت ہے۔۔ ابرش پاشا اس لڑکی سے بھی حسد کرتی

ہے جو نفرت کے طور پر اپنے شوہر کی زندگی میں داخل ہوئی۔۔۔ ابرش

پاشا نچ میں مینٹلی سک دو مین ہے۔

ابرش زاران کو دیکھتے ہیں۔۔

زاران نے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھایا۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے روتے ہوے اس کے سینے سے سر ٹکا گئی۔۔

کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے مسٹر خانزاہ؟؟۔۔ اسی تہہ خانے میں بند کرنے کیا؟؟ اگر چاہتے ہو میں زندہ نہ رہوں تو وہ وائن کی بوتلیں نکال دینا۔۔ ورنہ وہ پی پی کر اپنی جان بچاتی رہوں گی اور تمھاری مینٹلی سک وومین سے کبھی جان نہیں چھوٹے گی۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی تو زاران بری طرح چونکا تھا۔ وہ نشے میں ہے اسے اب پتہ چلا تھا۔ ابرش زاران کے گہری نگاہوں سے دیکھنے پر اس کی شرٹ مٹھیوں میں مضبوطی سے جکڑے اسے دیکھ کر نشیلی گلابی بھیگی آنکھوں سے

اب مسکرائی تھی۔۔ زاران جلدی سے اپنی نگاہیں چرا گیا تھا۔ اس کی بیوی نشے میں ہوتے اس سے کیا چاہتی تھی وہ جانتا تھا۔۔ اس کی خمار زدہ درد بھری آنکھوں سے ظاہر تھا وہ اب طلب بن کر اس کی آنکھوں میں دوڑ رہا تھا۔ زاران اسے لے کر بیڈ کی طرف بڑھا اسے بہت نرمی سے بیڈ پر لٹا کر اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے نرمی سے چھڑاوتے پیچھے ہوا ہی تھا کہ وہ اس کی شرٹ کو پھر سے جکڑے اسے اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔

اے مسٹر خانزادہ۔۔۔ کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر؟؟ ابرش زاران کو اپنے قریب کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

زاران نے اس کی خمار زدہ نشیلی گلابی آنکھوں کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ دل ان گہری نشیلی آنکھوں میں ڈوب کر ابھرا تھا۔

اے مسٹر ان رومانٹک خانزادہ۔۔۔رومانس میں بلکل زیرو ہو۔۔

جب۔۔۔کوئی۔۔۔۔آنکھوں۔۔۔میں۔۔۔۔طلب۔۔بن۔۔۔کر۔۔۔

دوڑنے لگے۔۔۔۔تو۔۔۔۔پیچھے۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔ہوتے۔۔۔۔

اپنی۔۔۔۔طلب۔۔۔مٹا۔۔۔لیتے۔۔۔ہیں۔ابرش زاران کو تکیے پر دھکا دیتے اس کے اوپر آئی تھی۔

زاران نے اسے نرمی سے خود سے الگ کرنے کی کوشش کی وہ اپنا سارا وزن اس پر منتقل کر چکی تھی۔

تمھاری۔۔۔آنکھوں۔۔۔۔میں۔۔۔طلب۔۔بن۔۔۔کر۔۔۔

میں۔۔۔۔دوڑ رہی۔۔۔ہوں۔۔۔۔اور۔۔۔۔میری۔۔۔۔آنکھوں۔۔۔

میں۔۔۔۔طلب۔۔۔۔بن۔۔۔کر۔۔۔تم۔۔۔۔دوڑ۔۔۔۔رہے۔۔۔۔

ہو۔۔تو۔۔۔اپنی۔۔طلب۔۔مٹا لیتے۔۔۔۔ہیں۔۔۔اور۔۔۔۔مٹا۔۔۔۔

دیتے۔۔۔ہیں۔ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔۔

ساری طلب مٹاؤں گا میری جان۔۔ مگر پوری طرح ہوش میں آجاؤ۔۔ورنہ میری خوبصورت اموشنل بیوی کل پھر سے شاور کے نیچے بیٹھی مجھے سفاک سفاک خانزادہ پکارے گی۔۔ ممممم۔۔۔۔زاران نے بہت نرمی سے اس کی ٹھوری چھوٹی۔۔۔

تم نہیں ہو کیا سفاک خانزادہ؟؟ جسے سمجھ ہی نہیں اس کی اموشنل خوبصورت بیوی اس سے کیا چاہتی ہے؟؟اب پھر مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔۔ تمھیں سمجھ نہیں آرہا میں تمھاری بانہوں میں ٹوٹ کر بکھرنا چاہتی ہوں۔ تمھیں سمجھ نہیں آتا مجھے تم اس وقت چاہیے ہو۔ تمھیں

سمجھ نہیں آتا تم مجھے چاہیے ہو۔۔ تمھیں سمجھ نہیں آتا کیا؟؟ تم مجھے چاہیے ہو۔

ابرش اس کے سینے پر سر رکھے روتے ہوئے بولی۔۔

ابرش کے بہتے آنسو زاران کی سیاہ شرٹ کو بھگو رہے تھے۔

زاران نے اس کے رونے پر گہرا سانس لیتے اسے اپنی مضبوط بانہوں کے حصار میں لیا تھا۔

اے مسٹر خانزادہ۔۔۔۔ ابرش اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کھل کھلا کر ہنسی تھی۔۔ زاران اس کے رونے اور کھکھلانے پر حیران ہوا تھا۔ اس کی بیوی کا یہ بھی انداز ہوں گے اسے معلوم نہ تھا۔

میں طلب بن کر تمھاری آنکھوں میں نہیں تمھارے پورے وجود میں دوڑ رہی ہوں۔۔ میں سب جانتی ہوں۔ تم اوپر اوپر سے بنتے ہو۔۔ ورنہ تم بھی مجھے خود میں سمانا چاہتے ہو۔ میرے بدن کا حصہ بن کر مجھ میں خود کو سمونا چاہتے ہوے ابرش اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے زاران کی ٹانگوں کے ساتھ زور سے لپیٹتی تھی۔۔ زاران اس کے انداز اور اس کی بات پر بد حواص ہو تالب بھینچ گیا تھا۔ کبھی تو تڑپ کر تم مجھے مجھ سے مانگو اور میں تمھیں قطرہ بھی میسر نہ ہوں کبھی تو تم مجھے مجھ سے مانگو اور میں تمھاری پناہوں سے دور چلی جاؤں کبھی تو تم مجھے مجھ سے مانگو اے کاش کبھی تو تم مجھے مجھ سے مانگو اے کاش اے کاش کبھی تو تم مجھے مجھ سے مانگو تم سوالی بن کر میری چوکھٹ پر آؤ اور میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہ ہو کبھی تو تم مجھے مجھ سے مانگو

ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے کانچ سے لہجے میں بول رہی تھی۔۔

ابرش کی آنکھوں سے آنسو کرتے زاران کی آنکھوں پر برسے تھے۔۔۔وہ اب اس کے سینے کے ساتھ لیٹی ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔۔زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔سینے میں دل جیسے کسی نے مٹھی میں زور سے جکڑا تھا۔۔وہ اس کے لفظوں اور رونے پر جیسے پاگل ہوا تھا۔دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔وہ تڑپتے ہوئے اسے سختی سے اپنی بانہوں میں بھینچ چکا تھا۔۔ابرش اس کے سینے سے لپٹتے شدت سے رو دی ۔۔۔زاران گہرے سانس لیتا دیوانوں کی طرح اسے خود میں بھینچے ہوئے تھا۔

اے مسٹر سکس پیک۔۔۔۔ابرش اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کھکھلائی تھی۔

اسے روتا سے ہنستے دیکھ کر زاران کے لبوں پر اب مہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ کیا تھی آخر اس کی مس امیریکہ۔۔

اللہ اللہ میرا مسٹر سکس پیک میرے پاس آکر مسکراتا بھی ہے۔۔ اپنی سمائل بچا کر رکھو مسٹر کنجوس۔ کہیں تمھارے پاس مسکرانے کا سٹاک ہی ختم ہو جائے۔۔ ابرش اس کی ناک کی ٹپ پر انگلی ٹریس کرتے ہنسی تھی۔ زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اس کی فنگر پیچھے کی تو ابرش نے جھکتے ہوئے اس کی ناک کی ٹپ پر دانت گاڑھے۔۔

ابرش زاران نے اسے تھوڑا غصے سے پکارا۔۔ وہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھی۔۔ اس کی بدتمیزیاں بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اے مسٹر سکس پیک۔۔۔ خود کو چھپا کر کیوں رکھا ہے؟؟ اپنی شرٹ اتارو میں نے دانت اب تمھارے ہیر لیس سینے پر گاڑھنے ہیں۔ آج تمھیں بتاؤں گی اصل میں

رومانس کیسے کیا جاتا ہے ؟؟۔۔ ابرش بولتے اس کی شرٹ کے بٹن ایک ہی جھٹکے میں کھولتی اس کے سینے پر دانٹ گاڑھ چکی تھی۔۔ زاران نے مدہوشی میں آنکھیں بند کیے ہلکا میٹھا درد برداشت کیا تھا۔ آنکھوں میں خمار کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔ وہ اپنے موتی جیسے دانت اس کے سینے میں گاڑھتے اس کے پور پور میں اپنی طلب شدت سے جگا چکی تھی۔ وہ بن ہیے ہی بہک اٹھا تھا ابرش اس کے سینے پر جھکے اپنے لب دیوانگی کے عالم میں رکھتے جگہ اپنے اپنے دانت گاڑھتے اس کا ہیر لیس چٹانی سینہ سرخ کر چکی تھی۔۔ جادو تیرے جسم کا تیری اور کھینچے مجھے قابو نہ رہے خود پر رہے جب جب میں تجھے دیکھوں ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولتے کھکھلا کر ہنسی تھی۔

زاران خانزادہ ہنستا ہوا اسے اپنی بانہوں میں بھینچ چکا تھا۔ کمرے میں ابرش کے کھکھلاہٹیں گونجی تھیں۔

زاران کا ہاتھ بے باکی سے اس کی کمر کو چھوتے اپنا حق جتا رہا تھا۔۔ ابرش اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی گردن پر جھکے اپنے لب رکھنے لگی۔۔۔ وہ اس کی گردن پر اپنے موتیوں جیسے دانت گاڑھنے لگی۔۔ زاران کی خمار ذدہ آنکھیں بند تھیں۔ وہ خاموشی سے اپنی بیوی کی دیوانگی سہتے دیکھنا چاہتا تھا اس کی دیوانی بیوی آخر رومانس میں کس حد تک جا سکتی ہے۔۔

ابرش اس کی گردن سے چہرہ نکالتے اس کے چہرے پر جھکی۔ زاران نے آنکھیں کھولتے ابرش کے بالوں کو گری سے جکڑے اس کا چہرہ اوپر کیا۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی تھی۔ زاران کی نگاہیں اس کے

گلابی لبوں پر تھیں۔۔ جن کی نرمی سے وہ اس کے چٹانی سینے کو داغتے اس کے رگ وپے میں بے چینیاں دوڑا چکی تھی۔۔

اس سے پہلے زاران اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیتا وہ اس پر جھکتی اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا چکی تھی۔۔ وہ اپنی بیوی کے باک اور عجلت بھرے انداز پر محظوظ ہوا تھا۔۔ ابرش اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑے اس کی سانسیں انہیل کر رہی تھی۔۔۔۔ زاران اس کے گلاب سے پنکھڑیوں کی نرماہٹ محسوس کرتے مدہوش ہوا تھا۔ ابرش اس کے نچلے لب پر اپنے دانت شدت سے گاڑھ چکی تھی۔ زاران نے اسے خود سے دور کیا تھا۔ وہ اور شدت سے اس کے لبوں سے لپٹی تھی۔۔

زاران اپنی اموشنل رومانٹک بیوی کی دیوانگی محسوس کرتے اب پاگل ہو رہا تھا۔ اس کے لب ابرش کو چھونے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ وہ اس

کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے رخ پلٹنے لگا تھا۔ وہ اوپر ہوتے اپنے وجود سے اپنی شرٹ آزاد کر چکی تھی۔۔ زاران کی کھیں تیرے پھیلی تھیں۔

دوسرے ہی پل زاران کی لیوں سے فلگ شگاف قہقہ بر آمد ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کل صبح نشہ اترنے کے بعد وہ اس سے نظریں نہیں ملا سکے گی۔۔ زاران لب دانتوں میں دبائے اسے دیکھا رہا تھا۔ جو اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے اس پر پھر سے جھکی تھی۔۔۔۔ زاران گہرا مسکراتے ہوئے رخ پلٹتے اس پر حاوی ہوتے اوپر کو ہوتے اپنی شرٹ مکمل طور پر اتار گیا۔ ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔

لے کر تیرے لب کی لالی

جیون کو رنگین کریں گے

آنکھوں میں تجھ کو بھریں گے

کل تک تبھی جی سکیں گے

زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھاری نشیلی آواز میں بولا تھا۔

خود کو سنبھالیے رکھیے

مجھ کو سنبھلنے دیجیے

ہوش میں اپنے کھو دوں

اتنا پیار نہ دیجیے

ابرش اس کی گردن بانہوں میں حمائل کرتے گہرا مسکرائی تھی۔

ہوش کا کام نہیں

پیار ہے دیوانہ پن

زاران کہتے اس کے گلابی لبوں پر جھکا۔ ابرش اسکے گلے میں بانہیں حمائے کرتے اس کی شدت میں اس کا بھرپور ساتھ دینے لگی۔۔۔

زاران اس کے لبوں کو چھوڑتے اس کی گردن پر جھکے اپنی جنون کی سوغاتیں رقم کرتے اس کی دھڑکنوں پر جھکا تھا۔ ابرش کی انگلیاں زاران کی کھنے بالوں میں سرسرا رہی تھیں۔ زاران اس کے پورے بدن پر اپنی محبت کی شدتیں سوغاتوں کی صورت میں رقم کرتا اس کے اور اپنے بدن کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔

زاران کی ہر شدت میں ابرش بھرپور ساتھ دیتے اسے اپنے وجود کی رعنائیوں میں پوری طرح کم کر چکی تھی۔۔ زاران اس میں مکمل طور پر سماتے اس کی آنکھوں کے بھیگے گوشوں پر اپنے لب نرمی سے رکھتے اس کے

عارض پر بہتے آنسو اپنے لبوں سے چن گیا تھا۔ ابرش زاران کے اس ایکٹ پر اس کے دونوں عارض پر

ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں اپنی شبنمی آنکھیں گاڑھے شدت سے رودی تھی۔۔ زاران نے مسکراتے ہوے اس کی عارض پر بہتی شبنم اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے صاف کی تھی۔۔ ابرش نے زاران کے ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلیوں کو شدت سے چوما تھا۔ زاران مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔

ابرش مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لپٹتی۔ اس کے یوں لپٹنے پر زاران کی شدتوں میں آضافہ ہوا تھا۔۔ ابرش اس کے ساتھ لپٹتے ہوے اس کے جنون کو ہوا دے رہی تھی اور زاران خانزادہ کا جنون وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ ابرش اس کے جنون کا مقابلہ کرتے اس کے ساتھ لپٹتی اب اس پر

جھکے زاران کے لبوں پر جھک گئی تھی۔۔ زاران محظوظ ہوتے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اپنی بیوی کے وایلڈ رومانس میں مکمل طور پر گم ہو چکا تھا۔۔

زاران نے اپنے سینے سے لپٹی ابرش کو دیکھا جو اس کے سینے سے لیے گہری نیند سو رہی تھی۔۔ زاران مضبوطی سے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑے ہوئے تھا۔

زاران کے لبوں پر ابھی بھی محفوظ مسکراہٹ تھی۔۔ ابرش کی حرکتیں اس کی دیوانگی یاد کر کے اس کے عنابی لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

زاران اسے بہت نرمی سے تکیے پر لٹاتے اس پر گہری گھٹا بن کر چھایا۔۔

اے مسز خانزادہ۔۔۔ صبح مجھ سے نظریں کیسے ملاؤ گی آخر؟؟۔۔۔

زاران اس کے سرخ لبوں پر انگوٹھا نرمی سے رگڑتا بھاری آواز میں بولا۔۔

I m very lucky to have woman like you who loves me so much

زاران نے اس کے گلابی عارض پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔۔۔

تمھاری ساری باتیں بلکل ٹھیک تھیں بیوی۔۔۔ مگر تم اس بات سے خود کو بری ذمہ نہیں کر سکتی کہ تم نے اپنے شوہر کو disobeyed کیا ہے۔۔ میری حویلی سے ایک بار نہیں تین بار میری آجازت کے بغیر نکلی۔

جس طرح تم اپنے مسٹر خانزادہ کو کسی کے ساتھ شیر نہیں کر سکتی۔ اس طرح تمھارا سفاک خانزادہ تم پر کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا۔ جو بات تمھاری عزت پر آجائے وہ بات وہ حرف مجھے زندگی اور موت کے دہانے پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔ تم نے اپنی تکلیف تو بیان کی۔۔

بھی میری تکلیف جائی؟؟۔۔ بھی میری آنکھوں کی سرخی کا مطلب سمجھا۔

کبھی جاننے کی کوشش کی تمھارا سفاک خانزادہ تمھارے جذباتی پن کی وجہ سے کتنی دفعہ مرا کتنی مرتبہ زندہ ہوا۔۔ تمھارے لیے وہ حویلی کا کمرہ قید خانہ تھا۔ میرے لیے یہ فارم ہاؤس سرد خانہ تھا۔ سردیوں کی ٹھنڈی برمیلی راتوں میں ان راتوں کے سردین نے میرے اندر برف اتار کر مجھے گلیشیر کی طرح جمایا ہے۔۔

تم نے ہر پل ہر لمحہ گنا ہے۔۔ میں نے بھی راتیں جاگ کر گھڑی کی سوئیوں کی خوفناک ٹک ٹک کی آواز سنی ہے۔ تمھارے اس جذباتی پن نے مجھے دل کی گہرائیوں سے تکلیف پہنچائی ہے۔۔۔

تمھیں سزا ملے گی۔۔ مگر انداز اب مختلف ہو گا۔ کیا چاہتی ہو تم میری قربت میرا ٹائم میرے بدن کی گرمی۔ اب ہر پل میرے بدن کی گرمی کی حدت میں جھلسو گی۔ تمھارا یہ سفاک خانزادہ اب ہر لمحہ تمھیں اپنی پناہوں میں رکھے گا۔۔ دیکھتا ہوں میری جذباتی بیوی کب تک اپنے سفاک خانزادہ کو برداشت کرتی ہے۔ زران ابرش کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھتا مدھم ھمیبر آواز میں سرگوشی کر گیا تھا۔۔

آئی لو یو۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔ میری رومانٹک اموشنل بیوی۔۔۔ آئی لو یو۔۔ تمھارا اسفاک خانزادہ تم پر مرتا ہے۔۔ تم بھی میری روح میں بستی ہو۔۔

زاران اسے اپنی بانہوں میں سختی سے بھینچ گیا تھا۔۔ بھی تمھیں اکیلا نہیں کروں گا۔ بھی تمھیں اب تنہا نہیں چھوڑوں گا۔۔ زاران اسے خود سے لپٹائے اس کی بالوں کو چومتے اس کے کانوں کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ کیا تھا۔۔۔

اور نہیں چھوڑوں گا انھیں بھی جس نے میری بیوی میری عورت کو یوں سر عام تماشہ بنایا۔۔۔۔

عبد لحق تمھاری لاش بھی اب کسی کو نہیں ملے گی۔۔ اب کھیلوں گا میں موت کا کھیل۔۔۔۔ موت کا کھیل زاران ابرش کے پوسٹر یاد کرتے سرد آواز میں غراتے ابرش کو اپنی مضبوط بانہوں میں سختی سے بھینچ چکا تھا۔

ابرش کی آنکھ کھلی تو وہ زاران کے برہنہ سینے پر سر رکھے ہوئے تھی۔ ابرش نے تحیر زدہ ہوتے زاران کو دیکھا۔ جو اسے اپنے مضبوط بازو کے حصار میں کافی سختی سے جکڑے ہوے تھا۔ وہ خود پر اس کی مضبوط گرفت دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔ وہ اسے بہت مضبوطی سے جکڑے خود کے ساتھ لپٹائے ہوئے تھا۔۔ جیسے وہ اس کی ذراسی گرفت ڈھیلی ہونے پر اس کے حصار سے نکل جائے گی۔ ابرش نے تحیر زدہ آنکھوں سے زاران کو دیکھتے اس کے عنابی لبوں پر انگلی رکھی جہاں زخم تھا۔۔

ابرش کی آنکھیں مزید تحیر سے خطرناک حد تک پھیلی تھیں۔

زاران کی گردن پر دانتوں کے نشان تھے۔ پوری گردن سرخ تھی۔۔ یہی حال سینے کا تھا جہاں ہر طرف نشان تھے۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے سب دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اس وقت زاران کی بٹنوں والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھی۔۔

ابرش نے اب پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔۔ یہ کمرہ۔ ابرش نے اپنا سر جکڑا جو بہت بھاری ہو رہا تھا۔ ابرش نے الجھن بھر؟ نھن بھری نگاہوں سے اس بڑے سے شاندار کمرے کو دیکھا تھا۔۔

ابرش نے اپنی آنکھیں بیچ کر کھولتے ہوئے زاران کے حصار سے نکلنا چاہا مگر وہ خود کو اس کے حصار سے چھڑوا نہ سکی تھی۔۔ ابرش نے زاران کو دیکھا اس کی گہری سانسیں گونجتی بتا رہی تھیں۔ وہ بہت گہری نیند سو رہا ہے۔۔ اتنی گہری نیند میں اس کا حصار کیسے اتنا مضبوط ہو سکتا ہے۔ وہ تو جاگتے میں کبھی اس کے گرد اپنا حصار اتنا مضبوط نہیں رکھتا تھا۔ تو اب اتنی گہری نیند میں کیسے اسے اتنی سختی سے جکڑ سکتا تھا۔

اے۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔ خانزادہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا۔۔۔ ہے۔۔ اتنی مضبوطی سے کبھی اپنی ابرش کو اپنی بانہوں میں نہیں جکڑا۔۔ ایسا کیا ہو گیا ایک رات میں۔۔۔ ابرش نے زاران کی گھنی بیرڈ پر سرخی دیکھتے کہا۔۔

ہوے تھا۔ اس کی گرم سلگتی سانسوں سے اسے اپنی سانسوں کی آمد روفت ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

زاران۔۔۔ ابرش نے اس کے کان میں جھکتے اپ اسے پکارا تھا۔۔

زاران کی آنکھ اس کی پکار پر کھلی تھی۔۔

زاران اپنی نیند سے بھری آنکھیں کھول کر ابرش کو دیکھتے اپنی مسکراہٹ دیا گیا تھا۔۔ رات کا ایک ایک ایکٹ اسے یاد آیا تھا۔ ابرش کی دیوانگی ابرش کے ایکٹ نیند میں بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑائے رکھے تھے۔

کیا ہوا ہے ؟؟ زاران نے سرد لہجے میں پوچھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔ وہ۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ آپ نے۔۔

مجھے۔۔۔ بہت مضبوطی سے پکڑا۔۔۔ ہوا ہے۔ ابرش زاران کی سرد

آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولی۔۔ اسے کل رات والا زاران کا وہ روپ یاد آیا

تھا جب اس نے خود کو گولی مارنے کی کوشش کی تھی۔ اور اسے سفاکی سے

تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔۔ وہ یہاں کیسے آئی اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

تو ؟؟ زاران نے آئی برو اچکائے تھے۔۔

مم مجھے۔۔۔۔ واش۔۔ روم۔۔۔ جانا ہے۔۔

ابرش نے زاران کا سرد چہرہ دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔۔

اوکے چلو۔۔۔زاران۔۔۔اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے بیڈ سے اٹھا تھا۔زاران اس وقت شرٹ لیس بلیک ٹراوزر میں ملبوس تھا ابرش اس کے سرخ سینے کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے بیڈ سے اٹھی تھی کہ زاران اسے اپنی گود میں اٹھا چکا تھا۔

زاران۔۔۔یہ لک۔۔۔کیا۔۔۔کر۔۔۔رہے۔۔۔ہیں؟؟ابرش نے زاران کو دیکھتے اسکتے لہجے میں کہتے فنگر اس کے زخمی لب پر رکھتے اپنا نچلا لب بے دردی سے اپنے دانتوں سے کاٹ گئی تھی۔۔زاران نے بہت مشکل سے اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔۔یقینا اس کی مشکی پوزیسیو بیوی اس کے بدن پر نشانات دیکھتے بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔۔کیونکہ اس نے ایسے نشانات بھی اس کے بدن پر نہیں ڈالے تھے چاہے وہ کتنی ہی رومانس کے وقت کتنی ہی جذباتی کیوں نہ ہو جائے۔۔

تمھیں واش روم لے کر جا رہا ہوں۔۔ تم بہت تھک گئی ہو گی ناں اس لیے۔۔ کل رات تم نے بہت محنت کی تھی۔

زاران اپنی مسکراہٹ دبائے بولتے واش روم میں داخل ہو چکا تھا۔۔

زاران۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ فریش ہونا ہے۔

ابرش نے زاران کو دیکھتے کہا جو اسے اٹھائے باتھ ٹب کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔

فریش ہی تو کرنے جا رہا ہوں۔ جب تک فریش نہیں ہو گی تمھیں کیسے پتہ چلے گا یہ نشان تمھارے سکس پیک مسٹر کے بدن پر کیسے آئے۔ زاران ابرش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اسے باتھ ٹب کے گرم پانی میں ڈال چکا

تھا۔ ابرش نے حیرانگی سے زاران کو دیکھا وہ خود بھی باتھ ٹب میں بھس چکا تھا۔

یہ نشان کیسے آئے تمھارے بدن پر؟؟۔ ابرش نے زاران کے برہنہ چٹانی سینے پر ہاتھ رکھا۔۔ تمھیں کیا لگتا ہے کیسے آئے؟؟۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے اپنے قریب کر گیا تھا۔ وہ زاران کے برہنہ سینے سے آن ٹکرائے تھے۔

تمھیں کیا لگتا ہے کیسے آئے اور یہ نشان کونسے ہیں؟؟۔ زاران نے ابرش کی الجھن بھری نگاہوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ نشان۔۔۔ ابرش نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔۔

اسے ابھی بھی چکر آرہے تھے۔ یہ۔۔۔۔ نشان۔۔۔ یہ۔۔ یہ لو۔۔۔۔ بائٹ۔۔۔ ہیں۔۔ ابرش کے لبوں سے ٹوٹے لفظوں سے نکلا تھا۔۔

یہ نشان۔۔۔ زاران۔۔۔ یہ۔۔۔ نشان۔۔۔۔۔ یہ۔۔ کیسے آئے۔۔ تم۔۔۔ کل رات کہاں تھے؟؟۔۔ کس کے ساتھ تھے تم۔۔ ابرش یکدم ہسٹریائی ہوتی پیچی تھی۔

زاران سر تاسف میں ہلاتے رخ پلٹے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

بتاؤ مجھے کس کے ساتھ تھے تم؟؟ تم نے مجھ سے بدلہ لینے کے لیے یہ سب کیا؟؟۔ تم نے میرا حق کسی اور کو دیا۔۔ اس ستارہ خان کے ساتھ تھے تم۔ ابرش اس کے برہنہ سینے کے نشانات پر اپنے ناخن مارتے ہذیانی چیچنی تھی۔ ابرش زاران نے اسے سختی سے پکارا۔ مگر وہ بے قابو ہوتے اس کے سینے پر

بہت بے دردی سے مکے مارتے اسے اپنے ناخنوں سے گھر وچتے بہت بری طرح زخمی کر چکی تھی۔

میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی مسٹر خانزادہ۔۔ تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔۔۔ ابرش نے روتے ہوے اس کی گردن اب اپنے ناخنوں سے زخمی کی تھی سٹاپ اٹ ابرش۔۔۔ زاران اس کے پاگل پن پر غصے سے دھاڑا۔۔ وہ اس کا سینہ اچھی طرح زخمی کر چکی تھی۔

نہیں ڈروں کی تمھاری دھاڑ سے۔۔ نہیں ڈروں گی تمھارے غصے سے۔۔۔ نہیں ڈروں گی تم سے۔۔۔ تمھیں میں آج جان سے مار ڈالوں گی۔۔ ابرش نے روتے ہوئے اس کے سینے پر بہت زور سے مکہ مارا تھا۔۔

زاران اس کی کلائیاں ایک ہاتھ میں جکڑے اس کی کمر کے ساتھ سختی سی لگاتے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

نہیں۔۔۔ معاف کروں۔۔ گی۔۔۔ تمھاری۔۔ بیوفائی۔۔ تم نے۔ مجھے۔۔ تہہ خانے میں بند کیا۔۔ میرے ساتھ جتنی بھی زیادتیاں کیں۔۔ میں سب معاف کر سکتی ہوں۔ مگر تمھاری بیہ بیوفائی بھی معاف نہیں کروں گی۔۔ نفرت کرتی ہوں تم سے۔۔۔ شدید نفرت محسوس کر رہی ہوں تمھارے لیے اپنے دل میں اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتے۔۔ جس پسٹل میں کل گولیاں نہیں تھی اس بات کا میں نے خدا کا کل اپنے رب کا بہت بار شکریہ کیا تھا۔ اس تہہ خانے میں مرتے ہوے بھی میں تمھاری زندگی کی دعا ئتی رہی اپنے رب سے۔۔ مگر آج دعا کرتی ہوں کہ کاش کل اس پیسٹل میں گولیاں ہوتی

مسٹر خانزادہ میں تمھیں اپنے سامنے تڑپتا ہوا دیکھتی۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں اپنی گلابی آنکھیں گاڑھے کرب سے ہچکی لی تھی۔۔

بس۔۔۔ یا اور بھی بد عائیں دینی ہیں مجھے۔۔ زاران نے اس کی کلائیاں آزاد کرتے اسے بری طرح ہچکیاں لیتے دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

ابرش کا پورا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔۔ ہچکیاں اور سسکیاں تو عروج پر تھیں۔۔

تم۔۔۔ تم۔۔۔ میرا۔۔۔ دل۔۔۔ اپنی مٹھی سے نوچتے نکال چکے ہو۔۔ مجھے مار چکے ہو۔۔ زاران اب مشکل ہے میرا بچنا۔۔ میری سانسیں تھم جائیں گی زاران۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا؟؟ میں مر رہی ہوں زاران۔۔۔ میں مر جاؤں گی زاران۔۔۔ میری سانسیں رک رہی ہیں زاران۔۔۔ تہہ خانے والی سزا بہتر تھی میرے لیے زاران۔۔۔ اس سے اچھا تھا مجھے نکالتے ہی

ناں۔ میں مر جاؤں گی زاران ابرش اپنا گلہ اپنے ہاتھ سے جکڑتے ہذیانی چینی تھی میں تمھیں اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گا بیوی۔۔ جب تک تم مجھے پوری طرح پاگل نہ کر دو۔۔۔ زاران سرد لہجے میں کہتا ہینڈ شاور آن کرتے اس پر لگا چکا تھا۔۔

زاران ابرش چیچنی تھی۔ زاران ایک ہاتھ سے اسے کمر سے جکڑے اس پر رینڈ شاور لگائے اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ جو بھیگتی ہوئی خود کو چھڑوانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

زاران اچھی طرح اس پر شاور لگاتے زاران نے ہینڈ شاور غصے سے باتھ ٹب کے کنارے پر پوری قوت سے مارا تھا۔

ابرش اس کے حصار میں لرزتے ہوئے یکدم خاموش ہوتی اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔ کیوں کیا ایسا مسٹر خانزادہ؟؟۔۔۔ کسی اور

طرح بدلہ لے لیتے مجھ سے۔۔ ساری عمر اس تہہ خانے سے نہ نکالتے۔۔ یہ کیا کیا تم نے ؟؟۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔ ابرش اس کے سینے سے سر رکھے سکتے ہوے بولی۔۔

زاران نے اسے بالوں سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھا۔۔ وہ تو تم شرم سے ویسے بھی مر جاؤ گی جب کل رات اپنی بے شرم حرکتیں یاد کرو گی۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔۔

کیا کہہ رہے ہو تم ؟؟ ابرش نے بری طرح ہچکیاں بھری تھیں۔

اے مسٹر خانزادہ۔۔۔ یاد کرو کل رات کیا ہوا تھا۔۔ زاران نے لب دانتوں تلے دبائے سنجیدگی سے کہا۔

کیا ہوا تھا کل رات۔۔۔ ابرش نے ہچکیاں لیتے استفسار کیا۔۔ یکدم ابرش کی سماعتوں میں کچھ لفظ سنائی دیے تھے۔۔ اے مسٹر خانزادہ۔۔۔ آگے مت بڑھنا ورنہ اس ٹب میں کود کر خودکشی کر لوں گی۔۔ ابرش نے آنکھیں بیچتے ہچکی لی۔۔

کل رات کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔

ابرش نے زاران کو تحیر بھری آنکھوں سے دیکھتے اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹکا تھا۔

!!اے مسٹر سکس پیک خود کو چھپا کر کیوں رکھا ہے اپنی شرٹ اتارو میں نے دانت اب تمھارے ہیئر لیس سینے پر گاڑھنے ہیں۔ آج تمھیں بتاؤں گی اصل میں رومانس کیسے کیا جاتا ہے!!

اپنے ہی لفظ یاد آئے تو ابرش نے آنکھیں کھولتے زاران کو دیکھتے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

دوسرے لمحے ابرش کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہوئی تھی۔۔ رات بیڈ پر کی ہوئی اپنی اپنی ایک حرکت یاد آئی تھی۔ ابرش ابرش نے اب منہ کھول کر بے یقینی سے زاران کو دیکھا تھا۔ کل رات واقع میں رومانس تو اس نے کیا تھا۔ مقابل نے تو کچھ کیا ہی نہ تھا۔

زاران نے اس کے تاثرات دیکھتے اپنا سر دائیں بائیں تاسف سے سر ہلایا تھا۔

ابرش زاران کو دیکھتے اب سٹل ہوئی تھی۔۔ وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں رہی تھی۔۔

یاد آیارات کو یہ وائلڈ رومانس کس نے کیا ہے ؟؟ کس نے یہ نشانات ڈالے ؟؟۔۔ زاران نے لب بھینچے پوچھا۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ بدن میں شدید لرزاہٹ طاری ہوئی تھی۔۔ زاران اس کی رنگت میں شدید سرخی دیکھ کر مبہم سا مسکرایا تھا۔

جانتی ہو کل تمھارے جذباتی پن اور مجھ پر اعتبار نہ کرنے پر تم مجھے کتنی تکلیف پہنچا چکی ہو۔۔ میرا کتنا نقصان کر چکی ہو۔۔ تمھاری وجہ سے نہ صرف میرے کریکٹر بلکہ ستارہ خان کے کریکٹر پر سوالات اٹھ رہے ہیں۔ زران کے لبوں سے ستارہ خان کا نام سن کر ابرش نے نظریں جھکائے اپنا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔ اگر کل تم پارٹی میں نہ آتی میں عبدالحق کے خلاف تمام ایویڈنٹس میڈیا کو دکھا کر اپنا اور ستارہ کا ریلیشن بھی کلیر کر دیتا۔ وہ صرف

عبدالحق کے خلاف میرا ساتھ دے رہی تھی۔۔ مگر تمھارے وہاں پر آنے سے انہوں نے یہ سب کیا۔

تمھاری وہ تصویریں۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے یکدم رکا تھا۔

!!جب جب تم ان پوسٹرز کا ذکر کرتے ہو کیسا لگتا ہے مجھے۔۔ مجھے لگتا ہے کسی نے میرا دل اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالا ہے!!

ابرش کی بات سماعتوں میں سنائی دیتے اسے کچھ بھی کہنے سے روک چکی تھی۔۔

اگر تم یہ حماقتی قدم نہ اٹھائی تو ابرش معاملہ نہ بگڑتا۔۔ میرے آنے کا انتظار کر لیتی تم۔۔ زاران نے اس کے جھکے سر کو دیکھتے کہا۔

مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔لگاتب۔۔۔۔تک۔۔۔۔تم۔۔۔گنی کرلوگے۔۔ تمھارا فون بھی تو آف تھا۔

ابرش نظریں جھکائے لرزتے لبوں سے بولی۔ نمبر اس لیے آف تھا کیونکہ کل رات ستارہ پر حملہ ہوا تھا۔ اسے بچانے کے نتیجے میں میرا موبائل کہیں گر گیا تھا۔

اور ابھی بھی عبدالحق ستارہ کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔

مجبوراً ستارہ کو اپنے ایک دوست کے بنگلے پر رکھا ہے۔۔

اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔۔ کوئی رشتہ اس کے پاس نہیں ہے۔

اس لیے مجبوراً اسے پناہ دینی پڑی۔۔ ورنہ عبدالحق اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔ وہ بہت خطرناک ہے۔۔

مجھے یقین ہے آئندہ تم مجھ پر ٹرسٹ کرو گی۔۔ مگر جو تم نے کل کیا ہے میں اس کے لیے تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ جب تک تمھیں اپنی غلطی کا احساس نہیں ہو جاتا۔۔ زاران کے سرد و سپاٹ لہجے پر ابرش کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھیلی تھیں۔ اگر اس نے معاف نہیں کیا تو کل رات اس کے ساتھ کیا کر رہا تھا۔۔

زاران اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھتا اپنی مسکراہٹ دیا گیا تھا۔ زاران کے دیکھنے پر وہ سرخ ہوتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

اب تیار ہو جاؤ ہمیں حویلی چلتا ہے۔۔۔ یہاں اور میں رکنا چاہتا تھا۔ مگر دا جی کے رات سے فون آرہے ہیں۔ حویلی میں سب بہت پریشان ہیں ہمیں چلنا ہو گا۔ زاران کی بات پر وہ اس کے سینے کو اپنی مٹھی سے سے سختی سے دبوچتے اس کے زخمی سینے میں اپنے ناخن کھبو چکی تھی۔ حویلی جانے والی

بات پر اس کا چہرے کی سرخ رنگت زردی مائل ہوئی تھی۔ پورے بدن پر ایک بار پھر سے لرزا طاری ہوا تھا۔۔

زاران یہ دیکھت اس کے گرد اپنا حصار مزید مضبوط کر گیا تھا۔۔

زاران خانزادہ کی بیوی ہو تم۔۔ زاران کی ملکیت۔۔ میری اجازت کے بغیر تمھیں ہوا بھی چھو نہیں سکتی۔۔

کسی انسان کا چھونا تو دور بات ہے۔

ایک سردار اور منسٹر کی بیوی ہو تم۔۔۔ تمھیں کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔۔

آئندہ تمھیں کوئی بھی کچھ کہے تم اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے جواب دو گی۔۔

تمھارے کردار پر کوئی بھی بات کرے چاہے میری مورے اور تمھاری ماما ہی کیوں نہ ہو تم ان کی بولتی بند کرو گی یہ کہہ کر میرے زاران کو مجھ پر خود سے زیادہ یقین ہے۔۔اس کے لیے میں ایک باوفا باحیا بیوی ہوں۔ پھر آگے میں خود نبٹ لوں گا سب سے۔ تمھیں ڈرنا صرف اپنے سفاک خانزادہ سے چاہیے جس کی سزا تمھارے لیے بہت سخت ہونے والی ہے۔۔زاران اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے بولا تھا اور اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتا چلا گیا تھا۔

زاران خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر حویلی کے بڑے سے کار پورچ میں آکر چرچرائے تھے۔زاران نے گاڑی روکتے گہری نگاہ ابرش پر ڈالی جو اپنی طرف کے شیشے سے باہر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔پورے راستے اس نے ایک بار

بھی اس پر نگاہ نہیں کی تھی۔ بلکہ ونڈ سکرین پر بھی نظریں نہیں جمائی تھیں۔ وہ رخ موڑے بیٹھی رہی تھی۔ زاران کے لب گہرا مسکرائے تھے۔ وہ یقینا اپنے رات کے وائلڈ رومانس کی وجہ سے اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

جب اس ٹائم شرم نہیں کی اب کیا فائدہ شرم دکھانے کا۔ ثابت ہوتا ہے تم انتہائی بے شرم ہو۔ زاران نے ابرش کی طرف جھکے سرگوشی کی تھی ابرش کی رنگت میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی تھیں۔ ابرش مزید دوسری طرف کھسکی تھی۔۔ اس کی طرف رخ نہیں کیا تھا۔

زاران مسکراہٹ دبائے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔ ابرش ایک جھٹکے سے اس کے سینے میں آن سمائی تھی۔

زاران کے سٹانی چینے پر ہاتھ جماتے ابرش نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ جو سرد مگر ذو معنی انداز سے بہت گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے دیکھتے اپنے نچلے لب کے زخم پر زبان پھیرتے اسے آنکھ ونک کی تھی۔

زاران کے ایکٹ پر ابرش نے روہانسے ہوتے جلدی سے نظریں جھکائیں۔ وہ جانتی تھی وہ کبھی اب زاران سے نظریں نہیں ملا پائے گی۔ رات وہ بہت بے باکی سے رومانس کر چکی تھی۔۔ ایک ایک ایکٹ بے باکی سے بھرپور تھا۔ وہ تو سر سے پیر تک سرخ ہو رہی تھی۔ زاران گاڑی میں اسے رات کے مختلف مومنٹ بنا کسی شرم کے تفصیل سے اگاہ کر چکا تھا۔ اس نے کب کیا کیا ؟؟ رات والا رومانس جتنا بے باک تھا۔ وہ بتانے میں اور سوچنے میں زیادہ

و لگر لگ رہا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے زاران کے سامنے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

زاران نے ہاتھ بڑھائے نرمی سے اس کا نقاب اتارا۔ اس کے سرخ قندھار گال دیکھ کر زاران نے بمشکل اپنے قہقے پر قابو پا رہا تھا۔

اترو گاڑی سے۔۔ اور تم جتنی بے شرم ہو شرماتی بلکل اچھی نہیں لگ رہی۔۔ زاران سرد آواز میں کہتے اس کی جھکی نظریں دیکھتے مسکراہٹ دباتا گاڑی سے اترا۔

ابرش گہرا سانس لیتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اتری تھی۔ زاران ابرش کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔۔

لاونج میں روزینہ خانم امینہ عابیر خانم درید خان سمیع اللہ خان زحلے عنائیہ اور آہل بیٹھے ہوئے تھے

سب کو لاونج میں بیٹھ دیکھ کر زاران نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی تھی۔ ابرش سب کو دیکھتے گھبراتے ہوئے زاران کے قریب ہوئی۔۔ کپکپاتے ہاتھوں سے زاران کی مضبوط کلائی تھامی۔۔

زاران نے اس کے بدن کی کپکپاہٹ دیکھتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔

ابرش نے بے یقینی سے بھیگی آنکھوں سے زاران کو دیکھا تھا۔۔ اس کے پروٹیکٹ کرنے کا یہ انداز پہلی بار دیکھا تھا وہ یوں سب کے سامنے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے گا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

سمیع اللہ خان یہ دیکھتے لاٹھی پر دباؤ ڈالتے کھڑے ہوئے تھے۔

تم بہت بیغیرت ہے زاران۔۔ ہمارا تمام پوتا سے بڑھ کر تم بے غیرت ہے۔

ہمیشہ تم کو عزت دیا اپنا سب پوتا سے بڑھ کر مان دیا۔ ہمارا کسی پوتا نے ہمارا

مان نہیں رکھا سوائے ہمارا شہرام کے۔ جس نے ہمارا عزت بنایا اتنا بڑا

ہسپتال بنا کر۔۔ اس کا بیوی بھی تو ہے۔ اس نے کیسا سنبھال کر رکھا ہے اپنا

بیوی کو۔۔ آج تک کوئی تماشہ نہیں لگایا اس نے یوں حویلی کا پیچ و پیچ۔ اتنار

عجب ہے ہمارا شہرام کا اپنا بیوی اور اپنا رشتوں پر۔۔۔ تم ہوا رحام ہو یا پھر

اسفند تم سب نے ہمیشہ ہمارا سر ہو۔ جھکایا ہے۔ تمھارا تو کیا بات ہے۔۔ اس

لڑکی نے تو کیا بات ہے۔ لڑکی نے پورا برادری کا سامنے تمھارا سر جھکایا۔۔

تمھارا نکاح سے بھاگ گیا تمھارا تماشہ بنایا۔ اب پوری دنیا کے سامنے تمھارا

تماشہ بنا دیا۔۔ اس کو تم اپنے ساتھ لگائے رکھا ہے اس سے اچھا تھا تم اس کو

کاٹ کر اپنا فارم ہاؤس میں پھینک آتا۔ سمیع اللہ خان غصے سے گرجے تھے۔

سمیع اللہ کی گرج پر ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔ جو سرخ آنکھوں سے سمیع اللہ خان کو دیکھ رہا تھا۔

آئی ایم سوری۔۔۔۔ زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ابرش کے لفظ بے آواز پھڑ پھڑائے تھے۔۔ اس کی وجہ سے اسے کتنی بار اسے ذلیل ہونا پڑا تھا۔۔ اسے شدت سے احساس ہوا تھا۔ زاران کے لیے لفظ بے غیرت ابرش کو بری طرح چھا تھا۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جا رہی تھی۔۔ جس کی گرفت ابھی تک اس کے گرد مضبوط تھی۔ اس نے ابھی بھی اسے اپنے حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔

سمیع اللہ کی گرج پر سب ہی صوفوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

داجی ابرش بیوی ہے میری میرے لیے اتنی ہی عزت کے قابل ہے جتنی میری مورے میری بہن۔۔ میری زندگی میں میرے لیے احترام کے قابل یہ تین عورتیں ہیں۔ اور مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔

جب اپنی بہن کی کسی غلطی پر میں اسے بنا سوچے سمجھے معاف کر سکتا ہوں تو یہ اصول میری بیوی کے لیے کیوں لاگو نہیں ہوتا۔

تمھارا بہن اور مورے نے بھی ایسی شرمناک غلطیاں نہیں کیا۔۔ اور ہمارا بیٹی کو اس لڑکی سے ملانا کی ضرورت نہیں ہے۔۔ ہمارا بیٹی نے یہ سب کچھ تب نہیں کیا جب اس کا نکاح بابرک کے ساتھ کر دیا تھا۔۔ اس کا ساتھ کتنا زیادتی ہوا اس کو بابرک نے سیڑھیوں سے دھکا دیا۔ کیا کبھی وہ بے شرموں کی طرح مردانے میں آیا؟!۔۔ بھی گلہ پھاڑ کر ہمارا تمھارا سامنے طلاق کا لفظ

منہ سے نکالا؟؟ کبھی یوں اس لڑکی کی طرح حویلی سے بھاگا۔۔ جب اس کا نکاح ہم نے اسفند سے کیا اس نے کیسے چپ کر کے ہمارا سامنے نظریں جھکایا۔۔ کبھی آواز اٹھایا اس نے تمھارا ہمارا سامنے کیا؟؟ اسفند کے چھوڑ کر جانے پر بھی ہمارا بیٹی نے بھی کوئی احتجاج نہیں کیا۔۔ سات مہینوں میں کتنا بار ہمارا عابیر حویلی سے بھاگا۔ درید خان زاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غصے دھاڑے تھے۔۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے تم نگاہوں سے درید خان کو دیکھا تھا۔ جنھوں نے بھی اس کے لیے ایک لفظ نہیں کہا تھا آج بھی یہ درید خان کے لفظ اسے اذیت ہی دے گئے تھے۔۔ وہ درید خان کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے استہزائیہ مسکرا گئی تھی۔ سب کے سامنے یہ لفظ چابک کی طرح لگے تھے۔ اسے ایسے لگا تھا جیسے وہ اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ خود کو چابی کا کھلونا سمجھ رہی تھی۔ جسے جب چاہے اس کے رشتے

استعمال کرتے اس کے ساتھ کھیلتے تھے۔اس کا باپ بھائی اس کا شوہر۔۔۔۔

عابیر نے شکوہ کناں نگاہیں زاران پر گاڑھیں جو ابرش کو اپنے حصار میں لیے کھڑا تھا۔۔عابیر کی آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔۔اپنے بھائیوں کی وجہ سے اس کا ہر خواب چکنا چور ہوا تھا۔

اگر اس کے دونوں بھائی اس کا ساتھ دیتے وہ بھی آج بہارے کی طرح ڈاکٹر ہوتی۔۔اسے حویلی کے کسی مرد کی ضرورت نہ ہوتی نہ اس سفاک اسفندیار خان کی۔۔۔

آج ابرش کا ساتھ دے سکتا تھا تو اسے ڈاکٹر بناتے وقت بھی دے سکتا تھا۔

شہرام بہارے کو ڈاکٹر بنا سکتا تھا کیا اسے نہیں بنا سکتا تھا۔۔وہ آخر کہاں آتی تھی اس کا درد تو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا تھا۔۔۔کیا حویلی کی فرمانبردار بیٹی ہونا اس کا گناہ تھا؟؟

عابیر اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہچکیاں روکتے بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ابرش تم اوپر کمرے میں جاؤ۔۔ زاران نے اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے نرمی سے کہا۔ وہ زاران کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلاتے جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔۔

رک جاؤ خبردار تم کمرے میں گیا۔۔ درید خان غصے سے گرجے تھے۔۔

درید خان کی گرج پر ابرش کانپتے ہوئے وہیں پر رک گئی تھی۔۔ زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پا کر رہ گیا۔۔۔

زحلے تم اپنا بیٹی کو ادھر سے لے کر چلا جاؤ۔۔ تم سب امریکہ چلے جاؤ۔ جب تک یہ ادھر رہے گا ہمارا بیٹا ایسے ہی سر سر جھکائے شرمندہ ہوتا رہے گا۔ درید خان زحلے کو گھورتے ہوئے غصے سے بولے۔۔ درید خان کی بات پر وہ مزید نظریں جھکا گئی تھی۔

آپ کو کس نے کہا میرا سر جھکا ہوا ہے ؟؟ اور میں شرمندہ ہوں۔۔ زاران کی استہزائیہ آواز گونجی تھی۔ تم اس لیے شرمندہ نہیں ہے کیونکہ تمھارا اندر لگتا ہے پٹھانوں کا خون نہیں ہے۔۔ سمیع اللہ خان غضبناک ہوئے تھے۔۔

سمیع اللہ کی بات پر امینہ خانم نے اپنے منہ پر چادر رکھتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑی تھیں۔

رردید خان غصے سے زاران کو دیکھ کر رہ گئے جو سرد سرخ نگاہوں سے سمیع اللہ کو دیکھ رہا تھا۔ داجی۔۔۔۔۔۔ ایک بات یاد رکھیے گا میں یہاں کا سردار ہوں۔۔ اور یہ حویلی میرے اور ارحام لالا کے نام ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر میرے لیے لفظ منہ سے نکالیں۔ زاران نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہتے

اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔ سمیع اللہ کی بات اسے سوئیاں چھو گئی تھی۔ یہ کیا کہہ رہا ہے تم ؟؟ تم ہوش میں ہے بابا سے کیسے بات کر رہا ہے تم درید خان قہر بار لہجے میں بولے تھے۔ بابا داجی کی عزت ہمیشہ میں نے کی ہے۔ اپنے لیے بغیرت کا لفظ بھی سنا ہے اور بار بار سنا ہے۔ مگر میرے اندر پٹھانوں کا خون نہیں ہے یہ الفاظ میں برداشت نہیں کروں گا۔۔ انھیں جواب دے کر بتایا ہے کہ میرے اندر پٹھانوں کا ہی خون ہے۔ بات جب غیرت پر آجائے تو کوئی رشتہ معنی نہیں رکھتا۔

اس لیے ائیندہ جس نے میرے خون پر سوال اٹھایا۔

اس کے ساتھ میرا کوئی رشتہ نہیں ہوں گا بھول جاؤں گا سامنے کھڑے انسان سے میرا کیا رشتہ ہے۔۔ آخر پٹھان ہوں میں اپنے خون پر سوال کیسے

برداشت کروں گا۔ اگر برداشت کروں گا تو داجی کے لفظوں پر سچ میں مہر لگ جائے گی۔ مجھ سے بڑا بے غیرت کوئی نہیں۔۔ زاران نے طنزیہ انداز میں لفظ چباتے بولا۔۔

زاران کے انداز پر سمیع اللہ اور درید خان کی رنگت میں خطرناک حد تک سرخیاں گھلی تھیں۔ تم اس لڑکی کی وجہ سے ہم سب سے ایسے بات کر رہا ہے۔

لڑکی نہیں ہے یہ داجی۔۔ بیوی ہے یہ میری نواسی ہے یہ آپ کی۔۔ زاران سمیع اللہ خان کی بات کاٹتے دبی آواز میں چلایا تھا۔۔ نہیں ہے یہ ہمارا نواسی جب اس کا ماں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تو اس تو اس کا بیٹی سے ہمارا تعلق کیسے ہوا۔ سمیع اللہ خان زحلے کو دیکھتے غصے سے بولے۔ زحلے سب کے سامنے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ اپنوں کی محبت اسے یہاں کھینچ لائی

تھی مگر انھیں اب احساس ہو رہا تھا ان سے غلطی ہو گئی۔ ایسے رشتوں سے اچھا تھا وہ امریکہ میں ہی اپنی باقی زندگی گزار دیتی۔

ٹھیک ہے نہیں ہو گا آپ کا تعق اپنی بیٹی سے۔ مگر میرا تعلق میری بیوی سے ہے۔۔ آئیندہ اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا جو بھی اسے کچھ کہے گا یہ یاد رکھے گا یہ پاشا یا زحلے کی بیٹی نہیں بلکہ بلکہ زاران خانزادہ کی بیوی اس کی عورت ہے جو اس حویلی کا مالک اس گاؤں کا سردار اور صوبے کا منسٹر ہے۔ زاران کی غراہٹ پوری حویلی میں گونجی تھی۔

ابرش نظریں جھکائے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے طرح رو دی تھی۔

اس لڑکی نے کیا کیا نہیں زاران ؟؟ تم اس کا واسطہ ہم سب سے ایسے بات کر رہا ہے۔ تم بول رہا ہے تم پٹھان ہے۔ تمھارا اندر پٹھانوں کا خون ہے اس لڑکی نے کل جو کیا تم کو ذرا فرق نہیں پڑا۔۔ اس کا تصویریں میڈیا پر آیا۔ میڈیا تمھارے بارے میں کیا کہہ رہا تھا تم جانتا ہے۔ بلکہ تمھارا بیوی کا یہ الفاظ ہے تم جگہ جگہ منہ مارتا ہے۔۔۔ ایک بیوی ایسا اپنا شوہر کے متعلق ایسا کہتا ہے۔۔ اس بات کو سرخی بنا کر تمھارا کردار پر تمھارا اپنا بیوی نے جو تمغہ سجایا ہے۔ اس کے بعد بھی تم ہمارا سامنے نظریں اٹھائے کھڑا ہے۔ دردید خان غصے سے پھنکارے تھے۔

اور یہ جو تم کو غرور ہے۔ تم منسٹر ہے سردار ہے تم کو لگتا ہے تم اس کے بعد سردار اور منسٹر رہے گا۔ دریدزاران کو دیکھتے خان طنزیہ مسکرائے تھے۔

میں ارحام لالا نہیں ہوں جو اپنی جگہ آرام سے چھوڑ دے۔ نہ مجھے منسٹری سے کوئی نکال سکتا ہے نہ سرداری سے۔۔۔ کوئی ایسا کر کے دکھائے تو سہی۔۔ زاران نے طنزیہ کہتے سمیع اللہ خان پر نظریں گاڑھیں۔۔ سمیع اللہ نے زاران کے انداز پر اپنا غصہ بمشکل کنٹرول کیا تھا۔ وہ ان کے باقی پوتوں جیسا نہیں تھا وہ جانتے تھے۔۔ وہ بغیرتی میں ان سب سے دو ہاتھ آگے تھا۔

بے غیرت۔۔۔ سمیع اللہ زاران کو گھورتے اب بڑبڑائے تھے۔۔

اور ابرش نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا۔ اسے میں نے خود اپنے بنگلے پر بلوایا تھا۔ آہل میرے کہنے پر ہی اسے لے کر آیا تھا۔ میری آجازت سے ہی وہ حویلی سے نکلی تھی۔۔ میں اسے اپنی پارٹی کی کچھ فی میل ورکر سے ملوانا چاہتا تھا۔۔ سب میری بیوی سے ملنا چاہتی تھیں۔ وہ پورے پردے میں آئی تھی۔۔

عبد حق کے میرے ساتھ کچھ ڈالی ایشو تھے۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا میں اپنی سیٹ چھوڑ دوں۔۔ جس کی وجہ سے اس نے یہ سب کیا۔۔ جہاں تک ابرش کی تصویریں ہیں وہ اس کی نہیں ہیں کسی اور لڑکی کی تھیں۔ تبھی تو میڈیا بلر کر کے دکھا رہا ہے۔ اگر اصل میں ابرش کی ہوتی تو عبد الحق کے ساتھ میڈیا مل کر اس کی تصویریں پوری طرح دکھاتا۔۔ ابرش کو کسی نے آج تک نہیں دیکھا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میری وجہ سے ابرش کو بیچ میں لایا گیا ہے زاران نے سب کی آنکھوں میں دیکھتے کہا تو ابرش نے روتے ہوئے اس کی طرف بے یقینی سے دیکھا تھا۔۔ وہ آج پھر اس کی وجہ سے جھوٹ بول رہا تھا۔۔

آبل زاران کو دیکھتے تم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔۔ زعلی زاران کو دیکھتے بری طرح رو دی تھی۔ زاران کی صورت میں پاشا کی دی ہوئی ہر تکلیف سے جیسے آج نجات ملی تھی۔ ان کی بیٹی کا نصیب ان جیسا نہ تھا۔ وہ زاران کو دیکھتے اب تم آنکھوں سے مسکرائی تھیں۔

زاران کس کس سے جھوٹ بول کر بیوقوف بنائے گا۔ اور اس لڑکی کے لیے کس کس سے لڑے گا کس کس کے سامنے نظریں جھکائے گا؟؟۔۔ مت کرو یہ سب۔۔ مان لو ہمارا بات اس کو چھوڑ کر کسی واسطے اچھا لڑکی کا ہاتھ تھام لو۔۔ کوئی ایسا لڑکی جس کا تمھارا حکم اس کا جان سے بڑھ کر ہو۔۔ جو تمھارا اماں تمھارا بہن کی طرح کا ہو۔۔ تمھارا حویلی میں رہنے والوں کا تمھارا مورے کا عزت کرتا ہو۔ یہ تمھارا بیوی صرف تمھارا کمرا میں رکھے شوپیس کی طرح ہے۔ جس کو تم دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس میں خوبصورتی کا

علاوہ کچھ نہیں ہے۔۔ سمیع اللہ لاٹھی پر دباؤ ڈالتے ابرش کو نفرت سے دیکھتے بولے۔

داجی بہت بار کہہ چکا ہوں۔ آئیندہ نہیں کہوں گا۔ ابرش کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی نہیں چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اسے مار کر پھینک سکتا ہوں مگر اسے چھوڑ نہیں سکتا۔۔ میرے بارے میں سب کو ایک بات پتہ ہونی چاہیے۔ جو ایک بار زاران خانزادہ کا ہو جائے وہ صرف زاران کا رہتا ہے۔۔ اسے یہاں دیکھ کر آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ اس عورت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔ سنا آپ نے اس عورت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے چاہے قیامت آ جائے۔۔ زاران خانزادہ بھی اپنی عزت کو نہیں چھوڑے گا۔

یہ عورت اب مرکزہ ہی حویلی سے نکلے گی۔۔اس کے جنازے تک کو میں کندھا دوں گا۔۔سنا آپ لوگوں نے۔۔زاران غصے سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔۔

زاران کے دھاڑنے پر سب لب بھینچے خاموش ہوئے تھے۔۔لاونج میں موت سا سناٹا چھایا تھا۔۔ابرش نے زاران کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اسے دیکھا جو اپنے غصے سے سب کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ٹھیک ہے مت چھوڑو اس لڑکی کو۔۔رکھو اس کو اپنا پاس۔مگر تم کو اس کو سزا دینا چاہیے۔۔اس کو بتاؤ کہ یہ ایک عورت ہے۔اس کو اس کا اوقات میں رکھنا چاہیے تمھیں۔۔اس کو بتاؤ جب کوئی عورت ایسے سر عام اپنا مرد کا تماشہ بناتی ہے تو وہ اپنا ساتھ اپنا مرد کا عزت بھی دو کوڑی کا کر کے رکھتا ہے۔۔۔اس نے تم پر الزام لگایا ہے تو تم اب اس کا الزام سچ کر کے

دکھاؤ۔۔اس پر سوتن لے کر آؤ۔اس کو پتہ چلے مرد کو جب باہر منہ مارنا ہو تو وہ اپنا اوپر الزام نہیں لگواتا۔اپنا عورت کے منہ پر اس کا لگایا ہوا الزام دوسرا نکاح کی صورت میں مارتا ہے یہ کہہ کر وہ دوسرا عورت کو ہم تمھارا جگہ دے چکا ہے۔اب خبردار میرا دوسرا بیوی کے متعلق یا مجھے کچھ بھی کہا۔ایسا قابو آتا ہے اس طرح کا عورت جس کو اپنا مرد پر یقین نہ ہو۔۔ سمیع اللہ ابرش کی طرف دیکھتے غصے سے پھنکارے تھے۔۔وہ کل سے زاران کے خلاف نیوز سن کر بہت پریشان تھے۔۔زاران انھیں اپنے بیٹوں سے بڑھ کر عزیز تھا۔۔ آج بھی عزیز تھا وہ چاہے جتنی مرضی بدتمیزی کر لے۔ مگر وہ انھیں بہت عزیز تھا۔۔ابرش سے انھیں پہلے سے زیادہ نفرت ہوئی تھی۔

سمیع اللہ کی بات پر ابرش سر نفی میں ہلاتے خوفزدہ نگاہوں سے زاران کو دیکھتے اس کی طرف بڑھی۔ زاران مم۔۔۔ مجھے آپ پر یقین ہے۔ مم۔۔ میں تو ایسے ہی آپ کے پیچھے آئی تھی۔۔

۔ آپ جانتے ہیں ناں مجھے آپ پر یقین ہے۔ میں نے۔۔ لک۔۔۔ کچھ بھی نہیں کہا تھا۔۔ میں نے ستارہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ میڈیا والے جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں ناں۔۔ مم۔۔ میں نے لک۔۔ کچھ نہیں کہا۔۔ میں اب بھی آپ پر شک نہیں کروں گی۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے۔۔ آپ جو کہیں گے وہی کروں گی۔ میں اب کبھی آپ کی آجازت کے بغیر حویلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گی۔ مگر مجھے یہ سزا مت دیجیے گا۔ آپ کی ہر طرح کی سزا قبول ہے مگر یہ سزا قبول نہیں کروں گی۔

ابرش تیزی سے زاران کی طرف بڑھتے اس کا بازو دبوچتے روتے ہوے بولی۔

زاران نے اپنے بازو پر رکھا ابرش کا ہاتھ نرمی سے پیچھے کیا تھا۔ ابرش کی سانسیں رکی تھیں۔ ابرش نے زرد رنگت سے زاران کو دیکھا۔۔ ابھی وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے ہوئے تھا۔ اب اس کا ہاتھ پیچھے کر رہا تھا۔

ابرش تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ زاران نے اس کی زرد رنگت کو دیکھتے حکمیہ لہجے میں کہا کیوں جاؤں اپنے کمرے میں ؟؟۔ ساری باتوں کا جواب میرے سامنے دیا ہے اس بات کا جواب بھی دیں۔ سب کے سامنے کہا کہ آپ ساری عمر مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ یہ بھی سب کو بتائیں کہ آپ ساری عمر کسی دوسری عورت کو میرا مقام نہیں دیں گے۔۔ ابرش دبی آواز میں زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چلائی تھی۔

ابرش اوپر کمرے میں جاؤ۔۔ زاران اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے سرد لہجے میں بولا۔ کیا کہہ رہی ہوں میں ؟؟ سب کو بتائیں آپ صرف میرے ہیں۔ ابرش زاران کی شرٹ پھر سے مٹھیوں میں جکڑے غرائی تھی۔۔ یہ عورت کبھی تمھارا کوئی بات نہیں رکھ سکتا۔ یہ ہمیشہ ایسا ہی کرے گا۔۔ دیکھ لو اس کا بد تمیزی سارا حویلی کا سامنا تمھارا گریبان پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ سمیع اللہ طنزیہ مسکرائے تھے۔

سمیع اللہ کے طنز پر ابرش نے نے گہرے سانس لیتے روتے ہوے زاران کو دیکھا دوسرے پل وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

زاران ہم نے جو ابرش کے ساتھ کیا۔ وہ بہت غلط تھا بہت زیادہ غلط ہم کو احساس ہے۔ ہم کو اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم سے نکاح کے بعد وہ زحلے کا نہیں ہمارا بیٹی ہونا چاہیے تھا۔ ہم ابرش کا اور تمھارا رشتہ پر بہت خوش تھا۔ مگر جب یہ تمھارا نکاح سے بھاگا۔ اس کا بعد ہمارا دل اس سے برا ہوا۔۔ جب تم اس کو زبردستی دلہن کے لباس میں لایا تب بھی ہم کو ابرش پر رحم آیا تھا۔ یہ روتا ہم کو ایک عورت الگا روتا بلکتا ہم کو ایک صرف عورت لگا۔۔۔ ہم کو تمھارا اٹھایا ہوا قدم ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ مگر جب ابرش جرگے میں ہمارا منع کرنے کے باوجود وہ بغیر کسی پردے کے چلا گیا۔ اس نے وہ سب کہا ہمارا دل اس لڑکی کی طرف سے کڑوا ہو گیا۔ ابرش کی جگہ ہمارا اپنا بیٹی ہوتا ہم اس کا گال تھپڑوں سے لال کر دیتا۔ ہم نے بھی عابیر کا کسی غلط بات پر ساتھ نہیں دیا۔ ہم مانتا ہے ہمارا سلوک غلط تھا ابرش کے

ساتھ۔۔ مگر اس نے بھی ڈیڑھ انچ کا مسجد بنائے رکھا کبھی ہم کو تمھارا مورے کا مان ہی نہیں دیا۔ کبھی ہم کو نہیں بتایا وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ ایک عورت کیسے بتاتا ہے سب کو وہ اپنا مرد سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کا رشتوں کو دل سے اپناتا ہے۔ مگر پلوشہ نے وہ سب کیا۔۔ جو بہو ہونے کا ناطے ابرش کا فرض بنتا ہے۔۔ مانتا ہے پلوشہ نے نے وہ سب جھوٹا ناٹک کیا۔ مگر کیا تو سہی۔۔ اب یہ کل بنا بتائے بلکہ ہمارا اواز دینے کے باوجود بد تمیزی سے حویلی سے نکل گیا۔ کیا اس کا حق بنتا تھا؟؟ ہمارا ساتھ ایسا سلوک کرتا۔ جب اس کو ہم بیٹی کا مان دے چکا تھا۔۔ اس کو ہم کو پہلے سب کچھ نہیں بتانا چاہیے تھا۔ جب تم اس کو سب کا سامنے اتنا مان دے چکا تھا۔۔ اس کا کو سب کا واسطہ تم سب سے لڑا ہے۔ آج نہیں پہلے بھی تم اس لڑکی کا واسطہ سب کے مقابل آیا۔ اس کو تم پر اعتبار کرنا چاہیے تھا کہ نہیں۔۔ اور آج پھر وہ

تمھارا نظریں جھکا جکا ہے۔۔اب تم بتاؤ ہم کو ابرش کیسے اچھا لگے گا۔جب ہمارا بیٹا ہی خوش نہیں ہے۔امینہ خانم زاران کے قریب آکر روتے ہوے بولی۔

امینہ خانم کی بات پر ابرش اپنے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی دروازے کے ساتھ ٹیک سک پڑی تھی۔

مورے۔۔۔۔میں نے آپ کی پوری بات بہت تحمل سے سنی ہے۔اب آپ میری بات سنیں گی۔۔اگر ابرش کی جگہ عابیر ہوتی تو کیا تب بھی اسفند کی دوسری شادی کروائی؟؟۔۔اسے مشورہ دیتی کہ وہ دوسری شادی کرے۔۔زاران نے امینہ خانم کے ہاتھ تھامے ان کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا تھا۔

امینہ خانم زاران کے سوال پر نظریں جھکا گئی تھی۔

مورے میرے سامنے نظریں مت جھکائیں۔۔ میری مورے ہیں آپ۔۔

میری بیوی ایک طرف آتی ہے۔ اور میرے لیے میری مورے ساری دنیا ہے۔۔۔ وہ کبھی آپ کی جگہ نہیں لے سکتی۔ مگر یہ بھی سچ ہے جو اس کی جگہ ہے۔ وہ بھی کوئی نہیں لے سکتا۔ اس کی غلطیاں آپ کو نشاندہی کرنی چاہیے تھی۔ وہ کمرے میں رہتی تھی آپ کو احساس دلانا چاہیے تھا۔ یہ آپ بھی جانتی ہیں۔ وہ بد تمیز اور منہ پھٹ نہیں ہے۔ وہ کسی سے بد تمیزی نہیں کرتی۔ نہ نکاح کے بعد اس نے کبھی کسی کے سامنے تماشہ لگایا ہے۔ وہ جذباتی ضرور ہے مگر بد لحاظ نہیں جس طرح ہر کوئی اسے کھرے میں کھڑا رکھتا ہے وہ بد لحاظ اور بد تمیز ہوتی تو اس وقت دو بدو سب کو جواب ضرور دیتی۔۔

مورے جن حالات میں میرا اس سے نکاح ہوا۔ جو سلوک میں اس کے ساتھ کرتا تھا وہ کیسے آپ سب کو اپنا مان سکتی تھی۔ وہ کل میری آجازت

سے حویلی سے نکلی تھی۔اس نے آپ کی بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟؟

میں اسے اس بات پر دیا؟ میں اسے اس بات پر ڈانٹوں گا۔وہ اب کبھی ایسا نہیں کرے گی۔ مگر اب آپ اس کے خلاف دل میں کوئی بات نہیں رکھیں تھی۔۔اس کی کوئی بات بری لگے عابیر کی طرح ہی اسے ڈانٹیں گی۔۔

زاران امینہ خانم کی پیشانی چوم کر نرمی سے بولا۔۔میں آپ سب سے آخری بار کہہ رہا ہوں۔اب میں کبھی خود کو کٹھرے میں کھڑا کر کے آپ سب کے سوالوں کے جواب نہیں دوں گا۔ابرش سے کوئی بھی غلطی ہوئی اس کا ذمہ دار میں ہوں۔اسے سزا جزا دینے کا اختیار بھی میں رکھتا ہوں۔وہ صرف میری بیوی ہے۔آپ لوگوں کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں آج سے۔۔یہ رشتہ اب وہ تب نبھائے گی جب آپ لوگ اسے مان دیں گے۔۔۔جس کبھی نے مجھ سے میری بیوی کے متعلق آئیندہ مجھ سے سوال

جواب کیا میں اس سے ہر تعلق توڑ دوں گا۔ زاران سب کی طرف دیکھتے اٹل لہجے میں بولتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔۔ سمیع اللہ درید خان مٹھیاں بھینچ کر خاموش ہو گئے تھے۔۔ وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا وہ کسی بھی حال میں زاران سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔ سمیع اللہ کی طرح درید خان کو بھی زاران بہت عزیز تھا۔۔ زاران سیڑھیوں کی طرف بڑھتے بڑھتے رکا تھا۔ پھوپھو زاران نے مڑتے ہوئے زحلے کو پکارا تھا۔۔۔

زاران کی پکار پر زحلے نے زاران کی طرف دیکھا تھا۔۔ آپ بھی ائیندہ ابرش کو کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ سوچیں گی ضرور وہ پاشا کی بیٹی نہیں زاران خانزادہ کی بیوی ہے۔۔ برداشت نہیں کروں گا کوئی بھی غلط لفظ اپنی بیوی کے متعلق۔۔۔ زاران زحلے سے سرد آواز میں کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

زاران کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ابرش اظطرابی انداز میں کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ چادر بیڈ پر پڑی تھی۔ وہ میرون ڈریس میں ملبوس تھی۔ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔۔ آنکھوں کی رنگت گلابی ہو رہی تھی۔ اس نے وہ نہیں کہا تھا جو وہ سننا چاہتی تھی۔۔ اس نے وہ سنا چاہتی سب کچھ کہا تھا مگر یہ نہیں کہا تھا وہ صرف اس کا ہے۔

وہ گہرے سانس لیتے جلے پیر انداز میں چکر لگا رہی تھی.

وہ زاران کو دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

کیسے سزا دو گے مجھے ؟؟۔۔ بولو ویسے سزا دو گے مجھے جیسے تمھارے گھر والے کہہ رہے تھے۔۔

وہ گہرے سانس لیتے جلے پیر انداز میں چکر لگا رہی تھی.

وہ زاران کو دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

کیسے سزا دو گے مجھے ؟؟۔۔ بولو ویسے سزا دو گے مجھے جیسے تمھارے گھر والے کہہ رہے تھے۔۔

ایسے سزا دو گے مجھے۔۔ ابرش تڑپتے ہوے اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔

نہیں میری سزا دینے کا انداز مختلف ہو گا۔۔ اب میری قربت تمھاری سزا ہو گی.

تمھاری قربت میرے لیے کبھی سزا نہیں ہو سکتی جانتے ہو تم یہ اچھی طرح۔۔ ابرش انگشت شہادت اٹھائے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

جانتا ہوں میں مگر اب میری قربت تمھارے لیے سزا بنے گی۔ جب دن رات مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔ تمھارا سٹیمنا بہت زیادہ ہے یہ مجھے رات کو پتہ چلا مگر اب تمھارے اسی سٹیمنے کو مجھے مات دینی ہے۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ زاران کی بات کا مطلب سمجھتے وہ گردن تک سرخ ہوئی تھی۔۔ اس کے حصار میں وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ زاران کے لب اس کی جھکی نظریں دیکھتے گہرا مسکرائے تھے۔

مات دینی ہے۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ زاران کی بات کا مطلب سمجھتے وہ گردن تک سرخ ہوئی تھی۔۔ اس کے حصار میں وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ زاران کے لب اس کی جھکی نظریں دیکھتے گہرا مسکرائے تھے۔

جو تم رات کو کر چکی ہو ویسے تمھارا شرمانا بنتا تو نہیں ہے۔ زاران اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے اپنے وجود سے ایک جھٹکے سے آزاد کر گیا تھا۔

زاران کے برہنہ سینے پر نشان دیکھتے ابرش کی رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔

زاران مسکراہٹ دبائے اسے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔ وہ نرم گدے پر سیدھے انداز میں گری تھی۔ ابرش زاران کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتے سائیڈ کروٹ لیے رخ موڑتے تکیے میں منہ چھپا گئی تھی۔

زاران نے اپنا قہقہ مشکل سے روکا تھا۔ اس کی بیوی جو کبھی نہیں شرمائی تھی اب وہ اس کے سامنے نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا آج رومانس کرتے وہ جذباتی تک نہیں ہو گی۔۔ شائد ہی وہ اپنی آنکھیں کھولے۔۔

کوئی بات نہیں بیوی تمھارا ہر انداز دیکھا ہے۔اب دیکھنا شرماتی ہوئی بیوی کیسی لگتی ہے۔۔زاران اس پر جھکے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے کان میں گھمبیر سرگوشی کر گیا تھا۔

ابرش کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔وہ بیڈ شیٹ اپنی مٹھی میں دبوچ گئی تھی۔۔۔۔۔

زاران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے سیدھا کیا وہ سچ میں آنکھیں نیچے ہوئی تھی۔زاران نے پھر سے بہت مشکل سے اپنا قہقہ گلے میں گھونٹا تھا۔

My shameless wife,"

".remove your shirt

زاران اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے سرگوشی نما آواز میں بولا۔۔ ابرش مزید سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

بہت بے شرم بیوی بنی ہوئی تھی کل رات تم۔۔۔ وہ سب سوچتے مجھے شرم آرہی ہے۔ زاران نے شرارتی لہجے میں کہتے اس کی گردن اپنی شدتوں سے جامنی کرتے ابرش کی طرف دیکھا جو آنکھیں میچے اس کے حصار میں بری طرح لرز رہی تھی۔۔

کل تم نے اپنا وائلڈ پن دکھایا آج میں دکھاؤں گا میری بے شرم بیوی۔۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا۔ ابرش اس کی گردن میں ہاتھ ڈالتے آنکھیں نیچے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔

اے بے شرم بیوی۔۔۔ یہ ایسی شرم ہے شرماتے ہوے بھی میرے ساتھ لپٹ رہی ہو۔۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا تو ابرش نے آنکھیں کھولتے

اسے دیکھا تھا دوسرے پل وہ اسے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلتی پیچھے ہوئی تھی۔۔

زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے اس کی شرٹ کو اس کے وجود سے آزاد سے آزاد گیا تھا۔

ابرش زاران کی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

اپنے زاران مسکراتے ہوئے اس کی برہنہ کمر پر جھکتے لب رکھتے اس کی سائیڈ گردن پر آتے اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔ مزا نہیں آئے گا آج مجھے۔ مجھے تمھاری بے شرمی کی عادت ہو چکی ہے۔۔ کل رات جو انداز اپنے دکھا چکی ہو۔ اب تو ہر رات پھیکی لگے گی جان من۔۔ زاران اسے سیدھا کرتے اس کے لبوں پر جھکتے ریموٹ سے کمرے کی تمام لائیٹس آف کر چکا تھا۔۔ اپنی

بیوی پر اسے ترس آ گیا تھا۔ جو اس وقت اس کی بانہوں میں کمفرٹیبل نہیں تھی۔ وہ اسے مزید تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لائٹ اس لیے بند کی ہے تا کہ تم اپنی بے شرمی کھل کر دکھا سکو۔۔ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے اپنے اور اس کے گرد تمام پردے ریموو کر گیا تھا۔ اس میں مکمل طور پر سماتے اپنی جنون خیزیاں نچھاور کر رہا تھا۔ زاران کی جنون خیزیوں کی آج کوئی حد نہیں تھی۔۔ یہ کمرے میں گونجتی ابرش کی سسکیوں سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔۔ وہ منظم مزاج بندہ تھا کل رات کا بدلہ پوری شدومد سے لے رہا تھا۔ ویسے بھی رومانس میں اسے اپنے لالا ارحام کو پیچھے چھوڑنا تھا جس کا اس کی بیوی غلطی سے نام لے بیٹھی تھی۔۔۔

عابیر نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے گولڈ کے بریسلیٹ کو حیرانگی سے دیکھا۔۔۔

اس کے ساتھ پڑے کارڈ کو عابیر نے اٹھا کر پڑھا۔۔ میرے پیارے بچہ کے لیے جو میرے دل کا ٹکڑا ہے۔

کمھار الالا اس دن کے لیے اپنا بچہ سے معافی مانگتا ہے۔۔ کارڈ پڑھتے ہی عابیر کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔ وہ غصے سے وہ بریسلٹ اٹھائے کمرے سے باہر آئی۔۔

مورے۔۔۔ لالا اپنے کمرے میں ہیں کیا؟؟ عابیر نے لاونج میں بیٹھی امینہ خانم سے پوچھا۔

نہیں بچے وہ مردانے کی طرف گیا تھا۔ امینہ خانم کے بتانے پر وہ تیزی سے مردانے کی طرف بڑھی۔

بھابھی تمھارا بیٹی کا آج کل مردانے کا چکر زیادہ نہیں لگ رہا۔ وہاں دارم خان بھی آیا ہوا ہے یہ پھر وہاں چلا گیا۔ روزینہ خانم غصے سے بولی تھیں۔

وہ کب آیا؟؟۔۔ امینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے پوچھا۔۔

نظریں بے اختیار سیڑھیوں کی طرف اٹھی تھیں۔ اسفندیار اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ بھابھی تم اپنا بہوؤں کو تو قابو کر نہ سکا بیٹی کو ہی کر لیتا۔ وہ دارم خان کی موجودگی میں مردانے چلا ہے۔ اسفندیار خان کو پتہ چلا تو کیا ہو گا تم جانتا ہے۔۔ روزینہ خانم طنزیہ مسکرائی تھی۔ روزینہ تم اپنا منہ بند رکھنا کچھ نہیں ہو گا۔۔ ہم بلواتا ہے عابیر کو۔۔ امینہ خانم نے کہتے ہوئے درخشاں کو پکارا۔۔

اسفند کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر امینہ خانم کے پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکی تھیں۔

عابیر مردانے میں داخل ہوئی تو اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ مردانے میں موجود زاران کے کمرے کی طرف بڑھی جہاں وہ کبھی کبھی ٹھہرتا تھا۔ وہ اس کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر داخل ہوئی تھی۔ دارم خان کو دیکھ کر اس کے ہاتھ سے وہ بریسلٹ چھوٹ کر گرا تھا۔

دارم خان نے اسے حیرانگی سے دیکھا۔ وہ وہ ریڈ کلر کی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔۔ اس کے سنہرے بال کھلے تھے۔ جو سر پر لیے ریڈ شال سے بھی ایک طرف بکھرے نظر آرہے تھے۔۔ گہرا کاجل وہ آنکھوں: آنکھوں میں لگائے ہوئے تھی۔ ہونٹ ریڈش بلڈ لپ سٹک سے سجے تھے۔۔ عابیر کو ایسے دیکھتے دارم خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔۔ وہ اتنی زیادہ خوبصورت ہے یہ اسے آج اندازہ ہوا تھا۔۔

عابیر اسے دیکھتے وہ جلدی سے اپنی ریڈ پشمینہ شال سے اپنا چہرہ ڈھانپ چکی تھی۔۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

رکیے عابیر۔۔۔ دارم خان کی سنجیدہ آواز گو بھی تھی۔۔

عابیر کے قدم ٹھہرے تھے۔ وہ چلتا ہوا پیر کے مقابل آیا تھا۔ میں پوچھنے کا حق تو نہیں رکھتا۔ مگر ایک بات مجھے بہت پریشان کر رہی ہے۔ اور یہ بات میں زاران سے بھی پوچھ نہیں سکتا۔ میں اس کے سامنے آپ کا نام بھی نہیں لے سکتا۔۔ جانتی ہیں نہ ہم پختونوں کو آپ۔۔ دارم خان اس کی کاجل سے لبریز آنکھوں کو بغور دیکھتے بولا۔۔

جی۔۔۔ کہیے۔۔۔ عابیر دو قدم پیچھے ہوتے اپنے چہرے کو مزید اچھی طرح ڈھانپ چکی تھی۔

اسفندیار خان سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟!۔ وہ آپ پر اس دن اتنا حق کیوں جتا رہا تھا؟؟ دارم خان کے سوال پر عابیر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا تھا۔ یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں براک اسفندیار خان کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہے۔۔ آپ نے ایک مرتبہ کہا تھا آپ کبھی شادی کے سلسلے میں براک کو بھی چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔۔ اس کا کیا مطلب تھا؟؟

اسفندیار خان آپ کا کزن ہے۔ وہ کیوں آپ پر اتنا حق جتا رہا ہے۔ جس طرح آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں۔ اس سے کیوں نہیں کرتی۔۔ دارم خان کے سوال سے زیادہ وہ اس کے لہجے کے درشت پن پر حیران ہوئی تھی۔۔ وہ تحیر بھری نگاہوں سے دارم خان کو دیکھ رہی تھی جو اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اسفندیار خان وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے سیڑھیاں اترتے لاؤنج کی طرف بڑھا تھا۔۔

اسلام و علیکم۔۔ اسفند اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوے امینہ خانم اور روزینہ خانم سے سلام کرتے مردانے کی طرف بڑھا تھا۔

اسفند بیٹا کہاں جارہا تم ؟؟ امینہ خانم گھبراتے ہوے صوفے سے اٹھیں تھیں۔

میں مردانے جارہا ہوں خیریت۔۔ اسفند نے رکتے ہوے امینہ خانم کے گھبرائے ہوے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

نہیں تم بیٹھو ہم تمھارا واسطہ ناشتہ بنواتا ہے۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا تھا۔

بھابھی سیدھ طرح بتاؤ اس کو کہ وہ مردانے میں نہ جائے ورنہ وہاں بغیرتی کے مظاہرے دیکھنے پڑیں گے۔ روزینہ خانم کھڑے ہوتے لفظ چباتے بولی۔

کیا کہنا چاہ رہی ہیں مورے ؟؟ اسفند نے روزینہ خانم کو دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

تمھارا بیوی وہاں مردانے میں۔۔۔۔۔

روزینہ خاموش ہو جاؤ خدا کا واسطہ ہے۔ ہم تمھارا آگے ہاتھ جوڑتا ہے۔

ایک منٹ۔۔۔۔۔ اسفندیار خان نے امینہ خانم کو انگشت شہادت اٹھائے خاموش رہنے کو کہا۔۔

کیا کہہ رہی ہیں میری بیوی مردانے میں۔۔ اسفندیار خان کی رنگت غیض و غضب سے سرخ ہوئی تھی۔۔ چہرے پر یکدم چٹانوں سی سختی چھائی تھی۔۔

اسفندیار خان کا غیض و اشتعال سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر امینہ خانم تو دل پر ہاتھ رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھیؤ

ہاں تمھارا بیوی مردان خانے گیا۔ تمھارا بیوی لال جوڑا پہن کر اپنے ہونٹوں کو رنگ کر کھلے بالوں کے ساتھ مردانے گیا ہے۔۔

کیا کیا کہہ رہی ہیں یہ آپ؟ اسفندیار خان نے اشتعال کے مارے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔ آنکھوں میں یکدم لہو اترا تھا۔

تم ہم کو چپ کروا رہا تھا یہ کہہ کر کہ تمھارا بیوی تمھارا واسطہ بنتا سنورتا ہے۔ ۔اس کا حق ہے ہم اسکو باتیں نہ سنائے۔۔ مگر آج تو وہ اتنا بن سنور کر مردانے چلا گیا تم تو مردانے نہیں تھا اسے پتہ تھا۔ پھر بھی وہ مردانے گیا کیونکہ مردان خانے میں زاران کا جگری دوست دارم خان بھی آیا ہوا

ہے۔اب بھی ہم کو جھوٹا کرو اپنا بے شرم اور تمھارا عزت کے ساتھ کھیلنے والا اپنا بیوی کا واسطہ اپنا مورے کو ذلیل کرو۔

بس۔۔۔۔خاموش۔۔ایک لفظ اور نہیں۔۔اسفندیار خون اتری آنکھوں کے ساتھ چلایا تھا۔دوسرے لمحے وہ تیزی سے مردان خانے کی طرف بڑھا۔

تم پر لعنت ہو روزینہ۔۔۔تم ایک دن اس حویلی میں کسی نہ کسی کو قتل کروا کر رہے گا پھر تم جیسا عورت کو چین آئے گا۔امینہ خانم روتے ہوے بولی۔۔

ابھی تو اپنا بیٹی کا خیر مناؤ۔۔جو اس نے آج کیا اس کا قتل ہونا بنتا ہے۔روزینہ خانم طنزیہ مسکرائی تھی۔

روزینہ کیوں تم ہمارا بیٹی کا پیچھا ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔اب تو تم جان گیا ہے

بابرک کا قتل زاران نے نہیں کیا۔امینہ خانم نے ڈبڈبائے لہجے میں پوچھا۔

ہمارا بابرک کا قتل زاران نے نہیں کیا مگر قتل تو وہ زاران کی وجہ سے ہوا

۔۔پہلا گولی اس کا ٹانگ پر زاران نے ہی چلایا تھا۔ہم یہ نہیں بھول سکتا۔

اور تم ہی بتاؤ یہ جو تمھارا بیٹی کر رہا ہے یہ کیا ٹھیک ہے۔اس طرح تمھارا بہو

بن سنور کر جاتا مردانے میں تم اور تمھارا بیٹا کو آگ لگ جاتا۔روزینہ خانم

زہر خند لہجے میں بولتے صوفے پر بیٹھی تھیں.

تمھارا ہوتا اس حویلی کو باہر کا دشمن کی ضرورت نہیں۔۔امینہ خانم نے کہتے

گہرے سانس لیتے صوفے سے ٹیک لگائی تھی

عابیر تحیر سے دارم خان کو دیکھ رہی تھی۔

بتائیں کیا رشتہ ہے آپ کا اسفندیار خان سے ؟؟ وہ کیوں آپ پر حق جتاتا ہے۔ دارام نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

کیونکہ یہ اسفندیار خان کی ملکیت ہے۔ اسفندیار خان دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے بھوکے درندے کی مانند دھاڑا تھا۔

اسفندیار خان کی دہشت ناک دھاڑ پر عابیر کے چہرے سے اس کا نقاب چھوٹا تھا۔ شال سر سے پھسل کر کندھوں پر آئی تھی۔۔

عابیر کانپتے ہوئے مڑتے ہوئے اسفندیار خان کو دیکھا جو خون اشام نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

عابیر نے کانپتے ہوئے اپنی شال سر پر جماتے ہوئے اپنا چہرہ ڈھانپا۔۔

اسفندیار خان تیزی سے دارم خان کی طرف بڑھتے اس کا گریبان پکڑ کا دبوچ گیا

بیوی ہے یہ میری۔۔ میری بیوی میری عورت میری ملکیت۔۔ صرف میری ہے۔۔ اسفندیار خان دارم کے منہ پر پوری قوت سے مکہ مارتا دھاڑا تھا۔۔

اسفند کی بات پر دارم خان کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ دارم خان نے بے یقینی سے عابیر کی طرف دیکھا تھا۔

خبردار اس کی طرف انکھ آٹھا کر دیکھا ورنہ آنکھیں نکال دوں گا تیری ۔اسفندیار خان نے سائیڈ ٹیبل کی ڈرار سے پسٹل نکالتے دارم خان پر تانی تھی۔۔

عابیر منہ پر ہاتھ رکھے چیخ پڑی تھی۔ وہ تیزی سے اسفندیار خان کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ اسفندیار خان کی طرف بڑھتی اسفندیار خان نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا۔ عابیر پیچھے کی طرف ہوتی لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے وہ گرتی زاران اسے اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔

لالا۔۔۔ دارم براک کا باپ ہے براک کے پاس اس کے باپ کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اسے بچالے لالا۔۔ عابیر زاران کے آگے روتے ہوے گڑگڑائی تھی.

زاران عابیر کو چھوڑتے تیزی سے اسفندیار خان کی طرف بڑھا جو دارم خان پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔

اسفند یہ کیا کر رہے تم ؟؟ زاران دارم کے آگے آتا چیخا تھا۔

ہٹ جاؤ سامنے سے ورنہ اس پسٹل سے نکلی والی گولی کا حقدار تو ہو گا سب سے پہلے۔۔

اسفند طیش والم میں غرایا تھا۔

ٹھیک ہے چلا گولی آج تو پہلے میرا سینہ حاضر ہے۔۔زاران چلایا تھا۔۔

ہٹ جاؤ زاران۔۔۔۔میری پسٹل سے نکلی گولی کا حقدار بھی آج اسفند یار خان ہو گا۔۔دارم خان نے زاران کو پیچھے کرتے اسفند یار خان کے سامنے آتے ہوے اپنی پسٹل اسفند یار خان پر تانی۔۔یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟؟زاران غصے سے چیخا تھا۔۔

عابیر چکراتے سر سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔۔

اسفند نے غصے سے ٹریگر پر انگلی رکھے اسے دبایا۔۔

اسفند۔ زاران چیختے ہوے درام خان کے سامنے آیا تھا۔ زاران کو سامنے آتے دیکھتے اسفند یار خان نے پسٹل سے یکے بعد دیگرے سامنے دیوار پر فائر کیے تھے۔

۔۔۔۔۔۔عابیر منہ پر ہاتھ رکھے چیخی تھی

اس کو یہاں سے بھیج دے۔۔ ورنہ قسم کھاتا ہوں سچ میں قتل کر بیٹھوں گا۔۔ اسفند زاران کو گھورتے ہوے لفظ چبائے تھے۔۔

اسفند تیزی سے عابیر کی طرف بڑھتے اس کی کلائی دبوچے باہر کی طرف بڑھا تھا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔ عابیر اپنی کلائی چھڑواتے ہوے چیخی تھی۔۔

اسفند اس کی کلائی دبوچے زنان خانے کی طرف بڑھا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔عابیر زنان خانے میں آتی حلق کے بل چیخی تھی۔۔

امینہ خانم اور روزینہ خانم جلدی سے صوفوں سے اٹھی تھیں۔

بکواس بند کرو ورنہ پوری حویلی کے سامنے تمھارا وہ حال کروں گا تم آئینے میں اپنی شکل دیکھنا بھول جاؤ گی۔۔اسفند اسے بالوں کی گدی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا تھا۔

کیا کیا ہے میں نے جو آپ سب کے سامنے میرے ساتھ یہ سلوک کریں گے ؟؟۔عابیر نے اسفند کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے پوچھا تھا۔

بند کمرے میں ایک غیر مرد کے ساتھ ملی ہو اور پوچھتی ہو میں نے کیا کیا ہے؟؟ اسفند اس کے بال خطرناک حد تک دبوچے اس کی گردن کو بے رحمی سے جھٹکا گیا تھا۔

بند کمرے میں ایک غیر مرد کے ساتھ ملی ضرور ہوں۔ مگر بند کمرے میں میں اس مرد کی بانہوں میں نہیں تھی۔ جو آپ میرے ساتھ یہ سلوک کریں۔۔ عابیر اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً غرائی تھی۔

عابیر کے جواب پر اسفندیار خان کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔ دوسرے پل اسفند نے پوری قوت سے اس کے گال پر تھپڑ جڑ چکا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ ابھی تک اس کے بال دبوچے ہوے تھا۔

عابیر اس کے تھپڑ پر بری طرح لرز کر رہ گئی تھی۔ اگر اسفندیار اسے بالوں سے جکڑے نہ ہوا ہوتا وہ زمین بوس ہو جاتی۔۔

اسفندیار خان مزید اس کے بالوں پر گرفت مضبوط کر گیا تھا۔

رک کیوں گیے اسفندیار خان۔۔ایک تھپڑ میری سزا نہیں ہونی چاہیے ۔۔مجھ پر تھپڑوں کی بارش کر دیں۔ آخر دن کے ٹائم اپنے لالا کے کمرے میں ایک مرد کے ساتھ ملی ہوں وہ بھی تب جب اس کمرے کے واش روم میں میرے لالا موجود تھے۔۔عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے ہچکی لی تھی.

تم تھپڑوں کی بات کرتی ہو میں تمھارا اس سے برا حال کروں گا۔ کہا تھا تمھیں مجھے عاشق سے شوہر بننے پر مجبور مت کرنا۔ایک شوہر کی آنا اور غیرت مت جگانا۔۔اسفندیار خان عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

عاشق آپ جیسے ہوتے ہیں تو لعنت ہے بھیجتی ہوں میں ایسی عاشقی پر ۔۔۔۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی.۔

اسفندیار خان۔۔۔۔۔۔۔کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔وہ اس کے بالوں کو گدی سے کھینچتے دوسرے ہاتھ سے اس کا گلہ دبوچ گیا تھا۔۔

اسفند۔۔۔۔۔۔۔۔امینہ خانم روتے ہوے آگے بڑھی تھیں۔

اسفندیار خان عابیر کا گلہ دبوچے خطرناک حد تک دبوچے گیا تھا۔

اسفند۔۔۔۔زاران کی دھاڑ گونجی تھی۔۔

اسفند کے ہاتھ کا دباؤ مزید عابیر کی گردن پر بڑھا تھا

زاران نے آگے بڑھتے اسغندیار خان کے ہاتھوں سے عابیر کا گلہ چھڑوانے کی کوشش کی

اسفند نے زاران کو گھورتے عابیر کو چھوڑا۔۔

زاران عابیر کو جلدی سے سینے سے لگا گیا تھا۔ عابیر زاران کی شرٹ دبوچے اس کے سینے پر سر رکھے کھانستے ہوئے گہرے سانس لینے لگی۔

یہ کیا کر رہے تھے تم؟؟ ہوش کھو بیٹھے ہو کیا؟؟ زاران عابیر کو سینے سے لگائے غرایا۔

ہوش کھو بیٹھا ہوں پاگل ہو چکا ہوں میں۔ پاگل ہو چکا ہوں میں۔ جی کر رہا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں میں۔ اسفند سینٹرل ٹیبل اٹھائے پوری قوت سے زمین پر مارتا چیخا تھا۔

عابیر زاران کے سینے میں سمائے بری طرح لرز اٹھی تھی۔۔

زاران اسے سینے میں بھینچے پیچھے ہوا تھا۔

تو ہوش کھو بیٹھا ہے پاگل ہو چکا ہے تو یہاں سے چلا جا۔۔ میری بہن کو مزید تکلیف پہنچائی میں تیری دوستی کا لحاظ بھول جاؤں گا۔ بھول جاؤں گا اسفندیار خان تو مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔۔ زاران انگشت شہادت اٹھائے غرایا تھا۔۔

سن میری بات زاران خان۔۔۔ تو بھولے گا میں بھول چکا ہوں تو میرا دوست ہے۔ اس وقت تو مجھے میرا دشمن لگ رہا ہے۔۔ تیری وجہ سے میں دہکتا تندور بنا ہوا ہوں۔ تو اسے حویلی لے کر آیا۔ کیوں اس کے آگے آیا کیوں نہیں چلانے دی اس پر گولی۔ اب بتا کیا کروں تیرا سینہ گولیوں سے چھلنی کروں یا پھر تیری بہن کا یا پھر اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھ کر چلا دوں۔ بتا کیا کروں میں ؟؟ اسفندیار خان طیش والم میں چیخا تھا۔

اسفندیار خان ایسا کریں وہ گولیاں مجھ پر چلا دیں۔ کیونکہ آپ اپنی پسٹل کی گولیاں کبھی لالا کے سینے پر چلا نہیں سکیں گے۔۔ دوست ہے نا یہ آپ کے۔۔

لالا آپ سے دوستی نبھائیں گے۔ آپ لالا سے دوستی نبھائیں گے۔۔ لالا نے اپنی دوستی کی خاطر اپنی بہن کو سولی پر چڑھا دیا اور آپ اپنی دوستی کی خاطر میری جان بخشی کر رہے ہیں۔ اس سب میں کہاں آتی ہوں۔۔

عابیر زاران سے دور ہوتے اسفندیار خان کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

عابیر۔۔۔ زران نے کرب زدہ لہجے میں بے یقینی سے اسے پکارا تھا۔

عابیر زاران کی پکار پر استہزائیہ مسکراتی ہوئی زاران کے مقابل آئی

تیرے جیسا یار کہاں

کہاں ایسا یارانا

یاد کرے گی دنیا

تیرا میرا افسانہ

عابیر زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے کرب سے بولتے مسکرائی۔

عابیر۔۔زاران اس کے انداز پر زخمی سے لہجے میں بولا۔

تھپڑ مارا ہے آپ کے دوست نے مجھے۔۔بنا کسی وجہ کے مجھ پر الزام لگایا ہے کیا سلوک کریں گے آپ اسفندیار خان کے ساتھ۔۔میرا بدلہ لیں گے آپ گولی ماریں گے آپ اسفندیار خان کو۔۔۔عابیر نے زاران کی آنکھوں میں گاڑھے سوال کیا۔

زاران نے اسفند کو گھور کر دیکھا تھا۔۔

گھوریں مت لالا۔۔۔بدلہ لیں میرا۔۔جیسے اس انسان نے مجھ سے بدلہ لیا۔مجھے پوری حویلی کے سامنے دھتکارا لالا۔۔۔

واپس آکر کہتا ہے میں اسے معاف کر دوں کیوں کروں میں اسے معاف۔۔۔کیوں کروں میں اسے معاف؟؟کیوں مجھے اختیار نہیں اپنے لیے کوئی بھی فیصلہ لینے کا۔کیوں میں دو دو بھائیوں کے ہوتے تنہا ہوں ۔۔کیوں لالا کیوں لالا؟؟

عابیر زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چیخی تھی۔۔

کیا فیصلہ لینا چاہتی ہو تم مجھے بتاؤ؟؟اسفندیار خان اس کی کلائی دبوچے اپنے مقابل کر گیا تھا۔۔

اسفند۔۔۔۔زاران اس کی طرف بڑھا تھا۔

رک جاؤ زاران میری بیوی اور میرے بیچ مت آنا۔۔بہت برداشت کر لیا میں نے۔۔اب کوئی اس کے اور میرے بیچ نہیں آئے گا۔۔یہ اب سے میرے ساتھ میرے کمرے میں رہے گی۔اور میری آجازت کے بغیر اس کمرے سے نہیں نکلے گی۔۔اسفندیار خان عابیر کی کلائی جکڑے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا

چھوڑیں مجھے اسفندیار خان میں کوئی کٹھ پتلی نہیں ہوں جو کمرے میں آپ کا کھلونا بن کر رہے۔۔جس کے ساتھ کھیل کر خود کو یقین دلاتے رہیں کہ میں آپ کی ملیکت ہوں۔عابیر اپنی کلائی چھڑواتے ہوے چیخی تھی۔

اسفند۔۔۔زاران نے آگے بڑھتے عابیر کی کلائی اسفند کے حصار سے چھڑوائی۔۔

اسفند نے پوری قوت سے مکہ زاران کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

اس سے پہلے زاران جوابی کاروائی کرتا۔

زاران۔۔۔۔۔۔درید خان کی گرج حویلی کے لاونج میں گونجی تھی۔۔

زاران اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوے پیچھے ہوے تھا۔

عابیر اسفند کے ساتھ اس کمرے میں جائے گی۔درید خان نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔۔

لیکن بابا۔۔۔زاران نے احتجاجًا درید خان کو پکارا تھا۔۔

ابرش کے معاملے میں ہم سب بولنے کا اختیار نہیں رکھتد کیونکہ وہ تمھارا بیوی ہے۔اس طرح عابیر بیٹی ہے ہمارا۔اس کے لیے تم کوئی بھی فیصلہ لینے کا اختیار نہیں رکھتا

وہ اسفند کی بیوی ہے اس کا ہر فیصلہ اسفند لے گا۔تم نہیں بولے گا۔۔درید خان غصے سے بولے تھے۔

عابیر تم اسفند کے کمرے میں جاؤ۔جو تمھارا شوہر کہتا ہے آئیندہ تم وہی کرے گا۔۔میں کوئی بھی بات ایسی نہ سنو جس میں تم اسفند کے خلاف جائے۔درید خان عابیر کو دیکھتے حکمیہ لہجے میں بولے۔

عابیر نے درید خان کے حکم پر زاران کو دیکھا جو مٹھیاں بھینچے گہرے سانس لیتے خاموش کھڑا تھا۔

عابیر زاران کو دیکھتے نم آنکھوں سے زخمی سا مسکرائی تھی۔

اتنے مجبور نہیں ہیں لالا جتنے میری باری میں آپ بنتے ہیں۔ آپ بابا کے حکم کی وجہ سے خاموش نہیں ہیں بلکہ آپ یہاں بھی صرف اپنی دوستی کا بھرم رکھ رہے ہیں۔ ثابت ہوتا ہے میرا لالا صرف ایک اچھا شوہر ہے۔۔ عابیر بھیگے لہجے میں کہتے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اسفندیار خان کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔ زاران تیز تیز قدم اٹھاتا حویلی سے نکل گیا تھا۔ اسفند یار خان سرخ چہرے کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا

اسفند کمرے میں داخل ہوا تو عابیر بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی بری طرح رو رہی تھی۔ اسفند تیزی سی اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑے اسے سیدھا کر گیا تھا۔۔

عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو اپنی۔۔ اسفندیار خان اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا تھا۔

نہیں کھولوں گی اسفندیار خان۔۔ نہیں کھولوں گی اسفندیار خان۔۔۔ آپ کے چہرے سے نفرت ہے مجھے۔۔ نفرت ہے مجھے ان نیلی سحر زدہ آنکھوں سے کبھی عشق ہوا تھا۔۔ نفرت ہے مجھے ان نیلی آنکھوں سے۔۔ عابیر آنکھیں میچے لرزتے لبوں سے بولی۔

کیوں؟؟ کیوں؟ اسفند تڑپتے ہوے چیخا تھا

اسی بات کا غم ہے کہ آپ کو احساس ہی نہیں ہے کہ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا؟؟ مجھے مار دیا آپ نے اسفندیار خان۔۔۔

عابیر خان کو مار دیا آپ نے۔۔عابیر کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔

عشق کا دعوا کیا تھا تم نے مجھ سے ؟؟ عشق کرنے والی عورت کیسے اتنی کٹھور ہو سکتی ہے ؟؟ جو اپنے ہی عشق کو رسوا کر دے۔۔اسفندیار خان اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑے سلگتے لہجے میں بولا۔

کیا رسوا کیا ہے میں نے ؟؟ کیا کیا ہے آخر میں نے ؟؟ عابیر نے آنکھیں کھولتے تڑپتے ہوے کہا۔

کیوں گئی اس کے سامنے تم ؟؟ کیوں وہ بے تاب تھا یہ جاننے کے لیے میرا تم سے کیا رشتہ ہے ؟؟ اسفندیار خان اس کے بال جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کے گال پر دانت گاڑھے تھے۔۔

عابیر بری طرح سسک کر رہ گئی تھی۔

یہ چہرہ لے کر گئی تھی اس کے سامنے۔۔اتنی تیار ہو کر گئی تھی اس کے سامنے؟؟پہلے بھی اس نے تمھیں دیکھا ہے کیا؟

اسفند آنچ دیتے لہجے میں بولتے اس کے ریڈ لپ سٹک سے سجے ہونٹوں پر جھکا تھا۔

عابیر اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔وہ اس کی کلائیاں تکیے پر پن کیے اس کے لبوں پر جھکے بے دردی سے اس کے نرم لبوں کو اپنے دانتوں سے کھینچ رہا تھا۔

عابیر کی سانسیں اکھڑی تھی۔وہ بے رحمی سے اس کی سانسیں اکھیڑتے پیچھے ہوا۔

عابیر نے روتے ہوے اسفندیار خان دیکھا جو اس کے لبوں کی لالی چراتے اسے اپنی شدت سے لال کر چکا تھا۔

ان بالوں سے شال ڈھلکی تھی۔ اسفند اس کے بال بے دردی سے کھینچ گیا تھا۔

عابیر نے زخمی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا جو بہت بے دردی سے اس کے بال جکڑے ہوے تھا۔

اسفندیار خان کچھ پل اس کے روپ کو دیکھتا رہا جو اس نے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہونٹ اس کی شدت سے عنابی تھے۔۔ ایک گال پر اس کی انگلیوں کا نشان تھا۔

تم بیوی رہی نہ عورت مگر میں تمھارے معاملے میں ایک شوہر تک نہیں بن سکتا۔ تم عشق میں کھٹور بن سکتی ہو مگر میں نہیں۔۔جی تو کر رہا ہے تمھیں آج شوہر بن کر دکھاؤں۔ بتاؤ جب ایک مرد کی آنا غیرت کو عورت لکارتی ہے عورت کہیں کی نہیں رہتی بتاؤں تمھیں آج تمھارا وجود میرے پہاڑی وجود کے آگے کچھ نہیں۔۔ تمھیں ایک منٹ میں بھنبھوڑ کر تمھاری ساری اکڑ توڑ کر رکھ دوں۔ اپنے وجود پر میرا حق یہیں سے جان لو تمھارا باپ تمھارا بھائی کچھ نہیں کر سکا۔ تم جو یہ نخرہ دکھا رہی تھی تب تک دکھا رہی تھی جب تک میں اٹھاتا رہا یہی میری غلطی ہے۔۔ تمھیں اب میں بتاؤں گا ایک بیوی اور ایک خان کی بیوی کس طرح رہتی ہے۔۔اب تم میرے کمرے میں رہو گی۔ میری آجازت کے بغیر تم اب حویلی کے بھی کسی انسان سے نہیں ملو گی۔۔ اگر اب کی بار تم نے میری مرضی کے خلاف کچھ بھی کیا اسی

بستر پر روندوں گا تمھیں جو آج تک نہیں کیا۔ اسفند اسے سرد شعلہ بار لہجے میں دھمکی دیتے اس کے اوپر کے اٹھتا واش روم کی طرف بڑھتے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا تھا

حیدر خان کی گاڑی ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔۔ آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے پاگلوں کی طرح فرشتے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ان دو ہفتوں سے اس نے سو کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ مسلسل سفر میں تھا۔ اس نے سوات کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ ایسی کون سی جگہ نہیں تھی جہاں اس نے فرشتے اور اپنے بیٹوں کو تلاش نہ کیا ہو۔ اپنی تمام طاقت لگا بیٹھا تھا۔۔

ارحام خانزادہ کے ہر ٹھکانے کی وہ تلاشی لے چکا تھا۔۔۔ ہر فلائٹ کی تمام ڈیٹیل نکلوا چکا تھا۔ پچھلے دو ہفتوں سے اسلام آباد ائیر پورٹ سے کسی ایسی خاتون نے فلائٹ نہیں لی تھی جس میں اس کے ساتھ دو ٹونز ہوں باقی ڈیٹیلز بھی میچ نہیں کرتی تھی۔ وہ اسلام آباد میں بھی ہر ہوٹل ہر وہ جگہ جہاں اسے لگ رہا تھا فرشتے ہو سکتی ہے وہ پتہ کروا چکا تھا۔ وہ آئی جی کی بھی مدد لے چکا تھا مگر فرشتے کے ایک سراغ تک بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔۔

ابھی بھی اسے اپنے رسورسز سے پتہ چلا تھا کہ ایک عورت اکیلی اپنے دو ٹونز کے ساتھ مری کے ایک ریزوٹ میں رہ رہی ہے۔

وہ بنا کسی دیر کے ادھر جا رہا تھا۔

حیدر خان کا رنگ شدید سرخ تھا۔۔ شیو اس کی بڑھی ہوئی تھی۔۔ آنکھوں کی رنگت سرح تھی. وہ اظطرابی انداز میں ڈرائیو کرتے بار بار اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر تھیں۔ اگر وہ عورت فرشتے نہ ہوئی تو ۔۔۔ اس سے آگے کا سوچ کر وہ مرنے والا ہو رہا تھا۔۔

نہیں چھوڑوں گا خانم تمھیں۔۔۔ یہ ٹھیک نہیں کیا تم نے۔ میرے بیٹوں کو مجھ سے دور کر کے۔۔ مر رہا ہوں میں تمھارے اور اپنے بیٹوں کے بغیر۔۔ حیدر خان سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے کرب ذدہ انداز میں بولا۔

بہت بڑی سزا دی ہے تم نے اپنے خان کو۔۔۔ قطرہ قطرہ مار رہی ہو خانم مجھے۔۔۔ حیدر خان کرب سے مسکرایا تھا۔

اگر تم مجھے نہ ملی خانم۔مار ڈالوں گا میں اس ارحام خانزادہ کو۔۔۔مار ڈالوں گا میں اسے۔۔وہ طیش اوالم میں چیخا تھا۔

حیدر خان اور اس کے گارڈز کی گاڑیاں مری کے اس کاٹیج کے اطراف میں آکر رکی تھی

حیدر خان گاڑی سے اپنی پسٹل پکڑے اس کاٹیج کی طرف بڑھا تھا۔۔

کاٹیج کا دروازہ بند تھا۔حیدر خان نے پوری قوت سے اپنی ٹانگ اس لکڑی کے دروازے پر ماری تھی۔۔

لکڑی کے دروازے کا ایک پٹ ٹوٹ کر دوسری طرف زمین پر گرا تھا۔

کون اندر سے آتی نسوانی آواز پر وہ پاگل ہوا تھا۔

حور اپنے کمرے میں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی زارو قطار رو رہی تھی۔۔۔ دو ہفتوں میں وہ گنتی کے چار دن اپنے کالج گئی تھی۔۔ ارحام خان ان چار دنوں میں ہمیشہ کی طرح اسے کالج ڈراپ کر کے آیا تھا۔۔ اس کی کالی گاڑی اس کے گارڈ کی گاڑیوں کے پیچھے ہی تھی۔

اور ہمیشہ کی طرح حور نے پلٹ کر اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی. اس دن کی اس کی بے حسی کے بعد اس کا دل نہیں کیا تھا حویلی کے اس پہاڑی خان کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھتی۔۔ جس نے رات بھر اسے اپنی پناہوں میں رکھا تھا۔ چند گھڑی سونے نہیں دیا تھا۔ ساری رات بستر پر اپنی من مرضیاں کرتے وہ بہت معصومیت سے اس پر ہر الزام دھر کر اسے شاہ مینشن چھوڑ گیا تھا۔۔

اگر اسے شاہ مینشن ہی رہنا ہوتا وہ اس دن اس کے ساتھ جاتی ہی کیوں

۔۔ہمیشہ کی طرح اس نے خود کو اسے سونپا تھا۔۔اسے کبھی حویلی میں بھی

خود سے دور نہیں جھٹکا تھا اس رات بھی وہ اس کی قربت اس کی شدتیں سہتے

سہتے جیسے مرنے کے قریب ہو گئی تھی۔۔پتہ نہیں وہ اس سے کیا چاہتا تھا۔

حور شدت سے رو رہی تھی۔وہ رات کو پہلے کی طرح بھی نہیں آتا تھا۔۔۔

مسٹر ظالم خان آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔میں آج بھی اپنی بات پر قائم

ہوں آپ کو صرف میرے جسم سے محبت ہے۔اپنا مطلب پورا کر کے مجھے

یہاں چھوڑ گئے۔۔حور غصے سے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔اپنے آنسو بے دردی

سے صاف کیے تھے۔۔

ویسے اس انسان کا مطلب ایک رات میں پورا ہو نہیں سکتا۔اور اس کا دل

بھر جائے یہ ناممکن ہے۔۔حور نے بھڑ بھڑ جلتے ہوئے سوچا تھا۔

شائد پرانی بیوی یاد آگئی ہو گی جو اسے بستر پر بہت خوش رکھتی تھی۔

!!کیا ہوا ہو گیا شوق میری بیوی بننے کا چند گھنٹے نہیں گزارے میری قربت میں اور تمھارا یہ حال ہو گیا۔ گل نے پانچ سال اس بیڈ پر اپنی بیوی ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ اور تم چند گھنٹے نہ گزار سکی!!

ارحام کے لفظ یاد کرتے وہ بھڑ بھڑ جلی تھی.

چاہے تم کہیں بھی رہو۔۔ مگر وہ ہمیشہ تمھیں ہی ماما پکارے !!
گی۔۔ہاں چاہتا تھا پریذے کا بھائی یا بہن آ جائے مگر شائد یہ ممکن
!!نہیں

کیوں ممکن نہیں ہے۔ پریذے کا بھائی بہن کیوں نہیں آ سکتا۔ یا آپ ہی ایسا نہیں چاہتے۔۔ حور گہرے سانس لیتے سلگتے لہجے میں بولی تھی

وہ گہرے سانس لیتے اس ظالم خان کے بارے میں سوچ رہی. تھی کہ اس کے فون کی بیل رنگ ہوئی تھی۔

حور نے درخشاں کا نمبر دیکھ کر فون اٹھائے کان سے لگایا۔

ہیلو ماما کیسی ہیں آپ ؟؟ پریذے کی آواز سن کر وہ اپنے آنسو صاف کرتے مسکرائی تھی۔

میں ٹھیک ہوں پریذے جان۔۔ آپ کیسی ہو حور نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

ماما پریذے بلکل ٹھیک ہے۔ پریذے اور بھی اچھی ہو جائے گی اگر آپ پریذے کی برتھڈے پارٹی پر آؤ گی۔ پریذے نے کہا۔

پریذے کی بات پر خاموش ہوئی تھی

ماما۔۔۔ پریذے نے پکارا تھا۔

پریذے جان یہ پاپا نے کہا آپ سے مجھے کہنے کو؟۔ حور نے لب کاٹتے ہوے پوچھا۔

نو ماما پاپا کہہ رہے تھے آپ کو اوائٹ نہ کروں اور نہ آپ کو یہ بتاؤں کہ پریذے کی برتھڈے ہے۔ پریذے کی بات پر حور کی آنکھیں بھیگی تھیں

یہ پاپا نے کہا آپ سے ؟؟۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

جی ماما پاپا نے کہا کہ آپ کبھی حویلی نہیں آئیں گی میں آپ کو بھول جاؤں

۔۔پاپا نے فون پر مجھے بہت ڈانٹا اس بات پر۔۔پریذے کی رندھی آواز پر

حور کا دل جیسے کسی نے جکڑا تھا۔

پاپا نے ڈانٹا آپ کو۔۔حور نے بے یقینی سے پوچھا۔

جی ماما پاپا نے بہت ڈانٹا۔۔آپ پاپا کو ڈانٹے گی ناں۔پریذے نے معصومیت

سے کہا۔

میں بہت ڈانٹوں گی انھیں اور اپنے پاپا کو فون کر کے بولو ماما حویلی آ رہی

ہے۔۔حور سنجیدگی سے کہتے فون بند کر چکی۔ تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حیدر خان اندر سے آتی نسوانی آواز سنتا پاگل ہوا تھا۔ وہ اس کی فرشتے کی آواز نہیں تھی۔ وہ طیش والم میں اندر داخل ہوا۔

کون ہیں آپ؟؟ اور اندر کیسے داخل ہوئے۔۔ وہ عورت حیدر خان کو دیکھتے چیچنی تھی۔۔

فرشتے کہاں ہے؟؟ میرے دراب زراب کہاں ہیں؟؟ حیدر خان پاگلوں کی طرح چینا تھا۔ کون فرشتے؟؟ وہ عورت حیدر خان کے چیخنے پر پریشان ہوئی تھی۔۔

حیدر خان اندر کی طرف بڑھا۔ کہاں جا رہے ہیں یہ میرا گھر ہے آپ کیسے بنا آجازت کے اندر آسکتے ہیں میں پولیس کو کال کر دوں گی۔ اگر آپ یہاں سے نہ گئے تو۔۔ وہ عورت غصے سے اب چینی تھی. حیدر سنی ان سنی کرتے

گھر کے لاونج میں داخل ہوا لاونج میں کاٹ میں پڑے وہ اپنے دراب زراب کو دیکھتے پاگل ہوا تھا۔

وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھتے ان بچوں کو کاٹ سے اٹھاتے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔۔

میرے دراب زراب۔۔۔ تم لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ وہ دونوں بچوں کو سینے میں بھینچے رو دیا تھا۔۔

وہ عورت حیرانگی سے حیدر خان کو روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ مرد دیکھنے میں بہت مضبوط لگ رہا تھا جس طرح وہ دروازہ لات مار کر توڑ چکا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ سامنے کھڑا مرد ایسے رو بھی سکتا ہے۔۔ حیدر خان اب

انھیں اپنے بازوؤں میں جکڑے دیوانوں کی طرح ان دونوں کے چہرے پر

باری باری لب رکھ رہا تھا۔ وہ بچے اس کے حصار میں اس کی بھنی بیرڈ کی چھن

پر شدت سے رو رہے تھے۔ میرے دراب زراب بابا تم دونوں کے بنا نہیں

رہ سکتے۔۔ مر جائیں گے بابا۔۔ آئیندہ مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ حیدر انھیں سینے

میں بھینچتے تم آواز میں بولا۔۔

سینے میں بھینچتے ایک ہاتھ سے پسل اس عورت پر تان چکا تھا۔

یہ میرے بیٹے ہیں۔ ان کا نام دراب زراب نہیں۔۔ بلال اور اورنگزیب

ہے۔۔ وہ عورت روتے ہوے بولی تھی۔

بکواس بند کرو یہ میرے دراب زراب ہیں۔ حیدر نے چیختے ہوئے اپنے سینے سے لیٹے بچوں کو دیکھا۔ یکدم اس کا وجود لڑکھڑایا تھا۔ وہ سچ میں اس کے در اب زراب نہیں تھے۔ حیدر خان کا مضبوط وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

وہ عورت حیدر خان کو لڑکھڑاتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے جلدی سے اپنے بچوں کو حیدر خان کے حصار سے لیا تھا۔ حیدر خان گہرے سانس لیتے اس عورت کو دیکھ رہا تھا۔۔

آہہ۔۔۔۔۔۔ خانم کہاں ہو تم؟؟ جان سے مار ڈالوں گا تمھیں خانم۔۔۔ جان سے مار ڈالوں گا تمھیں۔۔ حیدر خان دیوار پر ہاتھ پوری قوت سے مارتے دھاڑا تھا۔

وہ عورت اپنے بچوں کو خود کے ساتھ لپٹائے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ حیدر خان نے گہرے سانس لیتے ان بچوں کو دیکھا تھا دوسرے پل وہ تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

عابیر اپنے کمرے میں کمبل خود پر اچھی طرح لپیٹے ہوے لیٹی تھی۔ وہ کل سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ اس کے کمرے میں کوئی آیا تھا۔ اسفندیار خان نے رات کمرے میں موجود صوفے پر سگریٹ پیتے ہوے گزاری تھی۔ وہ ساری رات اس سے رخ پلٹے کمبل خود پر لپیٹے کروٹ کے بل لیٹی رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی مہک سے اسے اندازہ ہوا تھا۔ وہ رات بھر سگریٹ نوشی کرتا رہا ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی وہ کہیں چلا گیا تھا۔ عابیر کو رات سے ٹمپریچر بھی تھا۔۔ گال اس وقت شدید سرخ ہو رہے

تھے۔رہی سہی کسر اسفند کے وحشی پن نے پوری کر دی تھی۔۔ سرخی میں نیلاہٹ کی امیزش شامل تھی۔

عابیر اپنی جلتی آنکھیں اپنی انگلیوں سے مسلتے کروٹ بدلتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

اپنی شال بیڈ سے اٹھائے اپنے وجود پر اوڑھتے اپنے سنہری بال جوڑے میں لپیٹے تھے کہ دروازہ کھول کر براک اندر داخل ہوا تھا۔

عابیر اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی وہ بیڈ سے اٹھتے پریشانی سے اس کی طرف بڑھی۔

وہ روتے ہوے اس کے ساتھ لپٹا تھا۔

براک کیا ہوا ہے کیوں رو رہے ہو اور کس کے ساتھ آئے ہو۔ وہ دارم خان کے ساتھ نہیں آسکتا تھا وہ جانتی تھی دارم اب کبھی اس حویلی نہیں آئے گا۔

عابی جان میں اکیلا رائیڈ کروا کر آیا ہوں۔۔ براک اس کے ساتھ لپٹے ہچکیوں سے روتے ہوئے بولا۔

براک عابیر تڑپتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی

یہ کیا آپ نے ؟؟ آپ جانتے ہیں آپ کے بابا کے یہاں کتنے دشمن ہیں ۔ آپ پر ایک بار حملہ بھی ہو چکا ہے۔ اگر کوئی ابھی آپ کے ساتھ پھر وہی سب کچھ کرتا تو۔۔ عابیر نے روتے ہوئے اس کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے.

کیا ہوتا عابی جان۔۔ میں مر جاتا تو یہ تو اچھا ہو جاتا۔۔ میں بھی دادو اور مورے کے پاس چلا جاتا۔۔ یہ تو اچھا ہو جاتا۔۔ براک ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہے ہو براک؟؟ عابیر تڑپتے ہوئے اسے اپنے سینے میں بھینچتے رو دی تھی۔

ٹھیک کہہ رہا ہوں عابی جان۔۔ جس میں پیار کرتا ہوں وہ مجھ سے دور چلا جاتا ہے۔ مورے چلی گئی دادو جان چلی گئی۔ اب آپ سے پیار کرتا ہوں تو سب چاہتے ہیں آپ بھی مجھ سے دور چلی جائیں۔۔ بابا جان نے مجھے آج بہت ڈانٹا ہے میں آپ کو بھول جاؤں۔۔ کیوں عابی کیوں بھول جاؤں؟؟ کیوں میں اس بلو آیز والے نکل کو برا لگتا ہوں۔

Why does he hate me??

براک روتے ہوے بولا۔۔

نو براک وہ آپ سے نفرت نہیں کرتے۔۔ایسی بات نہیں ہیں۔ آپ اتنے پیارے ہیں وہ کیوں آپ سے نفرت کریں گے۔۔عابیر نے براک کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے تھے.

وہ کرتے ہیں نفرت مجھ سے۔۔وہ مجھے آپ کے قریب برداشت نہیں کر سکتے۔۔عابی جان آپ میرے ساتھ میرے بابا کی حویلی چلیں۔۔میری ماما بن جائیں عابی جان۔۔عابیر نے جلدی سے براک کے لبوں پر ہاتھ رکھتے سانسیں روکے کمرے میں نظریں دوڑائیں تھیں۔

یہ بات براک کے لبوں سے اگر وہ سن لیتا تو براک کو شائد جان کے مار ڈالتا۔۔

براک ایسا نہیں کہتے۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔۔آپ آئندہ کبھی ایسی بات اپنے لبوں سے نہیں نکالیں گے۔عابیر نے اس کے لبوں پر اپنی انگلیاں جماتے اسے سرزنش کی تھی۔

کیوں نہیں ہو سکتا۔میرے ایک دوست کی ماما اللہ کے پاس چلی گئی تھی ۔اس کے بابا اس کے لیے نیو ماما لائے ہیں۔

وہ اتنی پیاری بھی نہیں ہے نہ وہ آپ کی طرح اچھی ہے میرے دوست کو ڈانٹتی بھی ہے۔سکول میں سب کہہ رہے تھے۔سٹیپ ماما بہت بری ہوتی ہے۔آپ میری ماما بن جاؤ۔میں سب کو بتاؤں گا نئی مورے پہلی مورے سے زیادہ اچھی اور پیاری بھی ہوتی ہیں۔براک نے عابیر کے گال پر ہاتھ جماتے ہچکی بھرتے کہا۔

براک ایسا نہیں ہو سکتا کبھی نہیں ہو سکتا وعدہ کریں مجھ سے آپ کبھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالیں گے۔۔ عابیر نے اس بار سختی سے کہا۔

کیوں نہیں ہو سکتا عابی جان۔۔ کیوں نہین ہو سکتا آپ اور بابا مجھے اس بات پر ڈانٹ کیوں رہے ہیں اور بابا نے پہلے خالہ جانی کے ساتھ بھی یہی کیا۔ نانو اور نانا خالہ جانی کو میری مورے بنانا چاہتے تھے مگر بابا نے تب بھی یہی کہا تھا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں خالہ جانی سے بہت پیار کرتا تھا مگر بابا نے انھیں نانا نانی کو یہاں سے دور بھیج دیا۔ اور آپ کو پتہ ہے خالہ جانی مورے کی طرح ہی دکھتی ہیں۔ پھر بھی بابا نے انھیں دور بھیج دیا۔ اب بابا جان کہہ رہے ہیں وہ مجھے لے کر یہاں سے چلے جائیں گے براک روتے ہوے بولا۔

براک کی بات پر عابیر بے بسی سے رو دی تھی۔

آپ کے بابا نے ایسا کہا وہ آپ کو لے کر دو چلیں جائیں گے۔۔عابیر نے روتے ہوے کرب سے پوچھا۔

مگر میں نہیں جاؤں گا آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔۔اور آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔براک چیخا تھا۔

براک ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ آپ کے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ چلے جائیں۔عابیر کھڑے ہوتے سرد لہجے میں بولے۔۔

You r a liar۔

براک چیخا تھا۔

آپ نے بولا تھا بابا کو آپ کبھی مجھے چھوڑیں گی نہیں۔ بابا بھی یہی کہہ رہے تھے آپ جھوٹی ہیں۔ براک کی بات پر عابیر نے روتے ہوئے براک کو دیکھا

یہ بائٹ ان نیلی آنکھوں والے انکل نے کی ہے آپ کے گال پر ناں۔ براک نے عابیر کے قریب آتے سوال کیا۔

نن نہیں تو۔۔۔ عابیر نے سسکتے ہوئے اپنے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔

آ You r a such a bigliar aabi jaan

آپ کو ان ظالم انکل کے ساتھ رہنا ہے مگر میرے اور بابا کے ساتھ نہیں رہنا جو آپ سے پیار کرتے ہیں۔ آپ یہیں پر رہیں میں آپ کے پاس اب کبھی نہیں آؤں گا۔

Goodbye forever and ever

براک روتے ہوے دروازہ کھولتے ہوے باہر کی طرف بھاگا۔

براک۔۔۔۔

عابیر جلدی سے دروازہ کھولتے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ عابیر کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر وہ مزید تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ یکدم اس کا پاؤں پھسلا تھا۔ وہ لڑھکتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے گرتا چلا گیا۔۔ براک۔۔۔ عابیر کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔۔

عابیر کئی سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتی ہوئی نیچے اتری تھی۔۔ جہاں براک بے سدھ پڑا تھا۔ اس کے سر سے بہتا خون فرش داغ دار کر رہا تھا۔

براک۔۔عابیر نے روتے ہوے اس کے سر سے بہتے خون پر اپنی شال رکھی تھی.

عابیر نے روتے ہوے لاونج میں نظریں دوڑائیں تھیں۔وہ وہاں کوئی نہیں تھا

مورے۔۔۔عابیر نے روتے ہوے امینہ خانم کو پکارا۔۔صدمے سے. اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی.

مورے۔۔۔عابیر نے روتے ہوے اپنے گلے کو جکڑتے ایک بار پھر سے امینہ خانم کو پکارا۔

اس وقت صبح کا ٹائم تھا سب حویلی کے گرم کمروں میں سو رہے تھے۔۔باہر قہر برساتی دھند اور سردی تھی۔

براک کے سر سے بہتے خون کو دیکھتے وہ بدحواص ہو چکی تھی اس کے حواص صلب ہو چکے تھے جیسے۔۔

براک میں تمھیں بچالوں گی۔ تمھاری عابی تمھیں بچالے گی۔۔ عابیر نے سسکتے ہوے براک کو بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھاتے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔ وہ تیزی سے باہر بھاگی تھی کارپورچ میں آکر وہ شدت سے رو دی تھی۔۔

۔حویلی کا کارپورچ گاڑیوں سے بھرا تھا۔ اس وقت رحیم خان کی گاڑی یہاں موجود نہیں تھی۔۔ عابیر بدحواص ہوتے گیٹ کی طرف بھاگی تھی۔ وہ پھر روتے ہوے اندر کی طرف بھاگی۔

وہ اپنا موبائل بھی اندر بھول آئی تھی۔۔ رحیم خان یازاران کو اس کا کال کرنے کا آرادہ تھا۔

وہ براک کو سینے سے لگائے روتے ہوئے اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اسی لمحے گل خان کے گیٹ کھولنے پر دارم خان اندر داخل ہوا تھا۔

عابیر۔۔۔۔ دارم خان کی پکار پر وہ رکی تھی۔

دارم براک کو خون میں لت پت دیکھتے بدحواس ہوتا عابیر کی طرف بڑھتے اسے اپنی گود میں لیا تھا۔

کیا ہوا ہے اسے ؟؟ دارم پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔

یہ۔۔۔ سیڑھیوں۔۔۔۔ سے۔۔۔۔ گر۔۔۔ گیا۔۔ عابیر ہچکیوں سے بولی۔

بہت بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے میں نے آپ پر اعتبار کیا۔

مجھے کسی غیر عورت پر اعتبار کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ دارم براک کو سینے سے لپٹائے گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ عابیر کچھ لمحے لرزتے کھڑی رہی تھی

۔دوسرے لمحے وہ اپنی شال اپنے سر پر اچھی طرح جماتے بھاگتے ہوے گیٹ کی طرف بڑھی تھی۔

دارم براک کو اگلی سیٹ لٹائے گاڑی سٹارٹ کر رہا تھا۔عابیر نے سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے بے سدھ براک کو اپنے سینے سے لپٹایا تھا۔

اتریے گاڑی سے۔۔۔دارم خان لب بھینچے بولا۔۔

دارم اس وقت براک کو میری ضرورت ہے۔میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔خدا کا واسطہ ہے مزید تاخیر مت کریں۔اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔۔

عابیر نے التجائیہ لہجے میں بولتے ایک ہاتھ سے شال سے اپنے چہرے پر نقاب کیا تھا۔

دارم خان نے ایک نظر عابیر کو دیکھتے جبڑے بھینچتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

عابیر روتے ہوے براک کو سینے سے لگائے اس کے سر کو چومتی جا رہی تھی

۔

کیوں جھوٹ بولا آپ نے؟؟ کیوں میرے بیٹے کو جھوٹی آس دلائی۔ کیوں آپ ہماری پر سکون زندگی میں آئی۔ کیوں عابیر آپ نے ہم باپ بیٹوں کے دل کے ساتھ کھیلا۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟؟ دارم خان نے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سرد لہجے میں غراتے ہوے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ تھا یہ سب ہو جائے گا ورنہ کبھی میں براک کی زندگی میں نہ داخل ہوتی۔۔ مم مجھے معاف کر دیں۔ عابیر ہچکیوں سے بولی۔

آپ میرے بیٹے کے ساتھ ہی نہیں میرے دل کے ساتھ بھی کھیل چکی ہیں ۔کیوں کہا آپ نے کہ آپ کبھی شادی کے سلسلے میں براک کو چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔۔ کیوں نہیں کہا آپ کسی کی ہیں۔ دارم خان براک کو خون میں لپٹا دیکھ کر حلق کے بل چیخا تھا۔۔

عابیر لرزتے ہوئے دوسری طرف کھسکی تھی۔

ڈیم اٹ۔۔۔۔۔۔ عابیر کو لرزتے دیکھ کر دارم نے چیختے ہوئے سٹیرنگ پر اپنے مضبوط ہاتھ کا مکہ مارا تھا۔

مم۔۔ میں۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ کہا تھا میں اس حویلی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی. کیونکہ میرے شوہر نے بدلے کی وجہ سے مجھ سے نکاح کیا تھا اور وہ مجھے اس بدلے کی آگ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ نہ

میں نے کسی کے دل کے ساتھ کھیلا ہے۔۔ براک کی صورت میں آپ سب میرے دل کے ساتھ بھی کھیل رہے ہیں۔

عابیر بھی جوابًا حلق کے بل چیخی تھی

عابیر کی بات پر دارم خان گہرے سانس لیتے خاموش ہوا تھا۔

سمجھ۔۔۔ نہیں۔۔۔ آتا۔۔۔ آپ۔۔۔ سب۔۔۔ ایسے۔۔۔ کیوں۔ کر رہے۔۔۔ ہیں؟؟ ایک بچے۔۔۔ سے۔۔۔ محبت۔۔۔ کو۔۔ گناہ۔۔۔ کیوں۔۔۔ بنا۔۔۔ دیا۔۔۔ ہے۔ آپ۔۔۔

مجھے۔۔۔ بلیم۔۔۔ کیسے۔۔۔ کر۔۔۔ سکتے۔۔۔ ہیں۔۔ دو۔۔ سے۔۔۔ تین۔۔

بار۔۔ آپ۔۔ کے۔۔۔ سامنے۔۔۔ آئی۔۔۔ ہوں۔۔ پانچ۔۔۔ منٹ۔۔ ۔ آپ۔۔ سے۔۔۔ بات۔۔۔ نہیں۔۔۔ کی۔۔۔ کیا۔۔ کھیل۔۔۔ کھیلا۔

۔۔ آپ۔۔۔کے۔۔دل۔۔کے۔۔۔ساتھ۔۔۔میں۔۔نے۔۔کہ۔۔۔با

ت۔۔۔۔میرے۔۔۔کردار۔۔۔پر۔۔۔۔۔آگئی۔۔۔عابیر روتے ہوے

ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی۔۔

افسوس آپ کے دو تین بار میرے سامنے آنے پر آپ میرا سب کچھ لے

گئی۔۔ آپ میرے دل کے اس حصے کو بھی چھو گئی جو جسے پشمینہ بھی کبھی چھو

نہ سکی تھی۔ دارم خان نے کرب سے بولتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

۔۔۔۔۔

نہیں کھولوں گی اسفند یار خان۔۔ نہیں کھولوں گی اسفند یار !!

خان۔۔۔ آپ کے چہرے سے نفرت ہے مجھے۔۔ نفرت ہے مجھے ان نیلی سحر زدہ آنکھوں سے کبھی عشق ہوا تھا۔۔ نفرت ہے مجھے ان نیلی آنکھوں سے !!

ساری رات وہ ان لفظوں کی اذیت سے خود کو جلاتا رہا تھا۔

ان لبوں نے کبھی عشق کا اظہار کیا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے اپنے عشق کا اظہار کیا تھا۔

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اظہار کیا تھا۔ اس کی ذرا سی توجہ کے لیے وہ اس کے آگے پیچھے منڈلاتی رہتی تھی اب وہ ایسے انجان تھی اسے اس کا درد بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اسفند یار خان نے کرب سے اپنے سینے کے زخم پر ہاتھ پھیرا۔۔ جس پر وہ رات بار جلتا ہوا سگریٹ داغتا رہا تھا۔

اتنی اذیت اتنی جلن وہ محسوس کر رہا تھا اس کا دل کر رہا تھا خود کو اور اس نازک وجود کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دے۔۔ وہ رات سے دہکتے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

دارم خان نے اس سے وہ سوال کیوں کیا؟؟ وہ کیوں اس کے سامنے پردے کے بغیر کھڑی تھی۔۔ کیا دارم نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔۔ یہ سوال ساری رات اس کے دماغ کے اندر کھلبلی مچائے اسے بے چین کیے ہوے تھے

سب سے اذیت والا سوال جو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا وہ تھا وہ دارم کے سامنے بنا چہرہ ڈھانپے آخر کیوں کھڑی تھی۔

اگر وہ مردانے کسی کام چلی ہی گئی تھی تو اپنا چہرہ کیوں کیوں اس دارم خان کے سامنے کھولا۔

زاران کمرے میں نہیں تھا تو یہ جان کر وہاں سے اسی لمحے واپس کیوں نہیں آئی۔۔ کیوں رکی وہ اس کی بات سننے۔۔ کیوں آخر کیوں؟؟ اسفند نے سوچتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ سٹیرنگ پر مارا تھا۔

دارم خان اس کی بیوی کے لیے جذبات رکھتا ہے وہ یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔۔ اس کی سفاک پٹھانی کو کوئی اور بھی سوچتا ہے اس کے لیے یہ مرنے کے مترادف تھا۔۔

اسفند نے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔

کتنی بار وہ اپنی جیپ کھائی تک لے کر آیا دل کر رہا تھا اپنی جیپ کھائی سے نیچے گرا کر خود کی جان لے لے تاکہ ان تکلیف دہ سوچوں سے نجات تو ملے۔۔ جو اس کے زخم کی طرح اس کے لیے ناسور بن گئی تھیں۔

اسفند نے ایک بار غصے سے اپنی جیپ کا رخ کھائی کی طرف کیا تھا۔۔وہ بہت تیز رفتار سے اپنی جیپ کھائی کی طرف بڑھا رہا تھا۔

کنارے پر آکر اس نے بریک لگا کر اپنی ہینڈ بریک کھینچی تھی۔۔وہ گہرے سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ اپنے سامنے گہری کھائی کو دیکھ رہا تھا۔

مرنا آسان تھا اس کے لیے مگر مرنے کے بعد بھی اس کا کسی اور کا ہو جانا گوارا نہ تھا۔

اسفند گہرے سانس لیتا اپنے بال دونون ہاتھوں میں جکڑے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔۔

اتنی بڑی سزا دو گی مجھے۔۔۔وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

بے رخی گوارا ہے تمھاری جدائی بھی گوارا کر لوں گا۔ مگر تم صرف میری ہو

۔۔میری ہو صرف تم۔ تم پر کسی دوسرے کی پرچھائی بھی گوارا

نہیں۔۔۔اسفندیار خان کی دھاڑ چیپ سے ہوتے پہاڑوں سے ٹکرائی تھی.

..

کیوں گئی اس کے سامنے تم۔۔۔کیوں وہ بے قرار تھا تم پر میرا کیا حق ہے

کیوں آخر کیوں؟؟اسفند کرب سے چیخا تھا۔

میری سفاک پٹھانی اسفندیار تم سے بہت محبت کرتا ہے کیوں سمجھ نہیں پا

رہی۔۔کیوں نہیں سمجھتی تمھیں کسی کے ساتھ سوچ کر بھی اسفند بے

موت مر جاتا ہے۔پاگل ہے تمھارا اسفندیار خان تمھارے لیے۔۔۔اسفند

یار خان حلق کے بل چیختے ہوے اپنا سر سیٹ پر پٹخنے لگا۔

اس کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہتے اس کے عارض کو بھگو رہے تھے۔۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔میری سفاک پٹھانی۔۔بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔۔اسفند کی نیلی آنکھوں سے گرم سیال بہہ رہا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔اسفند نے آنکھیں کھولتے چیختے ہوے اسے پکارا تھا۔

زاران۔۔۔زاران۔۔۔زاران۔۔۔۔۔زاران۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیختے ہوے زاران کو پکار رہا تھا۔۔اس کی چیخیں پہاڑوں سے گونجتی اس تک آ رہی تھیں۔

وہ جیپ سے اترتا باہر نکلا تھا۔۔

زاران۔۔۔زاران۔۔۔۔زاران۔۔۔۔۔دیکھو تمھارا اسفندیار خان کتنا اکیلا ہے۔۔نہ وہ سفاک پٹھانی کی گرم بانہیں میرے پاس ہیں۔نہ تمھاری مضبوط

با نہیں ہیں میرے گرد۔۔ تم نے بھی ابھی تک اپنے اسفندیار کو دل سے معاف نہیں کیا۔

اور نفرت کرتا ہوں میں تجھ سے۔۔ دل کی گہرائیوں سے تجھ جیسے منافق انسان سے نفرت کرتا ہوں۔ تیری آنکھوں میں میرے لیے محبت دکھائی دیتی ہے مگر تو اپنے اسفندیار خان کو ایک بار گلے سے نہیں لگا سکا۔۔ نفرت ہے تجھ جیسے منتقم مزاج بے رحم انسان سے۔۔ جس نے مجھے اکیلا کر دیا ہے۔۔۔ دیکھ کیسے ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں۔۔۔ اور تیری انکھوں میں مجھے محبت دکھائی دیتی ہے مگر اس سفاک پٹھانی کی سرمئی آنکھوں میں محبت دکھائی نہیں دیتی۔۔۔ اسفند قہر برساتی دھند میں کھڑا پہاڑوں پر سفید برف کی چادر دیکھتے چیخ رہا تھا۔

سنا تھا میں نے ایسی آنکھیں رکھنے والے بیوفا ہوتے ہیں۔ آج ثابت ہو گیا وہ بیوفا ہے بیوفا ہے وہ۔۔ اسفند ہذیانی چیخا تھا۔

سن زاران۔۔ مار ڈالوں گا اسے۔۔ اگر اس نے مجھ سے بیوفائی کرنے کا سوچا بھی۔۔۔ لحاظ نہیں کروں گا تیری دوستی کا۔۔۔ بے رحمی سے اس کی سانسیں کھینچوں گا اتنی اذیت دوں گا۔۔ سانسیں کھینچنے کے بعد بھی چین نہیں پاؤں گا۔ آگ لگاؤں گا میں اس کے بعد اس کے بے جان وجود کو۔۔ اتنا جنونی ہوں میں سفاک پٹھانی تمھارے لیے۔۔ اسفند خون اشام درندے کی مانند دھاڑا تھا۔۔

پہاڑوں سے اس کی چیخیں اس کی صدائیں پلٹ کر اس کی طرف آ رہی تھیں۔

وہ گہرے سانس لیتا اپنی جیپ میں بیٹھا تھا۔ انگیشن میں چابی گھماتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

اسفند کی جیپ بہت تیزی سے حویلی کے راستوں پر گامزن تھی۔۔ وہ اضطرابی انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ عابیر سے دس ہزار بار معافی مانگ سکتا تھا اسے کوئی عار نہیں تھی۔۔ مگر کل سے اس کے اندر جلتے بھانبھڑ نہ صرف اس کے اندر جلتے بھانبھڑوں میں آضافہ کر رہے تھے. اس کی غیرت کو بھی للکار رہے تھے۔۔

بند کمرے میں ایک غیر مرد کے ساتھ ملی ضرور ہوں۔ مگر بند !!
کمرے میں میں اس مرد کی بانہوں میں نہیں تھی میں جو آپ
!! میرے ساتھ یہ سلوک کریں

ان لفظوں کی اذیت شائد ہی اب کبھی کم ہوتی یا پھر سینے مین دہکتی آگ
ٹھنڈی ہوتی۔

وہ تو جیسے پاگل ہو رہا تھا ابھی بھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا
کرے۔۔ عابیر نے جیسے اس کی مردانہ آنا کو چھیڑ دیا تھا دارم خان کو لے
کر۔۔ شدید محبت کرنے کے باوجود اس کے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی
۔وہ اس کے لیے رو سکتا تھا مگر اب اس کے آگے جھک نہیں سکتا تھا۔ اسفند

یار خان نے اپنی قمیض کے بٹن کھولتے اپنے زخم کو بے دردی سے کھرونچا تھا

۔۔

یکدم اسفند کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوئی تھی۔۔ آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔۔ دل کی دھڑکنیں رکی تھیں۔ پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔ اسے اپنا آپ آتش گیر مادے کی طرح پھٹتا محسوس ہوا تھا۔۔ وہ ایک جھٹکے سے گاڑی روک چکا تھا۔

اس کے پاس سے جو گاڑی گزری اس میں دارم خان تھا۔ اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر جو وجود بیٹھا تھا وہ اس کی سفاک پٹھانی تھی۔۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ۔۔۔۔ نہیں۔ ہو۔۔۔ سکتا۔۔۔ وہ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ ہو۔۔۔ سکتی۔۔۔ وہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہو۔۔ سکتی۔۔ وہ بڑبڑایا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے گاڑی بیک پر لیتے گاڑی گھمائی تھی۔۔

وہ اب خون اتری آنکھوں سے ونڈ سکرین پر نظریں گاڑھے اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا۔۔

اسفند یار خان نے گاڑی کی سپیڈ پکڑتے اپنے سے اگے کی گاڑی کو ٹیک آور کرتے اپنی گاڑی دارم خان کی گاڑی کے آگے جا کر بریک لگائی تھی۔

اگر دارم خان بریک نہ لگاتا تو اسفند کی گاڑی اس کی گاڑی کے ساتھ ٹکرا کر جاتی۔۔ اور ان پہاڑوں پر ان دونوں کی گاڑی کا وجود نہ بچتا۔۔

عابیر نے براک کو سینے سے لگائے خوفزدہ نگاہوں سے اسفند یار خان کو دیکھا جو گاڑی میں بیٹھا اسے شعلہ بار خون اتری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دارم خان لب بھینچے اپنی پسٹل ڈیش بورڈ سے اٹھائے گاڑی کا دروازہ کھول کر اترا تھا۔

اسفند بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر گاڑی سے اترا تھا۔

اپنی گاڑی ہٹاؤ اسفند یار خان۔۔۔ورنہ ان پہاڑوں پر تمھیں گولیوں سے چھلنی کرتے تمھیں ان گہری کھائیوں میں دھکیل کر تمھارا وجود ختم کر دوں گا۔۔ دارم خان نے غراتے اپنی پسٹل اسفند یار خان پر تانی تھی.

عابیر کانپتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے اسفند یار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو اپنی سرد سرخ نظریں اس پر گاڑھے ہوے تھا۔۔

عابیر براک کے بے جان وجود کو گاڑی کی سیٹ پر لٹاتے جلدی سے گاڑی سے نکلتے اسفند یار خان کی طرف بڑھی تھی۔۔

اسفند اپنی گاڑی ہٹایئے پلیز۔۔۔عابیر روتے ہوے چیخی تھی.

اسفندیار خان جو خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس کی سفاک پٹھانی نہیں ہے۔ عابیر کی اواز سنتے اس کا وجود جیسے ہوا میں ریزہ ریزہ ہوتا بکھرا تھا۔۔

وہ اس وقت اپنی شال سے اپنا چہرہ ڈھانپے ہوے تھی۔۔ ہیزل گرے سے آنکھوں سے گرتے اس کی ریڈ شال کو بھگو رہے تھے۔۔ اسفندیار خان تو جیسے دوزخ کی اگ میں جلا تھا۔

آہہہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے آسمان کی طرف دیکھتے چیخا تھا۔۔

آہہہہ۔۔۔۔۔۔ دوسرے لمحے اسفندیار خان نے چیختے ہوے اپنے دونوں بازو اپنی گاڑی کی ونڈ سکرین پر مارے تھے۔۔

گاڑی کا شیشہ ٹوٹتا اسفندیار خان کے ہاتھ زخمی کر گیا تھا۔۔

آہہہ۔۔۔۔۔ اسفندیار خان نے چیختے ہوے اب اپنی گاڑی کے دروازے پر مکہ مارا تھا۔ شیشہ ٹوٹتا اس کا ہاتھ زخمی کر گیا تھا۔

یہ ایسے نہیں ہٹے گا۔ دارم خان گاڑی میں براک کو دیکھتا حلق کے بل چیخا تھا۔۔

دارم خان اسفندیار خان کی طرف بڑھا تھا کہ اسفندیار خان نے آگے بڑھتے کانچ کا ٹکڑا زمین سے اٹھائے پوری قوت سے دارم کی آنکھ پر مارنے کی کوشش کی۔ دارام جھکتے ہوے اپنا بچاؤ کر گیا تھا۔ شیشے کا ٹکڑا دارم کے کندھے پر پیوست ہو گیا تھا۔۔

عابیر منہ پر ہاتھ رکھے کانپتے روتے جا رہی تھی۔۔

کیا کہا تھا میری بیوی پر نظر مت ڈالنا کبھی۔۔ اسفند نے طیش و الم میں چیختے ہوے دارم خان کو گریبان سے جکڑتے گاڑی کے بونٹ پر لٹاتے اس پر جھکتے اس کے جبڑے پر مکہ جڑا۔۔ دارم خان نے اسی لمحے اسفند یار خان پر پسٹل تانی تھی۔۔

نہیں دارم نہیں۔۔۔ خدا کے لیے اسفند کو چھوڑ دیں اپنے بیٹے کا سوچیں وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔۔

عابیر چیخی تھی۔۔

عابیر کے لبوں سے دارم کا نام سن کر اسفند یار خان کا خون رگوں میں بھڑکتا تھا۔۔ اسے ایسے لگا جیسے اس پر کسی نے لاوے کی بالٹی بھر کر انڈیل دی ہو۔

آہہہ۔۔ اسفند یار خان نے پوری قوت سے چیختے ہوے دارم خان کے منہ پر ایک اور مکہ جڑا تھا۔۔

دارم خان نے پسٹل کی نوک اسفند کے ماتھے پر مارتے اسے دھکا دیا تھا۔

اسفند پیچھے کو ہوتا لڑکھڑایا تھا۔۔

اس سے پہلے اسفند دارم کی طرف بڑھتا عابیر اسفند کی طرف بڑھتے اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی تھی۔۔

اسفند وہ دیکھیں براک خون میں لت پت پڑا ہے۔۔ وہ مر جائے گا اسفند جانے دیں دارم کو۔۔۔ عابیر روتے ہوے گڑگڑائی تھی۔۔

اسفند نے ایک نظر براک کو دیکھا جو گاڑی میں بے سدھ خون میں پڑا تھا۔۔

اسفند عابیر کی کلائی جکڑے اسی لمحے گاڑی کا دروازہ کھولتے بہت بے دردی سے اسے اندر دھکیل چکا تھا۔

سیٹ پر بکھرے کانچ کے کچھ ٹکڑے اس کی ہتھیلی میں پیوست ہوے تھے۔۔وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔۔

اسفند دارم خان کو گھورتا اپنی طرف گا دروازہ کھولتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

اسفند سرخ چہرے کے ساتھ طیش اوالم میں گاڑی چلا رہا تھا۔ گاڑی ٹوٹی پھوٹی اونچی نیچی سڑکوں پر ہچکولے بھر رہی تھی۔۔ گاڑی اتنی بری طرح سے ڈول رہی تھی۔۔عابیر کتنی بار ڈیش بورڈ جکڑے خود کو سنبھالتے اپنی چیخیں گلے میں گھونٹ چکی تھی۔۔اسے لگ رہا تھا اب اسفند یار خان کسی

کھائی سے گاڑی نیچے گرا دے گا اب گرا دے گا۔ وہ اتنی تیز ڈرائیو کر رہا تھا کہ عابیر ابھی تک اپنی ہتھیلی میں پیوست کانچ کے ٹکڑے نہ نکال سکی تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد گاڑی اتنی بری طرح اچھلتی اسے اسے دونوں ہاتھوں سے ڈیش بورڈ کو جکڑنا پڑتا۔۔ شال اس کے سر سے اتر کر اس کے کندھوں پر ڈھلک گئی تھی۔۔ وہ اسفند کے خوف سے سسکتے ہوئے شال بار بار سر پر جماتی مگر گاڑی کے ہچکولے بھرنے پر شال سر سے پھسلتی کندھوں پر آتی۔۔

اسفندیار خان نے موڑ آنے پر سٹیرنگ پوری طرح گھمائے موڑ کاٹا تو گاڑی بری طرح اچھلی تھی۔

عابیر چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے بری طرح چیخ اٹھی تھی۔۔

اس کی چیخ پر اسفندیار خان اسی لمحے گاڑی روکتا اس پر جھکا تھا۔

عابیر دوسری طرف کھسکتے اپنی زخمی ہتھلی چہرے پر رکھ چکی تھی۔۔ ہتھیلی سے نکلتا خون اس کی کلائی کو بھی بھگو رہا تھا۔

اسفندیار خان نے یہ دیکھتے اس کی ہتھیلی پکڑے اسے اپنی مضبوط ہتھیلی مین دبوچی تھی۔۔

عابیر کی فلگ شگاف چیخیں برامد ہوئی تھی۔

خبرار آواز نکلی انھین پہاڑوں پر تمھارے اس وجود کو نیچے پھینک دوں گا۔لاش تک نہیں ملے گی تمھاری وہ غرایا تھا۔

عابیر سسکتے ہوے خاموش ہوئی تھء۔۔اب وہ گاڑی کے شیشے سے ٹیک لگائے اپنی سسکیاں تک روکتے بہتی آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔جو خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھا تھا۔

وہ اس کے کھلے بال دیکھ کر پاگل ہوتا اس کے بالوں کو دبوچتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا تھا۔

نظریں نیچے ورنہ گاڑی میں پڑا کانچ تمھاری آنکھوں میں پیوست کر کے تمھاری آنکھیں نکال دوں گا۔۔ نفرت ہے مجھے تمھاری آنکھوں سے۔۔ اسفندیار خان اس کے نیلے گال پر جھکتے پھر سے اپنی وحشت کی چھاپ چھوڑ چکا تھا۔

عابیر کراہتے ہوے بری طرح سسک کر رہ گئی تھی۔

۔

اسفند۔۔۔براک سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔۔آپ نے دیکھی اس کی حالت میں صرف اسے لے کر ہسپتال جا رہی تھی۔عابیر سسکتے ہوے بولی۔۔

تمھیں حق نہیں تھا کسی بھی سچویشن میں کسی غیر مرد کی گاڑی میں بیٹھتی۔۔اسفند اس کے بالوں کو بے رحمی سے کھینچتا غرایا۔۔

وہ بچہ ہے اسفند۔۔۔اپنی سو کالڈ غیرت کو ایک طرف رکھیں وہ بچہ ہے۔۔خون میں لت پت پڑا تھا کیسے میں اسے چھوڑ دیتی۔۔۔عابیر اب تڑپتے ہوے چیخی تھی۔۔

سو کالڈ غیرت ہے یہ ؟؟ ہاں اسفند اس کے بالوں پر گرفت مضبوط کرتے غرایا تھا۔۔ آج تک ہمارے ہاں کسی عورت کا علاج تک ایک میل ڈاکٹر نے نہیں کیا اور تم ایک کسی غیر مرد کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔۔ بھول گئی اپنی ہی حویلی کی رسم ورواج۔۔۔ پٹھانی ہو تم۔۔ تم تو اچھی طرح جانتی ہو پھر بھی تم اس دارم خان کے ساتھ چلی آئی اور سے میری سو کالڈ غیرت کہتی ہو۔۔ اسفند طیش الم میں چیخا تھا۔۔

آپ کی سو کالڈ یہ غیرت کب تھی جب پوری حویلی کے سامنے اپنی عورت کو دھتکار کر اسے روتا تڑپتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔۔ ساری عمر کے لیے سزا مقرر کی تھی میری۔۔ آپ کے نکاح میں رہ کر اس کمرے میں روتی رہوں اور مجھے روتا دیکھ کر آپ کیمروں کے تھرو اپنی سو کالڈ غیرت پر مغرور ہوتے رہیں۔۔۔ دیکھو! اس عورت کو کیسے میں نے نکاح کے نام پر

سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔۔ نفرت ہے مجھے آپ سے آپنے بھائیوں سے اپنے باپ سے۔۔ آپ کے ایک عمل نے مجھے باغی بنا دیا۔۔ نفرت ہے مجھے آپ جیسے پٹھان کی ایسی غیرت سے۔۔ جو اپنی عورت کو بدلے کے لیے استعمال کرے۔۔

عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتی پھنکاری تھی۔۔

اسفند گہرے سانس لیتے اسے کچھ پل اس کی سرد و سپاٹ آنکھوں میں دیکھتا رہا سے اس کے بالوں کو چھوڑتے اسے خود سے بری طرح دور دھکیلا تھا۔

عابیر گاڑی کے دروازے کے ساتھ بری طرح جا ٹکرائی

تھی۔ آہہہہ۔۔۔۔۔۔۔ اسفندیار خان اپنا زخمی ہاتھ سٹیرنگ پر مارتے چیخا تھا

۔۔

عابیر اپنی شال سر پر جمائے اپنی طرف کے شیشے پر نظریں جما گئی تھی۔۔

اسفند نے گہرے سانس لیتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

گاڑی کو حویلی کے راستوں کے اوپر زٹ جاتے دیکھ کر عابیر کی سانسیں رک

رہی تھیں۔ وہ اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے بے بسی کے احساس

سے سیٹ سے ٹیک لگا گئی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گیسٹ ہاؤس آنے پر عابیر کی جلتی آنکھوں سے آنسو بہے تھے۔۔وہ کیا کرے گا وہ جانتی تھی۔۔ایک مرد کی غیرت کو جب عورت للکارتی ہے مرد کیا کرتا ہے وہ جانتی تھی۔۔کل رات اسے اس کا شوہر اسے اچھی طرح سمجھا چکا تھا۔وہ اس کے بدن کے ساتھ کھیلتے بھنبھوڑتے اسے بتائے گا اس کی غیرت کو کتنی چوٹ پہنچی ہے۔

وہ سسکتے ہوے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند چکی تھی۔

اسفند نے گاڑی سے نکلتے اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کی کلائی پکڑ کر اسے کھینچتے ہوے باہر نکالا تھا۔

عابیر بنا کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ نکل آئی تھی۔وہ اسے کھینچتے ہوے گیسٹ ہاوس میں داخل ہوا تھا۔عابیر اس کے ساتھ کسی ربوٹ کی مانند چل رہی تھی

اسفند اسے اندر کمرے میں لاتا بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

وہ بیڈ پر اوندھے منہ گری سسک پڑی تھی۔

اسفند اس کے سسکتے وجود کو دیکھتے کمرے کی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکنے لگا۔۔

وہ پل میں کمرے کا حشر بگاڑ چکا تھا۔۔

عابیر یونہی بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔۔ وہ بیڈ شیٹ مٹھیوں میں دبوچے اپنی سسکیاں تک روکے ہوے تھی۔ جب وہ کوئی چیز اٹھا کر پھینکتا وہ خوف سے اپنی سسکیاں تک روک لیتی۔۔ اسفند کمرے میں لگی ایل ای ڈی تک دیوار سے اتار کر توڑ چکا تھا پورا کمرہ کانچ سے بھرا تھا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔۔

وہ گہرے سانس لیتا کمرے کی گلاس ونڈو سے سر ٹکا گیا تھا۔ اس ٹھنڈے کمرے میں عابیر کی سسکیوں اور اس کے گہری سانسوں کی. آواز گونج رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک ایسے ہی سر ٹکائے کھڑا رہا تھا۔

اسفند نے پلٹتے ہوے گلاس وال سے ٹیک لگائے سرخ نم آنکھوں سے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے نازک وجود کو دیکھا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھے اپنے زخمی ہاتھوں سے اپنے قمیض کی پاکٹ سے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکال کر لبوں میں دبائے اپنے اندر کی کھولن کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔۔ وہ سگریٹ لبوں سے لگائے گہرے گہرے کش لیتے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا آج دارم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی اس کی سفاک پٹھانی نہیں تھی۔ نہ کل وہ مردانے میں کھلے چہرے کے ساتھ نہیں تھی۔ جو عورت عشق کا دعوا کرے وہ ایسی نہیں ہو سکتی۔۔

اہہہ۔۔۔اسفند یار نے چیختے ہوے جلا ہوا سگریٹ اپنے سینے کے زخم پر رکھا تھا۔۔

گیسٹ ہاؤس کے اس برفیلے کمرے میں اس کی فلک شگاف چیخیں گونج رہی تھی۔۔۔وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا سامنے لیٹے نازک وجود کی بے حسی اور سفاکیت پر۔۔۔

حویلی میں پہلی مرتبہ ایک عورت مردوں سے زیادہ سفاکیت دکھا رہی تھی۔۔اس کی چیخیں سنتے ہوے اس کے زخمی وجود کو دیکھتے ہوے بھی اس کا دل پگھل نہیں رہا تھا۔

اس نے پلٹ کر ایک بار اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ایک بار صرف ایک بار اس کا نام پکار لیتی۔۔اسفند سگریٹ انگلیوں کے پوروں میں دبائے اسے

سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو اوندھے منہ لیٹی تھی جس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا۔۔

وہ سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے اپنے شوز کے نیچے مسلتا اس نازک وجود کی طرف بڑھا تھا جو اپنی سفاکی سے اسے بے موت مار چکی تھی۔

اسفند نے اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑتے اسے سیدھا کیا۔۔

وہ اپنی آنکھیں میچ چکی تھی۔۔

آنکھیں کھول کر دیکھو اپنی بے حسی۔۔ تمھارا اسفندیار خان تمھاری بے حسی سے مر چکا ہے دیکھو تم مجھے بے موت مار چکی ہو۔ اسفند اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتا کرب سے بولا۔۔

یہ اسفندیار خان ج میرا نہیں جس نے کسی دوسری عورت کو مجھ سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کیا۔۔ یہ اسفندیار خان میرا نہیں جو سات مہینے ایک غیر عورت کے ساتھ عیاشی کرتا رہا۔ یہ اسفندیار خان میرا نہیں جس نے بدلے کے لیے مجھے استعمال کیا۔ یہ اسفندیار خان میرا نہیں جو مجھے روتا بلکتا چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ اسفندیار خان میرا نہیں جو سات مہینے مجھے تڑپتا دیکھ کر مسکراتا رہا۔ میرا اسفندیار خان وہ تھا جو مجھے چھوڑ جانے کی صرف دھمکیاں دیتا تھا۔ جو دوسری عورت کے قریب جانے کی دھمکیاں دیتا تھا۔۔۔ جو یہ گناہ کر چکا وہ میرا اسفندیار خان نہیں۔۔ عابیر نے سرد لہجے میں کہتے اسفند یار خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھی تھیں۔

نہیں کیا کوئی گناہ۔۔۔ نہیں گیا کسی دوسری عورت کے قریب۔۔۔ اسفندیار عابیر کی باتوں پر تڑپتے ہوئے حلق کے بل چیخا تھا۔

عابیر اس کی پڑپ پر استھزائیہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔۔

تم کسی دوسری عورت کے قریب جانے کی بات کرتی ہو یقین مانو میرا کس دوسری عورت کا ہاتھ بھی کبھی نہیں پکڑا۔۔ زاران سے پوچھ لو مجھے باہر کی عورت سے کتنی نفرت ہے۔۔ کبھی کسی راہ چلتی ادھے ادھورے کپڑے پہنے کسی گوری عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔۔ نہیں گیا کبھی کسی عورت کے قریب۔۔۔ تمھارے اسفندیار نے صرف تمھارے وجود پر اپنی شدتوں کی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ اسفند تڑپتے ہوئے اس کے نیلے عارض پر ہاتھ جمائے بولا۔۔

کیسے مان جاؤں میں آپ صرف میرے ہیں۔ آپ مرد ہمیشہ عورت کا کردار پرکھتے ہیں۔ پہلی رات اسے اچھی طرح ٹٹولتے بیڈ شیٹ رنگین کر کے اس کے کردار کو بیسٹ عورت کا سرٹیفیکٹ دیتے ہیں۔

بیڈ شیٹ پر پڑے داغ دیکھ کر آپ کی مردانہ آنا کو تسکین ملتی ہے۔ آپ مردوں کے چہرے پر مغروریت بھری مسکراہٹ آتی ہے۔ جو عورت وہ صرف آپ کی ہے۔۔ میں پوچھتی ہوں آپ مردوں کے پاس آپ کے کردار کا کیا ثبوت ہوتا ہے۔۔

سات مہینے باہر رہے۔۔ اور مجھے یہ کہتے رہے کہ ایک غیر عورت کو آپ میری جگہ دے چکے ہیں۔۔۔ اب بتائیں کیسے یقین کروں آپ پر اسفندیار خان۔۔۔۔

سات مہینے کے میرے ہر پل پر آپ نے نظر رکھی ہے۔ صرف بیس منٹ میں نے کسی غیر کی حویلی مین گزارے وہ بھی اپنے لالا کی موجودگی میں آپ تڑپتے ہوے اپنا بدلہ بھول کر یہاں چلے آئے۔۔ کل دو منٹ آپ کی حویلی میں اپنے لالا کی موجودگی میں کسی غیر مرد کے سامنے کیا ٹھہر گئی۔۔ آپ

نے سب کے سامنے مجھ پر ہاتھ اٹھا دیا۔۔ کیا ناں شک مجھ پر۔۔۔ اور اب اس گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر تڑپ کر مر گئے ناں۔۔ آیا ناں شک دل میں اسفندیار خان۔۔۔ ایک بچے کو خون میں لت پت دیکھ کر بھی آپ کی سو کالڈ غیرت جاگ گئی۔۔ پٹھانوں کا خون آ گیا آپ کے اندر۔۔

تو میں بھی ایک پٹھانی ہوں جو خون آپ کے اندر دوڑ رہا ہے وہی میرے اندر دوڑ رہا ہے۔۔ اب بتائیں کیسے اعتبار کروں آپ پر۔۔ دیں ثبوت ہے آپ کے پاس آپ کے کردار کا۔۔

دیں ایسا ثبوت جس میں واضح ہو جائے کہ آپ نے ان سات مہینوں میں کسی عورت کو نہیں چھوا۔۔ آپ جسمانی طور بھی صرف میرے ہیں جیسے میں آپ کی ہوں۔

عابیر نے سرد و سپاٹ لہجے میں اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے سوال داغے تھے

۔

جسمانی طور پر صرف۔۔مجھے تمھارے وجود پر نہیں دل پر بھی اپنی حکومت چاہیے۔۔ کہو تم دل سے بھی میری ہو۔۔ بولو کہ تم آج بھی اپنے اسفند یار خان سے عشق کرتی ہوں۔

اسفند نے تڑپتے ہوے اس کے بال جکڑے تھے۔۔

جس دن آپ اپنی پاکبازی کا ثبوت لے آئے اس دن آپ کو پتہ چل جائے گا عابیر خان کے دل میں اسفند یار خان ہے بھی یا نہیں۔ عابیر اسفند یار خان کی آنکھوں میں گاڑھے بولی تھی۔

تمھارا دل تمھارا وجود صرف اسفندیار خان کا آج تمھارے پورے وجود پر اپنی شدتوں سے مہریں لگا کر تمھیں بتاؤں گا تم سفاکیت میں جتنی بھی سفاک سہی مگر رہو گی صرف میری۔۔۔اور اب میں تمھیں اپنی بانہوں اور پناہوں میں قید کر کے رکھوں گا۔تم یہاں رہو گی میرے پاس۔۔کسی کی نظر نہیں پڑنے دوں گا۔اسفندیار خان کہتے ہوئے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔

اسفند کے انگارہ لبوں اور سانسوں کی تپش محسوس کرتے وہ جیسے جھلس کر رہ گئی تھی۔

عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔وہ ایک ہاتھ سے اس کی کلائیاں سختی سے جکڑے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔۔

عابیر نے سسکتے ہوے بے بسی سے اسفندیار خان کو دیکھا جس کے پہاڑی وجود کے نیچے وہ دبی ہوئی تھی۔

وہ سانس بھی بمشکل لے رہی تھی اس کے پہاڑی وجود کے نیچے دبی کجا کہ اسے دور دھکیلتی۔۔ اسفندیار خان کے برہنہ وجود کے نیچے وہ بن آب مچھلی کی طرح جیسے تڑپ کر رہ گئی تھی۔ اس کے جسم سے سپارک سے نکلتے اسے جھلسا گئے تھے۔

اسفند اپنا زخمی ہاتھ اس کے عارض پر نرمی سے پھیرتے اپنی سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھا۔۔ عابیر اس کے زخمی خون ٹپکتے ہاتھ کو دیکھتے اس کی جنونی آنکھوں میں دیکھتے خوفزدہ ہوئی تھی۔۔

اسفندیار خان اس کی گردن پر جھکے اپنے دہکتے لب رکھتے اس کے وجود کی گہرائیوں میں اترتے اسے خود میں سما چکا تھا۔ عابیر کی کلائیاں وہ آزاد کر چکا

تھا۔۔عابیر آنکھیں میچتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔رات بیتتی جا رہی تھی۔۔اسفند کی شدتوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔مگر عابیر کی بانہیں ایک بار اسفند یار خان کے گرد نہیں لپٹی تھی۔۔یہ محسوس کرتے وہ اذیت کی انتہا پر تھا۔اس کی جنون خیزیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔مگر اس کی سفاک پٹھانی کی سسکیاں تک نہیں گونج رہی تھیں۔وہ اس کی قربت میں سسکنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔۔اسفند یار خان تڑپتے ہوے اپنی شدتیں نچھاور کرتے ہوے اس کے لبوں پر جھکے اس کی مدھم سسکیوں کا بھی گلہ گھونٹ چکا تھا۔

حور کی گاڑی شاہ مینشن کے گیٹ سے نکلی۔۔۔سامنے کھڑی ارحام کی گاڑی کو دیکھ کر اس نے ڈرائیور کو کہہ کر اپنی گاڑی رکوائی تھی۔

حور کی گاڑی کو رکتا دیکھ کر ارحام اپنی گاڑی سے جلدی سے باہر نکلا۔ یقینا اس کی بیوی کو اس سے کچھ یقینا اس کی کہنا تھا۔

وہ گاڑی سے نکلتا اس کی طرف بڑھا۔ حور اپنی گاڑی سے نکلتے ارحام کی طرف بڑھ رہی تھی یکدم ارحام خانزادہ کے قدم رکے تھے۔۔ وہ آج بہت خوبصورت عبایہ میں ملبوس تھی۔۔ جو بہت سٹائلش تھا جس پر وہ بہت خوبصورت طریقے سے حجاب لیے ہوئے تھی۔۔ اس کے بدن کا ہر حصہ چھپا تھا۔ مگر عبایہ بہت خوبصورت اور سٹائلش تھا جو اس کے خوبصورت وجود پر غضب ڈھا رہا تھا۔ ارحام کو سخت ناپسند آیا تھا اس کا عبایہ۔۔۔۔

اس نے جبڑے بھینچتے بمشکل ہی خود پر قابو پایا۔ ارحام خانزادہ نے بلو سن گلاسز لگائے اپنی ناگواری چھپائی تھی۔۔ وہ اس وقت بلو پینٹ کوٹ میں

ملبوس تھا۔۔وہ اپنی آنکھوں کی سرخی سن گلاسز میں چھپاتے اپنی بیوی کی طرف بڑھا جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل آکر رکے تھے۔۔

جی کہیے۔۔۔ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟؟حور نے ارحام کا سنجیدہ لہجہ دیکھ کر سلگتے ہوے پوچھا۔

آپ حویلی آرہی ہیں۔۔مجھے پتہ چلا صرف آپ کے باڈی گارڈ کے فرائض سرانجام دے رہاہوں۔ارحام نے اس کے خوبصورت بدن کو عبائے میں گھورتے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

آپ دیکھ رہے ہیں میرے آس پاس کتنے گارڈز کھڑے ہیں آپ کو لگتا ہے مجھے باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔۔حور نے چھتے لہجے میں پوچھا۔باڈی گارڈ کی نہیں مگر آپ کو ایک شوہر کی ضرور ضرورت ہے۔۔اسی لیے مجھے شوہر سمجھ کر میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جایئے۔۔یقین مانیں اتنے سارے باڈی گارڈز کی آپ کو ضرورت نہیں پڑے گی۔۔ارحام نے حور کی براؤن گہری شفاف آنکھوں کو بغور دیکھتے شرربار لہجے میں کہا۔جہاں کاجل کی گہری رمک تھی۔وہ پردے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ارحام کا میٹر گھوم رہا تھا۔

ضرورت نہیں مجھے شوہر کی۔۔ اور میرے شوہر بعد مین بنے گا پہلے پریزے کے باپ بن جائیں۔۔ حور نے ارحام کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔۔

پریزے میری بیٹی ہے میں اس کا باپ ہی ہوں۔۔ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔۔ ارحام نے جوابا لفظی کاروائی کی۔۔۔

وہ میری بھی بیٹی ہے اور مرتے دم تک وہ ہی میری بیٹی رہے گی۔ کیونکہ بقول آپ کے پریزے کا بہن یا بھائی نہیں آسکتا۔۔ حور نے غصے سے تپتے لہجے میں کہا۔۔

پریزے کے بھائی بہن آنے کے لیے اس کی ماما کا میرے پاس ہونا ضروری ہے۔۔ جو وہ نہیں چاہتی۔

ارحام نے طنزیہ کہا۔

آپ کو بیسٹ شوہر آف دا ائیر کا آوارڈ سے نوازا جائے گا۔۔ چلیں دنیا کا کوئی تو شوہر ایسا ہے جو اپنی بیوی کے دل کی باتیں جان سکتا ہے۔۔ حور نے طنزیہ مسکراتے ہوے کہا۔

عورت کو کوئی نہیں جان سکتا اور عورت اگر بیوی ہو تو ناممکن۔۔۔ ارحام نے گلاسز اتارتے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں لگائے تھے۔

عورتوں اور سپیشل بیوی کے بارے میں آپ کو معلومات نہیں ہوں گی تو کس کو ہوں گی آخر دو دو بار تجربہ حاصل کر چکے ہیں۔۔ حور کی بات پر ارحام کا

چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔لب بھینچے تھے۔۔وہ گل کو پھر سے بیچ میں لے آئی تھی۔۔وہ نہیں چاہتا تھا کسی بھی صورت کبھی کوئی تیسرا ان کے بیچ آئے۔۔

گاڑی میں بیٹھیے راستے میں بات کرتے ہیں۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

میری گاڑی ہے میں اسی میں بیٹھ کر حویلی جاؤں گی۔۔آپ کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھوں امپاسبل۔۔۔حور نے سر نفی میں سر ہلاتے لفظ چبائے۔۔

ارحام اس کی بات پر گہرا سانس لیتے اس کی گاڑی کی طرف بڑھا۔

حور نے تحیر سے ارحام کی طرف دیکھا جو اس کی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

آیئے میم۔۔۔۔ارحام نے حور کی گاڑی کا دروازہ کھولتے کہا۔۔

حور غصے سے بھڑ بھڑ جلتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی ماطرف بڑھی تھی۔۔

گاڑی میں بیٹھتے وہ رکی تھی۔۔ آئندہ پریزے کو ڈانٹا تو پھر دیکھیے گا۔بیوی کو ڈانٹتے ہیں وہ ہی کافی ہے۔۔

حور غصے سے لفظ چباتے گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

ارحام نے حیرانگی سے اپنی بیوی کی ڈانٹ سنی تھی۔۔

اس کے سنجیدہ چہرے پر حور کی ڈانٹ پر ہلکا سا تبسم بکھرا تھا۔۔

وہ مبہم سا مسکراتے ہوئے اپنا کوٹ جھٹکتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔

اپنی گاڑی میں بیٹھتے اس نے اپنی گاڑی حور کی گاڑی کے پیچھے لگائی۔ آگے پیچھے اس کے گارڈز اور حور کے گارڈز کی گاڑیاں روانہ ہوئی تھیں۔

اسفندیار خان نے مسلسل بجتے فون پر اپنی آنکھیں بمشکل کھولی تھیں۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ لوگ یہاں صبح کے نو بجے کے قریب آئے تھے۔

اسفند نے فون پر نظریں دوڑائیں جہاں زاران کی کال آ رہی تھی۔ وہ لب بھینچے فون ڈس کنکیٹ کرتے فون سائیڈ ٹیبل پر پٹخ چکا تھا۔

اسفند نے لب بھینچے ہی اپنی پہلو میں لیٹی عابیر کی طرف نظریں دوڑائیں جو اس کی طرف رخ پلٹے کمبل لیے لیٹی تھی۔اس کی برہنہ کمر پر اس کے سنہری بالوں کی ابشار بکھری تھی۔۔۔

وہ صبح سے اس کے پاس جتنی مرتبہ آیا اس نے ایک بار بھی اسے جھٹکا نہیں تھا۔۔

پہلے بھی وہ اس کی قربت میں اس کے حقوق وہ بہت اچھی طرح نبھاتی تھی ۔۔وہ جب اسے اپنے قریب کرتا تھا وہ اس کے ساتھ لپٹتے اس کی شدتوں میں ساتھ دیتی تھی۔۔ مگر آج اس نے ایک بار بھی اس کے گرد اپنا حصار قائم نہیں کیا تھا۔اس کی نازک انگلیاں اس کے گھنے بالوں میں نہیں سرسرائی تھیں۔وہ سارا وقت بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے آنکھیں سختی سے میچے ہوے تھی۔

اسفندیار خان نے سگریٹ کیس نکالتے سگریٹ لبوں میں دبائے گہرا کش لیتے اپنے لبوں میں دبایا تھا۔۔بہت زیادہ سگریٹ نوشی کرنے سے اس کے عنابی لب اب سیاہی مائل ہونے لگے تھے۔۔

امریکہ میں گزرے سات ماہ میں عابیر کو کیمروں کے تھرو دیکھتے وہ دن رات سگریٹ کا ہی سہارا لیتا تھا۔

جب سے پاکستان آیا تھا عابیر کی بے اعتنائی اور دوری نے اسے مزید سگریٹ کا عادی کر دیا تھا۔

اسفندیار خان کو اپنے نکاح کی پہلی رات یاد آئی تھی جب اس نے خود کو سونپتے اس کے گرد پوری رات اپنے کپکپاتے ہاتھوں کا حصار قائم کیے رکھا تھا۔وہ درد سے چور روتے ہوئے تڑپتے ہوئے ساری رات اسفند پکارتی رہی تھی۔۔

مگر آج اس کے لبوں نے ایک بار بھی اسفند نہیں پکارا تھا۔۔

وہ اس کے حصار میں برف کی سل بنی ہوئی تھی۔۔

اسفند یار خان نے سگریٹ جلائے گہرا سانس لیتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں۔

عابیر کی بے اعتنائی اس کا مضبوط دل سہن نہیں کر پا رہا تھا۔ اسفند نے جبڑے بھینچتے سگریٹ ایک بار پھر سے اپنے زخمی سینے پر داغا۔ مگر اس بار وہ لب دانتوں تلے دبائے یہ تکلیف برداشت کر گیا تھا۔۔

اس کا فون ایک بار پھر سے بجنے لگا تھا۔۔ اسفند یار خان نے مٹھی بھینچتے کال ریسیو کرتے فون کان سے لگایا۔

جتنا جلدی ہو سکے عابیر کو واپس حویلی لے آ۔۔ زاران کی سرد آواز پر وہ اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔

ہوش آ گیا تجھے تیری بہن میرے پاس ہے؟؟ تھوڑا اور سو لیتے اپنی بیوی کی آغوش میں۔ اسفندیار خان نے لفظ چبائے تھے

بکواس بند کر اپنی۔۔۔ آیندہ ایک لفظ میری بیوی کے متعلق مت نکالنا۔۔ تو اچھی طرح جانتا ہے مجھے مذاق میں بھی پسند کوئی ابرش کا نام بھی لے۔۔ زاران فون پر غرایا تھا۔

مجھے بھی بلکل نہیں پسند کہ میری بیوی پر اس کا کمینہ بغیرت بھائی ذرا سا بھی حق جتائے۔ اس لیے بھول جا کہ اب وہ واپس حویلی آئے گی۔ اسفند نے بھی غصے سے غراتے ہوے کہا۔

اسفندیار خان سیدھی طرح اسے حویلی واپس لے آ۔۔ میں خاموش اس لیے ہوں کیونکہ میں اپنی حویلی میں کوئی بھی رشتہ بکھرے دیکھنا نہیں چاہتا۔۔ میری نرمی کو میری کمزوری مت سمجھ۔۔ تو اچھی طرح جانتا ہے مجھے میں کیسا ہوں۔

ہاں جانتا ہوں تو منتقم مزاج بندہ ہے میرے نزدیک تو منافق ہے اور رشتے بکھرنے سے کیا مطلب ہے تیرا ہاں۔۔ تجھے میں اتنا کمزور لگتا ہوں جو اپنا رشتہ ٹوٹنے دے گا۔۔ ایک بات یاد رکھنا جب تک اسفندیار خان زندہ ہے اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔۔ آزما لو تم دونوں بھائی اپنی طاقت۔۔۔

میری سانسیں چھین کر ہی ممکن ہے تم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو۔۔ مگر یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اگر مر جاؤں گا تو وہ میری نہیں رہے

گی۔۔اس لیے تم لوگوں کو اپنی سانسیں بھی چھیننے نہیں دوں گا۔اسفند فون پر غرایا تھا۔

ایسی بات ہے تو اسے لے کر حویلی واپس آ ورنہ میں خود ادھر آجاؤں گا اور تجھے جو یقین ہے تو مر نہیں سکتا تیرا یقین ایک لمحے میں توڑ کر رکھ دوں گا۔۔زاران کہتے فون بند کر چکا تھا۔

سالہ کمینہ۔۔۔۔اسفند نے بڑبڑاتے ہوئے فون اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا۔۔۔

شہرام براون شلوار قیمض پہنے اپنے کندھوں پر آف وائٹ مردانہ شال ڈالے ہوئے حویلی داخل ہوا تھا۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔ شہرام نے لاونج میں داخل ہوتے امینہ خانم سے سلام کیا۔

وعلیکم سلام بچے۔۔۔ اللہ نظر بد سے بچائے وہ صوفے سے اٹھتے شہرام کی طرف بڑھی تھیں۔ شہرام کے چہرے کو تھامتے انہوں نے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

ماشاءاللہ ہمارا سب بیٹوں سے زیادہ پیارا ہے ہمارا شہرام امینہ خانم نے نظر بد کی دعا پڑھ کر اس پر پھونک ماری تھی۔

مورے یہی الفاظ میں بہت بار آپ کے لبوں سے ارحام لالا کے لیے سن چکا ہوں۔ شہرام نے لب دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں کہا۔

یہ بات تو سچ ہے ہمارا بیٹا ارحام میں جو بات ہے وہ تم سب میں کہا۔ وہ تو ہمارا جان کا ٹکڑا ہے تم اور زاران کبھی اس کا جگہ نہیں لے سکتا۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے کہا۔

مورے مجھے اور زاران لالا کو شوق بھی نہیں ان کی جگہ لینے کا۔۔۔ وہ ہمارے لالا ہیں ہمارے لیے احترام کے قابل۔ اور جو ان کی جگہ ہے ہمارے دلوں میں وہ جگہ بھی کوئی نہیں لے سکتا۔۔ شہرام مبہم سا مسکرایا تھا۔۔

ماشاءاللہ تم تینوں کا پیار ہمیشہ سلامت رہے۔۔ امینہ خانم نے نم آنکھوں سے دعا دی تھی۔۔

اسلام و علیکم۔۔۔ شہرام نے روزینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا جو بہرام کو گود میں لیے سنجیدہ سا اکھڑا سا چہرہ لیے بیٹھی تھیں۔

وعلیکم اسلام کیسا ہے تم؟؟ روزینہ خانم نے شہرام کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

میں ٹھیک ہوں شہرام نے کہتے ہوے بہرام کو ان کی گود سے لیے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔

بابا کی جان۔۔۔ کیسا ہے میرا بہرام میری جان۔۔۔ شہرام نے اب اپنی مونچھیں اس کے گال پر رگڑیں وہ بری طرح رونے لگا تھا۔۔

بلکل اپنی ماں پر گئے ہو رونے میں۔۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے نرم گال پر انگلی پھیری جو اس کے مونچھوں کی چبھن سے سرخ ہوا تھا۔

وہ اب خاموش ہو گیا تھا شہرام کو دیکھتے مسکرانے لگا۔۔

تم بلکل اپنی ماں پر نہیں گئے تم اپنے بابا پر گئے ہو جو روتے ہوے بھی مسکراتا ہے تمھاری ماں تو جب تک دوسروں کو خون کے آنسو نہ رلا نہ لے

اسے چین نہیں آتا۔۔ شہرام نے کہتے ہوے مسکراتے ہوے بہرام کے ماتھے پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔۔

شہرام کی بات پر روزینہ خانم نے اپنے منہ کے زاویے بگاڑے تھے۔۔ جسے دیکھتے شہرام نے انھیں آئی بروا چکاتے دیکھا تھا۔۔

سچ کہہ رہا ہوں اس لیے منہ کے زاویے بگاڑنے کی ضرورت نہیں۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے سامنے دیکھا جہاں سے بہارے آرہی تھی۔۔ شہرام کی بات پر وہ اسی لمحے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

شہرام کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ چھائی تھی۔۔ شہرام بہرام کو امینہ خانم کے حوالے کرتے تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھا۔

کچن کے دروازے پر وہ رکا تھا وہ بغیر کسی شال کے کھڑی گاجریں کش کر رہی تھی۔ییلو کلر کے شیشوں والے فراک میں ملبوس تھی۔بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔۔شال کچن میں موجود کرسی پر پڑی تھی۔

ہونٹوں پر پنک لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔۔آنکھوں میں کاجل لگائے ہوے تھی.۔۔

کچھ چاہیے تھا لالا۔۔درخشاں نے شہرام کو کچن کے دروازے پر جمے دیکھ کر پوچھا۔

ہاں چاہیے تو بہت کچھ ہے مگر دینے والا بہت کنجوس ہے۔

شہرام نے گہری گرم نگاہوں سے بہارے کو دیکھتے درخشاں سے کہا۔۔ درخشاں اور پاس کھڑی دوسری ملازمہ شہرام کا مطلب سمجھتے سرخ ہوئی تھیں۔

وہ جس طرح بہارے کا گہری اور گرم نگاہوں سے معائنہ کر رہا تھا۔ وہ کافی تھا شہرام کی بات کا مطلب سمجھانے کے لیے اسے کیا چاہیے۔

درخشاں اور دوسری ملازمہ کو شہرام نے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے چلی گئی تھیں۔

شہرام کچن کا دروازہ لاک کرتے بہارے کی طرف بڑھا جو سپاٹ چہرہ لیے ہنوز گاجریں کش کر رہی تھیں۔

شہرام خان نے اس کے دونوں اطراف سے اپنے ہاتھ شیلف پر جمائے تھے۔۔ بہارے کا ہاتھ گاجریں کش کرتار کا تھا۔ دوسرے پل وہ پھر سے اپنا کام کرنے لگی تھی.

کیا کر رہی ہو؟؟ شہرام نے اس کے ڈھیلے جوڑے پر لب رکھتے اس کے بالوں کی مہک اپنے اندر اتارتے گہرا سانس لیا تھا۔

بہارے بنا کوئی جواب دیے ابھی بھی گاجریں کش کر رہی تھی۔ شہرام نے ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا

بہارے اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔ شہرام بے قراری سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

میری بہارے۔۔۔بس کر دو اور مجھے ستانا مر جاؤں گا تمھاری جدائی سہتے سہتے۔۔۔شہرام اس کی ناز کی محسوس کرتے پاگل ہوا تھا۔وہ مزید سختی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔۔

چھوڑو شہرام مجھے۔۔بہارے اسے خود سے دور کرتے دبے انداز میں چلائی تھی۔بہارے کی آواز میں لڑکھڑاہٹ اور سپردگی کا انداز محسوس کرتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔اس نے اسے خود سے دور نہیں جھٹکا تھا۔

شہرام اسے خود سے الگ کرتے اسے شیلف سے لگائے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا وہ نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔عارض پر سرخی تھی۔بدن میں لرزاہٹ تھی۔وہ شیلف سے ٹیک لگائے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچے ہوے تھی۔۔

شہرام اس کی بھینچی مٹھیاں نظر انداز کرتے اس کی جھکی آنکھوں پر لرزتی پلکیں دیکھ کر اس کے عارض پر ہاتھ جمائے اس کے قریب ہوتے بہت نرمی سے اس کے دوسرے عارض کے تل پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

میری بہارے۔۔۔۔۔بہت خوبصورت ہو تم۔۔ تمھارا شہرام تمھارا دیوانہ ہے۔۔ شہرام اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکے بہت نرمی سے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔

بہارے ابھی تک نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچے ہوے اپنی آنکھیں بند کر چکی تھی۔

شہرام اس کے لبوں کو گیلا کرتے ہوے اس کی گردن پر جھکے بے قراری سے اپنے سلگتے لب رکھنے لگا۔ شہرام کے لب بے قراری کے اس کے دودھیا گردن پر محو رقص تھے۔۔

وہ دیوانوں کی طرح اس کی گردن پر اپنی پیار کی سوغاتیں چھوڑ رہا تھا۔۔

شہرام کے لب دیوانگی کے عالم میں اوپر سے نیچے رقص کرنے لگے تھے۔ شہرام کا ایک ہاتھ اس کی کمر کی زپ پر حرکت کرتے دوسرا ہاتھ اسے باکی سے چھوتے بے باک گستاخیاں کر رہا تھا۔

شہرام کی بڑھتی بے باک جسارتوں پر بہارے کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ وہ اسے خود سے دور جھٹکتے رخ پلٹے شیلف پر دونوں ہاتھ جماتے گہرے سانس لینے لگی۔۔ بند آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برس رہے تھے۔۔ بدن بری طرح لرز رہا تھا۔۔ وہ اسے خود سے دور نہیں جھٹک پا رہی تھی۔ وہ کیوں نہیں جھٹک پا رہی تھی وہ اس کا دل سمجھ رہا تھا۔ وہ اسے ہر معاملے میں انسکیور کر چکا تھا۔ وہ اسے دور جھٹکے گی تو وہ اپنی یہ ضرورت کسی اور سے پوری کر لے گا۔ جیسے وہ آج سے کچھ ماہ پہلے اس کے قریب رہتے

اسے اپنا دیوانہ بنائے رکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ کسی اور عورت کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔۔تب تو اسے اس کی قربت اس کے گرم بدن سے جنون کی حد تک محبت تھی۔ مگر آج اسے اس کی قربت اس کا گرم بدن اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں مچا رہا تھا۔ وہ تو صرف ایک انسکیور عورت رہ گئی تھی۔۔سب کچھ ختم ہو چکا تھا صرف انسکیورٹی رہ گئی تھی.۔۔بہارے اپنے نچلے لب کو بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔

شہرام اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے قریب کرتے اسے اپنے چوڑے سینے میں سماتے اس کی سائیڈ گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

خوشگوار لمحوں کو

بے قرار راتوں کو

کیسے بھول جاؤں میں

عشق والی باتوں کو

تیرا ہوں تیرا

کھاتا ہوں قسم

مر کہ بھی دل سے یہ

پیار ہو گا نہ کم

شہرام خان اس کا رخ موڑے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے عارض کے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔وہ بے قراری سے پھر سے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔اس کے نرم لبوں کو کھینچتے شہرام کی سانسیں گہری اور سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔اس کے اتنے قریب آ

کر وہ اس کی سانسوں میں ہلچل مچاتے اسے خود کے لیے بے تاب کر چکی تھی۔

وہ اسے خود میں سمانے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔

میری بہارے چانسز ہیں آج تمھارے قریب آسکوں۔۔ آج تم میں نہ سمایا تو مر جاؤں گا۔۔۔ تم ضرورت بن کر میرے جواں جذبوں میں آگ لگا چکی ہو۔۔ مر جاؤں گا میری بہارے اگر آج تمھارے وجود کی گرمی مجھ میں نہ رچ بس گئی۔۔

ہے چانسز میری جان۔۔۔ آسکتا ہوں تمھارے قریب۔۔

شہرام اس کے ماتھے سے ماتھا ٹکائے گہری سانسوں سے بمشکل بولا تھا۔۔

بہارے نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

شہرام کے مونچھوں تلے لب گہرا مسکرائے تھے۔

تو پھر چلو کمرے میں۔۔۔۔ شہرام کرسی سے اس کی شال اس کے گرد اچھی طرح لپیٹے اس کی کلائی پکڑے کچن کا دروازہ کھولے باہر نکلتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اس کے ساتھ بنا کسی احساس کے ربوٹ کی مانند چل رہی تھی۔

بہارے کی کلائی تھامے وہ لاونج سے ہوتے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا یکدم اس کے مضبوط مردانہ قدم رکے تھے

اس نے بے یقینی سے امینہ خانم اور لاونج میں کھڑے زاران کو دیکھا تھا۔

زاران لاونج میں کھڑا اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سرد نگاہوں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا امینہ خانم شہرام کی بے یقین سرخ نظروں پر اپنی نظریں چرا گئی تھیں۔۔

داخلی دروازے سے اسفندیار خان اور عابیر اندر داخل ہوے تھے۔وہ شہرام کو دیکھتے بھاگتے ہوے شہرام کی طرف بڑھتے اس کے سینے سے جا لگی تھی۔

زاران بے چینی سے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا تھا۔وہ اسے بلکل اگنور کر گئی تھی بلکہ اس کے پاس سے گزرتی شہرام کی طرف بڑھی تھی۔۔

شہرام بہارے کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔

امینہ خانم روزینہ خانم ابرش صوفوں سے اٹھتے کھڑے ہوے تھے۔۔۔

اسفندیار خان جبڑے بھینچتے کرب سے سرخ آنکھوں سے عابیر کو دیکھ رہا تھا جو شہرام کے سینے سے لگے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ جس چادر سے اس نے اپنا وجود یہاں تک اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تہا۔اب وہ ریڈ گرم شال اس کے ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔ سنہری سلکی بال الجھے سے اس کی کمر پر لہرا رہے تھے۔۔۔ اسفندیار خان سرد نظروں سے اس کا ہچکولے لیتا نازک وجود دیکھ رہا تھا۔اس کی گردن اس کے گال اور اس کے پچھلے گلے سے نظر آتی بیک پر اس کی شدتوں کے گہرے نشان تھے۔بیک نیک بالوں کی وجہ سے چھپی ہوئی تھی۔۔ عارض اور گردن پر اس کی شدتوں کے نشان پورے گھر والوں کے سامنے تھے۔۔

لالا۔۔۔عابیر شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے ہچکیوں سے روتے ہوے شہرام کو پکارتے بری طرح لرزتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔

شہرام اس کے نیلے عارض پر ہاتھ جمائے زاران کو سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔۔

مورے آپ نے مجھے فون پر کیا کہا تھا؟؟شہرام نے عابیر کے سر پر ہاتھ رکھے سرد و سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

امینہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیتے نظریں جھکا گئی تھی.

مورے آپ نے مجھے فون پر کیا کہا تھا۔اب کی بار وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔نظریں ابھی تک زاران پر گاڑھی ہوئی تھیں۔

یہ مورے سے بات کرنے کا کونسا طریقہ ہے شہرام؟؟۔۔زاران غصے سے شہرام کے مقابل آیا تھا۔

میں آپ سے بات نہیں کر رہا میری بات میں آپ کو بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔وہ پہلے سے بھی زیادہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔شہرام کی دھاڑ پر حویلی کے درودیوار گونج اٹھے تھے۔۔بہارے نے بھاگتے ہوے بہرام کو روزینہ خانم سے پکڑے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔وہ شہرام کی دھاڑ گلہ پھاڑ پھاڑ کر بہت بری طرح رو رہا تھا۔۔

بہارے نے بہرام کے بری طرح ہچکولے بھرتے وجود کو سینے میں بھینچتے روتے ہوے شہرام کو دیکھا تھا جس پر بہرام کے رونے کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔وہ عابیر کو سینے میں بھینچے زاران پر اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھے کھڑا تھا۔۔

بہرام کے بری طرح روتے وجود کو وہ سینے میں بھرتے آنکھیں میچے شدت سے رو دی تھی۔ ثابت ہوا تھا اسے اپنے بیٹے کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔۔

کیا پوچھ رہا ہوں مورے؟؟ کیا کہا تھا آپ نے مجھے فون پر۔۔۔ شہرام ایک بار پھر سے چیخا تھا۔

بہارے نے روتے ہوئے گہری سانسیں لیتے حویلی کی چھت کو دیکھتے بہرام کو مزید اپنے سینے میں بھینچا تھا۔

شہرام کی دھاڑ پر بدحواص ہوتے مردانے سے درید خان اربد خان سمیع اللہ خان زنان خانے میں داخل ہوئے تھے۔۔ تمام ملازمائیں بھی حویلی کے لاونج میں بھاگتے ہوئے آئی تھیں۔

درخشاں نے آگے بڑھتے روتے بلکتے بہرام کو بہارے کے سینے سے لیا

۔۔ بہارے نے روتے ہوے بہرام درخشاں کو پکڑایا تھا۔۔ درخشاں اسے

سینے میں بھینچتے تیزی سے بہارے کی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

زاران بے یقینی سے گہرے سانس لیتا نم آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہا تھا جو

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا چیخ رہا تھا اس نے کبھی اس سے اس

لب و لہجے میں بات نہیں کی تھی۔۔

مورے۔۔۔۔ شہرام نے گرجتے ہوے ایک بار پھر سے امینہ خانم کو پکارا

تھا۔

شہرام یہ تم کیا پوچھ رہا ہے عابیر اسفند کا بیوی ہے۔۔۔

پھر مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کیوں کہا کہ عابیر کی مرضی کے بغیر اب کوئی فیصلہ نہیں لیا جائے گا۔عابیر اسفندیار خان کے ساتھ کہاں سے آرہی ہے ؟؟شہرام سرد لہجے میں چیختے ہوئے امینہ خانم کی بات بیچ میں ہی کاٹ گیا تھا۔

یہ جہاں سے بھی آرہی ہے تم کون ہوتا ہے یہ پوچھنے والا۔۔درید خان شہرام کو گھورتے ہوئے بولے تھے۔۔

لالا ہوں میں اس کا۔۔بیٹی جیسی ہے میری عابی میرے لیے۔۔میں اسے زبانی بیٹی کہتا نہیں مانتا بھی ہوں۔شہرام زاران کو گھورتے طنزیہ بولا تھا۔۔

زاران استھزائیہ کرب سے مسکراتے ہوئے اپنی نظریں اپنے سیاہ بوٹوں پر گاڑھ گیا تھا۔

یہ کسی کا بیٹی نہیں یہ ہمارا بیٹی ہے اس کا فیصلہ کرنے کا حق صرف ہمارا ہے۔

۔درید خان شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے غرائے تھے۔۔

درید خان کی بات پر شہرام سے الگ ہوئی تھی۔۔ شہرام عابیر کو اپنے حصار سے آزاد کرتے درید خان کی طرف بڑھا۔

یہ کیسا فیصلہ ہے بابا جان؟؟ بتائیں گے آپ مجھے۔۔ آپ کو اپنی بیٹی کے آنسو نہیں نظر آرہے۔۔ وہ نہیں رہنا چاہتی اسفندیار خان کے ساتھ۔۔ کیوں زبردستی کر رہے ہیں اس کے ساتھ؟؟ اور کب تک زیادتی ہوتی رہے گی میری عابی کے ساتھ۔۔ شہرام نے درید خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کیا۔

کیا زیادتی ہو رہا ہے اس کے ساتھ؟؟ کیا زبردستی کیا ہے اس کے ساتھ۔

۔اس کا بچاکانہ حرکات کی وجہ سے ہم اپنا رویات بھول جائیں۔ ہم لوگ اتنا

اتنا بات پر طلاق نہیں لیتا۔۔ جانتا ہے ناں تم اچھی طرح۔۔۔ درید خان سرد سپاٹ لہجے میں بولے۔۔

یہ اتنی سی بات ہے آپ کے نزدیک۔۔ اسفندیار خان میری بہن کو بدلے کی اگ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ سات مہینے میری بہن کے بہتے آنسوؤں کی یہ قیمت ہے آپ کے پاس کہ آپ اسے پھر سے اسفندیار خان کے حوالے کر دیں۔ کل کو وہ پھر کسی بات پر میری عابی کو چھوڑ کر چلا جائے۔ شہرام خان نے درید خان کو دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔

ایسا نہیں ہو گا۔۔

ایسا ہی ہو گا بابا جان ایسا ہی ہو گا۔۔ شہرام درید خان کی بات کاٹتے چیخا تھا۔

اسفندیار خان عابیر کو اپنی سرخ نظروں کے حصار میں لیے اپنی مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

سیع اللہ خان اپنی لاٹھی پر دباؤ ڈالتے خاموش کھڑے تھے۔۔

زاران نے ان کا لحاظ نہیں کیا تھا شہرام تو کبھی ان کا لحاظ نہ کرتا۔ وہ بے بسی سے نم آنکھوں سے اپنے پوتوں کو دیکھ رہے تھے۔۔

ایسا ہی ہو گا بابا جان۔۔ لالا پھر سے کوئی غلطی کریں گے اور اسفندیار خان پھر سے لالا کی غلطی کی سزا عابیر کو دے گا۔ شہرام نے درید خان کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ کہا۔

غلطی۔۔۔ کون سی غلطی ہوئی مجھ سے؟؟ زاران نے شہرام کے مقابل آتے سوال کیا۔

کیا بات ہے لالا آپ کی آپ کو احساس ہی نہیں آپ کتنی غلطیاں کر چکے ہیں۔ کیسے ہو گا احساس آپ کی زندگی تو سیٹل ہو چکی ہے آپ کی انھیں غلطیوں کی وجہ سے۔ شہرام ابرش پر نظریں گاڑھتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

جو بھی کہنا ہے مجھ سے کہو شہرام۔ ابرش کو خبردار بیچ میں لائے۔۔۔ زاران نے شہرام کی نظروں کے حصار میں ابرش کو دیکھتے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اسے تنبیہ کی تھی۔

ابرش شہرام کی سرد نظروں پر اپنے سر پر اپنی شال اچھی طرح جماتے نظریں جھکا گئی تھی۔

ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔ زاران اب دھاڑا تھا۔

شہرام اب بلند آواز میں استھزائیہ ہنسا تھا۔ جتنی پرواہ اپنی بیوی کی کرتے ہیں اتنی اپنی بہن کی کر لیتے تو وہ آج کھڑی یوں رو نہ رہی ہوتی۔ شہرام نے عابیر کی طرف نگاہ کی جو سرخ چہرے کے ساتھ بدحال سی لرزتے ہوئے ہچکیاں بھرتے ہوئے سب کو دیکھ رہی تھی۔ زاران عابیر کو دیکھتے اپنے جبڑے بھینچتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

کچھ دن پہلے آپ عابیر کے وکیل بن کر کھڑے تھے یہاں اسی لاونج میں۔۔ ویل بہت اچھی سپیچ کی تھی آپ نے۔

بہت خوب طریقے سے لڑے اپنی بہن کے لیے۔۔ شہرام نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے اب تالیاں بجائی تھیں۔

زاران لب بھینچے شہرام کو دیکھ رہا تھا جو آج اس کے لیے جیسے اجنبی ہو گیا تھا۔

اس دن آپ خود ہی وکیل تھے خود ہی جج بنے ہوے تھے۔۔

اور ہم سب خاموش یہاں کھڑے سن رہے تھے۔۔ کسی نے نہیں کچھ نہیں پوچھا آپ سے۔۔ کسی نے آپ پر سوال نہیں اٹھائے۔ کیونکہ یہاں کسی کو میری عابی کی پرواہ ہی نہیں ہے۔۔ شہرام سب کو دیکھتے استھزائیہ بولا۔۔

آج میں آپ سے سوال کروں گا اور آپ جواب دیں گے۔۔ اور میں پھر فیصلہ کروں گا کہ میری عابی کی زندگی برباد کرنے میں آپ کا کتنے فیصد حصہ ہے۔۔ مجھے یقین ہے میری عابی کی زندگی برباد کرنے میں آپ کا 100 پرسنٹ حصہ ہو گا۔ شہرام کے استھزائیہ لب ولہجے پر زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔ وہ اپنی دو انگلیوں سے اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا تھا۔

بابرک نے عابیر کو سیڑھیوں سے دھکا دیا آپ نے خاموشی کیوں اختیار کی؟؟ کیوں نہیں تب اس کے سینے میں گولیاں پیوست کیں؟؟ شہرام نے زاران کی آنکھوں میں گاڑھے سوال کیا۔

بہارے شہرام کی بات پر کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

اسفندیار خان نے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے عابیر کے نازک وجود پر اپنی شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں جس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

نہیں جواب کوئی شہرام زاران کی خاموشی پر ہنسا تھا۔۔

میں بتاتا ہوں سب کو۔۔ شہرام سب کی طرف دیکھتے ماستھزایہ مسکرایا۔۔

لالا دونوں سائیڈ سے کھیل رہے تھے۔ پچ بھی ان کی اور پورے کا پورا گراؤنڈ بھی ان کا۔۔ شہرام نے طنزیہ مسکراتے ہوئے زاران کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

دوسرے کسی کے کھیلنے کی گنجایش انھوں نے چھوڑی ہی نہیں تھی۔ کوئی دوسرا کھیلتا تو ہار جیت کا فیصلہ ہوتا۔۔ مگر لالا اپنے بیٹ سے بال کو اچھالتے خود ہی خوش ہوتے رہے۔۔ لالا کو پتہ ہی نہیں چل رہا وہ بال سے نہیں میرے عابی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

شہرام۔۔۔۔ زاران حلق کے بل چیخا تھا۔

بس لالا اور نہیں چلائیں گے آپ مجھ پر۔۔۔ کھو چکے آج سے آپ شہرام پر اپنا حق۔۔ جب کوئی شہرام خان پر اپنا حق کھوتا ہے شہرام اسے اپنا نام پکارنے کی آجازت بھی نہیں دیتا۔ شہرام زاران سے بھی زیادہ چیخا تھا۔۔

درید خان غصے سے شہرام کی طرف بڑھے تھے کہ اربد خان نے انھیں کندھے سے نرمی سے جکڑے روکا تھا۔

درید خان شہرام کو گھورتے رک گئے تھے۔

امینہ خانم نے اب عابیر پر اپنی غصیلی نظریں گاڑھیں جو آج دو بھائیوں کو مدمقابل لے آئی تھی۔ عابیر دل پر ہاتھ رکھے بدحال سی روئے جا رہی تھی۔۔

حق ختم ہو گیا میرا تجھ پر۔۔ حق ختم کر دیا تو نے میرا۔۔ چھوٹا بھائی ہے میرا۔۔ میرا شہرام۔۔۔ چھوٹا بھائی ہے تو میرا۔۔ کیسے حق ختم ہو سکتا ہے۔۔ زاران نے نم لہجے میں استفسار کیا۔

ہو گیا ختم لالا کیونکہ آپ نے مجھ میں اور اپنی دوستی میں اسفندیار خان کو چنا ہے۔۔ ختم ہو گیا لالا۔۔ ختم ہو گیا لالا سب ختم ہو گیا۔ شہرام سپاٹ لہجے میں بولا۔

تو پھر زاران بول مجھے۔۔ زاران بول مجھے۔۔ تو بھی مجھے لالا کہنے کا حق کھو چکا ہے۔ زاران غصے سے چیخا تھا۔

بولوں گا لالا آپ کو آپ کے نام سے بھی پکاروں گا۔ جب پوری طرح میری عابی کو آپ موت کی نیند سلا دیں گے تب شہرام خان آپ کو آپ کے نام سے ہی پکارے گا۔

عابی زندگی ہے میری۔۔۔ جو کچھ بھی کیا اس کے لیے کیا۔ زاران کرب سے بولتا چیخا تھا۔

نہیں لالا آپ نے صرف اپنی دوستی بچائی۔۔ بابرک کے نکاح میں تھی آپ کبھی اس کے حق کے لیے نہیں بولے۔ بابرک اگر زندہ ہوتا تو آپ عابیر کو اس کے ساتھ رخصت بھی کر دیتے۔۔ صرف اپنی دوستی نبھانے کے لیے۔۔ آپ حویلی کے رسم ورواج کی وجہ سے کبھی مجبور نہیں ہوے۔۔ اگر آپ مجبور ہوتے کبھی ابرش بھابھی کو حویلی سے دو دو بار بھاگنے پر اپناتے ناں بلکہ موت کی نیند سلاتے۔۔

چٹاخ۔۔۔ زاران کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ شہرام کے ہونٹوں سے خون نکال چکا تھا۔

شہرام اپنے ہونٹوں سے نکلا خون اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

عابیر نے پلر تھامے اپنے چکراتے وجود کو سنبھالا تھا۔

امینہ خانم دل پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔روزینہ خانم نے بھی پریشانی سے شہرام کو دیکھا تھا۔

باقی سب خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔اسفندیار خان نے عابیر کو دیکھتے اپنی پاکٹ سے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکالتے لبوں میں دبائے اپنے اندر اٹھتی سلگتی چنگاریوں کو دبانے کی ناکام سعی کی۔جو سامنے کھڑے نازک وجود کو دیکھتے ان چنگاریوں میں مسلسل شعلے سے بھڑک رہے تھے۔۔

اور بکواس نہیں سنوں گا تمھاری۔۔کچھ مت کہنا اس کے بارے میں ۔۔۔زاران پھولتی رگوں کے ساتھ بمشکل بولتے گر جاتھا

ابرش نے صوفے کی سطح کو جکڑے اپنی نظریں جھکائے اپنی آنکھوں سے امڈتے آنسوؤں پر بندھ باندھنے کی ناکام کوشش کی۔جو پلکوں کی باڑ توڑتے رخ پر شدت سے برس رہے تھے۔۔نازک وجود میں ارتعاش بڑھا تھا۔

جو تھپڑ مجھے مارا یہ تھپڑ آپ کو اسفندیار خان کے منہ پر مارنا چاہیے تھا جب وہ میری عابی کو پوری حویلی کے سامنے دھتکار کر گیا تھا۔۔ نہیں مارانا تھپڑ ثابت ہوتا ہے عابی سے زیادہ آپ کو اسفندیار خان عزیز ہے۔۔۔ شہرام پتھریلے لہجے میں بولتا مسکرایا تھا۔

آہل کو بچانے کے لیے آپ نے ہم سب سے حقیقت چھپائی۔۔ صرف بھابھی کے گھر والوں کو پروٹیکشن دینے کے لیے۔۔ اس سب میں میری عابی کہاں تھی۔ آہل کو پروٹیکشن دینا غلط تھا جو اپنی زخمی ٹانگوں کے ساتھ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ عنائیہ چودہ سال کی عمر میں کڈنیپ ہو چکی تھی اس کے بارے میں سوچنا غلط تھا کیا؟؟ زاران نے کرب سے سوال کیا۔

نہیں غلط تھا لالا آپ کی جگہ میں ہوتا جان کی بازی کھیل کر عنایہ کی عزت بچاتا آہل کو بچاتا۔ مگر اس سب کے لیے کبھی اپنی عابی کو بیچ میں نہ لاتا۔ ۔کیونکہ مجھے ہر رشتے سے پیاری عابی ہے۔

سب کچھ جانتے بوجھتے آپ نے عابیر نکاح اسفندیار خان سے کیوں ہونے دیا۔ آپ نہیں جانتے بدلے میں لی ہوئی عورت کے ساتھ مرد کیسا جانوروں والا سلوک کرتا ہے۔

اعتبار تھا مجھے اسفندیار خان پر۔۔۔وہ میری بہن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتا۔ اعتبار ہے مجھے اسفندیار خان پر۔۔۔۔۔اعتبار ہے مجھے اپنے اسفند یار خان پر۔۔۔زاران حلق کے بل چیخا تھا۔

اسفندیار خان ہاتھ میں پکڑا سگریٹ اپنے کھلے بٹنوں سے نظر آتے سینے پر داغ گیا تھا۔۔

اعتبار آپ نے کیا لالا۔ مگر اسفندیار خان نے آپ پر اعتبار نہیں کیا۔ آپ کے اس اعتبار نے میری عابی کی زندگی برباد کر دی لالا۔۔۔ برباد کر دیا میری عابی کو۔۔ شہرام استھزائیہ بولتے مسکرایا تھا۔

شہرام نہیں ہوئی عابیر کی زندگی برباد۔۔ اس کا مرد سلامت ہے اسے اپنے پاس رکھنا بھی چاہتا ہے۔ اور کیا چاہیے اسے۔۔ یہ ڈرامہ لگائے رکھا ہے اس نے۔۔ پہلے یہ اسفندیار پر مرتا تھا۔ اس کا مورے کا نوکرانی بننے پر بھی خوش تھا۔ اب وہ اس کے سامنے جھک رہا ہے تو یہ اکڑ رہا ہے۔ امینہ خانم عابیر پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھتے بولی۔۔

مورے یہ آپ کہہ رہی ہیں؟؟ بیٹی ہیں یہ آپ کی۔۔ اس کا درد کیوں نہیں سمجھ آتا آپ کو۔۔ شہرام نے امینہ خانم کو دیکھتے دکھ بھرے لہجے میں سوال داغا تھا۔۔

اس کا درد نظر آرہا ہے تو کہہ رہا ہے یہ عورت ہے تو عورت بن کر رہے مرد کا مقابلہ نہ کرے۔ امینہ خانم غصے سے بولیں

ٹھیک کہہ رہا ہے تمھارا مورے فیصلہ ہو چکا ہے عابیر اسفند کے ساتھ رہے گا اور اسفندیار خان عابیر کو چاہے تو یہاں سے لے کر جا سکتا ہے۔۔ کیونکہ جب تک وہ یہاں رہے گا تم دونوں بھائی اس کا زندگی میں بولو گے۔ جو ہم کو قبول نہیں۔ اس کا زندگی کا مالک اب اسفندیار خان ہے۔ درید خان نے اٹل لہجے میں فیصلہ سنایا۔

ایسا نہیں ہو سکتا بابا۔۔ شہرام زاران دونوں بیک وقت بولے تھے۔۔

کیوں نہیں ہو سکتا؟؟ عابیر ہمارا بیٹی ہے۔۔ درید خان غصے سے گرجے تھے۔

وہ ہماری بہن بھی ہے بابا۔۔ زاران اور شہرام پھر سے بیک وقت چیخے تھے۔

بس کر دیں آپ لوگ۔۔بس کر دیں میرے لیے لڑنا۔۔مجھے کسی کی ضروت نہیں ہے۔۔ نہیں مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔۔عابیر کانوں پر ہاتھ رکھتے روتے ہوے بولی تھی۔۔

زاران شہرام اسے یوں تڑپتے روتے ہوے دیکھ کر اس کی طرف بڑھے تھے۔۔

رک جایئے دونوں رک جایئے۔۔۔میری طرف مت بڑھیے گا۔مجھے آپ جیسے لالا نہیں چاہیے۔۔ نہیں چاہیے مجھے آپ جیسے لالا۔۔۔عابیر روتے ہوے چیخی تھی

عابیر۔۔۔۔شہرام اور زاران نے نم آواز میں اسے پکارا تھا۔

عابیر اپنے لرزتے وجود کو سنبھالتے شہرام اور زاران کی طرف بڑھی تھی۔۔شال ایک کندھے سے لہراتے زمین کو چھو رہی تھی۔اس کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔

وہ شہرام کے مدمقابل آئی تھی۔۔

اس دن لالا نے اگر اچھی سپیچ دی تھی آج آپ نے بہت اچھی سپیچ دی ۔۔۔ورلڈ کے بیسٹ لالا کا آوارڈ میرے دونوں لالا کو جاتا ہے۔۔عابیر ہچکی لیتے ہوے کرب سے مسکرائی تھی۔۔

عابیر۔۔۔شہرام نے زخمی لہجے میں اسے پکارا تھا۔

مت دکھی کریں لالا میرے لیے خود کو۔۔۔ مت چیخ چیخ کر اپنا گلہ خراب کرے۔۔ کیوں تکلیف دے رہے آپ خود کو؟؟ مجھ جیسے بے جان وجود کے لیے آخر آپ کو لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ عابیر نے روتے ہوے کہا۔

تم بے جان وجود نہیں ہو ہماری بہن ہو تم۔۔ شہرام بولا تھا۔

دیکھا لالا آپ نے مجھے انسان نہیں کہا اپنی بہن کہہ دیا۔

ٹھیک کہا میں صرف ایک بیٹی بہن بیوی ہوں انسان تو مین ہوں ہی نہیں۔۔ جس کا جب دل چاہتا ہے میرے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ کر مجھے رشتوں کی مار مارتا ہے۔۔

میں صرف بہن بیٹی بیوی ہوں اس کے علاوہ میرا کوئی وجود ہی نہیں۔۔ عابیر اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہچکیون سے بولی۔

کچھ سال پہلے میں ایک پوتی بھی تھی۔۔عابیر نے بھیگی ااستھزائیہ نگاہیں سمیع اللہ پر گاڑھیں۔وہ جبڑے بھینچے اسے گھور کر رہ گئے۔۔

عابیر ان کے گھورنے پر روتے ہوے ہنس پڑی تھی۔۔

میں سچ میں انسان نہیں ہوں لالا۔۔۔میرا اتنا سا بولنا بڑوں کو پسند نہیں آیا ۔۔دیکھو میرے بڑے مجھے کیسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہے ہیں۔عابیر نے زخمی سا ہنستے ہوے اشارے سے درید اور سمیع اللہ کی طرف اشارہ کیا جو اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رھے تھے.

دیکھنا میں کچھ دیر اور بولوں گی میرے گال پر کسی نہ کسی مرد کا بھاری ہاتھ اپنی مردانگی کا تمغہ سجا جائے گا۔

عابیر نے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے روتے ہوے ہچکی لی تھی۔

تمھیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ میں کسی کو تمھیں سختی سے چھونے نہیں دوں گا تمھیں تھپڑ مارنا تو دور کی بات ہے۔ شہرام اس کے نیلے عارض پر ہاتھ جماتے غرایا تھا۔۔

عابیر شہرام کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے آنکھیں میچے شدت سے رو دی تھی۔۔

زاران دور کھڑا بے بسی سے اسے روتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

اسفندیار خان سگریٹ کے گہرے کش لیتا اسے سرخ آنکھوں سے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا آج اس کی سفاک پٹھانی سب کچھ کہہ دے جو وہ کہنا چاہتی تھی۔۔ آج وہ اس کی ہر سزا سنے گا اور سہے گا بھی۔۔ لیکن اگر وہ سفاک پن

کی جگہ کچھ اور سوچے بیٹھی تھی۔۔تو وہ جانتا تھا اس کا انجام کیا تھا۔۔حویلی والے آج دو دو جنازے اٹھائیں گے۔۔اسفندیار خان نے اپنی قمیض کی پاکٹ میں اپنی پسٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔

نہیں یقین لالا نہیں یقین آپ کی عابی کو آپ پر نہیں یقین۔۔عابیر آنکھیں کھولتے روتے ہوے مسکرائی تھی۔

کیا کہہ رہی ہو عابی۔۔شہرام بے یقین ہوا تھا۔

لالا میری عابی عابی کہنے سے کیا ہو گا وہ تو زاران لالا بھی مجھے اپنی بیٹی بیٹی پکارتے ہیں۔عابیر نے روتے ہوے کہا۔

عابیر کی بات پر زاران اپنی نم آنکھیں پھر سے انگلیوں سے مسل گیا تھا۔

لیکن میں کہتا نہیں ہوں تم میری عابی ہو۔ شہرام نے تڑپتے ہوے اس کے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

آپ کی عابی ہوں لالا کا بچہ ہوں اور بابا جان کی فرمانبردار بیٹی اور داجی کی پوتی ہوں اس کے علاوہ کیا وجود ہے میرا بتائیں مجھے عابیر حلق کے بل اتنی زور سے چیخی تھی کہ اسے کھانسی شروع ہو گئی تھی۔۔

وہ گلے پر ہاتھ جکڑے بمشکل کھانس رہی تھی۔۔ شہرام تڑپتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

مت آیئے گا قریب میرے۔۔ مت آیئے گا قریب۔۔ نہیں سننا مجھے میری عابی۔۔ میرا بچہ میرا بیٹی میری پوتی۔۔ نہین سننا مجھے۔۔۔ عابیر روتے ہوے بولی۔۔

میری عابی عابی کہنے والا لالا تب کہاں تھا جب میرے خوابوں کا سودا ہوا تھا۔۔ کہاں تھا میرا یہ لالا۔۔ جو بہارے کے لیے بول سکتا تھا۔ وہ میرے لیے کیوں نہیں بولا۔۔ عابیر نے ہچکیوں سے سوال کیا۔۔

پورے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔۔ صرف اس صوبے کے بورڈ میں نہیں پورے پاکستان کے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔۔ عابیر شہرام کے مدمقابل کھڑی تھی اس کے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔

وہاں سے پتہ نہیں چلا آپ کو آپ کی عابی نے یہ پوزیشن حاصل کرنے کے لیے اپنی جان ماری ہے۔۔ کیا ہوا میرے ساتھ۔۔ مجھے بدکار میرے ہی شوہر نے کہہ کر میرا میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ہونے دیا۔۔ کہاں تھا میرا یہ لالا؟؟ عابیر نے شہرام کے سینے پر انگلی رکھتے چیختے ہوئے کہا۔

عابی.. شہرام نے بے بسی سے پکارا

ایک لالا اپنی دوستی نبھا رہا تھا دوسرا لالا اپنی بیوی کے لیے لڑ لڑ کر تھک چکا تھا بہن کے لیے بولنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔۔

پتہ ہے جب میں نے ایک عام سے کالج میں اپنے ایف اے کے لیے اپنے فارم جمع کروائے تھے۔ اس دن کالج سے حویلی آتے ہوئے راستے میں پچاس مرتبہ رحیم کاکا سے گاڑی رکوائی تھی۔۔ جگہ جگہ آپ کی بہن نے گاڑی سے اترتے سوات کی سڑکوں پر اپنی سانسیں بحال کی تھیں۔۔

کتنی راتیں سوئی نہیں لالا۔۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بہارے کے کمرے میں جاتے اس کا لیب کوٹ دیکھتی تھی۔۔ اسے خوش قسمت کہتی تھی جس کے پاس میرا لالا شوہر کے رشتے کے طور پر تھا۔

سوچتی اگر میرے پاس بھی شہرام خان جیسا انسان شوہر کے طور پر ہوتا میں کتنی لکی ہوتی۔۔ کبھی شہرام خان کی بہن ہونے پر غرور آیا ہی نہیں میرے

دل میں۔عابیر نے روتے ہوے کہا تو شہرام نے کرب سے اپنی آنکھیں پھیریں۔

میرا دکھ کسی کو نظر نہیں آیا۔۔نہ میرے شہرام لالا اور نہ میرے زاران لالا کو۔۔

امریکہ سے زاران لالا کی کال آئی تھی میرے لیے۔۔عابیر نے ہنستے ہوے اپنے ہاتھ کو فون کی صورت میں اپنے کان سے لگایا۔

پتہ ہے کیا کہا لالا نے۔۔میرا بچہ گھبرانے کی ضرورت نہیں تمھارا لالا تمھارے ساتھ کھڑا ہے۔عابیر شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے ہنسی تھی۔

ان کی ایک اس بات پر میں نے چار سال انتظار کیا لالا۔۔۔چار سال کہ کب یہ میرے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور میرا ڈاکٹر بننے کا خواب پورا ہوتا ہے۔۔عابیر شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے ہذیانی چیخی تھی.

کاش یہ لفظ اس دن نہ بولتے میں اپنے خوابوں پر مٹی ڈال دیتی جیسے میں اپنے وجود پر ڈال چکی ہوں۔عابیر شہرام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے روتے ہوے بولی تھی۔

زاران اور شہرام کی نظریں جھکی تھیں۔

اس اتنی بڑی حویلی میں میری عزت محفوظ نہیں تھی۔۔مورے کو بتایا میں نے بابرک میرے ساتھ کیا کرتا ہے پتہ ہے مورے نے کیا کہا تمھارا شوہر

ہے رخصتی کے بعد بھی تو یہ سب ہو گا پہلے ہو گیا تو کیا ہوا۔ عابیر کی بات پر امینہ خانم اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

جب میری مورے کو میرا احساس نہیں تھا وہ ہی میرا دکھ نہیں سمجھ سکی تو اور کوئی کیا سمجھتا۔۔ عابیر شدت سے رو دی تھی۔۔

دو لالا اور ایک میرے باپ اور میرے داجی کے ہوتے اپنی عزت بچانے کے لیے میں اکیلی ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا سفر کرتی تھی۔ کہاں تھے میرے لالا۔ کہاں تھے آپ دونوں ؟! کیا آپ کو بابرک کی فطرت نہیں پتہ تھی۔۔ کیا آپ لوگ مرد نہیں تھے۔۔ آپ کو نہیں پتہ تھا مرد نکاح کے بعد عورت سے کیا چاہتا ہے۔۔ عابیر چیخی تھی۔۔ عابیر کے سوال پر سب کے چہرے سرخ ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان کی رنگت میں سرخیاں سب سے زیادہ گھلی تھیں۔

دولالا ایک میرے باپ اور میرے داجی کے ہوتے اپنی عزت بچانے کے لیے میں اکیلی ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا سفر کرتی تھی۔ کہاں تھے میرے لالا؟؟ کہاں تھے آپ دونوں؟! کیا آپ کو بابرک کی فطرت نہیں پتہ تھی۔۔ کیا آپ لوگ مرد نہیں تھے؟؟۔۔ آپ کو نہیں پتہ تھا مرد نکاح کے بعد عورت سے کیا چاہتا ہے۔۔ عابیر سوال کرتے ہذیانی چیخی۔۔ عابیر کے سوال پر سب کے چہرے سرخ ہوے تھے۔۔

اسفندیار خان کی رنگت میں سرخیاں سب سے زیادہ گھلی تھیں۔

لالا آپ کا بھی نکاح ہو چکا تھا آپ کو تو پتہ تھا یہ سب؟؟ آپ نے بھی بہارے پر اپنا حق جتایا ہو گا۔

اور بابرک کس فطرت کا ہے پوری حویلی جانتی تھی۔ پھر کیسے آپ مجھ سے غفلت برتتے رہے۔۔ آپ کو نہیں پتہ مرد کا کیسا کیسا سفاک روپ ہوتا ہے؟؟۔۔ میرے بابا میرے دادا اس حویلی کے مردوں نے کیوں نہیں سوچا میرے بارے میں؟؟

یا آپ سب مردوں کی سوچ بھی مورے کی طرح تھی۔ نکاح ہو گیا تھا اب وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کا حق رکھتا تھا۔ عابیر کے سوالوں پر شہرام زاران درید خان سمیع اللہ خان اربد خان سرخ چہروں کے ساتھ عابیر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھی مگر وہاں کھڑے مردوں سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

اسفند اپنی مٹھیاں بھینچے بمشکل خود پر کنٹرول کر رہا تھا۔۔ وہ سچ کہہ رہی تھی وہ اس کی تکلیف محسوس بھی کر رہا تھا۔ مگر اس کا بے باک انداز اسے بلکل پسند نہیں تھا۔

لالا بابرک نے مجھے سیڑھیوں سے بے دردی سے دھکا دیا۔ کیا ہوا؟؟ کسی کو فرق نہیں پڑا۔ لالا نے بابرک پر حملہ کروا کر میرا بدلہ لے لیا۔ مگر لالا نے کسی کو وجہ کیوں نہیں بتائی کہ بابرک نے میرے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ کیونکہ لالا یہ سب کچھ بتا کر اپنی عظیم وشان دوستی پر آنچ نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ عابیر روتے ہوئے چیخی تھی۔۔

کسی کو فرق نہیں پڑتا لالا نہ میرے بابا کو میرے دادا نہ میرے لالا کسی کو میرے لیے فرق نہیں پڑتا۔۔

یہ کیسے رسم ورواج ہیں جس نے میری سانسوں کو جکڑ لیا تھا۔۔کچھ بھی ہو جائے طلاق نہیں لینی۔

بیٹی مر بھی جائے طلاق نہیں لینی۔۔عابیر شدت سے رو دی تھی۔۔

زاران خاموشی سے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا وہ اسے بھی غلط سمجھے گی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

کسی نے میرے لیے سٹینڈ نہیں لیا۔کسی نے میرے متعلق نہیں سوچا۔

لالا کالج میں میری ساری دوستیں کہتی ہیں عابیر تمھارا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا بہت پسند ہے۔۔لگتا ہی نہیں تم ہم میں سے ہو۔۔تم میں کتنا کانفیڈنٹ ہے۔۔لالا میں ان کی باتوں پر ہنستی ہوں۔پتہ ہے میں کیا کہتی ہوں؟؟۔یہ اعتماد میرے شہرام لالا اور زاران لالا نے دیا۔لیکن یہ بات

کرتے میرا دل زخموں سے چور ہوتا ہے۔۔ کیونکہ یہ تعریف جھوٹی ہے۔۔ آپ دونوں نے میرا سب سے زیادہ نقصان کیا لالا۔۔ آپ دونوں نے میرا سب سے زیادہ نقصان کیا ہے۔۔ اٹھارہ سال تک جن کی بہن اپنی عزت بچاتی رہے وہ میرے نزدیک لالا کہلانے کے قابل ہی نہیں ہیں۔۔ عابیر کی باتوں پر زاران نم آنکھوں سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

رک جائیں لالا۔۔۔۔ میرے قریب مت آیئے گا۔ میرے قریب مت آیئے گا۔۔ آپ مجھے کھو چکے ہیں۔ میں اپنا ہر رشتہ آپ سے توڑتی ہوں لالا۔۔ عابیر پیچھے کو ہوتی ہچکیوں سے بولی۔۔

عابیر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔ اسفندیار خان سے نکاح کرنے کا مقصد میں تمھیں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا وہ

کبھی تمھارے ساتھ برا نہیں کرے گا۔زاران نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے بے بسی سے وضاحت دی۔

غلط کرنا کیا ہوتا ہے آپ کے نزدیک؟؟اسفندیار خان مجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیتا۔میرے بدن پر اس کے حیوانیت کے نشان ہوتے تو آپ لوگ اسے ہی غلط کرنا کہتے ہیں کیا؟؟۔۔لالا بدن پر اس کے حیوانیت کے نشان نہیں مگر میری روح اور میرے دل پر کتنے گہرے نشان ہیں آپ کو دکھا دوں تو آپ تڑپ کر مر جائیں۔۔عابیر زاران کے مقابل آتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولی۔

نن۔۔۔۔نہیں۔۔۔آپ نہیں تڑپیں گے۔۔کیونکہ آپ کو کیا پتہ لفظوں کی مار کیا ہوتی ہے؟؟۔کبھی لفظوں کی مار آپ مردوں نے سہی ہو تو آپ لوگوں کو پتہ ہو۔عابیر اپنے گلے کو جکڑے شدت سے رو دی تھی۔۔

اسفند اس کے لفظوں کی مار والی بات پر استھزائیہ ہنسا تھا۔۔ اسے خود ہی نہیں پتہ تھا لفظوں کی مار کیا ہوتی ہے۔۔ آخر اس کی سفاک پٹھانی کب سے کیا کر رہی تھی؟؟۔۔ وہ بھی تو لفظوں کی مار مارتے ہوے اس کا دل روح زخمی کر چکی تھی۔۔ اسفند نے کرب سے اسے دیکھا جو پوری حویلی کے سامنے اس کے اور اپنے رشتے کا مذاق بنا بیٹھی تھی۔

لالا پہلی رات پتہ ہے اسفند یار خان نے کیا کیا؟؟ عابیر نے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا۔

عابیر کی بات پر اسفند یار خان تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ سفاک ہی نہیں بے باک بھی تھی۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔۔

زاران کے اشارے پر وہ اس کی طرف بڑھتے رک گیا تھا۔ وہ اپنے حواص میں نہیں لگ رہی تھی۔۔ وہ بے بسی سے وہیں پر رک گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اسفندیار خان نے مجھے کلائی سے پکڑے کھینچ کر میرے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔

عابیر کی بات پر زاران نے اسفند کو سرد سرخ آنکھوں سے دیکھا تھا۔ شہرام خان کی آنکھوں میں خون اترا تھا وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے رہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اسفند نے اسے پہلی رات تھپڑ مارا۔ مگر وہ اس وقت بول نہیں سکا تھا وہ مصلحت کے مارے خاموش ہو گیا تھا۔ مگر آج وہ پچھتا رہا تھا اسے اپنی عابی اسفندیار خان کی آنکھوں کی سرخی بھی گہری ہوئی تھی

مت دیکھیں لالا اسفندیار خان کی طرف سے ان سرخ آنکھوں سے۔۔ اپنا بدلہ لے لیا تھا میں نے۔۔ اسفندیار خان کی کلائی پر چاقو مار کے۔۔ عابیر نے روتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔۔

زاران بری طرح لب بھینچ گیا تھا۔۔روزینہ خانم نے غصے سے اسفندیار خان کو دیکھا۔۔

لالا۔۔۔۔۔۔اسفندیار خان بدن پر مارے گا اس کا بدلہ میں لے سکتی ہوں مگر اسفندیار خان کے لفظوں کا بدلہ نہیں لے سکتی۔۔کیسے کہوں کہ میں اسفندیار خان سے نفرت کرتی ہوں جبکہ میں نفرت نہیں کرتی۔۔عابیر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

میں نے اسفندیار خان کو پہلی رات بہت گہرا زخم دیا تھا مگر اسفندیار خان کا تھپڑ مجھے آج بھی اذیت دیتا ہے جو ایک شوہر نے اپنی بیوی کو اپنی ہی سیج پر مارا تھا۔جو نظریں جھکائے اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

لالا پل پل اسفند نے مجھے ان پانچ مہینوں میں نفرت کی مار ماری ہے۔ مجھے دوسری عورت کے پاس جانے کی دھمکی دی ہے۔۔ کیسے برداشت کرتی تھی یہ میں ہی جانتی تھی۔ وہ کسی اور کا نہ ہو جائے اسفندیار خان کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ اس کی مورے کے طعنے سنتی تھی۔۔ اس کی مورے کی ملازمہ بنی بھرتی تھی۔ میرا اسفندیار خان میری جگہ کسی اور کو نہ دے دے۔۔ صرف اسی لیے اس کی مورے کی آگے جھکتی تھی

عابیر نے روتے ہوئے کہا۔ زاران نے گہرا سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھب جو مٹھیاں بھینچے عابیر کو گھور رہا تھا۔

شہرام خونخوار نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہا تھا۔

لالا جب مجھے اسفن یار خان چھوڑ کر گیا۔ اس نے پوری حویلی کے سامنے مجھے بدلہ کہا۔۔ یہ آپ سب نے سنا مگر جو اس نے میرے کانوں میں جھکتے کہا وہ کسی نے نہیں سنا۔۔ عابیر نے روتے ہوے کہا۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار خان اس کی طرف بڑھا تھا۔۔

شہرام عابیر اور اسفندیار خان کے بیچ حائل ہوا۔۔

نہیں اسفندیار خان۔۔۔ نہیں آج میری بہن وہ سب کہے گی جو وہ کہنا چاہتی ہے۔ آج کوئی پردہ نہیں ہو گا۔۔ آج سب کچھ کھلے گا۔ وہ عورت ہے وہ چپ نہیں رہے گی۔۔ آج حویلی میں وہ ہو گا جو پہلے کبھی نہین ہوا۔۔ شہرام اسفند کے مدمقابل آتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولا۔۔

کیا ہو گا۔۔ اسفند یار خان نے شہرام کو گھورتے ہوے پوچھا۔

آج یہاں طلاق ہو گی یا پھر جنازہ اٹھے گا۔۔ شہرام اسفند یار خان کو دیکھتے غرایا۔

طلاق تو نہیں ہو گی مگر آج جنازے ضرور اٹھیں گے۔ اسفند یار خان استھزائیہ مسکراتے ہوے شہرام کو پیچھے کرتے ہوے عابیر کی طرف بڑھتے اس کی کلائی سختی سے جکڑے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ عابیر اس کے چوڑے سینے سے آن سمائی تھی۔۔

جتنا تماشہ کرنا تھا کر لیا اب اس کمرے میں چلو۔۔ اسفند یار خان اس کی بھیگی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولا۔۔

تماشہ نہیں یہ اسفندیار خان حقیقت بتا رہی ہوں جو آپ سے برداشت نہیں ہو رہی تماشہ وہ تھا جو آج سے کچھ ماہ پہلے آپ نے پوری حویلی کے سامنے میرا بنایا تھا یہ کہہ کر آپ نے مجھے بدلے کے طور پر استعمال کیا۔ عابیر اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے جوابًا غرائی تھی.

بس کرو اور کمرے میں چلو اگر تمھیں لگتا ہے تم یہ تماشہ کر کے مجھ سے الگ ہو جاؤ گی تو تمھاری بھول ہے۔۔۔ ہمین اب جدائی موت کی صورت میں آ سکتی ہے۔۔ فیصلہ تم نے کرنا ہے۔۔ میرے ساتھ مرنا ہے یا سزا کے طور صرف مجھ اکیلے کو قبر تک پہنچانا ہے۔۔ اسفندیار خان اسے جھٹکے سے خود کے قریب کرتے ایک ایک لفظ چبا گیا تھا۔

میرے لیے زندگی سے زیادہ موت خوبصورت ہو گی اگر آپ اس میں ساتھ نہیں ہوں گے۔عابیر سفاکیت سے بولتی اسفندیار خان کی آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔۔

اسفندیار خان کی سرخی بڑھی تھی وہ مزید اسے اپنے قریب کرتے اس کی کمر کو اپنے مضبوط ہاتھ سے سختی سے جکڑ گیا تھا

۔۔

شہرام خان غصے سے اسفند کی طرف بڑھا زاران نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے اسے اسفندیار خان کی طرف بڑھنے سے روکا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔ زاران نے شہرام کو سرد نگاہوں سے گھورتے اسفندیار خان کو سختی سے پکارا۔

زاران کی پکار پر اسفندیار خان اپنے ایک ہاتھ کی مٹھی سختی سے بھینچے عابیر کو اپنے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔

میں یہاں کیا بول گئی اسفندیار خان کا تماشہ بن گیا۔ اور جو اسفندیار خان نے آپ نے میری آنا میری غیرت کا تماشہ بنایا اس کا کیا؟؟ عابیر اسفند کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے چیخی تھی۔۔

عابیر۔۔۔ اب کی بار زاران نے عابیر کو سختی سے پکارا تھا۔

بس لالا بس مجھے آپ غصہ نہیں دکھائیں گے۔۔ نہ عابیر خان آج تھپڑوں سے چپ ہو گی نہ یہاں کھڑے کسی مرد کی ڈانٹ پر۔۔۔۔۔ مجھے اچھی بیٹی اچھی بیوی اور اچھی بہن کا ٹائٹل نہیں جیتنا۔۔۔ جب کوئی رشتہ میرے لیے سچا ہے ہی نہیں تو میں کیوں ان رشتوں کا مان رکھوں۔۔ عابیر ہذیانی چیخی تھی۔۔

عابیر۔۔۔امینہ خانم عابیر کو سختی سے پکارتے اس کی طرف بڑھی۔۔ نہین مورے نہیں خاموش رہوں گی۔۔ حویلی کے مردوں کو پتہ چلنا چاہیے عورت میں بھی غیرت ہوتی ہے عورت کی آنکھیں بھی اپنے مرد کی بیوفائی پر سرخ ہوتی ہیں۔۔۔ عورت کو بھی اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی ایک مرد کو ہوتی ہے۔۔ اسفندیار خان نے ملازماؤں تک کے سامنے میری غیرت کا تماشہ بنایا۔۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ میں تم سے ہزار بار کہہ چکا ہوں ایسا کچھ نہیں تھا وہ سب جھوٹ تھا۔۔ میرے بدلے کا وہ حصہ تھا۔ کوئی عورت کبھی میرے قریب نہیں آئی۔ اسفندیار خان گہرے سانس لیتا پھولتی رگوں کے ساتھ چیخا تھا۔

میں نے بھی کل رات آپ کی پاکیزگی کا ثبوت مانگا تھا جو آپ نے نہیں دیا۔۔ مگر میرے پاس آپ کی بیوفائی کا ثبوت ہے۔ عابیر نے اسفند کے مقابل ہوتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

جب میں نے بیفائی کی نہیں تو تمھارے پاس ثبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسفند نے عابیر کی کانچ کی بھیگی آنکھوں میں الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ہے میرے پاس آپ کے ہر اس ایکٹ کا ثبوت جسے بیوفائی نہیں کہتے بدکاری کہتے ہیں اسفند یار خان۔۔۔۔ عابیر لرزتے لبوں سے بولی۔۔

دکھاؤ میں بھی تو دیکھوں اپنی بدکرداری کے ثبوت۔۔۔۔ اسفند اس کے لرزتے وجود پر قہربار نگاہ ڈالتے طنزیہ بولا۔

ایک منٹ لاتی ہوں میں۔۔۔لاتی ہوں میں عابیر انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے لرزتے لبوں سے بولتے روزینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔

زاران شہرام اسفند سب نے الجھن بھری نگاہوں سے عابیر کو روزینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔

روزینہ خانم نے غصے سے عابیر کی پشت کو گھورا جو پتہ نہیں ان کے کمرے کی طرف کیوں جارہی تھی۔۔وہاں اسفند کی بدکاری کے کیا ثبوت تھے۔.

سمیع اللہ درید خان اربد خان بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے ہوے تھے۔۔شہرام زاران نہ ہوتے وہ عابیر کو کب سے اسفندیار خان کے حوالے کرکے اسے اس حویلی سے رخصت کر دیتے۔۔جو بھی ہو گیا تھا مگر وہ کسی بھی صورت عابیر اور اسفندیار خان کی علیحدگی نہیں چاہتے تھے۔۔

عابیر روزینہ خانم کے کمرے سے ان کا لیپ اٹھائے باہر آئی تھی۔۔ اسفند یار خان ابھی بھی الجھن بھری نگاہوں سے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔

عابیر وہ لیپ اٹھائے اسفند یار خان کے مقابل آئی تھی۔ دیکھیں اپنی بدکاری کے ثبوت اپنی آنکھوں سے۔۔ عابیر نے ہچکی لیتے اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے لیپ ٹاپ میں کوئی فولڈر کھولا تھا۔۔

یہ دیکھیں اسفند یار خان۔۔۔ عابیر لیپ ٹاپ اسفند یار خان کی طرف کرتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

اسفند یار خان نے لیپ ٹاپ پر نظریں دوڑائیں تو حویلی کے در و دیوار اسے خود پر گرتے محسوس ہوئے تھے۔۔

اس نے لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے بے یقینی سے سرخ روزینہ خانم کی طرف دیکھا جو اسفندیار خان کی طرف دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔

دیکھیں اور بھی ہیں آپ کے بدکاری کے ثبوت۔۔۔بتائیں مجھے یہ بیوفائی ہے آپ کے نزدیک یا بدکاری۔۔عابیر اسفندیار خان کی طرف دیکھتے روتے ہوے بولی۔۔

اسفندیار خان گہرے سانس اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔۔

زاران نے عابیر کی طرف بڑھتے لیپ ٹاپ اس کے ہاتھوں سے لیتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں دوڑائیں زاران کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔زاران نے بے یقینی سے تاسف بھری نگاہیں اسفندیار خان پر گاڑھیں تھیں۔

شہرام خان نے آگے بڑھتے وہ لیپ ٹاپ زاران کے ہاتھوں سے لیا تھا۔ لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے شہرام خان کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

اسفندیار خان کی کسی امیر کن لڑکی کے ساتھ تصویریں تھیں۔۔ وہ لوگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کافی کلوز تھے۔ ایک تصویر میں اسفندیار خان اس لڑکی کو رنگ پہنا رہا تھا۔

اور دوسری تصویر میں وہ شائد اس لڑکی کے ہونٹوں پر جھکا ہوا تھا۔ اس میں اسفندیار خان کی بیک دکھائی دے رہی تھی.

شہرام نے اسی لمحے وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔ لیپ ٹاپ ٹکڑے ہوتے زمین پر بکھرا تھا۔

زاران نے لیپ ٹاپ کو ٹوٹا زمین پر بکھرا دیکھ کر غصے سے لب بھینچے تھے۔۔ اسفندیار خان کی بے گناہی کا ثبوت ختم ہو گیا تھا۔ وہ اب کیسے اسفندیار خان کو بے گناہ ثابت کرتا وہ پریشان ہوا تھا۔

سب حیرانگی سے اسفندیار خان کو دیکھ رہے تھے۔۔ جو نچلا لب دانتوں تلے دبائے عابیر کو دیکھ رہا تھا جو اس کی آنکھوں میں دیکھتے سسکیاں بھرتے روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

اسفندیار خان نے پریشانی سے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیے تھے۔۔

زاران تاسف سے سر نفی میں ہلاتے اسے دیکھ رہا تھا جس سے اسے یہ امید نہیں تھی۔۔

بدکار ہیں آپ اسفندیار خان۔۔۔اب بتائیں کیسے معاف کر دوں آپ کو؟؟ بابرک جیسا بھی تھا اگر وہ بدکار نہ ہوتا میں وہ نکاح بھی قبول کرتی اور اسے اپنا شوہر بھی قبول کرتی۔۔۔ مگر مجھے بدکردار شوہر اپنی زندگی میں قبول نہیں۔۔۔۔۔عابیر حلق کے بل چیخی تھی۔۔

خبردار اپنا نام کسی کے ساتھ بھی لیا۔ نہیں قبول مجھے تمھارا نام اپنے بھائی کے ساتھ بھی۔ اسفندیار خان اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

میرا نام میرے سابقہ شوہر کے ساتھ بھی قبول نہیں اور خود سات ماہ ایک غیر عورت کے ساتھ عیاشی کرتے رہے۔

رنگ رلیاں مناتے رہے۔۔

نہیں تھا وہ تمھارا شوہر نہیں تھا وہ کچھ بھی تھا۔ سمجھی تم تم صرف میری ہو ۔۔اسفندیار خان غراتے ہوے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑ گیا۔

میرا تعلق آپ سے نہیں آپ جیسے بدکار انسان سے۔۔عابیر ہچکیوں سے بولی

نہیں ہوں میں بدکرار نہیں میرا تعلق اس عورت سے۔۔اسفندیار خان عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے چیخا تھا

شہرام غصے سے اسفندیار خان کی طرف بڑھا تھا۔

زاران شہرام خان کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے اسے روک چکا تھا۔

اسفندیار خان بدکار نہیں ہے وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔زاران نے شہرام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کہا۔

زاران کی بات پر شہرام خان سر نفی میں ہلاتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

زاران کی بات سنتے اسفندیار خان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔وہ عابیر کو اسی لمحے چھوڑ گیا تھا۔۔

جانے دیں لالا۔زاران لالا میرے لالا نہیں وہ صرف اپنے دوست کے ہیں۔وہ یہ سب دیکھ کر بھی اسفندیار خان کی حمایت کر رہے ہیں۔۔ آج سارا دن میں اسفندیار خان کے ساتھ رہی۔یہ مجھے لینے نہیں آئے۔۔بارہ گھنٹے بعد یہ فون کرتے ہیں اسفند کو کہ مجھے لے کر حویلی اجائے۔۔یہ وقعت ہے ان کے نزدیک میری۔۔۔اسفندیار خان اس دوران مجھے مار کر پھینک دیتا تو انھیں کوئی پرواہ نہیں ہونی تھی۔۔

عابیر شدت سے رو دی تھی۔

اسفندیار خان تمھیں نہیں مار سکتا تھا جانتا ہوں میں۔ زاران عابیر کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔۔

اچھا اتنا یقین ہے آپ کو اسفندیار خان پر۔۔ عابیر استھزائیہ بولتے زاران کے قریب ہوئی تھی۔ یہ کیا ہے پھر لالا۔۔۔ کیا ہے یہ۔۔ عابیر نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔۔

آپ کا اسفندیار خان میرے ساتھ زبردستی۔۔۔۔۔۔۔

عابیر۔۔۔ اسفندیار خان نے آگے بڑھتے عابیر کا بازو جکڑے اپنا ہاتھ اٹھایا تھا مگر وہ ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔ وہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنے اٹھے ہوے ہاتھ کی مٹھی دبوچتے اسے پہلو مین دبوچ گیا تھا۔

اٹھایئے مجھ پر ہاتھ۔۔۔اس دن لاونج میں اٹھایا مجھ پر آج بھی

اٹھایئے۔۔یقیناً اس بات پر بھی زاران لالا آپ کی سائیڈ لیں گے۔کیونکہ

مرد ہیں وہ عورت پر ہاتھ اٹھانا زبردستی کرنا ان کے لیے کوئی معنی نہیں

رکھتا۔۔مگر میرے لیے معنی رکھتا ہے۔۔میں عابیر خان ہوں جو اتنے سال

اکیلی آپ کے جانور جیسے بھائی سے خود کی حفاظت کر سکتی ہے وہ آپ کے

خلاف بھی کھڑی ہو سکتی ہے۔عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے

بولی۔

جو تصویریں تم نے دیکھی وہ حقیقت نہیں ہیں وہ ایڈٹ ہیں۔اسفندیار خان

بدکردار نہیں ہے۔۔

زاران نے عابیر کی طرف بڑھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

آپ کیسے کہہ سکتے ہیں لالا۔۔ کیوں ساتھ دے رہے ہیں آپ اسفندیار خان کالالا میرے دل زخموں سے چور ہے۔۔ میں مر رہی ہوں لالا۔۔ میرے سینے میں آگ دہک رہی ہے۔ لالا آپ مردوں کو کیوں نہیں سمجھ آتا بیوفائی کا عذاب اس کا دکھ مرد عورت کے لیے برابر ہوتا ہے۔۔ یہ تصویریں نہیں کانٹوں کا بستر تھیں میرے لیے۔۔۔ جنھوں نے مجھے خون کے آنسو رلایا ہے۔۔ کیسے اسفندیار خان کو معاف کر دوں۔۔ کیا اسفندیار خان میں اتنا حوصلہ ہوتا تو اگر یہ سب میں کرتی۔۔۔ وہ مجھے معاف کرتا

۔۔ عابیر۔۔۔۔ اب کی بار زاران غصے سے دھاڑا تھا۔ اسفندیار خان مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

عابیر زاران کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے خاموش ہوئی تھی۔

اب بس۔۔۔۔۔ کوئی فضول بات میں اب تمھارے منہ سے نہ سنوں ۔۔۔۔ زاران انگشت شہادت لبوں پر رکھتے سرد لہجے میں تنبیہی انداز میں بولا تھا۔

عابیر گہرے سانس لیتے اب خاموش ہو گئی تھی۔

لالا آپ ابھی بھی اسفندیار خان کا ساتھ دے رہے ہیں اور عابیر کو خاموش کروا رہے ہیں۔ شہرام خان غصے سے گرجا تھا۔

ہاں ابھی بھی اسفندیار خان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بدکار نہیں ہو سکتا وہ مر سکتا ہے کسی دوسری عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دے سکتا۔۔ وہ تصویریں ایڈٹ ہیں۔۔ وہ تصویریں اصلی نہیں تھیں۔ زاران شہرام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولا۔

اسفندیار خان نے نم نگاہوں سے زاران کو دیکھا تھا۔

وہ کیسے جان گیا تھا وہ تصویریں ایڈٹ تھیں وہ لڑکی اس کی سیکرٹری تھی وہ جانتا تھا وہ پھر بھی اس پر یقین کر رہا تھا۔۔ اسفندیار خان نے انگلیوں سے اپنی سرخ آنکھیں مسلی تھیں۔

اس نے یہ تصویریں عابیر کی بے اعتنائی پر خود ایڈٹ کی تھیں وہ صرف عابیر کے دل کی حقیقت جاننا چاہتا تھا اس کی تڑپ دیکھنا چاہتا تھا۔۔ روزینہ خانم کو یہ تصویریں سینڈ کی تھیں یہ کہہ کر وہ اس لڑکی سے شادی کر رہا ہے۔۔ مگر وہ تصویریں سینڈ کرنے کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس شدومد سے ہوا تھا۔ اس نے روزینہ خانم کو ساری حقیقت بتا کر وہ تصویریں ڈلیٹ کرنے کو کہا تھا۔ یہ تصویریں اب تک لیپ ٹاپ میں کیا کر رہی تھیں اور عابیر نے کیسے دیکھی وہ نہیں جانتا تھا۔

جھوٹ نہیں ہے لالا۔۔ اسفندیار خان کی مورے نے مجھے خود وہ تصویریں دکھائی تھیں اور مجھے وہ سب کچھ کہا جو انھیں اسفند نے بتایا تھا۔ وہ لڑکی اسفند کے فلیٹ میں سات مہینے سے رہ رہی تھی اور اسفند کے اس کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے۔ اور بھی بہت کچھ جو بتاتے ہوئے بھی مجھے شرم آ رہی ہے وہ سب کچھ مجھے روزینہ چچی بتا چکی ہے۔۔ عابیر نے اب پلر کا سہارا لیا تھا۔ وہ بدحال سی ہو چکی تھی۔۔ اسفند کی شدتیں اور اسفندیار خان کی بیوفائی کا ذکر کرتے وہ مرنے والی ہو گئی تھی۔۔

اسفند نے زخمی نگاہیں روزینہ خانم پر گاڑھیں تھیں وہ جلدی سے نظریں جھکا گئی تھیں۔

اربد خان نے بھی انھیں گھور کر دیکھا تھا۔

لالا آپ مجھے جان سے بھی مار ڈالیں مگر میرا فیصلہ یہی ہے میں اسفندیار خان کے ساتھ نہیں رہوں گی۔۔ جس نے میرا سب کچھ کسی دوسری عورت کو دے دیا۔ جس نے مجھے بدلے کے طور پر استعمال کیا جس نے سات مہینے مجھے تڑپتے دیکھ کر اپنی مردانہ آنہ کو تسکین پہنچائی۔ میں اسفندیار خان کا کوئی عمل معاف نہیں کروں گی۔ مجھے اسفندیار خان سے طلاق چاہیے۔۔ عابیر زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولی۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار خان غراتے ہوئے عابیر کی طرف بڑھا تھا۔ شہرام اپنی پسٹل نکالتے اسفند کے مقابل آتے اس کے سینے پر تان چکا تھا۔

شہرام۔۔۔۔ زاران شہرام کی طرف بڑھا۔

رک جائیں لالا میں قسم کھاتا ہوں کوئی بھی ہمارے بیچ آیا میں اسفندیار خان کو گولی ماروں گا ہی بیچ میں آنے والے کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ شہرام نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا تھا۔

بہارے نے روتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔۔

روزینہ خانم صوفے پر گرتی اپنی چادر میں اپنا چہرہ چھپائے رونے لگی تھیں۔

درید اور اربد خان شہرام کی طرف بڑھے تھے۔۔

رک جائیں آپ دونوں بھی میں قسم کھاتا ہوں بہرام کی کوئی بھی بیچ مین آیا تو بنا سوچے سمجھے اسفندیار خان پر گولی چلا دوں گا۔ شہرام کی دھمکی پر درید اور اربد خان گھبراتے ہوئے وہاں پر ہی رک گئے تھے۔۔

اسفندیار خان میری غلطی تھی جو کچھ عابیر کے ساتھ ہوا میں اپنی ہر غلطی مانتا ہوں۔ تم۔نے پہلی رات عابیر پر ہاتھ اٹھایا میں جانتا مگر میں برداشت کر گیا۔ میں بہت سی جگہوں پر اپنی بہن کا ساتھ نہیں دے سکا۔ میں بہارے پر اپنا سب سے زیادہ حق سمجھتا تھا۔ اسی لیے مجھے لگا بابرک اور تمھارا بھی میری بہن پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا بہارے پر ہے۔۔ مگر میں بھول گیا تھا حق رکھنے والا اس قابل بھی ہو کہ وہ حق جتا سکے۔ مجھے افسوس ہے میں شرمندہ ہوں اپنی عابی کے آگے۔ میں سب کے سامنے اس سے معافی بھی مانگتا ہوں۔ میرا لالا دوستی نبھا سکتا ہے مگر میری ایسی کوئی مجبوری نہیں نہ کوئی میرا تمھارے ساتھ ایسا رشتہ ہے جس کا میں لحاظ کروں۔۔ بہن کا تھا وہ تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو وہ بھی ختم۔۔ اسے طلاق دو اور ختم کرو یہ سب۔۔ شہرام اسفند کے سینے پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھاتے گرجا تھا۔۔

طلاق نہیں دوں گا اسے۔۔ مگر خود کو تجھے مارنے بھی نہیں دوں گا۔۔ جو کرنا ہے کر گے۔۔ اسفندیار خان اپنی پسٹل نکالتے شہرام پر تان چکا تھا۔

چلاؤ پھر گولی اسفندیار خان۔۔ اپنی بہن کو کسی قیمت پر تیرے ساتھ نہیں رہنے دوں گا۔۔ میرے لالا کی آنکھون پر پٹی بندھ سکتی ہے مگر میں یہ سب دیکھ کر اگنور نہیں کر سکتا۔۔ وہ تصویریں تمھارے کرتوتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

طلاق دو میری بہن کو۔۔۔ ورنہ گولی چلا دوں گا۔ شہرام دھاڑا تھا۔۔

چلاؤ گولی شہرام خان۔۔۔ بہارے شہرام خان کے مقابل آتے اسفندیار خان کے سامنے ائی تھی۔۔

شہرام نے بے یقینی سے بہارے کو دیکھا تھا۔

کیا ہوا شہرام خان کیوں بے یقین ہو رہے ہو۔۔ پیار صرف تمھاری بہن کا تمھارے لیے جاگ سکتا ہے یا پھر تمھارا اپنی بہن کے لیے۔۔۔ میرے دل میں اپنے لالا کے لیے پیار نہیں جاگ سکتا۔ میں اپنے لالا کے لیے اپنی جان نہیں دے سکتی۔۔ بہارے شہرام کی بے یقین آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی.

بہارے پیچھے ہٹو۔۔ اسفندیار خان نے نرمی سے اسے پیچھے کیا تھا۔۔

نہیں لالا آپ میرے اور شہرام خان کے بیچ نہیں ائیں گے۔۔ مجھے بات کرنے دیں شہرام خان سے۔۔۔ بہارے شہرام کو دیکھتے گہرے سانس لیتے بولی۔

اپنی بہن کے آنسوؤں کا حساب لے رہے ہو۔۔ سات مہینے وہ روئی تڑپی اور جو میں پچھلے ایک ماہ کے رو رہی ہوں تڑپ رہی ہوں اس کا حساب کون لے

گا۔۔میرے لالا یا میرے بابا کون حساب لے گا تم سے۔۔بہارے نے استھزائیہ مسکراتے ہوے سوال کیا۔شہرام اپنی پسٹل اب پیچھے کر چکا تھا ۔وہ صرف سرد و سپاٹ آنکھوں سے بہارے کو دیکھ رہا تھا۔

تمھیں وہ تصویریں دیکھ کر میرے لالا کی بے گناہی پر یقین نہیں آ رہا۔تو پھر مجھے بتاؤ تمھیں کسی عورت کے ساتھ گلے لگے دیکھ کر کیسے تمھارا یقین کروں۔بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں سوال کیا۔۔

بہارے کے سوال پر شہرام کی آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ بہارے کو دیکھ رہا تھا۔

زاران خان اسفندیار خان درید سمیع اللہ اور ارید خان نے بے یقینی سے شہرام کو دیکھا تھا جو سٹل سا کھڑا بہارے کو دیکھ رہا تھا۔

اس حویلی کی ہر عورت کا مقدر ایک جیسا ہے۔۔ اگر عابیر نے اسفندیار خان کی بیوفائی سہی ہے تو بہارے خان نے بھی شہرام خان کی بیوفائی سہی ہے۔۔ بہارے شہرام کے سردو سپاٹ چہرے کو دیکھتے زخمی سا سکرائی تھی

عابیر کیسا لگتا تمھیں اب اگر تمھارا شوہر تمھیں اس سیج پر پیار کرتا جو اس نے کسی دوسری عورت کے لیے سجایا ہو۔

تم ایک نفرت سے مارا ہوا تھپڑ نہیں بھول رہی۔۔ مجھے دیکھو میں نے شہرام خان سے پیار کے نام پر کئی تھپڑ کھائے ہیں۔ فرق صرف یہ تھا تمھیں وہ تھپڑ گال پر پڑا تھا شہرام خان نے وہ تھپڑ میرے دل پر مارا تھا۔ سات مہینے شہرام خان نے مجھے اس اذیت میں جلایا ہے تڑپایا ہے۔ دوسری عورت کا جلاپا سہا ہے میں نے۔۔ ماں بننے والی تھی شہرام خان کے بچے کی۔ مگر شہرام خان کو پھر بھی مجھ پر ترس نہیں آیا اس عورت کو ہاسپٹل سے نہیں نکالا اس نے۔

بلکہ مجھے اس ہسپتال سے دو مرتبہ نکالا جو ہسپتال شہرام خان نے میرے لیے بنایا۔۔ تم نے وہ تصویریں دیکھیں ہیں وہ جھوٹی ہو سکتی ہیں مگر میں نے اپنی آنکھون سے شہرام کو دوسری عورت کو گلے لگائے دیکھا ہے۔۔ تم نے اپنے شوہر کی بیوفائی پر سانسیں نہیں گنوائی مگر میں نے گنوائی ہیں۔ کتنے گھنٹے زندگی اور موت کی جنگ لڑی ہے میں نے۔۔ بہارے شہرام کی انکھوں میں دیکھتے بول رہی تھی۔۔

شہرام خان نے نہیں بتایا ہو گا کسی کو نہ آج تک پتہ چلا بہرام کی پیدائش کیوں امیچور ہوئی۔۔ کیوں وہ وقت سے پہلے اس دنیا میں آیا۔۔ میں بتاتی ہوں شہرام خان نے میرے ساتھ اپنے بیٹے کا قتل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔۔ اس نے اپنی بیوفائی سے میری اور میرے بچے کی جان لینے کی

کوشش کی ہے۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے بولی۔

۔

اسفندیار خان یہ سنتا بہارے کو پیچھے کرتا اپنی پسٹل شہرام خان پر تان چکا تھا۔۔

شہرام خان اب تم حساب دو گے میری بہن کے آنسوؤں کا۔ میں آج تک بہارے اور تمھارے کسی معاملے میں آج تک نہیں بولا کیونکہ مجھے لگتا تھا تم اس کے لیے ہر لحاظ سے قابل ہو مگر مجھے آج پتہ چلا میں غلط تھا۔ تم چاہتے تھے میں عابیر کو طلاق دوں اس کے لیے میری جان لینی پڑے گی میں طلاق نہیں دوں گا اسے۔۔ مگر تو بتا تیری سزا کیا ہونی چاہیے۔۔ اسفندیار خان شہرام کے سینے پر پسٹل تانے غرایا تھا۔

میری سزا وہی ہونی چاہیے جو تمھاری بہن نے مقرر کی ہے۔ جو یہ چاہتی ہے وہی ہو گا۔ تمھیں مجھے اس کے لیے گولی مارنے کی ضرورت نہیں۔ بہارے کو جو چاہیے وہ اسے مل جائے گا۔۔ شہرام بہارے کی طرف دیکھتا سرد لہجے میں کہتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

بہارے گہرے سانس لیتے اس کی چوڑی پشت دیکھ رہی تھی۔۔ وہ کیا کہہ گیا تھا وہ کیا ہر رشتہ ختم کرنا چاہتا تھا۔۔ بہارے بے یقینی سے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا

دوسرے لمحے وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔

سمیع اللہ خان گہرا سانس بھرتے صوفے پر بیٹھے تھے۔۔

لاونج میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔۔

اسفند دور کھڑی لرزتی ہوئی عابیر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔ اس سے پہلے اسفند اس کی طرف بڑھتا وہ لہرا کر زمین بوس ہوئی تھی۔۔

عابیر۔۔۔ اسفند سے پہلے زاران اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا چکا تھا۔

دور رہو عابیر سے۔۔ مجھے تیری بے گناہی پر یقین ہے مگر فیصلہ وہی ہو گا جو میری بہن لے گی۔۔ اس کے ساتھ زور زبردستی نہیں ہو۔ گی۔ زاران سرد آواز میں کہتے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا

اسفندیار خان کچھ لمحے وہاں پر کھڑا رہا تھا پھر تیز تیز قدموں سے وہ لاونج عبور کر گیا تھا۔

لاونج میں ابھی تک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اسی اثناء کارپورچ میں مختلف گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی تھی۔

حویلی کے بڑے سے کارپورچ میں ارحام اور حور کی گاڑیاں آکر رکی تھیں۔ حور اور ارحام کے گارڈز کی گاڑیاں گیٹ سے باہر ہی رک گئی تھیں۔

ارحام نے اپنی گاڑی سے نکلتے حور کی گاڑی کی طرف بڑھتے اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔

".Welcome, ma'am. Welcome to your mansion"

ارحام نے ہلکا سا سر خم کرتے حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔۔وہ ابھی نقاب میں تھی۔

".This is not my mansion, and I am not its owner"

حور ارحام کو سرد نگاہوں سے دیکھتے لفظ چباتی بولی تھی۔"

This mansion belongs to your husband, and you are my mistress, so in that sense, you are the owner of this mansion.

(یہ حویلی آپ کے شوہر کی ہے اور آپ میری مالکن ہیں اس لحاظ سے آپ اس حویلی کی مالکن ہوئی)

ارحام نے اس کی آنکھوں سے شعلے نکلتے دیکھ کر محظوظ ہوتے اپنی سن گلاسسز کوٹ کی پاکٹ سے آنکھوں پر لگائی تھیں۔اسے حویلی میں دیکھ کر اس کا دل آنکھیں سب مسکرا رہے تھے۔۔

مگر حور کی آنکھوں سے شعلے نکلتے دیکھ کر وہ اپنی مسکراہٹ دبائے آنکھوں پر گلاسز لگا گیا تھا۔

یہ رات ہے دن نہیں ہے۔۔۔حور نے طنزیہ کہتے ارحام خان کی آنکھوں سے گلاسز اتارے تھے۔۔

اس کے ایکٹ پر وہ گہرا مسکرایا تھا۔۔دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

What do I know about fashion sense? That's something Hoor Arham Khanzada knows, who is the most beautiful girl in the world, and I am the most handsome boy in the world...

مجھے کیا پتہ میم فیشن سینس کا یہ تو حور ارحام خانزاہ جانتی ہے جو)
دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے اور میں سب سے زیادہ ہینسم
(لڑکا ہوں اس دنیا کا

ارحام انگلش ایسنٹ میں بولتے حور کو گرم نگاہوں سے دیکھتے ہوے اس کا
نقاب نرمی سے اتارا۔۔اس کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر ارحام خانزادہ کی
آنکھیں حویلی کے کارپورچ میں ہی خمار زدہ ہوئی تھیں۔یہ چہرہ آنکھوں کے

آگے آتے ہی اس کی بری حالت ہو جاتی تھی۔ دیکھ کر اس نے خود پر کیسے کنٹرول کیا تھا وہ وہی جانتا تھا۔

Correction: I am Hoor Sultan Shah, not Hoor Khanzada, and you are not a boy but a man.

تصیح کر لیں میں حور سلطان شاہ ہوں حور خانزادہ نہیں اور آپ (لڑکے نہیں مرد ہیں)

حور ارحام کی آنکھوں میں خمار کی آنکھوں میں سرخی دیکھتے اس نے وہ گلاسز ارحام کی پاکٹ میں دوبارہ لگاتے لفظ چبائے تھے۔ دوسرے لمحے وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

ارحام نے لب بھینچتے غصے سے اپنا کوٹ کی پاکٹ کو ہاتھوں جھاڑا تھا جہاں وہ گلاسسز لگا کر گئی تھی۔۔ حور کو داخلی دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھتا اس کی کلائی نرمی سے تھام چکا تھا۔

حور نے اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی گرفت مزید مضبوط کرتے اسے لیے داخلی دروازے سے اندر کی جانب بڑھا تھا۔

ارحام حور کو اندر آتا دیکھتے امینہ خانم بے یقینی سے صوفے سے کھڑی ہوئی تھیں۔

انھیں دیکھتے سب ہی اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔ سیڑھیاں اترتے زاران کے قدم بھی بے یقینی سے ٹھہرے تھے۔۔

وہ حور کو حویلی دیکھ کر سب ہی بے یقین تھے۔۔

ارحام سب کو دیکھتے مسکراتے ہوے سب کی طرف بڑھا مگر حور کی کلائی چھوڑی نہیں تھی.

زاران تیزی سے کئی سیڑھیاں ایک ہی قدم پر طے کرتے ارحام کی طرف بڑھتے اسے گلے سے لگا چکا تھا۔

ارحام زاران کو خود کی طرف بڑھتے دیکھتے حور کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔ وہ بھی شدت سے زاران سے لپٹا تھا۔

لالا مجھے آپ کو ادھر بھابھی کے ساتھ دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے میں بتا نہیں سکتا۔۔۔ زاران ارحام سے الگ ہوتا خوشی سے چہکتے بولا تھا۔

ارحام حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتے جواباً گہرا مسکرایا جو سب کو دیکھتے خاموشی سے کھڑی تھی۔

لالا آپ بھابھی کو کہیں جانے مت دیجیے گا۔زاران نے ارحام کی طرف جھکے سرگوشی کی تھی۔

تمھیں لگتا ہے میں اپنی بیوی کو کہیں جانے دوں گا۔۔ارحام حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بلند آواز میں بولا۔حور ارحام کی بات پر نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔

اثار ایسے تو نہیں لگتے۔۔حور کا نروٹھا چہرہ ایکھتے زاران شرراتی لہجے میں بولا تو ارحام نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

اسلام و علیکم بھابھی۔۔۔زاران ارحام کی گھوری نظر انداز کرتے حور سے مخاطب ہوا تھا۔

وعلیکم اسلام۔۔۔حور نے سنجیدگی جوابًا کہا تھا۔

ارحام حور کی کلائی جکڑے امینہ خانم کی طرف بڑھا جو اپنی جگہ پر خاموشی سے کھڑی تھیں۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔ ہمیں یہاں دیکھ کر آپ کو خوشی نہیں ہوئی ۔۔۔ارحام نے سب کے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہروں کو دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

امینہ خانم روتے ہوے ارحام کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی۔۔

ایسا ہو سکتا ہے تم کو ادھر دیکھ کر ہم خوش نہ ہوں۔ تم ہمارا جان کا ٹکڑا ہے یہ تم اچھا طرح جانتا ہے۔ امینہ خانم نے روتے ہوے کہا۔

آپ بھی میرے لیے بہت خاص ہیں مورے۔۔ ارحام نے ان کی ہتھیلیاں چومتے انھیں اپنی آنکھوں پر لگایا تھا۔۔

بہت اچھا کیا بچہ تم آ گیا۔۔ یہ تمھارا حویلی ہے اور شادی کا بعد ہر عورت اپنا مرد کا گھر ہی اچھا لگتا ہے۔ وہ مرد کے مقابلہ میں کتنا دولت مند ہی کیوں نہ ہو مگر وہ اپنا مرد کا گھر میں ہی ملکہ بن کر رہتا ہے۔ اور تم اس حویلی کا ملکہ ۔ہے۔ امینہ خانم نے نرمی سے کہتے حور کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

حور امینہ خانم کے ایکٹ پر مبہم سا مسکرائی تھی.

ارحام حور کی کلائی جکڑے سمیع اللہ خان کی طرف بڑھا تھا۔ اسلام و علیکم داجی۔۔ ارحام نے احتراماً سلام کیا۔

وعلیکم اسلام۔۔۔۔ سمیع اللہ نے سنجیدگی سے کہتے ارحام کی پشت پر ہاتھ پھیرا تھا۔ خوش رہو سمیع اللہ حور کے سر پر ہاتھ رکھتے تھکے تھکے انداز میں لاٹھی کے سہارے مردانے کی طرف بڑھ گئے تھے.

ارحام نے حیرانگی سے ان کا انداز دیکھا تھا۔

درید خان اور اربد خان ارحام کی طرف بڑھے تھے۔۔

اسلام و علیکم بابا ارحام درید خان سے بغلگیر ہوا۔ درید خان مسکراتے ہوے ارحام کے ساتھ بغلگیر ہوا۔

اربد خان بھی مسکراتے ہوے ارحام کے گلے لگے تھے۔۔

آرام کر کے مردانے آکر ملو کچھ ضروری بات کرنا ہے تم سے درید خان ارحام سے سنجیدگی سے کہتے حور کی طرف بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے مردانے کی۔ طرف بڑھ گئے تھے۔ اربد خان بھی درید خان کے ہمقدم ہوتے مردانے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

اسلام و علیکم چچی۔۔۔ ارحام نے روزینہ خانم سے سلام کیا جو صوفے پر اپنے سر کو جکڑے نظریں نیچے کیے بیٹھی تھیں۔

وعلیکم اسلام آگیا تم تھوڑی دیر پہلے آجاتا تم بھی بہتی گنگا میں ہاتھ میں دھو لیتا۔ افسوس تم نے موقع گنوا دیا۔ روزینہ خانم ارحام اور حور کو دیکھتے طنزیہ بولی تھیں۔

جی۔۔۔ ارحام نے الجھن بھری نگاہوں سے انھیں دیکھا تھا۔

اس میں اتنا حیران ہونے کا کیا بات ہے ادھر سے گیا ہے تم اور تمھارا خوبصورت بیوی بھی ادھر سے ہی گیا ہے۔۔

سب جانتا ہے تم یہاں آئے روز تماشہ لگتا ہے۔اب دیکھو تمھارا یہ کم سن خوبصورت بیوی اس زنان خانہ میں کب تماشہ لگاتا ہے روزینہ خانم حور غصے سے لفظ چباتے حور کو گھورتے وہاں سے چلی گئی تھیں۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے ان کی پشت کو گھورتے زاران اور امینہ خانم کو سنجیدگی سے دیکھتے آئی برو اچکائے تھے۔

ابرش لالا سے سلام کرو بھابھی سے ملو۔۔زاران نے پاس کھڑی ابرش کو پکارا جو خاموشی سے سنجیدگی سے ایک طرف کھڑی تھی۔۔

اسلام و علیکم لالا۔۔۔زاران کے پکارنے پر اس نے ارحام سے سلام کیا تھا۔

وعلیکم اسلام۔۔۔ارحام نے آگے بڑھتے ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

ابرش کی آنکھیں اسی لمحے نم ہوئی تھیں وہ شہرام کے سفاکی سے بولے گئے جملوں کے زیر اثر تھیں۔

وہ نم آنکھوں سے حور کی طرف بڑھتی حور کے گلے لگی۔

کیسی ہو حور؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

ابرش کا بھیگا لہجہ محسوس کرتے زاران نے اپنے لب بھینچے تھے۔

میں ٹھیک ہوں بھابھی۔۔ حور نے مسکراتے ہوے کہا۔

ابرش درخشاں سے کہو ڈاں مئنگ روم میں کھانا لگائے۔۔ زاران نے اس کی گلابی چہرہ دیکھتے نرمی سے کہا۔

جی۔۔۔ ابرش آہستگی سے کہتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

ارحام پریذے کہاں ہے ؟؟حور نے لاونج میں بے چینی سے نظریں دوڑاتے ارحام سے پوچھا۔

پریذے اپنا کمرا میں ہے۔۔امینہ خانم نے بتایا تھا۔

حور اثبات میں سر ہلاتے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

۔مورے میں پریذے سے مل کر آتا ہوں۔۔پھر بات کرتے ہیں کیا ہوا ہے آج۔۔۔ارحام سنجیدگی سے کہتا پریذے کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

حور اس سے پہلے پریذے کے کمرے میں داخل ہوتی ارحام اس کی کلائی نرمی سے جکڑ گیا تھا۔

پریذے خوش ہو گی اپنے ماما پاپا کو ایک ساتھ دیکھ کر اسے اکٹھے سرپرائز دیتے ہیں۔ ارحام ملائمت بھرے لہجے میں کہتے پریذے کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو گیا تھا۔

پریذے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی اپنی کلربک میں ڈرائینگ کر رہی تھی۔

پریذے جان۔۔۔۔ حور نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

ماما۔۔۔۔ پریذے حور کی آواز پر بے یقینی سے بولتے سیدھے ہوتے بیڈ پر کھڑی ہوئی تھی اپنے سامنے حور اور ارحام کو دیکھ کر وہ شاکڈ ہوئی تھی ۔کتنے لمحے وہ ایسے ہی کھڑی رہی تھی۔ وہ حور کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام اور حور کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔

پریذے جان۔۔۔ماما آگئی۔۔۔میں ماما ہی ہوں۔۔حور نے مسکراتے ہوے کہا تو ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی

اسے اپنی بیوی اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں لگتا تھا دونوں ایک جیسی ہی باتیں کرتی تھیں۔

ماما پریذے نے چیختے ہوے بیڈ سے جمپ کیا تھا۔

پریذے ڈونٹ جمپ حور جلدی سے پریذے کی طرف بڑھتے اسے خود کے ساتھ لپٹا چکی تھی۔۔

حور اسے اٹھائے اس کے گال پر کسز کرتے روتے جا رہی تھی۔ارحام خانزادہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

Preezy jaan mama missed you so much.

حور اس کے گال پر شدت سے کس کرتے روتے ہوے بولی۔

ماما پریذے نے بھی آپ کو بہت مس کیا۔ مورے بھی میرے پاس نہیں ہے اور ماما بھی میرے پاس نہیں۔۔ مجھے مورے اور ماما بہت یاد آتی ہیں۔ پریذے حور کے گال پر کس کرتے معصومیت سے بولی تو حور اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔۔

ارحام پریذے کی بات پر گہرا سانس بھرتے اس کی طرف بڑھتے حور سے پریذے کو لیتے اسے اوپر کو اٹھاتے اسے گال پر کس کی۔۔

ماما کے آتے پاپا کو بھول گئی میری پریذے۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے منہ بنایا تھا۔۔

پریذے آپ سے ناراض ہے آپ نے مجھے ڈانٹا تھا۔ پریذے منہ بناتے ہوے بولی تو ارحام کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

حور نے ارحام کو گھور کر دیکھا تھا یہی حال پریذے کا تھا اس نے بھی ارحام کو گھور کر دیکھا تھا۔

آئی ایم سوری میری پریذے۔۔۔۔ لیکن کیا کروں تم ماما بیٹی ناراض ہوتے ایک جیسے ہی منہ بناتی ہو اس لیے مجھے ہنسی آ گئ۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے حور کی طرف دیکھا تھا جو اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی. چلو پاپا کو ایک کس کریں پھر آپ کی ماما کو بھی منانا ہے اس کے لیے مجھے کافی محنت کرنی پڑے گی۔۔ ارحام نے حور کو بے باکی سے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ حور ارحام کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے سرخ ہوئی تھی. وہ دھڑکتے دل کے ساتھ جلدی سے نظریں جھکا گئ تھی۔۔

ارحام پریذے کو گود میں اٹھائے حور کو گہری گرم نگاہوں سے ٹرانس کی کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔

حور نے پریذے کو ایک نظر دیکھتے خفت سے اپنا نچلا لب کاٹا تھا ارحام بھول ہی گیا تھا وہ پریذے کو اٹھائے ہوے ہے وہ اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ارحام کی توجہ حور کی طرف دیکھتے پریذے نے ارحام کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے اس کے گال پر کس کی تھی۔ وہ ابھی بھی حور کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

پریذے کے چہرے پر جیلسی دیکھ کر حور جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی.

ارحام اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے بازو میں بھرتے اس کی پیشانی پر شدت سے کس کر گیا۔ حور نظریں جھکائے ہوے تھی پریذے کی طرف اس کے دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ارحام نے حور پر گہری گرم نگاہ ڈالتے ہوے ہوے پریذے کے کال پر کس کی. پریذے نے منہ بنایا ہوا تھا۔ ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے دوسرے گال پر کس کی۔۔ پریذے نے ابھی تک منہ پھلایا ہوا تھا۔ ارحام نے اب اس کی پیشانی پر کس کی تھی۔

پریذے ماما سے زیادہ آپ کو کس کی ہیں۔۔ چاہو تو آپ کاونٹ کر سکتی ہو ۔۔ آپ کی ماما کو میں زیادہ کسسز نہیں کرتا آپ بہت سویٹ ہیں۔ مگر ماما تھوڑی بڑ ہیں۔ ارحام نے پریذے کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے شرارتی لہجے میں کہا تو پریذے کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔

حور ابھی تک اس کے حصار میں نظریں جھکائے کھڑی تھی۔۔ پریذے کے کھلا کھلا کر ہنسنے پر حور نے نظریں اٹھائے پریذے کو دیکھا جو اب ارحام کے گال کو چومتی جا رہی تھی۔۔ ارحام نے حور کو مزید قریب کرتے اس کے گال پر اب کس کی تھی۔ حور پریذے کو دیکھتے نم آنکھوں سے مسکرائی تھی

۔

ماما آپ نے پاپا کو ڈانٹا تھا ناں۔۔ پریذے نے حور کی طرف جھکتے سرگوشی کی تو ارحام کا ایک بار پھر سے برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

آپ کی ماما کی ڈانٹ سے میں بہت ڈر گیا تھا اسی لیے تو میں انھیں لے کر حویلی آ گیا۔۔

پریذے آپ تھوڑی دیر باہر جاؤ تا کہ ماما آپ کے پاپا کو اور ڈانٹ سکیں ۔۔ ارحام نے پریذے کو گود سے نیچے اتارتے شرارتی لہجے میں کہا۔

پاپا مجھے ماما کے ساتھ رہنا ہے۔۔ آج میں ان کے ساتھ ہی رہوں گی۔۔ پریذے حور کی ٹانگوں سے لپٹتے اس کی کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار قائم کر چکی تھی۔۔

پریذے بیٹا پاپا جو کہیں وہ بات فوراً مانتے ہیں آگے سے بحث نہیں کرتے ۔۔۔ ارحام نے تھوڑا سنجیدگی سے کہا۔

اوکے پاپا سوری پاپا۔۔۔ پریذے حور سے الگ ہوتے دروازہ کھولتے باہر نکل گئی تھی۔۔

ارحام نے حور پر گہری نگاہ ڈالی جو اب نظریں جھکائے لب کاٹ رہی تھی۔۔ارحام دروازہ لاک کرتے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں میں قید کر گیا تھا۔

حور کے حجاب سے نرمی سے پن اتارتے اس کا حجاب اتار کر اس نے بیڈ پر اچھالا تھا اس کے بالوں کو کیچر سے آزاد کر کے وہ بیڈ پر اچھال چکا تھا۔

اب وہ کھلے بالوں کے ساتھ صرف عبائہ پہنے ہوے تھی۔

پریذے تم سے کبھی جیلس نہیں ہو سکتی وہ صرف تمھیں لے کر نہیں بلکہ گل کو لے کر بھی جیلس ہوتی تھی۔۔بچوں کی عادت ہوتی ہے ایسے جیلس ہونا۔۔وہ ماما پاپا میں سے کسی ایک سے جیلس ہوتے ہیں۔اور سچ پوچھوں اصل میں جیلس میں ہو رہا تھا جب تمھیں اسے کسز کر رہی تھی۔۔

یہ لب میرے علاوہ میری بیٹی کو بھی چھویں مجھے برداشت نہیں ہوتا۔ ارحام اس کا چہرہ تھامتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں میں نرمی سے تال میل چھیڑ گیا۔

حور نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے

اسے مزید اپنے قریب کرتے اس کے ہونٹوں پر شدت سے لپٹا تھا۔

حور بے بسی سے اس کی شرٹ اپنی مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ ارحام اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے اس کے بازوؤں کو اپنے کمر کے گرد لپیٹ گیا تھا۔ اس دوران اس کے لبوں کو اس نے چھوڑا نہیں تھا۔

حور اب ارحام کی کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار کر گئی تھی.

ارحام اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی لبوں کو اپنے لبوں سے قندھاری کر رہا تھا۔

حور اور اپنی سانسیں بے ترتیب کرتے اس نے حور کو چھوڑا تو حور گہرے سانس لیتے پیچھے ہوئی تھی ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑیں مجھے میں یہاں صرف پریذے کی وجہ سے آئی ہوں۔ اس کی برتھڈے اٹینڈ کر کے چلی جاؤں گی۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

اوکے جب تک تم یہاں ہو تب تک مجھے خود پر خوب محنت کرنے دو ہو سکتا ہے میری محنت کے نتیجے میں پریذے کا بھائی بہن آ جائے۔ ارحام اس کا چہرہ تھامتے اس پھیگے سرخ لبوں پر نظریں جمائے خمار آلود لہجے میں بولا۔

پریذے کا بھائی بہن آنا ہوتا تو اب تک آجاتا ہوتا پانچ مہینوں میں آپ نے دن رات بہت محنت کی ہے مجھ پر۔۔ اور اس دن ہوٹل میں آپ نے تو ساری رات محنت کے ریکارڈ توڑ دیے تھے۔۔ مگر ہوا کیا نتیجہ صفر۔۔۔ سنا ہے گل شادی کے پہلے منتھ میں ہی پریگننٹ ہو گئی تھی۔۔ گل کے ساتھ محنت مشقت بہت دل سے کرتے رہے ہیں اس لیے پریذے جلدی آ گئی۔۔ حور سلگتے لہجے میں بولتے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ ارحام اسے کلائی سے جکڑے اسے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

حور بیڈ پر اوندھے گری تھی۔ ارحام اپنا کوٹ اتارتے اسے زمین پر اچھالتے اس کی طرف بڑھا۔۔۔ حور سیدھے ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ ارحام کو دیکھ رہی تھی۔ جو اب اپنی شرم کے بٹن کھول رہا تھا۔ ریموٹ

گاؤن ڈارلنگ۔۔۔ آج اتنی محنت کروں گا آج ہی پریذے کے بھائی بہن آ جائیں گے۔۔۔۔۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کا گاؤن ریموو کر چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور نم آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی جو اس پر جھکے اسے خمار زدہ آنکھوں سے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بلیک سٹایلش سی شارٹ شرٹ اور فلیپر نما شرٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے دلکش خدوخال دیکھ کر ارحام مزید بہکا تھا۔۔ وہ نرمی سے اس کے کندن نیشب و فراز پر لب رکھتے تکیے پر سر رکھتا اسے اپنے اوپر کر چکا تھا۔ حور اس کے اوپر سے اٹھنے لگی تھی وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کا پورا وجود اپنے اوپر منتقل کر گیا۔۔

میں گل کے ساتھ پلے لینڈ نہیں گیا تھا میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔نہ ہی مجھے گل کا کوئی فون آیا تھا۔میں نے تمھیں جیلس کرنے کے لیے اس دن جھوٹا ناٹک کیا تھا۔انفیکٹ میرے پاس اس کا نمبر بھی نہیں ہے۔ارحام نے حور کے بال کان کے پیچھے نرمی سے اڑستے کہا۔

میں گل سے جیلس نہیں ہوں آپ کی بیوی رہ چکی ہے جو میرا مقام ہے وہ کبھی اس کا بھی تھا۔پریذے گل سے بھی جیلس ہوتی تھی اس کا مطلب ہے آپ پریذے کے سامنے اسے بھی کسز کرتے تھے۔حور نے ارحام کی آنکھوں میں بھڑ بھڑ جلتے پوچھا تھا۔

افففف۔۔۔ارحم نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔۔۔وہ انجانے میں خود ہی گل کا کام لے چکا تھا۔اس کا یہ ری ایکشن جائز تھا اسے گل کا نام نہیں لینا چاہیے تھا

پریذے کی قسم لے لو کبھی پریذے کے سامنے اس کے قریب نہیں گیا۔۔ اپنے ہوش صرف تمھیں ہی دیکھ کر کھوتا ہوں۔ ارحام رخ بدلتے اس کے اوپر جھکتے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔۔

ارحام اس کی گردن پر جھکے اپنے دانت گاڑھتے اپنے ہاتھوں سے اسے بے باکی سے چھوتے اب اس کا ہاتھ بیلی بٹن پر آیا۔۔

ارحام۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ جانے۔۔۔ دیں۔۔۔ میں ۔۔۔ یہ۔۔۔ سب۔۔۔ نہیں۔۔۔ چاہتی۔۔۔ حور اس کا ہاتھ پیچھے کرتے گہرے سانسوں سے بمشکل بولی تھی۔۔ ارحام پھر سے اپنا ہاتھ اس کی بیلی بٹن پر رکھ چکا تھا۔۔ حور نے پھر سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا

اس کے ہاتھ ہٹانے پر ارحام نے اس کی گردن سے منہ نکالتے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

حور لب کاٹتے اپنا منہ پھیر چکی تھی۔

کیا چاہتی ہو؟؟ ارحام نے اس کا نچلا لب اپنی فنگر سے دانتوں سے چھڑوایا تھا

۔۔

میں یہاں پر یذے کے لیے آئی ہوں۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے دوسرے پل نظریں جھکائی تھی۔۔ وہ پھولتی سانسوں کے ساتھ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے قریب آنے پر اس کی حالت خراب ہو چکی تھی وہ جانتی تھی۔۔ حور کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔ وہ جانتی تھی اب وہ اس سے دور نہیں جا سکے گا۔

پریذے کے لیے آئی ہو یعنی اسے پھر سے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو۔ ارحام نے گہری ہوتی سانسوں سے کہا تھا۔

ہاں۔۔۔۔ نظریں جھکائے ایک لفظی جواب آیا تھا۔

تو پھر تمھیں آنا ہی نہیں چاہیے تھا میں اور میری بیٹی جو اتنے ماہ سے تمھارے بغیر رہ رہے تھے رہ لیتے۔ کچھ ماہ پہلے مجھے لگا تھا تمھارے بغیر شائد میں ایک رات بھی جی نہ سکوں۔ مگر دیکھو میری طرف کچھ بھی نہیں ہوا۔ زندہ ہوں ۔۔ ہنستا ہوں بولتا ہوں۔۔ سانسیں چل رہی ہیں میری۔۔۔ گزار لیتا اپنی زندگی آگے بھی۔۔ میری فیلنگز کے ساتھ کھیل رہی ہو میری بیٹی کی فینلگز کے ساتھ تو نہ کھیلتی۔۔ ارحام اس کے اوپر سے اٹھتا بیڈ سے نیچے اترتے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہننے لگا۔

آپ کی بیٹی سے کیا مطلب وہ میری بھی بیٹی ہے آپ جب بھی مجھے طعنہ دیتے ہیں یہی کہتے ہیں وہ آپ کی بیٹی ہے۔۔اسے شرٹ پہنتا دیکھ کر حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔۔وہ بیڈ سے اٹھتے اس کے مقابل آئی۔

نہیں ہے وہ تمھاری بیٹی۔۔میری بیٹی ہے صرف۔۔ارحام یکدم بھڑکا تھا

ارحام۔۔۔حور نے بھیگے لہجے میں بے یقینی سے پکارا۔۔

صرف کہنے سے کیا ہوتا ہے حور۔۔۔ماں بننے کے لیے ماں بننا پڑتا ہے۔

۔یہاں اس کے پاس سارے رشتے ہیں مگر اس کے پاس نہ اس کا باپ ہے نہ ماں۔۔۔تم ساری عمر ایسے ہی مجھے رکھنا چاہتی ہو۔۔نہ میں ادھر کا رہوں نہ میں ادھر کا رہوں۔۔۔اسلام آباد رہتا ہوں تو پریذے کو یہاں میرے بغیر رہنا پڑتا ہے اور اگر اسے اپنے پاس اسلام آباد رکھتا ہوں تو اسے سب کے بغیر رہنا پڑے گا۔وہاں بھی اسے نہ ماں ملے گی نہ اس کا باپ ملے گا۔تم

نے سوچا ایک پل کے لیے بھی وہ ہماری کمی کتنی محسوس کرتی ہو گی۔۔ اتم سے گل کو بھی بھولنے نہیں دے رہی۔۔ تم پاس رہتی تو وہ گل کو ابھی تک بھول جاتی۔۔ ارحام غصے سے بھڑکتے بولا۔

گل کو وہ نہیں آپ نہیں بھولے اب تک۔۔ خود ہی مجھے شاہ مینشن چھوڑ کر آئے تھے ناں۔۔ حور بھیگے لہجے میں بولی تھی۔۔

تو کیا کرتا حور تمھارے چہرے پر خوشی دیکھنا چاہتا مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے روتی ہوئی حور نہیں چاہیے جو پانچ مہینے میری قربت میرے کمرے میں آنسو بہاتی رہی۔۔ نفرت ہے مجھے تمھارے آنسوؤں سے۔۔ نہیں برداشت کر سکتا تمھاری آنکھوں میں آنسو۔۔۔ ارحام لب بھینچے بولا۔۔

آپ کی قربت میں آنسو کیوں بہاتی ہوں یہ آپ خود سے پوچھیں۔۔۔اور جہاں تک بات ہے آپ کے بیچ منجھدار میں لٹکے ہونے کی۔۔ آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔۔میں حور سلطان شاہ ہوں مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔۔ حور ارحام کو دیکھتے سلگتے لہجے مین بولی

خبردار یہ کہا تمھارا پیچھا چھوڑ دوں یا تمھیں چھوڑ دوں۔۔۔مر جاؤں گا تمھیں نہیں چھوڑوں گا ہاں تمھارے لیے یہ دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں۔۔ نہیں رہنا مت رہو میرے پاس۔۔ مگر تمھارا سایہ بن کر رہوں گا ہر وقت۔۔۔۔تم حور سلطان شاہ نہیں حور ارحام خانزادہ ہو۔وہ اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے سلگتی سانسیں چھوڑتے بولتے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے اپنا کوٹ زمین سے اٹھائے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

میں آج رات پریذے کے کمرے میں ہی رہوں گی۔۔ آپ کے کمرے میں نہیں رہوں گی۔۔ حور اس کی بیک کو دیکھتے چیخی تھی۔۔

یہیں پر رہو میرے ساتھ میرے کمرے میں رہو گی تو میں اس کمرے میں نہیں رہ سکوں گا۔ ارحام رخ پلٹے بغیر بولا تھا۔

رہیں اس کمرے میں جس کمرے سے مجھے سخت نفرت ہے اور اس کمرے کے بیڈ سے تو مجھے سخت نفرت ہے۔۔ وہ کمرہ وہ بیڈ آپ کو مبارک ہو ۔۔۔ حور پھر سے چیخی تھی.

حور کی بات پر ارحام کے ہینڈل پر ہاتھ ٹھہرے تھے

اگر تمھیں وہ کمرہ نہیں پسند تو نہیں رہوں گا اس کمرے میں جس چیز سے تم نفرت کرو اس چیز سے میں کیسے محبت کر سکتا ہوں۔ ارحام نے سنجیدگی سے دروازے کے ہینڈل کو پکڑتے لاک گھمایا تھا۔

ارحام نے مڑتے ہوئے اسے دیکھا جو گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی.

ڈنر لگ گیا ہو گا۔۔ چینج کر کے آنا ویسا ہی لباس پہننا جو اس حویلی میں رہتے ہوئے پہنتی تھی۔۔ اس معاملے میں چاہ کر بھی تم سے نرمی نہیں برت سکتا۔۔ ارحام نے اس کے سٹایلش لباس میں اس گے رعنائیوں سے بھرپور وجود کو ایک نظر دیکھا دوسرے لمحے وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔۔

بہارے حویلی کے بڑے سے کارپورچ میں ننگے پیر کب کے چکر لگا رہی تھی۔رات گہری ہو رہی تھی اس سے بھی بڑھ کر برفیلی تھی۔۔۔

وہ اس وقت ییلو کلر کے شیشوں والے فراک میں ملبوس تھی۔۔بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔شال ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔اس کا بدن ٹھنڈی ہواؤں سے سرد ہو رہا تھا۔اس نے گیٹ کی طرف نظریں دوڑاتے اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا تھا۔وہ یخ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔۔بہارے اپنی گلابی آنکھوں کو بے دردی کے مسل گئی تھی۔۔وہ بہرام کو آج رات فیڈ نہیں کروا سکے گی وہ جانتی تھی اور وہ اس کے فیڈ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔وہ اسے درخشاں کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔۔شہرام کیا کہہ کر گیا تھا وہ تب سے یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی اس کے لفظوں کے کئی معنی نکال چکی تھی۔۔جتنا سوچ رہی تھی اتنا جل رہی تھی مر رہی تھی۔۔

وہ کیا اسے چھوڑنے کا سوچ رہا تھا؟؟ یا پھر آس کی جگہ آیزل کو دینے والا تھا۔ بہارے نے روتے ہوہے اپنے بال جکڑے تھے۔ اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔۔

وہ گہرے سانس لیتے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی. رات کے تین بج رہے تھے۔۔ وہ ابھی تک واپس حویلی نہیں آیا تھا۔ اتنے دنوں بعد آیا تھا اور پھر سے چلا گیا تھا۔

بہارے نے اپنے چکراتے سر کو تھاما جہاں مائگرین کا پین ہو رہا تھا۔۔ اس نے رات ڈنر بھی نہیں کیا تھا۔ اور اس کے بعد مسلسل بہرام کو فیڈ کروا رہی تھی. اب اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ بہارے نے چکراتے سر کو تھامتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا جہاں واقعی میں کچھ ہو رہا تھا۔

اسے کسی دوسری عورت کے ساتھ وہ آج بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ بہارے نے روتے ہوے آسمان کی طرف دیکھا۔۔

تم مر جاؤ شہرام خان یا پھر میں مر جاؤں کیونکہ یہ دل کا درد ایسے ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔۔ زندہ رہتے نہ جدائی قبول ہے نہ بیوفائی۔۔۔۔۔۔

وہ آسمان کی طرف منہ کرتے شدت سے رو دی تھی۔۔

گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔ بہار نے لرزتے ہوے گیٹ کی طرف دیکھا جو گل خان اب کھول رہا تھا۔

شہرام کی گاڑی اندر داخل ہوتے دیکھتے وہ بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھی تھی.

وہ نہیں چاہتی تھی شہرام کو اس کی تڑپ کا پتہ چلے۔ وہ جان پائے وہ اس کا انتظار کر رہی تھی. وہ بھاگتے ہوئے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں نیم اندھیرہ چھایا ہوا تھا۔ وہ لاونج میں رکھے صوفے کے ساتھ ٹکراتے گھٹنوں کے بل زمین بوس ہوئی تھی۔

آہہہہ۔۔۔۔اس کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔۔

ٹانکوں میں شدید درد اٹھا تھا۔ پاوں کا ناخن بھی صوفے سے ٹکراتے اس کے اندر درد کی شدید لہر سرایت کر چکا تھا۔

شہرام جو اندر داخل ہوا تھا بہارے کی چیخ سنتا اسے لاونج میں گھٹنوں کے بل سسکتے دیکھ کر بے تابی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

بہارے کیا ہوا؟ وہ اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے بے قراری سے بولا۔۔ بہارے شہرام کو دیکھتے شدت سے رو دی تھی

کیا ہوا میری بہارے۔۔۔ شہرام نے تڑپتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔۔ وہ شہرام کے ہاتھ جھٹکتے زمین سے جلدی سے اٹھی تھی۔ مگر درد کی لہر اسے اپنے پورے وجود میں اٹھتی محسوس ہوئی۔ وہ سسک کر رہ گئی تھی۔ شہرام کھڑے ہوتے اسے اپنی بانہوں میں بھرے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر گیا۔

کہاں درد ہو رہا ہے میری بہارے؟؟ شہرام خان نے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کرتے پوچھا۔

کہاں درد نہیں ہو رہا یہ پوچھو۔۔ بہارے اس کے ہاتھ جھٹکتے روتے ہوے بولی۔۔

کہاں درد نہیں ہو رہا وہاں بتا دو میں ہر جگہ سے تمھارا درد چن لوں گا۔۔ شہرام نے اپنے لب اس کے عارض پر رکھتے اپنے لبوں کو اس کے آنسوؤں سے تر کیا تھا۔

چھوڑو مجھے شہرام خان۔ بہارے نے سسکتے ہوے اس کے چوڑے سینے پر پوری قوت سے مارا تھا

تمھارا دیا ہوا درد ہمیشہ ٹھاہ کر کے اسی جگہ پر لگتا ہے ایگزیکٹ پوزیشن پر تم نے مارا ہے۔۔ وہ کہتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس کے ناخن سے نکلتے خون پر اپنے کندھوں سے شال اتارتے اس کے انگوٹھے سے نکلتے خون پر نرمی سے رکھی۔

بہارے اسے دیکھتے سسک رہی تھی۔۔ جو بہت نرمی سے اس کے انگوٹھے سے نکلتے خون پر اب اپنے ہاتھ کا انگوٹھے کا دباؤ ڈالتے اسے روک رہا تھا۔۔

شہرام نے نظریں اٹھا کر بہارے کو دیکھا جو اسے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

میرے سٹیچز میں بھی درد ہو رہا ہے شہرام کے دیکھنے پر اس نے روتے ہوے بتایا تھا۔ اپنے زخموں پر اسے آج اس ستمگر کے لمس کی ضرورت تھی۔۔ اسے لگ رہا تھا آج شہرام اسے چھوے گا نہیں اسے اس کے ہونے کا احساس دلائے گا نہیں وہ تڑپ کر مر جائے گی۔۔ وہ شہرام خان کے لیے کیا ہے ؟؟ شہرام خان اپنی قربت اس کی شدتوں میں بھیگتے اس کے دہکتے لبوں کی گرمایش اوپر سے نیچے اس پاؤں کے تلوں پر بھی وہ بارہاں بار محسوس کر چکی تھی۔۔

شہرام خان نرمی سے اس کی فراک اوپر کو سرکاتا اس کے سٹیچز پر اپنی انگلیاں نرمی سے پھیرتا اس پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔ بہارے اپنی

آنکھیں بند کر چکی تھی۔۔ شہرام خان کے لب اس کے پیٹ سے ہوتے اوپر کی جانب سرکنے لگے تھے۔۔۔ وہ زمین سے اٹھتا اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام چکا تھا وہ آنکھیں بند کیے لرز رہی تھی۔۔ شہرام خان بے قراری سے اس کے لبوں پر جھکا تھا۔ بہارے کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

ورنہ اس کے دہکتے لبوں کی گرمایش سے وہ چکراتے ہوے زمین پر گر جاتی۔۔ وہ اس کی فراک کے اندر سے اس کی ٹھنڈی دھڑکنوں کو چھوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑے ہوے تھا۔۔

بہارے اس کے گرم ہاتھوں کی گرمایش سے جیسے مرتے مرتے زندہ ہوئی تھی۔۔ آنکھوں سے بہتے گرم سیال کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔۔ بہارے نے اسی لمحے آنکھیں کھولتے اسے خود سے دور جھٹکا تھا۔۔

نہیں بہارے۔۔۔ دور نہیں ہٹ سکتا۔۔۔ جتنا درد تم نے آج دیا ہے شہرام خان زخموں سے چور ہے۔۔ اب یہ درد تمھاری قربت میں ہی کم ہو سکتا ہے ورنہ آج کی رات قیامت ہو گی تمھارے شہرام خان کے لیے تڑپ کر مر جاؤں گا میں۔۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

درد تم نے دیا ہے شہرام خان موت صرف میری ہو گی۔ بہارے اس کی شرٹ جکڑے سسکتے ہوے بولی۔۔

شہرام اس کا چہرہ تھامے اس کے لبوں پر جھکنے لگا تھا۔

میرے قریب مت آنا۔۔مجھے مت چھونا۔۔۔ تمھارا لمس کانٹوں جیسا ہے میرے لیے۔ بہارے نے روتے ہوے اس کے سینے پر مکے جڑے تھے۔۔وہ اس کے سینے پر بے دردی سے مکے جڑتی جا رہی تھی۔۔ شہرام خان گہرے سانس لیتا اس کے وار برداشت کر رہا تھا۔ وہ اس کے سینے پر مکے مارتے مارتے تھک کر اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔

۔شہرام خان اسے گود میں اٹھائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

شہرام بہارے کو گود میں اٹھائے اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بہارے کو بیڈ کے وسط میں نرمی سے لٹاتے وہ اس پر جھکے اس پر حاوی ہوتے اس کے چہرے کو اپنے دہکتے لبوں سے جھلسانے لگا۔ بہارے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھی۔۔ شہرام اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو اپنی

سانسوں سے جکڑ گیا تھا۔ وہ اپنی گرم سانسوں سے اس کی سانسوں کو دہکا گیا تھا۔ بہارے تڑپ اٹھی تھی۔ شہرام اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے چہرے پر جھکے اس کے ایک نقوش پر دیوانگی کے عالم میں اپنے لب رکھ رہا تھا۔ بہارے کی سانسوں تیز ہوئی تھیں۔ شہرام اس کے لبوں پر پھر سے جھکتے اس کی مٹھیوں سے بیڈ شیٹ آزاد کرتے اس کے ہاتھوں کی انگلیوں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں پھنسا گیا تھا۔۔۔ اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کیے وہ اس کے راہ فرار کے تمام راستے مسدود کر گیا تھا۔۔ اس کی سانسیں بے ترتیب کرتے شہرام نے گہرے سانس لیتے اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکا وہ بھیگی زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

میری بہارے کہاں تمھیں میری محبت کم لگی۔ کہاں تمھیں لگا تمھارا شہرام بیوفا ہے۔۔ تمھارا شہرام تو آج بھی تمھارا دیوانہ ہے۔۔ وہ کیسے تم سے بیوفائی

کر سکتا ہے۔۔ شہرام خان مر سکتا ہے تم سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔ شہرام اس کی بھیگی آنکھوں کو نرمی سے چومتے گھمبیر بھاری لہجے میں بولا۔

میرا شہرام خان بیوفائی نہیں کر سکتا۔۔ جس نے بیوفائی کی وہ میرا کہاں رہا شہرام خان۔۔ وہ تو صرف شہرام خان ہو گیا۔ جیسے بہارے خان صرف بہارے خان ہو گئی۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں بولی۔۔

شہرام خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا اسے اوپر کو اٹھائے دوسرے ہاتھ سے اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکاتے اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکا گیا تھا۔

تم آج بھی بہارے شہرام خان ہو دیکھو خود کی طرف تمھاری آنکھوں میں درد بن کر بھی صرف میں رہتا ہوں۔ تم سر سے پیر تک شہرام کی محبتوں کے رنگ میں رنگی بہارے ہو جو کبھی شہرام خان کو نہیں بھول سکتی۔۔ جیسے

شہرام خان بہارے کو نہیں بھول سکتا۔۔۔شہرام اس کی فراک کی آستین پھاڑے اس کی فراک بلکل نیچے کھسکا گیا تھا۔۔شہرام خان اس کی گردن پر جھکے اپنا پر تپش لمس بکھیرتے اس اس کی کلائیاں سختی سے جکڑ گیا تھا۔۔

بہارے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔اس کا پر تپش لمس اب اس کی ٹھنڈی دھڑکنوں پر بکھرتا بہارے کے وجود کو گرم کر چکا تھا۔شہرام اپنے اور اس کے درمیان ہر پردے کو آزاد کرتے اسے اپنے وجود کا حصہ اسی پل بنا چکا تھا۔بہارے آنکھیں میچے بیڈ شیٹ کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔شہرام خان کی جنونی شدتوں میں وہ اپنا ہر غم بھول چکی تھی۔۔شہرام خان کی شدتوں میں وقت کے ساتھ آضافہ ہو رہا تھا۔کمرے میں ذو معنی آوازیں اور گھمبیر سانسیں گونجتے کمرے کی میں عجب سا ساز بکھیر رہی تھیں۔۔باہر زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔۔بجلی کے زور دار کڑکنے پر بہارے شہرام کی کمر کو

جکڑے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔ شہرام خان کی آنکھیں پر سکون ہوتی بند ہوئی تھیں۔۔۔ شہرام خان کی شدتوں میں آضافہ ہوا تھا۔ اس کی شدتیں پورے کمرے کو لرزا رہی تھیں۔ باہر بجلی کڑکتی خاموش ہوئی تھی. بارش بند ہوتی باہر کا منظر پر سکون ہو چکا تھا۔۔ مگر بہارے کے ہاتھوں کی جکڑ شہرام خان کی کمر پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔۔ کمرے میں پھر سے سانسوں اور آنسوؤں کا رقص گونجا تھا۔

شہرام خان اسے خود میں سماتے دیکھ کر جیسے پاگل ہوا تھا۔ اس کی جنونی شدتوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ یکدم باہر کی طرح کمرے کی فضا بھی پر سکون ہو چکی تھی. شہرام خان پر سکون ہوتا تکیے پر خود کو گرتا بہارے کو کمر سے جکڑے اپنے اوپر کرتے اسے اپنے چوڑے سینے سختی سے بھینچتے آنکھیں بند کر گیا تھا۔

بہارے کی بھیگی آنکھیں شہرام خان کی بند آنکھوں پر جمی تھیں۔اس کی گہری ہوتی سانسیں بتا رہی تھیں وہ گہری نیند میں چلا گیا ہے۔

بہارے کی کپکپاتی انگلیاں شہرام خان کی گھنی مونچھوؤں پر آن ٹھہری تھیں۔

"تم میرے نہیں ہو شہرام۔۔تم کبھی بھی مجھے چھوڑ سکتے ہو۔۔۔مرد صرف بیوفائی نہیں کرتا بلکہ اپنی بیوفائی کی صورت میں عورت کو ساری عمر کی انسکیورٹی دے جاتا ہے۔

میری انسکورٹی یہ نہیں تمھارا پیسہ تمھارا نام تمھاری پاور کسی اور عورت کو نہ مل جائے۔میری انسکیورٹی یہ ہے کہ میرا شہرام خان کسی دوسری عورت کا نہ ہو جائے۔۔

میرا ان پڑھ شہرام خان جس سے مجھے جنون کی حد تک

محبت تھی۔۔اور میرا شہرام خان بھی تب تک میرا تھا۔جو میٹرک پاس

تھا۔۔تم میرے نہیں ہو شہرام خان۔۔۔میں ساری عمر تمھارے لفظوں

کے مختلف معنی نکالتے دو دھاری تلوار پر نہیں چل سکتی۔۔میرا اور میرے

بہرام کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔۔نہ کبھی رہے گا۔۔عشق کا نام لے کر تم

نے میرا سب کچھ لوٹ لیا میں تمھیں کبھی معاف نہیں کر سکتی شہرام

خان۔۔۔بہارے اس کے سینے پر سر رکھتے آنکھیں موندے شدت سے رو

دی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس وقت سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔جس پر براؤن

مردانہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔

وہ اپنے ہلکے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے سیاہ بوٹوں کی دھمک لیے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھا جہاں اس کا سکون تھا۔ وہ رات اس کی حویلی میں ہوتے اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ ایک پل سو نہیں پایا تھا۔ آنکھیں رت جگے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے۔

ارحام خانزادہ پریذے کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ کمرے میں نیلگوں روشنی آن تھی۔۔ وہ بیڈ کے وسط پر کمبل خود پر لپیٹے پریذے کے گرد اپنا بازو رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔۔ ارحام اپنے ہاتھ میں موجود پیکٹ کمرے میں موجود صوفے پر رکھتا وہ بے تابی سے حور کی طرف بڑھا تھا۔ سائیڈ لیمپ آن کیے ارحام بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کرتے اس پر جھکا تھا۔

ارحام نے جھکتے ہوے اس کے بازو پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔وہ کروٹ کے بل اس کی مخالف سمت میں منہ کیے سو رہی تھی۔۔۔

ارحام نے بہت نرمی سے اس کا بازو پریذے کے گرد سے ہٹاتے اسے بہت نرمی سے سیدھا کیا۔

ارحام نے جھکتے ہوے اس کے خوبصورت چہرے کے نقوش پر اپنے لب رکھے تھے۔۔وہ بہت نرمی سے اس کے ایک ایک نقش کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔

سات مہینے گزری مقابل کے بنا ہر رات عذاب تھی مگر آج کی رات تو قہر بن کر ٹوٹی تھی۔وہ حویلی میں ہوتے اس کے قریب نہیں تھی۔یہ کیسے ممکن تھا کیسے اس نے اسے خود سے دور رہنے دیا تھا۔۔۔وہ ساری رات سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے خود سے سوال کرتا رہا۔

ارحام کی پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کے نقوش کو لبوں سے چھو رہا تھا۔

ارحام کی سٹرونگ مردانہ خوشبو اور اس کے پر تپش بوسوں کی بوچھاڑ سے وہ ہلکا سا کسمسائی تھی۔

ارحام جلدی سے اس سے دور ہوا تھا۔

حور نے نیند سے گلابی ہوتی آنکھیں کھولتے دیکھا۔۔ اپنے قریب بیٹھے ارحام کو دیکھتے وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

ارحام آپ۔۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹا تھا۔ ارحام کی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔۔ جانتی تھی وہ اس کے بغیر رات بھر سویا نہیں ہو گا۔ اور یہ بھی جانتی تھی وہ پاس

ہوتی پھر بھی نہ سوتا۔۔ مگر اس کی سرخ آنکھوں میں وہ دیکھ نہ سکی تھی۔ وہ سنجیدگی سے بہت سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

آج بہرام کا عقیقہ ہے دوپہر کے بعد حویلی میں مہمان آنا شروع ہو جائیں گے۔ اس لیے دوپہر سے پہلے تیار ہو جانا۔۔ حویلی کی بڑی بہو ہو تم۔۔ سب تم سے ملنا چاہیں گے۔۔ جب تم یہاں نہیں تھی سب تمھارے بارے میں پوچھتے تھے۔۔

اس لیے آج وقت پر تیار ہو کر سب سے اچھی طرح ملنا۔ آپ یہاں پر حور سلطان شاہ نہیں حور ارحام خانزادہ ہیں۔

ویسے بھی بہت سے مہمان آپ سے عجیب و غریب باتیں بھی کریں گے گل کا حوالہ بھی دیں گے۔۔ اس لیے ضبط سے سب کی باتیں سنیے گا۔۔ اس سب میں میرا قصور ثابت مت کرتی پھر نب غلطی تمھاری تھی۔۔

۔ارحام سرد و سپاٹ لہجے میں بولتے بیڈ سے اٹھا تھا۔۔۔گل والی بات پر وہ غصے سے بیڈ سے اٹھتے اس کے مقابل آئی تھی۔

کیا مطلب گل کا حوالہ مجھے کیوں دیں گے۔۔اب آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے سب یہ بات جانتے ہیں۔حور نے ارحام کی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے سوال کیا۔اس کے سرد و سپاٹ رویے پر حور کی آنکھیں سی پل نم ہوئی تھیں۔

گل کا تعلق مجھ سے ہے نہیں مگر کبھی تھا۔اور وہ پریذے کی ماں ہے۔۔جتنے بھی رشتے دار خواتین آئیں گی۔وہ گل کی بھی رشتے دار ہیں۔بلکہ مجھ سے زیادہ ان کا گل سے قریبی رشتہ ہے۔۔اس لیے وہ تم پر ٹونٹ بھی کریں گی۔

۔جب تم یہاں نہیں تھی تو سب یہی سمجھ رہی تھیں کہ میں پریذے کے لیے گل کو دوبارہ اپنا رہا ہوں۔۔ گل بختاور خان سے شائد علیحدہ ہو چکی ہے۔وہ بختاور خان کے ساتھ نہیں بلکہ اپنی حویلی میں رہ رہی ہے۔۔اس لیے سب کو یہی لگ رہا تھا۔

ہو سکتا ہے آج ایسی کوئی بات ہو۔۔اس لیے خود پر قابو رکھنا۔۔میں نہیں چاہتا بہرام کے عقیقے پر کوئی بدمزگی ہو۔ارحام نے اسے سرد لہجے میں تنبیحیہ کی۔

اگر گل بختاور خان کے ساتھ نہیں رہ رہی تو اپنا لیتے اسے۔۔کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔حور چیختے ہوے بولی۔

حور بات کو غلط مطلب مت دو۔۔ میں نے تمھیں وارن کیا ہے۔ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ کل ہم آئے تھے دیکھا تھا کیسا ڈپریسڈ ماحول تھا حویلی کا۔ آج عقیقہ ہے میں نہیں چاہتا لاونج میں کسی بھی بات سے تماشہ لگے۔

غلطی ہو گئی میں یہاں آئی۔۔ آج عقیقے میں آپ کو چاہیے تھا گل سے نکاح بھی کر لیتے۔ پریذے کو اس کی ماں مل جاتی اور آپ کو آپ کی پہلی محبت۔۔ اور آپ کی حویلی کا ماحول بھی ٹھیک ہو جاتا۔۔ حور غصے سے بولتے کمرے کی کبرڈ کی طرف بڑھی تھی۔

ارحام نے بمشکل خود پر قابو پاتے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔

حور نے الماری سے اپنا ٹرالی بیگ نکالتے اسے بیڈ پر رکھا تھا۔

اسے کھولتے ہوے الماری میں لٹکے اپنے کپڑے اس میں ڈالنے لگی۔

یہ کیا کر رہی ہو؟؟۔۔ارحام نے جبڑے بھینچتے پوچھا۔

جا رہی ہوں میں۔۔مجھے یہاں نہیں رہنا۔کل سے دس بار آپ مجھے جتا چکے ہیں پریذے کی ماما میں نہیں ہوں۔اب پتہ چلا وجہ کیا ہے؟؟حور نے ہینگر سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے سوٹ کیٹ میں غصے سے پٹخے تھے۔

کیا وجہ ہے؟؟اس کے یہاں سے جانے والی بات پر ارحام کی رنگت میں اشتعال کی سرخی گھلی تھی۔وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پا رہا تھا۔

گل بختاور خان کے ساتھ نہیں رہ رہی۔۔۔راستے صاف ہیں۔

جائیں پریذے کو اس کی ماں واپس لٹا دیں۔اور اپنی پہلی محبت کو اپنی حویلی اور اپنے کمرے میں واپس لے آئیں تاکہ آپ کی آنکھوں کی سرخی کم ہو سکے۔۔حور نے بھیگے لہجے میں کہتے بیگ کی زپ بند کی تھی۔۔

ارحام اسے بازو سے جکڑے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

تم حور سلطان شاہ نہیں حور ارحام خانزادہ ہو۔۔ میری عورت میری بیوی اور میں وہی ارحام خانزاہ ہوں جس کی آجازت کے بغیر تم بیڈ سے نہیں اترتی تھی۔۔ یہ تمھاری بھول ہے تم اس حویلی سے میری مرضی کے بغیر قدم نکال سکو گی۔ حویلی سے باہر جانا تو دور کی بات ہے اس کمرے سے ایک قدم نکال کر باہر دکھاؤ۔۔ ارحام اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔

اس کی حویلی سے جانے والی بات پر اس کی دماغ کی رگیں پھڑکی تھیں۔ شریانوں میں خون لاوے کی مانند ابلا تھا۔

جانتی ہوں آپ وہی ارحام خانزادہ ہیں۔ اور میرے لیے ہمیشہ وہی ارحام خانزادہ رہیں گے۔ میں یہ کیوں آخر یہ بھول گئی تھی۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی لہجے میں بولی تھی۔

اس کی بھیگی آنکھوں اور بھیگے لہجے پر ارحام نے جبڑے بھینچتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پایا۔ مگر وہ چاہ کر بھی اپنے غصے پر قابو نہیں پا رہا تھا۔ وہ یہاں سے جانا چاہتی ہے وہ جیسے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔

بھولنا بھی مت۔۔ میں تمھارے لیے ہمیشہ وہی ارحام خانزادہ رہوں گا۔۔ اس لیے اس حویلی سے میری آجازت کے بغیر قدم مت نکالنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اور تمھارے گارڈز کو میں یہاں سے روانہ چکا ہوں۔ اور سلطان شاہ کو بھی کال کر کے بتا چکا ہوں۔ اب تم شاہ مینشن نہیں یہاں ہی رہو گی۔۔ اور میرے ہوتے ہوئے تمھیں کسی گارڈ کی ضرورت

نہیں۔نہ ہی میری حویلی کی دیواریں اتنی چھوٹی ہیں جنھیں تم پھلانگ سکو۔۔ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔

دھوکہ دیا مجھے۔۔بدلنے کا ناٹک کیا میرے ساتھ۔۔ جھوٹ بولا آپ مجھ سے عشق کرتے ہیں۔حور نے ارحام کی سرد و سپاٹ آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

میرا عشق ہی کہتا ہے تمھیں اب کہیں نہ جانے نہ دوں۔ تمھیں اپنے پاس رکھنے سے میرا عشق تمھیں جھوٹ لگتا ہے تو لگتا رہے۔۔ مگر تمھیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔یہ بات یاد رکھنا۔ارحام اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

پاس رہوں گی قریب نہیں آنے دوں گی یاد رکھیے گا۔ حور انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے غرائی تھی۔ اس کے نرم لہجے پر اب حور کی آنکھوں میں شعلے سے لپکے تھے۔

اچھا ایسی بات ہے۔ ارحام نے اس کے انداز پر آئی بروا چکائے تھے۔۔

دوسرے پل ارحام نے اپنے کندھوں سے شال اتارتے اس کے گرد اچھی طرح دی تھی۔ حور نے غصے سے وہ شال اتارنا چاہی۔

حور ڈونٹ۔۔۔۔ سر پر اوڑھو اسے۔۔ ارحام نے سرد لہجے میں حکم دیا۔

ارحام کے حکمیہ لہجے پر حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں

کیا کہہ رہا ہوں میں؟؟ ارحام کی آواز مزید سرد ہوئی تھی.

حور نے اسی لمحے وہ چادر اپنے سر پر اچھی طرح جمائی تھی۔اس کی فرمانبرداری پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ چھائی تھی۔۔وہ اس کا ہاتھ پکڑے کمرے سے نکلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

کمرے کے پاس آکر حور نے بے یقینی سے اس کمرے کو دیکھا تھا وہ اسے اس کمرے میں لے کر جا رہا تھا۔

ارحام نے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے کمرہ لاک کیا۔

حور ڈبڈبائی انکھوں سے اس کمرے کو دیکھ رہی تھی۔

جہاں ہر چیز صرف گل کی تھی۔اس کے پاس یہاں کی کوئی اچھی یاد تک نہ تھی۔

ارحام اس کے وجود سے شال علیحدہ کرتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اپنے بے حد قریب کر گیا تھا۔

حور نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھتے خود کو اس کے وجود کا حصہ بننے سے روکا تھا۔

میرے لیے یہاں گل کا کچھ نہیں ہے۔اس کمرے میں اچھی یادیں ہیں یا بری ہیں وہ صرف تمھاری ہیں۔بہت مضبوط انسان ہوں جس سے ایک بار دل پلٹ جائے۔قیامت بھی آجائے اس کی طرف نہیں پلٹ سکتا۔۔میرے دل سے وہ اتر گئی تھی اور ایسی اتری کہ اس کے ساتھ گزرا کبھی ایک لمحہ بھی یاد نہیں آیا۔۔

میرے دل میں صرف میری حور ہے۔۔جس سے میں عشق کرتا ہوں۔بے پناہ کرتا ہوں۔جس کے لیے میں اس کے آگے جھک سکتا

ہوں۔ جس عورت کے آگے میرا سر جھکا۔ جس عورت کے قدموں کو چھوا وہ صرف تم ہو۔۔ ارحام گھٹنوں کے بل بیٹھتا اس کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھتا اس پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ حور نے روتے ہوے ارحام کو دیکھا تھا۔

ارحام کے لب اس کے پاؤں سے ہوتے اس کی پنڈلیوں کو نرمی سے چھوتے اوپر کی جانب سفر کر رہے تھے۔۔ حور کی آنکھیں گلابی نشیلی ہوئی تھیں۔ وہ بہت نرمی سے اپنے لبوں کی حدود کی تجاوز بڑھا رہا تھا۔ اس کا پاؤں زمین پر رکھتے وہ اس کی کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مضبوط کرتے اس کے پیٹ پر اپنے لب شدت سے رکھ گیا تھا۔ ارحام کے لب سلک کی نائٹی کے اوپر سرکتے اب اس کی دھڑکنوں کو نرمی سے چھو رہے تھے۔ حور کی آنکھیں بند تھیں۔۔ ارحام زمین سے اٹھتے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر گیا تھا۔

حور نے آنکھیں کھولتے ارحام کو دیکھا تھا اس کی خمار زدہ آنکھیں دیکھتے وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

پریذے کی ماما صرف تم ہو میری جان۔۔۔اور ارحام کا عشق بھی صرف تم ہو۔۔جتنے نخرے کرو گی سب اٹھاؤں گا۔جتنے سوال کرو گی سب کے جواب دوں گا۔۔

ماشاللہ امینہ خانم حور کو دیکھتے صوفے سے اٹھیں۔

جو آف وائٹ کلر کلر کی خوبصورت سے لانگ اوپن گاؤن میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ آف وایٹ کلر کا دوپٹہ سر پر سیٹ کیے ہوے زنان خانے

میں داخل ہوئی تھی۔۔میک اپ میں ریڈ بلڈ کلر کی لپ سٹک لگائے ہوے تھی. گلے میں بہت قیمتی موتیوں کا گلو بند پہنا ہوا تھا۔۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔۔۔حور نے امینہ خانم کے قریب آتے انھیں سلام کیا۔

و علیکم اسلام بچہ۔۔۔ماشاءاللہ اللہ نظر بد سے بچائے۔۔ تم تو جنت کا حور ہے۔سچ میں ہمارا ارحام بہت خوش قسمت ہے تم جیسا عورت اس کا مقدر میں آیا۔امینہ خانم نے حور کی پیشانی پر لب رکھے تھے۔۔ابرش جو لاونج میں داخل ہو رہی تھی وہ یہ سب دیکھتے رکی تھی۔امینہ خانم اس دن کے بعد اس سے نپے تپے انداز میں بات کر رہی تھی۔ مگر وہ حور سے بے حد محبت کرتی تھیں یہ اسے کل ہی اندازہ ہو گیا تھا۔۔ابرش گہرا سانس لیتے امینہ خانم

کی طرف بڑھی جو صوفے پر پڑے اپنے پرس سے پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ نکال کر حور کے سر پر سے وار رہی تھیں۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔ ابرش نے امینہ خانم کے پاس جا کر سلام کیا۔

زاران جو مردانے میں داخل ہو رہا تھا۔ اپنی بیوی کے مورے کہنے پر بری طرح چونکا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ اس کی مورے کو مورے پکارا تھا۔ دوسرے پل وہ ابرش کو دیکھ کر مسمرائز ہوا تھا۔

وہ ڈل گولڈن کلر کی بے حد سٹایلش سی میکسی میں ملبوس تھی۔ جس پر گولڈ کا ہیوی چوکر پہنا ہوا تھا۔ سر پر ماتھا پٹی لگائے ہوئے دوپٹہ سر پر دلہن کے انداز میں سیٹ کیے ہوئے تھی۔۔ وہ بلکل دلہن کی طرح تیار تھی۔ نیوڈ کلر کی کریمی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔ آنکھوں پر ڈل گولڈن شیڈ لگایا ہوا تھا۔ گھنیری پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیا ہوا تھا۔ عارض پر گلٹر لگائے ہوئے

تھی۔۔وہ دھمک رہی تھی۔۔زاران کے دل کی دھڑکنین بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔وہ اپنے ولیمے کا ڈریس پہنے ہوے تھی۔۔زاران گہرا مسکرایا تھا۔وہ بلکل ایک دلہن کی طرح کیوں تیار تھی وہ یہ بھی جانتا تھا۔وہ جتنا مرضی اس کی قربت میں شرما لے۔مگر اس کی بیوی ہمیشہ اسے اپنی پناہوں میں قید کر کے رکھنا چاہتی تھی۔۔یقیناً وہ ایک دلہن کی طرح اس لیے تیار تھی وہ ابھی تک اس کے لیے کبھی اس طرح اتنا تیار نہیں ہوئی تھی۔۔بہرام کے عقیقے پر وہ اپنی یہ حسرت بھی پوری کر رہی تھی۔۔زاران کے لبوں پر اب ہنسی کی جلترنگ گونج۔۔سامنے کھڑی اس کی بیوی آخر کیا تھی وہ؟۔۔۔اتنی شدت سے وہ کیسے اس سے محبت کر سکتی تھی؟؟کیا بیوی اتنی بھی محبت کرتی ہے اسے اس بات کا اندازہ نہ تھا۔اس کا ہر انداز اس

سے گہری محبت ظاہر کرتا تھا۔ وہ اس کی وجہ سے اب اس کے رشتوں کے آگے بھی جھک رہی تھی۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھا وہ قریب سے اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ یکدم اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔۔

امینہ خانم اسے سنجیدگی سے سلام کا جواب دیتے اس کی طرف سے رخ موڑ کر حور کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

ابرش کی آنکھیں اسی پل بھیگی تھیں۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

زاران نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے امینہ خانم کو سنجیدگی سے دیکھا ۔اسے امینہ خانم کا رویہ بلکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس کی مورے کیسے اس کی

بیوی کے ساتھ یہ رویہ رکھ سکتی تھیں۔۔اگر حور کے سر سے پیسے وارے تھے تو ابرش کے سر پر سے وار دیتی۔انہوں نے تو اسے مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔۔ابرش کتنی حساس تھی وہ جانتا تھا۔۔وہ کتنے دنوں سے دیکھ رہا تھا وہ امینہ خانم کے کمرے میں ان کے لیے رات دودھ تک لے کر جا رہی تھی۔۔کچن کے کام بھی کرنے لگی تھی۔شام کا قہوہ بھی وہ سب کے لیے بنا رہی تھی۔وہ جانتا تھا وہ یہ سب کچھ صرف اس کی وجہ سے کر رہی تھی۔۔زاران امینہ خانم کو سنجیدگی سے دیکھتے کچن کی طرف بڑھا۔

زاران بھاری قدموں سے اظطراری انداز میں کچن میں داخل ہوا تھا۔ وہ شیلف کے پاس کھڑی اپنے کا مدار دوپٹے سے بھیگی آنکھیں رگڑ رہی تھیں

۔۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتا اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف موڑ گیا تھا

ابرش اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

زاران۔۔ آپ۔۔۔ ابرش نے زاران کے سینے پر ہاتھ جماتے اس کی براؤن آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکائی تھیں۔

زاران نے اس کی ٹھوڑی پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا

کبھی میری نظروں سے خود کو دیکھا ہے کیا؟؟زاران نے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران کی آنکھوں میں جھانکا۔

آج کل وہ رومانس کے علاوہ کچھ اور نہ کرتا تھا نہ کہتا تھا۔وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے وہ بتاتا ہی نہیں تھا۔وہ اس کے لبوں سے اپنی تعریف محبت میں گندھے لفظ سننے کی تمنائی تھی۔

دیکھنا بھی مت ورنہ بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑنے کا دل کرے گا۔ زاران نے اپنی مسکراہٹ دبائے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔۔

ابرش زاران کی بات پر اسے غصے سے خود سے دور دھکیلتی پیچھے ہوئی۔

زاران اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا۔

کتنے پیسے وارے تھے مورے نے حور بھابھی پر؟؟ پچاس ہزار ایک لاکھ دو لاکھ تین لاکھ یا پانچ لاکھ۔۔۔ زاران نے کہتے اپنی قمیض کی پاکٹ سے پانچ لاکھ کی گڈی نکالتے ابرش کے سر سے واری تھی۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے زاران کو دیکھا۔ زاران نے وہ نوٹوں کی گڈی ابرش کی ہتھیلی پر رکھی۔۔ کسی بھی مستحق کو اپنے ہاتھوں سے دے دینا۔ ابرش گہرے سانس لیتے بے یقینی سے زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لمحے وہ گہرے سانس لیتے زاران کے کشادہ سینے میں سماتے شدت سے رو دی تھی۔۔

اب تم یہ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کرتی رہتی ہو کہ کہیں مورے میری دوسری شادی نہ کروادیں۔ زاران نے اسے اپنے سینے میں بھینچتے کہا۔

ابرش اس کی بات پر اس کے سینے سے جھٹکے سے علیحدہ ہوتی اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔

تمھیں کیا لگتا ہے مسٹر خانزادہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تمھاری مورے تمھاری دوسری شادی کروادیں گی۔ ڈرنا مجھے نہیں تمھیں چاہیے۔۔ اگر تم نے ایسا کچھ سوچا اپنی مورے کی کسی بھی ایسی بات پر ہامی بھری میں تمھارے کھانے میں زہر ملا کر تمھیں دے دوں گی۔ ابرش اس کا گریبان جکڑتے اس کی آنکھوں میں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے شرر بار لہجے میں لہجے میں بولے۔۔

زاران اس کے انداز پر اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔ بہت دنوں بعد اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے بھیگی بلی بنی ہوئی تھی۔۔۔ اس کے آپ کہنے پر وہ چڑنے لگا تھا۔ رات بھر اکیلا محنت کر کر کے بھی وہ اب بور ہونے لگا تھا۔ منتقم مزاج بندہ تھا اپنی بیوی کی فل پارٹیسپینٹ چاہیے تھی۔۔

میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا۔۔۔۔

تم سوچ سکتے نہیں مسٹر خانزادہ ابرش پاشا نام ہے میرا تم مجھے جانتے نہیں ۔۔۔ وہ حال کروں گی تمھارا تم نے کبھی کسی دوسری عورت سے ہاتھ بھی ملایا۔ تمھارا کسی عورت سے مجھے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں۔۔ آئیندہ اس بات کا بھی خیال رکھنا۔۔ ابرش اس کا گریبان اور سختی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے بولی۔۔ زاران اس کے انداز پر اسے کمر سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

کسی دوسری عورت کے بارے میں کبھی نہیں سوچوں گا۔جب تک تم بے شرم ہو۔۔ مگر آج کل تو تم۔۔۔۔زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا اپنی بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

اچھا تو تمھیں میری بے شرمی پسند ہے؟ ابرش گہرے سانس لیتے اس کے پاؤں پر کھڑی ہوئی تھی۔۔

زاران اس کے انداز پر حیران ہوا تھا۔وہ اپنے ہیل والے پاؤں اس کے شوز پر رکھتے اس کا گریبان پکڑے اس کے قریب ہوتے اسے شعلہ بار بھیگی نگاہوں سے گہری سانس لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

دوسرے لمحے وہ اس کے ہونٹوں پر جھکی اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑ گئی تھی۔زاران اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔وہ اپنا پورا وزن اس پر ڈالے

اس کا گریبان جکڑے اس کے ہونٹوں کو اپنے لبوں سے کھینچ رہی تھی۔۔زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

ابرش اس کی سانسیں انہیل کرتے اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں میں دبا گئی۔۔

زاران کی گرفت اس کی کمر پر مضبوط ہوئی تھی۔۔ابرش کی بے رحمی اس کے لبوں پر بڑھی تھی۔۔

ابرش اس کے نچلے لب پر زخم دیتے پیچھے ہوئی۔ مگر اس کے کالر کو اپنی مٹھیوں سے آزاد نہیں کیا تھا۔

اب بتاؤ اتنی بے شرمی کافی ہے یا پھر کہیں اور بھی تمھیں اپنی بے شرمی دکھاؤں۔۔ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چٹختے ہوے بولی۔۔

زران تو خمار زدہ آنکھوں سے اس کا جنگلی ایکٹ دیکھ رہا تھا۔۔ ابرش اس کی گردن پر جھکتے وہاں اب دانت گاڑھ گئی تھی۔ وہ اس کی گردن پر جگہ جگہ اپنے لب رکھتے اب دانت گاڑھ رہی تھی۔۔ زاران مسکراتے ہوے اسے کمر سے جکڑے ہوے اس کے جنگلی وار سہہ رہا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے پیچھے ہوے تھی۔۔ اب بتاؤ اور کہاں بے شرمی دکھاؤں تمھیں۔۔ ابرش ن لفظ چباتے اس کی قمیض کے بٹن کھلولتے اس کے سینے پر جھکتے اپنے لب رکھتے اس کا سینہ اپنے دانتوں سے سرخ کرنے لگی۔۔ زاران اسے کمر سے جکڑے شیلف کے ساتھ ٹیک لگائے اسے خود میں مزید بھینچ چکا تھا۔۔

امینہ خانم لاونج میں داخل ہوتے بری طرح چونکی تھیں۔ ارحام صوفے پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرہ سرد سپاٹ تھا۔ وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس کندھوں پر مردانہ شمال ڈالے ہوے تھا۔ اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے۔۔ وہ حور کی موجودگی میں کمرے سے باہر نکلتا نہیں تھا۔ ناشتہ تک کمرے میں حور کے ساتھ کرتا تھا۔۔ گل کے لیے ایسا نہیں تھا وہ صبح سویرے کمرے سے باہر نکل آتی تھی۔ وہ جانتی تھی ارحام حور سے شدید محبت کرتا ہے۔۔ اس کی غیر موجودگی میں حویلی بھی بہت کم آیا تھا۔ وہ تورات سے بہت خوش تھیں کہ اب ان کا ارحام کہیں نہیں جائے گا۔۔ مگر اسے یہاں بیٹھے دیکھ کر ان کا دل بہت بری طرح پریشان ہوا تھا۔

وہ پریشانی سے ارحام کی طرف بڑھیں۔ ارحام۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا ہے بچہ ادھر کیوں بیٹھا ہے؟؟ کمرے میں آرام کیوں نہیں کر رہا؟؟ امینہ خانم کی

آواز پر ارحام سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا صوفے سے اٹھتا امینہ خانم کے احترام میں کھڑا ہوا۔ اسلام و علیکم مورے۔۔۔ ارحام نے احتراما سلام کرتے عقیدت سے ان کے ہاتھ پکڑتے ان کی ہتھیلیاں نرمی سے چومیں۔

خوش رہو میرا بیٹا۔۔ امینہ خانم نے ارحام کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تو ارحام تھوڑا سا جھکا تھا۔ امینہ خانم نے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

ارحام مسکراتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ وہ اس کی ماں نہ ہوتے ہوئے بھی اسے زاران اور شہرام سے کہیں زیادہ چاہتی تھیں۔ بلکہ بے حد چاہتی تھیں۔۔

تم یہاں کیوں بیٹھا ہے ؟؟ میرا دل پریشان ہو رہا ہے تمھیں ایسے ادھر دیکھ ؟؟ کیا ہوا ہے حورا بھی تک تم سے ناراض ہے۔ امینہ خانم نے اس کی گھنی بیرڈ والے عارض پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔

ایسی کوئی بات نہیں اندر دل گھبرا رہا تھا۔ اس لیے ادھر آ گیا۔ ویسے بھی مجھے تھوڑی دیر کے لیے نکلنا ہے۔ ارحام سنجیدگی سے بولا۔۔ کیا تم پھر اسلام آباد جا رہا ہے ؟؟ اب تو حور بھی آ گیا ہے۔۔ پھر تم اتنی جلدی اسلام آباد کیوں جا رہا ہے۔ امینہ خانم ڈیڈ بائے لہجے میں بولی۔ وہ پھر سے جا رہا تھا وہ پریشان ہوئی تھیں۔ ارحام امینہ خانم کے سوال پر مسکرایا تھا۔ مورے میں کہیں نہیں جا رہا۔ اس بار ایک مہینہ ادھر رکوں گا۔ آج اپنے فارم ہاوس میں بہرام کے آنے کی خوشی میں بہت بڑی پارٹی دے رہا ہوں میں۔۔ میرا بھتیجا آیا ہے شہرام کا بیٹا میرا بیٹا ہے۔ آج پورے سوات کو میں نے بلایا ہے۔۔ اس کے انتظامات دیکھنے ہیں۔ میں اور زاران فارم ہاؤس کے لیے ہی نکلنے والے ہیں۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ اچھا اچھا میں تو ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا۔ شہرام کا بیٹا تو تمھارا بیٹا ہے ہی۔۔۔ لیکن ہمارا خواہش ہے

اللہ تم کو بھی اب بیٹا دے تمھارا خاندان مکمل ہو جائے۔ امینہ خانم نے دعا دی۔۔ انشاء اللہ مورے۔۔ ارحام مسکرایا تھا۔ لالا۔۔۔ آپ کے لیے کافی لادوں آپ رات سے جاگ رہا ہے۔۔ درخشاں نے لاونج میں داخل ہوتے کہا۔ رات سے جاگ رہا یہ کیا بکواس کر رہا ہے تم ؟؟۔۔ کیسا بے شرمی کا باتیں کر رہا ہے ؟؟۔ مینہ خانم نے درخشاں کو گھورا۔۔ وہ ارحام کے جاگنے کا مطلب کچھ اور سمجھیں تھیں۔

خانم بی لالا رات بھر ادھر لاونج میں بیٹھا لالا رات سگریٹ پیتا رہا۔ ہم تو وہ بات کر رہا تھا۔۔ درخشاں سرخ چہرے کے ساتھ آہستگی سے بولی۔۔

درخشاں کی بات پر ارحام نے اسے گھورتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی گھنی بیرڈ مسلی۔ ارحام تم رات بھر یہاں تھا تم حور کے ساتھ نہیں تھا۔ امینہ خانم نے بے یقینی سے پوچھا۔

مورے۔۔۔وہ پریزے کے ساتھ سوئی تھی۔۔پریزے بہت خوش تھی

اس لیے میں نے خود ہی کہا وہ پریزے کے ساتھ آج رات رکے۔۔ارحام

نے سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنا سگریٹ لائٹر سگ سلگائے لبوں

میں دبایا۔۔ارحام یہ کیا بات ہوا؟؟وہ اتنا مہینہ بعد حویلی آیا ہے اور

پریزے کے پاس سو گیا۔۔ایسا تو نہیں ہوتا۔اس کا مطلب ہے وہ ابھی بھی

تم سے خفا ہے۔۔امینہ خانم نے صوفے پر بیٹھتے پریشانی سے کہا۔

ارحام بنا کوئی جواب دیے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

دیکھو ارحام۔۔۔وہ کم عمر ہے خوبصورت ہے اتنا بڑے باپ کا بیٹی ہے۔۔

اس میں نخرہ ہو گا۔پھر وہ عورت ہے بیوی ہے۔ایک بیوی میں نخرہ آجاتا

ہے جب اس کو پتہ ہو اس کا شوہر اس پر جان چھڑکتا ہے۔اس کا ناں میں ہاں

ہوتا ہے۔۔اگر وہ ادھر تمھارے ساتھ اپنا مرضی سے آیا ہے تو اس کا کیا

مطلب ہوا وہ تمھارا ساتھ رہنا کا واسطے آیا ہے۔۔ وہ کم عمر ہے۔۔ تم تو نہیں ہے۔ عورت کو کیسے رکھتا ہے تم کو تو معلوم ہونا چاہیے۔۔۔ تمھارا زندگی میں دو دو عورتیں آیا ہے۔ جہاں نرمی برتنا ہو وہاں نرمی برتنا چاہیے۔۔ جہاں سختی کرنا ہو وہاں سختی کرنا چاہیے۔۔ مگر سختی اتنا بھی نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ٹوٹ جائے۔۔ اس میں اکڑ آجائے۔۔ کتنا سختی کرتا رہا تم حور پر۔۔۔ کیا ہوا؟۔ وہ چلی گئی ناں؟؟ جھکا تو پر وہ تم ہی اس کے آگے۔۔ کیونکہ وہ عورت تمھارے لیے تمھارا سب کچھ ہے تو ابھی بھی اس کا آگے جھک جاؤ۔۔ جو کہتی ہے وہ مان لو۔۔۔ اس کا نخرے اٹھاؤ۔۔ وہ اتنا بڑے باپ کا بیٹا ہے اس سے آگے وہ تم سے کیا چاہے گا کہ تم اس کا نخرہ اٹھاؤ اس سے بہت پیار کرو۔ اس کا باتوں پر غصہ کرنا کی بجائے اس کا دل ٹٹولو۔۔ یقینا اس کا دل میں بہت شکوہ ہو گا۔۔

امینہ خانم نے سنجیدگی سے ارحام کو سمجھایا۔ ارحام سگریٹ سلگائے سنجیدگی سے گہرے کش لیتا غیر مرتی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اسی اثناء میں حور لاونج میں داخل ہوئی تھی۔

ماشاللہ امینہ خانم حور کو دیکھتے صوفے سے اٹھیں۔ ارحام کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔۔ حور کی طرف نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔۔

جو آف وائٹ کلر کلر کی خوبصورت سے لانگ اوپن گاؤن میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ آف وایٹ کلر کا دوپٹہ سر پر سیٹ کیے ہوے زنان خانے میں داخل ہوئی تھی۔۔ میک اپ میں ریڈ بلڈ کلر کی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔ گلے میں بہت قیمتی موتیوں کا گلوبند پہنا ہوا تھا۔ جو ارحام نے اس کے لیے خریدا تھا۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔۔۔۔ حور نے امینہ خانم کے قریب آتے ایک نظر ارحام کو دیکھتے تھا۔ اللہ اپنا حفاظت میں رکھے۔۔ امینہ خانم نے ارحام کی پشت کو دیکھتے کہا۔ حور بھیگی آنکھوں سے ارحام کی پشت کو دیکھ رہی تھی جس نے ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا تھا وہ تو صرف اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔

و علیکم اسلام بچہ۔۔۔ ماشاء اللہ اللہ نظر بد سے بچائے۔۔ تم تو جنت کا حور ہے۔ سچ میں ہمارا ارحام بہت خوش قسمت ہے تم جیسا عورت اس ارعام بہت قسمت ہے تم جیسا عورت اس کا مقدر میں آیا۔ امینہ خانم نے حور کی طرف متوجہ ہوتے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔۔ ابرش جو لاونج میں داخل ہو رہی تھی وہ یہ سب دیکھتے رکی تھی۔ امینہ خانم اس دن کے بعد اس سے بنے تے انداز میں بات کر رہی تھی۔ مگر وہ حور سے بے حد محبت کرتی تھیں

یہ اسے کل ہی اسلام و علیکم مورے۔۔۔ ابرش نے امینہ خانم کے پاس جا کر سلام کیا۔

زاران جو مردانے میں داخل ہو رہا تھا۔ اپنی بیوی کے مورے کہنے پر بری طرح چونکا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ اس کی مورے کو مورے پکارا تھا۔ دوسرے پل وہ ابرش کو دیکھ کر مسمرائز ہوا تھا۔ وہ گرے کلر کی بے حد سٹائلش سی میکسی میں ملبوس تھی۔ جس پر گولڈ کا ہیوی چوکر پہنا ہوا تھا۔ سر پر ماتھا پٹی لگائے ہوئے دوپٹہ سر پر دلہن کے انداز میں سیٹ کیے ہوئے تھی۔۔ وہ بلکل دلہن کی طرح تیار تھی۔ نیوڈ کلر کی کریمی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔ آنکھوں پر گرے سموکی میک آپ کیا ہوا تھا۔ گھنیری پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیا ہوا تھا۔ عارض پر ہائی لائیٹر لگائے ہوئے تھی۔۔ وہ چاند کی مانند دھمک رہی تھی۔۔ زاران کے دل کی دھڑکنین بری طرح زاران

کے دل کی دھڑکنین منتشر ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ولیمے کا ڈریس پہنے ہوے تھی۔۔ زاران گہرا مسکرایا تھا۔ وہ بلکل ے گہرا وہ ایک دلہن کی طرح کیوں تیار تھی وہ یہ بھی جانتا تھا۔ وہ جتنا مرضی اس کی قربت میں شرمائے۔ مگر اس کی بیوی ہمیشہ اسے اپنی پناہوں میں قید کر ہمیشہ اپنی پنا کے رکھنا چاہتی تھی۔ یقیناوہ ایک دلہن کی طرح اس لیے تیار تھی وہ ابھی تک اس کے لیے کبھی اس طرح اتنا تیار نہیں ہوئی تھی۔۔ نہ ہی اس نے ولیمے والے دن اپنا حق لیا تھا۔ آج وہ ایک دلہن کی طرح اس کی بانہوں میں اس کے حقوق ادا کرنا چاہتی تھی بہرام کے عقیقے پر وہ اپنی یہ حسرت بھی پوری کر رہی تھی۔۔ زاران کے لبوں پر اب ہنسی کی جلترنگ گو بھی۔۔ سامنے کھڑی اس کی بیوی آخر کیا تھی وہ؟۔۔۔ اتنی شدت سے وہ کیسے اس سے محبت کر سکتی تھی؟؟ کیا بیوی اتنی بھی محبت کرتی ہے اسے اس بات کا اندازہ نہ تھا۔ اس کا ہر انداز

اس سے گہری محبت ظاہر کرتا تھا۔ وہ اس کی وجہ سے اب اس کے رشتوں کے آگے بھی جھک رہی تھی۔۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھا وہ قریب سے اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ یکدم اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔۔۔۔۔۔۔

امینہ خانم اسے سنجیدگی سے سلام کا جواب دیتے اس کی طرف سے رخ موڑ کر حور کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

ابرش کی آنکھیں اسی پل بھیگی تھیں۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

زاران نے اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے امینہ خانم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

اسے امینہ خانم کا رویہ سے کا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس کی مورے کیسے اس کی بیوی کے ساتھ یہ رویہ رکھ سکتی تھیں؟؟۔۔ اگر حور کے سر سے پیسے وارے تھے تو ابرش کے سر پر سے بھی وار دیتی۔ انہوں نے تو اسے مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔۔ ابرش کتنی حساس تھی وہ جانتا تھا۔ وہ کتنے دنوں سے دیکھ رہا تھا وہ امینہ خانم کے میں ان کے لیے راہ امینہ خانم کے کمرے میں ان کے لیے رات دودھ تک لے کر جا رہی تھی۔۔۔ کچن کے کام بھی کرنے لگی تھی۔ شام کا قہوہ بھی وہ سب کے لیے بنا رہی تھی۔ مگر امینہ خانم کا رویہ اتنا ہی سرد اور خشک تھا۔۔ وہ جانتا تھا وہ یہ سب کچھ صرف اس کی وجہ سے کر رہی تھی۔ زاران امینہ خانم کو سنجیدگی سے دیکھتے بچن کی طرف بڑھا۔

زاران بھاری قدموں سے اظطراری انداز میں کچن میں داخل ہوا۔۔ وہ شیلف کے پاس کھڑی اپنے کامدار دوپٹے سے بھیگی آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتا اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف موڑ گیا تھا ابرش اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

زاران۔۔۔۔ آپ۔۔۔ ابرش نے زاران کے سینے پر ہاتھ جماتے اس کی براؤن آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکائیں۔۔ اس کی گہری نگاہوں سے دیکھنے پر پلکیں خود ہی عارض پر سایہ فگن ہوئیں۔

نن۔۔۔۔ نہیں۔۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران کی آنکھوں میں جھانکا۔ آج کل وہ رومانس کے علاوہ کچھ اور نہ کرتا تھا نہ کہتا تھا۔ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے وہ بتاتا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کے لبوں سے اپنی تعریف اس

کی محبت میں گندھے لفظ سننے کی تمنائی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی وہ جتنی شدت سے قربت کے لمحات میں اس پر اپنی جنون خیزیاں نچھاور کرتا تھا کیا اتنی محبت بھی کرتا تھا۔ اس دن فارم ہاؤس بلکہ امریکہ سے آنے کے بعد ایک بار بھی اس سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے تو نکاح کے بعد شائد کبھی محبت کا اظہار کیا ہی نہیں تھا۔۔۔ ہاں نکاح سے پہلے بہت بار اپنی محبت کا اظہار کر چکا تھا۔

دیکھنا بھی مت ورنہ بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑنے کا دل کرے گا۔

زاران نے اپنی مسکراہٹ دبائے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔۔

ابرش زاران کی بات پر اسے غصے سے خود سے پر دور دھکیلتی پیچھے ہوئی۔

زاران اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا۔

کتنے پیسے وارے تھے مورے نے حور بھابھی پر؟؟ پچاس ہزار ایک لاکھ دو لاکھ تین لاکھ یا پانچ لاکھ۔۔۔ زاران نے کہتے اپنی فیمن کی پاکٹ سے پانچ لاکھ کی گڑی نکالتے ابرش کے سر سے داری تھی۔۔ ابرش نے بھیگی آنکھوں سے زاران کو دیکھا۔ زاران نے وہ نوٹوں کی گڈی ابرش کی ہتھیلی پر رکھی۔۔ کسی بھی مستحق کو اپنے ہاتھوں سے دے دینا۔ ابرش گہرے سانس لیتے سے دے دینا۔ بے یقینی سے زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لمحے وہ گہرے سانس لیتے زاران کے کشادہ سینے میں سماتے شدت سے رو دی تھی۔۔ زاران اسے اپنے کشادہ سینے میں مزید سختی سے بھینچ گیا تھا۔

اب تم یہ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کرتی رہتی ہو کہ کہیں مورے میری دوسری شادی نہ کروادیں۔ زاران نے اسے اپنے سینے میں بھینچتے سنجیدگی سے کہا۔

ابرش اس کی بات پر اس کے سینے سے جھٹکے سے علیحدہ ہوتی اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔

تمھیں کیا لگتا ہے مسٹر خانزادہ؟؟ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تمھاری مورے تمھاری دوسری شادی کروادیں گی۔ ڈرنا مجھے نہیں تمھیں چاہیے اگر تم نے ایسا کچھ سوچا اپنی مورے کی کسی بھی ایسی بات پر ہامی بھری میں تمھارے کھانے میں زہر ملا کر تمھیں دے دوں گی۔ ابرش اس کا گریبان جکڑتے اس کی آنکھوں میں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے شرربار لہجے میں لہجے میں بولے۔۔

زاران اس کے انداز پر اپنی مسکراہٹ دیا گیا تھا۔ بہت دنوں بعد اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے بھیگی بلی بنی ہوئی تھی۔۔۔ اس کے آپ کہنے پر وہ چڑنے لگا تھا۔ رات بھر اکیلا محنت کر کر کے بھی وہ اب بور ہونے لگا تھا۔ منتقم مزاج بندہ تھا اپنی بیوی کی فل پارٹیسپینٹ چاہیے تھی..

میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا۔۔۔ تم سوچ سکتے بھی نہیں مسٹر خانزادہ ابرش پاشا نام ہے میرا تم مجھے جانتے نہیں۔۔۔ وہ حال کروں گی تمھارا تم نے بھی کسی دوسری عورت سے ہاتھ بھی ملایا۔ تمھارا کسی عورت سے مجھے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں۔۔ آئیندہ اس بات کا بھی خیال رکھنا۔۔ ابرش اس کا گریبان اور سختی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چبھاتے بولی۔۔ زاران اس کے انداز پر اسے کمر سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔ کسی دوسری عورت کے بارے میں کبھی نہیں سوچوں گا۔ جب تک تم

بے شرم ہو۔۔ مگر آج کل تو تم۔۔۔۔ زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا اپنی بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔ اچھا تو تمھیں میری بے شرمی پسند ہے؟ ابرش گہرے سانس لیتے اس کے پاؤں پر کھڑی ہوئی تھی۔۔

زاران اس کے انداز پر حیران ہوا تھا۔ وہ اپنے ہیل والے پاؤں اس کے شوز پر رکھتے اس کا گریبان پکڑے اس کے قریب ہوتے اسے شعلہ بار بھیگی نگاہوں سے گہری سانس لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

دوسرے لمحے وہ اس کے ہونٹوں پر جھلی اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑ گئی تھی۔ زاران اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔ وہ اپنا پورا وزن اس پر ڈالے اس کا گریبان جکڑے اس کے ہونٹوں کو اپنے لبوں سے کھینچ رہی تھی۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا۔۔ وہ اس کی بیوی اس کے پاؤں پر کھڑی اس کا۔ گریبان جکڑے اس کی سانسیں انہیل

کر رہی تھی۔۔ وہ اسے کمر سے جکڑے ہوے تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا شیلف سے جا لگا تھا ابرش اس کی سانسیں انہیں ابرش اس کی سانسیں انہیں کرتے اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں میں دبا گئی۔۔ زاران کی گرفت اس کی کمر پر مضبوط ہوئی تھی۔۔ ابرش کی بے رحمی اس کے لبوں پر بڑھی تھی۔۔

ابرش اس کے نچلے لب پر زخم دیتے پیچھے ہوئی۔ مگر اس کے کالر کو اپنی مٹھیوں سے آزاد نہیں کیا تھا۔ نہ اس کے شوز سے اپنے پاؤں ہٹائے تھے۔ اب بتاؤ اتنی بے شرمی کافی ہے یا پھر کہیں اور بھی تمھیں اپنی بے شرمی دکھاؤں۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چھتے ہوے بولی۔۔ زران تو خمار زدہ آنکھوں سے اس کا جنگلی ایکٹ دیکھ رہا تھا۔۔ ابرش اس کی گردن پر جھکتے وہاں اب دانت گاڑھ گئی تھی۔ وہ اس کی گردن پر جگہ جگہ اپنے لب رکھتے اب دانت گاڑھ رہی تھی زاران مسکراتے ہوئے اسے کمر سے جکڑے

ہوے اس کے جنگلی وار سہہ رہا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے پیچھے ہوئی۔

اب بتاؤ اور کہاں بے شرمی دکھاؤں تمھیں ؟؟۔۔ ابرش لفظ چباتے اس کی قمیض کے بٹن کھولتے اس کے سینے پر جھکتے اپنے لب رکھتے اس کا سینہ اپنے دانتوں سے سرخ کرنے لگی۔۔ زاران اسے کمر سے جکڑے شیلف کے ساتھ ٹیک لگائے اسے خود میں مزید بھینچ چکا تھا۔۔

ابرش اس کا سینہ سرخ کرتے پیچھے ہوئی۔۔ اس کا گریبان ابھی تک نہیں چھوڑا تھا۔

تمھیں بے شرم بیوی چاہیے بے شرم بن جاؤں گی۔ تمھیں شرم والی بیوی چاہیے تو مجھ سے زیادہ شرم کسی دوسری عورت میں نہیں پاؤ گے۔۔ جس رنگ میں رنگو گے رنگ جاؤں گی۔۔ جو کہو گے جیسا چاہو گے ابرش پاشا ویسی بن جائے گی۔ مگر رہو گے تم صرف میرے یہ یاد رکھنا۔ تمھیں ساری عمر

صرف ایک عورت پر اکتفا کرنا ہو گا وہ ہے ابرش پاشا۔۔ ابرش اس کا گریبان جکڑے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔۔ وہ ضرورت سے زیادہ شدت پسند تھی اسے لے کر دوسری عورت کا مذاق بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔ یہاں تو مجھے دوسری عورت سے بچالو گی۔۔ مرنے کے بعد کیا کرو گی؟؟۔۔ ستر حوروں کو میرے قریب آنے سے کیسے روکو گی۔۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے اسے اور تنگ کیا تھا۔ اپنی بیوی کی اتنی شدت جلن اسے مزا دیتی تھی۔ اسے وہاں بھی لڑ جاؤں گی۔۔ مگر کسی کو تمھارے قریب نہیں آنے دوں گی۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو دوزخ تمھارا مقدر بنادوں گی۔ وہاں تو کوئی حور نہیں ہو گی۔۔ بیٹھ کر وہاں جلتے رہنا۔۔ ابرش کی بات پر زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔ اف

یہ ادائیں۔۔۔ کیا کروں گا میں کسی دوسری عورت کے پاس جا کر؟؟۔۔

جب کمپلیٹ پیکج میرے پاس ہو۔ زاران بھاری آواز میں بولتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکا۔۔ اس کی سانسیں اچھی طرح انہیں کرتے ہوئے وہ اس کی گردن پر جھکے اپنی شدت نچھاور کرنے لگا۔۔

ابرش اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔۔ وہ گھنے بالوں میں کی۔ وہ اس کے ساتھ اس انداز میں لیٹے ہوئے تھی کہ وہ اس کی ناز کی محسوس کرتے مزید بہکے۔۔۔۔۔۔۔

اللہ اللہ۔۔۔ درخشاں بچن میں داخل ہوتے آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی۔

زاران جلدی سے ابرش سے دور ہوا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ درخشاں کو دیکھ رہی تھی۔۔ وہ بیچاری آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔۔

بیوی مجھے اتنی بے شرمی نہیں چاہیے۔۔ جو اس دن فارم ہاوس میں ہوا مجھے اتنی بے شرمی ہر رات چاہیے۔۔۔ زاران اس کے کانوں میں جھکے سرگوشی کرتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ زاران کی بات پر ابرش کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔ اتنی بے شرمی وہ اب کیسے دکھا سکتی تھی۔ وہ اپنا نچلا لب بری طرح ک کاٹ گئی۔۔

بھابھی لالا کو کیا ہو گیا ہے ؟؟۔ لگتا ہے زاران لالا میں ارحام لالا کا روح سما گیا ہے۔۔ درخشاں نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

اللہ کرے۔۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں کہتے کھکھلائی تھی۔ درخشاں بھی ابرش کی طرف دیکھتے جوابا کھکھلائی تھی۔ دونوں کی ہنسی بچن میں گونج رہی تھی جو وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ بنا کسی بات کے ہنسے جا رہی تھیں۔

اسفندیار خان سفید شلوار قمیض میں ملبوس بلیک شال کندھوں پر ڈالے حویلی کے زنان خانے میں داخل ہوا۔ ارحام نے اسے خاص طور پر بلوایا تھا۔ کل سے وہ حویلی نہیں آیا تھا۔ اس نے بے چینی سے زنان خانے میں داخل ہوتے عابیر کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔۔ زنان خانے میں مہمان خواتین بھی بیٹھی تھیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے عابیر کے کمرے کی جانب بڑھا۔

اسفند۔۔۔ روزینہ خانم بے تابی سے اسے پکارتے صوفے سے اٹھی تھیں۔ اسفندیار خان ان کی پکار سنی ان سنی کرتا عابیر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ روزینہ خانم کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ وہ دل مسوستے اپنی آنکھیں صاف کرتے صوفے پر بیٹھیں۔ اسفندیار خان عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا کہ شہرام خان سے ٹکرا گیا جو بلیک شلوار قیمض میں ملبوس بلیک ہی مردانہ شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔۔

اسفندیار خان اسے نظر انداز کرتے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

کہاں جا رہے ہو اسفندیار خان ؟؟ شہرام کی سرد اواز پر وہ رکا تھا۔

اپنی بیوی کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ اس سے ملنے اس کے ساتھ کچھ سپیشل وقت گزارنے۔ اور بھی جاننا ہے تمھیں یا اتنی ڈیٹیل کافی ہے۔ کیونکہ ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ سپیشل ٹائم کیسے گزرتا ہے ؟؟ تمھیں تو یقینا پتہ ہو گا۔ کیونکہ اسی نتیجے میں بہرام اس دنیا میں آیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں تمھیں بھی ماموں بننے کی خوشی دے دوں۔ اسفندیار خان طنزیہ بولتے شہرام خان کے مقابل آیا۔۔ میں اس خوشی سے محروم ہی رہنا چاہتا ہوں۔۔ اس لیے جہاں سے آیا ہے وہاں سے چلا جا۔ ورنہ تیرا بچہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم ہو جائے گا۔ شہرام خان اسفندیار خان کی شال پر سے ناگر دیدہ مٹی جھاڑتے طنزیہ بولا۔۔ تجھے ماموں نہیں پسند تو چاچا بن جائیں۔۔ پرسوں

کا سارا دن وہ میرے ساتھ گزار چکی ہے۔۔ ابھی تیرے سامنے اس کے کمرے میں گھنٹون گزاروں گا۔۔ چاہے تو باہر کھڑا ہو کر شور مچایا پھر سب کو بلا کر لا۔۔ کمرے سے نہیں نکلوں گا۔۔ بہت ہوا تو کمرے کا دروازہ توڑتے اندر آجانا۔ اسفندیار خان شہرام کی شال پر سے ناگر دیدہ مٹی جھاڑتے بولا تھا۔ شہرام خان کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔ اسفندیار میں یار خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ مسکراتے ہوے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھتے اس کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہو گیا تھا۔۔۔۔

شہرام خان مٹھیاں بھینچتے عابیر کے کمرے کی طرف بڑھا مہمانوں کی موجودگی کی وجہ سے طرف بھی مہمانوں کی موجودہی کی وجہ سے مٹھیاں بھینچتے خود پر بمشکل قابو پاتے تیز تیز قدموں سے بہارے کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسفندیار خان کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ وہ

کمرے میں نہیں تھی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اسفند یار خان دروازہ کھولتے اپنی بئرڈ پہ ہاتھ پھیرتے واش روم کی طرف بڑھا۔ واش روم کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اسفند یار خان کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔ اسفند واش روم کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔۔

عابیر اسفند یار خان کو دیکھتے بدحواص ہوتے ٹاول سٹینڈ سے ٹاول اتارتے جلدی سے خود پر لپیٹ گئی تھی۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟؟ ہمت کیسی ہوئی آپ کی اندر آنے کی اسفند یار خان۔۔ عابیر گہرے سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ غرائی۔

بیوی ہو میری میری عورت میری عابیر۔۔۔ میں کہیں بھی آسکتا ہوں۔۔ اس کے ہمت کی نہیں بے شرمی اور طاقت کی ضرورت ہے اور تم جانتی ہو

مجھ میں بے شرمی اور طاقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔۔ اسفندیار خان اس کی طرف بڑھتا اس کے گرد دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے محصور کر چکا تھا۔

عابیر کی سانسوں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ گھٹنوں سے اوپر تک آتے ٹاول میں ملبوس تھی جسے اس نے سینے سے ایک ہاتھ سے جکڑا ہوا تھا۔ شاور سے پانی گرتا اسے اور اسفندیار خان کو بھگو رہا تھا۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو گہری ہوتی سانسوں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔

اسفندیار خان نے خمار زدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کے عارض پر چپکی اس کی گیلی لٹیں ہٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

چھونا مت اسفندیار خان۔۔ عابیر ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ جھٹکتے غرائی۔۔

اگر میں نے تمھارے ہاتھوں کو جکڑ لیا تو تم نے تمھارے ہاتھوں یا تو تم جکڑ مشکل میں پڑھ جاؤ گی۔۔ جیسے اس وقت تمھیں اسے دیکھتے مشکل میں پڑ چکا ہوں۔۔ اسفندیار خان نے اس کے ٹاول کی طرف اشارہ کیا جو اس نے مشکل سے ہی اہی ایک ہاتھ سے جکڑا ہوا تھا۔ اسفندیار خان کی بات پر وہ اسے دونوں ہاتھوں سے جکڑ چکی تھی.. اسفندیار خان اس کے ایکٹ پر گہرا مسکرایا تھا۔

بس ہم تمھیں دیکھا کریں بیٹھی رہو آغوش میں اسفندیار خان نے عابیر کے عارض پر چپکی لٹیں نرمی سے پیچھے کیں۔ عابیر غصے سے چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔

جان من جان جاناں

چھوڑیے بھی ستانا

ہم اس جلن میں

کب تک جلیں

اسفندیار خان اس کا جبڑا دبوچتے اس کا چہرہ اپنی طرف کر گیا تھا۔

عابیر اپنے ٹاول کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو اس کا جبڑہ دبوچتے بھیگتے؟ ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے چہرے پر اپنی تپش زدہ سانسیں چھوڑ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے میں گڑھیں تھیں۔

کہنے لگی بے چینیاں

اب دوریاں ہیں مشکل بڑی

سے آپ سے آرزو ہے

آپ سے ہے زندگی ہے

آپ کے بنا ہم کیسے رہیں

اسفند بھاری آواز میں بولتے اس کی گردن پر جھکے بہت شدت سے اس کی گردن کو اپنی جنونی شدتوں سے داغ دار کر رہا تھا۔ عابیر بے بسی سے اس کا جنون برداشت کر رہی تھی۔۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ بے سی کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اب عابیر کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔ عابیر بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔ وہ اسے خود سے دور بھی دھکیل نہیں سکتی تھی۔۔ وہ اپنے ٹاول کو بمشکل سے جکڑے ہوئے تھی وہ کبھی بھی زمین بوس ہو سکتا تھا۔ وہ بری طرح اس کے شکنجے میں پھنسی تھی۔۔ وہ اس کے لبوں کو قندھاری کرتا اس کے ہلکے نیلیے عارض ذدہ گال پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے نقوش چوم رہا تھا۔ عابیر

گہرے سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دور ہٹو اسفندیار خان۔۔ میں آپ سے اپنا کل ہر رشتہ توڑ چکی ہوں۔ عابیر گہرے سانس لیتے چھٹتے ہوے بولی۔۔ اسفند اس کی بات پر اس کا جبڑہ اسی لمحے اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا تھا۔۔

آپ میرے نہیں ہیں یہ میں کل ثابت کر چکی ہوں۔ اس لیے سزا کے طور پر اب میں بھی آپ کی نہیں رہوں گی۔ عابیر بمشکل ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔

تم نے کہا تھا میں یہ ثابت کروں اپنی پاکیزگی۔۔ تو میں تمھیں بتاتا ہوں مسٹرز عابیر خان۔۔۔ اگر تم مجھے بد کردار سمجھ چکی ہو تو میں اپنی مقدس کتاب پر بھی ہاتھ رکھوں گا تم یقین نہیں کرو گی۔ میری پاکیزگی میری سچائی ثبوتوں میں نہیں تمھارے دل میں ہونی چاہیے۔۔۔ اسفندیار خان نے اس

کے دل کے مقام پر انگلی کے مقام پر رکھی۔۔ جیسے تمھاری پاکیزگی کی گواہی میرا دل دیتا ہے۔۔ تمھیں دارم خان کے ساتھ کمرے میں دیکھ کر اس کے ساتھ گاڑی میں دیکھ کر میرے دل تمھاری طرف سے میلا نہیں ہوا کیونکہ تمھاری پاکیزگی یہاں میرے دل میں تھی۔۔ اسفند نے اپنے دل پر انگلی رکھتے کہا۔ اگر ایک ذرے جتنا بھی میل ہوتا میں قسم کھاتا ہوں میں تمھاری جان لے لیتا۔۔۔۔ میں اب بھی تمھیں اپنے کردار کی گواہی نہیں دوں گا۔۔۔ مگر تمھیں چھوڑوں گا کبھی نہیں۔۔۔ جدائی مقدر ہے تو ہنس کر سہہ لوں گا۔ اگر دستبرداری مقدر بنی تو ایک گولی یہاں برداری مقدر بنی تو ایک ماروں گا اسفندیار خان نے اپنی قمیض کی پاکٹ سے پسل نکالتے اس کے دل پر رکھی۔۔ عابیر کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔ وہ اس کے دل کے مقام پر پیسٹل کی نوک رکھتا اسے سرخ سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور دوسری

گولی یہاں اپنے دل پر ماروں گا۔ اسفندیار خان اب اپنے دل کے مقام پر پسٹل رکھ گیا تھا۔ عابیر اپنا ٹاول جکڑے اسے گہری ہوتی سانسوں سے خوفزدہ نگاہوں دیکھ رہی تھی۔ شاور سے نکلتا پانی دونوں کو بھگو رہا تھا۔ زاران سے یہی کہو گی تم میری سزا تمھاری جدائی ہے۔۔ تم مجھے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ اگر ایسا نہ کہا تو قسم کھاتا ہوں اس ہستی کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔۔ تمھاری اور خود کی جان لے لوں گا۔ اسفندیار خان سرد انداز میں بولتا اپنی پسٹل اپنی پاکٹ میں ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا واش روم کا درویزہ کھولتا چلا گیا تھا۔

شہرام بہارے کے کمرے کا دروازہ کھولتے کمرے میں داخل ہوا تو وہ دروازے میں ہی ٹھٹھک کر رکا تھا۔ وہ ڈرسینگ مرد کے آگے کھڑی اپنے

لمبے بالوں کو بیک سے سٹریٹ کر رہی تھی۔ ڈارک میرون کلر کی پیٹی والی لانگ فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر بہت خوبصورت کام ہوا تھا۔ ناف تک آتی ہیوی گولڈ کی مالا پہن رکھی تھی۔ گلے میں گولڈ کا چوکر پہنا ہوا تھا۔ جس میں میرون زرقون جڑے ہوئے تھے۔ کانوں میں زرقون کے بھاری اویزے پہنے ہوئے تھے۔ ماتھے پر خوبصورت سی ماتھا پٹی سجائی ہوئی تھی۔ شانے پر ایک سائیڈ پر ہیوی بارڈر والا دوپٹہ ڈالا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر وہ میرون کلر کی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔ آنکھوں پر سوفٹ سا گولڈن شیڈ لگایا ہوا تھا۔ آنکھوں کے اندر گہرا کاجل لگایا ہوا تھا۔۔ شہرام خان اسے دیکھ کر مسمر ایز ہوتے پتھر کا بت بنا تھا۔ وہ اتنی خوبصورت تو رخصتی کی رات کو بھی نہیں لگی تھی۔ جتنی آج لگ رہی تھی۔۔ آج تو وہ اپنے حسن میں جنت کی حوروں کو مات دے رہی تھی۔۔

شہرام خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے بہارے کی طرف بڑھا۔۔ ڈریسنگ مرر میں شہرام خان کا عکس دیکھ کر بہارے کے سٹیرٹ کرتے ہاتھ ایک پل کے کپکپائے تھے۔۔ بلکہ وہ پوری کی پوری جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔۔۔ دوسرے پل وہ بے نیاز سی بنی اپنے ہاتھوں اور بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پائے اپنا کام کرنے لگی۔۔ شہرام خان اس کے قریب آتے اس کے گرد اپنا حصار قائم کرتے اپنے آہنی ہاتھوں سے ڈریسنگ ٹیبل کو جکڑ گیا تھا۔ وہ اپنے چٹانی چوڑے وجود میں بہارے کو جیسے قید کیا ہوے تھا۔

شہرام خان کا مرر میں عکس دیکھتے اور اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ سٹرونگ خوشبو اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس کرتے بہارے خان کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔۔ اس یونانی دیوتاؤں جیسا حسن رکھنے والے انسان

کی مسحور کن خوشبو سے اس کی سانسیں جیسے رک رہی تھیں۔۔ ہاتھوں میں موجود سٹیر ٹنر بری طرح لرز اٹھا تھا۔۔ اس کا نازک بدن کپکپا کا اٹھا تھا۔

شہرام خان کے تراشیدہ مونچھوں تلے عنابی لب بہارے خان کی سائیڈ گردن کو چھوتے اس کے کان کی لوؤں تک سفر کر رہے تھے۔۔ بہارے کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ وہ اس کے حصار میں بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔ شہرام خان نے مرد میں اس کے خوبصورت عکس کو دیکھتے اس کے کپکپاتے بدن کو حیرت سے دیکھا تھا۔۔ وہ اس کے حصار میں آج پہلی بار کانپ رہی تھی۔۔ اس کے عارض جو سرخ تھے۔ اب وہ زوری مائل ہو رہے تھے۔۔ شہرام خان کو خود کی طرف سنجیدگی سے دیکھتے پا کر بہارے کی کپکپاتی انگلیاں یکدم گرم سٹیریٹز کو چھو گئی تھیں۔۔

سس۔۔۔۔ بہارے نے سٹریٹز ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھتے اپنی انگلی دانتوں تلے دبائی۔۔ شہرام خان اس کا رخ موڑے اس کا ہاتھ پکڑے اس کی جلتی انگلی کو اپنے لبوں میں دبائے گیلا کر گیا تھا۔۔

بہارے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگتے اپنی آنکھیں بیچی گئی تھی۔۔۔ شہرام اس کی بیچی ہوئی آنکھیں دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔۔۔ شہرام خان کی انگلیاں اس کے خوبصورت نقوش پر تھرتھرا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں نیچے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

شہرام خان اس کی نازک کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے ایک جھٹکے سے اپنے قریب کرتے اس کے عارض پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا۔ بہارے خان کا نازک وجود اس کے حصار میں بری کپکپا رہا تھا۔۔ شہرام خان نے اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اس کی پیشانی پر اپنی انگلیاں رکھیں۔ جہاں پسینے کی

بوندیں چمک رہی تھیں۔ بہارے کیا ہوا ہے ؟؟ تم کانپ کیوں رہی ہو ؟؟

اور یہ پسینے کی بوندیں کیوں ؟؟ تمھارے بدن کا ٹمپریچر تو نارمل ہے۔۔

شہرام خان نے پریشانی سے بھاری آواز میں پوچھا۔

نہیں۔۔۔ تو۔۔۔۔ تمھیں۔۔۔۔ ایسے۔۔۔۔ ہی۔۔۔۔ لگ۔۔۔۔

رہا۔۔۔۔ ہے۔ میک اپ۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔ ہے۔ کیا۔ ہے۔۔۔۔ اس۔۔۔۔

لیے۔۔۔۔۔ پسینہ۔۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ رہا۔۔ ہے۔ بہارے نے آنکھیں

کھولتے شہرام خان کی آن آنکھوں میں د دیکھتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے

بمشکل کہا۔ وہ اس کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ پر چونکا تھا۔۔ بہارے اس کے

حصار سے جلدی سے نکلتے ڈریسنگ مرد کی طرف مڑتے اس میں دیکھتے اپنے

میرون لپ سٹک سے سجے ہونٹوں پر وہ دوبارہ سے لپ سٹک لگانے لگی۔ جو

پہلے ہی تیز میرون کلر سے رنگے تھے۔۔۔ وہ اپنے ہونٹوں پر لپ سٹک لگاتے بمشکل اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپا رہی تھی۔

شہرام مرر میں اس کے کپکپاتے وجود کو بغور اسے دیکھتے سٹریٹر اٹھائے اس کے بالوں کو بہت نرمی سے سٹریٹ کرنے لگا۔ یکدم بہارے کی براؤن شفاف بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو سے چمکے تھے۔۔ وہ لپ سٹک ہاتھوں میں پکڑے مرر میں نظر آتے شہرام خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو بہت احتیاط سے اس کے لمبے بالوں کو سٹیرٹ کر رہا تھا۔۔

رہنے دو شہرام خان۔۔۔ مجھے ان بالوں کا جوڑا بنانا ہے۔۔ بہارے لپ سٹک ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے اپنے لمبے گھنے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے کی شکل میں لپیٹ بڑے کی شکل گئی تھی۔۔ شہرام خان سٹریٹر ٹیبل پر رکھتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتا اسے اپنی چوڑی پشت کے ساتھ لگا گیا تھا۔ چھوڑو

مجھے شہرام خان۔۔۔ بہارے اس کے مضبوط ہاتھوں کی جکڑ اپنے پیٹ سے ہٹاتے کاٹ میں لیٹے بہرام کی طرف بڑھی۔ وہ اسے کلائی سے جکڑے ڈریسنگ ٹیبل سے لگا گیا تھا۔ بہارے کی کلائی میں پہنی چوڑیوں کی کھنک پورے کمرے میں گونجی تھیں۔ جانے دو مجھے۔۔۔ بہارے نظریں جھکائے لرزتے لبوں سے بولی۔ شہرام نے اس کے گرد ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے اس کی جھیل سی گہری سیاہ کاجل لگی آنکھوں جھانکا۔ بہارے کے وجود کی کپکپاہٹ کے ساتھ آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔

کیسے جانے دے سکتا ہوں تمھیں؟؟ جو کسی کا سب کچھ لوٹ گیا ہو۔۔ شہرام اس کے عارض پر ہاتھ جماتے گھمبیر لہجے میں بولا۔۔

کیا لوٹا ہے میں نے تمھارا؟؟ ابھی تو میں نے کچھ لوٹا ہی نہیں۔ لوٹنے والے لٹنے کی فریاد نہیں کرتے۔۔ فریاد تب کرنا جب میں سچ میں تمھارا سب کچھ

لوٹ لوں گی۔ بہارے نظریں اٹھائے شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ مگر بھیگے لہجے میں بولی۔ بہارے کی بات پر شہرام کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

بہارے اس کی ہنسی پر اسے نم آنکھوں سے دیکھتے استہزائیہ مسکرائی تھی۔

اب کیا لوٹو گی میرا ول جان جگر سب کچھ اپنے نام کروا چکی ہو۔ شہرام خان اس کی ٹھوڑی پکڑے بھاری آواز میں بولا۔۔

تمھارا یہ روپ دیکھتے شہرام خان کو ایک بار پھر سے تم عشق ہو گیا ہے۔۔ شہرام اس کے عارض پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کے عارض پر موجود تل پر نرمی سے دانت گاڑھ گیا تھا۔ ایک مرتبہ کا تمھارا عشق کافی ہے شہرام خان۔۔ روز روز بہارے خان سے عشق نہ کرو۔۔ سہہ نہیں پائے گی بہارے خان تمھارا عشق۔۔ بہارے شہرام خان کی آنکھوں میں بھیگی

آنکھوں سے دیکھتے کیا کیا پاتے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔

بہارے گل کو ہی تو اپنے شہرام خان کا عشق سہنا ہے جو اس کے لیے آسان نہیں ہو گا۔بہت جدائی دی ہے تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے میری بہارے۔۔ میری آنکھوں میں دیکھو تو پتہ چلے تم نے مجھے اپنا مزید دیوانہ کر دیا ہے۔ اب کے شہرام خان کو تم سہہ نہیں سکو گی۔۔شہرام خان کی خمار آلود لہجے میں بولتے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر گیا تھا۔

میں سچ میں اب کے شہرام خان کو سہہ نہیں سکتی۔۔بہارے شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھتے کانچ سی ہنسی تھی۔۔

جب سے تو ہے اس دل میں

میری جان ہے مشکل میں

محفل میں ہے تنہائی

تنہائی ہے محفل میں

یہ دنیا اپنی پریم گلی

آ گلی میں لگ جا یار گلے

ہو جائیں سارے دور گلے

شہرام خان اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کی کانچ سی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے بھاری اواز میں گنگنایا تھا۔

بہارے کی آنکھوں کی شبنم میں آضافہ ہوا تھا۔ بس کر دو بہارے ختم کرو یہ سب چلی آؤ میری آغوش میں۔۔۔ اور یہ دوری کا عذاب نہیں سہہ سکتا۔

کل رات کے بعد تو بلکل نہیں۔ شہرام خان اس کے عارض پر اپنا انگوٹھ رب کرتے ملائمت سے بولتے اس کی ماتھا پٹی پر اپنے لب رکھ گیا۔۔

جو کہو تم کر جائیں

اب ابھی یہیں

مر جائیں

مر جائیں

اک دوجے کا دل

میٹھی سی یاری سے

یادوں سے غم بھر جائیں

بہارے بھیگے لہجے میں بولتے شہرام خان کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کر گئی تھی۔۔ شہرام خان اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گیا تھا۔ وہ اس کی سانسیں انہیں کرتے بری طرح کانپ رہی تھی۔۔ شہرام خان اسے مظبوطی سے اپنے حصار میں جکڑ گیا ورنہ کوئی بعید نہیں تھا وہ زمین بوس ہو جاتی۔۔ وہ اس کے کپکپاتے وجود کو نرمی سے اپنی بانہوں میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔ اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر جھکتے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھا وہ گہرے سانس لیتے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا جسم ابھی بھی لرز رہا تھا۔ شہرام خان اس کے پورے وجود پر گھٹا بن کر چھائے اس کے کپکپاتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں سے لاک کر گیا تھا۔

کیا ہوا ہے بہارے کانپ کیوں رہی ہو اتنا؟؟ شہرام نے ایک بار پھر سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے پوچھا جہاں پھر سے شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔ وہ برف کی طرح ٹھنڈی تھی۔۔

مم۔۔۔۔۔وہ ہم۔۔۔۔ شش۔۔۔۔ شہرام۔۔۔ ششش۔ شہرام۔۔۔۔

شہرام بہارے کے لبوں سے اپنا نام ٹوٹے لفظوں سے سنے مزید حیران ہوا تھا۔ پہلی بار اس کے لبوں سے اس کا نام ٹوٹ کر ادا ہوا تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟ شہرام نے اس کے کپکپاتے وجود اور اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ دیکھتے الجھن بھرے انداز میں سرد لہجے میں پوچھا۔

شش۔۔۔۔۔ شہرام کک کچھ نہیں۔۔ وہ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ سردی۔۔۔ لگ۔۔ رہے۔ شہرام کے سرد لہجے پر بہارے کی آنکھوں میں خوف سا لہرایا تھا۔

بہارے کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر شہرام بری طرح چونکا تھا۔

شہرام۔۔۔۔سچ۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔م۔مجھے۔۔۔بہت سردی لگ رہی ہے۔۔مم۔۔۔مجھے کمبل اوڑھا دو۔۔۔شہرام خان کی آنکھوں میں الجھن اور پریشانی دیکھتے بہارے اس کا کالر اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں جکڑ گئی۔

شہرام تکیے پر لیٹے اس کا نازک کپکپاتا وجود اپنے چوڑے سینے پر منتقل کرتے اپنے اور اس کے اوپر کمبل اچھی طرح اوڑھا گیا تھا۔۔

کیا ہوا میری بہارے؟؟شہرام خان اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آنکھیں موند گئی تھی۔پلکوں کی باڑ سے آنسو کرتے شہرام خان کی سیاہ شرٹ کو بھگو رہے تھے۔شہرام خان اسے سختی سے اپنے

سینے میں بھینچے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرے اس کی ماتھا پٹی پر بار بار اپنے لب رکھ رہا تھا۔

شہرام خان نے پانی کا گلاس اپنے سامنے بیڈ پر بیٹھی بہارے کو پکڑایا۔ بہارے نے شہرام کی چوڑی ہتھیلی سے گولیاں اٹھاتے منہ میں رکھتے پانی سے نگلیں۔ شہرام گہری نگاہوں سے اسے پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ عجیب بیہیو کر رہی تھی۔ اس کے پاس آنے پر اس سے دور نہیں جھٹک رہی تھی نہ طنز کے تیر چلا رہی تھی۔ اس کے ذرا سا سنجیدگی سے دیکھنے پر وہ پریشان ہوتے بری طرح کانپنے لگتی تھی۔۔

اگر تم ایزی نہیں ہو تو تم کمرے میں ہی رہو۔۔ باہر جانے کی ضرورت نہیں۔۔ میں بہرام کو باہر لے جاتا ہوں۔ شہرام نے اسے بغور دیکھتے کہا۔

نن نہیں۔۔۔ میں اب ٹھیک ہوں۔۔ رات تمھاری شدتیں سہتے سہتے میری طبعیت خراب ہو گئی۔ ٹمپریچر تھا۔۔ رات کو مجھے میں نے پرواہ ہی نہیں کی۔۔ لیکن اب میں بلکل ٹھیک ہوں۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے جیسے وضاحت دیتے شہرام کی الجھن دور کرنے کی کوشش کی۔۔

شہرام اس کی بات پر گہرا مسکرا گیا تھا۔ تم واقعی میں ٹھیک ہو ناں بہارے۔۔۔ شہرام نے نرمی سے کہتے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے نرمی سے اس کے ماتھا پٹی پر لب رکھے۔۔ بہارے نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلو پھر اپنے بہرام کو لے کر باہر چلتے ہیں مورے انتظار کر رہی ہیں۔ شہرام نے کہتے اس کی کلائی نرمی سے پکڑے بیڈ سے اٹھایا۔۔

وہ اسے لیے ڈریسنگ مرد کی طرف بڑھا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی میرون لپ سٹک مسکراتے ہوے اسے پکڑائی۔۔ ہارے لپ سٹک پکڑے اسے اپنے ہونٹوں پر لگانے لگی۔

بہارے نے لپ سٹک اچھی طرح لگائے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔۔ شہرام نے اس کا دوپٹہ بیڈ سے اٹھائے اس کے سر پر اچھی طرح دیا۔ وہ میرون کامدار دوپٹے کے حالے میں چاند کی طرح دھمک اٹھی۔۔

افففف۔۔ میری بہارے آج تم ہماری رخصتی کی رات سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔۔ آج رات تمھیں میری شدتیں سہتے پھر سے بخار ہو جاتا ہے۔۔۔ تم سے بے حد محبت کرنے کے باوجود تم پر رحم نہیں کھاؤں گا میں۔ شہرام گھمبیر لہجے میں بولتے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔ شہرام نے بہارے کی دھڑکنوں کو اپنے سینے میں بجتے محسوس کرتے اسے خود سے

علیحدہ کیا۔۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے وجود میں ابھی بھی کپکپاہٹ تھی۔۔ شہرام اسے بغور دیکھتے اس کی پیشانی پر لب رکھتے اسے اپنے بازو کے حصار میں لیے بہرام کے کاٹ کی طرف طرف بڑھا۔۔۔۔۔۔

جو کاٹ میں لیٹا کپ سے کھیل رہا تھا۔ وہ اسے کاٹ سے اٹھائے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

آج تو میرے بہرام نے بابا کے ساتھ ٹونگ کی ہے۔ بہرام کو بلیک کلر کے ڈریس میں دیکھتے شہرام نے مسکراتے ہوئے اس کے عارض پر اپنی مونچھیں رگڑیں۔ وہ اسی لمحے گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔۔ بلکل اپنی ماں پر گئے ہو۔۔ شہرام نے بہارے کو دیکھتے مسکراتے ہوے کہتے بہرام کو سینے سے لگائے دروازے کی طرف بڑھا۔

زاران خان لاونج میں صوفے پر بیٹھے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنے سامنے بیٹھی ابرش کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زاران اس وقت بلیک شلوار قمیض پر بلیک شمال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔۔

اس وقت لاونج میں امینہ خانم روزینہ خانم زحلے عنائیہ زرتاج عابیر حور سب ہی گھر والے موجود تھے۔۔ مہمانوں کے آنے میں ابھی وقت تھا۔۔

زاران مسکراہٹ دبائے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ انگلیوں سے مسلتے ابرش کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے آنکھوں سے ذو معنی اشارے کر رہا تھا۔

وہ سب کے سامنے زاران کی گہری گرم نگاہوں اور ذو معنی اشاروں سے گلاب کی طرح سرخ پڑ رہی تھی۔۔ مگر زاران کو جوابا مسکراتی نگاہوں سے

دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے ظاہر کر رہی تھی وہ اس کے ایکٹ پر بلکل نہیں شرما رہی۔۔ وہ پوری پوری بے شرم بیوی بنی ہوئی تھی.

زاران اس کے انداز پر بمشکل اپنے قہقے پر قابو پائے ہوئے تھا۔

مورے۔۔۔۔۔۔۔ زاران نے ابرش کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے امینہ خانم کو پکارا۔۔

بولو بچہ۔۔۔۔۔۔۔ امینہ خانم نے درخشاں کو ہدایت دیتے زاران کو دیکھا تھا۔

سنا ہے آپ کے زمانے کی عورتوں میں بہت شرم ہوتی تھی۔۔ زاران کی بات پر ابرش نے سٹپٹاتے ہوئے امینہ خانم کو دیکھتے سب کو دیکھا تھا۔۔ ابرش کی رنگت فق ہوئی۔۔ بچہ عورت تو شرم کا گہنا ہوتا ہے جس عورت

میں شرم نہ ہو وہ عورت ہی کہاں۔۔ امینہ خانم کی بات پر زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔ ابرش کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔۔۔ دوسرے لمحے وہ صوفے سے اٹھتی تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

زاران گہرا مسکراتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔۔ شہرام بہرام کو گود میں اٹھائے اور بہارے کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے لاونج میں داخل ہوا تھا۔

ماشاءاللہ۔۔۔۔ امینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے بہرام کو گود میں اٹھاتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے روزینہ خانم نے صوفے سے اٹھتے اپنے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈی پکڑے بہرام پر وارتے پاس کھڑی ملازماؤں کو پکڑائے تھے۔ اللہ نظر بد سے بچائے ہمارا نواسہ کو۔۔۔ روزینہ خانم نے دعا دیتے بہرام کو امینہ خانم سے پکڑا۔۔۔

امینہ خانم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے نوٹ شہرام بہارے پر وارتے ملازماؤں کو پکڑائے تھے۔۔ اور بہرام سے انہوں نے الگ سے پیسے وارے تھے۔۔

شہرام یہ سب دیکھتے مسکراتے ہوے بہارے کو اپنے بازو کے حصار میں لیے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ بہارے اس کے یوں سب کے سامنے پاس آنے پر سرخ ہوئی تھی۔

شہرام کے ایکٹ پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ روزینہ خانم کے لبوں پر مغرور مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔ پوری حویلی میں شہرام ہی ایسا تھا جو سب کے سامنے اپنی بیوی سے ایسے پیار جتاتا تھا۔ ابھی بھی وہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر بہارے کو اپنے بازو کے حصار میں جکڑے ہوئے تھا۔۔ اسفند جو اپنے کمرے سے بلو شلوار قمیض پر سفید شمال اوڑھے

سڑھیاں اترتے لاونج میں داخل ہوا تھا۔۔ شہرام کا ایکٹ دیکھتے اسے گھورتے ہوئے زاران کے ساتھ صوفے پر بیٹھا۔

سالا کمینہ۔۔۔۔۔ اسفند نے بہارے کو اس کے حصار میں دیکھتے غصے سے دانت پیسے تھے۔۔ سامنے بیٹھی عابیر کو دیکھ کر وہ بھر بھر چلا تھا۔ جو سیاہ کلر کی سیکسی پہنے ہوئے تھی جس پر بلیک ہی دوپٹہ سر پر جمائے ہوئے تھی۔۔ نیٹ کے دوپٹے سے اس کے سنہری بال جھلک رہے تھے۔۔

لائٹ میک اپ کیے وہ اسفندیار خان کے سیدھا دل میں اتر رہی تھی۔۔ مگر اتنا ہی اس سے دور تھی۔۔ اسے دیکھتے عابیر کا چہرہ سرد سپاٹ ہوا تھا۔

حسرتاں رہ گئی تینوں اپنا بنا دے

حسرتاں رہ گئی۔۔۔۔

زاران نے صوفے سے ٹیک لگائے اسفندیار خان کے تاثرات دیکھتے اسے آنکھ ماری تھی۔

سالا بھی کمینہ۔۔ دوست بھی کمینہ۔۔۔۔ اسفندیار خان نے زاران کی گردن پر نشان دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے کہا۔۔

زاران نے اسفند کی بات پر بلند و بانگ قہقہ لگایا۔۔

میری جان حسد مت کر محنت کر۔۔ زاران نے طنزیہ کہتے اسفند کو پھر سے آنکھ ماری۔۔۔

بکواس بند کر اپنی۔۔۔ تیرے جیسے دوست کے ہوتے دشمن کی کیا ضرورت ہے مجھے۔۔۔ اسفند نے عابیر کو گہری نگاہوں سے دیکھتے زاران کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔

تیرے بارے میں میری بھی یہی رائے ہے۔۔ زاران نے اب سامنے دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ ختم کر پھر یہ دوستی کا رشتہ۔۔۔۔ ذلیل کمینے دوغلے انسان۔۔۔ اسفندیار خان نے زاران کے سنجیدہ چہرے کو گھورتے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

جلد ختم کروں گا ہر رشتہ تو دیکھتا جا۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہے تو مجھے میں کیسا منتقم مزاج بندہ ہوں۔ میرا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ مجھے بھی وہاں ماروں گا جہاں پانی نہیں ملے گا۔

زاران نے سرد لہجے میں کہتے اسفند کو سرد نظروں سے گھورا۔۔

ٹھیک کہا ایسی جگہ ہی چوز کرنی چاہیے جہاں پانی کی ایک بوند نہ ملے اور تو تڑپ کر مر جائے۔۔ اسفندیار خان نے سلگتے لہجے میں جوابی کاروائی کی تھی۔۔

ابھی تو تڑپ تو رہا ہے۔۔ زاران نے صوفے سے ٹیک لگاتے بہم سا مسکراتے ہوئے عابیر کو دیکھا۔۔ جسے دیکھتا اسفندیار خان شعلوں کی طرح دہک رہا تھا۔۔

کہہ سکتا ہے تو کٹا تو میرا ہے۔۔ اسفندیار خان نے زاران کی گردن پر نشان دیکھتے ایک بار پھر سے جلتے ہوئے لفظ چبائے تھے۔

میں نے کاٹا ہے کیا؟؟ زاران نے اسفندیار خان کی طرف دیکھتے استہزائیہ مسکراتے ہوئے آئی بروا چکائے تھا۔ اسفند جو ابا زاران کو گھورتے سلگتی نگاہوں سے عابیر کو دیکھنے لگا جو حور سے باتیں کرتے نہیں رہی تھی۔ اسے ہنستے دیکھ کر وہ مزید جل رہا تھا۔۔ کل سے وہ شعلوں میں گرا تھا ایک پل کے لیے چین نہیں تھا۔۔ وہ تھی کہ بنی سنوری ہنس رہی تھی. وہ سچ میں سفاک پٹھانی تھی جسے اس کی ذرا پرواہ نہیں تھی۔۔

ابھی تو نے میری کمینگی دیکھی ہیں۔۔ ابھی مجھے دکھاتا ہوں۔ پھر گیسٹ ہاؤس میں بیٹھے یہ راگ الاپتا رہیں۔۔۔

سالا بھی کمینہ دوست بھی کمینہ۔۔۔۔ دونوں سالے ہی کمینے۔۔۔۔ زاران نے اسفندیار خان کی نظروں کے حصار میں عابیر کو دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں ٹونٹ کیا۔

بکواس بند کر اپنی تم دونوں سالوں کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔۔ اسفند جواباً اسے دیکھتا غرایا تھا۔

اچھا تو ایسی بات ہے پھر دیکھ میری کمینگی۔۔ زاران نے اسفند کو طنزیہ مسکراتے ہوئے دیکھتے آنکھ ماری۔۔

اسفندیار خان نے سرد تحصیلی نگاہیں اس پر نظریں گاڑھیں۔ جو پتہ نہیں کون سی کمینگی دنگی دکھانے جا رہا تھا۔

عابیر بچہ۔۔۔ ادھر آنا زاران نے مسکراتے ہوئے شہد لہجے میں عابیر کو پکارا۔۔

جی لالا۔۔ آتی ہوں عابیر زاران صوفے سے اٹھتی زاران کی طرف بڑھی۔۔

جی لالا عابیر نے زاران کے پاس آتے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

ماشاءاللہ میرا بچہ بہت پیار الگ رہا ہے۔۔ زاران نے کہتے عابیر کو اپنے بازو کے حلقے میں بھرتے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔

تھینک یو لالا۔۔ عابیر زاران کے سینے سے لگتے مسکراتے ہوے بولی۔ اسفند یار خان یہ دیکھتے بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ زاران کے پہلو میں وہ بلکل برداشت نہیں تھی۔ وہ بری طرح سلگا تھا۔

میرا بچہ اتنا خوبصورت لگ رہا ہے کہ دل کر رہا ہے ہزاروں روپے وار دوں وہ بھی کم ہوں گے۔ زاران نے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ہاتھ مارتے ہوئے پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ نکال کر عابیر کے سر سے وارے تھے۔۔۔۔

اسفند یار خان سے مزید برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی سفاک پٹھانی پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے کمینے سالے کا تو بلکل نہیں۔۔ وہ اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے صوفے سے اٹھا۔

تمھارے نزدیک تمھاری بہن کی یہ ویلیو ہو سکتی ہے کہ تم اس پر چند ہزار وارو۔۔ مگر میری بیوی کی یہ ویلیو نہیں ہے۔۔ اسفند یار خان نے کہتے

ہوئے عابیر کو زاران کی کلائی سے نکالتے اپنی طرف کھینچا تھا۔ عابیر اسفندیار خان کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔۔۔لاونج میں بیٹھے سب کی نظریں اب اسفندیار خان پر اسف تھیں۔

شہرام خان جو بہارے اور امینہ خانم کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔ صوفے کی ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔۔

عابیر اسفندیار خان کو سرد نگاہوں سے دیکھتے اس سے دور ہوئی۔۔ اسفندیار خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

عابیر سب کے سامنے خفت کا شکار ہوئی تھی۔۔ وہ سب کے سامنے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔

شہرام خان یہ دیکھتا صوفے سے اٹھنے لگا۔ امینہ خانم شہرام خان کی تھائی پر ہاتھ رکھے اسے آنکھوں سے دیکھتے اشارے سے منع کر گئی۔۔۔ شہرام مٹھیاں دبوچے خود پر قابو پا گیا تھا۔ اپنے بیٹے بہرام کے عقیقے پر وہ بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔۔

عابیر اسفندیار خان کی حرکت پر قندھار کی طرح سرخ پڑ رہی۔ وہ سب کے سامنے اسے کمر سے جکڑے کھڑا اسے گہری نگاہوں سے دیوانہ وار دیکھ رہا تھا۔

زاران اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اسفندیار خان کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا

اسفندیار خان نے اپنی قیمض کی پاکٹ سے پانچ پانچ لاکھ کی دو گڈیاں نکالتے ان کو ان پن کرتے عابیر کے سر سے وارتے ہوئے پھینکی تھیں۔۔۔

لاونج میں ہر طرف نوٹ بکھرے تھے۔۔۔روزینہ خانم یہ دیکھتے بھڑ بھڑ جلی تھیں۔۔وہ حسد سے شعلہ بار نگاہوں سے عابیر کو دیکھ رہی تھیں۔ جس پر ان کا بیٹا جان چھڑکتا تھا۔

ساری دنیا کی دولت بھی اپنی بیوی پر وار دوں وہ اس کے حسن کے آگے کم ہے۔۔۔اسفند نے کہتے عابیر کی پیشانی پر لب رکھتے شہرام کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔۔جو اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔عابیر لب کاٹتے نظریں جھکائے سرخ سی کھڑی تھی۔

اسفند اس کی جھکی لرزتی پلکوں کو بغور دیکھتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے وہاں سے چلا گیا تھا۔۔

سالا کمینہ۔۔۔مجھ سے دو ہاتھ آگے ہے یہ تو۔۔۔زاران نے اس کی پشت کو گھورتے زمین پر بکھرے نوٹوں کو دیکھتے دانت پیسے۔۔زاران نے شکر ادا کیا

تھا۔ ابرش ادھر نہیں ہے ورنہ اس کا کچن میں کیا ہوا ایکٹ پانی میں جاتا۔

پہلے ارحام سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اب اسفندیار خان سے کرنا پڑتا۔۔ زاران اپنی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے تیزی سے لاونج سے نکل گیا تھا۔

فارم ہاؤس کے بڑا سالان جو ایکڑ پر مشتمل تھا۔ وہاں ارحام خان نے پارٹی تھرو کر رکھی تھی۔ جگہ جگہ آگ کے آلاو روشن کیے ہوئے تھے۔۔ باربی کیو مختلف قسم کے کھانے لائیو بن رہے تھے۔۔ سالم بکروں کو روسٹ کیا جا رہا تھا۔

ارحام نے اپنے ہر جاننے والے اپنے دوستوں زران اسفند اور شہرام خان کے دوستوں کو آج کی پارٹی میں انوایٹ کیا تھا۔۔ فارم ہاؤس کے لان میں

ایک طرف آگ کے آلاؤ کے گرد مختلف لوک فنکار رقص کر رہے تھے۔۔ اونچی اواز میں میوزک آن تھا۔

ارحام خان سفید کڑکڑاتی شلوار قمیض میں ملبوس اپنے کندھوں پر سکن شال ڈالے ہوئے اپنے دوستوں کے درمیان کھڑا باتیں کر رہا تھا۔

اسی وقت زاران سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس جس پر کندھوں پر سیاہ شمال کندھوں پر ڈالے فارم ہاؤس میں داخل ہوا۔ ارحام مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اسے گلے سے لگا گیا تھا۔۔

میر شیر آیا اب آئے گا پارٹی کا اصل مزا۔۔ پھیکی تھی تیرے بغیر یار کہاں تھے تم ؟؟ ارحام مسکراتے ہوے زاران سے الگ ہوا۔۔

آپ کو مات دے رہا تھا۔۔ زاران نے ارحام کو دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب؟؟ ارحام نے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

لالا آپ کو مطلب سمجھایا تو آپ کے بھاری مکوں کے وار میں نہیں سہہ پاؤں گا۔ زاران نے ذو معنی انداز میں کہتے ہ گا۔ زاران نے دو اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیری۔۔

تیرے ذو معنی جملوں کا جس دن سچ میں میں نے مطلب نکال لیا تیرا پتہ منسٹری سے سب سے پہلے خارج کروں گا۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے زاران کو گھورا۔۔

ارحام کی بات پر زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔۔ آج کل تیرے قہقے زیادہ بلند نہیں ہو رہے۔۔ ارحام نے زاران کی گردن پر پڑے نشانات کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے لفظ چبائے۔۔

کیا ہوا لالا کیا دیکھ رہے ہیں؟؟ زاران نے ارحام کی نظریں اپنی گردن پر دیکھتے الجھن بھرے لہجے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ اس نے کچھ دیر پہلے اپنے دوستوں کو بھی اپنی گردن کو گھورتے دیکھا تھا۔ اب ارحام خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

تیرے قبضے کیوں گونج رہے ہیں؟؟ سب سمجھ آگئی ہے۔ لیکن کچھ چیزوں کا پردہ اچھا ہوتا ہے۔ وہ بھی بات جب اپنی عورت اپنی عزت سے جڑی ہو۔۔ اپنی گردن پر جو تمغے سجا کر فخریہ پھر رہے ہو اسے چھپا لو تو اچھا ہو گا ورنہ سچ میں تیرا نقشہ بگاڑ دوں گا۔۔ ارحام سنجیدگی سے کہتے زاران کو گھورتے ہوئے اپنے دوستوں کی طرف بڑھا تھا۔

زاران نے لب بھینچتے اپنی گردن کے رب کرتے سر کو جھٹکتے اپنی شمال کا مفکر بنا کر گلے میں جلدی سے ڈالا وہ بری طرح لب بھینچ گیا تھا۔۔ اسے اب

پتہ چلا تھا کہ کچن میں ہوے کارناموں کی بدولت سب اسے گھور رہے تھے۔۔۔وہ سچ میں خفت کا شکار ہوا تھا۔اپنی عورت پر بات اسے بھی پسند نہیں تھی۔۔

زاران سر کو جھٹکتے ارحام اور اپنے دوست کی طرف بڑھا۔۔یکدم فارم ہاؤس فائرنگ کی شدید خوفناک آوازیں گونجیں۔۔اس کی بھاری قدم ٹھہرے تھے۔۔

شہرام اپنے درجنوں دوستوں کے ساتھ ہوائی فارنگ کرتے داخل ہوا تھا۔

یہ دیکھتے ارحام خان زاران اور باقی دوستوں نے بھی اپنی اپنی پسٹل نکالے ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی۔۔۔پورا فارم ہاوس گولیوں کی خطرناک آوازوں سے گونج اٹھا۔ارحام نے فائرنگ کرتے اپنے جیب سے نوٹوں کی کئی گڈیاں نکال کر زاران اور شہرام سے وارتے پھینکی تھیں۔۔

لالا۔۔۔ شہرام خان آگے بڑھتا خوشی سے ارحام کے گلے لگا۔۔۔ ارحام اسے سختی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔۔۔

میری جان میرے جان کے ٹکڑے۔۔۔ ارحام اس کی کمر تھپکتا بولا۔ شہرام مزید سختی سے ارحام کے گلے لگا تھا۔

ارحام سے الگ ہوتے شہرام خان زاران کی طرف بڑھا۔۔ مگر یکدم وہیں پر رک گیا تھا۔۔۔

ارحام خان نے دونوں کو سنجیدگی سے دیکھا جو ایک دوسرے کو سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔۔

شہرام خان نے زاران کو دیکھتے اپنی پسٹل سے ہوائی فائر کیا۔۔ اس کے دوست پھر سے ہوائی فائر کرنے لگے تھے۔

"اوزہ وی، داد خوشارہ موقع دی، شہرام خان یوزوی پیدا شو، زما بھرام بھرام شہرام خان"

فائرنگ کرو خوشی کا موقع ہے شہرام خان ایک بیٹے کا باپ ہے میرا بہرام بہرام شہرام خان) شہرام خان پشتو میں اونچی آواز میں چیختے ہوے اپنے دوستوں کی طرف بڑھتے ان کا ساتھ دیتے ہوائی فائرنگ کرنے لگا۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی پسٹل نکالتے شہرام کی خوشی کا ساتھ دیتے فائرنگ کرنے لگا۔۔

ارحام خان ہاتھ میں ڈرنک کا گلاس لیے اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا تھا۔۔۔ یکدم فارم ہاؤس میں شور اٹھا تھا۔ بہت سی گولیوں کے چلنے اور شور

کی کی آوازیں آئی تھیں۔۔۔ارحام خان نے سامنے نظریں دوڑائیں حیدر خان براؤن مردانہ شال کندھوں پر ڈالے درجنوں گارڈز کے ہمراہ اندر داخل ہوا تھا۔ارحام خانزادہ کی اشتعال کے مارے رنگت سرخ ہوئی تھی۔۔۔اس کے کتنے گارڈز زخمی پڑے تھے۔۔جسے حیدر خان کے گارڈز نے مارا تھا۔۔۔۔

باقی گارڈز پر حیدر خان کے درجنوں گارڈز بندوقیں تان کر کھڑے تھے۔۔پارٹی میں آئے ہوئے تمام لوگ حیدر خان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔۔۔ارحام نے اپنے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی پچھلی گردن رب کی۔ وہ یہاں آئے گا اسے توقع نہیں تھی۔۔

حیدر خان آگے بڑھتا ارحام خان کا گریبان جکڑ گیا تھا۔ ارحام خان نے جوابا حیدر خان کے جبڑے پر مکہ مارا۔ حیدر خان ولمحے من پسل اس پر تان گیا تھا۔

حیدر خان کے بہت سارے گارڈز نے بھی ارحام خان کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔۔

یہ دیکھتے پارٹی میں آئے ہوے ارحام کے دوست جلدی سے ارحام کی طرف بڑھے تھے۔۔ حیدر خان کے گارڈز نے ان پر بھی بندوقیں تانتے انھیں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔۔ فارم ہاؤس میں اب میوزک بند ہو چکار تھا۔ لوک فنکار رقص کرنا بند کر چکے تھے۔۔ سب خاموشی سے ارحام اور حیدر کو دیکھ رہے تھے۔

زاران کوئی ضروری کال سننے فارم ہاؤس کے پچھلے لان کی طرف گیا ہوا تھا۔۔ شہرام خان اپنے دوستوں کے ہمراہ فارم ہاؤس کے اندر موجود تھا۔۔ جہاں تیز آواز میں ابھی بھی میوزک بج رہا تھا۔۔

تیرا کام تمام ہو گیا۔۔ تیرے سینے میں آج پورے سوات کے سامنے گولیاں ماروں گا۔۔۔ ارحام خان۔۔ حیدر خان ارحام کے سینے پر پسٹل تانے غرایا۔ پتہ ہے کیوں میں نے آج کا دن انتخاب کیا۔۔ تمھیں بتانا چاہتا تھا کہ حیدر خان کی پاور کیا ہے۔۔۔۔

دیکھ لی پاور میری۔۔ اب بتا میرے بیٹے اور میری خانم کہاں ہے۔۔ حیدر خان ارحام پر پسٹل تانے غصے سے چیخا تھا۔۔

چچچ۔۔۔۔۔۔ چچچ۔۔۔۔۔۔۔ اتنی پاور ہونے کا کیا فایدہ کہ حیدر حاکم خان اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی کو ہی تلاش نہ کر سکا۔۔ ارحام حیدر خان کی آنکھوں می؟ دیکھتے طنزیہ مسکرایا۔

ارحام خان۔۔۔ حیدر طیش واشتعال سے گر جا تھا۔۔

میچ جتنا چیخ سکتا ہے چیچ۔۔۔ مگر تو کچھ بھی کر لے تو میری بہن اور اپنے بیٹوں کو تلاش نہیں کر سکے گا۔۔۔ وہ تجھے اب کبھی نہیں ملیں گے تو مجھے نہیں جانتا حیدر خان۔۔۔ میرے رشتوں کو جو تکلیف دیتا ہے اس پر ارحام خانزادہ قہر بن کر نازل ہوتا ہے۔۔ ارحام غصے سے گر جا تھا۔۔

حیدر خان نے سرخ آنکھوں کے ساتھ ارحام کو دیکھتے گہرے سانس لیتے ٹریگر پر انگلی رکھتے دباؤ بڑھایا۔۔۔۔

اسفندیار خان اپنی پسل سے ہوائی فائرنگ کرتا ارحام کے سامنے آتا حیدر خان پر پسٹل تان چکا تھا۔ حیدر خان میرے لالا کو تو جان چکے ہو۔ اب مجھے جان لو۔۔۔ میرے رشتوں کو کوئی بھی آنچ آئے اس سے پہلے اسفندیار خان اپنا سینہ آگے کرتا ہے۔ تجھے کچھ نہیں کہوں گا تو میری بہن کا شوہر ہے۔۔ تیری سلامتی کی میں آج ضمانت دیتا ہوں۔۔ مگر میرے لالا کو تو آنچ نہیں پہنچا سکتا۔۔ اسفندیار خان حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

ٹھیک ہے پھر پہلے تیری جان لوں گا۔۔ حیدر خان پاگل ہوتا چیخا تھا۔۔

فرشتے اور اس کے بیٹوں کی جدائی اسے پاگل کر چکی تھی۔

حیدر خان۔۔۔ زاران کی گرج دار آواز گو بھی تھی۔ فارم ہاوس میں موجود سب زاران کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔۔۔۔

اسفندیار خان کو ایک آنچ بھی پہنچی میں تیرا وہ حال کروں گا تیری ساتھ پشتیں یاد رکھیں گی۔ زاران اسفندیار خان پر پسٹل تانے دیکھتا پاگلوں کی چیختے اس کی طرف بڑھا۔

حیدر خان نے اپنی کنپٹی مسلتے اب زاران پر پسل تانی تھی۔ وہ اپنے خواص کھو رہا تھا جیسے۔۔۔ فرشتے اور بچے اس کی زندگی تھے۔۔ جسے وہ ایک مہینے سے پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا تھا۔ مگر ایک سراغ نہیں حاصل کر سکا تھا رک جاؤ حیدر خان۔۔۔۔ شہرام خان جو فارم ہاوس کے فرسٹ فلور کے ٹیرس پر موجود تھا۔۔ یہ دیکھتے اس نے ٹیرس سے چیختے ہوے چھلانگ لگائی۔۔ وہ اپنی پسٹل پکڑے بھاگتے ہوے حیدر خان کی طرف بڑھا۔۔ اپنی پسٹل پیچھے کر حیدر خان۔۔۔۔۔ ورنہ تو مجھے نہیں جانتا۔ میں تیرے ساتھ اپنے کسی بھی رشتے کا لحاظ نہیں کروں گا۔۔ میرا لالا جو کہتا ہے وہ کرتا

نہیں۔۔۔ مگر جو میں کہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔۔ تیرے چیتھڑے اڑا دوں گا پسٹل پیچھے کر۔۔۔۔ شہرام خان زاران پر پیسٹل تانے دیکھتے بھوکے بھیڑیے کی مانند پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔ حیدر خان گہرے سانس لیتا سب کو دیکھ رہا تھا۔

ارحام، اسفندیار خان، زاران اور شہرام اسے اپنے حصار میں لیے کھڑے تھے۔۔ اسفند اور شہرام اس پر پسٹل تانے ہوئے تھے۔ تم سب سالوں کو دیکھ لوں گا ایک بار میری خانم اور میرے بیٹے مل جائیں۔۔ پھر وہ دن میرا ہو گا۔ یاد رکھنا چاہیے ارحام خانزادہ ڈھونڈ لوں گا میں اسے۔۔ پھر تو اسے دیکھنے کو ترسے گا۔۔ حیدر خان اپنی پسل اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالتے سرد لب و لہجے میں بولتے ارحام کے مقابل آیا تھا۔۔

ایک ڈیل کرتے ہیں حیدر خان۔۔۔۔ اگر میری بہن تجھے مل گئی میں کبھی تیرے راستے میں نہیں آؤں گا۔۔ لیکن افسوس ایسا بھی نہیں ہو گا۔۔ وہ تجھے بھی نہیں مل سکتی۔۔۔ ارحام خان حیدر خان کی طرف دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔ ڈھونڈلوں گا پاتال کی تہوں میں بھی چھپی ہو گی۔ میں اسے ڈھونڈلوں گا۔ اس سے پہلے تجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔ لیکن سچ کہہ رہا ہوں اس کے بعد مجھے بھی تیری بہن کی شکل نہیں دیکھنے دوں گا۔۔

یہ وعدہ ہے حیدر حاکم خان کا۔۔۔۔ حیدر نے ارحام خان کے شمال سے ناگریدہ مٹی جھاڑی تھی۔۔۔ دوسرے لمحے وہ اپنے گارڈز کو اشارہ کرتے تیز تیز قدموں سے آگے کی جانب بڑھا۔

شہرام خان نے پسل کی نوک حیدر خان کی پشت پر گاڑھتے ٹریگر پر انگلی رکھی تھی کہ ارحام نے آگے بڑھتے شہرام خان کا ہاتھ پکڑتے پسٹل کا رخ آسمان کی طرف کر دیا۔۔

فائر کی آواز پر حیدر خان کے قدم رکے تھے۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

کیا کر رہے تھے تم شہرام خان؟؟ حیدر خان فرشتے کا شوہر ہے۔ اس کے بیٹوں کا باپ ہے۔۔ ارحام شہرام کو گھورتے چیخا۔ شہرام حیدر پر گولی چلانے لگا تھا وہ بے یقین ہوا تھا۔

لالا وہ انسان ہماری فرشتے کے لائق نہیں ہے اس کی موت دینے دیتے مجھے۔۔ وہ میرے رشتوں پر میرے اپنوں پر پسل تانے کھڑا تھا اس کی اتنی ہمت۔۔ شہرام غصے سے پاگل ہوتا چیخا۔۔۔

اس کا کیا کرنا ہے مجھے اچھی طرح پتہ ہے۔۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرو۔۔

ارحام نے سرد نگاہوں سے شہرام کو گھورتے نتیجہ کی۔۔۔ شہرام کچھ پل ارحام کو سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

آہہہ۔۔۔۔ شہرام نے چیختے ہوے وہ پسل زمین پر ماری تھی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ فارم ہاؤس کے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔ ارحام نے اسے سرد آواز میں پکارا۔۔ جانے دیں لالا۔۔۔۔ تھوڑی دیر بعد اس کا غصہ اتر جائے گا۔۔۔ جانتے تو ہیں آپ اسے۔ زاران نے ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دی۔۔۔ جو شہرام کو دیکھتے پریشان تھا۔

معذرت کرتے ہیں سب سے یہ سب چلتا رہتا ہے۔۔ پلیز گیری آن۔۔۔ زاران نے پارٹی میں آئے ہوے مہمانوں کو دیکھتے بلند آواز میں کہا۔ زاران

کے اشارے پر میوزک پھر سے آن کر دیا تھا۔۔ زخمی گارڈز کو دوسرے گارڈز سہارا دیتے لے گئے تھے۔۔۔

ارحام گہرا سانس لیتا اسفندیار خان کی طرف بڑھتے اسے گلے سے لگا گیا تھا۔ جس سے ابھی ہی ملاقات ہوئی تھی۔ کیسے ہو؟؟ اسفند سے الگ ہوتے ارحام نے پوچھا۔۔

اکیلا۔۔۔ بکل تنہا۔۔ اسفند زاران کو دیکھتے سرد لہجے میں بولتے فارم ہاوس سے باہر کی جانب بڑھا۔ اسفند۔۔۔۔۔ زاران کی پکار پر اسفند کے قدم رکے تھے۔

مر گیا تیرے لیے تیرا اسفند۔۔۔۔ اسفند کی بھیگی آواز گونجی تھی۔

نہیں مر سکتا جب تک زاران خانزادہ زندہ ہے۔ اس کے اسفند کو کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ زاران کی بھاری آواز پر اسفند زاران کی طرف پلٹا تھا۔۔ زاران جلدی سے آگے بڑھتا اسفند یار خان کو گلے سے لگا گیا تھا۔۔

نہیں رہے گا تو اکیلا۔۔ نہ بھی تو تنہا تھا۔۔۔۔ تیر از اران ہمیشہ ہر قدم پر تیرے ساتھ ہو گا۔۔ زاران اسفند سے الگ ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوطی سے بولا۔

سالا کمینہ۔۔۔۔۔ اسفند نے بھیگے لہجے میں بولتے زاران کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔

زاران اپنے جبڑے سے نکلتا خون انگوٹھے سے صاف کرتے ہنستے ہوے اسفند یار خان کو پھر سے گلے سے لگا گیا تھا۔۔ ارحام کے اشارے پر میوزک تیز کر دیا تھا۔ لوک فنکار پھر سے رقص کرنے لگے تھے۔۔ فارم ہاوس میں

پھر سے گولیوں کا شور گونجا تھا۔۔ اسفند زاران اور ارحام زور و شور سے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے۔۔

تمام مہمان خواتین چلی گئی تھیں۔۔ حویلی کے زنان خانے میں گھر کی تمام عورتیں بیٹھی تھیں۔ زحلے عابیر حور امینہ خانم عنائیہ ابرش روزینہ خانم صوفوں پر بیٹھی تھیں۔ اور درخشاں ایک طرف کھڑی تھی جو ابھی ابھی سب کے لیے قہوہ بنا کر لائی تھی۔ حور بلیک ٹراوزر اور بلیک کلر کی بے حد راوڈ سٹائلش شارٹ شرٹ ٹخنوں تک آتی تھی پہنے ہوئے تھی۔ جس پر بے حد خوبصورت بہت ایکسپینسو پشمینہ شال اوڑھے ہوے تھی۔ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لیٹے ہوے تھی۔۔ میک آپ سے صاف چہرے کے ساتھ صوفے پر موجود تھی۔۔ شال ایک طرف کندھے پر لہرا رہی تھی۔۔

اس نے سر پر لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔۔ ارحام حویلی نہیں تھا اس نے رات نہیں آنا تھا۔ اور حویلی میں کوئی مرد بھی نہیں تھا۔ سمیع اللہ کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی وہ مردانے میں آرام کر رہے تھے۔۔

اربد درید کسی دور کے عزیز کی فوتگی پر گئے تھے۔۔ وہ فارم ہاؤس کی پارٹی میں بھی شریک نہیں ہو سکے تھے۔۔ حویلی میں کوئی مرد نہیں تھی۔

اس لیے وہ بنا کسی خوف کے شال سر پر لیے بغیر بیٹھی تھی۔۔ ارحام اسے بغیر دیکھے حویلی سے چلا گیا تھا۔۔ اس نے اس کے جانے کے بعد غصے سے ارحام کا دیا ہوا ڈریس بھی چینج کر لیا تھا۔

ابرش ابھی تک ولیمے والی ڈریس میں موجود حور کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔ وہ زاران کا انتظار کر رہی تھی۔ جس کے آنے کے کوئی اثار نہیں

لگ رہے تھے۔۔ اور نہ اس کا نمبر مل رہا تھا۔۔ عابیر امینہ خانم کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ زنان خانے کے آتش دان میں انگیٹھی جل رہی تھی۔۔۔

باہر آچانک سے کڑکتی بارش ہو گئی تھی۔ بجلی کی خوفناک کڑک اندر تک سنائی دے رہی تھی۔۔۔ تند و تیز ہوائیں حویلی کی بند کھڑکیوں کو بھی ہلا رہی تھیں۔۔

اللہ خیر کیسا طوفان آیا ہے ؟؟۔۔ اللہ ہمارا بیٹوں کو سلامت رکھے۔ امینہ خانم نے دہلتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔۔ خیر ہو گا بھا بھی ہو سکتا ہے۔۔ ادھر بارش نہ ہو رہا ہو ادھر ہی ایسا خطرناک بارش ہو رہا ہے۔۔۔ اور سچ پوچھوں تو اچھا ہے ہمارا بیٹا لوگ ادھر نہیں ادھر ہے۔۔ کیونکہ گھر کا طوفانوں سے لڑ لڑ کر وہ تھک گیا ہے۔۔ جو آئے روز حویلی کا زنان خانے میں برستا ہے۔۔

روزینہ خانم نے عابیر کو دیکھتے طنزاً کہا تھا۔ عابیر روزینہ خانم کی بات سنتے اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر نظریں جماتے ان کی بات اگنور کر گئی تھیں۔۔

ماما یہ دیکھیں یہ کیسی ڈرائینگ ہے ؟؟۔ پریزے ڈرائینگ بک پکڑے حور کے پاس بھاگتے ہوئے آئی تھی۔۔ بہت اچھی پریزے جان یہ کون کون ہے ؟؟۔۔ حور نے پریزے کو اپنی گود میں بٹھاتے اس کے گال پر اپنے لب رکھتے بوچھا۔

ماما یہ پاپا یہ میں یہ آپ۔۔۔۔ پریزے فنگر رکھتے حور کو بتا رہی تھی۔۔ سب مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہے تھے۔۔ اور یہ میری چھوٹی سی سسٹر پریزے نے اپنی بنائی ہوئی سکیچ پر لنگر رکھی تھی۔۔

سٹر والی بات پر ابرش امینہ خانم اور عابیر مسکرائے تھے۔۔ حور نے مسکراتے ہوئے بلش کیا تھا۔

ہمارا تو دعا ہے اللہ ہمارا ارحام کو اب بیٹا دے۔۔ اس کو بڑا خواہش تھا جب گل اس کا زندگی میں تھا۔

امینہ خانم نے بولتے جلدی سے لب دانتوں تلے دبایا۔

امینہ خانم کی بات پر حور کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ۔۔۔ ہمارا مطلب تھا ہمارا ارحام کو اب بہت خواہش ہے اس کا بیٹا ہو۔۔۔ امینہ خانم نے جلدی سے حور کا سرخ چہرہ دیکھتے شرمندگی سے وضاحت دی۔۔

ارے بھابھی کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟؟۔۔ ارحام کا تو بس نہیں چلتا تھا گل کا ہر سال بچہ ہو۔ اسی لیے تو وہ ہر وقت گل کے ساتھ کمرہ میں گھسا رہتا تھا۔۔

روزینہ خانم نے حور کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر مزید آگ لگائی تھی۔۔۔۔ حور اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔ آنکھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔ یہ بات اسے کافی تکلیف دے گئی تھی۔ وہ آج سارا دن مہمان خواتین سے ارحام اور گل کی محبت کی داستان سنتی رہی تھی۔۔ وہ خواتین حور کی خوبصورتی اس کی کم عمری دیکھتے مرچ مسالا لگا کر جان بوجھ کر بتا رہی تھیں۔۔ وہ گل کی رشتے دار تھیں۔۔ حور کے بے حد خلاف تھیں۔ اور اب روزینہ خانم شروع ہو گئی تھیں۔۔ ارحام کی بے پناہ محبت پر مغرور بھی نہیں ہو پائی تھی کہ یہ سب سننے کو مل رہا تھا۔۔ اس سے سچ میں برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا انگیٹھی میں کوئلوں سے زیادہ اس کا وجود دہک رہا ہو۔۔۔ روزینہ خدا کا خوف کرو کیوں جھوٹ بولتا ہے؟؟ وہ ہفتوں اسلام آباد سے واپس نہیں آتا تھا۔۔ اور کب وہ سارا دن کمرے میں رہتا تھا۔۔ صبح

سویرے کمرے سے باہر آجاتا تھا۔ یہاں کا سردار بھی تھا اسے کتنا کام ہوتا تھا۔۔ امینہ خانم نے روزمینہ خانم کے جھوٹ پر ناگواری سے بولتے حور کو وضاحت دی تھی۔۔

حور کی آنکھیں شدت سے بھیگتی جارہی تھیں۔ تھیں۔ وہ بھی اپنی محبت شئر نہیں کرسکتی تھی۔۔ وہ بھی ارحام کا نام کسی کے ساتھ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔۔ مگر یہاں تو صرف گل اور ارحام کی سہاگ رات کی لائیوڈ سکشن ہونا باقی رہ گئی تھی کہ اس رات کیا کیا ہوا تھا۔۔ باقی سب کچھ تو اسے بتادیا گیا تھا۔

ریلیکس حور۔۔۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو ان کی عادت کیسی ہے وہ صرف تمھیں ہرٹ کرنا چاہتی ہیں۔ ابرش نے حور کے کپکپاتے ہاتھ پر ہاتھ رکھے اسے ریلیکس رہنے کو کہا۔ حور نے ابرش کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچتے گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر قابو پایا۔

بھابھی بات یہ ہے یہ ارحام کمرے میں زیادہ رہتا تھا یا کم۔۔۔ مگر رہتا تو تھا۔ آخر گل سے محبت کا شادی منایا تھا۔ اس کا پہلا محبت تھا تو کیسے وہ اس کا بغیر رہ سکتا تھا۔۔۔ ہاں یہ سچ ہے۔ حور کے ساتھ ارحام زیادہ وقت گزار تا رہا ہے۔۔ مگر یہ بھی تیس اکتیس سال کا عمر میں مرد کو خوبصورت کنوارہ لڑکی مل جائے تو کونسا مرد چھوڑتا ہے. وہ دن رات ہی اس لڑکی کے ساتھ ہی رہے گا۔ ناں پھر حور کا خوبصورتی تو حوروں کو بھی مات دیتا ہے۔۔ روزینہ خانم نے حور کی حالت دیکھتے مسکراتے ہوئے لفظ چہائے تھے۔۔ حور گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں دبوچ رہی تھی۔۔ پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

حور بچہ جاؤ تم آرام کرو۔۔۔ ارحام نے تو آج رات آنا نہیں تم پریزے کو لے کر کمرہ میں جاؤ۔۔ امینہ خانم نے حور کو دیکھتے نرمی سے کہا۔

سمجھ نہیں آرہا ارحام کو کیا ہو گیا ہے۔پہلے کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔اب کمرے میں نہیں جارہا اتنا تو وہ گل کی دفعہ بھی کمرے سے باہر نہیں رہتا تھا۔ روزینہ خانم نے ایک اور طنز کیا تو امینہ خانم نے اپنا سر ہاتھوں میں تھاما تھا۔۔ حور کی آنکھوں میں شدید نمی چھائی تھی۔۔وہ لب کاٹتے گہرے سانس لیتے روزینہ خانم کو دیکھ رہی تھی۔۔جن کے لفظ اسے سوئیوں کی مانند چبھ رہے تھے۔

پریزے آپ نے یہ تو بتایا نہیں پاپا کے رایٹ سائیڈ پر کون ہے؟؟ابرش نے جلدی سے بات بدلتے پریزے سے پوچھا۔

رائیڈ سائیڈ پر مورے ہیں۔پریزے نے معصومیت سے بتایا تو ابرش کی رنگت بھی اب فق ہوئی تھی۔لاونج میں خاموشی چھائی تھی۔۔عابیر زحلے عنائیہ درخشاں سب پریشانی سے حور کو دیکھ رہے تھے۔۔

رائیڈ سائیڈ پر مورے اور لیفٹ سائیڈ پر ماما پریزے سکیچز پر فنگر رکھتے معصومیت سے بول رہی تھی۔۔ ٹھیک ہے ناں ماما۔۔۔ پریزے نے معصومیت سے حور کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔۔ جی بیٹا بلکل ٹھیک ہے۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہتے پریزے کے گال پر اپنے لب رکھے تھے۔۔ دوسرے لمحے وہ پریزے کو اپنی گود سے اٹھاتے بھاگتے ہوے پریزے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔ پریزے بھی اپنی ڈرائینگ بک پکڑے بھاگتے ہوے حور کے پیچھے گئی تھی۔۔ کیا ضرورت تھا تمھیں روزینہ یہ سب بکواس کرنے کا جھوٹ بولنے کا؟؟۔۔۔

ارحام کب گل کے ساتھ سارا سارا دن کمرے میں رہتا تھا؟؟۔۔ امینہ خانم نے غصے سے پوچھا۔ بھابھی سمجھ نہیں آتا اس حور کو کس بات کا تکلیف ہو رہا

ہے۔اس لڑکی نے گل کا گھر خراب کیا تھا۔۔پریزے کو اس کا مورے سے الگ کیا۔۔روتے ہوے تو ایسے گیا ہے جیسے اس کا ساتھ ظلم ہوا ہو۔۔

روزینہ کچھ تو شرم کر لو۔۔تم کو ذرا احساس نہیں۔۔اس وقت ارحام کا بیوی گل نہیں حور ہے تو اس کو ہی تکلیف ہو گا ناں۔۔۔وہ بچی نے جو بھی کیا نا سمجھی اور لاعلمی میں کیا۔تم تو سب جانتا ہے۔۔پھر بھی یہ سب کہہ رہا ہے۔ آج عقیقے میں آیا ہو مہمان نے بھی حور کا دل انھیں باتوں سے چھلنی کیا۔۔ وہ بچی خاموش رہا۔لیکن تم تو اپنا ہے۔۔تم سے یہ امید نہ تھا۔۔ایک بات یاد رکھنا اگر اس نے کبھی پلٹ کر تمھیں جواب دیا۔۔وہ تم سے اگر بد تمیزی کرے گا تو ہم اس کا ساتھ دے گا تمھارا نہیں۔۔۔اور ارحام کو پتہ چلا تم نے حور سے یہ سب کہا ہے وہ بھی لحاظ نہیں کرے گا۔یہ بات بھولو مت۔۔۔اس حویلی اور آدھی جائیداد کا وہ وارث ہے امینہ خانم نے غصے

سے بھڑکتے کہا۔ بھابھی ہم تم۔۔ کو مت ڈارؤ تم۔۔ ہمارا حویلی کا مرد لوگ میں کوئی دم خم نہیں ہے۔۔ بہت بے شرم ہو چکا ہے۔ صرف بے شرم ہے وہ سب۔۔۔ وہ دیکھا تم نے کل تمھارا بیٹی نے کیسا تماشہ لگایا ادھر۔۔ مگر آج تمھارا بیٹی کو ہمارا بیٹا نے کیسے کاٹ کھایا ہے۔۔ ان مرد لوگ میں ذرا شرم نہیں ہے۔۔ عورت کے آگے ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔۔ روزینہ خانم نے عابیر کی گردن پر نشان دیکھتے طنز کیا۔۔ عابیر نے سرخ پڑتے جلدی سے خود کو ڈھکا تھا۔۔

اور یہی حال تمھارا بیٹے کا ہے۔ سب سے دو ہاتھ آگے اس کو تمھارا ہونے کاٹ کھایا ہے۔۔ دیکھا نہیں کیسا اس کا گردن پر نشان تھا۔ روزینہ خانم کی بات پر پاس کھڑی درخشاں نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔۔ ابرش نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

بچہ لوگ نہی شرم ہو گیا ہم کو لگتا ہے تم بے شرم ہو چکا ہے۔۔۔جو تمھارا نظر بس ان چیزوں پر رہتا ہے۔۔ اربد خان سے ہمارا احترام کا رشتہ ہے ورنہ ہم ضرور تمھارا لیے بات کرتا۔۔ تمھارا آدھا ادھورا خواہش پورا کر دے۔۔

امینہ خانم نے غصے سے لفظ چبائے تو درخشاں کی گھٹی گھٹی ہنسی گونجی تھی۔۔

وہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر بمشکل خود پر کنٹرول کر رہی تھی۔۔۔

امینہ خانم کی بات پر روزینہ خانم امینہ کو غصے سے گھورتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ابرش نے گھور کر درخشاں کو دیکھا تھا۔۔

روزینہ خانم کی باتوں پر پر ابرش کی رنگت بھی سرخ تھی۔۔

آپی اللہ کی پناہ یہ روزینہ آنٹی اور آپ کی ساس کے ہوتے باقی کسی انٹرٹیمنٹ کی ضرورت نہیں۔۔ عنائیہ نے ابرش کے کان میں جھکتے سرگوشی کی۔۔ شٹ آپ عنائیہ۔۔۔۔۔ ابرش نے اسے گھورا تھا۔۔

ویسے آپ کو بھی تھوڑا زاران بھائی کو تھوڑا کم کاٹنا چاہیے تھا ورنہ یوں سرخ نہ پڑتی آپ اس وقت۔۔۔ عنائیہ نے شرارتی لہجے میں بولتے مسکراہٹ دبائی۔۔

عنائیہ بہت بد تمیز ہو چکی ہو تم۔۔ اتنی فضول گفتگو تم نے کبھی امریکہ میں نہیں کی۔۔ ابرش نے غصے سے کہا۔ امریکہ میں اتنی بے شرمی نہیں ہے جتنی بے شرمی آپ کی حویلی میں پائی جاتی ہے۔

I am fed up of those" khans and khanazadis.This suffocating system here, you can ".keep it to yourself

عنائیہ لفظ چباتے ہوے اٹھ کر مہمان خانے میں موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔۔

ابرش گہرا سانس لیتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔۔۔

شہرام خان نے فارم ہاوس کے گلاس ونڈو سے برستی طوفانی بارش کو دیکھا تھا۔۔ وہ اس وقت اپنے دوستوں کے ہمراہ فارم ہاؤس کے فرسٹ فلور پر موجود تھا۔۔ زاران اسفند اور ارحام اپنے دوستوں کے ساتھ فارم ہاؤس کے گراونڈ فلور پر موجود تھے۔۔۔ باہر شدید طوفانی بارش برس رہی تھی۔۔

شہرام خان ٹیرس کی طرف کا گلاس ڈور کھولتے برستی بارش میں باہر آیا۔۔ نیچے کی طرف بہتا دریا ابل ابل کر باہر آرہا تھا۔۔ موجوں میں شدید طغیانی آئی تھی۔ ٹھنڈی قہر برساتی طوفانی ہواؤں کے تیھیڑوں اور بارش کے موٹے قطروں نے اس جیسے مضبوط انسان کو کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا۔۔

وہ پل میں بھیگا تھا۔ شہرام خان نے آسمان کی طرف نگاہ کی۔

کڑکتی بجلی نے شہرام خان کا عکس اندھیرے میں بھی نمایاں کر دیا تھا۔۔وہ کڑکتی بجلی اس کے سامنے بہتے دریا پر گری تھی کہ پورا فارم ہاؤس لرز اٹھا تھا۔

ایسا طوفان سوات میں آیا تھا جو پہلے کبھی نہ آیا تھا۔۔۔عجب سا طوفان تھا کہ شہرام خان کا مضبوط دل جیسے لرز اتھا۔

اس عشق میں ایسی آگ لگے

دل دریا میں طوفان اٹھے

دھرتی ڈھولے کاش کرے

یہ عشق قیامت بھی ہے جی

یہ عشق عبادت بھی ہے جی

کوئی توبہ کرے کوئی سجدہ کرے

وہ لوہے کی آہنی گرل پر اپنے مظبوط ہاتھ جمائے بہتے دریا کو دیکھ رہا تھا جس کی موجوں میں طوفان کے ریلے اٹھ رہے تھے.

یہ طوفان دیکھتے شہرام خان کے دل و دماغ میں اس وقت دو وجودوں کا ہی خیال آیا تھا۔ یکدم دل عجب سی سوچوں سے لرز اٹھا تھا۔

شہرام خان جلدی نے اندر کی جانب بڑھتے صوفے پر پڑا اپنا موبائل اٹھائے بہارے کا نمبر ڈائل کرتے کان سے لگایا۔

"پہ دومرہ طوفانی باران کہ شہرام تہ بھر.تہ تللی و؟؟؟"

اتنی طوفانی بارش میں باہر کیوں گئے تم؟؟ شہرام کے دوست اتل خان نے شہرام سے پشتو میں پوچھا۔

ایک منٹ۔۔۔ شہرام خان نے اسے انگشت شہادت اٹھائے خاموش ہونے کو کہا۔۔ بہارے کا نمبر آف آرہا تھا۔۔ شہرام خان نے پھر سے اس کا نمبر ڈائل کیا وہ آف آرہا تھا۔۔ شہرام خان نے جھنجھلاتے پھر سے بہارے کا نمبر ڈائل کیا۔۔ وہ مسلسل آف آرہا تھا۔۔ شرام کا خان کا رنگ سرخ پڑ رہا تھا۔۔ فون پر گرفت مضبوط ہوتی جارہی تھی آنکھوں کی رنگت سرخ ہوتی جارہی تھی۔

"کیا لوٹا ہے میں نے تمھارا۔۔ ابھی تو میں نے کچھ لوٹا ہی نہیں لٹنے والے لٹنے کی فریاد نہیں کرتے۔۔ فریاد تب کرنا جب میں سچ میں تمھارا سب کچھ لوٹ لوں گی"

بہارے کے لفظ اس کے سماعتوں میں گونجتے ہتھوڑے کی مانند جیسے اس پر برس رہے تھے۔۔۔ اس کی فون پر گرفت مضبوط ہوتی جارہی تھی۔۔

شہرام خان نے اپنے فون سے درخشاں کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ جو دو بیلز کے بعد اٹھالیا گیا تھا۔۔ درخشاں بہارے کہاں ہے ؟!۔۔ شہرام خان نے فون پر سرد آواز میں پوچھا۔

لالا کمرے میں ہوں گی۔۔ یہاں تو نہیں بلکہ بہارے باجی تو دو گھنٹہ پہلے ہی بہرام کو لے کر اندر کمرہ میں چلا گیا تھا۔۔ درخشاں کی بات پر شہرام خان کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔

اندر کمرے میں جا کر دیکھو وہ ہے۔۔ شہرام خان سرد لہجے میں غرایا۔ کیا ہوا لالا سب ٹھیک تو ہے۔۔ جو کہا ہے وہ کرو۔۔۔ شہرام خان چیخا تھا۔۔

شہرام کے دوست اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔۔

جی لالا۔۔ درخشاں کی کانپتی آواز گونجی تھی۔۔ شہرام خان فون ہاتھ میں پکڑے گہرے سانس لے رہا تھا۔

جو کہو تم کر جائیں

اب ابھی یہیں

مر جائیں

مر جائیں

اک دوجے کا دل

میٹھی سی یاری سے

یادوں سے غم بھر جائیں

ان لفظوں کا مطلب اسے سمجھ آیا تھا۔۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندوں کا مطلب سمجھ آیا تھا۔ اس کا رات کو اپنے قریب آنے دینے کا مطلب سمجھ آیا تھا۔۔ اس کا آج اس کے ہونٹوں سے لپیٹنے کا مطلب سمجھ آیا تھا۔۔ وہ جانتا تھا درخشاں کا جواب کیا ہو گا۔۔ وہ سب جانتا تھا کیونکہ وہ بہارے گل کو جانتا تھا۔۔ شہرام خان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔۔ وہ سب جانتا تھا کیونکہ وہ بہارے گل کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔۔ آفسوس اسی بات کا تھا پھر وہ کیوں آج سمجھ نہیں پایا تھا شہرام خان کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔۔ ماتھے اور گردن کی پھولتی رگیں اب واضح ہو رہی تھیں۔۔۔۔

لالا بھابھی اور بہرام اپنا کمرہ میں نہیں ہے۔۔ درخشاں کی بات پر شہرام خان کے بدن کا تمام خون اس کی آنکھوں مین اترا تھا۔۔ دوسرے پل وہ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائے اپنا موبائل اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالتے بھاگتے

ہوے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔۔اس کے دوست اس کی عجلت پر صوفوں سے کھڑے ہوے تھے۔۔وہ سب کی پکار نظر انداز کرتا کئی سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا سیڑھیاں اتر گیا۔وہ بھاگتے ہوے باہر کی طرف بڑھا۔۔شہرام۔۔۔۔ارحام اسے بھاگتا دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا تھا۔۔زاران اور اسفندیار بھی اس کے پیچھے بڑھے تھے۔۔

وہ سب کی پکار نظر انداز کرتے اندھا دھند بھاگتے ہوئے فارم ہاؤس کے کار پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے اپنی گاڑی میں بیٹھے گاڑی سٹارٹ کرتے اسے بھگا کر لے گیا تھا۔

یہ کہاں گیا ہے اس برستی بارش میں ؟؟۔۔

ارحام نے برستی بارش میں بھیگتے اسفندیار خان اور زاران کو دیکھتے استفسار کیا۔۔

لالا آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں ؟؟۔۔ ہو سکتا ہے اس کے ہسپتال میں کوئی ایمرجنسی ہو گی۔۔ یا پھر حویلی جا رہا ہو گا بیوی کی یاد آ گئی ہو گی۔۔

زاران نے بارش میں بھیگتے اپنے بال انگلیوں سے سنوارتے کہا۔

بکواس بند کرو۔۔۔ تمیز کے دائرے میں بات کیا کرو۔۔ ارحام اسے گھورتا اندر داخل ہو گیا تھا۔ ایک تو لالا سے مذاق بھی برداشت نہیں ہوتا۔۔ لگتا ہے ان کی آج کل حور بھابھی سے نہیں بن رہی۔۔ زاران نے اسفندیار خان کو دیکھتے آنکھ ماری۔۔ لگتا تو مجھے بھی یہی ہے۔۔ ورنہ لالا کمرے سے نکل آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔ آج تو فارم ہاؤس میں رات رک رہے ہیں۔

اسفندیار خان اب ازاران کو آنکھ ماری تھی۔۔

لالا نے ہمارے لبوں سے ایسی بات سن لی تو اسی فارم ہاوس میں ہماری لاشیں دفنائیں گے۔۔ زاران نے مسکراتے ہوئے اسفندیار خان کے کندھے پر

ہاتھ مارا۔۔ یہ تو ہے۔۔۔۔۔ اسفند یار خان نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔ پھر دونوں کا مشترکہ قہقہ گونجا تھا۔۔

اصل میں خان تو لالا ہے۔۔ ہم تو ایسے ہی۔ زاران نے اسفند یار خان کو آنکھ ماری تھی۔

سالے کمینے بکواس کم کیا کر۔۔۔۔ اسفند یار خان نے زاران کو گھورا تھا۔

تو شروع کر دے۔۔۔ زاران اسے گھورتے اندر کی جانب بڑھا۔۔ اسفند طوفانی برستی بارش کو ایک نظر دیکھتے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام خان آندھی طوفان بنا لکڑی کا بڑا سا دراز و کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔۔ زنان خانے کے لکڑی کے بھاری دروازے آپس میں زور دار ٹکرائے تھے۔

زنان خانے میں موجود امینہ خانم روزینہ خانم عابیر زحلے ابرش ہڑبڑاتے ہوے صوفوں سے اٹھی تھیں۔۔ شہرام خان کی آنکھوں میں خون اترا دیکھ کر اور اس کا بھیگا حلیہ دیکھ کر امینہ خانم پریشانی سے اس کی طرف بڑھیں۔

کیا ہوا شہرام ؟؟ امینہ خانم نے پوچھا۔۔ شہرام خان سنی ان سنی کرتے بہارے کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔ بہارے کے کمرے میں داخل ہوتے اس نے اس کی الماری کھنگالتے ہوئے اس کے تمام کپڑے ہر چیز نیچے پھینک دی تھی۔۔ اس کی الماری کی ایک ایک چیز کھنگالی تھی۔۔ اس کا پاسپورٹ کہیں نظر نہیں آیا تھا۔۔۔۔

آپ۔۔۔ شہرام خان نے حلق کے بل چیختے ہوے چھت کی طرف دیکھتے اپنی پسٹل جیب سے نکالتے کی فائر کیے۔ اندر سے آتے فائر کی آوازوں پر روزینہ امینہ خانم نے دل پر ہاتھ رکھے تھے۔ ابرش عابیر کی رنگت بھی فق ہوئی تھی۔۔ کیا ہوا شہرام ؟؟۔۔۔ امینہ خانم نے شہرام خان کو باہر آتے دیکھتے ہولتے ہوے پوچھا۔۔

شہرام خان ن سرخ چہرے کے ساتھ فون کان سے لگائے ہوئے تھا۔

گارڈز کو بولو گاڑیاں نکالیں۔۔۔ اپنی بندوقیں تیار کر کے رکھیں۔۔ سوات کا چپا چپا کھنگال لو۔۔ جہاں کوئی عورت ایک بچے کے ساتھ نظر آئے مجھے انفارم کرو۔۔۔ خبر دار کوئی اس پر گولی نہیں چلائے گا۔۔ اس عورت کو گولی مارنے کا حق بھی صرف شہرام خان کو ہو گا۔۔ شہرام خان پوری قوت

سے دھاڑتے ہوئے تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ روزینہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے اسی لمحے زمین بوس ہوئی تھیں۔۔

شہرام خان کی گاڑی گارڈز کی گاڑیوں کے ہمراہ سوات سوات کا چپہ چپہ چھان رہی تھی۔۔ شہرام خان نے راستے میں بندوقیں تانے کتنی گاڑیاں رکوائیں تھیں۔ جس میں اسے کسی چھوٹے سے بچے کے ہونے کا شبہ ہوتا اس کے گارڈز گاڑیوں سے اترتے راہ گزرتی گاڑی کو روکے ان پر بندوقیں تانے گاڑی کی تلاشی لیتے۔۔

شہرام خان پاگل ہو رہا تھا آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔۔ ڈرائیو کرتے گاڑی سے سر نکالتے اس نے کتنی بار طیش و اشتعال سے آسمان پر فائر کیے تھے۔۔۔

آہہہ۔۔۔ شہرام خان نے چیختے ہوے اپنی پسٹل ونڈ سکرین پر پوری قوت سے دے ماری تھی۔۔

وہ اس کے بیٹے کو لے کر چلی گئی۔۔ اس کی بیوی اس کی عورت اسے دھوکہ دیتے رات کے اندھیرے میں حویلی کی دہلیز عبور کر گئی تھی۔۔ وہ پاگل ہوا رہا تھا۔۔۔ طوفانی بارش اپنے عروج پر تھی. دریاؤں سے پانی ابلتا سوات کی سڑکوں کو بھی دریا کی طرح گہرا کر چکا تھا۔ شہرام کی گاڑی اور اس کے گارڈز کی گاڑیاں جیسے بہتے دریا سے گزر رہی تھیں۔

برفیلی ٹھنڈی قہر برساتی سردی میں شہرام خان کی گاڑی کے چاروں شیشے کھلے تھے۔ برفیلی ہواؤں سے اس کا سرخ چہرہ مزید سرخ ہو رہا تھا۔ آہہہ ۔۔۔۔۔ شہرام خان نے چیختے ہوے اپنی شال اتار کر اپنی قمیض کے بٹن جکڑے توڑ دیے تھے۔

شہرام خان نے ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھائے بہارے کا نمبر ایک بار پھر سے ڈائل کیا جو آف آرہا تھا۔

نہیں چھوڑوں گا نہیں چھوڑوں گا تمھیں۔۔۔یہ تمھاری بھول ہے تم مجھ سے دور جا سکتی ہو۔۔میرے بہرام کو مجھ سے دور کر سکتی ہو۔۔وہ حال کروں گا تمھارا تمھارا نازک وجود کانپ اٹھے گا۔۔شہرام خان نے چیختے ہوے موبائل ڈیش بورڈ پر پٹختے ہوے اپنی گاڑی کا رخ سوات میں قائم سیدو شریف ائرپورٹ کی طرف کیا تھا۔

شہرام خان بھاری قدموں سے سیدو ائیرپورٹ کے آحاطے میں داخل ہوا تھا اس کے درجنوں گارڈز گاڑیوں سے اترے تھے۔۔شہرام خان کے اشارے پر وہ وہیں رک گئے تھے۔ایرپورٹ پر سکیورٹی ہونے کی وجہ سے وہ

وہ گارڈز کے ہمراہ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ بہارے خان اس کے قہر اور فطرت سے بخوبی واقف تھی. وہ سوات بلکہ پورے پاکستان میں نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً ائیر پورٹ سے کسی دوسرے ملک فرار ہو رہی تھی.۔۔

وہ اپنی شال کندھوں پر جھٹکتا سرخ چہرے کے ساتھ ائرپورٹ کے اندر داخل ہوا۔۔ اس کے بھاری قدموں کی دھمک سے ایرپورٹ کا چمکتا فرش جیسے لرز رہا تھا۔۔۔

وہ سرد سرخ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا رہا تھ

یکدم اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔

وہ ائیر پورٹ کے لاونج میں سیاہ چادر سے خود کو اچھی طرح ڈھانپے بہرام کو گود میں لیے بیٹھے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی.۔ موسم کی

خرابی کی وجہ سے اس دبئی کی فلائٹ مس ہو گئی تھی۔ ابھی فلائٹ کے ٹیک آف ہونے کی آناؤسمنٹ ہو رہی تھی۔۔ پسینجرز کو بورڈنگ کے لیے بلایا جا رہا تھا۔ بہارے بہرام کو سینے سے لگائے اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے صوفے سے اٹھی تھی۔ اپنے سامنے شہرام خان کو دیکھ کر وہ پسینے میں نہلائی تھی۔۔ پورا بان جی جان سے کانپ اٹھا تھا۔۔ چہرے سے نقاب چھوٹ کر گرا تھا۔۔

شش۔۔۔۔ شہرام خان۔۔۔ بہارے کے لبوں سے خوف کے مارے اس کا نام ٹوٹ کر ادا ہوا تھا۔۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچتے کپکپاتے وجود کے ساتھ کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔۔

شہرام خان گہرے سانس لیتا خون اتری آنکھوں سے بہارے کو دیکھ رہا تھا ۔جو گہرے سانس لیتے بہرام کو اپنے سینے میں بھینچے لرزتے ہوئے شہرام کو بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی.

شہرام اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اس کی طرف بڑھا۔۔

بہارے لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہوئی۔ شہرام اسے کلائی سے جکڑے لاونج کی طرف بڑھا تھا۔۔

بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے اس کے ساتھ ربوٹ کی مانند خوفزدہ سی چل رہی تھی۔۔

وہ اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے اپنے بھاری قدموں سے اس کی کلائی جکڑے بہت تیزی سے باہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔

بہارے اس کی سخت گرفت میں اب کھنچ رہی تھی۔۔۔وہ اپنی چادر سنبھالتے بہرام کو خود میں بھینچے بمشکل چل رہی تھی۔۔۔شہرام خان کی چوڑی پشت کو دیکھتے اس کے وجود کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی.

یکدم اس کے قدم رکے تھے۔۔شہرام خان کے بھاری قدم بھی رکے تھے۔۔مگر وہ بنا پلٹے اس کی کلائی اسی پل بے دردی سے کھینچ چکا تھا وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی. بہرام اس کی گرفت سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

بہرام۔۔۔بہارے لڑکھڑاتی ہوئی اسے سینے سے لگاتے چیخی تھی۔۔۔

شہرام اسے بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے آگے بڑھ گیا تھا۔۔بہارے بے یقینی سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی ۔۔اسے تو اپنے بیٹے کی پرواہ نہیں تھی۔۔وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا بہارے کا وجود خوف سے زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔وہ جانتی تھی اس کے

لیے اس سے زیادہ نرم کوئی نہ رہا تھا۔ اور آج اس کے اس سے بڑھ کر سفاک کوئی نہیں ہو گا۔ وہ اپنے شہرام خان کو بہت پہلے کھو چکی تھی۔ آج اس نرم مزاج شہرام خان کو بھی کھو چکی تھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھائے اس کی کلائی کھینچتے آگے بڑھ رہا تھا۔ بہارے خان کھلے چہرے کے ساتھ بہرام کو سینے میں بھینچتے اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔

ائیرپورٹ سے باہر آنے پر برفیلی ٹھنڈی ہواؤں کے تھپیڑوں سے بہارے کا وجود مزید کپکپایا تھا۔۔ وہ کمبل میں لپٹے بہرام کو مزید سینے میں بھینچے گئی تھی۔۔ بہارے کی چادر سر سے سے پھسلتی شانوں پر آئی تھی۔۔۔

کھلے آسمان کے نیچے آتے تیز بارش نے بہارے کو ایک پل میں ہی بھگو دیا تھا۔۔

شہرام ہمارا بہرام۔۔۔۔۔ بہارے نے بارش میں بھیگتے ٹھٹرتے ہوے شہرام کو پکارا۔۔۔ جس کا کمبل بھی بھیگ گیا تھا۔

شہرام سنی آن سنی کرتا اس کی کلائی جکڑے بے دردی سے کھینچتا تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا

شہرام خان۔۔۔۔۔ ہمارا بیٹا بہرام خان بھیگ رہا ہے۔۔ وہ مر جائے گا اس طوفانی بارش میں۔۔۔۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی۔

شیش۔۔۔ آواز نہیں ورنہ اسی مقام میں تمھاری قبر بنا کر زندہ گاڑھا دوں گا۔ شہرام رکتے ہوے اس کے بالوں کو دبوچے اسے اپنے مقابل کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی خون آشام آنکھیں گاڑھے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔۔

بہارے نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا وہ اس کے ساتھ باہر کبھی ایسا سلوک بھی کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

بہارے کے کھلے بھیگے بال اس کے شانوں پر بکھرے تھے۔۔ بالوں پر ماتھا پٹی سجائے ہوے تھی۔۔ وہ ویسے ہی دلہن کی طرح تیار تھی۔ میرون رنگ سے سجے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے کانپتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوتی جا رہی تھی. شدید طوفانی بارش انھیں مکمل طور پر بھگو چکی تھی۔۔ بہرام کا کمبل بھی پوری طرح بھیگ چکا تھا۔۔ ب

شہرام خان اسے کلائی سے کھینچتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے گاڑی کا پچھلا طرف دروازہ کھولتے اسے اندر دھکیل گیا۔۔ بہرام۔۔۔۔ بہارے اسے سینے سے لگائے چیخی تھا۔

شہرام خان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔۔ بہارے خان کی سسکیاں اور چیخیں عروج پر تھیں۔ شہرام خان فل سپیڈ میں اپنی گاڑی حویلی کی طرف موڑ چکا تھا۔

۔اس کی گاڑی کے پیچھے اس کے گارڈ کی گاڑیاں بھی بڑھیں تھیں

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چھوڑو مجھے شہرام خان۔۔۔ بہارے حویلی کے لاؤنج میں داخل ہوتے چیخی تھی.

سب دہلتے ہوتے صوفوں سے اٹھے تھے۔اس وقت زنان خانے میں امینہ خانم روزینہ خانم حور عابیر ابرش سب ہی موجود تھے۔۔

شہرام خان حویلی میں داخل ہوتے اسے بے دردی سے صوفے پر دھکیل گیا تھا

بہرام۔۔۔ بہارے اوندھے منہ صوفے پر گری تھی۔۔۔ بہرام کو سینے میں بھینچتے بری طرح چیخی تھی۔۔ بہارے نے بدحواص ہوتے بہرام کا کمبل اتارتے اسے دور پھینکا تھا۔۔

وہ ابھی بھی گہری نیند سو رہا تھا۔ بہارے نے آج اسے نیند کی میڈیسن دی تھی. وہ نہیں چاہتی تھی اسے وہ ائیر پورٹ یا پھر کہیں ڈسٹرب کرے اسے مسلہ ہو۔ وہ سوئے ہوے بہرام کو سینے میں بھینچتے شدت سے رو دی تھی۔۔

روزینہ خانم روتے ہوے بہارے کی طرف بڑھیں۔

خبر دار کوئی اس عورت کی طرف نہیں بڑھے گا کوئی اس عورت کی طرف نہیں برھے گا ورنہ اس عورت کی قبر میں یہاں اس جگہ پر بناؤں گا۔۔ شہرام کی صور جیسی پھنکار پر روزینہ خانم کے قدم رکے تھے۔

سب لرزتے ہوے شہرام خان کو دیکھ رہے تھے جس کے چہرے پر چٹانوں کی سختی تھی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔۔

امینہ خانم ابرش حور عابیر عنائیہ سب لرز رہے تھے۔ شہرام خان کے غصے سے سب بخوبی واقف تھے۔۔ وہ پسٹل پکڑے بہارے کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ صوفے پر سوئے ہوے بہرام پر جھکی سسکتے ہوے بہرام کے نرم گلابی چہرے پر انگلیاں پھیر رہی رہی تھی۔ اس کی چادر زمین پر پڑی تھی۔ وہ اس وقت میرون فراک میں ملبوس تھی۔۔ جو گیلا ہونے ک ساتھ اس کے بدن سے چپکا ہوا تھا۔ بال کمر اور عارض پر بکھرے تھے۔

امینہ خانم اپنے دل پر ہاتھ رکھے شہرام خان کو دیکھ رہی تھیں۔ جو پسٹل ہاتھ میں پکڑے اس کی نوک سے اپنا ماتھا سہلاتے بہارے خان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایکٹ امینہ خام کو لرزا رہے تھے۔۔ شہرام کے خوف سے وہ خود بری طرح لرز رہی تھیں۔ وہ غصے میں لحاظ بھول جاتا تھا۔ حویلی کے کسی مرد کا نمبر بھی نہیں مل رہا تھا وہ لوگ کب سے ٹرائے کر رہے تھے۔۔

شہرام خان نے آگے بڑھتے بہرام کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بہارے بہرام کو جلدی سے صوفے سے اٹھاتے اپنے سینے میں بھینچ کی تھی۔

یہ میرا بیٹا ہے شہرام خان اس پر تمھارا کوئی حق نہیں۔ بہارے خان چیخی تھی. شہرام خان غصے سے اس کے ہاتھوں سے بہرام کو چھین چکا تھا۔

شہرام میرا بیٹا مجھے تمھارا اس پر کوئی حق نہیں۔۔۔ دو بہارے صوفے سے اٹھتے شہرام کی طرف بڑھی شہرام نے اسے پوری قوت سے بے دردی سے

زمین پر بے دردی سے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گرتی ٹھنڈی زمین کا حصہ بنی بری طرح سسک پڑی تھی۔

مورے۔۔۔ آج کے بعد بہرام کا بہارے سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔۔ شہرام نے بہرام کو امینہ خانم کو پکڑاتے سرد لہجے میں حکم دیا تھا۔ شہرام کی بات پر بہارے زمین کا حصہ بنی چیخ چیخ کر کر رو دی تھی۔۔

آج کے بعد۔۔۔ میرے بیٹے کا اس عورت سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔۔ شہرام خان اس کے پچھلے ڈیپ گلے سے نظر آتی اس کی برہنہ کمر کو دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔

ابرش حور عابیر بھیگی آنکھوں سے بہارے کو دیکھ رہی تھیں۔۔ روزینہ خانم کی حالت تو ایسے تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے شہرام خان کو دیکھ رہی تھیں۔

بہرام میرا بیٹا ہے شہرام خان تم جیسے سفاک بیوفا انسان کا بیٹا نہیں ہے

۔۔میں نے موت سے لڑتے اسے جنم دیا تم نے اسے مارنے میں کوئی کسر

نہیں چھوڑی تھی۔۔ جیسے ابھی نہیں چھوڑی تھی.۔۔برستی بارش میں گھسیٹتے

ہوے مجھے لائے ہو۔۔ بہرام دس دفعہ گرتے گرتے میرے ہاتھوں سے بچا

ہے۔۔ تمھیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔۔ تم جیسا سفاک انسان صرف خود

سے محبت کرتا ہے۔۔ بہرام میرا بیٹا ہے صرف میرا بیٹا ہے سنا تم

نے۔۔ بہارے زمین سے اٹھتی اس کے مقابل آتی اس کی آنکھوں میں

دیکھتے چیخی تھی.

بکواس بند کرو اپنی بیہودہ عورت ورنہ زبان کاٹ دوں گا تمھاری میں۔ شہرام

اس کے بالوں کو دبوچتے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے پھنکارا۔ بہارے اپنے بال ایک ہاتھ سے چھڑواتے سسک پڑی۔ وہ

اس کے بالوں کو مزید بے رحمی سے دبوچے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔ بہارے بے بسی سے چیخیں چیخیں مار مار کر رو دی تھی۔۔۔ اس کی کرلاتے بین سے حویلی کے در و دیوار لرز رہے تھے۔۔

شہرام یہ کیسا سلوک کر رہا ہے تم اپنا عورت کے ساتھ۔۔ بھولو مت یہ تمھارا عزت ہے۔۔ امینہ خانم بہرام کو سینے میں بھینچتے شہرام کی طرف بڑھیں۔

کس نے کہا یہ عورت عزت ہے میری۔۔ یہ عورت میری عورت ہے۔۔ نہیں یہ میری عزت نہیں ہے یہ میری عورت شہرام خان بہارے کے بالوں کو دبوچتے حلق کے بل چیخا تھا۔

ایسی ہوتی ہے عزت ایسی ہوتی ہے عورت تو مجھے ایسی عورت نہیں چاہیے۔۔ جس نے رات کے اندھیرے میں میری دہلیز عبور کرتے ایک بار میری عزت کے متعلق نہیں سوچا۔

ایک بار نہیں سوچا کہ اس کا یوں بھاگنا میری نظریں نیچے کر چکا۔ ہے۔ کیا سوچ رہے ہوں مگے میرے گارڈز۔۔۔ گیٹ پر کھڑا چوکیدار اس حویلی کا ہر ملازم کہ شہرام خان کی بیوی آخر بھاگی تو کیوں بھاگی۔۔۔ جو عورتیں رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑیں وہ عزت کرنے کے لائق نہیں ہوتی جی کر رہا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے پالتو کتوں کے ڈال دوں۔۔ شہرام خان بہارے کے بالوں کو دبوچتے دھاڑا تھا۔۔

شہرام کی بات پر ابرش اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔ ۔عنائیہ شہرام خان کو دیکھتے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔۔ خانزادوں کا خوف اس کی روح تک میں اتر چکا تھا۔۔

تو مار ڈالو شہرام خان مجھے۔۔۔ تمھاری بیوفائی مجھے ویسے بھی مار چکی ہے۔۔ بہارے اپنے بال چھڑواتے چیخی۔۔

بکواس بند کرو تم نے ایک لفظ منہ سے نکالا قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی سب کے سامنے تمھارا وہ حال کروں گا تم اپنی آئینے میں دیکھتے سو بار سوچو گی۔۔ شہرام خان بھوکے بھیڑیے کے مانند غرایا۔۔ بہارے اس کی آنکھوں میں وحشت اور اس کی قسم پر خوف سے خاموش ہوئی تھی۔۔

غلطی میری ہے جو تم جیسی عورت کو سر پر چڑھایا جس دن تم پہلی بار یہ حویلی چھوڑ کر دبئ بھاگ رہی تھی اسی دن تمھاری قبر بنا دیتا تو آج شہرام خان کی نظریں ٹکے ٹکے کے لوگوں کے سامنے نہ جھکتی۔۔ شہرام خان کی بات پر روزینہ خانم کے قدم لڑکھڑائے تھے. امینہ خانم نے بے یقینی سے بہارے کو دیکھا تھا۔ باقی سب بھی حیرانگی سے بہارے کو دیکھ رہے تھے. میری غلطی تھی شہرام خان کی غلطی تھی جس نے عورت ذات کو اپنے سر کا تاج بنایا ۔۔ پہلے دن شہرام خان بہارے خان کو اس کی اوقات میں رکھتا اس کے

پیروں میں زنجیریں ڈال کر رکھتا آج بہارے خان یوں شہرام خان کو دغا نہ دیتی۔۔اس کے بیٹے کو یوں رات کے اندھیرے میں لے کر باہر جانے کا سوچتی بھی ناں۔۔شہرام خان اس کے بالوں کو جھٹکا دیتے پھنکارا تھا۔

میں نے تمھیں دغا نہیں دیا شہرام خان۔۔دغا تم نے دیا تھا۔دوسری عورت کے ساتھ تمھارے ناجائز تعلقات تھے. بہارے اپنے بال چھڑواتے سسکی تھی۔۔

یہی غلطی تھی میری۔۔۔یہی غلطی شہرام خان کی تھی کہ وہ عورت کے ساتھ میرا رشتہ حرام کا تھا۔۔اگر حلال ہوتا تو تم چیخ چیخ کر میرے کردار پر وار کرتے مجھے بیوفا نہ کہتی۔۔شہرام غرایا تھا۔۔

مانتے ہو تم بیوفا ہو مانتے ہو تمھارے اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے شہرام خان۔۔بہارے اس کا گریبان پکڑ کر بری طرح چیخی تھی.۔۔

مانتاہوں میں بیوفاہوں۔۔مانتاہوں میں نے دغا کیا۔۔مانتاہوں مجھ ساحرام

ذا۔۔۔۔د۔۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی نہیں۔۔مانتاہوں مجھ جیسا

بغیرت کوئی نہیں۔۔۔مانتاہوں میں نے جرم کیا۔۔۔مانتاہوں شہرام خان

ایک نمبر کا آوارہ بدکردار انسان ہے جس کا کوئی کردار نہیں۔۔۔شہرام

خان اس کے ہاتھ اپنے گریبان چھڑواتے ہوے اسے زمین پر پٹخ چکا تھا۔

آہہہہ۔۔۔۔۔۔شہرام خان نے اپنے دونوں ہاتھ لاونج میں لگے فینسی کٹاؤ

دار مرر میں مارے تھے۔کٹاؤدار شیشہ اس کے ہاتھ زخمی کر چکا تھا۔

آہہہہ۔۔۔شہرام خان اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے چیخا تھا۔۔

سب شہرام کو دیکھتے تھر تھر کانپ رہے تھے۔۔امینہ خانم زارو قطار رو رہی

تھیں۔۔

روزینہ خانم دل پر ہاتھ رکھے صوفے پر بیٹھیں اپنا سر ہاتھوں میں تھامے ہوے تھی۔

بہارے زمین پر اوندھے منہ گری بری طرح رو رہی تھی۔۔

درخشاں اسے میرے کمرے میں لے جاؤ۔ امینہ خانم نے سوئے ہوے شہرام کو درخشاں کو پکڑایا۔۔

یہ میرا بیٹا ہے کسی کو نہین دوں گی یہ صرف میرا بیٹا ہے۔۔ بہارے زمین سے اٹھتی جلدی سے درخشاں کی طرف بڑھتے بہرام کو پکڑے اپنے سینے سے جکڑ چکی تھی۔۔

شہرام خان نے بہارے کی طرف بڑھتے اس سے بہرام کو چھینا تھا۔۔ چھوڑو شہرام یہ میرا بیٹا ہے تمھارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔۔ تم اس کے باپ نہیں۔۔۔

بہارے روتے ہوے بہرام شہرام سے چھینتے بری طرح سسکی تھی۔

شہرام بہرام اس سے چھینتے درخشاں کو پکڑا گیا تھا۔ درخشاں روتے ہوے بہرام کو پکڑتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی تھی.

وہ۔۔ میرا۔۔۔ بیٹا۔۔۔ ہے۔۔۔ شہرام۔۔۔ تم۔۔۔ جیسے۔۔۔ انسان۔۔۔ کا بیٹا۔۔۔ نہیں۔ میرا۔۔۔ بیٹا۔۔۔ مجھے۔۔۔ دے۔۔۔ دو۔۔ بہارے نے شہرام کا گریبان جکڑتے ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں سے روتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے التجا کی تھی.

وہ تم جیسی عورت کا بیٹا نہیں۔۔۔اب نہ کبھی تم اسے دیکھ سکو گی۔۔تم جیسی عورت اس کی ماں نہیں ہو سکتی۔۔۔شہرام برفیلے لہجے میں پھنکارتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔

مجھ جیسی عورت سے کیا مراد تمھاری۔۔بہارے اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے سسک پڑی تھی۔۔

وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔مقابل کا سہارا نہ ہوتا وہ ابھی تک زمین بوس ہو جاتی۔۔

تم جیسی عورت سے مراد وہ عورت جسے اپنے شوہر اپنے باپ کی عزت کی پرواہ نہ ہو جو خود غرض ہو۔۔جسے پتہ ہی نہ ہو رات کے اندھیرے گھر چھوڑنے پر کیسے کیسے اس پر تہمتیں لگتی ہیں۔دنیا کیا نام دیتی ہے ایسی عورت کو۔۔

اور بند کر دے ہ ڈرامہ تم ایک اچھی ماں ہو تم بہرام سے بہت محبت کرتی ہو۔۔۔ شہرام خان گر جاتھا۔ وہ بری طرح لرز اٹھی تھی۔ ہاتھوں سے شہرام کے گریبان چھوٹا تھا۔ اس کا کانپتا بدن زمین بوس ہونے لگا تھا کہ شہرام خان اسے کمر سے تھام گیا تھا۔

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے میں گڑھیں تھیں۔ وہ لرزتے ہوے سسکیاں لیتے گلابی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی تھی اگر وہ اسے تھامے نہ ہوتا وہ زمین پر لڑکھڑتے ہوے جا گرتی۔۔

شہرام اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھورتے اسے صوفے پر دھکیل گیا تھا۔

میرے بہرام کو مجھ سے دور لے کر جا رہی تھی یہ عورت۔۔۔۔ شہرام خان اس کے صوفے پر اوندھے منہ گرے سسکتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورتے پھنکارا تھا۔

اتنی ہمت تمھاری؟؟۔۔۔وہ اس کی طرف بڑھتے صوفے پر پاؤں رکھتے اسے کندھے سے جکڑے سیدھے کرتے ہوے اس پر جھکے اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔۔

دوسرے پل وہ اسے کلائی سے جکڑے اس کے سسکتے کرلاتے وجود کو کھینچتے گھسیٹتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

چھوڑو مجھے شہرام خان بہارے پر تمھارا کوئی حق نہیں۔۔۔۔حق ختم کرو مجھ پر اپنا۔۔۔۔وہ اس کے ساتھ گھسیٹتی ہوئی روتے ہوے حلق کے بل چیخی تھی.

اس کی چیخ پر شہرام کے قدموں میں تیزی آئی تھی.

بھابھی روکو اسے وہ مار دے گا ہمارا بیٹی کو۔۔۔۔روزینہ خانم امینہ خانم کے سامنے ہاتھ جوڑتے گڑگڑائی تھی.

شہرام۔۔۔امینہ خانم شہرام خان کو پکارتے جلدی سے شہرام کی طرف بڑھیں۔۔

کوئی نہیں آئے گا کوئی نہیں آئے گا آج میرے اور اس عورت کے بیچ ۔۔۔۔۔۔ورنہ شہرام خان اس عورت کے وجود پر سب کے سامنے گولیاں چلائے گا۔۔ شہرام رکتے ہوے بنا پلٹے دھاڑا تھا۔ شہرام کی دھاڑ پر روزینہ خانم روتے ہوے وہیں زمین پر بیٹھ گئ تھیں۔

امینہ خانم سب لرز کر رہ گئے تھے۔

بہارے کی خوف سے سسکیاں تھمی تھیں۔ شہرام خان اس کی کلائی جکڑے اپنے کمرے میں داخل ہوتے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا تھا۔

کمرے کا دروازہ لاک کرتے شہرام خان نے بہارے کو بیدردی سے بیڈ پر دھکیل ا۔ وہ اوندھے منہ گری خوف سے سسکتی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی

--

شہرام خان نے اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کرتے اس پر جھکا تھا۔۔ کمرے کی نیلگوں روشنی میں بہارے نے خوف کے لرزتے ہوے شہرام کو دیکھا تھا۔

کس نے مدد کی تمھاری؟؟ کیسے پہنچی تم ائیر پورٹ؟؟ شہرام خان اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا تھا۔۔

بہارے کی آنکھوں میں دیکھتے درد سے کراہ کر رہ گئی تھی وہ اتنی بے رحمی سے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا کہ اس کی کھردری انگلیاں اسے اپنے جبڑے میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔

بولو۔۔ وہ اس کا جبڑہ مزید دبوچتے پھنکارا تھا۔

مم۔۔۔ میرے۔۔۔ کالج۔۔۔ کے۔۔۔ اسی۔۔۔ کولیگ۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔ نے۔۔ جس۔۔۔ نے۔۔۔ پہلے۔۔۔ بھی ۔۔ میرے۔۔۔ کاغذات۔۔۔ بنائے۔۔۔ تھے۔۔ بہارے نے شہرام خان کی سرد سفاک آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بتایا۔۔

کیسے نکلی حویلی یہاں سے کس نے کی تمھاری مدد۔۔۔ شہرام مزید اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔۔ اس کی بے رحم گرفت پر بہارے کی آنکھوں سے شدت سے آنسو رخ پر برسے تھے۔۔۔

بتاؤ۔۔۔ شہرام اس کے جبڑے پر گرفت ہلکی کرتے اس کے کان کی لو کو دانتوں میں لیتے بے دردی سے کھینچتے غرایا تھا۔۔

حویلی۔۔۔ میں۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔ ہوئی۔۔۔۔ مہمانوں۔۔۔ کے ۔۔۔۔ ساتھ ہی۔۔۔ گیٹ۔۔۔۔ سے۔۔۔ نکلی۔۔۔۔ تھی۔۔ چچ ۔۔۔ چادر۔۔۔۔ میں۔۔۔۔

تھی۔۔ بہرام۔۔۔ کو۔۔۔۔۔ چادر۔۔۔ میں۔۔۔ چھپایا۔۔ تھا۔۔ اس لیے۔۔۔۔ گل

۔۔۔خان۔۔کو۔۔۔پتہ۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔چلا۔۔۔۔۔۔بہارے نے سسکتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بتایا۔۔

شہرام کا خوف صیح معنوں میں اس پر چھایا تھا۔۔۔وہ اپنا پہاڑ جیسا وجود اس پر لادے ہوے تھا۔وہ اس کے چٹان جیسے وجوڈ کے نیچے سانس بھی بمشکل لے پا رہی تھی۔۔وہ اس کا جبڑہ بھی خطرناک حد تک دبوچے ہوے تھا۔۔۔

باہر کے مردوں پر بہت اعتبار ہے تمھیں۔۔اپنے شوہر پر اعتبار نہیں تمھیں۔۔شہرام اس کے بال دبوچتے چیخا تھا۔۔

تم۔۔۔اعتبار۔۔۔۔کرنے۔۔۔۔۔کے۔۔۔۔لائق۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔ہو۔۔۔۔شہرام خان۔۔۔تم نے مجھے دھوکہ دیا۔۔۔تم دوسری عورت کو اپنے سینے سے لگائے کھڑے تھے۔۔۔کیسے اعتبار کروں تمھارا۔۔۔۔تم

اعتبار کرتے اگر میں کسی مرد کے ساتھ ایسے۔۔۔ بکواس بند کرو اپنی تم ۔۔۔۔ شہرام خان اس کا جبڑہ دبوچتے حلق کے بال دھاڑا تھا۔۔

تم نے مزید ایسی بکواس کی کسی اور مرد کا نام بھی لیا قسم کھاتا ہوں بہرام کی تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ اتنا تو مجھے جانتی ہو میں بہرام کی قسم کبھی جھوٹا نہیں کھا سکتا۔۔ شہرام خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔۔ وہ اس کی پھنکار پر سسکتے خاموش ہوئی۔

تم اس لایق ہی نہیں تھی بہارے گل۔۔ میں تم سے عشق کرتا۔۔ تمھیں چاہتا۔۔۔ تم ایک ضدی عورت ہو۔۔ جس نے ہمیشہ مجھے تکلیف دی۔۔ تم نے یہ سب مجھے اذیت دینے کے لیے کیا۔۔ مجھے سزا دینا چاہتی تھی۔۔ میرے بہرام کو مجھ سے دور لے کر جا رہی تھی تم۔۔۔ میرے

بہرام۔۔۔ شہرام خان کے بہرام کو ہاں۔۔۔ شہرام اس کے بال دبوچتا چیخا تھا۔۔

چھوڑو مجھے شہرام خان۔۔۔۔۔۔ بہارے خان بھی تمھارے سو کالڈ عشق سے پناہ مانگتی ہے۔۔ جس نے میرا سب کچھ مجھ سے چھین لیا۔۔ مگر میں تمھیں اپنا بہرام چھیننے نہیں دوں گی۔۔۔ نہیں رہنے دوں گی تمھاری پناہوں میں اپنے بیٹے کو۔۔ وہ صرف میرا بیٹا ہے۔۔ کوئی حق نہیں تمھارا مجھ پر اور میرے بہرام پر۔۔۔۔۔۔ شہرام خان.. نہیں رہوں گی تم جیسے انسان کے ساتھ میں اب کبھی۔۔ بہارے شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی..

میرے بیٹے کو مجھ سے دور کرو گی تم۔۔ شہرام خان کے مقابل آؤ گی۔۔۔ا

ب میں تمھیں بتاؤں گا میرے نزدیک تمھاری اوقات کیا ہے۔ میرا تم پر حق کیا ہے ؟۔ شہرام اس کی ماتھا پٹی بے دردی سے نوچتے چیخا تھا۔

بہارے درد سے سسکتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

وہ اس کی ماتھا پٹی زمین پر پھینکتے اس کے ہونٹوں پر جھکے بے دردی سے انھیں اپنی سفاکی کا نشانہ بنا گیا تھا۔

بہارے بن آب مچھلی کی طرح اس کے نیچے دبی تڑپی تھی.

اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔۔ وہ اس کی کلائیاں جکڑ گیا تھا۔۔ کلائیاں ٹوٹ کر شہرام کے زخمی ہاتھوں اور بہارے کی کلائیوں مین پیوست ہوئی تھیں۔۔

اس کی سسکیاں گھٹی تھیں۔ وہ اس کے نازک ہونٹوں پر اپنا قہر بہت بے رحمی سے ڈھا رہا تھا۔ بہارے کی ٹانگیں پینک ہوئی تھیں۔۔ وہ اپنی ٹانگیں ہلاتے اسے خود سے دور کرنے لگی۔۔ وہ اس کی ٹانگوں کو لائک کرتے اس کے لبوں کو دانتوں میں دبائے اس کی سانسیں روک گیا تھا۔۔

بہارے کا وجود اس کے حصار میں ساکت ہوا تھا۔ وہ اس کے ہونٹوں پر گہرا زخم دیتے پیچھے ہوا۔

بہارے گہرے سانس لیتے خوف سے اسے دیکھ رہی تھی جو سچ میں اس کا شہرام نہ رہا تھا جس نے اسے کبھی اتنی تکلیف نہیں دی تھی.

شہرام خان اس کی خوف زدہ بے یقین آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔۔

دوسرے ہی لمحے وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکائے اس کی فراک کو اس کے بدن سے آزاد کرتے اس کے جسم کو باقی پردوں سے بھی آزاد کر گیا تھا۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے نے خوف سے اسے دیکھتے بے یقینی سے اسے پکارا ۔۔۔

شہرام خان نے اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ لے جاتے اس کے چوکر کی ڈوری اتنی زور سے کھینچی تھی کہ بہارے کی سانسیں رکی تھین وہ بنا پرواہ کیے وہ ڈوری کھینچتا توڑ چکا تھا۔۔ بہارے کی گردن پر جھکے بے رحمی سے دانت گاڑھ گیا۔۔

بہارے کی ہولناک چیخیں کمرے کو ہولا رہی تھیں۔ شہرام حان اس کی گردن پر بے رحمی دکھاتے اس کی گہرائیوں پر اپنی سفاکی دکھانے لگا۔۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے شہرام خان کی طرف دیکھتے رورے ہوے سسکی تھی.

اس کی سفاکی پر بہارے کی ہولناک چیخیں کمرے کو ہولا رہی تھیں۔ شہرام خان اس کی گردن پر بے رحمی دکھاتے اس کی گہرائیوں پر اب اپنی سفاکی دکھانے لگا۔۔

شہرام۔۔۔۔ چھوڑو مجھے۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔ اپنی نازکی پر اس کی سفاکی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔ وہ بلبلاتے ہوے تڑپتے ہوے چیخ پڑی۔۔ وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے وہاں اپنے دانت مزید شدت سے گاڑھتے اسے مزید تڑپانے لگا۔ اب کمرے میں بہارے کی دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں۔۔ شہرام خان اس کی گہرائیوں پر اپنی سفاکی دکھاتے اس کے بدن کے ہر حصے پر جھکتے اپنی وحشت بربریت ڈھانے لگا۔۔ بہارے کی

چیخیں حلق میں گھٹ رہی تھیں۔۔ شہرام نے اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتار کر دور پھینکی تھی۔۔

میں مر جاؤں گی شہرام خان۔۔۔ مم۔۔۔ میرے قریب مت آنا۔۔۔ میں تمھیں مزید برداشت نہیں کر سکوں گی۔۔ تم مجھ میں سمائے تو میں مر جاؤں گی۔۔ بہارے اس کے برہنہ وجود کو دیکھتے خوف سے رو پڑی تھی۔۔ جتنی وحشی پن وہ دکھا چکا تھا وہ مزید اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ ظاہری طور پر وہ اس کی سفاک پین برداشت کر گئی تھی۔ مگر اندرونی طور پر وہ مر جاتی۔۔ وہ جانتی تھی وہ کتنا بے رحم ہے جس کی نرمی وہ براشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ اس کی سختی آج اس کی سانسیں روک دیتی آج تو اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔۔

آج یقیناوہ اس کے قریب آکر اسے مارنے کا آرادہ رکھتا تھا۔۔

بہارے خان آج تمھیں پتہ چلنا چاہیے۔۔ مرنا ہوتا کیا ہے؟؟ کتنی بار تم نے مجھے موت دی ہے۔۔۔۔ زندہ رہ کر مرنا کیا ہوتا ہے آج تمھیں بتاؤں گا میں۔۔ بتاؤں گا تمھیں حویلی سے ائیر پورٹ کا راستہ کتنا اذیت ناک تھا؟؟ کتنی بار میں مرا کتنی بار میں کی جیا۔ شہرام خان اس کی کلائیاں جکڑے اس کے اوپر جھکا۔

بہارے خان خوف سے آنکھیں بند کر چکی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس میں سماتا۔ شہرام خان کرنٹ کھاتے پیچھے ہوئے تھا۔ اس کی گہرائیوں پر پڑنے نشانات پر ایک پل کے لیے وہ نظریں چرا گیا۔ وہ اس کے حصار میں کانپتے ہوے بری طرح سسک رہی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتا اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اس کی بند آنکھوں پر لرزتی پلکیں اور اس کا خوف سے کانپتا بدن دیکھتے شہرام اس کی کلائیاں آزاد کر چکا تھا۔۔

بہارے نے آنکھیں کھولتے اسے بے یقینی سے دیکھا جو اس پر جھکا اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا

تم اس قابل نہیں ہو بہارے خان۔۔۔ تمھیں شہرام خان چھوے میری محبت میری نفرت کے قابل بھی تم نہیں ہو۔۔ شہرام اس کے اوپر سے اٹھتے اپنے برہنہ وجود کو ڈھانپ کیا تھا۔ اپنی شرٹ پہنتے ہوئے شہرام نے زمین سے بہارے کی فراک اٹھا کر اس پر پھینکی۔ پہنو اسے۔۔۔ شہرام سرد آواز میں دھاڑا تھا۔۔

بہارے نے کانپتے ہوئے اپنی فراک زیب تن کی تھی۔۔

اس کمرے سے اب تم باہر نہیں نکلو گی۔۔ نہ بہرام کے قریب تم اب کبھی جاؤ گی۔۔ تم نے اس کمرے سے نکلنے کی کوشش کی۔۔ میں تمھارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر تمھیں تہہ خانے میں قید کر دوں گا سمجھی تم۔۔۔ شہرام

خان غراتے ہوئے دروازہ دھاڑ سے بند کرتا چلا گیا تھا۔ بہارے کپکپاتے ہاتھوں سے خود پر کمبل اوڑھتے کروٹ کے بل لیٹے بری طرح سبک پڑی تھی۔۔

بہارے نے بمشکل اپنے سوجے پپوٹے کھولتے ہوئے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اس کی رات روتے سسکتے ہوئے کب آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ بہارے نے کمرے میں لگی وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائیں۔ جہاں صبح کے چار بج رہے تھے۔ بہارے اپنے چکراسر کو سنبھالتے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔

صوفے پر پڑا اپنے فراک کے ساتھ کا کامدار دوپٹہ اچھی طرح اپنے وجود پر اوڑھتے وہ اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے کمرے سے نکلتے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی۔ بہرام اس کے فیڈ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ

رات اس کے پاس نہیں تھا وہ تڑپ رہی تھی۔۔۔ بہارے امینہ خانم کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔ امینہ خانم اس وقت بیڈ پر کمبل لپیٹے سو رہی تھی۔۔ وہ بہرام کے کاٹ کی طرف بڑھی۔۔ بہرام کاٹ میں کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔۔ بہارے روتے ہوئے اسے دیکھے گئی۔۔ اسے کاٹ میں سے اٹھائے اپنے سینے سے لگائے وہ رو پڑی تھی۔۔

وہ اسے اٹھائے امینہ خانم کے کمرے سے نکلتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔۔۔ پوری حویلی میں اس وقت ہو کا عالم تھا۔۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔۔

زنان خانے کے لاونج میں انگیٹھی ابھی تک جل رہی تھی۔۔ مگر پھر بھی لاونج سرد برفیلا تھا۔۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ اسے لیے صوفے پر بیٹھتے سینے سے لگائے پھر سے پھوٹ پھوٹ کر

رودی تھی. وہ کافی دیر تک اسے سینے میں بھینچے روتی رہی تھی۔۔ یکدم بہارے کے آنسو روکے تھے۔۔ پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔ بہرام اس کے فیڈ کے بغیر سوتا نہیں تھا۔ وہ پھر کیسے آج اتنی گہری نیند سو رہا تھا۔۔

اسے یاد آیا تھا رات کو بھی وہ ایسے ہی سو رہا تھا۔۔ بہارے نے تڑپتے ہوے اسے اپنے سینے سے ہٹاتے اسے اپنی گود میں بھرتے اس کے کمبل میں لیٹے وجود کو دیکھا۔۔ وہ سٹل تھا۔۔ بلکل سٹل تھا۔

بہرام۔۔۔ بہارے نے اسے پکارتے اس کے گال کو بھی چھت پایا۔ وہ سٹل ویسے ہی تھا۔۔ کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا بہرام۔۔۔ بہارے اسے پکارتے چیخ اٹھی تھی۔۔ دوسرے لمحے بہرام کو سینے میں بھینچتے وہ بھاگتے ہوئے شہرام

کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ شہرام کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔۔

۔۔وہ اپنے بیڈ پر اوندھے منہ شرٹ لیس بغیر کمبل کے سو رہا تھا۔ شہرام ۔۔۔۔ بہارے اسے پکارتے چینی تھی۔ مگر اس کی آواز جیسے حلق میں گھٹی تھی۔

شش۔۔۔۔ شہرام۔۔۔ وہ اپنے گلے کو اپنے ہاتھ سے جکڑ گئی تھی۔ بہرام کو کچھ ہو نہ گیا وہ مر رہی تھی جیسے۔۔ بہارے نے روتے ہوے بہرام کو دیکھا جو ابھی بھی سٹل تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔ بہارے پوری حلق کے بلا اتنی زور چیچنی تھی کہ اس کی چیخ اب کمرے کے درودیوار کو ہلا چکی تھی۔۔ شہرام جو ابھی پانچ منٹ پہلے سویا تھا۔۔۔۔۔

بہارے کی دردناک چیخ پر ہڑبڑاتے ہوے اٹھ کر بیٹھا بہارے کو کمرے میں کھڑا دیکھ کر وہ بیڈ سے اٹھتا جلدی سے بہارے کی طرف بڑھا جو بہرام کو سینے میں بھینچے بری طرح رو رہی تھی۔۔ کیا ہوا ہے بہارے ؟؟ شہرام اسے روتے دیکھتے اس کے عارض پر نرمی سے ہاتھ رکھتے پریشانی سے پوچھا۔۔ اس کا دماغ بلکل ماؤف تھا اس وقت۔۔۔

کچھ پلوں کے لیے بھول چکا تھا رات کو کیا ہوا تھا۔۔

اس کے لیے وہ وہی بہارے تھی جس کے آنسو اس کے چین و سکون ختم کر دیتے تھے۔۔ وہ اسے روتے ہوے دیکھتے تڑپ اٹھا تھا۔

شہرام ہمارے بہرام کہ کچھ ہو گیا ہے ؟؟ یہ حرکت نہیں کر رہا۔ یہ رو نہیں رہا۔۔ بہارے روتے ہوے چینی تھی.

کیا کہہ رہی ہو؟؟ شہرام کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ اس کی رنگت ایک لمحے میں فق ہوئی تھی میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔ ہمارا بہرام سانس نہیں لے رہا شہرام۔۔ تم نے مار دیا ہے میرے بیٹے کو۔۔ تم نے اس کا قتل کر دیا۔

شہرام خان۔۔۔ تم میرے بچے کو قاتل ہو شہرام خان۔۔ بہارے ہذیانی چیخی تھی۔۔ شہرام خان جس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ وہ یہ سن کر بہرام کو لینے کے لیے بہارے کی طرف بڑھا۔

قریب مت آنا میرے۔۔ شہرام خان۔۔ تم نے میرے بچے کو مار دیا۔ ایک بچے سے اس کی ماں کو جدا کر دیا۔۔ تمھیں پتہ تھا وہ میرے فیڈ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر بھی تم نے اسے مجھ سے جدا کیا۔۔ تم قاتل ہو شہرام خان مجھے تو بہت پہلے مار دیا تھا۔۔ آج میرے بیٹے کو بھی مار دیا۔ میں تمھیں کبھی معاف

نہیں کروں گی۔۔ تم قاتل ہو میرے بچے کے شہرام خان تم نے مار دیا میرے بچے کو۔ وہ ہذیانی چیخی تھی۔

شہرام خان ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتا بہرام کو اس سے چھین چکا تھا۔۔ مجھے دو میرا بیٹا شہرام خان۔۔ اس کے کفن دفن کا انتظام میں خود کروں گی۔ تم میرے بیٹے کے کچھ نہیں لگتے۔۔ بہارے اس کی طرف بڑھتے بہرام کو اس سے جھپٹنے لگی۔۔

شہرام اسے خود سے دور دھکیلتا زمین پر پٹخ چکا تھا۔۔۔۔

بہارے اوندھے منہ زمین پر گری شدت سے رو دی تھی۔۔۔ شہرام نے بہرام کے وجود سے کمبل ہٹاتے اسے دیکھا جو سٹل تھا۔۔

بہرام میری جان۔۔ بہرام بابا کی جان۔۔۔ شہرام اس کے گال تھپکتے بدحواص ہوتا چینا تھا۔۔ مار دیا تم نے شہرام خان۔۔۔ اسے مار دیا تم نے اسے۔۔۔۔ تم کیوں نہیں مر گئے شہرام خان؟؟ تم کیوں نہیں مر کے شہرام خان؟؟۔۔ میرے بیٹے کو مار دیا۔۔ بہارے زمین پر بیٹھی اپنے بال دونوں مٹھیوں میں دبوچتے ہذیانی چیخ رہی تھی۔

شہرام بہرام کے منہ پر جھکے اسے مصنوعی سانسیں دے رہا تھا۔۔۔ شہرام کے آنکھوں سے آنسو کرتے بہرام کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ مضبوط توانا ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔۔ بلکہ پورا وجود بری طرح کپکپا رہا تھا۔۔ بہرام بابا کی جان۔ تمھیں کچھ نہیں ہو گا۔۔ بابا تمھیں کچھ نہیں ہونے دیں گے۔۔ بابا اپنی جان دے دیں گے مگر تمھیں کچھ نہیں ہونے دیں گے۔۔ شہرام بہرام کو سینے میں بھینچتے روتے ہوئے چیچا تھا۔۔

بہارے زمین پر بیٹھی بین کرتے رو رہی تھی۔۔اس کی دلسوز چیخیں کمرے کو ہولا رہی تھیں۔۔

شہرام بہرام کو سینے میں بھینچے روتے ہوے چھت کو دیکھ رہا تھا۔

کچھ نہیں ہو سکتا میرے بہرام کو بہارے۔۔اگر میری تمھاری سانسیں چل رہی ہیں تو اسے کیسے کچھ ہو سکتا ہے۔۔شہرام بہارے کو دیکھتے روتے ہوے چیخا۔مر گیا شہرام۔۔ہمارا بہرام مر گیا تم نے مار دیا شہرام۔۔بہارے شہرام کو دیکھتے روتے ہوئے ہچکیوں سے بولی۔۔

شہرام خان بہرام کو بیڈ پر لٹاتے اپنی شرٹ پہنتے ڈریسنگ ٹیگ کی طرف بڑھتے گاڑیاں کی چابیاں پکڑی تھیں۔۔وہ بہرام کو کمبل سمیت اٹھائے سینے میں بھینچے باہر کی طرف بڑھا۔بہارے زمین سے اٹھتے بھاگتے ہوئے شہرام کی طرف بڑھی۔

اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟؟۔۔ بہارے شہرام کی طرف بڑھتے چیخی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔ کچھ نہیں ہوا میرے بیٹے کو؟؟ نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ میری چلتی سانسیں اس بات کی گواہ ہیں۔ اس کی سانسیں بھی چل رہی ہیں۔۔ جب تک میری سانسیں چل رہی ہیں تم دونوں کو کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ شہرام بولتے ہوئے داخلی دروازہ کھولتے باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بہارے اپنے میرون دوپٹے سے خود کو اچھی طرح ڈھانپتے شہرام کے پیچھے بھاگی تھی۔۔

تمام ڈاکٹرز کو ایمرجنسی میں بلائیں۔۔۔ چائلڈ سپشلسٹ ڈاکٹر سبستگین کو جلدی سے ایمرجنسی میں بھیجیں۔۔ ایک سیکنڈ مطلب ایک سیکنڈ۔۔۔ شہرام خان بہرام کو سینے میں بھینچے کوریڈور میں داخل ہوتے وارڈ بوائے کو

دیکھ کر چینچا تھا۔۔ بہارے بھاگتے شہرام کے بھاری قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔

شہرام کی پینچ پر پاس سے گزرتی ڈاکٹر ماہم ڈاکٹر ماہین نے شہرام کی طرف تیزی سے بڑھتے بہرام کو اس سی لیا۔

ڈاکٹر ماہم میرے بہرام کو چیک کریں۔۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔

شہرام بہرام ڈاکٹر ماہم کو پکڑاتے پیتے ہوئے بولا۔۔ بہارے دیوار کو تھامے شدت سے رودی تھی. اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔۔

بہرام بھی ایسے بھی ہاسپٹل آئے گا اس کا دل بے یقین تھا۔۔ پورے راستے وہ سٹل تھا اس کی سانسیں تو تھی ہی نہیں۔۔ بہارے دیوار جکڑے اپنے دل پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے جا رہی تھی۔۔ اب کیا فائدہ تھا شہرام خان کے چھیننے کا۔۔۔ سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا۔ ریلیکس۔۔۔۔ سر شہرام۔۔۔ کچھ

نہیں ہو گا بہرام کو۔۔۔ڈاکٹر ماہم بہرام کو سینے سے لگائے بھاگتے ہوئے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھیں۔ بہارے بھی ان کے پیچھے بھاگتے ہوے لپکی تھیں۔

ڈاکٹر سبستگین کہاں ہیں؟؟ شہرام پاس کھڑی نرس کو دیکھ کر گرجا تھا۔۔

ڈاکٹر سبتگین سامنے سے تیز تیز قدم اٹھاتے شہرام کی طرف آرہا تھا۔ پورا ہاسپٹل الرٹ ہو گیا تھا۔ اور بھی ڈاکٹرز شہرام کی طرف آرہے تھے.

شہرام بھاگتے ہوئے ڈاکٹر سبتگین کی طرف بڑھا۔۔

ڈاکٹر کچھ بھی ہو جائے۔۔۔ میرے بہرام کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ کچھ بھی ہو جائے میرے بہرام کو کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ شہرام خان ڈاکٹر سبتگین کو دیکھتے نم آواز میں بولتے اپنی انگشت شہادت اٹھائے غرایا۔۔

ریلیکس شہرام سر۔۔۔۔کچھ نہیں ہو گا بہرام کو۔ڈاکٹر سبستگین پروفیشنلی انداز میں کہتے بھاگتے ہوئے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھے۔شہرام اپنی نم آنکھیں اپنے بازو سے رگڑتے ایمرجنسی روم کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا جہاں اس کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔۔

بہارے اور شہرام بہرام کے بیڈ کے پاس کھڑے روتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔جس کے بازو میں کینولا لگائے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔۔

پورے ہاسپٹل کے ڈاکٹرز نے بہرام کو چیک کیا تھا۔۔سب صبح سے ایک ٹانگ پر کھڑے تھے۔۔

شہرام خان نے پوری ڈاکٹر کی ٹیم کو بہرام کے پاس کھڑا کر دیا تھا۔

شہرام بہارے بھی صبح سے ایسے ہی اس کے پاس بیڈ کے قریب کھڑے تھے۔ان دونوں نے پانی کا ایک گھونٹ نہیں پیا تھا۔۔بہارے میروں کا مدار دوپٹہ سر پر اوڑھے روتے سسکتے ہوئے بہرام کو دیکھ رہی تھی۔

شہرام خان سرخ نم زدہ آنکھوں سے بہرام کو دیکھ رہا تھا۔جس کی کلائی پر ڈرپ لگی دیکھ کر وہ ہزار مرتبہ اپنی نم سرخ آنکھیں بازوؤں سے رگڑ چکا تھا۔۔

اس وقت شام کے تین بج رہے تھے۔۔۔باہر طوفانی بارش بھی رک چکی تھی۔۔مگر سردی کی شدت ویسے ہی تھی۔۔سر شہرام اور ڈاکٹر بہارے یہ بلکل ٹھیک اور فٹ ہے۔۔آپ دونوں ریلیکس ہو جائیں۔۔ڈاکٹر سبتگین نے بہرام کے ہاتھ سے کنولا نرمی سے ریموو کرتے شہرام اور بہارے کو دیکھتے کہا۔اسے بہارے اور شہرام پر ترس آیا تھا جو صبح چار بجے سے ایسے ہی

بہرام کے بیڈ کے پاس کھڑے تھے۔ پانی کی ایک بوند تک ان دونوں کو حلق سے نہیں اتارتے نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔۔ شہرام نے صبح سے یہ بات ہر ڈاکٹر سے کوئی ہزار بار پوچھی تھی۔

ڈاکٹر سبستگین شہرام کی بات پر مبہم سا مسکرا گیا تھا۔ شہرام جیسا مضبوط انسان اس طرح ری ایکٹ کرے گا وہ بے یقین تھا۔

شہرام سر۔۔۔ آپ کا بیٹا بلکل فٹ اور صحت مند ہے۔۔ انھیں ہلکی سی سردی کی شکائت تھی۔۔ یعنی نمونیہ کی شکایت ہے۔۔ اور ڈاکٹر بہارے نے بتایا کہ انہوں نے اسے نیند کے ڈراپس دے دیے تھے۔ اور یہ غلطی سے کچھ زیادہ دے چکی تھیں۔۔ یہ ابھی بہت چھوٹا ہے تو یہ ڈوز اس کے لیے ہیوی ثابت ہوئی۔۔ رات بھر مدر فیڈ نہ ملنے اور سوئے رہنے کی وجہ سے بہرام کی طبعیت زیادہ خراب ہو گئی۔۔ اور آپ لوگوں نے گھبراہٹ میں

اچھی طرح چیک نہیں کیا۔ آپ لوگوں کو لگا اس کی سانسیں نہیں چل رہیں۔ مگر نمونیہ کی وجہ سے تھوڑا رک رک کر آ رہی تھیں۔۔ڈاکٹر سبتگین نے پھر سے تفصیل سے شہرام کو رسے گائیڈ کیا تھا۔ جو ابھی بھی مطمئین نظر نہیں آ رہا تھا۔۔

ڈاکٹر سبتگین روتے ہوئے بہارے کو ایک نظر دیکھتے شہرام کا کندھا تھپکتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

شہرام خان لب بھینچے سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ بہارے اس کے ساتھ والی سیٹ پر سوئے ہوئے بہرام کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ باہر رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔۔ وہ لوگ حویلی واپس جا رہے تھے۔ بہارے ہر تھوڑی

دیر بعد بہرام کے چہرے سے کمبل ہٹاتے اس کی سانسیں چیک کرتی۔۔ پھر روتے ہوئے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیتی۔۔

شہرام خان نے ونڈ سکرین سے نظریں ہٹائے بہارے کو دیکھا جو بہرام کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔

ہسپتال میں بھی ایک پل کے لیے اس کے آنسو نہیں رکے تھے۔۔ اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ نازک بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔ وہ سارا دن لرزتے کھڑی رہی تھی ایک بار بھی اس کا سہارا نہیں لیا تھا۔۔۔۔

شہرام کی نظر اس کی کلائی پر پڑی جہاں ٹوٹی چوڑیاں پیوست ہونے کی وجہ سے سرخ لکیر کی ابھری سی دھار سی بنی تھی۔۔۔ شہرام کے مضبوط ہاتھ کی انگلیاں بہت نرمی سے نامحسوس انداز میں اس کی کلائی کو چھو گئی تھیں۔

اس کی کلائی کو چھوتے ہی شہرام کے مونچھوں تلے عنابی لبوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔ سرخ آنکھوں میں نمی لہرائی تھی۔۔ کچھ ہی گھنٹوں میں وہ صدیوں کی مسافت طے کر چکا تھا۔ اس سفر میں کانٹے ہی کانٹے تھے۔۔ وہ بری طرح لہولہان چکا تھا۔ تھک کر چور بدن کے زخموں کی چاہ بس اتنی تھی کہ وہ پاس بیٹھی نازک وجود کا مرہم بن جائے یا پھر وہ اس کے زخموں کی مرہم بن جائے۔۔ وہ سچ میں آج تھک چکا تھا۔ اس کا پہاڑ جیسا سینہ شدت غم سے پھٹ رہا تھا۔ جیسے بچے کو تکلیف میں مامتا کی آغوش کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج اسے بہارے خان کی ضرورت تھی۔ ورنہ شاید وہ اپنی سانسیں گنوا دیتا۔۔ آج شہرام خان کا دل اس سے بغاوت کرتے اسے احساس دلا چکا تھا۔ شہرام خان بہارے خان کے بغیر آج بھی کچھ نہیں۔۔۔

شہرام ایک ہی جست میں گاڑی روک گیا۔

بہارے نے حیرت سے شہرام خان کو دیکھا جو گاڑی روکے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یکدم اس کی کلائی کو نرمی سے چھوتے اس کی کلائی کی سرخ لکیر پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

بہارے حیرت سے شہرام خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جس کے آنسوؤں سے اس کی کلائی بھیگ رہی تھی.

وہ اس کی کلائی کو دیوانوں کی طرح اپنے لبوں سے چھوتا جا رہا تھا۔۔ بہارے نے اپنی کلائی اس کے حصار سے کھینچی۔۔ شہرام خان اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے نچلے ہونٹ کے زخم پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ بہارے اس کے ایکٹ پر سٹل ہوئی تھی۔ شہرام خان دیوانوں کی طرح اس کے چہرے کے ایک نقش کو اپنے لبوں سے چھوتے اپنے آنسوؤں سے تر کر

رہا تھا۔ وہ اسے آج لبوں سے نہیں آنسوؤں سے چھو رہا تھا۔ شہرام خان کے آنسوؤں کی کمی سے اس کا چہرہ ایسے گیلا ہو رہا تھا جیسے وہ برستی بارش میں کھڑی ہو۔۔۔ فرق صرف اتنا تھا کہ شہرام کے آنسو حدت لیے ہوے تھے۔۔ جو اسے پل میں جھلسا چکے تھے۔

بہارے گہرے سانس لیتے اسے خود سے دور جھٹک گئی تھی۔

دور رہو مجھ سے شہرام خان۔۔ ہم میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ نہ تمھاری بیوفائی اور نہ رات کی تمھاری سفاکی بہارے خان مرتے دم تک تمھیں اب معاف نہیں کرے گی۔ بہارے روتے ہوے بولی.

ہاتھ جوڑ کر تمھارے سامنے سر جھکا کر معافی مانگوں گا پھر بھی معاف نہیں کرو گی۔ شہرام خان نم لہجے میں کہتے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ گیا تھا۔ بہارے اس کے جڑے ہاتھ دیکھتے روتے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ

اس کے سامنے ہاتھ جوڑے سر جھکائے ہوئے تھا۔ مجھے معاف کر دو بہارے۔۔ میں تمھارا مجرم ہوں۔۔ کل رات تمھارے ساتھ جو سلوک کیا۔۔ اس کے لیے میں بھی خود کو معاف نہیں کر سکتا۔ کبھی نہیں کیسے میں ان پھولوں جیسے لبوں کو بے دردی سے چھو سکتا ہوں۔ کیسے میں اپنی بہارے کو تکلیف دے سکتا ہوں؟؟۔ کیسے میں یہ کر سکتا ہوں؟؟۔ میں ابھی تک بے یقین ہوں؟؟ شہرام خان اس کا چہرہ پھر سے تھامے اس کی پیشانی کے ساتھ پیشانی ٹکائے رو پڑا تھا۔۔ بہارے نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور جھٹکا۔۔ شہرام خان کے آنسو دیکھتے وہ سر نفی میں ہلاتے شدت سے رو دی تھی۔

تمھیں کیسے بتاؤں کل رات وہ شہرام خان تھا جو اندر سے ڈر گیا تھا۔۔ تمھیں کھونے کے خوف سے لرز گیا تھا۔۔ تمھیں کمرے میں نہ پا کر شہرام خان

جیسا مضبوط انسان لرز اٹھا تھا۔۔ میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوں۔۔ ہر غم سے لڑ سکتا ہوں۔ مگر بہارے خان کو کھونے سے شہرام خان کا دل ایک معصوم بچے کی طرح لرزتا ہے۔ حویلی سے ائیر پورٹ تک کے سفر میں تمھارا شہرام خان ہزار مر ہزار بار جیا۔۔۔ بہارے خان کو کھونے کے خوف نے شہرام خان کے خواص چھین لیے تھے۔۔۔ وہ ڈرا ہوا شہرام خان تمھیں ایسی سزا دینا چاہتا تھا تاکہ تم شہرام خان کو چھوڑ کر نہ جا سکو۔ اذیت ہی اذیت تھی بہارے۔۔ تم میرے بچے کو مجھ سے دور لے کر جا رہی تھی۔۔ یہ کیسی سزا دے رہی تھی مجھے ؟؟ اور کیوں دے رہی تھی مجھے بہارے خان ؟؟۔۔ مجھ سے عشق کا دعوا کرنے کے بعد بھی تمھارا دل اتنا سخت کیوں ہے میری طرف سے ؟؟۔۔ تمھیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا۔۔ تمھیں کیوں سمجھ نہیں آتا میں مر دہوں مگر تمھاری بے اعتنائی بے رخی

مجھے اندر سے آرے کی طرح کاٹتی ہے بہارے۔۔ برسوں سگریٹ پیتے اپنے کمرے میں جاگتے تمھارے لیے تڑپا ہوں مرا ہوں۔۔ تمھاری نفرت مجھے تل تل مارتی تھی بہارے۔۔۔ تڑپتا تھا روتا تھا کہ بہارے خان کو اس شہرام خان سے عشق کیوں نہیں ہوتا جو میٹرک پاس ہے جس کے پاس بہارے سے محبت کرنے کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔۔ جو فقیر ہے۔۔ اس شہرام خان سے آخر محبت کیوں نہیں ہوتی۔۔ شہرام بہارے کی نم آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بھیگے لہجے میں بول رہا تھا۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسو کرتے اس کے عارض کو بھگوتے اس کی گردن کو بھگو رہے تھے۔۔ وہ بہرام کو سینے سے لگائے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔ بہارے انجینئر کانٹریکٹر اور ایک پاور فل شہرام خان سے بہت سی لڑکیوں نے محبت کی۔۔ آئیزل نے بھی اس شہرام خان سے محبت کی جو کامیاب انسان تھا۔۔ شہرام خان کے

لبوں سے آیزل کا نام سن کر بہارے کرب سے استہزائیہ مسکراتے شدت سے رو دی تھی۔۔۔

مجھے بہارے خان کی وہ محبت چاہیے تھی جو شہرام خان اس سے کرتا تھا۔ اسی لیے تم سے اپنی حقیقت چھپاتا رہا۔ ہر روز سوچتا آج بہارے کو شہرام سے محبت ہو جائے گی۔۔ آج بہارے آکر شہرام سے اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔ مگر میرا انتظار انتظار رہا۔۔ بہارے خان شہرام کو تڑپاتی رہی۔۔ ہر پل روز تڑپاتی رہی۔۔۔ سوچتا جس دن تمھیں مجھ سے محبت ہو گی میں سب کچھ تمھیں بتا دوں گا۔۔۔ شہرام خان کی اصلیت کیا ہے۔۔ ہر بات تمھیں بتا کر اپنا سب کچھ تمھارے نام کر کے تمھارے قدموں میں بیٹھ جاؤں گا۔۔ تم مجھے چاہو بس مجھے تم سے اور کیا چاہیے۔۔ شہرام اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی چوڑی پھیلی سے رگڑ گیا تھا۔

بہارے اس پتھر جیسے مضبوط انسان کو ایسے روتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔۔ مگر اس کے آنسو اسے پگھلا نہیں رہے تھے۔۔ وہ تو رات سے جیسے خود پتھر ہو چکی تھی۔۔ شہرام خان نے کبھی تم سے ضد نہیں لگائی۔۔۔۔ شہرام خان کے دل نے تم سے ضد لگائی تھی۔ اسے ہر حال میں بہارے خان کا وہ سچا عشق چاہیے تھا۔ جو شہرام خان کرتا تھا۔۔ عشق میں شرائط نہیں ہوتی۔ تمھارا عشق تمھاری طرح جھوٹا تھا شہرام خان قبول کرو یہ تم۔۔ بہارے اس کی بات کاٹتے چیختے ہوئے بولی۔۔

عشق میں شرائط نہیں ہوتی۔ مگر عشق میں محبوب کی محبت پانے کی تڑپ ہوتی ہے جو اس سے وہ سب کرواتی ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔۔۔ تمھاری محبت پانے کے لیے شہرام خان نے زیست کا لمبا سفر کیا ہے بہارے خان۔ قبول کرو تم۔۔ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔۔ مانتا ہوں تم ڈاکٹر تھی میں

ان پڑھ تھا تمھارے نزدیک۔۔۔ مگر کہاں میں نے تمھاری ڈس رسپیکٹ کی ؟؟۔ کسی جاہل مرد کی طرح تم پر ہاتھ اٹھایا۔ تھارے خوابوں کے بیچ آیا۔۔ پھر کیوں ضد لگائی تم نے بہارے ؟؟۔۔ کیوں شہرام خان کی محبت کی آگ تم تک نہیں پہنچی ؟؟۔۔ کیوں لفظوں سے میرا دل چھلنی کرتی رہی ؟!۔۔ کیوں مجھ سے نفرت کرتی رہی۔۔۔ تمھیں میری تڑپ کبھی نظر کیوں نہیں آئی ؟؟ شہرام نے تڑپتے ہوے سوال کیے۔۔

جب میرے دل تک تمھاری محبت کی آنچ پہنچی تم نے کیا کیا میرے ساتھ شرام خان ؟؟ مجھے بیوفائی کی مار ماری۔۔ میرے مقابل دوسری عورت کو لے آئے۔۔ مجھے اس شہرام خان سے عشق ہوا تھا جو میرا ان پڑھ شہرام خان تھا۔ مگر جس دن وہ شہرام خان ایک انجینیر کانٹریکٹر بنا۔ وہ میرا نہ رہا۔ بہت بڑی سزا دی تم نے دی شہرام خان۔۔۔۔ تم نے مجھ سے بدلہ لیا۔۔

میرے کیے ہوئے ایک ایک ایکٹ پر تم نے میری روح کو گہرے زخم دیے۔ مجھے مار دیا تم نے شہرام خان۔۔ اس بہارے کو مار دیا تم نے جو تمھاری محبت پر اکڑتی تھی۔ دیکھو کیا سے کیا بنا دیا تم نے مجھے ؟؟ بہارے اپنا میرون دوپٹہ اپنے وجود سے ایک جھٹکے سے اتارتے اپنے فراک کے اگلے فینسی بٹن جھٹکے سے کھول گئی تھی۔ اس کی گہرائیوں پر نشان دیکھتے وہ اس پر جھکے اپنے لب رکھ گیا تھا۔ وہ روتے ہوے اس کی گہرائیوں پر اپنے لب دیوانوں کی طرح رکھتے جا رہا تھا۔ بہارے سیٹ سے ٹیک لگائے شدت غم سے رو دی تھی۔۔ بہرام کمبل میں لپٹا اس کی گود میں تھا۔ شہرام کے آنسو اب اس کی گہرائیوں میں اترتے ان نشانوں پر گرتے اسے جھلسا رہے تھے۔۔ وہ اب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ شہرام خان کے لب پاگلوں کی طرح اسے چھو رہے تھے۔

میری آنکھوں کے سامنے کسی غیر عورت کو مجھ سے زیادہ اہمیت دی۔۔۔

میں تم سے نفرت کرتی یا محبت کسی صورت میں تم کسی غیر عورت کے قریب کیسے جاسکتے ہو؟؟ کیسے اپنی بیوی سے کسی زیادہ کسی دوسری عورت کو اہمیت دے سکتے ہو؟؟ بہارے اسے خود سے دور دھکیلتے تڑپتے ہوئے شہرام خان کا گریبان اپنی مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

وہ شہرام خان جو ملئنیر ہے۔۔ جو ایک بااثر انسان ہے جس نے اپنی ذہانت اپنی قابلیت اپنے بل بوتے پر سوات میں اتنا بڑا ہسپتال کھڑا کر دیا۔۔۔ جس کی قابلیت کے ڈنکے باہر کے ممالک کے نیوز چینل کی زینت بنتے ہیں۔ جس شہرام خان کا نام بااثر شخصیات میں شامل ہوتا ہے۔۔ اسے بہارے کا درد کیوں نظر نہیں آیا؟؟۔۔ اسے اپنی بیوی کی سسکیاں راتوں کو کمرے میں گونجتی کیوں سنائی نہیں دیں؟؟۔ اسے اپنی بیوی کی گلابی آنکھیں دیکھ

کیوں پتہ نہیں چلا کہ اسے کسی دوسری عورت کے قریب دیکھ کر وہ آنکھیں جلنے لگتی ہیں۔

تم نے مجھے پل پل تڑپایا جلایا شہرام خان۔۔ تم عاشق نہیں ہو سکتے۔۔ تم نے ایک عام انسان کی طرح میری محبت پانے کے لیے کھیل کھیلا۔۔ دوسری عورت کے میرے سامنے قریب جاتے رہے۔۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ڈانس کرتے رہے۔۔ اس کے گھر آدھی آدھی رات کو جاتے رہے۔۔ کیوں شہرام خان؟؟۔ کیوں اتنا چیپ کھیل کھیلا تم نے؟؟۔۔ بہارے اس کے کالر جکڑے چیخی تھی۔ وہ تڑپتے ہوئے اس کا چہرہ پھر سے اپنے ہاتھوں میں بھر گیا۔ بہارے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک گئی تھی۔

شہرام خان اس کے بھٹکنے پر غم آنکھو کرب سے مسکرایا۔ وہ اپنے بہتی آنکھیں بازوؤں سے رگڑ گیا۔

نہیں کھیل کھیلا۔۔ تمھیں جلانے کے لیے ایک پل کے لیے بھی اس کے قریب نہیں گیا۔۔ خدا قسم مجھے ذرا بھی اندازہ ہو جاتا میں اس عورت سے ہر تعلق توڑ لیتا۔۔ شہرام خان کی بات پر بہارے استہزائیہ ہنستے ہوئے سیٹ سے ٹیک لگا گئی تھی۔

میں سچ کہہ رہا ہوں بہارے۔۔ مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں تھا۔ شہرام خان جو ملینیر ہے اور جو با اثر ہے۔ جس نے اپنی قابلیت سے سوات کا سب سے بڑا ہسپتال بنایا۔ جو انجینئر کانٹریکٹر ہے۔۔ جس کے انٹرنیشنل جریدوں میں انٹرویو چھپتے ہیں۔ اسے خود پر یقین ہے۔ ضرورت سے زیادہ یقین ہے مگر بہارے خان کے معاملے میں شہرام خان ایک ان پڑھ انسان ہے جس کی کوئی اوقات نہیں وہ تو اس سے بھی کیا گزرا بھ ہے۔

بہارے گل خان کو شہرام خان سے عشق ہو جائے یہ کیسے ممکن تھا۔ بہارے اور شہرام خان سے محبت۔۔ میری ڈکشنری میں یہ ناممکن ورڈ تھا۔۔ یہ ایک ایسا خواب تھا جس ایسا کی تعبیر ناممکن تھی۔۔ تمھاری سسکیوں تمھاری آنکھوں کا گلابی پن نظر آیا بھی اگنور کر گیا کہ بہارے خان کی سسکیوں اور آنکھوں کے گلابی پن کی وجہ شہرام خان کی نفرت کو ٹھہرا تا رہا جو تمھاری سانسیں بند کرتی تھی۔۔۔۔ بہارے خان آخر کیسے کبھی کسی دوسری عورت سے انسکیور ہو سکتی ہے؟؟ یہ سوال آخر کیسے میرے دل میں آنا تمھاری بچپن سے دی گئی ہر بد عا میں میرے لیے دوسری عورت ضرور ہوتی تھی۔۔ یہاں تک کہ رخصتی کے بعد میری قربت سہتے تم نے ہزاروں بار مجھے دوسری شادی کرنے کو کہا کیونکہ تمھیں میری قربت نہیں سہنا تھی۔۔ جو عورت قربت کے لمحات میں دوسری عورت کا ذکر کرے وہ کیسے اپنے شوہر

کے لیے انسکیور ہو سکتی ہے۔۔ اگر تم انسکیور تھی تو بہارے ایک بار مجھ سے کہتی دوبارہ اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتا۔۔ حکم دیتی مجھے۔۔ ویسے ہی ٹریٹ کرتی جیسے بچپن سے کرتی آئی تھی۔ نفرت کا اظہار کرتے کہتی کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو مگر کسی دوسری عورت کے قریب مجھے برداشت نہیں کر سکتی۔ خدا قسم سر کے بل چل کر تمھارے پاس آجاتا۔۔ مجھے لگا تم یہی سمجھو گے مجھے تمھارے پیسے سے عشق ہوا۔ مجھے تمھارے اثر ورسوخ سے عشق ہوا۔ تم میری محبت میرے منہ پر نہ مار دو۔۔۔ اور آئی تھی تو تمھارے پاس کب چھوڑا تم نے اس عورت کو؟؟۔۔ بہارے روتے ہوئے سوال کرتے سسک پڑی۔۔۔

چھوڑ تو دیا تھا بہارے اور کیسے چھوڑتے ہیں؟؟ جیسے ہی پتہ چلا بہارے خان شہرام سے عشق کرتی ہے تو شہرام خان اس عورت کی طرف دوبارہ پلٹ کر

نہیں گیا۔۔ اس عورت کو نظر اٹھا کر دیکھنا میرے لیے گناہ تھا۔ شہرام نے نم آواز میں بولتے اس کے ہاتھ جکڑے۔۔

اس عورت کے لیے سیج سجا کر اس سیج پر مجھ سے جھوٹے وعدے کر کے تم یہ کہہ رہے ہو شہرام خان۔۔ اس عورت کو سینے سے لگائے کھڑے تھے تم اور تم کہتے ہو تم نے بیوفائی نہیں کی۔ اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر تم نے نہیں دیکھا۔۔ آٹھ مہینے تم میرے پاس ہوتے میرے پاس نہیں ہوتے تھے.. اس عورت سے نظریں چرائے پھرتے تھے تم۔۔۔ شہرام خان۔۔ تم بیوفاؤں سے بھی بڑے بیوفا ہو۔۔ تم نے عشق کا نام لے کر عشق میں شرکت کی۔ تم نے گناہ کبیرہ کیا۔۔ عشق میں شراکت کرنا ایک عاشق کے لیے گناہ کبیرہ ہے۔ جس کی کوئی معافی نہیں۔ میں تمھیں بھی معاف نہیں کروں گی۔۔ سمجھے تم۔۔ کاش تم عاشق نہ ہوتے صرف بیوفا ہوتے تو میں

تمھیں کب سے معاف کر دیتی۔۔۔۔ بہارے شہرام کا گریبان پھر سے جکڑے شدت سے رودی تھی۔ بیوفا ہوتے ہوے بھی وہ کیسے خود کو ہر الزام سے مستثنی کر سکتا تھا؟؟ اس کی بیوفائی آنکھوں سے نہ صرف دیکھی تھی بلکہ روح سے سہی تھی۔۔ وہ موت دے کر اسے کہہ رہا تھا وہ زندہ ہے۔۔ وہ کہاں زندہ تھی وہ تو زندہ لاش تھی جسے شہرام خان کی بیوفائی مار چکی تھی۔

ہاں نہیں۔۔۔۔ کی تم سے بیوفائی۔ آج بھی اس بات پر قائم ہوں۔ مرتے دم تک قائم رہوں گا۔۔ شہرام خان نے بہارے سے بھی بیوفائی نہیں کی۔۔ عاشق غلطی کر سکتا ہے بیوفائی نہیں کر سکتا۔۔ وہ اس کے رونے پر تڑپتے ہوے چیخا تھا۔ بہارے اس کے چیخنے پر اور بھی شدت سے رودی تھی۔۔

مجھ سے غلطی ہوئی بہارے۔۔ مگر تم سے بیوفائی نہیں کی۔ اس دل نے ایک پل کے لیے کسی دوسری عورت کو نہیں سوچا۔۔ اس جسم نے کبھی کسی دوسری عورت کو نہیں چھوا۔۔۔ تو کیسے بیوفا میں ہو گیا؟؟ بتاؤ مجھے۔۔ اتنی سی بھی فیلنگ نہیں میرے میرے دل میں اس کے لیے۔۔ ریت کے ذرے جتنی بھی فیلنگ بھی نہیں میرے دل میں اس کے لیے۔۔ جب یہ دل جسم آج بھی تمھارا ہے تو کیسے بیوفائی کی میں نے؟؟ وہ اس کے تڑپ تڑپ کر رونے پر گہرے سانس لیتے بولا تھا۔ میں نے آیزل سے شادی کا وعدہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ وجہ تمھاری بے اعتنائی تھی یا تمھارا لگایا ہوا وہ الزام تھا۔ جو تم نے ہاسپٹل میں سب کے سامنے اس پر اور مجھ پر لگایا۔۔ وجہ صرف رات کی تنہائی میں وہ ایک پل تھا جس میں بہتے میں وعدہ کر چکا تھا۔ میں قسم کھا چکا تھا کہ میں اس سے شادی کروں گا۔۔۔۔

کیوں شہرام خان؟؟ وہ ایک پل بھی کیوں آیا؟؟ کیوں اس ایک پل میں تم نے میرا شہرام اسے دینے کا سوچا۔ کیوں میرا گھر اسے دیا۔۔ کیوں اس کے لیے بیچ سجائی۔۔ کیوں مجھے اس سیج پر مجھے پیار کیا۔۔ کیوں میرے ہسپتال سے مجھے دوبار نکالا۔۔ کیوں وہ آج بھی تمھارے ہاسپٹل میں ہے۔۔ کیوں شہرام خان؟؟ کیوں کیا تم نے میرے ساتھ۔۔ بہارے شہرام خان کے سینے پر مکہ مارتے شدت سے روتے کرب سے سوال کرتے بری طرح ہچکیاں بھرتے اس کا گریبان جکڑ گئی تھی۔ یہ سوال زہریلے ناگ کی طرح اسے ہر پل ڈستے تھے۔۔ جن کے جواب کا سوچ کر وہ آج تک اک ستم گر سے سوال نہ کر پائی تھی۔۔

بہارے مجھے معاف کر دو۔۔۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ عورت کی میرے نزدیک ایک حملے کی ویلیو نہیں تھی۔۔ شہرام خان تڑپتے ہوے بہارے کا

چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گیا۔۔ دور رہو تمھارا لمس کانٹوں جیسا ہے میرے لیے۔۔ دوسری عورت کو انھیں ہاتھوں سے چھونے کا آرادہ رکھتے تھے۔ اسی جسم کو اسے بھی دینے کا آرادہ رکھتے تھے۔۔ بہارے شہرام خان کے ہاتھ جھٹکتے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی تھی۔ پلکوں کی باڑ توڑتے آنسو اس کے عارض کو بھگو رہے تھے۔ شہرام خان بھی سیٹ سے ٹیک لگائے سر رکھے آنکھیں موند گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو سیٹ کی پشت کو بھگو رہے تھے۔۔

اس ایک پل میں میرے سامنے وہ عورت کھڑی تھی جس کے باپ نے کچھ دیر پہلے تمھارے لگائے ہوئے الزام کی وجہ سے جان گنوائی تھی۔۔ اس ایک لمحے میں میرے سامنے وہ عورت کھڑی تھی جس کے ساتھ دو آدمیوں نے ریپ کرنے کی کوشش کی تھی۔۔ اس ایک پل میں میرے

سامنے وہ عورت کھڑی تھی جس کا بدن اس آدمیوں کی وحشی بربریت سے چیخ چیخ کر اپنے ساتھ ہوے ظلم کی داستان سنا رہا تھا۔ اس ایک پل میں میرے سامنے وہ مظلوم بیمار عورت کھڑی تھی۔ جس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا تھا اس ایک پل میرے سامنے وہ عورت کھڑی تھی جو اپنی گردن پر چاقو رکھے کھڑی تھی۔۔ میں اس ایک پل میں ہمدردی کے دھاروں میں بہہ گیا تھا۔۔ بہارے سچ کہہ رہا ہوں وہ صرف ایک پل تھا جو آیا اور چلا گیا۔۔ گناہ یہ ہوا وہ ایک پل مجھے کمزور بنا گیا۔۔ میری کمزوری میرا گناہ بن گیا۔۔ اس ایک پل میں۔۔۔ میں قسم کھاتا خود کو گالی دے بیٹھا۔۔ وہ ایک پل تھا بہارے جو مجھے برباد کر گیا۔۔۔ اس ایک پل کو سوچتے میں ہزاروں بار تڑپا ہوں رویا ہوں۔۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے آہستگی سے بول رہا تھا۔

دونوں میں خاموشی کا طویل وقفہ آیا تھا۔۔ مگر آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ وہ بہرام کو سینے سے لگائے پھر سے سبک پڑی تھی۔۔ شہرام خان نے آنکھیں کھولے بہارے کے سینے میں بھینچے بہرام کے وجود سے لمبل ہٹا کر دیکھتے اس کی سانسیں چیک کی۔۔ بہارے کی طرح وہ بھی ڈر گیا تھا۔۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ بھی بہرام کو چیک کر رہا تھا۔

شہرام نرمی سے بہارے کے پیٹ پر اپنا ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اس کا ہاتھ نرمی سے جکڑے اس کی پشت پر اپنی آنکھیں رکھ گیا تھا۔ میری قسم مجھے میرے وعدے سے پیچھے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔۔ وہ عورت اپنی جان نہ دے دے۔ میں یہ سوچ کر اس کے ساتھ کیا وعدہ نبھا رہا تھا۔۔ غلطی ہوئی مجھ سے۔۔ نکاح کرنے جا رہا تھا اسے تحفظ دینے کے لیے۔۔ اسے پناہ دینے کے لیے۔۔ نکاح جیسے پاک رشتے کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اس تکلیف سے کسی اور

کو نہیں گزارنا نہیں چاہتا تھا جو تمھاری بے اعتنائی مجھے دیتی تھی۔۔۔بات صاف تھی بہارے۔۔یا تو میں نکاح کی ہامی نہ بھرتا اگر میں یہ فیصلہ لے چکا تھا مجھے اپنے فیصلے پر قائم رہنا ہی نہ تھا۔اسی لیے اسے پر اپروے سے اپنی زندگی میں لا رہا تھا۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا۔۔وہ گھر سجایا میں نے۔مگر اس عورت کو خوشی دینے کے لیے۔۔میرے نزدیک وہ ایک بیمار تنہا عورت تھی۔جس کا میں سب کچھ بننے جا رہا تھا۔جس کے پاس کوئی رشتہ کوئی امید نہ تھی۔جو میرے لیے اپنی کلائی کاٹ چکی تھی. صرف اسے خوشی دینے کے لیے وہ سب کیا۔صرف اسے سہارا دینے کے لیے بہارے شہرام خان کی باتوں پر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اس کی باتیں اسے اذیت دے رہی تھیں۔

اس سیج پر تمھیں پیار کیا مگر میرے نزدیک وہ تمھارے لیے ہی تھی۔۔ اسی پل اس عورت سے نکاح نہ کرنے کا فیصلہ میرا دل کر چکا تھا۔۔ وہ مر سکتی تھی اس رات۔۔۔۔ وہ دلہن بنی میرا انتظار کر رہی تھی۔۔۔۔۔

تمھارے آنسوؤں نے سب کچھ بھلا دیا۔۔ ایک فون کر کے اسے تسلی دے سکتا تھا۔ اس سے جھوٹا دلاسا دے سکتا تھا۔۔ اس کی زندگی کا سوچتے بھی یہ نہیں کیا۔۔ چاہتا تو تم سے چھپ کر نکاح کر لیتا تمھیں ساری عمر پتہ نہ چلتا۔۔ مگر اسی دن اسی سیج پر اسی گھر میں تمھیں دیکھتی اس عورت سے ہر رشتہ توڑ گیا بہارے۔۔۔۔۔ ہمدردی کا رشتہ بھی توڑ گیا۔ دوستی کا رشتہ بھی توڑ گیا۔۔ اور وہ قسم بھی جس میں شہرام خان نے اپنی ماں کو گالی دی تھی۔ اس رات کے بعد بہارے میں نے اپنی غلطی بھی نہیں دہرائی۔۔۔ کبھی

اس عورت کی طرف نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس کا فون نہیں اٹھایا۔ وہ مرتی جیتی شہرام خان نے اس کی پرواہ نہیں کی۔

اسے صرف اپنے بہارے کے آنسوؤں کی فکر تھی۔۔

ان آٹھ مہینوں میں اس سے نظریں نہیں چرائیں۔ بلکہ اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا کہیں میرے بہارے کو اس سے تکلیف نہ پہنچے۔۔ اس سات مہینوں میں اس گلٹ میں جیتا رہا جس پل میں نے تمھاری جگہ کسی دوسری عورت کو دینے کا سوچا تھا۔۔ اس کی زندگی بچانے کے لیے ہی کبھی کیوں میں نے اپنی بہارے کی جگہ کسی اور کو دینے کا سوچا۔

ہر پل یہی سوچتا تھا کہ تمھیں جب پتہ چلے گا تو کیا ہو گا۔۔ میں قائم ہوں آج بھی اس بات پر شہرام خان نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی مگر بیوفائی نہیں کی۔ وہ گناہ ہو سکتا ہے مگر بیوفائی نہیں۔۔۔ شہرام خان

بیوفا نہیں ہے۔۔ نہیں ہے وہ بیوفا۔۔ اس کے ہاتھ پکڑے ان کی پشت پر اپنی پیشانی ٹکائے رو پڑا تھا۔ بہارے روتے ہوے آنکھیں بیچ گئی تھی۔ میں معافی مانگتا ہوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں مجھ سے غلطی ہو گئی۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔ چاہو تو ساری عمر مجھے اپنے قدموں میں بٹھائے رکھو۔۔ اف نہیں کروں گا۔۔ بے اعتنائی کی مار مار و سب سہہ لوں گا۔۔۔ کسی دوسری عورت کی طرف نظر بھر کر دور کی بات نظر اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر رکھو گی رہ لوں گا۔

پاس نہیں آنے دو گی وہ بھی سہہ لوں گا۔ مگر مجھ سے دور نہ جانا بہارے۔۔ تمھارا شہرام خان مر جائے گا۔۔ وہ تمھارے اور بہرام کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شہرام خان اس کے ہاتھوں پر پیشانی ٹکائے گڑ گڑاتے

ہوے رو پڑا۔۔

اب نام محبت کے

الزام تو آیا ہے

تم جو بھی سزا دے دو

سر ہم نے جھکایا ہے

شہرام خان اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتے ایک بار پھر سے سر جھکا گیا تھا۔ بہارے شہرام خان کے جڑے ہاتھ اس کے جھکے سر کو دیکھتے روتے ہوئے سسک پڑی تھی۔۔

ایک پیار کے مجرم سے

الفت بھی کریں

تو کیسے کریں

تمھیں ٹوٹ کہ چاہا تھا

نفرت بھی کریں

تو کیسے کریں

جو پار ہمیں کرتا

اس نے ہی ڈوبایا ہے

تم نے ہی ہی دی تھی

تم نے ہی رلایا ہے

کیا پیار میں سوچا تھا

کیا پیار میں پایا ہے

بہارے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کھینچتے دل پر ہاتھ رکھے رو دی تھی۔۔

رام خان نے بہتے آنسوؤں سے اس سامنے بیٹھی عورت کو دیکھا جس میں اس کی جان بستی تھی۔

مگر اس کے لیے پتھر دل ہی تھی۔۔ وہ جانتا تھا وہ اسے معاف نہیں کرے گی۔۔ میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی شہرام خان۔۔ میرا عشق کہتا ہے تمھیں کبھی معاف نہ کروں۔۔ تم نے دوسری عورت کو میرا مقام دینے کا سوچا بھی آخر کیوں؟؟ کبھی معاف معاف نہیں کروں گی۔۔ بہارے سیٹ سے ٹیک لگائے بہرام کو سینے میں بھینچے شدت سے روتے ہوئے بولی۔

شہرام خان گہری سانسیں لیتے نم نگاہوں سے اسے کچھ پل دیکھتا رہا جو بہرام کو سینے میں بھینچے روئے جا رہی تھی۔ شہرام خان نے اپنی نم آنکھیں بازوؤں سے رگڑتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔ یکدم فائرنگ کی آوازوں سے

جنگل تھر تھرا اٹھا تھا۔ بہارے نے بہرام کو کبھی سینے میں بھینچتے خوف سے شہرام کو دیکھا۔

جو اسے ایک نظر دیکھتے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھاتے ہوئے گاڑی بھگانے لگا۔۔۔

گاڑی سوات کے اس جنگل کے راستے میں اب فراٹے بھر رہی تھی۔۔۔ فائرنگ کی شہرام خان نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے اپنا موبائل ڈیش بورڈ سے اٹھاتے اپنے گارڈز کو کال کرنا چاہی تھی مگر موبائل جو ڈیڈ تھا۔

آہہہ۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا تمھیں خضر خان شہرام چیخا تھا۔۔ خضر کا نام سنتے بہارے کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔۔ بہارے خان نے بہرام کو سینے میں بھینچتے گہرے سانس لیتے روتے ہوئے شہرام خان کو دیکھا۔

یہ وہی خضر خان ہے ناں جس کے بیٹے کو تم نے ہاسپٹل میں آیزل کی وجہ سے مارا تھا۔۔

بہارے نے روتے ہوئے پوچھا۔۔

ہاں۔۔۔۔۔اس نے دو دن پہلے ہی مجھے۔ دھمکی دی تھی۔۔ وہی خضر خان جس کے بیٹے نے اپنے کسی دوست کے ساتھ آیزل کا ریپ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے اپنی پسٹل ڈیش بورڈ سے نکالے اس میں گولیاں چیک کر رہا تھا۔۔ وہ سٹیرنگ چھوڑ کر گاڑی کی سپیڈ بڑھائے سپاٹ چہرے کے ساتھ ڈیش بورڈ سے گولیاں اور اپنی چھوٹی ایکسٹرا ایسٹل اٹھائے اسے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈال چکا تھا۔

بہارے اس کی بات پر بہرام کو سینے میں بھینچے سسک اٹھی تھی۔۔ آئیزل نامی کانٹا شائد ان کے درمیان سے کبھی نہیں جا سکتا تھا۔

دیکھا شہرام ایک غیر عورت سے ہمدردی آج تمھیں کس مقام پر لے آئی۔۔ تم اپنے بیٹے اور بیوی کی جان کو داؤ پر لگا چکے ہو۔۔۔ بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے روتے ہوے چینی تھی۔ فائرنگ آوازوں سے اس کی سانسیں بند ہو رہی تھی۔۔ بہرام کو کھونے کے خوف سے اس کا دل لرز رہا تھا۔ نہیں کچھ ہو گا تمھیں اور بہرام کو یہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔۔ اپنی جان گنوا دوں گا۔ مگر تمھیں اور بہرام کو ایک آنچ نہیں پہنچے گی۔۔ شہرام خان نے سنجیدگی سے کہتے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔ وخضر خان اور اس کے آدمیوں کی گاڑیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ وہ لوگ حویلی اور ہاسپٹل سے بہت آگے نکل آئے تھے۔۔

فائرنگ کی آوازیں بھی اب دور سے سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔ وہ لوگ گھنے درختوں کے اطراف سے گزر رہے تھے جس کے ایک طرف گھنا جنگل

تھا۔۔ بارش پھر سے شروع ہو چکی تھی۔۔ سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے اور سڑکیں کیلی ہونے کی وجہ سے شہرام خان کی گاڑی بہت بری طرح ڈول رہی تھی.

ایک آنچ نہیں پہنچے گی شہرام خان۔۔ تم کیسے یہ وعدہ کر سکتے ہو؟؟ تمھارا بیمار بیٹا میں اپنی گود میں لیے بیٹھی ہوں۔۔ باہر یہ تھ تھراتی ہڈیوں کو چیرتے سردی پڑ رہی ہے۔۔ طوفانی بارش میں اندھیرا پھیل رہا ہے۔۔ ہماری گاڑی پر وقفے وقفے سے گولیوں کی برسات ہو رہی ہے.. تمھارے پاس مدد نہیں۔۔۔ اور تم کہہ رہے ہو ایک آنچ نہیں پہنچے گی۔۔ تمھاری ایک غیر عورت سے ہمدردی شہرام خان برباد کر گئی۔ ہمیں برباد کر گئی۔۔۔۔ اب میرے اور میرے بیٹے کی موت پر بیٹھ کر ماتم منانا شہرام خان۔۔ ماتم منانا تم۔۔۔۔ بہارے روتے ہوئے ہذیانی چیخی تھی۔۔۔۔ وہ ایک غیر عورت

ضرور تھی مگر شہرام خان کے لیے اس عورت کی عزت ایسے تھی جیسی تمھاری عزت۔۔۔ دنیا کی ہر تھا۔۔ گاڑی پر ایک بار پھر سے فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ بہارے خان اپنے بیٹے بہرام خان کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

وہ ایک غیر عورت ضرور تھی مگر شہرام خان کے لیے اس عورت کی عزت ایسے تھی جیسی مھاری عزت۔۔۔ دنیا کی ہر عورت کی عزت کے لیے شہرام خان کو اپنی جان بھی گنوانا پڑے شہرام خان اپنی جان پر کھیل کر اس کی عزت بچائے گا۔۔ شہرام خان اپنی آنکھوں میں آئی نمی اپنے بازوؤں سے رگڑتے بولتے گاڑی کی سپیڈ بڑھا چکا تھا۔۔ گاڑی پر ایک بار پھر سے فائرنگ

شروع ہو چکی تھی۔ بہارے خان اپنے بیٹے بہرام خان کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

شہرام خان نے گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے بیک ویو مرر سے اپنے پیچھے آتی گاڑیوں کو دیکھا۔۔ وہ لوگ دو گاڑیوں میں تھے اور کافی تعداد میں تھے وہ چاہ کر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

امینہ خانم کو فون پر وہ بہرام کی طبعیت کے بارے میں بتا چکا تھا۔ مگر ارحام زاران اسفندیار ابھی تک فارم ہاوس میں تھے۔۔ رات طوفانی بارش کی وجہ سے فارم ہاؤس کے راستے جام تھے۔ کسی طرف سے مدد ملنے کے آثار نہ تھے۔۔ اس کے گارڈز تک کو معلوم نہ تھا وہ اس وقت کہاں ہے۔

شہرام خان نے نم آنکھوں سے بہارے اور بہرام کو دیکھا کچھ بھی ہو جائے اسے اپنی بیوی خضر خان سے دھمکی ملنے کے بعد وہ مکمل احتیاط برت رہا تھا۔

مگر بہرام کی طبعیت خراب ہونے پر جس طرح وہ بدحواص ہوا اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آئی۔۔ اور بیٹے کو بچانا ہی تھا۔ ان میں سے دونوں کو ایک آنچ بھی پہنچتی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔۔ خضر خان بہت خطرناک آدمی تھا۔۔ خضر خان سے دھمکی ملنے کے بعد وہ عمل احتیاط برت رہا تھا۔ مگر بہرام کی طبعیت خراب ہونے پر جس طرح وہ ہر حواص ہوا اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آئی۔۔

آب وہ تن تنہا تھا اسی لیے خضر خان اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے اس تک پہنچا تھا۔ جس طرح اس نے آیزل کی عزت بچانے کے لیے خضر خان کے بیٹے میکائل خان کو بے دردی سے مارتے اس کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ وہ یقیبا آج اس کا بدلہ اس کی بیوی اور بیٹے سے لینا چاہتا تھا۔۔ کچھ بعید نہ تھا بہارے کی عزت پر بھی آنچ آجاتی۔

شہرام خان نے طیش والم میں سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے شیشے سے اپنا چہرہ نکالتے اپنے پیچھے آتی گاڑی کے اگلے ٹائر کا نشانہ لیتے فائر کیا تھا۔

شہرام کا نشانہ بری طرح چونکا تھا۔ انہوں نے جوابی کاروائی کرتے شہرام کی گاڑیوں پر گولیوں کی برسات کر دی تھی۔۔ ان کی گولیاں شہرام کی گاڑی کی ڈکی پر لگی تھیں۔ اس کے پچھلے شیشے کو چھوتے کچھ گولیاں اندر آکر بھی لگی تھیں۔ وہ خود بھی جھکتے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے جھکا گیا تھا۔۔

بہارے گہرے سانس لیتے خوفزدہ نگاہوں سے اب اپنے ونڈ سکرین کے ٹوٹے شیشے کو دیکھ رہی تھی۔

بہرام گولیوں کی خطرناک آوازوں پر اس کی گود میں بری طرح مچلتے رونے لگا تھا۔ بہرام کے لرزتے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے شہرام خان نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔

آہ۔۔۔ دوسرے پل بے بسی سے شہرام سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے حلق کے بل چیخا تھا۔۔

بہارے روتے ہوئے مزید بہرام کو سینے میں بھینچ چکی تھی۔

کچھ نہیں ہو گا تمھیں اور بہرام کو کہہ رہا ہوں ناں۔۔ شہرام اب بہارے کے رونے پر حلق کے بل چیخا تھا۔

چیخو مت شہرام۔۔۔ تمھارا بیٹا تمھارے چیخنے اور یہ گولیوں کی تھر تھراہٹ نہیں برداشت کر سکتا۔۔ گولی لگنے سے پہلے ہی یہ جان سے جائے

گا۔ بہارے روتے ہوے سفاکی سے بولتے دبے انداز میں چینی تھی۔

بہارے اس سچویشن میں بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔۔ شدید سردی میں بھی اس کا وجود پسینے سے تر تھا۔

بہرام کی زندگی کے آگے اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

شہرام خان سپیڈ مزید بڑھاتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔۔

شہرام کی گاڑی کے پچھلے ٹائر پر یکدم فائر آکر لگا گاڑی نے بری طرح ہچکولے بھرے تھے۔۔ بہارے نے ایک ہاتھ سے ڈیش بورڈ جکڑتے دوسرے ہاتھ سے اچھی طرح بہرام کو سینے میں بھینچے شہرام کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔

نہیں چھوڑوں گا تمھیں خضر خان۔۔۔ شہرام نے طیش والم میں غراتے ہوے اپنی طرف طرح پھسلتے ہوے گھنے درخت سے جا ٹکرائی تھی۔

پیچھے سے فل سپیڈ میں آتی خضر خان کی گاڑی کا انگلی پھیلتی گاڑی کے ساتھ بری طرح تصادم ہوا تھا۔

شہرام خان نے یہ دیکھتے ان کی دوسری گاڑی پر بھی کئی فائر کیے تھے۔۔ اس گاڑی کے بھی دونوں ٹائر ڈیمج ہو چکے تھے۔ وہ گاڑی بھی پھسلتی ہوئی پہاڑ سے جا ٹکرائی تھی۔ شہرام خان نے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید تیز کی۔

بہارے بہرام کو سینے سے سختی سے لگائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گولیوں کی خطرناک آوازوں اور شہرام کی سائڈ سے کھلے شیشے سے آتی برفیلی ہواؤں پر بہارے بہرام کو اپنے سینے میں بری طرح جکڑے ہوے تھی۔۔ گرم لمبل نے اسے ان ٹھٹھرتی قہر برساتی ہواؤں سے بچایا ہوا تھا مگر گولیوں

کی خوفناک آوازوں کا وہ کیا کرتی۔ جو اس کے کان کے پردے پھاڑ رہی تھی وہ تو پھر بچہ تھا۔ ابھی میڈیسن کے اثر وہ نیم غنودگی میں تھا۔ مگر گولیوں کی آوازون پر وہ لرزتے ہوے حلق کے بل رتا ہچکیاں بھر رہا تھا۔ بہارے کمبل کے اندر سے ہاتھ گزار کر اس کے کانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی.

شہرام خان نے سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے اپنی طرف کا شیشہ بند کیا۔۔

وہ لوگ اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔۔ ان کی گاڑیوں کا آپس میں تصادم ہونے کی وجہ سے وہ لوگ یقیناز خمی بھی ہوئے تھے۔ وہ ان تک اب آسانی سے نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔۔

شہرام نے ایک نظر بہارے اور بہرام کو دیکھتے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی وہ لوگ حویلی کے اوپریٹ راستے پر تھے۔ وہ کسی سیف سائیڈ پر پہنچ کر اپنے گارڈز سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔۔

یکدم شہرام خان کے ہاتھوں سے اس کی گاڑی کا کنٹرول چھوٹا تھا۔ گاڑی کے پچھلے ٹائر پر گولی لگنے کی وجہ سے گاڑی کا ٹائر ڈیمج ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے گاڑی پھسلتے ہوئے سڑک پر دور تک گئی تھی۔۔۔

گاڑی کو ایسے پھسلتے دیکھ کر بہارے کی چیخیں گاڑی میں گونجی تھیں۔

شہرام نے سٹیرنگ کو پوری طرح گھماتے بریک پر پاؤں رکھتے ساتھ ہی ہینڈ بریک کھینچتے گاڑی کو روکنے کی کوشش کی۔

گاڑی یکدم بری طرح جھٹکا کھا کر رکی تھی۔۔ بہارے کا سر اس سے پہلے ڈیش بورڈ سے ٹکراتا۔ وہ اپنا مضبوط ہاتھ ڈیش بورڈ پر کچھ گیا تھا۔

بہارے گہرے سانس لیتے بہرام کو سینے میں بھینچ چکی تھی۔۔

شہرام گہرے سانس اور پھولتی رگوں کے ساتھ لب بھینچے ونڈ سکرین سے باہر برستی بارش اور گھپ اندھیرے کو دیکھ رہا تھا۔۔

خضر خان کے آدمی اب اس کے پیچھے نہیں تھے مگر وہ کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتے تھے۔۔

بہارے۔۔۔۔ شہرام کی نم آواز پر اس نے نم نگاہوں سے شہرام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا..

ہمیں اترنا ہو گا وہ لوگ کسی بھی لمحے پہنچ سکتے ہیں۔ شہرام کی بات پر وہ بہرام کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

شہرام تڑپتے ہوے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گیا۔

کچھ نہیں ہونے دوں گا تمھیں یہ شہرام خان کا وعدہ ہے تم سے۔۔ بہت سارے وعدے کیے تم سے نہیں نبھا سکا مگر وعدہ کرتا ہوں یہ وعدہ ضرور نبھاؤں گا۔ اپنی سانسیں گنوانے کے بعد بھی تم پر اور بہرام پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔۔ یہ شہرام خان کا وعدہ ہے تم سے۔۔ شہرام خان تڑپتے ہوے اس کے بہتے لبوں پر اپنے لب رکھتے اٹل مضبوط مضبوط لہجے میں بولا۔

بہارے اس کے ہاتھ جھٹکتے بہرام کو سینے میں بھینچ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔ بہرام اب اس کے حصار میں بری طرح مچلنے لگا تھا۔۔

اترو گاڑی سے۔۔۔ شہرام سنجیدگی سے کہتے اپنی پسٹل اور ڈیش بورڈ کے ڈرار سے ٹارچ پکڑے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا۔۔ شدید قہر برساتی ہڈیوں میں جماتی ہوا کے تپھیڑوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ طوفانی بارش اب رک چکی تھی۔ مگر وقفے وقفے سے پھوارا بھی برس رہی تھی۔

شہرام خان خالی سڑک کو دیکھتے جلدی سے بہارے کی طرف بڑھا جو ابھی تک گاڑی میں بیٹھی تھی وہ شدید سردی کی وجہ سے باہر نکل نہیں رہی تھی۔۔۔ وہ خود تو شائد اس قہر برساتی سردی کو برداشت کر لیتی مگر بہرام کا کیا کرتی۔۔ وہ تو یقیناً اپنی سانسیں ہی گنوا دیتا۔

اذیت ناک موت کو دعوت دینا تھا۔ وہ خضر خان اور اس کے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔۔

بہارے نے سردی سے ٹھٹھرتے بہرام کو مزید سینے میں بھینچا۔۔ شدید سردی اس کے پورے وجود کو پل میں برف کی مانند جما چکی تھی۔۔

جلدی چلو ہمیں سیف جگہ پر پہنچنا ہے۔ خضر کے آدمی ہم تک پہنچتے ہی ہوں گے۔ شہرام بہارے کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے بھاگنے لگا۔

بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے بھاگتے ہوئے شہرام کا ساتھ دینے لگی۔۔

وہ لوگ گاڑی سے نکلتے گھنے درختوں کی جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تاکہ وہاں خود کو چھپا سکیں۔

شہرام خان اس کا ہاتھ جکڑے اپنی پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔۔ بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے روتے ہوئے بھاگ رہی تھی۔ شہرام کے قدموں کا ساتھ دینا بہت مشکل تھا مگر اپنے بہرام کی وجہ سے وہ پوری قوت سے بھاگ رہی تھی۔ وہ اس کی آغوش میں پھر سے ہچکیاں لیتے آنکھیں موند کیا تھا۔

میرون دوپٹہ بہارے کے سر پر جما تھا۔۔۔ سردی اور نقاہت کے باعث اس سے دو قدم چلنا مشکل تھا۔ مگر وہ اپنے بہرام کی زندگی کی خاطر وہ اپنی پوری جان لگا کر بھاگ رہی تھی۔۔

جہاں اس کے قدم اگر رک جاتے وہ ستم گر اس کی کلائی اتنی زور سے کھینچتا وہ اس کے ساتھ گھسٹ ہی جاتی تھی۔

وہ بھیگی نگاہوں سے اس کی چوڑی پشت دیکھتے اپنی پوری قوت لگائے بھاگنے لگتی۔۔۔

یکرم دور سے آتی فائرنگ کی آوازوں پر سے بہارے خوفزدہ ہوتے رکی تھی۔۔ شہرام کے بھاری قدم بھی رکے تھے۔

شہرام خان بہارے کی کلائی کھینچتے اسے اپنے سینے میں بھر چکا تھا۔۔ بہارے اس کے سینے کے ساتھ لگی خوف پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

م۔۔۔۔ہمارا۔۔۔۔۔۔بہرام۔۔۔۔اس شہرام کو۔۔۔بچا۔۔۔لو۔۔۔ پلیز میں مر جاؤں گی بہرام کے بغیر۔۔۔۔بہارے اس کے سینے سے سر اٹھائے ہچکیوں سے بولی۔۔

شہرام اسے خود سے ایک جھٹکے سے علیحدہ کرتے اسے خود سے آگے کیا تھا۔ بہارے نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

مجھ سے آگے رہو تم۔۔۔شہرام نے سنجیدگی سے کہتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔

بھاگو بہارے یہاں پر رکنا سیف نہیں ہے۔۔ہم جلد سیف جگہ ڈھونڈ لیں گے۔۔فائر کی آواز سے لگ رہا ہے وہ لوگ ابھی بہت پیچھے ہیں۔۔شہرام کی

بات پر وہ اسے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔۔۔ اگلے ہی لمحے وہ بہرام کو سینے میں بھینچے تیزی سے بھاگنے لگی اسے اس وقت صرف اپنے بہرام کی فکر تھی۔ اس کے آگے اپنی جان کی بھی فکر نہ تھی۔

بہارے اب شہرام خان سے آگے بھاگ رہی تھی۔ شہرام خان بہارے کے پیچھے تیزی سے چلتے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ یکدم ایک اور فائر کی آواز کو بجھتی اس کے بھاری قدم روک چکی تھی۔۔ اب کی بار شہرام خان کے مضبوط قدم بری لڑکھڑائے تھے۔ آنکھوں کی چھائی سرخی کی نمی میں آضافہ ہوا تھا۔۔ شہرام خان کے لبوں سے یکدم چیخ برامد ہوئی تھی۔۔ گولی اس کے کندھے پر لگی اس کے کندھے کو چھو کر گزری تھی۔۔

شہرام کی چیخ پر بہارے خان کے قدم رکے تھے۔۔ سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ شہرام خان نے اسی لمحے مڑتے ہوئے اپنے اوپر گولی چلانے والے آدمی کے سینے کا نشانہ لیتے فائر کر دیا تھا وہ اسی لمحے زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔

بہارے نے خوف سے پیچھے مڑ کر دیکھا شہرام خان کی آنکھوں میں نمی اور درد دیکھ کر بہارے کی سانسیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

رہا تیری خدائی

ہائے یاد ہے آئی

دل یہ دیتا دہائی

غم سے دے تو رہائی

دے حال کیسے سناواں

روگ کیسے نبھاواں

ڈر گیا ہوں بہارے۔۔۔۔ دل میں عجب درد اٹھا ہے لگتا ہے اس بار تمھاری بے اعتنائی کی جگہ جدائی میرا مقدر ٹھہرے گی۔ لمبی جدائی۔۔۔۔۔

بہارے۔۔۔۔۔ لمبی جدائی۔۔ وہ بہارے کی سوالیہ نگاہوں سے نم سی ہنسی ہنسا۔ بہارے تحیر سے اس کی باتیں سنتی اس کی چہرے پر درد کرب کو دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اسی لمحے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی تھامے تیز تیز قدموں سے بھاگنے لگا تھا۔

شہرام خان اپنے کندھے کے درد کو چھپاتا آگے بڑھتے پتھروں سے گزرتا نیچے کی طرف اترا۔۔ گزرتا بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے شہرام کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بمشکل ہی اتری تھی۔۔ جہاں بہتے دریا بھی تھے۔

نیچے اترتے ہی وہ بہارے کو لیے گھنے جھنڈ والے درختوں کی طرف بڑھا۔۔

یہاں رکھتے ہیں تھوڑی دیر۔۔ وہ لوگ ہمیں ڈھونڈ نہیں سکیں گے۔۔

کوشش کرنا بہرام روئے نہ۔۔۔۔۔

وہ ٹارچ کی روشنی آف کرتے درخت کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا۔۔۔

بہارے خان بہرام کو سینے میں بھینچتے شہرام کے ساتھ بیٹھتے درخت کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

شہرام اب بری طرح روتے اس کی گود میں مچل رہا تھا۔۔ بہارے اپنا دوپٹہ اوپر کیسے اپنی فراک کو اوپر کرتے بہرام کو دوپٹے میں چھپائے فیڈ کروانے لگی۔۔۔ بہرام فیڈ لیتے خاموش ہو گیا تھا۔۔ بہارے سکتے ہوے منہ پر ہاتھ رکھ گئی بھی۔۔۔ اتنی سردی میں اس کی دھڑکنیں شدید سرد تھیں۔ بہرام کو پھر سے سردی لگ سکتی سپرد تھی۔ گرم کمبل میں وہ چھپا ہوا تھا۔ وہ بے حد

گرم زیر نمارومیر میں ملبوس تھا اس کے اور پر گرم کمبل تھا۔۔ وہ پوری کوشش کر رہی تھی اسے سرد ہوا نہ لگے۔۔ مگر آخر کب تک ؟؟ اتنی سرد اس کی رد اس کی دھڑکنیں تھیں۔

بہرام کے لیے وہ فیڈ کتنا سرد ہو گیا۔۔ ایک اس کے بار بار فیڈ منہ سے نکالنے پر بخوبی معلوم ہو رہا تھا۔۔ اسے فیڈ کرنے میں کتنی پرابلم ہو رہی کچھ ہے۔

وہ رک رک کر سانسیں لے رہا تھا۔۔ بھی شدت سے بلک بلک کر رونے لگتا تو بہارے زبردستی اسے فیڈ کروانے لگتی۔ وہ رات کے بعد اتنی دیر سے فیڈ ملنے پر روتے ہوے پھر سے فیڈ کرنے لگتا۔ بہارے بمشکل اپنی سسکیاں روک رہی تھیں۔۔

شہرام خان اس کی سسکیاں سنتے کرب سے آنکھیں موندے لب بھینچے ہوئے تھا۔۔

پسٹل ہاتھ میں پکڑے اس کی نوک اپنی پیشانی پر مار رہا تھا۔۔ وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔۔ اس کے ساتھ بہارے اور بہرام نہ ہوتے وہ اب تک ان کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوتے مقابلہ کرتا۔ مگر بہارے اور بہرام اسے کمزور کر چکے تھے۔۔ انھیں کچھ ہو نہ جائیں یہ سوچتے ہی اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔۔

شہرام خان اپنی بھیگی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے رگڑیں گہرے سانس لیتا اپنے کندھے کو ایک ہاتھ سے جکڑ گیا جہاں بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔ بہرام میڈیسن کے اثر سے پھر سے نیند کی اغوش میں چلا گیا تھا۔ مگر اس کا جسم بری طرح ہچکولے بھر رہا تھا۔ وہ بہت بری طرح ڈر رہا تھا۔۔ بار بار وہ روتے

ہوئے ہچکی لیتا تو بہارے اپنی بچکی منہ پر ہاتھ رکھے روکتی۔ بہارے اس کے منہ پر بھی کمبل ڈالے اسے اپنے سینے میں بھینچے ہوئے تھی۔ وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔۔ جتنا اس کا بدن برفیلا تھا اس سے نہیں زیادہ اس کے چہرے کے تاثرات سرد برفیلے تھے۔ اس کے آنسو ختم ہو چکے تھے۔

وہ جانتی تھی وہ اپنے بہرام کو کھو چکی ہے۔ اس سردی میں وہ سروائیو نہیں کر سکے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی وہ سب کچھ کھو چکی ہے۔۔

شہرام خان کو بہت پہلے کھو چکی تھی۔ آج اپنے بہرام کو بھی کھو دے گی۔۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی دعائیں اس کے لبوں کی کپکپاہٹ تک ختم ہو گئی تھی۔ وہ خدا سے دعا کرنا تک بھول گئی تھی۔۔ موت اور بے بسی نظر آ رہی تھی۔۔ زندگی نے اسے کچھ نہ دیا تھا شہرام خان کی محبت تو اس سے

کب کی چھن گئی تھی آج اس کی نشانی بھی چھننے والی تھی۔ اس کے بعد اس کا اپنا وجود آخر کیا رہ جاتا۔

بہرام کو اپنے سینے میں بھینچے آنکھیں موند گئی۔۔۔ درختوں کے پتوں سے ٹپکتا پانی آنسوؤں کی صورت میں اب اس کے عارض پر بہہ رہا تھا۔۔

وہ لوگ وہاں پر کتنی دیر سے آنکھیں موندے بیٹھے ہوئے تھے۔۔ دونوں کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔۔ یخ ٹھنڈی ہواؤں سے ٹھٹھرتے بھی دونوں نے ایک دوسرے کو آغوش کا سہارا نہیں دیا تھا۔۔ بہارے اپنے ساتھ لیٹے بہرام کو بھی چیک نہیں کر رہی تھی کہ اس کی سانسیں چل رہی ہیں کہ نہیں وہ پتھر بنی بیٹھی تھی۔ بہرام جب نیند میں ہچکولے بھرتا تو اس کے پتھر وجود میں ہلچل ہوتی اور بند آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر کرتا۔ اور اس کا وجود بھی ہچکولے بھرتا ہچکی لے اٹھتا۔۔ یکدم وہ نقاہت کے

باعث ڈھولتی ہوئی شہرام خان کے کندھے سے جا ٹکرائی تھی۔۔اس کی پیشانی شہرام کے کندھے سے ٹکرائی تو شہرام لب بھینچے اپنے کندھے سے اٹھتا درد کی تھیں برداشت کر گیا تھا۔اپنی پیشانی پر نمی محسوس کرتے بہارے کا ہاتھ بے اختیار شہرام کے زخمی کندھے کو چھو گیا تھا۔۔

یہ لک کیا ہے؟؟۔۔یہ خون خون ہے۔۔نت۔۔۔ تمھیں۔۔۔۔۔ گولی لگی۔۔۔ہے۔۔اس کے لبوں سے ٹوٹ کر لفظ ادا ہوے تھے۔۔

اس کے لبوں سے ٹوٹے لفظ سن کر وہ نم آنکھوں سے کرب سے مسکرایا۔

نہیں میرا کندھا درخت کے ساتھ ٹکراتے رگڑ کھا گیا تھا۔چھوٹا سا زخم آیا ہے۔۔شہرام سنجیدگی سے کہتے آنکھیں موند گیا۔۔

یہ زخم گولی کا ہے۔۔ تمھیں گولی لگی ہے۔۔نے سے کے بہارے نے

کپکپاتے لبوں سے کہتے اس کے زخمی کندھے کو ٹٹولا۔ جہاں گہرا زخم تھا۔۔

گولی نہیں لگی۔۔ معمولی سا زخم ہے۔۔۔ شہرام اس کا ہاتھ ہٹاتے اپنا زخمی

کندھا اپنے ہاتھ سے جکڑ گیا۔۔ شدید سردی کی وجہ سے درد کی ٹھیس بہت

زیادہ تھی۔۔

یہ۔۔۔ گولی کا زخ۔۔۔م۔۔۔۔ہے۔ تم جھوٹ۔۔۔۔۔۔

شش۔۔۔۔ خاموش رہو۔۔۔ شہرام اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ جماتے

اسے اسی لمحے م

خاموش کروا گیا۔۔ اپنے قریب قدموں کی چاپ سنتے وہ الرٹ ہوا تھا۔۔ وہ

اپنا ایک مظبوط ہاتھ بہارے کے منہ پر جمائے ہوئے اپنی پسٹل دوسرے

ہاتھ میں مظبوطی سے تھام گیا۔۔اس کے ہاتھ کے دباؤ سے بہارے کی سانسیں رکی تھیں۔وہ ٹارچ کی ہلکی مدھم روشنی میں شہرام خان کے وتیج چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں درد و کرب کے ساتھ حوف کے تاثرات تھے۔وہ اسے پہلی مرتبہ خوفزدہ ہوتے دیکھ رہی تھی۔

خاموش رہو۔۔۔۔آواز نہ نکلے تمھاری اور بہرام کی آواز بھی نہ آئے۔۔۔شہرام نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوگی کی۔بہارے دھڑکتے دل کے ساتھ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔قدموں کی چاپ اسے بھی سنائی دے رہی تھی۔۔

تھوڑی دور اسے موبایل کی ٹارچ بھی آن دکھائی دے گئی تھی۔وہ دو لوگ تھے جو موبائل کی روشنی میں انھیں تلاش کر رہے تھے یقیناوہ اس کے

کندھے سے ٹپکتے خون کی وجہ سے ان تک آن پہنچے تھے۔ وہ لوگ جہاں بیٹھے تھے ان کی نظر ابھی تک ان نہیں پڑی تھی۔ لیکن وہ جلد پہنچ سکتے تھے۔۔

شہرام آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھتے دبے قدموں سے آگے بھرتے ان کی طرف بڑھا۔ ڈھونڈو ان کو۔۔۔ وہ لوگ یہاں پر ہی ہے۔ اس کا خون دیکھ کر لگ رہا ہے وہ لوگ زیادہ دور نہیں گیا۔۔ خان آتا ہی ہو گا۔۔۔ ہمارا باقی آدمی بھی اسے تلاش کر رہا ہے۔ مگر یہ ہم کو مل گیا۔۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ساتھ عورت اور بچہ بھی ہے۔۔ خان کا حکم ہے اس کو مار کر اس کا عورت اور بچے کا جان بھی بے دردی سے لے لو۔۔ ان لوگوں کی باتوں پر شہرام خان کی آنکھوں میں خون کی لالا اتری تھی۔۔

وہ پاگل ہوا تھا۔۔

اس نے یقدم اپنی ٹارچ آن کرتے ان دونوں کی بیک پر یکے بعد دیگرے فائر کر دیے تھے۔۔ وہ چیختے ہوئے اسی لمحے زمین پر گرتے اپنی جان گنوا کئے تھے بہارے بہرام کو سینے میں بھینچتے سے بمشکل اپنی چیخوں پر قابو پایا تھا۔۔ بہرام خوفزدہ ہوتے بری طرح رونے لگا تھا۔۔ بہارے اس کے رونے پر اسے اپنے سینے میں مزید بھینچ گئی تھی۔۔ اس کے رونے پر وہ روتے روتے ہذیانی سی ہنس پڑی تھی۔۔ اسے کچھ دیر پہلے لگ رہا تھا اس کی سانسیں بند ہو گئی ہیں۔ وہ پتھر بنی خوفزدہ ہوتی چیک نہیں کر رہی تھی۔ اب اس کے رونے پر اسے جیسے سکون پہنچا تھا۔ اب وہ اسے اپنے سینے میں بھینچے آسمان کی طرف دیکھتے پیچ پیچ کر رو دی تھی۔

شہرام ان کی لاشوں کی طرف بڑھا۔۔ زمین میں پڑا موبائل اٹھائے اسے دیکھا جس کی ٹارچ آن تھی۔۔ وہ ان لاک تھا۔۔ وہ پکڑے جلدی سے بہارے کی طرف بڑھا۔۔

بہارے یہ ٹارچ پکڑو اور تم یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔۔ ان لوگوں کو میں روکتا ہوں شہرام کی آواز پر اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔۔

مم میں۔۔۔ کیسے ؟؟۔۔۔۔۔ بہارے نے اس کے کندھے سے نکلتے خون پر نظریں جماتے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔۔ بہارے یہاں سے سامنے جاتے ہی باہر سڑک آجائے گی۔۔ تمھیں کوئی بھی وہاں سے مدد مل سکتی ہے۔۔ خضر اور اس کے آدمی تم تک نہیں پہنچ سکے گے۔۔ کیونکہ تم تک پہنچنے سے پہلے مدد۔۔۔ شہرام اس کا سر سے اترا میرون دوپٹہ اس کے سر پر اوڑھا چکا تھا۔۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا زندگی میں ایسا لمحہ آئے گا وہ اسے رات کی

تنہائی میں دلہن کے لباس میں تن تنہا کسی سے مدد مانگنے کو کہے گا۔ شہرام خان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔ وہ اسے اور اپنے بچے کو خدا کے حوالے کر چکا تھا۔۔ اپنے سامنے انھیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ خضر خان جلد ان تک پہنچ سکتا تھا۔۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ اس جنگل سے نہیں نکل سکتے تھے۔۔ بہارے اسے فق رنگت سے دیکھ رہی تھی۔۔

بہارے جاؤ وہ لوگ آتے ہوں گے۔۔ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔۔ وہ لوگ ہم تک پہنچ جائیں گے۔ دونوں ایک ساتھ اس جنگل سے نہیں نکل سکتے تھے۔۔ بہارے اسے فق رنگت سے دیکھ رہی تھی۔۔

تت۔۔۔ تم۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔ چلو۔۔۔ ہمارے۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ نت۔۔۔ تمھیں۔۔۔۔ چھوڑ کر۔۔۔ کیسے۔۔۔۔

جا۔۔۔ سکتی۔۔۔۔ ہوں۔

نہیں جا سکتا میں تمھارے ساتھ۔۔ وہ ہم تک جلد پہنچ جائیں گے۔۔ مجھے انھیں روکتا ہے۔۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے اپنی قمیض کی پاکٹ سے گولیاں نکالتے اپنی پسٹل لوڈ کی۔۔ وہ اس کے گرد اپنے مضبوط ہاتھ رکھتے اسے محصور کر کیا۔ بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے شہرام خان کو بھیگی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ بہرام اب شدت سے رو رہا تھا۔۔

جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔ تمھیں بہرام کی ہی نہیں اپنی حفاظت بھی کرنی ہے آخر تمھیں مجھے ساری عمر دوسری عورت کے طعنے بھی تو دینے ہیں۔۔۔

شہرام نرمی سے نم آواز میں کہتے اس کے عارض پر ہاتھ رکھ گیا۔

ساری عمر۔۔۔ بہارے کے لب اس کے لفظ دہراتے بری طرح کپکپائے تھے۔۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ ساری عمر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شہرام نم آنکھوں سے مسکرایا۔

سن لوگے طعنے میرے۔۔ بہارے نے کپکپاتے لبوں سے سوال کیا۔

سن لوں گا۔۔۔ اگر یہ دھڑکنیں چلتی رہیں تو۔۔۔ شہرام اس کی گلابی متورم آنکھوں میں دیکھتے پلکیں جھپکتے مسکرایا تھا۔۔۔ بہارے اس کی بات پر تڑپتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کے گلے میں پہنی چین جکڑ گئی۔۔ جو اس نے رخصتی سے پہلے اسے چڑانے کے لیے گفٹ کی تھی۔۔ شہرام کو مردوں کا سونا پہننا اور اوپر سے چین پہننا سخت ناپسند تھا۔۔ بلکہ نفرت تھی اسے۔۔ بہارے نے اسے جان بوجھ کر گفٹ کی تھی۔۔ وہ اس کے سامنے ہی غصے میں ڈسٹ بن میں پھینک چکا تھا۔ اس چین میں آئی ہیٹ یو کے الفابیٹ بھی

لٹکے ہوئے تھے۔۔ وہ چین ابھی تک اس کے پاس تھی اور وہ پہنے ہوے بھی تھا۔ اسے یاد آیا تھا رات کو وہ چین اس نے نہیں پہنی ہوئی تھی۔ بہارے روتے ہوے اس کی چین کو سختی سے جکڑ گئی تھی۔۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑے اس کی سانسوں پر قبضہ جما چکا تھا۔۔ ایک ہاتھ سے وہ اس کی ٹھنڈی دھڑکنوں کو نرمی سے چھوتے اسے پل میں گرمائش پہنچا گیا۔

۔۔۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسو بہتے اس کے رخ پر برس رہے تھے۔۔

میرے لیے تمھارا یہ لمس کافی ہے میری بہارے اب جاؤ یہاں سے اور وعدہ کرو مجھ سے اب تم پیچھے مڑ کر نہیں دیکھو گی۔ اپنی اور بہرام کی ہر حال میں وضاحت کرو گی۔۔ شہرام خان نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے گہری ہوتی سانسوں سے وعدہ لیا۔۔

نہیں۔۔۔ کروں۔۔۔۔ گی۔۔۔ وعدہ۔۔۔۔ شہرام خان۔۔ وعدے۔۔۔۔

توڑنے کے۔۔۔ لیے۔۔۔۔۔ ہوتے۔۔۔ ہیں۔ تم۔۔۔۔۔ نے۔۔۔۔

بھی۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ مجھ۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔ ہر۔۔۔۔۔ وعدہ

۔۔۔۔ توڑا۔۔۔۔ ہے۔۔ میں۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ وعدہ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔

کر۔۔۔۔۔ سکتی۔ مم۔۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔ ساتھ۔۔۔۔ چلو۔۔۔۔۔

بہارے۔۔۔۔ بہرام کو سینے میں بھینچتے اس کی چین بے رحمی سے کھینچتے روتے ہوئے بولی۔ وہ اتنی بے دردی سے وہ چین کھینچ رہی تھی کہ شہرام کے سرخ و سفید گلے میں نشان پڑ چکا تھا۔۔ شہرام اسے نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

یکدم جنگل میں فائرنگ کی آوازیں گونجیں۔ بہارے نے روتے ہوے شہرام کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔

بہارے جاؤ یہاں سے۔۔۔ تمھیں قسم ہے بہرام کی۔۔۔ شہرام خان اپنی پسٹل پکڑے چیخا تھا۔۔

شہرام۔۔۔ بہارے اسے پکارتے رو دی بھی اسے پکارتے ودی تھی۔۔۔

جاؤ بہارے۔۔۔ شہرام اسے خود سے دور دھکیل گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوے کئی قدم اسے دور ہوئی۔

بہارے روتے ہوئے کچھ پل شہرام کو دیکھتی پا رہی پھر اپنے سینے سے لگے بہرام کو چلتے روتے ہوئے دیکھا تھا دوسرے پل وہ پوری رفتار سے سامنے کی طرف بھاگنے لگی تھی۔۔

شہرام خان اپنی پسٹل پکڑے فائرنگ اور قدموں کی چاپ کی طرف بڑھا۔۔ اپنے سامنے کھڑے آدمی پر شہرام گولی چلانے لگا تھا کہ اس پر شہرام لگا تھا

آدمی کی پسٹل سے نکلی گولی شہرام خان کے بازو کو چیر گئی تھی۔۔ شہرام خان اپنی پیچ گلے میں گھونٹا اپنی پسٹل سے اسی لمحے کئی فائر کر چکا تھا۔ وہ زمین پر گر تادم توڑ چکا تھا۔

گولیوں کی آواز پر بہارے کے بھاگتے قدم رکے تھے۔ دل کی دھڑکنیں تھمی تھیں۔۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے سٹل ہوئی تھی۔۔ دوسرے لمحے وہ پلٹتے ہوئے بھاگتے ہوئے پھر سے شہرام خان کی طرف بڑھنے لگی۔۔۔۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اسے کیا ہو رہا ہے اس کا دل ایسے کیوں لرز رہا ہے جیسے کچھ دیر بعد اس کی سانسیں رکنے والی ہیں۔۔ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔۔۔ دل ایسے لرز رہا تھا جیسے سوکھے پتے ذرا سی ہوا پر لرزنے لگتے ہیں۔۔

کیسے موڑ پر نہ جانے

لائی ہے یہ زندگی

روٹھ روٹھا ہے نصیباں

روٹھی روٹھی ہر خوشی

دیکھے تھے جو خواب

سب ٹوٹ گئے وہ

کہہ رہی ہے شائد

آنکھوں سے

میری بے بسی

کیسا یہ مرض ہے

یہ عشق عشق

کیسا یہ درد ہے

بہ عشق

میرا دشمن یہ عشق

وہ بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شہرام درخت کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتا اپنی قمیض سے گولیاں نکالتے اپنی پسٹل اوور لوڈ کر رہا تھا۔ کندھے اور بازو سے نکلتے خون سے اس کی سیاہ شرٹ بھیگ چکی تھی۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے کی چیخ پر اس نے سامنے دیکھا۔ وہ بھاگتے ہوے اس کی طرف واپس آرہی تھی۔ اس کے بازو سے نکلتا بھل بھل خون وہ دیکھ چکی تھی۔

رک جاؤ بہارے۔۔۔ تم میری طرف نہیں آؤ گی۔۔۔۔ شہرام گہرے سانس لیتا چیخا۔۔ شہرام تم۔۔۔۔۔ وہ اسے کے بازو سے نکلتے خون کو دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔۔۔۔۔۔

اگر تم یہاں سے نہ گئی یا تم نے اب دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔ میں قسم کھاتا ہوں بہرام کی میں اپنی پسٹل کی گولیاں خود اپنی کنپٹی میں ماروں گا۔۔ شہرام خان حلق کے بل چیخا تھا۔۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے نے بے یقینی سے اسے دیکھ.. شہرام شہرام گہرے سانس لیتے لیتے اپنی پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ گیا۔۔

جاؤ۔۔ شہرام حلق کے بل چیخا۔۔۔ بہارے اسے دیکھتے بہرام کو بھینچے دوسری سمت پھر سے بھاگنے لگی تھی۔۔۔ وہ روتے ہوے آسمان کی طرف دیکھتے بھاگ رہی تھی۔۔۔۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے۔۔ وہ خدا سے کیا

مانگ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ بس اس کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

شہرام خان ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھا۔۔ اپنے سامنے حضر خان کے بیٹے اور اس آدمیوں کو دیکھ کر وہ اپنی پچھلی گردن رب کرتے ہلکا سا ہنسا تھا۔۔ دوسرے لمحے اس نے اپنی پسٹل ان پر تانے فائر کرنے ہی لگا تھا کہ لیکن وہ تینوں اس پر فائر کر چکے تھے۔۔ ان کی گولیاں شہرام کے کی پیٹ اس کے سینے کو چھو گئی تھیں۔۔ شہرام کی دلخراش چیخیں جنگل میں گونجی تھیں۔۔ شہرام کے قدم لڑکھڑائے تھے۔۔ وہ خون میں لت پت گہرے سانس لیتا اپنی پسل ان پر تانے ہوئے تھا۔ ٹریگر پر اس کی انگلیاں کانپ رہی تھی۔۔ سامنے کھڑے خضر خان اور اس کے آدمی شہرام خان کو دیکھتے اس کی بے بسی پر ہنس رہے تھے۔ جسے وہ کئی گولیاں مار چکے تھے. گولیوں کی آواز اور

شہرام خان کی چیخوں پر بہارے خان کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ وہ سڑک پر کھڑے گہرا پانی جو بہتے دریا میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس پانی میں منہ کے بل گری تھی۔۔ بہرام کو وہ زمین پر گرنے سے بچا چکی بہرام کو وہ تھی۔۔ مگر شہرام خان کی چیخیں اس کی سانسیں بند کر چکی تھیں۔۔

"تم کیوں نہیں مر کے شہرام خان؟؟ تم کیوں نہیں مر کے شہرام خان؟؟۔" اپنی بدعائیں سماعتوں میں گونجتی سنائی دی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے بمشکل ٹھنڈے پانی سے اٹھی تھی۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے آگے بڑھی تھی۔ ایک اور فائر گونجا تھا اور شہرام خان کی آخری چیخ اس کے حواس چھین چکی تھی۔۔ میرون دوپٹہ اس کے سر سے اترتا اس کے کندھوں پر آیا تھا۔۔۔ وہ پھر سے بہتے دریا میں گری تھی۔ اس کا رنگ دار دو پٹہ اس کے سامنے پانی کی نظر ہوتا بہہ چکا تھا۔

ارحام خان نے اپنے بجتے فون کو اٹھائے کان سے لگایا۔

کیا کہہ رہے ہو تم؟؟ وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

تلاش کروانھیں۔ اگر ان لوگوں کو ایک انچ بھی پہنچی میں پورے سوات کو آگ لگادوں گا۔ ارحام دھاڑتے ہوے فون بند کر چکا تھا۔

زاران اسفندیار خان صوفے سے ہڑبڑاتے ہوے اٹھے تھے۔

کیا ہوا لالا کس کا فون تھا؟؟۔ زاران نے ارحام کے سرخ و سفید چہرے پر خون کی لالی دیکھتے پریشانی سے پوچھا۔۔

شہرام بہارے اور بہرام کے ساتھ ہاسپٹل سے کب کا نکلا ہوا ہے مگر ابھی تک حویلی نہیں پہنچا۔

مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔۔اس کے ساتھ اس کے گارڈز نہیں ہیں۔۔اور دو دن پہلے خضر خان نے شہرام کو دھمکی دی تھی۔۔۔مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔۔ارحام اظطرابی کیفیت میں بولتے ہوے اپنی گاڑی کی چابیوں کی طرف بڑھا۔

کیا کہہ رہے ہیں لالا؟؟بہارے اور بہرام بھی شہرام کے ساتھ ہیں۔اسفند یار خان کی بھاری آواز آواز لڑکھڑائی تھی۔۔

لالا آپ کو یہ سب پتہ تھا آپ نے بتایا کیوں نہیں مجھے۔۔زاران بدحواص ہوتا چیخا تھا۔

شہرام کے ساتھ اس کے گارڈز ہر وقت ہوتے تھے۔۔مجھے پتہ تھا کہ وہ خضر خان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔۔مگر مجھے یہ نہیں پتہ تھا وہ اس طرح کی حماقت کرے گا کہ بہرام اور بہارے کو لے کر اکیلا نکل جائے گا۔۔ارحام خان

نے اپنی پسٹل لوڈ کرتے اپنی جینز پینٹ کی پاکٹ میں ڈالی۔ وہ اس وقت سفید شرٹ بلو جینز میں ملبوس تھا۔۔

رات سے نیٹ ورک نہیں مل رہا تھا۔ ابھی نیٹ ورک آیا تو مجھے میرے ایک گارڈ نے بتایا جسے میں نے خضر خان پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔۔ خضر خان پانچ گھنٹے پہلے اپنے گارڈز کے ساتھ نکلا ہے۔۔۔

زاران یہ سب سنتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے گہرے سانس لے رہا تھا۔۔ اسفندیار خان نے آگے بڑھتے اپنی پسٹل ٹیبل سے اٹھاتے اپنی پسٹل میں گولیاں چیک کرتے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالی۔۔

زاران یہ وقت سوچنے کا نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہو گا اسے ؟؟

اگر وہ مصیبت میں ہے تو اسے ہماری ضرورت ہے۔۔

وہ مصیبت میں ہے۔۔ میرا دل کہہ رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

رات سے کہہ رہا ہے۔ جب وہ بھاگتے ہوئے جا رہا تھا تب ہی میرا دل کھنچ رہا تھا۔۔ اور دیکھو میں رات سے بزدلوں کی طرح ادھر بیٹھا ہوں۔۔ بند راستے کیسے میرے آڑے آسکتے ہیں۔۔ کیسے جانے دیا اسے میں نے ؟؟ زاران اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے درد و کرب سے چیخا تھا۔

یہ وقت یہ باتیں کرنے کا نہیں ہے۔۔ اور اسے کچھ نہیں ہو گا۔۔ وہ میرا شیر ہے۔۔۔ پہاڑوں کی طرح سخت جان۔۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔۔ نہ میں اسے کچھ ہونے دوں گا۔۔ خضر خان کی دردناک موت آج ہمارے ہاتھوں لکھی ہے۔۔ ارحام زاران کے قریب آتے اسے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا

۔۔

زاران اپنی آنکھیں انگلیوں سے مسلتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا جہاں اس کی پسٹل موجود تھی۔۔ وہ اپنی پسٹل لوڈڈ کرتے فارم ہاؤس سے باہر آیا جہاں ارحام اسفندیار خان گاڑی میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بیٹھنے پر ارحام خان نے اپنی گاڑی سٹارٹ کرتے سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائی تھی۔۔

ارحام تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔۔ رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں. اس وقت ان کے گارڈز ان کے ساتھ نہیں تھے۔ حویلی میں گیٹ پر صرف گل خان موجود تھا۔۔ رات کو ہی اسفند اور زاران وہ انھیں واپس حویلی بھیج چکے تھے۔۔ مگر راستے خراب ہونے کی وجہ سے وہ حویلی بھی نہیں پہنچ سکے تھے۔

موسم کی خرابی کی وجہ سے رات سے سگنل بھی نہیں آرہے تھے۔اس لیے ان کا کسی سے رابطہ نہیں تھا۔ابھی ہی سگنل آئے تھے۔۔انھیں ساری سچویشن کی خبر ہوئی تھی۔۔زاران اپنا فون کان سے لگائے مسلسل شہرام کے نمبر پر فون کر رہا تھا جو آف آرہا تھا۔۔

اس نے لب بھینچے موبائل ڈیش بورڈ پر زور سے دے مارا۔۔

اسفندیار خان پچھلی سیٹ پر بیٹھا ایک ہاتھ میں اپنی پسٹل تھامے دوسرے ہاتھ سے اپنی مٹھیاں دبوچے بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھا۔شہرام خان کے ساتھ اس کی بہن بھی تھی وہ پاگل ہو رہا تھا۔اپنی بہن کی عزت اور جان کا خوف اس کے خون میں شرارے دوڑا رہا تھا۔۔

میسج ٹون پر زاران نے جلدی سے اپنا موبائل ڈیش بورڈ سے اٹھاتے اسے ان لاک کیا۔

لالا۔۔۔ بہارے اور بہرام کو بچالیں۔۔۔۔ وہ مصیبت میں ہیں۔ ایک آن ناؤن نمبر سے میسج پڑتے زاران کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

لالا گاڑی تیز چلائیں ہمارے شہرام کو سچ میں ہماری ضرورت ہے۔ زاران میسج پڑھتے طیش والم میں چیخا تھا۔۔

ارحام کی گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک تیز ہوئی تھی۔۔

بہارے بہرام کو سینے میں بھینچے پانی سے اٹھی تھی۔ کپکپاتے وجود پر قابو پانا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ شہرام کی چیخیں اس کی سماعتوں میں گونجتی اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر چکی تھیں۔

گہرے سانس لیتے خود کو سنبھالتے اس نے کپکپاتے وجود کے ساتھ اپنے من من کے قدم اٹھائے تھے۔۔

دوپٹہ تو کب کا بہتے پانی کی نذر ہو چکا تھا۔۔ اسے اس بات کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ اس کا بدن اتنی بری طرح لرز رہا تھا کہ بہرام کتنی بار اس کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے بمشکل ہی اپنے قدم اٹھا رہی تھی۔۔

"شہرام اللہ کرے تم کبھی خوش نہ رہو۔۔ تم مر جاؤ شہرام خان" اپنے ہی لفظ سماعتوں میں گونجتے اس کی کنپٹی پر گولیوں کی مانند برس رہے تھے۔

اسے لگ رہا تھا وہ اپنے وجود پر ڈھیروں بوج اٹھائے ہوے ہے۔ اس کے قدم بمشکل اٹھ رہے تھے۔۔ شہرام خان کی چیخیں اس کے حواص چھین رہی تھی۔

یکدم آسمان میں زوردار بجلی کڑکی تھی۔ وہ پھر سے وہ بری طرح لڑکھڑاتے پانی میں گھٹنوں کے بل گری تھی۔ اب کی بار بہرام اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر پانی میں گرا تھا۔ بہارے چیختے ہوے اسے پانی سے جلدی سے اٹھائے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکی تھی۔ اس پر لپٹا کمبل پوری طرح بھیگا تھا۔

وہ اسے سینے میں بھینچے تھر تھر کانپتی پانی سے گزر رہی تھی۔۔ بجلی کڑکنے کے ساتھ اب بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔

شہرام۔۔۔۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچتے گھٹنوں کے بل بیٹھے آسمان کی طرف دیکھتے اسے پکارتے دھاڑیں مار مار کر رو دی تھی۔۔ بہرام کا کمبل بھیگ چکا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بھی گیلا ہو چکا تھا۔ وہ روتا بلکتا اب خاموش ہو گیا تھا۔ بھیگنے کی وجہ سے اس کی سانسیں رک رہی تھی۔ کمبل کے اندر سے اس کی گھٹی گھٹی سانسیں محسوس کرتے بہارے کی سانسیں سچ میں رک رہی تھی۔

کوئی بھی گھر گاڑی ملتی ہے ۔۔ مدد مانگنا مل جائے گی مدد" شہرام " کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔

وہ بہرام کو سینے سے لگائے تیزی تیزی سے سامنے کی طرف بھاگنے لگی۔۔

مدد مانگنا مل جائے گی۔۔ وہ اس کے لفظ یاد کرتے بنا رکے روتے ہوے بھاگتے جا رہی تھی۔۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اس پر بہرام خان کی زندگی کا خوف چھایا ہے یا پھر شہرام خان کو کھونے کا۔۔۔

شہرام خان۔۔۔۔وہ بھاگتے ہوئے چیختے ہوئے اسے پکار رہی تھی ۔۔زندگی لفظ تو صرف شہرام خان پر محیط تھا۔

شہرام۔۔۔وہ ہذیانی چیختے ہوئے اسے پکارتے تیز رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔

سامنے سے نظر آتی گاڑی کی ہیڈلائٹس دیکھ کر وہ روتے ہوئے بہرام کو سینے میں بھینچتے اب اس گاڑی کی طرف بھاگی تھی۔

"مدد مانگنا مل جائے گی." اس ستم گر کے یہی لفظ سماعتوں میں گونج رہے تھے۔۔ اگر وہ کہتا بہارے پہاڑ کی کھائی سے گر کر اپنی جان دے دینا تو آج تو وہ یہ بھی مان لیتی۔۔

وہ بھاگتے ہوئے اس گاڑی کی طرف تیز رفتاری سے بڑھی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس گاڑی کی بونٹ سے ٹکراتی وہ گاڑی رک چکی تھی۔۔ ورنہ وہ اس گاڑی سے ٹکراتے اپنی جان گنوا دیتی۔۔۔

وہ گہرے سانس لیتے بہرام کو سینے میں بھینچتے تھر تھر کانپتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی.

لالا۔۔۔۔ وہ گاڑی میں بیٹھے ارحام کو دیکھ کر ہذیانی چیخی تھی۔۔

لالا۔۔۔ وہ اب ارحام کو دیکھتے چیخیں مارتی جا رہی تھی۔

ارحام زاران اسفندیار خان اپنے سامنے کھڑی بہارے کو بغیر کسی چادر کے دیکھتے جلدی سے گاڑی سے اترتے بہارے کی طرف بڑھے۔۔

اسفندیار خان اس کی طرف بڑھتے اپنی چادر اس کے گرد اوڑا چکا تھا۔۔۔

شہرام کہاں ہے؟؟ ارحام نے چیختے ہوے پوچھا۔۔ وہ بغیر کسی چادر کے اس حلیے میں تھی۔۔ یقیناً شہرام خان نہیں رہا تھا اگر وہ ہوتا کبھی اپنی عزت کو یوں تنہا نہ کرتا۔۔

زاران بہارے کو دیکھتے گاڑی کی بونٹ کے ساتھ لگے سٹل سا کھڑا تھا۔۔ اس کے قدموں کو جیسے کسی نے جکڑ لیا تھا۔

بہارے کی حالت اسے بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔

کیا اس کا شہرام نہیں رہا تھا؟؟ ایک اسی سوال نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا

اسے۔۔۔۔بچا۔۔۔۔لیں۔۔۔۔لالا۔اسے۔۔۔۔گولیاں۔۔۔گولیاں۔۔۔۔۔ماری۔۔۔۔ہیں۔۔۔۔وہ ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔

کہاں ہے وہ؟؟ زاران آگے بڑھتا اسے شانوں سے جکڑے جھنجھوڑتے ہوے چیخا۔

وہ۔۔۔وہ۔۔۔۔۔بہارے نے کپکپاتی انگلیوں سے اپنے مخالف سمت اشارہ کیا۔

ارحام خان اور زاران یہ سنتے تیزی سے اس طرف بھاگے تھے۔۔

اسفندیار خان بہارے کے کپکپاتے وجود کو اپنی بازوؤں کے حلقے میں لیے کھڑا تھا۔

لالا۔۔۔ آپ۔۔۔۔ یہاں کک۔۔ کیا

۔۔۔ کر۔۔۔ رہے۔۔ ہیں؟؟۔۔ اس۔۔۔۔ کے

۔۔۔۔ پاس۔۔۔ جائیں۔۔ اسے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔۔ بہارے کپکپاتے لبوں سے بولتے آخری جملے پر حلق کے بل چیخی تھی۔۔

تم گاڑی میں بیٹھو۔۔۔ اسفند اسے شانوں سے جکڑے گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے ہوے تھی۔۔

اسفندیار خان کا دھیان بہرام پر گیا ہی نہیں تھا۔ اس کا مضبوط توانا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔۔ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھ ء۔

نہیں لالا وہ۔۔۔ وہاں۔۔۔ سر۔۔۔ سردی۔۔ میں ہے۔۔ مم۔۔۔۔

میں۔۔۔ کک۔۔ کیسے۔۔ گرم۔۔۔۔ گاڑی۔۔۔ میں۔۔۔ بیٹھ

۔۔۔۔۔ سکتی۔۔۔ ہوں۔

لالا تین تین فائر کے آواز۔۔۔۔ سنائی۔۔۔ دیے

تھے۔۔ اس۔۔۔ کی۔۔۔ چیخیں۔۔۔ بھی۔۔۔ لالا۔۔۔۔ اس کی چیخیں بھی

لالا۔۔ درد سے بھری لالا۔۔۔ وہ۔۔۔ درد۔۔۔ میں۔۔۔ ہے۔۔ بہارے

روتے ہوے بولی۔۔

بہارے کی باتوں پر اسفندیار خان کی آنکھوں سے آنسو گرتے عارض پر بہے

تھے۔

اسے آپ کے رونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ جائیں میرے شہرام کے

پاس۔۔۔ اسے آپ کی ضرورت ہے۔۔ بہارے پھر سے چیخی تھی۔

بہارے بہرام کو لے کر گاڑی میں بیٹھو۔۔ اسفند اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتا اس کی کلائی جکڑے گاڑی کی طرف بڑھا۔

آپ نہیں جائیں گے۔۔ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ بلکہ میں اپنے شہرام کو خود بچاؤں گی۔۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔۔۔ بہارے چیختے ہوے بھاگتے ہوے دوسری طرف بڑھی۔۔ اسفندیار خان تیزی سے اس کے پیچھے لپکتے اس کے کپکپاتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھر گیا تھا۔

اس کی نیلی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔۔ وہ روتے ہوے اسے خود میں بھینچ گیا۔

لالا بچالیں اسے۔۔۔ بچالیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔۔ اس کی چیخوں پر اسفند یار خان اسے سینے میں بھینچتے شدت سے رو دیا تھا۔۔ وہ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں نرمی سے لیے گاڑی کی طرف بڑھا۔

اسے۔۔۔بچا۔۔۔کیوں۔۔۔نہیں۔۔۔رہے

۔۔۔۔لالا۔۔۔مجھے۔۔۔آپ۔۔۔کی۔۔۔ضرورت۔۔۔۔

نہیں۔۔۔میں۔۔۔خود۔۔۔چلی۔۔۔جاتی۔۔مگر۔۔۔اس۔۔۔نے

۔۔۔کہا۔۔۔تھا۔۔میں۔۔۔اگر۔۔۔اس۔۔۔کی۔۔۔طرف

واپس۔۔۔۔آئی۔۔۔۔تو۔۔۔۔وہ۔۔۔۔اپنی۔۔۔کنپٹی۔۔۔۔

میں۔۔۔گولی۔۔۔۔مار۔۔۔۔دے۔۔۔۔۔

گا۔۔بہرام۔۔۔کی۔۔۔قسم۔۔۔کھائی۔۔۔تھی۔۔۔اس۔۔۔۔نے۔۔

۔۔وہ۔۔۔قسم۔۔۔جھوٹی۔۔۔نہیں۔۔۔کھاتا۔۔۔میں

۔۔۔اسے۔۔۔بچانے۔۔۔بھی

۔۔۔جا۔۔۔نہیں۔۔۔سکتی۔۔۔بہارے اسفند کی طرف دیکھتے چیخیں

مار مار کر رو دی تھی۔۔

اسفند اب اسے بازو سے سختی سے جکڑے گاڑی کی طرف بڑھا۔ اسے اور بہرام کو گاڑی میں بٹھا کر اسے سیف کر کے وہ زاران اور شہرام کی طرف جانا چاہتا تھا۔۔ شہرام خان کے ساتھ ارحام اور زاران کو بھی اس کی ضرورت تھی۔ اسفند اسے بازو سے جکڑے گھسیٹتے ہوے گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ چھوڑیں لالا۔۔۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔ میرے شہرام کو بچائیں ۔۔۔ وہ روتے ہوے چیختے ہوے بین ڈال رہی تھی۔ اسفند اس کی چیخ و پکار نظر انداز کرتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے گاڑی میں دھکیلتے گاڑی لاک کر گیا تھا۔ وہ بنا بہارے کی طرف دیکھے ت تیزی سے جنگل کی طرف بڑھا۔۔

کھولو لالا۔۔۔۔۔۔۔۔ اسے میری ضرورت ہے۔ بہارے چیختے ہوے گاڑی کے شیشے پر ہاتھ مار رہی تھی۔۔

کھولو لالا۔۔ میرے شہرام کو میری ضرووت ہے۔۔ وہ گاڑی کے شیشے پر پوری قوت سے ہاتھ مارتے چیخ رہی تھی

بہرام اس کی گود میں تھا۔۔ اسے اپنی گود میں ہلچل ہوتے محسوس ہوئی۔ وہ اپنے حواص میں آئی تھی۔۔

اس مچلتے وجود سے وہ گیلا کمبل اتار کر اسی لمحے پھینک چکی تھی۔۔ اس کا رومپر بھی گیلا تھا۔۔ اس کا چہرہ سرد تھا۔۔ بہارے جلدی سے اسے سینے میں بھینچے گاڑی کی اگلی سیٹ کی طرف بڑھی۔۔ آگے جاتے ہی اس نے اس کا گرم رومپر اتار دیا تھا۔۔ اس کے نیچے پہنا ہوا گرم سوٹ خشک تھا۔ بہرام کو ہیٹر کے آگے کرتے وہ اس کے سرد اور نیلے چہرے پر جھکتے اس کے اندر مصنوعی سانسیں انہیل کرنے لگی۔۔۔ وہ سسکتے ہوئے تڑپتے ہوئے اس

کے چہرے پر جھکے سانسیں انہیل کر رہی تھی۔۔ہیٹر وہ خود فل تیز کر چکی تھی۔۔اس کے کانپتا وجود شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام خان اور زاران تیزی سے جنگل کی طرف بڑھے۔۔۔۔شہرام خان کو زخمی حالت میں زمین پر پڑا دیکھ کر زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

شہرام۔۔۔۔۔زاران زمین پر بیٹھتے اس کے چہرے کو تھپکتے چیخا تھا۔۔ارحام سٹل سا کھڑا تھا۔اس کا تو پورا وجود تو گولیوں سے چھلنی تھا۔ارحام خانزادہ بے یقین تھا اپنے شہرام کو وہ کبھی اس حالت میں دیکھے گا اس کی آنکھیں بے یقین تھی

یکدم پیچھے سے آتا ایک فائر ارحام خانزادہ کے کندھے کو آکر لگا تھا۔۔

آہہہ۔۔۔۔۔۔۔ ارحام خان چیختے ہوے پیچھے مڑا۔۔۔ خضر خان کا بیٹا کھڑا مسکرا رہا تھا۔

تمھارا بھائی شہرام خان کو مار دیا اب تمھارا باری۔۔ بڑا اکڑتا تھا ہمارا علاقہ میں ہسپتال بنا کر۔۔۔ وہ ہسپتال نہیں بے شرمی کا اڈہ تھا۔ اس پر عزت کما رہا تھا۔ اب ہم نے اسے اوپر پہنچا دیا۔ اب تمھارا اور تمھارا زاران بھائی کا باری۔۔ اور تم خان برادرز کا خاتمہ۔۔۔۔ وہ شیطانی ہنسی ہنسا تھا۔

سے پہلے ایک اور فائر ارحام پر کرتا اسفند اس کی بیک پر فائر کر چکا تھا۔۔

خضر خان کا بیٹا چیختے ہوے اسی لمحے زمین بوس ہوا تھا۔

ارحام خان اپنے کندھے کو جکڑے اپنی پسٹل پر گرفت مضبوط کرتے چوکنا ہوا تھا۔

وہاں اور بھی خضر خان کے اور بھی آدمی ہو سکتے تھے۔۔ اسفندیار خان نے آگے بڑھتے اسی لمحے خضر خان کے بیٹے پر مزید فائر کیے تھے۔۔ وہ اسی لمحے ساکت ہوا تھا۔

شہرام۔۔۔۔۔ زاران۔۔ اس کے گال پاگلوں کی طرح تھپتھپاتا چیخ رہا تھا۔ ۔اسے کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

ہیلو۔۔۔۔۔ ہمیں جلدی سے ایمبولینس چاہیے۔۔ پانچ منٹ کے اندر ایمبولینس بھیجیں۔۔۔ ہم لوگ جنگل میں موجود ہیں جو سڑک ہاسپٹل کی طرف جاتی ہے اسی طرف ہیں۔۔ شہرام خان جو اس ہاسپٹل ہے اسے

گولیاں لگی ہیں۔ جلدی سے ایمبولینس بھیجیں۔۔۔ ارحام خان گہرے سانس لیتے فون ہاتھ میں کان سے لگائے چیخا تھا۔

اسفندیار خان سرخ آنکھوں سے خضر خان کے بیٹے کے مردہ وجود کو دیکھ رہا تھا۔

زاران شہرام کے ساکت وجود کو اپنے گود میں رکھے آسمان کی طرف دیکھتے چیخ رہا تھا۔۔

اسفند چوکنا رہنا جب تک ایمبولینس نہیں آجاتی۔۔ ارحام خان نے گہرے سانس لیتے اپنی پیشانی پر آیا پسینہ صاف کیا۔۔ کندھے میں لگی گولی اسے شدید تکلیف سے دوچار کر چکی تھی۔۔

ان کا بھی کتوں جیسا حال کروں گا۔۔ جیسے اس کا کیا۔ اسفند یار خان اپنا بھاری بوٹ اس کے چہرے پر مارتے طیش والم میں دھاڑا تھا۔

یکدم فائرنگ کی آواز گونجی تھی۔ ارحام جھکتے ہوے خود کو بچاتا درخت کی آڑ میں ہوا تھا۔ اسفند یار خان زاران کی طرف بڑھتے اس کی پشت کے آگے آیا تھا۔ ایک گولی آتی اسی لمحے اسفند یار خان کے بازو کو چھو کر گزری تھی ۔ اسفند اسی لمحے اپنے سامنے کھڑے دو آدمیوں کی ٹانگوں پر یکے بعد دیگرے کئی فائر کر گیا۔۔

ارحام درخت کی آڑ میں سے اس نے باقی کھڑے آدمیوں کا نشانہ بناتے ان پر فائر کیے تھے۔۔۔ ارحام کی پسٹل سے نکلی گولی ایک آدمی کے سر کو لگی تھی.

وہ اسی لمحے ڈھیر ہوا تھا۔۔

اسفندیار خان زاران کے آگے کھڑا اپنی پسٹل سے فائر کر رہا تھا۔۔ان کے سامنے کھڑے چاروں آدمی ڈھیر ہو چکے تھے۔

ارحام درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے اب گہرے سانس لے رہا تھا۔

اسفندیار خان اسی لمحے گھٹنوں کے بل زاران کے گلے لگے اسے خود میں بھینچ چکا تھا۔۔وہ گولی زاران کو لگنے لگی تھی وہ بری طرح ڈر گیا تھا۔

اگر زاران کو وہ گولی چھو جاتی وہ تو اپنی سانسیں اسی لمحے گنوا دیتا۔۔زاران خانزادہ پر آنچ وہ کسی قیمت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

زاران اسفند کے گلے سے لگے بری طرح رو دیا تھا۔۔

اسفند ایمبولینس کے آنے سے پہلے نکلنا ہو گا۔ خضر خان اپنے بیٹے کی لاش دیکھ کر پاگل ہو جائے گا۔ ارحام درخت کی آڑ سے نکلتے ہوے بولا۔۔

کوئی کہیں نہیں جائے گا۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا خضر خان کا جس نے میرے شہرام کا یہ حال کیا۔ زاران غراتے ہوے زمین سے اٹھا۔۔

اسی لمحے خضر خان اپنے دو تین گارڈز کے ہمراہ وہاں داخل ہوا تھا۔۔ اپنے بیٹے میکائل خان کی لاش دیکھ کر وہ پاگل ہوا تھا۔ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔ اکلوتا بیٹا تھا جو ساکت پڑا تھا۔ حضر خان اپنی پسٹل زمین پر پھینکتے تیزی سے میکائل کی طرف بڑھا۔

اسفند زاران ارحام نے اسی لمحے اس کے گارڈز اور اس پر اپنی اپنی پسٹل سے فائر کر دیے تھے۔ انھیں کوئی بھی موقع دیے بغیر وہ ان پر گولیاں چلا رہے

تھی۔۔ جنگل میں گولیوں کی تھر تھراہٹ اور ان لوگوں کی چیخیں گونج رہی تھی۔۔

ارحام اسفند زاران چیختے ہوے ان پر گولیاں برسائے جارہے تھے۔ وہ لوگ ساکت ہو چکے تھے۔۔ مگر وہ پھر بھی ان پر فائر کیے جارہے تھے۔۔ نظروں کے سامنے شہرام کا خون میں لت پت وجود آتے ان کے حواص چھین رہا تھا۔

زاران نے آگے بڑھتے خضر خان کے سینے پر مزید فائر کیے تھے۔۔

جنگل گولیوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ ایمبولینس کے سایرن سے بھی گونجنے لگا تھا۔

ارحام زاران اسفند تیزی سے شہرام خان کی طرف بڑھے تھے۔۔ اس کے ساکت وجود کو وہ بانہوں میں بھر چکے تھے۔

ایمبولینس ہاسپٹل کے آحاطے میں داخل ہوئی۔ شہرام خان کے ساکت وجود کو ایمبولینس سے نکالتے اسے سٹریچر پر ڈالے اندر کی طرف بڑھے۔

پورے ہاسپٹل میں شہرام خان کو گولیاں لگنے کی خبر پھیل چکی تھی۔ پورا ہاسپٹل ہی ادھر جمع تھا۔ ہر مریض وہاں کے مقامی لوگ۔۔۔ وہ دوڑتے ہوے روتے ہوے شہرام خان کی طرف بڑھے تھے۔۔۔ وہاں کھڑے ہر کسی کی آنکھ اشکبار تھی۔

پیچھے ہٹو سب۔۔۔۔ شہرام کو اندر لے جانے دو۔۔ ارحام حلق کے بل چیخا تھا۔۔ سب اس کے گرد جھمگٹا بنا کر کھڑے ہو گئے تھے۔۔

بہارے خان بہرام کو سینے میں بھینچے تیز تیز قدموں سے شہرام کی طرف بڑھی تھی۔۔ مگر لوگوں کے جھمگٹے کی وجہ سے اس تک پہنچ ہی نہ پا رہی تھی۔

ہٹو۔۔۔ مجھے۔۔۔ میرے شہرام کے پاس جانے دو۔۔ وہ روتے ہوئے چیخی تھی۔۔ مگر آواز حلق سے نکل ہی نہ رہی تھی۔

ہٹو راستے سے۔۔۔۔ اب کی بار زاران چیخا تھا۔ لوگ پیچھے ہی نہیں ہٹ رہے تھے۔۔ شہرام خان سے لوگ اتنی محبت کرتے ہیں یہ اسفند زاران ارحام خان کو آج پتہ چلا تھا۔ ارحام اسفند زاران کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔

گیٹ پر کھڑی سکیورٹی گارڈز نے آتے لوگوں کو پیچھے کیا تھا۔۔

ارحام زاران اسفندیار خان ان لوگوں کو ہاتھوں سے پیچھے دھکیل کر جگہ بنا رہے تھے۔۔

بہارے شہرام خان کے آگے کھڑے مردوں کو ہاتھوں سے پیچھے کر رہی تھی۔ اتنے مردوں میں وہی ایک عورت تھی۔۔ اس کی حفاظت کرنے والا اس وقت خود ساکت تھا۔ ورنہ اسے اس طرح مردوں کے درمیان دیکھ کر وہ شائد اپنے حواص کھو دیتا۔۔ مجھے جانے دو میرے شہرام خان کے پاس ۔۔ بہارے ہذیانی چیخی تھی۔

اس کی چیخ سنتا اسفندیار خان مردوں کو پیچھے کرتے اس کی طرف بڑھے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھر چکا تھا۔

لالا میرے شہرام کے پاس لے چلیں۔۔ بہارے اسفند کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

اسفند اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے اندر کی جانب بڑھا۔

شہرام خان کا پورا وجود خون سے تر تھا وہ سٹریچر پر بے حس و حرکت لیٹا تھا۔

ارحام زاران سٹریچر کے ساتھ ساتھ تیزی سے چل رہے تھے۔۔ سب کی آنکھیں نم تھیں۔

میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا شہرام۔۔۔

زاران اس کے گال پر ہاتھ رکھے مسلسل روتے ہوئے بول رہا تھا۔ ارحام روتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ اس کی دوسری طرف ارحام اس کے گال پر ہاتھ رکھے تیز تیز چل رہا تھا۔ ارحام خانزادہ کی شرٹ خون میں بھیگ چکی تھی

۔کندھے میں لگی گولی سے اس کی حالت خراب تھی۔۔ مگر اس وقت اسے صرف شہرام خان کی پرواہ تھی۔وہ شہرام کے ساکت وجود کو دیکھتے اپنی آنکھیں اپنے خون آلود بازو سے رگڑ رہا تھا۔۔ارحام کے چہرے پر بھی خون لگا تھا۔۔زاران کی سیاہ شرٹ شہرام خان کے خون سے بھر چکی تھی۔۔

پورے ہاسپٹل کے ڈاکٹرز ہی وہاں جمع ہو گئے تھے۔۔۔وہ لوگ بھی سٹریچر کے ساتھ تیز تیز بھاگ رہے تھے۔۔۔

مقامی لوگوں کو سکیورٹی نے کو باہر ہی روک دیا تھا۔ مگر اندر موجود مریض کسی کے قابو ہی نہ آ رہے تھے۔اس گاؤں میں ان لوگوں کو شہرام خان سر پر اٹھاتا تھا۔۔پرائیویٹ ہسپتال سے بڑھ کر انھیں یہاں سہولتیں مل رہی تھیں۔ان کی عورتیں بچے ان کے مرد اب دور ہسپتال ہونے کی وجہ سے

مرتے نہیں تھے۔۔ شہرام خان ان کے لیے مسیحا تھا۔۔ وہ کیسے اسے مرتا ہوا دیکھ سکتے تھے۔۔۔

وارڈ بوائے نرسسز روتے ہوے لوگوں کو پیچھے کر رہے تھے۔۔

ڈاکٹر شعبان ڈاکٹر فیصل کو فون کریں۔ وہ جہاں کہاں ہیں انھیں کہے ہاسپٹل پہنچیں۔۔ ڈاکٹر شہرام کی حالت بہت کرٹیکل ہے۔۔ ڈاکٹر سبتگین ڈاکٹر شعبان سے چیختے ہوے بولے ت۔۔ شہرام کی حالت دیکھتے وہ بدحواص ہوا تھا۔

شہرام خان جیسے مضبوط انسان کو وہ کبھی ایسے بے حال بھی دیکھے گا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

بہارے ہاسپٹل کے کوریڈور میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر سبتگین کی بات پر اپنے سینے میں بھینچے بہرام کو وہاں پڑے بینچ پر لٹائے شہرام کی طرف تیزی بڑھی تھی۔ اسفندیار خان بھی بھاگتے ہوئے شہرام کی طرف بڑھی۔

بہرام کی اسے جیسے فکر ہی نہ تھی۔۔ وہ اسے کویرڈور کے ٹھنڈے بینچ پر لٹائے شہرام کے سٹریچر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جو بے حس و حرکت تھا۔۔ وہ ساکت وجود کو دیکھتے تیز تیز قدموں سے رچل رہی تھی۔۔ آنکھوں میں آنسو خشک تھے۔۔ اسفند کی دی ہوئی شال ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔۔ اس کے لمبے بال کھلے کمرے پر تھے۔۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اسے سب ایسے بے پردہ دیکھ رہے تھے۔۔۔ شہرام خان کو بہارے خان کے بالوں پر ہی نظر گورانہ تھی اور اس وقت ننگے سر گیلی

فراک جو اس کے بدن کے ساتھ چپکی تھی۔ وہ جانتی تھی سچ میں اس کی پرواہ کرنے والا بس شہرام خان ہی تھا۔۔

ڈاکٹر ماہم بہرام کو دیکھتے جلدی سے بہرام کی طرف بڑھی جو بینچ سے گرنے ہی لگا تھا۔ وہ اسے کونے پر ڈالے جا چکی تھی۔۔ ڈاکٹر ماہم بہرام کو سینے سے لپٹائے بہارے کو تحیر سے دیکھ رہی تھی جسے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔۔ اپنے بچے کا بھی نہیں تھا۔۔ وہ اس وقت صرف شہرام خان کی بہارے خان تھی۔۔

ڈاکٹر ماہم بہرام کہ سینے سے لپٹائے رو پڑی تھی۔۔ بہرام کے سرد وجود اور ساکت وجود کو محسوس کرتے ڈاکٹر ماہم نے اسے سینے سے ہٹائے دیکھا۔ اس کا نیلا پڑتا چہرہ دیکھ کر ڈاکٹر ماہم کی سانسیں رکی تھین۔

ڈاکٹر ماہین بہرام کی سانسین نہیں چل رہیں۔۔وہ روتے ہوے چیخی تھی۔۔ڈاکٹر ماہم کی چیخ پر بہارے کے قدم رکے تھے پوراوجود کپکپایا تھا ۔دوسرے لمحے وہ ہچکی لیتے شہرام کو دیکھتے اس کے سٹریچر کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔۔ آج ثابت ہو چکا تھاوہ صرف شہرام خان سے پیار کرتی تھی۔

اس کے خون سے بھرے وجود کو دیکھتے بہارے نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔اس کا ہاتھ خون سے تر ہوا تھا۔

کہاں جوڑ پائیں گے ہم دھڑکنوں کو

دل کی طرح ہم بھی ٹوٹے ہوے ہیں

یہ مانا کہ تم سے خفا ہیں ذرا ہم

مگر زندگی سے بھی روٹھے ہوے ہیں

یہی ہم نے سیکھا ہے جرم وفا سے

بچھڑ جایئے گا تو مر جایئے گا

شہرام۔۔۔۔بہارے خان اسے دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی۔

وہ اس کے سامنے ہی اسے لیے اپریشن تھیٹر میں داخل ہو چکے تھے۔۔

ڈاکٹر بہارے آپ باہر رہیں۔ڈاکٹر سبتگین نے اس کی حالت دیکھتے نرمی سے کہا۔

میں باہر نہیں رہوں گی۔۔میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔اسے میری ضرورت ہے اور بھولیں مت میں بھی ڈاکٹر ہوں اور یہ ہاسپٹل شہرام خان کا

ہے اور شہرام خان میرا شوہر ھے۔۔وہ ہذیانی چیختے ہوے ڈاکٹر سبتگین کو دھکا دیتے اپرشن تھیٹر کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

۔۔۔

ارحام نے زاران کی بڑھتے اسے خود میں بھینچا تھا۔لالا مر جائے گا زاران اگر اسے کچھ ہوا۔میری سانسیں آپ تینوں کے دم سے چلتی ہیں۔آپ تینوں کے بغیر زاران خانزادہ کچھ نہیں۔۔زاران پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔۔

کچھ نہیں ہو گا اسے۔۔۔ارحام زاران کو خود میں بھینچے روتے ہوے بولا۔۔

امینہ خانم نے پریشانی سے عابیر کی طرف دیکھا جو پچھلے تین گھنٹوں سے زاران ارحام کا نمبر ملا رہی تھی جو نہیں مل رہا تھا۔

ابرش بھی صوفے پر بیٹھی بھیگی آنکھوں سے بار بار زاران کا نمبر ڈایل کر رہی تھی۔جو وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔کل رات ساری رات نمبر آف تھا۔اب آن تھا وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔

اس وقت لاؤنج میں حور ابرش امینہ خانم زحلے روزینہ زرتاج اور عنائیہ موجود تھے۔۔

حور بچہ تم ارحام کا نمبر ملاؤ۔۔وہ تمھارا فون ضرور اٹھائے گا۔۔امینہ خانم نے کپکپاتے لبوں سے کہتے حور سے کہا جو ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

حور نے اثبات میں سر ہلاتے ارحام کا نمبر ملایا۔جو بیل ہونے کے بعد بند ہو چکا تھا۔مگر اس نے اٹھایا نہیں تھا۔حور نے غصے سے موبائل سکرین کو گھورتے لب بھینچے تھے۔ایک تو کل رات سے وہ حویلی نہیں آیا تھا وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔اب اس کا فون بھی اٹھا نہیں آرہا تھا۔دل میں ارحام کے لیے غم و غصے کا طوفان اٹھا تھا۔

پوری رات اس نے روتے ہوے گزاری تھی۔۔وہ کیسے اسے ادھر چھوڑ کر اس سے ایسے لاپرواہ ہو سکتا تھا۔۔وہ ارحام کی لاتعلقی پر بے یقین تھی۔۔وہ کبھی اس سے ایسے لاپرواہ نہیں ہوا تھا۔

پتہ نہیں کیا ہوا ہے؟؟ہمارا بیٹوں کے ساتھ۔۔ایسا تو پہلے کبھی نہیں کیا انہوں نے؟؟ہمارا دل بہت گھبرا رہا ہے۔۔شہرام بہرام اور بہارے کو لے کر کتنا دیر سے ہسپتال سے نکلا ہوا ہے۔۔ہمارا شہرام ٹھیک نہیں۔یہ ہمارا دل کہہ رہا ہے۔۔امینہ خانم بھرائے لہجے میں بولی۔

کچھ نہیں ہوا ہو گا تمھارا شہرام کو بھابھی۔۔ہم کو یقین ہے تمھارا شہرام نے ہمارا بیٹی کو کچھ کر دیا ہے۔مار کر پھینک نہ دیا ہو تمھارا سفاک بیٹا نے؟؟جو سلوک وہ ہمارا بہارے کا ساتھ کر رہا تھا دیکھا تھا تم نے۔کیسا چیخوں کا آواز آ رہا تھا اس کا کمرے سے؟؟روزینہ خانم روتے ہوے بولیں۔

ہاں سنا بھی اور دیکھا بھی روزینہ۔۔۔ کس طرح ہمارا بیٹا تمھارا بیٹی کو گھسیٹتے ہوے اندر لے کر گیا۔ کیوں لے کر گیا تم اچھی طرح جانتا ہے۔ تمھارا بیٹی کی جگہ ایسا حرکت کوئی اور کرتا تو تم اس وقت اسے زہریلے طعنے مار رہا ہوتا۔

اور ہمارا بیٹا نے کیا کہا اسے ؟؟ پندرہ منٹ بعد وہ کمرا سے باہر تھا۔ امینہ خانم نے بھیگے لہجے میں غصے سے کہا۔

بھابھی پندرہ منٹ تمھارا نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس سفاک انسان نے کسی کو اس کا پاس بھی جانے نہیں دیا۔ کس طرح تم ہمیں طعنے مار رہا ہے۔ وہ ہمارا بیٹی نہیں تمھارا بیٹی بھی ہے۔ روزینہ خانم شدت سے رو دی تھیں۔

یہ لو روزینہ ہم تمھارا آگے ہاتھ جوڑتا ہے۔۔ ہم کو معاف کر دو۔۔ ہمارا دل گھبرا رہا۔ ہے۔ ہمارا بیٹوں میں ہمارا جان بستا ہے۔۔ ہمارا تینوں بیٹا ہمارا پاس

نہیں۔۔ ہمارا دل پھٹ رہا ہے خاموش ہو جاؤ۔۔ امینہ خانم اپنے ہاتھ جوڑتے روتے ہوئے بولی۔۔

مورے خاموش ہو جائیں۔۔۔ آپ ہی خاموش ہو جائیں۔۔ ہر وقت کا لڑائی جگڑا اچھا نہیں ہے۔ میرے تینوں لالا حویلی نہیں ہیں۔۔ مورے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔۔ عابیر اپنے فون سے شہرام کا نمبر ڈائل کرتے رو دی تھی۔۔

تمھارا مرد بھی ان سب کا ساتھ ہے۔۔ اس کا بھی فکر کر لو۔

اس بیچارہ کے پیچھے ہمارا علاوہ کوئی بھی دعا کرنے والا نہیں ہے۔ روزینہ خانم نے بھیگی شکوہ کناں نگاہیں امینہ خانم پر گاڑھیں۔ جو صبح سے تسبیح پڑھتے صرف ارحام زاران شہرام کے لیے دعا کر رہی تھیں۔ یہ دیکھتے روزینہ خانم کا دل بری طرح دکھ رہا تھا۔

روزینہ خانم کی بات پر عابیر کا دل ایک پل کے لیے لرزا تھا۔ دوسرے پل وہ بے حس سی بنی اپنے آنسو صاف کرتے ارحام کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

۔ مسلسل بیل بجنے کے بعد اس کا فون نہیں اٹھایا گیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے اپنے اندر اٹھتے اظطراب پر قابو پانے لگی۔۔

ٹھیک ہو گا سب۔۔ ہمارا دل کہہ رہا ہے۔۔ امینہ خانم نے اپنا کپکپاتا ہاتھ عابیر کے سر پر رکھا۔

مورے میرا بہرام ٹھیک ہو گا نہ۔۔۔ عابیر امینہ خانم کے ساتھ لپٹتے روتے ہوے بولی۔۔

بہرام کا نام سنتے روزینہ خانم کا دل بری طرح لرزا تھا۔ وہ اپنی چادر میں منہ چھپائے ہچکولے بھرتے رونے لگی تھی۔۔

بہرام کے نام پر ابرش حور سب کی آنکھیں بری طرح بھیگی تھیں۔ امینہ خانم اپنی نم آنکھیں رگڑتے تسبیح کے دانے گھماتے ورد کرنے لگی۔

بہارے شہرام کے پاس کھڑی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جو شرٹ لیس سرجیکل اپریٹنگ ٹیبل پر بے حس و حرکت لیٹے ہوے تھا۔۔ جس پر سرجیکل لائٹس آن تھی۔۔۔ بہت ساری مشینوں میں جکڑا ہوا تھا۔۔ ڈیفی بلیٹر مشین پر اس کی پلس رک رک کر چل رہی تھیں۔ مختلف ڈاکٹر اور نرس شہرام کے قریب کھڑے تھے۔

نرس اپریشن تھیٹر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔۔

ڈاکٹر۔۔۔ڈاکٹر فیصل آؤٹ آف سٹی ہیں؟؟نرس کی بات پر بہارے نے خوفزدہ نگاہوں سے ڈاکٹر فیصل کو دیکھا۔

ڈاکٹر شمروز اور ڈاکٹر فیصل ہی ہاسپٹل کے سب سے بڑے سرجن تھے۔۔اتنی کرٹیکل سچویشن میں وہی یہ اپریٹ کر سکتے تھے۔۔ڈاکٹر شمروز تو شہرام سے ناراض ہو کر ہاسپٹل چھوڑ کر آؤٹ آف کنٹری واپس جا چکے تھے۔اس وقت صرف ڈاکٹر فیصل کے علاوہ کوئی یہ اپریٹ نہیں کر سکتا تھا۔باقی سب تو عام ڈاکٹرز اور نرس تھے۔۔کچھ ڈاکٹر فیصل کو اسسٹ کرتے تھے مگر شہرام خان کی حالت بہت خراب تھی رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔

یہ کک کیسے ہو سکتا ہے؟؟وہ کیسے آوٹ آف سٹی جا سکتے ہیں۔بہارے ہذیانی چیخی تھی۔

ریلیکس۔۔۔۔۔کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔۔ڈاکٹر سبتگین پریشانی سے ماتھا مسلتے بولے۔۔

ریلیکس رہوں میرا شہرام میری زندگی یہاں کس حالت میں پڑا ہے۔میں ریلیکس رہوں۔۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟؟۔چار چار گولیاں لگی ہیں اسے۔۔۔بہارے حلق کے بل چیخی تھی. شال پھر سے اس کے وجود سے اترتی اس کے کندھے پر آئی تھی.

ڈاکٹر ماہین اور ڈاکٹر عینا بہارے کی طرف بڑھیں۔

رک جائیں آپ لوگ ادھر۔۔۔بہارے پیچھے کو ہوتے چیخی۔۔

ڈاکٹر بہارے یہ وقت ہوش کھونے کا نہیں ہے۔۔میں نزدیکی ہاسپٹل سے کسی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔۔ڈاکٹر سبتگین نے سنجیدگی سے کہتے اپنی پاکٹ میں اپنا سایلنٹ پڑا موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے کان سے لگایا تھا۔

بہارے نے آگے بڑھتے ڈاکٹر سبتگین کے ہاتھ سے وہ فون لیے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ڈاکٹر سبتگین اور سب بہارے کو تحیر بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

آپ سب کا دماغ خراب ہو چکا ہے آپ سب کو شہرام کی حالت نظر نہیں آ رہی۔۔۔دوسرے ہاسپٹل سے ڈاکٹر آنے میں تین گھنٹے لگ سکتے ہیں۔اتنی دیر شہرام کیسے سروائیو کر پائے گا۔۔میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتی۔۔بہارے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔

پھر آپشن کیا ہے ہمارے پاس۔۔۔ڈاکٹر سبتگین بھی اب چیخے تھے۔۔شہرام خان کی حالت سب کے پاؤں پیر پھلا چکی تھی۔۔پاس کھڑی نرسیں ہر ڈاکٹر رو رہی تھے۔

میں کروں گی یہ اپریشن۔۔۔میں بچاؤں گی شہرام خان کو۔۔جس نے بہارے خان کو ڈاکٹر بنایا تھا۔۔آج وقت ہے شہرام خان کا یہ احسان اتارنے کا۔۔۔بہارے شہرام خان کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔

سب نے تحیر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر بہارے بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ اپریٹ ہمیں کرنا پڑے گا۔۔ اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے۔۔ میں اور ڈاکٹر عینا ڈاکٹر فیصل کے ساتھ ہی اپریشن تھیٹر میں ان کے اسسٹنٹ کے طور پر ہوتے ہیں۔ ہم یہ اپریشن کر سکتے ہیں؟؟ ڈاکٹر معاذ سنجیدگی سے بولے

بہارے اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے شہرام خان کی طرف بڑھی تھی۔۔

"اگر کبھی میں مرنے لگوں ایسے ہی خون کی طرح لت پت پڑا ہوں۔۔ کیا میرے لیے بھی ایسے ہی آنسو بہاؤ گی۔۔ بہارے گل"۔۔۔ شہرام کی آواز سماعتوں میں گونجی تھی۔

تمھارے لیے بہارے کبھی ایک آنسو نہیں بہائے گی۔۔ ایک آنسو " نہیں بہائے گی۔۔ بلکہ تمھیں بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا

دوں گی۔۔کیونکہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔۔جو اپنے مریض کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔۔میں کیوں تمھارے لیے رونے لگی۔۔عابیر سے میرا دل کا رشتہ ہے۔ تم سے میرے دل کا کوئی رشتہ نہیں ہے"۔۔

اپنے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ شدت سے رو دی تھی۔۔

مجھے کیا پتہ تھا وہ وقت قبولیت کا تھا۔ پتہ ہوتا تمھارے لبوں پر ہاتھ رکھتے تمھیں یہ لفظ بولنے سے روک دیتی یا پھر کہہ دیتی کہ تمھیں کچھ ہونے سے پہلے بہارے گل اپنی جان سے جائے گی۔۔یقیناً تم اپنے لفظ واپس لے لیتے۔ کیونکہ تم سوچوں میں بھی مجھے تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔۔ بہارے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔۔

ڈاکٹر معاذ ڈاکٹر فیصل اور ڈاکٹر عینا ڈاکٹر ماہین اور تم نرسز الرٹ ہوئے تھے۔

بہارے نے کپکپاتے ہاتھوں سے انسٹرامنٹس اٹھائے شہرام کے بازو سے گولی نکالی تھی۔۔۔ گولی نکالتے ہوئے وہ شدت سے رو دی تھی۔ڈاکٹر معاذ اور ڈاکٹر عینا بہارے اور نرسز کو مختلف ہدائت دیتے شہرام خان کا اپریٹ کرنے لگے۔۔

پچھلے دو گھنٹوں سے شہرام کا اپریشن چل رہا تھا۔خون بے تحاشا بہہ چکا تھا۔وہ لوگ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے یکدم ڈیفی بلیٹر میں چلتی پلسز مشین میں لاین سیدھی ہوتی ختم ہو رہی تھی۔۔

بہارے نے خوفزدہ نگاہوں سے مشن کو دیکھتے شہرام خان کو دیکھا۔۔

تمام ڈاکٹرز یہ دیکھتے اپنا ہاتھ روک چکے تھے۔۔

کیا ہوا آپ سب رک کیوں گئے ؟؟ بہارے نے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔

شہرام سر نہیں رہے۔۔ڈاکٹر سبتگین کی بات پر بہارے نے بے یقینی سے سب کو دیکھا تھا۔ تمام ڈاکٹرز خاموشی سے کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔

آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں ؟؟ بہارے نے لڑکھڑاتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا۔

ان کی رکتی پلسسز یہی بتا رہیں ہیں۔۔وہ ختم ہو چکے ہیں۔یا پھر ختم ہو جائیں گے۔۔ڈاکٹر معاذ نظریں نیچے کیے روتے ہوئے بولے۔۔

ایسا نہیں ہو سکتا میرا شہرام خان نہیں مر سکتا۔۔ نہیں مر سکتا۔۔ آپ لوگ اتنی جلدی ہار نہیں مان سکتے۔۔۔ ابھی امید باقی ہے۔۔۔ بہارے ہذیانی چیخی تھی۔۔

سب خاموشی سے کھڑے ڈیفی بلیٹر مشین کو دیکھ رہے تھے۔۔ جو رسپانس دینا بند کر رہی تھی۔۔

بہارے ان سب کے ناامید چہرے دیکھتے شہرام کی طرف بڑھی۔۔ اٹھو شہرام خان۔۔۔ بہارے شہرام کے عارض پر ہاتھ جمائے ہذیانی چیخی تھی۔۔

میں نے تمھیں معاف کر دیا شہرام خان۔۔ بہارے خان نے تمھیں معاف کر دیا۔۔ اٹھو شہرام خان۔۔ تمھاری بہارے اوپر اوپر سے بنتی ہے ۔۔ تمھاری شدید محبت اسے مغرور بناتی ہے۔۔ گاڑی میں جب روتے ہوے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگ رہے تھے۔ مجھے احساس ہو گیا تھا شہرام خان

تو آج بھی بہارے خان کا وہی شہرام خان ہے۔ جس کی بہارے کے آگے کوئی آنا نہیں۔۔۔وہ بہارے کے عشق میں پاگل ہے۔وہ بہارے کے قدموں میں بیٹھنا اپنی توہین نہیں سمجھتا۔وہ رو پہلے سے زیادہ پاگل ہو چکا ہے اپنی بہارے خان کے لیے۔۔۔ تمھیں سزا دینا چاہتی تھی تاکہ تم آیندہ کسی لڑکی سے ہمدردی نہ کرو۔۔ تمھاری بہارے نہیں براشت کر سکتی تم کسی لڑکی سے ہمدردی بھی کرو۔۔۔بہارے روتے ہوے اس کے ماتھے پر لب رکھ گئی۔۔

چلو اچھا ہے تم مجھے بچاؤ گی۔۔مجھے تو لگا تھا تم کہو گی میں مر ہی " جاؤں تو اچھا ہے۔۔ تمھاری جان مجھ سے چھوٹ جائے گی""

اس ستمگر کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے۔۔

تم مر جاؤ شہرام خان یا میں مر جاؤں۔ کیونکہ یہ دل کا درد ایسے ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ زندہ رہتے نہ جدائی قبول نہ بے وفائی۔ وہ۔ اپنے لفظ اسے اپنی سماعتوں میں گونجتے اس کے حواص چھین رہے تھے۔

بیوفائی قبول ہے۔۔ جدائی قبول نہیں شہرام خان۔۔ بہارے شدت سے رو دی تھی.

لیکن اب تم کچھ بھی کرو۔۔ بہارے خان تمھیں کچھ بھی نہیں کہے گی۔۔ تم دوسری شادی کر لو مگر واپس آجاؤ شہرام خان۔۔۔ بہارے روتے ہوے ہذیانی چیخی۔۔

بہارے اپنی ساری بد عائیں واپس لیتی ہے۔۔ اللہ کرے میں مر جاؤں شہرام خان۔ اللہ کرے تمھاری بہارے مر جائے شہرام خان۔۔۔ وہ روتے ہوے اس کے سینے سے لپٹی۔۔ ڈاکٹر ماہین نے روتے ہوے بہارے کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑا تھا۔ بہارے ڈاکٹر ماہین کو جھٹک کر شہرام کے سینے سے مزید شدت سے لپٹی۔۔

رہنے دیں مجھے اس کے ساتھ۔۔ میری چلتی دھڑکنیں یہ محسوس کرے گا تو اس کی دھڑکنیں چلنے لگی تھیں۔ بہارے روتے ہوے بول رہی تھی۔۔ سب ڈاکٹرز اپنی بھیگی آنکھیں مسل رہے تھے۔۔

"میں بھی روز ایک ہی دعا کرتا ہوں۔۔۔ کسی دن تم مجھ سے محبت کی بھیک مانگو۔۔ اور شہرام خانزادہ کے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔۔۔ کچھ بھی نہیں"

اس کے لفظ پھر سے ایک بار سماعتوں میں گونجے تھے۔۔

وہ اپنے بال جکڑے ہذیانی چیخی۔۔

تم چیٹر ہو شہرام خان۔۔۔ تم سفاک ہو شہرام خان۔۔ تم نے مجھے تھپڑ کیوں نہیں مارے میری بدعاؤں پر؟؟۔۔۔ کیوں خاموش رہے ہمیشہ؟؟۔۔۔ کیوں نہیں کہا بہارے تم مر جاؤ۔۔ تم سچ میں فقیر ہو ۔۔۔ تمھارے پاس آج کچھ نہیں مجھے دینے کے لیے۔۔ کچھ بھی نہیں اٹھو اور مجھے بدعائیں دو شہرام خان۔۔ مجھے بدعائیں دو۔۔۔ بہارے اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔۔

زاران، ارحام اسفندیار خان پچھلے دو گھنٹوں سے اپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے تھے۔ ارحام خانزادہ کے کندھے سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ سفید شرٹ خون میں نہلائی تھی۔ پیشانی عارض ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا۔ گولی کندھے میں پیوست تھی۔ اس لیے ارحام خانزادہ کے چہرے پر تکلیف کے اثرات بھی تھے۔ مگر وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل اپریشن تھیٹر کے باہر چکر لگا رہا تھا۔ لبوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔ جسے وہ کبھی لبوں میں دباتا کبھی انگلیوں میں جکڑ لیتا۔ وہ اس کے کش بھی لے نہیں پا رہا تھا۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔۔ شہرام خان کی حالت ایک پل کے لیے نظروں سے اوجھل نہیں ہو رہی تھی۔

شہرام خان اسے بہت عزیز تھا اس نے بھی تو اسے ہمیشہ بہت عزت دی۔۔ بچپن سے ہی اس کے ایک حکم پر وہ نظریں جھکائے ہر اس بات سے

پیچھے ہٹ جاتا تھا جس سے وہ منع کرتا تھا۔ کبھی کسی بات پر بحث تک نہ کی تھی۔

سر آپ ڈریسنگ کروالیں۔۔ گولی آپ کے کندھے میں پیوست ہے۔۔ اسے کچھ دیر اور نہ نکالا تو انفیکشن پھیل جائے گا۔۔ ڈاکٹر ندا جو اس وقت ڈیوٹی پر تھی وہ ارحام کی حالت دیکھتے اس کے پاس آئی۔

نہیں جب تک میرا شہرام ٹھیک نہیں ہو جاتا میں گولی نہیں نکالوں گا۔ ارحام سختی سے کہتے دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ لبوں میں دبائے زاران کو دیکھنے لگا جو پچھلے دو گھنٹوں سے دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوے تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ رہا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ زاران کو روتے ہوے دیکھا تھا۔۔ وہ اتنا بھی رو سکتا ہے اسے اندازہ نہ تھا۔ زاران کا رونا اس کا دل چیر رہا تھا۔ اگر کبھی اس نے زاران یا شہرام میں

سے کسی کو کھو دیا تو وہ کیسے جی پائے گا۔ ارحام کو تو آج معلوم ہوا تھا زاران شہرام میں اس کی جان بستی ہے۔۔

مسلسل بجتے فون پر ارحام نے اپنی جینز کی پاکٹ سے فون نکال کر کان سے لگایا۔

درید خان کا نمبر دیکھ ارحام پریشان ہوا تھا۔ ارید اور درید سوات سے باہر تھے۔۔ وہ فون کیوں کر رہے تھے ؟؟۔ انھیں شہرام کے متعلق کچھ پتہ نہ چل گیا ہو۔ ارحام کے چہرے پر اضطراب چھایا تھا۔

اسلام و علیکم بابا۔۔۔ ارحام نے فون کان سے لگائے آہستگی سے کہا۔

ارحام میرے شہرام کو کیا ہوا ہے ؟؟۔ درید خان کی بھاری آواز پر ارحام اپنا نچلا لب بری طرح کاٹ گیا تھا۔ ان کی آواز میں آنسوؤں کی امیزش وہ محسوس کر چکا تھا۔

کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ کو کسی نے جو بھی کہا غلط کہا ہے۔ وہ بلکل ٹھیک اور فٹ فاٹ ہے۔۔ ابھی مجھ سے اور زاران سے گپیں لگا رہا تھا۔ میڈیکشن کے اثر میں سو رہا ہے۔۔ ورنہ بات ضرور کرواتا۔ ارحام نے گہرے سانس لیتے اپنی نم آنکھیں اپنی خون آلود بازو سے رگڑیں تھیں۔ لفظ حلق میں گھٹ رہے تھے۔۔

جھوٹ مت بولو ہم سے۔۔ ہم نے ٹی وی پر دیکھا ہمارا شہرام کا حالت۔ اسے گولیاں لگی ہیں۔۔ درید خان بھاری گلوگیر لہجے میں برس پڑے تھے۔

ارحام اپنے لب بھینچ کر خاموش ہوا تھا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا اب کیا کہے۔۔۔

اتنا بتادو وہ زندہ ہے کہ مر گیا۔ درید خان کی بات پر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

نہیں پتہ بابا نہیں پتہ بابا۔۔۔ وہ زندہ ہے یا پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں بول سکتا بابا اپنے شہرام کے لیے یہ لفظ۔۔ اگر ہم سب کی سانسیں چل رہی ہیں تو پھر زندہ ہی ہو گا۔ ارحام کہتے فون بند کر چکا تھا۔

ارحام نے گہرے سانس لیتا فون بند کرتے فون اسی لمحے پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔ شہرام کے لیے لفظ موت جیسے اس کے پورے وجود کو گھایل کر گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عابیر فون ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔۔ سکرین پر اپنی سب سے اچھی دوست دردانہ خان کا نمبر دیکھ کر چونکی تھی۔۔ وہ اتنی رات کو اسے کیوں فون کر رہی تھی؟؟ وہ حیران ہوئی تھی۔

عابیر نے اس کا فون اٹھائے کان سے لگایا۔

عابیر۔۔۔۔ دردانہ کی آواز فون پر گونجی۔۔

بولو دردانہ اس وقت فون کیون کیا؟؟

عابیر تمھارا لالا نہیں رہا۔ تم نے کسی کو بتایا نہیں۔۔ دردانہ کی بات پر وہ ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھی تھی۔۔

کک کیا کہہ رہی ہو؟؟ عابیر کی آواز کانپی تھی۔

ٹی وی پر دیکھا شہرام خان گولیاں لگنے سے ایکسپائر ہو چکا ہے۔۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ تم ہوش میں ہو تو۔۔ عابیر فون پر چیخی تھی۔۔

میں بلکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔۔ ابھی نیوز میں دیکھا گل بہار ہاسپٹل کے مالک شہرام خان گولیاں لگنے کی وجہ سے ایکسپائر ہو چکا ہے۔ اور شہرام خان کو پاکستان اور باہر کے نیوز چینل پر دکھایا بھی جا رہا ہے۔۔ وہ گولیوں سے زخمی ہے اور ایکسپائر ہو چکا ہے۔۔

دردانہ کی بات پر اس کا پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔ نازک بدن ہچکولے بھرنے لگا تھا۔

کپکپاتے ہاتھوں کی گرفت فون پر مضبوط ہوئی تھی۔

میرے لالا کو کچھ نہیں ہو سکتا سنا تم نے۔۔ کچھ نہیں ہو سکتا انھیں سنا تم نے۔۔ وہ ہذیانی چیخی تھی۔

عابیر۔۔۔میں سچ کہہ رہی ہوں۔ دردانہ کی نم آواز گونجی تھی۔

میری بات سنو دردانہ خان۔۔۔ آج سے میں تم سے اپنا ہر رشتہ توڑتی ہوں۔ اپنے بچپن کی دوستی توڑتی ہوں۔ تم نے میرے لالا کے لیے موت کا لفظ کہا جس کے لیے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔ تمھارے لفظوں نے میرا دل چیرا ہے۔

کیسے تم نے کہہ دیا میرے لالا مر چکے ہیں؟؟ وہ نہیں مر سکتے۔۔ وہ نہیں مر سکتے۔۔۔ سنا تم نے وہ نہیں مر سکتے۔۔ تم۔۔ مگر ہماری برسوں کی دوستی مر گئی۔۔ وہ روتے ہوئے ہذیانی چیخی تھی۔

عابیر فون بند کرتے بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

مورے۔۔۔وہ سیڑھیاں اترتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔

اس کی دردناک چیخ پر لاونج میں موجود سب اپنی اپنی نشستوں سے بدحواص ہوتے اٹھے تھے۔۔

مورے۔۔۔دوسرے لمحے وہ سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوے نیچے آئی تھی.

ابرش حور تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

امینہ خانم تو اس کی دردناک چیخ پر سٹل وہیں پر رک گئی تھیں۔۔ان کا دل رک گیا تھا جیسے۔۔دل تو پہلے ہی کانپ رہا تھا وہ تو اپنا فون تک اٹھا نہیں رہی تھی۔ کہیں کوئی ایسی خبر سننے کو نہ ملے جس سے ان کا دل بند نہ ہو جائے۔

عابیر۔۔۔۔۔۔ابرش نے اسے نم اواز میں پکارتے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔۔اس کی پیشانی پر گہرا زخم آیا تھا۔

عابیر ابرش کے ہاتھ جھٹکتے زنان خانے میں لگی ایل ای ڈی کی طرف بڑھی۔۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ریموٹ سے ایل ای ڈی آن کرتے نیوز چینل لگایا۔

ابھی ابھی خبر ملی ہے بہار گل ہاسپٹل کے مالک شہرام خان ایکسپائر ہو چکے ہیں۔ انھیں شدید زخمی ہسپتال لایا گیا تھا۔ انھیں بے دردی سے گولیاں ماری گئی تھیں۔ وہ سروائیو نہیں کر سکے اور جان بحق ہو گئے۔۔

سکرین پر شہرام خان کو جب ہاسپٹل لایا گیا تھا وہ مناظر دکھائی جا رہے تھے ۔ ارحام زاران اسفندیار خان بھی دکھائی دے رہے تھے۔ جو روتے چیختے ہوے لوگوں کو پیچھے کر رہے تھے.

ابرش حور نے روتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روک چکی تھیں۔۔

روزینہ خانم اور امینہ خانم سکتے کے عالم میں دیکھ رہی تھیں۔

ایسا نہیں ہو سکتا مورے۔۔۔یہ جھوٹ ہے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔۔لالا کو کچھ نہیں ہو سکتا۔۔عابیر نے کپکپاتے لبوں سے بولتے چینل چینج کیا۔۔

وہ روتے ہوے کپکپاتے لبوں سے چینل چینج کرتی جا رہی تھی۔۔ہر چینل پر یہ بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔۔

یہ نہیں ہو سکتا۔۔نہیں ہو سکتا یہ۔۔۔عابیر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے چیخی تھی۔اگلے لمحے اسے زور دار چکر آیا تھا اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی کہ دو مضبوط ہاتھوں نے اسے جلدی سے تھامتے اپنی بانہوں میں بھرا۔۔۔

اسفندیار خان۔۔۔۔۔۔اس کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی تھی دوسرے لمحے وہ اس کی نیلی انکھوں میں دیکھتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔اسفندیار خان کی خون آلود آنگلیاں اس کے عارض پر بہتے موتیوں کو نرمی سے چھو گئیں۔۔وہ اس کے انگلیوں پر خون دیکھتے اسی لمحے ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے اس کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔

آپ سب ناامید کیسے ہو سکتے ہیں؟؟جب تک یہ مانٹیرنگ مشین رسپانس کر رہی ہے۔آپ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں؟؟ایک ڈاکٹر ایسے کیسے کہہ سکتا ہے؟؟وہ تو آخری دم تک امید نہیں چھوڑتا۔۔بہارے مانٹرنگ مشین کی طرف دیکھتے چیخی تھی۔ڈاکٹر معاذ ڈاکٹر عینا نے مانٹیرنگ مشین کی طرف دیکھا جہاں مشین رسپانس کر رہی تھی۔شہرام خان کی سچویشن بہت خراب

تھی۔مانٹرنگ مشین پر لائن بار بار سیدھی ہو رہی تھی۔۔ان لوگوں کا یہ پہلا اپریٹ تھا۔ڈاکٹر فیصل بہت بڑے سرجن تھے۔۔ جنھیں وہ اسسٹ کرتے رہے تھے۔۔ مگر اکیلے اتنے کرٹیکل پیشنٹ کا اپریٹ کرنا وہ بھی شہرام خان کا اپریشن کرنا جس کے ساتھ ان کی دلی وابستگی بھی تھی۔۔ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔۔وہ ناامید ہو رہے تھے۔وہاں کا ہر ڈاکٹر شہرام خان سے بہت محبت کرتا تھا جب وہ لوگ وہاں کے مجبور لوگوں کو دیکھتے جو اپنا علاج نہیں کرواسکتے تھے۔جن کی عورتیں بروقت ٹرٹیمنٹ نہ ملنے کی وجہ سے مر رہی تھیں۔جہاں آج بھی بچے عورتیں گھر پیدا کرتے اپنی جان سے ہاتھ دھو رہی تھیں۔وہاں شہرام خان نے ہاسپٹل کھولا۔۔نہ صرف کھولا وہاں کے ایک ایک مریض کو وہ سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔وہ سب دیکھتے تھے پریگننٹ عورتوں کے مردوں سے وہ خود بات کرتا تھا جب وہ اپنی عورتوں

کو ہاسپٹل ایڈمٹ نہیں کرواتے تھے۔۔۔وہ ان کی تلخ کڑوی باتیں ہنس کر سنتا تھا۔ کتنی ہی بار اس پر انھیں مقامی لوگوں نے حملہ بھی کروایا۔ مگر جب ان پر مصیبت آئی انھیں کی عورتوں اور بچوں کو شہرام خان کی ضرورت پڑی اس نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھائے ان کا علاج کروایا تھا۔۔ انھیں ایک لمحے کے لیے چھوڑا نہیں تھا۔

کس طرح ان عورتوں کے پردے کا خیال شہرام خان رکھتا تھا۔ ان ڈاکٹروں کو بھاری تنخواہیں بھی وہ خود ذاتی طور پر ادا کرتا تھا۔ وہ تو اب جا کر اسے اس ہسپتال کے لیے باہر سے فنڈ ملنے لگے تھے۔۔ پہلے پہل اس نے اس ہسپتال پر اپنا سب کچھ وار دیا تھا۔ پاکستان اور باہر کے ممالک کے لوگ اب اس پر بھروسہ کرتے تھے۔۔ مگر وہ ہر ڈاکٹر کی تنخواہ ذاتی طور پر خود ادا کرتا تھا ۔۔ ہسپتال کے لیے ملنے والے فنڈز وہ صرف اس ہسپتال پر خرچ کرتا تھا۔

ڈاکٹر معاذ نے اور ڈاکٹر عینا نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا اپریٹ بمشکل ہی کر رہے تھے۔۔۔ آج شہرام خان جیسے مضبوط اور اتنے اچھے انسان کو دیکھ کر وہ اپریٹ کر نہیں پا رہے تھے۔۔

مگر انھیں شہرام خان جیسے انسان کو بچانا ہی تھا جس کے بغیر یہ ہسپتال نہیں چل سکتا تھا۔

خدا نے اسے اتنا بڑا کام کرنے کے لیے چنا تھا۔ وہ یقیناً شہرام خان کی حفاظت بھی کرنے والا تھا۔۔ جس کی ابھی سب کو ضرورت تھی۔۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے آیک آخری بار کوشش کر رہے تھے۔۔

شہرام خان کو وینٹی لیٹر ماسک تو اپریشن کے دوران ہی لگا دیا گیا تھا۔۔وہ مانٹیرنگ مشین کی طرف دیکھتے وہ آہستگی سے اللہ اکبر پڑھتے ہوے شہرام خان کو بچانے کی کوشش کرنے لگے

بہارے کی خوفزدہ نگاہیں مانٹیرنگ مشین پر جمی تھیں۔جہاں اس کی پلسز رک رک کر آرہی تھی۔۔وہ ہر سیکنڈ بعد ایک لمحے کے لیے بھی رسپانس دینا بند کرتی تو بہارے خان کی سانسیں بھی رکنے لگتی تھیں۔

عشق یہ تیرا سب کچھ ہے میرا

تیری جدائی سہہ نہ پاؤں گی

چھوڑ کہ مجھ کو تو جو گیا تو

جی نہ پاؤں گی مر جاؤں گی

چاہا ہے تجھ کو چاہوں گی ہر دم

مر کہ بھی دل سے یہ پیار نہ ہو گا کم

وہ روتے سسکتے شہرام خان کے بے جان وجود کو دیکھ رہی تھی

اپریشن تھیٹر میں شہرام خان کو زندگی کی طرف لانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔۔ ہر کوئی اپنی پوری کوشش کر رہا تھا۔

بہارے خان کے لبوں پر آیت کریمہ کا ورد جاری تھا۔ آج پہلی بار وہ خدا سے شہرام خان کی زندگی مانگ رہی تھی۔ وہ ایک ماں ہے وہ یہ بھی بھول چکی تھی۔ بہرام کس حالت میں وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔ ایک بار اس کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں آیا تھا۔ اسے تو آج پتہ چلا تھا وہ شہرام خان کی دیوانی ہے۔ اس کے عشق میں سر سے پیر تک ڈوبی ہوئی ہے۔

مانٹرنگ مشین کی طرف دیکھتے ڈاکٹر معاذ اسی لمحے گہرا سانس لیتے سجدہ ریز ہوے تھے۔ان کی زندگی کا پہلا اپریشن کامیاب ہو چکا تھا۔

بہارے خان سسکتی ہوئی پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔اپنی زمین پر پڑی شال وہ اٹھائے خود پر اچھی طرح لپیٹتے اپنے بال تک چھپا چکی تھی۔۔اس کی عزت کا محافظ اس کی پرواہ کرنے والا واپس آ چکا تھا۔اس ستمگر کی عزت کی حفاظت اسے بھی جان سے بڑھ کر کرنی تھی۔۔جن بالوں پر وہ کس کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اب مرتے دم تک ان بالوں پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دینی تھی۔وہ گہرے سانس لیتے روتی جا رہی تھی۔۔

ڈاکٹر فیصل ڈاکٹر عینا ڈاکٹر ماہین نرسز روتے ہوے شہرام خان کو دیکھ رہے تھے۔۔ڈاکٹر سبتگین بھی اب سجدے میں جھک چکے تھے۔۔سب کے

چہروں پر اب مسکراہٹ تھی۔۔ بہارے خان بھی روتے روتے ہنس پڑی تھی۔۔

بہارے اپریشن تھیٹر سے نکلتے ارحام کی طرف بڑھتی اس کے سینے سے لگی شدت سے رو دی تھی۔۔

ارحام خان کا کپکپاتا مضبوط ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا تھا۔۔

زاران سٹل ہوا تھا آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی۔۔

لالا۔۔۔ آپ کے مضبوط بانہوں کی ضرورت تھی۔۔ شہرام خان آج مجھے نہیں سنبھال سکا لالا۔۔۔ آپ کے مضبوط بانہوں کی ضرورت ہے لالا۔۔۔ بہارے ارحام کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔

شہرام۔۔۔شہرام کیسا ہے؟؟۔ارحام کے لبوں سے کپکپاتے ہوئے نکلا۔۔

بہارے ارحام خان کے لبوں کی کپکپاہٹ دیکھ کر روتے روتے ہنس پڑی تھی

۔۔

اپنی چلتی دھڑکنوں سے پوچھیں لالا۔۔شہرام خان کیسا ہے؟؟بہارے نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

ارحام خان نے الجھن بھری نگاہوں سے بہارے کو دیکھا۔

لالا لاکھوں لوگوں کی دعائیں شہرام خان کے ساتھ تھیں۔کیسے اسے کچھ ہو سکتا تھا؟؟۔شہرام خان اس ہاسپٹل میں موجود ہر شخص کے دل میں دھڑکن کی طرح رہتا ہے۔ہم سب کی دھڑکنیں چل رہی ہیں تو کیسے اس کی دھڑکنیں بند ہو سکتی ہیں۔۔بہارے روتے ہوئے بولی۔۔

زاران خان یہ سنتے سجدہ ریز ہوا تھا۔۔ ارحام خان بہارے خان کے سر پر ہاتھ جمائے اسے نرمی سے خود کے ساتھ لگا گیا۔۔ بہارے ارحام کے سینے کے ساتھ لگی شدت سے رو دی تھی۔۔

---.----------

عابیر کی آنکھ کھلی تو وہ کسی کی مضبوط بانہوں کے حصار میں تھی۔۔ وہ اسے اپنے ساتھ مضبوطی سے لپٹائے ہوے تھا۔ عابیر نے غائب دماغی سے اس کے چوڑے سینے کو دیکھا۔ جہاں شرٹ پر خون لگا تھا۔۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔۔ وہ آنکھیں موندے ہوے تھا۔ اس کی گہری ہوتی سانسوں سے پتہ چل رہا تھا وہ سو رہا ہے۔۔

عابیر نے آنکھیں جھپکتے ہوے اپنے سر سے اٹھتی ٹھیسوں کو بمشکل برداشت کیا۔

ابھی ابھی خبر ملی ہے بہار گل ہاسپٹل کے مالک شہرام خان " ایکسپائر ہو چکے ہیں۔انھیں شدید زخمی ہسپتال لایا گیا۔انھیں بے دردی سے گولیاں ماری گئی تھیں۔وہ سروائیو نہیں کر سکے اور جان بحق ہو گئے"

یہ لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے ایک بار پھر سے پاگل کر گئے تھے۔۔لالا ۔۔۔۔۔۔۔وہ اپنا سر ہاتھوں میں جکڑے ہذیانی چیخی۔۔

اس کی چیخ پر اسفندیار ہڑابڑاتا ہوا اٹھا تھا۔

عابیر اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیخیں مار رہی تھیں۔

اسفندیار خان اس کی چیخوں پر بدحواص ہوتا پریشان ہوا۔

تمام نیوز چینل پر شہرام خان کے موت کی خبر چلائی جارہی تھی۔اسی لیے وہ حویلی آیا تھا تاکہ سب کو سنبھال سکے۔۔۔نیوز چینل پر شہرام خان کے مرنے کی خبر سن کر عابیر اس کی بانہوں میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔۔اسی لمحے اسے فون پر پتہ چلا تھا کہ شہرام خان کا اپریشن کامیاب ہو چکا ہے۔۔۔

امینہ خانم روزینہ خانم کی حالت بہت خراب تھی۔۔مگر شہرام خان کے اپریشن کامیاب ہونے کا سن کر امینہ خانم اسی لمحے کپکپاتے بدن کے ساتھ اپنے کمرے میں شکرانے کے نفل ادا کرنی چلی گئی تھیں۔

وہ عابیر کو اپنی بانہوں میں اٹھائے اوپر اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ اس کے بیہوش وجود کو بانہوں میں بھرتے وہ کب پر سکون نیند سویا اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔

عابیر کو چیختے دیکھ کر اسفندیار خان نے اسے اپنی بانہوں میں بھرنے کی کوشش کی تو وہ اسے دور جھٹکتے بیڈ سے اٹھتی بھاگتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی۔۔

اسفندیار خان تیزی سے اٹھتا اس کی طرف بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھر گیا تھا۔ وہ اس وقت بلوکر کی گرم لانگ چنٹوں والے فراک میں ملبوس تھی۔۔ بال الجھے سے ڈھیلے سے جوڑے کی صورت شولڈر پر بکھرے تھے۔۔

بالوں سے نکلتی لٹیں اس کی عارض کو چھو رہی تھیں۔

آنکھیں متورم اور گلابی ہو رہی تھیں۔یہی حال تیکھی سی ناک کا تھا وہ بھی سرخ ہو رہی تھی۔۔سیب جیسے عارض تو رہتے ہی ہر وقت سرخ تھے۔۔کندن نشیب و فراز تو پانی میں بھڑکتے شعلے کے مترادف تھے۔اس وقت وہ گہرے سانس بھرتے اسفندیار خان کا دل و دماغ بند کر چکے تھے۔

وہ اسے گہری استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھتے بمشکل ہی خود پر قابو پا رہا تھا۔

چھوڑو مجھے اسفندیار خان۔۔۔مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔عابیر چیختے ہوے اس کے زخمی بازو پر اپنی انگلیاں گاڑھ چکی تھی۔اسفندیار خان اپنے بازو پر اٹھتے درد پر دانت پر دانت جمائے برداشت کر گیا تھا۔اس نے خود ہی رومال زور سے باندھ کر خون روکا ہوا تھا۔۔مگر ڈریسنگ نہیں کروائی تھی جس کی وجہ سے اس کا پورا بازو درد سے جھنجھنا رہا تھا۔۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔عابیر اس کے حصار میں مچلتے ہوئے چیخی۔۔

عابیر میری بات سنو۔۔اسفندیار خان نے اسے دونوں کندھوں سے نرمی سے جکڑے نرمی سے پکارا۔

مجھے جانے دو۔۔مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔وہ نہیں مر سکتے۔۔وہ نہیں مر سکتے۔۔عابیر ہذیانی چیختے ہوئے اسفندیار خان کے سینے پر مکے مار رہی تھی۔وہ سنبھل ہی نہیں رہی تھی۔

عابیر۔۔۔اسفندیار خان نے اب غصے سے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑتے سختی سے جھنجھوڑا۔۔

مجھے جانے دو۔۔۔اسفندیار خان۔۔۔عابیر اس کی گردن پر بے دردی سے ناخن مارتے روتے ہوئے چیخی۔

عابیر۔۔۔میری بات سنو۔۔۔اسفندیار خان نے اسے سختی سے پکارا۔۔

مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے مجھے جانے دو وہ حلق کے بل چیخی تھی۔وہ اس کا اب گریبان پکڑے بری طرح رو رہی تھی۔

اسفند اپنا گریبان اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے اسے بازو سے جکڑے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔وہ اوندھے منہ جا گری تھی۔۔

مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔میں آپ کی جان لے لوں گی۔۔وہ چیخی تھی

اس سے سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتی اسفند اس کی طرف بڑھتے اس پر جھکتے اس کے نازک گلابی لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کرتے اس کی سانسوں پر قبضہ جما گیا۔وہ اس کے حصار میں بری طرح مچلی تھی۔اسفندیار خان اس کی

کلائیوں پر اپنے آہنی ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے اس کے لبوں پر اور بھی شدت سے جھکا تھا۔

عابیر کی گھٹی گھٹی سسکیاں برامد ہوئی تھیں۔ اسفند نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کی کلائیوں کو آزاد کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھا وہ اسے زخمی نگاہوں سے دیکھتے سسکیاں بھر رہی تھی۔۔

کتنا گرائیں گے خود کو میری نظروں میں آپ؟؟ عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے کرب بھری ہچکی لی تھی۔ اسفند اس کے عارض پر ہاتھ جمائے گہری نگاہوں کے دیکھ رہا تھا

میرے لالا کی موت کی خبر ملی ہے اور آپ مجھے یوں بے بس کر کے میرے ساتھ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔۔ اپنی حوص پوری کرنے کا یہی ٹایم ملا تھا

آپ کو؟؟عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے زہر خند لہجے میں بولی۔

اسفند اب اسے سرد سپناٹ نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔

عابیر اسے دور دھکیلتی بیڈ سے اٹھی تھی۔۔

یہ لیں کر لیں اپنی ضرورت پوری۔۔عابیر اپنی پچھلی زپ کھولتے اپنی فراک کندھوں سے نیچے کھسکا گئی تھی۔

اب وہ اس کے سامنے آدھی ادھوری فراک میں کھڑی تھی۔فراک کندھوں سے نیچے کھسکتی زمین بوسے ہونے کو بے تاب تھی۔۔وہ گہرے سانس لیتے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے سسک رہی تھی

اسفند بیڈ پر بیٹھا اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

چلیے شروع کیجیے اسفندیار خان۔۔۔ اپنا جنگلی پن دکھائیں اپنے فیورٹ مقام پر اپنے دانت بے دردی سے گاڑھیں۔۔ جو بھی کرنا ہے جلدی کریں۔ مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔ جانے دیں مجھے۔۔ عابیر روتے ہوے اب اپنی نازکی پر نازک سے پردے کو بھی اتار گئی تھی۔۔۔

اسفند مٹھیاں بھینچے اپنی سفاک بے شرم پٹھانی کو دیکھ رہا تھا جو واقعی میں حویلی کی عورت نہیں لگتی تھی۔۔

اسفند بیڈ سے اٹھتا اس کی طرف بڑھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کی گہرائیوں پر جھکتے اپنے دانت گاڑھ گیا۔۔ عابیر کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ وہ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتے اس کی فراک ایک جھٹکے سے اتارتے نیچے پھینک چکا تھا۔۔

عابیر اس کے حصار میں مچلی تھی۔۔وہ اس کی گہرائیوں سے چہرہ نکالتے اسے کمر سے دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے اوپر کو اٹھائے اس کی ٹانگیں اپنی کمر پر لپیٹتے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں سختی سے دبوچ گیا۔

عابیر اس کی گرفت میں مچل کر رہ گئی تھی وہ اس کا جبڑہ دبوچے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

میری بات سنیے مسز اسفندیار خان۔۔۔اپنی بے شرمی اور اپنی بدزبانی پر قابو پایئے۔۔ورنہ آپ اسفندیار خان کا وہ روپ دیکھیں گی جو آج تک آپ کو دکھایا نہیں گیا۔۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

اس کی سخت گرفت پر عابیر کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گر رہے تھے۔وہ اپنا چٹانی وجود سختی سے اس کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔اوپر سے اس کا

حلیہ۔۔۔ مگر اس وقت اسے صرف اپنے لالا کی فکر تھی۔ وہ شہرام کا سوچتے تڑپ رہی تھی۔

دل تو کر رہا ہے اسی پوزیشن میں سچ میں اپنی ضرورت پوری کرتے بتاؤں مجھے یہ اینگل بھی پسند ہے۔ اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔۔

اور تمھاری بدزبان بے شرم زبان کو اپنے دانتوں سے جکڑتے تمھیں بتاؤں کہ تم اسفندیار خان کی عورت ہو مرد نہیں جو اپنا عورت ہونا بھول جاؤ۔۔

اسفند اس کے گلابی عارض پر بہتے آنسو دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔۔

اسفند نے اس کی آنکھوں سے برستے آنسو دیکھتے دیکھتے اسے نیچے اتارا۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے دونوں ہاتھوں سے خود سے خود سے دور دھکیلا۔ اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتی۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے بالوں کو گدی سے دبوچے اس کی کمر کو بینڈ کرتے اس پر جھکے اس کے عارض پر اپنی سلگتی سانسیں بکھیرنے لگا۔

وہ گہرے سانس لیتے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو بے دردی سے اس کی کمر کو بینڈ کیے ہوے تھا۔

تمھاری باتوں کو برداشت اور تمھارے آگے جھکتا صرف زاران خانزادہ کی وجہ سے ہوں۔ کل بھی تمھارے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔ آج بھی نہیں کر سکتا وجہ صرف زاران خانزادہ ہے۔۔ ورنہ فطرت میری بھی حویلی کے خانزادوں کی طرح ہے۔۔۔ تم میری عورت ہوتی اور میری محبت بھی ہوتی اگر زاران کی بہن نہ ہوتی تو میرا رویہ مختلف ہوتا۔۔ اسفندیار خان

تمھارے لالا شہرام خان سے ڈرتا ہے اور نہ کسی اور سے ڈرتا ہے۔ اسفند یار خان صرف زاران خانزادہ سے ڈرتا ہے۔۔ بہت ڈرتا ہے۔۔ اسفند اسے بینڈ کیے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بول رہا تھا۔

عابیر اب آپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔

لالا۔۔۔۔۔ وہ آنکھیں میچے سسک رہی تھی۔۔ اس کے حواصوں پر شہرام خان چھایا ہوا تھا۔

اسفند کچھ پل اس کے عارض پر گرتے آنسو دیکھتا رہا پھر نرمی سے ان آنسوؤں پر جھکے انھیں لبوں سے چنتا حلق میں اتار گیا۔

وہ ابھی تک آنکھیں میچے اس کے حصار میں لرز رہی تھی۔ اسفند سیدھے ہوتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

لالا۔۔۔لالا۔۔۔عابیر اس کے سینے کے ساتھ لپٹی شدت سے رو دی تھی۔۔اسفند کی نیلی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے بالوں پر گر رہے تھے.

کچھ نہیں ہوا تمھارے لالا کو وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ اسفند اسے خود سے الگ کرتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے بولا۔۔

عابیر روتے ہوے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ اسفندیار خان لب بھینچے اس کے سسکیاں بھرتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔۔ سامنے کھڑی سفاک پٹھانی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے تھے۔

سچ کہہ رہا ہوں۔۔ وہ خطرے سے باہر ہے۔۔ اس کا اپریشن کامیاب ہو چکا ہے۔۔ وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ اسفندیار خان کی بات پر وہ اسے کچھ پل دیکھتی رہی۔۔ پھر اس کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔ اسفند اسے بانہوں میں سختی سے بھر گیا تھا۔ مجھے لالا کے پاس جانا ہے۔۔ عابیر اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے روتے ہوے بولی۔

ابھی کوئی فائدہ نہیں اسے ہوش نہیں آیا۔ اور نہ ابھی آئے گا۔ یہاں تمھاری مورے کو تمھاری ضرورت ہے۔ اسفندیار خان نے اس کے عارض پر گرتے آنسو اپنے انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے نرمی سے سمجھایا۔

اگر آپ نہیں لے کر جاسکتے میں خود بھی جاسکتی ہوں۔ حویلی کے کارپورچ میں گاڑیاں بھی کھڑی ہیں اور ڈرائیور بھی۔۔۔ اس حویلی کی خانزادی ہوں مجھے یہاں سے باہر جانے کے لیے آپ کی پرمیشن کی ضرورت نہیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔۔ عابیر اسے خود سے دور دھکیلتے دروازے کی طرف بڑھی۔

اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

خانزادی ہو مگر خانزادوں سے زیادہ سفاک اور بے شرم ہو۔۔ اسفند اسے گہری بے باک نگاہوں سے دیکھتے بولا۔۔

عابیر نے اس کی بے باک نگاہوں پر اپنے وجود پر نگاہیں گاڑھیں۔۔ وہ سچ میں بہت بے باک حلیے میں تھی اسے تو اندازہ ہی نہ تھا۔ دوسرے پل اس کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہوئی۔۔ وہ اسفندیار خان کو دیکھتے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ ٹیک لگاتے آنکھیں میچ گئی۔۔۔

اسفندیار خان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

وہ اس کی طرف بڑھتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے اسے محصور کر گیا۔

تم سچ میں بے شرم پٹھانی ہو اب یہ چاہتی ہو کہ میں تمھیں اچھی طرح دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاؤں۔۔ اسفند اس کی بند آنکھوں پر لرزتی پلکوں کو دیکھتے لب دانتوں تلے دبائے ذو معنی انداز میں بولتے اسے گردن تک سرخ کر گیا تھا۔

اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے اسفند نے بمشکل اپنی نظریں اس کے شعلہ جواں بدن سے چرائی تھیں۔

وہ سامنے کھڑی سفاک پٹھانی کی جدائی اور بے اعتنائی سہتے وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مزید اس کی سفاکی سہنے کی ہمت نہ تھی۔۔ اسفند نے نم آنکھیں عابیر کے چہرے پر گاڑھتے اپنے سینے کے زخم پر ہاتھ رکھا تھا جہاں آج بھی اس نے مرہم نہیں رکھا تھا۔ اپنی سفاک پٹھانی کے لبوں کا

مرہم وہ وہاں چاہتا تھا۔۔۔اسفند کی نیلی آنکھوں کی نمی بڑھتی جارہی تھی

۔۔۔

ہو گئے ہم کتنے تنہا

پیار میں دل ہار کے

ڈس رہی ہے یہ جدائی

بن سجن بن پیار کے

یاد ہم کو آرہے ہیں

چار دن وہ پیار کے

وہ ادائیں وہ شرارت

ہائے جلویں یار کے

جدائی کے غم بھی

مجھ پر ہنسنے لگے ہیں

خوشی کے لیے ہم ترسنے لگے ہیں

لہو بن کہ آنسو برسنے لگے ہیں

اسفند نم اواز میں کہتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔ عابیر مزید اپنی آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔

اسفند کے لب اس کی گردن سے ہوتے اس کی گہرائیوں سے ہوتے اس کی بیلی بٹن پر ائے تھے۔۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکتے اسے بہت نرمی سے چوم رہا تھا۔ اس کے لبوں نے اپنی بے باکیاں دکھاتے اپنی تجاوز بڑھاتے اپنی ہر حد کر اس کی تو عابیر تڑپتے ہوے اسے خود سے دور دھکیل گئی

اسفندیار نے نظریں اٹھائے اسے دیکھا جو اسے دیکھتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔

اسفند کچھ پل اس کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتا رہا۔۔ پھر زمین سے اٹھتا دروازے کی جانب بڑھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

عابیر نے اپنے آنسو صاف کرتے زمین پر پڑی اپنی فراک پہنی تھی۔۔ بیڈ پر پڑی اپنی چادر اٹھائے اچھی طرح خود پر لپیٹے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ اسے ہر حال میں شہرام خان اپنے لالا کے پاس جانا ہی تھا۔

امریکہ کے نیویارک سٹی کے اپنے فلیٹ میں بیٹھے ڈاکٹر شمروز کے ہاتھ ہاتھ چینل سرچ کرتے رکے تھے۔۔

وہ بے یقینی سے سکرین پر شہرام خان کو دیکھ رہے تھے۔ جسے سٹرچر پر ڈالے ہاسپٹل میں لے کر جایا جا رہا تھا۔ وہ جلدی سے صوفے سے اٹھے تھے

۔

ڈاکٹر ماروا بھی ان کے ساتھ صوفے سے اٹھی تھی۔۔

نیچے انگلش میں شہرام خان کی ڈیتھ کی نیوز چل رہی تھی۔۔

"Shahram Khan, in his own hospital, had no surgeon available to save him. Shahram Khan who saved the lives of others, when it came to saving his own life, there was no doctor, no surgeon available. He fought his own wounds and left this world"

شہرام خان کے اپنے ہاسپٹل میں اسے بچانے کے لیے کوئی ڈاکٹر)
کوئی سرجن موجود نہیں تھا۔شہرام خان جو دوسروں کی زندگیاں
بچاتا رہا جب اسے دوسروں کی ضرورت تھی کوئی ڈاکٹر کوئی سرجن
موجود نہیں تھا۔وہ اپنے ہی زخموں سے ہارتے یہ دنیا چھوڑ کر چلا
(گیا

ڈاکٹر شمروز سکتے کے عالم میں یہ نیوز سنتے شہرام خان کے زخمی وجود کو دیکھ
رہے تھے۔۔

ان کا وجود آندھیوں کے زد میں آیا تھا۔۔ڈاکٹر ماروا اپنا چہرہ ہاتھوں میں
چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

ڈاکٹر شمروز کی اتنی ہمت نہ تھی وہ دو آنسو بہا سکیں۔ان کی آنکھیں آجازت ہی نہیں دے رہی تھیں۔وہ خود کو اس قابل نہ سمجھ رہے تھے وہ شہرام خان کی موت کا غم منا سکیں۔

وہ اسے چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ جس نے ان کے دل کے اندر شمع جلائی تھی ۔وہ اپنے لوگوں اپنے پاکستان کو پھر سے چھوڑ کر چلے آئے تھے۔۔وہ شہرام خان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔۔ جس کو ان کی ضرورت تھی۔۔وہ کیسے انسان تھے؟جو شہرام خان کی ذراسی باتوں کا برا مناتے اسے تن تنہا چھوڑ کر چلے آئے۔

ڈاکٹر شمروز سکتے کے عالم میں سکرین پر شہرام خان کو دیکھ رہے تھے۔جو خون میں لت پت تھا۔ڈاکٹر شمروز نے آگے بڑھ کر سکرین پر کانپتی آنگلیاں رکھیں۔ان کی کپکپاتی انگلیاں سکرین کو چھو رہی تھیں۔

جس دن انھوں نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ شہرام خان نے انھیں گلے سے لگائے اپنا بڑا بھائی کہا تھا۔ کیا بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کو ذرا ذرا سی بات پر چھوڑ آتا ہے۔ وہ شہرام خان سے محبت تو نبھا سکے نہ تھے۔۔ اپنے پاکستان سے بھی نہ نبھا سکے۔۔ کیا ملا انھیں اس ملک سے ؟؟۔۔ بہ

پہچان تو ان کی پاکستان سے ہی تھی۔۔ اور کتنی کامیابی چاہیے تھے انھیں ؟؟۔۔ اولاد تک ان کے پاس نہ تھی۔۔ اللہ نے شائد اس لیے انھیں اولاد سے نوازا نہ تھا۔ جب انھیں اپنے مسلمان بھائیوں اپنے پاکستان سے محبت نہ تھی تو اللہ کیسے ان سے محبت کرتے۔۔ اب اور انھیں ملک سے کیا چاہیے تھا۔۔ آخر اتنے ڈالرز کا انہوں نے کرنا کیا تھا۔۔ کیسے انسان تھے وہ جو برسوں پہلے اپنے ماں باپ کو چھوڑ آئے۔۔ آج شہرام خان کو چھوڑ

دیا۔۔ جس نے اس ہاسپٹل کے لیے اپنا سب کچھ وار دیا۔ اپنی ہر جائیداد اپنا بینک بیلنس خالی کر دیا۔۔ اور وہ صرف اپنا آپ نہ دے سکے۔۔ شہرام خان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کو ان کی ضرورت پڑی ہو گی مگر وہ وہاں اپنے پاکستان اپنے لوگوں کے پاس نہ تھے۔ آنچمج شہرام خان مر گیا تھا کل کتنے اور مریں گے۔۔ انھیں خدا نے مسیحا بنایا تھا اور وہ اپنی مسیحائی نہ نبھا سکے۔

وہ سکرین پر دکھائے جانے والے مناظر کو دیکھتے شہرام خان کے خون میں لت پت وجود پر انگلیاں رکھے ہوے تھے۔

اک آہ بھری ہو گی

ہم نے نہ سنی ہو گی

جاتے جاتے تم نے

آواز تو دی ہو گی

ہر وقت یہی ہے غم

اس وقت کہاں تھے ہم

ڈاکٹر شمروز سکرین کے ساتھ ماتھا ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے

۔امریکہ کے فلیٹ میں اس وقت دو دو جودوں کی سسکیاں اور آہیں گونج

رہی تھیں۔۔شہرام خان امریکہ میں موجود دو وجودوں کو ہلا کر رکھ گیا تھا

۔۔

ماروا تیاری کریں ہمیں پاکستان جانا ہے کبھی نہ آنے کے لیے۔۔شہرام خان

کے بنائی ہوئی تعبیر کو کبھی نیند کی لوری نہیں سلانے دیں گے۔۔مجھے شہرام

خان کے پاس جانا ہے۔اس کے وجود کو اپنے ہاتھوں میں تھامنا ہے۔۔اس کی پیشانی پر لب رکھنے ہیں۔اس کے جنازے کو کندھا دینا ہے۔۔

ڈاکٹر شمروز پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔

ڈاکٹر آیزل جرمنی کے ہاسپٹل میں اپنے پیشنٹس کو دیکھ رہی تھی۔۔اس کا فون بجا تھا۔اپنے لیب کوٹ سے فون نکالتے اس نے کان سے لگایا۔۔

فون پر ملنے والی خبر پر فون اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گرا تھا۔

شہرام۔۔۔۔۔آیزل حلق کے بل چیخی تھی۔وہاں موجود پیشنٹس اور کچھ ڈاکٹرز نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر آیزل چیختے ہوے بھاگتے ہوے وہاں سے نکلتی باہر کی جانب بڑھی۔۔

ڈاکٹر رونالڈو بھاگتے ہوے آیزل کے پیچھے گئے تھے۔

وہ بنار کے بھاگتی جارہی تھی۔

ڈاکٹر رونالڈو اس تک پہنچتے اس کے نازک وجود کو بانہوں میں بھر گئے۔

Let me go, I need to go to Shahram Khan... He can't die, he can't die.

مجھے جانے دو. مجھے شہرام خان کے پاس جانا ہے۔۔مجھے اس کے) پاس جانا ۔۔وہ نہیں مر سکتا وہ نہیں مر سکتا،(ڈاکٹر آیزل ہذیانی چیخی تھی.

ڈاکٹر رونالڈو اسے سختی سے بانہوں میں بھرے ہوے تھے۔۔وہ چیختے ہوے بے قابو ہو رہی تھی۔۔

اس کے رونے پر ڈاکٹر رونالڈو کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔۔

مجھے جانے دو اس کے پاس۔۔وہ کیسے مر سکتا ہے؟؟۔وہ انسان کیسے مر سکتا ہے؟؟جو مسکراتا تھا تو سامنے والا جی اٹھتا تھا۔جو ہنستا تھا تو ہر غم دور ہو جاتا تھا۔وہ بولتا تھا تو مردہ وجود میں جان ڈال دیتا تھا۔وہ کیسے مر سکتا ہے؟؟۔۔آیزل رونالڈو کے سینے کے ساتھ لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی. ڈاکٹر رونالڈو اسے اپنی بانہوں میں بھر چکے تھے۔۔

مجھے لے چلو رونالڈ واس کے پاس۔۔۔مجھے شہرام خان کے پاس لے چلو وہ سسکتے ہوئے اس کی بانہوں میں سمائی جا رہی تھی۔

یادوں کے کانٹے

اس دل میں چبھتے ہیں

تمھیں ڈھونڈ رہا ہے پیار

ہم کیسے کریں اقرار

کہاں تم چلے گئے

ڈاکٹر فرقان پلین کی سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئے

تھے۔۔ آنکھوں سے آنسو گرتے ان کی گھنی بئیرڈ کو بھگو رہے

تھے۔۔۔۔ شہرام خان کا زخمی وجود نظروں کے سامنے آرہا تھا۔ وہ ٹی وی پر

نیوز سنتے اسی لمحے اپنی ٹکٹ کنفرم کرواتے سوات جا رہے تھے۔ شہرام خان

آخر کیسے مر تسکتا تھا۔ وہ پہاڑ جیسا مضبوط انسان کیسے سب کو چھوڑ کر جا سکتا

تھا۔

ہر چیز پر اشکوں سے

لکھا ہے تمھارا نام

یہ رستے یہ گھر گلیاں

تمھیں کر نہ سکے سلام

ہائے دل میں رہ گئی بات

کہاں تم چلے گئے

---.----------

شہرام کی ڈیتھ کی نیوز سن کر ہسپتال کے باہر بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا سوات جمع ہو گیا تھا۔ گیٹ پر تعینات سکیورٹی گارڈز کے لیے اس ہجوم کو کو قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ہسپتال کے گراونڈ ایریا میں پہلے سے ہی لوگ جمع تھے۔۔ بڑھتی رات کے ساتھ سردی کی شدت میں آضافہ ہو رہا تھا۔ مگر وہ لوگ وہاں سے جانے کو تیار نہ تھے۔ شہرام کی موت کی نیوز سن کر وہاں کے کچھ مردوں نے غصے سے سکیورٹی گارڈز پر بندوقیں تان لی تھیں۔ مجبورًا گیٹ کھولنا پڑا

تھا۔وہ لوگ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہسپتال کے اندر داخل ہو رہے تھے۔۔

بہارے ڈاکٹر معاذ ڈاکٹر عینا ڈاکٹر ماہین ڈاکٹر سبتگین ہسپتال کے سٹاف روم میں بیٹھے شہرام خان کی کنڈیشن کے متعلق ڈسکشن کر رہے تھے۔ جسے ابھی بہت کیئر فلی بہت کئر کی ضرورت تھی۔۔جب تک ہوش نہیں آنا تھا ان سب کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔۔ بہارے سر پر اسفندیار خان کی دی ہوئی شال اچھی طرح اوڑھے یہ سب بہت پریشانی سے سن رہی تھی۔۔

تمام ڈاکٹرز کے لے نرس کافی لے کر اندر داخل ہوئی۔۔

سب نے شکریہ کہتے کافی کے مگ اٹھائے۔۔ بہارے لب کاٹتے پریشانی سے بیٹھی تھی۔

ڈاکٹر بہارے کافی لیں. کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں ؟؟۔ شہرام سر اب بلکل ٹھیک ہیں۔ڈاکٹر سبتگین بہارے کی کنڈیشن دیکھتے نرمی سے بولے۔ بہارے کا وجود ہلکا ہلکا کپکپاہٹ کا شکار تھا۔وہ آج صبح سے دیکھ رہے تھے۔ بہرام کو جب وہ لوگ ہاسپٹل لائے تھے۔وہ تب سے ہی ایسے کپکپا رہی تھی۔اتنا کچھ سہنے کے بعد وہ ابھی تک اپنے قدموں کے سہارے کھڑی خود کو مضبوط ظاہر کر رہی تھی۔یہ سب کچھ تعریف کے قابل تھا۔۔

نہیں آپ لوگ لیں مجھے ضرورت نہیں۔۔ بہارے نے کہتے ہوے اپنے سر کو جکڑا جہاں شدید دھمک ہو رہی تھی۔جب تک شہرام خان کو ہوش نہیں آجانا تھا وہ کیسے کچھ اپنے حلق سے اتار سکتی تھی۔

ڈاکٹرز۔۔۔۔۔۔۔۔۔باہر بہت بڑی تعداد میں مرد لوگ جمع ہے۔وہ لوگ اندر داخل ہو رہا ہے۔۔شہرام سر کا مرنے کا جھوٹا خبر خبروں میں دکھایا جا رہا ہے۔کیمرہ اٹھائے ٹی وی کا لوگ بھی اندر داخل ہو چکا ہے۔ہسپتال کے اندر مریض عورت لوگ اور بچہ لوگ بھی اب قابو سے باہر ہو رہا ہے۔سب ہی رو رہا ہے۔سکیورٹی گارڈز نے ایک دو بار بندوق سے ہوائی فائر کیا مگر وہ لوگ ڈر ہی نہیں رہا۔الٹا انہوں نے اپنا بندوق نکال لیا۔سب کو بتا دو شہرام سر اب ٹھیک ہے۔ورنہ وہ لوگ ہسپتال کا نقشہ بگاڑ دے گا۔باہر اتنا سردی ہے مرد لوگ کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی ہے جو شہرام سر کے لیے رو رہا ہے۔ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہاں کا بچہ لوگ بھی شہرام سر سے اتنا پیار کرتا ہے۔اس ہسپتال کا وارڈ بوائے اندر داخل ہوتے عجلت بھرے انداز میں پریشانی سے بولا۔

یہ سنتے تمام ڈاکٹرز پریشانی سے کھڑے ہوے تھے۔۔ان کو بتانا ہو گا کہ شہرام سر اب خطرے سے باہر ہیں۔ورنہ یہ لوگ سچ میں بے قابو ہوتے اندر داخل ہو جائیں گے۔۔ ہسپتال میں بہت سے نازک پیشنٹ بھی ہیں ۔۔شور شرابہ ان کے لیے ٹھیک نہیں ہو گا۔اور یہ لوگ پریشان ہوتے شہرام کو بھی دیکھنا چاہیں گے۔۔ان کی کنڈیشن کرٹیکل ہے یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ڈاکٹر معاذ پریشانی سے بولے۔۔

مگر یہاں کے لوگ ہم پر بھروسہ نہیں کریں گے آپ جانتے ہیں یہاں کے لوگ شہرام سر کے ہی قابو آتے ہیں۔وہ کچھ دن کے لیے باہر گئے تھے ۔کچھ لوگ تو ان کی غیر موجودگی میں اپنا علاج تک نہیں کروا رہے تھے۔

ڈاکٹر عینا نے پریشانی سے کہا۔

سب پریشانی سے اب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔ باہر بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے انھیں قابو کرنا واقعی میں مشکل تھا۔

میں جاؤں گی باہر۔۔۔ وہ آپ سب پر نہیں مگر شہرام خان کی عورت اس کی بیوی پر بھروسہ ضرور کریں گے۔۔ بہارے پر اعتماد لہجے میں بولتے اپنی شال سر پر اچھی طرح جمائے اپنے چہرے پر اچھی طرح نقاب کرتے باہر کی طرف بڑھی۔

سب ڈاکٹرز بہارے کی بات کی تائید کرتے اس کے ہمقدم ہوے تھے۔

بہارے اور باقی ڈاکٹرز کو دیکھتے وہاں کے مرد لوگ جو بہت بڑی تعداد میں تھے وہ اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔۔ وہ لوگ رکے تھے ۔ مگر وہ ہجوم میں شور بڑھا تھا۔

میڈیا حرکت میں آیا تھا وہ کب سے باہر کے لائیو مناظر دکھا رہا تھا۔ اب ان کے کیمروں کا رخ بہارے اور باقی ڈاکٹرز پر تھا۔۔

آپ لوگوں میں سے بہت سے لوگ مجھے نہیں جانتے۔۔ بلکہ شائد کوئی بھی مجھے نہیں جانتا۔ شہرام خان کے ہوتے ضرورت ہی نہیں پڑی کہ کوئی مجھے جان سکے۔۔ نہ اس کی کبھی ضرورت تھی۔ بہارے سب کو دیکھتے اونچی آواز میں بول رہی تھی۔۔ سب خاموش ہوے تھے۔۔ شہرام خان کا نام ہی کافی تھا۔

میں شہرام خان کی بیوی ہوں۔۔ شہرام خان کی عورت۔۔ جسے شہرام خان نے ڈاکٹر بنایا۔ بہارے خان کی مضبوط آواز بھیگی تھی۔۔ اس نے کبھی یہ بات شہرام خان کے سامنے کنفیس ہی نہیں کی تھی بلکہ کبھی یہ بات مانی ہی

نہیں تھی کہ اسے ڈاکٹر شہرام خان نے بنایا۔ آج وہ پوری دنیا کے سامنے یہ کنفیس کر رہی تھی کہ اسے ڈاکٹر بنانے والا شہرام خان تھا۔

وہ شہرام خان کی بیوی ہے ایک مرتبہ پھر وہاں کے لوگ بے قابو ہوے تھے۔۔

شہرام خان بلکل خیریت سے ہے۔۔ آپ لوگوں کی محبت اور دعاؤں نے اسے ایک نئی زندگی دی ہے۔ وہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں گیا۔ یہ سن کر لوگ بے یقین ہوے تھے۔۔ ہجوم پھر سے جیسے پے قابو ہوا تھا۔

میں بلکل سچ کہہ رہی ہوں شہرام خان کو کچھ نہیں ہوا۔۔

اگر بہارے شہرام خان آپ لوگوں کے سامنے کھڑی ہے اس کی سانسیں چل رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے شہرام خان کی سانسیں بھی چل رہی ہیں۔ بہارے کی مضبوط آواز شدت سے بھیگی تھی.

ہجوم میں مکمل خاموشی چھائی تھی۔۔ تمام ڈاکٹرز نے شہرام خان کو بچا لیا۔ کیونکہ رب پاک نے شہرام خان کو آپ سب کے لیے میرے لیے زندہ رکھنا تھا۔۔ وہ سب کی طرف دیکھتے اپنے لبوں پر کپکپاہٹ پائے مضبوطی سے بول رہی تھی۔۔ یہ اعتماد شہرام خان کی طرف سے دیا گیا تھا۔ جس نے کبھی اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ آج وہ کتنے لوگوں کے سامنے کھڑی بول رہی تھی۔ کیا کوئی حویلی کی لڑکی یہ کر سکتی تھی۔

میں آپ سب سے درخواست کرتی ہوں آپ لوگ اپنے گھروں کو جائیں ۔۔ کیونکہ اگر شہرام خان اس وقت بلکل ٹھیک ہوتا وہ آپ کا اتنا سردی میں

خود کو تکلیف دینا پسند نہ کرتا۔۔ شہرام خان جب بلکل ٹھیک ہو جائے گا وہ آپ سب سے ضرور بات کرے گا۔۔ ابھی کے لیے آپ لوگ اپنے گھروں کو جائیں۔۔ یہاں شدید سردی ہے اور آپ لوگوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی ہیں۔ بہارے کی بات پر وہاں کے لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے چہ مگوییاں کرتے اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔۔ شہرام خان زندہ ہے ان کے چہروں پر اب سکون اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔۔

مسسز شہرام خان ہم نے سنا تھا۔۔ آج شہرام سر کا اپریٹ کرنے کے لیے کوئی سرجن کوئی قابل ڈاکٹر نہیں تھا۔۔ وہ اس لیے زندگی کی بازی ہار گئے۔۔ مگر اب آپ کہہ رہی ہیں وہ زندہ ہے تو پھر یہ خبر کیسے پھیلی؟؟۔۔ رپورٹر نے سوال کیا۔

اگر کوئی قابل ڈاکٹر نہ ہوتا تو شہرام خان کا اپریشن کیسے کامیاب ہوتا۔ بہار گل ہسپتال کا ہر ڈاکٹر قابل ہے یہ آج ثابت ہوا ہے۔۔

شہرام کی حالت بہت کرٹیکل تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے قراس آرائیاں کرتے شاید یہ خبر پھیلا دی۔۔

بہارے سنجیدگی سے کہتے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ میڈیا باقی ڈاکٹرز کی طرف بڑھا تھا وہ بنا کوئی جواب دیے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے

اسفند ہمارا بہرام تو ٹھیک ہے۔ روزینہ خانم کی بات پر وہ پریشان ہوا تھا۔ شہرام خان کی وجہ سے بہرام کا خیال ایک بار نہیں آیا تھا۔

ٹھیک ہے وہ مورے۔۔ اسفندیار خان نے آہستگی سے کہتے روزینہ خانم کو سینے سے لگایا۔ وہ اسفندیار خان کے سینے سے لگے شدت سے رو دی تھی۔

عابیر کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر وہ جبڑے بھینچ گیا تھا۔

وہ چادر اوڑھے چہرے پر نقاب ڈالے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

عابیر۔۔۔۔۔۔ اسفندیار خان کی سرد بھاری آواز پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔

اسفندیار خان روزینہ خانم کو خود سے نرمی سے علیحدہ کرتے عابیر کی طرف بڑھا۔

جو داخلی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے اسے سوالیہ سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مانتا ہوں تم حویلی کی عورت ہو اور اسفندیار خان کی بیوی زاران کی بہن ہو۔۔ تمھارا مقام بہت الگ ہے مگر پھر بھی حویلی کی کسی عورت کو اس طرح بغیر آجازت کے حویلی سے باہر قدم رکھنے کی آجازت نہیں ہے۔وہ بھی رات کے اس ٹائم۔۔ اسفندیار خان نے عابیر پر سرد نگاہیں گاڑھتے برفیلے لہجے میں لفظ چبائے تھے۔۔

اسفندیار خان میں حویلی سے باہر حویلی کے مردوں کی طرح عیاشی نہیں کرنے جارہی۔ اپنے لالا کے پاس جارہی ہوں۔۔ عابیر کی بات پر اسفندیار خان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اس کی کلائی جکڑے داخلی دروازہ کھولتے باہر کی جانب بڑھا۔

اسفندیار خان۔۔۔۔۔۔میری کلائی چھوڑیں۔۔۔عابیر اس کی گرفت میں گھسٹتے ہوے غرائی تھی۔وہ بے دردی سے اس کی کلائی جکڑے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا وہ اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔۔

اسفندیار خان بنا رکے اسے مزید بے دردی سے کھینچتا گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔۔گل خان نے اسفندیار خان کو دیکھتے گیٹ کھول لیا تھا۔اسفند نے گیٹ سے باہر نکلتے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے عابیر کو بے دردی سے اندر دھکیلا خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔۔

اسفند سرخ چہرے کے ساتھ تند و تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عابیر ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سپاٹ سے انداز میں بیٹھی تھی۔

اب بولو کیا بکواس کر رہی تھی اندر؟؟۔۔ میں مورے کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔۔ اب بتاؤ مجھے کیا چاہتی ہو تم؟؟۔۔ اسفند یار خان نے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے سرد لہجے میں دھاڑتے ہوے بوچھا۔

آپ کیوں خاموش ہو گئے اندر اسفند یار خان؟؟ اپنی مورے کی وجہ سے کیوں خاموش ہو گئے؟؟ مرد ہیں میرے ساتھ سب کچھ کرنے کا حق ہے آپ کو۔۔ مجھے تھپڑ مار سکتے ہی۔ں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ملازماؤں کے سامنے حویلی کے بیچ و بیچ میرا گلہ دبا سکتے ہیں۔ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتے ہیں؟ تو آج پردہ داری کیوں؟؟ عابیر نے ونڈ سکرین پر نظریں گاڑھے استھزائیہ لہجے میں جواب دیا۔

میں وہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔

مگر آپ کر بیٹھے کیونکہ اس وقت وجہ دارم خان تھا جس کی وجہ سے آپ کی نام نہاد غیرت بلبلا اٹھی۔۔ عابیر اسفندیار خان کی بات کاٹتے ہوئے تڑختے ہوئے بولی۔

اسفندیار خان ایک ہی جھٹکے میں گاڑی روکے اس کی طرف جھکے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

ایک لفظ اور نہیں۔۔۔ ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ بھول جاؤں گا تم بیوی ہو میری۔۔۔ اسفندیار خان اس کا جبڑہ خطرناک حد تک اپنے ہاتھ میں دبوچے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

عابیر کا نقاب کھل چکا تھا۔ اسفندیار خان کی سختی پر اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹتے رخ پر برسے تھے۔

عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے جبڑے پر جمے ہاتھ کو ہٹانے کی ناکام سعی کی ۔وہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کا جبڑہ مزید سختی سے دبوچ گیا تھا۔

اس کی بے رحمی پر عابیر کی سانسیں اٹکی تھیں۔ وہ اتنی سختی سے اپنے پنجے میں اس کا جبڑہ دبوچے ہوئے تھا کہ اس کی انگلیاں اسے اپنے عارض میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔۔

عورت ہو عورت بن کر رہو۔۔ ذرا سی سختی سے تمھارا جبڑہ دبوچا ہے اور تمھاری سانس بند ہو رہی ہیں۔ پورا بدن تمھارا کپکپا رہا ہے۔۔ آئیندہ تمھارے لبوں سے کسی غیر مرد کا نام نہ سنوں اور اس دارم کا تو بلکل نہیں ورنہ ادھر تمھارے لبوں سے نام نکلے گا نہیں ادھر میں تمھاری زبان اپنے

دانتوں سے جکڑ لوں گا۔ اسفند غراتے ہوئے اس کے جبڑے پر گرفت ڈھیلی کرتے اس کی زبان کو اپنے لبوں سے جکڑ گیا تھا۔ اس پر جھکے اس کی زبان کو اپنے لبوں سے جکڑے وہ اس کی سانسیں شدت سے پینے لگا۔

عابیر اس کی گرفت میں بے حال ہو گئی تھی۔ اس کے سختی سے جبڑہ دبوچنے پر اس کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔۔ اب وہ بے رحمی سے اس کی سانسیں پی رہا تھا۔

اسفندیار خان اس کا وجود بے جان محسوس کرتے پیچھے ہوا۔۔ عابیر اس کا گریبان مٹھیوں میں جکڑے اپنے قریب کر گئی تھی۔۔

اسفند کے لب اس کے سرخی مائل لبوں سے آن ٹکرائے تھے۔۔ وہ گہرے سانس لیتے بھیگی گلابی آنکھوں سے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔

عورت ہوں اور عورت بن کر ہی رہتی ہوں اسفند یار خان۔۔

کیونکہ جانتی ہوں جب آپ مرد بن گئے تو میں عورت بھی نہیں رہوں گی۔۔عابیر اسفند یار خان کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

جانتی ہوں اسفند یار خان میرے عورت نہ بننے پر آپ مرد بن جائیں گے ۔۔مجھ سے یہاں اس گاڑی میں بھی اپنا حق لے لیں گے۔۔یہ آپ کے نزدیک مردانگی ہو سکتی ہے مگر میرے نزدیک یہ مردانگی نہیں۔۔میرے نزدیک وہ مرد ہی نہیں جو عورت کی بے بسی کا فائدہ اٹھائے۔۔

وہ اس کا گریبان جکڑے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔۔اس کے سرخ لب کپکپا رہے تھے۔اسفند خاموشی سے اس پر جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے سن رہا تھا۔

میرے اور آپ کی طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔۔آپ مجھے روندھ سکتے ہیں مسل سکتے ہیں۔میں کچھ نہیں کر سکتی۔۔

ہر عورت اور مرد کی طاقت میں فرق ہوتا ہے یہ فرق اللہ نے ڈالا تاکہ مرد اپنی عورت کی حفاظت کرے۔۔اسے عورت کا حاکم مقرر کیا تاکہ وہ اسے اپنی سپردگی میں لے کر اسے زمانے کی گرم سرد ہوا سے بچا سکے۔۔اس کے بدلے عورت اپنی وفاداری اپنا جسم مرد کے حوالے کر کے اس کا سکون بنتی ہے۔۔جانتی ہوں آپ مجھ پر مجھ سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔۔اگر بغیر کسی شرعی عذر کے میں آپ کا حق پورا نہیں کرتی میں گناہ گار ہوں۔عورت کا

اپنے شوہر سے بدزبانی کرنا بھی خدا کے نزدیک گناہ ہے۔۔ کیونکہ قرآن پاک میں ذکر ہوا ہے۔۔

"تمھارے ہی جنس سے تمھارے لیے عورتیں (بیویاں) پیدا کیں تاکہ تم اس سے سکون حاصل کرو"

ہر مرد کو یہ یاد ہوتا ہے عورت کے جسم پر کتنا حق ہے۔۔ وہ بار بار انھیں اپنی ملکیت بھی کہتا ہے۔۔ اس پر کسی کی نظر برداشت نہیں کرتا۔ اسے اپنی بیوی کے متعلق ایک ہی بات یاد رہتی ہے وہ اس کی ہے اس کی ملکیت ہے۔

مگر یہ بات کیوں نہیں آپ مردوں کو یاد رہتی ہے۔

جہاں قرآن میں عورت کو تمھاری کھیتی بنایا وہاں مردوں کو عورت کے معاملے انصاف کرنے کو کہا ڈرنے کو کہا۔ عابیر نے اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے ہچکی لی۔

عابیر۔۔۔ اسفندیار خان نے تڑپتے ہوئے اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔۔۔ عابیر روتے ہوئے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

آپ نے ایک بیوی کے طور میری ڈس رسپیکٹ کی۔۔ کیا آپ میرے معاملے میں خدا سے ڈرے۔۔ چار مہینوں میں میں کیا مین ایک اچھی بیوی نہیں بنی۔۔ آپ کو آپ کی مورے کی آپ کے ہر رشتے کو آنکھوں پر نہیں بٹھایا۔ اس نے ہچکی لیتے سوال کیے۔۔۔ آپ کی خاطر میں آپ کی مورے کی نوکرانی تک بن گئی۔

کیا کہا تھا آپ نے۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ پہلی رات۔۔۔۔ کو۔۔۔۔۔ دلہن

کے۔۔۔۔ لباس۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ دیکھ کر۔۔۔۔۔ کہ میں۔۔۔ حویلی کی

عورتوں کی۔۔ طرح نہیں لگتی۔۔ عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے بولتی سسکی لی

تھی۔ اس کے سسکی بھرنے پر اسفندیار خان لب بھینچتے تڑپ اٹھا تھا۔

نہیں ہوں میں حویلی کی عورتوں کی طرح۔۔ نہیں ڈرتی مین کسی

سے۔۔۔ نہیں ہوں میں حور ابرش بہارے جیسی۔۔

میں عابیر خان ہوں جو اپنی سہاگ رات میں اپنے شوہر کو چاقو مارنے کی ہمت

کر سکتی ہے۔ وہ بھی اس مرد کو جو اس کے سامنے پہاڑ کی طرح دکھتا ہے

۔ آپ کچھ بھی کر سکتے تھے میرے ساتھ مگر پھر بھی بند کمرے میں آپ کو

وہ چاقو بے دردی سے مار دیا۔ کیونکہ عابیر خان اپنی تذلیل برداشت نہیں کر

سکتی تھی۔۔

مگر وہی عابیر آپ کی مورے کی نوکرانی بن گئی۔۔ وہی عابیر خان آپ کے آگے پیچھے پھرنے لگی۔۔ کیونکہ عابیر خان کو آپ سے عشق ہو گیا تھا اور میرے عشق نے مجھے ایک عام عورت بنا دیا۔۔ اگر واقعی میں آپ مرد ہوتے آپ مجھے خاص سے خاص بناتے عام نہ بناتے۔۔ مگر آپ تو ایک عام مرد سے بھی عام نکلے۔

ان چار مہینوں میں بلکہ سات مہینوں میں جب آپ مجھے چھوڑ کر گئے تب بھی آپ کی فرمانبردار بن کر رہی۔ کبھی اس حویلی سے باہر قدم نکالا کیا میں نے ؟؟۔۔ اگر براک سے ملنے بھی گئی تو پورے پردے میں اپنے لالا کے ساتھ گئی۔۔ آپ کی عزت کی خود سے زیادہ حفاظت کی۔۔

لیکن آپ نے کیا کیا؟؟ آپ نے مجھ سے بدلہ لیا پوری حویلی ملازماؤں کے سامنے میری تذلیل کر کے چھوڑ کر چلے گئے۔۔ چار مہینوں میں پل پل مجھے

ذہنی اذیت میں رکھا۔ کیا آپ کو ایک مرد ایک شوہر ہونے کے ناطے میرے ساتھ یہ سلوک کرنے کا حق تھا۔

خدا نے یہ تو کہیں نہیں کہا مرد کو کہ وہ عورت کی تذلیل کرے اس پر ہاتھ اٹھائے۔

جہاں عورت کو مرد کا سکون کہا وہاں مرد کو عورت سے محبت کرنے کو کہا۔ اپنا سکون حاصل کرنے سے پہلے عورت کو سکون پہنچانے کو کہا۔ اسے جسمانی اور ذہنی سکون دینے کو کہا۔

بستر پر پہلے عورت سے محبت کرنے کو کہا۔۔ اس کے پاس جانوروں کی طرح جانے سے منع کیا۔

میں نے کب تمھارے ساتھ جانوروں والا سلوک کیا اسفندیار تڑپتے ہوے اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

میری تذلیل کی مجھے بند کمرے میں تھپڑ مارے۔۔ اپنے اور میرے بیچ دوسری عورت کو لے کر آئے۔۔ مجھے بدلے کی عورت کہا۔۔ سات مہینے مجھے تڑپتا روتا دیکھ کر میری سیلف ریسپکٹ مجروح کرتے رہے۔۔ اپنی مورے کو اپنی بدکاری کی تصویریں بھیجیں۔۔ ملازماؤں اور اپنی مورے کے سامنے ویڈیو کال پر دوسری عورت کے ساتھ تعلقات کا ذکر کیا۔۔۔ مجھے خود بتایا کہ آپ اس عورت کو میرا حق دے چکے ہیں۔۔۔ کیا آپ کے نزدیک یہ چھوٹے جرائم ہیں جو میں آپ کے چند آنسو بہانے پر معاف کر دوں۔۔ جب میں حویلی میں رہنے والی عام عورت نہیں تو پھر میں کیسے عام عورت کی طرح معاف کر دوں۔۔ عابیر نے ہچکی لیتے استفسار کیا۔ اسفند کے

پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا معافی کے چند بول تھے۔۔جو اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتے تھے

اسفندیار خان میں نے آپ سے عشق آپ کو ایک عام مرد سمجھ کر نہیں کیا تھا بہت خاص بن کر کیا تھا۔

پہلی رات جب آپ کو چاقو مارا تو میں اندر سے بہت ڈر گئی تھی۔۔اپنا ڈر ظاہر نہیں کیا تھا مگر میں ڈر گئی تھی مجھے پورا یقین تھا آپ جو ابا مجھے گہرا زخم دیں گے۔مجھے وہ چاقو میری کلائی میری سینے میں اتار دیں گے۔۔عابیر نے روتے ہوے ہچکی لیتے اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا۔۔

آپ میرا وار سہہ کر خاموشی سے واش روم چلے گئے۔۔جتنی دیر آپ واش روم میں رہے میں اتنی دیر اس چاقو کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتی رہی۔۔اپنا انجام سوچ لیا تھا بابرک کے بھائی تھے جو پیپر سپرے آنکھوں پر ڈالنے پر

مجھے موت کی سزا دے سکتا ہے۔۔ تو آپ تو بند کمرے میں یقیناً سزا کے طور پر میری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔۔

مگر جب آپ نے باہر واپس آکر صرف حق لینے کی بات کرتے مجھے بستر پر دھکیلا۔۔ عابیر خان کو اسی لمحے اسفندیار خان کے خاص ہونے کا احساس ہوا۔ اور بستر پر آپ کے بدن سے اٹھتی خوشبو آپ کے لمس آپ کی بے رحمانہ سرگوشیوں آپ کی گرم بانہوں سے عشق ہو گیا۔ کیونکہ عابیر خان اگر خاص تھی تو اسفندیار خان بھی خاص تھا جو حویلی کے مردوں سے الگ تھا۔ مگر آپ نے عام بننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔ جب آپ پوری طرح عام بن گیے تو عابیر خان پھر سے خاص بن گئی اور آپ عابیر خان کے دل سے اتر گئے۔۔ اور وہ خاص عابیر اب عام سے اسفندیار خان کو معاف

کرنے کو تیار نہیں۔ عابیر روتے ہوے اس کا گریبان جکڑے سسکتے ہوے بولی۔

اسفندیار خان تڑپتے ہوے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے اس کے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

عابیر سسکتے ہوے آنکھیں موند گئی تھی۔۔

اسفندیار خان جھکتے ہوے اس کی چادر سرکاتے اس کی گردن پر دانت گاڑھے اپنی شدت کی گہری سوغات دے گیا۔۔ عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے اسے دور جھٹکنے کی ناکام سعی کی۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے اس کے اگلے بٹن کھولتا وہاں پر جھکے اپنی بھرپور شدتیں دکھانے لگا۔۔ عابیر ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔۔ وہ بٹن دبائے اس کی سیٹ نیچے کیے اس پر اپنا وزن ڈالے ہوے اس کی گہرائیوں پر اپنے دانتوں سے جنونیت دکھانے لگا۔ عابیر

کے مچلنے پر وہ اس کے ہاتھ جکڑے اس کے کان کی لو کو دانتوں میں دبائے بے دردی سے کھینچ گیا تھا۔ عابیر کی سسکیاں گونج رہی تھی۔۔

عابیر نے سسکتے ہوئے بے یقینی سے دیکھتے اسے ضور جھٹکنے کی کوشش کی جو گاڑی میں یہ سب کچھ کر رہا تھا۔۔

اسفندیار خان نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے عابیر کی بھیگی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں

میرے لالا موت کے منہ سے واپس آئے ہیں۔ میں ذہنی جسمانی طور پر کیسا محسوس کر رہی ہوں آپ یہ سب کر کے مجھے مزید تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے چیخی تھی۔

تمھیں تکلیف پہنچانا میرا مقصد نہیں تھا مگر آج کے بعد میں تم پر اپنا کوئی حق نہیں جتاؤں گا۔ مگر اپنا حق کبھی ختم نہیں کروں گا۔۔ کیونکہ عابیر خان کا عشق اپنے عشق سے دستبرداری حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اسفندیار خان کا عشق حق ملکیت سے شروع ہو کر حق ملکیت پر ختم ہو جاتا ہے۔۔ تم پر اپنا حق ختم کرنے کا مطلب سانسوں سے جانا۔۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے میری سفاک پٹھانی۔۔ مجھے پہلی رات ہی تمھاری قربت سے عشق ہو گیا تھا۔ تم پر ظلم نہیں کیا خود پر کیا ہے۔۔ تمھیں خاص سے عام نہیں کیا تم خاص سے خاص اسفندیار خان کی زندگی میں ہو گئی۔

تمھارے لیے ان آنکھوں نے آنسو بہائے۔۔ جن آنکھوں نے کبھی کسی کے لیے آنسو نہین بہائے۔۔ سات مہنے ہر رات جلا ہوں تڑپا ہوں ۔۔ جدائی کا عذاب جھیلا ہے۔۔ تمھیں لے کر اتنا پوزیسو ہوں۔۔ تمھیں

تمھارا لالا بھی چھوتا ہے تو جل اٹھتا ہوں۔ وہ اس کے عارض پر ہاتھ جمائے سنجیدگی سے بول رہا تھا. عابیر روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی کبھی ایک پل کے لیے تم پر شک نہیں کیا۔ مگر تمھارے لبوں سے کسی غیر کا نام نہیں سن سکتا۔

معافی ڈیزرو نہیں کرتا میں۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ مرد کو خدا نے عورت کے معاملے میں ڈرنے کو کہا۔۔۔ اگر زاران نے بابرک کو مارا بھی تھا تمھیں بدلے کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ جب بیوی بن گئی میرے ساتھ بستر شئر کر لیا۔۔ اس کے بعد تو یہ میرا ایک چھوٹا عمل تھا۔ جس کی واقعی مین معافی نہیں بنتی۔۔ مگر میں واقعی میں ایک عام مرد بن گیا تھا۔ اور ایک عام مرد ایک خاص عورت کے قابل نہیں ہے۔۔۔ اسفند نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

میں خاص مرد نہیں ہوں۔۔ عابیر نہ کبھی بن سکتا ہوں خاص ہوتا تو تمھیں اب تک آزاد کر چکا ہوتا۔ جانتا ہوں خدا نے مردوں کو عورتوں کے معاملے میں عدل کرنے کو کہا۔۔ ایک عدل یہ بھی ہے جب عورت مرد کے ساتھ رہنا نہ چاہے تو مرد کو چاہیے اس عورت کو آزاد کر دے۔۔ مگر میں واقعی میں ایک کمزور مرد ہوں۔ جو اپنے سینے پر گولی او

اور اپنے بازو پر چاقو تو کھا سکتا ہے۔ مگر تمھیں آزاد نہیں کر سکتا۔ تم پر اپنا حق ختم نہیں کر سکتا۔۔ اگر تم ضد کرو گی تو میں اتنا عام بن جاؤں گا کہ تمھاری سانسیں چھیننے میں پل نہیں لگاؤں گا۔ وہ اب اس پر جھکے پر تپش سانسیں چھوڑتے غرایا۔ عابیر نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہچکی لی۔

الگ ہونے سے پہلے تمھیں اپنی شدتوں کی صورت میں تحف دینا چاہتا تھا۔ اس لیے تمھیں آخری بار چھو رہا ہوں۔

وہ سنجیدگی سے بولتے اس پر جھکے اس کے نچلے لب پر اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھ گیا۔ عابیر اس کی شرٹ جکڑے بری طرح سسک اٹھی تھی۔۔ وہ اس کے لبوں پر اپنی شدت خون کی بوند کی صورت میں دے کر پیچھے ہٹا۔۔

عابیر نے درد سے سسکتے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

مجھے اپنے لبوں پر تمھاری جنونیت بھی چاہیے۔۔ میرے سینے پر تمھاری دی ہوئی بے رحمی ہمیشہ رہے گی۔۔ مگر اپنے لبوں پر اپنی سفاک پٹھانی کی سفاکیت چاہیے۔۔۔ میرے لبوں پر اپنی سفاکیت دکھاتے مجھے کاٹو۔۔۔ عابیر اس کے برفیلے لہجے میں دیے گیے حکم پر حیرانگی اور خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس پر جھکے اسے اپنے حصار میں قید کیے ہوے تھا۔ اس کی جنونیت پر وہ خوفزدہ ہوتے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

کاٹو۔۔۔اسفندیار خان یکدن دھاڑا تھا۔عابیر اس کی دھاڑ پر بری طرح لرزی تھی۔وہ اس پذ جس طرح جھکا تھا اس کی سانسیں بند ہو رہی تھی۔۔ہمیشہ کی طرح وہ اپنا گھٹنہ اس کی ٹانگوں پر رکھے دباؤ ڈالتے اسے تڑپاتے سسکنے پر مجبور کر رہا تھا وہ اس کی بھاپ چھوڑتی سانسوں اور اس کے برفیلے لہجے پر بری طرح گھبرا گئی تھی۔

عابیر اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے کانپتے ہاتھوں سے اس کا گریبان جکڑے اس کے لبوں کو اپنے لبوں پر دبائے اپنے دانت گاڑھ گئی۔وہ اپنی شدت اس کے لبوں پر بڑھاتی جا رہی تھی۔۔وہ اپنا وزن اس پر ڈالے اس کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے ساتھ لگا گیا۔۔

عابیر اپنی شدت دکھا کر پیچھے ہٹنے لگی وہ مزید اسے خود کے ساتھ لپٹاتے اس کے بالوں کو جکڑ گیا تھا۔۔

وہ مزید سفاکی نہیں دکھا سکتی۔۔

عابیر نے مجبوراً کانپتے ہوئے اس کے لبوں پر مزید شدت دکھائی۔۔ اسفند یار خان کے حلق سے نکلتا خون اس کے حلق میں گھل رہا تھا۔ گر اسفند اسے دور نہیں ہونے دے رہا تھا۔۔ وہ اس کی کمر کو مٹھیوں میں اتنی زور سے بھرتا کہ مجبوراً عابیر کو اس کے لبوں پر شدت دکھانی پڑتی۔۔ اب عابیر کانپتے ہوئے بری طرح سسک رہی تھی۔۔ مگر وہ اسے چھوڑ نہیں رہا تھا۔۔ وہ اپنی شدت کم کرتی وہ اس کی دھڑکنوں اس کی کمر کو اتنی بے دردی سے چھوتا وہ اپنے دانت اس کے لبوں میں گاڑھے اپنی طرف کھنیچتی۔۔

عابیر اس کے ہونٹوں کو چھوڑے اس کے سینے کے ساتھ لگی شدت سے رو دی تھی۔۔وہ مزید سفاکی نہیں دکھا سکتی تھی

اسفندیار مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لپٹا گیا۔۔

اسفند نے اسے خود سے علیحدہ کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ روتے ہوئے اس کے ہونٹ پر گہرا زخم دیکھ رہی تھی۔

سفاک پٹھانی ہو تو اپنی سفاکیت پر قائم رہو۔۔یہ زخم کچھ نہیں اور نہ تمھارا رونے کا حق بنتا ہے۔۔مگر وعدہ ہے کچھ زخموں کی طرح اپنے اس زخم کو بھی کبھی بھرنے نہیں دوں گا۔اسفند اپنے ہونٹ سے نکلا خون اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے سپاٹ لہجے میں بولتے سیدھا ہوا تھا۔

سٹیرنگ پر ہاتھ جماتے وہ گہرے سانس لیتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھا۔۔ گاڑی میں عابیر کی سسکیاں گونج رہی تھی۔ اسفند نے لب بھینچتے بٹن پریس کیے اس کی سیٹ اوپر کرتے ڈرائیونگ سٹارٹ کی۔۔

اب وہ اس سے لاتعلق سا سرخ آنکھوں سے باہر دیکھتے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عابیر کی ہچکیاں ابھی بھی گاڑی میں گونج رہی تھیں۔۔

ارحام اپنے گولی لگے کندھے کو ہاتھ سے جکڑے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھ رہا تھا عابیر کو اسفندیار خان کے ساتھ آتا دیکھ کر وہ رکا تھا۔ عابیر ارحام

کو دیکھتے بھاگتے ہوے اس کے سینے کے ساتھ آن لگی تھی۔اس کے اس طرح سینے کے ساتھ لگنے پر ارحام خان کو اپنا کندھا درد سے جھنجھناتا محسوس ہوا۔ گولی ابھی تک کندھے میں تھی۔ کندھے میں اٹھتے درد کی وجہ سے اس کا پورا وجود درد سے چور تھا۔وہ ڈریسنگ کروانے ایمرجنسی روم کی طرف جا رہا تھا

لالا۔۔۔عابیر اس کے سینے سے لگی رو دی تھی۔

ارحام نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھتے اس کے سر پر لب رکھے۔وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔

لالا یہ کیسے ہو گیا؟؟ آپ نے کیسے یہ ہونے دیا۔۔ آپ کا تو وہ شیر تھا ناں پھر کیسے یہ ہو گیا؟؟ کہاں تھے آپ؟؟ کیسے میرے لالا کو اکیلا چھوڑ دیا۔۔عابیر

ارحام کے سینے سے لگے رو رہی تھی۔۔ارحام اپنی آنکھوں کی نمی پیچھے دھکیلتے اکے نرمی سینے سے لگائے ہوے تھا۔

لالا عابیر نے روتے ہوے ارحام کو دیکھا۔۔ارحام کی خون آلود شرٹ اور اس کے کندھے سے رستے خون کو دیکھتے عابیر تڑپ اٹھی تھی۔

لالا یہ کیسے ہوا؟؟عابیر نے کپکپاتی انگلیاں ارحام کے کندھے پر رکھیں۔

کچھ نہیں ہوا میری گڑیا۔۔ہلکا سا زخم ہے ابھی ڈریسنگ ہو گی ٹھیک ہو جائے گا۔ارحام نے گہرے سانس لیتے بمشکل کہا۔کندھے کی تکلیف اب نا قابل برداشت تھی۔۔

لالا آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔۔عابیر نے پریشانی سے کہا۔

لالا عابیر بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے آپ جلدی سے گولی نکلوائیں ورنہ انفیکشن پھیل جائے گا۔ اسفندیار خان نے آگے بڑھتے تشویس سے کہا۔

وہ میں کروالیتا ہوں۔۔ تم بھی ڈریسنگ کروالو گولی چھو کر گزری ہے۔۔ مگر اس کی ڈریسنگ ضروری ہے۔۔ ارحام نے اس کے بازو پر بندھے رومال کو دیکھتے جواباً گہری تشویشناک انداز میں کہا۔ اس کے لبوں پر گہرا زخم دیکھ کر اس نے سوال نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا یہ زخم کیسے آیا۔۔

ارحام کی بات پر عابیر کی نظریں بے اختیار اسفندیار کی طرف اٹھیں ۔ اسفندیار خان اس کے دیکھنے پر اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔۔

ارحام نے بغور عابیر کے تاثرات دیکھے ت جو نظریں جھکائے اپنے لب کاٹتے آنسو بہا رہی تھی۔۔

اسفند کے بازو کو گولی چھو کر گزری ہے وہ بہت تکلیف میں ہے۔۔ زاران کو بچاتے ہوے اس نے یہ گولی کھائی تھی۔۔ اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تھا خود پر گولی کھالی مگر اسے ایک آنچ نہیں آنے دی۔۔

زاران لالا۔۔۔ لالا کہاں ہیں وہ ٹھیک تو ہیں۔ عابیر زاران کا سنتے تڑپ اٹھی تھی۔۔

میں کیا کہہ رہا ہوں تم سے کہ اسفند نے زاران پر آنچ نہیں آنے دی ۔۔ شہرام زاران ٹھیک ہیں انھیں تمھاری ضرورت نہیں۔۔ اسفندیار خان کو تمھاری ضرورت ہے۔۔۔ جاؤ اس کے پیچھے جاؤ۔۔ اسے ڈریسنگ کرنے کا کہو۔۔۔ ارحام اسفند کا سرد چہرہ دیکھ کر سمجھ گیا تھا ان دونوں کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں. مجبوراً ارحام کو عابیر کے ساتھ سرد لہجہ اپنانا پڑ رہا تھا۔۔ وہ

زاران سگ بھی زیادہ اس سے ڈرتی ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ ڈرتی تھی وہ جانتا تھا۔اس لیے اس نے جان بوجھ کر اپنا لہجہ سخت کیا تھا۔

لالا مجھے شہرام لالا کے پاس جانا ہے۔عابیر نظریں جھکائے بھیگے لہجے میں بولی۔

عابیر میں بار بار ایک بات کہنے کا قائل نہیں ہوں۔شہرام کے پاس کسی کو بھی جانے کی آجازت نہیں ہے۔اس وقت اسفندیار کو تمھاری ضرورت ہے جاؤ اس کے پاس۔۔ارحام کا لہجہ اب اچھا خاصہ سخت ہوا تھا۔

ارحام کے سخت لہجے پر عابیر نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔

جاؤ۔۔ارحام نے سرد برفیلے لہجے میں حکم دیا۔۔

عابیر ارحام کے حکم پر اثبات میں سر ہلاتے اسفندیار کے پیچھے گئی۔۔۔ارحام دانت پر دانت جمائے ایمرجنسی روم کی طرف بڑھ گیا تھا

ارحام پرائیویٹ روم میں بیٹھا اپنی ڈریسنگ کروا رہا تھا۔

ڈاکٹر ندا اس کے پاس بیڈ پر بیٹھی ڈریسنگ کر رہی تھی۔۔سارا ٹریٹمنٹ ہی اس نے کیا تھا۔۔ڈاکٹر ندا اینگ اور کافی سٹایلش سی ڈاکٹر تھی۔وہ اچھی خاصی ماڈ بھی تھی۔

اپنی ڈریسنگ کروانے کے لیے ارحام خان کو اپنی شرٹ اتارنی پڑی تھی۔۔وہ اس وقت وائٹ سینڈو میں ملبوس تھا سینڈو بھی خون سے داغدار تھی۔۔

سر۔۔۔۔یہ سینڈو بھی اتار دیں تا کہ ڈریسنگ ٹھیک طرح سے کر سکوں۔۔ڈاکٹر ندا نے گہری نگاہوں سے ارحام کی سکس پیک چٹانی باڈی کو دیکھا ارحام کی پرسینلٹی سے وہ بری طرح مرعوب ہو چکی تھی۔۔رہی سہی کسر اس کے ایبس نے کر دی تھی۔۔

سارا ٹریٹمنٹ ہو چکا ہے۔۔صرف ڈریسنگ کرنا رہتی ہے۔۔ضرورت نہیں اور ویسے بھی میں خواتین کے سامنے شرٹ اتارنا پسند نہیں کرتا۔۔مجبوری تھی آپ سے ٹریٹمنٹ کروالی۔ورنہ کوئی غیر عورت مجھے ذرا سا چھوے مجھے یہ بھی پسند نہیں۔ارحام نے ڈاکٹر ندا کو سرد نگاہوں سے گھورتے ناگواری سے لفظ چبائے تھے۔۔

اس وقت میل ڈاکٹر اویلیبل نہیں تھا سارے ابھی بھی شہرام خان کی وجہ سے مصروف تھے۔اسے مجبورًا کسی فی میل ڈاکٹر سے ٹرٹیمنٹ کروانا پڑ رہا

تھا۔وہ کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا ڈاکٹر ندا اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔اس کے ہاتھ اس کے کندھے سے ہوتے کافی مرتبہ اس کے ایبس کو چھو گئے تھے۔۔وہ بمشکل ہی برداشت کر رہا تھا۔

ارحام کی بات پر ڈاکٹر ندا نے جاندار قہقہہ لگایا۔۔آئی لائک دس ایٹیٹیوڈ اگر مردوں میں ایٹیٹیوڈ نہ ہوں تو وہ مرد نہیں ہوتے میرے نزدیک۔۔۔آپ کی پرسنلیٹی پر غصہ بہت جچتا ہے۔۔آپ خان ہیں مجھے۔۔مجھے خان بہت پسند ہیں۔۔میرا کرش ہے خان۔۔۔ڈاکٹر ندا نے ارحام کی سیاہ پرکشش آنکھوں میں جھانکتے اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ رکھا اس سے پہلے ارحام اس کا ہاتھ جھٹکتا۔۔

حور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔۔ارحام نے ڈاکٹر ندا کا ہاتھ جھٹکتے ہوے اسے خود سے دور دھکیلتے حور کو تحیر سے دیکھا جو ڈارک بلو کلر کے

بہت خوبصورت سے سٹایلش سے عبایہ میں ملبوس تھی۔۔ اندر داخل ہوتے اس نے اپنا حجاب اتار دیا تھا۔ اب حجاب اس کے گلے میں پڑا تھا۔ براون سلکی چاکلیٹی بال اس کی کمر اور عارض پر بکھرے تھے۔۔

ارحام نے سرد شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھا جس نے جان بوجھ کر یہ حجاب اتارا تھا۔ کیوں اتارا تھا وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

ڈاکٹر ندا نے بیڈ سے اٹھتے حیرانگی سے اپنے سامنے کھڑی بے حد خوبصورت کم عمر لڑکی کو دیکھا جو سرد گلابی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ دونوں کا یہی حال تھا دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔

آپ کون ہیں؟؟ ڈاکٹر ندا نے حور کو دیکھتے پوچھا۔۔

میں کون ہوں؟؟۔۔حور اپنی دھڑکنوں پر انگشت شہادت رکھتے ارحام کو دیکھتے استھزائیہ ہنسی تھی۔

ارحام جبڑے بھینچے اپنی بے انتہا خوبصورت بیوی کو دیکھ رہا تھا۔۔جس کے چہرے پر جلن کی گہری رمک تھی۔۔

اس کے ہر انداز سے ظاہر تھا وہ ڈاکٹر ندا سے جیلس ہو رہی ہے۔

آپ کو خان بہت پسند ہیں۔۔پہلے ان کا تعارف سن لیں پھر میں اپنی تعریف کرواؤں گی میں کون ہوں۔حور نے مسکراتے ہوئے ارحام کی طرف اشارہ کیا۔

ارحام اس کے انداز اور اس کی بات پر اپنے لبوں پر انگلیاں جمائے مسکراہٹ چھپا گیا تھا مگر اپنی بیوی کی اگلی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ غائب ہوئی تھی

خان جو ہوتے ہیں ان کا ایک عورت سے گزارا نہیں ہوتا۔ دو شادیاں تو پکا کرتے ہیں۔۔ پہلی کے بعد دوسری دوسری کے بعد تیسری کے بھی چانسز ہوتے ہیں۔ وہ ارحام کو شرربار نگاہوں سے دیکھتے شعلہ بار لہجے میں بول رہی تھی۔

شادی کے بعد ایک خان کو دن رات ایک کام کرنے کے علاوہ کوئی اور کام ہوتا ہی نہیں۔۔۔۔ حور کی بات پر ارحام کی رنگت اب سرخ ہوئی تھی۔۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔

ڈاکٹر ندا نے حور کی بات پر الجھن بھری نگاہوں سے حور کو دیکھا۔

رومانٹک بہت ہوتے ہیں۔۔ان کا رمانٹک موڈ دن رات آن رہتا ہے۔۔حور نے ارحام کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔۔

ہاؤ سویٹ۔۔۔۔ آئی ایم ایمپریسڈ۔۔۔۔۔ڈاکٹر ندا نے ارحام کو مسکراتے ہوے دیکھا۔۔

ہاؤ سویٹ۔۔۔۔۔۔ نہیں ہاؤ چیپ۔۔۔۔ حور مزید سلگی تھی۔۔

خان اپنی عورت کو سات پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے مگر خود دوسری عورتوں کو گود میں بڑھائے ڈریسنگ کرواتا ہے۔۔

حور نے ارحام کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے طنز کیا۔

ارحام نے گہرا سانس لیتے اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھا تھا جو جیلسی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔وہ کبھی اس کے لیے جیلس ہو گی وہ سوچ نہیں

سکتا تھا۔۔اس کا جیلس ہونا مزا بھی دے رہا تھا مگر وہ اس جیلسی میں اسے خود سے دور کرتی تھی وہ اسے بری طرح چبھتا تھا۔یقیناً وہ اس کے زخمی ہونے کا سن کر صرف اس کی وجہ سے ہاسپٹل آئی تھی۔ مگر ڈاکٹر ندا کو اس کے قریب دیکھ کر وہ صرف جیلس ہو رہی تھی اس کا زخمی کندھا اس کی کنڈیشن بھی بھول گئی تھی.

Why are you looking so surprised? The man sitting in front with the enchanting personality is my possession.

ایسے حیران کیوں ہو رہی ہو؟؟یہ جو تمھارے سامنے سحر انگیز (پرسنیلٹی والا آدمی بیٹھا ہے وہ میری ملکیت ہے

حور انگلش ایکسنٹ میں لفظ چباتے بولی۔

جی۔۔۔ڈاکٹر ندا نے۔۔ حیرانگی سے ارحام کو دیکھا

وہ میرے شوہر ہیں۔۔۔میں ان کی سیکنڈ وائف ہوں۔۔ تیسری کی گنجائش نہیں ورنہ آپ کا نمبر ضرور لگتا۔۔۔حور ندا کو شرربار نگاہوں سے گھورتے لب سکوڑتے طنزیہ مسکرائی۔۔

حور کے تعارف پر ڈاکٹر ندا کی رنگت توہین و خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

ایکسکیوزمی۔۔۔۔ڈاکٹر ندا حور کی آنکھوں میں شرارے پھوٹتے دیکھ کر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئ تھیی۔

حور ارحام کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے اپنا حجاب سر پر اوڑھتے اپنا نقاب کیا تھا۔ارحام بیڈ سے ٹیک لگائے محظوظ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ارحام کو گھورتی دروازے کی جانب بڑھی۔۔ اسے باہر جاتے دیکھ کر وہ بیڈ سے اٹھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھتے دروازے کو لاک لگائے اسے کمر سے تھامے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کا نقاب اتارے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔

درخزئی یونیفارم میں ملبوس حویلی داخل ہوا تھا۔ وہ ڈیوٹی سے سیدھا حویلی آیا تھا۔ شہرام خان کے کیس کو وہی دیکھ رہا تھا۔ خزر خان اور اس کے آدمیوں کی موت پر اس نے ارحام اور زاران کے بیانات قلمبند کیے تھے۔۔

اب وہ حویلی آیا تھا۔ وہ نیم اندھیرے میں آگے بڑھ رہا تھا کہ کسی سے زور دار تصادم ہوا۔۔

اس سے پہلے وہ نازک وجود اس سے ٹکراتے زمین بوس ہوتا وہ اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی کستوری خوشبو اسے پل میں مدہوش کر گئی تھی۔

بدن کی نازکی اس کے چٹانی سینے سے مس ہوئی تو اس کا دل زوروں سے دھڑک اٹھا تھا۔ حالت پل میں بری ہوئی تھی۔ وہ گھبراتے ہوئے اسے خود سے دور کر جھٹک گیا۔۔۔

وہ نازک وجود پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔ اس سے پہلے وہ گرتی وہ اسے کمر سے تھامے پھر سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

اس کی گہری شہد رنگ آنکھوں کو دیکھ کر وہ مسمرائز ہوا تھا۔ وہ بلیک فل نائٹ سلک گاؤن میں ملبوس تھی۔ سیاہ سلکی بال کھلے ہوئے تھے. دودھیا رنگت تیکھی چھوٹی سی ناک گلابی عارض وہ بے انتہا خوبصورت تھی۔ درخزئی

خان کی دھڑکنوں میں انتشار بھرپا ہوا تھا۔سب سے بڑھ کر اس کے بدن سے اٹھتی کستوری خوشبو اسے اپنے حواصوں پر چھاتی محسوس ہوئی تھی۔۔

حویلی میں وہ اس لباس میں بغیر کسی چادر کے اس کے سامنے کھڑی تھی ۔۔وہ تحیر زدہ ہوا تھا۔۔حویلی میں عورت کا ایسے بغیر کسی چادر کے ہونا بہت عجیب بات تھی۔

عنائیہ اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ہوے سرخ و سفید رنگت والے چٹانی وجود والے بھرپور مرد کو دیکھ رہی تھی۔جو اپنی سیاہ آنکھوں سے اسے گہری بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

وہ اس کی سرخ و سفید رنگت اور چوڑی باڈی دیکھ کر کچھ حد تک اندازہ لگا چکی تھی۔۔وہ ان خانزادوں میں سے ایک خانزادہ ہے۔۔اسی لیے اس کے بدن

کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔وہ کسی خانزادہ کی بانہوں میں ہے وہ شدید خوفزدہ ہوئی تھی۔

درخزئی اس کی شہد رنگ آنکھوں میں خوف اور اس کے بدن کی کپکپاہٹ دیکھتے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا.

26 سال کی عمر میں یہ پہلی مرتبہ تھا وہ کسی صنف نازک کو ایسے چھو رہا تھا یا کسی کے قریب گیا تھا۔یہ ایک بے اختیاری عمل تھا ۔۔وہ خود پر قابو نہیں پا رہا تھا۔اس کے بدن سے اٹھتی کستوری خوشبو اسے مدہوش کر رہی تھی.

عنائیہ نے گھبراتے ہوے اسے خود سے دور کیا وہ اس کی کمر پر مزید مضبوطی سے حصار قائم کر گیا تھا

Who r u??

عنائیہ نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوے اس کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

میں ایس پی درخزئی خانزادہ۔۔۔۔ درخزئی نے اس کے گلابی لبوں کو فوکس کرتے کہا۔ جب اس نے who کہہ کر اپنے لبوں کا پاؤٹ بنایا تو درخزئی کو پتہ نہیں کیوں اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا تھا۔

خا۔۔۔۔ خا۔۔۔۔ خان۔۔۔۔۔۔ زادہ۔۔۔۔ خا۔۔۔ خان۔۔۔۔۔۔ عنائیہ کے لبوں کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی سراسیمگی بڑھی تھی

درخزئی حیرت و استعجاب سے میں اسے دیکھا جو بقایہ اب اس کی بانہوں میں کانپنا شروع ہو چکی تھی۔

کیا ہوا ایسے کانپ کیوں رہی ہو؟؟ درخزئی نے اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے پریشانی سے پوچھا۔ وہ تو بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔۔ وہ سچ میں پریشان ہوا تھا۔ اس کی پرسنیلٹی اچھی خاصی تھی. کوئی لڑکی اسے دیکھ کر اپنا دل ہار سکتی تھی مگر ایسے خوفزدہ نہیں ہو سکتی تھی۔۔ اس لیے اس کی آنکھوں کی الجھن بڑھی تھی۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ خا۔۔۔۔ خان۔۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔ الرجی ۔۔ ہے۔۔ جیسے۔۔۔ لوگوں۔۔ کو۔۔۔۔ کچھ.. چیزوں سے۔۔ ہوتی ۔۔۔ ہے۔۔۔۔ کھانے وغیرہ سے۔۔ ویسے۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ خان۔۔۔۔ خانزادوں سے الرجی ہے۔۔ عنائیہ نے درخزئی کی گہری بے باک نگاہوں میں دیکھتے گھبراتے ہوے بولتے اس سے دور ہونا چاہا۔۔

وہ حیران ہوتے اسے خود سے پھر سے قریب کر گیا تھا پتہ نہیں کیوں اس کا دور جانا پسند نہیں آیا تھا۔۔

اس کی بات سنتے وہ حیران بلکہ پریشان ہوا تھا۔ اسے خانزادوں سے الرجی یہ کیسی بیماری تھی جو اس نے آج تک سنی نہیں تھی۔۔

درخزئی اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی صنف نازک کو ٹچ کیا تھا۔ پہلی مرتبہ ہی صنف نازک اس کے سینے سے ایسے ٹکرائی تھی۔۔ درخزئی کی دھڑکنیں بری طرح منتشر تھیں۔۔ اس کی نگاہوں کی بے باکی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ ندیدوں کی طرح نگاہوں سے اس کا اچھا خاصے ایکسرے کر رہا تھا۔۔

درخزئی کو ایسے یکھتے پا کر عنائیہ کے سچ میں پسینے چھوٹے تھے۔۔ خانزادوں کے عشق سے وہ واقف تھی۔۔ حویلی کا ہر خانزادہ عشق میں کتنا سفاک تھا وہ

جانتی تھی۔۔۔اسے کسی صورت کسی خانزادہ کب جنون نہیں بننا تھا۔

۔درخزئی کے دیکھنے کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ محترم کو کچھ کچھ عشق ہو بھی چلا ہے۔۔

آپ۔۔۔۔کو۔۔۔۔کہیں۔۔۔۔مجھ۔۔۔۔سے۔۔۔۔محبت۔۔۔۔تو ۔۔۔۔نہیں ہو۔۔گئی۔۔ممم میرا مطلب ہے لو اینڈ فرسٹ سائیڈ۔۔۔

درخزئی کی گہری بے باک آنکھوں میں گہرائی اور بے باکی دیکھتے اس نے گھبراتے ہوے وہ سوال کر ڈالا جو وہ پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔

محبت۔۔۔لو اینڈ فرسٹ اینڈ درخزئی کے لفظوں نے آہستگی سے لفظ دہرائے تھے۔وہ پہلی ملاقات میں یہ سوال کرے گی وہ تحیر زدہ ہوا تھا۔وہ سچ میں الگ تھی۔۔

محبت نہیں عشق۔۔۔۔وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بھاری لہجے میں مسکراہٹ دبائے بولا۔۔اسے صرف اس کے ایکسپریشن دیکھنے تھے۔

عشق۔۔۔۔عنائیہ کی آنکھیں خوف سے مزید پھیلتی پھٹنے کی حد تک کھلی تھیں۔

درخزئی اب اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا وہ کچھ الگ سی تھی۔۔اس نے اس کی توقع کے عین مطابق ایکپریشن دیے تھے۔وہ اپنے لبوں کو سکیڑ کر پاؤٹ بنا چکی تھی۔وہ بار بار ایسے ہی کر رہی تھی۔اور اس کے لبوں کا پاوٹ اسے بہت اٹریکٹ کر رہا تھا۔۔کچھ شرارتیں کرنے کو دل کر رہا تھا۔

آپ کو مجھ سے عشق نہیں ہو سکتا۔۔وہ دائیں بائیں سر ہلاتے ہوے جلدی سے بولی۔

کیوں نہیں ہو سکتا؟؟ درخزئی اس کی کیوٹ سی حرکتوں پر مسکراہٹ دبا گیا

۔۔

میری فزیک پر مت جائیں۔۔۔ مم میں صرف 16 کی ہوں۔۔ عنائیہ نے

لب پھیلائے خود کی طرف اشارہ کیا۔

رئیلی لگتی نہیں ہو۔۔۔ اٹھارہ بیس کی لگتی ہو۔۔ کیا کھاتی ہو تم؟؟ درخزئی

اس نشیب و فراز پر اپنی بے باک نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔

درخزئی کی بے باک نگاہوں اور اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے عنائیہ

کان کی لوؤں سے لے کر گردن تک سرخ ہوئی تھی۔

خانزادے اتنے ہی بے باک تھے اسے پتہ تھا۔۔۔ ابرش نکاح سے پہلے بہت بار زاران کی بے باکی کا ذکر کر چکی تھی۔۔ مگر اس حد تک بے باک ہوں گے یہ آج اندازہ ہوا تھا یہ تو بے باکی کا نیکسٹ لیول تھا۔

اس نے توہین و خجالت سے سرخ پڑتے اس کے چٹانی سینے پر دونوں ہاتھ مارتے خود سے دور دھکیلا۔

اے مسٹر۔۔۔ میں عنائیہ پاشا ہوں۔۔۔ امریکہ کی سٹی زن۔۔۔۔

اپنی بے باکی اپنے تک رکھو۔۔ بھول جاؤ تمھیں کبھی میں اپنا مسٹر بناؤں گی۔۔ مجھے خانزادوں سے الرجی تو ہے ہی ساتھ میں مجھے ایک خطرناک بیماری ہے۔۔ میں اپنے قریب آنے والے مردوں کو جان سے مار ڈالتی ہوں۔۔ امریکہ میں بہت سے مردوں پر حملہ کر چکی ہوں۔۔ مجھے اپنے نکاح میں لے کر کچھ نہیں ملے گا تمھیں۔۔ میں تمھیں تمھارا حق کبھی نہیں دوں

گی۔۔ عنائیہ بنا سوچے سمجھے بول رہی تھی۔ زاران کو بھی ابرش سے ایسے ہی محبت ہوئی تھی وہ اسے کیسے اپنے نکاح میں لے کر رہا تھا۔ وہ درخزئی خان سے سچ میں ڈر گئی تھی۔۔۔ اسے کبھی کسی صورت میں مسز زخانزادہ نہیں بننا تھا۔

اور حق کی باتیں بھی وہ اس حویلی کی عورتوں کے لبوں سے بہت بار سن چکی تھی۔۔ اسے پتہ تھا حویلی کے خانزادوں کو نکاح کے بعد سب سے زیادہ دلچسپی حق لینے میں ہوتی ہے اس لیے درخزئی کو ڈرانا چاہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا وہ اس سے آدھی ادھوری محبت کر بھی بیٹھا تھا۔

درخزئی حیرانگی سے عنائیہ کی باتیں سنتے اپنے لبوں پر انگلیاں رکھے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ کچھ کچھ سمجھ آچکی تھی محترمہ خانزادوں سے الرجک نہیں خانزادوں سے ڈرتی ہیں۔

کیوں؟؟وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا۔زاران خانزادہ کی سالی تھی۔اتنا خطرناک منتقم مزاج جس کا بہنوئی ہو اس کا ڈرنا خانزادوں سے بنتا ہی تھا۔اسے زاران خانزادہ پہ بہت غصہ بھی آیا تھا جو اس کا کام بننے سے پہلے بگاڑ چکا تھا۔اسے سچ میں عنائیہ دل و جان سے پسند آچکی تھی۔۔اور وہ پہلی ملاقات میں اسے اپنا بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔۔اس کی عمر کو لے کر پریشان ہوا تھا۔مگر وہ سچ میں 16 کی نہیں اٹھارہ بیس کی لگتی تھی وہ اتنی پرکشش اور خوبصورت تھی اور فزیکس تو سب سے کمال تھی۔۔وہ اس ء کے وجود پر گہری بے باک نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

وہ اب مزید تنہا نہیں رہ سکتا تھا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔۔جوانی کے پرزور تقاضے اب اسے سردیوں کی گہری راتوں میں ستانے لگے تھے۔۔مگر مقابل سولہ سال کی تھی وہ پرشان تھا

عنائیہ ڈرخزئی کو اتنی بے باکی سے گھورتے دیکھ کر اسے جوابًا گھورتے ہوے پلٹی ہی تھی وہ اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ پلٹے اپنے قریب کر گیا وہ اس کے چوڑے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔ عنائیہ کے لب اس کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے۔۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے میں گھلی تھیں۔

مس عنائیہ ابرش پاشا۔۔ میں درخزائی خانزادہ ہوں مجھے بھی ایک بیماری ہے اول تو میں کسی کو دل دیتا نہیں۔۔ جس کو دے دوں اس کی سانسیں اپنے نام کروا کر ہی دم لیتا ہوں۔۔ آج سے بلکہ ابھی سے تمھاری ہر سانس پر درخزئی لکھا جا چکا ہے۔۔ بہت جلد تمھیں اپنے نام کروالوں گا۔۔ وہ عنائیہ کے گلابی لبوں کے پاؤٹ کو اپنی گہری نظروں کے حصار میں لیے بولا۔۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔۔ سولہ۔۔۔ کی۔۔۔ ہوں۔۔ عنائیہ نے کپکاتے لبوں سے بولتے اسے اپنی عمر دوبارہ بتائی۔۔

اس کی بات پر درخزئی کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔۔

کبھی تو اٹھارہ کی بھی ہو گی۔ درخزئی اپنی مسکراہٹ دبائے بولا۔۔

اس کی فضول سی بات اور نظروں کی بے باکی پر غصے سے عنائیہ کے لبوں کا پاؤٹ پھر سے بنا تھا۔

اس کے لبوں کا پاؤٹ دیکھ کر درخزئی کا دل کچھ عجب سی گستاخی کرنے کو چاہا تھا۔۔

چلو ایک ڈیل کرتے ہیں۔ تم میرے نام ہو جاؤ جب تک تم اٹھارہ کی نہیں ہو جاتی۔ میں اپنا حق نہیں لوں گا۔ مگر بے باکیاں شرارتیں خوب گہری کروں گا۔۔ تاکہ تم اٹھارہ کی ہونے سے پہلے ہی مجھے میرا حق خود دے دو۔ اور یقین مانوں اتنی خوبصورت گستاخیاں بے باکیاں کروں گا۔۔ تم خود مجھے

فورس کرو گی کہ میں تمھیں تمھارا حق دوں۔ درخزئی اسے بے باکی سے گھورتا بے باک بھرے جملوں سے اس کی رنگت سرخ قندھار کر گیا تھا۔۔

وہ سچ میں انتہائی بے شرم بے باک خانزادہ تھا۔ اتنی فضول باتیں کوئی مرد اس سے کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔ عنائیہ کی رنگت آنار کی طرح دہک رہی تھی۔۔

درخزئی اپنی ہلکی گھنی بئرڈ پر ہاتھ پھیرتے اس کے حد سے زیادہ سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کی بے باکی ہینڈل نہیں کر پائی تھی۔۔ درخزئی خود حیران تھا وہ کیسے کسی لڑکی سے اتنی بے باک گفتگو کر سکتا تھا مگر مقابل کو دیکھ کر ہر حد پار کرنے کو دل کر رہا تھا۔

ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔اس سے پہلے میں خود کشی کر لوں گی۔۔ مگر کبھی ایک خان کی بیوی نہیں بنوں گی۔۔ عنائیہ اس کی باتوں پر سرخ پڑتے گہرا سانس لیتے مستحکم لہجے میں بولتے اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔۔

اب وہ گہرے سانس لیتے اسے سرخ چہرے کے ساتھ دیکھ رہی تھی جس کی بے باکی اس کے چودہ طبق روشن کر چکی تھی۔۔خانزادوں سے پہلے سے بھی زیادہ نفرت ہوئی تھی۔۔اور مقابل سے تو حد سے زیادہ ڈر لگا تھا۔وہ اس کے لفظوں کی بے باکی سہہ نہیں پائی تھی تو اس کا قریب آنا کیسے سہن کر پائے گی

۔

ایسا ہی ہو گا دیکھتی جاؤ مس عنائیہ پاشا۔۔۔اس حویلی میں کچھ دنوں میں تمھارے اور میرے نکاح کی تقریب ہو گی۔۔ تم مجھے جانتی نہیں آخر زاران خانزادہ کا دوست ہوں۔۔اسی جیسا منتقم بے باک خانزادہ۔۔۔اور تمھیں سچ

میں خانزادوں سے ڈرنے کی اب ٹھوس وجہ دوں گا۔۔اس طرح رومانس کروں گا جس طرح تمھارے امریکہ میں بھی نہیں ہوتا۔ درخزئی اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا۔۔

گوٹو ہیل۔۔۔تم سے نکاح سے پہلے ہی میں اس حویلی سے بھاگ جاؤں گی۔۔عنائیہ شدید سرخ پڑتے دھمکی امیز لہجے میں بولی۔۔۔عنائیہ کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا قتل کر دے۔۔وہ اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچ گئی۔

اس کی بھنچی مٹھیاں دیکھتے درخزئی کا بھاری قہقہ گونجتا حویلی کے درودیوار ہلا گیا تھا۔

ایسا نہیں ہو سکتا میں زاران خانزادہ سے زیادہ خطرناک ہوں۔ درخزئ اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بولتے ہوے اس کی تیکھی ناک کو بھی سرخ کر گیا تھا۔

وہ اب گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

درخزئی گہری نگاہوں سے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہا تھا جو گلاب کی طرح سرخ تھا۔

عنائیہ اسے گھورتی ہوئی بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔۔

ہائے۔۔۔۔درخزیی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر آہ بھر گیا تھا۔۔

پسند بھی کون آئی اس کمینے کی سالی۔۔اب اسے منہ لگانا پڑے گا۔۔درخزئی اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے زاران کو کیسے کنوینس کرنا ہے یہ سوچتے حویلی میں موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

ارحام حور کی طرف بڑھتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے چہرے پر جھکے اس کے نچلے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کرتے اس کی سانسوں پر بری طرح قبضہ جما گیا تھا۔

حور نے اسے خود سے دور کرتے بے دردی سے اس کے سینے پر مکہ مارا..

آہہہ۔۔۔ارحام حور کو چھوڑتے اپنا کندھا جکڑ گیا حور کے بے دردی سے مکہ مارنے پر ارحام کو اپنا کندھا درد سے جھنجھناتا محسوس ہوا۔

کیا ہوا ارحام؟؟۔۔۔حور نے ارحام کے ڈریسنگ کیے ہوے کندھے پر تڑپتے ہوے ہاتھ رکھا تھا۔۔

ارحام اپنی مسکراہٹ دبائے اس کے خوبصورت چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا جہاں اس کی تکلیف پر واضح تڑپ تھی۔۔اس کی تڑپ دیکھتے ارحام

کو اپنا درد غائب ہوتا محسوس ہوا۔ مقابل اس کے لیے تڑپے گا یہ ارحام خانزادہ کے لیے ناقابل یقین تھا۔

وہ پھر سے خود پر اختیار کھوتے اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کے لبوں پر جھکے اس کی لبوں کو اپنی شدت سے سرخ کرنے لگا۔ اسے اس وقت اس کی ضرورت تھی جتنی وہ تکلیف میں تھا اسے اپنی بیوی کی قربت اس کا لمس اس کی دھڑکنیں اپنے سینے میں بجتی چاہیے تھیں۔۔

وہ اس کا سکون اس کا عشق اس کی زندگی تھی۔۔ ہر درد کا علاج اس نازک وجود کے پاس ہی تو تھا۔

ارحام اس کے لبوں کو بے دردی سے کھینچنے لگا۔

حور بہت نرمی سے ارحام کے سینے پر ہاتھ رکھے اس کی شدت برداشت کرنے لگی۔ ارحام زخمی تھا کندھے پر گولی لگی تھی وہ اسے خود سے دور نہیں جھٹک سکتی تھی۔

اس لیے وہ اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی

۔۔

حور کی فرمانبرداری پر ارحام خانزادہ کی شدت اس کے لبوں پر بتدریج بڑھ رہی تھی۔۔ وہ بہت دیوانگی سے اس کی سانسیں پیتے اس کے لبوں کو قندھاری کر رہا تھا۔

حور اس کی دیوانگی بھری شدت پر سسک کر رہ گئی تھی۔۔ اس کی بڑھتی شدت پر اس کی سانس گھٹ رہی تھیں۔۔ لبوں پر جلن بڑھتی جا رہی تھی۔ اور مقابل کی شدت کے ساتھ اس کی بے باکیاں بھی بڑھتی جا رہی

تھی۔۔وہ اس کے لبوں سے لپٹے اس کی دھڑکنوں کو بے باکی سے ایک ہاتھ سے چھوتے دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر بے باکی سے پھیرتے اس کی کمر کو مٹھیوں میں بھر رہا تھا۔حور کی سسکیاں بڑھ رہی تھی۔وہ اس کی کمر پر دباؤ ڈالتے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔۔اس کی سسکیاں اسے مدہوش کر رہی تھیں۔اس پر خماری چھا رہی تھی۔۔

حور اس کی اتنی شدت پر بھی اسے خود سے دور نہیں جھٹک رہی تھی وجہ آج مقابل کا ڈر نہیں اس کی تکلیف تھی وہ اسے کسی صورت درد نہیں دے سکتی تھی۔۔

حور کی سپردگی اور فرمانبرداری اور اس کی دبی دبی سسکیاں اسے سچ میں مدہوش کر رہی تھیں۔۔وہ کتنی تکلیف میں غم میں ہے وہ بھول چکا تھا۔۔وہ

سچ میں اس کا سکون اس کی جان تھی جسے اپنی بانہوں میں لیتے وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔

ارحام اسے کمر سے تھامے بیڈ کی جانب بڑھنے لگا۔ اس دوران اس کے لبوں کو آزاد نہیں کیا تھا۔

حور کے قدم پیچھے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ اس کے لبوں سے لپٹے بیڈ کی جانب بڑھتے اسے نرمی سے بیڈ پر دھکیل گیا۔۔

حور اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو شائض یہاں بھی اس سے رومانس کرنے والا تھا۔ نہ اپنی حالت دیکھ رہی تھا نہ جگہ دیکھ رہا تھا۔۔ حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔ وہ رومانس کے معاملے میں اس کی پرواہ آخر کیوں نہیں کرتا تھا۔

وہ اس پر جھکتے بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا۔۔۔

حور اس کی خون آلود سینڈو جکڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ مسکراتے ہوے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

جو مجھے چاہیے تھا وہ مل گیا میرا سکون تمھاری اتنی سی قربت میں بھی ہے

۔۔ارحام نرمی سے کہتے اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھ گیا۔

وہ بہت نرمی سے اس کے عارض پر ہاتھ پھیرتے اس کے سلکی بالوں کو

دیوانوں کی طرح لبوں سے چھو رہا تھا۔۔

بہت نرمی سے اب اس کے لبوں کا رخ اس کے چہرے کے نقوش پر تھا۔وہ

نرمی سے اس کے ایک ایک نقش کو چھوتے حور کی بے ترتیب سانسوں کو

مزید الجھا گیا تھا۔ وہ جب جب اس کے نقوش کو دیوانوں کی طرح اپنے لبوں سے جھلساتا اس کی سانسیں ایسے ہی گہری ہوتی تھیں۔

حور اس کی دیوانگی اپنے نقوش پر برداشت کرتے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کر رہی تھی۔۔

وہ اس کے اوپر سے ہٹتے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے حور کے نازک وجود کو بہت نرمی سے اپنے ساتھ لپٹائے اس کا سر اپنے دائیں کندھے پر رکھتے آنکھیں موند گیا۔

حور نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھتے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے گہرے سانس لے رہا تھا۔ جس کے چہرے پر تکلیف کے اثار تھے۔۔ صاف معلوم ہو رہا تھا وہ اپنے کندھے میں لگی گولی کی وجہ سے کافی درد میں ہے۔۔

حور اس کے چہرے کے وجیح نقوش کو دیکھتے بہت نرمی سے اپنی انگلیاں اس کے ہلکی گھنی عارض پر جما گئی تھی۔۔

ارحام مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑے اسے اپنے لبوں کے ساتھ لگا گیا تھا۔۔ حور اس کی حرکت پر گلابی ہوئی تھی۔۔ وہ اب آنکھیں بند کیے اس کی فنگرز کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

حور نے اسے دیکھتے نروٹھے انداز میں اپنا ہاتھ کھینچا۔ وہ اس حالت میں بھی اسے پیار کر رہا تھا۔۔ اپنے کندھے کو اٹھتے درد کو برداشت کیے اسے جیسے پیار کر رہا رہا تھا اپنی اہمیت سے واقف تھی اس کا شوہر اس کے لیے پاگل دیوانا ہے۔۔ جو کسی بھی سچویشن میں اسے چھوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اس کی کمزوری تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔

ارحام نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ اسے نروٹھے انداز میں دیکھتے منہ پھیر گئی تھی۔۔اس کی ادا پر ارحام کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔جب جب اسے وہ نرمی سے چھوتے اس کے ذرا سے ناز نخرے اٹھاتا تھا۔وہ ایسے ہی بیہیو کرتی تھی۔۔ارحام اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے اس کے چہرے پر بکھری لٹیں کان کے پیچھے اڑس گیا تھا۔

حور نے اس کی آنکھوں میں نروٹھی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔

ناراض مجھے ہونا چاہیے۔۔ایسا کرتی ہیں بیویاں۔۔شوہر کو گولی لگی ہو اور بیوی خود ہی ناراض ہو کر بیٹھ جائے۔۔ارحام نے اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ دبائی تھی۔۔اسے کبھی اس سے کسی بھی بات سے کوئی گلہ نہیں ہو سکتا تھا۔وہ صرف اس کے قریب اس کی دھڑکنوں کے پاس رہے چاہے

اس کی جان لے لے اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔۔وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اسے صرف ستا رہا تھا جہاں ہنوز ناراضگی برقرار تھی۔۔

مجھے نہیں پتہ بیویاں کیا کرتی ہیں؟؟جب شوہر کو گولی لگی ہو۔۔۔کیونکہ بیویوں کے بارے میں آپ کو زیادہ تجربہ ہے۔۔شائد گل ہوتی وہ آپ کی بہتر خدمت کر سکتی تھی۔۔

حور نظریں جھکائے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔۔

روزینہ خانم کی باتیں اسے ابھی بھی گھایل کی ہوئیں تھیں۔وہ گل سے محبت کرتا تھا کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔وہ جب یہ سوچتی اسے ارحام کی زندگی میں اپنا کوئی مقام نہیں لگتا تھا۔۔اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا مقابل نے اس کے علاوہ بھی کبھی کسی کو چاہا ہے۔۔کوئی اس کی کمزوری رہا ہے۔۔اس کے دل میں بھانبھڑ جل رہے تھے۔۔

ارحام اس کی لرزتی پلکوں پر شبنم کی بوندیں دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کوئی ایک آنسو بھی دے گوارانہ تھا۔

کیا ہوا ہے۔۔ حویلی میں کچھ ہوا ہے کسی نے تمھیں کچھ کہا گل کے حوالے سے۔۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں سے نرمی سے آنسو چنتے اس نے غصے سے سرد لہجے میں پوچھا۔۔ یہ بات تو روز آول کی طرح عیاں تھی اسے کوئی کچھ بھی کہنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ اب تو ایسا کوئی سوچتا بھی وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا

آپ گل کو میرے جتنا مقام دیتے تھے۔۔ ایسے ہی پا گل تھے اس کے لیے جیسے میرے لیے ہیں۔۔ پھر اس کے اور میرے مقام میں کیا فرق ہے ؟؟۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

اس کے سوال پر وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ جتنا گل کا ٹاپک اپنے اور اس کے درمیان نہیں چاہتا تھا وہ اتنا ہی اس کو اپنے اور اس کے درمیان لے آتا تھا۔ اسے تو گل کے نام سے بھی نفرت تھی یا شائد نفرت بھی نہیں رہی تھی۔۔ وہ تو کوئی اہمیت رکھتی ہی نہیں تھی۔۔ اور اس کی کم سن خوبصورت بیوی ہر وقت اسے سوچتے رہتی تھی۔۔

میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو تمھیں اپنا مقام خود معلوم ہو جائے گا۔ ارحام نے اس کا ہاتھ اپنی دھڑکنوں پر رکھا جو شدت سے دھڑک رہی تھیں۔۔ حور نے گھبراتے ہوے اپنا ہاتھ کھینچا چاہا وہ اسے سختی سے جکڑے اپنے دل پر سختی سے جما گیا تھا۔۔ سچ میں اس کی دھڑکنیں بہت بے ترتیبی کے دھڑک رہی تھیں جیسے ابھی دھڑک کر باہر آجائیں گی۔۔

حور گل سے میں نے محبت کی شادی کی تھی۔۔ میں اس بات سے میں مکروں گا نہیں۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے نرمی سے بول رہا تھا حور نے سسکی بھرتے اس کے مضبوط ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا وہ اسے سختی سے تھام گیا تھا۔ نہ موقع تھا نہ دستور وہ ایسی باتیں کرتا مگر اپنی بیوی کے آنسو اسے بری طرح مشتعل کر گئے تھے۔۔ اسے سب کچھ اس پر واضح کر کے اس کی تکلیف دور کرنی ہی تھی۔۔ وہ اس طرح جلے اسے گوارا نہ تھا۔

وہ محبت کی شادی تھی یا صرف میری پسند تھی۔۔ میں نہیں جانتا۔۔ میں اس وقت 25 کا تھا وہ 22 سال کی تھی.۔۔ مجھے شادی کرنی تھی اور اپنے ہی خاندان میں کرنی تھی امیریکہ سے پڑھ کر آنے کے بعد اور اتنا بڑا بزنس سنبھالنے کے باوجود بھی میرا کوئی بہت اونچا سٹینڈرڈ نہ تھا۔ مجھے صرف ایسی لڑکی چاہیے تھی جو میرے ساتھ چل سکے۔۔ مجھے سمجھ سکے۔۔۔ میرے

خاندان کو اپنا سکے۔۔وہ صرف مجھے ہی نہیں مورے کو بھی بہت پسند آئی تھی۔۔میرے ایک مرتبہ مورے کو بتانے پر وہ گل سے میرا رشتہ پکا کر آئیں۔اور کچھ ہی مہینوں میں وہ میری بیوی تھی۔۔مجھے نہیں پتہ تھا بے قراری تڑپ کیا ہوتی ہے۔۔کسی کے لیے رات رات بھر تڑپنا کیا ہوتا ہے ۔۔وہ مجھے جب چاہیے ہوتی تھی وہ میسر ہوتی تھی۔۔ارحام کی بات پر وہ بری طرح سسک پڑی تھی۔۔ارحام کی باتیں برداشت نہیں ہو رہی تھی۔۔

ارحام اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اپنے آنگوٹھوں کے پوروں سے صاف کرتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

۔گل کی بہت سی عادتیں میرے لیے ناپسندیدہ بھی تھیں۔۔فرشتے کے ساتھ ہوئے کچھ کچھ ظلم سے بھی واقف تھا۔۔مگر فرشتے خود کے لیے آواز ہی نہ

اٹھاتی تھی۔۔شاہ نواز کے سامنے اور تنہائی میں پوچھنے پر وہ ہر بات سے مکر جاتی۔۔ایسے میں گل کو میں کیا کہتا؟؟وقتاً فوقتاً گل پر سختی کرتا رہتا تھا فرشتے کے حوالے سے۔۔ایسے میں وہ پریذے پر شاؤٹ کرتی میری غیر موجودگی میں۔۔۔۔جو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔۔شاہ نواز کو بہت مرتبہ میں سمجھا چکا تھا۔۔فرشتے کی خاطر میں نے اپنی بہت جائیداد زمین پہاڑ شاہ نواز کے نام کر دیے۔۔صرف وہ میری بہن کو تکلیف نہ دے۔۔۔فرشتے کی طلاق نہیں چاہتا تھا۔۔میرے نزدیک یہ ایک ناپسندیدہ عمل تھا یا کہہ لو رسم ورواج میں جکڑا ہوا تھا۔۔فرشتے بانجھ تھی کوئی حل نہیں تھا میرے پاس۔نہ چاہتے ہوے بھی یہ سب برداشت کر رہا تھا۔۔ارحام اس کی جھکی نظریں دیکھتے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے آہستگی سے بول رہا تھا۔وہ اس کے سینے پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔عارض شدید تپتے کندن ہو رہے

تھے۔۔وہ سرخ ہو رہی تھی۔۔وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی وہ سمجھ رہا تھا۔

تمھیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ تمھیں پتہ چل سکے فرشتے کے ساتھ ہوئی زیادتی میں صرف اس کی وجہ سے برداشت کرتا تھا گل کی وجہ سے نہیں۔۔۔۔نہ ہی پریذے کی وجہ سے۔۔۔۔جب تک وہ میری بیوی رہی کسی دوسری عورت کو نظر بھر کر نہیں دیکھا۔۔۔وفادار رہا اس کے ساتھ نرم بھی رہا۔فرشتے کے علاوہ کوئی وجہ تھی ہی نہیں کوئی سختی کرنے کی۔۔میری بیٹی کی ماں تھی میرے دل میں اس کا خاص مقام بھی تھا۔۔حور اب اپنا لب بری طرح کاٹ گئی تھی۔ارحام نے نرمی سے اس کے نچلا لب دانتوں سے آزاد کروایا۔

اس رات جب تم میری گاڑی سے ٹکرائی۔۔ تمھاری بے پناہ خوبصورتی اور تمھارے بکھرے دو آتشہ روپ نے بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔۔ ایک پل کے لیے تمھیں دیکھ کر میں مجسم ہوا تھا۔۔ اتنی مکمل خوبصورتی دیکھی ہی نہیں تھی مرد تھا مشکل تھا تمھاری رعنائیوں سے نظریں چرانا۔۔ مگر اس رات گاڑی میں میں نے پلٹ تمھاری طرف پھر دوبارہ نظر نہیں ڈالی تھی۔۔ ایسا ہی ہوں میں ون وومین مین ہوں۔۔۔ دوسری تیسری کی گنجایش نہیں۔۔۔ باخدا میرا یقین کرو۔۔۔ گل کے ہوتے کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھا تم جیسی اتنی خوبصورت شعلہ جواں بیوی کے ہوتے میں کیسے کسی دوسری عورت کو دیکھ سکتا ہوں۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا تھا۔ حور اس کی آنکھوں میں

دیکھتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔وہ مزید تڑپتے ہوے سلگ رہی تھی۔۔وہ مرد تھا اپنی پہلی بیوی سے محبت کے دعوے کر سکتا تھا۔

وہ عورت تھی شائد اسے برداشت کرنا تھا اگر وہ کسی مرد کا نام بھی لیتی تو ارحام اسے جان سے مار ڈالتا۔روزینہ خانم کی ہر بات سچ ثابت ہوئی تھی۔۔

ارحام بھی اٹھ کر بیٹھتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

رات رات بھر تڑپنا کیا ہوتا ہے؟؟کسی کو رات رات بھر سگریٹ سلگائے سوچنا کیا ہوتا ہے یہ تم سے مل کر معلوم ہوا۔۔وہ اس کے کندھے پر لب رکھتے اس کے کان میں جھکتے سرگوشی کرتے اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹ گیا تھا۔

حور کی آنکھوں سے موتی گرتے عارض پر بہے تھے۔۔یہی باتیں شائد گل سے بھی کرتا رہا تھا۔

جب تم پوری پوری میسر تھی۔۔جب رات رات بھر تمھیں بانہوں میں بھرتے اپنی من مانیاں کرتا تھا تب بھی تمھارے لیے تڑپتا تھا۔۔تم سو جاتی تھی سوتے میں تمھارے نقوش کو انگلیوں سے چھوتا رہتا تھا یہ تب تھا جب تم سے نفرت کا دعویدار تھا۔۔تمھارے بغیر اسلام آباد میں دو دن نکالنا مشکل ہو جاتا تھا۔۔تمھارا ڈراسہا روپ تمھاری سسکیاں مجھے ایک پل کے لیے چین نہیں لینے دیتی تھیں۔۔میں ہر دوسرے دن بھاگا چلا آتا تھا تمھاری پناہوں میں۔۔۔۔۔۔۔

یہ سب کچھ میں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا تھا۔۔وہ اس کے کندھے کو نرمی سے چھوتے اپنے دل کی ہر بات اسے بتا رہا تھا۔حور لب کاٹتے سن رہی تھی۔۔

حق ملکیت کا احساس بھی پہلی مرتبہ جاگا تھا میرے دل میں۔۔کسی عورت کو پوزیسیو بھی میں پہلی بار ہوا۔۔

وہ جھٹکے سے حور کو بازو سے جکڑے اس کا رخ موڑے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

حور بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

میرا دل جو اس طرح دھڑکتا ہے یہ بھی صرف تمھیں دیکھ کر دھڑکتا ہے۔۔گل نے کبھی میری دھڑکنیں ایسے نہیں بڑھائیں۔۔تمھیں دیکھ کر

ہر درد بھول جاتا ہوں۔۔ کندھے میں لگی گولی کا درد بھی بھول گیا۔۔ تم میرا سکون ہو تمھیں دیکھ کر کچھ یاد نہیں رہتا حور۔۔۔ شہرام جب گولیوں کی وجہ سے اندر اپریشن تھیٹر میں مر رہا تھا۔۔ باہر میں مر رہا تھا میرے پاس تب جینے کی وجہ بھی صرف تم تھی۔۔ یہاں تک پریذے بھی نہیں۔۔ اتنی محبت تو پریذے سے بھی نہیں کی۔۔ تمھارے آگے اسے بھی نظر انداز کر دیتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر تمھارا مقام کیا ہو سکتا ہے؟؟ ارحام اس کا چہرہ تھامتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا۔۔

ون وومین مین ہوتے ہوئے بھی اس ڈاکٹر کو تو اپنی گود میں بٹھا کر ٹریٹمینٹ لیا جا رہا تھا۔۔۔ حور نے بھڑ بھڑ جلتے پوچھا تھا۔۔ گل بھولی نہیں تھی اور ڈاکٹر کیسے اس کے قریب بیٹھی تھی۔۔ حور کی آواز بھرائی تھی۔

ارحام نے اس کی جلن پر بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔۔

وہ میری گود میں بیٹھے مجھ سے خانزادوں کے متعلق پوچھ رہی رہی تھی جو تم نے اچھی طرح سمجھا دیا۔۔ ارحام نے مسکراہٹ دبائے ذو معنی انداز میں کہا۔

حور ارحام کو شکوہ نگاہوں سے دیکھتے بیڈ سے اٹھنے لگی ارحام اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

خانزادوں کے پاس رومانس کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا کی ؟؟ا۔

۔ارحام نے گھمبیر تا بولتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں جکڑا۔

تمام خانزادوں کا پتہ نہیں مگر آپ کے پاس تو اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ حور ارحام کی سیاہ پر کشش آنکھوں میں دیکھتے بولی۔۔

ہممم۔۔۔تو وہ خصوصیات میری بتائی جا رہی تھیں۔۔ارحام بھاری آواز میں بولتے اس کی سانسیں جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔۔

حور نے اس کے چٹانی سینے پر مکہ مارتے اسے خود سے دور دھکیلا گل سے محبت کے اقرار پر وہ اسے اچھا خاصا برا لگ رہا تھا۔اسے زندہ وجودوں کا پلٹنے والا مغرور شہزادہ صرف اپنی ملکیت میں چاہیے تھا۔وہ بھی اس کے لیے اتنی ہی پوزیسیو ہو چکی تھی۔۔جتنا وہ اس کے لیے تھا۔

میری جان بہت تھک گیا ہوں۔۔۔اپنی سانسوں سے میری سانسیں کچھ دیر الجھنے دو تاکہ مجھے راحت مل سکے۔ارچام اسے خود کے قریب کرتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے سینے کے ساتھ لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔

حور گہرا سانس لیتے اس کے چٹانی سینے پر سر رکھ گئی تھی وہ اسے اپنے بہت قریب کرتے بیڈ پر پڑا کمبل خود کے اور اس کے گرد لپیٹ گیا تھا۔

شہرام کو زخمی دیکھ کر بہت ڈر گیا تھا حور۔۔۔۔وہ چھوٹا بھائی ہے میرا

۔۔اسے کھو دیتا تو شائد کوئی خوشی خوشی ہی نہ رہتی۔۔ارحام کی بات پر حور

اس کے سینے سے لپٹی تھی اس کا درد محسوس ہوا تھا۔مہر ماہ کو کھونے کے

سلطان شاہ کے لیے بھی کوئی خوشی خوشی نہ تھی۔وہ یہ درد سمجھتی تھی۔

بہت محبت ہے مجھے اپنے شہرام زاران سے۔۔۔ارحام کی آواز بھیگی محسوس

کر کے حور نے نظریں اٹھائے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں کے

گوشے محسوس کرتے حور حیران ہوئی تھی یہ انسان کسی کے لیے رو بھی سکتا

ہے یہ اسے آج معلوم ہوا تھا۔

کیسے آئی ہو؟؟ارحام نے آنکھیں موندے ہی پوچھا۔

میں اور ابرش بھابھی رحیم کاکا کے ساتھ آئے ہیں۔حور نے آہستگی سے

بتایا۔

مورے کیسی ہیں؟؟ ارحام نے اب آنکھیں کھولتے اسے دیکھتے پوچھا۔

امینہ خانم کے لیے وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔۔ وہ ٹھیک نہیں ہیں ان کی طبعیت بہت خراب ہے۔۔ جب سے شہرام کے آپریشن کے کامیاب ہونے کا سنا ہے۔ وہ تب سے ہی لگاتار نفل ادا کر رہی ہیں۔۔۔ حور نے اس کی سرخ بھیگی آنکھیں دیکھتے آہستگی سے بتایا۔۔

حور تمھیں ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔۔ تم حویلی کی بڑی بہو ہو۔۔۔ ارحام تشویش زدہ انداز میں بولا۔

ارحام آپ کو ٹی وی پر دیکھا آپ کو گولی لگی تھی میں کیسے حویلی میں رہ لیتی حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔۔ آنکھیں مزید بھیگی تھیں۔

اس لیے تم مجھے مزید بے سکون کرنے آگئی۔ رحام مبہم سا مسکراتے ہوے بولا۔۔

بے سکون۔۔۔۔۔۔ حور نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

ہاں بے سکون۔۔۔ اچھا خاصہ بے سکون ہو چکا ہوں اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ کر۔۔۔ ارحام اسے اپنے مزید قریب کرتے خود کے ساتھ لپٹائے آنکھیں موند گیا تھا۔

جانتی تو ہو تم میرے اتنے پاس ہو تو میں کیا کرتا ہوں۔ ارحام نے اسے اپنے قریب کرتے سرگوشی کرتے کمبل کے اندر ہی بہت گہری بے باک شرارت کی تھی۔۔

حور کی رنگت اس کی بے باکی پر سرخ ہوئی تھی۔۔ پورا بدن کانپا تھا۔۔ ارحام مسکراتے ہوے اسے اپنے ساتھ شدت سے بھینچ گیا تھا۔۔ حور لب کاٹتے اس کے سینے سے لگی آنکھیں موند گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح اس کا حور کے اگرد اس کا حصار کافی مضبوط تھا۔۔

حور اس کی گہری ہوتی سانسیں محسوس کرتے اس کے سینے سے سر ٹکائے آنکھیں موند گئی تھی۔ راہ فرار کے ہمیشہ کی طرح وہ تمام راستے مسدود کر گیا تھا

ابرش تیزی سے زاران کی طرف بڑھی جو آئی سی یو کے باہر کھڑا اس کے دروازے میں لگے گلاس سے شہرام خان کو دیکھ رہا تھا۔ جو مشینوں میں جکڑے ہوش و گرد سے بیگانہ پڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتے اپنی نم سرخ آنکھیں بار بار اپنے بازو سے مسل رہا تھا

زاران۔۔۔۔۔ ابرش کی آواز پر زاران نے پلٹتے ہوئے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔۔

وہ پیروں تک سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی اس کے سامنے کھڑی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

زاران جلدی سے دو قدم کا فاصلہ طے کرتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اسے خود کے ساتھ سختی سے لپٹاتے رو پڑا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔۔۔ابرش اسے بھیگے لہجے میں پکارتے اسے ایسے روتا دیکھ کر خود بھی رو دی تھی۔۔کب اسے ایسے روتا دیکھا تھا۔۔۔

ابرش۔۔۔۔وہ اسے بھیگے لہجے میں پکارتے اسے اپنے ساتھ سختی سے لپٹائے ہوے تھا۔

زاران۔۔ابرش نے روتے ہوے اس کی کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مضبوط کیا۔

ابرش۔۔۔۔دیکھو وہ مشینوں میں جکڑا وہ بے بس سا پڑا ہے۔۔کیا وہ ایسے کبھی خاموش ہوا ہے؟؟۔۔زاران نے اس سے الگ ہوتے گلاس والے حصے سے شہرام کو نم نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ابرش نے کپکپاتی انگلیاں گلاس پر رکھتے شہرام خان کو دیکھا دوسرے لمحے وہ شدت سے رو دی تھی۔

اسے مزا آتا ہے ہم سب کو تکلیف دے کر۔۔۔مجھے سزا دے رہا ہے ۔۔زاران، شہرام خان کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بول رہا تھا۔

فارم ہاؤس میں میرے گلے تک نہیں لگا۔ بچپن سے لالا لالا کرتا پھرتا تھا۔ ہر بات مانتا تھا مگر عابیر کی وجہ سے ہمیشہ لڑتا رہا ہے۔۔پہلے اس بات پر لڑتا تھا کہ عابیر اس سے زیادہ محبت کرتی ہے اور آج بھی مجھ سے عابیر کی وجہ سے لڑا ہے۔۔احساس ہو گیا ہے یہ مجھ سے زیادہ محبت عابیر سے کرتا ہے۔۔ مجھ سے بلکل محبت نہیں کرتا۔زاران اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے بولا۔۔

ابرش نے روتے ہوئے زاران کی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ رکھا۔جو آنسوؤں سے تر تھی۔۔

کیا غلطی تھی میرے شہرام کی؟؟۔۔ایک لڑکی کی عزت بچائی تھی اور اس کی سزا یہ دی اسے۔۔ان ظالموں نے اس کی سانسیں چھیننے کی کوشش کی۔۔کیا کسی عورت کی عزت بچانا گناہ تھا۔یہ تو ہم سب سے زیادہ بہادر نکلا۔۔ایک عورت کی عزت کی بچائی۔۔اپنی عورت کی ہر کوئی حفاظت کرتا ہے باہر کی عورت کی کوئی کوئی مرد کرتا ہے۔۔یہ ہے میرا شہرام خان۔۔

زاران ابرش کا ہاتھ تھامتے روتے ہوے بول رہا تھا۔

ابرش کپکپاتے لبوں سے اسے آہستگی سے پکارتے روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔مقابل کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔۔

نہیں کرتا ناں یہ مجھ سے محبت۔۔۔زاران نے اس کا ہاتھ پکڑتے ابرش کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

کرتا ہے بہت محبت کرتا ہے۔ آپ سے کون محبت نہیں کر سکتا

؟؟۔۔۔ آپ محبت کرنے کے لیے ہی بنے ہیں۔ جیسے میں شدید محبت کرتی

ہوں۔۔۔ بہت کرتی ہوں۔ ابرش روتے ہوئے بولی۔۔

نہیں کرتی تم بلکل نہیں کرتی مجھ سے محبت۔۔۔ زاران کی بات پر ابرش نے

تڑپتے ہوئے اسے دیکھا۔۔

تم بھی تو مجھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔۔ میری محبت کسی کو دکھائی ہی نہیں

دیتی۔۔ جیسے یہ چھوڑ کر جا رہا تھا۔ فارم ہاؤس کے سب کے گلے لگا۔۔ لالا کے

اپنے دوستوں کے گلے لگا۔۔ صرف اپنا زاران لالا نظر نہیں آیا۔ بھول گیا یہ

کتنی محبت کرتا ہوں۔۔ جیسے عابیر بھول گئی۔۔ جیسے اسفند بھول گیا

تھا۔ سب بھول جاتے ہیں میں ان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔

شائد مجھے اپنی محبت جتانا نہیں آتی۔۔ مگر یہ سب نہیں جانتے میں ان سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ شہرام میں تو میری جان بستی ہے۔۔ لالا اسفند شہرام جان ہیں میری۔۔۔ زاران روتے ہوے ابرش کو پھر سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

ابرش اسے خود میں بھینچتے اس کی کمر پر اپنا ہاتھ پھیرتے رو پڑی تھی۔

زاران چلیں یہاں سے تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ ابرش نے زاران سے علیحدہ ہوتے کہا۔۔ اس کے چہرے پر صاف تھکن نظر آ رہی تھی۔

جب تک یہ اٹھ نہیں جاتا۔ کیسے آرام کر سکتا ہوں میں ؟؟۔ زاران اپنی آنکھیں اپنے بازو سے رگڑتے پھر سے گلاس وال پر نظریں جما چکا تھا۔۔

زاران آپ ایسے بیمار ہو جائیں گے۔۔وہ کل تک ہوش میں آجائے گا۔کیا ایسے ہی آپ کھڑے رہیں گے۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔۔

ایسے ہی کھڑا رہوں گا جب تک اسے ہوش نہیں آتا یہ مجھے لالا نہیں پکارتا تمھیں لگتا ہے میں آرام کر سکتا ہوں۔۔زارن گلاس پارٹ سے شہرام کو دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولا۔۔

مگر میں آپ کو مزید یہاں کھڑا نہیں رہنے دوں گی۔۔چلیں یہاں سے ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران کا بازو سختی سے جکڑا۔۔

مورے کیسی ہیں؟؟زاران نے ابرش کی طرف دیکھتے پوچھا۔

ٹھیک نہیں ہیں وہ۔۔۔وہ مسلسل تب سے نفل ادا کر رہی ہیں۔ابرش روتے ہوے بولی۔

تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ تمھیں مورے کے پاس ہونا چاہیے تھا۔۔زاران کا لہجہ سخت اور سرد ہوا تھا۔

آپ کو میری ضرورت تھی۔۔ابرش زاران کے سرد لہجے پر شدت سے رو دی تھی۔۔

مجھے نہیں میرے رشتوں کو تمھاری ضرورت تھی مورے ہیں وہ میری ۔۔اس وقت تم سے ایکسپیکٹ کر رہا تھا تم انھیں سنبھالو اور تمھیں انھیں اکیلا چھوڑ آئی۔۔

زاران بھڑکتے ہوے بولا۔۔

آپ کو میری ضرورت نہیں مگر مجھے آپ کی ضرورت تھی۔۔ کیونکہ جتنی تکلیف میں اپ ہیں۔۔ آپ کی وجہ سے میں بھی اتنی ہی تکلیف میں تھی ۔۔۔اگر آپ کو نہ دیکھتی آپ کے سینے سے نہ لگتی تڑپ کر مر جاتی۔۔ ابرش بھیگے کپکپاتے لبوں سے زاران کو دیکھتے بولی جو پھر سے گلاس سے شہرام کو دیکھ رہا تھا۔

ابرش کی بات کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔

ثابت ہوتا ہے جو آپ کو شدت سے چاہے اس کی تڑپ آپ کو نظر نہیں آتی۔۔ جیسے میری تڑپ آپ کو نظر نہیں آتی۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں کہتے پلٹی تھی وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

مت چھوڑ کر جاؤ مجھے۔۔ مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ جب تک اسے ہوش نہیں آجاتا میرے ساتھ رہو۔۔ یہیں میرے پاس۔۔ زاران کہتے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔

ابرش اس کے سینے کے ساتھ لگی شدت سے رو دی تھی۔۔

سر آپ اپنی شرٹ اتار دیں۔۔ آپ کی ڈریسنگ کر لوں۔۔ ڈاکٹر ماہم نے اسفندیار خان کے بازو کا زخم دیکھتے کہا۔۔

اوکے۔۔ اسفند آہستگی سے کہتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔ عابیر کمرے میں سامنے ہی کھڑی تھی۔۔ اسفند بیڈ پر بیٹھا تھا۔۔ وہ اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ وہ اس سے لاتعلق سا بیٹھا تھا۔۔

اسفندیار کو بازو میں اب شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بدن تانبے کی مانند جل رہا تھا۔۔ دو دن سے وہ کھانا برائے نام ہی کھا رہا تھا۔۔ اب بازو کی تکلیف اس کے جسم کو جیسے آگ کی بھٹی کی طرح گرم کر چکی تھی یا پھر سامنے کھڑی سفاک پٹھانی کی جدائی کر رہی تھی۔۔

بازو میں اب اتنا کھچاؤ پڑ رہا تھا کہ اس سے شرٹ اتارنا مشکل ہو رہا تھا ۔۔ جب سے عابیر سے لاتعلقی کا فیصلہ لیا تھا ساری انرجی جیسے ڈاؤن ہو چکی تھی۔۔ بدن بھی تب سے حدت اختیار کر گیا تھا۔

مجھ سے شرٹ نہیں اتر رہی۔۔ بازو میں شدید کھچاؤ پڑ رہا ہے۔۔ آپ میری مدد کر سکتی ہیں۔ اسفند نے پاس کھڑی ڈاکٹر ماہم سے التجائیہ انداز میں کہا۔

عابیر اپنا لب کاٹتے نظریں پھیر گئی۔۔۔

جی سر۔۔۔۔۔۔وائے ناٹ شیور۔۔۔ڈاکٹر ماہم کہتے اسفند کی طرف بڑھی

۔۔

میں ہیلپ کر دیتی ہوں۔۔عابیر سنجیدگی سے کہتے اسفند کی طرف بڑھی۔۔

ضرورت نہیں میں خود کرلوں گا آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔۔اسفند یار خان نے سرد برفیلے لہجے میں کہتے اپنی شرٹ خود ہی اتار دی تھی۔۔

وہ گہرے سانس لیتے بیڈ سے ٹیک لگا گیا۔

وہ اس وقت بلیک سینڈو میں ملبوس تھا۔جو خون آلود تھی۔۔

یہ کیا ہوا ہے ڈاکٹر ماہم اسفند کے سینے پر زخم دیکھ کر اس کی طرف پریشانی سے بڑھی۔کچھ نہیں چھوٹا سا گھاؤ ہے جو بھر ہی نہیں رہا۔۔اسفند تلخی سے مسکرایا تھا۔

عابیر نے اسفند کے سینے پر زخم دیکھتے نظریں چرائیں تھیں۔ وہ اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا۔ عابیر کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی.

ڈاکٹر ماہم نے اسفند کے قریب بیٹھتے اس کے سینے کے زخم پر کاٹن پر جراثیم کش محلول لگاتے رکھا۔۔

اسفند ڈاکٹر ماہم کا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔

اسے رہنے دیں اس گھاؤ کو ہاتھ لگانے کی کسی کو آجازت نہیں اب یہ ایسے رہے گا۔ آپ بازو کے زخم کو دیکھے۔۔

اسفند کی بات پر ڈاکٹر ماہم نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر ماہم نے اسفند کی طرف دیکھتے کاٹنسے اس کے سینے کا زخم اچھی طرح صاف کیا۔

ڈاکٹر ماہم نے اسفند کی طرف دیکھتے اس کے سینے کے زخم کو اچھی طرح صاف کرتے وہاں میڈیسن لگاتے بینڈج کرنے لگی۔ اسفند نے ڈاکٹر ماہم کا ہاتھ پکڑا جسے ڈاکٹر ماہم نے جھٹک دیا تھا۔

عابیر پھر سے نظریں چرا گئی تھی اس کا ڈاکٹر ماہم کا ہاتھ پکڑنا پسند نہیں آیا تھا۔

میں ایک ڈاکٹر ہوں مجھے کیا کرنا کیا نہیں یہ آپ سے نہیں پوچھنا۔۔ آپ چاہتے بوجھتے خودکشی کر سکتے ہیں مگر میرا فرض ہے آپ کو زندگی کی طرف لانا۔۔ ڈاکٹر ماہم نے سپاٹ انداز میں کہتے اسفند کے سینے پر لگے زخم پر بینڈج کی تھی۔۔

اسفند لب بھینچے خاموشی سے آنکھیں موند گیا تھا۔ ڈاکٹر ماہم نظریں جھکائے اپنا کام کرنے لگی۔۔

عابیر کچھ پل اسفندیار خان اور ڈاکٹر ماہم کو دیکھتی رہی۔۔ پھر خاموشی سے کمرے سے نکل آئی تھی۔۔ کچھ عجیب سی چبھن کا احساس ہوا تھا۔۔ مقابل کسی کے اتنے قریب برداشت نہیں ہوا تھا نہ اس کی اتنی فرمانبرداری خاموشی بھی کسی اور کے لیے برداشت ہوئی تھی۔۔

بہارے کے مضبوط قدموں کا رخ اب چلڈرن وارڈ کی طرف تھا۔ بہرام کیسا ہے ؟؟اس نے کسی سے پوچھا نہیں تھا نہ اس کے پوچھنے کی ہمت ہوئی تھی۔نہ کسی نے اسے کچھ بتایا تھا۔

وہ خود کو ہر خبر کے لیے تیار کر چکی تھی۔۔ شہرام خان کو خدا نے اسے واپس لوٹا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے خدا سے اور کیا چاہیے تھا۔ بہارے نے چلڈرن وارڈ کی طرف بڑھتے ایک نظر چھت کو دیکھا۔۔

لب بے آواز کپکپائے تھے۔۔ شہرام خان کی زندگی کے بعد بھی خدا سے بہت کچھ چاہیے تھا وہ تھی بہرام کی زندگی۔۔۔ بہرام شہرام خان کی محبت کی نشانی تھا کیسے اس سے جدائی وہ برداشت کر سکتی تھی۔۔

بہارے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سسک پڑی تھی یہ کیسی رات تھی جو ختم ہی نہ ہو رہی تھی۔۔ وہ کافی دیر تک ایسے ہی روتی رہی۔۔

بہرام کا بے جان ہو تا وجود یاد آیا تھا۔ڈاکٹر ماہم کے آخری لفظ یاد آئے تھے۔۔۔

"ڈاکٹر ماہین بہرام کی سانسیں نہیں چل رہیں" وہ ڈاکٹر ماہم کے لفظ یاد کرتے پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔

اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے وہ گہرے سانس لیتے چلڈرن وارڈ کی طرف بڑھی۔۔

شہرام خان کی زندگی دینے کے بعد خدا نے اس کی قسمت میں جو لکھا تھا وہ اسے قبول کرنا ہی تھا۔ مشکل تھا شائد آج اس کا دل پھٹ جاتا مگر اپنے خدا کا لکھا قبول کرنا ہی تھا۔۔ بہارے چلڈرن وارڈ میں داخل ہوتے دروازے میں ہی رکی تھی۔۔ جہاں بہت سیریس کنڈیشن والے بچے رکھے جاتے تھے۔۔ جہاں ڈاکٹرز کے علاوہ کسی کو جانے کی آجازت نہ تھی۔۔

اس نے ڈاکٹرز کو بہت سے بچوں کے بے جان وجود کو ان کی ماؤں کے حوالے کرتے دیکھا تھا۔ بہت سے بچوں کی سانسیں اکھڑتے اس نے خود دیکھا تھا۔۔

آج اس کا بہرام ادھر تھا۔وہ دروازہ جکڑے پھر سے رو دی تھی۔۔زوردار چکر آیا تھا وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی۔۔

بہرام۔۔۔۔اس کے لفظ بے آواز پھڑ پھڑا رہے تھے۔۔ایک بار پھر سے خدا سے وہ بہرام کی زندگی مانگ رہی تھی۔۔

آج اپریشن تھیٹر میں خدا سے شہرام کی زندگی مانگتے کچھ نہ مانگنے کا عہد کیا تھا۔۔

اب وہ پھر سے خدا سے مانگ رہی تھی اسے احساس ہوا تھا۔خدا کی ذات سے عہد نہیں کیا جاتا۔۔اس سے صرف مانگا جاتا بے حد بے حساب۔۔۔۔وہ نوازنے والا ہے جو دیتے ہوئے کوئی حساب نہیں رکھتا پھر پتہ نہیں انسان کیوں خدا سے مانگتے ہوئے گنتی گنتی کا حساب رکھتا ہے۔۔

جو رب شہرام کی زندگی دے سکتا تھا وہ بہرام بھی تو اسے دے سکتا تھا۔۔

بہارے روتے ہوئے زمین پر سسکتے ہوئے بیٹھتے چلی گئی تھی۔۔یکدم وہ چلڈرن وارڈ کے ٹھنڈے فرش پر سجدے میں چلی گئی تھی۔۔اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔۔

ڈاکٹر ماہین چلڈرن وارڈ میں داخل ہوئی تو بہارے کو سجدے میں دیکھ کر جلدی سے اسے سجدے سے اٹھایا وہ بے حد ٹھنڈے فرش پر سجدے میں لرز رہی تھی۔۔ڈاکٹر ماہین اسے ایسے دیکھتے رو دی تھی۔۔

ڈاکٹر بہارے اٹھیں یہاں سے۔۔ڈاکٹر ماہین نے انھیں کندھوں سے جکڑے اٹھایا۔۔

ڈاکٹر ماہین مجھے کوئی بری خبر مت سنایئے گا ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا ۔۔ بہارے دل پر ہاتھ رکھے شدت سے رو دی تھی۔۔

بہرام بلکل ٹھیک ہے ڈاکٹر بہارے۔۔۔ انٹینس کیئر میں رکھا ہے۔ اسے اکسیجن دی جا رہی ہے۔۔ ابھی کچھ دن اسے یہاں رکھا جائے گا۔۔ انشاء اللہ آپ سر شہرام اور بہرام کے ساتھ اکٹھے اپنی حویلی جائیں گی۔ انفیکٹ سر شہرام خود بہرام کو گود میں اٹھائے اور آپ کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے یہاں سے جائیں گے۔۔

انشاء اللہ۔۔ ڈاکٹر ماہین کی بات پر بہارے روتے روتے ہنس پڑی تھی۔۔ ڈاکٹر ماہین بہارے کو گلے سے لگاتے رو پڑی تھی۔۔

آپ بہت بہادر ہیں ڈاکٹر بہارے۔۔ ڈاکٹر ماہین بھیگی آواز میں بولی۔۔

مجھے بہادر بہارے نہیں بننا۔۔ میں کمزور بہارے ہی ٹھیک تھی جس کے پاس سب کچھ تھا۔۔ جسے شہرام خان پروٹیکٹ کرتب تھا۔ بہارے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے بہرام کی طرف بڑھی جسے اکسیجن ماسک اور ڈرپس لگی ہوئی تھی. وہ اسے ایسے دیکھتے شدت سے رودی تھی۔۔

فرشتے روتے ہوے سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔۔ ٹی وی پر شہرام کی حالت دیکھی تھی۔۔ وہ مر چکا ہے یہ خبر سنتے وہ حواص باختہ ہوتے گھر سے نکل آئی تھی۔۔

اب وہ سڑک پر کھڑی وہ آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔۔ وہ کب کہاں ایسے اکیلے نکلی تھی۔۔ اسے تو کسی سڑک کسی راستے کا نہ پتہ تھا۔ اس وقت وہ

سیاہ چادر میں ملبوس تھی جو پیروں تک آتی تھی۔۔ چہرہ اس نے اچھی طرح ڈھکا تھا صرف براؤن آنکھیں نقاب سے نظر آ رہی تھیں۔۔

وہ آتی جاتی گاڑیوں کو خوفزدہ ہوتے روتے ہوئے دیکھ رہی تھی.۔۔ اور زلہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اپنے آنسو صاف کرتے اس کی طرف بڑھی۔۔

فرشتے ہم کو گاڑی مل گئی وہ ہم کو ہسپتال تک چھوڑ دے گا اب چلو ۔۔۔ اور زلہ نے فرشتے کا ہاتھ پکڑا۔

اور زلہ تم نے کیا کہا اس گاڑی والے سے ؟؟۔۔ اور وہ کیسے مان گیا۔۔ فرشتے نے حیرانگی سے پوچھا۔۔

فکر نہ کرو ہم نے بلکل ارحام لالا کا نام نہیں لیا۔ ہم نے اس گاڑی والے سے بولا ہمارا سہیلی کا شوہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ ہسپتال میں ہے اس لیے ہمارا مدد کرو ہم کو بہار گل ہسپتال پہنچا دو۔۔۔ اور زلہ نے بولتے ہوے فرشتے کا ہاتھ پکڑا۔

تم نے یہ کیوں بولا میرے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوا۔۔۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں بول سکتی تھی۔۔ فرشتے کے دل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا۔۔ وہ کبھی خواب میں بھی حیدر خان کو ایسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔

تو اور کیا کہتا ہم ؟؟ پاگلوں کی طرح تم رو رہا ہے ہم تو نہیں رو رہا۔ اگر ہم کہتا ہمارا مرد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا وہ گاڑی والا پوچھتا نہیں کہ یہ عورت کیوں اتنا رو رہا ہے اور تم کیوں نہیں رو رہا۔۔ اور زلہ نے وضاحت دی۔

اب چلو فرشتے زیادہ نہ سوچو۔۔اس وقت ادھر سے کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملے گا۔۔وہ گاڑی والا اچھا مرد لگ رہا ہے۔۔ آگے کھڑا ہے یہ نہ ہو وہ بھی چلا جائے۔اوزلہ فرشتے کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

گاڑی کے قریب آتے فرشتے کے بدن پر کپکپاہٹ طاری ہوئی تھی پورا وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔

خان۔۔۔۔۔حیدر خان کو گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر فرشتے کے لبوں سے سرسراتے ہوے نکلا۔۔

حیدر خان کو گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر فرشتے کے نازک بدن میں ارتعاش ہوا تھا۔اتنی سردی میں بھی نازک وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔وہ سفید شلوار قمیض

پہنے سیاہ شال کندھوں پر ڈالے سگریٹ لبوں میں دبائے گہرے کش لیتے

ونڈ سکرین سے باہر سرد سپاٹ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ چہرہ ضرورت سے زیادہ

سرد اور سنجیدہ تھا۔۔ خوبرو وجیح نقوش تنے ہوے تھے۔۔ آنکھیں انتہا کی

سرخ تھیں۔۔ فرشتے کے قدموں کو جیسے کسی آہنی زنجیر نے جکڑا تھا۔ قدم

من من بھر کے ہوے تھے۔ اوزلہ نے اسے رکتے دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا تو فرشتے کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔ لبوں سے سسکاری سی

بلند ہوئی چہرے کا نقاب گرا تھا۔۔ اس کی بلند سسکاری پر حیدر خان کی

نگاہیں بے اختیار سر سے ی پیر تک پردے میں لپٹی عورت پر اٹھیں۔

فرشتے جلدی سے اپنا رخ پھیرے لرزتے ہاتھوں سے اپنے چہرہ ڈھکنے لگی

۔۔ وہ بری طرح کانپ رہی رہی تھی۔ حیدر خان کا خوف اس پر بری طرح

سوار تھا۔ وہ حیدر حاکم خان کی بیوی تھی۔ اس کے بیٹوں کو اس سے دور کر

دیا تھا یقیناً وہ موت سے کم کی سزا اسے نہ سناتا۔۔اس کا سرد سپاٹ چہرہ بتا رہا تھا وہ پہلے والے حیدر خان سے زیادہ بے رحم ہو چکا ہے۔

حیدر خان کی سرد سپاٹ نگاہیں سیاہ چادر میں ملبوس نازک وجود کی پشت پر تھیں۔وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔۔وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے اس کے نازک وجود پر اپنی سرد سرخ نظریں گاڑھے ہوے تھا۔اسے دیکھتے کسی کی یاد شدت سے آئی تھی۔۔۔سامنے کھڑی عورت کی پشت کو وہ شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔۔اس کا اس کی خانم کے ساتھ متشابہ ہونا ہی اس کے خون میں شرارے دہکا چکا تھا۔آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔سوات کی اس سڑک پر ہر عورت ایسے ہی پردے میں لپٹی نظر آتی تھی مگر اسے دیکھ کر آخر اسے کیوں اپنی خانم کی یاد آ رہی تھی؟؟

اور اس بے رحم کی یاد آتے اس کا وجود تانبے کی مانند جل رہا تھا۔۔ صبح سے رات اور رات سے صبح وہ اسے ہی تو ڈھونڈ تا رہتا تھا۔۔ کن کن عذابوں سے وہ نہیں گزرتا تھا۔۔ دراب زراب اور اپنی خانم کی جدائی اسے پاگل کیے رکھتی تھی۔۔ اپنی حویلی جانا وہ بھول چکا تھا۔ ہر وقت سفر میں ہوتا تھا۔ اس وقت اس کی سیاہ آنکھیں جل رہی تھیں۔ سگریٹ کا کش لیتا وہ اسے سیاہی مائل لبوں میں دبا گیا تھا۔۔ جب سے وہ جدا ہوئی تھی وہ سگریٹ سے ہی تو خود کو دہکاتے پر سکون کرتا رہتا تھا۔

حیدر خان سگریٹ کا گہرا کش لیتے اسے بہت گہری مگر سرد نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔

کیا ہوا ہے تمھیں ؟؟ تم بیٹھ کیوں نہیں رہا۔ تم ایسے کانپ کیوں رہا ہے ؟؟۔۔ اپنا دودو بیٹا تم کسی کے پاس چھوڑ کر آیا ہے۔ وہ تمھارا دودھ کا بغیر

زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ اور تم ادھر کھڑا کانپتے ہوے اپنا اور ہمارا وقت برباد کر رہا ہے۔۔ اوزلہ اسے دیکھتے غصے سے بولی۔۔ اوزلہ اس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ ارحام نے اس کے لیے اور دراب کے لیے اوزلہ خادمہ کے طور پر رکھوائی تھی۔ مگر چوبیس سالہ بیوہ اوزلہ فرشتے کی سہیلی بن چکی تھی۔۔ جس پر فرشتے جان چھڑکتی تھی۔ اوزلہ تو تھی ہی ایسی خوش رہنے والی اپنے سامنے نہ کسی کو بڑا اور نہ کسی کو چھوٹا سمجھنے والی۔۔ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی نہ کوئی اور رشتہ صرف اب فرشتے دراب زراب تھے۔۔ دراب زراب کے لیے ارحام نے ایک اڈھیڑ عمر کی ملازمہ بھی رکھ کر دی تھی۔ اس کے ہ پاس ہی فرشتے دراب زراب کو چھوڑ کر آئی رھی۔

مم اوزلہ اس گاڑی والا مرد کو بولو چلا جائے۔۔ مجھے اس کے ساتھ نہیں جانا ۔۔ فرشتے گہرے سانس لیتے بمشکل بولی۔

ماڑا کیا ہوا تم کو؟؟ یہ گاڑی والا اچھا انسان لگ رہا ہے۔۔ جس کا نظروں میں حیا ہے۔ ورنہ تم نہیں جانتا اس مرد ذات کو ہم نے دیکھا ہے بیوہ ہونے کے بعد گھات لگائے بیٹھا رہتا ہے جہاں کمزور عورت ملا نہیں وہاں شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنانا شروع کر دیتا ہے۔ اور موقع ملنے پر کاٹ بھی دیتا ہے۔ اوزلہ غصے سے چیخی تھی۔

حیدر خان ان دونوں کو بیچ سڑک پر جمے دیکھ کر غصے سے گاڑی سے اترتے اپنے بھاری قدموں سے ان کی طرف بڑھا۔۔

آپ دونوں کو لفٹ چاہیے کہ نہیں کہ میں یہاں سے جاؤں۔ حیدر خان کی گرج دار آواز پر فرشتے بری طرح اچھلی تھی..

اپنے سامنے کھڑے نازک وجود کا کانپنا دیکھ کر حیدر خان کا خون رگوں میں بھڑکا تھا۔ وہ سچ میں اس کی خانم کی طرح حرکتیں کر رہی تھی۔۔ اور حیدر

خان کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے کھڑی عورت کی جان لے لے۔۔اس کا اس کی خانم کے ساتھ مشتبہ ہونا ہی اسے آگ لگا رہا تھا اگر وہ سچ میں اس کی خانم ہوتی وہ اسے ادھیڑ کر رکھ دیتا۔

حیدر خان غصے سے اس کی طرف بڑھتے اس نازک کپکپاتے وجود کے مقابل آیا۔فرشتے اسے ایک نظر ہی اس کی طرف دیکھتے اپنا رخ پھر سے پلٹ گئی ۔۔۔حیدر خان کی نظر ایک پل کے لیے اس کی براؤن بڑی بڑی آنکھوں پر پڑی تھی۔۔حیدر خان کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہوئی تھیں۔۔

اسے یہ براؤن آنکھیں بھی اپنی خانم کی یاد دلا گئی تھی۔۔

اوماڑا ہم کو چاہیے لفٹ۔۔اس بیچارہ کا شوہر ہسپتال میں زندگی اور موت کا جنگ لڑ رہا ہے۔اس لیے تو یہ بیچارہ ایسا حرکت کر رہا ہے۔۔تم شریف آدمی

معلوم ہوتا ہے۔ اگر تم ہم کو چھوڑ دے گا تمھارا بھلا ہو گا۔ اوزلہ حیدر خان کو دیکھتے گڑ گڑاتے ہوے بولی۔

حیدر خان جو اسے ایک پل کے لیے فرشتے سمجھا تھا اوزلہ کی بات سنتے وہ اپنی پچھلی گردن ایک ہاتھ سے مسل گیا تھا۔۔ اس ایک لمحے میں ہی وہ دہکتا تندور بنا تھا۔

مقابل اس کی خانم کیسے ہو سکتی تھی۔۔ وہ غلط سوچ رہا تھا۔ ارحام اسے کسی صورت سوات نہیں رکھ سکتا تھا۔۔ پورا سوات اس کا تھا اور سوات کا ہر گھر ہر حویلی وہ چھان چکا تھا۔ وہ سوات میں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔۔ اس کی خانم اور اس کے بیٹے سوات ہوتے اسے پل میں خبر ہو جاتی۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا وہ سوات میں رہ کر یوں دھڑلے سے سوات کی سڑکوں پر مٹر گشت

کرے۔۔اس کی خانم رات کے اندھیرے میں اس علاقے میں کبھی نہیں نکل سکتی تھی اتنا تو اسے جانتا تھا وہ۔۔

چلو اوزلہ نے فرشتے کا ہاتھ سختی سے تھاما۔۔

اوزلہ خدا کا واسطہ ہے اس کو یہاں سے بھیج دو۔۔مجھے اس کے ساتھ نہیں جانا۔۔میرا دم نکل جائے گا تمھیں خدا کا واسطہ اس کو بھیج دو ادھر سے۔۔۔فرشتے نے بہت اہستگی سے کہتے روتے ہوے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔اوزلہ اب فرشتے کے رویے پر پریشان ہوئی تھی۔۔

چلو۔۔۔۔۔حیدر خان ان دونوں کی پشت دیکھتے غصے سے غرایا۔۔

وہ دونوں اس کی طرف پشت کیے آہستگی سے ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ آج رات اسے لندن نکلنا تھا وہاں اپنے دراب زراب اپنی خانم کو تلاش کرنا تھا۔۔

حیدر خان کی غراہٹ پر فرشتے پھر سے اچھلی تھی۔۔ حیدر خان سامنے چادر میں لپٹے وجود کو یوں گھبراتے ہوے اب لب بھینچ گیا تھا۔ وہ لڑکی مسلسل کانپ رہی تھی۔۔۔

اوزلہ پریشانی سے فرشتے کو دیکھتے حیدر خان کی طرف بڑھی۔

تمھارا بہت شکریہ تم نے ہمارا بات سن کر تم نے گاڑی روکا۔ تم جاؤ ہم کوئی ٹیکسی لے لے گا۔ اوزلہ نے حیدر خان کو دیکھتے کہا۔

میرے ساتھ جانے میں کیا مسلہ ہے ؟؟حیدر خان نے سرد آواز میں پوچھا۔اس کا دل نہیں مان رہا تھا اتنی رات میں ان عورتوں کو تن تنہا چھوڑ کر جانا۔

ہم تم کو جانتا نہیں ہے اس لیے اوزلہ نے فرشتے کو گھورتے پٹ سے جواب دیا۔

ٹیکسی والے کو تم لوگ جانتی ہو۔۔حیدر کی بات پر اوزلہ کا چہرہ سرخ ہوا۔

وہ ہمارا مطلب ہے ہم ٹیکسی سے چلا جائے گا تم کو تکلیف ہو گا۔اوزلہ بیچارگی سے منمنائی تھی

نہیں مجھے تکلیف نہیں ہو گی تم لوگ چلو میرے ساتھ حیدر سنجیدگی سے بولا۔

اوماڑا ہم نے تمھارے ساتھ نہیں جانا ہم کو معاف کر دو اوزلہ اپنی عادت کے مطابق غصہ آیا تھا۔

حیدر خان کچھ پل سامنے کھڑی لڑکی کی پشت کو گھورتا رہا۔۔ پتہ نہیں اسے اوزلہ پر نہیں سامنے کھڑی لڑکی پر کیوں غصہ آرہا تھا۔۔ وہ پھر ہاتھ میں دبا سگریٹ زمین پر پھینکتے اپنے شوز سے مسلتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اوزلہ سامنے سے آتی ایک گاڑی کی طرف مڑ گئی تھی۔ اشارہ کرتے وہ اسے رکوانے لگی۔۔

حیدر سر تاسف سے ہلاتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا وہ لوگ ٹیکسی نہیں ایسے ہی گاڑی رکوا رہے تھے جیسے اس کی رکوائی تھی۔۔

حیدر خان نے اس لڑکی کی پشت کو سرد سرخ نظروں سے دیکھتے اپنی گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔

مگر تھوڑا آگے جانے پر حیدر خان کو اپنی گاڑی روکنی پڑی تھی۔بیک ویو مرر سے نظر انے والے منظر نے اس کی آنکھوں میں شعلے سے دہکا دیے تھے۔۔

جو گاڑی پیچھے کھڑی دو عورتوں نے رکوائی تھی اس میں سے ایک مرد نکلے شائد ان دو عورتوں کو ہراس کر رہا تھا شائد انھیں زبردستی گاڑی میں بیٹھنے کو مجبور کر رہا تھا۔

وہ آدمی زبردستی اس نقاب والی عورت کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔حیدر خان نے غصے سے اپنی گاڑی پیچھے کی طرف لی تھی.۔۔۔۔۔۔

اوزلہ نے اس آدمی کی کلائی پر دانت گاڑھتے اسے پیچھے کرنے کی کوشش کی جو فرشتے کی کلائی جکڑے ہوے تھا۔ فرشتے اپنی کلائی چھڑوانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ وہ زبردستی اسے گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔۔

رات گہری اور سیاہ تھی وہ لوگ جہاں کھڑے تھے یہاں بہت کم گاڑیاں گزرتی تھیں۔ فرشتے شہرام کی موت کا سن کر بدحواص ہوتے نکل آئی تھی بلکہ اسے کوئی ہوش ہی نہ تھا۔ ورنہ اس ٹائم اس علاقے میں نکلنا خطرناک ہو سکتا تھا۔۔ یہاں مرد نہیں نظر آتے تھے تو عورتیں ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اور وہ آدمی کافی خطرناک تھا اس ٹایم دو عورتوں کو دیکھ کر فرشتے کو زبردستی گاڑی میں بیٹھنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔ وہ نقاب میں ہی اسے کافی اٹریکٹ کر گئی

تھی۔اس کی بڑی بڑی براؤن آنکھیں اور چادر میں لپٹا نازک وجود اس آدمی کو بھا گیا تھا۔

اس آدمی نے اوزلہ کے منہ سے اپنی کلائی چھڑواتے اس کے گال پر زوردار تھپڑ جڑ دیا تھا۔

اوزلہ زمین پر اوندھے منہ گری تھی۔۔ فرشتے نے چیختے ہوے اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کی اس آدمی نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نقاب کھینچتے اتار دیا تھا۔

واللہ۔۔۔۔ تم سچ میں ہمارا سوچ سے زیادہ خوبصورت نکلا۔۔ وہ آدمی فرشتے کے خوبصورت چہرے پر نگاہیں گاڑھے بہکے بہکے انداز میں بولا۔

حیدر خان کی گاڑی کے ٹائر ان دونوں کے سامنے آتے بری طرح چرچرائے تھے۔۔وہ آدمی فرشتے کی کلائی چھوڑتے حیدر خان کی طرف مڑا۔ فرشتے جلدی سے منہ پھیرتے اپنے چہرے کو اچھی طرح ڈھک گئی تھی۔وہ مزید کانپی تھی اگر اب حیدر خان کو پتہ چلا کہ وہ اس کی خانم ہے وہ اس آدمی اور اسے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

حیدر خان طیش و اشتعال سے گاڑی سے اترتے اس آدمی کی طرف بڑھتے اس کے چہرے پر پوری قوت سے مکہ جڑ دیا تھا۔وہ آدمی نشے میں تھا وہ لڑکھڑاتے ہوے دور جا گرا۔

حیدر خان نے غصے سے اسے گریبان سے جکڑ کر اٹھاتے اسے اپنی گاڑی کی بونٹ پر پٹختے ہوے اس کے چہرے پر مکوں کی برسات کر دی تھی۔

تمھاری اتنی ہمت تم میرے علاقے میں کسی عورت کو ہراساں کر رہے ہو ۔۔میں تمھاری جان لے لوں گا۔حیدر خان نے طیش اشتعال سے گرجتے ہوے اس آدمی کے چہرے پر مکوں کی برسات کر دی تھی۔۔

حیدر خان پاگل ہو رہا تھا جس عورت کو دیکھ کر اسے اپنی خانم کا خیال آیا ۔۔اس عورت کو بھی کیسے کوئی غیر مرد چھو سکتا تھا۔حیدر خان پاگلوں کی طرح اس کے جبڑے پر مکے مارے جا رہا تھا۔

اوزلہ اور فرشتے کانپتی ہوئی حیدر خان کو دیکھ رہی تھیں جس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

اللہ اللہ ہم کو تو اس گاڑی والا شریف آدمی سے زیادہ ڈر لگ رہا ہے یہ تو بڑا خطرناک نکلا۔۔اوزلہ نے فرشتے کے کان میں جھکتے سرگوشی کی تھی۔۔

ہاں سچ میں خان بہت خطرناک ہے۔۔ فرشتے نے حیدر خان کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے کپکپاتے لبوں سے سسکتے ہوئے کہا۔

خان۔۔۔ اوزلہ نے حیرانگی سے فرشتے کے لفظ دہرائے تھے۔۔

اوزلہ اور فرشتے نے سراسیمگی سے حیدر خان کو دیکھا جو اب اپنی پسٹل نکالتے اس آدمی پر تان چکا تھا۔

ہم کو معاف کر دو ہم نشہ میں تھا ورنہ ہم خود عورت کا بہت عزت کرتا ہے۔ وہ آدمی حیدر خان کے آگے ہاتھ جوڑتے گڑگڑایا تھا۔

نشے میں بھی ایک عورت پر بری نظر کیوں ڈالی؟؟ وہ بھی اس عورت پر جسے دیکھ کر مجھے اپنی خانم یاد آئی۔۔ حیدر خان اسے بونٹ پر لٹائے اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھے دھاڑا تھا۔

فرشتے کا وجود اب آندھیوں کی زد میں آیا تھا وہ کپکپاتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔ حیدر خان کا خوف رگ رگ میں سما رہا تھا اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہو جاتا وہ ہی اس کی خانم ہے یقیناً وہ اس کی جان لے لیتا۔۔

اوزلہ حیرانگی سے حیدر خان کے لبوں سے لفظ خانم سن کر فرشتے کو دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی تو بہتی آنکھوں سے کانپتے ہوئے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

ہم کو معاف کر دو۔ ہم کبھی ایسے نہیں کرے گا۔ وہ آدمی ہاتھ جوڑے گڑگڑا رہا تھا۔

تم ایسے کرنے کے اب قابل رہو گے بھی نہیں۔ میرے نزدیک جو مرد ایک عورت کی عزت اتارنے کا سوچے بھی اس کے لیے موت کی سزا سے کم نہیں ہونی چاہیے تو نے تو سر عام سڑک پر ایک عورت کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی۔۔ اگر میں نہ آتا تو تم پتہ نہیں کیا کرتے۔؟؟۔ حیدر

خان وہ پسٹل پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر مارتے ہوے غرایا تھا۔ وہ آدمی چیختے ہوے اب گڑ گڑانے لگا۔ حیدر خان کی آنکھوں میں موت کا رقص ناچ رہا تھا۔

حیدر خان نے اس آدمی کا ہاتھ پکڑے اس میں فائر کر دیا۔ اوزلہ منہ پر ہاتھ رکھے چیخ پڑی تھی فرشتے تو خوف سے چیخ بھی نہ سکی تھی۔

حیدر خان نے اس آدمی کے دونوں ہتھیلیوں میں فایر کیے تھے۔۔ وہ آدمی درد سے چیخ رہا تھا۔

حیدر خان اسے گریبان سے جکڑے سڑک پر پٹخ چکا تھا۔

فرشتے اپنے چکراتے سر کو سنبھالتے بمشکل کھڑی تھی۔

گاڑی میں بیٹھیں آپ دونوں۔۔۔حیدر خان نے اوزلہ کے قریب آتے سنجیدگی سے کہا فرشتے پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

فرشتے نے اوزلہ کو دیکھتے خوف سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

حیدر خان نے اسے سر نفی میں ہلاتے دیکھ کر اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

اے گاڑی والا شریف آدمی تم جاؤ یہاں سے ہم چلا جائے گا۔۔اوزلہ اپنا خشک حلق تر کرتے بمشکل بولی۔فرشتے سے زیادہ اب اسے اس شریف آدمی سے خوف آرہا تھا۔

وہ کچھ پل فرشتے کو لب بھینچے دیکھتا رہا جو اپنی چادر سے اپنی آنکھیں تک چھپا رہی تھی۔۔۔

حیدر خان ن غصے سے آگے بڑھتے فرشتے کی کلائی جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ فرشتے اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی سسکیاں تک روک چکی تھی۔۔

وہ پچھلی گاڑی کا دروازہ کھولتے فرشتے کو اندر بے دردی کے دھکیل چکا تھا۔ فرشتے پیچھے کو ہوتے اپ اپنی آنکھیں تک چھپاتے چہرے پر گونگھٹ ڈال چکی تھی۔۔

میرے لیے ہر عورت کی عزت اتنی ہی قیمتی ہے۔ جتنی میری عورت کی۔۔ آپ کی جگہ میری عورت ہوتی رات کے اس پہر اسے باہر آنے پر بہت بری سزا دیتا۔۔ لیکن میں جانتا ہوں میری خانم کبھی ایسا نہیں کر سکتی ۔۔ حیدر خان فرشتے کے چہرے پر گونگھٹ دیکھتے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ فرشتے بری طرح کانپتے اپنی سسکیاں روکے ہوے تھی۔

معاف کیجیے گا آپ کی کلائی چھوئی۔۔ایک غیر عورت کو چھونا مجھے بھی اچھا نہیں لگا۔حیدر خان سنجیدگی سے کہتے پوری قوت سے دروازہ بند کر چکا تھا۔فرشتے لرزتے ہوئے دروازے میں سما گئی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے حیدر خان نے اوزلہ کو گھور کر دکھا جو یہ حیرانگی بلکہ پریشانی سے سب دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان کے گھورنے پر وہ کانپتے ہوئے تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھتے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔۔

حیدر خان نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی ت ء ی.

عابیر چلڈرن وارڈ سے باہر آتے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ بہرام کو ایسے دیکھنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔۔ شہرام خان کو تو وہ ایک لمحے کے لیے نظر بھر کر نہیں دیکھ سکی تھی۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بری طرح سسک سسک رہی تھی۔ عابیر کافی دیر تک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے روتی رہی تھی۔ بہرام شہرام کو ایسے دیکھ کر اس کا دل پھٹ رہا تھا۔۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے اگے بڑھی تھی کہ ایک کمرے سے آتی آواز پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

وہ ہاسپٹل کے جس حصے میں تھی یہ بہت بڑا تھا۔۔ یہاں مختلف وارڈز اور کمرے بھی تھے۔ جہاں پیشنٹس کے لیے دو دو بیڈز رکھے گئے تھے۔۔ کچھ

بچوں کی کنڈیشن کی وجہ سے انھیں الگ روم میں شفٹ کیا جاتا تھا۔۔وہ بچے جنھیں دماغی امراض کا کوئی مسلہ ہوتا تھا۔۔

کمرے کے آدھ کھلے دروازے سے آتی آواز پر عابیر کے بدن میں کپکپاہٹ شروع ہوئی تھی۔۔دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

براک۔۔۔۔عابیر کے کپکپاتے لب بے آواز پھڑ پھڑائے تھے۔۔

دوسرے لمحے وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔۔

بیڈ پر براک ہی بیٹھا تھا جس کے سر پر پٹی بندھی تھی۔عابیر دل پر ہاتھ رکھتے شدت سے رو دی تھی۔۔

براک۔۔۔۔عابیر روتے ہوے براک کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے اسے سینے سے لپٹا گئی تھی۔

وہ اس کے حصار میں مچلا تھا وہ اسے سینے سے لپٹائے شدت سے رو رہی تھی۔۔ وہ براک کے کتنی بے چین تھی۔ وہ وہی جانتی تھی دارم اس کا فون ہی نہیں اٹھاتا تھا براک کیسا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں اسے معلوم ہی نہیں تھا۔ براک کے لیے اس کے دل میں ممتا کی تڑپ تھی۔۔ کوئی اس کا اور براک کا رشتہ نہیں سمجھ سکتا تھا مگر وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔

عابیر اس سے علیحدہ ہوتی اس کا چہرہ نرمی سے دونوں ہاتھوں میں تھامے اب اسے روتے ہوئے دیوانوں کی طرح چوم رہی تھی۔۔

براک نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بری طرح جھٹکا تھا۔ عابیر پیچھے کو ہوتی لڑکھڑائی تھی۔

عابیر نے حیرانگی سے اسے دیکھا وہ ناگواری سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کی سرد اجنبیت نگاہوں سے عابیر کو دھچکا سا لگا تھا۔اس کی آنکھوں میں اجنبیت اور چہرے پر سرد پن تھا۔

عابیر گہرے سانس لیتے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

Who r u?and what r u doing??

ڈسگسٹنگ بر اک اپنے چہرے سے اس کا لمس رگڑتا ناگواری سے بولا۔۔

یہ کک کیا کہہ رہے ہو؟۔۔ مم میں کون ہوں؟؟عابیر نے حیرت و استعجاب سے کہتے اپنی دھڑکنوں پر انگشت شہادت رکھتے ہچکی لی تھی..

اس کا سرد سپاٹ ناگواریت بھرا رویہ اس کے دل پر چیرے کی مانند لگا تھا۔

Are you deaf? This is what I said: who are you and what cheap actions are you doing?

آپ بہری ہیں کیا؟؟ یہی تو کہہ رہا ہوں آپ کیا کر رہی ہیں۔ یہ کیا چیپ حرکت تھی جو آپ کر رہی تھیں۔

براک اب دبے انداز میں چیخا تھا۔

چیپ حرکتیں یہ براک۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟۔ یہ کیسے بات کر رہے ہو مجھ سے؟؟۔۔ عابیر روتے ہوے بولی۔

آپ میرے لیے سٹرینجر ہیں۔۔ آپ میرے کمرے میں بنا آجازت کے آکر مجھے کسز کر رہی ہیں تو کیا کہوں اس کو۔۔ براک عابیر کو سرد نگاہوں سے گھورتے لفظ چباتے بولا۔۔

سٹرینجر ہوں میں؟؟ عابیر نے انگشت شہادت دل کے مقام پر رکھتے ہچکی لی تھی۔

جوابًا براک کو ناگواری سے دیکھتا پا کر عابیر کی ہچکیاں بڑھی تھیں۔۔ براک کا رویہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ اندر سے جیسے مر رہی تھی۔

میں آپ کی عابی جان براک۔۔ عابیر نے روتے ہوئے کہتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے پھر سے جکڑا۔۔ اس کے سر پر بندھی پٹی اسے بہت تکلیف دے رہی تھی. پھول جیسا چہرہ زرد تھا۔۔ عابیر کے دل کو کھینچ پڑی تھی۔

ڈونٹ ٹچ می۔ اب میں برداشت نہیں کروں گا۔ اور کون عابی جان میں فرسٹ ٹئیم آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ براک اس کے ہاتھ جھٹکتا چیخا تھا۔

کون عابی جان یہ کیا کہہ رہے ہو تم ؟؟ عابیر کی سسکیاں بڑھی تھیں۔۔۔ دل میں درد ہی درد تھا۔۔ کوئی رشتہ اس کے پاس نہ رہا تھا اب براک بھی اسے پہچاننے سے انکار کر رہا تھا جس نے اسے مردہ سے زندہ کیا تھا۔

جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔ تمھارا ناراض ہونا بنتا بھی ہے۔ مگر یہ تو مت کہو تم اپنی عابی جان کو جانتے نہیں۔۔ بہت محبت کرتی ہوں تم سے ۔ تمھاری ماما نہیں مگر تم سے محبت ایک ماں کی طرح ہی کرتی ہوں۔

آپ میری مما ہو بھی نہیں سکتی۔۔ میری مما بہت اچھی ہیں اور میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ براک ناگواری سے بولا

مما۔۔۔ عابیر نے روتے ہوئے تحیر سے اس کا لفظ دہرایا۔

بابا۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔ براک اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑتے چیخا تھا۔

دارم خان جو واش روم میں تھا۔ براک کی چیخوں پر جلدی سے واش روم سے باہر آیا۔۔

عابیر کو براک کے سامنے بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔

براک میری بات سنیں۔۔عابیر نے التجائیہ لہجے میں گڑگڑاتے ہوے اس کا ہاتھ پکڑا۔۔

اہہہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے اپنا سر دونوں ہاتھ میں جکڑے چیخیں مارنے لگا۔۔

دارم جلدی سے آگے بڑھتے عابیر کی کلائی جکڑے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔۔

عابیر دارم خان کے حصار میں کھنچتی چلی آئی تھی۔

وہ بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے باہر کوریڈور میں لایا۔۔جہاں رات کا سناٹا چھایا تھا۔مدھم سی لایٹ جل رہی تھی۔

چھوڑیں مجھے دارم خان۔۔۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی؟؟۔۔ عابیر اپنی کلائی چھڑواتے ہوے چیخی تھی

وہ اسے بری طرح دیوار میں پٹخ گیا تھا۔

عابیر نے درد سے کراہتے ہوے دارم خان کو دیکھا جو اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

عابیر کی چادر سر سے اترتے کندھوں پر آئی تھی۔۔

کیا چاہتی ہیں آپ؟؟۔۔ کیا براک کی جان لینا چاہتی ہیں تو سیدھی طرح اس کے سینے میں پسٹل کی گولیاں اتار دے۔ کیونکہ اسے تڑپتے سسکتے مرتے ہوے میں نہیں دیکھ سکتا۔۔

دارم نے اپنی قمیض کی پاکٹ سے پسٹل نکالتے عابیر کے ہاتھ میں پکڑائی۔۔

عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے پسٹل پکڑتے دارم خان کو بھیگی نگاہوں سے نا سمجھی سے دیکھا۔۔

کیا دیکھ رہی ہیں آپ ایسے ؟؟ترس کھاؤں میں آپ کی جھوٹی مامتا جھوٹے آنسوؤں پر میں کیا؟؟۔۔دارم خان تلخی سے بولتا عابیر کے عارض پر بہتے آنسوؤں کو دیکھتے استھزائیہ ہنسا۔۔

جھوٹی مامتا جھوٹے آنسو نہیں ہیں میرے۔۔عابیر تڑپتے ہوے بولی تھی۔۔

جھوٹی ہیں آپ اور جھوٹے ہیں آپ کے آنسو۔۔آپ کی وجہ سے میرا بیٹا موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔خون میں لت پت لایا یہاں۔۔۔

پوری رات میں اس ٹھنڈے کوریڈور میں چکر لگاتا رہا۔۔زندگی اندھیر ہو گئی تھی میری۔۔۔کہاں تھی آپ کی مامتا؟؟۔کہاں تھی آپ؟؟۔۔۔دارم نے استھزائیہ انداز میں سوال کیے۔۔

میں۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔مجبور تھی۔۔۔عورت ہوں میں جسے شاید سانس بھی مردوں کی آجازت سے لینا پڑتا ہے۔۔عابیر روتے ہوے بولی۔۔

نہیں عابیر۔۔۔۔عورت کو سانس مرد کی مرضی سے نہیں لینا پڑتا ۔۔عورت مرد کو اس حد تک مجبور کرتی ہے وہ اس کی سانسیں گھوٹنے لگتا ہے۔۔آپ عورت تھیں۔۔پھر یہاں کی عورت ہیں آپ۔۔۔آپ کو اپنی لمٹس کا پتہ ہونا چاہیے تھا۔آپ کو براک کے قریب نہیں آنا چاہیے تھا ۔۔سچ بتاؤں آپ کے اس ایکٹ کی وجہ سے میرے دل میں آپ کے لیے جگہ بنی۔میں آپ سے محبت کرنے لگا۔۔براک آپ کی باتیں بتاتا تھا میں

بن دیکھے آپ کو دیکھ چکا تھا۔ آپ کے بال کیسے ہیں؟؟ آپ کی آنکھوں کا کلر کیا ہے؟؟۔ آپ کے ہونٹ کیسے ہیں؟؟۔۔ بنا دیکھے بھی مجھے پتہ تھا۔ دارم اس کے چہرے کے نقوش پر نظریں گاڑھے سرد سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ عابیر اس کے لفظ سنتے غرائی تھی۔۔

حقیقت بتا رہا ہوں مسسز اسفندیار خان۔۔ آپ غیر شادی شدہ ہیں یہ سوچتے آپ کو اپنے نکاح میں لینے کا خود سے عہد بھی کر چکا تھا میں۔۔ دارم خان کی بات سنتے عابیر کے ہاتھوں سے پسٹل چھوٹ کر زمین پر گرا تھا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنی چادر سر پر جماتے اپنے چہرے کا نقاب کر گئی۔۔۔ دارم خان اسے دیکھتا تلخی سے ہنسا۔

کوئی فائدہ نہیں اب آپ کا خود کو چھپانے کا آپ مجھ پر ظلم کر چکی ہیں۔۔

اب کبھی شاید آپ میرے دل سے نہ اتر سکے۔۔ مرد جس عورت کو پا نہ سکے وہ ساری عمر اس کے دل سے نہیں اترتی۔۔

دارم خان استھزائیہ بولتے کرب سے مسکرایا۔

عابیر گہرے سانس لیتے ہیزل گرے نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

چوبیس گھنٹوں بعد براک کو ہوش آیا تھا۔ جب ہوش میں آیا تو وہ اپنی یادشت کھو بیٹھا تھا۔ دارم خان نم لہجے میں بول رہا تھا۔

یہ سنتے عابیر کے چہرے سے پھر سے نقاب گرا تھا شال سر سے اترتے اس کے کندھوں پر آئی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے بے یقینی سے نم نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کی یاداشت دو سال پیچھے چلی گئی ہے۔۔ جہاں اس کی مورے اس کی دادی زندہ تھی۔۔ دارم کپکپاتے لبوں سے بھیگے لہجے میں بول رہا تھا۔۔

عابیر دل پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے سن رہی تھی۔۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے سب سے پہلے اپنی مورے کے بارے میں پوچھا۔ مجھے اس وقت سمجھ نہیں آرہا تھا اس بات کی خوشی مناؤں کہ روؤں۔۔ اگر وہ ہوش میں آتے آپ کے بارے میں پوچھتا تو کیا کہتا میں اس سے۔۔ اس نے اپنی مورے کے بارے میں پوچھا۔۔ تب بھی سمجھ نہیں آیا کیا کہوں۔

بسی ہی بے بسی تھی۔ برا اک میری زندگی ہے۔۔ اسے کسی صورت کھو نہیں سکتا تھا۔ لیکن ایک بات ہم دونوں باپ بیٹے کے حق میں پلس پوائنٹ ثابت ہوئی۔ وہ آپ کو بھول گیا۔۔ اور میری خدا سے یہی دعا ہے کہ اس کی

یاداشت کبھی واپس نہ آئے۔۔ آپ کبھی اس کی یاد میں بھی نہ آئیں۔ دارم خان کی بات پر وہ چہرہ ہاتھوں مین چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی

ایک ہی حل تھا میرے پاس اس کی مورے اسے لا دوں۔ ورنہ وہ جان سے چلا جاتا۔ اس لیے اس کی خالہ سبرینہ سے میں نے نکاح کر لیا۔۔ وہ براک کی ماں کی ہم شکل ہیں۔

براک اسے اپنی مورے ہی سمجھتا ہے۔۔ اور وہ اس کی مورے ہی ہے۔ دارم خان اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسلتا بھیگے لہجے میں کرب سے بولا۔

عابیر دیوار میں سمائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

دوبارہ اب کبھی براک کے سامنے مت آیئے گا۔ ورنہ وہ سچ میں اپنی جان سے جائے گا۔ دارم عابیر کے لرزتے روتے وجود پر قہربار نگاہیں ڈالتے بولتے ہوئے پلٹتے ہوئے براک کے کمرے کی طرف بڑھا۔

دارم خان۔۔۔ عابیر کی نم آواز پر اس کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔

عابیر آہستگی سے چلتے دارم خان کے مقابل آئی۔۔

میں براک کے لیے خوش ہوں۔ خدا نے اسے اس کی مورے واپس لوٹا دی۔۔ اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ اسے اس کی مورے واپس مل گئی۔۔ جو عورت آپ کو ملی نہیں اس کا سوگ منانے سے اچھا ہے۔ اس عورت کو دل میں بسائیں جسے خدا نے آپ کی محرم بنایا۔۔ عابیر نے نم آواز میں کہتے دارم خان کی آنکھوں میں دیکھا۔

اگر اسفندیار خان کبھی واپس نہ آتا۔ میں تب بھی آپ کی نہیں ہو سکتی تھی۔۔ کیونکہ یہ دل یہ تن من صرف اسفندیار خان کا ہے اور مرتے دم تک رہے گا۔ عابیر دارم خان کی آنکھوں میں دیکھتے مستحکم لہجے میں بول رہی تھی۔

دارم خان اس کی گرے آنکھوں میں دیکھتے لب بھینچے ہوے تھا۔

آپ نے مجھے مرد کی فطرت بتائی جس عورت کو وہ پانہ سکے اس کا غم ساری عمر نہیں جاتا۔۔ میں آپ کو عورت کی فطرت بتاتی ہوں۔ عورت جس کی ایک بار ہو جائے وہ مرتے دم تک اس مرد کو نہیں بھولتی۔۔ چاہے وہ مرد اسے دھتکار کر کیوں نہ چلا جائے۔۔ اور پھر اگر وہ عورت ایک بیوی ہو وہ کسی دوسرے کی طرف دیکھنا تو دور کی بات تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔۔ عابیر کی بات پر دارم خان کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

رنگ مت لال کریں۔۔ عورت کی فطرت بتا رہی ہوں۔ میرا رب اس بات کا گواہ ہے ایک پل کے لیے بھی کبھی آپ کے لیے میرے دل میں کوئی غلط خیال نہیں آیا۔ صرف اس کے علاوہ کہ براک کے لیے میرے دل میں سچے جذبات تھے۔۔

جسے آپ سب نے میرا گناہ بنا دیا۔۔ صرف آپ نے نہیں اس دنیا کے ہر شخص نے۔۔ ٹھیک کہا آپ نے عورت کو اپنی حدود میں ہی رہنا چاہیے۔ ایک بچے کے لیے ہی سہی مگر میں نے اپنی حدود شائد کراس کیں۔۔ اور آپ دنیا والوں نے میرے کردار کا سرٹیفیکیٹ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔۔

اس دنیا میں عورت کی سانسیں گھونٹی جاتی ہیں۔ کبھی اس کی حدود بتا کر کبھی اس کے رشتے بتا کر کبھی اسے عورت ہونے کا احساس دلا کر۔۔ کبھی وہ عورت خود ہی اپنی سانسیں گھوٹ دیتی ہے ایک سفاک مرد کو اپنے دل اپنے

تن من کا مالک بنا کر۔۔۔عابیر سپاٹ انداز میں بولتے دارم خان کی آنکھوں میں پر اعتماد طریقے سے دیکھ رہی تھی۔۔

دارم خان اسے سرخ سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے دل دینا آپ کی غلطی تھی میری نہیں۔۔ مجھ سے نکاح کرنے کا عہد کرنا آپ کی غلطی تھی میری نہیں۔۔۔۔ عورت ہوں میں۔۔ حویلی کی عورت ہوں میں۔۔ مگر آپ نے میری مرضی جانے کے بغیر کیسے نکاح کا عہد کر لیا۔۔عابیر نے استھزائیہ انداز میں سوال کیے۔۔ دارم خان اسے جوابًا سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

میں عابیر خان ہوں۔۔۔جو اپنی تذلیل کسی صورت برداشت نہیں کرتی۔ دوسرے کی بات کیسے اس کے منہ پر مارنی ہے یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے میں سچ بولتی ہوں جو آپ مردوں سے برداشت

نہیں ہوتا۔۔عابیر نے تلخی سے بولتے اپنے چہرے پر نقاب کیا ہی تھا۔

سامنے سے آتے اسفندیار خان کو دیکھتے اس کے ہاتھوں سے نقاب چھوٹ کر گرا تھا۔۔۔پورا بدن زلزلوں کے آثار میں آیا تھا۔

اسفندیار خان خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھتے اس کی طرف بڑھ رہا تھا ۔۔عابیر کپکپاتے ہوے پیچھے کو ہوتی دیوار سے ٹیک لگا گئی تھی۔۔

عنائیہ اپنے کمرے میں کب سے بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

ایس پی درخزئی کی بے باک باتیں بھول نہیں رہی تھیں۔

زاران ایسے ہی ابرش کو دل دے بیٹھا تھا اور کیسے وہ گن پوائینٹ پر اسے اغوا کر کے لے ایا تھا اور زبردستی نکاح کر بھی لیا تھا۔ پھر بہزاد نے اسے اغوا کر

کے رکھا چار مہینے ایک بند کمرے میں۔ اور یہاں آکر بھی خانزادوں کا جو روپ دیکھا وہ سچ میں اس کے دل میں ایک عجیب سا خوف بیٹھ چکا تھا۔۔ کسی خانزادہ سے نکاح کرنے سے بہتر اسے مرنا زیادہ آسان لگ رہا تھا۔ خانزادہ پاکستان اس کے نایٹ میر کی طرح تھا۔

وہ اس طرح کسی خانزادہ کے نکاح میں آکر ابرش کی طرح بڑی بڑی چادریں نہیں اوڑھ سکتی تھی۔ ایک تو وہ خانزادہ تھا اوپر سے ایس پی وہ بھی بے باک خانزادہ۔۔۔ عنائیہ کا دل پہلو میں شدید دھڑک رہا تھا۔

عجیب سا خوف چھا رہا تھا۔ اپنی ماں زحلے سے کوئی امید نہ تھی۔۔ وہ آج تک اپنے لیے کچھ نہ کر سکی تھیں وہ اس کے لیے کیا کرتی۔۔

اگر در خزئی نے بھی زاران کی طرح اپنا کہا سچ کر دکھایا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا تو جو انسان نکاح کے بغیر اتنا بے باک اور بد تمیز تھا۔ وہ نکاح کے بعد کیا کیا نہ کرتا اور کہتا۔۔۔

افف۔۔۔ عنائیہ نے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا۔۔ وہ اتنی سی عمر میں یہ سب اس لیے سوچ رہی تھی۔۔ وہ بہت تلخ حقیقتیں سہہ چکی تھی۔۔ جو اسے یہ سب سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ادھر اس نے بہت سی پندرہ سولہ سالا لڑکیوں کی شادی ہوتے دیکھا تھا اور انھیں لڑکیوں کو ایک دو مہینے بعد ماں بنتے بھی دیکھا تھا۔ حویلی کی ملازماؤں کی کچھ لڑکیوں کی عمریں اتنی ہی تھیں ان کی شادی ہو بھی چکی تھی۔۔ عنائیہ کا سوچ سوچ کر دماغ شل ہو رہا تھا۔

بند کمرے میں اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ اپنی منتشر ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتی اپنا گرم لانگ کوٹ پہنتے اپنے کمرے کی ٹیرس پر آئی تھی۔۔

ٹھنڈی یخ ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔۔ چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا۔۔ وہ ہاتھوں کو رگڑتی برفیلی لوہے کی گرل پر ہاتھ جما گئی تھی۔۔ اس کے سیاہ سلکی بال تیز ہوا سے بکھر رہے تھے۔

وہ اپنے دھیان میں پہاڑوں کو دیکھتے بہتے دریا کو دیکھنے لگی جو حویلی کے پچھلے لان میں نیچے کی طرف گزرتا دکھائی دیتا تھا۔ وہ یہ سب دیکھتے گہری سوچ میں گم تھی۔۔

درخزئی اپنے کمرے میں آکر کب سے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔۔ مگر بار بار عنائیہ کا ٹکرانا یاد آجاتا تھا۔۔ وہ اس کے سینے سے بہت بری طرح ٹکرائی تھی وہ پل یاد کرتے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔۔ جو اس جذبے جیسے آج کچھ زیادہ ہی پریشان کر رہے تھے۔۔ اس کا لبوں کا پاؤٹ کی صورت میں ڈالنا

اسے بار بار بے چین کر رہا تھا۔۔اس کا خوبصورت چہرہ اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔۔پہلی مرتبہ تھا کوئی لڑکی بری طرح حواصوں پر سوار ہوئی تھی۔ایسی سوار ہوئی وہ اس کے دل و دماغ سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔

ایسے کیسے ہو سکتا تھا سولہ سال کی لڑکی اس کا دل لے بیٹھے۔۔

اس کا ہوش ربہ سراپہ درخزئی کی نظروں کے سامنے آیا۔

وہ کہیں سے بھی سولہ کی نہیں لگتی تھی۔۔وہ انیس بیس کی لگتی تھی۔۔فزیک سے تو ایسا ہی لگتا تھا۔۔چہرے پر معصومیت تھی مگر وہ یہ سوچتے بے چین ہو رہا تھا۔کیسے وہ سولہ سال کی ہو سکتی ہے؟؟۔۔درخزئی نے سوچتے ہوے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔۔

ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہو۔۔۔ صرف مجھے خود سے دور رہنے کے لیے اس نے اپنی عمر کم بتائی ہو۔۔ در خزئی پریشانی سے ٹہلتے ہوے سوچ رہا تھا۔

اگر اس کی عمر سولہ سال کی ہی ہوئی تو کیا وہ اسے چھوڑ سکتا تھا اس کے دل نے سوال کیا۔

دل میں عجیب سا درد اٹھا تھا۔۔ وہ پہلی ملاقات میں اس کے حواصوں پر چھا گئی تھی۔۔

لوایٹ فرسٹ سائیڈ کا مطلب آج سمجھ آیا تھا۔ یہ لوایٹ فرسٹ سائیٹ ہوتا ہے اسے یقین ہوا تھا۔۔ فیصلہ تو وہ کر چکا تھا اسے اپنے نکاح اپنی سپردگی میں لے گا چاہے حویلی والوں سے ٹکرانا پڑے یا پھر پوری دنیا سے۔۔ وہ ٹکرانے کو تیار تھا۔

وہ بے چین ہوتا بیڈ سے اٹھا تھا۔۔ اپنا گرم کوٹ پہنتے وہ کمرے سے ملحقہ ٹیرس پر آیا۔۔ یخ برفیلی ہواؤں نے اس کا استقبال کیا۔۔ وہ گہرے سانس لے کر رہ گیا۔۔

پہاڑوں کو دیکھتے اس کی نظر ساتھ والے ٹیرس پر پڑی۔ عنائیہ کو دیکھتے اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔

اسی لمحے عنائیہ کی نظریں بھی بے اختیار اس پر پڑیں تھیں۔ اس کی سرخ رنگت مزید سرخ ہوئی تھی۔۔ آنکھوں میں شرارے پھوٹے تھے۔۔

جی مس امریکن پلٹن۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟؟ درخزئی گرل کے ساتھ ٹیک لگائے محظوظ ہوتا بولا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں شرارے پھوٹتے اسے بہت محظوظ کر چکے تھے۔

عنائیہ بنا کوئی جواب دیے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

درخزئی اس کے انداز پر گہرا مسکرایا تھا۔

مس امریکن۔۔۔۔ کہیں آپ کو یہ بیماری تو نہیں کہ کسی خانزادہ کو رات کے اندھیرے میں ایسے ٹیرس پر دیکھ کر ٹیرس سے کود کر خودکشی کر لینا۔ درخزئی اونچی آواز میں شرارتی لہجے میں بولا۔۔

عنائیہ نے پلٹتے ہوے اسے گھور کر دیکھا۔۔

دیکھو اگر تمھیں یہ بیماری ہے تو کودتے ہوے خیال رکھنا تم دریا میں کودو تاکہ میں تمھیں بچا کر تمھیں اپنے سینے سے لپٹا کر تمھاری

ناز۔۔۔۔۔۔ کی۔۔۔۔۔ عنائیہ کے خونخوار نگاہوں سے گھورنے پر وہ

خاموش ہوا تھا۔ڈرنے کی شاندار ایکٹنگ کرتے وہ اپنے لفظ حلق میں گھونٹ گیا۔۔

میرا مطلب ہے تمھیں سینے سے لگا کر خود کو سکون پہنچا سکوں۔۔ درخزئی اپنی مسکراہٹ دبائے بولا۔۔

چیپ انسان۔۔۔ عنائیہ بڑبڑائی تھی۔

چیپ خانزادہ کہو میری جان۔۔۔ تمھاری دشمنی تو خانزادو سے ہے انسانوں سے کیا تمھارا واسطہ۔۔۔ درخزئی گرل سے ٹیک لگائے اس کے سلکی سیاہ بالوں کو نظروں کے حصار میں لیے بولا۔۔ جن پر اس کا دل آ چکا تھا۔۔ نکاح کے بعد وہ ان بالوں کو صرف اپنی ملکیت بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔۔ وہ اس کی ڈریسنگ کو گھورتے اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔ نکاح کے بعد سب سے پہلے وہ اسے تمیز والے حلیے میں لانے کا آرادہ رکھتا تھا۔

کیا خانزادے انسان نہیں ہوتے۔۔۔ عنائیہ اسے دیکھتے غصے سے بولی تھی۔

یہ تو تم نکاح کے بعد ڈیسائیڈ کرو گی کہ میں انسان ہوں یا کہ نہیں۔۔۔ درخزئی نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔

واقعی میں چیپ ہو۔۔ عنائیہ اس کی بات اور اس کے انداز پر بھڑ بھڑ جلتی بولی تھی۔

اسے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں آیا تھا۔ مگر اس کے انداز اور آنکھ مارنے پر اسے پکا یقین تھا اس نے کوئی بے باک بات کی ہے۔۔

ویسے تمھیں میں نازکی کا مطلب بھی نکاح کے بعد اچھی طرح سمجھاؤں گا۔ پھر تم میری بانہوں میں مجھے جتنی مرضی گالیاں دینا۔۔ درخزئی نے عنائیہ کے ہونٹوں کو فوکس کرتے کہا۔۔ جو پاؤٹ کی صورت میں اسے دیکھ کر

سکڑے تھے۔۔شاید وہ گہرے سانس لیتے اپنا سانس باہر چھوڑ رہی تھی. یہ ریلیکس رہنے کی تھراپی تھی وہ خود کو ریلیکس کر رہی تھی۔۔ درخزئی کو اس کا ہر انداز پاگل کر رہا تھا۔وہ بہت کیوٹ حرکتیں کر رہی تھیں۔۔ کبھی لبوں کا پاوٹ بنا لیتی کبھی سانس باہر چھوڑتی کبھی اسے غصے سے دیکھتے گرل پر ہاتھ جما لیتی۔

درخزئی اپنی گھنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے پھر سے اس کا مکمل ایکسرے کر رہا تھا۔

بانہوں مین اور تمھاری یہ بات بھول جاؤ۔۔امریکہ اکیلی چلی جاؤں گی اگر کسی نے مجھ سے زبردستی کی۔۔عنائیہ کافی دیر بعد غصے سے چیخی تھی۔۔اسے کیا جواب دینا ہے وہ کافی دیر بعد سوچتے بولی تھی۔۔وہ اس کی ہر بات کا بے باکی سے جواب دیتا جو اسے اندر تک جلا دیتا۔

نہیں جا سکو گی میری جان۔۔۔اس ملک سے تو دور کی بات اس سوات سے نہیں نکل سکو گی۔۔ تمھارا نام ای سی ایل میں ڈال دوں گا۔

واٹ۔۔۔عنائیہ درخزئی کی بات پر حلق کے بل چیخی تھی۔۔

چلانا بند کرو میری جان۔۔۔مجھے عورت کا یوں چیخنا چلانا پسند نہیں۔۔۔نکاح کے بعد سب سے پہلے تمھاری چیخ اپنے انداز میں تمھارے گلے میں گھنٹوں گا۔۔درخزئی نے ٹھنڈے انداز میں کہتے اسے آنکھ ماری۔

ایسا نہیں ہو گا میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔۔عنائیہ روہانسی ہوئی تھی۔

ایسا ہی ہو گا میری جان۔۔۔نکاح کے بعد تم مجھے جان سے نہیں مارو گی میں تمھاری جان نکالوں گا۔میری حرکتوں سوری میری شدتوں پر تم میرے سامنے نظریں نہیں اٹھا سکو گی کجا کہ تم کہہ سکو۔۔

واٹ۔۔۔ تم۔۔۔۔ عنائیہ نے روہانسے ہوتے اسے گھور کر دیکھا۔۔

درخزئی اس کی آنکھوں میں نمکین پانی کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اب دل رکر ہا تھا وہ نمکین پانی اپنے لبوں سے چننا چاہتا تھا۔۔

جی میری جان نکاح کے بعد سب سے پہلے آپ اپنے خوبصورت لبوں سے مجھے آپ کہیں گی۔ پھر میں آپ کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے آپ کو بتاؤں گا آپ کے ہونٹ شہد سے بھی میٹھے ہیں۔ درخزئی کی بات پر وہ کان کی لوؤں سے گردن تک سرخ پڑی تھی۔۔

اس نے اب روہانسے ہوتے اپنا نچلا لب بچوں کی طرح باہر نکالا تھا۔ درخزئی گرل سے ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔ اس کا یہ انداز اس کے دل میں نہیں روح میں اترا تھا۔ وہ تو اسے روح تک گھائل کر چکی تھی۔۔ کبھی ہونٹوں کا پاوٹ بناتی اور اب بچوں کی طرح نچلا لب باہر نکالے کھڑی بھیگی آنکھوں سے

دیکھتے اسے ان پہاڑوں دریاؤں دنیا کی ہر خوبصورتی سے زیادہ خوبصورت لگی۔۔وہ اس کے لیے پاگل ہوئی تھی۔۔عنائیہ اسے گہری نگاہوں سے خود کی طرف دیکھتے پا کر وہ مزید روہانسی ہوئی تھی۔اس بے باک انسان کے سامنے وہ مزید کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔وہ تو بقایا کانپنا شروع ہو چکی تھی۔۔درخزئی اس کے بدن کی کپکپاہٹ کو محظوظ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ہر ادا مقابل کی جان لیوہ تھی اور وہ ہر ادا پر گھائل ہوتے اس کے لیے پاگل ہو چکا تھا۔

عنائیہ اسے شعلہ بار بھیگی نظروں سے دیکھتے اندر چلی گئی تھی۔۔جاتے ہوے دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ درخزئی کے لبوں سے بلند قہقہ امڈا تھا

۔

ہائے۔۔۔۔۔درخزئی خان نے دل پر ہاتھ رکھتے آہ بھری تھی۔۔

لالا حویلی آجائے ایک مرتبہ مس عنائی۔۔۔ پھر آپ درخزئی خانزادہ کی۔۔ نکاح تو جلد کروں گا تم سے۔۔ اب تمھارے بغیر گزارا نہیں۔۔۔ درخزئی بہتے دریا کو دیکھتے مسکرایا تھا۔

لالا۔۔۔۔۔۔۔ وہ بڑبڑایا تھا۔۔ کمینہ جب تک میرے منہ سے لالا نہ بلوالے چین نہیں آتا۔۔ خوامخواہ عزت دینی پڑے گی اسے۔۔ جو عزت کے لائق نہیں کمینہ کہیں کا۔۔ دو سال بڑا ہے مجھ سے مگر عزت ایسے کرواتا ہے جیسے پچاس سال بڑا ہو۔۔ زاران کا سوچتے وہ غصے سے بڑبڑا رہا تھا۔۔ وہ اپنے کوٹ کے کالر جھٹکتے اندر کی جانب بڑھا باہر کھڑے ہونے کا مقصد ختم ہو چکا تھا۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عابیر پیچھے کو قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں خون کی لالی اور برفیلا پن دیکھتے اس کا نازک وجود زلزلوں کی

زد میں آیا تھا۔ عابیر کی نگاہیں اسفندیار خان سے ہوتے زمین پر پڑی دارم خان کی پسٹل پر پڑیں۔۔ عابیر اپنے پاؤں سے وہ پسٹل پیچھے کرتے دارم خان کی نظروں سے اوجھل کر چکی تھی۔

دارم خان کی حیران نگاہیں عابیر کے کپکپاتے وجود سے ہوتی اسفندیار خان پر پڑیں۔۔ اسے دیکھ کر دارم خان کا چہرہ غصے اور اشتعال سے سرد اور سرخ ہوا تھا۔

اسفندیار خان نے دارم خان تک پہنچتے اسے گریبان سے جکڑتے اسے پوری قوت سے دیوار میں پٹختے اس کی ناک پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

دارم خان کی ناک سے خون فوارے کی مانند چھوٹا تھا۔

عابیر یہ دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی چیخیں اپنی سسکیاں تک روک چکی تھی۔۔وہ دیوار میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔اسفندیار خان بہت صاف لفظوں میں اسے دارم خان کے سامنے جانے سے منع کر چکا تھا۔

وہ ہاسپٹل کے اس کوریوڈر میں اس کے بے حد قریب کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔اب اسفندیار خان کے غصے سے اس کی جان جا رہی تھی۔وہ جانتی تھی وہ اپنا غصہ کنٹرول نہیں کرے گا۔شائد وہ دارم خان کو جان سے مار ڈالے۔۔

وہ تھر تھر کانپتے دیوار میں سما رہی تھی۔۔اس دن وہ شیشے کا ٹکڑا اس کے سامنے دارم کی آنکھ پر بے دردی سے مارنے لگا تھا۔وہ اسے جان سے بھی مار ڈالتا اس دن تو شائد براک کا خون میں لت پت وجود اسے روک گیا تھا ۔۔مگر آج شائد اسے یہ ہاسپٹل بھی روک نہیں پائے گا۔یہ اس کی آنکھوں

میں ناچتی وحشت اور سرخی سے بخوبی عیاں تھا۔ عابیر کا اب اپنے قدموں کے سہارے کھڑے رہنا مشکل تھا وہ اتنی شدت سے کانپ رہی تھی۔۔ اسفندیار خان کا ڈر اس پر حاوی ہوا تھا۔

اسفندیار خان بنار کے دارم خان کے چہرے پر مکے مارتے جا رہا تھا۔ وہ پل میں اس کے چہرے کا نقشہ بگاڑ چکا تھا۔

دارم خان نے چیختے ہوئے اسفندیار خان کے بینڈج لگے بازو کو بے دردی سے جکڑے دبوچا تو وہ اسی وقت خون سے تر ہوا تھا۔ اس کے سٹیچز کھل کر اس کا بازو پھر سے داغ دار کر چکے تھے۔۔ اسفند درد سے کراہتے آنکھیں میچ گیا تھا۔۔

دارم خان نے اس کے بازو کو جکڑتے جوابی کاروائی کرتے اس کے جبڑے پر مکہ پوری قوت سے مارا تھا۔ اس کے بے دردوار سے اسفند کے حلق میں خون گھلا تھا۔

عابیر یہ دیکھتے روتے ہوے اب منہ پر اپنے دونوں ہاتھ سختی سے رکھ چک تھی۔ وہ جانتی تھی اس کی ذراسی چیخ نکلنے پر اسفندیار خان اسے یہیں زمین میں زندہ گاڑھ دے گا۔

اسفندیار خان نے دارم خان کو گریبان سے پکڑے اسے زمین پر پوری قوت سے پٹخا تھا۔ دارم خان زمین پر سر کے بل گرا تھا۔۔ اسفندیار خان پر جنون وحشت سی سوار تھی۔ عابیر کو اس کے اس قدر قریب کھڑے دیکھ کر وہ اپنا آپہ کھوتے پاگل ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے وہ اٹھتا اسفند اس کی طرف بڑھتے اس کی ٹانگوں پر اپنا گھٹنا رکھتے اس کے چہرے پر بے دردی سے پوری قوت سے مکے مارنے لگا۔۔

وہ لوگ ہاسپٹل کے جس حصے میں تھے۔۔ وہ قدرے سنسان اور الگ تھلگ تھا۔ رات گہری اور ٹھنڈی برفیلی تھی اس وجہ سے یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ دارم خان کی چیخیں ہاسپٹل میں بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔۔

اسفند نے ایک آواز نہیں نکالی تھی وہ دانت پر دانت جمائے ہوے تھا۔

دارم خان نے اب اسفندیار خان کی ٹی شرٹ سے نظر آتے اس کے زخمی سینے پر اپنی سخت کھردری انگلیاں گاڑھتے اب اس کے بینڈج لگے سینے کو بے رحمی سے کھروچا۔

دارم خان کی بے رحمی سے اب اس کے سینے پر خون کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

اسفندیار خان دارم خان کے چہرے کا نقشہ بگاڑ چکا تھا اور دارم خان اسفندیار خان کے زخموں کا نقشہ بگاڑ چکا تھا۔ اسفندیار خان کی سفید شرٹ خون سے سرخ ہو چکی تھی۔ وہ اس وقت بلیک ٹراوزر اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھا جو خون سے سرخ ہو چکی تھی۔۔ دارم خان نے اس کا زخمی سینہ نوچتے اس کے جبڑے پر اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے پوری قوت سے دے مارا۔۔ اسفندیار خان کے ہونٹ سے خون نکلتے اس کے حلق میں گھلا۔

تمھاری جان لے لوں گا میں آج۔۔ کہا تھا تم سے میری بیوی سے دور رہنا ۔۔اس پر صرف اسفندیار خان کا حق ہے۔۔۔ وہ صرف میری ہے ۔۔۔ تیری ہمت کیسے ہوئی اسفندیار خان کی ذاتی ملکیت کے اتنے قریب

کھڑے ہونے کی۔۔ آج تجھ جیسے ذلیل کو میرے ہاتھوں کوئی نہیں بچا سکتا۔۔

اسفندیار خان اپنے ٹراوزر کی پاکٹ سے پسٹل نکالتے دارم خان کی پیشانی پر رکھ گیا۔

عابیر کے لبوں سے اب فلک شگاف چیخ برامد ہوئی تھی۔۔

اس کی چیخ پر اسفندیار خان کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔وہ اپنی پسٹل دارم خان کی پیشانی سے ہٹا کر عابیر پر اسی لمحے تان گیا۔

ایک آواز نہیں اگر دوبارہ تمھارے لبوں سے آواز نکلی خدا کی قسم تمھارے چیتھڑے کر دوں گا۔۔اسفند اس پر اپنی خونخوار نگاہیں گاڑھے نفرت زدہ انداز میں غرایا تھا۔

عابیر اپنے منہ پر ہاتھ جماتے تھر تھر کانپتے اپنی سسکیاں گلے میں گھونٹتے اپنے آنسو تک روک چکی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں نفرت دیکھتے اس کے دل کو جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں دبوچا تھا۔ پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں ایسی سرد مہری اور نفرت سی دیکھی تھی۔

اسفند کا دھیان عابیر کی طرف دیکھتے دارم خان نے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے ایک اور مکہ جڑا۔۔ اسفند اپنا ایک گھٹنہ اس کی ٹانگوں کے بیچ جماتے ایک ہاتھ سے اس کا گریبان جکڑے ہوے تھا۔۔ دارم اپنی پوری قوت لگاتے ہوے بھی اسے خود سے دور نہیں کر پا رہا تھا۔

اسفندیار خان اس وقت اتنا جنونی ہو رہا تھا کہ دارم خان جیسا مضبوط آدمی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ دارم خان بھی اپنی پوری قوت لگاتے اس کا حلیہ بگاڑتے اسے خون میں نہلا چکا تھا۔

اے۔۔۔۔ آج تجھے ایسی موت دوں گا موت بھی تجھ پر رحم کھائے گی۔۔۔ تو اس عورت کے سپنے دیکھ رہا ہے جسے ہوا بھی چھوے میں برداشت نہیں کر سکتا۔۔ اتنا پاگل اور جنونی ہوں میں اس کے لیے۔۔۔ اسفند اس کا گریبان جکڑے غرایا۔۔

اسفند۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران اسے بھاری آواز سے پکارتے تیز تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔۔

ڈاکٹر ماہم اور ابرش بھی زاران کے پیچھے تیز تیز قدموں سے اسفند یار خان کی طرف بڑھیں۔

اسفند نے مڑتے ہوئے ایک نظر زاران کو دیکھا تھا۔۔ دوسرے لمحے وہ دارم خان کی پیشانی پر اپنی پسٹل تانے اس کی نوک اس کی پیشانی پر بڑھا گیا۔ اس سے پہلے وہ گولی چلاتا۔۔ زران اس کی طرف بڑھتے دونوں ہاتھوں سے

پوری قوت سے دھکا دے چکا تھا۔ اسفند کی پسٹل سے گولی نکلتے سامنے دیوار پر جا لگی تھی۔۔ ڈاکٹر ماہم نے بے یقینی سے دیوار میں سراغ ہوتے دیکھا تھا ۔اسفند کی پسٹل پر سائلنسر لگا تھا ورنہ گولی کی آواز دور تک جاتی اور یہ بچوں کی وارڈ کا ایریا تھا۔ ڈاکٹر ماہم بے یقینی سے ابرش کو دیکھتے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔۔

سر شہرام کی فیملی سے اسے اس سب کی توقع نہ تھی۔

اسفند زمین سے اٹھتا دارم خان کی طرف بڑھا۔۔ زاران اسے اس کے کندھوں سے تھام کر دیوار کے ساتھ لگا گیا۔

کیا کر رہے ہو پاگل ہو گئے تم ؟؟ ہاسپٹل ہے یہ ؟؟ زاران دبی آواز میں چیخا تھا۔

ہاسپٹل ہے یہ پھر ایسا کر اسی ہاسپٹل میں مجھے دفن کر دے۔ پکڑ یہ پسٹل میرے سینے میں اتار دے۔۔ اسفند نے گہرے سانس لیتے اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھتے زاران کے ہاتھ میں پسٹل تھمائی۔۔۔ زاران نے لب بھینچتے اسے دیکھا تھا۔

نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے اسے مارنے دے۔ ورنہ میں یہی پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ کر چلا دوں گا۔ اسفند اپنی پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھے زاران کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے غرایا۔

تماشہ مت کر یہ ہاسپٹل ہے۔ یہاں میرا بھائی زخمی حالت میں مشینوں میں جکڑے ہوے ہے۔۔ اس کا نہیں میری دوستی کا لحاظ رکھ لے۔۔ زاران اس کا گریبان جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً غرایا۔

تیری دوستی کا خیال کروں ہاں۔۔۔۔کب تک تیری دوستی کا خیال کروں میں آخر؟؟تو سمجھتا ہے میرا درد تجھے نظر آتی ہے میری تکلیف۔۔۔جو میں تیری دوستی کا خیال کروں۔ٹھیک ہے تجھے خیال ہے اپنے بھائی کا اپنی بہن کا ۔۔۔ختم کر یہ سب کچھ۔۔آج مجھے اپنے ہاتھوں سے مار کر ختم کر یہ درد کا رشتہ جو تیرے نزدیک دوستی کا رشتہ ہے۔۔اسفند پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ کر دبے انداز میں چیخا۔

پسٹل نیچے کر اسفند ورنہ میں تیرا حلیہ بگاڑ دوں گا۔۔جانتا ہے تو مجھے۔۔زاران نے اسے کنپٹی پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھاتے دیکھتے اسے سختی سے دھمکی امیز لہجے میں وارن کیا۔

عابیر اسفند کو اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھتے دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔۔

زاران اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے اشارے سے آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔۔

زاران کی نگاہوں میں سرد مہری اور بے اعتباری دیکھ کر وہ وہیں پر رکے منہ پر ہاتھ رکھے رونے لگی۔۔

دارم خان زمین سے اٹھتے گہرے سانس لیتے اپنی ناک اور منہ سے نکلتے خون کو اپنے بازو سے صاف کرتے اپنی پسٹل کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ بھی آج اسفندیار خان کو چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔۔ اسفندیار خان کا وجود اسے بھی کانٹے کی طرح چبھتا تھا۔۔ جس لڑکی کے دل میں وہ بستا تھا وہ ابھی بھی اس کے دل میں اپنا ڈیرہ جمائے بیٹھی تھی۔ ہو سکتا وہ وقت کے ساتھ نکل جاتی وہ اس کے دل سے مگر ابھی تو وہ اسفندیار خان کو دیکھتے جل رہا تھا۔

جو کرنا ہے کر لے۔ یہ دوستی ختم کرنا ہے کر لے۔ جو تو چاہتا ہے وہ کر۔۔ میں آج وہی کروں گا جو میرا دل کہہ رہا ہے۔ اور میرے سینے میں دہکتی آگ روشن ہے۔۔ جو مجھے کہہ رہی ہے اس انسان کے چھیتڑے کر دوں۔ اس طرح ہی یہ آگ ٹھنڈی ہو گی ورنہ میری غیرت مجھے بے موت مار دے گی۔۔ اور بے موت میں سسک سسک کر نہیں مر سکتا سمجھا تو۔۔۔ اسفند زاران کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں پھنکارا

دوسرے لمحے وہ دارم کی طرف بڑھا۔۔

اسفند۔۔۔۔ زاران چیخا تھا۔

اسفندیار خان دارم کی طرف بڑھتے اس پر پسٹل تان گیا۔۔

دارم خان بھی جواباً اس پر اپنی پسٹل تان گیا۔

اسفندیار خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

تیری قبر یہاں بنانے سے پہلے مجھے کچھ نہیں ہو گا۔۔ اسفند دارم خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔ زاران عابیر ابرش سب ان دونوں کو بے بسی سے دیکھ رہے تھے۔۔ دونوں کی آنکھوں میں خون سوار تھا۔۔ یہ سب دیکھتے عابیر کی تو سانسیں رک رہی تھیں۔

عابیر کی بلند سسکاریوں پر زاران نے سرد سرخ نظریں اب عابیر پر گاڑھیں۔ جس نے جواباً زاران کو زخمی نظروں سے دیکھتے منہ پھیر لیا تھا۔

ڈاکٹر ماہم یہ دیکھتے جلدی سے دارم خان کے آگے آئی تھی۔

مسٹر اسفند۔۔مجھے سمجھ نہیں آتا میں آپ سے کیا کہوں۔شہرام سر کی وجہ سے آپ کی میرے دل میں بڑی عزت تھی۔۔جو ابھی آپ کو دیکھتے ختم ہو گئی۔۔یہ چلڈرن وارڈ ہے جہاں بہت سے نازک کرٹیکل کنڈیشن کے بچے زندگی کی طرف لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔آپ کا بھانجا بہرام خان بھی ادھر اپنی سانسوں سے جدوجہد کرتے اپنی زندگی بچانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے۔۔

جو ہاسپٹل سر شہرام نے اپنی دن رات کی انتھک محنت سے بنایا۔اپنی زمین جائیداد بینک بیلنس یہاں تک اپنی سانسیں تک اس ہاسپٹل کو دے دیں۔۔۔جب یہاں آپ خون بہائیں گے تو اس ہاسپٹل کی رپوٹیشن کیا رہ جائے گی؟؟۔۔

اور صرف اس ہاسپٹل کی نہیں پاکستان کی ربوٹیشن بھی خراب ہو گی۔۔ یہ نیوز باہر کا میڈیا بار بار دکھائے گا۔ اور کیا ملے گا آپ کو یہ قتل کر کے وقتی طور پر آپ کے بدلے کی آگ کو راحت مل جائے گی۔۔ مگر جس کو آپ کو مارنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک سات سالہ بچے کا باپ ہے جو اپنی یاداشت کھو چکا ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کو کھو دے گا اسی لمحے اپنی جان سے جائے گا۔ قیامت والے دن آپ پر اس معصوم بچے کا بے گناہ خون ہو گا۔۔۔ یہاں آپ ذرا سا درد ملنے پر جی نہیں پا رہے۔۔ وہاں کیا کریں گے ؟؟ جب خدا آپ سے حساب مانگے گا۔ ڈاکٹر ماہم اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بولی۔۔

اسفندیار خان گہرے سانس لیتا کچھ پل ڈاکٹر ماہم کو دیکھتا رہا۔۔ پھر اسفند نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی پسٹل سامنے دیوار پر دے ماری تھی۔۔

دارم خان اپنی پسٹل اپنی جیب میں ڈالتے اسی لمحے بنا کسی دیر کیے براک کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ براک کے علاوہ اسے اس وقت کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے بیٹے کو سچ میں اس کی ضرورت تھی۔۔

زران گہرے سانس لیتا پوری قوت سے مکہ دیوار پر مار چکا تھا۔ اگر اسفند کو کچھ ہو جاتا وہ کیا کرتا۔۔

اسفندیار خان کے بھاری قدم عابیر کی طرف تھے۔۔ عابیر اسفندیار کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتے پیچھے کو ہوتی دیوار میں سمائی تھی۔

وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی اپنی آہنی ہاتھ میں جکڑ گیا۔ عابیر میں اتنی ہمت نہیں تھی وہ مزاحمت کرتی۔ وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔۔

اسے جکڑے وہ آگے بڑھا تھا کہ زاران جلدی سے اسفند کی طرف بڑھتے اس کے مقابل آیا۔

بہن ہے یہ میری۔۔ تو میرے ہوتے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کر سکتا۔ زاران نے اسفند کی کلائی اپنی ہاتھ میں جکڑے اس کی آنکھوں میں سرد نگاہوں سے دیکھا۔

بیوی ہے یہ میری۔۔۔ جیسے ابرش ہے بیوی تیری۔۔ اس کے معاملے میں تو کسی کی انٹرفیرنس برداشت نہیں کرتا۔۔ یہاں تک اپنے دوست کے لبوں سے اس کا نام سننا برداشت نہیں کرتا۔ ایسے یہ بھی بیوی ہے میری۔۔۔ خود کی جگہ ایک پل کے لیے مجھے رکھ کر سوچ۔۔ تجھے پتہ چلے گا کہ کیسے تیری دوستی کی زنجیر نے مجھے جکڑا ہوا ہے اور فکر نہ کر کچھ نہیں کہوں گا اسے۔۔ نہ آج اور نہ آئیندہ کبھی۔۔ جب تک اسفندیار خان کی سانسیں چل رہی ہیں۔

تیری دوستی پر ایک آنچ نہیں آئے گی۔۔ مگر ابھی تو بیچ میں آیا سب کچھ تہس نہس کر دوں گا۔۔۔ اسفند سرد نظروں سے زاران کو دیکھتے لفظ چباتے غرایا۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اسفنط کی کلائی چھوڑی تو عابیر نے لرزتے ہوے بے یقینی سے زاران کی آنکھوں میں اپنی شکوہ کناں زخمی نگاہیں گاڑھیں تھیں۔۔ زاران عابیر کی شکوہ کناں نگاہیں دیکھتے رخ پلٹ گیا تھا۔

اسفند اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا۔۔ عابیر اس کے قدموں کا ساتھ دیتے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔۔

زاران نے بے بسی سے دیوار پر کئی مکے جڑ دے تھے۔۔

ابرش لب کاٹتے ہوے نم نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر ماہم اپنے سر کو ہاتھوں سے دباتی تاسف سے سر ہلاتی تیز تیز قدموں otp کی طرف بڑھ گئی تھی

اسفند اس کی کلائی جکڑے ایک خالی کمرے کا دروازہ کھولتے اسے بے دردی سے بیڈ پر پٹخ گیا تھا۔

عابیر بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی. اس نے سیدھے ہوتے خوفزدہ نگاہوں سے اسفند کی طرف دیکھا جو اس کی طرف بڑھتے اس کے ایک طرف گھٹنا رکھتے دوسرے ہاتھ سے اس کے بال بے دردی سے گدی سے جکڑتے اس کد چہرہ اپنے قریب کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

منع کیا تھا تمھیں مجھے اس کے قریب نظر نہ آؤ اور تم اس کے قریب کھڑی اپنے بالوں اور اپنی خوبصورتی کی نمایش کر رہی تھی۔۔ کیا کر رہی تھی اس کے ساتھ اس ہاسپٹل کے سنسان ایریا میں ؟؟۔۔۔ اسفند نے اس کے بال بے دردی سے کھینچتے اس کی گردن کو بے دردی سے جھٹکا دیتے اس کا چہرہ مزید اپنے قریب کرتے اس پر اپنی سلگتی سانسی چھوڑیں۔

آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں ؟؟ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ عابیر دبے انداز میں اپنے بال چھڑواتے چیخی تھی۔

جل رہا ہوں میں۔۔۔ آگ دہک رہی ہے میرے اندر۔۔۔ اتنی جلن ہے کہ مجھے پتہ ہی نہیں چل رہا کہ میں تم پر اعتبار کیسے کروں ؟؟۔۔ ہاسپٹل کے کوریڈور جہاں نیم اندھیرا چھایا تھا تم ننگے سر کے ساتھ اس کے قریب کھڑی باتیں کر رہی تھی۔۔ تمھیں ایک پل کے لیے خیال نہیں آیا اسی

ہاسپٹل میں تمھارا شوہر موجود ہے اور تم الٹا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مجھ پر چیخ رہی ہو۔۔جی کر رہا ہے آج سب کچھ ختم کر دوں۔۔ ہر رشتہ ختم کر دوں تمھیں طلاق دے دوں۔۔۔ اسفند کی بات پر عابیر کی آنکھوں میں خوف لہرایا تھا

کیا ہوا خوف کیوں چھایا ہے ان آنکھوں میں ؟؟۔۔یہی طلاق تم پوری حویلی کے سامنے مجھ سے مانگ چکی ہوں۔ کر دوں تمھارا شوق پورا ہاں۔۔۔ اسفند اس کے بالوں کو بے دردی سے دبوچتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھینکارا اس کی بے رحم گرفت پر عابیر کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔

وہ سسکتے ہوے خاموشی سے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔

اپنی پاکبازی کی کبھی آپ کو گواہی نہیں دوں گی۔۔ چاہے مجھے چھوڑ دیں یا زندہ زمین میں گاڑھ دیں۔ عابیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے بولی۔

کبھی مانگوں گا بھی نہیں تم سے تمھارے کردار کی گواہی۔ نہ کبھی مانگ سکتا ہوں۔ یہی فرق ہے میرے عشق اور تمھارے کیے ہوے عشق میں۔ اگر کبھی مانگا تو اپنی جان سے جاؤں گا۔ سفندیار خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ بولا۔۔

جب عورت جلتی ہے تو وہ مرد کے قریب آتی ہے اور جب مرد جلتا ہے تو وہ اس عورت سے دور ہو جاتا ہے۔ عورت جب کسی غیر مرد کو بیچ میں لاتی ہے مرد کی غیرت اس عورت کو جان سے مارنے کو یا طلاق دینے کو کہتی ہے۔ ۔میں یہ دونوں کام نہیں کر سکتا۔ مگر آج کے بعد تم میرے دل سے اتر گئی ہو۔ مگر آئیندہ تمھارے سائے پر بھی اس کی نظر پڑی قسم کھاتا ہوں رب کی

تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوں کو کھلا دوں گا۔ اسفند اس کے بال جھٹکے سے چھوڑتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

عابیر گہرے سانس لیتے بیڈ سے ٹیک لگائے گھٹنوں میں چھپائے سسک پڑی تھی۔

زاران ہاسپٹل کے سٹاف روم میں کب سے ٹہلتے ہوئے اپنی مٹھیاں بھینچے چکر لگا رہا تھا۔

اسفند عابیر کا ہاتھ کھینچتے ہوئے لے گیا تھا۔۔ زاران تب سے ہی بہت بے چین تھا۔

اس وقت وہ بلیک جینز پر بلیک شرٹ پہنے ہوے تھا۔ حویلی سے ان کے کپڑے کھانا سب کچھ درخشاں نے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔۔

ابرش دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

وہ کئی گھنٹوں سے آئی سی یو کے باہر کھڑا رہا تھا۔ ایک منٹ نہیں بیٹھا تھا۔۔

اب پچھلے ایک گھنٹے سے ایسے ہی چکر لگا رہا تھا۔۔

ابرش اسے پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کے چہرے پر اشتعال کی سرخی دیکھتے وہ ڈر کے مارے اس کے پاس بھی نہیں جا رہی تھی۔۔. مزید اسے ایسے دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔۔

وہ دروازے کو لاک کرتے گہرے سانس لیتے زاران کی طرف آہستگی سے بڑھتے اس کے سینے سے لپٹی۔

زاران ابرش کو خود کے ساتھ لپٹا دیکھ کر یکدم رکا تھا۔

ریلیکس زاران۔۔۔۔وہ اس کے چوڑی پشت پر اپنے بازو کا حصار مضبوط کرتے اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے بولی۔۔

زاران اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔

وہ یہاں ایسا کچھ کرے گی وہ بے یقین ہوا تھا۔

زاران کے سٹل ہونے پر وہ مزید اس کے ساتھ لپٹی اسے اپنی ناز کی محسوس کرواتے اس کی گردن پر اپنے سلگتے لب رکھتے وہاں اپنے دانت گاڑھتے لو بائٹ بنانے لگی۔وہ اس وقت اسے سکون پہنچانے کی کوشش کر رہی

تھی۔۔ کمرے میں اس کے قریب آنے پر وہ پاگل ہو جاتا تھا۔ ایسے کر کے وہ بہت بار اسے حویلی سے باہر جانے سے روک چکی تھی۔۔ اکثر وہ اپنی بہت امپورٹنٹ میٹنگ کینسل کرتے بے خود ہوتے اس میں کھو جاتا تھا۔ پھر رات رات بھر اس سے دور نہیں ہوتا تھا نہ وہ اسے دور ہونے دیتی تھی۔

زاران بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پا رہا تھا۔ اس وقت ادھر اس جگہ پر اس کی حرکت پسند نہیں آئی تھی۔

وہ اس کی گردن پر لو بائٹ بناتے اپنا ہاتھ بے باکی سے اس کے بدن پر پھیرتی اس سے بہت بے باکی سے. لپٹ رہی تھی۔۔

زاران مزید اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔ وہ غصے سے اسے خود سے دور کرتے سامنے دیوار میں پٹخ گیا۔۔ ابرش دور ہوتے لڑکھڑاتے دیوار کے ساتھ جا لگی۔۔۔

ابرش نے توہین و خجالت سے سرخ پڑتے بھیگی نم نگاہوں سے زاران کو دیکھا جو اس کے ایسے دیکھنے پر جبڑے بھینچتے اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مار گیا۔۔

یہ ہاسپٹل ہے ابرش۔۔اور میرا بھائی کس حالت میں ہے تم جانتی ہو۔۔۔زاران اس کی بھیگی آنکھیں بے ترتیب سانسیں اور اس کی بھینچی مٹھیاں دیکھتے بولا۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔زاران اس کے زخمی نگاہوں سے دیکھنے پر اپنے حواص کھو رہا تھا۔باہر عابیر اسے ایسے دیکھ رہی تھی اور اب یہاں ابرش۔۔۔۔اسے لگ رہا تھا وہ بہت جلد اپنے حواص کھو دے گا۔

میں صرف آپ کو سکون پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ آپ کو تھوڑی دیر کے لیے اس سب سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں کانپتے لبوں سے بولی۔۔

وہ اسے ایسے خود سے دور کیسے پٹخ سکتا تھا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

۔ تمھیں لگتا ہے اس سب سے میں ریلیکس ہو جاؤں گا۔ اور میری گردن پر سب نشان دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ زاران اپنی گردن کو ایک ہاتھ سے رب کرتے جھنجھلایا تھا۔

ہاں مجھے لگا تھا آپ ریلیکس ہو جائیں گے۔ میرا وجود آپ کے لیے سکون کا باعث ہے تو یقیناً آپ ہو جائیں گے۔ مگر میں غلط تھی آپ کے نزدیک سب اہمیت رکھتے ہیں سوائے میرے۔۔ اور میرے دیے ہوئے نشان آپ کے

لیے شرمندگی کا باعث ہیں یہ مجھے آج پتہ چلا۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتی رو دی تھی۔

زاران اب گہرے سانس لیتا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

اسے لگ رہا تھا عنقریب سب سے پاگل کر دیں گے۔

ابرش کچھ پل اسے دیکھتے رہی پھر مڑتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی زاران اسے بازو سے جکڑے اسے دیوار کے ساتھ لگاتے اس کے اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ رکھتے اسے محصور کر گیا تھا۔

جانے دو مجھے۔۔ تمھیں میری ضرورت نہیں تو میں ادھر نہیں ٹھہروں گی۔۔وہ اسے دیکھتے اب اپ سے تم پر آئی تھی۔۔اس کے تم کہنے پر زاران کے لبوں پر نہ چاہتے ہوے بھی مسکراہٹ در آئی تھی

ایسے ہی کرتی تھی جب دل چاہتا تھا آپ کہتی تھی جب دل چاہتا تھا تم کہتی تھی۔۔اسے غصے اور درد میں دیکھ کر وہ اسے ہمیشہ آپ کہتی تھی۔۔جب خود غصے اور پیار میں آتی تھی تو تم کہنا شروع کر دیتی تھی۔۔وہ تو اس کے تم سے آپ اور آپ سے تم کہنے والی ادا پر ہی بری طرح گھائل تھا۔

سکون پہنچانا ہے مجھے تو ایسے تھوڑی پہنچاتے ہیں۔ تمھیں اچھی طرح پتہ ہے میرا سکون کہاں ہے وہ اس کی چادر سرکاتے اس کی گہرائیوں پر بے باکی سے نگاہیں گاڑھ گیا۔

ابرش اس کے یوں بے باکی سے دیکھنے پر سرخ پڑی تھی۔۔ مگر جوابًا اسے نروٹھے انداز میں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

کتنا پریشان ہوں میں۔۔ تم بھی مجھے ایسے ناراضگی دکھا کر پریشان کر رہی ہو ۔۔زاران نے اس کے سرخ عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے شکوہ کناں لہجے میں پوچھا۔

ابرش نروٹھے انداز میں اب نظریں جھکا گئی تھی۔

اس کا خود سے دور کرنا وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔

اور شہرام ٹھیک ہو جائے اپنے کمرے میں دن رات تم سے سکون ہی حاصل کروں گا۔۔۔ آخر لالا کا مقابلہ بھی تو کرنا

ہے۔زاران اسے کمر سے ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کاٹتے بے باک سرگوشی کر گیا۔

مجھے آئیندہ کسی بھی سچویشن میں خود سے دور نہ جھٹکنا. میں یہ برداشت نہیں کر سکتی اگلی بار ایسا کیا مار ڈالوں گی تمھیں یا پھر خود کو مار ڈالوں گی۔ ابرش اس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

یس باس۔۔۔زاران اس کی حرکت پر محظوظ ہوتے مسکرایا تھا۔۔

لیکن ایک کنڈیشن ہے۔زاران اس کے ہاتھ اپنے کالر سے چھڑواتے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔

کیا؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

آئندہ جب بھی میرے قریب آنا پوری بے شرمی سے آنا۔۔ میری بے شرم بیوی تمھارے لیے ہاسپٹل کیا اور فارم ہاؤس کا کمرہ کیا۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے تھوڑا سا اوپر اٹھاتے اس کی شرٹ اوپر کو کھسکاتا اس کی گہرائیوں میں اپنے دانت نرمی سے گاڑھے اپنی شدت بھرپور انداز میں دکھانے لگا۔ وہ بری طرح سسک کر رہ گئی تھی

وہ واقعی میں وقتی طور پر اسے ریلیکس کر چکی تھی۔۔ یا پھر وہ اندر سے اتنا ٹوٹ کر بکھر رہا تھا اس وقت ابرش کی ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔۔ وہ ابرش کی گرم شال اپنے اور اس کے گرد لپیٹتے اسے اپنے سینے سے لگائے آنکھیں میچ گیا تھا۔ ابرش بھی اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند چکی تھی۔

حیدر خان ڈرائیو کرتے بار بار بیک ویو مرر سے فرشتے پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔۔ جو چہرے پر گھونگٹ ڈالے ہوے تھی۔۔ اس کا بدن ابھی بھی کانپ رہا تھا۔

اس کی حرکتیں حیدر خان کو زچ کر رہی تھیں۔

اسے چھونے پر ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اسے ایسے محسوس ہی نہیں ہوا تھا جیسے اس نے کسی غیر عورت کو چھوا ہو۔

حیدر خان نے بے چینی سے سگریٹ جلائے اسے لبوں میں دبائے گہرا کش لیا۔۔

کیا کرتے ہیں ان کے شوہر۔؟؟۔ حیدر خان نے اوزلہ کو بیک ویو مرر سے دیکھتے پوچھا۔

اوزلہ حیدر خان کی بھاری آواز پر ڈر کر اچھلی تھی۔۔ وہ ایک آدمی کی ہتھیلوں میں بے دردی سے گولیاں مار کر سڑک کے بیچو بیچ بنا کسی خوف کے پھینک آیا تھا۔ اوزلہ تو اب اس سے بری طرح ڈر رہی تھی کیا پتہ وہ اس پر کسی بات پر گولیاں نہ چلا دے۔۔

اوزلہ کی خاموشی پر حیدر نے اسے بیک ویو مرر سے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورا تو اوزلہ کا حلق خشک ہوا تھا۔

ان کا مرد مزدوری کرتا ہے۔۔ سارا دن اینٹیں اٹھاتا ہے بیچارہ چند پیسے لاتا ہے۔۔ آج اینٹیں اٹھاتا ہوا گر کر زخمی ہو گیا۔۔

اوزلہ نے بنا سوچے سمجھے ایک ہی سانس میں بولی تھی۔۔

گر کر زخمی ہو گیا۔۔ کیا مطلب وہ زمین پر گرا اور زخمی ہو گیا۔ کیا ساری اینٹیں اس پر گر گئیں تھیں۔ حیدر اوزلہ کو گھورتے طنزیہ بولا۔

اوماڑا ہمارا بات مت پکڑو۔۔ وہ چوتھا منزل سے گرا ہے۔ اوزلہ اپنی عادت کے مطابق بڑھکتے ہوے بولی۔۔

مگر اسے یکدم یاد آیا تھا گاڑی چلانے والا شریف مرد وہ ہے جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی کو بے دردی سے گولیاں ماری تھے۔

ہمارا مطلب ہے وہ بیچارہ گر کر زخمی ہو گیا۔۔ بہت چوٹیں آیا۔۔ اگر وہ زندہ نہ بچا تو ہم کیا کرے گا۔ اوزلہ آہستگی سے اپنی آواز میں درد سموتے

بولی۔۔اسے رونا نہیں آتا تھا ورنہ حیدر خان کو یقین دلانے کے لیے وہ رو بھی پڑتی۔۔

فرشتے نے کانپتے ہاتھوں سے اوزلہ کا ہاتھ دباتے اسے خاموش رہنے کو کہا۔

۔۔ا

کیا نام ہے آپ کے شوہر کا؟؟۔۔حیدر خان نے اب فرشتے سے سوال کیا۔

حیدر خان کے سوال پر فرشتے بری طرح کانپی تھی۔۔۔بدن پر لرزا طاری ہوا تھا۔

بحر مند خان.۔۔۔اوزلہ جلدی سے بولی۔۔

ان سے پوچھ رہا ہوں؟؟کیا ان کے منہ میں زبان نہیں۔۔حیدر خان نے جھنجھلاتے ہوے کہا۔۔

اوماڑا تم کو کیسے پتہ چلا اس کا منہ میں زبان نہیں ہے۔۔ اوزلہ کی بات پر حیدر خان نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی

حیدر خان کے گاڑی روکنے پر اوزلہ کی رنگت خشک ہوئی تھی۔۔ فرشتے پوری کی پوری پسینے میں نہلائی تھی۔

فرشتے کے لبوں سے خان سن کر اوزلہ کو بہت حد تک اندازہ ہو چکا تھا۔ یہ گاڑی والا شریف آدمی کون ہے ؟!۔ اور فرشتے کا ضرورت سے گھبرانا اس پر اشکار کر چکا تھا۔۔ یہ گاڑی والا شریف آدمی فرشتے کا خان ہے۔۔

اوماڑا تم شکل سے کتنا سمجھدار لگتا ہے۔ دیکھا نہیں تم نے اس کا حرکتاں ۔۔۔ جن کا پاس زبان نہ ہو وہ ایسے ہی حرکتیں کرتا ہے۔۔ بیچارہ کے پاس زبان نہیں اس لیے ہر کسی کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ گھبرا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ جذباتی اور حساس ہے۔۔ اس لیے ہم اس کا بین ڈالنے پر اسے لے

کر آدھی رات کو نکل آیا۔ بیچارہ بہت معصوم ہے۔۔ اوزلہ نان سٹاپ بولے جا رہی تھی۔۔ حیدر خان بیک ویو مرر سے فرشتے پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔۔ اوزلہ کی باتوں پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

حیدر خان کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی دیکھتے اوزلہ پریشان ہوئی تھی۔

ہمارا یقین کرو ہم سچ کہہ رہا ہے۔۔ یہ بیچارہ بول نہیں سکتا۔۔ بولتا ہوتا تو اب تک بول چکا ہوتا۔۔ اگر تم کہو تو ہم قرآن کا قسم کھانے کو بھی تیار ہے۔۔

اوزلہ نے حیدر خان کو یقین دلانے کے لیے اپنے لفظوں پر زور دیا۔۔

فرشتے نے اوزلہ کا ہاتھ اب سختی سے دبایا تھا۔۔ قرآن کی قسم والی بات پر وہ ڈر گئی تھی۔

ضرورت نہیں قسم کھانے کی۔ حیدر خان نے اوزلہ کے ہاتھ پر فرشتے کا کپکپاتا ہاتھ بغور دیکھتے سنجیدگی سے گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔

فرشتے نے اب گہرا سانس لیتے خود کو پرسکون کیا۔ اگر آج اوزلہ قسم کھا لیتی تو وہ اپنا گھونگھٹ الٹ دیتی۔۔ اسے کسی قیمت پر قرآن کی جھوٹی قسم نہ کھانے دیتی۔۔

ان کے بچے ہیں۔ حیدر خان نے فرشتے پر نظریں جمائے اوزلہ سے پوچھا۔ ۔حیدر کے سوال پر فرشتے کے لبوں سے اب سسکاری نکلی تھی۔۔

جسے حیدر خان نے بے چینی سے سنی تھی۔۔

ہاں تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ ماشاءالہ ہر سال ایک

بچہ۔۔پانچ سالوں میں پانچ بچے۔۔بہت پیار کرتا ہے اس کا مرد اس سے۔

۔ابھی بھی یہ پیٹ سے ہے۔۔اوزلہ کی باتوں پر فرشتے کو اپنا سر چکراتا

محسوس ہو رہا تھا۔

حیدر خان اپنے جبڑے بھینچتے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔۔پتہ نہیں

کیوں اس کے سینے میں آگ دہکی تھی۔۔

حیدر خان نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی۔

فرشتے نے اوزلہ کے خاموش ہونے پر گہرا سانس لیا۔۔مگر اوزلہ کے اگلے

سوال پر ایک بار پھر سے فرشتے کے وجود میں کپکپاہٹ شروع ہوئی تھی۔

تم نے نہیں بتایا تم کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔۔اوزلہ نے حیدر خان سے

پوچھا۔

میرا نام حیدر حاکم خان ہے۔ میں اپنی خانم اور اپنے بیٹوں دراب زراب کو تلاش کر رہا ہوں۔۔ اگر کہیں آپ نے میری خانم دیکھی تو ہو مجھے ضرور بتایئے گا۔ حیدر خان سنجیدگی سے بولا۔۔

ہم کو کیا پتہ تمھارا خانم کیسا دکھتا ہے ؟!۔ ہم کو کیا معلوم۔ اوزلہ نے سر دائیں بائیں ہلاتے کندھے اچکائے تھے۔

۔زیادہ مشکل نہیں ہو گا اسے پہچاننا۔۔ بالکل آپ کی سہیلی کی طرح دکھتی ۔ہے۔ حیدر خان کی بات پر فرشٹے کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئیں۔ اوزلہ کی رنگت فق ہوئی تھی۔

نن نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟ تم نے کہاں ہمارا سہیلی کا شکل دیکھا۔ اوزلہ ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی۔۔

دیکھا نہیں مگر میرا دل کہہ رہا ہے آپ کی سہیلی میری خانم کی طرح دکھتی ہے۔۔حیدر نے فرشتے کے کپکپاتے وجود پر نظر ڈالتے کہا۔

اگر آپ کو نہ بھی دکھی کوئی بات نہیں اسے میں ڈھونڈ لوں گا اور جس دن میری خانم مجھے مل گئی تو اس کی سزا بہت خطرناک ہو گی۔۔اس کی سانسیں ایسے کھینچوں گا وہ نہ زندہ رہ سکے گی نہ مر سگے گی۔۔حیدر خان فرشتے کے کپکپاتے وجود پر گہری نظریں جمائے سرد لہجے میں بول رہا تھا۔جس کی لرزاہٹ بڑھی تھی۔۔

بہار گل ہسپتال آنے پر حیدر گاڑی روک چکا تھا۔۔اوزلہ جلدی سے گاڑی سے اتری تھی. فرشتے بھی اپنے کپکپاتے وجود پر قابو پاتے گاڑی سے اتر گئی تھی۔

اوزلہ فرشتے کا ہاتھ پکڑے بہار گل کے گیٹ سے اندر داخل ہو چکی تھی۔

حیدر خان کی گہری نگاہیں فرشتے کی پشت پر جمی تھیں۔

وہ آج رات اپنا لندن جانا کینسل کر چکا تھا۔

ڈاکٹر سبتگین ڈاکٹر معاذ ڈاکٹر ماہین ڈاکٹر عینا بہارے شہرام کے بیڈ کے گرد کھڑے تھے۔۔ جس کے پپوٹے حرکت کر رہے تھے۔۔ اکسیجن ماسک بھی اتر چکا تھا۔

گھنٹوں میں ہی کافی بہتری آ چکی تھی۔اب وہ لوگ صرف 24 شہرام کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔۔

شہرام کو ہوش مین آتا دیکھ کر بہارے کے دل کی دھڑکنیں تیزی سے دھڑک رہی تھیں۔وہ شہرام سے کافی دور دیوار کے سہارے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔۔

شہرام خان نے آنکھیں کھولتے ہوے اپنے گرد تمام ڈاکٹرز کو کھڑے دیکھا۔۔

کیسے ہیں سر شہرام؟؟۔۔۔ڈاکٹر سبتگین نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں شہرام خان نے آہستگی سے کہتے اٹھنے کی کوشش کی۔۔۔

آہہہ۔۔۔۔وہ درد سے کراہتے واپس اپنا سر تکیے پر پٹختے گہرے سانس لینے لگا۔۔

یہ دیکھتے بہارے تڑپتے ہوے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔۔

شہرام تم ٹھیک ہو۔۔۔ بہارے نے اس پر جھکتے اس کے عارض پر ہاتھ جمایا تھا۔۔

شہرام نے اپنے اوپر جھکے بہارے کو بے یقینی سے دیکھا جو تڑپتی بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سب ڈاکٹرز ان دونوں کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔۔

میں ٹھیک ہوں۔۔۔ شہرام آہستگی سے کہتے آنکھیں موند گیا۔ ابھی اسے شدید تکلیف تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔

بہارے اسے آنکھیں موندتے دیکھ کر اس سے دور ہوتے کھڑی ہوئی۔ اسے ایسے دیکھنا بہت مشکل تھا۔

ویل سر۔۔۔ شہرام آپ نے بہت جلدی ریکور کیا ہے۔ انشاء اللہ کل تک آپ مزید ریکور کر لیں گے۔۔ڈاکٹر معاذ پروفیشنلی طریقے سے سنجیدگی سے بولے۔۔

شہرام نے آنکھیں کھولتے پھر سے اٹھنے کی کوشش کی۔۔ بہارے پھر سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ شہرام ہاتھ اکے شارے سے اسے آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔

وہ بنا کسی سہارے کے تھوڑا سا اوپر ہو کر بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔۔

یہ دیکھتے سب ڈاکٹرز کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ تھی۔

بہارے شہرام کو پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔۔اس کے لیے اتنا ہلنا جلنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اسے لے کر بہت حساس ہو گئی تھی

ویل ڈن سر شہرام۔۔۔ آپ واقعی میں یہاں کے پہاڑوں کی طرح مضبوط ہیں۔۔ کل آپ نے موت کو ہرایا تھا۔۔ ہم سب کو یقین ہے آپ تو کل ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج لے لیں گے۔ڈاکٹر سبتگین شہرام کو دیکھتے فخریہ بولے جو بیڈ سے ٹیک لگائے سب کو مسکراتے ہوے دیکھ رہا تھا۔۔ چہرے پر درد صاف نظر آرہا تھا۔۔ وہ گہرے سانس لیتا سب کو مسکراتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

اب تو بہارے بھی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے مسکرا رہی تھی۔

یہ بہادر ہی نہیں ضدی بھی بہت ہیں۔ بہارے نے اپنی بھیگی آواز پر بمشکل قابو پاتے کہا۔۔

شہرام کی نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھیں جو براؤن مردانہ شال سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔

وہی دلہن والا میرون فراک پہنے ہوے تھی۔۔ چہرہ زرد اور آنکھیں بری طرح سوجی ہوئی تھی۔ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی.

بہرام کیسا ہے بہارے؟؟ شہرام نے گہرے سانس لیتے پوچھا۔۔

بہارے کے لبوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔۔

بلکل ٹھیک شہرام سر۔۔ یہاں اسے نہیں لا سکتے ورنہ وہ بھی آپ کو ویلکم کرتا۔۔ ڈاکٹر ماہین بہارے کے کانپتے ہاتھ کو جکڑتے بولی تھی۔

بہارے بھی جوابًا شہرام کو دیکھتے بمشکل مسکرائی تھی۔۔

شہرام بہارے کی آنکھوں میں چمکتے موتی اور اس کے لرزتے لبوں کو بغور دیکھتے آنکھیں موند گیا تھا۔

سر شہرام آپ آرام کریں۔۔۔ آپ کی مسسز ڈاکٹر بہارے آپ کے ساتھ ٹھہریں گی۔ کیونکہ ہمیں لگتا ہے۔۔ آپ سے زیادہ آپ کی وائف کو آپ کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر سبتگین بہارے کے کانپتے وجود کو دیکھتے سنجیدگی سے بولے۔۔

شہرام خان نے پھر سے آنکھیں کھولتے بہارے کو دیکھا جو اس کی طرف ہی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

نہیں ڈاکٹر۔۔ شہرام خان کو میری ضرورت نہیں۔۔ اس کی فیملی کی بھی ضرورت ہے۔۔ آپ ان کی فیملی کو انفارم کر دیں جو چوبیس گھنٹوں سے ایک ٹانگ پر کھڑی ہے۔ بہارے شہرام کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

ہم ان کو بھی انفارم کر دیتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ڈاکٹر معاذ سنجیدگی سے بولے تھے۔۔

سب ڈاکٹرز شہرام کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

بہرام کیسا ہے بہارے۔؟؟۔سچ بتانا چھپانا نہیں۔۔شہرام نے گہرے سانس لیتے اپنے پورے وجود میں اٹھتے درد پر قابو پائے سنجیدگی سے پوچھا۔

اگر میری تمھاری سانسیں چل رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے۔اس کی بھی سانسیں چل رہی ہیں۔یہی کہا تھا تم نے شہرام خان۔۔اپنے وعدوں سے مکر جاتے ہو اب کیا اپنی کہی ہوئی باتیں بھی بھول گئے ہو۔۔وہ دور کھڑی شمبنمی لہجے میں بولتے اس کی آنکھوں میں اپنی شکوہ کناں بھیگی آنکھیں گاڑھ گئی۔۔

اپنی کہی ہوئی ہر بات یاد ہے بہارے۔۔ہر بات یاد ہے۔۔سب سے کہی ہوئی باتیں بھول سکتا ہوں تم سے کہی کوئی بات نہیں بھول سکتا۔۔یقین ہو

گیا میرا بہرام ٹھیک ہے۔۔ شہرام خان درد سے کراہتے سیدھے ہوتے بمشکل بولا تھا۔

بہارے اسے کراہتے دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے کندھوں سے تھام چکی تھی۔

کیوں اٹھنے کی کوشش کر رہے ہو شہرام خان۔۔۔ کچھ دن ہی تمھیں سہارا دوں گی۔ جانتی ہوں تم نے آج تک کسی کا سہارا نہیں لیا۔۔ مگر میرا سہارا تو لے سکتے ہو۔۔ بہارے اس پر جھکتے کپکپاتے بولی سے بولی۔۔

بہت عہد کیے تھے خود سے کہ وہ ہوش میں آئے گا بلکل نہیں روئے گی۔۔ پہلی والی بہارے بن جائے گی۔۔ مگر اسے دیکھتے اسے بہت رونا آ رہا تھا۔ جی کر رہا تھا اس کے سینے کے ساتھ لپٹتے آنسوؤں کے دریا بہا

دے۔۔ اپنا سارا غم شہرام خان کے حوالے کر کے اس کے سینے سے لپٹتے سکون کی نیند سو جائے۔۔

بہارے کی بھاری شال اس کے سر سے پھسلتی کندھوں پر آئی تھی. بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا کھل گیا تھا۔ اس کے شانے پر بال بکھر چکے تھے۔۔ لٹیں اس کے عارض پر بکھری تھیں۔

اپنے بالوں کو ڈھانپ کر رکھو بہارے۔۔ جانتی ہو مجھے تمھارے بالوں پر کسی کی نظر برداشت نہیں۔۔۔ شہرام نے نرمی سے اس کے بال شانے سے کمر پر کیے۔۔

وہ دلہن والا میرون دوپٹہ اس کے سر پر نہیں تھا۔ مردانہ شال اس کے گرد ہونے کا مطلب جیسے وہ سمجھ گیا تھا اس کی بہارے کتنے عذابوں سے گزری ہے۔۔

بہارے اس کی باتوں پر روتے ہوے اس کے سینے سے لپٹے بلک بلک کر رو دی تھی۔ مزید وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی

اس کے ایسے لپٹنے پر شہرام خان کو شدید درد اپنے سینے میں اٹھتا محسوس ہوا۔۔ یہیں تو گولی لگی تھی۔ اس نے دانت پر دانت جماتے درد برداشت کیا تھا۔ اسے پیچھے نہیں کیا تھا۔ نہ وہ کبھی کر سکتا تھا۔ چاہے وہ درد کی شدت سے مر جاتا۔

جانتے ہو کوئی نہیں تھا یہ کہنے والا جب اس سر سے چادر سرکی تھی۔ کسی نے یہ نہیں کہا بہارے اپنا سر ڈھانپو۔۔ کسی کو میری فکر نہیں تھی۔۔ میری فکر کرنے والا تو ہوش و خرد سے بیگانہ پڑا تھا۔ کبھی معاف نہیں کروں گی تمھیں۔ کبھی معاف نہیں کروں گی تمھیں۔ آئی ہیٹ یو شہرام خان آئی ہیٹ یو شہرام خان۔۔

وہ بلک بلک کر روتے ہوے اس کے زخمی سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔۔

آئی لو یو میری بہارے۔۔وہ اس کے گرد اپنا حصار مضبوط کر گیا تھا۔

شہرام خان نے مسکراتے ہوے امینہ خانم کو دیکھا جو اس پر سے پیسے وار رہی تھیں۔ درید خان بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ امینہ خانم نے اس دوران ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نہ اس کی پیشانی پر لب رکھے تھے۔ وہ مسلسل کچھ پڑھتے ہوے اس پر پھونک رہی تھی۔۔ درید خان بھی خاموشی سے کھڑے تھے۔۔ ان کی آنکھیں نم اور سرخ تھیں۔

اسفندار حام ایک طرف کھڑے تھے۔۔ زاران دروازے کے پاس اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے خود پر قابو

پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔۔اسے دیکھتے آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔

ابرش اور حور بھی ایک طرف کھڑی تھیں۔۔

بہارے اس وقت بہرام کے پاس تھی اسے فیڈ کروانے کے لیے ڈاکٹرز اسے بہارے کو تھوڑی دیر کے لیے ضرور دیتی تھیں۔

عابیر شہرام کے سہرہانے کھڑی سسکتے ہوے بار بار اپنی آنکھوں کو اپنی چادر سے رگڑتے صاف کرتی اور ساتھ میں اپنی سرخ ہوئی ناک بھی چادر سے رگڑتی۔۔اس وقت اس کے عارض شدید سرخی چھلکا رہے تھے۔۔کمرے میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔۔کوئی بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہا تھا۔

مورے۔۔۔ شہرام خان نے آہستگی سے امینہ خانم کو پکارا جنھوں نے ایک بار اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔

امینہ خانم نے شہرام کی پکار پر اسے سپاٹ مگر شکوہ کناظ آنکھوں سے دیکھا ۔۔

کیا ہوا مورے؟؟ اتنی سپاٹ آنکھیں کیوں ہیں؟؟ مجھے دیکھ کر خوشی کے آنسو بھی نہیں بہائیں گی۔۔ شہرام نے ان کا ہاتھ پکڑتے اپنے لبوں سے لگایا۔ ان کا مرجھایا زرد چہرہ بتا رہا تھا وہ اتنے درد میں ہے کہ اس کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔

ہم ایک آنسو نہیں بہائے گا۔۔۔ جب تم کو ہم پر رحم نہیں آیا ہم کیوں اپنا آنسو بہائے تم جیسا بیٹا کے واسطے۔۔ امینہ خانم نے اپنی رندھی آواز پر قابو پائے بمشکل کہا۔

کیا کیا ہے میں نے مورے ؟؟ شہرام نے گہرے سانس لیتے پوچھا۔ اس وقت اس کا بیڈ کو اوپر کیا ہوا تھا۔ جس سے وہ وہ ٹیک لگائے سر تکیے پر رکھے ہوے تھا۔

کیا ضرورت تھا کسی غیر لڑکی کا واسطہ اپنا جان خطرے میں ڈالنے کا ؟؟۔۔ امینہ خانم نے شہرام پر اپنی نم آنکھیں گاڑھتے سوال کیا۔

مورے جب بات عورت کی عزت پر آئے تو وہ میرے لیے غیر نہیں ہو سکتی۔ میرے لیے تو اس کی عزت ایسے ہی ہو گی جیسے آپ کی اور عابی کی عزت اور کیا کہنا چاہتی ہیں آپ ؟؟ کسی عورت کی عزت تار تار ہو تا دیکھ کر نامردوں کی طرح وہاں سے گزر جاتا یہ سوچ کر کہ یہ لوگ کل کو میری فیملی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

نہیں مورے۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کل پھر کوئی شہرام خان کے سامنے کسی عورت کی عزت اتارنے کا سوچے گا۔ میں اپنی جان دے کر اس کی عزت بچاؤں گا۔۔ چاہے آپ سب مجھ سے ناراض ہو جائیں مجھے پرواہ نہیں۔ شہرام خان گہرے سانس لیتے بولا تو امینہ خانم نے روتے ہوئے اپنا ہاتھ شہرام کے ہاتھ سے چھڑوانے کی کوشش کی وہ ان کا ہاتھ سختی سے جکڑے اپنے لبوں سے لگا گیا تھا۔

امینہ خانم مزید خود پر کنٹرول نہیں رکھ سکی تھیں۔ انہوں نے جھکتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

ہم کو تم پر فخر ہے شہرام درید خان۔۔ جو تم نے کیا ہمیں اس پر فخر ہے۔۔ تم نے اچھا کیا۔۔ بہت اچھا کیا اگر تمھیں آئیندہ بھی کسی عورت کا عزت بچانے کا واسطہ خود کا جان دینا پڑے تو ہم یہی چاہے گا اس عورت کا عزت تم بچاؤ

۔۔بے شک تمھارا جان چلا جائے۔ ہم کو فخر ہے ہم درید خان تمھارا نام سے جانا جاتا ہے۔۔۔ سب مجھے دیکھ کر کہتا ہے تم شہرام خان کا باپ ہے۔ وہی شہرام خان جس نے ادھر ہسپتال کھولا۔۔ کتنا لوگوں کو یقین نہیں آتا ہم تمھارا باپ ہے۔۔ ہم کو یقین دلانا پڑتا ہے کہ ہم ہی اس گدھے نالائق کا باپ ہے۔۔ درید خان نم آواز میں بولتے ہنس پڑے تھے۔۔

ان کی بات پر سب ہی مدھم سا ہنسے تھے۔ عابیر بھی روتے ہوئے سسکی لیتے ہلکا سا ہنسی تھی

زاران بھی اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسلتے پھیکا سا مسکرایا۔۔

کیسا ہے میرا شیر ؟؟۔۔ ارحام نے آگے بڑھتے شہرام کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

نہیں چھوڑالالا پھر اپنے شیر کو۔۔۔۔ کھالی نہ میری خاطر گولی۔ شہرام ارحام کی طرف دیکھتے مسکرایا تھا۔

تمھاری خاطر ایک گولی نہیں تمھارالالا ہزار گولیاں اپنے سینے پر کھا سکتا ہے۔۔

مگر شہرام خان یہ تمھاری بہادری نہیں تھی بیوقوفی تھی میرے نزدیک ۔۔۔کسی بھی عورت کی عزت بچانے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینا تو ٹھیک تھا۔ مگر اپنی عزت کو خطرے میں ڈالنا کونسی بہادری تھی ۔ارحام کا لہجہ سخت اور دوٹوک تھا۔۔ امینہ خانم نے بے بسی سے ارحام کو دیکھا جو شہرام کی کنڈیشن کا خیال کیے بغیر اسے ڈانٹ رہا تھا۔

ارحام کے سرد لہجے پر عابیر کی سسکیاں تھمی تھیں۔ سب ہی ارحام سے ڈرتے تھے۔۔ حور نے تو اچھا خاصہ گھور کر ارحام کو دیکھا جو ہر جگہ پر اپنا

جلاد پن ضرور دکھاتا تھا۔ اسے غصے میں دیکھ کر حور کا دل بھی سکڑا تھا۔ مقابل کے غصے سے اس کی بھی جان جاتی تھی۔

ارحام کی بات پر شہرام نے لب بھینچتے ہوے اپنی آنکھیں موندیں۔ ایک ارحام ہی تھا جس کے آگے وہ بولتا نہیں تھا۔

لب بھینچنے کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے۔۔ جتنا تیرے لیے ڈرا ہوں اس سے کئی زیادہ مجھے تجھ پر غصہ تھا۔ جب تجھے پتہ تھا خضر خان تیرے لیے گھات لگا کر بیٹھا ہے کیسے تو بہارے اور بہرام کو اکیلے نکل سکتا ہے۔۔ ارحام نے مزید اونچا بولتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

ارحام رہنے دو یہ وقت نہیں ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ درید خان نے شہرام کی کنڈیشن دیکھتے ارحام کو ٹوکا۔

بابا یہی وقت ہے۔۔مجھے بات کرنے دیں اس سے۔۔اس کی غفلت پر مجھے بہت غصہ آرہا ہے۔بابا یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ارحام نے جبڑے بھینچتے شہرام پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں۔

لالا سچویشن ہی ایسی تھی بہرام کی کنڈیشن دیکھ کر مجھے کسی چیز کا خیال نہیں رہا۔۔شہرام نے آنکھیں کھولتے سیدھے ہوتے وضاحت دی۔۔تھوڑا سا ہی اٹھنے پر اس کے سینے میں درد ہوا تھا۔وہ کراہ کر دوبارہ سے تکیے پر اپنا سر پٹخ گیا۔۔

عابیر تڑپتے ہوئے شہرام کی طرف بڑھی تھی۔۔

کوئی ضرورت نہیں اس کی طرف بڑھنے کی۔۔بہت مضبوط ہے یہ اسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ارحام نے عابیر کو آگے بڑھنے سے روکا

تھا۔ شہرام گہرے سانس لیتے ارحام کی بات پر مسکرا گیا۔۔ وہ سب کی بات کا برا منا سکتا تھا ارحام کی بات کا برا نہیں مان سکتا تھا۔

تمھارے لیے میری جان حاضر ہے شہرام۔۔ مگر آئیندہ یہ بیوقوفی نہیں کرنا ۔۔۔ ورنہ ہم سب بکھر جائیں گے۔۔ تو نہیں سمجھ سکتا ان کچھ گھنٹوں میں ہم سب جیسے پل صراط سے گزر رہے تھے۔ ارحام نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جانتا ہوں لالا۔۔۔ سنا ہے دشمنوں نے بھی گولی کھالی میرے لیے۔۔ شہرام اسفند کی طرف دیکھتے بولا جو سنجیدگی سے کھڑا تھا۔ جس کی سفید ٹی شرٹ خون میں لت پت تھی۔۔ ہونٹ زخمی تھے۔۔

وہ اسے دیکھتے حیران تھا۔۔ اسے پتہ چلا تھا اسفند کو بھی گولی لگی ہے مگر اس کی یہ حالت اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔۔

تیرے لیے نہیں کھائی اس کے لیے کھائی ہے جس میں اسفندیار خان کی جان بستی ہے۔۔ایک وہی ہے میرا یہاں۔۔اسفندیار خان نے سنجیدگی سے کہتے زاران پر نظریں گاڑھیں جو دروازے کے پاس کھڑا سرخ آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہا تھا۔

شہرام کی نظروں نے بھی اسفندیار خان کی نظروں کے مرکز میں دیکھا زاران شہرام خان کے دیکھنے پر اپنا رخ جلدی سے پلٹ گیا تھا۔

شہرام گہرا سانس لیتے مسکرایا تھا۔جانتا تھا زاران اپنے آنسو چھپا رہا ہے۔ جس کے لیے بھی کھائی ہو گولی۔مگر ہو گا وہی جو فیصلہ میری عابی کرے گی۔۔شہرام نے اسفند کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔۔

مجھے ہر وہ فیصلہ منظور ہے جو عابیر کرے گی۔۔اب میں اس کے لیے ہوے کسی فیصلے کے بیچ نہیں آؤں گا۔اسفند کی بات پر عابیر کی رنگت فق ہوئی تھی۔وہ اس سے لاتعلق سا کھڑا تھا۔اس کے زخموں کو دیکھتے عابیر کو اپنا دل پھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔

اچھی بات ہے۔۔شہرام نے کہتے عابیر کا ہاتھ تھاما۔۔عابیر اسی لمحے اس کے پاس بیٹھتے شہرام کے سینے سے لپٹے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

لالا آپ کو کچھ ہو جاتا میں مر جاتی لالا۔۔عابیر اس کے سینے سے لپٹے روتے ہوے بولی۔۔

وہ تو ٹھیک ہے عابی۔مگر اب میری جان کیوں نکال رہی ہو جدھر تم نے سر رکھا ہے ادھر ہی گولی لگی ہے۔۔شہرام کی بات پر عابیر نے جلدی سے شہرام کے سینے سے سر اٹھایا۔

آئی ایم سوری لالا۔۔۔عابیر نے روتے ہوے کہا۔

آئندہ خیال کرنا جب تک میں ٹھیک نہیں ہو جاتا۔۔میری گڑیا شہرام نے گہرے سانس لیے تھے۔

آئی ایم سوری لالا۔۔۔عابیر ہچکیوں سے بولی۔۔شہرام کے چہرے پر تکلیف دیکھتے وہ بہت بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

قریب آو میرے شہرام نے اسے جھکنے کو کہا۔عابیر مسکراتے ہوے اس کے چہرے پر جھکی تھی۔۔شہرام نے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔۔

اب تمھارا لالا ٹھیک ہو گیا۔شہرام اس کے عارض پر گرے آنسو اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے مسکرایا

حور ابرش سب کے لبوں پر شہرام کے ایکٹ پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔

زاران ابھی بھی دور کھڑا شہرام کو دیکھ رہا تھا۔۔

ابرش نے زاران کی طرف بڑھتے اس کے کندھے پر ہات

اسی اثناء میں ڈاکٹر ماہم اندر داخل ہوئی تھی۔۔

اسلام و علیکم سر شہرام کیسے ہیں آپ ؟؟ڈاکٹر ماہم نے اندر داخل ہوتے مسکراتے ہوے پوچھا۔

فائن ڈاکٹر۔۔۔۔ شہرام مسکرایا تھا۔۔مجھے لگتا ہے آپ سب کو اب شہرام سر کو آرام کرنے دینا چاہیے۔۔۔ہم آئی سی یو میں پیشنٹ کے قریب کبھی بھی اتنے لوگوں کو آلاؤ نہیں کرتے مگر آپ لوگ شہرام سر کی فیملی ہیں ۔۔ مجبورًا ہمیں شہرام سر کے حکم پر آپ کو آلاو کرنا پڑا۔۔ لیکن اور نہیں کیونکہ ڈاکٹر سبتگین بہت بول رہے ہیں۔۔انہوں نے ہمارے ساتھ شہرام

سر کی بھی اچھی خاصی کلاس لے لی ہے۔ڈاکٹر ماہم نے سب کو دیکھتے مسکراتے ہوے کہا۔

ڈاکٹر ماہم کی بات پر سب نے تائید میں سر ہلایا۔۔شہرام تھکن سے آنکھیں موند گیا تھا۔

تم آرام کرو شہرام۔۔ہم چلتا ہے ہم تمھارا لیے اپنا ہاتھوں سے یخنی بنائے گا۔انشاءاللہ تم جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔امینہ خانم شہرام کی پیشانی چومتے کمرے سے باہر کی طرف بڑھیں۔

تمھارا مورے ٹھیک کہہ رہا ہے تم آرام کرو۔تم سب بھی اب اس کو آرام کرنے دو۔ارحام تم حور کو لے کر حویلی چلو۔۔پریذے کل سے حور کے لیے رو رہا ہے۔اس کو لگ رہا ہے حور اسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔درید خان اپنی بات مکمل کرتے کمرے سے نکل گئے تھے۔۔درید خان کی بات پر

ارحام نے پریشان ہوتے سر اثبات میں ہلایا۔۔اس کی کل سے پریذے سے بات نہیں ہوئی تھی۔۔حویلی میں درخشاں اور اب روزینہ خانم کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔وہ سچ میں پریشان ہوا تھا۔۔

حور چلو۔۔۔ارحام نے حور کو پکارا تھا۔۔حور ارحام کی طرف بڑھی تھی ۔شہرام اپنا خیال رکھنا۔کل آؤں گا تم سے۔۔ارحام نے شہرام کی طرف دیکھتے کہا جو آنکھیں موندے ہوے تھا۔

اوکے لالا۔۔انتظار کروں گا آپ کا اگر آپ کمرے سے نکل آئے تو ۔۔۔۔لیکن مجھے نہیں لگتا آپ کل مجھ سے ملنے آئیں گے۔۔بہت تھک گئے ہیں آپ۔۔شہرام کی شرارت کی رگ پھڑکی تھی۔شہرام کی بات پر حور کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ابرش نے حور کی طرف دیکھتے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔۔حور سرخ گلاب بنی تھی۔عابیر نے اپنے عارض اپنی چادر

سے خوامخواہ رگڑے تھے۔۔ایک شہرام ہی تھا جو اس طرح کا مذاق ارحام سے کر لیتا تھا۔اس بات پر ارحام سے کئی بار اپنی اچھی خاصی کلاس بھی لگوا چکا تھا۔۔

ڈاکٹر ماہم نے مسکراتی نگاہوں سے حور کے بے پناہ خوبصورت چہرے کو دیکھا۔۔ارحام کے کمرے سے باہر نہ نکلنے کا سبب سمجھ آیا تھا۔۔جس کی اتنی خوبصورت بیوی ہو وہ کیوں کمرے سے نکلے گا۔۔

ارحام شہرام کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے کمرے سے نکل گیا تھا۔حور بھی جلدی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

سر شہرام آپ کو اتنی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔۔ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔۔ڈاکٹر ماہم نے شہرام کا بی پی چیک کرتے سنجیدگی سے کہا۔

شہرام اثبات میں سر ہلا گیا تھا

شہرام کے زرد چہرے سے یہ بخوبی عیاں تھا وہ ابھی بہت تکلیف میں ہے اس کے لیے اتنی باتیں کرنا ٹھیک نہیں تھا۔۔

اور مسٹر اسفندیار خان۔۔۔۔ آپ آیئے میرے ساتھ آپ کی ڈریسنگ کر دوں۔۔۔ آپ کے سینے کے زخم پر مرہم نہیں رکھا گیا تو آپ کو بھی ہاسپٹلائزڈ ہونا پڑے گا۔۔اور یقیناً آپ ایسا نہیں چاہیں گے۔اور آپ کو اس کنڈیشن میں سر شہرام کے روم میں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ آپ کے زخم انفیکٹڈ ہیں۔۔اس سے سر شہرام متاثر ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ماہم نے اسفند کی خون میں بھیگی شرٹ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جی ڈاکٹر ماہم آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مجھے اپنے سینے کے زخم پر مرہم رکھوانا ہی ہے۔ بہت تکلیف سہہ لی اب اور نہیں۔۔ اسفند جوابًا سنجیدگی سے کہتے ڈاکٹر ماہم کے ہمقدم ہوتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اسفند اور ڈاکٹر ماہم کو اکٹھے کمرے سے نکلتے دیکھ کر عابیر نے بری طرح اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹا تھا۔۔ گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر قابو پایا۔۔ دوسرے پل وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

کمرے میں اب ابرش اور زاران رہ گئے تھے۔۔۔

چلیں زاران۔۔۔ ابرش نے زاران کے بازو پر نرمی سے ہاتھ رکھتے آہستگی سے کہا۔۔

تم جاؤ میں آتا ہوں۔ زاران کی بات پر ابرش اثبات میں سر ہلاتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

زاران نم نگاہوں سے کچھ پل شہرام کو دیکھتا رہا جو اپنی آنکھیں موند چکا تھا۔ زاران نے اپنی نم آنکھیں اپنے بازو سے رگڑے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔۔

لالا۔۔۔۔۔۔ شہرام کی پکار پر اس کا ہینڈل پر ہاتھ رکا تھا۔

اتنا غصہ ہے اپنے شہرام پر اسے گلے لگانا تو دور کی بات اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کیا۔

غصہ ایٹیٹوڈ تو دکھاتا ہے فارم ہاؤس میں سب کے گلے لگا تھا۔ صرف اپنے لالا کا تجھے خیال نہیں آیا۔۔ ویسے بھی تو مجھے اب لالا نہیں زاران پکارے گا۔۔ زاران اس کی طرف دیکھتے اسے جتاتے بولا۔۔

جس دن یہ زبان آپ کا نام لے گی کاٹ کر پھینک دیجیے گا لالا۔۔۔ کبھی نہیں پکاروں گا آپ کو آپ کے نام سے۔۔ جانتا ہوں مجھ سے اور عابی سے سب سے زیادہ اس دنیا میں کوئی پیار کرتا ہے وہ آپ ہیں۔۔ عابی آپ کی بیٹی جیسی نہیں بیٹی ہی ہے۔۔ شہرام زاران کی طرف دیکھتے نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔

زاران مزید خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ اس کی طرف جلدی سے بڑھتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا۔ زاران کی آنکھوں سے آنسو گرتے شہرام کی آنکھوں میں بہے تھے۔۔

شکریہ لالا۔۔ میری بہارے اور بہرام کو بچانے کا۔۔ خرید لیا آپ نے مجھے ساری عمر کے لیے۔۔۔ شہرام زاران کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھتے بولا۔۔

تیرے لیے نہیں کیا وہ میری بہن اور بہرام میرا بیٹا ہے سمجھے تم۔۔ زاران نے اسے ڈپتے ہوے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں

شہرام زاران کی طرف دیکھتے ہنس دیا۔

لالا اختلافات ختم نہیں ہوے۔۔ قرض دار ہوں آپ کا ارحام لالا کا اسفند لالا کا.. مگر عابی کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ اسی کی خوشی اس کی عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔۔ وہ خود اسفند لالا کے پاس جائے گی تو ٹھیک ہے۔۔ آپ اسے فورس نہیں کریں گے۔۔ شہرام کی بات پر زاران نے لب بھینچتے اسے دیکھا وہ اس کی طرف تائیدی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ایسا ہی ہو گا عابیر جو فیصلہ کرے گی وہی ہو گا۔ زاران دوسرے پل اس کا ہاتھ تھامتے مضبوطی سے بولا۔۔

لالا دوستی کو نہیں لائیں گے بیچ میں آپ۔۔ شہرام نے زاران کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے عہد لیا۔۔

ایسا ہی ہو گا جو کچھ کروں گا صرف عابیر کی خوشی کے لیے کروں گا وعدہ ہے میرا تجھ سے۔۔ زاران اس کا ہاتھ مزید مضبوطی سے جکڑ گیا تھا۔۔

۔۔ آپ کو تو گولی نہیں لگی۔۔ شہرام نے زاران کی طرف دیکھتے فکر مندی سے پوچھا۔۔

نہیں لگی مجھے گولی مجھ پر آیا ہر وار اسفند سہہ گیا تھا اور میری فکر نہیں اپنی کر ۔۔۔ زاران کی بات پر شہرام مبہم سا مسکراتے آنکھیں موند گیا۔

حور نے ارحام کی طرف دیکھا جو بہت مشکل سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی کی سپیڈ بھی اس نے کم ہی رکھی تھی۔۔

وہ لوگ واپس حویلی جا رہے تھے۔۔ امینہ خانم اور درید خان ڈرائیور کے ساتھ پہلے ہی نکل گئے تھے۔۔ ہاسپٹل میں زاران ابرش اسفند عابیر رکے تھے۔۔

ارحام اسے لیے اب حویلی جا رہا تھا۔۔ حور نے لب بھینچتے ارحام کی طرف دیکھا۔ جس نے اپنے کندھے کو ایک ہاتھ سے جکڑے سٹرینگ گھماتے ہوے گاڑی کا ٹرن لیا تھا۔۔ چہرے پر تکلیف کے اثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔۔

ارحام۔۔۔۔حور کی پکار پر ارحام کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری

۔۔

جی جان ارحام۔۔ارحام نے اس کے حجاب میں لپٹے چہرے کو دیکھتے ملائمت سے کہا۔وہ عبائیہ میں ملبوس تھی جس پر حجاب لیے ہوے تھی۔۔

آپ کے کندھے میں درد ہے۔ڈرائیو آپ سے نہیں ہو پا رہی۔ آپ اپنے کسی گارڈ کو کہہ دیتے وہ ڈرائیو کر لیتا۔حور نے ارحام کے چہرے پر تکلیف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ان گارڈز سے مجھے پرسنلی طور پر بڑی عداوت ہے۔۔بہت چھبھتے ہیں مجھے یہ تمھارے نزدیک۔۔تم سے دس فٹ کی دوری پر بھی کھڑا کوئی گارڈ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔اور جب تک دم ہے تمھارا گارڈ تمھارا ڈرائیور تمھارا

غلام ارحام خانزادہ رہے گا۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے سٹرینگ پر ہاتھ جمایا۔

وہ ارحام کی بات پر نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔وہ اس کی بات پر نہیں بلکہ اس کی نرمی پر روٹھی تھی۔۔ارحام اس کی اس ادا پر محظوظ ہوا تھا۔

ہنسنے کی ضرورت نہیں گاڑی روکیں۔حور نے ارحام کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورا تھا۔

کیوں جان ارحام؟؟۔۔۔یہاں کیا رمانس کرنے کا آرادہ ہے کیا؟؟ویسے بہت ایکسپرینس ہے میرے پاس چلتی گاڑی میں بھی رومانس کر سکتا ہوں ۔ارحام نے حور کو بے باکی سے آنکھ ماری۔۔

جانتی ہوں رومانس کا ایکسپیرینس آپ کو نہیں ہو گا تو کس کو ہو گا.. حور بھڑ بھڑ جلتے بولی۔

ارحام اس کی بات پر لب بھینچ گیا تھا وہ کیا کہنا چاہتی وہ سمجھ گیا تھا۔

گاڑی میں رومانس بھی تمھارے ساتھ ہی کر چکا ہوں۔۔ ہوٹل جاتے ہوے۔۔ ارحام نے نہ چاہتے ہوے بھی وضاحت دی۔۔ وہ اسے خود سے بدگمان نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ رومانس تھا یا ٹارچر کیا تھا مجھے۔۔ حور نے شکوہ کناں نگاہیں ارحام پر گاڑھتے سوال کیا۔

ارحام اب جبڑے بھینچتے خاموش ہو گیا تھا۔اس کی بات کا کیا جواب دے اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔وہ کچھ بھی کہتا وہ الٹا مطلب نکالتی۔۔اسے آخر کس بات کا غصہ تھا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

گاڑی روکیں۔۔حور ارحام کے بھینچے ہوے لب دیکھتے چٹختے ہوے بولی۔۔

کیوں؟؟ارحام اب اس کی بات پر حیران ہوا تھا۔

حویلی کا راستہ اچھا خاصہ ہے۔۔آپ کے شولڈر پر سٹیچز لگے ہیں۔ڈرائیو میں کروں گی۔۔حور کی بات پر وہ اپنی سنجیدگی قائم نہیں رکھ سکا تھا۔۔وہ اسی طرح کی فضول ضد کرے گی جیسے وہ جانتا تھا۔۔پتہ نہیں وہ کیوں وہ اس

سے اسی بات کی توقع کر رہا تھا۔ پریذے اور اس کی عادات میں اسے زیادہ فرق نہیں لگتا تھا

ارحام نے اپنا اڈ تا قہقہ کھانسی کرتے چھپایا۔۔۔ حور کے خوف کی وجہ سے وہ مسکرا بھی نہ سکا تھا۔

کھانسنے کی وجہ سے وجہ سے کندھے پر شدید درد اٹھا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتا ایک جھٹکے سے گاڑی روک چکا تھا۔۔

حور نے غصے سے ارحام کو دیکھا جس کی سفید شرٹ سے کندھے پر خون کے قطرے چمکتے صاف نظر آ رہے تھے۔

جو کچھ وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر کر رہا تھا سٹیچز تو کھلنے ہی تھے۔ حور نے غصے سے ارحام کو گھورا۔ وہ اپنے کندھے کو جکڑے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں

موند گیا۔ حور کچھ پل ارحام کو دیکھتی رہی اپنی طرف کا دروازہ کھولتے اتری تھی۔

ارحام نے اب اسے غصے سے دیکھا وہ رات کے ٹائم اس سنسان سڑک پر گاڑی سے اتر گئی تھی۔۔اس کے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں اس کے ہی حکم پر کافی فاصلے سے آرہی تھیں۔

حور کے ساتھ ہو تو اسے اپنے ارد گرد کوئی پسند نہیں ہوتا تھا اور ان گارڈز سے تو اسے سچ میں پرسنلی عداوت تھی۔

سات مہینے حور کے ارد گرد گارڈز کو دیکھتے اس کے سینے میں کیسی آگ دہکتی تھی وہ وہی جانتا تھا۔

حور نے ارحام کی سائیڈ کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔۔

اتریے گاڑی سے۔۔مجھے ڈرائیو کرنا ہے۔۔حور نے حکمیہ لہجے میں کہتے ارحام کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

ارحام نے جوابًا اسے سرد نظروں سے گھورا تھا۔۔مگر وہ ارحام کے گھورنے پر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔وہ ابھی بھی اسے گھور رہی تھی۔ارحام اب بے بسی سے اپنی پچھلی گردن رب کر گیا تھا۔

حور کیا کہہ رہی ہو تم؟؟کیسے ڈرائیو کر سکتی ہو۔۔ارحام اب بری طرح جھنجھلایا تھا۔۔باہر اچھی خاصی سردی تھی۔۔اب برف باری بھی شروع ہو چکی تھی۔۔وہ ایک عبایئے کے اوپر لانگ گرم کوٹ صرف پہنے ہوے تھی۔جو اس شدت کی سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اسی لیے تو پل میں حور کی تیکھی ناک سرخ ہوئی تھی۔

ارحام نے خود کندھے پر لگے سٹیچز کی وجہ سے کوئی گرم کوٹ بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔ برفیلی ہوا پر اس کا کندھا جیسے شل ہوا تھا۔

کیسے ڈرایو کر سکتی ہوں میں؟ کیا مطلب؟؟ ارحام میں ڈرائیو نہیں کر سکتی کیا ؟؟ الٹا اس نے جوابًا ارحام سے پوچھا۔۔

ارحام نے اس کے سوال پر گہرا سانس لیا تھا۔ وہ تو اس سے جنگلی بلی کی طرح لڑ رہی تھی۔۔

میری جان تم سب کچھ کر سکتی ہو۔ مگر اسلام آباد امریکہ لندن میں ڈرائیو کرنا آسان ہے مگر یہ سوات کی سڑکیں ہیں۔۔ ارحام نے اس کی طرف دیکھتے نرمی سے کہا۔۔

ارحام میں کرلوں گی ڈرائیو۔۔ دوسری طرف کھسکیں آپ۔۔ حور نے ضدی انداز میں کہتے ارحام کو جیسے حکم دیا تھا تھا۔

حور گاڑی میں بیٹھو۔۔۔ ارحام کو اس کی ضد پر مجبوراً اپنا لہجہ سرد کرنا پڑا تھا۔

حور کچھ پل ارحام کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر اس نے جھکتے ہوے اگنیشن میں سے گاڑی کی چابی اتار کر اپنے سینے پر موجود کاٹ کی پاکٹ میں وہ چابی ڈالی۔

حور وٹس رانگ ود یو۔۔ ارحام نے غصے سے حور کو گھور کر دیکھا۔

حور اسی لمحے گاڑی کا دروازہ زور سے بند کر چکی تھی۔۔

ارحام نے غصے سے جبڑے بھینچتے جھنجھلاتے ہوے سٹرینگ پر مکہ مارا۔۔

کندھے میں ایک بار پھر سے درد اٹھا تھا۔ جسے اس نے بمشکل ہی برداشت کیا ۔۔اس وقت اپنی بیوی کا ایٹیٹیوڈ برداشت کرنا مشکل تھا۔

حور یہ کیا مذاق ہے ؟۔۔تم اس برفیلی رات میں مجھ سے مذاق کر رہی ہو ۔۔ارحام گاڑی سے نکلتے حور کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

ارحام میں صرف ڈرائیو کرنا چاہتی ہوں۔۔ آپ کندھے میں اٹھتی تکلیف کی وجہ سے ڈرائیو نہیں کر سکیں گے۔۔ حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے بولی۔

حور تم میری تکلیف کی وجہ سے گاڑی ڈرائیو نہیں کرنا چاہتی تم صرف ضد کر رہی ہو۔۔ اور میں تمھاری یہ ضد پوری نہیں کر سکتا۔۔ برف باری کی وجہ سے سڑکوں پر پھسلن ہے۔ تم ڈرائیو نہیں کر سکو گی۔ اگر بات میری جان پر

ہوتی میں خوشی خوشی یہ خودکشی کی اٹیمپٹ کرلیتا. مگر یہاں بات تمھاری زندگی کی بھی ہے. میں تمھیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔۔ ارحام نے اس کی کمر پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اس کی براؤن شفاف آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھتے لفظ چبائے تھے۔

خودکشی کی اٹیمپٹ۔۔ کیا مطلب اس بات سے آپ کا۔۔ امریکہ سے میں نے ڈرائیونگ جمپنگ سومنگ کلائمبنگ کی کلاسز لی ہوئی ہیں۔ آپ مجھے اتنا نل سمجھتے ہیں۔ حور غصے سے چٹختے ہوے بولی۔۔

افففف۔۔ ارحام نے سرد سانس کھینچی تھی۔۔ حور ہر صورت میں اسے ٹف ٹائم دے سکتی تھی۔۔ وہ اچھا خاصہ اس کی بحث پر جھنجھلایا تھا۔

برف گرتی ان دونوں کے چہرے پر گر رہی تھی۔۔ ارحام کی گہری گرم نگاہیں اب اس کے خوبصورت چہرے پر تھیں جو برف سے سفید ہو رہا تھا۔

ارحام بے قراری سے اس کے چہرے پر گری برف پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ اپنی بیوی کو ضد سے روکنے کا ایک یہی طریقہ سمجھ آیا تھا اس پر وہ غصہ کسی صورت نہیں کر سکتا تھا۔۔ اس کے حصار میں ہی وہ سرخ پڑتے اپنی ضد سے پیچھے ہٹ سکتی تھی۔

وہ اس کا چہرہ تھامے بہت نرمی سے اپنے لبوں سے وہ برف چن رہا تھا۔ کندھے کا درد وہ ایک بار پھر سے بھول چکا تھا۔

حور اس کے حصار میں نظریں اب جھکا گئی تھی۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو اس کی سانسوں میں گھلتی اسے بے بس کر چکی تھی۔ پلکیں عارض پر سجدہ ریز ہوئی تھیں۔

شدید سردی اور برف باری وہ اس دیو کے حصار میں قید تھی۔ مگر اسے یہ سب برا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی مضبوط گرم بانہیں جیسے اس کے لیے حدت تھیں۔

ارحام میں ضد نہیں کر رہی۔۔ آپ ڈرائیو نہیں کر سکیں گے مین ڈرائیو کروں گی اور میں کرنا چاہتی ہوں۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے آہستگی سے کہا۔ حور کو اپنی ضد پر قائم رہتے دیکھ کر ارحام نے گہری سانس لی تھی۔

چلیں۔۔ ارحام کو خاموش ہوتا دیکھ کر حور گاڑی کی طرف بڑھی۔۔

ارحام نے اسے کلائی سے جکڑے اپنے قریب کیا تھا حور نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے ارحام اسے بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اسی لمحے اٹھا گیا تھا۔

حور نے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا وہ اسے مزید اپنے قریب کرتے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔ حور بے یقینی سے اسے دیکھتے اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ اسے اس زخمی حالت میں گود میں اٹھالے گا یقین کرنا مشکل تھ۔۔ ااسے ایسے اٹھانے پر اس کے چہرے پر تکلیف صاف نظر آرہی تھی ۔ مگر وہ پھر بھی اسے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے ۔۔ وہ اپنے ہر ایکٹ سے اسے بتاتا تھا۔

جان ارحام آپ میرے پاس ہوتی ہیں ہر تکلیف بھول جاتا ہوں۔ اگر تمھیں اٹھا سکتا ہوں تو کیا میں ڈرائیو نہیں کر سکتا۔۔ ارحام نے اسے مزید اوپر کرتے اس کے لبوں کو نرمی سے چھوا۔ اسے لیے گاڑی کی طرف بڑھا گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے بٹھایا۔۔ دروازہ بند کرتے وہ اپنی سائیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

خود اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔

حور ونڈ سکرین پر نظریں جمائے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

سوری جان۔۔۔ آج تمھاری ضد پوری نہیں کر سکا۔ وعدہ ہے پھر کسی دن یہ ضد بھی پوری کر دوں گا۔

ارحام نے اس کی طرف جھکتے اس کے عارض پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔ اور کونسی میری ضد پوری کی۔ ارحام کے پیچھے ہونے پر حور اس کی شرٹ جکڑے اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔ ارحام کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اس کے شولڈر پر اپنی کپکپاتی انگلیاں رکھتے سسکی لی تھی۔

وہاں چمکتے خون کے قطرے اسے درد مبتلا کر گئے تھے۔

اب پوری کروں گا جتنی ضد کرو گی بچپنا دکھاؤ گی۔۔ نخرے دکھاؤ گی۔۔

تمھارا ارحام تمھارا ہر نخرہ اٹھائے گا۔۔۔۔ جان ارحام۔۔ جان زندگی۔

۔مائی لو۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کی بھیگی پلکوں پر اپنے لب رکھتے وہاں

ٹھہری شبنم اپنے لبوں سے چنی۔

کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔۔ اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے کہ میرے

لیے اس پہاڑ سے کود کر جان دے سکیں۔ حور نے اس کی آنکھوں میں

دیکھتے سسکی لی تھی۔

ارحام کی اس کی بات پر گہرا مسکرایا تھا۔

نہیں اس پہاڑ سے کود کر کبھی اپنی جان نہیں دے سکتا۔۔

نہ کبھی دوں گا۔ مجھے تمھارے ساتھ جینا ہے حور۔۔۔

ہر لمحہ ہر پل تمھاری قربت میں گزارنی ہے۔۔ تمھارے بچپنے تمھاری ضد کو ایسے ہی ہینڈل کرنا ہے۔۔ تمھیں ہر پل ہر لمحہ بتانا ہے تم میرے لیے کتنی خاص ہو۔ ارحام اس کے چہرے پر بہتے آنسوؤں پر لب رکھتے اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔

حور نے اس کا ساتھ دیتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑا تھا۔ ارحام اس کے لبوں کو چھوڑتے پیچھے ہونے لگا تھا کہ حور اس کی شرٹ اپنی طرف کھینچتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے کھینچنے لگی۔۔

ارحام اس کے خود کے قریب آنے پر پاگل ہوا تھا۔۔ ہوٹل کے بعد وہ خود اس کے قریب آئی تھی۔۔ آج کوئی ڈر نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی سے آئی تھی ۔ ارحام کا دل پہلو میں شدت سے دھڑکا تھا۔ وہ اس وقت بہت تکلیف میں

تھا مگر وہ کسی صورت اسے خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ گر اس وقت اسے اس کا لمس چاہیے تھا اسے کسی چیز کی فکر نہ تھی۔۔

ارحام بٹن دباتے سیٹ نیچے کرتے اس پر مکمل جھک گیا۔ وہ بہت نرمی سے اس کی اسانسیں انہیل کر رہی تھی۔ وہ اس کی شدت میں اس کا ساتھ دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد حور نے اس کے لبوں کو چھوڑا تو ارحام نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے حور کی آنکھوں میں دیکھا جو مسکراتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔ مگر زیادہ دیر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ نہ سکی تھی۔

حور سرخ پڑتے نظریں جھکا گئی۔

ہممم۔۔۔ایسے نہیں جان۔۔۔حویلی چل کر پوری پوری وصولی لوں گا۔۔۔آج تمھاری جان بخشی نہیں۔۔۔آج میرے پیار کی شدت تمھارے بدن کے ہر حصے پر اپنی چھاپ چھوڑے گی۔۔

دو گی ناں میری شدتوں میں میرا ساتھ ارحام نے گھیمیر آواز میں پوچھا۔

ارحام آپ کو گولی لگی ہے کیسے ؟؟۔۔۔حور کی بات پر ارحام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

جب تمھیں ادھر ادھر اپنی شدتوں سے پٹخوں گا تب پوچھنا کیسے۔۔بس تم مجھے جھیلنے کی تیاری کرو۔۔آج رات تمھاری خیر نہیں۔

ارحام نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔حور کی رنگت شدید سرخ ہوئی تھی. ارحام اس کے ماتھے پر لب رکھتے پیچھے ہوا تھا۔

بٹن دبا کر حور کی سیٹ اوپر کی۔۔

حور سرخ پڑتی اپنے لب کاٹ رہی تھی۔ ارحام نے بہت پیار سے اس کا لب اس کے دانتوں سے چھڑواتے اس کی کوٹ کی پاکٹ سے چابی نکالی۔۔

ارحام نے چابی اگنیشن میں لگاتے گاڑی سٹارٹ کی تھی

حیدر خان زرمش کے ساتھ اپنی حویلی داخل ہوا تھا۔

لالا۔۔۔ مورے نے مجھے ابھی تک معاف نہیں کیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی غصہ کریں گی۔۔ زرمش نے بھیگے لہجے میں کہا۔

کچھ نہیں کہیں گی تمھیں۔۔یہ حویلی جتنی میری اور اتنی تمھاری بھی ہے۔۔حیدر خان سنجیدگی سے کہتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے زنان خانے میں داخل ہوا تھا۔

رقیہ خانم حیدر کو اتنے دن بعد دیکھتے خوشی سے صوفے سے کھڑی ہوئی تھیں۔۔مگر زرمش کو دیکھتے وہ رکی تھیں۔

حیدر تم اس کو ادھر کیوں لایا؟؟رقیہ خانم زرمش کو دیکھتے بھڑکتے ہوے بولی۔

زرمش میری بہن ہے اور یہ حویلی اس کی بھی اتنی ہے جتنی میری۔۔حیدر خان رقیہ خانم سے سرد لہجے میں بولا۔

تم اس کا خاطر ہمارا مقابل آئے گا۔۔ بھولو مت یہ تمھارا سگا بہن نہیں سوتیلا بہن ہے۔۔ رقیہ خانم تنفر سے بولیں تھیں۔

زرمش رقیہ خانم کی بات پر حیدر کے سینے سے لپٹے شدت سے رودی تھی۔

مورے میرے لیے زرمش ہمیشہ میری بہن تھی۔۔ سگے سوتیلے کا فرق صرف آپ نے کیا۔ جب میں اسے سوتیلا سمجھتا نہیں۔۔۔ تو کیوں آپ کی خاطر اس سے سوتیلوں والا سلوک کروں۔۔ حیدر رقیہ خانم کے مقابل آتے ان کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔۔

ہمارا خاطر حیدر تم کیوں نہیں کر سکتا۔۔۔۔ تم اچھا طرح جانتا ہے تمھارا باپ نے ہم پر ظلم کیا تھا۔ حویلی کا ملازمہ سے دوسری شادی کر کے۔۔ مگر اس کا مرنے کے بعد پھر بھی ہم نے زرمش کو اپنا بیٹی کی طرح پالا۔۔ اس نے کیا کیا پورا برادری کا سامنے اس ساحر کے ساتھ رخصتی کا کہہ دیا۔ اس

دن ہم نے اس سے ہر تعلق توڑ دیا تھا۔ اب ہم اسے ادھر برداشت نہیں کر سکتا۔۔ رہے یہ اب کہیں بھی ہم کو فرق نہیں پڑتا۔۔ رقیہ خانم زرمش کو گھورتے کاٹ دار لہجے میں بولی۔۔

مورے تعلق آپ نے توڑا تھا۔۔ میں نے اور بابا نے کبھی زرمش سے تعلق نہیں توڑا۔۔۔

شاہزیب چچا کے مرنے کے بعد میں نے اسے ہاسٹل میں داخلہ کروادیا تھا۔۔ اس کو میڈیکل کالج سے چھٹیاں ہوئی ہیں۔۔ اب یہ اپنی حویلی اپنے رشتوں کے ہوتے اپنی چھٹیاں ہاسٹل میں نہیں گزارے گی۔۔ یہ ادھر آیا کرے گی جیسے ہر لڑکی چھٹیوں میں اپنے گھر جاتی ہے۔۔ میری بہن بھی آئے گی۔۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ حیدر خان کی بات پر رقیہ خانم نے بے

یقینی سے حیدر کو دیکھا تھا۔۔ وہ ان کے خلاف ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا۔۔ ہم سے یہ سب چھپایا۔ تم اپنا ماں کے ساتھ یہ کیسے کر سکتا ہے۔۔ رقیہ خانم نے بھرائی آواز میں چیخی تھی۔

دھوکہ نہیں دیا مورے۔۔۔ خود کو اور آپ کو باور کروایا ہے۔ میری جنت کے علاوہ مجھ پر میرے اور رشتوں کا بھی حق ہے۔۔ میں ایک بیٹا نہیں ایک بھائی ایک شوہر ایک باپ بھی ہوں۔۔

اپنی بیوی کے حقوق سے نظریں چرانے پر زندگی میرے لیے دوزخ بن چکی ہے۔۔ اگر اب اپنی بہن کے حقوق سے بھی نظریں چراؤں گا کہیں کا نہیں رہوں گا۔۔ یہ ادھر رہے گی۔۔ میری ہر جائیداد کی یہ آدھی وارث ہو گی. ۔۔ آپ اسے ایک لفظ نہیں کہیں گی اگر اسے آپ نے کچھ بھی کہا میں یہ

حویلی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ حیدر خان اپنی بات مکمل کرتے وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ابرش شہرام خان کے کمرے سے نکلتی عابیر کی طرف بڑھی جو سامنے بینچ پر بیٹھی اپنی گلابی آنکھیں بار بار اپنی چادر سے رگڑ رہی تھی۔۔

عابیر شہرام ٹھیک ہو چکا ہے۔ اب کیوں رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو؟!۔ ابرش اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے نرمی سے بولی۔

کبھی دیکھا نہیں لالا کو ایسے؟؟ نہ انھیں ایسے دیکھ سکتی ہوں۔۔ عابیر اپنی چادر سے اپنے عارض بار بار رگڑتے انھیں دہکتا آنار بنا چکی تھی۔۔ ابرش نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا وہ یہاں کی عورتوں کی طرح دکھتی تھی رنگ

روپ نقش خالص پٹھانی تھے۔۔ مگر اس کے نقوش میں عجیب سی کشش تھی ۔۔جو یہاں کی عورتوں میں نہیں ملتی تھی۔وہ یہاں کی ہو کر بھی نہیں لگتی تھی.۔ سحر انگیز نقوش تھے اس کے۔۔۔ایک بار اس کے چہرے پر نظر ڈال کر ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔ابھی بھی سنہری رنگت دھمک رہی تھی۔ جس پر دہکتے عارض اور ہیزل گرے آنکھوں کا گلابی پن مزید سحر انگیز لگ رہا تھا۔

عابیر تمھارا یہ آخری فیصلہ ہے تم اسفند کو معاف نہیں کرو گی۔۔ابرش کی بات پر عابیر نے اپنی بھیگی گلابی تحیر زدہ آنکھیں اس پر گاڑھیں۔وہ اس سے اسفندیار خان کے متعلق ایسی کوئی بات کرے گی اسے اندازہ نہ تھا۔

پتہ نہیں بھابھی۔۔۔عابیر نے اپنے لبوں کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے اپنی سرخ ہوتی ناک اپنی چادر سے پھر سے رگڑی تھی۔اسفندیار خان ڈاکٹر ماہم کے ساتھ برداشت نہیں ہوا تھا۔

تمھیں پتہ ہونا چاہیے عابیر تم کیا چاہتی ہو؟؟اگر تم اسے معاف کرنے کو تیار نہیں ہو تو ایسے کیوں تڑپ رہی ہو اس کے لیے۔ تمھارے یہ آنسو صرف شہرام کے لیے تو نہیں تم اسفند کے زخموں پر بھی تڑپ رہی ہو۔

ایسی بات نہیں ہے مجھے اس کے زخم کیوں تکلیف دینے لگے۔

اس نے میرے لالا کے لیے گولی کھائی یہ بات مجھے اس کا احسان مند کر رہی ہے بس۔۔عابیر نے ابرش کی بات پر اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے مضبوط لہجے میں کہتے جیسے ابرش سے زیادہ خود کو باور کروایا تھا۔

شائد مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔۔مجھے لگا تمھارے دل میں آج بھی اسفند یار خان ہے۔ مگر میں غلط تھی۔ اگر تمھارے دل میں اسفند یار خان ہوتا تو تم یقیناً اسے یوں ڈاکٹر ماہم کے قریب برداشت نہ کر سکتی۔۔ابرش کی بات پر عابیر کے دانتوں کا دباؤ اس کے نچلے لب پر بڑھا تھا۔ اتنی بے رحمی پر خون کی بوند سی آن ٹھہری تھی۔

لگتا ہے ڈاکٹر ماہم کو نیلی آنکھوں والا خان پسند آگیا ہے۔۔ابرش نے لب پھیلائے کہا تو عابیر کے اندر شعلے سے دہکے تھے۔ اس کی باتیں برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ اس سے اچھا تھا وہ چپ ہی رہتی۔

تمھیں پتہ ہے عابیر امریکہ میں بعض گوریوں کو مشرقی مرد بہت پسند ہوتے ہیں۔ وہ پاکستانی ایشین مسلمان مردوں کو پسند کرتی ہیں۔

مجھے پہلے سمجھ نہیں آتی تھی ایسا کیوں ہے؟؟۔۔ مگر اب سمجھ آیا ہے۔۔ ابرش کی بات پر عابیر کی آنکھوں میں تحیر مزید بڑھا تھا۔

عابیر کے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھنے پر ابرش مدھم سا ہنس پڑی تھی۔

آئی تھنک بعض ایشین مرد کی پرسنیلٹی انھیں بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔۔ وہ فزیکل بھی ہونا چاہتی ہیں۔ اور مسلمان مرد صرف ویجٹیبل پر اکتفا نہیں کرتا شائد اس لیے۔۔۔۔

ابرش کی بات پر عابیر کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی وہ سمجھ گئی تھی۔۔ وہ پتہ نہیں جان بوجھ کر ایسی باتیں کر رہی تھی وہ نہیں جانتی تھی مگر اسفند بھی امریکہ میں رہتا تھا۔ اس کے بھی تو کسی گوری کے ساتھ ہی تعلقات تھے۔۔ اسفندیار خان ہر لحاظ سے پرفیکٹ مرد تھا۔ عابیر کو جیسے اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئی تھیں۔ عابیر نے اپنی چادر ذرا سا سرکاتے اپنی

گردن ایک ہاتھ سے رب کی۔۔ اسے واقعی میں جیسے سانس نہیں آ رہا تھا۔ کیا سچ میں اسفند کے کسی گوری کے ساتھ جسمانی تعلقات تھے۔ ابرش کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا وہاں یہ سب کچھ عام بات تھی۔۔ اور وہ بھی تو جانتی تھی سب کچھ پتہ تھا اسے۔۔ وہاں کیا کیا نہیں ہوتا؟؟ وہ بمشکل گہرے سانس بھرتی اپنی سانسوں کو بحال کر رہی تھی۔۔ ابرش کی باتوں سے اسے اپنا سر بھی اب جھنجھناتا محسوس ہو رہا تھا۔

اگر زاران ایسے کسی ڈاکٹر سے بینڈج کرواتا میں تو اس کا زخمی سینہ مزید نوچ ڈالتی۔ اگر وہ کسی فی میل ڈاکٹر کو خود کے قریب بھی آنے دیتا۔ میں اس کے قریب کسی عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔۔ چاہے وہ ایک ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہو۔۔ اور یہ اسفندیار خان ڈاکٹر ماہم کی ہر بات سن رہا ہے۔ دیکھا زاران کی بات پر اس نے پسٹل پیچھے نہیں کی تھی۔ مگر ڈاکٹر ماہم کے کہنے پر وہ پیچھے

ہٹ گیا تھا اور ابھی بھی ڈاکٹر ماہم کے ساتھ خاموشی سے چل پڑا۔ ابرش کے تجزیے پر عابیر نے بمشکل ہی اپنے اندر اٹھتے بھانبھڑوں پر قابو پا رہی تھی۔

زاران جو شہرام کے کمرے سے نکل کر باہر آیا تھا۔۔ اپنی بیوی کی فضول سی پیشن گوئیاں اور سنتے اپنی کنپٹی مسلتے بمشکل ہی خود پر قابو پایا۔ عابیر کی حالت بھی وہ دیکھ چکا تھا وہ بینچ پر بیٹھے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے ہوے تھی اور بدن ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔

زاران کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ابرش بینچ سے اٹھی تھی۔ اور عابیر زاران کے قدموں کی آہٹ سنتے بینچ سے ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

زاران اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ اپنی چادر سر پر جماتی وہاں سے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

زاران نے عابیر کی پشت کو بے بسی سے دیکھتے سرد سانس کھینچی تھی۔ شہرام کی ناراضگی دور ہوئی تھی اب وہ ناراض ہو گئی تھی۔۔ اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے مسلتے وہ بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

زاران نے اب اپنی پوری توجہ ابرش کی طرف مبذول کی جس کی پیشن گوئیوں پر اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔۔ عابیر کی حالت دیکھتے بھی اس کا ابرش پر غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

کیا کہہ رہی تھی تم عابیر سے ؟؟ اسفند اور اس کے بیچ آگے کچھ ٹھیک نہیں ۔۔ تم یہ باتیں کر کے مزید اسے خود سے دور کر رہی ہو۔ زاران نے اسے شرربار نگاہوں سے گھورتے باز پرس کی۔

زاران میں اس کا بھلا کر رہی تھی۔ اگر اس کے دل میں اسفند کے لیے ذرا سی محبت ہوئی وہ تڑپ اٹھے گی۔۔ عورت اپنے شوہر کو کسی کے ساتھ شئر نہیں کر سکتی۔ وہ اس کی طرف ضرور پلٹے گی.

سارا مسلہ ہی دوسری عورت کا ہے وہ اسی وجہ سے تو اسے معاف نہیں کر رہی جس کا کوئی تصور بھی نہیں اور تم نے حقیقت میں عورت لا کھڑی کر دی اس کے سامنے۔ زران غصے سے لفظ چباتے بولا تھا۔ ابرش کی باتوں پر اسے شدید غصہ آرہا تھا۔ ابرش سے اس بچپنے کی امید نہ تھی اسے۔۔ عابیر کی اسے بہت فکر ہو رہی تھی۔

زاران میں نے جو محسوس کیا کہہ دیا میری انٹیشن غلط نہ تھی۔ ڈاکٹر ماہم اسفند سے فری ہو رہی ہے۔ ابرش کی بات پر زاران کا غصہ عروج پر پہنچا تھا۔

ایک فی میل ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروانے میں کیا حرج ہے۔اس میں کہاں سے تم عورتوں کی انسکیورٹی آگئی۔۔زاران نے لفظ چباتے اپنی نازک سی خوبصورت بیوی کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا جو سیاہ چادر میں لپٹی اس وقت نہ چاہتے ہوے بھی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔مگر اس کی فضول باتوں پر بے حد غصہ آرہا تھا۔

مسٹر خانزادہ۔۔کیا تم مجھے کسی میل ڈاکٹر سے کبھی کسی سچویشن میں ڈریسنگ کروانے دو گے ؟؟۔ڈریسنگ کو چھوڑو اسے میرا ٹمپریچر بھی چیک کرنے دو گے۔ابرش کے سوال پر اسے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

تمھارا ٹمپریچر مائینس پر کیسے لانا ہے مجھے پتہ ہے۔۔تمھیں بغیر چیک اپ کے بھی میں کول کر سکتا ہوں۔۔مس امریکہ۔۔۔۔یہ تو طے ہے تمھیں میرے علاوہ کبھی کوئی ٹچ نہیں کر سکتا نہ میں یہ برداشت کر سکتا ہوں۔تم

آخری سانسیں بھی گن رہی ہو گی تو میں فی میل ڈاکٹر تلاش کر رہا ہو گا۔زاران نے اس پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑیں۔

اپنی نازک بیوی کی بات پر غصہ مزید بڑھا تھا۔

اتنے بے رحم ہو میرے حق میں؟؟ابرش نے زاران کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔

تم بھی تو بے رحم ہو۔۔میرے زخمی سینے کو نوچنے کا آرادہ رکھتی ہو۔۔مگر کوئی عورت مجھے چھوے یہ برداشت نہیں کر سکتی۔۔زاران نے نرمی سے اس کی کنپٹی پر اپنے لب رکھتے اپنے غصے پر قابو پایا۔۔ایسے ہی وہ خود کے غصے پر قابو پا سکتا تھا۔اس کا لمس اس کے لیے سکون تھا۔

دوسری عورت کے لیے میں تمھارے لیے اتنی بے رحم ہوں تمھاری سوچ ہے۔ میں تمھارا زخمی سینہ نہ صرف نوچ سکتی ہوں بلکہ اس پر گولیاں بھی چلا سکتی ہوں۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے سینے پر انگلی رکھتے بجائی تھی۔۔ زاران اس کی ادا پر قہقہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

وہ دوسری عورت کی بات پر ہی ہمیشہ بے حد سنجیدہ ہو جاتی تھی۔ اسے وقتاً فوقتاً دھمکانہ بھی اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اپنی بیوی کی پوزیسیو نیچر اسے بھانے لگی تھی۔ اس کی پناہوں میں قید اسے لطف دینے لگی تھی۔

یعنی بیوہ ہونا قبول ہے مگر سوتن قبول نہیں۔۔ زاران نے اس کی شعلہ اگلتی آنکھوں کو دیکھتے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ وہ تو سوتن لفظ پر ہی بے حد سیریس ہو گئی تھی۔۔ بیوہ تو شائد اس نے سنا ہی نہیں تھا یا پھر سچ میں

وہ اسے لے کر اتنی پوزیسیو تھی کہ اسے واقعی میں بیوہ ہونا قبول تھا مگر کوئی دوسری عورت نہیں۔۔۔

تم کبھی سوچ کر دیکھ لو مسٹر زاران۔۔ سچ میں تمھاری جان لے لوں گی۔۔ ابرش نے شعلہ بار لہجے میں کہتے اسے پھر سے دھمکایا تھا۔

زاران قہقہ لگاتے اسے اپنے قریب کرتے اپنے سینے میں پھینچ گیا تھا۔

بہت بیوقوف ہو تم۔۔ تم اپنی اہمیت میری زندگی میں کبھی سمجھ ہی نہیں سکی۔ زاران اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے مدھم سرگوشی کر گیا۔

تم نے کبھی بتائی ہی نہیں میری اہمیت۔۔ ابرش نے اس کی شرٹ جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شکوہ کیا۔

افففف یہ شکوہ کناں نگاہیں۔۔۔۔۔ کبھی بہن ایسے دیکھتی ہے کبھی بیوی دیکھتی ہے کبھی بھائی کبھی مورے۔۔۔ یہ بندہ آخر جائے تو کہاں جائے۔۔ زاران نے کہتے سرد سانس کھینچی تھی۔

یہ بندہ صرف اپنی بیوی کو دیکھے۔۔ ابرش اسے دیکھتے اک ادا سے مسکرائی تھی۔

دیکھوں گا بہت اچھی طرح سے۔۔ ہر گہرائی سے بیوی۔۔۔۔ گہرائیوں پر میری نظر ویسے ہی بہت گہری ہے۔ تاک تاک کے نشانہ لگاؤں گا۔ اتنی رومانٹک اور بے شرم بیوی ملی ہے مجھے۔۔ جس کی اتنی بے شرم بیوی ہو اسے تو بے شرمی کی آخری حد کراس کر لینی چاہیے۔۔ اور وہ بھی اب میں کراس کر دوں گا۔ زاران نے شرارتی لہجے میں کہتے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔ زاران کی ذو معنی باتوں پر ابرش کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی.

جب جب وہ اسے بے شرم کہتے اسے ذو معنی نظروں سے دیکھتا تھا۔ وہ ایسے ہی سرخ ہوتی تھی۔۔ فارم ہاؤس میں گزری وہ رات اور اپنی بے باکی یاد آ جاتی تھی۔ زاران کے سامنے نظریں اٹھانا محال ہو جاتا تھا۔ وہ اس وقت بھی گلاب کی طرح سرخ پڑتے زاران کی آنکھوں میں بمشکل دیکھ رہی تھی۔۔ زاران اسے محظوظ نگاہوں سے دیکھتا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔۔ اس کی معصوم ادائیں اسے اس کے لیے اور پاگل کرتی تھیں۔۔ وہ اس کی یہ بات بھی دل پر لے گئی تھی کہ اسے بے شرم بیویاں پسند ہیں۔۔ وہ شرماتے ہوے بھی نظریں جھکاتی نہیں تھی۔۔ وہ سچ میں اسے لے کر بہت پوزیسیو تھی۔۔

زاران نے نرمی سے اس کی لرزتی پلکوں پر اپنے لب رکھے تھے۔ اپنی خوبصورت بیوی پر ترس آگیا تھا جس کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہوتا جارہا تھا یہ اس کی لرزتی پلکوں کی جھالر سے بخوبی عیاں تھا۔

لالا۔۔۔ فرشتے کی رندھی آواز پر زاران نے جلدی سے ابرش کو اپنے حصار سے آزاد کیا۔

وہ زارو قطار روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ زاران جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔۔

لالا۔۔۔ شہرام لالا کو کیا ہوا ہے وہ ٹھیک ہیں ناں وہ

روتے ہوے زاران کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔

زاران اس کی بات پر تڑپ اٹھا تھا۔

فرشتے ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ زاران نے فرشتے کے سر پر ہاتھ رکھتے بے حد نرمی سے کہا۔

لالا۔۔ خبروں میں دیکھا تھا میں نے لالا کو۔۔ کوئی کیسے میرے اتنے اچھے لالا کو گولیاں مار سکتا ہے۔۔ جنھوں نے اتنا بڑا ہسپتال یہاں کے لوگوں کے لیے بنایا۔۔ شہرام لالا کا کیسے کوئی دشمن ہو سکتا ہے۔ اتنے اچھے انسان کا بھی دشمن ہوتا ہے لالا۔۔ زاران اس کی معصومیت سے کہی ہوئی باتوں پر مسکرا گیا تھا۔

دشمن تو ہر جگہ ہوتے ہیں فرشتے۔۔ اور اچھے انسان کے تو زیادہ دشمن ہوتے ہیں۔ مگر اب وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ زاران نے نرمی سے کہا تو فرشتے نے زاران کے سینے سے سر اٹھا کر زاران کو تھوڑا سا خفت سے دیکھا تھا۔۔

پہلی بار اس کے سینے پر ایسے سر رکھا تھا۔۔ ورنہ وہ ارحام کے علاوہ کسی کے قریب نہیں گئی تھی۔ مگر آج شہرام کی وجہ سے وہ جیسے خود پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔

تم صرف لالا کی بہن نہیں میری بھی ہو۔۔ عابیر جیسی ہو۔۔ زاران نے فرشتے کی آنکھوں میں خفت دیکھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اس کی خفت دور کی۔۔ فرشتے اپنے آنسو صاف کرتے پھر سے رو دی تھی۔

تم یہاں کیسے آئی ہو م؟؟ زاران نے پاس کھڑی اورزلہ کو گھورتے ہوے فرشتے کو دیکھا۔ زاران کے گھورنے پر اورزلہ جز بز ہوئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی سارے خانزادے اسے ہی گھورتے کیوں تھے؟؟۔ ارحام

بھی ایسے ہی گھورتا تھا۔ فرشتے کا خان بھی ایسے ہی گاڑی میں گھورتا رہا تھا۔ اب یہاں زاران گھور رہا تھا۔

لالا میں ٹیکسی سے آئی ہوں۔ فرشتے نے ہچکچاتے ہوئے جھوٹ بولا۔۔۔

فرشتے لالا نے منع کیا تھا تم کسی صورت اکیلے باہر نہیں نکلو گی۔ تم اتنی رات کو اس اورزلہ کے ساتھ اکیلے نکل آئی۔۔ مجھے فون کرتی میں لینے آ جاتا۔ زاران نے پھر سے اورزلہ کو گھورا تھا۔ اورزلہ غصے سے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ ان تمام خانزادوں سے زیادہ غصے کی تیز تھی۔۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا ان خانزادوں کی عقل ٹھکانے لگا دے۔۔ اس کے پاس زبان ہی کافی تھی ان سب کی عقل ٹھکانے کے لیے۔۔ کسی پسٹل اور سرخ آنکھوں کی ضرورت ہی نہ تھی

لالا آپ میں سے کسی کا فون نہیں مل رہا تھا۔۔ لالا اور اسفند لالا کو بھی گولی لگی ہے کیا؟؟ فرشتے نے بھیگے لہجے میں ارحام اور اسفند کے متعلق سوال کیا۔

سب ٹھیک ہیں فرشتے۔۔ لالا حویلی نکل گئے ہیں۔ میں تمھاری بات کرواتا ہوں فون پر ان سے۔۔ تم شہرام سے مل لو پھر میں تمھیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔ تم یہاں سے اکیلی اب کسی صورت نہیں جاؤ گی۔۔ زاران نے سرد لہجے میں تنبیہ کرتے ابرش کو دیکھا۔

ابرش فرشتے کو شہرام سے ملوانے کے لیے لے کر جاؤ۔۔ میں بہارے سے مل کر آتا ہوں۔ اسے اور بہرام کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔۔ زاران کے حکمیہ لہجے پر ابرش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ زاران اور زلہ کو گھورتے وہاں

سے چلا گیا تھا۔ زاران کے گھورنے پر اور زلہ نے بمشکل ہی خود پر قابو پایا تھا۔

بھابھی بہرام ٹھیک ہے ناں۔۔ مجھے پتہ چلا ہے شہرام لالا کے ساتھ بہرام اور بہارے بھی تھے۔۔ فرشتے نے ابرش کے مقابل آتے استفسار کیا۔

بہرام اور بہارے بلکل ٹھیک ہیں۔ شہرام سے ملنے کے بعد بہرام کو خود دیکھ لینا۔ ابرش نے فرشتے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے کہا۔

فرشتے تمھارا یہ لالا سب سے زیادہ خطرناک ہے کیسے مجھے اپنا سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ گاڑی میں تمھارا خان گھور رہا تھا اور یہاں یہ گھور رہا تھا۔ اوزلہ نے زاران کی پشت کو گھورتے کہا۔

خان۔۔۔۔ابرش نے اوزلہ کی بات پر فرشتے کو الجھن بھری نگاہ سے دیکھا۔

کچھ نہیں بھابھی اس کی عادت ہے ایسے فضول بولنے کی۔۔ آپ مجھے شہرام لالا کے پاس لے چلیں۔جب تک ان کو دیکھوں گی نہیں میرے دل کو چین نہیں آئے گا۔فرشتے نے گلوگیر لہجے میں کہا تو ابرش اسے لیے شہرام کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

عابیر ایک جھٹکے سے ہاسپٹل کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تھی۔۔اسفندیار خان بیڈ پر بیٹھے

ڈاکٹر ماہم سے اپنے بازو کی ڈریسنگ کروا رہا تھا۔ اس نے ٹی شرٹ اب نہیں اتاری تھی۔ آستین کو فولڈ کیے وہ ڈریسنگ کروا رہا تھا۔

اسفند اور ڈاکٹر ماہم اسے دیکھتے چونکے تھے۔۔۔

ڈاکٹر ماہم عابیر کو ایک نظر دیکھتے اپنا کام کرنے لگی تھی۔ اسفند بھی ڈاکٹر ماہم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

عابیر لب کچلتے وہاں پر کھڑی تھی۔۔ اسفندیار خان نے دوبارہ ایک نظر بھی اس پر ڈالی تھی

وہ دونوں اسے ایسے اگنور کیے ہوئے تھے۔ جیسے وہ وہاں پر ہے ہی نہیں۔۔ عابیر اسفند کو شبنمی آنکھوں سے دیکھتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔ وہ سچ میں کسی کے ساتھ برداشت نہیں تھا۔

مسٹر اسفند آئی ہوپ اب دوبارہ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔

خودکشی کے بہت سے طریقے ہیں۔ اگلی بار پہاڑ سے چھلانگ لگا لیجیے گا۔ مگر آئی تھنک زخموں کے ساتھ کھیلنا کوئی بہادری نہیں نہ یہ خانزادوں کو سوٹ کرتا ہے۔ ڈاکٹر ماہم ن اسفند کے بازو پر لگی بینڈج کے سرے کو قینچی سے کاٹتے ہوے بولی۔

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب یہ بات مجھے سمجھ آچکی ہے۔ زخموں کو کھریڈنے سے سوائے درد کے کچھ نہیں ملتا۔ اسفند تلخی سے بولتا آنکھیں موند چکا تھا۔

آپ ریسٹ کریں مسٹر اسفند آپ کو ضرورت ہے۔ آپ کو بخار بھی کافی تیز ہے۔۔ میں نرس کے ہاتھ میڈیسن بھجواتی ہوں وہ ضرور لے لیجیے گا۔ مگر اس سے پہلے کچھ کھا لیجیے گا۔

ڈاکٹر ماہم پروفیشنلی انداز میں بولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔۔عابیر کی طرف ڈاکٹر ماہم نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔

عابیر دیوار سے ٹیک لگائے اسفند کو دیکھ رہی تھی جو اب اپنی خون آلود ٹ شرٹ اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر بازو میں درد کی وجہ سے کھچاو پڑھتے وہ کراہتے ہوے آنکھیں میچ گیا۔۔

عابیر آہستگی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھی تھی۔۔اس کے اتنے قریب آنے پر مقابل کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔عابیر نے اسفندیار خان کے چہرے کے زخموں کو بغور دیکھتے اس کی شرٹ کو جکڑے اس کے پیٹ سے اوپر کی۔۔

اپنا یہ ترس اور ہمدردی اپنے پاس رکھو۔۔میں ابھی اتنا کمزور نہیں پڑا کہ مجھے تمھارے سہارے کی ضرورت پڑے۔اسفندیار خان آنکھیں کھولتے اس کے ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

میرے سہارے کی ضرورت نہیں۔مگر آپ کو ڈاکٹر ماہم کے سہارے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور میری غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی آپ میرے ہوتے کسی غیر عورت کی مدد لیں۔عابیر اس کے ہاتھ جھٹکتے اس کی شرٹ اس کے گلے سے نکالتے اس کے ایک آستین سے بھی نکال گئی تھی۔۔اسفند نے زخمی بازو والے بازو سے اپنی شرٹ نکالتے زمین پر پٹخی۔۔۔بغیر شرٹ لیس تھا۔اس کے سکس پیکس نمایاں تھے۔۔سینے پر اس کے دیے ہوے زخم پر بینڈج بھی ہوئی تھی۔۔یہی بات عابیر کو تکلیف دے

گئی تھی۔۔ کبھی نہ اس زخم پر مرہم رکھنے کا دعوا کیا تھا. مگر اب کسی دوسری عورت سے وہ اس کے دیے ہوے زخم پر مرہم رکھ چکا تھا۔

یہ غیرت یہ جلن وہ بیویاں دکھاتی ہیں. جنھیں اپنے شوہر کی پرواہ ہوتی ہے۔ جن کے دل میں اپنے شوہر کے لیے موجود عشق ختم نہیں ہوتا۔ جب مجھ سے محبت نہیں کرتی۔۔ مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہو تو پھر جل کیوں رہی ہو۔ میں جس بھی ڈاکٹر سے مرہم پٹی کرواؤں۔ اسفندیار خان اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے بھڑکتے ہوے بولا۔ وہ تو بے حد جل رہی تھی۔۔ اس کی گلابی آنکھوں سے بخوبی عیاں تھا۔ وہ تو انگیٹھی میں جلتے کوئلوں سے بھی زیادہ دہک رہی تھی۔

جل نہیں رہی صرف غیرت دکھا رہی ہوں۔ جس طرح آپ نے دکھائی ابھی تھوڑی دیر پہلے۔۔ میں آپ کی طرح چیخ چلا کر پسٹل نہیں تان سکتی ناں

۔۔عابیر نے سرد و سپاٹ لہجے میں بولتے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اسفند کے سینے پر گاڑھیں۔ جہاں وہ مرہم پٹی کرواچکا تھا۔ یہ بات اسے سچ میں جلا رہی تھی

میں صرف غیرت نہیں دکھا رہا تھا۔۔ جل بھی رہا تھا اور ابھی بھی جل رہا ہوں۔۔ میرے دل میں جلتے بھانبھڑ شدت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ جب جب تمھیں اس کے قریب کھڑا سوچتا ہوں۔ آگ دہکتی ہے میرے اندر ۔۔۔اگر غیرت دکھاتا تو مسسز اسفندیار خان ابھی تک تمھیں مار کر تمھارے کتنے پر مسسز اسفندیار خان کی ملکیت بھی لکھوا چکا ہوتا۔۔ اسفند عابیر کو بالوں سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔۔

نہیں برداشت تھی اپنی سفاک پٹھانی پر کسی غیر کی نظر۔۔۔بہت جلتا تھا وہ اس کے شعلہ بار روپ سے جب جب کوئی غیر مرد اسے دیکھتا تھا۔ آج جس طرح اس کے سامنے کھڑی تھی دارم خان کی نظریں یاد کرتے وہ آتش گیر بارود کی طرح پھٹ رہا تھا جیسے۔

جاؤ یہاں سے میرے سامنے مت آنا۔۔۔ورنہ پتہ نہیں میں کیا کر ڈالوں اس وقت مجھے تمھاری شکل نہیں دیکھنی۔۔اسفندیار خان اس کے بالوں کو چھوڑتے بیڈ سے اٹھتے اپنی بٹنوں والی شرٹ بیڈ سے اٹھائے پہنتے اس کے بٹن بند کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔

ایسے ہی میں بھی محسوس کرتی ہوں اسفندیار خان۔۔جب جب آپ کو اس لڑکی کے ساتھ سوچتی ہوں۔ جس کی تصویریں آپ نے بہت فخر سے بھیجی

تھیں۔عابیر کی بات پر اس کے دروازے کی طرف بڑھتے بھاری قدم رکے تھے۔

اسفندیار خان نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ مشتعل ہوتے سہلائی تھی۔۔۔پتہ نہیں کیا سوچ کر اس نے وہ تصویروں والی چیپ حرکت کی تھی۔جو اس کی زندگی کا نائٹ میئر بن چکی تھی۔

مجھے۔۔۔۔پتہ۔۔۔۔بھی۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔تھا براک۔۔۔ادھر۔۔۔ہسپتال میں۔۔۔۔ایڈمٹ۔۔۔ہے۔بہرام۔۔۔کو۔۔۔۔دیکھنے۔۔۔کے۔۔۔بعد چلڈرن۔۔۔وارڈ سے۔۔۔۔گزر رہی تھی کہ براک۔۔۔۔کی آواز سنائی دی۔۔میں۔۔۔بے۔۔۔اختیار۔۔۔۔ہوتے۔۔۔۔اس کے۔۔۔کمرے کی طرف۔۔۔بڑھ۔۔۔۔گئی۔۔۔تھی۔اس۔۔۔نے۔۔۔مجھے۔۔۔۔پہچاننے۔۔۔۔سے۔۔۔۔انکار۔۔۔کر۔۔۔۔دیا۔۔۔

تھا۔ کیونکہ۔۔۔۔ اس۔۔۔۔ کی۔۔۔ یاداشت۔۔۔۔ دو

۔۔۔۔۔ سال۔۔۔۔ پیچھے۔۔۔۔ چلی۔۔۔ گئی۔ ہے۔ وہ ہچکیوں سے روتے

ہوے ٹوٹے لفظوں سے بتا رہی تھی۔۔

اسفند بنا رخ پلٹے اپنی مٹھیاں بھینچے سن رہا تھا

جب۔۔۔ اس۔۔۔۔ کی۔۔۔۔ مورے زندہ۔۔۔ تھی۔ وہ۔۔۔

اس۔۔۔۔ پیریڈ۔۔۔ میں۔۔۔۔ چلا۔۔۔۔ گیا۔۔۔۔ ہے۔ وہ

۔۔۔ مجھے۔۔۔ دیکھ۔۔۔ کر چیخ۔۔۔ رہا تھا۔۔۔ پینک۔۔۔ ہو ہا تھا۔۔ مجھے

کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دارم۔۔۔۔۔۔ مم۔۔ میری۔۔۔۔ کلا۔۔۔۔ وہ

بولتے ہبولتے ہچکی لیتے رک گئی تھی۔ مقابل کہاں برداشت کر سکتا اگر اشے

پتہ چلتا کہ دارم نے س کی کلائی پکڑی ہے۔

وہ۔ مم۔۔۔ مجھے اس۔۔۔ وجہ۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ اس۔۔۔۔ کے۔۔۔

کمرے۔۔ سے۔۔۔ باہر۔۔۔۔ آنا۔۔۔ پڑا۔۔ دارم۔۔۔ مجھے۔۔۔

اس۔۔۔۔ کی کنڈیشن کے بارے میں بتا رہا تھا۔ مجھے۔۔۔ براک سے دور

رہنے کو کہہ رہا تھا۔ کیونکہ۔۔۔۔ براک کا اپنے دماغ پر زور دینے سے اس

کے دماغ کی وین پھٹ سکتی ہے۔ اس لیے دارم نے براک کی خالہ سے شادی

کر لی ہے جو براک کی ماما کی طرح دکھتی ہے۔ براک اسے ہی اپنی اب اپنی

ماں سمجھتا ہے۔۔ میں آج براک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو چکی

ہوں۔۔ صرف۔۔۔۔ یہی۔۔۔ بات ہو۔۔۔ رہی۔۔۔۔۔ تھی۔۔۔۔۔

ہمارے۔۔۔ درمیان۔۔۔ دارم خان نے کبھی۔۔۔ میرے۔۔۔ لیے

کسی۔۔۔۔ پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔۔ آج بھی وہ نفرت کا اظہار کر رہا

تھا۔ مجھے۔۔۔۔ صرف۔۔۔ براک سے دور رہنے کے لیے کہہ رہا

تھا۔۔ آپ پتہ نہیں کیا سمجھے۔۔ عابیر اسفند کی پشت کو شبنمی آنکھوں سے دیکھتے کانچ دار لہجے میں بولتے اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اپنے کردار پر اسے ذرا سی دراڑ قبول نہ تھی۔۔ دارم خان نے جب تک اظہار نہیں کیا تھا۔۔ اسے خود پر غرور تھا مگر اس کے اظہار کے بعد اسے خود پر غرور ختم ہو چکا تھا۔۔ کسی غیر مرد کا اظہار محبت خود کی ذات پر غرور مٹی میں ملا چکا تھا۔ وہ انجانے طور پر کسی غیر مرد کی محبت بن گئی جو اس کی ذات کو گوارا نہ تھا۔ وہ اپنی یہ غلطی ایڈمٹ کر چکی تھی۔

اسفند نے پلٹتے ہوئے اسے دیکھا جو جھوٹ بول کر اپنے کردار کی صفائی دے رہی تھی۔۔ وہ کسی کی آنکھوں میں اتری ہو اور وہ اس کا چہرہ نہ پہچان سکے۔

دارم خان کی آنکھوں میں اپنی سفاک پٹھانی کی پرچھائی وہ دیکھ چکا تھا۔ یہی بات تو اس کے وجود میں شعلے دہکا رہی تھی۔ وہ کسی کی آنکھوں میں پرچھائی

بن کر بھی اترے کہاں گوارا تھا۔ اب تو ساری عمر اس دل نے دہکتا تھا۔۔ وہ کسی اور کے دل میں بھی رہتی ہے اب سینے میں دھڑکتا لو تھڑا کہاں چین پا سکتا تھا۔۔

اسفندیار خان کچھ پل اسے دیکھتا رہا وہ روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی ۔نازک بدن ہچکولوں کی زد میں تھا۔ اسفند کے بھاری قدم اس کی طرف بڑھے تھے۔۔

وہ پیچھے کو قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

اسفندیار خان اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کرتے اپنی سفاک پٹھانی کو محصور کر گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو شبنمی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

اسی لیے امریکہ سے بھاگتا ہوا آیا تھا کہ میری سفاک پٹھانی پر کبھی ایسا وقت نہ آئے وہ اس طرح کھڑے ہو کر اپنے کردار کی صفائی دے۔۔۔ آج مجھے دے رہی ہو کل تھیں حویلی کے ہر فرد کو دینی پڑتی عابیر۔۔۔

اسفند کی بات پر اس کی آنکھوں کی شبنم گرتی عارض پر بہی تھی۔ زخمی نگاہوں کی حدت بڑھتے گلابی پن میں تبدیل ہوئی تھی

عورت کا کردار بہت نازک ہوتا ہے۔۔ میری تصویریں کسی غیر عورت کے ساتھ دیکھ کر بھی کسی نے مجھ سے سوال وجواب نہیں کیا۔۔ میری ہر غلطی گناہ معاف ہو سکتا ہے مگر تمھارا ایک سات سالہ بچے کے لیے آنسو بہانا بھی کوئی معاف نہ کرتا۔۔ نہیں برداشت کر سکتا تھا تمھارا نام بھی کوئی کسی کے ساتھ جوڑے۔۔ تم اسے میری غیرت سمجھ سکتی ہو۔۔ مگر یہ میرا عشق ہے

کہ تمھارا نام کسی غیر کے ساتھ کسی کے لبوں سے نہیں سن سکتا۔۔چاہے میری مورے ہی کیوں نہ ہو۔۔وہ بہت نرمی سے بولتے اس کے ریشمی سرخ گالوں پر موجود آنسو نرمی سے انگوٹھوں کے پوروں سے صاف کر گیا

۔

پتہ ہے مورے نے پہلے الفاظ کیا بولے مجھ سے۔۔اسفند نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کیا۔۔

کیا۔۔عابیر نے ہچکی لیتے استفسار کیا تھا۔

تمھاری خوبصورت بیوی کو ایک سات سالہ بچے سے عشق ہو گیا ہے۔جس کا باپ زاران کا دوست ہے۔وہ یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ تمھیں ایک سات سالہ بچے سے عشق ہوا ہے۔مگر انہوں نے براک کے ساتھ دارم کا نام بھی لیا۔۔

مانتا ہوں مورے کڑوی ہیں۔۔ ان کی عادت ہے۔ یہ سب انہوں نے جان بوجھ کر کہا۔ لیکن ایسا نہیں ہے عابیر ہر کوئی ایسے ہی بات کرتا۔۔ بات جب تمھارے اور براک کی آتی دارم کا نام ضرور آتا۔۔ کوئی تمھارے دل میں سات سالہ بچے کی محبت کو نہ سمجھ سکتا۔ میں تو صرف جلتا ہوں مگر سب تمھارے کرار پر وار کرتے جو میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے بول رہا تھا۔

میں جانتا ہوں تمھیں عابیر۔۔۔ تمھیں عشق کرتے دیکھا ہے۔۔۔۔ سات مہینے تمھیں خود کے لیے تڑپتے ہوے دیکھا ہے۔۔ جانتا تھا میری سفاک پٹھانی کا عشق کم ہو سکتا ہے ختم نہیں ہو سکتا۔۔ اس کے آنسو تھم سکتے ہیں۔ وہ تڑپنا بند کر سکتی ہے مگر اسفندیار خان کی جگہ کسی کو نہیں دے

سکتی۔۔ مگر یہ دنیا تو تمھارے دل میں نہیں جھانک سکتی تھی۔۔ عورت کے کردار پر اٹھتا وار اس کے مرد کو زندہ زمیں میں گاڑھ دیتا ہے۔ تم پر ہاتھ اٹھایا تمھاری گردن دبوچی۔۔۔ اس لیے نہیں تم پر شک کیا۔۔ اگر شک ہوتا تو تمھاری گردن پر جما میرا ہاتھ کوئی نہیں ہٹا سکتا تھا چاہے کوئی کتنی طاقت لگا دیتا۔۔ مرد ہوں طاقت رکھتا ہوں تو اپنا غصہ اشتعال ایسے ہی نکال سکتا ہوں۔ لیکن اپنی طاقت کی زور آزمائی کبھی نہیں کی تمھارے ساتھ۔۔۔۔۔

اسفند نے ملائمت سے بولتے بہت نرمی سے اس کی چادر اتارتے اس کے کمر پر بکھرے سنہری بکھرے بالوں کو نرمی سے اب اپنی انگلیوں کے سلجھا رہا تھا۔۔ عابیر حیرانگی سے دیکھ رہی تھی وہ ایسے کبھی نہیں کرتا تھا۔۔ مگر آج اس کے الجھے بالوں کو کمر سے سلجھا رہا تھا۔۔

تمھاری ہر چیز کا لمس مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔۔ اپنے بالوں کو محسوس کرنے دو۔۔۔ تمھیں کبھی بتایا نہیں مگر تمھارے بالوں کی رنگت بہت پسند ہے مجھے۔

ڈائی تو نہیں کرواتی ناں۔۔ یہ نہ ہو تم مجھے ایسا کچھ بتا کر ہارٹ اٹیک کر دو۔۔ تمھارے بالوں کی رنگت بہت پسند ہے۔ یہ برداشت نہیں کروں گا۔ وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہچکی بھرتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

اپنی ڈائے بالوں والی کوئی گرل فرینڈ یاد آگئی ہو گی۔۔ گرل فرینڈ تو ہوتی ہی آرٹیفیشل۔۔ بیوی تھوڑی ہوتی ہے۔۔ عابیر اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں زخمی سا میں ہنسی تھی۔

۔ارٹیفیشل گرل فرینڈ نہیں فیک گرل فرینڈ کہو۔۔ جس نے میری سفاک پیور پٹھانی کو مجھ سے دور کر دیا۔ اسفند بھی جو اتا نم سا ہنسا تھا۔۔

کونسے اسفند یار خان پر یقین کروں اس اسفند یار خان پر یا پھر اس اسفند یار خان جو سات مہینے صرف دوسری عورت کی بات کرتا تھا۔۔ جو مجھے بدلہ کہتا تھا۔ آپ کی باتوں نے وہ عشق ختم کر دیا جو کبھی میرے دل میں آپ کے لیے تھا۔ آپ کی بے رخی کی وجہ کے میں براک کی طرف بڑھی۔ میرے کردار پر ہوے چوٹ کے بھی آپ ذمہ دار ہیں۔ نکاح کرتے وقت مرد عورت کو اپنی سپردگی اور تحفظ میں لیتا ہے۔۔ عورت تو صرف مرد کی پناہوں میں آتی اپنا سب کچھ اسے سونپ دیتی ہے۔۔ آپ کے سفاک عمل کی وجہ سے آج مجھے اپنے کردار کی پاکیزگی کی گواہی آپ کو دینی پڑ رہی

ہے۔۔عابیر اس کی گردن اپنے ناخن سے نوچتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی

۔

میں صرف بدلے کی آگ میں پاگل ہو گیا تھا۔ صرف زاران سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ میرا خدا گواہ ہے میں نے ان سات ماہ میں ایک پل کے لیے چین نہیں پایا۔ تمھیں تڑپتا دیکھ کر کبھی میری مردانہ آنا کو سکون نہیں ملا۔۔ مگر میرے تڑپتے عشق کو سکون ضرور ملتا تھا۔ جب جب سوچتا تھا سات سمندر پار میری سفاک پٹھانی میرے عشق میں پاگل ہے۔ تمھارے عشق میں مغرور بھی تھا۔

محبت عشق میں یا تو مرد مغرور ہوتا ہے یا عورت۔۔ یہاں اسفندیار خان مغرور ہو چلا تھا۔ تم میرے آگے پیچھے پھرتی تھی تمھیں اپنے آگے پیچھے

پھروانا پسند تھا۔۔ امریکہ میں رہ کر اپنا ہر کام خود کرتا تھا۔ پاکستان آکر بھی یہی حال ہوتا تھا۔ مگر تم سے نکاح کے بعد مجھے ہر چیز تمھارے ہاتھوں کی چاہیے ہوتی تھی۔۔ ایک پانی کا گلاس کسی اور کے ہاتھوں کا پینا پسند نہیں تھا مجھے۔۔۔ و

کافی کے بنا نہیں رہ سکتا۔۔ مگر آج کافی نہیں پیتا کیونکہ تمھارے ہاتھوں کے بعد کسی کے ہاتھوں کی کافی نہیں پسند۔۔۔ اور ایک خاص بات بتاؤں تم کافی بلکل اچھی نہیں بناتی۔۔۔ مگر تمھارے ہاتھوں کی کافی مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔۔ اسفند نم آواز میں بولتے ہنس پڑا تھا۔

عابیر روتے ہوے بھی مدھم سا ہنسی تھی۔۔ وہ جانتی تھی وہ کافی بہت بری بناتی ہے۔۔ زاران شہرام تو اس کے سامنے ہی وہ کافی ذرا سا ٹیسٹ کرتے ویسٹ کر دیتے تھے۔۔

اسفند کیسے پی لیتا تھا وہ حیران ہوتی تھی۔۔وہ بھی دن میں دس دس کپ۔۔

عابیر اس کی نیلی بھیگی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے اسے دیکھ رہی تھی۔

آج بھی اسفند یار خان کو وہی عابیر خان چاہیے۔۔جو اسفند یار خان کے آگے پیچھے پھرے۔۔جو اس کے نخرے اٹھائے۔۔جو اسے دیکھتے اپنے اگلے سینے کے بٹن چپکے سے کھول دے۔۔

اسفند کی باتوں پر وہ شدت سے رو دی تھی۔وہ سب جانتا تھا۔۔وہ یہ سب اس کے لیے کرتی تھی.۔۔

مگر جانتا ہوں اب یہ ناممکن ہے۔۔تم سفاک ہو۔۔۔سفاک پٹھانی۔۔۔جو اب کبھی اسفند یار خان کو وہ مقام نہیں دے سکتی کیونکہ تم سچ میں حویلی کی عورتوں سے مختلف ہو۔۔۔بہت خاص بہت خاص۔۔۔میں تمھیں ڈیزرو

نہیں کرتا۔۔ تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی۔۔ معاف تو عام عورت کرتی ہے تم جیسی خاص عورت نہیں۔۔ وہ اس کی باتوں میں اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ یہ سچ تھا وہ خود میں اسے معاف کرنے کا ظرف نہیں پا رہی تھی۔ وہ تصویریں وہ نہیں بھلا سکتی تھی۔ جس میں وہ غیر عورت کے ساتھ ہر حد کراس کر گیا تھا۔ اس کے پاس اپنے کردار کی صفائی میں صرف ایک قسم تھی۔۔ اور قسم اس کے نزدیک جھوٹے لوگ کھاتے تھے۔

اس لیے میں تمھاری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔ کبھی نہ آنے کے لیے یہی میری سزا ہے یہی میں ڈیزرو کرتا ہوں۔

یہی سزا ہونی چاہیے آپ کے لیے اسفندیار خان۔۔۔ آپ یہی ڈیزرو کرتے ہیں۔ آپ نے عشق کو رسوا کیا۔۔ میری تذلیل کی۔۔ مجھے دھوکہ دیا۔۔ یہی ڈیزرو کرتے ہیں۔ عابیر زخمی لہجے میں بولتے رو دی تھی۔۔

تو نے ایسا درد دیا ہے مشکل بتلانا

عابیر نے اسے دیکھتے ہچکی لی تھی۔۔اس کا دیا ہر درد بڑا تھا۔

تو نے کیسا حال کیا ہے تو نے بھی نہ جانا

اسفند اسے دیکھ کر نم نگاہوں سے مسکرایا تھا۔۔۔

اسفند اسے کچھ پل دیکھتا رہا پھر اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔عابیر آنکھیں میچ گئی تھی۔۔اسفند لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔عابیر گہرے سانس لیتے دیوار میں سمائے آنکھیں میچ گئی۔

۔۔۔

تھا۔ یہاں اس نے اپنی خانم کے ساتھ زندگی کے بہت خوبصورت پل بتائے تھے۔ اس لیے اس نے یہ ہوٹل اپنی ذاتی ملکیت میں رکھا تھا۔۔ جہاں کوئی نہ تھا۔ جیسے رات رات گہری ہو رہی تھی۔۔ حیدر خان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

وہ آنکھیں کیسے بھول سکتا تھا۔ اپنی خانم کا لمس وہ نہ پہچان پائے یہ کیسے ممکن تھا؟؟۔۔ وہ جس طرح ڈر رہی تھی۔۔ اپنے چہرے پر گونگھٹ الٹ گئی تھی۔ وہ اس کی خانم ہی تھی۔۔ وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ایک پل کے ٹھہرتا پھر بے تابی سے لابی کے وسط میں چکر لگانے لگتا۔

اگر وہ سوات تھی تو اسے کیسے خبر نہیں ہوئی؟؟۔۔ ایسی کونسی جگہ تھی جہاں اس نے اسے تلاش نہ ہو۔ سوات کا چپہ چپہ وہ چھان چکا تھا۔ ارحام بہت

کانفیڈنٹ تھا کہ اسے فرشتے کبھی نہیں ملے گی۔۔۔اگر فرشتے کو اس نے سوات میں رکھا تھا تو وہ اتنا کانفیڈنٹ کیوں تھا؟؟۔سوات تو تھا ہی حیدر حاکم خان کا۔۔سوات میں رہ کر کوئی کیسے حیدر خان کی نظروں سے اوجھل رہ سکتا تھا اور ارحام خانزادہ جیسے ہوشیار انسان سے وہ یہ توقع کر ہی نہیں سکتا تھا وہ فرشتے کو سوات میں رکھے۔۔حیدر خان نے لابی کے وسط میں جلتی انگیٹھی کی طرف قدم بڑھاتے پنجوں کے بل بیٹھتے روز کی طرح دہکتا شعلہ اپنی مٹھی میں دبایا تھا۔وہ ہر روز ایسے خود کو سزا دیتا تھا۔آج بھی اس کی چیخیں ہوٹل کے در و دیوار میں گونج رہی تھیں۔

نہیں رہ سکتا تھا وہ اپنی خانم اور اپنے بیٹوں کے بغیر۔۔۔وہ پل پل مر رہا تھا جیسے۔۔حیدر خان اپنے بال دبوچتے حلق کے بل ہذیانی چیخ رہا تھا۔

اس نے اسی لمحے لابی کے وسط میں پڑے بڑے شوپیس اٹھا کر زمین پر پٹخے تھے۔۔ کانچ پل میں کانچ جیسے فرش پر بکھر گیا تھا۔ وہ شیشے کی ٹیبل اب دونوں ہاتھوں سے اٹھائے زمین پر پٹخ چکا تھا۔ صوفوں پر پڑے کشن سب کچھ اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ بھاری صوفے اس نے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے پلٹ دیے تھے۔۔ وہ پل میں لابی کا نقشہ بگاڑ چکا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے سب دیکھتے چیخ اٹھا۔

اہہہ۔۔۔۔۔۔ کہاں ہو خانم ؟؟ کیوں کیا ایسا خانم ؟؟ کیوں مجھے اتنی دردناک سزا دی ؟؟۔۔ تمھارا فیصلہ قبول کر تو لیا تھا۔۔ مگر میرے بیٹوں کو کبھی کبھی ہی مجھے ملنے دے دیتی۔۔ اپنا چہرہ دور سے ہی مجھے دیکھنے دے دیتی۔۔ یہ کیسی سزا دی جس نے میرے وجود سے سانسیں کھینچ لیں۔ بنا سانسیں لیے کوئی کیسے جی سکتا ہے۔۔ مگر میں جی رہا ہوں۔ تم اور دراب

زراب اکسیجن ہو میرے لیے۔۔ کیسے بتاؤں خانم ؟؟۔۔۔ کیسے رہا تھا میں وہ سات ماہ۔۔۔

رشتوں میں الجھ گیا تھا خانم۔۔ مورے ہیں وہ میری۔۔۔ ڈر گیا تھا انھیں کچھ ہو گیا تو کیا کروں گا۔۔ کیسے بتاؤں خانم حیدر خان آج بھی اپنی مورے کے لیے ڈرتا ہے۔۔ آج بھی انھیں کھونے سے ڈرتا ہے۔۔ میں کمزور نہیں ہوں خانم۔۔۔ بس اپنے رشتوں کو کھونے سے ڈرتا تھا۔۔ آج میں سب کچھ قبول کر چکا ہوں۔ اپنی مورے کا درد بھی قبول کر لوں گا۔۔ مگر اپنے بیٹوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ آج پھر حیدر حاکم خان کمزور پڑ گیا ہے۔۔ کل اپنی مورے کے لیے تمھیں قربان کیا۔ آج تم لوگوں کے لیے اپنی مورے کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔۔ میں بے بس ہوں خانم۔۔ میں سچ میں کمزور

ہوں۔۔۔مجھے میرے رشتے پاگل کر رہے ہیں۔۔پاگل کر رہے

ہیں۔۔میری بہن مورے میری بیوی۔۔۔کس کا ساتھ دوں آخر؟؟

میں پاگل ہو جاؤں گا۔۔میں پاگل ہو جاؤں گا۔۔حیدر خان اپنے بال مٹھیوں

میں جکڑتے ہذیانی چیخ رہا تھا۔

اپنے مسلسل بجتے فون کا شور سنتے حیدر خان نے اپنے ٹراوزر سے فون نکالتے

کان سے لگایا۔

سر آپ کے کاٹیج آج سے ایک ماہ پہلے جنھوں نے ایک سال کے لیے بک

کروائے ہیں۔ان کی مکمل ڈیٹیل میں نے نکلوائی ہے۔اس میں ارحام خانزادہ

کے نام سے کوئی بکنگ نہیں ہوئی۔۔مگر ڈیٹیل میں نے آپ کو سینڈ کر دی

ہے۔۔آپ کے تین کاٹیج ایک ماہ پہلے تین لوگوں نے رینٹ پر لیے

۔۔۔جس میں فراز خان۔۔۔اسود ملک۔۔۔ریحان خان ہیں۔ان لوگوں

نے آپ کے کاٹیج ایک سال کے لیے بک کروائے ہیں۔ جہاں یہ لوگ اپنی فیملیز کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

ٹھیک ہے مجھے ان تین کاٹیج کی ڈیٹیل سینڈ کر دو۔ حیدر خان سنجیدگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔۔

سمجھ گیا ہوں تمھاری گیم ارحام خان۔۔۔۔ میری خانم کہاں رہ رہی ہے۔۔ وہ ان میں سے کسی ایک کاٹیج میں رہ رہی ہے۔ اچھی چال چلی تم نے۔۔ میرا دھیان کبھی بھی اپنے رینڈ ڈ کاٹیج گیسٹ ہاؤس اپنے ہوٹلز کی طرف نہ جاتا۔۔ میں سوات میں موجود ہر جگہ کی تلاشی لے سکتا تھا۔۔ مگر اپنے ہی ہوٹلوں اپنے گیسٹ ہاوس اپنے کاٹیج کی طرف میرا دھیان کبھی نہ جاتا۔۔ تم نے اسے میرے ہی کاٹیج میں ٹھہرایا۔۔ ویل پیلڈ ارحام خان۔۔ وہ میری ہی خانم تھی میں جان چکا ہوں۔ اب گیم کیسے کھیلتے ہیں۔۔

میں تمھیں بتاؤں گا۔ اپنی بہن کا چہرہ دیکھنے کو ترسو گے تم۔۔ مگر حیدر حاکم خان اب تمھارا اپنی خانم پر سایہ نہیں پڑھنے دے گا۔۔۔ حیدر خان اپنا فون اپنی پاکٹ میں ڈالے اونچی آواز میں غراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسے ابھی ہی اپنے بیٹوں اور اپنی خانم کو لینے کے نکلنا تھا۔

شہرام نے گہری نگاہوں سے بہارے کو دیکھا جو سیاہ کلر کی چنٹوں والی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس کے گلے پر شیشوں کا کام ہوا تھا۔

چاکلیٹی سلکی بال کمر پر الجھے سے بکھرے تھے۔ سیاہ شال کندھے پر ایک طرف جھول رہی تھی۔ ہونٹوں پر پنک گلوز لگا ہوا تھا۔ آنکھوں میں گہرا کاجل لگایا ہوا تھا۔ وہ اس کی فائلز میں دیکھتے اس کی میڈیسن اس کے ساتھ پڑی سائیڈ ٹیبل پر ترتیب سے رکھ رہی تھی۔۔

شہرام اسے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں اتنی تیار کیوں تھی اور شال سر کی بجائے کندھوں پر کیوں تھی۔ اس کے دلکش خدوخال فراک میں متناسب سانچے میں ڈھلے ہوے اتنے جاذب نظر کیوں لگ رہے تھے۔۔ وہ اس کے لیے وہی بہارے پھر سے بن چکی تھی۔ جسے اسے تڑپا کر سکون ملتا تھا۔ اور وہ سچ میں بہارے کو دیکھ کر تڑپ رہا تھا اگر بہارے کو شہرام خان کو تڑپانے میں سکون ملتا تھا تو شہرام خان کو اس کے لیے تڑپنے میں سکون ملتا تھا۔ کیونکہ بہارے خان کے سکون میں اس کا سکون تھا۔

بہارے درد ہو رہا ہے۔۔ شہرام نے اس کے لاپرواہ وجود کو دیکھتے لب دانتوں تلے دبائے کہا۔ اس کی اس سے لاپرواہی شہرام خان سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔ وہ تڑپ رہا تھا اسے بھی تو تڑپانا تھا۔

کہاں شہرام ؟؟ بہارے تڑپتے ہوئے اس پر جھکتے اس کی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

آنکھیں پل میں بھیگی تھیں۔ شہرام خان اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی دیکھتے مبہم سا مسکرا گیا تھا۔ اس کے جھوٹے درد پر تو بہارے خان کی آنکھوں میں سچے آنسو آن ٹھہرے تھے۔ یہ عشق کی کونسی انتہا تھی جو بہارے خان کو اس سے تھا۔

یہاں میری بہارے۔۔۔ شہرام نے ایک ہاتھ سے اس کی کمر پر نرمی سے دباؤ دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑتے اپنے دل کے مقام پر رکھا۔۔

شہرام یہاں درد ہو رہا ہے تمھیں؟؟ بہارے نے اس کی شرٹ ہلکی سی سینے سے نیچے کرتے اس کی بینڈج کو نرمی سے چھوا۔۔

میڈیسن لے لو تم۔۔ پھر درد نہیں ہو گا۔ پین کلر انجیکشن تمھیں نہیں دے سکتی۔۔ اور زیادہ موومنٹ مت کرو تم۔۔ بہارے تشویش سے کہتے اوپر ہوئی تھی۔۔ شہرام کا حصار اپنی کمر پر محسوس کرتے وہ شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھ کر رہ گئی۔ جہاں بہت سے پیاسے جذبات ہلکورے لے رہے تھے۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بہارے شہرام خان کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔ اس کا نازک وجود شہرام خان کی گرم بانہوں کے حصار میں کپکپانے لگا تھا۔۔

شہرام خان اس کے نازک کپکپاتے وجود کو بہت نرمی سے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔ وہ جس سچویشن سے گزری تھی وہ جانتا تھا اسے اس کی مضبوط بانہوں کی ضرورت ہے۔۔ یہ اس کے کپکپاتے وجود سے بخوبی عیاں تھا۔ اس اس کے سینے کی کتنی ضرورت ہے۔۔ بہارے اس کے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔۔

گرم سیال آنکھوں سے بہتے شہرام خان کی شرٹ کو بھگوتے جا رہا تھا۔ جسے محسوس کرتے وہ تڑپ رہا تھا۔ وہ ان بیتے دردناک پلوں کے بارے میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں لے سکتا تھا۔ مگر اس طوفانی رات کا درد نہیں بانٹ سکتا تھا۔

تم بھول جاؤ شہرام خان۔۔۔ میں تمھیں معاف کروں گی۔ سب لوگ اسے تمھاری بہادری کہہ سکتے ہیں۔ کسی غیر عورت سے کی ہوئی تمھاری ہمدردی میں کبھی بھول نہیں سکتی۔

میں صرف ایک بیوی اور ماں ہوں۔۔ تم مجھے خود غرض کہہ سکتے ہو مگر جہاں بات بہرام اور شہرام خان کی آجائے۔۔ بہارے خان سے خود غرض کسی کو نہیں پاؤ گے۔ وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد و سپاٹ لہجے میں بولتے اس کی گھنی مونچھوں پر اپنی انگلیاں رکھ گئی تھی۔۔۔ شہرام خان کی گھنی مونچھوں میں اس کی جان بستی تھی۔۔ کبھی شہرام خان کی جس چیز سے نفرت تھی آج شدت سے عشق تھا۔ آج اس ان پڑھ شہرام خان سے عشق تھا جو صرف اس کا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے اسے عشق تھا۔ جسے وہ ابھی بھی محسوس کر رہی تھی۔۔

سزا دو گی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔۔ شہرام اس کے بالوں کو گدی سے جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا تھا۔ اس کی معاف نہ کرنے والی بات چبھی تھی۔ وہ اسے خود سے دور نہیں دیکھ سکتا تھا اب۔۔۔

کہیں نہیں جاؤں گی۔۔ نہ جا سکتی ہوں۔ کبھی نہیں چھوڑ کر جاؤں گی۔ جاؤں گی تم مجھے گھسیٹتے ہوئے واپس اپنی پناہوں میں لاتے بہت بری سزا دو گے۔۔ ہر بار تمھاری سزا نہ بہارے برداشت کر پائے گی۔ نہ تمھاری بہارے اب تم سے دور رہ پائے گی۔۔ بہارے شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکیوں سے بولی۔

جب مجھ سے دوری تمھیں بھی بہت چبھتی ہے تو پھر اتنی کھٹور کیوں بن رہی ہو۔۔ اتنی ظالم مت بنو بہارے پاس رہ کر سزا دو گی تو مر جاؤں گا میں۔۔ شہرام خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے تڑپتے ہوئے بولا۔

بہارے اس کے لبوں پر جلدی سے اپنا ہاتھ جما گئی تھی.

وعدہ کرو شہرام خان۔۔ تم کبھی اپنے منہ سے یہ لفظ نہیں نکالو گے۔ کبھی نہیں شہرام خان۔۔۔

اگر کبھی تمھاری سانسیں ایک لمحے کے لیے بھی رکیں تو میں اسی لمحے مر جاؤں گی۔ تم نہیں جانتے میں نے ان چند گھنٹوں میں کیا محسوس کیا تھا۔ سر پر نہ آسمان رہا تھا نہ قدموں تلے زمین۔۔ شہرام خان.۔۔ شہرام خان کے بغیر بہارے خان کا وجود ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ بہارے اس کے سینے پر سر رکھے شدت سے رو دی تھی۔۔

شہرام گہرا سانس بھرتے اسے بہت نرمی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے اس کے زخمی سینے پر سر رکھ گئی تھی. شہرام خان مسکرا گیا تھا۔ سچ میں بہارے خان اس کے لیے بے رحم تھی۔۔

مگر اس درد کے ساتھ بھی اس کے سینے میں سکون اتر رہا تھا۔ اس کی دھڑکتی دھڑکنیں شہرام خان کی دھڑکنوں میں دھڑک رہی تھیں۔ وہ سکون سے آنکھیں موند گیا۔

تمھاری کپڑے چینج کروادوں۔۔ بہارے نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے پوچھا۔۔

رہنے دو۔ بہارے۔۔۔ اتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔۔ یہ نہ ہو ہاسپٹل میں ہی تم سے حق لے لوں۔۔ شہرام خان نے اسے آنکھ ماری۔۔

ہل سکتے نہیں حق لوگے تم۔۔۔ اور تمھیں معافی کبھی نہیں ملے گی۔۔ یاد رکھنا تم۔۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

تمھارے غصے سے ڈر لگتا ہے مجھے۔ تم مجھے ہلنے نہیں دیتی۔ ورنہ تمھیں بتاتا میں تھمھارے ساتھ اس کمرے کی درودیوار کو اپنی شدتوں سے لرزا سکتا ہوں۔ شہرام نے بے باکی سے کہتے اسے آنکھ ماری۔۔

اچھا بہانہ ہے اپنی کمزوری چھپانے کا۔۔ اور میرے غصے سے ڈر پے کسی عورت سے ہمدری نہ کرتے۔ بہارے طنزیہ کہتے بیڈ سے اتری تھی۔۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ بہارے نے بمشکل خود کو اس کے اوپر گرنے سے بچایا تھا۔

کیا کر رہے ہو شہرام تمھیں سٹیچز لگے ہیں۔ بہارے اسے ڈپٹتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے بولی۔۔ وہ اس کے سینے سے بہت بری طرح ٹکرانے والی تھی۔

ساری عمر طعنے مارو گی کیا بہارے؟؟ تمھاری جگہ کسی کو نہیں دی تھی سچ کہہ رہا ہوں۔ شہرام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے یقین دلایا۔۔

میری جگہ دینے کا کیا کیوں سوچا؟؟۔۔ بہارے نے بھیگے شکوہ کناں لہجے میں پوچھا۔۔

غلطی ہو گئی تھی۔۔ شہرام گہرا سانس بھر گیا تھا۔

اب بھگتو یہ غلطی۔۔۔ اور تمھاری سزا یہ ہے تم کبھی کسی عورت کی طرف نہیں دیکھو گے۔ دنیا کی ہر عورت کو دیکھ کر نظریں جھکاؤ گے۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا برجستہ قہقہہ گونجا۔ آہہہہ۔۔۔ وہ کراہ کر دل پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

شہرام۔۔۔۔ بہارے اس کے تڑپنے پر اس پر جھکی تھی۔۔

شہرام بہت نرمی سے اس کے لبوں کو جکڑتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ بہارے اس پر وزن ڈالے بغیر اس کا نرم لمس برداشت کر رہی تھی۔۔ اگر وہ اسے دور جھٹکتی اس کے ٹانکوں میں کھچاؤ پڑتا۔۔ وہ بہت نازک حالت میں تھا۔۔

شہرام نے گہرے سانس لیتے اس کے لبوں کو آزاد کیا۔ بہارے اسے سرد نظروں سے گھورتے اس سے دور ہوئی تھی۔ شہرام مسکراتے ہوے آنکھیں موند گیا تھا۔

وہ اس کی شرٹ سینے سے ریموو کرتے اس کے اس کے سٹیچز دیکھنے لگی۔

ارحام حور کو اٹھائے داخلی دروازے سے اینٹر ہوتے زنان خانے میں داخل ہوا جہاں نیم اندھیرا چھایا تھا۔

ارحام کوئی دیکھ لے گا۔ حور ارحام کو ایک نظر دیکھتے گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کی شرٹ کو مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑتے نظریں جھکا گئی تھی۔

وہ بہت مضبوطی سے اسے اپنے سینے سے لپٹائے اسے گرم گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی گہری گرم نگاہوں پر حور کی دھڑکنوں نے شدت اختیار کی تھی۔ دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔ ارحام کی جنونیت سے اسے خوف آتا تھا۔ ابھی بھی اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ وہ سچ میں مقابل کو سہہ نہیں سکتی تھی۔۔ نہ اسے سہنا آسان تھا وہ اس سے جتنی مرضی محبت کر

لے۔۔اس کے ناز نخرے اٹھاے مگر اپنی بانہوں میں وہ اسے لیے وہ صرف اس کے لیے جنونی ہوتا تھا۔

حور کی دھڑکنیں اپنے سینے میں بجتے محسوس کر کے ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔

اتنا کیوں بلش کر رہی ہو؟؟۔۔کیوں چاہتی ہو رومانس سے پہلے مجھ پر غسل فرض ہو جائے۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے بے باک سرگوشی کی تو حور کے عارض دہک کر آنار بنے تھے۔۔وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے آنکھیں میچ گئی۔۔

میری شرمیلی دلہن۔۔۔۔آج رات آپ کے ہونٹوں کو میں نہیں چھوڑنے والا۔۔آپ کیوں انھیں یوں کاٹ کاٹ کر کے خود کو ہلکان کر رہی ہیں؟؟۔۔آپ کا خادم ہے ناں یہ سب کام کرنے کو۔۔آپ کے خوبصورت

بدن پر اپنی جنون خیزیوں سے ایسی سوغاتیں چھوڑوں گا آپ اپنے دانتوں سے کھانا چبانا چھوڑ دیں گی کجا کہ کوئی اور کام لینا۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں سے کھینچا۔

حور اس کی شدت پر سسکتے ہوے اس کے سینے کا حصہ بنی۔۔

اگر میں نے جواباً آپ کی زبان کو چبا ڈالا تو آپ کیا کریں گے۔۔ حور سسکتے ہوے آنکھیں کھولتے شعلہ بار لہجے میں گویا ہوئی اس نے بہت بے رحمی سے اس کے نچلے لب کو دانتوں سے کاٹا تھا۔ اس لیے غصے سے سرخ پڑتے اس کی بے باک آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔

میری جان میرا سب کچھ حاضر ہے چبا ڈالو۔۔۔ تمھیں جو بھی میرے بدن کا حصہ پسند ہو۔۔۔ ارحام اس کے لبوں کے قریب اپنے لب لاتے نرمی سے چومتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے گویا چیلنج کیا۔ وہ اس کی قربت

میں آنکھیں کھول لے یہی بڑی بات تھی۔۔ باقی کوئی پیش قدمی وہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔۔ حور ارحام کی بات پر سرخ پڑتے اپنی نگاہیں پھیر گئی۔

میرا سینہ میرا سب کچھ حاضر ہے مائی پوسیشن۔۔۔ یہ میرے لیے اعزاز ہو گا سب گھر والوں سے اپنا زخمی سینہ اور گردن چھپانا۔ ارحام نے اسے نگاہیں پھیرتے سرخ پڑتا دیکھ کر لب دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

ارحام کی بات پر حور کی رنگت پھر سے سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔ گال تپ کر کندن کی طرح دہکے تھے۔۔

گل نہیں ڈالتی تھی آپ کے سینے اور گردن پر نشان۔۔۔ حور نے اپنی شرم کو چھپاتے جواباً طنز کیا تھا۔ اس کی ایسی ہر بات پر اسے روزینہ خانم کی باتیں یاد آجاتی تھیں کہ ارحام کو گل سے بیٹے کی بہت خواہش تھی اسی لیے وہ کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔۔

حور کی بات پر ارحام کے کمرے کی طرف بڑھتے قدم رکے تھے۔

وہ اسے سلگتی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

نہیں۔۔۔ ارحام سرد و سپاٹ انداز میں ایک لفظی جواب دیتا آگے بڑھ گیا تھا۔

ارحام کے چہرے پر غصہ اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔۔وہ جبڑے بھینچے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کر رہا تھا۔

ارحام کے برفیلے تاثرات دیکھتے حور کی دھڑکنیں اب خوف سے منتشر ہوئی تھیں۔

وہ اس کے جتنے مرضی نخرے اٹھالے مگر اسے آج بھی اس کے غصے سے ڈر لگتا تھا۔۔

حور کی دھڑکنوں میں مزید شدت محسوس کرتے ارحام نے اپنے چہرے کے تاثرات پر بشکل قابو پایا تھا کبھی اس کے چہرے پر ڈر خوف اس کی مردانہ آنا بدلے کی حس کو تسکین دیتا تھا۔۔ مگر آج یہ ڈر خوف اس کے چہرے پر گوارانہ تھا۔۔ارحام نے جھکتے ہوئے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے۔۔

تمھاری دھڑکنیں میرے لمس سے شدت اختیار کر جائیں یہ ارحام خانزادہ کی ذات کی لیے تسکین کا باعث ہے۔ مگر تمھاری دھڑکن میرے خوف سے مس ہو یہ میرے ذلت کا باعث ہے۔۔ تم مجھے کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔۔ مجھ پر چیخ چلا سکتی ہو۔۔ مگر مجھ سے خوفزدہ مت ہوا کرو۔۔ میری محبت کی یہ توہین ہو گی۔۔ وہ اسے مزید خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ حور اس کے سینے میں سمائے مسکراتے ہوے اس کے ساتھ شدت سے لپٹی تھی۔۔

لگتا ہے آج کا رومانس شاور کے نیچے کرنا ہو گا۔ کیونکہ غسل سے پہلے مجھ پر غسل فرض ہو چکا ہے۔ ارحام اسے مزید خود کے ساتھ لپٹائے بے باک سرگوشی کر گیا تھا۔ وہ شرم سے اس کے ساتھ لپٹ رہی تھی۔ مگر وہ اسے پاگل کر رہی تھی۔

حور کی ہنسی کی جلترنگ گونجتے ارحام کو مدہوش کر گئی تھی۔ مت کرو یہ سب پاگل کر دو گی مجھے۔۔ تمھاری آغوش میں ہر پل گزارتے اپنے ہر رشتے کو بھول جاؤں گا جان من۔۔۔۔ کیوں اس خانزادہ کو اپنے پلو سے باندھ کر رکھنا چاہتی ہو۔ وہ اسے خود سے لپٹائے مدھم سرگوشی کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

دروازے پر ایک پل کے لیے اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔ وہ اسے اس کمرے میں لے کر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں اسے اذیت ہوتی تھی۔۔ ارحام نے اس کی براؤن کو آنکھوں کو بغور دیکھا جو اس کے رکنے پر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہاں کوئی شکوہ نہ تھا صرف حیا کی سرخی چھائی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سرخ پڑتے بار بار نظریں جھکا لیتی تھی۔۔ وہ اس کی اس ادا پر مرتا تھا اتنی بولڈ اور ماڈ زندگی گزارنے کے بعد

بھی وہ اس کی قربت میں ایسے ہی شرماتی تھی۔۔ الیٹ کلاس کی لڑکیوں کی طرح بہت بے باک نہ تھی۔ صرف جب جلتی تھی تب بے باک بن جاتی تھی۔ اسلام آباد میں میٹنگ کے دوران اس کی بے باک ڈریسنگ اور اس کا آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا یاد آیا تھا۔ اس سے زیادہ اس کی بے باکی اور بولڈ ڈریسنگ کبھی نہیں دیکھی تھی۔۔ وہ اسے بغور دیکھتے اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا آج رات کوئی بھی بات کوئی بھی وجہ اس کی قربت میں حائل ہو۔۔ وہ اس سے زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت اسے خوبصورت سلک کے عبائیہ اور حجاب میں اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اگر وہ آج رات اس سے دور گئی تو وہ تڑپ کر مر جائے گا۔ مگر دل میں ڈر بھی تھا آج رات وہ پھر سے دوریاں مقدر ٹھہری تھی تو وہ کیسے برداشت کرے گا۔ مقابل سے محبت اتنی تھی۔ وہ اپنے زخمی

کندھے کو بھولے ہوے تھا۔اس وقت سوائے اپنے دل میں مقابل کی دھڑکنیں محسوس کرتے کچھ اور محسوس نہیں ہو رہا تھا۔۔

آئی ایم سوری جان ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ارحام نے اس کی ناک کی ٹپ اپر اپنے لب رکھے تھے۔

کس لیے؟؟حور نے حیرت واستعجاب سے پوچھا تھا۔

ہمممم۔۔۔۔۔۔۔۔بتاؤں گا مائی بیوٹیفل وائف۔اور اس کا آزالہ بھی کروں گا۔لیکن ابھی مجھے اپنی خوبصورت لٹل بیوی پر بھرپور توجہ دینی ہے۔اس کو بتانا اس کا پہاڑی خان اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔

ارحام بھاری آواز میں بولتے اس کی لرزتی پلکوں پر اپنے لب رکھ گیا۔

پہاڑی خان نہیں زندہ وجودوں کو الٹ پلٹنے والا مغرور بے پناہ ہینڈسم بے باک خانزادہ۔۔۔ حور ارحام کی سیاہ سحر انگیز آنکھوں میں دیکھتے بولی تو ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

بے باک بے پناہ ہینڈسم خانزادہ۔۔۔ آئی لائک اٹ مائی اینڈ ون اینڈ مائی پوسیشن۔۔۔ ارحام اسے لیے کمرے میں داخل ہوتے کمرے کی طرف بڑھتے اسے بیڈ پر نرمی سے لٹا گیا تھا۔۔

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے ایک جھٹکے سے بٹھاتے اس کا حجاب ایک جھٹکے سے ریموو کرتے اس کے بالوں میں لگا کیچر اتار کر دور پھینکا تھا۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اسے بنا کوئی موقع دیے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو اپنی سانسوں میں قید کرتے اس کی سانسیں بے رحمی سے پیتے اس کی سانسوں کی مہک خود میں اتارنے لگا۔

حور اس کی شدت سہتے اس کی شرٹ جکڑے سسکتے ہوے آنکھیں موند گئی۔۔

ارحام کا ایک ہاتھ اب اس کے عبائیہ گاؤن میں الجھا تھا۔

وہ بے باکی سے اسے چھوتے اس کے گاؤن کو ریموو کرنے لگا تو حور بمشکل سانس لیتے اس کا ہاتھ جکڑ گئی تھی۔۔ ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کو درست کرتے گہرے سانس لیتے اپنی سرخ آنکھیں حور کی آنکھوں میں گاڑھتے آئی برو آچکائے تھے۔ اس کے ہاتھ جھٹکنا اسے مشتعل کر گیا تھا۔ مقابل کا خود کو جھٹکنا برداشت نہیں ہوتا تھا ۔وہ حور کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا اسی احساس سے تو اسے اس سے عشق ہوا تھا۔ وہ صرف اس کی ہے۔ ارحام گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔ حور اس کی سرخ آنکھوں میں غصہ اشتعال دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی

آج رات تمھارے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔۔ چاہتا ہوں جو کچھ ہو تم بھی میری شدتوں میں میرا بھرپور ساتھ دیتے مجھے محسوس کرو۔۔۔ لیکن اگر تم مجھے روکو گی خود سے دور جھٹکو گی تو یقین مانو میں زبردستی بھی کر ڈالوں گا۔۔ میں فرشتہ نہیں عام انسان ہوں اتنا پاس آکر تم سے دور جانا میرے بس میں نہیں۔ تم سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔۔ پاگل ہوں تمھارے لیے۔۔۔ یہی میری محبت کی انتہا اور پاگل پن ہے۔۔ تم کمزوری ہو میری۔۔ نکاح کے بعد محبت جسم سے شروع ہو کر روح میں اترتی ہے۔۔ تمھاری محبت بھی جسم سے شروع ہو کر روح میں اتر چکی ہے۔۔ اب یہ بے قرار روح جسم کا وصل چاہتی ہے۔۔ کیا چاہتی ہو؟؟ آج اپنی سانسیں گنوا دوں کیا؟؟۔ وہ اسے تھائیس سے ایک ہاتھ سے جکڑے اپنے قریب

کرتے اس کی بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی براؤن آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

اس کی بے ترتیب اکھڑی بکھری سانسوں اور آنکھوں کی گہری ہوتی سرخی دیکھتے حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔

ابھی وہ اسے خود سے ڈرنے کو نہیں کہہ رہا تھا۔ اب اپنے اس جنونی روپ سے وہ اس کا دل بری طرح دھڑکا چکا تھا۔

ارحام۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ ممم۔۔۔۔میں نے عبایئے کے نیچے کچھ نہیں پہنا۔۔اس لیے آپ کو روک رہی تھی۔۔ حور کی بات پر ارحام کے لبوں کو بے اختیار مسکراہٹ چھو گئی تھی۔ وہ بغور اس کی جھکی نظروں کو دیکھے گیا. ڈر سے زیادہ شرم وحیا کی سرخی تھی۔۔ وہ اس کی قربت میں شرما رہی تھی

تو جان ارحام۔۔۔۔۔یہ تو اچھی بات ہے مجھے محنت کم کرنی پڑے گی۔۔تم اسی حالت میں جلدی آجاؤ گی جو میں چاہتا ہوں۔ارحام نے بے باکی سے کہتے اسے آنکھ ونک کی۔اس کی بے باکی پرءحور کی سرخ رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔۔

ہمممم۔۔ایسا کرو کچھ بے باک سا پہنو۔۔جو مجھے مزید جنون میں مبتلا کر دے۔۔ان خوبصورت لبوں کو گہرے رنگ سے سجاؤ۔۔میں آج رات بے خودی کی ہر حد پار کرنا چاہتا ہوں۔چاہتا ہوں یہ رات تم ہمیشہ یاد رکھو۔میں اسے اتنی مکمل اور خوبصورت بنانا چاہتا ہوں۔ارحام اس کے عارض کو نرمی کے چومتے ہوئے اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے گھمبیر بھاری آواز میں سرگوشی کر گیا۔

ہاں۔۔۔۔وہ بمشکل بولتے اس کی قربت میں میکانکی انداز میؤ اثبات میں سر ہلا گئی تھی. جان لبوں پر سجتے دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔ اس کی فرمایش پر جی جان سے لرزی تھی۔۔ وہ کپکپاتے ہوے اس کی بانہوں میں سما گئی۔۔

وہ اس کمرے میں اسے اپنی پناہوں میں قید کرتے ایسی فرمائشیں بہت بار کر چکا تھا۔ وہ اس کے ایک حکم پر اس کے پسندیدہ حلیے میں اگلے ہی لمحے اس کے سامنے ہوتی تھی۔ مگر کمرے سے ڈریسنگ روم تک کا فاصلہ صدیوں کی مسافت کی طرح لگتا تھا۔ قدم من من بھر کے ہوتے تھے۔ وہ گھسیٹتے ہوے خود کو ڈریسنگ روم تک لے کر جاتی تھی۔

وہاں وہ رک کر سانس لیتے آنسو بھری آنکھوں سے اپنی بے قدری پر ماتم بھی نہیں منا پاتی تھی۔۔ وہ اسے سرد اونچی آواز میں پکار اٹھتا تھا۔ وہ ایک لمحے کی تاخیر برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ وہ حور پکار پر گھٹی گھٹی آواز میں

جواب دیتے لرزتے ہوے اس کی پسندیدہ نائٹی میں ملبوس اگلے لمحے اس کے سامنے ہوتی تھی۔ وہ سگریٹ سلگائے اسے بے باکی اور استحقاق سے گھورتے اس کا معائینہ کرتا رہتا تھا۔ وہ اس دوران مرنے والی ہوتی تھی۔۔ پھر وہ اس کی اٹکتی سانسیں محسوس کرتے ہاتھ بڑھا کر خود کی طرف کھینچتے اسے خود کے ساتھ لپٹائے کمبل میں غروب ہوتے اپنی شدتوں سے ساری ساری رات اس کی سانسیں کھینچتا رہتا تھا۔

حور کی آنکھوں کے آگے وہ منظر آتے اسے بے چین کر گئے تھے۔۔۔ یہ کمرہ یہ یادیں سب اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔

پہنو گی ناں جان ارحام۔۔۔ اس کی التجا بھرے لہجے پر حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔ اس کے ملائمت بھرے لہجے پر حور کا سر بے اختیار اثبات میں ہلا۔ اب اثبات میں سر ہلنے پر کوئی خوف نہیں

تھا۔۔ مقابل کی شدید محبت تھی۔۔ وہ اس کے سینے سے شدت سے لپٹ پڑی تھی۔۔

وہ تب بھی ایسے ہی اس سے اس کو مانگ لیتا تو وہ کبھی وہ اذیت بھرے لمحات نہ جیتی۔۔۔ ارحام اسے اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔

آئی ایم سوری جان۔۔۔ آئی ایم سوری جان۔۔۔ میں اب کبھی تمھیں ہرٹ نہیں کروں گا یہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔ وہ اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھتے گویا ہوا۔ حور مزید اس کے ساتھ لپٹی۔۔۔۔

ارحام اس سے دور ہوتے بیڈ سے اترا تھا۔۔ حور نے گہرے سانس لیتے اسے الجھن بھری بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کیا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پائی۔ تھی۔ وہ اس کی طرف جھکتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھائے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔ ارحام نے

ریسنگ روم میں داخل ہوتے اسے نیچے اتارا۔ وہ لب کاٹتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام نے کبرڈ سے ایک نائٹی نکالتے اس کی طرف بڑھائی۔۔

نایٹی دیکھتے حور کان کی لوؤں سے لے کر گردن تک سرخ پڑی تھی۔۔

ارحام۔۔۔ یہ بہت شارٹ ہے۔۔ حور نے اپنا خشک حلق تر کرتے کہا وہ نائٹی کے نام پر بھی دھبہ تھی۔ نیٹ کی نائٹی جو انتہائی شارٹ تھی۔ اس سے زیادہ ولگر اس کے نزدیک کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس سے بھی شارٹ پہن چکی ہو میری پناہوں میں میرے ایک حکم پر۔۔ ارحام نے اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا۔۔

ارحام تب کی بات اور تھی مگر اب تو۔۔۔۔ حور نظریں جھکائے بمشکل بولی۔اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم اور سٹرونگ مردانہ خوشبو اس کے حواص معتل کر رہی تھی۔

نظریں بار بار اس کی شرٹ اوپری کھلے بٹنوں سے نظر آتے اس کے سکس پیک پر جا ٹھہرتی تھی۔وہ اسے آج محسوس کرنا چاہتی تھی مگر اتنی ہی وہ بدحواص ہو رہی تھی۔ایسا لگ رہا تھا وہ اسے پہلی مرتبہ چھو رہا ہو۔۔وہ پہلی مرتبہ اس کی قربت اس کی خوشبو محسوس کر رہی ہو۔

تب اور اب میں کیا فرق ہے؟؟تب بھی تم میری ملیکت تھی اور آج بھی میری ملکیت۔۔فرق تو صرف یہی آیا ہے کہ میں تمھارے لیے پہلے سے زیادہ جنونی ہو چکا ہوں۔ارحام نے اس کی ٹھوڑی اٹھائے اس کی آنکھوں

میں جھانکتے مدہوشی سے کہا۔اس کا اس طرح شرمانا اسے مزید بے خود کر رہا تھا۔

ارحام۔۔۔ مم میں یہ پہن کر آپ کی جنونی شدتیں کیسے برداشت کروں گی۔۔مجھے ابھی سے خوف آرہا آپ سے۔۔ حور نے بچوں کی طرح اپنا نچلا لب پھیلائے اپنے دل کی بات کہی تو ارحام کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

میری جان میں آپ کا موڈ بناؤں گا پہلے۔۔ پھر آپ خود مجھ میں سمانے کو بے تاب ہو جائیں گی۔۔۔ اتنا خوف کس بات کا؟؟۔اور ایک بیوی کو اس وقت اپنے شوہر کا ہر حکم ماننا چاہیے تاکہ شوہر اپنی خوبصورت بیوی کی خوبصورتی کا حق ادا اچھے سے کرے۔۔ اب اسے پنہو میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔۔ میرے کندھے کا درد شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔اس سے پہلے یہ مزید بڑھ جائے اور میں کچھ نہ کر سکوں۔۔ جلدی سے یہ نائیٹی پہن کر

میرے ساتھ لپٹ جاؤ تا کہ میرے اندر اٹھتے جذبوں کو سکون مل سکے۔۔وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کی ناز کی محسوس کرتے مدہوشی سے بولا۔۔

ارحام آپ کو ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔حور ارحام کی بات پر سے الگ ہوتے تشویش سے بولی ارحام کی شرٹ کندھے س سرخ ہو رہی تھی۔

انجیکشن اور میڈیسن کی وجہ سے اسے ابھی اتنا درد نہیں ہو رہا تھا۔۔یا پھر وہ محسوس ہی نہیں کر رہا تھا۔مگر اس کے کندھے کے زخم کو ڈریسنگ کی ضرورت تھی۔۔

ارحام آپ کو ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔یہ ڈریسنگ کھل چکی ہے۔۔شاید سٹیچز کو بھی نقصان پہنچا ہے۔۔مجھے چیک کرنے دیں۔۔حور نے بھیگے لہجے میں کہتے اس کی شرٹ کے بٹن کھولے۔وہ اسے لے کر آخر کیوں جنونی ہو جاتا تھا۔۔پہلے اسے تکلیف دیتا تھا اب خود کو دینے لگا تھا۔

جان ارحام۔۔اگر تمھیں میرا زخم چیک کرنا ہے تمھیں یہ نائیٹی پہن کر میری لیپ پر بیٹھ کر یہ سب کچھ کرنا ہو گا۔ورنہ تم میرے زخم کو چھو نہیں سکو گی۔۔ارحام اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے جکڑتے اسے جھٹکے سے پھر سے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔

ارحام یہ کیا بچپنا ہے؟مجھے ایک نظر دیکھنے دیں۔۔ابھی آپ کو انجیکشن اور پین کلر میڈیسن کے اثر سے درد اتنا محسوس نہیں ہو رہا۔۔جیسے میڈیکشن کا اثر ختم ہو گا آپ کے لیے یہ درد نا قابل برداشت ہو جائے گا۔حور ڈبڈبائے لہجے میں کہتے اس سے دور ہوئی۔اس کے کندھے پر سرخ رنگت اس کی جان نکال رہی تھی

ابھی تو تمھاری دوری نا قابل براشت ہو رہی ہیں۔تمھارا گریز تکلیف دے رہا ہے۔۔تم اس نائیٹی کو پہننے سے انکار کر کے میری حق ملیکت کو چیلنج کر رہی

ہو۔۔ تم صرف میری ہو یہ تمھارے ساتھ گزرے پانچ ماہ میں تمھاری فرمانبرداری نے مجھ پر باور کروایا۔ تمھاری اسی فرمانبرداری سے عشق ہوا۔ اب تم اتنا ہی مجھے بار بار خود سے جھٹک کر مجھے تکلیف دیتی ہو۔۔ خود کو مجھے سونپ دو حور ریہ کہہ کر کہ تم صرف میری ہو۔۔ تم صرف میری ہو حور۔۔ ورنہ قسم کھاتا ہوں حور اپنے سٹیچز اپنے زخموں کو خود ہی نوچ ڈالوں گا۔ کہہ دو تم صرف ارحام خانزادہ کی ہو۔۔ تم پر تمھارا خود کا بھی حق نہیں۔۔ صرف تمھارے مسٹر خان کا ہے۔۔ وہ اسے گردن سے نرمی سے دبوچے کبرڈ سے لگائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جنونیت سے بولا۔

مم میں صرف ارحام آپ کی ہوں۔ حور ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولتے گھبرائی تھی۔۔ اس کی جنونیت سہنا سچ میں مشکل تھا۔

حور کی بات پر وہ پر سکون ہوا۔

پہنو گی یا پہناؤں میری جان۔۔۔ ارحام نے اس کے کان میں جھکتے بے باک سرگوشی کرتے اس کی گہرائیوں کو چھیڑتے پے باک گستاخی کی.

آپ۔۔۔ ہی۔۔۔۔ پہنا۔۔۔ دیں۔ حور اس کے سینے میں سمائے بمشکل ٹوٹے لفظوں سے بولی

وہ اس کے سامنے کہاں یہ پہن سکتی تھی۔ وہ تو اس کے حصار میں اس کی بے باکیوں سے لرز رہی تھی۔ اس کے سامنے کیسے پہنتی۔۔

اٹس مائی اونر مادام۔۔۔ ٹھیک کیا مجھ پر چھوڑ کر رات گہری اور سرد ہے ۔جب جذبوں میں اتنا طلاتم برپا ہو اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ تم یہ نایٹی پہننے میں دیر کرتی مگر میں نہیں کروں گا۔

ارحام مسکراتے ہوے کہتے اس کے عبائیہ کو ایک جھٹکے سے ریموو کر گیا تھا۔ حور سرخ پڑتے اس کی کمر کے گرد حصار مضبوط کرتے اس کی چوڑے سینے میں خود کو چھپا گئی تھی۔۔۔ ارحام مسکراتے ہوے ہاتھ بڑھا کر سوچ لائٹ آف کر گیا۔۔۔ ڈریسنگ روم میں گھپ اندھیرا چھایا تھا۔

تمھارا کمفرٹ میرے لیے سب سے پہلے جان ارحام۔۔ میں تمھیں بلینکنٹ میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ ابھی تمھارے لرزتے بدن اور تمھاری دھڑکنوں کو تو قابو کر لوں۔ وہ اسے کمر سے اوپر کو اٹھائے اس کی کی ٹانگوں کو خود کے گرد لپیٹتے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے مزید اس کی دھڑکنوں کو منتشر کر گیا تھا۔

ارحام۔۔۔۔حور کی دبی دبی سسکیاں گونجتے ارحام خانزادہ کو مدہوش کر رہی تھیں۔۔وہ بے باکی سے اس کے بدن کو چھوتے اس کی گہرائیوں میں اپنی جنونیت رقم کر رہا تھا۔

حور کے ہاتھ بے اختیار اس کے گھنے بالوں کو چھو گیے تھے۔۔اس کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔وہ اسے سچ میں محسوس کر رہی تھی۔

ایسے نہیں میری جان۔۔۔۔یہ رات بھی میری یہ جگہ بھی میری اور یہ وقت بھی میرا اور تم بھی میری۔۔۔۔آج تمھاری خوبصورتی کا بھرپور حق ادا کروں گا۔تمھیں سر سے پیر تک چوم کر۔۔۔۔ارحام نے اسے زمین پر اتارتے وہ نازک سی نائٹی اسے پہنائی۔۔۔اس سے پہلے وہ لائٹ آن کرتا حور پھر سے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ارحام کی گہری بے باک نگاہوں کو وہ سہن نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

ارحام نے لائٹ آن کرتے اسے خود سے الگ کرتے اسے استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھا۔ باریک نائٹی سے نظر آتی اس کی گہرائیوں پر اپنی شدتوں کے نشان دیکھتے ارحام پر مدہوشی چھائی تھی۔ وہ اسے پھر سے ہاتھوں سے بے باکی سے چھو گیا تھا۔ حور نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی. بہت مشکل تھا مقابل کی بے باکیاں برداشت کرنا

ارحام نے کبرڈ کی طرف بڑھتے اس میں سے میڈیکل باکس نکالتے اسے پکڑایا۔

حور نے لرزتے ہاتھوں سے ارحام سے وہ لیا۔۔ ارحام اپنی پینٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالے اسے سلگائے صوفے کی جانب بڑھا۔۔

حور گہرا سانس بھرتے آہستگی سے قدم بڑھاتی ارحام کی طرف بڑھی۔ جو صوفے پر بیٹھے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے گہری نگاہوں سے بہت

بے باکی سے دیکھ رہا تھا۔ ویسی ہی گہری گرم نگاہیں جو اس کی سانسیں روک دیتی تھیں۔

اس کی نگاہیں اپنے بدن کے نشیب و فراز پر محسوس کرتے حور نے اپنی نا یٹی ذرا سی نیچے کی طرف کھسکائی۔۔

حور ڈونٹ۔۔۔۔۔ ارحام نے حکمیہ لہجے کہتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔ اس کے حکم پر حور کی جان جل کر رہ گئی تھی.

اس طرح ہی وہ حق جماتا تھا۔ اپنی قربت میں وہ خود کو ذرا سا چھولے برداشت نہیں کر سکتا تھا

اس کی گہری نگاہیں اپنے بدن کے آر پار ہوتے محسوس کرتے وہ گلاب کی طرح سرخ ہوتے لرز رہی تھی

حور اس کی طرف بڑھتے اس سے دو قدم کے فاصلے پر رکی۔ اس نا یٹی میں وہ اس کے لیپ پر کیسے بیٹھ کر اس کی ڈریسنگ کر سکتی تھی۔۔ وہ کیا کیا گستاخیاں نہیں کرے گا۔۔ وہ سوچ کر ہی اس کا دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا۔

حور کو رکتے دیکھ کر ارحام اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوے ایک جھٹکے سے اپنی لیپ پر بٹھا گیا۔

حور نے بمشکل خود کو اس کے سینے میں سماتے روکا تھا۔ وہ اس کے زخمی کندھے سے ٹکرا سکتی تھی.

حور نے اسے بے اختیار گھور کر دیکھا۔ حور کے گھورنے پر ارحام کا بلند بانگ قہقہ بلند ہوا۔

میری نازک سی بیوی۔۔۔۔شیر کی کھچار میں بیٹھ کر اس سے دشمنی نہیں لیتے۔۔ارحام نے اس کی لرزتی جھکتی پلکوں اور اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے اس پر چوٹ کی۔

کیا کر لے گا یہ شیر آخر۔۔۔جو اسے چاہیے وہ دے تو رہی ہوں۔میں کونسا دشمنی لے رہی ہوں۔حور آہستگی سے بولتے اس کی شرٹ کے بٹن کھولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسا گئی تھی۔ارحام اس کے اقرار پر پرسکون ہوا۔وہ دانستہ طور پر کچھ نہ کہتے بھی کہ چکی تھی۔۔

ابھی کہاں لیا؟؟کچھ ابھی تو پوری رات باقی اور وصولی بھی ان نو مہینوں کی جدائی کا حساب آج تم سے لوں گا۔ارحام اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کھینچتے مدہوشی سے بولا۔۔

ہوٹل کے کمرے میں آپ آٹھ مہینوں کی جدائی کا حساب مجھ سے لے چکے ہیں۔۔۔بہت اچھے سے وصولا تھا ایک ایک پل۔۔حور نے اس کے کندھے پر لگی پٹی نرمی سے ریمو کرتے اس کے سٹیچرز سے خون رستا دیکھ کر اس پر پائیوڈین لگاتے وہاں نرمی سے کاٹن رکھی۔۔

وہ تو آٹھ مہینوں کی جدائی کی وصولی تھی۔ آج نو مہینوں کی جدائی کی وصولی لوں گا۔۔۔آج تم پر ترس بلکل نہیں کھاؤں گا۔ تمھیں بتاؤں گا۔وصل کے بعد فرقت کی تڑپ کیسی ہوتی ہے؟؟۔وہ اس کی کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا۔

خود ہی چھوڑ کر آئے تھے مجھے شاہ مینشن۔۔حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً شکوہ کیا۔

کیوں آنسو بہاتی ہو میری قربت میں ؟؟ ارحام نے جوابًا شکوہ کیا۔ اس کا آنسو بہانا اپنی قربت میں کتنی تکلیف دیتا تھا وہ اسے کیسے سمجھاتا۔

وہ تو آج بھی بہاؤں گی تو کیا ہر بار مجھے خود سے دور کر دیں گے۔۔ حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

کیوں بہاؤ گی آنسو ؟؟ ارحام نے سلگتے ہوے پوچھا۔

آپ کو سہن کرنا آسان ہے کیا ارحام ؟ یہی کہتے تھے کہ میں ٹھہری نازک سی لڑکی اور آپ پہاڑی خان وہ بھی تجربہ کار۔۔۔۔ آپ کو سہن کرنا میرے بس کی بات نہیں۔۔ حور کی بات پر ارحام نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ اس کی باتوں کو یاد ابھی بھی رکھے ہوے تھی۔۔

لیکن تم نازک کہاں رہی میری جان۔۔ تمھاری نازکی میں ختم تو کر چکا ہوں۔

اور تم سچ میں ایک پہاڑی خان کے چنگل میں پھنس چکی ہو۔۔ کہا تھا تم سے تم اونچی حویلی والی میں اب تم ہمیشہ رہو گی۔۔ تم میری پناہوں سے نکل نہیں پاؤ گی۔ آ گئی ناں میری پناہوں میں خود اپنی مرضی سے۔۔۔۔ مجھے سہن کرنے۔۔ آنسو بہاؤ یا روتی گڑگڑاتی رہو مگر اب تمھیں کبھی خود سے دور نہیں جانے دوں گا یاد رکھنا۔ ارحام اس کے ڈمپل والی جگہ پر لب رکھتے گھمبیر آواز میں بولتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

سگریٹ اب اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔۔

حور نظریں جھکائے بمشکل ہی اس کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔ اس کی بے باکی اپنی کمر پر محسوس کرتے وہ سرخ پڑتے خاموش ہو گئی تھی۔ ارحام کا ایک

ہاتھ کچھ زیادہ ہی بے باکی دکھاتے اس کے بدن کو چھوتے اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔

ارحام نے اس کے جھکی نظریں اور اس گلاب عارض کو دیکھتے مسکراتے ہوے سگریٹ لبوں میں دبایا۔ اسے آج اپنی بیوی سے وہ ساری فرمائشیں پوری کروانی تھی وہ جو نو مہینے تڑپتے ہوے سوچتا رہتا تھا۔ کبھی تو وہ حق سے اس کے لبوں سے سگریٹ نکالے۔۔

ارحام مجھے سگریٹ پینے والے مردوں سے نفرت ہے۔۔ حور نے کہتے سگریٹ اس کے منہ سے نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے روکا تھا۔ حور نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

میں یہ سگریٹ ایسے نہیں چھوڑوں گا۔ نہ میں چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔۔ جب جب میں سگریٹ لبوں میں دباؤں گا تم اسے میرے لبوں سے نکال کر اپنی

سانسوں سے میری سانسیں انہیل کرو گی۔یہی ایک طریقہ ہے کہ میں یہ سگریٹ چھوڑ دوں۔۔کیونکہ ایک نشہ چھوڑنے کے لیے تمھاری سانسوں کو نشہ بن کر میرے اندر ترنا ضروری ہے۔۔ارحام اسے بالوں سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کے لبوں پر جھکے اپنی سانسوں میں گھلی سگریٹ کی مہک اس کے اندر اتارنے لگا۔۔وہ اس کی شدت میں ساتھ دیتے اس کی انگلیوں سے وہ سگریٹ لیتے زمین پر پھینک چکی تھی۔۔ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اسے اپنی لیپ سے اٹھایا۔صوفے سے اٹھتے اسے اپنی گود میں اٹھایا۔حور مسکراتے ہوے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔

ارحام اس کی پیشانی پر لب رکھتے ڈریسنگ روم سے نکلتے کمرے کی جانب بڑھا۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر جھکا۔ حور اس کے برہنہ سینے پر انگلیاں پھیرتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔ ارحام کا ہاتھ بے باکی سے اس کے بدن پر سفر کرتے اس کے عارض پر آیا۔

تیار ہو جان۔۔۔ ارحام نے اس کی عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے بھاری ہوتی سانسوں سے پوچھا۔ وہ اس حلیے میں اسے کے اندر آگ لگا چکی تھی۔

۔وہ کب سے خود پر قابو پائے اپنے جذبوں پر حور کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کی جنون خیزیوں سرخ آنکھوں سے ڈرتی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں بھی خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اب اسے بیڈ پر اپنی پناہوں میں دیکھتے وہ خود پر کنٹرول نہیں کر پایا تھا۔۔ سانسیں

دہکتا تندور بنی تھیں۔ آنکھوں میں خمار کی سرخی چھائی تھی۔۔ حور ارحام کی سانسوں کی بے ترتیبی اور اس کا دہکتا پن محسوس کرتے اس کے حصار میں لرز اٹھی۔

ارحام۔۔۔ حور نے سرخ پڑتے اسے روہانسے ہوتے پکارا۔۔

مگر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی وہ اس کے چوڑے سینے میں سمائی۔۔۔

میری جان۔۔۔ تمھیں میری جنونیت برداشت کرنی ہو گی۔۔ مگر وعدہ کرتا ہوں تمھارے آنکھوں سے نکلتے موتی اپنے لبوں سے چن لوں گا۔ آج تمھاری سسکیوں میں خوف نہیں سکون بھی ہو گا۔۔ جنون ہو میرا ۔۔۔ مزید نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔۔۔ اس وقت تمھیں میری پناہوں میں خود کو سونپنا پڑے گا۔

وہ گھمبیر آواز میں گویا ہوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسوں کو شدت سے پیتے اس کے زبان کو اپنے لبوں میں جکڑے اپنی جنونیت دکھانے لگا۔۔اس کے لبوں کو آزاد کرتے وہ اس کی گردن پر لو بائٹ بناتے اب اسے جامنی کر رہا تھا۔حور کے نازک ہاتھ ارحارحام کی برہنہ کمر پر مضبوطی سے جمے تھے.

وہ اس کی دودھیا گردن پر اپنی جنونیت دکھاتے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ تھا۔ کبھی نرمی سے چومتا کبھی اپنی گھنی بئیرڈ کی چبھن اسے بھرپور انداز میں روشناس کرواتے اپنی بئیرڈ مسلتے اس کی گردن پر دیے گئے نشانوں پر میٹھی سی اسے جلن دیتا۔۔حور اس کے نرمی سے چومنے پر پرسکون ہوتی وہ وہاں اپنی گھنی بئرڈ مسلنے لگتا۔وہ ہلکا ہلکا سسکتی تو وہ اپنے دانتوں کا دباؤ بڑھانے لگتا۔۔حور کی دبی دبی سسکیاں کمرے میں گونجتی اسے مدہوش کر رہی

تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر سے صرف اس کی گردن کو اپنی جنونیت کا نشانہ بنا رہا تھا کہیں اور اس کی توجہ ہی نہ تھی۔۔

میری جان۔۔۔۔۔ آگے بہت کٹھنائیاں ہیں برداشت کر لو گی ناں اپنے پہاڑی خان کو۔۔۔ ارحام نے اس کی بے ترتیب سانسوں کی مہک اپنے اندر اتارتے اس کے کان میں جھکتے گھمبیر لہجے میں استفسار کرتے آئی برو اچکاتے اپنی مدہوشی بھری آنکھیں حور کی گلابی نشیلی آنکھوں میں گاڑھیں۔

حور سرخ پڑتے اس کے سینے سے لپٹی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے کبھی ہاں نہیں کہہ سکتی تھی۔

ارحام اسے خود سے لپٹائے خود کو تکیے پر گرائے اسے اپنے اوپر کر گیا۔

حور کے لرزتے بدن کو وہ اپنے سینے میں میں سما گیا تھا۔۔

مجھے محسوس کرو گی تو میری جنونیت سے ڈرو گی نہیں۔۔نہ تمھاری آنکھوں سے آنسو بہیں گے۔۔ آج میری شدتوں میں صرف یہ محسوس کرنا کہ تمھارا پہاڑی خان تمھارے لیے کتنا جنونی ہے تو تم ڈرنے کی بجائے خود کو خوش قسمت تصور کرو گی۔۔جان ارحام۔۔۔۔

حور اس کی باتوں پر پر مزید اس کے ساتھ لپٹی۔۔وہ اسے کیسے برداشت کرے گی وہ مزید کانپی تھی۔۔ہوٹل کا روم یاد آیا تھا پانچ مہینے کمرے میں گزرے پل یاد آئے تھے۔۔اسے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

جان ارحام آجازت دو۔۔تم میں سما جاؤں۔۔ارحام نے گھمبیر آواز میں بولتے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

حور نے حیران ہوتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ آج ہی آجازت مانگ رہا ہوں۔ آیندہ بنا پوچھے تم میں سماؤں گا۔۔ کسی ڈر کی وجہ سے آج اقرار میں سر مت ہلانا حور۔۔۔ اگر ڈر ہے تو وعدہ کرتا ہوں۔۔۔ چاہیں میری سانسیں رک جائیں میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔۔ مگر آج تمھارا اقرار چاہیے۔۔ آج تم مجھے اپنی بانہوں میں بے جان گڑیا کی طرح نہیں چاہیے ہو۔۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے محسوس کرو میری طرح۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں جھانکتے جیسے التجا کر رہا تھا۔ اگر وہ اسے پیچھے ہٹنے کو کہتی وہ واقعی میں جان سے جاتا۔۔

حور نے نظریں جھکائے اس کے سینے پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔ اس کی گردن میں اپنا چہرہ چھپاتے وہاں اپنے دانت نرمی سے گاڑھے۔ ارحام مدہوش ہوتے آنکھیں میچ چکا تھا۔ بدن کا رواں راوں جیسے بے تاب ہوا تھا۔

اس سے زیادہ سچ میں آپ کی حور بے باکی نہیں دکھا سکتی۔۔ آپ کو بہت شوق ہے اپنی گردن کے نشان گھر والوں سے چھپانے کا۔ مگر آپ کا یہ شوق کبھی نہیں پورا ہو گا۔ کیونکہ آپ صرف میرے ہیں۔ تیسری شادی نہیں کر سکتے آپ۔۔۔ حور اس کے کان میں جھکتے مدھم آواز میں سرگوشی کر گئی۔۔

ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔ حور مسکراتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپائے اس سے لپٹی۔

میری جان۔ مجھے ضرورت نہیں پڑے گی۔ مگر وعدہ کرتا ہوں تم ہر روز سب سے اپنا آپ چھپاتی پھرو گی۔۔ تمھارے بدن کے ہر حصے پر اب میرے دیے گئے نشان ہوں گے۔ تمھاری اتنی سی بے باکی مجھے تمھارے لیے پاگل کر چکی ہے۔ اب تم بھگتو گی ساری رات اپنے خان کو۔۔ پناہ مانگو گی مجھ سے۔۔۔۔ وہ اسے بیڈ پر پٹختے اس کے اوپر آتے اسے مکمل طور پر اپنے

قابو کر گیا تھا۔ اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کرتے خود بھی اسی کی حالت میں آتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیتے اس میں سمائے اپنے اوپر کمبل اوڑھتے اس میں مکمل غروب ہوا۔

حور کی بلند چیخ پر وہ اس کے لبوں پر اپنے لبوں کا دباؤ بڑھاتے اسے پر سکون کرتے اپنی شدتیں بڑھانے لگا۔۔

گزرتی رات کے ساتھ اس کی شدتیں بڑھ رہی تھیں۔ وہ بنا حور کو ہرٹ کیے اس کے بدن کے ہر حصے پر اپنی جنونیت رقم کر رہا تھا۔

ارحام۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ حور نے گہری رات کے ختم ہونے پر سسکیاں بھرتے اس سے التجا کی تھی۔۔ وہ مزید اس سے برداشت نہیں کر پا رہی تھی ۔وہ سچ میں اسے لیے جنونی تھا اپنے کندھے کا زخم بھولا ہوا تھا۔ اسے اس کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

نو۔۔۔۔۔۔نو۔۔۔۔۔جان۔۔۔۔ارحام۔۔۔آج تم پر رحم کھانے کا مطلب ہے خود پر ظلم کرنا۔۔یہ آٹھ مہینے بہت ظلم کر چکا ہوں۔ تمھیں بھی تو پتہ چلنا چاہیے۔۔تم نے مجھ پر کیسے کیسے ظلم کیا ہے۔۔اب تم ہر روز میری پناہوں میں محسوس کرو گی کہ تمھارا پہاڑی خان تمھارے لیے کتنا پاگل ہے۔۔ارحام اپنی شدت بڑھاتا اس کی کان کی لو دانتوں سے کھینچتے غراتے ہونے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے کھڑکیوں سے صبح کی روشنی پھوٹتے دیکھ کر ریموٹ سے ان پر بھاری پردے گرا چکا تھا۔کمرے میں ایک بار پھر سے رات کا سماں تھا۔اور ارحام کی شدتیں بے باک اور مزید گہری ہوئیں تھیں۔۔حور راہ فرار نہ پاتے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔۔وہ مسکراتے ہوے مزید اسے خود میں سماتے اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔

ارحام حور کو اٹھائے داخلی دروازے سے اینٹر ہوتے زنان خانے میں داخل ہوا جہاں نیم اندھیرا چھایا تھا۔

ارحام کوئی دیکھ لے گا۔ حور ارحام کو ایک نظر دیکھتے گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کی شرٹ کو مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑتے نظریں جھکا گئی تھی۔

وہ بہت مضبوطی سے اسے اپنے سینے سے لپٹائے اسے گرم گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی گہری گرم نگاہوں پر حور کی دھڑکنوں نے شدت اختیار کی تھی۔ دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔ ارحام کی جنونیت سے اسے خوف آتا تھا۔ ابھی بھی اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ وہ سچ میں مقابل کو سہہ نہیں سکتی تھی۔۔ نہ اسے سہنا آسان تھا وہ اس سے جتنی مرضی محبت کر

لے۔۔اس کے ناز نخرے اٹھاے مگر اپنی بانہوں میں وہ اسے لیے وہ صرف اس کے لیے جنونی ہوتا تھا۔

حور کی دھڑکنیں اپنے سینے میں بجتے محسوس کر کے ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔

اتنا کیوں بلش کر رہی ہو؟؟۔۔کیوں چاہتی ہو رومانس سے پہلے مجھ پر غسل فرض ہو جائے۔۔ارحام نے حور کی آنکھوں میں دیکھتے بے باک سرگوشی کی تو حور کے عارض دہک کر آنار بنے تھے۔۔وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے آنکھیں میچ گئی۔۔

میری شرمیلی دلہن۔۔۔۔آج رات آپ کے ہونٹوں کو میں نہیں چھوڑنے والا۔۔آپ کیوں انھیں یوں کاٹ کاٹ کر کے خود کو ہلکان کر رہی ہیں؟؟۔۔آپ کا خادم ہے ناں یہ سب کام کرنے کو۔۔آپ کے خوبصورت

بدن پر اپنی جنون خیزیوں سے ایسی سوغاتیں چھوڑوں گا آپ اپنے دانتوں سے کھانا چبانا چھوڑ دیں گی کجا کہ کوئی اور کام لینا۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے نچلے لب کو اپنے دانتوں سے کھینچا۔

حور اس کی شدت پر سسکتے ہوے اس کے سینے کا حصہ بنی۔۔

اگر میں نے جواباً آپ کی زبان کو چبا ڈالا تو آپ کیا کریں گے۔۔ حور سسکتے ہوے آنکھیں کھولتے شعلہ بار لہجے میں گویا ہوئی اس نے بہت بے رحمی سے اس کے نچلے لب کو دانتوں سے کاٹا تھا۔ اس لیے غصے سے سرخ پڑتے اس کی بے باک آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔

میری جان میرا سب کچھ حاضر ہے چبا ڈالو۔۔۔ تمھیں جو بھی میرے بدن کا حصہ پسند ہو۔۔۔ ارحام اس کے لبوں کے قریب اپنے لب لاتے نرمی سے چومتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے گویا چیلنج کیا۔ وہ اس کی قربت

میں آنکھیں کھول لے یہی بڑی بات تھی۔۔ باقی کوئی پیش قدمی وہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔۔ حور ارحام کی بات پر سرخ پڑتے اپنی نگاہیں پھیر گئی۔

میرا سینہ میرا سب کچھ حاضر ہے مائی پوسیشن۔۔۔ یہ میرے لیے اعزاز ہو گا سب گھر والوں سے اپنا زخمی سینہ اور گردن چھپانا۔ ارحام نے اسے نگاہیں پھیرتے سرخ پڑتا دیکھ کر لب دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

ارحام کی بات پر حور کی رنگت پھر سے سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔ گال تپ کر کندن کی طرح دہکے تھے۔۔

گل نہیں ڈالتی تھی آپ کے سینے اور گردن پر نشان۔۔۔ حور نے اپنی شرم کو چھپاتے جواباً طنز کیا تھا۔ اس کی ایسی ہر بات پر اسے روزینہ خانم کی باتیں

یاد آجاتی تھیں کہ ارحام کو گل سے بیٹے کی بہت خواہش تھی اسی لیے وہ کمرے سے نہیں نکلتا تھا۔۔

حور کی بات پر ارحام کے کمرے کی طرف بڑھتے قدم رکے تھے۔

وہ اسے سلگتی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

نہیں۔۔۔ارحام سرد و سپاٹ انداز میں ایک لفظی جواب دیتا آگے بڑھ گیا تھا۔

ارحام کے چہرے پر غصہ اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔۔وہ جبڑے بھینچے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کر رہا تھا۔

ارحام کے برفیلے تاثرات دیکھتے حور کی دھڑکنیں اب خوف سے منتشر ہوئی تھیں۔

وہ اس کے جتنے مرضی نخرے اٹھالے مگر اسے آج بھی اس کے غصے سے ڈر لگتا تھا۔۔

حور کی دھڑکنوں میں مزید شدت محسوس کرتے ارحام نے اپنے چہرے کے تاثرات پر بشکل قابو پایا تھا کبھی اس کے چہرے پر ڈر خوف اس کی مردانہ آنا بدلے کی حس کو تسکین دیتا تھا۔۔ مگر آج یہ ڈر خوف اس کے چہرے پر گوارانہ تھا۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے۔۔

تمھاری دھڑکنیں میرے لمس سے شدت اختیار کر جائیں یہ ارحام خانزادہ کی ذات کی لیے تسکین کا باعث ہے۔ مگر تمھاری دھڑکن میرے خوف سے مس ہو یہ میرے ذلت کا باعث ہے۔۔ تم مجھے کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔۔ مجھ پر چیخ چلا سکتی ہو۔۔ مگر مجھ سے خوفزدہ مت ہوا کرو۔۔ میری محبت کی یہ توہین

ہو گی۔۔ وہ اسے مزید خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ حور اس کے سینے میں سمائے مسکراتے ہوے اس کے ساتھ شدت سے لپٹی تھی۔۔

لگتا ہے آج کا رومانس شاور کے نیچے کرنا ہو گا۔ کیونکہ غسل سے پہلے مجھ پر غسل فرض ہو چکا ہے۔ ارحام اسے مزید خود کے ساتھ لپٹائے بے باک سرگوشی کر گیا تھا۔ وہ شرم سے اس کے ساتھ لپٹ رہی تھی۔ مگر وہ اسے پاگل کر رہی تھی۔

حور کی ہنسی کی جلترنگ گونجتے ارحام کو مدہوش کر گئی تھی۔ مت کرو یہ سب پاگل کر دو گی مجھے۔۔ تمھاری آغوش میں ہر پل گزارتے اپنے ہر رشتے کو بھول جاؤں گا جان من۔۔۔ کیوں اس خانزادہ کو اپنے پلو سے باندھ کر رکھنا چاہتی ہو۔ وہ اسے خود سے لپٹائے مدھم سرگوشی کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

دروازے پر ایک پل کے لیے اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔ وہ اسے اس کمرے میں لے کر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں اسے اذیت ہوتی تھی۔۔ ارحام نے اس کی براؤن کو آنکھوں کو بغور دیکھا جو اس کے رکنے پر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہاں کوئی شکوہ نہ تھا صرف حیا کی سرخی چھائی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سرخ پڑتے بار بار نظریں جھکا لیتی تھی۔۔ وہ اس کی اس ادا پر مرتا تھا اتنی بولڈ اور ماڈرن زندگی گزارنے کے بعد بھی وہ اس کی قربت میں ایسے ہی شرماتی تھی۔۔ الیٹ کلاس کی لڑکیوں کی طرح بہت بے باک نہ تھی۔ صرف جب جلتی تھی تب بے باک بن جاتی تھی۔ اسلام آباد میں میٹنگ کے دوران اس کی بے باک ڈریسنگ اور اس کا آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا یاد آیا تھا۔ اس سے زیادہ اس کی بے باکی اور بولڈ ڈریسنگ کبھی نہیں دیکھی تھی۔۔ وہ اسے بغور دیکھتے اس کے تاثرات جانچنے

کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا آج رات کوئی بھی بات کوئی بھی وجہ اس کی قربت میں حائل ہو۔۔ وہ اس سے زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت اسے خوبصورت سلک کے عبائیہ اور حجاب میں اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اگر وہ آج رات اس سے دور گئی تو وہ تڑپ کر مر جائے گا۔ مگر دل میں ڈر بھی تھا آج رات وہ پھر سے دوریاں مقدر ٹھہری تھی تو وہ کیسے برداشت کرے گا۔ مقابل سے محبت اتنی تھی۔ وہ اپنے زخمی کندھے کو بھولے ہوے تھا۔ اس وقت سوائے اپنے دل میں مقابل کی دھڑکنیں محسوس کرتے کچھ اور محسوس نہیں ہو رہا تھا۔۔

آئی ایم سوری جان ارحام۔۔۔۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کی ناک کی ٹپ اپر اپنے لب رکھے تھے۔

کس لیے؟؟ حور نے حیرت و استعجاب سے پوچھا تھا۔

ہمممم۔۔۔۔۔۔۔۔بتاؤں گا مائی بیوٹیفل لٹ وائف۔اور اس کا آزالہ بھی کروں گا۔ لیکن ابھی مجھے اپنی خوبصورت لٹل بیوی پر بھرپور توجہ دینی ہے۔اس کو بتانا اس کا پہاڑی خان اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔

ارحام بھاری آواز میں بولتے اس کی لرزتی پلکوں پر اپنے لب رکھ گیا۔

پہاڑی خان نہیں زندہ وجودوں کو الٹ پلٹنے والا مغرور بے پناہ ہینڈسم بے باک خانزادہ۔۔۔حور ارحام کی سیاہ سحر انگیز آنکھوں میں دیکھتے بولی تو ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

بے باک بے پناہ ہینڈسم خانزادہ۔۔۔۔آئی لائک اٹ مائی اینڈ ون اینڈ مائی پوسیشن۔۔۔۔ارحام اسے لیے کمرے میں داخل ہوتے کمرے کی طرف بڑھتے اسے بیڈ پر نرمی سے لٹا گیا تھا۔۔

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے ایک جھٹکے سے بٹھاتے اس کا حجاب ایک جھٹکے سے ریموو کرتے اس کے بالوں میں لگا کیچر اتار کر دور پھینکا تھا۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اسے بنا کوئی موقع دیے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو اپنی سانسوں میں قید کرتے اس کی سانسیں بے رحمی سے پیتے اس کی سانسوں کی مہک خود میں اتارنے لگا۔

حور اس کی شدت سہتے اس کی شرٹ جکڑے سسکتے ہوے آنکھیں موند گئی۔۔

ارحام کا ایک ہاتھ اب اس کے عبائیہ گاؤن میں الجھا تھا۔

وہ بے باکی سے اسے چھوتے اس کے گاؤن کو ریموو کرنے لگا تو حور بمشکل سانس لیتے اس کا ہاتھ جکڑ گئی تھی۔۔ ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کو درست کرتے گہرے سانس لیتے اپنی سرخ

آنکھیں حور کی آنکھوں میں گاڑھتے آئی برو آچکائے تھے۔اس کے ہاتھ جھٹکنا اسے مشتعل کر گیا تھا۔مقابل کا خود کو جھٹکنا برادشت نہیں ہوتا تھا ۔وہ حور کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا اسی احساس سے تو اسے اس سے عشق ہوا تھا۔وہ صرف اس کی ہے۔ارحام گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔حور اس کی سرخ آنکھوں میں غصہ اشتعال دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی

آج رات تمھارے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔۔چاہتا ہوں جو کچھ ہو تم بھی میری شدتوں میں میرا بھرپور ساتھ دیتے مجھے محسوس کرو۔۔۔لیکن اگر تم مجھے روکو گی خود سے دور جھٹکو گی تو یقین مانو میں زبردستی بھی کر ڈالوں گا۔۔میں فرشتہ نہیں عام انسان ہوں اتنا پاس آکر تم سے دور جانا میرے بس میں نہیں۔تم سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔۔پاگل ہوں تمھارے لیے۔۔۔یہی میری محبت کی انتہا اور پاگل پن ہے۔۔تم کمزوری ہو

میری۔۔ نکاح کے بعد محبت جسم سے شروع ہو کر روح میں اترتی ہے۔۔ تمھاری محبت بھی جسم سے شروع ہو کر روح میں اتر چکی ہے۔۔ اب یہ بے قرار روح جسم کا وصل چاہتی ہے۔۔ کیا چاہتی ہو؟؟ آج اپنی سانسیں گنوا دوں کیا؟؟۔ وہ اسے تھائیس سے ایک ہاتھ سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی براؤن آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

اس کی بے ترتیب اکھڑی بکھری سانسوں اور آنکھوں کی کو گہری ہوتی سرخی دیکھتے حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔

ابھی وہ اسے خود سے ڈرنے کو نہیں کہہ رہا تھا۔ اب اپنے اس جنونی روپ سے وہ اس کا دل بری طرح دھڑکا چکا تھا۔

ارحام۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔ ممم۔۔۔۔میں نے عبایئے کے نیچے کچھ نہیں پہنا۔۔اس لیے آپ کو روک رہی تھی۔۔حور کی بات پر ارحام کے لبوں کو بے اختیار مسکراہٹ چھو گیی تھی۔وہ بغور اس کی جھکی نظروں کو دیکھے گیا.ڈر سے زیادہ شرم وحیا کی سرخی تھی۔۔وہ اس کی قربت میں شرما رہی تھی

تو جان ارحام۔۔۔۔۔یہ تو اچھی بات ہے مجھے محنت کم کرنی پڑے گی۔۔تم اسی حالت میں جلدی آجاؤ گی جو میں چاہتا ہوں۔ارحام نے بے باکی سے کہتے اسے آنکھ ونک کی۔اس کی بے باکی پرء حور کی سرخ رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔۔

ہمممم۔۔ایسا کرو کچھ بے باک سا پہنو۔۔جو مجھے مزید جنون میں مبتلا کر دے۔۔ان خوبصورت لبوں کو گہرے رنگ سے سجاؤ۔۔میں آج رات بے

خودی کی ہر حد پار کرنا چاہتا ہوں۔ چاہتا ہوں یہ رات تم ہمیشہ یاد رکھو۔ میں اسے اتنی مکمل اور خوبصورت بنانا چاہتا ہوں۔ ارحام اس کے عارض کو نرمی کے چومتے ہوئے اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے گھمبیر بھاری آواز میں سرگوشی کر گیا۔

ہاں۔۔۔۔ وہ بمشکل بولتے اس کی قربت میں میکانکی انداز میؤ اثبات میں سر ہلا گئی تھی. جان لبوں پر سجتے دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔ اس کی فرمایش پر جی جان سے لرزی تھی۔۔ وہ کپکپاتے ہوئے اس کی بانہوں میں سما گئی۔۔

وہ اس کمرے میں اسے اپنی پناہوں میں قید کرتے ایسی فرمائشیں بہت بار کر چکا تھا۔ وہ اس کے ایک حکم پر اس کے پسندیدہ حلیے میں اگلے ہی لمحے اس کے سامنے ہوتی تھی۔ مگر کمرے سے ڈریسنگ روم تک کا فاصلہ صدیوں کی

مسافت کی طرح لگتا تھا۔ قدم من من بھر کے ہوتے تھے۔ وہ گھسیٹتے ہوئے خود کو ڈریسنگ روم تک لے کر جاتی تھی۔

وہاں وہ رک کر سانس لیتے آنسو بھری آنکھوں سے اپنی بے قدری پر ماتم بھی نہیں منا پاتی تھی۔۔ وہ اسے سرد اونچی آواز میں پکار اٹھتا تھا۔ وہ ایک لمحے کی تاخیر برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ وہ حور پکار پر گھٹی گھٹی آواز میں جواب دیتے لرزتے ہوئے اس کی پسندیدہ نائٹی میں ملبوس اگلے لمحے اس کے سامنے ہوتی تھی۔ وہ سگریٹ سلگائے اسے بے باکی اور استحقاق سے گھورتے اس کا معائینہ کرتا رہتا تھا۔ وہ اس دوران مرنے والی ہوتی تھی۔۔ پھر وہ اس کی اٹکتی سانسیں محسوس کرتے ہاتھ بڑھا کر خود کی طرف کھینچتے اسے خود کے ساتھ لپٹائے کمبل میں غروب ہوتے اپنی شدتوں سے ساری ساری رات اس کی سانسیں کھینچتا رہتا تھا۔

حور کی آنکھوں کے آگے وہ منظر آتے اسے بے چین کر گئے تھے۔۔۔یہ کمرہ یہ یادیں سب اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔

پہنو گی ناں جان ارحام۔۔۔اس کی التجا بھرے لہجے پر حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔۔اس کے ملائمت بھرے لہجے پر حور کا سر بے اختیار اثبات میں ہلا۔اب اثبات میں سر ہلنے پر کوئی خوف نہیں تھا۔۔مقابل کی شدید محبت تھی۔۔وہ اس کے سینے سے شدت سے لپٹ پڑی تھی۔۔

وہ تب بھی ایسے ہی اس سے اس کو مانگ لیتا تو وہ کبھی وہ اذیت بھرے لمحات نہ جیتی۔۔۔ارحام اسے اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔۔

آئی ایم سوری جان۔۔۔ آئی ایم سوری جان۔۔۔میں اب کبھی تمھیں ہرٹ نہیں کروں گا یہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔وہ اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھتے گویا ہوا۔ حور مزید اس کے ساتھ لپٹی۔۔۔۔

ارحام اس سے دور ہوتے بیڈ سے اترا تھا۔۔ حور نے گہرے سانس لیتے اسے الجھن بھری بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کیا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پائی۔ تھی۔ وہ اس کی طرف جھکتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھائے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔ ارحام نے ریسنگ روم میں داخل ہوتے اسے نیچے اتارا۔ وہ لب کاٹتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ارحام نے کبرڈ سے ایک نائٹی نکالتے اس کی طرف بڑھائی۔۔

نایٹی دیکھتے حور کان کی لوؤں سے لے کر گردن تک سرخ پڑی تھی۔۔

ارحام۔۔۔یہ بہت شارٹ ہے۔۔حور نے اپنا خشک حلق تر کرتے کہا وہ نائٹی کے نام پر بھی دھبہ تھی۔نیٹ کی نائٹی جو انتہائی شارٹ تھی۔اس سے زیادہ ولگر اس کے نزدیک کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس سے بھی شارٹ پہن چکی ہو میری پناہوں میں میرے ایک حکم پر۔۔ارحام نے اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا۔۔

ارحام تب کی بات اور تھی مگر اب تو۔۔۔حور نظریں جھکائے بمشکل بولی۔اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم اور سٹرونگ مردانہ خوشبو اس کے حواص معتل کر رہی تھی۔

نظریں بار بار اس کی شرٹ اوپری کھلے بٹنوں سے نظر آتے اس کے سکس پیک پر جا ٹھہرتی تھی۔وہ اسے آج محسوس کرنا چاہتی تھی مگر اتنی ہی وہ

بدحواس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اسے پہلی مرتبہ چھو رہا ہو۔۔ وہ پہلی مرتبہ اس کی قربت اس کی خوشبو محسوس کر رہی ہو۔

تب اور اب میں کیا فرق ہے؟؟ تب بھی تم میری ملیکت تھی اور آج بھی میری ملکیت۔۔ فرق تو صرف یہی آیا ہے کہ میں تمھارے لیے پہلے سے زیادہ جنونی ہو چکا ہوں۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی اٹھائے اس کی آنکھوں میں جھانکتے مدہوشی سے کہا۔ اس کا اس طرح شرمانا اسے مزید بے خود کر رہا تھا۔

ارحام۔۔۔ مم میں یہ پہن کر آپ کی جنونی شدتیں کیسے برداشت کروں گی۔۔ مجھے ابھی سے خوف آ رہا آپ سے۔۔ حور نے بچوں کی طرح اپنا نچلا لب پھیلائے اپنے دل کی بات کہی تو ارحام کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

میری جان میں آپ کا موڈ بناؤں گا پہلے۔۔ پھر آپ خود مجھ میں سمانے کو بے تاب ہو جائیں گی۔۔۔ اتنا خوف کس بات کا؟؟۔ اور ایک بیوی کو اس وقت اپنے شوہر کا ہر حکم ماننا چاہیے تا کہ شوہر اپنی خوبصورت بیوی کی خوبصورتی کا حق ادا اچھے سے کرے۔۔ اب اسے پنہو میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔۔ میرے کندھے کا درد شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے یہ مزید بڑھ جائے اور میں کچھ نہ کر سکوں۔۔ جلدی سے یہ نائیٹی پہن کر میرے ساتھ لپٹ جاؤ تا کہ میرے اندر اٹھتے جذبوں کو سکون مل سکے۔۔ وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کی ناز کی محسوس کرتے مدہوشی سے بولا۔۔

ارحام آپ کو ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔ حور ارحام کی بات پر سے الگ ہوتے تشویش سے بولی ارحام کی شرٹ کندھے سے سرخ ہو رہی تھی۔

انجیکشن اور میڈیسن کی وجہ سے اسے ابھی اتنا درد نہیں ہو رہا تھا۔۔ یا پھر وہ محسوس ہی نہیں کر رہا تھا۔ مگر اس کے کندھے کے زخم کو ڈریسنگ کی ضرورت تھی۔۔

ارحام آپ کو ڈریسنگ کی ضرورت ہے۔ یہ ڈریسنگ کھل چکی ہے۔۔ شاید سٹیچز کو بھی نقصان پہنچا ہے۔۔ مجھے چیک کرنے دیں۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہتے اس کی شرٹ کے بٹن کھولے۔ وہ اسے لے کر آخر کیوں جنونی ہو جاتا تھا۔۔ پہلے اسے تکلیف دیتا تھا اب خود کو دینے لگا تھا۔

جان ارحام۔۔ اگر تمھیں میرا زخم چیک کرنا ہے تمھیں یہ نائیٹی پہن کر میری لیپ پر بیٹھ کر یہ سب کچھ کرنا ہو گا۔ ورنہ تم میرے زخم کو چھو نہیں

سکو گی۔۔ ارحام اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے جکڑتے اسے جھٹکے سے پھر سے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔

ارحام یہ کیا بچپنا ہے؟ مجھے ایک نظر دیکھنے دیں۔۔ ابھی آپ کو نجیکشن اور پین کلر میڈیسن کے اثر سے درد اتنا محسوس نہیں ہو رہا۔۔ جیسے میڈیکشن کا اثر ختم ہو گا آپ کے لیے یہ درد نا قابل برداشت ہو جائے گا۔ حور ڈبڈبائے لہجے میں کہتے اس سے دور ہوئی۔ اس کے کندھے پر سرخ رنگت اس کی جان نکال رہی تھی

ابھی تو تمھاری دوری نا قابل براشت ہو رہی ہیں۔ تمھارا گریز تکلیف دے رہا ہے۔۔ تم اس نایٹی کو پہننے سے انکار کر کے میری حق ملیکت کو چیلنج کر رہی ہو۔۔ تم صرف میری ہو یہ تمھارے ساتھ گزرے پانچ ماہ میں تمھاری فرمانبرداری نے مجھ پر باور کروایا۔ تمھاری اسی فرمانبرداری سے عشق

ہوا۔اب تم اتنا ہی مجھے بار بار خود سے جھٹک کر مجھے تکلیف دیتی ہو۔۔خود کو مجھے سونپ دو حور ریہ کہہ کر کہ تم صرف میری ہو۔۔تم صرف میری ہو حور۔۔ورنہ قسم کھاتا ہوں حور اپنے سٹیچز اپنے زخموں کو خود ہی نوچ ڈالوں گا۔کہہ دو تم صرف ارحام خانزادہ کی ہو۔۔تم پر تمھارا خود کا بھی حق نہیں۔۔صرف تمھارے مسٹر خان کا ہے۔۔وہ اسے گردن سے نرمی سے دبوچے کبرڈ سے لگائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جنونیت سے بولا۔

مم میں صرف ارحام آپ کی ہوں۔حور ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولتے گھبرائی تھی۔۔اس کی جنونیت سہنا سچ میں مشکل تھا۔

حور کی بات پر وہ پر سکون ہوا۔

پہنو گی یا پہناؤں میری جان۔۔۔ارحام نے اس کے کان میں جھکتے بے باک سرگوشی کرتے اس کی گہرائیوں کو چھیڑتے پے باک گستاخی کی.

آپ۔۔۔ہی۔۔۔۔پہنا۔۔۔دیں۔حور اس کے سینے میں سمائے بمشکل ٹوٹے لفظوں سے بولی

وہ اس کے سامنے کہاں یہ پہن سکتی تھی۔وہ تو اس کے حصار میں اس کی بے باکیوں سے لرز رہی تھی۔اس کے سامنے کیسے پہنتی۔۔

اٹس مائی اونر مادام۔۔۔ٹھیک کیا مجھ پر چھوڑ کر رات گہری اور سرد ہے ۔جب جذبوں میں اتنا طلاتم برپا ہو اتنی دیر نہیں کرنی چاہیے۔۔۔تم یہ نایٹی پہننے میں دیر کرتی مگر میں نہیں کروں گا۔

ارحام مسکراتے ہوے کہتے اس کے عبائیہ کو ایک جھٹکے سے ریموو کر گیا تھا۔حور سرخ پڑتے اس کی کمر کے گرد حصار مضبوط کرتے اس کی چوڑے سینے میں خود کو چھپا گئی تھی۔۔۔ارحام مسکراتے ہوے ہاتھ بڑھا کر سوچ لائٹ آف کر گیا۔۔۔ڈریسنگ روم میں گھپ اندھیرا چھایا تھا۔

تمھارا کمفرٹ میرے لیے سب سے پہلے جان ارحام۔۔ میں تمھیں بلینکنٹ میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ ابھی تمھارے لرزتے بدن اور تمھاری دھڑکنوں کو تو قابو کر لوں۔ وہ اسے کمر سے اوپر کو اٹھائے اس کی کی ٹانگوں کو خود کے گرد لپیٹتے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے مزید اس کی دھڑکنوں کو منتشر کر گیا تھا۔

ارحام۔۔۔۔ حور کی دبی دبی سسکیاں گونجتے ارحام خانزادہ کو مدہوش کر رہی تھیں۔۔ وہ بے باکی سے اس کے بدن کو چھوتے اس کی گہرائیوں میں اپنی جنونیت رقم کر رہا تھا۔

حور کے ہاتھ بے اختیار اس کے گھنے بالوں کو چھو گیے تھے۔۔ اس کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ وہ اسے سچ میں محسوس کر رہی تھی۔

ایسے نہیں میری جان۔۔۔۔ یہ رات بھی میری یہ جگہ بھی میری اور یہ وقت بھی میرا اور تم بھی میری۔۔۔۔ آج تمھاری خوبصورتی کا بھرپور حق ادا کروں گا۔ تمھیں سر سے پیر تک چوم کر۔۔۔۔۔ ارحام نے اسے زمین پر اتارتے وہ نازک سی نائٹی اسے پہنائی۔۔۔ اس سے پہلے وہ لائٹ آن کرتا حور پھر سے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ ارحام کی گہری بے باک نگاہوں کو وہ سہن نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

ارحام نے لائٹ آن کرتے اسے خود سے الگ کرتے اسے استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھا۔ باریک نائٹی سے نظر آتی اس کی گہرائیوں پر اپنی شدتوں کے نشان دیکھتے ارحام پر مدہوشی چھائی تھی۔ وہ اسے پھر سے ہاتھوں سے بے باکی سے چھو گیا تھا۔ حور نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ بہت مشکل تھا مقابل کی بے باکیاں برداشت کرنا

ارحام نے کبرڈ کی طرف بڑھتے اس میں سے میڈیکل باکس نکالتے اسے پکڑایا۔

حور نے لرزتے ہاتھوں سے ارحام سے وہ لیا۔۔ارحام اپنی پینٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالے اسے سلگائے صوفے کی جانب بڑھا۔۔

حور گہرا سانس بھرتے آہستگی سے قدم بڑھاتی ارحام کی طرف بڑھی۔جو صوفے پر بیٹھے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے گہری نگاہوں سے بہت بے باکی سے دیکھ رہا تھا۔ویسی ہی گہری گرم نگاہیں جو اس کی سانسیں روک دیتی تھیں۔

اس کی نگاہیں اپنے بدن کے نشیب و فراز پر محسوس کرتے حور نے اپنی نائیٹی ذرا سی نیچے کی طرف کھسکائی۔۔

حور ڈونٹ۔۔۔۔۔۔ارحام نے حکمیہ لہجے کہتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔اس کے حکم پر حور کی جان جل کر رہ گئی تھی.

اس طرح ہی وہ حق جماتا تھا۔اپنی قربت میں وہ خود کو ذرا سا چھولے برداشت نہیں کر سکتا تھا

اس کی گہری نگاہیں اپنے بدن کے آر پار ہوتے محسوس کرتے وہ گلاب کی طرح سرخ ہوتے لرز رہی تھی

حور اس کی طرف بڑھتے اس سے دو قدم کے فاصلے پر رکی۔اس نایٹی میں وہ اس کے لیپ پر کیسے بیٹھ کر اس کی ڈریسنگ کر سکتی تھی۔۔وہ کیا کیا گستاخیاں نہیں کرے گا۔۔وہ سوچ کر ہی اس کا دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا۔

حور کو رکتے دیکھ کر ارحام اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوے ایک جھٹکے سے اپنی لیپ پر بٹھا گیا۔

حور نے بمشکل خود کو اس کے سینے میں سماتے روکا تھا۔ وہ اس کے زخمی کندھے سے ٹکرا سکتی تھی.

حور نے اسے بے اختیار گھور کر دیکھا۔ حور کے گھورنے پر ارحام کا بلند بانگ قہقہ بلند ہوا۔

میری نازک سی بیوی۔۔۔۔ شیر کی کھچار میں بیٹھ کر اس سے دشمنی نہیں لیتے۔۔ ارحام نے اس کی لرزتی جھکتی پلکوں اور اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے اس پر چوٹ کی۔

کیا کر لے گا یہ شیر آخر۔۔۔ جو اسے چاہیے وہ دے تو رہی ہوں۔ میں کونسا دشمنی لے رہی ہوں۔ حور آہستگی سے بولتے اس کی شرٹ کے بٹن کھولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسا گئی تھی۔ ارحام اس کے اقرار پر پرسکون ہوا۔ وہ دانستہ طور پر کچھ نہ کہتے بھی کہ چکی تھی۔۔

ابھی کہاں لیا؟؟ کچھ ابھی تو پوری رات باقی اور وصولی بھی ان نو مہینوں کی جدائی کا حساب آج تم سے لوں گا۔ ارحام اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کھینچتے مدہوشی سے بولا۔۔

ہوٹل کے کمرے میں آپ آٹھ مہینوں کی جدائی کا حساب مجھ سے لے چکے ہیں۔۔۔ بہت اچھے سے وصولا تھا ایک ایک پل۔۔ حور نے اس کے کندھے پر لگی پٹی نرمی سے ریمو کرتے اس کے سٹیچرز سے خون رستا دیکھ کر اس پر پائیوڈین لگاتے وہاں نرمی سے کاٹن رکھی۔۔

وہ تو آٹھ مہینوں کی جدائی کی وصولی تھی۔ آج نو مہینوں کی جدائی کی وصولی لوں گا۔۔۔ آج تم پر ترس بلکل نہیں کھاؤں گا۔ تمھیں بتاؤں گا۔ وصل کے بعد فرقت کی تڑپ کیسی ہوتی ہے؟؟۔ وہ اس کی کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا۔

خود ہی چھوڑ کر آئے تھے مجھے شاہ مینشن۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً شکوہ کیا۔

کیوں آنسو بہاتی ہو میری قربت میں؟؟ ارحام نے جوابًا شکوہ کیا۔ اس کا آنسو بہانا اپنی قربت میں کتنی تکلیف دیتا تھا وہ اسے کیسے سمجھاتا۔

وہ تو آج بھی بہاؤں گی تو کیا ہر بار مجھے خود سے دور کر دیں گے۔۔ حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

کیوں بہاؤ گی آنسو؟؟ ارحام نے سلگتے ہوے پوچھا۔

آپ کو سہن کرنا آسان ہے کیا ارحام؟ یہی کہتے تھے کہ میں ٹھہری نازک سی لڑکی اور آپ پہاڑی خان وہ بھی تجربہ کار۔۔۔ آپ کو سہن کرنا میرے بس کی بات نہیں۔۔ حور کی بات پر ارحام نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ اس کی باتوں کو یاد ابھی بھی رکھے ہوے تھی۔۔

لیکن تم نازک کہاں رہی میری جان۔۔ تمھاری نازکی میں ختم تو کر چکا ہوں۔ اور تم سچ میں ایک پہاڑی خان کے چنگل میں پھنس چکی ہو۔۔ کہا تھا تم سے تم اونچی حویلی والی میں اب تم ہمیشہ رہو گی۔۔ تم میری پناہوں سے نکل نہیں پاؤ گی۔ آگئی ناں میری پناہوں میں خود اپنی مرضی سے۔۔۔ مجھے سہن کرنے۔۔ آنسو بہاؤ یا روتی گڑگڑاتی رہو مگر اب تمھیں کبھی خود سے دور

نہیں جانے دوں گا یاد رکھنا۔ ارحام اس کے ڈمپل والی جگہ پر لب رکھتے گھمبیر آواز میں بولتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

سگریٹ اب اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔۔

حور نظریں جھکائے بمشکل ہی اس کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔ اس کی بے باکی اپنی کمر پر محسوس کرتے وہ سرخ پڑتے خاموش ہو گئی تھی۔ ارحام کا ایک ہاتھ کچھ زیادہ ہی بے باکی دکھاتے اس کے بدن کو چھوتے اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔

ارحام نے اس کے جھکی نظریں اور اس گلاب عارض کو دیکھتے مسکراتے ہوے سگریٹ لبوں میں دبایا۔ اسے آج اپنی بیوی سے وہ ساری فرمائشیں پوری کروانی تھی وہ جو نو مہینے تڑپتے ہوے سوچتا رہتا تھا۔ کبھی تو وہ حق سے اس کے لبوں سے سگریٹ نکالے۔۔

ارحام مجھے سگریٹ پینے والے مردوں سے نفرت ہے۔۔ حور نے کہتے سگریٹ اس کے منہ سے نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ارحام نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے روکا تھا۔ حور نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

میں یہ سگریٹ ایسے نہیں چھوڑوں گا۔ نہ میں چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔۔ جب جب میں سگریٹ لبوں میں دباؤں گا تم اسے میرے لبوں سے نکال کر اپنی سانسوں سے میری سانسیں انہیل کرو گی۔ یہی ایک طریقہ ہے کہ میں یہ سگریٹ چھوڑ دوں۔۔ کیونکہ ایک نشہ چھوڑنے کے لیے تمھاری سانسوں کو نشہ بن کر میرے اندر ترنا ضروری ہے۔۔ ارحام اسے بالوں سے جکڑے اپنے مقابل کرتے اس کے لبوں پر جھکے اپنی سانسوں میں گھلی سگریٹ کی مہک اس کے اندر اتارنے لگا۔۔ وہ اس کی شدت میں ساتھ دیتے اس کی

انگلیوں سے وہ سگریٹ لیتے زمین پر پھینک چکی تھی۔۔ ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اسے اپنی لیپ سے اٹھایا۔ صوفے سے اٹھتے اسے اپنی گود میں اٹھایا۔ حور مسکراتے ہوے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔

ارحام اس کی پیشانی پر لب رکھتے ڈریسنگ روم سے نکلتے کمرے کی جانب بڑھا۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر جھکا۔ حور اس کے برہنہ سینے پر انگلیاں پھیرتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔ ارحام کا ہاتھ بے باکی سے اس کے بدن پر سفر کرتے اس کے عارض پر آیا۔

تیار ہو جان۔۔۔ ارحام نے اس کی عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے بھاری ہوتی سانسوں سے پوچھا۔ وہ اس حلیے میں اسے کے اندر آگ لگا چکی تھی۔

۔وہ کب سے خود پر قابو پائے اپنے جذبوں پر حور کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کی جنون خیزیوں سرخ آنکھوں سے ڈرتی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں بھی خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اب اسے بیڈ پر اپنی پناہوں میں دیکھتے وہ خود پر کنٹرول نہیں کر پایا تھا۔۔ سانسیں دہکتا تندور بنی تھیں۔ آنکھوں میں خمار کی سرخی چھائی تھی۔۔ حور ارحام کی سانسوں کی بے ترتیبی اور اس کا دہکتا پن محسوس کرتے اس کے حصار میں لرز اٹھی۔

ارحام۔۔۔ حور نے سرخ پڑتے اسے روہانسے ہوتے پکارا۔۔

مگر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی وہ اس کے چوڑے سینے میں سمائی۔۔۔۔

میری جان۔۔۔۔ تمھیں میری جنونیت برداشت کرنی ہو گی۔۔ مگر وعدہ کرتا ہوں تمھارے آنکھوں سے نکلتے موتی اپنے لبوں سے چن لوں گا۔ آج تمھاری سسکیوں میں خوف نہیں سکون بھی ہو گا۔۔ جنون ہو میرا ۔۔۔۔ مزید نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔۔۔۔ اس وقت تمھیں میری پناہوں میں خود کو سونپنا پڑے گا۔

وہ گھمبیر آواز میں گویا ہوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسوں کو شدت سے پیتے اس کے زبان کو اپنے لبوں میں جکڑے اپنی جنونیت دکھانے لگا۔۔ اس کے لبوں کو آزاد کرتے وہ اس کی گردن پر لو

بائٹ بناتے اب اسے جامنی کر رہا تھا۔ حور کے نازک ہاتھ ارحارحام کی برہنہ کمر پر مضبوطی سے جمے تھے.

وہ اس کی دودھیا گردن پر اپنی جنونیت دکھاتے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ تھا۔ کبھی نرمی سے چومتا کبھی اپنی گھنی بئیرڈ کی چبھن اسے بھرپور انداز میں روشناس کرواتے اپنی بئیرڈ مسلتے اس کی گردن پر دیے گئے نشانوں پر میٹھی سی اسے جلن دیتا۔۔ حور اس کے نرمی سے چومنے پر پر سکون ہوتی وہ وہاں اپنی گھنی بئرڈ مسلنے لگتا۔ وہ ہلکا ہلکا سسکتی تو وہ اپنے دانتوں کا دباؤ بڑھانے لگتا۔۔ حور کی دبی دبی سسکیاں کمرے میں گونجتی اسے مدہوش کر رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر سے صرف اس کی گردن کو اپنی جنونیت کا نشانہ بنا رہا تھا کہیں اور اس کی توجہ ہی نہ تھی۔۔

میری جان۔۔۔۔۔ آگے بہت کٹھنائیاں ہیں برداشت کر لو گی ناں اپنے پہاڑی خان کو۔۔۔ ارحام نے اس کی بے ترتیب سانسوں کی مہک اپنے اندر اتارتے اس کے کان میں جھکتے گھمبیر لہجے میں استفسار کرتے آئی برو اچکاتے اپنی مدہوشی بھری آنکھیں حور کی گلابی نشیلی آنکھوں میں گاڑھیں۔

حور سرخ پڑتے اس کے سینے سے لپٹی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے کبھی ہاں نہیں کہہ سکتی تھی۔

ارحام اسے خود سے لپٹائے خود کو تکیے پر گرائے اسے اپنے اوپر کر گیا۔

حور کے لرزتے بدن کو وہ اپنے سینے میں میں سما گیا تھا۔۔

مجھے محسوس کرو گی تو میری جنونیت سے ڈرو گی نہیں۔۔نہ تمھاری آنکھوں سے آنسو بہیں گے۔۔ آج میری شدتوں میں صرف یہ محسوس کرنا کہ تمھارا پہاڑی خان تمھارے لیے کتنا جنونی ہے تو تم ڈرنے کی بجائے خود کو خوش قسمت تصور کرو گی۔۔جان ارحام۔۔۔۔

حور اس کی باتوں پر پر مزید اس کے ساتھ لپٹی۔۔وہ اسے کیسے برداشت کرے گی وہ مزید کانپی تھی۔۔ہوٹل کا روم یاد آیا تھا پانچ مہینے کمرے میں گزرے پل یاد آئے تھے۔۔اسے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

جان ارحام آجازت دو۔۔تم میں سما جاؤں۔۔ارحام نے گھمبیر آواز میں بولتے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

حور نے حیران ہوتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔آج ہی آجازت مانگ رہا ہوں۔آیندہ بنا پوچھے تم میں سماؤں گا۔۔کسی ڈر کی وجہ سے آج اقرار میں

سر مت ہلانا حور۔۔۔ اگر ڈر ہے تو وعدہ کرتا ہوں۔۔۔ چاہیں میری سانسیں رک جائیں میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔۔ مگر آج تمھارا اقرار چاہیے۔۔ آج تم مجھے اپنی بانہوں میں بے جان گڑیا کی طرح نہیں چاہیے ہو۔۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے محسوس کرو میری طرح۔۔ ارحام اس کی آنکھوں میں جھانکتے جیسے التجا کر رہا تھا۔ اگر وہ اسے پیچھے ہٹنے کو کہتی وہ واقعی میں جان سے جاتا۔۔

حور نے نظریں جھکائے اس کے سینے پر نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔۔ اس کی گردن میں اپنا چہرہ چھپاتے وہاں اپنے دانت نرمی سے گاڑھے۔ ارحام مدہوش ہوتے آنکھیں میچ چکا تھا۔ بدن کا رواں راوں جیسے بے تاب ہوا تھا۔

اس سے زیادہ سچ میں آپ کی حور بے باکی نہیں دکھا سکتی۔۔ آپ کو بہت شوق ہے اپنی گردن کے نشان گھر والوں سے چھپانے کا۔ مگر آپ کا یہ شوق

کبھی نہیں پورا ہو گا۔ کیونکہ آپ صرف میرے ہیں۔ تیسری شادی نہیں کر سکتے آپ۔۔۔ حور اس کے کان میں جھکتے مدھم آواز میں سرگوشی کر گئی۔۔

ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔ حور مسکراتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپائے اس سے لپٹی۔

میری جان۔ مجھے ضرورت نہیں پڑے گی۔ مگر وعدہ کرتا ہوں تم ہر روز سب سے اپنا آپ چھپاتی پھرو گی۔۔ تمھارے بدن کے ہر حصے پر اب میرے دیے گئے نشان ہوں گے۔ تمھاری اتنی سی بے باکی مجھے تمھارے لیے پاگل کر چکی ہے۔ اب تم بھگتو گی ساری رات اپنے خان کو۔۔ پناہ مانگو گی مجھ سے۔۔۔ وہ اسے بیڈ پر پٹختے اس کے اوپر آتے اسے مکمل طور پر اپنے قابو کر گیا تھا۔ اس کے وجود کو ہر پردے سے آزاد کرتے خود بھی اسی کی

حالت میں آتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیتے اس میں سمائے اپنے اوپر کمبل اوڑھتے اس میں مکمل غروب ہوا۔

حور کی بلند چیخ پر وہ اس کے لبوں پر اپنے لبوں کا دباؤ بڑھاتے اسے پر سکون کرتے اپنی شدتیں بڑھانے لگا۔۔

گزرتی رات کے ساتھ اس کی شدتیں بڑھ رہی تھیں۔وہ بنا حور کو ہرٹ کیے اس کے بدن کے ہر حصے پر اپنی جنونیت رقم کر رہا تھا۔

ارحام۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔حور نے گہری رات کے ختم ہونے پر سسکیاں بھرتے اس سے التجا کی تھی۔۔وہ مزید اس سے برداشت نہیں کر پا رہی تھی ۔وہ سچ میں اسے لیے جنونی تھا اپنے کندھے کا زخم بھولا ہوا تھا۔اسے اس کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

نو۔۔۔۔۔۔نو۔۔۔۔۔جان۔۔۔۔ارحام۔۔۔آج تم پر رحم کھانے کا مطلب ہے خود پر ظلم کرنا۔۔یہ آٹھ مہینے بہت ظلم کر چکا ہوں۔ تمھیں بھی تو پتہ چلنا چاہیے۔۔تم نے مجھ پر کیسے کیسے ظلم کیا ہے۔۔اب تم ہر روز میری پناہوں میں محسوس کرو گی کہ تمھارا پہاڑی خان تمھارے لیے کتنا پاگل ہے۔۔ارحام اپنی شدت بڑھاتا اس کی کان کی لو دانتوں سے کھینچتے غراتے ہونے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے کھڑکیوں سے صبح کی روشنی پھوٹتے دیکھ کر ریموٹ سے ان پر بھاری پردے گرا چکا تھا۔کمرے میں ایک بار پھر سے رات کا سماں تھا۔اور ارحام کی شدتیں بے باک اور مزید گہری ہوئیں تھیں۔۔حور راہ فرار نہ پاتے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔۔وہ مسکراتے ہوے مزید اسے خود میں سماتے اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں پیوست کر گیا تھا۔۔

حیدر خان کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا فرشتے دراب کو گود میں لیے فیڈ کروا رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز اور بھاری قدموں کی دھمک محسوس کرتے فرشتے کی نظریں بے اختیار سامنے اٹھیں۔

حیدر خان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر فرشتے کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہوئی تھی۔۔ پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔

وہ سفید شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس وقت سیاہ چنٹوں والے لانگ پٹھانی فراک میں ملبوس تھی جس کے اگلے سارے بٹن کھلے تھے۔ جس سے اس کی گہری رعنائیاں پوری طرح عیاں تھی۔ براؤن سلکی چمکتے لمبے بال کمر پر بکھرے تھے۔

وہ ابھی تک دراب کے منہ میں فیڈ دیے ہوے تھی۔ وہ اس کے ساتھ لپٹے اپنی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ زاراب پاس لیٹے انگوٹھا منہ میں ڈالے ہاتھ پیر مارتے کھیل رہا تھا۔

فرشتے گہرے سانس بھرتے گلابی آنکھوں سے لرزتے ہوے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

جو دروازے کے پاس کھڑا ایک ہاتھ میں پسٹل اور دوسرے ہاتھ میں سگریٹ لیے اسے اپنی سرد سرخ آنکھوں سے دیکھے جا رہا تھا۔ کمرے میں

گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک سنائی دینے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی گہری ہوتی سانسیں گونج رہی تھیں۔

حیدر خان بند دروازے سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے بے آواز رب کا شکریہ ادا کر گیا تھا۔ اپنے ہوٹل سے یہاں تک راستہ اس پر کافی بھاری تھا۔ اگر وہ یہاں بھی نہ ہوئی تو وہ یہ سوچ کر کتنی بار مرا تھا۔

فرشتے کی سانسیں حیدر خان کو دیکھ کر اب خوف سے رک رہی تھیں۔

فرشتے نے کانپتے ہاتھوں سے دراب کو خود سے پیچھے کرتے جلدی سے اپنے فراک کے بٹن کانپتے ہاتھوں سے بند کیے۔۔ حیدر خان کے سامنے وہ اس حلیے میں مرنے والی ہو گئی تھی۔

دراب پوری شدت سے اسی لمحے اونچی آواز میں رونے لگا تھا۔۔

دودھ پلاؤ خانم میرے بیٹے کو۔۔۔ حیدر خان کمرے کا دورازہ لاک کرتے غرایا۔۔ اس کا گریز اسے پل میں مشتعل کر گیا تھا۔

دراب کی کنڈیشن سے بھی واقف تھا۔ اس کی کیا حالت ہوتی تھی وہ جانتا تھا۔

فرشتے لرزتے ہوے حیدر خان کو دیکھے جا رہی تھی۔ حیدر خان کے غصے سے وہ بخوبی واقف تھی۔ اس وقت اس کے اشتعال بھرے چہرے سے بخوبی عیاں تھا وہ کس قدر درد و تکلیف کے ساتھ غصے میں بھی ہے۔

فرشتے نے گہرے سانس لیتے اپنے صوف پر قابو پاتے خود کو باور کروایا تھا کہ وہ حیدر خان کی صرف خانم نہیں اس کے دو بیٹوں کی ماں بھی ہے۔

فرشتے پاس پڑی شال خود پر اچھی طرح لپیٹتے ایک ہی جھٹکے سے بیڈ سے اٹھی۔

دراب اب گلہ گلہ پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔۔اس کے ساتھ زراب بھی رونے لگا تھا۔

یہ۔۔۔ ممم۔۔

میرے۔۔بیٹے۔۔۔۔ہیں۔۔۔۔۔خان۔۔۔۔ان۔۔۔کو۔۔۔دودھ۔۔

۔مم۔۔میں۔۔تب

ہی۔۔۔۔پلاؤں۔۔۔۔۔گی۔۔۔جب۔۔۔آپ۔۔۔۔یہاں۔۔۔سے

۔۔۔۔جائیں۔۔۔۔گے۔۔فرشتے نے ٹوٹے لفظوں سے اونچی آواز میں کہتے اپنی حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔مقابل کے غصے اور جاندار پرسنیلٹی سے اس کی جان جاتی تھی۔وہ حیدر حاکم خان

تھا جو سردار ہونے کے ساتھ ساتھ آدھے سوات کا مالک تھا۔ اس کی کی بیوی اس کے بیٹوں کو اس سے دور کرتے اس کے ہی کاٹیج میں رہ رہی تھی۔ جانتی تھی وہ اس کی یہ غلطی معاف نہیں کرے گا۔

حیدر خان نے آگے بڑھتے دراب زراب کو ایک نظر دیکھا۔ آنکھوں کی سرخی کے ساتھ ساتھ وہاں نمی نے بھی شدت اختیار کی تھی۔ حیدر نے بمشکل خود پر قابو پاتے دراب زراب کے انگوٹھے کو باری باری ان کے منہ میں دیا

وہ اسی پل ٹانگیں مارتے اپنے انگوٹھوں کو سکنگ کرتے خاموش ہوے تھے۔

فرشتے گہرے سانس لیتی حیدر خان کو دیکھ رہی تھی ۔وہ اپنے بیٹوں پر جھکتے دونوں کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے انھیں نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے پل وہ بھاری قدموں کی دھمک سے ایک ہی جھٹکے سے فرشتے کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا۔ وہ اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔ حیدر خان کے جسم سے اٹھتی اس کی سٹرونگ پرفیوم اور اس کے بدن سے اٹھتی اس کی مخصوص مردانہ خوشبو کو فرشتے اپنی سانسوں میں گھلتی اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئیں۔ مقابل کی پرسنیلٹی کے ساتھ ساتھ اس کے بدن سے اٹھتی اس کی مخصوص خوشبو بھی جان لیوہ تھی۔ حیدر خان اس کے وجود کے گرد یکدم اپنا حصار مضبوط کرتے اسے خود میں سختی سے بھینچ گیا۔ فرشتے کی نازکی اس کے سینے سے چپ ہوئی تھی۔ فرشتے کی دھڑکنیں حیدر خان کو اپنے سینے میں بجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

۔وہ اس کی نازک کمر پر اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار مضبوط کرتے اسے خود میں بھینچتے جا رہا تھا۔۔ فرشتے اس کے سینے سے لگے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ اس کا حصار مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا۔ فرشتے کو اب اپنا سانس گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ مگر حیدر خان اسے مزید سختی سے خود میں بھینچے جا رہا تھب۔

فرشتے نے اس کے چوڑے سینے میں سماتے بمشکل سانس لینے کی کوشش کی۔

کوشش بیکار ہے خانم۔۔ اب تم میری بانہوں میں ایسے ہی قید رہو گی ۔جہاں تم سانس بھی میری مرضی سے لو گی۔

دیکھتا ہوں تمھارا وہ بھائی کیسے اب تمھیں میری پناہوں سے آزاد کرواتا ہے۔ اس نے مجھے پورا پاکستان گھمایا ہے۔ اسے میں پوری دنیا گھماؤں گا۔ مگر

وہ اب کبھی تم تک پہنچ نہیں سکے گا۔ حیدر حاکم خان کی خانم اور اس کے بیٹوں کو دور کیا اس نے۔۔ اب اس کی سزا ہر پل تم پاؤ گی۔۔ میری جان لیوہ قربت میں رہتے ہوے۔۔۔ وہ اسے ایک جھٹکے سے خود سے دور کرتے اس اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔ اس کی سفاک شدت پر فرشتے کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی تھی۔

وہ اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کے لبوں پر ہاتھ جماتے اس کی ٹھوڑی پر اپنے دانت اور بھی شدت سے جما گیا۔

فرشتے نے سسکتے ہوے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے خود سے دور کرنے کی ناکام سعی کی۔ وہ اس کے مزید قریب ہوتے اس کی ٹھوڑی کے تل پر مزید اپنی جنونیت دکھانے لگا۔۔ یہ تل اس کی عذاب سرد راتوں کا دشمن

تھا۔ جس نے ایک پل کے لیے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ حیدر خان نے اسے اپنی شدت سے آزاد کرتے اس کے لبوں سے اپنا مضبوط ہاتھ اٹھایا۔ مگر اسے اپنے حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔ اس کے گرد دیوار پر وہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے اپنی دیو جیسے حصار میں قید کیے ہوے تھا۔ حیدر خان کا چوڑا سینہ فرشتے کے نشیب و فراز کو بے باکی سے چھو رہا تھا۔۔ حیدر خان مزید اس کی نازکی پر اپنے سینے کا دباؤ ڈالتے اس کے چہرے کے مزید قریب ہوتے اس کی براؤن بڑی بڑی ہرنی جیسی خوفزدہ آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں گاڑھ گیا۔ وہ اب بہتے آنسوؤں سے سسکتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان کی سیاہ آنکھیں اب اس کی ٹھوڑی پر تھیں۔ اس تل کی وہ رنگت کچھ لمحوں میں بگاڑ چکا تھا۔

کیا ہوا خانم ؟؟ اتنا سسک کیوں رہی ہو ؟؟ بہت بار تمھارے بدن کے ہر تل کی رنگت اپنی جنونیت سے بدل چکا ہوں ؟؟ آج یہ سسکیاں یہ آہیں کیوں ؟؟ اپنے خان کی جنونیت سے واقف ہو تم ؟؟ حیدر خان نے نرمی سے اس کے سیاہ گھنگور تل پر اپنی انگلیاں رکھتے اس کی براون پر کشش آنکھوں میں جھانکتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

خان آپ کی قربت میں آپ کی جنونیت آپ کی شدت اپنی مرضی سے سہتی رہی ہوں۔ کیونکہ آپ کی جان لیوہ قربت میری زندگی تھی۔ مگر اب یہ میرے لیے صرف اذیت ہے۔۔ زبردستی ہے۔ زبردستی کریں گے تو میری دردناک چیخیں اور آہیں ہی سنائی دیں گی۔۔ فرشتے نے بمشکل حیدر خان کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ حیدر خان کی برفیلی سرخ آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا اس کے لیے۔۔ اس کے حصار میں اس کی

رنگت انار کی طرح دہک رہی تھی۔ حیدر خان کی سلگتی سانسوں کی امد ورفت کی وجہ سے اس سے سانس لینا دو بھر ہو رہا تھا۔

وہ اس پر جھکے اس کے تل پر ہی اپنی گرم سلگتی سانسیں چھوڑتا اس کے تل کو سلگا رہا تھا۔ جو وہ اپنی شدت سے نیلاہٹ ذدہ کر چکا تھا۔

خان۔۔۔ حیدر خان فرشتے کے لبوں سے لفظ خان استھزائیہ ہنسی ہنسا ۔ دوسرے پل وہ ہنستا چلا گیا تھا۔۔ فرشتے اسے حیرانگی سے اسے یوں پاگلوں کی طرح ہنستا دیکھ رہی تھی۔

خان۔۔۔ فرشتے نے اسے یوں ہنستے دیکھ کر پریشانی سے اسے پھر سے پکارا۔

وہ اب دور ہوتے اپنی نم آنکھیں اپنے بازو سے رگڑے چھت کی طرف دیکھتے استھزائیہ ہنسا۔۔اس کی آنکھوں میں گیلا پن دیکھتے فرشتے اب پریشان ہوئی تھی۔۔وہ پانی تھا آنسو وہ سمجھ نہیں پائی تھی

خان۔۔۔فرشتے بے قرار ہوتے اسے پھر سے پکار اٹھی۔

مت پکارو مجھے خان۔۔۔نہیں ہوں میں تمھارا خان۔۔۔خانم۔۔حیدر خان اس کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں گاڑھتے غرایا۔

خان۔۔۔فرشتے کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے تھے۔حیدر خان کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر اسے یقین نہیں آرہا تھا۔اسے یہ نم آنکھیں دیکھتے حیدر خان سے مزید خوف محسوس ہوا تھا۔یہ۔

آنکھیں گلیشیر کی طرح سرد تھیں۔ جو سرخ نم زدہ تھیں مگر ان میں درد و کرب بھی تھا۔

یہ سرد پن فرشتے کو اپنی روح میں اترتا منجمند کر رہا تھا۔ وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا۔ اس کی ہنسی بھی اس کی طرح سرد اور برفیلی تھی۔

خان ہوں تمھارا ہاں بولو۔۔۔ حیدر خان اس کا جبڑہ اپنے آہنی ہاتھ میں سختی سے دبوچ گیا۔

خ۔۔۔خ۔۔۔۔خان۔۔۔۔ فرشتے نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا جبڑہ چھڑوانے کی ناکام سعی کرتے گھٹی گھٹی آواز میں اسے پکارا۔ اس کی سخت کھردری انگلیاں اس کے نازک گالوں جیسے گڑھ رہی تھی۔۔

خانم ہو میری تم ہاں بولو جواب دو۔۔ حیدر خان اس کے کان میں جھکتے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے بے دردی سے کھینچتے غرایا۔۔ حیدر خان کی بے رحمی پر فرشتے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔۔

نہیں خانم۔۔ ان آنسوؤں سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ مت انھیں بے مول کرو۔۔ حیدر خان اس کے عارض سے گرتا آنسو اپنی انگلی کے پوروں سے چنتا استھزائیہ مسکرایا تھا۔

فرشتے کے جبڑے سے اپنا اہنی ہاتھ ابھی تک نہیں ہٹایا تھا۔

تمھاری معصومیت سے دھوکہ کھا گیا خانم۔۔۔ دھوکہ کھا گیا خانم۔۔۔ حیدر اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔

دھوکہ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔نے

۔۔۔دیا۔۔خان۔۔۔ مم۔۔۔میں۔۔۔۔۔نے۔۔۔ آپ۔۔۔کو۔۔۔دھو

کہ۔۔۔ نہیں۔۔۔۔دیا۔۔۔ فرشتے اس کا مضبوط حصار اپنے جبڑے سے

ہٹاتے ہوے گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔

تمھارے نزدیک دھوکہ کیا ہوتا ہے خانم ؟؟میرے بیٹے تمھارے پیٹ میں

تھے۔۔ تم نے مجھ سے چھپایا۔ میرے بیٹوں کے اس دنیا میں آنے کے بعد

تم نے مجھ سے چھپایا۔ اب تم میرے بیٹوں کو مجھ سے دور لے آئی۔ یہ

تمھارے نزدیک دھوکہ نہیں تو کیا ہے پھر ؟؟۔۔۔بتاؤ مجھے۔۔ وہ اس کے

جبڑے پر گرفت بتدریج بڑھاتے فرشتے کی سانسیں مسلسل اکھاڑ رہا تھا۔

مجھے اپنا خان سمجھتی۔ کبھی تم میرے بیٹوں کو لے کر مجھ سے دور جانے کی

ہمت نہ کرتی۔۔ غلطی تمھاری نہیں خانم۔۔۔۔۔حیدر حاکم خان کی ہے

جس نے تمھیں اپنا آپ دکھایا ہی نہیں۔۔ اگر تم حیدر حاکم خان کے قہر سے واقف ہوتی کبھی ایسا کرنے کی نہ سوچتی۔۔ لیکن اب نہیں اب تمھیں میں اپنا اصل روپ دکھاؤں گا۔ بتاؤں گا اب تمھیں ایک خان حیدر حاکم خان اصل میں اپنی عورت کو کیسے رکھتا ہے۔ تم اب صرف میری عورت بن کر رہو گی۔ صرف حیدر حاکم خان کی عورت جو اب حیدر خان کی چار دیواری میں اس کی قربت میں رہے گی۔۔ رات کو اسے بستر پر خوش رکھے گی۔۔ اور اس کے بچے پالے گی۔۔ یہی ہو گی اب تمھاری اوقات۔۔۔ حیدر خان اس کا جبڑہ چھوڑتے پھنکارا۔

فرشتے نے دیوار میں سمائے اپنی آنکھیں میچتے بمشکل حیدر خان کے لفظوں کا زہر اپنے اندر اتارا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے آنکھیں میچے آنسو بہاتے اپنی ناقدری پر ماتم کرتے ہوے لرز رہی تھی۔

حیدر اس کے گرد اپنے ہاتھ جمائے اسے قید کیے اس کے لرزتے وجود اور بند انکھوں سے گرتے موتیوں پر اپنی کرب زدہ سرخ آنکھیں جمائے ہوے تھا۔

فرشتے کی ٹھوڑی کے سیاہ تل میں نیلاہٹ گھلی تھیں۔نازک گلاب جیسے گالوں پر حیدر خان کی انگلیوں کے نشان تھے۔

براؤن سلکی بال اس کے عارض اور ایک طرف شانے پر بکھرے تھے۔

یہی تھی اوقات میری خان۔۔۔۔یہی تھی آپ کی خانم کی اوقات آپ کی نظروں میں ہمیشہ سے۔۔پہلے بس لفظوں سے نہیں بتایا۔ آج لفظوں سے بتا کر مجھے زیادہ بے مول کر دیا۔

وہ کرب سے مسکرائی۔۔جوابًا حیدر بھی کرب سے مسکرایا تھا۔

جب تک آپ کی حویلی میں رہی۔وہاں سے کب قدم نکالا میں نے خان؟؟۔۔جب تک آپ کے پاس رہی۔ہر رات آپ کو بستر پر خوش رکھا ۔۔ایک لمحہ ایک پل بتادیں جب میں نے آپ کی کسی بات سے انکار کیا ہو۔ ۔سارادن آپ کی مورے مجھے کچن میں کھڑا رکھتی تھی۔۔ملازماؤں تک کا کھانا میں بناتی تھی خان۔۔۔۔ملازماؤں کو تو چھوڑیں خان۔۔۔آپ کی دوسری بیوی کا کھانا بنا کر اس کے کمرے میں پہنچاتی تھی۔ڈھیروں برتن دھوتی تھی۔۔لیکن رات کو آپ کے آنے پر آپ کو تیار مسکراتی ملتی تھی۔

ساری ساری رات اپنی جان لیوہ قربت سے مجھے جگاتے تھے۔۔ تھکن سے چور کسی ایک پل کے لیے میں نے آپ کو خود سے دور دھکیلا۔۔ آپ کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔ یہاں تک آپ اپنی مورے سے دوسری شادی کا وعدہ کر کے میرے بدن سے اپنی پیاس بجھاتے اپنا غم غلط کرتے رہے۔ یاد ہو گا خان۔۔ ہر روز رات ہونے سے پہلے اپنی مورے کے گھٹنے سے لگ کر دوسری شادی کے وعدے کرتے انھیں تسلیاں دیتے تھے۔۔ اور رات گہری ہونے پر میرے پاس اکر میرے جسم سے اپنا غم غلط کرتے حق ملکیت کا کھیل کھیلتے تھے۔۔ کیا تھی تب بھی میری اوقات یہی ناں کہ میں صرف بستر پر خوش کرنے والی وہ عورت تھی جس سے آپ محبت کے دعویدار تھے۔۔ کیا یہ اوقات نہیں تھی میری جو آپ مجھے اب بتانا چاہتے ہیں۔۔ فرشتے نے بہتے آنسوؤں سے قرب سے سوال کیے۔

پورا پورا بدلہ لیا تم نے مجھ سے خانم ہر ایک بات کا بدلہ گیا۔۔ پورا پورا بدلہ لیا خانم مجھ سے تم نے۔۔۔۔ میں محبت کا دعویدار تھا۔ تم بھی تو اپنے خان سے محبت کی دعویدار تھی۔۔ لفظوں سے کبھی نہیں کہا تم نے خانم۔۔۔ تمھاری آنکھوں میں خود کو قربت کے لمحات میں دیکھا ہے۔ بلکہ ہر پل دیکھا ہے ۔۔ آج بھی خود کو ہی دیکھ رہا ہوں خانم۔۔۔ حیدر خان کی آواز میں آنسوؤں کی امزش گھلی تھی۔ وہ مضبوط بنتے اپنی نم آواز پر قابو پائے ہوے تھا۔

۔ مجو خانم میری قربت میں نظریں نہیں اٹھاتی تھی۔ وہ بستر میں میری پسندیدہ نایٹیز میں میرے بنا کہے میرے پاس ہوتی تھی۔ حق ملکیت کا کھیل بھی اس لیے کھیلتا تھا اس کا احساس بھی تم نے ہی کروایا تھا۔ اوز گل پر کبھی حق ملکیت نہیں جتائی۔۔

میں کیا جانوں ؟؟ میں کیا جانوں خان ؟؟ نو مہینوں سے آپ کے ساتھ ہے۔ میں کیا جانوں خان ؟؟ کتنی بار حق ملکیت کا کھیل کھیلا ہو۔۔ میں کیا جانوں خان ؟؟ فرشتے دیوار سے سر ٹکائے سر دائیں بائیں ہلاتے آنکھیں میچے سسکتے ہوے شدت سے رو دی تھی۔۔

حیدر خان کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے عارض کا حصہ بنتے اس کی ہلکی گھنی بئیرڈ کو بھگو گئے تھے۔

فرشتے کے آنکھیں کھولنے سے پہلے وہ اپنی سرخ نم زدہ آنکھوں کو اپنے بازو سے بے دردی سے رگڑ گیا۔۔ مرد تھا اسے مضبوط بننا ہی تھا۔ وہ اپنی ماں بیوی کو اپنے آنسو نہیں دکھا سکتا تھا۔ شاید یہ آنسو دیکھتے وہ اسے کمزور سمجھتی۔۔ کمزور لفظ سے حیدر خان کو نفرت تھی اب۔۔

محبت کی دعویدار تھی خانم تم۔۔مجھے سویا سمجھ کر چومتی رہتی تھی. وہ بھی تب جب میں تمھیں اپنی شدتوں سے ہلکان کرتے تمھیں تھکا کر تمھاری طرف سے رخ پلٹ لیتا تھا۔۔سارے دن کی تھکی ہوئی میری خانم ۔۔۔میری شدتوں سے ہلکان ہوتے سوتی نہیں تھی۔بلکہ اپنے خان کو سویا سمجھتے چومتی رہتی تھی۔کتنے گھنٹے خانم ؟؟۔۔حیدر نے فرشتے کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے اپنی آئی بروا چکائے استفسار کیا۔۔

کتنے گھنٹے خان ؟؟فرشتے نے سسکی لیتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے جوابًا استفسار تھا۔

فرشتے گلابی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھتے اس کے ہلکے سیاہی مائل لبوں پر نظریں جمائے ہوے تھی۔یہ پہلے تو سیاہی مائل نہ تھے۔۔

فجر کی اذانوں تک مجھے چومتی رہتی تھی۔ تم نہیں سوتی تھی خانم تمھارا خان بھی نہیں سوتا تھا۔ وہ لمس زندگی تھا۔ م تمھارے خان کے لیے۔ تمھارے ہونٹ مجھے چوم رہے ہو ان آنکھوں میں نیند امڈ آئے یہ کہاں ممکن تھا خانم۔۔۔ حیدر خان کی آنکھیں پھر سے بھیگی تھیں۔ فرشتے کی گلابی آنکھوں میں پھر سے یہ پانی دیکھ کر تحیر ابھرا تھا۔

میں صرف تمھارا رہوں خانم۔۔۔ مجھ پر ہر وقت اپنی دعاؤں کا حصار باندھے کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھی۔ وہ نم آواز میں بولتے اسے اس کی محبت یاد دلا رہا تھا۔

مگر میری دعاؤں میں اثر نہیں تھا خان۔۔ بچپن سے نہیں ہے۔ جو مانگا وہ خدا نے نہیں دیا۔ آپ میرے نہ رہے خان۔۔ آپ میرے نہ رہے۔۔ میں جانتی تھی آپ میرے نہیں رہیں گے۔۔ فرشتے کے پاس اس کا من

پسندیدہ شخص جو روئے زمین پر آخری اور پہلا مرد ہے۔ وہ چھن گیا۔ مجھے معلوم تھا آپ میرے نہیں رہیں گے۔۔ بچپن میں مورے بابا کی زندگی کے لیے بہت دعائیں کی تھیں۔ نہیں سنی اللہ نے۔۔ مگر پھر بھی آپ کو مانگا رب سے۔۔ مگر کیا ہوا ہو گئے ناں کسی اور کے ؟؟

فرشتے تڑپتے ہوئے سسک پڑی تھی۔

تمھیں خدا نے دراب زراب دیے پھر بھی یہ کہہ رہی ہو خانم۔۔ حیدر درد و کرب سے بولتے پھیکا سا مسکرایا تھا۔ اسے خدا نے جو دے دیا تھا اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا تھا۔

ایک بار بھی نہیں مانگا خدا سے انھیں۔۔ کبھی اولاد نہیں مانگی۔۔ اگر کبھی کچھ مانگا تھا صرف اپنے حیدر حاکم خان کو؟ مگر نہیں ملا وہ مجھے۔۔ نہیں ملا مجھے۔۔ فرشتے روتے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔

۔

حیدر خان نے پھر سے اپنی نم آنکھیں بازو سے رگڑیں۔ حیدر خان نے اپنی قمیض کی پاکٹ سے سگریٹ اور لائیٹر نکالے اسے جلاتے لبوں سے لگائے سگریٹ لبوں میں دبایا۔

تمھارے رونے تڑپنے سے تمھارا گناہ چھوٹا نہیں ہو جائے گا میرے نزدیک ۔۔۔ حیدر خان اپنے اندر کا درد چھپاتے فرشتے کے چہرے پر سگریٹ کا دھواں چھوڑتے غرایا۔ اس کے بیٹوں کو اور خود کو اس سے جدا کر دیا یہ غلطی چھوٹی تو نہ تھی

گناہ کونسا گناہ؟؟ فرشتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے چیخ اٹھی.

حیدر حاکم خان سے اس کے بیٹوں اور اس کی خانم کو دور کرنے کا گناہ۔۔ حیدر اس پر جھکے دبی آواز میں چیخا دراب زراب کی وجہ سے وہ اپنی دھاڑ پر قابو پا گیا تھا۔

یہ گناہ نہیں ہے وہ بیٹے ہیں میرے۔۔ میں حق رکھتی ہوں ان پر۔۔۔ فرشتے گہرے سانس لیتے ہوئے سسکتے ہوئے بولی۔

میرے بھی بیٹے ہیں وہ۔۔ اور تم میری عورت ہو میں تم پر تم پر تم سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں۔ پھر ہمت کیسے ہوئی مجھ سے دور جانے کی؟؟۔۔ حیدر خان اس اس کا جبڑہ پھر سے دبوچے اس کا چہرہ اپنے قریب کرتے غرایا۔

اور مجھے بتاؤ خانم۔۔۔ ایک باپ سے اس کے بیٹوں کو جدا کرنا تمھارے نزدیک گناہ نہیں ہے تو میرا دوسرا شادی کرنا کیا گناہ تھا؟؟ جو تم نے مجھے اتنی بڑی سزا دی۔ حیدر خان لفظ چباتے پھنکارا۔۔

گناہ دوسری شادی نہیں۔ میرے حقوق سے نظریں چرانا گناہ تھا۔ فرشتے سسکتے ہوے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیی۔

وہ میرا گناہ ہے اس لیے مجھے سزا دے رہی ہو تم۔۔ اور تمھارے نزدیک میرے گناہ کی معافی نہیں ہے ناں۔۔ حیدر اس کی انکھوں میں دیکھتے زخمی سا بلبلاتے بولے استفسار کر گیا

نہیں ہے معافی خان۔۔ نہ کبھی کروں گی۔۔ آپ کی خانم کو آپ کے کسی لفظ پر اعتبار نہیں۔۔ آپ میرے اور میرے بیٹوں کے نہیں۔۔ صرف اپنی دوسری بیوی اور اپنی مورے کے ہیں۔۔ مجھ سے بیٹے لے کر آپ اپنی دوسری بیوی کی سونی گود ہری کرنا چاہتے ہیں۔۔ اپنی مورے کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ کل کو اوزگل سے اولاد ہو گئی تو پھر سے فرشتے کا مقام آپ کے نزیک کچھ نہیں رہے گا۔۔

فرشتے کی بات پر حیدر خان گہرے سانس لیتے اس سے دور ہوا۔ اتنی بے اعتباری خانم۔۔۔ حیدر خان نے اس کی بے یقین آنکھوں کو دیکھتے کرب سے پوچھا۔

اعتبار کب دیا خان آپ نے اپنی خانم کو؟؟ پانچ ماہ رہی آپ کے ساتھ۔۔ بے اعتباری کی سولی پر لٹکی رہی۔۔ کبھی میرے لیے آپ نے اپنی مورے کے سامنے آواز نہیں اٹھائی۔ کبھی مجھے سجدے سے اٹھا کر نہیں کہا خانم تمھارے خدا نے تمھاری سنتے تمھارا خان صرف تمھارا کر دیا ہے۔۔ خدا کو حاضر ناضر جان کر کبھی قسم نہیں کھائی۔ میرا ڈر دور نہیں کیا کہ آپ صرف میرے رہیں گے۔۔ وہ درد و کرب سے بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

حیدر خان اس سے دور ہوتے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وقت اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ سامنے کھڑی اس کی خانم کی آنکھوں میں صرف اس کے لیے بے اعتباری تھی۔۔ اوزگل اس کی زندگی میں نہیں رہی وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ اوزگل کا سچ جان کر وہ اس سے مزید بدگمان ہو جاتی اسے اس وقت اسے خود غرض ٹھہرا دیتی کہ اوزگل نہیں رہی وہ اسے لینے آ گیا۔

شکر ہے آپ نے خدا کی قسم نہیں کھائی ورنہ آپ تو اتنے کمزور انسان ہیں اپنی مورے کے لیے وہ قسم بھی توڑ ڈالتے۔ فرشتے کرب سے بولتے طنزیہ مسکرائی۔

فرشتے۔۔ حیدر خان اس کی بات کاٹتے پھنکار اٹھا۔ وہ کیا اسے اتنا کمزور سمجھتی تھی کہ وہ خدا کی جھوٹی قسم کھاتا۔ حیدر خان سے اس کی اتنی تلخ بات برداشت نہیں ہوئی تھی

آپ اتنے ہی کمزور انسان ہیں۔ آپ خدا کی جھوٹی قسم کھا سکتے ہیں۔ نکاح نبی پاک ﷺ کی سنت ہے جسے آپ نے پامال کیا۔ خدا کو حاضر ناضر جان کر مجھے اپنے نکاح میں لے کر مجھ کو خود پر حلال کیا۔ اور پھر میرے حقوق کی دھجیاں اڑا دی خان۔۔ حیدر خان اس کی باتیں سنتے نظریں جھکانے کی پوزیشن میں بھی نہ رہا تھا۔۔ وہ ساری باتیں مان چکا تھا ان باتوں پر وہ بہت بار رو چکا تھا۔

اگر آپ کی مورے حکم دیتی تو آپ اس رات میرے لالا کے بغیر بھی مجھے حویلی سے دھکے دے کر نکال دیتے۔ چاہے اس سرد رات میں آپ کی خانم

کو درندے نوچ بھی لیتے۔۔ آپ کے گارڈ بھی نوچ ڈالتے۔ آپ صرف اپنی مورے کا وعدہ نبھاتے۔۔

فرشتے... حیدر خان نے اگے بڑھتے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔ حیدر خان گہرے سانس لیتے ہوا میں معلق ہاتھ کیے اسے سرد سرخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ماریں خان۔۔۔ اپنی خانم پر ہاتھ اٹھائیں اسے بیلٹوں سے داغ دیں۔ بہت بار ہاتھ اٹھایا آج بھی اٹھائیں۔ یہی کرنے آئے ہیں۔ ہاتھ میں پسٹل پکڑے آنکھوں میں خون لے کر مجھ پر دھونس جمانے آئے ہیں۔ آپ کو اپنے عمل پر ذرا بھی آفسوس نہیں حیدر حاکم خان۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں اس رات آپ مجھے آپ اپنی مورے کے کہنے پر مجھے دھکے دے کر نکال دیتے۔۔ یہاں تک آپ کو پتہ بھی ہوتا کہ میرے پیٹ میں آپ کا خون پل

رہا ہے آپ اپنی مورے کی خاطر مجھے نکال دیتے۔۔۔میں کیوں اعتبار کروں حیدر حاکم خان آپ پر؟؟۔۔ایک بات ایک عمل بتادیں جس پر اعتبار کروں۔۔بستر پر رات کے اندھیرے میں تو ہر مرد اپنی عورت کے ساتھ اچھا ہوتا ہے۔۔اسی عورت کے ساتھ صبح کی روشنی میں مرد اپنے گھر والوں کے سامنے بھی اچھا ہو میرے نزدیک وہ مرد ہے حیدر حاکم خان ۔۔نو مہینے جب ایک عورت کو اپنے شوہر کی ضرورت ہوتی ہے۔میں نے ہر لمحہ آپ پر بے اعتباری میں گزارا ہے خان۔

کیسے اعتبار کروں؟؟۔۔کیسے اعتبار کروں۔فرشتے ایک ہی سانس میں حیدر خانم کو دیکھتے بناڈر خوف کے بولی۔

حیدر خان ہاتھ ہوا میں معلق کیے اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا ۔دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھے۔۔

آہہہ۔۔۔۔حیدر خان نے چیختے ہوے اپنا آہنی ہاتھ فرشتے کے گرد دیوار پر دے مارا۔ فرشتے منہ پر ہاتھ رکھے خوف سے سسک پڑی۔۔

آہہہ۔۔۔وہ چیختے ہوے دیوار پر ہاتھ مارتا چلا گیا تھا۔

فرشتے اس کی طرف دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔۔حیدر خان اب اپنے ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر پوری قوت سے مار رہا تھا۔۔رشتوں کی کمزوری اسے کس موڑ پر لے آئی تھی۔وہ تڑپ تڑپ کر مر رہا تھا۔فرشتے کی باتیں اسے آرے کی طرح کاٹ رہی تھیں۔

اس کا ہاتھ زخمی ہو چکا تھا وہ رک نہیں رہا تھا۔

ایک ہاتھ وہ فرشتے کے گرد رکھے دوسرے ہاتھ سے وہ دوسری اطراف میں بے دردی سے مکے مار رہا تھا۔فرشتے تھر تھر کانپتے اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔

دراب زراب حیدر خان کی چیخ اور مکے کی ضربوں پر گلہ پھاڑ پھاڑ کر اب رونے لگے تھے.

حیدر خان ان کی چیخیں سنتے رکا تھا۔ فرشتے کو اپنے حصار سے آزاد کرتے وہ پیچھے ہوا۔ فرشتے نے جلدی سے بیڈ کی طرف دراب کو اٹھاتے سینے سے لگایا۔ وہ زیادہ حساس تھا۔ ابھی بھی وہ ہچکولے بھرتے ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

ذراب کی طرف حیدر نے بڑھتے اس کے منہ میں انگوٹھا ڈالا۔ وہ صابر قسم کا بچہ تھا۔ وہ تب ہی روتا تھا جب دراب روتا تھا۔ وہ اسی لمحے چپ ہوتے انگوٹھا چوسنے لگا

مگر دراب ابھی بھی بری طرح ہچکیاں بھر رہا تھا۔ فرشتے روتے ہوے اسے تھپک رہی تھی۔ وہ چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

فیڈ کرواؤ خانم اسے۔۔ حیدر نے گہرے سانس لیتے فرشتے کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے حکم دیا۔

آپ اس کمرے سے نکل جائیں میں اپنے بیٹوں کی ضرورت پوری کر دوں گی۔۔ فرشتے سرد سپاٹ لہجے میں بولی۔

حیدر خان نے اپنی کنپٹی انگلی مسلتے خود پر قابو پایا۔ دوسرے لمحے وہ اس کی طرف بڑھتے دراب کو اس سے لے چکا تھا۔

خان۔۔۔ فرشتے نے دراب حیدر سے لینے کی کوشش کرتے اسے پکارا۔۔ حیدر نے دراب کے منہ میں انگوٹھا ڈالتے اسے بیڈ پر لٹایا۔۔ وہ

سسکتے ہوے انگوٹھا چوسنے لگا۔ حیدر نے اگلے لمحے اس فرشتے کے وجود سے چادر اتارتے صوفے پر اچھالی۔ اور اس کی کمر پر ہاتھ ڈالے اس کی قمیض کی اگلے سارے بٹن وہ ایک ایک کرتا توڑتا چلا گیا تھا۔۔ فرشتے پھٹی پھٹی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اسی لمحے اس کی فراک ا کندھوں سے نیچے کھسا گیا تھا۔ فرشتے کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔

میرے بیٹوں کو فیڈ کرواؤ خانم۔۔ ورنہ جو فراک کندھوں سے نیچے آئی ہے ۔وہ زمین بوس بھی ہو جائے گی۔ تمھارے بدن کو ہر پردے سے آزاد کر دوں گا۔ یہاں تک تمھارے نازک وجود پر یہ نازک پردہ بھی نہیں رہے گا۔ وہ اس کی سٹریپ کو بے دردی سے کھینچتے اپنے قریب کر گیا تھا۔ فرشتے

اس کے سینے میں آن سمائی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے سرخ رنگت کے بھیگی آنکھوں سے خفت و شرم سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔۔

اپنی حالت دیکھتے اس کے پلکوں پر بھاری بوجھ گر رہا تھا۔

وہ بمشکل ہی اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔۔ حیدر خان اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ محسوس کرتے اسے کمر سے مزید مضبوطی سے تھام گیا۔

میرے بیٹوں کی ضرورت پوری کرو خانم۔۔ حیدر خان حکمیہ لہجے میں غرایا۔

فرشتے نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس کے قریب اس حلیے میں نہیں کھڑی رہ سکتی تھی۔ وہ بے باکی سے چھوتے اسے مزید خفت و شرم میں مبتلا کر رہا تھا۔

حیدر خان اس پر استحاق بھری نگاہیں گاڑھتے اس کی دھڑکنوں کو بے باکی سے چھوتے آزاد کیا تھا۔ فرشتے اس کی بے باکی پر مزید سرخ پڑتے زمین میں گڑھ رہی تھی۔۔ اتنے عرصے بعد وہ اس سحر انگیز شخصیت کے سامنے اتنے بے باک حلیے میں تھی۔ اس کی دھڑکنوں نے شدت اختیار کی

اپنے فراک کو کندھوں سے اوپر کرتے فرشتے بیڈ کی طرف آہستگی سے بڑھی۔ بیڈ پر بیٹھتے دراب کو اٹھائے وہ نظریں جھکائے فیڈ کروانے لگی۔۔

حیار خان اسے دیکھتے سگریٹ کے دھویں کے مرغولے اڑاتے کمرے میں چکر لگانے لگا۔۔

فرشتے نے دراب کو فیڈ کروا کر اسے بیڈ پر لٹایا۔ اپنی فراک کے اگلے حصے کو اب وہ اپنے ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔ حیدر خان دراب کو فیڈ کروانے کے دوران بے باکی سے اس پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔

ذراب کی بھی ضرورت پوری کرو۔۔ حیدر خان نے اسے آگے سے گلہ جکڑے دیکھتے سرد لہجے میں حکم دیا۔

فرشتے گہرا سانس لیتے اپنی فراک کا اگلہ حصہ چھوڑتے ذراب کو بھی فیڈ کروانے لگی۔

حیدر خان اب دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لیتے فرشتے کو دیکھ رہا تھا۔ فرشتے لرزتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ مقابل کی گہری نگاہیں اپنے وجود پر برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔

فرشتے نے تھوڑی ہی دیر بعد ذراب کو پیچھے کیا۔۔ ذراب ذرا سا رویا تھا فرشتے نے اس کے منہ میں جلدی سے انگوٹھا ڈال دیا۔ وہ اسی لمحے خاموش ہو گیا تھا۔

ذراب کو اور بھوک لگی ہے خانم اسے مزید فیڈ کرواؤ۔۔حیدر خان کے حکم پر فرشتے روہانسی ہوئی تھی۔

حیدر خان کے سامنے فیڈ کروانا اس کی جان پر بن رہی تھی۔

مگر اس کی دھمکی یاد کرتے فرشتے روہانسے ہوتے پھر سے دراب کو فیڈ کروانے لگی۔۔وہ خود دیوار سے ٹیک لگائے ایک ٹانگ دیوار کے ساتھ فولڈ کیے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اسے دیکھ رہا تھا

ذراب کے سونے کے بعد فرشتے نے احتیاط سے اسے خود سے الگ کرتے بیڈ پر لٹایا۔

حیدر خان نے اسی لمحے فرشتے کی چادر صوفے سے اٹھاتے بھاری قدموں سے فرشتے کی طرف بڑھتے وہ چادر اس کے وجود پر اچھی طرح اوڑھائی۔۔

فرشتے نے نم نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے سینے سے اس کی چادر جکڑے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھا۔

ہم ابھی اور اسی وقت حویلی چل رہے ہیں۔ حیدر خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا جبڑہ دبوچتے سرد لہجے میں حکم دیا۔ فرشتے کی نظر اس کی زخمی انگلیوں کی طرف تھی۔ جس سے وہ اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا۔ خون سے فرشتے کے عارض نم ہوے تھے

خان میں۔۔۔۔ فرشتے نے کپکپاتے لبوں سے اسے پکارا۔ تمھارے پاس کوئی آپشن نہیں ہے میری بات ماننے کے سوا۔۔

یہاں تمھارا لالا نہیں ہے۔۔ نہ کوئی اور جو تمھیں مجھ سے بچا سکے۔۔ آج تمھیں ہر حال میں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی ۔۔ تم نے میرے ساتھ چلنے سے انکار کیا۔ میں اسی لمحے خود کو شوٹ کر دوں

گا۔خانم آزما کر دیکھ لو۔۔حیدر خان اتنا بھی کمزور نہیں ہے۔خدا کی قسم میں کبھی نہیں توڑوں گا۔

حیدر خان کی دھمکی پر فرشتے جی جان سے لرز اٹھی تھ

حیدر خان نے سوئے ہوے دراب زراب کو اپنی بانہوں میں بھرتے انھیں اپنے دونوں کندھوں سے لگایا۔۔

بابا کی جان دراب زراب آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔حیدر خان نم آواز میں بولتے انھیں اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

بیڈ سے ان کا کمبل اٹھاتے وہ نرمی سے ان پر اوڑھا گیا تھا ۔۔انھیں لیے وہ اسی لمحے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

فرشتے اچھی طرح چادر سے نقاب کرتے حیدر خان کے بھاری قدموں کی تقلید کرتے اس کی طرف بڑھی۔

اووزلہ فرشتے اور حیدر خان کو دیکھتے صوفے سے اٹھی تھی۔۔

حیدر خان اسے گھورتے فرشتے کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

اوماڑا گاڑی والا خوفناک آدمی۔۔ اورزلہ نے اسے حیدر خان کی پشت دیکھتے چیخی۔۔

حیدر خان نے پلٹتے ہوے اسے سرد نگاہوں سے گھورا۔

ہمارا مطلب ہے گاڑی والا شریف آدمی۔۔ اورزلہ حیدر خان کے گھورنے پر خوف سے گھگیائی۔

حیدر خان فرشتے کو لیے باہر کی طرف بڑھتے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے نرمی سے اندر بٹھایا۔ اسے دراب زراب پکڑائے۔ جنھیں وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے تھام چکی تھی۔

حیدر خان نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے اندر بیٹھتے اگنیشن میں چابی دیتے گاڑی سٹارٹ کی۔

اوزلہ بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی۔ اس سے پہلے حیدر گاڑی چلاتا۔ وہ اس کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے پیچھے بیٹھ چکی تھی۔

حیدر حان نے بیک ویو مرر سے اسے گھور کر دیکھا۔۔

اوماڑا ہم فرشتے کا سہیلی ہے سمجھو تم کو جہیز میں ملا ہے۔ اور زلہ کی بات پر حیدر خان نے جبڑے بھینچتے گاڑی سٹارٹ کرتے اسے حویلی کے راستے پر ڈالا۔

حور گھٹنوں تک باتھ روب گاؤن پہنے واش روم سے باہر نکلتے کمرے میں آئی تھی۔۔ ارحام شرٹ لیس اوندھے منہ گہری نیند سو رہا تھا۔۔

حور ارحام کو دیکھتے دبے قدموں سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔ وہ بہت آہستگی سے بلکہ ایک ایک قدم بہت احتیاط سے اٹھا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی یہ جن اٹھ جائے اور اسے پھر سے اپنی پناہوں میں قید کر لے۔۔ دن کے بارہ بج رہے تھے۔۔۔ ساری رات اس نے جگایا تھا۔ دو گھنٹے پہلے ہی اسے اپنی پناہوں سے آزادی دی تھی۔

وہ بھی اپنے چٹانی سینے کے ساتھ لپٹاتے خود گہری نیند سو گیا تھا۔ اس کی شدتوں سے اس کا بدن دکھ رہا تھا۔ اوپر سے اس کے پتھر جیسے سینے پر سونے کی وجہ سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ بدن کے ساتھ سر بھی دکھنے لگا تھا۔ وہ سوتی کیا؟؟ دو گھنٹے لگے اسے اس دیو کی قید سے نکلنے میں۔۔۔ راہ فرار پاتے اس نے نیم گرم پانی سے شاور لیا۔۔ اب وہ اس کے اٹھنے سے پہلے کمرے سے نکل کر پریذے کے پاس جانا چاہتی تھی۔ جس کی فکر اسے رات سے ہو رہی تھی۔۔ وہ دو دن سے درخشاں کے ساتھ تھی۔

حور دبے قدموں سے بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی کہ کمرے میں رکھے بڑے سے بڑے مجسمے سے ٹکرا گئی۔

مجسمہ اس سے پہلے زمین پر گرتا وہ اسے جلدی تھام چکی تھی۔ مجسمہ گرنے کے خوف سے وہ بری طرح لرزی تھی۔ یقیناً مجسمہ گرنے سے وہ جن ضرور اٹھ جاتا۔

مگر لبوں سے فلگ شگاف چیخ برامد ہوتے وہ خود کو روک نہ سکی۔

حور نے خوفزدہ ہوتے ارحام کی طرف دیکھا جو اس کی چیخ پر اٹھ چکا تھا۔

کیا ہوا حور۔۔۔ ارحام ہڑبراتے ہوے پریشان ہوتے سوتے سے اٹھ کر بیٹھا۔

وہ شارٹ سے باتھ روب گاؤن میں اس کے سامنے کھڑی سیاہ مجسمے کو سینے سے لگائے کھڑی تھی۔۔ اس کی سفید سڈول ٹانگوں پر اس کی شدتوں کے نشان چمک رہے تھے۔۔ ارحام کی آنکھوں میں اسی لمحے خمار کی سرخی

چھائی۔اس جن کو پھر سے خود کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے پا کر حور کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔

کک کچھ نہیں ارحام۔۔ مم میں بلکل ٹھیک ہوں۔ حور ارحام کو خود کی طرف دیکھتے خوفزدہ ہوئی تھی۔اب مجسمہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہوتے چکنا چور ہوا۔

ارحام بدحوص ہوتے بیڈ سے اٹھتے حور کی طرف بڑھا۔ حور ارحام کو خود کی طرف بڑھتے دیکھ کر زمین پر بیٹھے اپنا پاؤں پکڑے سسکنے لگی تھی۔

آہہہ۔۔۔۔ارحام۔۔ آہہہہ۔۔۔۔ حور اپنے پاؤں کو پکڑے چیخیں مارتے ہوے رو رہی تھی۔

حور کیا ہوا میری جان؟؟ ارحام نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے پاؤں کو پکڑنے کی کوشش کی۔

حور نے سسکتے ہوے ارحام کا ہاتھ ہٹایا۔۔ ارحام مجھے بہت درد ہو رہا ہے ۔۔وہ اپنا پاؤں پکڑے باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہی تھی۔۔

حور مائی لو مائی جان۔۔ مجھے دیکھنے دو گی تو پتہ چلے گا کیا ہوا ہے۔ ارحام نے پریشانی سے کہتے حور کا پاؤں پکڑا۔۔

آہہہ۔۔. نہیں ارحام بہت درد ہو رہا ہے۔۔ حور اونچی آواز میں روتے ہوے بولی۔

ارحام نے اس کے رونے پر پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھا۔۔ حور ارحام کا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پھر سے پکڑ گئی تھی ۔۔

آپ رہنے دیں میں خود ہی دیکھ لوں گی۔۔ حور نے سسکتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

حور کیسے رہنے دوں ؟؟ تم اتنا رو رہی ہو۔ کانچ اندر تک جا سکتا ہے۔۔ ارحام پریشانی سے بولا۔

نہیں ارحام کچھ اندر نہیں جا سکتا۔۔ مجھے کچھ درد نہیں دیتا۔۔ آپ دور رہیں بس پلیز۔۔۔ حور اس سے تھوڑا دور ہوتے نامحسوس انداز میں پیچھے کو کھسکی۔

حور واٹ ربش۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو دیکھنے دو مجھے۔ ارحام نے اب ڈپٹا تھا۔

ارحام کی ڈانٹ پر پر حور کی آنکھوں سے مزید آنسو بہیں تھے۔ وہ نروٹھے انداز میں اسے دیکھتے اپنے پاؤں پر ہاتھ سختی سے جمائے سسکنے لگی۔

ارحام نے جھنجھلاتے ہوے اب منہ پر ہاتھ پھیرا۔۔ دوسرے لمحے وہ اسے بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھا۔ اسے اٹھانے سے کندھے میں شدید درد اٹھا تھ۔ ارات کی میڈیکیشن کا اثر ختم ہو چکا تھا۔۔ ساری رات حور پر شدتیں ڈھانے اور اب اسے اٹھانے پر کندھے کا درد شدت اختیار کر گیا تھا۔

ارحام آپ کا شولڈر۔۔۔۔ حور نے ارحام کے بھنچے ہوے جبڑے دیکھتے کہا۔ صاف پتہ چل رہا تھا وہ شدید درد میں مبتلا ہے۔

کچھ نہیں ہوا میری جان۔۔۔اس وقت تمھارے درد سے آگے کچھ نہیں میرے لیے۔۔ارحام نے حور کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔ارحام کی بات پر حور نے خفت سے اپنا لب بے دردی سے دانتوں سے کچلا۔

مت کیا کرو؟؟۔۔ارحام نے اسے لب کاٹتے دیکھتے ناگواری سے کہا۔اس کے لبوں کو لے کر وہ اتنا ہی حساس تھا۔

حور کو لیے بیڈ کی طرف بڑھتے اسے نرمی سے لٹایا۔.

اس سے پہلے وہ اس سے دور ہوتا وہ اس کے گردن میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔ارحام نے تحیر سے اسے دیکھا رات بھر اسے برداشت کرنے کے بعد وہ ہر گز رومانٹک نہیں ہو سکتی تھی۔۔کسی صورت نہیں۔۔اس کے گردن میں بانہیں حمائل کرنے پر وہ حیران ہوا تھا۔

جان درد بہت ہو رہا ہے۔۔ آپ رہنے دیں حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے التجائیہ لہجے میں کہتے لب پھیلائے۔

اس کے جان کہنے پر ارحام کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔

ارحام بے اختیار ہوتا اس کے لب نرمی سے چوم گیا تھا جنھوں نے اسے جان پکارا تھا۔

اتنا مجھے میرے کندھے کے درد نے پریشان نہیں کیا۔ جتنا تمھارا جان کہنا پریشان کر گیا ہے۔۔ کہیں پاؤں کی چوٹ دماغ پر تو نہیں اثر کر گئی۔۔ ٹھیک ہوناں تم۔۔ ارحام نے پریشانی سے کہتے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

حور نے اسے گھورتے اس کے سینے پر مکہ مارا تھا۔

واللہ۔۔رات میں نے تمھاری جان نکالی ہے اب تم میری اپنی اداؤں سے نکال رہی ہو۔۔باقی تمھارے باتھ روب نے۔۔ارحام نے اسے خمار زدہ آنکھوں سے بے باقی سے دیکھتے اس کے گاؤن کی ڈوریوں میں اپنی انگلیاں الجھائیں۔

ارحام۔۔میرے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔۔حور نے گھبراتے ہوے ارحام کا ہاتھ پیچھے کیات۔وہ سچ میں اس کے لیے جن ہی تھا جو اسے دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتا تھا۔اس کی چوٹ تک بھول گیا جس کے لیے ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ پریشان ہوتے اپنے کندھے کے درد کو اگنور کر گیا تھا۔

ارحام حور کے چہرے کو بغور دیکھتے اس کے پاؤں کی طرف بڑھنے لگا۔وہ پھر سے اس کے پیچھے ہونے پر اس کی گردن میں بانہیں حمائل کر گئی۔۔وہ اب واقعی میں پریشان ہوا تھا وہ کیا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ اس کی باہیں اپنی گردن سے نرمی سے ہٹاتے اس کے پاؤں کی طرف بڑھا۔

ارحام نے حیرانگی سے اس کے پاؤں کے تلوے کو نرمی سے چھوا۔۔ وہاں کوئی کانچ نہیں چبھا تھا۔

حور۔۔۔ ارحام نے اس کی طرف دیکھتے حیرانی سے اسے پکارا۔۔

ارحام وہ ممم۔۔۔ میرا پاؤں۔۔۔ ہاں وہ۔۔ ارحام۔۔۔ کانچ نہیں لگا مگر مجھے پھر بھی درد ہو رہا ہے بہت درد ہو رہا ہے۔ حور نے

بھیگے لہجے میں اٹکتے ہوئے کہا۔

ارحام کچھ دیر لب بھینچے کچھ پل اسے روتے ہوئے دیکھتے رہا۔ دوسرے لمحے وہ جھکتے ہوئے اس کے پاؤں کے تلوں پر نرمی سے لب رکھ گیا تھا۔۔ ایک

ہاتھ اس کا نرمی سے اس کی پنڈلیوں کو نرمی سے چھو رہا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے پاؤں چومتے ہوئے اس کی پنڈلیوں کو چومنے لگا۔ حور گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ ارحام کے لب نرمی سے آہستگی سے اسے چومتے ہوئے اوپر کی جانب آتے اس کے بیلی بٹن کو چھو گئے۔۔ حور کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی وہ نرمی سے اسے چومتے ہوئے اس کی گردن پر آیا۔

اب درد ہو رہا۔۔ ارحام نے اس کی نشیلی آنکھوں میں جھانکتے نرمی سے استفسار کیا۔

نہیں مگر اس سے آگے بڑھے تو بہت درد ہو گا۔ حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا ہاتھ گاؤن کی ڈوری سے جھٹکا۔

ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

اتنی نوٹنکی کرنے کی کیا ضرورت تھی جان ارحام سیدھی طرح کہہ دیتی ۔۔ارحام نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے بمشکل کہا۔

ارحام کے ہنسنے پر حور نے آنکھیں جھپکتے اسے دیکھا۔اگلے لمحے وہ بھی ہلکا سا ہنسی تھی۔اسے اس کے جھوٹ پر غصہ نہیں ہنسی آرہی تھی۔وہ پریشانی سے ارحام کو دیکھتے کھسیانی سی ہنسی ہنس رہی تھی

ارحام اس کے پریشان چہرے کو دیکھتے مسکراتے ہنے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھتے تکیے پر دارز ہوا دوسرے لمحے پھر سے اس کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ حور نے حیرانگی سے اسے ہنستے ہوے دیکھ رہی تھی۔وہ تکیے پر سر رکھے چت لیٹا ہنس رہا تھا۔

ارحام کو دیکھتے وہ بھی پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہنستی چلی گئی تھی۔کمرے میں ان دونوں کی کھل کھلاہٹیں گونج رہی تھیں۔

ارحام اس کی کھلا کھلاہٹ سنتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے سینے پر گرا گیا۔۔

مائی بچہ۔۔مائی ڈارلنگ یو آر لائک پریزے۔۔۔ارحام اسے خود میں بھینچے ہنسا تھا۔

حور اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اس کی انکھوں میں دیکھتے کھل کھلائی۔۔

ایکسٹر ارومانٹک بے باک خان ہوں جان۔۔جن نہیں جو تمھیں اٹھتے ساتھ پکڑ لیتا۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراہٹ دبائے کہا۔جہاں کھلا کھلانے سے پانی چمک رہا تھا

حور نے جن والی بات پر آنکھیں جھپکائے اسے دیکھا۔۔

مگر میرے معاملے میں اپ جن ہیں مجھے سو فیصد یقین تھا آپ مجھے باتھ گاؤن میں دیکھ کر ضرور دبوچ لیں گے۔۔ حور کی بات پر ارحام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا۔۔

تمھارا اندازہ ٹھیک تھا جان ارحام۔ تم اس حلیے میں میری جان نکال چکی ہو ۔۔اب تمھیں اس دیو کی قید سے کوئی نہیں بچا سکتا۔۔ ارحام گھمبیر آواز میں کہتے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے مسکراہٹ دبائے اس کی گاؤن کی ڈوری جھٹکے سے کھولتے اسے بیڈ پر گرائے اس کی دھڑکنوں میں منہ چھپا گیا تھا۔۔

شہرام خان نے ڈاکٹر ندا کی طرف دیکھا جو اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھی اس کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔

میل ڈاکٹر کوئی نہیں تھا۔ شہرام نے ڈاکٹر ندا سے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

سر اس ٹائم دو میل ڈاکٹر اویلیبل ہیں۔ ایمرجنسی آگئی تھی وہ ایمرجنسی روم میں ہیں۔۔۔ دو گاڑیوں کے تصادم کی وجہ سے بہت بری حالت میں پیشنٹ آئے ہیں۔ تقریباً سارے ڈاکٹرز ادھر ہی مصروف ہیں۔ وہ آج رات فری نہیں ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر ندا نے مسکراتی نگاہوں سے شہرام کی طرف دیکھتے تفصیلاً جواب دیا۔

ڈاکٹر بہارے کہاں ہیں؟؟ شہرام نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ کل سے اس کا فون بھی آف تھا۔ اور وہ کمرے میں بھی نہیں آئی تھی.

پتہ نہیں شہرام سر میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ وہ یا تو یہاں ہوتی ہیں یا بہرام کے پاس۔۔۔

شہرام یہ سنتے لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ندا مسکراتے ہوئے شہرام کے سینے کے زخم پر ڈریسنگ کرنے لگی۔۔

اسی لمحے بہارے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

شہرام بہارے کو دیکھتے ایک جھٹکے سے بدحواس ہوتا پیچھے ہوا تھا۔ جانتا تھا اپنی لیڈی باس کو وہ اس کے قریب کسی فی میل ڈاکٹر کو برداشت نہیں کرے گی۔۔

شہرام نے جلدی سے اپنی شرٹ کے کھلے ہوئے بٹن بند کیے۔۔

اس کے سینے سے درد کی ٹھسیں اٹھ رہی تھیں

۔اس کے ایک جھٹکے سے بدحواص ہوتے پیچھے ہونے پر بینڈج کا سرا جو ڈاکٹر ندا کے ہاتھ میں تھا۔ کھچ پڑتے شہرام کے سٹیجز میں شدید درد اٹھا تھا۔ یہ اس کے چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔

وہ اب گہرے سانس لیتا سینے پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

آہہہ۔۔۔۔ بہارے کو سٹل دروازے کے پاس جمے دیکھ کر شہرام اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے کراہا۔ شائد اس کی بیوی کو اس کے کراہنے پر ترس آ جائے۔

کیا ہوا سر؟؟ ڈاکٹر ندا نے شہرام کو شرٹ کے بٹن بند دیکھتے اس کے کراہنے پر پریشانی سے پوچھا۔ بہارے کی آمد سے وہ ناواقف تھی

کچھ نہیں آپ مجھ سے دور رہیں۔۔ شہرام نے اپنی باس لیڈی کو شرربار نگاہوں سے گھورتے دیکھتے ڈاکٹر ندا کو سرد نگاہوں سے گھورا تھا۔ پتہ نہیں وہ کونسا لمحہ تھا جب وہ ڈاکٹر ندا سے ڈریسنگ کروانے پر تیار ہو گیا تھا۔

دور رہوں گی تو سر شہرام ڈریسنگ کیسے کروں گی۔ ڈاکٹر ندا شہرام کے مزید قریب ہوئی تھی۔

ضرورت نہیں آپ کی۔ میں کرلوں گی شہرام خان کی ڈریسنگ۔۔ بہارے نے بمشکل ہی اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔

شہرام کے اتنے نزدیک ڈاکٹر ندا برداشت نہیں ہوئی تھی۔

شعلے سے دہکے تھے کسی دوسری عورت کو شہرام کے قریب دیکھ کر۔ وہ اس کے نزدیک کسی فی میل ڈاکٹر کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور یہ سچ تھا وہ کسی فی ڈاکٹر کو ہی تو وہ شہرام خان کے قریب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر کنٹرول کیے ہوے تھی۔

بہارے کی آواز پر ڈاکٹر ندا جلدی سے بیڈ سے اٹھی۔

جیسے آپ کہیں۔۔ ڈاکٹر ندا مسکراتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی۔۔ بہارے شہرام کو لے کر کتنی پوزیسیو ہے اب یہ تو ہاسپٹل کا ہر فرد جانتا تھا۔

ڈاکٹر ندا۔۔۔ بہارے کی آواز پر ڈاکٹر ندا کے قدم ٹھہرے تھے۔

جی ڈاکٹر بہارے۔۔ڈاکٹر ندا نے مڑتے ہوئے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

ڈاکٹر بہارے نہیں میم۔۔۔یہ ہاسپٹل شہرام خان کا ہے اور شہرام خان میرا شوہر ہے۔اس لیے آئیندہ آپ مجھے میم بلائیں گی۔

بہارے نے ندا کے مقابل آتے لفظ چبائے تھے۔

جی۔۔ڈاکٹر ندا نے حیرانگی سے بہارے کو دیکھا۔۔

شہرام خان کو وزٹ آپ آیندہ سے نہیں کریں گی۔بلکہ آپ نہیں کوئی بھی فی میل ڈاکٹر ادھر کا رخ نہ کرے۔۔یہ میرا آرڈر ہے۔بہارے لب پھیلائے بولتے شہرام خان کی طرف بڑھی جو سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے لبوں کو سکوڑے ساس باہر چھوڑتے درد کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جی میم ڈ۔۔۔اکٹر ندا دانت پیستے ہوے بہارے کی پشت کو گھورتے ہوے وہاں سے چلی گئی تھی

بہارے۔۔۔شہرام کے سامنے بیٹھتے ہوے خاموشی سے اس کی ڈریسنگ کرنے لگی۔اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

وہ سنجیدگی سے اس کے سینے کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔۔

شہرام اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔۔جو سرد سپاٹ تھا وہ نظریں جھکائے اس کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔

اتنی ناراضگی اتنا غصہ لیڈی باس کہ کل سے اب آئی ہو کمرے میں۔۔ شہرام اس کے سنجیدہ چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے ایک جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

جب تم کسی دوسری عورت سے ہمدردی کرو گے. اس کے آنسوؤں پر ترس کھاؤ گے تو تمھاری لیڈی باس تمھارے پاس نہیں رہے گی۔ میری بے اعتنائی ہی نہیں جدائی بھی سہو گے یاد رکھنا تم۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے شعلہ بار لہجے میں لفظ چباتے بولی۔

اب یہ دل نہیں سہہ سکتا یہ جدائی یہ بے اعتنائی رحم کرو مجھ پر میری بہارے ۔۔۔ کل سے یہ کمرہ قبر تھا میرے لیے۔۔ شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس پر گہری نظر ڈالی جو بے بی پنک کلر کے گرم سٹایلش سے لانگ شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھی۔ جس پر بہت خوبصورت ہینڈ ایمرائیڈری بلیک

گرم شال لیے ہوے تھی۔ جو اس وقت ایک سائیڈ شانے پر پڑی تھی۔۔ بالوں کی لٹیں ڈھیلے سے جوڑ جوڑے عارض پر بکھری تھیں۔ کانوں میں اس کے دیے ہوے ہیرے کے ٹاپس پہنے ہوے تھی۔ اس کی پسندیدہ پرفیوم لگائے ہوے تھی۔

پرفیوم کیوں لگایا ہے بہارے تم اچھی طرح جانتی ہو۔ مجھے نہیں پسند تمھارے بدن کی مہک کسی دوسری عورت تک بھی جائے۔ شہرام خان اس کی کمر میں دباؤ ڈالتے اس کی گردن میں منہ چھپائے اس کے بدن سے اٹھتی مہک اپنے اندر اتارتے گھمبیر لہجے میں بولا۔

شہرام کی بات پر بہارے کی آنکھیں اسی پل بھیگی تھیں۔

وہ اپنے آنسوؤں کو اندر اتارے اس کی ڈریسنگ کرنے لگی۔ خود اس کے قریب کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور خود کسی دوسری عورت کو اس کا مقام دینے جا رہا تھا۔

بہارے نے کاٹن سے اس کے زخم پر رکھی جہاں سے ہلکا ہلکا خون رس رہا تھا ۔ڈاکٹر ندا سے جھٹکا کھا کر دور ہونے پر اس کے ٹانکوں پر اچھا خاصہ کھنچ پڑا تھا۔

کیا ضرورت تھی اس طرح دور ہونے کی۔۔ کرواتے رہتے ڈریسنگ۔۔ جب نہیں تھی تب بھی تو کروا رہے تھے۔۔ اتنا ڈرنے کی ایکٹنگ کیوں کرتے ہو میرے سامنے۔؟؟۔ بہارے نے شہرام کے زخم پر کاٹن کا دباؤ ڈالتے غصے سے لفظ چبائے۔۔

اٹینگ نہیں کرتا میری بہارے۔۔اس دنیا میں صرف تم سے ڈرتا ہوں ۔۔بہت ڈرتا ہوں۔ شہرام اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھتے اس کی کمر پر ہاتھ ڈالتے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔

جھوٹ بولتے ہو اگر مجھ سے ڈرتے میرے ساتھ کیے وعدوں کو نہ توڑتے ۔ڈرنے کے ساتھ ساتھ محبت بھی کر لیتے مجھ سے۔۔ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی لہجے میں شکوہ کیا۔

عشق کرتا ہوں بہارے۔۔۔ جانتی ہو تم اچھی طرح تمہارا شہرام خان تمھارے لیے پاگل ہے۔ اپنی اہمیت سے واقف ہو اس لیے تو شہرام خان پر رعب ڈالتی رہتی ہو۔ ورنہ کسی کی کیا مجال جو شہرام خان پر رعب ڈالے۔ شہرام نے اس کے گلابی گلوز لگے لبوں کو فوکس کرتے کہا۔ وہ ہاسپٹل میں بھی صرف اس کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ دوسری عورت سے چوٹ کھائی

ہوئی تھی۔ شہرام خان کی شدید محبت کے باوجود اس کا دل دوسری عورت کے خوف سے آج بھی کانپتا تھا۔۔ وہ بہت دیوانگی کی حد تک پوزیسو اور حساس تھی اس کے لیے۔۔

یہ عشق ہے تمھارا۔۔ میں نہیں تھی تم اس ڈاکٹر ندا سے ڈریسنگ کروا رہے تھے۔ اسے کیسے چھونے دیا تم نے خود کو؟؟ بہارے نے اسے شرربار نم نگاہوں سے دیکھا۔

اتنی جلن۔۔ میری بہارے وہ ایک ڈاکٹر تھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟ شہرام نے ہاتھ بڑھاتے اس کی انکھوں پر ٹھہری نمی کو چننا کو چاہا تھا۔

بہارے اس کا ہاتھ سرعت سے جھٹک چکی تھی۔

فرق اس سے پڑتا ہے وہ ڈاکٹر تھی۔ فرق اس سے پڑتا ہے وہ عورت تھی ۔میں کسی بھی عورت کو تمھارے نزدیک برداشت نہیں کر سکتی۔۔ فرق اس سے پڑتا ہے تم جانتے ہو میں تمھیں کسی دوسری عورت کے قریب نہیں دیکھ سکتی۔ فرق اس سے پڑتا ہے جیسے تم نے میرے سامنے اسے خود سے دور دھکیلا۔ میری غیر موجودگی میں اسے کیوں نہیں دھکیلا؟؟

فرق اس سے پڑتا ہے تم کسی دوسری عورت کے لیے سیج سجا سکتے ہو۔ فرق اس سے پڑتا ہے تم دوسری عورت کو میرا مقام دینے والے تھے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ میں ڈرتی ہوں تم کسی اور کے نہ ہو جاؤ۔

بہارے کپکپاتے لبوں سے بولتے اس کے زخمی سینے پر اپنا سر رکھ چکی تھی۔ بہارے کی آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے زخم کو بھگو رہے تھے۔

شہرام خان نے گہرا سانس لیتے اپنی کنپٹی مسلی تھی۔وہ سمجھ گیا تھا ساری عمر اسے اب یہ سزا کاٹنی تھی اس کی لیڈی باس یہ بات چھوڑنے والی نہ تھی۔۔

وہ اسے بہت نرمی سے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے جس عورت سے تم مجھے ہمدردی کے طعنے مار رہی ہو۔اس کی طرف میں نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے اس سیج پر جسے پیار کیا وہ تم تھی۔ تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے تمھارے شہرام خان نے تمھارے آنسوؤں کی وجہ سے کسی دوسری عورت کو تن تنہا سسکنے مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے شہرام خان اس کی طرف دوبارہ ہمدردی میں بھی نہیں پلٹا۔ تمھیں فرق اس

سے پڑنا چاہیے تمھارا شہرام خان اس عورت سے وعدہ کرنے پر پچھتایا ہے.

آج بھی پچھتاتا ہے۔۔

تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے تمھارا شہرام خان آج بھی صرف تمھارا ہے۔ تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے وہ آج بھی دوسری عورت ہے اور تم شہرام خان کی عورت۔۔۔ تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے شہرام خان کی لیڈی باس ایک ہی عورت ہے جو اس وقت اس کے زخمی سینے پر بے دردی سے سر رکھے ہوے ہے۔ شہرام خان کی آخری بات پر اس نے جھٹکے سے اس کے سینے سے سر اٹھاتے اسے دیکھا وہ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بہ

تمھیں فرق اس سے پڑنا چاہیے تم جب جب شہرام خان کو درد دیتی ہو شہرام خان کو شدید درد ہوتا ہے۔ بہت درد ہوتا ہے مگر یہ درد شہرام خان کو

اپنی زندگی سے بھی پیارا ہے۔ کیونکہ یہ درد اس کی لیڈی باس اسے دیتی ہے۔ شہرام اسے کلائی سے جکڑے اپنے طرف کھینچتے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔ وہ اس کے زخمی سینے میں آن سمائی تھی۔۔

شہرام تمھیں درد ہو رہا۔۔۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں کہتے اس کے حصار سے نکلنے کی ناکام سعی کی وہ اسے مزید سختی سے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

نہیں ہو رہا درد۔۔ درد صرف تب ہوتا جب تم مجھ سے دور جاتی ہو۔۔ تم جانتی ہو میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شہرام اسے خود سے الگ کرتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے بوجھل لہجے میں کہتے اس کے ایک ایک نقش پر لب رکھتے اس کی خوبصورت نقوش کو اپنے لمس سے معطر کرنے لگا۔ اس کے دیوانگی بھرے بوسوں کی بوچھاڑ سے بہارے کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برس رہے

تھے۔ جنھیں وہ اپنے عنابی لبوں سے چننے لگا۔۔ بہارے کی آنکھوں سے اب ٹوٹ کر جیسے ابر برس رہا تھا۔ جنھیں شہرام قیمتی موتیوں کی طرح اپنے لبوں سے چن رہا تھا۔

بہارے نے گہرے سانس بھرتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی. وہ اس کے لبوں پر سختی سے اپنے لب رکھتے انھیں بہت شدت سے چوم گیا تھا۔

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے شہرام تکیے پر سر رکھتے اسے اپنے قریب کرتے اسے اپنے سینے پر گرا گیا۔۔

بہارے نے خوفزدہ ہوتے خود کو اس کے سینے پر گرنے سے روکا تھا۔ وہ اپنا ایک ہاتھ اس کے سائیڈ بیڈ پر رکھ گئی تھی۔

شہرام اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کرتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

جانتی ہو بہارے مجھے بے رحم بہارے سے زیادہ عشق تھا۔ تم جب میرے لیے پریشان ہوتی ہو۔ مجھ پر رحم کھاتی ہو مجھے ذرا اچھی نہیں لگتی۔ اس میں میری باس لیڈی کی جھلک نظر نہیں آتی۔۔ مجھے وہی بہارے چاہیے جو بنا آنسو بہائے روتے ہوئے پوری حویلی سر پر اٹھا لیتی تھی۔

اور شہرام خان میرے بنا آنسوؤں کے رونے پر بوکھلا جاتا تھا۔ جبکہ وہ جانتا تھا بہارے صرف واویلا کر رہی ہے اور وہ شہرام خان سر دھڑ کی بازی لگا کر بہارے کے لیے پوری دنیا سے لڑ پڑتا تھا جس نے اسے تکلیف دی ہو۔

۔مجھے اس شہرام خان سے نفرت تھی۔ مگر آج مجھے وہی شہرام خان چاہیے۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے ہچکی لی۔

شہرام خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔ وہ کیا جتا رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا وہ ان ڈایریکٹلی آیزل کا طعنہ دے رہی تھی۔

شہرام بری طرح لب بھینچ گیا۔

تم تو ابھی سے گھبرا گئے شہرام خان۔۔ ساری عمر میرے طعنے سنے کا وعدہ کیا تھا۔ بہارے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے بھیگے لہجے میں شکوہ کر گئی۔ اس کا سنجیدہ چہرہ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتا تھا وہ اسے کیسے بتاتی اس کی بے اعتنائی نے بھی اسے کانٹوں پر دن رات لوٹایا ہے۔

میں ساری عمر تمھاری پناہوں مین قید رہنا چاہتا ہوں۔ چاہے پھر مجھے طعنہ مارو یا پھر میری آنکھوں پر پٹی باندھ لو مجھے قبول ہے۔ شہرام نے اسے قریب کرتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

وہ تو میں باندھ دوں گی شہرام خان۔۔ آئیندہ تم کسی بھی غیر عورت کو دیکھنے سے پہلے استغفر اللہ پڑھو گے۔ بہارے کی بات پر شہرام کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

میں مذاق نہیں کر رہی تمھیں ہر عورت کو دیکھ کر استغر اللہ کہو گے۔۔ بہارے نے اسے دیکھتے سنجیدگی سے اپنے لفظوں پر زور دیا۔ وہ سچ میں سنجیدہ تھی۔

وعدہ تمھیں دیکھ کر الحمدللہ کہوں گا۔ دوسری عورت کو دیکھ کر استغر اللہ۔۔ شہرام شرارتی انداز میں کہتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

میری باس لیڈی جیسا کوئی نہیں ہو سکتا شہرام محظوظ ہوتے مسکراتے ہوے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔

تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی شہرام خان۔۔ بہارے اس کے سینے پر نامحسوس انداز میں اپنے لب رکھتے بے حد مدھم سی سرگوشی کرتے خود سے مخاطب ہوئی۔۔

اسفندیار خان ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ کل سے ہسپتال سے خاموشی سے چلا آیا تھا۔

بخار سے بدن جل رہا تھا وہ دس منٹ کی ڈرائیو نہیں کر سکا تھا۔ وہ کبھی اتنا کمزور نہیں پڑا تھا۔ جتنے اس کے ایک فیصلے نے اسے کر دیا تھا۔ وہ اندر سے

مر رہا تھا۔ سفاک پٹھانی سے جدائی کا سوچ کر ہی اس کا بدن جلنے لگتا تھا۔ سینہ تانبے کی مانند دہکنے لگتا تھا۔ عجب سا درد سینے سے اٹھتا اس کے رگ و پے میں سمائے اسے بے کل بے چین کر رہا تھا۔ بدن جیسے ٹوٹنے والا ہو رہا تھا۔

ہوٹل میں آنے کے بعد اس نے اپنے لیے کھانا منگوایا تھا۔ مگر دو لقمے ہی اپنے اندر اتار سکا تھا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سگریٹ سلگائے آنکھیں موندے ہوے تھا۔

پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے موبائل پر وقفے وقفے سے زاران کی کال آ رہی تھی جو وہ اگنور کیے ہوے تھا۔۔

سالے کمینے کو پتہ نہیں اب کیا مسلہ ہے ؟؟ نہ چین سے جینے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے۔ اپنی سفاک بہن سے دو ہاتھ آگے ہی ہے۔ اسفند نے غصے سے بڑبڑاتے ہوے زاران کی کال اٹھائی۔

ہیلو بول کیا مسلہ ہے اب تجھے فون کیوں کر رہا ہے ؟؟۔ اسفند فون اٹھائے بھڑکتے ہوے بولا۔

کہاں ہے تو؟ اور بنا بتائے کیوں ہاسپٹل سے چلا آیا۔ زاران کی فون پر غصیلی آواز گونجی تھی۔

خودکشی کا کرنے کا آرادہ تھا۔ اس لیے چلا آیا۔۔ اسفند نے جبڑے بھینچتے دانت پیسے تھے۔۔

ہاسپٹل ہی کر لیتے خودکشی۔۔۔ زیادہ اچھی جگہ تھی۔ پسٹل تیرے پاس تھا۔ سیدھا کنپٹی پر رکھ کر چلاتے۔۔ پھر میں تیرا پوسٹ مارٹم کروا کر ہی تیری لاش کو حویلی لے کر جاتا۔۔ زاران نے بھی جوابًا لفظ چبائے تھے۔

یہی فرق ہے تیرے اور میرے میں۔۔ تو میرے موت کے لیے یہ لفظ بول سکتا ہے۔ میں جوابًا تیرے لیے موت کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا۔ اتنا عزیز ہے تو اسفندیار خان کو۔۔۔ اسفند تلخی سے بولتے کرب سے مسکراتے سگریٹ کو اپنے لبوں میں دبا گیا۔

ٹھیک کہہ رہا ہے اتنا عزیز ہوں میں تجھے تو بنا موت کا لفظ میرے لیے بولے اپنی بے اعتباری سے میری جان نکالنے کا ہنر جانتا ہے۔ تجھے تو اسفندیار خان مجھے مارنے کے لیے پسٹل اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔۔ بے اعتباری کی سزا موت سے کہیں زیادہ جان لیوا ہوتی ہے۔۔ سمجھتا ہے ناں تو۔۔۔ زاران کی پات پر وہ جبڑے بھینچتے جلتا سگریٹ انگلیوں کی پوروں میں دبا گیا تھا۔

پتہ ہی ہو گا تجھے آج کل یہی سزا تو سہہ رہا ہے۔زاران کی ایک بار پھر سے سپیکر پر طنزیہ آواز گونجی تھی۔

اسفند کے جبڑے مزید بھنچے تھے۔۔وہ کس سے آخر بھڑ گیا تھا؟؟۔اچھی طرح جانتا تھا زاران کی فطرت وہ منتقم مزاج بندہ تھا اپنا بدلہ وہ شد و مد سے لیتا تھا۔

اب کیا ہوا ہے خاموش کیوں ہو گیا؟؟ کیا سچ میں خودکشی کر لی ہے تو نے؟؟زاران کی جھنجھلائی آواز سنائی دی تھی۔

نہیں کروں گا خودکشی تجھ جیسے بغیرت کو موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے میں خودکشی بھی نہیں کر سکتا۔۔اسفند فون پر غرایا تھا۔

دوسری طرف زاران کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا تھا۔

ایسے بول میری جان۔۔۔ کیا پہلے ڈائیلاگ مار رہا تھا جیسے میں تیری گرل فرینڈ ہوں۔ بول لیا نہ میرے لیے موت کا لفظ۔۔ جو کہا کر اس پر پورا بھی اترا کر۔۔ ہر دوسرے دن تو مجھ پر پسٹل تان کر کھڑا ہو جاتا تھا ایک بار تو چلاتا میں بھی مانتا اسفندیار خان اصل میں مرد ہے۔ زاران کی طنزیہ آواز پر اسفند کے چہرے پر غیض و غضب کی سرخی چھائی تھی۔

تیرے قہقے کیوں آج کل کیوں گونجتے ہیں سب جانتے ہیں۔ اسفند نے جبڑے بھینچتے لفظ چبائے۔

کیوں گونجتے میری جان؟؟ زاران کے لفظوں سے وہ مزید سلگا تھا۔

بیوی کے ہوتے ہوے بھی تو بیچارا ایک سال کنواروں والی زندگی گزارتا رہا ہے۔۔ایک سال بعد ہی تجھے پتہ چلا کہ تو مرد ہے۔اسفند کے طنز پر دوسری طرف زاران کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

بکواس بند کر تو اچھا طرح جانتا ہے مجھے اس طرح کے بے ہودہ مذاق پسند نہیں۔۔میری بیوی کو بیچ میں مت لایا کر تو جانتا ہے مذاق میں مجھے اس کا نام کسی کے لبوں پر پسند نہیں۔۔زاران غرایا تھا۔

اسفند اب سکون سے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔اسی کی ہنسی کو بریک لگانی تھی جو وہ لگا چکا تھا۔

اور تجھے اس بات کا جواب بڑے اچھے سے دیتا مگر افسوس تیری بیوی میری بہن ہے۔

بیوی مت بول سفاک پٹھانی بول اسے۔۔ اسفند نم آواز میں قہقہ لگا گیا۔

اسفند کی زخمی ہنسی پر دوسری طرف گہری خاموشی چھائی تھی۔

بول کیوں فون کیا مجھے ؟؟ اسفند اپنی جلتی آنکھوں کو اپنے پوروں سے مسلتے سنجیدگی سے بولا۔

عابیر کو حویلی چھوڑ دے۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہا۔

رحیم خان کے ساتھ بھیج دے۔ اسے میری کیا ضرورت ؟؟ اسفند سرد سپاٹ لہجے میں بولتے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن جھنجھلاتے ہوے کھول گیا تھا۔

وہ اگر ہوتا تو تجھے کبھی نہ کہتا۔ چل رہنے دے میں اسے ٹیکسی کروا کر حویلی بجھوا دیتا ہوں۔ زاران کی بات پر اسفند کے چہرے پر ناگواری کے ساتھ شدید غصہ چھایا تھا۔

تو جو ہاسپٹل کو ہنی مون سپاٹ بنائے اپنی بیوی کے گھٹنے لگے بیٹھا ہے تو کس مرض کی دوا ہے۔ اپنی بیوی کو اور بہن کو لے کر حویلی جا۔۔ شہرام خان کو تیری ضرورت نہیں۔۔ باقی کا ہنی مون اپنے کمرے میں منا لینا۔ اسفند عابیر کو ٹیکسی سے حویلی جانے والی بات بھڑک اٹھا تھا۔

دس منٹ میں ادھر ہاسپٹل پہنچ جا. ورنہ دس منٹ بعد عابیر کو ٹیکسی کروائے حویلی بھیجوں گا۔۔ زاران اپنی بات مکمل کرتے فون بند کر چکا تھا۔

اسفند نے گہرے سانس لیتے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔ دوسرے لمحے اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا شوپیس اٹھا کر زمین پر پھینکتے اپنے اندر اٹھتے غصے پر

قابو پایا تھا۔ وہ اپنا موبایل اپنا کوٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھائے ہوٹل کے کمرے سے نکل آیا تھا۔

دس منٹ بعد اسے ہاسپٹل کے کوریڈور میں داخل ہوتے دیکھتے زاران کے لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

وہ بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس پر بلیک لیدر کی جیکٹ پہنے ہوے تھی۔۔ نیلی آنکھوں میں اشتعال کی ساتھ سرخی واضح نظر آرہی تھی۔

عابیر زاران کے ساتھ سیاہ چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ اسفند کو آتے دیکھتے وہ حیران ہوئی تھی۔۔

وہ نظریں جھکائے اپنا نچلا لب بری طرح کاٹ گئی تھی۔

اسفند نے زاران کے مقابل آتے اسے سرد سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا تھا۔

نہیں سنبھالی جاتی تجھ سے بہن کی ذمینہ داری۔۔بیوی ہوتی تو تو اسے بھیجتا اسے ایسے اکیلے ٹیکسی میں۔۔اسفند غصے سے زاران کا گریبان جکڑے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مار چکا تھا

تیرے ہونٹوں کا حال دیکھ کر تجھ پر رحم آگیا. ورنہ اس سے زیادہ قوت سے مکہ تیرے جبڑے پر مارتا۔ مجھ سے پہلے ہی ان ہونٹوں پر کوئی سفاکی دکھا چکا ہے.

زاران نے اسفند کا وار سہتے اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتے اسے مشتعل نگاہوں سے گھورتے کہا۔ اس کے گرم ہاتھ اسے چھوتے زاران کو اسی پل اس پر باور کروا چکے تھے۔ وہ تو آگ کی مانند تپ رہا ہے۔ وہ بمشکل ہی اسفند کی حالت دیکھتے اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر بھی قابو پائے ہوے تھا۔

زاران کی بات پر عابیر کی رنگت فق ہوئی تھی۔ اسفند بھی لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

بکواس بند کر اپنی۔۔۔ اسفند نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے عابیر کی طرف دیکھا جو نظریں جھکائے لب کاٹتے کھڑی تھی۔

چلو۔۔۔ اسفند سرد سپاٹ لہجے میں عابیر سے کہتے کوریڈور سے باہر کی طرف بڑھا۔

لالا۔۔۔ آپ مجھے خود بھی چھوڑ کر آسکتے تھے۔ اسفندیار خان کو کیوں بلایا۔ عابیر کی بات پر اسفندیار خان کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نمی کے ساتھ ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتا اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے آگے بڑھ گیا۔

تم جانتی ہو عابیر اس وقت کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ تمھیں ٹیکسی سے بھیجنے سے زیادہ اسفندیار خان کے ساتھ بھیجنا زیادہ سیف لگا۔ زاران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

لالا اگر آپ گیم کھیل رہے ہیں۔۔ دوستی کی آڑ میں اسفندیار خان سے ہمدردی نبھا رہے ہیں تو بتا دوں میں اسفندیار خان کو معاف نہیں کروں گی۔

میں ساری عمر اس کی ہو کر رہنے کو تیار ہوں۔ مگر اسے شوہر کا مقام کبھی نہیں دوں گی۔۔ یاد رکھیے گا یہ بات۔۔۔ عابیر انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

میں تمھارے ہر فیصلے میں تمھارے ساتھ ہوں عابیر۔ مجھے لگتا ہے تمھیں کوئی ضرورت نہیں اسفندیار خان کا بن کر بھی رہنے کی۔۔ جب خلع کا آپشن موجود ہے فائدہ یہ بیکار سے ٹوٹے بندھن میں بند کر رہنے کا۔۔ اسے بھی آزاد کرد اور خود بھی آزاد ہو جاؤ۔۔ ویسے بھی جو تصویریں اسفندیار خان نے بھیجی تھیں۔ اگر وہ سچ ہیں تو مجھے لگتا ہے تمھیں سچ میں اسفند کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ اسفند اسی لڑکی کو ڈیزرو کرتا ہے۔۔ میری پاک صاف بہن کو ڈیزرو نہیں کرتا۔۔ زاران نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

لالا آپ نے تو کہا تھا وہ تصویریں فیک ہیں۔ عابیر گہرے سانس لیتے بمشکل ہی بولی تھی۔ ساتھ ہی اس نے کانپتے ہاتھوں سے دیوار کا سہارا لیا۔۔

میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟؟ بات اعتبار کی ہے جو تمھیں اس پر نہیں ہے۔ مجھے اسفندیار خان پر اعتبار ہے۔ ہو سکتا ہیں وہ فیک ہوں۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے وہ اصلی ہوں۔ تمھارا دل بھی تو یہی کہتا ہے کہ وہ اصلی تصویریں ہیں۔ اور سچ بتاؤں میرا دل بھی اب اسفندیار پر اعتبار نہیں کر رہا۔ آخر وہ کیوں یہ فیک تصویریں بنائے گا؟؟ یہ بچوں والی حرکت کیوں کرے گا؟؟

اسفندیار خان کے لیے ایسی ہی بے حیا عورتیں ہونی چاہیے۔۔ اچھا ہے تمھیں طلاق دے کر وہ ایسی ہی کسی لڑکی سے شادی کر لے۔۔ میں اپنی بہن کو اس جیسے بدکردار عیاش انسان کے ساتھ اب نہیں رہنے دے

سکتا۔۔زاران عابیر کے پتھرائے وجود پر ایک نظر ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

عابیر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

!اچھا ہے وہ تمھیں طلاق دے کر ایسی ہی کسی لڑکی سے شادی کر لے۔میں اپنی بہن کو اس جیسے بدکردار عیاش انسان کے ساتھ رہنے نہیں دے سکتا!!

زاران کے لفظ اسے دہکا گئے تھے۔۔کیا اتنا آسان تھا اس نیلی آنکھوں والے خان کو کسی اور کو سونپنا۔۔

ارحام حور کو کمر سے جکڑے شاور کے نیچے کھڑا اس کے لبوں کو جکڑے اس کی سانسوں کو قطرہ قطرہ پی رہا تھا۔

وہ بلیک ٹراوز میں ملبوس شرٹ لیس شاور کے نیچے کھڑا تھا۔

حور گھٹنوں سے بھی اوپر باتھ روب گاؤن میں ملبوس تھی۔ جو وہ سینے سے دونوں ہاتھوں سے جکڑے ہوے تھی۔

وہ اس کے ساتھ شاور بنا کسی پردے کے لینا چاہتا تھا۔

مگر حور اسی شرط پر اس کے ساتھ شاور لینے پر راضی ہوئی تھی۔ وہ باتھ روب گاؤن میں ہی شاور لے گی۔

وہ پتہ نہیں وہ اس کی شرط کیسے مان گیا تھا؟؟ مگر اسے گود میں اٹھائے وہ واش روم لے آیا تھا۔ اب پچھلے دس منٹوں سے وہ اس کی سانسیں پی رہا تھا۔۔ وہ

رات سے اس کی جنونیت سہتے ہکان ہو رہی تھی۔۔وہ اتنا رومانٹک ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔اپنی ہی سوچ پر وہ بری طرح جنجھلائی تھی۔مقابل اتنا ہی رومانٹک تھا وہ جانتی تھی۔اسی روپ سے تو اس کی جان جاتی تھی

چھوڑ دو باتھ روب کو میری جان۔۔تمھاری مرضی کے بغیر میں ریموو نہیں کروں گا۔ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اسے یوں سینے سے باتھ روب کو جکڑے دیکھتے شرارتی لہجے میں کہتے سرگوشی کی تھی۔۔

میری مرضی رات سے کتنی چل رہی ہے میں جانتی ہوں۔۔حور گہرے سانس لیتے اس کے چٹانی سینے میں آن سمائی تھی۔۔۔اس کے سامنے یہ حلیہ اسے شرم وخفت میں مبتلا کر رہا تھا۔رات سے اس کی شدتیں یاد کرتے شہرام کے سامنے نظریں نہیں اٹھائی جا رہی تھیں۔مگر وہ بے شرم بنا ہر دوسرے لمحے اس کے ساتھ گہری شرارت کرتا تھا۔

اس معاملے میں تمھاری کبھی مرضی چل بھی نہیں سکتی۔۔ارحام ایک ہاتھ سے اسے کمر سے دبوچے خود میں بھینچتے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے اس گردن کو جھٹا دیتے اس پر جھکے اپنے دانت گاڑھ گیا

۔

حور اپنے باتھ روب گاؤن کو ابھی بھی دونوں ہاتھوں سے جکڑے کھڑی تھی۔۔وہ کس چیز کا دشمن تھا وہ جانتی تھی۔اس کی شدت وہاں برداشت نہیں کر سکتی تھی

ارحام اسے گھورتے ہوے اس کے ہاتھ وہاں سے ہٹاتے اس کی کلائیاں جکڑے دیوار کے ساتھ لگاتے اس کی گردن پر جھکتے وہاں اپنے برتپش لب رکھتے اس کی گردن کو سلگاتے اس کی گردن پر پھر سے گہرے نشان دے گیا

تھا۔ اس کی شدت اور نیم گرم روف شاور سے گرتے پانی سے حور کی سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔

وہ اب اس کی کلائیاں اپنے ایک ہاتھ سے اوپر پن کرتے اس کی گاون کی ڈوری کھولتے اس کی دھڑکنوں پر جھکا۔ حور گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ چکی تھی۔۔

وہ اس میں مکمل طور کھویا ہوا تھا۔

ماما پاپا۔۔۔ پریذے کی آواز پر ارحام حور سے جھٹکے سے دور ہوا تھا۔ حور نے بھی پریشان ہوتے اپنی گاؤن کی ڈوری بند کی تھی۔۔

ارحام نے جلدی سے شاور بند کیا۔

ماما پاپا۔۔۔ پریذے کی رونے کی آواز سنائی دی تھی۔

جی بابا کی جان۔۔۔جی پریذے جان۔۔۔۔وہ دونوں پریشان ہوتے ایک آواز میں جلدی سے اسے پکار اٹھے۔

دوسرے لمحے دونوں نے پریشان ہوتے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔حور تو اپنے لبوں پر دونوں ہاتھ رکھ چکی تھی۔

وہ دونوں اکٹھے واش روم میں کیا کر رہے ہیں۔وہ کیا جواب دے گی۔۔وہ کتنے کو سچن پوچھتی تھی۔ہر بات محسوس کرتی تھی۔حور اپنے لب کاٹتے بری طرح پریشان ہوئی تھی۔۔پریذے کے رونے کی آواز سنتے اس کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔اس کا رونا اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچا تھا۔

ماما پاپا۔۔۔آپ دونوں واش روم میں ہیں۔۔پریذے اب روتے ہوے دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔۔ارحام کی رنگت فق ہوئی تھی. پریذے کے رونے

پر وہ پریشان ہوا تھا۔ اگر وہ دونوں نہ بولتے ان میں سے ایک باہر نکل جاتا۔۔

حور کی رنگت میں اب سرخیاں گھلی تھیں۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

ماما پاپا۔۔۔ وہ مسلسل روتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔۔

ارحام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے پریشان سا کھڑا تھا۔

پریذے تم ادھر کیا کر رہا ہے؟؟ امینہ خانم کمرے کا کھلا دروازہ اور پریذے کی روتی آواز سنتے اندر داخل ہوئی تھی۔

دادوماماپاپا۔۔۔دونوں اندر ہیں۔۔۔پریذے کی بات پر حور کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہو چکی تھی۔۔۔

ارحام گہرے سانس بھرتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔

Mama baba please come out side i miss you alot

mama baba please come out i dont like hide and seaker game

پریذے دروازے پر ہاتھ مارتے رو رہی تھی۔

حور نے تڑپتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ آنکھوں سے اسی لمحے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔ وہ تڑپتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ

دروازہ کھولتی ارحام جھنجھلاتے ہوے اسے کلائی سے کھینچتے دیوار میں پٹخ چکا تھا۔

کیا کر رہی ہو پاگل ہو گئی ہو؟!اس حلیے میں باہر جا رہی ہو۔اور کیا کہیں گے ہم مورے اور پریذے سے ہم دونوں واش روم میں کیا کر رہے ہیں۔ارحام حور کو گھورتے دبی آواز میں جھنجھلاتے ہوے بولا۔

وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔باہر ماں اور بیٹی کھڑی تھیں۔اندر وہ اس حلیے میں اپنی بیوی کے ساتھ تھا۔

یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔میں آپ کے ساتھ شاور نہیں لینا چاہتی تھی۔۔آپ مجھے زبردستی یہاں لائے۔ابھی تو آپ کا باتھ ٹب رومانس کا آرادہ تھا۔حور روہانسی ہوئی تھی۔اس نے غصے میں اسے کافی زور سے دیوار میں پٹخا تھا۔

آئی ایم سوری۔۔۔اس سچویشن میں گھبرا گیا تھا۔ارحام حور کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر مزید جھنجھلایا تھا۔اسے ایسے نہ وہ بات کرنا چاہتا تھا اسے ایسے سختی سے چھونے کا سوچ بھی اب نہیں سکتا تھا مگر اسے حلیے میں باہر جاتے دیکھ کر وہ خود کے اشتعال پر قابو نہ پا سکا۔اسے وہ کسی کے سامنے بھی ایسے حلیے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پریذے ہمیں مس کر رہی۔کیسے رو رہی ہے وہ؟؟۔اور یہ دروازہ کیسے کھلا رہ گیا؟؟آپ کیسے یہ کر سکتے ہیں؟؟حور نے بھیگے لہجے میں خفگی سے پوچھا۔

مجھے خود سمجھ نہیں آرہی یہ کیسے ہو گیا۔

درخشاں سے جب ناشتے کی ٹرے لی تھی میں لاک کرنا بھول گیا شاید۔اتنی بڑی غلطی میں کیسے کر سکتا ہوں؟؟۔ارحام نے جبڑے بھینچتے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

پریذے تمھارا ماما تمھارا کمرے میں ہو گا۔ اندر تمھارا بابا ہو گا۔ وہ ابھی باہر آ جاتا ہے۔۔ امینہ خانم نے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے کہا۔ انھیں یہی لگا تھا کہ حور پریذے کے کمرے میں ہو گی۔ اندر ارحام ہو گا۔ حور جب سے آئی تھی وہ پریذے کے کمرے میں ہی سو رہی تھی۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا ارحام حور اندر ہو سکتے ہیں۔

نہیں دادو ماما اور بابا اندر ہی ہیں۔ میں نے خود ماما اور بابا کی آواز سنی ہے۔ وہ دونوں اندر شاور لے رہے ہیں۔ اندر سے شاور کی آواز بھی آ رہی تھی ۔۔ پریذے کی بات پر جہاں اندر حور اور ارحام کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہاں باہر امینہ خانم کی رنگت بھی سرخ ہوئی تھی۔ امینہ خانم نے بدحواصی کے عالم میں کمرے میں نظریں دوڑائیں حور کی نائٹی ارحام کے کپڑے زمین پر پڑے تھے۔ بیڈ پر پڑی سلوٹوں پر وہ پل میں سمجھ چکی تھی

۔پریذے سچ کہہ رہی ہے حور اور ارحام اندر واش روم میں ہیں۔اس سچویشن میں اب امینہ خانم خفت کا شکار ہوئی تھیں۔پریذے چلو ہم تمھارا واسطہ اچھا سا ناشتہ بنوائے۔ تمھارا ماما بابا یہاں نہیں ہے۔امینہ خانم نے پریذے کا ہاتھ پکڑا۔۔

نہیں دادو میرے ماما بابا اندر ہیں۔وہ مجھ سے hide and seak کھیل رہے ہیں۔مجھے ماما بابا کے پاس جانا ہے۔پریذے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوے اونچا اونچا رونے لگی۔

پریذے کا زیادہ رونا ارحام سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ارحام جلدی سے واش روم میں موجود کبرڈ کی طرف بڑھا۔جہاں اس کے اور حور کے باتھ روب گاؤن لٹکے ہوے تھے۔اور حور کی نائیٹیز اور بہت سارے ٹاول تھے۔ ارحام نے اپنا باتھ روب نکالتے ٹروازر کے اوپر ہی پہنا تھا۔

میں باہر جارہاہوں۔۔ تم باہر نہیں آؤ گی۔ کسی صورت نہیں۔ میں پریذے کو ہینڈل کرلوں گا۔ ارحام نے حور کے قریب آتے سنجیدگی سے حکم دیا۔

جی۔۔۔۔۔ حور ارحام دانت پیستے ہوے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے اپنے گاون کی ڈوری ٹائٹلی باندھتے منہ پھیر چکی تھی۔

افففف۔۔۔ ارحام نے گہرا سانس لیا۔ ابھی باہر ماں اور بیٹی کو وضاحتیں دینی تھیں۔ بیوی بھی ناراض ہو چکی تھی۔ وہ کچھ سیکنڈ حور کا نروٹھا چہرہ دیکھتا رہا پھر وہ

وہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

بابا۔۔۔۔پریذے ارحام کو دیکھتے اس کے ساتھ روتے ہوے لپٹی تھی۔ارحام نے اسے جلدی سے گود میں اٹھاتے ہوے اس کے گال پر اپنے لب رکھے تھے۔

کیسا ہے میرا بچہ ؟؟ارحام نے ایک ہاتھ سے اس کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے۔

بابا آپ اور ماما اندر واش روم میں چھپے hide and seak کھیل رہے تھے مجھ سے۔پریذے نے ارحام کا گال چومتے ہوے پوچھا۔۔امینہ خانم کے سامنے ارحام کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔وہ آگے امینہ خانم سے نظریں ملا پا نہیں پا رہا تھا۔کمرے کی بکھری حالت زمین پر حور کی پڑی ولگر سی نائٹی بھی اسے امینہ خانم کے سامنے خفت کا شکار کر رہی تھی۔

امینہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ نظریں چرائے کھڑی تھیں۔

آپ کی ماما یہاں نہیں ہیں۔ وہ آپ کے کمرے میں یا درخشاں کے پاس ہوں گی۔ ارحام سنجیدگی سے کہتے امینہ خانم کی طرف متوجہ ہوا۔

اسلاو علیکم مورے۔۔۔ ارحام نے امینہ خانم کو ایک نظر دیکھتے ہوے کہا۔ وہ ہمیشہ ان کا احتراماً ہاتھ چوم کر سلام کرتا تھا۔ مگر آج وہ اس سچویشن میں نہیں کر سکا تھا۔۔

وعلیکم اسلام۔۔۔ امینہ خانم نے آگے ہو کر ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

بابا جھوٹ بولنا بری بات ہوتی ہے۔ ماما اور آپ اندر شاور لے رہے تھے۔ وہ ابھی تک اندر ہیں۔ جھوٹ بولنا بھی بری بات ہوتی اور اکٹھے شاور لینا بھی بری بات ہوتی ہے۔ ماما اینڈ ٹیچر نے مجھے بتایا ہے کہ کسی کے سامنے بھی اپنے کپڑے اتارنا shame ہوتا ہے گندا ہوتا ہے۔ پریذے کی بات پر ارحام کو

کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا وہ اپنی خفت کیسے چھپائے۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتے کھانستا چلا گیا تھا۔

امینہ خانم نے اب ارحام کو دیکھتے مشکل سے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی ۔۔ کبھی اس کے پاس پریذے کے سوالوں کا جواب نہیں ہو گا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

بابا ماما اندر ہیں۔۔ آپ پریذے سے گیم ون کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے جھوٹ بول رہے ہیں۔ جیسے مورے والا جھوٹ بولا تھا ہے ناں۔۔ پریذے نے ارحام کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔

پریذے آپ کی ماما اندر نہیں ہیں۔ وہ درخشاں کے ساتھ ہوں گی۔ آپ جاؤ ان کے پاس دیکھو ارحام نے سختی سے کہتے اسے گود سے نیچے اتارا۔ یہی ایک حل تھا وہ حور کی طرح اس سے ناراض ہو کر یہاں سے چلی

جاتی۔۔ پریذے اور حور کو وہ صرف سختی سے ہی ہینڈل کر سکتا تھا۔ دونوں اس کی نرمی نہیں سمجھتی تھی۔

پریذے اسی لمحے واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔۔

پریذے۔۔۔ ارحام نے اسے سختی سے پکارا مگر وہ واش روم میں داخل ہو چکی تھی۔

ماما۔۔ پریذے حور کو دیکھتے خوشی سے اس کے ساتھ لپٹی۔ امینہ خانم حور کو دیکھتے جلدی سے نظریں چرا گئی تھی۔ ارحام اپنی ہلکی گھنی بیرئڈ پر ہاتھ پھیرتے رخ پھیر گیا تھا۔ سچویشن ہی ایسی تھی۔

وہ سامنے ہی گھٹنوں تک آتے گیلے باتھ روب گاون میں کھڑی تھی۔

پریذے حور کا ہاتھ پکڑے اسے واش روم سے باہر لائی۔ حور سرخ چہرے کے ساتھ لبوں پر خفت زدہ مسکراہٹ سجائے اس کے ساتھ کھنچتی چلی آئی تھی۔

دیکھا دادو!! ماما اور بابا واش روم میں تھے۔ بابا جھوٹ بول رہے تھے۔ پریذے چہکتے ہوئے بولی۔

امینہ خانم کی تو وہ حالت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

حور گھٹنوں سے بھی اوپر باتھ روب میں ملبوس تھی۔ سڈول ٹانگوں پر ارحام کی شدتوں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ اس کے عارض اس کے ہونٹوں پر بھی ارحام کی شدتوں کے نشان تھے۔

اسلام و علیکم مورے۔۔۔ حور نے اپنا گاون نیچے کی طرف کھینچتے ہوے سرخ چہرے کے ساتھ روہانسے ہوے سلام کیا۔۔۔

و علیکم اسلام بچہ۔۔۔ امینہ خانم نے بمشکل ہی جواب دیا تھا۔

ہم چلتا ہے ارحام تم اپنا بیٹی کو سنبھال لینا اب۔۔ امینہ خانم ارحام کا سرخ چہرہ دیکھتے اپنے لبوں پر آنے والی مسکراہٹ دبا گئی تھیں۔ حور ارحام کی حالت پر انھیں اب ترس آیا تھا۔۔ امینہ خانم دوسرے لمحے جھپاک سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ماما آپ اور بابا واش روم میں کیا کر رہے تھے ؟؟۔ پریذے نے حور کو دیکھتے معصومیت سے پوچھا۔

ہم لوگ۔۔۔حور نے گہرا سانس لیا تھا۔

میں اور بابا hide and seak کھیل رہے تھے۔حور نے پریذے کو دیکھتے ہوے لب کاٹتے جواب دیا۔

لیکن ماما آپ ویٹ کیوں ہیں۔بابا اور آپ شاور کیوں لے رہے تھے ؟؟۔hide and seak میں تو شاور نہیں لیتے۔اور آپ نے اتنے چھوٹے کپڑے کیوں پہنے ہیں ؟؟۔بابا تو مجھے ایسے کپڑے نہیں پہننے دیتے۔ایک بار مورے نے مجھے پہنائے تھے۔بابا نے انھیں بہت ڈانٹا تھا۔پریذے کے معصومیت بھرے سوالوں پر حور نے بیچارگی سے ارحام کی طرف دیکھا

جو حور کے حلیے پر لب بھینچے کھڑا تھا۔ وہ کسی عورت کے سامنے بھی اس حلیے میں آئے اسے پسند نہیں تھا۔ وہ اس طرح اس کی مورے اور بیٹی کے سامنے آئے گی اس نے سوچا نہ تھا۔

پریذے! مم۔۔ میرا۔۔۔ ڈریس گیلا ہو گیا تھا۔ واش روم کی کبرڈ میں یہی پڑا تھا۔ میں نے پہن لیا۔۔ حور نے ارحام کو غصے سے دیکھتے جواب دیا۔

یہ بابا میرے لیے لائے ہوں گے۔ آپ نے پہن لیا۔ ماما آپ بھی ناں ۔۔۔ آپ بہت انوسینٹ ہیں۔ پریذے کا گاؤن پہن لیا۔ پریذے منہ پر ہاتھ رکھے کھکھلائی تھی۔۔

حور نے خجالت سے مدھم سا ہنستے ہوے پریذے کو دیکھتے ارحام کو دیکھا۔ جو خاموشی سے کھڑا اپنی پچھلی گردن رب کر رہا تھا۔

دوسرے لمحے پریذے بھاگتی ہوئی زمین پر پڑی حور کی نایٹی کی طرف بڑھی تھی۔

بابا یہ کس کا اتنا shamefull ڈریس ہے۔ پریذے نے حور کی چھوٹی سی نایٹی اٹھا کر پوچھا

حور نے اب شعلہ بار نگاہوں سے ارحام کو دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اتنی shamefull سچویشن میں پھنسی تھی۔ ایک چھوٹی سی بچی کے سامنے اسے بہت امیبریسنگ فیل ہو رہا تھا۔

پریذے آپ جائیں یہاں سے ماما بابا آتے ہیں آپ کے پاس۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے پریذے سے کہا۔

میں نہیں جاؤں گی مجھے ماما کے پاس رہنا ہے۔وہ نا یٹی ہاتھ میں پکڑے حور سے لپیٹتے ہوے بولی

پریذے۔۔۔ارحام نے سختی سے اسے پکارا۔ماما پریذے حور کی ٹانگوں سے لپیٹتے اسی لمحے رونے لگی تھی.

حور نے گھور کر ارحام کو دیکھتے پریذے کو اپنی گود میں اٹھایا۔

پریذے جان۔۔۔آئی ایم سوری ماما رات آپ کے پاس سونے نہیں آئی۔۔آج ماما پرامس کرتی ہیں۔ماما اب سے پریذے کے ساتھ ہی سوئیں گی۔۔حور نے پریذے کے آنسو صاف کرتے نرمی سے کہا۔

پکا پرامس گاڈ پرامس۔۔پریذے نے معصومیت سے پوچھا۔

پکا پرامس۔۔۔ حور کے پرامس کرنے پر ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا تھا۔ جو اس پرامس سے اس کی جان لمحوں میں نکال چکی تھی۔

پریذے بابا کی جان آپ میرے پاس آئیں۔۔ آپ کو پتہ ہے بابا نے بھی آپ کو بہت مس کیا۔ ارحام نے پریذے کو حور کی گود سے پکڑتے اس کے گال پر کس کی تھی

بابا آپ رات کو کیوں نہیں آئے پریذے کے پاس؟؟۔۔ ماما کے پاس کیوں سوئے؟؟۔ اور ماما بھی پریذے کے پاس نہیں آئی۔ پریذے نے معصومیت سے نچلا لب باہر نکالتے شکوہ کیا۔

پریذے میری جان۔۔۔ آپ رات کو سو رہی تھیں۔ اس لیے نہیں آیا۔ اور بابا بہت تھکے ہوے تھے۔ بابا کو کب نیند آئی پتہ نہیں چلا۔ ماما بھی تھکی ہوئی

تھیں اس لیے وہ بھی میرے ساتھ سو گئیں۔ ارحام نے پریذے کے گال پر اب اپنی ٹیئر ڈرگڑی۔

وہ اسی لمحے کھکھلا کر ہنس پڑی۔۔

پریذے بابا سے اب ناراض تو نہیں۔۔۔ ارحام نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

نہیں بابا صرف میرے ہیں۔ آپ ماما کے نہیں صرف میرے ہیں۔ پریذے نے ارحام کے گال پر کس کرتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

Yes baba is yours only yours

ارحام کی بات پر پریذے حور کو جتاتی نظروں سے دیکھتے وہ ارحام کے ساتھ لپٹی تھی۔ حور اس کی جیلسی پر مدھم سا مسکرائی تھی۔

مائی لٹل پرنسز زمائی بچہ۔۔۔اب کب تک آپ یہاں ایسے کھڑی رہیں گی۔۔کیا چاہتی ہیں اب پریذے آپ کی خوبصورت ٹانگوں پر نشان دیکھ کر پوچھے یہاں کس نے بایٹ کیا۔ارحام نے حور کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے دانت پیسے تھے۔

حور نے سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے اپنا گاون نیچے کھسکایا۔

مائی بچہ۔۔۔یہ ایسے کرنے سے لمبا نہیں ہو جائے گا۔جاؤ چینج کرو میں اور اپنی بیٹی کے سامنے تمھیں اس حلیے میں برداشت کر سکتا۔ارحام نے اب کی بار اسے سرد نگاہوں سے گھورتے دبی آواز میں کہتے دانت پیسے تھے۔

میرے نزدیک آپ رومانٹک خانزادہ نہیں ترسے ہوے خانزادہ جو مجھے دیکھتے ہی ویمپائر بن جاتے ہیں۔ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ میری اور آپ کی آخری گولڈن نائٹ ہو اس کے بعد تو آپ کو کوئی موقع ملے گا نہیں۔۔حور

ارحام کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں دبی آواز میں لفظ چباتے ہوے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے ہوے اپنے کندھے پر سر رکھے پریذے کی پشانی پر لب رکھے تھے۔وہ سختی سے اس کے ساتھ لپٹے آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔

ارحام سمجھ گیا تھا وہ اس کے ساتھ ٹایم سپینڈ کرنا چاہتی ہے. گل کے ہوتے ہوے بھی وہ اس کے کمرے میں آتے اس کے ساتھ ایسے چپکتے آنکھیں موند لیتی تھی۔

ارحام نے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس کے پیٹ میں گدی گدی کی ت وہ آنکھیں بند کیے ہی کھکھلانے لگی تھی۔۔

ارحام نے اس کے ہاتھ سے نرمی سے نایٹی لیتے ساتھ سایڈ ٹیبل کے ڈرار میں رکھی۔۔ پریذے پر جھکے وہ پھر سے اس کے پیٹ میں گدگدی کرنے لگا۔ پریذے کھکھلاتے ہوے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔

عابیر نے اچٹتی سی نظر اسفندیار خان پر ڈالی جو اپنے لب بھینچے سنجیدگی سے ڈرائیو کرتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ لایٹ براؤن بال پیشانی پر بکھرے ہوے تھے۔ نیلی آنکھوں میں سرخی کی امیزش اس کی آنکھوں کے سحر میں مزید آضافہ کر رہی تھی۔ سرخ و سفید رنگت پر تیکھے نقوش وہ بلاشبہ ایک شاہکار مرد تھا جس کی کوئی بھی لڑکی تمنا کر سکتی تھی۔

!!اچھا ہے وہ تمھیں طلاق دے کر ایسی ہی کسی لڑکی سے شادی کر لے۔ میں اپنی بہن کو اس جیسے بدکردار عیاش انسان کے ساتھ رہنے نہیں دے سکتا!!

زاران کے لفظ یاد آتے ہی اس کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئی تھیں۔

اس نے بمشکل سانس لیتے اپنے چہرے کا نقاب اتارتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائی۔

تمھیں پتہ ہے عابیر امریکہ میں بعض گوریوں کو مشرقی مرد بہت !! پسند ہوتے ہیں۔وہ پاکستانی ایشین مسلمان مردوں کو پسند کرتی !!ہیں

آئی تھنک بعض ایشین مرد کی پرسنیلٹی انھیں بہت اٹریکٹ کرتی !! ہے۔۔وہ فزیکل بھی ہونا چاہتی ہیں۔اور مسلمان مرد صرف !!ویجٹیبل پر اکتفا نہیں کرتا شائد اس لیے

ابرش کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے نیم جاں کر رہے تھے۔ اسے جیسے اپنی روح بدن سے پرواز ہوتے محسوس ہو رہی تھی۔

!!لگتا ہے ڈاکٹر ماہم کو نیلی آنکھوں والا خان پسند آ گیا ہے!!

!!اچھا ہے وہ تمھیں طلاق دے کر ایسی ہی کسی لڑکی سے شادی کر لے۔ میں اپنی بہن کو اس جیسے بدکردار عیاش انسان کے ساتھ رہنے نہیں دے سکتا!!

سارے لفظ سماعتوں میں گونجتے گڈمڈ ہوتے اسے پاگل کر رہے تھے۔ آتش گیر مادے کی طرح اپنا وجود پھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

جدائی وہ دل سے قبول کر چکی تھی مگر بیوفائی تو اس کا دل آج تک قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ کیسے اس نیلی آنکھوں والے خان کو کسی کے ساتھ بانٹ سکتی تھی؟؟

وہ جانتی تھی وہ مرد تھا آج عشق کا دعویدار تھا۔ اس سے جدائی کی صورت میں وہ تڑپ بھی رہا تھا۔ آج آنسو بھی بہا رہا تھا۔ کل وہ جب رو رو کر تھک جاتا تو اپنا غم غلط کرنے کے لیے بھی کسی دوسری عورت کے پاس ہی جاتا۔ پہلے شاید حرام کا رشتہ بنایا اب حلال کا بنا لیتا۔ مرد عورت کی فطرت لے کر نہیں پیدا ہوتا۔ بیوفائی شاید اس کی سرشت میں شامل تھی۔۔ مرد کی دوسری شادی عورت کے نزدیک بیوفائی ہو سکتی تھی۔ مگر مرد کے نزدیک تو ہمیشہ سے اس کا حق رہی ہے۔۔ اپنی دوسری شادی جسٹیفائی کرنے کے لیے اس کے پاس ایک لفظ ہی کافی تھا اس کا حق۔۔ یہاں تو اسفندیار خان کے پاس اس کی سفاک پٹھانی کی سفاکیت ہی کافی تھی۔۔ وہ اس کی سفاکی کو بنیاد بنا کر اپنا دوسری شادی والا حق استعمال کر سکتا تھا۔

عابیر دل پر ہاتھ رکھے بے آواز آنکھیں میچے روتے ہوئے سیٹ پر اپنا سر دائیں بائیں پٹخ رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک ایسے ہی بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔

اسفندیار خان ونڈ سکرین پر سرد و سپاٹ انداز میں نظریں جمائے ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی وہ جانتا تھا وہ یہ بھی جانتا تھا۔ وہ کب سے آنسو بہا رہی ہے ؟؟۔ مگر اس نے ایک نظر بھی اس پر ڈالی نہیں تھی۔۔ فیصلہ ہو چکا تھا اب رونے کا کیا فائدہ ؟؟ وہ سرد انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اپنی چادر سے رگڑیں ۔۔ ہیزل گرے آنکھیں شدید گلابی ہو رہی تھیں۔ سیب جیسے عارض بھی

خون چھلکا رہے تھے۔ جنھیں وہ ہر تھوڑی دیر بعد چادر سے رگڑتے انھیں مزید سرخ کر جاتی۔۔

اسفند نے سٹرینگ گھماتے گاڑی کا ٹرن لیا تھا کہ اس کی نظر عابیر پر پڑی اس کے کھلا چہرہ دیکھتے اسفند کا سنجیدہ چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔

رونے سے اس کا خوبصورت چہرہ مزید خوبصورت ہو گیا تھا۔ آنکھیں ناک سب سرخ ہو رہے تھے۔ براؤن لٹیں گیلے سرخ عارض کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔ وہ بے حال سی سیٹ سے ٹیک لگائے آنسو بہاتے اپنی چادر سے اپنے گال آنکھیں ناک رگڑ رہی تھی۔۔

چہرہ ڈھکو اپنا عابیر۔۔۔۔ اسفند اس کے خوبصورت چہرے کو ایک نظر دیکھتے سرد لہجے میں حکم دیتے ونڈ سکرین پر نظر جما چکا تھا۔

گاڑی میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔اسفند جبڑے بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی پھر سے عابیر پر نظر پڑی تھی۔وہ خود کو اس پر نظر ڈالنے سے روک نہ سکا تھا۔

چادر اس کے سر سے ڈھلک کر اب شانوں پر تھی۔اسفند کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔

وہ لوگ ایک مصروف شاہراہ سے گزر رہے تھے۔سامنے سے بہت سی گاڑیاں بسیں ٹرک گزر رہے تھے۔۔اسفند نے جبڑے بھینچتے بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیا۔ہاتھوں کی نیلی رگوں کے ساتھ ساتھ گردن کی بھی پھولتی رگیں بھی اجاگر ہوئی تھیں۔آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔آخر وہ اتنا بے حال کیوں ہو رہی تھی کہ اسے اپنے پردے کا بھی خیال نہ رہا تھا۔

اسفندیار خان نے غصے اشتعال سے سٹیرنگ پر مکہ مارتے گاڑی کو بیک پر لیتے اسے شارٹ کٹ راستے کی طرف موڑا۔ جہاں سے کم ہی گاڑیاں گزرتی تھیں۔

ٹوٹی پھوٹی تنگ سڑکوں جس کے اطراف میں گہری کھائیاں تھیں۔۔ اسفند یار خان کی گاڑی اب ہچکولے بھر رہی تھی۔

اسفند نے غصے سے اپنی طرف کا شیشہ کھول دیا تھا۔ سرد برفیلی ہوا اسی لمحے اسفند اور عابیر کا پورا وجود سرد کر گئی تھی۔۔ عابیر تو ٹھٹھر کر رہ گئی تھی ۔۔ اس کا پورا جسم کپکپا اٹھا تھا۔۔ عارض تو اب سچ میں جیسے خون چھلکانے لگے تھے۔

اسفند۔۔۔۔ شیشہ۔۔۔ اوپر۔۔۔۔ کریں۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ سرد ۔۔۔۔ برفیلی۔۔۔ ہوائیں۔۔۔ میری۔۔۔۔۔ جان۔۔۔۔ لے۔۔۔۔ لیں۔۔

گی۔ عابیر کپکپاتے ہوے بمشکل بولی۔ اپنی گرم شال وہ اچھی طرح خود پر جمائے بری طرح کپکپانے لگی تھی۔

یہ سرد ہوائیں تمھارے ٹھنڈے بدن کو مزید ٹھنڈ کر رہی ہیں۔ مگر یہ سرد ہوائیں مجھے سکون دے رہی ہیں۔ میرے اندر دہکتے تندور کو شاید یہ ٹھنڈا کر دیں۔ اسفندیار خان نے گاڑی کی سپیڈ پہلے سے بھی زیادہ بڑھائی تھی۔

گاڑی کی سپیڈ تیز تھی سڑک پر موجود چھوٹے سے پتھر سے گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا۔ عابیر اپنی طرف کے شیشے سے جا ٹکرائی تھی۔

آہہ۔۔۔ عابیر نے کراہتے ہوے اپنا سر تھاما جو اس کی سائیڈ کے تھرتھراتے ہوے شیشے سے جا لگا تھا۔

اس کے سسکنے پر اسفندیار خان نے گاڑی ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔۔

اسفندیار خان اس کی طرف جھکتے اس کے ہاتھ نرمی سے اس کے سر سے ہٹاتے خود اس کے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیا تھا۔

دونوں کی سرخ متورم آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں سے ٹکرائی تھیں۔۔

اسفند کی سرخ آنکھوں میں نمی نے شدت اختیار کی تھی۔

عابیر کی آنکھوں کی نمی گرتی اس کے خون چھلکاتے عارض کا حصہ بنتی اس کی دودھیا گردن کو بھگو رہی تھی۔

کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ اسفند نے تڑپتے ہوے اس کی پیشانی کو چھوا۔ وہ تو آگ کی بھٹی کی طرح جل رہی تھی۔۔

اسفندیار خان نے اس کی گردن کو اب اپنے ہاتھوں سے چھوا۔۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ دہکتا تندور بنی ہوئی تھی۔

دونوں کی گرم آگ جیسی سانسیں ایک دوسرے کے چہرے پر بکھرتے دونوں کے وجود کو جھلسا رہی تھیں۔

کھلی کھڑکی سے آتی برفیلی ہوائیں بھی دونوں کو سرد نہیں کر سکی تھیں۔ وہ دونوں تو پہلے سے بھی زیادہ گرم ہوتے ایک دوسرے کی بدن سے نکلتے شعلوں سے جھلس رہے تھے۔

کچھ۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ ہوا۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ اسفندیار خان۔۔۔ میں۔۔۔ ٹھیک ہوں۔ اگر۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ کچھ۔۔۔ ہوا۔۔۔۔ بھی۔۔۔ تو۔۔۔ آپ۔۔ کی۔۔۔ ضرورت۔۔۔۔ نہیں۔ عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولی تھی۔۔

اسفند اس کی بات اگنور کیے اس کی پیشانی کو اپنے گرم ہاتھ سے دیوانوں کی طرح چھو رہا تھا۔۔

وہ خود آگ کی بھٹی کی طرح گرم تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی اپنی تپش ہو۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کا بخار چیک کر رہا تھا۔

اسفند نے جھکتے ہوے اس کی گردن پر دہکتے ہوے لب رکھے۔ اسفند کو لگا اس نے جیسے اس کے لبوں نے کسی انگارہ کو چھو لیا ہو۔

اسفند۔۔۔ عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے دور کرتے تڑپتے ہوے اسے پکارا۔

وہ اس کی گردن پر جھکے دیوانوں کی طرح اپنے لب رکھتے اس کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

اسفندیار خان دور ہٹیں مجھ سے۔۔ عابیر اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے دور کرتے گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل ہی بولی تھی۔ لفظ گھٹ گھٹ کر حلق سے ادا ہو رہے تھے

تم جل رہی ہو عابیر۔۔۔ تمھیں بخار ہے عابیر۔۔۔۔۔ اسفند تڑپتے ہوے اب اس کے لبوں پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کی پرپش سلگتی سانسوں کو گھوٹ گیا تھا۔

عابیر گہرے سانس لیتے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

چیک اپ کروایا تم نے ؟؟ اسفند نے بے قرار لہجے میں پوچھے اس کے شبنمی ملائم ریشم جیسے سرخ گلاب عارض پر لب رکھے تھے۔ وہ اس سے مزید بے اعتنائی نہیں برت سکتا تھا۔ اسے ایسے جلتے دیکھ کر اس کے بدن کی آگ میں

مزید شعلے سے دہکتے اس کے بدن کو مزید گرم کر چکے تھے۔اس کی حالت دیکھتے وہ مرنے والا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے تک بلکل ٹھیک تھی اسفندیار خان!!

آپ کو دیکھتے ہی یہ جسم دہکتا تندور بنا ہے۔جیسے آگ کی بھٹی میں مکئی کے دانے بنتے ہیں ایسے ہی میرا بدن جل بھن رہا ہے۔شرارے سے پھوٹ رہے ہیں۔وہ اپنی دھڑکنوں ایک ہاتھ سے نوچنے کے انداز میں بے دردی سے جکڑ گئی۔۔

یہاں ہاتھ لگائیں اسفندیار خان!!ذرا چھو کر دیکھیں میری دھڑکنوں کو ۔۔بتائیں یہ جگہ آگ کی طرح گرم ہے کہ نہیں۔۔

عابیر نے اس کا ہاتھ پکڑے اپنی دھڑکنوں پر رکھے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکا۔

یہاں سے نکلتی گرمائش چیک کیجیے گا اسفندیار خان!! صرف دھڑکنوں کو چھونا نہیں ہے۔۔ جانتی ہوں یہ جگہ آپ کی پسندیدہ ہے۔ عابیر بھیگے سے لہجے میں بولتے ہنس پڑی تھی۔

اسفندیار خان کا ہاتھ اس کی دھڑکنوں اور نیلی آنکھیں اس کی سرمئی ساحرانہ آنکھوں میں گڑھی تھیں۔ جہاں سے برسات ہوتی اس کے گلاب جیسے عارض کو شبنمی کر رہی تھیں۔

سینے میں دھڑکتا گوشت کا لوتھڑا بہت نازک ہوتا ہے اسفندیار خان!! جسم کے جس بھی حصے میں درد ہو اسے چوٹ پہنچے درد صرف یہیں ہوتا

ہے۔۔ہاتھ یہیں رکھا جاتا ہے۔عابیر اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھے بھیگے لہجے میں بولی۔

مجھے بھی درد ہوتا ہے۔بہت درد ہوتا ہے۔اسفندیار خان!!

آسان ہے کیا؟؟عابیر خان کے لیے اس نیلی آنکھوں والے خان کے بنا زندگی گزارنا اسفندیار خان!!۔وہ روتے ہوئے اس کا گریبان جکڑ گئی ۔اسفندیار خان کے دہکتے لب اس کے لبوں سے آن ٹکرائے تھے۔جنھیں وہ شدت سے چوم گئی تھی۔

اسفندیار خان بے یقینی سے اس کے گرم نرم لبوں کا لمس اپنے لبوں پر محسوس کر رہا تھا۔وہ اس کے زخمی لبوں پر اپنے لب رکھے انھیں اپنی زبان سے گیلا کر رہی تھی۔اسفندیار خان کے سینے میں دھڑکتا لوتھڑا تیزی سے دھڑکتے ہوئے ساکت سا ہوا تھا۔وہ بے یقینی سے اپنی سفاک پٹھانی کا لمس

محسوس کر رہا تھا۔ اب اسفندیار خان کی آنکھوں کی نمی اس کے ریشمی عارض کا حصہ بنی تھی۔ وہ آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔ اس کا نازک بدن ہچکولوں کی نذر ہوتا ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔

ایک ہاتھ وہ اسفندیار خان کا اپنی دھڑکنوں پر سختی سے رکھے ہوے تھی۔۔ جس کی دھڑکنیں بے ترتیب سی تھیں۔

عابیر۔۔۔ اسفند اسے ملائمت سے پکارتے اس سے دور ہوا۔ وہ ہچکی بھرتے اس کا گریبان پھر سے جکڑ گئی تھی۔

آپ کہتے ہیں میں سفاک پٹھانی ہوں۔ کبھی جھانکا میرے اندر۔۔۔ کبھی جانا میرا غم۔۔ کبھی سمجھا مجھے۔ اگر میں سفاک ہوتی تو ابھی تک آپ کو دل سے نکال کر پھینک چکی ہوتی۔ مگر یہ کیسی سفاکیت ہے میری۔ آپ آج بھی اس

دل میں دھڑکن کی طرح رہتے ہیں۔عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہچکی لی تھی۔

اسفند اسے نم بے یقین آنکھوں سے دیکھتا اس کی دھڑکنوں سے اپنا ہاتھ ہٹا چکا تھا۔

ہاتھ کیوں ہٹایا اسفند یار خان رکھے رکھیں۔اس دل کو شائد تھوڑی دیر سکون آجائے۔یہ بھی چین پالے۔۔عابیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے التجا کی۔

اسفند یار خان اس کی سرمئی گہری کانچ سی آنکھوں میں دیکھتے اس کی دھڑکنوں پر اپنا ایک ہاتھ رکھ گیا۔دوسرا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا تھا۔۔وہ تو ابھی بھی تپتا کندن بنی ہوئی تھی۔

آپ کا ہاتھ دھڑکنوں پر سکون دیتا ہے صرف۔۔کچھ اور نہ سمجھیے گا۔ آپ کی سفاک پٹھانی بے باک ہے۔ اتنی بھی بے باک نہیں۔ کچھ اور مت سمجھیے گا اسفندیار خان!!وہ زخمی سا بولتے سیٹ پر سر پٹختے ہنس پڑی تھی۔ آنکھوں کی گوشوں سے آنسو نکلتے اب سیٹ کی پشت کو بھگو رہے تھے۔۔ اسفند کا گریبان وہ ابھی بھی جکڑے ہوے تھی۔

اسفند اس کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔ وہ اپنے حواص میں نہیں لگ رہی تھی۔ اسفند ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا تھا۔ اسے ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس کا گریبان پھر سے جکڑ گئی تھی۔

ویسے بھی مرد اور عورت میں فرق ہوتا ہے۔ عورت کے اس حصے پر نظر ڈالنے پر مرد کی آنکھیں خمار آلود ہوتی ہیں۔ وہ یہاں چھونے کو بے تاب ہو

جاتا ہے۔ چھوتا بھی ہے کبھی اپنے لبوں سے کبھی اپنے ہاتھوں کی گرمائش سے۔۔ مگر

یہاں جو دل ہوتا ہے اس میں دھڑکتی دھڑکنوں کو کیوں نہیں چھوتا؟؟۔ کیوں محسوس نہیں کرتا ان دھڑکنوں کو؟؟ عابیر نے کانچ سے لہجے میں بولتے اسفند کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔ اس کے سوالوں پر اسفندیار خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

دو آنسو بہا لیے آپ نے اسفندیار خان میرے سامنے۔۔ ہاتھ جوڑ لیے اسفندیار خان میرے سامنے۔۔ یہ ہے میرے عشق کی قدر و قیمت آپ کے نزدیک!! سات مہینے دیکھا ہے مجھے آپ نے تڑپتے ہوے۔۔ رات رات بھر روتے ہوے تکیے بھگوئے ہیں میں نے۔

اس کمرے میں اس بیڈ پر اپنے بالوں کو نوچتے ہوے چیخیں ماری ہیں۔ سنی ہیں ناں میری کرب ذدہ چیخیں!!۔ عابیر نے تڑپتے ہوے بہتے آنسوؤں سے سوال کیا۔۔ اسفند خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ساونڈ پروف کیمرے لگائے تھے ناں آپ نے۔۔ اسفند کی خاموشی پر عابیر نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

اسفند کا سر بے اختیار نفی میں ہلا تھا۔

عابیر بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ وہ اس کا گریبان چھوڑتے سیٹ سے ٹیک لگائے اب ہنستی جا رہی تھی۔۔ اسفند کا ہاتھ اس نے ابھی تک اپنی دھڑکنوں پر رکھا ہوا تھا۔

عابیر!!اسفند نے اس کی حالت دیکھتے بے قراری سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔بخار شائد اس کے سر پر چڑھ رہا تھا جیسے۔۔

کاش اس کیمروں میں ساؤنڈ ہوتا اسفندیار خان۔عابیر ہنستے ہوے شدت سے رو پڑی۔۔ آپ بھی سنتے میری وہ دردناک چیخیں۔۔ آپ کے بدلے کی اگ پر مزید برف پڑتی اسفندیار خان۔۔عابیر روتے ہوے حلق کے بل چیخی۔وہ اتنی زور سے چیخی تھی کہ چیخنے سے اس کے گلے میں خراش پڑی ۔۔۔وہ بری طرح کھانستے چلی گئی تھی۔عابیر۔۔۔اسفند نے ڈیش بورڈ پر پڑی پانی کی بوتل نکالتے اس کے لبوں سے لگایا۔عابیر نے اسفندیار خان سے وہ بوتل چھینتے ونڈ سکرین پر پوری قوت سے دے ماری۔

عابیر۔۔اسفند دبی آواز میں چیخا تھا۔

معافی مانگنا آسان ہوتا ہے اسفندیار خان!! معاف بھی کرنا آسان ہوتا ہے۔ مگر بھولنا آسان نہیں ہوتا۔ بتائیں کیسے بھول جاؤں؟! کیسے بھول جاؤں اپنی تذلیل اسفندیار خان؟؟ ہے کوئی فارمولا بھول جاؤں آپ کی دیے ہوے زخم۔۔۔ پوری حویلی کے سامنے کی ہوئی آپ کی دی ہوئی تذلیل۔ میرا چیخ چیخ کر آپ کو پکارنا۔۔ آپ کا اپنی ہی محبت سے مکر جانا۔ مجھے بدلے کی عورت پکارنا۔۔ میری عزت نفس پر چوٹ کرنا۔۔ پھر میری تڑپ کیمروں میں دیکھنا۔۔ آپ کا دوسری عورت کے ساتھ جسمانی تعلقات کا اقرار کرنا۔ ثبوت کی صورت میں وہ تصاویر بھیجنا جس میں ایک غیر عورت کو آپ ان ہونٹوں کا لمس دے رہے ہیں۔ عابیر اس کے زخمی ہونٹوں پر انگلیاں پھیرتے رو دی تھی۔

اسفندیار خان کیسے بھول جاؤں ؟! کیسے بھول جاؤں ان ہونٹوں کو میرے علاوہ بھی کسی اور نے چھوا ہے

عابیر وہ فیک تھیں میں بدلے میں اتنا نہیں گر سکتا کہ کسی دوسری عورت کے ساتھ حرام ریلیشن رکھوں۔ اسفند بلبلاتے ہوے اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

اسفندیار خان !! جو اپنی عورت کو روتا کرلاتا چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ جو سات مہینے میں اپنی عورت کی طرف پلٹ کر ایک نگاہ نہیں ڈالتا۔ جو اپنی بیوی کی شدید محبت کی دیوانگی سے واقف ہونے کے باوجود اسے دوسری عورت کی مار مارتا ہے۔ وہ امریکہ جیسے شہر میں رہ کر حرام تعلقات سے کیسے اجتناب کر سکتا ہے ؟؟۔ جہاں ہر کونے میں ہر گلی میں آسانی سے عورت مل جاتی ہے۔۔ جہاں گناہ ثواب کی کوئی تمیز نہیں۔ جہاں زناکاری کا ڈر خوف نہیں

۔۔جب آپ میرے معاملے میں خدا سے نہیں ڈرے تو اس حرام رشتے سے کیسے ڈر گئے اسفندیار خان؟؟ عابیر تلخی سے بولتے مسکرا گئی تھی۔

کیسے اعتبار دلاؤں عابیر؟؟ اسفند نے تڑپتے ہوے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

ایک سوال کا جواب دے دیں اسفندیار خان۔۔ وعدہ کرتی ہوں اگر آپ نے اگر اس سوال کا جواب خدا کو حاضر جان کر دیا۔ آپ کے جواب کے مطابق میں آپ کو معاف کر دوں گی۔ عابیر نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر سختی جماتے ہچکے لیتے زخمی لہجے میں کہا۔

پوچھو۔۔۔ اسفند نے لب بھینچے سنجیدگی سے کہا تھا۔

ایسے نہیں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں۔ آپ اس کا جواب وہی دیں گے جو آپ کا دل دے گا۔ میرے ساتھ گیم نہیں کھیلیں گے۔ عابیر اس کا دوسرا ہاتھ اپنے سر پر رکھ گئی تھی۔۔

اتنی بے اعتباری؟؟۔ اسفند کرب سے مسکرایا تھا۔

یہ بے اعتباری مجھے میرے ہر رشتے نے دی ہے۔ اگر آپ بھی عابیر جیسی زندگی گزارتے تو آپ کے لیے دنیا ایک ہی لفظ پر محیط ہوتی ہے وہ ہے بے اعتباری۔۔ عابیر زخمی لہجے میں بولتی مسکرائی تھی۔ اس کی باتوں پر نیلی آنکھوں میں شبنم بڑھتی جا رہی تھی

آج سے نو مہینے پہلے گیسٹ ہاؤس میں آپ کی قربت میں گزری اس رات میں آپ کی ہر سانس ہر شدت آپ کی ہر سرگوشی آپ کے ہر لمس میں عابیر خان نے آپ پر اعتبار کیا تھا۔

کیا کہا تھا؟! میری زندگی!! میری عابیر،، میری جان!! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اپنی سانسوں سے زیادہ تم سے محبت کرپا ہوں۔ کہا تھا ناں۔۔۔ عابیر نے ہچکی لیتے استفسار کیا۔

اسفند کی نگاہوں کے سامنے اس رات کا ایک ایک پل آیا تھا۔

یاد ہے بیڈ پر کاوچ پر اس کمرے کی ہر جگہ پر جہاں جہاں آپ نے مجھ پر اپنی شدتیں ڈھائی تھیں۔ ہر سانس میں صرف اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ یاد ہو گا آپ کی بے رحم شدتوں پر بھی میں آپ کے ساتھ لپٹ رہی تھی۔

وہ محبت کا اظہار میرے کانوں میں امرت کی طرح گھلتا مجھے چاشنی کی طرح محسوس ہوتے زندگی کی نوعید دے رہا تھا۔ وہ لفظ نہیں تھے زندگی تھے میرے لیے۔۔ عابیر اسفندیار خان کا ہاتھ ہٹائے اب خود اپنی دھڑکنوں کو جکڑ چکی تھی۔۔

افففف۔۔۔اسفندیار خان۔۔افففف۔۔۔۔اس رات آپ سے عشق کی انتہا ہو گئی تھی۔عابیر آنکھیں میچے سر پٹختے ہوے رو رہی تھی۔

کیسے ایک خاص لڑکی عام بن گئی۔۔آج بھی میرے نزدیک میری priority عشق ہی ہے۔

آج اگر میرے لالا میرے بابا میرے مرحوم شوہر۔۔۔مجھے ڈاکٹر بنا دیتے تو میں کسی ہسپتال میں ڈاکٹر ہوتی۔۔اس رات کو سوچنے کے علاوہ اور بہت کچھ سوچتی۔۔وہ زخمی سا بولتے آنکھیں میچ چکی تھی

ایک لیب کوٹ اور سٹھتیو سکوپ لا دیں اسفندیار خان۔۔۔اسے پہن کر ہی کبھی کبھار خود کو ڈاکٹر سمجھ لوں گی۔ہسپتال میں تمام لیڈی ڈاکٹرز کو دیکھ کر اسفندیار خان میں مرنے والی ہو گئی تھی۔۔میں حاسد نہیں ہوں اسفندیار

خان !! مگر میں حسد کر رہی تھی۔۔ کیا ڈاکٹر بننا اتنا ہی مشکل ہے یا پھر صرف عابیر خان کے لیے ہی مشکل ہے۔

میں کیوں ڈاکٹر نہیں بن سکی ؟؟۔۔ میں کیوں نہیں ڈاکٹر بن سکتی ؟؟ عابیر ٹوٹے لفظوں سے بولتے سر دائیں بائیں پٹخ رہی تھی.. وہ نیم غنودگی میں چلی گئی تھی۔

اسفند نے ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل اٹھائے جلدی سے اس کے سر پر پھینکا۔ وہ اسی لمحے آنکھیں کھولتے جھٹپٹائی تھی۔۔ اسفند اس کے دونوں ہاتھ جکڑتے اس پر پانی کی بوتل گرا چکا تھا۔۔

اس کے چہرے اس کی پیشانی پر وہ اب ہاتھ پھیر رہا تھا۔

وہ پھر سے آنکھیں میچ چکی تھی۔ اسفند دیوانوں کی طرح اس کے ایک نقوش نقوش کو چھو رہا تھا۔ اسفند نے اسے نم آنکھوں سے دیکھتے اسے سیٹ کے ساتھ لٹایا۔

اسفند نے جلدی سے گاڑی سٹارٹ کرتے حویلی کے راستے پر ڈالی۔ وہ جس سڑک پر تھا یہاں سے وہ ہسپتال کی طرف مڑنے کے لیے اسے ایک گھنٹہ لگ جاتا۔ حویلی دس منٹ کے فاصلے پر تھی۔ اسے وہ ہسپتال لے کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ فی میل ڈاکٹرز کو دیکھ کر ایسا محسوس کرتی ہے۔ اسے آج محسوس ہوا تھا۔

اسفند نے پریشانی سے اس کے نرم و ملایم خوبصورت چہرے کو دیکھتے گاڑی کی سپیڈ تیز کی۔

اسفند اپنی پیشانی مسلتے تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا.

اتنا میں چاہوں تمھیں کوئی کسی کو نہ چاہے

تو بھی مجھ سے پیار کرے کاش وہ دن بھی آئے

عابیر کے لب آہستگی سے ہلتے اسفندیار خان کو بے چین کر گئے تھے۔ وہ نیم غنودگی میں آہستگی سے بول رہی تھی۔۔ آنکھ کے گوشوں سے آنسو نکلتے سیٹ کو بھگو رہے تھے۔

خود پہ تو میں پہرے لگا لوں

روک نہ پاؤں یادوں کو

بھول گیا تو میں نہ بھولی

ان قسموں کو ان وعدوں کو

دوری مجھ کو

جینے نہ دے

تنہائی تڑپائے

عابیر اپنی دھڑکنوں کو پکڑے پھر سے رو دی تھی۔۔

اسفندیار خان کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے عارض پر بہہ رہے تھے

۔وہ اپنے آنسو اپنے بازو سے رگڑتے گاڑی فل سپیڈ میں چلا رہا تھا

اسفند کی گاڑی کے ٹایر حویلی کے کار پورچ میں آکر چرچرائے تھے۔وہ

جلدی سے گاڑی سے اترتے عابیر کی طرف بڑھا۔

اس کی طرف کا دروازہ کھولتے اس نے جھکتے ہوے اسے گود میں اٹھایا۔۔وہ اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے جلدی سے داخلی دروازے سے ہوتا اندر زنان خانے میں داخل ہوا۔

رقیہ خانم اور امینہ خانم صوفوں سے اٹھتی اسفندیار خان کی طرف بڑھیں۔۔

کیا ہوا اسے ؟؟ امینہ خانم نے بے قراری سے تڑپتے ہوے پوچھا۔

کچھ نہیں ہوا اسے ؟؟ جو بھی ہوا ہے میں دیکھ لوں گا اسے۔۔کسی کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔اسفند اپنی نم آواز پر قابو پاتی سنجیدگی سے کہتے تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

اسفند!!اس کو نیچے اس کا کمرے میں لٹا دو۔۔میں اور بھابھی دیکھتا ہے۔اس کو تم اوپر کیا کرے گا لے جا کر۔تم ڈاکٹر تھوڑی ہے۔ہسپتال سے کسی ڈاکٹر کو بلواؤ۔روزینہ خانم کی بات پر اسفند کے بھاری قدم رکے تھے۔

عابیر بیوی ہے میری۔۔اسے میں کہاں رکھوں کہاں لے کر جاؤں؟؟۔آپ کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔۔ماں ہیں میری۔۔میرے لیے احترام کے قابل۔جس دن آپ کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہوئی سب کے سامنے تھپڑ بھی ماریں گی خاموش رہوں گا۔مگر آئیندہ میری بیوی کو لے کر کوئی بھی سوال وجواب نہیں کریں گی۔۔نہ میری بیوی کو کسی بات کا طعنہ دیں گی۔آپ کو بتادوں یہ بیوی نہیں میری زندگی ہے۔اس کو دکھ دینے کا مطلب مجھے تکلیف دینا۔۔آئیندہ آپ نے اسے کسی بھی قسم کی تکلیف دی۔

میں آپ سے اپنا ہر تعلق توڑ دوں گا۔ اسفند سرد و سپاٹ لہجے میں بولتے سیڑھیاں چلتے اوپر چلا گیا تھا۔

دیکھ لیا بھابھی!! یہ کیا کہہ کر گیا ہے؟؟ ایسا ہوتا ہے بیٹا۔۔ اس کو راتوں کو جاگ کر دودھ پلایا۔۔ یہ ہم سے تعلق توڑنے کی بات کرتا ہے۔ وہ بھی اس لڑکی کا واسطہ جو اس کا ساتھ سب کے سامنے کیسا سلوک کرتا ہے؟؟ اسے دھتکارتا ہے۔ روزینہ خانم سیڑھیوں پر نظریں جمائے کھ سے بولیں تھیں۔

وہ لڑکی نہیں اسفندیار خان کا بیوی ہے اس کا زندگی ہے روزینہ۔۔۔ امینہ خانم سرد و سپاٹ لہجے میں اونچی آواز میں مخاطب ہوئیں۔ روزینہ خانم نے حیرانگی سے ان کی اونچی آواز سنی تھی۔ وہ کبھی اونچی آواز میں نہیں بولتی تھیں۔

یک بار تم اس لاونج میں بہت بولا تھا ہم نے جو زیادتیاں ابرش بہارے کے ساتھ کیں۔ تم نے ہم کو احساس دلایا تھا۔

تم نے نے اچھا کیا تھا روزینہ۔۔ سچ بھی بولا تھا۔ سچ کڑوا ہوتا ہے سچ پوچھو اس دن تمھارا منہ سے نکلا ہر بات ہم کو بہت کڑوا لگا تھا۔ ہم کو احساس بھی ہوا تھا ہم غلط ہے۔

تم نے کہا تمھارا دل میں جو ہو تم بول لیتا ہے۔ تم ہمارا طرح منافق نہیں ہے۔ مگر آج ہم کہتا ہے تم ہمارا طرح منافق ہوتا تا کہ تمھارا بیٹا بھی ہمارا بیٹوں کی طرح آج خوش ہوتا۔ کیا فائدہ روزینہ اتنا سچ بولنے کا جب تمھارا منہ سے نکلا ہر لفظ دوسروں کو سوائے تکلیف کے کچھ نہیں دیتا۔

میاں بیوی کا صلح کروانے کا واسطہ تو جھوٹ بھی مومن پر اللہ نے معاف کر دیا۔ سوچو روزینہ اللہ نے حرام چیز کو حلال کر دیا۔۔ تو سوچو اس رب کا

نزدیک یہ رشتہ کیسا پیارا ہے کہ اس نے میاں بیوی کا صلح کروانے کا واسطہ اس جھوٹ کو جائز قرار دے دیا۔ ورنہ اللہ کے نزدیک وہ شخص مومن نہیں جو جھوٹ بولتا ہے۔

تم نے کیا کیا روزینہ ؟؟ اپنا بہو کے دل میں اپنا بیٹا کے واسطہ بدگمانی ڈالنے کے لیے جھوٹ بولا۔۔ وہ تصویریں دکھائیں۔۔

ارے کیسا ماں ہے اپنا بیٹا کا دکھ تم کو نظر نہیں آتا۔۔ ہمارا بیٹا ہم کو جس چیز سے منع کرتا ہے ہم ماں ہو کر سر جھکا لیتا ہے۔ دیکھ لو تم ہمارا تینوں بیٹا نے کبھی ہم سے بدتمیزی نہیں کیا۔ زاران نے ہم کو کہا تھا ہم ابرش کے معاملے میں بولے گا تو وہ حویلی چھوڑ کر جائے گا۔۔ مگر تعلق توڑنے کی بات کبھی نہیں کی۔ مگر تمھارا بیٹا نے آج تم سے تعلق توڑنے کا بات کر دیا۔۔ سوچو روزینہ !! وہ کس تکلیف میں ہے۔ تمھارا لگایا ہوا آگ میں وہ جل کر راکھ ہو

رہا ہے۔ وہ تڑپ رہا ہے تم کو اس کا تڑپ نظر نہیں آ رہا۔ صرف اس واسطہ کہ تم عابیر سے نفرت کرتا ہے۔۔ امینہ خانم کی باتوں پر روزینہ خانم تڑپ اٹھیں تھیں۔

بھابھی کیسا ہم اس لڑکی سے نفرت نہ کرے؟؟ جو ہمارا بابرک سے نفرت کرتا تھا اس کو زانی بولتا تھا اس سے طلاق مانگتا تھا۔ روزینہ بھرائی آواڑ میں چیخی تھیں۔۔

کیا نہیں تھا وہ زانی؟؟ امینہ خانم نے جواباً سنجیدگی سے سوال کیا۔

اللہ کا واسطہ بھابھی وہ مر گیا ہے۔ اس کا ذکر اچھے لفظوں سے نہیں کر سکتا برے لفظوں سے بھی نہ کرو۔ اس کا روح کو تکلیف ہوتا ہو گا۔۔ روزینہ خانم بھرائی آواز میں بولی۔

روزینہ انسان کو اس کا پیچھے اس کا اعمال سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ جیسا اعمال کر کے جائے گا اس کا ذکر بھی ویسا ہو گا۔۔ فرعون کو ہم آج بھی فرعون بولتا ہے کیونکہ وہ فرعون تھا روزینہ۔۔۔ اور وہ فرعون ہی رہے گا۔

آج رونے تڑپنے سے کیا ہو گا روزینہ تم اس کا تربیت کرتا آج تم روتا نہ ۔۔ تم نے اس کا ہر برا عمل پر پردہ ڈالا روزینہ۔۔ تم اس کو عورت کا عزت کا بتاتا کہ باہر کا عورت بھی اتنا قیمتی ہوتا ہے۔ جتنا قیمتی اس کا بہن بہارے کا عزت ہے۔

امینہ خانم کی باتوں پر روزینہ خانم شدت سے رودی تھیں۔

روزینہ۔۔۔ اگر تمھارا بیٹی کو کبھی ہمارا شہرام سیڑھیوں سے دھکا دے ۔ غیر عورتوں سے جسمانی تعلق قایم کرے۔ اور اس بات کا اپنا بیوی کا

سامنے نمائش کرتا پھرے؟؟ کیا تم بہارے کو کہے گا کہ وہ شہرام خان سے تعلق بنائے رکھے۔

تمھارا بیٹا نے بھی کسی عورت کے ساتھ تعلق۔۔۔۔

بس روزینہ۔۔۔ بس۔۔ ایک لفظ نہیں روزینہ۔۔ ہمارا شہرام کا متعلق ۔۔۔ ہمارا شہرام نے ہم کو سارا حقیقت بتا دیا ہے۔ اس عورت کا ساتھ اس کا جسمانی تعلق نہیں تھا۔ اس نے کبھی اس عورت کو غلط نظروں سے بھی نہیں دیکھا۔ وہ اس سے کسی مجبوری میں نکاح کرنے جا رہا تھا۔ صرف اس عورت کو تحفظ دینے کے لیے۔۔ مگر اسے اس دن ہی اپنا غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ پلٹ آیا تھا۔۔ اس دن کا بعد اس نے آج تک اپنا بیوی کو صفائیاں دیا ہے۔ اسے منایا ہے۔۔۔ کون کرتا ہے ایسا؟؟ ہمارا ہاں تو مرد دوسرا شادی کر کے پہلی عورت پر زیادہ اکڑتا ہے۔ دوسرا شادی کا قصور بھی پہلی

عورت کا کھاتے میں ڈالتا ہے۔ ہمارا شہر ام مسلسل ہمارا سامنے اسے اپنا غلطی کہہ رہا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا اس میں اس کا قصور تھا۔

تمھارا بیٹی نے اس دن سب کے سامنے اس کا کردار پر وار کیا۔ وہ پلٹ کر ایک بار ہی کہہ دیتا کہ میں اس عورت کے قریب تمھاری وجہ سے گیا۔ یا کہہ دیتا وہ نکاح کرنے جا رہا تھا گناہ نہیں۔۔ مگر اس نے آج تک یہ لفظ نہیں بولا۔

سب جانتا ہے تمھارا بیٹی کیسا سلوک کرتا تھا شہر ام کے ساتھ۔۔ اس سے طلاق تک مانگتا تھا۔ مگر وہ آج بھی یہی کہتا ہے کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اس سب میں اس کا قصور تھا اس نے اپنا بیوی کا دل دکھایا۔

کیا ہم کبھی تمھارا بیٹی اور اپنا بیٹا کے درمیان آیا۔ دیکھو وہ لوگ آج ایک ہیں۔ ہمارا بیٹا گولیاں کھا کر موت کا منہ سے واپس آیا ہے مگر اس کا چہرہ پر

رونق ہے۔ وہ ہنس رہا ہے مسکرا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا رونق اس کا زندگی اس کا بہارے ہے۔ اور تمھارا بیٹا کا چہرہ پر موت کا ویرانی چھایا ھے۔ نظر نہیں آتا تم کو اس کا سرخ آنکھیں اس کا درد بھرا چہرہ۔۔۔ کیسا ماں ہے تم ؟؟ ایک بیٹا کو کھو کر بھی چین نہیں ملا تم کو۔۔ اب لگتا ہے ایک اور بیٹا کا جنازہ اس حویلی سے رخصت کرنا چاہتا ہے۔

بھابھی اللہ کا واسطہ ہے۔۔ ایسا باتیں نہ کرو ہمارا دل پھٹ جائے گا۔ روزینہ خانم تڑپتے ہوے بولیں۔

کیوں روزینہ کیوں تڑپ رہا ہے ؟؟۔ اسفند کو ہمیشہ اس کا بدلہ یاد کروایا۔۔ تم نے کبھی نہیں سوچا اگر اسفند اور زاران ایک دوسرے پر گولیاں چلا دیتے۔ تو تب کیا تمھارا بدلہ کا آگ ٹھنڈا ہو جاتا۔ ایک بیٹا کو کھونے کا بعد دوسرا بھی کھو دیتا۔ کونسا تمھارا بدلہ کی آگ کو سکون ملتا۔۔ تم

جانتا ہے اس خئی نے گھروں کو اجاڑ ڈالا ہے۔۔ قبریں ہی قبریں ہیں ہر طرف۔۔ اب تو بند کر دو یہ سب۔۔۔ خدا کا واسطہ اپنا نفرت ختم کرو۔ بابرک کو زاران نہ مارتا تو کوئی اور مار دیتا۔ جو مرد باہر کی عورت پر نظر رکھتا ہو اس مرد کا ایسا ہی جنازہ گھر آتا ہے۔ کیونکہ باہر کا عورت کا بھی محرم رشتہ ہوتا ہے۔۔ جو اپنا عورت کا عزت پر نظر رکھنے والا کا سینہ چیرنا بھی جانتا ہے۔ امینہ خانم تنفر بھرے سپاٹ انداز میں بولتی چلی گئی تھیں۔

اسفند عابیر کو لیے اپنے کمرے میں داخل ہوتے تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا۔

وہ نیم غنودگی میں تھی اس کا جسم تپ کر انگارہ ہو رہا تھا۔ اس کے بدن کی تپش سے اسفند کو اپنا سینہ جلتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسفند اسے لیے واش روم کی

طرف بڑھا۔ روف شاور آن کرتے وہ عابیر کو گود میں لیے اپنے سینے کے ساتھ لپٹائے ہی اس کیے نیچے کھڑا ہوا تھا۔۔

پانی کی بوندیں پڑتے ہی وہ جھٹپٹائی تھی۔۔ وہ اسے اپنے سینے میں قید کرتے رو پڑا تھا۔ شاور سے گرتا پانی اسفند یار خان کو بھی بھگو رہا تھا۔ جس میں اسفند یار خان کے آنسو بھی شامل تھے۔۔ وہ اسے سینے سے لپٹائے چھت کی طرف دیکھتے چیخیں مار رہا تھا۔

آہہہہ۔۔۔ اسفند کی فلک شگاف چیخیں جیسے پہاڑوں کا سینہ چیر رہی تھیں۔ اس کی چیخوں اور پانی کی بوچھاڑ سے عابیر جھٹپاتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے ساتھ شدت سے لپٹی۔ وہ گہرے سانس اب لیتے آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔

وہ مکمل ہوش میں ہے یہ محسوس کرتے اسفند اسے اپنے ساتھ لپٹائے بے آواز اب رو پڑا تھا۔ وہ اس کے سینے سے مزید لپٹی۔۔

اسفند نے اسے اپنی گود سے نرمی سے اتارتے اسے کمر سے تھامے کھڑا کرتے اس کے وجود سے چادر اتار کر دور اچھالی تھی۔۔ وہ ابھی بھی اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھی۔ اب اپنی سرمئی گہری آنکھوں سے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔

اسفند دیوانوں کی طرح اس کے چہرے پر اپنے ہاتھ پھیرتے اس کے کمر پر بکھرے بالوں کو انگلیوں سے سلجھا رہا تھا۔

کبھی اس کے عارض پر چپکی لٹیں کان کے پیچھے اڑستا کبھی اس کے چہرے پر ہاتھ اپنا ہاتھ پھیرتا۔۔ دیوانوں کی طرح اس کی مضبوط کپکپاتی انگلیاں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

تم کو نہیں معلوم میں

تجھ سے کتنی

محبت کرتا ہوں

یاد میں تیرے تنہا اکیلا

میں آہیں بھرتا ہوں

نظریں اٹھاؤں

نظریں جھکاؤں

سامنے تو مسکائے

اتنا میں چاہوں تجھے

کوئی کسی کو نہ چاہے

اسفند اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے نم آواز میں بولتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے اسفند کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔ وہ اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

عابیر اس کے حصار میں بری طرح جھٹپٹائی تھی۔ اسفند نے اس کا جھٹپٹانا محسوس کرتے اسے اپنے حصار سے الگ کیا۔

عابیر اب گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں شاور کے نیچے بھیگتے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

اسفند کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔۔ وہ بہت نرمی سے قطرہ قطرہ اس کی سانسیں پی رہا تھا۔ اس

کی کمر میں ہاتھ ڈالے وہ اسے خود کے ساتھ لگائے ہوے تھا۔ عابیر نے کانپتے ہاتھوں سے خود سے دور کیا۔ وہ اس کی سانسوں کو آزاد کرتے اس کا اب چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کے نقوش پر اپنے لب نرمی سے رکھتا چلا گیا تھا۔ اسفند کی آنکھوں سے برستے آنسو بھی شاور کی بوندوں میں شامل تھے۔

دونوں کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے مگر پانی کی بوندوں میں ملتے وہ اپنی پہچان کھو رہے تھے۔

عابیر کچھ پل اسفند کا لمس اپنے چہرے پر برداشت کرتی رہی دوسرے پل وہ اسے دور جھٹک گئی تھی۔

عابیر۔۔۔ اسفند نے اسے نرمی سے پکارتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کیا تھا

اسفندیار خان آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرے قریب آنے کی۔۔ ہم اپنے راستے جدا کر چکے ہیں۔ اپ جانتے ہیں۔

عابیر گہرے سانس لیتے چٹختے اعصابوں سے بولی۔۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی اب نیلی آنکھوں والے خان کی پناہیں قبول نہ تھیں۔

کیسے جدا ہو سکتے ہیں ہم عابیر ؟! جب ہم دونوں کے دل ایک دوسرے کے سینے میں دھڑکتے ہیں۔ مجھ سے جدائی میں دیکھو تم مرنے والی ہو گئی تھی۔ مجھے دیکھو میں بھی مر رہا تھا۔ اگر جدائی سچ میں مقدر آن ٹھہری تو مر جاؤں گا۔۔ مت کرو خود پر اور مجھ پر ظلم۔۔۔ اسفند کا لہجہ التجائیہ ہوا تھا۔

معاف کر دوں گی۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں معاف کر دوں گی۔

میرے سوال کا جواب دیں۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔

اسفند نے پریشانی سے اسے دیکھا۔ آخر کیا پوچھنا چاہتی تھی جس کے بعد وہ اسے معاف کر دیتی۔

بتائیں مجھے اگر دارم خان کی حویلی میں لالا کے بغیر میں رات رکتی۔۔ کیا آپ کا یقین مجھ پر آج بھی قائم ہوتا۔۔

عابیر۔۔۔ اسفندیار خان اپنا ہاتھ کھینچتا اسے غراہٹ سے پکار اٹھا تھا۔

غرائیں مت۔۔۔ میرا پندرہ منٹ وہاں گزارنے سے آپ پرائیویٹ جیٹ کروا کر آ گئے۔۔ بتائیں کیا آپ کے یقین میں دراڑ آتی کہ نہیں جب میں

پوری رات دارم کی حویلی میں گزارتی۔ عابیر نے اس کا ہاتھ دوبارہ اپنے سر پر رکھا۔

نہیں آتی۔۔ اسفند جواب دیتے نگاہیں پھیر گیا تھا۔

میری طرف دیکھ کر بات کریں اسفندیار خان!! نظریں نہ چرائیں۔ عابیر نے استھزائیہ لہجے میں کہتے مسکرائی۔

اسفند نے اپنی سرد سرخ نگاہیں عابیر پر گاڑھیں۔

آپ ایک فرشتہ مرد ہیں اعتبار کے معاملے میں۔ ورنہ شادی کے بعد عورت پر اعتبار کرنا بہت مشکل ہے۔۔ وہ مرد کو دھوکہ دے کر اپنے کپڑوں میں سلوٹیں ڈال آئے اور مرد کو پتہ بھی نہ چلے۔۔ عابیر طنزیہ کہتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

اس کی بات پر اسفند کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

چلیں چھوڑیں آپ کا اعتبار بہت گہرا ہے مجھ پر!! یہ مان لیتی ہوں میں۔ صرف یہ بتا دیں۔ میری اس غلطی کی معافی دیتے کہ نہیں۔۔ عابیر نے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

نہیں۔۔۔ اسفند نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک لفظی جواب دیا رہا۔

عابیر اس کے جواب پر نم آنکھوں سے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

میں ان سات مہینے آپ سے کسی مرد کا ذکر کرتی۔ صرف یہی کہتی اس سے میری فون پر بات چیت ہے کیا؟؟ آپ میری یہ غلطی یہ جھوٹ برداشت کرتے۔۔ عابیر کے سوال پر اسفند کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ رنگت شدید سرخ ہوئی تھی

نہیں۔۔۔ اسفند نے جبڑے بھینچتے کہا۔

عابیر کی استھزائیہ مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔۔ آنکھوں کی نمی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

میں اس طرح کسی مرد کے ساتھ فیک تصویریں بنا کر آپ کو سینڈ کرتی۔۔ کیا آپ مجھے معاف کرتے۔۔ عابیر کے اس سوال پر اسفند نے اس کے سر سے ہاتھ ہٹائے پوری قوت سے دیوار پر مکہ مارا تھا۔ پھر وہ چیختے ہوئے مکے مارتا چلا گیا تھا۔ اپنا غصہ وہ ایسے اتار رہا تھا۔ سفاک پٹھانی کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

عابیر کچھ پل اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے رہی پھر اپنے نم عارض اپنی ہتھیلی سے رگڑتے واش روم سے نکل آئی تھی۔

اسفندیار خان تیز تیز قدموں سے اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اسفند اسے کلائی سے کھینچتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا۔

اندر تم نے جو عورت کے کردار کی جو حقیت بتائی یقین نہیں آتا کہ تم ایک عورت ہو کر ایسی بات کیسے کر سکتی ہو؟؟۔ اسفند اس کے بال ایک ہاتھ سے نرمی سے دبوچے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

حقیقت بیان کی ہے میں نے اسفندیار خان۔ عابیر سپاٹ لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

غلط حقیقت بیان کی ہے مسسز اسفندیار خان!!۔ اگر عورت اور مرد کے درمیان یہ اعتبار کی ڈور اتنی ہی کچی ہوتی تو دنیا کا کوئی مرد اپنی عورت کو چھوڑ کر سات سمندر پار نہ جا پاتا۔ وہ اپنی عورت کو اس لیے چھوڑ کر جاتا ہے۔

اسے اس عورت پر اعتبار ہوتا ہے۔ وہ مر جائے گی کبھی اس کی عزت کو رسوا نہیں کرے گی۔۔ ارے دوسرے مرد کے پاس جانا تو دور کی بات!! وہ رات کی تنہائی میں تن تنہا اکیلی بھی اپنے کپڑوں میں سلوٹ نہیں ڈالے گی۔۔ اتنا اعتبار ہوتا ہے ایک مرد کو اپنی عورت پر۔۔ میرے نزدیک عورت اتنی ہی اعتبار کے قابل ہوتی ہے مسز اسفندیار خان۔۔ اسفند اس کے چہرے پر اپنی پر تپش سانسیں چھوڑتا غرایا تھا۔

اگر تم دارم کی حویلی میں رکتی۔ میں تمھاری غلطی کبھی معاف نہ کرتا مگر تم پر اعتبار ضرور کرتا۔۔ اب تم میری اس سوچ پر مجھے سو کالڈ ڈپلومیٹک مرد کہہ سکتی ہو۔ مگر مرد ذات ایسی ہی ہے۔ اس کی عورت اس کا غرور ہوتی ہے اور وہ اپنے غرور میں کمی بیشی برداشت نہیں کر سکتا۔

اگر تم دارم خان کی حویلی میں رکتی۔ تم پر اعتبار نہ ٹوٹتا مگر میرا غرور ٹوٹ جاتا۔۔ اگر میرا غرور ٹوٹ جاتا میں دوبارہ تمھاری طرف پلٹ کر نہ دیکھتا کیونکہ مجھے اپنے غرور سے سب سے زیادہ محبت ہے۔

اگر تم مجھے کہتی تمھارے کسی مرد سے فون پر دوستی ہے۔۔ مگر بات یہ ہے کہ تم میرے نکاح میں رہتے ہوے کیسے یہ کہتی ؟؟۔۔۔ یہ کہتے ہوے کیا تمھارا غرور مٹی میں نہ مل جاتا۔ دارم کی پسندیدگی پر تمھارا خود پر غرور ملانہ مٹی میں۔ اسفند نے تپتے لہجے میں سوال کیا۔

وہ۔۔۔ مجھے۔۔۔ پسند۔۔۔ نہیں۔۔۔ کرتا۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔ غلط۔۔ فہمی ہوئی۔۔۔ ہے۔ عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں دیکھتے لڑکھڑائی آواز میں بولی۔۔

ایک سچ کو تم ایکسپٹ کر پا نہیں رہی۔ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو تا کہ میرا اعتبار تم پر ختم نہ ہو۔ تو بتاؤ کیسے تم مجھ سے کسی مرد کا نام لے کر جھوٹ بول سکتی ہو۔ کیونکہ تم ایک عورت ہو اور یہ ہوتا ہے ایک عورت کا کردار۔۔۔ اسفند اس کی نم آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا۔

جب مرد پر باہر کی کوئی عورت مرتی ہے وہ مرد کی ذات کے لیے تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ وہ دوستوں میں دھڑلے سے یہ بتا کر فخر محسوس کرتا ہے۔ مگر عورت کو کوئی مرد پسندیدگی سے بھی دیکھے تو عورت خود کو بتانے سے بھی گریز کرتی ہے۔۔ خود سے اس بات پر نفرت کرتی ہے کہ اس کے مرد کے علاوہ کوئی کیسے اسے پسند کر سکتا ہے یہ ہوتی ہے عورت۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ایک ایک لفظ چباتے بول رہا تھا۔

اگر تم فیک تصویریں کسی مرد کے ساتھ بناتی اور مجھے اس بات کا علم بھی ہوتا یہ تصویریں فیک ہیں۔ میں پھر بھی تمھاری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیتا۔ تمھاری قبر اس حویلی کے پچھلے لان میں بناتا کیونکہ خواب میں بھی تمھیں کسی مرد کے ساتھ دیکھنے کا سوچ نہیں سکتا۔ اتنا ہی پوزیسو ہوں۔ اتنی ہی غیرت ہے میرے دل میں تمھیں لے کر۔۔ اور یہ غیرت میرے اندر میرے خدا نے ڈالی ہے۔ میرے رب نے مجھے بتایا کہ تمھارے نکاح میں ہوتے تمھاری عورت دنیا کے ہر مرد پر حرام ہے۔۔۔

اسفند اس کے بال دبوچتے پھنکارا تھا۔

عابیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سسکی لی تھی۔

تمھارا سوال ہی غلط ہے مسز اسفندیار خان۔۔۔ اعتبار کی بات کرو مجھے معاف نہیں کرنا مت کرو۔۔ مگر آیندہ خود کے ساتھ کبھی کسی غیر مرد کو

مت جوڑنا۔ اس دارم کا نام اب میں تمھارے لبوں سے کبھی نہ سنوں

۔۔ آئیندہ برداشت نہیں کروں گا۔ اسفند تنبیہہ آواز میں بولتے غرایا تھا۔

!!ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے

لیے ہیں!!۔ میرے رب نے یہ بات بھی کھول کھول کر اپنی مقدس کتاب

میں کہی ہے۔ عابیر سرد سپاٹ انداز میں بولتے اسفندیار خان کی آنکھوں

میں آنکھیں گاڑھ گئی.

عابیر کی بات پر اسفند کی آنکھوں میں خون چھلکا تھا۔

گردن کی رگیں پھولی تھیں۔ وہ اس کے بال مزید شدت سے دبوچتے اس کا

چہرہ اپنے قریب کرتے اپنی خون اتری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ

گیا۔۔ مساموں سے دھواں سا نکلا تھا۔ اسفند گہری سانسوں سے اسے دیکھ

رہا تھا۔

عابیر نے سسکی لیتے اپنی سرمئی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھیں۔ آنکھوں میں آئی نمی بمشکل پیچھے دھکیلی تھی

اسفند اسے خود کے حصار سے آزاد کرتے دیوار کے ساتھ دھکیل گیا تھا۔ وہ دیوار میں سمائے گہرے سانس لیتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔

اسفند اسی لمحے کمرے میں بنی کبرڈ کی طرف بڑھا۔ کبرڈ سے اپنا سوٹ کیس نکال کر بیڈ پر پوری قوت سے پٹخا تھا۔ الماری سے اپنے کپڑے وہ ایک ایک کر کے نکالتے اس میں پھینکتے سوٹ کیس کی زپ بند کر گیا۔

عابیر دیوار میں سمائے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ سوٹ کیس پکڑے تیز تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازے کے پاس جا کر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔

تمھارے رب نے بلکل ٹھیک کہا! پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے!! آج اس بات کو میں تسلیم کر چکا ہوں۔ تمھیں ایک ناپاک مرد ڈیزرو نہیں کرتا۔ آج کے بعد تم اسفندیار خان کا چہرہ نہیں دیکھو گی۔

never ever

اسفند پلٹے بغیر سرد آواز میں بولتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

عابیر اپنے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑے زمین پر دوزانو بیٹھتی گھٹنوں میں منہ دیے سسک پڑی تھی۔

حیدر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دراب زراب بیڈ پر لیٹے ہاتھ پیر مارتے کھیل رہے تھے۔ فرشتے کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ واش

روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ شائد شاور لے رہی تھی۔ وہ بے تابی سے اپنے بھاری قدموں سے ان کی طرف بڑھا۔ وہ رات جب فرشتے دراب زراب کو حویلی لایا تو سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ وہ انھیں لیے اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ ساری رات اس نے صوفے پر سگریٹ پیتے ہوے سلگتے ہوے گزاری تھی۔ اس کی خانم اس کی حویلی میں اس کے کمرے میں تھی وہ اس کی بانہوں میں نہیں تھی۔ وہ کیسے چین پا سکتا تھا۔. وہ جب تک حویلی رہی وہ ہر رات اس کی بانہوں میں ہی سوتی تھی۔ کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گزری تھی۔ جس میں اس کی خانم نے اس کی قربت میں نہ گزاری ہو۔ وہ صوفے پر لیٹے اپنے اندر اٹھتے جواں جذبوں کے شورش جو اپنی خانم کو دیکھتے اڈ اڈ کر اس کے اندر پنپ رہے تھے۔ ان کو سلاتے سلاتے وہ نیم جاں ہوتے سگریٹ سلگائے خود پر قابو پائے رہا۔ فجر کی

آذانوں پر فرشتے کو جائے نماز بچھاتے دیکھ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ نیم اندھیرے میں اس کا وضو کیا ہوا پاک معصوم چہرہ سفید چادر کی حالے میں دیکھتے وہ مزید خود پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اسی لمحے شدت سے احساس ہوا تھا خدا نے بہت خاص عورت اس کا مقدر بنائی تھی۔ جس کی وہ قدر نہ کر سکا تھا۔ اس کے پر نور خوبصورت معصوم چہرے پر ٹھہرے پانی کے قطرے چننے کے لیے حیدر خان کے لب بے قرار ہوے تھے۔ وہ اسی لمحے کمرے سے نکلتے فجر کی نماز پڑھنے مسجد چلا گیا تھا۔ صبح کی سپیدی سے دن کا اجالا نکل آیا تھا۔ وہ مسجد میں ہی ٹھہرا رہا تھا۔ سجدے سے سر اٹھانے کو دل ہی نہیں کیا تھا۔ اب وہ حویلی آتے اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

حیدر خان اس وقت براؤن شلوار قمیض پر آف وائٹ مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔ حیدر خان نے بیڈ کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے دراب زراب کی پیشانی پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔

وہ دونوں حیدر خان کو دیکھتے تیزی سے ہاتھ پیر مارنے لگے تھے۔

بابا کی جان دراب زراب حیدر خان ان دونوں کو دیکھتے مسکرایا تھا۔ سرخ آنکھیں پل میں نم ہوئی تھیں۔

میں تم دونوں کا بابا حیدر حاکم خان ہوں۔۔ جو تم دونوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ تم دونوں اپنے بابا کے یہاں رہتے ہو۔ یہاں رہتے ہو.. حیدر خان نے اپنے دل کے مقام پر انگلی رکھی تھی۔۔ آنکھیں شدت سے نم ہوئی تھیں۔

دراب زراب حیدر خان کی باتیں سنتے بہت تیزی سے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔زراب تو باقاعدہ حیدر خان کو دیکھتے ہنس رہا تھا۔

او۔۔۔بابا کی جان۔۔۔حیدر خان نے زراب کو مسکراتے دیکھتے جھکتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔۔

دراب کا ہاتھ پکڑے چوما تھا۔

میرے دراب زراب میرے پاس ہیں۔اب بابا کو کوئی غم نہیں۔کوئی غم نہیں۔۔حیدر خان نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنی آنکھیں بازو سے رگڑیں۔

میں تم دونوں کا عقیقہ کروں گا بہت بڑی دعوت کروں گا۔پورے سوات کو بلاؤں گا۔آخر حیدر خان کے بیٹے اس کا خون اس کا وارث اس کے جگر کے ٹکڑے اس کے پاس ہیں۔

حیدر حاکم خان کے بازو۔۔۔اب حیدر حاکم خان اکیلا نہیں ہے۔اس کے بیٹے اس کے ساتھ ہیں۔بہت حسرت رہی تمھارے بابا کو اس کا کوئی بھائی ہوتا جو مجھ پر آئی ہر مصیبت اپنے سر پر لے لیتا۔اس دن ارحام خانزادہ کے ساتھ اس کے بھائی اس کی ڈھال بن کر کھڑے تھے۔اس وقت حیدر حاکم خان نے خود کو جیسے بہت تنہا محسوس کیا تھا۔اتنے گارڈز کے ہوتے ہوے بھی خود کو اکیلا محسوس کیا تھا۔مگر آج میں خود کو اکیلا محسوس نہیں کر رہا۔آج میرے ساتھ میرے دراب زراب ہیں۔میرے بیٹے میرے دراب زراب میری طاقت۔۔حیدر حاکم خان کے بازو۔۔۔حیدر خان نم آواز میں بولتے ان دونوں کی پیشانی پر پھر سے اپنے لب رکھ گیا تھا۔

دراب زراب دونوں حیدر خان کو دیکھتے اب ہنس رہے تھے۔

حیدر خان باری باری جھکتے ان دونوں کے عارض ان کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھتا۔ کبھی ان کے ہاتھ پکڑتے ان کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو نرمی سے چومتا۔۔

اسی اثناء میں فرشتے واش روم سے نکلتے باہر آئی تھی۔ وہ حیدر خان کو دیکھتے بری طرح سٹپٹائی تھی. وہ اس وقت لایٹ بے بی پنک کلر کی فراک میں ملبوس تھی۔ شاور لینے کی وجہ سے بدن گیلا تھا۔ جس کے باعث فراک بدن کے ساتھ چپکتے بدن کے نشیب و فراز عیاں کر رہا تھا۔ بال اس وقت ٹاول میں لپیٹے ہوے تھے۔

فرشتے نے سرخ پڑتے جلدی سے کمرے میں نظریں دوڑائیں اس کی شال حیدر خان کے پاس پڑی تھی۔

حیدر خان کی نظریں بھی اسی لمحے فرشتے پر اٹھیں۔ فرشتے کو دیکھتے حیدر خان کی گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ حیدر خان کے دیکھنے پر فرشتے کی نظریں بے اختیار جھکی تھیں۔۔ عارض دہک کر آنار بنے تھے۔ وہ سرخ گلاب ہوتی نظریں جھکائے جھکائے کھڑی گہرے سانس لے رہی تھی حیدر خان کی دہکتی گرم گہری نظروں پر فرشتے اپنا ٹاول بالوں سے اتارتے اپنے سینے پر لپیٹ گئی تھی۔ فرشتے کے یوں ٹاول لپیٹنے پر حیدر خان کے نقوش غصے سے تنے تھے۔ اس کا گریز بہت برا لگا تھا۔ اس کا یوں خود کو چھپانا اسے مشتعل کر گیا تھا۔ وہ اس کی تھی اسے بہت بار وہ دیکھ بھی چکا تھا۔ اس سے بھلا وہ کیا چھپا سکتی تھی۔

حیدر خان بے قراری سے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔ فرشتے حیدر خان کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔

حیدر خان نے اسی لمحے ٹاول اس کے گرد سے اتارتے صوفے پر اچھالا۔ فرشتے مزید خفت کا شکار ہوتے سرخ ہوئی تھی۔ گیلا ٹاول لپیٹنے کی وجہ سے اس کا بدن گیلا ہوتے مزید عیاں ہونے لگا تھا۔

حیدر خان بے تابی سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کے ٹھوڑی کے سیاہ گنگھور تل پر اپنے لب شدت سے رکھ گیا۔ جو ابھی بھی اس کی شدت پر نیلاہٹ زدہ تھا۔

فرشتے کا پورا بدن ارتعاش کی کیفیت میں تھا۔ حیدر خان کے وجود سے اٹھتی سٹرونگ مردانہ دلفریب خوشبو سے فرشتے کو اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئی تھی۔

وہ اس کی گھٹتی سانسوں پر اپنے لب رکھ کر اس کی سانسوں کی آمد روفت پر قفل لگا گیا۔ فرشتے لرزتے ہوے حیدر خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی

تھی۔اس کی قربت اس کے حصار میں وہ ایسے ہی لرزتی تھی۔ بلکل پہلی رات کی دوشیزہ کی طرح۔۔ کبھی قربت کے لمحات میں وہ آگے سے رسپانس نہیں کرتی تھی۔ مگر اس کے حصار میں لرزتے گھبراتے سرخ پڑتے آنکھیں میچے اس کے چوڑے سینے میں سماتی تھی۔۔ حیدر خان کو اپنی خانم کی اتنی شرم وحیا سے عشق تھا۔اس کا لرزنا سرخ پڑنا حیدر خان کو اس لمحے سکون دے رہا تھا۔وہ اسے محسوس کر رہی ہے خود سے دور نہیں جھٹک رہی ۔حیدر خان لمحوں میں پر سکون ہوا۔

فرشتے نے خحیدر خان کے مضبوط حصار میں خود کو چھڑوانے کی تگ ودود کرتے ہوے حیدر خان کو اسی لمحے خود سے دور دھیکلا تھا۔۔اس کا دور دھکیلنا حیدر خان کی آنکھوں میں غصے اور اشتعال کی سرخی دوڑا گیا تھا۔وہ

اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے اس کی سانسوں کو مزید خود میں قید کیے اس کے لبوں کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا۔

فرشتے کی سانسیں بے ترتیب محسوس ہوتے حیدر خان اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کی کمر کو سختی سے جکڑے اس کے کندن سے نشیب و فراز پر گہری اور استحقاق بھری نظر ڈالتے اسے اپنے سینے میں قید کر گیا تھا۔

میری ہو خانم!! جب مجھے خود سے دور جھٹکتی ہو مجھ سے گریز برتتی ہو سینے میں آگ لگتی ہے۔ سینے میں دھڑکتی دھڑکنیں تمھاری دھڑکنوں کو چھونے کے لے بے قرار ہو جاتی ہیں۔۔ تمھاری شرم و حیا مجھے تمھارا دیوانہ بناتی ہے۔ مگر تمھارا گریز مجھے تمھارے لیے پاگل کر دیتا ہے۔ مجھ سے دور جا کر تم نے دیکھ لیا ناں!! کیسے حیدر خان تمھیں ڈھونڈ لایا ہے۔ اتنا ہی جنونی ہوں تمھیں اور اپنے بیٹوں کو لے کر۔۔۔ اپنی خانم یہاں تک اپنے بیٹوں پر بھی

کسی کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا۔۔ میری خانم اور میرے بیٹوں پر صرف میرا حق ہے۔ وہ صرف حیدر خان کے ہیں۔ اب سے میرے بیٹوں اور میری خانم میری ملکیت میں رہیں گے۔ یہاں تک اس ارحام خانزادہ کا سایہ بھی تم لوگوں پر پڑنے نہیں دوں گا۔ حیدر خان اسے کمر سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

لالا کا کوئی قصور نہیں ہے خان!! آپ سے دور جانے کا فیصلہ میرا تھا۔ لالا نے صرف میرے فیصلے میں میرا ساتھ دیا تھا۔ فرشتے اپنی کانچ سی آنکھیں حیدر خان کی آنکھوں میں گاڑھ گئی تھی۔

یقین نہیں آتا میری خانم اتنی بے رحم بھی ہو سکتی ہے وہ اپنے خان کو اس طرح تکلیف بھی دے سکتی ہے۔ تمھیں احساس نہیں ہوا خانم!! کبھی میرا

خیال نہیں آیا۔ میں اپنے دراب زراب اور تمھارے بغیر کیسے سانسیں لوں گا۔ حیدر خان نے فرشتے کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے سوال کیا۔

خان ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ کی سانسیں میرے اور دراب زراب کے بغیر اکھڑ سکتی ہیں۔ اگر ایک بار بھی یہ خیال آتا تو آپ کی خانم کبھی ایسا نہ کرتی۔ سات مہینے میرے بغیر رہ کر مجھے آپ نے بتایا دیا تھا خان!! میری وقعت آپ کے نزدیک کیا ہے؟! میرے لے آپ ایک خود غرض خان ہیں۔ اوزگل سے آپ کی اولاد نہیں ہو سکتی یہ سن کر آپ کو دراب زراب یاد آ گئے۔۔ اپنا مقام آپ کی زندگی میں آخرے نمبر پر قبول تھا۔ مگر اپنے بیٹوں کا نہیں۔۔ کل کو اوزگل کی اولاد ہو جاتی تو کیا مقام ہوتا میرا اور میرے بیٹوں کا؟؟ کیا اوزگل اور آپ کی مورے میرا وجود برداشت کرتیں۔ کیا میرے بیٹوں کا حق اوزگل کو نہ چبھتا۔۔ اگر آپ کی مورے

آپ کو حکم دے دیتی کہ آپ مجھے چھوڑ دیں۔ اوزگل آپ کے پاس ہے وہ مزید اولاد پیدا کر کے دے سکتی ہے۔ آپ کے بیٹوں کو پال سکتی ہے۔ تو آپ کیا کرتے خان یہی ناں مجھ سے میرے بیٹے چھین کر مجھے حویلی سے دھکے دے کر نکال دیتے۔۔ فرشتے کے بھیگے لہجے میں کیے گئے سوالوں پر حیدر خان جبڑے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

اوزگل کی میری زندگی میں اتنی حثیت کبھی نہیں رہی فرشتے جو تمھاری حیثیت ہے۔

حیثیت نہیں تھی پھر بھی اس نے مجھ سے زیادہ آپ کے ساتھ وقت گزارا خان!! پھر بھی مجھے اس کے سامنے اس حویلی سے نکالا گیا خان! کاش آپ مجھ سے عشق کرنے کی بجائے مجھے اوزگل جتنی ہی حیثیت دے دیتے۔۔

فرشتے حیدر خان کی بات کاٹتے بھیگے لہجے میں بولی۔

حیدر خان اس سے پہلے کچھ کہتا باہر سے شور شرابے کی آوازیں سن کر وہ غصے سے اپنی آئی برو انگلی سے مسل گیا۔۔باہر سے اورزلہ اور رقیہ خانم کی آوازیں آرہی تھیں۔

اورزلہ کی اونچی آواز پر حیدر خان نے اپنے جبڑے بھینچتے بمشکل خود پر قابو پایا۔

اس کو میں اپنی حویلی میں برداشت نہیں کر سکتا خانم !!رات کو اس لیے کچھ نہیں کہا کیونکہ اس ٹائم مجھے صرف اپنی خانم اور اپنے بیٹوں کو اپنے ساتھ لانا تھا۔

اس سے اپنے لفظوں میں یہاں سے جانے کا کہو۔

اس نے میری خانم کا نام کسی غیر مرد سے جوڑا ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرے خون میں ابال اٹھتے ہیں خانم۔۔ حیدر خان نے لب بھینچتے کہا۔

خان!! وہ میری سہیلی ہے۔ میں اسے یہاں سے جانے کا نہیں کہوں گی ۔جب تک میں ادھر ہوں وہ یہی رہے گی۔ فرشتے نے جوابًا سنجیدگی سے کہا۔

خانم تم تو تاعمر اب یہیں رہو گی اپنے خان کے پاس۔۔ حیدر اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے قریب کر چکا تھا

بہت بڑی سزا ہے یہ خانم اس اوزلہ کو برداشت کرنا۔ مگر تمھاری خاطر اسے برداشت کرلوں گا۔ حیدر خان نے فرشتے کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔ فرشتے حیدر خان کے حصار سے نکلتے بیڈ پر رکھی اپنی چادر کی طرف بڑھی۔ چادر اپنے وجود پر اچھی طرح اوڑھتے فرشتے نے جھکتے ہوے نرمی

سے دراب زراب کو اٹھاتے اپنی بانہوں میں بھرتے کندھے سے لگایا۔ خان مجھے اس کمرے میں نہیں رہنا اس کمرے میں آپ کی بیوی کا حق ہے۔ میرے اور میرے بیٹوں کے لیے دوسرے کمرے کا انتظام کر دیں۔ رات مجبوری تھی میں ادھر رک گئی۔ مگر اور نہیں۔۔۔ مجھے عادت نہیں کسی دوسرے کی چیزوں پر ڈاکہ ڈالنے کی۔ فرشتے سرد سپاٹ لہجے میں کہتے دروازے کی طرف بڑھی۔ حیدر خان نے آگے بڑھتے ذراب کو اس کی بانہوں سے نرمی سے لیا۔ خانم!! یہ حویلی تمھاری ہے۔ جس کمرے میں چاہو رہ سکتی ہو۔ میرا سب کچھ تمھاری ملکیت ہے۔۔ اور حیدر خان کی ملکیت صرف اس کی خانم اور اس کے بیٹے ہیں اب سے۔ حیدر اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔۔۔۔۔

اوماڑا!! ہم تو ادھر ہی بیٹھ کر کھانا کھائے گا۔ ہم اس حویلی کا ملازمہ نہیں ہے۔ اس کرسی پر بیٹھ کر روز کھانا کھائے گا۔ تم نے جو کرنا ہے کر لو۔۔ اوزلہ رقیہ خانم کے چلانے کی پرواہ کیے بغیر ڈائینگ ٹیبل کے گرد کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوے بولی۔

رقیہ خانم کا سرخ چہرہ دیکھتے زرمش گھبراتے ہوے اپنی کرسی سے اٹھی تھی ۔۔ رقیہ خانم کے غصے سے اس کی جان جاتی تھی۔ بچپن سے ہی وہ اپنا زیادہ تر غصہ اس پر اتار دیتی تھیں۔

اوماڑا!! تم کیوں گھبرا رہا ہے؟؟ بیٹھ کر تم کھانا کھاؤ۔ یہ حویلی تمھارا باپ کا ہے اور فرشتے کا شوہر گاڑی والا شریف آدمی کا۔۔ اس کا چلانے سے کیا ہو گا۔ اوزگل رقیہ خانم کو دیکھتے استھزائیہ لہجے میں بولی۔

ہم تم کو اب حیدر خان سے ہی دھکے دے کر نکلوائے گا۔ تم دیکھنا۔ رقیہ خانم غراتی ہوئی کرسی سے اٹھی تھی۔

ہمارا زندگی کا اصول ہے۔ ہم انسان کا عزت اس کا حیثیت دیکھ کر نہیں ۔۔ اس کا نیک اعمال اس کا خوبصورت دل دیکھ کر کرتا ہے۔ جو انسان ہمارا نزدیک انسان کہلانے کا لائق نہ ہو۔ ہم اس کا عزت نہیں کرتا ڈرنا تو دور کی بات ہے۔۔ جس عورت کو یہ ہی نہ پتہ ہو رشتہ ہوتا کیا ہے ؟؟۔ کسی کا گھر سے لایا ہوا بیٹی کا عزت کیسے کرتا ہے ؟!۔ وہ بیٹی جو تم کو مورے بلاتا ہے اس کا معصوم دل کا لاج کیسے رکھتا ہے۔

ہم کو معاف کرنا ہم تمھارا دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔۔ کیونکہ ہم تمھارا عزت نہیں کرتا۔ جس دن تمھارا عزت کیا اس دن تم ہم کو حکم دے گا اوزلہ تم اپنا

گلہ کاٹ لے یقین مانو وہ بھی کاٹ لے گا ایسا ہے اوزلہ۔۔۔ مگر سوری اب ہم ایسا نہیں کر سکتا۔ اوزلہ لفظ چباتے ہوے استھزائیہ بولی تھی۔

اورزلہ کی باتوں پر رقیہ خانم کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک رنگ جارہا تھا۔ وہ اورزلہ کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ حیدر خان کو آتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس طرف بڑھیں۔

حیدر یہ کون ہے ؟؟ اور یہ ہمارا حویلی میں کیا کر رہا ہے ؟؟

رقیہ خانم حیدر خان کو دیکھتے بولی تھیں۔ مگر دراب زراب کو دیکھتے ان کے لفظ حلق میں گھٹے تھے۔ آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

انہوں نے تابی سے حیدر خان کی طرف بڑھتے ذراب اس سے لینا چاہا۔

خان!!ذراب میرا بیٹا ہے۔فرشتے نے ڈبڈبائی آواز میں حیدر خان کہ پکارا۔رقیہ خانم کو وہ اپنے بیٹوں کے گرد برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

رک جائیں مورے!!حیدر خان نے رقیہ خانم کو سختی سے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔لفظ بمشکل ہی حلق سے نکلے تھے۔آنکھیں اسی لمحے نم ہوئیں تھیں۔

حیدر خان کے سخت لہجے پر رقیہ خانم کے قدم وہی رکے تھے۔ان کی آنکھیں بھی اسی لمحے نم ہوئی تھیں۔۔

دذاب زراب پر صرف فرشتے کا حق ہے۔وہ ان کی ماں ہے۔اگر وہ نہیں چاہتی کہ آپ دراب زراب کے قریب آئیں تو آپ نہیں آئیں گی۔۔حیدر خان نے گہرے سانس لیتے رقیہ خانم کی بھیگی بے یقین آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے سختی سے اپنا فیصلہ سنایا۔

حیدر!! یہ ہمارا خون ہے۔ تمھارا بیٹا ہے دراب زراب!! کیسے فرشتے اس کا پاس آنے سے ہم کو روک سکتا ہے؟!۔ رقیہ خانم نے بھرائی آواز میں سوال کیا۔ دراب زراب کو پکڑنے کو ان کا دل ہمک رہا تھا۔ وہ جیسے مر رہی تھیں۔ حیدر خان سے بھی زیادہ وہ دراب زراب سے محبت کرتی تھیں۔

اسی طرح مورے جس طرح آپ مجھ پر حق رکھتی ہیں۔ میرے لیے اچھے برے کا فیصلہ کر سکتی ہیں۔ اس طرح دراب زراب پر بھی صرف فرشتے کا حق ہے۔ اور آپ نے ہی مجھے یہ سکھایا ہے ایک بیٹے پر صرف اس کی ماں کا حق ہوتا ہے۔ باقی سارے رشتے بہت بعد میں آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ماں کے آگے باپ کا رشتہ کا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔

حیدر خان رقیہ خانم کو دیکھتے سرد لہجے میں بول رہا تھا۔ مگر آنکھوں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔

تم تو ہمارا بیٹا ہے پھر کیسے تم کو ہمارا تڑپ نظر نہیں آرہا؟؟۔ ہم تڑپ رہا ہے اپنا دراب زراب کا واسطہ۔۔ شوہر ہے تم اس کا۔ تم اتنا مجبور کیسے ہو سکتا ہے؟!۔ حیدر حاکم خان ہے تم۔ اپنا علاقہ کا سردار۔۔ تمھارا ایک آواز پر لوگ اپنا نظریں جھکا لیتا ہے۔۔ تمھارا تو بڑا دہشت ہے باہر کا لوگوں پر۔۔ تمھارا غصہ سے تو سب کا جان جاتا ہے۔ پھر اس عورت کا کیا اوقات؟؟

تم جو فیصلہ کرے گا وہ یہ مانے گا۔ پھر کیوں اتنا کمزور پڑ رہا؟؟۔ رقیہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے بھیگے لہجے میں بولی تھیں۔

حیدر حاکم خان کل بھی کمزور تھا مورے!! حیدر حاکم خان آج بھی کمزور ہے۔۔ وہ کب کمزور نہیں پڑا مورے۔۔ حیدر حاکم خان کا نام صرف رعب دو دبدبہ کے لیے ہے۔ وہ بڑے فخر سے کہتا ہے وہ حیدر حاکم خان ہے۔ مگر

اس دنیا میں حیدر حاکم خان سے زیادہ کمزور کوئی نہیں۔۔ حیدر استھزائیہ مسکرایا تھا۔

حیدر حاکم خان کی کمزوری اس کی مورے ہے۔ حیدر حاکم خان کی کمزوری اس کی خانم ہے۔ حیدر خان کی کمزوری اس کے دراب زراب ہیں۔ حیدر حاکم خان کی کمزوری اس کی بہن ہے۔ کاش آپ مجھے یہ سکھاتی کہ حیدر تمھاری مورے تمھاری کمزوری نہیں تمھاری طاقت ہے۔ رشتے کمزوری نہیں طاقت ہوتے ہیں۔ کاش آپ مجھے یہ سکھاتی مورے کہ دنیا کے ہر رشتے کو اس کی جگہ پر رکھتے ہیں۔ آپ یہ نہ کہتی ماں جیسا مقام کسی کا نہیں ہوتا۔ آپ کہتی حیدر خان ماں کا رتبہ سب سے اوپر ہوتا ہے۔ ماں کو دیکھتے نظریں احترام میں جھکائی جاتی ہیں۔ مگر نظریں جھکا کر جہاں ماں غلط ہو اسے غلط بھی کہا جاتا ہے۔ حیدر خان رشتوں کو کمزوری کبھی نہ بنانا۔ ان رشتوں کو

اپنی طاقت بنانا۔ آج حیدر حاکم خان سر اٹھائے آپ سب کے سامنے کھڑا ہوا ہوتا۔ مگر حیدر خان تو اب آپ سب کے سامنے سر کیسے اٹھائے گا۔ وہ تو تنہائی میں بھی اپنے رب کی بارگاہ میں بھی شرمندگی سے سر نہیں اٹھا سکتا ۔۔ جو سجدے رب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہونے چاہیے۔ وہ سجدے پچھتاوے کے ہیں۔ کیا بنا دیا آپ نے مورے حیدر حاکم خان کو۔۔۔ حیدر خان نے ذراب کو سینے میں بھینچے نم لہجے میں سوال کیے تھے۔

فرشتے دراب کو سینے سے جکڑے بھیگی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔ زرمش بھی آنکھیں جھکائے اپنے بہتے آنسو صاف کر رہی تھی۔ اور زلہ سپاٹ نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل بہت سخت تھا اسے کسی بھی سچویشن میں رونا نہیں آتا تھا۔ زندگی نے اتنا دکھ دیا تھا اسے کسی کا دکھ دکھ لگتا ہی نہیں تھا۔

ہم تو بس یہ چاہتا تھا تم ہم سے سب سے زیادہ پیار کرے۔ رقیہ خانم گلوگیر لہجے میں بولی۔

سب سے زیادہ پیار آج بھی اپ سے کرتا ہوں۔ تبھی تو اسے لے کر کہیں اور نہیں گیا۔ اسے اسی حویلی واپس لے کر آیا ہوں۔ کیونکہ حیدر حاکم خان اپنی مورے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ اس عمر میں اسے تنہائی کی سزا دے سکتا ہے۔۔ آپ نے کبھی سوچا ہی نہیں مورے!! جس حیدر خان کے دل میں اسی کی ماں کا اتنا مقام ہو گا۔ اس کے دل میں اپنی بیوی کا کتنا ہو گا۔ اگر مرد اپنی ماں سے شدید محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اتنی شدت سے محبت کرتا ہے۔ حیدر حاکم خان آج بھی صرف آپ کا ہے۔ مگر حیدر حاکم خان کے دل میں اس کی خانم بھی رہتی ہے۔۔ یہ حویلی میرا سب کچھ خانم کا ہے۔ جو آپ کا ہے وہ آپ کا رہے گا۔ مگر جو میرا ہے وہ میری خانم کا

ہے۔۔ دراب زراب پر صرف خانم کا حق ہے۔ جب تک وہ آپ کو آجازت نہیں دیتی آپ ان کے قریب نہیں آئیں گی۔ حیدر خان سختی سے کہتے فرشتے کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے ڈائینگ ٹیبل کی طرف بڑھتے کرسی گھسیٹتے اسے نرمی سے بٹھایا اور زلہ نے آگے بڑھتے فرشتے سے دراب کو پکڑا تھا۔ جسے فرشتے نے آرام سے دے دیا تھا۔ وہ تو حیدر خان کی اتنی عزت پر حیران ہو رہی تھی۔ وہ بھی رقیہ خانم کے سامنے دے گا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ بیٹھ کر کھانا کھاؤ زرمش۔۔ حیدر خان نے آگے بڑھتے زرمش کے سر پر ہاتھ رکھا۔۔

جی لالا۔۔ زرمش بھرائی آواز میں کہتے کرسی گھسیٹ کر بیٹھی تھی۔۔ رقیہ خانم حیدر خان کو اس کے قریب بچپن سے نہیں آنے دیتی تھی۔ حیدر خان روز رات کو چھپ کر اس کے کمرے میں آتا تھا۔ اس کے لیے ڈھیروں

چاکیلٹس ہوتی تھیں۔۔وہ اسے دیتے اس کی پیشانی پر لب رکھتے چلا جاتا تھا۔رقیہ خانم کے ڈر سے وہ زیادہ دیر ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔

حیدر خان یاد رکھنا تم عورت بہت مل جاتا ہے مگر ماں نہیں ملتا۔رقیہ خانم حیدر کی پشت کو دیکھتے بولی۔

حیدر خان نے ان کی بات پر گہرا سانس لیا تھا۔

اگر ماں نہیں ملتی تو عورت بھی نہیں ملتی۔میں نے اپنی خانم جیسی کسی کو نہیں پایا۔حیدر خان کی بات فرشتے نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔

تم کبھی خوش نہیں رہے گا حیدر ہمارا دل دکھا کے یاد رکھنا تم۔۔ رقیہ خانم گہرے سانس لیتے چیخی تھیں۔

خوشی حیدر خان کے لیے اس کے رشتے ہیں۔ جب وہی اس سے خوش نہیں تو حیدر خان کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ حیدر خان نے ذراب کو کندھے سے لگائے زخمی لہجے میں جواب دیا تھا۔

رقیہ خانم کچھ پل حیدر خان کو دیکھتی رہی پھر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حیدر خان کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تھا۔ اپنی پلیٹ میں کھانا ڈالتے وہ رکا تھا۔ رقیہ خانم کی پلیٹ میں کھانا ویسے ہی پڑا دیکھ کر اس کے ہاتھ رک چکے تھے۔ وہ کتنی دیر رقیہ خانم کی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ ذراب کو حیدر نے فرشتے کی گود میں دیا۔ فرشتے نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے حیدر خان کو الجھن بھری

نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اپنی پلیٹ پیچھے کی طرف کھسکاتے چیئر گھسیٹ کر اٹھا تھا۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے ڈائینگ روم سے نکلتے داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔

حیدر خان کے جانے کے بعد فرشتے نے بھی اپنی پلیٹ پیچھے کھسکائی تھی۔

تم کیوں کھانے سے ہاتھ روک رہا ہے۔۔ تم نے اپنا دونوں بیٹوں کو دودھ پلانا ہے۔ اس گاڑی والا شریف آدمی کی وجہ سے تم کیوں بھوکا رہے۔ یاد رکھنا اس نے تمھارا ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ اس کا گناہ معافی کا لائق نہیں ہے۔ نہ ہی ان ماں بیٹا پر ترس کھانا کی ضرورت ہے۔ اور یہ مرد لوگ کو رونے دو جتنا روتا ہے یہ پورا زندگی بھی آنسو بہاتا رہے عورت کا ایک دن کا آنسوؤں کا مقابلہ کر نہیں سکتا۔ ذرا سا آنکھیں نم کر کے خود کو دکھوں کا اشتہار بنائے پھرتا ہے۔ اس گاڑی والا شریف آدمی کو تمھارا آنسو تو کبھی

نظر نہیں آیا۔تب ہی اپنا ماں کو ایسے کنٹرول کر لیتا تو آج رو تا نہ۔۔ خبر ار فرشتے تم نے اس گاڑی والا شریف آدمی پر ترس کھایا۔

اوزلہ ایک ایک لفظ چباتے غصے سے بول رہی تھی۔

زرمش نے پریشانی سے اوزلہ کو دیکھتے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔وہ تو رقیہ خانم سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔۔حیدر خان پر ترس آیا تھا۔اور زلہ تو کبھی فرشتے کو اس کے لالا کے قریب نہ آنے دے گی۔۔زرمش سچ میں پریشان ہوئی تھی۔۔وہ اوزلہ اور فرشتے کو دیکھتے گہرا سانس لیتے اپنا کھانا ختم کرنے لگی۔

زاران اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ابرش بیڈ پر بہرام پر جھکی سوفٹ میوزک والے ٹوائے کے ساتھ کھیلتی بہرام کے ساتھ کھیل رہی تھی

زاران کے لب اسے دیکھتے گہرا مسکرائے تھے۔ وہ اس وقت بلیک نائٹی فل گاؤن نایٹی میں ملبوس تھی۔ سلکی بال ایک طرف شانے پر بکھرے تھے۔۔

زاران مسکراتے ہوئے بہرام کی طرف بڑھا تھا بیڈ پر بیٹھتے اس پر جھکتے اس کی پیشانی پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔

میری جان بہرام۔۔۔ زران نے کہتے اس کی آنکھوں کو نرمی سے چوما

یہ یہاں پر کیا کر رہا ہے؟؟ زاران نے ابرش کی لٹ اس کے کان کے پیچھے نرمی سے اڑسی۔

بہارے شہرام کے ساتھ مصروف تھی۔ میں اسے کچھ دیر کے لیے اس کی آجازت سے اپنے پاس لے آئی۔ اور حیرت ہے میرے ایک دفعہ کہنے پر اس نے مجھے بہرام دے بھی دیا۔ ابرش نے خوشی سے چہکتے ہوے بتایا۔

زاران نے گہری نگاہ اس کے چمکتے چہرے پر ڈالی۔ وہ بہرام کے ساتھ کافی خوش تھی۔۔ بہرام کو دیکھتے وہ ایسے ہی اس کی طرف ہمکنے لگتی تھی۔۔ بہارے بہرام کو لے کر کافی پوزیسو تھی۔ وہ کم ہی کسی کو دیتی تھی ۔۔ آج ابرش اسے اپنے کمرے میں لانے پر کافی خوش تھی

وہ مکمل اس کی طرف متوجہ تھی۔ اس کے گال پر کس کرتے اسے دیکھتے مدھم سا ہنس رہی تھی۔ بہرام کے آگے وہ اسے بھی مکمل اگنور کیے ہوے تھی۔۔ جو زاران کو اچھا خاصہ کھٹکا تھا۔ بہرام سے شدید محبت کرنے کے باوجود ابرش کی توجہ خود سے بھٹکتی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی بے

شرم بیوی تو کمرے میں آتے ہی نامحسوس انداز میں اس کے قریب ہو جاتی تھی۔

اس کا سارا وقت ساری ادائیں اس کے لیے ہوتی تھیں۔ اب تو وہ اسے مکمل اگنور کیے ہوئے تھی۔ جیسے وہ وہاں ہے ہی نہیں۔

اچھا اسے چھوڑو ادھر آؤ میرا سر دبا دو ذرا۔۔ کافی دکھ رہا ہے۔ زاران نے ابرش کا ہاتھ پکڑتے نرمی سے سہلایا۔

زاران بعد میں دبا دیتی ہوں۔ پتہ ہے ناں بہارے بہرام کو لے کر کتنی حساس ہے۔ اس نے ابھی آجانا ہے اسے لینے۔ ابرش بہرام کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے بولی۔

ابرش کے انکار پر زاران نے لب بھینچتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

آئی تھنک اسی لیے مرد چار شادیاں کر سکتا ہے؟؟زاران کی بات پر ابرش نے اس کی طرف دیکھا۔اس کی شادی والی بات پر ابرش پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

زاران گہرا مسکراتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔

کس لیے کر سکتا ہے؟!۔ابرش نے زاران کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

تاکہ ایک بیوی مصروف ہو تو مرد دوسری بیوی کے پاس جا سکے اپنی خدمت کروانے۔۔

زاران اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

تمھیں بہت شوق ہے دوسری شادی کا۔ زاران کی توقع کے عین مطابق وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔

زاران نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ کسے نہیں ہوتا۔۔ دنیا کے ہر مرد کو ہوتا ہے۔ زاران اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے اس کی بھیگی شعلہ اگلتی آنکھوں میں دیکھتے محظوظ ہوا تھا۔ اس کی شدید پوزیسیونیس بہت مزا دیتی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً اسے ایسے تنگ کرتا رہتا تھا۔ اور وہ ہر بار ایسے ہی سنجیدہ ہو جاتی تھی۔ جیسے ابھی اس کی آنکھیں شدت سے گلابی ہو رہی تھیں۔

دنیا کے سارے مردوں کو چھوڑو اپنی بات کرو۔۔ اگر دنیا کے دوسری شادی کرنے والے مرد اپنی بیویوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہو بھی جائیں مجھے کوئی

غم نہیں۔ مگر خود کے بیوہ ہونے کا مجھے بہت غم ہو گا۔ ابرش کی بات پر زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

زران کے ہنسنے پر ابرش کی آنکھوں میں مزید شعلے سے دہکے تھے۔

مرد کو دوسری شادی کا شوق نہیں ہوتا۔ دوسری شادی کی ذکر کر کے بھی بہت خوش ہوتا ہے۔۔ اور اس وقت تمھاری ہنسی مجھے زہر سے بھی بری لگ رہی ہے۔ ابرش نے سلگتے ہوے زران کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

میری بے شرم بیوی نے زہر چھکا ہوا ہے کیا؟!۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے ابرش کی شعلہ اگلتی آنکھوں میں جھانکتے سنجیدگی سے استفسار کرتے اسے مزید سلگایا۔

مسٹر خانزادہ کی بیوی بننا زہر کھانے کے ہی مترادف ہے۔اس لیے زہر کا ذائقہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ویسے بھی منتقم مزاج بندے کی زبان میٹھی تو ہو نہیں سکتی۔جب وہ اپنے لبوں سے میری زبان جکڑتا ہے۔زہر جیسی کڑواہٹ میرے اندر اترتی ہے

ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے جوابی کاروائی کی تھی۔

ابرش کی بات پر زاران نے بہت مشکل سے ہی اپنا قہقہ گلے میں گھونٹا تھا۔اس کی اتنی پوزیسونیس محسوس کرتے زاران کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔

اگر اتنی کڑواہٹ ہے میری زبان میں وعدہ آیندہ تمھاری میٹھی زبان نہیں جکڑوں گا۔زاران نے اسے دونوں بازو سے جکڑے اپنے اپنے مزید قریب کرتے اس کا نازک وجود اپنے سینے پر منتقل کیا۔۔ابرش کے لب زران کی

ٹھوڑی کو آن ٹکرائے تھے۔ ابرش نے اوپر ہوتے اپنے ہونٹ غصے سے

اپنے ہاتھ سے رگڑے۔۔ زاران مسکراہٹ دبائے اس کے بال گدی سے

ایک ہاتھ سے جکڑے ایک ہاتھ اس کی کمر پر مضبوط کرتے اس کے نقوش

پر سختی سے اپنے لب رکھتے اسے تنگ کرنے لگا۔ وہ اس کا لمس غصے سے اپنے

چہرے سے اپنی ہتھیلی سے رگڑ رہی تھی۔۔۔ زاران اسے تنگ کرنے کے

لیے اس کے عارض پر دانت گاڑھتے جگہ جگہ سے اپنی زبان لگاتے اس کے

عارض گیلے کر رہا تھا۔ ابرش کا غصے پارہ ہائی ہو رہا تھا۔

ابرش نے خود کو چھڑواتے ہوئے اس کے سینے پر پوری قوت سے مکہ مارات

زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کی ناز کی محسوس

کرتے اسے تنگ کرتے اس کی بے بسی کا اسے احساس دلاتے اسے مزید

سلگانے لگا۔

ابرش مزید اس کے حصار میں جھٹپٹائی تھی۔ ابرش نے اس کی گردن پر جھکتے پوری شدت سے دانت گاڑھے تھے۔۔ زاران نے لب دانتوں دبائے اس کی جنگلی وار سہا تھا۔ وہ دانتوں کی نیلی گھڑی بنا کر پیچھے ہوئی تھی۔

تم بے شرم بیوی نہیں جنگلی بیوی بھی ہو۔ یہ کیا بے ہودگی ہے۔ زاران نے اسے گھورتے ہوئے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا جہاں اچھا خاصہ درد ہو رہا تھا۔ ایک ہاتھ اس نے ابھی تک اپنی بیوی کی کمر پر لپیٹے ہوئے تھا۔ اسے اپنے حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔ وہ ایسے جنگلی بلی بنی اسے کافی اٹریکٹ کر رہی تھی۔

ابرش ابھی بھی اسے سلگتی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔اس کا غصہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔اس کی دوسری شادی والی بات پر کسی صورت اس کا غصہ کم نہیں ہوتا تھا۔

ابرش کا بس نہیں چل رہا تھا زاران کی جان لے لے۔وہ جب جب ایسے دوسری شادی کی بات کرتا تھا۔اسے اپنے اندر آگ دہکتی محسوس ہوتی تھی۔

افففف۔۔میری پوزیسو بیوی۔۔۔۔۔تمھارا کیا بنے گا؟؟زاران مسکراتے ہوے اسے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

میرا نہیں تمھارا کیا بنے گا اگر تم نے کبھی دوسری شادی کے متعلق سوچا بھی۔ابرش نے اس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے جکڑتے گہرے سانس لیتے اسے گلابی بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔

میری توبہ۔۔۔میرے لیے ایک ہی کافی ون اینڈ اونلی مائی پوزیسو مس امریکہ۔۔۔زاران نرمی سے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا

پھر کیوں بات کرتے ہو دوسری عورت کی؟؟مجھے بلکل نہیں پسند جب تم مذاق میں بھی دوسری شادی کا ذکر کرتے ہو۔کسی دوسری عورت کا ذکر کرتے ہو۔ابرش نے اس کے لبوں سے دور ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔۔

ہمم۔۔۔تم کمرے میں آتے ہی میرے ساتھ لپٹ جایا کرو۔میری زہریلی زبان اپنی میٹھی زبان سے جکڑ لیا کرو تاکہ تمھارا مسٹر خانزادہ کی زبان کو کچھ اور کہنے کا موقع ہی نہ ملے۔زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس کی ہونٹوں پر لب رکھتے اس کی زبان کو جکڑ گیا تھا

ابرش اس کی شدت میں اس کا بھرپور ساتھ دینے لگی تھی۔۔ابرش کے سیل فون بجنے پر زاران نے گہرے سانس لیتے اس کے لبوں کو ازاد کیا۔ابرش کو کمر سے جکڑتے زاران نے گہرے سانس لیتے اس کا سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھائے دیکھا جہاں بہارے کی کال آرہی تھی۔

بہارے کا ہے۔ابرش نے بے ترتیب سانسوں سے پوچھا۔

زاران نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے پاس لیٹے بہرام کو دیکھا جو سو رہا تھا۔وہ زاران کے سینے میں سمائے رونے لگی تھی۔۔زاران گہرا سانس لیتے اسے اپنے سینے سے مزید لپٹا گیا تھا۔

اگر ہمارا بیٹا ہوتا تو وہ بہرام سے بڑا ہوتا۔ ابرش نے اس کے سینے سے لپٹے بھیگے لہجے میں کہا۔

بہرام بھی ہمارا بیٹا ہے ابرش۔۔۔ اس طرح رونا سمجھ نہیں آرہا مجھے۔۔ زاران نے اس کے یوں رونے سنجیدگی سے کہا۔

زارن میں حسد نہیں محسوس کر رہی۔ بہرام مجھے بھی بہت پیارا ہے۔ بہت زیادہ پیارا ہے۔ میں تو صرف اپنے بچے کی بات کر رہی ہوں جو ہم نے کھو دیا تھا۔

میں نے کب کہا ابرش تم حسد کر رہی ہو۔ میری حساس بیوی۔۔۔ مگر میں صرف یہ کہہ رہا ہوں رونے سے کیا ہو گا۔ اور میں دن رات محنت تو کر رہا ہوں۔۔ اس کا نتیجہ جلدی ہی نکلے گا۔ زاران نے ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے معنی خیز انداز میں کہتے اس کی توجہ بھٹکائی

ابھی تک نہیں نکلا تھوڑی محنت اور کرنی ہو گی مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے جھکتے اس کی عارض پر دانت گاڑھے۔۔

سچ میں بے شرم بیوی ہو۔۔ زاران نے اپنا عارض رگڑتے اس کی آنکھوں میں محظوظ ہوتے دیکھا۔

بے شرم نہیں رومانٹک بندی ہوں مسٹر خانزادہ!! اور تمھیں ہی تو بے شرم بیوی پسند ہے۔ میرا یہی انداز تو پسند ہے تمھیں۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے سینے پر انگلی پھیرتے ہوے اک ادا سے کہا۔ زاران کی قربت زاران کا وقت اسے سب کچھ بھلا دیتا تھا۔

اتنی بے شرمی دکھاتی ہو تو سرخ گلاب کیوں ہو جاتی ہو زاران نے اس کی لرزتی پلکیں اور اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔ وہ سرخ گلاب بنی ہوئی تھی اس کے حصار میں۔

یہ ادائیں یہ بے شرمی اس لیے دکھاتی ہوں۔ تمھیں اپنے قریب اس لیے ہر وقت رکھتی ہوں کیونکہ ابرش پاشا دیوانی ہے اپنے مسٹر خانزادہ کی۔۔ اپنی اداؤں سے تمھیں صرف اپنا بنا کر رکھنا چاہتی ہوں۔ تاکہ تم میرے پاس ہو تو ساری دنیا کو بھول جاؤ۔ یہ تمھیں اپنا بنائے رکھنے کے انداز ہیں صرف۔۔ اگر تم سمجھو تو۔ ابرش نے اس کی گردن پر انگلی پھیرتے اپنے دیے گئے نشان پر اپنے لب رکھے۔ زاران نے اس کی کمر کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے اپنی آنکھیں موندیں۔ وہ بہت نرمی سے اس کی گردن کو چومتے ہوئے اس کی شرٹ کے بٹن کھولتے اس کے سینے پر اب اپنے لب رکھنے لگی تھی۔۔ زاران کا ہاتھ بے باکی سے اس کی کمر پر سرسرا رہا تھا۔

یاد رکھنا مسٹر خانزادہ!! مجھ جیسی دیوانی بیوی کسی کی نہیں ہو گی۔ جو خدا نے تمھیں دیا اس کا تم دن رات شکر کرو کم ہو گا۔ ابرش نے اس کے کان میں

جھکتے سرگوشی کی۔ زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ وہ اسے تکیے پذ پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

میری بے شرم بیوی پلس رومانٹک بیوی۔۔ اتنی ہی ادائیں دکھاؤ!! جتنا مجھے سہہ سکو۔۔ آج رات تمھاری خیر نہیں۔ جتنی بے باکی دکھا رہی ہو۔۔ اتنی ہی تمھاری جان نکالوں گا۔ زاران نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں اپنی سانسوں میں قید کیں۔

اس کا گاون ریمو کرتے وہ اس کے شولڈر پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ زاران گہرے سانس لیتے پیچھے ہوا۔

بہارے۔۔۔ ابرش اس کے سینے پر ٹھوڑی رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی حالت دیکھتے مسکرائی تھی۔ یہی ٹایم ملا تھا بہرام کو کمرے میں لانے کا۔ زاران نے اسے غصے سے گھورا۔ ابرش اس کے گھورنے پر کھکھلائی تھی

۔وہ جب اس کے لیے بے تاب ہوتا تھا۔وہ ایسے ہی خوش ہوتی تھی۔اس کا خود کے لیے تڑپنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

تمھارا بھی تو سارا ٹائم اپنے گھر والوں کے ساتھ گزرتا ہے۔۔اسی لیے میں بہرام کو لے آئی۔۔سب کے سامنے تو میں تمھیں نظر ہی نہیں آتی۔ابرش نے شکوہ کیا۔وہ کتنے دنوں سے اسے سب کے سامنے مکمل اگنور کر رہا تھا۔جو اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

سب کے سامنے تمھیں اپنی بانہوں میں قید کیے اب رومانس کرنا شروع کر دیا کروں۔۔زاران اس کے شکوے پر جھنجھلایا تھا. اس کی ذرا سی توجہ وہ کہیں بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اسے لے کر بہت حساس تھی۔اور وہ اپنے سب رشتوں کو لے کر حساس تھا۔

تم میری محبت کو کبھی سمجھ نہیں سکتے۔ ابرش زاران کی بات پر خفت زدہ ہوتی بیڈ سے اٹھتے اپنا گاون پہنتے سوئے ہوے بہرام کو لیے وہ دراوازے کی جانب بڑھی۔

زران نے اپنی کنپٹی انگلی سے سہلائی تھی۔ اس کے بھیگے لہجے پر وہ پریشان ہوا تھا۔ یہ تو جانتا تھا وہ اسے ناراض ہو کر سو سکتی ہی نہیں۔۔ اس کے ذراسا منانے پر وہ اس کے قریب آجائے گی۔ جانتا تھا وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے۔

مگر اس کے رونے پر وہ پریشان ہوا تھا

ابرش نے اپنی شال اچھی طرح خود پر لپیٹتے ہوے دروازہ کھولا۔ درخشاں دروازے پر کھڑی تھی۔

بھابھی بہارے باجی نے بھیجا ہے۔ درخشاں نے کہتے بہرام کو ابرش کی گود سے لیا تھا۔ ابرش دروازہ بند کرتے بیڈ کی طرف آئی تھی۔ اپنی شال اتارتے بیڈ پر رکھی۔۔ زاران کی طرف ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔ زاران تکیے پر سر رکھے اس کے نروٹھے چہرے کہ بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ سائیڈ پر لیٹے کمبل خود پر لپیٹے لیٹتے ہوے زران کی طرف سے رخ پلٹ چکی تھی۔۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس اپنے قریب کرتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

وہ اسے سینے سے لپٹائے اس کی کمر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔

ابرش اس کے کمر پر اپنا بازو لپیٹے اس کے سینے سے لپٹے آنکھیں موند چکی تھی۔۔ زاران گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی ناراضگی اتنی ہی ہوتی تھی

میری بیوقوف بیوی۔۔۔زاران اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے اس کی گردن پر جھکے اپنی شدتیں بکھیرنے لگا۔۔اپنی طرف لیمپ آف کرتے وہ اسے مکمل طور پر اپنے حصار میں جکڑ گیا تھا۔کمرے میں اب سانسوں کا خوبصورت ساز بکھر رہا تھا۔۔جو اس خوبصورت رات کو مزید خوبصورت بنا چکا تھا۔

ارحام خانزادہ حور کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے

اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

ارحام!!حور نے مدھم سا اسے پکارتے اس کے مضبوط ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹانے کی کوشش کی۔۔

ارحام اس کا رخ موڑتے اسے لاونج میں بنے پلر کے ساتھ لگا گیا۔

اس کے گرد پلر پر اپنے دونوں ہاتھوں کا حصار قائم کرتے اس کی براؤن شفاف گہری آنکھوں میں جھانکا۔ وہ ارحام خانزادہ کی پر تپش نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔ ارحام اس کے گرد اپنا حصار قائم کیے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ سیاہ کلر کی ویلوٹ کی سٹائلش فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر سیاہ بے حد خوبصورت ایمبرائیڈری شال لی ہوئی تھی۔

ارحام نے اسے پیاسی نگاہوں سے دیکھتے اس کے سر سے شال اتارتے اس کی گردن میں منہ چھپاتے اپنی گھنی بئیرڈر گڑی تھی۔

حور نے کسمساتے ہوے اسے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور کرنے کی کوشش کرتے اسے ناراضگی بھری شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔۔

ارحام نے گہرا سانس بھرتے اس کے نروٹھے چہرے کی طرف دیکھا۔وہ صبح باتھ روم رومانس والی بات پر اس سے ابھی تک ناراض تھی۔کمرے بھی واپس نہیں آئی تھی۔

ارحام جانے دیں مجھے !!کوئی آجائے گا۔حور اس کی گرم نگاہوں اور پر حدت سانسوں کی تپش پر اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے بولی تھی مگر اس کی بے باک بھری گستاخی پر حور کی گھنی پلیکیں خود بخود عارض پر سجدہ ریز ہوئی تھیں۔وہ اتنا بے باک اور سحر انگیز تھا کہ اس کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

وہ اس کے نشیب و فراز پر اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتا اس پر اپنا حق جتاتے اسے گہری گرم مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

یہ ناراضگی اب کیسے ختم ہو گی؟؟ کل رات کے بعد سے میں تمھارے لیے زیادہ بے قرار پاگل ہو چکا ہوں۔ میری جان کیوں ستا رہی ہو مجھے؟؟ ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو بے حد نرمی سے چھوتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے آئی برو اچکائے استفسار کیا۔

آپ کی وجہ سے مجھے ایمبیرسنگ فیل ہوا ہے؟! امورے کیا سوچتی ہوں گی میرے بارے میں؟!۔۔ حور نظریں جھکائے ہی بولی تھی

کچھ نہیں سوچ رہی ہوں گی مائی ڈارلنگ مائی بچہ!! زاران شہرام عابیر ایسے تو نہیں آ گئے۔۔ ارحام کی بات پر حور نے منہ کھول کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ اپنی مورے کے بارے ایسی بات کرے گا اسے اندازہ نہیں تھا۔

مائی معصوم بچہ۔۔ کیا کروں تمھاری فضول سی سوچوں کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ حور کی بے یقین نگاہوں میں دیکھتے وہ گہرا مسکرایا تھا۔

مورے کیوں ہمارے بارے میں کچھ ایسا ویسا سوچیں گی۔ بیوی ہو میری میں اپنی بیوی سے جہاں چاہوں جیسے چاہوں محبت کر سکتا ہوں۔ یہ سوچنا تو صرف میری خوبصورت ڈارلنگ بیوی میری جان مائی انوسینٹ بچہ کو سوچنا چاہیے کہ اسے اپنے دیوانے شوہر کو کہاں کیسے کس طرح خوش کرنا ہے۔ ارحام اس کا خوبصورت چہرہ ہاتھوں میں بھرتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب نرمی سے رکھ گیا۔ ارحام کی نرمی اس کے اس انداز اور اس کے بدن سے اٹھتی دلفریب خوشبو پر حور کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہو رہی تھیں۔ کہاں دیکھے تھے مقابل کے انداز

۔۔۔یقین کرنا مشکل تھا زندہ وجودوں کو پلٹنے والا سفاک بے رحم انسان اس کے لیے اتنا نرم ہو چکا ہے۔

حور نظریں جھکائے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی اس کی گہری گرم نگاہیں اور اتنی محبت کرنے کے انداز پر وہ اس کے سامنے نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔اسے آج رات برداشت کرنے کا سوچ کر ہی اس کا دل خوف سے یکبارگی دھڑکنے لگا تھا۔اس کی سحر انگیز شخصیت میں خود کو جکڑے محسوس کرنے کے باوجود اس کی شدتوں سے اس کی جان جاتی تھی۔وہ اس خانزادہ کو نہیں برداشت کر سکتی تھی

مت کیا کرو حور یہ؟ ارحام اس کا لب اس کے دانتوں سے چھڑواتے ناگواری سے بولا۔۔حور اس کے ذرا سے سخت لہجے پر نگاہیں پھیر گئی تھی

۔مقابل کی زندگی میں اپنی اہمیت سے واقف تھی۔اس لیے اب اس کی ذرا سی سختی وہ برداشت نہیں کرتی تھی نہ ہوتی تھی۔

اوکے سوری جان!! غلطی میری تھی۔میں معافی مانگتا ہوں تم سے۔۔ آیندہ جب بھی باتھ روم رومانس کا پروگرام ہو کا میں دروازے کا لاک اچھی طرح چیک کرلوں گا۔ہمم۔۔۔ ارحام گھمبیر آواز میں کہتے اس کی ڈمپل والی جگہ انگشت شہادت رکھی۔

شومی مائی ڈمپل۔۔۔ ارحام کی مائی ڈمپل والی بات پر حور نے اسے گھور کر دیکھا تھا

یہ میرا ڈمپل ہے۔اگر میرے ڈمپل پر کسی کا حق ہے تو وہ پاپا کا ہے۔۔ آپ کا بلکل نہیں۔۔ حور نے نروٹھے انداز میں اس کی انگلی جھٹکی تھی۔ارحام کے نرم رویے پر وہ اس سے مزید ناراض ہو چکی تھی۔

تمھاری ہر چیز پر میرا حق ہے حور!! کیونکہ تم صرف میری ہو سلطان شاہ کا اس ڈمپل پر کوئی حق نہیں ہے۔ ارحام سرد آواز میں کہتے ہوئے جھکتے ہوئے اس کی ڈمپل والی جگہ پر دانت گاڑھ گیا۔

ارحام۔۔ حور نے سسکتے ہوئے اپنے عارض پر ہاتھ رکھا جہاں اس نے دانت گاڑھے تھے۔

آیندہ جیسے مرضی ناز نخرے دکھانا۔۔ مگر میرے سامنے یہ مت کہنا مجھ سے زیادہ تم پر کسی کا حق ہے۔ نہیں برداشت کر سکتا میری حور پر سلطان شاہ کا بھی حق ہو۔۔

اس پوری کائنات میں اپنے معاملے میں مجھ سے زیادہ انسکیور جیلس اور پوزیسو تم۔ کسی کو نہیں پاؤ گی۔۔ بہت محبت کرتا ہوں حور تم سے۔۔ بے حد

بے حساب اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ ارحام اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جنونی انداز میں بولا

حور اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے سر اثبات میں ہلاتے گھبراتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔

کس کا ہے یہ ڈمپل مائی بیوٹیفل بچہ۔۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے استفسار کیا

آپ کا ہے۔ حور نے نظریں جھکائے روہانسے ہوتے جواب دیا۔

تم کس کی ہو مائی کیوٹ لٹل پرنسز مائی ڈارلنگ۔۔ ارحام کی بات پر حور نے گہرا سانس لیتے روہانسے ہوتے اللہ سے دل میں ہی دل میں شکوہ کیا تھا۔ ہ اتنا

جنونی رومانٹک خانزادہ ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔ آخر اس کی قسمت میں ہی کیوں لکھا تھا یہ جن؟؟ جو اسے چمٹ ہی چکا تھا۔

آپ کی ہوں۔ حور نے نظریں جھکائے نروٹھے انداز میں جواب دیا۔

چلو کمرے میں چلو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ تمھارے ڈمپل پر ہی نہیں تمھاری اور کن کن چیزوں پر میرا کتنا گہرا حق ہے۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

ارحام آپ جائیں میں پریذے کو سلا کر آتی ہوں۔ حور نے ارحام کے لبوں پر اپنے لب رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پیچھے ہوئی تھی۔۔

ارحام اسے پچھلی گردن سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

حور بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ ہممم۔۔۔۔ لیکن ہر بار تم مجھے یوں بیوقوف نہیں بنا سکتی۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے باور کروایا. وہ اس کے قریب ایسے ہی نہیں آتی تھی۔۔ اس کے ڈر یا پھر اس کا دھیان بھٹکانے کے واسطے آتی تھی۔

پریذے کے کمرے میں تم نہیں سوؤ گی۔ نہ کمرہ لاک کرو گی۔ پریذے کو سلا کر تم کمرے میں آؤ گی۔ اتنا جان لو اب میں تم سے مزید دور نہیں رہ سکتا۔ تم سے اب مزید دوری مجھے پاگل کر دے گی۔۔ ہممم۔۔۔۔۔ نو مور ڈرامہ مائی بچہ۔۔۔ کمرے میں فوراً آؤ۔۔ ارحام سرد انداز میں حکم دیتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس سے جواباً استفسار چاہا۔ وہ اس کی نرمی سے زیادہ سختی سمجھتی تھی۔ اس لیے ارحام کو جان بوجھ کر اپنا لہجہ سخت کرنا پڑا۔

حور نے ارحام کے لہجے کے سرد پن پر اسے ڈبڈبائی آنکھوں دسے یکھتے

اثبات میں سر ہلایا تھا۔

You r like preezy for me my darling my bacha "

"but i can never be for you as i m for preezy

ہمممم مائی جان۔۔۔۔

"Thats why come quickly to the room"

ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔ حور نے اس کی سرد سرخ

آنکھوں میں دیکھتے پھر سے جلدی سے گردن ہلائی تھی۔

Thats my girl love you

ارحام اس کی ڈمپل والی جگہ پر اپنے لب رکھتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

اللہ یہ جن تم نے میرا مقدر کرنا تھا۔کیا تھا اگر اس بندے کے اندر تھورا سا رومانس کم ہوتا۔۔تھوڑا سا۔۔حور نے روہانسے ہوتے چھت کی طرف دیکھتے بچوں کی طرح نچلا ہونٹ باہر نکالا۔۔

نورڈرامہ مائی بچہ۔۔۔

You r like preezy for me but not like preezy

حور ارحام کے الفاظ دہراتے اس کی نقل اتارتے ہوے پیر پٹختی ہوئی پریذے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ارحام غصے سے اپنی سیاہ ٹی شرٹ پہنتے ہوے پریذے کے کمرے کی بڑھا. دو گھنٹے سے وہ اس کا انتظار کر رہا تھا مگر وہ کمرے میں نہیں آئی تھی۔ ارحام کے بھاری قدموں کا رخ پریذے کے کمرے کی طرف تھا۔

وہ دراوزہ کھولتے اندر داخل ہوا تو ارحام کے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔ وہ پریذے کے ساتھ لپٹی گہری نیند سو رہی تھی.

اس کے سختی سے کہنے پر بھی وہ نہیں آئی تھی۔ ارحام کمرے میں پھیلی نیلگوں روشنی میں حور کو دیکھتے اس کی طرف بڑھا۔

پریذے کے پیٹ پر رکھے حور کا بازو نرمی سے پیچھے کرتے بہت گہری نگاہوں سے حور کے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔ اسے دیکھتے سارا غصہ اڑھنچھو ہوا تھا۔ وہ واقعی میں اس کے پریذے کی طرح ہی تھی۔ پریذے کو دیکھتے ہی اس کا سارا غصہ اشتعال دور ہوتا تھا۔ اس طرح حور کو دیکھتے بھی

اس ک غم و غصہ دور ہو جاتا تھا۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے نرمی سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے ت۔ مائی بیوٹیفل وائف مائی لٹل پرنسز جسٹ لائک مائے پریذے۔۔ ارحام نے جھکتے ہوئے سرگوشی کرتے بہت نرمی سے اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹا۔۔

حور۔۔ ارحام نے اس کے کندھے پکڑ کر ہلاتے ہوئے اسے مدھم آواز میں پکارتے اٹھانے کی کوشش کی۔

حور کو گہری نیند میں سوتا دیکھ کر ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں کو قید کر گیا تھا۔ ارحام کے لمس پر حور نے نیند سے بھری آنکھیں کھولتے ہوئے اپنے اوپر جھکے پہاڑی خان کو دیکھا۔۔ حور نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی سانسیں انہیل کرتے پیچھے ہوا۔

ارحام۔۔۔حور نے بے ترتیب سانسیں لیتے ارحام کو نیند سے بھری گلابی آنکھوں سے دیکھتے اسے پکارا۔

کمرے میں چلو۔۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں مدھم سرگوشی کرتے حکم دیا۔

ارحام پریذے کو اکیلے چھوڑ کر کیسے آسکتی ہوں۔حور جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے نظریں جھکا گئی تھی۔

درخشاں کہاں ہے؟؟ارحام نے حور کی بات پر بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔وہ جتنا اس کے ساتھ نرم ہو رہا تھا وہ اس کی نرمی کا فایدہ اٹھا رہی تھی۔ صبح سے رات ہو گئی تھی۔وہ ایسے ہی اس کے پیچھے پیچھے گھوم رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں ہے۔حور نے پریذے کو دیکھتے آہستگی سے کہا۔

اوکے تم چلو میں پریذے کو بھی لے چلتا ہوں۔ یہ آج ہمارے ساتھ ہمارے کمرے میں سو جائے گی۔ ارحام نے حور کی لٹ کانوں کے پیچھے اڑستے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے نرم لہجے میں کہا۔۔ وہ اس وقت سکائے بلو سلک کی فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔ اسے دیکھتے ہی آنکھیں خمار زدہ ہوئی تھیں۔

اگر پریذے ہمارے ساتھ سوئے گی تو آپ کیا کریں گے پھر۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے دانت پیسے تھے۔ وہ اسے کس لیے کمرے میں بلا رہا تھا وہ جانتی تھی۔

کیا مطلب ہم کیا کریں گے۔ تم نے کبھی کچھ کیا ہے میری جان؟؟ جو بھی کرنا ہے میں کروں گا۔ آپ نے صرف پلیز پلیز ارحام کی رٹ لگانی ہے۔ اور

آپ کی سسکیاں ہی مجھے مدہوش کرنے لیے کافی مائی بیوٹیفل مادام۔۔میں فل موڈ میں۔ آپ کے کاپریشن کی ضرورت نہیں۔

ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کرتے ذو معنی سرگوشی کرتے اس کی نازکی کو اپنے سینے سے مس کیا۔

ارحام کی بات اور اس کے چوڑے سینے میں سمانے سے وہ گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔

ارحام وہ میرا مطلب تھا پریذے ہمارے ساتھ سوئے گی تو یہ سب کیسے ہو گا۔ حور اس کے حصار سے نکلتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل ہی بولی تھی۔ اتنا تو بے باک تھا۔۔

پریذے بیڈ روم میں اور ہم ڈریسنگ روم میں آج سوئیں گے میری جان۔۔ ارحام اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے اپنے مسلے کا حل نکال گیا۔

ارحام پریذے کے ہوتے میں ایسا ہو گا آپ سوچیے گا مت۔۔ میں مزید صبح والی سچویشن سے نہیں گزرنا چاہتی۔ اگر اس نے ہم سے پوچھ لیا ہم اتنا بڑا بیڈ چھوڑ کر ڈریسنگ کے چھوٹے سے ان کمفرٹیبل صوفے کے کاؤچ پر کیسے سو رہے تھے تو کیا کہیں گے ہم اس سے۔۔۔ اور اس چھوٹے سے کاؤچ پر مجھے نیند نہیں آتی۔ اس پر آپ بمشکل آتے ہیں۔ میں آپ کے پہاڑ جیسے سینے پر نہیں سو سکتی۔ حور نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

اس کاؤچ پر بہت بار میرے ساتھ سو چکی ہو۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے جتایا تھا۔ ارحام کی بات پر حور کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

وہ بہت بار اس کاؤچ پر اس کے ساتھ سو چکی تھی۔ بنا کسی بحث اور تردد کے اس کے ایک حکم پر۔۔ ساری رات اس کی پناہوں میں قید۔۔۔

اوکے پریذے کے پاس میں رخشاں کو بھیج دیتا ہوں۔ اس کو فون کر دوں گا وہ آجائے گی۔ ارحام نے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے ارحام نے لب بھینچے تھے۔

ارحام درخشاں کیا سوچے گی اگر آپ اسے اس ٹائم فون کرین گے۔

درخشاں کیا سوچے گی؟؟ مورے کیا سوچے گی؟ پریذے کے سوالوں کا کیسے جواب دو گی۔ یہ سوچتے تم میرے بغیر ہر روز گزارو گی۔ ارحام یکدم غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔

تم میری حویلی میں ہوتے میری پناہوں کے بغیر میرے کمرے کے علاوہ کہیں اور رہو حور یہ مجھے گوارا نہیں۔۔ چاہے تمھیں رات بھر میری شدتیں نہ سہنی پڑے مگر اب سے سوؤ گی تم میری بانہوں میں ہی۔ کیونکہ تم میرے بغیر سو سکتی ہو۔ تمھارے بغیر یہ آنکھیں جھپکتی تک نہیں ہیں۔ تمھارے بغیر مجھے ایک پل سکون نہیں۔ ارحام جبڑے بھینچتے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھا چکا تھا۔

ارحام۔۔۔ حور نے اسے پکارتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی۔ وہ سنجیدگی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

ماما بابا۔۔۔پریذے کی آواز پر ارحام کے بھاری قدم رکے تھے۔

حور نے سرخ چہرے کے ساتھ ارحام کو غصے سے دیکھا تھا۔بابا آپ نے مما کو گود میں کیوں اٹھایا ہوا ہے۔اور ماما کو کہاں لے کر جا رہے ہیں۔پریذے بیڈ سے اترتے ارحام کی طرف بڑھی تھی۔

ارحام گہرا سانس لیتے حور کو نیچے اتار چکا تھا۔

پریذے میری جان وہ میں۔۔۔ماما کے پاؤں میں چوٹ لگی تھی۔وہ چل نہیں پا رہی تھیں میں صرف آپ کی ماما کی ہیلپ کر رہا تھا۔ارحام نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے پریذے کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔کیسی ہیلپ بابا؟؟آپ ماما کو کہاں لے کر جا رہے تھے؟؟۔پریذے نے معصمیت سے پوچھا۔

پریذے کے سوال پر ارحام نے گہرا سانس لیا تھا۔

پریذے آپ کی ماما کو واش روم جانا تھا۔ میں صرف انھیں واش روم تک لے کر جا رہا تھا۔ ماما چل نہیں سکتی ناں۔۔ ارحام نے اپنی کنپٹی بری طرح مسلی تھی۔ پریذے کے سوالوں پر وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ اس کا معصوم ذہن پر کسی قسم کے سوال نہیں ڈالنا چاہتا تھا جس کے جواب نہ ہوں۔

لیکن بابا واش روم تو ادھر نہیں آپ ماما کو باہر لے کر جا رہے تھے۔ پریذے کے ایک اور سوال پر ارحام نے لب بھینچے تھے۔

پریذے میری گڑیا۔۔ بابا کو اندھیرے میں نظر نہیں آیا شائد اس لیے۔۔ آپ ماما کے ساتھ اب سو جائیں۔ اوکے !! بابا کو اب نیند آ رہی ہے۔ ارحام اس کے گال پر کس کرتے ہوئے اٹھا

اب ہمارے ایک ساتھ کمرے میں رہنے پر بھی پریذے کے معصوم ذہن میں سوال آئیں گے اور یہ سوال تم ڈال رہی اس کے ذہن میں۔۔

میں!!حور نے ارحام کی بات پر تعجب ذدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ہاں تم۔۔کیونکہ پچھلے ایک ہفتے سے تم اس کے ساتھ سو رہی ہو۔ظاہر ہے اب تمھارا میرے ساتھ سونا اس کے ذہن میں مختلف سوال پیدا کرے گا۔وہ یہ برداشت بھی نہیں کرے گی۔سات مہینوں بعد تم اس حویلی واپس آئی ہو۔۔تمھارے اور گل کے بغیر رہنا اس کے لیے بہت مشکل رہا ہے حور۔۔۔اس لیے تمھارے لیے میرے لیے ٹھیک ہے۔تم نے آتے ساتھ ہی اسے اپنا عادی بنالیا ہے۔اور بچوں کو کبھی بھی اپنا عادی نہیں بنانا چاہیے۔یہ بڑوں سے زیادہ بچوں کے لیے مسائل کھڑا کرتا ہے۔ارحام سرد آواز میں کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

حور اپنے لب کاٹتے ہوے بیڈ کی طرف بڑھی۔

ماما آپ کا پاؤں تو ٹھیک ہے آپ تو چل سکتی ہیں پریذے کی بات پر حور نے روہانسے ہوتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائی۔

پریذے جان!!میرے پاس آئیں میں اپ کو بیوٹی اینڈ بیسٹ سٹوری سناؤں جو آپ کو رات سننا تھی۔

پریذے حور کی بات پر بھاگتے ہوے اس کے آئی تھی۔

حور نے اس پر کمبل دیتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔اسے اپنے ساتھ لگائے اسے سٹوری سنانے لگی۔جو رات کو اس کی فرمائش پر اس نے گوگل کی تھی۔۔

زنان خانہ کے لاونج میں اس وقت سب بیٹھے ہوے تھے۔

شہرام کے ٹھیک ہونے کی خوشی میں حویلی میں چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر رکھی تھی۔

درخزئی کی پچھلے چار دنوں سے بالاکوٹ میں سخت ڈیوٹی تھی۔ وہ آج ہی حویلی آیا تھا۔۔ وہ اس وقت بلیک شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر بلیک ہی شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ درخزئی کی گہری نگاہوں کا مرکز عنائیہ تھی۔ جو اس کے سامنے ہی زحلے کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ جو انگوری کلر کے بہت سٹائلش ٹراوزر اور لانگ شرٹ میں ملبوس تھی۔ اپنے براؤن سلکی بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔ خوبصورت وائٹ اینڈ انگوری کلر کی گرم ایمرائیڈری شال اس نے ایک طرف کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ ٹراوزر بھی ٹخنوں سے اچھا خاصہ اونچا تھا۔ اس کے چاندی جیسے ٹخنے اور اس کے اوپر پنڈلیاں بھی تھوڑی تھوڑی نمایاں ہو رہی تھیں۔ درخزئی

وہاں بیٹھے بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھا۔۔اس کی ڈریسنگ ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ درخزئی کی گرم حدت بھری نگاہوں میں سرد پن بھی شامل تھا۔۔ درخزئی کی پر تپش نگاہیں خود پر محسوس کرتے عنائیہ کی رنگت غصے اور اشتعال سے سرخ ہو رہی تھی۔۔

اہمممم۔۔۔۔اہمممم۔۔۔زاران نے گلا کھنکارتے اپنے ساتھ بیٹھے درخزئی کی نظروں کو بریک لگاتے خود کی طرف متوجہ کیا۔۔

اپنی نگاہوں کو کنٹرول کر پبلک سپاٹ نہیں حویلی ہے میری۔۔ عنائیہ بہن ہے میری۔ زاران نے دانت پیستے دبی آواز میں درخزئی کو ٹوکا تھا۔

بہن ہے تیری اور یہ حویلی ہے تیری۔۔ درخزئی نے زاران کو گھورتے استھزائیہ انداز میں لفظ چبائے آئی ابرو اچکائے استفسار کیا۔

لیکن نظارہ تو پبلک سپاٹ کی طرح کا ہے۔ تیری بہن ایسی ڈریسنگ کرتی ہے تیری حویلی میں کیا؟؟۔ درخزئی نے زاران کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے دانت پیستے جواباً سوالیہ انداز میں آئی برو اچکائے۔

تجھے کیوں مرچیں لگ رہی ہیں؟۔ وہ جیسی مرضی ڈریسنگ کرے۔ امیریکہ سے آئی ہے۔ امیریکہ کی نیشنلٹی ہے اس کے پاس۔ اس حویلی کی عورت نہیں جو میں اس کی ڈریسنگ پر پابندی لگا تا رہوں۔ زاران اس کی بات پر غصے سے بپھرتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو شرربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

پھر اس کے ساتھ کوئی رشتہ بھی مت جوڑ۔۔ میں اپنی نظروں کو کنٹرول کروں یا نہ کروں تو مجھے روک نہیں سکتا۔ ویسے بھی جو دکھاتا ہے تو اسے

دیکھا تو جاتا ہے۔ اور تیری سالی کو نہ تمیز کی ضرورت ہے نہ تہذیب کی۔

اسے صرف درخزئی خانزادہ کی ضرروت ہے۔۔۔ اس کے بعد تمیز اور

تہذیب اسے خود ہی آجائے گی۔

درخزئی نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے عنائیہ کو خونخوار نگاہوں سے

دیکھا جس کی شال اس کے ایک کندھے سے بھی سرکنے کو بے تاب تھی

۔ فٹنگ شرٹ میں اس کا جسمانی ہر خدوخال نمایاں ہو رہا تھا۔

یہ کہاں سے سولہ کی لگتی ہے ؟؟ درخزئی عنائیہ کے دلکش خوبصورت بدن کو

دیکھتے غصے سے بری طرح جھنجھلایا تھا۔۔ اس کے سامنے ہی شہرام اور زاران

بیٹھے ہوے تھے۔ وہ اس طرح کی ڈریسنگ میں اسے بلکل برداشت نہیں ہو

رہی تھی۔ نہیں برداشت ہو رہا تھا وہ یوں کسی کے سامنے بھی عیاں ہو۔ اسے

آج پتہ چلا تھا اس کے اندر پیور خالصتاً خانزادہ خون تھا۔ کل تک سامنے بیٹھی

لڑکی اس کے دل کی ملکہ تھی۔ آج پتہ چلا تھا وہ اس کے لیے بے انتہا پوزیسو بھی ہو چکا ہے۔ وہ اپنی اب ایک ٹانگ اظرابی انداز میں ہلائے اپنے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے عنائیہ کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اپنی نظروں کو کنٹرول کر لے درخزئی لالا آرہے ہیں۔ تیری آنکھیں دنیا کسی عورت کو دیکھنے کے قابل نہیں رہیں گی۔ اگر انہوں نے تمھیں یوں عنائیہ کو گھورتے دیکھ لیا تو۔۔۔ زاران ارحام کو لاونج میں داخل ہوتے دیکھ کر صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔

ارحام اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر سفید شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔ سرخ و سفید رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ چہرہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ وہ اپنے نم بالوں میں انگلیاں پھیرتے لاونج میں داخل ہوا تھا۔

یہ لالا کو کیا ہوا ہے ؟؟ در خزئی نے ارحام کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

رومانس کی کمی ہوئی ہے۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا تھا. ساتھ بیٹھے شہرام خان کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔

اگر رومانس کی کمی ہوئی ہے تو لالا نہائے کیوں ہیں ؟؟ در خزئی کی بات پر زاران اور شہرام دونوں کے بلند و بانگ قہقے گونجتے حویلی کے لاونج کے در و دیوار کو ہلا گئے تھے۔

امینہ خانم رقیہ خانم نے حیرانگی سے زاران شہرام کو یوں قہقے لگاتے دیکھا تھا۔

رومانس کی نہیں بیوی کی کمی ہوئی ہے۔۔ اب نہائے کیوں یہ لالا بہتر ہی بتا سکتے ہیں ؟؟ شہرام نے شرارتی لہجے میں کہتے در خزئی کو آنکھ ماری۔

یعنی کنواروں والا حال ہوا ہے آج کل لالا کا۔ میری طرح ہر دوسرے دن شاور لینا پڑتا ہے۔

درخزئی نے ارحام کے سرد چہرے کو دیکھتے ان دونوں کو دیکھتے جواباً آنکھ ماری۔

بیوی کی تجھے بھی کمی ہوئی ہے وہ بھی شدید والی. شادی کرلے تیرے لیے یہی بہتر ہو گا۔

زاران نے مسکراتے ہوے درخزئی کی بات کا ٹکڑا لگاتے شہرام کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔ درخزئی کے جواباً گھورنے پر زاران شہرام کے ایک مرتبہ پھر سے چھت پھاڑ قہقے گونجے تھے۔۔

کیا بات ہے اتنے قہقے کیوں گونج رہے ہیں خیریت؟؟ ارحام نے ان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے سنجیدگی سے دریافت کرتے اپنی شال گلے میں جھٹکی تھی۔ اس کی رنگت شدید سرخ ہو رہی تھی۔۔ زاران شہرام قہقے اسے غصے میں مبتلا کر رہے تھے پچھلے چار دنوں سے وہ کمرے میں سگریٹ پیتے ہوے حور کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنا چہرہ تک اسے نہیں دکھاتی تھی۔ ہر وقت وہ پریذے کے ساتھ رہتی تھی۔ پریذے کی وجہ سے وہ یہ سب برداشت کر رہا تھا۔ مگر اسے لگ رہا تھا اس کے دماغ کی نس پھٹ جائے گی۔ حور اپنے لیے اس کی دیوانگی نہیں سمجھ پا رہی رہی۔ اسے ایکھتے اسے سوچتے وہ خود پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ اسے اتنی سی بات نہیں سمجھ آتی تھی۔ خدا نے اس کے اندر یہ جذبات ڈالے تھے۔ جو خالصتاً صرف اس کے

لیے۔اس نے کبھی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی غلط حرام کام کا انتخاب نہیں کیا تھا۔اس کی طلب اس کا نشہ صرف وہی تھی۔

لالا!!زاران لالا کہہ رہا تھا کہ آپ کو کسی چیز کی کمی ہوئی ہے۔درحزئی نے زاران خانزاہ کو عزت دیتے ہوے اس کی جان نکالی تھی

درخزئی کی بات پر زاران کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔رنگ سرخ ہوا تھا۔

شہرام منہ پر ہاتھ پھیرتے نظریں کیے اپنی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

کس چیز کی کمی ہوئی ہے مجھے؟؟ارحام نے آئی برو اچکائے زاران کو دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا

ارحام کے سوال پر زاران کو اب کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ارحام کو اگر ذرا بھی خبر ہو جاتی وہ اسے لے کر ایسی باتیں کرتا ہے۔اس میں حور کا بھی ذکر ہوتا

ہے وہ یقیناً کسی کا بھی لحاظ کیے اس کا منہ سجا دیتا۔ زاران نے پریشانی سے اپنا گال انگلیوں سے سہلایا۔ بچپن میں پڑے ارحام کے تھپڑ یاد آئے تھے ۔ارحام کو گال سہلاتے دیکھتے شہرام اور درخزئی کیے لبوں پر بڑی محظوظ مسکراہٹ تھی۔ زاران کا ڈر وہ سمجھتے تھے۔۔ ایسے کتنے تھپڑ وہ بھی کھا چکے تھے۔

شہرام درخزئی زاران کی حالت دیکھتے اب بمشکل اپنے امڈتے قہقہوں پر قابو پائے ہوے تھے۔

لالا آپ کو گولی لگنے کی وجہ سے خون کی کمی ہوئی ہے۔ میں یہی کہہ رہا تھا۔ زاران نے درخزئی کو گھورتے دانت پیستے جواب دیا۔

بلکل لالا!! زران لالا نے یہی کہا تھا۔ درخزئی نے اثبات میں سر ہلاتے صوفے سے ٹیک لگائے عنائیہ کو ایک نظر دیکھا تھا۔ جو اپنے فون پر آئی کال

کی وجہ سے وہاں سے اٹھتے چلی گئی تھی۔۔۔اس کا سارا دھیان عنائیہ کی طرف ہوا تھا۔اس کے فون کال پر وہ عجیب سی بے چینی کا شکار ہوا تھا۔

درخزئی سر جھٹکتا زاران اور شہرام کی طرف متوجہ ہوا۔

حور اسی اثناء میں لاونج میں داخل ہوئی تھی۔

بلیک ویلوٹ کلر کی خوبصورت سی ایمرائیڈری شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھی۔جس پر سیاہ ایمرائڈری شال سر پر اچھی طرح لی ہوئی تھی۔۔

ارحام حور کو دیکھتے صوفے پر سیدھا ہوا تھا۔گہری نگاہیں اپنی خوبصورت بیوی پر ٹھہریں تھیں۔

لالا کی ترسی نگاہیں تو دیکھ!!قسم سے کوئی اپنی بیوی کو بھی ایسے دیکھتا ہے ؟؟زاران کی زبان پر پھر سے کھجلی ہوئی تھی۔

ہاں جسے رومانس کی کمی ہو وہ ایسے ہی بیوی کو دیکھتا ہے۔ درخزئی نے صوفے سے ٹیک لگائے ارحام کے تاثرات دیکھتے زاران شہرام کو دیکھتے سرگوشی کرتے آنکھ ماری۔۔

شہرام زاران کے ایک بار پھر سے قہقے گونجے تھے۔

اللہ اللہ تم لوگوں کو نظر لگ جائے گا بچہ۔۔ ایسا مت ہنسو تم لوگ۔۔ امینہ خانم نے انھیں ٹوکتے دور سے اہی بلائیں لی تھیں۔

رقیہ خانم نے اپنی بھیگی آنکھیں اپنی چادر سے رگڑیں۔ اسفند چار دن پہلے حویلی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کسی کو اس کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ زاران جو اس کی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ اسے بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ رقیہ خانم نے زاران کے مسکراتے چہرے کو شرربار نگاہوں سے دیکھتے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔

حور مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ ذرا کمرے میں آؤ۔۔ ارحام صوفے سے یکدم کھڑے ہوتے ہولا۔ اسے دیکھتے دل بے اختیار سے باہر ہوا تھا۔

لالا کا ضروری کام۔۔ درخزئی نے زاران کی طرف جھکتے معنی خیز سرگوشی کی ۔۔ چپ کر کے نظارہ دیکھ تجھے ابھی پتہ چل جائے گا۔ لالا بیچارے کو بیوی کی وجہ سے رومانس کی کمی ہوئی ہے۔ زاران نے دبی آواز میں سذ گوشی کی۔۔ شہرام اور درخزئی ارحام کی طرف متوجہ ہوے۔

ارحام وہ مجھے کچن میں کچھ کام تھا۔۔ حور نے ارحام سرخ آنکھیں دیکھتے بمشکل ہی کہا تھا۔ ارحام کی پیاسی نگاہیں اسے پل میں کچھ سمجھا چکی تھیں۔

کچن میں کیا کام ہے ؟؟ درخشاں اور باقی حویلی کی عورتیں ہیں۔ تمھیں ضرورت نہیں کچن میں جانے کی۔

ارحام کی بات پر زاران نے پہلو بدلا۔

اب یہ نیا شگوفہ لالا کا۔۔ قسم سے میری بیوی نے سن لیا۔۔ میرا رومانس بھی بند ہو جائے گا۔ زاران جھنجھلاتے ہوئے بڑبڑایا۔۔ درخزئی زاران کی بڑبڑاہٹ سنتے مسکرایا تھا۔

ارحام کچھ پل حور کو دیکھتا رہا۔۔ پھر وہ لب بھینچے اپنے بھاری قدموں سے حور کی طرف بڑھا۔ بہت ضروری کام ہے چلو میرے ساتھ۔ دوسرے لمحے وہ حور کو کلائی سے پکڑے زنان خانے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

امینہ خانم یہ دیکھتے گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔ وہ جانتی تھی ارحام حور کو لے کر کافی حساس اور جنونی ہے۔۔۔ حور کے لیے ان کے بیٹے پہاڑی خان کو برداشت کرنا مشکل ہے۔ وہ پہلے بھی اس حقیقت سے باخبر تھیں۔ گل کے ہوتے ارحام خانزادہ نے کبھی دن اپنے کمرے میں نہیں گزارا تھا۔ نہ گل کو

وہ دن کے وقت کمرے میں ٹھہرنے دیتا تھا۔ مگر حور کے معاملے میں وہ اپنے سارے اصول بھول گیا تھا۔

اب لالا شاور لے کر باہر آئے تو سمجھ جانا رومانس اور بیوی کی کمی پوری ہو گئی ہے۔۔ شہرام ذو معنی انداز میں شرارتی لہجے میں بولا تچلو کچھ دن وہ ہم سب کو خونخوار نگاہوں سے دیکھنا بند کریں گے۔۔ زاران نے ٹکڑا لگایا تھا۔

جتنا ہمارا پہاڑی لالا رومانٹک ہے۔ بیوی کی پھر سے تھوڑی دیر بعد کمی ہو جانی ہے۔ کچھ دن نہیں تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں گھورنا شروع کر دیں گے۔۔ یہ کمی لالا کی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔۔ درخزئی ذو معنی انداز میں بولا تو

زران درخزئی اور شہرام کے چھت پھاڑ قہقے پھر سے گونجے تھے۔۔

لالا میں آتا ہوں۔ بہارے کو اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر شہرام صوفے سے اٹھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا

یہ کہاں گیا؟؟ درخزئی نے شہرام کو بہارے کے پیچھے جاتا دیکھ کر صوفے سے ٹیک لگائے پوچھا۔

رمانس کی کمی پوری کرنے۔۔ زاران صوفے سے ٹیک لگائے گہرا مسکرایا تھا۔

میری بات سن اس سے پہلے تیرے اندر بھی رومانس کی کمی ہو جائے تو بھی اپنے کمرے کا رخ کرے تو میرے ساتھ میرے کمرے میں چل۔

تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے میں اپنی رومانس کی کمی تجھ سے پوری کروں گا تو نے ایسا سوچا بھی کیسے ؟؟ کنوارہ تو ہے میں نہیں۔ زاران درخزئی کی بات پر مسکراہٹ دبائے اسے تپا گیا تھا۔

بکواس بند کر در خزئی خانزادہ کے اندر تم سب خانزادوں سے زیادہ رومانس کا کیڑا ہے۔ رومانس کی خواہش لیتے اس دنیا سے جانا زیاہ پسند کروں گا کجا کہ تیری خبیث شکل کو منہ لگانا۔ در خزئی کی بات پر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

زاران کے قہقے پر عابیر کے لاونج سے کچن میں جاتے قدم ٹھہرے تھے۔۔ آنکھیں پل میں نم ہوئی تھیں۔ دوسرے پل وہ تیز تیز قدموں سے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی

شہرام کمرے میں داخل ہوا تو بہارے بیڈ پر بیٹھی بہرام کو فیڈ کروا رہی تھی ۔۔ شہرام کے اندر داخل ہونے پر بہارے نے سٹپٹاتے ہوے پاس پڑی اپنی ویلوٹ کی میرون شال خود پر لپیٹی تھی۔ شہرام گہرا مسکراتے ہوے

اس کی طرف بڑھتے اس کی شال اس کے وجود سے ایک جھٹکے سے آزاد کر گیا۔

بہارے سرخ پڑتے بہرام کو خود سے علیحدہ کر چکی تھی۔ اپنی شرٹ نیچے کرتے اس نے بہرام کو بیڈ پر لٹایا جو اس کے تھوڑے سے فیڈ پر ہی سوچکا تھا۔

فیڈ کروانا کیوں بند کیا بہارے؟؟۔ شہرام نے بہارے کو بیڈ پر نرمی سے لٹاتے اس پر جھکتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اس وقت ریڈ اینڈ میرون جامہ وار کے کمبیشن بہت سٹائلش ڈریس میں ملبوس تھی۔ لبوں کو سرخ رنگ سے سجایا ہوا تھا۔ بالوں میں کیچر لگایا ہوا تھا جو شہرام نرمی سے اتارتے زمین پر پھینک چکا تھا۔

وہ۔۔۔زیادہ۔۔۔تنگ۔۔۔نہیں۔۔۔کرتا۔اس۔۔۔کا۔۔۔

پیٹ۔۔۔بہت۔۔۔جلدی۔۔۔بھر۔۔۔جاتا۔۔۔ہے۔شہرام کی جان لیوہ قربت میں بہارے نے گہرے سانس لیتے اس کے چٹانی سینے پر انگلی پھیرتے بمشکل ہی اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔۔اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو اسے اپنے حواصوں پر چھاتی محسوس ہو رہی تھی۔یعنی اپنے باپ پر گیا ہے جو تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرتا۔شہرام کہتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے بہت نرمی سے اپنے لب رکھ گیا تھا۔

اتنا بھی شریف نہیں۔۔بہارے نے اٹکتی سانسوں سے بمشکل کہا۔شہرام کے لب بہت نرمی سے نیچے کی جانب پرواز کر رہے تھے۔وہ اس کی شرٹ اوپر کو کھسکاتے اس کے پیٹ پر پڑے سٹیچز کے نشانات پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔وہ بہت نرمی سے ان نشانات کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔

بہارے آنکھیں موند چکی تھی۔۔ شہرام خان کے لمس سے جیسے وہ ساری تکلیف زائل ہوئی تھی۔ جو اس نے بہرام کو پیدا کرتے وقت اٹھائی تھی۔ اور بعد میں بھی یہاں اٹھنے والے درد سے وہ مرنے والی ہو جاتی تھی۔

وہ بہت نرمی سے اس کے پیٹ کو اپنے لبوں سے چھوئے جا رہا تھا۔ بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔ شہرام کے لب اب بہت نرمی سے اوپر کی جانب آتے اس کی آنکھوں سے گرتے موتیوں کو بہت نرمی سے چن گئے تھے۔

شہرام خان اس کے عارض پر انگلیاں پھیرتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے اس کے لبوں پر جھکتے انھیں بہت شدت سے اپنی سانسوں کی دسترس میں لے گیا تھا۔

بہارے اس کی شدت پر اس کی گردن کی چین کو جکڑ گئی تھی۔ شہرام اس کی سانسوں پر قبضہ جمائے اس کے نچلے لب کو دانتوں سے نرمی سے کھینچ رہا تھا۔ بہارے کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ مگر شہرام کی تشنگی بجھ ہی نہیں رہی تھی۔۔ سینے پر لگی گولی کی وجہ سے ابھی بھی اسے اچھا خاصہ درد اٹھ رہا تھا۔۔ بہارے کو محسوس کروائے بغیر وہ اس کے لبوں سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ اس کے زخموں کی وجہ سے اسے اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی۔

آج اس کے سرخ یاقوتی لبوں کو دیکھ کر وہ خود پر اختیار کھو بیٹھا تھا۔

بہارے بھی سب کچھ بھولے جیسے ان پلوں میں کھوئی تھی۔ شہرام خان کی قربت میں گزرے پل یاد آئے تھے۔ وہ جب اس کی سانسوں کا دشمن بنا رہتا تھا۔ قربت کے لمحات میں اس کا سارا فوکس اس کے لبوں پر ہوتا تھا۔ آج بھی وہ اپنی دیوانگی اپنا جنون اس کے لبوں پر اتار رہا تھا۔

بہارے آنکھیں میچے اس کی دیوانگی اس کا جنون اپنے لبوں پر سہہ رہی تھی۔اس کی شدت ہمیشہ کی طرح برداشت کرنا مشکل تھا اس کے لیے۔۔وہ بمشکل ہی اسے برداشت کر رہی تھی۔بہارے نے بمشکل سانس لیتے اپنے کانپتے ہاتھوں سے شہرام کو دور کرنے کی کوشش کی وہ اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں سے اور بھی شدت سے لپٹا تھا۔بہارے بے حال سی ہوتی آنکھیں موند چکی تھی۔

شہرام نے اس کی سانسیں بری طرح ترتیب ہوتی محسوس کرتے اور اس کی بے حال وجود محسوس کرتے اس کے لبوں کو آزادی دی تھ۔

مجھے پیچھے کرنا تو دور کی بات میرے پناہوں میں تم ہل بھی نہیں پا رہی میری بہارے۔۔۔اب اور بھی کوئی تمھیں ثبوت چاہیے کہ میرے مکمل ٹھیک ہونے کا تو میں دینے کو تیار ہوں۔اس کے لیے تمھیں صرف میرے بہت

قریب آنا پڑے گا۔ شہرام تکیے پر سر رکھتا اس کے نازک وجود کو اپنے سینے پر منتکل کر چکا تھا۔

شہرام تمھارے زخم ابھی کچے ہیں۔۔ بہارے نے اس کے حصار سے دور ہونا چاہا تھا۔ شہرام اسے سختی سے اپنے سینے سے لپٹا چکا تھا۔

زخموں کے کچے ہونے کا پتہ نہیں مگر تم جتنا مجھ سے بچو گی یاد رکھنا تمھیں مجھے برداشت کرنا بہت مشکل ہو گا۔ وہ اسے خود کے ساتھ لپٹائے برفیلے لہجے مین سرگوشی کرتے اس کی دل کی دھڑکنیں بڑھا چکا تھا۔

ابھی تو تمھیں تم سے مانگ رہا ہوں میری بہارے۔ مگر جس دن شہرام خان اپنی اصلیت پر آگیا وہ وقت میرا ہو گا میری بہارے اس دن اس کمرے میں گونجتی تمھاری چیخوں اور سسکیوں کی پرواہ نہیں کروں گا۔ ایسے تم میں

سماؤں گا میری بہارے۔ شہرام اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

تمھیں برداشت کرنا ہمیشہ بہت مشکل سے رہا ہے میرے لیے شہرام خان۔۔ تم نے کب پرواہ کی کبھی میری سسکیوں کی۔۔ اور پہلی رات بھی تم نے مجھ سے مجھے نہیں مانگا تھا۔ اب کیوں مانگ رہے ہو؟ بہارے نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے شکوہ کرتے استفسار کیا۔

میری نازک بہارے۔۔ اپنی چیز مانگی نہیں جاتی۔ اس دنیا میں اگر شہرام خان کی ملکیت کوئی ہے تو وہ صرف اس کی بہارے ہے۔۔ بچپن سے تم پر ہی حق جتاتا آیا ہوں۔۔ تم پر چیخ کر چلا کر پیار جتا کر ہمیشہ تمھارے معاملے میں اپنی مرضی کی ہے۔۔ کیونکہ اس دنیا میں میری بہارے ہی واحد عورت ہے جس پر شہرام خان چیخ سکتا ہے اسے کسی بھی کام سے روک سکتا ہے۔۔ اسے

ڈپٹ سکتا ہے اس کی ڈانٹ کھا سکتا ہے۔اس کے غصے سے ڈر سکتا ہے۔شہرام نے اس کے عارض پر بکھرے بال ہٹائے تھے۔

شہرام خان مجھ سے ڈر سکتا ہے میں نہیں مان سکتی۔۔بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

مرد عورت کے غصے سے نہیں ڈرتا ہے نہ اس کے چیخنے چلانے پر ڈرتا ہے۔۔محبت کرنے والا مرد صرف اپنی بیوی کے آنسوؤں سے ڈرتا ہے۔مجھے اسی بات کا خوف ہے بہارے میرا کوئی ایکٹ تمھیں آنسو نہ دے جائے۔مگر بندہ بشر ہوں اگر کبھی تمھاری آنکھ میں آنسو آئے بھی تو تمھیں اپنے سینے سے لگا کر تمھارے آنسوؤں پر اپنے لب رکھتے انھیں چنتے ہوے اپنے حلق میں اتار لوں گا۔شہرام اسے اپنے قریب کرتے اس کے آنکھوں کے گوشوں پر بکھری شبنم کو باری باری چن گیا تھا۔

ابھی اس لیے تمھیں تم سے مانگ رہا ہوں تم میری بہارے نہیں میرے بیٹے میرے بہرام کی ماں بھی ہو۔ میرے لیے تعظیم کے قابل۔۔۔ وہ اسے ایک جھٹکے سے خود کے قریب کرتے اس کیے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔ بہارے اس کے حصار میں کسمسائی تھی۔۔ شہرام کی بے باک گستاخیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

اس کے ہاتھ لب قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ بے باکی سے اس ء کے بدن کے ہر حصے پر اپنا حق جتا رہا تھا۔

شہرام کی گہری ہوتی سانسیں اور خمار زدہ آنکھیں بتا رہی تھیں۔ اسے روکا نہ وہ ہر حد سے گزر جائے گا۔ اسے سچ میں شہرام خان کے جنون سے خوف آ رہا تھا۔

کیوں چھوڑ دوں میری بہارے؟؟ مجھ سے ضروری کیا ہو سکتا ہے تمھارے لیے؟؟ ابھی مجھے محسوس کرو تا کہ میں تمھاری گہرائیوں میں اتر کر تم پر ظلم کر کے بتا سکوں کہ تم نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے۔ شہرام کی سلگتی سانسوں اور اس کی باتوں پر بہارے کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

تم ابھی کچھ نہیں کر سکتے شہرام خان!! بہارے نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے اسے مزید آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ شہرام کو کروکنے کا ایک ہی حل تھا اس کے پاس۔۔۔ اس کے زخموں کی وجہ سے وہ اسے مزید آگے بڑھنے نہیں دے سکتی وتھی۔ وہ اسے لے کر جتنا جنونی تھا۔ وہ اس کی قربت میں اپنے زخم بھول جاتا جنھیں ابھی انہیل ہونا تھا۔

کیوں نہیں کر سکتا؟؟ اس کے گرم ہاتھ اس کی شرٹ کی زپ میں الجھے تھے۔

بہارے نے شہرام کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی تھی۔ شہرام خان نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

مم۔۔ میں۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ کہہ۔۔۔ رہی ہوں۔۔۔ میری۔۔۔ طبعیت۔۔ ٹھیک۔۔۔ نہیں ہے۔ بہارے اس کی بے یقین آنکھوں پر خفت زدہ ہوتے نظریں جھکا گئی تھی۔

شہرام اسے اپنے سینے میں قید کیے آنکھیں موند گیا تھا۔

اگر آجازت دو تو خود کو سکون دینے کے لیے تمھاری سانسوں کو بے سکون کر دوں؟؟ شہرام کی بات پر بہارے کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔ وہ شہرام خان تھا وہ کب اسے چھونے سے باز آتا تھا۔ وہ تو اپنا سکون حاصل کرنے کے بعد بھی اسے اپنے لبوں سے چھوتا رہتا تھا۔ قربت کے لمحات کے بعد وہ کبھی سوتا نہیں تھا۔ اسے اپنی بانہوں میں قید کیے اپنی محبت

کا اظہار کرتے اس کی سانسوں پر قابض رہتا تھا۔ اور ایسی محبت کم ہی مرد کرتے تھے۔ مگر اس کا شہرام خان ایسی محبت کرتا تھا۔ نرم گرم پھوار کی طرح۔۔۔

شہرام رخ پلٹے اس کے لبوں پر جھکے اسے مکمل طور پر اپنی پناہوں میں قید کرتے اپنی سلگتی سانسوں سے اسے سلگانے لگا

ارحام حور کی کلائی پکڑے کمرے میں لاتے دروازہ کھولتے اسے بے دردی سے بیڈ پر پٹخ چکا تھا۔

حور نے سیدھے ہوتے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا جو اسے دیکھتے اپنی شرٹ اتار رہا تھا۔

وہ اپنی شرٹ اتارتے حور کی طرف بڑھا جو اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟؟ تمھیں مجھ پر ترس نہیں آتا۔ تمھارے بغیر میں ایک پل نہیں رہ سکتا پچھلے چار دنوں سے تم مجھے آخر کس بات کی سزا دے رہی ہو؟؟

وہ اس پر جھکتے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑتے اس کا چہرہ اپنے قریب کرتے غرایا۔

اب پچھلے چار دنوں کا حساب تم سے نہ لے لوں تم اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ اس کے بالوں کو جکڑے اس کے لبوں پر جھکنے لگا تھا۔ اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے جھنجھلاتے ہوے پیچھے ہوا۔ حور اوندھے منہ تکیے پر لیٹی رونے لگی تھی۔

ارحام نے جبڑے بھینچتے خود پر قابو پاتے اسے سیدھا کیا تھا

اوکے آئی ایم سوری میری غلطی تھی۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں مائی پرنسز زمائی بیوٹیفل وائف مائی بچہ۔۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔

حور نے بے یقینی سے اسے آنکھیں جھپکائے دیکھا تھا۔ مقابل ہر بات کے لیے اس سے ایسے معافی مانگنے لگ جاتا تھا۔ اسے تو لگا تھا وہ پہلے کی طرح اسے آج سزا دے گا۔ وہ ارحام کو دیکھتے حیران تھی۔۔

نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔۔ نہ تمھیں اس وقت میری پناہوں سے آزادی مل سکتی ہے نہ تم پر میں رحم کھا سکتا ہوں۔ ارحام اس کے نقوش کو اپنے لبوں سے چھوتے خمار زدہ لہجے میں بولا۔

ارحام باہر سب۔۔۔۔ حور نے بے ترتیب سانسوں سے کہا۔

مائی ڈارلنگ مائی بچہ صرف آدھا گھنٹہ دے دو۔۔۔ ارحام نے بے ترتیب سانسوں سے کہتے اس کے عارض پر دانت گاڑھے۔

آدھا گھنٹے میں آپ کا حلق بھی تر نہیں ہو گا ارحام۔۔ حور نے ارحام کو دیکھتے طنزیہ انداز میں لب پھیلائے تھے۔

حور کی بات پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

اچھی طرح جانتی ہو اپنے خان کو!! اب یہ تم پر ڈپینڈ کرتا ہے میری جان میں کب تمھیں اپنی پناہوں سے آزاد کرتا ہوں۔

وہ کمبل میں غروب ہوتے حور کو خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

حور بھابھی آپ نے کپڑے کیوں بدل لیے۔ پہلے والا زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ اور اتنا سردی میں نہانے کا کیا ضرورت تھا۔ درخشاں نے حور کی بھیگی زلفیں دیکھتے کہا۔ وہ اس وقت ڈارک بلو کلر کی گرم پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ سٹوو کے آگے کھڑی کپکپاتی ہوئی اپنے ہاتھ سیک رہی تھی۔ ابرش جو کچن میں حور کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ وہ درخشاں کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ حور سرخ پڑتے نظریں جھکائے مدھم سا مسکرا گئی تھی۔۔ ارحام جس طرح کمرے میں لے کر گیا تھا۔ اور وہ کمرے سے ایک گھنٹے بعد ڈریس چینج کر کے نکلی تھی۔ وہ اسے خفت و شرم سے دوچار کر رہا تھا۔ اسی لیے وہ فوراً کچن میں چلی آئی تھی۔ یہاں ابرش کی مدھم سی مسکراہٹ اور درخشاں کے سوالوں پر وہ مزید سرخ پڑ رہی تھی۔

لالا کا ریکارڈ میرا منتقم مزاج بندہ بھی نہیں توڑ سکتا۔ وہ ایسے میری کلائی پکڑ کر کبھی لے جائے اس دن ابرش پاشا کو تو ہارٹ اٹیک ہی جائے۔ ابرش حور کی جھکی نگاہیں دیکھ کر کھکھلائی تھی۔۔

اب ایسا بھی بات نہیں بھابھی۔۔۔ زاران لالا کچن میں رومانس کرتے پکڑے گئے تھے۔ مگر لالا نے ابھی کچن میں رومانس نہیں کیا۔ درخشاں کی بات پر حور کی رنگت میں

مزید سرخیاں گھلی تھیں۔ اس دن واش روم والا واقعہ یاد آیا تھا۔ ارحام کچن میں رومانس کر چکا تھا۔ یہ بھی یاد آیا تھا۔ ابرش سلاد کاٹتے مدھم سا مسکرا گئی تھی۔

بھابھی تم نے کپڑا کیوں بدلہ تم نے بتایا نہیں؟؟ درخشاں نے پتیلے میں چمچ چلاتے ہوئے معصومیت سے سوال کیا۔

حور بھابھی آپ نے کپڑے کیوں بدلے صرف درخشاں یہ نہیں جاننا چاہ رہی۔ اندر بند کمرے میں کیا کیا ہوا درخشاں کو یہ بھی جاننا ہے۔۔ بہارے کچن میں داخل ہوتے اونچی آواز میں بولی۔

اللہ اللہ !! باجی تم ہم کو ایسا سمجھتا ہے۔ ہم تو صرف حیران ہو رہا تھا بھابھی نے کپڑا کیوں بدلہ ؟؟۔۔ پہلے والا زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ درخشاں جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

اللہ اللہ درخشاں !! ہم قربان جائیں تمھارا معصومیت پر۔۔ تمھارا شرافت تو اس حویلی کا مردوں جیسا ہے۔ جیسے وہ سب سے زیادہ معصوم اور شریف ہیں۔ تم بھی اتنی ہی شریف ہو۔۔ بہارے درخشاں کے انداز میں منہ بناتے ہوے بولی تو حور اور ابرش کھلا کھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

بھابھی اس نے جتنا ہمارا حویلی میں رومانس دیکھا ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا اس کو الف سے ے تک سب کچھ پتہ ہے۔ یہ صرف مزے لے رہی ہے۔ بہارے نے مسکراہٹ دبائے کہتے ہوے ابرش سے چھری لی۔۔

بھابھی رہنے دیں یہ آپ سے نہیں ہو گا۔ بہارے نے سلاد کو دیکھا جو ابرش نے کافی بے ڈھنگے سے کاٹا ہوا تھا۔ وہ اسے باریک کاٹنے لگی تھی۔۔ شہرام سلاد ذرا سا ترتیب سے کٹا نہ ہو سلاد کو منہ نہیں لگاتا تھا۔ کھانے میں بہت سلکیٹو چیزیں کھاتا تھا۔۔ ذائقہ میں اوپر نیچے کھانا ہو تو چھوڑ دیتا تھا ۔۔ بہارے مہارت سے سلاد کاٹنے لگی۔

ویسے حور بھابھی درخشاں کا بس نہیں چل رہا ہو گا۔ آپ کی گردن پر پڑے نشانوں کے بارے میں پوچھ لے۔۔ یہ تو میرے آنے پر رک گئی۔ ورنہ ا ہماری معصوم سی درخشاں کا اگلا سوال یہی ہونا تھا۔ بہارے کی بات پر حور

نے اپنی شال اچھی طرح خود پر لپیٹی تو کچن میں سب کی کھلکلاہٹیں ایک بار پھر سے گونجی تھیں۔

درخشاں سرخ چہرے کے ساتھ برتن دھونے لگی تھی۔

سب کے قہقے سنتے عابیر کچن کے دروازے پر رکی تھی۔

اس نے گہرے سانس لیتے نم نگاہوں سے سب کو دیکھا تھا۔

اسفند چار دنوں سے حویلی نہیں تھا کسی کو اس کی ذرا فکر نہیں تھی۔ وہ پچھلے چار دنوں سے گیسٹ ہاؤس میں تھا۔ یہ بھی اسے درخشاں سے معلوم ہوا تھا۔ اس کی طبعیت ٹھیک نہیں اس لیے وہ فی الحال گیسٹ ہاوس میں رکا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ واپس امریکہ جانے کا آرادہ رکھتا تھا۔

وہ اس وقت میرون کلر کی ویلوٹ کی کامدار شرٹ اور ٹراوزر میں ملوس تھی۔ اور میرون کلر کا کامدار خوبصورت دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ جس پر ماتھا پٹی لگائے ہوے تھی۔ جیولری میں صرف ماتھا پٹی اور چوکر پہنے ہوے تھی۔ اور میک اپ میں آنکھوں میں کاجل اور لبوں پر میرون لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ اس وقت وہ سب سے زیاہ تیار تھی۔ وہ کیوں تیار تھی وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر انجانے میں وہ اس ستمگر کی آمد کی منتظر تھی۔ وہ جب تک حویلی رہا تھا وہ ایسے ہی تیار ہوتی رہی تھی۔

بہارے تمھیں سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔۔ تم کیا بات کر رہی ہو اور کہاں کھڑی کر رہی ہو اور کس کے سامنے کر رہی ہو؟؟ عابیر کچن میں داخل ہوتے بھڑ بھڑ جلتے بولی تھی۔۔

غصہ تو اسے سب پر آ رہا تھا۔ مگر ابرش اور حور کو وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ ان کے ساتھ احترام کا رشتہ زیادہ تھا۔ مگر بہارے کے ساتھ وہ پلی بڑھی تھی۔ اور وہ مقابل کی بہن بھی تو جو اسے جلتے تندور میں دہکتا چھوڑ کر ایک بار پھر سے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

کیوں کیا میں اس وقت مسجد میں کھڑی ہوں یا پھر میرے سامنے معلمہ فاضلہ کھڑی ہیں یا پھر میں گالیاں دے رہی ہوں۔ بہارے جو ابا عابیر کو ایک نظر دیکھتے سلگتے ہوئے بولی۔ عابیر کو دیکھتے اسے بے حد غصہ آیا تھا۔ مقابل کی وجہ سے اس کا لالا حویلی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ عابیر کو دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ اگر وہ شہرام کی بہن نہ ہوتی وہ اس کی اچھی خاصی کلاس لے لیتی۔

یہ مسجد نہیں مگر نہ تمھارے سامنے معلمہ کھڑی ہیں۔ مگر احترام کا رشتہ تو ہے ناں۔ بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے تمھیں۔ عابیر نے آگے بڑھتے

فریج سے مٹن کی دو تین ران نکالی تھی۔ جسے بہارے نے کل رات مصالحہ لگا کر رکھا تھا۔ وہ پیکٹس نکالتے وہ شیلف پر پہنچ چکی تھی۔

بہارے نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ظبط کیا تھا۔ ابرش حور درخشاں خاموشی سے کھڑی ان کے درمیاں سرد جنگ وار دیکھ رہی تھیں۔

عابیر وہ ران پیکٹس سے نکالتے ان پر فوئل پیپر لپیٹنے لگی تھی۔ جو بہارے دیکھتے عابیر کی طرف بڑھتے اسے وہ فوئل پیپر چھین چکی تھی.۔

تم رہنے دو تم اچھی طرح جانتی ہو!! شہرام میرے ہاتھ کی مٹن ران پسند کرتا ہے۔ ویسے بھی یہاں اسفند لالا نہیں جو تم کچھ بھی پکالو گی۔ وہ خاموشی سے کھالیں گے۔ بہارے مٹن ران کے گرد فویل پیپر لپیٹتے ہوے بولی۔

تم کہنا کیا چاہتی ہو اس حویلی میں تم ہی اچھا کھانا بناتی ہو اور کوئی نہیں بنا سکتا۔۔ تمھارا لالا میرے ہاتھ کا کھانا اس لیے خاموشی سے کھاتا تھا۔ کیونکہ مجھ سے بہتر کھانا اس کے لیے کوئی بنا ہی نہ سکتا تھا۔ اس میں میری محبت شامل تھی لیکن نہ وہ میرے ہاتھ کا کھانا ڈیزرو کرتا ہے۔ اور نہ وہ مجھے۔۔ جیسے تم میرے لالا کو ڈیزور نہیں کرتی۔

عابیر اپنے ہاتھ میں پکڑا کانٹا شیلف پر پٹختے ہوئے چلائی۔

عابیر کی بات پر بہارے کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

شہرام خان کو تو صرف بہارے خان ہی ڈیزرو کرتی ہے۔ کیونکہ شہرام خان بہارے خان پر مرتا ہے۔ اور یہ بات پوری حویلی جانتی ہے۔۔

ڈیزور تم میرے لالا کو نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے وہ تمھیں چھوڑ کر چلے گئے۔۔ مگر شہرام نے مجھے کسی بھی سچویشن میں چھوڑا نہیں۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے تم اپنے شوہر کے دل سے اتر چکی ہو۔ کوئی فائدہ نہیں تمھارے یوں بننے سنورنے کا۔ لالا واپس نہیں آئیں گے۔ بہارے لفظ چباتے ہوے بولی

بکواس بند کرو اپنی۔۔ اسفند مجھے چھوڑ کر نہیں گئے میں نے انھیں مجبور کیا وہ مجھے چھوڑ دیں۔ عابیر دبے انداز میں اپنے بال جکڑے چلائی تھی۔ سانسیں گہری ہوئی تھین۔

اگر تم نے مجبور کیا تھا تو پھر تم اتنا تڑپ کیوں رہی ہو؟؟۔ آزاد کر دو میرے لالا کو اپنی محبت سے تا کہ وہ ایک اچھی اور پر سکون زندگی گزار سکیں۔۔ بہارے اس کی بن آب مچھلی والی حالت دیکھتے استھزائیہ مسکرائی

تھی۔ وہ سچ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ یہ بات حویلی کا ہر فرد جانتا تھا۔

تم ایسے کیسے مجھ پر طنز کر سکتی ہو۔۔ تم بھی میری تکلیف سے گزری ہو بہارے دوسری عورت کا دکھ کیا ہوتا ہے تم سمجھتی ہو۔۔ عابیر کی آواز شدت گریہ سے نم ہوئی تھی۔

سمجھ سکتی ہوں عابیر !! مگر میں اتنا جانتی ہوں میرے لالا ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر بابرک لالا کی بات ہوتی میں کبھی یقین نہ کرتی۔ وہ یقین کرنے کے قابل نہ تھے۔ مگر اسفند لالا ایسے نہیں ہیں۔۔ بات صرف یقین کی ہے۔ اور یقین دل سے کرنا پڑتا ہے۔ شہرام کو کھونے سے میرا دل ڈرتا ہے بہت ڈرتا ہے اس لیے نہیں کہ میں اس پر یقین نہیں کرتی۔ اس لیے بلکہ میں اس سے شدید محبت کرتی ہوں۔ محبت میں شدت انسان کو کمزور بنا دیتی

ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے مگر میں پھر بھی شہرام خان پر اعتبار کرتی ہوں۔ تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تم کیوں نہیں اعتبار کر رہی لالا پر۔۔۔ وہ اس بات کو ہزار بار جھٹلا چکے ہیں۔۔ مگر شرام نے کبھی اپنی غلطی کو جھٹلایا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک حقیقت تھی جو مجھے گہرا زخم دے چکی ہے۔۔ یہ تکلیف کیسی ہوتی ہے میں سمجھتی ہوں۔ مرنے کے مترادف ہوتی ہے۔ نہ مر سکتا ہے نہ جی سکتا ہے۔ دوسری عورت کا جلاپہ ہے ہی ایسا۔ بہارے خفیف سا مسکرائی تھی۔

اس لیے شہرام خان کو سینتھ سینتھ کر رکھتی ہوں۔ کیونکہ جانتی ہوں اسے میری جان نکالنا آتی ہے۔ شائد دوسری عورت آئی ہی اس لیے تھی تاکہ میں جان سکوں۔ خدا نے مجھے کیا دیا تھا جس کی میں قدر نہ کر سکی۔ اب وہی غلطی تم دہرا رہی ہو عابیر۔۔۔ مرد کی فطرت کیا ہوتی ہے میں نہیں جانتی۔

مگر اس میں عورت کی طرح صبر نہیں ہوتا۔۔لالا نے تمھیں بدلہ کہا تم سے زیادتیاں کی۔وہ لالا کی غلطیاں تھیں۔جس کی سزا وہ بھگت چکے ہیں۔ہم سب اپنے اپنے کیے کی سزا بھگت چکے ہیں۔پھر لالا کی سزا اتنی دردناک کیوں؟!تم ڈاکٹر نہ بن سکی۔اس میں لالا کا کوئی قصور نہیں تھا۔انہوں نے بابرک لالا کے کھونے کا غم منایا تھا۔اگر پتھر پر بھی قطرہ قطرہ پانی گرے وہاں سوراخ ہو جاتا ہے۔مورے نے کبھی لالا کو وہ بدلہ بھولنے ہی نہیں دیا۔اگر مورے بھول جاتی تو شاید لالا بھی بھول جاتے۔۔جو غلطی لالا نے کی اب تم کر رہی ہو۔تم صرف بدلہ لے رہی ہو ان سے۔۔بہارے ایک لفظ لفظ چباتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

عابیر گہرے سانس لیتے شیلف کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔حور ابرش درخشاں خاموشی سے اپنا اپنا کام کرنے لگی تھیں۔عابیر کی حالت دیکھی نہیں جا رہی

تھی۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے جکڑے گہرے سانس لے رہی تھی۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی تھی

وہ کچن سے نکلی تھی کہ زاران خانزادہ سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ زاران کی مضبوط بانہوں میں سمائے اسی لمحے رونے لگی تھی۔۔

کیا ہو میرا بچہ۔؟؟۔۔ زاران پریشان ہوا تھا۔ کچھ نہیں لالا وہ ایسے ہی رونا آ رہا تھا۔ عابیر زاران کے سینے میں سمائی ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔۔

میرا بچہ میں نے تمھاری خواہش کے مطابق اسفندیار خان سے ہر رشتہ توڑ دیا ہے۔ مجھے سمجھ آ گئی ہے عابیر خونی رشتے اپنے بہن بھائی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔

تم سے بڑھ کر پھر کیسے وہ اسفندیار خان ہو سکتا ہے۔ مشکل تھا یہ فیصلہ لینا مگر تمھاری محبت نے یہ کروایا۔۔ وہ مرے جیے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔۔ زاران کی باتوں پر اس نے اس کے سینے سے سر اٹھائے اس کی آنکھوں میں روتے ہوے دیکھا۔

وہ خود سے تمھیں طلاق کبھی نہیں دے گا۔ میں اب اس سے خلع لوں گا۔۔۔ اور پھر میں تمھیں ڈاکٹر بناؤں گا۔ ہم یہاں سے اسلام آباد شفٹ ہو جائیں گے۔۔ اسفندیار خان یہاں اپنی دوسری بیوی اور بچوں کے ساتھ آتا رہے ہمیں کیا پرواہ۔۔۔

بچے۔۔۔ عابیر نے زاران کو دیکھتے سسکی تھی۔۔

اور ہاں اب رونا بند کرو۔۔ آیندہ اس کے لیے گیسٹ ہاوس کھانا مت بھیجنا۔۔ زاران کی بات پر وہ نظریں چرا گئی تھی۔

اس نے رحیم خان کے ہاتھ کھانا واپس بھجوا دیا تھا۔ رحیم خان بتا رہا تھا اس کی طبعیت کافی خراب ہے۔۔ اب تو وہ گیسٹ ہاوس کا دروازہ بھی نہیں کھول رہا ہے۔۔۔ اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ مرے یا جیے اب ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔۔ زاران عابیر کے سر پر ہاتھ رکھتے سختی سے کہتا چلا گیا تھا۔

عابیر دل پر ہاتھ رکھتے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔۔

اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ مرے یا جیے !!

!!اب ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے

زاران کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجتے اسے نیم جاں نیم مردہ کر رہے تھے۔

رحیم خان بتا رہا تھا اس کی طبعیت کافی خراب ہے۔۔اب تو وہ !!

!!گیسٹ ہاوس کا دروازہ بھی نہیں کھول رہا ہے

عابیر اب کانوں پر ہاتھ رکھے کھڑے بری طرح کانپ رہی تھی۔

اس کی گرم ہاتھ یاد آئے تھے۔اس کا جلتا بدن یاد آیا تھا۔اس دن وہ تو صرف نہیں جل رہی تھی۔وہ وہ بھی تو جل رہا تھا۔اس کے سینے پر زخم یاد آیا تھا جہاں سے پھر سے خون رس رہا تھا۔وہ ڈاکٹر ماہم کی بینڈج کھول چکا تھا۔

عابیر بھاگتے ہوے پاگلوں کی طرح سیڑھیوں کی طرف بڑھتے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔۔اس کی ایک ہیل سیڑھیوں پر ہی اتر گئی تھی۔وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔وہ سنبھلتے ہوے بنا رکے بھاگتے ہوے اسفندیار خان کے کمرے کی طرف بڑھی۔بیڈ سائیڈ کے ڈرار اس نے جلدی سے کھنگالے تھے. وہ پاگلوں کی طرح روتے ہوے ایک ایک چیز نکال رہی تھی۔

!!رحیم خان بتا رہا تھا اس کی طبعیت کافی خراب ہے۔۔اب تو وہ گیسٹ ہاوس کا دروازہ بھی نہیں کھول رہا ہے۔اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔وہ مرے یا جیے اب ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے!!

زاران کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے۔۔

عابیر بھاگتے ہوئے کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھی ت۔ایک کر کے اس نے ہر چیز نکال کر پھینکی تھی۔

یکدم وہ رکی تھی۔۔اس کی وہ فائل جس میں اس کی تمام صنعتیں تھیں۔عابیر نے بے یقینی سے وہ فائل پکڑی۔

جس کے سفید کور پر بڑا بڑا اسامیری سفاک پٹھانی لکھا تھا۔

عابیر نے جلدی سے کانپتے ہاتھوں سے وہ فایل کھولی تھی۔۔

اس کے تمام ڈاکومنٹس صیح سلامت تھے۔اس فایل میں کچھ میڈیکل کالجز کے پراسپیکٹس بھی تھے۔

اس میں سے ایک پیج نکلتا اس کے قدموں پر گرا تھا۔

Asfand yaar khan,s greatest dream is to make his "

"safaak pethani a doctor

عابیر وہ پیج اٹھاتے اسے سینے سے لگائے شدت سے رو دی تھی۔اپنے تمام ڈاکومنٹس زمین پر پھینکتے وہ الماری کی ہر چیز نیچے پھینک چکی تھی۔۔مگر اس کی مطلوبہ چیز نہیں مل رہی تھی۔۔وہ اب بھاگتے ہوے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی ت۔۔اس نے ہر کپڑا ہر چیز چیختے ہوے نیچے پھینک دیا تھا۔وہ بار بار اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے رو رہی تھی۔

یک وہ گہرے سانس لیتے رکی تھی۔ڈریسنگ کی الماری میں اسے وہ چابیوں کا گچھا نظر آیا تھا۔وہ چابیاں پکڑتے تیڑی سے کمرے سے نکلتے ننگے پیر تیزی سے سیڑھیاں اتری ت۔سب ڈایننگ روم میں تھے۔۔وہ تیزی سے داخلی دروازہ کھولتے باہر نکل آئی تھی

۔رحیم کاکا!!وہ حلق کے بل چیخی تھی۔۔

رحیم خان جو گاڑی کے پاس کھڑا تھب۔وہ عابیر کی طرف متوجہ ہوا۔۔وہ اسے دیکھ کر حیران اہوا۔جو نیٹ کے دوپٹے میں ہی باہر آگئی تھی۔

رعابیر بھاگتے ہوے رحیم کی خان طرف بڑھی۔۔رحیم کاکا مجھے گیسٹ ہاوس لے چلیں۔

وہ حکم دیتے گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

گاڑی گیسٹ ہاؤس کے سامنے آکر رکی تھی۔

عابیر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر جلدی سے اتری۔ باہر نکلنے پر سرد برفیلی ہوائیں اس کے بدن سے ٹکراتی اسے بری طرح کپکپانے پر مجبور کر گئی تھیں۔ زمین پر قدم رکھنے پر اس کے پاؤں یخ ٹھنڈے جیسے فریز ہوے تھے۔ سرخ و سفید رنگت مزید سرخ ہوئی تھی۔ عابیر کپکپاتے ہوے اپنے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹ گئی تھی۔ پاؤں تو جیسے اس فولادی سرد زمین میں جکڑے جا چکے تھے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رحیم خان گاڑی سے ٹیک لگائے کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ وہ ایک نظر رحیم خان کو دیکھتے تیزی سے اپنے قدم اٹھاتے گیسٹ ہاؤس کے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔

عابیر نے تیز تیز قدم اٹھاتے گیسٹ ہاؤس کی طرف بڑھتے دروازے کے لاک پر اپنا ہاتھ جماتے اسے کھولنے کی کوشش کی جو لاکڈ تھا۔۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے سے ایک چابی پکڑے وہ اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے لاک میں چابی گھماتے گیسٹ ہاؤس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ دروازہ نہ کھلنے پر عابیر نے روتے ہوے دوسری چابی لگائی تھی۔ یکے بعد دیگرے وہ بری طرح روتے ہوے ایک ایک کر کے چابی لگاتی چلی گئی تھی۔ اگر اسفند اندر ہے تو وہ دروازہ کیوں نہیں کھول رہا آخر؟؟ دماغ میں کھلبلی مچاتے ان سوالات کے جواب جو اس کے دل و دماغ میں ابھر رہے تھے۔ وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اس لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ مرے یا جیے !! اب ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے !!رحیم خان بتا رہا تھا اس

کی طبعیت کافی خراب ہے۔۔اب تو وہ گیسٹ ہاوس کا دروازہ بھی نہیں کھول رہا ہے!!

زاران کے لفظ سماعتوں میں سنائی دیتے اسے پاگل کر رہے تھے

اسفندیار خان۔۔۔اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کی سفاک پٹھانی کبھی آپ کو معاف نہیں کرے گی۔ کبھی معاف نہیں کرے گی۔یاد رکھیے گا۔

عابیر ایک اور چابی لگاتے بری طرح چیخی تھی۔۔

پہلے۔۔۔ بھی۔۔۔۔مجھے۔۔۔ چھوڑ۔۔۔ کر۔۔۔۔چلے۔۔۔گئے ۔۔۔تھے۔اب۔۔۔ بھی.۔۔۔مجھے۔۔۔۔ چھوڑ۔۔۔ کر۔۔۔چلے۔۔۔ آئے۔سفاک میں نہیں سفاک آپ ہیں۔عابیر بری طرح کپکپاتی ہوئی لرزتے لبوں سے چیخی۔چابیوں کے گچھے میں موجود آخری چابی گیسٹ

ہاؤس کے داخلی دروازے کے لاک کو لگ چکی تھی۔۔عابیر گہرے سانس لیتے دھڑکتے دل کے ساتھ چابی گھماتے جلدی سے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔

اسفندیار۔۔۔۔عابیر نے اندر داخل ہوتے حلق کے بل چیختے ہوے اسے پکارا۔۔

پورا گیسٹ ہاؤس ویران پڑا تھا۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت گریہ سے رو پڑی تھی۔

وہ بھاگتے ہوے گیسٹ ہاؤس میں موجود اسفندیار خان کے کمرے کی طرف بڑھی۔

کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہونے پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔۔ آواز حلق میں ہی اٹکی تھی۔

کمرے میں ہر چیز زمین پر بکھری پڑی تھی۔ ٹوٹا کانچ کشن تکیے کمبل ۔۔ پرفیومز باڈی سپرے ہر چیز زمین پر بکھری پڑی تھی۔۔ کمرہ یخ ٹھنڈا تھا۔ کمرے کی بڑی سی سلائیڈنگ ونڈو کھلی ہوئی تھی. اسفندیار خان سامنے بیڈ پر سیاہ ٹراوزر میں ملبوس اوندھے منہ شرٹ لیس لیٹا ہوا تھا۔

عابیر اپنے دل پر ہاتھ رکھتے تیزی سے اسفند کی طرف بڑھی۔ بیڈ کے قریب پہنچتے اس نے اپنی دھڑکنیں مٹھی میں بے دردی سے جکڑیں۔ سینے میں دھڑکتا دل جیسے ساکت ہوا تھا۔ اسفند بے جان سا پڑا تھا۔ ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔

بیڈ شیٹ مکمل بھیگی ہوئی تھی۔ پاس ہی پانی کا جگ اوندھا پڑا تھا۔

اسفند۔۔۔۔عابیر اسے لرزتے لبوں سے پکارتی اس کی طرف بڑھی۔۔

اسفند۔۔۔عابیر نے اس کے پاس بیٹھتے ہوے اس کے سر کو ہاتھ لگایا۔بال بھی پوری طرح نم تھے۔وہ برف کی مانند سرد تھا۔

اسفند عابیر نے روتے ہوے اپنی پوری فورس لگاتے اسے سیدھا کیا۔وہ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے کپکپاتی انگلیاں اس کے سینے کے زخم پر رکھی۔۔جو پھر سے کھرونچا گیا تھا۔وہ بری طرح رو پڑی۔ تھی۔

اسفند۔۔۔عابیر نے روتے ہوے لرزتے لبوں سے اسے پکارا۔

اسفند!!عابیر اس کے سینے کے زخم پر اپنے لب رکھتے ہوے رو پڑی تھی۔عابیر نے گہرے سانس لیتے کمرے کی کھلی ہوئی سلائیڈنگ ونڈو کو

دیکھا جہاں سے یخ ٹھنڈی ہوائیں اندر آتی کمرے کو سرد کر چکی تھیں۔اس نے اس ضدی پہاڑی خان کو دیکھا جو خود کو تکلیف دیتے ٹھنڈے پانی سے بھیگا ہوا تھا۔کمرے کی کھڑکی بھی خود کو اذیت پہنچانے کے لیے کھولی تھی ۔۔یہ کونسا طریقہ ہے اب میری جان نکالنے کا اسفندیار خان؟؟عابیر اس کے سرد چہرے کو ہاتھ لگاتے نم آواز میں غرائی۔

دوسرے لمحے عابیر بیڈ سے اٹھتی جلدی سے کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھتے اسے بند کیا تھا۔کمرے میں لگے سینٹرل ہیٹر کو آن کیا۔

وہ زمین پر بکھرے کانچ سے بچتے بچاتے اسفند کی طرف بڑھی۔

بیڈ شیٹ اور گدا گیلا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا!!

وہ کیا کرے؟؟اسفند کے بدن کو حرارت چاہیے تھی۔

عابیر نے زمین پر پڑا کمبل اٹھا کر اسے بیڈ کے ایک سائیڈ پر بچھایا۔۔ اسفند یار کی طرف بڑھتے اپنی پوری فورس لگاتے اسے کمبل کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرتے وہ بری طرح ہلکان ہوتے رو دی تھی۔۔ اس چٹانی وجود کو سرکانا بہت مشکل تھا۔۔ عابیر نے روتے ہوے اپنی پوری فورس لگاتے اسے دوسری طرف دھکیلا۔۔۔ کمرے کی الماری میں موجود کمبل اور ٹراوزر نکالتے وہ اسفند کی طرف بڑھی۔ اسفند کا گیلا ٹراوزر ریموو کرتے اسے ٹراوزر پہناتے اس پر کمبل دیا۔ اس سب میں وہ بری طرح ہلکان ہو چکی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے اسفند کی طرف بڑھی۔ جو ابھی بھی ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے روتے ہوے اسے پکارا وہ روتے ہوے اس کے ایک ایک نقش پر اپنے لب رکھتے چلی گئی تھی۔

اسفند یار خان۔۔۔۔۔محبت نہیں عشق کرتی ہوں آپ سے۔۔کیسے میں آپ کو بھول سکتی ہوں؟؟۔ایک پل کے لیے بھی آپ کی سفاک پٹھانی آپ کو بھول نہیں سکی۔۔آپ دوسری عورت کے پاس گئے۔اس بات کے لیے میں آپ کو معاف نہیں کر سکی۔نہ کبھی کروں گی اگر یہ سچ ہوا تو سچ کہہ رہی ہوں ابھی بھی آپ کی سفاک پٹھانی آپ کو معاف نہیں کرے گی۔۔عابیر ہچکیوں سے روتے ہوے بولتے اس پر جھکی اس کے ایک ایک نقش کو چوم رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے شبنم نکلتی اسفند کے سرد چہرے کو بھگو رہی تھی۔

آپ کی گواہی نہیں چاہیے۔۔ بلکل نہیں چاہیے اسفندیار خان!! مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا۔ جسے میرے رب نے میرے لیے چنا وہ کیسے ناپاک مرد ہو سکتا ہے۔ جس رب نے بابرک جیسے ناپاک مرد کو میری زندگی سے نکال دیا وہ کیونکر پھر سے ناپاک مرد کو میرا بنائے گا۔۔ وہ مجھے میری برداشت سے زیادہ نہیں آزما سکتا۔۔ میں۔۔۔۔ گواہی۔۔۔۔ دیتی۔۔۔ ہوں۔۔ اسفندیار خان ایک پاک مرد ہے۔ اسفندیار خان ایک پاک مرد ہے۔ عابیر شدت گریہ سے روتے ہوئے اس کے سینے میں سمائی۔

وہ اس کے سینے پر سر رکھے کافی دیر تک ہچکیوں سے روتی رہی۔

کمرہ کافی ہیٹ آپ ہو گیا تھا۔ اسفندیار خان کے بدن کا ٹمپریچر بھی نارمل ہو گیا تھا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔اسفند۔۔۔

یار۔۔۔خان۔۔۔عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے اسے پھر سے پکارا۔مگر وہ

ابھی بھی ہوش وخرد سے بیگانہ تھا۔

اسفند یار خان مجھے محسوس کیوں نہیں کر رہیں؟میرے بدن کی گرمایش

آپ تک کیوں نہیں پہنچ رہی؟؟۔عابیر اس کے سینے پر سر رکھے اس کی

دھڑکنوں کو سنتے لرزتے لبوں سے روتے ہوے اسے پکار رہی تھی۔

اسفند۔۔۔۔عابیر نے روتے ہوے اس کے ماتھے پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھا

۔۔وہ نارمل ہو چکا تھا مگر اسے ہوش کیوں نہیں آرہا تھا؟؟۔وہ پریشان ہوئی

تھی۔عابیر اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے رگڑتے گہرا سانس لیتے

پیچھے ہوئی۔۔۔

لالا۔۔۔زاران کو پکارتے عابیر نے روتے ہوے اب ہچکی لی۔

وہ جلدی سے بیڈ سے اٹھتے کمرے میں اسفند کا موبائل تلاش کرنے لگی

۔۔وہ سائیڈ ٹیبل کے ڈرار کھولتے اسفند کا موبائل تلاشنے لگی۔ تاکہ زاران

کو فون کر کے اسفند کی طبعیت کے بارے میں بتایا جائے۔ وہ روتے ہوے

اسفند یار خان کا فون تلاش کر رہی تھی۔ مگر فون مل نہیں رہا تھا۔ اس نے

پورا کمرہ کھنگال ڈالا تھا۔ یکدم اسفند کا فون زمین پر پڑا اسے نظر آیا۔ وہ تیزی

سے اس کی طرف بڑھی ت

مگر اسی لمحے زمین پر بکھرا کانچ کا ٹکڑا اس کے پاؤں میں پیوست ہوتے اسے

سسکنے پر مجبور کر گیا۔

آہہ۔۔ عابیر درد سے تڑپتے ہوے سسکی لیتے زمین پر دوزانو بیٹھتے چلی گئی

تھی۔۔

عابیر نے تڑپتے ہوے سسکی لیتے اپنے پاؤں کو دیکھا جہاں سے بھل بھل کرتا خون بہہ رہا تھا۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے ہچکی لیتے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے پاؤں سے وہ کانچ کا ٹکڑا نکالنے کی کوشش کی۔ مگر وہ سرعت سے روتے ہوے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ چکی تھی۔۔ کانچ کا ٹکڑا اندر تک پیوست تھا۔

آہہ۔۔۔ وہ چیخیں مارتے ہوے اپنا سر گھٹنوں میں دے چکی تھی۔۔ وہ گھٹنوں میں منہ دیے ہذیانی چیخ رہی تھی۔ اس کی دلسوز چیخیں کمرے کے درو دیوار کو ہلا رہی تھیں۔

عابیر کی چیخوں پر اسفندیار خان کے بے جان وجود میں ہلچل سی ہوئی تھی ۔ اسفندیار خان کے آنکھ کے پپوٹوں نے بمشکل حرکت کی۔۔ اسفندیار خان نے بمشکل آنکھیں کھولتے چھت کو دیکھا۔۔

عابیر کی چیخوں پر سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔ وہ بدحواصی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھا۔

اس کی سفاک پٹھانی یہاں کیسے ہو سکتی تھی؟؟ وہ بھی تو ایسے ہی چیخیں مارتا ہوش و خرد سے بیگانہ ہوا تھا۔ مگر وہ یہاں کیسے آسکتی تھی دل بے یقین تھا۔۔ اسفندیار خان نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔۔ وہ نازک وجود ہچکولے بھرتا نظر آیا تھا۔

اسفندیار خان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ جلدی سے بیڈ سے اترتے اسی لمحے عابیر کی طرف بڑھا۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار خان نے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے گھٹنوں میں دیے سر پر ہاتھ رکھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے اسے پکارتے ہوے روتے ہوے گھٹنوں سے منہ اٹھاتے اسے دیکھا۔

عابیر۔۔۔اسفند اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔وہ میرون ڈریس میں ملبوس میرون دوپٹے کے حالے میں دلہن کی طرح سجی سنوری اس کے سامنے اس کے گیسٹ ہاؤس میں موجود تھی۔۔

عابیر۔۔۔اسفند نے بے یقینی سے اسے دیکھتے اپنی کھردری انگلیاں اس کے عارض پر جمائیں۔

اسفند۔۔۔عابیر نے اسے لرزتے لبوں سے پکارتے بچوں کی طرح اپنا نچلا لب باہر نکالتے اپنے پاؤں کو جکڑے سسکی تھی۔

اسفند نے اس کے پاؤں پر نظر ڈالی اس میں اتنا بڑا کانچ پیوست دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

اسفند نے تڑپتے ہوے اس کے پاؤں کو اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑا۔

عابیر نے سسکتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹانے کی کوشش کی۔۔

اسفند نے جبڑے بھینچے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ روتے ہوے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ اسفند نے ایک نظر اس کے پاؤں میں پیوست کانچ کے ٹکڑے کو دیکھا دوسرے پل وہ زمین سے کھڑے ہوتے جھکتے ہوے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھا گیا۔

اسے اپنی گود میں اٹھاتے وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔ اسے نرمی سے بیڈ پر لٹاتے وہ اس پر جھکا تھا۔ بے یقینی سے اس کے عارض پر اپنی انگلیاں رکھیں۔

یہ میرا خواب ہے یا تم سچ میں حقیقت کا روپ دھارے میرے سامنے ہو۔

اسفند گھمبیر آواز میں بولتے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

عابیر اس کے لمس پر آنکھیں میچ گئی تھی۔ پاؤں کی تکلیف پل میں زائل ہوئی تھی۔ اسفند دیوانگی کے عالم میں اس کے ایک نقش نقش کو اپنے لبوں سے گیلا کر رہا تھا۔

یکدم سفاک پٹھانی کے سفاک لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔

!!ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں!!وہ جھٹکا کھا کر پیچھے ہوا۔

عابیر نے اپنی میچی ہوئی آنکھیں کھول کر اس ستگمر کو دیکھا جو اب اسے سرد نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے جیسی محبت گرم جوشی جیسے تمام جذبے مفقود تھے۔

اسفند۔۔۔ عابیر نے اپنے سرخ یاقوتی لرزتے لبوں سے اسے پکارا۔

اسفند اسے سرد برفیلی نگاہوں سے دیکھتا بیڈ سے اٹھتا کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھا۔ اس میں میڈیکل باکس نکالتے وہ عابیر کے پاؤں کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس بیٹھتے اس کے پاؤں کے تلوے میں پیوست کانچ کے ٹکڑے کو دیکھتے لب بھینچے تھے۔

وہ اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے سسکیاں بھر رہی تھی۔

اسفند نے ایک نظر اس کے سسکیاں بھرتے وجود کو دیکھتے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

وہ شدت گریہ سے روتے ہوے اپنا پاؤں اوپر کی طرف کھینچ چکی تھی۔

اسفند نے اس کی پنڈلی پر سختی سے ہاتھ جماتے اس کے پاؤں کو اپنی طرف کھینچا۔

کچھ نہیں ہو گا تمھیں۔ تم ایک سفاک پٹھانی ہو سمجھی تم۔۔ اسفند غراتے ہوے اس کے پاؤں میں پیوست کانچ کا ٹکڑا بے دردی سے ایک جھٹکے سے کھینچ کر نکال چکا تھا۔

عابیر کی دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔ اسفند کی پکڑ اس کے پاؤں پر مضبوط ہوئی تھی۔ وہ اپنے دانت پر دانت جمائے گہرا سانس لے کر رہ گیا میڈیکل

باکس سے کاٹن نکالے اس کے پاؤں کے زخم پر کاٹن کا دباؤ ڈالتے اس کا خون روکنے لگا۔ عابیر کی دبی دبی سسکیاں اب کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اسفندیار خان نے اس کے زخم سے رستے خون کو روکنے کے بعد مرہم لگاتے اس کے پاؤں کی پٹی کی ت

پٹی کرنے کے بعد وہ اس کی طرف بڑھا۔

وہ ابھی بھی اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے سسک رہی تھی۔۔

اسفند نے اس کے چہرے پر جمے اس کے ہاتھ سختی سے ہٹائے۔۔ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسفندیار خان یکدم اپنی نظریں چرانے پر مجبور ہوا تھا۔ اس کا گلاب چہرہ رونے سے مزید خوبصورت ہو گیا تھا۔ سرمئی گہری کاجل لگی آنکھیں مزید گہری لگ رہی

تھیں۔ سرخ سیب جیسے عارض سرخ گلاب بنے تھے۔ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ اسفندیار خان کا پہلو میں دل یکپارگی شدت سے دھڑکا تھا۔

وہ اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلے اپنی نظریں جھکا گیا۔ خر کیا کرنے آئی تھی وہ یہاں؟؟ اس کے ضبط کو آزمانے وہ پھر سے چلی آئی تھی۔ وہ کیسے بتاتا اس سفاک پٹھانی کو اسفندیار خان جیسے مضبوط مرد کی وہ کمزوری بن چکی تھی۔ وہ نہیں رہ سکتا تھا اس کے بغیر۔۔ اسفند نظریں جھکائے ہوئے اپنے نچلے لب پر اپنے دانت بے دردی سے گاڑھے ہوئے تھا۔ ایک نظر اسے اور دیکھ لیتا تو شائد اپنی جان سے جاتا۔

عابیر نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اسفند کے سینے کے زخم کی طرف بڑھایا۔ وہ بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ گیا تھا۔

مت چھوؤ اس زخم کو تمھارے چھونے سے یہ مزید ناسور بنے گا۔ مجھے یہاں تمھارے رحم کی نہیں محبت چاہیے۔ مجھے تمھارے ہاتھوں کا لمس نہیں۔۔ تمھارے سرخ بھیگے لبوں کا مرہم چاہیے۔ بولو رکھ سکتی ہو اپنے لب یہاں۔۔ ہیل کر سکتی ہو میرا یہ زخم!! جسے تم نے بے دردی سے دیا تھب۔ وہ اس کے دونوں اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے اس کے چہرے پر جھکے اپنی پر تپش سانسیں چھوڑتے غرایا۔

عابیر نے گلابی آنکھوں سے اس ستمگر کو دیکھتے ہچکی لی۔۔ اسفند اسے کچھ پل دیکھتا رہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔ یہی اس کی

ادا کمبخت سیدھا دل پر لگتی تھی۔ مقابل کبھی نظریں جھکاتا ہی نہ تھا۔ وہ اپنی ہیزل گرے آنکھیں ایسے ہی اس کی آنکھوں میں گاڑھے رہتے تھی۔

اسفند اس کی سرمئی گہری آنکھوں کو دیکھتے پیچھے ہوا ہی تھا۔ م کہ وہ اس کی گردن پر اپنی بانہیں حمایل کر گئی تھی۔

یہ۔۔۔ زخم۔۔۔۔ اس۔۔۔ قابل۔۔۔ ہے۔۔۔ یہاں۔۔۔ میں۔۔۔ اپنے۔۔ لب رکھ۔۔ سکوں۔ کیوں چاہتے ہیں میرے گلاب لبوں پر انفیکشن ہو جائے؟؟ جن لبوں کے آپ دیوانے ہیں۔ عابیر نے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے ہنستے ہوے کہا۔ آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

اسفند اس کی بات سنتے الجھن کا شکار ہوا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی وہ کیا کہنا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

خود پہ تو میں

پہرے لگالوں

روک نہ پاؤں

یادوں کو

بھول گیا تو

میں نہ بھولی

ان قسموں کو

ان وعدوں کو

دوری مجھ کو

جینے نہ دے

تنہائی تڑپائے

اتنا میں چاہوں تجھے

کوئی کسی کو نہ چاہے

عابیر ہچکیوں سے روتے ہوئے ایک ایک لر عکس گنگناتے ہوئے اسفند کے زخم پر اپنے لب رکھ گئی۔ اسفند یار خان بے یقین ہوا تھا۔ دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔

اسفند اسی لمحے اس کے عارض پر ہاتھ جمائے اس کے سرخ یاقوتی لرزتے لبوں پر اپنے لب رکھتے شدت سے ان لبوں سے لپٹے اس کی سانسوں کو بری طرح دہکا گیا تھا۔ اس کی جنونی شدت پر عابیر کی سانسیں گہری ہوئی

تھیں۔ وہ اپنا چٹان جیسا وجود اس کے نازک وجود پر منتقل کرتے اس کے نازک وجود کو جیسے مسل گیا تھا۔

عابیر اس کے چٹانی وجود کے نیچے بن آب مچھلی کی طرح تڑپی تھی۔ وہ اس کی سانسوں کو قطرہ قطرہ پیتے اسے بے حال کر رہا تھا۔ وہ اس کی شدت پر بے حال ہو رہی تھی وہ اس کی سانسیں کھینچتے پیچھے ہوا۔۔

اسفند بے ترتیب سانسوں سے ابھی بھی بے یقینی سے دیکھ اسے رہا تھا۔ تم میری سفاک پٹھانی ہو۔ اسفند نم لہجے میں بولتے ہنسا۔

آپ کی سفاک پٹھانی ہوں۔ نیلی آنکھوں والے سفاک خانزادہ!!

وہ اس کی بے یقین آنکھوں کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولتی نم سا ہنس پڑی تھی۔

تم کو نہیں معلوم

میں تجھ سے

کتنی محبت کرتا ہوں

یاد میں تیری

تنہا اکیلا

میں تو

آہیں بھرتا ہوں

نظریں اٹھاؤں

نظریں جھکاؤں

سامنے تو مسکائے

اتنا میں چاہوں تجھے

کوئی کسی کو نہ چاہے

اسفند اس پر جھکے گھمبیر آواز میں گنگناتے اس کے سرخ بھیگے لبوں پر نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا۔ جن کا مصنوعئ سرخ رنگ اپنی شدت سے چراتے انھیں اپنی ہی شدت سے عنابی گہرا رنگ دے گیا تھا۔ وہ اب پہلے سے زیادہ سرخ اور بھیگے تھے۔

میں قسم کھاتا ہوں خدا کی عابیر!! میں نے کبھی تمھارے علاوہ کسی دوسری عورت کو نہیں چھوا۔۔ چھونا تو دور کی بات میں نے کسی دوسری عورت کو بری نظر سے دیکھا نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی میں نے صرف تم سے عشق کیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں اپنے رب کی وہ تصویریں فیک تھیں۔ وہ اس پر جھکے اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے گھمبیر آواز میں بولتے اپنے پاک ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

میں قسم کھاتی ہوں اپنے رب کی!! مجھے اسفندیار خان کے لبوں سے نکلے ایک ایک حرف پر پر یقین ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں اس پاک رب کی!! مجھے یقین ہے اس بات پر میرا اسفندیار خان صرف میرا ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں اپنے پاک پروردگار کی!! جو دونوں جہاں کا مالک ہے میرے اسفندیار خان جیسا سچا کوئی نہیں۔۔ میں قسم کھاتی ہوں مجھے اپنے رب کی ایک ایک آیت پر یقین ہے۔ وہ کبھی کسی پر اس کی برداشت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔۔ میں قسم کھاتی ہوں اپنے رب کی اس نے بابرک جیسے مرد کو میری زندگی سے اس لیے نکالا تھا کیونکہ وہ مجھ سے بے تحاشا محبت کرتا ہے۔ اس نے بہت خاص مرد میرا مقدر بنانا تھا۔ وہ خاص مرد اسفندیار خان سے بڑھ کر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں قسم کھاتی ہوں اس پاک سچے رب کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس نے دونوں جہانوں میں میرا مقدر اسفندیار خان کر

دیا ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں مجھے اپنے رب سے پہلے سے زیادہ محبت ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس نے پاک مرد میرا مقدر بنا دیا۔ وہ اس کے لبوں پر اپنی انگلیاں جمائے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔۔ اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں سے آنسو ٹپکتا عابیر کے سرخ لبوں پر گرا تھا۔ جسے وہ زبان پھیرتے چن چکی تھی۔ اسفند اپنی سفاک پٹھانی کی اس ادا پر ہنس پڑا تھا۔ آنکھیں خمار زدہ ہوئی تھیں۔

وہ اس پر جھکتے اس کے سرخ لبوں کو پھر سے اپنے لبوں میں قید کر گیا ت۔۔ اب کی بار وہ سچ میں اس کی سانسوں چرانے میں کامیاب ہوا تھا۔ عابیر نے سانس لینے کی کوشش کرتے اس کے کندھے پر مکے جڑے۔ اس کی شدت برداشت کرنا مشکل ہوا تھا۔

اسفند اس کے دونوں لبوں کو آزاد کرتے اس کے نچلے لب پر اپنے لبوں کی گرفت جماتے اسے بے دردی سے اپنے لبوں سے کھینچنے لگا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے پھولتی سانسوں سے اسے تڑپتے پکارا۔۔اسفند نے اس کے نچلے لب کو آزاد کرتے اس کی سرمئی گہری آنکھوں میں جھانکا جہاں اس کی طلب واضح طور پر نظر آرہی تھی۔۔

مجھے محسوس بھی کر رہی ہو مجھے روک بھی رہی ہو۔۔وہ اس پر اپنا چٹان جیسا وجود کا وزن پوری طرح ڈالتے پھولتی سانسوں سے سوال کر گیا تھا۔

طلب تو بہت شدت سے ہے آپ کی میرے اندر جاگ رہی ہے اسفندیار خان!!یہ طلب یہ نشہ آپ کے قریب آنے سے ہی جاگ جاتا ہے۔۔پہلی رات اسفندیار خان کے سفاک لمس سے ایسے ہی تو محبت نہیں ہوئی تھی مجھے

۔۔عابیر پھولتی سانسوں سے بولتی اس کے ہاتھوں کی بڑھتی بے باکی کو اپنے ہاتھوں سے کنٹرول کر گئی۔ جو اس کی دھڑکنیں شدت سے بڑھا رہا تھا۔

عابیر کی بات پر اسفندیار خان کا برجستہ قہقہ بلند ہوا تھا۔۔ اس رات محبت ہوئی تھی آج عشق ہو گا وہ بھی جنونی والا!! اس ادا سے تمھارے اندر اتروں گا میری جان۔۔ اسفند گھمبیر آواز میں بولتے اس کے دونوں ہاتھ اس کی دھڑکنوں سے ہٹا گیا تھا۔

نہیں چھپا سکتی آج خود کو مجھ سے۔۔ آج میری جنوں خیزیوں کو سہنا ہی ہو گا۔ جہاں میرا دل کرے گا جہاں مجھے سکون ملے گا۔ وہاں اپنے لبوں سے تمھارے بدن کو دہکاؤں گا۔ اسفندیار خان نے خمار زدہ آواز میں کہتے اس کے گرد اوڑھا ہوا اس کا دوپٹہ ہٹایا۔ بالوں پر لگی پنز اتارتے ہوئے اسفندیار خان نے اس کا نیٹ کا دوپٹہ مکمل طور پر اس کے وجود سے آزاد کیا۔۔

اسفند نے جھکتے ہوے اس کی ماتھا پٹی پر نرمی سے لب رکھے۔

جانتی ہو مجھے تمھاری جیولری میں سے سب سے زیادہ تمھاری یہ ماتھا پٹی اٹریکٹ کرتی ہے۔ بہت خوبصورت لگتی ہو۔ میری خوبصورت پٹھانی۔ اسفند نے گھمبیر آواز میں بولتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھاتے اسے اپنے سینے میں بھینچا۔۔ عابیر کی نازکی وہ اپنے سینے سے مس ہوتے محسوس کرتے مدہوش ہوا تھا۔۔

اور پتہ ہے سب سے زیادہ مجھے تمھاری کونسی جیولری ناپسند ہے۔ اسفند اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ گیا تھا۔

کونسی جیولری؟؟ ابیر اس کے سینے میں سماتے اپنی تیز ہوتی سانسوں سے بمشکل بولی۔

یہ گلوبند جو اس خوبصورت گردن پر اپنا حق جتاتا ہے۔اس گردن کو چومنے کا اسے چھونے کا حق صرف مجھے ہونا چاہیے۔۔ تمھاری گردن کو بے جان چیز بھی چھوے مجھے برداشت نہیں۔وہ اس کے گلوبند کی ڈوری کھینچتے ہوے اسے ایک جھٹکے سے توڑ گیا تھا۔

آہہ۔۔۔عابیر نے سسکی لی تھی۔وہ سسکی لیتے مزید اس کے ساتھ لپٹی تو اسفندیار خان مدہوش ہوا تھا۔

اسفند نے اس کے بالوں کو گدی سے پکڑے اس کی گردن کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا تھا۔ مگر وہ اس کی کمر میں ابھی بھی ہاتھ ڈالے ہوے تھا۔عابیر اپنی آنکھیں میچی ہوئی تھی۔ڈوری کھینچنے سے عابیر کی گردن پر سرخ لکیر سی بنی تھی۔

ہے مائی سفاک پٹھانی!!!میری سفاکیت میری بے رحمی تمھیں اس وقت قبول ہے ہاں۔۔۔وہ اس کی گردن کو چومتا مدہوشی سے بولا۔

میرا سفاک پٹھان!!کب رحم کرتا ہے مجھ پر؟!اپنی آگ جیسی قربت میں۔۔اسے مجھ پر ظلم کر کے ہی چین آتا ہے۔وہ اسفند کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اسے شدت سے اپنے ساتھ لپٹا گئی۔۔اسفند اس کی خواہش محسوس کرتے اس کی گردن پر شدت سے اپنے دانت گاڑھ گیا۔م تھا۔

اور تمھیں ظلم سہہ کر۔۔۔اسفند اس کی گردن جامنی کرتا پھولتی سانسوں سے بولتے پیچھے ہوا۔عابیر نے اپنی خمار زدہ آنکھیں کھولتے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے پیچھے ہونے کی وجہ دریافت کی۔وہ اسفند کے بالوں کو ابھی بھی جکڑے ہوے اسے گہری ہوتی سانسوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

یو نو واٹ مائی بے شرم پٹھانی۔۔مجھے تم پر ظلم کر کے ہی نہیں تمھیں تڑپا کر بھی مزا آتا ہے۔جب تم ماہی بے آب کی طرح میرے نیچے تڑپتی ہو ایک الگ سی مدہوشی ایک خمار چھاتے مجھے تمھارا اور دیوانہ کر دیتا ہے۔وہ گھمبیر تا لہجے میں بولتے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

ویسے تم کہاں کہاں میرے چھونے سے زیادہ تڑپتی ہو مجھے معلوم ہے۔اسفندیار خان اپنے لبوں کی بے باکی بڑھاتے اپنے ہاتھوں کی بے باکی بھی بڑھا گیا تھا۔اس کا ایک ہاتھ بہت بے باکی سے اس کے بدن پر اپنا حق جتا رہا تھا۔اسفند کے لبوں سے زیادہ اس کے ہاتھوں کی بے باکی عابیر کو تڑپا رہی تھی۔جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

اسفندیار خان نے بہت نرمی سے اسے تکیے پر لٹایا۔ عابیر گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نشیلی اور گلابی تھیں۔ وہ اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

اسفند نے نرمی سے اس کی پیشانی پر لب رکھتے اس کی

ماتھا پٹی اتاری۔

وہ اس کی پیشانی کو نرمی سے چومتے اس کی عارض پر اپنے دانت گاڑھ گیا تھا۔ عابیر پھر سے گہری ہوتی سانسوں سے آنکھیں میچ گئی

اسفند اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے دھکتے لب رکھتا اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے اپنے لبوں سے گیلا کر گیا تھا۔ اس کی گردن کو نرمی سے چومتے وہ اس کی دھڑکنوں کو اپنے لبوں سے چھوتے وہ نیچے کی جانب بڑھا۔ وہ بہت نرمی

سے اسے کپڑوں کے اوپر سے ہی چھو رہا تھا۔ اس کے پیٹ پر اپنے لب رکھتے وہ بہت نرمی سے اس کی ٹانگوں کو چومتے اس کے پاؤں کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے پاؤں کے تلوے کے زخم پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔ عابیر نے کراہتے ہوئے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے بدن کے ہر حصے کو اپنے لبوں سے چھوتے اب اوپر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عابیر بری طرح مچلتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

عابیر کی پھولتی سانسوں اور اس کے نچلے لب کو دانتوں مین دبا دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔ خود کو تکیے پر گراتے وہ اس کے نازک وجود کو اپنے اوپر منتقل کر گیا تھا۔

یہ ہے اسفند یار خان کا بدلہ۔۔۔۔۔۔جو تم نے ان دو مہینوں میں میری جان اپنی سفاکیت سے نکالی ہے۔اب بتاؤ آج رات تم میں نہ سماؤں تو کیا کرو گی تم ۔۔اسفند اس کے بالوں کو جکڑے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے مدہوشی سے بولتے استفسار کر گیا۔

میں آپ کی جان لے لوں گی اسفند یار خان۔۔عابیر نے غراتے ہوے اس کی گردن پر شدت سے دانت گاڑھے۔اسفند قہقہ لگائے آنکھیں موند گیا تھا وہ دانتوں کی نیلی گھڑی بنا کر پیچھے ہوئی تھی۔اسفند آنکھیں میچے ہوے تھا اس کی نازک کمر پر اپنا مضبوط ہاتھ جمائے ہوے وہ اس کے بالوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

لیکن اس بار میں آپ کی جان چاقو مار کر نہیں بلکہ آپ سے دور جا کر نکالوں گی۔۔عابیر اس کے کان میں جھکتے سرگوشی نما آواز میں بولی۔۔

اسفندیار خان نے آنکھیں کھولتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

عابیر اپنی مسکراہٹ دباتے اپنی کمر پر اس کا لپٹا ہاتھ جلدی سے ہٹاتے بیڈ سے نیچے اتری۔۔

آہہ۔۔۔نیچے قدم رکھتے عابیر نے درد سے سسکی لی۔

اسفند جو اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسے یوں کراہتا دیکھ کر جلدی سے بیڈ سے اٹھا۔

عابیر اسفند کو بیڈ سے اترتا دیکھ کر جلدی سے واش روم کی طرف بڑھتے واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے لاک لگا گئی۔

عابیر۔۔۔دروازہ کھولو۔۔اسفند نے تیزی سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

عابیر نے گہرا سانس لیتے اپنے پاؤں میں اٹھتے درد پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

شدید درد اسے اپنے اندر اترتے محسوس ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت اسے اسفند یار خان سے بدلہ لینا تھا۔ آخر منتقم مزاج بندے کی بہن تھی۔ وہ اسے تڑپا رہا تھا وہ اسے تڑپانا چاہتی تھی

عابیر باہر نکلو یہ کیا بچپنا ہے ؟؟ تمھارے پاؤں میں زخم ہے۔ اسفند دروازہ کھٹکتاتے ہوے غصے سے غرایا۔

یہ بچپنا ہی ہے اسفند یار خان۔۔ پہلے کبھی کسی نے اس سفاک پٹھانی سے پیار کیا ہی نہیں۔ یہ بچپنا دکھانے کا یہ ادائیں دکھانے کا پرمٹ آپ میرے لیے آنسو بہا کر مجھے دے چکے ہیں۔ عابیر دروازے سے ٹیک لگائے گہری ہوتی سانسوں سے بولی۔

عابیر باہر نکلو۔۔۔اسفند نے سرخ چہرے کے ساتھ غراتے ہوے دروازہ زور زور سے کھٹکھایا تھا۔

اب بتائیں کون کس کے لیے زیادہ تڑپ رہا ہے؟! آپ میرے لیے تڑپ رہے ہیں کہ نہیں۔۔۔بولیں آج آپ مجھ میں نہیں سمائیں گے تڑپ کر مر جائیں گے۔۔بولیں میں آپ کی کمزوری ہوں۔عابیر نے آنکھیں میچے کہا۔م تھا۔پاؤں کا درد نا قابل برداشت ہوا تھا۔

اسفند نے اس کی باتوں پر بمشکل ہی اپنا غصہ براشت کیا تھا۔وہ بے چینی سے اپنا نچلا لب کاٹ گیا تھا۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔وہ اسے پانے کے لیے زیادہ مچل رہا تھا۔وہ اس طرح دور جا کر اس کی جان نکال رہی تھی۔

اوکے میں مانتا ہوں میں تمھارے لیے زیادہ تڑپ رہا ہوں۔ آج اگر میں تم میں نہ سمایا تو مر جاؤں گا۔تم میری کمزوری ہو تم میرا عشق ہو تم میری جان

ہو تم میری زندگی ہو۔۔۔ تمھارے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ اسفند دروازے سے ماتھا ٹکائے گھمبیر آواز میں گویا ہوا۔

عابیر آنکھیں میچے مسکراتے ہوے رو پڑی تھی۔۔

وعدہ لیں مجھ سے خدا کو حاضر ناضر جان کر کبھی اب مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ عابیر بھیگے لہجے میں بولتے اس کی جان نکال چکی تھی۔

تمھیں چھور کر جاؤں گا تو مر جاؤں گا جان۔۔ اسفند کی بات پر وہ اپنے عارض سے گرتے آنسو صاف کرتے ہنس پڑی تھی۔

یاد ہے ناں!! اس گیسٹ ہاؤس میں ہر جگہ اپنی شدتیں ڈھاتے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

تمھارے ساتھ گزرا کوئی بھی لمحہ کیسے بھول سکتا ہوں۔ وہ اس کی باتوں پر گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔

وعدہ کریں اب کبھی کسی بھی حالات میں اپنی محبت سے مکریں گے نہیں ۔۔عابیر نے شدت گریہ روتے ہوے کہا۔ یہ پھانس بھی تو سینے میں نوکیلے بھالے کی طرح اٹکی تھی وہ محبت کر کے مکر کر گیا تھا۔

جس دن مکر جاؤں تم چاقو میری زبان پر مارتے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جان ۔۔وہ اس کی آواز میں درد محسوس کرتے تڑپ اٹھا تھا۔

کبھی بھی اپنے اور میرے بیچ کسی دوسری عورت کو نہیں لائیں گے اسفندیار خان۔۔۔کوئی دوسری عورت کا سایہ بھی آپ کے گرد برداشت نہیں۔۔عابیر درد سے سسکی لیتے زمین پر بیٹھتے چلی گئی تھی۔

میں بھی اپنے گرد دوسری عورت برداشت نہیں کر سکتا کسی دن ایسا ہوا تو میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لوں گا۔ اسفند کے وعدے پر عابیر مسکراتے ہوئے دروازے سے ٹیک لگائے آنکھیں میچ گئی۔

دروازہ کھولو میری جان۔۔۔ اسفند یار گھیمیر آواز میں گویا ہوتے بے چینی سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ وہ اس کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اس کے جواں جذبوں میں آگ بھڑکا چکی تھی

دروازہ تو نہیں کھلے گا اسفند یار خان۔۔ سات مہینے مجھے تڑپایا ہے اج میں آپ کو تڑپاؤں گی۔ عابیر نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسفند کی تڑپ کا مزا لیا۔

اگر تم دروازہ نہیں کھولو گی تو میں یہ دروازہ توڑ بھی سکتا ہوں۔ پھر جو میں تمھارے ساتھ سلوک کروں گا تم مجھ سے پناہ مانگو گی میری جان۔۔ تم اچھی

طرح جانتی ہو تم مجھے ایک حد تک ہی برداشت کر سکتی ہو۔ وہ حال کروں گا تم چلنے کے قابل نہیں رہو گی۔ اسی لیے دروازہ کھولو میری سفاک پٹھانی ۔۔ اسفند دروازے پر مکہ مارتے ہوئے پھنکارا۔ وہ اس کا بچپنا مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اسفندیار خان کی بات پر عابیر کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔ یہ تو سچ تھا وہ اسے ایک حد تک ہی برداشت کر سکتی تھی۔ وہ قربت کے لمحات میں ظالم بھی بن جاتا تھا۔

عابیر دروازے کا سہارا لیتی زمین سے اٹھی۔ اور جلدی سے دروازے کا لاک کھولتے پیچھے ہوئے تھی۔۔۔

اسفند جبڑے بھینچتے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ اسے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کرتے گود میں اٹھائے باہر کی جانب بڑھا۔

اسے بیڈ پر لٹاتے وہ نرمی سے اس پر جھکا۔

مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا میری سفاک پٹھانی کے یہ رنگ ڈھنگ بھی ہیں۔ اسفند اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھتے بھاری آواز میں بولا۔

عابیر اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے مدھم سا مسکرائی تھی۔

جانتی ہو اپنی یہ سائیڈ دکھا کر تم مجھے اپنے لیے بہت بے چین کر چکی ہو ۔۔ آج کی رات تم کبھی بھول نہیں پاؤ گی۔ میری سفاک پٹھانی۔۔۔ اپنی سفاکیت سے سچ میں آج تمھاری جان نکالوں گا۔ اسفند یار خان اس کی کمر

میں ہاتھ ڈالے اس کی شرٹ کی زپ نیچے کھسکاتے اس کی شرٹ کو اس کی آستینوں سے نکالتے آزاد کر گیا تھا۔ اس کے قیامت خیز سراپے پر بے باکی سے نگاہیں گاڑھتے عابیر کی رنگت سرخ قند ھار کر گیا تھا۔

وہ اس کی گردن پر جھکے وہاں اپنے دانت گاڑھتے اس کی گردن کو شدتوں سے سرخ کرنے لگا۔ عابیر کی سسکیاں اسے مزید مدہوش کر رہی تھیں۔

اس کی سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے اس کی کمر کے پیچھے ہاتھ لے جاتے اس کے بدن کو اس نازک پردے سے آزاد کر گیا تھا۔ جس کی موجودگی اسے مزید بے چین کر رہی تھی

اسے کی دھڑکنوں کو لبوں سے چھوتے وہ اس کی سانسوں کو دہکاتے اس کے بدن میں سپارک پیدا کر گیا تھا۔ اسفندیار خان اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتے اس کی دھڑکنوں کو چھوتے اپنے لبوں سے دہکانے لگا۔ وہ اس کے

بدن کو ہر پردے سے آزاد کرتے اپنے بدن کو بھی سارے پردوں سے آزاد کرتے اس میں سماتے اس کی سسکیاں اس کے لبوں پر اپنے لب جمائے گھونٹ گیا تھا۔ اسفند کی شدتوں کو سہتے وہ بے حال ہوتے اس کی کمر میں اپنا حصار مضبوط کر گئی۔ اسفند کی شدتیں کمرے کے در و دیوار کو ہلاتے کمرے میں معنی خیز ساز بکھیر رہی تھیں۔

آئی لو یو میری سفاک پٹھانی۔۔ آئی لو یو میری جان۔۔۔ تم اسفندیار خان کی کمزوری ہو اور یہ مجھے ماننے میں کوئی عار نہیں۔۔ تمھارا اسفندیار خان تمھارا غلام۔۔ وہ مدہوش ہوتے اس کی گردن کو چومتے ہوئے اسے پسینے میں نہلاتے پرسکون ہوتے اس اپنے ساتھ لپٹاتے آنکھیں موند گیا تھا۔ عابیر آنکھیں میچے اسفند کے گرد اپنا مضبود حصار مزید مضبوط کر گئی تھی۔

ہاں بولیں رحیم کاکا!!عابیر گیسٹ ہاؤس کے اندر چلی گئی ہے۔زاران نے اپنا موبائل کان سے لگائے بے تابی سے پوچھا۔

ہاں چھوٹا خان!!عابیر بیٹا گیسٹ ہاؤس کے اندر ہے۔اب آپ کا آپ کا کیا حکم ہے؟؟ہم ادھر ہی ٹھہرے یا پھر آجائے۔رحیم خان نے جوابًا پوچھا۔

ضرورت نہیں ادھر رکنے کی۔عابیر اس کی دسترس میں چلی گئی ہے جس سے بڑھ کر اس کی حفاظت کوئی نہیں کر سکتا۔آپ آجائیں ضرورت نہیں۔زاران سنجیدگی سے کہتا فون بند کرتے درخزئی کے کمرے کی طرف بڑھا۔

درخزئی اپنے کمرے کے ٹیرس پر کافی کا بھاپ اڑاتا مگ پکڑے کھڑا تھا۔ وہ اس وقت سیاہ شلوار قمیض پر بلیک کوٹ پہنے ہوے تھا۔ نظریں اپنے کمرے کے ساتھ والے ٹیرس پر تھیں۔ جہاں عنائیہ فون کان سے لگائے ٹہلتے ہوے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اس وقت وائٹ ٹائس پر گرم ہڈی پہنے ہوے تھی۔ جس پر آف وائٹ فلفی کوٹ پہنے ہوے تھی۔

درخزئی گہری گرم نگاہوں سے اسے دیکھتے کافی کے مگ پر گرفت جمائے کھڑا تھا۔

ہیلو مس امیریکہ۔۔۔۔۔ درخزئی نے اس کی لاتعلقی پر محظوظ ہوتے کافی کا گھونٹ بھرتے اسے پکارا۔

وہ پچھلے دس منٹوں سے ٹیرس پر چکر لگاتے ہوے فون پر بات کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے یہ چکر بڑھ گئے تھے۔

پولیس والا تھا۔ باز کی نظر رکھتا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ صرف فون کان سے لگائے باتیں کرنے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔

اور یہ بھی اسے اپنی طرف سے مشکوک کر رہی ہے کہ وہ کسی لڑکے سے باتیں کر رہی ہے۔۔ درخزئی اس کی معصومیت پر گہرا مسکرا رہا تھا۔

درخزئی کی پکار پر عنائیہ نے لب بھینچے اس کی طرف آئی ابرو اچکائے سوالیہ شرربار نگاہوں سے دیکھا۔

درخزئی نے اس کے گھورنے پر مسکراتے ہوئے کافی کا لب لبوں سے لگایا۔

سنا ہے بہت کڑوی کافی بھی کہ خوبصورت حسینہ کے لبوں کو چھونے سے میٹھی ہو جاتی ہے۔۔ درخزئی نے اس کے شرربار خوبصورت نگاہوں میں جوابًا ابرو اچکائے استفسار بھری شرارتی نگاہوں سے دیکھا۔

کبھی کبھی میٹھی کافی بھی کڑوی ہو جاتی ہے کسی حسینہ کے لب لگنے سے یہ بھی سنا ہو گا پھر تو؟؟ عنائیہ نے دانت پیسے تھے۔ وہ اس کے جواب پر اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

ہاں سنا ہے اگر حسینہ بیوی بن جائے تو پھر وہ ناگن بن جاتی ہے اس کے لب کانٹوں جیسے لگتے ہیں اور اس کے لبوں کی نمی کڑواہٹ جیسی۔۔

درخزئی نے اسے مزید تپایا تھا۔

آپ کونسا تجربہ کر چکے ہیں بیوی کا یا گرل فرینڈ کا۔۔ عنائیہ نے استھزائیہ انداز میں سوال کیا۔

ابھی تک کوئی تجربہ نہیں کیا۔ اگر تم چاہو تو دونوں تجربوں سے فیض یاب ہو سکتا ہوں۔

وہ کیسے ؟؟ عنائیہ نے سرخ چہرے کے ساتھ متجسس لہجے میں پوچھا۔ وہ اس کی ذو معنی باتیں سمجھ نہیں پاتی تھی۔ امیریکہ میں رہی تھی مرد عورت کے فزیکل ریلیشن کو سمجھتی تھی۔ مگر اس کی ذو معنی باتیں اس کے سر سے گزر جاتی تھیں۔

ابھی تم اس کافی کے مگ کو اپنے لب لگالو یہ میٹھی ہو جائے گی۔ جب میری بیوی بنو گی تو ڈیفنیٹلی پھر تمھارے لب کانٹوں جیسے ہو جائیں گے اور لبوں کی نمی کڑواہٹ جیسی۔۔ سچ بتاؤں مجھے کڑوی کافی زیادہ اٹریکٹ کرے گی۔ کیونکہ تم مجھے میری بیوی بننے کے بعد زیادہ اٹریکٹ کرو گی۔ درخزئی اسے آنکھ مارتا بے باکی سے بولا۔

تم نے بے باکی میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے کیا؟؟ عنائیہ نے غصے سے شعلہ بار لہجے میں دانت کچکچائے۔

وہ کسی سے اتنا نہ ڈرتی تھی صرف خانزادوں کا خوف تھا۔ جو زاران شہرام کو دیکھ کر بہت بڑھ گیا تھا۔ اور درخزئی کوئی ان سے بھی اوپر کی چیز لگ رہا تھا۔

بے باکی آخر کہتے کسے ہیں؟؟ یہ تمھیں جلد پتہ چلے گا۔

درخزئی اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ذو معنی گھمبیر انداز میں گویا ہوا۔

What do you mean??

عنائیہ نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔

مطلب کچھ خاص نہیں۔۔ تم مجھے بتاؤ تمھیں خانزادوں سے الرجی کیوں ہے؟؟ درخزئی نے بات بدلتے سنجیدگی سے دریافت کیا؟؟ وہ بات پوچھنا

چاہی جو اسے کتنے دنوں سے پریشان کر رہی تھی۔ وہ اس کا ڈر دور کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا وہ صرف اسے اپنی محرم اپنی عزت بنانا چاہتا ہے۔

خانزادوں سے الرجی ہونے کے لیے میر ازاران خانزادہ کی سالی ہونا ہی کافی ہے۔ اچھی طرح جانتے ہو تم منسٹر صاحب کو۔۔ اور دوسرا درخزئی خانزادہ جو خود کو ایس پی کہتا پھرتا ہے۔ اس فیک دو نمبر ایس پی کو دیکھ کر میری الرجی کئی گنا زیادہ بڑھ گئی ہے۔ عنائیہ پھولتی سانسوں کے ساتھ اب چیخی تھی۔

سردی کی شدت اور درخزئی کو دیکھ کر اس کا سانس غصے سے پھول رہا تھا۔

زاران خانزادہ کو دیکھ کر تمھاری الرجی سمجھ آتی ہے۔ مگر مجھ جیسے ہینڈسم خانزادہ کو دیکھ کر تمھاری الرجی سمجھ میں نہیں آتی مس امیریکہ۔۔ درخزئی اس کی پھولتی سانسوں اور اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے اطمینان سے بولتا گرل کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔

ہینڈسم۔۔۔۔ف۔۔ک۔۔۔۔ن۔۔۔گ۔۔۔۔مائی فٹ۔۔عنائیہ دانت پیستے غرائی۔

اتنا ہی ان لبوں کو تکلیف دو جتنا۔ان لبوں پر ظلم برداشت کر سکو میری جان۔۔۔۔درخزئی نے لب دانتوں تلے دبائے کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔

واٹ؟؟عنائیہ نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

مطلب یہ میری جان

یاد رکھنا ملنے میں

جتنی دیری ہو گی

ہونٹوں سے وصولی

اتنی ہی زیادہ ہو گی

درخزئی اس کے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے گھمبیر آواز میں گویا ہوا۔

You f.....c

عنائیہ غصے سے سرخ ہوتے پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔۔

درخزئی کا ایک بار پھر سے برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

دوسرے پل وہ کراہ کر رہ گیا تھا۔زاران کا بھاری مکہ اس کا جبڑہ توڑ چکا تھا۔

یہ کیا ہے سالے بغیرت ؟؟ درخزئی اپنے ہونٹوں سے نکلا خون اپنے انگوٹھے سے صاف کرتے کراہتے ہوے بولا۔

کافی کا مگ وہ گرل سے نیچے بہتے دریا میں پھینک چکا تھا۔ بکواس بند کر اپنی۔۔ خبر دار مجھے سالا کہا جان لے لوں گا تجھ جیسے بغیرت کی؟؟ زاران اس کا گریبان جکڑے اسے خون اتری انکھوں سے دیکھتے غرایا۔

سالے کو سالا نہ کہوں تو لالا کہوں۔ درخزئی نے اپنا گریبان چھڑاواتے ہوے جواباً زاران کو آنکھ ونک کی۔

جواباً زاران کے بھاری ہاتھ کا مکہ وہ اس بار اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کر چکا تھا۔

پولیس والا ہوں میرا وار سہہ نہیں سکے گا۔ میرا ہاتھ ہاتھ نہیں لوہے کا راڈ ہے۔۔ تیرا منسٹر والا یہ ہینڈسم تھوبڑا ایسا بگاڑوں گا کہ تو منسٹری کرنا تو دور کی بات رومانس کرنا بھی بھول جائے گا۔ تیرے مکے سے صرف میرا ہونٹ پھٹا

ہے۔ میرے مکے سے تیرے ہونٹ دانتوں پر سے ہی غائب ہو جائیں گے۔ درخزئی زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔۔

درخزئی کی بات پر زاران کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

تیرا ہاتھ لوہے کا راڈ ہے۔ تو میرا ہاتھ ان یہاں کے پہاڑوں جیسا ہے۔ جس پر جتنے بھی لوہے کے راڈ مارے جائے اسے فرق نہیں پڑتا الٹا لوہے کا راڈ ٹیڑھا ہو سکتا ہے۔ زاران دوسرے ہاتھ کا مکہ بنائے اس کے گال پر پوری قوت سے ضرب لگا چکا تھا۔

آہہہ۔۔۔۔ درخزئی نے اپنے دوسرے گال پر ہاتھ رکھا جہاں سے خون نکل رہا تھا۔

لے صاف کر۔۔۔۔زاران نے اپنی جیب سے ٹشو نکال کر درخزئی کی طرف بڑھایا۔

درخزئی نے جوابًا اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا.

کرلے لوہے کی راڈ سے خون نکل رہا ہے۔زاران نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اس کے گال سے نکلتے خون کو ٹشو سے صاف کیا

آئیندہ میری حویلی کی عورت سے فلرٹ کرنے سے پہلے سو بار سوچنا۔ہمم زاران اس کا گال تھپھاتے ہوے اسے خون اتری آنکھوں سے گھورتے اندر کی جانب بڑھا۔

کیا تیری بیوی تیری بیوی بننے سے پہلے تیری حویلی کی عورت تھی یا پھر تیری بہن۔ درخزئی کی اونچی ہانک پر زاران کی مٹھیاں شدت گریہ سے بھینچی تھی۔ رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا۔

ابرش کو کیسے نکاح میں تو نے لیا سب جانتے ہیں۔ درخزئی کی بات پر زاران اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے ہوے ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیا۔

نام مت لینا میری بیوی کا!!اس کا نام بھی مجھے کسی کے لبوں سے گوارا نہیں۔ ۔زاران اس کا گریبان جکڑے پوری قوت سے گرج اٹھا تھا۔

گوارا کرنا بھی نہیں چاہیے عزت ہے تیری!!اور اس صورت میں وہ میری بہن ہے۔ تیرے احترام میں میری نظریں اس کے سامنے جھکتی ہیں۔ مگر

احترام میں نظریں جھکانا اور اٹھانا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ درخزئی اپنا گریبان چھڑواتے ہوے سرد و سپاٹ لہجے میں بولا۔

کیا بولنا چاہتا ہے سیدھی طرح بول۔۔ زاران اسے سرد سرخ نظروں سے گھورتے برفیلے لہجے میں غرایا۔

کہنا یہ ہے۔ اکثر اٹھی نظر میں بھی احترام ہوتا ہے۔ ہر نظر میں گندگی نہیں ہوتی۔۔ درخزئی خانزادہ تجھ سے بہتر جانتا ہے عورت کی عزت کیسے کرتے ہیں؟؟ تو اپنی محبت کو پانے کے لیے اسے گن پوائنٹ پر اغوا کر سکتا ہے۔ مگر میرے پاس اپنی محبت پانے کے لیے تجھ جیسے خبیث کی عزت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ درخزئی ایک ایک لفظ چباتے ہوے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر جماتے اسے خود سے پرے دھکیل کیا۔ زاران کے قدم وہ ہلا نہیں سکا تھا۔ وہ ویسے ہی کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

دیکھ زاران میں تیرے وار سہہ رہا ہوں۔ اس سے اندازہ لگا لے میں کتنا

سیریس ہوں۔ ورنہ بتا بچپن سے تیرے کتنے وار ایسے خاموشی سے

سہے۔۔ لوہے کا راڈ کی ضربیں چٹان پر پڑیں تو شاید راڈ ٹیڑھا ہو سکتا ہے۔ مگر

پہاڑ کو بھی فرق تو پڑے گا زیادہ کچھ نہیں تو پہاڑ کی سرخیز زمین بنجر کھردری

ہو سکتی ہے۔۔ کھو تو اپنی اصل شکل پہاڑ بھی دے گا۔ درخزئی اب کی بار سرد

آواز میں بولتے زاران کا گال تھپتپاتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھا

زاران جبڑے بھینچتے ہوئے اپنے بھاری قدموں سے اس کے پیچھے گیا تھا۔

کیا کہنا چاہتا ہے کھل کر کہہ۔۔ زاران درخزئی کو دیکھتے سرد و سپاٹ لہجے میں

بولا۔

کیا کہوں کھل کر کوئی بھی موقع دیے بغیر تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھا دیا۔ دیا موقع

مجھے بولنے کا؟؟۔۔ اور ایسا کیا کیا ہے میں ہے؟؟ جو تیری غیرت پر بات بن

گئی۔ دس فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی وہ مجھ سے ؟؟ وہ بھی وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر تھی۔۔۔ میں اپنے کمرے کے ٹیرس پر تھا۔۔۔ اس کی گالیاں میں ہنس کر سن رہا تھا۔ یہاں سے پتہ نہیں چلا اس لڑکی کا مقام میرے دل میں کیا ہے ؟؟ اور تجھے جو میں پچھلے دو گھنٹوں سے ترلے کرتے اپنے کمرے میں بلا رہا ہوں۔ یہی بات کرنی تھی تجھ سے۔ آدھی رات کو تجھے اپنے کمرے میں بلوا کر مجھے ذلیل ہونے کا شوق نہیں تھا۔ درخزئی ٹیبل پر پانی کا جگ اٹھائے اس میں سے پانی اپنے سر پر ایک ہی جست میں انڈیلتے بھڑک اٹھا تھا۔

بہت بار میرے مکے کھا چکا ہے۔ تب ذلیل نہیں ہوا آج ہو گیا؟؟ پولیس والا بن کر زیادہ غیرت نہیں آگئی۔ ویسے اس پروفیشن میں آکر غیرت جاتی ہے۔ زاران اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھتے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

خبر دار!!ایک لفظ اور کہا اچھی طرح جانتا ہے میری وردی میں میری جان بستی ہے۔۔ابھی تک میری وردی میری ڈیوٹی سے پیارا کوئی نہیں ہوا۔وہ تیری سالی بھی نہیں۔اس لیے ایک لفظ اور کہا تو منہ توڑ دوں گا سالے کمینے۔۔درخزئی زاران کی بات کاٹتے غرایا۔

عنائیہ سولہ سال کی ہے صرف۔۔۔زاران جواباً لب بھینچے اب بولا تھا۔

سولہ کی ہے اٹھارہ کی نہیں ہو گی کیا؟؟درخزئی نے جواباً سوالیہ انداز میں ائی بروا چکائے۔

ہو گی ضرور ہو گی۔تب تک پھر اپنی منہ زور جوانی پر لگام لگا۔زاران نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورا۔

گارنٹی دیتا ہے تو!! خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہے۔ وہ جب تک اٹھارہ کی نہیں ہو گی صرف درخزئی خانزادہ کی رہے گی۔ وہ امیریکہ نہیں جائے گی۔ وہ میرے ساتھ اتنی ہی لوئل ہو گی جتنا میں ہوں۔ درخزئی نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار چاہا تھا۔

یہ گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا۔ وہ میری سگی بہن بھی ہوتی تو نہیں دے سکتا تھا۔ زاران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

مگر نکاح تو یہ گارنٹی دے سکتا ہے ناں۔۔ نکاح ہی ایک ایسا بندھن ہے جو اسے میرا کر سکتا ہے۔ نکاح ہی ایسا بندھن ہے۔ جو اسے یہاں سے جانے سے روک سکتا ہے۔ نکاح ہی ایسا بندھن ہے جس میں وہ میرے ساتھ لوئل ہو گی۔۔ وہ مر جائے گی میرے علاوہ کسی کی طرف دیکھنا تو دور کی بات سوچے گی بھی نہیں۔ کیونکہ نکاح کے قوانین بنانے والا خدا کی ذات ہے

۔جسے ایک مسلمان نہیں توڑ سکتا۔ پھر تیرے مجھ جیسے انسان کی گارنٹی کی ضرورت نہیں رہتی۔ درخزئی زاران کے مقابل آتے سنجیدگی سے بولتا اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

تو سمجھ نہیں رہا درخزئی!!وہ ابھی سولہ سال کی ہے۔۔تو چھبیس ستائس سال کا بھرپور مرد۔۔زاران اسے گھورتے ہوا بولا۔

دس گیارہ سال کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔میں کونسا رخصتی کروانے کا کہہ رہا ہوں۔۔ نکاح کرنے کا کہہ رہا ہوں۔ اسے اپنا بنانے کے لیے میں دو سال تک اپنی منہ زور جوانی پر لگام لگالوں گا۔ درخزئی نے زاران کی بات طنزاً اسے ہی لوٹائی تھی۔

مجھ سے کیا چاہتا ہے تو یہ بتا؟؟زاران نے اس کا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرہ دیکھتے سوالیہ انداز میں آئی برو اچکائے۔

عنائیہ سے نکاح کے لیے اس کے گھر والوں کو راضی کر۔۔اس دنیا میں تم لوگوں کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے۔ درخزئی اپنی سرخ آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھ گیا تھا۔زاران نے جھنجھلاتے ہوے اب اپنی پچھلی گردن رب کی تھی۔

کرلوں گا بات اور تمھیں یقین بھی دلاتا ہوں۔ فیصلہ تیرے حق میں ہو گا مگر اس سے پہلے تجھے عنائیہ کا پاسٹ جاننا ہو گا۔میرے فیصلے پر قائم رہنے کے لیے مجھے تیرے چہرے کے ایکسپریشن اور تیرے الفاظ مجبور کریں گے۔اگر تیرے ایکسپریشن اور تیرے لبوں سے نکلے لفظ مجھے ایمپریس کر گئے تو زاران خانزادہ چٹان کی طرح تیرے ساتھ کھڑا رہے گا۔کچھ بھی ہو جائے عنائیہ تیری رہے گی۔زاران نے مستحکم لہجے میں کہتے اپنا سینہ ٹھوکا۔

کیسا پاسٹ؟؟ درخزئی الجھن کا شکار ہوا تھا۔

آج سے نو ماہ پہلے عنائیہ نے بہزاد خان کی قید میں چار مہینے گزارے ہیں۔

کیا؟؟زاران کی بات پر درخزئی کا پورا وجود جیسے آندھیوں کی میں زد میں آیا تھا۔

ہاں بہزاد نے اسے چار ماہ اپنی قید میں رکھا۔۔اس کے ساتھ وہاں کیا ہوا ؟!کیا نہیں کوئی نہیں جانتا۔یہ سچ یا تو خدا جانتا ہے یا عنائیہ۔۔مگر تو خود سوچ کیسے بہزاد خان جیسا انسان اسے چھوے بغیر رہ سکتا ہے؟؟۔وہ تب بچی ضرور تھی۔مگر لگتی نہیں تھی۔کوئی بھی مرد عنائیہ جیسی خوبصورت لڑکی کو چھوے بغیر کیسے رہ سکتا۔۔۔زاران کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ درخزئی اس کے منہ پر اپنے ہاٹھ کا پنچ بنائے پوری قوت سے مار چکا تھا۔کیا کہا تم نے میری عنائیہ کے بارے میں۔ہمت کیسے ہوئی یہ بکواس کرنے کی؟!۔تو سچ

میں بغیرت ہے۔۔ وہ دوسرا مکہ بھی زاران کے جبڑے پر پوری قوت سے مار چکا تھا۔ زاران کے جبڑے سے خون نکلتا اس کے حلق میں گھلا تھا۔

ارے تو میں سالا کہلانے کے لائق نہیں۔ کیونکہ تو اسے بہن نہیں مانتا۔ اگر وہ تیری بہن ہوتی تو اس کے متعلق اتنی گھٹیا بات کبھی نہ کرتا۔ درخزئی پاگلوں کی طرح حلق کے بل چیخا۔

جو حقیت ہے وہی بتائی ہے۔ وہ چار ماہ بہزاد کی قید میں رہی ہے۔ آج میں نے بتائی ہے تو تجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ یہی حقیت کل تو کسی اور کے منہ سے سنے گا ایسے ہی پاگل ہو جائے گا۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اپنے حلق میں گھلتا خون زمین پر تھوکا تھا۔

ہاں ایسے ہی پاگل ہو جاؤں گا اور حقیقت بتانے والے انسان کا حلیہ بگاڑ دوں گا۔اس کی زبان حلق سے کھینچ لوں گا میں ؟؟ در خزئی خانزادہ بھوکے درندے کی مانند غرایا۔

یہی حقیقت ہے۔۔۔۔۔۔

نہیں ہے۔ یہ حقیقت۔۔ وہ زاران کی بات کاٹتے پاگلوں کی طرح چلایا۔

وہ بہزاد کی قید میں رہی۔ یہ حقیت ہو سکتی ہے۔ مگر اسے کسے نے چھوا یہ حقیقت نہیں ہو سکتی۔۔۔ میں ایس پی در خزئی خانزادہ ہوں باز کی نظر رکھتا ہوں. انسان کے اندر باہر جھانک کر اس کے دل کی بات جان لیتا ہوں۔ مجرم سچ بول رہا ہے کہ جھوٹ ایس پی در خزئی خانزادہ کو نہ ڈنڈے کی ضرورت پڑتی ہے نہ لائنگ ڈیٹیکٹو مشین کی۔۔ ان مجرموں کی آنکھوں میں جھانک کر ان کا سچ جھوٹ جان لیتا ہوں۔ عنائیہ کی آنکھوں کی شفافیت اور

معصومیت یہ بتاتی ہے اسے آج تک کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسے چھونے والے پہلا اور آخری مرد صرف درخزئی خانزادہ ہو گا۔ درخزئی گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑتے ہوے کمرے میں رکھا مجسمہ غصے سے پوری قوت سے زمین پر پٹخ چکا تھا۔

درخزئی۔۔۔زاران نے اسے پکارا۔۔وہ تو جیسے پاگل ہو رہا تھا۔

چلا جا یہاں سے !!ورنہ بھول جاؤں گا تو درخزئی کا جگری یار ہے۔ تو نے اس لڑکی کے کردار پر انگلی اٹھائی ہے۔ جس کی عزت مجھے اپنی جان یہاں تک کہ اپنی وردی سے بھی پیاری ہے۔ درخزئی پوری قوت سے ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ مارتے اسے مرر میں سرد نظروں سے دیکھتے غرا اٹھا تھا۔

زاران اس کی غراہٹ پر اب گہرا مسکرایا۔

شکل گم کر اپنی۔۔۔ درخزئی زاران کی مسکراہٹ دیکھتے تپتے لہجے میں پھنکارا۔

عنائیہ سے تیرا نکاح میں کرواؤں گا وعدہ ہے میرا۔

نہیں ضرورت تیری مدد کی میں خود کرلوں گا بات۔۔ درخزئی اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے پھنکارا۔

مجھے بھی اتنا ہی عنائیہ پر یقین ہے۔ جتنا تجھے ہے۔ اسے بہزاد کی قید سے نکالنے والا میں ہی ہوں۔ اس کی معصومیت دیکھتے میں بھی پہچان گیا تھا کہ وہ ابھی بھی معصوم ہے۔۔ ایس پی نہیں ہوں۔ مگر منسٹر ضرور ہوں باز کی نظر نہیں رکھتا۔ مگر شاطر دماغ ضرور رکھتا ہوں۔ سامنے والا کہاں کہاں سے بول رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں۔ مجھے بیوقوف بنانا آسان نہیں۔ مجھے صرف یہ جاننا تھا تو یہ سچ جان کر کیسے ری ایکٹ کرتا ہے۔ آج میں یہ کہہ رہا ۔کل کوئی اور تم سے یہ سب کہہ سکتا تھا۔ اس سے بھی گھٹیا الفاظ میں درخزئی

۔۔عنائیہ بہن نہیں۔ مگر سگی بہنوں جیسی ہے۔ فرق صرف یہ ہے اس پر حق نہیں رکھتا۔ اگر سگی ہوتی اس سے پوچھے بغیر اس کا نکاح تجھ سے کر لیتا ۔کیونکہ تجھ سے بہتر اس کے لیے کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر اب مجھے سب کو منانا پڑے گا۔ لڑنا پڑے گا مگر وعدہ کرتا ہوں لڑوں گا تیرے لیے آخری دم تک۔۔ زاران اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھتا ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جما گیا تھا۔

اب دونوں ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ جمائے جھکتے ہوئے مرر میں ایک دوسرے کو سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔

سالا کمینہ۔۔ درخزئی ڈریسنگ مرر میں زاران کو دیکھتے بڑبڑایا۔۔

تجھ سے کمینگی میں کم ہی ہوں ایس پی۔۔۔ زاران کی بات پر درخزئی کا فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔ زاران کا بھی اسی پل برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

آہہہ۔۔۔زاران دوسرے پل اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھتے کراہا۔

سچ میں تیرا ہاتھ نہیں لوہے کا راڈ ہے۔زاران اسے گھورتے ہوئے سیدھا ہوا

بکواس ہی تو نے ایسی کی تھی۔یقین مان میرے اب تک کا سب سے بھاری

وار تھا۔ورنہ میں اپنے مجرموں پر ہاتھ ذرا ہلکا ہی رکھتا ہوں۔کیونکہ میرا ہلکا

ہاتھ بھی ان کی پینٹ گیلی کر دیتا ہے۔۔درخزئی مسکراتے ہوئے بولا۔

بکواس بند کر اپنی۔۔۔زاران وے اس کی بیہودہ بات پر اسے سرخ

نظروں سے گھورا

ویسے سچ میں میری جان!!تو چٹان جیسا ہے۔تجھے کچھ نہیں ہوا۔۔درخزئی

زاران کا چہرہ دیکھتے محظوظ ہوتا مسکرایا تھا۔اس نے بہت کاری وار کیا تھا۔یہ

سچ تھا اس کا ایک ہلکے ہاتھ والا تھپڑ ہی بہت سے مجرموں کے لیے کافی ہوتا

تھا۔ اس کا ہاتھ بہت بھاری تھا۔ زاران کو تو اس نے پنچ مارے تھے۔ وہ برداشت کر گیا تھ۔

جبڑہ تو توڑ دیا تو نے میرا۔۔ زاران اس کی مسکراہٹ پر تپتے ہوے اپنا جبڑہ پکڑے لفظ چباتا بولا۔۔

اچھی بات ہے آج رات رومانس ذرا کم کر لینا میری جان۔۔ بیوی سے سیک کروالینا۔۔ درخزئی نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔۔

دو سال تک اپنی منہ زور جوانی کو لگام لگا کے رکھنا پڑے گا تجھے !! یہ جو تیرے اندر ترسا ہوا رومانٹک خانزادہ ہے۔ یہ تجھے ایک دن ارحام خانزادہ بنا کر چھوڑے گا۔ زاران اپنی مسکراہٹ دبائے تپانے انداز میں بولا۔

بیوی سے محبت کرنا اگر مجھے ارحام خانزادہ بناتا۔ تو میں اپنے اوپر یہ ٹیگ لگانے کو تیار ہوں۔۔ لالا تم سب خانزادوں سے زیادہ اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے۔ مگر میرا ریکارڈ نہیں توڑ سکے گا۔۔ دذخزئی ارحام خانزادہ سے بھی دو ہاتھ آگے کی چیز ہے۔۔ درخزئی نے اپنے کالر کو دونوں ہاتھوں سے جھٹکا دیا۔

لیکن بیوی سے محبت کا ریکارڈ توڑنے کے لیے تجھے دو سال تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے اٹھارہ سال سے ہونے سے پہلے تو مجھے اس کے قریب دس فٹ کی دور پر بھی نظر نہ آئے سمجھا تو۔۔۔ زاران نے جبڑے بھینچتے انگشت شہادت اٹھائے اسے وارن کرتے سرد سرخ نگاہوں سے گھورتے وارن کیا۔

تیری دوستی کی قسم! نکاح کی رات کے بعد تجھے پورے دو سال بعد اپنی شکل دکھاؤں گا۔۔ سچی۔۔ درخزئی نے اپنی گردن پر دو انگلیاں رکھتے قسم اٹھائی۔۔

تجھ جیسے کمینے پر اعتبار ہے نہیں مجھے۔ مگر جانتا ہوں تو زاران خانزادہ سے دغا نہیں کر سکتا۔۔ اچھی طرح جانتا ھے میری فطرت کو میرا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا۔ زاران نے اسے گھورتے وارن کیا۔ اسے درخزئی کی کسی بات کا اعتبار نہ تھا۔ وہ ٹیڑھی کھیر تھا۔ سیدھی بات سیدھے انداز میں سمجھ جائے ناممکن تھا۔

بلکل تیرے ڈسنے کے بعد پانی مانگنے کی ضرورت ہی کہاں رہتی ہے؟! بندہ پہلے ہی اوپر۔۔ درخزئی اثبات میں سر ہلاتے گہرا مسکرایا۔

تجھے سیٹ کرنے کے لیے ارحام لالا ہی کافی ہے۔ یاد رکھنا۔۔ زاران اسے تنبیہی انداز میں وارن کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

پھر تو درخزئی کو ابھی نہیں جان سکا۔ درخزئی خانزادہ سب خانزادوں سے بھی آگے کی ہی چیز ہے۔۔۔ نکاح کی رات تو دھماکہ ہو گا منسٹر صاحب۔۔ درخزئی اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے گہرا مسکرایا تھا۔۔

زاران اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ابرش ڈریسنگ مرر کے آگے ریڈ لانگ گاؤن نائیٹی پہنے کھڑی تھی۔ اپنے کمر تک آتے براؤن سلکی بالوں میں وہ برش کر رہی تھی۔۔

زاران اسے خمار آلود نگاہوں سے دیکھتے اس کی طرف بڑھا۔۔اس کے پیٹ پر اپنے بازو لپیٹے اس کی پشت کو اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا تھا۔

ڈریس کیوں چینج کیا بیوی؟؟مجھے تو اپنا وہ روپ اچھی طرح دیکھنے دیتی ۔۔بہت خوبصورت لگ رہی تھی آج تم؟؟زاران اس کی سائیڈ گردن کو چومتے ہوے مدہوشی کے عالم میں بولا۔۔

ایک ہاتھ اس کی گاؤن کی ڈوری میں الجھا تھا۔اس سے پہلے وہ ڈوری کھینچ کر کھولتا۔ابرش اس کا ہاتھ اپنے گاؤن کی ڈوری سے ہٹاتے اس کے دوسرا لپٹا ہاتھ بھی اپنے پیٹ سے ہٹاتے بیڈ کی طرف بڑھی۔۔

زاران اسے کلائی سے کھینچتا ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگا گیا۔

کیا ہوا ہے؟؟زاران نے اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

کچھ نہیں ہوا مجھے نیند آ رہی ہے۔ ویسے بھی رات کا ایک بج رہا ہے۔ یہ ٹائم سونے کا ہی ہے۔ ابرش نے سنجیدگی سے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے طنزاً کہا۔

ویٹ آمنٹ۔۔۔ زاران نے ابرش کے بالوں کو ہاتھوں سے چھوا۔

بالوں میں نمی محسوس کرتے وہ جھنجھلاتے ہوئے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی پچھلی گردن ایک ہاتھ سے رب کر گیا۔

اس نے اس ٹائم شاور لیا تھا۔ یقیناً اس کی بیوی اس سے اچھی خاصی ناراض تھی۔

میں نیچے تھا تمھیں بتایا تھا میں نے۔۔ درخزئی نے مجھ سے بات کرنی ہے
۔اسی کے پاس تھا میں۔ ہم ایک امپورٹنٹ بات ڈسکس کر رہے
تھے۔زاران نے لب بھینچے وضاحت دی۔

تو کیا ہوا مسٹر خانزادہ؟؟ آپ نیچے تھے۔ یہ تو اچھی بات ہے آپ کے دل
کے قریبی رشتوں میں ایک اور رشتے کا آضافہ ہو گیا ہے۔۔ اس ایس پی
درخزئی خانزادہ کا بھی۔۔ مجھے آپ کا بچھا کچھا ٹائم نہیں چاہیے۔۔ آج رات سو
بھی اس کے ساتھ جاتے تو زیادہ بہتر تھا۔ ابرش لفظ چباتے زاران کے سینے پر
دونوں ہاتھ مارتے اسے خود سے دور دھکیلتے بیڈ کی جانب بڑھی تھی۔

اگر اس کے پاس سو جاتا تمھیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔۔ زاران اپنا نچلا لب
دانتوں تلے دبائے بولا۔

مجھے کیوں اعتراض ہوتا یہ تو اچھی بات ہے آپ کمبھ کے میلے میں بچھڑے ہوے دوست کو اپنی پوری رات دے دیتے۔۔ ابرش بیڈ پر پڑا کمبل سیدھا کرتے استھزائیہ لہجے میں بولی۔

کمبھ کا میلا۔۔ زاران نے ابرش کے لفظ دہراتے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی۔ مس امریکہ کو کھمب کے میلے کے بارے میں بھی انفارمشن تھی۔ وہ اس کی گوگل سرچ پر حیران ہوا تھا۔

ہاں کمبھ کا میلا!! ٹائم تو اس کے ساتھ ایسے ہی سپینڈ کر رہے تھے جیسے وہ برسوں پہلے آپ سے بچھڑ گیا ہو۔۔ ابرش بھڑ بھڑ جلتے بولی۔۔

زاران اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے برجستہ قہقہ لگا گیا تھا۔ وہ ایسے اتنی خوبصورت لگ رہی تھی وہ اسے ایسے دیکھتے پاگل ہوا تھا۔ وہ دن بدن اسے خود کے لیے پاگل کرتی جا رہی تھی۔۔ وہ اسے پیار کرنے چھونے کے لیے

بے تاب بے قرار ہوا تھا۔۔ بدن میں اس کی طلب انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ آنکھیں خمار زدہ ہوئیں۔

ابرش جو بیڈ پر بیٹھے لوشن سے اپنے پیروں کی مساج کر رہی تھی۔۔ اس کے ہنسنے پر بھڑ بھڑ جلتے جو اباز اران کو گھور کر دیکھا۔

زاران ڈرنے کی شاندار ایکٹنگ کرتے اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔ وہ تپی تپی اس طرح سچ میں ٹونٹ کرتے بہت خوبصورت لگ رہی تھیا تنی خوبصورت کہ آج سے پہلے کبھی نہ لگی تھی وہ اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے اس کی طرف بڑھا۔ اس کے سلکی براؤن بال ایک طرف شانے پر ڈھلکے تھے۔۔ گھنی پلکیں عارض پر جھکی اس کے خوبصورت چہرے کو اور خوبصورت بنا رہی تھیں۔ عارض غصے سے گلاب بنے ہوے تھے۔ وہ دہکتا تندور بھی بنے ہوے تھے۔۔ انھیں چھونے پر اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ پوری کی

پوری اس وقت تندور بنی ہوئی تھی۔۔اس کا تپتا بدن اسے کتنا سکون دیتا تھا ۔سردی میں ہیٹر کی ضرورت ہی نہ تھی۔اس کی بیوی چلتا پھرتا ہیٹر تھی آگ تھی۔

رہی سہی کسر اس وقت اس کے شاور لینے نے پوری کر دی تھی۔بدن سے اٹھتی مسحور کن خوشبو سے وہ بے قرار ہوا تھا۔

زاران نے اسے ایک بار پھر سے گہری گرم نگاہوں سے دیکھا وہ ناراض ضرور تھی مگر شاور لینے کی وجہ اس کا غصہ نہیں تھا۔۔اس نے یقیناً اس وقت شاور اس کے لیے لیا تھا۔اپنا شاور لینے کی وجہ اپنا غصے بتا کر اس سے چھپا رہی تھی۔وہ جتنی سے لے کر حساس پوزیسو اور جذباتی تھی۔وہ اس کے تیار ایسے ہی ہوتی تھی۔اسے خود کے پاس قید کرنے کے یہ اس کے معصومانہ

ٹرک ہوتے تھے۔ اور زاران خانزادہ کو اس کے معصومانہ ٹرک سے عشق۔۔

زاران اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھتے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے اس سے لوشن کی بوتل لی۔

ابرش نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے نگاہیں پھیریں۔

منع کرتا ہوں ناں!! اس ٹائم کوئی کریم مت یوز کیا کرو۔۔ زاران لوشن کی بوتل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اسے شانوں سے جکڑے بہت نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔

کیوں نہ یوز کیا کروں؟ ابرش نے نروٹھے انداز میں پوچھا۔

کیونکہ وہ میرے حلق میں ہی اترے گا۔ زاران اس کی ناک کی ٹپ کو چومتے ہوئے گھمبیر آواز میں بولا۔

پاؤں پر لگایا ہے۔ ابرش نے لفظ چباتے لب پھیلائے تھے۔

پاؤں کیا تمھارے بدن کا حصہ نہیں یا پھر میں نے کبھی انھیں چوما نہیں۔ زاران نے اب اس کی ٹھوڑی پر اپنے لب رکھتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔۔ ابرش اب اس کی شرٹ کے بٹن کو انگلیوں سے چھیڑتے نظریں جھکا گئی تھی۔

کھول لو انھیں دل کر رہا ہے تو؟؟ زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا۔

میں کیوں کھولوں گی انھیں؟؟ مجھے نیند آ رہی ہے۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے نروٹھے انداز میں کہا۔

اچھا۔۔۔اوکے پھر گڈ نائٹ جان۔۔۔مجھے بھی اصل میں بہت نیند آ رہی ہے۔۔۔میں ایسے ہی گلٹی فیل کر رہا تھا کہ مجھے کمرے میں آنے میں دیر ہو گئی تم ناراض ہو گی۔میں تو آج تمھیں منانے کے لیے تمھارے قریب آنا چاہتا تھا۔سچ پوچھو میرا بلکل دل نہیں۔۔بہت تھکا ہوا ہوں اور تھک جاؤں گا۔گڈ نایٹ بیوی۔۔زاران اس کی بھیگی بے یقین گلابی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بولتے اپنی سائیڈ پر لیٹے رخ پلٹ چکا تھا۔

ابرش گہری سانسوں سے بے یقینی سے زاران کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔۔اس نے دل پر ہاتھ رکھتے اپنی دھڑکنیں جکڑیں۔اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی سانسیں بند ہو جائیں گی۔وہ پچھلے چار گھنٹوں سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔اس کے آنے سے پہلے دو بار شاور لیا تھا۔۔اس کی پسندیدہ نایٹی پہنی تاکہ وہ اسے دیکھتے پاگل ہو جائے اس کے قریب آنے کے لیے اس کی منتیں

کریں۔ وہ تھا اسے فرق نہیں پڑا تھا۔ ابرش نے بیٹھتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔ دوسرے پل اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھائے زاران پر انڈیل دیا تھا۔

زاران ہڑبڑاتے ہوے اٹھا تھا۔ کیا بدتمیزی ہے ابرش زاران چیخا تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی سے بھیگ چکا تھا۔

یہ بدتمیزی بھی کم ہے۔ میرا دل کر رہا تمھاری جان لے لوں۔ ابرش جگ زمین پر مارتے زاران کا گریبان جکڑ گئی۔۔ وہ تو جیسے پاگل ہو رہی تھی۔۔ اس کی گہری سانسیں گلابی بھگگ آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ مذاق میں بھی اس کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ابرش۔۔۔ زاران نے اس کی حالت دیکھتے اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے گریبان سے چھڑوائے

تمھیں مزا آتا ہے مسٹر خانزادہ مجھے ایسے تڑپتا دیکھ کر ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے بھیگے لہجے میں چٹختے ہوئے سوال کیا۔

زاران اسے اپنی بانہوں میں قید کرتے اسے گیلی جگہ پر پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

مزا آتا ہے۔ بہت مزا آتا ہے۔ وایلڈ رومانس ایسے تو تم نہیں کرنے والی تھی۔۔ اب میری ایگریسیو وومن!! جنگلی بلی بن کر مجھ پر جوابا وار کرے گی تو مزا آئے گا۔ زاران نے جھکتے ہوئے اس کی گردن پر دانت گاڑھے۔

ابرش نے بھی غصے سے جوابا زاران کا گریبان جکڑے اس کی گردن پر دانت گاڑھتے بدلہ اتارا۔ منتقم مزاج کی بیوی تھی۔ شوہر کا بدلہ اب وہ بھی پورا پورا لیتی تھی۔ اس منتقم مزاج کی طرف ویسے بھی اس کے بہت سے حساب کتاب رہتے تھے۔

میری ویمپائر وومن۔۔۔اب دیکھو تم تمھارا کیا حال کرتا ہوں زاران اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتار گیا۔۔وہ اس پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔۔ابرش بری طرح جھٹپٹائی تھی۔اس کے سینے میں پوری قوت سے مکے مارے۔۔زاران اس کی کلایاں اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گیا۔

ابرش ماہی بے آب کی طرح اس کے نیچے تڑپ رہی تھی۔۔رات جیسے جیسے بیت رہی تھی۔وہ اس کے سینے پر اپنا حصار مضبوط کر گئی تھی۔دونوں ایک دوسرے میں مکمل طور پر گم تھے۔

بہت گیلا ہے زاران۔۔۔ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے اس سے لپٹتے مدھم سرگوشی کی۔۔تم نے ہی پانی پھینکا تھا میری جان۔۔زاران بہکی بہکی بھاری آواز میں بولتے خود گیلی جگہ پر ہوتے اسے اپنے اوپر کر گیا۔۔ابرش اپنی حالت دیکھتے سرخ پڑتے اس کے سینے میں سمائی تھی.

میری بیوقوف بیوی۔۔اتنی خوبصورت بیوی کے بغیر کون کمبخت رہ سکتا ہے بھلا؟؟۔وہ اسے خود سے لپٹائے مدھم سرگوشی کرتے ریموٹ سے تمام لائٹس آف کر گیا تھا۔

تمھارے کمفرٹیبل کے لیے آف کیں ہیں۔فارم ہاوس والا رومانس چاہیے۔۔وہ مدھم سرگوشی کرتے اسے سختی سے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

ہاں بولیں رحیم کاکا!!عابیر گیسٹ ہاؤس کے اندر چلی گئی ہے۔زاران نے اپنا موبائل کان سے لگائے بے تابی سے پوچھا۔

ہاں چھوٹا خان!!عابیر بیٹا گیسٹ ہاؤس کے اندر ہے۔اب آپ کا آپ کا کیا حکم ہے؟؟ہم ادھر ہی ٹھہرے یا پھر آجائے۔رحیم خان نے جوابًا پوچھا۔

ضرورت نہیں ادھر رکنے کی۔ عابیر اس کی دسترس میں چلی گئی ہے جس سے بڑھ کر اس کی حفاظت کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ آجائیں ضرورت نہیں۔ زاران سنجیدگی سے کہتا فون بند کرتے درخزئی کے کمرے کی طرف بڑھا۔

درخزئی اپنے کمرے کے ٹیرس پر کافی کا بھاپ اڑاتا مگ پکڑے کھڑا تھا۔ وہ اس وقت سیاہ شلوار قمیض پر بلیک کوٹ پہنے ہوے تھا۔ نظریں اپنے کمرے کے ساتھ والے ٹیرس پر تھیں۔ جہاں عنائیہ فون کان سے لگائے ٹہلتے ہوے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اس وقت وائٹ ٹائس پر گرم ہڈی پہنے ہوے تھی۔ جس پر آف وائٹ فلفی کوٹ پہنے ہوے تھی۔

درخزئی گہری گرم نگاہوں سے اسے دیکھتے کافی کے مگ پر گرفت جمائے کھڑا تھا۔

ہیلو مس امیریکہ۔۔۔۔۔درخزئی نے اس کی لاتعلقی پر محظوظ ہوتے کافی کا گھونٹ بھرتے اسے پکارا۔

وہ پچھلے دس منٹوں سے ٹیرس پر چکر لگاتے ہوئے فون پر بات کر رہی تھی۔اسے دیکھتے یہ چکر بڑھ گئے تھے۔

پولیس والا تھا۔باز کی نظر رکھتا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔وہ صرف فون کان سے لگائے باتیں کرنے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔

اور یہ بھی اسے اپنی طرف سے مشکوک کر رہی ہے کہ وہ کسی لڑکے سے باتیں کر رہی ہے۔۔درخزئی اس کی معصومیت پر گہرا مسکرا رہا تھا۔

درخزئی کی پکار پر عنائیہ نے لب بھینچے اس کی طرف آئی ابرو اچکائے سوالیہ شرربار نگاہوں سے دیکھا۔

درخزئی نے اس کے گھورنے پر مسکراتے ہوئے کافی کا لب لبوں سے لگایا۔

سنا ہے بہت کڑوی کافی بھی کہ خوبصورت حسینہ کے لبوں کو چھونے سے میٹھی ہو جاتی ہے۔۔ درخزئی نے اس کے شرربار خوبصورت نگاہوں میں جوابًا ابرو اچکائے استفسار بھری شرارتی نگاہوں سے دیکھا۔

کبھی کبھی میٹھی کافی بھی کڑوی ہو جاتی ہے کسی حسینہ کے لب لگنے سے یہ بھی سنا ہو گا پھر تو؟؟ عنائیہ نے دانت پیسے تھے۔ وہ اس کے جواب پر اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

ہاں سنا ہے اگر حسینہ بیوی بن جائے تو

شہرام خان نے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے سائیڈ ٹیبل کی ڈرار سے اپنا سگریٹ کیس اور لائیٹر نکالتے ہوئے ایک نظر اپنے پہلو میں سوئی ہوئی بہارے کو دیکھا تھا۔جو ییلو کلر کی چنٹوں والی سمپل گرم سی فراک میں ملبوس بغیر کمبل کے گہری نیند سو رہی تھی۔کمرہ کافی ہیٹ آپ تھا۔بہرام کی وجہ سے چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے مسلسل الیکٹرک ہیٹر چلتا رہتا تھا۔

بہارے کو دیکھتے شہرام خان کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔پورے بدن میں اپنی بیوی کی طلب انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہی تھی۔ پچھلے دو مہینوں

سے وہ اس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اب تو جواں جذبوں میں عجب سی طغیانی برپا ہوتے اس کے حواص کھونے کا سبب بن رہی تھی۔

شہرام خان نے سگریٹ کیس کھولتے ہوئے غصے سے لب بھینچے تھے۔ وہ خالی تھا۔ شہرام خان نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتے بہارے کو دیکھا یقیناً اس نے سگریٹ کیس خالی کیا تھا۔ وہ اسے سگریٹ بھی پینے نہیں دے رہی تھی۔۔

کوئی بات نہیں سگریٹ نہ سہی میری خوبصورت جواں بیوی تو میرے پاس ہے۔ اس کی خوبصورتی اور جوانی سے آج رات اپنا دل بہلایا جا سکتا ہے۔ وہ گھمبیر آواز میں گویا ہوتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس پر گھٹا بن کر چھایا تھا۔

اس کے گلابی عارض پر انگلیاں پھیرتے اس کی نرماہٹیں محسوس کرنے لگا۔

تم میرا سکون ہو اور سکون حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں میری جان!! جیسے تمھارے سٹرابری لبوں کا رس پینے سے مجھے سکون ملتا ہے۔۔ پھر اس کے بعد نیچے ہر چیز میں سکون ہے۔ شہرام خانزادہ اس کے کان میں گھمبیر آواز میں سرگوشی کر گیا تھا۔

بہارے کے بدن کی گلاب سی خوشبو محسوس کرتے شہرام کے حواس معتل ہوے تھے۔ لب بہارے کے نقوش کو ٹکرانے کے لیے بے قرار ہوے تھے۔ وہ بہت نرمی سے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ اس کی گردن میں سہلاتے اس کی سینے پر موجود فراک کے بٹن بہت آہستگی سے ایک ہاتھ سے ایک ایک کرتا کھولتا چلا گیا تھا۔ آہستگی سے اسے جگائے بغیر اس کے بدن کو چوم کو صرف اس وقت سکون حاصل کرنے کا متناہی تھا۔

شہرام نے جھکتے ہوے اس کی گہرائیوں پر اپنے نرم گرم لب رکھے۔۔ شہرام کا ایک ہاتھ بے اختیار اس کی فراک میں الجھا تھا۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔ وہ اس کی گہرائیوں کو بہت ہی نرمی سے چومتے اس کی فراک نیچے سے اوپر کی جانب کھسکا گیا۔۔ اس کا جواں ناہموار قیامت سا بدن دیکھ کر شہرام کے اندر پیاسے جذبات ہچکولے لے کر بیدار ہوے تھے۔ طلب مزید سے مزید دیکھنے کی شدید ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ مزید بے باکی سے اسے بہت نرمی سے چھوتے کچھ اور نازک پردے بھی سرکا گئے تھے۔ وہ بہت نرمی سے اس کے پیٹ پر اپنے لب رکھتے اس کی بیلی بٹن کو اب لبوں سے چھو رہا تھا۔۔

وہ بہارے کو دیکھتے یقدم پیچھے ہوا۔

جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

اس کی سینے سے لپٹے سرگوشی یاد آئی تھی جب اس نے اسے اپنی طبعیت کی خرابی کا بتایا تھا۔

شہرام اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ صبح سے اس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ بہارے گل اس کے جذبات کے ساتھ کھیلواڑ کر گئی تھی۔ شہرام نے لب بھینچے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ رخصتی کے بعد وہ اس کا جھوٹ پکڑ لیتا تھا۔ بلکہ اپنی بانہوں میں قید کر کے اس کا جھوٹ اس کے منہ پر مارتا تھا۔ شہرام نے اپنی آئی برو انگلی سے مسلی۔۔ بہارے گل کو وہ کچھ زیادہ ہی چھوٹ دینے لگا تھا۔۔ جس کی وجہ سے وہ بگڑتی جا رہی تھی۔۔ شہرام خانزادہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اس پر جھکا تھا۔

Lets ready my beautiful bahary

تمھارے اندر سما کر تمھارا سرخ گلاب چہرہ اور جھکی نگاہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں اپنے جھوٹ کی کیا ایکسپلیشن دو گی؟؟۔ شہرام اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس کے رس بھرے لبوں پر جھکنے لگا تھا کہ بہرام کے گلہ پھاڑ کر رونے سے وہ بہارے سے دور ہوا۔

بہت نرمی سے اس کے وجود کو کور کرتے وہ بیڈ سے اترتے بہرام کے کاٹ کی طرف بڑھا۔

اسے بہت احتیاط سے کاٹ سے نکالتے اپنے سینے سے لگاتے تھپکی دی تھی۔

وہ اس کے سینے سے لگتا خاموش ہوا تھا۔ شہرام نے اسے سینے سے لگائے ٹہلتے ہوئے بہارے کو ایک نظر دیکھا وہ ابھی بھی گہری نیند سو رہی تھی۔۔

بہرام کو اپنے سینے پر منہ مارتے دیکھ کر وہ مسکرا گیا تھا۔ اسے بھوک لگی ہے وہ سمجھ چکا تھا۔ شہرام نے اسے سینے سے ہٹائے دیکھا وہ سر دائیں بائیں ہلاتے ہونٹوں کو دودھ پینے کے انداز میں کھولتا بند کر رہا تھا۔ شہرام اسے دیکھ کر پھر سے گہرا مسکرایا تھا۔

اب سے رات کو بہرام کی ہر ضرورت کا خیال رکھنے کی ڈیوٹی بابا کی ہے۔۔ ماما کو بلکل تنگ نہیں کرو گے آپ۔۔ کیونکہ آپ کی ماما کو تنگ صرف رات کو شہرام خانزادہ کرے گا۔۔ شہرام بہرام کی کھلی آنکھوں میں دیکھتے سرگوشی نما آواز میں بولے اسے اسے اپنے سینے سے لگائے کمرے میں ایک طرف رکھے اس کے فیڈر اور ڈبے کے دودھ کی طرف بڑھا۔ اسے اپنے سینے سے لگائے ہی شہرام خان نے اس کا فیڈر تیار کیا تھا۔ اسے اپنے ایک بازو میں اٹھائے کھڑے کھڑے بہت احتیاط سے اسے فیڈر پلایا۔

فیڈر فنش کرتے کرتے وہ سو گیا تھا۔ شہرام نے احتیاط سے اس کے منہ سے نپل نکالتے اسے نرمی سے سینے سے لگائے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے اسے برپ کروایا۔۔

اسے بہت احتیاط سے کاٹ میں لٹایا تھا۔

فجر کی اذانوں پر وہ گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ آلارم کی آواز پر بہارے جلدی سے اٹھی تھی۔

آلارم بند کرتے ہوے بہارے کی نظر کاٹ کے پاس کھڑے شہرام پر پڑی۔ کیا ہوا؟؟ شہرام تم ٹھیک ہو وہاں کیا کر رہے ہو؟؟ بہارے بیڈ سے اٹھتے پریشانی سے اس کی طرف بڑھی۔

میں بلکل ٹھیک ہوں بہارے۔۔ تم کیوں اٹھی ہو؟! سوئی رہتی بہت تھک گئی تھی آج تم۔۔ شہرام اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔ بہارے شہرام کے کشادہ چٹانی سینے سے آن ٹکرائی تھی۔ شہرام نے اس کے شانوں پر بکھرے بال ایک ہاتھ سے پیچھے کرتے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح صبح صبح بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

وہ میں نماز۔۔۔ بہارے شہرام کا ہاتھ اپنی گردن سے پیچھے کرتے ہوے بولی۔ یکدم وہ اپنا لب دانتوں تلے دبایا۔۔ یاد آگیا تھا اپنا جھوٹ۔۔

بھول گئی آج تو مجھے نماز پڑھنی نہیں تھی۔ بہارے شہرام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے خفیف سا مسکرائی تھی۔

ہاں میں بھی دیکھ رہا ہوں کل سے میری بیوی بہت کچھ بھولنے لگی ہے۔۔ جھوٹ بول کر بھی بھول جاتی ہے۔ شہرام سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے بولا۔

کیا مطلب شہرام؟!۔۔ بہارے اس کی بات پر سٹپٹائی تھی۔

کچھ نہیں مذاق کر رہا تھا میری خوبصورت بہارے۔۔ جاؤ واش روم میں جا کر فریش ہو جاؤ۔۔ شہرام اس کی آنکھوں میں مسکراتے ہوئے پھونک مارتے اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے بیڈ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اسے فجر کی نماز ادا کرنی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کی وجہ سے اس کی فجر قضا ہو۔

بہارے جلدی سے واش روم کی طرف بڑھی۔ فجر کی نماز وہ کسی صورت قضا نہیں کرتی تھی۔

بہارے ڈریسنگ روم سے نماز ادا کرنے کے بعد باہر آئی تو شہرام خان کو صوفے پر بیٹھے سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے دیکھتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

شہرام تم سگریٹ پی رہے ہو۔ جب تک تمھارے زخم مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو جاتے تم سگریٹ نہیں پی سکتے۔ بہارے کی آواز میں شدید تڑپ تھی۔ وہ ابھی ٹھیک نہیں ہوا تھا وہ سگریٹ پی رہا تھا۔

رک جاؤ بہارے ؟؟ شہرام کی بات پر بہارے نے اسے تحیر زدہ سے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اس کے سرد انداز پر لرزی تھی۔۔ بے اعتنائی کی مار مارنے والا شہرام خان یاد آیا تھا۔ دل پہلو میں دھڑکا تھا۔ اب کی بار اس

سفاک انسان کا بدلنا وہ شاید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی وہاں وہ بدلے گا یہاں وہ دھڑکنیں رک جائیں گی۔

تمھارے کپڑوں پر سٹین لگا ہے اسے ریموو کر لو پہلے۔۔ شہرام نے اس کے دامن کی طرف اشارہ کیا۔

سٹین۔۔ بہارے نے شہرام کا لفظ دہراتے ہوے حیرت سے اپنے دامن کو دیکھا۔ جو بلکل صاف تھا۔ وہ ابھی بھی اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی

۔اچھی طرح چیک کرو پیچھے ہو گا اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟! تم جس حالت میں سٹین لگنا تو معمولی بات ہے۔ شہرام سگریٹ کا گہرا کش لیتے صوفے سے اٹھتے بہارے کے مقابل آتے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔ اپنی باس لیڈی کا ایسا سرخ چہرہ بہت مزا دیتا تھا۔

سٹین تمھیں نظر نہیں آرہاناں۔۔ شہرام نے اسے کمر سے تھامتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

وہ سر نفی میں ہلاتے لب دانتوں تلے دبائے شہرام کے لبوں سے سگریٹ کھینچ چکی تھی۔

مجھے نظر آرہاہے۔اس لیے واش بھی میں کر دوں گا۔وہ بہارے کی کمر کو مٹھی میں بھرتا اس کے چہرے کو سلگتی سانسوں سے سلگاتے مسکراہٹ دبائے بولا۔

بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے سرخ پڑتے لب دانتوں تلے دبائے پھر سے سر نفی میں ہلایا تھا۔ سمجھ چکی تھی حویلی کا سب سے سفاک خانزادہ شہرام خان اس کا جھوٹ پکڑ چکا ہے۔

شہرام اس کی معصوم ادا دیکھتے اسے اپنی گود میں اسی لمحے اٹھا گیا تھا۔

شہرام۔۔ بہارے اس کے زخموں کی وجہ سے چیخی تھی۔

کچھ نہیں ہو گا میری بہارے مجھے۔۔ لیکن آج اگر تمھیں اپنی محبت کی بارش میں نہیں بھگوؤں گا تو ضرور مجھے کچھ ہو جائے گا۔ شہرام بھاری آواز میں کہتے اسے اٹھائے واش روم کی طرف بڑھا۔

بہارے شہرام کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔ وہ واش روم میں کون سی محبت کی بارش میں بھگونے جا رہا تھا آخر؟؟

شہرام واش روم میں داخل ہوتے روف شاور آن کرتے شاور کے نیچے کھڑا ہوا۔ بہارے ابھی تک اس کی گود میں تھی۔

شہرام۔۔۔ بہارے چیختے ہوے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ پانی کی ٹھنڈی بوچھاڑ نے ان دونوں کو بھگو دیا تھا۔

شہرام ہنستے ہوے اسے گود سے اتارتے شاور کے نیچے کھڑا کر گیا۔۔ اب شاور سے نیم گرم پانی برس رہا تھا۔

شہرام۔۔۔ بہارے گہری ہوتی سانسوں سے بولتی اس کے سینے میں سماتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

شہرام اس کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے ایک بار پھر سے ہنسا تھا۔

شہرام کی ہنسی سن کر بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برستے شہرام کے برہنہ سینے کے براون بالوں میں گھلے تھے۔۔

وہ ہنستا تھا

یہ دنیا ہنستی تھی

وہ ہنستا تھا

کائینات کی ہر

چیز ہنستی تھی

وہ ہنستا تھا

بہارے کا دل ہنستا تھا

مگر نہ جانے کیوں

یہ آنکھیں بھیگ جاتی تھیں

شہرام اسے خود سے الگ کرتے اسے دیوار سے لگائے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ رکھے اسے محصور کر گیا تھا۔

بہارے گہری ہوتی گلابی ہوتی سانسوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کا شہرام خان صرف اس کا تھا۔وہ اس کے پاس تھا۔پہلے جیسا شہرام خان۔۔وہ گہری سانسوں سے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔گہری گرم نگاہیں یونانی دیوتاؤں جیسا حسن رکھنے والے سفاک خانزادہ کی گھنی مونچھوں پر تھیں۔جن کی میٹھی چبھن اسے کتنی پیاری تھی۔وہ کیسے بتاتی۔۔اس کے بدن کے ہر حصے نے اس چبھن کو یاد کیا تھا۔بہارے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہنس رہی تھی۔آنکھوں سے نکلتے آنسو پانی میں گھلتے اپنی پہچان کھو رہے تھے۔کیونکہ وہ اسے دیکھتے گہری سانسوں سے ہنس رہی تھی۔۔

شہرام خان اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا

وہ سامنے کھڑی وفا کی دیوی کے آنسوؤں کی پہچان رکھتا تھا۔ وہ اس کی ہر ادا پہچانتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی تو اسے دیکھتے ایسے ہی رو رہا تھا۔ اس کے آنسو بھی تو برستے پانی کے بوچھاڑ میں اپنی پہچان رکھو رہے تھے۔ کیونکہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

وہ کن لفظوں سے اسے بتاتا وہ اس کے لیے کیا تھی۔ وہ کتنی محبت کرتا تھا اس سے۔۔ اسے صرف یہ پتہ تھا وہ نہیں تو شہرام خان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

بہارے گل خان تم نے ابھی شہرام خان کی جنونیت سہی ہی نہیں ہے۔ تم میرے لیے کیا ہو یہ آہستہ آہستہ اشکار ہو گا۔

تم شہرام خان کے لیے کیا ہو؟!۔وہ اس کی گردن کو چومتے نیچے کی جانب آتے گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے پیٹ سے لپٹے اپنے دہکتے لب اس کے دل کے مقام پر رکھتے آنکھیں موند گیا۔

بہت پیار

کرتے ہیں

تم کو صنم

قسم چاہو

لے لو خدا

کی قسم

شہرام کی گھمبیر آواز پر بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برستے اس کے عارض سے گرتے اس کی بھیگی گردن کو بھگو رہے تھے۔ شاور سے گرتی بارش کی بوچھاڑ کی آواز اور ان دونوں کی گہری ہوتی سانسیں گونج رہی تھیں۔

شہرام نے زمین سے اٹھتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

آجازت ہے بہارے آج ہر حد سے گزر جاؤں۔ شہام گھمبیر آواز میں بولتے دیوانگی کے عالم میں بولا۔

اگر آجازت نہیں دو گی تو کیا کرو گے تم ؟؟ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ بہارے نے گہری ہوتی سانسوں سے پوچھا۔

نہیں جاؤں گا جا سکتا ہی نہیں پہلے کی طرح تم سے زبردستی کروں گا۔

پہلا والا شہرام۔۔ شہرام کی بات پر بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگا سا ہنسی تھی۔

پہلے سے بھی جنونی میری لیڈی باس۔ وہ کہتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی زبان کو جکڑتے اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔ جنونیت کیا ہوتی ہے جان کیسے نکالتے ہیں وہ شہرام خان اس کی سانسوں کے ساتھ اس کی زبان کھینچتے اسے بتا رہا تھا۔

بہارے بے حال ہوتی دیوار میں سما گئی تھی۔ شہرام کا گرم ہاتھ اس کی شرٹ کی زپ میں الجھتا اس کی فراک کو زمین بوس کر چکا تھا۔۔ وہ خود کو دیکھتے ایک بار پھر سے شہرام کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اسے خود سے

جھٹکے سے جدا کرتے اس کی گردن پر جھکے اپنی جنون خیزیاں بکھیرتے اسے گود میں اٹھائے باتھ ٹب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

شہرام خان بہارے کو باتھ ٹب میں لٹاتے خود بھی باتھ ٹب میں داخل ہوتے اس پر جھکا۔

باتھ ٹب گرم پانی سے فل تھا۔اس میں ببلز بنے ہوے تھے۔

بہارے حیرانگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

شہرام یہ کب کیا؟؟ بہارے نے شہرام کو دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل پوچھا تھا۔وہ اسے خماز زدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کی جان لبوں پر سجا رہا تھا۔

جب تم نماز پڑھ رہی تھی میری بہارے۔ شہرام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا۔

مگر شہرام یہاں کیسے ہو گا سب۔۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

اتنے خوبصورت لگژری واش روم اور اتنے رومانٹک شوہر کے ہوتے ہوے بھی تم انجان ہو کہ یہاں رومانس کیسے ہوتا ہے۔ انجانے میں تم مجھ پر بہت ظلم کر چکی ہو میری بہارے۔۔ شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے اس کے گال پر دانت گاڑھے۔

مم میں نے کب کیا ظلم شہرام؟؟ سات مہینے ہر پل ہر لمحہ خود کو تمھیں سونپا ہے۔ تم نے ہی نہیں کیا یہاں رومانس۔۔ بہارے نے سرخ بھیگے کپکپاتے

لبوں سے معصومیت سے جواباً شکوہ کیا۔ شہرام کا ایک بار پھر سے بلند و بانگ قہقہہ گونجا۔

سات مہینے بہرام تمھارے پیٹ میں تھا تمھیں چھوتے ہوے بھی ڈرتا تھا میری بہارے۔۔ مگر اب تمھیں بتاؤں گا تمھارا شہرام تم سے کتنی شدت سے محبت کرتا ہے۔ اس طرح تم مین سماؤں گا تم یاد رکھو گی۔ شہرام اس کے سرخ بھیگے لبوں پر جھکتے اس کے اور اپنے درمیان ہر پردہ ریموو کر گیا تھا۔ بہارے کی شہرام کی کمر پر پکڑ مضبوط ہوئی تھی۔ شہرام اسے کمر سے تھامے اس کے کمفرٹ کے لیے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں پوری طرح گم ہوے تھے۔۔ شہرام ایک ہاتھ سے باتھ ٹب کی سطح پر لگے جدید فینسی بٹنوں میں ایک بٹن دباتے روف شاور آن کیا تھا۔۔ شہرام بہارے اسے پکارتے مزید اس کے ساتھ لپٹی تھی

۔۔۔روف شاور سے گرم پانی گرتا ان کو بھگوتے ان کی سانسیں تیز کر رہا تھا ۔۔واش روم میں عجب ساز بکھرتے دونوں کو ایک دوسرے میں مکمل گم کر چکا تھا۔

حیدر خان نے نیم اندھیرے میں اپنے پہلو میں سوئی ہوئی فرشتے کو دیکھا جو سفید لوز سی فراک میں ملبوس گہری نیند سو رہی تھی۔ دراب زراب بیڈ کے پاس رکھے بے بی بیڈ پر سو رہے تھے۔

حیدر نے فرشتے کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے بے چینی سے پہلو بدلتے اپنی آنکھوں پر بازو رکھا۔ وہ اس کے قریب لیٹے اس کے جواں جذبوں میں آگ لگا چکی تھی۔ وہ اس کے ایک ایک نقش پر لب رکھنے کے لیے بے تاب ہوا تھا۔ حیدر نے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹائے فرشتے پر نگاہ ڈالی اس کی

ٹھوڑی کا تل دیکھ کر وہ بے چین ہوا تھا۔ سینے میں پنپتے سلگتے جذبے جیسے تندور کی مانند دہکے تھے۔ وہ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔ وہ بے قرار ہوتے اس پر جھکے اس کے ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔ حیدر خان کے لب مزید بے قرار ہوے تھے۔ وہ بے تابی بے قراری سے اس کے ایک ایک نقوش کو چھوتے اس کی سانسیں شدت سے گھونٹ گیا۔ فرشتے کی آنکھ اس کی بے رحمانہ شدت پر کھلی تھی۔ اپنے اوپر جھکے حیدر خان کو دیکھ کر اس کی سینے میں دھڑکتی دھڑکنیں خاموش ہوئی تھیں۔ حیدر خان مزید شدت سے اس کی سانسیں پیتے اپنے ہاتھوں سے اس کے بدن پر اپنا حق جتا رہا تھا۔ فرشتے جیسے پیرالایز ہوئی تھی۔۔ حیدر کے ہاتھ کے نیچے دبی دھڑکنیں تو بلکل ساکت ہوئی تھیں۔ اس کے لمس سے جو دل تیزی سے دھڑکتا تھا اب وہ ساکت ہو رہا تھا۔

فرشتے نے حیدر خان کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی۔ مگر وہ اس چٹان جیسے وجود کو خود سے دور نہیں دھیکیل پا رہی تھی۔ حیدر خان کے بدن کی گرمی سے فرشتے کے پورے وجود میں سپارک ہوتے اسے پل میں پسینے میں نہلا چکے تھے۔

فرشتے کا بے جان وجود محسوس کرتے حیدر خان نے اس کی سانسوں کو آزادی دیتے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی بے ترتیب سانسیں اور اس کے ماتھے پر چمکتی شبنم دیکھتے حیدر خان گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی خانم اسے محسوس نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا تھا؟؟

نہیں رہ سکتا خانم تمھارے بغیر۔۔۔ تم ایک ایسا جام ہو خانم جیسے پیے میں نہیں رہ سکتا۔ خانم تم بہت خوبصورت ہو۔ میں نے تم جیسی خوبصورت

عورت آج تک نہیں دیکھی۔ حیدر خان اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ماتھے کی شبنم چنتے گھمبیر آواز میں بولا۔

اوزگل بھی نہیں ہے خان۔۔ مگر وہ مجھے خود سے کہیں زیادہ خوبصورت لگتی ہے۔ سچ پوچھیں اپنا آپ بڑا پھیکا لگتا ہے۔ فرشتے بھیگے لہجے میں سوال کرتے کرب سے مسکرائی۔۔

حیدر خان اس کی بات پر اپنے لب بھینچ گیا تھا۔

خانم!! میں اس وقت اوزگل کی بات نہیں کرنا چاہتا۔ حیدر خان نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

اور مجھے اس وقت آپ نہیں چاہیے خان!! فرشتے کی بات پر حیدر خان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

مجھے تمھاری طلب ہے خانم!! تم مجھے کیسے منع کر سکتی ہو میری خانم ہو تم ۔میری عورت حق رکھتا ہوں تم پر۔۔ تم مجھے کسی صورت منع کرنے کا حق نہیں رکھتی۔۔ حیدر خان اپنا اشتعال قابو کرتے دبی آواز میں غرایا تھا۔

اس وقت فرشتے کی طلب پوری طرح اس کے حواص پر سوار تھی۔ کبھی فرشتے کے لبوں سے انکار نہیں سنا تھا۔

وہ گہری رات میں اتنے قریب آکر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے یہ کہہ سکتی تھی۔ جبکہ وہ اس کے بدن میں اٹھتی اپنی طلب اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ کسی چیز کا پردہ تو تھا ناں وہ اس کے ساتھ ہی تو لپٹا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کے قریب آتے ہی فرشتے پگھل جائے گی۔ وہ اس کی قربت میں کبھی احتجاج نہیں کرے گی۔ وہ فرشتے تھی ایک عام عورت نہ تھی۔

حق نہیں رکھتی آپ کو منع کرنے کا۔ خدا سے ڈرتی بھی ہوں جانتی ہوں

آپ کا حق ہے مجھ پر۔۔ آپ کا حق دینے کو تیار ہوں۔ مگر یاد رکھیے گا یہ حق

صرف خدا کے خوف سے آپ کو دوں گی۔ محبت نہیں ہو گی اس

میں۔ فرشتے نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

حیدر خان کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ نہیں چاہیے تمھارا جسم خانم۔۔۔ اتنا بھی

کمزور مرد نہیں ہوں جسے عورت سے صرف اس کے جسم کی چاہ ہو۔۔ اس

وقت تھاری طلب سے یہ بدن ٹوٹ رہا ہے۔ مگر تمھیں بے جان گڑیا کی

طرح استعمال نہیں کروں گا۔ جب بھی تمھارے قریب آیا اس میں تمھاری

مرضی شامل ہوتی تھی۔۔ نظریں جھکی ہوتی تھیں تمھارے کپکپاتے ہاتھ

میری کمر کو ساری رات چھوتے رہتے تھے۔۔ میرے لیے تمھارا اتنا رسپانس

ہی بہت تھا۔۔ مگر پتھر جیسی عورت نہیں چاہیے۔وہ سرد آواز میں بولتے اسے اپنے حصار سے آزاد کر گیا۔

فرشتے نظریں جھکائے اٹھی تھی۔رنگت سرخ ہو رہی تھی۔حیدر خان کی سرد سرخ نظریں گہری سانسیں اب اسے پریشان کر رہی تھیں۔وہ سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے ہوے تھا۔۔سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔

خان آپ اوزگل کو یہاں لے آئیں۔مجھے اور میرے بیٹوں کہیں اور منتقل کر دیں۔اوزگل سے اپنی ضرورت محبت پوری کرتے رہیں۔اور اولاد کی کمی پوری کرنے کے دراب زراب ہیں۔۔جن پر آپ کا حق ہے۔میں اپنے بیٹوں پر آپ کا حق تسلیم کر چکی ہوں۔مگر خود آپ کا حق اب میری سانسیں گھوٹتا ہے۔میں نے آپ کے بغیر رہنا سیکھ لیا ہے مجھے آپ کی ضرورت

نہیں۔ فرشتے آہستگی سے کہتے بیڈ سے اٹھی تھی کہ حیدر خان اس کی کلائی پکڑے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔

وہ حیدر کے کشادہ سینے پر آن گری تھی۔

میری بات سنو خانم !! میری محبت میری طلب میری ضرورت صرف تم ہو۔ تمھارے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ یہ حویلی میری نہیں اب تمھاری ہے۔ اور جہاں تک بات ہے اوزگل کی تو وہ میری زندگی میں نہیں رہی۔ طلاق دے چکا ہوں میں اسے۔ حیدر کی بات پر فرشتے نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

ایسے مت دیکھو خانم !! تمھاری وجہ سے نہیں چھوڑا اسے۔ اتنا بھی کمزور نہیں حیدر خان۔۔۔ اپنی عزت کو طلاق دے دے اپنی کسی کمزوری کی بنا پر۔۔

دھوکہ دے رہی تھی کسی اور کے لیے مجھے۔۔اسے اسی انسان کے لیے چھوڑ دیا۔یہاں سے اندازہ لگالو اس کا حیدر خان کی زندگی میں کیا مقام تھا۔اگر وہ میری محبت ہوتی مار دیتا اسے کسی کے لیے کبھی نہ چھوڑتا۔۔۔تمھیں میرے قریب نہیں آنا مت آؤ۔۔ایسے ہی زندگی گزارنی ہے تو ٹھیک ہے خانم گزار لوں گا۔یہی سزا ہے میری۔۔مگر یہ مت کہنا کبھی کہ حیدر خان نے کسی اور عورت سے محبت کی۔میرے دل میں صرف میری خانم رہتی ہے۔۔حیدر خان اسے اپنے حصار سے بیڈ پر دھکیلتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

عابیر نے اپنی گلابی آنکھیں کھولتے اسفند کی مضبوط بانہوں کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔وہ اپنا ایک بازو اور ایک ٹانگ اس پر رکھے ہوے تھا۔وہ

اس کے نیچے جیسے دبی ہوئی تھی۔عابیر نے بمشکل سانس لیتے اسے پیچھے کرنے کی کوشش کی۔وہ اس کے مزید قریب ہوتے اس کے سینے پر سر رکھ گیا تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر اسے پکارتے روہانسی ہوئی تھی۔

عابیر کے بھیگے لہجے پر اسفند کے عنابی لبوں پر مسکراہٹ چھائی تھی۔وہ اب اپنا تمام وزن اس پر منتقل کرتے اسے اپنے حصار میں قید کر گیا۔۔

اسفند۔۔۔عابیر اسے پکارتے مزید روہانسی ہوئی تھی۔اب تو آواز ہی گلے میں اٹک رہی تھی۔

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سے وہ اسے ایسے ہی اپنے حصار میں لیے گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے مدھم خراٹوں اور اس کے نیچے دبے ہونے کی وجہ سے اس کی نیند ٹوٹتی جڑتی رہی تھی۔۔

عابیر پر ترس کھاتے اسفند اسے اپنے حصار سے آزاد کرتا تکیے پر سر رکھ چکا تھا۔ آزادی ملنے پر عابیر نے گہری سانس لی تھی۔ عابیر نے اٹھ کر بیٹھتے اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔ اپنے باتھ روب گاؤن کی ڈوری کس کر باندھی۔

اسفند کی فرمایش پر اس نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد یہ گاؤن پہنا تھ۔ اجو اسفند یار کا تھا۔ جو کافی لوز اور لمبا تھا۔

گیسٹ ہاؤس میں صرف اسفند کے کپڑے تھے۔ اس کے لیے اسفند نے کچھ نہیں خریدا اس بات کا قلق رات کو اسفند یار خان کو بہت ہوا تھا۔۔ عابیر بیڈ

سے اترنے ہی لگی تھی کہ اسفند اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوے اپنے اوپر گرا گیا۔

کہاں میری سفاک پٹھانی؟؟ اسفند اسے اپنے مضبوط بانہوں میں قید کرتے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے بولا۔ لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔ جسے محسوس کرتے عابیر کی جان لبوں پر سجی تھی۔

بہت خوبصورت لگتی ہوں تم میری خوبصورت پٹھانی۔ اسفند اس کے بالوں کو گدی سے نرمی سے جکڑے اس کے چہرے کو اپنے اوپر جھکائے اس کے گلاب سرخ لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔ عابیر اس کی شدت پر اس کا ساتھ دیتے آنکھیں موند گئی تھی۔

وہ نرمی سے اس کے لبوں کو اپنی سانسوں سے دہکا رہا تھا۔ رات وہ ان لبوں کافی ظلم کر چکا تھا۔ اس لیے وہ اب نرمی سے انھیں اپنے لبوں سے گیلا کر رہا تھا۔

اب بتاؤ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی تھی تم ہمم۔۔۔ اسفند یار خان نے اس کے گلاب لبوں کو آزاد کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ وہ اپنی سرمئی گہری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسفند کے دیکھنے پر عابیر سرخ پڑتے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی۔۔

یہ کیا میری بے شرم پٹھانی شرماتی بھی ہے۔ اسفند اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے ہٹاتے ہوے اس کی انکھوں میں دیکھتے شرارتی لہجے میں بولا۔

میں نے کب دکھائی بے شرمی؟! بے شرمی کے سارے ریکارڈ صرف آپ توڑتے ہیں۔ اور مجھے اس وقت نظریں جھکانے کی بھی آجازت نہیں ہوتی۔

آپ کو میرا آئی کانٹیکٹ چاہیے ہوتا ہے۔عابیر سرخ چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بول رہی تھی

کس وقت کی بات کر رہی ہو میں سمجھا نہیں۔ کس وقت کس اینگل کس پوزیشن کی؟!ذرا کھل کر وضاحت کرو مجھے سمجھ آئے۔۔۔اسفند نے اپنی مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

آپ کو پتہ ہے میں کیا کہہ رہی ہوں؟؟عابیر نے کہتے ہوئے اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی۔

وہ اسے کندھوں سے مضبوطی سے جکڑے اپنے اوپر پھر سے گرا گیا تھا۔

اس پوزیشن کی بات کر رہی ہو کیا؟؟یا پھر اس پوزیشن کی وہ اب اسے اپنے نیچے کرتے خود اس کے اوپر آیا تھا۔

بتاؤناں؟؟اسفند اس پر جھکے اس کے گال پر دانت گاڑھ گیا

اسفند۔۔۔عابیر نے روہانسے ہوتے اپنا گال ہاتھ سے رگڑا جہاں جلن ہو رہی تھی۔

میری سفاک پٹھانی میں سہلا دوں کیا؟؟اسفند نے کہتے اس گے گال پر اپنی گھنی بیئرڈ رگڑی۔۔عابیر مزید روہانسی ہوئی تھی۔

اسفند ہنستے ہوے اسے اپنی بانہوں میں قید کرتے تکیے پر سر رکھتے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ گیا۔

میری جان یہ سزا دی ہے تمھیں۔۔کہاں جا رہی تھی مجھے چھور کر۔۔اسفند نے اس کے بالوں کو چومتے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں۔

اسفند آپ کے لیے کچھ کھانے کو بنانے جا رہی تھی میں؟؟

عابیر نے اس کے سینے کی بینڈج پر نرمی سے انگلی رکھی۔ کل رات اس نے خود ہی تو اسفند کی بینڈج کی تھی۔

فجر کے بعد میری خوبصورت بیوی مجھے اتنا اچھا ناشتہ کروا چکی ہے۔ ابھی لیٹی رہو میرے پاس ضرورت ہوئی میں بتا دوں گا۔ اور ویسے بھی تمھیں کچن مین جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اچھا سا کھانا باہر سے آرڈر کروالوں گا۔ اسفند اس کی کمر پر حصار مضبوط کر گیا تھا۔

اسفند دن کے دو بج رہے ہیں۔ اتنی دیر بھوکے رہیں گے انرجی ڈاؤن ہو جائے گی۔ عابیر کی بات پر اسفند کی آنکھیں چمکی تھیں۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں چمکتی شرارت دیکھ وہ تحیر زدہ ہوئی تھی۔ وہ اسے شرارتی اور بے باک نگاہوں سے آخر کیوں دیکھ رہا تھا۔

تمھیں میری انرجی ڈاؤن ہونے کی زیادہ فکر نہیں ہو رہی۔ کیوں فکر کرتی ہو؟! بہت طاقت ہے میرے اندر۔ دو دن بھی کھانا کھائے بغیر کام چل سکتا ہے۔ رات میری شدتوں میں کہاں کمی لگی میری جان۔۔ اگر لگی ہے تو ابھی پوری کر دیتا ہوں۔ اسفند نے اسے بے باکی سے کہتے آنکھ ماری۔

اسفند کی بات کا مطلب سمجھتے عابیر کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔

اسفند میں تو آپ کے زخم اور طبعیت کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ عابیر نے روہانسے ہوتے کہا۔ وہ رات سے اسی طرح کی بے باک باتیں کر رہا تھا ۔۔ کچھ باتوں کی تو کوئی حد نھیں تھی۔

عابیر کے گال سرخ ہوتے دیکھ کر اسفند کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ ایک رات میں ہی میری سفاک پٹھانی کا کیا حال ہو گیا ہے۔ جو بات بات پر اسے رونا آرہا ہے۔ اسفند نے اس کی بھیگی آنکھیں دیکھتے ذو معنی انداز میں پوچھا

مجھ میں آپ کی بے شرمی اور بے باکی سہنے کی مزید ہمت نہیں ہے۔ میں ابھی اپنے لالا کو فون کرنے لگی ہوں۔ مجھے آجائیں یہاں سے لے کر۔ عابیر نے اسفند کا ہاتھ اپنے گاؤن کی ڈوری سے جھٹکا تھا۔ وہ پھر سے اپنا موڈ بنا چکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ لپٹتے اسے اندازہ ہو چکا تھا۔ اور اسے اب سچ میں اس سفاک نیلی آنکھوں والے خانزادہ سے خوف آرہا تھا۔

اس کمینے سالے کا میں منہ توڑ دوں گا۔ اس کا نام بھی لیا میرے سامنے۔۔ چار دن ادھر بند رہا میرا پتہ کرنا تو دور کی بات ایک فون تک نہیں کیا۔۔ سو رہا ہو گا اپنی بیوی کے پہلو میں سالا کمینہ۔۔۔ اسفند لب بھینچے بولا تھا۔

اسفند کے انداز پر عابیر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ عابیر کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ دیکھتے اسفند اسے تکیے پر پٹختے اس کی گاؤن کی

ڈوری جھٹکے سے ریموو کرتے اس کی دونوں کلائیاں اپنے ہاتھوں میں جکڑیں

۔

آیندہ میرے حصار میں تم کسی کا بھی نام نہیں لو گی اور اس زاران کے قریب جانے کی ضرورت نہیں۔۔۔وہ جب میرے سامنے تمھیں اپنے سینے سے لگاتا ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔اسفند اس کی کلائیوں پر دباؤں ڈالتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

اسفند وہ لالا ہیں میرے۔۔عابیر اس کے حکم اور اس کے سنجیدہ آنداز پر حیران ہوئی تھی۔۔

لالا ہیں تو کیا ہوا؟؟ دور رہنا میرے دونوں سالوں سے۔۔۔زہر سے بھی زیادہ برے لگتے ہیں دونوں مجھے۔۔اسفند سرد لہجے میں کہتے اس کی دھڑکنوں پر جھکے اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے تڑپتے ہوئے ملتجی لہجے میں اسے پکارا۔وہ مزید اسے نہیں سہہ سکتی تھی۔مقابل کی انرجی تو جیسے وقت کے ساتھ بڑھ رہی تھی مگر اس کی اپنی انرجی مکمل طور پر ڈاؤن ہو چکی تھی۔وہ پہلے سے زیادہ شدت پسند اور جنونی ہو چکا تھا۔رات سے تو وہ اس کے بغیر سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔

تمھاری کوئی التجا تمھارے کام نہیں آنے والی میرا سفاک گلاب!!رات جس میٹھے دریا سے تم نے مجھے سیراب کیا ہے۔۔اس کی مٹھاس سے میں ابھی تک مدہوش ہوں۔تمھاری خوشبو میرے حواسوں پر چھا چکی ہے۔۔میں تمھارا مزید دیوانہ ہو چکا ہوں۔۔اب تمھیں خود سے ایک پل دور نہیں کر

سکتا۔۔اب چاہوں بھی تو تم سے دور نہیں جا سکتا۔۔ تھوڑا سا تم پر رحم کھا سکتا ہوں۔ مگر مجھ سے رہائی نہیں ملے گی

وہ گھمبیر آواز میں بولتے اس کی دھڑکنوں کو چھوڑتے اس کی گردن پر جھکتے اس پر تھوڑا سا رحم کھا گیا تھا۔ عابیر نے گہرے سانس لیتے روہانسے ہوتے "سفاک گلاب" اس کا بولا گیا لفظ بے آواز دہرایا تھا۔ اسے یہ اسفند کا دیا گیا یہ نام بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

اسفند عابیر کے ساتھ حویلی کے لاونج میں داخل ہوا تو امینہ خانم روزینہ خانم بہارے شہرام خان اپنی اپنی نشستوں سے کھڑے ہوے تھے۔ زاران خاموشی سے انھیں دیکھتے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

اسلام و علیکم۔ اسفند نے سب کو دیکھتے سلام کیا۔ عابیر رات والے ڈریس میں ملبوس تھی۔ نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔ کندھوں پر اسفند کی براؤن شال اوڑھے ہوے تھی۔ اسفند کے مضبوط ہاتھ میں عابیر کا ہاتھ تھا جو اس نے اندر داخل ہوتے چھوڑا نہیں تھا۔ عابیر سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے کھڑی تھی

کیسی ہیں مورے ؟؟ اسفند نے آگے بڑھتے رقیہ خانم کو اپنے سینے سے لگایا۔

ہم ٹھیک ہیں تم کیسا ہے تم امریکہ نہیں جارہا تم واپس آگیا ہے۔ رقیہ خانم نے اسفند کے چہرے کو چھوتے بے یقینی سے پوچھا۔

نہیں مورے میں کہیں نھیں جارہا۔ اب ادھر حویلی ہی رہوں گا۔ اسفند رقیہ خانم کی پیشانی چومتے ہوے بولا۔ رقیہ خانم اس کے سینے سے لگے رو پڑی تھیں۔

اسلام و علیکم لالا۔۔ بہارے خوشی سے چہکتے اسفند کے سینے سے لگی۔

کیسا ہے میرا بیٹا؟؟ اسفند نے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھا۔

لالا آپ کو ادھر دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں کہا۔ اسفند اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ گیا۔

امینہ خانم نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسفند کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔۔ عابیر اور اسفند کو ایک ساتھ دیکھتے ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

شہرام بہرام کو سینے سے لگائے سنجیدہ نظروں سے عابیر کو دیکھ رہا تھا شہرام کے سنجیدگی سے دیکھنے پر وہ گھبراتے ہوے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ کل تک اس نے اسفند کو معاف نہ کرنے کی رٹ لگائے ہوے تھی۔ آج وہ

اسفند کی سنگت میں نظریں جھکائے کھڑی تھی۔اسے شہرام سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔وہ اسفند کو پھر سے کچھ کہہ نہ ڈالے۔

اسفند عابیر کی جھکی نظریں اور اس کا کپکپاتا بدن دیکھتے عابیر کا ہاتھ پکڑے شہرام کی طرف بڑھا تھا۔اس سے بہرام لیا۔

کیسا ہے میرا بہرام؟؟۔۔اسفند نے مسکراتے ہوے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو سالے صاحب؟؟عنقریب تمھیں ماموں بنانے کی خوشی دینی ہے۔مجھے یقین ہے تمھیں ایک ساتھ دو دو بچوں کا ماموں بناؤں گا۔کیونکہ رات کچھ زیادہ ہی محنت کر چکا ہوں۔

اسفند نے شہرام کی طرف جھکتے سرگوشی کی۔۔عابیر کے کان میں اسفند کی سرگوشی سنائی دے چکی تھی۔عابیر کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔اسے یقین نہیں آرہا تھا اسفند اتنی بے باک بات بھی کر سکتا ہے۔

شہرام نے عابیر کی سرخ رنگت دیکھتے غصے سے لب بھینچے تھے۔اسفند یار خان کی یہ فضول بات اسے ناگواری میں مبتلا کر چکی تھی۔وہ جانتا تھا وہ اسے ذو معنی انداز میں بہت کچھ جتا رہا تھا۔وہ نہ بھی جتاتا اپنی بہن کی جھکی نظریں اور اس کے چہرے پر بکھرے گلال دیکھتے وہ سمجھ چکا تھا۔اپنی عابی کی خوشی سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

شہرام نے عابیر کی طرف بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

عابیر جلدی سے شہرام کے سینے سے لگی تھی۔

لالا مجھے لگا آپ خفا ہوں گے مجھ سے۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں کہا۔

تم خوش ہو تو مجھے تمھاری خوشی سے کچھ عزیز نہیں عابی۔۔ میری پرسنلی دشمن کبھی بھی اسفند لالا سے نہیں رہی۔ شہرام خان نے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے کہا۔

تھینکیو لالا۔۔۔ عابیر اپنے آنسو صاف کرتے ہوے بولی۔

اسفند عابیر کی کلائی پکڑے اسے شہرام کے سینے سے علیحدہ کر چکا تھا۔ عابیر اس کی حرکت پر خفت زدہ ہوئی تھی شہرام نے اسفند کو گھور کر دیکھا۔

رقیہ خانم گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔ عابیر کے لیے ان کا دل نرم نہیں ہوا تھا۔ مگر اسفند کے لیے انھیں ہر قیمت پر اسے برداشت کرنا ہی تھا۔

زاران بھی اسفند کی حرکت پر لب بھینچ گیا تھا۔ وہ عابیر کو لے کر پوزیسو ہے اسے اندازہ تھا۔ مگر شہرام کے حصار سے عابیر کو کھینچنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ شہرام اسفند سے بہرام کو پکڑتے بہارے کو اشارہ کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بہارے گلابی ہوتی لب کاٹتے کمرے میں جانے کی بجائے کچن کی طرف بڑھی تھی۔۔ شہرام نے اسفند کے سامنے اسے جانتے بوجھتے ذو معنی اشارہ کیا تھا۔ جس کے باعث اسفند کے سامنے اسے کمرے مین جانا خفت و شرم میں مبتلا کر رہا تھا۔

شہرام کے اشارے پر اسفند کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ یہ بھی دیکھ چکی تھی۔

اسفند نے ناگواری سے شہرام کی پشت کو دیکھا تھا اسے شہرام کا یہ فضول سا اشارہ بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

زاران صوفے پر ان دونوں کو دیکھتے تاسف سے سر ہلا رہا رہا۔ وہ دونوں کے درمیان شاید یہ سرد جنگ یونہی چلنی تھی۔۔

اسفند عابیر کی کلائی پکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ وہ زاران کو مکمل اگنور کیے ہوے تھا۔

اسفند لالا۔۔۔ عابیر نے اپنی کلائی چھڑوائی تھی۔ کوئی ضرورت نہیں اس کے کمینے سالے کے پاس جانے کی۔ اسفند زاران کو گھورتے دبی آنداز میں غرایا تھا۔ زاران اسفند کا تپا ہوا چہرہ دیکھتے مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

اسفند اچھا نہیں لگتا لالا کیا کہیں گے۔ میرے لالا ہیں وہ۔ ملنے دیں پلیز۔ عابیر نے روہانسے ہوتے منت کی۔۔

زاران یہ دیکھتا صوفے سے اٹھتے عابیر کی جانب بڑھا۔۔

عابیر اپنی کلائی چھڑواتی زاران کی طرف بڑھی۔ زاران اسے سینے سے لگا گیا تھا۔

میری گڑیا میری جان میرا بچہ۔۔۔ میرا سب کچھ۔۔ زاران اس کے بالوں پر لب رکھتے ہوے بولا۔

لالا آپ کو پتہ تھا میں اسفند کے ساتھ تھی مجھے رحیم کاکا اپنے ساتھ گیسٹ ہاؤس لے کر گئے تھے۔

میرا بچہ۔۔ میں کبھی تم سے غافل نہیں رہا۔ کچھ غلطیاں ہوئی ہیں۔ اس کے لیے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ اپنے لالا کو معاف کر دو۔۔ زاران نے سنجیدگی سے کہتے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔ ایسے مت کہیں لالا آپ سے اچھا لالا کوئی نہین۔۔ عابیر نے زاران کے سینے پر لب رکھے۔۔

اسفند یہ دیکھتے اپنی پچھلی گردن رب کرتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ وہ اسے کسی کے حصار میں برداشت نہیں کر سکتا تھا یہ بھی جانتا تھا اس کی سفاک پٹھانی زاران سے بے حد محبت کرتی ہے۔ مگر وہ ان بھائی بہن کی محبت سے جیلس ہوتا تھا۔ اسفند کی آنکھوں میں جلن اور بے بسی دیکھتے زاران نے اسے آنکھ ونک کی۔

اسفند نے لب بینچتے اپنا غصہ برداشت کیا۔

زاران نے اب عابیر کے ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلیاں چومیں تھیں۔

عابیر مجھے کافی چاہیے جاؤ میرے لیے کافی لاؤ۔ اسفند نے اب کی بار جھنجھلاتے ہوئے حکمیہ لہجے میں کہا۔

زاران مسکراتے ہوے عابیر کو اپنی بانہوں سے آزاد کر چکا تھا۔ اسفند کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔

جی۔۔۔ عابیر اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی۔ اسفند نے آگے بڑھتے زاران کو گھورتے ہوے دیکھا۔۔

کیا آرادہ ہے میری جان؟! اگر پنچ مارنے کا ہے تو ہاتھ ہولا رکھ لینا۔ آگے جبڑہ بہت دکھ رہا ہے۔۔ تجھ سے پہلے بڑا گہر اوار کوئی کر چکا ہے۔ زاران نے اپنا جبڑہ سہلایا تھا۔

کون ہے وہ؟؟ اسفند نے زاران کے ہونٹ پر زخم دیکھتے لب بھینچے پوچھا۔

تیرا باپ ایس پی درخزئی خانزادہ۔۔۔ درخزئی کی اونچی ہانک پر اسفند نے اس کی طرف بڑھتے اسی لمحے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا۔

درخزئی نے کراہتے ہوے اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کیا۔

دوست ہے میرا وہ جان سے بڑھ کر عزیز ہے وہ مجھے !! تیری ہمت کیسے ہوئی اسے مارنے کی۔ اسفند غرایا تھا۔

وہ دوست ہے تو پھر میں کون ہوں۔ درخزئی نے اسفند کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے تحیر سے پوچھا۔

تو ایس پی درخزئی خانزادہ۔۔۔۔ زاران نے آگے بڑھ کر ٹکڑا لگاتے اسے آنکھ ماری۔ درخزئی کے تاثرات پر اسفند اور زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا

دونوں ہی کمینے ہو۔۔ ایسا چارج شیٹ بناؤں گا تم دونوں اپنی اپنی ضمانت نہیں کرواسکو گے

درخزئی انھیں گھورتے ہوے دھمکی دی۔

ارے میری جان درخزئی خان۔۔ تیرا تبادلہ ایسی جگہ کرواؤں گا تو اپنی پشتوں کو روئے گا۔ نکاح پھر بھول جانا۔۔

زاران نے جو ابا اسے دھمکی دیتے اس پر اپنے منسٹر ہونے کی دھونس جمائی تھی۔

دونوں کمینے ہو۔۔ درخزئی ان دونوں کو گھورتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زاران اور اسفند کے بلند و بانگ قہقے گونجے تھے۔

تو نے مار کیسے کھالی منہ کیوں نہیں توڑا اس کا۔۔ اسفند نے اب زاران کو گھورا تھا۔

تجھے لگتا ہے میں نے کچھ نہیں کہا ہو گا اسے۔۔ مگر میں نے بات ہی ایسی کر دی تھی۔اس نے جبڑہ ٹوڑا ہے سمجھ بچت ہو گئی میری۔۔ورنہ قتل کرنے کا آرادہ رکھتا تھا وہ میرا۔زاران ذو معنی آنداز میں بولا تھا۔

ایسا کیا کہہ دیا تھا تو نے ؟!اسفند نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

بتاؤں گا تمھیں۔پہلے گلے تو لگ۔۔زاران آگے بڑھتے اسے گلے سے لگا گیا تھا۔

سالے کمینے تو نے میرا پتہ تک نہیں کیا۔اسفند نے گلے لگتے شکوہ کیا۔

کیوں پتہ نہیں کیا؟؟ابھی تک نہیں سمجھا۔زاران نے الگ ہوتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

سالا اصل والا کمینہ ہے تو۔۔۔اسفند گہرا مسکرایا تھا۔

اس درخزئی کی کلاس اکٹھے جا کر لیں۔۔ اکٹھے پنچ ماریں گے جبڑہ ٹوٹ جائے گا اور منتقم مزاج بندے کا بدلہ بھی پورا ہو جائے گا۔ زاران سنجیدگی سے کہتے درخزئی کے کمرے کے جانب بڑھا۔ اسفند بھی مسکراتے ہوئے زاران کے ہمقدم ہوا تھا۔

ارحام۔۔۔ حور نے گہری ہوتی سانسوں سے ارحام کو پکارا۔

کام ڈاؤن میری جان۔۔۔ وہ اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے اسے پر سکون کرتے اپنی شدتیں مزید بڑھانے لگا تھا۔

جنھیں سہتے سہتے وہ بے حال ہو چکی تھی۔ یکدم کمرے میں گونجتی معنی خیز ساز کے ساتھ ارحام کے موبائل کی چنگاڑتی اواز گونجی۔ ارحام نے ڈسٹرب

ہوتے اپنا موبایل اٹھاتے بند کرنا چاہا تھا۔ سکرین پر جگمگاتا نام دیکھ کر وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ حور نے تحیر سے ارحام کو دیکھا جو اتنے نازک لمحات میں اس سے الگ ہو چکا تھا۔

ارحام نے کال یس کرتے فون کان سے لگایا۔ فون پر ملنے والی خبر سے اس کی رنگت سرخ ہوئی۔ اس کے ہاتھ کی مٹھی بھنچی تھی۔

تمام گارڈز ریڈی کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں آرہا ہوں۔ ہاں ابھی نکلیں گے۔ حور نے اپنا بلیک گاؤن پہنتے ہوے گہرے سانس لیتے ارحام کو حیرت ہوا استعجاب سے دیکھا۔

ایسا بھی کیا ہوا تھا وہ اتنی رات کو اس وقت اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

ارحام اپنی شرٹ پہنتے بیڈ سے اترا۔ وہ اس وقت بلیک ٹراوزر بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔

حور اسے تحیر نگاہوں سے پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ جو اپنا موبائل اپنے پینٹ کی پاکٹ میں ڈالے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔

حور اب گھبراتے ہوے بیڈ سے اٹھی تھی۔ حور لب کاٹتے کھڑی تھی وہ بلیک لیدر جیکٹ پہنے ڈریسنگ روم سے نکلا تھا۔

وہ اپنے بھاری قدموں سے حور کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے میں بھینچ چکا تھا۔۔

میرا انتظار کرنا حور۔۔۔اور پریذے کا خیال رکھنا۔ خدا کے بعد پریذے تمھارے حوالے۔۔ ارحام کی بات پر حور نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

کیا ہوا ہے ارحام؟؟ حور نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

کچھ نہیں ہوا اتنا جان لو حور۔۔ ارحام خانزادہ اگر کسی عورت کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا جا سکتا ہے وہ صرف تم ہو۔۔ اور تمھیں تکلیف پہنچانے والوں کے لیے میں بارود کا گولہ ہوں۔ جو پھٹتے ہوئے اپنے ساتھ بہت سے لوگوں کو اپنے لپیٹ میں لیتے ان کے چھیتڑے اڑا دیتا ہے۔۔

مجھ پر اتنا کرم کرنا میرے مرنے کے بعد بھی صرف میری رہنا۔ مرنے کا اگر غم ہوا تو صرف یہی ہو گا میری خوبصورت بیوی پر سے میرا حق ختم ہو جائے گا۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے جنونی کیفیت سے بول رہا تھا۔

ارحام۔۔۔حور نے اس کی باتوں پر روہانسے ہوتے اسے پکارا۔

یکدم ارحام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔مذاق کر رہا ہوں جان۔۔کل رات تمھاری جدائی میں ایک مووی دیکھی تھی۔اسی کے ڈائیلاگ ہیں۔میری امپورٹنت میٹنگ ہے۔۔مجھے نکلنا ہو گا۔اپنا اور پریذے کا خیال رکھنا۔ارحام اس کا چہرہ تھامے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔وہ کتنی دیر ہی حور کی پیشانی پر اپنے لب رکھے کھڑا رہا تھا۔

حور حیرانگی سے اس کا دہکتا تڑپتا لمس اپنی پیشانی پر محسوس کر رہی تھی۔۔

ارحام اس سے الگ ہوتے ایک بار پھر سے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے سینے میں بھینچ چکا تھا۔

حور اس کے سینے سے لگے اس کی دھڑکنیں سن رہی تھیں۔ جو آج بہت شدت سے دھڑک رہی تھی۔ ارحام اسے خود سے الگ کرتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے کی طرف بڑھا۔

پریذے سے نہیں ملیں گے۔ حور کی بات پر اس کے قدم رکے تھے۔

تم میرے لیے پریذے کی طرح ہو۔ مگر یہ سچ نہیں ہے بہت فرق ہے تم میں اور پریذے میں۔۔۔

تمھیں جاتے ہوے دیکھ سکتا ہوں۔ چھو سکتا ہوں۔ مگر اسے نہ چھو سکتا ہوں نہ دیکھ سکتا ہوں۔۔ ارحام کہتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

حور گہرے سانس لیتے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہو رہی تھیں۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ایسی کونسی میٹنگ تھی جو اسے آدھی رات کو قربت کے لمحات میں پیچھے ہٹنا پڑا۔۔

وہ مر سکتا تھا قربت کے لمحات میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اسے تو آج تک یہی لگا ارحام خانزادہ کی زندگی میں صرف رومانس سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ایک میٹنگ کے لیے وہ اسے اور پریذے کو چھوڑ کر چلا گیا۔

حور کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

میٹنگ کے لیے وہ مجھے اور پریذے کو چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ مجھ سے ان لمحات میں دور ہو گیا۔ ایک میٹنگ کے لیے۔۔

حور خود سے بولتی بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے رونے لگی تھی۔

آہل زاران درخزئی اس وقت مردانے کے مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔۔رات کے ڈنر کے بعد باقی سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے ۔آہل کو زاران نے بلوایا تھا۔

آہل تحیر بھری نگاہوں سے زاران کو دیکھتے درخزئی کو دیکھ رہا تھا۔زاران نے اس سے جو کچھ تھوڑی دیر پہلے کہا اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

آہل ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟؟تم نے جواب نہیں دیا میری بات کا۔زاران نے آہل کی الجھن بھری نگاہوں میں دیکھتے ہوے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

زاران بھائی عنائیہ کا رشتہ میں طے کر چکا ہوں اپنے ایک دوست کے ساتھ ۔وہ امریکہ میں ہی رہتا ہے۔اور عنائیہ اسے پسند بھی کرتی ہے۔آہل

سنجیدگی سے کہتے اسی لمحے اپنی سٹک پر زور ڈالتے اپنی جگہ سے اٹھتے مہمان خانے سے نکل گیا تھا۔

زاران نے گہری سانس لیتے اپنے سامنے بیٹھے درخزئی خانزادہ کو دیکھا۔ جو اپنی مٹھیاں بھینچتے کھولتے ہونٹوں کو اسکیڑتے سانس اندر باہر نکالتے خود کے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ اسکی گردن اور ماتھے کی پھولتی رگیں اس کے اندر اٹھتے جلتے بھانبڑوں کو واضح کر رہے تھے

ریلیکس درخزئی۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے مجھے لگ رہا آہل جھوٹ کہہ رہا ہے۔

زاران نے اسے کام ڈاؤن کرنے کی کوشش کی۔

درخزئی نے اپنے پاس پڑی ٹیبل پر پڑے کانچ کے شوپیس کو اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر مار دیا تھا۔

درخزئی۔۔۔زاران نے اسے غصے سے پکارا۔ جو بڑے سے ڈرائینگ روم میں اب اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے چکر لگا رہا تھا۔

جانتا ہوں زاران!!وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ پولیس والا ہوں۔ اگلے کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا جھوٹ سچ پکڑ لیتا ہوں۔ وہ ایک ایک لفظ جھوٹ بول کر گیا ہے۔ درخزئی نے رکتے ہوے لب بھینچے کہا۔

پھر مسلہ کیا ہے؟؟اتنا غصہ کیوں آرہا ہے؟؟اس لیے کہ اس نے تمھیں انکار کر دیا۔ جو تمھاری مردانہ آنا پر وار کر گیا ہے کہ درخزئی خانزادہ کو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ زاران نے آئی برو اچکائے استفسار کرتے طنز کیا۔

نہیں اتنی چھوٹی سوچ نہیں ہے میری۔ نہ ہی میں خود کو کوئی توپ چیز سمجھتا ہوں۔ نہ یہ کہ عنائیہ کے گھر والوں کو حق نہیں انکار کرنے کا۔ مگر آہل انکار کرنے کی ٹھیک وجہ بھی تو بتا سکتا تھا۔ برداشت نہیں ہوئی اس کی

بات۔۔سیدھا یہاں لگی! درخزئی نے اپنے سینے پر مکہ پوری قوت سے مارا تھا۔یہاں آگ لگ گئی یہاں کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔برداشت نہیں ہوا یار۔۔درخزئی اپنے سینے پر دو تین مکے مارتے ہوئے زخمی سے لہجے میں بولا۔

سمجھ نہیں آرہا ایک 16 سال کی لڑکی کیسے میری کمزوری بن سکتی ہے؟؟یہاں نظریں دھوکہ کھا گئی پہچان ہی نہ سکا کہ وہ 16 سال کی ہے۔دماغ بند ہو گیا لگا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

جب تک سچ مجھ پر اشکار ہوا۔وہ دل و دماغ پر قابض ہو چکی تھی۔عزت سے اسے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔نہیں آؤں گا اس کی عمر اس کے کسی سپنے کے بیچ میں۔وہ صرف میری ہو جائے مجھے اس سے اور کچھ نہیں چاہیے۔درخزئی

جذب کی کیفیت سے بولتا صوفے پر بیٹھے اپنے ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے اپنی سرخ آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھ گیا۔

بس کر دے پگلے رلائے گا کیا؟؟ زاران درخزئی کی حالت دیکھتے مسکراہت دبائے شرارتی انداز میں گویا ہوا۔

بکواس بند کر اپنی!! میرا دکھ نہیں سمجھ سکتا تو اپنی خبیث شکل لے کر گم ہو جا۔ درخزئی دبی آواز میں زاران کے چہرے پر شرارت دیکھتے پھنکارا۔

زاران مسکراتے ہوے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔ درخزئی زاران کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

زاران نے ٹیبل سے اپنا موبائل پکڑے ارحام کا نمبر ڈایل کرتے فون کان سے لگایا۔ نمبر آوٹ آف ریچ آرہا تھا۔ وہ ٹیبل پر فون پٹختے پریشانی سے

جبڑے بھینچ گیا۔ ارحام بنا بتائے حویلی سے چلا گیا تھا۔ زاران تب سے ہی مسلسل وقفے وقفے سے فون کر رہا تھا جو آؤٹ آف ریچ آ رہا تھا۔

کہاں ہیں لالا؟؟ آپ کی ضرورت ہے۔ زاران بڑبڑاتے ہوئے گہرا سانس لیتے صوفے سے ٹیک لگائے اگلا لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔

زاران، زحلے، آہل اور ابرش کے ساتھ زنان خانہ میں بنے ایک طرف سٹنگ ایریا میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بہت سوچ کر سب کو درخزئی کے حق میں منانے کا فیصلہ کیا تھا۔

درخزئی جذبات میں آ کر کچھ غلط کرے۔ وہ اس سے پہلے اس کے حق میں سب کو ہموار کرنا چاہتا تھا۔

ارحام کے والدین کی جس گاڑی میں ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اسی میں درخزئی کی چھوٹی بہن جو فرشتے کی دودھ شریک تھی۔ وہ اور اس کے ماں باپ بھی موجود تھے۔ وہ سب ہی موقع پر جاں بحق ہو گیے تھے۔ وہ تب بورڈنگ میں تھا۔۔ تب سے وہ لوگ ہی اس کا سب کچھ تھے۔ وہ زیادہ تر بورڈنگ ہاسٹل میں ہی رہا۔ کبھی کبھار حویلی آتا تھا۔ وہ اسے اس سچویشن میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ عنائیہ کے لیے اس کے جذبات بہت سچے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔ اس لیے وہ آخری دم تک امید نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

آہل خاموشی سے سر جھکائے زاران کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔

زحلے اور ابرش سامنے صوفے پر بیٹھی تھیں۔

پھوپھو عنائیہ کے لیے درخزئی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں آپ سب کو۔۔۔ درخزئی کی بہت اچھی جاب ہے۔ وہ اکلوتا

اپنی تمام زمین و جائیداد کا وارث ہے۔ ہر لحاظ سے وہ عنائیہ کے لیے پرفیکٹ چوائس ہے۔

وہ صرف عنائیہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ رخصتی جب آپ لوگ چاہیں گے تب ہی ہو گی۔۔ میرا یقین کریں پھوپھو عنائیہ درخزئی کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔ مجھے یقین ہے آپ میرا مان نہیں توڑیں گی۔ زاران اپنے سامنے صوفے پر بیٹھی زحلے سے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ ابرش زحلے کے ساتھ پرپل کلر کی لانگ گرم فراک میں ملبوس صوفے پر بیٹھی تھی۔ جس پر پرپل کلر کی گرم مرینہ شال اوڑھ رکھی تھی۔ اس وقت وہاں آہل زاران اور زحلے ہی تھے۔ اس لیے شال ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔ براؤن سلکی بالوں کو پنز لگا کر قید کیا ہوا تھا۔ سینٹر سے پن لگا کر باقی بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ ہونٹوں پر پنک گلوز لگا رکھا تھا۔ رات کا ٹائم تھا۔ وہ روز زاران کے

لیے اتنا ہی تیار ہوتی تھی۔ بلکہ سارا دن ہی وہ اتنا تیار رہتی تھی۔ ابھی وہ اسے بے حد سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

زاران نے ابرش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں شال سے خود کو کور کرنے کو کہا۔ بے شک وہاں آہل ہی تھا مگر اسے وہ کسی کے سامنے ایسے گوارا نہ تھی۔ دوسرا وہ اپنی خوبصورتی اپنی نازکی سے اسے انٹرپٹ کر رہی تھی۔ وہ ڈسٹریکٹ ہو رہا تھا۔ وہ لمحہ بالمحہ دن بدن اس کے حواصوں پر سوار ہو رہی تھی۔

زاران کی آنکھ کا اشارہ وہ سرے سے اگنور کر گئی تھی۔ بلکہ وہ اب اسے مکمل اگنور کیے زحلے اور آہل کو سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔۔ عارض دہک کر آنار ہو رہے تھے۔ وہ کافی غصے میں لگ رہی تھی۔

کیا کہتے ہو آہل؟؟زاران ابرش کو اگنور کیے آہل کی طرف متوجہ ہوا۔زاران بھائی آپ اتنے مان سے کہہ رہے ہیں۔میں آپ کو منع نہیں کرنا چاہتا مگر وہ ابھی چھوٹی ہے۔آہل اہستگی سے بولا تھا۔ابرش اس کی آواز میں پسپائی محسوس کرتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

پھوپھو آپ کیا کہتی ہیں؟!زاران زحلے کی طرف متوجہ ہوا۔جن کے چہرے پر آمادگی کے واضح رنگ تھے۔

زاران بیٹا مجھے لگتا ہے عنائیہ کے لیے فیصلہ تم سے بہتر کوئی نہیں لے سکتا۔زحلے نے اثبات میں سر ہلاتے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ابرش لبوں پر انگلیاں رکھتے زحلے کو دیکھتے سر نفی میں ہلاتے استھزائیہ ہنسی تھی۔

ابرش کے ہنسنے پر آہل اسے دیکھتے نظریں چرا گیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران نے لب بھینچے ابرش کو دیکھا جس کا ایٹیٹوڈ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

مسٹر خانزادہ!! مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔ درخزئی آپ کے نزدیک بیسٹ چوائس ہو سکتا ہے۔ وہ ہو گا بھی مگر مجھے اپنی بہن کے لیے وہ انسان قبول نہیں۔ ابرش صوفے سے اٹھتے ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولی۔

ابرش۔۔ میں ماں ہوں عنائیہ کی۔ میں اس کے لیے یہ رشتہ قبول کر چکی ہوں۔ زحلے زاران کو ایک نظر دیکھتے ابرش کی طرف متوجہ ہوتے سختی سے بولیں۔

آپ کس چکر میں اس کی ماں ہو گئی۔۔ماں میں ہوں اس کی ماما۔وہ زحلے کو دیکھتے دبی آواز میں چیخی تھی۔

میں ماں ہوں آہل عنائیہ کی!!میں ماں ہوں۔پیدا کرنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتا۔۔ایک سال چھوٹا ہے آہل مجھ سے۔۔چار سال کا تھا اس کے فیڈر تک تیار کیے ہیں میں نے۔۔پانچ سال کی ہو کر اسے اپنے سینے پر سلایا ہے۔اسے اپنے حصے کا کھانا کھلایا ہے۔پانچ سال کی تھی آہل کی ماں بنی اور دس سال کی عنائیہ کی ماں بن گئی۔ایک دن بتائیں آپ نے عنائیہ کا فیڈر بنایا ہو۔اس کے ڈایپر چینج کیے ہو۔اسے اپنے ساتھ سلایا ہو۔اس کی سکولز کی فیسیں بھری ہوں۔اس کی کوئی پریشانی اس کی کوئی تکلیف سنی ہو۔اسے کب بخار ہوا۔وہ کب بڑی ہوئی آپ کو پتہ چلا کیا؟؟۔اپ کو پتہ ہے ہر مہینے

وہ

crapms

پر مرنے والی ہو جاتی ہے۔ وہ راتیں جاگ کر میں اس کے ساتھ گزراتی ہوں۔ امریکہ میں زاران کی جدائی میں

مرتے ہوے بھی میں اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ آپ کو تو پتہ بھی نہیں ہو گا یہ سب کچھ۔۔ اسے چھوڑیں میں بڑی ہوئی آپ کو پتہ چلا۔ مجھے کیا ضرورت ہے کیا نہیں اپ نے کبھی میری ضرورت پوری کی ماما۔ ابرش نے زحلے کو دیکھتے سوال کیے۔ آہل گہرے سانس لیتے نظریں جھکائے ہوے تھا۔

زحلے بھی نظریں جھکائے ہوے تھی۔

زاران اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے اپنی بیوی کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

جب یہ سب نہیں کیا آپ نے !!تو کیسے اس کی ماں ہو گئی ؟!۔اس کی ماں میں ہوں سنا آپ نے میں ہوں ماں اس کی۔اور عنائیہ کے لیے درخزئی کے رشتہ سے میں انکار کرتی ہوں۔ابرش زحلے کو دیکھتے گہرے سانس لیتے سپاٹ سرد لہجے میں بولتے دبی آواز میں چیخی تھی

زاران اپنی گھنی بئیرڈ اپنی انگلیوں سے سہلاتے اپنی بیوی کو گہری نگاہوں سے دیکھے جارہا تھا۔جس کے انداز و اطوار میں اس سے نکاح سے پہلے والی ابرش کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

ابرش۔۔۔آہل اسے نرمی سے پکارتے سٹک کے سہارے صوفے سے کھڑا ہوا۔ابرش کو خود سے ناراض وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔جان بستی تھی اس کی اپنی جذباتی بہن میں۔

مت نام لو میرا آہل۔۔کس بات پر سر جھکائے بیٹھے تھے تم۔

مسٹر خانزادہ کے احسان تمھیں سر اٹھانے نہیں دے رہے تھے کیا؟ اگر ایسا ہے تو خود کی قربانی دو۔ عنائیہ کی دینے کی ضرورت نہیں سمجھے تم۔ ابرش غصے سے چلائی تھی۔

ابرش!! آہل نے پریشانی سے بے بسی اسے پکارا۔

اس سٹک کو اپنی کمزوری مت بناؤ آہل!! یہ کمزوری نہیں ہے۔

بھائی ہو تم میرے اور عنائیہ کے۔۔ بھائی سر نہیں جھکاتے نظریں اٹھا کر اپنی بہنوں کے محافظ بنتے ہیں۔ عنائیہ چھوٹی ہے۔ بس یہ ہے وجہ تمھارے پاس انکار کی۔ عنائیہ کی مرضی کہاں ہے آہل؟؟ اس کی مرضی جانے بغیر تمھاری آواز کیسے لڑکھڑا سکتی ہے۔ تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ ابرش آہل کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔ آہل اب نظریں جھکا گیا تھا۔

مسٹر خانزادہ مجھے یہ پرپوزل قبول نہیں ہے۔ اپنے دوست ایس پی کے لیے اس کی ہم عمر اور یہاں کی کوئی لڑکی ڈھونڈ لیں۔

Perfect match each other!!

ابرش سنجیدگی سے کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

زاران نے تنے ہوئے نقوش کے ساتھ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

آہل پریشانی سے صوفے پر بیٹھا۔ زحلے اپنی چادر سے اپنے آنسو صاف کرتے کمرے میں رکھی اپنی میڈیسن کی طرف بڑھی تھیں۔ ابرش کے سوالوں سے انھیں اپنے جسم کے ہر حصے میں درد اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بچوں سے بہت زیادتی کر چکی تھیں۔ انھیں شدت سے احساس تھا۔ مگر افسوس وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

زاران سنجیدگی سے اپنی شال گلے میں جھٹکتا سٹنگ ایریا سے نکلتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو ابرش غصے سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ زاران کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

مسٹر خانزادہ!! آپ کیسے عنائیہ کے لیے درخزئی کا پرپوزل ایکسیپٹ کر سکتے ہیں؟!۔ ابرش اس کے مقابل آتے غصے سے لفظ چباتی بولی۔

یہ بات کرنے کا کونسا طریقہ تھا ابرش؟؟ سب کے سامنے تم مجھ سے ایسے بات کرو گی اب؟؟ زاران نے اس کا سوال اگنور کیے سنجیدگی سے استفسار

کیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے اس نکاح کے بعد اس لب و لہجے میں سب کے سامنے بات کی تھی۔

کس طرح بات کی ہے بتائیں مجھے مسٹر خانزادہ؟

آپ کی مردانہ آنہ کو ٹھیس پہنچی ہے میں نے آہل اور ماما کے سامنے انکار کیا۔ کیونکہ آپ میرے شوہر ہیں۔ تو کیا آپ نے پہلے مجھ سے بات کی اس بارے میں؟؟۔ اگر آپ مجھ سے پہلے بات کرتے میں اس بند کمرے میں آپ کو انکار کر دیتی۔ آپ کو سب کے سامنے مجھے انکار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس میں بھی غلطی آپ کی ہے۔ میری نہیں۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے بولتے بیڈ کی جانب بڑھی تھی کہ زاران اس کی کلائی پکڑے اپنے قریب کر گیا۔

اوکے !! یہ میری غلطی تھی۔ مان لیتا ہوں۔ مگر تم جس حلیے میں وہاں سے آئی ہو اس کے بارے میں کیا کہو گی ؟؟ زران نے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے سرد لہجے میں استفسار کیا

کس حلیے میں آئی ہوں۔ ابرش نے جواباً غصے سے پوچھا۔

ابرش غصہ اپنی جگہ آئیندہ میں کبھی تمھارے کھلے بال نیچے نہ دیکھوں ۔۔۔ نہ ہی شال سر سے اتری دیکھوں۔ درخزئی اسفند شہرام حویلی میں ہیں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا اگر غلطی سے بھی کسی کی تمھارے بالوں اور تمھارے وجود پر نظر پڑے۔ زاران نے اسے کمر سے جکڑے سرد تنبیہ انداز میں وارن کیا تھا۔ زاران کے سرد لب و لہجے پر پر ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

گڈ!!اب مجھے بتاؤ کیا اعتراض ہے تمھیں؟!زاران نے ایک ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوئے سنجیدگی سے پوچھا۔وہ اسے اس وقت ایسے غصے میں بے حد کیوٹ لگ رہی تھی۔وہ غصے میں بھی اس سے بدتمیزی نہیں کرتی تھی۔اپنی بیوی کی بہت سی باتوں میں وہ اس کی اس بات کا بھی دیوانہ تھا۔وہ بدتمیز نہیں تھی۔

اعتراض کے لیے آپ کا رویہ ہی کافی ہے جو آپ میرے ساتھ اپنائے رکھتے ہیں۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے جواب دیا۔

وہ یہ جواب کی توقع نہ رکھتا تھا۔اس لیے چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔

ہمممم۔۔۔۔۔۔اوکے۔۔۔زاران نے اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھتے ہنکار بھرتے انگشت شہادت سے اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے اسے اپنے حصار سے

آزاد کیا۔ ابرش اسے دیکھتے طنزیہ مسکراتی ہوئی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی پچھلی گردن رب کرتے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا باڈی سپرے غصے سے زمین پر اٹھا کر دے مارا تھا۔

اب اس کی بیوی کو اس سے کیا مسلہ تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جو وہ چاہتی تھی وہ سب کچھ تو وہ کر رہا تھا۔ اسے اب ابھی اس سے شکوے ہوں گے ۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ زاران غصے سے ڈریسنگ مرر میں چند منٹ دیکھتا رہا۔

پھر وہ جھنجھلاتے ہوئے غصے سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

ابرش نے اپنی ابھی شرٹ ریموو ہی کی تھی زاران کو ڈریسنگ روم می؟ داخل ہوتے دیکھ کر وہ جلدی سے اپنا نائٹ گاؤن سینے پر رکھتے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی۔

کیا ہوا بیوی؟؟ اتنا شرما کیوں رہی ہو؟! جتنی بے شرم ہو تم تو خود سب کچھ ریموو کرتی ہو۔ زاران اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کرتے اس کی براؤن کانچ سی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے گھمبیر آواز میں بولا۔

اسے ایسے دیکھ کر زاران کی کا لہجہ اور آنکھیں خمار زدہ ہوئی تھیں۔

کب تک طعنے ماریں گے مجھے؟؟ میں اس دن نشے میں تھی۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سلگتے لہجے میں کہا۔

انسان جو ہوتا ہے وہ ہی نشے میں پرٹنٹ کرتا ہے۔ تم بے شرم ہو تو نشے میں کھل کر میرے سامنے آگئی۔ اس رات کے بعد بھی تم قربت کے لمحات میں بھی کوئی شرمیلی بیویوں کی طرح ری ایکٹ نہیں کرتی۔ بھرپور انجوائے کرتی ہو۔ زاران نے اس کی سلگتی آنکھوں میں دیکھتے بے باکی سے آنکھ ماری۔

مسٹر خانزادہ!! ہم عورتوں کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ ہم عورتیں ہیں۔ آپ مردوں کو طلب ہو تو آپ کی محبت آپ کی ضرورت آپ کا حق۔۔

اگر ہم عورتوں کو طلب ہو تو ہماری بے شرمی۔ عورت میں بھی ڈیزائر ہوتی ہے مگر مردوں کو صرف اپنی ضرورت کی فکر ہوتی ہے کہ وہ کتنی شدت سے اپنی طلب مٹاتا ہے۔

مرد بستر پر عورت سے زبردستی کرے۔ وہ رومانٹک اور عورت اپنی اداؤں سے مرد کو بتائے وہ اس کا قرب چاہتی ہے تو وہ آپ مردوں کے نزدیک بے شرم ہوتی ہے۔

مرد اتنا بے حس ہوتا ہے اس کی اداؤں کو بھی اگنور کر دیتا ہے جب اسے عورت کی طلب نہ ہو۔ مگر جب خود کو ضرورت محسوس ہو تو کچھ بھی ہو جائے عورت اسے بستر پر چاہیے ہی چاہیے ہے۔ وہ بھی پورے ٹشن سے۔ ابرش سلگتے لہجے میں لفظ چباتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولی۔

زاران سنجیدگی سے اس کے تپے تپے سرخ چہرے کو دیکھ رہا تھا

اتنا غصہ کیوں آرہا ہے آج تمھیں ؟؟ میں نے کب تمھاری ڈیزائر سے نظریں چرائیں۔ تمھیں بے شرم بیوی بھی صرف اس لیے کہتا ہوں

تمھارے عارض پر گہری ہوتی سرخی مجھے مخمور کرتی ہے تمھاری اس وقت کی شرم وحیا مجھے تمھاری طرف زیادہ اٹریکٹ کرتی ہے۔ ساری دنیا کی شرمیلی عورتیں ایک طرف۔ میرے لبوں سے لفظ بے شرم بیوی سن کر تمھارا سرخ پڑنا ایک طرف۔۔ زاران نے اس کے عارض پر اپنا ہاتھ رکھتے بھاری لہجے میں کہتے اس کی پیشانی پر لب رکھتے وضاحت دی۔

یہاں بھی آپ کی پسند آجاتی ہے مسٹر خانزادہ!! کیونکہ آپ کو میں اٹریکٹ کرتی ہوں۔ کبھی یہ جاننے کی کوشش کی مجھے یہ لفظ آپ کے لبوں سے اچھا لگتا بھی ہے کہ نہیں۔ ابرش استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ابرش کے لفظوں پر زاران کا چہرہ اب سنجیدہ ہوا تھا۔

عورت کی کیا ویلیو آپ کے نزدیک ہے۔ یہاں سے ہی پتہ چلتا ہے مسٹر خانزادہ!! آپ عنائیہ کی مرضی جانے کے بغیر ماما اور آہل کو کنوینس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

درخزئی عنائیہ کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے وہ اسے نکاح میں لینا چاہتا ہے۔ اور آپ نے مرد ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کیسے کر سکتے ہیں آپ؟؟ ابرش چٹختے ہوے بولی۔

کیا برائی ہے درخزئی میں؟؟ زاران نے اب جھنجھلاتے ہوے پوچھا۔

برائی نہ ہونے کا یہ مطلب یہ نہیں مسٹر خانزادہ کہ عورت کے لیے وہ مرد پرفیکٹ ہے جو اسے پسند کر چکا ہے۔ کیوں چاہتے ہیں عنائیہ میری جیسی زندگی گزارے۔۔ ابرش کی بات پر زاران کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

کیسی زندگی گزار رہی ہو تم؟؟ کیا چاہیے تمھیں مجھ سے اور؟؟ میرا وقت میری قربت تمھیں چاہیے تھی دے تو رہا ہوں۔ یہی چاہتی تھی تم کہ میں اس کمرے سے نہ نکلوں۔ پوری کوشش کرتا ہوں اپنا زیادہ وقت تمھارے ساتھ گزاروں۔۔ اور کیا چاہیے تمھیں مجھ سے؟؟ زاران نے غصے سے بے حد سنجیدگی سے استفسار کیا۔

یہی سب کچھ چاہیے آپ سے۔۔ تھینکیو آپ کے وقت کا مسٹر خانزادہ۔۔ آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی میں۔۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔

زاران اس کے طنز پر گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ وہ پیچھے کو ہوتے اپنا غصہ ضبط کرتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا۔

آپ کبھی نہیں جان سکتے مجھے آپ سے کیا چاہیے مسٹر خانزادہ۔۔نشے کی

حالت میں میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ سنا آپ نے۔۔ مگر دل میں اترا وہی لفظ

جو آپ کے مطلب کا تھا۔ قربت دی صرف مجھے۔ اپنا وقت دیا مجھے اور دے

بھی رہے ہیں بستر پر۔۔ مگر مرد قربت کو صرف بستر پر محمول کرتا

ہے۔ میرے لیے آپ کی قربت آپ کے سینے کے ساتھ لپٹنا بھی ہے۔ آپ

کے ساتھ ایک بلینکٹ میں لیٹتے ڈھیر ساری باتیں بھی کرنا ہیں۔ آپ کے

دل کی ہر بات جاننی ہے۔ آپ کتنی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر

آپ کتنے بے قرار ہوتے ہیں آپ کے نزدیک میری کیا ویلیو ہے۔ مجھے آج

تک پتہ نہیں چلا عابیر آپ کی زندگی میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ

میں۔۔ کبھی میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں آپ کا دم نکلے گا کہ نہیں میں

نہیں جانتی۔۔ ان سات مہینوں میں آپ نے مجھے کتنا یاد کیا کتنا تڑپے

میرے لیے مجھے ایک بار نہیں بتایا۔ جتنی بار بے شرم بیوی کہتے ہیں اگر اتنی بار آئی لو یو کہیں گے پھر بھی میرے عارض تپ کر سرخ ہوں گے۔

میں اتنا جانتی ہوں میں آپ کی عزت ہوں جس پر آپ ایک نظر کسی غیر کی برداشت نہیں کر سکتے۔

اگر میرے علاوہ کوئی اور لڑکی آپ کی بیوی ہو۔۔۔وہ بات کرتے کرتے رکی تھی۔ سانسیں گہری ہوئی تھیں۔

مم۔۔۔۔میرا مطلب ہے کہ اپنی۔۔۔بیوی۔۔پر۔۔۔تو کوئی۔۔ بھی مرد ۔۔۔کسی۔۔دوسرے۔۔۔کی۔۔۔نظر۔۔۔برداشت۔۔ نہیں ۔۔کرتا۔اس۔۔کے۔۔لیے۔۔اپنی۔۔۔بیوی۔۔۔سے۔۔۔محبت۔۔ کرنا۔۔ضروری تو نہیں۔وہ اٹک اٹک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے بول رہی تھی۔زاران اپنے لبوں پر انگلیاں جمائے اپنی مسکراہٹ روک گیا تھا۔کسی

اور لڑکی کو اس کا بیوی ہونا کہنا ہی اس کی سانسیں گہری اور آنکھیں گلابی کر چکا تھا۔ وہ اپنے لبوں سے نکلے لفظ برداشت نہیں کر سکی تھی۔

عنائیہ کی بات کرو ابرش اس ٹائم یہ ٹاپک زیادہ ضروری ہے۔ تمھیں ساری زندگی مجھ سے گلے شکوے رہیں گے۔ جو میں کبھی دور نہیں کر سکتا۔ زاران اس کے گرد اپنے ہاتھ جماتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔۔ وہ اپنا گاؤن اپنے سینے پر ابھی تک رکھے ہوے تھی۔

میں شکی عورت نہیں ہوں زاران نہ مینٹلی سک وومین ہوں۔ آپ سب کے رویوں نے مجھے مینٹلی سک وومین بنایا۔

آپ جانتے ہیں آپ کا رویہ مجھے سوچنے پر مجبور کرتا ہے آپ یا تو مجھ سے محبت نہیں کرتے یا پھر میری کی ہوئی غلطیوں کی سزا دے رہے ہیں۔ آپ کی مورے داجی کوئی بھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ اب بتائیں

میں انسکیور نہ ہوں تو کیا کروں۔ ایسا لگتا ہے میں ابھی تک اسی دوراہے پر کھڑی ہوں۔ جہاں آج سے نو ماہ پہلے کھڑی تھی۔ جب آپ کے اور میرے درمیان پلوشہ تھی۔۔ آج بھی کوئی ہے زاران۔۔۔ کچھ تو ہے ہمارے درمیان زاران۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہا۔

زاران نے ہونٹوں کو سکوڑتے سانس باہر نکالتے اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

عنائیہ کی بات کرو مجھ سے !! ابرش یہ زیادہ ضروری ہے۔۔ میں تمھیں ہر سانس کے ساتھ بھی آئی لو یو کہوں گا تمھیں کم لگے گا۔ تم یہی کہو گی سانس لینے کی جگہ بھی مجھے آئی لو یو کہنا چاہیے تھا۔ زاران کی بات پر ابرش کی آنکھوں کی شبنم بڑھی تھی۔ سر نفی میں ہلاتے زاران کو بھیگی آنکھوں سے

دیکھتے مسکرائی تھی۔ وہ اس کی تمام باتیں اگنور کرتے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے اس پر طنز کر رہا تھا۔

عنائیہ کی بات کروں آپ سے تو ٹھیک ہے۔ مجھے عنائیہ کے لیے درخزئی کا پرپوزل قبول نہیں ہے۔ اگر وجہ پوچھیں تو سب سے

main

وجہ عنائیہ خانزادوں کو پسند نہیں کرتی۔ درخزئی ایک خانزادہ ہے۔ دوسری وجہ وہ ابھی چھوٹی ہے۔ میں وقت

سے پہلے نکاح پر یقین نہیں رکھتی۔ تیسری وجہ میں اسے وہ بنتا نہیں دیکھنا چاہتی جو وہ ہے نہیں۔ درخزئی نکاح کے بعد اس پر پابندیاں لگائے گا۔ اسے

پردہ کرنے پر مجبور کرے گا۔ میں نہیں چاہتی وہ یہ سب کرے۔ ابرش نے صاف لفظوں میں زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔۔

پردہ کرنا غلط ہے کیا؟؟ عورت کو قیمتی چیز کی طرح مرد چھپا کر رکھتا ہے۔ تاکہ اس پر کسی دوسرے مرد کی غلیظ نظریں نہ پڑیں یہ غلط ہے کیا تمھارے نزدیک۔ عنائیہ اگر نکاح کے بعد خود کو چھپا کر رکھ لے گی اس کے ساتھ کہاں سے زیادتی ہو گئی۔ تم بھی تو پردہ کرتی ہو دل سے کرتی ہو۔ اس پردے سے تمھیں محبت نہیں ہوئی کیا؟؟

زاران نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

دل سے کرتی ہوں پردہ۔۔۔ مگر کبھی نہیں کرتی تھی۔ آپ کے ڈر سے کرتی تھی پردہ۔۔ وہ وقت میرے لیے اذیت ناک تھا۔ مجبوری میں جو کچھ اپنے پسندیدہ مرد کے لیے کیا جائے وو سانسیں روکنے کا سبب بنتا ہے۔ عنائیہ ناپسندیدہ مرد کے لیے یہ سب کرے گی تو مر جائے گی وہ۔۔ ابرش نے سنجیدگی سے کہتے اپنی بات پر زور دیا۔

نکاح کا دوسرا نام محبت ہے۔۔ اسے بھی ہو جائے گی۔ زاران نے جواباً سنجیدگی سے کہا۔

اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا میں طلاق کی شرح زیادہ نہ ہوتی۔

دل میں ہر کوئی نہیں اترتا۔۔ اگر درخزئی وہ مقام حاصل نہ کر سکا تو؟؟ ابرش نے بھی جواباً سوال داغا تھا۔

سچے عشق کی آنچ مقابل تک پہنچ کر رہتی ہے اگر وہ محرم ہو تو یہ ناممکن ہے ابرش انسان مقابل کی تڑپ محسوس کرتے تڑپے ناں۔۔زاران نے مسکراتے ہوے اس کی بات چٹکیوں میں اڑائی تھی۔

یہ بعد کی باتیں ہیں زاران!!میں عنائیہ کے مقابلے میں رسک نہیں لے سکتی۔۔یہ نکاح نہیں ہو گا۔ابرش نے دوٹوک انداز میں زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اپنا فیصلہ سنایا۔

نکاح نہیں مگنی تو ہو سکتی ہے ناں۔۔۔اگر عنائیہ کو لگا درخزئی اس کے لیے ٹھیک نہیں وہ یہ مگنی توڑ سکتی ہے۔زاران نے مفاہمتی انداز اپناتے اپنا فیصلہ بدلتے ابرش کے سامنے تجویز رکھی۔

عنائیہ نہیں مانے گی زاران۔۔اور آپ خانزادوں کے نزدیک مگنی بھی نکاح ہوتا ہے۔۔مجھے جانے دیا آپ نے کہیں لے آئے تھے اپنے پاس وہ بھی

بندوقیں میرے سر پر تان کر۔۔اس طرح درخزئی کیا عنائیہ کو جانے دے گا۔

ابرش نے سوالیہ لہجے میں استفسار کیا۔

میں عنائیہ سے بات کروں گا ابرش۔۔وعدہ کرتا ہوں مجبور نہیں کروں گا اسے۔نہ اپنے احسان جتاؤں گا ایک بڑے بھائی کی طرح پوچھوں گا۔۔اور جہاں تک بات ہے مگنی توڑنے کی۔۔عنائیہ زاران خانزادہ کی بہن بن کر مگنی توڑے گی تو درخزئی کو میرا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔زاران نے سنجیدگی سے اپنی بات پر زور دیا۔

زاران۔۔۔۔ابرش نے اس کا نام پکارا وہ اس کے لبوں پر انگلیاں جما گیا تھا۔

خاموش۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمھیں بہت ساری باتیں جاننی ہیں تو ایک بات جان لو آج تم۔۔۔ تم سے زیادہ خوبصورت عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ تم بہت خوبصورت ہو۔ اتنی کہ تمھیں دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھتا ہے۔ جیسے ابھی دھڑک رہا ہے۔ ہاتھ رکھو میری دھڑکنوں پر زاران نے اس کا ہاتھ اپنی دھڑکنوں پر رکھا تھا۔ ابرش نے ایک ہاتھ سے گاؤن ابھی تک اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

نہیں سنائی دے رہیں میری تیز ہوتی دھڑکنیں۔ زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ ابرش نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

کیسے سنائی دیں گے میری خوبصورت بیوی!! دوسرا ہاتھ بھی رکھو گی تو میری منتشر ہوتی دھڑکنیں سنائی دیں گی۔ زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس کا دوسرا

ہاتھ اس کے سینے سے ہٹاتے اپنے سینے پر رکھ گیا۔۔ گاؤن ابرش کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ ابرش اپنی حالت دیکھتے سرخ ہوئی تھی۔

اب ہوئی نہ یہ دھڑکنیں منتشر۔۔۔ زاران بے باکی سے اس کے وجود پر گہری نظر ڈالتے گھمبیر لہجے میں بولا۔

ابرش اپنی حالت دیکھتے اس کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ زاران اس کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے اسے اپنے چوڑے سینے میں قید کر گیا تھا۔

اسفند نے جھنجھلاتے ہوئے بیڈ پر پڑا کشن اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے عابیر کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تھی کہ ڈریسنگ روم سے باہر آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اسفند مزید خود پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ وہ

سائیڈ ٹیبل سے ڈریسنگ روم کی چابی لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے اسے ان لاک کرتے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

عابیر جو گھٹنوں تک آتی اسفند کی لائی ہوئی ریڈ شارٹ نائٹی پہنے کاوچ پر بیٹھی تھی۔ اسفند کو اندر آتا دیکھ کر ہڑابڑتی ہوئی اٹھی تھی۔۔ پاس پڑی اپنی شال وہ خود پر اچھی طرح لیٹ گئی تھی۔۔ اسفند اسے مخمور نگاہوں سے دیکھتے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے پکڑے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔

اسفند نے اس کی شال نرمی سے اتارتے اسے کاوچ پر بٹھایا۔

خود پنجوں کے بل زمین پر بیٹھے اس کے دونوں ہاتھ تھام گیا۔

عابیر کی گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اسفند کا اب ایک ہاتھ اس کے ایک گھٹنے پر جما ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ چھوٹی موٹی شرارتیں کر رہا تھا۔ جس پر عابیر کی سانسیں دہک رہی تھیں۔

عابیر کے عارض تپ کر قندھار ہو رہے تھے۔ وہ گہری نگاہوں سے اس کے خوبصورت نقوش پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔

عابیر اپنے لب کاٹتے اس کی طرف دیکھتے مسکرا گئی تھی۔

کب دیکھے تھے مقابل کے یہ انداز۔۔ یہ سب تو صرف خواب میں دیکھا تھا۔ وہ اس کے عارض پر انگلیاں نرمی سے جمائے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔اسفند اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے اس کی لیپ پر بہت نرمی سے اپنے دہکتے ہونٹ رکھ گیا۔

مجھے دو بیٹیاں چاہیے میری خوبصورت پٹھانی۔اسفند اس کی گود میں سر رکھتا بولا۔

دو بیٹیاں۔۔عابیر نے مسکراتے ہوے اس کے لفظ دہرائے تھے۔

وہ تو ایک بار میں چاہیے میری جان!!ویسے مجھے چار بیٹیاں تو چاہیے ہی ۔۔۔اسفند کی بات پر عابیر کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔

چار بیٹیاں۔۔عابیر نے حیرت سے کہتے آنکھیں پھیلائیں۔

ہاں چار بیٹیاں بلکل تمھارے جیسی۔۔ تمھاری جیسی آنکھیں ایسی ہی

مسکراہٹ اور ایسے ہی گلاب گال۔۔ اسفند نے اس کی گود سے سر اٹھاتے

اس کے سرخ گالوں پر انگلی رکھی

عابیر اس کے انداز پر کھکھلائی تھی۔

لیکن اسفند مجھے بیٹا چاہیے بلکل آپ جیسا۔۔ نیلی آنکھوں والا خان۔۔۔ عابیر

اسفند کی پلکوں کو چھوتی بولی۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ اسفند نے سر نفی میں سختی سے ہلایا تھا

کیوں نہیں ہو سکتا؟؟ عابیر نے پریشانی سے پوچھا۔ وہ بے حد سیریس تھا۔

کیونکہ مجھے لگتا ہے میں تمھیں اس کے نزدیک برداشت نہیں کر سکوں

گا۔ تمھیں تمھارے بھائی بھی چھوئیں مجھے آگ لگ جاتی ہے۔ اگر ہمارا بیٹا

تم پر حق جتائے گا کیسے برداشت کروں گا۔ اسفند کی بات پر عابیر کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہنستی چلی گئی تھی۔

او۔۔۔ اسفند آپ پاگل ہیں۔۔ کوئی اپنے ہی بیٹے سے کیسے جیلس ہو سکتا ہے۔ عابیر اپنی ہنسی روکتے ہوے بمشکل بولی تھی۔۔ اسفند کی مسکراتی نیلی آنکھوں میں دیکھتے وہ ہنستی جا رہی تھی.

پاگل تو ہوں اور مجھے یہ بھی پتہ ہے یہ پاگل پٹھان اپنی پاگل پٹھانی کی کھلا کھلاہٹ کو کیسے قید کرتا ہے۔

اسفند اس بے باکی سے اسے چھوتے گھمبیر آواز میں بولا۔

کیسے اسفند ؟؟ عابیر اپنی ہنسی روکتے پھولتی سانسوں سے بمشکل پوچھا۔۔

ایسے۔۔۔ اسفند اسے کاوچ پر لٹائے اس پر جھکتے اس کے گلاب لبوں کو اپنے

لبوں میں قید کر گیا تھا۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے اس کی

سانسیں شدت سے پی رہا تھا۔ اس کے نچلے لب پر ہلکا سا کٹ لگا کر پیچھے ہوا۔

عابیر نے درد سے سسکی بھری تھی۔

جانتی ہو کیسے رہا تمھارا یہ نیلی آنکھوں والا سفاک خانزادہ تمھارے بغیر

؟؟ اسفند نے اس کے عارض پر انگلیاں جماتے نم آواز میں پوچھا۔

پوچھنا ہے اسفند یار خان پوچھنا ہے۔ عابیر نے بے ترتیب سانسوں سے کہا۔

کیسے کٹی راتیں کیسے کٹے وہ دن

کیسے جیے تنہا کیسے رہے میرے بن

عابیر نے اس کی شرٹ جکڑے بھیگے لہجے میں پوچھا

چاروں طرف پھیلی درد کی تنہائی

شام و سحر ہم کو یاد تیری آئی

اسفند نم آواز میں بولتے اس کے لبوں پر پھر سے جھک گیا تھا۔ عابیر اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کی بے درد شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی۔ اسفند کی انگلیاں اس کی نایٹی کی سٹیریپ میں الجھی تھیں۔ عابیر نے تڑپتے ہوئے اسے مزید خود میں بھینچا تھا۔ وہ نایٹی اس کے کندھوں سے نیچے کھسکاتے اس کی گردن پر جھکے اپنی پرپش سانسیں بکھیرتے اسے دہکانے لگا۔

ارحام نے ڈرائیو کرتے ہوئے اپنا بجتا فون کان سے لگایا۔

سر!!ناز نین بائی پاکستان تو آچکی ہے یہ کنفرم ہے مگر اس کا پرسنل طیارہ کہاں لینڈ ہوا یہ پتہ نہیں چل رہا۔۔ سر یہ تو طے ہے ناز نین آج سے دو دن بعد لڑکیوں کی ایک شپ یہاں سے سمگل کرے گی۔ مگر پولیس فورس کسی کی ہمت نہیں اس شپ کی چیکنگ کر سکے۔ اس لیے بنا چیکنگ کے ہی وہ شپ دوسرے ملک پہنچ جاتی ہے۔ سر یہ بہت بڑا گینگ ہے آپ اس گینگ کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔۔ اس شپ تک پہنچنے کے لیے آپ کو ناز نین کے بہت سے گارڈز کو موت کی نیند سلانا پڑے گا۔ فون پر ارحام کے آدمی نے اسے مکمل تفصیل فراہم کی۔

کچھ تو ایسا ہو گا جس سے اس ناز نین بائی کا مقابلہ کیا جا سکے۔۔ ارحام نے غراتے ہوے پوچھا۔

سر۔۔۔ جس رات اس کی شپ ادھر سے جائے گی۔ اس رات دور دور تک راستے پر پولیس چیک فورس نہیں ہو گی۔ کیونکہ پولیس نے نازنین بائی کی آمد کا سن کر اپنے ہاتھ اوپر کر لیے ہیں۔ وہ بظاہر نازنین کا ساتھ نہیں دے رہے۔ کیونکہ ان کے ڈیپارٹمنٹ پر آنچ آ رہی ہے۔ مگر اندرونی طور پر وہ ملے ہوے ہیں۔ مگر یہ دو دن اس شپ کے آس پاس صرف نازنین بائی کی ہی فورس ہو گی۔ مگر سر نازنین بائی پکا کام کرتی ہے۔ کوئی اس تک پہنچ نہیں پاتا۔ یہ ہو سکتا ہے سر نازنین بائی کا main اڈے پر پر اس دن گارڈز کی تعداد بہت کم ہو گی۔ آپ اسے تباہ کر کے کمزور کر سکتے ہیں۔ وہاں بھی ہزاروں لڑکیاں قید ہیں سر۔۔۔ مگر پھر بھی آپ شپ تک نہیں پہنچ سکتے نہ نازنین بائی کا بال بیکا کر سکتے ہیں۔ ارحام اپنے آدمی کی بات سنتے لب بھینچ گیا تھا۔

سر ایک بات اور کسی بھی صورت پولیس کو بیچ میں انوالو مت کیجیے گا۔ سلطان شاہ اتنی پاور ہونے کے باوجود نازنین بائی تک اس لیے نہیں پہنچ سکے۔ انہوں نے پولیس کو انوالو کر رکھا ہے۔ سلطان شاہ کی ایک ایک خبر نازنین بائی تک پہنچ رہی ہے۔ ٹھیک ہے کچھ بھی پتہ چلتا ہے مجھے انفارم کرتے رہنا۔ ارحام سنجیدگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔

نازنین بائی چاہے میری جان چلی جائے مگر میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ میری حور ساری عمر ڈر کے سہارے زندگی نہیں گزار سکتی۔۔ تمھیں جب بھی موقع ملے گا تم اسے تکلیف ضرور پہنچاؤ گی۔ میں اس کی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں وہ کھل کر سانس لے۔ اسے تم جیسی کمظرف ناپاک ذلیل عورت کا خوف نہ ہو۔۔ اتنی لڑکیوں کی تم نے زندگی برباد کی تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ ارحام سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے غرایا تھا

عشق جنانوں لگ جاندے

حال پوچھ نہ

انہاں دیوانیاں دے

قیدی عشق دے بجھے

نہیں چھٹ دے

قیدی چھٹ جاندے

جیل خانیاں دے

ساحر وایٹ جینز پر بلو شرٹ پہنے اسلام آباد کے کیفے میں بیٹھا کافی پیتے ہوے برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

زرمش دور اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھی اسے کب سے اپنے نگاہوں کے حصار میں لیے ہوے تھی۔

اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہیں وہ نظروں سے اوجھل ہی نہ ہو جائے۔۔ تین لفظوں میں جڑے اس رشتے کو وہ تین لفظوں سے ختم ہی نہ کر دے۔

ارے وہ ساحر خانزادہ ہے اس کی ایک فرینڈ ساحر کو پہچانتی چیخی تھی۔اس کے چیخنے پر اس کی باقی فرینڈز اور کیفے میں موجود اور لوگ بھی متوجہ ہوے تھے۔اور دیکھتے دیکھتے ہی اس کے گرد جھمکٹا لگ چکا تھا۔

زرمش بھیگی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی چیئر سے ٹیک لگا گئی تھی۔وہ اپنے چہرے پر نقاب کرتے آہستگی سے چلتے اس جھمکٹے کو عبور کرتے اس تک پہنچی۔

وہ سنجیدگی سے سب کو آٹوگراف دے رہا تھا۔ وہاں کھڑے لڑکے لڑکیاں ٹشو پیپر پر آٹوگراف لے رہے تھے۔۔ سیلفیز لینے سے اس نے منع کر دیا تھا۔

زرمش نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے آگے رکھا۔

سوری مس میں کسی بھی غیر لڑکی کو نہیں چھوتا۔ ساحر اس کی ہتھیلی دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

اس کی بات پر زرمش کی آنکھیں چھلک پڑی تھی۔۔

کاش سچ میں دنیا کی ہر لڑکی آپ کے لیے غیر ہوتی۔ وہ بھی جسے آپ بھلا نہ سکے۔۔ زرمش کی کپکپاتی آواز پر اس کی نظریں زرمش کی طرف اٹھیں تھیں۔

زرمش روتے ہوے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلاتی تیز تیز قدموں سے کیفے سے نکلتے چلی گئی۔

ساحر سب سے ایکسکیوزمی کرتے تیزی سے اٹھتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

وہ بھاگتے ہوے روتے ہوے سڑک عبور کر رہی تھی۔

سامنے سے آتی گاڑی اس سے پہلے اسے ہٹ کرتی وہ اسے کلائی سے پکڑتے خود میں بھینچ گیا تھا۔زرمش حیرانگی سے اس کے سینے کے ساتھ لگے اپنے محرم کی دھڑکنیں سن رہی تھی۔وہ کبھی مقابل کی دھڑکنیں بھی سنے گی یہ تو بہت بڑا خواب تھا۔جو کسی صورت قبول نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ بے یقینی سے اس کے سینے پر سر رکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ساحر اسے خود سے علحیدہ کرتے اس کی کلائی پکڑے ایک طرف شیڈ کی طرف بڑھا۔ جہاں کوئی نہیں تھا۔۔

زرمش اس کی گرفت میں نظریں جھکائے چلتے ہوے رو رہی. تھی۔۔۔

ساحر خاموشی سے اسے لیے شیڈ کی طرف بڑھتے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا ۔۔

وہ دونوں مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔ ساحر نے نرمی سے اس کا نقاب اتارا۔

زرمش کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھین۔ وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

ساحر اسے دیکھتے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتا نظریں جھکائے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ گیا۔۔

ساحر۔۔۔زرمش نے بے یقینی سے اسے پکارا۔

مجھے معاف کر دیں زرمش۔۔میں آپ کا مجرم ہوں مجھے معاف کر دیں. وہ نظریں جھکائے رو رہا تھا۔

ساحر آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟!۔میں نے کبھی نہیں چاہا آپ اس طرح۔۔زرمش کپکپاتے لبوں سے بولتی رو دی تھی۔

جانتا ہوں زرمش۔۔آپ نے ایسا نہیں چاہا مگر مجھے معاف کر دیں آپ ۔۔میں نکاح کے پاک رشتے کی لاج نہ رکھ سکا۔

زرمش اسے دل سے نکالنا میرے اختیار میں نہیں۔یقین مانیں ایسا ہوتا میں اسے کب کا دل سے نکال کر پھینک چکا ہوتا۔یہ دل جب تک دھڑکے گا وہ یہاں دھڑکے گی۔ساحر خان زرمش کی طرف دیکھتے بولا۔

زرمش دیوار سے سر ٹکائے رو دی تھی۔

ساحر خان زمین سے اٹھتا کھڑا ہوا۔ زرمش مجھے بد عا دے دیں۔ جتنی مرضی چاہیں مگر اس کو بد عا مت دیجیے گا۔ اس کا کوئی قصور نہیں وہ بہت معصوم ہے۔ اسے بد عا مت دیجیے گا زرمش۔۔۔۔ ساحر بھیگے لہجے میں بولتے اس کے آنسوؤں کی روانی میں آضافے کا سبب بن رہا تھا۔ وہ اس کے لیے اس سے معافی مانگ رہا تھا۔ زرمش کی جیسے سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

زرمش میرا عشق مجھے کسی کا نہیں ہونے دیتا۔ وہ بھی بھلا عشق ہوا کوئی آپ کو نہ ملے آپ کسی دوسرے کے ہو جاؤ۔۔ کیسے میں تمھیں چھو سکتا ہوں۔ تمھیں چھوؤں گا تمھیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھوں گا میری جان نکل جائے گی۔۔ مجھے معاف کر دیں زرمش میں مجبور ہوں۔ اسے غلط مت سمجھیے گا اس نے مجھے آج تک یہ حقیقت نہیں بتائی اس رات آپ نے

اس کی مدد نہیں کی تھی۔ جب اس کی عزت خطرے میں تھی۔ آپ نے اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ زرمش ساحر کی باتوں پر منہ پر ہاتھ رکھتے شدت سے رو دی تھی۔ وہ اسے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیوں کیا زرمش آپ نے ایسا؟؟ کیسے کر سکتی ہیں میرے بابا نے مجھے دھوکہ دیا آپ نے بھی مجھے دیا۔

میری تڑپ آپ کو نظر نہیں آئی زرمش۔۔۔ اسی لیے آپ آج اکیلی ہیں زرمش۔۔ میرا دل آپ کے لیے نرم نہیں ہو سکا۔ ساحر زخمی لہجے میں بول رہا تھا۔

مجھے معاف کر دیں ساحر میرے عشق نے مجھے ایسے کرنے پر مجبور کیا۔

زرمش اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

میرے عشق نے تو مجھ سے یہ سب نہیں کروایا۔اس کی آنکھوں میں کسی اور کو دیکھ کر راہیں بدل لیں۔ مگر دل کو نہ بدل سکا۔ عشق میں محبوب کی تڑپ سے انسان مر جاتا ہے۔ آپ نے مجھے تڑپایا۔ آپ کو وہ میری آنکھوں میں نظر نہ آئی۔

یہ کیسا عشق تھا آپ کا۔ کیا پانا عشق کا نام ہے۔ آپ رمز عشق کی گہرائیاں نہیں سمجھ سکتی۔ آپ سمجھ ہی نہیں سکتی رمز عشق کا مطلب کیا ہے۔ ساحر تلخی سے بولتے کرب مسکرایا۔

مجھے معاف کر دیں ساحر خان۔۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے عام عشق کیا ہے۔ آپ کی طرح کا عشق میں نہیں کر سکتی۔ مجھے آپ کو پانا ہی ہے۔ میرے پاس آجائیں۔ داسی بن کر رہوں گی آپ کی۔۔ کوئی حق نہیں مانگوں گی۔ زرمش روتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے بولی۔

طلاق لے لیں مجھ سے۔ آگے بڑھ جائیں۔ ساحر اس کی گلابی درد سے بھری آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

وہ ساحر کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

نن نہیں۔۔۔۔ طلاق نہیں چاہیے۔ ورنہ سانسیں رک جائیں گی۔ خدا کا واسطہ ہے آپ کو۔۔ وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے لپٹ پڑی۔۔

مجھے معاف کر دیں زرمش۔ جب آپ کے لیے قبول ہے کہ وہ تین لفظ بولے مجھے یاد بھی نہیں۔۔۔ مجھ سے سب کیوں چھپایا سب نے زرمش۔؟؟۔ سب نے ناانصافی کی مجھ سے۔ مجھے بتا دیتے آپ سب تو شاید یہ دل اس کی طرف جھکنے سے پہلے آپ کی طرف جھک جاتا۔ آپ میرے نکاح میں ہیں یہ حقیقت جاننے سے پہلے اس کے ساتھ وعدیں قسمیں کھا چکا

تھا میں۔ ہزاروں بار دل ہی دل میں اس کے لیے قبول ہے لفظ بول چکا تھا۔ معاف کر دیں مجھے۔۔ معاف کر دیں مجھے۔۔ ساحر روتے ہوے بولا۔

معاف کیا آپ کو۔۔ ساحر معاف کیا آپ کو۔۔ طلاق مت دیجیے گا مجھے۔۔ وہ روتے ہوے بولی۔۔

دعا کریں گی میرے لیے۔۔ وہ کرب سے بولا۔

یہ لب صرف آپ کے لیے ہلتے ہیں۔ اس کے لب کپکپائے تھے۔۔

دعاؤں کی بہت ضرورت ہے زرمش۔۔ بہت ضرورت ہے دعا کیجیے گا میرے لیے۔۔ پوری کوشش کروں گا اپ کے پاس پلٹ آؤں۔۔ ساحر کی بات پر اس نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے یقینی سے اسے دیکھا۔

دعاؤں میں بہت طاقت ہوتی ہے اپ دعا کریں گی ایسا ضرور ہو گا۔ ساحر اس کے گال سے آنسو صاف کرتے ہوے بولا۔

نہیں ہے طاقت میری دعاؤں میں ؟۔۔ آپ مجھ سے محبت کرنے لگ جائیں ہر لمحہ خدا سے یہ دعا مانگی ہے۔ نہیں ہوئی قبول۔ وہ زخمی سا مسکرائی تھی۔

میری دعاؤں میں بھی طاقت نہیں ہے ایک جیسی قسمت ہے ہم دونوں گی۔ وہ روتے ہوے ہنسا تھا۔ یا ہنستے ہوے رویا تھا۔ زرمش سمجھ نہیں سکی تھی۔

چلتا ہوں۔۔ ساحر اب مسکراتے ہوے بولا۔

جانے سے پہلے اپنا لمس دے جائے یہاں۔۔ زرمش نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

دے دیتا زرمش۔۔ مگر بیوفائی ہو جائے گی۔۔ میں بیوفا نہیں کہلوانا چاہتا ۔۔ ساحر اپنی سن گلاسز پاکٹ سے نکالتے اپنی آنکھوں پر لگاتا برستی بارش میں تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔

زرمش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو پڑی تھی۔

عنائیہ نے ٹی پنک کلر کا ہیوی ڈبل گاؤن پہنا ہوا تھا۔۔ گردن میں سلور انٹیکس کا نیکلس پہنا ہوا تھا۔ بالوں کا سمپل سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ ہیوی دوپٹہ سر پر اٹیچ کیا ہوا تھا۔ لایٹ سے میک اپ میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی ۔ ابر نیساں کے قطرے کی طرح شفاف اور چاندنی کے کرنوں کی طرح ٹھنڈا اس کا حسن اپنے جلوے جیسے چاروں طرف بکھیر رہا تھا ۔ کبھی اتنا ہیوی ڈریس نہیں

پہنا تھا نہ میک اپ کیا تھا۔آج فرسٹ ٹایم کیا تھا۔وہ اپنی خوبصورتی سے جیسے جنت کی حوروں کو مات دے رہی تھی۔اس وقت وہ بیس سال کی ایک بھرپور لڑکی لگ رہی تھی۔اس کا قد کاٹھ فزیک سب کچھ اسے اپنی عمر سے بڑا ظاہر کرتا تھا۔وہ ذہنی طور پر بھی کوئی امیچور لڑکی نہیں تھی۔بلکہ ایک میچور لڑکی تھی۔ابرش کی طرح اس نے بھی اپنی زندگی میں مشکلات کو فیس کیا تھا۔فرق یہ تھا اس کی مشکلات ابرش چٹکی بجاتے جیسے حل کر دیتی تھی۔جیسے پاشا کے تھپڑ وہ ہمیشہ اس کے آگے آ کر کھا لیتی تھی۔وہ کبھی بھوکا نہیں سوئی تھی ۔کام سے واپسی پر ابرش کے ہاتھ میں اس کے اور آہل کے لیے کچھ نہ کچھ ہوتا تھا۔اس کے آنسو صاف کرنے کے لیے ہمیشہ ابرش ہوتی تھی۔مگر اس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا

تھا۔بہزاد کی قید نے اس کی رہی سہی معصومیت بھی چھین لی تھی ۔چودہ سال کی عمر میں ہر رات عزت کھونے کے خوف سے وہ اللہ سے دعا نگتے سوتی تھی۔۔

وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے اپنے جلوے بکھیرتے حسن کو دیکھتے اپنی زندگی کا تلخ ماضی سوچ رہی تھی۔درخزئی کی آج اس کی مگنی تھی۔زاران کے اصرار پر وہ اس مگنی کو ہاں کہہ چکی تھی۔

زاران نے اس سے وعدہ لیا تھا اگر وہ درخزئی سے کبھی بھی یہ رشتہ توڑنا چاہے گی وہ اس کا ساتھ ضرور دے گا مگر وہ جانتی تھی اسے کیا کرنا ہے ۔عنائیہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے ڈرار کو کھولتے ہوے اپنے پاسپورٹ ایک نظر دیکھا ۔۔اسے جلد از جلد اس حویلی سے نکلنا تھا۔وہ کسی خان کی کٹھ پتھلی نہیں بننا چاہتی تھی۔ اسے آگے

پڑھنا تھا لائر بننا اس کا خواب تھا وہ جانتی تھی درخزئی خانزادہ اس کے پر کاٹ دے گا۔وہ اس سے پردہ کروا کر صرف اپنے نام کرتے بستر پر اپنا پیار جتائے گا۔۔

آج منا لو اپنے جیت کی خوشی مسٹر درخزئی ۔۔عنائیہ پاشا کو چھونا تو دور کی بات تم میرا یہ روپ بھی نہیں دیکھ سکو گے۔میں ابرش پاشا نہیں ہوں جو محبت پر مر مٹے ۔میں ایک عام لڑکی نہیں ہوں۔وہ عنائیہ پاشا ہوں جسے بہزاد خان کی وہ چار مہینے کی قید بھی اندر سے توڑ نہ سکی۔

اس قید میں بھی خدا سے امید تھی وہ میرے ساتھ کبھی برا نہیں کرے گا۔میں زندگی میں اچھائی کے پہلو ڈھونڈنا جانتی ہوں۔اس اندھیرے کمرے میں ہر روز مسکراتی رہی۔

آزادی نہیں تھی کوئی بھی اپنا نہیں تھا مگر میری عزت محفوظ تھی۔اس ایک پہلو نے مجھے ٹوٹنے نہیں دیا۔آج بھی جانتی ہوں خدا میرے ساتھ برا نہیں کرے گا۔وہ درخزئی خانزادہ جیسا انسان خدا میرا مقدر نہیں بنا سکتا۔۔مسٹر ایس پی خانزادہ میں تم جیسا انسان مجھے ڈیزرو نہیں کرتا۔مجھے مگنی نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔نکاح جیسے پاک بندھن میں بندھنا میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔ لیکن مجھے تم نہیں چاہیے ہو۔مجھے خانزادہ نہیں چاہیے۔مجھے خانزادہ اپنی زندگی میں قبول نہیں۔میں جانتی مرد کا ایک ہی روپ ہوتا ہے اسے عورت سے بس ایک ہی چیز ہی چاہیے ہوتی ہے۔جو پاشا کو زحلے سے چاہیے تھا۔جو تمھیں مجھ سے چاہیے ہو گا۔میں تمھاری قید میں نہیں رہ سکتی۔میں حق ملکیت کے نام پر

میں اپنی تذلیل نہیں کروا سکتی۔مجھے خوف آتا ہے خانزادوں سے۔مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔میں کبھی تم سے نکاح نہیں کروں گی

عنائیہ مرر میں دیکھتے مضبوط اٹل انداز میں غرائی تھی۔

میری دھڑکن کی صدا ہو تم

جان من جان ادا ہو تم

میری سانسوں کی ضرورت ہو

دل ربا جان وفا ہو تم

یہی میری دعا رب سے

میں رہوں تیری پناہوں میں

درخزئی کے روگ وپے میں سرور کی سی کیفیت تھی۔۔آئینے کے آگے اپنی قمیض کے بٹن بند کرتے اس کے چہرے پر مغرورانہ تاثرات تھے۔۔۔براؤن ساحرانہ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی. جیسے اس نے آج ساری دنیا فتح کر لی ہو۔۔۔ایک لڑکی کو پانا کیا ساری دنیا کو فتح کرنے کے مترادف تھا۔یہ کیسے جذبے اس کے اندر پنپنے لگے تھے وہ خود پر اختیار کھو رہا تھا۔اپنی مورے اپنے بابا اپنی بہن کے بعد کوئی اسے جان سے پیارا ہو گیا تھا۔ یکدم اس کی آنکھیں شدت اظطراب شدت غم سے چھلک پڑیں۔اپنی مورے بابا اور بہن کی یاد شدت سے ی آئی تھی۔وہ اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسل گیا۔نائیہ کچھ دیر تک تم نکاح کے پاک بندھن میں بندھتے درخزئی خانزدہ کی ہو جاؤ گی۔ہمیشہ ہمیشہ کے لیے

میری۔۔میں تمھیں بتاؤں گا تم میرے لیے کیا اہمیت رکھتی ہو ۔تمھارے پور پور اپنے لبوں کی مہر لگا کر تمھیں بتاؤں گا میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں

درخزئی زیر لب بولتے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے گہری سانس لیتے مرر میں دیکھتے مسکرایا تھا۔

وائٹ شلوار قمیض میں وہ آج کسی مغرور شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔۔ایسا مغرور شہزادہ جس نے پوری سلطنت پر اپنا قبضہ جما لیا ہو۔۔

درخزئی آف وائٹ واسکوٹ پہنتے ایک دفعہ ڈریسنگ مرر میں دیکھ کر پھر سے طمانیت سے مسکرا اٹھا تھا۔۔

حویلی میں تمام مہمان آ چکے تھے۔مردان خانہ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔۔زنان خانے میں تمام خواتیں تھیں۔ابرش ڈارک میرون کلر کی خوبصورت ہیوی میکسی میں ملبوس تھی۔جس پر ہیوی گولڈ زرقون کا چوکر پہنا ہوا تھا۔ناف تک آتی گولڈ کی مالا پہنے ہوے تھی۔سر پر دلہن کی طرح دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔ہونٹوں پر ڈارک میرون لپ سٹک لگائے ہوے تھی ۔زاران نے ہی اس کے لیے اتنا ہیوی ڈریس منگوایا تھا۔سیڑھیاں اترتے ہوے وہ حیران ہو رہی تھی ۔مگنی کے فنکشن کی تیاریاں اتنی گرینڈ ہوں گی ۔اسے اندازہ نہیں تھا۔۔زنان خانے کی سجاوٹ اور اسے مہمان عورتوں سے بھرا پڑا دیکھ وہ حیران ہوئی تھی۔یہ اب تک کا حویلی میں سب سے گرینڈ

فنکش تھا۔ اتنی تیاری اس کے اور عابیر کی ولیمے پر بھی نہ تھی
۔پوری حویلی سفید اینڈ سرخ گلابوں سے سجی تھی

وہ حیرانگی سے سیڑھیاں اترتے نیچے آئی تھی۔سب سے ملتی ہوئی وہ عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔عنائیہ کا کمرہ مہمان خانے کی طرف تھا۔جہاں صرف عنائیہ زحلے آہل اور زرتاج ٹھہرے تھے۔یہ ذنان خانے کے ہٹ کر تھا۔اس سے پہلے عنائیہ کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتی زاران اسے کمر سے تھامے عنائیہ کے کمرے کے سامنے بنے پلر کے ساتھ لگا گیا تھا۔

افففف میری قاتل حسینہ۔۔۔زاران اس کے خوبصورت چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتا گھمبیر آواز میں بولا۔وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔زاران اسے دور سے دیکھتا سب کی نظروں سے بچتا

بچاتا اسے اپنے سینے میں بھینچتے سکون لینے آیا تھا۔ صبح سے وہ کمرے میں نہیں جا سکا تھا۔

اب اسے دیکھتے بے قرار ہوا تھا وہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

ابرش زاران کی تعریف پر گلابی ہوتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے اک ادا سے مسکرائی۔

مت مسکراؤ مس امریکہ!! سب کے سامنے اٹھا کر کمرے میں لے جاؤں گا۔ایک پل نہیں لگے گا تمھارا یہ خوبصورت حلیہ بگاڑنے میں۔زاران کی بات پر ابرش کھکھلائی تھی ۔

لگتا ہے ڈیمو دکھانا پڑے گا تمھیں۔ایسے یقین نہیں آئے گا تم کیسے میرے جواں جذبوں میں آگ لگاتے مجھے خود کے لیے بے قرار کر چکی ہو۔اب چین تب تک نہیں آئے گا۔جب تک تمھارے لبوں کی نمی نہ پی لوں۔زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس کے میرون لبوں پر جھکتے ان کا رس پینے لگا۔ابرش اس کی سیاہ کلر کی شال کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔وہ اس وقت سیاہ کلر کی شلوار قمیض پر سیاہ کلر کی شال کندھوں پر اوڑھے ہوے تھا۔زاران اس کے بالائی لبوں کو اپنے لبوں سے کھینچتے اس کی زبان جکڑے اس کی سانسوں کو شدت سے پیتے اس کی دھڑکنوں کو نرمی سگ چھو رہا تھا۔ابرش آنکھیں موندے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔وہ ایسے یہاں اس پر اپنی شدت لٹائے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی

تھی۔نہ زاران ایسا تھا وہ کہیں بھی شروع ہو جائے ۔مگر آج اس کی شدت میں دیوانگی اظطراب بے قراری تھی۔وہ بھول ہی گیا تھا وہ کہاں پر کھڑا ہے۔ابرش بے یقینی سے اس کی دیوانگی اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔جہاں اب میٹھی سی جلن شروع ہو چکی تھی۔وہ اس کے ہونٹوں کو چھوڑنے کو جیسے تیار ہی نہ تھا۔اب اپنے دانتوں سے نرمی سے کچل رہا تھا۔

زاران اس کے میرون رنگ سے سجے ہونٹوں کا رنگ چرا کر پیچھے ہوا تو ابرش اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے زاران خانزادہ کی براؤن مقناطیسی آنکھوں میں دیکھتے مدھم سا مسکراتی نظریں جھکا گئی تھی۔

عارض دہک کر انار ہو رہے تھے۔وہ مدھم سا مسکراتی ہوئی نظریں جھکائے اپنی بے ترتیب سانس درست کر رہی تھی

تو پھر اٹھاؤں کے لے جاؤں میری خوبصورت بیوی!!زاران مخمور لہجے میں بولتے اس کے سرخ لب جو اس کی شدت سے عنابی ہو چکے تھے ان پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کی چوکر پر اپنے لب رکھ گیا۔

عشق جب حد سے بڑھنے لگے

درد سانسوں میں چڑھنے لگے

شبنمی ہو اگن ٹھنڈی ٹھنڈی جلن

جسم جلنے لگے ٹوٹ جائے بندھن

مت پوچھو مجھ سے مسٹر خانزادہ!! تمھاری مس امریکہ ہر وقت تمھاری سانسوں کی مہک بننے کو تیار ہے۔مجھ جیسی دیوانی بے شرم شرمیلی بیوی تمھیں نہیں ملے گی۔کمپلیٹ پیکج ۔۔۔ابرش اس کی شال مٹھیوں میں جکڑے اک ادا سے مسکراتے ہوے بولتے زاران کے ٹھوڑی پر لب رکھ گئی۔

اس کی بات پر اور ادا پر زاران کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

اضافہ کر لو پاگل پوزیسیو بیوقوف اینڈ موسٹ بیوٹیفل بیوی میری قاتل حسینہ!! زاران اس کی طرف جھکتے گہری بے باک شرارت کرتے اس کا گلاب چہرہ مزید گلابی کر گیا تھا۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو آج رات تمھاری خیر نہیں۔۔بہت برا حال کروں گا تمھارا میری جان۔۔زاران بھاری آواز میں کہتے اس کی پیشانی پر لب رکھتے ہوے اس سے دور ہوا۔

اے مسٹر بلیک ۔۔۔۔۔اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتا ابرش اسے پکارتی اس کی کلائی پکڑ چکی تھی۔

اس کی پکار پر زاران کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھری تھی۔زاران نے مڑتے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

مسٹر سسک پیک!! تم پر بلیک کلر بلکل سوٹ نہیں کرتا۔تم اس وقت بلکل بھی اچھے نہیں لگ رہے۔ابرش اس کے قریب ہوتے کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

زاران کا پھر سے قہقہ بلند ہوا تھا۔وہ اتنی پوزیسو تھی اس کے لیے اسے بلیک کلر میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اس پر بلیک کلر بہت سوٹ کرتا تھا وہ اس سے ملنے والا ہر انسان کہتا تھا۔اب تو بلیک کلر اس کی منفرد پہچان بن چکا تھا۔منسٹر تھا۔اس کے فالورز اس کے صرف بلیک کلر پہننے پر بہت پسند کرتے تھے۔اس ایک بات کی وجہ سے بھی اس کے فالورز میں آضافہ ہو رہا تھا۔اور اس کی پوزیسیو بیوی کو یہ بات بہت چبھتی تھی آج بھی اسے صرف بلیک میں برداشت نہیں کر سکی تھی۔

اچھا لیکن کوئی مجھ سے کہتا ہے مجھ پر بلیک کلر بہت سوٹ کرتا ہے۔اس میں میری سرخ و سفید رنگت مزید نکھر جاتی ہے۔زاران

اس کے خوبصورت چہرے کے ایک ایک نقوش پر نظریں جمائے

لب دانتوں تلے دبائے بولا۔وہ کیسا ری ایکٹ کرے گی وہ جانتا تھا۔

کون کہتا ہے یہ تمھیں؟؟ابرش کی گرفت اس کی شرٹ پر مضبوط ہوئی۔آنکھوں کی رنگت شدت سے گلابی ہوئی تھی۔

سانسیں گہری ہوئی تھیں۔وہ پل میں جیسے مرنے والی ہوئی تھی۔

کہتا ہے کوئی بتاؤں گا تمھیں فرصت میں ابھی ٹائم نہیں۔زاران اس کے ایکسپریشن دیکھتے محظوظ ہوتے اس کی ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑوائی۔اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتا ابرش اس کی شرٹ پھر سے اپنی مٹھیوں میں جکڑتے اسے اپنے قریب کر گئی تھی

کون ہے وہ ؟؟کون کہتا ہے یہ تمھیں؟؟بتاؤ مجھے ورنہ میں تمھاری اور اپنی جان لے لوں گی سمجھے تم ۔ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں غرائی۔

مورے کہتی ہیں بھابھی یہ لالہ سے۔۔عابیر کی آواز پر زاران نے ہڑبڑاتے ہوے اپنی شرٹ ابرش کی گرفت سے چھڑوائی۔۔

عابیر نے انھیں رومانس کرتے نہ دیکھا ہو وہ گھبرایا تھا۔چھوٹی بہن تھی وہ اس کی۔وہ خفت شرمندگی کا شکار ہوا تھا۔آج ابرش کو دیکھتے وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

ابرش نے عابیر کو دیکھتے زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے تائید چاہی۔

ابھی آئی ہوں لالا۔۔زاران کا سرخ شرمندہ چہرہ دیکھتے عابیر نے وضاحت دی تھی۔ابرش کے لبوں پر پھیلی لپ سٹک اور زاران کے لبوں پر لگی لپ سٹک دیکھتے وہ سمجھ چکی تھی یہاں کچھ دیر پہلے کیا ہو رہا تھا۔

عابیر کی بات پر زاران آہستگی سے قدم بڑھاتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔ جو گلابی کلر کی لانگ چنٹوں والے کامدار فراک میں ملبوس تھی۔اپنے بال ایک طرف شانے پر ڈال رکھے تھے۔اور سر پر کامدار دوپٹہ لیا ہوا تھا۔۔سلور سمپل سی جیولری اور لایٹ سے میک اپ میں وہ آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔

ماشاءاللہ! زاران نے عابیر کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔

بہت پیارا لگ رہا میرا بچہ !!میری نظر نہ لگ جائے۔زاران نے ہمیشہ کی طرح تعریف کی۔وہ بچپن سے اس کی ایسے تعریف کرتا تھا ۔بچپن میں تو وہ عید شادی پر جانے کے لیے تیار ہوتی تب تک کمرے سے نہیں نکلتی تھی جب تک اسے زاران نہ دیکھ لے۔ سب سے پہلے وہ تیار ہو کر اس کے سامنے جاتی تھی۔ ۔آج بھی وہ زاران کی تعریف کی منتظر ہوتی تھی۔ وہ بھی زاران کو ڈھونڈتے ہی ادھر آئی تھی۔ اسے بلکل اندازہ نہ تھا زاران ادھر ابرش کے ساتھ ہو گا۔

تھینکیو لالا!! زاران کی تعریف پر عابیر مسکراتے ہوے بولی۔

اپنی بھابھی کو اچھی طرح سمجھا دینا کہ یہ الفاظ بچپن سے مورے بولتی آئی ہیں۔ادھی جان تو وہ اپنی خوبصورتی سے میری لے چکی

ہے باقی کہیں سوتے میں مجھے چاقو وغیرہ مار کر نہ لے لے۔۔زاران ابرش پر گہری نظر ڈالتے شرارتی لہجے بولا۔وہ پلر سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے ابھی بھی اسے بھیگی زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اس کی بات اور دیکھنے پر وہ غصے سے نگاہیں پھیر گئی۔زاران کے اس طرح کے مذاق اس کی جان نکال دیتے تھے اسے بلکل پسند نہیں تھا اس کا اس طرح کا مذاق۔۔

زاران اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے آہستگی سے قدم بڑھاتا اس کی طرف بڑھا۔

اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگائے

ابرش نے اسے جوابًا شکوہ کناں بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔

اگر تمھیں بلیک نہیں پسند تو آیندہ نہیں پہنوں گا۔زاران نے اس کی شکوہ کناں نگاہوں میں دیکھتے کہا۔مجھے یقین نہیں تمھارے وعدے پر پہلے بھی کر چکے ہو یہ وعدہ اور مجھے تکلیف دینے کے لیے تم نے صرف بلیک کلر پہنا ہے۔

جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں ۔اس لیے تنگ کرتے ہو مجھے۔ابرش کے بھیگے لہجے پر زاران نے گہرا سانس بھرتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔ابرش نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا تھا وہ عابیر کے سامنے اسے چھوئے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

لپ سٹک لگا لینا میری خوبصورت پوزیسو بیوقوف بیوی۔۔زاران اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

بھابھی مورے ہی انھیں یہ سب کہتی ہیں جب لالا بلیک پہنتے ہیں۔عابیر نے ابرش کی بھیگی آنکھیں دیکھتے مسکراتے ہوے وضاحت دی ۔

مورے ہی کہہ سکتی ہیں کوئی اور نہیں کہہ سکتا۔اگر ایسا کبھی ہوا سچ میں تمھارے لالا کی جان لے لوں گی

ابرش عابیر کو دیکھتے سنجیدگی سے بولتے غرائی تھی۔۔عابیر ابرش کی اتنی پوزیسونیس پر اپنی مسکراہٹ دبا گئی تھی۔ابرش اس کے لالا سے اتنی محبت کرتی ہے اسے آج اندازہ ہوا تھا۔

اچھی لگ رہی ہیں بھابھی!!عابیر نے ابرش کی تعریف دل سے کی تھی جو اس وقت میرون ڈریس میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔اس طرح گہرے سانس بھرتے خود پر قابو پاتے وہ سچ میں

بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔وہ سمجھ گئی تھی زاران اس کا یہ روپ دیکھنے کے لیے اسے تنگ کر رہا تھا۔اور اتنی سی بات پر وہ بپھری شیرنی بنی ہوئی تھی۔

تم بھی بہت خوبصورت لگ رہی ہو ۔ابرش نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پاتے اس کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔پھر وہ اپنی بھیگی آنکھیں رگڑے عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

شہرام اسفند زاران اس وقت بلیک شلوار قمیض میں ملبوس مردانے میں کھڑے مہمانوں سے مل رہے تھے۔ تینوں نے بلیک شال گلے میں ڈال رکھی تھی۔تمام مرد حضرات آ چکے تھے۔درید خان اربد خان سمیع اللہ بھی مردانے میں موجود مہمانوں کو ویلکم کر رہے

تھے۔درخزئی بھی زاران شہرام اسفند کے ساتھ کھڑا آتے ہوے مہمانوں سے مل رہا تھا۔

اتنا بڑا موقع ہے لالا کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔درخزئی کوئی دسویں بار جھنجھلاتے ہوے بولا ۔ارحام اس کے سگے ماموں کا بیٹا تھا۔زاران اسفند شہرام سے تو دوستی تھی۔مگر خون کا رشتہ تو اس کا ارحام سے تھا۔نہ کوئی تایا چچا نہ کوئی پھوپھو خالہ تھے۔صرف ارحام اور فرشتے ہی تھے اس کے خونی رشتے۔۔اسے ارحام کی غیر موجودگی بہت محسوس ہو رہی تھی۔نہ فرشتے تھی۔ارحام نے اسے فون پر فرشتے کو لانے سے منع کر دیا تھا۔درخزئی کی آنکھیں آج کے دن ان دونوں کی غیر موجودگی سے بار بار نم ہو رہی تھیں۔

درخزئی کی بات پر زاران اسفند شہرام سرد سانس کھینچ کر رہ گئے تھے۔وہ بھی ارحام کو بہت شدت سے یاد کر رہے تھے

ارحام نے کل رات فون پر ان سب کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس کا انتظار نہ کیا جائے۔درخزئی اور عنائیہ کا نکاح کر دیا جائے۔وہ بہت امپورٹنٹ میٹنگ اٹینڈ کر رہا ہے۔باقی سب تو مطمئن ہو گئے تھے۔مگر زاران مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔ایسی کونسی میٹنگ تھی جو اسے نہیں پتہ تھی۔وہ ارحام کو لے کر بے حد پریشان تھا مگر سب پر واضح نہیں کر رہا تھا۔اب تو ارحام کا نمبر بھی نہیں مل رہا تھا۔

عنائیہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ زاران خانزادہ نکاح خواں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

زاران بھائی!!عنائیہ نے متعجب نگاہوں سے زاران کے پہلو میں کھڑے نکاح خواں کو دیکھا تھا۔

میں نے تمھارا اور درخزئی کا نکاح طے کیا ہے۔ مجھے امید ہے تم انکار نہیں کرو گی۔زاران نے اسے دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

لیکن زاران بھائی آپ نے صرف مگنی کا کہا تھا آپ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں۔عنائیہ کی آواز بھرائی تھی ۔زاران عین وقت پر اس سے یہ سب کہے گا اسے توقع نہ تھی۔

عنائیہ میں خدا کو حاضر ناضر جان کر قسم کھاتا ہوں۔ تم میرے لیے عابیر کی طرح ہو ۔میرے لیے ابرش کا ہر رشتہ اپنی جان سے بڑھ کر ہے۔میں نے عابیر کا جب اسفند سے رشتہ طے کیا تھا۔عابیر کی مرضی کے بغیر طے کیا تھا۔میں جانتا ہوں یہ غلط ہے ۔مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔میں اپنے عمل کو کبھی صیح نہیں کہوں گا۔مگر اپنے رشتوں کے لیے مجھے برا بھی بننا پڑے میں تیار ہوں۔

مگر اسفند سے عابیر کا رشتہ طے کرنے کی میری غرض یہی تھی کہ میری بہن کو مجھ سے بہتر انسان ملے۔اگر بہن بیٹیاں اپنے پاس رکھنے والی آمانت ہوتی قسم کھاتا ہوں کبھی اپنی عابیر اور تمھارے لیے یہ فیصلہ نہ لیتا۔کبھی کسی کے حوالے تم دونوں کو نہ کرتا۔

کل جب عابیر کے ساتھ اسفند کا رشتہ طے ہوا تو خود سے اسفند کو بہتر پایا۔

آج میں درخزئی خانزادہ کو خود سے بہت بہتر پاتا ہوں۔پھر میں کس بیحاف پر اس رشتے سے انکار کروں۔۔

آنکھیں بند کر کے اس پر اعتبار کر سکتا ہوں۔میں یقین دلاتا ہوں تمھیں۔۔ وہ تمھیں پھولوں کی طرح رکھے گا۔تمھیں ایسے رکھے گا جیسے کسی نے کسی کو نہ رکھا ہو۔۔

اور مجھے یہ بھی یقین ہے جس طرح عابیر نے میرا مان رکھا۔ تم بھی میرا مان رکھو گی۔مجھے آج ساری دنیا کے سامنے تم میری نظریں جھکنے نہیں دو گی۔زاران نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے جذباتی انداز میں کہا۔

عنائیہ ڈبڈبائی آنکھوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی ۔جو بہت مان سے اسے دیکھ رہا تھا۔اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب اس نے اپنی جان پر کھیل کر بہزاد کی قید سے آزاد کروایا تھا۔۔اس کا بھائی تب موت کے منہ میں تھا جس کی حفاظت اس نے جان سے بڑھ کر کی تھی۔

وہ جانتی تھی سامنے کھڑا انسان اسے بہنوں کا مان دیتا ہے۔زاران کی آنکھوں میں مان یقین دیکھ کر وہ روتے ہوے اس کے سینے سے لگی۔

میرا یقین کرو تم بہت خوش رہو گی اگر ایسا نہ ہوا تم مجھے جو مرضی سزا دے دینا میں بھگتنے کو تیار رہوں گا۔میں قسم کھاتا ہوں مجھے تم درخزئی سے کہیں زیادہ پیاری ہو۔زاران اس کے سر پر ہاتھ رکھتے

اٹل مضبوط لہجے میں بولا عنائیہ اثبات میں سر ہلاتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھے شدت سے رو دی تھی۔

حور نے بلیک کلر کی ڈیزایز آوٹ فٹ پہنے ہوے تھی ۔گولڈن بلاوز کے نیچے حور نے بلیک کلر کی فل گھیرے دار ہیوی لہنگا پہنا ہوا تھا۔جس پر بلیک کلر کا دوپٹہ اس نے ایک سائیڈ کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔اپنے لمبے سلکی براون بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔جیولری میں گولڈن گلو بند پہنا ہوا تھا۔سب سے زیادہ سٹائلش اور مہنگا ڈریس اس نے پہن رکھا تھا۔۔عنائیہ کے نکاح کے لیے اس نے اپنے اور پریذے کے لیے سیم ڈریس ڈیزایز کو تیار کرنے کو کہا تھا۔ جو اس کے ڈیزائنر نے دو دن میں تیار کر کے اسے ڈلیور کیا تھا۔اس

وقت پریذے بھی بلیک اور گولڈن آوٹ فٹ میں ملبوس تھی۔ چھوٹا سا ڈوپٹہ بھی اس نے ایک کندھے پر حور کی طرح اٹیچ کیا ہوا تھا۔ حور کی طرح بال بھی بنائے ہوے تھے۔وہ اس وقت اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی حور کا ہاتھ پکڑے اس کی فنگر میں پہنے والی رنگ سے کھیل رہی تھی

بہارے سلور کلر کی ساڑھی میں ملبوس تھی ۔۔جس پر اس نے انڈین سٹائل میں الگ سے ہیوی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔اسے ساڑھی پہننا پسند تھا ۔شہرام نے اس کے لیے یہ خاص طور پر بنوائی تھی۔مگر بال سب کے سامنے نہیں کھولنے دیے تھے۔عورتوں کے سامنے بھی بال کھولنے سے منع کر دیا تھا۔اس لیے اس نے الگ سے دوپٹہ لیا تھا۔

اس وقت وہ سب لوگ زنان خانے کے سٹنگ ایریا میں بیٹھی تھیں۔زنان خانہ مہمان خواتین سے بھرا پڑا تھا۔اس لیے وہ سب یہاں پر بیٹھی تھیں۔

پریذے حور کے ساتھ صوفے پر بیٹھی کبھی اس کے بالوں کو چھوتی کبھی اس کے چہرے کو دیکھتی ۔

ماما یو آر سو بیوٹفل پریذے نے کوئی یہ دسویں بار کہا تو سب کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

مگر پریذے سے زیادہ تو ماما بیوٹیفل نہیں ہے۔

Preezy is more prettier than mama

حور نے اسے کمر سے پکڑتے اب اپنی گود میں بٹھایا۔پریذے نے اسی ٹایم حور کے گال پر کسز کیں۔

ارحام کے جانے کے بعد وہ وہ اس کا ایک پل پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔وہ کچن میں بھی جاتی وہ اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آتی تھی ۔یہاں تک واش روم میں بھی جاتی ۔وہ دروازے کے باہر کھڑی ہوتی تھی ۔۔حور کو کھونے سے وہ ڈرتی تھی ۔جس طرح گل اسے چھوڑ کر چلی گئی پریذے کو لگتا تھا حور بھی اسے چھوڑ کر پھر سے چلی جائے گی۔

ماما پاپا آج آجائیں گے ۔پریذے نے حور کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔ابھی پاپا کی میٹنگ چل رہی ہے ایک دو دن میں آ جائیں

گے۔ حور نے زبردستی کی مسکراہٹ سجائے کہا۔ارحام کی کمی اسے بھی کمی بری طرح محسوس ہو رہی تھی

بھابھی لالا کی ایسی کون سی میٹنگ ہے وہ درخزئی کے نکاح میں بھی شریک نہیں ہو رہے۔لالا درخزئی سے چھوٹے بھائیوں کی طرح پیار کرتے ہیں۔بہارے نے بہرام کو سینے سے لگاتے پوچھا۔بہرام نے بلیک کلر کی شلوار قیمض پہن رکھی تھی۔وہ اس کے پاس ہی تھا۔

بہارے کی بات پر ابرش جو ادھر بیٹھی تھی ۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

نکاح نہیں ہو رہا آج تو درخزئی اور عنائیہ کی مگنی ہے۔ابرش نے سب کو ایک نظر دیکھتے بے یقینی کی کیفیت میں کہا۔

مگنی کیسے ہو رہی ہے بھابھی ۔اتنا بڑا فنکشن رکھا آج حویلی میں۔اور مجھے تو شہرام نے خود بتایا آج درخزئی عنائیہ کا نکاح ہے۔ مورے زحلے پھوپھو کو نکاح کے لیے لہے مبارک باد دے رہی تھیں آج صبح۔۔ ساری خواتین بھی نکاح کی ہی مبارک باد دے رہی ہیں۔ آپ کہہ رہی ہیں مگنی ہے۔ بہارے نے تحیر ذدہ نگاہوں سے ابرش کو دیکھتے کہا۔

ابرش نے بہارے کی بات سنتے سب حور عابیر کو دیکھا جن کے چہروں پر اس کی بات پر تحیر پھیلا ہوا تھا۔

عابیر بری طرح پریشان ہوئی تھی۔ابرش کی رنگت فق تھی۔پورا بدن کپکپا رہا تھا۔سب جیسے بات کی تہہ تک پہنچے تھے۔

ابرش گہرے سانس لیتے سر نفی میں ہلاتے اپنی جگہ سے اٹھتے تیزی سے سٹنگ ایریا سے نکل گئی تھی۔وہ بھاگتے ہوے عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔زنان خانے میں سب حیرانگی سے اسے بھاگتے ہوے دیکھ رہے تھے۔امینہ خانم نے اپنی بہو کے تیور دیکھتے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

ابرش مہمان خان کی طرف بھاگتے ہوے بڑی تھی۔اندر سے آتی آوازوں پر اس کے دراوزے پر قدم ٹھہرے تھے۔اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔اس کا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

ابرش زاران کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے سر نفی میں ہلاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ زاران نے ایک نظر ابرش کے لرزتے وجود کو دیکھا تھا۔ دوسرے پل وہ سنجیدگی سے عنائیہ کے سامنے نکاح کے پیپرز رکھ چکا تھا۔ عنائیہ خاموشی سے ان پیپرز پر سائن کرنے لگی۔

ابرش دیوار کے ساتھ لگی لرزتے وجود کے ساتھ عنائیہ کو نکاح نامے پر سائن کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ زخمی سا مسکراتے اب آنکھیں میچ گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں اس کے عارض پر بہہ رہے تھے۔ زاران اپنا بالائی لب دانتوں تلے دبائے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسے دیکھ کر زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ میرون ڈریس میں دلہن کی طرح سجی سنوری لرزتی ہوئیو آنکھیں میچے ہوئی تھی۔ زاران گہرا سانس بھرتے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ ابرش کے آنسو

اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اسے کچھ بھی بتاتا وہ یہ نکاح نہ ہونے دیتی۔ عنائیہ کے بہتر مستقبل کے لیے وہ درخزئی سے اس کا نکاح کروا رہا تھا۔ مگنی اس کے نزدیک عارضی بندھن تھا۔ وہ جانتا تھا درخزئی اب مر جائے گا عنائیہ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کرے گا۔ عنائیہ بہزاد کی قید میں رہی۔ اس سے درخزئی کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ الٹا عنائیہ کے کردار پر بات آنے سے وہ اسے مارنے پر اتر آیا تھا۔ درخزئی سے بڑھ کر وہ کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چار مہینے بہزاد کی قید میں رہی۔ اسے عنائیہ سے بھائیوں والی محبت ہو گئی تھی۔ جب جب راتوں کو اس کی کم سنی معصومیت کے بارے میں سوچتا تو عابیر کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آتا۔۔ اس نے جھوٹی قسم نہیں کھائی تھی۔ عنائیہ اور

عابیر کا ایک ہی مقام تھا اس کے دل میں۔ زاران لب بھینچے بے بسی سے ابرش کو ایسے دیکھ رہا تھا۔

ابرش نے آنکھیں کھولتے زاران کو ایک نظر دیکھا۔ زاران کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔۔ مقابل آج اس کا دل بری دکھا چکا تھا۔۔ اسے اب اس سے کوئی غرض نہ تھی۔

دوسرے لمحے وہ اپنے عارض سے آنسو بے دردی سے صاف کرتے عنائیہ کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ عنائیہ کے آگے سے پیپر پکڑ کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرتی۔ زاران ابرش کا آرادہ سمجھتے عنائیہ کے آگے سے وہ پیپرز جلدی سے اچک گیا۔ آپ نکاح مکمل کروائیں میں آتا ہوں۔ زاران نے وہ نکاح پیپرز نکاح خواں کو پکڑائے۔ نکاح خواں اثبات میں سر ہلاتے دروازے کی طرف بڑھا۔

یہ نکاح نہیں ہو گا سمجھے آپ۔۔ ابرش زاران کو دیکھتے حلق کے بل چیختے ہوے نکاح خواں کی طرف بڑھی۔ زاران جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا اس کا رخ پلٹے اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

زاران نے اسے اپنے سینے میں بھینچے دروازے کی طرف بڑھتے دراوزے کو لاک کیا۔

کھولو مسٹر خانزادہ یہ دروازہ لاک کیوں کر رہے ہو؟؟ تمھیں پتہ ہے باہر تمھارا عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ جب لوگوں کو پتہ چلے گا تم نے کیا کیا۔۔ ابرش زاذران کی شال اپنی مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی۔

ابرش کی حالت دیکھتے عنائیہ صوفے سے جلدی سے اٹھی تھی۔ وہ بہت بری طرح پینک ہو رہی تھی۔۔ پورا بدن اس کا کپکپا رہا تھا۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟زاران نے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی مٹھیوں سے اپنی شال چھڑواتے اس کے ہاتھوں کو اپنی دونوں ہاتھوں میں جکڑے اسے اپنے قریب کرتے ہوے اس کی شہد رنگ کانچ سی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

تم نے میری عنائیہ کے ارمانوں کا قتل کیا۔ تم نے میری عنائیہ کو جیتے جی مار ڈالا۔ تم قاتل ہو میری عنائیہ کے۔ میرے ماں باپ نے برسوں پہلے میری انویسبل قبر بنائی۔۔ جس میں گزرتے وقت کے ساتھ سب نے مٹی ڈالی ہے۔ تم نے سب سے زیادہ اس پر مٹی ڈالی۔۔ تمھارا جی نہیں بھرا تھا کہ میری بہن کی قبر بنالی مسٹر خانزادہ!!ابرش لرزتے لبوں سے بولتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چیخی تھی۔

عنائیہ بہن ہے میری اس کی خوشیوں کے لیے کیا یہ سب میں نے۔ زاران اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سختی سے بولا۔ مگر آنکھوں میں کرب کی پرچھائی اتری تھی۔

نہیں ہے بہن وہ تمھاری!! کوئی رشتہ نہیں تمھارا میری بہن سے سمجھے تم ۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلاتے چٹختے ہوے بولی۔

کوئی رشتہ نہیں ہے اس سے میرا؟؟ زاران نے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

نہیں ہے میری عنائیہ سے تمھارا رشتہ۔ نہیں ہے کوئی رشتہ سمجھے تم۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں کہا۔

مجھے تو لگا تھا تمھارا ہر رشتہ میرا ہے۔ آج تک یہی سمجھتا آیا۔ میری ابرش کا ہر رشتہ میرا ہے۔ زاران ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی لہجے میں بولتے

اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اسے سمجھے گی۔ مگر ہمیشہ کی طرح اس کے تمام رشتوں کی طرح اس پر ہی وار کرتے اس کی محبت پر سوال اٹھائے جا رہے تھے۔

نہیں ہے زاران میرے کسی رشتے پر تمھارا حق نہیں ہے۔ جھوٹی کنسرن مت دکھاؤ۔ عنائیہ کی جگہ تمھاری بیٹی ہوتی کیا تم اس کے ساتھ بھی یہی کرتے اس کی مرضی کے بغیر ایسے نکاح کرتے۔ ابرش نے زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لیتے سوال داغا۔ اس کی سولہ سالہ بہن کا اسے بتائے بغیر نکاح کر دیا۔ وہ مرنے والے ہو گئی تھی۔ اور کرنے والا کون تھا اس کا شوہر۔۔ اسے اپنے جسم کی عمارت ٹوٹ کر جھڑتے محسوس ہو رہی تھی۔

بیٹی ہوتی میری۔ زاران ابرش کے الفاظ دہراتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

کیا بہن بیٹی نہیں ہوتی ؟؟ کیا ماں باپ بھائی اپنی بیٹیوں بہن کے بہتر مستقبل کے لیے فیصلے نہیں لیتے۔۔ زاران نے جوابًا کرب سے سوال کیا۔

لیتے ہیں فیصلے۔ اپنی بیٹی کا اچھا بھی سوچتے ہیں۔

مگر کبھی سوچا ہے اس بیٹی کے ساتھ غلط ہو جائے۔۔ کانٹوں کے سفر پر اس بیٹی کو اکیلا ہی چلنا پڑتا ہے۔ کوئی اس کے غموں کا بھاگ دار نہیں بنتا۔۔ میری عنائیہ کے ساتھ کچھ غلط ہو گیا۔ کیا کر لو گے تم ؟؟ اپنے جیسے خانزادہ کا کیا بگاڑ لو گے آخر تم۔۔ صرف مٹی ڈالنے کا کام کرو گے تم میری بہن کی قبر پر۔۔۔ ابرش سسکیاں لیتے بولتے بری طرح رو دی تھی۔

زاران اب ایک ٹک خاموش نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا

کیوں کیا میری عنائیہ کا نکاح۔ کیوں مجھ سے یہ حق چھینا۔ماں ہوں میں اس کی۔ کیوں مجھ سے میری عنائیہ کے نکاح کے بارے میں چھپایا۔ ابرش زاران کا گریبان جکڑ گئی تھی۔ زاران نے گہرا سانس لیتے اسے خود میں بھینچتے اس کی کمر نرمی سے سہلائی۔ ابرش کی باتیں اس کے دل میں فگار کر رہی تھیں۔ مگر ابرش کی حالت دیکھتے وہ اسے نرمی سے سینے میں بھینچے ہوے تھا۔

مجھے دھوکہ دیا تم نے ماں ہوں میں عنائیہ کی۔ اتنا بڑا حق تم نے مجھ سے چھینا میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی معاف نہیں کروں گی سمجھے تم۔۔ تم میری عنائیہ کے کچھ نہیں لگتے سمجھے تم۔ کچھ نہیں لگتے تم میری عنائیہ کے !!۔ بہت غلط کیا تم نے میری عنائیہ کے ساتھ۔

ابرش روتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھتے بولی۔

آپی!!زاران بھائی نے مجھے مجبور نہیں کیا۔اگر میں نہ چاہتی وہ کبھی مجھے مجبور نہیں کر سکتے تھے۔یہ نکاح میں نے ہوش و حواص میں کیا ہے۔آپ کے بعد جن کی آنکھوں میں میں نے اپنے لیے محبت دیکھی وہ زاران بھائی ہیں۔باپ کیا ہوتا ہے مجھے نہیں پتہ۔۔مگر زاران بھائی کو دیکھ کر مجھے لگا شائد اصل میں ایک باپ ایسا ہوتا ہو گا۔۔جیسے میری دوستوں کے پاپا ہوتے تھے۔عنائیہ زخمی سا مسکرائی تھی

۔بہزاد کی قید میں جب تک تھی۔آہل بھائی موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ماما کو تو آپ جانتی ہیں وہ تب بھی اپنے خساروں کو روتی رہی ہوں گی۔مجھے نہیں لگتا انہوں نے میرے لیے دعا بھی کی ہو۔

اور آپ کو تو پتہ بھی نہیں تھا میں اس اندھیرے کمرے میں سانس بھی مشکل سے لے رہی ہوں۔

ہاں تو مجھ سے اس انسان نے سب کچھ چھپایا تھا۔ اس نے بتایا ہی نہیں تم قید میں ہو اس نے تب بھی مجھ سے جھوٹ بولا۔ جیسے آج جھوٹ بولا۔

ابرش روتے ہوئے چیخی تھی۔

آپی مجھے نہیں پتہ تھا آپ کو پتہ تھا کہ نہیں مگر میں اتنا جانتی ہوں اس اندھیرے کمرے سے نکل کر سب سے پہلے جس انسان کو دیکھا وہ زاران بھائی ہی تھے۔

بہزاد کی قید سے جب میں نکلی تو یہ زخمی میرے سامنے کھڑے تھے۔ ان کی گردن چہرہ زخموں سے بھرا ہوا تھا۔

جب انہوں نے مجھ سے لرزتے لبوں سے پوچھا کہ بہزاد نے میرے ساتھ کچھ کیا تو نہیں۔۔۔یہ سوال پوچھتے ہوے ان کے چہرے پر جو تکلیف تھی ۔وہ میں آج تک نہیں بھول سکتی۔

میں نے نکاح کے لیے قبول ہے کہ لفظ دہراتے ہوے درخزئی کو نہیں دیکھا نہ اس کے بارے میں سوچا۔۔مجھے نہیں پتہ وہ کیسا ہے ؟؟۔وہ کیسا ہو گا؟؟نہ وہ مجھے پسند ہے۔ نکاح نامے پر سائن کرتے میری آنکھوں کے آگے صرف زاران بھائی تھے۔ میں زاران بھائی کو بڑا بھائی ہی نہیں اپنے باپ کی جگہ مانتی ہوں۔ میں نے یہ نکاح صرف زاران بھائی کے لیے کیا۔ عنائیہ کی بات پر ابرش پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی

۔

میں کون ہوں پھر تمھاری؟؟ مجھے اپنی بہن بھی مانتی ہو کہ نہیں۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے چٹختے اعصابوں کے ساتھ چیختے ہوئے پوچھا۔

زاران اس کے بدن کی کپکپاہٹ دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے میں قید کر گیا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!! کوئی بھی میرا نہیں ہے۔ تم نے میرے اور میری بہن کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔۔ ٹھیک نہیں کیا میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی سمجھے تم۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتی غرائی تھی۔ زاران اسے مزید سختی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

چھوڑو مجھے تمھارے لمس تمھاری بانہوں کا حصار مجھے آج پگھلا نہیں سکتا۔ جیسے تم ہو برفیلے سرد کھردے میرے لیے۔۔ اب ابرش پاشا کو بھی تم ایسے ہی خود کے لیے پاؤ گے۔

ابرش نے اس کی گردن میں پوری قوت سے اپنے ناخن گاڑھتے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیتے خود سے دور دھکیل گئی۔ زاران اسے چھوڑتا خود ہی پیچھے ہوا تھد۔

قریب مت آنا میرے۔۔ ابرش انگشت شہادت اٹھائے اسے بھیگی سرد نگاہوں سے تنبیہ کرتے دروازہ کھولتے نکل گئی تھی۔

زاران نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے گہری سانس کھینچی تھی۔ دوسرے لمحے کمرے میں رکھا واز اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر

دے مارا تھا۔ عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخ روک چکی تھی۔ زاران اپنی شال گلے میں جھٹکتے دروازہ کھولتے باہر نکل گیا

عنائیہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں ڈھے سی گئی تھی۔۔

نکاح کی تقریب ختم ہو چکی تھی۔ تمام مہمان جا چکے تھے۔

سب لاونج میں صوفوں پر بیٹھے تھے۔ لاونج کے وسط میں آتش دان میں کوئلے دہک رہے تھے۔۔ باہر شدید برف باری ہو رہی تھی۔۔ لاونج کا ٹمپریچر اچھا خاصہ گرم تھا۔ سب کے چہرے بھی کافی سنجیدہ تھے۔۔ وجہ ابرش تھی۔ جس نے کسی بھی مہمان سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔۔

نہ ہی وہ کسی اور سے بات کر رہی تھی۔ جس کی وجہ سے امینہ خانم کا چہرہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔ بہت سی بزرگ قریبی خواتین رشتے دار سے بھی ابرش نے سلام تک نہیں لیا تھا۔ جس کی وجہ سے اچھا خاصہ فساد بھی ہوا تھا۔ وہ امینہ خانم کو اچھی خاصی باتیں سنا کر گئی تھیں۔

سمیع اللہ خان اس وقت اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ اردبد درید خان بھی اس وقت اپنے کمروں میں تھے۔ اس وقت لاونج میں عابیر اسفند یار خان حور پریذے امینہ خانم رقیہ خانم زاران اور ابرش موجود تھے۔ شہرام بہارے بھی اپنے کمرے میں تھے۔

زاران نے پہلو بدلتے ہوے اپنے سامنے بیٹھی ابرش کو دیکھا جو سپاٹ سے انداز میں بیٹھی تھی۔۔ ابھی تک میرون میکسی میں ملبوس تھی۔ زاران نے

گہری گرم نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ نکاح کے بعد کتنی ہی بار کمرے میں گیا تھا کہ وہ کمرے میں اسے ملے وہ بانہوں میں بھرتے اسے پیار سے منا لے۔ مگر وہ تب سے ہی لاونج کے صوفے پر خاموش سی بیٹھی تھی۔ وہ بہت بار اسے نظروں نظروں میں کمرے میں نے آنے کا اشارہ کر چکا تھا۔ مگر ابرش اس کے ہر اشارے کو نظر انداز کرتے خاموشی سے وہاں سٹل سی بیٹھی تھی۔ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہی تھی۔۔ زاران کو اس کی خاموشی اور سرد پن بہت چبھ رہا تھا۔ وہ اچھا خاصہ پریشان تھا۔ اس کا ایسا سرد پن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے مقابل کی اتنی سی بے رخی اس برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ زاران نے ایک بار پھر سے بے چینی سے پہلو بدلتے اپنی بیوی کو دیکھا جو اب اپنے کیوٹکس لگے نیلز کو دیکھ رہی تھی۔

آہل سٹک کے سہارے چلتا ہوا ابرش کے پہلو میں آ کر بیٹھا۔ ابرش۔۔ آہل نے نرمی سے اسے پکارا۔

نام مت لینا آیندہ تم میرا۔۔ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں۔۔ ابرش کی آواز اچھی خاصے اونچی تھی کہ لاونج میں بیٹھے ایک ایک انسان تک بخوبی پہنچی تھی ۔۔

ابرش کی اونچی آواز پذ سب کی نگاہیں ابرش کی طرف اٹھین۔ ابرش جو کچھ کیا وہ صرف عنائیہ کے لیے ہی کیا۔ آہل نے سب کو ایک نظر دیکھتے اس کی تھائس پر ہاتھ رکھتے دبی آواز میں وضاحت دی۔

مجھے اپنوں نے لوٹا

غیروں میں کہاں دم تھا

میری کشتی وہاں ڈوبی

جہاں پانی کم تھا

ابرش زاران کو دیکھتے تلخی سے بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔۔زاران اس کی اونچی آواز اور لب ولہجے پر اسے غصے سے دیکھتا لب بھینچ گیا تھا۔

اسفند نے پریشانی سے زاران کو دیکھا جو پریشانی سے اب اپنا ماتھا سہلا رہا تھا

ابرش کیا ہوا ہے؟؟ مہمانوں کے سامنے بھی تم ایسے بیٹھا ہوا تھا۔ کسی مہمان سے تم نے سیدھا منہ بات نہیں کیا۔ تم جانتا ہے سب کتنا باتیں کر رہا تھا۔ امینہ خانم مزید خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔ ایک بزرگ رشتے دار کے سلام تک کا جواب ابرش نے نہیں دیا تھا۔ ایسے ہی

لاونج میں بیٹھی اپنی بھیگی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ انھیں آج ابرش کی وجہ سے بہت خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

یہ آپ اپنے بیٹے سے پوچھیں۔ کیا کیا اس نے میرے ساتھ۔ میری بہن کا نکاح تھا۔ اس نے بتایا تک نہیں مجھے۔۔ یہ جو میں اتنا تیار ہوئی عنائیہ کی مگنی کے لیے تیار ہوئی۔ اور عین وقت پر مجھے پتہ چلا عنائیہ کا درخزئی کے ساتھ نکاح بھی ہو چکا ہے۔ مجھے کیسا لگ رہا ہے میں کیسے بتاؤں۔ ابرش اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

اسے ایسے روتے دیکھ کر زاران نے پہلو بدلتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ حور عابیر نے تحیر سے زاران کو دیکھا تھا۔ عابیر اور حور کو یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

ماما!! ابرش چچی کیوں رو رہی ہیں۔ پریذے نے معصومیت سے حور سے پوچھا۔

پریذے جان ہم کمرے میں چلتے ہیں۔ پھر میں آپ کو آج ایک دو تین چار پانچ سٹوریز سناؤں گی۔ حور مسکراتے ہوئے پریذے کا ہاتھ پکڑے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ہم کو تمھارا رونا سمجھ نہیں آ رہا۔ عنائیہ کے نکاح میں تمھارا اماں تمھارا بھائی دونوں کا مرضی شامل تھا۔ زاران نے عنائیہ کی کنپٹی پر بندوق رکھ کر نکاح نہیں پڑھوایا۔ جو تم یوں رو رہا ہے۔ نکاح جیسا پاک بندھن بندھنے پر تم سوگ منا رہا ہے۔ امینہ خانم ابرش کو یوں روتے دیکھ کر کاٹ دار لہجے میں بولیں۔

آپ کے نزدیک یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ آپ کے بیٹے نے میرے اموشنز کے ساتھ کھیلا۔ میری بہن کو جذباتی طور پر بلیک میل کیا۔ حویلی کے ملازم تک کو پتہ تھا عنائیہ اور درخزئی کا نکاح ہو رہا ہے۔ اگر نہیں پتہ تھا صرف مجھے نہیں پتہ تھا۔ کسی کو میری تکلیف نظر نہیں آ رہی۔ ابرش نے صوفے سے اٹھتے امینہ خانم کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے پوچھا۔ زحلے کی طرف اس نے ایک بار نہیں دیکھا تھا۔۔

کیسا تکلیف؟؟ کسی ایرے غیرے سے زاران نے عنائیہ کا نکاح نہیں کیا۔ جتنا ہمارا تمام بیٹوں کا جائیداد ہے۔ اتنا اکیلے کا درخزئی کا ہے۔ اکلوتا مالک وہ اپنا تمام زمین و جائیداد کا۔۔ پڑھا لکھا خوبصورت بھی ہے اور کیا چاہیے تھا۔

زاران نے نے عنائیہ کے لیے اچھا سوچا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تمھارا مورے اور تمھارا بھائی کبھی نہ مانتا۔ امینہ خانم نے اب کی بار اپنی اونچی آواز پر قابو پاتے کہا۔۔ زاران کا پریشان چہرہ دیکھ کر وہ خود پر قابو پا گئی تھیں۔ وہ ابرش کو ایسے روتے دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ یہ اس کے سرخ و. سفید چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔ یہی بات امینہ خانم کو تکلیف دے رہی تھیں۔ اپنے بیٹوں کے چہرے پر وہ ذرا سی پریشانی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اسی لیے وہ کسی بہو کے معاملے میں نہیں بولتی تھیں۔ مگر آج ابرش کے رویے نے انھیں مجبور کر دیا تھا۔

دھوکہ دیا آپ کے بیٹے نے مجھے اور میری بہن کو۔۔ میرے اور میری بہن کے لیے یہ بینک بیلنس کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔۔ زاران کسی راہ چلتے سے میری بہن کا رشتہ طے کر دیتا۔ اگر میری بہن اس رشتے کو دل سے قبول

کرتی مجھے وہ راہ چلتا بھی قبول تھا۔۔تکلیف اسی بات کی ہے۔میری بہن کی مرضی کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔۔اسے عین وقت پر دھوکہ دیا۔اس کے جذبات کے ساتھ کھیلا۔یہ بات مجھے آرے کی طرح کاٹ رہی ہے۔زاران صرف اس کی رضامندی حاصل کرلیتا۔پھر نکاح کر دیتا اس کا۔۔وہ درخزئی کو پسند نہیں کرتی۔زاران نے وعدہ کیا تھا اگر عنائیہ اس رشتے سے خوش نہ ہوئی وہ یہ مگنی توڑ دے گا۔مگر وہ نکاح کی پلینگ کر رہا تھا۔اس کا ایک ایک لفظ جھوٹ تھا۔شوہر ہوتے اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ابرش زاران کی طرف دیکھتے ہچکیوں کے درمیان بولی۔

ابرش۔۔۔تم ناشکرا عنزپ ہے۔امینہ خانم غصے سے بولتے صوفے سے اٹھی تھیں۔

مورے۔۔۔خاموش ہو جائیں وہ جو کچھ کہہ رہی ہے ٹھیک کہہ رہی ہے ۔مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔۔مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔پھوپھو آہل سے کہیں زیادہ حق ابرش کا تھا۔زاران صوفے سے اٹھتا جلدی سے امینہ خانم کی بات کاٹتے سنجیدگی سے بولا۔۔امینہ خانم زاران کی بات پر اسی وقت خاموش ہو گئی تھیں۔ابرش زاران کو ایک نظر دیکھتے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

زاران کی سرد سرخ نگاہوں کا رخ درخزئی کی طرف تھا جو عنائیہ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔زاران اسے عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھتے تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا

عنائیہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنی جیولری اتار رہی تھی۔لاک کے کلک ہونے کی آواز پر اس نے دروازے کی طرف دیکھا درخزئی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر عنائیہ کی رنگت فق ہوئی تھی۔

وہ اسے دیکھتے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتی دیوار کے ساتھ جا لگی۔

درخزئی دروازہ لاک کرتے اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا تھا۔وہ اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اسے محصور کر گیا تھا۔

عنائیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اس پر جھکے اپنی پر تپش سانسیں بکھیرتا اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔وہ نکاح ہوتے اس سے ملنے دھڑلے سے کمرے میں چلا آئے گا اسے یقین نہیں تھا۔ورنہ وہ دروازہ لاک ضرور کرتی۔

کیسا لگ رہا ہے میری محرم بن کر؟؟۔۔ درخزئی نے اس کی عارض پر اپنی انگلیاں پھیرتے مخمور لہجے میں پوچھا۔

اچھا۔۔۔لگ۔۔۔۔رہا۔۔۔۔ہے۔۔اچھا۔۔۔۔لگ۔۔۔رہا۔۔۔۔وہ اٹکتے ہوئے بمشکل بولی۔ درخزئی کے بدن سے اٹھتی محصور کن خوشبو اسے اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی گہری گرم نگاہوں کی تپش سے ہی جیسے جھلس رہی تھی۔

بس اچھا لگ رہا ہے۔ درخزئی اس کی بات پر مدھم سا ہنسا تھا۔

مجھ سے پوچھو مجھے کیسا لگ رہا ہے؟؟۔ درخزئی نے اپنے دہکتے لب بہت نرمی سے اس کے عارض پر رکھے۔ اس کے لمس پر عنائیہ کی ہتھیلیاں شدت سے نم ہوئی تھیں۔ سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوئیں۔

میں نے سوچا تھا جب تم میرے نکاح میں آجاؤ گی سب سے پہلے تمھیں فل پیشنیٹ ایگریسیو کس کروں گا۔ پہلی کس کرنے کی خواہش ہر مرد کے دل میں بڑی شدت سے ہوتی ہے۔ میرے دل میں بھی ہے۔

مگر جیسے ہی تم میری محرم بنی۔ دل کے جذبات ہی بدل گئے۔ پہلے تم میرے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی تھی۔ اب تم روح کی طرح میرے جسم میں قید ہو چکی ہو۔ جسم کی محبت تو جیسے بہت پیچھے رہ گئی۔ درخزئی اس کی کانچ سی شاف ڈارک براؤن آنکھوں میں دیکھتے بھاری آواز میں بول رہا تھا۔

یہ فیلینگز بہت الگ سی ہیں عنائیہ۔۔ بہت الگ سی کیا تم میرے لیے ایسا کچھ محسوس کر رہی ہو۔ درخزئی نے اس کی آنکھوں میں اپنی سیاہ مقناطیسی آنکھیں گاڑھے بے تابی سے پوچھا۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پہلی مرتبہ کوئی مرد اس کے اتنا قریب تھا۔ درخزئی کا

چوڑا سینہ اس کی نازکی کو مس ہو رہا تھا۔ مقابل کے لب اس کے عارض کو چھو رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کی اتنی نزدیکی اس کی سانسیں بند کر رہی تھی۔

یہ دل بہت عجیب ہے مائی سویٹ کیوٹ وائفی!! کل تک تمھیں اپنا بنانا تھا۔ آج یہاں تک پہنچنا ہے۔ درخزئی نے اس کی دھڑکنوں پر انگلی رکھی ۔۔اس کا دھڑکنوں کے چھونے پر عنائیہ کی آنکھیں مزید پھیلی تھیں۔

دل مانگے مور۔۔ درخزئی نے اسے بے باکی سے آنکھ مارتے جھکتے ہوے بہت نرمی سے اس کی دھڑکنوں پر اپنے لب رکھے۔ عنائیہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔ وہ کل تک اسے دور سے برداشت نہیں تھا۔ آج وہ اس کے اتنے قریب ہوتے اپنی من مانیاں کر رہا تھا۔ مقابل کی نزدیکی اس کی رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر رہی تھی۔

وہ عنائیہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں گھونٹ گیا۔۔ وہ اس کے گلابی لبوں پر اپنے دہکتے لب سختی سے رکھے ہوے تھا۔۔ وہ صرف اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے ہوے تھا۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر رہا تھا۔

عنائیہ اس کے حصار میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے اس کی سانسوں پر اپنا قبضہ جمائے ہوے تھا۔ اس کے لبوں کو آزادی دیتے درخزئی نے گہری گرم نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ جو سرخ گلاب بنا ہوا تھا۔۔ اس کا چہرہ وہ ابھی تک اپنے ہاتھوں میں بھرے ہوے تھا۔

مائی سویٹ وائفی۔ پتہ ہے کس ایسے نہیں کی جاتی۔۔ وہ اس کے لبوں پر اپنی نگاہ فوکس کرتے مخمور لہجے میں بولا۔۔ع

تمھیں پتہ ہے کیسے کی جاتی ہے۔ درخزئی کے سوال پر عنائیہ نے میکانکی انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی kiss کیسے کی جاتی ہے۔ امریکہ میں اس نے بہت بار سڑکوں پر کپل کو پیشینٹ کس کرتے دیکھا تھا۔

عنائیہ کے. سر نفی میں ہلانے پر درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے وہ جان چکا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

میری جان مائی کیوٹ وائفی!! میں سکھاؤں گا تمھیں۔ مگر ابھی بہت وقت ہے ۔آہستہ آہستہ نشہ بن کر تمھارے حواصوں پر سوار ہوں گا۔ تم مجھے خود سے مانگو گی تو ہی تمھارے اندر نشہ بن کر اتروں گا۔درخزئی نے اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے چھوتے گھمبیر آواز میں کہا۔

اچھا تھوڑا سا ٹرائے کریں۔درخزئی نے اس کے عارض پر ملایمت سے انگوٹھا پھیرتے پوچھا۔وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔اتنا قریب آکر اس کی سانس پینے کی خواہش شدت پکڑتے جارہی تھی۔وو خود پر سے اختیار کھ رہا تھا۔

کک کیا؟؟درخزئی کی بات پر عنائیہ کی سانسیں اٹکی تھیں۔

کس کرنے کی ٹرائے کرتے ہیں۔ نکاح کے بعد ایک ڈیپ کس تو میرا حق بنتی ہے۔ وعدہ جہاں تمھیں اچھا نہ لگا۔ پیچھے ہٹ جاؤں گا۔ درخزئی نے گھمبیر لہجے میں اس کے لبوں پر انگوٹھا پھیرتے اس سے آجازت چاہی۔

عنائیہ نے درخزئی کو دیکھتے خوف سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ درخزئی کو دیکھتے اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ اس کے نکاح میں ہے۔ مقابل کا حق وہ خود پر سمجھتی تھی۔ وہ بند کمرے میں اکیلی تھی۔ وہ اس سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔۔ خانزادوں کا خوف سچ میں اس کے حواصوں پر سوار تھا

Ok!! show me your tongue

دذخزئی کی بات پر عنائیہ کی آنکھیں حیرت واستعجاب سے پھیلی تھیں۔

What??

عنائیہ نے اس کے مطالبے پر حیرانگی سے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔

اپنی زبان دکھاؤ مجھے پتہ تو چلے یہ کتنی کالی ہے۔ تمھاری بدعائیں کتنی جلدی قبول ہوتی ہیں۔ تاکہ میں تمھارا دل کم سے کم دکھاؤں۔۔ درخزئی نے اب کی بار مسکراہٹ دبائے شرارتی لہجے کہا۔

کیا؟؟ عنائیہ کی آنکھوں میں مزید حیرانگی پھیلی تھی۔

اپنی زبان دکھاو مائی وائفی۔۔۔ درخزئی اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے بہت ملایمت سے بولتے جیسے التجا کی تھی

عنائیہ نے جلدی سے اپنا ذرا سا منہ کھولا۔ درخزئی اس کی ادا پر گہرا مسکرایا تھا

مائی سویٹ وائفی۔۔۔زبان باہر نکالو۔۔درخزئی نے اب کی بار سنجیدگی سے اپنی بات پر زور دیا۔

اس کی سنجیدگی پر عنائیہ نے جلدی سے اپنی زبان باہر نکالی۔

دیٹس مائن کیوٹ گرل۔۔درخزئی نے جھکتے ہوے اس کی زبان کو اپنے لبوں سے جکڑے نرمی سے سک کیا۔وہ اب پوری طرح اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کیے بہت نرمی سے اس کی سانسیں پی رہا تھا۔وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے عارض پر انگلیاں پھیرتا۔وہ اپنی سانس درست کرتی۔وہ پھر سے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں پینے لگتا۔وہ بہت ہی نرمی سے اسے چھو رہا تھا۔درخزئی کی اتنی سی شدت پر عنائیہ کا دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا۔

یکدم دروازہ زور زور سے کھٹکا۔درخزئی کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا تھا۔

آ گیا کمینہ سالا!! در خزئی نے جبڑے بھینچتے دانت پیسے۔ عنائیہ نے آنکھیں پھاڑے اسے گالی نکالتے دیکھا۔

تم اس کی بہن ہو۔ سالا ہی ہوا میرا!! کمینہ تو اس کا خطاب ہے۔ در خزئی نے اس کے گال کو نرمی سے چھوتے اپنی شرٹ سے موبایل نکال کر زاران کا نمبر ڈایل کرتے کان سے لگایا۔

کیا مسلہ ہے تجھے ؟؟ تجھے پتہ نہیں میں اپنی نئی نویلی خوبصورت بیوی کے ساتھ مصروف ہوں۔ در خزئی عنائیہ کو فلائینگ کس کرتے فون پر غرایا۔

در خزئی دو سیکنڈ میں باہر آ جا۔ ورنہ تیرے دانت توڑ دوں گا میں۔ زاران فون پر پھنکارا تھا۔

باہر تو نہیں آؤں گا جو کرنا ہے کر لے۔۔ نکاح ہو چکا ہے آج میری سہاگ رات ہے۔ جب تک منا نہ لوں باہر نہیں آؤں گا۔ درخزئی نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے عنائیہ کو بے باکی سے آنکھ مارتے کہا۔ عنائیہ بے یقینی سے اس کی کنوسیشن سن رہی تھی۔ اتنی بے باک گفتگو پر عنائیہ کان کی لوؤن تک سرخ پڑ رہی تھی۔

درخزئی کیا بکواس کر رہا ہے تو؟؟ سولا سال کی ہے وہ۔ وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے!! تو دو سال تک اپنی شکل گم کر لے گا۔ زاران فون پر دبے آواز میں چیخا

۔

میری بات سن تو!! نکاح ہو چکا اب تو پتلی گلی سے نکل۔۔ تیرا کام ختم۔۔۔ عنائیہ بیوی ہے میری۔ وہ سولہ سال کی ہے یا اٹھارہ کی۔۔ مجھے بہتر پتہ ہے میں نے کیا کرنا ہے۔

اس لیے مجھے ڈسٹرب مت کر۔۔ آج سے درخزئی خانزادہ نے اپنا ایک اصول بنایا ہے۔ جب میں اپنی بیوی کے ساتھ مصروف ہوں گا۔ نو فون کالز نہ کوئی اور ڈیوٹی only وایفی ڈیوٹی۔۔۔ اس لیے مجھے مزید فون کر کے ڈسٹرب مت کرنا۔۔ جتنا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اتنی یہ خبر حویلی کے کونے کونے پہنچے گی۔۔ جا کہ اپنی بیوی کی ڈیوٹی نبھا۔۔ آگے وہ انگارے چبا رہی ہے۔ اسے پتہ چل گیا میں اپنی بیوی کے ساتھ ہوں۔ آج رات تیری آخری رات نہ ہو کہیں۔ درخزئی ٹھنڈے لہجے میں بولتے زاران کو آگ لگا گیا۔

اگر تو باہر نہ آیا تو میں اندر آجاؤں گا۔ تو مجھے جانتا نہیں۔ زاران نے غصے سے دانت پیسے تھے۔۔ وہ مقابل کو ہلکے میں لے گیا تھا۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی اس سے۔

تو آجا میری جان اندر دیر کس بات کی ہے۔ مگر اندر تمھیں کیا دیکھنے کو مل جائے۔۔ اس بات کی گارنٹی میں تمھیں نہیں دیتا۔۔ ویسے میں اپنی بیوی کے ساتھ رضائی میں گم ہونے لگا ہوں۔ تو چاہے تو آسکتا ہے اندر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ درخزئی اسے مزید آگ لگاتا فون بند کر چکا تھا۔

وہ فون بند کرتے مسکراتے ہوے عنائیہ کی طرف پلٹا۔

عنائیہ اس کی باتیں سنتے خوفزدہ ہو چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ سہاگ رات منانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ وہ اس کے بارے میں جیسا سوچ رہی تھی وہ ویسا ہی نکلا تھا۔ اسے اس کی عمر اس کے کنسرن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے بدن کی پیاس بجھانے آیا تھا۔

میری جان!! اس منتقم مزاج بندے کو اس کی اوقات دکھا رہا تھا۔ میری بیوی ہو تم۔ میری ہو تم۔ وہ فضول میں حق جتا رہا ہے۔۔ بلکل پسند نہیں

میری خوبصورت سی وایفی پر کوئی حق جتائے۔ درخزئی نے مسکراتے ہوے اس کے تپتے گال پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھا۔

درخزئی۔۔ عنائیہ نے کپکپاتے لبوں سے اسے پکارا۔

جی درخزئی کی جان!! درخزئی نے مسکراتے ہوے اسے دیکھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ یہ۔۔۔ نکاح۔۔۔ نہیں۔۔۔ کرنا۔۔۔ چاہتی۔۔۔ تھی ۔۔ مم میں۔۔ آپ۔۔ کے۔۔ ساتھ۔۔ نہیں۔۔۔ رہنا۔۔ چاہتی ۔۔ مم۔۔۔ مجھے ڈائیورس۔۔۔ دے۔۔۔ دیں۔ مم۔۔ میں۔۔۔ کک۔۔۔ کسی۔۔۔ اور۔۔۔ کو پسند۔۔۔ کرتی۔۔ ہوں۔ عنائیہ خوفزدہ ہوتے جو منہ میں آیا وہ بول گئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ

intimate

ہونا چاہتا ہے وہ خوفزدہ ہوتے پسینے میں نہلائی تھی

عنائیہ کی بات پر درخزئی کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ چہرہ پل میں کرخت سنجیدہ ہوا تھا۔۔ وہ اس سے دور ہوتے جبڑے بھینچے کمرے میں چکر لگانے لگا۔ راستے میں پڑی ٹیبل اس نے پاؤں کی ٹھوکر سے زمین پر الٹی تھی ۔عنائیہ نے ہراسا ہوتے اسے دیکھا۔ وہ اتنی بھاری ٹیبل ایک ہی ٹھوکر سے الٹ چکا تھا۔ دوسرے پل اس نے ڈریسنگ پر پڑا واز اٹھا کر پوری قوت سے مرر میں دے مارا تھا۔ ڈریسنگ

مرر کا شیشہ تڑخ اٹھا تھا۔

عنائیہ نے کانپتے ہوئے اس کے روپ کو دیکھا تھا۔ مقابل کی سفید گردن غصے سے پھول رہی تھی۔ ماتھے پر وینز تک نمایاں تھی۔۔ رنگت آگ کی طرح سرخ ہو رہی تھی۔

وہ اسے کانپتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ درخزئی جو اسے گہرے سانس لیتا دیکھ رہا تھا۔ اس کے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے پر اس کی طرف بڑھا۔

عنائیہ خوف سے آنکھیں میچ چکی تھی۔۔ مم۔۔۔ میری زندگی میں آپ کے علاوہ کبھی کوئی نہیں آیا۔۔ مم۔۔۔ میں جھوٹ بول رہی تھی۔ عنائیہ آنکھیں میچے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

اوپن یور آیز۔۔ درخزئی نے اس کے لرزتی پلکوں کو دیکھتے نرمی سے کہا۔

عنائیہ نے مزید سختی سے آنکھیں میچیں۔۔

اوپن یور آیز!! درخزئی کے سخت لہجے پر عنائیہ اب ضرورت سے زیادہ آنکھیں کھول گئی تھی۔

یہ آگے بہت بڑی ہیں۔ انھیں مزید بڑی مت کیا کرو میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔ درخزئی بھاری آواز میں بولا۔

ہاں۔۔ عنائیہ نے اب منہ کھولا تھا۔

اب منہ کھول لیا ہے۔۔ کیا چاہتی ہو تمھاری زبان کے گرد اپنے ہونٹوں کو رول کرتے اسے اپنے لبوں میں دبالوں۔ درخزئی کی بات پر عنائیہ نے جلدی سے منہ بند کیا۔

درخزئی اس کی معصوم حرکتوں پر گہرا مسکرایا تھا۔

میری بات سنو عنائیہ۔۔ تمھارے لبوں سے نکلے لفظوں سے زیادہ میں تمھاری آنکھوں کی سچائی پر یقین رکھتا ہوں۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔ جو بیوی کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنا میٹر گھما دے۔۔ میرے پاس ایک ہنر ہے۔ تمھاری بڑی سے بڑی بات مسکرا کر پینے کا ہنر رکھتا ہوں۔ بہت چھوٹی ہو مجھ سے۔ مگر مجھ پر حکم تمھارا چلے گا۔

تم چیخ چیخ کر مجھ سے طلاق مانگتی۔ میں تمہارے قدموں میں بیٹھ کر تمھیں سمجھاتا۔ مگر تم نے خود کو کسی غیر کے ساتھ جوڑا ہے۔ صرف یہ ایک بات برداشت نہیں کر سکتا۔ تمھارا نام کسی کے ساتھ گوارا نہیں۔ اس کے ساتھ بھی نہیں جس کا اس روئے زمین پر وجود نہیں۔ درخزئی اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے نرمی سے بول رہا تھا۔

تو پھر یہ سب کیا تھا۔ اتنا غصہ کیوں کیا عنائیہ نے زمین پر بکھرے کانچ کی طرف اشارہ کرتے اپنی خشک زبان لبوں پر پھیری ض۔ وہ اس کے ایکٹ سے ڈر گئی تھی۔

تاکہ آیندہ تم جب بھی مجھ سے بات کرو سچ بولو۔۔ بتاؤ کیا بات ہے تمھارے دل میں۔ جو دل میں ہے سب بتا دو۔۔ درخزئی نے اس کے گال پر ہاتھ رکھتے نرمی سے پوچھا۔

اس حویلی کے تمام خانزادوں کی طرح آپ کو میرے جسم سے مطلب ہے۔ یہاں آپ کو میری کشش نہیں۔ میرے جسم کی کشش کھینچ کر لائی۔ اب ساری رات حق ملکیت کا کھیل کھیل کر میرا جسم نوچیں گے۔ لائر بننا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں میرے خوابوں کے بیچ آئیں گے۔ مجھے قید کر کے رکھیں گے اپنے پاس۔ حق ملکیت کے راگ سے نفرت ہے مجھے۔ اس لیے

درخزئی خانزادہ مجھے نفرت ہے تم سے۔۔ عنائیہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں ایک ہی سانس میں بولتے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

درخزئی اس کی باتیں سنتے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آنسو بہاتے اسے دیکھ رہی تھی۔

جسم کی کشش کھینچ کر لاتی تو دو منٹ میں اپنے جسم کی طلب اب تک تم سے مٹا چکا ہوتا۔۔ چھبیس سال کا ہوں۔

جسم کی کشش مجھے اٹریکٹ کرتی ہے۔ جھوٹ نہیں بولوں گا اور تمھارا جسم مجھے ابھی اٹریکٹ کر رہا ہے اتنا کہ مجھے اپنا دماغ بند ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ تمھیں ہر جگہ سے چھونے کو بے قرار ہو رہا ہوں۔ حق ملیکت جتاوں گا

اب ساری زندگی جتاؤں گا۔۔ مگر وعدہ کرتا ہوں اس میں تمھاری سانسیں نہیں گھٹیں گی۔ تمھاری سانسیں

مہکے گی۔ آج سے درخزئی خانزادہ کا سب سے بڑا خواب تمھارا لایر بننا ہے۔ نہ صرف تم اپنی سٹڈی کمپلیٹ کرو گی۔ پاکستان کی ایک نامور وکیل بھی بنو گی۔ یہ وعدہ ہے درخزئی خانزادہ کا تم سے۔ وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھتے بے حد نرمی سے بولا۔ عنائیہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

My swan!!

دذخزئی نے اسے نرمی سے پکارا۔

ہاں!! عنائیہ نے حیرت سے یہ نام سنا تھا۔

جانتی ہوں

swan

سمبل آف لو کو کہتے ہیں۔

سوین وہ پرندہ ہے جن کا صرف ایک ہی پارٹنر ہوتا ہے اگر کسی ایک کو کچھ ہو جائے وہ اتنا اونچا اڑھتا ہے جتنا اڑ سکتا ہے۔ وہ پھر وہ اسی اونچائی سے خود کو گرا کر موت کو گلے سے لگا دیتا ہے۔ میں تمھارے لیے ایسا ہی ہوں۔ مائی وایفی۔۔ آج سے تم میری

swan

ہو۔ درخزئی اس کے گال پر ہاتھ رکھتے بول رہا تھا۔ عنائیہ نہ سمجھنے کی کیفیت سے صرف سر ہلا رہی تھی۔

مجھے تم سے صرف تمھارا جسم چاہیے۔۔ آج رات تمھیں بتاؤں گا درخزئی خانزادہ کو تم سے کیا چاہیے۔ وہ اب عنائیہ کو بیڈ پر نرمی سے دھکیل گیا تھا۔۔

عنائیہ نے اپنی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھوتے اسے حیرت و استعجاب سے دیکھا جو اپنے ویسکوٹ کے بٹن کھول رہا تھا

عنائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھتے پسنے سے تر ہوتے درخزئی کو دیکھا۔

وہ اس کی طرف بڑھتے گہری گھٹا بن کر چھایا تھا۔ عنائیہ خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کا دوپٹہ اب پنز سے آزاد کر رہا تھا۔ بہت نرمی سے اس کا دوپٹہ پنز سے آزاد کرتے اس نے سائیڈ پر رکھا تھا۔ اب وہ اس کا نیکلس اتار رہا تھا۔ اسے جیولری سے آزاد کرتے درخزئی نے ہاتھ بڑھا کر

اس کے جوڑے میں لگی پنز اتاری تھی۔ اس کا جوڑا کھولتے وہ اس کے بالوں کو انگلیوں سے سلجھائے انھیں کھول چکا تھا۔

عنائیہ کی نگاہیں درخزئی کے چہرے پر تھیں۔ وہ بہت سنجیدگی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ویٹ آمنٹ۔۔۔ درخزئی کہتے بیڈ سے اٹھتا کبرڈ کی طرف بڑھا۔ اس میں سے عنائیہ کی نایٹی نکال کر وہ اس کی طرف بڑھتے کمرے کی تمام لائٹس آف کر چکا تھا۔

درخزئی! عنائیہ کی خوفزدہ آواز گونجی تھی۔

ریلیکس مائی کیوٹ وایفی۔ اگر میری انگلیاں غلطی سے بھی تمھاری کسی گہرائی کو چھو گئی تو بے شک کاٹ دینا۔ وہ بھاری آواز میں بولتا اس کے گاؤن کی زپ نیچے کھسکاتے اس کا گاؤن کندھوں سے نیچے کھسکا تاریمو کر گیا تھا۔ عنائیہ کے بدن میں کپکپاہٹ ہوئی تھی۔

لایٹ آن کرتے درخزئی نے عنائیہ کی طرف دیکھا۔جواب سیاہ نایٹ گاؤن میں ملبوس تھی۔وہ گہرے سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے ہوے تھی۔درخزئی اس کے قریب لیٹتے اسے کلائی سے کھینچتے اپنے سینے کے ساتھ لپٹاتے خود پر اس پر رضائی اوڑھا گیا۔

اس کا رخ پلٹے وہ اس پر جھکا۔آج ساری رات میرے لب تمھیں صرف نرمی سے چھوتے تمھیں بتائیں گے۔۔

intimate

ہوے بغیر بھی ایک مرد پیار جتا سکتا ہے۔تمھیں اندازہ ہو گا ساری رات درخزئی خانزادہ کی کیا حالت ہو گی

مگر پھر بھی تمھارے ساتھ گہری شرارت نہیں کروں گا۔ تمھیں بتاؤں گا تمھاری کنسرن کے بغیر کبھی تمھارے وجود کی گہرائیوں میں نہیں اتروں گا۔ تمھیں بتانا چاہوں گا مرد بھی کردار کا صاف ہوتا ہے۔۔ اسے عورت سے جسم سے پہلے اس کی محبت چاہیے ہوتی ہے۔ درخزئی اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے اس پر جھکتے اس کے لبوں کو بہت نرمی سے اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔ وہ اپنے لبوں سے اس کے ایک ایک نقوش کو چھوتے اس کی گردن کو بہت نرمی سے چوم رہا تھا۔ اس نے اپنا پورا وزن بھی اس پر نہیں ڈالا ہوا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے نقوش اور اس کی گردن کو چوم رہا تھا ۔عنائیہ کپکپاتے ہوئے اس کے حصار میں آنکھیں موند گئی۔

..----------

زاران خانزادہ عنائیہ کے کمرے کے باہر اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اظطرابی انداز میں چکر لگا رہا تھا۔ اندر سے کچھ ٹوٹنے کی آواز بھی آئی تھی اب گہری خاموشی تھی۔ وہ بار بار درخزئی کا نمبر ڈائل کر رہا تھا جو آف آرہا تھا۔ دروازہ بھی وہ کئی دفعہ کھٹکھٹا چکا تھا۔

عنائیہ کے کمرے کی چابی تھی اس کے پاس۔۔ مگر درخزئی کے لفظ یاد کرتا وہ ہر بار اندر جانے سے خود کو روک دیتا تھا۔

زاران نے لب بھینچتے ایک بار پھر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

ابرش کو ادھر آتا دیکھ کر زاران نے پریشانی سے اپنا ماتھا سہلایا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ ابرش نے زاران کو دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھ کر پوچھا۔

کچھ نہیں وہ مجھے عنائیہ سے بات کرنی ہے۔ تم کمرے میں چلو میں کر کے آتا ہوں۔ زاران نے ابرش کو دیکھتے کہا۔

کیا بات کرنی ہے اس سے ؟؟ اب کیا رہ گیا ہے۔ آپ جائیں کمرے میں !! میں عنائیہ کے ساتھ رکوں گی اب سے۔۔ ابرش کی بات پر زاران کے پیشانی پر بل گہرے ہوے تھے۔

کیا مطلب ہے اس بات کا ؟؟ زاران نے غصے سے دانت پیسے۔

وہی مطلب ہے جو سنا ہے آپ نے۔ ابرش نے کہتے ہوے عنائیہ کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔

یہ دروازہ کیوں نہیں کھول رہی۔۔ اندر سے جواب نہ ملنے پر ابرش نے گھبراتے ہوے زاران کو دیکھتے پوچھا۔

کہیں عنائیہ نے کچھ کر تو لیا۔ ابرش نے زیر لب بولتے حو فزدہ ہوتے ب زور ور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

عنائیہ۔۔ ابرش اب حلق کے بل چیخی تھی۔

زاران جلدی سے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ جماتے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا ۔۔

کیا کر رہی ہو؟! سب اکٹھے ہو جائیں گے تماشہ لگ جائے گا۔ وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔ اندر درخزئی ہے عنائیہ کے ساتھ۔۔

زاران اس کے لبوں پر ہاتھ جمائے بولا۔

کک کیا؟؟ ابرش گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔۔

ہاں!، زاران نے اس کے لبوں پر سے ہاتھ ہٹاتے اسے بتایا۔

سولا سال کی ہے وہ زاران۔۔ ابرش چیختے ہوے بولی تھی

جانتا ہوں ابرش!!وہ کچھ نہیں کرے گا میرا یقین کرو۔۔ زاران نے نرمی سے ابرش کو وضاحت دی۔

پھر وہ کیا کر رہا ہے اندر؟!۔۔ ابرش چٹختے اعصابوں کے ساتھ غصے سے بولی۔

وہ باہر نکلتا ہے پوچھتا ہوں میں۔۔ زاران بری طرح جھنجھلایا تھا۔

ابرش نے زاران کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔۔

عنائیہ دروازہ کھولو!ابرش پھر سے حلق کے بل چیخی تھی۔

اسفند کو ادھر آتے دیکھ کر زاران نے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔اس کی کمی رہ گئی تھی اب۔

کیا ہوا ہے باہر لاونج تک آوازیں آ رہی ہیں؟!۔ اسفند نے ابرش کو دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھ کر اور زاران کا پریشان چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

عنائیہ کے ساتھ کچھ بھی غلط ہوا میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔ ابرش زاران کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولتے وہاں سے تیز تیز قدموں سے چلی گئی تھی

کیا ہوا ہے؟! اسفند نے زاران کو دیکھتے پھر سے پوچھا۔

سالا کمینہ دروازہ نہیں کھول رہا۔ زاران نے دانت پیستے دروازے پر مکہ مارا

۔۔

زاران کی بات پر اسفند کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹا تھا۔

تجھے ہنسی آ رہی ہے۔ یہاں واٹ لگ گئی ہے میری۔۔ زاران غصے سے غرایا۔

کس نے کہا تھا ہیروپنتی دکھا؟!۔ کیا ضرورت تھی اس کمینے سالے کا نکاح کروانے کی؟؟۔ اچھی طرح جانتا وہ کتنا بغیرت ہے۔۔ رومانس کو ترسا ہوا خانزادہ۔۔ اسے بیوی ملی ہے تجھے کیا لگتا ہے چھوڑے گا اسے۔۔ اسفند نے زارن کے سرخ چہرے کو دیکھتے آنکھ ماری۔۔

بکواس بند کر اپنی سولا سال کی ہے وہ!!! اتنی تمیز غیرت تو ہو گی اس میں۔

کس کو تسلی دے رہا ہے خود کو یا مجھے۔۔ درخزئی میں کمینگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔۔ دیکھنا کل صبح ہم سب کو ولیمے کا کھانا کھلا کر اپنی بیوی رخصت کروا کر لے جائے گا۔ ایسے تو اسے رخصتی کسی نے کرنے نہیں دینی تھی۔۔ آج رات عنائیہ کے ساتھ گزار کر اسے رخصتی کا پرمٹ مل جائے گا۔ اسفند کی بات پر زاران نے جھنجھلاتے ہوئے دروازے پر مکہ مارا۔

وہ تو سنبھال لے گا سولہ سالا اپنی بیوی کو۔ تو جا کہ سنبھال اپنی بائس سالا بپھری ہوئی بیوی کو۔۔ یہ نہ ہو ہم سب تو گرم کمروں میں مزے لیں آج کی رات اور تو حویلی سے باہر۔۔۔۔ اسفند اسے آنکھ مارتا چلا گیا تھا۔

سالے دونوں کمینے ہیں۔ زاران نے جھنجھلاتے ہوئے دروازے پر پوری قوت سے لات ماری تھی۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو ابرش ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑے اپنی جیولری اتار رہی تھی۔۔ وہ مرر سے اس کا عکس دیکھتا گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ ابرش کی آنکھیں متورم اور گلابی ہو رہی تھیں۔ پورا بدن ہچکولوں کی زد میں تھا۔ وہ دوپٹے کے بغیر کھڑی گہرے سانس بھرتی اپنی جیولری نوچ نوچ کر اتارتے مرر پر مار رہی تھی۔

زاران کمرے کا دروازہ لاک کرتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی پشت کو اپنے سینے کے ساتھ لگاتے اس کی سائیڈ گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

میری جان!! میری خوبصورت زندگی!! مائی انوسینس بیوٹی زاران نے ابرش کے پیٹ پر اپنے مضبوط مردانہ ہاتھ سختی سے جماتے اسے خود میں بہت سختی سے بھینچتے اس کا دہکتا دو آتشہ روپ مرر میں دیکھتے ملائمت سے کہا۔

ابرش مرر سے زاران کو شعلہ بار زخمی نگاہوں سے دیکھتے اپنے پیٹ پر سختی سے جمے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے آنکھیں میچ گئی۔

میری جان!! بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم۔ سارا دن میرے حواصوں پر سوار رہی ہو۔ سچ میں تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ زاران نے گھمبیر آواز

میں کہتے ابرش کے کان کی لو پر اپنی زبان پھیرتے ہوے اپنے لبوں میں دبائے کاٹا۔۔

آج تو سر سے پیر تک تمھیں اپنی زبان سے گیلا کروں گا جان!! یہ بتاؤ میک اپ اور کہاں کہاں لگایا ہے۔ صرف چہرے پر کہ کہیں اور بھی ہمم۔۔۔

زاران اس کا رخ موڑتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے اب اس کے عارض کو اپنی زبان سے گیلا کر رہا تھا۔ ابرش اس کے حصار میں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ہمم!! اسچ میں بہت خوبصورت لگ رہی ہو!! جان مائی لو مائی بیوٹی!! زاران نے گھمبیرتا آواز میں کہتے اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھے۔ ابرش اب استھزائیہ مسکراتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔ ابرش کو خاموش نظریں جھکائے دیکھ کر زاران گہری سانس بھرتا مسکرایا تھا۔ ابرش کو منانا مشکل

نہیں تھا وہ جانتا تھا وہ اسے آسانی سے منا لے گا۔ مقابل اس سے شدید محبت کرتا ہے وہ اس کی بانہوں میں آتے ہی پگھل جائے گی۔ زاران نے اس کے گلاب عارض پر انگوٹھا پھیرتے اس کے میرون لپ سٹک سے سجے یاقوتی ہونٹوں پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے اپنی سانسیں مہکائی تھیں۔ ابرش کے لبوں سے لپٹنے کی دیر تھی وہ بے خود ہوا تھا۔ پورے بدن میں مقابل کی طلب شدت سے جاگی تھی۔ آنکھوں میں خمار کی سرخی چھائی تھی۔۔ جذبوں میں طغیانی برپا ہوئی تھی۔ آج وہ اسے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ صبح سے اسے بانہوں میں لینے کے لیے رات کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ مدہوش ہوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں پی رہا تھا کہ ابرش نے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیلا۔ زاران مدہوشی میں اس کے لبوں پر جھکا ہوا تھا اس کے دور دھکیلنے پر وہ بری طرح لڑکھڑایا.

کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے مسٹر خانزادہ؟!میں آپ کے لیے جسم کی پیاس بجھانے والی مشین ہوں۔ جس کے کوئی جذبات کوئی احساسات نہیں۔۔اتنا بڑا دھوکہ دے کر آپ میرے قریب ایسے آئے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ابرش زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے غصے سے چیخی۔

پیاس بجھانے والی مشین ہو تم میرے لیے!!زاران نے ابرش کے لفظ دہراتے اس کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے لفظ چباتے سوال کیا۔

کب سمجھا تھیں پیاس بجھانے کی مشین؟؟اگر میرے جسم کی پیاس بجھتی ہے ۔کیا تمھارے بدن کی پیاس نہیں بجھتی؟؟یہ سب بکواس کرنے کا کیا مقصد تھا تمھارا؟!۔زاران اس نے اس کے بازو میں اپنی کھردری سخت انگلیاں سختی سے گاڑھتے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔

جانتی تھی منتقم مزاج بندے ہیں۔ میری بات کا ادھار نہیں رکھیں گے آپ ۔میں طعنہ دوں گی جواباً آپ مجھے تھپڑ مار کر میرا منہ لال کریں گے۔ بستر پر آپ سے محبت کا اظہار کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔۔ غلطی ہو گئی مجھ سے!۔ آپ سے محبت کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس سے بھی بڑی غلطی آپ سے محبت جتانا۔ ابرش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی۔

کیا ہو گیا ابرش؟؟ طعنہ نہیں مارا۔۔ طعنہ تم مجھے مار رہی ہو۔۔ جسم کی پیاس بجھانے کی بات آخر کہاں سے آ گئی۔ بیوی ہو میری تم؟؟ جسم کی پیاس بجھانے تمھارے پاس نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا۔ زاران نے اسے ہذیانی چیختے دیکھ کر اپنا لب و لہجہ نرم کیا۔ وہ اسے ایسے دیکھتے پریشان ہو رہا تھا۔ وہ

جذباتی تھی وہ جانتا تھا وہ عنائیہ کے نکاح پر ری ایکٹ کرے گی مگر اس طرح کاری ایکٹ کرے گی اسے اندازہ نہ تھا۔

کہیں بھی جائیں میری بلا سے۔ مگر میرے پاس اب آنے کی ضرورت نہیں۔ ابرش انگشت شہادت اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔

ابرش کے لفظ زاران کی سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔ مقابل تو اس کا نام بھی کسی لڑکی کے ساتھ لیتے ہوئے مرنے والی ہوتی تھی۔ آج اسے کسی کے پاس جانے کو کہہ رہی تھی۔

ابرش نے رخ پلٹتے ہوئے اپنے گلوبند کی ڈوری کھینچتے ہوئے گلوبند گردن سے اتارتے ہوئے زمین پر اٹھا کر دے مارا تھا۔ اب وہ روتے ہوئے ہچکیاں بھرتے اپنی مالا اتار رہی تھی۔

میں نے عنائیہ کا نکاح صرف اس کے بہتر مستقبل کے لیے کیا۔ وہ بہزاد کی قید میں رہی چار ماہ۔۔ یہ بات کل کو اس کے مستقبل پر سوالیہ نشان ہو سکتی تھی۔ مگر درخزئی نے سب جانتے ہوئے بھی عنائیہ کے لیے ایک لفظ تجسس بھرا لبوں سے نہیں نکالا۔ کہ جس پر لگتا اسے اس کے کردار پر آنچ آتی۔ یہی ایک خوبی ایک بات مجھے درخزئی کی بھا گئی۔ پھوپھو اور آہل کی رضامندی شامل تھی اس میں۔ اگر عنائیہ عین وقت انکار کر دیتی تو میں کیا کر لیتا ابرش۔۔ اس کے اقرار پر ہی یہ نکاح ہوا۔ زاران نے اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے لب بھینچے اسے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

ثابت ہوتا ہے میرا یہاں کوئی نہیں۔ ماں تو میری تھی ہی نہیں۔ آج میرا بھائی بھی آپ نے مجھ سے چھین لیا۔ اور شوہر میرا کبھی ہو نہیں سکتا۔ ابرش مر رہی دیکھتے استہزائیہ مسکرائی۔

میں تمھارا ہی ہوں ابرش۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو یہ سب میں نے تمھارے لیے ہی کیا ہے۔ زاران نے نچلا لب دانتوں تلے سنجیدگی سے کہا۔

میرے ہیں آپ ہاں؟؟ ابرش نے مڑتے ہوئے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

میری بہن کے نکاح کا حق مجھ سے چھین لیا آپ نے۔ کل ساری رات میں آپ کی بانہوں میں تھی۔۔ ساری رات پیار کیا مجھے۔۔ مگر ایک مرتبہ مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی کہ آپ کیا پلینگ کر رہے ہیں۔ جب مجھے دھوکہ دینا ہو تو مسٹر خانزادہ بستر پر میرے ساتھ اچھا ہو جاتا ہے۔ جب دھوکہ دے کر مجھے اندر سے توڑ پھوڑ دیتا ہے۔ تب بھی ایسے پیار جتاتا ہے۔ مائی لو! میری بیوٹیفل بیوی!! میری جان۔۔۔ ابرش اس کے لفظ دہراتے طنزیہ مسکرائی تھی۔

زاران نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے طیش والم پر قابو پاتے اپونی پچھلی گردن رب کی۔ مقابل کا طنز پینا مشکل ہو رہا تھا اس کے لیے۔۔

آپ کے نزدیک میری اتنی ہی اوقات ہے۔ چند میٹھے بول کر مجھے بستر پر لے جانا۔۔ ابرش نے اس کے مقابل آتے روتے ہوے سوال کیا۔

زاران منہ پر ہاتھ پھیرتے اب اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ مقابل اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کھڑی تھی

آتے ساتھ میرے ساتھ جسم سے لپٹتے شروع ہو گئے۔۔۔ میں کتنی ذہنی اذیت میں میرا درد لفظوں سے بانٹنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے وضاحت دینے کی بھی ضروری نہیں سمجھی۔

وضاحت دے تو رہا ہوں کب سے۔ تم کچھ سنو تو پھر ناں۔ زاران اب جھنجھلاتے ہوے چیخا تھا

کیا وضاحت ہے آپ کے نزدیک زاران اس ایکٹ کی ؟؟ سولہ سال کی ہے وہ !!۔ اسے اموشنل ایکسپولوئیٹ کیا آپ نے !! کیا نکاح اتنا ضروری تھا ؟؟ کیا ہوا نکاح کے بعد ؟؟ سولہ سالا میری بہن کے ساتھ چھبیس سالہ بھر پور مرد بڑے دھڑلے سے اس کے کمرے میں بند ہے۔ کیا کیا کر لیا آپ نے ؟؟ کیا کر لیا میں نے ؟؟ وہ روتے ہوے حلق کے بل چیخی۔

صرف اس نکاح کی وجہ سے میں مجبور ہوں۔ میری عنائیہ مجبور اور بے بس ہو گئی ہے اس چھبیس سالہ مرد کے آگے۔ اس نکاح کا طوق آپ نے عنائیہ کے گلے میں ڈال دیا۔ وہ حق سے عنائیہ کے کمرے میں بند ہے۔ آپ کی,, داجی کی کسی بڑے کی اس نے پرواہ تک نہیں کی۔ سوچیں بند کمرے میں وہ

کیا اپنا حق نہیں جتائے گا۔ عنائیہ سے اپنا حق نہیں لے گا ابرش نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کیا۔

کچھ نہیں کرے گا۔ مجھے یقین ہے۔ زاران نے لب بھینچے سنجیدگی سے کہتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلی۔

ابرش استھزائیہ زخمی سا مسکراتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

سب پر یقین ہے سوائے اپنی بیوی کے۔ ابرش نے گہرے سانس بھرتے ہوئے کرب ناک ہنسی ہنستے ہوئے سوال کیا۔

ایسی بات نہیں ہے ابرش!!

ایسی ہی بات ہے۔ ابرش زاران کی بات کاٹتے چٹختے اعصابوں کے ساتھ چلائی۔

وہ چھبیس سال کا بھرپور مرد ہے۔ عنائیہ بچی ہے وہ نہیں ہے زاران ۔۔کیوں سمجھ نہیں آرہا آپ کو م؟؟ یہ انڈین ڈرامہ یا مووی نہیں چل رہی ۔جہاں ایک کمرے میں رہتے ہوے مرد اپنا حق نہ لے۔ کیا کرلیں گے آخر؟؟ اگر اس نے عنائیہ سے اپنا حق لے بھی لیا۔! درد تکلیف سے میری بہن کو گزرنا پڑے گا۔ اس چھبیس سالہ خرانٹ مرد کو کیا میری بہن برداشت کرپائے گی۔ باڈی دیکھی ہے آپ نے اس کی۔ میری بہن اس کے سامنے نازک سی گڑیا معلوم ہوتی ہے۔ کیسے سہہ سکتی ہے وہ اس ایس پی درخزئی خانزادہ کو

اب دیکھیے گا کل اسی بات کو بنیاد بنا کر اس کی رخصتی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جو رخصتی دو سال بعد ہونی ہے۔ وہ کل کر دیں گے۔ آج مجھے عنائیہ کے نکاح ہونے پر وضاحتیں دے رہے ہیں۔ کل مجھے اس کی رخصتی ہونے پر وضاحتیں دیں گے۔ آپ کا فیصلہ سر سر اغلط ہے۔ برباد کر دیا آپ نے میری عنائیہ کو۔ ابرش ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگے بری طرح روتے ہوئے بولی۔

زاران نے اب اپنے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر نکالتے اپنے بھڑکتے اعصابوں کو پر سکون کرنے کی ناکام سعی کی۔ درخزئی کی اس چیپ حرکت کی وجہ سے آج اس کے پاس ابرش کے سوالات کے جواب نہیں تھے۔۔ درخزئی کا وہ قتل کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

میں یہاں کیسے سکون میں رہ سکتی ہوں۔ وہاں میری بہن کو درد تکلیف میں ہو گی۔ وہ حیوان اسے نہیں چھوڑے گا۔ ابرش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی۔۔

زاران بھی اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔ مقابل کو کیا سمجھا تا وہ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ زاران کا تپتا دماغ آتش فشاں مادے کی طرح پھٹ رہا تھا۔

ابرش اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔ زاران اسے یوں روتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

مانتا ہوں یہ کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں چل رہی۔ مگر درخزئی بہت اچھا انسان ہے ابرش۔۔ وہ اس بات کا ضرور خیال رکھے گا۔ وہ سولہ سال کی ہے۔ ہر مرد اگر فرشتہ نہیں ہوتا۔ ہر مرد حیوان بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تک دور رہنے کی

بات ہے۔ میں بھی تو تم سے دور رہا۔ دو مہینے تک تمھارے قریب نہیں آیا تھا۔ رہا نہ تم سے دور۔ تو در خزئی بھی رہ لے گا۔ وہ عنائیہ کی کم سنی کا ضرور خیال کرے گا۔ زاران نے اس کے کندھے پر ہاتھ جماتے نرمی سے کہا۔ زاران کی بات پر ابرش نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے اٹھاتے زاران کی طرف دیکھا۔

ٹھیک کہا اپ نے۔۔ آپ تو فرشتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو دو ماہ ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ابرش استھزائیہ بولتے ہوئے زاران کے مزید قریب ہوئی۔ مجھے ہاتھ آپ تب لگاتے ناں!! جب میری آپ کے نزدیک کوئی حیثیت ہوتی۔۔ مجھے سزا جو دینی تھی آپ نے۔ ثابت کرنا تھا میں مینٹلی سک وومین ہوں۔ اس لیے آپ دو ماہ فرشتہ بن کر مجھے میری اوقات بتاتے

رہے۔۔جب آپ کا دل کیا تب مجھے چھوا۔اچھی اوقات بتائی تھی مجھے آپ نے میری۔

ابرش نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے طنزیہ انداز میں کہا۔

مجھے میرا قصور بتادو۔ تمھیں نہ چھونا میری غلطی تھی کہ چھونا میری غلطی تھی۔کیونکہ مجھے لگتا ہے دونوں صورتوں میں یہ میرا ہی گناہ تھا۔جو کچھ ہمارے ماضی میں ہوا تم بھول گئی ہو۔۔نکاح کی رات تمھیں چھوتا تو تم نے آج تک مجھے اس بات کا طعنہ دینا تھا کہ میں نے تمھیں تمھارے consent کے بغیر چھو کر تمھارا ریپ کیا۔اگر تمھیں نہیں چھوا اپنا حق نہیں لیا تو یہ بھی میرا گناہ ہو گیا۔تم نے جو کیا وہ تم بھول گئی ہو۔زاران نے ایک ایک لفظ چباتے طنزیہ انداز میں بولتے جوابی کاروائی کی۔

کیا کیا تھا میں نے ؟؟ کیا غلطی تھی میری۔۔ آپ نے صرف اپنی مرضی کی ۔۔ کیونکہ آپ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ جیسے آج درخزئی عنائیہ سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔

۔ثابت ہوا اس حویلی کے خانزادوں کو صرف اپنی مرضی اپنے consent اپنی خواہش اپنی چاہت پیاری ہے. عورت آپ خانزادوں کے لیے صرف کھلونا ہے۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے کرب سے بولتے استھزائیہ مسکرائی تھی

۔تم نکاح زعیم سے کر رہی تھی۔ اس دو ٹکے کے انسان سے کرنے دیتا تمھیں نکاح ہاں ؟!!! نہیں برداشت کر سکا تمھیں کسی اور کا ہوتا دیکھ کر ۔۔ مگر یہ بھی سچ ہے تمھیں تمھاری زندگی برباد نہیں کرتے دیکھ سکتا تھا۔ اگر تم سمجھتی تو عزت سے نکاح کرتا تمھارے ساتھ۔۔ جو کہ کر رہا

تھا۔ تم ہی بھاگ گئی تھی۔ یاد ہے تمھیں یا پھر اور سچ تمھیں بتاؤں۔ زاران بھڑکتے اعصابوں کے ساتھ بھڑک اٹھا تھا۔ آواز شدید اونچی ہوئی تھی۔

اگر عورت ہم خانزادوں کے لیے کھلونا ہوتی اس طرح آدھی رات کو تمھیں وضاحتیں نہ دے رہا ہوتا۔ تمھارے پیچھے امریکہ نہ جاتا۔ یہ جو تمھیں ڈر ہے دوسری عورت کا اب تک تمھارا یہ ڈر حقیقت کا روپ دھار کر تمھارے سامنے کھڑا ہوتا۔۔ عورت کھلونا نہیں ہم خانزادوں کے لیے عورت کے جذبات کا خیال ہے۔ اسی لیے انھیں اتنا برداشت کرتے ہیں۔ زاران کی باتوں پر ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔

برداشت کرتے ہیں مجھے آپ؟! تو مت کریں اور دوسری شادی کرنی ہے جائیں کر لیں۔ میری طرف سے آجازت ہے وہ شدت گریہ سے اپنی مٹھیاں بھینچتی چیخی۔

زاران اسے ایسے چیختے دیکھ کر غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیت سے اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گیا۔

جاؤ کر لو دوسری شادی! مسٹر خانزادہ!! اس پلوشہ سے شادی کر لو۔۔ مگنی ہوئی ہے ابھی اس کی۔ اتنی چاہت تو ابھی بھی ہو گی اس کے دل میں وہ تمھاری خاطر اپنی مگنی توڑ دے گی اور تیسری شادی اس ستارہ خان سے کر لینا جو ابھی بھی تمھارے دوست کے بنگلے پر موجود ہے۔۔۔ یقیناً اس بے سہارا عورت کو تم سہارا دینا پسند کرو گے۔ جاؤ اپنا لو اسے!! میری طرف سے تمھیں آجازت ہے۔ اور تم اصل میں اگر مرد ہو تو اب میرے ڈر کو حقیقت کے روپ میں دھار کر میرے سامنے کھڑا کر دینا۔ ابرش اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زاران نے گہرے سانس لیتے غصے سے زور دار مکہ دیوار پر مارتے اپنا اشتعال اتارا تھا۔

بہارے ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی اپنے کامدار دوپٹے سے پنز اتار رہی تھی۔ شہرام نے ڈریسنگ روم سے نکلتے ہوے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سلور ساڑھی میں غضب ڈھا رہی تھی۔ سلکی سٹیرٹ بال کھلے کمر پر بکھرے تھے۔

آنکھوں پر سلور میک اپ کیے ہونٹوں پر نیو ڈلپ سٹک لگائے وہ کندن کی طرح مہک رہی تھی۔ شہرام اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے اس کی طرف بڑھتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتے اسے اپنے قریب کر گیا۔ وہ اس وقت سفید ٹراوزر اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ شہرام کی قربت

بہارے کی رنگت گلابی ہوئی تھی۔ شہرام کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے بہارے کی سانسیں جیسے رکی تھیں۔

مرر میں نظر آتا اس کا مردانہ وجاہت سا روپ دیکھتے بہارے نے نظریں جھکائے لب دانتوں تلے دبایا۔ پتہ نہیں مقابل کی جان لیوا پرسنیلٹی اس کے حواصوں پر کیوں سوار ہوتی تھی۔

چھوڑو مجھے شہرام۔۔ بہارے نے مرر میں شہرام کا وجیہہ چہرہ دیکھتے نظریں جھکائے کہا۔

ہمممم۔۔۔ شہرام نے ہنکار بھرتے اس کے کان کے اویزے ایک ایک کرتے اتارتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخے۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ اس کے کان نرمی سے چوم رہا تھا۔ ایک ہاتھ سختی سے وہ دھڑ کنوں پر جمائے ہوئے تھا۔ بہارے اس کے بے باک ایکٹ پر مذید سرخ گلاب ہو رہی تھی

شہرام بہارے کے کندھے سے اٹیچ ساڑھی کے پلو سے پنز اتارتے ایک جھٹکے سے وہ پلو ریموو کر گیا تھا۔ بہارے اپنا دو آتشہ روپ دیکھتے سرخ قندھار ہوئی۔ وہ بہت بے باکی سے اس کے نشیب و فراز دیکھتے معائینہ کر رہا تھا۔

بہارے رخ موڑے اس کے برہنہ چوڑے سینے میں سمائی۔

اتنا شرما کیوں رہی ہو؟؟ شہرام نے اسے اپنے سینے سے الگ کرتے اس کے نشیب و فراز پر گہری نگاہ جماتے پوچھا۔

اس کی گرم نگاہیں اپنی بیوی کے کندن نشیب و فراز سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ قیامت سا بدن دیکھتے شہرام مدہوش ہوا تھا۔

تم جب بے شرموں کی طرح مجھے دیکھتے ہو تو مجھے شرم آتی ہے۔ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے خفیف سے انداز میں کہتے اپنی فطری شرم چھپائی۔

۔وہ ابھی بھی بہت بے باکی سے اس پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔ بہارے کے گالوں سے سیک نکل رہا تھا جیسے۔۔

اچھا بے شرموں کی طرح دیکھتا ہوں میں تمھیں۔ ہمممم۔ آخر کیا پسند مجھے تم میں ؟؟۔ شہرام نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامتے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

تمھیں میری آنکھیں بہت پسند ہیں۔ میرے گال کا تل بہت پسند ہے

۔میرے ہونٹ بہت پسند ہیں۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اک ادا سے مسکرائی تھی۔

کچھ اور بھی بہت پسند ہے میری بہارے۔۔ شہرام خان نے اپنے دانت اس کے عارض کے تل پر گاڑھے۔

شہرام!! بہارے نے اسے گھورتے سسکی لی ی۔ شہرام کا برجستہ قہقہا گونجا تھا۔

تمھیں میرے بال بہت پسند ہیں۔ بہارے نے اپنا گال ایک ہاتھ سے رگڑتے شہرام کو نروٹھے لہجے میں جواب دیا۔

مجھے جو پسند ہے۔ اب اس پر میرا حق نہیں رہا۔ شہرام ذو معنی انداز میں کہتے اس کے دل کے مقام پر اپنے لب رکھ گیا۔ شہرام کی ذو معنی بے باک بات اور بے باک لمس پر بہارے گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ اس کی دھڑکنوں پر لب رکھ کر اسے اچھی طرح باور کروا گیا تھا۔

ہر وقت حق جتاتے ہو اور پھر کہتے ہو حق نہیں رہا۔ بہارے نے گلابی چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل ہی کہا تھا۔

سب کچھ تو میرا ہے۔ شہرام خان اپنی بہارے پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کسی کا حق ہو سکتا ہے۔ بہارے صرف صرف شہرام خان کی ہے۔ شہرام جھکتے ہوئے اسے اپنی گود میں اٹھاتے بیڈ کی طرف بڑھا۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹاتے اس کے پیروں کی طرف بڑھا۔

بہارے کے پیروں سے اس کے جوتے اتارتے اس کے پیروں پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔ بہارے اس کے لمس پر آنکھیں میچ گئی تھی۔

وہ بہت نرمی سے اس کے پاؤں کے تلوں کو انگلیوں سے سہلاتے ان پر لب رکھ رہا تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے اب کروٹ بدلے اوندھے منہ تکیے

پر ہوتے گہرے سانس لینے لگی۔ شہرام اس کے جذبوں میں بھی طغیانی برپا کر چکا تھا۔

شہرام اس کی پنڈلیوں کو نرمی سے لبوں سے چھوتا اس کی ساڑھی کی فال کو اوپر کی طرف ہاتھ سے کھسکاتے اس کی کمر پر جھکا۔ بہارے کے سلکی بال ایک طرف کرتے وہ اس کے سلک بلاوز پر اپنے لب دیوانگی کے عالم میں رکھتے بہارے کی سانسیں مزید گہری کر چکا تھا۔۔ شہرام نے اوپر ہوتے اب اپنی ٹی شرٹ اتارتے دور اچھالی۔

بہارے سیدھے ہوتے گہرے سانس لیتے اس کے چوڑے سینے میں سماتے اس کی کمر پر اپنے بازوؤں کا حصار باندھے ذرا سا اوپر ہوتے وہاں اپنے دانت نرمی سے گاڑھ گئی۔ شہرام مسکراتے ہوئے اسے خود سے دور کرتے اسے

تکیے پر لٹاتے اس کی کلائیاں اپنی مضبوط ہاتھوں میں جکڑتے انھیں تکیے پر پن کرتے اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں سختی سے لاک کر گیا تھا۔

بہارے حیرانگی سے اسے یہ سب کرتا دیکھ رہی تھی۔ وہ کرنا کیا چاہ رہا تھا۔ ساڑھی ابھی اس کے وجود پر موجود تھی۔ وہ پھر اس کی کلائیاں کیوں جکڑ رہا تھا۔

آج تمھارے ہونٹوں سے ایسے لپٹوں گا۔ تم برداشت نہیں کر سکو گی۔ اور میں تمھاری مزاحمت برداشت نہیں کر سکتا۔

شہرام اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بھاری مدہوش کن آواز میں کہتے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو شدت سے گھوٹ گیا۔

شہرام کی شدت پر بہارے کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھلی تھیں۔ وہ اس کے بالائی لب پر اپنے دانت گاڑھتے اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں سے کھینچتا اس کی سانسیں بے بری طرح اکھاڑتے بے ترتیب کر گیا تھا۔

شہرام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے ترتیب سانسوں سے بہارے کو دیکھتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھتے اس کی سانسیں پھر سے گھوٹی تھیں۔

شہرام کی نرم گرم شدت پر بہارے کی اب سانسیں بند ہوئی تھیں۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے پھر سے اس کی سانسیں کھینچتے اس کی جان نکال رہا تھا۔

بہارے کے لبوں کو آزاد کرتے شہرام نے اس پر ترس کھاتے اس کی کلائیاں آزاد کیں۔ شہرام سے آزادی ملنے پر بہارے نے اپنی دھڑکنوں پر

ہاتھ رکھتے اپنی سانسیں درست کرتے شہرام کی خمار زدہ آنکھوں میں دیکھا۔ جو بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔ بہارے کی جان لبوں پر سجی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس کی شدتیں برداشت نہیں کر سکے گی۔

بہارے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے جتنی تیزی سے سے بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ شہرام اتنی ہی تیزی سے اس کی ساڑھی کی فال اپنے ہاتھ میں لپیٹتے اپنی طرف کھینچتے اسے اپنے سینے پر گرا گیا۔

بہارے اس کے برہنہ چٹانی سینے پر آن گری۔

تمھیں لگتا ہے تم مجھ سے بھاگ سکتی ہو۔ شہرام اس کی کمر کو اپنی مٹھیوں میں بے دردی سے بھرتے اس کے بالوں کو پیچھے سے پکڑتے اس کی براؤن آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے بولا

تم۔۔سے۔۔۔ڈر۔۔لگ۔۔۔رہا۔۔ہے۔۔۔شہرام۔تم۔۔۔اچھی۔۔۔
طرح جانتے۔۔ہو۔۔۔رخصتی۔۔۔کے۔۔۔بعد۔۔۔۔تم۔۔۔سے۔۔
دور۔۔۔کیوں بھاگتی۔۔ تھی۔ بہارے نے گہری ہوتی سانسوں سے اسے
دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔ وہ ایک ہی کس سے اس کی سانسیں جیسے کھینچ
چکا تھا۔ اس کی شدتوں کے بارے میں سوچتے اس کا دل بری طرح لرز رہا
تھا۔ بہرام کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے وہ اس کا لحاظ کرتا تھا۔ مقابل کے
سینے اور پیٹ پر زخموں کی وجہ سے اس کی شدتیں برداشت کے قابل کسی
حد تک تھیں۔ مگر اب اس کے زخم بلکل ٹھیک ہو چکے تھے۔ وہ جانتی تھی
آج رات شہرام خان اسے بہت ٹف ٹائم دے گا۔ جو اس کی نازک جان
برداشت نہیں کر سکے گی۔

کیوں بھاگتی تھی؟؟ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی۔ میں تمھیں پسند نہیں تھا ۔ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ میری مونچھیں تمھیں کانٹوں جیسے لگتی تھیں ۔۔ شہرام اس کی طرف دیکھتے اپنی مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ اس کی نازک بہارے اس سے بے حد خوف کھاتی تھی۔ اس کی گھبراہٹ شہرام خان کو حظ دے رہی تھی۔ وہ ہرنی کی طرح خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کی دھڑکنیں بڑھا رہی تھی۔

صرف وجہ یہ نہیں تھی۔ اتنے بھی برے نہیں لگتے تھے۔ جیسے بھی تھے شوہر تھے. ایک بیوی کبھی اپنے شوہر سے ویسی نفرت نہیں کرتی جیسے تم سمجھتے ہو۔ بہارے نے نظریں جھکائے اس ک برہنہ سینے پر انگلیاں پھیرتے اس کے معلومات میں آضافہ کیا۔ شہرام یہ سنتے اپنی مسکراہٹ دبا گیا

تھا۔ عشق ہونے کے بعد مقابل نے کہاں ماننا تھا وہ اس سے نفرت کرتی تھی

۔

اچھا پھر کیسی نفرت کرتی تھ ذرا بتاؤ مجھے !! میں نے کبھی اپنی خوبصورت ظالم بہارے سے نفرت نہیں کی اس لیے مجھے نہیں پتہ ویسی نفرت کیسی ہوتی ہے۔ شہرام اس کے سرخ عارض پر گہری نگاہ جمائے گہرا مسکرایا۔

رخصتی کے بعد اتنے برے نہیں لگتے تھے۔ بس تم برداشت نہیں ہوتے تھے۔ بہارے نے نظریں جھکائے اٹکتے ہوے کہا۔

بہارے کی معصومیت بھری بات پر شہرام کا برجستہ قہقہ گونجا۔ بہارے اس کے لبوں سے ابلتے قہقے پر جلدی سے اپنا ہاتھ جما گئی۔

کیا کر رہے ہو؟؟ بہرام اٹھ گیا تو مجھے مشکل ہو جائے گی۔ پتہ ہے اگر وہ شور شرابے سے جاگ جائے جب تک میرا فیڈ کرتے میری جان ہلکان نہ کر دے وہ سوتا نہیں ہے۔ بہارے شہرام کے لبوں پر ہاتھ جمائے اس کے کان میں جھکتے سرگوشی نما آواز میں بولی۔ شہرام اس کا خوف دیکھتا مسکرایا تھا۔ جس سے مقابل اس کی جان جاتی تھی۔ باپ بیٹا اسی کے دشمن تھے۔

ہمم!! پھر اس کے بعد بہرام کا باپ تمھاری جان ہلکان نہ کر دے وہ بھی تو نہیں سوتا۔ شہرام اسے دونوں بازوؤں سے پکڑتے اس کا پورا وزن اپنے اوپر منتقل کر گیا تھا۔

بہارے اس کی بات پر سرخ ہوتے اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ گئی۔

یہ آج کیوں اتنا شرما رہی ہو؟؟ ہممم۔۔۔ شہرام اس کی اداؤں پر مدہوش ہوا تھا۔ وہ بلکل پہلی رات کی دوشیزہ کی طرح شرما رہی تھی۔۔ شہرام سچ میں جیسے مدہوش ہو رہا تھا۔

شرما نہیں رہی۔ تمھیں بے شرمی کرنے سے روک رہی ہوں۔ بہارے نے اپنی کمر پر رینگتا شہرام کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی جو بہت بے باکی دکھاتے اس کی دھڑکنوں کو مزید بے ترتیب کر رہا تھا۔

شہرام اس کا ہاتھ جھٹکتا اپنا ہاتھ مزید بے باکی سے اس کی کمر کے نیچے جمائے اپنی من مانیاں کرنے لگا۔

بہارے اب سرخ ہوتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔ مقابل کی بے باکیوں کی کوئی حد نہ تھی۔

جب پتہ ہے میں باز نہیں آؤں گا تو کیوں کرتی ہو مزاحمت ؟؟۔ مجھے تمھاری مزاحمت نہیں پسند۔۔ بہت مزاحمت سہہ چکا ہوں۔ اب تم مجھے اپنی بانہوں میں موم کی گڑیا کی طرح چاہیے ہو۔ جسے جیسے چاہوں میں مڑوڑ دوں۔ شہرام نے اس کے کندھے پر اپنے دانت گاڑھتے بھاری آواز میں کہتے اس کی جان لبوں پر سجائی۔

سس۔۔۔ بہارے نے سسکی لیتے شہرام کو دیکھا۔ اس نے کندھے پر دانت بڑے بے رحمانہ طریقے سے گاڑھے تھے

شہرام بہارے کو دیکھتے مسکراتے ہوئے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔

کچھ بھی کر لیا کرو میری بہارے۔۔ مگر خود سے دور نہ جھٹکا کرو۔۔ ہر وقت مجھے خود میں قید کر کے رکھا کرو۔ شہرام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے التجا کی۔

کب جھٹکا تمھیں ؟؟ آج بلکل تم مجھے موم کی گڑیا ہی سمجھ رہے ہو۔ بہارے نے اسے گھورتے ہوے اپنے کندھے پر ہاتھ رکھا جہاں اس کی شدت سے جلن ہو رہی تھی

سلور ساڑھی میں لپٹی تم مجھے ایک موم کی گڑیا ہی لگ رہی ہو۔۔ کیا کیا میرے آرادے ہیں۔ تمھیں کیا بتاؤں یہ آج گزرتی رات میں تمھیں پتہ چلے گا۔ شہرام گھیمیر آواز میں بولتے بہارے کی ساڑھی کے فال میں لگی ہک کھولتے اس کا کا پلو اس کے تن سے آزاد کرتے بیڈ سے نیچے اچھال گیا تھا۔ اب بہارے سلور کلر کی بے حد تنگ سی سکرٹ اور بلاوز میں ملبوس تھی۔۔ شہرام اس کا دو آتشہ شعلہ جواں روپ دیکھتے پاگل ہوا تھا۔

شہرام نے سائیڈ ٹیبل سے ریموٹ پکڑتے چھت میں لگی ایل ای ڈی لائٹس آن کی تھیں۔ بہارے کا نوخیز کلیوں جیسا سراپہ ان لائٹس میں مزید چمکا تھا۔

میری بہارے!!تم مجھے کہیں کا نہیں چھوڑو گی۔میں صرف اس کمرے کا اور تمھارا ہو کر رہ جاؤں گا۔شہرام کی بھاری آواز پر بہارے کے لب مبہم سا مسکرائے۔۔بہارے مسکراتے ہوے اس کے سینے پر جھکتے اپنے لب رکھ گئی۔

کس سے سب سے زیادہ پیار کرتے ہو تم؟؟بہارے نے شہرام کے سینے پر انگلی پھیرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ادا سے پوچھا۔

اس کے سوال اور انداز پر شہرام کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔وہ کیا سننا چاہتی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔

میں سب سے زیادہ مورے سے پیار کرتا ہوں۔پھر عابیر سے

۔اس کے بعد ارحام لالا سے پھر زاران لالا سے پھر بہرام سے اور پھر تم سے۔۔ شہرام کے جواب پر بہارے روہانسی ہوئی تھی۔۔

درخشاں کا نام رہ گیا ہے اس کا بھی لے لیتے۔ میں اپنا اور میرے بیٹے کا نمبر درخشاں کے بعد بھی برداشت کر لوں گی۔ بلکہ اگر تمھاری زندگی میں ہمارا کوئی بھی نمبر نہیں تو پھر بھی خیر ہے۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں کہتے اس کے حصار سے دور ہوئی۔

شہرام اپنا قہقہہ بمشکل روکتے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گیا تھا۔۔ بہرام کے اٹھنے کا خدشہ نہ ہوتا یقیناً بہارے کے ایسے رونے پر وہ چھت پھاڑ قہقے لگاتا۔

داجی ٹھیک کہتے ہیں تمھاری ڈاکٹر کی ڈگری چیک کروانی چاہیے۔ کہیں جعلی تو نہیں۔۔ عقل تو تمھاری گھٹنوں میں ہے۔ تمھارے اور بہرام سے زیادہ مجھے

کون پیارا ہو سکتا ہے۔ شہرام نے اس کی بھیگی آنکھوں پر باری باری لب رکھتے اس کی ناک کی ٹپ کو چھوا۔

جھوٹ مورے لالا عابیر تمھیں مجھ سے اور بہرام سے زیادہ پیارے ہیں۔ بہارے نے نروٹھے انداز میں کہتے اپنی بات پر زور دیا۔۔

ہر کسی کی الگ جگہ ہے میرے دل میں میری جان!! مورے لالا عابیر میری جان ہیں تم اور بہرام مجھے جان سے بڑھ کر۔۔۔ شہرام اس کے معصومانہ سی بحث پر مسکراتے ہوئے اسے خود سے لپٹائے اس کی ناز کی محسوس کرنے لگا۔ اس کی ناز کی اسے بے حد سکون پہنچا رہی تھی۔

تم بتاؤ میں یا بہرام۔۔ شہرام نے اب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

پہلے بہرام اور پھر تم۔۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوئے اپنا بدلہ لیا۔

اچھا ایسی بات ہے مجھ سے زیادہ پیارا ہے بہرام۔۔ شہرام کے لہجے میں حسد محسوس کرتے بہارے نے اثبات میں سر ہلاتے مسکراہٹ دبائی تھی۔ وہ بہرام سے جل رہا تھا۔ بہارے کو یہ دیکھتے رگوں جاں میں سکون اترتا محسوس ہوا۔ ابھی اس نے بھی تو جلایا تھا۔ اپنی مورے عابیر اپنے لالا کا نام لے کر۔۔ خود اپنے ہی بیٹے سے جل رہا تھا۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل مسکراہٹ روکے ہوئے تھی۔

تم جھوٹ بول رہی ہو تم ساری دنیا سے زیادہ صرف مجھے چاہتی ہو۔ میں جب مر رہا تھا تمھیں میرے علاوہ کسی کا ہوش نہیں تھا بہرام کا بھی نہیں۔

شہرام کی بات پر بہارے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی۔۔

مرنے کی بات مت کرو!! ایسے ہی جان لو میں سب سے زیادہ تم سے محبت کرتی ہوں۔ بہرام سے بھی زیادہ۔۔۔ بہارے اس کے لبوں پر ہاتھ جمائے رودی تھی۔۔

شہرام اس کی شدید محبت پر اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے سسک رہی تھی۔

جانتا ہوں تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔ تبھی تو مجھے دوسری شادی کی آجازت دے رہی تھی۔ شہرام نے جان بوجھ کر اسے غصہ دلایا۔ جانتا تھا اس وقت اس کے آنسو کونسی بات روکیں گے

کیا کہہ رہی تھی تم؟؟ شہرام خان تم واپس آجاؤ چاہے دوسری شادی کر لو۔۔ ہاں کچھ اس طرح کا کہہ رہی تھی۔ شہرام پر سوچ انداز میں بولا۔

!!اب تم کچھ بھی کرو۔۔ بہارے خان تمھیں کچھ بھی نہیں کہے گی۔۔ تم دوسری شادی کرلو مگر واپس آجاؤ شہرام خان!!

شہرام نے اس کے لفظ دہراتے ہوے اسے دیکھا وہ اس پر جھکی اسے سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔۔ آنسو اب خشک تھے۔۔ آنکھوں میں اب آگ دہک رہی تھی

کس نے کہا تم سے یہ سب؟؟۔۔ بہارے نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔ میں خود سن رہا تھا تمھارا ایک ایک لفظ مجھ تک پہنچ رہا تھا۔ شہرام شرارت سے بولا۔

تمھاری جان لے لوں گی۔۔ بتاو کس نے یہ جھوٹی بکواس کی تم سے۔۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

بہارے کی غراہٹ پر شہرام کا بلند و بانگ قہقہہ نمودار ہوا۔

سچ میں تم خانزادیوں کی پوزیسو نیس۔۔ جان نکال کر رکھ لیتی ہو ہم خانزادوں کی۔ وہ بہارے کو بازوؤں سے جکڑے اس کے چہرے کو اپنے قریب کرتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا۔

چھوڑو مجھے بتاؤ یہ کس نے جھوٹ بولا تم سے ؟؟۔ بہارے اس کے حصار میں جھٹپٹاتے ہوے غرائی۔

ڈاکٹر ماہم نے مجھے تمھاری ایک ایک بات بتائی تھی۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اسے بتایا۔

زیادہ مسکراؤ مت۔۔وہ جھوٹ بول رہی ہے۔میں کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی۔۔اگر تم نے دوبارہ یہ بات کہی تو میں تمھاری جان لے لوں گی.

بہارے اس کے سینے پر جھکتے دانت گاڑھ گئی تھی۔۔

شہرام نے جبڑے بھینچے اس کا جنگلی وار سہا تھا۔ابھی مرنے والی بات پر رو رہی تھی۔اب جان لینے کی بات کر رہی تھی۔

وہ اس کا سینہ اپنے دانتوں سے سرخ کرتے وہ پیچھے ہوئی۔

آیندہ تم نے دوسری شادی کا ذکر کیا اس سے زیادہ برا حال کروں گی تمھارا۔پورا سینہ چبا ڈالوں گی میں۔بہارے غصے سے بولی۔

شہرام اسے کندھوں سے جکڑتے تکیے پر پٹخ گیا تھا۔

تم نے میرے سینہ سرخ کیا ہے۔ آج میں تمھیں پورپور سے سرخ کرتے کچا چباؤں گ۔ ادیکھتا ہوں تم کیسے میرے حصار سے آج نکلتی ہو۔۔ شہرام مسکراتے ہوے اس کی کمر کو اوپر اٹھائے اس کی بلاوز کی سائیڈ زپ کھولتے اس کا بلاوز اس کے تن سے آزاد کر گیا۔

شہرام۔۔ بہارے نے سرخ ہوتے اسے مدھم آواز میں پکارا۔ وہ اس کی سکرٹ کی سائیڈ زپ اور ہک کھولتے اسے بھی ریموو کر گیا تھا۔ بہارے سرخ ہوتے آنکھیں میچ گئی۔

وہ اس کی گردن پر جھکتے وہاں اپنے دانتوں سے سرخ دھبے بنانے لگا۔

شہرام کی شدتوں پر بہارے کی مدھم مدھم سسکیاں گونج رہی تھی۔ وہ خود پر اچھی طرح کمبل اوڑھاتے بہارے کی حالت میں آیا۔ اس میں شدت سے سمایا تھا۔ بہارے کی چیخ برامد ہوئی۔ وہ اس کی چیخ گلے میں گھونٹتے اس

کے لبوں پر اپنے لب جما گیا تھا۔۔ بہرام نہ اٹھ جائے وہ پریشان ہوا تھا۔ اس وقت وہ کسی قسم پر اپنی خوبصورت بیوی سے دور ہونا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

بہارے کی جان ہتھیلیوں پر سجی تھی جیسے۔۔ رخصتی کے شروع والا شہرام یاد آیا تھا۔ سچ میں اس کا لمس اس کی شدت برداشت کرنا اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا آج۔

میری بہارے میری جان!! ایسے سینہ تھوڑی چباتے ہیں۔ تمھیں لگتا ہے تمھارے موتیوں جیسے دانت میرے چٹانی سینے کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ اب میں تمھیں بتاؤں گا دانتوں سے وار کیسے کرتے ہیں۔ کیسے کمرے کی در و دیوار ہلاتے ہیں۔ شہرام بھاری آواز میں بولتے اس کا رخ ایک جھٹکے سے پلٹ گیا۔ اس کی کمر پر جھکتے وہاں اپنے لبوں اور دانتوں سے شدتیں بکھیرنے لگا۔ شہرام۔۔۔۔ بہارے نے سسکیاں لیتے اسے پکارا۔۔ وہ مزید مدہوش

ہوتے اپنی بے باک شدتیں ڈھاتے اس کی کمر پر اپنی جنونی سوغاتیں دے گیا تھا۔ بہارے اس کے حصار میں قید صرف سسکیاں بھر رہی تھی

وہ اسے سیدھا کیے اب اس پر حاوی ہوا۔

میری بہارے۔۔ بہت سہہ لی دوریاں۔ اب ہر رات تمھیں میری پناہوں میں ایسے ہی قید رہنا ہو گا۔

شش۔۔۔ شہرام۔۔۔ بہارے اسے مدھم سسکیوں سے پکارتے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے اسے خو سے دور کرنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ شہرام مسکراتے ہوئے اس کی کلائیاں جکڑے اس کی کمزور سی مزاحمت بھی روک گیا تھب۔

شش۔۔ شہرام پکارو میری زندگی۔۔۔ جو مجھے مزید بے خود کرے۔۔ ایسے روکو گی!! کہاں رکوں گا۔ مزید تم میں سماؤں گا۔ شہرام اس کے عارض اپنے لبوں سے گیلا کرتے اس کے ہونٹوں پر جھکتے اس کی سانسین شدت سے پینے لگا۔

بہارے کا نازک وجود پسینے سے تر تھا۔ نازک دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا۔ شہرام خان کو سہنا سچ میں مشکل تھا۔

شہرام نے اس کا وجود پسینے سے تر دیکھتے اس کی کلائیاں آزاد کرتے اسے آزادی دی تو بہارے نے روہانسے ہوتے اس کے سینے پر بے دردی سے مکے مارے۔ شہرام اسے سرد نگاہوں سے گھورتے اس کی کلائیاں پھر سے اپنے ہاتھوں میں قید کر گیا۔

تم نرمی کے قابل نہیں میری بہارے۔۔ شہرام کہتے مزید بے رحمی سے س کی روح کی گہرائیوں تک جیسے اترا تھا۔ بہارے کی چیخ برامد ہوئی وہ جلدی سے اس کے لبوں پر جھکے اس کی چیخ گھونٹ گیا۔۔ اس کی شدتیں لمحہ بالمحہ بڑھ رہی تھیں۔ کبھی وہ بہارے کو نرمی سے چومتے پر سکون کرتا تو کبھی اپنی شدتیں بڑھاتے اس کی جان نکالتا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پر سکون ہوتے تکیے پر گرتے اسے اپنے سینے پر گرا گیا تھب۔۔ بہارے نے روتے ہوے اس کے سینے پر مکے مارے تھے۔۔ شہرام مسکراتے ہوے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔ بلکل نہیں بدلی ۔۔ پہلے والی جنگلی بہارے ہی ہو۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اس کے بالوں پر لب رکھے۔۔

تم بھی پہلے والے بد تمیز بے حس ظالم شہرام خان ہو۔ وہ بھیگے لہجے میں کہتے اس کے سینے پر سر رکھتے آنکھیں موند گئی تھی۔۔ شہرام خان نے اسے کہاں چھوڑنا تھا۔ اس لیے وہ اس کے چوڑے سینے پر سر رکھے سونے کی کوشش کرنے لگی۔۔ جانتی تھی۔ ظالم انسان پھر تھوڑی دیر بعد اسے نیند سے جگا دے گا۔

ابرش ڈریسنگ روم سے بلیک فل گاؤن نائیٹی پہن کر نکلی۔ زاران بیڈ پر چت لیٹے اپنی آنکھوں پر بازو رکھے ہوے تھا۔

اابرش نے اپنی جگہ پر لیٹتے ہوے درمیان میں تکیہ رکھا۔ زاران کی مخالف سمت پر وہ کروٹ لیے لیٹ چکی تھی۔۔

کمرے میں نیم مدھم نیلگوں روشنی جل رہی تھی۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کمرے میں دو نفہس کی مدھم سانسوں کے رقص کے ساتھ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔

زاران نے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اپنی آنکھوں سے بازو ہٹائے کمرے کی سلائیڈنگ ونڈو سے نظر آتی برف باری کو دیکھا۔ یہ برف باری جیسے اس کے اندر شعلے دہکا گئی تھی۔ اتنا غضب کا موسم تھا اور وہ اپنی بیوقوف حسینہ سے دور تھا۔ زاران نے جلتی آنکھوں سے ابرش پر نگاہ ڈالی۔ درمیان میں تکیہ رکھے دیکھ کر اسے آگ لگی تھی۔ آگے پیچھے وہ اسے تکیے سے لپٹنے تک نہیں دیتی تھی۔ وہ تکیے سے بھی جیلس ہوتی تھی۔ ساری رات اس کے کندھے پر سر رکھتے اس کے سینے پر اپنا وزن ڈالے سوتی تھی۔ مجال ہے اسے رات کو ہلنے بھی دے۔ وہ بعض اوقات تنگ بھی پڑ جاتا تھا۔ مگر وہ اس کے

سینے سے لپٹتے ہی سوتی تھی۔ جس کے باعث زاران کو ساری رات سیدھا ہی سونا پڑتا تھا۔ زاران نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے درمیان میں تکیہ ہٹاتے غصے سے زمین پر پٹخا۔ ابرش کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ زاران نے بہت مشکل سے اس کا ایکٹ برداشت کیا تھا۔ وہ اتنی دیر بھی اس سے لاتعلق نہیں رہتی تھی۔ پانچ منٹ کے لیے وہ اس سے منہ موڑ کر سوتا تھا تو اس کی سسکیاں گونجنے لگتی تھیں۔ آج وہ بے حسی سے سپاٹ انداز میں اس کی طرف رخ پلٹے لیٹی تھی۔

ابرش۔۔۔ زاران نے لب بھینچے اسے پکارا۔۔

ابرش کی طرف سے جواب نہ پا کر زاران کے سر پر لگی تلوں پر بجھی۔۔

ابرش۔۔۔۔ زاران نے اب سختی سے اسے پکارا۔۔ مسلسل خاموشی پر زاران کا جیسے میٹر گھوما تھا۔ وہ اتنی جلدی سو نہیں سکتی تھی۔ اور اس کی

بانہوں کے بغیر اسے نیند آجائے ممکن تھا۔ زاران نے اس کے کندھے پر اب نرمی سے ہاتھ رکھا۔ وہ اسی لمحے اس کا ہاتھ غصے سے جھٹک گئی تھی۔۔ زاران اس کا سختی سے ہاتھ جھٹکنے پر جیسے مزید آپے سے باہر ہوا تھا۔ اس کی ناراضگی سے بھی زیادہ اسے اس کی بے رخی تڑپا رہی تھی۔ اس کے لفظ یاد کرتا وہ پاگل ہو رہا تھا۔ وہ غصے اور ناراضگی میں بھی کیسے اس سے دوسری شادی کرنے کا کہہ سکتی ہے۔ اور آج تو وہ اس کے لیے سچ میں تڑپ رہا تھا۔ وہ صبح سے اسے اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اس کے پور پور میں سمانے کو بے قرار ہو رہا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا آج اسے ابرش نہ ملی وہ جیسے بن آب مچھلی کی طرح تڑپ کر مر جائے گا۔

زاران گہری سانس بھرتا اسے سیدھا کیے اس پر جھکتے اس کی گردن پر اپنے لب رکھے اس کی گردن کو جامنی کرنے لگا۔ اپنی بیوی کو کیسے منانا تھا وہ جانتا تھا۔

ابرش نے اسی پل اسے پوری قوت سے خود سے دور جھٹکا۔

زاران جو اس کی گردن میں منہ چھپائے اس کے بدن کی خوشبو اپنے اندر اتارتے مدہوش ہوتے اپنے لبوں سے اس کی گردن دہکا رہا تھا۔ ابرش کے جھٹکنے پر وہ پیچھے کو ہوتے لڑکھڑایا تھا۔

زاران نے پیچھے ہوتے اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

کیا چاہتے ہیں؟؟ میں یہ کمرہ چھوڑ دوں تو سیدھی طرح بتا دیں۔۔۔ میں یہ کمرہ چھوڑ دوں گی۔۔

ابرش نے اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنے بال جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوے زاران کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے شعلہ بار لہجے میں کہا۔ آج مقابل کا غصے سے وہ خوف بھی نہیں کھا رہی تھے۔

کیا بکواس کر رہی ہو ہاں۔ یہ کمرہ کیسے چھوڑ سکتی ہو تم۔۔ زاران نے اس کی کلائی سختی سے جکڑی۔

یہ کمرہ کیا میں آپ کو بھی چھوڑ سکتی ہوں۔ اگر آپ میرے قریب آئے میں سچ میں یہ کمرہ چھوڑ کر گیسٹ ہاؤس میں شفٹ ہو جاؤں گی۔۔ ابرش زاران کو دھمکی دیتے تکیہ پکڑتے بیڈ سے اترتے صوفے کی جانب بڑھتے صوفے پر لیٹ گئی۔

زاران نے طیش اور الم سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتے جبڑے بھینچتے ہوے سائیڈ ٹیبل پر پڑا واز اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔ واز چھنا کے سے

زمین گرتا چکنا چور ہوا۔ ابرش صوفے پر کروٹ لیٹے آنکھیں موند گئی۔ زاران اسے آنکھیں موندتے دیکھتے تکیے پر سر رکھتے خود پر کمبل لیے لیٹ گیا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا۔ ابرش کی مدھم سانسیں گونجتے اسے بتا رہی تھیں۔ وہ سو چکی ہے۔ اور یہ بات اسے سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی۔ وہ اس کی بانہوں کے بغیر اسے ناراض ہو کر سو بھی گئی تھی۔

اسے آج احساس ہوا تھا ابرش اس کا ایڈکٹ بن چکی ہے۔ اسے لگتا تھا۔ وہ روز ابرش کے قریب اسی کی وجہ سے جاتا ہے۔ وہ اس کے قریب رہتے اپنی اداؤں سے اس کا دل ڈ

دھڑکاتی اسے خود کے لیے بے قرار کر دیتی تھی۔ اسے شارٹ نائٹیز میں خود کے ساتھ لپٹے دیکھ کر وہ خود پر اختیار کھو دیتا تھا۔

مگر آج اسے پتہ چلا تھا وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا. چاہے وہ اس سے دور ہو کر سوئے۔ ابرش کی طلب اس کے دور ہونے پر اس کے اندر مزید بڑھ رہی تھی۔

اس کے جواں جذبوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ اس میں سمانے کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔

اس کا آج کا میرون ڈیریس میں لپٹا سراپہ یاد کر کے وہ اپنے ہوش و حواص کھو رہا تھا۔۔ زاران نے اٹھتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے سگریٹ لائیٹر

نکالے سگریٹ سلگائے لبوں میں دبایا۔ یہ سگریٹ اس نے تب پینا سٹارٹ کیا تھا۔ جب ابرش نے بھرے مجمعے میں اسفند سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ آج وہ ایک سال بعد پھر سے یہ سگریٹ لبوں سے لگائے ہوے تھا۔۔۔ ابرش کی بے رخی اور دوری جیسے عذاب بنی تھی اس کے لیے۔۔۔ یہ سگریٹ تو اس کی جدائی سات مہینے سلگتے ہوے بھی نہیں پیا تھا۔

جاؤ کر لو دوسری شادی! مسٹر خانزادہ!!اس پلوشہ سے شادی کر !! لو۔۔مگنی ہوئی ہے ابھی اس کی۔اتنی چاہت تو ابھی بھی ہو گی اس کے دل میں وہ تمھاری خاطر اپنی مگنی توڑ دے گی اور تیسری شادی اس ستارہ خان سے کر لینا جو ابھی بھی تمھارے دوست کے بنگلے پر موجود ہے۔ ۔۔یقیناً اس بے سہارا عورت کو تم سہارا دینا پسند کرو

گے۔ جاؤ اپنا لو اسے!! میری طرف سے تمھیں آجازت ہے۔ اور تم اصل میں اگر مرد ہو تو اب میرے ڈر کو حقیقت کے روپ میں دھار کر میرے سامنے کھڑا کر دینا!!

ابرش کے لفظ یاد کرتے وہ مزید سلگا تھا۔ وہ اس سے یہ سب کیسے کہہ سکتی تھی۔ زاران کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

زاران نے جھنجھلاتے ہوے سگریٹ انگلیوں سے بجھاتے مدھم نیلگوں روشنی میں ابرش کے سوئے ہوے وجود کو دیکھا۔ اس کے گاؤن کے نیچے سے سفید ملائم پنڈلی اور اس کے نشیب و فراز کو گہرے سانس بھرتے دیکھ کر اس کی حالت بری ہوئی تھی.

سالا کمینہ !!خود تو اپنی بیوی کے ساتھ سو رہا ہے۔میرے لیے رات عذاب بنا دی ہے۔تجھے قتل کر کے عنائیہ کو بیوہ کروں گا۔زاران سگریٹ کا کش لیتے غرایا۔

یہی ٹھیک رہے گا درخزئی خانزادہ تیری موت میرا سکون۔۔زاران بڑبڑاتے ہوئے بیڈ سے اٹھتا کمرے سے نکل گیا تھا۔۔۔

...---

درخزئی خانزادہ عنائیہ کے اوپر جھکے اس کے گلاب عارض کو اپنے لبوں سے گیلا کر رہا تھا۔عنائیہ اس کی سفید شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے اپنی آنکھیں ضرورت سے کھولتے اسے خوفزدہ بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے چہرے کے نقوش کو نرمی سے چومتے اس کے عارض کو اپنے دانتوں سے نرمی سے کھینچتے اپنے لبوں سے سک کر رہا تھا۔کبھی اس

کی گردن کو نرمی سے چومتا۔ کبھی اس کے بازوؤں اس کے کندھے پر اپنے لب نرمی سے رکھتا۔ وہ اس پر اپنا وزن بھی نہیں ڈال رہا تھا۔ وہ اسے حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے چومتے ہوئے تھک ہی نہیں رہا تھا۔ عنائیہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔ کوئی کیسے ایک ہی کام مسلسل اتنی شدت سے کر سکتا ہے۔ وہ رک ہی نہیں رہا تھا۔ اسے چومنے سے آخر اسے کیا مل رہا تھا۔ مرد عورت سے کیا چاہتا ہے وہ بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ حق رکھنے والا مرد صرف اپنی عورت کو ایسے چوم کر سکون حاصل نہیں کرتا۔ درخزئی کی نرم گرم شدت پر عنائیہ نے آنکھیں میچیں۔ وہ اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

عنائیہ کو مقابل سے جو خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اس نے ابھی تک اسے کہیں اور ٹچ نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی مقابل اس پر کتنا

گہرا حق رکھتا ہے۔ وہ اسے کہاں اور کیسے کیسے چھو سکتا ہے؟!۔ یہی بات اسے خوفزدہ کر رہی تھی کہ وہ اس سے اپنا حق لے لے گا۔ پاشا اس کی ماں کو گندی گندی گالیاں دیتے کمرے میں لے کر کیوں جاتا تھا وہ سب جانتی تھی۔ پاشا گھر آتا ہی اس لیے تھا جب اس کے پاس کوئی گرل فرینڈ نہیں ہوتی تھی تو اسے اپنی بیوی زحلے پر اپنا حق یاد آجاتا تھا۔ مرد کا یہ خطرناک روپ تو یہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں وہ ہر بات سے واقف ہو چکی تھی۔ جو رہ گیا تھا وہ امریکہ کے سکولز اور گلیوں کوچوں نے سمجھا دیا تھا۔ درخزئی اس سے آخر کیا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

وہ تو اس پر اپنا وزن بھی نہیں ڈال رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے دل جو اس کی متوقع شدتوں سے خوفزدہ ہوتے دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر آرہا تھا۔ اب

اور بھی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کے اس انداز پر وہ کان کی لوؤں تک سرخ ہو رہی تھی۔۔

وہ دیوانگی کے عالم میں اس کے نقوش کو چومے ہی جا رہا تھا۔ اس کی گردن پر جھکے اب وہ اپنے دہکتے لب رکھ رہا تھا۔ عنائیہ اس کے دہکتے لبوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔ درخزئی خانزادہ کے لمس سے اس کی قربت سے اسے ناگواری نفرت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ مگر اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ ایک عجب سا خوف درخزئی خانزادہ کی قربت سے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی مردانہ خوشبو اسے اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کوئی پرفیوم بھی نہیں لگایا تھا۔ مگر مقابل کی مردانہ خوشبو سے اسے اپنی سانسیں اٹکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ عجب سی جان لیوہ خوشبو تھی۔

درخزئی خانزادہ کا چوڑا سینہ اس کے سینے سے ٹکرایا تو عنائیہ کا دل اور بھی تیزی سے دھڑکا تھا۔ عنائیہ کی دھڑکنیں اپنے سینے میں بجتے محسوس کر کے درخزئی کا خون بھی جیسے اس کی رگوں میں جام ہوا تھا۔ وہ اپنی حالت کے پیش نظر جلدی سے اس سے دور ہوا وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس کم عمری میں اسے ایسے محسوس کرے۔ درخزئی تکیے پر خود کو گراتے آنکھیں میچ گیا ۔مقابل کے نزدیک رہ کر اس سے دور رہنا تو تلوار کی نوک پر چلنے کے مترادف تھا۔ مگر وہ اسے آج چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اپنی خوبصورت کم سن بیوی کو بتانا چاہتا تھا۔ مرد کی محبت صرف یہ نہیں ہوتی وہ عورت کی گہرائیوں میں اتر کر ہی خود کو سکون پہنچائے۔ وہ اسے ہونٹوں سے بہت عقیدت سے چھو کر بھی خود کو سکون پہنچا سکتا ہے۔

عنائیہ نے اسے خود سے دور ہوتے دیکھ کر گہرا سانس لیا تھا۔ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے عنائیہ نے آیت الکرسی کا ورد کرتے خود پر دم کیا۔ اتنا تو سمجھتی تھی وہ اس ایس پی خانزادہ کو اٹھارہ سال کی ہو کر بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اچھی خاصی باڈی کا حامل انسان تھا۔ اس کے ایبس اس کی شرٹ سے بھی ظاہر ہو رہے تھے۔

عنائیہ رضائی خود پر اچھی طرح لپیٹے رخ پلٹے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ کمرے میں ہیٹر آن نہیں تھا۔ سردی کی شدت میں آضافہ ہو رہا تھا۔ گلاس ونڈو سے برف باری گرتی دیکھتے اس نے اپنی آنکھیں موندیں۔ نیند سے اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔

جب تک درخزئی خانزادہ نے اسے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا اسے گرمی کا احساس ہو رہا تھا مقابل کے بدن سے نکلتی آگ کی لپیٹیں اسے دو انچ کے

فاصلے پر محسوس ہوتی اپنے پور پور میں سماتے محسوس ہو رہی تھیں۔ رہی سہی کسر اس کے دہکتے لبوں اور اس کی سانسوں کی گرمائش نے پوری کرتے اسے بھی جھلسا کر رکھ دیا تھا۔۔ مگر اب اس سے دور ہوتے اسے شدید سردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ساری رضائی خود پر اچھی طرح لپیٹ گئی۔ درخزئی رضائی کے بغیر ہی اس کی طرف کروٹ کیے ہوے لیٹے ہوا تھا۔

اس آگ کے گولے کو سردی لگ بھی نہیں سکتی۔ انسان ہے یا جلتا ہوا آتش دان۔۔ اس کے بدن کی گرمایش یاد کرتے عنائیہ بڑبڑائی۔ اس کے بدن کی گرمایش یاد کرتے درخزئی خانزادہ سے اس کی ناپسندیدگی میں مزید آضافہ ہو چکا تھا۔ عنائیہ نے کپکپاتے ہوے اپنے عارض پر ہاتھ رکھا۔ جہاں سے آگ کی لپیٹیں نکل رہی تھیں۔ مقابل کا دہکتا جان لیوہ لمس اسے ابھی بھی اپنے

عارض اپنی گردن پر محسوس ہو رہا تھا۔ دھڑکنوں پر بھی اس کا دھڑکتا دل محسوس ہو رہا تھا۔۔

اس ایس پی کی تو دھڑکنوں سے بھی آگ نکلتی ہے۔ لگتا ہے سینے میں دل کی جگہ ہیٹر فٹ کیا ہوا ہے۔۔ عنائیہ نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے سیک نکلتے عارض پر ہاتھ رکھتے آنکھیں میچیں۔ بچا لینا اللہ پاک تب تک اس ایس پی سے جب تک میں امریکہ نہیں چلی جاتی۔ پھر عنائیہ پاشا امریکہ اور یہ یہاں پاکستان میں۔۔۔ دن میں تارے دکھاؤں گی اس ایس پی کو!! عنائیہ نے بڑبڑاتے ہوئے رضائی کو اپنے سر تک لپیٹا تھا۔

۔ سردی سے بری طرح کانپتے ہوئے کب وہ نیند کی آغوش میں گئی اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے موبائل کی روشنی میں اپنے سینے پر سر رکھے سوئی ہوئی عنائیہ کو دیکھا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے اپنی ایک ٹانگ اس کی ٹانگوں پر رکھے ہوے اس کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔

اس سے دور ہو کر جب اس نے کروٹ بدلی تو آدھے گھنٹے تک وہ اس کی بڑبڑاہٹ سنتے اور سردی سے بجتے اس کے دانت محسوس کرتا رہا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوے اسے آتش دان دہکتا تندور پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھی۔ وہ بہت آہستگی سے بڑبڑا رہی تھی۔ اتنی آہستگی سے بول رہی تھی اس کے لفظ یقیناً اس کی اپنی سماعتوں تک بھی نہیں پہنچ رہی ہوں گے۔ مگر وہ ایس پی درخزئی خانزادہ تھا۔ وہ دس فٹ کی دوری پر انسان کی خود سے کی ہوئی سرگوشی سن لیتا تھا۔ وہ تو اس کے پہلو میں لیٹے بڑبڑا رہی تھی۔ وہ اپنے لیے اپنی بیوی کے لبوں سے یہ خطاب ستے انجوائے کر رہا تھا

وہ یہاں سے بھاگ کر امریکہ جانا چاہتی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ یہ سن کر بھی محظوظ ہوا تھا۔ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ جو رشتہ اس سے بندھ چکا ہے وہ کہیں بھی چلی جائے وہ رہے گی صرف اس کی۔ درخزئی خانزادہ جانتا تھا وہ اس سے دور کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ وہ مرد ہو کر اس کے حصار میں قید ہو گیا تھا۔ وہ تو عورت تھی۔ اب اسے کبھی چھوڑ نہیں سکتی تھی۔۔ نکاح پر وہ اتنا یقین رکھتا تھا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے اور بھی بہت کچھ کہتے سو گئی تھی۔ درخزئی نے رخ پلٹے ہوئے اسے دیکھا وہ رضائی میں مکمل غروب تھی مگر سوتے میں بھی کپکپا رہی تھی۔ درخزئی نے اپنے پاؤں رضائی کے اندر کرتے اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے اس کی پاؤں اور پنڈلی کو چھوا۔ اس کا پورا بدن برف کی مانند ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ درخزئی خانزادہ اس کی طرح رضائی کے اندر غروب ہوتے

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے ساتھ لگا گیا۔ اسے اپنے سینے کے ساتھ لگانے کی دیر تھی وہ اس کی طرف رخ پلٹے اس کے قریب ہوتے اس کے سینے پر سر رکھتے اپنا ایک بازو اس کی کمر پر رکھتے اپنی ایک ٹانگ اس پر رکھ گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ کے حیران کن چہرے کو مبہم سی مسکراہٹ نے چھوا۔ وہ سردی کی وجہ سے اس کے سینے میں سمانے کی کوشش کرتے اپنا نازک وجود اس پر منتقل کر گئی تھی۔ درخزئی خانزادہ کا دل اب اچھل کر حلق میں آیا۔ وہ خود اس کے اتنا قریب نہیں ہوا تھا۔ جتنا وہ نیند میں اس کے قریب آچکی تھی۔ وہ جو چاہتا تھا وہ اسے محسوس نہ کرے۔ مگر اب وہ اس پر اپنا پورا وزن منتقل کرتے اس کے ساتھ یوں چپکتے اس کا حال برا کر چکی تھی۔ اگر وہ ہوش میں ہوتی تو خوفزدہ ہوتے اس سے دور ہو جاتی۔۔ درخزئی خانزادہ نے گہری

سانس کھینچتے اپنی پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کرتے اس کی ٹانگ پکڑے نرمی سے اپنی ٹانگوں سے پیچھے کی۔ مگر وہ پھر اس پر اپنی ٹانگ رکھتے اس کے ساتھ مزید چپک گئی تھی۔ درخزئی نے بے بسی سے ہونٹوں کو سکوڑتے اپنی سانس باہر نکالتے اسے بہت نرمی سے خود میں بھینچتے اسے اپنے سینے پر منتقل کرتے اچھی طرح خود پر اور اس پر رضائی لی۔ وہ سردی سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ کمرہ کافی سرد تھا۔ درخزئی اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے اپنے اوپر منتقل کرتے اس کے سلکی الجھے بالوں میں انگلیاں پھیرتے سلجھانے لگا۔ رات کے اس پہر اپنی کم سن بیوی کو خود سے لپٹائے اسے سب سے بہتر مشغلہ یہی لگا تھا کہ وہ اس کے بال انگلیوں سے سلجھالے۔

وہ اتنے قریب آکر اس کی سانسوں میں بھی آگ لگا چکی تھی۔ مجھے ہیٹر آتش دان کہہ رہی تھی خود کیا ہے۔ اب درخزئی بڑبڑایا تھا۔ شعلہ جوالہ حسینہ آتش گیر مادہ۔ دہکتی آگ۔۔ درخزئی نے بڑبڑاتے ہوے اسے ڈھیروں خطاب دیے۔

وہ اب گہری سانس بھرتا اس کے بال سلجھا رہا تھا۔ جو اچھے خاصے الجھے ہوے تھے۔

اسے احساس ہوا تھا وہ بہت گہری نیند سوتی ہے۔ اور یہ بھی بہت بے ہنگم طریقے سے بھی سوتی ہے۔۔ وہ پولیس والا تھا۔ رات ایک کروٹ پہ ہے سویا رہتا تھا۔ ادھر سے ادھر وہ مومنٹ نہیں کرتا تھا۔ نیند میں بھی چوکنا رہتا تھا۔ ایک سوئی گرنے پر بھی وہ اٹھ جاتا تھا۔ عنائیہ کے ایسے سونے پر درخزئی کے لبوں پر اب مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ تو اٹھارہ کے

بعد اسے رات رات بھر جگانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ اس کی بیوی کیسے آخر اپنے نیند کی قربانی دیا کرے گی۔

درخزئی اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے بہت آرام سے اسے تکیے پر منتقل کرتے اس پر حاوی ہوا۔ مگر اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر منتقل نہیں کیا تھا۔ وہ نازک جان بھلا کہاں اس کا وزن برداشت کر سکتا تھا۔

مائی سوین!! میری جان!! میرا وزن تم نے ہی برداشت کرنا ہے۔ صرف اٹھارہ کی ہو جاؤ۔ بلکل رحم نہیں کھاؤں گا تم پر۔۔ اس بے باک خانزادہ کو تم نے ہی دن رات برداشت کرنا ہے۔ درخزئی نے جھکتے ہوے اس کے لبوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے۔ اس کی ناک کی ٹپ کو اپنے لبوں سے چھوا۔ اس کے گلاب عارض پر اب اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ درخزئی اسے اتنی گہری نیند سوتا دیکھ کر کھل کر ہنسا تھا۔

وہ اپنی بیوی کی گہری نیند سے فائدہ اٹھاتے اس کے ساتھ وہ بے باک شرارتیں کر سکتا تھا. جسے کرنے کے لیے کب سے اس کا دل مچل رہا تھا۔ درخزئی نے جھکتے ہوے بہت نرمی سے گہری بے باک گستاخیاں کیں۔

وہ بہت نرمی سے اس پر اپنا حق جتاتے چھوٹی موٹی گستاخیاں کر رہا تھا۔ جو اپنی محرم سے کرنے کا وہ خواشمند تھا۔ وہ سٹل گہری نیند سو رہی تھی۔ درخزئی نے اپنے سیل فون کی ٹارچ لایٹ آن کرتے اس کے خوبصورت قیامت سے بدن پر گہری نگاہ ڈالتے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔۔ یا اسے لگتی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر نکاح کے بعد وہ اسے بہت

خوبصورت لگ رہی تھی۔ جیسے وہ پرستان کی شہزادی ہو۔۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس نے اتنی خوبصورتی آج تک نہیں دیکھی۔

آنکھوں میں تیری چاہت کا نشہ

زلفوں میں تیری خوشبو کی گھٹا

وہ گنگناتے ہوے اس کے بالوں میں منہ چھپا گیا اس کے بالوں کی خوشبو اسے پاگل کر رہی تھی۔

درخزئی اس کے چہرے کے نقوش کو گہرائی سے دیکھتے حفظ کر رہا تھا جیسے۔۔ وہ اسے خوبصورت نہیں لگ رہی تھی بلکہ نکاح کے بعد اسے اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری ہو گئی تھی۔ اپنی جان سے بھی زیادہ۔۔ اسے لگ

رہا تھا آج جیسے اس کی مورے, بابا, بہن کی کمی پوری ہو گئی ہے۔ درخزئی کی آنکھیں عنائیہ کو دیکھتے نم ہوئیں۔

درخزئی خانزادہ کو اگر پتہ ہوتا وہ اس کی زندگی میں آکر ایسے اس کے رشتوں کی کمی پوری کرتے اسے سکون دے گی۔ وہ کب سے اس سے نکاح کر لیتا۔

وہ عنائیہ کی پیشانی پر لب رکھتے اسے اپنے حصار میں قید کرتے تکیے پر سر رکھ گیا۔

گزرتی رات کے ساتھ درخزئی خانزادہ کے بوسوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے لب نرمی سے اس کی پیشانی اور اس کے بالوں کو چھو رہے تھے۔ مگر مقابل اس کی بانہوں میں دنیا جہاں سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

زاران نے صوفے پر لیٹے ہوے کشن پکڑتے جھنجھلاتے ہوے زمین پر دے مارا۔ وہ۔ نیچے لاونج میں لیٹا ہوا تھا۔۔ دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے لگا تھا۔ اس کے کمرے سے آنے کے بعد ابرش اس کے پیچھے ضرور آئے گی۔ وہ آتے ہوے اپنا سیل فون بھی لے کر آیا تھا۔ اسے یقین تھا وہ اسے فون کر کے ضرور پوچھے گی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ کہاں اسے کمرے سے باہر برداشت کر سکتی تھی۔ وہ مر جاتی تھی اس کے رات باہر گزارنے پر۔۔

بسے میٹنگ اٹینڈ کرتے جتنی بھی دیر ہو جاتی اسے رات حویلی آنا پڑتا تھا۔ کتنی بار وہ تین بجے کی فلایٹ لیتے چار بجے حویلی پہنچا تھا۔ وہ فون پر فون

کرتے اسے پاگل کر دیتی تھی۔ ایک ہی رٹ ہوتی تھی کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے بنگلے پر نہیں رکے گا وہ حویلی آئے گا۔

وہ اسے کمرے سے باہر تو نیچے لاونج میں بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اب پچھلے دو گھنٹوں سے وہ نیچے لاونج میں تھا۔ اس کی بیوی کو اس کی پرا وہ ہی نہیں تھی۔ زاران خانزادہ کے سینے میں آگ دہک رہی تھی۔

وہ صوفے پر موجود ایک ایک کشن نیچے زمین پر پٹختا جا رہا تھا۔ آج خود کے ساتھ کوئی بھی چیز ٹچ ہوتے اسے غصے اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ اپنی نازک بیوی کا پھولوں جیسا وجود اسے اپنے سینے پر چاہیے تھا۔ اس کے نرم گلاب سے لبوں کا لمس اپنے وجود پر چاہیے تھا۔ وہ اس کے حصار میں اس کے سینے کو اپنے ہونٹوں سے کتنی کتنی دیر تک چھوتی رہتی تھی۔ زاران یہ سب یاد کرتے جھنجھلاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا۔

جاؤ اپنا لو اسے!! میری طرف سے تمھیں آجازت ہے۔ اور تم !!
اصل میں اگر مرد ہو تو اب میرے ڈر کو حقیقت کے روپ میں
!!دھار کر میرے سامنے کھڑا کر دینا

ابرش کے لفظ یاد کرتے زاران نے نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنے گھنے
بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

!! کہیں بھی جائیں میری بلا سے۔ مگر میرے پاس اب آنے کی ضرورت
نہیں!!

زاران اب اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے اپنی ایک ٹانگ اظطرابی انداز میں ہلاتے زمین پر اپنی نظریں جمائے ہوے تھا۔

اپنی بیوی کے لفظ اسے آج بہت بری طرح ہرٹ کر گئے تھے۔اس کے لبوں سے یہ لفظ اچھے نہیں لگے تھے۔وہ اسے کسی کے ساتھ شئر کر سکتی ہے کیا؟؟۔وہ ابھی تک بے یقین تھا۔

اس کے لفظ سچ میں اسے دہکا رہے تھے۔ابرش کے پیار میں ذرا سی کمی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

زاران اپنی سرخ آنکھیں اپنی دو انگلیوں سے مسلتے ہوے جھنجھلاتے ہوے صوفے پر لیٹے آنکھیں موند گیا۔سر کے نیچے موجود کشن بھی وہ غصے سے سر کے نیچے سے نکالتے زمین پر پٹخ گیا۔

اسفند نے عابیر کی پیشانی پر لب رکھتے ہوے اسے نرمی سے خود سے علیحدہ کیا۔عابیر اس کے ساتھ مزید چپکی تھی

کیا ہوا مجھے خود سے دور کیوں کر رہے ہیں اسفند ؟؟ عابیر نے اپنی نیند سے بھری گلابی آنکھیں کھولتے اسفند کو دیکھا۔

تمھیں خود سے دور کر کے میں اپنی سانسوں سے جاؤں گا میرا سرخ گلاب !! فریش ہو کر نماز پڑھنی ہے۔ تم بھی اٹھ کر نماز پڑھ لو۔۔ اسفند اسے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ چکا تھا۔وہ اس کی بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس تھی۔وہ اس بے باکی سے اسے ٹچ کرتے خود کو سکون پہنچا رہا تھا۔

نماز کے پابند کب سے ہوے ؟؟ عابیر نے گلابی آنکھوں سے اسفند کو دیکھتے ہوے اس کی گھنی بیرڈ پر اپنے لب رکھ رکھتے پوچھا۔

ان سات ماہ میں جو تم سے دور رہا۔ جب اپنے جواں جذبوں کو تھپکتے ہوے ہانپتے ہوے بے قرار ہو جاتا تھا۔ تب رب کے حضور جھک جاتا تھا۔ ڈر لگتا تھا تم سے بیوفائی نہ کرلوں۔ اسفند کی بات پر عابیر کی آنکھیں اسی لمحے بھیگیں۔

آپ مجھ سے بیوفائی کرنے کا سوچ سکتے ہیں کیا؟!۔ کیا اتنا کمزور ہوتا ہے مرد؟!۔۔ اپنی جسمانی خواہشات کے لیے اپنی بیوی کو دھوکا دے دے۔ عابیر نے شبنمی لہجے میں پوچھا۔۔ آنکھوں سے گرم سیال بہا تھا۔ اسفند کی بات برداشت نہیں ہوئی تھی

اسفند اس کے رونے پر اسے کے نازک وجود کو اپنے سینے پر منتقل کر گیا۔

تمھیں لگتا ہے مرد ایسا ہوتا ہے۔ صرف اسے ہی جسم کی چاہ ہوتی ہے اور عورت ایسی نہیں ہوتی۔ اسفند نے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

نہیں عورت ایسی نہیں ہوتی۔ اسے مرد کی طرح جسم کی بھوک نہیں ہوتی ۔وہ مرد کے نکاح میں ہوتے وفا مرتے دم تک نبھاتی ہے۔ کسی دوسرے مرد کے بارے میں نہیں سوچتی۔

عابیر نے ہچکی لیتے نفی میں سر ہلایا۔

ہمم۔۔اوکے۔۔ تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے؟! مرد ایسا ہوتا ہے۔ اسے صرف جسم کی چاہ ہوتی ہے۔ اسفند نے اس کی سرخ ناک دیکھتے مسکراتے ہوے پوچھا۔

وہ اب باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہی تھی۔اس کی ناک عارض سرخ ہو چکے تھے

آپ کو دیکھ کر لگتا ہے عابیر نے ہچکی لیتے بچوں کے انداز سے نروٹھے لہجے میں کہا۔

مجھے دیکھ کر کیوں؟؟اسفند نے اس کی ناک کو دو انگلیوں سے دباتے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔

عابیر نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔۔

اسفند مسکراتے ہوے اب اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھ گیا۔۔

بتاؤ کونسی بات پر لگتا ہے مجھے صرف جسم کی چاہ ہے؟!۔اسفند نے اپنی بات پر زور دیتے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

آپ کو بستر پر بے تحاشا محبت کرتے دیکھا ہے۔ آپ کی بے قراریاں دیکھی ہیں۔ ایسا لگتا ہے اگر مرد کو عورت سے جسم کی چاہ نہ ہو وہ اس کے ناز نخرے بھی نہ اٹھائے۔ اسے پوچھے بھی ناں۔ مرد ذات ہی ایسی ہے۔ عابیر نے اپنے عارض کو بے دردی سے رگڑتے منہ بنایا۔

اسفند عابیر کی بات اور اس کے اپنے خوبصورت نقوش کو بگاڑنے پر پر قہقہ لگا گیا۔

یہ تم نے محسوس کیا۔۔ کیونکہ تم مجھے اتنا چاہتی ہو کہ تمھیں ہر وقت میری توجہ چاہیے۔ میری محبت میری بانہیں چاہیے۔۔ اور میں ہر وقت تم پر اپنی توجہ نہیں دے سکتا۔ بستر پر جب تم میرے قریب ہوتی ہو. میں اپنی تمام بے قراریاں تشنگی تم پر نچھاور کر دیتا ہوں۔۔ یہی وہ لمحے ہوتے ہیں عورت مرد کی محبت پر مغرور ہوتی ہے۔ ناز نخرے دکھاتی ہے۔ مرد سب سے زیادہ

عزت ہی عورت کو اپنی قربت میں دیتا ہے۔ مگر سمجھ نہیں آتا تم عورتیں مرد کی جسمانی محبت کو حوص کیوں کہتی ہو۔ وہ ذرا سا دور ہو جائے تم عورتوں کو ایسا کیوں لگتا ہے۔ وہ کسی بھی عورت سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ کیا مرد ذات اتنا بے اعتبار ہے۔ اسفند کی بات پر عابیر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فوراً سر نفی میں ہلایا تو اسفند کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا تھا۔

ہمممم!! یعنی اتنا بے اعتبار ہے مرد۔ اسفند نے مسکراہٹ دبائی۔

میرا سفاک گلاب!! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ مرد عورت کا یہ پاک رشتہ خدا نے بنایا۔۔ یہ خواہشات بھی خدا نے ڈالیں۔۔ مرد میں عورت کی نسبت ڈیزایر زیادہ ہوتی ہے۔ کچھ فطرتاً وہ بے باک ہوتا ہے اپنی خواہشات کا اظہار بہت شدت سے کرتا بھی ہے اور انھیں پوری بھی کرتا ہے اپنی بیوی سے۔۔۔ امریکہ میں تمھیں سکرین پر دیکھتے میرے اندر شدت سے

تمھاری خواہش جاگتی تھی۔۔خود پر اختیار کھو دیتا تھا۔۔ تمھیں پا چکا تھا۔وہ نشہ وہ سرور میرا بدن حاصل کر چکا تھا۔تو تمھارے بغیر رہنا میرے لیے بہت مشکل ہو جاتا تھا۔تب خدا کے آگے جھک کر یہ دعا مانگتا تھا کہ کبھی بھی تمھارا حق کسی دوسری عورت کا حق نہ بن جائے۔۔۔ساری عمر کی جدائی سہہ لوں مگر تمھارا اسفند کبھی تم سے بیوفائی کا مرتکب نہ ہو۔۔ حرام رشتے کے متعلق تو عابیر میں مر کر بھی سوچ نہیں سکتا تھا۔چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔یہ یاد رکھنا حرام کاری میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

اسفنند نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے سمجھایا۔

اس کا مطلب یہ ہوا مرد دوسری شادی کر کے کبھی بھی بیوفائی کر سکتا ہے۔اور اپنی جائز ضرورت کو بنیاد بنا بیوفائی کی جسٹفیکشن بھی دے سکتا

ہے۔عابیر سرد لہجے مین بولتے اس کے حصار سے دور ہوئی وہ اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔

میری سفاک پٹھانی!!تم سے بدلہ لینے کا سوچتے ہوے بھی کبھی ایس نہیں سوچا۔قسم کھاتا ہوں شانزے۔پریشہ

کشمالہ مہتاب کی!!اسفند نے اس کی نازک کمر پر حصار

مضبوط کرتے عابیر کی آنکھوں میں مسکراہٹ دبائے شرارتی نگاہوں سے دیکھا۔

کون شانزے کشمالہ پریشہ مہتاب۔۔عابیر کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔آنکھوں میں شرارے پھوٹے تھے۔

ہماری بیٹیاں کس کی قسم کھا سکتا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ میں اپنی بیٹیوں کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہوں۔ اسفند شرارتی انداز میں بولا۔

اسفند کی بات پر عابیر نے سرخ ہوتے اس کے سینے پر بے دردی سے مکہ مارا

۔

اللہ آپ کو شاذر, بلاج, غزین, داور زریاب شاہ زین عطا کرے

۔جو آپ کو تگنی کا ناچ نچائیں۔ آپ کو مجھ پر حق بلکل جتانے نہ دیں۔ عابیر کی بات پر اسفند کا بے اختیار قہقہ گونجا۔

یہ کل ملا کر نو بچے ہوے. چھ بیٹے چار بیٹیاں اتنے پیدا کر لو گی کہ کسی دوسری کا انتظام کروں۔ اسفند نے شرارتی انداز میں کہا تو عابیر نے جھکتے ہوے اس کی گردن پر دامت گاڑھے۔

آہہہ۔۔۔میری جنگلی بلی۔اسفند چیخا تھا۔

عابیر نے اس کی گردن چھوڑتے اب اس کے سینے پڑ دانت گاڑھے ۔۔اسفند رخ پلٹے اسے بیڈ پر گرائے ٹی شرٹ اس کے کندھوں سے نیچے کھسکائے اس کی دھڑکنوں پر جھکا۔

اسفند۔۔۔عابیر کی سسکاریاں بلند ہوئیں۔

اب بتاؤ کرو گی آیندہ یہ جنگلی وار؟؟اسفند نے اس کی کلایاں جکڑے اس کی دھڑکنوں سے چہرہ نکالتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

عابیر نے سسکتے ہوے نفی میں سر ہلایا۔اس نے جوابًا بڑا کاری وار کیا تھا ۔اسفند کی شدتیں وہ وہاں کہاں برداشت کر سکتی تھی۔

گڈ آ!!شاذر شازین بلاج زریاب غزین داور۔ کشمالہ شانزے مہتاب پریشہ کی ماما۔۔۔ اسفند اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر جھک گیا۔

وہ شدت سے اس کی سانسیں انہیل کر رہا تھا۔ کافی دیر سے وہ اس کے لبوں پر جھکے ہوے اس کی سانسیں پی رہا تھا۔ عابیر کی مزاحمت میں کمی محسوس کرتے اسفند نے اس کی کلائیاں آزاد کیں۔ مگر اس کے لبوں کو نہیں چھوڑب تھا۔۔ وہ اس کی سانسیں شدت سے پی رہا تھا۔ عابیر کے ہاتھ اب اسفند کے گھنے بالوں میں سرسراتے اس کی کمر پر جمے تھے۔ اسفند اس کے لبوں کو چھوڑتے اوپر ہوا۔

نماز قضا ہو جائے گی۔ باقی کا پروسیس نماز کے بعد۔ اسفند اس کے سرخ لبوں پر انگوٹھا پھیرتے اس کی مدہوش آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر لہجے میں کہا۔

بھول جائیں پاس آنے دوں گی۔ عابیر اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے بیڈ سے نیچے اتری۔

اس سے پہلے وہ واش روم کی طرف بڑھتی اسفند اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔

ایسے ہی بے بس کر دوں گا جیسے ابھی کیا۔ میرا سرخ گلاب۔۔۔۔ اسفند نے بے باکی سے اسے آنکھ ماری۔

چھوڑیں اسفند نماز قضا ہو جائے گی۔ ابھی شاور بھی لینا۔ عابیر نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔ اپنی کچھ دیر والی حرکت پر وہ خفت زدہ ہوئی تھی۔

اکٹھے لے لیں شاور۔ اسفنڈ نے اسے اپنی ٹی شرٹ میں دیکھتے میں آنکھ ماری۔

پھر تو پکا نماز قضا۔ عابیر نے اپنی کلائی چھڑواتے شعلہ بار لہجے میں کہا تو اسفند قہقہ لگاتے اس کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔

عابیر جلدی سے واش روم کی طرف بڑھی۔ اسفند مسکراتے ہوے بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔

درخزئی خانزادہ نے عنائیہ کو بہت نرمی سے خود سے دور کرتے اس کے پیشانی پر لب رکھے۔ وہ اس پر اچھی طرح رضائی اوڑھاتے بیڈ سے نیچے اترا اور کمرے کے وسط میں لگے ایکٹرک ہیٹر کو آن کیا تھا۔۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے عنائیہ کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ نماز پڑھ کر اسے اپنی ڈیوٹی کے

لیے نکلنا تھا۔ اس کی ایک ضروری میٹنگ تھی جو اٹینڈ کر کے اسے واپس آ کر حویلی میں گرینڈ فنکشن آرگنایز کرنا تھا۔۔ کل کا فنکشن زاران نے آرگنایز کیا تھا۔ مگر وہ اپنے نکاح کی اس سے بھی بڑی تقریب رکھنا چاہتا تھا۔

درخزئی اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے کمرے سے نکل آیا۔

کمرے میں پانی نہ پا کر اسفند پانی پینے کی غرض سے کمرے سے نکلتے لاونج میں داخل ہوا۔ زاران کو صوفے پر لیٹا دیکھ کر اسفند کے لبوں سے قہقہ بلند ہوا تھا۔

اسفند کے قہقے پر زاران نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسفند کو عضبانگ نگاہوں سے گھور کر دیکھا تھا۔

اسفند کو شرٹ لیس دیکھ کر زاران کی دماغ کی رگیں پھڑک اٹھیں۔

وہ اسے سرد نگاہوں سے گھورتے اٹھ کر بیٹھا۔

اسفند کے گردن اور سینے پر دانتوں کے نشان دیکھتے زاران کے سر پر لگی تلوں پر بجھی۔۔۔

زاران نے صوفے سے ٹیک لگاتے اسفند کو سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا۔

اسفند زاران کے تپے ہوے چہرے کو دیکھتے اپن مسکراہٹ روک گیا ۔اسفند نے اپنی اڈتی مسکراہٹ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے چھپائی۔ پتہ نہیں کیوں زاران کی حالت دیکھتے اسے کمینی سی خوشی ہو رہی تھی۔

یہ کیا بیغیرتی لگا رکھی ہے؟؟ یہ ننگے کس خوشی میں گھوم رہے ہو۔ زاران نے اس کے سینے پر نشانوں کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے لفظ چبائے تھے۔

میری جان محنت کر حسد مت کر!!۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے تب جا کر ایسے نشانات مقدر بنتے ہیں۔ میرا مطلب ہے باڈی پر ایسے کٹس بنتے ہیں بہت محنت سے بنائی ہے یہ باڈی۔

اسفند اسے بے باکی سے آنکھ مارتے بات بدلتے مزید سلگا گیا تھا۔

مزید بکواس مت کرنا۔۔ اپنے اور میرے درمیان رشتے کا لحاظ کرنا۔ اپنی شکل گم کر یہاں سے۔ زاران اس کی بکواس پر بھڑک اٹھا۔

اسفند مسکراہٹ دبائے اپنے ٹراوزر سے سگریٹ اور لائیٹر نکال کر اسے سلگاتے ہوئے زاران کی طرف بڑھا۔

یہ لے۔۔ اسفند نے وہ سگریٹ زاران کی طرف بڑھایا۔

میں نے تجھے کہا مجھے اس کی ضرورت ہے۔ زاران نے اسفند کی طرف دیکھتے سرد لہجے میں پوچھا۔

مجھے لگتا ہے آج تجھے اس کی ہی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔۔ اسے پی لے ۔یہ جو تیرا دل کوئلے کی طرح جل رہا ہے۔ جلنا بند ہو جائے گا۔ ورنہ تو تو حسد میں ہی مر جائے گا۔

اسفند کی بات پر زاران نے جبڑے بھینچتے اپنی پچھلی گردن رب کی۔

تجھے لگتا ہے میں تجھ جیسے بغیرت سے حسد کر سکتا ہوں۔ زاران نے لفظ چباتے بھڑکتے ہوے پوچھا۔

اسفند مسکراہٹ دبائے سگریٹ لبوں سے لگائے زاران کے سامنے صوفے پر بیٹھا۔

اسفند کے سینے پر نشان دیکھتے زاران کے رگوں میں دوڑتا خون بھڑک رہا تھا۔

آہہہ۔۔ اسفند سگریٹ لبوں میں دبائے گہرا کش لیتے اپنے گردن کے نشان پر ہاتھ رکھتے کراہا۔

زاران نے اپنی مٹھیاں بھینچے اسفند کو خون اشام نگاہوں سے گھورا۔

ویسے میں سوچ رہا ہوں زاران۔۔اس ایس پی نے آج کتنی بار سہاگ رات منائی ہو گی۔ جتنا ترسا ہوا وہ ہے ابھی تک اپنی بیوی سے چپکا ہو گا۔ اسفند کی بے باکی بھری بات پر زاران صوفے سے اٹھتے اس کے جبڑے پر مکہ پوری قوت سے مکہ مار گیا تھا۔

کیا بکواس کر رہا ہے تو؟؟زاران گرجا۔

اسفند نے بھی صوفے سے اٹھتے ہوے اسے جوابًا مکہ مارا۔

سالے کمینے کس نے کہا تھا اس ایس پی کا نکاح کروا؟!۔اب جو کچھ ہو رہا ہے برداشت کر۔۔اسفند زاران کو گھورتے طیش و اشتعال سے جوابًا غرایا۔

تیرے جیسے دوست دشمن کی کمی محسوس نہیں کرواتے۔میری مدد کر الٹا تو جلے پر نمک چھڑک رہا ہے۔۔زاران اسے غصے سے دیکھتے پھنکارا۔

جلے پہ نمک نہیں چھڑک رہا۔تجھے سمجھانا چاہ رہا ہوں۔۔

آج ادھر سویا ہے کل تو حویلی سے باہر ہو گا۔ادھر بیٹھ کر سلگنے کی بجائے اپنی بیوی کو منا۔درخزیی اور عنائیہ کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔اسفند نے مسکراہٹ دبائے اسے مشورہ دیا۔

زاران اسے گھورتے ہوئے صوفے پر بیٹھا۔

لالا ادھر ہوتے تو اس درخزئی کو پٹہ ڈالا جا سکتا تھا۔مگر اب ناممکن ہے۔اسفند نے زاران کو دیکھتے سنجیدگی سے اب کہا۔

ٹھیک کہہ رہا ہے اس کمینے سالے پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔مگر اسے آج میں چھوڑنے والا نہیں۔عنائیہ کو بیوہ کرنا پڑا کر کے رہوں گا۔اب ایسے ہی

ٹھیک ہو گا سب کچھ !!در خزئی خانزادہ کی موت اور میرا سکون۔۔زاران اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مارتے ہوے غرایا۔

اسفند اس کی غراہٹ پر گہرا مسکرایا۔زاران کے گھورنے پر اس نے اپنی مسکراہٹ دباتے خود کو سنجیدہ ظاہر کیا۔

جا شرٹ پہن کر آ۔۔زاران نے اسے غصے سے دیکھتے احساس دلا۔اس کے سینے پر نشان زاران کو سخت زہر لگ رہے تھے۔

میں تیرے پاس کیا کرنے آؤں گا؟؟۔میرا تو اب ایک راؤنڈ اور ۔۔۔اسفند نے ہاتھ اوپر کرتے انگڑائی لی۔میرا مطلب ہے پش اپس کروں گا۔تو جانتا ہے اس وقت میں یہی کرتا ہوں تبھی تو ایسی باڈی بنتی ہے۔

زاران کی خونخوار نگاہوں پر اسفند پھر سے اپنی بات بدل گیا تھا۔

آ گیا تیرا سکون۔۔زاران کو مسلسل خونخوار نگاہوں سے دیکھتے پا کر اسفند نے درخزئی کی طرف اشارہ کیا۔جو مہمان خانے والی سائیڈ سے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتا لاونج میں داخل ہوا تھا۔

درخزئی زاران کو لاونج میں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھک کر رکا تھا۔زاران اسی لمحے صوفے سے اٹھتے درخزئی خانزادہ کی طرف بڑھا۔

زاران نے اسے گریبان سے پکڑتے اس کے چہرے پر مکوں کی بارش کر دی

سالے کمینے !!کیا کر رہا تھا اندر تو؟؟زاران اس کا گریبان پکڑتے غرایا۔

تو دودھ پیتا بچہ ہے جو تجھے نہیں پتہ اندر میں کیا کر رہا تھا۔یا تو نے ابھی تک یہ سب کیا نہیں۔نامرد ہے کیا؟؟دذخزئی کی بات پر اسفند کو کھانسی کا دورہ پڑا

۔زاران نے گھور کر اسفند کو دیکھا جو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی کنٹرول کرنے کے چکر میں کھانس رہا تھا۔

سالا کمینہ !!زاران نے دانت پیستے درخزئی کے جبڑے پر ایک اور مکہ مارا۔

میری بات سن نکاح ہو چکا ہے میرا۔وہ میری ہو چکی ہے۔تو اب کس خوشی میں اس کا وارث بن رہا ہے۔وہ بیوی ہے میری۔تجھے کیوں آگ لگ رہی ہے؟؟۔جا تو بھی اپنے کمرے میں جا کہ وہ کر جو میں کر رہا تھا۔تا کہ تیرے دماغ کی گرمی تھوڑی کم ہو۔درخزئی نے اب جوابا زاران کے منہ پر مکہ مارا۔

اسفند سگریٹ کے گہرے کش لیتا دونوں کو دیکھتے اپنی مسکراہٹ دبائے ہوے تھا۔مگر ایک سکون اسے اپنی رگوں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔جب وہ عابیر سے دور تھا زاران ایسے ہی ہر وقت مسکراتے اسے آگ لگاتا تھا۔آج زاران کو بے حال دیکھ کر اسے کافی مزا آرہا تھا۔

تو نے مجھے اس قابل چھوڑا ہے میں کچھ کر سکوں۔ زاران در خزئی کو گھورتے تپتے لہجے میں پھنکارا۔۔ اس بار اسفند کا چھت پھاڑ قہقہ گونجا تھا۔

کیا ہوا کیا؟؟ ایک رات میں ہی کٹ گیا۔ در خزئی نے سیٹی مارتے اسفند کو دیکھتے بے باک اشارہ کیا۔

اسفند کا پھر سے قہقہ گونجا تھا۔

زاران نے در خزئی کو گریبان سے پکڑے اس کے چہرے پہ پنچ مارتے اسے مزید داغا۔

میری بات سن ہونٹوں کو چھوڑ دے۔ کیوں ان کا دشمن بنا ہوا۔ آج رات پہلی بار ان سے اپنی زندگی کا بہترین کام کیا۔

در خزئی اپنے ہونٹوں سے نکلا خون صاف کرتے زاران کو آنکھ مارتے بولا۔

زاران نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوے غصے سے اسے ایک اور مکہ مارا ۔جو درخزئی نے اپنے مضبوط ہاتھ میں قید کیا تھا۔۔

کہہ رہا ہوں ناں مزید وار مت کر۔۔۔اب اپنے ہونٹ بہت پیارے ہیں مجھے۔درخزئی نے زاران کو گھورتے لفظ چبائے۔

تو انتہا کا واہیات انسان ہے۔زاران نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر اب مکہ مارا تھا۔

آہہہ۔درخزئی گال پر ہاتھ رکھتے کراہا۔۔زاران اس کے چہرے کا نقشہ بگاڑ چکا تھا۔

درخزئی نے اسفند کی طرف دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کرتے زاران کو روکنے کو کہا۔ زاران بپھرا شیر بنا ہوا تھا۔ اس وقت درخزئی اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ نہ وہ کرنا چاہتا تھا۔ مقابل نے اس کا نکاح کروایا تھا۔۔ تھوڑی بہت قدر تھی اس کے دل میں زاران کی۔۔ اس کا اتنا لحاظ کرنا تو بنتا تھا۔

اسفند درخزئی کے اشارے پر صوفے سے اٹھتا ان لوگوں کی طرف بڑھا۔

اسفند تو مجھے بتا اس منسٹر کو کیوں غصہ آرہا ہے؟؟

اب ہونٹوں سے ہر کوئی کام لیتا ہے۔ تجھے پتہ ہے ہونٹوں کے اندر گیارہ ہزار کے قریب اعصاب ہوتے ہیں۔ جو فرنچ کسنگ کے دوران سٹیولیٹ ہوتے ہیں۔ اور ٹینشن میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔ جسکی وجہ سے بلیڈ پریشر نارمل ہوتا ہے۔ اور ٹینشن میں کمی کا بو سبب بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بلیڈ

پریشر نارمل ہوتا ہے۔ اور ہارٹ اٹیک کے چانسز ستایس فیصد کم ہوتے ہیں ۔۔اس لی اب نکاح ہو گیا یہ کام دن رات کرتے اپنی زندگی کے بچانسسز بڑھانے ہیں۔ کیا یہ غلط ہے ؟؟۔ درخزئی نے اسفند کو دیکھتے معصومیت سے پوچھا۔

درخزئی کی فضول بات پر زاران کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔

کیا بکواس ہے ؟؟ کہاں سے سنتا ہے یہ سب۔۔ ؟! زاران پھنکارا تھا۔

اسفند کو ایک بار پھر سے کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

زاران نے اسے گھور کر دیکھا۔ ٹھیک کہہ رہا ہے یقین مان۔۔ اسفند نے زاران کو دیکھتے سنجیدگی سے کہتے مسکراہٹ دبائی۔

زاران دونوں کو دیکھتے تاسف سے سر ہلا گیا۔ وہ دونوں اسے اس وقت دوست کم مسخرے زیادہ لگ رہے تھے۔

میری بات سن درخزئی!! اب یہاں سے شکل گم کر۔ دو سال بعد اپنی شکل دکھانا۔ ورنہ سچ کہہ رہا ہوں جو نکاح ہو سکتا ہے وہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ زاران درخزئی کو گھورتے ہوک دھاڑا۔

زاران کی بات درخئی کی آنکھوں میں خون اترا۔ چہرہ طیش والم سے سرخ ہوا۔

یہ نکاح اب کبھی نہیں ٹوٹ نہیں سکتا۔ جب تک اس ایس پی کی سانسیں چل رہی ہیں تیرے جیسے دس زاران خانزادہ آجائیں یہ نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔ وہ اپنے سینے پر مکہ مارتے ہوے غرایا۔

دنیا ہلا دوں گا۔ اگر آیندہ تو نے اسے مجھ سے چھینے کی بات کی۔ درخزئی خانزادہ مرتے دم تک اس کا ہو گیا اور وہ اپنی آخری دم تک درخزئی خانزادہ کی ہو گئی۔ درخزئی ایک ایک لفظ چباتے سرخ آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھے دھاڑا۔

درخزئی کی دھاڑ پر بھی زاران کی آنکھون میں خون اترا تھا۔

اسفند سچویشن سمجھتے ان دونوں کے بیچ حائل ہوا۔

تم دونوں اس بات کو اب ختم کرو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اسفند نے ان دونوں کو دیکھتے مصالحت سے کہا۔

زاران نے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنے اشتعال پر قابو پایا۔ وہ جانتا تھا عنائیہ پر دذخزئی کا سب سے زیادہ حق ہے۔۔ وہ اب کچھ نہیں کر سکتا۔

یہ رخصتی ابھی نہیں ہو گی یہ بات جان لے زاران نے اپنی سرخ آنکھیں درخزئی کی آنکھوں میں گاڑھیں۔

کوئی بات نہیں میں گھر داماد بننے کو تیار ہوں۔۔ اب سے میری بیوی کا کمرہ میرا۔ تو بس اپنا انتظام کر لے۔۔ میرا اپنی بیوی اپر تنا رعب ہے کہ وہ کمرے کا دروازہ لاک نہیں کرے گی۔ لیکن تیرے چانسز زکل حویلی سے باہر سونے کے لگ رہے۔ درخزئی اپنے ہونٹ سے نکلا خون صاف کرتے سنجیدگی سے بولا۔ اب اسفند نے پریشان ہوتے اپنی گھنی بیرڈ سہلائی۔ اب

گر وہ ہنستا یا کھانستا تو منسٹر کا نشانہ وہ بنتا۔ وہ اب غلط جگہ پر کھڑا تھا۔ مگر ہنسی روکنے پر اس کی رنگت شدید سرخ ہو چکی تھی۔

اس سے پہلے زاران در خزئی کی طرف بڑھتا۔ امینہ خانم کی آواز پر زاران اپنی مٹھیاں بھینچتے رکا تھا

کیا کر رہا ہے تم بچہ لوگ ادھر اتنی صبح ؟!۔ امینہ خانم نے ان تینوں کو دیکھتے کہا۔

اسفند نے پریشان ہوتے اپنا برہنہ سینہ دیکھا امینہ خانم اسے دیکھتے خفت سے نظریں پھیر گئی تھیں۔

زاران نے خونخوار نگاہیں اسفند پر گاڑھیں۔ اسفند نے خفت سے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

میں اپنے ولیمے کی بہت بڑی دعوت دے رہا ہوں۔ منسٹر صاحب کو چیف گیسٹ کے طور پر دعوت دے رہا ہوں۔ اسے میری طرف سے تو دعوت دے دے۔ درخزئی ن جھکتے ہوے اسفند کے کان میں سرگوشی کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔ اسفند نے پریشان ہوتے زاران کو دیکھا جس تک درخزئی کے الفاظ نہیں پہنچے تھے۔

وہ درخزئی کی پشت کو قہربار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اسفند خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

زاران نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے امینہ خانم کی طرف بڑھتے ان کے ہاتھ تھامے ان کی ہتھیلیاں چومیں۔

کچھ نہیں مورے!! ایسے ہی ہم بات چیت کر رہے تھے۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟؟۔ سردی بہت ہے۔ زاران نے ان کے ہاتھ اب آنکھوں سے لگائے۔ ان کے ایک ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑی ہوئی تھی۔

کچھ نہیں بچہ!! نماز پڑھ کر آیا تھا۔ دم کیا ہوا پانی پورا حویلی میں چھڑکنا تھا اس لیے ادھر آیا۔ امینہ خانم نے جواب دیا۔

لائیں مجھے دیں میں چھڑک دیتا ہوں۔ آپ آرام کریں۔ زاران نے ان کے ہاتھ سے بوتل لی۔۔

تم پاک ہے ناں۔۔ امینہ خانم نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

امینہ خانم کے سوال پر زاران نے گہرا سانس لیا۔

جی مورے پاک ہی ہوں۔ دے دیں مجھے۔ زاران نے ان سے پانی کی بوتل لی۔

حیدر خان سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے زنان خانے میں داخل ہوا۔۔ آج اس نے حویلی میں زذاب دراب کا عقیقہ رکھا ہوا تھا۔۔ مردان خانہ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔ بہت ساری عورتیں بھی آچکی تھی۔۔ جو زنان خانے میں بیٹھی ت تھیں۔ حیدر خان کی بے قرار نگاہوں کا مرکز فرشتے تھا۔ وہ عورتوں کے ہوتے زنان خانے میں نہیں آتا تھا۔ یہی ان کی حویلی کا اصول تھا۔ حیدر خان کا اصول تھا اگر اپنی عورت پر کسی کی نظر گوارا نہیں تو دوسروں کی عورت پر بھی غلطی سے بھی نگاہ نہیں اٹھنی چاہیے۔ مگر آج وہ خود پر قابو نہ پا سکا تھا۔ فرشتے اس کے سامنے بہت

سادہ حلیے میں رہتی تھی۔ بڑی سی چادر اوڑھ کر خود کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ رات کو اس کے پہلو میں الگ کمبل لے کر پورے لباس میں سوتی تھی۔ دریاب زراب کو فیڈ بھی اندھیرے میں کرواتی تھی۔ وہ اس دوران غصے سے سائیڈ لیمپ ان کرتا تھا۔ دراب زراب کی فکر ہوتی تھی۔ وہ رخ پلٹے فیڈ کروانے لگتی۔ وہ فرشتے کی حرکتیں دیکھتے کوئلے کی مانند جلتا تھا۔ وہ بڑی سی چادر میں بھی اسے بے حد خوبصورت لگتی تھی۔ مگر یہ بات اسے دہکاتی تھی وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ ورنہ پانچ مہینے جو اس نے اس کے ساتھ گزارے تھے۔ اس میں اسے ہر وقت تیار دیکھا تھا۔ فرشتے کے یہ سرد انداز حیدر خان کو ہمہ وقت اندر سے دہکائے رکھتے تھے۔ حیدر خان کی بے قرار نگاہیں فرشتے پر تھیں۔ وہ اوزگل کے ساتھ کھڑی ہنستے ہوئے باتیں کر رہی تھی وہ سرخ لباس پہنے ہوئے تھی جس کے گلے میں شیشوں کا ورک ہوا تھا

۔ریڈ ٹائٹس پر وہ لانگ فراک پہنے ہوے تھی۔ فراک کے کٹس بہت خوبصورت تھے۔ سلیوز پر کٹ ورک تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے دودھیا بازو سلیوز سے بھی نظر آرہے تھے۔ سلکی براون لمبے بال اس نے کھلے رکھے تھے۔ ریڈ بیٹس کا نیٹ دوپٹہ اس نے اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ ایک سلیو اس کے کور نہیں کیا تھا۔۔ سلکی براون بال ایک طرف شانے پر بکھرے ہوے تھے۔ پچھلا گلا کافی ڈیپ تھا۔ نیٹ کے دوپٹے میں بھی اس کے گہرے گلے سے نظر آتی بیک چودھویں کے چاند کی طرح عیاں تھی۔ یہ دیکھتے حیدر خان کی مٹھیاں بھینچی تھی۔ رنگت سرخ ہوئی۔

اس کی ڈریسنگ بلکل پسند نہیں آئی تھی۔ وہ عورتوں کے سامنے بھی ایسی ڈریسنگ کرے اسے بلکل اچھا نہیں لگا تھا۔ اس کی فرشتے ایسی نہ تھی۔ حیدر

خان نے اوزلہ پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔ فرشتے میں ہوئی تبدیلیوں کی وجہ اس کے سامنے ہی تھی۔

حیدر خان کو زنان خانے میں دیکھ کر رقیہ خانم حیدر خان کی طرف بڑھیں۔

کیا ہوا حیدر ادھر کیا کر رہا ہے تم؟؟ رقیہ خانم نے حیرانگی سے پوچھا وہ کہاں آتا تھا عورتوں کی موجودگی میں زنان خانے میں؟؟

اسلام و علیکم مورے!! حیدر خان نے احتراماً ان کے آگے جھکتے سلام کیا۔۔ حیدر کی عادت تھی رقیہ خانم کو جب بھی دیکھتا جھکتے اہوے حتراماً سلام کرتا تھا۔

و علیکم اسلام!! اللہ تمھارا عمر دارز کرے۔ رقیہ خانم نے حیدر خان کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

آپ کو دیکھنے آیا تھا آپ ٹھیک ہیں۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو بازو کے حلقے میں لیے ان کی پیشانی چومی۔ رقیہ خانم کی آنکھیں شدت سے بھیگیں۔ حیدر خان نے بہت دن بعد انھیں ایسے اپنے حلقے میں لے کر پیشانی چومی تھی۔

روز رات کو وہ ان کی ٹانگیں خاموشی سے دباتا تھا۔ وہ اس دوران آنکھوں پر بازو رکھے رہتی تھیں۔ وہ بھی خاموشی سے ایک گھنٹہ ٹانگیں دبا کر چلا جاتا تھا۔ انھیں میڈیسن بھی اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا۔ مگر دونوں میں بات چیت بند تھی۔ آج حیدر خان نے خود انھیں اپنے سینے سے لگایا تھا۔ رقیہ خانم کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہہ رہے تھے۔

کیا ہو گیا مورے؟! حیدر خان نے فرشتے کو سرد نگاہوں سے دیکھتے رقیہ خانم کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے صاف کیے

--

حیدر خان کی نگاہیں فرشتے پر محسوس کرتے رقیہ خانم بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیا تھا۔۔ان کے آنسوؤں سے زیادہ حیدر خان کو اپنی بیوی کی فکر تھی۔

حیدر خان کی بے قرار نگاہیں وہ ہمہ وقت فرشتے پر جمی دیکھتی رہتی تھیں۔ آج وہ فرشتے کے لیے اپنا اصول توڑتے عورتوں کی موجودگی میں زنان خانے چلا آیا تھا۔رقیہ خانم کو یہ بات اچھی خاصی چبھی تھی۔۔

حیدر آج ہمارا دراب زراب کا عقیقہ ہے۔ آج تو ان دونوں کو ہم چھو سکتا ہے۔اپنا گود میں اٹھا کر لاڈ کر سکتا ہے۔ہمارا سہلیاں تمھارا پھوپھو خالہ اور باقی رشتہ دار بھی دراب زراب کا پوچھ رہا ہے۔ہم جب فرشتے کو دراب زراب کو باہر لانے کا کہتا ہے۔وہ اوزلہ فٹ سے جواب دیتا ہے۔دراب

زراب سو رہا ہے وہ باہر نہیں آسکتا۔ رقیہ خانم کی بات پر حیدر نے جبڑے بھینچتے ہوئے فرشتے کے پہلو میں موجود اور زلہ پر قہر بار نگاہ ڈالی۔

مورے!! میں لے کر آتا ہوں دراب زراب کو آپ فکر نہ کریں۔ حیدر خان نے فرشتے پر قہر بار نگاہ ڈالتے کہا۔ اس کا پچھلا ڈیپ گلہ حیدر خان پر جیسے کھولتا پانی ڈال چکا تھا۔

خانم!! حیدر خان کی سرد بھاری آواز پر زنان خانے میں موجود ہر عورت متوجہ ہوئی تھی۔

حیدر خان کی سرد پکار پر فرشتے کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوئی تھی۔ وہ ادھر کیا کر رہا تھا اتنی عورتوں میں وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ کبھی عورتوں میں نہیں آتا تھا۔

حیدر خان کی پکار پر فرشتے جلدی سے حیدر خان کی طرف بڑھی۔ مقابل کی سرد پکار پر ہمیشہ اس کی جان جاتی تھی۔ اسے غصے سے گھورتے دیکھ کر فرشتے کی جان لبوں پر سجی۔ اس سے پہلے وہ حیدر کی طرف بڑھتی اور زلہ فرشتے کی کلائی پکڑتے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے روک چکی تھی۔

حیدر خان یہ دیکھتے سلگ کر راکھ ہوا۔۔ جبڑے بری طرح بھینچے۔

جی خان!! فرشتے نے ایک نظر حیدر خان کو دیکھتے نظریں جھکائے اپنی جگہ پر جمے ہی پوچھا۔

فرشتے کو تیز میک اپ میں دیکھ کر حیدر خان کی دماغ کی رگیں پھڑکیں تھیں۔ وہ ہونٹوں پر سرخ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ آنکھوں پر گلٹری

میک اپ کیے ہوے تھی۔ عارض پر بلشر آنکھوں میں گہرا کاجل دیکھ کر حیدر خان نے غصے سے فرشتے کو گھورا۔۔ شادی کی پہلی رات کے بعد اس نے پہلی بار اتنا میک اپ کیا ہوا تھا۔

کمرے میں آؤ۔ حیدر خان حکمیہ لہجے میں کہتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہاں بیٹھی کچھ عورتوں کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ بکھری تھی۔ نئی نویلی دلہنیں جو ادھر بیٹھی تھیں۔ وہ فرشتے کو دیکھتے ہنس پڑی تھی۔ کنواری لڑکیوں نے بھی شادی شدہ لڑکیوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا ۔بزرگ خواتین نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

فرشتے سب کے تاثرات دیکھتے سرخ پڑتے نظریں جھکا گئی تھی۔ فرشتے کے قدم وہیں پر جم گیے تھے۔ سب کی جھنپی جھینپی مسکراہٹ اور قہقوں پر وہ نظریں بھی نہیں اٹھا رہی تھی۔۔

رقیہ تمھارا بیٹا تمھارا ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔۔ حیدر خان کی پھوپھو نے رقیہ خانم کے کان میں سرگوشی کی۔

رقیہ خانم کے چہرے پر کئی سائے لہرائے تھے۔ دیکھا تم نے جو حیدر عورتوں کی موجودگی میں زنان خانے میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ آج کیسا یہاں کھڑے صرف اپنا عورت کو گھور رہا تھا۔ اللہ نے دو بیٹا دے دیا اس کو اس طلاق یافتہ عورت سے۔۔ اور سب سے بڑھ کر تمھارا بہو خوبصورت ہے۔ لگتا ہے جیسے اٹھارہ سال کا دوشیزہ ہو۔ اور اس کا شرمیلا روپ دیکھ کر لگتا ہے جیسا حیدر خان کا پہلی رات کا دلہن ہو۔ لگتا ہی نہیں وہ حیدر سے پہلے ایک مرد دیکھ چکا ہے۔ حیدر کی پھوپھو زرمانہ کی باتوں پر رقیہ خانم نے فرشتے پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں۔ جو صوفے کی سطح پر ہاتھ جمائے نظریں جھکائے لب کاٹ رہی

تھی۔رنگت سرخ گلاب ہو رہی تھی۔۔وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ ان کی نظر نہیں ٹک رہی تھی۔فرشتے کی خوبصورتی اس کی معصومیت تھی۔

دیکھ لو تم اپنا چالاک بہو کا حرکتاں۔۔کنواری لڑکیاں آج کل اتنا شرماتا نہیں ہے۔۔جتنا یہ شرماتا ہے۔

زرمانہ نے فرشتے کو گھورتے کہا تو رقیہ خانم کی آنکھوں میں حسد کے شعلے سے لپکے تھے۔

۔.-------۔

حیدر خان پچھلے دس منٹوں سے کمرے میں اظطرابی انداز میں چکر لگا رہا تھا۔فرشتے ابھی تک نہیں آئی تھی۔

وہ غصے سے کمرے سے نکلتا تیز تیز قدموں سے زنان خانے کی طرف بڑھا۔

فرشتے کو وہیں جمے دیکھ کر حیدر خان نے اپنی گھنی بئرڈ سہلاتے اپنی مونچھوں پر انگلیاں پھیریں۔ فرشتے کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ رقیہ خانم کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔ حیدر خان ایسے کرے گا وہ بے یقین ہوئی تھیں

اب تو وہاں بیٹھی تمام خواتین نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

فرشتے تمھارا بیٹا رات بھر کیا کرتا ہے جو اس میں شرم لحاظ ختم ہو گیا ہے۔ اس کو دن میں بھی ضرورت پڑ گیا۔ آج کل کا یہ مرد لوگ ذرا اسا اپنا بیوی کو تیار دیکھ خود پر قابو کھو دیتا ہے۔

ایک بزرگ خاتون نے ناگواری سے کہتے اپنے سامنے بیٹھی اپنی نئی نویلی دلہن پر قہربار نگاہیں گاڑھیں۔ان کا بیٹا ہر وقت آج کل کمرے میں پایا جاتا تھا۔ جس پر وہ اپنی بہو کو بہت بار باتیں سنا چکی تھی۔۔سامنے بیٹھی بہو نے گہری سانس لیتے نظریں جھکائیں۔

اب وہاں بیٹھی ساری لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی کو بریک لگا تھا۔۔ تمام بزرگ عورتوں کا پارہ ہائی تھا۔ چہرے غصے سے سرخ تھے۔

یہ اپنا مرد کو پھنسانے کا طریقہ ہے؟؟ دیکھا نہیں ایسا شرما رہا تھا۔ جیسے سارا شرم تو اللہ نے حیدر کی عورت کو دے دیا۔ ہم سب تو بے شرم ہے۔ ہمارا حیدر سے پہلے وہ ایک مرد دیکھ چکا ہے۔ لیکن ادائیں دیکھو اس کا۔ ایسا عورت رات اور دن اپنا مرد کو اپنا ساتھ لگائے رکھتا ہے۔ اس میں ہمارا حیدر کیا کیا قصور؟؟ زرمانہ نے لفظ چباتے غصیلے لہجے میں کہا۔

صیح کہہ رہا ہے تم حیدر خان کا پھوپھو۔۔ تم سب بے شرم ہی ہے۔ تم سب کو دیکھ کر لگتا ہے تم میں شرم نام کا نہیں۔ اوزلہ نے بلند آواز میں کہا۔

کیا بکواس کر رہا ہے تم ؟؟ رقیہ خانم اوزلہ کے لفظوں پر دھاڑیں۔

یہ جو تم دھاڑ رہا ہے یہ تب تم دھاڑتا جب یہ عورت لوگ تمھارا بہو کا زندگی میں مرد گن رہا تھا۔ ان سب کا ہمت کیسا ہوا ؟!۔ حیدر خان کا حویلی میں بیٹھ کر اس کی عورت کا بارے میں ایسا بات کرنے کا۔ ؟! یہ ہمت تم نے دیا۔ کیونکہ سب جانتا ہے تم اپنا بہو کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سب ایسے فرشتے کا پہلا شادی کا بات کرتا ہے۔ جیسے اس کا حلال کا رشتہ نہیں گناہ تھا۔۔ تم سب کو ذرا شرم نہیں آتا۔ خدا کا خوف نہیں آتا۔۔ تم لوگ طلاق یافتہ عورت کا نام اتنا تذلیل سے کیوں لیتا ہے ؟؟ اور جس عورت کا بارے میں تم ایسے بات کر رہا ہے۔ وہ اس حویلی کا مالک ہے۔ حیدر خان نے یہ حویلی فرشتے کے

نام کر دی ہے۔ اوزلہ کی بات پر سب نے رقیہ خانم کو دیکھا جو شرمندہ ہوتے نظریں جھکا گئی تھی

اور حیدر خان نے اسی طلاق یافتہ لڑکی کا لیے پانچ سال کا جوگ لیا تھا۔ اسی لڑکی کا واسطہ وہ پاگل تھا۔ دیکھا تم سب نے وہ آج بھی اپنا بیوی کو دیکھ کر اپنا ہوش کھو دیتا ہے۔

اس نے سن لیا تم فرشتے کے بارے میں ایسا بات کرتا ہے وہ تم سب کو ایک منٹ سے پہلے یہاں سے نکال دے گا۔ اوزلہ کی باتوں پر وہاں بیٹھی بہت سی عورتوں نے رقیہ خانم کو غصے سے گھورا۔

یہ ہمارا حویلی ہے۔۔ فرشتے نکاہیں۔۔ تم نکلے گا اس حویلی سے۔ دفعہ ہو جاؤ تم ہمارا حویلی سے رقیہ خانم پھولتی سانسوں کے ساتھ غرائی۔۔

ہم نے پہلے بھی کہا تھا ہم تم جیسا عورت کا عزت نہیں کرتا۔ تم اپنا کپڑا پھاڑ کر بھی چیخو چلاؤ۔ ہم تم کو پاگل سمجھ کر سوائے ترس کھانے کے کچھ نہیں کرے گا۔ اوزلہ استھزائیہ مسکرائی۔

اگر حیدر نے تمھیں ہم سے بدتمیزی کرتے دیکھ لیا تم یہ بھی جانتا ہے۔ وہ تمھارا کیا حال کرے گا۔ رقیہ خانم غصے سے کف اڑاتے ہوے بولیں۔

ہم اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ ہمارا زبان کاٹ دے گا۔ اتنا محبت کرتا ہے وہ تم سے۔۔ ہم کیا ہمارا جگہ اس کا جان سا پیار بیوی فرشتے بھی تمھارا خلاف کچھ کہے گا۔ وہ شائد اس کا زبان بھی کاٹنے سے دریغ نہ کرے۔ اتنا محبت اتنا مان دیتا ہے وہ تمھیں!! لیکن تم نے اپنا بیٹا کا اتنا محبت کا کیا صلہ دیا؟؟

اس کا فرمانبرداری محبت کا ہمیشہ قرض مانگا۔ وہ جھکتا گیا تم اسے جھکاتا گیا۔۔ کیسا ماں ہے تم؟؟۔ ماں اپنا بچوں کا خوشی کا واسطہ اپنا خوشی قربان کر

دیتا ہے۔ تم کو آج بھی اپنا پڑا ہے۔ اپنا مان اپنا عزت بس۔۔ حیدر جیسا خوش قمست ماؤں کا بیٹا ہوتا ہے۔ ہم کو یقین ہے یہاں بیٹھا کسی عورت کا بیٹا حیدر جیسا نہیں ہو گا۔ اسی لیے سب تم سے حسد کرتا ہے۔ لیکن تمھیں ان عورتوں کا حسد نظر نہیں آرہا۔ اپنا ہی بیٹا کی عزت کے بارے میں ایسا باتیں سن رہا ہے۔ یہاں کتنا بزرگ عورت بیٹھا ہوا ہے۔ ان کو نہیں پتہ میاں بیوی کا بارے میں ایسا باتیں نہیں کرنا چاہیے۔ مرد اپنا عورت کو جب مرضی اپنا پاس بلائے یہ اس کا حق ہے۔ یہ سب بھی تو گزرا ہے ان سب سے۔ مگر یہ سب شو ایسا کروا رہا۔ جیسا یہ اپنا شوہر کو دیکھ کر لالالالا بولتا تھا۔ اوزلہ کی باتوں پر سب عورتوں کا غصے سے برا حال تھا۔ نئ نویلی شادی شدہ عورتوں کے اپنی ساسوں کے چہرے دیکھ کر مسکراہٹ تھی۔۔ ان کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی تھی۔۔

ہم میں شرم تھا ہم دن اور رات کا فرق جانتا تھا۔ زرمانہ غصے سے غرائی۔

سچ کہہ رہا ہے تم سب میں بہت شرم تھا۔ تم سب تو رات کو بھی دن سمجھ کر اپنا شوہر سے دور رہتا تھا۔ تم سب کا نو نو بچہ اوپر سے ہی ٹپک پڑا۔ اوزلہ نے زرمانہ کو خاص طور پر سنایا جس کے نو بچے تھے۔ زرمانہ تو غصے سے پاگل ہو گئی تھیں۔ باقی عورتیں بھی جن کے کم و بیش اتنے بچے تو تھے ہی۔

ہم سب بے شرم ہے۔ اس لیے ہم کو معاف کر دو ہم تم جیسا بے شرم یعنی تم جیسا شرمیلا عورت کا منہ نہیں لگ سکتا۔ ہم بے شرم ہی اچھا۔۔ اوزلہ غصے سے بولتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

رقیہ اس لڑکی کو یہاں سے نکال دے۔ ورنہ بہت جلد تم حویلی سے باہر ہو گا۔ زرمانہ صوفے پر پڑا اپنا برقعہ اٹھائے پہنتے ہوے زنان خانے سے تن فن کرتی نکل گئی تھی

حیدر خان کمرے میں داخل ہوتے دروازہ لاک کرتے فرشتے کو دیوار کے ساتھ لگا گیا۔

خان !! فرشتے حیدر خان کو پکارتے اسے ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا گئی تھی۔ حیدر خان سرد غصیلی نگاہوں سے اس کے دو آتشہ روپ پر نظریں جمائے ہوے تھا۔

خانم !!! اتنی شرم کس بات کی دکھا رہی ہو ؟؟ جب تم میں ذرا شرم نہیں ہے۔ حیدر خان نے فرشتے کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے کہا۔

حیدر خان کی بات پر فرشتے نے نظریں اٹھائے حیدر خان کو تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو خانم!! مجھ سے خود کو چھپا کر رکھتی ہو آج یہ بے ہودہ لباس پہن کر تم سب عورتوں کے درمیان تھی۔ حیدر خان اس کے نیٹ کے دوپٹے سے نظر آتے کندن نشیب و فراز پر نظریں جمائے بولا۔

یہ بے ہودہ لباس کہاں سے ہو گیا خان؟؟ اور عورتیں ہی تھیں باہر۔۔ مجھے معلوم تھا خان باہر کوئی مرد نہیں آ سکتا۔ غیر مرد تو چھوڑیں آپ بھی نہیں آ سکتے تھے۔ فرشتے نے حیدر خان کو دیکھتے آہستگی سے کہا

خانم!! اگر تم کسی غیر مرد کے سامنے ایسے جاتی تمھارے یہ حسین بال کاٹ دیتا۔ اور تمھارے بدن پر ایسے نشان ڈالتا تم اپنی پشت کی نمائش کبھی نہ کر سکتی۔ حیدر خان اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کرتے اس کے سرخ لبوں پر سلگتی سانسیں چھوڑتا غرایا۔

خان آپ میرے بال کاٹ سکتے ہیں کیا؟؟ فرشتے نے روہانسے ہوتے پوچھا۔

کبھی غلطی سے بھی ان پر کسی پر نظر پڑی کاٹ سکتا ہوں۔ میری ہو تم خانم ۔۔ کوئی تمھیں نہیں دیکھ سکتا۔ یہ یاد رکھنا۔ فرشتے کی آواز میں بھیگا پن محسوس کرتے حیدر خان نے اپنے غصے پر قابو پایا۔

اور پہلے تو تم ایسے کپڑے نہیں پہنتی تھی نہ ایسے دوپٹہ لیتی تھی۔۔ اور یہ دوپٹہ ہے کیا جس میں کچھ نہیں چھپ رہا۔ حیدر خان نے فرشتے کا دوپٹہ اتار کر اسے بیڈ پر غصے سے پھینکا۔

فرشتے حیدر خان کی نگاہوں میں دیکھتے پھر سے نظریں جھکا گئی تھی۔ حیدر خان کی نگاہوں میں یکدم سرد پن سے گرمی کا تاثر ابھرا تھا۔

حیدر خان اسے دیکھتا بے خود ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کر گیا۔

اسے اتنے سٹائلش ڈریس میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

خانم!! نہیں برداشت تم پر میرے علاوہ کسی عورت کی نظر بھی پڑے۔ حیدر خان اس کا رخ ایک ہی جھٹکے میں پلٹتے ہوئے اس کا پچھلا گلہ چاک کر گیا۔

خان۔۔ فرشتے نے بے یقینی سے اسے پکارا۔

حیدر خان کا گرم ہاتھ اس کی برہنہ کمر پر سرسرا رہا تھا۔ اس کی کمر کو مٹھیوں میں بھرتے حیدر اس کی پشت پر جھک چکا تھا۔ اس کی کمر پر جھکے وہ لبوں سے چھوتے اپنے دانتوں سے وہاں جنونی سوغاتیں چھوڑ رہا تھا۔ حیدر خان کی شدت پر فرشتے کی سسکیاں برامد ہوئیں۔

دراب زراب کے اٹھنے کے ڈر سے حیدر خان اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی سسکیاں گھونٹ گیا۔ حیدر خان اس کی پشت پر اپنے جنون کی سوغاتیں چھوڑتے وہاں پر اپنی مونچھیں سختی سے رب کر رہا تھا۔ جلن سے فرشتے کے لبوں سے دبی دبی سسکاریاں بلند ہو رہی تھیں

خانم!! تمھاری قربت کے لیے مر رہا ہے تمھارا خان۔۔ ایسے ہی سسکاریاں بھرتی تم۔۔ حیدر خان نے اس کے کان میں جھکے مدھم سرگوشی کرتے اس کی جان نکالی۔ حیدر خان اس کا رخ موڑے اس اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا گیا۔ وہ اس کی گہرائیوں پر جھکا۔

خان!! فرشتے نے التجائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ملتجی لہجے میں پکارا۔

حیدر خان جھکے اپنی من مانیاں کرنے لگا۔ دراب کے رونے پر حیدر خان ایک جھٹکے سے اس سے دور ہوا تھا۔

فرشتے دیوار کے ساتھ لگے نظریں جھکائے ہوے گہرے سانس لینے لگی۔

۔وہ پل میں اس کا حلیہ بگاڑ گیا۔

حیدر خان نے دراب کی طرف بڑھتے اس کے منہ میں انگوٹھا دیا۔وہ اسی لمحے چپ ہوا تھا۔

حیدر خان بھاری قدموں سے فرشتے کی طرف بڑھا جو دیوار کے ساتھ لگے اپنی شرٹ کندھوں سے جکڑے ہوے نظریں جھکائے ہوے تھی۔

خانم!!حیدر خان نے اسے گھمبیر آواز میں پکارا۔

میری ہوناں تم!!حیدر خان نے اس کے قریب ہوتے اس کی پلکوں پر ٹھہری شبنم پر لب رکھے۔

فرشتے نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا

آجازت دیتی ہو میں تمھیں خود میں سمالوں روح کی طرح۔ حیدر خان نے بھاری آواز میں کہتے اس کے لبوں پر انگوٹھا پھیرا۔

اپ اپنا حق لے سکتے ہیں خان!! مجھے خوف آتا ہے جب آپ کرات کو بے چینی سے کروٹے بدلتے ہیں۔ میں خدا کی نافرمانی نہیں کر سکتی۔ میری طرف سے آپ کو آجازت ہے خان!! فرشے نے نظریں جھکائے کہا۔

حیدر خان گہرا سانس لے کر پیچھے ہوا تھا۔ وہ خدا کے خوف سے اس کے پاس آنا چاہتی ہے۔ یہ بات حیدر خان کو تکلیف دے گئی تھی۔۔

آپ کو اوزگل کو طلاق نہیں دینی چاہیے تھی۔ میں پہلے بھی آپ کو آپ کی بانہوں میں شائد آج کل کی لڑکیوں کی طرح خوش نہیں رکھ پاتی تھی۔ مجھے

پورا یقین ہے اوزگل نے آپ کو آٹھ ماہ بہت خوش رکھا ہے۔ میری قربت میں اب آپ کو ویسا سکون نہیں ملے گا۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کیا سوچ رہی تھی؟ ؟

اس طرح کی باتیں کون کرتا ہے تم سے؟؟ حیدر خان نے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

وہ سمجھ گیا تھا یہ سب باتیں اوزلہ اس کے دماغ میں ڈال رہی تھی۔

کیا یہ سچ نہیں ہے اوزگل نے آپ کو ان آٹھ ماہ خوش بہت رکھا۔۔ تبھی آپ کو فرشتے کی یاد نہیں آئی۔ فرشتے نے ڈبڈبائے لہجے میں شکوہ کناں لہجے میں پوچھا۔

حیدر خان نے لب بھینچے اپنی پچھلی گردن رب کی۔ اوزگل بہت زیادہ بے باک تھی۔ حد سے زیادہ بے باک تھی۔ اور وہ قربت میں بہت زیادہ بے باکی کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔ مگر حیدر خان اسے کیسے بتاتا اوزگل کی یہ بات اسے اس سے دور ہی لے کر گئی۔ کبھی پاس نہیں لے کر آئی تھی. ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط سوچ رہی ہو۔ تمھارا مقام میرے دل میں ہے وہ کبھی اوزگل کا نہیں تھا۔

جھوٹ خان!! فرشتے نے روتے ہوئے حیدر خان کے گلے سے شال اتارنا چاہی۔ حیدر اس کا آرادہ سمجھتے ہوئے اپنی شال اتارتے اسے اوڑھا گیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔۔ وہ خاموش ہوتے اسے کور کر گیا۔ جانتا تھا اپنی خانم کو وہ ایسے اس کے سامنے زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔

وہ کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھی۔ وہاں لٹکی ہوئی ایک ایک نائیٹی وہ روتے ہوئے نکال کر زمین میں پھینکتی جا رہی تھی۔۔

درجنوں نائیٹیز وہ نکال کر زمین پر پھینک چکی تھی۔

حیدر خان وہ نائیٹیز اور اوز گل کی پرائیویٹ چیزیں دیکھتے جبڑے بھینچ گیا۔

خان!! اتنے بے باک لباس آپ میرے لیے کبھی نہیں لائے۔ جو اوز گل کے لیے لائے ہیں۔۔ کیونکہ آپ کو پتہ ہے یہ پہن کر میں ویسے لگ ہی نہیں سکتی۔ جیسے وہ اوز گل لگتی تھی۔

مجھے آپ کو خوش نہیں کرنا آتا۔ مجھ سے صرف ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ اوز گل آپ کو خوش رکھتی تھی۔۔ مجھ جیسی عورت جو قربت کے لمحات میں آنکھیں نہیں کھولتی۔۔ وہ کیا خوش رکھے گی آپ کو؟!۔ تبھی آپ کو میری

یاد نہیں آئی۔ اوزلہ ٹھیک کہتی ہے مرد ذات عورت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اسے ادائیں دکھانی پڑتی ہے اسے اپنا بنانا پڑتا ہے۔ مجھ میں وہ بات نہیں۔ اس لیے آپ کو آٹھ ماہ میری یاد نہیں آئی۔ اب صرف آپ اپنے بچوں کی وجہ سے مجھے یہاں لائیں ہیں۔ فرشتے روتے ہوئے بولی۔

حیدر خان مٹھیاں دبوچے یہ سب سن رہا تھا۔ اوزلہ فرشتے کے دماغ میں یہ سب ڈال رہی تھی۔ وہ اسے اپنی حویلی سے باہر پھینکنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

حیدر خان نے زمین پر بکھری چیزوں کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔ ان میں سے وہ ایک چیز بھی خود خرید کر نہیں لایا تھا۔ وہ خود ہی یہ آرڈر کرتی رہتی تھی۔۔

ایسی بات نہیں خانم !! میں نے اوزگل سے نکاح مورے کے کہنے پر کیا ۔ صرف اولاد چاہیے تھی مجھے۔

حیدر خان نے سنجیدگی سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

وہ یہ سب نہیں پہنتی تھی کیا؟؟ فرشتے نے روتے ہوئے پوچھا۔

حیدر خان مقابل کے لہجے میں جلن اور تڑپ محسوس کرتے گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔۔ اوزلہ یہ سب کیوں کر رہی تھی وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ صاف لگ رہا تھا فرشتے کو جیسے اکسایا گیا ہے۔ وہ بہت تڑپ رہی تھی۔ اس طرح تڑپ پہلے کبھی فرشتے کے لہجے میں محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اوزگل کی پرائیویٹ چیزیں دیکھ کر بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

میں آج ہی اوزگل کی ہر چیز نکال کر باہر پھینک دوں گا۔ مجھے نہیں پتہ تھا اس کی چیزیں ادھر ہیں۔۔ حیدر خان نے فرشتے کو کمر سے جکڑے اس کے عارض سے بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔۔ مقابل کی تڑپ جلن اچھی بھی لگی تھی۔ وہ اس سے شدید محبت کرتی ہے۔ حیدر خان کو گونا سکون ہوا۔

خانم!! تمھارا میری بانہوں میں آنکھیں میچنا میرے رگوں میں دوڑتا خون کی گردش بڑھاتا ہے۔ تمھارا ہاتھ صرف مجھے چھوتا ہے۔ میری دھڑکنیں شدت اختیار کرتے کانوں میں بجنے لگتی ہیں۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو۔ کیونکہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اور یہی ایک بات مجھے تمھارا دیوانہ بناتی ہے۔ خانم میں اپنے دراب زراب کی قسم کھاتا ہوں۔ اوزگل کے ساتھ بتایا ایک لمحہ مجھے آج تک یاد نہیں آیا۔ تمھارے ساتھ بتایا ایک پل میں بھول نہیں پایا۔ حیدر خان فرشتے کے عارض پر جھکے اس کے آنسوؤں پر اپنے لب رکھتے انھیں حلق میں اتار گیا تھا۔

حیدر خان کے ایکٹ پر فرشتے نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ کافی نفاست پسند انسان تھا۔ وہ ایسی حرکت کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

تم ہی پہلی عورت ہو۔ جس کا آنسو اپنے حلق میں اتارا ہے۔

میں جتنی بھی وفا کی قسمیں کھاؤں گا۔ تم یقین نہیں کرو گی۔ مگر یہ سچ ہے وفا نہیں نبھا سکا۔ مگر محبت عشق صرف تم سے کیا ہے۔ حیدر خان نے اس کا چہرہ تھامتے گھمبیر لہجے میں کہا۔

خان!! کہیں پڑھا تھا۔ بے وفاؤں کے منہ سے عشق محبت کی باتیں اچھی نہیں لگتی۔ وہ زیادہ بے وفا لگتے ہیں۔ فرشتے نے کرب سے مسکراتے ہوئے کہا۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

نہیں کروں گا آیندہ عشق محبت کی بات خانم!! اگر میں تمھیں بے وفا لگتا ہوں۔ مگر اتنا جان لو حیدر خان نے سچ میں تم سے محبت کی ہے۔ بہت کی ہے خانم!! ان آٹھ ماہ میں تمھاری یاد کے نشان ہر جگہ ہیں۔ حیدر خان نے اپنی

شرٹ کے بٹن کھولتے اپنی شرٹ اتارتے دور اچھالی۔ فرشتے حیدر خان کا برہنہ سینہ دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی

دیکھو خانم !! حیدر خانم نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ حیدر خان کے دل کے مقام پر زخم دیکھ کر فرشتے پریشان ہوئی تھی۔ تم سے بیوفائی پر اپنے دل کو بہت بار جلتے کوئلے سے داغا ہے۔۔ ان ہاتھوں کو بھی جلایا ہے خانم۔۔ حیدر خان نے اپنی ہتھیلیاں آگے کی جو سیاہ ہو رہی تھیں۔

فرشتے کی آنکھیں یہ سب دیکھتے بھیگیں۔

اس لیے نہیں دکھا رہا کہ تم ترحم کھاؤ خانم !! اس لیے دکھا رہا ہوں بہت جلا ہوں۔ تمھاری جدائی میں تڑپا ہوں۔ تمھیں تمھارا مقام بتا رہا ہوں تم بہت خاص عورت ہو۔۔ حیدر خان کی بات پر فرشتے آنکھیں میچے رو دی

دراب کے رونے پر فرشتے جلدی سے دراب کی طرف بڑھی۔

حیدر خان فرشتے کے وجود سے اپنی چادر اسی لمحے اتار گیا تھا۔

خانم!! تمھاری ناراضگی قبول ہے مگر تمھارا گریز نہیں۔۔ برداشت نہیں کر سکتا تم خود کو چھپا کر مجھ پر باور کرواؤ میں تم پر حق نہیں رکھتا۔۔ میرے بیٹوں کی ضرورت تم میرے سامنے ہی پوری کرو گی۔

خان!! حیدر خان کے سرد لہجے پر فرشتے نے بے بسی سے اسے پکارا۔

خانم!! ایسے ہی ضرورت پوری کرو دراب کی ورنہ یہ بچھا کچھا کچھا لباس بھی اتار دوں گا۔۔ تمھارے معاملے میں بہت شدت پسند ہوں۔۔۔ آیندہ ایسا لباس عورتوں کے سامنے بھی مت پہنا۔ ورنہ تمھارا چہرہ بھی نشانات سے بھر

دوں گا۔ حیدر خان اس کی پشت کے نشانات پر گہری نگاہ ڈالتے سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ لائیٹر نکالے فرشتے کے سامنے صوفے پر شرٹ لیس بیٹھ چکا تھا۔

فرشتے نظریں جھکائے دراب کو گود میں اٹھائے فیڈ کروانے لگی۔ مقابل کے سامنے بیک بھی کر کے نہیں بیٹھ سکتی۔ وہ پیچھے سے ساری شرٹ چاک کر چکا تھا۔

حیدر خان سگریٹ کا کش لیتے فرشتے پر گہری نگاہیں گاڑھ گیا۔

خانم جلدی فیڈ کرواؤ۔۔ پھر میں خود تمھارے لیے لباس سلکیٹ کر کے تمھیں خود پہناؤں گا۔ اور تمھارے بالوں کو باندھ بھی میں خود دوں گا۔ حیدر خان کی بات پر فرشتے سرخ ہوتے دراب کو فیڈ کرواتے اس پر اپنی شرٹ دی۔۔ وہ فرشتے کی حرکت پر اونچا رونے لگا۔ وہ بہت ضدی

اور بے صبرا تھا۔ فیڈ کرنا اس کا بہترین مشغلہ تھا۔ وہ اس دوران فرشتے کی ذراسی مومنٹ اور اپنے اوپر کوئی کور برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ فرشتے نے گھبراتے ہوئے اپنی شرٹ اوپر کی۔

حیدر خان گہرا مسکرایا تھا۔ جان لو خانم !! اس نے میرا نشان ہی نہیں میری عادتیں بھی چرائی ہیں۔۔ میری طرح یہ بھی اپنے بہترین مشغلے میں کسی چیز کی رکاوٹ برداشت نہیں کرتا۔ حیدر خان ذو معنی انداز میں کہتے مسکرایا تھا۔

فرشتے حیدر خان کی بات کا مطلب سمجھتے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی۔ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی.

حیدر خان اسے یوں سرخ پڑتا دیکھ کر گہرا مسکراتے صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔ وہ چاہتا تھا وہ دراب کو اچھے سے فیڈ کروالے۔ اپنے بیٹوں

کے لیے وہ بہت حساس تھا۔ دراب کو ذرا سا روتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جانتا تھا فرشتے ایسے موومنٹ کرتی رہی وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونا شروع کر دے گا۔

حور!! ارحام نے اسے مدھم آواز میں پکارا۔ وہ ارحام کے برہنہ سینے پر سر رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔

مائی لٹل بیوٹی!! ارحام نے رخ پلٹتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس کی گاون کی ڈوری کھولتے گہری شرارت کی تو حور کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھیں۔۔

ارحام اسے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔ بہت ضروری بات کرنی ہے۔ بات سنو۔ ارحام اس کے عارض پر اپنی گھنی بیرڈ رگڑتے بیڈ سے اٹھتا صوفے کی طرف بڑھا۔

اس کی بے حد گہری شرارت پر حور کی نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔۔ اب وہ اس کے مطالبے پر پریشان ہوئی تھی۔

حور بیڈ سے اٹھتی ارحام کی طرف بڑھی۔

جی ارحام!! حور نے منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی جمائی روکتے ہوے پوچھا۔

ریمو یو گاؤن ڈارلنگ!! ارحام نے صوفے پر بیٹھے حور کو دیکھرتے حکمیہ لہجے میں کہتے سگریٹ جلا کر لبوں سے لگاتے گہرا کش لیا۔

واٹ ؟؟حور نے ارحام کو غصے سے دیکھتے ہوے اپنی گاون کی ڈوریاں کس کر باندھیں۔جو کھلی ہوئی تھیں۔

آپ نے مجھے اس لیے جگایا ہے اگر آپ کا رومانس کرنے کا آرادہ تھا تو بیڈ پر کر لیتے۔یہاں بلا کر آرڈر دینے کا مطلب ؟!۔۔حور بری طرح جھنجھلائی تھی

۔

بیڈ سے میں اکتا گیا ہوں۔یہ صوفہ کافی کمفرٹیبل ہے۔آج یہاں انجوائے کرتے ہیں میری جان۔۔اور حکم تمھیں اس لیے دے رہا ہوں۔جب میں نے تمھیں صاف لفظوں میں یہ گاؤن پہننے سے منع کیا تھا۔پھر کیوں پہنا۔ارحام نے اس کے تن پر موجود گاؤن دیکھتے سلگتے ہوے پوچھا۔اپنی بانہوں میں وہ اس کے تن پر کچھ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔یہی بات اسے غصہ دلا گئی تھی۔

تو پھر آپ نے کیوں پہنا؟؟ اپنی بات کرتے وہ لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

ارحام نے آئی برو اچکائے اسے شرارتی نگاہوں سے بے باکی سے دیکھا۔ ارحام کے باکی سے دیکھنے پر وہ سرخ گلاب ہوئی تھی۔

اب تو وہ لب دانتوں تلے دبائے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

مقابل کی معصوم آداؤں پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ حور آنکھیں کھولے ارحام کو دیکھتے خفت سے ہلکا سا ہنسی۔ وہ کیا کہہ گئی تھی اسے خود یقین نہیں آرہا تھا۔ ارحام کے قہقوں پر اس نے کھسیانی سی ہنسی ہنستے اپنی خفت چھپائی۔

حور کی حالت دیکھتے ارحام کا ایک بار پھر سے قہقہ بلند ہوا۔ وہ اسے دیکھتے جس طرح سرخ پڑتے ہنس رہی تھی۔ وہ ارحام کو مزید محظوظ کر گیا تھا۔

حور لب دانتوں تلے دبائے سرخ ہوتی بیڈ کی طرف بڑھی۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا اس کی باتوں پر ایسے ہی قہقہے لگاتا تھا۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھی ہی تھی وہ اسے کلائی سے پکڑے اپنی گود میں بٹھا چکا تھب۔

حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اب مسکرائی تھی۔

کیا کہہ رہی تھی اب کہو! ارحام نے اس کے ڈمپل پر جھکتے ہوک شرارت کرتے اس کے پیٹ میں گدگدی کی۔

حور اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے کھلا کھلا کر ہنسی تھی۔۔ ارحام ایگزیکٹ اس جگہ پر گدگدی کرتا تھا۔۔ جہاں اسے سچ میں بہت گدی گدی ہوتی تھی۔۔ وہ اس کے مخصوص حصوں کو پہچان گیا تھا۔ کہاں کیسے ٹچ کرنا ہے۔

اب اسے پیار بھی ایسے ہی کرتا۔ وہ اسے محسوس کرنے لگتی تھی۔

میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

حور نظریں جھکائے بولی آہستگی سے بولی۔۔ وہ موڈ بنالیتا تھا مگر کچھ دیر بعد اسے صرف برداشت ہی کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ اس کا رومانس ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔

کیوں نہیں چاہتی میں پسند نہیں ؟؟۔ ارحام نے اس کی گردن میں اپنی گھنی بیرڈ سہلائی۔

پسند ہیں مگر ویسے نہیں۔۔ حور کی بات پر ارحام کا پھر سے قہقہ بلند ہوا۔

مجھے تم ویسے بہت پسند ہو۔ ارحام نے اس کی گردن چومتے ہوے اس کی ڈوری کھولی۔۔

ارحام۔۔۔ حور نے احتجاجاً اسے پکارا۔

وہ اس کا احتجاجی لہجہ نظر انداز کرتے اسے صوفے پر لٹا گیا۔

مجھے چاہیے صرف ایک عورت صرف اپنی حور مگر۔۔۔ جگہ بدلنے کا مجھے بہت مزا آتا ہے۔ آج رات ہم صوفے پر سوئیں گے۔ ارحام اس پر جھکتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر لہجے میں بولا

ارحام آپ کو تنگ چھوٹی جگہ کیوں پسند ہیں ؟!۔ یہ صوفہ کتنا چھوٹا ہے ۔۔ کیسے ایڈجسٹ ہو گا۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

ارحام کا پھر سے قہقہ بلند ہوا۔ حور جھنجھلائی۔ وہ اس کی ہر بات پر آخر کیوں قہقے لگاتا تھا۔ جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو اور اس نے کوئی مضحکہ خیز بات کر دی ہو۔

تمھیں پتہ ہے تم بہت بے باک ذو معنی باتیں کرتی ہو۔ تمھیں خود پتہ نہیں چلتا تم کیا کہہ رہی ہو؟؟ ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے عارض پر لب رکھے

بے باک ذو معنی باتیں۔ ارحام کے لفظ دہراتے حور حیران ہوئی۔

سمجھاؤں اتمھیں میری جان تمھاری بات کا مطلب

۔پہلے تمھیں بتادوں میں ایڈجسٹ کیسے کروں گا۔ ارحام بھاری آواز میں کہتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا۔۔

ارحام ویٹ آمنٹ۔۔۔ میرا مطلب تھا ہم ایک صوفے پر کیسے سوئیں گے. حور اس کے ہاتھوں کی بے باکی محسوس کرتے گھبراتے ہوے بولی۔۔ وہ شائد رومانس میں ایڈجسٹمنٹ سمجھ رہا تھا۔

لیکن میں کچھ اور سمجھا تھا۔ اب میں تمھیں بتاؤں گا ہم ایڈجسٹ کیسے کریں گے میری جان!! ارحام کہتے اس کا گاؤن ریموو کر گیا۔ ارحام!! حور اسے پکارتے اس کے برہنہ سینے میں سمائی۔ میں تمھیں بتاؤں گا مجھے چھوٹی چھوٹی جگہ کیوں پسند ہیں؟؟۔۔ کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی تنگ جگہوں پر تم میرے بے حد قریب ہوتی ہو۔ کوئی دوری نہیں۔ میری خوبصورت نازک جان۔۔ وہ اس کی گردن کو چومتے مدہوشی سے بول رہا تھا.

میری زندگی ہو جان!! ہو میرا سب کچھ ہو تم!! تمھارے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ ارحام اس کی کان کی لو کو اب نرمی سے چوم رہا تھا۔

ارحام خانزادہ اپنی حور کے بغیر کچھ نہیں!!۔ اس کی کوئی پہچان ہی نہیں۔۔ حور ہے تو ارحام ہے اب وہ اس کے کندھے پر لب رکھے سرگوشی کر رہا تھا۔

تمھارے بغیر میری سانسیں رکنے لگتی ہیں مت رہا کرو دور مجھ سے۔۔۔وہ اب اس کے لبوں کو چومتے ہوے التجا کر رہا تھا۔۔کچھ بھی کہو مجھے کوئی بھی سزا دے دو مگر مجھے اب کبھی چھوڑ کر نہ جانا۔ارحام نے اس کے عارض پر ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھر سے التجا کی۔

حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ہر وقت ایسے ہی التجا کرتا رہتا تھا۔

وعدہ کرو پریذے کے پاس نہیں سوؤ گی!!میرے پاس رہو گی۔ایک اور وعدہ لیا۔ارحام کی بات پر حور کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

پریذے بھی یہی کہتی ہے۔وعدہ کریں آپ پاپا کے پاس نہیں سوئیں گے۔

مجھے بچہ کہتے ہیں اب بخود بچے لگ رہے۔

Look like preezy

حور نے شرارتی انداز میں کہتے ارحام کے گلے میں بانہیں حمایل کیں۔

تمھارے لیے میرا دل ایک بچے کی طرح ہی ہے۔میری جان۔۔جسے وہر قت صرف تم چاہیے میرا بچہ۔۔ارحام گھمبیر آواز میں کہتے اسے خود میں سما گیا تھا۔

ارحام!!حور اسے سسکی لیتے پکارتے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گئی تھی

۔

حور نے یہ سب یاد کرتے اپنے عارض سے گرتے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔وہ جب سے گیا تھا ایک فون کال نہیں کیا تھا۔

جھوٹ ایک ایک لفظ جھوٹ آپ کا۔ حور تکیے میں منہ چھپاتے شدت سے روتے ہوے بولی۔۔

پریذے کی رونے کی آواز پر حور نے جلدی سیے سائیڈ لیمپ آن کیا۔

کیا ہوا پریذے جان؟؟ حور نے گھبراتے ہوے پوچھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھتے بری طرح رو رہی تھی۔

ماما!! پاپا یہاں پہ ہیں۔ یہاں کچھ کچھ ہو رہا ہے۔ پریذے نے ہچکیاں لیتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ پریذے کی بات پر حور روتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگا گئی تھی۔

وہ ارحام کو یاد کر رہی تھی۔ وہ بچی تھی اپنی فیلنگز بتانا نہیں آ رہا تھا۔

ماما پاپا کب آئیں گے۔ وہ بھی مورے کی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ کیا واپس نہیں آئیں گے۔ مورے بھی نہیں آئیں۔ آپ بھی مجھے چھوڑ جاؤ گی۔ پریذے روتے ہوئے بولی۔

حور تڑپتے ہوئے پریذے کو سینے میں بھینچ گئی

میں وعدہ کرتی ہوں پریذے جان!! میں کبھی آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ اور ماما کا ایک سیکریٹ بتاؤں آپ کو۔۔ حور نے روتے ہوئے کہا۔

پریذے نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

ماما وعدہ نہیں کرتی کسی سے۔۔ نہ آج تک کبھی کیا ہے۔ آپ لکی گرل ہو ۔۔ جس سے ماما نے وعدہ کیا۔ حور روتے ہوئے ہنسی تھی۔۔

پریذے بھی روتے ہوئے ہنسی تھی۔۔

ماما اپنا وعدہ کبھی بریک نہیں کرتی۔۔کچھ بھی ہو جائے۔ماما مر جائیں گی آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گی۔۔

I promise you i will never leave you

حور نے روتے ہوے کہا۔

پریذے روتے ہوے حور کے سینے سے لگی۔

ماما!! مجھے پاپا سے بات کرنی ہے۔پریذے نے حور سے کہا۔

اوکے !حور نے اپنا سیل پکڑتے ارحام کا نمبر ڈائل کیا۔

ارحام۔۔اسی لمحے کال کاٹ گیا۔حور بے یقین ہوئی تھی۔

حور نے دوبارہ سے نمبر ڈایل کیا۔۔پھر سے کال کاٹ دی گئی تھی

حور نے غصے سے پھر سے ارحام کا نمبر ڈایل کیا۔

جب میں فون کاٹ رہا ہوں تو اس کا کیا مطلب ہے میں

مصروف ہوں۔ فون پر ارحام کی غراہٹ گونجی۔

حور اس کے لفظ اور لب و لہجہ سن کر بے یقین ہوئی۔۔ وہ کب ایسے بات

کرتا تھا بھلا؟؟

ارحام!! آپ کو میری اور پریذے کی فکر نہیں۔ حور نے غصے سے دبی آواز

میں چیختے ہوے کہا۔ مقابل کا لب و لہجہ اسے آگ لگا گیا تھا۔ برداشت نہیں

ہوا تھا۔ وہ ایک فون کال پر باتیں سنا رہا تھا۔

تم دونوں کو اپنی حویلی چھوڑ کر آیا ہوں۔ باہر سڑک پر نہیں اور مجھے اب

فون نہیں کرنا جب تک میں خود رابطہ نہ کروں۔ ایک اور بات تم نے حویلی

سے باہر قدم نکالا مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اور تم مجھے اچھی طرح جانتی

ہو۔اب کوئی غلطی کی میرا وہ روپ دیکھو گی جو آج تک نہیں دکھایا۔پریذے کی قسم کھاتا ہوں۔قہر بن کر ٹوٹوں گا تم پر۔۔

ارحام سختی سے کہتے فون بند کر چکا تھا۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے دوسرے لمحے وہ فون پوری قوت سے زمین پر پٹخ گئی۔

You r liar you r a big liar

حور حلق کے بل چیخی تھی۔

ماما پریذے نے گھبراتے ہوے اسے پکارا۔حور پہلی مرتبہ اس کے سامنے چیخی تھی۔

آئی ایم سوری بیٹا۔۔میری طبعیت ٹھیک نہیں۔ آئی ایم سوری۔۔۔پاپا بزی ہیں۔وہ کہہ رہے وہ خود ہمیں فون کریں گے۔۔حور نے نرم لہجے میں کہتے پریذے کو خود کے ساتھ لپٹایا۔۔حور آنکھیں میچے بے آواز رو دی تھی۔

ارحام خانزادہ نے فون اپنی پاکٹ میں ڈالے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔اس کے آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں تھیں۔مگر وہ اس سے کافی فاصلے پر تھیں۔وہ اظطرابی انداز میں اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا۔وہ حور سے ایسے بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔پریذے اور حور میں اس کی جان بستی تھی۔وہ ان لوگوں سے بات نہیں کر رہا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا وہ زندہ واپس لوٹے گا کہ نہیں۔۔پریذے اور حور سے بات کرنے سے وہ اپنے مقصد سے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔وہ دونوں اس کی کمزوری

تھیں۔ان کی آواز سنتے ہی اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوتی تھی

۔حور سے سختی کرنے کا مقصد بھی

اسے ڈر تھا حور حویلی سے باہر نہ نکل جائے۔اگر نازنین بائی کو ذرا بھی خبر ہو گئی وہ اس کا پیچھا کر رہا ہے وہ سب سے پہلے حور کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔حور جب تک حویلی میں تھی سیف تھی۔حور پیار سے زیادہ اس کے غصے کی زبان سمجھتی تھی۔جس بات سے سختی سے روکے وہ آج بھی نہیں کرتی تھی۔وہ اپنے کچھ گارڈز حویلی کے گرد تعینات کر کے آیا تھا مگر مسلہ یہ تھا کہ اس سے زیادہ اس کی بیوی کے گارڈز تھے۔اس کے ایک فون کال پر وہ حویلی آسکتے تھے۔اس لیے اس نے حور کو سختی سے ڈانٹا تھا۔ارحام نے اضطرابی انداز میں اپنا نچلا لب بے ددی سے کچلا تھا۔۔بیوی اور بیٹی کی یاد اس پر جیسے حملہ آور ہوتے اسے نیم جاں نیم مردہ کر رہی تھی۔

وہ آج ہی کراچی پہنچا تھا۔ جہاں نازنین بائی کا بہت بڑا اڈہ یہاں تھا۔ جہاں بہت سی لڑکیوں کا جسمانی استحصال کرتے انھیں غلط کاموں پر مجبور کیا جاتا تھا۔

کچھ جوان خوبصورت لڑکیوں سے صرف مجرہ کرواتی تھی. وقت پڑنے پر ان کنواری لڑکیوں کو وہ سمندری راستے اپنے بہت بڑے شپ کے ذریعے باہر منتقل کر دیتی تھی۔ وہاں ان کی بولیاں لگ کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔

ارحام خانزادہ کے پاس اس کی مکمل انفارمیشن تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اکیلا اس نازنین بائی اور اس گینگ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے مدد کی ضرورت تھی ۔اس وقت اس کے ساتھ اس کے بھائی ہوتے اس کی ڈھال بن کر اسے پروٹیکٹ کرتے۔ اور یہی وہ نہیں چاہتا تھا وہ اپنے بھائیوں کو اپنی وجہ سے کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا اسے کچھ ہو گیا اس کے بھائی اپنی

جان سے بڑھ کر اس کی بیوی اور بچی کا خیال رکھیں گے۔ انھیں وہ خدا کے بعد ان کے دم پر ہی چھوڑ کر آیا تھا۔

فرشتے حیدر کے پاس ہے وہ یہ بھی جانتا تھا۔ وہ فرشتے کی سیفٹی سے بھی اب مطمئن تھا۔ اس کی بہن محفوظ ہاتھوں میں تھی۔ حیدر خان کے ساتھ جو کرنا تھا وہ بعد میں کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

جس دن نازنین بائی کے بھیجے ہوے آدمیوں نے حور کو تکلیف پہنچائی تھی وہ اسی دن قسم کھا بیٹھا تھا وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔ اس کی جان اپنے ہاتھوں سے لے کر رہے گا۔ وہ اتنا بڑا موقع گنوا نہیں سکتا تھا۔ اگر نازنین یہاں سے بچ کر نکل جاتی تو شاید اس کی حور کھل کر کبھی کھلی فضا میں سانس نہیں لے سکتی تھی۔۔ اسے نازنین بائی کے گینگ کا خاتمہ کرنا ہی تھا۔ کسی نہ کسی کو تو یہ قدم اٹھانا ہی تھا۔

وہ اپنی مکمل پاور استعمال کر رہا تھا۔ اس کے تمام گارڈز اس کے ساتھ تھے اس وقت۔۔ سب سے پہلے اسے نازنین بائی کا یہ اڈہ تباہ کر کے اسے کمزور کرنا ہی تھا۔

اس کا مدد اس کا دوست ڈی ایس پی دریاب خان اور سوات میں ہی موجود ارمان خان کر رہا تھا۔ ارمان خان کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔ وہ سب اس کے ساتھ تھے اپنا پیسہ وہ اپنی تمام پاور استعمال کرتے ارحام خان کی مدد کر رہے تھے۔

دریاب خان کے ہاتھ اوپر سے آئے ہوئے آرڈرز کی وجہ سے بندھے تھے۔ مگر انڈائریکٹلی طور پر اس کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔ وہ قانونی طور کسی سچویشن میں پھنس نہیں سکتا تھا۔

ارحام خان نے اظطرابی انداز میں اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔رات جیسے جیسے بڑھ رہی تھی اس کے لیے مشکلات بڑھ رہی تھی۔فجر سے پہلے وہ بحری شپ یہاں سے نکل جاتا۔پھر وہ نازنین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور سینکڑوں کی تعداد میں وہ معصوم لڑکیاں بھی باہر پہنچ جاتی۔

ارحام خان کی گاڑی اس مخصوص بازار میں آکر رکی۔

جہاں اس وقت رونق عروج پر تھی۔

وہ اس وقت بلو جینز پر سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔۔جس پر بلیک لیدر جیکٹ پہنے ہوے تھا۔اس نے اپنا وایرلیس ہاتھ میں پکڑتے منہ کے آگے کیا۔

میں اندر داخل ہو رہا ہوں۔جیسے ہی میں تم لوگوں کو انفارم کروں گا تم لوگ سب اکٹھے اندر داخل ہوں گے۔۔پھر جو راستے میں آئے اسے ٹپکا

دینا۔ ارحام خانزادہ وائرلیس پر اپنے تمام گارڈز کو حکم دیتے اپنی پاکٹ میں ڈال چکا تھا۔

وہ جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلا۔ اس کی اتنی بڑی گاڑی اور اس کی پرسنیلٹی دیکھ کر ایک ڈیلر اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

صاحب!! آپ صیح جگہ پر آئے ہیں۔ ایسے ایسے ہیرے ہمارے پاس آپ کی رات بہت اچھی گزرے گی۔ وہ پان چباتے ہوے ارحام کی پرسنیلٹی سے مرعوب ہوتے بولا۔

کیسے ہیرے تمھارے پاس؟؟ ایسا ہیرہ ہے جسے پہلے کسی نے چھوا نہ ہو ۔ ارحام نے اپنی پاکٹ سے پانچ لاکھ کی گدی نکال کر اس کی طرف اچھالی۔ وہ ڈیلر جلدی سے اسے پکڑ تا نوٹوں کی گدی کو خباثت سے اپنی آنکھوں سے لگا گیا۔

اگر ہیرہ واقعی میں نایاب ہوا اس نے مجھے خوش کر دیا اس طرح کی کئی نوٹوں کی گدی سے کمرے کا بیڈ ہی نہیں تمھارا پورا کوٹھا بھر دوں گا۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔

ارے صاحب!! اس کوٹھے کا ایسا ہیرہ دکھاؤں گا۔ آپ نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہو گا۔ اور ہاتھ لگانے کی بات کرتے ہیں۔ اسے کسی اور نے تو کیا اس نے خود بھی خود کو ہاتھ نہیں لگایا ہو گا۔۔ وہ نوٹوں کی گدی دیکھ کر جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ پان کی پچکاری اس کے ہونٹوں سے نکلتی باہر آ رہی تھی۔ ارحام نے اسے ناگواری سے دیکھتے بمشکل خود پر قابو پایا۔ ارحام خانزادہ کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے کھڑے انسان کی جان نکال لے۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے ایک اور پانچ لاکھ کی گدی نکال کر اس کی طرف اچھالی۔

ہیرہ نایاب ہو بس۔۔۔ دیکھتے جاؤ آج رات میں کرتا کیا ہوں؟؟ ارحام نے سیٹی مارتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔۔

جی صاحب!! کہا نا ایسا ہیرہ ہے میرے پاس کہ آپ کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔۔ وہ پان تھوکنے کی بجائے اسے اندر نگل گیا تھا۔ دس لاکھ لیتے اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

چلو پھر جلدی کرو انتظار نہیں ہو رہا مجھ سے!! ارحام خانزادہ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ بھی مسکراتے ہوئے ارحام کو لیے گلیوں سے ہوتا ایک پرانی حویلی میں داخل ہوا جو اندر سے بہت بڑی تھی۔ ارحام کا دل بری طرح بیزار ہوا تھا یہ جگہ دیکھ کر۔۔ وہ کبھی ایسی جگہ بھی آئے گا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

ارحام اندر داخل ہوا بڑے سے ہال میں رقص جاری تھا جہاں بہت سی لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔۔

مرد حضرات پیسہ نچھاور کرتے ان کے ساتھ بے باک حرکتیں کر رہے تھے۔۔ ارحام خانزادہ نے یہ دیکھتے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا۔ اسے اتنی بے حیائی دیکھ کر اپنا دماغ تڑختا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ ارحام کو لیے تنگ سی سڑھیوں سے اوپر کی طرف بڑھا۔ ارحام اس کے پیچھے تنگ سڑھیوں پر چڑھتے ہوے اپنی گہری نگاہیں ہر طرف جمائے ہوے تھا۔ کہاں کتنی سکیورٹی ہے وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔

آیئے صاحب!! وہ اوپر آتے ارحام کو لیے ایک کمرے میں داخل ہوا۔

ارحام نے چاروں طرف کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ اچھا خاصہ بڑا کمرہ تھا. سامنے ایک بیڈ بچھا تھا جس پر سفید بیڈ شیٹ بچھی تھی۔ ساتھ ڈریسنگ مرر تھا۔۔

اور ایک صوفہ پڑا تھا۔ باقی کمرہ سادہ تھا۔ کمرہ کافی ساتھ ستھرا تھا۔

صاحب بھی!!.جی یہ آپ جیسے صاحب لوگوں کے لیے سپیشل کمرہ ہے۔ اور سفید بیڈ شیٹ دیکھ کر سمجھ جائیں آپ کو ایسا ہیرہ دیا جائے گا جسے پہلی بار آپ ہی چھوئیں گے۔ وہ کمینگی سے بولتے خباثت سے مسکرایا۔

ارحام نے اپنی مٹھی دبوچتے بمشکل اس کی بکواس برداشت کی۔۔ کمینگی خباثت شاید اس انسان کا خاصہ تھی

تمھاری باتوں میں کتنا دم ہے یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔

جلدی سے اس نایاب ہیرے کو لے کر آؤ۔ اسے اچھی طرح جانچ پڑتال کروں۔ ارحام نے اسے گھورتے سرد لہجے میں لفظ چبائے۔

لاتا ہو صاحب!! وہ جلدی سے باہر کی طرف بڑھا۔ ارحام نے اس کے جانے کے بعد کمرے کا مزید اچھی طرح جایزہ لیا۔

اس کمرے میں دو دروازے تھے۔۔

ارحام نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ آمنے سامنے کمرے ہی کمرے تھے۔ کچھ کمروں سے آتی آوازوں پر اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

اس ڈیلر کو ایک لڑکی کے ساتھ آتے دیکھ کر وہ جلدی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

صاحب!! آپ باہر کیا کر رہے تھے ؟؟۔اس نے اندر داخل ہوتے ارحام سے سوال کیا۔

جتنے میں تجھے نوٹ دے چکا ہوں تو مجھ سے کچھ بھی پوچھنے کا حق نہیں رکھتا۔ پھر بھی تمھیں بتا دیتا ہوں دیکھنا چاہتا تھا کمرہ کتنا ساونڈ پروف ہے مگر باہر سے آتی آوازوں سے پتہ چل گیا اس کمرے کی ہر دیوار میں کان ہیں۔

ارحام کی بات وہ قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔ صاحب آوازیں باہر آتی ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے ؟؟۔ یہاں کونسا الیگل کام ہو رہا ہے۔ وہ کمینگی سے آنکھ مارتا ہوا ہنسا

۔

اچھا یہ لیگل کام ہے ؟؟ ارحام طنزیہ مسکرایا تھا۔

صاحب جی لیگل ہی کام ہے۔ تبھی تو اس کوٹھے کا نام ہے۔ آپ سے بھی پہنچی ہوئی چیزیں یہاں آتی ہیں۔ کڑوڑوں روپے دے کر چلے جاتے ہیں ۔کوئی طاقت یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔

وہ ارحام کو دیکھتے خباثت سے مسکرایا۔

فکر نہ کرو آج رات اچھی گزری کڑوڑوں روپے ہی دے کر جاؤں گا۔ ارحام نے اس کے پہلو میں کھڑی لڑکی پر نظر ڈالی۔ جو چادر میں خود کو چھپائے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

وہ ارحام کی گہری نظر پر خباثت سے مسکرایا۔

مجھے نہیں لگتا یہ کسی کام کی ہے ؟!۔ اس نے اتنا خود چھپا کر رکھا ہے یہ کیا کھلے گی آج رات ؟؟ ارحام نے اپنی گھنی بریڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے پھر سے اس

لڑکی کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ سامنے کھڑے شاطر انسان کو اس پر کسی قسم کا شک نہ ہو۔ اسے مجبورًا ایسی باتیں کرنی پڑ رہی تھیں۔ اسے ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا تھا۔ اگر وہ یہاں ناکام ہو جاتا تو نازنین بائی تک کبھی نہ پہنچ پاتا۔ سامنے کھڑے آدمی کا منہ نوٹوں کی وجہ سے بند تھا۔ مگر وہ بے حد شاطر تھا ارحام سمجھ گیا تھا۔ اسے باہر کھڑا دیکھ کر اس نے فورًا سوال کرتے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی کمینی آنکھوں میں پیسے کی حرص کے علاوہ خباثت کی چمک سب سے گہری تھی۔ وہ اس کے پیسے پر رال ضرور ٹپکا رہا تھا مگر یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا اتنا پیسا دینے والا وہ پہلا آدمی نہیں تھا۔ وہ اس سے کئی زیادہ نوٹ دیکھ چکا تھا۔

ارحام نے اپنی پاکٹ سے ایک اور پانچ لاکھ کی گدی نکال کر اس کی طرف اچھالی۔

صاصب آپ بڑے دیالو ہیں۔ جتنے ہیں نکال دیں۔ ایسے ہیرے کے ایک کڑوڑ بھی کم ہیں۔ چادر اترے گی آپ کی آنکھیں چنڈھیا جائیں گی۔ وہ کھل کر کمینگی سے کہا۔

جیسے جیسے رات بڑھتی جائے گی۔ دام بڑھتا جائے گا تم فکر نہ کرو۔ ابھی کے لیے تم جاؤ۔۔ ارحام نے سختی سے کہتے لب بھینچے

ٹھیک ہے صاحب جیسے آپ کا حکم۔!! اس نے نوٹوں کی گدی اپنی جیب میں ڈالتے ہوے اس لڑکی کے کان میں جھکتے سرگوشے کی۔ وہ لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ارحام نے بغور سننے کی کوشش کی مگر وہ سن نہ سکا تھا۔

وہ سچ میں شاطر انسان تھا۔۔ ارحام مٹھیاں دبوچے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔

اگر آج رات تم چاہتے ہو بات کڑوڑوں تک پہنچے تو تم اب اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔ آج رات یہ کمرہ اور یہ لڑکی میری۔ ارحام نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے کہا۔

صاحب جی آپ فکر نہ کریں۔ یہ لڑکی آج کی رات آپ کی۔ اور یہ کمرہ بھی آپ کا!! ہمارا کوئی آدمی ادھر پھٹکے گا نہیں۔ وہ کہتے ہوئے چلا گیا تھا

ارحام نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ اور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے کیمرے چیک کیے کہیں کوئی کیمرہ تو نصب نہیں۔

صاحب!! یہاں کوئی کیمرہ نہیں ہے۔ آپ جیسے شریف مردوں کی عزت کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ عزت تو ہم جیسی لڑکیوں کی اترتی ہے۔ آپ یہاں سے پاک صاف ہو کر جائیں گے۔ بہت اچھا واش روم ہے ادھر کا!! آپ کے لیے خاص طور پر لکس صابن رکھا ہے۔ وہ بھی نئ پیکنگ میں۔ وہ لڑکی زور سے ہنسی تھی۔

تمھیں کیسے پتہ اس کمرے میں کیمرے نہیں۔ ارحام کی نگاہیں ابھی بھی کمرے کے چاروں طرف ہی تھیں۔ اس نے ایک بار بھی اس لڑکی پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

صاحب!! لگتا ہے پہلی پہلی بار ہے۔ جو اپنے سامنے کھڑی قیامت کو نظر انداز کرتے کمرے میں لگے کیمروں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ لڑکی ارحام کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بولی۔

جو بوچھا ہے وہ بتاؤ!! تمھیں کیسے پتہ یہاں کیمرے نہیں ہیں۔ تمھارا تو آج پہلی بار ہے۔ تمھیں تو کسی نے پہلے چھوا بھی نہیں۔ ارحام نے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا۔ ابھی بھی اس نے اس لڑکی پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

صاحب!! کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔ مگر مجھے ہر چیز کا پتہ ہے۔ میرے ساتھ رہنے والی لڑکیاں ان کمروں کی مہمان بن چکی ہیں۔

اور صاحب میں پیکنگ میں چھپا مال ضرور ہوں۔ مگر پیکنگ پر ہر انفارمشن موجود ہے۔ اس کوٹھے کے ایک ایک راز سے واقف ہوں۔ مجھے آپ جیسے ہی کسی مرد کے لیے سنبال کر رکھا تھا۔ جس مرد کے پاس جتنا پیسہ اس مرد کی خواہش اتنی ہی چھوٹی ہوتی کہ مجھ سے پہلے اس لڑکی کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی خواہش ہوئی۔ اس کے کم پیسوں میں اسے تو ایسی چار چار پاک عورتیں مل سکتی ہیں۔ جنھیں کسی نے چھونا تو دور کی بات دیکھا بھی نہیں

ہو گا۔۔ان عورتوں کا بھی بھلا ہو جاتا اور مرد کا بھی۔ان عورتوں کے ساتھ وفا بھی ملتی صاحب!!جو ہم کوٹھے کی عورت کے پاس بلکل نہیں۔۔وہ تلخی سے بولتے پھر سے ہنسی تھی۔

ارحام اس کی باتیں بغور سنتے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

ور ان لاکھوں روپے کی گدیاں دیکھ کر بھی صاحب!!آپ لوگ کوئی احسان نہیں کرتے۔آپ جیسے مردوں کی اولادیں بھی تو یہی دلال پالتے ہین۔چلو اچھا ہوتا ہے آپ جیسے شریف مردوں کی اولاد کے پاس آپ کا نام نہیں ہوتا مگر پیسہ اپنے باپ کا وہ ضرور استعمال کرتے ہیں۔وہ لڑکی اب تلخی سے ہنسی تھی۔زہریلی ہنسی۔۔۔

ارحام نے سگریٹ کا کش لیتے اسے ایک نظر دیکھا دوسرے لمحے وہ نگاہیں پھیر گیا تھا۔وہ سیاہ لہنگے پر سیاہ بلاوز میں ملبوس تھی۔بلاوز اتنا چھوٹا تھا کہ اس

کا دودھیا پیٹ مکمل واضح ہو رہا تھا۔ اور گہرے گلے سے رہر عنائی واضح تھی۔

لہنگا انتہائی باریک تھا۔ جس میں اس کی ٹانگوں کی خوبصورتی نمایاں ہو رہی تھی۔

وہ سچ میں بے انتہا خوبصورت اور کم عمر لڑکی تھی۔

ارحام کو نگاہیں پھیرتے دیکھ کر وہ لڑکی حیران ہوئی۔

وہ اسے دیکھ کر کیسے نگاہیں پھیر سکتا تھا؟؟ اس جیسا حسن جوانی یہاں کسی کے پاس نہیں تھی۔ اسے تو چھپا کر بچا کر رکھا گیا تھا ایسے ہی کسی آسامی کے لیے۔

مگر اس کی قسمت اتنی اچھی ہو گی اس لڑکی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اتنا خوبصورت صاف ستھرا مرد اسے پہلی بار ہاتھ لگائے گا۔ ورنہ یہاں کیسے کیسے

مرد آتے تھے؟!وہ دیکھ چکی تھی جنھیں دیکھ کر ہی کراہیت آتی تھی۔وہ سامنے کھڑے انسان کی ساری عمر داشتہ بن کر رہنے کو تیار تھی۔یاتب تک جب تک وہ چاہے۔ مگر سامنے کھڑے انسان نے اس کی طرف ایک نگاہ ڈال کر پھیر لی تھی۔وہ اب پریشان ہوئی۔سامنے کھڑے انسان کو اسے خوش کرنا ہی تھا ورنہ اس کا حال کیا کیا جاتا وہ جانتی تھی۔

وہ لڑکی ارحام کی طرف بڑھتی اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر گئی۔

ارحام نے بری طرح بدحواص ہوتے اس کی بانہیں اپنی گردن سے بری طرح جھٹکیں۔وہ بری طرح لڑکھڑاتے گرتے گرتے بچی تھی

کیا ہوا صاحب؟؟ مجھ میں کچھ پسند نہیں آیا۔۔ریا نام ہے میرا!! مجھ جیسا حسن کسی کے پاس نہیں ہے یہاں۔ آپ کہتے ہیں تو میں اور کھل جاتی ہوں

آپ کے سامنے۔ بلکہ پورا کھل جاتی ہوں۔ لڑکی نے اپنے بلاوز کی طرف ہاتھ بڑھاتے اسے اتارنا چاہا۔

خبردار!! تم نے مزید خود کو بے لباس کیا۔ نہیں اتاروگی تم۔ ارحام اسے قہر بار نگاہوں سے دیکھتے غرا اٹھا۔

وہ لڑکی کچھ پل ارحام کو دیکھتی رہی۔ پھر اس کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ پھوٹا تھا

صاحب لگتا ہے پہلی بار ہے آپ کا۔ لباس نہیں اترے گا ملن کیسے ہو گا۔ وہ اسے بے باکی سے آنکھ مارتے ہنسی۔

اس کے بے باک جملے پر ارحام وے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔ رنگ تانبے کی مانند سرخ ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ طوائف ہے مگر اتنی کم عمر لڑکی سے اس طرح کی بے باکی کی اسے توقع نہ تھی۔

لگتا ہے بڑے ارمان ہیں آپ کے آج رات کے لیے!! یہ سب آپ کرنا چاہتے ہیں۔ دھیرے دھیرے مجھے بے لباس کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن صاحب!! بیوی اور کوٹھے کی لڑکی میں بہت فرق ہوتا ہے بیوی شرماتی اچھی لگتی ہے۔ مگر کوٹھے کی لڑکی جتنی کھلے گی دام اتنا بڑھے گا۔ وہ ارحام کے قریب ہوتے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے اس کے ہونٹوں پر اپنے لب رکھ گئی۔

ارحام اس کے لمس پر کرنٹ کھا کر اسے دور ہوا۔ دوسرے لمحے ارحام نے اپنے ہونٹ غصے سے رگڑتے ہوئے اس نے لڑکی کو بے دردی سے بیڈ پر دھکیلا۔

وہ بیڈ پر اوندھے منہ جا گری تھی۔ ارحام نے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے اپنی پاکٹ سے ٹشو نکال کر اپنے ہونٹ بے دردی سے رگڑے.

صاحب اچھوت کی طرح مجھے دور دھکیل دیا خود سے۔

اور اب ان ہونٹوں کو ایسے رگڑ رہے ہو جیسے تمھارے ہونٹوں پر کوئی بچھو کاٹ گیا ہو۔ وہ لڑکی رخ پلٹتے ہوئے گہری ہوتی سانسوں سے غصے سے چیخی۔

کسی بھی غیر عورت کا لمس میرے لیے بچھو سے زیادہ زہریلا ہے۔ ارحام ٹشو سے ہونٹ رگڑتے ہوئے اس لڑکی کو نفرت امیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

اگر ایسی بات ہے تو پھر یہاں کیا کرنے آئے ہو؟!۔ ہونٹوں کا لمس نہیں چاہیے۔ مگر جب خود کو میرے اندر اتارو گے تو کیا تب میرا وجود تمھارے لیے بچھو جیسا نہیں ہو گا۔ یا پھر ضرورت کے نام پر تمھارا اصول بدل جائے گا ۔ہونٹوں سے نفرت باقی بدن سے محبت!! ارے صاحب بہت مہنگا نہ صیح مگر ٹوتھ پیسٹ ہم بھی استعمال کرتی ہیں۔ رگڑ رگڑ کر دانتوں کی میل اتار کر اپنے دانت صاف کرتے اپنی سانسوں کو خوشبودار بناتی ہیں۔۔ تاکہ تم جیسے مردوں کو ہماری سانسوں کی بو نہ آجائے۔ چاہے یہاں آنے والے مرد سے بدبو کے بھبھونکے اڑ رہے ہو۔ مگر ہم عورتیں خوشبو میں نہلائیں چاہیے۔ وہ

ارحام کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے تلخی سے ہنستے بیڈ پر چت لیٹے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنستے جا رہی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اب پانی بہنا شروع ہو چکا تھا۔

ارحام اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے لاک کو گھماتے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ لڑکی حیرانگی سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

کیا کر رہے ہو صاحب کوئی ایجنٹ ہو کیا؟! اس لڑکی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ارحام نے وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کی وہ پوری طرح جام تھا۔ ارحام نے غصے سے پوری قوت سے دروازے پر ہاتھ مارا۔

وہ لڑکی بیڈ سے اٹھتے اس کی طرف دوبارہ بڑھی۔

صاحب!! جس طرح تم مردوں کو عورتیں پسند آتی ہیں۔

اس طرح مجھے تم پسند آچکے ہو۔ کوئی پیسہ اور نہیں چاہیے ساری رات خوش رکھوں گی۔۔ مجھے پہلی بار تم ہاتھ لگالو۔ یہ ریا کی سب سے بڑی خواہش ہے صاحب پوری کر دو۔ وہ ارحام کے قریب ہوتے ملتجی لہجے میں بولی۔

ارحام نے سے قہربار نگاہوں سے گھورتے اپنا موبائل پاکٹ سے نکالے اپنے دوست دریاب خان کو میسج کرتے اندر کی صورتحال سے آگاہ کیا۔ وہ ارحام کے قریب ہوتے اپنا بلاوز اتار گئی

تھی۔ ارحام اسی لمحے اس کے گال پر زناٹے دار تھپڑ جڑ چکا تھا۔ وہ ارحام خانزادہ کا تھپڑ سہن نہیں کر سکی تھی۔ وہ بری طرح دیوار میں سمائی تھی۔

ارحام بیڈ کی بیڈ شیٹ کھینچ کر اتارتے لڑکی کی طرف بڑھتے اس پر لپیٹ گیا تھا اس دوران ایک بار بھی اس لڑکی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

وہ لڑکی بیڈ شیٹ سینے سے جکڑے گہرے سانس لیتے اپنے گال پر ہاتھ رکھے شبنمی آنکھوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

کیسے کر سکتے ہو میری اتنی تذلیل ؟!۔ وہ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔۔

نہ چھو کر تمھاری تذلیل کی ہے اور جو تھپڑ تم جیسی عورتوں کو مرد اپنی قربت میں رکھتے مارتے تم عوتوں کی تذلیل کرتا ہے وہ گورا ہیں۔ ارحام نفرت سے لفظ چباتے ہوے پھنکارا

ہاں وہ گوارا ہیں۔ کیونکہ یہی ہمارا پیشہ !یہی ہماری ذات یہی ہمیں سکھایا ہے۔ اگر تم اتنے پاک صاف ہو تو یہاں کیا کر رہے ہو؟! کیوں دیا اتنا پیسہ تم نے؟۔ وہ دبی آواز میں چیختے ہوئے ارحام کا گریبان جکڑ گئی۔۔

۔

ہٹاؤ ہاتھ میرے گریبان سے۔ ارحام اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتا غرایا تھا۔

وہ ایسے ہی اس کا گریبان جکڑے گہرے سانس لیتے اسے گھور رہی تھی۔

ہٹاؤ ہاتھ میں تمھیں دوبارہ چھونا نہیں چاہتا ورنہ اچھے سے تمھیں تمھاری اوقات یاد دلاتا۔ ارحام کی دھاڑ پر وہ لرزتے ہوئے اس کے گریبان سے اپنا ہاتھ ہٹا گئی۔۔

ارحام اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے ہوئے پیچھے ہٹا۔

نامرد ہو یا وفادار ہو۔اس لڑکی کی بات پر ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔ایسے مت دیکھو صاحب!!بہت سے شریف مرد دیکھے ہیں۔یہاں آکر تو ایجنٹ بھی بدل جاتے ہیں۔

جوان خوبصورت عورت کو دیکھ کر زیادہ نہ سہی چند منٹ اس بند کمرے میں گزار کر اپنا وقت حسین بنا دیتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے جاتے ہوئے ایک ٹکا بھی نہیں دے کر جاتے۔اپنی حق حلال کی کمائی بھی وہ ہم طوائفوں کو دینا پسند نہیں کرتے۔وہ تلخی سے نم سا ہنسی۔

ارحام نے اس کی باتوں پر اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنا موبایل پاکٹ سے نکالا جو وائبریٹ ہو رہا تھا۔

انتظار کرو۔۔رات تھوڑی سی اور گہری ہونے دو۔سکیورٹی بہت کم ہے کام آسانی سے ہو جائے گا۔ارحام کہتے فون بند کر چکا تھا۔

بتایا نہیں صاحب کون ہو تم؟؟کیا وہ بہت خوبصورت ہے مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت۔۔عشق کرتے ہو کیا اس سے؟؟ویسے آج کل کے مردوں کا عشق پانی میں بلبلے کی طرح ہوتا ہے۔۔میری خوبصورتی تمھیں پگھلا نہیں سکی یقیناً تم نامرد ہو۔۔اس لڑکی نے بے باکی سے ارحام کو آنکھ ماری۔

یقین مانو!!میری آنکھوں سے دیکھو تم دنیا کی بدصورت عورت ہو میرے لیے۔۔بلکہ گھن آرہی تم سے۔اور ٹھیک کہا تم نے وہ سچ میں بہت خوبصورت ہے۔بہت زیادہ کیونکہ وہ میری محرم ہے۔میری زندگی ۔۔ارحام خانزادہ کی جان۔اگر غلطی سے بھی کسی کو کبھی چھو لیا تو خود کو جلا ڈالوں گا اتنا وفادار ہوں اس کا۔ان ہونٹوں کو چھو کر بھی تم نے بہت غلط کیا

۔اب کیسے تم جیسی غلیظ عورت کو چھو کر یہ لب اس پاک عورت کو چھویں گے۔۔۔ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے پھنکارا۔

اسے واقعی میں اپنے ہونٹوں پر زہریلے ناگ کا ڈنک محسوس ہو رہا تھا۔

غلیظ نہیں ہوں میں۔۔غلیظ وہ مرد ہوتا ہے جو یہاں آتا ہے۔جو ہم جیسی عورتوں کو چھو کر اپنا بیج بو کر چلا جاتا ہے تم جیسے مردوں کا ہی خون ہوتی ہیں ہم غلیظ عورتیں۔

وہ ارحام کو دیکھتے پاگل ہوتے پھنکاری۔

میں بھی یہی سمجھتا تھا طوایف ایک عورت ہوتی ہے جو مجبور ہوتی ہے مگر تم نے میری سوچ غلط ثابت کر دی۔تم

انتہائی گھٹیا عورت ہو۔ ارحام نے نفرت سے پھنکارتے اپنا وایرلیس سیٹ اپنی کوٹ کی پاکٹ سے نکالا۔

صاحب!! اتنی بھی سکیورٹی کم نہیں۔ جتنی تم سوچ رہے ہو۔ سب مارے جاؤ گے۔ اس لڑکی کی بات پر ارحام نے چونکتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

صاحب!! یہ جو مجھے لے کر آیا تھا ایک نمبر کا حرامی ہے۔ اس کے منہ میں جتنے نوٹ بھر دیے جائیں۔ اس کا پیٹ نہیں بھرتا دوزخ کی آگ ہے اس حرامی کا پیٹ۔۔ اس لڑکی نے نفرت سے بولتے زمین پر تھوکا۔

ارحام اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

صاحب!! جتنی نفرت تمھیں مجھ سے ہے اس سے کہیں زیادہ نفرت مجھے اس حرامی سے ہے۔ بہت سی لڑکیوں کی زندگی وہ برباد کر چکا ہے۔ وہ لڑکی اپنی گلابی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے نفرت امیز لہجے میں بولی۔

صاحب!! اس حرامی نے تم پر بڑی گہری نظر رکھی ہو گی تمھاری گاڑی کے ٹایر تک پنکچر کر دیے ہوں گے۔ اور تم نے یہ شک اس کے دماغ میں خود ڈالا ہے۔

میں نے!! ارحام نے تحیر زدہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے اپنے سینے پر انگلی رکھی۔

ہاں صاحب تم نے!!۔۔ تم خود کو بہت ہوشیار سمجھ رہے تھے۔ مگر اس دلال کے سامنے نہیں ہو۔۔ اسے نوٹوں کی گدیاں کھلا کر اس کے دل میں شک ڈال دیا۔ بیس لاکھ دے دیا اسے وہ بھی مجھے دیکھے بغیر۔۔

پھر تمھیں مجھ سے زیادہ اس کمرے سے دلچسپی تھی صاحب۔۔ یہاں کا بہت بڑا کمینہ دلال ہے۔ تمھاری آنکھوں سے ٹپکتی شرافت لمحوں میں دیکھ چکا تھا۔

صاحب!! یہ نازنین بائی کا کوٹھا ہے۔ یہاں آتے بھی سب نازنین بائی کی مرضی سے جاتے بھی اس کی ہی مرضی سے ہیں۔

صاحب!! یہاں کی سکیورٹی نظروں سے چھپی ہے. نظروں سے اوجھل ہے صاحب۔۔ تمھارے آدمی اندر داخل ہونے سے پہلے مارے جائیں گے۔ وہ لڑکی بیڈ شیٹ خود پر لپیٹے ارحام کو دیکھتے بول رہی تھی۔

ارحام خانزادہ دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارتے ہوئے آنکھیں میچ گیا۔ ساحر خانزادہ کی آنکھ سے ٹپکتا آنسو وہ دیکھ چکا تھا۔ اس کے لیے کوئی آج بھی آنسو بہاتا ہے یہ برداشت کرنا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔ ارحام

خانزادہ نے ہونٹوں کو سکوڑتے ہوے سانس باہر نکالتے اپنے اندر اٹھتے آگ کی لپیٹوں کی تپش کم کرنے کی کوشش کی۔ کوئی اسے سوچے بھی یہ بھی گوارانہ تھا مگر یہاں کوئی اس سے عشق کی انتہا کرتا تھا۔

وہ خود پر بمشکل قابو پاتے لب بھینچے باہر آیا۔

نظیر!!ان سب لڑکیوں کو کسی سیف شیلٹر ہوم پہنچاؤ۔

ان تمام لڑکیوں کی میں گنتی کر چکا ہوں ایک بھی کم ہوئی۔۔ تمھاری خیر نہیں۔ ساحر خانزادہ نے اپنے گارڈ کو حکم دیا۔

سر آپ فکر نہ کریں۔ نظیر نے مودبانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔

ابھی پہنچاؤ انھیں شلیٹر ہوم!! آدھے گھنٹے بعد مجھے تم فون کر کے بتاؤ گے یہ لڑکیاں سیف ہیں۔۔۔ میں نے دو تین جیپ منگوائی ہیں۔ اگلے دس منٹ

تک پہنچ رہی ہے۔ انھیں جیپ میں تم انھیں سیفلی یہاں سے شیلٹر ہوم پہنچاؤ گے۔ اور جو گارڈز زخمی ہیں وہ بھی تمھارے ذمے۔ انھیں ہسپتال پہنچانا بھی تمھاری ذمہ داری۔ تب تک تم لوگ ان لڑکیوں کی حفاظت پر مامور رہو گے۔۔ نظیر تمھارے ساتھ کچھ اور گارڈز بھی رکیں گے۔ ان لڑکیوں کو شیلٹر ہوم پہنچا کر تم لوگ میری بھیجی ہوئی لوکیشن پر پہنچ جانا۔

ارحام اپنے گارڈز کی طرف بڑھتے انھیں چیک کر رہا تھا۔ کوئی جان سے تو نہیں گیا۔ ارحام نے بھی اپنے خاص آدمی کو فون کرتے گارڈز کو یہاں سے ہاسپٹل پہنچانے کو کہا۔

ساحر حکم دیتے ہوے نازنین بائی کے آدمیوں کی طرف بڑھا جو اس کے گارڈز کے حصار میں قید تھے۔

نازنین بائی کے متعلق جو انفار میشن ہے سب بتادو۔۔ورنہ میری گولی تمھارا سر۔۔ساحر خانزادہ نے ان آدمیوں کے سر پر پسٹل تانی۔

ہمیں صرف اتنا پتہ ہے۔ آج چار بجے سے پہلے اس کا بحری شپ لڑکیوں کو لے کر نکلے گا۔وہ وہاں ہی موجود ہو گی۔اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں پتہ۔نازنین بائی کا ایک آدمی کراہتے ہوے بولا۔

اس کے علاوہ کچھ نہیں پتہ سوچ لو!!ساحر خانزادہ نے اس کی پیشانی پر پسٹل کی نوک رکھتے دباؤ ڈالا۔

نازنین بائی کا خاص آدمی ٹیپو کے پاس ساری انفار میشن ہوتی ہیں۔وہ یہیں کہیں ہو گا وہ اس کوٹھے کا خاص نگران ہے۔وہ اس وقت یہاں نہیں ہے ۔اگر وہ آپ کو مل جائے اس سے آپ کو ساری انفامیشن مل سکتی ہے۔اس نے ڈرتے ہوے بتایا۔

کہاں ہے وہ؟!ساحر خان پسٹل کی ٹریگر پر انگلی کی کا دباؤ بڑھاتے غرایا۔

پتہ نہیں۔۔وہ دونوں بیک وقت کانپتے ہوے سر نفی میں ہلا گئے تھے۔

جب تم لوگوں کو کچھ پتہ نہیں تو تم لوگوں کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ساحر نے ان دونوں پر یکے بعد دیگرے فایر کیے۔

یہ کیا کیا تم نے؟؟انھیں مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ان کے باس مزید انفارمیشن ہو سکتی تھی۔ارحام غصے سے غرایا تھا۔

اگر ہوتی تو دے دیتے۔۔ساحر رکھائی سے بولتے سڑھیو؟ کی جانب بڑھا۔

وہ لوگ موت کے ڈر سے جھوٹ بول رہے تھے انھیں مزید زخمی کر کے انفارمیشن نکلوائی جاسکتی تھی۔ارحام خانزادہ ساحر خان کی پشت دیکھتے غصے

سے لفظ چباتے بولا۔ ساحر اسے عجیب سر پھرا انسان لگا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا وہ گانے والا بہت سوفٹ سی نیچر کا ہو گا۔ وہ تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

جو انفارمیشن مل گئی ہے اس کا فایدہ اٹھاؤ تلاش کرو اس ٹیپو کو اور موت سامنے دیکھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ بڑے بڑے سچ بولتے ہین۔ ان لوگوں کے پاس کوئی انفارمیشن نہیں تھی۔ میرا اصول ہے کام!! ختم حرامی ختم۔ ساحر خان سرد لہجے میں بولتے ہوے سڑھیاں اترتے نیچے چلا گیا تھا۔ اس کے باقی گارڈز بھی اس کے پیچھے سڑھیاں اتر گئے تھے۔

ارحام خانزادہ نے اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مارتے ہوے اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

ارحام خانزادہ بھی جلدی سے سیڑھیاں اترتے اس حویلی سے باہر نکلا۔۔۔اسے جلد از جلد نازنین بائی تک پہنچنا ہی تھا۔وہ نیچے آیا تو ساحر اور اس کے گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں میں نکل چکے تھے

پورے بازار میں ہو کا عالم تھا۔فایرنگ کی وجہ سے بازار خاموش تھا۔کوئی ذی روح ادھر نظر نہیں رہا تھا۔

ارحام تیزی سے اپنی گاڑک کی طرف بڑھا۔یکدم وہ رکا تھا۔اس کے اگلے دونوں ٹائر پنکچر تھے۔ارحام نے غصے سے اگلے ٹائر پر لات مارتے گاڑی کے بونٹ پر مکہ پوری قوت سے مارا۔

ارحام خانزادہ لب بھینچے گہرے سانس لیتے سوچ رہا تھا وہ کیا کرے۔یکدم اس کے آگے ساحر خان کی گاڑی آکر رکی تھی۔

ساحر نے شیشہ نیچے کرتے اسے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

ارحام اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے وہاں کھڑی ایک ہیوی بائک کی طرف بڑھا۔ جس کی اگنیشن میں وہ چابی لگے دیکھ چکا تھا۔ شاید فایرنگ کی وجہ سے کوئی جلدی اور ہڑبڑاہٹ میں میں اپنی بائیک کو ایسے ہی چھوڑ کر جا چکا تھا۔

ارحام نے ساحر خان کو سرد نظروں سے دیکھتے ہوے بائیک پر بیٹھتے بائیک سٹارٹ کی۔

ساحر کندھے اچکاتے اپنی گاڑی زن سے بھگا کر لے گیا۔

ارحام خانزادہ نے بھی اپنی بائیک تیزی سے بھگائی تھی۔

ارحام خانزادہ اپنی پسٹل ہاتھ میں پکڑے ساحر خانزادہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو سفید جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر بلیو کیجول کوٹ تھا۔

اس نے ایک بار بھی ارحام کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے وہاں کھڑے نازنین بائی کے ادمیوں پر فایر کرتے انھیں ساکت کر چکا تھا۔ اس سے پہلے ساحر وہاں کھڑے نازنین بائی کے آخری آدمی کے سینے پر فایر کرتے اسے ساکت کرتا۔ ارحام نے اس آدمی کی ٹانگ پر فائر کر دے تھے۔۔ وہ چیختے ہوے زمین پر گرا۔

اس کا زندہ رہنا ضروری ہے یہ نازنین بائی کے متعلق انفارمیشن دے گا۔ ارحام خان نے زمین پر پڑے نازنین کے آدمی کو تڑپتے ہوے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ ساحر خان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

اتنا بیوقوف نہیں ہوں میں !!نہ منہ اٹھا کر ایسے ہی یہاں چلا آیا ہوں۔ پوری پلیننگ سے آیا ہوں۔ ساحر نے برفیلے لہجے میں بولتے ہوئے زمین پر پڑے اس تڑپتے ہوئے آدمی کے سینے پر بے دردی سے فائر کیے۔

ارحام خانزادہ نے نازنین بائی کے آدمی کے ساکت وجود کو دیکھتے لب بھینچے اپنی سرد سرخ نظریں ساحر خان پر گاڑھیں۔

ساحر خانزادہ نے ارحام پر طنزیہ نظریں گاڑھے پیچھے کی طرف آئی برو اچکائے اشارہ کیا۔

ارحام خانزادہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جہاں ساحر خان کے گارڈز نے نازنین کے دو آدمیوں کو زدوکوب کیا ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے دانت پر دانت جمائے اپنے جبڑے بھینچے بمشکل خود پر کنٹرول کیا۔ ساحر بیوقوف اسے کہہ رہا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔

ساحر خانزادہ ارحام خانزادہ کو مکمل نظر انداز کرتے حال سے ہوتے اندر کمروں کی جانب تیزی سے بڑھا۔

ارحام خان بھی تیز تیز قدموں سے اندر بنے کمروں کی جانب بڑھا۔ یہاں موجود ہر لڑکی کو آزاد کرنا تھا۔۔ وہ لڑکیاں اندر ہی کسی کمرے میں تھیں ۔اسی لیے وہ بھی ساحر خان کی تقلید میں حال سے ہوتے اندر کمروں کی جانب بڑھا۔

ساحر کے گارڈز باہر حال اور سیڑھیوں پر تعینات تھے۔ اس لیے اب انھیں باہر کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ اگر نازنین بائی کے آدمی باہر سے آتے تو ساحر کے درجنوں گارڈز ان کا مقابلہ کر لیتے۔

ارحام خان اور ساحر خان یکے بعد دیگرے کمروں میں داخل ہوتے کمرے چیک کر رہے تھے۔

جو کمرے لاک تھے۔ وہ لوگ ان کے لاک پر فائر کرتے اندر داخل ہوتے۔

وہ اور ساحر ایک کمرے کے لاک پر فائر کرتے اندر داخل ہوے۔ سارے ہی کمرے خالی تھے۔ وہ لوگ ایک کمرے میں داخل ہوے کم و بیش تیرہ چودہ سال کی بچی انھیں دیکھتے ہوے چیخیں مارتے ہوے خود پر بیڈ شیٹ لپیٹے بیڈ کراؤن میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اسے بچی کو دیکھ ارحام خانزادہ اور ساحر خانزادہ کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔ اس کے چہرے اور گردن پر وہ دونوں نشان دیکھ چکے تھے۔

کہاں ہے وہ؟؟ ارحام حلق کے بل دھاڑا۔ ارحام خانزادہ کی رگیں طیش والم سے بری طرح پھول رہی تھیں۔

اس لڑکی نے کانپتے ہوئے واش روم کے دروازے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

ارحام خانزدہ نے اسی لمحے واش روم کے دروازے کے لاک پر کئی فایر کر دیے تھے۔ دروازہ اپنے آپ کھلتا چلا گیا۔

مجھے مت مارنا!! مجھے مت مارنا!! اندر سے لگ بھگ پینتالیس پچاس سال کے قریب پینٹ اور بنیان میں ملبوس آدمی اپنے دونوں بازو اوپر کیے باہر آیا۔

اس آدمی کی عمر اور صحت دیکھتے ارحام خانزاہ کے دماغ کی رگیں پھڑ کیں۔

مم۔۔۔میں۔۔۔تو۔۔۔ایک۔۔گاہک۔۔ہوں۔مم۔۔مجھے۔۔مت۔۔۔مارنا۔۔وہ ہکلاتے ہوے بولا۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوے اس آدمی کے چہروں پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔

گاہک ہے تو؟؟کس کا گاہک ہے اس بچی کی عمر دیکھی تم نے؟؟ارحام اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا۔

مم۔۔مجھے۔۔۔نہیں۔۔۔پتہ۔۔تھا۔۔وہ۔۔لوگ۔۔اتنی۔۔۔چھوٹی لڑکی۔۔۔دیں۔۔۔گے۔وہ آدمی گھٹی گھٹی آواز میں ہکلاتے ہوے بمشکل بولا۔

جب پتہ چل گیا تھا پھر کیوں اسے بے لباس کیا؟؟ ارحام خانزادہ نے اب پنچ اس کے منہ پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔ اس کی ناک سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔

وہ درد سے بلبلاتے ہاتھ جوڑتے معافیاں مانگ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے ایک نظر اس بچی کو دیکھا جو بیڈ شیٹ خود پر اچھی طرح لپیٹے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔ اس کے چہرے پر معصومیت ڈر خوف دیکھتے ارحام خانزادہ کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

ارحام خانزادہ نے طیش او الم سے چیختے ہوے اس آدمی کی ٹانگ پر فائر کیے۔

وہ درد سے چیختے ہوے زمین پر گرتے تڑپنے لگا

ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل اب اس پر تانی تھی۔۔

رگوں میں دوڑتا خون ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا بھڑک کر باہر آ جائے گا۔ اس بچی کی کم۔ سنی دیکھ کر ارحام خانزادہ کے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔

ساحر خانزادہ اپنی مٹھیاں دبوچے سرخ آنکھوں سے کسی غیر مرئی نقطوں کو گھور رہا تھا۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ معاف۔۔۔ کر۔۔ دو۔۔ میں آیندہ۔۔ ایسے۔۔ کبھی نہیں۔۔ کروں۔۔ گا۔ میرے بیوی بچے ہیں۔ اللہ کا واسطہ ان لوگوں کے لیے معاف کر دو۔ وہ ہاتھ جوڑتے درد سے گڑگڑایا۔

بیوی ہے تیری پھر بھی ادھر آیا تو؟؟ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے پیٹ پر گھٹنہ رکھتے ہوے اس کی گردن پر پسٹل رکھی۔ وہ ہاتھ جوڑتے معافیاں مانگتے گڑگڑانے لگا تھا۔

۔

بیٹی ہے تیری؟؟ ارحام نے غراتے ہوے پوچھا۔

ہے۔۔ہے۔۔۔وہ درد سے بلبلاتے چیخا۔

کتنے سال کی؟؟ ارحام خان نے پسٹل کی نوک اس کے چہرے پر دے ماری۔

چودہ سال کی۔۔

چودہ سال کی ارحام اس کے لفظ دہراتا پاگل ہوا تھا۔ آنکھوں میں اب سچ میں خون اترا تھا۔۔

یہ کتنے سال کی ہے؟؟ ارحام نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتے اس آدمی کی گردن دبوچی۔

اب کی بار اس آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑے صرف رو رہا تھا ارحام کے مضبوط ہاتھ کا دباؤ اس کی گردن پر بڑھتا جا رہا تھا۔

چودہ سال کی تیری بیٹی ہے پھر بھی تجھے شرم نہیں آئی۔ اپنی بیٹی تیری نظروں کے سامنے نہیں آئی۔ تو اس دھرتی پر بوجھ ہے اور اب تو بوجھ بن کر ہی جیے گا۔ ارحام خانزادہ نے کھڑے ہوتے اس کی ٹانگوں پر فائر کر دیے تھے۔

اس کی دردناک چیخیں کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ لڑکی بیڈ کراون کے ساتھ لگے آنکھیں میچے سسک رہی تھی۔ جو درد وہ ان آدمیوں کی بستر کی زینت بنتے محسوس کرتی تھی۔ وہ تو شاید ابھی بھی اس آدمی نے محسوس نہیں کیا ہو گا۔ وہ بری طرح روتے ہوئے سسک پڑی۔

ارحام خانزادہ لب بھینچے کھڑا ہوا۔

تم کپڑے پہن لو بیٹا۔ گھبراؤ مت آج کے بعد تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ارحام خانزادہ بمشکل ہی لفظ ادا کرتے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ مزید اس بچی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

فائر کی آواز سنتے ارحام کے قدم رکے تھے۔ ارحام نے حیرت زدہ ہوتے پلٹتے ہوئے دیکھا۔

ساحر خانزادہ اس آدمی کے سینے پر فائر کرتے اسے ڈھیر کر چکا تھا۔ جو دھرتی پر بوجھ ہیں انھیں دھرتی پر رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ساحر خان ارحام خانزادہ کو سرد استھزائیہ نظروں سے دیکھتے ایک اور فایر اس ساکت آدمی پر کر چکا تھا۔

ارحام خانزادہ نے بھی جواباً اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

دونوں ایک دوسرے کو جب بھی دیکھتے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھتے۔

ساحر خانزادہ نے اس لڑکی کی طرف بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوے اس کے کپڑے اس کی طرف بڑھائے۔

تم بہن ہو آج سے میری!! تمھیں سیف جگہ پر پہنچاؤں گا یہ وعدہ ہے میرا تم سے۔۔ مجھ پر یقین ہے تمھیں۔ ساحر نے بے حد نرمی سے پوچھتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

اس لڑکی نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے کپڑے ساحر کے ہاتھ سے پکڑتے ہوے مبہم سا مسکراتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ساحر خان اسی لمحے اسے نم آنکھوں سے دیکھتا باہر نکل آیا تھا۔

ارحام خانزادہ اس کمرے سے نکلتے باقی کمروں کی طرف بڑھا۔ وہ لوگ ہر کمرے کی تلاشی لینے کے بعد اس لاین میں بنے ایک کمرے میں داخل ہوے۔ اس کمرے میں باقی کمروں کی طرح ایک اور دروازہ تھا۔ مگر ان دروازوں کے پیچھے دیوار کے سوائے کچھ نہ تھا۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ انھیں کوٹھے پر موجود باقی لڑکیاں ابھی تک نہیں ملی تھیں۔ ارحام خانزادہ کو پورا یقین تھا وہ لڑکیاں اسی کوٹھے پر کسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھی ہیں۔ اس لیے وہ اور ساحر اچھی طرح ہر جگہ کی تلاشی لے رہے تھے۔

ارحام خانزادہ نے کمرے کے دوسرے دروازے کے لاک پر فایر کرتے اسے کھولنے کی کوشش کی وہ تو کھل گیا۔

اس دروازے کے اندر دیوار کی جگہ سڑھیاں نیچے بیسمنٹ میں اتر رہی تھیں۔ وہ دونوں چوکنا ہوتے سیڑھیاں اترتے بیسمنٹ میں داخل ہوے۔ وہاں بھی بہت سارے کمرے تھے۔ ارحام خانزادہ نے نازنین بائی کے شاطر دماغ کو دل ہی دل میں سراہا تھا۔

وہ اور ساحر ایک کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوے رواس کمرے میں بہت ساری لڑکیاں موجود تھیں۔

وہ انھیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر اور ان کے ہاتھ میں پسٹل دیکھتے چیخیں مارنے لگی تھیں۔

تم لوگ آزاد ہو ڈرو مت!! ارحام خانزادہ نے پسٹل اپنی پاکٹ میں ڈالتے بے حد نرمی سے بولتے ان لڑکیوں کو کام کرنے کی کوشش کی۔۔

ساحر خانزادہ بھی ان لڑکیوں کے چہروں پر خوف دیکھتے پسٹل اپنے کوٹ کی پاکٹ میں رکھ چکا تھا۔

سر ایسی باتیں ہم بہت مرتبہ سن چکی ہیں۔ یہاں سے آزاد ہوں گی تو آپ لوگ کہیں اور بیچ دیں گے۔ بند کریں سر یہ ڈرامہ۔۔ ہمیں جگہ نہیں بدلنی ۔ہم یہاں پر خوش ہیں۔ ایک لڑکی نڈر لہجے میں بولتے ارحام کے مقابل آئی تھی

اب ایسا نہیں ہو گا تم سب کا ٹھکانہ ضرور بدلے گا مگر تم سب اب عزت کی زندگی گزارو گی۔ ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے کہتے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ وہاں کھڑی ہر لڑکی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ کئی لڑکیوں کے چہرے پر ٹھکانہ بدلنے کا خوف تھا۔ کچھ لڑکیاں اسی زندگی کی عادی ہو چکی

تھیں۔ ان لڑکیوں کے چہرے سرد سپاٹ تھے۔ جیسے انھیں کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

عزت نہیں ہے سر ہماری!! نہ اب کبھی ہو گی ہمیں تو ہمارے گھر والے بھی نہیں اپنائیں گے۔ یہی ہمارا ٹھکانہ ہے۔ رہنے دیں ہمیں۔ وہ سرد لہجے میں بولتے کمرے کی ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گئی۔

اس سے پہلے ہمارے لیے مشکل ہو۔ نازنین بائی کے آدمی آجائیں سب کو یہاں سے نکلنا ہو گا۔ کویک فاسٹ!! ارحام اس لڑکی کی بات نظر انداز کرتے سرد لہجے میں حلق کے دھاڑا۔ تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اسے اب جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

ارحام کی دھاڑ پر ساحر خانزادہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

وہ لڑکیاں ارحام کی دھاڑ بری طرح خوفزدہ ہوئی تھیں۔

کویک فاسٹ نکلو یہاں سے۔۔ ورنہ میں تم لوگوں کو شوٹ کر دوں گا۔ ارحام خانزادہ اپنی پسٹل نکالتے ان لڑکیوں پر تانے اب حلق کے بل دھاڑ اٹھا۔

وہ لڑکیاں فق رنگت کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی اوپر کی جانب تیزی سے بڑھیں۔ زیادہ تر کم عمر لڑکیاں تھیں۔ وہ ارحام کو کوئی پولیس آفیسر سمجھ رہی تھیں۔ پولیس والوں کا خاص طور پر ڈر تھا انھیں۔۔ بہت بار بہت برا سلوک کیا گیا تھا ان کے ساتھ۔ اس لیے وہ پولیس افیسز سے کافی ڈرتی تھیں۔

ساحر خانزادہ ارحام خانزادہ کو تاسف بھری سرد نگاہوں سے دیکھتے جلدی سے سڑھیاں چڑھا۔ اسے ارحام کا دھاڑنا بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

ارحام ساحر خان کی سرد تاسف بھری نگاہوں پر جبڑے بھینچ گیا تھا۔ ساحر خان کی طرح اسے بھی یہاں ساحر خان کو دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔

ارحام سر جھٹکتے سڑھیاں چڑھتے اوپر آیا۔ مگر اسے رکنا پڑا تھا۔ ماہ جبین کا آدمی اس پر پسٹل تانے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو شکاری کتے بھی تھے جن کی بیلٹ وہ جکڑے ہوے تھا۔ وہ شکاری کتے زبان نکالے بھونکتے ہوے اس پر جھپٹنے کو تیار تھے۔ اگر وہ آدمی ان کی بیلٹ چھوڑ دیتا۔ وہ لمحوں میں ارحام خانزادہ کو چیڑ پھاڑ دیتے۔

وہ کہاں سے آیا تھا کہاں چھپا ہوا تھا ارحام خانزادہ نہیں جانتا تھا۔ ارحام خانزادہ کی پسٹل اس وقت اس کی بیلٹ میں اڑسی تھی۔ ارحام نے ہاتھ بڑھا کر اپنی پسٹل نکالنی چاہی۔

اگر تو ہلا بھی تو تجھے بھون ڈالوں گا میں۔ وہ آدمی پسٹل کی نوک ارحام پر تانے چیخا۔

ارحام گہرا سانس لیتے سٹل ہوا تھا۔ اس کے ذرا سا ہلنے پر وہ آدمی اس کے سینے پر گولیاں اتار چکا تھا۔

بہت ہوشیاری کر لی تم نے۔ اب ایک گولی تیرے سینے پر اور تو ختم۔ تو وہی ہے ناں اس چھمک چھلو کا آدمی جس کی خوبصورتی کی یہاں دھوم مچی ہے۔ ہر کوئی اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ چھونا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں اب تمھیں مار کر اسے اسی کوٹھے پر لاؤں گا اور یہ کوٹھا آباد کرے گی تیری خوبصورت بیوی۔ وہ شیطانی مکرو ہنسی ہنسا۔

اے۔۔۔ اگر تو نے اپنی غلیظ زبان سے مزید بکواس کی تیری زبان کے ٹکڑے کروں گا۔ ہاں میں ہی ہوں تیری موت۔ میرے بارے میں تجھے ہر

خبر ہے تو۔ یہ بھی خبر ہو گی میں نے تیرے جیسے حرامیوں کا کیا حال کیا ۔جس جس نے میری عورت کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں زبان نکال دیں۔ آج تیری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے تیرے ہی شکاری کتوں کو کھلا دوں گا۔ارحام خون اتری آنکھوں سے اسے گھورتے حلق کے بل پھولتی سانسوں سے دھاڑا۔اس آدمی کے لفظ ارحام خانزادہ کے سینے میں آتیش گیر مادہ دہکا چکے تھے۔

وہ ادمی ارحام کی حالت دیکھتے قہقہ لگا کر ہنسا۔

سنا تھا موت سامنے دیکھ کر کچھ لوگ پاگل ہو جاتے ہیں آج تجھے دیکھ بھی لیا ابھی تو تیرا شکار میرے پالتو کتے کریں گے۔۔ تیری زبان آنکھیں اور سب کچھ اپنی خوراک کا حصہ بنائیں گے۔وہ آدمی ارحام کو گندہ سا اشارہ کرتے کمینگی سا ہنسا۔

بہت زیادہ غیرت ہے تیرے اندر اپنی عورت کے لیے۔۔ایک طوائف کی بیٹی کے لیے اتنی محبت اتنی غیرت۔۔وہ آدمی سیٹی مار کر ہنسا۔بکواس بند کر ورنہ تیری جان لے لوں گا میں۔ارحام نے غراتے ہوے اپنی پسٹل اپنی پینٹ سے نکالنا چاہی۔

وہ اسی لمحے کتوں کے پٹے چھوڑ چکا تھا۔وہ بھونکتے ہوے ارحام کی طرف بڑھے۔

ارحام اپنا بچاؤ کرتے ہوے پیچھے کی طرف ہوتا اپنے دونوں بازو اپنے چہرے پر رکھ گیا۔

فائر کی آواز پر ارحام نے اپنے چہرے پر بازو ہٹاتے سامنے دیکھا۔وہ آدمی زمین پر ساکت پڑا تھا۔سامنے ساحر خانزادہ کھڑا تھا۔

شکاری بھوکے کتے ارحام پر جھپٹ پڑے تھے۔ اس سے پہلے وہ ارحام کو کاٹتے ارحام نے اپنی جینز سے پسٹل نکالتے ان کتوں پر فایر کر دیا تھا۔ وہ کتے بھی اسی لمحے ڈھیر ہوے تھے۔

بہت شکریہ تم نے میری جان بچائی۔ ارحام نے کہتے ہوے اپنے زخمی گال پر ہاتھ رکھتے اپنے بہتے خون کو روکا جہاں ان شکاری کتوں کی کھرونچیں پڑی تھیں۔

تمھاری جان اس لیے نہیں بچائی کہ مجھے تمھاری جان کی پراوہ ہے۔ میرے نزدیک تمھاری جان کی ذراویلیو نہیں۔ مگر نازنین بائی کے خاتمے کے لیے تمھاری مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ایہ لگ بات اب تک تم اپنی بیوقوفی کی وجہ سے پھنس ہی رہے ہو۔ ساحر ارحام کے زخمی چہرے کو دیکھتے طنزیہ مسکرایا۔

ساحر خان کے طنز پر ارحام کے جبڑے بھنچے تھے۔

ارحام خانزادہ کسی کا احسان نہیں رکھتا۔شاید تمھیں بھی آگے میری ضرورت پڑ جائے۔ سود سمیت بدلہ چکا دوں گا۔نازنین بائی کے خاتمے کے لیے تمھاری ضرورت نہیں۔ میں اکیلا کافی ہوں۔ ارحام خشک لہجے میں کہتے ہوے آگے کی جانب بڑھا۔

تمھیں کس نے کہا میں تمھاری مدد کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔۔ میری وجہ کوئی اور ہے میں صرف اس کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اس لیے اپنا نادر مشورہ اپنے پاس رکھو۔ ساحر خان طنزیہ لہجے میں بولتے ارحام کے سینے میں آگ دہکا گیا۔

ساحر خان کے استہزائیہ انداز پر ارحام نے اسے خون اشام سرد نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔ ارحام خانزادہ کے سینے میں بھا بھڑ

جلے تھے۔ سامنے کھڑے انسان کی آنکھوں میں جس کا عکس تھا۔ اس کا عکس بھلا کہاں گوارا تھا کسی کی آنکھوں میں۔ ارحام خانزادہ لمحوں میں دہکتا تندور بنا تھا۔ رنگت تانبے کی مانند سرخ ہوئی تھی۔ وہ سرد سرخ آنکھوں سے ساحر خان کو دیکھ رہا تھا۔

ساحر خانزادہ بھی ارحام خانزادہ کو دہکتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو دل میں رہتی تھی وہ سامنے کھڑے انسان کی بانہوں میں رہتی تھی۔ سامنے کھڑے انسان کو دیکھتے ساحر خانزادہ کے دل میں انگارے جل رہے تھے۔۔

اس کا بس چلتا وہ سامنے کھڑے انسان سے اپنی قسمت بدل لیتا۔ کاش یہ اتنا آسان ہوتا۔ سامنے کھڑا انسان کتنا خوش قسمت تھا اور وہ کتنا بدقسمت!! ساحر خانزادہ اپنی نظریں جھکائے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے ہوئے تیز تیز قدموں سے حال کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ارحام خانزادہ دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارتے ہوے آنکھیں میچ گیا۔ ساحر خانزادہ کی آنکھ سے ٹپکتا آنسو وہ دیکھ چکا تھا۔ اس کے لیے کوئی آج بھی آنسو بہاتا ہے یہ برداشت کرنا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔ ارحام خانزادہ نے ہونٹوں کو سکوڑتے ہوے سانس باہر نکالتے اپنے اندر اٹھتے آگ کی لپیٹوں کی تپش کم کرنے کی کوشش کی۔ کوئی اسے سوچے بھی یہ بھی گوارا نہ تھا مگر یہاں کوئی اس سے عشق کی انتہا کرتا تھا۔

وہ خود پر بمشکل قابو پاتے لب بھینچے باہر آیا۔

نظیر!! ان سب لڑکیوں کو کسی سیف شیلٹر ہوم پہنچاؤ۔

ان تمام لڑکیوں کی میں گنتی کر چکا ہوں ایک بھی کم ہوئی۔۔ تمھاری خیر نہیں۔ ساحر خانزادہ نے اپنے گارڈ کو حکم دیا۔

سر آپ فکر نہ کریں۔ نظیر نے مودبانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔

ابھی پہنچاؤ انھیں شلیٹر ہوم!! آدھے گھنٹے بعد مجھے تم فون کر کے بتاؤ گے یہ لڑکیاں سیف ہیں۔۔۔ میں نے دو تین جیپ منگوائی ہیں۔ اگلے دس منٹ تک پہنچ رہی ہے۔ انھیں جیپ میں تم انھیں سیفلی یہاں سے شیلٹر ہوم پہنچاؤ گے۔ اور جو گارڈز زخمی ہیں وہ بھی تمھارے ذمے۔ انھیں ہسپتال پہنچانا بھی تمھاری ذمہ داری۔ تب تک تم لوگ ان لڑکیوں کی حفاظت پر مامور رہو گے۔۔ نظیر تمھارے ساتھ کچھ اور گارڈز بھی رکیں گے۔ ان لڑکیوں کو شیلٹر ہوم پہنچا کر تم لوگ میری بھیجی ہوئی لوکیشن پر پہنچ جانا۔

ارحام اپنے گارڈز کی طرف بڑھتے انھیں چیک کر رہا تھا۔ کوئی جان سے تو نہیں گیا۔ ارحام نے بھی اپنے خاص آدمی کو فون کرتے گارڈز کو یہاں سے ہاسپٹل پہنچانے کو کہا۔

ساحر حکم دیتے ہوئے نازنین بائی کے آدمیوں کی طرف بڑھا جو اس کے گارڈز کے حصار میں قید تھے۔

نازینن بائی کے متعلق جو انفارمیشن ہے سب بتادو۔۔ورنہ میری گولی تمھارا سر۔۔ساحر خانزادہ نے ان آدمیوں کے سر پر پسٹل تانی۔

ہمیں صرف اتنا پتہ ہے۔ آج چار بجے سے پہلے اس کا بحری شپ لڑکیوں کو لے کر نکلے گا۔وہ وہاں ہی موجود ہو گی۔اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں پتہ۔نازنین بائی کا ایک آدمی کراہتے ہوئے بولا۔

اس کے علاوہ کچھ نہیں پتہ سوچ لو!!ساحر خانزادہ نے اس کی پیشانی پر پسٹل کی نوک رکھتے دباؤ ڈالا۔

نازنین بائی کا خاص آدمی ٹیپو کے پاس ساری انفارمیشن ہوتی ہیں۔ وہ یہیں کہیں ہو گا وہ اس کوٹھے کا خاص نگران ہے۔ وہ اس وقت یہاں نہیں ہے ۔اگر وہ آپ کو مل جائے اس سے آپ کو ساری انفامیشن مل سکتی ہے۔ اس نے ڈرتے ہوے بتایا۔

کہاں ہے وہ ؟! ساحر خان پسٹل کی ٹریگر پر انگلی کی کا دباؤ بڑھاتے غرایا۔

پتہ نہیں۔۔ وہ دونوں بیک وقت کانپتے ہوے سر نفی میں ہلا گئے تھے۔

جب تم لوگوں کو کچھ پتہ نہیں تو تم لوگوں کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ساحر نے ان دونوں پر یکے بعد دیگرے فایر کیے۔

یہ کیا کیا تم نے ؟؟ انھیں مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے باس مزید انفارمیشن ہو سکتی تھی۔ ارحام غصے سے غرایا تھا۔

اگر ہوتی تو دے دیتے۔۔ ساحر رکھائی سے بولتے سڑھیو؟ کی جانب بڑھا۔

وہ لوگ موت کے ڈر سے جھوٹ بول رہے تھے انھیں مزید زخمی کر کے انفارمیشن نکلوائی جاسکتی تھی۔ ارحام خانزادہ ساحر خان کی پشت دیکھتے غصے سے لفظ چباتے بولا۔ ساحر اسے عجیب سر پھرا انسان لگا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا وہ گانے والا بہت سوفٹ سی نیچر کا ہو گا۔ وہ تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

جو انفارمیشن مل گئی ہے اس کا فایدہ اٹھاؤ تلاش کرو اس ٹیپو کو اور موت سامنے دیکھ کر کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ بڑے بڑے سچ بولتے ہین۔ ان لوگوں کے پاس کوئی انفارمیشن نہیں تھی۔ میرا اصول ہے کام!! ختم حرامی ختم۔ ساحر خان سرد لہجے میں بولتے ہوے سڑھیاں اترتے نیچے چلا گیا تھا۔ اس کے باقی گارڈز بھی اس کے پیچھے سڑھیاں اتر گئے تھے۔

ارحام خانزادہ نے اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مارتے ہوے اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

ارحام خانزادہ بھی جلدی سے سیڑھیاں اترتے اس حویلی سے باہر نکلا۔۔۔اسے جلد از جلد نازنین بائی تک پہنچنا ہی تھا۔وہ نیچے آیا تو ساحر اور اس کے گارڈز اپنی اپنی گاڑیوں میں نکل چکے تھے

پورے بازار میں ہو کا عالم تھا۔فایرنگ کی وجہ سے بازار خاموش تھا۔کوئی ذی روح ادھر نظر نہیں رہا تھا۔

ارحام تیزی سے اپنی گاڑک کی طرف بڑھا۔یکدم وہ رکا تھا۔اس کے اگلے دونوں ٹائر پنکچر تھے۔ارحام نے غصے سے اگلے ٹائر پر لات مارتے گاڑی کے بونٹ پر مکہ پوری قوت سے مارا۔

ارحام خانزادہ لب بھینچے گہرے سانس لیتے سوچ رہا تھا وہ کیا کرے۔ یکدم اس کے آگے ساحر خان کی گاڑی آکر رکی تھی۔

ساحر نے شیشہ نیچے کرتے اسے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

ارحام اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے وہاں کھڑی ایک ہیوی بائک کی طرف بڑھا۔ جس کی اگنیشن میں وہ چابی لگے دیکھ چکا تھا۔ شاید فایرنگ کی وجہ سے کوئی جلدی اور ہڑبڑاہٹ میں میں اپنی بائیک کو ایسے ہی چھوڑ کر جا چکا تھا۔

ارحام نے ساحر خان کو سرد نظروں سے دیکھتے ہوے بائیک پر بیٹھتے بائیک سٹارٹ کی۔

ساحر کندھے اچکاتے اپنی گاڑی زن سے بھگا کر لے گیا۔

ارحام خانزادہ نے بھی اپنی بائیک تیزی سے بھگائی تھی۔

ساحر خانزادہ اور اس کے گارڈز سمندر کے قریب پہنچے جہاں جگہ جگہ نازنین بائی کی سکیورٹی موجود تھی۔ کچھ سکیورٹی گارڈ بولیس کی وردی میں بھی تھے ۔۔ ساحر خان اور اس کے گارڈز نے اپنی گاڑیاں بہت پیچھے کھڑی کیں تھیں۔

تاکہ نازنین بائی کے آدمی ان کی آمد سے چوکنا نہ ہوں جائیں۔

ارحام خانزادہ نے وہاں پہنچتے ہوے دریاب اور ارمان خان کو مدد بھیجنے کو کہتے انھیں تمام صورتحال سے اگاہ کیا۔

ارحام خانزادہ کو ایک بات کی تشویش لاحق تھی اگر نازنین بائی کو ان کے بارے میں ذرا بھی خبر ہو جاتی تو وہ لوگ ان کے گینگ کا خاتمہ نہ کر پاتے۔۔یقیناً ان لوگوں نے پہلے سے چوکنا ہو جانا تھا۔یہاں گہری خاموشی اور تھوڑی تعداد میں سکیورٹی کو دیکھ کر اندازہ ہوا تھا۔نازنین بائی ابھی بے خبر ہے۔بحری شپ بھی ابھی تک پورٹ پر موجود تھا۔

ساحر خانزادہ کے حکم پر اس کے گارڈز نے دبے پاؤں آگے بڑھتے ہوے وہاں کھڑے دو تین گارڈز کو پیچھے سے اپنے حصار میں لیتے ان کے سروں پر پسٹل کی نوک کے وار کرتے ان کی گردن مڑوڑی تھی۔ان کے چیخنے سے پہلے وہ لوگ انھیں ساکت کر چکے تھے۔۔

ارحام اور ساحر خان اپنی پسٹل کو لوڈ کرتے ہوے آگے بڑھے۔۔آگے کھڑے نازنین کے آدمی نے انھیں دیکھتے فائرنگ شروع کی۔ساحر خان

کے گارڈز نے جوابی کاروائی کرتے اسے اور وہاں کھڑے نازنین بائی کے باقی آدمیوں کو ڈھیر کیا۔

ساحر خان کے گارڈز اس جگہ پر چاروں طرف پھیلتے نازنین بائی کے باقی آدمیوں کو اپنے حصار میں لے چکے تھے۔ بحری جہاز نکلنے ہی والا تھا جس کی وجہ سے سکیورٹی اتنی الرٹ نہیں تھی۔ وہ لوگ نہ پہنچتے تو اگلے دس منٹوں میں بحری جہاز یہاں سے بھی منتقل بھی ہو جاتا۔ فی الحال وہ لوگ باہر کی سچویشن کو سنبھال چکے تھے۔

فایرنگ کی وجہ سے وہاں ہڑبونگ مچی تھی۔ بحری جہاز اسی وقت سٹارٹ ہوا تھا۔ بحری جہاز کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ارحام خانزادہ اور ساحر خانزادہ بھاگتے ہوے بحری جہاز کی طرف بڑھتے اس کے اندر داخل ہوے۔۔ اندر موجود نازنین بائی کے ایک آدمی نے اسی لمحے ساحر خان پر

اپنی پسٹل سے فایر کیا جو ساحر کے کندھے پر آ کر لگا تھا۔۔۔ ساحر خان نے درد سے چیختے ہوے اپنے کندھے کو جکڑ گیا۔ اس سے پہلے وہ اس پر جوابی فایر کرتا۔ ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل سے اس کے سینے کو داغتے اسے ڈھیر کیا وہ درد سے چیختا ہوا ڈھیر ہوا۔

کہا تھا تم سے !! ارحام خانزادہ کسی کا احسان نہیں رکھتا ہے۔ سود سمیت بدلہ اتارتا ہوں میں۔۔ ارحام خانزادہ ساحر خان کو دیکھتے سرد انداز میں بولتے ہوے اپنی پسٹل اپنی پینٹ میں آگے کی طرف اڑستا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

ساحر خان نے اپنا کوٹ اتار کر گہرے سانس لیتے اپنے کندھے کو جکڑتے اپنے کوٹ سے تمام گولیاں نکال کر اپنی پینٹ میں ڈالیں۔ شدید درد کندھے اور پورے بدن میں سرایت کر رہا تھا۔

نہیں چھوڑوں گا تم میں سے کسی بھی انسان کو جس نے میری حور کو تکلیف دی۔ وہ سمندر کی لہروں کو دیکھتے چیخا۔

دوسرے لمحے وہ شپ کی گرل کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھتا چلا گیا تھا۔ اپنا زخمی کندھا جکڑے وہ کھانستا چلا گیا۔

اب گہرے سانس لیتا ہنس رہا تھا۔ بے تحاشا ہنس رہا تھا۔

میری حور!! وہ یہ لفظ دہراتے درد والم میں ہنس رہا تھا۔

میری حور!! اب وہ آسمان کی طرف دیکھتے اپنا کندھا جکڑے ہنس رہا تھا۔

کیوں کیا ایسے میرے ساتھ؟؟ اگر اسے میرا ہمسفر نہیں بنانا تھا۔ کیوں اسے میرے دل میں اتنی گہرائیوں سے ڈالا کہ اسے اس دل سے نکالنے کا سوچتا ہوں تو دھڑکنیں رکنی لگتی ہیں۔ اور جسے ہمسفر بنایا وہ اس دل میں کہیں نہیں

ہے۔ ساحر گہرے سانس لیتے اسمان کی طرف دیکھتے روتے ہوے بول رہا تھا۔

کہتے ہیں نکاح کا رشتہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ دلوں میں محبت ڈال دیتا ہے۔ مگر میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں؟!۔ کیوں میری محرم میرے دل میں نہیں؟! جو دل میں نہیں ہونی چاہیے تھی وہ ہے۔

آہہہ۔ وہ کرب سے چیختا آنکھیں میچ گیا تھا کندھے کا درد یکدم دل میں سرایت کر گیا تھا۔

یہ الفاظ ہی میرا دل بند کر رہے ہیں کہ وہ اس دل میں نہیں ہونی چاہیے تھی۔ وہ اگر دل میں نہ ہوتی تو یہ دل کس کام کا ہوتا بھلا؟؟ ساحر خود سے سوال کرتے زخمی سا ہنسا۔ وہ اپنا زخمی کندھا جکڑے آنکھیں میچے اب پاگلوں کی طرح ہنستا جا رہا تھا۔

گولی کندھے پر لگی تھی۔ درد شدت سے دل میں اٹھ رہا تھا۔ آنکھوں سے بہتے آنسو اس کی ہلکی گھنی بیرڈ کو بھگو رہے تھے۔ اب وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہا تھا۔

نہیں چھوڑوں گا ہر اس انسان کو جس نے میرے عشق کو تکلیف پہنچائی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہذیانی چیخا۔

ہاں عشق ہے وہ میرا!! میرے جیسا عشق کوئی اس سے نہیں کر سکتا۔ تم بھی نہیں کر سکتے ارحام خانزادہ!! تم بھی نہیں کر سکتے۔۔ ساحر اپنا کندھا جکڑے ہوے غرایا۔

وہ عشق ہے میرا۔ وہ آہستگی سے لفظ دہراتا ہنسا تھا۔

اک آگ غم تنہائی کی

جو سارے بدن میں پھیل گئی

جب جسم ہی سارا جلتا ہو

پھر دامن دل کو بچائیں کیا

کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں

پھر سچا شعر سنائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

اک ہجر ہم جو لاحق ہے

تا دیر اسے دہرائیں کیا

وہ زہر جو دل میں اتار لیا

اب اس کے ناز اٹھائیں کیا

کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں

پھر سچا شعر سنائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

ہم نغمہ سرا کچھ غزلوں کے

ہم صورت گر کچھ خوابوں کے

بے جذبہ شوق سنائیں کیا

کوئی خواب نہ ہو تو بتائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

وہ اپنے کندھے کو ایک ہاتھ سے جکڑے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچے گنگنا رہا تھا۔ دل میں ایک بار پھر سے شدید درد اٹھا تھا۔ وہ دانت پر دانت جمائے گرل کا سہارا لیتے اٹھا۔

نہیں چھوڑوں گا ہر اس انسان کو جس نے میرے عشق کو تکلیف دی۔ نہیں چھوڑوں گا۔ ساحر خان برفیلے لہجے میں بولتے اپنی پسٹل اپنی پینٹ میں اڑستے اندر کی جانب بڑھا۔

ارحام خانزادہ نے اندر داخل ہوتے بحری جہاز کے کیپٹن پر پسٹل تانے اسے شپ روکنے کو کہا۔ وہ اسی لمحے شپ روک چکا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اس پر پسٹل تانے اسے باہر آنے کو کہا۔ وہ خاموش سے ہاتھ اوپر کیے باہر آیا۔

ساحر خانزادہ کے گارڈز نے اندر داخل ہوتے شپ میں پھیلتے ہوئے شپ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لیا۔

ارحام خانزادہ اور ساحر خان پورے شپ کی اچھی طرح تلاشی لے رہے تھے۔ انہوں نے ایک ایک کمرہ فلور چیک کیا تھا۔ جہاں کوئی لڑکی نہ تھی۔ پوری شپ خالی تھی۔

ساحر اور ارحام ایک دوسرے کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے پریشان ہوئے۔

شپ خالی تھی تو لڑکیاں کہاں تھیں؟؟۔ وہ شپ کے ہر فلور کو اچھی طرح چیک کر چکے تھے۔ لڑکیوں اور نازنین کا نام و نشان نہ تھا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے پکی انفارمیشن تھی آج اس شپ میں لڑکیاں سمگل ہونی تھیں۔۔ ارحام خانزادہ نے لب بھینچتے ہوئے شپ کی دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارا۔

ساحر بھی گہرے سانس لیتا سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ لوگ شپ کے ایک بہت بڑے حال میں کھڑے تھے۔ جہاں راونڈ شیپ میں صوفے پڑے تھے۔

اگر لڑکیاں یہاں نہیں تو نازنین بائی بھی یہاں نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے ہمیں بیوقوف بنایا گیا ہے۔ میرا مطلب ہے تمھیں بیوقوف بنایا گیا ہے۔ ساحر خان نے ارحام خانزادہ کو گھورتے آئی برو اچکائے۔۔

اور تم تو پکا کام کرتے ہو۔ کام ختم حرامی ختم!!

سچ میں پکا کام کیا ہے۔ یہاں کوئی حرامی نہیں۔۔۔ ارحام نے ساحر خان کو گھورتے لفظ چباتے طنزیہ مسکراہٹ اس پر اچھالی۔

ساحر خان نے ارحام کو گھورتے ہوئے اپنی پینٹ سے وائرلیس نکالتے اپنے گارڈز کو چند ضروری ہدایت دیں۔

ہیلو۔۔۔ ساحر خان نے پریشانی کے عالم میں جھنجھلاتے ہوئے وائرلیس پر ہاتھ مارے۔۔ جہاں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔

ساحر نے پریشان ہوتے وایرلیس کو چیک کیا۔ جہاں خاموشی ہی خاموشی تھی۔ ساحر خان نے دانت پر دانت جمائے اپنی گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی وہ لوگ بری طرح پھنس گئے ہیں۔

یکدم شپ چلنا شروع ہوئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ کر مزید پریشان ہوے۔ شپ کے کیپٹن کو تو ساحر خان کے گارڈ حراصت میں لے چکے تھے۔۔ تو شپ پھر کون چلا رہا تھا؟!

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے جلدی سے باہر کی طرف بڑھے ۔ مگر انھیں اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھانے پڑے تھے۔

سامنے سے نازنین بائی اور اس کے آدمی اندر داخل ہوے تھے۔

ساحر اور ارحام خانزادہ نے نفرت امیز نظروں سے نازنین بائی کو گھورتے اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچیں۔

نازنین بائی کو وہ لوگ تصویروں میں دیکھ چکے تھے۔ مگر وہ تصویروں سے بھی زیادہ بدصورت ہو گی انھیں اندازہ نہ تھا۔

سنا تھا انسان کے اعمالوں کا عکس اس کے چہرے پر جھلماتے اسے خوبصورت بدصورت بناتا ہے۔اب سمجھ نہیں آرہا تم پیدا ہی بدصورت ہوئی تھی یا دنیا میں آنے کے بعد تمھارے اعمالوں نے تمھارا چہرہ کراہیت امیز بنا دیا کہ میں تھوک اندر نہیں نگل پا رہا۔

ارحام نے نازنین کا چہرہ دیکھ کر کراہیت سے حال کے فلور پر تھوک پھینکا۔

ارحام خانزادہ کی حرکت پر نازنین بائی کا زوردار قہقہہ گونجتا اسے مزید خوفناک بنا گیا تھا۔

ساحر خان اور ارحام خانزادہ اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ان دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کا گھناؤنا چہرہ نوچ لیں۔

ابھی تمھارا ابھی وہی حال کروں گی تم اپنی شکل دیکھ کر بھی تھوک اندر نگل نہیں پاؤ گے۔ خود کے چہرے پر تھوکنا پسند کرو گے۔ نازنین بائی ارحام کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتی غرائی۔

ساحر اور ارحام اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

نازنین بائی کے آدمی ان پر پسٹل انھیں اپنی حراست میں لیے کھڑے تھے

۔

اپنی اپنی پسٹل نیچے پھینک دو۔ ورنہ ایک منٹ سے پہلے تم دونوں کو گولیوں سے چھلنی کر دوں گی۔ نازنین بائی ان کی پسٹلز ان دونوں کی پینٹ میں اڑسے دیکھ کر گرج اٹھی۔

ارم اور ساحر خان نے ایک دوسرے کی طرف ایک نظر دیکھتے اپنی اپنی پسٹل اپنی پاکٹ سے نکالی۔ دوسرے لمحے ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل اپنے سامنے کھڑی نازنین بائی پر تان دی اس سے پہلے وہ گولی چلاتا۔ نازنین بائی کا آدمی ارحام خانزادہ کے ہاتھ پر اسی لمحے فائر کر گیا۔

گولی ارحام خانزادہ کے ہاتھ میں پکڑی پسٹل پر لگی تھی۔

پسٹل ارحام کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری۔۔ ارحام نے اپنا ہاتھ جھٹکتے گہرا سانس لیا۔ گولی اس کے ہاتھ پر نہیں لگی تھی۔ ارحام نے جبڑے بھینچے نازنین بائی کو دیکھا جو تمسخراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ساحر خان یہ دیکھتا اپنے پاؤں کے قریب اپنی پسٹل رکھ گیا تھا۔

بیوقوف سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے اپنی طرح مجھے کیا؟؟ نازنین بائی پھنکاری تھی۔

تم لوگ یہاں آئے نہیں بلکہ لائے گئے ہو۔ نازنین بائی ان دونوں کو ایکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے بولی۔

اتنا بڑا کاروبار کر رہی ہوں۔ اگر تم جیسے لوگ مجھے ختم کرنے لگ گئے تو اس ملک میں کوئی لڑکی سمگل نہ ہو۔ نہ ہی کوئی کوٹھا آباد۔۔ اس نے چھت پھاڑ قہقہ لگایا تھاو

بڑی طاقتیں میرے ساتھ ملی ہیں۔ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ الیگل کام لیگل طریقے سے کرتی ہوں کہ قانون بھی مجھے دیکھ کر سلوٹ کرتا ہے۔ کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔ نازنین بائی کے لفظ ارحام خانزادہ کے تن بدن میں آگ بھڑکا رہے تھے۔

دونوں چند گارڈز لے کر مجھے ختم کرنے کے لیے آ گئے۔ کیا یہ اتنا آسان تھا؟؟ نازنین بائی حلق کے بل چیخی تھی۔

میرے اڈے کو تباہ کیا تم دونوں نے!! تھوڑی سی بے خبری میں ماری گئی۔۔ میرے خاص بندے ٹیپو نے مجھے ہر خبر پہنچا دی تھی۔ بلکہ کیمروں کے تھرو تم لوگوں کو یہاں بیٹھے دیکھ چکی تھی۔ اپنی اتنی سی کامیابی پر تم دونوں خود کو سمارٹ سمجھ کر یہاں چلے آئے۔

اپنے جیسا بیوقوف سمجھتے ہو مجھے۔۔ میں یہاں رہوں یا اس ملک سے باہر ۔۔ ایک ایک چیز پر میری گہری نظر ہے تبھی تو نازنین بائی آج اتنی طاقتور ہے اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

تم دونوں سے زیادہ ہے سلطان شاہ کی پاور ہے۔ برباد کر کے رکھ دیا میں نے اسے!! کیا بگاڑ لیا اس سلطان شاہ نے میرا۔۔ کچھ نہیں!! کیونکہ سلطان شاہ جیسے طاقت رکھنے والے بہت سے لوگ نازنین بائی کی جیب میں ہیں۔۔

جانتے ہو ناں سلطان شاہ کو تم دونوں؟؟ نازنین نے مسکراتے ہوے آئی برو اچکاتے استفسار بھری تمسخراتی نگاہوں سے دونوں کے سرخ چہرے دیکھے۔

میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ یہ کیسا سوال کر رہی ہوں؟؟ کیسے نہیں جانتے ہوں گے تم دونوں؟! اس کی ہی بیٹی کے لیے تو تم دونوں اپنی جان یہاں گنوانے چلے آئے۔ ایک غیرت مند شوہر اور ایک ناکام عاشق۔۔ نازنین بائی آنکھ مارتے فلگ شگاف قہقہ لگا کر ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی میں اس کے آدمیوں نے بھی بھرپور ساتھ دیا تھا۔

نازنین بائی کی بات پر ارحام کی آنکھوں میں خون کی لالی اتری تھی۔ وہ اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچ گیا۔

ارحام کی بھینچی مٹھیاں دیکھ کر نازنین کا فلگ شگاف قہقہوں میں آضافہ ہوا تھا۔ اس پہاڑی خان کے متعلق اسے ایک ایک انفارمیشن تھی۔ اچھی طرح جانتی تھی اس خان کارگوں میں دوڑتا خون بوائلنگ پوائنٹ پر کیسے لانا ہے۔ سامنے کھڑا انسان سلطان شاہ کی بیٹی کو لے کر کتنا جذباتی کتنا پاگل تھا۔ اس کی حفاظت کیسے کرتا تھا۔ اسے کیسے چھپا کر رکھتا تھا کہ آج تک وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی تھی۔

بہت حساب کتاب چکتا ہے تم پر۔۔ تمھیں کیسے کیسے اذیت دینا ہے میں جانتی ہوں۔ تم تو چار بار میرے آدمیوں کے منہ سے اپنی عورت کا نام سن کر ہی مر جاؤ گے۔

نازنین ارحام کی سرخ رنگت گردن کی پھولتی رگیں دیکھتے تمسخراتی لہجے میں بولی۔

یہی کہتے ہو ناں اسے۔ میری عورت میری عورت!! میری عزت۔۔ تمھارے ڈائیلاگ بھی مجھے پتہ ہے۔ نازنین بائی ارحام کو دیکھتے آنکھ مارتے ہنسی۔

اپنے لفظوں میں آضافہ کر لو نازنین بائی!! اضافہ کر لو اپنے لفظوں میں!! جب تیری گردن پر اپنا بھاری بوٹ والا پاؤں رکھا کھڑا ہوں گا تو یہ لفظ بولوں گا۔

ارحام خانزادہ کی عورت پر جو بری نظر رکھتا ہے۔ ارحام خانزادہ اس پر قہر بن کر ٹوٹتا ہے۔ اور آج قہر بن کر ٹوٹوں گا تم پر۔۔ ارحام خانزادہ طیش او الم

سے چیخا تھا۔ سامنے کھڑی عورت کے غلیظ زبان سے اپنی بیوی کا نام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

نازنین بائی ارحام کی غراہٹ پر نازنین بائی پاگلوں کی طرح ہنستی چلی گئی تھی۔

یہی لفظ میں بولوں گی جب تمھاری گردن پر میں اپنا پاؤں رکھے ہوں گی اور تم اپنی سانسوں کے لیے مجھ سے بھیگ مانگو گے۔ تب یہ لفظ نازنین بائی دہرائے گی۔۔ نازنین بائی نفرت امیز لہجے میں پھنکاری۔

فیصلہ کر لو تم دونوں آپس میں. پہلے کس عاشق کو ماروں بامراد یا نامراد۔۔ نازنین بائی کی بات پر اس کے آدمیوں کے قہقہوں میں آضافہ ہوا تھا۔

نازنین کے سب سے بڑے دشمن کی بیٹی کے بارے میں نازنین بائی کا ایک ایک آدمی جانتا تھا۔ نازنین اپنے چھوٹے بڑے ہر آدمی کو حور سلطان شاہ کے جسم کا لالچ دے چکی تھی۔ اور اس کا آرادہ بھی یہی تھا۔ حور اس کے ہاتھ لگ جاتی وہ اسے ہر آدمی کے بستر کی زینت بنانا چاہتی تھی۔ اتنی نفرت کرتی تھی وہ سلطان شاہ سے۔

بہت بڑی فین ہوں تمھاری میں !! وہ کیا کہتے ہیں آٹو گراف لینے کی بڑی خواہش تھی تمھاری !! کیا پتہ تھا ساحر خانزادہ پورا کا پورا مل جائے گا۔ نازنین بائی ساحر خانزاہ کے مدمقابل آتے مسکرائی۔

سبز آنکھوں والا ساحر خانزاہ !! بہت خوبصورت مرد ہو تم۔ یقیناً حور سلطان شاہ مرتی ہو گی کبھی تم پر۔۔ تمھاری آنکھوں پر۔ تمھارے خوبصورت نقوش پر۔

نازنین۔۔۔۔ارحام اس کے لفظ سنتا غصے سے پاگل ہوتا دھاڑتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

نازنین کے دو آدمی آرحام کی طرف بڑھتے اس کی کنپٹی پر پسٹل تانے اس کی کلائیاں جکڑے اس کی کمر سے لگا گئے۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔

اب یہ ذرا سا چیخے حرکت کرے۔اس کی کنپٹی میں چھ کی چھ گولیاں اتار دینا۔نازنین بائی سختی سے کہتے ساحر خان کی طرف متوجہ ہوئی۔ساحر جبڑے بھینچے اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مانتی ہوں وہ بہت خوبصورت ہے۔اپنی ماں مہرماہ سے بھی زیادہ خوبصورت۔۔مگر عورت جتنی بھی زیادہ خوبصورت ہو۔جب تک مرد کو

اس کے جسم کا نشہ نہ لگے۔ وہ اس کا اس قدر دیوانہ نہیں ہوتا۔ لگتا ہے حور کے بدن کا ذائقہ بڑی گہرائی سے چکھ چکے ہو۔

نازنین !! ذلیل عورت تیری جان لے لوں گا۔ تم نے مزید بکواس کی۔ میری عورت صرف میری ہے۔ وہ میری تھی۔ میری ہے میری رہے گی۔ اسے صرف میں نے چھوا ہے۔ ارحام خانزادہ پاگلوں کی طرح ہذیانی چیخا۔

نازنین بائی کے آدمی نے ارحام خانزادہ کی کنپٹی پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھایا۔ ارحام خانزادہ اس کے جبڑے پر وار کرتے اس سے پسٹل چھینتے اس کی پیشانی پر رکھ گیا۔

ارحام خانزادہ اب گہرے سانس لیتا خون اتری آنکھوں سے اس آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

ارحام کے سر کے پیچھے نازنین بائی کے دوسرے آدمی نے اپنی پسٹل رکھی تھی۔ باقی آدمی بھی اس کے گرد کھڑے اس پر اپنی اپنی پسٹل تانے ہوے تھے۔

نازنین بائی استھزائیہ نگاہوں سے پہاڑی خان کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے بارے میں جو سنا تھا وہ سب سچ تھا۔ وہ موت کے درمیان کھڑا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھا۔

آہہ۔۔۔ ارحام خانزادہ نے چیختے ہوے اسی لمحے اس آدمی کی پیشانی پر فائر کر دیا تھا۔ وہ چیختے ہوے ڈھیر ہوتا نیچے گرا۔

رک جاؤ!! کوئی اس پر گولی نہیں چلائے گا یہ میرا شکار ہے۔ اس نے جتنا میرا نقصان کیا ہے۔ اس کی جان میں خود لوں گی۔ اسے پہلے نازنین کے آدمی ارحام پر فائر کرتے۔ نازنین انھیں روکتے ہوے ہذیانی چیخی۔ سلطان شاہ

کے بعد وہ سب سے زیادہ نفرت وہ ارحام سے کرتی تھی۔ حور کو اسی کی وجہ وہ ابھی تک اپنی کوٹھے کی زینت نہ بنا سکی تھی۔ اور اس کے کتنے آدمی سامنے کھڑے انسان نے مارے تھے۔ وہ اسے اذیت دیتے تب تک اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔

جب تک حور کو اپنے پاس لاتے اس کی نظروں کے سامنے بے لباس نہ کر دے۔

اس سے پہلے میں تجھے مار دوں گا ذلیل عورت!! ارحام نے دھاڑتے ہوے نازنین پر اپنی پسٹل تانتے ہوے ٹریگر دبایا۔

آہہہ۔۔ پسٹل میں گولی نہ ہونے کی وجہ سے وہ چیختے ہوے اسے فلور پر پھینک چکا تھا۔

مجھے مارنا اتنا آسان نہیں ہے۔اور سچ کہوں تیری قسمت بھی بہت اچھی ہے۔۔جو ابھی تک زندہ ہے۔ورنہ نازنین پر غرانے والا کا انجام یہی ہوتا ہے۔جو اس وقت میرے آدمی کا ہوا۔نازنین نے نیچے ڈھیر ہوے اپنی آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

نازنین بائی پسٹل پکڑے ارحام کی طرف بڑھی تھی کہ شپ ایک جھٹکے سے رکی۔بہت برا جھٹکا لگا تھا۔ایک بار سب ہی لڑکھڑائے تھے۔

ارحام خانزادہ اور ساحر خانزادہ نے موقع کا فایدہ اٹھاتے ہوے اپنی اپنی پسٹل زمین سے اٹھاتے نازنین بائی اور اس کے آدمیوں پر تان گئے۔نازنین کے آدمی بھی ان دونوں پر پسٹل تانے ہوے تھے۔

یہ کیا ہوا ہے ؟؟ شپ کیسے رک سکتی ہے۔ نازنین بائی چیخی تھی۔

نازنین نے اپنے موبایل سے اپنے خاص آدمی ٹیپو کا نمبر ملایا۔

بائی!! یہاں شپ پر ان لوگوں کے بندے موجود ہیں۔ انہوں نے ہی یہ شپ رکوائی ہے۔ میں شپ میں موجود تہہ خانے میں چھپا ہوا ہوں۔ ٹیپو کی بات پر نازنین بائی نے ارحام اور ساحر پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

تمھارے سارے آدمی میرے قبضے میں ہیں تو پھر یہاں اور تمھارے آدمی کیسے ہو سکتے ہیں ؟!۔ نازنین بائی فون بند کرتے چیخی

ارحام خانزادہ نازنین بائی کی ہڑبڑاہٹ پر اب کھل کر ہنسا تھا۔

اپنی موت نظر آگئی تمھیں جو تمھارا سیاہ رنگ مزید سیاہ ہو گیا ہے۔ سنا تھا موت کے خوف سے رنگ زرد ہوتا ہے۔ لٹھے کی مانند سفید ہوتا ہے۔ مگر تمھارے چہرے کا رنگ اتنا سیاہ ہے کوئی اور رنگ نظر ہی نہیں آرہا۔

فائر کر دو ان پر۔۔ نازنین ہارحام کے طنز پر نازنین پاگل چیخی تھی۔

خبردار اگر کسی نے ایک بھی قدم بڑھایا ذرا بھی موومنٹ کی۔ اگر گولیاں تمھارے آدمی ماریں گے۔ جوابًا تم پر بھی چلیں گی ارحام خانزادہ غرایا تھا۔ مروگے تو تم لوگ بھی۔

وہ سب ایک دوسرے پر پسٹل تانے ہوئے تھے۔

اتنا بیوقوف نہیں ہوں نازنین بائی!! جتنا تم سمجھتی ہو۔۔ اپنی عورت کے معاملے میں جذباتی ہوں۔ پاگل بھی ہوں اسے لے کر۔۔ مگر پھر بھی جذبات میں یہاں ایسے منہ اٹھا کر چلا نہیں آیا۔۔ موت کے منہ میں ضرور آیا ہوں۔ مگر اپنی موت کو ہرا کر یہاں سے زندہ جانے کا عزم لے کر آیا ہوں۔ جس عورت کے لیے جان دے سکتا ہوں۔ اسی عورت کے لیے زندہ رہنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔۔ زندگی بہت قیمتی ہے میرے لیے۔ بہت کچھ کھونے کے لیے ہے میرے پاس۔۔ ارحام کی بات پر ساحر خان نے زخمی نگاہوں سے ارحام کی طرف دیکھا۔ مقابل کے پاس بہت کچھ کھونے کو تھا۔ مگر اس کے پاس تو کھونے کے لیے سوائے زندگی کے کچھ نہ تھا۔ ساحر خان نے دل پر ہاتھ رکھتے گہرا سانس لیا۔

دل میں درد شدت سے اٹھا تھا۔ پتہ نہیں اس کا دل اتنا کمزور کیوں ہو گیا تھا؟؟ جو مقابل کے لفظوں سے درد سے بلبلا اٹھتا تھا۔

نازنین بائی۔۔۔ نازنین بائی کے ایک آدمی نے اس حال کی ونڈو سے نظر آتے سمنر کی لہروں کی طرف اشارہ کیا۔

جہاں سے ایک اور شپ آ رہی تھی۔۔

ارحام نے اپنی فون رنگنگ پر اپنے فون پر جگمگاتا نمبر دیکھ کر باہر نظر دوڑائی۔۔

دوسری شپ پر موجود ارمان خان اور اس کے درجنوں گارڈز کو دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔ ارمان خان بلیک جینز پر بلیک شرٹ پہنے ہوئے اپنے ہاتھ

میں بندوق پکڑے ہوے تھا۔اس کے ارد گرد اس کے درجنوں سے بھی زاید گارڈز کھڑے تھے۔ارحام کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

ارمان خان نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔

کون ہے یہ ؟؟نازنین بائی ارمان خان اور اس کے گارڈز کو دیکھتے پاگل ہوتے چیخی تھی۔وہ تو سامنے کھڑے پہاڑی خان سے بھی زیادہ خطرناک لگ رہا تھا۔

تمھارا باپ!!ارحام نے ارمان خان کو دیکھتے نازنین بائی پر فائر کیا۔نازنین بائی لڑکھڑاتے ہوے پیچھے ہوئی تھی۔گولی اس کی بازو کو چھو کر گزری تھی۔۔آہہہ۔نازنین بائی چیخی تھی۔

یہ دیکھتے نازنین بائی کے آدمیوں نے ارحام اور ساحر پر جوابًا فائر کیے۔

ارحام خان پہلے ہی ساحر خان کو اشارہ کر چکا تھا۔ وہ لوگ جمپ کرتے صوفوں کے پیچھے پناہ لے چکے تھے۔ وہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے ابھی وہ دونوں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب تک ارمان خان گارڈز کے ساتھ شپ کے اندر نہ آجاتا۔

نازنین بائی کے آدمی پاگلوں کی طرح صوفے پر گولیاں برسا رہے تھے۔

نازنین کا فون یکدم چنگاڑا تھا۔ نازنین نے دد سے کراہتے ہوئے فون اٹھائے کان سے لگایا۔

بائی وہاں سے نکلو۔ ان لوگوں کے آدمی ادھر ہی آرہے ہیں۔ سپیکر پر اس کے آدمی کی آواز گونجی تھی۔

نکلو یہاں سے۔۔اس سے پہلے ان لوگوں کے آدمی آجائیں۔ہمیں خود کو بچانا ہو گا۔نازنین بائی دھاڑی تھی۔

نازنین بائی کے آدمی نازنین کے حکم پر نازنین کے پیچھے وہاں سے روانہ ہوے۔

ارحام اور ساحر خان صوفوں کے پیچھے سے اٹھتے ہوے جلدی سے ان لوگوں کے پیچھے لپکے۔

وہ دونوں جیسے ہی باہر آئے۔ارمان خان اپنے درجنوں گارڈز کے ساتھ ان کی آرہا تھا۔

ارحام ارمان خان کو دیکھتے تیزی سے اس کی طرف بڑھتا اس کے گلے سے لگا۔

سوری یار میرے!! دیر ہو گئی۔ مگر میرے کچھ آدمی پہلے سے شپ کے اندر موجود چھپے تھے۔ انھیں صورتحال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ میری ہی کمانڈ کے منتظر تھے۔ مجھے بھی نہیں پتہ تھا تم لوگ اس سچویشن میں پھنسے ہو۔ وہ شپ کو دوبارہ چلتے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کچھ گڑبڑ ہے۔ تب میں نے اپنی آدمیوں کو سب کچھ اپنے انڈر لینے کو کہا۔

ارمان خان ارحام خانزادہ سے الگ ہوتے بولا۔

کوئی دیر نہیں ہوئی۔ ی اب سوات کے دونوں پہاڑی خان اس نازنین بائی کی بینڈ بجائیں گے۔ ارحام خانزادہ ارمان خان کی آنکھوں میں دیکھتے مضبوطی سے بولا۔

بلکل نازنین بائی جیسی طاقتوں کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ عورتوں اور بچیوں کی سمگلنگ ایک گھناونا جرم ہے جو کہ ہمارے معاشرے میں بڑے پیمانے پر ہو

رہا ہے۔اس کی روک تھام کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے جاتے۔

اسی طرح الیگل وے سے بچیاں عورتیں دوسرے ملک سمگل ہو جاتی اور

وہاں ان کا جسمانی استحصال کیا جا رہا ہے۔سچ پوچھو آج میں یہاں تمھارے

لیے نہیں آیا۔ان عورتوں اور بچیوں کے لیے آیا ہوں۔جو آج سمگل کی جا

رہی ہیں۔ آج جان جائے تو جائے۔ مگر ان لڑکیوں کی جان اور عزت بچا کر

رہوں گا۔ارمان خان ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے مضبوط لہجے میں بولا۔

ساحر خان ارمان خان کو دیکھتے تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں نازنین بائی

کے آدمیوں کو جاتے دیکھا تھا۔ارحام اور ارمان حان بھی تیزی سے شپ

کے اندر کی جانب بڑھے۔۔ آرمان کے کچھ گارڈز بھی اس کے ساتھ اندر

داخل ہوے تھے۔باقی گارڈز شپ کو چاروں اور سے اپنے حصار میں لے

چکے تھے۔

وہ لوگ اندر داخل ہوے اندر نازنین اور اس کے آدمیوں کا نام ونشان نہیں تھا۔

یہاں ضرور کوئی خفیہ راستہ ہے۔مجھے پورا یقین ہے لڑکیاں بھی اسی شپ پر موجود ہیں۔ساحر خان کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائے بولا۔وہ لوگ شپ کے سب سے اوپر والے فلور پر موجود تھے۔

ایسا ہی ہے ارمان۔نازنین کے اور بھی آدمی اس شپ پر موجود ہیں۔انہوں نے نازنین کو تمھارے آنے کی اطلاع دی تھی۔ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ہاں مگر یہاں کوئی دوسرا دروازہ اور خفیہ راستہ بھی نہیں۔پھر وہ کہاں جاسکتی ہے اسے میں نے ادھر آتے ہی دیکھا تھا۔ساحر خان نے گہرے سانس لیتے

دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارا۔ نازنین بائی کا خاتمہ آج نہ ہوتا شاید کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔

Wait a minut!!

کیا کہا خفیہ راستہ؟! ارمان خان نے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انگشت شہادت اٹھائے ساحر اور ارحام کو دیکھاتے پر سوچ انداز میں سر ہلایا تھا۔

ساحر خان اور ارحام خانزادہ ارمان خان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کمرے کی اچھی طرح تلاشی لینے لگے۔

ارحام!! تمھارے قدموں کے نیچے ایک فٹ میٹ ہے۔۔ ارمان کی بات پر ارحام خانزادہ پیچھے ہوا تھا۔

ارمان خان نے آگے بڑھتے ہوے وہ کارپٹ اٹھایا تو اس کے نیچے ایک چھوٹا ساڈور ٹرنک تھا۔۔

ارمان خان نے جلدی سے اس ٹرنک ڈور کے ہینڈل میں ہاتھ ڈالے اسے کھولنے کی کوشش کی۔

مگر وہ اچھا خاصہ ٹائٹ تھا۔

اگر اس ٹرنک کا لاک اندر کی طرف ہوا تو بہت مشکل ہو گا نازنین بائی تک پہنچنا۔ ارمان نے تشویش ذدہ انداز میں کہا۔

ایسا نہیں ہو سکتا یہ شپ ہمارے قبضے میں ہے وہ اب کہیں نہیں بھاگ سکتی۔ ارحام طیش والم میں غرایا تھا۔

بھاگ سکتی ہے۔ وہ ابھی بھی بھاگ سکتی ہے۔ اس بیسمنٹ کے اندر بہت سے خفیہ راستے باہر کی طرف نکل سکتے ہیں۔ جس سے وہ کسی دوسری شپ پر منتقل ہو کر بھاگ سکتی ہے۔ اس کے لوگ شپ کے اندر تو موجود ہیں ارد گرد بھی ہو سکتے ہیں۔۔ وہ کبھی بھی اتنا کچا کام نہیں کرے گی۔ اس نے اپنا کوئی نہ کوئی انتظام کر رکھا ہو گا۔ اور وہ لڑکیاں بھی وہ دوسرے شپ پر منتقل کر سکتی ہیں۔۔ ارمان خان کی بات پر ساحر خان اور ارحام خان کے چہرے سرخ ہوے تھے۔

ایسا نہیں ہو گا ہم ہمت نہیں ہار سکتے۔۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔ ساحر خان نے آگے بڑھتے اس ٹرنک کے لوہے کے ہینڈل پر ہاتھ ڈالتے اسے کھولنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی پوری قوت لگائے اسے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ساحر خان کے کندھے سے نکلتا خون ابھی بھی اس کی شرٹ کو داغدار کر رہا تھا۔ درد اس کے چہرے سے صاف نظر آ رہا تھا۔

ارحام خان اور ارمان خان نے جھکتے ہوئے دروازے کے ہینڈل میں ہاتھ ڈالے.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ان تینوں نے بلند آواز میں بسمہ اللہ پڑھی تھی۔

ہمت مرداں مدد خدا!! تینوں نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اپنی پوری قوت لگاتے وہ ٹرنک کھولنے کی کوشش کی۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ لوگ ٹرنک کھولنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

ارحام خانزادہ جلدی سے اس کے اندر داخل ہوتے لوہے کی سیڑھیوں سے نیچے اترا۔اس کے پیچھے ارمان خان اور ساحر خانزادہ بھی نیچے اترے تھے۔ان کے پیچھے ان کے گارڈز بھی اترے تھے۔

وہ سب نیچے اترتے ہوے حال سے ہوتے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوے. ان تینوں کا زوردار جھٹکا لگا تھا۔

اس کمرے میں تقریباً دو سو تین سو تعداد میں لڑکیاں زمین پر بیٹھی تھیں۔کمرے میں قدم رکھنے کی جگہ تک نہ تھی۔وہ لڑکیاں بھی ایک دوسرے میں جیسے سمائی ہوئیں تھیں۔وہ لڑکیاں بدحواصی کے عالم میں ان تینوں کو دیکھتے کھڑی ہوئیں۔

ان لڑکیوں کے چہرے خوف سے زرد تھے۔وہ انھیں دیکھتے باقاعدہ کانپ رہی تھیں۔

ارمان خان ساحر خان ارحام خان تینوں نے اپنی مٹھیاں دبوچتے ہوے اپنی آنکھیں میچیں۔ان میں زیادہ تر لڑکیاں تیرہ سے چودہ سال کی تھیں۔

ان لڑکیوں کے چہرے پر خوف اور بے بسی دیکھ کر ان کے پاس لفظ ختم ہو گئے تھے۔وہ تو انھیں تسلی کے دو لفظ بھی نہیں بول سکتے تھے۔اتنی بے بسی اتنا خوف۔اتنی معصومیت اتنا ظلم جیسے انہوں نے پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان بچیوں کو دوسری شپ پر منتقل کرو۔۔ان کی سیفٹی کو یقینی بناؤ۔ارمان نے اپنے پیچھے کھڑے گارڈز کو حکم دیا۔

ہمیں نازنین بائی کو تلاش کرنا ہو گا وہ یہاں سے نکل نہ جائے۔ساحر خان سنجیدگی سے کہتے بیسمنٹ پر موجود دوسرے کمروں کی طرف بڑھا۔اس کا

سب سے بڑا مقصد فی الحال نازنین بائی کا خاتمہ تھا ایسے ہی حور اور ان جیسی ہزاروں لڑکیوں کا بدلہ لیا جا سکتا تھا۔

ارمان خان اور ارحام خان بھی تیزی سے دوسرے کمروں کی طرف بڑھے ۔دونوں یقدم رکے تھے۔ دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ لڑکیاں گارڈز کے حکم پر خاموشی سے کسی ربوٹ کی مانند ایک ایک کرتے سڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ یقیناً ان کے دل و دماغ میں اتنا خوف بھر دیا تھا کہ وہ یہ غلامی کی زندگی قبول کر چکی تھیں۔ وہ ابھی بھی خود کو غلام سمجھ رہی تھیں۔

ارمان اور ارحام خان کی آنکھوں میں ان لڑکیوں کے چہرے پر بے بسی دیکھتے نمی سی چھائی تھی۔

وہ دونوں اپنی آنکھیں انگلیوں سے مسلتے ہوے بیسمنٹ میں موجود کمروں کی جانب بڑھے۔

ایک ایک کر کے کمرہ کھولتے وہ اچھی طرح تلاشی لیتے وہ ایک کمرے کے اندر داخل ہوے جہاں اس کمرے کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ وہ لوگ وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوے۔ اب وہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے تھے۔

یعنی تمھارا اندازہ ٹھیک تھا وہ یہاں سے بھاگنے کا پلین کر رہی ہے۔۔ ارحام کھلا آسمان دیکھ کر غرایا۔

وہ تینوں نازنین بائی اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں آگے بڑھے۔۔

یکدم فایرنگ کی آواز گونجی اتھی۔ ایک گولی ارمان خان کے بازو پر آکر لگی۔

ارمان!!ارمان کو گولی لگتے دیکھ ارحام خان کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ساحر خان نے سامنے کھڑے انسان پر جلدی سے پسٹل سے دو تین اکتھے فایر کیے۔وہ درد سے چیختے زمین پر تڑپنے لگا تھا

ارمان!!ارحام خانزادہ نے تڑپتے ہوے اس کا بازو تھاما۔جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔

میری فکر چھوڑو میں ٹھیک ہوں تم نازنین اور اس کے آدمی تلاش کرو۔

ارمان نے دانت پر دانت جمائے ارحام کو دیکھتے کہا۔

تیری فکر کیسے نہ کروں۔دو سال کی بیٹی ہے تیری۔ارحام نے جبڑے بھینچے۔

وہ تو تیری بھی پانچ سال کی بیٹی ہے۔ تیری میری بیٹی کے چہرے پر کبھی ایسی بے بسی دیکھنے کو نہ ملے جو اس شپ پر موجود لڑکیوں کے چہرے پر تھی۔

۔ آج اس نازنین بائی کا خاتمہ کرنا ہی ہو گا۔ ارمان احام کو دیکھتے مسکرایا۔

ارحام گہرا سانس لیتے اثبات میں سر ہلاتے اپنی پسٹل پکڑے آگے کی جانب بڑھا۔ ارمان بھی اپنے زخمی بازو کو ایک نظر دیکھتے تیزی سے آگے بڑھا۔

ان کا شک ٹھیک نکلا تھا نازنین بائی شپ سے ملحقہ چھوٹی بوٹ میں موجود تھی۔ جو شپ کے ساتھ رسی کے ساتھ اٹیچ تھی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کی بیک ان کی طرف تھی۔

نازنین بائی کے آدمیوں نے ان تینوں کو دیکھتے رسی پر پسٹل سے فائر کیے۔

ارمان خان ساحر خان ارحام خان نے جوابی فایر کیے تھے۔

گولیاں نازنین بائی کے دو آدمیوں کو لگی تھیں۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھتے سمندر کے گہرے پانی میں غرق ہوے۔

ارحام خان اور ساحر خان نے شپ کے گرل پر ہاتھ جماتے اس چھوٹی بوٹ پر چھلانگ لگائی

ارمان خان شپ پر ہی کھڑے نازنین بائی کے دو آدمیوں پر فائرنگ کر رہا تھا۔ نازنین بائی کے آدمیوں کے پاس گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ارمان خان شپ پر موجود ابھی بھی فایر کر رہا تھا۔ مگر نازنین بائی کے آدمیوں نے بوٹ کا رخ موڑ دیا تھا۔ بوٹ ارمان خان کی نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔

بوٹ شپ سے اب کافی دور آگئی تھی۔ ارحام نے نازنین بائی کے آدمی کا گریبان جکڑے اس کے منہ پر بے دردی سے پنچ مارتے ہوے اس کے سینے پر فائر کرتے اسے پانی میں دھکا دیا۔

ارحام خان نے دوسرے آدمی کی طرف بڑھتے اسے گریبان سے دبوچا۔

ساحر خان نازنین بائی کی طرف بڑھا جو اس لڑکی کی کنپٹی پر پسٹل رکھے اس کے بال گدی سے دبوچے ساحر خان کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اس لڑکی کی بیک ساحر اور ارحام کی طرف تھی۔

رک جاؤ!! ورنہ میں اس کی جان لے لوں گی۔ نازنین نے غراتے ہوے اس لڑکی کو بے دردی سے بالوں سے دبوچتے ہوے اس کا رخ موڑتے اب اس کی گردن پر پسٹل رکھتے اپنے آگے کیا۔

نشا!! ساحر اور ارحام نے بے یقینی سے اسے دیکھتے پکارا۔

وہ ان دونوں کو دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔

کچھ مت کہنا اسے !! میں ہتھیار پھینکتا ہوں۔ ساحر نے کہتے ہوے اپنی پسٹل بوٹ میں پھینکی۔

نہیں ساحر !! میرے لیے اپنی جان مت گنواؤ۔۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا ۔۔ اس جسم کی اتنی ویلیو نہیں رہی کہ تم مجھے بچانے کے لیے خود کو خطرے میں ڈالو۔

میں نشا سلطان نہیں رہی۔ وہ روتے ہوے بول رہی تھی۔ میں نشا سلطان نہیں ہوں۔ ہوتی تو یہاں کبھی نہ ہوتی۔ سلطان شاہ آج بھی صرف حور کے پاپا ہیں۔۔ میں ان کی بیٹی کبھی تھی بھی نہیں۔ نو مہینے سے ذلت بھری زندگی گزار رہی ہوں۔ پاپا کو تو پتہ بھی نہیں ہے میں یہاں اپنی ماں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا رہی ہوں۔ اگر حور سلطان شاہ میری جگہ اس گندگی کے ڈھیر پر

ہوتی تو سلطان شاہ یہ زمین و آسمان ہلا دیتے۔ نشا کی بات پر ارحام خانزادہ اور ساحر کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

وہ سچ میں خوش قسمت ہے۔ اس کا یہاں ہونے کا میرے لبوں سے سن کر تم دونوں کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

وہ یہاں کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔ گندگی کا ڈھیر تو میری جیسی لڑکیاں بنتی ہیں جن کا کوئی نہیں ہوتا۔ نشا شدت گریہ سے روتے ہوئے بولی۔ ارحام اور ساحر کو دیکھ کر نوماہ کا غم آنسوؤں کے سیلابی ریلے کی صورت میں بہہ رہا تھا ۔ سسکیاں آہیں تو ہر رات کو مرد بدلتے ہوئے ہوئے لبوں سے شدت سے خارج ہوتی تھیں۔ مگر ان سسکیوں میں آنسو نہیں ہوتے تھے۔

آنسو تو تھم ہی گی تھے۔ جانے کیوں آج یہ بہہ رہے تھے۔

اپنی پسٹل پھینک دو ارحام خانزادہ!!ورنہ اس نشا کے سر میں گولیاں اتار دوں گی۔نازنین نشا کی گردن پر پسٹل کی نوک دبائے غرائی۔

پھینک دو پسٹل۔۔۔نشا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ساحر ارحام خانزادہ کو دیکھتے التجائیہ لہجے میں بولا۔

ارحام خانزادہ نے گہرا سانس لیتے پسٹل کو دیکھتے نازنین بائی کی مکروشکل دیکھی تھی۔

میں کہتی ہوں پھینکو پسٹل وہ چیخی تھی۔

ڈراپ دا پسٹل!!ساحر ارحام کو دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔

ارحام خانزادہ نے ایک نظر نشا کو دیکھا جو ان دونوں کی طرف دیکھتے بری طرح رو رہی تھی۔

میں کیسے یقین کر لوں ؟! تم میرے پسٹل کے پھینکنے پر نشا کو چھوڑ دو گی۔ ہو سکتا ہے میرے پسٹل ڈراپ کرنے پر تم ہم سب کو مار دو۔۔ ارحام نے نازنین پر پسٹل تانے شپ کی طرف دیکھات۔ جو ان سے کافی دور اور مخالف سمت پر سفر کر رہی تھی۔ نازنین موٹر بوٹ کا رخ شپ سے مخالف سمت کر چکی تھی۔ وہ جانتا تھا ارمان خانزادہ جلد ان تک پہنچ جائے گا مگر اسے ٹائم لگے گا وہ نازنین کو باتوں میں الجھا رہا تھا۔۔

تم لوگ سمندر میں چھلانگ لگا دو۔ تم لوگ سمندر میں جیسے ہی چھلانگ لگاؤ گے۔ میں اس کو بھی سمندر میں پھینک دوں گی۔ یقیناً تم دونوں خانزادے اپنی جان پر کھیل کر اس کی جان بچا لو گے۔ آخر یہ حور سلطان کی بہن ہے چاہے سوتیلی ہی سہی۔ ہے توصیح۔۔۔ اس لیے اپنی پسٹل پھینک کر پانی مین

جمپ لگاؤ۔۔نازنین نشا کی گردن پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بے دردی سے بڑھاتے پھنکاری۔۔

ارحام خانزادہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے لب بھینچے ہوے تھا۔

مجھے جانے دو یہاں سے۔۔لڑکیاں تو تم لوگ آزاد کرواچکے ہو۔صرف مجھے جانے دو۔۔۔میں وعدہ کرتی ہوں میں اب کھی حور کو تکلیف نہیں دوں گی۔ اس لیے پسٹل پھنیک کر مجھے جانے دو۔۔یہی سب کے لیے اچھا ہے۔

۔نازنین بائی گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔

ارحام خانزادہ نے سرخ چہرے کے ساتھ اپنی پسٹل نیچے بوٹ میں پھینکی ۔۔وہ نشا کی موت کی صورت میں نازنین کی موت نہیں چاہتے تھے سامنے کھڑی لڑکی کی زندگی ہر حال میں بچانی ہی تھی۔۔

ارحام کو پسٹل پھینکتے دیکھ کر نازنین بائی زہریلی ہنسی ہنسی تھی۔

نشا نے اسی لمحے مڑتے ہوے نازنین بائی سے پسٹل چھینے کی کوشش کی ۔۔نازنین بائی نے نشا کے منہ پر زوردار دو تین تھپڑ مارتے اسے دھکا دیا۔وہ بوٹ سے سمندر میں گری تھی۔

ارحام نشا کو سمندر کو میں گرتے دیکھ کر جلدی سے سمندر میں کود گیا تھا۔نشا لمحوں میں سمندر کی لہروں کی نذر ہوئی تھی۔

نازنین بائی کے ہاتھ سے پسٹل نیچے گر چکی تھی۔وہ جلدی سے پسٹل اٹھانے کے لیے جھکی تھی کہ ساحر لمحے کے ہزاریویں حصے میں اس تک پہنچے اس کی گردن دبوچ گیا۔

ساحر خان نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچتے اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔۔

وہ اس کے چہرے پر تھپڑ مارتے اس کی گردن پر دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا نازنین کے لبوں سے خوفناک غراہٹ گونج رہی تھی۔۔ چہرہ تھپڑوں سے سرخ ہو چکا تھا۔

ساحر خان نے اب اسے بالوں سے پکڑے بوٹ کی چلتی موٹر پر اس کی پیشانی ماری۔ اس کے لبوں سے فلک شگاف دردناک چیخیں برامد ہوئیں ۔اس کی پیشانی سے خون کے فوارا چھوٹا تھا۔ ساحر خان نے اب اس کا چہرہ موٹر پر بے دردی سے مارا۔ اس کی ناک سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔

اس کے لبوں سے چیخیں برامد ہوتے سمندر کی لہروں کی نذر ہو رہی تھیں۔ ساحر خان نے موٹر بند کرتے بوٹ روکی۔ تاکہ ارحام نشا کو بچاتے آسانی سے بوٹ تک پہنچ سکے۔

ساحر خان نے اسے بالوں سے جکڑے بوٹ کی سطح پر اس کا سر مارتے اس کے چہرے پر اب پنچ مارا۔

مم۔۔ مجھے۔ معاف۔۔ کر دو۔۔ نازنین درد سے چیختے بمشکل بولتے گڑگڑائی۔

تمھیں معاف کر دوں۔۔ تمھیں جس نے میری حور۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتے رکا تھا۔۔ سرخی مائل آنکھوں سے آنسو ٹپکا تھا۔

وہ اس کی کہاں تھی بھلا؟!

جس نے حور کو تکلیف دی۔۔ کیوں تکلیف دی اسے ؟؟ کیوں تکلیف پہنچائی اس لڑکی کو جو یہاں رہتی ہے۔ ساحر خان اپنے دل پہ ہاتھ مارتے درد والم میں چیخا۔

میری۔۔ حور۔۔۔ سے۔۔ کوئی۔۔ دشمنی۔۔ نہیں۔۔ تھی۔ وہ۔۔ سلطان شاہ۔۔ کی۔۔ بیٹی۔۔ تھی۔ مہر۔۔ ماہ۔۔ کو۔۔ وہ۔۔ لے۔۔ گیا۔۔ تھا۔ مہر ماہ۔۔ میرے۔۔ کوٹھے۔۔ کی۔۔ سب۔۔۔ سے۔۔ خوبصورت۔۔ لڑکی۔۔ تھی۔ وہ۔۔ میرے۔۔ کوٹھے۔۔ کو۔۔۔ ویران۔۔ کر۔۔ گیا

م۔۔ تھا۔ قسم۔۔ کھائی۔۔ تھی۔۔ اسے۔۔ برباد۔۔ کروں۔ گی۔۔ مجھے۔۔ معاف۔۔ کر۔۔ دو۔۔ ماہ جبین ہاتھ جوڑتے گڑگڑائی۔

تمھیں معاف کر دوں۔ جو اس لڑکی کے آنسوؤں کا سبب بنی۔ جس کی آنکھ سے اگر پانی بھی ٹپکتا تھا تو میری آنکھوں سے لہو برسنے لگتا تھا۔ کتنا درد دیا

اسے ؟؟تم سے بچنے کے لیے وہ اپنا محل چھوڑ کر سڑکوں کی زینت بننے پر مجبور ہوئی۔۔ کتنا روئی ہو گی۔ تڑپی ہو گی۔ جو رات اس نے سڑک پر گزاری ہو گی۔ سلطان شاہ کو پکارا ہو گا۔ مجھے پکارا ہو گا۔ ساحر روتے ہوے اس کی گردن پر دباؤ ڈالتے ہوے چیخا۔

ارحام خانزادہ سومنگ کرتے ہوے نشا کی طرف بڑھا جو ہاتھ پیر مارتے ہوے بمشکل اپنا بچاؤ کر رہی تھی۔ ارحام نے آگے بڑھتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ وہ گہرے سانس لیتے ارحام کے گلے میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔

ارحام خانزادہ سومنگ کرتے بوٹ کی طرف بڑھا۔ بوٹ کی طرف بڑھتے نشا کو بوٹ کے اوپر چڑھایا۔ نشا گہرے سانس لیتے بوٹ میں لیٹے کھانس رہی تھی۔۔ پانی اس کے منہ اور ناک میں داخل ہوا تھا۔

کیا کہہ رہی تھی تم ؟؟حور کے جسم کا ذائقہ چکھا ہے میں نے ؟؟۔تم جیسی گندی عورت کیا سمجھے گی۔ عشق روح سے بھی کیا جاتا ہے۔ جسموں سے کھیلنے والی گندی عورت کو کیا پتہ پاکیزگی کیا ہوتی ہے۔ محبت عشق جسم سے پہلے روح سے ہوتی ہے۔اس کی روح سے محبت کرتا ہوں۔اس کے چہرے سے محبت کرتا ہوں۔ جسم پر تو اس کے کبھی نظر پڑی ہی نہیں۔

بوٹ کے اوپر چڑھتے ساحر کے لفظ ارحام کی سماعتوں سے ٹکرائے تھے۔۔ارحام خانزادہ کی رنگت لمحوں میں سرخ ہوئی تھی۔ساحر کے لبوں سے حور کا نام برداشت نہیں ہوتا تھا وہ اس کے لیے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔اس کی روح سے محبت کرے یا چہرے سے۔۔وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے سینے میں آگ دہکی اسے جلا چکی تھی۔۔۔ سمندر کے برفیلا پانی اب اسے کھولتا ہوا پانی لگ رہا تھا۔ جیسے وہ کھولتے پانی سے ڈبکی لگا کر آیا ہو۔۔

ساحر نے نازنین بائی کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر بنار کے تھپڑ مارے جا رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل اٹھاتے ہوئے نازنین کی طرف بڑھتے اس کی ٹانگوں پر بے دردی سے فایر کیے۔ وہ دردناک چیخے مارتے ہوئے بوٹ کی سطح پر گری تھی۔

ساحر خان اب خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا نازنین بائی کی طرف سے اس انسان کے بھی حساب کتاب نکلتے تھے۔ ساحر خان اپنی پینٹ سے سگریٹ لایٹر سلگائے لبوں میں دبا گیا۔

ارحام خانزادہ نے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے نازنین بائی کو دیکھا جو درد سے تڑپ رہی تھی۔

اپنا موبائل دو۔ ارحام خانزادہ نے ساحر کو ایک نظر دیکھتے سرد انداز میں کہا۔ اس کا اپنا موبائل سمندر میں گر گیا تھا۔

ساحر خانزادہ نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے آئی برو اچکائے سوالیہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔

جواباً ارحام خانزاہ نے خاموشی سے اسے سرد نگاہوں سے گھورا۔۔ ساحر خان نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے اپنا موبائل پاکٹ سے نکالتے ہوے ارحام خانزادہ کی طرف اچھالا۔

ارحام نے کیچ کرتے اس موبائل کو ایک نظر دیکھا۔

نشا!!ارحام خان نے اسے پکارتے اس کی طرف ساحر خان کا موبائل پھینکا۔جو اس نے الجھن بھری نگاہوں سے ارحام کو دیکھتے موبائل کیچ کیا۔

ویڈیو بناؤ!!ایک ایک منظر قید ہونا چاہیے۔اس عورت کا درد سے تڑپنا اس کا معافیاں مانگنا سب کچھ۔۔۔سلطان شاہ کو میری طرف سے تحفہ ہو گا یہ ویڈیو۔۔ارحام خانزادہ سپاٹ انداز میں بولتے نازنین بائی کے بال جکڑتے اس کا چہرہ اپنے مدمقابل کر گیا۔

نشا نے گہرے سانس لیتے موبایل کا کیمرہ آن کرتے ویڈیو بنانا شروع کی۔یہ ویڈیو وہ بھی ساری عمر اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔جس عورت نے اس کی زندگی برباد کی اس عورت کی دردناک چیخیں اسے اب ہر رات سکون پہنچانے والی تھیں۔

ارحام خانزادہ نے اپنے شوز سے چھوٹا چاقو نکالتے نازنین کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

نازنین نے خوفزدہ نگاہوں سے وہ چاقو دیکھا۔ ٹانگوں میں لگی گولیوں کی وجہ سے وہ نیم بیہوشی میں کراہ رہی تھی۔ مگر ارحام خانزادہ کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھی۔ وہ مزید درد برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ارحام خانزادہ کی عورت پر جو بری نظر رکھتا ہے ارحام خانزادہ اس پر قہر بن کر ٹوٹتا ہے۔ اور آج قہر بن کر ٹوٹوں گا تم پر!! یہی کہا تھا میں نے آج یہ ڈائیلاگ ہو گا میرا۔۔ ارحام خانزادہ نازنین کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

ویٹ آمنٹ۔ ارحام خانزادہ کھڑا ہوتے نازنین کی گردن پر اپنا بھاری بوٹ والا پاؤں رکھ گیا۔

!!ارحام خانزادہ کی عورت پر جو بری نظر رکھتا ہے ارحام خانزادہ اس پر قہر بن کر ٹوٹتا ہے۔ اور آج قہر بن کر ٹوٹوں گا تم پر!!ارحام خانزادہ اس کی گردن پر اپنا بوٹ والا پاؤں مسلتے ہوے حلق کے بل دھاڑا۔ اس کی دھاڑ پر سمندر کی لہروں میں بھی طوفان مچا تھا۔

میری عورت میری عزت پر بری نظر رکھی تو نے۔ ارحام خانزادہ کی عورت کو تکلیف پہنچائی۔ اس کا نام تو نے اپنے غلیظ لبوں سے نکالا۔۔ گواہ بناتا ہوں آج اس سمندر کی لہروں اور اس گہرے پانی کو اس آسمان کو!! آج تجھے ایسی موت دوں گا کہ آسمان زمین کانپ جائیں گے۔ یہ گہرا پانی کچھ پلوں کے لیے ساکت ہو جائے گا۔ ارحام خانزادہ اس کی گردن مسلتے طیش والم میں چیخا۔

نازنین بائی ارحام کی دھاڑ پر خوفزدہ ہوتی آنکھیں میچ گئی تھی۔ درد اور خوف سے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں خوف ہی خوف تھا۔

ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

جب پہلی بار تیرے آدمیوں نے میری زندگی کو تکلیف پہنچائی۔ ان آدمیوں کی آنکھیں زبان نکال کر انھیں کھائی سے نیچے دھکا دیا تھا۔ دوسری بار بھی تیرے آدمیوں کا یہی حال کیا تھا۔ اس دن قسم کھائی تھی تیرا اس

سے بھی برا حال کروں گا۔ ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے پر سرار مسکرایا۔

مم۔۔مجھے۔۔معاف۔کر۔۔دو۔خدا۔کے۔۔لیے۔۔رحم۔۔کرو ۔۔نازنین گڑگڑائی تھی۔

رحم اور تم جیسی عورت پر۔ تم نے رحم کھایا کبھی ان بے بس مجبور لڑکیوں پر۔۔ایسے ہی وہ بھی گڑگڑاتی ہوں گی۔

کھایا کبھی تم نے ان پر رحم ہاں۔۔ارحام خانزادہ نے چاقو اس کے گال پر مارا۔

نازنین کی فلگ شگاف چیخیں گونجی تھیں۔

نشانے روتے ہوے اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔۔ کتنی بار ایسی دردناک چیخیں اس نے کوٹھے پر آئی ہوئی لڑکیوں کی سنیں۔ جوان حیوانوں کے سامنے ڈھٹ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ انھیں کس کس طرح اذیت دی جاتی تھیں۔ ان کے زخم دیکھ کر وہ کانپ جاتی تھی۔۔ نشا کانپتے ہاتھوں سے ویڈیو بناتے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

میری عورت!! میری عزت!! میری زندگی!! میری بیوی کے متعلق بکواس کی۔۔ وہ صرف میری ہے میری تھی میری رہے گی۔ وہ صرف ارحام خانزادہ کی رہے گی۔ ارحام خانزادہ کی دھاڑ پر ساحر خانزادہ کے ہاتھوں میں دبا سگریٹ چھوٹ کر بوٹ میں گرا تھا۔

ساحر نے جھکتے ہوے اپنا سگریٹ تلاش کرنا چاہا۔ جو اسے مل ہی نہیں رہا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے اپنا سگریٹ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی پینٹ کی پاکٹ میں پورا سگریٹ کیس تھا۔

مگر وہ جانے کیوں اس گیلی بوٹ میں سگریٹ تلاش کر رہا تھا؟؟ اب اسے وہ سگریٹ مل گیا تھا جو پوری طرح گیلا ہو چکا تھا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ انگلیوں میں دبائے لبوں میں دبا گیا۔ لائیٹر نکال کر اپنے لبوں میں دبا گیلا سگریٹ جلانے لگا۔ جو جل ہی نہیں رہا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح سگریٹ جلائے جا رہا تھا۔ اسے ناممکن کو آج ممکن بنانا تھا۔ اس گیلے سگریٹ کو جلانا ہی تھا۔ بہت بار کوشش سے بھی وہ سگریٹ نہ جلا سکا تھا۔

آہہہہ۔۔۔۔ وہ چیختے ہوے جھکتے ہوے بوٹ کی سطح پر ہاتھ رکھ گیا۔ اس کی دردناک چیخوں پر سمندر کی موجو؟ میں طوفان برپا ہوا تھا۔

نازنین اپنی بے بسی دیکھو۔۔ خدا کی طاقت کے آگے تم کچھ نہیں۔۔ تم طاقتور بنی خدا نے تمھیں چھوٹ دی۔ آج تمھارا پکڑ کا دن تھا دیکھو تم نے اپنی موت کو خود اپنے پاس بلوایا۔ ایسا ہی ہوا تھا نہ جب فرعون کا خاتمہ ہوا تھا۔ موسی کے لیے دریا پر راستہ بن گیا اور فرعون کے لیے وہ راستہ موت۔۔ ارحام خانزادہ نے کہتے ہوے وہ چاقو اس کی اس کی دونوں آنکھوں میں بے دردی سے مارے۔۔

نازنین چیختے ہوے اب بیہوش ہو چکی تھی۔ ارحام نے اٹھتے ہوے اپنی پسٹل سے اس کے سینے پر فائر کیے۔

فضا ساکت ہوئی تھی۔۔ سمندر کی ہلچل مچاتی لہریں جیسے پر سکون ہوئی تھیں۔ چاند بادلوں میں چھپا تھا۔ یکدم آسمان سے بارش برسی تھی۔۔

ارحام اور ساحر خان گہرے سانس لیتے سرخ آنکھوں سے نازنین بائی کے مردہ وجود کو دیکھ رہے تھے۔۔

نشا اپنے بال دونوں ہاتھوں میں جکڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہذیانی چیخیں مار رہی تھیں۔اس کی دردناک چیخوں اور برستی بارش پر ایک بار پھر سے پرسکون سمندر بے چین ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے ماہ جبین کی لاش گھسیٹے ہوے اسے سمندر کی بے چین لہروں کے سپرد کیا۔

سمندر کی بے چین لہروں میں اب ادھم مچا تھا۔عجب طغیانی برپا ہوئی تھی ۔جیسے سمندر کی لہریں اس ناپاک وجود کو خود میں سمانا نہ چاہ رہی ہوں۔فرعون کی طرح اس کا وجود بھی گوارا نہ تھا۔

ارحام خانزادہ نے بوٹ کی موٹر سٹارٹ کرتے اس کا رخ شپ کی طرف کیا۔۔۔شپ ان کے قریب پہنچ گئی تھی۔

شپ پر موجود ارمان خان نے ہاتھ ہلاتے ارحام خانزادہ کو اشارہ کیا۔ارحام خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے طمانیت سے گہرا مسکرایا۔

ارحام خان شپ میں داخل ہوتے آگے بڑھتے ارمان سے بغلگیر ہوا۔ارمان خان بھی اسے سختی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

سب کچھ کلیر ہو چکا ہے۔دریاب خان نے اپنی فورس کے ساتھ مل کر تمام علاقے کو اپنی حراست میں لے لیا ہے۔۔

ان لڑکیوں کو دوسری شپ کے ذریعے دریاب خان کے حوالے کر دیا ہے۔نازنین کے گرو کے خلاف تمام ثبوت مل چکے ہیں۔

اس کا باقی گرو بھی جلد پکڑا جائے گا۔سب کچھ ڈی ایس پی دریاب نے اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے۔۔تو میں ہم کلیر ہیں۔ارمان خان نے ساحر خان کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

ساحر خان ارمان خان کو دیکھتے مبہم سا مسکرایا تھا۔

بارش شدت پکڑتی جا رہی تھی۔وہ لوگ پوری طرح بھیگ چکے تھے۔وہ لوگ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

یکدم ارمان کا فون کی آواز گونجی تھی۔۔ارمان خان نے جلدی سے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے فون نکال کر دیکھا۔

نینا کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس نے جلدی سے کال رسیو کرتے کان سے لگایا۔

جی۔۔ نیناڈارلنگ!! ارمان کی بات پر ارحام خانزادہ کے لبوں پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔ وہ نظریں نیچے کیے گہرا مسکرایا تھا۔ ارمان جلدی سے فون کان سے لگائے آگے بڑھ گیا تھا۔

ارحام مسکراتے ہوے آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے نشا اور ساحر خان تھے ۔۔ وہ لوگ شپ کے اندرونی حصے میں داخل ہونے لگے ہی تھے کہ فائر کی گونجتی آواز پر ارحام کے قدم ساکت ہوے۔

ارحام اور نشا نے بدحواص ہوتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

ساحر خان دل پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ وہ آنکھیں میچے زمین بوس ہوا تھا۔ ارحام خان نے جلدی سے اپنی پینٹ سے پسٹل نکالتے اپنے سامنے

کھڑے نازنین بائی کے آدمی پر یکے بعد دیگرے فائر کیے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے شپ سے سمندر میں گرا تھا۔

ارحام اور نشا جلدی سے ساحر خان کی طرف بڑھے۔ جس کے دل کے پاس گولی لگی تھی.

ساحر۔۔ ارحام خان نے ساحر خان کے تڑپتے وجود کو دیکھتے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا۔

ساحر گہرے سانس لیتے دانت پر دانت جمائے ہوئے تھا۔ سبز آنکھوں سے ٹوٹ کر موتی ہلکی گھنی بیرڈ کو بھگو رہے تھے۔

ساحر!! نشا نے روتے ہوئے اسے پکارا۔

یہ گولی میری جگہ تمھیں کیوں نہیں لگی آخر؟!ساحر خان کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی صورت میں بہہ رہے تھے۔

ساحر!!ارحام خان نے اس کے سینے کے پاس ہاتھ رکھا جہاں سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔

تمھارے ساتھ اپنی قسمت بدلنا چاہتا تھا۔ آج بھی بدلنا چاہتا ہوں۔ تم میری جگہ ہوتے میں تمھاری جگہ ہوتا۔ جیسے تم مجھے پکار رہے ہو۔ ایسے میں تمھیں پکارتا۔ ارحام۔ ارحام۔ ارحام۔۔۔۔۔اور تم زندگی کی آخری سانسیں لڑ رہے ہوتے۔ ساحر دل پر ہاتھ رکھتے کھانسا تھا۔

ساحر تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بدحواص ہوتا بولا۔ وہ کبھی اس انسان کی منگیتر رہی محبوبہ رہی۔ وہ اس انسان سے جلتا تھا

بہت جلتا تھا مگر پھر بھی اس انسان کی موت نہیں چاہیے تھی۔ ارحام سرخ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

دل کے پاس لگی ہے گولی۔۔ یہ دل آگے بہت کمزور ہو چکا ہے تمھیں لگتا ہے یہ دل مزید کام کرے گا۔ ساحر درد و کرب سے بولتے ارحام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہنسا۔

مرنا میرے لیے آسان ہے۔ موت ہی میرے ہر درد کا علاج ہے۔ خوشی خوشی مر جاتا میں۔ مگر کیا کروں؟؟ وہ وہاں بھی نہیں ملے گی۔ وہ یہاں بھی تمھاری وہ وہاں بھی تمھاری۔۔

۔ یہ ناانصافی نہیں میرے ساتھ۔۔ ساحر خان گہرے سانس لیتے بولتے ہوے اب مسکرایا۔ کرب میں ڈوبی مسکراہٹ

رب سے شکوہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر رب نے مجھے روز محشر میں موقع دیا تو صرف ایک بار پوچھوں گا میری محبت میں کہاں کھوٹ تھا آخر؟؟ یا تم میں ایسی کیا بات تھی وہ تم پر اتنا مہربان ہو گیا۔ ساحر پھیکا سا ہنستے نشا کی سسکیوں میں آضافہ کر چکا تھا۔

ساحر!! تمھیں کچھ نہیں ہو گا۔ ارحام خان اس کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھتے چیخا۔

کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں

پھر سچا شعر سنائیں کیا

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا

اک ہجر ہم جو لاحق ہے

تادیر اسے دہرائیں کیا

وہ زہر جو دل میں اتار لیا

اب اس کے ناز اٹھائیں کیا

ساحر خان آنکھیں میچے آہستگی سے بولتے دل پر ہاتھ رکھ گیا جہاں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ آئی سی یو کے باہر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ ساحر خان کو ہاسپٹل لے آیا تھا۔ ارمان خان کے بازو میں گولی لگی تھی۔ وہ اپنا ٹرٹیمنٹ کرواتے سوات کے لیے نکل گیا تھا۔ وہ خان دادا کو سب کچھ بتا آکر آیا تھا۔ اس کے پرسنل گارڈز نے خان دادا کو ساری سچویشن فون پر بتادی

تھی۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اسے گولی لگی ہے۔ یہ خبر حویلی میں کہرام برپا کر گئی تھی۔ نینا نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ اور اسے دیکھ کر اس کی چھوٹی سی بیٹی روح نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ وہ یہ سن کر پہلی فلایٹ لے کر حویلی روانہ ہو گیا تھا۔ نشا کو وہ لوگ سیف جگہ پر منتقل کر چکے تھے۔

مگر ارحام خانزادہ پچھلے تین گھنٹوں سے آئی سی یو کے باہر کھڑا تھا۔ وہ تب سے ادھر سے ہلا نہیں تھا۔ ساحر خان کی مدر کو ارحام خانزادہ فون کر کے ساری صورتحال سے اگاہ کر چکا تھا۔ وہ اس وقت اسلام آباد میں تھیں۔

ساحر خان کے جسم سے فوراً گولیاں نکال دی تھیں۔

اب اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق گولی دل کے پاس ہی پیوست ہوئی تھی۔۔ سب کچھ ٹھیک تھا مگر وہ ابھی

رسپانس نہیں کر رہا تھا۔ سانسیں چل رہی تھیں۔ مگر اس کا جلد ہوش میں آنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ کومے میں بھی جا سکتا تھا۔

ارحام خانزادو آئی سی یو کے باہر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کی سفید شرٹ ساحر خان کے خون سے تر ہوتی سرخ ہو چکی تھی۔ اس کی شرٹ کی طرح ارحام خانزادہ کی آنکھیں بھی سرخ اور نم زدہ تھیں۔ وہ آنکھیں میچے دیوار سے ٹیک لگائے ہوے تھا۔ لبوں پر آئی سی یو کے اندر موجود انسان کی زندگی کی دعائیں تھیں۔

ارحام خانزادہ اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلتے ہوے سیدھا ہوا تھا۔ دو خواتین چادروں میں لپٹی اس کی طرف تیزی سے آئیں۔

ساحر!! کہاں ہے؟؟ ساحر کی والدہ ربعیہ نے روتے ہوے ارحام سے پوچھا۔ وہ اس وقت سفید چادر میں لپٹی تھیں۔ چہرہ تک کور کر رکھا تھا۔ ساتھ

میں زرمش تھی جو سیاہ چادر میں لپٹی تھی۔ مگر چہرہ کھلا تھا۔ زرمش اسلا آباد میں ہاسٹل میں تھی۔ وہ حیدر خان کو بنا بتائے آئی تھی۔ جب ربعیہ بیگم نے اسے بتایا وہ بہت بدحواص ہو گئی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ تھی اور بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کا دل عجب خوف سے لرز رہا تھا۔ ایسے لرز رہا تھا۔ جیسے وہ اپنی کھوئی ہوئی چیز آج ہمیشہ کے لیے کھو دے گی۔ جو آس آمید تھی کہ وہ کبھی تو اسے ملے گا وہ آج ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔

وہ اندر ہے۔ ابھی ہوش میں نہیں آیا۔ ارحام نے نظریں جھکائے جواب دیا

۔

مریض کو ہوش آ چکا ہے۔ آپ لوگ مل سکتے ہیں۔ مگر زیادہ باتیں مت کیجیے گا۔ اسی لمحے نرس آئی سی یو روم سے باہر آتے ارحام کو دیکھتے پروفیشنلی آنداز میں بولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ربعیہ اور زرمش دونوں جلدی سے آئی سی یو کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئیں۔

ساحر خان مشینوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اکسیجن ماسک اسے لگا ہوا تھا۔

ربعیہ اور زرمش تڑپتے ہوئے ساحر کی طرف بڑھیں۔

ساحر نے ربعیہ کو دیکھتے اپنا اکسیجن ماسک اتارا۔

رہنے دو ساحر اسے لگا رہنے دو۔ وہ انجانے خوف سے زرد چہرے کے ساتھ بولیں۔ جیسے یہ ماسک اس کی سانسوں کی ضمانت ہو۔

ٹھیک ہوں مام!! بلکل ٹھیک مجھے لگا تھا. یہ دل بہت کمزور ہو چکا ہے مگر یہ کمبخت ابھی بھی ٹھیک سے چل رہا ہے۔ ساحر خان نے ربعیہ بیگم کو دیکھتے مسکراتے ہوے کہا۔ مگر اس کے لبوں سے لفظ بمشکل نکل رہے تھے۔

کیوں کیا تم نے ایسا؟؟ تمھیں میرا خیال نہیں آیا کہ میرا تمھارے علاوہ کوئی نہیں۔ ربعیہ بیگم نے ساحر خان کے عارض پر ہاتھ رکھتے تڑپتے ہوے پوچھا۔

آیا تھا خیال سب سے پہلے آپ کا ہی آیا تھا مام۔ پھر اپنے باپ کا گناہ یاد آ گیا ۔کس طرح اس نے سلطان شاہ کی زندگی برباد کی۔ کس طرح اس نے رات کے اندھیرے میں ایک عورت ایک ماں کو کوٹھے میں بیچ دیا۔ مام!! میں جب جب مہر ماہ آنٹی کی اس ایک رات کے دکھ اور خوف کے بارے میں سوچتا ہوں تو سب رشتے سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے مام۔۔ حور کا بچپن اس کی ماں کے بغیر گزرنے کا سوچتا ہوں تو کچھ یاد نہیں رہتا مام۔۔ اس نے جو رات

سڑک پر گزاری اس کا سوچتا ہوں دل پھٹ جاتا ہے مام۔ صرف میرا حور کے لیے عشق نہیں ہے مام۔ میرے باپ کے گناہوں کا بوجھ بھی ہے جو مجھے جینے نہیں دیتا۔ ساحر کی باتوں پر ربعیہ شدت گریہ سے رو پڑی تھی۔

زرمش روتے ہوئے اس کے بائیں طرف کھڑے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیوں کیا مام ڈیڈ نے ایسا؟؟ انھیں مجھ پر ترس نہیں آیا۔ انھیں میری آنکھوں میں وہ نظر نہیں آئی؟؟ انھیں نظر نہیں آیا میں اسے کتنی شدت سے چاہتا ہوں۔ ساحر نے بمشکل بولتے ہوئے سوال کیا۔

اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ ساحر نے بمشکل سانس لیتے ماسک اپنے چہرے پر لگاتے اپنی ٹوٹی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کی۔

زرمش اور ربعیہ کے چہرے پر خوف چھایا تھا۔ زرمش نے خوف سے رسپانڈنگ مشین کی طرف دیکھا جہاں اس کی دھڑکنیں ٹھیک چل رہی تھی۔ زرمش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے زارو قطار رو پڑی۔

ساحر خان نے بمشکل سانس لیتے ماسک اتارا۔۔

مت اتارو ساحر!! ربعیہ بیگم نے روتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔

مام کیوں آپ نے میرے اور زرمش کے ساتھ زیادتی کی؟؟ کیوں ہم دونوں کو اس بندھن میں باندھام؟؟ جب ہم دونوں ہی اس بندھن سے اس رشتے کی اہمیت سے انجان تھے۔

نکاح کے لیے بولے گئے لفظ تو دل سے جڑے ہونے چاہیے مام!! ساحر خان نے گہرے سانس لیے۔۔ بوجھ بنا دیا آپ نے یہ رشتہ میرے لیے۔۔ روز

محشر میں خدا کو زرمش کے حوالے سے کیا جواب دوں گا۔ اتنا بڑا گناہ ہو گیا مام مجھ سے۔ کیسے حور کو مانگ سکوں گا رب سے ؟!۔ ساحر خان کی آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔

زرمش تڑپتے ہوئے ساحر خان کے قریب ہوئی۔

میں آپ کو معاف کرتی ہوں ساحر۔۔ آپ پر کسی گناہ کا بوجھ نہیں ہو گا۔

زرمش روتے ہوئے بولی۔

تمھارے معاف کرنے سے کیا ہوتا ہے ؟؟۔ معافی تو رب سے چاہیے۔ حقوق تو اس نے مجھ پر فرض کیے تمھارے۔ مان لو گناہ گار ہوں تمھارا۔

ساحر زخمی سا ہنسا تھا۔

نہیں ہے آپ پر کوئی گناہ ساحر!!اور آپ نے خود ہی کہا کہ آپ مجھ تک پلٹیں گے۔جب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا تو کیسے گناہ ہو گا۔زرمش نے روتے ہوے آس دلائی۔

کہا تھا پلٹوں گا۔ مگر دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔دل کے پاس گولی لگی ہے ناں۔پہلے ہی ناکارہ تھا مزید نکارہ ہو گیا۔

وہ مزید شدت سے یاد آرہی ہے۔۔بہت یاد آرہی ہے مام کیا کروں میں؟؟ساحر نے روتے ہوے کہا۔

ساحر خان کی سانسیں پھر سے اٹکی تھیں۔

ساحر!!ربعیہ اور زرمش چیخیں۔ساحر دیکھو اگر وہ تمھیں اسے دیکھنا ہے اس سے ملنا ہے تو اسے یہاں بلوا لیتے ہیں۔زرمش تڑپتے ہوے بولی۔ساحر خان

کی اکھڑتی سانسوں کی ضمانت اسے حور خانزادہ لگی تھی۔شاید مقابل اسے دیکھ لیتا تو جان سے نہ جائے۔۔

زرمش کی بات پر ساحر زخمی سا ہنسا۔

اسے دیکھ لیا تو موت بھی مشکل ہو جائے گی میرے لیے۔ساحر خان نے بولتے ہوے گہرے سانس لیے ت۔

ساحر خان کی رسپانڈنگ مشین رسپانس کرنا بند ہوئی تھی۔لکیر سیدھی ہوئی تھی.۔ساحر خانزادہ کی آنکھیں بند ہوئی تھیں۔نرس۔۔ڈاکٹر زرمش خوفزدہ ہوتے چیخی۔

ساحر خان کی رسپانڈگ مشین پھر سے چلنا شروع ہوئی تھی۔۔وہ آنکھیں کھولے مسکراتے گہرے سانس لے رہا تھا۔

ربعیہ اور زرمش روتے ہوے اس کی پیشانی پر جھکیں۔

۔وہ بھی انھیں دیکھتے مسکرایا تھا۔۔

اندر سے آتی چیخوں پر ارحام بدحواص ہوتا آئی سی یو کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

ساحر خان نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔اسے اپنا دل اب سچ میں بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

اس کے لبوں نے ہلکی سی جنبش کی حور!!اس کے لب آہستگی سے حور کا نام دہراتے رکے تھے۔

حور ارحام اخانزادہ!!اس کے لبوں نے مزید ہلکی سی جنبش کی۔

سماعتوں میں سامنے کھڑے انسان کے لفظ گونجے تھے۔

!!وہ میری ہے میری تھی میری رہے گی اسے صرف میں نے چھوا ہے!!ساحر خانزادہ کو اب اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

جو دل میں رہتی تھی وہ سامنے کھڑے انسان کی بانہوں میں رہتی تھی تو یہ دل کیسے یہ برداشت کر سکتا تھا۔

ساحر خان نے ایک آخری بار سامنے کھڑے انسان کو دیکھا تھا۔اور اس کی دل کی دھڑکنیں اب سچ میں رک چکی تھیں۔رسپانڈنگ مشین رسپانس کرنا بند ہو چکی تھی۔۔

درخزئی ابھی ابھی ڈیوٹی سے لوٹا تھا۔اس وقت رات کے دو بج رہے تھے ۔۔وہ یونیفارم میں ملبوس تھا۔اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس کے

بھاری قدموں کا رخ عنائیہ کے کمرے کی طرف تھا۔ وہ اتنا تھک چکا تھا اگر عنائیہ کو نہ دیکھتا محسوس نہ کرتا تو وہ مزید تھکاوٹ کر شکار ہو جاتا۔

عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھتے دروازے کے لاک پر ہاتھ رکھتے اسے گھمایا۔ دروازہ لاکڈ ہونے کی وجہ سے اس کا دماغ پوری طرح گھوما تھا۔ دماغ میں آگ بھڑکی تھی۔ اسے لگا وہ عنائیہ کو نہ دیکھ سکا تو اس کی سانسیں رک جائیں گی۔ وہ صرف اس کی گہری نیند کا فائدہ اٹھا کر اس کے ساتھ گہری شرارتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے خوبصورت نقوش کو اپنے لبوں سے چھونا چاہتا تھا۔

درخزئی نے اپنی رسٹ پر پہنے گھڑی پر نظریں دوڑائیں جہاں رات کے دو بج رہے تھے وہ گہری سانس لیتا اپنی پیشانی دروازے کے ساتھ ٹکا گیا۔

اندر سے آتی عنائیہ کی سسکیوں کی آوازیں سنتے درخزئی کی رگوں میں دوڑتا خون جیسے ساکت ہوا تھا۔ درخزئی نے پریشانی سے اس کا دروازہ ناک کیا۔

عنائیہ !! درخزئی نے نرمی سے اسے پکارتے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اس کے دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے آتی سسکیوں کی آواز تھمی تھی۔

عنائیہ !! دروازہ کھولو درخزئی نے ایک بار اور دروازہ کھٹکھٹکایا۔ مگر اندر اب مسلسل خاموشی تھی۔

عنائیہ !! درخزئی نے اب سرد آواز میں اسے پکارا۔

اندر سے اب گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز برامد ہوئی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی جان لبوں پر سجی تھی جیسے۔

عنائیہ !!دراوزہ کھولو ورنہ میں کسی نہ کسی طرح دروازہ کھول ہی لوں گا۔ مگر میرے عتاب کا نشانہ بن جاؤ گی۔ درخزئی نے اپنے لبوں سے لفظ سنتے خود کو بری طرح کوسا تھا۔ وہ مر کر بھی اس سے ایسے بات کرنے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔ مگر اس کی سسکیاں سنتے وہ جیسے سولی پر کھڑا تھا۔ اتنا پریشان وہ کبھی نہیں ہوا تھا جتنا اس کی سسکیاں سن کر اس کے روم روم میں بے سکونی کی لہریں دوڑتے اس کے اعصاب چٹخا گئی تھیں۔

عنائیہ دروازہ کھولو !!ورنہ میں دروازہ توڑ دوں گا۔ اب وہ دروازے پر ہاتھ مارتے غرا اٹھا۔ اس کی سسکیوں میں اب اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اب اونچی اونچی آواز میں سسکیاں لے رہی تھی

کیوں پریشان کر رہی ہو مجھے ؟؟ درخزئی اب کی بار دروازہ کھٹکھتاتے ہوے جیسے جھنجھلایا۔

اس کا رونا اسے اتنا تکلیف دے گا وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

عنائیہ !! مجھے غصہ مت دلاؤ۔ تم مجھے ابھی جانتی نہیں۔ اگر تم نے دروازہ نہیں کھولا قسم کھاتا ہوں۔ کل صبح تمھاری رخصتی کروالوں گا۔ درخزئی نے اب سرد لہجے میں دھمکی دی۔۔ اس کی دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

چند سیکنڈ کے بعد دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا تھا۔

درخزئی جلدی سے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

عنائیہ صوفے کی طرف بڑھتے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ وہ بلیک فل گاؤن ویلوٹ کی نایٹی میں ملبوس تھی۔ صوفے پر بیٹھی وہ سر ہاتھوں مین تھامے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی تھی۔۔ اس کا بدن بری طرح ہچکولے بھر رہا تھا۔ اس

کے سلکی براون بال شانے پر ایک طرف بکھرے اس کی لیپ کو چھو رہے تھے۔

درخزئی تڑپ کر آگے بڑھتا اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ گیا۔

عنائیہ نے نظریں اٹھائے اسے دیکھتے اپنے ہاتھ اس کے حصار سے کھینچنے کی کوشش کی جسے وہ مزید مضبوطی سے تھام گیا تھا۔

درحزئی اس کا متورم سرخ چہرہ دیکھ کر مزید تڑپ اٹھا تھا۔

کیا ہوا عنائیہ ؟؟ ایسے کیوں رو رہی ہو ؟؟ کسی نے تمھیں کچھ کہا ہے۔ درخزئی نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی لیپ پر اپنے لب رکھے۔ وہ

بری طرح کانپ رہی تھی۔ درخزئی کے لیپ کو لبوں سے چھونے پر اس کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

درخزئی نے اب اس کی کپکپاہٹ دیکھتے پریشانی سے اس کی لیپ پر اپنا ہاتھ رکھتے اس کی کپکپاہٹ کم کرنے کی کوشش کی

عنائیہ اس کا ہاتھ اپنی لیپ سے اٹھاتے ہوئے خود میں سمٹی تھی۔

آئی ایم سوری!! درخزئی نے اس کا گریز دیکھتے جلدی سے معذرت کی۔ اسے اس کا لیپ پر ہاتھ رکھنا پسند نہیں آیا تھا۔

درخزئی نے ایک بار پھر سے خود کو کوسا تھا۔ اسے اس طرح اسے نہیں چھونا چاہیے تھا۔ وہ اس کے چھونے پر نچلا لب دانتوں تلے دبائے سرخ ہوتے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ چہرے پر ناگواری کا تاثر بھی تھا۔ وہ سمجھتا تھا وہ

اس کے لبوں کی گستاخیاں تجاوز گردن چہرے پر برداشت کر لیتی تھی۔ مگر جسم کے نازک حصوں کو چھونے پر اس کا چہرہ ایسے ہی سرخ ہوتا تھا۔ وہ خود پوری کوشش کرتا تھا اسے غلطی سے بھی اس کی گہرائیوں کو نہ چھوے۔ مگر آج کی حرکت خود ساختہ تھی۔

کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو؟؟ درخزئی نے اس کے عارض پر بہتے آنسو نرمی سے اپنے انگوٹھے کے پوروں سے چنتے ہوے بے حد نرمی سے پوچھتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

کچھ نہیں۔ عنائیہ نے بچوں کی طرح نچلا لب باہر نکالتے اس کی آنکھوں میں جوابًا دیکھا تھا۔

کچھ نہیں ہوا پھر ایسے کیوں رو رہی ہو؟؟ درخزئی نے اس کے نچلا لب بچوں کی طرح باہر نکالنے پر مزید نرمی سے پوچھا۔ وہ اسے ایسے بہت کیوٹ لگی تھی۔

نہیں بتا سکتی آپ کو؟؟ عنائیہ نے روتے ہوے سسکی لی۔

کیوں نہیں بتا سکتی؟!۔ درخزئی اب حیران ہوا تھا۔

کیونکہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔ عنائیہ بری طرح روتے ہوے اپنا نچلا لب دانتوں میں بے دردی سے دبا گئی تھی۔

بتاؤ گی تو سمجھوں گا مائی سوین!! بتاؤ کیا ہوا کہیں پین ہو رہا ہے۔ درخزئی کی بات پر عنائیہ نے روتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔

کہاں ہو رہا ہے درد ؟؟ در خزئی نے اس کے گلابی عارض پر اپنا مضبوط مردانہ ہاتھ رکھتے پوچھا۔

عنائیہ نے سسکتے ہوے اپنے بیلی بٹن پر ہاتھ رکھا تھا۔

یہاں ہو رہا ہے۔ در خزئی نے اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ عنائیہ کا چہرہ کی رنگت آگ کی مانند سرخ ہوئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک گئی تھی ۔ در خزئی اس کے چہرے کی بدلتی رنگت پر مزید حیران ہوا کچھ عجیب ساری ایکٹ کر رہی تھی۔

آپ چلیں جائیں یہاں سے مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ عنائیہ صوفے سے اٹھتے چیخی۔

کیا ہو گیا ہے عنائیہ ؟؟ کیا مسلہ ہے۔ درخزئی خانزادہ نے زمین سے اٹھتے عنائیہ کے مقابل ہوتے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

آپ کو سمجھ کیوں نہیں آرہا ہے کہ میرا مسلہ آپ ہیں۔ میں آپ کے سامنے ان کمفرٹیبل ہو رہی ہوں۔ وہ درخزئی کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے لرزتے لبوں سے دبی آواز میں چیخی۔

تم بتاؤ گی تو سمجھوں گا۔ درد ہو رہا ہے تمھیں۔ اس میں ان کمفرٹیبل کیا ہے ؟؟۔ چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ چینج کرو میں ابھی تمھیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔ درخزئی عنائیہ کے چیخنے پر اب بھڑک اٹھا تھا۔ آواز اچھی خاصی اونچی ہوئی تھی۔

درخزئی خان کے بھڑکتے سرخ چہرے کو دیکھتے عنائیہ اسے کچھ پل بھیگی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

دوسرے لمحے وہ بیڈ کی طرف غصے سے بڑھی درخزئی نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے نرمی سے بیڈ پر بٹھاتے خود اس کے قدموں میں پھر سے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔

میڈیسن کہاں ہے تمھاری؟؟ درخزئی نے اس کی سرخ حدت بھرے چہرے کو دیکھتے بے حد نرمی سے پوچھا۔

عنائیہ درخزئی کے سوال پر اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

میڈیسن کہاں ہے تمھاری عنائیہ؟؟ درخزئی کے لہجے میں سختی ابھری تھی۔ جسے محسوس کرتے عنائیہ نے بیڈ کے ڈرار کی طرف اشارہ کیا۔

یہی ہے میڈیسن عنائیہ!! درخزئی نے ڈرار سے میڈیسن نکالتے عنائیہ کو دکھائی۔ عنائیہ نے اسے بھیگی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا

تھا۔ ایسے ہی ابرش اس کا خیال رکھتی تھی۔ مگر آج اس نے اسے بتایا ہی نہیں تھا نہ اس کے سامنے اپنی پین کا ذکر کیا تھا۔۔ مگر اب وہ اسے بری طرح مس کر رہی تھی۔ اس کنڈیشن میں اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھی۔ اس سے اتنی بدتمیزی کرتی تھی وہ خاموشی سے برداشت کر لیتی تھی۔ عنائیہ نے ابرش کو یاد کرتے اپنے عارض پر بہتے آنسو بے اپنی ہتھیلی سے دردی سے صاف کیے۔

کھانا کھایا تم نے ؟؟ درخزئی کے پوچھنے پر عنائیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کب کھایا؟؟ درخزئی نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوے پوچھا۔

شام میں۔ عنائیہ نے روتے ہوے ہچکی لی۔

ہمم۔۔۔شام میں !!درخزئی نے عنائیہ کے لفظ دہراتے ہنکار بھرا۔۔مجھے تمھاری طبعیت کے بارے میں ذرا بھی اندازہ ہوتا میں تمھارے لیے چاکلیٹس براونیز کیک پھول لے کر آتا۔درخزئی کی بات پر عنایہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔اسے کیسے پتہ چلا تھا اسے اس وقت چاکلیٹس کیک کی craving ہو رہی تھی۔وہ درخزئی کو دیکھتے اب باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔اسے اب چاکلیٹس براونیز کی اور زیادہ craving ہونے لگی تھی۔اور اس ایس پی پر شدید غصہ بھی آیا تھا۔جس نے اس وقت پتہ نہیں کیوں چاکلیٹس کا نام لے لیا تھا۔وہ اب ہچکیوں سے بری طرح روتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

کوئی بات نیکسٹ ٹایم۔۔ڈیٹ میں یاد رکھوں گا۔درخزئی اس کی طرف دیکھتے اب مبہم مسکرایا۔

عنائیہ سرخ ہوتے خفت سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ کیا سمجھ گیا تھا؟! وہ شرم وحیا سے سرخ ہوئی تھی۔ وہ سچ میں اب زیادہ ان کمفرٹیبل ہوئی تھی۔ وہ ایس پی کم بے شرم خان زیادہ لگتا تھا۔ اسے پتہ نہ چلتا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ اس کی معلومات پر حیران بھی نہیں ہوئی تھی۔ بے شرم ایس پی نے عورتوں کے معاملے میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔

میں تمھارے لیے گرم دودھ لاتا ہوں۔ ہمم!! دروازہ بند نہیں کرنا۔۔ اگر ممکن ہوتا میری جان میں ابھی تمھارے لیے چاکلیٹس اور کیک لاتا۔ مگر اس وقت رات کے دو رنج رہے ہیں۔ آس پاس کوئی شاپ نہیں کھلی۔ درخزئی نے اس کی طرف مسکراتے ہوے دیکھا۔ عنائیہ کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ ایس پی کے سر پر کچھ دے مارے جو بار بار چاکلیٹس کیک کا نام لے کر اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بوایلنگ پوائنٹ پر لا رہا تھا۔ اگر

مقابل خانزادہ نہ ہوتا وہ اس کے سر پر اب تک کچھ مار چکی ہوتی۔ درخزئی جھکتے ہوے اس کی نم پلکوں کو نرمی سے لبوں سے باری باری چھوتے ہوے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد عنائیہ پھر سے رو دی تھی۔ اب وہ چاکلیٹس کیک کے لیے رو رہی تھی۔

پین جیسے غایب ہو گیا تھا۔ اسے اب صرف چاکلیٹس اور کیک چاہیے تھے۔

تھوڑی دیر بعد درخزئی گرم دودھ کا گلاس پکڑے داخل ہوا اس کے قدموں میں بیٹھتے گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔

مجھے چاکیلٹس اور کیک بلکل نہیں پسند۔۔ اور پھول تو مجھے زہر لگتے ہیں۔ خبردار ایس پی تم کبھی لائے جان سے مار ڈالوں گی۔۔ عنائیہ دودھ کا گلاس اپنے لبوں سے ہٹاتے چیخی تھی۔۔

اوکے کبھی نہیں لاؤں گا۔ درخزئی نے نرمی سے کہتے دودھ کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ وہ درخزئی کی بات پر دودھ کا گلاس پیچھے کیے اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

درخزئی نے گہرا سانس لیتے دودھ کا گلاس دوبارہ سے اس کے لبوں سے لگایا۔

عنائیہ اب خاموشی سے اس کے ہاتھ سے ہی چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی تھی۔ مزید ضد کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے آدھا گلاس پی کر ہاتھ سے پیچھے کیا۔

بس!! درخزئی خانادہ نے آنکھوں کے اشارے سے سر ہلاتے پوچھا۔

جواباً عنائیہ نے بھی آنکھوں سے اشارہ کرتے بلکل اسی کی طرح سر ہلایا تھا۔

اس کے انداز پر درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

عنائیہ لب دانتوں تلے دبائے خفت سے نظریں پھیر گئی تھی۔۔

درحزئی نے اس کی ہتھیلی پر اس کی میڈیسن رکھی جسے عنائیہ نے خاموشی سے منہ میں رکھتے درحزئی سے پانی کا گلاس پکڑے نگلیں۔

درخزئی نے پھر سے اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوے اس کے سلیپر اتارے۔ عنائیہ نے آنکھیں پھاڑے اس کا یہ اقدام دیکھا تھا۔ اگر تمھیں اچھا لگے تو تمھارے پاؤں کی مالش کر دوں۔ اس سے بھی پین ریلیف ہو گا۔ درخزئی نے اس کے پیروں کو سہلاتے پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ ضرورت نہیں آپ جاسکتے ہیں. آپ کی موجودگی مجھے سچ میں ان کمفرٹیبل کر رہی ہے۔۔ عنائیہ سرد انداز میں بولتے اپنے پاؤں اوپر

کرتے بیڈ پر لیٹتے رضائی خود پر اچھی طرح لپٹتے اس کی طرف سے رخ موڑتے رضائی میں غروب ہو چکی تھی۔ عجیب سی کوفت اسے اس ایس پی سے ہو رہی تھی۔ اس کی اتنی کیئر اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

درخزئی عنائیہ کے سرد پن پر اب بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ اس نے جھنجھلاتے ہوے اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مارتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ اتنے ناز نخرے اس نے کسی کے نہیں اٹھائے تھے۔ نہ اس نے سوچا تھا وہ کسی کے اٹھائے گا۔ اس نے یہی سوچا تھا وہ عنائیہ سے نکاح کے بعد رخصتی کروا کر اس سے اپنا حق لے لے گا۔ مگر نکاح کے بعد اس کے جذبات اپنی بیوی کے جذبات سے مشروط ہو چکے تھے۔ اس کے کنسرن کے بغیر وہ اس کے قریب نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کے اٹھارہ سال ہونے تک وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔

درخزئی نے تھکاوٹ سے انگڑائی لیتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی طبعیت کا خیال کرتے وہ اپنے اشعال پر قابو پا گیا۔ اگر مقابل کی طبعیت خراب نہ بھی ہوتی وہ اس پر غصہ اتارنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اتنی پیاری ہو گئی تھی وہ اسے۔۔

درخزئی نے ہونٹ سکوڑتے اپنا سانس باہر خارج کرتے اپنے غصے پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ یہ بیسٹ remedy تھی غصہ کنٹرول کرنے کی۔ درخزئی اپنے شوز اتارتے بیڈ کی طرف بڑھتے عنائیہ کے قریب لیٹتے ہوے رضائی میں گم ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

وہ اس کا ہاتھ خود سے جھٹکتے کرنٹ کھاتے اس سے دور ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے وہ بدحواس ہوتے خود سے رضائی اتارتے ہوئے اٹھ کر بیٹھی۔

درخزئی بھی لب بھینچے اٹھ کر بیٹھا تھا۔ وہ کل نکاح کی رات ایسے ری ایکٹ نہیں کر رہی تھی۔ آج تو وہ اسے خود کو چھونے نہیں دے رہی تھی۔۔

اس سے پہلے وہ بیڈ سے اترتی درخزئی اسے اس کی کلائی سے پکڑتے اسے تکیے پر پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

مائی سوین!! کیا ہوا ہے؟؟ مجھے بتانے میں کیا ان کمفرٹیبل۔ اور مجھ سے کیا چھپ سکتا ہے؟؟

بیوی ہو میری!! جانتی ہو میرے اور اپنے تعلق کی نوعیت۔۔

درخزئی نے اس کے گال پر اپنی انگلیاں نرمی سے پھیرتے ملائمت سے پوچھا۔اس کے خوبصورت نقوش اور اس کے بدن سے اٹھتی گلاب خوشبو اسے پرسکون کر گئی تھی۔

عنائیہ نے مقابل کی دل کی دھڑکنیں اپنی دھڑکنوں میں بجتی محسوس کر کے گھبراتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو عنائیہ کو اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہوتے بدحواص کر رہی تھیں۔درخزئی خانزادہ کی اتنی نزدیکی اسے دہکتی آگ لگتی تھی۔اس کی سانسوں کی تپش سے وہ جھلسنا شروع ہو جاتی تھی۔

کیا جانتی ہو بتاؤ مجھے ؟؟ درخزئی نے گھمبیر آواز میں اس کے نرم و ملائم گال پر اپنی ہلکی گھنی بیرڈ رب کی۔

یہی کہ ایس پی درخزئی خانزادہ میرا شوہر ہے۔ جو مجھ پر مجھ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ عنائیہ درخزئی کی براؤن گہری آنکھوں میں دیکھتے ایک ہی سانس میں بولی تھی۔

عنائیہ کی بات پر اور انداز پر درخزئی کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

عنائیہ دخزئی کے گال پر گڑھا پڑتے دیکھ کر حیران ہوئی۔ یہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ شاید یہ قہقہہ لگانے پر پڑتا تھا۔ مسکراتے ہوئے نہیں پڑتا تھا۔ اس نے تو نہیں دیکھا تھا۔ ہاں مگر مسکراتے ہوئے بہت بار بار دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ ہوتی تھی۔ اس نے ابھی تک حویلی کے باقی خانزادوں کی طرح اسے سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ چھو سکتی ہو ؟؟ درخزئی اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکتے نچلا لب شرارت سے دانتوں تلے دبا گیا۔

اس کی بات پر عنائیہ کی رنگت قندھار کی مانند سرخ ہوتے درخزئی خانزادہ کو محظوظ کر گئی تھی۔ وہ اس کے بدن کو محسوس کر گئی تھی۔ آج وہ اس کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ پوری طرح وزن نہیں ڈالا تھا۔ مگر اس کے بدن کی گرمایش اس تک پہنچتے اس کے بدن میں سپارک سے پیدا کر رہی تھی۔

گڑھا چھونے کی بات کر رہا ہوں۔ درخزئی خانزادہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے اپنے گال پر لگایا۔ تمھارا ہوں جیسے تم میری ہو۔ مجھے جہاں چاہو چھو سکتی ہو۔ درخزئی نے گھمبیر آواز میں بولتے ہوے اس کی لوئر بیلی پر نرمی سے ہاتھ رکھے اسے گرمایش پہچانے کی کوشش کی۔۔

عنائیہ نے پرسکون ہوتے آنکھیں موندیں۔ مقابل کا لمس اسے سکون پہنچا گیا تھا۔ پین ریلیف محسوس ہوا تھا۔

اب بتاؤ تمھیں کیسے سکون پہنچاؤں۔ کیسے تمھارا درد کم کروں۔ اس کنڈیشن میں تمھیں کس چیز کی ضرورت ہوتی۔ اگر تم چاہتی ہو میں تم سے دور ہو جاؤں تو میں صوفے پر سو جاؤں گا۔ مگر تمھیں ایسے پین میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ مجھے یقین ہے میری بانہیں آج تمھیں سکون پہنچائیں گی۔ درخزئی کی بات پر عنائیہ کی آنکھیں مزید پھیلیں۔ ایس پی خانزادہ کو اچھی خاصی معلومات تھیں۔

۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے خفت زدہ ہوتے لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی تھی۔

درخزئی تکیے پر سر رکھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے سینے پر کر گیا تھا۔

تمھیں کیا لگتا ہے میں تمھاری کنڈیشن نہیں سمجھوں گا۔

اور مجھے بتانے میں ان کمفرٹیبل کیوں ہو رہی تھی جبکہ خود پر میرا حق سمجھتی ہو۔۔ درخزئی نے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائیں۔

عنائیہ نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آنکھیں موندیں۔ شام سے cramps سے مرنے والی ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت وہ مقابل کو اپنے قریب بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا حصار اسے سکون دے گیا تھا۔ ہمیشہ ابرش اس کے پاس ہوتی تھی۔ مگر وہ اسے اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی۔ وہ اس کے قریب آتی یا ذرا سا بھی کچھ کہتی وہ اونچا اونچا چیخیں مارتے اپنے قریب آنے سے منع کر دیتی تھی۔ اور ابرش ساری رات کمرے میں صوفے پر لیٹے گزار دیتی۔ ہر تھوڑی دیر بعد اٹھتے اسے پوچھتی۔ مگر وہ بیڈ پر لیٹے روتی رہتی تھی۔ مگر آج درخزئی کو قریب آنے سے منع نہیں کر سکی

تھی۔ پتہ نہیں مقابل کا ڈر تھا یا پھر اس کا خود پر حق۔۔ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ مگر وقتی طور پر درخزئی کی مضبوط بانہیں اسے سکون دے گئی تھیں۔

عنائیہ کو آنکھیں موندتے دیکھتے درخزئی عنائیہ کی بالوں میں مزید نرمی سے انگلیاں چلاتے اس کی کمر کے گرد اپنا حصار مضبوط کرتے بہت ہلکے سے اپنے ہاتھ سے اس کی کمر کا مساج کرنے لگا۔ اس کی کمر کو نرمی سے ہلکے ہلکے دبا رہا تھا۔ اسے جتنی معلومات تھیں اس مطابق وہ اپنے تئیں عنائیہ کو پر سکون پہنچا رہا تھا۔

عنائیہ تھوڑی دیر بعد اس کے حصار میں گہری نیند سو چکی تھی۔ درخزئی بہت نرمی سے اس کی کمر اس کے شولڈرز کو نرمی سے دباتے اس کی پیشانی کو نرمی سے چھوتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔ آج پھر اسے گہری نیند سوتا دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔

زاران اپنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ڈریسنگ کی طرف بڑھا۔ ابرش ڈریسنگ کے آگے کھڑی اپنے سلکی براون گیلے بالوں کو ڈرائے کر رہی تھی۔ وہ اس وقت پنک لانگ باتھ گاؤن میں ملبوس تھی۔

زاران نے مرر میں نظر آتے اپنی بیوی کے عکس پر گہری اور گرم نگاہ ڈالی ۔ دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔ وہ کل سے اس سے بے اعتنائی بے رخی برت رہی تھی۔ وہ درخزئی کے جانے اپنے ابرش کو بغیر بتائے فارم ہاوس چلا گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا ابرش یہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ وہ اپنی ناراضگی ختم کر لے گی۔ مگر اس کی دیوانی بیوی نے اسے ایک کال بھی نہیں کی تھی۔ وہ سارا دن ادھر گزار کر بے چین ہوتے حویلی واپس آگیا تھا۔ اب کمرے میں آیا تو وہ شاور لے کر نکلی تھی۔ زاران اسے گہری نگاہوں سے

دیکھتے شاور لینے چلا گیا تھا۔ اتنا تو اسے پتہ تھا اس کا اس ٹائم شاور لینے کا مقصد ۔وہ یا تو اس کے لیے شاور لیتی تھی یا پھر غم میں شاور لیتی تھی۔ اسے شاور لیے دیکھ کر وہ اندر تک پر سکون ہوا تھا۔ اس کی خوبصورت بیوی اس سے زیادہ دیر بے اعتنائی برت ہی نہیں سکتی تھی۔

زاران نے گہری نگاہ اس پر پھر سے ڈالی۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ مرر میں دیکھتے اب اپنے سلکی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ زاران اس وقت سفید ٹراوزر پر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس نے نو مہینے بعد بلیک کے علاوہ کوئی کلر پہنا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے وعدہ کر چکا تھا اب یہ وعدہ نبھانا تھا۔ اس کی ناراضگی کی وجہ سے بھی اس نے بلیک کلر نہیں پہنا تھا۔

زاران کچھ پل اس کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے رہا پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے سینے سے لگاتے اس کی پچھلی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا۔

تمھای خوبصورتی سے زیادہ مجھے تمھارے بدن کی خوشبو بھاتی ہے۔مائی بیوٹی فل وائف!!زاران اس کے بال کمر سے ہٹائے اس کی پچھلی گردن پر دیوانہ وار لب رکھ رہا تھا۔ابرش کے پیٹ کو وہ سختی سے جکڑے ہوے اپنی پشت کے ساتھ لگائے ہوے تھا.

ابرش نے گہرے سانس لیتے اس کے ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹانے کی کوشش کی۔وہ مزید سختی سے اسے اپنے ساتھ لگا گیا۔

مزید تمھارے نخرے تمھاری بے رخی برداشت نہیں کروں گا۔

آج رات تمھارے پور پور پر اپنی شدتوں کی گہری چھاپ چھوڑتے تمھیں بتاؤں گا کل رات میری کیسی گزری بیوی؟؟ زاران اس کا گاؤن کی ڈوری کھولتے اس کے قیامت خیز عکس کو آئینے میں دیکھتے بے خود ہوا تھا۔ آنکھیں خمار کی سرخی گہری ہوئی تھی۔ وہ اس کا رخ ایک جھٹکے سے موڑے اس کے لبوں پر جھکتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے اس کے نچلے لب پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔ ابرش اس کے مضبوط حصار میں بری طرح قید تھی۔ وہ اس کی جنونی شدت اور اس کے حصار میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ زاران کا ایک ہاتھ اس کا گاؤن کے اندر سرسراتا اس پر اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔ ابرش نے بمشکل سانس لیتے اسے اپنے دنوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی دونوں کلائیاں اس کی کمر پر ایک ہاتھ سے لگاتے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا۔

کہاناں!!اور تمھارے نخرے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ختم کرو یہ ناراضگی کاڈرامہ۔۔ جانتاہوں تم میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دومنٹ دو یہ جو تمھاری مزاحمت اور اوپر اوپر سے دکھاوے کی ناراضگی ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ دومنٹ لگتے تمھیں پگھلنے میں اور پھر میری خوبصورت بیوی ساری رات اپنے مسٹر خانزادہ کو سکون نہیں لینے دیتی۔ تھکا دیتی ہے۔۔ زاران گھمبیر آواز میں بولتے اسے بہت نرمی سے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔ ابرش سیدھی بیڈ کے نرم گدے پر گری تھی۔ زاران اس کی طرف بڑھتا اس پر مکمل حاوی ہوتے اس کی ددھیا گردن پر اپنے جابجا دہکتے لب رکھنے لگا ۔۔ صرف ایک دن نہیں چھوا اپنی خوبصورت بیوی کو

اور میری شدتوں کے نشان غائب ہو گئے۔ آج تو مجھے تمھارے دودھیا بدن سے بھی جیلسی ہو رہی ہے۔۔ میری جان کے جسم پر ہر وقت میرا تسلط ہونا

چاہیے۔جب تمھارے نازک جسم پر میں میرا وزن نہ ہو تو میری شدتوں کے گہرے نشان ہونے چاہیے۔وعدہ کرتا ہوں آج کے بعد اس قیامت سے بدن پر ہر وقت میری شدتیں سوغاتوں کی صورت میں ہوں گی۔مٹنے نہیں دوں گا یہ نشانات بیوی!!

تمھارا بدن میری شدتوں سے داغدار رہے گا میری جان۔

زاران خماری سے بولتے اسے اس کی گردن پر جابجا اپنے دانت گاڑھ رہا تھا۔وہ اچھی طرح جانتا تھا ابرش نے دو منٹ میں پگھل جانا ہے۔ایک رات کی دوری اس پر بھی عذاب بن کر اتری ہو گی۔اس کی قربت میں وہ منٹوں میں ہی تو پگھلتی تھی۔

ابرش اپنے اوپر جھکے زاران کو دیکھتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

زاران ن اس کے ڈھیلے ہوتے وجود کو محسوس کرتے اس کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں قید کرتے اپنی جنونی سوغاتوں میں اضافہ کرنے لگا۔

جانتا تھا میری خوبصورت بیوی اتنی دیر ہی مجھ سے ناراض رہ سکتی ہے۔ یہ بھی زیادہ تھا میری جان اتنی گہری اتنی لمبی ناراضگی۔۔ زاران اس کے عارض پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے اس کی کرسٹل براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوے مسکرایا۔ وہ تو طلب بن کر اس کی آنکھوں میں خمار کی طرح اتری تھی۔ اس کا نوخیز کلیوں جیسا بدن زاران کے بدن میں سپارک پیدا کر گیا تھا۔

موڈ نہیں بنا زاران ؟؟ ابرش نے زاران کی خمار زدہ آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

ہوں !! زاران نے الجھن بھرے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھا

ابھی تم نے کہا مسٹر خانزادہ!! تم دو منٹ میں میرا موڈ بنا دو گے۔ مگر آج تم تین منٹ میں بھی میرا موڈ نہیں بنا سکے۔۔ ابرش زاران کی سفید ٹی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے اپنے مزید قریب کرتے نفی میں سر ہلا گئی۔

ہمممم۔۔۔ میری خوبصورت بیوی مجھ سے کیا چاہتی ہے؟!۔ زاران کی آواز مزید گھمبیر ہوئی تھی۔

ابرش اسے خود سے دور دھکیلتی اسے تکیے پر گراتے اس کے اوپر آتے اس پر اپنا تمام وزن منتقل کرتے اپنے گاؤن کی ڈوری کھولتے اسے کھول گئی۔

ابرش کے بولڈ انداز پر زاران کی آنکھوں میں خمار کی سرخی گہری ہوئی تھی ۔وہ اسے پاگل کر گئی تھی۔

میرا موڈ تو تم اپنے اس بولڈ انداز سے بنا چکی ہو۔ بلکہ آگ بھڑک اٹھی ہے میرے اندر۔ زاران اس کی کمر کو مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے خود کے ساتھ شدت سے لپٹا گیا۔

ابرش زاران کی بات پر مدھم سا ہنستے اس کے عارض پر اپنا ہاتھ جما گئی

اس کی ہنسی پر زاران مزید بے خود ہوا۔۔ زاران بے خود ہوتے اس کے گلابی لبوں کو اپنے لبوں میں دبانے لگا تھا کہ ابرش اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ گئی۔

زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مقابل کی مزاحمت اس کی سانسیں بے ترتیب کر گئی تھی۔

مسٹر خانزادہ!! یہاں بات آپ کے موڈ کی نہیں۔ میرے موڈ کی ہو رہی ہے۔۔ کیا میرا موڈ بنائے بغیر آج خود کو مجھ میں سمائیں گے۔۔ اپنی خوبصورت بیوی کی آرزو کی پرواہ نہیں کریں گے کیا؟!۔ ابرش نے زاران کی گردن پر اپنی انگلی اک ادا سے پھیرتے اس کی خمار زدہ آنکھوں میں جھانکا۔

۔

افففف۔۔۔ یہ ادائیں!! زاران اسے تکیے پر پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی۔

کتنا پاگل کرو گی مجھے؟؟ جانتی ہو ناں مجھے!! تمھاری بولڈنیس کتنی پسند ہے؟!۔ زاران کی آواز بھاری ہوئی تھی۔

بستر پر مسٹر خانزادہ!! اپنے لفظوں کی توضیح کر لیں۔ آپ کو میری بولڈ نیس صرف بستر پر پسند ہے۔ ورنہ آپ مجھے سات پردوں میں لپیٹ کر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ابرش اب بھی مسکرائی تھی۔

ہاں!! مجھے اپنی خوبصورت بیوی اپنی بانہوں میں ہر حد سے گزرتے چاہیے۔ اور یہ سچ ہے تمھیں سات پردوں میں لپیٹ کر بھی تمھارا خانزادہ مطمئن نہیں ہوتا۔ میرا بس چلے تو تمھیں اپنی بانہوں میں ہمیشہ قید کرتے رکھوں۔ کسی عورت کی بھی تم پر نظر نہ پڑنے نہ دوں۔ زاران اس کے گلابی لبوں پر انگوٹھا پھیرتے گھمبیر آواز میں بولتے اس بازوؤں سے جکڑتے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔۔

یہ تو ہے !! تبھی تو سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوتی ہوں۔ حویلی کی عورتوں کے سامنے بھی مجھے بغیر دوپٹے کے برداشت نہیں کرتے۔ ایک خانزادہ اپنی بیوی کو کیسے رکھتا ہے ؟؟ وقت کے ساتھ آپ نے ثابت کیا ہے۔ میری ریسرچ آپ کے بارے میں بلکل ٹھیک تھی مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے لب پھیلائے۔

تمھاری ریسرچ کونسی کس حد تک ٹھیک تھی بیوی مجھے نہیں پتہ !! یہ بتاؤ رومانس میں مجھے کیسا پایا ہے ؟؟ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اس کی کمر کو مٹھی میں بھرتے اس کے ساتھ گہری شرارت کر گیا تھا۔

اس کی گہری شرارت پر ابرش کی رنگت سرخ قند ھار ہوئی تھی۔ زاران اس کی رنگت میں سرخیاں گھلی دیکھتے اسے ٹکیے پر پٹختے ہوے اس پر جھکے اس کے نقوش پر دیوانگی کے عالم میں لب رکھتے اپنی سانسوں کو الجھا گیا تھا.

وہ اس کے لبوں پر جھکتے ابرش کی سانسیں کھینچتے اس کی سانسوں کو الجھانے لگا۔ اس کے عارض پر دانت گاڑھے اب وہ اس کی گہرائیوں پر جھکے اپنی شدت دکھا رہا تھا ان۔ زاران کا ایک ہاتھ اس کے گاؤن میں اس کی دھڑکنوں پر تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اس کے کندھوں سے گاؤن نیچے کھسکا گیا۔ اس سے پہلے وہ اس کا گاؤن پوری طرح ریموو کرتا۔ ابرش اسے پوری قوت سے اسے خود سے دور جھٹک گئی تھی۔

زاران جو بے خودی مدہوشی میں اس پر جھکے ہوے تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوے تکیے پر گرا۔ ابرش اپنے گاؤن کی ڈوریاں کس کر باندھتے ہوے بیڈ سے سے اترتے دور جا کھڑی ہوئی۔

زاران نے گہرے سانس لیتے سرخ آنکھوں سے ابرش کو دیکھا جو اپنی بے ترتیب سانسوں سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زاران غصے سے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی Seduse کرنے کی عادت سے واقف ہونے کے باوجود ہمیشہ بہک جاتا تھا۔ آج بھی وہ اس کے ساتھ کھیل گئی تھی.۔ یعنی اس کی ناراضگی ابھی بھی دور نہیں ہوئی تھی۔

زاران نے اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنی نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے ابرش پر ایک بار پھر سے سرد سرخ نگاہ ڈالی جو اسے شعلہ بار نگاہوں سے

دیکھتے اپنی الجھی بکھری سانسوں کو ردھم میں لانے کے لیے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔۔ سانس تو دونوں کا دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔

زاران بیڈ سے اٹھتا اس کی طرف بڑھا ہی تھا ابرش غصے سے ریسنگ روم کی جانب بڑھی۔

زاران اسے بازو سے جکڑے دیوار میں پٹختے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کر گیا تھا۔

زاران کی سرد سرخ سوالیہ نگاہوں پر ابرش نے اپنا منہ پھیرا۔ مقابل کی حالت دیکھتے اندازہ ہو رہا تھا وہ جذبات کے کس لیول پر ہے۔ وہ اس کی آنکھوں میں ہی نہیں پورے بدن میں طلب بن کر دوڑ رہی تھی۔

کہاں ؟؟میرے اندر آگ بھڑکا کر کہاں جا رہی ہو تم ہاں ؟!۔مجھے seduse کر رہی تھی ؟!۔کیا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھی ؟؟یہ کیا طریقہ ہے ؟؟میرے قریب آکر میرے ایموشنز کا مذاق بنا رہی تھی۔۔۔کیا سمجھا تھا تم نے کہ تم یہ سب کرو گی اور زاران خانزادہ برداشت کرے گا۔۔آگ بھڑکائی ہے تو تم ہی ختم کرو گی بے بی !!زاران کا اس کا جبڑہ دبوچے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کی گلابی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھ گیا۔

ایسا نہیں ہو گا مسٹر خانزادہ !!جب میرے اندر آپ کے لیے کوئی جذبات ہی نہیں بھڑکے میں کیوں آپ کے اندر بھڑکتے جذبوں کو پر سکون کروں اور دو منٹ بولا تھا آپ نے کہ میرا موڈ بنائیں گے۔دس منٹ میں نہیں بنا سکے۔آج آپ کے ٹچ سے فینگ نہیں آئی۔ابرش زاران کی طرف تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے بولی۔

ابرش کے لفظ زاران خانزادہ کا پارہ ہائی کر چکے تھے۔ وہ پہلے ہی بھڑکا ہو تھا یہ لفظ تو جلتی آگ پر پٹرول چھڑک چکے تھے۔ اس کے لفظ برداشت نہیں ہوے تھے۔ اس کے قریب آنے پر بھی کوئی فیلنگ مقابل کے اندر نہیں جگی۔ وہ پاگل ہوا تھا۔

ابرش سٹاپ دس ڈرامہ اوکے !! ختم کرو یہ سب۔۔ اپنے لفظوں پر غور کرو کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ زاران نے اپنی گردن آگے سے رب کرتے اپنا لہجہ حتی المکان نرم کرنے کی کوشش کی۔

کل سے وہ سکون کو ترس گیا تھا۔ نہ کمرے میں چین تھا نہ باہر۔ مقابل کی ناراضگی جان نکال رہی تھی۔ وہ ناراض ہوتی تو ٹھیک تھا مگر وہ بے اعتنائی برت رہی تھی ایسے بی ہیو کر رہی تھی جیسے مقابل کی اس کے لیے محبت ختم ہو گئی ہے۔

ڈرامہ ہو گا آپ کے نزدیک مسٹر خانزادہ!!جب آپ کو محسوس کرتی ہوں آپ کے ساتھ لپٹتی ہوں۔ آج جب آپ کو محسوس نہیں کیا میں لپٹ نہیں سکتی۔ منافقت میں نہیں کر سکتی۔ ابرش برفیلے لہجے میں بولتے زاران کے دماغ کی رگیں مزید بھڑکا گیی تھی

یہی لفظ اگر میں تمھارے لیے کہتا نہ تم مرنے مارنے پر اتر آتی۔ میرا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر دوسری عورت کے بارے میں مجھ سے استفسار کر رہی ہوتی۔ زاران کاٹ دار لہجے میں بولتے ایک ایک لفظ چبا گیا۔

ہمممم!!دوسری عورت!؟مائی فٹ!!خانزادہ ہیں دوسری عورت کی بات کریں نہ تو چین نہیں آتا۔ بہت شوق ہے تمھیں دوسری عورت کے پاس جانے کا؟؟ جاؤ اپنا شوق پورا کر کے دیکھ لو تم۔ ابرش سلگتے لہجے میں بولتے زاران کو مزید طیش دلا چکی تھی۔

کرلوں گا عنقریب یہی کروں گا اگر تمھارا یہی رویہ رہا تو۔ زاران دھمکی امیز لہجے میں بولتے پیچھے ہوا تھا۔

اپنی گردن رب کرتے وہ اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے لگا۔

شوق سے کرو!! ابرش اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

زاران نے غصے سے پوری قوت سے مکہ دیوار پر مارتے خود پر قابو پایا۔۔

دوسرے لمحے وہ ابرش کے پیچھے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔ ابرش نے اسی لمحے اپنا باتھ روب گاؤن ریموو کرتے زمین پر پھینکا ہی تھا۔ زاران کو دیکھتے وہ قندھار کی طرح تپتے دہکتا آنار بنی تھی۔ ابرش نے اسی لمحے کبرڈ سے نائٹ

گاؤن نکالتے پہنا تھا اب وہ ڈریسنگ روم کے فینسی مرر میں سپاٹ نگاہوں سے دیکھتے اپنے سیاہ گاؤن کی ڈوریاں باندھ رہی تھی۔

زاران اسے ایسے دیکھتے بے خود ہوا تھا۔ بدن کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ کر آیا تھا۔ آنکھوں میں پھر سے خمار کی سرخی چھائی تھی۔ اب توضیح معنوں میں اپنی بیوی کی طلب جاگی تھی۔۔

وہ گہرا سانس لیتے جبڑے نچلا لب دانتوں تلے دبائے اس کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے فینسی مرر کے ساتھ لگا گیا۔

میں کیوں دوسری عورت کے پاس جانے لگا؟؟۔ جب سارے گر ہتھیار تمھارے پاس ہیں مجھے بہکانے کے لیے۔ ایسے جال پھینکتی ہو بندہ کہیں اور جانا تو دور کی بات سوچ بھی نہ سکے۔

زاران نے ابرش کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے اس کے بدن کے نشیب و فراز پر اپنی گہری گرم نگاہیں گاڑھیں۔

اس کا ناہموار بدن اس کی بل کھاتی کمر اس کے بدن کی رعنائیاں زاران خانزادہ کے ہوش اڑا چکی تھی۔ اس کا تو سانس لینا دوبھر ہوا تھا۔ دل اچھل کر حلق میں آیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے جو وہ نظارہ دکھا چکی تھی وہ اب کہاں رہ سکتا تھا دور۔۔

اور دوسری عورت کو لے کر مجھے خانزادہ ہونے کے طعنہ کیوں دیتی ہو ؟! ممم جان !! حویلی کے تمام مردوں نے ایک ہی عورت پر اکتفا کیا ہے ۔ سوائے داجی اور لالا کے۔

میں ون وومین مین ہوں میری جان !! صرف اپنی خونخوار جذباتی بیوقوف بیوی کا جو مجھ سے شدید محبت کرتی ہے۔ دیوانوں کی طرح چاہتی ہے اپنے

مسٹر خانزادہ کو۔۔ مجھے یقین ہے میری بیوی جیسی محبت حویلی کی کوئی عورت نہیں کرتی ہو گی۔ زاران اپنے ہاتھ کا لمس اس کے نشیب و فراز پر رکھتے اس کی دھڑکنیں محسوس کرتے اس کے عارض کو دانتوں سے سک کر گیا تھا۔

ابرش نے سسکتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اپنے چوڑے مضبوط دیو جیسے حصار میں قید کیے ہوے تھا

ہمممم۔۔۔ لو۔۔۔ لالا ہر ٹائم کمرے میں رہتے ہیں۔ اپنے لالا سے کچھ سیکھ لوں.

یہی کہا تھا نہ تم نے۔۔ وعدہ ہے تم سے میری جان۔۔ اب کمرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔ بلکل نہیں نکلوں گا۔ اب سے میرا ٹایم صرف میری بیوی گا۔ میرا ہر لمحہ صرف تمھارا۔ صرف تمھاری پناہوں میں اب ہر لمحہ گزاروں گا۔ زاران بھاری آواز میں بولتے اس کے عارض کو چوم رہا تھا۔ اس سے پہلے

وہ اس کی نایٹی کندھوں سے نیچے کھسکا تا۔ ابرش اسے پھر سے پوری قوت سے اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔

مجھے آپ کے وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے پہلے کرتے تھے ویسے ہی کریں۔ اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ مجھے پتہ چل گیا ہے میری اوقات۔ ابرش نے غصے سے زاران کو دیکھتے کہا۔

کیا ہے تمھاری اوقات؟؟ زاران نے منہ پر ہاتھ پھیرتے سلگتے لہجے میں آئی بروا چکائے استفسار کیا۔ سانسیں پھر سے دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ مگر اس کی بیوی کو اس کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

وہی جو کل پوری حویلی کے سامنے بتائی آپ نے؟؟ ملازماؤں تک کو پتہ تھا عنائیہ اور درخزئی کا نکاح ہے

سوائے میرے۔۔ ہر بات کا سب کو پتہ ہوتا ہے صرف آپ مجھ سے چھپاتے ہیں۔۔ اتنا بڑا حق چھینا آپ نے مجھ سے ؟؟ جیسے وہ ایس پی خرانٹ خانزادہ میری عنائیہ کے لیے آخری مرد تھا۔

اور اب یہ بوگس دلیل مت دیجیے گا کہ عنائیہ بہزاد کے پاس رہی اس سے درحزئی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے نکاح کروایا۔

زاران !! عنائیہ امریکہ چلی جاتی۔ وہاں اسے درخزئی سے بہت بہتر انسان مل سکتے تھے۔ جنھیں اس بات سے کچھ فرق نہ پڑتا اور آپ خانزادوں کی طرح حق ملکیت کا راگ بھی نہ آلاپتا اپنی مرضی کی زندگی گزارتی میری عنائیہ۔ لیکن نہیں اب وہ ایسے ہی میری طرح رات کو بستر پر چیپ نائیٹ پہن کر اس ایس پی کو خوش کرے گی یہی ہو گی اس کی زندگی۔۔ اور وہ ایس

پی پھر بھی خوش نہیں رہے گا۔ لیکن یاد رکھنا عنائیہ اور در خزئی کی طلاق ہو کر رہے گی اور میں کرواؤں گی۔ وہ اس ایس پی کی بیوی نہیں بنے گی۔۔

Bluddy sick khanzads!! All mans of this haveli,s are bulsheet

ابرش لفظ چباتے بھڑکی تھی۔

اچھا!!امریکہ میں عنائیہ جس مرد سے نکاح کرتی اسے بستر پر خوش نہ کرتی؟؟زاران نے اس کے گالی پر بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔اس نے حویلی کے تمام مردوں کہ گالی دی تھی۔برداشت کرنا مشکل ہوا تھا وہ خود پر قابو پاتے اطنزیہ لہجے میں بولتے استھزایہ مسکرایا۔

آپ کے طنز سے ثابت ہوتا ہے آپ عنائیہ کو بہن نہیں مانتے۔ کیا عابیر کے لیے یہ لفظ کبھی آپ دہراتے۔۔ ابرش سرد سپاٹ لہجے میں سوال کرتے آگے بڑھی تھی کہ زاران اسے بازو سے جکڑے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔۔

میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔ مگر تم اپنے ایٹیٹوڈ سے ثابت کر رہی ہو کہ سگی بہن ہی اپنی ہوتی ہے۔ عابیر کے لیے جو فیصلہ لیا آج تک کسی نے مجھے اس طرح سوالوں کے کٹہرے میں لا کھڑا نہیں کیا۔ جس طرح تم نے مجھے لا کھڑا کیا ہے۔

اور تمھیں اور تمھاری بہن کو خانزادوں کی حق ملکیت اتنی چبھتی ہے۔ مجھے پتہ ہی نہیں تھا اگر مجھے پتہ ہوتا میں عنائیہ کا نکاح درخزئی سے کبھی نہ کرواتا۔ خانزادوں کی بیویاں بنی ہو تو حق ملکیت تو سہنی پڑے گی۔ خود کو ہر مرد سے چھپا کر سات پردوں میں رکھنا ہی ہو گا۔۔ کسی غیر کی نظر ہم

خانزادے تو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی غیر مرد ہماری عورت کو دیکھے گا تو آنکھیں نکال کر ہتھیلی پر رکھ دی جائیں گی۔۔ کیونکہ ہم خانزادے تمھارے باپ پاشا جیسے نہیں ہیں۔ اپنی عورتوں کو عیاں کرتے اس کی کمائی پر عیش نہیں کرتے۔ اگر ہماری عورت خود کو عیاں کرے گی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیا جائے گا۔ ایسے چین پاتے ہیں ہم خانزادہ۔۔ تمھارے باپ پاشا کی طرح نہیں جو عورتوں کو گھر لا کر اپنی بیوی اور بیٹیوں کے سامنے کمرے میں لے کر جائیں۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے برفیلے میں لہجے میں بول رہا تھا۔ ابرش کی گلابی آنکھوں کی نمی کے ساتھ اس کے بدن کی کپکپاہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی سسکیوں پر قابو پائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔

ایسا مرد چاہتی تھی عنائیہ کے لیے تم۔۔ پاشا جیسا۔۔ جیسا تمھارا باپ تھا۔ وہ بھی امریکہ میں رہتا تھا ناں۔۔ زاران نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد لہجے میں آئی بروا چکائے استفسار کیا۔

ابرش نے شبنمی آنکھوں سے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے بدن اب زلزلوں کی زد میں تھا۔ مقابل کے لبوں سے طعنے برداشت نہیں ہوے تھے۔

زاران اس کے بدن کی کپکپاہٹ دیکھتے اس کے بازو کو اپنی آہنی گرفت میں سختی سے جکڑ گیا۔۔

تو پھر برداشت کرو ہم خانزادوں کی حق ملکیت۔۔۔۔ عنائیہ بھی کرے گی اور تم بھی کرو گی۔ عنائیہ مرتے دم تک درخزئی کی ہو گئی۔ جیسے تم میری ہو۔ اب جو کرنا ہے کر لو نہ تم اور نہ تمھاری بہن ہماری ہم خانزادوں کی

پناہوں سے کہیں جا سکے گی۔ زاران نے آگ برساتے لہجے میں بولتے اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کیا۔

بہت شکریہ !! مجھے میرا ماضی یاد دلانے کے لیے۔ پاشا کی بیٹی یہی ڈیزرو کرتی ہے۔ اسے اس کے گندے باپ کا طعنہ دیا جائے۔ ابرش شدت گریہ سے مٹھیاں دبوچتے بھیگے لہجے میں بولی۔

میری ماں کا طعنہ بھی مجھے ملتا ہے۔ اب میرے باپ کا بھی طعنہ مجھے مارتے تم مجھ جیسی مینٹلی سک وومین کو مزید مینٹلی سک وومین بناؤ گے۔ ابرش نے شبنمی لہجے میں کہتے انگشت شہادت اٹھائی۔

میں طعنہ نہیں دے رہا ابرش۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اور حقیقت کڑوی ہوتی ہے۔ عنائیہ کے لیے کیسے کوئی اور بہتر ہو سکتا تھا۔ تم کسی کو بھی جانے بغیر کیسے کہہ سکتی ہو۔ وہ درخزئی سے بہتر ہوتا۔ پھوپھو نے بھی سمیع اللہ

خان جیسے باپ کو ٹھکرا کر امریکہ سے آیا ہوا بظاہر شریف دکھتا آدمی چنا تھا۔ کیا ہوا؟؟ وہ اپنے ساتھ تم سب کی زندگی بھی برباد کر گئی۔ ایک غلط فیصلہ نسلیں بگاڑ دیتا ہے ابرش۔۔ ایک غلط انسان کے زندگی میں آنے سے نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

مانتا ہوں غلط کیا میں نے۔ بہت غلط کیا میں نے۔۔ تمھاری بہن تھی وہ۔ اس پر تمھارا حق تھا مگر صرف پاشا جیسے آدمی کو اس کی زندگی میں آنے سے بچایا ہے۔ زاران نے لب بھینچے کہا۔

درخزئی اچھا ہے جو انسان خود پر کنٹرول نہ کر سکے۔۔ وہ کیسے اچھا انسان ہو سکتا ہے۔ کیسے وہ میری سولہ سالا بہن کے ساتھ رات گزار سکتا ہے؟؟۔ ابرش حلق کے بل چیخی تھی۔

مانتا ہوں اس ذلیل انسان نے غلط کیا۔ کیا کروں اب خود کو پھانسی چڑھوا دوں کیا؟!۔ زاران ابرش سے بھی زیادہ اونچی آواز میں دھاڑا تھا۔

زاران کی دھاڑ پر ابرش بری طرح لرز اٹھی تھی۔

زاران کی گہری سانسیں سرخ و سیفید چہرہ دیکھتے وہ کچھ پلوں کے لیے خاموش ہوئی تھی۔۔

پھانسی مت چڑھائیں۔ میرے قریب مت آیئے گا بس۔ کوئی تعلق نہیں میرا تم سے۔ چاہو تو جاؤ اپنی راتیں فارم ہاوس پر گزار دو۔ اگر اندر کی آگ زیادہ بھڑکے تو دوسری عورت بھی لے آنا۔۔ اب ابرش کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے ڈریسنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازے کے پاس اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

میرے باپ کا طعنہ مار کر تم نے آج مجھ سے خود کو ابرش پاشا کہنے کا غرور بھی چھین لیا ہے۔اس کے لیے کبھی تم کو معاف نہیں کروں گی۔ابرش انگشت شہادت انگلی اٹھائے اس کی پشت کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولتے ڈریسنگ روم سے نکل گئی تھی۔۔

آہہ۔۔زاران غصے سے دیوار پر مکہ مارتے ہوئے حلق کے بل چیخا۔۔

اگر مجھے ایک قتل معاف ہوتا تو تیرا کرتا ذلیل بغیرت ایس پی۔زاران جبڑے بھینچتے غرایا۔

سب سے خطرناک بیوی مجھے ملی ہے آج اندازہ ہوا ہے۔یہ عنقریب تجھے پاگل کر دے گی۔زاران مرر میں دیکھتے ہوئے گہرے سانس لیتے بڑبڑایا۔

وہ اب بری طرح پچھتا رہا تھا اس نے پاشا کا طعنہ کیوں مارا آخر۔۔۔اس کے گناہوں میں ایک اور آضافہ ہو چکا تھا اچھی طرح واقف تھا اس کی جذباتی طبعیت سے۔۔

غصے میں وہ خود پر کنٹرول ہی نہیں کر سکا تھا۔ حویلی کے تمام مردوں کو گالی دینے اور بستر پر خوش رکھنے والی بات پر اس کی دماغ کی رگیں گرم ہو گئی تھی۔ اور پھر بار بار خود سے دور جھٹکنا اسے پاگل کر گیا تھا۔

زاران اب ڈریسنگ روم میں چکر لگاتے اپنے طیش والم پر قابو پا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا منتقم مزاج بندے کی بیوی اتنی آسانی سے یہ بات نہیں چھوڑے گی۔

زارن نے آئی برو انگلی سے مسلتے ہوے جھنجھلاتے ہوے اپنی ٹی شرٹ اتار کر مرر پر دے ماری تھی۔۔

وہ جھنجھلاتے ہوے ڈریسنگ روم کے صوفے پر لیٹا۔

جانتا تھا کمرے میں اپنی بیوی کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکے گا۔

اور کمرے سے باہر گیا تو اس کی بیوی اس بات کو بنیاد بنا کر آج نہیں تو کل اس کا جینا حرام کرتے اس کے گناہوں میں آضافہ کرے گی۔۔ جتنی خفا تھی وہ کیسے اس کمرے سے نکل سکتا تھا۔

حیدر خان نے زرمش کے بے جان سے وجود پر کمبل اوڑھایا۔ وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔ ساحر خان کی تدفین کرتے وہ اور حاکم خان اسے اپنے ساتھ

واپس لے آئے تھے۔ جس کے ساتھ مضبوط رشتہ تھا۔ جب وہ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اسے وہاں چھوڑ کر کیا کرتے ؟!۔۔ رقیہ خانم نے ایک بار بھی زرمش کو اپنے سینے سے نہیں لگایا تھا۔ پتہ نہیں وہ ساحر خان کے جنازے پر چلی کیسے گئی تھیں۔ فرشتے کو وہ لے کر نہیں گیا تھا۔ دراب زراب کو بھی سفر کرنا پڑتا اس کے بیٹے ڈسٹرب ہو جاتے۔ پھر دراب تھوڑی تھوڑی دیر بعد فیڈ لیتا تھا۔۔ جس کی وجہ سے وہ فرشتے کو ساتھ اسلام آباد نہیں لے کر گیا تھا۔

وہاں ارحام خان کو دیکھتے اسے اپنا فیصلہ درست لگا تھا۔

۔ارحام خان نے حاکم خان اسے افسوس کیا تھا مگر اس سے کلام تک نہیں کیا تھا۔ حیدر خان کو وہاں صرف زرمش کی فکر تھی اب وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ جہاز اور گاڑی میں وہ اس کے سینے سے لپٹی سسکتی رہی تھی۔ حیدر خان جانتا تھا اسے کسی اپنے کے آغوش کی ضرورت ہے۔ ایک ماں کی

ضرورت ہے۔ رقیہ خانم کی وجہ سے ہمیشہ حاکم خان نے بھی اسے خود سے دور رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کسی کے ساتھ زیادہ اٹیچ نہیں تھی سوائے اس کے۔۔ وہ بھی بچپن سے اب تک رقیہ خانم کے سامنے اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔ وہ اس سے بھی اسی وجہ سے دور دور ہی رہتی تھی۔۔ کبھی اس پر بہن ہونے کا حق نہیں جتایا تھا۔ مگر آج وہ اسے چھوڑ ہی نہیں رہی تھی ۔اس کی شرٹ جکڑے اس کے سینے میں سمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

رقیہ خانم کا دل آج بھی سخت تھا۔ ابھی بھی پگھلا نہیں تھا۔ رقیہ خانم کا رویہ دیکھتے حیدر خان نے ایک پل کے لیے اسے خود سے علیحدہ نہیں کیا تھا۔۔ حویلی آئے اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔ مگر وہ دراب زراب اور فرشتے کے پاس نہیں گیا تھا۔ نہ آج کی رات اس کا زرمش کو چھوڑ کر کہیں بھی جانے کا آرادہ تھا۔

زرمش بیٹا!! حیدر خان نے نرمی سے پکارتے اس کے بکھرے بال عارض سے پیچھے کیے۔

وہ اس کے بیٹا کہنے پر بری طرح سسک پڑی تھی۔ حیدر خان کا مضبوط ہاتھ اپنے گال پر رکھ گئی۔

مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے لالا آپ کبھی۔ زرمش بری طرح سسک پڑی۔

نہیں میرا بیٹا کبھی بھی نہیں کبھی بھی نہیں۔ حیدر خان نے مضبوط لہجے میں کہتے اپنی نم آنکھیں بازو سے رگڑیں۔

مورے بلائیں گی پھر بھی نہیں۔ زرمش نے روتے ہوئے بچوں کی طرح سوال کیا۔

نہیں کبھی نہیں۔ حیدر خان کی آواز لڑکھڑائی تھی. شدت سے پچھتاوا ہوا تھا ۔۔ کاش وہ وقت پیچھے لے جا سکتا۔ جہاں وہ رقیہ خانم کی ناراضگی کے باوجود اپنی بہن کو تنہا کبھی نہ چھوڑتا۔

مورے اپنی قسم دیں گی پھر تو چھوڑ کر چلیں جائیں گے آپ۔ وہ شدت گریہ سے بولتے رو پڑی تھی۔

اس کی بات پر حیدر خان کی آنکھ سے آنسو گرتا اس کے بھیگے عارض کو مزید گیلا کر گیا۔

حیدر خان نے تڑپتے ہوے اس کے عارض سے بہتا سیال مادہ اپنے انگلیوں کے پوروں سے صاف کیا۔

پھر بھی نہیں جاؤں گا کہیں۔۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ حیدر خان کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔ احساس ہوا تھا ماں کے حقوق تو بہت ہیں مگر خدا نے سارے حقوق نبھانے کو کہا ہے۔ آج ایک اور بات سمجھ آئی تھی۔ خدا نے مرد کو طاقتور کیوں بنایا تھا تا کہ وہ رشتوں میں میانہ روی رکھے انصاف کرے۔ عورت کا سرپرست اس لیے بنایا تھا تا کہ اس کے معاملے میں خدا سے ڈرے۔ اور اس نے کیا کیا ایک ماں کا رشتہ نبھاتے نبھاتے سب کو بھول گیا۔ اپنی بہن کو بھول گیا۔ اس کے اندر کس طرح کے خوف تھے وہ کبھی جان ہی نہیں سکا تھا۔

دراب زراب تو مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔۔ مورے کے لیے نہ صیح ان کے لیے چھوڑ دیں گے۔ زرمش کی بات پر حیدر خان کی ہلکی گھنی بئیرڈ آنسوؤں

سے تر ہوئی۔۔اس کا کوئی رشتہ اس پر اعتبار نہ کرتا تھا۔اس کی بہن کو لگتا تھا وہ اپنے بیٹوں کی وجہ سے اسے چھوڑ دے گا۔کیا وہ سچ میں کمزور مرد تھا؟؟ کسی کے لیے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔حیدر خان اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے اس کے سسکتے وجود کو دلاسہ دینے لگا۔

چھوڑ دیں گے لالا!!میری اتنی ویلیو نہیں۔مورے کے لیے بوجھ۔۔بابا کے لیے بوجھ۔آپ کے بوجھ ساحر خان کے لیے بوجھ۔کسی نے محبت کی ہی نہیں مجھ سے لالا۔سب چھوڑ دیتے ہیں۔کیا میں خوبصورت نہیں لالا؟!۔میں اتنی بری ہوں مجھ سے کوئی محبت ہی نہیں کرتا۔زرمش روتے ہوئے بولی۔

تم کسی کے لیے بوجھ نہیں۔ یقین کرو میرا بیٹا۔ دراب زراب فرشتے سے زیادہ پیاری ہو مجھے۔ کیونکہ تم بیٹی ہو اور بیٹیاں سب سے پیاری ہوتی ہیں۔ میری زرمش مجھے بہت پیاری ہے۔

حیدر خان نے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔

لالا مجھے مت چھوڑنا۔۔ آپ کو دراب زراب کی قسم۔ آپ کو مورے کی قسم۔۔ لالا مجھے مت چھوڑنا ورنہ میں مر جاؤں گی۔ زرمش حیدر خان کو دیکھتے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔۔

حیدر خان اس کا ہاتھ تھامے اپنے لبوں سے لگائے رو دیا۔

آلارم کی آواز پر درخزئی کی آنکھ اسی لمحے کھلی تھی۔ وہ اپنے فون پر فجر کے لیے آلارم لگا کر سویا تھا۔دوسرا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے عنائیہ کے کمرے سے نکلتا کوئی دیکھے ۔اس لیے وہ سب کے اٹھنے سے پہلے یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

درید اور اربد خان اور سمیع اللہ خان بظاہر زحلے ابرش عنائیہ کے ہر معاملے سے لاپرواہ نظر آتے تھے۔مگر پھر بھی اس سے بڑھ کر ان کا عنائیہ سے رشتہ تھا۔ ابرش کے حویلی چھوڑنے اور ر سمیع اللہ خان کا دل زحلے اور ابرش سے بہت سخت ہو چکا تھا۔.زحلے کی غلطی مشکل سے معاف کی تھی ۔ابرش کا دوسری بار حویلی چھوڑنے پر ان کے دل میں پڑی گانٹھ مزید گہری ہو چکی تھی ۔درخزئی بہت کچھ سمجھتا تھا وہ رشتوں کی نزاکت بھی سمجھتا تھا۔اس کا عنائیہ کے

ساتھ رات رکنا حویلی کے بڑوں کو پسند نہیں آئے گا۔اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا بات بڑوں تک پہنچے ۔

درخزئی نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے لمیپ آن کیے اپنی آنکھیں انگلیوں سے مسلیں۔

ابھی ایک گھنٹے پہلے ہی وہ سویا تھا۔مگر آنکھ آلارم کی ایک ہی بیل پر کھلی تھی پولیس والا تھا۔بہت سٹرکٹ رولز فالو کرتا تھا بہت سخت قسم کی ٹریننگ لی تھی۔ایک گھنٹے کی نیند لے کر بھی وہ فریش ہو جاتا تھا

درخزئی نے اپنے سینے پر سر رکھی سوئی عنائیہ کو دیکھا وہ اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اپنی ایک ٹانگ اس پر رکھے ہوے اس کے سینے میں گھسی ہوئی تھی۔ ۔۔درخزئی کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ

بکھری ۔وہ رات تھوڑی دیر بعد ہی اس کی بانہوں میں سو گئی تھی۔

وہ دو گھنٹے مسلسل اس کی کمر اس کے شولڈرز کو دباتا رہا تھا۔درخزئی نے اسے نرمی سے خود سے علیحدہ کرتے اسے تکیے پر کیا۔۔اس کی نظر اپنی یونیفارم پر پڑی ۔درخزئی خانزادہ لب بھینچ گیا تھا۔اسے اپنے یونیفارم سے بہت پیار تھا۔ذرا میلا نہیں ہونے دیتا تھا۔نہ یونیفارم کبھی پہن کر سویا تھا۔اسے ابھی ڈیوٹی پر بھی جانا تھا۔اور یہاں اس کے پاس ایک ہی یونیفارم تھا۔درخزئی اپنی یونفیارم کو لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔عنائیہ کی آنکھ اسی لمحے کھلی تھی۔بیڈ شیٹ کو دیکھ کر اس کا چہرہ سرخ قندھار ہوا تھا۔خجالت کے احساس سے وہ

درخزئی کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔عنائیہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوے نظریں جھکائے اپنے سلکی براؤن بال سمیٹ کر جوڑا بنایا۔

درخزئی نے اس کی جھکی نظریں اور سرخ چہرے کو بغور دیکھا۔وہ نظریں جھکائے لب کاٹ رہی تھی۔

درخزئی نے اس کے قریب ہوتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔عنائیہ نے بے یقینی سے آنکھیں پٹپٹائے درخزئی کو دیکھا۔وہ اس کا چہرہ تھامے اس کے عارض پر اپنے لب رکھتے اسے گیلا کر رہا تھا۔

ہے مائی سوین!!مجھے نماز پڑھنی ہے اور ڈیوٹی پر بھی جانا ہے۔مجھے اس وقت جانا ہو گا ہمممم۔۔درخزئی نے اس کے لبوں پر اپنے لب مس کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نرمی سے کہا۔

اس کے نماز پڑھنے اور ڈیوٹی پر جانے کا سن کر وہ مزید خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

آج جلدی آ جاؤں گا اور تمھارے لیے کیک چاکلیٹس پھول بلکل نہیں لاؤں گا۔ ورنہ تم اس ایس پی کی جان لے لو گی۔

اور مجھے مرنا نہیں جب تک میں تمھارے ساتھ اپنی ویڈنگ نایٹ نہ منا لوں۔درخزئی نے اسے بے باکی سے آنکھ مارتے جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر نرمی سے لب رکھے۔

دور رہو ایس پی!!زیادہ قریب آؤ گے تب بھی جان لے لوں گی۔عنائیہ نے گلاب کی طرح سرخ ہوتے اسے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے دور دھکیلا۔ویڈنگ نایٹ والی بات اور اس کا دل کے مقام پر لب رکھنے سے اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

عنائیہ کے غرانے پر درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا۔

ایسے بات کیا کرو مجھ سے!!ایس پی کی بیوی کو ایسا ہی ہونا چاہیے اور خانزادوں سے ڈرنا چھوڑ دو۔۔تمھارا خانزادہ تو ابھی سے تمھارا زن مرید بن چکا ہے۔اور ساری عمر زن مرید بن کر رہنے کو تیار ہے۔ڈرنا صرف ہماری ویڈنگ نایٹ کو۔تب تمھارا ڈرنا جائز ہو گا۔درخزئی ذومعنی انداز میں اسے بے باکی سے آنکھ مارتے ہوے بیڈ سے اٹھتے ہوے دروازے کی طرف بڑھا۔

۔درخزئی نے مڑتے ہوے اس ایک نظر دیکھا تھا۔وہ غصے سے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔۔ وہ اسے فلاینگ کس کرتے ہوے آنکھ مارتے کمرے سے نکل گیا۔

عنائیہ نے گہرے سانس لیتے خود پر بمشکل قابو پایا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے سایڈ ٹیبل پر پڑا لمیپ اٹھا کر پوری قوت سے دروازے پر دے مارا۔

اندر سے آتی زور دار آواز پر درخزئی کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ بکھری۔ وہ اس کی خفت دور کرنا چاہتا تھا یقیناً اب خفت دور ہو چکی تھی۔اب تو اس کی خوبصورت کم عمر بیوی کا اسے قتل کرنے کا دل چاہ رہا ہو گا۔درخزئی اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زاران نے لب بھینچے سرد نگاہ ابرش پر ڈالی جو اس کے ساتھ والی کرسی چھوڑ کر دوسری کرسی پر بیٹھی تھی۔

وہ لوگ اس وقت ڈائننگ روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

زاران نے ابرش کو سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنے سامنے درخزئی پر خونخوار نگاہ ڈالی جو بلو جینز پر سفید شرٹ میں ملبوس اپنی پلیٹ پر نظریں جھکائے سنجیدگی سے ناشتہ کر رہا تھا۔اس کے ساتھ والی چیئر پر اسفند اور عابیر بیٹھے تھے۔

اس وقت ڈائینگ روم میں تقریباً سب ہی موجود تھے۔شہرام خان صبح صبح ہاسپٹل نکل گیا تھا۔بہارے بہرام کے ساتھ ابھی بھی سو رہی تھی ۔حور اور پریذے بھی کمرے میں ابھی سو رہی تھیں۔اربد خان زمینوں کے کام کے سلسلے میں دوسرے گاؤں گئے ہوے تھے۔جہاں ان کی زمینیں تھیں۔

امینہ خانم روزینہ خانم درید خان سمیع اللہ خان زحلے باقی سب ہی موجود تھے۔

ابرش کے زاران سے دور بیٹھنے پر سب نے ہی نوٹس کیا تھا۔زاران کا سرد سرخ چہرہ سرخ آنکھیں دیکھتے سب سمجھ گئے تھے۔ابرش اور زاران میں کچھ ٹھیک نہیں

اسی لمحے عنائیہ بلو جینز پر ریڈ شارٹ کرتی اس پر بلیک شارٹ لیدر جیکٹ میں ملبوس ڈائینگ روم میں داخل ہوئی .بالوں کی اونچی پونی بنائی ہوئی تھی ۔

درخزئی نے اس کی ڈریسنگ دیکھ کر نچلا لب دانتوں تلے پیوست کرتے بمشکل اپنے اندر اٹھتے بھانبڑوں پر قابو پایا۔وہ سولہ سال کی ضرور تھی مگر جسمانی خدوخال سے وہ کسی بیس سال کی لڑکی کو بھی

پیچھے چھوڑتی تھی۔اس وقت بغیر دوپٹے کے اس کی ڈریسنگ تقریباً بولڈ لگ رہی تھی۔وہ جانتا تھا حویلی کا کوئی بھی مرد اس پر غلطی سے نگاہ نہیں ڈالے گا۔ مگر وہ اس طرح کی ڈریسنگ میں کسی کے سامنے آئے یہ درخزئی خانزادہ کے لیے خود پر کھولتا پانی انڈیلنے کے مترداف تھا۔اس پر غصہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کنڈیشن میں تو بلکل نہیں۔بہت پیار سے وہ اسے ڈیل کرنا چاہتا تھا۔مگر کچھ باتوں پر ظبط کرنا مشکل تھا۔عنائیہ نے یہ ڈریسنگ جان بوجھ کر کی تھی وہ سمجھتا تھا۔بے شک وہ اسی طرح کی ڈریسنگ کرتی تھی۔مگر نکاح کے بعد وہ اس کے اور اپنے تعلق کی نوعیت سمجھتی تھی۔نکاح کی رات اس نے خود کہا تھا وہ اسے پردے میں رکھے گا۔وہ جانتی تھی حویلی میں خانزادوں کی بیویاں کس طرح رہتی ہیں۔درخزئی نے

ابرش اور عابیر پر نظر ڈالی۔جو بڑی بڑی چادروں میں ملبوس تھیں۔ابرش زاران سے ناراض تھی مگر اس کی چادر نے اس کے بالوں تک کو چھپایا ہوا تھا۔ ۔درخزئی نے پراٹھے کا نوالہ پلیٹ میں پٹختے اپنے انگوٹھے سے آئی برو مسلتے ہوے خود پر بمشکل قابو پایا۔

عنائیہ سب کو سلام کرتے ابرش کے ساتھ خالی کرسی کی طرف بڑھی ۔درخزئی نے اپنے ساتھ والی کرسی کھینچ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

عنائیہ نے ایک نظر درخزئی کی طرف دیکھا جس نے اشارے سے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔عنائیہ درخزئی کے اشارے پر خاموشی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے ساتھ والی کر چئیر پر بیٹھ گئی۔

عنائیہ کو درخزئی کی سات والی کرسی پر بیٹھتا دیکھ کر زاران نے سلگتے ہوے اپنے سامنے پڑی پلیٹ دور کھسکاتے درخزئی پر سلگتی نظر ڈالی۔

درخزئی زاران کو آنکھ مارتے ہوے اپنی پلیٹ پر جھکے ناشتہ کرنے لگا۔

یہ سب دیکھتے اسفند کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

اسفند کیا ہوا ہے؟؟عابیر نے جگ سے پانی انڈیلتے ہوے اسفند کے لبوں سے لگایا۔

اب کھانسی کا دروہ پڑنے کی باری درخزئی کی تھی۔وہ بھی اپنے منہ کے آگے ہاتھ رکھے ہلکا ہلکا کھانسنے لگا تھا۔

زاران چیئیر کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔جن کی کھانسی اس کے اندر مزید شعلے سے دہکا رہی تھی۔۔

کیا ہوا ہے؟؟یہ تم دونوں کو کھانسی کا دورہ کیوں پڑا ہے؟؟اگر اتنا ہی کھانسی آ رہا ہے ۔کھانسی کا شربت استعمال کرو۔یہ مسخرہ پن نہ کرو۔سمیع اللہ نے زاران کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالتے درخزئی اور اسفند کو گھورا انہوں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے تھے۔وہ دونوں کی کھانسی کا مطلب بخوبی جان چکے تھے۔

سمیع اللہ کی ڈانٹ پر دونوں کی کھانسی کو اسی لمحے بریک لگا تھا۔

زاران لب بھینچے ناشتہ چھوڑے سرد نگاہوں سے درخزئی کو دیکھ رہا تھا۔جو کندے اچکائے اطمینان سے اب ناشتہ کر رہا تھا۔

زاران بچہ !!تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہا ؟؟امینہ خانم نے پریشانی سے زاران کو دیکھا جس کی پلیٹ میں ویسے کا ویسے ہی سب پڑا تھا۔

امینہ خانم نے ابرش کی طرف دیکھا جو رائل بلو کلر کے سٹایلش سے ڈریس میں ملبوس تھی۔ جس پر بلو کلر کی شال اچھی طرح سر پر اوڑھے ہوے بے پروائی سے ناشتہ کر رہی تھی۔ زاران کی طرف سے اس کی حد درجہ لاپرواہی دیکھ اکر امینہ خانم بری طرح چونکی تھی۔ڈائینگ روم ہو یا لاونج وہ زاران کے بے حد قریب بیٹھتی تھی۔اور اس کے کھانے پینے کا بھی خیال کرتی تھی۔آج تو وہ زاران کو ایسے اگنور کیے ہوے تھی جیسے وہ وہاں ہے ہی نہیں۔

کچھ نہیں مورے دل نہیں کر رہا۔زاران نے سنجیدگی سے کہا۔زاران کا سرد سنجیدہ چہرہ دیکھ کر امینہ خانم خاموش ہو گئی

تھیں۔ان کی عادت تھی شہرام ارحام زاران جب غصے میں ہوتے تھے وہ خاموش ہو جاتی تھیں۔

زاران کی بے انتہا سنجیدگی پر اسفند اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت سفید شلوار قیمض پر آف وایٹ شال اوڑھے ہوے تھا۔اسفند نے گہری نگاہ زاران پر ڈالی۔

جس کی رنگت میں تو سرخیاں گھلی ہی تھیں۔آنکھوں میں رت جگے کی سرخی دیکھ کر وہ اب پریشان ہوا تھا۔رت جگی سرخ آنکھوں میں بے خمار کی سرخی نہیں بلکہ بے چینی نمایاں تھی۔

اسفند کی نہ چاہتے ہوے بھی ابرش پر نگاہ اٹھی۔جس کا چہرہ بھی اچھا خاصہ سنجیدہ تھا۔وہ نظریں جھکائے ناشتے کی چھوٹی چھوٹی بایٹ لے رہی تھی۔

اسفند نے اب درخزئی پر نگاہ ڈالی جو اطیمنان سے ٹکا کر ناشتہ کر رہا تھا۔بلکہ آج ضرورت سے زیادہ ہی ناشتہ کر رہا تھا۔

بس کر دے ہاتھ ہولہ رکھ منسٹر صاحب کو جلانے کے چکروں میں پولیس والوں کی طرح پیٹ نکل آئے گا ۔اسفند یار خان نے درخزئی کی طرف جھکتے دانت پیستے سرگوشی کی۔اپنے دوست کی حالت اسے اب کافی چبھی تھی۔اسفند اس وقت سفید شلوار قمیض پر سیاہ شال اوڑھے ہوے تھا۔

وے سے ہمارا گھر کا کونسا عورت رہ گیا ہے جس نے زنان خانہ میں تماشہ نہ کیا ہو۔ سمیع اللہ نے طنزیہ سب کو دیکھتے پوچھا۔

داجی ۔۔۔حور بھابھی اور عنائیہ ۔۔درخشاں ڈائننگ حال میں داخل ہوتے بولتے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

ڈائننگ روم میں موجود تمام مردوں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ سمیع اللہ درید خان نے صیح معنوں میں گھورا تھا۔

ہم سچ کہہ رہا ہے ۔۔حور بھابھی اور عنائیہ صرف رہ گیا۔درخشاں بری طرح گڑبڑائی تھی۔

عنائیہ کبھی تماشہ نہیں لگائے گی اس بات کی گارنٹی میں دیتا ہوں

درخزئی کرسی کے بازو پر ہاتھ جمائے کرسی سے ٹیک لگاتے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے سنجیدگی سے بولا۔

یہ جو ادھر غیرت مند سارا خانزادہ بیٹھا ہے یہ بھی مرد لوگ تھا شادی سے پہلے۔۔اب دیکھو تم کب تک مرد بن کر رہتا ہے۔ سمیع اللہ زاران اور اسفند کو دیکھتے طنزًا مسکراتے ہوے کرسی سے کھڑے ہوتے ڈائینگ روم سے نکل گئے تھے۔

زاران اسفند سب کے چہرے اب ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوے تھے۔۔اسفند یار خان اور زاران نے گھور کر درخزئی کو دیکھا جس کی وجہ سے سمیع اللہ خان سب کے سامنے انھیں نامرد کہہ کر گئے تھے۔۔درخزئی زاران کو دیکھتے آنکھیں جھپکتا مسکرایا تھا۔ زاران نے

نظریں جھکائے اپنی گردن رب کی۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا آخر سامنے بیٹھے اس بغیرت ایس پی کو برداشت کیسے کر رہا ہے۔۔

اسفند کی خونخوار نگاہوں کا رخ اب درخشاں پر تھا۔ درخشاں گھبراتے ہوے چائے کی کیٹلی ڈائینگ ٹیبل پر رکھتے چلی گئی تھی۔۔

اسلام و علیکم۔۔پلوشہ نے ڈائینگ روم میں داخل ہوتے بلند آواز میں سلام کیا۔

زاران نے بے یقینی سے اسے دیکھ تھا۔جس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔وہ خاموشی سے گرم گرم پراٹھے اور املیٹ امینہ خانم کے سامنے رکھتے چلی گئی تھی۔

زاران کی سرد سرخ بے یقین نظروں کو دیکھتے امینہ خانم نے جذبذ ہوتے نگاہیں پھیریں۔

یہ یہاں کیا کر رہی ہے مورے؟؟زاران کی سرد سنجیدہ آواز پر ڈائینگ روم میں گہری خاموشی چھائی تھی۔

درخزئی نے حویلی میں تقریب رکھا ہے۔ سارا خاندان کو بلایا ہے۔تمھارا ماموں اس کو چھوڑ کر گیا ہے۔امینہ خانم نے آہستگی سے وضاحت دی۔

کیا مطلب ہے اس بات کا مورے؟ ؟ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟؟ پلوشہ نے جو کیا اس کے باوجود بھی۔ زاران نے امینہ خانم کو سرد نگاہوں سے دیکھتے استفسار کیا۔

پلوشہ نے جو کیا زاران !!وہ ہم کیسے اپنا بھائی کو بتا سکتا تھا۔ہم نے سرمد خان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ صرف تمھارا رشتہ سے سختی سے انکار کر دیا تھا۔تم ہی بتاؤ ہم کیسے کہتا تمھارا بیٹی نے یہ کیا؟؟ہمارا بھائی ہے وہ یہ سب سن کر اس کا نظریں ہمارا سامنے جھکتا ہم کو اچھا نہ لگتا۔ امینہ خانم نے زاران کو دیکھتے مزید آہستگی سے وضاحت دی۔ اپنے بھائی کو کچھ کہہ نہ سکی تھیں۔وہ بہت محبت کرتا تھا امینہ خانم سے ۔امینہ خانم خود بھی بہت محبت کرتی تھیں۔پلوشہ ان کی اکلوتی بھتیجی تھیں۔وہ اس سے بھی محبت کرتی تھی۔مگر جو اس نے کیا وہ آج تک زاران کے سامنے شرمندہ تھیں۔

میں کچھ نہیں جانتا مورے۔۔اسے ابھی اور یہاں سے نکالیں۔زاران پلیٹ میں کانٹا پٹخٹے حلق کے بل دھاڑا۔اسے دیکھتے وہ سیخ پا ہوا تھا۔اپنا بچہ اور بھی بہت کچھ یاد آیا تھا۔

زاران کی دھاڑ پر امینہ خانم کے ساتھ ابرش بھی لرز اٹھی تھیں۔اس پورے وقت میں وہ پہلی بار خوفزدہ ہوئی تھی ۔

اس کے ایسے غصے سے اس کی جان جاتی تھی۔ ابھی بھی وہ بری طرح لرزی تھی ۔

باقی سب کے چہرے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوے تھے۔

یہ کیا طریقہ ہے یہ کس طرح بات کر رہا ہے تم اپنا مورے سے؟؟درید خان طیش و الم میں گرج اٹھے تھے ۔۔

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اب جبڑے بھینچے ہوے تھا۔

یہ حویلی تمھارا اور ارحام کا نام ضرور ہے ۔مگر اس حویلی کا بڑا تم نہیں ہے۔امینہ جس کو چاہے گا اس کو یہاں بلائے گا۔تم کون ہوتا ہے روکنے والا۔درید خان کی گرج پوری حویلی میں گونجی تھی۔

میں معافی چاہتا ہوں بابا جان۔میں مورے سے ایسے بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا پلوشہ کو ادھر دیکھ کر میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔زاران نے سنجیدگی سے وضاحت دی۔

یہ معافی ہم سے نہیں اپنا مورے سے مانگو۔جس نے تم کو پیدا کیا ۔آیندہ ہم تم کو امینہ سے ایسے بات کرتا نہ دیکھے۔ درید خان زاران خانزادہ کو سرد انداز میں تنبیہہ کرتے غصے سے وہاں سے واک آوٹ کر گئے تھے۔

زاران اسی لمحے کرسی سے اٹھتے امینہ خانم کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا۔

یہ کیا کر رہا ہے تم زاران؟!امینہ خانم نے زاران کے سر پر ہاتھ رکھا۔

مورے!!وہاں بیٹھ رہا ہوں جہاں میری جنت ہے۔۔مجھے معاف کر دیں مورے۔آپ کے سامنے میری نظریں نہیں اٹھنی چاہیے۔میں آپ پر چلایا۔۔زاران نے ان کے ہاتھ پکڑتے ان کی ہتھیلیاں چومیں۔

زاران تمھارا غصہ جائز ہے۔اس نے تمھارا اور ابرش کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔مگر اس نے ہم سے معافی مانگی ہے اس کا تو اب مگنی بھی ہو چکا ہے۔تمھارا بیوی کو پلوشہ کا آنے کا پتہ ہے۔کل رات اس کا

سامنے آیا ہے۔ہم نے اس سے پوچھا تھا اگر اس کو اعتراض ہے تو ہم اسے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس نے کہا اس کو کوئی اعتراض نہیں۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا پلوشہ کے ادھر رہنے سے۔ آمینہ خانم نے پھر سے وضاحت دی تھی۔ ۔امینہ خانم کی بات پر زاران نے ابرش کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ اپنی نظریں پھیر چکی تھی۔

زاران سر جھٹکتے امینہ خانم کی طرف متوجہ ہوا۔

مورے آپ مجھے مزید شرمندہ کر رہی ہیں۔یہ حویلی آپ کی ہے۔ آپ جسے چاہیں یہاں رکھیں۔آپ کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ زاران نے ان کے ہاتھ تھامے اب اپنی آنکھوں سے لگائے۔

جیتا رہو میرا بیٹا !!ہم جانتا ہمارا سب بیٹا بہت فرمانبردار ہے۔تم یہاں سے اٹھو ہم کو اچھا نہیں لگ رہا۔تم سب کا سامنے ایسے معافی مانگ رہا ہم کو یہ بات بھی اچھا نہیں لگ رہا۔امینہ خانم نے آہستگی سے کہا۔

مورے جب غلطی سب کے سامنے کی ہے تو معافی بھی سب کے سامنے مانگنی چاہیے۔۔معاف کر دیں مجھے۔۔زاران نے نرمی سے کہتے احتراماً ان کے گھٹنے پر لب رکھے۔۔

جیتا رہو ہمارا دعا ہے۔ اللہ تم کو تمھارا جیسا بیٹا دے۔امینہ خانم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زاران کو دیکھتے دعا دی۔

انشاءاللہ مورے۔۔زاران نے ابرش کی جھکی نظریں دیکھ کر مسکراتے ہوے کہا۔

وہ نظریں جھکائے ہوے تھی۔چہرہ گلاب کی طرح سرخ تھا۔وہ سمجھ نہیں پایا تھا وہ شرم سے سرخ تھا یا پھر پلوشہ کی یہاں موجود گی پر۔۔زاران گہرا سانس لیتے زمین سے اٹھتا کرسی پر بیٹھتے ناشتہ کرنے لگا۔

وہ ناشتہ نہ کرتا امینہ خانم پریشان ہو جاتی۔وہ بریڈ کے ساتھ املیٹ کھا رہا تھا۔درخشاں کے لائے ہوے ناشتے کی طرف اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔اپنی بیوی کی پوزیسونیس سے واقف تھا۔وہ غلطی سے بھی چکھ لیتا وہ اس کی جان کو آجاتی۔۔۔

اللہ سچ میں زاران جیسا بیٹا ہر مورے کو دے۔۔روزینہ خانم کی اونچی آواز پر اسفند یار خان نے جذبذ ہوتے پہلو بدلا تھا۔

اسفند یار خان کا چہرہ دیکھ درخزئی خانزادہ اتنی سیریس سچویشن میں کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ اب وہ اتنی سنجیدہ سچویشن میں ہنس نہیں تھا۔ مگر روزینہ خانم کی دعا پر اس کے لیے ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اسفند درخزئی کو سرد نگاہوں سے دیکھتے ڈاینگ روم سے نکل گیا تھا۔

میری بات سنو مائی سوین!!درخزئی عنائیہ کے کان میں جھکتے سرگوشی کرتے کرسی سے اٹھتے ڈائینگ روم سے نکل گیا۔

ابرش شعلہ بار نگاہوں سے درخزئی کو گھورتے ہوے ڈاینگ روم سے نکل گئی تھی۔۔

زاران نے تشویش سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔اسے پورا یقین تھا اس کی بیوی درخزئی خانزادہ کے پیچھے گئی ہے۔۔

زاران نے پریشان ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔دوسرے لمحے وہ جبڑے بھینچتے چیر گھسیٹتے ہوے ڈائینگ روم سے نکل گیا۔

---.-----

اسفند یار خان نے کچن میں داخل ہوتے کچن کا دروازہ بند کرتے لاک کیا۔

عابیر اسفند یار خان کو کچن میں دیکھتے بوکھلائی ۔

وہ اس وقت بلیک فراک میں ملبوس تھی۔جس کا پچھلا گلہ کافی گہرا تھا۔فراک کافی فٹنگ میں بھی تھا۔۔اس کی شال کچن میں موجود کرسی پر پڑی تھی۔

وہ اپنے سنہرے بالوں کو جوڑے میں مقید کیے ہوے تھی۔

جس کے باعث اس پچھلا گہرا گلہ بہت نمایاں ہو رہا تھا۔اس کے گہرے گلے سے نظر آتی اس کی بیک پر اسفند کی شدتیں بھی نمایاں ہورہی تھیں۔

سفند کو بلیک کلر پسند تھا۔وہ اسے بلیک کلر میں دیکھ کر اپنا ہوش کھونے لگتا تھا۔کمرے اور باہر بھی موقع ملتے وہ اس کے ساتھ شراتیں ضرور کرتا تھا۔اس لیے وہ زیادہ تر بلیک پہنتی تھی۔۔

اسفند اس کے پیچھے آئے گا وہ جانتی تھی۔لاشعوری طور پر وہ اس کی منتظر بھی تھی۔اسفند کو گہری نگاہوں سے دیکھتے وہ گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔۔اسفند نے اس کے نشیب و فراز پر نگاہیں گاڑھے اسے بے باک اشارہ کیا۔

جسے سمجھتی وہ سرخ ہوتے شرماتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

اسفند یار خان مسکراتے ہوے اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار قائم کر گیا

میرا سرخ گلاب!!یہ کس طرح کا لباس پہنا ہے۔اور کچن میں بغیر شال کے کھڑی تھی۔۔اسفند نے اس کے بالوں کا ڈھیلا جوڑا کھولتے اس کے پشت بالوں سے ڈھکی ت۔اسے بلکل اچھا نہیں لگا تھا اس کا کچن میں بغیر شال کے کھڑا ہونا۔

اسفند یہ آپ کا فیورٹ فراک ہے۔ اس لیے پہنا ہے۔اور اتنی بڑی چادر لی ہوئی تھی۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اتاری ہے

عابیر نے اسفند کے سینے سے سر اٹھائے اسفند کی آنکھوں مین دیکھتے وضاحت دی۔

میرا سفاک گلاب!!تم مجھے ہر رنگ ہر لباس میں پیاری لگتی ہو۔اس طرح کے لباس صرف کمرے میں پہنا کرو۔۔مجھے بلکل اچھا نہیں لگا تمھیں ایسے ادھر دیکھ کر۔میری محبت کے نشان تمھارے بدن پر

کوئی اور دیکھے چاہے وہ اس حویلی کی عورت ہی کیوں نہ ہو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔

آیندہ ایسا لباس تمھیں پہنتے نہ دیکھوں۔اسفند نے پیار سے اس کی ناک پر اپنے لب رکھے تھے۔عابیر نے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

اسفند اسے خود سے علیحدہ کرتے کچن کی سلیب کے ساتھ لگا گیا تھا۔

یہ قیامت سی رعنائیاں !!یہ بل کھاتی کمر یہ اور اس قیامت خیز بدن پر ناہمواریاں صرف مجھے دیکھنے کا حق ہے ۔۔اسفند یار خان نے گھمبیر آواز میں بولتے عابیر کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے۔

میرا حق ہے ناں میرا سرخ گلاب!!اسفند یار خان نے اس کی ٹھوڑی چھوتے اس کی سرمئی گہری آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔

عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔۔

صرف میری ہو ناں ۔۔اسفند یار خان نے بھاری آواز میں پوچھا۔

عابیر نے مسکراتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

جب میری ہو تو میرے سامنے اپنے لالا کو اتنی امپورٹنس کیوں دیتی ہو ۔ ہمممم ؟ !۔۔اسفند نے اس کی گردن پر لب رکھتے شکوہ کیا ۔۔

عابیر جو اسفند کے دہکتے لبوں کی بوچھاڑ پر آنکھیں میچے ہوے تھی۔اسفند کے شکوے پر عابیر کے لبوں سے ہنسی کا فوراہ بلند ہوا تھا۔اسے ہنستا دیکھ کر اسفند نے گھور کر اسے دیکھا

او۔۔اسفند آپ کتنے جیلس ہوتے ہی؟!۔وہ میرے لالا ہیں۔اسفند کی سلگتی نگاہیں دیکھ کر عابیر نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے کہا۔مگر ہنسی رک ہی نہیں رہی رتھی۔

ہوتا ہوں جیلس تمھارے معاملے میں تمھارے لالا سے بھی۔میرے سامنے اسے امپورٹنس مت دیا کرو۔اور اس کی پروہ کرنے کے لیے اس کی بیوی ہے تم صرف اپنے شوہر کی پرواہ کیا کرو۔اسفند اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کرتے اسے سینے میں بھینچے نازکی محسوس کرنے لگا۔

اسفند چھوڑیں کوئی آ جائے گا۔عابیر اس کے حصار میں مچلی تھی۔وہ اسے بہت سختی سے سینے میں بھینچے ہوے تھا۔

اسفن نے اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے اسے سلیب سے لگاتے کچن کی شیلف پر پڑی پلیٹ میں سے سٹابرای اٹھائے سٹابری کی بایٹ لی تھی۔ ۔وہی سٹابری سے عابیر کے لبوں پر لگاتے اس کے لبوں پر جھک کر اس کے لبوں کو دیوانگی کے عالم میں سک کرنے لگا۔وہ اس کے لبوں کو سرخ قندھار کرتے پیچھے ہوا۔

اسفند!!یہ کیا کر رہے ہیں۔عابیر اس کی حرکت پر سرخ ہوئی تھی ۔۔اسفند نے اب وہی سٹابری اس کے عارض پر رگڑی تھی۔وہاں جھکتے اپنے لب رکھتے اس کا عارض مزید گیلا کر گیا

اسفند ۔۔۔عابیر شرماتے ہوے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔اسفند اسے خود سے علیحدہ کرتے وہی سٹابری اس کی گردن پر لگائی تھی۔اب وہ اس کی گردن پر جھکے اس کی گردن کو سرخ کرتے اپنی زبان سے گیلا کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سٹابری وہاں رگڑ رہا تھا۔ وہیں لب رکھتا تو عابیر مزید سرخ ہو جاتی۔ اس کے پیار کرنے کا یہ انداز اسے اچھا لگ رہا تھا۔

عابیر اس کی شرٹ جکڑے ہوے آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔

اسفند نے وہ سٹابری اس کے منہ میں رکھتے ہوے اس کے لبوں پر جھکا۔ اب عابیر بھی اس کی شدت کا ساتھ دیتےوہ سٹابری کھا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس سے علیحدہ ہوا تو عابیر نے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے۔

!!باقی کا پروسیس رات میں۔میرا سرخ گلاب

اسفند نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے اس کی بانہیں اپنی گردن سے علیحدہ کیں۔

اسفند !!یہ ٹھیک ہے جب آپ کا دل کرتا ہے میرے قریب آ جاتے ہیں۔جب مجھے آپ چاہیے ہوتے ہو ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں۔عابیر نے نروٹھے انداز میں شکوہ کیا۔

اس کے شکوے پر اسفند کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

میرا سرخ گلاب !!میری سفاک پٹھانی ۔ تمھاری بے قراریاں بڑھا رہا ہوں تاکہ مجھے رات کو زیادہ محنت نہ کرنی پڑے۔۔تم مجھے دیکھتے تڑپتے ہوے میری بانہوں میں سما جاؤ۔اسفند ذو معنی انداز میں بولتے اس کے سرخ گال کو دانتوں سے کھینچ گیا۔

عابیر نے سسکی لیتے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے ناراضگی میں اس کا لمس رگڑتے اپنے ہاتھ سے مٹایا۔

اسفند اس کی ناراضگی پر گہرا مسکرایا تھا۔

چادر اوڑھو ۔۔کمرے میں چلتے ہیں۔اسفند نے مسکراہٹ دبائے کہا۔

ضرورت نہیں !!مجھ پر احسان کرنے کی ضروت نہیں ۔۔عابیر رخ پلٹتے ہوے نروٹھے انداز میں کہتے غصے سے کٹنگ بورڈ پر فروٹ کاٹنے لگی۔

تمھاری قربت میرے لیے احسان ہے میرا سرخ گلاب!!میری سانسوں کی ضمانت !!اوہ اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جماتے اپنے قریب کر گیا تھا۔عابیر اس کی بات پر رخ پلٹتے ہوے اس کے سینے میں سمائی۔

میں مذاق کر رہی تھی اسفند !!مجھے کمرے میں نہیں جاناعابیر نے اس کے سینے میں منہ چھپاتے جھنپتے ہوے کہا۔وہ بے ساختگی میں اپنی خواہش کا اظہار کر بیٹھی تھی ۔مگر اب وہ خفت و شرم محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن میں مذاق نہیں کر رہا تھا میری جان۔مجھے سچ میں تمھاری طلب ہو رہی ہے۔اب تم نہ ملی تو سانسوں سے جاؤں گا۔اسفند نے اسے سینے میں بھینچتے بھاری آواز میں کہتے اپنی مسکراہٹ دبائی۔اس کی خفت و شرم وہ سمجھ گیا تھا۔۔

کرو گی ناں میری خواہش پوری۔۔اسفند نے اس کی ٹھوڑی پکڑے اس کی آنکھوں میں جھانکتے نرمی سے التجا کی

عابیر نے مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

اسفند یار خان نے اس کی چادر کرسی سے اٹھائے اس کے گرد اچھی طرح اوڑھاتے اس کے سر پر دی۔اور اس کی کلائی تھامتے وہ کچن سے نکلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اے ایس پی!!ابرش کی آواز پر درخزئی کے بھاری قدم اپنے دروازے کے باہر رکے تھے۔

درخزئی نے مڑتے ہوے ابرش کو سوالیہ نگاہوں سے آئی برو اچکاتے ہوے دیکھا۔

کیا سمجھتے ہو عنائیہ سے نکاح ہو گیا اس پر حق ہو گیا تمھارا ؟؟ابرش اسے گھورتے ہوے غرائی۔

ہاں یہی سمجتا ہوں۔ نکاح ہو گیا میرا اب اس پر میرا حق ہے۔ نہیں ہے کیا؟؟درخزئی خانزادہ ابرش کو استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے اپنی آئی برو مزید اچکا گیا تھا۔

ایس پی!!جلد یوں یوں عنائیہ کی طلاق تم سے کرواؤں گی۔ابرش نے درخزئی خانزادہ کے مقابل آتے ہوے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکیاں بجائی تھیں۔

یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ آپ یوں یوں کیسے مجھ سے عنائیہ کی طلاق کروائیں گی؟؟درخزئی نے استھزائیہ انداز میں چٹکی بجاتے ہوے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے ہوے اپنے اور ابرش کے درمیان فاصلہ قائم کیا۔

تم مجھے جانتے نہیں ابھی میں کون ہوں؟!۔۔۔۔۔ابرش نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے لفظ چبائے۔

اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ امریکہ سے آئی ہیں۔آپ کے پاس امریکہ کی نیشنیلٹی ہے۔۔آپ کی ایمبیسی یوں یوں مجھ سے طلاق

لے سکتی ہے۔درخزئی خانزادہ ابرش کو تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے پھر سے چٹکیاں بجا گیا تھا۔

طلاق والی بات پر درخزئی کا جیسے میٹر گھوم گیا تھا۔

You fu..... .

کوئی فائدہ نہیں مجھے گالی دینے کا۔آپ کی بہن سے سن چکا ہوں ۔اول درجے کا ڈھیٹ انسان ہوں۔ اور میں یوں یوں آپ کی ایمبیسی کو نچا کر رکھ دوں گا۔درخزئی خانزادہ چٹکیاں بجاتے ہوے غرایا۔

ایس پی !!اپنی لمٹ میں رہو۔۔ میری ایک اور پہچان بھی ہے وہ ہے۔ابرش خانزادہ ۔زاران خانزادہ کی بیوی۔منسٹر کی بیوی ہوں۔وہ چاہے تمھیں منٹوں میں نچا سکتا ہے۔

اور دو منٹ میں تمھاری وردی اتر جائے گی جس پر تمھیں بہت غرور ہے۔ابرش غصے سے پھنکاری تھی۔

میری وردی کسی کی باپ کی جاگیر نہیں جو کوئی منٹوں میں اتروا دے گا۔۔اگر وہ خانزادہ ہے میں بھی خانزادہ ہوں۔

مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا اپنی بیوی کو۔۔درخزئی خانزادہ سرخ چہرے کے ساتھ لفظ چباتے بولا۔

زاران جو ابھی ابھی ادھر آیا تھا ابرش کے لفظ سنتے رکا تھا۔ابرش کو درخزئی کے اتنے قریب کھڑے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شرارے دہکے تھے۔وہ اسے کسی بھی مرد کے قریب اتنے فاصلے پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اس کے بدن کی خوشبو کسی مرد تک پہنچے یہ گوارا نہ تھا۔

وہ غصے میں بات کرتے اس کے بے حد قریب ہوئی تھی درخزئی کو وہ پیچھے قدم بڑھاتے دیکھ چکا تھا۔۔مگر اپنی بیوی کے غصے اور جذباتیت پر اس کی دماغ کی رگیں پھڑک اٹھیں تھیں۔

زاران ایک ہی جست میں آگے بڑھتے آ ابرش کو بازو سے جکڑتے ایک سایڈ پر کرتے رخزئی کے مقابل آیا۔

جو بھی بات کرنی ہے مجھ سے کرو!!اپنے خانزادہ ہونے کی دھونس جتانی ہے مجھ پر جتاؤ۔۔زاران درخزئی کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں غرایا۔درخزئی کا ذرا سا سرد لہجہ ابرش پر اسے برداشت نہیں ہوا تھا۔

درخزئی زاران کی بات پر لب بھینچے نظریں جھکائے خود پر قابو پانے اپنے کف کے بٹن کھولتے اسے فولڈ کرنے لگا۔

اس دو نمبر کے عیاش خرانٹ ایس پی سے میں خود بات کر سکتی ہوں۔ آپ کے احسان کی ضرورت نہیں ۔یہ نکاح آپ نے ہی کروایا ہے۔لیکن اس عیاش ایس پی سے طلاق عدالت کے تھرو لوں گی ۔کوئی تو عدالت ہو گی جو آپ خانزادوں سے ہمیں انصاف دلا سکے۔میری بہن کو اس چیپ دو نمبر کریکٹر لیس ایس پی سے

طلاق دلوا سکے۔ابرش نے غصے سے بولتے ہوے لفظ چبائے تو زاران نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔

ابرش کی بات پر درخزئی نے شاکی سرخ نظروں سے زاران کو دیکھا۔

زاران نے اپنی آئی برو مسلتے ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے اسے شکوہ کناں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔زاران بری طرح جھنجھلایا تھا۔

ابرش روم میں جاؤ میں آ کر بات کرتا ہوں۔زاران نے خود پر قابو پاتے ابرش سے بے حد نرمی سے کہا۔

نہیں جاؤں گی مسٹر خانزادہ!!یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔آپ کی وجہ سے میں اس چیپ خرانٹ ایس پی کے منہ لگ رہی ہوں۔جو فیک ایس پی ہے ۔دو نمبر پولیس والا!!جس کا کوئی کریکٹر ہی نہیں۔ابرش زاران کو دیکھتے بھیگے لہجے میں چیخی تھی۔

ابرش کی کریکٹر والی بات پر درخزئی نے پوری قوت سے دیوار پر مکہ مارتے ہوے اپنا غصہ اتارا۔

زاران نے اپنی اگلی گردن رب کرتے ہوے درخزئی کو دیکھتے ابرش کو دیکھا۔

دوسرے لمحے وہ ابرش کو بازو سے جکڑے تیز قدموں سے آگے بڑھا۔

زاران !!ابرش چلائی تھی ۔۔

شش۔۔۔۔۔زاران نے اس کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھتے انگشت شہادت اپنے لبوں پر رکھی۔

زاران کی سرد برفیلی نگاہ پر وہ لرزتے ہوے اسی لمحے خاموش ہوئی ۔

زاران اسے لیے سٹڈی روم میں داخل ہوے دیوار کے ساتھ لگا گیا

۔

کمرے میں جاؤ !!اگر نہیں جانا یہاں رکو آ کر بات کرتا ہوں تم سے۔مگر اب تم درخزئی سے کوئی بات نہیں کرو گی۔زاران نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے برفیلے لہجے میں تنبیہ کی۔

میں کروں گی مسٹر خانزادہ !!میں اسے اس کی اوقات یاد دلا کر رہوں گی۔ابرش غصے سے پوری قوت سے حلق کے بل چیخی تھی

۔

بس!!خبردار تمھاری آواز یہاں اونچی بھی ہوئی۔برداشت کر رہا ہوں اسے میری کمزوری مت سمجھو۔زاران پلر کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔اس کی چیخ سٹڈی روم کے کھلے دروازے سے باہر تک گئی تھی۔ درید خان کو سٹڈی روم کے کھلے دروازے سے گزرتے ہوے ایک لمحے کے لیے زاران نے رکتے دہوے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے وہ سرخ آنکھوں سے کھلے دروازے سے اسے گھورتے تاسف سے سر ہلاتے وہاں

سے چلے گئے تھے۔۔ وہ جتنا چاہ رہا تھا گھر میں کسی کو پتہ نہ چلے دن دونوں کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں اتنا ہی سب کو پتہ چل رہا تھا۔

زاران کے سرد برفیلی غراہٹ پر اپرش کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔آنکھوں میں ٹھہری شبنم بڑھی تھی ۔

اپنے دوست کی وجہ سے مجھ سے ایسے بات کریں گے۔بیوی ہوں میں آپ کی۔ابرش نے شبنمی لہجے میں کہتے اپنی شبنمی آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھ گئی۔

بیوی ہو تو بیوی بن کر رہو ہمممم ۔۔۔یہی کہہ رہا ہوں تم سے۔۔۔زاران نے اس کی ٹھوڑی چھوتے سرد نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

زاران کی سرد نگاہوں پر ابرش کی آنکھوں کی شبنم اس کے عارض پر بہی تھی

آیندہ تم کسی صورت درخزئی سے بات نہیں کرو گی۔فرسٹ اینڈ لاسٹ ٹائم تمھیں سمجھا رہا ہوں۔ سمجھ آئی میری بات۔

زاران نے اس کے عارض پر گرتے موتیوں کو بغور دیکھتے برفیلے لہجے میں اس سے استفسار چاہا۔

ابرش نے اسی لمحے اس کی آنکھوں میں بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

گڈ بیوی!اُب کمرے میں جاؤ۔زاران نے اب کی بار اس کی ٹھوڑی چھوے بے حد نرمی سے کہا۔

ابرش اب غصے اور نروٹھے انداز میں اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر گئی۔

نہیؤ جانا یہیں رکی رہو آ رہا ہوں میں۔نو مور تماشہ !!زاران سرد لہجے میں وارن کرتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

آئی ہیٹ یو مسٹر خانزادہ۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنے عارض سے بہتے آنسو ہتھیلی سے بے دردی سے رگڑے۔

۔۔۔

ان حر۔۔ا۔۔میو۔۔ں کی کھال ادھیڑ کر رکھ دو۔۔اتنا مارو ان

ک۔ت۔۔۔ے۔و۔۔ں۔۔سالوں کو ان کی پینٹیں گیلی ہو جائیں۔

وہ فون پر چیخا تھا۔

زاران نے اس کی گالیاں سنتے لب بھینچے تھے وہ سمجھ گیا تھا وہ ابرش کی باتوں کا غصہ ایسے اتار رہا ہے۔

باقی کی کسر میں آکر پوری کر دوں گا۔وہ حال کروں گا آج یاد رکھیں گے سالے۔درخزئی زاران کو سرد نگاہوں سے دیکھتے سپاٹ انداز میں بولتے فون بند کرتے بیڈ پر اچھالتے اپنی فولڈ آستین غصے سے کھولنے لگا۔

ابرش سے بات کرتے ہوے تمھیں اتنا خیال کرنا چاہیے تھا وہ بیوی ہے میری۔۔زاران درخزئی کے مقابل آیا تھا۔

تیری بیوی ہے اس لیے خیال کر رہا تھا۔ ایک لفظ بتا دو جو میں نے ایسا بولا ہو جس میں تیری بیوی کی شان میں گستاخی ہوئی ہو۔ ہاں وہ جو میری شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی وہ تم نے ضرور سنے ہیں۔ درخزئی نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا موبائل بیڈ سے اٹھائے اپنے پینٹ کی پاکٹ میں ڈالا۔

تھی نہیں تھیں بول سمجھا تو۔۔ زاران اس کی آنکھیں گاڑھے برفیلے میں لہجے میں لفظ چبا گیا۔

آیندہ اگر وہ تجھ سے کچھ بھی کہے ایک لفظ آگے سے تو نہیں بولے گا۔ میں اتنا ہی برداشت کرتا ہوں۔ جتنا میں کرنا چاہتا ہوں۔ سمجھ میری حویلی میں تو ابھی تک میری وجہ سے ہے۔ زاران درخزئی کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کاٹ دار لہجے میں بولا۔۔

میں تو بھول گیا تھا یہ تیری حویلی ہے ایسے ہی اس حویلی پر حق جتا رہا تھا۔ درخزئی طنزیہ مسکرایا۔

درخزئی کے طنز پر زاران نے ہونٹوں کو سکوڑتے سانس باہر نکالا۔

اب تو بھی میری بات سن منسٹر صاحب!! جب میرے برداشت کا لیول گرتا ہے تو میرے بھڑکتے ہوے جسم کا ٹمپریچر مائنس پر آجاتا ہے۔ یعنی فریزنگ پوائنٹ پر۔۔۔ دماغ سن ہو جاتا ہے میرا۔ الٹا چلتا ہے میرے ساتھ۔۔ لوگوں کا دماغ بھڑکتا ہے میرا سن ہو جاتا ہے۔ جب سن ہوتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیا کر رہا ہوں۔ جب مجھے سمجھ نہ آئے تو جو میں کرتا ہوں وہ دوسروں کے سمجھ میں نہیں آتا۔ درخزئی خانزادہ نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

کیا کرے گا تو؟؟ زاران نے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا۔

زاران کے بے دردوار پر درخزئی کے ہونٹوں سے خون نکلا تھا۔ اس کے مضبوط مردانہ قدم لڑکھڑائے تھے۔

درخزئی نے اپنے ہونٹوں سے نکلتے خون پر زبان پھیرتے اسے اپنے حلق میں اتارتے زاران کا اگلا وار اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کیا تھا۔

ہاتھ میرا ابھی اٹھ سکتا ہے!! یہ بات یاد رکھنا پولیس والا ہوں میں۔ میرا وار سہہ نہیں سکے گا تو۔ درخزئی زاران کو خون اتری آنکھوں سے دیکھتے غرایا۔

اٹھا ہاتھ مجھ پر میں بھی دیکھوں میں کیسے تیرا وار نہیں سہہ سکتا۔ زاران جوابًا گرجا۔

درخزئی نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر مکہ مارا۔ اب زاران کے مضبوط قدم لڑکھڑائے تھے۔ بالائی لب سے خون نکلا تھا۔ زاران نے گہرے

سانس لیتے اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتے درخزئی کو خون اشام نگاہوں سے دیکھا۔

میری بات سن زاران!! نکاح ہوا ہے میرا۔۔ حق ہے میرا اس پر۔۔۔

جس طرح تو اپنی بیوی پر اپنا حق جتاتا ہے اسی طرح میری بیوی پر بھی میرا حق ہے۔ مگر تم لوگ اس کو میرا گناہ بنا رہے ہو۔ درخزئی نے اس بار اپنے شرٹ کے اوپری دو بٹن۔ کھولتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے رسانیت سے کہا۔

کوئی طریقہ کار ہوتا ہے؟! نکاح کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حد سے گزر جائے انسان۔۔ رخصتی نہیں ہوئی اور وہ سولہ سال کی ہے وہ۔۔ زاران طیش والم میں گرجا۔

نکاح کا مطلب رخصتی ہوتا ہے۔ بنا کسی جواز کے رخصتی نہ کرنا شریعت میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور سولہ سال کی ہے تو؟؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔ مجھے بتا یہ کہاں لکھا ہے سولہ سال کی لڑکی کا نکاح تو ہو سکتا ہے رخصتی نہیں ہو سکتی۔۔ میں نے تو کہیں نہیں پڑھا۔ اگر تو نے پڑھا ہے تو دکھا مجھے۔۔ درخزئی نے طنزیہ آئی برو اچکائے تھے۔

وہ سولہ سال کی ہے۔ یہی ایک فگر مجھے روکتا ہے ہر وہ چیز کرنے سے جو میرا حق ہے۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ یہاں رہتی ہے۔ درخزئی نے اپنے سینے پر غصے سے ہاتھ مارا۔

زاران غصے سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

تیری بیوی کو کسی بات سے مسلہ نہیں ہے۔ اگر مسلہ ہوتا وہ مجھ سے نہیں۔ عنائیہ سے بات کرتی۔ پوچھتی کہ میں اس کے ساتھ رکا ہوں اسے کتنی تکلیف پہنچائی۔

اسے مسلہ صرف تجھ سے۔۔ وہ تیرا غصہ مجھ پر اتار رہی ہے۔۔۔ جا کہ اس سے اپنا مسلہ سلجھا پوچھ اس کے دل میں کیا ہے۔۔ وہ جان؟؟ درخزئی خان غصے سے بولتے ہوے ایک ایک لفظ چباتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اپنی بیوی کے ساتھ کیا کرنا یہ مجھے پتا ہے۔ آیندہ میری بیوی کا ذکر بھی اپنے غلیظ لبوں سے نہ کرنا۔

مگر تو یہ جان گیا ہے یہ حویلی میری ہے تیرا حق نہیں میری حویلی پر۔ اس لیے آیندہ شکل نہ دکھانا۔ زاران اس کی پشت کو گھورتے ہوے کاٹ دار لہجے میں بولا۔

پولیس والا ہوں۔۔ تیری بیوی کی نزدیک دو نمبر بھی ہوں۔ تو پھر تجھے بھی پتا ہو گا دو نمبر پولیس والا کیسا ہوتا ہے۔ درخزئی نے مڑتے ہوے آئی برو اچکائے تھے۔۔

زاران کی آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔

دو نمبر پولیس والا ایک نمبر کا بغیرت ہوتا ہے۔ سمجھ میں بھی ایک نمبر کا بغیرت ہوں۔۔ جس دن غیرت آگئی اس دن اس حویلی سے چلا جاؤں گا۔ جب تک بغیرتی کوٹ کوٹ کر میرے اندر بڑھی ہے۔ تب تک میری شکل تجھے دیکھنے کو یہاں روز ملے گی۔ درخزئی لفظ چباتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

سالا کمینہ سچ میں بغیرت ہے۔۔ زاران جھنجھلاتے ہوے دیوار پر مکہ دے مارتے ہوے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا باہر آیا۔

.----------

زاران کے بھاری قدموں کا رخ سٹڈی روم کی طرف تھا۔ جانتا تھا اس کی بیوی سٹڈی روم میں ہی ہو گی اور اسی پوزیشن میں کھڑی آنکھیں میچے ہو گی۔ وہ سٹڈی روم میں داخل ہوا وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ شال کندھے پر ایک طرف ڈھلکی تھی۔ وہ پلر کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچے ہوے تھی۔

زاران نے سرد سانس کھینچا تھا۔ اپنی جذباتی بیوی کے جذباتی پن سے واقف تھا۔ بعض اوقات مقابل کا جذباتی پن اسے بہت پریشان کرتا تھا۔ اس کی تو ہر چھوٹی بڑی بات دل پر لیتی تھی۔

زاران دروازہ لاک کرتے اس کی طرف بڑھا۔ زاران کے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ابرش نے آنکھیں کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔ دوسرے لمحے وہ غصے سے دروازے کی طرف بڑھی۔۔

زاران کی نگاہیں اس کے پچھلے ڈیپ گلے پر پڑی تھیں۔

پچھلا گلا اچھا خاصہ ڈیپ تھا۔ فراک بھی اس کے بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ اس فراک میں اس کی لہروں جیسی بل کھاتی کمر نمایاں ہو رہی تھی۔

اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر زاران کے آنکھوں کے غصے کی حدت بڑھی تھی۔ اسے وہ سختی سے منع کر چکا تھا۔ کسی بھی صورت میں اس طرح کی ڈریسنگ میں کمرے سے باہر نہیں آئے گی۔ چاہے اس پر کتنی بڑی شال ہی کیوں نہ لی ہو۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی زاران اس کی فراک کا اگلہ گلے میں دونوں ہاتھ ڈالتے اسے چاک کر گیا تھا۔

اپنی فراک کو کندھوں سے اترتے دیکھ کر ابرش کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔

ابرش نے بے یقینی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے زاران کی طرف دیکھا۔

اس طرح کا لباس پہننے سے اچھا ہے تم کچھ نہ ہی پہنو بیوی!! زاران غراتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی پھٹی ہوئی فراک کو اس کے تن سے اتار گیا۔

زاران۔۔۔ ابرش سرخ پڑتے اس کے سینے میں سمائی۔

جب بے شرم بننے پر آتی ہو پوری طرح بے شرم بنتے ہر حد سے گزر جاتی ہو ۔۔اپنی شرٹ نہیں میری بھی ریموو کرتی ہو آج ایسے شرما رہی ہو جیسے میں نے تمھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا یا پھر تم نے مجھے اپنے جلوے کبھی نہیں دکھائے۔زاران اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس پر جھکتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن پر اپنی جنون کی گہری سوغات ایک لمحے میں چھوڑ گیا تھا۔اسے ایسے دیکھ کر وہ لمحوں میں اس کا میٹر گرم ہوتے اس کے بدن میں سپارک پیدا کر گیا تھا۔دو دن کی تشنگی بے اعتنائی اس کی آنکھوں میں پیاس بن کر اتری تھی۔

زاران کی گہری سوغات پر ابرش نے سسکی لی۔

ہمممم۔۔۔سارے گر آتے ہیں تمھیں میری بے شرم بیوی!!ناراضگی میں بھی اپنے مسٹر کو قریب کیسے لانا ہے تمھیں پتہ ہے۔زاران اس کی دھڑکنوں پر جھکتے اب وہاں اپنی جنون کی گہری سوغات چھوڑ گیا

زاران چھوڑو مجھے۔ابرش سسکیاں لیتے چیخی تھی۔وہ اپنی شدتوں سے اسے لمحوں میں سرخ کر گیا تھا۔ابرش کی کمر کو بینڈ کرتے وہ اس پر جھکے اس کی کمر کو مظبوطی کے جکڑے ہوے تھا۔وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔کمر میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

بیوقوف نہیں ہوں بیوی!!کب کونسی ادائیں دکھاتی ہو جانتا ہوں میں۔یہ زمین آسمان ہل سکتا ہے۔مگر میری ابرش کی محبت میں کمی آجائے یہ ناممکن ہے۔زاران اسے اوپر کرتے دیوار سے لگائے اس کی پشت پر اپنی جنون کی گہری سوغاتیں چھوڑ گیا۔ابرش کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

آج اس ساونڈ پروف کمرے میں تمھاری چیخیں نکلواؤں گا یہ کمرہ پناہ مانگے کا۔۔ زاران اسے صوفے پر پٹختے ہوے اپنی شرٹ اتارتے ہوے صوفے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے ابرش اٹھتی وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائیاں جکڑے اس کی ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اس کی گردن پر جھک گیا۔

زاران دو ہٹو مجھ پر سے۔ تمھارا پہاڑ جیسا وزن میری سانسیں بند کر دے گا۔ ابرش چیخی تھی

پہاڑ جیسا وزن ہے بیوی!!! اسی پہاڑ جیسے وزن کے نیچے میری شدتیں برداشت کرتے مجھے خود کی طرف کھینچتی ہو تب تو تمھاری سانسیں بند نہیں ہوتی۔ زاران کہتے اس کی لبوں پر جھک گیا

کمرے میں اب ابرش کی دبی دبی سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔ اتنے دنوں کا زاران خانزادہ کا جنون سہنا آسان نہ تھا۔

زاران درخزئی کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

درخزئی کے الفاظ سنتے وہ رکا تھا۔

ان حر۔۔ا۔۔میو۔۔ں کی کھال ادھیڑ کر رکھ دو۔۔ اتنا مارو ان ک۔ت۔۔ے۔و۔۔ں۔۔ سالوں کو ان کی پینٹیں گیلی ہو جائیں۔

وہ فون پر چیخا تھا۔

زاران نے اس کی گالیاں سنتے لب بھینچے تھے وہ سمجھ گیا تھا وہ ابرش کی باتوں کا غصہ ایسے اتار رہا ہے۔

باقی کی کسر میں آکر پوری کر دوں گا۔ وہ حال کروں گا آج یاد رکھیں گے سالے۔ درخزئی زاران کو سرد نگاہوں سے دیکھتے سپاٹ انداز میں بولتے فون بند کرتے بیڈ پر اچھالتے اپنی فولڈ آستین غصے سے کھولنے لگا۔

ابرش سے بات کرتے ہوے تمھیں اتنا خیال کرنا چاہیے تھا وہ بیوی ہے میری۔۔ زاران درخزئی کے مقابل آیا تھا۔

تیری بیوی ہے اس لیے خیال کر رہا تھا۔ ایک لفظ بتا دو جو میں نے ایسا بولا ہو جس میں تیری بیوی کی شان میں گستاخی ہوئی ہو۔ ہاں وہ جو میری شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی وہ تم نے ضرور سنے ہیں۔ درخزئی نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوے اپنا موبائل بیڈ سے اٹھائے اپنے پینٹ کی پاکٹ میں ڈالا۔

تھی نہیں تھیں بول سمجھا تو۔۔ زاران اس کی آنکھیں گاڑھے برفیلے میں لہجے میں لفظ چبا گیا۔

آیندہ اگر وہ تجھ سے کچھ بھی کہے ایک لفظ آگے سے تو نہیں بولے گا۔ میں اتنا ہی برداشت کرتا ہوں۔ جتنا میں کرنا چاہتا ہوں۔ سمجھ میری حویلی میں تو ابھی تک میری وجہ سے ہے۔ زاران درخزئی کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کاٹ دار لہجے میں بولا۔۔

میں تو بھول گیا تھا یہ تیری حویلی ہے ایسے ہی اس حویلی پر حق جتا رہا تھا۔ درخزئی طنزیہ مسکرایا۔

درخزئی کے طنز پر زاران نے ہونٹوں کو سکوڑتے سانس باہر نکالا۔

اب تو بھی میری بات سن منسٹر صاحب!! جب میرے برداشت کا لیول گرتا ہے تو میرے بھڑکتے ہوے جسم کا ٹمپریچر مائنس پر آجاتا ہے۔ یعنی فریزنگ پوائنٹ پر۔۔۔ دماغ سن ہو جاتا ہے میرا۔ الٹا چلتا ہے میرے ساتھ۔۔ لوگوں کا دماغ بھڑکتا ہے میرا سن ہو جاتا ہے۔ جب سن ہوتا

ہے۔مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیا کر رہا ہوں۔جب مجھے سمجھ نہ آئے تو جو میں کرتا ہوں وہ دوسروں کے سمجھ میں نہیں آتا۔درخزئی خانزادہ نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

کیا کرے گا تو؟؟زاران نے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا۔

زاران کے بے دردوار پر درخزئی کے ہونٹوں سے خون نکلا تھا۔اس کے مضبوط مردانہ قدم لڑکھڑائے تھے۔

درخزئی نے اپنے ہونٹوں سے نکلتے خون پر زبان پھیرتے اسے اپنے حلق میں اتارتے زاران کا اگلا وار اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کیا تھا۔

ہاتھ میرا ابھی اٹھ سکتا ہے!!یہ بات یاد رکھنا پولیس والا ہوں میں۔میرا وار سہہ نہیں سکے گا تو۔درخزئی زاران کو خون اتری آنکھوں سے دیکھتے غرایا۔

اٹھا ہاتھ مجھ پر میں بھی دیکھوں میں کیسے تیر اوار نہیں سہہ سکتا۔ زاران جوابًا گرجا۔

درخزئی نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر مکہ مارا۔ اب زاران کے مضبوط قدم لڑکھڑائے تھے۔ بالائی لب سے خون نکلا تھا۔ زاران نے گہرے سانس لیتے اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتے درخزئی کو خون اشام نگاہوں سے دیکھا۔

میری بات سن زاران!! نکاح ہوا ہے میرا۔۔ حق ہے میرا اس پر۔۔۔

جس طرح تو اپنی بیوی پر اپنا حق جتاتا ہے اسی طرح میری بیوی پر بھی میرا حق ہے۔ مگر تم لوگ اس کو میرا گناہ بنا رہے ہو۔ درخزئی نے اس بار اپنے شرٹ کے اوپری دو بٹن۔ کھولتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے رسانیت سے کہا۔

کوئی طریقہ کار ہوتا ہے؟! نکاح کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حد سے گزر جائے انسان۔۔ رخصتی نہیں ہوئی اور وہ سولہ سال کی ہے وہ۔۔ زاران طیش والم میں گرجا۔

نکاح کا مطلب رخصتی ہوتا ہے۔ بنا کسی جواز کے رخصتی نہ کرنا شریعت میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور سولہ سال کی ہے تو؟؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟۔ مجھے بتا یہ کہاں لکھا ہے سولہ سال کی لڑکی کا نکاح تو ہو سکتا ہے رخصتی نہیں ہو سکتی۔۔ میں نے تو کہیں نہیں پڑھا۔ اگر تو نے پڑھا ہے تو دکھا مجھے۔۔ درخزئی نے طنزیہ آئی بروا چکائے تھے۔

وہ سولہ سال کی ہے۔ یہی ایک فگر مجھے روکتا ہے ہر وہ چیز کرنے سے جو میرا حق ہے۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ یہاں رہتی ہے۔ درخزئی نے اپنے سینے پر غصے سے ہاتھ مارا۔

زاران غصے سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

تیری بیوی کو کسی بات سے مسلہ نہیں ہے۔ اگر مسلہ ہوتا وہ مجھ سے نہیں۔ عنائیہ سے بات کرتی۔ پوچھتی کہ میں اس کے ساتھ رکا ہوں اسے کتنی تکلیف پہنچائی۔

اسے مسلہ صرف تجھ سے۔۔ وہ تیرا غصہ مجھ پر اتار رہی ہے۔۔۔ جا کہ اس سے اپنا مسلہ سلجھا پوچھ اس کے دل میں کیا ہے۔۔ وہ جان؟؟ درخزئی خان غصے سے بولتے ہوے ایک ایک لفظ چباتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اپنی بیوی کے ساتھ کیا کرنا یہ مجھے پتا ہے۔ آیندہ میری بیوی کا ذکر بھی اپنے غلیظ لبوں سے نہ کرنا۔

مگر تو یہ جان گیا ہے یہ حویلی میری ہے تیرا حق نہیں میری حویلی پر۔ اس لیے آیندہ شکل نہ دکھانا۔ زاران اس کی پشت کو گھورتے ہوے کاٹ دار لہجے میں بولا۔

پولیس والا ہوں۔۔ تیری بیوی کی نزدیک دو نمبر بھی ہوں۔ تو پھر تجھے بھی پتا ہو گا دو نمبر پولیس والا کیسا ہوتا ہے۔ درخزئی نے مڑتے ہوے آئی برو اچکائے تھے۔۔

زاران کی آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔

دو نمبر پولیس والا ایک نمبر کا بغیرت ہوتا ہے۔ سمجھ میں بھی ایک نمبر کا بغیرت ہوں۔۔ جس دن غیرت آگئی اس دن اس حویلی سے چلا جاؤں گا۔ جب تک بغیرتی کوٹ کوٹ کر میرے اندر بڑھی ہے۔ تب تک میری

شکل تجھے دیکھنے کو یہاں روز ملے گی۔ درخزئی لفظ چباتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

سالا کمینہ سچ میں بغیرت ہے۔۔ زاران جھنجھلاتے ہوئے دیوار پر مکہ دے مارتے ہوئے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا باہر آیا۔

.----------

زاران کے بھاری قدموں کا رخ سٹڈی روم کی طرف تھا۔ جانتا تھا اس کی بیوی سٹڈی روم میں ہی ہو گی اور اسی پوزیشن میں کھڑی آنکھیں میچے ہو گی۔ وہ سٹڈی روم میں داخل ہوا وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ شال کندھے پر ایک طرف ڈھلکی تھی۔ وہ پلر کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچے ہوئے تھی۔

زاران نے سرد سانس کھینچا تھا۔ اپنی جذباتی بیوی کے جذباتی پن سے واقف تھا۔ بعض اوقات مقابل کا جذباتی پن اسے بہت پریشان کرتا تھا۔ اس کی تو ہر چھوٹی بڑی بات دل پر لیتی تھی۔

زاران دروازہ لاک کرتے اس کی طرف بڑھا۔ زاران کے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ابرش نے آنکھیں کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔ دوسرے لمحے وہ غصے سے دروازے کی طرف بڑھی۔۔

زاران کی نگاہیں اس کے پچھلے ڈیپ گلے پر پڑی تھیں۔

پچھلا گلا اچھا خاصہ ڈیپ تھا۔ فراک بھی اس کے بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ اس فراک میں اس کی لہروں جیسی بل کھاتی کمر نمایاں ہو رہی تھی۔

اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر زاران کے آنکھوں کے غصے کی حدت بڑھی تھی۔ اسے وہ سختی سے منع کر چکا تھا۔ کسی بھی صورت میں اس طرح کی ڈریسنگ میں کمرے سے باہر نہیں آئے گی۔ چاہے اس پر کتنی بڑی شال ہی کیوں نہ لی ہو۔ زاران نے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی زاران اس کی فراک کا اگلہ گلے میں دونوں ہاتھ ڈالتے اسے چاک کر گیا تھا۔

اپنی فراک کو کندھوں سے اترتے دیکھ کر ابرش کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔

ابرش نے بے یقینی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے زاران کی طرف دیکھا۔

اس طرح کا لباس پہننے سے اچھا ہے تم کچھ نہ ہی پہنو بیوی!!زاران غراتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی پھٹی ہوئی فراک کو اس کے تن سے اتار گیا۔

زاران۔۔۔ابرش سرخ پڑتے اس کے سینے میں سمائی۔

جب بے شرم بننے پر آتی ہو پوری طرح بے شرم بنتے ہر حد سے گزر جاتی ہو ۔۔اپنی شرٹ نہیں میری بھی ریموو کرتی ہو آج ایسے شرما رہی ہو جیسے میں نے تمھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا یا پھر تم نے مجھے اپنے جلوے کبھی نہیں دکھائے۔زاران اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس پر جھکتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن پر اپنی جنون کی گہری سوغات ایک لمحے میں چھوڑ گیا تھا۔اسے ایسے دیکھ کر وہ لمحوں میں اس کا

میٹر گرم ہوتے اس کے بدن میں سپارک پیدا کر گیا تھا۔ دو دن کی تشنگی بے اعتنائی اس کی آنکھوں میں پیاس بن کر اتری تھی۔

زاران کی گہری سوغات پر ابرش نے سسکی لی۔

ہمممم۔۔۔ سارے گر آتے ہیں تمھیں میری بے شرم بیوی!! ناراضگی میں بھی اپنے مسٹر کو قریب کیسے لانا ہے تمھیں پتہ ہے۔ زاران اس کی دھڑکنوں پر جھکتے اب وہاں اپنی جنون کی گہری سوغات چھوڑ گیا

زاران چھوڑو مجھے۔ ابرش سسکیاں لیتے چیخی تھی۔ وہ اپنی شدتوں سے اسے لمحوں میں سرخ کر گیا تھا۔ ابرش کی کمر کو بینڈ کرتے وہ اس پر جھکے اس کی کمر کو مظبوطی کے جکڑے ہوے تھا۔ وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ کمر میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

بیوقوف نہیں ہوں بیوی!! کب کونسی ادائیں دکھاتی ہو جانتا ہوں میں۔ یہ زمین آسمان ہل سکتا ہے۔ مگر میری ابرش کی محبت میں کمی آجائے یہ ناممکن ہے۔ زاران اسے اوپر کرتے دیوار سے لگائے اس کی پشت پر اپنی جنون کی گہری سوغاتیں چھوڑ گیا۔ ابرش کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

آج اس ساونڈ پروف کمرے میں تمھاری چیخیں نکلواؤں گا یہ کمرہ پناہ مانگے گا۔۔ زاران اسے صوفے پر پٹختے ہوے اپنی شرٹ اتارتے ہوے صوفے کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے ابرش اٹھتی وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائیاں جکڑے اس کی ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اس کی گردن پر جھک گیا۔

زاران دو ہٹو مجھ پر سے۔ تمھارا پہاڑ جیسا وزن میری سانسیں بند کر دے گا۔ ابرش چیخی تھی

پہاڑ جیسا وزن ہے بیوی!!! اسی پہاڑ جیسے وزن کے نیچے میری شدتیں برداشت کرتے مجھے خود کی طرف کھینچتی ہو تب تو تمھاری سانسیں بند نہیں ہوتی۔ زاران کہتے اس کی لبوں پر جھک گیا

کمرے میں اب ابرش کی دبی دبی سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔ اتنے دنوں کا زاران خانزادہ کا جنون سہنا آسان نہ تھا۔

حور میرون اینڈ ریڈ کلر کے کمبینشن میں خوبصورت لہنگے اور بلاوز میں ملبوس آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

میرون ویلوٹ لہنگے پر خوبصورت کام ہوا تھا۔ جس کا گھیراؤ بہت زیادہ

تھا۔ اس پر میرون فل سلیوز میں ویلوٹ کا ہی بلاوز تھا۔ بلاوز کمر سے کافی اونچا

تھا۔ اس کا دوھیا پیٹ واضح ہو رہا تھا۔ بلاوز کا پچھلا گلہ گہرا تو تھا ہی مگر اگلا گلہ

بے حد ڈیپ تھا۔۔ اس کے اوپر نیٹ کا کامدار دوپٹہ تھا۔ اس کا قیامت سا

مرمریں بدن اس لہنگے اور بلاوز میں لشکارے مار رہا تھا۔۔

ڈریسنگ مرر میں دیکھتے ہی وہ گلاب کی طرح سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی

ڈیزائنر سے یہ ڈریس تیار کروایا تھا۔ یہ ڈریس اس کی

requirement

کے مطابق ہی تیار کیا گیا تھا۔۔ اپنی دھڑکنوں کے آس پاس ارحام کی

شدتوں کے نشان

دیکھتے حور کان کی لوؤں تک سرخ پڑی۔

حور نے ڈریسنگ ٹیبل سے کریم اٹھاتے ارحام کی دی ہوئی سوغاتوں پر اچھی طرح مساج کیا۔

ارحام کے آنے پر وہ چاہتی تھی اس کے بدن پر ایک داغ بھی بھی نہ ہو ۔۔اس کی شدتوں سے پھر سے وہ پور پور سے داغ دار ہونا چاہتی تھی۔

وہ اب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی۔اسے اس ڈریس میں دیکھ کر وہ کیا کیا نہیں کرے گا۔وہ یہ سوچ کر ہی سرخ پڑ رہی تھی دل اتنی بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا اسے لگ رہا تھا ابھی باہر آجائے گا۔

ارحام کے حویلی آنے پر وہ خود کو ایک دلہن کی طرح سجے سنورے اسے سونپنا چاہتی تھی۔جیسے وہ چاہتا تھا ویسے ہی۔ساری رات اس کی بانہوں میں

ٹوٹ کر بکھرنا چاہتی تھی۔ جب تک اس کا دل بھر نہ جائے وہ اس کی قربت میں رہنا چاہتی تھی۔

زندہ وجودوں کو الٹ پلٹنے والا بلا کا ہینڈسم مغرور انسان کا دل بھر جائے یہ ناممکن ہے۔ حور سوچتے ہوئے کھکھلا کر ہنسی۔

ارحام سے کچھ دن دوری اسے عذاب کی طرح لگے تھے۔

وہ جب سے گیا تھا ایک فون کال تک نہیں کیا تھا۔ اور اس کی بے اعتنائی اسے پاگل کر گئی تھی۔۔ اس نے بھی اس دن کے بعد غصے میں اسے کال نہیں کی تھی۔ اس بات کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ وہ اس انسان کی بے اعتنائی نہیں سہہ سکتی۔ اس کی بے قراریاں یاد کرتے وہ ساری رات سو نہیں پاتی تھی۔ جب وہ بے اعتنائی بھرتا تھا وہ مرنے والی ہو جاتی تھی۔

کل اسے اس کا میسج موبایل پر رسیو ہوا۔

I m sorry my beauty my lady love my baccha!!

جلد تمھارے پاس ہوں گا۔ فون اس لیے نہیں کر رہا تمھاری آواز سن کر جان نکل جائے گی۔ کل تمھارے پاس ہوں گا اور تمھیں بانہوں میں بھر کر بتاؤں گا تمھیں کتنا مس کیا۔ ابھی سے بتا رہا ہوں مجھے سہہ نہیں سکو گی!!

یہ میسج پڑھتے پہلے وہ جی بھر کر روئی تھی۔ غصے سے موبایل پھینک دیا تھا۔ پھر کچھ لمحوں بعد یہ میسج پڑھتے اسے غصہ آیا تھا۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد وہ میسج پڑھتے اسے اچھا لگا تھا اور پھر وہ مسکرائی تھی۔ اس کے بعد وہ سرخ ہوئی تھی۔۔ پھر کتنی دیر اس موبایل سکرین کو چومتی رہی تھی۔ ساری رات

جاگ کر وہ میسج ہزار بار پڑھا تھا۔۔ کل سے وہ بار بار ارحام کا میسج پڑھ رہی تھی۔ جتنی بار بڑھتی پڑھ کر شرم سے سرخ ہوتے وہ مسکراتی۔

I love you & I m sorry

حور نے ڈریسنگ ٹیبل کے ڈرار سے لپ سٹک نکالتے مرر پر لکھا۔ وہ مرر پر اپنے گئے لفظ دیکھتے مسکرائی تھی۔

I love you Arham

حور زیر لب بولتے مسکرائی تھی۔

لپ سٹک ڈراذ میں رکھتے وہ بری طرح چونکی۔ اس کی تمام لپ سٹک کھلی پڑی تھیں۔ جن کے اندر لپ سٹک اندر تک دھنسی ہوئی تھیں۔ اس کا تمام میک

اپ کھلا پڑا تھا۔ تمام برانڈڈ کٹس کے اندر سے آئی شیڈز ٹوٹا ہوا تھا۔ نایٹ کریمز کھلی ہوئی تھیں۔ جن میں جیسے کسی نے ہاتھ مارا ہو۔ اس کے پرفیومز کھلے پڑے تھے۔ تمام میک اپ کا حشر بگھڑا ہوا تھا۔ اس کا تمام برینڈڈ میک برباد ہو چکا تھا۔ حور نے دوسرا ڈرار کھولا اس کی جیولری کا بھی یہی حال تھا۔ جس پر نیل پینٹ گرا ہوا تھا۔ حور نے جلدی سے ارحام کے دیے ہوے ہیرے کے ٹاپس تلاش کیے۔ اس کے ٹاپس بھی وہاں نہیں تھے۔

حور نے حیرت سے تمام چیزیں دیکھتے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ بیڈ شیٹ پر لپ سٹک آئی شیڈز کے داغ کسی نے صاف کیے تھے۔ جیسے کسی نے وہاں اپنے ہاتھ صاف کیے ہوں۔

حور لمحوں میں سب سمجھ گئی تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے بیڈ کی طرف بڑھی۔

زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے اس نے جھک کر بیڈ کے نیچے دیکھا۔ پریذے بیڈ کے نیچے اوندھے منہ لیٹے ہوے آنکھیں پٹپٹاتے ہوے بیڈ سے باہر کی طرف ہی ڈرتے ہوے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی کیوٹ سی بلی چھپ کر سہمی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔

پریذے جان!! باہر آئیں۔ حور نے اسے دیکھتے اپنی مسکراہٹ دبائی۔ وہ ایسے چھپے ہوے اسے بے حد کیوٹ لگی تھی۔

ماما یہ میں نے نہیں کیا۔ پریذے نے بیڈ کے نیچے سے جھانکتے ہوے آنکھیں پٹپٹاتے ہوے کہا۔

پریذے جان باہر آئیں پہلے۔۔ پھر ہم مل کر ڈیسایید کریں گے یہ کس نے کیا۔ حور نے مسکراتے ہوے کہا۔

ماما آپ ڈانٹیں گی مجھے۔ پریذے نے معصومیت سے پوچھا۔

ماما کبھی اپنی پریذے کو نہیں ڈانٹ سکتی۔

no and never

حور نے سر دائیں بائیں ہلاتے ہوے کہا۔

پرامس ماما!! پریذے کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ حور کے پسندیدہ ٹاپس کموڈ میں پھینک چکی تھی۔ اور تمام میک اپ کا بہت برا حال کر چکی تھی۔

پکا پرامس میری جان!! باہر آئیں پلیز۔ حور نے نرمی سے کہتے بیڈ کے نیچے ہاتھ کرتے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔

پریذے خود کو گھسیٹتے ہوے باہر آئی تھی۔

پریذے کی حالت دیکھتے حور شاکڈ ہوئی۔ آنکھوں پر رنگ برنگے شیڈز لپ سٹک لگی ہوئی تھی۔ ہونٹوں پر باہر تک لپ سٹک لگی ہوئی تھی۔۔ گالوں پر بلشر اتنا زیادہ لگا تھا۔ اس کے گالوں پر پاوڈر کی تہہ جمی ہوئی تھی۔۔ مسکارا پلکوں کے علاوہ ہر جگہ پر لگا ہوا تھا۔۔ کریم کی گہری تہہ گردن اور چہرے پر لگی تھی۔۔ کاجل آنکھوں کے نیچے لگا تھا۔

گلابی فراک بھی میک اپ سے رنگین ہوا تھا۔ جس پر نیل پینٹ گری ہوئی تھی۔ وہ اس وقت جوکر لگ رہی تھی۔

ماما آئی پرامس!! میں نے یہ نہیں کیا۔ حور کی شاکڈ شکل دیکھ کر پریذے بری طرح گھبرائی تھی۔ گل کی ایک لپ سٹک خراب کرنے پر اسے ایک آدھ پڑ جاتی تھی۔ حور کا تو وہ سارا میک خراب کر چکی تھی۔ اب وہ حور کی ڈانٹ سے ڈر رہی تھی۔

پریذے جان!! یہ کیا حال کیا کر دیا آپ نے اپنا؟؟ افففف۔۔ حور نے اس کے چہرے پر لگا میک اپ ہاتھوں سے صاف کرنے کی کوشش کی۔ مگر میک اپ کی گہری تہہ اس کے چہرے پر موجود تھی۔ جو میک اپ ریموور سے بھی صاف نہیں ہو سکتی تھی۔

پریذے جان!! یہ کیا بیٹا آپ نے؟! آپ کی سکن اتنی سینسٹو ہے اتنا میک اپ لگا لیا۔ حور اس کا چہرہ دیکھ کر اب روہانسی ہوئی تھی۔ ایسی کونسی جگہ تھی جہاں شیڈز نہ لگے ہو۔۔

ماما!! یہ میں نے نہیں کیا۔ پریذے نے دائیں بائیں سر ہلایا۔

پریذے جان!! جھوٹ بولنا بری بات ہوتی ہے۔ کبھی کسی سچویشن میں جھوٹ نہیں بولتے۔ میں آپ کو کچھ بھی نہیں کہوں گی۔ آپ مجھ سے سچ

بولیں۔ حور نے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔۔ پاوڈر کی گہری تہہ اس کے حلق میں اتری تھی۔

افففف۔۔ پریذے کیا کروں میں؟؟ حور بری طرح کھانسی تھی۔

ماما!! پاپا کہتے ہیں کبھی کبھی جھوٹ بول لیتے ہیں۔ پریذے کو ارحام کی بات یاد آئی تھی جب اس نے اسے فون پر حور سے جھوٹ بولنے کو کہا تھا۔

یہ پاپا نے کہا۔ حور شاکڈ ہوئی۔

پریذے نے معصومیت میں اثبات میں سر ہلایا۔

آنے دو پاپا کو پوچھوں گی وہ میری پریذے میری بیٹی کو جھوٹ سکھا رہے۔ حور لب بھینچے غصے سے کہتے سایئڈ ٹیبل سے ٹشو باکس نکالتے اس کا

چہرہ نرمی سے صاف کرنے لگی۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اس کا چہرہ صاف کر رہی۔ تھی۔ جو صاف ہی نہیں ہو رہا تھا۔ پریذے جان!! کیا کروں میں آپ کا؟؟ کل آپ نے سیزرز سے اپنے بال کاٹے۔ میرے کپڑے کاٹے۔ آج یہ سب!! کتنی شرارتیں کرنے لگی ہو۔ پاپا کی ہر بات مانتی ہو میری کوئی بات نہیں مانتی۔ حور نے روہانسے ہوتے ہوتے ٹشو سایڈ ٹیبل پر پڑے پانی کے جگ میں ڈپ کرتے ہوے ہوے اس کا چہرہ صاف کرنے کی کوشش کی۔

حور نے ٹشو لیتے اس کے ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ چہرہ تو صاف ہو ہی نہیں رہا تھا۔

اس کے ایک ہاتھ میں ارحام کا دیا ہوا ٹاپس تھا۔ حور نے وہ ٹاپس اس کے ہاتھ سے لیتے سایڈ ٹیبل پر رکھا۔

دوسرا ٹاپس کہاں ہے پریذے جان!! حور نے نرمی سے پوچھا۔ ماما وہ مجھ سے کموڈ میں گر گیا۔ پریذے نے نظریں جھکائے روہانسے ہوتے بتایا۔ دونوں ماں بیٹیاں روہانسی ہو رہی تھیں۔ حور کے تو رونے کی کمی رہ گئی تھی پریذے کی حالت دیکھتے اس کا اونچا اونچا رونے کا دل کر رہا تھا۔ میک اپ صاف ہی نہیں ہو رہا تھا۔

حور نے گہرا سانس لیا۔ ارحام نے نو مہینے پہلے وہ ٹاپس اس کے لیے خریدے تھے۔ تب اس کے لیے یہ صرف جیولری تھی۔ مگر اب اسے اپنے آپ سے بھی بڑھ کر یہ ٹاپس عزیز تھے۔ یہ پہلی جیولری تھی جو وہ اس کے لیے لایا تھا۔

اور وہ ٹاپس پہنتے ہوئے تب وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ تین ماہ بعد نائیٹیز اور پرائیویٹ چیزوں کے علاوہ یہ پہلی چیولری تھی جو گل کی نہیں تھی۔ جو اس نے پہنی تھی۔

ورنہ چار ماہ تک وہ گل کی ہر چیز استعمال کرتی تھی۔ مگر

گل کی پرایویٹ چیزیں اور نائیٹیز اس نے کبھی استعمال نہیں کیں۔ ارحام نے ہمیشہ اس کے لیے وہ نیو ہی خریدیں تھیں۔

پریذے کو نظریں جھکائے دیکھ کر حور نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

پریذے جان!! اٹس اوکے۔۔ مگر آیندہ ایسے نہیں کرنا یہ بری بات ہوتی۔ کسی کی بھی چیز پوچھے بغیر نہیں لیتے۔ حور نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

مگر آپ تو میری ماما ہیں۔ کسی نہیں۔ پریذے کی معصومیت بھری بات پر وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔

پریذے جان!! میں ماما ہوں مگر پھر بھی پرمیشن کے بغیر چیز استعمال نہیں کرتے۔ اور بچے میک اپ یوز نہیں کرتے۔۔

آیندہ آپ نہیں کرو گی۔ حور نے سنجیدگی سے کہتے اس کے عارض پر لب رکھے

اوکے ماما!! مگر مجھے آپ کا میک اپ بہت پسند ہے۔ آپ میرے لیے بھی ایسا لانا۔ پریذے نے کہا۔

جب بڑی ہو جاؤ گی۔ تب آپ کو میک اپ ملے گا۔ اور ماما بھی اتنا میک اپ یوز نہیں کرتی۔ جتنا آپ نے اپنے چہرے پر لگایا۔ حور اس کا چہرہ دیکھ کر غصے سے بڑبڑائی جہاں جوں کا توں میک اپ موجود تھا۔

چلو واش روم میں آپ کا چہرہ سوپ سے کلین کروں۔ حور اس کی کلائی پکڑتے واش روم میں داخل ہوئی۔

اب وہ وینٹی کے آگے کھڑی اس کا چہرہ سوپ سے کلین کر رہی تھی۔۔

آیز نہیں کھولنی پریذے جان۔۔ ورنہ سوپ آیز میں چلا جائے گا۔ وہ اپنا 80 لاکھ کا جوڑا پہنے واش روم میں کھڑی اپنی شرارتی بیٹی کا فیس واش کر رہی تھی۔ حور کو سمجھ آگئی تھی پریذے صرف ارحام کے سامنے شریف بن کر

رہتی ہے۔۔اس کی غیر موجودگی میں وہ آفت کا پرکالہ تھی۔یا پھر وہ صرف اس کے سامنے ہی شرارتیں کرتی تھیں۔اسے یقین تھا وہ اسے کبھی ڈانٹے گی نہیں۔

حور اس کا چہرہ سوپ سے اچھی طرح واش کرنے کے بعد اسے باہر لائی۔فیس کچھ حد تک ہی صاف ہوا تھا۔

اب وہ کلینزنگ ملک سے نرمی سے اس کا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

ایک گھنٹے کی محنت بعد وہ اس کا چہرہ صاف کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔اس کا ڈریس چینج کرنے کے بعد حور نے گہرا سانس لیا۔اب وہ انسان لگ رہی تھی۔

Wawoo!! Mama you r looking very pretty

پریذے نے حور کی ٹانگوں سے لپٹتے ہوے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے کہا۔ پریذے نے اب اسے غور سے دیکھا تھا۔

جتنا میک اپ اس نے آنکھوں میں تھوپا تھا۔۔ اسے پہلے کچھ نظر آ بھی نہیں سکتا تھا۔

حور نے جلدی سے نیٹ کا دوپٹہ اکٹھا کرتے اپنے سینے پر پھیلایا۔ اپنے بالوں سے کیچر اتارتے اپنی پشت چھپائی۔ وہاں بھی ارحام کی شدتوں کی گہری سوغاتیں تھیں۔

اسے بھی اپنے حلیے کا احساس اب ہوا تھا۔

لیکن میری پریذے مما سے بھی زیادہ پریٹی ہے۔ حور نے جھکتے ہوے اس کے سرخ پھولے ہوے گالوں پر باری باری اپنے لب رکھے۔ جو میک اپ ریموو کرنے کے وجہ سے آج زیادہ سرخ تھے۔

ماما میں آپ جیسی ہوں۔ جتنی آپ پیاری ہیں اتنی ہی پیاری ہوں۔ پریذے نے حور کے گال پر اپنے ہاتھ جماتے معصومیت سے پوچھا۔

مجھ سے زیادہ پریذے جان!! حور نے مسکراتے ہوے پریذے کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔ وہ دن میں دس مرتبہ اس سے یہ بات پوچھتی تھی۔

ماما یہ ڈریس بہت بیوٹیفل ہے مگر تھوڑا سا

shameless

بھی ہے۔ پاپا نے مجھے بتایا تھا جس ڈریس میں آپ کی باڈی نظر آئے وہ

ہوتا ہے۔ پریذے کی بات پر حور فقط مسکرا کر کر رہ گئی تھی۔۔

ارحام پریذے کو ہاف سلیوز بھی نہیں پہنے دیتا تھا۔ وہ اس کے لیے جتنے بھی ہاف سلیوز اور فل سلیوز فراک خرید کر لائی تھی اس پر بہت سی شارٹ سٹایلش جیکٹس آن لاین آرڈر کی تھیں۔ ان فراکس پر پریذے فل سلیوز میں شارٹ جیکٹ ضرور پہنتی تھی۔ ابھی بھی وہ بے حد خوبصورت فراک پر سٹایلش سی جیکٹ پہنے ہوے تھی۔

حور نے نیٹ کا دوپٹہ اپنے پیٹ پر پھیلاتے اپنا برہنہ پیٹ کور کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نیٹ کے کامدار دوپٹے میں مزید عیاں ہو کر لشکارے مارنے لگا تھا۔

۔آئی نو ماما آپ نے یہ ڈریس پاپا کے لیے پہنا ہے۔حور چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی ہی تھی پریذے کی بات پر اس کے قدم رکے۔

۔پریذے جان یہ کیا کہہ رہی ہو آپ؟!حور نے تحیر زدہ ہوتے مڑتے ہوے پریذے کو دیکھا۔

آپ نے ڈریس اس لیے پہنا کیونکہ آپ میرا بھائی پاپا سے لینا چاہتی ہیں۔پریذے کی اگلی بات پر حور کی رنگت تپ کر قندھار ہوئی۔۔

یہ کیا کہہ رہی ہو پریذے آپ؟؟شاکڈ سے حور کے لبوں سے لفظ ہی نہیں برامد ہو رہے تھے۔

مجھے پتہ ہے جب پاپا ماما سے پیار کرتے ہیں تو بے بی آتا ہے۔۔

And I want my brother sister mama

پریذے بیڈ پر جمپ کرتے ہوے معصومیت سے بول رہی تھی۔

کیا بکواس ہے یہ پریذے؟؟

??Who talked this nonsense with you

حور نے پریذے کے مقابل آتے ہوے پوچھا۔

ماما یہ

nonsense

نہیں ہے۔ آپ بہت

lazy

ہو ماما۔ ابھی تک ہمارا بے بی نہیں آیا۔ مورے پاپا کے پاس سوتی تھیں تو میں

آئی۔ بہارے پھوپھو شہرام چاچو کے پاس سوتی ہیں بہرام آیا ہے۔ آپ

دیکھنازاران چاچو اور اسفند چاچو کا بھی بے بی آجائے گا۔۔اب پاپا آجائیں آپ پاپا کو بہت ساری کسز کرنا۔۔پھر میرا

brother sister

جلدی آجائے گا۔۔میں خود اسے ہاسپٹل لینے جاؤں گی۔پریذے حور کو دیکھتے ایکسایٹمنٹ میں جمپنگ کرتے بول رہی تھی۔

کس نے کہا آپ سے یہ سب؟؟۔حور نے پریذے کو بازو سے پکڑے اسے بری طرح جھنجھوڑا۔

حور کے سرد لہجے اور سختی سے چھونے پر پریذے نے بے یقینی سے ڈبڈبائی آنکھوں سے حور کی طرف دیکھا۔

کس نے یہ کہا آپ سے سب یہ ؟؟ حور کا لہجہ مزید سخت ہوا تھا۔ پریذے کے آنسو وہ یکسر نظر انداز کر گئی تھی

درخشاں۔۔ آپی۔۔ نے۔۔ مجھے۔۔ بتایا۔ انہوں۔۔ نے۔۔۔ کہا ۔۔۔ تھا۔۔ کہ۔۔۔ ماما۔۔ پاپا۔۔۔ اکٹھے۔۔۔ سوتے۔۔۔ ہیں۔ اس۔۔۔ طرح۔۔ بے بی جلدی۔۔ آتا۔۔ ہے۔ بہارے۔۔ پھوپھو۔۔ شہرام ۔۔۔ چاچو۔۔۔ کے۔۔ ساتھ۔۔ سوتی۔۔ ہیں۔ اس۔۔ لیے۔۔ بہرام۔۔ آیا۔۔۔ ہے۔ پریذے ہچکیوں کے درمیان روتے ہوے بولی۔ حور نے پہلی مرتبہ ڈانٹا تھا جو پریذے سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

واٹ ؟؟ یہ درخشاں نے کہا آپ سے ؟؟ حور نے بے یقینی سے پوچھا۔ پریذے نے روتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ حور غصے سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ اپنا حلیہ دیکھتے وہ رکی تھی۔ اس وقت

حویلی کے مرد حویلی میں موجود نہیں تھے۔ مگر رحام کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی وہ اس حلیے میں عورتوں کے سامنے بھی باہر نکلی ہے تو یقیناً وہ اس کی جان لینے سے دریغ نہیں کرے گا۔ حور بیڈ پر اپنی شال خود پر لپیٹتے پریذے کی سسکیاں نظر انداز کرتے باہر نکل گئی۔ ابھی اسے درخشاں کی کلاس لینی تھی۔

درخشاں ؟! حور نے لاونج میں داخل ہوتے درخشاں کو سرد لہجے میں پکارا۔ جو امینہ خانم کو چائے دے رہی تھی۔

کیا کہا تم نے پریذے سے ؟؟ حور نے امینہ خانم کو یکسر نظر انداز کرتے ہوے درخشاں سے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

بہارے جو بہرام کو گود میں لیے اس کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ بہرام کو سینے سے لگائے صوفے سے اٹھتی کھڑی ہوئی۔ حور کی آواز کافی بلند تھی۔

امینہ خانم بھی صوفے سے اٹھی تھیں۔ کیا کہا ہے ہم نے بھابھی؟؟ درخشاں نے پریشانی سے پوچھا۔

تم نے پریذے سے یہ کہا کہ ماما پاپا کے پیار کرنے سے بے بی آتا ہے۔ ارحام مجھے پیار کرے گا کسز کرے گا تو پریذے کا بھائی اور بہن آئے گا۔ بہارے شہرام کے ساتھ سوتی ہے اس لیے بہرام آیا ہے۔ حور سرخ چہرے کے ساتھ ایک ہی سانس میں بولی۔

امینہ خانم نے حور کی باتیں سنتے پریذے کو دیکھا جو ابھی بھی لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ اسے ہچکیوں سے روتے دیکھ کر امینہ خانم نے گہرا سانس بھرا تھا وہ سمجھ گئی تھی حور نے اس بات پر پریذے کو ڈانٹا ہے۔

بہارے بھی حور کی باتیں سنتے پریشان ہوئی تھی۔

بھابھی ہم نے تو ایسے ہی پریذے سے کہا وہ آپ کا ساتھ سونے کی ضد کرتا تھا ہم نے تو اس کو سمجھایا۔ درخشاں نے حور کو غصے میں دیکھتے اٹکتے ہوے وضاحت دی۔

وہ ایک چھوٹی سی بچی ہے درخشاں!! اس سے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کیا؟؟ تمھیں کچھ عقل ہے کہ نہیں۔ حور غصے سے چیخی تھی.

حور کی چیخ پر ریذے نے ڈرتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ حور کو کبھی اس طرح غصے میں نہیں دیکھا تھا وہ اس کے غصے سے بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی

۔۔

بہارے نے اب پریشانی سے پریذے کو دیکھا جو بہت زیادہ رو رہی تھی۔۔ بہارے بہرام کو صوفے پر ڈالتے پریذے کی طرف بڑھتے اسے اپنے ساتھ لگب گئی۔ وہ اس کے ساتھ لپٹتے اب رونے لگی تھی

حور بچہ بات اتنا بڑا نہیں جتنا بڑا تم بنا رہا ہے؟ امینہ خانم نے رسانیت سے کہا۔

مورے یہ آپ کے نزدیک بڑی بات نہیں۔ پریذے کے معصوم ذہن میں یہ کیسے باتیں ڈال رہی ہے؟؟۔ حور امینہ خانم کی بات پر شاکڈ ہوئی تھی۔

ہاں یہ بات اتنا بڑا نہیں تم اس کو بڑا بنا رہا ہے؟؟ اس کا معصوم ذہن تم خراب کر رہا ہے۔ کیونکہ جو باتیں تم سمجھتا ہے وہ پریذے نہیں سمجھتا۔

پریذے کو روتے دیکھ امینہ خانم نے بمشکل اپنا غصہ ظبط کیا۔۔ وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔ پریذے ان کی حویلی کا پہلا چھوٹا بچہ تھا اس کا رونا وہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اوپر سے ارحام کی بیٹی تھی۔ اور ارحام ان کا سب سے لاڈلا بیٹا تھا۔

مورے میں بیٹی ہے وہ میری۔ میں کیسے ؟؟ امینہ خانم کی بات پر حور کی آنکھیں غصے اور بے یقینی سے نم ہوئیں۔

بات اتنا بڑا نہیں تھا تم نے بڑا بنا لیا۔ تمھارا رویہ پریذے کو بتا رہا ہے کہ جو اس نے کہا وہ بات برا ہے۔ کچھ غلط کہا اس نے۔ اس نے یہی کہا ماما پاپا ایک دوسرے سے پیار کرتے بچہ آتا ہے۔۔ اگر ماما پاپا اکٹھے سوئیں تو اس کا بھائی بہن آئے گا تو کیا غلط کہا اس میں۔ یہ تو اچھا بات ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ تم اور ارحام اکٹھے سوؤ۔ امینہ خانم نے سنجیدگی سے کہا

پریذے ادھر آؤ۔۔ امینہ خانم نے بلایا۔

جی دادو۔۔ پریذے بھاگتے ہوئے امینہ خانم کے پاس آئی تھی۔

پریذے کی بھرائی آواز سن کر حور کے دل پر ہاتھ پڑا۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔

یہ بتاؤ ماما پاپا پیار کرتے تو بے بی کیسے آتا ہے۔ امینہ خانم نے پیار سے پریذے سے پوچھا۔

بے بی ہاسپٹل کے کاٹ میں اللہ پھینکتے ہیں۔ پھر ماما پاپا ہاسپٹل سے لے آتے ہیں۔ پریذے نے معصومیت سے روتے ہوے بتایا

پریذے کی بات پر بہارے کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی۔

حور نے پریذے کو ایک نظر دیکھتے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے شرمندگی سے نظریں جھکائیں۔

حور تم بہت اچھا ماں ہے۔ گل سے کہیں زیادہ اچھا ماں۔

ہم گل کا برائی نہیں کر رہا وہ پریذے کا سگا ماں ہے اس سے اچھا کون ہو سکتا ہے ؟؟۔ گل پریذے پر چلاتا تھا اسے مار بھی دیتا تھا۔ مگر ہم نے دیکھا ہے تم

کبھی پریذے پر چلایا نہیں۔ اسے ڈانٹا نہیں چاہے وہ تم کو جتنا بھی تنگ کرے۔ ضد کرے۔ تم اس پر غصہ نہیں کرتا تھا

پریذے گل کے ڈانٹنے پر کبھی نہیں اتنا رویا۔ جتنا آج رو رہا ہے۔ جس طرح تم سے ڈر رہا ہے وہ آج تک گل سے نہیں ڈرا۔ تمھارا ڈانٹ اس کا دل پر لگا ہے۔ جو وہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تم نے اسے ڈانٹا۔ امینہ خانم کی بات پر حور نے کن اکھیوں سے پریذے کو دیکھا جو صوفے پر بیٹھی ہچکیوں سے بہت بری طرح رو رہی تھی۔ اسے ایسے روتے دیکھ کر حور بھی اب رونا شروع ہو چکی تھی۔

حور کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر امینہ خانم اور بہارے کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

اتنا پیار کرتا ہے تم اس سے۔۔اس کا خوشی کا واسطہ تم اس کا ساتھ سوتا رہا۔چاہے۔ تمھارا ارحام سے تمھارا کتنا بھی ناراضگی ہو۔ مگر ایک بیوی یہی چاہتا ہے وہ اپنا شوہر کا قریب رہے۔شوہر جتنا مرضی خفا ہو مگر جب وہ الگ بستر پر سوتا ہے یا کمرے سے باہر رہتا ہے بیوی کا لیے یہ سہنا مرنے جیسا ہوتا ہے۔امینہ خانم کی بات پر بہارے نے سوئے ہوے بہرام کو سینے میں بھینچتے اپنے لبوں کو بے دردی سے کاٹا۔یہ مرنے والی تکلیف اس نے کئی مہینوں تک سہی تھی۔شہرام خان کو وہ اب کمرے میں صوفے پر بھی سوتا ہوا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اب پریذے سمجھ گیا ہے کہ تم اور ارحام اکٹھا سوؤ تو یہ اچھا بات ہے۔اب تم پریذے کے لیے بھائی اور بہن ہسپتال سے لے کر آؤ۔امینہ خانم نے مسکراتے ہوے پریذے کو دیکھتے کہا۔

حور کی رنگت میں اب سرخیاں گھلی تھیں۔وہ اپنے آنسو صاف کرتے نظریں جھکائے شرمیلا سا مسکرائی۔

کیوں پریذے ماما پاپا آپ کے لیے ہاسپٹل سے بے بی لے کر آئیں۔بہارے نے شرارتی انداز میں حور کو دیکھتے پریذے سے کہا۔

ماما

lazy

ہیں۔ماما میرے سونے کے بعد پاپا کے پاس سونے کے لیے چلی جاتی ہیں۔میں تو سونے کا ایکٹ کرتی تھی۔مجھے پتہ تھا پاپا ماما کو لے جاتے ہیں۔ مجھے بہرام جیسا بے بی چاہیے تھا پھوپھو۔۔مگر ابھی تک میرا بے بی نہیں

آیا۔ پریذے کی بات پر حور کان کی لوؤں سے گردن تک سرخ پڑی۔ وہ جاگ رہی ہوتی تھی اسے آج پتہ چلا تھا۔ اور سب کے سامنے وہ خفت و شرم سے زمین میں گڑھی تھی جیسے۔۔

اور ماما نے مجھے ڈانٹا ہے۔۔ انہوں نے کہا یہ

nonsense talk

ہے۔ میں پاپا کو بولوں گی آپ مورے کو زیادہ سی کسز کرنا اور مورے کے ساتھ سونا۔ پھر میں پاپا مورے اور ہاسپٹل سے بے بی لے کر آئیں گے۔۔ پریذے حور کو دیکھتے نروٹھے انداز میں بولی تو حور کی رنگت فق ہوئی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔

پریذے ایسے نہیں کہتے اب آپ کی ماما حور ہیں۔ حور کی فق رنگت دیکھتے بہارے جلدی سے بول اٹھی

یہ تو میری ماما وہ میری مورے ہیں۔ پاپا نے مجھے کہا مورے اور ماما ایکو ویل ہوتی ہیں۔ پریذے نے ہچکیوں کے درمیان روتے ہوے کہا۔

امینہ خانم پریذے کی باتیں سنتے اب پریشان ہوئی تھیں۔

حور گہرا سانس لیتے پریذے کی طرف بڑھی۔ جس کا رونا اس کا دل لرزا رہا تھا۔ اسے روتے ہوے وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔ حور کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر پریذے صوفے سے اٹھتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

پریذے جان!! حور اسے نم آواز میں پکارتے ہوے اس کے پیچھے کمرے کی طرف بڑھی

ویسے حور بھابھی کا دل سچ میں بہت بڑا ہے۔ پریذے دن میں دس مرتبہ گل بھابھی کا نام لیتا ہے وہ بیچارہ ایسے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے مسکراتے ہوے برداشت کر لیتا ہے۔ درخشاں کی بات پر بہارے نے اسے گھورا۔

درخشاں تھوڑا تمھیں بھی خیال رکھنا چاہیے۔ ایک چھوٹی بچی سے تمھیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔ یہ فضول بکواسیات تم اپنے پاس رکھا کرو۔

بہارے نے اسے غصے سے لتاڑا۔

بہارے باجی ہم تو ایسے ہی۔۔ درخشاں ممنائی تھی

ٹھیک کہہ رہا ہے بہارے۔۔ پریذے کا معصوم ذہن میں ایسا باتیں آیندہ سے مت ڈالنا۔ امینہ خانم نے بھی درخشاں کو غصے سے گھورتے ڈانٹا۔

جی خانم بی! درخشاں آہستگی سے کہتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کو ادھر لاؤ ہمارا پاس۔۔۔ امینہ خانم نے بہرام کو اپنے پاس لانے کو کہا۔

بہارے نے سوئے ہوئے بہرام کو امینہ خانم کو پکڑایا۔

یہ ہر وقت سوتا رہتا ہے۔۔ بلکل شہرام پر گیا ہے۔۔ ہمارا شہرام سب بچوں سے زیادہ سلجھا ہوا بچہ تھا۔ وہ ہمارا دودھ پیتے ہی کروٹ بدل کر سو جاتا تھا۔ سارا رات پھر نہیں اٹھتا تھا۔ نہ دوسرا بچوں کی طرح ہمارا ساتھ چپک کر سوتا تھا۔ نہ ہے زیادہ روتا تھا۔ دو تین ماہ کا تھا تب بھی رعب میں ہی رہتا تھا۔ امینہ خانم بہرام کے ماتھے پر لب رکھتے ہنستے ہوئے بولی۔

بہارے یہ سب سنتے مسکرائی تھی۔۔رعب والی بات ماننے والی تھ۔ی مگر رخ پلٹ کر سو جانے والی بات پر بہارے کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

حور کمرے میں داخل ہوئی تو پریذے بیڈ پر لیٹی رو رہی تھی۔

پریذے جان سوری!!حور نے پاس بیٹھ کر اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے اپنی رندھی آواز پر بمشکل قابو پاتے کہا۔

پریذے کے رونے پر حور کی آنکھوں سے آنسو جھرنے کی طرح بہہ رہے تھے۔۔پریذے بار بار گل کو ارحام کے ساتھ جوڑتی تھی وہ اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔ابھی بھی باہر اس کے گل اور ارحام کے لیے بولے گئے لفظ

اسے بہت تکلیف دے چکے تھے۔ مگر پریذے کو وہ گل کا ذکر کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ وہ اس کی سگی ماں تھی۔ وہ سمجھتی تھی مگر گل ارحام کی کبھی محبت اور من پسند بیوی رہ چکی ہے یہ اس سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔

آپ نے مجھے ڈانٹا ماما!! مورے ڈانٹتی بھی ہے۔ مارتی بھی ہے۔ ماما تو نہیں ڈانتی۔ آپ نے مجھے ڈانٹا اور مجھے بہت

hardly touch

کیا۔ مجھے پین ہو رہا ہے یہاں۔ پریذے نے روتے ہوئے اپنا بازو آگے کیا۔

آئی ایم سوری بیٹا!! آیندہ کبھی آپ کو ایسے نہیں چھوؤں گی۔ نہ ڈانٹوں گی۔ حور نے تڑپتے ہوئے اس کے بازو پر اپنے لب رکھے۔

پریذے نے نروٹھے انداز میں منہ پھیرا۔

ہمم!! پریذے کو بے بی چاہیے۔ ماما پرامس میں پاپا کے پاس سوؤں گی اور انھیں ڈھیر ساری کسز بھی کروں تاکہ پریذے کا بھائی اور بہن آجائے۔

حور اپنی ہی کہی بات پر گلاب کی طرح سرخ ہوئی۔۔

Mama i want two brothers two sister

پریذے نے نروٹھے انداز میں حور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پریذے یہ بہت زیادہ ہیں جان!! حور اس کی فرمایش پر گھبرائی۔

فرشتے پھوپھو کے دو بے بی ہیں۔ مجھے 4 بے بی چاہیے۔ اگر آپ no بولیں گی میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ پریذے نے اب دھونس بھرے لہجے میں کہتے اسے دھمکی دی۔

اوکے ڈن!!بٹ آپ مجھ سے ایک پرامس کرو۔حور نے پریذے کو اپنی گود میں بٹھایا۔

کیاماما؟؟پریذے نے حور کے گال پر ہاتھ جماتے اس کے گال پر کس کی۔حور اسے دیکھتے مسکرائی وہ اپنی ناراضگی بھول چکی تھی۔۔

آپ پاپا کے سامنے یہ کبھے نہیں کہیں گی کہ آپ مورے سے بے بی لیں۔حور نے اپنا نچلا لب کاٹتے کہا۔

لیکن کیوں ماما؟؟مورے سے بھی بے بی لیں گے تو زیادہ بے بی ہوں گے۔

87654321

وہ اپنی فنگرز پر کاونٹ کر رہی تھی۔

ماما8 بے بی ہوں گے ہمارے پاس۔ پریذے کی معصومیت پر اب وہ روہانسی ہوئی تھی۔

پریذے آپ جتنے بے بی کہیں گی میں اتنے بے بی پاپا سے لوں گی مگر آپ مورے سے بے بی کی بات آیندہ نہیں کریں گی۔ حور نے روہانسے ہوتے کہا۔

اوکے ماما۔ مجھے زیادہ پے بی چاہیے پھر۔۔ پریذے حور کی گود سے اٹھتے بیڈ پر جمپ کرنا شروع ہو گئی تھی۔

پریذے جان!!ڈونٹ جمپ۔۔ حور نے اسے منع کیا۔

ماما تھوڑی دیر جمپ کرنے دیں پلیز۔۔

I want fun i like jumping mama

پریذے اور بھی تیزی سے جمپ کر رہی تھی۔۔

پاپا آئیں گے آپ کی شکایت لگاؤں گی پریذے جان! آپ میری کوئی بات نہیں مانتی۔ حور نے اسے غصے سے گھورا۔

سوری ماما!! آیندہ جمپنگ نہیں کروں گی۔ پریذے نے معصومیت سے بولتے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کیں

آپ پاپا اور مورے سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ حور نے اسے اپنی گود میں بٹھاتے اس کا گال چومتے ہوے پوچھا۔

میں پاپا ماما اور مورے سے پیار کرتی ہوں۔ پریذے حور کے ساتھ لپٹتے ہوے بولی۔

حور نے گہرا سانس لیتے اسے نرمی سے خود میں بھینچتے ہوے اس کے بالوں پر کس کی۔ وہ جانتی تھی وہ اس کی گود میں ہی تھوڑی دیر میں سو جائے گی۔ وہی ہوا وہ پانچ منٹوں میں گہری نیند سو چکی تھی۔

حور نے نرمی سے اسے بیڈ پر لٹایا۔

Preezy jaan Mama loves you and papa very much

حور اس پیشانی کو نرمی سے چومتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

..-----

ارحام خانزادہ کی گاڑی سوات کے اونچے نیچے راستوں پر ہچکولے بھر رہی تھی۔ ارحام خانزادہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اپنے اندر امڈتی سوچوں پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔

ساحر خان کی تدفین بہت خاموشی سے کی گئی تھی۔اس کی آخری خواہش تھی جو اس کے نے اپنی مام ربعیہ سے بہت پہلے کی تھی کہ اسے بہت خاموشی سے سپرد خاک کیا جائے۔

اس کے مرنے کے بعد اسے سنگر ساحر خان کے نام سے نہ پکارا جائے۔نہ اس کی مرنے کی خبر میڈیا پر دی جائے۔ساحر خان نے شاہزیب خان کے گھر سے بھی اپنا جنازہ اٹھانے سے منع کیا تھا۔اس لیے ساحر خان کی آخری رسومات ادا کرتے ہوے میڈیا کو نہیں بلایا تھا۔بلکہ خصوصی طور پر چھپایا گیا تھا۔

اس کا جنازہ بھی ربعیہ کے بھائیوں کی حویلی سے اٹھایا گیا تھا۔ایک خواہش اس کی اور بھی تھی کہ اس کی موت کی اطلاع حور کو نہ دی جائے۔۔اس کے پیچھے ساحر خان کا کیا مقصد تھا ارحام خانزادہ نہیں جانتا تھا۔

مگر ساحر خان بہت پہلے اپنی ان خواہشات کا اظہار ربعیہ سے کر چکا تھا۔

ارحام خانزادہ پریشانی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ خود نہیں چاہتا تھا حور کو ساحر خان کی موت کے بارے میں پتہ چلے۔ اسی لیے تو ارحام خانزادہ نے حویلی میں بھی کسی کو پتہ نہیں لگنے دیا تھا۔ حور کسی غیر کے لیے آنسو بہائے یہ اس کی پوزیسو نیچر کو گوارا نہ تھا۔

وہ بھی اس مرد کے لیے جو اس کا عاشق تھا۔ اس کا منگیتر رہ چکا تھا۔ ماضی میں دونوں کے بیچ عہد و پیماں ہوے تھے۔ ارحام نے یہ سوچتے بے چینی سے اپنے گھنے بال اپنی مٹھی میں دبوچتے گہرے سانس لیے۔

اب گوارا نہیں

کوئی اور بھی ہو

جو میری طرح تم پر مرے

چھونا تو دور ہے

اب نامنظور ہے

کوئی میرے سوا

تیرا ذکر بھی کرے

وہ کیا کرے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس عورت کو لے کر وہ اتنا ہی پوزیسو تھا۔ وہ ایک پل کے لیے بھی کسی اور کو سوچے اسے گوارا نہ تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں اپنی انگلیوں کے پوروں سے مسلیں۔ وہ تند و تیز انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ یکدم اسے گاڑی روکنی پڑی تھی۔ اس کے سامنے ہی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ جس کا بونٹ کھول کر ایک بزرگ

آدمی جھکے گاڑی ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔ ساتھ ہی ایک عورت سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی تھی۔

یہ سوات کا خطرناک راستہ تھا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اسے ایسے ایک عورت کا یہاں کھڑا رہنا اچھا نہیں لگا تھا۔ انھیں مدد کی ضرورت تھی۔ عورت کو دیکھتے ارحام خانزادہ کو اپنی گاڑی سے اترنا پڑا تھا۔

میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟! ارحام نے گاڑی کے بونٹ پر جھکے بزرگ سے آدمی کو دیکھتے کہا۔ عورت کی طرف اس نے ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

خان!! پری گل کے ہاتھوں سے اس کا نقاب چھوٹ کر گرا تھا۔

پری گل کی آواز پر ارحام کی نگاہیں اس پر اٹھیں۔ پری گل جلدی سے اپنا چہرہ ڈھک گئی تھی۔

یہ گاڑی خراب ہو گیا ہے۔ کب سے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ بزرگ ارحام کو دیکھتے جھنجھلاتے ہوے بولا۔

ہٹیے میں دیکھتا ہوں۔ ارحام خانزادہ نرمی سے کہتے گاڑی کے بونٹ پر جھکا۔

پری گل ارحام خانزادہ سے تھوڑی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ بلکہ اپنے چہرے کو اچھی طرح ڈھکتے ہوے رخ موڑ چکی تھی۔

آپ گاڑی میں بیٹھیں اچھا نہیں لگتا یوں سڑک پر کھڑا ہونا۔ ارحام نے پری گل کی پشت کو ایک نظر دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ سوات کی سڑک پر کسی بھی غیر عورت کے ساتھ کھڑا ہونا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

پری اگل ثبات میں سر ہلاتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے پچھلا دروازہ کھولتے بیٹھ گئی۔

ارحام خانزادہ نے گاڑی ٹھیک کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ سٹارٹ نہیں ہو سکی تھی۔

یہ گاڑی نہیں ٹھیک ہو گی۔ آپ بی بی سے بولیں کہ اپنی حویلی سے گاڑی منگوالیں۔ ارحام خانزادہ نے پاس کھڑے بزرگ سے سنجیدگی سے کہا۔ اس وقت اور گاڑی کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ گل بیٹا نے بہت کوشش کیا ہے۔ بزرگ نے مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

ارحام گہرے اندھیرے کو پہاڑوں کا حصہ بنتے دیکھ کر گل کی طرف بڑھا۔

ارحام نے تھوڑا جھکتے ہوے گاڑی کا شیشہ بجایا۔

احام کے شیشہ بجانے پر گل نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

آپ گاڑی منگوالیں۔ گاڑی ٹھیک نہیں ہو گی۔ اور یہاں زیادہ دیر رکنا خطرے سے خالی نہیں۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔

بابا اسلام آباد کسی جلسے میں گیا ہے۔ ساری گاڑیاں اور گارڈز اس کا ساتھ ہے۔ اس کے پاس اپنا بیٹی کا فون اٹھانے کا بھی وقت نہیں۔ کیونکہ تمھارا ہمیں چھوڑنے اور بختاور خان سے شادی کرنے پر وہ ہم سے ناراض ہے۔ مورے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ شاہنواز بستر پڑا آخری سانس لے رہا ہے۔ دلنواز خان اپنا بیوی کو لے اکر الگ ہو گیا ہم سے ہر رشتہ ختم کر لیا۔ اس وقت دوسرا کوئی گاڑی نہیں۔ گل اپنے چہرے کا نقاب گراتے ہوے ارحام کو دیکھتے بولی۔

بختاور خان کہاں ہے ؟؟ ارحام نے اس کی بات سنتی سنجیدگی سے پوچھا۔

ہم اس کا ساتھ نہیں رہتا۔ وہ اپنا دو بیویوں کے ساتھ رہتا ہے۔ گل تلخی سے بولتے مسکرائی تھی۔

گل کی بات پر ارحام خانزادہ نے لب بھینچے تھے۔

جاؤ خان!! ہم کچھ کر لے گا۔ یہاں ہمارا ساتھ تمھار کھڑا رہنا ٹھیک نہیں۔ گل سنجیدگی سے بولتے شیشہ اونچا کر گئی۔

ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچے پریشانی سے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

وہ گل کو اس وقت سوات کی خطرناک سڑک پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اگر گل کی جگہ کوئی بھی عورت ہوتی وہ اسے بیچ سڑک پر چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ یہی اس کا اصول تھا یہی ایک مرد ہونے کا ناطے اس کا فرض

تھا۔ عورت کی عزت سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ بھی معنی نہیں رکھتا تھا۔ ارحام خانزادہ نے گل کی سائیڈ کا شیشہ دوبارہ سے بجایا۔

گل نے گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ارحام کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ اتنا تو مقابل کو جانتی تھی وہ اسے تنہا چھوڑ کر کبھی نہیں جا سکتا تھا۔

آپ میرے ساتھ آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں۔ ارحام نے اسے دیکھتے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

خان رہنا دو!! کسی نے دیکھ لیا۔ باتیں بن جائے گا ہم دونوں اب ایک دوسرا کے لیے نامحرم ہے۔ گل تلخی سے بولی۔

آپ نامحرم ہیں۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر آپ کی جگہ کوئی بھی عورت ہوتی۔ میں اس سے بھی یہی کہتا۔ آپ ایک عورت ہیں یہ بات

کبھی نہیں بھولنی چاہیے۔اس ٹایم یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں۔ارحام خانزادہ نے سیدھے ہوتے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے۔

ہم عورت ہے اس بات کا احساس تو اس دن ہی ہو گیا جب ہم تمھارا سامنے مرد بن کر تمھارے مقابل آکھڑا ہوا۔ تین لفظ طلاق کے ساتھ ساتھ طمغے کی صورت میں تمھارا تھپڑ بھی جب ہمارا گال کا حصہ بنا تو ہم کو بخوبی احساس ہوا تھا کہ ہم ایک عورت ہے۔اور تمھارا زندگی سے نکلنے کے بعد پتہ چلا عورت بھی تب تک تھا جب تک ایک مضبوط مرد ہمارا زندگی میں تھا۔ پھر تو ہم عورت بھی نہ رہا۔ گل کی بات پر ارحام خانزادہ بری طرح اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ اسے ان باتوں کا مقصد سمجھ نہیں آیا تھا نہ وہ پاسٹ کی بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاسٹ اس کے لیے ذرا اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

گل گاڑی سے اترتے ارحام کی گاڑی کی طرف بڑھی۔

ارحام خانزادہ پہلے ہی اس کے لیے پچھلی طرف کا دروازہ کھول گیا۔

گل خاموشی سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

ارحام خانزادہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔

اندھیرا گہرا ہو کر سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ آہستہ آہستہ دھند بھی گہری ہو رہی تھی۔

مجھے لگتا ہے آپ کو بختاور کے پاس واپس جانا چاہیے۔ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ ارحام نے بیک ویو مرر میں گل کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ہم نے کب کہا وہ برا انسان ہے۔ یہ تو ہمارا قسمت اچھا ہے ہمارا زندگی میں دوسرا آنے والا مرد بھی بہت اچھا ہے۔ مگر تمھارا طرح دوسرا مرد کا قسمت اچھا نہیں جو اس کو ہم ملا۔ گل کی آواز بھرائی تھی۔

ارحام خانزادہ سنجیدگی سے ڈرائیو کرنے لگا۔

اس کو اولاد چاہیے بیچارہ نے تیسرا شادی اولاد کے لیے کیا۔ مگر ہم بھی بانجھ نکلا۔ خدا نے ہم کو سزا دی۔ جو ہم نے اپنا پیٹ میں اپنا بچہ مار دیا۔ ٹھیک کہتا ہے خدا اپنا حقوق تو معاف کر دیتا ہے۔ مگر اپنا بندوں کا حقوق معاف نہیں کرتا۔ خدا کا دیا ہوا امانت کا ہمیں خود سے زیادہ حفاظت کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے کیا کیا؟؟ اپنا پیٹ میں پلنے والا ایک زندگی کو مار دیا۔ اس کا دھڑکن بھی بن گیا تھا خان!! گل کی باتوں پر ارحام کی سٹیرنگ پر گرفت مظبوط ہوئی تھی۔ آنکھوں کی رنگت سرخی میں تبدیل ہوئی تھی۔

گل اب پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

کیساماں ہے ہم خان؟؟ تم سے نفرت تھا اس بچہ کو پیدا کر کے تمھارا حوالے کر دیتا۔ مگر تم کو تکلیف دینا کا واسطہ ہم پستی تک گر گیا۔ کیساماں ہے ہم؟؟ اپنا بچہ کو مار دیا۔

کہتا ہے ایک بے گناہ کا قتل کرنا پورا انسانیت کا قتل کرنا ہے۔ ہم نے اپنا ہی بے گناہ بچہ کو مار دیا۔ کیسا کر سکتا ہے ہم؟ گل اپنے گلے پر ہاتھ رکھے اب ہذیانی کیفیت میں چیخ چیخ کر رو دی تھی۔

ارحام خانزادہ سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

تم ہی بتاؤ خان؟؟ کیا تم ہم کو معاف کر سکتے ہو؟؟۔ ہم نے تمھارا بچہ مار دیا۔ گل نے روتے ہوے سوال کیا۔

ارحام خانزادہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے گل کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ نہ اس کا دینے کا آرادہ تھا۔

نہیں کر سکتا تم ہم کو معاف خان؟؟ تو کیسے ہمارا رب ہم کو معاف کرے گا خان؟؟ ارحام کی گہری خاموشی پر وہ کرب سے بہتے آنسوؤں سے مسکرائی۔

اپنا بیٹی کو تم سے پانچ مہینہ دور رکھا۔ صرف تم سے بدلہ لینا کا واسطہ۔ کیا ہوا خان؟! تم آباد ہو گیا ہم برباد۔۔ ہم کو مرنا کا ضرورت نہیں رہا خان۔۔ ہم جیتے جی مر گیا۔ گل کرب دو درد سے بلبلاتے ہوے چیخی۔

ہم کو بچہ چاہیے خان؟؟ ہم کو بچہ چاہیے خان۔ بانجھ ہونے کا طعنہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا تو کیسے بختاور کے پاس واپس جائے گل اب حلق کے بل ہذیانی چیخی تھی۔

ارحام خانزادہ کی آنکھوں کا سپاٹ پن بڑھا تھا۔ ڈرائیونگ کی سپیڈ بڑھی تھی۔ گاڑی اب بری طرح ڈول رہی تھی۔ وہ خطرناک سڑکوں پر گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔

اب گاڑی میں گل کی ہچکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

بختاور خان بہت اچھا انسان ہے خان؟؟ اتنا اچھا ہم تم کو کیا بتائے؟؟۔ ہم بانجھ ہے پھر بھی اس نے ہم کو طلاق نہیں دیا۔ نہ اس نے ہم کو اپنا حویلی سے نکالا۔۔ نہ اس نے ہم کو بانجھ ہونے کا طعنہ مارا۔ مگر جب وہ ہم کو دیکھتا تھا ہم کو اس کا آنکھوں میں ٹوٹے سپنوں کا کانچ کا ٹکڑا نظر آتا تھا۔ تیسرا شادی سے بھی اولاد اس کا مقدر نہ ٹھہرا۔ ہم نے اس کو بچہ کا واسطہ تڑپتا دیکھا ہے۔ خدا کا آگے روتا ہوا دیکھا ہے۔۔ مگر ہمارا بدقسمتی اس کا ساتھ جڑ گیا خان۔

وہ اپنا دو بیویوں سے محبت کرتا ہے ان کو اپنا ساتھ رکھنا کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ مگر ہم کو کیوں اپنا نام کا ساتھ باندھ کر رکھا خان ؟!۔ کیونکہ وہ خدا سے عورت کا معاملے میں ڈرتا ہے۔ ہم نے دیکھا وہ ہم سے نفرت کرنا کا باوجود بھی ہمارا پاس رات رکتا تھا۔ وہ سب جانتا ہے خان۔ کس طرح پریذے کو ہم نے تم سے چھپایا؟؟ حور کو اغوا کیا۔ اس کو معلوم ہے ہم اس کا نکاح میں ہوتے ہوے بھی تم کو دوبارہ حاصل کرنا کا منصوبے بنا رہا تھا۔

مگر پھر بھی اس نے ہم کو نہیں چھوڑا۔

تم ہی بتاؤ ہم جیسا بانجھ عورت اس کا قابل ہے۔۔ اس جیسا خان پورا سوات میں نہیں۔ گل ہچکیوں کے ساتھ اب بے حد آہستگی سے بول رہی تھی۔

ارحام خانزادہ صرف سپاٹ انداز میں تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ اپنے بچے کو کھونے کا غم وہ بھی آج تک نہیں بھولا تھا۔ اس کا قتل وہ کیسے معاف کر سکتا تھا۔ اسے اس عورت سے ہمدردی تک نہ تھی۔

ارحام خانزادہ نے سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلیں۔

ڈیش بورڈ میں موبایل ہولڈر میں رکھے درخشاں کے نمبر سے ویڈیو کال آنے پر ارحام خانزادہ لب بھینچ گیا تھا۔ درخشاں کے نمبر سے ویڈیو کال آنا یعنی پریذے اسے کال کر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے ڈسکنکٹ کرتے ڈرائیونگ کی سپیڈ بڑھائی۔ درخشاں کے نمبر سے دوبارہ ویڈیو کال آنا شروع ہو چکی ہے۔ ارحام خانزادہ نے موبایل اٹھاتے ایک ہاتھ میں پکڑ کر کال رسیو کی۔ اسے کرنی پڑی تھی۔ عجب سی

وحشت چھائی تھی اس کے اندر۔۔اس کے بچے کی دھڑکن بھی بن چکی تھی۔اسے پھر بھی مار دیا۔وجود جیسے زخموں سے چور ہوا تھا۔

ہیلو پاپا!!پریذے کی چہکتی آواز گونجی۔

اسلام و علیکم کہتے ہیں بیٹا!!ارحام خانزادہ بلوٹوتھ کان میں اڑستے ہوے بولا۔پریذے کو دیکھ کر دل میں ٹھنڈک پڑی تھی۔کچھ دیر پہلے والے اپنا بچہ کھونے کے زخموں پر جیسے وہ مرہم رکھ گئی تھی

سوری پاپا!!پریذے نے معصومیت سے کہا۔

ارحام خانزادہ کی آواز پر گل نے اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیے۔سکرین پر اس کی نظر نہیں پڑ رہی تھی۔نہ پریذے کی آواز آرہی تھی۔مگر ارحام کی باتوں سے پتہ چل گیا تھا وہ پریذے سے بات کر رہا ہے۔

Papa preezy is missing you!!

پریذے کی بھیگی آواز پر ارحام خانزادہ پریشان ہوا تھا۔

بیٹا میں تھوڑی دیر تک آپ کے پاس ہوں گا۔ آپ نے سونا نہیں ہے۔ اور ماما کو نہیں بتانا میں آرہا ہوں۔ ارحام خانزادہ اپنی خوبصوت بیوی کے متعلق سوچ کر گہرا مسکرایا۔

کچھ دیر پہلے والے زخم اب جیسے روح سے مندمل ہو چکے تھے۔۔

پاپا آپ سچ بول رہے ہیں۔ پریذے کی خوشی سے چہکتی آواز گونجی۔

جی میرا کیوٹ سا بچہ !! میری جان !! ارحام پریذے کو دیکھ کر گہرا مسکرایا۔

پاپا آئی لو یو !! پریذے سکرین پر لب رکھتے ہوے بولی۔

اوکے بیٹا خدا حافظ !!میں ڈرائیو کر رہا ہوں۔ ارحام خانزادہ اسے کسز کرتے دیکھتے مسکرا گیا تھا۔

پاپا آپ میرے چاکلیٹس ڈول لائے ہیں ناں۔ پریذے کی بات پر اب ارحام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔ چاکلیٹس اور ڈول کے بغیر اس کی حویلی میں انیٹری بند تھی۔ وہ کہاں سے بھی آتا تھا اس کے لیے چاکلیٹس اور ڈول ضرور لاتا تھا۔ اس بار تو وہ بہت ساری چاکلیٹس لایا تھا۔ بیٹی کے ساتھ بیوی کو بھی بہت بار چاکلیٹس کھاتے دیکھا تھا۔۔ اور بیوی کو ٹیڈی بئر بھی بہت پسند تھے یہ بھی اسے اب پتہ چلا تھا۔ جب پریذے کے کمرے میں اسے ٹیڈی بئیر سے لپٹتے ہوے سوتے ہوے دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کے لیے ٹیڈی بیئر نہیں لا سکا تھا۔۔ کیونکہ اسے ان کے ساتھ لپٹتے دیکھ کر وہ حسد کا شکار ہوا تھا۔ اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ لپٹنے کا حق صرف اسے تھا۔

اس سے پہلے وہ فون بند کرتا۔ گل آگے ہوتے اس سے فون چھین چکی تھی

ارحام خانزادہ پریشان ہوتے ایک جھٹکے سے گاڑی روک گیا۔

مورے!! بلوٹوتھ میں پریذے کی آواز سنتے ارحام خانزادہ بری طرح گھبرایا تھا۔

گل پریذے کو سکرین پر دیکھ کر روتے جا رہی تھی۔

پریذے کی مورے کی گردان ارحام کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے مڑتے ہوئے گل کو سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔

خان!! خدا کا واسطہ تھوڑی دیر میری بیٹی سے بات کرنے دو۔ گل گڑگڑائی تھی۔

گل کو سکرین پر روتا دیکھ کر پریذے بھی رونا شروع ہو چکی تھی۔

پاپا مورے!!وہ روتے ہوے بول رہی تھی۔

پریذے ماما کہاں ہے؟؟ارحام نے گہرا سانس لیتے پریشانی سے پوچھتے اظطرابی انداز میں اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔حور کو بھنک بھی پڑ جاتی گل اس کے ساتھ وہ برداشت نہ کرتی۔وہ اسے لے کر پوزیسو تھی وہ جانتا تھا۔

ماما ادھر نہیں پاپا۔۔پریذے نے سکرین پر گل کو دیکھتے ارحام کی آواز حیرانگی سے سنی تھی۔گل روتے ہوے سکرین پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔آواز ارحام کی آرہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا یہ کیسے ہو رہا تھا۔

۔اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔مگر ایک پرامس کرو۔ماما کو نہیں بتاؤ گی۔آپ نے مورے سے بات کی اور مورے میرے ساتھ

تھیں۔ ارحام نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے سانس باہر نکالتے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے۔ اب وہ پچھتا رہا تھا اس نے فون آخر اٹھایا ہی کیوں؟؟

پرامس پاپا!! پریذے نے معصومیت سے سر ہلایا۔

پکا پرامس پاپا کبھی نہیں بتاؤں گی۔ پریذے نے تیزی سے گردن اثبات میں ہلاتے ارحام کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

ماما پاس نہیں ناں!! ارحام خانزادہ نے آخری بار یقین دہانی چاہیے تھی۔۔

یہ دیکھیں پاپا ماما نہیں ہیں۔ پریذے نے بیک کیمرہ آن کرتے پورا کمرہ دکھایا۔ ارحام نے اطمینان کا سانس خارج کیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے بلوٹوتھ آف کرتے سیٹ سے ٹیک لگائی۔

کیسا ہے تم پریذے؟؟ گل نے روتے ہوے پوچھا۔ مورے آپ حویلی کب آؤ گی۔ پریذے کی آواز گونجی تھی۔

دروازے کے باہر کھڑی حور نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے گہرے سانس لیے ۔اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔اس نے چکراتے ہوے سر کو جکڑا۔ دوسرے لمحے وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے میں داخل ہوتے وہ بیڈ پر اوندھے منہ گرتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی کہ آپ نے مورے سے بات کی ہے اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

ارحام کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو پورا کمرہ اس کی دلسوز چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔

فون بند کرتے ارحام نے گاڑی سٹارٹ کی۔ گاڑی ایک بار پھر سے سوات کی خطرناک سڑکوں پر ہچکولے بھر رہی تھی۔

گاڑی کی ونڈ سکرین پر یکدم حور کی شبیہہ ابھری تھی

سیاہ ویلوٹ کے سوٹ میں ڈری سہمی۔ جب اسے دیکھتے اس کے دل کی دنیا ہی پلٹ گئی تھی۔۔

تیری تعریف آئینہ بھی کرے

توڑ دوں اسے دل میرا کہے

تو ہے میرا جنون

میرے دل کا سکون

میں دیوانا ہوں تیرا

کوئی کچھ بھی کہے

ارحام خانزادہ نے آگے ہوتے ہاتھ سے وہ شبیہ مٹانے کی کوشش کی۔ مگر اس کے اتنا صاف کرنے کے باوجود وہ جوں کی توں جیسے موجود تھی۔ ہر جگہ تو وہ اسے نظر آتی تھی۔

ارحام نے سرد سانس کھینچتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ اسے جلد از جلد حویلی پہنچتے اپنی بیوی کو اپنی بانہوں میں بھر کر وہ تشنگی مٹانی تھی جو اتنے دنوں سے اسے نیم جاں نیم مردہ کر چکی تھی۔

سلطان شاہ اپنے پرائیویٹ جیٹ سے اترتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھے۔۔ان کے گارڈ نے آگے بڑھتے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔

وہ اپنے کوٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے گاڑی میں بیٹھے تھے۔

وہ اس وقت سفید کلر کی شرٹ پر سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس تھے۔

گاڑی اب سوات کی سڑکوں پر ہچکولے بھر رہی تھی۔ آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیوں کی قطاریں رواں ہوئی تھیں۔

سلطان شاہ نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے وہ ویڈیو دیکھی جو پچھلے دو دنوں سے انھیں سکون پہنچا رہی تھی۔

نازنین کی چیخیں سنتے وہ سکون سے آنکھیں موند گئے تھے۔

ہیزل گرے آنکھوں سے آنسو گرتے ان کی گھنی بئیرڈ کو بھگو رہے تھے۔

جتنا سکون نازنین کے دردناک انجام نے دیا۔ اس سے کئی زیادہ تکلیف ساحر خان کی موت دے گئی تھی۔

دل میں درد کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ مہرماہ کی قبر پر ان کا دل مزید بے سکون ہو گیا تھا۔ ساحر کے خان کے جنازے کو کندھا دینے کے بعد وہ اسے لحد میں نہ اتار سکے تھے۔ وہیں سے الٹے قدموں واپس آ گئے تھے۔ ساحر خان بیٹے جیسا تھا ان کے لیے۔ سلطان شاہ نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی موت انھیں بہت درد دے گئی تھی۔ دل میں درد کم ہی نہیں ہوا تھا۔ حور سے ساحر خان سے نکاح کے بعد وہ حور کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ اور ساحر خان کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ قسمت نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ سب کچھ بدل دیا۔ ساحر خان کو کھو دیا تھا۔ جگر کا ٹکڑا ابھی دور چلا گیا تھا۔ ارحام خانزادہ ان کی بیٹی سے دیوانوں کی طرح محبت کرتا تھا۔ حور کی

عزت جان جتنی ارحام خانزادہ کے پاس محفوظ تھی کہیں نہیں تھی۔ نہ ہو سکتی تھی۔ اور اب حور کو تکلیف پہنچانے والوں کو وہ دردناک موت بھی دے چکا تھا۔

مگر پھر بھی ساحر خان اپنی بیٹی کے لیے وہ آج بھی بیسٹ گردانتے تھے۔

ساحر خان کی موت انھیں اس کے لیے بہت حساس کر چکی تھی۔ اس نے حور کے لیے اپنی سانسیں گنوا دیں۔

سلطان شاہ یہ سوچ کر دل پر ہاتھ رکھے رو دیے تھے۔ مہر ماہ کو کھونے کے بعد ان کا دل جیسے کمزور ہوا تھا۔ آج مزید کمزور ہو چکا تھا۔ دل کی اضطرابی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اب اس دل کو تب ہی چین ملنا تھا جب اپنی جان سے بڑھ کر پیاری بیٹی کو دیکھنا تھا۔ وہ ساحر خان کے آخری رسومات پر نہیں

آئی وہ حیران تھے۔ وہ تب اتنے غم میں تھے۔ ارحام خانزادہ سے انہوں نے حور کے متعلق استفسار نہیں کیا تھا۔

سلطان شاہ کی گاڑی ان کی گارڈ کی گاڑیوں کے ہمراہ حویلی کے گیٹ پر آکر رکی.

سلطان شاہ کی آمد کا سن کر حور اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے کمرے سے نکلتے مردان خانے کی طرف بڑھی۔ اس وقت وہ ییلو کلر کے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی جس کے گلے دامن میں شیشوں کا کام ہوا تھا۔ فراک کی فل سلیوز پر بھی شیشوں کا ورک ہوا تھا۔۔ ساتھ بے حد خوبصورت ییلو کلر کی شیشہ ورک کی شال لی ہوئی تھی۔

سلکی لمبے چاکلیٹی براون کھلے بال سٹریٹ کیے ہوے ہوے تھے۔ ہونٹوں پر گلابی لپ سٹک لگی تھی۔ وہ اچھی خاصی تیار تھی۔ ارحام خانزادہ کبھی بھی آ سکتا تھا۔ وہ خاص طور پر اس کے لیے اس کا فیورٹ فراک پہن کر تیار ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مزید دیوانہ ہو جائے۔ وہ دو دن سے ایسے ہی تیار پھر رہی تھی۔ مگر اس ستمگر کو اب اس کی ضرورت نہ تھی۔ اپنی ضرورتیں وہ شاید کسی اور سے پوری کر رہا تھا۔ حور نے کرب سے سوچتے گہرا سانس لیتے اپنی شیشے کی شال اب عارض پر رگڑی۔ شیشہ اس کے عارض پر لگے اس کے عارض سیب جیسے سرخ کر چکا تھا۔

وہ رونے کی وجہ سے وہ مزید نکھری اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اپنی شال سر پر اوڑھتے سپاٹ چہرے سے کمرے سے باہر آئی۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی کہ آپ نے مورے سے بات کی ہے اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

سماعتوں میں پھر ایک بار اس ستم گر کے لفظ گونجے تھے۔ اس کے لڑکھڑاتے قدم مزید لڑکھڑائے۔ پاؤں زنان خانے کے صوفے سے بری طرح ٹکرایا تھا۔

حور بھابھی سنبھل کر اس سے وہ پہلے گرتی درخشاں نے اسے تھاما۔ حور نے بہتے آنسوؤں سے درخشاں کو دیکھا۔

شال سر سے گرتی کندھوں پر آئی تھی۔

کیا ہوا بھابھی؟؟ درخشاں اسے دیکھتے پریشان ہوئی تھی۔

امینہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے لرزتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

کچھ نہیں!! پاپا آئے ہیں۔ حور اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے مسکرائی۔

دوسرے لمحے وہ یونہی مردان خانے بڑھ گئی تھی۔

اللہ بھابھی!! یہ تمھارا بہوؤں کو کوئی دورہ پڑتا ہے۔ کس طرح بے پردہ مردان خانے جارہا ہے۔ پتہ بھی ہے اس کا مرد کیسا ہے؟؟۔ روزینہ خانم کی بات پر حور کے قدم رکے تھے۔

حور بچہ!! شال سر پر اوڑھو۔ ارحام کو پتہ چلا اسے اچھا نہیں لگے گا۔ امینہ خانم نے اس کے رکتے قدم دیکھ کر رسانیت سے کہا۔

امینہ خانم کی بات پر حور تلخی سے مسکرائی۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے مردان خانے داخل ہوگئی تھی۔

تمھارا سب بہوٗ یہ سب جان کر کرتا ہے۔ اپنا مرد کا فطرت سے واقف ہو چکا ہے۔ پتہ ہے غصہ کرے گا رات کو قدموں میں بیٹھ جائے گا۔

روزینہ خانم کی بات امینہ خانم نے روزینہ خانم کو غصے سے گھور کر دیکھا

ٹھیک کہہ رہا ہے بھابھی!! سب سے پہلا ہمارا بیٹا ہے زن۔ مرید۔ دیکھا نہیں تمھارا بیٹی کچن میں ہوتا ہے وہ کچن میں چلا جاتا ہے۔ وہ کھانا کھانے والا کمرہ میں جاتا ہے وہ وہاں چلا جاتا ہے۔ وہ غسل خانہ جاتا ہے وہ وہاں چلا جاتا ہے۔

کیا ہو گیا روزینہ ؟؟ ہوش کا ناخن لو۔ درخشاں کی دبی دبی ہنسی دیکھ کر امینہ خانم غصے سے بولی۔ روزینہ خانم کی باتیں ان کے کان سے دھویں نکال دیتی تھیں۔

ٹھیک کہہ رہا ہے بھابھی؟؟ ہم نے خود پکڑا ان کو اپنا غسل خانہ میں۔ کوئی اپنا مورے کا غسل خانہ میں یہ سب کرتا ہے۔ بلکل شرم وحیا سے پیدل ہے ہمارا بیٹا اور تمھارا بیٹی!!

سمجھ نہیں آتا آج کل کا عورت میں کیا ہے جو ہم میں نہیں۔ کیسا ادائیں دکھاتا ہے۔ ہمارا مرد لوگ تو رات گئے کمرے میں آتا تھا۔ صبح روشنی سے پہلے کمرے سے چلا جاتا تھا۔ دن میں تو مر کر بھی کمرے میں نہیں آتا تھا۔ اب دیکھو اس حویلی کا نیا نسل دن رات کمرے میں رہتا ہے۔

صبح سے رات ہو گیا اسفند کمرہ سے نہیں نکلا۔ پتہ نہیں کیا کر رہا ہے تمھارا بیٹی کے ساتھ؟؟

یہ لو روزینہ تمھارا آگے ہم ہاتھ جوڑتا ہے۔ ہم کو معاف کر دو۔ بچہ لوگ تو ہم کو کسی دن ہارٹ اٹیک کرے گا ہی۔ تم اپنا باتوں سے ہم کو پہلے ہی ہارٹ اٹیک کر دے گا۔ امینہ خانم لفظ چباتے صوفے پر بیٹھیں۔

سیڑھیاں اترتے روزینہ خانم کی باتیں سنتے اسفند کا رنگ سرخ ہوا تھا ۔ دوسرے لمحے وہ اشتعال سے شال جھٹکتے مردان خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

حور نے مردان خانے میں اینٹر ہونے سے پہلے اس نے اپنی شال اچھی طرح سر پر جمائی۔ شال چھوٹی سی تھی۔ آگے سے بال چھپے تھے مگر کمر عیاں ہونے لگے تھے۔

وہ مردان خانے کی بیٹھک کا بڑا سا بھاری منقشم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ سلطان شاہ جلدی سے صوفے سے اٹھتے حور کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ پکڑتے اپنی آنکھوں سے لگا گئے۔

پاپا!! حور نے انھیں بھیگے لہجے میں پکارا۔

وہ اب حور کے ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلیوں پر اپنے لب رکھ رہے تھے۔

سلطان شاہ نے حور کو نم آنکھوں سے دیکھتے اس کی ڈمپل والی جگہ پر انگلی رکھی۔

حور روتے روتے اب ہنس پڑی تھی۔ سلطان شاہ نے جھکتے ہوئے اس کی ڈمپل والی جگہ پر اپنے کپکپاتے ہوئے لب رکھے۔

پاپا!! حور روتے ہوئے ان کے سینے سے لپٹے ان میں سمائی۔

سلطان شاہ بھی روتے ہوئے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھے اس کے گرد اپنا حصار قائم کر گئے۔

پاپا!! حورا انھیں پکارتی ان کے سینے سے لپٹے بے تحاشا رو رہی تھی۔

سلطان شاہ اسے اتنا روتے دیکھ کر اب پریشان ہوئے تھے۔

سلطان شاہ نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کیے۔

کیا ہوا ہے میرا بیٹا؟؟ میری حور میری جان!! سلطان شاہ نے اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

کچھ نہیں پاپا!! آپ کی یاد آ رہی تھی۔ حور نے اپنے عارض سے بہتے آنسو اب خود صاف کیے تھے۔ دل دو دماغ صرف اس ستم گر کی بیوفائی پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ سلطان شاہ کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔

سلطان شاہ مبہم سا مسکراتے ہوے اسے اپنے سینے سے لپٹا گئے۔

یاد تو مجھے آتی ہے تمھاری!! بہت زیادہ ساری رات تمھاری اور مہر ماہ کی تصویریں دیکھتے گزر جاتی ہے۔ سلطان شاہ کے بھیگے لہجے پر حور نے بمشکل اپنی سسکی روکی۔

دل کرتا ہے وقت پلٹ دوں حور۔ وہ وقت لے آؤں جب مہر ماہ تھی تم تھی۔ خدا مجھ سے میرا سب کچھ لے لے مگر میری مہر ماہ اور حور مجھے واپس دے دے۔۔ وہ وقت جہاں کسی کی موت نہیں ہوئی تھی۔ جب ساحر بھی تھا۔

سلطان شاہ کی باتوں پر حور نے تڑپتے ہوے سلطان شاہ کو دیکھا۔ ساحر کے نام پر وہ چونکی تھی یہاں ساحر خان کا کیا ذکر؟؟

ارحام خانزادہ کو اپنی گاڑی حویلی سے بہت پیچھے کھڑی کرنی پڑی تھی۔ گاڑیوں کی قطار اور گارڈز کو حویلی کے ارد گرد پھیلے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا۔ اس کے سسر حویلی میں موجود ہیں۔ ارحام خانزادہ جلدی سے گاڑی سے اترتے تیز تیز قدموں سے حویلی کے اندر داخل ہوا۔

ساحر؟؟ پاپا!! حور نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے الجھن بھری نگاہوں سے استفسار چاہا۔

اسلاو علیکم!! ارحام خانزادہ نے اندر داخل ہوتے بلند آواز میں سلام کیا۔

ارحام خانزادہ کی آواز پر حور کی آنکھیں سرد سپاٹ ہوئیں تھیں۔ سلطان شاہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے وہ ان کے مزید قریب ہوئی۔ ارحام خانزادہ کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

ارحام خانزادہ نے گہری نگاہ ڈالی اپنی بیوی پر ڈالی جو سلطان شاہ کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وعلیکم سلام!! سلطان شاہ نے سنجیدگی سے جواب دیتے حور کو اپنے بازو کے حلقے میں لیتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔۔ حور سلطان شاہ کی طرف دیکھتے مبہم سا مسکرائی تھی۔

اب بھی ایک نظر ارحام کی طرف نہیں دیکھا۔

ارحام خانزادہ کی اپنی بیوی پر پڑتی گہری گرم نگاہ میں اب جلن کی رمک آن ٹھہری تھی۔اس نے ایک نگاہ تک اس پر نہیں ڈالی تھی۔

پاپا!! آپ ساحر کے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟؟وہ ارحام خانزادہ کو مکمل اگنور کرتے ساحر خان کے متعلق استفسار کر رہی تھی۔

کچھ نہیں کہہ رہے تھے سلطان شاہ!!ارحام خانزادہ نے برفیلے لہجے میں کہتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ اور لائیٹر نکالتے سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا۔

اپنی بیوی کی وہ اتنی ہی اگنورنس برداشت کر سکتا تھا۔مقابل نے کبھی اس کے سامنے ساحر خان کا نام نہیں لیا تھا۔آج بھی اس کے لبوں سے وہ ساحر خان کا نام برداشت نہیں کر سکا تھا۔۔یہ عشق کی کونسی انتہا تھی؟؟وہ نہیں

جانتا تھا۔ مگر اپنی محرم کے لبوں سے اس انسان کا ذکر بھی نہیں گوارا تھا جو اس دنیا میں نہ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ کو سگریٹ سلگائے دیکھ کر سلطان شاہ کے چہرے پر ناگواری چھائی۔

حور کو سگریٹ سے کتنی نفرت تھی وہ جانتے تھے۔ آج تک انہوں نے حور کے سامنے سگار نہیں پیا تھا۔ ان کا داماد ان کی ہی بیٹی کے سامنے کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ اپنے داماد کی یہی باتیں یہی ایٹیٹوڈ سے خار کھاتے تھے۔

ارحام خانزادہ نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے حور کو دیکھا۔ جس کے وجود پر بہت چھوٹی سی شال تھی۔ جو بمشکل اس کے وجود کو کور کر رہی تھی۔ وہ شال سر سے اترتے اب اس کے دونوں شانوں پر ڈھلک گئی تھی۔۔ وہ اپنے وجود

کی تمام رعنائیوں کے ساتھ کھلے بالوں کے ساتھ سلطان شاہ کے بازو کے حلقے میں کھڑی تھی۔

آپ بیٹھیں سلطان شاہ!! مہمان ہیں آپ میری حویلی میں آپ کے لیے کھانے کا بندوبست کرواتا ہوں۔ حور کو شرربار نگاہوں سے دیکھتے ہوے ارحام خانزادہ نے لفظ چبائے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

میں مہمان بن کر ادھر ہی جاتا ہوں۔ جہاں کے میزبان مجھے پسند ہوتے ہیں۔ میں یہاں صرف اپنی بیٹی سے ملنے آیا ہوں۔ یعنی یہاں آنا صرف میری مجبوری ہے۔ کیونکہ میرے دل کا ٹکڑا میری زندگی میری جان میرا سب کچھ میرا بیش بہا قیمتی ہیرہ اس حویلی میں ہے۔

ارحام خانزادہ کو گھورتے ہوے سلطان شاہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

ہممم !!جب سلطان شاہ کے دل کا ٹکڑا سلطان شاہ کی جان سلطان شاہ کا سب کچھ اس حویلی میں ہے۔یعنی اس حویلی میں رہنے والے میزبان ارحام خانزادہ کی ملیکیت ہے۔تو حویلی کا میزبان ناپسندیدہ کیسے ہو گیا پھر ؟؟جب وہ بیش قیمتی ہیرہ صرف ارحام خانزادہ کا ہے۔ارحام خانزادہ نے سلطان شاہ کے مقابل آتے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتی استھزائیہ انداز میں آئی ابرو اچکائے تھے۔

ارحام خانزادہ کے لفظوں پر سلطان شاہ کی آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔وہ ان ہی بیٹی کو اپنی ملکیت کہہ رہا تھا وہ یہ برداشت نہیں کر سکے تھے۔حور ان کی بیٹی تھی پہلے۔اور سامنے کھڑے بپھرے سانڈ کی ملیکت تو بلکل نہیں۔

نازنین کہ جیسے مقابل نے مارا تھا وہ اسے پھر سے بپھرے سانڈ کا خطاب دے چکے تھے۔۔تعریف تو وہ کسی صورت مقابل کی نہیں کر سکتے تھے۔

حور سلطان شاہ کو سگریٹ پینے والوں مردوں سے سخت نفرت ہے۔ سلطان شاہ نے غصے سے ارحام کو دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

مجھے فرق نہیں پڑتا پاپا!! ارحام سگریٹ پیے یا نہ پیے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ حور سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے بولتے ہوئے مسکرائی۔ اب بھی نہیں دیکھا ارحام خانزادہ کی طرف۔۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ جلتا سگریٹ ہتھیلی میں دبا گیا تھا۔ آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔ اس کی بات تو سوئیوں کی طرح چبھی ہی تھی اس کا نہ دیکھنا اسے شعلوں میں دہکا چکا تھا۔

مجھے فرق پڑتا ہے بہت فرق پڑتا ہے۔ ارحام خانزادہ نے حور کو سلطان شاہ کے بازو کے حلقے سے آزاد کرتے اس کی شال کو سر پر اوڑھائے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھتے اسے بہت کچھ جتایا تھا۔

ارحام کی سرد سرخ آنکھوں حور نے اپنی سرد بھیگی نگاہیں گاڑھے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے گہرے سانس لیے

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی کہ آپ نے مورے سے بات کی ہے اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

یہ لفظ نہیں زہر تھا جو اسے اندر سے مار رہا تھا۔ حور کی گرفت اس کی شرٹ پر بڑھی تھی۔ بھیگی آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔ بدن میں لرزاہٹ سی ہوئی تھی۔

ارحام نے اپنی شرٹ حور کی مٹھیوں سے چھڑواتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔

توضیح کر لیں اپنے لفظوں کی۔ یہ حور سلطان شاہ نہیں۔ حور ارحام خانزادہ ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی یہ صرف میرے نام سے پکارے جائے گی۔

ارحام خانزادہ نے سلطان شاہ کو جتاتے حور کی پیشانی پر لب رکھے۔ حور کو وہ سختی سے اپنے بازو کے حلقے میں لیے ہوے تھا۔

سلطان شاہ اس کی سخت گرفت اپنی بیٹی کے بازو پر دیکھ چکے تھے۔

میں اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں۔ سلطان شاہ نے ارحام خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کہا۔

یہ کہیں نہیں جائے گی۔۔ آپ کو جتنا وقت گزارنا ہے یہاں گزاریں۔ سلطان شاہ کی بات پر ارحام خانزادہ کو اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہوا تھا۔ وہ گرج اٹھا تھا۔

وہ کیسے اب اسے اس حویلی سے دور جانے دے سکتا تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب مقابل اتنا سرد سرد تھا۔

میں جاؤں گی پاپا کے ساتھ۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بولتے اس سے دور ہوئی۔

ارحام کا چہرہ مزید سرخ ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولتے اپنی ہلکی گھنی بے چینی سے بیرڈ سہلائی۔

پاپا!! میں آج آپ کے ساتھ ڈنر کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ جیسے پہلے آپ میرے ساتھ ٹائم سپینڈ کرتے تھے۔ پورا ہوٹل میرے لیے بک کرواتے تھے۔ حور سلطان شاہ کے قریب ہوتے بولی۔ ارحام خانزادہ نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے اندر اٹھتی بے چینی کو کم کرنے کی کوشش کی۔ وہ کیوں آخر اسے ایسے اگنور کر رہی تھی۔ وہ اتنے دن بعد آیا اپنی بیوی کا یہ رویہ تو سہنے کا حقدار نہ تھا۔ اسے ڈانٹنے پر وہ ہزاروں میسجز پر وہ ہزاروں وہ سوری بھی کر چکا تھا۔

جس ہوٹل کا کہو میری جان!! ابھی بک کروا دیتا ہوں۔ میری بیٹی ملک سے باہر جانا چاہتی ہے۔ وہاں بھی سارا ہوٹل اپنی بیٹی کے لیے بک کروا دوں گا۔ سلطان شاہ نے بھیگے لہجے میں کہتے حور کی ہتھیلیاں چومیں۔

سوات کا کوئی ہوٹل پاپا!! ابھی بک کروائیں میرے لیے۔ بلکہ اسے ابھی کہ ابھی میرے لیے خریدیں۔ حور نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ مقابل کو وہ بہت کچھ جتانا چاہتی تھی۔ اپنی حیثیت بتانا چاہتی تھی وہ عام عورت نہیں تھی جو مقابل کی بیوفائی برداشت کر لے۔

ابھی میری جان!! سلطان شاہ نے فون نکالے اپنے اسسٹنٹ کو میسج کیا۔

چلیں پاپا۔ حور نے ایک نظر ارحام کو دیکھتے سلطان شاہ کو دیکھا تھا۔

چلو۔۔ سلطان شاہ اسے بازو کے حلقے میں لیتے بیٹھک کے دروازے کی طرف بڑھے۔

رکو!! ارحام کی سرد برفیلی پکار پر حور کے قدم رکے تھے۔ مقابل کی سرد برفیلہ لہجہ آج بھی ہڈیوں میں برف جما دیتا تھا۔ مگر مقابل کی بیوفائی آج اس

کے اندر شعلے دہکائے ہوے تھی۔۔خون رگوں میں لاوے کی مانند دوڑتے

اس کے اندر شرارے دہکائے ہوے تھا۔ آج اس کی سرخ اور سرد

آنکھوں اور برفیلے لہجے کی اسے رتی برابر پرواہ نہیں تھی

چلیں پاپا!!حور نے سسکی لیتے سلطان شاہ کو دیکھا اس سے پہلے وہ بیٹھک کے

باہر قدم رکھتی۔

ارحام خانزادہ جبڑے بھینچتے خود پر قابو پاتے اس کے مقابل آیا تھا۔

ارحام خانزادہ کی عورت ہو اس کی عزت ایسے باہر جاؤ گی تم۔ارحام خانزادہ

اس کی آنکھوں میں دیکھتے شعلہ بار لہجے میں غرایا۔

کیا ہوا ہے مجھے ؟؟کس طرح جا رہی ہوں میں باہر ؟؟حور جواباً چیختے ہوے

بولی۔

بتاتا ہوں تمھیں کیا ہوا تمہیں؟؟اور کس طرح جاتے ہیں باہر!!ارحام خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے مردانے سے نکلتے زنان خانے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا

سلطان شاہ مٹھیاں دبوچے بمشکل خود پر قابو پا گئے تھے۔

چھوڑیں مجھے۔حور خود کو چھڑواتے ہوے بولی

زنان خانے میں داخل ہوتے ارحام کے قدم رکے تھے۔

حور نے اپنی شال سر پر جمائی۔ارحام کے سامنے وہ شال سر سے نہیں اتار سکتی تھی۔

اسلام و علیکم مورے!!ارحام نے امینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا۔مگر حور کی کلائی ابھی تک نہیں چھوڑی تھی۔

وعلیکم اسلام بچہ !!امینہ خانم نے ارحام کا سنجیدہ چہرہ اور حور کی جھکی نظریں اور لرزتے بدن کو بغور دیکھتے جواب دیا۔

پاپا!!پریذے بھاگتی ہوئی ارحام کی طرف بڑھی۔ارحام خانزادہ اسے گود میں اٹھاتے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔حور کی کلائی ابھی بھی وہ سختی سے جکڑے ہوے تھا۔

حور پریذے کو دیکھتے بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔

پاپا۔۔۔آئی لو یو۔۔پریذے نے ارحام خانزادہ کے گال پر کس کی۔

Papa loves you so much

ارحام اسے ایک ہاتھ سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

پاپا!!ماما نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔وہ جلد میرا brother sister دیں گی۔پریذے نے ارحام خان کے کان میں جھکتے کہا۔آواز اتنی بلند ضرور تھی حور اور امینہ خانم تک بخوبی پہنچی تھی۔

پریذے کی بات پر ارحام نے حور کو دیکھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بے رخی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ارحام کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑی۔۔اتنے دنوں بعد مقابل کا رویہ سمجھ آرہا تھا۔وہ آج رات بھی اس سے بچ رہی تھی۔اس کی قربت اسے گوارا نہ تھی۔

ماما بے بی نہیں دے سکتی۔آیندہ آپ ان سے brother sister کا نہیں کہیں گی۔بہرام بھی آپ کا brother ہے اس کے ہوتے آپ کو brother کی ضروت نہیں۔ارحام سرد آواز میں کہتے پریذے کو گود سے اتار گیا

ارحام کی بات پر حور کی آنکھوں سے سیال مادہ گرتا عارض پر بہا تھا۔

ارحام اس کی کلائی جکڑے اپنے کمرے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ارحام خانزادہ نے اسے بیڈ پر نرمی سے دھکیلا

وہ بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی۔ یہ کیا طریقہ ہے کیا میں اپنے پاپا کے ساتھ باہر نہیں جا سکتی؟؟ خریدا ہوا ہے کیا آپ نے مجھے۔ حور سیدھے ہوتے ارحام کو دیکھتے چیخی

وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد اپنا ایک گھٹنہ رکھ کر اس جھکا۔

خان کی بیوی ہو ہر وقت اب یہ تمھیں بتانا پڑے گا کہ ایک خان کی عورت جب باہر نکلتی ہے کیسے نکلتی ہے۔ وہ اس پر جھکے اس کے نشیب و فراز کو دیکھتے غرایا۔ جس کی رعنائیاں چھوٹی سی شال چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ حسن تھا ڈھلک ڈھلک کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔ یہی بات ارحام خانزادہ کے اندر سوئیاں دہکا چکی تھی۔

وہ اگر نہ آتا وہ ایسے ہی بے پردہ باہر نکل جاتی۔ اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔ اس کا دماغ میں شعلے بھڑک رہے تھے اس وقت۔۔

خان کی بیوی ہوں کیا تو ساری پابندیاں مجھ پر عاید ہوتی ہیں۔ خان ہر پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ ایک خان کی بیوی ہونے سے پہلے میں سلطان شاہ کی بیٹی ہوں۔ اور شاہ کے سامنے یہ خان کچھ نہیں۔۔ حور اس کی شرٹ جکڑتے جو ابا اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

سلطان شاہ کی جتنی مرضی پاور ہو۔ مگر ہو تم صرف میری۔ تم پر صرف میرا حق ہے۔۔ سلطان شاہ کا بھی نہیں حق تم پر!! یاد رکھنا وہ اس کی آنکھوں میں گاڑھے پاگل ہوتا غرا اٹھا۔

مجھ پر صرف میرے پاپا کا حق ہے۔ اور کسی کا حق نہیں۔ حور ارحام کو خود سے دور دھکیلتے چیخی۔

کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے پوچھا۔ مقابل کے یہ انداز برداشت نہیں ہو رہے تھے۔ اپنا قصور بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

کچھ نہیں ہوا مجھے ؟؟ دور ہٹیں مجھ سے !! مجھے اپنے پاپا کے ساتھ جانا ہے۔ اور میں ایسے ہی باہر جاؤں گی۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ارحام خود اپنے اشتعال پر قابو پاتے پیچھے ہوا تھا۔ مقابل کے انداز و اطوار اسے آگ کی بھٹی کی مانند دہکا چکے تھے۔۔ وہ اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس وقت اس سے دور ہونا ہی بہتر تھا۔

حور بیڈ سے اٹھتی جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی ارحام اسے کلائے سے پکڑتے دیوار کے ساتھ پٹختے اس کے قریب ہوتے اس کے اطراف میں دونوں ہاتھ جماتے اسے محصور کر گیا تھا

۔۔

جو کچھ کرنا ہے۔ جو کچھ کہنا ہے اس کمرے کے حدود میں کرنا۔ مجھ پر چیخو گی چلاؤ گی مجھے مارو گی برداشت کرلوں گا۔ جو کہو جو سزا دو۔۔ میں نے تمھارے ساتھ جو پہلی رات کیا۔ وہ بھول نہیں پا رہی۔ معافی مانگ لیتا ہوں۔ جیسے چاہو معافی منگوالو۔۔ فون پر تم پر چیخا اس کی بھی معافی مانگ لیتا ہوں۔ مگر اپنی آواز اپنے بدن کی رعنائیاں اس کمرے میں چھوڑ کر جاؤ گی۔ باہر تھاری آواز بھی بلند نہیں ہونی چاہیے نہ تمھارے سر کا ایک بال نظر آنا چاہیے۔ ورنہ میرا وہ روپ دیکھو گی جو آج تک تمھیں نہیں دکھایا۔ نفرت میں شدت پسند تھا میں محبت میں بھی شدت پسند رہا ہوں میں مگر عشق میں شدت پسندی تم برداشت نہیں کر سکو گی تم۔

ارحام اس پر جھکے اس پر سلگتی سانسیں چھوڑتے تنبیہی لہجے میں غراتے ہوے اس کے لبوں پر جھکتے اس کا بالائی لب اپنے دانتوں میں دبا گیا تھا۔ حور

کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔ وہ اس کا نچلا لب دانتوں سے بے دردی سے کھینچتے اس کی سانسیں بری طرح انہیل کر گیا تھا۔

وہ ایسے ہی باہر جا رہی تھی اسے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ وہ پاگل ہو رہا تھا جیسے ؟؟

حور کی سانسوں کو گھوٹ کر وہ پیچھے ہوا۔ حور گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ اس کی شدت سے اس کے ہونٹوں پر جیسے. خون اتر آیا تھا۔ اتنے سرخ ہو رہے تھے

۔ ارحام اس کے فراک کے اگلے بٹن کھولتے اس کی گہرائیوں پر جھکتے اپنی گہری سوغات چھوڑ گیا۔ حور بری طرح سسک کر رہ گئی تھی۔ ارحام اس کی سسکیوں کو بغور سنتے پھر سے پیچھے ہوا۔

حور کی آنکھوں میں ٹھہری نمی دیکھ کر وہ اس کے چہرے پر جھکا۔ صرف میری ہو یہ یاد رکھنا۔

جو سلوک کر رہی ہو میرے ساتھ دل کر رہا ہے خود کی اور تمھاری جان لے لوں برداشت نہیں ہو رہا تمھارا سلوک۔۔ مگر مجبور ہوں۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ ارحام اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے پیچھے ہوتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

اس کے اتنا قریب جانے پر وہ اس کے انگ انگ میں طلب بن کر دوڑنے لگی تھی۔ وہ اسے بانہوں میں بھر کر اس کے پور پور کو اپنے لبوں سے دھکانے پر بے تاب ہو رہا تھا۔ اور کچھ نہیں صرف اس کی بانہوں میں ہی پیار سے سما جاتی۔ ساری تھنکن گھبراہٹ دور ہو جاتی۔ آج تو مضبوط دل گھبرا رہا تھا۔ اسے کھونے سے ڈر رہا تھا۔ مگر یہ تو طے تھا اب وہ اسے خود سے دور

نہیں جانے دے سکتا تھا۔ پیار کی زبان نہیں سمجھتی تھی جو سمجھتی تھی اپ وہ وہی اپنانے کا آرادہ رکھتا تھا۔

اب جاؤ!!ڈریسنگ روم میں اس حلیے میں باہر آؤ جس میں ایک خان کی بیوی باہر جاتی ہے۔

ارحام خانزادہ وے برفیلے لہجے میں حکم دیتے اس کے سرخ لبوں پر نرمی سے لب رکھے۔ حور سسکتے ہوے منہ پھیر گئی تھی۔ اس کی شدت سے اس کے لبوں پر شدید جلن ہو رہی تھی۔ مقابل کا لمس بھی تو کانٹوں جیسا لگا تھا۔

جاؤ ڈارلنگ!! سلطان شاہ جیسے ملینئر باپ کو انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہے۔ پورا ہوٹل بک ہے تمھارے لیے۔ تو! بلکہ اب تک تمھارے نام بھی ہو چکا ہو گا۔ آج رات نہیں جاؤ گی تو سلطان شاہ کو بھاری نقصان ہو گا۔ ارحام حور کو دیکھتے طنزیہ مسکرایا تھا۔

حور نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ و

پیسے کا نہیں جان!! جذباتوں کا نقصان ہو جائے گا۔ دل ٹوٹ جائے گا۔ جب جان سی پیاری بیٹی ان کے داماد!! میرا مطلب ہے ان کے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ اس کمرے میں ایسے ہی کھڑے رات گزار دے گی۔ دل توڑنا بری بات ہے جان من۔۔ بہت درد ہوتا ہے۔ ارحام نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھتے اسے آنکھ ماری

حور اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے خاموش ہوئی تھی۔ اس کی سرد سرخ آنکھیں اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گئی۔۔ مقابل سے مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی

حور خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی

ارحام اپنی پینٹ کی پاکٹ سے سے سگریٹ لائیٹر نکالے اسے سلگائے لبوں میں دبا گیا۔ آنکھوں کی سرخی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

حور پانچ منٹ بعد بہت بڑی چادر خود پر لپیٹتے ہوئے باہر آئی۔

ہمممم!۔ گڈ ایسے جاتی ہے ایک خان کی بیوی!! خود کو سر سے پیر تک باہر لپیٹے!! کسی بھی مرد کے سامنے یہ چادر نہ سرکے۔ بہت گارڈ ہوں گے تمھارے ارد گرد۔۔ وہ جلے دل کے ساتھ سگریٹ کا گہرا کش لیتے دھواں اس کے چہرے پڑ چھوڑتے مسکرایا۔

حور سپاٹ چہرے کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔

چہرہ بھی ڈھکو۔۔۔ ارحام سگریٹ کا دھواں چھوڑتے دھاڑا

اس کی دھاڑ پر حور لرز اٹھی تھی۔ جلدی سے اپنا چادر کے چہرہ ڈھکا۔

سوات سے باہر قدم نہیں پڑنے چاہیے تمھارے۔۔ورنہ تمھارے قدموں کا رخ کیسے حویلی کی طرف موڑنا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ارحام سرد لہجے میں بولتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

درخزئی خانزادہ اپنی پولیس موبائل میں بیٹھے اسے یونہی سڑکوں پر دوڑا رہا تھا۔

ا!!س دو نمبر کے عیاش خرانٹ ایس پی سے میں خود بات کر سکتی ہوں۔ آپ کے احسان کی ضرورت نہیں۔ یہ نکاح آپ نے ہی کروایا ہے۔ لیکن اس عیاش ایس پی سے طلاق عدالت کے تھرولوں گی۔ کوئی تو عدالت ہو گی جو آپ خانزادوں سے ہمیں انصاف دلا سکے۔ میری بہن کو اس چیپ دو نمبر کریکٹر لیس ایس پی سے طلاق دلوا سکے!!

ابرش کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تو اس نے پولیس موبائل کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اظطرابی انداز میں وہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا تھا۔

لفظ "کریکٹر لیس" خنجر کی طرح جیسے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔

ہر بات ہر غم کو چٹکیوں میں اڑانے والا بے باک درخزئی خانزادہ آج لفظ "کڑیکٹر لیس" میں الجھ گیا تھا۔

 !! آیندہ اگر وہ تجھ سے کچھ بھی کہے ایک لفظ آگے سے تو نہیں بولے گا۔ میں اتنا ہی برداشت کرتا ہوں۔ جتنا میں کرنا چاہتا ہوں۔ سمجھ میری حویلی میں تو ابھی تک میری وجہ سے ہے!!

زاران کے لفظ یاد کرتا وہ اب تلخی سے مسکرایا تھا۔

اگر وہ حویلی اس کی نہیں تھی تو پھر کونسا گھر حویلی اس کی تھی۔ وہ عالیشان حویلی جو سوات میں اس کی ملکیت تھی۔ جہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے بازو سے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں مسلیں۔ عارض پر کچھ گیلاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔

کیا تھا پتہ نہیں کوئی سیال مادہ تھا جو گرم سا محسوس ہوتا اسے جھلسا رہا تھا۔

بابا مورے!! میری پری!! درخزئی خانزادہ سٹرینگ پر گرفت مضبوط کرتے چیخا تھا۔ وہ سٹیرنگ پر اب ہاتھ مارتے ہی چلا گیا تھا۔

بابا مورے میری پری!! وہ چیختا جا رہا تھا۔

یکدم اس نے گاڑی روکتے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے گہرے سانس لیے۔۔

کیسے قدم رکھتا وہ اس حویلی میں جہاں اس کے مورے بابا اس کی پری کی یادیں تھیں۔ تبھی تو وہ آج تک ہوسٹلز فلیٹ میں رہتا آیا تھا۔

لالا!! درخزئی نے ڈیش بورڈ سے اپنا موبائل اٹھا کر ارحام کا نمبر ڈایل کیا ۔اب ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کا اپنا کوئی نہیں تھا اس پوری کائنات میں اس کا بھی کسی سے خون کا رشتہ تھا۔

درخزئی نے نمبر ڈائل کرتے فون کان سے لگایا۔ اس کی مضبوط انگلیاں موبایل پر کپکپا سی رہی تھیں۔

اس وقت اسے اپنے لالا سے بات کرنی ہی تھی۔ دوسری طرف مسلسل بیلز ہو رہی تھیں۔ مگر فون نہیں اٹھا گیا تھا۔

درخزئی خانزادہ آنکھیں میچتے سیٹ سے ٹیک لگا گیا تھا۔

عنائیہ !!اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

اس کا تو اس کائینات میں کسی اور سے بھی گہرا تعلق تھا۔ جس سے گہرا تعلق کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے عنابی لب گہرا مسکرائے تھے۔

درخزئی نے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے عنائیہ کا نمبر ڈایل کیا۔ دوسری طرف بیل جارہی تھی۔ درخزئی خانزادہ کا دل اب پر سکون تھا۔ اس کے دل میں اٹھتے درد کا علاج عنائیہ کی آواز تھی۔

 دوسری طرف سے اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے مظبوط ہاتھ کی انگلیاں فون پر ذرا سا کپکپائی تھیں۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

اس کا فون کاٹنا لفظ "کریکٹر لیس" سے بھی زیادہ چبھ گیا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے گاڑی سٹارٹ کی۔ درخزئی خانزادہ کی پولیس موبائل اب سوات کی سڑکوں پر ہچولے بھر رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ سفید ٹراوزر اور بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس سگریٹ ہاتھ میں دبائے کمرے میں اظطراری انداز میں چکر لگا رہا تھا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوے۔ ارحام خانزادہ کا دل جیسے پہلو میں ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔

ڈنر کے لیے وہ منع کر چکا تھا۔ تب سے ہی وہ کمرے سے نہیں نکلا تھا۔۔

ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے اس کے انداز و اطوار یاد کیے تھے

!!خان کی بیوی ہوں کیا تو ساری پابندیاں مجھ پر عاید ہوتی ہیں؟؟۔خان ہر پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ایک خان کی بیوی ہونے سے پہلے میں سلطان شاہ کی بیٹی ہوں۔اور شاہ کے سامنے یہ خان کچھ نہیں!!

اس کے لفظ یاد کرتے اس کا پور پور سلگ رہا تھا

آخر کیوں وہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔کس بات پر اتنی بے رخی دکھا رہی تھی۔کیا غلطی ہو گئی مجھ سے؟؟۔۔ارحام خانزادہ نے رکتے ہوے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے جھکتے ہوے ڈریسنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے۔

اگر وہ واپس نہ آئی؟؟سلطان شاہ نے اسے واپس نہ بھیجا تو؟؟یہ سوال اس کے اندر اٹھتے اسے نیم جاں نیم مردہ کر رہے تھے؟؟اگر وہ سوات سے باہر چلی گئی یا پھر ملک سے باہر اب تو وہ جیسے پاگل ہو اٹھا تھا۔

نہیں جاسکتی تم کہیں بھی؟؟ نہیں جانے دوں گا تمھیں؟! مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جاسکتی۔ یہ دل ہے میرا؟؟ تمھارے باپ کی خریدی ہوئی پراپرٹی نہیں۔ ارحام خانزادہ مرر میں دیکھتا طیش والم سے چیخ اٹھا تھا

۔۔

!!سوات کا کوئی ہوٹل پاپا!!! ابھی بک کروائیں میرے لیے۔ بلکہ اسے ابھی کہ ابھی میرے لیے خریدیں!!

اس کے لفظوں میں چھپا غرور وہ اسی لمحے محسوس کر چکا تھا۔ وہ اس پر اپنی حیثیت جتا رہی تھی۔

ارحام خانزادہ مرر میں دیکھتے تلخی سے مسکرایا۔

کوئی نہیں چھین سکتا تمھیں مجھ سے !!نہ سلطان شاہ نہ دنیا کی کوئی طاقت

۔میری ہو تم۔ صرف میری ہو۔ میری عورت میری بیوی میری عزت

میری حور!!میری حور ہو تم۔ ارحام خانزادہ وہ ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ

مارتے دھاڑا۔

ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے مرر میں اس کا دھواں چھوڑا تھا۔

دوسرے لمحے وہ کمرے میں پھر سے اظطراری انداز میں چکر لگانے لگا

وہ اسے چھوڑ کر نہ چلی جائے دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔

کبھی کوئی عہد و پیماں بھی تو نہیں کیا تھا اس نے۔ کبھی محبت کا اقرار بھی تو

نہیں کیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ اس سے محبت کرتی بھی ہے کہ نہیں۔ اگر کبھی کیا بھی تو آنکھوں میں صرف اس کے لیے خوف کی پرچھائی ہوتی تھی۔

وہ تو یہ بھی نہیں جان سکا تھا وہ آٹھ ماہ بعد اس کے ساتھ واپس کیوں آئی۔ پریذے کے لیے یا پھر اس نے اسے نازنین کے غنڈوں سے بچایا۔ سلطان شاہ نے بھی اسے اس کے ساتھ اس لیے آنے دیا کیونکہ اس نے اس کی بیٹی کو حفاظت کی تھی۔

اگر وہ واپس نہ آئی تو؟؟ دل و دماغ میں بس یہی ایک خوف سما گیا تھا۔

ارحام خانزادہ پھر سے بے چین ہوا تھا۔

آہہہ۔۔۔ ارحام خانزادہ نے اب پوری قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا۔

پاپا!! پریذے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی تھی وہ جلدی سے سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے اپنے جوتے سے مسل گیا۔

ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ماوتھ سپرے اٹھا کر اس نے منہ میں سپرے کیا۔

پریذے کے سامنے اس نے آج تک سگریٹ نہیں پیا تھا نہ اسے پتہ تھا۔

میری جان!! ارحام نے اسے گود میں اٹھائے اس کے عارض پر لب رکھے۔

پاپا!! ماما کہاں گئی ہیں؟؟ پریذے کے سوال پر وہ مزید بے چین ہوا۔ وحشت سے اس کا دل گھبرایا تھا۔

وہ باہر کھانا کھانے گئی ہیں۔ ارحام خانزادہ نے پریذے کی آنکھوں میں حور کو کھونے کا خوف دیکھتے بمشکل خود پر قابو پایا۔

ماما مجھے ساتھ نہیں لے کر گئیں۔ پریذے اپنا نچلا لب باہر نکال کر روہانسی ہوئی تھی۔

وہ اپنے پاپا کے ساتھ گئی ہیں۔ انھیں ان کے ساتھ اکیلے میں ٹائم سپینڈ کرنا تھا اسی لیے وہ مجھے اور آپ کو ساتھ نہیں لے کر گئی۔ ارحام نے پریذے کے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کرتے ظبط سے کہا۔

بٹ پاپا میں ماما کی بیٹی ہوں۔ ماما نے مجھ سے پرامس کیا تھا وہ مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں گی۔

وہ ہمیں چھوڑ کر نہیں گئیں وہ صرف کھانا کھانے گئی ہیں۔ ارحام خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں وحشت چھائی تھی۔

پ

x20;Papa!!she said that she doesn't make #&

promises to anyone, but if she does, she never

breaks them. And she keeps her word because she

has never made a promise to anyone before. And I

.am the first girl she has made a promise to

پریذے اب ہچکیوں کے درمیان بولتے رونا شروع ہو گئی تھی۔

ییس یو آر لکی گرل!!انہوں نے کبھی مجھ سے بھی پرامس نہیں کیا اس لیے تو یہ دل گھبرا رہا ہے۔ارحام آہستگی سے بولتا پریذے کو اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

I know papa

ماما مجھ سے ناراض ہیں۔ جب آپ نہیں تھے میں نے انھیں بہت تنگ کیا تھا۔ پریذے نے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا۔

کیسے تنگ کیا میری بیٹی نے اپنی ماما کو۔ ارحام خانزادہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

میں نے ان کا تمام میک destroy کر دیا۔ ان ٹاپس کموڈ میں پھینک دیے۔ ان کے ڈریسز سیزرز سے کاٹے اور اپنے بال بھی سیزرز سے کاٹے تھے۔ پریذے ابھی بھی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

یہ تو غلط بات ہے آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پھر تو۔ ڈانٹ بھی پڑی ہو گی ماما سے۔ ارحام نے اس کے بہتے آنسو پھر سے صاف کیے۔

ماما نے مجھے نہیں ڈانٹا تھا۔ میں نے ان سے سوری بولا تھا۔ وہ پھر بھی مجھے چھوڑ کر گرینڈ پاپا کے ساتھ ڈنر پر چلی گئیں۔

پریذے نے روتے ہوے کہا۔

ارحام خانزادہ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوے اس کے سامنے بیٹھا۔

پریذے !!وہ آجائیں گی۔ ارحام کو اپنے لفظ کھائی سے آتے سنائی دیے۔ پتہ نہیں وہ اسے دلاسا دے رہا تھا یا خود کو۔۔

وہ آئیں گی میں ان سے بات نہیں کروں گی کبھی بات نہیں کروں گی۔ اور وہ میری ماما ہیں صرف میری ماما ہین۔ وہ گرینڈ پاپا کی بیٹی نہیں۔ پہلے وہ پریذے کی ماما ہیں۔ پریذے ضدی لہجے میں روتے ہوے چیخی۔

ارحام خانزادہ اس کے ایسے رونے پر پریشان ہوا تھا۔ ایسے تو وہ کبھی گل کے لیے بھی نہیں روئی تھی۔

گرینڈ پاپا!! یہ ورڈ کس نے بتایا آپ کو۔ ارحام نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوے پوچھا۔

ماما نے اور میں نے فون پر گرینڈ پاپا سے بات بھی کی تھی۔

گرینڈ پاپا نے مجھ سے کہا مین ماما کی بیٹی نہیں ان کی بھی بیٹی ہوں۔ وہ جب بھی حویلی آئیں گے مجھ سے بھی ملیں گے اور وہ مجھے اور ماما کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ مگر وہ صرف میری ماما کو لے گئے۔

Grand papa is a lier

پریذے روتے ہوے چیخی تھی

Preezy behave your self

ارحام اس کے چیخنے پر سختی سے بولا۔

پریذے اسی لمحے اپنی ہچکیاں روک چکی تھی۔ ارحام کی ڈانٹ پر وہ ایسے ہی سہم جاتی تھی۔ اس کے بعد ضد بھی نہیں کرتی تھی۔

پریذے کو سہمتے دیکھ کر وہ اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

پاپا ہیں آپ کے پاس!! پاپا کے ہوتے آپ کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ارحام ظبط سے بولتے اس کے بالوں پر لب رکھ گیا۔

But i want mama too

پریذے روتے ہوے بولی۔

ماما آجائیں گی نہ آئی تو لے آؤں گا چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔۔اب انھیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔وہ ارحام خانزادہ نام ہے میرا۔اسے کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔وہ خود کو بھی مجھ سے چھین نہیں سکتی۔۔خود کو اور اسے ختم کر ڈالوں گا اب کی بار!!ارحام دبی انداز میں غرایا تھا۔

سلطان شاہ اسے لیے سوات کے ایک بہت بڑے خوبصورت ہوٹل میں داخل ہوے۔۔وہ 30 گنا زیادہ رقم دے کر خرید چکے تھے۔

سلطان شاہ اسے بازو کے حلقے میں لیے ہوٹل کے اندر داخل ہوے تھے۔اس کے پیچھے گارڈز کی ایک بڑی تعداد بھی داخل ہوے تھے۔حور جب بھی سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی یا پھر اکیلی ہوتی وہ سلطان کے حکم پر تمام

گارڈز حور کا سایہ بنا رہتے تھے۔۔ نازنین نہیں رہی تھی پھر بھی وہ حور کو لے بے انتہا حساس تھے۔

پاپا!! گارڈز کو باہر بھیج دیں۔ حور نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ اس نے ابھی تک چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔

!! ہمممم!۔ گڈ ایسے جاتی ہے ایک خان کی بیوی!! خود کو سر سے پیر تک باہر لپیٹے!! کسی بھی مرد کے سامنے یہ چادر نہ سرکے۔ بہت گارڈ ہوں گے تمھارے ارد گرد!!

اس ستم گر کے لفظ ابھی تک سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

سلطان شاہ نے اشارے سے تمام گارڈز کو باہر جانے کا کہا۔

تمام گارڈز اسی لمحے ہوٹل سے باہر نکل گئے تھے۔

سلطان شاہ اسے لیے ہوٹل کے بہت بڑے اور خوبصورت سے ڈائینگ حال میں داخل ہوے۔

ڈاینگ حال میں ایک بڑی سی ٹیبل پر کھانا سجا ہوا تھا۔

ہلکا سا سوفٹ میوزک چل رہا تھا۔ ہر طرف اس کے فیورٹ سرخ گلاب سجے تھے۔

اس کے پیروں پر پھولوں کی چادر سجی ہوئی تھی۔

سلطان شاہ نے جھک کر اس کے پیروں سے اس کے سینڈلرز کو ہاتھ لگایا۔

پاپا۔۔ حور بھیگی آواز میں انھیں پکارتے ہوے اپنے سینڈل خود ہی اتار چکی تھی۔

سلطان شاہ نے اس کے سینڈل پکڑتے ہوے پھولوں کی روش سے دور رکھے۔

بچپن میں خود آتی تھی میرے پاس پاپا یہ سینڈل اتار دیں۔ پاپا یہ مجھے پہنا دیں۔ جب بچپن میں تمھارے پیروں کو ہاتھ لگاتا تھا تم صوفے پر بیٹھی پاؤں جلاتے ہوے ٹیب دیکھ رہی ہوتی یا پھر چاکلیٹس کھا رہی ہوتی تھی ۔ سلطان شاہ کی بات پر حور بھیگی آنکھوں سے ہنس پڑی تھی۔

اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی اولیول میں تھی۔۔ تب تک تو میری حور صرف اپنے پاپا کی گرل تھی۔ اب یہ ہچکچاہٹ یہ شرم کیوں۔ بیٹیاں بڑی ہو کر باپ سے دور کیوں ہو جاتی ہیں میرے لیے تو تم وہی حور ہو جو چھ ماہ کی تھی۔ جسے میں خود جھولا جھلاتا تھا فیڈر پلاتا تھا۔ سلطان شاہ کی باتوں پر حور روتے ہوے ان کے سینے میں سما گئی تھی۔

یہاں تمھیں اس لیے نہیں لایا کہ تم روتی رہو میری جان!!

یہاں میں اپنی حور کی کھکھلاہٹیں سننے کے لیے لایا ہوں۔

سلطان شاہ نے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔۔

حور اب پھر سے روتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔۔

May I

سلطان شاہ نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلایا

حور اثبات میں سر ہلاتے ہنس پڑی۔

حور نے اپنی چادر اتار کر وہاں پڑی ایک کرسی پر رکھی۔

وہ اب ارحام خانزادہ کے سب سے فیورٹ ییلو فراک پر شیشوں والی شال اوڑھے ہوے تھی۔ جو اس کے ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ سلکی براؤن بال کھلے ہوے تھے۔۔

حور سلطان شاہ کی گردن میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔

سلطان شاہ اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اپنا ایک ہاتھ اس کے کمر پر رکھ گئے۔

اب سلطان شاہ اور حور میوزک پر ہلکا ہلکا سا مومنٹ کر رہے تھے۔ حور بھیگی آنکھوں سے ان کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

پاپا!! اتنے ویک کیوں ہو گئے۔ حور نے اب ان کے گال پر ہاتھ جما گیی تھی۔

بوڑھا ہو گیا ہوں اب تمھیں ویک ہی لگوں گا۔ سلطان شاہ حور کی آنکھوں میں دیکھتے ہنسے تھے۔ بوڑھے ہوں گے آپ کے دشمن۔ میرے پاپا تو آج

بھی اتنے ہینڈسم ہیں۔ یاد ہے ناں ہر پارٹی میں کتنی ہی خوبصورت لڑکیاں میری ماما بننے کو تیار ہو جاتی تھیں۔ حور کی بات پر سلطان شاہ قہقہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

آئی نو آئی نو۔۔ وہ مجھ سے زیادہ تم میں انٹرسٹ لیتی تھیں۔

کیونکہ وہ میرے تھرو آپ کی beloved woman بننا چاہتی تھیں۔ حور سلطان شاہ کے کان کی طرف جھکتے سرگوشی نما آواز میں بولی.

سلطان شاہ کا ایک بار پھر سے قہقہ گونجا تھا۔

لیکن انھیں پتہ ہی نہیں تھا سلطان شاہ کی beloved lady ایک ہی تھی ۔۔ سلطان شاہ بھی حور کی طرف جھکتے سرگوشی نما آواز میں بولے۔ who papa ۔۔ حور نے تحیر زدہ آنکھوں میں ان کی طرف ڈیکھا۔

ون اینڈ اونلی حور سلطان شاہ۔۔ سلطان شاہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اب اسے گھما گئے تھے۔

حور گھومتے ہوے کھکھلا اٹھی تھی

۔ہاں پاپا!!سب میری ماما بننا چاہتی تھیں سب کو مجھ پر ترس آتا تھا کہ میری ماما نہیں۔ کسی کو پتہ ہی نہیں تھا میرے پاپا ہی میری ماما ہیں۔ مجھے تو ان کے ہوتے کبھی ماما کی ضروت ہی نہیں پڑیں۔ حور سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے بول رہی تھی۔

سلطان شاہ بھی اب مسکرا رہے تھے۔ بہت دنوں بعد وہ ان سے ایسے بات کر رہی تھی

میرے پاپا نے تو کبھی ماہ جبین پر میری ذمہ داری نہیں ڈالی تھی۔ اسے میری ماں نہیں بننے نہیں دیا۔ حور کی بات پر سلطان شاہ کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

حور ماہ جبین کا نام لیتے یکدم خاموش ہوئی تھی۔

خاموشی کا طویل وقفہ آیا تھا۔

وہ تو عورت ہی نہیں تھی پاپا تو پھر ماں کیسے بنتی؟؟

چھ ماہ کی تھی میں جب وہ میری ماں بنی۔ میرا بچپن دیکھا ہو گا مجھے مسکراتا دیکھا ہو گا۔ مجھے بڑا ہوتا دیکھا ہو گا۔ کیسی عورت تھی پاپا!! اسے مجھ پر ترس نہیں آیا۔ مجھے دیکھ کر مامتا کا احساس نہیں جاگا۔ حور کی آنکھوں سے سیال مادہ گرتا اس کے عارض پر بہہ رہا تھا۔

پانچ سال کی تھی پریذے پاپا!! جب اسے دیکھا اسے گلے لگایا اس نے مجھے ماما کہا تو پاپا ایسے لگا وہ میری ہی بیٹی ہے۔۔ میں نے ہی اسے جنم دیا۔ میرے دل کا ٹکڑا ہے وہ۔ میری جان پاپا!! اس میں میری جان بستی ہے۔ حور شدت سے رو دی تھی۔

پتہ نہیں کون کہتا ہے جنم دینے والی ہی ماں ہوتی ہے۔

وہ میری بیٹی ہے پاپا۔ وہ صرف میری بیٹی ہے پاپا۔ حور ان کے سینے میں منہ چھپائے رو دی تھی۔

سلطان شاہ اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے اس کے سر پر پریشانی سے اپنے لب رکھ گئے

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ماما کو نہیں بتاؤ گی۔ آپ نے مورے سے بات کی اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

اس کے لفظ یاد کرتے وہ ایک بات پھر سے سلطان شاہ سے لپٹتے ہوے شدت سے رو دی تھی

 مورے حویلی کب آؤ گی!!اب پریذے کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔حور کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

وہ سلطان شاہ سے علحیدہ ہوئی۔

آتی ہوں پاپا!!حور بھیگی آواز میں بولتے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے تیزی سے واش روم کی طرف بھاگی تھی۔

حور واش روم میں داخل ہوتے دروازہ بند کرتے دروازے کے سباتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی۔ آپ نے مورے سے بات کی اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

 وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

کیا گل اس کی زندگی میں واپس آچکی تھی۔ کیا وہ اس سے نکاح کر چکا تھا؟؟ کیا وہ اتنے دنوں سے اس کے ساتھ تھا تبھی اس کے پاس اس کے لیے اور پریذے کے لیے ٹائم نہیں تھا۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنی دھڑکنوں کو جکڑا۔

اس کی دیوانگی اس کی محبت اس کا عشق سب جھوٹ تھا۔ وہ ابھی بھی گل کو نہیں بھولا۔ حور شدت سے رو دی تھی۔

وہ اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے چیخ چیخ کر اس سے اس کی بیوفائی کا پوچھنا چاہتی تھی۔

اگر وہ اقرار کر گیا تو وہ کیا کرے گی؟؟ وہ کیسے یہ سب برداشت کرے گی۔ حور اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے شدت سے رو دی تھی۔

وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ محبت بھی نہیں عشق کا دعوی کیا ہے اس نے مجھ سے۔۔ آٹھ مہینوں میں بتایا کہ میں اس کے لیے اس کی بیٹی سے بھی بڑھ کر اہم ہوں۔ اس کی زندگی سے بھی بڑھ کر ہوں۔ جو انسان بے جان چیز کو میرے ساتھ لپٹے دیکھ کر حسد سے مرنے والا ہو جاتا ہے۔ جو میرے لبوں سے کسی غیر مرد کا نام نہیں سن سکتا۔ جو میری عزت کے لیے مرنے کو تیار

ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے مجھے ایسی تکلیف دے سکتا ہے ؟؟ عشق کرنے والا بیوفائی نہیں کر سکتا۔ حور اب بری طرح سسکیاں بھر رہی تھی

تو پھر وہ کیا کر رہا تھا اس کے ساتھ ؟؟ کیوں چھپا رہا تھا؟؟ حور اب چیخی تھی۔

نہیں جاؤں گی اب اس کے پاس واپس ؟؟ تڑپ کر مر بھی جائے گا پھر بھی واپس نہیں جاؤں گی۔ حور نے اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی صاف کیے۔

نہیں مرے گا وہ اسے حویلی لے آئے گا۔ میری بیٹی بھی اسے دے دے گا۔ حور گہرے سانس لیتے پھر سے رو پڑی۔

پریذے جان!! آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔ حور کپکپاتے لبوں سے بولی۔ اگر آپ کو میں نے جنم دیا ہوتا تو میں اس زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والے انسان سے چھین لیتی۔

دنیا کی کوئی عدالت مجھے آپ کو نہیں دے گی۔ حور کپکپاتے لبوں سے بولی۔

وہ سچ میں بلا کا ہینڈسم زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والا انسان ہے جس نے بہت بار میرے وجود کو الٹا پلٹا ہے۔ وہ سچ میں زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والا ہے۔ حور شدت غم سے ہذیانی چیخی تھی۔

نیند کی وہ کتنی دیوانی تھی وہ جانتا تھا۔ بہرام اور اس کی وجہ سے اس کی نیند پوری نہیں ہو پاتی تھی۔

شہرام خان نے جھکتے ہوے اس کے عارض پر بکھری اس کے سلکی بالوں کی لٹیں نرمی سے پیچھے کیے۔

اس کے نشان زدہ عارض پر اس نے نرمی سے اپنے لب رکھے۔

ابھی کچھ دیر پہلے یہ سوغات اس نے ہی تو دی تھی۔

وہ سمپل سی سفید کلر کی چنٹوں والے لوز سے فراک میں ملبوس تھی۔ شہرام خان نے جھکتے ہوے اس کی سائڈ گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے۔ اس کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو محسوس کرتے شہرام خان کی آنکھیں خمار آلود ہوئیں۔

شہرام خان نے بہرام کو دیکھا جو اپنی ماں کی طرح گہری نیند سو رہا تھا۔ پھر بھی اپنی ماں کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

شہرام خان بیڈ سے اٹھتا بہرام کی طرف بڑھا۔۔ اسے بہت نرمی سے بہارے سے الگ کیا۔ بہارے سے الگ کرنے کی دیر تھی وہ اسی لمحے گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔

شہرام خان جلدی سے اسے اپنے کندھے سے لگاتے تھپکنے لگا۔ اگر بہارے اسے روتا دیکھ لیتی تو وہ بہرام کو سنبھالنا زیادہ پسند کرتی بنسبت اس کو سنبھالنے کے۔ شہرام کے مونچھوں تلے عنابی لب مسکرا اٹھے۔

اچھا بھلا تمھاری مورے تمھیں فیڈ نہیں کروانا چاہتی تھی۔ میں ہی اس پر غصہ کر بیٹھا تھا۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا میری خوبصورت بیوی پر تم ایسے حق جتاؤ گے۔۔ شہرام خان نے اسے دونوں ہاتھوں میں لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ وہ اب آنکھیں پٹپٹاتے شہرام خان کو دیکھ رہا تھا۔ شہرام خان کے ہلتے لب دیکھ کر وہ مسکرایا تھا۔

شہرام خان بھی بہرام کو دیکھتے مسکرایا تھا۔

بابا کی جان!! آپ کی خوبصورت مورے میری لیڈی باس ہیں۔

آپ کا ہر وقت ان پر حق جتانا مجھے ذرا پسند نہیں ہے۔۔ شہرام نے مسکراتے ہوے اس کے عارض پر اپنی مونچھیں رگڑیں۔

بہرام پھر سے گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔

شہرام جلدی سے اسے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

بلکل اپنی مورے پر گیے ہو!! آج بھی میرے مونچھوں کی چبھن سے جان جاتی ہے اس کی۔ گلہ پھاڑ کر اس کی طرح روتے ہو۔۔ شہرام خان اب بری طرح جھنجھلایا تھا۔ وہ اچھا خاصہ رو رہا تھا۔

صرف ایک کام پر مجھ پر گئے ہو۔۔ شہرام نے بہرام کو ایک ہاتھ سے تھپکتے ہوے ذو معنی انداز میں کہتے بہارے کے بکھرے حلیے کو گرم نگاہوں سے دیکھا۔اس کی گہرائیاں لیمپ کی مدھم روشنی میں آب و تاب سے چمک رہی تھی۔

خیر نہیں آج تمھاری مورے کی۔۔ شہرام خان ذو معنی انداز میں بولتے ہوے نچلا لب شرارت سے دانتوں تلے دبا گیا۔

لیکن پہلے تمھاری بھوک کا علاج کرنا ہو گا۔وہ بہرام کو اپنے برہنہ سینے پر منہ مارتے دیکھتے مسکراتے ہوے کمرے میں رکھے اس کے فیڈرز کی طرف بڑھا۔

بہرام کو سینے سے لگائے بہت احتیاط سے اس کا فیڈر تیار کرتے اس کے منہ میں لگائے اسے احتیاط سے پلانے لگا۔

فیڈر ختم ہونے پر بہرام کو برپ کروانے کے بعد شہرام نے بہرام کو احتیاط سے کاٹ میں لٹایا جو اب گہری نیند سو چکا تھا۔

بہارے کی طرف بڑھتے شہرام خان اسے سیدھا کرتے اس پر جھکا۔

اپنے اوپر پہاڑ جیسا وزن اور جان لیوہ خوشبو اپنے سانسوں میں گھلتی محسوس کرتے بہارے کی آنکھیں پٹ سے کھلیں تھیں۔

شہرام خان اس کی گردن پر دیوانہ وار لب رکھتے اپنی مونچھیں بے رحمی سے رگڑ رہا تھا۔

شہرام!! بہارے نے سسکی لیتے خوفزدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جس نے تھوڑی دیر پہلے تو اس کی جان بخشی کی تھی۔ ابھی بھی وہ بہت سختی سے

اپنی مونچھیں رگڑ رہا تھا۔ جہاں کچھ دیر پہلے دی گئی اس کی سوغاتوں پر اسے شدید جلن ہو رہی تھی

ابھی بیٹے نے جان ہلکان کی تھی۔ اب باپ پھر سے اس کی جان ہلکان کر رہا تھا۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔ کہاں برداشت کرنا آسان تھا اس پہاڑ سے بھی سخت اور مضبوط انسان کو۔

شہرام!! بہارے نے روہانسے ہوتے اسے پکارا۔

شہرام اس کی ٹانگوں کو لاک کرتے مزید اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر ڈالتے اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھنے لگا۔

بہارے کا سانس لینا اب دوبھر ہوا تھا۔۔

شہرام ہٹو مجھ پر سے۔ میرا سانس بند ہو رہا ہے۔ بہارے اسے خود سے دور دھکیلتے چیخی۔

وہ اس کی کلائیاں سختی سے جکڑے تھوڑا سا اوپر ہوا تھا

۔ بہارے نے بمشکل سانس لیتے نم نگاہوں سے شہرام خان کو دیکھا۔

سانس بند ہوا تمھارا میری بہارے!! شہرام خان نے پیار سے اس کے عارض پر انگلیاں پھیریں۔

بہارے نے اس کی سرد آواز پر اس کی نرم انگلیوں کا لمس محسوس کرتے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔

جس طرح بہرام کو لیٹے فیڈ کروا رہی تھی۔ یہ اس کے لیے کتنا خطرناک ہے جانتی ہو۔ اس کا سانس بھی بند ہو سکتا ہے۔ شہرام اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے اسے کلائیوں سے آزاد کرتے تکیے پر سیدھا ہوا۔

بہارے نے اسے روہانسے ہوتے دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے بہارے بیڈ سے اتری تھی۔ وہ اس کی کلائی کھینچتا اپنے مضبوط حصار میں قید کر گیا۔

چھوڑو مجھے شہرام خان! اپنے بیٹے کی اتنی پرواہ ہے میری نیند خراب کر دی ۔۔ بہارے اس کے حصار میں مچلتے ہوئے بولی۔

بیٹے کی پرواہ ہے بہت پرواہ ہے۔ مگر اس کی ماں کو کسی اور مقصد کے لیے جگایا ہے۔ شہرام کی بھاری آواز پر بہارے کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی تھی۔

میرے سر میں درد ہے۔ بہارے نے اپنے خشک گلہ تر کرتے بمشکل کہا تھا۔

روز ہی ہوتا ہے۔ شہرام خان نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

بہارے نے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس کے گھورنے پر بے باکی سے آنکھ مار گیا۔

میں دبا دوں گا میری جان!! گھنٹوں دبواتی ہو مجھ سے۔ تم میری خدمت کرو اس کے بعد میں تمہاری کروں گا۔ جو کہ روز کرتا ہوں۔ شہرام کی بات پر وہ کان کی لوؤں کی طرح سرخ ہوتے نظریں جھکا گئی تھی۔ اپنی بے رحم قربت میں گھنٹوں رکھنے کے بعد اس پر بے رحم شدتیں نچھاور کرنے کے بعد وہ اس کا سر دباتا تھا جہاں اس کی شدتوں سے درد شروع ہو جاتا تھا

کمر بھی درد ہو رہی ہے۔ بہارے نے روہانسے ہوتے ایک اور بہانہ گھڑا تھا۔

اس کے بہانے پر شہرام خان کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

بہارے اس کے قہقہوں پر روہانسی ہوئی۔ مقابل کہاں معافی دینے والا تھا

کمر بھی دبادوں گا۔ کہو گی تو گلہ بھی دبادوں گا۔ شہرام خان شرارتی خمار آواز

میں بولتے ہوئے اسے تکیے پر گراتے ہوئے اس کی گردن پر جھک گیا۔

میری ہی چیزوں پر صحیح قبضہ جماتا ہے یہ تمھارا بیٹا۔۔ بس یہ آخری سوغات

تھی۔ اب اور سوغات مجھے نہیں چاہیے۔ شہرام گھمبیر آواز میں بولتے اس

کے وجود سے اس کا فراک آزاد کر گیا۔

جس طرح دن رات تم مجھ سے اپنی خدمتیں کرواتے میری خدمتیں کرتے

ہو۔ لگتا نہیں یہ آخری سوغات ہے۔ سوغات نہیں سوغاتوں کی امید رکھو

شہرام خان۔ بہارے اس کے سینے میں غصے سے دانت گاڑھ گئی تھی

۔شہرام کا پھر سے برجستہ قہقہ گونجا۔

جتنی مرضی سوغاتیں ہو جائیں کوئی پرواہ نہیں۔۔ مگر اگلی سوغات کو تم فیڈ نہیں کرواؤ گی۔ وہ ذو معنی انداز میں بولتے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے اسے سرخ کر گیا تھا۔

بہارے کی بڑھتی سسکیوں پر وہ سائیڈ لیمپ بجھاتے وہ اسے خود میں قید کر گیا۔

ارحام خانزادہ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ ایش ٹرے اور نیچے زمین سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری پڑی

تھی۔ جب سے وہ گئی تھی وہ سگریٹ ہی پھونکے جا رہا تھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ گلاس وال سے پہاڑوں پر موجود گھروں پر جلتی روشنیاں جگنو کی مانند ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھیں۔ گہری پھیلی دھند نے اس ٹمٹماتی روشنیوں کو بھی جیسے اپنی قید میں کیے ہوا تھا۔

گھپ اندھیرا تھا اندر بھی باہر!! ارحام خانزادہ نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے دھواں چھوڑا۔

دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ کھلا۔۔

اس سے پہلے وہ لائیٹ جلاتی۔۔ ارحام خانزادہ کی بھاری آواز سنائی دی۔۔

لایٹ مت جلاؤ ایسے ہی آجاؤ۔۔ زندہ وجودوں کو پلٹنے والے کی بھاری آواز اس کے رگوں میں دوڑتے خون کو منجمند کر چکی تھی۔

ارحام خانزادہ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ ایش ٹرے اور نیچے زمین سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری پڑی تھی۔ جب سے وہ گئی تھی وہ سگریٹ ہی پھونکے جا رہا تھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ گلاس وال سے پہاڑوں پر موجود گھروں پر جلتی روشنیاں جگنو کی مانند ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھیں۔ گہری پھیلی دھند نے اس ٹمٹماتی روشنیوں کو بھی جیسے اپنی قید میں کیے ہوا تھا۔

گھپ اندھیرا تھا اندر بھی باہر!! ارحام خانزادہ نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے دھواں چھوڑا۔

دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ کھلا۔۔

اس سے پہلے وہ لایٹ جلاتی۔۔ ارحام خانزادہ کی بھاری آواز سنائی دی۔۔

لایٹ مت جلاؤ ایسے ہی آجاؤ۔۔ زندہ وجودوں کو پلٹنے والے کی بھاری آواز اس کے رگوں میں دوڑتے خون کو منجمند کر چکی تھی۔

اس کی سرد برفیلی آواز پر حور کی رگوں میں دوڑتا خون ساکت ہوا تھا۔ سوئچ بورڈ پر اس کی انگلیاں ٹھہری تھیں۔

مقابل کے انداز میں آج سے سال پہلے والے خانزادہ کی جھلک دکھائی دی تھی۔اس کی ایک آواز پر ایسے ہی اس کی روح منجمند ہو جاتی تھی۔اور وہ ربوٹ کی مانند اس کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔

وہ اندھیرے میں ساکت سی کھڑی تھی۔پورے کمرے میں اس کی سگریٹ کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔جو اسے مزید لرزا گئی تھی.

کیا کہا ہے میں نے؟؟وہ اب غرایا تھا۔

اس کی غراہٹ پر حور کے قدم زمین میں ممجمند ہوے تھے۔

پاس آؤ میرے۔۔اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔

اس کی دہشت ناک دھاڑ پر وہ جی جان سے لرزا اٹھی تھی۔

حور کے قدم نہ چاہتے ہوے بھی مقابل کی طرف اٹھے تھے۔

وہ آہستگی سے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی اس کی طرف بڑھی۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی۔ آپ نے مورے سے بات کی اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

ایک بار پھر سے اس کی سماعتوں میں اس ستمگر کے لفظ گونجے تھے۔ اس کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔ بیڈ کے قریب آکر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ مقابل نے اپنی جان لیوہ قربت نے ان پانچ ماہ میں اس کے وجود کو الٹا پلٹا ہی تھا۔ اس پر سانسیں تنگ کر دی تھیں۔ اسے ہر لمحہ اپنی سانسیں اس کی قربت میں گھٹتی محسوس ہوتی تھیں کہ ابھی جان نکلی ابھی جان نکلی۔ وہ اس کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے قطرے قطرے کی صورت میں اس کی سانسیں لوٹا دیتا تھا۔

مگر آج حور کو لگ رہا تھا مقابل کی سانسیں اس کی سانسوں سے غلطی سے بھی ٹکرا گئی اس کی سانسیں سچ میں ٹوٹ جائیں گی۔ وہ اسے سہہ نہیں سکے گی۔

وہ سسکی لیتے پلٹی ہی تھی کہ وہ اسے کلائی سے جکڑے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ وہ اس کے پہاڑی سینے میں آن سمائی تھی۔ وہ اسے اپنے مظبوط حصار میں قید کرتے رخ پلٹے اس کی سانسوں پر بے رحمی سے قابض ہوا۔

سگریٹ کی مہک حور کی سانسوں میں گھل رہی تھی۔ اس کی بے رحم شدت پر وہ اس کے مضبوط حصار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر رہ گئی تھی۔ ایسی دیوانگی ایسی شدت اس نے آج تک مقابل کی نہیں سہی تھی۔ نکاح کی رات کو بھی نہیں!! سات ماہ کی جدائی کے بعد بھی بھی

نہیں۔ مقابل کی گرم سانسوں کی حدت اور جلتے تندور کی مانند دہکتا بدن اسے لمحوں میں جھلسا چکا تھا۔

حور کی اتنی ہمت نہیں تھی وہ اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے دور کر سکے۔ وہ آج تک اسے خود سے جھٹک نہ سکی تھی۔ مقابل کا خوف رگوں میں ایسے سرایت کرتا تھا وہ اس کی نرمی میں بھی اسے خود سے جھٹک نہ پاتی تھی۔

وہ اپنا پہاڑ جیسا وجود اس کے اوپر منتقل کیے اس کی سانسوں کو بے رحمی سے پی رہا تھا۔۔ اس کی بے رحم شدت پر اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ اس کی اکھڑتی سانسیں محسوس کرتے بھی اس کی سانسوں کو رہائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کے نچلے لب کو وہ دیوانگی کے عالم میں سک کرتے اس پر اپنے دانت بے رحمی سے گاڑھ گیا۔

حور کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی تھی۔ وہ اس کی سسکیوں کو اپنی سانسوں میں قید کیے اس کے دونوں لبوں پر اپنا پورا تسلط جماتے اس کی خوشبودار سانسوں کو پھر سے اپنی سگریٹ کی مہک میں پھیلی سانسوں میں قید کر گیا تھا۔

پہاڑوں پر اترتا اندھیرا سپیدی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ پہاڑوں پر موجود گھروں کی ٹمٹماتی روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

دھند کی قہر برساتی لہر نے پہاڑوں کو پھر سے اپنی قید میں لے لیا تھا۔۔

قطرہ قطرہ وقت گزر رہا تھا۔ مگر وہ بے رحم بنا اس کی سانسوں کو رہائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ جس نے آج اس کی سانسیں چھیننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مقابل کو بھی تو بتانا تھا جب سانسیں اکھڑتی ہیں تو کیسے لگتا ہے؟؟

اس کی بے رحم شدت پر اب حور کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔ حور کے بدن کو ڈھیلا محسوس کرتے دیکھ کر ارحام خانزادہ نے اس کی سانسوں کو آزادی بخشتے اس کی گہری شہد رنگ کانچ سی شفاف آنکھوں میں دیکھا جہاں خوف کی صورت میں شبنمی بوندیں ٹھہر سی گئی تھیں۔

وہ اپنی گہری شفاف آنکھیں ارحام خانزادہ کی سیاہ پر کشش آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھی۔ حور کی بے ترتیب دھڑکنیں ارحام کے کشادہ پہاڑی سینے میں دھڑک رہی تھیں۔

ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے اس کا چہرہ اپنے چہرے کے مقابل کر گیا تھا۔

ہمت کیسے ہوئی تمھاری مجھے چھوڑ کر جانے کی؟؟ وہ اپنی پر تپش سانسیں اس کے خون چھلکاتے سرخ عارض پر چھوڑتے غراتے ہوے اس کے لبوں پر ایک بار پھر سے جھک گیا تھا۔

اس کے سرخ لبوں کو پھر سے اپنے لبوں میں قید کرتے ان پر قہر برسانے لگا۔ آج ان گلاب کی پنکھڑیوں کو اس کا چھوڑنے کا آرادہ نہ تھا جن کا وہ دیوانہ تھا۔ وہ بہت بار نازک پنکھڑیوں پر اپنا قہر ڈھا چکا تھا۔ مگر آج تو ان پر قہر ڈھانے کا انداز ہی الگ تھا۔

وہ اس کے لبوں پر جھکے انھیں اپنی سانسوں میں قید کر گیا تھا۔

حور اس کی جنونی شدت اپنے لبوں پر سہتے سہتے بے حال ہو چکی تھی۔ اس کی سسکیاں مسلسل بلند ہو رہی تھیں۔

جانے وہ کتنے گھنٹوں سے اس کے لبوں پر شدت ڈھاتے اس کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کر رہا تھا۔ اور کسی جگہ اسے چھوا نہ تھا۔ حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے سینے پر ہاتھ جماتے اسے دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کی کلائیاں اپنے مضبوط آہنی ہاتھوں میں قید کرتے اسے تکیے پر لاک کرتے اس کے سانسوں کو مزید شدت سے انہیل کر گیا تھا۔۔ حور کی آستینوں پر موجود کٹ دار شیشہ ارحام خانزادہ کی ہتھیلیوں میں پیوست ہوتے اس کی ییلو آستین داغدار کر رہا تھا۔ مگر ارحام خانزادہ اسے چھوڑ نہیں رہا تھا۔ وہ اس کے لبوں پر جھکے اپنی ساری تشنگی اپنا تمام ڈر خوف مٹا رہا تھا۔ جو مقابل سے کچھ گھنٹوں کی دوری پر اس کے وجود کے اندر پھن پھیلائے ناگ کی طرح بیٹھتے اسے ڈستے اس کی روح کو نیلا کر گیا تھا۔

کچھ گھنٹوں کی اپنی بے رحم شدت سے ارحام خانزادہ نے اسے رہائی دیتے اپنی بے بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اس کی بھیگی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے بے حد نرمی سے اپنا ایک ہاتھ اس کی عارض پر جمائی تھیں۔ دوسرے ہاتھ کی کھردری انگلیاں اس کے سرخ خون چھلکاتے لبوں پر سرسرا رہی تھیں۔

حور نے سانسیں روکتے اپنے عارض پر گیلاہٹ محسوس کرتے اپنا کانپتا ہاتھ اپنے عارض پر رکھتے وہ نمی اپنے پوروں پر چنی۔۔ اپنی انگلیاں رنگین دیکھتے وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔

اس کے ہاتھ پر اس کی فراک کے شیشے پیوست ہوتے اس کا ہاتھ زخمی کر گیے تھے۔

کیوں چھوڑ کر گئی مجھے ؟؟ ارحام خانزادہ اس سرخ نچلے لب پر اپنا انگوٹھا بے دردی مسل گیا تھا۔

اس کی سختی پر حور کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی

جواب دو مجھے !! ارحام خانزادہ اس کی خاموشی پر حلق کے بل دھاڑا۔

حور اس کی دھاڑ پر خوف سے چیخ مارتے ہوے اس کی کمر پر اپنے بازو لپیٹتے اس کے ساتھ لپٹی۔ اس کمرے میں گزرے ان پانچ ماہ میں وہ ایسے ہی اس سے خوفزدہ ہوتے اس کے ساتھ لپٹتی تھی۔ وہ مقابل کی اسی ادا پر مر مٹا تھا۔۔ اسی سے خوفزدہ ہوتے وہ اسی میں سماتی تھی۔۔ اور شدت سے اس میں سماتی تھی۔

ارحام خانزادہ لب بھینچتے ہوے اسے خود سے الگ کرتے تکیے پر بے دردی سے پٹخ گیا۔

خوف سے مت لپٹنا میرے ساتھ !!نہ اب کبھی محبت کا اظہار کرنا۔ ارحام خانزادہ اس کی خوفزدہ آنکھوں میں غرایا۔

حور اس کی برفیلی آنکھوں میں دیکھتے سسکتے ہوے چہرہ پھیر گئی۔

ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کرتے اس کی بھیگی متورم آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔۔

میری بیٹی کا بھی خیال نہیں آیا تمھیں ؟؟۔۔ ارحام خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اب کی بار کرب سے سوال داغا تھا۔

کچھ گھنٹوں میں وہ اور اس کی بیٹی اذیت کی سولی پر لٹکے تھے۔ وہ نیند میں بھی ہچکیوں سے مقابل کو پکارتی رہی تھی۔۔ مقابل سرد انداز میں اجنبی بن کر اس کی حویلی سے بنا کچھ کہے نکل گیا تھا۔ ان کچھ گھنٹوں میں وہ اور اس کی بیٹی مرنے والے ہو گئے تھے۔۔ آخر یہ ستمگری کی کونسی انتہا تھی؟؟۔ اس کی سانسیں کھینچنے والا ستمگر اسے کیوں نہیں یقین دلاتا تھا وہ اسے کبھی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

حور کی آنکھوں میں دیکھتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

اسی کا خیال آیا تھا واپس آ چکی ہوں۔ ورنہ حور سلطان شاہ کے پاس یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حور نے بھیگے لہجے میں سسکی لیتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

اس کا خود کو حور سلطان شاہ کہنا ارحام خانزادہ کو جیسے جلتے توے پر بٹھا چکا تھا۔اس کے لفظ بھی اسے پاگل کر گئے تھے۔ یہاں رکنے کا اس کے پاس کوئی جواز نہیں تھا. وہ کہیں نہیں آتا تھا اس کی زندگی میں۔

شاہ نہیں ہو تم۔۔۔خان ہو تم!!وہ پاگل ہوتا حلق کے بل دھاڑا۔

اس کی دھاڑ پر حور اپنے لبوں پر دونوں ہاتھ جماتے اب رونا شروع ہو چکی تھی۔یہ تو طے تھا وہ آج بھی اس بلا کے ہینڈسم مغرور زندہ وجودوں کو پلٹنے والے کی سرد سرخ آنکھوں سے خوف کھاتی تھی۔

ارحام گہرے سانس لیتا سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

وہ اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے روتے ہوے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے یوں روتے ہوے دیکھتے اپنے جبڑے بھینچتے ہوے اس سے دور ہوا۔

وہ جلدی سے رخ پلٹے سسکنے لگی تھی۔

ارحام خانزادہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اس کی ہچکولے بھرتی نازک بل کھاتی کمر کو دیکھ رہا تھا۔ براون سلکی بال جو اس کی قربت میں اب الجھے سے کمر پر بکھرے تھے۔ سفید داغ دار پچھلے گہرے گلے سے سے اس کے بے داغ پشت چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہی تھی۔۔ وہاں اس کی شدت کی کوئی سوغات نہ تھی۔۔ اس کی سفید بے داغ پشت دیکھتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ اتنی جلدی اس کی شدتوں کے نشان اس کے بدن سے کیسے دور ہو سکتے تھے ؟؟۔ وہ بہت گہرائی سے اپنی محبت کی سوغاتیں چھوڑتا تھا۔ جو ہفتوں نہیں جا سکتی تھی۔ مگر کچھ دنوں میں یہ ناممکن

تھا۔یعنی مقابل نے اس کی دی ہوئی سوغاتیں مٹانے کے لیے کچھ کیا تھا۔ کیا اسے اپنے بدن پر اس کی دی ہوئی سوغاتیں بھی گوارا نہ تھیں۔

ارحام خانزادہ کی گہری ہوتی سانسوں میں دھواں سا دہک اٹھا تھا۔

وہ رخ پلٹے سسکیاں لے رہی تھیں۔وہ جانتا تھا وہ اس کی آجازت کے بغیر بیڈ سے ایک قدم نیچے نہیں اتارے گی۔اس کے ہچکولے بھرتے وجود سے اندازہ ہو رہا تھا وہ آج بھی اس سے خوف کھاتی ہے۔

ارحام خانزادہ اپنی سرخ آنکھیں اس کی پشت پر گاڑھے ہوے تھا۔اس کی دبی دبی سسکیاں سنتے وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

اس کی سسکیاں بتدریج بڑھتی جارہی تھیں۔چار ماہ یہ سسکیاں سنت رہا تھا۔عادت تھی اسے یہ ساونڈ سننے کی۔۔وہ سگریٹ پیتے سکون سے اس کی سسکیاں سنتا۔اس کی ایک ہی دھاڑ پر وہ اپنی سسکیاں روک بھی دیتی تھی۔پھر ساری رات اس کے بے رحم قربت میں ایک سسکاری نہیں بھرتی تھی۔

ارحام خانزادہ بیڈ کراون سے ٹیک لگائے اب اظطراری انداز میں اپنی پیشانی پر انگلی پھیر رہا تھا۔

اس کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ارحام خانزدہ نے جھنجھلاتے ہوے سگریٹ کیس اٹھائے سگریٹ جلائے لبوں میں دبایا۔

!!حور سلطان شاہ کو سگریٹ پینے والوں مردوں سے سخت نفرت ہے!!

سلطان شاہ کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو سگریٹ پر جمی مضبوط انگلیاں کپکپا اٹھی تھیں۔

!!مجھے فرق نہیں پڑتا پاپا!!ارحام سگریٹ پیے یا نہ پیے مجھے فرق نہیں پڑتا!!

اب اس ستمگر کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔وہ اپنے عام سے لفظوں سے بھی اس کی جان نکالنے کا ہنر جانتی تھی۔

ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے سائیڈ ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارتے ہوے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

اس کے مکہ مارنے پر سایڈ ٹیبل بری طرح جھنجھا اٹھا تھا۔حور خانزادہ بری طرح کپکپاتے چیخ اٹھی تھی۔

اس کی چیخ پر ارحام اسے کندھوں سے جکڑے سیدھا کرتے اس پر جھکا۔

کیوں چیخ رہی ہو؟؟ کبھی تم پر ہاتھ اٹھایا؟؟ ارحام خانزادہ اس پر جھکے سگریٹ کا کش لیتے اس کے چہرے پر دھواں چھوڑتے سرد انداز میں استفسار کر گیا تھا۔

اگر مقابل کو اس کے سگریٹ پینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا تو اسے بھی نہیں پڑتا تھا وہ سگریٹ پینے والوں سے سخت نفرت کرتی ہے۔

اٹھایا ہے بہت بار اٹھایا ہے۔ مگر میرے پاپا نے مجھے کبھی سختی سے چھوا بھی نہیں۔۔ مجھ پر چلائے تک نہیں۔ حور اپنے گال پر ہاتھ رکھے ہچکیوں سے بولتے اسے بہت کچھ جتا گئی تھی۔ سگریٹ کا دھواں اس کی سانسوں میں اترا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اب کھانسنے لگی تھی۔ ایک ہاتھ ابھی بھی گال پر

تھا۔ ارحام خانزادہ کو اپنے مارے گئے تھپڑ یاد آئے تھے۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے اسے وہی تھپڑ یاد کروا رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کی بات اور انداز پر اپنا نچلا لب دانتوں تلے بے دردی سے دبائے جلتا سگریٹ لبوں سے نکالتے اپنی زخمی ہتھیلی میں دبا گیا۔ جو اسے تکلیف دے وہ کیسے اسے راحت پہنچا سکتا تھا۔

وہ اس کے خوبصورت ملائم ریشمی عارض پر بہتے آنسوؤں کو بغور دیکھتے اس سے دور ہوتے بیڈ سے اترا۔۔

وہ رخ پلٹے اب خاموشی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

ارحام اظطراری انداز میں اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے کمرے میں چکر لگانے لگا۔

اس نے جبڑے بھینچے حور کی طرف نگاہ ڈالی جو اس کی طرف سے رخ پلٹے لیٹی ہوئی تھی۔۔اس کی دبی دبی سسکیاں اب ختم ہو چکی تھی۔نہ اس کا وجود ہچکولے بھر رہا تھا۔کمرے میں اب گہرا سکوت تھا۔

مگر یہ گہرا سکوت اسے مزید بے چین کر گیا تھا۔اس کی خاموشی اسے مزید پاگل کر گئی تھی۔اس کی ایک رات کی بے رخی اسے اندر زخمی کر چکی تھی۔وہ خاموش ہو گئی تو وہ تو اپنی سانسوں سے جائے گا۔

ارحام خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسے دیکھتے رہا۔وہ بنا کمبل کے لیٹے اس کی طرف پشت کیے ہوے تھی۔

ارحام خانزادہ اظطراری انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے گہرا سانس لیتے دروازے کی طرف بڑھا۔دروازے کو لاک کرتے اور گلاس ونڈو پر پردے برابر کرتے وہ اپنے بھاری قدموں سے بیڈ پر لیٹی اپنی زندگی کی طرف بڑھا۔

وہ بیڈ پر اس کے قریب لیٹتے ہوے اس کے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ جماتے اس کی سائیڈ گردن پر بہت نرمی سے لب رکھ گیا تھا۔ اس کے دہکتے نرم لبوں کے لمس سے حور آنکھیں میچ گئی۔

آئی ایم سوری!! میری جان!! میں تم سے معافی مانگتا ہوں ہر چیز کے لیے۔ وہ اس کی گردن پر بہت نرمی سے اپنے دہکتے لب رکھتے اسے سیدھا کرتے اس پر جھکا۔

حور کی بھیگی گلابی متورم آنکھوں میں دیکھتے اس کی بھیگی گھنی پلکوں پر لب رکھتے اس کے گوشوں پر ابھرے شبنم اپنے ہونٹوں سے چنی تھی۔

مجھے فون پر تم پر چلانا نہیں چاہیے تھا۔ میں ایک بہت امپورٹنٹ میٹنگ میں مصروف تھا۔ اس لیے اس وقت غصہ کر بیٹھا۔

ارحام خانزادہ نے مسکراتے ہوئے اس کے عارض پر نرمی سے لب رکھتے اس کے نمکین آنسو لبوں سے چنتے اپنے حلق میں اتارے۔ وہ اس کے فون پر غصے سے شاید ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔ فی الوقت اسے اپنی یہی غلطی لگی تھی۔۔

رات کے دو بجے بھی میٹنگز ہوتی ہیں۔ یہ سلطان شاہ جیسے ملینیر بیٹی ہوتے مجھے آج تک پتہ نہیں چلا۔ حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگی آستھزائیہ لہجے میں بولتے تلخی سے مسکرائی تھی۔

میرے ایک دوست کے ساتھ میٹنگ تھی میری جان!! لیکن میں وعدہ کرتا ہوں۔ آیندہ کچھ بھی ہو جائے میں کبھی تمھارا فون نہیں کاٹوں گا۔ چاہے کتنی ہی ایمرجنسی ہو۔ ایک بیل پر تمھارا فون اٹھاؤں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے مجھے جتنا بھی نقصان ہو جائے میں تم سے بات ضرور کروں گا۔ ویسے بھی

بیوی سے امپورٹنٹ کیا کام ہو سکتا ہے۔ ارحام نے مسکراتے ہوئے اس کے سرخ بھیگے لبوں پر نرمی سے لب رکھے۔ وہ اسے سچ بتاتا ساحر خان کا سچ بھی بتانا پڑتا۔ ساحر خان نے مقابل کے لیے جان دے دی۔ وہ عاشق کہلائے اسے کہاں گوارا تھا؟؟

ارحام کی بات پر حور کی آنکھوں کی شبنم مزید بڑھی تھی۔ وہ دہک کر تندور بنی تھی۔ وہ شاید اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ ہی مصروف تھا۔ تبھی تو وہ اتنا غصہ کر بیٹھا تھا۔ اس کے جسم سے محبت کے پاگل پن سے وہ واقف تھی۔ عورت کی قربت اس کی کمزوری تھی وہ جانتی تھی۔

حور شعلہ جوالہ کی طرح دہک اٹھی تھی۔۔ جی کر رہا تھا اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔ مگر وہ جانتی تھی مقابل ایک بار اقرار کر گیا اس کے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ اس کے چیخنے پر وہ پلٹ کر یہ ہی کہہ دے کہ وہ وجہ بنی تھی گل

کو اس سے دور کرنے کی۔ اس کی بیٹی سے اس کی ماں سے دور کرنے کی۔ تو وہ کیا کہے گی۔ کیسے اس سے انصاف مانگے گی۔ جب کہ گناہ تو اس سے ہوا تھا۔ مجرم تو وہ خود تھی۔ اس کی بیٹی سے اس کی مورے!! سامنے بیٹھے انسان سے اس کی محبت اس نے ہی تو چھینی تھی۔ مگر اب نہیں گوارا تھا اس کی محبت کسی عورت کے لیے۔ اس کی نرمی سختی کس اور عورت کے لیے۔ اس کی گرم نگاہوں کی حدت کسی اور عورت پر۔۔۔ چاہے وہ اس کی پہلی محبت ہی کیوں نہ ہو؟؟

وہ اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کرتے ہوئے بے حال سی اٹھ کر بیٹھی۔

ارحام خانزادہ بھی پیچھے ہوتا اٹھ کر بیٹھا اس کی نرمی پر وہ ایسے ہی بی ہیو کرے گی وہ جانتا تھا۔ مگر اسے اپنی بیوی اپنی زندگی کو منانا ہی تھا۔ ورنہ اس کی بے اعتنائی بے رخی اس کی جان لے لیتی۔

حور اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنے براؤن سلکی بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ گئی۔

ارحام خانزادہ نرمی سے اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکائے اس کی دودھیا پشت پر ہاتھ پھیرتے بہت نرمی سے لب رکھنے لگا۔اس کے لمس پر حور کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔آنکھوں کی رنگت سرخی مایل ہوئی تھی ۔مقابل کا نرم لمس بھی کانٹوں کی طرح چبھ رہا تھا۔

وہ بہت نرمی سے اس کی برہنہ کمر پر لب رکھے اس کی ہکس دانتوں سے کھول رہا تھا۔

حور ارحام خانزادہ سے دور کھسکتے بیڈ سے اترنے لگی۔وہ اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے اپنے قریب کرتے اس کمر کو لبوں سے گیلا کرتے اس کی پچھلی

گردن پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتے اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ گیا۔

آئی ایم سوری میری جان!! معاف کر دو۔ ہر بات کی معافی مانگتا ہوں۔ جب جب تمھارا دل دکھایا۔ تم پر چلایا۔ تم پر ہاتھ اٹھایا۔ ابھی تم پر غصہ کیا ۔ تمھیں سختی سے چھوا۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ تم جب جب مجھ سے دور جاتی ہو میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ سلطان شاہ کا حق بھی برداشت نہیں ہوتا۔ تم میری حویلی سے نکلی لگا تم واپس نہیں آؤ گی۔۔ ان کچھ گھنٹوں میں سو بار جیا سو بار مرا۔

ارحام خانزادہ بھاری آواز میں بولتے اس کے کان کی لو پر زبان پھیرتے اس کی دھڑکنوں پر سختی سے ہاتھ جما گیا تھا۔

حور اس کا ہاتھ اپنی دھڑکنوں سے ہٹاتے اسے دور ہوتے بیڈ سے ایک جھٹکے سے اتر گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے لب بھینچے سرخ سرد آنکھوں سے اسے دیکھا وہ اپنے ہاتھ پیچھے کی طرف لے جاتے اپنی فراک کی زپ کر رہی تھی۔

ارحام خانزاہ نظریں نیچے کیے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر گیا تھا۔ اس کی بے رخی بے اعتنائی ناراضگی کیسے دور کرے۔۔ ہو کیا گیا تھا آخر اسے ؟

؟ارحام نے نظریں اٹھائے ظبط سے اسے دیکھا

وہ زپ بند کرتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ارحام اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ظبط سے اپنے جبڑے بھینچ گیا۔

تھوڑی دیر بعد حور ڈڈیسنگ روم سے سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی باہر آئی تھی

ارحام اس کے ہاتھ میں ٹرالی سوٹ کیس دیکھتے حیران ہوتے بیڈ سے اٹھا۔

وہ سوٹ کیس بیڈ پر رکھتے اسے کھولتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی ضرورت کی چیزیں اٹھائے سوٹ کیس میں پٹخ رہی تھی۔ سوٹ کیس میں اس کے کپڑے پہلے سے موجود تھے۔

ارحام خانزادہ کی رنگت اشتعال کے مارے سرخ ہوئی تھی۔

وہ اپنی بھیگی آنکھیں بار بار ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوئے اپنی چیزیں اٹھائے سوٹ کیس میں پھینک رہی تھی۔

کیا کر رہی ہو تم ہاں ؟؟ کہاں جا رہی ہو تم ؟! اور تمھیں لگتا ہے میں تمھیں اس حویلی سے باہر قدم نکالنے دوں گا۔

ارحام خانزادہ اسے بازو سے جکڑے پاگل ہوتا چیخ اٹھا۔ مقابل اس کی نرمی کے قابل نہ تھی۔

حویلی سے نہیں جارہی اس کمرے سے جارہی ہوں۔ میں واپس صرف پریذے کی وجہ سے آئی ہوں۔ وہ آپ کی بیٹی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولی۔

پریذے تمھاری بیٹی ہے۔ میں نے کب کہا وہ صرف میری بیٹی ہے۔ ارحام گہرے سانس لیتے اس کے قریب ہوتے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے نرمی سے بولا۔ وہ اسے اس کمرے سے بھی نہیں جانے دے سکتا تھا۔ اتنے دنوں بعد اس کی جدائی کیسے سہتا آخر؟؟ اب تو وہ مزید اس کے لیے پاگل ہو چکا تھا۔ ان کچھ گھنٹوں میں وہ اپنی اہمیت اور اچھی طرح جتا چکی تھی۔

بہت بار جتا چکے ہیں وہ صرف آپ کی بیٹی ہے۔ ہر بات پر یہ کہتے ہیں وہ آپ کی بیٹی ہے۔ حور چیختے ہوے بولی۔

اوکے نہیں جتاؤں گا۔۔ وہ صرف تمھاری بیٹی ہے۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔

پریذے میری بیٹی ہے۔ یاد رکھیے گا میں آپ کو کوئی حق جتانے بھی نہیں دوں گی۔ وہ انگشت شہادت اٹھائے اس کی آنکھوں میں لرزتے بدن کے ساتھ غرائی تھی۔ اوکے تمھارا حق ہے میری جان!! صرف تمھارا ہے۔ میرا کوئی حق نہیں۔ وہ اس کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔

کبھی مجھ سے چھینے کی کوشش کی میں آپ کو عدالت میں لا کھڑا کروں گی۔ سلطان شاہ کی بیٹی ہوں میں۔۔ میرے لیے کچھ بھی کرنا مشکل نہیں ہے۔ حور کی دھمکی پر وہ حیران ہوا تھا۔

کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟!۔۔ یہ عدالت کہاں سے بیچ میں آگئی؟؟ ارحام سختی سے بولتے اس کے بازو کو جکڑے اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا

میری بیٹی کو مجھ سے چھینے کی کوشش کی تو میں عدالت۔۔۔

بس۔۔۔ ایک لفظ اور حور نہیں۔۔۔ ارحام اس کا بازو جکڑے دھاڑا تھا۔

لفظ عدالت سنتے وہ سیخ پا ہوا تھا۔

ایک لفظ اور نہیں آیندہ تمھارے لبوں سے عدالت کا نام نہ سنوں۔۔۔ پریذے تمھاری بیٹی ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔۔ مگر تم ارحام خانزادہ کی بیوی اس کی عورت ہو۔۔ عدالت کا نام نہ سنوں آیندہ تمھارے لبوں سے۔۔ ارحام اس کی گلابی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے لفظ

چباتے پھنکارا۔ حو اس کی پھنکار پر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اس سے دور ہوئی تھی۔ ارحام اس کی بازو پر اپنی گرفت چھوڑ گیا۔

وہ جلدی سے اپنے سوٹ کیس کی طرف بڑھی تھی۔ اس کی زپ بند کرنے لگی۔

ارحام بے بسی اسے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ صوفے پر پڑی اپنی شال سے اچھی طرح خود کو کور کرتے سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا

عورت کو سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔۔ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی اسے نرمی سے بات بھی کی جائے۔۔ ارحام ڈریسنگ پر پڑا واز اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر مارتے دھاڑ اٹھا تھا۔

آہہہ۔۔ دوسرے لمحے وہ پورے اشتعال سے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے ڈرریسنگ مرر پر مارتے حلق کے بل چیخا۔ مرر کا شیشہ تڑختا اس کا ہاتھ زخمی کر گیا تھا۔

.----------

درخزئی صبح کے سات بجے حویلی داخل ہوا تھا۔ گہری دھند پڑ رہی تھی۔ سردی کی قہر برساتی لہر باہر پڑ رہی تھی۔ وہ ساری رات سڑکوں پر اپنی پولیس موبائل دوڑاتے خود سے لڑتا رہا تھا۔ بہت بار حویلی نہ آنے کا عزم بھی کیا تھا۔ مگر اپنے بھاری ہوتے اعصابوں سے لڑتے ہوئے وہ حویلی میں موجود تھا۔

ٹھیک کہا تھا میں دو نمبر "کریکٹر لیس" پولیس والا ہوں۔ اور دو نمبر "کریکٹر لیس" پولیس والے کے اندر غیرت کہاں ہو سکتی ہے؟؟ وہ حویلی میں قدم رکھتے ہوے خود پر استھزائیہ مسکرایا۔

مگر اس وقت اگر وہ اپنے فلیٹ جاتا تو وہاں کی تنہائی کی وحشت سے اس کا دل بند ہو جاتا۔ پھر دل کا کیا کرتا جو اسے دیکھنے اور چھونے کے لیے مچل رہا تھا۔ وہ نہ بھی ہوتی وہ کیسے ان حویلی میں رہنے والوں کو چھوڑ سکتا تھا۔۔ اگر یہاں آنا چھوڑتا کون بچتا اس کی زندگی میں۔

وہ تیز تیز قدموں سے زنان خانے میں داخل ہوا۔

حویلی اندر سے اچھی خاصی گرم تھی۔

پوری حویلی میں سینٹرل الکٹرک ہیٹر نصب تھے۔ زنان خانے اور مردانے میں سے آتش دان جل رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔

عنائیہ کے کمرے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے اسے کھولنے کی کوشش کی وہ لاکڈ تھا۔

درخزئی خانزادہ اب دل سے مسکرایا تھا۔

دو نمبر پولیس والے کی ایک خصلت تو تھی اس کے اندر!! دو نمبر کام کرنے میں وہ ماہر تھا۔ درخزئی خانزادہ نے اپنی جیب سے ایک پن نکالتے ہوے دروازے کے لاک میں بہت طریقے سے گھمایا تھا۔ تھوڑی سی کوشش سے لاک کھل گیا تھا

درخزئی خانزادہ دبے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ ایک ہاتھ میں ریڈ فلاورز اور ڈھیر ساری چاکلیٹس اور براونیز کیک کا ایک پیکٹ تھا۔ جسے درخزئی نے بہت احتیاط سے اس کے پاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

جھکتے ہوے اپنی خوبصورت بیوی کی طرف دیکھا جو کمبل سر تک تانے سو رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے احتیاط سے کمبل اس کے چہرے سے اتارتے نیچے سرکایا۔

اسے دیکھتے یکدم وہ آپنی نظریں چرا گیا تھا۔ وہ بلیک کلر کی سلک کی فل گاؤن نائٹی میں ملبوس تھی۔ مگر گاون کی ڈوریاں آگے سے کھلی تھیں۔ جس کی وجہ سے اس کی رعنائیاں پورے آب و تاب سے دکھائی دے رہی تھیں۔

درخزئی خانزادہ کا پورا وجود جیسے ہل کر رہ گیا تھا۔

درخزئی نے جھکتے ہوے احتیاط سے اس کے چہرے پر بکھری لٹیں پیچھے کرتے اس کے خوبصورت نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ جس کی کشش اسے یہاں کھینچ لائی تھی۔۔۔وہ جھکتے ہوے بہت نرمی سے اپنے لب اس کے گلاب عارض پر رکھ گیا۔

وہ اس کے لمس پر کرنٹ کھا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔

درخزئی حیران ہوتا پیچھے ہوا تھا۔ آج اس کے ذرا سے لمس پر اٹھ گئی تھی۔ ورنہ مقابل تو بڑی گہری نیند سوتا تھا۔

کیا وہ اسے محسوس کرنے لگی تھی؟ دل میں خوش فہم سوال ابھرا تھا۔

درخزئی کو کمرے میں دیکھتے وہ حیران ہوئی تھی۔ رنگت سرخ ہوئی تھی۔۔

ایس پی!!تم یہاں کیسے؟؟عنائیہ نے حیرانگی سے درخزئی کو کمرے میں دیکھتے گہرے سانس لیتے پوچھا۔وہ دروازہ خود اچھی طرح لاک کر کے سوئی تھی۔

وہ پھر کیسے اندر آسکتا تھا بھلا؟؟

تم نے خود ہی تو دروازہ کھولا۔۔درخزئی اس کے پریشان چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ دبائے بولا۔

میں نے؟؟عنائیہ نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے ہوے ہونق چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

ہاں تم نے!!درخزئی خانزادہ نے جھکتے ہوے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے اثبات میں سر ہلاتے مسکراہٹ دبائی۔

مگر کیسے ؟؟ وہ مزید حیران ہوئی تھی۔

وہ اتنی حیران تھی کہ اس کے اور اپنے درمیان نزدیکی محسوس کر ہی نہ پائی تھی۔۔ وہ اس کے بے حد قریب اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑ رہا تھا۔

ہاں تم نے کھولا!! درخزئی اپنی انگشت شہادت اس کے دھڑکنوں پر رکھتے رکھتے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔

وہ ابھی بھی اس کی طرف حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ کے لیے اپنے قہقے پر قابو پانا اب مشکل ہو گیا تھا۔

کیا یہ اتنا بڑا معمہ تھا کہ وہ یوں پریشان تھی۔۔ ایس پی کی بیوی ہوتی وہ تو معصوم تھی۔۔

تمھیں پتہ ہے عنائیہ !!در خزئی خانزادہ نے مسکراتے ہوے اپنی پلکیں

جھپکاتے ہوے عنائیہ کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

عنائیہ مقابل کی پلکیں دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

جو اچھی خاصی اٹریکٹو تھیں۔ ہلکی ہلکی مڑی ہوئی تھی۔

عنائیہ کی انگلیاں بے اختیار اس کی پلکوں کی طرف بڑھیں۔ یکدم وہ جلدی

سے بوکھلاتے ہوے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ گئی تھی۔

در خزئی خانزادہ اس کے انداز پر گہرا مسکرایا تھا۔

مم میں نے کیسے دروازہ کھولا ؟؟ در خزئی کی مسکراہٹ دیکھتے وہ گڑبڑاتے

ہوے نظریں جھکا گئی۔ اپنی حرکت پر وہ توہین و خجالت سے سرخ ہوئی تھی

۔۔

اے مس امریکہ !!وہ اس کی جھکی نظروں کے سامنے چٹکیاں بجا گیا۔۔

عنائیہ نے گڑابڑاتے ہوے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھا۔

تمھیں پتہ ہے تمھیں نیند میں چلنے کی بیماری ہے ؟!۔ درخزئی کی بات پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا

آہہ۔۔۔۔ درخزئی خانزادہ اب آہ بھرتا اپنے دل پر ہاتھ رکھ گیا۔

مس امریکہ !!اپنی معصومیت سے اس کی جان نکال رہی تھی۔

تم نے نیند میں دروازہ کھولا مجھ سے لپٹتے ہوے کس کی اور پھر یہاں آکر خود پر کمبل تان کر سو گئی۔ رخزئی شرارتی انداز میں سنجیدگی سے بولا۔

نووے !!مجھے نیند میں چلنے کی بیماری ہو سکتی ہے یہ بات میں مان سکتی ہوں !!میں نے دروازہ کھول سکتی ہوں۔ یہ بھی مان لیتی ہوں۔ مگر آپ کو

کس کر سکتی ہوں یہ میں نہیں مان سکتی۔ یہ مر کر بھی نہیں ہو سکتا۔ عنائیہ استھزائیہ انداز میں مسکراتے ہوے سر نفی میں ہلاتے مضبوطی سے بولی۔

عنایہ کی بات پر درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

پتہ ہے تمھاری بات پر میرا کونسا گانا گانے کا دل کر رہا ہے ہے۔ درخزئی خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

کونسا؟؟ وہ اختیاری میں بولتے لب دانتوں تلے دبا گئی۔

کیا اتنا برا ہوں میں ماں؟؟ درخزئی خانزادہ غمگین آواز میں گاتے ہوے قہقہ لگا گیا۔

عنائیہ اس کے گانے پر غصے میں منہ پھیر گئی تھی۔

درخزئی گہری نگاہ اس پر ڈالتے نگاہیں پھیر گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے بہت برے حلیے میں موجود تھی۔ شاید اسے اندازہ نہ تھا۔ یا پھر وہ خود پر اب اس کب حق سمجھتی تھی اب اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ جانتی تھی وہ اس کا محرم تھا۔ درخزئی خانزادہ کا دل ایک بار پھر سے خوش فہم ہوا تھا۔

درخزئی خانزادہ بیڈ سے اٹھتے ہوے کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھا ت۔ اس میں سے عنایہ کی گرم شال نکالتے وہ اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد لپیٹ گیا تھا۔

عنائیہ نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

سمجھا کرو ناں۔۔ نہ انسان ہوں فرشتہ نہیں کہ اتنا حسن دیکھ کر بہک نہ سکوں۔ وہ اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا۔

عنائیہ اس کی بات کا مطلب سمجھتے کان کی لوؤں تک سرخ پڑی تھی۔

اس کی رنگت میں سرخیاں گھلتی دیکھ کر وہ بیڈ سے بھی اٹھ گیا تھا۔ عنائیہ کی آنکھوں میں مزید حیرانگی پھیلی تھی۔ آج اس نے کوئی بے باک حرکت نہ کی تھی۔ نہ اسے لبوں سے چھوا تھا۔

درخزئی نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھامتے اسے اپنی طرف کھینچا۔

وہ اس کے مضبوط حصار کی پکڑ میں بیڈ سے اتری۔

حیران مت ہو میری جان!! تمھارے سوتے میں فایدہ اٹھا چکا ہوں۔ ورنہ مجھ جیسا کریکٹر لیس دو نمبر پولیس والا کہاں رہ سکتا ہے۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے بہت نرمی سے اس کے لبوں سے چھو گیا تھا۔

عنائیہ حیرانگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔۔

وہ اس کا ہاتھ جکڑے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ اس کے نرم حصار میں کھنچتی چلی گئی تھی۔

وہ اسے باہر لائے لاونج میں بنے پلر کے ساتھ لگا گیا۔

وہ اسے ابھی بھی حیرانگی سے دیکھ رہی تھی. وہ اسے یہاں کیوں آخر لایا۔

سمجھا کرو ناں!! ایک کمرے میں رہتے ہوے میرے کریکٹر پر داغ لگ سکتا ہے۔ وہ اسے آنکھ مارتے ہنسا تھا۔

عنائیہ اس کی نم آنکھیں دیکھتے حیران ہوئی تھی۔۔

اس نے اپنی آنکھیں جھپکیں تھیں۔ ایس پی درخزئی خانزادہ کی آنکھیں نم نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ بے یقین ہوئی۔

درخزئی خانزادہ اپنی آنکھیں بازو سے جلدی سے مسل گیا۔۔

خوب بدنام ہوے

حق ادا ہو گیا جوانی کا

درخزئی نے اس کے گرد ہاتھ جماتے گھمبیر آواز میں بولتے اس کے لبوں پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑیں۔ عنائیہ ناگواری سے چہرہ پھیر گئی تھی

آئی ایم سوری!! درخزئی خانزدہ جلدی سے پیچھے ہوا۔

آئی ایم سوری میری جان!! آئی ایم ریئلی سوری!! جب جب تمھیں تمھارے کنسرن کے بغیر چھوا۔ میں معافی مانگتا ہوں اس کے لیے

وہ ہاتھ اٹھاتا پیچھے ہوتے مسکراتے ہوے بولا۔

عنائیہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آج تھوڑا عجیب بے ہیو کر رہا تھا ۔۔اس کی آواز نم زدہ بھی لگ رہی تھی

اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے درخزئی خانزادہ پھر اس کے قریب ہوا۔

نہیں حق جتاؤں گا تم پر اپنا حق!! بلکل نہیں جتاؤں گا مگر ایک بات کا مان رکھ لو!! درخزئی خانزادہ کا لہجہ التجائیہ ہوا تھا۔

عنائیہ نے سوالیہ الجھن بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

۔یہ چادر مت سرکنے دینا!! جان!! پٹھانوں کا خون ہے بس یہاں آکر کھولتا ہے۔۔ یہاں مت ستانا باقی ساری باتیں سہہ لوں گا۔

درخزئی اس کی شال اس کے سر پر نرمی سے اوڑھاتے ہوے پیچھے ہوا۔

وہ مسکراتے ہوے عنائیہ کو دیکھتے اپنے بھاری قدموں سے زنان خانے کے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

یکدم وہ رکا تھا۔۔

کیک لایا ہوں تمھارے لیے۔۔ درخزئی نے پلٹتے ہوئے کہا۔

جانتا ہوں تمھیں پسند نہیں۔ تم میرا قتل کر دو گی مگر آج میری مورے بابا کی شادی کی سالگرہ ہے۔۔ اسی خوشی میں لایا تھا۔ تھوڑا سا چکھا بھی ہے۔ ہو سکے تو وہیں سے کھا لینا۔ دل نہ مانا تو پھینک دینا۔ درخزئی خانزادہ کو فرق نہیں پڑتا۔۔ بلکل نہیں پڑتا۔

درخزئی اسے آنکھ مارتے مسکراتے ہوئے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

حور پریذے کے کمرے میں داخل ہوئی تو کمرے میں ہلکی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پریذے درخشاں کے ساتھ لپٹی سو رہی تھی۔

حور نے آگے بڑھتے ہوئے پریذے کو درخشاں سے علیحدہ کیا۔ وہ اسے لے کر اچھی خاصی ٹچی ہو گئی تھی۔ وہ درخشاں سے لپٹی ہوئی تھی اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

درخشاں!! درخشاں!! حور نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

درخشاں نے ہڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔

اللہ بھابھی تم!! حور کو دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھی۔

تم نے تو توہم کو ڈرا ہی دیا۔ درخشاں نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

تم جاؤ یہاں سے۔ میں آ گئی ہوں اپنی بیٹی کے پاس!! حور نے لفظ "اپنی بیٹی"

پر خاص طور پر ذور دیتے اسے جتایا تھا کہ پریذے اس کی بیٹی

ہے۔۔ پریذے گل کی بیٹی ہے یہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ گل سے

بڑھ کر حق پریذے پر کس کا ہو سکتا تھا۔۔ یہی ایک بات اسے اندر سے مار

رہی تھی۔ ارحام پریذے کو گل کے حوالے نہ کر دے۔ م کہ یہ کہہ کر کہ

وہ گل کی بیٹی ہے۔ وہ شاید پریذے کی وجہ سے گل کے قریب دوبارہ گیا تھا۔

!! مورے آپ حویلی کب آؤ گی!! پریذے کی آواز سماعتوں میں گونجتے

اسے بے چین کر گئی تھی۔

پریذے سے بے تحاشا محبت کرنے کے باوجود وہ گل کو اس حویلی میں نہیں

دیکھ سکتی تھی۔ اسے گل کے حوالے نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اس کا ارحام بھی

تو تھا اسے کیسے گل کے ساتھ دیکھ سکتی تھی؟؟۔وہ گل کے ساتھ کمرے میں ہو گا تو وہ تو چند لمحوں میں راکھ کا ڈھیر بن کر اپنا وجود ہی کھو دے گی۔

کتنی بار وہ ارحام خانزادہ کو گل کے پاس جانے کا کہہ چکی تھی۔جب وہ اس کی قربت میں خوف سے سسکاریاں بھرتی تھی تب بھی کہہ چکی تھی۔جب وہ پریذے کے لیے تڑپتا تھا تب بھی وہ پریذے کے لیے گل کو اپنانے کا کہہ چکی تھی۔ مگر گزرے ان سات ماہ میں جب وہ پرچھائی بن کر اس کے ساتھ رہا تو اس ستم گر کی ستمگری سے عشق ہو گیا تھا۔ان سات ماہ میں احساس ہوا وہ اس کے بغیر سانس نہیں لے سکتا تو وہ کیا کسی عورت کے پاس جائے گا۔ مگر جب اس نے کچھ دن اگنور کیا تب احساس ہوا وہ اس کی بے اعتنائی نہیں سہہ سکتی۔نہ ہی اسے کسی دوسری عورت کے ساتھ بانٹ سکتی ہے۔وہ گل کے پاس نہ چلا جائے اسی لیے تو وہ حویلی واپس آئی تھی۔وہ گل اور

پریذے کو لے کر پلے لینڈ گیا اسی ایک بات نے اسے حویلی آنے پر مجبور کیا تھا۔

اب تو وہ اس کے لیے نرم ہی نرم تھا تو کیسے اب اسے کسی دوسری عورت کے حوالے کر دے۔ اپنی بیٹی بھی دے دے اس عورت کو!! حور نے جھکتے ہوے سسکی لیتے پریذے کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔

بھابھی آپ لالا کے پاس ہی رکتا۔ ہم تھا ادھر پریذے کے پاس۔ درحشاں نے حور کو دیکھتے اچھنبھے سے کہا۔

ارحام نے اسے یہاں کیسے آنے دیا وہ حیران ہوئی تھی؟؟

کیوں یہاں کیا ہے؟؟ میں اپنی بیٹی کے پاس نہیں آسکتی۔

اس خان کے پاس رک کیا کرتی میں ؟؟۔۔ حور نے تیکھے چتون اٹھا کر سرخ چہرے کے ساتھ پوچھا۔

درخشاں جواباً کھکھلا کر ہنسی تھی۔

با بھی آپ نے تھوڑا کچھ کرنا تھا کرنا تو آپ کے خان نے تھا۔

لالا کیسا پاگل ہے آپ کے لیے۔۔ اتنا دن بعد آیا ہم کو لگا تھا اب پورا ہفتہ کمرہ کا دروازہ نہیں کھلے گا اور آپ کا خیر نہیں۔ درخشاں حور کے گھورنے پر بمشکل اپنی ہنسی روکتے بولی۔

حور نے اب اسے اچھا خاصہ گھورا تھا۔ درخشاں اسی طرح کی بے باک باتیں کر جاتی تھی۔ اسے بلکل پسند نہیں تھی ایسی باتیں۔۔

بھابھی آپ ہم کو ایسا ہی گھور رہا ہے۔ سچ ہی تو بولا ہے۔ آپکو پتہ ہے ہم اپنا گھر میں سب سے بڑا ہے۔ جب ہمارا بابا کام سے چھ مینے بعد لوٹتا تھا تو مورے زیادہ تر بابا کا ساتھ کمرہ میں ہوتا تھا۔۔ میں تب چھوٹا تھا تھوڑا پریشان ہو جاتا تھا۔ ہمارا پوچھنے پر مورے نے ہم کو بتایا مرد کو اپنا عورت کا ضرورت اس کا خواہش عورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ عورت مرد کا بغیر رہ سکتا ہے۔ مرد نہیں رہ سکتا۔۔ اس کو عورت کا پیار اس کا وقت چاہیے ہی ہوتا ہے اس پر مرد سمجھوتہ نہیں کرتا۔ وہ نکاح کرتا ہی کیوں ہے تاکہ وہ حرام سے بچ سکے۔ اب نکاح کے بعد بھی اس کو اپنا ہی عورت کا وقت نہ ملے ایسی عورت سے وہ پھر کیسے محبت کرے گا۔ تمھارا بابا چھ مہینہ اس دوزخ کا پیٹ بھرنے کا واسطہ باہر رہتا ہے۔۔ وہ چند دن کا واسطہ آتا ہے۔ ہم شرم کا چادر لپیٹ لیں کہ بچہ کیا کہے گا۔ ساس سسر کیا کہے گا۔ اس طرح کا شرم کر کے

ہم خدا کا بھی گناہ گار ہو گا اور اپنا شوہر کا بھی۔ اور اپنا سائیبان کا وہ محبت بھی کھو دے گا جس کا خاص قسم کا محبت صرف اس کا لیے تو ہے۔۔ بھابھی مورے کا آدھا باتیں سمجھ آتا تھا آدھا نہیں۔۔ مگر اب اس حویلی میں آکر سمجھ آیا۔ مرد کا محبت الگ ہوتا ہے جیسا عورت کرتا وہ ویسا نہیں کرتا۔ اس کا اپنا عورت بستر پر چاہیے ہی۔ اور ہم کو لگتا ہے یہی تو خاص محبت ہے۔ آپ کو پتہ ہے پورا حویلی میں ہر کوئی کہتا آپ خوش قسمت ہے لالا آپ سے اتنا محبت کرتا۔ بھابھی کچھ تو بات ہے ناں!! سب ایسا کہتا۔ آپ لالا کا ساتھ کمرہ میں ہو سب کا چہرہ پر رشک بھی ہوتا ہے۔ لالا جیسا مرد کو آپ نے اپنا آپ میں قید کر کے رکھا ہے۔

س لیے ہم نے پریذے سے بچہ کا بات کیا تا کہ لالا کا محبت آپ کا لیے ہمیشہ رہے۔ درخشاں نے حور کی متورم آنکھوں کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

تمھارا بابا کے پاس دوسری عورت رکھنے کی حیثیت نہیں ہو گی ناں۔ اس لے وہ چھ مہینے تمھاری مورے کا انتظار کرتے تھے۔ مگر اس حویلی کے خانزادوں کے پاس پیسہ پاور سب کچھ ہے۔ وہ اپنی ضرورت اپنی خواہش اپنی چاہت پوری کرنے کے لیے دوسری عورت کو نکاح کے طور پر اپنی زندگی میں لا سکتے ہیں۔ حور کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔

مگر لایا تو کوئی نہیں ابھی تک۔۔ دوسرا نکاح تو اب تک لالا نے ہی کیا۔ لالا نے تو آپ سے نکاح مجبوری میں کیا تھا ورنہ وہ تو گل بھابھی کے ہوتے کسی دوسرا عورت کو نہیں دیکھتا تھا۔

درخشاں بات کرتے کرتے اپنی زبان دانتوں تلے دبا گئی۔

گل کے ذکر پر حور کی رنگت فوراً متغیر ہوتی تھی۔ وہ اپنے چہرے کی سرخی اور کپکپاتے ہونٹوں پر قابو بھی نہیں پا سکتی تھی۔ حور کی زرد رنگت دیکھتے درخشاں کو اپنی پھسلتی زبان پر لعنت بھیجنی پڑی تھی۔

ہمارا مطلب ہے بھابھی!! داجی۔۔۔ داجی۔۔۔ نے۔۔ بھی۔۔ دوسرا شادی۔۔ کیا۔۔ تھا۔۔ کیونکہ۔۔ داجی۔۔ کا۔۔ پہلا۔۔ بیوی۔۔ بانجھ۔۔ تھا۔۔۔ ورنہ حویلی کا کسی مرد کا زندگی میں دوسرا عورت نہیں آیا۔ درخشاں نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے وضاحت دی۔

سچ میں تمھارا لاگل سے بہت محبت کرتا تھا۔ ایسے ہی کمرے میں بند رہتا تھا جیسے میرے ساتھ رہتا ہے۔ حور نے جھکتے ہوئے پریذے کے عارض پر بکھرے اس کے سنہری بال پیچھے کرتے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے بظاہر عام سے لہجے میں پوچھا۔

محبت تو لالا کرتا تھا گل بھابھی سے !! محبت کا شادی جو ہوا تھا۔ مگر لالا پہلے

بہت اچھا تھا کسی پر غصہ نہیں کرتا تھا۔ سب کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اس

گاؤں کا سردار تھا اس کا کیا ہوا فیصلہ آج تک کسی کے لیے غلط ثابت نہیں

ہوا۔ عورت کا عزت سب سے زیادہ لالا کو ہی کرتا دیکھا ہے۔ جیسے بھابھی تم

نے نے لالا کا ساتھ اتنا برا کیا۔ مگر کبھی لالا کو تم پر چلاتے نہیں دیکھا تمھیں

برا بھلا کہتا نہیں سنا۔ تمھارا پیچھے بھی تمھارا سائیڈ لیتا ہے۔ روزینہ خانم اور

امینہ خانم سے بھی سختی سے کہہ چکا ہے تم کو کچھ نہ کہے۔ وہ تم سے نکاح کا اگلا

دن ہی سب سے کہہ چکا تھا کہ تم اس کا عورت ہے عزت ہے۔ جو کچھ کہنا ہوا

وہ خود کہہ لے گا کسی نے تم کو طعنہ دیا ان سے برا کوئی نہیں۔ اس وجہ سے تو

روزینہ خانم جیسا کڑوا زبان عورت نے آج تک تم کو کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ لالا

سے سب اس حویلی میں ڈرتا ہے۔ گاؤں کا لوگ بھی ڈرتا ہے حتی کا لالا نے

کبھی کسی کو کچھ نہیں کہا۔ درخشاں کی باتوں پر حور اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

وہ کچھ نہ بھی کہے اس سرد سرخ آنکھوں کی ایک نظر ہی کافی تھی اگلے انسان کی جان نکالنے کے لیے۔۔ حور نے سوچتے ہوے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

تمھارا لالا کے ساتھ برا کیا ہے۔ کیا برا کیا میں نے ؟؟اس کی بیٹی کے پاس ہے ؟؟ کیا گل اس کے لیے اتنی قیمتی تھی ؟؟جو تم سب کو لگتا میں نے اس کے ساتھ برا کیا۔ حور نے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔۔ سب کچھ تو اس کے پاس تھا۔ چھینی تو صرف اس کی محبت تھی۔۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اذیت کی انتہا پر تھی۔

بھابھی ہمارا یہ مطلب نہیں تھا ہم تو صرف یہ کہہ رہا تھا۔ تم نے لالا پر الزام لگایا۔ گل بھابھی کو طلاق ہوا۔ پریذے جدا ہوا اس وقت تو یہ غم بڑا تھا۔ اب تو لالا تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ حور کی بھیگی آواز پریشانی سے اپنی باتوں کی وضاحت دینے کی کوشش کی جو حور کی ہچکیوں میں آضافے کا ہی باعث بن رہی تھی۔

گل کے ساتھ بھی کمرے میں بند رہتا تھا وہ؟؟

حور نے اپنے آنسو صاف کرتے دوبارہ سے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ اس بات کا جواب ابھی تک درخشاں نے نہیں دیا تھا۔ وہ یہ بات جاننے کے لیے وہ بے چین تھی۔۔

بھابھی لالا صبح سویرے کمرے سے نکل آتا تھا۔ پہاڑوں پر وزرش کرنے جاتا تھا۔ پھر سارا دن مردان خانے میں گزارتا تھا۔ سردار تھا نہ تب۔

۔درخشاں نے پریشانی سے حور کے کپکپاتے لبوں کو دیکھتے جواب دیا۔وہ پریذے پر جھکی اس کی سنہری بال رسلجھارہی تھی۔

سردار تھاتب؟؟حور درخشاں کے لفظ دہراتے تلخی سے ہنسی تھی۔۔

بھابھی کیاہو گیاہے تم کو؟؟گل بھابھی لالا کا پہلی بیوی تھامحبت بھی تھامگر اب تولالا کابیوی تم ہے۔درخشاں نے اس کے بھیگے سرخ عارض کو دیکھتے تسلی دی تھی۔۔

گل بختاور خان سے علیحدہ ہو چکی ہے کیا؟!۔حور نے نچلالب کاٹتے ہوے پوچھا۔

سناتو یہی ہے بھابھی وہ علیحدہ ہو چکاہے۔نو مہینے سے وہ اپنا حویلی میں رہ رہا ہے۔درخشاں نے سنجیدگی سے بتایا۔

طلاق کے بعد کتنے مدت کی عدت ہوتی ہے۔ حور نے اپنی سسکی روکتے

پوچھا۔

بھابھی چار مہینہ دس دن کا ہوتا ہے۔ درخشاں نے اس بار بھی سنجیدگی سے

جواب دیا۔

چار ماہ کی!! حور زیر لب بولتے تلخی سے مسکرائی تھی۔

تمھیں لگتا ہے تمھارا لالا گل سے پھر سے نکاح کر سکتا ہے؟؟ حور کے سوال

پر درخشاں نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

کہتے ہیں مرد اپنی پہلی محبت کو نہیں بھولتا!! تمھارا لالا گل کو کہاں بھولا ہو

گا۔ کر سکتا ہے ناں اس سے نکاح۔۔

حور نے ضبط سے پھر سے سوال داغا۔ اپنی تکلیف کس سے بیان کرے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

پتہ نہیں بھابھی!! آپ جیسا خوبصورت بیوی کا ہوتا لالا کیوں دوسری عورت سے نکاح کرے گا؟؟۔ مگر گل بھابھی سے شاید لالا نکاح سکتا ہے پریذے کا ماں ہے شاید وہ اس لیے۔۔ مگر ہم کو یقین ہے لالا ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اگر مرد پہلا محبت نہیں بھولتا بار بار محبت بھی تو نہیں کرتا۔ پہلا کا بعد دوسرا اور پھر دوسرا محبت کا بعد دوبارہ سے پہلا محبت ہو جائے یہ کیسا ہو سکتا ہے؟؟

درخشاں اب اپنی ہی بات پر ہنسی تھی۔ اسے اپنی بات مضحکہ خیز لگی تھی۔ مرد تو محبت بھلا بار بار ہوتی ہے۔

پتہ نہیں بھابھی !!آپ جیسا خوبصورت بیوی کا ہوتا لالا کیوں !!

دوسری عورت سے نکاح کرے گا۔مگر گل بھابھی سے شاید کر نکاح

!!کر سکتا ہے ۔پریذے کا ماں ہے شاید اس لیے

حور پریذے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوے درخشاں کے لفظوں کی

بازگشت میں الجھی ہوئی تھی۔

بھابھی ہم جائے۔۔درخشاں نے حور کو دیکھتے پوچھا۔

جاؤ میں اپنی بیٹی کے پاس آچکی ہوں۔اپنی ماما کے ہوتے اسے کسی اور کی کیا

ضرورت ؟؟حور نے اپنے بھیگے لہجے پر قابو پاتے ایک بار پھر سے درخشاں کو

جتایا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ درخشاں کو کیوں جتارہی ہے وہ

پریذے کی ماں ہے۔۔وہ پریذے کو لے کر بہت حساس ہو چکی تھی اسے

لگ رہا تھا ارحام پریذے کو اس سے چھین کر گل کو دے دے گا۔ پریذے نے ابھی کہا گل پریذے کی ماں ہے۔ اس لیے پھر اسے جتایا تھا۔

بھابھی تمھارا واسطہ بہت رو رہا تھا۔ تمھارا جانے کا بعد کتنا گھنٹہ لالا کے پاس رہا۔ اس کا سونے کا بعد لالا اس کو ہمارا پاس چھوڑ کر گیا۔ درخشاں کی بات پر حور کی آنکھ سے آنسو گرتا پریذے کے گال پر گرا تھا۔

درخشاں اپنی چادر اچھی طرح سر پر اوڑھتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

پریذے میری جان! اماما آگئی ہیں۔ اب ماما کبھی اپنی بیٹی کو ایک پل کے لیے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ حور نے جھکتے ہوے پریذے کے گال پر لب رکھے تھے۔

ماما!! پریذے نے سوتے ہوے ہچکی لی تھی۔

پریذے جان!!حور نے تڑپتے ہوے اس کے عارض پر بنی آنسوؤں کی لکیر صاف کی۔وہ یکدم چونکی تھی۔

پریذے کے عارض تپ رہے تھے۔۔

پریذے!!حور نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے

گھبراتے ہوے پریذے کو پکارا۔۔وہ تو آگ کی بھٹی کی طرح گرم تھی۔۔

پریذے!!حور نے چیختے ہوے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔وہ سو نہیں رہی تھی بلکہ نیم بیہوش تھی۔

حور جلدی سے بیڈ سے اٹھتے کمرے سے نکلتی ارحام کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوے بڑھی۔

حور ارحام کے کمرے کا دروازہ کھولتے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں ہلکی سی نیلگوں روشنی جل رہی تھی۔

ارحام خانزادہ شرٹ لیس بیڈ پر آنکھیں بند کیے اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ کی ڈریسنگ کرتے وہ ابھی ہی لیٹا تھا۔

ارحام!! حور اسے کپکپاتے لبوں سے پکارتے اندر داخل ہوئی تھی۔

اس ستمگر کی آواز سنتے ارحام خانزادہ کی سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔ ارحام نے سیدھے ہوتے اپنی سرخ آنکھیں کھولتے ہوے اسے دیکھا۔ وہ اس کے پاس بغیر کسی شال کے اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

ارحام!حور نے اپنی دھڑکنوں کو مٹھی میں جکڑتے اسے کپکپاتے لبوں سے پکارا۔

حور!!ارحام نے گہری گرم نگاہ حور پر بے یقینی سے ڈالی تھی۔دوسرے لمحے وہ اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوے اپنے برہنہ سینے پر گراتے اسے اپنے مضبوط حصار میں سختی سے قید کر گیا۔

ارحام!!حور اسے بمشکل پکارتے اس کی سخت گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔وہ بہت سختی سے اسے خود میں بھینچے ہوے تھا۔

ارحام رخ پلٹے اس پر حاوی ہوتے اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں اپنی ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کیے اس

کے لبوں پر جھک گیا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اس کی خوشبودار سانسوں میں اپنی سگریٹ کی مہک والی سانسیں الجھانے لگا۔

جتنی سختی سے وہ کچھ دیر پہلے اسے چھو چکا تھا۔ اب اتنی ہی نرمی سے اس کے لبوں پر اپنی زبان سے مرہم رکھتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے ہوے تھا۔

حور اس کے پہاڑ جیسے وجود کے نیچے ہل بھی نہیں پا رہی تھی کجا کہ ہلتی۔ وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسیں بہت نرمی سے پی رہا تھا۔ پریذے کی حالت کا سوچتے حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر اس کے عارض پر بکھر رہے تھے۔

دل بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ جسے محسوس کرتے ارحام اس کے لبوں پر مزید اپنی شدت دکھانے لگا۔

میری جان! میری حور!! مجھے پتہ تھا تم میرے پاس واپس ضرور آؤ گی۔۔ میرے عشق کی آنچ تم تک نہ پہنچے کیسے ہو سکتا ہے؟؟۔ میری حور کی خوبصورتی ہی اس کی فرمانبرداری ہے۔۔ میری بے رحم قربت میں میری حور مجھ سے لپٹتے مجھ میں سما جاتی تھی۔۔ اب میری دیوانگی جنون کو کیسے نہیں سہے گی۔ تمھیں ہی تو سہنا ہے۔ ارحام گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس کی بے ترتیب سانسوں میں ایک بار پھر سے اپنی سانسیں الجھا گیا۔

وہ اس کی سانسوں کو آزادی دیتے پھر سے اس کی سانسوں کو قید کر گیا تھا۔ بے بسی کے احساس سے حور کے بدن پر کپکپاہٹ شروع ہو گئی تھی ۔اس کی پریذے بیہوش پڑی تھی۔ مقابل کو صرف اس کے جسم سے غرض تھی۔

اپنی بیٹی کی حالت سوچتے وہ مرنے والے ہو رہی تھی۔

اس کی سانسوں کو آزاد کرتے ارحام خانزادہ نے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں جھانکا۔

ارحام!! آزادی ملنے پر حور نے اپنی سانسیں درست کرتے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اسے پکارا۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی دہکتی سانسوں میں الجھتی دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔

ارحام!! پریذ۔۔۔۔۔۔ ارحام اس کے کپکپاتے لبوں پر اپنا ایک ہاتھ سختی سے جما گیا۔۔

پریذے تمھاری بیٹی ہے۔ صرف تمہاری ہے۔ کبھی اس پر اپنا حق نہیں جتاؤں گا۔ ہمیشہ یہی کہوں گا وہ تمہاری بیٹی ہے۔ پریذے تمھاری!! تم میری بن جاؤ۔ صرف میری!!

ارحام اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ جمائے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔ حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ اس کے شکنجے میں پھر سے ہل نہیں پا رہی تھی۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے میری جان!! بہت زیادہ۔ مت ستایا کرو مجھے۔ تمھاری قربت میری کمزوری ہے۔ دیوانا ہوں تمھارا۔ نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔ کیوں نہیں سمجھتی تم؟؟ وہ لمحے وہ وقت یاد آتا ہے جب تم اس کمرے میں ہر وقت میرے بدن کا حصہ بنے میری سانسوں کے قریب رہتی تھی۔۔ سسکتی تھی روتی تھی میرے قریب رہتی تھی۔

نو ماہ سے تمھاری دوری سہہ رہا ہوں۔ کیوں میری جان لینا چاہتی ہو اپنی بے رخی سے؟؟ کیسے تمھیں بتاؤں؟؟ تمھاری ناراضگی تمھاری اگنورنس میرے بدن سے روح کھینچ لیتی ہے۔ نہیں رہ سکتا تمھارے بغیر۔ ارحام بھاری آواز

میں بولتے اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹاتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی فراک کی زپ نیچے کیے اس کی فراک شولڈرز سے نیچے کھسکائے اس کی گہرائیوں پر جھکتے اپنے دانت گاڑھ گیا۔۔

ارحام!!حور نے حلق کے بل چیختے ہوے پوری قوت سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے خود سے دور دھکیلا۔

ارحام اس کے چیخنے پر غصے سے جبڑے بھینچتے ہوے اس سے دور ہوا ۔حور جلدی سے بیڈ سے اتری تھی۔

وہ اسے بازو سے سختی سے جکڑے تکیے پر بے دردی سے پٹخ گیا۔

کیا تماشہ لگایا ہے تم نے؟؟ہمت کیسے ہوئی مجھے خود سے دور جھٹکنے کی؟؟

اگر یہ سب کرنا تھا تو پھر کیوں آئی کمرے میں ؟؟ بڑے باپ کی بیٹی ہو مزا آتا ہے تمھیں میرے جذبوں کے ساتھ کھیلنے کا۔ نو مہینے کم تھے جو ابھی میرے اموشنز کے ساتھ کھیل رہی ہو؟ ارحام خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد آواز میں پھنکارا۔

ہاں نہیں ہیں کم یہ نو مہینے ؟؟ جو سلوک میرے ساتھ چار ماہ کی۔ ااس کے لیے نو ماہ تو کیا پوری زندگی کم ہیں۔ نہیں بھول سکتی نکاح کی رات ؟؟ وہ پریذے کی حالت کا سوچتے پاگل ہوتی ہذیانی چیخی تھی۔

مقابل کے سامنے پہلی مرتبہ اس کی آواز اتنی بلند ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو اس کی آنکھ کی سرخی سے ہی ڈر جاتی تھی

جو میں نے کیا وہ یاد ہے تمھیں اور جو تم نے اس رات کیا وہ یاد نہیں۔۔۔ کیا کیا نہیں چھینا تم نے مجھ سے۔۔ ارحام اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے سرد برفیلے آواز میں پھنکارا۔ اس کا یوں ہذیانی چیخنا برداشت نہیں ہوا تھا۔

حور نے اپنے لرزتے ہاتھ اس کے برہنہ سینے پر رکھے اسے خود سے دور کیا ارحام خانزادہ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھتے اس سے خود سے دور ہو گیا۔ اس کی کمزور سی

مزاحمت کہاں اس کے پہاڑی وجود کو پیچھے دھکیل سکتی تھی۔

حور جلدی سے بیڈ سے اترتے اس سے دور جا کھڑی ہوئی تھی

ارحام ایک ہاتھ کا مکہ بنائے اپنی زخمی چوڑی ہتھیلی پر پوری قوت سے مارتے ہوے ہوے اپنے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

بہت کچھ چھین چکی ہوں آپ سے جانتی ہوں میں۔ اور

کچھ نہیں چھینا چاہتی اس لیے اس کمرے میں آئی تھی۔

حور کی بھیگی سپاٹ آواز پر ارحام نے اپنی سرخ سرد آنکھیں اس پر

گاڑھیں۔

آپ کی بیٹی کو بہت تیز بخار ہے۔ وہ نیم بیہوش پڑی ہے۔

احور کی بات پر وہ جھٹکا کھا کر بیڈ سے اٹھا۔

کیا کہہ رہی ہو تم ؟؟ ارحام خانزادہ حور کو دونوں بازوؤں سے جکڑ گیا۔

پریذے کو بہت تیز بخار ہے۔ وہ بیہوش ہے ارحام۔ حور اپنے عارض سے

بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے شبنمی لہجے میں بولی تھی۔

ارحام بیڈ سے اپنی شرٹ اٹھائے پہنتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے گاڑی کی چابی پکڑتے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔۔ حور بھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

ارحام خانزادہ نے رکتے ہوئے اسے بازو سے جکڑے دروازے کے ساتھ لگائے اس پر سرد نگاہ ڈالی۔ حور نے اس کے سرد نگاہ پر لرزتے ہوئے الجھن بھری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

ارحام اسے اپنے سینے میں سختی سے بھینچے اس کی فراک شولڈر سے اوپر کیے اس کی زپ کمر سے اوپر کھسکا گیا تھا۔

کسی بھی حال میں خود سے لاپرواہ مت ہوا کرو!! آج تو یہ غلطی معاف کر چکا ہوں آیندہ نہیں کروں گا۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے برف سے لہجے میں غرایا۔

اس برفیلے لہجے کی غراہٹ پر حور نے خوفزدہ ہوتے اثبات میں سر ہلایا۔ چادر اوڑھ کر باہر آؤ!! ارحام سرد آواز میں حکم دیتے کمرے سے نکل گیا۔

حور تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بھاگی تھی۔ وہاں سے اپنی چادر اوڑھتے کمرے سے نکلتی بھاگتے ہوئے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھی۔

ارحام کمرے میں داخل ہوتے تیزی سے پریذے کی طرف بڑھا۔

پریذے میرا بیٹا!! ارحام نے اس کے قریب جاتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

ماما!! پریذے کے لبوں نے ہلکی سی جنبش کی۔

کمرے میں داخل ہوتی حور یہ سنتے تڑپتے ہوئے پریذے کی طرف بڑھی۔

پریذے کے لبوں سے لفظ ماما سنتے ارحام نے اپنا جبڑہ بری طرح بھینچا تھا۔اس کی بیٹی حور کی کچھ گھنٹوں کی جدائی دل پر لے گئی تھی۔

وہ تڑپتے ہوے جلدی سے اسے اپنی بانہوں میں اٹھاتا اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

ارحام!!حور نے روتے ہوے اسے پکارا۔

ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا بخار بہت تیز ہے۔۔ارحام حور کے آنسوؤں کو دیکھتے کہتے ہوے تیزی سے باہر کی طرف بڑھا۔حور اپنے چہرے پر نقاب کرتے ہوے ارحام کے ہمقدم ہوئی تھی۔

ارحام نے کار پورچ میں آتے ہی ریموٹ کی سے کار کو آن لاک کیا تھا۔

حور تیزی سے بھاگتے ہوے اگلا دروازہ کھول کر بیٹھی۔ ارحام نے پریذے کو پچھلی سیٹ پر لٹانے کے لیے دروازہ کھولا ہی تھا۔

میری بیٹی مجھے دیں دیں ارحام!! حور جلدی سے کار سے نکلتے ہوے بھیگے لہجے میں بولی۔

ارحام سنجیدگی سے حور کے متورم بھیگی آنکھوں کو دیکھتے حور کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

کچھ نہیں ہو گا تمھاری بیٹی کو!! ارحام نے نرمی سے کہتے اسے خود میں بھینچا۔

سچ کہہ رہے ہیں ناں!! حور نے روتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اس سے پریذے کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔۔

گاڑی میں بیٹھو!!ارحام نے سنجیدگی سے کہتے دروازہ کھولتے اسے بازو سے جکڑے گاڑی میں بٹھایا اور جھک کر پریذے کو اس کی گود میں دیا تھا۔۔حور پریذے کو گود میں لیے سے اپنے سینے سے لگاتے اس کے بالوں پر روتے ہوے لب رکھ گئی۔

ارحام نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کرتے ہارن بجایا۔

گیٹ پر اس وقت نیاز خان تھا۔جو ایک طرف بیٹھے آگ سیک رہا تھا۔ارحام کے ہارن پر بھاگتے ہوے اس نے گیٹ کھولا تھا۔

ارحام نے زن سے گاڑی بھگائے اسے ہاسپٹل کے راستے پر ڈالا۔

حیدر خان نماز پڑھنے کے بعد زرمش کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ کل سے اس کا بخار نہیں اترا تھا۔

اور وہ کل سے اس کے پاس تھا۔ زرمش کی ذمہ داری اس نے فرشتے پر بھی نہیں ڈالی تھی۔ اپنی بہن کو وہ کل سے اکیلا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ وہ بھی کل ساری رات اس کا ہاتھ پکڑ کر روتی رہی تھی اس کا ہاتھ چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔

ساحر خان چھوڑ گیا۔ لالا آپ بھی چھوڑ دیں گے۔ وہ آنکھیں بند کیے بس یہی لفظ دہراتے جا رہی تھی۔

حیدر خان نے دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوتے زرمش کی طرف بڑھتے اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔

وہ بخار میں تپ رہی تھی۔لیڈی ڈاکٹر کل اسے حویلی آکر چیک کر کے گئی تھی. مگر اس کا بخار اتر ہی نہیں رہا تھا۔

حیدر خان اس کے قریب بیٹھتے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔

وہ اب سو رہی تھی۔۔ مگر اس کی پیشانی تو دھکتا تندور بنی ہوئی تھی. یکدم زرمش کے بدن کو سوتے میں بری طرح جھٹکا لگا تھا۔

حیدر خان یہ دیکھتے اس کا ہاتھ تھام گیا۔

بخار اتنا تیز تھا اسے جھٹکے لگ رہے تھے۔حیدر خان اب پریشان ہوا تھا۔

ہاسپٹل لے جانے سے حاکم خان اور رقیہ خانم نے منع کر دیا دیا تھا کہ وہ عدت میں ہے۔وہ حویلی سے باہر نہیں جاسکتی نہ ہی کسی غیر مرد کے سامنے جاسکتی ہے؟؟

حیدر خان نے ایک بار اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔۔وہ بھڑکتی گ کی طرح گرم تھی۔

لالا۔۔لالا۔۔زرمش نے جھٹکا لیتے اسے پکارا۔

حیدر خان سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھائے اس کے سر پر جلدی سے انڈیل گیا۔

زرمش کے کپکپاتے پپوٹوں نے حرکت کی تھی۔۔اس نے آنکھیں کھولتے حیدر خان کو دیکھا۔۔

لالا۔لالا!!ساحر خان چلا گیا۔!زرمش اسے دیکھتے روتے ہوے بولی۔

حیدر خان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔بیڈ پر پڑی اس کی گرم چادر اس کے وجود پر اوڑھائی۔زرمش نے نقاہت زدہ سی اپنی سرخ متورم آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھا جس نے اس کے پیروں کو پکڑے اس کے پیر بیڈ سے نیچے کیے تھے۔

اب وہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھے اس کے شوز اس کے پیروں میں پہنا رہا تھا۔زرمش کپکپاتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بیڈ سے اٹھاتے ہوے اپنے بازو کے حلقے میں لیتے دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں لے کر جا رہے ہیں لالا؟؟ میں اس حویلی سے نہیں جاؤں گی۔۔ مجھے مت نکالیں لالا یہاں سے!! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ ساحر بھی چلا گیا۔ آپ کے بغیر کیسے رہوں گی میں۔ زرمش حیدر خان کی شال مٹھیوں میں جکڑے کپکپاتے لبوں سے بولی۔۔ اسے لگ رہا تھا حیدر خان کو وہ تنگ کر رہی ہے وہ اسے حویلی سے نکال رہا ہے۔

اس دنیا میں ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ جو حیدر حاکم خان کی بہن کو اس کی حویلی سے نکال سکے۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا

اب تم اپنے لالا کے پاس ہمیشہ رہو گی۔ اب حیدر خان کی مرضی کے بغیر ہوا بھی اس کی بہن کو چھو کر گزر نہیں سکے گی۔ تمھاری طرف آنے والی ذرا سی سرد ہواؤں سے بھی ٹکرا جاؤں گا۔ حیدر خان مضبوط لہجے میں اسے اپنے سینے میں بھینچتے غرایا۔

وہ خطرناک اونچے نیچے پہاڑوں پر بھاگتے ہوئے چڑھ رہا تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ جاگنگ کر رہا تھا۔

شدید قہر برساتی سردی میں وہ بلیک ٹراوزر اور بلیک سینڈو پہنے ہوئے تھا۔ اس کا وجود پسینے سے تر تھا۔

اب وہ دو پتھر جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ وہ ان پر اپنے ہاتھ اور پاؤں جماتے پش اپس کر رہا تھا۔

گہری قہر برساتی دھند میں بھی اس کی روٹین نہیں بدلی تھی۔۔ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اس کی یہی روٹین تھی اور سوات میں بھی اس کی یہی روٹین تھی۔

پسینہ اب اس کی پیشانی سے ٹپکتے پتھر پر گر رہا تھا۔

اس کے سکس پیک چٹانی سینے پر پسینہ موتیوں کی صورت میں چمک رہا تھا۔ تقریباً بیس منٹ پش اپ کرنے کے بعد وہ سیدھا ہوا تھا۔ گہرے سانس لیتے اپنی بانہوں کو پھیلائے اپنی سبز آنکھوں کو میچتے ٹھنڈی ہواؤں کو اپنے اندر اتارا۔

دوسرے لمحے وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پہاڑوں کے خطرناک راستوں سے تیزی سے نیچے کی طرف اترنے لگا

وہ اب تیز تیز قدموں سے گھنے جنگل سے گزر رہا تھا۔ یکدم اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔

اسے اپنے گرد خطرناک جانور کی غراہٹ سنائی دی تھی۔

اس نے رکتے ہوے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

اس کے سامنے دو چیتے کھڑے تھے۔۔جو اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

اس نے ان کی آنکھوں پر فوکس کرتے اپنے قدم آہستگی سے پیچھے کی طرف بڑھائے۔اس سے پہلے وہ خونخوار جانور اس پر حملہ کرتے وہ پوری قوت سے بھاگا تھا۔

چیتے بھی اس کے پیچھے بھاگے تھے۔

وہ اپنی پوری فورس لگا کر بھاگ رہا تھا۔وہ اونچے نیچے راستوں پر چھلانگیں لگاتے ہوے بہت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔

اپنی گاڑی کے قریب پہنچتے اس نے وہاں کھڑے اپنے گارڈ سے پسٹل جھپٹی تھی۔ ایک چیتا چھلانگ لگاتے ہوے اس پر جھپٹا۔۔ اس نے اسی پسٹل سے اس پر اسی لمحے فایر کر دیا۔

وہ اسی لمحے ڈھیر ہوا تھا۔ دوسرے چیتا فایر کی آواز سنتے بدحواص ہوتا بھاگا تھا۔ اس نے پسٹل اپنی گارڈ کی طرف اچھالتے ہوے اسے آنکھ مارتے ہوے تیزی سے چیتے کے پیچھے بھاگتے ہوے اپنے ٹراوزر سے پسٹل نکالے اس پر فایر کر دیے تھے۔ وہ چیتا بھی ڈھیر پڑا تھا

وہ اب اپنی پسٹل کو چومتے ہوے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

خان صاحب!! جب آپ کے پاس پسٹل تھی آپ نے ان جنگلی جانوروں کو پہلے ہی کیوں نہیں مارا۔ کیوں انھیں میلوں دوڑایا۔ اس کے گارڈز نے تحیر زدہ لہجے. میں پوچھا۔

اریان خان کو مشکلوں سے لڑنے میں مزا آتا ہے۔۔انھیں جلدی سے مار دیتا تو مجھے مزا کیسا آتا؟؟خطروں سے نہ کھیل لوں زندگی کا کیا مزا؟؟۔سرد ہواؤں سے ٹکرانے کا تو ہی مزا ہے۔وہ آسمان کی طرف دیکھتے اپنی بانہیں پھیلائے مسکراتے ہوے بولا۔

حیدر خان زرمش کے کپکپاتے وجود کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے کمرے سے باہر نکلا۔۔زنان خانے کے لاونج میں اس وقت رقیہ خانم حاکم خان صوفوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔۔فرشتے دراب زراب کے ساتھ اپنے کمرے میں تھی۔

حیدر خان رقیہ خانم اور حاکم خان کو اگنور کیے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں لے کر جا رہے ہو اسے ؟؟ حاکم خان کی گرج پر حیدر خان کے قدم ٹھہرے تھے۔ زرمش کے کپکپاتے ہاتھوں کی گرفت حیدر خان کی شال پر مضبوط ہوئی تھی۔

حیدر خان نے زرمش کو بازو کے حلقے میں ہی لیے رخ پلٹا تھا۔

ہسپتال لے کر جا رہا ہوں بابا جان !! حیدر خان کی مضبوط آواز کے ساتھ اس کی گرفت بھی زرمش کے گرد مضبوط ہوئی تھی۔

تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ حیدر عقل گھاس چرنے چلا گیا۔ یہ عدت میں ہے تم اسے ہسپتال لے کر جا رہا. وہ بھی ایسا حلیہ میں۔ حاکم خان زرمش کو گھورتے سخت لہجے میں بولے تھے۔ زرمش کی گرم شال اس کے شانوں پر تھی۔ براون الجھے بال اس کے کمر پر بکھرے تھے۔

عدت میں کیا عورت ہسپتال نہیں جا سکتی بابا؟؟ عدت میں عورت ہے تو اس کا کیا مطلب ہے وہ اپنی جان دے دے۔ کیونکہ اس کا شوہر نہیں رہا۔ حیدر خان نے سنجیدگی سے کہتے زرمش کے سر پر نرمی سے اس کی سیاہ گرم شال اوڑھائی۔

عدت میں عورت کسی بھی غیر مرد کا سامنے نہیں جا سکتا۔ اور مرنے کا کس نے کہا ہے اس کا علاج گھر پر کرو۔ کل لیڈی ڈاکٹر آیا تھا آج بھی آ جائے گا۔ یہ کہیں نہیں جائے گا حاکم خان کا لہجہ برفیلا اور مزید سخت ہوا تھا۔۔

حاکم خان کی برفیلی سرد آواز پر زرمش کا بدن کپکپا اٹھا تھا۔

یہی تو کہہ رہا ہوں بابا جان!! کل لیڈی ڈاکٹر آئی تھی اسے آرام نہیں آیا ۔ آج اس کی طبعیت پر میں رسک کیوں لوں؟؟

جب میرے پاس آپشن موجود ہے اسے ہسپتال لے جانے کا۔ میں اس کی عدت کو وجہ کیوں بناؤں آخر؟؟ حیدر خان نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

کیونکہ ہمارا مذہب ایسا کہتا!! عورت کسی صورت میں عدت میں باہر نہیں جا سکتا۔ حاکم خان گرجدار آواز میں بولے۔

عورت عدت میں باہر نہیں جا سکتی یہ ٹھیک ہے۔ مگر "کسی صورت" میں کہیں نہیں آیا بابا جان!! ہمارا دین اتنا سخت نہیں جتنا ہم سب بنا چکے ہیں۔ حیدر خان کی اب سرد آواز حویلی کے در و دیوار سے ٹکرائی تھی۔

تم ہم کو مذہب سکھائے گا۔ ہمارا مذہب کا خلاف جائے گا۔

حاکم خان سرخ چہرے کے ساتھ غیض و غضب سے دھاڑے تھے

بابا جان!! میں کون ہوتا ہوں مذہب سکھانے والا؟؟ دین اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے پیغمبر ﷺ سکھا گئے۔ جس نے بیٹی کی قدر و قیمت بتائی۔ عورت کی قدر و قیمت بتائی۔ عورت کے معاملے رب سے ڈرنے کو کہا بابا جان!! وہ عورت بیٹی بیوی ماں بھی ہو سکتی ہے۔

کبھی اپنی بیٹی کے معاملے میں اب رب سے ڈرے بابا جان؟؟۔ حیدر خان نے حاکم خان کے طیش والم سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے سوال داغے۔

تم۔۔ ہم۔۔ پر انگلی اٹھا رہا ہے۔۔ ہم پر!! جس نے تم کو پیدا کیا!

اور کیا اس کا معاملے میں ہم ڈرے رب سے؟؟ اس کو پڑھایا لکھایا ہے اس کو ڈاکٹر بنایا۔ اس کا ہر ضرورت پورا کیا اور کیا کرے ہم؟ حاکم خان غصے سے پھنکارے تھے۔

اگر آپ نے مجھے پیدا کیا ہے تو میرے رب نے آپ کو پیدا کیا۔ جب آپ رب کے احکامات کو جھٹلائیں گے۔ مجھ سے تابعداری کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں آپ پھر؟؟

اور آپ کو زرمش کے معاملے میں رب سے ڈرنا چاہیے بابا جان!! اس کی ہر ضرورت آپ نے نہیں آپ کے پیسے نے کیا۔ اور ڈاکٹر بنانے کی بات کرتے ہیں آپ؟؟۔ اس گاؤں کی کتنی بچیوں کو ڈاکٹر بنانے کے لیے میں نے پیسا فراہم کیا ہے بابا جان۔ میں نے دیا پیسا!! حیدر خان نے طیش والم سے سرخ چہرے کے ساتھ اپنی چوڑی چھاتی پر اپنی آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے مارا۔

لالا۔۔ زرمش نے ڈرتے ہوئے اسے پکارا۔ حیدر خان کی رنگت میں سرخیاں گھل چکی تھیں۔ تیکھے اونچے نقوش تنے ہوئے تھے۔۔ وہ حیدر خان کے غصے سے خوفزدہ ہوتے اسے پکار بیٹھی۔۔ اسکی مینٹلی کنڈیشن بہت

خراب تھی۔اس وقت اسے صرف حیدر خان چاہیے تھا۔اس سے خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ اس میں سمارہی تھی۔

حیدر خان نے اس کا ڈرنا محسوس کرتے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو کی گرفت مزید مضبوط کی۔اس کے بالوں پر نرمی سے اپنے لب رکھے۔رقیہ خانم نے شرربار گاہوں سے زرمش کو گھوراجوان کے بیٹے پر اپنا حق جتارہی تھی۔وہ تو حیدر خان کے سینے میں ہی سمانے کی کوشش کررہی تھی۔کہاں دیکھا تھا اسے پہلے حیدر خان کے قریب۔۔

زرمش کے علاوہ بھی بہت سی لڑکیاں آپ کے پیسے کے بل بوتے پر ڈاکٹر بنیں۔

کیا فرق ہے ان لڑکیوں اور آپ کی بیٹی میں بتاسکتے ہیں آپ مجھے ؟؟

نہیں ضرورت تھی اسے آپ کے پیسے کی!!اسے ضرورت تھی آپ کی محبت کی آپ کے وقت کی۔۔

اور مذہب سکھا رہے تھے مجھے۔میں بتاتا ہوں ہمارا مذہب کیا ہے؟!

۔ہمارے پیغمبر ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ عنہؓ کے احترام میں انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے۔۔اپنی جگہ چھوڑ کر انھیں بوسہ دیتے تھے۔ان کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی۔اتنی محبت اتنا احترام دو جہانوں کے سردار نے اپنی بیٹی کو دی۔دین اسلام پر چلنا تھا تو ایسے چلتے بابا جان!!مجھے پتہ چلتا حیدر حاکم خان مسلمان نہیں مومن بھی ہے۔حیدر خان کی بات حاکم خان کا چہرہ زلزلوں کی زد میں آیا تھا

کیا کہہ رہا ہے تم ہم مسلمان نہیں ہے۔حاکم خان کی دھاڑ سے حویلی کے در و دیوار لرزے تھے۔۔

زرمش لرزتے ہوے حیدر خان کے سینے میں سمائی۔ وہ پھر سے اس کے گرد اپنی گرفت مظبوط کر گیا تھا۔ حیدر خان بھی اپنی بہن کو لے کر انسکیور ہو چکا تھان

آپ مسلمان ہیں بابا جان!! بہت سارے مسلمانوں کی طرح صرف مسلمان!! مگر مومن نہیں۔

مسلمان رب کو مانتا ہے اور مومن رب کی مانتا ہے۔ یہی فرق ہے بابا جان!! ہم سب آج اپنے رب کو تو مانتے ہیں مگر اس کی نہیں مانتے۔۔ حیدر خان استھزائیہ انداز میں کرب سے مسکرایا تھا۔

وہ بھی تو یہی کرتا آیا تھا۔ اپنے مذہب کو سمجھا ہی نہیں تھا۔ اپنے ہی رشتوں کو اس نے کتنی تکلیف دی۔ اپنی بہن کی حالت کی ذمہ دار وہ خود کو سمجھ رہا

تھا۔وہ تو کمزور تھی نا سمجھ تھی۔ پھر وہ کیسے اسے تنہا چھوڑ سکتا تھا؟؟اس کے لیے گئے ایک فیصلے کی وجہ سے وہ بھی اس سے تقریباً قطع تعلق ہو چکا تھا۔

ہم کو مذہب سکھا رہے ہو وہ بھی اس بیٹی کا واسطہ !!جس نے اپنا مرضی کیا ۔پورے جرگے کے سامنے آکر اپنا رخصتی خود کروایا تھا۔ ہمارا عزت ختم کر دیا۔ ہم کیا اس کا احترام کرے محبت کرے ؟؟۔ ایسا تھوڑی ہوتی ہیں بیٹیاں۔ حاکم خان غصے سے کف اڑاتے ہوے بولے۔۔

حیدر خان ان کے مقابل زرمش کی وجہ سے کھڑا تھا۔ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

بابا جان !!اگر ہماری بیٹی ہماری عورتوں سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہمیں انھیں معاف کر کے ان کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔ یہی ایک مرد کا ظرف اور یہی ہمارا دین اسلام کہتا ہے۔

جس طرح ہم مرد غلطی کر کے عورت سے ایکسپیکٹ کرتے ہیں وہ در گزر کرتے ہمیں معاف کر دے۔ جس طرح آپ کی دوسری شادی کے گناہ کو مورے نے معاف کیا تھا۔

حیدر خان نے حاکم خان کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

دوسرا شادی کرنا ہمارا گناہ کیسا ہو گیا؟؟ حق تھا ہمارا۔ حاکم خان غصے سے طیش والم میں پھنکارے۔

گناہ نہیں تھا بابا جان!! مگر آپ نے بنا دیا۔ اگر دوسری شادی گناہ نہیں تھا تو کیوں مورے سے چھپایا؟؟ کیوں مورے سے چھپ کر اپنی دوسری بیوی سے راتوں کو اس حویلی میں ملتے رہے؟؟۔ کیوں انھیں نوکرانی بنا کر رکھا؟؟ ڈٹ کر کھڑے کیوں نہیں ہوے مورے کے سامنے؟؟۔ ان کے مرنے کے بعد زرمش کو مورے کی گود میں ڈال کر اپنی دوسری شادی کا

اقرار کیا۔ مگر مورے زرمش کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں ؟؟۔ کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔۔اور خود بھی کبھی پلٹ کر زرمش کو نہیں پوچھا۔۔حیدر خان غصے سوال داغتے حیدر حاکم خان کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

زرمش حیدر خان کے سینے میں منہ چھپائے شدت سے سسک پڑی تھی ۔بھلا پہلے کسی نے کب اس کے لیے آواز اٹھائی تھی۔یہ تو اس کے دل میں پنپتے سوال تھے۔جو وہ حاکم خان سے کرنے کی خواشمند تھی۔ہر روز رات کو تکیہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا جب وہ خیالوں میں حاکم خان سے سوالات کرتی تھی۔۔

کیا سلوک کیا ہم نے حیدر خان اس کے ساتھ ؟؟اپنا باپ پر تم الزام دھر رہا ہے۔اب اپنا ماں کو بھی کٹھہرے میں لا کھڑا کیا۔اپنا سوتن کی بیٹی کو پالا اس

کو سینے سے لگایا۔ اور آج ہمارا بیٹا ہم پر آواز اٹھا رہا۔ رقیہ خانم نے حیدر خان کے مقابل آتے حیدر خان کے سینے کے ساتھ لگے کپکپاتے وجود کو گھورا تھا۔

مورے!! جس طرح کا سلوک آپ زرمش کے ساتھ کرتی رہی ہیں۔ پوری حویلی جانتی ہیں۔ کیا پالا آپ نے اسے؟؟ ایک دن اسے اپنے ساتھ نہیں سلایا اسے۔ حویلی کی ملازمہ کے حوالے کر دیا۔ دو دن کی تھی اسے ملازمہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اور ملازمہ جو اس کے ساتھ سلوک کرتی تھی۔ آپ سب تو بے خبر تھے۔۔ گھنٹوں بھوکا رکھتی تھی اسے۔ جب میں اس سے استفسار کرتا تو وہ مجھے دھمکی دیتی میں تمھاری مورے کو بتا دوں گی تم زرمش کے قریب آئے۔۔

اتنا ڈر خوف تھا آپ کا۔۔ میں اسے روتا بلکتا دیکھ کر الٹے قدموں واپس پلٹ آتا۔۔ کیسا روپ تھا مورے آپ کا؟! اور میں پھر بھی آپ کے اس روپ

سے محبت کرتا۔۔ کیونکہ مورے تھی آپ؟؟ یہی سکھایا آپ نے۔ حیدر حاکم خان کی زندگی کا مقصد صرف اپنی مورے سے محبت کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ حیدر خان ایک ایک لفظ چباتے خود پر استھزائیہ ہنسا تھا۔

رقیہ خانم گہرے سانس لیتے زرمش پر شعلہ بار نفرت امیز نگاہیں گاڑھے ہوے تھیں۔ جس کی وجہ سے حیدر خان ایسے بات کر رہا تھا۔ ایسے تو فرشتے کی وجہ سے بھی بات نہیں کی تھی۔

مجھے اس کے قریب جانے نہیں دیا کبھی۔۔ حیدر خان کے لہجے میں اب کرب تھا۔ ساتھ میں وہ زرمش کے کپکپاتے وجود کو مزید اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

وہ رقیہ خانم کو دیکھتے بری طرح کانپنے لگی تھی۔ وہ آنکھیں میچے اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

آپ کو پتہ ہے مورے!!زرمش سے بہت محبت کرتا تھا۔اس کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا ہو کر گھنٹوں اسے دیکھتا تھا۔اس کے گال اس کے بال بہت اچھے لگتے تھے۔۔ایک گڑیا کی طرح لگتی تھی مجھے۔جب اپنے دوستوں کو ان کی بہنوں کے ساتھ پیار کرتا دیکھتا تو تڑپ اٹھتا تھا۔وہ اپنی بہنوں کو سکول لینے جاتے۔چھوڑنے جاتے۔۔مگر آپ نے اسے سکول بھی بہت دور داخل کروایا تھا۔کہیں کالج سے آتے ہوے میں اسے سکول لینے نہ چلا جاؤں۔کتنا تڑپتا رہا اپنی بہن کے لیے مگر آپ نے مجھے اس کے قریب نہیں جانے دیا۔آپ کے سونے کے بعد اس کے کمرے میں جاتا تھا۔یہ میرا انتظار کرتے کرتے کمرے کے دروازے پر ٹھنڈی زمین پر سکڑی سی سو جاتی تھی۔۔کہیں میں آکر پلٹ نہ جاؤں۔وہیں بیٹھی انتظار کرتی رہتی تھی

۔سوچا اس انتظار میں اس کے معصوم دل پر کیا گزرتی ہو گی۔حیدر خان کی آنکھ سے آنسو گرتے اس کی ہلکی گھنی بئیرڈ کو بھگو رہے تھے۔

وہ سارے پل نظروں کے سامنے آئے تھے۔جب وہ آتے جاتے اسے آس بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ دو گھڑی وقت بتا لے۔۔وہ رقیہ خانم کی وجہ سے اس سے نظریں چرائے گزر جاتا تھا۔

میں دس منٹ بھی اپنی بہن کے پاس نہیں ٹھہرتا تھا۔آپ کا ڈر ہوتا تھا میری مورے کو پتہ چلے گا اسے دکھ ہو گا۔آپ کو دکھ نہ دینے کے چکر میں بہت سے رشتوں کو دکھ دے بیٹھا۔مورے بہت ظلم کیا آپ نے مجھ پر۔۔ حیدر خان نے اپنی بھیگی آنکھیں اپنے بازو سے مسلیں۔

اچھا کیا اس کا قریب نہیں جانے دیا تم کو۔جس طرح اس کا ماں نے اپنا خوبصورتی کا چکر میں ہمارا شوہر کو پھنسایا۔اس طرح یہ تم کو ہمدردی کا آڑ میں

پھنسا رہا ہے۔ اور یہ بھی تو اپنا ماں کی طرح نکلا۔ جس نے تمھارا باپ کی خاطر اپنا گھر والوں کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ بھی نہ دیکھا وہ شادی شدہ اور ایک بیٹے کا باپ ہے۔ اس طرح اس نے ساحر خان کے واسطے تمھارا بابا کو چھوڑ دیا۔ ایسا عورتیں ہمدردی کا لائق نہیں ہوتا۔ جو کسی بھر مرد کے پیچھے چلا جائے ۔۔ رقیہ خانم غصے سے چیخیں۔۔

اس کی ماں نے اپنے ماں باپ کو حاکم خان سے نکاح کرنے کے لیے چھوڑا تھا۔ زرمش نے اپنے شوہر کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا۔ جس کا نکاح اس کے باپ نے اپنی مرضی سے کروایا تھا۔ بہت فرق ہے میری زرمش اور اس کی مورے میں۔ حیدر خان غصے سے بلند آواز میں چیخا۔۔ زرمش اس کی شال جکڑے بری طرح رونا شروع ہو گئی تھی۔۔ اس کی سسکیاں پوری حویلی میں گونج رہی تھیں۔

رقیہ خانم نے حیرت سے ڈبڈبائی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھا۔ اس کی بلند چیخ پر ان کے وجود میں بھی کپکپاہٹ اٹھی تھی۔

آیندہ میری بہن کو ایسی ویسی عورت نہیں بولیں گی۔۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کی ڈبڈبائی آنکھوں میں اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں گاڑھے انگشت شہادت اٹھائے وارن کیا۔

تم اپنی مورے سے ایسے بات کرے گا۔ وہ بھی اس کا واسطہ۔۔ رقیہ خانم کی آواز کپکپائی تھی۔

جب جب آپ میرے کسی رشتے کو تکلیف دیں گی ایسے ہی بات کروں گا۔ میری بیوی میری بہن کو جب جب تکلیف دیں گی ایسے ہی۔۔۔ ایسے ہی مورے۔۔۔ حیدر خان نے انگشت شہادت اٹھائے گہرا سانس لیا۔ آنکھیں ضبط سے سرخ تھیں۔

بیوی کے لیے نہیں بول سکا۔۔شاید وہ کسی اور کی بیٹی ہے اس کا غم ویسا محسوس نہیں ہوا۔ مگر یہ میری بیٹی ہے۔اس کے غم سے میرا دل پھٹ چکا ہے مورے!!میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔۔ٹوٹ چکا ہوں۔اور ٹوٹا انسان کیا کرے وہ بھی نہیں جانتا۔۔ آیندہ میری بہن کو تکلیف نہ پہنچایئے گا۔حیدر خان نے زرمش کو خود میں بھینچتے اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے تھے۔

حاکم خان حیدر خان کو دیکھتے ظبط سے مٹھیاں بھینچ گئے تھے۔

حیدر جو بھی ہو!!یہ باہر نہیں جا سکتا عدت میں ہے۔۔گھر ڈاکٹر کو بلوالو۔پورا ہسپتال یہاں بلوالو۔یہ کسی مرد کے سامنے نہیں جائے گا۔حاکم خان حیدر خان کے مقابل آتے حکمیہ مگر اپنے لہجے کی سختی پر قابو پائے بولے۔ایک ہی بیٹا تھا اور حیدر خان میں ان کی جان بستی تھی۔۔زرمش کی وجہ سے وہ

اپنے بیٹے کو نہیں کھو سکتے تھے۔ خود سے بد گمان نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے اصولوں سے پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ عدت میں وہ زرمش کو کسی صورت باہر قدم نہیں رکھنے دے سکتے تھے۔

یہ جائے گی بابا!! میں اسے لے کر جاؤں گا۔۔ حیدر حاکم خان نام ہے میرا!! جو ایک رشتے کے لیے خود کو اذیتوں کی انتہا پر لا کھڑا کر سکتا ہے۔ سوچیں وہ اپنے ہر رشتے کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ سن لیں آپ سب!! جہاں مجھے زرمش ہے وہاں مجھے دراب زراب بھی نہیں۔ حیدر خان حاکم خان

کی آنکھوں میں گاڑھے سرد لہجے میں کہتے زرمش کو اپنے حصار میں لیے حویلی کا داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔

درخزئی خانزادہ کی پولیس جیپ حویلی سے کافی پیچھے آکر رکی تھی۔ جیپ میں موجود ڈیوٹی پر موجود پولیس اہلکار پیچھے بندوقیں پکڑے بیٹھے تھے۔ وہ اس وقت ڈیوٹی پر تھا اور یونیفارم میں ملبوس تھا۔

عنائیہ کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اس کے لیے چاکلیٹس کیک براوینز اور گلاب کے پھول لایا تھا۔ اسے نہیں پتہ تھا ایسی کنڈیشن میں کتنی دیر موڈز سونگ رہتا یا پھر cramps رہنے تھے۔ مگر وہ آج پھر اپنی کم عمر مس امریکہ کے لیے یہ سب چیزیں لایا تھا جس کے لیے وہ اس دن روتے ہوے منہ بسور رہی تھی۔۔

آج یہ ساری چیزیں درخشاں کے ہاتھ اس کے کمرے میں بجھوانے کا آرادہ تھا۔ ڈوٹی سے بہت مشکل سے اس نے وقت نکالا تھا۔ وہ پیکٹ پکڑتے جیپ سے نکلا ہی تھا کہ اس کے فون پر رنگنگ ہوئی۔

فون پر ملنے والی خبر پر اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

مضبوط ہاتھوں کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔ہاتھ میں موجود وہ پیکٹ چھوٹ کر زمین پر گرا تھا۔ جس میں سے کیک براونیز چاکلیٹس پھول زمین بوس ہوے تھے۔

وہ طیش واشتعال سے جیپ کی طرف بڑھا۔اس میں موجود اپنے اہلکار کو گریبان سے جکڑتے باہر نکالتے اسے زمین پر پٹخا۔باقی اہلکار بھی الرٹ خوفزدہ ہوتے جیپ سے اترے تھے۔ درخزئی خانزادہ کے غصے سے سب واقف تھے۔اس کا دماغ اگر ماؤف ہو جائے وہ پھر کسی کی نہیں سنتا تھا چاہے اگلے بندے کی جان چلی جائے۔

 درخزئی خانزادہ نے آگے بڑھتے اسے گریبان سے جکڑتے ہوے ہوے اس کے گال پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔

وہ گریبان سے پکڑے اسے تھپڑ پر تھپڑ مارے جا رہا تھا۔ باقی اہلکار اس کے سامنے نظریں جھکائے کھڑے تھے۔

سمندر خان!! کیا بولا تھا میں نے تمھیں کہ اگر اس عورت کی عصمت دری میں تم ملوث ہوے میں تمھاری جان لے لوں گا۔ درخزئی خانزادہ اسے گریبان سے پکڑے طیش والم سے دھاڑا

سر۔۔ ہم۔۔۔ نے۔۔۔ نہیں کیا۔ ہم۔۔۔ سچ۔۔ کہہ۔۔ رہا۔۔ ہے۔ وہ کپکاتے لبوں سے بمشکل بولا۔ درخزئی کے تھپڑ اس کے عارض سے خون نکال چکے تھے۔

تمھیں کیا لگتا ہے تم نے کہا اور میں نے یقین کر لیا تھا کہ اس لڑکی کی عصمت دری میں تم ملوث نہیں۔ اپنے رسورسز سے میں تمھارے خلاف ثبوت اکٹھے کر رہا تھا۔ آج کنفرم ہو چکا ہے تم نے اس لڑکی کے گھر جا کر اس کی

عصمت دری کی۔ اپنے وردی کا ناجایضئز فائدہ اٹھایا۔ اس کے بوڑھے غریب ماں باپ کو دھمکی دی کہ تمھارا نام نہ آئے ورنہ تم اس کی بیٹی کو جان سے مار کر ان پر ہی کیس بنا دو گے۔ درخزئی خانزادہ اس کے جبڑے پر پنچ مارتے طیش اوالم سے گرجا۔

ہم نے نہیں کیا سر ہم سچ کہہ رہا۔ وہ ہاتھ جوڑتے ہوے گڑگڑایا۔ اگر وہ اپنا گناہ مان لیتا تو درخزئی اسے سچ میں مار ڈالتا۔

اے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے۔ دماغ سے پیدل ہوں میں کیا؟؟ درخزئی خانزادہ نام ہے میرا۔ مجرم کے منہ سے سچ نکلوانے کے لیے مجھے نہ ڈنڈے کی ضرورت پڑتی ہے۔

نہ مجھے

lie detecter machine"

"کی ضرورت پڑتی ہے۔۔میں تمھاری آنکھوں میں اسی دن تمھاری کمینگی دیکھ چکا تھا۔ جس دن اس لڑکی کا باپ ایف آئی آر لکھوانے آیا تھا۔وہ تمھیں وہاں دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ مگر میں خاموش رہا۔

سوچا پولیس لاین میں اتنے کمینے حر۔۔ا۔۔۔می کیسے ہو سکتے ہیں؟؟۔ بھول گیا تھا حرام کی پیداوار ہر جگہ ہوتے ہیں۔ درخزئی خانزادہ نے اس کے چہرے پر مکہ مارتے ہوئے اسے دھکا دیا۔وہ زمین پر سر کے بل جا گرا تھا۔

حر۔۔۔ا۔۔۔می ذل۔۔یل۔۔اس وردی کی لاج بھی نہیں رکھی۔تو نے اس لڑکی کی عصمت دری نہیں کی اس وردی کی بھی عصمت دری کی۔۔ تجھ جیسے حرا۔۔م۔۔۔ی. کو نہیں چھوڑوں گا۔اس وردی کی عصمت دری کی جس میں میری جان بستی ہے۔ درخزئی خانزادہ نے چیختے ہوئے اس کے منہ

پر پوری قوت سے اپنا بھاری بوٹ والا پاؤں مارا۔ وہ درد سے چیختے ہوے بلبلا اٹھا تھا۔ اس کی چیخیں پہاڑوں سے ٹکراتی بلند ہو رہی تھی۔

عنایہ جو گیٹ سے نکلے ٹیکسی سٹینڈ کی طرف جا رہی تھی وہ درخزئی کی دھاڑ اور اس کے اہلکار کی دردناک چیخیں سنتے کانپ اٹھی تھی۔

اس سے پہلے درخزئی کی اس پر نظر پڑتی وہ درخزئی خانزادہ سے چھپتے ہوے گھنے درخت کی آڑ میں ہو گئی۔

سالے۔۔ک۔ت۔ے۔کم۔ین۔ے۔ حرا۔۔م۔ی۔۔ تو نے درخزئی خانزادہ کو دھوکہ دیا۔ تو نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ میں تیری جان لے لوں گا۔ درخزئی خانزادہ کی شیر سی غراہٹ پہاڑوں پر گونج رہی تھی۔

عنائیہ کے کپکاتے ہاتھ کی گرفت اس کے پرس پر مضبوط ہوئی تھی۔

عنائیہ نے درخت کی آڑ سے درخزئی کو دیکھا جو وردی میں ملبوس اہکار کے چہرے پر بے رحمی سے اپنا بوٹ والا پاؤں مار رہا تھا۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ خون چھلکا رہا تھا۔

سفید گردن کی نیلی رگیں تک ظاہر ہو رہی تھیں۔

اہلکار کے چہرے سے درخزئی کے تشدد سے خون رس رہا تھا۔ وہ اہلکار مسلسل ہاتھ جوڑے معافیاں مانگ رہا تھا۔ عنائیہ بھیگی آنکھوں سے خوفزدہ نگاہوں سے درخزئی کا یہ وحشیانہ روپ دیکھ رہی تھی۔ پاکستانی پولیس والا ایسا ہوتا ہے۔ اتنا وحشی اتنا جابر۔۔ وہ حیران تھی۔ اس نے کبھی کسی مرد کو ایسے کسی کو مارتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ کانپتے ہوئے اس اہلکار کی درگت بنتا دیکھ رہی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ اسے صرف جھوٹ بولنے پر مار رہا تھا۔ جھوٹ !!وہ کانپتے ہوئے اپنے پرس پر گرفت مزید مظبوط کر گئی۔

معاف کر دوں تجھے ؟؟ تجھ جیسے حر۔۔ا۔۔م۔۔۔.

کے۔۔۔پ۔۔۔ل۔۔۔ے۔۔کو۔۔ درخزئی خانزادہ اس کے چہرے پر بوٹ مارتا دھاڑا۔

اس کی دھاڑ پر عنائیہ جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے درخزئی کو دیکھ رہی تھی۔ اس ایس پی کا یہ روپ ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔ اس کے لبوں سے گالیاں سنتے بھی وہ حیران تھی وہ اتنی گندی گالیاں دیتا تھا اسے سچ میں اندازہ نہ تھا۔

اے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ درخزئی نے چیختے ہوے اس اہلکار کے منہ پر اپنا پاؤں مارا تو عنائیہ کو اس اہلکار کی چیخوں کے ساتھ اپنی سانسیں سینے میں دبتی محسوس ہوئی تھی۔

ہم کو معاف کر دو۔ ہمارا بیوی ایک چھوٹا سا بچی ہے۔ وہ ہاتھ جوڑتے بمشکل بولتے ہوے گڑ گڑایا تھا۔

اس کی بات پر درخزئی خانزادہ کا قہقہ بلند ہوا تھا۔ باقی اہلکار خاموشی سے قریب کھڑے نظریں جھکائے ہوے تھے۔ کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی آگے بڑھنے کی۔۔ درخزئی قہقے پر قہقے لگا رہا تھا۔ اتنے خطرناک قہقے بھی اس نے پہلی بار سنے تھے۔۔ عنائیہ کو لگا تھا وہ کچھ دیر اور ایسے قہقے لگا تا رہا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

اس خ۔ن۔۔۔۔۔۔ز۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے لطیفہ سنایا ہے۔ہنس کیوں نہیں رہے تم لوگ۔ درخزئی پاس کھڑے اہلکاروں کو دیکھتے سرد انداز میں پھنکارا تھا۔

اہلکار اسے دیکھتے ابھی بھی خاموش تھے۔اسے کب کس بات پر غصہ آجائے کوئی نہیں جانتا تھا۔ہو سکتا ہے ان کے ہنسنے پر اسے غصہ آجائے۔۔وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں سنکی سر پھرے خان سے مشہور تھا۔کرائم کسی بھی قسم کا ہو وہ ایسے ہی آوٹ اف کنٹرول ہو جاتا تھا۔اور یہ تو ایک لڑکی کی عصمت دری تھی۔جو درخزئی خانزادہ کو پاگل کرنے کے لیے کافی تھی۔

ہنسو سب۔۔۔وہ حلق کے بل دھاڑا۔۔اہلکار اسی وقت ہنسنے لگے تھے۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھے سر نفی میں ہلا گئی تھی وہ پاگل بھی تھا یہ بھی اسے آج پتہ چلا تھا۔

یہ اس صدی کا سب سے بڑا جوک ہے کہ اس جیسے

حرا۔۔۔م۔۔۔ی۔۔۔کی بیوی اور بیٹی ہے۔ جس کی بیوی اور بیٹی ہو وہ کیا

ایسا کام کرے گا۔ درخزئی خانزادہ نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے اپنے

سامنے کھڑے اہلکار کو دیکھتے ہوے آئی برو اچکائے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے

پوچھا۔

اہکاروں نے فوراً میکانکی انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔

سر ہم سچ کہہ رہا ہے ہمارا بیوی بیٹی ہے۔ اللہ کا واسطہ ہم کو چھوڑ دو۔ اہلکار چیختے

ہوے گڑگڑایا تھا۔

چھوڑ دوں گا تجھے تیری بیوی اور بیٹی کے واسطے ہی چھوڑوں گا۔ مگر وہ حال کر

کے چھوڑوں گا تو اور بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ درخزئی نے

اپنی پسٹل اپنی بیلٹ سے نکالتے ہوے اس کی ٹانگوں کے بیچ فائر کر دیا۔

اس اہلکار کی چیخ کے ساتھ عنائیہ کی چیخ بھی بلند ہوئی تھی۔۔وہ اپنے لبوں پر سختی سے ہاتھ جما گئی۔۔

درخزئی خانزادہ نے حیرانگی سے نسوانی چیخ سنتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔عنائیہ جلدی سے درخت کی اوٹ کے پیچھے ہو گئی۔۔وہ اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔درخزئی خانزادہ اس کی چیخ سن چکا تھا۔

اس کو اٹھاؤ اور ہیڈ کوارٹر فون کر کے کہنا کہ راستے میں جیپ پر حملہ ہوا اور کانسٹیبل سمندر خان کو گولی لگ گئی۔اور یہ نامرد ہو گیا ہے۔اور اس کا ٹرمینیشن لیٹر میں خود بناؤں گا جس میں بڑا بڑا لکھوں گا سمندر خان نامرد ہو چکا ہے اور نامردوں کی ہمارے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ضرورت نہیں ہے۔درخزئی خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے نسوانی چیخ کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھا۔

درخزئی کے قدموں کی چاپ سنتے ہوے عنائیہ نے خود کی طرف نگاہ ڈالی وہ بلو ٹایٹ جینز اس پر ریڈ بٹنوں والی کمر تک آتی شرٹ پر بلیک شارٹ جیکٹ پہنے ہوے تھی۔ جو بمشکل ہی کمر سے بھی اوپر تھی۔

!!یہ چادر مت سرکنے دینا!!جان!!پٹھانوں کا خون ہے بس یہاں آکر کھولتا ہے۔۔ یہاں مت ستانا باقی ساری باتیں سہہ لوں گا!!

درخزئی کے لفظ یاد آئے تو وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔ دوسرے پل عنائیہ نے حویلی کے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔۔

عنائیہ!!درخزئی نے بے یقینی سے عنائیہ کا نام زیر لب لیتے اسے دیکھا جو پوری قوت سے گیٹ کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔۔

اسے ایسے بھاگتے دیکھ کر وہ پریشان ہوا تھا۔ درخزئی نے پیچھے مڑتے ہوے دیکھا اس کے اہلکار عنائیہ کو ہی پاگلوں کی ایسے طرح بھاگتے ہوے دیکھ رہے تھے۔ درخزئی کے گھورنے پر وہ فوراً نظریں جھکا گئے تھے۔۔

درحزئی لب بھینچے عنائیہ کی طرف بڑھا۔ عنائیہ نے رکتے ہوے پیچھے مڑ کر دیکھات درخزئی کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر وہ مزید اپنی قوت لگا کر بھاگی تھی

عنائیہ !!درخزئی اسے پکارتا اس کی طرف تیز قدموں سے بڑھا۔

گیٹ کھولو گل خان !!وہ اب گیٹ کھٹکٹاتے ہوے چیخ رہی تھی۔

اس کے چیخنے پر درخزئی کے بھاری قدم رکے تھے۔

گیٹ کھولو گل خان۔۔وہ پاگلوں کی طرح گیٹ کھٹکٹاتے ہوے ایک بار پھر سے حلق کے بل چیخی تو درخزئی طیش و اشتعال سے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

اب جو بھی کرنا تھا اپنی بیوی کے ساتھ اندر چل کر کرنا تھا۔ وہ بہت برے حلیے میں کھڑی چیخیں مار رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے ہوئے کن اکھیوں سے اپنے اہلکاروں کی طرف دیکھا۔ اسے پورا یقین تھا وہ لوگ اب مر جائیں گے مگر عنائیہ کی طرف نہیں دیکھیں گے۔ اس کی ایک گھوری ان کے لیے کافی تھی۔ مگر خانزادہ خون جوش مارنے لگا تھا۔ عنائیہ کو اس طرح کے حلیے اور اس کی مضحکہ خیز حرکتیں دیکھ کر۔۔ اس پر کسی کی نظر پڑے کہاں گوارا تھا۔

اس کا بس اب گیٹ پر چڑھ کر اندر کی طرف چھلانگ مارنا باقی رہ گیا تھا۔ وہ تقریباً گیٹ سے چپکی ہوئی تھی۔

اپنی حرکتوں سے پریذے لگ رہی تھی۔ مگر حلیے سے وہ بیس بائس سال کی لڑکی کو بھی مات دے رہی تھی۔ درخزئی نے جبڑے بھینچتے عنائیہ کو دیکھا جو بے حد ٹایٹ جینز اور ٹایٹ شرٹ میں کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی گیٹ پر کھڑی تھی۔ ایسا حلیہ سوات میں۔ وہ بھی خانزادہ حویلی کے گیٹ پر۔۔۔ وہ بھی درخزئی خانزادہ ایک ایس پی کی بیوی کا۔۔۔ درخزئی اپنی گردن رب کرتے اپنے سیاہ شوز پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ مقابل کا جس طرح کا حلیہ تھا وہ مزید نہیں دیکھ سکا تھا۔

گل خان کے گیٹ کھولنے پر وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تو درخزئی بھی بھاری قدموں سے تیزی سی اندر داخل ہوا۔

درخزئی کو اپنے پیچھے آتے دیکھتے عنائیہ نے حویلی کے پچھلے لان کی طرف دوڑ لگادی تھی۔

درخزئی خانزادہ غصے سے دانت پیستے ہوے اس کی طرف اب بھاگا تھا۔ عنائیہ کے بھاگنے میں اور رفتاری آئی تھی۔

یکدم وہ حویلی کے پچھلے لان میں برف کی چادر میں منہ کے بل گری تھی۔

درخزئی تاسف سے سر ہلاتا اس کی طرف بڑھا۔ جو اسے دیکھتے برف پر گھسٹتے ہوے اب پیچھے کے جانب بڑھی۔ ہاتھ میں موجود پرس پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

درخزئی آہستگی سے قدم بڑھاتے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کے قریب بیٹھا۔ اس کے چہرے بالوں پر پر برف لگ چکی تھی۔۔ گھینزی پلکوں پر تک برف لگی تھی۔ وہ سفید تھیں۔

ایس پی میں وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ پیچھے کی طرف ہوتے درخزئی کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

کیا ایس پی ہاں؟!بولو کیا تم؟؟یوں پاگلوں کی طرح کیوں بھاگ رہی تھی؟؟۔درخزئی نے عنائیہ کو دیکھتے آئی بروا چکاتے اس کے حسین نشیب و فراز پر قہر آلود نگاہ ڈالی۔ریڈ شرٹ کے اگلے دو بٹن کھل گئے تھے۔جس کی وجہ سے نظر دور دور تک جا رہی تھی۔۔

سالا کمینہ!!بہن کہتا ہے میری بیوی کو۔اتنی صبح صبح وہ اس طرح کی ڈریسنگ میں حویلی سے نکل گئی اسے پتہ ہی نہیں چلا۔۔سو رہا ہو گا اپنی بیوی کی آغوش میں۔پھر کہتا ہے دو سال بعد اپنی شکل دکھائی۔۔دو سال بعد اپنی شکل دکھاؤں گا تو بیوی کی شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی۔وہ عنائیہ کے گہرے گلے سے نظر آتی رعنائیوں کو گھورتے ہوے

وہ اپنی مٹھی سختی سے بھینچ گیا تھا۔ درخزئی خانزادہ کی نظروں کی تپش اور اس کی بند مٹھی کی کڑکڑاہٹ سنتے عنائیہ نے خوف سے آنکھیں جھپکائیں۔

بند کر دیتی ہوں ایس پی۔۔ عنائیہ اس کی طرف دیکھتے کپکپاتے لبوں سے کہتے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن بند کرنے لگی۔ ایک ہاتھ میں موجود ریڈ سوفٹ سا کلچ اس نے نہیں چھوڑا تھا۔

درخزئی نے اس کے چہرے پر گری برف اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا وہ اپنا کلچ پیچھے کرتے ہوئے پیچھے کی طرف گھسٹتے وہ پرس اپنی بیک کے پیچھے کر چکی تھی۔

درخزئی نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنی پچھلی گردن رب کی۔ اپنی جھنجھلاہٹ وہ ایسے ہی اتار سکتا تھا۔ ورنہ مقابل پر غصہ انتہا کا تھا۔

وہ اپنی شرٹ کے بٹن کپکاتے ہاتھ سے بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو ہو ہی نہیں رہے تھے۔ کلچ وہ پھر سے ایک ہاتھ میں پکڑ چکی تھی۔

وہ اس کی کلائی پکڑتے ہوے اپنی طرف کھینچ گیا۔۔

ایس پی میں کرلوں کی بند۔۔ عنائیہ خوف سے بولتے

اس کے چوڑے سینے سے آن ٹکرائی۔۔ ہاتھ میں پکڑا پرس وہ اپنے سینے کے ساتھ لگائے اس پر اپنے کپکپاتے ہاتھ کی پکڑ مضبوط کر چکی تھی۔

درخزئی نے بغور اس کے ہاتھ میں پکڑے پرس پر اس کی ہاتھ کی کپکپاہٹ دیکھی۔

درخزئی کی نظروں کا زوایہ کلچ پر محسسوس کرتے وہ اب بری طرح کانپنے لگی تھی۔

درخزئی خانزادہ گہرا سانس لے گیا۔ وہ پہلی نظر میں سمجھ چکا تھا اس پرس میں کچھ ایسا ہے جو وہ نہیں چاہتی اسے پتہ چلے۔ اور کیا تھا وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا۔

درخزئی ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر لگی برف نرمی سے صاف کرنے لگا۔ عنائیہ نے کلچ پر ہاتھ کی پکڑ مضبوط کرتے ہوے درخزئی خانزادہ کو دیکھا جو بہت نرمی سے اس کے بالوں اور چہرے پر لگی برف اپنے ہاتھ سے صاف کر رہا تھا۔۔

وہ اپنی آنکھیں بڑی کرتے اس کی مڑی ہوئی گھینری پلکوں کو دیکھ رہی تھی ۔مرد کی بھی ایسی پلکیں ہوتی ہیں وہ حیران تھی۔ اس کی پلکیں سچ میں بہت خوبصورت تھیں۔

وہ اب اپنے پاکٹ سے ٹشو نکالے تاسف سے سر ہلاتے اس کے چہرے اور بالوں سے برف صاف کر رہا تھا۔۔ پورے چہرے پر برف ہی برف

تھی۔۔ عنائیہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔ جو بہت سنجیدگی مگر بہت احتیاط سے اس کا چہرہ صاف کر رہا تھا۔ وہ اسے کافی نرمی سے چھوتا تھا۔ اتنا سخت ایس پی کا ایسے چھونا تھوڑا حیرت ذدہ تھا۔

اے مس امریکہ !!وہ یکدم اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجا گیا۔ عنائیہ یکدم گڑبڑاتے ہوے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ پتہ نہیں اسے انسان کی پلکیں اتنی اٹریکٹ کیوں کرتی تھیں۔ جی کرتا تھا وہ مقابل کی پلیکس مزید مڑوڑ دے۔

یہ کس طرح کی حرکت تھی بچوں کی طرح بھاگے جا رہی تھی۔ میرے اہلکار تھے وہاں ؟؟ کیا سوچ رہے ہوں گے ایس پی درخزئی خانزادہ کی حویلی میں کیسی عورتیں رہتی ہیں۔ اور انھیں یہ پتہ چل جاتا کہ تم میری ہی عورت ہو

کیا عزت رہ جاتی میری۔۔ درخزئی نے آئی بروا چکائے اسے سوالیہ تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا۔

ایس پی یہ کیسی عزت ہے۔ جو ذرا ذرا سی بات پر چلی جاتی ہے۔ عنائیہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔ مقابل کی نرمی پر اس کی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ تبھی وہ اتنا بول سکی تھی۔

عزت ہی تو ذرا ذرا سی بات پر جاتی ہے۔ درخزئی سنجیدگی سے بولتا اسے کلائی سے جکڑے زمین سے کھڑے ہوتے اسے اپنے مقابل کر گیا تھا۔ وہ دنوں اب آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

درخزئی اسے گہری نگاہوں سے دیکھتی اسے پچھلے لان کی دیوار کے ساتھ لگاتے اس کے گرد اپنے دونوں ہاتھ محصور کر گیا۔

عنائیہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہاتھ میں پکڑا کلچ اپنے پیچھے لے گئی۔۔

درخزئی خانزادہ ایک ہاتھ بڑھاتا اس کے ہاتھ سے نرمی سے اسی لمحے وہ پرس پکڑ چکا تھا۔ مزید وہ خود پر صبر نہیں کر سکا تھا۔۔ آخر اپنی بیوی کا وہ خوف بھی تو دیکھنا تھا وہ جو چھوٹے سے پرس میں قید کیے ہوے تھی

ایس پی یہ میرا پرس ہے۔ عنائیہ نے خوفزدہ لہجے میں کہتے اس سے پرس لینے کے لیے جلدی سے ہاتھ بڑھایا۔

میں نے کب کہا یہ میرا پرس ہے مائی سوین!!۔ لیڈیز پرس میرا ہو بھی نہیں سکتا۔ نہ ایسے شوق رکھتا ہوں۔ درخزئی اسے آنکھ مارتے اپنا ہاتھ اوپر کر گیا۔

جب یہ میرا ہے تو واپس کرو پھر ایس پی۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے اپنی پیشانی سے چمکتے پسینے کی بوندیں اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنتے ہوے

بولی۔اس کے بلند ہاتھوں تک وہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔۔وہ بے بسی سے اپنا پرس اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر رہ گئی۔

لیڈیز پرس چیک کرنے کی حسرت ہی رہ گئی مجھے۔۔نہ بہن نہ مورے نہ کوئی گرل فرینڈ۔۔بڑی مشکل سے میری زندگی میں ایک لیڈی کی اینٹری ہوئی ہے۔وہ بھی ایک عدد ذاتی بیوی کی۔اتنا اچھا موقع کیسے جانے دے سکتا ہوں۔آج تو چیک کر کے رہوں گا؟؟آخر اس میں کیا رکھتی ہیں یہ خوبصورت لڑکیاں۔۔درخزئی نے آنکھ مارتے ہوئے اس کے کلچ کی زپ کھولی۔

ایس پی کچھ نہیں اس میں!!عنائیہ دیوار میں سماتے آنکھیں میچ گئی تھی۔وہ جانتی تھی اب وہ مقابل کے بھاری تھپڑوں کی حق دار تو ٹھہرے گی۔ایس پی درخزئی خانزادہ اسے بہت بری سزا دے گا۔

اس کے کلچ میں پاسپورٹ پیسے اس کا موبائل اور دوسری دستاویزات دیکھتے درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں سرخی سی اتری تھی۔۔وہ صبح صبح آخر کہاں جارہی تھی؟؟وہ سمجھ گیا تھا۔یقین پر مہر لگ چکی تھی۔

درخزئی نے سرد سرخ نگاہ عنائیہ پر ڈالی۔جو آنکھیں میچے بری طرح کپکپا رہی تھی۔۔

اوپن یور آئز۔۔درخزئی خانزادہ اس کے گرد دونوں ہاتھ جماتے اسے بغور دیکھتے نرمی سے بولا۔

وہ اس کے نرم لہجے پر مزید خوفزادہ ہوئی تھی۔جو روپ باہر اس ایس پی کا دیکھا تھا وہ اتنا نرم ہو نہیں سکتا تھا۔

اوپن یور آیز۔۔ درخزئی اس کی لرزتی پلکوں پر پھونک مارتے ہوے بولا

۔عنائیہ مزید سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی

آنکھیں کھولو۔۔ درخزئی سرد لہجے میں غرایا۔

عنائیہ نے پٹ سے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا

وہ اس پر جھکے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ ہلکی نم زدہ آنکھیں گاڑھے

ہوے تھا۔

وہ مقابل کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھ کر حیران ہوئی تھی.۔ عنائیہ نے

اپنی آنکھیں جھپکیں۔ ایس پی کی آنکھوں میں نمی کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔

اور اس کی سوچ بلکل ٹھیک تھی اس کی آنکھیں جھپک کر کھولنے پر ایس پی کی آنکھوں کی نمی غائب تھی۔ وہاں صرف سرخی تھی۔۔ اب اس کے لبوں کے ساتھ ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

وہ جھکتے ہوے اس کے مزید قریب ہوا۔ درخزئی خانزادہ کے عنابی ہونٹ اس کے گلابی لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔ اس کی گرم سلگتی سانسیں اس کے ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔

وہ اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

میری آنکھوں نے

بھی دیکھا تھا

وفا کا سپنا

میں نے سوچا تھا

کوئی ہو گا

میرا بھی اپنا

زخم مجھ کو جو لگا ہے

وہ میں دکھاؤں کیسے

اپنی مجبوری بھلا

تجھ کو بتاؤں کیسے

اپنا افسانہ صنم

تجھ کو سناؤں کیسے

درخزئی خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے گنگنایا۔۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی.

اے مس امریکہ !!در خزئی خانزادہ اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجا گیا۔

عنائیہ خوفزدہ ہوتے اب کی بار اپنے گال پر دونوں ہاتھ جما گئی تھی. پاشا سے تھپڑ کھائے تھے۔ تھپڑ کے درد کا احساس تھا۔زور کا نہ بھی لگے پھر بھی درد ہوتا ہے۔اور ایس پی کے بھاری ہاتھ کے تھپڑ کا درد نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا؟؟

اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے در خزئی خانزادہ اپنے ہاتھ توڑنا پسند کرے گا۔در خزئی خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ عارض سے ہٹائے ۔عنائیہ نے بے یقینی سے ایس پی کے لفظ سنے۔

درخزئی اب جھکتے ہوے اس کی ہتھیلیاں کھولے ان پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔

پتہ ہے عنائیہ !!یہ ہمارے خاندان کی روایت ہے۔ ہمارے ہاں احترام میں اپنی ماؤں کی ہتھیلیاں چومتے ہیں۔ اس عورت کی ہتھیلیاں چومتے ہیں جس کا ہم مرد سب سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔ماں سے زیادہ کون سی عورت احترام کے قابل ہوتی ہے۔ درخزئی اس کی ہتھیلیاں نرمی سے انگوٹھے سے سہلائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

آٹھ سال کا تھا مورے چلی گئی۔ اب ایس پی کی آواز کانپی تھی۔ عنائیہ نے حیرت سے اس کے لہجے کی کپکپاہٹ سنی۔۔

اس کے بعد کسی عورت کی ہتھیلی نہیں چومی۔ کوئی عورت کوئی رشتہ ایسا نہیں تھا جس کی ہتھیلیاں چوم سکوں۔ لالازاران شہرام اسفند کو ان کی

مورے کی ہتھیلیاں چومتے بہت بار دیکھا۔ یہ دیکھتے الٹے قدموں واپس پلٹ جاتا تھا۔ مورے نہ ہونے کا غم اس لمحے شدت سے ستاتا تھا۔

آج تمھاری ہتھیلیاں چوم لیں وہ غم بھی چلا گیا۔

جو لڑکی اتنی احترام کے قابل ہو اس پر یہ ہاتھ کیسے اٹھ سکتا ہے۔ درخزئی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے سوال کیا؟؟

ہاں؟؟ عنائیہ حیرانگی سے منہ کھولے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

تم تو سیریس ہو گئی مس امریکہ !! درخزئی اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجاتے ہنسا تھا۔

مذاق کر رہا تھا میں !! کسی بھی عورت پر درخزئی ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ یہ ہاتھ تو مجرموں پر اٹھتا ہے۔ جو بڑے حرامی ہوتے ہیں۔۔ یہ ملائم گال تو صرف

چومنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اور نرم و ملایم گلابی ہتھیلیاں قربت میں ہاتھوں میں جکڑنے کے لیے۔۔ وہ اسے کلائی سے جکڑتے اپنے قریب کر گیا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی۔

کیا مطلب۔ عنائیہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔ ایس پی کی باتوں اور ایکٹ کا مطلب اسے سمجھ نہیں آتا تھا۔

مائی سوین!! ہر بات کا مطلب سمجھاؤں گا۔ ابھی کے لیے یہ سمجھو۔ تمھارا پرس میں نے نہیں کھولا۔۔ لیڈیز پرس چاہے کسی غیر لیڈی کا ہو یا اپنی ذاتی بیوی کا۔ درخزئی خانزادہ کا اصول ہے۔ نو چیکنگ اونلی ہائی جیکنگ!! درخزئی نے اسے آنکھ مارتے ہوے اسے اس کا پرس دیا۔

عنائیہ نے جلدی سے اس سے پرس پکڑتے گہرا سانس لیا۔

وہ بھی حیران ہو رہی تھی درخزئی خانزادہ نے پاسپورٹ اور دوسرے دستاویزات دیکھتے اسے کیوں نہیں کچھ کہا۔

کہاں جا رہی تھی ویسے تم؟؟ عنائیہ کے چہرے پر خوف کے بادل چھٹتے دیکھتے درخزئی اس سے دور ہوتے اپنی یونیفارم کے آستین کے کف کے بٹن کھولتے اپنی استین فولڈ کرتے نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔۔ جب کوئی اپنا جھوٹ بولتا تھا وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بیوی کو جھوٹ بولتے دیکھ کر کیسے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔

درخزئی کے سوال پر عنائیہ کا چہرہ پھر سے زرد ہوا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔۔ واک۔۔ پر جا رہی۔۔ تھی۔۔ عنائیہ کی بات پر اس نے استھزائیہ نگاہ اس کے حلیے پر گاڑھیں۔۔

اس کے ہاتھوں میں پرس اور پیروں میں سٹایلش شوز پر اس نے خاص طور پر استھزائیہ نگاہ ڈالی تھی۔

وہ۔۔۔۔یہ۔۔پرس۔میں نے اس لیے پکڑا۔۔اس میں کچھ خاص چیز تھی تم تو جانتے ہو ایس پی میری طبعیت۔۔وہ بولتے ہوے اپنا لب دانتوں تلے دبا گئی۔۔رنگت سرخ ہوئی۔ تھی۔

جانتا ہوں تمھاری طبعیت ٹھیک نہیں۔اس لیے حیران ہو رہا ہوں تم اس طبعیت میں واک کرنے چلی گئی۔اور واک کے دوران تمھیں راستے میں ریسٹ روم ملنے تھے یا پھر کھیتوں میں جانے کا آرادہ تھا جو تم اپنے پرس میں وہ خاص چیز ڈال کر چلی گئی۔درحزئی کے طنز پر وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑی۔ تھی سامنے کھڑا انسان بے باکی اور کمینگی میں ایک نمبر تھا۔وہ پتہ نہیں اس سے یہ بات کیسے کر گئی۔مقابل کا خوف اس سے یہ چیپ بات کروا

گئی تھی۔۔اور اتنے فضول اور چیپ بہانے پر اس کی رنگت تپ کر قندھار ہوئی تھی۔وہ خود کو بیوقوف ترین دسوقٹ سمجھ رہی تھی۔مقابل کی آنکھوں میں بھی خود کے لیے بیوقوف مہابیوقوف کی تحریر پڑھ چکی تھی۔

اب جاؤ اندر حویلی کے گرم کمرے میں۔۔اتنی سردی میں مزید کھڑی رہو گی تو

cramps

پر مرنے والی ہو جاؤ گی۔جیسے

دو دن پہلے ہو رہی تھی۔درخزئی نے ایک بار اور اس پر طنزیہ مسکراہٹ اچھالی

عنایہ جلدی سے تیز تیز قدموں سے حویلی کی طرف بڑھی۔اس سے جان چھوٹ گئی اور کیا چاہیے تھا۔اس کا.

Cramp

تو یہ ایس پی تھا۔

اے مس امریکہ۔۔درخزئی کی سرد برفیلی آواز پر اس کے قدم ساکت ہوے تھے۔اعصاب ساکت ہوتے برفیلے ہوے تھے۔

ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوئی۔

وہ اپنے بھاری قدموں سے چلتا ہوا اس کے مقابل آیا۔۔

آیندہ واک پر جانے کا آرادہ ہو اتو تب جانا۔جب تمھاری طبعیت پوری طرح ٹھیک ہو جائے۔ہاتھ میں پرس دیکھ کر کوئی بھی مشکوک ہو سکتا

ہے۔ درخزئی اب اپنے فولڈ استین ایک جھٹکے سے کھولتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

بہت کمینی فطرت ہے میری!! نہ سیدھا دکھتا ہوں نہ سیدھا ہوں میں۔ میرا اصول ہے۔ نہ پرچہ نہ کچہری!! سیدھا انکاونٹر!! یعنی ڈائریکٹ اوپر کی فلایٹ۔۔ درخزئی اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولتے اس کا خون منجمند کر چکا تھا۔

اب سیدھا بنے رکے حویلی کے اندر جا کر اپنے کمرے میں رضائی لے کر سو جاؤ!! ورنہ میں تمھاری رضائی بن جاؤں گا۔ یقین مانو میری ہائٹنس اور میرا وزن برداشت نہیں کر سکو گی۔ درخزئی اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولا۔۔ عنائیہ نے آنکھیں ضرورت سے زیادہ آنکھیں کھولتے اثبات میں سر ہلایا۔

اب جاؤ!! جتنی سپیڈ سے مجھے دیکھ کر تم بھاگی تھی۔ اتنی ہی سپیڈ سے بھاگ کر تم حویلی کے اندر داخل ہو جاؤ۔

صرف دو منٹ میں تم اندر ہو۔۔ یور ٹائم سٹارٹ ناؤ۔ درخزئی نے اپنی گھڑی پر نظریں دوڑائے سپاٹ لہجے میں کہا۔

عنائیہ ساکت سی کھڑی اسے سانس روکے دکھ رہی تھی۔

گو۔۔ درخزئی دھاڑا تھا۔ عنائیہ اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے پوری قوت سے بھاگی۔

درخزئی اسے بھاگتے دیکھ کر نظریں نیچے کیے مسکرا گیا تھا۔ وہ لمحوں میں اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

اتنا ڈر تھا اس کا۔

چھلاوہ!!عنائیہ کو زیر لب وہ نیا نام دے گیا تھا۔۔

وہ امریکہ بھاگ رہی تھی۔۔وہ یہ سوچتے اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔وہ لب بھینچے تیز تیز قدموں سے حویلی کا گیٹ عبور کر گیا۔

لالا کیا ہوا ہے پریذے کو؟؟ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟!۔ بہارے کو کیوں نہیں جگایا؟؟ آپ اسے لے کر اکیلے نکل آئے۔ یہ کیا بات ہوئی؟؟ حویلی میں کسی کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔ اگر مجھے ہسپتال سے فون نہ آتا تو پتہ نہ ہی چلتا میری پریذے کو آپ ایمرجنسی میں لائے ہیں۔

فون پر شہرام خان کی پریشان اور غصیلی آواز سنائی دی تھی۔

بخار بہت تیز تھا اس لیے مجھے بہتر یہی لگا بنا دیر کیے اسے ہسپتال لے آؤں۔

ارحام خانزادہ نے جوابًا سنجیدگی سے کہا۔

اوکے میں آرہا ہوں لالا!! شہرام سنجیدگی سے کہتا فون بند کر چکا تھا۔ ارحام فون اپنے ٹراوزر کی پاکٹ میں ڈالے اندر کی جانب بڑھا۔

ڈاکٹر کیا ہوا ہے میری بیٹی کو؟؟ اتنا تیز بخار کیسے ہو سکتا ہے؟؟ رات تک تو ٹھیک تھی۔۔ حور نے پریذے کو چیک کرتی ڈاکٹر ماہم سے پوچھا۔ حور اس وقت ہاسپٹل کے پرائیویٹ روم میں موجود تھی۔

ماما!! پریذے نے نیم بیہوشی میں اسے پکارا۔

جی پریذے جان!! حور تڑپتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے اس کی پیشانی پر لب رکھ گئی۔

مسسز ارحام!! آپ کے سوال کا جواب پریذے کا نیم بیہوشی میں آپ کو پکارنا ہے۔ وہ کسی بات کو لے کر ڈر گئی ہے وہ بھی آپ کے حوالے سے۔۔ کیوں اس بات کا آپ کو بہتر پتا ہو گا۔ کیونکہ آپ اس کی مدر ہیں۔ ڈاکٹر ماہم نے سنجیدگی سے حور کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے سوال کیا۔

ہاں میں ہی اس کی ماما ہوں۔۔ پریذے کی ماما صرف میں ہوں۔ حور جلدی سے بولی۔

ہے ناں!! ارحام میں ہی پریذے کی ماما ہوں۔ حور نے کمرے میں داخل ہوتے ارحام کی طرف بڑھتے اسے دیکھتے ہوے پوچھا۔

پریذے کی ماما تم ہی ہو!! ارحام نے حور کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

حور پریذے کو لے کر اتنی sensitive ہے یہ ارحام خانزادہ کو آج ہی اندازہ ہوا تھا۔

Did you hear??i m my daughter,s mother and she looks just like me.

حور نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے اسے جتایا۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ اپنے ہسبنڈ سے پوچھیں۔ آپ اس کی مدر ہیں۔ یا مجھے یہ جتائیں پریذے آپ کی بیٹی ہے۔ آفکورس پریذے آپ کی بیٹی ہے تو آپ ہی اس کی مدر ہوئی۔ ڈاکٹر ماہم حور کو دیکھتے اب مسکرا گئی تھی ۔ساتھ کھڑی ڈاکٹر ماہین کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

ڈاکٹر ماہم نے ڈاکٹر ماہین کو گھور کر انھیں اپنی مسکراہٹ پر قابو پانے کو کہا تھا۔

حور کے انداز پر بمشکل ہی ڈاکٹر ماہم کو اپنی ہنسی پر قابو پانا پڑا تھا

وہ جانتی تھی یہ

"unprofessionally behavior"

تھا۔

انھیں بہت عجیب و غریب پیشنٹس ہینڈل کرنے پڑتے تھے۔ اور انھیں پولائیٹلی ٹریٹ بھی کرنا پڑتا تھا۔ مگر شہرام خان کی فیملی میں سب کہیں نہ کہیں اسے سائیکو کیس لگے تھے۔۔

ڈاکٹر ماہم کو حور اپنی کمری معصومیت سے پانچ چھ سال کی بچی کی ماما کہیں سے نہیں لگ رہی تھی۔ مگر ہاں سامنے کھڑے ڈیشنگ ارحام خانزاہ کی بیوی ضرور لگ رہی تھی۔۔

ڈاکٹر ماہم نے جھکتے ہوے پریذے کے بازو پر ڈرپ لگانے کے لیے

bronala

لگانا چاہا۔

یہ کیا کر رہی ہیں ڈاکٹر؟؟ حور نے ڈاکٹر ماہم کی کلائی جکڑی۔ ڈرپ لگا رہی ہوں ڈاکٹر ماہم نے حور کو حیرت سے دیکھا تھا۔ اب تو پکا یقین ہو گیا تھا۔ شہرام خان کی فیملی کو کچھ مینٹل ایشوز ضرور تھے۔

" She is a little girl. How can you give her a needle? It will hurt.".

حور نے ڈاکٹر ماہم کو دیکھتے اونچی آواز میں چیختے ہوے استفسار کیا۔۔

کیا ہو گیا ہے مسز ارحام؟؟ چھوٹی بچی سے کیا مراد ہے آپ کی۔ بہرام سے چھوٹی ہے کیا؟؟ بہرام کو اس سے کہیں زیادہ نیڈلز لگ چکی ہیں۔

ڈاکٹر ماہم کا نہ چاہتے ہوے بھی لہجہ سخت ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ یہ دیکھتے آگے بڑھتے حور کو بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا۔

حور!!ڈاکٹر کو اپنا کام کرنے دو۔ ارحام خانزادہ نے ڈاکٹر ماہم کو سرد نگاہوں سے دیکھتے حور کو اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔ڈاکٹر ماہم کا اپنی بیوی سے اس طرح بات کرنا پسند نہیں آیا تھا۔۔

ارحام کی سرد نگاہ پر ڈاکٹر ماہم سنجیدگی سے اپنا کام کرنے لگی۔ شہرام خان کی فیملی اس کے لیے احترام کے قابل تھی اور شہرام خان نے فون پر خاص طور پر پریذے کو چیک کرنے کو کہا تھا۔ مگر حور کچھ زیادہ ہی پریذے کو لے کر کنسرن دکھا رہی تھی جو ڈاکٹر ماہم کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر گئی تھی۔

حور پریذے کو نیڈل لگتے دیکھتے ارحام کے چٹانی سینے میں سمائے سسکتے ہوے منہ چھپا گئی۔

ارحام خانزادہ اس کے گرد اپنے بازو کا حصار مضبوط کر گیا تھا۔ اتنا تو نیڈل سے پریذے نہیں ڈرتی تھی جتنی اس کی بیوی ڈرتی تھی۔

کچھ ہی دیر میں پریذے کا بخار اتر جائے گا۔۔اور پریذے ہوش میں بھی آ جائے گی۔

مسٹر ارحام!! مگر پریذے کے پاس اپنی ماما کا ہونا ضروری ہے۔وہ نیم بیہوشی میں انھیں پکار رہی ہیں۔جب پریذے کو ہوش آئے تو آپ کی مسسز کا ان کے قریب ہونا ضروری ہے۔

ڈاکٹر پریذے کو ڈرپ لگا کر ارحام خانزادہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

میں پریذے کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔حور بھیگے لہجے میں ڈاکٹر کو دیکھتے معصومیت سے بولی۔

دٹیس گڈ مسز ارحام!! مگر آپ کو نیڈل سے اتنا ڈرنا نہیں چاہیے۔پریذے ایسے تو نہیں اس دنیا میں آگئی۔یقیناً مختلف پروسیجرز سے گزر کر آئی ہو

گی۔ڈاکٹر ماہم حور کو دیکھتے مسکراتے ہوے چلی گئی تھی۔ڈاکٹر ماہین ڈاکٹر ماہم کی بات پر اپنی مسکراہٹ دباتے ان کے ہمقدم ہوئی۔

حور اب ارحام کی طرف دیکھتے سرخ پڑی تھی۔ڈاکٹر ماہم اسے بہت کچھ جتا کر چلی گئی تھی

ارحام خانزادہ حور کا سرخ چہرہ دیکھتے سنجیدگی سے اسے خود سے الگ کرتا پریذے کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔

آئی ایم سوری جان!!ماما کو معاف کر دیں اس بار۔۔ماما وعدہ کرتی ہیں آیندہ ایک پل کے لیے بھی اپنی بیٹی کو کہیں بھی چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔میں صرف آپ کی وجہ سے حویلی واپس آئی ہوں۔

حور بھی اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوے اس کے عارض پر لب رکھ گئی تھی۔

۔حور کی بات پر ارحام خانزداہ خود پر قابو پاتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ مقابل نے اسے یہ خاص طور پر جتایا تھا وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ ابھی بھی اپنی بیوی کی بے رخی بے اعتنائی کی وجہ نہیں سمجھ پایا تھا۔

ارحام خانزادہ پریذے کو اٹھائے اپنے کندھے سے لگائے دوسرے ہاتھ سے حور کی کلائی نرمی سے جکڑے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔

حور کو لے کر وہ اتنا ہی پروٹیکٹو تھا۔ وہ پبلک پلیز پر اس کا ہاتھ کسی صورت نہیں چھوڑتا تھا۔ پریذے کو ہوش آچکا تھا۔ وہ ارحام کے کندھے سے لگے

حور کو ہی دیکھ رہی تھی۔ اپنی آنکھیں جھپکا بھی نہیں رہی تھی کہیں حور اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ حور مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے فلائنگ کس کرتے ہوئے ارحام خانزادہ کے بھاری قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔

یکدم سامنے سے آتے حیدر خان کو دیکھتے ارحام خانزادہ کے مضبوط قدم رکے تھے۔ حیدر خان بھی ارحام خانزادہ کو دیکھ کر رکا تھا۔

حور حیدر خان کے حلقے میں بے حال سی زرمش کو دیکھ کر چونکی تھی۔ اس کی زرد رنگت کپکپاتا وجود دیکھتے وہ دیکھتے حیران ہوئی۔

زرمش!! حور نے اپنی کلائی ارحام کی گرفت سے چھڑواتے ہوئے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ ارحام اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا۔

حور!! زرمش کے کپکپاتے لبوں نے حور کو دیکھتے جنبش کی تھی۔ حور سر سے پیر تک چادر میں ملبوس تھی۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ مگر

وہ حور کو ایک نظر میں پہچان چکی تھی۔ جس ہستی پر ساحر خان مرتا تھا اسے وہ کیسے نہ پہچانتی؟؟۔۔۔ ساحر خان کے دل میں مقابل دھڑکن بن کر دھڑکتی تھی۔ وہ پھر کیسے نہ پہچانتی اسے؟؟

حور!! وہ حور کو دیکھتے چیخی۔۔ ارحام خانزادہ زرمش کو پہچان چکا تھا۔ ہاسپٹل میں ساحر خان کی باڈی پر اسے سر رکھ کر بلک بلک کر روتے دیکھا تھا۔

وہ ساحر خان کی بیوہ تھی وہ پہچان چکا تھا۔ مگر زرمش حور کو پہچانتی ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

حیدر خان نے زرمش کی چیخ پر اسے دیکھا۔

لالا!! ساحر خان کی محبت! ساحر خان کا عشق۔۔ زرمش نے کپکپاتے لبوں سے کہتے انگلی سے حور کی طرف اشارہ کیا۔

زرمش کی بات پر حور کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ اس نے کانپتے ہوے خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھا۔ جس کی رنگت تانبے کی مانند سرخ تھی۔ ماتھے کی نیلی رگیں اجاگر ہوئی تھیں۔ حیدر خان نے بھی حیرت و استعجاب سے ارحام کے پہلو میں چادر میں لپٹی لڑکی کو دیکھا تھا۔

ساحر خان کی محبت ارحام خانزادہ کی عورت ہے۔ حیدر خان کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ ارحام خانزادہ کی خون اتری آنکھیں دیکھتے وہ زرمش کو اپنے مضبوط حصار میں بھینچ گیا۔ وہ اس کے حصار سے نکلنے کے لیے مچل رہی تھی۔

لالا۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ حور۔۔۔۔۔ سے۔۔۔ ملنا۔۔۔ ہے۔ اس۔۔ سے۔۔ لپٹ۔۔۔ کر۔۔۔ ساحر۔۔ خان۔ کا۔۔۔ غم۔۔ منانا۔۔۔ ہے۔ میرے۔۔ ساحر خان۔۔ کو۔۔ یہ چہرہ۔۔ بہت۔۔ پیارا۔۔ تھا۔ مجھے

اس چہرے کو چومنا ہے۔زرمش حیدر خان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے گڑگڑاتے ہوے بولی۔

حیدر خان زرمش کی بات پر اب نظریں چرا گیا تھا۔زرمش کے لبوں سے ارحام خانزادہ کی عورت اس کی بیوی کے لیے یہ باتیں اسے بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ارحام کے پہلو میں کھڑی عورت ساحر خان کی کچھ نہیں لگتی تھی۔صرف ارحام خانزادہ کی تھی وہ۔صرف اس کی ملکیت۔اس کی آجازت کے بغیر اس کی عورت پر ہوا بھی اپنی ملکیت نہیں جتا سکتی تھی تو زرمش کیسے ارحام کی عورت کا نام کسی سے جوڑ سکتی تھی

زرمش اس طرح ارحام خانزادہ کی عورت کو کسی مرد سے جوڑتے اسے اس کا عاشق کہہ رہی تھی۔حیدر خان بری طرح پریشان ہوا تھا۔زرمش اپنے حواص میں نہیں تھی وہ کیسے روکتا۔

حور نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ ارحام خانزادہ کے خوف سے وہ اس کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔ زرمش کے لبوں سے اپنے لیے ایسے لفظ سنتے اسے بے حد تکلیف دے گئے تھے۔ وہ اس کے شوہر کے سامنے ساحر خان کو اس کا عاشق کہہ رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ حور کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

زرمش حیدر خان کے حصار سے نکلتے حور کی طرف بڑھتے اس کے ساتھ لپٹ گئی تض۔

ارحام زرمش کی وجہ سے حور کی کلائی اب چھوڑ چکا تھا۔

حور!! تمھارا ساحر خان چلا گیا۔ زرمش حور سے لپٹتے ہوے ہذیانی کیفیت میں بلک بلک کر رو رہی تھی۔

حیدر خان اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ارحام خانزادہ سے نظریں چرائے کھڑا تھا۔

ارحام زرمش کی باتوں پر ظبط کی کیفیت میں کھڑا تھا۔ اس کا پورا وجود دہکتی آگ کی مانند گرم ہو رہا تھا۔ وجود میں تیز الاؤ جل رہے تھے۔ زرمش ایک عورت نہ ہوتی اور ساحر خان کی بیوہ نہ ہوتی وہ پتہ نہیں کیا کر ڈالتا۔ مگر ایک عورت کے تقدس کے خیال میں وہ جل کر خاک ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات کوئی مرد کرتا وہ اس کی جان اپنے ہاتھوں سے لیتا۔

ساحر کہاں چلا گیا؟؟ اور یہ کیا حالت بنائی ہے تم نے؟؟ حور زرمش کی زرد رنگت اس کی متورم آنکھیں کپکپاتا وجود دیکھتے پریشان ہوتے اس کے

چہرے پر اپنی انگلیاں پھیر گئی۔۔وہ اس کی کبھی بہت اچھی دوست رہ چکی تھی۔۔اسے ایسے دیکھتے حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

ساحر۔۔خان۔۔نے۔۔ تمھارے۔۔ لیے۔۔جان۔۔دے۔۔دی ۔۔۔حور۔۔ تمھیں۔۔۔پتہ۔۔۔ نہیں۔زرمش نے روتے ہوے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

کک کیا کہہ رہی ہو؟؟حور کی آواز لڑکھڑائی تھی۔پوراوجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔

چلو یہاں سے!!۔۔ارحام حور کی کلائی سختی سے جکڑ گیا تھا۔

مجھے بات کرنے دیں ارحام۔۔کک کیا ہوا ساحر کو؟؟حور نے اپنی کلائی پر ٹھہرے اس کے مضبوط ہاتھ کو ہٹانے کی سعی کرتے ہوئے زرمش کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

حیدر خان بھی اب تیزی سے زرمش کی طرف بڑھتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے چکا تھا۔ورنہ وہ زمین بوس ہو جاتی۔

ساحر خان مر گیا حور!!وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ مر گیا حور!!وہ گانا گانے والا ساحر خان مر گیا حور!!وہ تم پر جان چھڑکنے والا ساحر خان مر گیا حور۔۔زرمش کی چیخیں پارکنگ ایریا میں گونج رہی تھیں۔حیدر خان کو اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

ارحام حور کی کلائی جکڑے سرخ سرد چہرے کے ساتھ آگے تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ایک منٹ ارحام۔۔۔ حور کی گھٹی گھٹی آواز اس کے حلق سے نکلی تھی۔۔ قدم فریز ہوے تھے۔ ارحام بنا رکے اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتے آگے بڑھنے لگا۔۔ وہ بے جان سی اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔ یکدم اسے ٹھوکر لگی تھی۔ اس سے پہلے وہ گرتی ارحام یکدم اس کی کلائی پر گرفت مظبوط کرتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔

ارحام!! حور نے ہچکی لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے کرب سے پکارا۔

حور کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ارحام کی آنکھیں آگ برسانے لگی تھی۔۔ کہاں برداشت تھا یہ آنکھیں اس انسان کا غم منائے جو مقابل کا سچا عاشق رہ چکا تھا۔۔

ماما!! پریذے حور کے لڑکھڑانے پر چیخ اٹھی تھی۔۔ حور کے رونے اور زرمش کی چیخوں پر پریذے ہچکیوں سے رونا شروع ہو چکی تھی۔ حور کو روتا وہ نہیں دیکھ سکتی تھی

گاڑی میں بیٹھو!! ارحام نے گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے بیٹھنے کو کہا۔۔

میرے ساحر خان نے تمھارے لیے جان دے دی۔۔ تمھیں پتہ ہی نہیں۔۔ تم اس کے عشق کے قابل ہی نہیں تھی حور!! زرمش کی چیخوں پر حور نے لرزتے ہوے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا

ارحام خانزادہ کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ وہ لرزتے ہوے روتے ہوے آنکھیں میچے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے کا نقاب گر چکا تھا۔ وہ ساحر خان کے مرنے کا ایسے ماتم منائے گی ارحام کو اندازہ نہ

تھا۔اس کے ماتم کدی روپ پر اس کا بدن جیسے کرچیوں کی صورت میں بکھر رہا تھا۔

ماما!!پریذے ہچکیوں سے روتے ہوے اسے پکارے جا رہی تھی۔۔

ارحام حور کو بازو سے جکڑے گاڑی میں بے دردی دھکیل گیا۔دروازہ بند کرتے ارحام نے پریذے کو پچھلی سیٹ پر ڈالنے کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔۔

شہرام اپنی گاڑی سے اترتا بھاگتے ہوے ارحام کی طرف بڑھا۔۔

پریذے میری جان!!وہ پریذے کو ارحام سے پکڑتے اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔

ارحام اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا۔

کیا ہوا چاچو۔ کی جان کو!! شہرام نے تڑپتے ہوے اس کے گال پر اپنے لب رکھے

چاچو!! آپ کی مونچھیں چھبتی ہیں۔ i hate your kiss

پریذے اس کا لمس اپنے گال سے رگڑتے ہوے ہچکیوں سے بولی تھی۔۔ شہرام کی کس پر وہ ہمیشہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتی تھی۔۔ اتنا روتے ہوے بھی وہ شہرام کی کس پر ہر بار کاری ایکشن دے گئی۔۔

شہرام خان کا قہقہ بلند ہوا تھا۔ بس اب چاچو کو سکون ہو گیا کہ اس کی پریذے بلکل ٹھیک ہے۔ ورنہ چاچو کتنا ڈر گئے تھے۔ کیسے بتاؤں آپ کو؟؟ چاچو نایٹ سوٹ میں ہی بھاگے آئے۔

شہرام خان اس کے بال اس کی عارض سے ہٹاتے اسے خود میں بھینچ گیا۔

ارحام خانزادہ شہرام خان کو دیکھتے پھیکا سا مسکرا گیا تھا۔ جو بلیک ٹراوزر پر بلیک فل سلیوز ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی طرح اس نے گرم کوٹ بھی نہیں پہنا تھا۔ یقیناً وہ پریذے کا سنتے بھاگتے ہوے آیا تھا۔ پریذے شہرام کی گردن میں بانہیں حمایل کرتے اس کے ساتھ چپک گئی۔

کیا ہوا ہے لالا؟؟ شہرام خان نے ارحام کے سرخی چھلکاتے چہرے کو دیکھتے پریذے کی پیشانی کو چھوا۔۔ وہ بلکل ٹھنڈی تھی۔ بخار نہیں تھا۔ پریذے اس کے ساتھ لپٹی رو رہی تھی۔ وہ اتنا کیوں رو رہی تھی اور ارحام خانزادہ کے چہرہ اتنا کیوں سرخ تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

  شہرام کی نظر گاڑی میں بیٹھی حور پر پڑی۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگائے نڈھال سی بری طرح رو رہی تھی۔

شہرام خان اب پریشان ہوا تھا۔ کچھ کچھ سمجھ گیا تھا۔ شاید ارحام نے حور کو کچھ کہہ دیا تھا۔ اسی لیے پریذے اور حوریوں رو رہی تھی اور ارحام پریشان تھا۔

مگر دوسرے لمحے وہ اپنا خیال جھٹک گیا۔ ارحام خانزادہ حور کو کبھی باہر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور گاڑی میں بیٹھی حور جیسے ماتم کدہ انداز میں رو رہی تھی۔ وہ ارحام سے اچھا خاصہ ڈرتی تھی۔ وہ اس کے ڈانٹنے حتی کہ مارنے پر سانسیں روک سکتی تھی یوں ماتم کدہ انداز میں رو نہیں سکتی تھی۔

لالا کیا ہوا ہے؟؟ شہرام خان نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

کچھ نہیں۔۔ ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے کہتے پریذے کو شہرام کی گود سے لیتے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔

پاپا!! مجھے ماما کی گود میں بیٹھنا ہے۔ پریذے نے روتے ہوے کہا۔

یہیں بیٹھو اور اب آپ کی آواز نہ آئے۔ سمجھی آپ؟؟ ارحام خانزادہ کے جھڑکنے پر وہ منہ پر ہاتھ رکھتے آنکھیں میچ گئی۔ ارحام گاڑی کا درواہ بند کرتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا

شہرام گہرے سانس لیتے پریذے کو دیکھ رہا تھا۔ جو منہ پر ہاتھ رکھے سٹل سی آنکھیں میچے ہوے تھی۔ وہ حرکت بھی نہیں کر رہی تھی۔ ارحام کی ڈانٹ سے وہ ایسے ہی کرتے تھی۔۔ شہرام نے مٹھیاں بھینچتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

ارحام گاڑی زن سے اس کی نظروں کے سامنے زن سے بھگا۔ کر لے گیا تھا۔

شہرام خان خود پر قابو پاتے ہاسپٹل کے اندر تیزی سے داخل ہوا۔ اگر ہاسپٹل سٹاف سے کوئی غلطی کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو وہ انھیں چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا

زاران نے اٹخ پٹخ سنتے اور کمرے میں روشنی دیکھتے کشن اٹھائے اپنی آنکھوں پر رکھا۔ وہ اس وقت شرٹ لیس اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ رات سے یہی حال تھا۔ وہ ایک پل سو نہیں پایا تھا۔ اس کی بیوی نے اس کی جان عذاب میں ڈالے ہوئی تھی۔ کل سٹڈی روم میں ہوے کارنامے کے بعد اس کا یہی رویہ تھا۔۔

ہر گھڑی میرا دل غم کے گھیرے میں ہے

زندگی دور تک اب اندھیرے میں ہے

زاران خانزادہ کشن آنکھوں پر ہی رکھے اونچی آواز میں گنگنایا تھا۔

اس کی گنگناہٹ پر ابرش کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔۔

کچھ میری سنو

کچھ اپنی کہو

ہو پاس ہو تو

یوں چپ نہ رہو

زاران کی گنگناہٹ پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

ابرش نے غصے سے ڈرائیر ڈریسنگ پر پٹخا۔ وہ رات سے کوئی چوتھی مرتبہ شاور لے چکی تھی۔ ساری رات وہ ایسے ہی شرٹ لیس اوندھے منہ لیٹا رہا تھا۔ کمرے میں آکر ایک لفظ نہیں کہا تھا۔۔ بس یہ تھا سر شام کمرے میں آ گیا تھا۔

نیچے نہیں اترا تھا۔ ارحام سے ملنے بھی نہیں گیا تھا۔

اب صبح ہوتے ہی شروع ہو چکا تھا۔

کل دل دکھایا تھا

میں نے تمھارا

اس بات کا

آج تک ہے غم

یہ سوچ کہ معاف

کر دینا مجھ کو

میری یہ پہلی

شادی ہے جانم

شادی ہے جانم

زاران اب سیدھا ہوتے چہرے پر کشن رکھے اونچی آواز میں گنگنا رہا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھتے خود پر قابو پایا۔ زاران نے کشن چہرے سے ہٹاتے مسکراہٹ دبائے اپنی شعلہ جوالہ حسینہ کو دیکھا۔ اسے پورا یقین تھا گانے کے آخری لرعکس سنتے اس کی آنکھوں سے شعلے دہک رہے ہوں گے۔۔ یقیناً کچھ نہ کچھ تو اسے ضرور دے مارے گی۔ اپنی بیوی کی

آنکھوں میں یہ دہکتے شعلے دیکھنے کے لیے وہ کافی بیتاب تھا۔اور اس کے ہاتھوں سے مرنے کے لیے وہ بھی تیار تھا۔۔

وہ اب اسے لے کر پوزیسو نہیں رہی یہ بات اسے کافی چبھتی تھی۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے مرر میں دیکھتے نارمل انداز میں اب برش کر رہی تھی۔

زاران نے کمرے میں خاموشی پا کر حیرت سے کشن اٹھائے سامنے دیکھا۔رات سے کمرے میں زلزلہ آیا ہوا تھا۔اب جبکہ زلزلہ آنا چاہیے تھا۔کمرے میں گہری خاموشی تھی۔

اسے سٹایلش سی ریڈ نایٹی میں دیکھ کر زران کی آنکھیں خمار آلود ہوئی تھیں۔ریڈ ٹاپ پر اس نے بہت باریک گاون پہنا ہوا تھا۔جس سے اس کے

جسم کا انگ انگ واضح ہو رہا تھا۔ اس نے تو رات سے اس پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔ اسے کیا پتہ تھا وہ ریڈ ویلوٹ کیک بنے پھر رہی وہ بھی ہاٹ!!

وہ اپنی بے خبری میں مارا گیا۔ زاران بری طرح پچھتایا تھا۔ افففف!! ایک نمبر کا بیوقوف ہے تو مسنسٹر!! اتنے خوبصورت ہاٹ کیک کو کون نظر انداز کرتا ہے۔؟! وہ بھی جو صرف اپنا ہو۔ اسے تو ایک منٹ سے پہلے کھا جانا چاہیے۔ زاران خود کو ملامت کرتا بیڈ سے اٹھتا اپنی خوبصورت بیوی کی طرف بڑھا۔

یہی ادا تو

اک ستم ہے

سنو تمھیں

میری قسم ہے

وہ گنگناتے ہوے اس کے پیٹ پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے اسے خود میں قید کر گیا تھا۔

چھوڑ مجھے۔ ابرش اس کے ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹاتے ہوے چیخی تھی۔

وہ مسکراتے ہوے اس کے پیٹ پر مزید اپنے ہاتھ سختی سے جماتے اس کی دھڑکنوں کو بے دردی سے چھو گیا۔

شاور لینے کے بعد کون اتنی ہاٹ نایٹی پہن کر اپنے ہاٹ سے شوہر کے سامنے پھرتا ہے۔ اور پھر کونسا شوہر ریڈ ویلوٹ ہاٹ کیک کو نہیں کھاتا

ہمممممم۔۔۔ زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس کے نایٹی کی ڈوریوں میں ہاتھ الجھا گیا۔

شاور لینے کے بعد جسم ڈرائے کرنے کے بعد سونے کے لیے نائیٹی ہی پہنی جاتی ہے۔ ابرش اس کے ہاتھوں کو اپنے پیٹ سے ہٹانے کی ناکام سعی کرتے غصے سے لفظ چباتے بولی۔

تو میری جان!! کچھ ایسا پہنتی ناں!! جس میں تمھیں دیکھ کر میں بہکتا ناں۔۔ اب میں تمھارے ساتھ زبردستی کروں گا پھر تم مجھ پر الزام لگاؤ گی میں نے تمھارے ساتھ زبردستی کی۔ اب بیوی کمرے میں ایسے حلیے میں پھرے اور شوہر سے ایکسپیکٹ کرے۔ وہ شرافت کا مظاہرہ کرتے اتنی خوبصورت بیوی سے ڈسٹنس پر رہے تو یہ میں نہیں کروں گا۔ seduce کرو گی تو میں شوق سے بہکتے ہوئے ریڈ ویلوٹ ہاٹ کیک کو اوپر سے نیچے تک ضرور کھاؤں گا۔ زاران بھاری آواز میں کہتے اس کا رخ اپنی طرف موڑے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔

زاران اس کی کمر پر سختی سے ہاتھ جماتے ہوے اس کے لبوں پر جھکے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں کھینچ رہا تھا۔۔

ابرش نے اپنی پوری فورس لگاتے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلا ۔زاران مسکراتے ہوے اسے بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھائے واش روم کی طرف بڑھا۔

زاران!ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چیخی تھی۔۔

زاران نے واش روم میں داخل ہوتے اسے باتھ ٹب کے ٹھنڈے پانی میں پھینکا۔

ابرش ٹھنڈے پانی سے ٹھٹھرتے کپکا کر رہ گئی تھی۔

اس سے پہلے وہ باتھ ٹب سے نکلتی۔۔وہ اپنی شرٹ اتارتے باتھ ٹب میں گھس گیا تھا۔اسے کلائی سے کھینچتے اپنے اوپر گرا گیا۔

وہ زاران کے برہنہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔۔

بہت ٹھنڈا ہے زاران۔۔ابرش کپکپاتے لبوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل بولی۔پانی برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

تم بھڑکتی آگ میں بھڑکتا شعلہ !!ابھی ہمارے بدن کی ہیٹنگ سے یہ پانی بوایلنگ پوائنٹ پر آجانا ہے بیوی۔۔۔زاران گہری سانسیں لیتے باتھ ٹب کا گرم ٹیپ کھول چکا تھا۔

چھوڑو مجھے !! مجھ سے زبردستی نہیں کرنا سمجھے تم !! ابرش نے کپکپاتے لبوں سے کہتے اس کے مضبوط حصار سے نکلنے کی ناکام سعی کی۔ وہ اسے مزید سختی سے خود میں بھینچ گیا۔

زبردستی نہیں کروں گا صرف رومانس کروں گا بعد میں زبردستی تم کرو گی۔ جیسے فارم ہاؤس میں کی تھی۔ جیسے اکثر کرتی ہو۔۔ میرا موڈ بنانے کے لیے۔۔ زاران نے بے باکی سے اسے آنکھ ماری۔

ابرش اس کے ذو معنی باتوں پر بھڑ بھڑ جلی تھی۔ وہ بستر اس کی کی ہوئی محبت یاد دلاتے اسے ایسے ہی اندر تک جلاتا تھا۔

بیوی کیا بستر محبت نہیں کر سکتی اپنے شوہر سے۔۔ تم ہر بار مجھے طعنہ مارتے ہو۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولی۔

ابرش کی بات پر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔ بیوی کرے تو محبت شوہر کرے تو ضرورت۔۔

بیوی دور دھکیلے تو بیوی کا موڈ نہیں۔ اگر شوہر غلطی سے دور کر دے تو شوہر کی زندگی میں دوسری عورت ہے۔ جتنی بار تم مجھے خود سے دور دھکیلتی ہو اگر میں دھکیلوں تو تم مورچہ اٹھائے زنان خانے کے لاونج میں دہائیاں دو۔ زاران کی باتوں پر ابرش کی آنکھوں میں شعلے دہک رہے تھے۔ اس منتقم مزاج بندے دل جلانے میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔

اس دن تین منٹ میں دوبارہ موڈ نہیں بنا تھا۔ آج بنا دوں گا بس دیکھتی جاؤ۔۔ زاران نے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتے محظوظ ہوتے اسے آنکھ ماری۔

چھوڑ مجھے !ابرش اس کے حصار میں مچلی تھی۔ باتھ ٹب کا پانی اب گرم ہو رہا تھا۔ گرم پانی سے ابرش کے کپکپاتے بدن کو حرارت ملی

ابرش بے حال سے ہوتی اس کے سینے پر سر رکھے سکون سے آنکھیں موندیں۔۔

زاران رخ پلٹے اسے گرم پانی کے اندر کرتا اس کے لبوں پر جھک گیا۔

زاران کی شدت اور پانی کے اندر ہونے پر ابرش کی سانسیں بند ہوئی تھیں ۔وہ مچل کر رہ گئی۔ زاران اسے اوپر کرتے رخ پلٹے پھر سے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

ایک بات سنو !جب بھی تمھارے قریب آؤں گا زبردستی نہیں ہو گی۔ جس عورت پر مرد حق رکھتا ہو۔ مرد شدید محبت کرتا ہو تو اس عورت

کے ساتھ مرد رومانس بھی نہیں کرتا۔۔وہ صرف پیار کرتا ہے۔صرف پیار کرتا ہے۔۔زاران گھمبیر آواز میں کہتے ابرش کے بدن کا ہر پردہ آزاد کرتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں گھوٹ گیا۔وہ ابرش کی حالت میں آتے اپنا پیار اس پر شدت سے نچھاور کرنے لگا۔وہ پوری طرح ابرش پر قابو پائے ہوے تھا۔ابرش کی سسکیاں واش روم میں گونج رہی تھی۔۔زاران اسے خود میں مضبوطی سے سمائے اس کے نازک بدن پر اپنا مکمل وزن ڈالے بہکتا جا رہا تھا۔

ارحام خانزادہ تند و تیز انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔گاڑی پہاڑوں پر فل سپیڈ میں فراٹے بھر رہی تھی۔اس کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔ہاتھوں گردن کی نیلی رگیں تک ظاہر ہو رہی تھیں۔وہ جبڑے بھینچے

ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ پریذے ابھی بھی منہ پر ہاتھ رکھے آنکھیں میچے سیٹ سے ٹیک لگائے ہوے تھی۔ گاڑی اونچی نیچی سڑکوں پر ڈول رہی تھی۔۔ گاڑی میں گونجتی حور کی سسکیاں اور ڈولتی گاڑی پر پریذے تقریباً اپنی سانسیں تک روکے ہوے تھی۔ ارحام نے اسے ڈانٹنے کے بعد ایک مرتبہ نہیں پکارا تھا۔ ورنہ وہ اسے ایسے سانسیں روکے آنکھیں میچے دیکھ کر کچھ لمحوں بعد خود کے ساتھ لپٹا لیتا تھا۔

حور سیٹ سے ٹیک لگائے نڈھال سی سیٹ پر سر پٹخے اپنی دھڑکنوں کو جکڑے شدت سے روتے سسکیاں بھر رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اسے دل پر ہاتھ رکھے دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔

پورا وجود بارود کا ڈھیر بنا تھا۔

!!اس کی روح سے محبت کرتا ہوں۔اس کے چہرے سے محبت کرتا ہوں!!ساحر خان کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر گئے تھے ۔۔گاڑی کی سپیڈ مزید تیز ہوئی تھی۔

!!لالا۔۔مم مجھے حور سے ملنا ہے اس سے لپٹ کر ساحر خان کا غم منانا ہے میرے ساحر خان کو یہ چہرہ بہت پیارا تھا۔مجھے اس چہرے کو چومنا ہے لالا!!

زرمش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ گہرے سانس لیتا اپنے بال مٹھی میں جکڑتے انھیں بے دردی سے نوچ گیا۔

ساحر خان مر گیا حور !!وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ مر گیا حور!!وہ !!

گانا گانے والا ساحر خان مر گیا حور!!وہ تم پر جان چھڑکنے والا ساحر خان مر گیا حور۔۔

یہ لفظ سماعتوں میں گڈمڈ ہوتے اسے جیسے سولی پر لٹکا چکے تھے۔۔رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی مانند ابل رہا تھا۔

دوزخ کی آگ کیا دہکتی ہو گی جس آگ میں وہ جل رہا تھا وہ اس آگ کو بھی پیچھے چھوڑ چکی تھی۔

وہ اپنی بیوی کو لے کر شدت پسند تھا جنونی تھا یہ جنونیت یہ شدت پسندی خدا نے اس کے اندر ڈالی تھی۔ورنہ یہ جنونیت شدت پسندی کس بلا کا نام ہے وہ جانتا تک نہیں تھا۔جب سے جان گیا تھا تب سے اس کا وجود کسی آسیب میں

جکڑا گیا تھا۔ اب اچھی طرح جان چکا تھا یہ شدت پسندی جنونیت واقعی اک بلا کا ہی نام ہے

درد ہی درد تھا آگ ہی آگ تھی۔ جس میں وہ برزخ کی مانند جل رہا تھا۔ ارحام نے سٹرینگ پر پوری قوت سے مکہ مارا.

پیچھے بیٹھی پریذے آنکھیں میچے لرز اٹھی تھی۔

حور سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں میچے سسکیوں سے رو رہی تھی۔

!!اس نے تمھارے لیے جان دے دی تمھیں پتہ ہی نہیں۔ تم اس کے عشق کے قابل ہی نہیں تھی!!زرمش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو اس کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

ساحر خان مر گیا!! یہ کیسے لفظ تھے جو جان نکال کر لے گئے تھے۔ وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ مر گیا تھا۔ یہ یقین کرنا سچ میں مشکل تھا یہ درد سہنا بھی مشکل تھا۔ کیونکہ ان سبز آنکھوں میں ہمیشہ درد ہی دیکھا تھا۔ آج وہ نہیں رہا تو دل میں درد ہی درد تھا۔ وہ کیسے مر گیا؟؟ کیا درد سے اس کا وہ دل بند ہو گیا جس میں وہ رہتی تھی۔

کیسے اس نے اس کے جان دے دی آخر؟؟ حور نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔ چادر سر سے پھسلتی کندھوں پر تھی۔

سلکی براؤن بال شانوں اور کمر پر بکھرے تھے۔

ساحر خان نے اس کے لیے جان دے دی!! یہ حقیقت زیادہ تکلیف دہ تھی۔۔ ساحر خان اس کے لیے مر گیا۔ یہ کیسے آخر ہو سکتا ہے؟؟ وہ کیسے مر سکتا ہے؟؟

!!تم نے میرا قتل کیا۔۔مجھے زندہ مار دیا۔۔تم بیوفا ہو تم قاتل ہو میری۔۔۔۔۔تم بیوفا ہو حور۔۔۔۔۔مگر پھر بھی ساحر خانزادہ تمھارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا!!

ساحر خان کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اس کی سسکیوں کی روانگی میں آضافہ کر چکے تھے۔کیا وہ قاتل تھی؟؟۔کیا اس نے ساحر خان کا قتل کر دیا تھا؟؟کیا وہ سچ میں بیوفا تھی؟؟

ساحر!!حور نے سسکی لیتے اپنی دھڑکنوں کو مٹھی میں جکڑا۔

اس کے لبوں سے نام ساحر سن کر ارحام خانزادہ کا وجود ریزہ ریزہ ہوتے بکھرا تھا۔۔وہ شعلوں کی مانند دہک اٹھا تھا۔پورے جسم کا خون اس کے چہرے پر جیسے سمٹ آیا تھا۔آنکھوں میں خون اترا تھا۔تلوں سے تپش نکلتی اس کے دماغ تک پہنچی تھی۔

ارحام خانزادہ نے گاڑی کی سپیڈ انتہائی تیز کی۔ گاڑی کی سپیڈ اتنی تیز تھی کہ آگلی گاڑی سے ٹکرانے لگی تھی۔ یہ دیکھتے ارحام خانزادہ جلدی سے بریک پر پاؤں رکھ کر گاڑی کو روک گیا۔ مگر گاڑی پھر بھی اگلی گاڑی سے جا ٹکرائی تھی۔ حور نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھا تھا ورنہ اس کا سر ٹکرا جاتا۔

ھغہ ذلیل خلک چہ مو ر چلول نہ پوھیږي، ولې چلوي؟ سپي کمینی...

(ذل۔۔یل۔۔۔لوگ گاڑی لے کر نکل آتے ہیں چلانی آتی ہے نہیں ان کم۔ین۔وکو۔)

ارحام سٹیرنگ پر مکہ مارتے پشتو میں گالیاں دیتے حلق کے بل دھاڑا۔

اس کی دھاڑ پر حور کی سسکیاں تھمی تھیں۔۔ پریذے منہ پر ہاتھ مزید سختی سے جماتے سیٹ پر اوندھے منہ لیٹے منہ چھپا گئی۔

حور کی سسکیاں اور ارحام کے دھاڑنے پر وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

حور نے خوف سے ارحام خانزاہ کو دیکھا۔ جس کے لبوں سے پہلے کبھی پشتو نہیں سنی تھی۔

کلہ چہ مو ر چلول نہ پوھیږئ، وا و ئ؟؟

ارحام خانزادہ نے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے طیش والم میں پھولتی رگوں کے ساتھ حلق کے بل چیختے ہوئے اپنی سایڈ کے شیشے سے اپنی پسٹل ڈیش بورڈ سے اٹھاتے ہوئے اگلی گاڑی کی ڈکی پر اکٹھے ہی دو تین فایر کر دیے تھے۔

حور گہرے سانس لیتے اپنی سانسیں روک چکی تھی۔ وہ بلاوجہ کسی پر گولی چلائے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ان سے آگے جو گاڑی رکی تھی اس میں سے دو آدمی اپنی گاڑی کی حالت دیکھنے کے لیے اترے ہی تھے۔ گاڑی

پر فائر کی وجہ سے وہ بد حواس ہوتے گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کرتے گاڑی بھگا کر لے جا چکے تھے۔

آہہ۔۔۔۔۔۔ارحام نے طیش والم میں چیختے ہوے سٹیرنگ پر مکہ مارا۔

ارحام!!حور نے روتے ہوے بے یقینی سے اسے بھیگی آواز میں پکارا۔

نام مت لینا میرا اپنے لبوں سے سمجھی تم!!ارحام اس کی طرف جھکتے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔اس کے سر سے اتری چادر دیکھ کر اس کے مساموں سے دھواں اٹھنا شروع ہو گیا تھا۔اس کا غم کیا اتنا بڑا تھا وہ اس کے سامنے ہی اپنی چادر لینا بھول چکی تھی۔

چادر کیوں اتری تمھارے سر سے؟؟۔نقاب کیوں گرا تمھارے چہرے سے جانتی ہو کیسی آگ اترتی ہے میرے اندر جب جب تم بے پردہ ہوتی

ہو؟؟ کیوں ہر بار تکلیف دیتی ہو مجھے؟؟ وہ اس کا جبڑہ چھوڑتے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

میں لے لیتی ہوں چادر ارحام!! ساحر مر گیا ارحام! حور نے روتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے درد و کرب سے کہتے چادر سر پر اوڑھی۔ ساحر کا غم کس سے بانٹے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ دل میں نہیں رہتا تھا مگر اس کا درد اسے ہمیشہ محسوس ہوتا تھا۔

!! وہ سچ میں بہت لکی تھی۔۔ جتنی وہ خوبصورت تھی۔۔ اتنی ہی لکی کہ ساحر خانزادہ جیسا انسان اس پر مرتا ہے۔۔

!! مگر افسوس وہ جتنی خوبصورت تھی۔۔ وقت کے ساتھ وہ اتنی ہی بدقسمت ٹھہری کہ اس کی زندگی میں ساحر خانزادہ نہ رہا۔۔ اب ساحر خانزادہ جیسا بندہ کسی کی زندگی میں نہ رہے۔۔ وہ بدقسمت ہی ہو گا ناں!!

نشا کے لفظ ارحام کی سماعتوں میں گونجتے اس کی نیلی رگوں کو جیسے زہریلا کر چکے تھے۔

ارحام نے سیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنی سائیڈ والے شیشے پر مکہ مارا شیشہ بری طرح جھنجھنا اٹھا تھا۔

حور اور پریذے کے لبوں سے دبی دبی چیخ برامد ہوئی تھی۔

پریذے!! حور نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ سیٹ پر اوندھے منہ لیٹے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی۔۔ اس کا بدن ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا۔۔

ارحام خانزادہ نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔وہ اس سب میں اپنی بیٹی کو بھول ہی گیا تھا۔پریذے کو کانپتے دیکھ کر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اترا تھا۔

حور بھی جلدی ہوے گاڑی سے نیچے اتری تھی۔

ارحام نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے جھکتے ہوے اسے سیدھا کرتے اسے بازوؤں سے جکڑے ہوے باہر نکالتے اپنے کندھے سے لگایا۔

وہ اب ارحام کے کندھے سے جکڑے سختی سے آنکھیں میچ گئی۔۔وہ اس کے حصار میں بری طرح کانپ رہی تھی۔

پریذے کو ایسے دیکھ کر ارحام اپنے جبڑے بری طرح بھینچ گیا تھا۔پریذے اس سے بہت ڈرتی تھی۔اس نے کبھی اسے سختی سے ڈانٹا مارا نہیں تھا۔مگر وہ

اس کے ذرا سا سرد نگاہ سے ڈر جاتی تھی۔ ایک بار کسی کام سے روک دے وہ نہیں کرتی تھی۔

پریذے میرا بیٹا سوری پاپا!! آپ پر نہیں چلا رہے تھے۔۔ ارحام نے اس کے کپکپاتے وجود کو نرمی سے سینے میں بھینچتے کہا۔

وہ کیسے اپنی بیٹی کے سامنے ایسے چلا سکتا ہے گالی دے سکتا ہے۔۔ ارحام اس کے کپکپاتے وجود کو نرمی سے خود میں بھینچتے پریشان ہوا۔

پریذے جان!! حور نے تڑپتے ہوئے پریذے کو ارحام سے لینا چاہا۔

ارحام اسے اسے بازو سے جکڑے خود سے اور پریذے سے دور کر گیا۔

ارحام!! حور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

گاڑی میں بیٹھو!!ارحام نے اس کے کھلے چہرے کو دیکھتے ہوے سختی سے کہا۔وہ لوگ مصروف شاہراہ پر کھڑے تھے۔آس پاس سے گاڑیاں ٹیکسیاں گزر رہی تھیں۔

پریذے میری بیٹی ہے۔حور نے روتے ہوے پریذے کی طرف پھر سے ہاتھ بڑھائے۔

گاڑی میں بیٹھو حور!!میں دیکھ لوں گا اپنی بیٹی کو!!ارحام نے سرد برفیلے حکمیہ لہجے میں کہتے اس کی طرف طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے گاڑی میں بٹھایا۔

پریذے جان!!حور نے تڑپتے گاڑی کے شیشے سے پریذے کو دیکھا۔جو ارحام کی گردن میں بانہیں حمائل کی ہوئی بری طرح کپکپا رہی تھی۔حور اسے کانپتے دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔وہ آخر کیسے وہ اپنی بیٹی کو بھول سکتی

ہے۔ کتنا بھی بڑا غم تکلیف کیوں نہ ہو؟؟ کوئی ماں کیسے اپنی بیٹی کو بھول سکتی ہے؟؟ اس کا معصوم دل کہہ رہا تھا ایک ماں اپنی بیٹی کو ایک پل کے لیے نہیں بھول سکتی۔ مگر وہ بھول گئی تھی۔ اب دل زیادہ درد میں تھا۔ ساحر خان کی موت اور اب اس کی بیٹی کی حالت۔۔

وہ ارحام کو غصے میں دیکھ کر خاموش سی گاڑی میں بیٹھی بھیگی نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔ جو پریذے کو خود کے ساتھ لپٹائے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے کچھ کہہ رہا تھا۔

پریذے میرا بیٹا!! پاپا نے آپ کو نہیں ڈانٹا تھا۔ پاپا آپ کو کبھی کچھ نہیں سکتے

You know very well papa loves you very much

ارحام نے نرمی سے کہتے اس کی بانہیں اپنی گردن سے ہٹاتے اس کا چہرہ دیکھنا چاہا۔

وہ سختی سے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے اس کے ساتھ پھر سے لپٹ گئی۔اس کا جسم ابھی بھی کانپ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے ضبط سے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا اسے پھر سے ٹمپریچر ہو چکا تھا۔

ارحام اسے خود کے ساتھ لپٹائے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی میں احتیاط سے بیٹھا پریذے ویسے ہی اس کے گردن میں بانہیں حمائل کیے اس کے ساتھ چپکے ہوے آنکھیں میچے ہوے تھی۔

ارحام خانزادہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوے نرمی سے اس کی بانہیں ایک بار پھر سے خود سے الگ کی۔ وہ اس کی کمر پر اپنے بازو لپیٹ کر کانپتے ہوے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اب کی بار اسے خود سے الگ نہیں کیا تھا۔ ارحام نے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتے ہوے ایسے ہی گاڑی سٹارٹ کی۔

ارحام!! پریذے مجھے دے دیں۔ آپ ڈرائیونگ کیسے کریں گے؟؟۔ حور نے پریذے کو دیکھتے تڑپتے ہوے کہا۔

کرلوں گا میری بیٹی کو تمھاری ضرورت نہیں۔ ارحام خانزادہ نے سپاٹ لہجے میں کہتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

حور اس کے لفظوں پر بے یقین ہوتے اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ہوے ونڈ سکرین پر نظریں جما گئی تھی۔

گاڑی کار پورچ میں داخل ہوئی تو ارحام خانزادہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے باہر نکلتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

آج پہلی مرتبہ تھا وہ حور کے بغیر ہی داخلی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ ورنہ اس سے جب نفرت کا دعویدار تھا تب بھی وہ اسے لیے ہی اندر داخل ہوتا تھا۔ کبھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتا تھا نہ کمرے میں نہ کبھی باہر۔۔

حور اپنی طرف کا دروازہ کھولتے بہت خاموشی سے ارحام کے بھاری قدموں کے ہم قدم ہوئی۔ داخلی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ارحام کا ہاتھ رکا۔

اس نے گہرا سانس بھرتے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ آہستگی سے قدم بڑھاتے ہوے آرہی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے دیکھے بنا اس کی کلائی جکڑ گیا۔ اس کی گرفت اپنی کلائی پر محسوس کرتے حور کے قدم رکے تھے دوسرے پل وہ سپاٹ انداز میں اس کے ساتھ بڑھ گئی تھی۔ دونوں نے ایک بار بھی دوسرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے لیے حویلی کے اندر داخل ہوا۔

وہ لوگ اندر داخل ہوے اس وقت زنان خانے میں کوئی نہیں تھا۔

ارحام تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ حور اس کی سخت گرفت میں اس کے ساتھ بڑھی تھی۔

کمرے کے دروازے کے باہر ارحام اس کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔ وہ پریذے کو ساتھ لپٹائے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا۔ حور دروازے کی دھاڑ پر شدت سے لرز کر رہ گئی۔

کتنے ہی پل ڈبڈبائی آنکھوں سے وہ بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ کبھی اس کے منہ پر اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ کبھی کمرے سے نہیں نکالا تھا۔ نفرت میں بھی پناہوں میں رکھتا تھا۔ اچھی طرح یاد تھی اسے وہ طوفانی رات جب ہر طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ وہ اسے بچا رہا تھا۔ وہ ڈرتے ہوے اس کے گارڈز کے سامنے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اسے بازوؤں میں نرمی سے بھرتے اپنے سینے سے لپٹائے ہوے تھا۔ کتنی نفرت

کرتا تھا مگر کسی سچویشن میں خود سے دور نہیں جھٹکتا تھا۔ آج اس کے چہرے پر دروازہ بند کر گیا۔ دل میں مزید درد اٹھا تھا۔

وہ اپنی گلابی آنکھیں رگڑتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔

ارحام بیڈ پر پریذے کے پاس بیٹھے اس کی ماتھے کی پانی سے پٹیاں کر رہا تھا۔

حور اپنی چادر اتار کر صوفے پر رکھتے خاموشی سے بیڈ کی طرف بڑھتے ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی۔

پریذے ابھی بھی آنکھیں سختی سے میچے ہوئے تھی۔

پریذے! ارحام نے اس پر جھکتے اسے نرمی سے پکارا۔ وہ مزید سختی سے آنکھیں میچ گئی۔

پریذے جان!!حور بھیگی آواز میں اسے پکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھی

ڈونٹ!!ڈونٹ!!ارحام خانزاہ نے انگشت شہادت اٹھائے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے تنبیہ کی تھی۔اس کی سرد تنبیہی نگاہ پر حور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

پریذے میری بیٹی ہے ارحام!!آپ کیسے روک سکتے ہیں مجھے اس کے پاس جانے سے۔حور مشتعل ہوتے چیخ اٹھی تھی۔

آواز نیچے سمجھی تم؟؟ارحام اس کی طرف بڑھتے دبی اواز میں غرایا۔

حور اس کی غراہٹ پر پیچھے کو قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

میری بیٹی ہے آپ نے خود کہا۔ وہ آپ کی بیٹی نہیں صرف میری بیٹی ہے

۔ آپ اس پر اپنا حق نہیں جتائیں گے۔ اب کیوں حق جتا رہے ہیں میری بیٹی

پر۔۔ حور نے کرب سے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا تھا۔

تمھاری بیٹی ہے پریذے ہاں!! بتاؤ مجھے پریذے سچ میں تمھاری بیٹی

ہے۔ ارحام خانزادہ نے اس کے گرد ہاتھ محصور کرتے سرد آواز میں پوچھا

۔

وہ سچ میں میری بیٹی ہے۔ میں اس کی ماما ہوں۔ آپ نے ہی بنایا تھا مجھے اس

کی ماما۔ آپ نے ہی کہا تھا گل اس کی ماں نہیں۔ میں اس کی ماما ہوں۔ حور نے

گہرا سانس لیتے اس کی سرخ سرد آنکھوں میں دیکھتے مضبوط لہجے میں اس

کے کہے ہوے لفظ یاد دلائے۔

کہاں بنی اس کی ماں تم ؟؟ بتاؤ مجھے کہاں بنی اس کی ماں تم ہاں ؟؟۔ وہ دیوار پر مکہ مارتے ہوے غرایا۔۔ حور اس کی غراہٹ اور دیوار پر پنچ مارنے پر خوف سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی چیخ حلق میں گھونٹتے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی۔۔

حویلی چھوڑ کر چلی گئی تم ؟؟ جانتی تھی وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔۔ لیکن تم پھر بھی حویلی چھوڑ کر گئی۔ سات مہینے وہ تمھارے لیے اور گل کے لیے تڑپتی رہی۔ یہی کہتا رہا ماما واپس آئے گی۔ ضرور آئے گی۔۔ یہ الفاظ گل کے لیے نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اس کی ماما تو تم تھی۔۔

میں ہی ہوں ارحام !! اور میں آئی تو ہوں واپس ارحام۔ حور نے اس کی بات پر لبوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوے روتے ہوے کہا۔

کل پھر چلی گئی تم حور بنا کچھ کہے بنا کچھ بتائے۔اس کی اس حالت کی ذمہ دار تم ہو صرف تم۔۔ارحام اس کے آنسو نظر انداز کرتے سرد آواز میں پھنکارا

۔

صرف میں ارحام!!حور نے سینے پر انگلی رکھتے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

ہاں تم صرف تم!!کس طرح تم گاڑی میں رو رہی تھی ماتم منا رہی تھی۔ایک بار بھی پریذے کا خیال آیا تمھیں؟؟ارحام نے لب بھینچے سوال کیا۔سات مہینے اس کا حویلی واپس آنا اتنی تکلیف نہیں دے کر گیا تھا۔جتنا گاڑی میں اس کا ماتمی روپ دے گیا تھا۔اصل تکلیف ہی اسی بات کی تھی۔وہ کیوں تڑپ تڑپ کر روئی۔۔مقابل کو ایک بار بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اسے لے کر کتنا پوزیسو ہے۔۔کتنا حساس ہے۔۔وہ اسے اس کے عاشق کے لیے روتے دیکھ کر اندر سے جیسے مر گیا تھا۔

آپ جس طرح گاڑی میں چیخ رہے تھے۔۔ پشتو میں گالیاں دے رہے تھے۔ وہ کیا تھا ارحام!! آپ کو بھی تو پریذے کا خیال نہیں آیا۔ میری بیٹی کا خیال نہیں آیا۔ آپ کے چلانے پر اس کا یہ حال ہوا۔ جانتے ہیں ناں وہ آپ کی ایک سرد سرخ نگاہ پر سانسیں روک لیتی ہے آپ کے ایسے چلانے پر اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ حور نے سسکی بھرتے دبے انداز میں چیخی۔ وہ دونوں پھر اپنی بیٹی کو بھول چکے تھے۔ وہ بیڈ پر لیٹے پھر سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے آنکھیں میچے کپکپانا شروع ہو چکی تھی۔

اوکے میری غلطی ہے میں اپنی بیٹی کو سنبھال لوں گا۔ جاؤ یہاں سے تمھیں شاید تنہائی کی ضرورت ہے۔ ارحام اس کی گلابی متورم آنکھیں دیکھتے سلگتے لہجے میں بولتے پریذے کی طرف بڑھا۔

پریذے میری بیٹی ہے۔ صرف میری بیٹی ہے۔ کچھ بھی کہہ لیں پریذے کے معاملے میں کبھی آپ سے خوف نہیں کھاؤں گی۔ نہ ڈروں گی۔۔ اگر میری بیٹی مجھ سے دور کرنے کی کوشش بھی کی میں حور سلطان شاہ بن کے آپ کے مقابل آکھڑی ہوں گی۔ پھر آپ کی یہ سرخ آنکھیں مجھے ڈرا نہیں سکیں گی یاد رکھیے گا۔ حور اس کی پشت کو دیکھتے انگشت شہادت اٹھائے بھیگے تنبیہی لہجے میں بولی تھی۔

حور کی "حور سلطان شاہ" والی دھمکی پر ارحام نے مڑتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

حور خانزادہ آپ کی بیوی ہے۔ مگر پریذے کی ماں حور سلطان شاہ ہے۔ ارحام کی سرد نگاہوں پر اس نے کپکپاتے لبوں سے کہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

شہرام خان ہاسپٹل میں اپنے آفس میں بیٹھا فائلز چیک کر رہا تھا۔ وہ واپس حویلی نہیں گیا تھا۔

بہارے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ اسے ہاسپٹل آنے سے سختی سے منع کر چکا تھا۔ جب تک بہرام ایک سال کا نہیں ہو جاتا وہ اسے ہاسپٹل کی ڈیوٹی سے منع کر چکا تھا۔

بہارے سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ایک پیکٹ پکڑا ہوا تھا۔۔

بہارے نے آگے بڑھتے ہوے وہ پیکٹ ٹیبل پر رکھا۔ شال اتارتے ہوے کرسی پر رکھی۔

وہ ریڈ پھولوں والی فٹنگ فراک میں ملبوس تھی۔ براون سلکی لمبے بھیگے بال کمر پر بکھرے ہوے تھی۔

ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

شہرام خان اسے دیکھتے مسکراتے ہوے چیئر کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

تم مجھے بغیر بتائے کیوں آئے شہرام؟؟؟ بہارے نے شہرام کی طرف بڑھتے ہوے سنجیدگی سے پوچھا۔

شہرام اس کی کلائی جکڑے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوے اپنی لیپ پر بٹھا گیا

۔

یہ لیڈی باس والے سوال جواب اگر اپنے bossy شوہر کی گود میں بیٹھ کر پوچھو گی تو زیادہ اچھے سے جواب دوں گا۔ شہرام اسے کمر سے جکڑے اپنے

مزید قریب کر گیا تھا۔۔bossy شوہر کی جگہ غلام کہتے تو اچھا لگتا۔لیڈی باس کا شوہر اس کا boss کیسے ہو سکتا ہے شہرام خان؟؟۔۔بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔۔

بہارے کے چبھتے لہجے پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

لیڈی باس اتنا تپی کیوں ہے؟؟معلوم ہے اس کی آجازت کے بغیر میں نے کمرے سے باہر قدم کیوں رکھا ہے ناں؟؟۔۔شہرام نے اس کے گیلے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوے سوال کیا۔

اوماڑا!!یہ شہرام خان کو کمرے سے نکلنے کی میری آجازت کی ضرورت ہے۔۔۔بہت اچھا مذاق ہے۔۔بہارے مزید سلگی تھی

شہرام خان ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ چاہے کمرے میں ٹھہرنا ہو یا مجھے اپنی قربت میں اپنی دھڑکنوں کے قریب تادیر تک رکھنا۔ مرضی صرف شہرام خان کی چلتی ہے۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کی براؤن پرکشش آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی۔

اب ایسے بھی نہ کہو!؟ شہرام خان ایک ہی عورت کا غلام ہے وہ ہے اس کی لیڈی باس!اس کی بہارے خان۔ اگر بہارے خان حکم کرے شہرام خان اپنی سانسیں روک لے۔ شہرام خان اس کے سرخ عارض پر اپنا ہاتھ جما گیا تھا۔

شہرام کی بات پر بہارے نے مسکراتے ہوئے مغروریت سے اسے دیکھا۔ شہرام خان کی اس طرح کی باتیں اسے مغروریت کی انتہا پر لے جاتی تھیں۔ مقابل کے لفظ بہت قیمتی تھے اس کے لیے۔۔

ویسے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟؟ اگر بہارے اپنی فراک کے اگلے بٹن کھول کر کچھ خاص کا نظارہ کروادے تو شہرام خان کی سانسیں سچ میں رک جائیں گی۔ شہرام نے شرارتی انداز میں کہتے اس کے فراک کے اگلے بٹنوں میں ہاتھ الجھایا۔ بہارے اس کا ہاتھ جھٹکتے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی۔۔ شہرام خان اس کی ادا پر گہرا مسکرایا تھا۔

ویسے میری بہارے شرماتی بہت ہے۔ یہ بات مجھے پتہ ہی نہیں تھی۔۔۔ شہرام خان اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کے گلاب چہرے کو دیکھا جو تپ کر قندھار ہوا تھا۔

شہرام خان بے باک بے شرم تو شروع سے تھا۔ مگر اتنی بے شرم باتیں نہیں کرتا تھا۔ بہارے نے نظریں جھکائے کہا۔

ابھی تو میں نے کہاں کی بے شرمی والی باتیں وہ تو رات کو کروں گا بے شرموں والی باتیں بھی اور حرکتیں بھی میری بہارے!! شہرام خان مسکراتے ہوے اس کے سرخ لبوں پر انگوٹھا پھیر گیا

کیا کر رہے ہو شہرام؟؟ بہت محنت سے لگائی ہے۔ بہارے نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

اتنی محنت سے لگائی ہے تو اتنی محنت سے ہی خراب کروں گا۔ شہرام اس کے بال گدی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے بے حد قریب کر گیا تھا۔

  اب ایک بار اور میرا ہاتھ جھٹکا تو تمھاری لپ سٹک نہیں کھاؤں گ۔ ابلکہ تمھارے یہ سرخ ہونٹ چباڈالوں گا۔ شہرام اس کے سرخ لبوں پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

دوسرے لمحے وہ بہارے کے سرخ لبوں پر جھکے انھیں اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔ شہرام خان کی دہکتی سانسوں کو اپنے اندر اترتی محسوس کرتے بہارے خان تڑپ اٹھی تھی۔ تڑپ کر اس کی شرٹ مٹھیوں میں سختی سے جکڑ گئی تھی۔ اس کا یہاں آنا اسے ہی مہنگا پڑ گیا تھا۔

اس کی ہونٹوں کی سرخی چراتے وہ اسے اپنی شدت کی گہری لالی دے گیا تھا۔

بہارے گہرے سانس لیتے اس کے چٹانی سینے میں سما گئی تھی۔

تمھیں پتہ تھا بہارے میں تمھیں ایسے دیکھتے تمھارے ہونٹوں کی نمی ضرور چراؤں گا پھر مجھے جھٹک کیوں رہی تھی؟!۔۔ شہرام خان اسے بالوں سے گدی سے جکڑتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔ اس کا جھٹکنا اب وو برداشت نہیں کر سکتا تھب۔

شہرام تمھاری قربت میں یہ بال کم الجھتے ہیں۔ جواب تم انھیں بار بار کھینچ کر مزید الجھا رہے ہو۔ بہارے نے اسے دیکھتے بھیگے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ وہ اس کے بال بے دردی سے جکڑے ہوے تھا۔

اگر الجھاتا ہوں تو سلجھاتا بھی میں ہوں۔ کب خود سلجھاتی ہو تم اپنے بالوں کو ہمم؟؟۔۔ شہرام خان نے آئی ابرو اچکائے استفسار کیا۔

تم بھی مت سلجھایا کرو میں خود سلجھالوں گی۔ بہارے نروٹھے انداز میں بولتے شہرام کی گود سے اٹھی۔ وہ اس کی کمر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اپنی گود میں پھر سے بٹھا گیا۔

میں تمھیں سلجھانے دوں گا تو سلجھاؤ گی ناں میری بہارے۔۔ شہرام خان اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے گہرا مسکرا گیا۔

یہ ناراضگی کیوں دکھائی جارہی ہے؟؟ان لبوں پر تو میں رات بھر حکومت کرتا ہوں۔اس طرح ناراض تو نہیں ہوتی۔شہرام خان نے اس کے سرخ بھیگے لبوں پر انگوٹھا پھیرا۔

تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں شہرام؟؟کیوں آئے ہاسپٹل؟؟کیا ایمرجنسی تھی جو مجھے اور بہرام کو چھوڑ کر آئے۔؟!

بہارے کے شکوے پر شہرام خان کا برجستہ قہقہ گونجا۔۔

بہارے نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

تمھیں اٹھا کر کیا کرتا اتنے دنوں سے ناشتہ تو مجھے دے نہیں رہی۔

شہرام نے اس کے تپے چہرے کو دیکھتے اب مسکراہٹ دبائی تھی۔وہ اس کے ذرا سے اگنور کرنے پر آج اس کا ناشتہ ہاسپٹل لے آئی تھی۔شہرام خان

نے ٹیبل پر رکھے پیکٹ کی طرف دیکھا۔ اسے اب سمجھ آئی تھی بہارے کے یہاں آنے کی وجہ۔

کیا مطلب میں تمھیں ناشتہ نہیں بنا کر دیتی شہرام؟؟ بہارے روہانسی ہوئی تھی

کتنے دن ہو گئے کب بنا کر دیا؟! درخشاں کے ہاتھ کا کر رہا ہوں۔ میری بیوی کو اس وقت اپنی نیند پوری کرنی ہوتی ہے جس وقت مجھے ناشتہ چاہیے ہوتا ہے۔ اچھی بیویاں ایسے کرتی ہیں۔ شہرام کی بات پر بہارے مزید روہانسی ہوئی تھی۔

ساری رات مجھے جگائے رکھتے ہو۔ آنکھ لگتی ہے کبھی تم جگا دیتے ہو کبھی تمھارا بیٹا۔۔ اگر ناشتہ چاہیے تو آج رات مجھے سونے دینا۔ بہارے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے اس کی گود سے اٹھی۔

شہرام مسکراہٹ دبائے اسے اب چھوڑ چکا تھا۔ شہرام کے چھوڑنے پر بہارے کے گال غصے سے مزید دہکے تھے۔ وہ غصے سے اپنی چادر صوفے سے اٹھائے خود پر اوڑھتے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولتی شہرام خان اپنا مضبوط ہاتھ ہینڈل پر جماتے دروازہ لاک کر گیا۔

شہرام خان بہارے کے گرد اپنے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھے ہوے تھا۔ اس کی پشت شہرام خان کے چٹانی سینے کو چھو رہی تھی۔ مسز شہرام خان!! صبح صبح اتنا غصہ کیوں دکھایا جا رہا ہے؟؟ آپ کے خان سے ایسی کیا گستاخی ہو گئی جو آپ ہاسپٹل آنے پر مجبور ہوئیں۔ اصل بات بتائیں اتنا تیار ہو کر آپ یہاں کیوں آئیں؟؟ شہرام خان اس کی چادر سر سے سرکاتے اس کے کان کی طرف جھکتے اس کی کان کی لو دانتوں سے کاٹ گیا۔

سس۔۔۔بہارے کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔

شہرام خان اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ موڑے اسے دروازے سے لگا گیا تھا

وہ اب نظریں جھکائے ہوے تھی۔

کیا ہوا ہے میری بہارے؟؟شہرام خان نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

تم ناشتہ کر کے کیوں نہیں آئے آج!!بہارے نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

پریذے کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔لالا اسے ہاسپٹل لائے تھے تو اسی لیے مجھے ایمرجنسی میں آنا پڑا۔ تمھیں نہیں جگایا۔تم فجر پڑھ کر ہی تو سوئی تھی

تمہارا خیال کیا بہارے۔۔اس میں بھی ناراضگی۔۔شہرام خان نے بغور اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے وضاحت دیتے پوچھا۔

تمھیں گھر کا کھانا اچھا نہیں لگتا جو تم ہاسپٹل میں آج کل کھانا کھا رہے ہو شہرام!؟ بہارے نے بھیگے نروٹھے لہجے میں شکوہ کیا۔۔جو اسے آندر سے دہکائے ہوے تھا۔

ہاسپٹل میں کھانا کھا رہا ہوں میں؟؟ بہارے کی بات پر شہرام حیران ہوا تھا۔

تمھیں میرے ہاتھوں کا دیسی کھانا اب نہیں پسند شہرام۔جو تم نے سپیشلی ڈاکٹر ڈی سوزا سے continental کھانا لانے کو کہا۔اور دو دن سے تم بڑے مزے سے ڈاکٹر ڈی سوزا کے ہاتھوں کا کھانا کھا رہے ہو۔بہارے کی بات پر شہرام کو کھانسی کا غوطہ لگا تھا وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بری طرح کھانسنے لگا تھا۔

اپنی خوبصورت بیوی کا اتنی صبح صبح تیار ہو کر ہاتھ میں ٹفن پکڑ کر ہاسپٹل آنے کا مقصد سمجھ آیا تھا۔

اگر تمھیں continental کھانا کھانا تھا مجھے بتاتے۔

میں بنا دیتی شہرام خان۔ تم اچھی طرح جانتے ہو حویلی میں کوئی بھی مجھ جیسا کھانا نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک تمھاری مورے بھی نہیں۔ میں ڈاکٹر ڈی سوزا سے بہتر اور اچھا کھانا بنانا جانتی ہوں۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کو بھیگی شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔ وہ دن سے ایک نئی ڈاکٹر اپائینٹ ہوئی تھی اس کے ہاتھ کا کھانا کھا رہا تھا۔ بہارے کو جب سے پتہ چلا تھا وہ دہکتے کوئلوں کی مانند جل رہی تھی۔

  سپیشل اس ڈاکٹر سے کہہ کر اپنے لیے کھانا منگوا رہا

میں ڈاکٹر ڈی سوزا کے ہاتھ کا کھانا کھا رہا ہوں۔ یہ تمھیں کیسے پتہ چلا؟؟۔ شہرام نے اس کے قریب ہوتے سنجیدگی سے پوچھا۔

مجھے تمھارے بارے میں ہر بات کی خبر ہوتی ہے شہرام۔ بہارے نے جواباً شرربار لہجے میں جتایا۔

ہمم۔۔۔۔۔۔ شہرام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے پیچھے ہوتے ٹیبل پر رکھے فون کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر ڈی سوزا کو اندر بھیجیں۔ شہرام کہتے فون کریڈل پر رکھ چکا تھا۔

بہارے نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا وہ اس کے سامنے ہی ڈاکٹر ڈی سوزا کو اندر بلا رہا تھا۔

شہرام بہارے کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے چیئر پر بیٹھتے سیٹ سے ٹیک لگا گیا۔

اب وہ چیئر پر بیٹھے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے بہارے کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا

بہارے اس کی سرد نگاہوں پر اپنا چہرہ پھیر گئی تھی۔

اسی لمحے دروازہ ناک ہوا تھا۔

دروازے سے دور ہٹیں گی مسز شہرام خان!!ڈاکٹر ڈی سوزا کو اندر آنے دیں۔ شہرام خان بہارے کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

بہارے اس کا سرد لہجہ اور سرد نگاہیں شدت سے محسوس کرتے دروازے سے دور ہوئی۔

کم ڈاکٹر ڈی سوزا!! شہرام نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ بہارے اس کا نرم لہجہ محسوس کرتے گہرا سانس لیتے بھڑ بھڑ جلی تھی۔ وہ سر سے پیر تک دہک اٹھی تھی۔

ڈاکٹر ڈی سوزا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو بہارے کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

تم نے مجھے بلایا جنٹلمین۔۔ ڈاکٹر ڈی سوزا شہرام خان کو دیکھتے خوشگواری سے بولی۔

مائی بیوٹیوفل ڈاکٹر ڈی سوزا۔۔ مجھے جنٹلمین نہ بلایا کریں۔ یہاں بہت سے لوگ مجھے جنٹلمین نہیں سمجھتے۔ شہرام خان نے بہارے پر طنزیہ نگاہیں گاڑھیں۔

شہرام کے طنز پر بہارے کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

اگر نہیں سمجھتے تو اچھا کرتے ہیں تم جنٹلمین نہیں تو پھر ایک نمبر کا

naughty

ہے بلکل ہمارا بیٹا مائکل کی طرح

۔۔۔ڈاکٹر ڈی سوزا کی بات پر بہارے لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی تھی. شہرام کی سرد نگاہیں ابھی تک اس پر جمیں تھیں۔

??x20;Who is this beautiful girl#&

ڈاکٹر ڈی سوزا نے بہارے کو دیکھتے پوچھا۔

بہارے خفت سے نظریں بھی نہیں اٹھا سکی تھیں۔

My beloved woman one and only my love my life

my wife Dr bahary

شہرام نے چیئر پر بیٹھے ہی بہارے کی جھکی نگاہوں کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا

Oh !!you r the lucky girl

ڈاکٹر ڈی سوزا نے آگے بڑھتے بہارے کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

بہارے ڈاکٹر ڈی سوزا کو دیکھ کر اب خفت سے مسکرا گئی تھی

تم سے ملنے کا بہت خواہش تھا۔ شہرام کا وایف دیکھنے کا خواہش تھا۔۔

شہرام جیسا کوئی نہیں کوئی نہیں۔۔ تمھارا شوہر نے ہمارا کتنا مدد کیا ہم بتا نہیں سکتا۔ ہمارا ملک امریکہ میں ہم کو غدار کہا۔ ہم کو ہسپتال سے نکال

دیا۔ کیونکہ ہم مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ ہمارا بیٹا مائیکل نے بھی ہم کو گھر سے نکال دیا تھا۔ ہم اولڈ ہاوس رہ رہا تھا۔۔ پھر ادھر شہرام ہم سے ملا۔ ہم کو اپنا mother

کہا۔ وہ ہم کو ادھر پاکستان لایا۔ ادھر ہاسپٹل

میں ڈاکٹر بنایا۔۔ تم بہت لکی ہے۔۔ ڈاکٹر ڈی سوزا نے بہارے کی اب پیشانی چومی۔۔ بہارے بھیگی آنکھوں سے ڈاکٹر ڈی سوزا کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

ہم مسلمان ہو گیا ہے اب ہمارا نام فاطمہ ہے۔۔ مگر اس کو عادت ہے ہم کو ڈاکٹر ڈی سوزا ڈاکٹر ڈی سوزا پکارتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر ڈی سوزا شہرام کو دیکھتے مسکرائی۔

سوری ڈاکٹر فاطمہ !! آیندہ سے اپ کو ڈی سوزا نہیں پکاروں گا۔ بلکہ اب پورا ہاسپٹل آپ کو فاطمہ پکارے گا۔ شہرام چیئر سے اٹھتے بہارے کے مقابل آیا۔

شہرام تمھارا وایف لکی نہیں تم بھی لکی ہو اتنا خوبصورت بیوی ملا تم کو۔۔ ڈاکٹر فاطمہ مسکراتے ہوے بولی۔

شہرام خان بہت لکی ہے اس کے پاس اس کی بہارے ہے۔ شہرام نے بہارے پر گہری نظر ڈالے سنجیدگی سے کہا۔

شہرام کی گہری نظر بہارے پر محسوس کرتے ڈاکٹر فاطمہ مسکرائی تھی۔۔ ہم چلتا ہے یہ لگتا ہے یہاں تمھارا واسطہ آیا ہے۔ ڈاکٹر فاطمہ شہرام کے لبوں پر لپ سٹک لگی دیکھتے ذو معنی انداز میں بولتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

شہرام دراوزہ لاک کرتے بہارے کے مقابل آتے دیوار کے گرد اپنے دونوں ہاتھ رکھتے اسے محصور کر گیا تھا۔

بہارے شرمندگی سے نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

شہرام نے اس کی چادر اتار کر کرسی پر اچھالی۔۔

اب بتایئے مسز شہرام خان!! کیا تھا یہ؟؟ کیا سمجھوں میں اس کو؟؟ شہرام نے برفیلے لہجے میں اس کی جھکی نظروں کو دیکھتے استفسار کیا۔

بہارے لب دانتوں تلے دبائے گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

نظریں اٹھائیں مسسز شہرام خان!! آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیں۔ اشہرام کا لہجہ سرد ہوا تھا۔

بہارے نے اس کے سرد لہجے پر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

یہ محبت ہے شہرام خان!! تمھارے لیے شدید محبت۔ جو تمھیں کسی کے ساتھ سوچ کر میں مرنے والی ہو جاتی ہوں۔ تمھاری اتنی سی بھی

intention

کسی دوسری عورت پر برداشت نہیں۔۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے

لہجے کہا۔

بے اعتباری ہے مسز شہرام یہ!! اور مجھ پر پوری طرح نظر رکھا کریں۔ آدھی ادھوری خبروں پر آپ ہمیشہ یونہی میرے سامنے لال ہوتی رہیں گی۔

شہرام سرد طنزیہ لہجے میں کہتے اس سے دور ہوتے اپنی چیئر کی طرف بڑھا۔

شہرام!! بہارے اسے پکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔۔یقدم آفس میں رکھے صوفے سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا

درد سے سسکاری لیتے وہ صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔

شہرام اس کی سسکاری پر جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے اس کا پاؤں نرمی سے جکڑ گیا۔

اس کے شوز اتارتے وہ اس کا پاؤں انگلیوں سے سہلانے لگا۔

کہاں لگی بہارے؟؟ شہرام نے اس کا نرم و نازک پیر انگلیوں سے سہلاتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے نرم لہجے میں پوچھا۔

یہاں نیچے۔۔ بہارے نے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ شہرام خان نے جھکتے ہوئے اس کے تلوے پر لب رکھے تھے۔

بہارے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔ وہ سکون سے آنکھیں میچ گئی۔

تم جانتے ہو مجھے کہیں نہیں لگی پھر میرے پاؤں کیوں چومے۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

تمھارے پاؤں یا تمھارے بدن کا کوئی حصہ چومنے کے لیے مجھے وجہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔ تمھارے جھوٹے درد کو بھی میرے لبوں کی گرمائش سے سکون ملتا ہے تو شہرام خان کو تمھیں چوم کر سکون ملتا ہے۔ پھر وہ چاہے تمھارا چہرہ ہو یا پاؤں۔۔ وہ اسے صوفے پر لٹاتے اس پر جھکے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھنے لگا۔

بہارے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کے دہکتے لبوں کی بوچھاڑ اپنی گردن پر برداشت کرنے لگی۔

وہ اس پر اپنا پورا وزن ڈالے اس کی گردن کو دیوانوں کی طرح چومتے ہوے اس کی گہرائیوں کو اب اپنے لبوں سے چھوتے بہارے کی سانسیں بری طرح الجھا چکا تھا۔

بہارے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے خود میں بھینچے جا رہی تھی

شہرام خان نے اچھی طرح بہارے کے لباس کو بے ترتیب کرتے اپنی من مانیاں کرتے اسے اپنی قربت سے آزادی بخشی تھی۔

آدھا پروسیس کر چکا ہوں کمپلیٹ پروسیس اب رات کو۔۔۔اس لیے یہی موڈ مجھے چاہیے۔۔زیادہ محنت نہ کرنی پڑے مجھے۔۔شہرام نے گھمبیر آواز میں کہتے بہارے کی گلابی نشیلی آنکھوں میں جھانکا جہاں اس کی طلب واضح تھی جو کبھی کبھی ہی اسے اپنی ان رومانٹک بیوی میں نظر آتی تھی۔

وہ ابھی تک اس کی گردن میں اپنی بانہیں حمایل کیے ہوے تھی۔ وہ سمجھ چکا تھا وہ اس سے دور نہیں ہونا چاہ رہی تغی۔۔ اسے ابھی مکمل پروسیس چاہیے تھا۔

مائی بیڈ لک میری بہارے!! کبھی کبھی یہ تو اپنی بہارے کی یہ سائیڈ دیکھنے کو ملتی ہے۔ مگر ابھی کچھ نہیں ہو سکتا یہ آفس ہے۔۔ شہرام نرمی سے اس کی بانہیں اپنی گردن سے ہٹا گیا۔

شہرام کے دور ہونے پر بہارے گہرے سانس لیتے صوفے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

شہرام خان اس کی پھولتی سانسیں اور دہکتی رنگت دیکھ کر گہرا مسکرایا۔

یہی روپ چاہیے مجھے رات کو وہ صوفے پر اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے جھکتے ہوے بھاری سرگوشی نما آواز میں بولا۔

بہارے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلا گئی تھی.

مسز شہرام خان!! آپ کی شرم نہیں چاہیے تھوڑا ایگریسیو روپ ۔۔ سمتھنگ ڈفرنٹ۔۔۔ کچھ ڈفرنٹ takes شہرام ذو معنی انداز میں بولتے بہارے کو مزید سرخ کر چکا تھا۔

چلو اٹھو مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ جو میرے لیے بنا کر لائی ہو۔۔

شہرام اس کا ہاتھ تھامے ٹیبل کی طرف بڑھا۔

بہارے نے ٹیبل پر پر رکھے ٹفن کھولتے شہرام کے سامنے رکھا۔

یہ کیا ہے ؟؟ شہرام خان نے کچھ عجیب و غریب چیز کو دیکھتے پوچھا۔

continental

فش وائٹ ساس میں بنائی ود

وایمئن۔۔ بہارے نے اسے ڈش آوٹ کرتے بتایا۔

واین۔۔ شہرام خان نے بے یقینی سے بہارے کی طرف دیکھا۔

وائن میں یوز کر سکتی ہوں کیا؟ میں نے متبادل کے طور پر

vinegar

یوز کیا۔ بہارے نے مسکراتے ہوے بتایا۔

شہرام نے گہرا سانس لیتے اس

continental fish

کو دیکھا تھا جو کہیں سے بھی

continental

نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ فش بھی نہیں لگ رہی تھی۔

شہرام پریشانی سے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ بچپن سے اس کے ہاتھ کے کڑوے زہریلے کھانے کھاتا آیا تھا۔

اپنی بیوی کے ہاتھ اچھا کھانا کم ہی نصیب ہوا تھا۔ ابھی بھی بہت کم اس کے لیے کھانا بناتی تھی۔ بہرام کی وجہ سے وہ اسے کچن میں جانے ہی نہیں دیتا تھا۔ کچھ اس کی بہارے کی فطرت تھی۔ وہ اس کے ناز اٹھاتی نہیں تھی بلکہ اٹھواتی تھی۔۔ آج بھی وہ انسکیور جیلس ہوتے اس کے لیے سپیشلی

continental

کھانا بنا کر لائی تھی۔ جو اس کے لیے ازمائش

ہی تھا۔

بہارے نے کانٹے سے فش کا ٹکڑا لیتے شہرام کی طرف بڑھایا۔

شہرام خان نے منہ کھول کر وہ بایٹ لی تھی۔

کیسا ہے شہرام؟؟ بہارے نے مسکراتے ہوے پوچھا۔ اس کے ایکسپریشن سے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ سنجیدگی سے وہ بایٹ چبا رہا تھا۔

بہت اچھا مجھے لگتا ہے ڈاکٹر ڈی سوزا میرا مطلب ہے ڈاکٹر فاطمہ کو بھی تم سے کلاسسز زلینی چاہیے۔۔

شہرام نے کہتے ہوے کانٹا اس کے ہاتھ سے لیتے وہ فش کا ٹکڑا کاٹتے بہارے کے طرف بڑھایا۔

بہارے نے مسکراتے ہوے وہ منہ مین لیا۔۔ اگلے پل بہارے منہ پر ہاتھ رکھتے واش روم کی طرف بڑھی ت۔۔ شہرام اسے کلائی سے جکڑتے اپنی طرف کھینچ گیا۔۔

نہیں میری بہارے ؟؟ آج یہ زہر ہم دونوں مل کر اپنے انڈر اتاریں گے۔۔ شہرام شرارتی لہجے میں کہتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

شہرام جانے دو یہ میں اندر نہیں اتار سکتی۔۔ بہارے بھیگی آنکھوں سے بمشکل بولی۔۔ فش کا ٹکڑا حلق میں اتارنا مشکل ہو رہا تھا۔

جانے دوں گا پہلے وعدہ کرو کچھ بھی کرو گی آئیندہ میرے لیے

continental

نہیں بناؤ گی۔۔ شہرام خان نے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

نہیں بناؤں گی شہرام خان!! تمھارے لیے کھانا ہی کبھی نہیں بناؤں گی۔ بہارے روہانسے ہوتے اسے خود سے دور جھٹکتے واش روم کی طرف بڑھی۔

تھینک گاڈ!! نہیں بنان گی۔۔ شہرام نے شکر کا سانس لیتے ٹیبل سے پانی کا گلاس پکڑتے لبوں سے لگایا۔

فش سے نفرت ہو چکی ہے مجھے آج سے۔۔ شہرام بڑبڑاتے ہوے پلیٹ دور کھسکا گیا تھا۔۔

انھیں روم میں شفٹ کریں۔ڈاکٹر ماہین کو بولیں انھیں اچھی طرح چیک کریں۔

ڈاکٹر سبین نے زرمش کو اچھی طرح چیک کرنے کے بعد پاس کھڑی نرس کو ہدایت دیں۔

آپ کے ساتھ کون ہیں؟؟ڈاکٹر سبین نے زرمش کے سرخ متورم چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

میرے ساتھ۔۔۔زرمش نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔

ہاں آپ کے ساتھ۔ڈاکٹر سبین نے زرمش کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ہیزل گرے گہری آنکھیں سرخ و سفید رنگت تیکھے نقوش براؤن ہلکے کرل زدہ بال نازک سا وجود۔ڈاکٹر سبین کو اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کافی

خوبصورت لگی تھی۔سب سے بڑھ کر اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اک درد کی رمک تھی جو ڈاکٹر سبین کو خاص طور پر زرمش کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔

میرے ساتھ کک کوئی نہیں۔۔زرمش نے گہرا سانس بھرتے اپنی ہیزل گرے گلابی آنکھیں جھپکیں۔اس کے ہونٹ اب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

کوئی نہیں آپ کے ساتھ۔۔ڈاکٹر سبین نے اس کے لبوں کی کپکپاہٹ کو بغور دیکھتے پوچھا۔

نن۔۔۔نہیں۔۔۔تو۔۔۔۔۔مم۔۔۔میرے۔۔۔۔لالا۔۔۔میرے ۔۔۔۔ساتھ۔۔ہیں۔۔انہوں۔۔نے۔۔۔کہا۔۔وہ۔۔۔مجھے۔۔۔کبھی ۔۔نہیں۔۔۔چھوڑیں۔۔۔گے۔۔

۔۔ سس۔۔۔۔ ساحر۔۔ خان۔۔ نے۔۔۔۔ چھوڑ۔۔ دیا۔۔ مگر۔۔ وہ مجھے۔۔ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے بیٹوں دراب زراب سے بھی زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ زرمش نے ہچکی لیتے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی سیاہ شال سے صاف کرتے ٹوٹے لفظوں سے بتایا۔

چھوڑ سکتے بھی نہیں آپ کے لالا آپ کو۔۔ بہن بھی بیٹی جیسی ہوتی ہے تو اپنے بیٹوں سے زیادہ ہی چاہتے ہوں گے آپ کو۔۔ مجھے یقین ہے آپ کے لالا کبھی آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔ ڈاکٹر سبین نے سنجیدگی سے کہتے زرمش کے کپکپاتے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

آپ کو یقین ہے میرے لالا مجھے نہیں چھوڑیں گے ڈاکٹر!! زرمش نے روتے ہوے ڈاکٹر سبین سے استفسار کیا۔

مجھے یقین ہے وہ آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔۔ڈاکٹر سبین نے سنجیدگی سے کہتے پاس کھڑی نرس کو اشارہ کرتے اسے روم میں لے جانے کو کہا۔

ان کے لالا کہ بھی دیکھیں باہر کہیں ہوں گے۔ڈاکٹر سبین نے سنجیدگی سے کہتے پر سکریپشن پر کچھ میڈیسن لکھ کر پر سکریپشن نرس کو پکڑائی۔ان کی ذہنی کنڈیشن ٹھیک نہیں کچھ سکون آور ادویات ہیں۔جو ڈرپ میں خاص طور پر ڈالنی ہیں میری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔میرے شوہر باہر میرا انتظار کر رہے ہیں۔مجھے جانا ہی ہو گا۔ڈاکٹر سبین ہدایت دیتے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

ڈاکٹر!میری بات سنیں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔نرس جلدی سے ڈاکٹر سبین کے پیچھے گئی تھی۔

زرمش نے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

لالا!!اندر کیوں نہیں آئے میرے ساتھ؟؟کیا وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں؟؟زرمش نے ڈرتے ہوئے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔وہ چلے گئے ہیں مجھے چھوڑ کر۔مورے نے قسم دے کر بلا لیا ہو. گا۔وہ مجھے چھوڑ گئے۔میں لالا کے بغیر کیسے رہوں گی؟؟زرمش جلدی سے چیئر سے اٹھتی کمرے سے نکلی لالا!!زرمش کی آواز خوف سے حلق میں گھٹی تھی۔حیدر خان کہیں نہیں تھا پورا کوریڈور اس وقت سنسان تھا۔

لالا۔۔زرمش بے آواز حیدر خان کو پکارتے ہوئے روتے ہو حیدر خان کی تلاش میں بھاگتے ہوئے کوریڈور عبور کرنے لگی۔

اس وقت اس کا مینٹل لیول بلکل ٹھیک نہیں تھا۔وہ اپنے حواص میں نہیں تھی۔اسے بلکل پتہ نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر رہی ہے؟؟ساحر خان کے جانے کے بعد اسے کسی انسان کسی رشتے پر اعتبار نہیں رہا تھا۔اسے لگ رہا تھا

اسے سب چھوڑ دیں گے۔ حیدر خان سے وہ بچپن سے بہت محبت کرتی آئی تھی۔۔ ساحر خان کے بعد حیدر خان ہی اس کی زندگی کا تھا۔ حیدر خان کو لے کر وہ بہت حساس ہو گئی تھی۔ حیدر خان کو موجود نہ پا کر اسے اپنی سانسیں سینے میں دبتے محسوس ہوئی تھی۔

لالالالا!! کہاں چلے گئے آپ؟؟ وہ روتے ہوئے حیدر خان کو پکارتے بدحواص ہوتے بھاگتے جا رہی تھی۔

وہ ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ سے نکلتے اب سنسان سڑک پر پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔

لالا!! زرمش روتے ہوئے سنسان سڑک اور اس کے گرد سفید چادروں سے ڈھکے پہاڑوں کو دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی۔

لالا!! کہاں تلاش کروں آپ کو؟؟ وہ سڑک پر کھڑے روتے ہوے ارد گرد دیکھ رہی رہی تھی۔ اس کی سیاہ شال اب کندھوں پر تھی۔ بدن بری طرح لرز رہا تھا۔ سرمئی گہری آنکھوں میں ساحر خان کے بعد حیدر خان کو کھونے کا خوف تھا۔

زرمش سڑک پر کھڑے دل پر ہاتھ رکھے اب آسمان کی طرف دیکھتے اونچا اونچا چیخ رہی تھی۔۔ اب برف باری بھی ہونا شروع ہو چکی تھی۔

ساحر چھوڑ کر چلا گیا۔ لالا بھی چھوڑ کر چلے گئے اللہ جی!! کوئی رشتہ تو میرے پاس رہنے دیں۔ جو میرا ہو جو مجھے کسی حال میں نہ چھوڑے۔ لالا میرے مورے بابا کو میرا کر دے اللہ جی۔۔ میرے لالا کو میرا کر دیں۔

۔زرمش نے کرب سے رب کو پکارتے آسمان کی طرف دیکھا۔

یکدم اس کے سامنے گاڑی کے ٹائر آکر چرچرائے تھے۔

گاڑی میں بیٹھا اریان خان سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر غصے سے سٹرینگ پر اپنی گرفت مظبوط کر گیا تھا

اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو سامنے کھڑی لڑکی کا وجود کہیں نہیں ملنا تھا۔ وہ سیدھا اس کی گاڑی کے نیچے آجاتی۔۔

اریان خان نے غصے سے سامنے کھڑی لڑکی کو خون اشام نگاہوں سے گھورا۔

اریان خان نے ہارن پر ہاتھ رکھتے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کے سامنے کھڑی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اریان خان کے ہارن مارنے پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے آسمان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔۔ اس کے سرخ بھیگے لب بری طرح کپکپا رہے تھے.

او۔۔ محترمہ۔۔۔۔ آریان خان نے اپنی سائیڈ کا شیشہ نیچے کرتے چہرہ باہر نکالتے اب زرمش کو پکارا تھا۔

ہیلو۔۔ مس۔۔۔۔۔ اریان خان نے ہارن پر اپنا مردانہ ہاتھ پوری قوت سے جماتے اسے بجاتے ہوے گاڑی کے کھلے شیشے سے چہرہ باہر نکالتے اب زرمش کو اونچی آواز میں پکارا تھا۔

وہ سٹل اسی پوزیشن میں کھڑی تھی۔اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔وہ تو کوئی پاگل دیوانی لگ رہی تھی۔اور آریان خان کو ایسے پاگل دیوانوں کا علاج اچھی طرح کرنا آتا تھا۔

آریان خان زرمش کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے گاڑی سے نکلتے تیزی سے زرمش کی طرف بڑھا۔

سنیے میم!!راستہ چھوڑیے مجھے ایک ایمر جنسی ہے۔میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ آپ یہ چلہ بعد میں کاٹ لیجیے گا۔ صرف تھوڑا سائڈ پر ہو جایئے۔مجھے اپنی گاڑی نکالنے دیں۔ آریان خان نے لب بھینچے اس سے گزارش کی تھی۔ اسے آسمان کی طرف منہ کیے کچھ بڑبڑاتے ہوے دیکھ کر آریان خان ظبط سے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

وہ سٹل آسمان کی طرف دیکھتے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

آریان خان اس کے تھوڑا قریب ہوا تھا یہ بے اختیاری حرکت تھی۔جو اسے سر زند ہوئی۔وہ سننا چاہتا تھا۔وہ آسمان کی طرف دیکھتے آخر کیا کہہ رہی تھی؟؟جو اتنا ضروری تھا کہ بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر وہ یہ مشغلہ اپنائے ہوے تھی۔

میرے لالا کو بھیج دیں اللہ جی!! میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آریان خان مقابل کے لفظ سنتے حیران ہوا۔

وہ تو چھوٹے بچوں کی طرح دعا کر رہی تھی

آریان خان نے اس سے دور ہوتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سڑک کے بیچ و بیچ کھڑی خدا سے یہ دعا مانگ رہی تھی۔ جیسے کوئی دس سال کا بچہ اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا ہو۔ اور بیچ سڑک پر کھڑا خدا سے دعا مانگ رہا ہو۔ اریان خان نے اب اپنی ہی سوچ مسترد کر دی تھی

دس سال کا بچہ نہیں بلکہ پانچ سال کا بچہ!! کیونکہ دنیا اتنی اڈوانس ہو چکی تھی۔ دس سال کا بچہ بچھڑنے پر یوں سڑک کے بیچ و بیچ کھڑا ہو کر غیبی مدد کا انتظار نہیں کرے گا بلکہ لفٹ لے کر گھر پہنچ جائے گا۔ آریان خان نے مشتعل بار نگاہوں سے گھورتے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔۔

مس خان!! آریان خان نے دانت پیستے اسے پکارا۔ وہ اپنی شکل وصورت سے اپنے حلیے سے یہاں کی مقامی عورت لگ رہی تھی۔۔ سرخ ہ سفید رنگت اسے بتانے کو کافی تھی۔ وہ پٹھانی ہے۔ سرخ وسفید رنگت نہ بھی بتاتی اس کے وجود پر بڑی سی سیاہ شال بتانے کو کافی تھی۔۔ وہ مس خان ہی ہے۔ مگر حرکتیں مس خان جیسی نہیں تھیں۔

زرمش دل پر ہاتھ رکھے آسمان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اسے پاس کھڑے انسان سے کوئی غرض نہ تھا۔ حیدر خان نہیں ساحر خان نہیں تو وہ دنیا کے کسی مرد کی پکار نہیں سن سکتی تھی

مس خان!! آپ تھوڑا سا ایڈ پر ہوں گی مجھے اپنی گاڑی نکالنی ہے۔ اریان اب زرمش کو دیکھتے غرایا۔ آسمان سے گرتی برف اس کے سیاہ پینٹ کوٹ کو سفید کر چکی تھی۔ اس کے برینڈڈ سوٹ کا بیڑہ غرق ہو چکا تھا۔

زرمش کے وجود کو سٹل دیکھ کر آریان خان اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے اسے سائیڈ پر کرتے اسے سڑک کے دوسری طرف بے دردی سے دھکیل گیا۔۔ اتنی ہی برداشت تھی اس کے اندر اور عوتوں سے خاص طور پر چڑ تھی۔ ایس عورتوں سے خاص طور پر تھی جو خود پر مظلومیت کا ٹیگ لگائے پھرتی تھیں۔ اس کے نزدیک عورت مظلوم نہیں ہوتی مرد مظلوم ہوتا ہے۔ عورت کو مظلوم اس کے آنسو بناتے ہیں۔ اسی لیے عورتوں کے آنسوؤں سے خاص طور پر نفرت تھی۔ اس لڑکی کے آنسوؤں سے بھی اسے نفرت محسوس ہوئی تھی

وہ بنا زرمش کی طرف دیکھے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔

آہہ !! دردناک چیخ پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ آریان خان نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ پتھریلی سڑک پر گھٹنوں کے بل گرے سسک رہی تھی

آریان خان نے تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھا۔

کیا ہوا مس خان!!آپ ٹھیک تو ہیں؟؟ آریان خان نے پریشانی سے پوچھا۔ ہمدردی نام کے لفظ سے اسے نفرت تھی۔ نہ کرتا نہ کرواتا تھا۔ نہ اسے اس لڑکی سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

مگر اسے دھکا اس نے دیا تھا۔ کوئی اس کی وجہ سے ہرٹ ہو یہ بھی اسے گوارا نہ تھا۔

زرمش نے نگاہیں اٹھا کر آریان کی طرف دیکھا۔ اسے لگا دنیا رک گئی ہو۔ یہ سبز آنکھیں!!زرمش کی کانچ سی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں چبھی تھیں۔ جانتی تھی یہ آنکھیں اس کے ساحر خان کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ تو

صرف اسی شہزادے کی تھیں۔ جو آج منوں مٹی آرام سے سو رہا

تھا۔ زرمش یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی

دوسرے پل وہ آریان خان کی آنکھوں کو دیکھتے زمین سے تیزی سے اٹھی۔

آہہہ۔۔ وہ درد سے کراہ کر رہ گئی۔۔

اس کا پاؤں جیسے مڑ گیا تھا۔ وہ پھر سے زمین پر دوزانو بیٹھتے چلی گئی تھی۔

آریان خان اس کی حرکتیں اور آنسوؤں کو بغور دیکھتے زمین سے اٹھا۔ اسے

سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے؟؟ بیچ سڑک پر عورت سے ہمدردی کرنے کا

وہ روادار نہ تھا۔ خانزادہ تھا اونچ نیچ سمجھتا تھا۔

بیچ سڑک پر عورت سے ہمدردی کا کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔

آریان خان نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زرمش کو دیکھا جو چادر اچھی طرح خود پر لپیٹے اپنے پاؤں کو دیکھتے رو رہی تھی۔ اس کا بدن بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔

مس خان!! اپنے لالا کا فون نمبر دے دیں۔ میں انھیں کال کر دیتا ہوں۔ وہ آپ کو آکر لے جائیں گے۔ آریان خان نے ضبط سے کہا۔ اتنا کنٹرول اس نے خود پر کبھی نہیں کیا تھا جتنا آج کر رہا تھا۔۔

نمبر تو میرے موبایل میں ہے اور وہ اب میرے پاس نہیں۔ زرمش نے روتے ہوئے بتایا۔

اچھا موبائل تھا آپ کے پاس۔۔ کافی مضحکہ خیز بات ہے یہ لگتا نہیں کہ آپ جیسے عجوبے کے پاس اس صدی کی کوئی ٹکینالوجی ہو سکتی۔۔ اریان خان اس کی ہیزل گرے آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر طنزیہ مسکرایا۔

زرمش نے اپنے چکراتے سر کو سنبھالتے ہوے درخت کے تنے کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا تھا کہ وہ اپنے چکراتے سر کو جکڑ کر رہ گئی۔ وہ درد سے کراہتے ہوے وہ بمشکل اٹھتے ہوے درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔

آریان اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا وہ مزید اپنا ٹائم ویسٹ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اس لڑکی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھتے گاڑی زن سے بھگا کر لے گیا۔ مگر تھوڑا آگے جا کر اسے گاڑی روکنی پڑی تھی۔

بیک ویو سے نظر آتا منظر اسے پریشان کر گیا تھا۔ وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔۔ ایسے لگ رہا تھا وہ ابھی چکراتے ہوے گر جائے گی۔

کیا اس برف باری میں ایسی سنسان سڑک پر ایک عورت کو چھوڑ کر جانا ٹھیک ہے ؟؟اس کا خانزادہ خون یہ گوارا نہیں کر رہا تھا۔ آریان خان نے اپنی گاڑی بیک پر لی۔ وہ نہ چاہتے ہوے وہ کر گیا جو کبھی کسی سچویشن میں نہیں کرتا تھا۔

مگر آج پتہ نہیں کیوں اس کے قدم اس لڑکی کی طرف مڑ گئے تھے۔

زرمش کے قریب آتے وہ گاڑی روکے اترا۔۔

مس خان!! آپ کو اپنے گھر کا پتہ آتا ہے۔ آریان خان نے اس کے لرزتے بدن کو دیکھتے بوچھا۔

آریان خان کے سوال پر زرمش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ تھینک گاڈ!!ورنہ مجھے لگا آپ کو نہیں معلوم ہو گا۔

کہاں رہتی ہیں آپ ؟؟ آریان خان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

پتہ نہیں۔۔زرمش نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنی سرخ ناک چادر سے پونچھی۔۔ آریان خان نے ناگواری سے اس کی حرکت دیکھی۔وہ چادر کے اسی کونے سے اپنے گال پر رگڑنے لگی۔ جس کے ناک صاف کی تھی۔

آریان خان کی نفاست پسند طبعیت کو اس کی حرکات بہت ناگوار گزر رہی تھیں۔

کیا مطلب پتہ نہیں ؟! آریان خان اونچی آواز میں جھنجھلایا

زبانی نہیں پتہ۔۔زرمش نے اس کی جھنجھلاہٹ پر کانپتے ہوے کہا۔

زبانی نہیں پتہ۔۔اور کیسے پتہ ہے پھر۔۔ آریان خان نے لفظ چباتے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

مجھے نہیں پتہ۔ مم۔۔۔مجھے کچھ بھی یاد نہیں آرہا۔

مجھے اتنا یاد ہے۔۔میرے لالا مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔وہ اب واپس نہیں آئیں گے۔زرمش نے کرب سے ہچکی لی تھی

مس خان آپ کو زبانی اپنی حویلی کا نہیں پتہ تو کیسے پتہ ہے۔اریان نے دانت پیستے دریافت کیا۔

مم۔۔۔میں۔۔گاڑی۔۔۔میں۔۔بیٹھ۔۔کر

۔۔۔بتا۔۔سکتی۔۔۔ہوں۔۔مطلب۔۔مجھے۔۔یہ۔۔پتہ۔۔۔کونسی

سڑک۔۔۔میری۔۔حویلی جاتی۔زرمش کی بات پر آریان خان بری طرح جپڑے بھینچ گیا۔و

آیئے مس خان!! آپ کو اس طرح آپ کی حویلی چھوڑتا ہوں۔

آریان خان دانت پیستے ہوے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا

زرمش اپنی سیاہ شال اچھی طرح سر پر جماتے ہوے

آریان کی گاڑی کی طرف بڑھی۔اس کی گاڑی کا پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھولتے بیٹھی۔۔ آریان خان نے بیک ویو مرر سے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔وہ اپنی سیاہ شال سے اپنا چہرہ کور کر گئی تھی۔اب صرف اس کی ہیزل گرے گہری آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ آریان خان نے جبڑے بھینچتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے سوات کی سڑکیں ماپ رہا تھا۔

وہ اسے ایک سڑک سے دوسری سڑک پر گھماتی جارہی تھی

آریان خان کا ضبط کا دامن اب چھوٹ گیا تھا۔

کہاں ہے تمھاری حویلی؟؟ آریان خان پوری قوت سے حلق کے بل چیخا تھا۔

زرمش اس کی چیخ پر لرزتے ہوئے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی۔۔اس کی مینٹل کنڈیشن اتنی خراب ہو چکی تھی۔اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔سوائے حیدر خان اور ساحر خان کے نام کے۔وہ بے آواز ان دو ناموں کی مالا جپتی جا رہی تھی۔

آریان نے غصے سے گاڑی روکتے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

بتاؤ کہاں رہتی ہو تم؟؟ کیا چاہتی ہو تم؟؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے تمھیں اپنی حویلی کا ایڈریس نہ پتہ ہو۔ تمھیں اپنے لالا کا پورا نام نہ پتہ ہو۔ آریان اس کی طرف دیکھتے برفیلے لہجے میں غرایا۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔کچھ۔۔یاد۔۔ نہیں۔۔ آرہا۔۔میرے لالا کے پاس لے چلو پلیز۔۔زرمش کپکپاتے لبوں سے بمشکل بولتے روتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی۔اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔سر میں دھمک ہو رہی تھی

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔آریان کی دھاڑ پر جو کچھ یاد تھا وہ بھی بھول گئی تھی۔۔

آریان نے اسے بیک ویو مرر سے دیکھتے غصے سے گاڑی سٹارٹ کی۔اب اس کی گاڑی کا رخ اپنی حویلی کی طرف تھا۔زرمش کو وہ اپنی حویلی کی ملازمہ کے پاس چھوڑنے کا آرادہ رکھتا تھا۔اس کو وہ یہاں سڑک پر نہیں اتار سکتا تھا۔۔اس کی حالت سے اسے اندازہ ہو رہا تھا وہ ٹھیک نہیں۔ مگر دوسرے پل اس پر شک بھی ہو رہا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر کر رہی

ہو۔۔کیسے آج کے زمانے میں کوئی کھو سکتا ہے؟؟اور پھر وہ کیسے اپنے ہی باپ کا نام بھول سکتی ہے۔

اب وجہ جو بھی تھے یہ حویلی چل کر معلوم ہونا تھا۔اس کی ملازمہ خود معلوم کر لیتی۔پیار سے نہ سہی تو غصے سے۔ مگر عورت کے ساتھ عورت ہی ڈیل کر سکتی تھی۔وہ طیش والم سے جبڑے بھینچے گاڑی چلا رہا تھا۔اسے ایک سیمنار میں پہنچنا تھا وہ سیمنار بھی اس نے ارگنائز کروایا تھا۔اور وہ ہی نہیں وقت پر پہنچ پایا تھا۔

غصے سے اس کی گاڑی کی سپیڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ گاڑی اونچی نیچی سڑکوں پر ڈول رہی تھی۔۔خطروں سے کھیلنے کا شوق تھا۔اس وقت بھی خطرناک سڑکوں پر اس کی گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔۔پیچھے بیٹھی زرمش گاڑی کے

دروازے ہینڈل میں ہاتھ ڈالے بیٹھی تھی۔۔اس کا وجود ڈولتی گاڑی میں بری طرح ڈول رہا تھا۔

اریان خانزادہ کی گاڑی اس کی بڑی سی حویلی میں آکر رکی۔

اریان حان گاڑی سے اترتے وہاں کھڑے اپنے ملازم کی طرف تیزی سے بڑھا۔ حلیمہ خانم کو بھیجو باہر!! آریان خان نے سنجیدگی سے حکم دیا۔

آریان صاحب۔۔ حلیمہ خانم تو حویلی نہیں وہ تو آج دوسرے گاؤں اپنی بیٹی سے ملنے گئی ہیں۔۔ ملازم کی بات پر آریان خان کی رنگت طیش والم سے سرخ ہوئی۔

آریان خان ضبط سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی حویلی کے کارپورچ میں چکر لگانے لگا۔

کار میں بیٹھی لڑکی کا کیا کرے؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ سیمنار میں پہنچنا بہت ضروری تھا۔

آریان خان نے اپنی برفیلی نگاہیں اس پر گاڑھیں۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے اپنے سر کو جکڑے ہوے تھی

وہ اسے نہ یہاں اپنی حولی چھوڑ سکتا تھا۔ نہ باہر سڑک پر۔۔

آریان خان اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

باہر آئیں مس خان!! آریان خان نے دروازہ کھولتے ظبط سے کہا۔ اس کے عارض پر بہتے آنسو اسے کچھ بھی غلط اور سخت کہنے سے اسے روک چکے تھے۔ اور یہی آنسو دیکھ کر اس کا دل کر رہا تھا اسے آج چھٹی کا دودھ یاد دلا دے۔ یہ لڑکی رونا بھول جائے۔

مم۔۔۔مجھے۔۔میرے لالا کے پاس چھوڑ دو۔مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔زرمش گاڑی کی دوسری طرف کھسکتے آریان کو دیکھتے حوفزدہ نگاہوں سے بولی۔

لالا کے پاس چھوڑ دوں!!کیسے چھوڑ دوں تمھیں؟؟آریان طیش والم سے چیخا تھا۔زرمش اس کی چیخ پر سیٹ پر بری طرح اچھلی

ایک منٹ سے پہلے گاڑی سے باہر آؤ۔۔آریان خان نے غصے سے زرمش کے کپکپاتے وجود کو گھورتے ہوئے کہا۔

اسے گاڑی میں موجود لڑکی سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہو رہی تھی۔۔اگر وہ پاگل تھی تو اس کے نزدیک ایسی لڑکیوں کی جگہ پاگل خانے تھی۔۔

مم۔۔میں باہر نہیں آؤں گی۔مجھے میرے ساحر کے پاس جانا ہے۔

واٹ ؟؟ آریان خان چیخا تھا۔

وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ بہت دور چلا گیا۔ مجھے میرے ساحر کے پاس لے چلو۔ زرمش آریان خان کی سبز آنکھیں دیکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

آریان خان نے زرمش کے ہچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے جبڑے بھینچے۔ وہ سمجھ گیا تھا یہ لڑکی کسی لڑکے کے لیے اپنی حویلی چھوڑ آئی تھی۔ وہ لڑکا اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

اب یہ سب وہ ناٹک کر رہی تھی۔ اسے جان بوجھ کر اپنے گھر کا پتہ نہیں بتا رہی تھی۔

باہر آؤ ایک منٹ سے پہلے۔ ورنہ تمھارا وہ حال کروں گا یاد کرو گی تم۔۔ آریان خان نے اسے سرد آواز میں دھمکی دی۔

میں باہر نہیں آؤں گی۔ تمھیں دیکھ کر مجھے میرے ساحر کی یاد آ رہی ہے۔ زرمش گاڑی کے دروازے کے ساتھ لگے روتے ہوئے بولی۔

بکواس بند کرو سمجھی تم!! آریان خان حلق کے بل دھاڑ اٹھا۔۔ رمش آریان خان کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے آنکھیں میچ گئی۔۔

آریان خان نے تیزی سے دوسری طرف بڑھتے دروازہ کھولا اس سے پہلے زرمش دوسری طرف کھسکتی وہ اسے کلائی سے جکڑتے ہوئے کھینچ کر باہر نکال گیا۔

چھوڑ مجھے !! مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔ زرمش نے حلق کے بل چیختے ہوے اپنی کلائی پر آریان خان کی گرفت چھڑوانی چاہی۔ آریان خان اسے کلائی سے جکڑے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا ۔زرمش اس کے ساتھ بے دردی سے کھنچتی چلی گئی تھی. وہ داخلی دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔

چھوڑ مجھے !!زرمش کی پرسوز چیخیں اس کی حویلی میں گونج رہی تھیں۔

وہ اسے اندر لاتا حویلی کے لاونج میں بے دردی سے دھکیل گیا۔ زرمش ٹھنڈی زمین پر اوندھے منہ جا گری تھی۔ وہ جلدی سے سیدھے ہوتے پیچھے کو کھسکتی ہوئی صوفے کے ساتھ لگی۔ اپنی شال کو وہ سینے سے مضبوطی سے جکڑ گئی۔

تم۔۔۔ تم مم میرے ساتھ زبردستی.. نن.. نہیں کر سکتے۔۔ مم میں حیدر حاکم خان کی بہن ہوں اور ساحر خانزادہ کی بیو۔۔۔۔

بکواس بند کرو اپنی تم!!وہ حلق کے بل دھاڑتے ہوئے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے مقابل ہوا۔

زرمش کا لرزتا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔وہ خوف سے اپنی دھڑکنوں کو جکڑ گئی۔مقابل کی چیخ سے اسے اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہوا تھا۔

آریان خانزادہ نام ہے میرا!!کسی عورت کو آج تک چھوا نہیں۔۔اس کا ہاتھ تک پکڑا نہیں۔۔ آج پہلی بار تم جیسی لڑکی کو چھوا۔وہ اس کی آنکھوں میں اپنی خون اتری آنکھیں گاڑھتے پھنکارا۔

مجھ جیسی لڑکی!!زرمش نے روتے ہوے اس کے لفظ دہرائے تھے۔

ہاں تم جیسی لڑکی جسے اپنے ماں باپ کی عزت کی پرواہ نہیں۔جو کسی بھی غیر کے لیے اپنے ماں باپ کی عزت کو داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ تمھیں پتہ بھی ہے جب کوئی لڑکی اپنے کسی عاشق کے لیے اپنے گھر کی دہلیز عبور کرتی ہے وہ مار دیتی ہے اپنے مورے بابا کو۔۔ قتل کر جاتی ہے وہ اپنے مورے بابا کا۔۔ نفرت ہے مجھے تم جیسی لڑکیوں سے۔ آریان خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے نفرت سے غرایا۔

مم۔۔میں ایسی نہیں ہوں مم۔میرا ساحر خان تو۔۔زرمش مقابل کی سبز آنکھوں میں خون اترتا دیکھ کر خوفزدہ ہوتے اپنے لفظ ہونٹوں میں ہی دبا گئی۔

کیا تمھارا ساحر خان!! چھوڑ کر چلا گیا تمھیں ناں!! بلکل ٹھیک کیا اس نے۔ تم جیسی لڑکی کو ایسے ہی چھوڑ کر چلے جانا چاہیے۔ تاکہ تم جیسی لڑکیوں کو سمجھ آئے ماں باپ کی عزت ناموس کیا ہوتی ہے۔ تمھاری جیسی لڑکیوں کا انجام سڑک کی دھول ہونا چاہیے۔۔

اور آریان خان تمھیں سڑک کی ہی دھول بنائے گا۔ آریان خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔

زرمش خوفزدہ ہوتے پیچھے کو کھسکتے مزید صوفے میں سمائی تھی۔

ابھی تو میں جا رہا ہوں واپس آکر دیکھتا ہوں تمھارے ساتھ کیا کرنا ہے۔ جو جگہ تمھاری مقدر ہو گی تم وہیں پر رہو گی۔ ماں باپ تو تمھارے تمھیں اپنائیں گے نہیں۔ نہ تمھارا لالا!! آریان خان استھزائیہ مسکراتے ہوے زمین سے اٹھا۔

وہ اس پر خونخوار نگاہیں گاڑھتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔زرمش زمین سے اٹھتے ہوے تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

اریان خان نے پلٹتے ہوے اس پر خونخوار نگاہ ڈالی۔وہ سہمتے ہوے پیچھے ہوئی تھی۔۔

مجھے جانے دو!!زرمش اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے گڑگڑائی

جانے دوں گا ضرور جانے دوں گا۔تم جیسی لڑکی کو چھو کر آریان خان دہک کر آگ بن چکا ہے پورے بدن پر چیونٹیاں دوڑ رہی ہے۔تمھارے غلیظ وجود کو یہاں رکھ کر کروں گا بھی کیا؟؟جب تک واپس نہیں آتا تمھیں یہاں رہنا ہی ہو گا۔آریان خان اس پر خونخوار نگاہیں گاڑھے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے باہر نکلتے دروازہ باہر سے لاک کر گیا تھا۔

زرمش کی پرسوز چیخیں اس بہت بڑی حویلی میں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے بال جکڑے چیخیں مار رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے لاونج کے ٹھنڈے فرش پر گر چکی تھی۔

ارحام خانزادہ بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے پریذے کے لرزتے وجود کو بانہوں میں بھرتے اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا گیا۔

پریذے میرا بیٹا!! پاپا آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بہت پیار کرتے ہیں۔ پاپا نے آپ کو نہیں ڈانٹا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اس بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے بہت نرمی سے کہا۔

پریذے ارحام خانزادہ کے سینے میں مزید سمائی تھی۔

اوکے آئی ایم سوری!! آیندہ پاپا کبھی آپ کے سامنے غصہ نہیں کریں گے۔

مجھے معاف کر دیں اس مرتبہ۔ ارحام نے اسے خود سے دور کرتے اس کا

چہرہ دیکھا۔

وہ ابھی تک اپنی آنکھیں میچے ہوے تھی۔

پریذے بیٹا آنکھیں کھولو!! ارحام خان نے بے حد نرمی سے کہا۔

پریذے نے آہستگی سے آنکھیں کھولی تھیں۔

ارحام خانزادہ نے مسکراتے ہوے اسے دیکھا۔

آئی ایم سوری بیٹا!! ارحام نے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔

پاپا!! پریذے کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی۔

جی پاپا کی جان!! ارحام نے اس کے گال پر لب رکھے۔

ماما کو ڈانٹا آپ نے۔ پریذے نے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔

ارحام اس کے سوال پر خاموش ہو گیا تھا۔ ماما رو رہی تھیں۔ پریذے نے روتے ہوے کہا تھا۔

نہیں بیٹا میں نے نہیں ڈانٹا انھیں۔ ارحام نے گہرا سانس لیتے وضاحت دی۔

پاپا میں اچھی بچی بن کر رہوں گی۔ کوئی شرارت نہیں کروں گی۔ ماما کے پاس بھی نہیں جاؤں گی۔ آپ میری ماما کو مت ڈانٹنا پلیز۔۔ پریذے نے سر نفی میں ہلاتے ہچکیوں سے روتے ہوے کہا۔

اوکے بیٹا!! میں نہیں ڈانٹوں گا انھیں / کبھی کچھ نہیں کہوں گا۔ ارحام خانزادہ نے نرمی سے اس کے گال سے بہتے آنسو صاف کیے۔

پرامس!! آپ میری ماما کو کبھی کچھ نہیں کہیں گے۔ انھیں ڈانٹیں گے نہیں۔۔ پریذے نے اب ارحام کے گال پر ہاتھ رکھتے وعدہ لیا۔

اوکے پرامس!! کچھ نہیں کہوں گا آپ کی ماما کو مگر آپ بھی مجھ سے پرامس کرو۔ آپ شرارتیں کرنا بند نہیں کرو گی۔ ارحام خانزادہ نے اسے تکیے پر لٹاتے ہوے اس کے پیٹ میں گدگدی کی. پریذے منہ پر ہاتھ رکھے کھکھلانے لگی تھی۔

Preezy you know you r just like your mama

ارحام اس کی کھکھلاہٹ کا ساتھ دیتے نم آنکھوں سے مسکرایا۔

No papa!!My mama is more than prettiest me

پریذے نے ارحام کو دیکھتے کہا۔

میں حرکات کی بات کر رہا ہوں۔ پریذے اور ماما ایک جیسی باتیں کرتی ہیں۔ ایک جیسی روتی ہیں۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے اس پر کمبل دیا۔

اب سو جائیں آپ!! ارحام نے پریذے کو اپنی طرف دیکھتے پا کر نرمی سے کہا.

وہ اسی پل اپنی آنکھیں موند چکی تھی۔

پریذے کو آنکھیں موندتے دیکھ کر ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ امڈ آئی تھی۔

سچ میں کوئی فرق نہیں تھا اس کی بیٹی اور بیوی میں۔ وہ نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔

ارحام خانزادہ نے سائیڈ ٹیبل کی ڈرار سے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکال کر پریذے کو دیکھا جو آنکھیں موندے ہوے تھی۔ وہ جانتا تھا اب وہ آپنی آنکھیں نہیں کھولے گی۔ اور تھوڑی دیر تک سو بھی جائے گی۔ اس کی ہر بات وہ ایسے ہی مانتی تھی۔۔ شرارت تک اس کے سامنے نہیں کرتی تھی۔

اور وہ بہت شرارتی تھی۔۔ سب سے زیادہ شرارتیں وہ حور کے سامنے کرتی تھی۔ وہ کمرے میں اس کے میک اپ کا حال دیکھ چکا تھا۔ الماری میں موجود اس کے برینڈڈ کپڑوں پر کٹس لگے بھی دیکھ چکا تھا۔۔

ارحام مدھم سا مسکراتے ہوے سگریٹ جلائے لبوں میں دبا گیا۔ دل اتنا جلا ہوا تھا۔ آج کمرے میں اس نے پریذے کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ وہ سگریٹ جلا گیا تھا

خوابوں کی چتائیں ہیں

سلگتی ہوئی

اس پہ یہ تیری یادیں

ڈستی ہوئیں

غم کا اندھیرا

خوشیوں پر چھایا

تو نے ستم وہ

اس دل پر ڈھایا

میں نے وفا پہ تیری

کتنا اعتبار کیا تھا

نہیں برداشت ہو رہا تھا اس کی آنکھوں کا ساحر خان کے لیے آنسو بہانا۔ اس کا یوں تڑپ تڑپ کر رونا۔۔

ماضی میں اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا پھر بھی وہ یوں کسی کے لیے آنسو بہاتی وہ تڑپ اٹھتا۔ پھر وہ کوئی عام عاشق نہ تھا۔۔ حور کے لیے تڑپ پاگل پن اس نے خود اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

مگنی ہوئی تھی تو یقیناً حور کی پسند پر ہی ہوئی تھی۔ ماضی میں عہد و پیماں بھی ہوے۔ وہ تو اس کا باڈی گارڈ بھی بن کر رہا تھا۔ ارحام یہ سب سوچتے اذیت کی انتہا پر تھا۔ تپش سے پورا بدن تپ رہا تھا جیسے۔۔

!!ارے یہ ساحر خانزادہ وہی ہے ناں جو حور سلطان شاہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کا پرسنل باڈی گارڈ بن کر رہا۔۔ سنا ہے حور سلطان شاہ نے شرط رکھی تھی وہ اسی صورت اس کی محبت قبول کرے گی جب وہ ایک عام باڈی

گارڈ کی طرح اس کے آگے پیچھے پھرے گا۔۔اور سنا ہے ساحر خانزادہ نے اپنے اتنے بڑے سلیبرٹی ہونے کی پرواہ کیے بغیر حور سلطان شاہ کا گارڈ بن کر رہا۔۔ تصویر بھی چھپی لندن کے ٹایم لاین میں جس میں ساحر خانزادہ سر جھکائے حور سلطان شاہ کے لیے اس کی گاڑی کا دروازہ کھول رہا ہے۔۔اور سنا ہے بہت سے برینڈز سے ساحر خان کو ہاتھ دھونا پڑا تھا۔!!

ارحام نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

جس لڑکی کے لیے وہ بے حد پوزیسو تھا۔اسی کے لیے اس نے ہر بار ایسے کئے لفظ سنے۔۔وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے تلخی سے مسکرا اٹھا۔ہر بار ایسے لفظ اس کی کی ہر سماعتوں میں زہر بن کر اترتے اس کی رگوں جاں کو نیلا کر دیتے تھے۔۔

؛!لیکن ریپیوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔سلطان شاہ نے ان دونوں کی منگنی کر دی تھی۔۔عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔!!

یہ لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تو وہ تڑپ اٹھا تھا۔

حور کی محبت کو پالیا تھا!!ارحام زیر لب یہ الفاظ دہراتے ہوے تڑپتے ہوے بیڈ سے اٹھتے کمرے میں چکر لگانے لگا۔

وہ کیوں تڑپ رہی تھی۔کیا پچھتا رہی ہے وہ؟؟وہ اس کی زندگی کا حصہ بننے سے؟؟

کیا وہ اسے صرف پریذے کی وجہ سے قبول ہے ؟!۔ یا پھر وہ اس سے ڈرتی ہے۔ ارحام خازادہ نے بے چین ہوتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

اس کے وجود پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی نہ وہ کسی کے دل میں رہے یہ گوارا تھا۔ مگر اس کے دل میں کسی کی پرچھائی ہو یہ بھی کہاں گوارا تھا۔۔

اگر اسے یوں تڑپ تڑپ کر رونا ہی تھا تنہائی میں رو لیتی۔ کیوں اس کے سامنے یوں تڑپ تڑپ کر روتے اس کے وجود کو راکھ کا ڈھیر کر چکی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوے سگریٹ لبوں میں دبایا۔

ابھی بھی کمرے میں ماتم منا رہی ہو گی کیا؟؟ ارحام نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے اذیت کی انتہا پر سوچا تھا۔ منا رہی ہو گی گہرا ماتم!! اصف ماتم بچھی ہو گی ادھر تو۔

ارحام تلخی سے ہنسا تھا۔ پھر وہ صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے ہنستا چلا گیا تھا۔

گہرا ماتم!! گہرا سوگ!! آج سوگ کا دن ہے۔ وہ ادھر سوگ منائے گی میں ادھر مناؤں گا۔ پیچھے نہیں رہ سکتا یہ دل۔۔

ارحام دل پر ہاتھ مارتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ غراتے صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا

حور نے کمرے میں آکر کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل پکڑے سلطان شاہ کا نمبر ڈایل کیا۔۔

پاپا!! حور نے روتے ہوے سلطان شاہ کو پکارا۔

سلطان شاہ اس کی بھیگی آواز سن کر تڑپتے ہوے بیڈ سے اٹھے تھے

کیا ہو میری جان!! تم رو کیوں رہی ہو؟؟ سلطان شاہ تڑپ کر بولے۔

پاپا!! حور نے بلک بلک کر روتے ہوے انھیں پکارا۔

حور کیا ہوا ہے تمھیں؟؟ تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟؟ کیا کہا تمھیں اس ارحام خانزادہ نے؟؟ سلطان شاہ فون پر گرج اٹھے تھے

پاپا!! حور کے لب بری طرح کپکپائے۔۔

حور میرا بیٹا قسم خدا کی اگر اس ارحام نے تمھیں ایک آنچ بھی پہچائی ہوئی اگر تمھارے آنسوؤں کا سبب وہ خانزاہ ہوا میں اس کی جان لے لوں گا۔ سلطان شاہ فون پر پاگلوں کی طرح دھاڑے۔ حور کا رونا انھیں پاگل کر چکا تھا۔ رات ارحام کا رویہ اپنی بیٹی کے ساتھ دیکھ چکے تھے۔۔

پاپا! اس نے کچھ نہیں کہا مجھے۔ آپ نے مجھے تکلیف دی۔ آپ نے مجھے تکلیف دی۔۔ حور ہذیانی چیخی۔

میں نے حور!! سلطان شاہ نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

ساحر مر گیا پاپا کیوں چھپایا مجھ سے؟؟ ایک آخری بار اس کا چہرہ بھی مجھے دیکھنے نہیں دیا۔ کیوں پاپا؟؟ حور نے چیختے ہوئے سوال کیا۔

حور ساحر خان ایسا نہیں چاہتا تھا تم اس کے جنازے پر آؤ تمھیں پتہ بھی چلے۔۔ سلطان اپنی نم آنکھیں مسلتے ہوئے ضبط سے بولے۔

کیوں پاپا؟؟ کیوں پاپا؟؟ اس نے ایسا کیوں کہا؟؟ حور شدت غم سے رو پڑی تھی۔۔

پتہ نہیں مگر وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔ یہی اس کی آخری خواہش تھی۔ سلطان کی بات پر وہ شدت سے رو دی تھی۔

اس نے میرے لیے کیسے جان دی پاپا؟؟ کیا اس نے خود خودکشی کی۔۔ یہی ایک بات اسے بہت تکلیف دے رہی وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ جس کی آنکھوں اور گانوں پر کبھی وہ مرتی تھی وہ کیسے جان سے گیا؟؟ کیا ساحر خان کا دل حور کے نام پر چلنا بند ہو گیا یا پھر وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے دل کی دھڑکنیں بند کر گیا تھا۔

نازنین بائی کو موت دیتے دیتے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سلطان شاہ کی بات پر موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا

!!تم نے میرا قتل کیا۔۔مجھے زندہ مار دیا۔۔تم بیوفا ہو تم قاتل ہو میری۔۔۔۔۔۔تم بیوفا ہو حور۔۔۔۔۔مگر پھر بھی ساحر خانزادہ تمھارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا!!

ساحر خان کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔حور زمین پر بیٹھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ساحر خان کی موت سے کہیں زیادہ غم اسی بات کا تھا وہ اس کی خاطر جان سے چلا گیا۔۔وہ کتنے ہی دلوں کے اجڑنے کا سبب بنی گئی۔زرمش کا اجڑی حالت یاد آئی تھی۔۔ایک بیوی ایک ماں کے دل کے پھٹنے کا سبب وہ بن گئی.

وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ اسے تکلیف دینے والوں کو موت کے گھاٹ اتار گیا۔ وہ آخر کار نازنین بائی کو انجام تک پہنچا گیا۔ اس کی ماں مہر ماہ کا بدلہ لے لیا۔

وہ کیا سچ میں اس کے عشق کے قابل نہ تھی؟؟۔۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی دل کو جکڑے رو دی تھی۔

مجھے معاف کر دو ساحر خان!! جب تک تم میری زندگی میں تھے۔ کوئی نہیں تھا میں نے تمھیں کبھی دھوکا نہیں دیا۔ حور سلطان شاہ دھوکے باز نہیں ہے۔ حور سلطان شاہ حور خانزادہ بنتے بیوفا ہو گئی۔۔ کیونکہ اس دل میں ارحام خانزادہ حکومت کرنے لگا تھا۔۔ آج بھی وہی کرتا ہے۔ صرف وہی کرتا ہے۔۔ شدت سے کرتا ہے۔ نہ حور سلطان شاہ بیوفا تھی۔ نہ حور خانزادہ بیوفا ہے۔۔ تمھاری سچی محبت ہار گئی ساحر خان!! خدا کی لکھی تقدیر

جیت گئی ساحر خان۔۔ خدا کا لکھا ہوا جیت گیا ساحر خان۔۔ حور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

حیدر خان تیز تیز قدموں سے شہرام خان کا آفس دھاڑ سے کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔ شہرام خان تمام ڈاکٹرز سے اس وقت میٹنگ میں مصروف تھا۔

حیدر خان کو ایسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر شہرام خان ٹیبل پر دونوں ہاتھ غصے سے مارتے اپنے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی کرسی سے ٹیک لگاتے اسے پیچھے دھکیل گیا

میری بہن کہاں ہے شہرام خان؟! حیدر خان آگے بڑھتے ہوئے ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ پوری قوت سے مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔ تمام ڈاکٹرز بدحواص ہوتے اپنی اپنی کرسیوں سے کھڑے ہوئے تھے۔۔

شہرام خان نے انھیں آنکھوں کے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔

وہ لوگ شہرام کے ایک اشارے پر سر ہلاتے کمرے سے نکل گئے۔

حیدر خان ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے سرخ سرد آنکھوں سے شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پورا ہسپتال چھان مارا تھا مگر زرمش کہیں نہیں ملی تھی۔ اور وہ جیسے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس کی بہن کی حالت کیا تھی؟! ۔سب سے بڑھ کر وہ عدت میں تھی۔۔ حیدر خان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

تمھاری بہن حیدر خان ؟؟ یا میری بہن جو تمھارے قبضے میں ہے۔ راتوں رات میری بہن کو اپنی حویلی لے گئے تم ہاں۔ شہرام کھڑے ہوتے ٹیبل پر دونوں ہاتھم مارتے ہوے جواباً حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

تمھاری بہن میری بیوی اور میرے بیٹوں کی ماں ہے۔ تم اس کے بارے میں سوال جواب کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

یہاں میں اپنی بہن کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں جو تمھارے ہسپتال سے غایب ہوئی ہے۔ حیدر خان طیش والم سے گرجا۔

اپنی بہن کے بارے میں سوال وجواب کرنے کا حق رکھتا ہوں میں۔۔ لالا کی وجہ سے خاموش ہوا میں۔ انہوں نے منع کیا۔ ورنہ جس طرح راتوں رات میری بہن کو تم اپنی حویلی لے کر گئے۔ تمھاری حویلی میں گھس کر اپنی بہن اور اپنے بھانجوں کو لے کر جاتا۔۔ شہرام خان غصے سے دھاڑا تھا۔

تم میری حویلی آتے واپس اپنے قدموں پر واپس نہ جاتے۔ یہاں ابھی میں اپنی بہن کا پوچھنے آیا ہوں کہاں ہے وہ۔۔ حیدر خان طیش والم سے گرجتے ہوے ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوے تمام چیزیں زمین پر پھینک چکا تھا۔

یہ ہسپتال میرا ہے۔ یہاں سے تم بھی اپنے قدموں سے واپس نہیں جاسکو گے۔۔ اس لیے خود پر کنٹرول کرو حیدر حاکم خان۔۔

شہرام خان نے غصے سے طنزیہ انداز میں لفظ چبائے۔

میری بہن عدت میں ہے شہرام خان۔ اس کی ذہنی اور جسمانی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تمھارے ہسپتال لایا تھا۔ ڈاکٹر اسے اپنے کمرے میں چیک کر رہی تھی۔ اب میری بہن اس کمرے میں نہیں ہے۔ بلکہ پورے ہسپتال میں نہیں۔ نہ ہی تمھارے کسی ڈاکٹر نرس کو پتہ ہے۔۔ یہ تمھارا ہسپتال ہے

یہاں سے میری بہن کیسے کہیں جا سکتی ہے جواب دو مجھے ؟؟۔۔ حیدر خان نے گہرا سانس لیتے بے سی سے نم زدہ آنکھوں سے پوچھا۔

شہرام خان نے حیدر خان کی بات پر لب بھینچے موبائل سے نمبر ڈایل کیے فون کان سے لگایا۔

آج کی مکمل سی سی ٹی وی فوٹیج مجھے سینڈ کرے۔ شہرام ہدایت دیتا فون بند کر چکا تھا۔

حیدر خان گہرے سانس لیتا اب کمرے میں چکر لگانے لگا۔

حیدر خان اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی سرخ آنکھیں شہرام پر گاڑھے ہوے تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہرام خان اپنے لیپ ٹاپ پر جھکے سی سی ٹی وی فوٹیج کھولتے لیپ ٹاپ حیدر خان کے سامنے کیا۔

حیدر خان نے جلدی سے لیپ ٹاپ میں دیکھا جہاں زرمش بھاگتے ہوے ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔

آہہ۔۔۔۔۔۔ حیدر خان جبڑے بھینچتے ہوے وہ لیپ ٹاپ زمین پر پوری قوت سے پٹخ گیا۔

شہرام خان نے بمشکل مٹھیاں بھینچتے خود پر کنٹرول کیا تھا۔ ارحام خانزادہ کا حکم نہ ہوتا وہ حیدر خان کو جان سے مار ڈالتا۔ ارحام خانزادہ نے سختی سے ہدایت کی تھی۔ حیدر خان کو کچھ نہ کہا جائے۔

اگر میری بہن کی گمشدگی میں تمھارا یا تمھارے لالا کا ہاتھ ہوا تو حیدر خان تمھاری حویلی گھس کر تم خانزادوں کو موت کی نیند سلائے گا۔ حیدر خان ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا۔

آہہ۔۔۔ شہرام خان نے ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے اپنا غصہ ظبط کرنے کی ناکام سعی کی۔۔

حیدر خان پاگلوں کی طرح زرمش کو ہر جگہ تلاش کر رہا تھا۔ صبح سے رات ہو گئی تھی مگر اس کا کچھ اتہ پتہ نہیں تھا۔۔ وہ اپنی تمام پاور لگا کر بھی اپنی بہن کو تلاش نہ کر سکا تھا۔ اپنے پرسنل ذرائع سے وہ ہر ممکن حد تک زرمش کو تلاش کر رہا تھا۔ مگر زرمش کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ ہاسپٹل کے پچھلے گیٹ پر آئی اس کے بعد وہ کہاں گئی۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس سڑک پر کوئی

سی کی ٹی وی کیمرا ز نہیں تھے۔۔ کسی نے وہاں کسی لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ہر ذرائع سے زرمش کو تلاش کر رہا تھا مگر زرمش کی کچھ خبر نہیں مل رہی تھی۔

بے بسی تکلیف ذلت کے احساس سے وہ مرنے والا ہو گیا تھا۔ اس کی جوان بیوہ بہن عدت میں تھی۔ اور اس کی جو کنڈیشن تھی وہ سوچ کر مرنے والا ہو رہا تھا۔ اسے تو چلنے کے لیے بھی اس کے سہارے کی ضرورت تھی۔

وہ سوات کی سڑکوں پر ڈرائیو کرتے ہوئے ظبط کی انتہا سے گزر رہا تھا۔ ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل اس کا موبائل وایبریٹ ہونے لگا۔ حاکم خان کا نمبر دیکھ کر حیدر خان نے گہرا سانس لیتے سٹیرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کی

حیدر خان نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھاتے اسے کاٹتے ہوئے پوری قوت سے ڈیش بورڈ پر مار دیا۔ کیا کہتا وہ حاکم خان سے۔۔ کیا کہتا وہ کیا جواز پیش کرتا وہ

زرمش کی گمشدگی کا۔۔وہ اپنی بہن کی حفاظت نہ کر سکا۔وہ حیدر حاکم خان جو بڑے دھڑلے سے اپنی بہن کو اپنے ساتھ اپنی ذمہ داری پر باہر لایا وہ اپنی بہن کو کھو چکا ہے۔کیسے سامنا کرے گا وہ سب کا؟؟۔۔اور کیسے برداشت کریں گے حاکم خان یہ سب؟؟وہ زرمش کو آج رات حویلی واپس نہ لا سکا تو حاکم خان پتہ نہیں کیا کر ڈالیں گے

آہہہ۔۔۔حیدر خان سٹیرنگ پر پوری قوت سے مکہ مارتے حلق کے چیخا تھا دوسرے پل وہ درد و کرب سے چیختا چلا گیا تھا۔وہ سٹیرنگ پر اپنی گرفت چھوڑ چکا تھا۔

دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے وہ چیخ رہا تھا۔اس کی چیخیں گاڑی میں گونجتی چلتی گاڑی کو لرزا رہی تھیں۔

اب وہ گاڑی روکے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ وہ مضبوط جواں مرد جو کبھی کسی سچویشن میں رویا نہیں تھا۔ آج رو پڑا تھا۔ اس کی جوان بہن کس حال میں ہو گی؟؟ وہ بے خبر تھا اس پر کیا گزر رہی ہو گی وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

!! کہاں لے کر جا رہے ہیں لالا؟؟ میں اس حویلی سے نہیں جاؤں گی۔۔ مجھے مت نکالیں لالا یہاں سے !! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ ساحر بھی چلا گیا۔ آپ کے بغیر کیسے رہوں گی میں !!

زرمش کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تو وہ سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے اپنی شرٹ کے تمام بٹن کھول گیا تھا۔ عجیب گھٹن وحشت ہو رہی تھی۔۔

آہہہہ۔۔۔۔ حیدر خان وحشت کے عالم میں چیخا۔

کہاں تلاش کرے اپنی بہن کو وہ؟! کس کے پاس جائے وہ مدد کو؟؟ کس سے اپنا دکھ بیان کرے کوئی بھی تو اس کا اپنا نہ تھا۔ نہ مورے نہ بابا نہ بیوی۔ ۔کوئی نہیں تھا جس کے سینے سے لپٹ کر وہ اپنے اندر کی وحشت اتار دے۔

آج پھر حیدر خان کو اپنے اکیلے ہونے کا غم شدت سے ستایا تھا۔ آج پھر حیدر حاکم خان کو کوئی بھائی نہ ہونے کا غم شدت سے ستایا تھا۔۔ کوئی مضبوط بازو نہ تھا جو اس وقت اس کی آدھی ٹینشن اپنے سر پر لے لیتا۔ اس کا غم بانٹ لیتا۔ اتنا ہی کہہ دیتا لا فکر نہ کرو میں ہوں ناں۔ ہم اپنی بہن کو واپس لے ائیں گے۔

دراب زراب!! حیدر خان دراب زراب کو پکارتے اب چیخ رہا تھا۔

حیدر خان کی چیخیں گاڑی سے ہوتی پہاڑوں کو بھی لرزرا ہی تھیں۔ اپنی جوان بہن کے بغیر وہ اپنی حویلی کیسے جا سکتا تھا آخر؟؟ یہ گہری کالی سیاہ رات کیسے کٹنی تھی۔

حیدر خان نے اپنی نم زدہ آنکھیں بازوؤں سے مسلتے اپنی گاڑی حویلی کے راستے ڈالی۔ اسے سب کو فیس کرنا ہی تھا۔

اسفندیار خان اپنے کمرے میں داخل ہوتے ٹھٹھک کر رکا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پورے کمرے میں گلابوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ پورے کمرے میں کینڈلز جل رہی تھیں۔ اس کے پیروں کے نیچے سرخ گلاب کی روش بچھی ہوئی تھی۔ اسفندیار خان نے گہرا مسکراتے ہوئے

بیڈ کو دیکھا تھا جہاں سفید بیڈ شیٹ پر گلاب کی پتیاں ہارٹ شیپ میں بچھی تھیں۔

وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوے ہنسا تھا۔ کمرے میں اسفندیار خان کی ہنسی کی جلترنگ گونج رہی تھی۔۔

جو سب کچھ اسے کرنا چاہیے تھا اس کی سفاک پٹھانی کر چکی تھی۔ اسفند نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں آخر کہاں تھی اس کی سفاک پٹھانی اس کا سرخ گلاب۔۔ اگر کمرہ ایسا سجایا تھا تو خود کو کیسا سجایا ہو گا اس کی سفاک پٹھانی نے۔۔

اسفند بے تابی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔ وہ اسی لمحے دروازہ کھول کر باہر آئی۔ تھی۔ اسفندیار خان کے قدم فریز ہوے تھے۔ وہ خوبصورت تھی

بے انتہا خوبصورت تھی مگر اتنی زیادہ خوبصورت کہ اس کی جان نکال کر رکھ دے۔۔ اسفندیار خان کا دل پہلو میں شدت سے دھڑکا تھا۔

وہ ریڈ کلر کے برائڈل ڈریس لہنگے اور چولی میں ملبوس تھی۔ ریڈ کا مدار دوپٹہ سر پر دلہن کی طرح سیٹ تھا۔ ریڈ اینڈ گرین زرقون موتیوں سے سجی ماتھا پٹی پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں ریڈ اینڈ گرین موتیوں سے سجا چوکر پہن رکھا تھا۔ ناک میں سمپل سی نتھ پہنے ہوے جو اس کے سرخ یاقوتی لبوں کو چھو رہی تھی۔

عابیر نے مسکراتے ہوے اسفند کی طرف دیکھا تھا۔ اسفندیار خان مسکراتے ہوے دل پر ہاتھ رکھ گیا۔

عابیر کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔ اسفندیار خان بے تابی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ عابیر اس کے قدموں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتے رخ موڑ گئی تھی۔۔

اسفند کے دل کی دھڑکنیں اب سچ میں منتشر ہوئی تھی۔ بلاوز کا پچھلا گلہ انتہائی ڈیپ تھا۔ نیٹ کے دوپٹے سے سب کچھ عیاں تھا۔ بلاوز اچھا خاصہ چھوٹا تھا۔

اسفند کی نگاہوں نے اب اپنی بیوی کا گہرائی سے جایزہ لیا تھا۔ پہلے تو اس کے چہرے سے ہی نگاہ نہیں ہٹی تھی۔

اسفند اس کی طرف بڑھتے اس کے پیٹ پر اپنے بازو لپیٹتے اس کی پشت اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

جب اتنا کچھ کر لیا ہے تو شرمانے کا اب کیا فایدہ۔۔ تمھیں اچھی طرح پتہ ہے میں تمھارا کیا حال کروں گا۔ بلکل رحم نہیں آتا تمھیں خود پر!! اسفند گھبیر آواز میں اس کے کان میں جھکتے سرگوشی کر گیا۔

۔اسفند اس کا رخ موڑتے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔ عابیر ابھی تک اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے ہوے تھی

ہے میری سفاک پٹھانی!! تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔۔ بے حد بہت زیادہ۔۔ تمھارا گلاب چہرہ میری دھڑکنیں روک گیا ہے مگر پھر بھی میری توجہ کا مرکز تمھارا چہرہ نہیں بلکہ تمھارا خوبصورت بدن ہے۔ اسفندیار خان اس کی گہرائیوں کو بے حد بے باکی اور بے دردی سے چھو گیا تھا۔

عابیر سسک کر رہ گئی تھی۔ اسفند گہرا مسکرایا تھا۔ اسفند یار خان نے اس کے ہاتھ نرمی سے اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔۔ عابیر اب اپنی آنکھیں میچ گئی تھی

ہے۔۔ میرا سفاک گلاب! آنکھیں کھولو مجھے ان خوبصورت آنکھوں کی گہرائیوں میں آج ڈوبنا ہے۔۔ اسفند اس کی گھنی پلکوں کی جھالر کو نرمی سے چھو گیا تھا۔

عابیر نے آہستگی سے آنکھیں کھولتے اسفند کی نیلی آنکھوں میں جھانکا ۔۔ اسفند اس کی سرمئی گہری آنکھیں کاجل سے لبریز دیکھتے پاگل ہوا تھا۔

کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟؟ میرا سرخ گلاب میری جان! میری سفاک پٹھانی!! اسفند یار خان تمھارے پوری طرح قابو میں ہے۔ اسفنڈ نے

گھمبیر آواز میں کہتے ہوتے ہوے اس کی آنکھ کے گوشے سے کاجل کی لکیر پر اپنی انگلی نرمی سے رگڑتے کاجل اس کے گردن پر لگایا تھا

اتنی خوبصورت لگ رہی ہو میری نظر لگ جائے گی۔ اسفند نے بھاری آواز میں بولتے ہوے اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھے۔ عابیر اسفندیار کی نیلی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے مسکرائی تھی۔

کیوں ایسے مسکرا کر میری جان نکال رہی ہو تمھیں بیڈ پر لے جانے سے پہلے ہی یہاں ہی ہر حد سے گزر جاؤں گا۔۔

اسفند اس کی ناک کی نتھلی نرمی سے اتار گیا تھا۔ وہ اب موتیوں کے سہارے سے اس کے بالوں میں لٹکتے اس کی گردن کو چھو رہی تھی۔۔

اسفند اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھکا ہی تھا

اسفند!!عایر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتے اسے روک چکی تھی۔

اسفند نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ بلکہ اس کی خمار زدہ آنکھوں میں جھنجھلاہٹ اور غصے کی رمک آن ٹھہری تھی

تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے تاخیر بلکل پسند نہیں۔

ذرا سی دوری مجھے پاگل کر دیتی ہے۔ اتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔ مجھے تمھارا یہ روپ بہکا چکا ہے۔ مجھے آج تم پر بنا رحم کھائے یہ برباد کرنا ہی ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دوں گا آج یہ روپ یہ لبوں کی سرخی یہ آنکھوں کا کاجل اس مہکتے بدن کی ساری خوشبو آج ایسے چراؤں گا تمھیں اب خود سے ہمیشہ میری ہی خوشبو آئے گی۔ اسفند گھیر بھاری آواز میں کہتے اس کے پیچھے اپنا ہاتھ لے جاتے اس کے جوڑے پر لگا گجرا اپنے ہاتھوں سے کھینچتے وہ بکھیر گیا

تھا۔عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے قدموں میں وہ موتیوں کا گجرا دیکھا جو بکھرا سا پڑا اس کے قدموں ماتمی کدہ انداز میں پڑا تھا۔

یہ تو کچھ نہیں جان من!! آج تم بھی میری بانہوں میں ٹوٹ کر بکھرو گی ۔اب صبح تک خلاصی نہیں میری پناہوں سے چاہے کتنا روؤ تڑپو سسکو۔وہ اب اس کے سر سے پنز اتارتے اس کا نیٹ کا دوپٹہ ایک جھٹکے سے اتار گیا تھا۔

بالوں میں ہلکی سی کھنچ پڑنے پر وہ سسک کر رہ گئی تھی۔۔اسفند اسے کلائی سے پکڑتے اپنی طرف کھینچتے اپنے سینے سے لگاتا اسے سختی سے سینے میں بھینتے اس کی بیک پر اپنا ہاتھ سختی سے جماتے عابیر کی ناز کی شدت سے محسوس کرنے لگا۔

اسفند مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ عابیر اس کی بے تابیاں اے قراریان محسوس کرتے گھبراتے ہوے بولی۔

کچھ مت کہو میر اسفاک گلاب میری سفاک پٹھانی میری جان!! اتنی خوبصورت رات اسفندیار خان کا مقدر بنی ہے جس میں اس کی سفاک پٹھانی نے پور پور خود کو اس کے لیے سجایا ہے تو کیسے یہ رات یہ وقت میں باتوں میں برباد کر سکتا ہوں۔ آج تو بہت خاص ہونا چاہیے۔۔ آج کی رات سب سے الگ۔۔ جنونیت کی ایک نئ داستان رقم ہونی چاہیے۔ وہ اس کے کان مین گھمبیر آواز مین سرگوشی کرتے اس کے کان میں پہنا اویزہ اتارتے اس کے کان کی لو کو دانتوں سے بے دردی سے کاٹ گیا تھا۔

جنونیت؟؟ عابیر نے کپکپاتے لبوں نے خوف سے مقابل کا لفظ دہرایا۔ آخر وہ کرنا کیا چاہ رہا تھا۔

ہاں جنونیت !!وہ خمار زدہ آواز میں بولتے ہوے اس کے چوکر کی ڈوری کھینچتے اس کا چوکر اس کے گلے سے آزاد کر گیا تھا۔

اسفند میری بات سنیں پلیز۔۔عابیر نے منت بھرے انداز میں اسے پکارا ۔وہ اسختی سے خود مین بھینچے اس کے کندھے پر اپنے دانت گاڑھ رہا تھا۔اس کا ایک ہاتھ اس کے بلاوز کی زپ میں الجھا تھا۔۔

اسفند اسے خود سے الگ کرتے دیوار کے ساتھ اسے اس طرح لگا گیا تھا۔اس کی پشت اسفند کی طرف تھی۔وہ اس کی زپ کھولتے اس کے برہنہ کمر پر اپنا پر تپش لمس بکھیرنے لگا۔عابیر اس کے آگ جیسے لمس کو بمشکل برااشت کر رہی تھی۔

اسفند۔۔عابیر کی سسکیاں گونج رہی تھی۔وہ اک کی کمر پر لب رکھتے اپنی جنون خیزیاں رقم کرتے اس کا جوڑے میں ہاتھ ڈالے بے دردی سے کھینچ گیا

عابیر کا جوڑا ڈھیلا ہو کر اس کے کنھوں پر آیا تھا۔

اسفند!!عابیر نے بے بسی سے پکارا تھا۔اس کے بوسوں کی تجاوز ااس کی برہنہ کمر سے ہوتے بڑھتی جا رہی تہی۔وہ اوپر سے نیچے تک اپنے لمس سے دہکا تا زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ چکا تھا۔اس کا ہاتھ بے باکی کی ہر حد پار کر رہا تھا۔عابیر تو دیوار کے ساتھ لگی ہل ہل بھی نہین پا رہی تھی۔۔وہ اس کی کمر کو سائیڈوں سے بے دردی سے جکڑے اپنی مٹھیوں میں بھرتے اس کی کمر پر اپنی جنون خیزیاں کی مہر دانتوں سے لگا رہا تھا۔وہ اسے سیدھا کرتے اس کے پیٹ کو نرمی سے چومتے اس کی بیلی بٹن پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔

نو اسفند!!عابیر تڑپتے ہوے چیخ اٹھی۔۔وہ اس کے چیخنے پر اس کے پیٹ پر اپنی جنون خیزیان رقم کرنے لگا۔

اسفند!!عابیر نے بے بسی سے اسفند کو پکارا۔جو. آج سچ میں جنونی ہو رہا تھا۔وہ زمین سے اٹھتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھک کر اس کی سانسیں چرا گیا تھا۔عابیر اسفند کی شدت پر مچل کر رہ گئی تھی.۔وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں مین دبائے اس کی سانسیں پیتے ہوے اس بن آب مچھلی کی طرح تڑپا گیا.

عابیر اس کی شدت پر بے حال ہوتے اس کی شرٹ مٹھیون میں جکڑ گیی ورنہ وہ لڑکھڑا کر رہ جاتی۔عابیر کے بدن کی کپکپاہٹ محسوس کرتے وہ اس کے کمر سے سختی سے تھامے اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔مگر اس کے لبوں کو آزادی نہیں بخشی تھی۔۔وہ شدت سے اس کی قطرہ قطرہ سانسیں پی رہا تھا۔

عابیر کی بے جان ہوتی حالت محسوس کرتے اسے آزادی بخشتے اسے نرمی سے اپنے سینے میں بھینچا۔

اسفند!!عابیر نے اس کے سینے سے لگے اپنی بے ترتیب سانسوں سے اسے پکارا۔

جی میری سفاک پٹھانی!!اسفند نے اس کی برہنہ کمر پر نرمی سے ہاٹھ پھیرتے خمار زدہ آواز مین پوچھا۔

اسفند آج میں آپ کی جنون خیزیاں نہیں سہہ پاؤں گی مم۔۔میں۔۔۔۔

کیوں نہیؤ سہہ پاؤ گی روز سہتی ہو آج میرے جذبات تو عروج پر ہیں۔کسی صورت آج میری جنون خیزیوں سے چھٹکارا نہین ملے گا۔ایسے سماؤں گا تم میں تم تڑپ کر مجھ میں ہی سماؤ گی۔۔وہ اس کی بات کاٹتے اسے گود میں

اٹھائے بیڈ کی جانب بڑھتے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹائے اس پر گھٹا بن کر چھایا۔

آج ہر پردے سے آزاد ہو گا تمھارا بدن۔۔ صرف یہ ماتھا پٹی پہن کر آج تمھیں میری قربت سہنی ہو گی کیونکہ میری سفاک پٹھانی یہ پہنے مجھے قیامت لگتی ہے وہ بھاری آواز میں بولتے اس کی بے ترتیب بے قرار سانسوں کو پھر سے اپنی سانسوں سے چرا گیا تھا۔ اس کے بدن ہر پردے سے آزاد کرتے بنا اس کی سانسوں کو آزادی دیے وہ اس مین سمایا تھا۔ عابیر اس کی شدتوں پر لرز کر رہ گئی تھی۔

اس کی جنون خیزیوں کی وہ تاب آج نہیں لا پا رہی تھی۔

نہ وہ بس کی سانسوں کو آزادی دے رہا تھا نہ اس کی شدتوں میں کمی آ رہی تھی۔ قطرہ قطرہ رات بیتے کمرے میں سانسوں کی گونج بڑھا رہی تھے

یکدم اسفند اس کی سانسوں کو آزاد کرتے اپنی تمام تشنگی تمام بے قراریاں اس کے اندر اتاذ گیا تھا۔

اسفند۔۔۔عابیر نے بہتے آنسوؤں سے اسے پکارا

جی میڑی جان!!اسفند نکے نرمے سے اس کی پیشانی پر لب رکھے.

مم مجھ سے دور ہٹیں اسفنڈ۔۔ مم میں پریگنٹ ہوں۔عابیر کے کپکپاتے لبوں سے لفظ ادا ہوے تھے

اسفند کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا۔عابیر گہرے سانس گیتے رخ پلٹے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں دبوچے شدت سے رودی تھے۔

آریان خان کی بڑی سی گاڑی اس کے حویلی کے کار پورچ میں آکر رکی تھی ۔وہ غصے سے سٹرینگ پر مکہ مار کر رہ گیا۔اس کی حویلی میں وہ وجود ابھی بھی تھا آریان خان کا دل کر رہا تھا اپنی حویلی کو آگ لگا دے۔اس جیسے ناک وجود کو وہ اپنی حویلی گوارا نہ کر رہا تھا۔ آریان خان جبڑے بھینچے گاڑی سے اترتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ داخلی دروازہ وہ چابی سے کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ آریان خان نے لاونج میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

وہ استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ کہاں جا سکتی تھی آخر وہ؟؟اس کی حویلی کی دیواریں اتنی کچی نہ تھیں وہ توڑ کر جا سکتی۔نہ اس نے اپنی حویلی میں چور دروازے رکھے تھے کہ وہ وہاں سے نکل سکتی۔نہ ہی ہی ایسی کھڑکیاں تھیں وہ یہاں سے بھاگ سکتی۔۔

آریان خان نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے اپنا کوٹ اتار کر بیڈ پر اچھالا تھا۔ وہ اپنی شرٹ اتارتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھا تھا۔

اچھی طرح نیم گرم پانی سے شاور لینے کے بعد وہ وایٹ ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس باہر آیا تھا۔

ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنے نم زدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے اپنے برہنہ چٹانی کٹس والے ایبس نما سینے پر تولیہ رگڑتے اسے صوفے پر اچھالتے وہ بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

بیڈ پر لیٹتے ہوئے وہ خود پر کمبل لپیٹ گیا تھا۔ اس کی پوری حویلی یخ ٹھنڈی تھی۔ صرف اس کا کمرہ ہیٹڈ تھا جہاں الیکٹرک ہیٹر چل رہا تھا۔ آج باہر سردی بھی شدت کی پڑ رہی تھی۔ وہ کمبل لپیٹے سائڈ کروٹ لیے آنکھیں موندے لیٹ گیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی گہری وادیوں میں تھا۔

اسے سوئے ہوئے نجانے کتنی دیر ہوئی تھی اس کی آنکھ بجلی کے کڑکنے سے کھلی تھی۔ آواز اتنی تیز تھی کہ وہ ہڑبڑاتے ہوئے اٹھا تھا۔

آریان اپنی سرخ آنکھیں مسلتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا تھا۔ بجلی کی کڑک اتنی خطرناک تھی جیسے اس کی چھت پر بجلی آن گری ہو۔

وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بیڈ سے اٹھتا اپنے کمرے سے ملحقہ ٹیرس کی طرف بڑھا۔

ٹیرس کا دروازہ کھولنے پر بارش کی تیز بوچھاڑ نے اس کے برہنہ چٹانی سینے کو گیلا کیا تھا۔ بذفیلی ہوائیں اس کے سرخ و سفید چہرے کو مزید سرخ کر گئی تھیں۔

یکدم اسے اس لڑکی کا خیال آیا تھا جس کے وجود پر ایک گرم چادر تھی۔ جو اس وقت ٹھنڈے یخ لاونج میں تھی۔

وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ٹیرس کا دروازہ بند کرتے اپنے کمرے سے نکلتے لاونج میں آیا۔

وہ اسے ابھی بھی کہیں نہیں دکھائی دی تھی۔ وہ لب بھینچے آگے بڑھا تھا۔ یکدم وہ ٹھٹھکتے ہوے رکا تھا۔

وہ لاونج کے ٹھنڈے فرش پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔

آریان خان جلدی سے اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھا۔

آریان اسے دیکھتے اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔ اس کی سیاہ شال اس کے وجود پر نہیں تھی۔ اس کے گلابی ملگجے سے سلوٹ زدہ فراک سے اس کی رعنائیاں چھلک چھلک کر باہر آ رہی تھیں۔

آریان کی رنگت شدید سرخ ہوئی تھی۔

مس خان!! آریان نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے اسے پکارا تھا۔

مس خان! آریان نے درشت لہجے میں اسے پکارتے اس کا گال تپھتپایا تھا۔

آریان خانزادہ جبڑے بھینچتے زمین سے اٹھتے کھڑا ہوا۔

اس لڑکی کا کیا کرے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اگر اس ٹایم اسے حویلی سے جانے دیتا تو یقیناً وہ کسی بھی غلط انسان کے ہاتھ لگ سکتی تھی۔ اس کے عاشق کے چھوڑ کر چلے جانے سے اس کے گھر والے تو اسے اپنانے سے رہے۔ پتہ

نہیں کتنے دنوں سے وہ اپنے گھر سے غایب تھی۔ آریان خانزادہ نے اس کے ملگجے سے میلے سے سلوٹ زدہ لباس پر قہر آلود نگاہیں گاڑھیں۔

آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں میں سامنے پڑے وجود کے نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔۔ اتنی نفرت اسے محسوس ہو رہی تھی جی کر رہا تھا اس وجود کو اس قہر برساتی بارش میں پھینک دے جو اپنے عاشق کے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ آئی۔۔

آریان خانزادہ نے اپنی چوڑی ہتھیلی پر مکہ مارتے ہوے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر بمشکل قابو پایا۔۔

آریان خان تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھائے اس نے اپنے چوکیدار شمس دین خان کا نمبر ملایا۔

شمس الدین اپنی بیوی کو ابھی اسی وقت یہاں لے کر آؤ۔ آریان خان نے سرد لہجے میں حکم دیا۔

جی خان!! دوسری طرف سپیکر پر حیرانگی تھی۔

تمھیں سنائی کم دیتا ہے اپنی بیوی کو ادھر لے کر آؤ جلدی۔۔ آریان خان دھاڑا تھا۔ لیکن خان ہمارا گھر یہاں سے آدھا گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ اتنا تیز بارش ہو رہا ہے ہم کیسا؟؟

شمس الدین کی حیران پریشان آواز گونجی تھی۔

جیسے بھی کر کے تمھاری بیوی آدھے گھنٹے میں میری حویلی ہونی چاہیے ورنہ تمھاری خیر نہیں۔ صرف نوکری سے نہیں نکالوں گا تمھیں اپنے پالتو خونخوار جانوروں کی خوراک بھی بناؤں گا۔ اور تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو

جو میں کہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔ آریان خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے فون بند کرتے فون غصے سے صوفے پر اچھال گیا۔

زرمش کے وجود پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد شمس دین کی بیوی اس کے سامنے تھی۔۔

جی خان صاحب آپ نے بلوایا۔ اس نے اپنی بڑی سی چادر کو سر پر اچھی طرح جمائے نظریں جھکائے پوچھا۔ لاونج کے بیچو بیچ وہ ایک لڑکی کو بیہوش پڑا دیکھ چکی تھی۔ مگر اتنی حیثیت نہ تھی وہ اس بارے میں استفسار کر سکتی ۔۔ بلکہ اس نے دوسری بار نگاہ تک اس لڑکی پر نہیں ڈالی تھی۔

آریان خانزاہ اس وقت سفید ٹروازر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔

یہ لڑکی نظر آرہی ہے تمھیں؟؟ آریان خان نے شعلہ بار لہجے میں پوچھا۔

جی خان!! شمس دین کی بیوی نے نظریں جھکائے جواب دیا۔

اسے اٹھا کر کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دو۔ آریان خان کے حکم پر شمس دین کی بیوی نازو کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں تھیں۔

وہ. کیسے اکیلے اس لڑکی کو اٹھا سکتی تھی۔

لیکن خان صاحب ہم کیسے؟؟ نازو نے حیرت و استعجاب سے پوچھا۔

نازو کے سوال پر آریان خانزادہ نے مڑتے ہوئے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا

مم ہمارا مطلب ہے خان صاحب ہم کیسے اکیلا اس لڑکی کو اٹھا سکتا ہے۔ سویا ہوا انسان ہاتھی کا وزن کے برابر ہوتاہ

ہم ٹھہرا نازک سا لڑکی ہم کیسے اس کو اکیلا اٹھا سکتا ہے۔ نازو کی دی ہوئی انفارمیشن پر وہ عش عش کر رہا تھا کہ اسے آج پتہ چلا تھا سوئے ہوے انسان کا وزن ہاتھی کے برابر ہوتا ہے اس کی دوسری بات پر اس نے نازو کے نازک وجود پر شرربار نگاہیں ڈالی تھیں۔ جس کا وزن جاگتے میں بھی ایک ہاتھی کے وزن کے برابر تھا۔

اسے اٹھا کر کمرے میں ڈالو آریان خانزادہ اسے مشتعل نگاہوں سے گھورتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

خان صاحب ہم اپنا مرد کو بلا لاتا ہے وہ اور میں مل کر اس کو اٹھا لے گا۔ نازو کی بات پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

آنکھوں میں غصے کی لالی اتری تھی۔

اگر اسے تمھارے مرد سے اٹھانا ہوتا تو میں خود نہ اسے اٹھا کر کمرے میں ڈال آتا۔۔ آریان نے سرد برفیلے لہجے میں کہتے نازو کو خونخوار نگاہوں سے گھورا۔

تمھیں یہ پتہ ہے سوئے ہوئے انسان کا وزن ہاتھی کے وزن کے برابر ہو جاتا ہے یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک عورت ہے تو کیسے تمھارا مرد اسے ہاتھ لگا سکتا ہے۔ آریان نے نازو کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔ نازو گڑبڑاتے ہوئے نظریں جھکا گئی

اٹھاؤ اسے۔ تمھارے نازک سے وجود کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آریان نے سخت لہجے میں حکم دیا۔

نازو نے زرمش کی طرف بڑھتے اسے اٹھانے کی سعی کی تھی۔ مگر وہ بری طرح ہانپ کر رہ گئی تھی۔۔

اس نے پھولتی سانسوں سے ہانپتے ہوے آریان خانزادہ کو دیکھا جو اپنے من پر ہاتھ پھیرتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

خان صاحب آپ کو یہ پتہ ہے کہ ایک عورت کو غیر مرد ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ نہیں پتہ کہ عورت کا اور مرد کا طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ہم کیسے اس لڑکی کو اٹھا سکتا ہے۔ اس نے ہانپتے ہوے آریان خانزادہ سے سوال کیا۔

ہمارا مطلب ہے خان صاحب ہم عورت ہے تو کیا ہوا اگر طاقت مرد جیسا نہیں تو کیا ہوا؟! دماغ تو مرد سے بھی اچھا ہے۔ ہم اس کو لے جائے گا کمرے

میں آپ فکر نہ کرو۔۔نازو نے آریان خانزادہ کے گھورنے پر گڑبڑانے ہوے وضاحت دی۔

آریان خانزادہ اسے گھورتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ مگر دوسرے لمحے وہ رکا تھا۔ عورت کے پاس دماغ ہوتا ہے اور وہ اسے استعمال بھی کرتی ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔ اور وہ دیکھنا چاہتا تھا ایک عورت اپنے دماغ کا استعمال آخر کیسے کرتی ہے؟؟

آریان نے مڑتے ہوے اسے دیکھا وہ اسے دیکھ کر جبڑے بھینچ گیا تھا۔ نازو زرمش کو کلائی سے پکڑ کر گھسیٹ رہی تھی۔۔ ٹھنڈی زمین پر اس کا شال کے بغیر وجود گھسٹ رہا تھا۔

آریان خان یہ دیکھتے بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے ایسے گھسیٹتے ہوے پورے لاونج سے کمرے تک لے کر جائے گی۔

آریان خانزادہ کے قدم نہ چاہتے ہوے بھی اس کی طرف بڑھے تھے۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد شمس دین کی بیوی اس کے سامنے تھی۔۔

جی خان صاحب آپ نے بلوایا۔اس نے اپنی بڑی سی چادر کو سر پر اچھی طرح جمائے نظریں جھکائے پوچھا۔لاونج کے بیچو بیچ وہ ایک لڑکی کو بیہوش پڑا دیکھ چکی تھی۔ مگر اتنی حیثیت نہ تھی وہ اس بارے میں سامنے کھڑے انسان سے استفسار کر سکتی۔۔بلکہ اس نے دوسری بار نگاہ تک اس لڑکی پر نہیں ڈالی تھی۔

آریان خانزاہ اس وقت سفید ٹروازر پر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس اس کے سامنے کھڑا تھا۔

یہ لڑکی نظر آرہی ہے تمھیں؟؟ آریان خان نے شعلہ بار لہجے میں پوچھا۔

جی خان!! شمس دین کی بیوی نے نظریں جھکائے جواب دیا۔

اسے اٹھا کر کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دو۔ آریان خان کے حکم پر شمس دین کی بیوی نازو کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں تھیں۔

وہ بھلا کیسے اکیلے اس لڑکی کو اٹھا سکتی تھی؟؟ وہ خود ہٹا کٹا تھا وہ خود اٹھا لیتا بھلا؟؟ نازو نے اس کے چوڑے دیو جیسے وجود کو دیکھتے سوچا۔

لیکن خان صاحب ہم کیسے؟؟ نازو نے حیرت و استعجاب سے کافی بیچارگی سے پوچھا۔

نازو کے سوال پر آریان خانزادہ نے مڑتے ہوئے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔۔

مم۔۔ ہمارا مطلب ہے خان صاحب ہم کیسے اکیلا اس لڑکی کو اٹھا سکتا ہے۔ سویا ہوا انسان ہاتھی کا وزن کے برابر ہوتا

ہم ٹھہرا نازک سا لڑکی ہم کیسے اس کو اکیلا اٹھا سکتا ہے؟!۔ نازو کی دی ہوئی انفارمیشن پر وہ عش عش کر رہا تھا کہ اسے آج پتہ چلا تھا سوئے ہوے انسان کا وزن ہاتھی کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی دوسری بات پر اس نے نازو کے نازک وجود پر شرربار نگاہیں ڈالیں۔ جس کا وزن جاگتے میں بھی ایک ہاتھی کے وزن کے برابر تھا۔

اسے اٹھا کر کمرے میں ڈالو۔۔ آریان خانزادہ اسے مشتعل نگاہوں سے گھورتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

خان صاحب ہم اپنا مرد کو بلا لاتا ہے وہ اور میں مل کر اس کو اٹھا لے گا۔ نازو کی بات پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

آنکھوں میں غصے کی لالی اتری تھی۔

اگر اسے تمھارے مرد سے اٹھانا ہوتا تو میں خود نہ اسے اٹھا کر کمرے میں ڈال آتا۔۔ آریان نے سرد برفیلے لہجے میں کہتے نازو کو خونخوار نگاہوں سے گھورا۔

تمھیں یہ پتہ ہے سوئے ہوے انسان کا وزن ہاتھی کے وزن کے برابر ہو جاتا ہے یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک عورت ہے تو کیسے تمھارا مرد اسے ہاتھ لگا سکتا ہے۔ آریان نے نازو کو گھورتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔ نازو گڑبڑاتے ہوے نظریں جھکا گئی۔

اٹھاؤ اسے !!۔ تمھارے نازک سے وجود کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آریان نے اس کے نازک سے وجود کو گھورتے سخت لہجے میں حکم دیا۔

نازو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوے زرمش کی طرف بڑھتے اسے اٹھانے کی سعی کی۔ مگر وہ بری طرح ہانپ کر رہ گئی تھی۔۔

اس نے پھولتی سانسوں سے ہانپتے ہوے آریان خانزادہ کو دیکھا جو اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

خان صاحب آپ کو یہ تو پتہ ہے کہ ایک عورت کو غیر مرد ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ نہیں پتہ کہ عورت کا اور مرد کا طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ہم کیسے اس لڑکی کو اٹھا سکتا ہے ؟؟۔ اس نے ہانپتے ہوے آریان خانزادہ سے سوال کیا۔

اس کے سوال پر آریان خانزادہ کے نقوش غصے سے۔ تنے۔

ہمارا۔۔ مطلب۔۔ ہے۔۔ خان صاحب۔۔۔ ہم عورت ہے تو کیا ہوا؟! گر طاقت مرد جیسا نہیں تو کیا ہوا؟! دماغ تو مرد سے بھی اچھا ہے۔ ہم اس کو لے جائے گا کمرے میں آپ فکر نہ کرو۔۔ نازو نے آریان خانزادہ کے گھورنے پر گڑبڑانے ہوے وضاحت دی۔

آریان خانزادہ اسے گھورتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ مگر دوسرے لمحے وہ رکا تھا۔ عورت کے پاس دماغ ہوتا ہے اور وہ اسے استعمال بھی کرتی ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔ اور وہ دیکھنا چاہتا تھا ایک عورت اپنے دماغ کا استعمال آخر کیسے کرتی ہے؟؟

آریان نے مڑتے ہوے اسے دیکھا وہ اسے دیکھ کر بری جبڑے بھینچ گیا تھا۔ نازو زرمش کو کلائی سے پکڑ کر گھسیٹ رہی تھی۔۔ ٹھنڈی زمین پر اس کا شال کے بغیر وجود بری طرح گھسٹ رہا تھا۔

آریان خان یہ دیکھتے بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے ایسے گھسیٹتے ہوے پورے لاونج سے کمرے تک لے کر جائے گی۔ اسے یہ بات کچھ اچھی نہیں لگی تھی

آریان خانزادہ کے قدم نہ چاہتے ہوے بھی اس کی طرف بڑھے

ہٹو یہاں سے۔۔ آریان نے اسے سخت سرد لہجے میں حکم دیا۔

نازو آریان خانزادہ کے حکم پر ہانپتے ہوے پیچھے ہوئی تھی۔ صرف اسے ذرا سا گھسیٹنے پر وہ ہانپ کر رہ گئی تھی۔

آریان خانزادہ نے زمین سے شال اٹھا کر اس کے وجود پر اوڑھائی اور جھکتے ہوے اس کے نازک وجود کو وہ بانہوں میں بھرتے اسے گود میں اٹھائے اپنے کمرے کے ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھا۔

وہ اسے اٹھائے تیزی سے کمرے کی طرف بڑھا اض۔ اسے بیڈ کے وسط میں لٹاتے وہ نازو کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے پیچھے ہی کھڑی اس لڑکی کو ایک ٹکے دیکھے جا رہی تھی۔

سے کمبل اوڑھاؤ اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ آریان خان نے نازو کو برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

خان صاحب ہم ڈاکٹر تھوڑا ہے۔ ہم کیسے اسے ہوش میں لا سکتا ہے ؟!۔ اس کا بدن آگ کی طرح تپ رہا ہے۔ اس لڑکی کو ہسپتال کا ضرورت ہے۔ ورنہ یہ مر مرا بھی سکتا ہے۔ نازو نے آریان خان کو دیکھتے بیچارگی سے جواب دیا۔ وہ بھلا کیسے اس لڑکی کو ہوش میں لا سکتی تھی۔۔

آوٹ !! نکلو یہاں سے !! آریان خانزادہ نازو کو گھورتے غرایا۔ اسے بلانے کا کوئی فایدہ نہیں ہوا تھا۔ وہ الٹا اس کا تپتا دماغ مزید تپا رہی تھی

خان۔۔ صاحب۔۔ ہم۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ کہہ۔۔۔ رہا۔۔۔ ہے۔۔ ہم ۔۔ کیسے۔؟!

نازو آریان خانزادہ کی غراہٹ پر ہکلائی۔۔ وہ اچھی طرح مقابل کو جانتی تھی وہ غلطی سے بھی کسی کی غلطی معاف نہیں کرتا تھا۔ اب اس پاداش میں وہ اس کے شوہر کو کیا سزا دے۔ وہ بری طرح پریشان ہوئی۔

نکلو یہاں سے!! تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے پہلے میرا دماغ زیادہ گرم ہو۔ نکلو یہاں سے۔۔ آریان خانزادہ حلق کے بل دھاڑا۔

آریان خان کی دھاڑ پر نازو لرزتے ہوئے جلدی سے کمرے سے نکلتے وہاں سے چلی گئی۔

آریان زرمش کے بیہوش وجود پر ایک سرد نگاہ ڈالتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں آکر اس نے غصے سے اپنی شرٹ اتار کر ڈریسنگ ماری۔ اگر اسے پتہ ہوتا یہ لڑکی اس کے لیے وبال جان بن جائے گی۔ وہ اسے سڑک پر ہی چھوڑ کر آجاتا۔ اس کا وجود اسے کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا۔ اس لڑکی سے اسے بے انتہا نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

آریان خان ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے ہوئے اپنی سرد سرخ نگاہیں مرر میں گاڑھ گیا۔

کیا کروں میں ؟؟ کہاں ڈھونڈو اس کے گھر والوں کو ؟؟ آریان خانزادہ نے جبڑے بھینچتے سوچا تھا۔

!!اس کا بدن آگ کی طرح تپ رہا ہے۔اس لڑکی کو ہسپتال کا ضرورت ہے۔ورنہ یہ مر مرا بھی سکتا ہے!!

نازو کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ آگ کی طرح تو وہ گرم تھی اسے بانہوں میں اٹھاتے اس کے بدن کی گرمی وہ بھی شدومد سے محسوس کر چکا تھا۔

آریان خان اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔

اس کے قریب جاتے ہوے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے اسے چیک کیا وہ تو دہکتے کوئلوں کی مانند گرم تھی۔اسے لگا تھا جیسے اس نے آگ کی بھٹی کو چھو لیا ہو۔۔

آریان خان لب بھینچے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتا رہا۔

بخار کی حدت سے اس کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔

اگر اس ک ٹریٹمنٹ میں مزید تاخیر کی جاتی تو واقعی میں وہ مر بھی سکتی تھی۔ اس کا بروقت بخار اترنا ضروری تھا۔

آریان خان نے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل میں سے رومال نکالتے ہوئے اسے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ میں ڈپ کرتے زرمش کی پیشانی پر رکھا۔

وہ اس کے قریب بیٹھے اس کے ماتھے کی ٹھنڈے پانی سے پٹیاں کرنے لگا۔

تقریباً دس منٹ سے اوپر ٹایم ہو گیا تھا۔ وہ اس کی پٹیاں کر رہا تھا۔۔ بخار اتنا شاید تھا کہ دس منٹ سے پٹیاں کرنے پر بھی ہلکا نہیں ہوا تھا۔ آریان خان نے کمبل اس کے سینے سے ہٹاتے ہوئے اس کی گردن پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ

ابھی بھی تندور کی مانند دہک رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے وہ رومال اب اس کی گردن پر نرمی سے پھیرا۔ وہ احتیاط سے اس کے گردن اس کے ہاتھوں پر وہ رومال پھیر رہا تھا۔

یکدم اس کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی تھی۔ آریان خان نے تشکر کا گہرا سانس لیا۔

مس خان!! آریان خان نے اسے پکارتے ہوئے اس کا گال تھپتپایا۔

لالا!! مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔۔ میرا آپ کے علاوہ کوئی نہیں۔۔ زرمش کے کپکپاتے لبوں نے جنبش کی۔۔

مس خان!! ہوش میں آئیں۔۔ آریان خان نے اس کے گال کو تھپتپاتے اسے پکارا۔

ساحر۔۔ساحر۔۔۔۔ساحر۔۔اس کے لفظ مسلسل بہت آہستگی سے مدھم آواز میں جنبش کر رہے تھے۔ آریان خانزادہ نے اس کے کپکپاتے لبوں کی جنبش دیکھتے اس پر جھکے اس کے لفظ سننے کی کوشش کی۔

لالا!!زرمش کا آپ کے بغیر کوئی نہیں۔۔مجھے مت چھوڑنا لالا۔۔بہت محبت کرتی ہوں آپ سے۔۔وہ یہ سب سنتے لب بھینچ گیا تھا۔اگر مقابل اتنی ہی محبت اپنے لالا سے کرتی تھی تو کیوں ایک غیر محرم کے لیے اپنے محرم رشتے چھوڑے؟!۔ آریان خانزادہ کے بدن میں غصے سے شرارے سے دہکے تھے۔

ساحر چھوڑ کر چلا گیا۔۔محبت کرنے کی سزا اتنی بڑی ہوتی ہے کیا؟؟محبت ہی تو کی تھی میں نے اس سے؟؟میری محبت میرا گناہ کیوں بن گیا؟؟بابا نے

چھوڑ دیا۔اب آپ بھی چھوڑ کر چلے گئے۔۔زرمش کے لبوں سے لفظ سنتے اس کے بدن میں شرارے سے دوڑے تھے۔

آریان خانزادہ کی آنکھیں جیسے تپ کر انگارہ ہوئی تھیں۔

ایک لمحہ پہلے اسے اس لڑکی پر ترس آیا تھا۔۔اب ترحم کی جگہ اس سے ایک بار نفرت محسوس ہوئی تھی

پانی!!پانی۔۔۔زرمش نے کپکپاتے سوکھے لبوں نے پانی مانگا تھا۔

آریان خانزادہ نے سایڈ ٹیبل پر پانی کا جگ اٹھائے اس کے چہرے پر غصے سے انڈیلا۔۔

زرمش نے بھیگتے ہوے ہڑبڑاتے ہوے آنکھیں کھولیں۔آریان خانزادہ کو اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر وہ چیختے ہوے اٹھ کر بیٹھی۔آریان خان نے اس پر

اپنی سرد سرخ نگاہیں اس پر گاڑھتے جگ میں بچا کھچا پانی اس کے چہرے پر پھینکا۔

آہہ۔۔زرمش بھیگتے ہوے چیختے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

زرمش نے کانپتے ہوے اپنے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹائے۔

وہ شرٹ لیس اس کے قریب بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔

زرمش کو اس سبز آنکھوں والے انسان سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا۔ اتنا خوف اسے آج تک کسی سے نہیں ہوا تھا۔ بچپن میں سرد برفیلی تنہا راتوں میں بھی اسے کمرے سے اتنا خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ جو حویلی کے دوسری سائیڈ پر سب سے آخر میں تھا۔ جتنا خوف مقابل سے ہو رہا تھا۔

وہ کانپتے ہوے اس سے دور کھسکتے ہوے دوسری سائیڈ پر ہوئی۔

پانی۔۔۔زرمش نے خوف سے اسے دیکھتے پانی مانگا۔اسے اپنے حلق میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہو رہے تھے۔مقابل کو دیکھتے تو پورا وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔

پانی دے دوں تمھیں؟؟میرا بس چلے تم جیسی لڑکیوں کو زمین کی تہہ میں زندہ دفنا دوں۔۔سنگسار کر دوں تم جیسی عورتوں کو جو اپنے یار کے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ آتی ہیں۔جانتی ہو کتنے جنازے اٹھتے ہیں پیچھے؟؟

کتنی نسلیں برباد ہوتی ہیں؟؟آنسوؤں کا سیلاب آتا ہے مس خان!!نسوؤں کا سیلاب!!جس میں سب کچھ ڈوب جاتا ہے۔وہ عزت بھی جسے کمانے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔مگر تم جیسی لڑکیاں اپنے یار کے لیے وہ عزت قدموں میں روندھ کر چلی جاتی ہیں۔وہ اسے بازو سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

مم میں نے کک کیا کیا ہے ؟؟زرمش نے روتے ہوے اس کی سبز آنکھوں میں جھانکا۔ان آنکھوں میں محبت نہ سہی نفرت بھی تو کبھی نہیں دیکھی تھی ۔وہ ایسے تو بات نہیں کرتا تھا۔

ساحر!!زرمش نے ہچکی لیتے اسے پکارا دوسرے لمحے کی کپکپاتی انگلیاں اس کی آنکھوں کو چھو گئی۔

آریان خانزادہ اس کی انگلیاں بے دردی سے جھٹکتے ہوے اسے خود سے اچھوت کی طرح دور دھکیل گیا۔

زرمش تکیے پر اوندھے منہ جا گری تھی۔

آیندہ تم نے ساحر کا نام اپنے لبوں سے نکالا!! خدا کی قسم آریان خانزادہ تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دے گا۔ وہ بیڈ سے کھڑے ہوتے دھاڑا تھا

زرمش منہ پر ہاتھ رکھے گھٹی گھٹی آواز میں سسکنے لگی۔

وہ اس کے سسکتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کمرے سے تیزی سے نکل گیا

زرمش اپنی چیخیں روکتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی۔

اسفندیار خان گہرے سانس لیتا عابیر کو دیکھ رہا تھا۔ جو کمبل خود پر لپیٹے رخ پلٹے بہت بری طرح رو رہی تھی۔

اسفندیار خان کا پورا وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔ عابیر پریگننٹ ہے وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے اس پر بہت بے رحمانہ طریقے سے اس پر اپنی شدتیں ڈھا چکا تھا۔۔ وہ روز اس پر بہت بے رحمی سے اپنی شدتیں ڈھاتا تھا۔ اس کی سفاک پٹھانی اس کی شدتیں کبھی رو کر کبھی ہنس کر برداشت کرتی تھی۔۔ آج اسے دلہن کے لباس میں دیکھ کر وہ اس پر بہت برے طریقے سے اپنی شدتیں ڈھا چکا تھا۔ اس کی عادت تھی وہ اپنے قربت میں سب سے زیادہ ظلم اس کے لبوں پر ڈھاتا تھا۔ انھیں وہ اپنی سانسوں میں جکڑے رکھتا تھا۔۔ اسفندیار خان نے پریشانی سے عابیر کے سسکتے وجود پر نگاہ ڈالی۔۔ وہ بہت بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ بری طرح گھبرایا تھا کہیں اس کے بچے کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔ عابیر کا رخ پلٹے وہ اس پر حاوی ہوا تھا۔ وہ اس وقت شرٹ لیس وایٹ ٹراوزر میں ملبوس تھا۔

اس نے اپنا وزن اب عابیر پر نہیں ڈالا تھا۔

دور ہٹیں اسفندیار خان مجھ پر سے!!عابیر اسکی نیلی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے منہ پھیر گئی تھی۔۔

میری جان!!رو کیوں رہی ہو۔۔میرا بچہ ٹھیک ہے ناں۔اسفند نے اس کا منہ اپنی طرف کرتے پریشانی سے پوچھا۔

نہیں یہ آپ کا بچہ سمجھے آپ۔۔یہ صرف میرا بچہ ہے۔آپ جیسے بے رحم انسان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔۔دور ہٹیں مجھ پر سے۔۔عابیر اس کے چٹانی سینے پر بے دردی سے مکہ مارتے ہوے روتے ہوے چیخی تھی۔۔

اسفند پریشانی سے اس سے دور ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سکستے ہوئے خود پر کمبل لپیٹتے ہوئے اپنے کپڑے تلاش کر رہی تھی۔ عابیر نے پاس پڑا اپنا بلاوز اٹھا کر دیکھا جو وہ بے رحم خانزادہ اپنے جنون میں توڑ چکا تھا۔

عابیر اپنا بلاوز پکڑے سسکیاں بھرنے لگی۔۔ اسفند نے اسے ایسے روتے دیکھ کر پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا ایسا رونا اس کی جان نکال کر رہا تھا۔۔ اپنے بچے کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔

اسفند گہرے سانس لیتے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے بچے کے کچھ ہو جانے کے خوف سے وہ اسے نہ سختی سے پکار سکتا تھا نہ اسے اب سختی سے چھو سکتا تھا آگے وہ اسے کافی سختی سے چھو چکا تھا۔ اسفند نے اس پر نظریں دوڑائیں اس کی برہنہ کمر پر اس کی دی ہوئی گہری سوغاتیں پورے آب و تاب سے چمک

رہی تھیں۔یہی حال دھڑکنوں کا تھا ہر جگہ اس کی دی ہوئی گہری سوغاتیں تھیں۔مقابل کا بری طرح سسکیاں بھرنا اس پر باور کروا رہا تھا وہ اپنے ہوش گواتے اس پر ظالمانہ طریقے سے اپنی شدتیں ڈھا چکا ہے۔

عابیر پاس پڑی اسفند کی سفید ٹی شرٹ اٹھا کر پہنتے بیڈ سے اٹھی تھی۔۔اسفند بھی جلدی سے چھلانگ لگا کر بیڈ سے اٹھتا عابیر کے مقابل آتے اسے بے حد نرمی سے اپنی بانہوں میں بھر گیا۔

چھوڑیں مجھے اسفند یار خان!!مجھے آپ کی شکل نہیں دیکھنی۔۔عابیر نے چیختے ہوے اسفند کے سینے پر مکہ مارا تھا۔اسفند بہت نرمی سے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

عابیر اس کے سینے پر بے دردی سے مکے مارتے ہوے بری طرح رو رہی تھی۔۔ اسفندیار خان اس کی کمر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوے اسے خود میں بھینچے ہوے تھا۔

آپ نیلی آنکھوں والے خان نہیں بلکہ ایک بے رحم خانزادہ ہیں۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔ عابیر اس کے سینے میں سماتے روتے ہوے چیخی۔

ریلیکس میرا سرخ گلاب!! اسفند بہت نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوے ملائمت سے بولا۔۔

وہ پریگنٹ ہے اس کے موڈز سونگز کا سوچتے وہ اس کی کنڈیشن سمجھ رہا تھا۔ کچھ وہ اپنے آج کے رویے کا آزالہ کر رہا تھا۔ اس کا رونا اسے پریشان کر رہا تھا۔ اپنے بچے کا سوچتے اس کی جان بھی ابھی تک حلق میں گھٹی ہوئی تھی۔

چھوڑیں مجھے اسفندیار خان!!وہ اس کے حصار سے نکلنے کی سعی کرتے ہوے چیخی تو اسفندیار خان کا دماغ کی رگیں پھڑ کیں تھیں۔

بس!!اسفند اسے خود سے الگ کرتے ہوے برفیلے لہجے میں بولتا ساکت کر گیا تھا۔

عابیر نے اسے نم خفگی بھری نگاہوں سے دیکھتے رخ پلٹا تھا اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی اسفند اسے بازو سے جکڑے نرمی سے اس کا رخ پلٹتے اپنے مقابل کر گیا۔

میرا بچہ کیسا ہے عابیر؟؟اسفند نے گہرے سانس لیتے حوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

آپ نے جنگلیوں کی طرح مجھ سے سلوک کیا اسفندیار خان!!ایسا کوئی کرتا ہے اپنی پریگننٹ بیوی کے ساتھ۔۔عابیر نے ہچکی لیتے پوچھا۔

یہ سلوک میں روز تمھارے ساتھ کرتا ہوں عابیر!!اور تم میری شدتوں میں ساتھ بھی دیتی ہو۔اسفند اس پر سرد نگاہیں گاڑھتے سرد لہجے میں بولا۔وہ بتا ہی نہیں رہی تھی اس کا بچہ ٹھیک بھی ہے کہ نہیں۔

کیونکہ مجھے نہیں پتہ تھا اسفند میں پریگننٹ۔۔۔

تو مجھے بھی نہیں پتہ تھا تم پریگننٹ ہو اسفند اس کی بات کاٹتے جھنجھلاتے ہوے بولا۔۔

تو یہی تو بتانا چاہ رہی تھی کہ میں پریگننٹ ہوں۔آپ نے بتانے نہیں دیا۔آپ کو سرپرایز دینا چاہتی تھی مگر آپ نے تو مجھے سرپرایز کر دیا۔عابیر

اسفند کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکیوں سے بولی۔ اپنے بچے کو لے کر وہ بہت حساس ہو رہی تھی۔ اسفند نے بہت برے طریقے سے اس پر شڈ تیں ڈھائیں تھیں۔ پورا کمرہ تھوڑی دیر پہلے اس کی شدتوں سے لرز رہا تھا۔

یہ کیسا سرپرایز تھا تمھارا۔ ایسے کوئی اپنے پریگننٹ ہونے کی خبر سناتا ہے ۔ تم مجھے پریگننٹ ہونے کی خبر سنانا چاہتی تھی یا پھر میرے ساتھ ویڈنگ نایٹ منانا چاہتی تھی۔ اسفند اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے بھڑکیلے لہجے میں بولتے بری طرح جھنجھلایا تھا۔ کی بات پر عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں شبنم کے قطروں کی چمک بڑھی تھی۔

عابیر اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے واش روم کی طرف بڑھی۔۔ اسفند اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے جھنجھلا کر رہ گیا۔۔۔

وہ اسے بازو سے سختی سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا۔

میرا بچہ کیسا ہے؟؟اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کرتے غرایا۔

عابیر اس کی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کیا پوچھ رہا ہوں میں تم سے ڈیم اٹ!!اسفند اس کی خاموشی پر دھاڑا تھا۔

عابیر اس کی دھاڑ پر لرز اٹھی تھی۔

کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہو میرا سرخ گلاب؟؟بتاؤ مجھے میرا بچہ ٹھیک ہے۔۔اسفند نے اس کے لرزنے پر اس عارض پر ہاتھ جمائے بہت نرمی سے پوچھا۔نیلی آنکھوں میں ہلکی سی نمی بھی تھی۔اپنے بچے کی زندگی کا خوف اس کی آنکھیں بھی اب نم کر چکا تھا

ٹھیک ہے آپ کا بچہ !! مگر میری کمر میں بہت درد ہو رہا ہے اور لوئیر بیلی پر دباؤ بھی پڑ رہا ہے۔۔ تھوڑا اور جنگلی پن دکھا دیتے۔۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں بتاتے نچلا لب باہر نکالتے شکوہ بھی کیا تھا۔

اسفند نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑے اسے کاؤچ پر بٹھایا تھا۔ خود پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے لیپ پر بہت نرمی سے اپنے لب رکھے۔۔

آئی ایم سوری میرا سرخ گلاب !! جب تک میرا بچہ یہاں ہے اب جنگلی پن نہیں دکھاؤں گا۔ اسفند نے اس کی شرٹ کے اندر ہاتھ لے جاتے اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ عابیر اس کی حرکت پر خود میں سمٹتے سرخ ہوئی تھی۔

کچھ نہیں کر رہا میرا سفاک گلاب !! صرف اپنا بچہ محسوس کر رہا ہوں جو یہاں ہے۔ اسفند نے نرمی سے کہتے اس کے سرخ عارض پر ہاتھ جمایا۔

یہاں بھی آپ نے بہت برے طریقے سے اسفند کاٹا ہے۔عابیر نے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔

اسفند گہرا سانس لیتے اس کے لیپ پر پھر سے لب رکھ گیا۔

آئی ایم سوری ناں!!میری جان۔۔میرا سرخ گلاب!!عابیر کے آج کے رنگ ڈھنگ ہی جدا تھے۔۔وہ اور طریقے سے نخرے دکھا رہی تھی. وہ سمجھ گیا تھا۔ان نو ماہ کے دوران اسے اپنے بچے کے آنے کا صرف انتظار نہیں کرنا ہو گا بلکہ ایک بچے کو سنبھالنا بھی ہو گا۔

درد ہو رہا لویر بیلی میں میری جان!اسفند نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

!تھوڑا تھوڑا عابیر نے سسکی لیتے کہا۔

عابیر کل بھی تو میری جان!! تمھیں ایسے چھوا تھا۔ کل بھی درد ہوا تھا۔

اسفند نے اپنا ہاتھ اس کے پیٹ پر سرکاتے پریشانی سے پوچھا۔

کل بھی ہوا تھا اسفند!! تب مجھے پتہ نہیں تھا میں پریگننٹ ہوں۔۔ اس لیے زیادہ محسوس نہیں کیا۔ مورے سے پوچھا تو انہوں نے مجھے پریگننسی ٹیسٹ کرنے کو کہا۔ ٹیسٹ کرنے پر پتہ چلا میں پریگننٹ ہوں۔ آپ کو سرپرایز کرنا تھا۔ بٹ آپ نے بات ہی نہیں۔ سنی۔ میں نے کیک بھی منگوایا تھا ۔۔ عابیر نے نچلا لب باہر نکالتے بھیگے لہجے میں پھر سے شکوہ کیا تھا۔

اس کے شکوے پر اسفند گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

چلو ہسپتال چلیں!! اسفند نے اضطرابی لہجے میں کہا۔

اس ٹایم۔۔ عابیر پریشان ہوئی تھی۔

اس ٹائم کیا ہے میرا سرخ گلاب! جب تک مجھے میرے بچے کی صحیح کنڈیشن پتہ نہیں چلے گی۔ جان سینے میں اٹکی رہے گی۔ اسفند تڑپتے ہوئے بولا تھا۔

اسفند ٹھیک ہے مجھے پتہ ہے۔۔ بچہ ٹھیک ہے۔۔ کل بھی یہ درد آپ کی قربت کے درمیان اور بعد میں ہوا تھا پھر سارا دن نہیں ہوا۔ اب بھی بہت ہلکا ہے۔۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے بھوک بھی بہت لگی ہے۔ عابیر نے پھر سے اپنا نچلا لب باہر نکالا تھا۔ اسفند اس کے انداز پر مبہم سا مسکرا گیا تھا۔

اسفند نے کمرے میں نظریں دوڑائیں. ڈریسنگ ٹیبل پر کیک رکھا تھا۔ جس کے گرد کینڈلز جل رہی تھی۔۔ وہ زمین سے اٹھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔

Baby on the way papa

کیک پر یہ ورڈز لکھے دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔ وہ کیک اور چھری پکڑے وہ عابیر کے پاس لایا۔ پنجوں کے بل وہ پھر سے اس کے قدموں میں بیٹھا۔

کاوچ پر کیک رکھتے اسفند نے چھری سے کاٹتے کیک کا پیس لے کر عابیر کے منہ کی طرف بڑھایا۔

عابیر نے تھوڑا سا کھایا تھا۔ اسفند نے اس کا چہرہ تھامتے ہوے اس کے لبوں پر جھکتے وہی کیک کھایا جو عابیر کے منہ میں ڈالا تھا

عابیر اس کی حرکت پر مزید سرخ ہوئی تھی۔

ہے میرا سرخ گلاب!! بار بار سرخ کیوں ہو رہی ہو میں تو آج سارا کیک ایسے ہی کھانے کا آرادہ رکھتا ہوں۔ اسفنط گھمیر آواز مین بولتے اس کے لبوں پر نرمی سے جھکا تھا۔

میرا سفاک گلاب!! میں بہت خوش ہوں۔۔ خرید لیا آج سے تم نے اسفند یار خان کو۔۔ اسفند نے اس کے ماتھے پر نرمی سے لب رکھے۔۔ مجھے بیٹیاں چاہیے عابیر صرف بیٹیاں۔ اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

مگر اسفند بیٹا بھی تو ہو سکتا ہے۔ عابیر اس کی بات پر حیران ہوئی تھی.

میری صرف بیٹیاں ہوں گی۔۔ ٹونز بلکل تمھارے جیسی۔۔ مجھے پورا یقین ہے اور مجھے بیٹیاں ہی چاہیے۔۔ اسفند کی آواز سرد اور اٹل تھی۔۔

عابیر اس کے لہجے پر اب پریشان ہوئی تھی۔

قرآن کی وہ آیات وہ صورتیں تلاش کر کے پڑھو جس سے اللہ پاک مجھے رحمت عطا فرمائیں۔ بلکل پریذے جیسی رحمت۔۔ اور مجھے پوری چھ رحمتیں چاہیے۔۔ ہر سال دو تین سال بعد تمھاری جان چھوٹ جائے گی۔۔ اسفند

اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔۔عابیر اس کی فرمایش پر روہانسی ہوئی۔ تھی اسفند مسکراتے ہوے کیک اس کے منہ میں ڈالتے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔

وہ آدھے سے زیادہ کیک اس کے منہ میں ڈالتے خود بھی کھا چکا تھا۔

اسفند بس!!عابیر نے اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔وہ مزید ایسے کیک نہیں کھا سکتی تھی۔۔

تمھیں بھوک لگی تھی میرا سرخ گلاب!!کچھ اور کھانا نیچے سے لادوں۔۔اسفند نے اس کے سرخ ابھرے ہوے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

پیٹ بھر گیا اسفند!!عابیر اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی۔۔

تمھارا پیٹ بھر گیا مگر میرا نہیں بھرا میرا سیاہ گلاب!! اسفند کے نئے نام پر عابیر کا حلق کڑوا ہوا تھا۔ سرخ گلاب تو ٹھیک تھا سفاک گلاب بھی ٹھیک تھا۔ مگر سیاہ گلاب۔ عابیر روہانسی ہوئی تھی.

چلو بیڈ پر چلیں۔ اسفند نے زمین سے اٹھتے اس کی کلائی نرمی سے جکڑی۔

عابیر نے تحیر سے اسے دیکھا وہ اسے پھر سے بیڈ پر لے کر جا رہا تھا۔ عابیر کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوی تھیں۔

آگے پیچھے بھی وہ ایسے ہی کرتا تھا رات میں دو بار تو اسے اپنی قربت مہیا کرتا تھا۔

اسفند آپ نے پہلے بات نہیں سنی تھی پھر سے۔۔ عابیر کی بھیگی آواز پر اسفند نے اسے دیکھا وہ اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی.

اسفند اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہنس پڑا تھا۔ اس کا یہ

سرخ گلاب اب یہ بات چھوڑنے والا نہ تھا۔

تو اسے شریف شوہر کی طرح طریقے سے معافی مانگنی ہو گی ورنہ ساری عمر

وضاحتیں دینی ہوں گی۔

اسفند اس کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

عابیر نے اسے ایسے بیٹھتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔۔

وہ مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے ہاتھ جوڑ گیا۔۔ اسے ہاتھ

جوڑتے دیکھ عابیر کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔ ایسے تو اس نے

تب بھی ہاتھ نہیں جوڑے تھے جب وہ سفاکی کی ہر حد پار کر چکب تھا۔

وہ ہاتھ جوڑے اپنا سر بھی جھکا چکا تھا عابیر کی آنکھوں کے ساتھ اب منہ بھی کھل چکا تھا۔

حکم آپ کا تھا جو میں نے نہ مانا

خطاوار ہوں نہ آیا نبھانا

سزا جو بھی دو گی

اجی میری مشکل تب ہی دور ہو گی

اسفند نے سر جھکائے گنگایا تھا۔ عابیر کی کھکھلاہٹ پورے کمرے میں گونجی تھی. اسفند اس کی کھکھلاہٹ سنتے مسکراتے ہوئے زمین سے اٹھتا اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا

او۔۔. میرا سرخ گلاب میرا سفاک گلاب میں آج بہت خوش ہوں۔ یہ کیا کیا تم نے ؟؟ یہ کیا کر ڈالا اسفندیار خان کو خرید ڈالا۔۔ وہ اسے گود مین اٹھائے گھومتے ہوے بلند آواز میں بولا۔

عابیر اس کی گھنی بیرڈ پر ہاتھ جمائے کھکھلا پڑی تھی.

مجھے بیٹیاں چاہیے میرا سرخ گلاب !! مجھے رحمتیں چاہیے صرف رحمتیں چاہیے۔۔ وہ گھومتے ہوے بلند آواز میں بولتے عابیر کو پریشان کر گیا تھا۔ کھکھلاہٹ سمٹی تھی

دو گی ناں مجھے بیٹیاں !اُسفند نے رکتے ہوے اس کی آنکھوں مین ایکھا تھا۔

عابیر گہرا سانس لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پریشانی سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی. مجھے پتہ تھا۔۔ اسفند مسکراتے ہوے اس کی. پیشانی پذلب رکھ گیا۔ عابیر دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے سینے مین منہ چھپا گئی تھی۔

نیلی آنکھوں والے اس خانزادے کو بیٹیوں کا اتنا شوق تھا اسے آج پتہ چلا تھا۔۔ اس کا بیٹا نہ ہو جائے وہ پرشان ہوئی تھی۔۔۔ اسفند مسکراتے ہوے اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے اس پر نرمی سے جھکا۔

عابیر نے پریشانی اس کی آنکھوں مین جھانکا۔

صرف تمھیں سر سے پیروں تک آج ساری رات چوموں گا میرا سرخ گلاب! تم مجھے اتنا پیار تحفہ دینے جا رہی۔۔ میرے لبوں کا کام بڑھ گیا ہے ۔۔ وہ مسکراتے ہوے اس کے ایک ایکنقوش کو دیوانگی کے عالم میں چھوتے خود پر کمبل لیپیٹے اس کے لبوں پر نرمی سے جھک گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آریان خانزادہ خانزادہ روز کی طرح پہاڑوں

پر ورزش کرتے اپنی حویلی داخل ہوا. وہ داخلی دروازے سے اپنی بہت بڑی

شاندار حویلی داخل ہوا تھا۔ وہ اس وقت سفید پینٹ پر سفید ہی سینڈو میں

ملبوس تھا۔ باہر قہر برساتی سردی پڑ رہی تھی۔ مگر وہ پہاڑوں سے جاکنگ

کرتے اپنی حویلی بھی پیدل آیا تھا۔ بلکہ دوڑ لگاتے ہوے آیا تھا۔ اس کا بدن

پسینے سے تر تھا۔ سفید سرخ و سفید رنگت شدید سرخ تھی اور سانس بری

طرح پھولا ہوا تھا۔ حویلی داخل ہوتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا

۔بیڈ پر پڑے ٹاول سے اپنی گردن اور سینڈو سے نظر آتے چٹانی سینے پر

چمکتے قطروں کو اچھی طرح صاف کیا۔ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے

ہوے وہ کمرے سے نکلتا کچن کی طرف بڑھا۔ معمول کی طرح وہ اپنے لیے

بلیک کافی کے ساتھ ناشتہ تیار کرتا تھا۔ جو ویجیٹیبلز کے ساتھ بیف سٹیک اور

فریش فروٹس اور فریش جوس پر مشتمل تھا۔ شیف کے ہونے کے باوجود وہ کھانا اپنے لیے خود ہی تیار کرتا تھا۔ وہ اپنے بھاری قدموں کے ساتھ اپنے خوبصورت امریکی طرز پر بنے بہت بڑے کچن میں داخل ہوا۔ جو کہ مکمل وایٹ کلر پر مشتمل کچن تھا۔۔ حویلی بہت بڑی بہت جدید طرز پر بنی تھی۔ وہ کچن کا بہت بڑا اسلایڈنگ گلاس ڈور کھولتے اندر داخل ہوا۔ اپنے امریکن طرز کے بنے بڑے سے کچن کا حال دیکھ کر حرت و استعجاب سے اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی کی رہ گئی تھیں۔

دیوار میں نصب ڈبل ڈور ریفیر جیٹر کے دونوں ڈورز کھلے ہوے تھے۔۔ انڈے ٹوٹے ہوے زمین پر بکھرے تھے۔ جوس کی بوتلز میں جوس گرا زمین پر اپڑا تھا۔ ان کا کانچ زمین پر بکھرا تھا۔ شیلف پر اور فرش پر

خشک آٹا بکھرا تھا۔ کانچ کے باؤل میں آٹا گوندھنے کی کوشش کی گئی تھی اس میں پانی اور آٹا مکس تھا لتھڑے ہوئے ہاتھ کیبنٹس پر لگے تھے۔۔

۔ آریان خانزادہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے اپنے کچن کی ابتر حالت دیکھ رہا تھا جو اس کی نفاست پسند طبعیت پر بہت گراں گزر رہا تھا۔ وہ شاکڈ کی کیفیت میں تھا اس کا شیف اس کی مرضی کے بغیر کچن میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ اگر رکھ بھی لے وہ بہت احتیاط سے کام کرتا تھا۔ شیف کو اس نے کتنے دنوں سے چھٹی دے رکھی تھی۔ آریان منہ پر ہاتھ پھیرتے کانچ اور ٹوٹے انڈوں سے بچتے بچاتے ہوئے آگے بڑھا کیبنٹ کے کھلے دروازے بند کرتے ہوئے وہ مزید آگے بڑھا۔ پورا کچن ہی بکھرا پڑا تھا۔۔

یہ کس نے کیا؟؟ وہ حیرانگی سے کچن کی حالت دیکھتے سوچ رہا تھا۔

آریان خانزادہ غصے سے سلیب پر دونوں ہاتھ جماتے ہوے تھوڑا سا جھکے جبڑے بھینچے بمشکل ہی اپنا غصہ کنٹرول کر رہا تھا۔ پاس پڑا کانچ کا باؤل جس میں آٹا اور پانی مکس تھا وہ ہاتھ لگنے سے فرش پر گرتے ٹوٹ کر بکھرا تھا آریان خانزادہ کے ٹراوزر اور اس کے جوتے آٹے سے لتھڑ چکے تھے

آہہ۔۔ آریان خانزادہ نے چیختے ہوے سلیب پر دونوں ہاتھ پورے قوت سے مارے۔ دوسرے لمحے اس نے سلیب پر سجے بے حد خوبصورت گلاس اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر مارے تھے۔۔ کیبنٹس سے کانچ کے جدید امپورٹنٹ برتن نکالتے ہوے زمین پر پوری قوت سے مارے تھے۔

زرمش جو سلیب کے ساتھ زمین پر ایک کونے میں لگی بیٹھی تھر تھر کانپتے اپنی چیخیں روکے بیٹھی تھی۔ وہ مزید اپنی چیخوں پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ ٹوٹا

کانچ کی کرچیاں اس کے عارض اور گردن پر آکر لگی تھیں وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھتے بری طرح چیخ اٹھی۔

نسوانی چیخوں پر آریان خانزادہ کے دماغ کی رگیں پھڑک اٹھی تھیں۔ چہرہ جو پہلے ہی غصے کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ مزید سرخ ہوا تھا کچن کی حالت کس نے کی؟؟ وہ سمجھ چکا تھا۔ وہ ناپاک وجود اپنی حویلی میں گوارا نہ تھا وہ اس کے کچن میں تھی۔ آخر وہ ادھر کر کیا رہی تھی؟؟

وہ طیش والم سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ زمین پر بیٹھے چہرہ ہاتھوں میں رکھے تھر تھر کانپتے چیخ رہی تھی۔

اس سے پہلے وہ اس کی طرف بڑھتا وہ اسے بغیر شال کے دیکھ کر اپنے جبڑے بھینچ گیا ت اس ملگجے سے سلوٹ زدہ فراک کے اگلے کھلے بٹنوں سے اس کی رعنائیاں ظاہر ہو رہی تھیں۔

آریان خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے رخ پھیر گیا۔ دوسرے لمحے اس نے مڑتے ہوئے غصے سے قہربار نگاہ اس پر ڈالی اس کے نزدیک جو لڑکیاں اپنے ماں باپ کی عزت داغدار کرتی تھیں وہ ذرا بھی عزت دینے کے قابل نہیں ہوتیں۔ وہ اسے بازو سے جکڑے کھڑے کرتا اسے شیلف سے لگا گیا۔

زرمش اپنا چہرہ ابھی بھی ہاتھوں میں چھپائے ہوئے شدید لرز رہی تھی.

آریان خانزادہ نے اس کے ہاتھ غصے سے چہرے سا جھٹکے۔ وہ چیختے ہوئے سختی سے آنکھیں میچ گئی۔

آنکھیں کھولو ورنہ تمھاری جان لے لوں گا میں۔ وہ حلق کے بل دھاڑا۔

زرمش نے جلدی سے آنکھیں کھولیں۔

" Look into my eyes, now these eyes should not lower."

آریان خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ایک ایک لفظ چبایا۔

زرمش نے ضرورت سے زیادہ آنکھیں کھولتے تھر تھر کانپتے اپنی ہیزل گرے بھیگی آنکھیں اس کی سبز آنکھوں میں گاڑھیں۔ دوسرے لمحے وہ لبوں پر ہاتھ جمائے آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ کیسے ان سبز آنکھوں میں دیکھ سکتی تھی؟؟ جو اسے اس کے ساحر کی یاد دلاتی تھی۔ محبت تھی اسے اس آنکھوں سے۔۔۔

میں بھی کس جاہل سے انگلش بول رہا ہوں۔ تم جیسی لڑکیوں کو عشق معشوقی کے علاوہ کیا آسکتا ہے؟؟ آریان خانزادہ اسے دیکھتے استہزائیہ مسکرایا۔

آنکھیں کھولو مس خان!!وہ اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

زرمش نے پھر سے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

اب یہ آنکھیں بند نہیں ہونی چاہیے۔موت بھی جب آریان خانزادہ کے مقابل آئے گی میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اپنی جان دوں گا۔خطروں سے کھیلنا ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا میرا فیورٹ مشغلہ ہے۔۔

میری موت ہو یا پھر کسی دوسرے کی موت اسے دیکھنا تو میری آنکھوں میں پڑے گا۔اس لیے میری آنکھوں میں دیکھو!!آنکھیں جھپکنی نہیں چاہیے ۔۔ورنہ یہ گرے آنکھیں نکال کر رکھ دوں گا۔۔۔آریان خانزادہ اس کی سرمئی گہری آنکھوں کو نفرت سے دیکھتے پھنکارا.

نفرت تھی اسے اس آنکھوں کے اس رنگ سے۔۔ نفرت تھی اسے ان آنکھوں سے۔

زرمش نے اثبات میں سر ہلاتے اس کی سبز آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔ وہ لبوں پر اپنے ہاتھ ابھی بھی سختی سے جمائے ہوے اپنی سانسیں روکے ہوے تھی۔۔ وہ اس کے قریب ہوتا سلیب کے دونوں اطراف میں سختی سے ہاتھ جما گیا۔۔ زرمش اس کی سلگتی سانسوں کی تپش اور آنکھوں سے پھوٹتے شرارے محسوس کرتے مزید سلیب کے ساتھ سمائی تھی۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ ہمت کیسے ہوئی تمھاری اپنا غلیظ وجود لے کر میرے کچن میں آنے کی؟؟ آریان خان نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں گاڑھے شرربار لہجے میں پوچھتے اس کے لبوں سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

زرمش گہرے سانس لیتے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ پلکیں بھی نہیں جھپکا رہی تھیں۔

جواب دو مس خان؟؟ وہ دھاڑا.

پپ پانی نہیں تھا کمرے میں۔۔ مم میں پانی پینے آئی تھی۔ زرمش نے روتے ہوے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

پانی پینے آئی تھی کچن میں یہ پانی پی رہی تھی تم؟؟ آریان خانزادہ نے اسے بازو سے جکڑے کچن دکھایا۔

پپ پانی فریج میں نہیں تھا۔ جوس پینے لگی بوتل گر کر ٹوٹ گئی۔

بھوک بھی لگی تھی مم مجھے۔۔ انڈے نکالے وہ بھی ٹوٹ گئے۔۔ آٹا گوندھنے کے لیے بھی پانی نہیں مل رہا تھا۔ کچن کا نل مجھ سے کھل نہیں رہا

تھا۔ واش روم سے پانی لے کر آئی تھی۔ مم۔۔۔۔ مگر۔۔۔ مجھ۔۔ سے آٹے میں زیادہ پانی ڈل گیا۔ زرمش ایک ہی سانس میں اس کی آنکھوں سے دیکھتے بولی۔

واٹ ؟! واش روم سے پانی لائی تم ؟؟ آریان خانزادہ چیخا تھا۔

ہاں۔۔ مم۔۔ میں نے بھی وہیں سے پانی پی لیا تھا۔ زرمش نے اس کے چیخنے پر روتے ہوے بتایا۔

آریان خانزادہ نے جبڑے بھینچتے ہوے اسے دور دھکیلا۔ وہ سلیب کے ساتھ بری طرح ٹکرائی تھی۔ کمر میں شدید درد نے سرایت کیا تھا۔ وہ اس کے حکم پر ابھی بھی اپنی بھیگی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھی۔

آریان خانزادہ کچن میں چکر لگاتے اپنی ہلکی گھنی بیرڈ انگلیوں سے سہلا رہا تھا۔زرمش سلیب کے ساتھ لگے کانپتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ابھی بھی آنکھیں نہیں جھپک رہی تھی۔

یہ کچن تم نے گندہ کیا ہے اسے صاف بھی تم ہی کرو گی۔۔ آریان نے رکتے ہوئے قہر آلود نگاہیں اس پر گاڑھیں۔

زرمش کانپتے ہوئے لرزتے ہوئے اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔

صاف کرو کچن۔۔ آریان خانزادہ اسے دیکھتا غرایا۔

زرمش اثبات میں سر ہلاتے کانپتے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے فرش پر پڑا آٹا مٹھیوں سے اٹھانے لگی۔وہ گرا آٹا مٹھیوں سے اٹھاتے زمین سے اٹھتی اسے شیلف پر رکھتی۔پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتی آٹا مٹھیوں میں بھرتی۔۔

آریان اسے دیکھتے غصے سے مٹھیاں دبوچ گیا۔ اب وہ سلیب کا وہ بھی حصہ بھی گندا کر رہی تھی جو بدقسمتی سے صاف رہ گیا تھا۔۔ گندھا ہوا لتھڑا آٹا اب وہ زمین سے اٹھاتے سلیب پر لگا رہی تھی۔ سلیب آٹے سے لتھڑ چکی تھی۔ فرش مزید گندا ہو گیا تھا۔ آٹا زرمش کے گالوں اور بالوں پر لگ چکا تھا۔ وہ بار اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

آہہ۔۔ وہ چیختے ہوئے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں جکڑ گئی۔

زمین پر پڑا کانچ اس کی ہتھیلی میں پیوست ہو چکا تھا۔ ہتھیلی سے خون نکلتا فرش کو داغدار کر رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں جکڑے کانپتے ہوئے بری طرح سسک رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے طیش والم میں اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے اپنی ہتھیلی پر مار کر بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا۔

زرمش اس کے مکہ مارنے پر بری کانپتے اپنی سسکیاں روک گئی۔ اب کچن میں اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

آریان خانزادہ غصے سے اس کی طرف بڑھا زرمش خوفزدہ ہوتے پیچھے کو ہوتے کھسکتے ہوے کیبنٹ کے ساتھ جا لگی۔ وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے لبوں پر جما گئی۔ اس کی ہتھیلی سے خون نکلتا اس کی گردن کو بھگونے لگا تھا۔

آریان خانزادہ کے قدم یقدم رکے تھے۔ وہ اسے خوفزدہ بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اپنی سسکیاں روکے ہوے تھی۔۔ ہیزل گرے آنکھوں میں گلابی پن کی امیزش شامل تھی۔

وہ بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ نے اپنے ہونٹ سکیڑتے اپنا سانس باہر نکالتے ہوے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

اٹھو یہاں سے آریان خانزادہ برفیلے لہجے میں حکم دیتا غرایا۔

وہ اس کے حکم پر ربوٹ کی مانند زمین سے اٹھی تھی۔

اسی لمحے اسے زوردار چکر آیا تھا۔ وہ چکراتے ہوے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی۔ اس سے پہلے وہ اپنے ہوش کھو کر چکرا کر زمین پر گرتی۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اسے بانہوں میں تھام گیا۔ ورنہ وہ فرش پر بکھرے کانچ پر گرتی۔

زرمش نے اپنی آنکھیں بمشکل کھولتے آریان خانزادہ کو دیکھا۔

ساحر!!وہ اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بے آواز پکار بیٹھی۔۔ساتھ ہی مقابل کی دھمکی یاد آئی تھی وہ آیندہ ساحر کا نام لبوں سے نکالے گی وہ اسے جان سے مار ڈالے گا۔اب وہ اس کی سینڈو مٹھیوں میں جکڑے خوفزدہ نگاہوں سے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ اس کے بے آواز لبوں کی جبنش سے اندازہ لگا چکا تھا اس نے ساحر پکارا ہے۔

وہ اسے کمر سے جکڑے ہوے تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے۔آریان خانزادہ کی ٹھنڈی برفیلی سانسیں زرمش کے کپکپاتے لبوں پر بکھر رہی تھی۔جو خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ہتھیلی سے نکلتا خون اس کے لبوں کو سرخ کر چکا تھا۔آریان خانزادہ کی گہری نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔کانچ کی چھوٹی سی کرچی اس کے عارض میں

پیوست تھی۔ جہاں سے خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔ چہرہ بخار کی حدت سے ابھی بھی سرخ تھا۔ وہ بہت بری طرح کانپتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔ آنکھیں بھی جھپک نہیں رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ اس کی کچھ دیر پہلے والی دھمکی سے خوفزدہ ہوتے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ خوف سے پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ نے آہستگی سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ وہ بجلی کی تیز رفتاری سے اس سے دور ہوئی۔ اس سے پہلے وہ پھر سے چکرا کر گرتی۔ آریان خانزادہ اسے بازو سے جکڑے تیزی سے کچن سے باہر نکلتا کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے آریان خانزادہ اسے بیڈ پر پٹخ گیا۔

زرمش اوندھے منہ ہوے سسکتے ہوے بیڈ پر گری۔۔

اس کی بیک پر نظر پڑتے آریان خانزدہ نے غصے سے جبڑے بھینچے۔ فراک سے نظر آتی اس کی بلیک سٹریپ پر نظر پڑتے اس کا دماغ بھڑکا تھا

آریان خانزادہ نے اس کی شال کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ وہ زمین پر پڑی نظر آئی تھی. آریان نے جھکتے ہوے شال اٹھاتے بیڈ پر پھینکی

اسے اچھی طرح خود پر اوڑھو اور جب تک یہاں پر ہو میں تمھارے وجود سے یہ شال اترتے نہ دیکھوں میں۔ آریان خانزادہ اس کی بل کھاتی کمر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے غرایا۔ زرمش اپنے چکراتے سر کو سنبھالتی اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔ شال بیڈ سے اٹھاتے خود پر لپیٹے آریان کی طرف ایک نظر دیکھتے خوفزدہ ہوتے بیڈ کراون کے ساتھ جا لگی۔ آریان اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

ڈریسنگ روم سے واپسی پر اس کے ہاتھ میں میڈیکل باکس تھا۔ وہ بھاری قدموں سے زرمش کی طرف بڑھا

اس کے پاس وہ بیڈ پر بیٹھا۔ وہ خوفزدہ ہوتے دور کھسکی۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا۔

اب دور مت ہونا وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔ زرمش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سر ہلایا۔۔ نہ اب تم چیخو گی سمجھی تم۔۔

آریان خانزادہ نے تنبیہ کرتے ہوے اس کے عارض کی طرف ہاتھ بڑھاتے پیوست کانچ کی کرچی بے دردی سے نکالی۔۔ زرمش کے لبوں سے دلسوز چیخ برامد ہوئی۔ آریان کے گھورنے پر وہ اپنے لبوں پر دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔

آریان خانزادہ نے اس کی ہتھیلی سے نکلتا خون دیکھتے اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹایا۔

مم مجھے جانے دو!!پپ پلیز۔۔وہ آریان خانزادہ کو اپنی ہتھیلی کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔وہ یہ کانچ کا ٹکڑا ابھی بے دردی سے نکالے گا وہ سمجھ گئی تھی۔وہ مزید درد برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

جانے دوں گا تمھیں!!مجھے تمھارا ناپاک وجود یہاں رکھنے کا شوق بھی نہیں۔۔آریان خانزادہ کہتے ہوے اس کی ہتھیلی سے بے دردی سے کانچ کا ٹکڑا نکال گیا۔

زرمش کی دردناک چیخ برامد ہوئی تھی۔

آریان کاٹن نکالتے ہوے اس کی ہتھیلی پر رکھتے دباؤ ڈالتے ہوے خون روک رہا تھا زرمش کی سسکیاں کمرے

میں گونج رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ نے میڈیکل باکس سے کوئی محلول نکالتے اس کی ہتھیلی پر لگایا۔شدید جلن کی وجہ سے زرمش کے لبوں سے پھر سے دردناک چیخیں برامد ہوئی تھی۔

مگر خون رک چکا تھا۔وہ اس کی ہتھیلی سختی سے جکڑے بینڈج کرنے لگا۔تکلیف کے مارے زرمش کی سانسیں گھٹ رہی تھیں۔

اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں برامد ہو رہی تھیں۔

آریان خانزادہ نے وہی محلول کاٹن میں لگاتے اس کے گال کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

پپ پلیز۔۔ یہ مت لگاؤ مم میں مر جاؤں گی۔۔ زرمش نے التجائیہ لہجے میں فریاد کی۔

آریان خانزادہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اس کے عارض پر وہی محلول میں ڈوبی کاٹن رکھ گیا۔

اس سے پہلے زرمش چیختی وہ اس کے لبوں پر اپنی چوڑی ہتھیلی جما گیا۔

I hate screams

اب چیخنا مت!!ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں گا ۔بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔وہ پلک جھپکتے تمھیں چیر پھاڑ دیں گے

۔ آریان کی دھمکی پر اس کی آنکھیں خوف سے پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

زرمش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا.

گڈ!! آریان خانزادہ نے اس کے لبوں سے اپنی ہتھیلی ہٹاتے ہوئے اس کے عارض پر کاٹن کا دباؤ ڈالا۔ وہ اپنی سسکیاں تک اب روک گئی تھی۔ تکلیف کی شدت سے زرمش کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر برس رہے تھے۔

I hate woman's tears

آنسو بہانا بند کرو!! وہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتا دیکھ کر غرایا۔ زرمش نے جلدی سے اپنی شال سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔۔

بہت خطرناک ہوں میں !!جو آریان خانزادہ کو جانتا ہے وہ اس سے پناہ مانگتا ہے۔ میرے خونخوار جانور تک مجھ سے ڈرتے ہیں۔ وہ غرانے سے پہلے بھی مجھ سے پرمیشن لیتے ہیں۔ نہ مجھے کسی پر ترس آتا ہے نہ میں کسی پر ترس کھاتا ہوں۔ ہاں جو آریان خانزادہ کی پناہوں میں آجائے وہ ترس کھانے کے قابل ضرور ہو جاتا ہے۔ آریان نے سرد برفیلے انداز میں کہتے اس کے عارض پر کاٹن کا دباؤ بڑھایا۔

اس کے عارض سے بھی اب بہتا خون رک چکا تھا۔ آریان نے صاف کاٹن سے اس کے لبوں پر لگا خون صاف کیا تھا۔

وہ کانپتے ہوئے اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔ آریان خانزادہ اب اس کی گردن پر لگا خون صاف کر رہا تھا۔

زرمش کے لبوں سے ایک بار پھر سے سسکیاں برامد ہوئیں تھیں۔

آریان کی نظر اس کی گردن میں پیوست کانچ کی کرچی پر پڑی۔۔ وہ لب بھینچے ہاتھ بڑھاتا وہ کانچ کی کرچی بھی نکال گیا۔ زرمش اپنی چیخ حلق میں روک چکی تھی۔۔

آریان نے کاٹن سے وہ خون صاف کرتے میڈیکل باکس ایک ٹیوب نکالتے اس کی گردن پر لگائی۔ اب کی بار وہ محلول نہیں لگایا تھا۔

زرمش کی دبی دبی سسکیاں برامد ہو رہی تھیں۔ آریان خان اسے ایک نظر دیکھا وہ بہتے آنسوؤں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔۔۔ اس کے دیکھنے پر اس نے اپنی شال سے اپنی آنکھیں رگڑتے اپنی ناک بھی شال سے رگڑی۔

آریان نے ناگواری سے اس پر نظر ڈالی۔ بالوں میں آٹا لگا تھا۔ ایک گال پر بھی آٹا لگا تھا۔ فراک بھی آٹے سے لتھڑا تھا۔

اب وہ پھر سے وہی شال آنکھوں پر رگڑ رہی تھی۔۔وہ اسے ناگواری سے دیکھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

لاونج میں اس وقت سب ہی موجود تھے۔ناشتہ کرنے کے بعد سب لاونج میں بیٹھے تھے۔

زاران خانزادہ لاونج میں صوفے پر بیٹھا تھا۔اس کے ساتھ اسفندیار خان بیٹھا تھا۔۔

ایک طرف صوفے پر ارحام بیٹھا تھا اس کے پاس پریذے بیٹھی تھی۔امینہ خانم رقیہ خانم بھی ایک طرف بیٹھی تھیں۔

ایک طرف بہارے بہرام کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔۔ شہرام خان ہسپتال میں تھا اس وقت باقی مرد حضرات مردان خانے۔ تھے۔ عابیر بہارے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اسفند کی گہری نگاہوں پر وہ ریڈ گرم فراک میں مزید سرخ ہو رہی

تھی۔ ابھی اپنے پریگننٹ ہونے کی نیوز کسی کو نہیں دی تھی۔ اسفند اسے منع کر چکا تھا۔ وہ پہلے روزینہ خانم کو اکیلے میں بتائے گا پھر سب کو بتائے گا۔ وہ روزینہ خانم کو یہ مان دینا چاہتا تھا یہ نیوز سب سے پہلے انھیں بتائی ہے۔ وہ عابیر اور روزینہ خانم کے بیچ سرد جنگ ختم کرنا چاہتا تھا۔ عابیر تو کچھ نہیں کہتی تھی وہ پھر سے ان کے کام کرنا شروع ہو چکی تھی۔ وہ دیکھتا رہتا تھا وہ ان کا ہر کام کرتی تھی۔۔ روزینہ خانم کے طنز بھی خاموشی سے برداشت کر لیتی تھی۔ ماں تھی اور کتنا ٹوکتا۔۔ وہ ان کے طنز سنتے خاموش ہو جاتا تھا۔ مگر اب

عابیر کی پریگننسی میں وہ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ عابیر کے رات سے وہ وڈز سونگز دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت بار بنا بات کے رو پڑی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا روزینہ خانم کی کسی بات پر وہ روئے۔ اس کی آنکھ میں وہ اب ایک آنسو نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

حیا کر لے کچھ۔۔ اپنی نظروں کو کنٹرول میں کر! لالا بیٹھے ہیں سامنے۔ کیا ندیدوں کی طرح اپنی ہی بیوی کو گھور رہا ہے؟!۔ زاران نے اسفند کے چمکتے چہرے کو دیکھتے اس کی طرف جھکتے دانت پیسے۔۔ اسفندیار خان اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ جس پر سیاہ ہی شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھی.

زاران سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر براون شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔ اسفند کو گھورتے ہوے اپنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے زاران نے صوفے سے ٹیک لگائی۔۔

لالا کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اپنی بیوی کو ایسے ہی گھورتے ہیں۔ بلکہ کتنی بار ضروری بات کرنے کے بہانے کہہ کر حور بھابھی کو کمرے میں لے جا چکے ہیں۔۔ اور تو اچھی طرح جانتا ہے وہ ضرروری بات کیا ہوتی ہے ؟؟ اسفند نے ذو معنی انداز میں بولتے زاران کو مسکراتے ہوے آنکھ ماری۔

یہ چہرہ تیرا اتنا کیوں چمک رہا ہے۔۔ کیا ہوا ہے ؟؟

زاران نے اسے غصے سے گھورتے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھتے بوچھا۔

وجہ ہے بہت بڑی میری جان!! بتاؤں گا تھوڑا انتظار کر تجھ سے گلے لگ کر مبارک باد بھی تو لینی ہے۔ اور جو مزا تجھ سے آئے گا مبارک باد لینے کا وہ کسی سے نہیں آئے گا۔ اسفند مسکراتے ہوے بولا۔

زاران اسے دیکھتے اپنے گھنی بیرڈ میں انگلیاں پھیر گیا تھا۔ کچھ کچھ جیسے وہ سمجھ گیا تھا۔ زاران نے عابیر پر نظریں دوڑائیں اس کا شرمایا گلاب جیسا روپ بہت کچھ کہہ رہا تھا اگلے پل وہ اپنی سوچ جھٹلا چکا تھا وہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔۔ اسفند کی خوشخبری کا انتظار کرنا ہی تھا۔ جب وہ خود دیتا۔

میری خوشی کی وجہ ہے میرے پاس میری جان!! تو کس خوشی میں چمک رہا ہے؟! اور صبح صبح نہایا بھی ہے۔۔ ویسے تیری بیوی سے تیری ناراضگی چل رہی ہے۔ اسفند کی بات پر زاران نے اسے شرربار نگاہوں سے گھورا۔

اپنی بکواس بند کر سمجھ آئی اس طرح کے مذاق مجھے پسند نہیں۔۔ زاران نے اسے گھورتے دانت پیسے۔

اسفند کندھے اچکاتے مسکراتے ہوئے عابیر پر نگاہیں گاڑھ گیا۔ جو ریڈ فراک پر ریڈ پشمینہ شال اوڑھے اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ زاران اسے پھر سے عابیر پر نگاہیں گاڑھے دیکھ کر اسے تاسف سے گھور کر رہ گیا۔

اسلام و علیکم !حور نے لاونج میں داخل ہوتے سب کو دیکھ کر سلام کیا۔۔ حور کی آواز پر آرحام کا چہرہ مزید سرد اور سنجیدہ ہوا تھا۔ ارحام خانزدہ براؤن شلوار قمیض پر سفید شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔

و علیکم سلام !!امینہ خانم نے جواب دیتے ارحام کے سرد سرخ چہرے کو دیکھا۔ جس نے حور پر ایک بار بھی نظر نہیں ڈالی تھی۔۔

حور نے ارحام کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے پریذے کو دیکھا جو اسکی آواز پر مزید ارحام کے ساتھ چپک گئی تھی۔۔اس نے بھی اس پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی

پریذے کو دیکھتے حور کی آنکھوں کی شبنم بڑھی تھی۔کل سے وہ آج اسے دیکھ رہی تھی۔اسے دیکھتے ہی وہ ماماماما کرتے اس کے ساتھ لپٹ جاتی تھی۔۔آج اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

آجاؤ بچہ ادھر آکر بیٹھو!!حور کو یونہی کھڑا دیکھ کر امینہ خانم نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

حور آہستگی سے چلتے ہوے بہارے کے پاس بیٹھ گئی۔ حور اس وقت گلابی ٹراوز اور لانگ شرٹ پر وہ بہت خوبصورت شال سر پر اوڑھے ہوے تھی۔۔ سمپل سی وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ رات بھر رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں ناک عارض گلابی ہو رہے تھے۔

کیا ہوا بچہ تم رات بھر روتا ہے رہا ہے کیا؟؟ امینہ خانم نے حور کی سرخ رنگت دیکھ کر پوچھا

امینہ خانم کے سوال پر خارحام خانزادہ لب بھینچے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔۔

کچھ نہیں میری طبعیت ٹھیک نہیں۔ حور کی آواز شدت سے بھر آئی تھی۔ پریذے اور ارحام کا اگنور کرنا اسے بری طرح چبھ رہا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اسے کبھی ایسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ تو ہمیشہ اسے اپنے پاس بٹھاتا تھا۔

حور کی بھرائی آواز پر ارحام خانزادہ مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ کس کے غم پر یہ آواز بھر آئی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ اسی لمحے وہ دہکتا تندور بنا تھا۔ ابھی وہ برف جیسے پانی سے شاور لے کر آیا تھا۔ مگر اس کے پورے وجود میں جیسے آگ بڑھک اٹھی تھی وہ اپنی شال گلے میں غصے سے جھٹک گیا۔

پریذے !! حور نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے اسے پکارا۔۔

حور کی پکار پر پریذے نے معصومیت سے ارحام کی طرف دیکھا۔ اس نے کل حور کے پاس جانے سے منع کیا تھا۔

آج بھی وہ حور کے پاس جانے پر غصہ ہو گا اسی لیے وہ پریشانی سے ارحام کی طرف دیکھ رہ تھی۔ وہ مسکرائے تو وہ حور کے پاس جائے۔

ارحام کا سرخ چہرہ دیکھ کر وہ ڈرتے ہوئے ارحام کے ساتھ لپٹ گئی۔ اسے لگا حور نے اسے پکارا ہے اس لیے ارحام کو غصہ آیا ہے۔۔

پریذے کی اگنورنس پر حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔۔

پلوشہ اسی لمحے سب کے لیے قہوہ کی ٹرے پکڑے ل لاونج میں داخل ہوئی ۔۔اس نے باری باری سب کو قہوہ دیا۔۔ اسفند نے بھی مسکراتے ہوئے قہوہ پکڑا تھا۔ پلوشہ نے قہوہ کی پیالی اٹھا کر زاران کو پکڑائی۔ زاران نے قہوے کی پیالی اس کے ہاتھوں سے پکڑی ہی تھی ابرش کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر زاران نے ہڑبڑاتے ہوئے وہ قہوہ کی پیالی واپس ٹرے میں رکھی۔ ٹرے میں موجود قہوے کی پیالیاں زاران پر گری تھیں۔ وہ ہڑبڑاتے ہوئے صوفے سے اٹھا۔

کیا ہوا زاران ؟؟ تم کو لگا تو نہیں۔۔۔ پلوشہ اس کے قریب ہوئی تھی۔۔ زاران نے پریشانی سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو ایک پل کے لیے لاونج میں رکی تھی۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی.

کچھ نہیں ہوا دور رہو مجھ سے۔۔ زاران اسے گھورتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی شال گلے سے اتارتے ہوئے صوفے پر بیٹھا۔

مجھے آج پتہ چلا زن مریدی میں تو نے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ منسٹر صاحب پر اس کی بیوی کا اتنا رعب !! اتنا ڈر۔۔

اسفند قہوے کا گھونٹ بھرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

بکواس بند کرو اٹ لگی ہے آج کل میری۔۔ سر شام کمرے میں جاتا ہوں صبح تک نہیں نکلتا۔ نیچے بیٹھتے ہوے بھی ڈر ڈر کر بیٹھتا ہوں یہ مصیبت مجھ سے بات نہ کرلے کہیں۔ زاران نے پلوشہ کو گھورتے دانت پیسے۔ جواب ارحام کو قہوہ پکڑا رہی تھی۔ ابرش کا ایک لمحے رکا کنا اسے پریشان گیا تھا۔

اتنا ڈر!! اسفند نے مسکراتے اس پر چوٹ کی۔

عینا کو بلالوں ادھر! یا پھر اس فیک ایڈٹ والی لڑکی کو بلالوں پھر دیکھتا ہوں تیرے تھوبڑے پر یہ مسکراہٹ کتنی رہتی ہے زاران نے غصے سے گھورا۔۔ زاران کی بات پر اسفندیار کا بلندہ بانگ قہقہ گونجا۔

زاران اسے گھورتے ہوے صوفے سے اٹھتے کچن کی طرف بڑھا جہاں پتہ نہیں اس کی جذباتی پوزیسیو بیوی کیا کر رہی تھی۔۔

حیدر خان گاڑی میں بیٹھے اپنی حویلی کے گیٹ پر نظریں جمائے ہوے تھا۔رات سے صبح ہو گئی تھی۔زرمش کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا۔وہ رات کے گہری ہونے پر حویلی آیا تھا۔مگر اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ۔۔حاکم خان کو فون پر کہہ چکا تھا زرمش ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے وہ صبح ہوتے اسے لے آئے گا۔مگر وہ اسے تلاش نہ کر سکا۔وہ رات سے گاڑی میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ابھی بھی اس نے سگریٹ لبوں سے لگائے اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے مسلیں۔۔اس کی آنکھیں رات سے مسلسل بہہ رہی تھیں۔

حیدر نے گہرے سانس لیتے ڈیش بورڈ پر پڑی پسٹل دیکھی۔وہ لرزتے ہاتھوں سے اسے تھام گیا۔

اس کی جوان بیوہ بہن کل سے لاپتہ تھی۔ جس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔اس کی عزت کو اگر کسی نے ذک پہنچادی تو وہ آخر کیسے جی سکتا تھا؟؟

آہہہہ۔۔۔حیدر خان نے چیختے ہوے پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھی۔اس کا مضبوط ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔موت کو گلے لگانا اس کے لیے آسان تھا۔ مگر نظروں کے سامنے دراب زراب فرشتے آرہے تھے۔۔

آہہہہ۔۔۔۔۔۔وہ پسٹل کی نوک کنپٹی پر جمائے چیختا جارہا تھا۔

!!لالا مجھے مت چھوڑنا!!لالا مجھے حویلی سے مت نکالنا!!

زرمش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو پسٹل کی نوک اس کی پیشانی پر مضبوطی سے جمی تھی

آہہ۔۔۔وہ سیٹ سے ٹیک لگائے اپنی کنپٹی پر پسٹل رکھے آنکھیں میچے حلق کے بل چیخ رہا تھا۔

حیدر خان جو ہر رشتے کے لیے بے حد حساس تھا مگر آج اپنی بہن کے سنکی ہو چکا تھا جنونی ہو چکا تھا۔وہ اس کے بغیر نہیں جی سکتا تھا۔

زرمش۔۔۔۔۔وہ حلق کے بل چیختا وہ پسٹل ونڈ سکرین پر پوری قوت سے مار گیا۔

موت اس کے مقدر میں تھی ہی حاکم خان اپنی جوان بیوہ بیٹی کی گمشدگی برداشت نہیں کر سکے گا وہ جانتا تھا۔

وہ بیٹے اور عزت میں سے اپنی عزت کو چنے گے۔۔وہ اس کے سینے میں گولیاں تو ضرور داغیں گے۔۔تو پھر حرام موت مرنے کا کیا فائدہ۔۔حیدر

نے اپنے بہتے آنسو ہتھیلیوں سے صاف کرتے گاڑی کے ہارن پر ہاتھ رکھ گیا۔

زاران خانزادہ کے بھاری قدم کچن کے دروازے پر رکے تھے۔ ابرش نے stove پر کیٹلی پٹخنے کے انداز پر رکھی تھی۔ وہ اب لائیٹر سے سٹوو جلانے کی کوشش کر رہی تھی جو جل ہی نہیں رہا تھا۔ وہ آتشی گلابی کلر کی شیشوں والی پٹھانی فراک میں ملبوس تھی جس کے نیچے وہ کھلے سے ٹراوزار میں ملبوس تھی گرم ایمرائیڈری شال اس نے اتار کر کچن میں پڑی چیئر پر رکھی ہوئی تھی۔۔

وہ بالوں کا میسی سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔۔ زاران اسے گہری نگاہوں سے مسکراتے ہوے دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ گہرے سانس لیتے

لائیٹر سے برنر جلانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اب اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے نشیب و فراز میں گہری ہلچل مچی ہوئی تھی۔ زاران کی گرم نگاہوں کو اس کے نشیب و فراز مزید دہکا چکے تھے۔

برش نے برنر جلانے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رخ پلٹتے وہ لائیٹر فرش پر پوری قوت سے دے مارا۔

زاران کو کچن کے دروازے پر جمے دیکھ کر وہ ایک پل ٹھٹھکی تھی دوسرے لمحے وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ رخ موڑ گئی تھی.

زاران اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھتے اس کے دونوں اطراف میں سلیب پر ہاتھ جماتے اسے محصور کر گیا۔

ہمممم!! تمھارے بدن کی خوشبو کسی پرفیوم کا مقابلہ نہیں کر سکتی

بیوی!! زاران نے گھمبیر آواز میں بولتے اس کی سائیڈ گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے گہرا سانس بھرتے اس کی خوشبو اپنے اندر اتاری۔۔ ابرش نے اس کے لمس پر مچلتے ہوے اس سے دور ہونا چاہا۔ وہ مزید اس کے قریب ہوا تھا۔ ابرش کی پشت زاران کے چوڑے سینے سے مزید لگی تھی۔ وہ اس کے دونوں اطراف سے سلیب کو جکڑے ہوے تھا۔ زاران مزید اس کے قریب ہوتے اسے ہلنے سے بھی قاصر کر چکا تھب۔۔ وہ اب بلکل ہی سلیب کے ساتھ آلگی تھی۔ زاران اس کے کان کی لو پر زبان پھیرتے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتے گہری گستاخیاں بھی کر رہا تھا۔۔ زاران کی بے باک حرکات پر ابرش کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہو رہی تھی۔

زاران کے لب اس بیک پر اب سفر کر رہے تھے۔ وہ اس کی پچھلی گردن پر لب رکھتے ہوئے وہاں پر اپنے دانتوں سے اپنی محبت کی مہریں لگا رہا تھا۔

دور ہٹو مجھ سے مسٹر خانزادہ!! ابرش دبی آواز میں چیخ اٹھی۔۔۔ زاران کے عنابی لبوں پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔ آج بہت دنوں بعد اس نے اسے مسٹر خانزادہ پکارا تھا۔

وہ اس کا رخ پلٹے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے ہوئے وہاں اپنی گھنی بیرڈ رگڑنے لگا۔ رات کی دی ہوئی لو بائٹس پر ابرش کو شدید جلن ہوئی تھی۔

سسس۔۔۔ ابرش نے جلن سے سسکی لی۔ زاران مسکراتے ہوئے اس کی دودھیا گردن پر اپنے دیے گئے ہوئے نشانات پر مزید بے رحمی سے اپنی گھنی بیرڈ رگڑنے لگا۔۔

دو ہٹو مسٹر خانزادہ!! یہ کچن ہے تمھارا بیڈ رم نہیں جہاں تم اپنی مرضی چلاتے ہوے اپنی بیوی کی مرضی کی پرواہ نہ کرتے ہوے اس سے لپٹتے ہوے نوچنے گھسیٹنے لگو۔ ابرش نے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوے کہا۔

اچھا نوچتا ہوں تمھیں میں ؟! اب بتاتا ہوں نوچتے گھسیٹتے کیسے ہیں میری جان ؟؟ زاران اسے گھورتے ہوے اسے شیلف پر جھکا گیا۔۔ اس کے دونوں کلائیاں جکڑے وہ سلیپ پر لگائے اس پر اپنا آدھا وزن ڈالے اس کی گردن پر بے رحمی سے دانت گاڑھنے لگا۔

زاران!! ابرش نے اسے سسکی لیتے اسے پکارا۔ وہ اس کی کمر کو شلیف پر بینڈ کیے ہوے تھا۔ اس کے ایسے بینڈ کرنے پر ابرش کو اپنی کمر میں شدید درد اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ میری جان!! بتا رہا ہوں بیوی کو نوچا گھسیٹا کیسے جاتا

ہے؟؟۔ جانتا ہوں تمھاری نازک سی کمر میں درد اٹھ رہا ہو گا۔۔۔ کمرے میں تمھارے کمفرٹ کا پورا خیال کرتا ہوں۔

تمھارے ہر درد کا خیال رکھتا ہوں۔ مگر یہاں تمھیں گھسیٹے ہوے تمھارا خیال نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی ایک ٹانگ کو بے دردی سے جکڑ گیا۔ ابرش نے مچلتے ہوے بھیگی نگاہوں سے زاران کی آنکھوں میں دیکھا۔

اب پتہ چلا گھسیٹا کیسے جاتا ہے؟؟ نو چا تو ابھی ہے نہیں تب پتہ نہیں تمھارا کیا حال ہو گا؟؟ زاران سرد لہجے میں بولتے اس کی بھیگی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے استہزائیہ مسکرایا۔

اچھا!! جب باتھ ٹب میں رومانس کرتے ہو۔ تب کتنا میرے کمفرٹیبل کا خیال کرتے ہو میری کمر میں صبح سے ہی درد ہو رہا ہے۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں شکوہ کرتے اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھا۔

اس میں تمھارا قصور ہے بیوی!! جس طرح کی پلچھڑی پن کر کمرے میں گھوم رہی تھی۔۔ پھر پٹاخے تو پھوٹنے ہی تھے۔ اٹھا پٹھک تو ہونی ہی تھی۔ اور باتھ ٹب میں بھی تمھارے کمفرٹ کا بہت خیال رکھتا ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو رگڑیں کسے زیادہ لگتی ہیں؟؟۔ زاران ذو معنی انداز میں بولتے اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا۔ ابرش مقابل کی زبان سے خدا کی پناہ مانگتے منہ پھیر گئی تھی۔ رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ وہ کچھ زیادہ ہی آوٹ سپوکن تھا۔ اپنی زبان سے دن میں تارے دکھا دیتا تھا۔

زاران اس کی رنگت میں سرخیاں گھلتی دیکھ کر گہرا مسکرایا۔ جب بے شرم بیوی شرم سے سرخ ہوتی ہے تب تب منسٹر صاحب کے دل پر چھریاں چلا جاتی ہے۔ ویسے تمھیں اتنی شرم آنی نہیں چاہیے جو تم نشے میں کر چکی ہو وہ اینڈ لیول تھا میری حسین بے شرم بیوی۔!! زاران مسکراتے ہوئے اس کی

سرخ عارض پر دانت گاڑھتے اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے کھڑا کرتے اپنے مقابل کر گیا۔۔

بے شرمی دکھائی ہے تو اپنے شوہر کو دکھائی۔ وہ بھی تب جب میں نشے میں تھی۔ میں بے شرم نہیں بلکہ تم بے شرم ہو مسٹر خانزادہ!! بلکہ حویلی کے سب خانزادے بے شرم اور بے حس ہیں۔ تم خانزادوں کو اپنی بیوی بستر پر بے شرم چاہیے۔ مگر اسے دن میں طعنہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہو۔

دن اور رات میں تم خانزادوں کے الگ الگ چہرے ہوتے ہیں۔

اور بے شرمی وہ نہیں جو میں نے دکھائی بے شرمی یہ ہے جو تم اس کچن میں دکھا رہے ہو۔ ابرش نے انگشت شہادت اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبھتے لہجے میں کہا۔

خانزادوں والی بات پر زاران کے نقوش تنے تھے۔۔چہرہ اشتعال سے سرخ ہوا۔

یہ کیسے بے شرمی ہوئی ذرا بتانا مجھے ؟؟اور ہم خانزادوں میں کون کون آتا ہے یہ بھی بتانا مجھے ؟؟زاران چبھتے لہجے میں بولتے اس کے قریب ہوا تھا۔

تمھارے نزدیک یہ بے شرمی نہیں۔جو تم کر رہے ہو یہاں کوئی بھی آسکتا ہے ؟؟ تمھیں ایسے میرے ساتھ لپٹے کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟؟ابرش نے بولتے ہوے پیچھے کی طرف قدم لیے تھے۔

کیا کہے گا؟؟زاران سپاٹ لہجے میں سوال کرتے اس کے مزید قریب ہوا۔

او۔۔۔۔ تمھیں کیا پرواہ کسی کے کچھ کہنے کی ؟؟ تمھیں کوئی کچھ کہے گا ہی نہیں۔یہی کہے گا مسٹر خانزادہ کی بیوی ہی بے شرم ہے کیونکہ وہ امریکہ کی

جو ہے اور دو مرتبہ اس حویلی سے بھاگ چکی ہے۔ یہاں بھی بے غیرتی اور بے شرمی کا طعنہ مجھے مل جائے گا۔ مسٹر خانزادہ کو کیا فرق پڑے گا اس سے آخر؟؟ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ لہجے میں بولتے مسکرائی تھی۔

اور یہ طعنہ کون مارے گا تمھیں؟؟ اور آگے کس نے مارے تمھیں طعنے؟؟ زاران نے جواباً طنزیہ لہجے میں آئی برو اچکائے۔

کوئی بھی مار سکتا ہے مسٹر خانزادہ مجھے طعنہ!! جس بیوی کی اس کے شوہر کے نزدیک دو ٹکے کی حیثیت ہو اسے تو ملازم بھی طعنہ مار سکتا ہے۔ ابرش سلیب کے ساتھ لگتے سپاٹ لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی۔

دو ٹکے کی حیثیت ہے تمھاری میرے نزدیک ؟!؟زاران نے سرد لہجے میں سوالیہ انداز میں آئی بروا چکائے۔اس کی بات پر آنکھوں کا سرد پن بڑھا تھا۔

دو ٹکے سے بھی کم !!صرف بستر پر پیار آتا ہے تمھیں مجھ پر۔ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

بستر پر پیار آتا ہے تم پر مجھے ؟؟زاران نے اس کے دونوں اطراف میں سلیب کے گرد ہاتھ جمائے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے اس کی آنکھوں میں سرد نگاہوں سے جھانکتے استفسار کیا۔

ہاں بستر پر مسٹر خانزاہ۔۔اس کی سلگتی سانسوں کی گرمائش اور اس کے دہکتے لہجے پر ابرش کی سانسوں کی روانی بڑھی تھی۔

بستر پر پیار آتا مجھے تم پر تو یہاں کیا کر رہا ہوں میں ؟؟ یہاں کیا لینے آیا ہوں میں ؟؟ زاران نے ایک ایک لفظ چباتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں سوال کیا

وہی جو آج صبح باتھ ٹب میں لیا تھا۔ اس کے علاوہ کیوں تم میرے پیچھے آنے لگے ؟؟ زاران کی سلگتی چبھتی نگاہوں میں دیکھتے ابرش نے گہرا سانس لیتے جواب دیا۔

ہمممم !! اچھا اس لیے یہاں آیا ہوں میں ؟؟ زاران نے سوالیہ انداز میں ہنکار بھرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اثبات میں سر ہلایا۔

مان گئے ناں مسٹر خانزادہ !! اس لیے آئے ہو میرے پیچھے۔ تمھارا بس چلے تو حویلی کے ہر کونے میں اپنا حق لو مجھ سے۔ وہ بھی بنا شرم کھائے بس یہی حق

ملکیت تم سب خانزادوں کے نزدیک۔۔اور مجھ سے پوچھ رہے تھے

خانزادوں میں کون کون آتا ہے میں بتاتی ہوں۔اس میں سمیع اللہ خان درید

خان اربد خان۔ارحام خان شہرام خان اسفندیار خان اور درخزئی خان اور

سب سے اوپر مسٹر خانزادہ آتا ہے۔ابرش اس کی سرد سرخ نگاہوں میں

آنکھیں گاڑھے بے خوف وخطر لہجے میں بولی۔

زاران اس کی بات پر سلیب سے ہاتھ ہٹاتے اس سے دور ہوا تھا۔ابرش گہرا

سانس لیتے استھزائیہ مسکرا گئی تھی۔

زاران اس سے دور ہوتے اپنی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے کچن میں

چکر لگا رہا تھا۔ابرش سلیب کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے اس کے

اشتعال زدہ چہرے کو دیکھ رہی تھی

ابرش بھابھی!!درخشاں نے کچن کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے ابرش کو پکارا۔

ابرش کی گہری سانسیں اور زاران کو سرخ و سفید رنگت کے ساتھ کچن میں چکر لگاتے دیکھ کر وہ باقی کے لفظ لبوں میں ہی دبا گئی تھی.

وہ بھابھی ہم!!زاران کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی دیکھ کر اس نے پریشانی سے پھر سے ابرش کو پکارا تھا۔ کیا؟!ابرش نے گہرا سانس لیتے درخشاں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

وہ امینہ خانم نے آپ کو بہارے باجی اور حور بھابھی کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ انہوں نے کہا وہ اپنا تمام سونا اپنا تمام زیورات تم سب بہوؤں میں برابر کا بانٹنا چاہتا ہے۔ درخشاں نے زاران کو ایک نظر دیکھتے ہوے ایک ہی سانس میں بتایا۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتے ہوے چیئر پر پڑی اپنی شال کی طرف بڑھی۔

وہیں رکو کہیں نہیں جاؤ گی تم ؟!زاران کے سرد حکمیہ لہجے پر ابرش کے قدم رکے تھے۔

درخشاں نے پریشانی سے زاران کی طرف دیکھا

مورے سے بولو وہ تمام زیوارات حور بھابھی اور بہارے میں برابر کے تقسیم کر دے۔ابرش کو ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود کو اس حویلی کی بہو نہیں سمجھتی۔جو یہ خود کو سمجھتی ہے۔اسے اب وہی مقام ملے گا اور وہی ملا کرے گا ہر وقت ہر جگہ جس کی یہ توقع مجھ سے رکھتی ہے۔۔۔زاران نے ابرش پر شرربار نگاہیں گاڑھتے لفظ چبائے تھے۔ابرش اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی

کیالالا؟؟ درخشاں نے حیرانگی بھری نگاہوں سے زاران کو دیکھا۔

تمھیں سمجھ نہیں آیا تمھاری بھابھی کو سمجھ آگیا ہے۔ زاران نے اس کی پشت پر اب شعلہ بار نگاہیں گاڑھیں۔

لالا!! ابھی سب باہر بیٹھے ہیں۔ امینہ خانم نے تھوڑی دیر بعد کمرے میں بلایا ہے۔ میں تو صرف پیغام دینے آئی تھی۔ درخشاں روہانسی ہوئی۔

تم یہاں کیوں آئی اچھی طرح سمجھتا ہوں میں۔ تمھیں فل دیکھنی تھی جو دیکھنے کو نہیں ملی۔

اب جاؤ یہاں سے تم جو میں یہاں تمھاری بھابھی کو جو دینے آیا ہوں وہ دے دوں۔ پھر ہی یہ اس کچن سے نکل سکے گی۔ زاران نے ابرش کی پشت پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

جی لالا۔ درخشاں نے ناسمجھی سے زاران کی طرف دیکھتے ابرش کی پشت کو دیکھا۔

جاؤ یہاں سے تم اب! اگلے ایک گھنٹے تک تم اور نہ کوئی اور کچن کے آس پاس نظر آئے۔ زاران درخشاں کو دیکھتے ایک ایک لفظ چبایا۔

جی لالا!! درخشاں کا حیرت و استعجاب سے منہ کھلا تھا۔

جاؤ یہاں سے سنا نہیں تم نے؟؟ زاران اسے اب دیکھتے گرجا تھا۔

درخشاں گھبراتے ہوے جلدی سے کچن سے نکل گئی تھی۔

زاران نے آگے بڑھتے کچن کا دروازہ لاک کیا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے سلیب کو دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔ اس کے قدموں کی بھاری دھمک اپنے قریب سنتے ابرش کے بھاری اعصاب مزید بھاری ہوے تھے۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔

وہ اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ موڑتے اپنے مقابل کر گیا

اسے زمین پر بے دردی سے دھکا دیا۔ اس سے پہلے ابرش زمین پر گرتی وہ اسے کلائی سے جکڑ گیا۔۔ ابرش نے اسے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اگر وہ اسے کلائی سے نہ جکڑتا وہ سر کے بل زمین پر گرتی۔

کیا کروں ؟! تم خود کو میری بیوی نہیں سمجھتی مگر مجھے خیال آگیا تم زاران خانزادہ کی ملکیت ہی نہیں بیوی بھی ہو۔ وہ سرد لہجے میں بولتا اسے کندھوں سے جکڑتے بہت نرمی سے زمین پر بٹھاتا چلا گیا تھا۔ ابرش اس کی سرد سرخ نگاہوں میں دیکھتے گھبراتے ہوے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ وہ کیا کرنا چاہ

رہا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔; وہ اس کے مقابل آتے اس پر جھکتے اب اسے زمین پر لٹا گیا گیا. اس کے اوپر آتے اپنی شرٹ اتارتے زاران نے زمین پر پھینکی

ابرش نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کیا وہ سچ میں کچن کے اس ٹھنڈے فرش پر اپنا حق لینے لگا تھا۔

ابرش نے اس کی وایٹ سینڈو سے نظر آتے سکس پیکس ہیر لیس سینے کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

کیا ہوا بیوی ؟؟ یہاں میں تم سے وہی کرنے آیا ہوں جو صبح باتھ ٹب میں کیا تھا۔ اب یہ آنکھیں حیرت سے کیوں پھیل رہی ہیں ؟؟۔ زاران نے اس کی گہری ضرورت سے زیادہ پھیلی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔

زاران۔۔۔ تم۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ یہاں

مم۔۔ مجھ۔۔سے۔۔۔ ابرش کی سانسیں بے یقینی سے گہری ہوئی تھیں۔

اس کے تم سے آپ کے سفر پر زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا۔

اس کے قہقے اور اس کے پہاڑ جیسے وزن پر ابرش کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

اگر اتنا ہی ڈر ہے تمھیں میرا تو اپنی زہریلی زبان پر قابو کیوں نہیں پاتی تم ہاں!! مجھ پر ٹونٹ کرنا ہے کرو۔۔ کیوں ہر بار داجی اور بابا لالا کا کا نام بیچ میں لاتی ہو ہاں؟؟ زاران نے اس کا جبڑہ سختی سے دبوچا۔۔

بولو جواب دو؟ کیوں لیا ان سب کا نام؟؟ کس کو دیکھا تم نے بے شرمی کی ہر حد پار کرتے ہوے۔۔ چلو مان لیتا ہوں میں بے شرم بے غیرت خانزادہ ہوں۔

بابا کو حویلی کے کسی کونے میں مورے سے تم نے حق لیتے دیکھا۔ یا کاکا کو دیکھا یا لالا کو دیکھا ہاں! زاران اس کا جبڑہ دبوچے اس پر جھکے دھاڑا

ابرش اس کی دھاڑ پر لرزی تھی۔

بولو کس کو دیکھا سمیع اللہ خان کو دیکھا ہاں!! کس سے حق لیتے دیکھا میری مری ہوئی دادی سے حق لیتے دیکھا تم نے!! جو تم یہ بکواس کرتی پھرتی ہو ہاں؟! زاران اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا۔ اس کی باتیں اس کے دماغ کی پھڑکتی رگیں پھڑکا چکی تھیں۔

زاران۔۔۔ چچ چھوڑو مجھے ابرش کی گھٹی گھٹی سسکیاں برامد ہوئی تھیں۔اس کی انگلیاں گالوں میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔

ابھی تو میں اپنی حوس تم سے یہاں پوری کروں گا۔۔اس کچن کے ٹھنڈے فرش پر تمھیں بھی پتہ چلے حق اصل میں لیا کیسے جاتا ہے؟؟وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی زپ نیچے کھسکاتے ہوے شرٹ کندھوں سے جکڑے اس کی سٹریپ نیچے کرتے اس کی دھڑکنوں پر جھکتے اپنی شدت دکھانے لگا۔ابرش کی سسکیاں کچن میں گونجی تھیں۔وہ اوپر ہوتے اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ جما گیا۔

یہ کمرہ نہیں ہمارا۔۔اس لیے اپنی سسکیوں پر قابو پاؤ۔۔وہ اس کے لبوں پر ہاتھ جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔ابرش نے اس کی پھنکار پر خوف سے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ پھر سے اس کی گہرائیوں پر جھکا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ابرش کے لبوں پر سختی سے جما تھا۔۔ ابرش اس کے حصار میں مچل اٹھی تھی۔۔ وہ شدت سے اس کی دھڑکنوں کو سرخ کرتے اسے بن آب مچھلی کی طرح تڑپا رہا تھا۔

زاران اس کا تڑپنا محسوس کرتے اس کی ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اسے اپنے حصار میں مکمل طور پر قیا کر گیا۔

ابرش اس کے حصار میں بے بس ہوتے ساکت ہوئی۔ زاران اسی لمحے اس کی گہرائیمئیوں سے چہرہ نکالتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی زپ بند کرتے اس کی شرٹ کندھوں سے اوپر کر گیا۔ ابرش نے پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھا وہ کیسے پیچھے ہو سکتا تھا؟! مقابل کا لمس اس کی گہری سانسیں اس کا تپتا بدن اس کی بڑھتی دھڑکنیں وہ شدت سے محسوس کر چکی تھی۔ اس کی گہرائیوں کو چھونے کے بعد وہ پیچھے ہٹ جائے یہ ناممکن تھا۔

تمھیں بتانا چاہ رہا تھا۔ یہاں کچن میں میں کیوں تمھارے پیچھے آیا؟!۔ یہ بتانا چاہ رہا ہوں دو ٹکے کی حیثیت نہیں ہے تمھاری میرے نزدیک۔۔ لاونج میں بیٹھے ایک ایک انسان کو پتہ ہے میں تمھارے پیچھے آیا ہوں۔ اب تمہیں مورے کے بلاوے پر بھی جانے نہیں دیا۔ جانتی ہوناں سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اپنی بیوی اپنی ابرش کو منا رہا ہوں۔ کیونکہ غلطی سے میں نے پلوشہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑ لیا تھا۔ تمھاری حیثیت حویلی کے ایک ایک فرد کو پتہ ہے کیا ہے؟؟ اور تم خود کو حویلی کے ملازموں سے ملا رہی ہو۔ زاران نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سرد و سپاٹ لہجے میں لفظ چبائے۔۔

وہ اپنا پورا وزن ابھی بھی ابرش پر ڈالے ہوے تھا۔ زاران کا پہاڑ جتنا وزن اس برفیلی فرش پر برداشت کرنا سانسیں روکنے کے مترادف تھا اور ابرش کی سانسیں رک رہی تھیں۔

عنائیہ کے نکاح سے تمھیں یہی اعتراض تھا در خزئی رخصتی کروالے گا ۔کروائی کیا رخصتی ؟؟ بلکہ وہ کتنے دنوں سے حویلی تک نہیں آیا۔ ابرش وہ ویسا نہیں جیسا دکھتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے اس نے عنائیہ سے اپنا حق نہیں لیا۔

زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہتے اسے سمجھانے کی کوشش کی

ابرش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔ زاران جھکتے ہوے اس کے عارض پر لب رکھتے وہ موتی چن گیا۔ ابرش کے آنسوؤں کی روانی میں آضافہ ہوا تھا۔

زاران گہرا سانس لیتے اس کے اوپر سے اٹھا۔ ابرش بھی اٹھ کر بیٹھتے کھڑی ہوئی۔ زاران کو مکمل نظر انداز کرتے سٹوو کے آٹو میٹک بٹن کو گھمایا۔ آگ جلنے پر ابرش نے کیٹلی برنر پر رکھی۔۔ زاران نے حیرت سے اسے برنر جلاتے دیکھا۔ اگر برنر جلانا اتنا آسان تھا تو کچھ دیر پہلے وہ لایٹر سے زور آزمائی کیوں کر رہی تھی آخر؟!۔ زاران اس کے لرزتے وجود کو دیکھتے تاسف سے سر ہلا گیا تھا۔ عورت کو سمجھنا مشکل تھا خاص طور پر بیوی کو سمجھنا مشکل تھا۔

اتنا تو سمجھ گیا تھا وہ کچھ دیر وہ پہلے پلوشہ کی وجہ سے جل رہی تھی۔

مس امریکہ !!مان لو تم جیسی پوزیسیو بیوی اس دنیا میں نہیں ہو سکتی۔۔یہ سارا غصہ یہ رونا دھونا یہ طعنے اس لیے مار رہی تھی کیونکہ میرا تمھیں پلوشہ سے قہوہ کی پیالی پکڑنا برداشت نہیں ہوا۔زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جمائے اس کی سائڈ گردن پر نرمی سے لب رکھے۔۔

مجھے فرق نہیں پڑتا تم اس کے ہاتھ کا قہوہ پیو یا پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھاؤ!! بلکہ ایک کام کرو اس کے ہاتھ سے نوالے بنا کر کھاؤ۔تم کسی بھی لڑکی کے قریب جاؤ مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔ابرش نے بھیگی آواز میں کہتے کیٹل میں پتی کا پورا ڈبہ الٹ دیا۔

زاران اس کا رخ جھٹکے سے موڑ گیا۔

مسلہ کیا ہے تمھارے ساتھ ؟ کیوں بات ختم نہیں کر رہی تم ؟ زاران اب غصے سے جھنجھلایا۔ وہ جتنا بات ختم کر رہا تھا وہ بڑھائے جا رہی تھی

مسلہ یہ ہے کہ تم مجھے سمجھ نہیں سکتے۔ مسٹر خانزادہ!! تمھیں لگتا ہے میرا مسلہ درخزئی اور عنائیہ کا نکاح ہے۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔ تو پھر ؟ زاران نے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

مجھے پتہ ہے درخزئی نے عنائیہ سے اپنا حق نہیں لیا۔ عنائیہ نے بتا دیا ہے مجھے اس نے اپنا حق نہیں لیا۔۔ ابرش کے لہجہ شدت سے بھیگا تھا۔۔ زاران ابھی بھی اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

  تم نے میری بہن کا نکاح کیا؟؟ یہ غلط کیا۔ مگر مجھ سے چھپایا زاران یہ اس سے بھی غلط کیا۔۔ نکاح کرنے سے بھی زیادہ غلط تمھارا مجھ سے چھپانا تھا۔

کہتے ہو میں تمھارے لیے اہمیت رکھتی ہوں۔ حور بھابھی بہارے عابیر یہاں تک درخشاں بلکہ گیٹ پر کھڑے گل خان تک کو پتہ تھا آج درخزئی عنائیہ کا نکاح ہے۔۔ صرف مجھے نہیں پتہ تھا۔ ابرش روتے ہوے بول رہی تھی۔

سوچو حویلی میں سب نے کیا سوچا ہو گا میرے بارے میں۔۔ یہی ناں تمھارے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں۔ آہل ماما سب نے مجھے پرایا کیا۔ ماما پاشا نے ہمیشہ مجھے تکلیف دی ہمیشہ دی۔۔۔ تم نے بھی مجھے بہت بار تکلیف دی ہے۔ یہ والی چوٹ زیادہ گہری ہے۔ سوجو ایک بار اگر میں یہ تمھارے

ساتھ کرت۔ی تمھیں کیسے لگتا؟!۔ تمھاری مرضی کے بغیر حویلی سے باہر قدم نکالوں گی تمھاری خانزادہ غیرت پر حرف آجائے گا۔چاہے پورے پردے میں کیوں نہ باہر جاؤں۔۔ تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ مجھ سے یہ سب چھپا کر تم چاہتے ہو میں بھول جاؤں تو یہ ناممکن ہے۔ابرش نے شبنمی سپاٹ لہجے میں کہتے اپنے عارض پر بہتے آنسو ہتھیلی سے رگڑے۔

اگر بھولو گی نہیں تو کیا کرو گی؟!ایسے ہی رہو گی۔زاران نے لب بھینچے اس کی آنکھوں میں گاڑھے سوال کیا

۔ہاں ایسے ہی رہوں گی کیونکہ تم پھر سے ایسے کرو گے۔۔

تم منتقم مزاج انسان نہیں بدل سکتے۔

تم نے مجھ سے عنایہ کے اغوا ہونے کا چھپایا۔ مجھے حویلی چھوڑ کر جانا پڑا۔

اس سب میں غلط کون میں ؟؟ تمھارے پاس وجہ میرا جذباتی پن تھا۔

تم نے مجھ سے ستارہ کا چھپایا!! میں تمھارے پیچھے آئی۔ غلط کون میں ؟؟ وجہ میرا جذباتی پن تھا۔ مگر حقیقت صرف یہ ت تو نہیں ہے ناں حقیقت تمھیں مجھے پرایا کرنا ہے۔ مجھے ویلیو نہ دینا ہے۔

لیکن دونوں بار سزا مجھے ملی۔۔ سات مہینے تم نے مجھے جدائی کی سزا سنائی۔ حویلی والوں کے سامنے بھی میں ہی ذلیل ہوئی۔

اب بھی غلط میں ہوں۔ سب کو میرا رویہ نظر آرہا ہے مگر مسٹر خانزادہ کی غلطی نظر آہی نہیں رہی۔ کیونکہ مسٹر خانزادہ کو حویلی کے ہر رشتے سے ہمدردی کرنی ہے سوائے اپنی بیوی کے ؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں بولتے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اپنی پچھلی گردن جھنجھلاتے ہوے رب کی۔

تم سے ہمدردی کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔ بلکہ مجھے لگتا ہے میں کسی سے بھی اب ہمدردی کرنے کے قابل نہیں رہوں گا۔۔ اس وقت تو سب کو مجھ سے ہمدردی کی ضرورت ہے۔۔ زندگی میں کبھی اپنے کسی فیصلے پر نہیں پچھتایا جتا عنائیہ درخزئی کا نکاح کر کے پچھتا رہا ہوں۔۔ زاران نے گہرا سانس بھرتے جھنجھلاتے ہوے اپنی بئیرڈ سہلاتے لفظ چبائے۔

تم نہیں پچھتا سکتے۔۔ مینٹلی سک وومین تو میں ہوں جو بات ہی نہیں چھوڑ رہی۔ ابرش اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کرتے خود پر استھزائیہ مسکرائی تھی۔

تو کیا کروں اب ؟! کیا چاہتی ہو تمھارے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگوں۔۔ زاران غصے سے دھاڑا۔

نہیں میری جان چھوڑ دو!! جاؤ لاونج میں بیٹھ کر قہقہے لگاؤ۔ اس پلوشہ کو امپورٹنس دو۔ جسے تمھاری مورے تمھاری زندگی میں لانا چاہ رہی تھیں۔ درخشاں سے تو تم ویسے بھی کہہ چکے ہو میں اس حویلی کی بہو نہیں ہوں۔ ابرش بھیگے لہجے میں کہتے رخ موڑ گئی۔۔

ابرش رخ موڑے اب ابلتی ہوئی چائے پر نظریں جمائے ہوے تھی۔۔ زاران نے جھنجھلاتے ہوے اپنے جبڑے بھینچے۔

کچن کا دروازہ ناک ہونے پر زاران نے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہنی تھی اور دروازے کی طرف بڑھتے دروازہ کھولا۔

پلوشہ کو دیکھتے زاران سائیڈ پر ہوا وہ آہستگی سے چلتے ہوے برنر کے قریب گئی اور برنر جلاتے ساس پین میں قہوہ بنانے کے لیے پانی رکھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے نامحسوس انداز سے پلوشہ سے دور ہوئی تھی۔

پلوشہ !!زاران کی پکار پر پلوشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ اسے پہلے تو پکارتا نہیں تھا۔وہ پھر ابرش کے سامنے پکارے یہ ناممکن تھا۔

ابرش سرد سپاٹ نگاہیں چائے کی کیتلی پر جمائے ہوے تھی۔۔زاران کی سرد نگاہیں ابرش پر ہی جمی تھی؟

بولو زاران !!پلوشہ نے سنجیدگی سے زاران کو دیکھتے پوچھا۔

ایک کافی میرے لیے بنا کر لاونج میں دے دو۔۔زاران نے ابرش کو گھورتے لفظ چبائے۔

ابرش نے اسی لمحے چائے کی کیٹلی برنر سے پکڑی۔۔سسس۔سسکاری بھرتے وہ کیٹلی برنر پر رکھے سنک کے نلکے کی طرف تیزی سے بڑھی ت

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کا ہاتھ تھام گیا جو سرخ ہو رہا تھا

۔۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش حلق کے بل ہذیانی چیخی تھی۔

۔ابرش کی چیخ پر زاران اس کا ہاتھ مزید سختی سے جکڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں سرخی بڑھی تھی

توبہ توبہ اللہ بچائے۔۔۔ پلوشہ نے ابرش کی چیخ پر کانوں کو ہاتھ لگاتے کہا۔

زاران کے گھورنے پر وہ خفیف سا مسکراتی رخ پلٹ گیی۔

چھوڑو مجھے !! مجھے تمھاری ہمدردی کی ضروت نہیں۔ ابرش اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے چیختے ہوے بولی

تم جیسی بیویاں سمجھتی ہیں کہ شوہر کو بے سکون کریں گی ہر بات پر طعنے ماری گی تو شوہر ہمارے آگے پیچھے پھرے گا۔ مگر ہوتا الٹ ہے۔ مرد سکون کے لیے نکاح کرتا ہے یہ چخ چخ برداشت کرنے کے لیے نہیں کرتا۔ زاران اس کا ہاتھ جھٹکتے سرد آواز میں کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچن سے چلا گیا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے پلوشہ کو دیکھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ابرش نے چولہے کی طرف بڑھتے وہی چائے کی گرم کیٹلی برنر سے اٹھائی۔ دوسرے لمحے وہ کیٹلی پوری قوت سے زمین پر پٹخ چکی تھی۔ پلوشہ چیختے ہوئے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔ گرم گرم چائے کے چھینٹے اس کے پیروں پر بھی آن گرے تھے۔۔۔

ابرش اپنی شال کرسی سے اٹھائے خود پر لپیٹتے ہوئے کچن سے نکلتے تے تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

حور نے پریذے کو ایک نظر دیکھا جو ارحام کے سینے میں منہ چھپائے اس کی بئیرڈ پر اپنا ننھا سا ہاتھ پھیر رہی تھی۔

حور نے اپنا نچلا لب بے دردی سے دانتوں تلے پیوست کیا۔ وہ کبھی کسی سے اتنا جیلس نہیں ہوئی تھی جتنا اس وقت ارحام سے ہو رہی تھی۔ اپنی بیٹی کی اگنورنس بہت بری طرح چبھ رہی تھی۔ اگلے لمحے وہ اپنا خیال بری طرح جھٹک گئی تھی۔۔ باپ نے بھی اس کے دل میں آگ بھر دی تھی اپنی بیوفائی سے۔۔ جلنا تڑپنا کیا ہوتا ہے وہ تو اسے صیح معنوں میں پتہ چلا تھا۔

حور نے ایک نظر بریذے کو دیکھا جو اب ارحام کی بئیرڈ ہاتھ سے سہلاتے ہوے اس کی طرف معصومیت سے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام اس کا ہاتھ پکڑتا اس کی ہتھیلی چوم گیا۔

حور نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے آنسو اس بار اپنے دل میں اتارا تھا۔ وہ جانتی تھی ان کے خاندان میں ماں کی ہتھیلیاں احترام میں چومی جاتی ہیں۔ ارحام اس کی ہتھیلیاں بہت بار چوم چکا تھا۔ اپنی قربت کے دینے کے بعد وہ اسے اپنے سینے سے لپٹائے تادیر اس کی ہتھیلیاں چومتا رہتا تھا۔۔ وہ جانتی تھی اس کی ہتھیلیاں احترام میں چومتا تھا۔ اب اپنی بیٹی کی بھی ننھی سی ہتھیلی وہ سب کے سامنے چوم رہا تھا۔ پریذے مسکراتے ہوئے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔ وہ معصومیت سے اپنی دوسری ہتھیلی بھی آگے کر گئی۔۔ ارحام مسکراتے ہوئے اسے اپنے گود میں بٹھائے اس کی دوسری ہتھیلی چومنے لگا۔

حور یہ سب دیکھتے بھیگی آنکھوں سے مدھم سا ہنس پڑی تھی۔ ارحام کا اپنی بیٹی کو ایسے محبت احترام سے چھونا اس کی آنکھیں شدت سے بھگو چکا تھا۔ اس کی پریذے اس سے کہیں زیادہ زیادہ محبت احترام کے قابل تھی۔

سلطان شاہ کی یاد بھی حور کو شدت سے آئی تھی وہ بھی تو ایسے ہی اس سے محبت کرتے تھے۔۔ حور بھیگی آنکھوں سے باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھی جو اسے مکمل اگنور کیے ہوے تھے۔

میں بہرام کو پکڑ لوں بہارے!! حور نے پاس بیٹھے بہارے کی گود بہرام کو پکڑتے بہارے سے آجازت چاہی تھی۔ بہارے نے مسکراتے ہوے بہرام اسے پکڑایا۔

کیسا ہے میرا بہرام میرا بیٹا میری جان؟؟ حور نے بہرام کو پکڑتے اس کے گال پر لب رکھے۔۔

بہرام حور کی طرف دیکھتے مسکرایا۔

میرا بہرام بہت پیارا ہے میری جان ہے !!میری زندگی میرا بیٹا صرف میرا بہرام ہے ناں بہرام !! آپ میرے بیٹے ہو ناں۔ حور نے مسکراتے ہوے بہرام کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

بہارے حور کی باتوں پر مسکرا گئی تھی۔ باقی سب حیرانگی سے حور کو دیکھ رہے تھے۔ جو ایسے سب کے سامنے نہیں بولتی تھی اور ارحام کی موجودگی میں وہ خاموش ہی رہتی تھی۔۔

اللہ اب تمھیں بھی بہرام جیسا بیٹا دے۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے حور کو دعا دی۔۔

جب میرے پاس بہرام ہے تو ضرورت نہیں مورے۔۔ بہرام بھی تو میرا بیٹا ہے۔ مجھے بچے کی کوئی خواہش نہیں۔ حور نے بہرام کو چومتے ہوے

مقابل کو خاص طور جتاتے اس کے کہے لفظ بھی یاد کروائے تھے۔ جب وہ پریذے کو کہہ رہا تھا وہ حور سے بے بی نہ مانگے بہرام بھی تو اس کا بھائی ہے۔

حور کی بات پر ارحام سرخ چہرے کے ساتھ پہلو بدل گیا تھا۔ اس کی بات بری طرح چبھی تھی بلکہ دل میں فگار کر گئی تھی

اسفند حور کی بات اور ارحام کا سرخ چہرہ دیکھتے مسکراہٹ دبائے منہ پر ہاتھ رکھے اپنا گلہ کھنکارنے لگا۔

اب یہ کیا بات ہوا؟! تمھیں بچہ کا خواہش نہیں تو بچہ نہیں ہو گا۔ بچہ تمھارا مرضی سے نہیں بلکہ خدا کے بعد ارحام کا مرضی سے ہو گا۔ کیونکہ ہم خان لوگ فیملی پلاننگ پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ ہم خان لوگ ہر سال ایک بچہ ہونا اعزاز سمجھتا ہے۔ روزینہ خانم نے حور کو دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا

اچھا اگر ایسی بات ہے تو بہارے کے بعد تو پھر لاین لگ جانی چاہیے تھی۔ آپ نے تو فیملی پلاننگ پر خوب عمل درامد کیا ہے۔۔ حور کی بات پر سب کے چہرے سرخ ہوے تھے۔ منہ تحیر سے کھلے تھے۔ حور ایسی بات کرے گی سب کو اندازہ نہ تھا۔ اسفند کو اب صیح معنوں میں کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

ارحام خانزادہ کی رنگت سرخ ہوئی تھی اپنی بیوی کے لبوں سے سب کے سامنے یہ بے باک اور چیپ بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔ حور سب کا رد عمل دیکھے بغیر بہرام کے گال پر کسز کر رہی تھی۔۔

حیدر خان حویلی کے اندر داخل ہوا۔ سب ڈائینگ روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

رقیہ خانم حاکم خان ڈائینگ روم میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ اور فرشتے دراب کو گود میں لیے بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔۔

گلاس ڈور سے سب کو دیکھتے حیدر خان کے قدم ٹھہرے تھے۔ دوسرے لمحے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

حیدر! حاکم خان کی آواز پر اس کے قدم ٹھہرے تھے۔

حیدر خان کو زرمش کے بغیر دیکھ کر حاکم خان ڈائینگ روم سے نکلتے لاونج میں آئے۔ رقیہ خانم بھی باہر آئی تھیں۔ فرشتے خاموشی سے چائے کے کپ پر نظریں جمائے ہوے تھی۔ حیدر خان اپنی بہن کی وجہ سے اپنے بیٹوں کو نظر انداز کیے ہوے تھا۔ یہ بات فرشتے کے دل میں کافی چبھ رہی تھی۔ آخر حیدر خان کیوں ایک رشتے کے لیے اپنے دوسرے رشتے بھول جاتا تھا؟!۔ کل اپنی مورے کے لیے اسے بھلا دیا آج اپنی بہن کے لیے

اپنے بیٹوں کو بھلا دیا۔ آج تیسرا دن تھا حیدر خان نے اپنے بیٹوں کا چہرہ تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ بات فرشتے سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ حیدر خان پر یقین ٹوٹتا جا رہا تھا جو بہت مشکل سے پھر سے قائم ہونے لگا تھا۔

حیدر خان اپنی سرخ آنکھیں بازو سے مسلتے ہوئے حاکم خان کی آنکھوں میں گاڑھتے ان کے مقابل آیا۔

اس قیامت کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔ جس طرح روز حشر والے دن بارگائے الہی میں انسان سوالات سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا۔ اسے اپنے اعمال کا جواب دینا ہی ہو گا۔ اس طرح حاکم خان کے سوالات سے وہ کہاں بچ سکتا تھا؟؟

جی بابا!! حیدر خان نے حاکم خان کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

"جی بابا جان" کہنے کے لیے اسے بہت ہمت چٹھانی پڑی تھی۔ آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔

زرمش کہاں ہے؟؟ حاکم خان کے سوال پر حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی اس میں شدید نمی اتری۔

وہ رخ پلٹے اپنے بازو سے اپنی آنکھیں رگڑ گیا۔ حیدر حاکم خان کیسے آخر سب کے سامنے ٹوٹ سکتا تھا رو سکتا تھا؟؟ وہ تو مرد تھا۔ مرد بھی بھلا ٹوٹتا روتا ہے کیا؟؟

حیدر!! حاکم خان نے پریشانی سے اسے پکارا۔ وہ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ چکے تھے۔

حاکم خان کی نرم پریشان آواز سنتے حیدر خان کی آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر سے اس کی گھنی بئیرڈ پر شدت سے بہے۔۔وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنی آنکھیں بازو سے پھر سے مسل گیا تھا۔حیدر خان کا مضبوط توانا وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا۔وہ رخ پلٹے کھڑا تھا۔

حیدر خان!!اب رقیہ خانم کی آواز گونجی تھی۔

یہ نرم آوازیں اس کے اپنوں کی تھیں مگر کوئی ابھی اپنا نہ تھا۔۔

جی مورے!!حیدر خان نے پلٹتے ہوے رقیہ خانم کو دیکھتے پوچھا۔

کیا ہوا حیدر؟؟حیدر خان کی سرخ متورم آنکھیں دیکھتے رقیہ خانم تڑپ اٹھی تھیں.

کچھ نہیں مورے!مجھے کیا ہونا ہے آپ ٹھیک ہیں۔حیدر خان نے ان کا ہاتھ پکڑے ان کے ہاتھ کی پشت پر نرمی سے بوسہ دیا۔

زرمش کہاں ہے حیدر؟؟حاکم خان نے پھر سے اپنا سوال دہرایا۔زرمش کو حیدر خان کے ساتھ نہ دیکھ کر ان کے چہرے پر غصے اشتعال کی لالی گہری ہو رہی تھی۔۔وہ عدت میں تھی کیسے حیدر خان اسے اتنی دیر ہسپتال میں رکھ سکتا تھا۔ابھی بھی خود چلا آیا اسے ساتھ لے کر نہیں آیا۔

حاکم خان کے سوال پر حیدر خان نے خاموشی سے حاکم خان کی طرف دیکھا۔وہ کیسے بتا سکتا تھا اس کی جوان بیوہ بہن اس سے کھو گئی اور وہ اسے تلاش نہ کر سکا۔

وہ اپنی ہار اپنی شکست کا کیسے اقرار کرتا۔۔وہ خود کو اس وقت بغیرت تصور کر رہا تھا۔ جس کی جوان بیوہ بہن کہاں تھی؟؟کس کے پاس تھی اسے پتہ نہیں تھا اور وہ بزدلوں بغیرتوں کی طرح حویلی چلا آیا تھا۔

کہاں ہے زرمش؟؟حاکم خان کی گرج پر حویلی کے درودیوار لرز اٹھے تھے۔ فرشتے دراب کو سینے سے لگائے لاونج میں آئی تھی اوزلہ بھی کچن سے نکلتی لاونج میں آئی۔

حیدر خان کی سرخ آنکھیں اور شکست خوردہ وجود دیکھتے فرشتے نے دراب کو سینے میں بھینچا۔ یہ اس کا خان تو نہیں تھا۔ وہ کہاں حاکم خان کی گرج پر خاموش رہتا تھا۔ رقیہ خانم کے علاوہ وہ کب کسی کے آگے جھکتا تھا ایسے خاموش رہتا تھا؟!وہ تو حاکم خان کی گرج پر ان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے خاموشی سے کھڑا تھا۔

زرمش کہاں ہے حیدر خان؟؟ حاکم خان حیدر کی خاموشی پر بھوکے درندے کی مانند دھاڑے۔۔ دراب کے بری طرح رونے پر فرشتے نے اسے سختی سے خود میں بھینچا۔

دراب کے رونے پر بھی آج مقابل کو فرق نہیں پڑا تھا وہ تو پتھر بنا کھڑا تھا۔لاؤ فرشتے یہ ہم کو دے دو یہ تو بری طرح ڈر گیا ہے۔ دراب کو ہچکیوں سے روتے دیکھ کر اوزلہ نے دراب فرشتے سے لیات۔ فرشتے نے کرب سے ہچکی بھرتے دراب اوزلہ کو پکڑایا۔ مقابل کو اپنے بیٹے کی ذرا پرواہ نہیں تھی فرشتے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر بکھرے تھے۔ اوزلہ دراب کو پکڑتے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

حیدر خان نے اپنی قیمض کی پاکٹ سے پسٹل نکال کر حاکم خان کو پکڑائی۔

یہ کیا ہے؟؟ حاکم خان پسٹل پکڑتے گرجے۔

میری سزا بابا!!حیدر خان کی نم آواز گونجی۔

رقیہ خانم فرشتے نے پریشانی سے حیدر خان کو دیکھا۔حیدر خان کی نم آواز یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

کیا کہہ رہے ہو تم؟؟کیسی سزا؟زرمش کہاں ہے؟؟حاکم خان وہ پسٹل زمین پر پوری قوت سے مارتے حلق کے بل گرجے۔

زرمش کو میں کھو چکا ہوں بابا جان!!حیدر خان بھی اپنے حواص کھوتے چیخا۔

حاکم خان کے قدم پیچھے کو لڑکھڑائے تھے۔۔

رقیہ خانم اور فرشتے نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا۔

حیدر خان گہرے سانس لیتا حاکم خان کو دیکھ رہا تھا۔ جنھوں نے لڑکھڑاتے ہوے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے ہوے دیوار کا سہارا لیتے دل پر ہاتھ رکھا

۔

حیدر حاکم خان سے اس کی بہن کھو گئی۔۔ کل کا دن اور ایک رات بھی گزر گئی اور حیدر حاکم خان جو سوات کے ہوٹلوں اور فارم ہاؤس گیسٹ ہاؤس کا مالک ہے۔ جو اپنے گاؤں کا سردار ہے وہ اپنی بہن کو تلاش نہ کر سکا۔ وہ زخمی لہجے میں بولتا شکست خوردہ انداز میں خود پر ہنسا تھا۔

نہیں رہے گا اب حیدر حاکم خان ان ہوٹلوں کا مالک۔۔ عاق کر دوں گا میں حیدر خان کو۔۔ حاکم خان بلند آواز میں دھاڑے تھے۔

کیا کروں گا اب میں ان ہوٹلوں کا مالک بن کر۔ میرا غرور میرا سب کچھ میری بہن کے ساتھ چلا گیا۔ حیدر خان زخمی سے لہجے میں بولتے پھر سے ہنسا تھا۔

رقیہ سارے ملازماؤں کو چھٹی دو۔ کوئی مجھے یہاں نظر نہ آئے۔ زرمش حویلی نہیں کسی کو پتہ نہ چلے۔۔ حاکم خان نے رقیہ خانم کو سخت لہجے میں حکم دیا۔

رقیہ خانم اثبات میں سر ہلاتے لاونج سے نکل گئی تھی

حیدر خان خاموشی سے کھڑا حاکم خان کو دیکھ رہا تھا۔ حاکم خان اپنی داڑھی میں ہاتھ پھیرتے چکر لگا رہے تھے۔

فرشتے خاموشی سے حیدر خان کے شکست خوردہ وجود کو دیکھ رہی تھی۔

رقیہ خانم کے لاونج میں داخل ہونے پر حاکم خان حیدر خان کے مقابل آئے۔

کہاں ہے زرمش؟؟اور کس کس کو یہ خبر پہنچ گئی کہ حاکم خان کی بیوہ بیٹی اس کے جوان مرد جیسے بیٹے کے ہاتھوں سے کھو گئی۔۔حاکم خان نے حیدر خان کے کندھے پر ہاتھ مارتے پیچھے کی طرف دھکیلا۔

حیدر خان کے مضبوط قدم پیچھے کو لڑکھڑائے تھے۔وہ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

میرے بیٹے کے ہاتھوں سے تمھارا بیٹی نہیں کھویا۔بلکہ تمھارا بیٹی خود کسی کے ساتھ بھاگ گیا ہو گا۔رقیہ خانم حیدر خان کی جھکی نظریں دیکھتے چیخی تھیں۔

رقیہ !!حاکم خان طیش والم میں گرجے۔

چلاؤ مت حاکم خان !!رائنہ خان کو تم بھگا کر لایا تھا۔۔وہ اپنا پیار کرنے والا ماں باپ کو چھوڑ کر تمھارا ساتھ ایک شادی شدہ باپ کا ساتھ چلا آیا۔وقت پلٹ کر تمھارا منہ پر آکر لگا۔۔تم نے کسی کا عزت داغدار کیا آج تمھارا عزت داغدار ہو گیا۔وہ رائنہ بلی آنکھوں والا مکار عورت کا بیٹی بھی اس جیسا ہی تھا۔اس نیچھ عورت کا بیٹی بھی اس جیسا ہو گا۔اس جیسا نیچھ۔۔۔رقیہ خانم نفرت امیز لہجے میں پھنکاری تھیں۔

نہیں ہے میری بہن نیچھ۔نہیں ہے وہ ایسی !!حیدر خان لاونج کے وسط میں رکھی ٹیبل کو پاؤں سے ٹھوکر مارتے طیش والم میں چیخ اٹھا۔۔دوسرے لمحے وہ ٹیبل دونوں ہاتھوں سے اٹھاتا وہ زمین پر پوری قوت سے مار گیا۔کانچ ٹوٹ کر دور دور تک بکھرا تھا۔

رقیہ خانم اور فرشتے چیختے ہوے کئی قدم پیچھے ہوئی تھیں۔۔

یہ مردانگی یہ طاقت مت دکھاؤ حیدر خان!!تم جیسا نامرد اور کمزور انسان ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔جو صبح کی روشنی میں اپنا جوان بہن جو عدت میں تھا اسے لے کر بڑے فخر سے حویلی سے نکلا اور اگلی صبح نظریں جھکائے اپنا جوان بہن کے بغیر آجاتا ہے۔کیوں واپس آیا؟!۔گرم حویلی یاد آگیا یا پھر اپنا بیوی کا اغوش اس کا قربت میں اپنا غم غلط کرنے کا آرادہ تھا۔حاکم خان نے حیدر خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے پھنکارے

حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

آنکھیں مت لال کرو ہمارا سامنے حیدر!!حاکم خان طیش و اشتعال سے چیخے۔

آج سے ہم تم ہمارا لیے صرف حیدر ہے خان نہیں رہا۔

اگر تم خان ہوتا تو زرمش کو واپس ہر حال میں لاتا۔ یا پھر تمھارا لاش واپس آتا۔ حاکم خان خون اتری آنکھوں کے ساتھ غرائے۔۔

حیدر خان گہرے سانس لیتے ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

تمھارا نظر ہمارا سامنے اٹھنا نہیں چاہیے۔۔ ہم کو اسلام سکھا رہا تھا اب بتاؤ کون گیا اسلام کا خلاف۔۔ اس کو اس کا عدت میں باہر نکالا۔۔ کہاں ہے وہ؟! سوچو تم ہم اس گرم حویلی میں کھڑا ہے۔ وہ کہاں ہو گا کس سڑک پر ہو گا یا پھر سوات سے باہر ہو گا یا پھر ہمارا بیٹے کو کوئی درندہ نوچ رہا ہو گا۔

بابا جان!! حیدر خان گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا۔

مت بلاؤ ہم کو بابا جان!! تلاش کرو ہمارا بیٹی کو حاکم خان اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں دھاڑے۔

کچھ نہیں ہوا ہو گا میری بہن کے ساتھ۔۔ اگر کسی نے غلطی سے بھی اس کی طرف دیکھا آنکھیں نوچ لوں گا۔ موت سے بدتر سزا دوں گا۔۔ حیدر خان اپنے بال نوچتے پاگلوں کی طرح چیخا۔

اگر ہمارا بیٹی کے ساتھ کچھ ہوا۔ اسے حویلی واپس نہ لانا اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دینا۔ ہم دنیا والوں کو کہہ دے گا اس نے اپنا شوہر کا غم میں خود آگ لگا ڈالا۔۔ اس کا جنازہ کے لیے ہم کسی لاش کا بندوبست کر کا جلا ڈالے گا۔ اس کا خوکشی والا بے عزتی ہم برداشت کر لے گا مگر اس کا عزت لٹنے والا غم ہم برداشت نہیں کر سکے گا۔

حاکم خان قہر آلود نظریں حیدر خان پر ڈالے سنجیدگی سے اپنی بات کہتے چلے گئے تھے۔۔

فرشتے منہ پر ہاتھ رکھے اپنے قدم پیچھے بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ حاکم خان اتنا پتھر دل اتنا دہشت ناک تھا یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔

آہہ۔۔۔ حیدر حاکم خان نے طیش والم سے ہذیانی چیختے ہوے دیوار پر مکہ مارا۔ پھر وہ چیختے ہوے اپنا ہاتھ مارتا چلا گیا تھا۔ اس کی دردناک چیخیں حویلی میں گونج رہی تھیں۔

اس کے ہاتھ سے خون ٹپکتا سفید چمکتے ماربل کو داغدار کر رہا تھا۔

فرشتے اور رقیہ خانم کی ہمت نہیں ہو رہی تھی وہ حیدر خان کے قریب بھی جائیں۔ فرشتے رو رقیہ خانم آنسو بہاتے حیدر حاکم خان کو دیکھ رہی تھیں۔ جو اب اپنی پیشانی دیوار کے ساتھ لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا

اب یہ کیا بات ہوا؟! تمھیں بچہ کا خواہش نہیں تو بچہ نہیں ہو گا۔ بچہ تمھارا مرضی سے نہیں بلکہ خدا کے بعد ارحام کا مرضی سے ہو گا۔ کیونکہ ہم خان لوگ فیملی پلاننگ پر یقین نہیں رکھتا۔۔ ہم خان لوگ ہر سال ایک بچہ ہونا اعزاز سمجھتا ہے۔ روزینہ خانم نے حور کو دیکھتے طنزیہ لہجے میں کہا

اچھا اگر ایسی بات ہے تو بہارے کے بعد تو پھر لاین لگ جانی چاہیے تھی۔ آپ نے تو فیملی پلاننگ پر خوب عمل درمد کیا ہے۔۔ حور کی بات پر سب کے چہرے سرخ ہوے تھے۔ منہ تحیر سے کھلے تھے۔ حور ایسی بات

کرے گی سب کو اندازہ نہ تھا۔ اسفند کو اب صیح معنوں میں کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

ارحام خانزادہ کی رنگت سرخ ہوئی تھی اپنی بیوی کے لبوں سے سب کاے سامنے یہ بے باک اور چیپ بات برداشت نہیں ہوئی تھی۔ حور سب کا رد عمل دیکھے بغیر بہرام کے گال پر کسز کر رہی تھی۔۔

روزینہ خانم کی رنگت بھی شدید سرخ ہو چکی تھی۔

لاونج میں داخل ہوتے حور کی بات درخشاں کی ہنسی پورے لاونج میں گونجی ۔سب کی سرد نگاہوں کا رخ درخشاں کی طرف ہوا تھا۔ جو منہ پر چادر رکھے اپنی ہنسی ظبط کرنے کے چکر میں سرخ ہو رہی تھی۔ اسفندیار خان اور ارحام کی سرد نگاہوں پر بھی وہ اپنی ہنسی کنٹرول نہیں کر پا ہی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا ارحام کے گھورنے پر بھی اس کی ہنسی کو بریک نہیں لگ رہا تھا حور ایسا جواب

بھی دے سکتی ہے وہ بے یقین تھی۔۔روزینہ خانم کا سرخ چہرہ اسے مزا دے گیا تھا۔

لالا!!ہم ہنس نہیں رہا۔ہنسی خود آرہا ہے۔ہم نے یہ بات سوچا ہی نہیں کبھی کہ بہارے باجی کے بعد لائن کیوں نہیں لگا آخر؟؟ارحام کے گھورنے پر درخشاں نے بوکھلاتے ہوئے جواب دیا۔۔جو مزید جلتی پر تیل کا کام کر گیا تھا۔

جاؤ یہاں سے آیندہ میں تمھاری شکل یہاں لاونج میں نہ دیکھوں۔اسفند یار خان نے درخشاں کو گھورتے دانت پیسے۔

لیکن لالا!!ہم تو صرف یہ بات سوچ رہا تھا۔درخشاں روہانسے ہوتے منمنائی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے زاران ڈانٹ چکا تھا۔اب اسفند یار خان ڈانٹ رہا تھا۔ارحام کی سرد سرخ نگاہوں کا رخ بھی اس کی طرف تھا۔ارحام کے

خوف سے تو وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ زاران اسفند کی گھوریاں ڈانٹ برداشت ہو سکتی تھی۔ مگر ارحام خانزادہ کے غصے سے تو اس کی جان جاتی تھی۔

جاؤ یہاں سے درخشاں!! ارحام خانزادہ کی سرد بھاری آواز پر وہ تیزی سے تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔۔ ارحام کی سرد بھاری آواز پر سب دم سادھ گئے تھے۔

ارحام کی سرد سرخ نگاہیں اب حور پر گڑھی تھیں۔

جو بنا کسی کی پرواہ کیے بہرام کے گال پر چٹا چٹا بوسے دیے جا رہی تھی۔

میری جان!! میری زندگی میرا بہرام!! بہرام صرف میرا بیٹا ہے۔ صرف میرا بیٹا ہے ناں!! مائی کیوٹو بہرام!! حور نے اس کے سرخ پھولے ہوے

گالوں پر لب رکھے۔ وہ حور کی باتوں اور اس کے بوسوں پر اس کی طرف دیکھتے کھکھلانے لگا تھا۔

اوہ۔۔۔۔ میرا پارا بہرام۔۔ مجھے بڑے ہو کر کیا بلاؤ گے۔ حور بلاؤ گے یا جان!! بہرام حور کے لبوں کو ہلتا دیکھتے اور اس کی آواز کھکھلایا۔ بہرام خان سے سارا دن کوئی بات کرتا رہے وہ دودھ کے بغیر بھی گزارا کر لیتا تھا۔ اب بھی جیسے حور کے لب حرکت کرتے رکتے اسے آواز آنا بند ہوتی وہ بری طرح پاؤں مارتے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگ جاتا۔

حور بھی اس کی کھکھلاہٹ پر بے حد اونچی آواز میں ہنسی تھی۔۔

سب حیرانگی سے حور کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بچپنا دکھا رہی تھی یا کچھ اور ۔۔۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بہرام سے بات کرتے اس کی آواز بھی کافی اونچی تھی۔۔ جیسے وہ خاص طور پر کسی کو سنا رہی ہو۔

جان والی بات پر ارحام تو جیسے جلتے توے پر بیٹھا تھا۔ وہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ جتنی کسر زوہ بہرام کو کر چکی تھی۔ کبھی اس نے غلطی سے بھی اسے چوما نہیں تھا نہ قربت میں نہ ویسے۔۔

ارحام خانزادہ نے پہلو بدلتے اپنی گردن رب کی۔ وہ اکتیس سال کا میچور انسان کبھی کچھ ماہ کے بچے سے بھی حسد کا شکار ہو جائے گا۔ وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ مگر وہ ہو رہا تھا اچھا خاصہ ہو رہا تھا۔ کہاں گوارا تھی مقابل کی توجہ کہیں اور۔۔ پریذے بھی اب حور کو بہت غور سے کافی سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ جو کب سے بہرام کو پیار کر رہی تھی۔

میرا بہرام بڑا ہو کر مجھے بڑی ماما بولے گا یا جان ماما بولے گا یا صرف جان حور بولے گا۔۔

پریذے اب آنسوؤں بھری نگاہوں سے حور کو دیکھ رہی تھی۔ حور کی گود میں بہرام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ بہرام اس کی ماما کو ماما بولے گا۔ پریذے پریشان ہوئی۔۔

Bahary phohou is behraam,s mama.A baby doesn,t have two mama۔ right papa??

پریذے نے ارحام کی طرف دیکھتے معصومیت سے سوال کیا۔ پریذے کے لہجے میں حسد محسوس کرتے ارحام خانزادہ نے شعلہ بار نگاہیں حور پر گاڑھیں۔ جو پتہ نہیں کرنا کیا چاہ رہی تھی؟؟ پریذے کا بہرام سے حسد کرنا ارحام خانزادہ کو بہت کھلا تھا۔ ان سب بچوں نے ایک جگہ پر رہنا تھا۔ کل تک

پریذے بہرام کو بھائی کہتی تھی آج اس کے لہجے میں بہرام کے لیے صرف جلن تھی۔

ایک بے بی کی ایک ہی ماما ہوتی ہے۔ بہارے پھوپھو ہی بہرام کی ماما ہے۔ ارحام خانزادہ نے اپنی خوبصورت بیوی پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھتے جواب دیا۔

پریذے کے لہجے میں جلن وہاں بیٹھے سب افراد محسوس کر رہے تھے۔۔ مگر وہ ہی محسوس نہیں کر پا رہی تھی یا کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

ہوتا ہے ناں دو دو ماما بھی ہوتا ہے۔ جیسے گل بھی تمھارا ماما ہے اور حور بھی تمھارا ماما ہے۔ روزینہ خانم نے کچھ دیر پہلے والا حور پر اپنا غصہ اتارتے زہر اگلا۔

روزینہ خانم کی بات پر حور کے ہاتھوں میں لرزاہٹ ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے وہ خود پر قابو پائے بہرام کو سینے سے لپٹا گئی۔۔

لاونج کا ماحول اچھا خاصہ سرد ہو چکا تھا۔ روزینہ خانم کی بات پر امینہ خانم تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ اسفند پریشانی سے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا ۔اپنی مورے کی بات اسے بلکل پسند نہیں آئی تھی۔ ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی بتا رہی تھی اسے وہ بمشکل ہی خود پر ظبط کر رہا ہے۔ اسفند ارحام خانزادہ کا چہرے پر ظبط کی لالی دیکھ کر پریشان ہوا

اسفند نے اپنے سامنے بیٹھی عابیر کو مسکراتے ہوے دیکھا جو اس ساری سچویشن میں پریشان سی بیٹھی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا اس کا سرخ گلاب پریشان ہو اور اس کے بچے پر اثر ہو۔ اسے اب صرف عابیر کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنی تھی۔

لیکن وہ تو مورے ہیں میری اور حور ماما صرف میری ماما ہیں۔ پریذے نے بہرام کو گھورتے "صرف میری ماما" پر خاص طور پر زور دیا۔

میرا بہرام میری جان!! میرا بچہ!! صرف میرا بیٹا ہے۔ حور نے بہرام کو سینے سے لپٹائے پھر سے پیار کیا

ارحام خانزادہ اب طیش و اشتعال سے مٹھیاں دبوچ گیا۔ وہ تو پریذے کی حالت سچ میں اگنور کیے ہوے تھی

وہاں بیٹھا ہر فرد پریذے کے لہجے میں جلن اور آنسوؤں کی امیزش محسوس کر چکا تھا۔ مگر وہ پریذے کی حالت سے لاپرواہ بنی ابھی بھی بہرام کو سینے سے لپٹائے ہوے پھی۔

وہ جان بوجھ کر کر پریذے کو جلا رہی تھی ارحام خانزاڈہ سمجھ گیا تھا۔

بھابھی!! بہرام مجھے دے دیں۔ اسے بھوک لگی ہے۔ بہارے نے پریذے کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دیکھ کر سچویشن سمجھتے بہرام کو حور سے لینا چاہا۔

اگر بہرام تھوڑی دیر بھوکا رہ جائے گا تو کیا ہو جائے گا ویسے بھی میرا بہرام اپنی بڑی ماما کے پاس بہت خوش ہے۔ دیکھو کتنا ہنس رہا ہے؟؟۔ آج سے یہ میرا بیٹا ہے۔ حور نے مسکراتے ہوئے بہرام کی پیشانی پر لب رکھے۔

You r not good mama you r a big liar!!

پریذے صوفے سے اٹھتے ہوئے روتے ہوئے چیخی۔

سب نے پریشانی سے پریذے کو دیکھا۔ حور نے بہرام کو سینے سے لپٹائے پریذے کو بے یقینی سے دیکھا جو چلا رہی تھی۔ ورنہ وہ ارحام کے سامنے کبھی ایسے چیختی نہیں تھی۔ نہ آگے پیچھے ایسے باتیں کرتی تھی۔

Preezy behave your self!!

ارحام خانزادہ اسے سختی سے ڈپٹا۔ اپنا لہجہ حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی مگر وہ کر نہیں سکا تھا۔ پریذے کا ایسے حور سے بات کرنا اسے بلکل پسند نہیں آیا

پاپا ماما نے مجھ سے کہا تھا میں ان کی بیٹی ہوں۔ یہ صرف میری ماما ہیں۔۔ اب ماما کہہ رہی وہ بہرام کی ماما ہیں۔۔ پریذے نے روتے ہوے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

حور بہرام کو بہارے کو پکڑاتے تڑپتے ہوے جلدی سے پریذے کی طرف بڑھی۔ارحام صوفے سے اٹھتے حور کو سرد تنبیحی نگاہوں سے دیکھتے پریذے کی طرف بڑھنے سے روک چکا تھا۔ارحام کی سرد تنبیحی نگاہ پر وہ اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی رک چکی تھی۔۔

وہ کل سے اسے دوسری بار اس کی بیٹی کے قریب جانے سے روک چکا تھا ۔وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟؟حور کو اب اپنی سانسیں رکتے محسوس ہوئیں تھیں ۔پریذے اس کی بیٹی تھی وہ اس سے کہہ چکا تھا اب ارحام کیوں ایسے کر رہا تھا آخر؟؟

پریذے ماما آپ کی ماما ہیں۔مگر بہرام بھی آپ کا

brother

ہے۔۔ارحام نے نرم لہجے میں اسے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی

۔

بہرام میرا

brother

ہے۔مگر میری ماما اس کی ماما نہیں ہے۔پریذے روتے ہوے دبی آواز میں

چیخی۔

پذیذے میں آپ کی ہی ماما ہوں۔بہرام تو چھوٹا سا بے بی ہے جیسے آپ کو

اس پر پیار آتا ہے۔ویسے ہی مجھے بھی اس پر پیار آگیا۔۔حور نے بھیگے لہجے

میں تڑپتے ہوے وضاحت دی۔وہ تو صرف پریذے کو جلانا چاہتی تھی تاکہ

وہ جلن میں اس کے پاس آجائے۔وہ ایسے تڑپ تڑپ کر روئے گی اسے اندازہ نہ تھا۔

مجھے بہرام جیسا اپنا بے بی چاہیے تھا۔ آپ نے کہا تھا آپ مجھے 4 بے بی کریں گی۔پاپا کہتے ہیں آپ بے بی نہیں دے سکتی۔ اب میرے پاس کبھی بے بی بی بھی نہیں ہوں گے۔

آپ نے رات پاپا کے پاس sleep بھی نہیں کیا۔پیار بھی نہیں کیا ایک دوسرے کو!!میرے بے بی اب کبھی نہیں آئیں گے۔ آپ اس لیے بہرام کی ماما بن رہی ہیں۔

Shut up just shup up!!

ارحام کی دھاڑ لاونج میں گونجی تھی۔ پریذے سہمتے ہوے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔اس کے ساتھ حور بھی سہمتے ہوے لبوں پر ہاتھ جما گئی.

لالا کیا ہو گیا ہے بچی ہے پریذے؟؟ اسفند صوفے سے اٹھتا پریذے کو گود میں اٹھاتے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔ وہ ہچکیوں سے روتے ہوے اس کے کندھے پر سر رکھ گئی۔

امینہ خانم بہارے عابیر پریشانی سے صوفے سے اٹھے تھے۔ روزینہ خانم استھزائیہ مسکراتے ہوے صوفے پر ہی بیٹھی تھیں۔

پریذے بچی ہے۔ مگر یہ سب بکواس کس نے اس کے ذہن میں ڈالی؟؟۔ اس لیے میں اپنی بیٹی کو سب کے پاس چھوڑ کر جاتا ہوں۔ ارحام نے امینہ خانم کو ایک نظر دیکھتے ہوے حور پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

حور اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

ارحام بیٹا!!اس سب میں حور کا کوئی قصور نہیں۔بچی ہے ادھر ادھر سے سن لیا ہو گا۔اب بچی کے سامنے اتنا غصہ نہ کرو۔۔ آگے وہ ٹھیک نہیں ہے۔امینہ خانم نے درخشاں کا نام نہیں لیا تھا وہ جانتی تھیں ارحام درخشاں کو حویلی نہیں رہنے دے گا۔اور اس کے مورے کے مرنے کے بعد وہ ان کی ذمہ داری تھی۔درخشاں کا باپ تو روزی رزق کا واسطے دوسرے شہر رہتا تھا ۔۔

ماں کون ہے مورے پریذے کی؟؟ارحام نے حور پر شعلہ بار نگاہیں گاڑھتے ہوے سوال کیا۔

حور نے سسکی لیتے ارحام کی طرف دیکھا وہ شائد گل کا نام لینے لگا تھا۔

جب ماں حور ہے میری بیٹی کی سوال وجواب بھی اس سے ہی کروں گا۔ پریذے کی تربیت کا فرض حور کا ہے۔ اگر حور یہاں نہ ہوتی تو میں آپ سب سے سوال وجواب کرتا۔ مگر اب ہر بات کی ذمہ دار حور ہے کیونکہ پریذے کی ماں حور ہے۔ ارحام خانزادہ نے حور کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے کہا۔ حور اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کرتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔ جب ماں وہ تھی تو پھر وہ کیوں کل سے اسے اس کی بیٹی کے پاس جانے نہیں دے رہا تھا۔

ارحام پریذے بچہ ہے۔۔ امینہ خانم نے ارحام کی سرد سرخ نگاہیں حور پر گڑھی دیکھ کر پھر سے وضاحت دی۔

مورے بچہ اگر بچے جیسی باتیں کرے تب تک بچہ رہتا ہے۔ ایسی باتیں کر کے وہ اپنی معصومیت کھو دیتا ہے۔۔ یہی وقت ہوتا ہے ایک بچے کی تربیت کرنے کا اسے اچھا برا سکھانے کا۔۔ ارحام نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔

اگر تم کو اپنا بیٹی کا تربیت کرنے کا اتنا شوق تھا تو گل کو بھرا جرگے میں طلاق نہ دیتا۔ اس لڑکی کا اس طرح رات کا اندھیرے میں مدد نہ کرتا۔ جن بچوں کا اصل ماں ان کا ساتھ نہ رہے۔ ان کا تربیت ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس لڑکی نے بھرے جرگے میں تم پر خود کے ساتھ رات گزارنے کا الزام لگا کر تمھارا ہنستا بستا گھر برباد کر دیا۔ ایسا لڑکی کیا تربیت کرے گا تمھارا بیٹی کا؟؟

ویسے بھی سلطان شاہ کا اکلوتا بلا کا خوبصوت کم عمر بیٹی سے تم آخر کیا امید کر سکتا ہے؟؟۔ اپنا اتنا پیار کرنے والا باپ کو چھوڑ آیا تھا۔ تمھیں بھی جلد چھوڑ دے۔۔۔۔۔۔۔۔

مورے۔۔۔اسفند روزینہ خانم کی بات کاٹتے گرج اٹھا تھا۔وہ مزید خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔

پریذے روتے ہوے اسفند کے ساتھ لپٹی۔۔اسفندیار خان روزینہ خانم کو گھورتے ہوے پریذے کے سر کو چومتے ہوے اپنے ساتھ نرمی سے لپٹا گیا تھا۔

روزینہ خانم گہرا سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ خاموش ہوئی تھیں۔

حور اسی لمحے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے تیز تیز قدموں سے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔جو آج کل اس کا مسکن تھا۔

بہارے روزینہ خانم پر تاسف بھری نگاہ ڈالتے گہرا سانس لیتے بہرام کو سینے میں بھینچ گئی جو اسفند کے گرجنے پر رونے لگا تھا۔

ارحام خون اتری آنکھوں سے روزینہ خانم کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بھاری قدموں سے روزینہ خانم کی طرف بڑھا۔

لالا۔۔۔ مورے ہیں میری!! آپ کا احترام اپنی جگہ مگر اپنی مورے کے احترام میں کمی برداشت نہیں کروں گا۔ جو کہنا ہے مجھے کہہ لیں۔ مارنا ہے مار لیں مجھے!!۔ اف نہیں کروں گا۔ مگر مورے کو کچھ نہیں کہیں گے

آپ۔ اسفندیار خان سنجیدگی سے ارحام کے مقابل آیا۔ پریذے ابھی تک اس کے کندھے سے لپٹی تھی

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اسفند کو دیکھتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

اگر یہ تمھاری ماں ہیں۔ وہ بیوی ہے میری!! میری عزت میری عورت!! ارحام سینے پر ہاتھ مارتے طیش والم سے سرخ چہرے کے ساتھ دھاڑا۔ پریذے سہم کر آنکھیں میچ گئی تھی۔ بہارے بہرام کو اپنے سینے میں بھینچتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی وہ بھی سہمتے ہوے اب گلہ پھاڑ کر رونے لگا تھا۔

کسی کو حق نہیں اسے کچھ بھی کہے اسے طعنہ مارے۔ اس نے جو کیا میرے ساتھ کیا۔۔ بہت پہلے یہ سب پر واضح کر چکا ہوں۔ نکاح کے اگلے دن تمھاری مورے کو سمجھا چکا تھا میری بیوی کو کوئی سرد نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ ہمت کیسے ہوئی اسے یہ سب کہنے کی؟؟ اس کا موازنہ گل سے کرنے کی۔ گل بیوی تھی پریذے ک ماں تھی۔ مگر آج پریذے کی ماں اور میری بیوی حور خانزادہ ہے۔

ارحام کی شیر سی دھاڑ حویلی کے درود دیوار سے ٹکرا رہی تھی اسفند ارحام خانزادہ کا سرخ چہرہ دیکھ کر لب بھینچ گیا۔

ارحام خانزادہ بھاری قدموں سے چلتے روزینہ خانم کے مقابل آیا۔

آیندہ آپ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔ گل کا ایک طعنہ نہیں ماریں گی۔۔ اگر کچھ بھی کہا تو صرف اتنا سوچ لیجیے گا یہ حویلی میرے نام ہے۔۔ یہ حویلی نہیں رہے گی۔ نہ ہم سب یہاں اکٹھے رہ سکیں گے۔ اپنی بیوی بیٹی کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ ارحام روزینہ خانم کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔ روزینہ خانم خاموشی سے ارحام کے بے انتہا سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہی تھی

جانتا ہوں آپ کو ذرا فرق نہیں پڑے گا ہمارے یہاں سے جانے کا۔ مگر حویلی نہ رہنے سے بہت فرق پڑے گا۔ ارحام خانزادہ روزینہ خانم کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے سرد تنبیہی انداز میں دھمکی دیتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

اسفندیار خان روزینہ خانم پر تاسف شکوہ نگاہ ڈالتے پریذے کے ہچکولے بھرتے وجود کو خود کے ساتھ لپٹائے سڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا

عابیر اسفند کے پیچھے بڑھی۔۔نیچے رہو اوپر آنے کی ضرورت نہیں۔اسفند اس کی طبعیت کے پیش نظر اس سے نرم لہجے میں کہتے تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ارحام پریذے کو کیسے ڈانٹ سکتا ہے اسفند کو ارحام پر شڈید غصہ آرہا تھا۔کوئی اپنی بیٹی کو ڈانٹ سکتا ہے وہ حیران تھا۔پریذے کی ہچکیاں اسفندیار خان کو بے حد پریشان کر چکی تھیں۔۔۔

پریذے چاچو کی جان!!ٹھیک ہوناں۔۔اسفند نے کمرے میں داخل ہوتے اس سے پریشانی سے پوچھا۔

جی چاچو۔۔وہ روتے ہوے اس کے ساتھ لپٹی۔

گڈ میری خوبصورت بیٹی۔۔اسفند نرمی سے اس کے بالوں پر لب رکھتے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر بٹھاتے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔اس نے دو گھونٹ لیتے پیچھے کیا۔

چاکیلیٹ کھاؤ گی۔اسفند نے اس کی پیشانی پر کس کرتے پوچھا۔

کھاؤں گی۔پریذے نے روتے ہوے معصومیت سے کہا۔

اسفند یار خان کا قہقہ بلند ہوا۔۔پتہ ہے آپ بلکل اپنی پھوپھو عابیر جیسی ہو۔۔جلدی مان جاتی ہو زیادہ تنگ نہیں کرتی۔ورنہ چاچو تو سمجھیں تھے

پریذے اتنے آنسو بہائے گی کمرے میں دریا بہنے لگے گا۔ اور پھر پریذے اور چاچو اس دریا میں سومنگ کریں گے۔۔ اسفندیار خان نے شرارتی لہجے میں کہتے اس کے پیٹ میں گدگدی کی ۔۔ پریذے کی معصوم کھکھلاہٹیں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اسفند اس پر جھکتے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا۔

حور سیاہ شال اچھی طرح خود پر لپیٹتے ہوے ارحام کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ اس وقت بلیک کلر کی سلک کی فل گاؤن نایٹی میں ملبوس تھی۔ جس پر سیاہ ہی خوبصورت سی نفیس چھوٹی سی گرم شال خود پر لپیٹے ہوے تھی۔ براؤن سلکی لمبے بال کمر پر بکھرے ہوے تھے۔ جو تھوڑی دیر پہلے اس نے قینچی سے تقریباً دو انچ اپنے بال کاٹے تھے۔۔ ارحام خانزادہ

اس کے بالوں کو لے کر کتنا حساس تھا وہ جانتی تھی۔ اس لیے خاص طور پر اس نے یہ بال کاٹے تھے۔ پچھلے کتنے گھنٹوں سے وہ پریذے کے کمرے میں بند رو رہی تھی۔ نہ پریذے نہ ارحام اس کے پیچھے آیا تھا۔

لاونج میں اسفندیار خان نے اپنی مورے پر گرج سکتا تھا ارحام خانزادہ نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

وہ کیوں گل کے لیے کچھ کہے گا؟ اس کی پہلی محبت جو رہ چکی ہے اور ٹھیک تو کہہ رہی تھی روزینہ خانم میں اس سب کی ذمہ دار ہوں۔ میں نے ہی تو پریذے سے اس کی ماں جدا کی۔ اس انسان سے اس کی محبت جدا کی۔ میں جب تک اس کی زندگی میں نہیں تھی وہ خوش تھا۔ ایک اور بچے کا باپ بننے والا تھا۔۔ میں اس رات یہ سب نہ کرتی پریذے کے پاس اس کا بھائی

بھی ہوتا۔م شائد۔حور ارحام کے کمرے کے لاک پر ہاتھ جماتے شدت سے رو دی تھی۔

اگر وہ آج گل کو اپنی زندگی میں دوبارہ لے آتا ہے تو غلط تو نہیں ہو گا۔پریذے کو اس کی ماں مل سکتی ہے جو اس کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔اور مسٹر سرخ آنکھوں والے خان کی رومانس کی کمی پوری ہو جائے گی۔وہ کہاں اسے دن رات برداشت کر سکتی ہے۔گل تو کر ہی لے گی اور جو کرتی بھی تھی۔

حور نے تلخی سے سوچتے ہوے بہت بے دردی سے اپنے عارض سے بہتے آنسو دونوں ہتھلیوں سے رگڑے۔

!!پانچ سال گل نے میری قربت اس بیڈ پر سہی ہے۔ایک بیوی ہونے کے حقوق بہت اچھے طریقے سے نبھائے ہیں۔ تمھارا کچھ گھنٹوں میں ہی میری قربت میں برا حال ہو گیا!!

اس ستم گر کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ شدت گریہ سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

!!بند کرو یہ سسکیاں یہ ساونڈ میری سماعتوں میں گراں گزرتا ہے۔ مدہوشی نہیں طاری نہیں کرتا۔ گل کی سسکیاں اس کے بدن کی خوشبو اس کے ہونٹوں کا بھیگا لمس مجھے بھولتا نہیں۔ جو مجھے پاگل کر دیتا تھا۔

i hate your fragnance!!

وہ اس کے لفظ یاد کرتے بند دروازے کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔ اس طرح کے کئی الفاظ وہ شروع شروع میں کہتا تھا۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ اس نے گل کا نام لینا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اسے اپنی پناہوں میں لیتے ہی جنونی ہو جاتا تھا۔ صرف اسے اپنی قربت میں رکھتے شدتیں ڈھاتا تھا اور کچھ کہتا ہی نہیں تھا۔ نہ سرد لفظ نہ گرم لفظ مگر ہاں اس کی نرم گرم شدتوں میں آضافہ ہوتا رہتا تھا۔

مگر اس کے لفظ وہ آج بھی نہیں بھولی تھی۔۔

وہ گل سے چھپ کر مل رہا تھا یہ الفاظ زیادہ شدت سے یاد آنے لگے تھے۔

مگر اپنی بیٹی کو وہ گل کے پاس کیسے برداشت کر سکے گی؟؟۔ وہ جانتی تھی یہ بات بہت عجیب تھی پریذے کی ماں گل ہے۔ اسے یہ سب کیوں آخر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ مگر وہ اپنی بیٹی پر اس کا سایہ برداشت نہیں کر پا رہی

تھی۔۔ اللہ نے پریذے کے لیے اس کے دل میں ایسی محبت ڈال دی تھی وہ اسے لے کر جنونی ہو رہی تھی۔ نہ صرف اسے بلکہ اپنے ارحام کے قریب بھی کسی عورت کا سایہ برداشت نہ تھا۔

مگر پریذے کے لیے اسے شائد گل کو برداشت کرنا ہی تھا اگر پریرے اپنی ماں گل کے پاس جانا چاہتی ہے تو کیا وہ اسے روکنے کا حق رکھتی تھی۔ اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے اسے شاید گل کو برداشت کرنا ہی تھا۔۔

حور نے اپنے آنسو عارض سے ہتھیلی سے رگڑتے پھر سے کمرے کے لاک پر ہاتھ جمایا. کل سے وہ پریذے کے کمرے میں ساحر کے غم سے اکیلی ہی لڑ رہی تھی۔ پریذے اور ارحام کی بے اعتنائی جیسے اسے نیم جاں کر رہی تھی۔۔ ارحام جتنا مرضی روکے اسے اپنی بیٹی سے ملنا ہی تھا۔ گل اگر پریذے کی مورے تھی اس کی سگی ماں تھی تو وہ اس کی ماما تھی۔ حور خانزادہ

تھی وہ اس حیثیت سے اسے روک نہیں سکتا تھا۔ ویسے بھی باہر اس سے پریذے کے متعلق سوال وجواب کر رہا تھا کہ وہ اس کی ماں ہے تو پھر وہ کیسے اس سے ملنے سے روک سکتا ہے؟؟ وہ کمرے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے تذبذب کا شکار تھی۔۔ اس بلا کے مغرور زندہ وجودوں کو الٹ پلٹ کرنے والے سے آخر کیسے وہ مقابلہ کر سکتی تھی جو اپنی ایک نظر سے اس کی جان نکال کر رکھ دیتا تھا۔

لیکن پھر بھی اگر وہ روکے گا تو وہ بھی اس مسٹر خان کا گریبان پکڑ کے سوال وجواب کرے گی جو تین دنوں سے اس پر کھولتا پانی انڈیلے ہوئے تھے۔

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ پریذے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی سکیچ بک پر کلرنگ کر رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کمرے میں کہیں نہیں تھا

۔

حور آہستگی سے چلتے ہوے پریذے کے قریب آکر بیٹھی ۔ حور کے پاس بیٹھنے پر پریذے نے کوئی رد عمل نہیں دیا تھا۔ وہ ویسے ہی سنجیدگی سے سکیچ میں کلرنگ کر رہی تھی۔ حور نے گہرا سانس لیتے پریذے کا نروٹھا چہرہ دیکھا

۔

حور نے سکیچ بک میں دیکھا جہاں ایک کپل ہاتھ پکڑ کر کھڑا تھا۔ اور ساتھ میں ایک چھوٹی سی بچی کا سکیچ تھا۔

وہ سارا دن ایسے ہی سکیچ بک پر کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھی۔۔

یہ کون ہیں مورے ہیں ؟!۔ حور نے سکیچ بک پر فنگر رکھتے پوچھا۔

یہ ماما ہیں ؟؟ پریذے کی نروٹھی آواز پر حور کی آنکھیں بھیگیں۔

ماما ہیں یہ ؟؟ حور نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے ہوئے استفسار کیا۔

۔پریذے نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ یونہی جھکے کلر کرنے لگی۔

مورے کیوں نہیں بنائی ؟؟ حور نے اس بار بھیگے لہجے میں پوچھا۔ورنہ وہ ہمیشہ ساتھ گل کا سکیچ ساتھ ضرور بناتی تھی۔

I love my mama more than morey and i realized only mama is looks beautiful with my papa

پریذے نے کلر کرتے ہوئے نروٹھے لہجے میں جواب دیا۔

حور کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔

آپ مجھ سے ناراض ہو پریذے ؟؟ حور نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

میں آپ سے بہت ناراض ہوں ماما!! آپ بہرام کی ماما بن رہی تھی۔ آپ جانتی ہیں بہرام کے پاس اس کی ماما ہیں بٹ پریذے کے پاس اونلی ون ماما ہیں۔ اگر آپ بہرام کی ماما بن جائیں گی تو پریذے کی ماما کون ہو گا ؟؟ پریذے نے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھتے ہوے روتے ہوے شکوہ کیا۔

آپ کے پاس مورے بھی تو ہیں۔ حور نے ہچکی لی تھی۔

But i want only mama i cant share my mama with anyone

پریذے نروٹھے انداز میں بولتے اوندھے منہ لیٹے اب پھر سے ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

آئی ایم سوری پریذے جان!!میں آیندہ بہرام کو پیار نہیں کروں گی۔ حور نے اس کے رونے پر تڑپتے ہوے اس کے بالوں پر لب رکھے۔ پریذے کے رونے میں آضافہ ہوا تھا

پریذے جان سوری!!ماما بھی صرف اپنی پریذے سے پیار کرتی ہیں۔ صرف پریذے جان کی ماما ہیں۔ حور نے اسے کندھوں سے جکڑے اٹھایا۔

آپ سچ کہہ رہی ہیں ماما۔ آپ بہرام کو نیکسٹ پیار نہیں کریں گی۔ آپ صرف میری ماما ہیں۔ پرامس کریں آپ صرف میری مامار ہیں گی۔ بہرام کی ماما نہیں بنے گی۔ پریذے حور کے ساتھ لپٹتے ضدی انداز میں روتے ہوے بولی۔

اوکے پریذے جان!! آپ بھی وعدہ کرو پھر ایک مجھ سے

حور نے اسے خود سے الگ کرتے اس کے بال سنوارے تھے۔

کیا ماما؟؟ پذیذے نے معصومیت سے پوچھا۔

آپ کبھی مجھے اگنور نہیں کریں گی۔ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گی۔ چاہے پاپا بھی آپ کو میرے پاس آنے سے منع کریں۔ آپ ان کی بات نہیں سنیں گی۔

واش روم سے نکلتے ہوا ارحام خان حور کے لفظ سنتا لب بھینچ گیا تھا۔

لیکن پاپا کی ہر بات مانتے ہیں۔ پریذے نے معصومیت سے کہا۔

پاپا کی ہر بات مانتے ہیں۔ مگر ماما کی بھی ہر بات مانتے ہیں۔۔ پاپا کی اس طرح کی فضول باتیں تھوڑی مانتے ہیں۔ اور اگر وہ آپ کو اپنی سرخ

eyes

سے گھور کر دیکھیں تو آپ مجھے بتانا میں ان کو خوب ڈانٹوں گی میری پریذے کو کیوں ایسے گھور کر دیکھا۔

ماما آپ تو خود پاپا سے ڈرتی ہیں۔ ان کے ذرا سے شاوٹ پر آپ پریذے کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہیں۔ حور کی بات پر پریذے منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگی تھی۔

ایسی بات بھی نہیں ہے پریذے جان!! اور آپ ہنس کیوں رہی ہیں۔ حور نے پریذے کو نروٹھے انداز میں دیکھتے منہ بنایا تھا۔ اس جن سے انسان اب ڈر ہی سکتا تھا۔ ڈرا تھوڑی سکتا تھا۔ حور نے نچلا لب دانتوں تلے دبائے سوچا۔

ارحام اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھا۔ وہ اس وقت بلیک ٹراوزر پر بلیک ہاف ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔

ارحام کو دیکھتے حور اور پریذے خاموش ہوئی تھیں۔

ویسے پریذے آپ نے جوک آف دا ائیر سنایا ہے کہ ماما پاپا سے ڈرتی ہیں۔ وہ پاپا سے ڈرتی نہیں بلکہ ڈرنے کا ایکٹ کرتی ہیں۔ ارحام خانزادہ مرر میں دیکھتے اپنے بالوں کو تولیے سے رگڑتے طنزیہ لہجے میں گویا ہوا۔۔

پریذے آپ کے پاپا کی آنکھوں سے تو مونسٹر بھی خوف کھا جائے تو ماما کیا چیز ہے۔۔ ایک عام انسان کی آنکھوں کا کلر بلیک براؤن بلو گرین ہوتا ہے مگر آپ کی پاپا کی آنکھوں کا کلر سرخ ہے۔ حور نے بھی جواباً طنزاً کاروائی کی

۔

حور کی بات پر ارحام کے سینے میں بھابھڑ سے جلے تھے۔ گرین رنگ سے وہ کسے تشابہ دے رہی تھی وہ تو ایک ہی تھا۔

!!وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ جو تم پر مرتا تھا حور!وہ مر گیا حور!وہ تم پر جان چھڑکنے والا مر گیا حور!!

ارحام خانزادہ نے حور پر اشتعال زدہ سرخ آنکھیں گاڑھتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔

پریذے اب پریشانی سے ارحام حور کو دیکھ رہی تھی۔ جن کے چہرے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گئے تھے۔

کیا سکھا رہی ہو میری بیٹی کو تم کہ تم کبھی بہرام کے پاس نہیں جاؤ گی. اس سے پیار نہیں کرو گی؟؟ آج یہ تم کہہ رہی ہو کل یہ کہے گی کہ وہ اس کا بھائی بھی نہیں ہے۔ بھولو مت انہوں نے ایک جگہ پر رہنا ہے۔ بچوں کے دلوں میں نفرت ہو مجھے بلکل پسند نہیں ہے۔ ارحام خانزادہ نے حور پر نظریں گاڑھے لفظ جتائے تھے۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کہا پریذے مجھے لے کر پوزیسیو ہے صرف اس لیے ایسا کہا۔ حور نے اس کے لہجے کی سختی محسوس کرتے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔ مقابل کے لہجے کی سختی اب برداشت نہیں ہوتی تھی۔۔ وہ تو بہت نرم ہو چکا تھا بات بات پر تو معافی مانگتا تھا۔ جب سے گل کے پاس سے ہو کر آیا تھا بدل گیا تھا۔ وہ سب کچھ شاید گل سے مل رہا تھا جو کبھی اس سے لینے کا خواہمشمند تھا۔ سارا زور اندر کی آگ شاید گل ختم کر چکی تھی۔

پوزیسو ہے پریذے تبھی تم اسے جلا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے غصے سے اس کے خوبصورت چہرے کو سلگتی تڑپتی نگاہوں سے گھورا۔

یہ چہرہ تو یہ خوبصورت بدن اس کی جان کا آزار تھے۔۔ کیسے وہ اس کے بغیر رہ رہا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ کیسے یہ دو راتیں عذاب راتیں کاٹی تھیں؟! مقابل کو اس کی تڑپ کا احساس ہی نہ تھا وہ تو اس کے لیے قطرہ قطرہ مر رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے غصے سے پوری قوت سے ہاتھ میں پکڑا ٹاول اچھالا۔ ٹاول بیڈ پر حور کہ پاس آ کہ گرا تھا۔ حور کا بدن ہلکا سا لرزا تھا

میں جلا رہی تھی نہ مجھے ضرورت ہے یہ سب کرنے کی۔ بیٹی ہے میری پریذے۔۔ وہ مجھ سے شدید محبت کرتی ہے جس سے محبت کی جائے انسان اس کے لیے ضرورت سے زیادہ پوزیسو ہو جاتا ہے۔ حور نے پریذے کو دیکھتے ارحام کو سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

میری بیٹی کسی کے لیے پوزیسو نہیں ہو سکتی اور تمھارے لیے تو بلکل نہیں۔ اس لے اپنا یہ لاجک اپنے پاس رکھو۔ نہ میری بیٹی نہ اس کا باپ کسی کے لیے پوزیسیو ہے۔ اور تمھارے لیے تو بلکل نہیں۔ ارحام خانزادہ اب تمھارے لیے پوزیسیو نہیں رہا سمجھی تم۔ ارحام خانزادہ سرد لہجے میں لفظ

چباتے اپنے دونوں ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل پر مارتے ہوئے اپنی سرد سرخ نگاہیں مرر میں نظر آتے اس کے عکس پر گاڑھے ہوئے تھا۔

اس کا دو آتشہ روپ دیکھتے وہ مزید دہک چکا تھا۔ وہ باہر بہرام کو چوم رہی تھی وہ تو اس سے بھی جلن کھائے بیٹھا تھا۔ اپنی بیوی کے لیے وہ پہلے سے زیادہ پوزیسیو ہو چکا تھا۔

چلیں شکر ہے اب مجھ پر کوئی روک ٹوک تو نہیں ہو گی۔ اب میں حور خانزادہ کی طرح زندگی نہیں بلکہ حور سلطان شاہ کی طرح زندگی گزاروں گی۔ اب یقیناً مجھے اب ان ٹینٹس کو اوڑھنے کی ضروت نہیں رہے گی۔ حور نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے اپنی شال اپنے وجود سے اتارتے ہوئے ارحام کے قدموں میں پھینکی۔ وہ اس کے لیے پوزیسیو نہیں رہا وہ پاگل ہوئی تھی۔ وہ گل کے لیے اب پوزیسیو چکا ہو گا۔ یہ سوچ کر اس کا وجود دہک کر آنار بنا تھا۔

ارحام اپنے قدموں میں اس کی شال دیکھ کر جیسے اسی لمحے بارود کا گولہ بنا ۔ آنکھوں میں لہو اترا تھا۔ وہ کیسے اپنی چادر اس کے قدموں میں پھینک سکتی تھی ؟!۔ چادر اس کے نزدیک عورت کی عزت ہوتی ہے۔ حور کی چادر دوپٹہ اسے زمین پر پڑا نظر آجائے وہ چوم کر اٹھاتا تھا۔ وہ تو اس کے قدموں میں پھینک چکی تھی۔۔

ارحام گہرے سانس لیتے اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھورتے اس کے سلک کی نایٹی میں اس کے دو آتشہ روپ کو گھور رہا تھا

حور بھی گہرے سانس لیتے مقابل کے طسماتی نقوش کو دہکتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اٹھاؤ اس چادر کو۔۔ ارحام خانزادہ سرد حکمیہ لہجے میں غرایا۔

نہیں اٹھاؤں گی اس چارد کو اور اس کمرے سے باہر بھی ایسے ہی جاؤں گی۔ حور سرد لہجے میں کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی ارحام اسے بازو سے جکڑے پوری قوت سے دیوار میں پٹخ گیا۔

اس کی سفاکی پر حور کو اپنی کمر میں شدید درد اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ وہ نم نگاہوں سے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔ پریذے دونوں کو پریشانی سے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

پاپاماما پریذے نے بھیگے لہجے میں دونوں کو پکارا۔

جی بیٹا!! دونوں نے اس کی طرف دیکھتے بیک آواز میں کہا تھا۔

Are both of you fighting again??

نو بیٹا ہم لوگ fight نہیں کر رہے۔ پریذے کے سوال پر دونوں نے بیک وقت ایک ہی جواب دیا تھا۔

پاپا آپ نے ماما کو ہرٹ کیا ہے ؟؟ پریذے نے بھرائی آواز میں ایک اور سوال پوچھا تھا۔

نو بیٹا نہیں تو آپ کے پاپا نے مجھے کبھی ہرٹ نہیں کیا۔ حور مسکراتے ہوے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس سے دور ہوتے اپنے نم ذدہ بالوں میں انگلیاں پھیر گیا۔

اوکے بیٹا گڈ نایٹ !! ماما صبح ملیں گی آپ سے ؟؟ حور کہتے ہوے دروازے کی طرف بڑھی ت

ارحام خانزادہ اسے پھر سے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کرتے اس کے حلیے پر اپنی سرد نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔۔وہ لاونج سے ہوتے پریذے کے کمرے میں جائے گی کسی کی بھی نظر اس پر پڑ سکتی تھی اور وہ کسی کی بھی ایک نظر اس پر نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

بیٹا میں آپ کی ماما سے بات کر لوں۔مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔اوکے!!ارحام خانزادہ زمین سے شال اٹھاتے پریذے کو ایک نظر دیکھتے حور کو کلائی سے جکڑا تھا۔

حور پریذے کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتی مسکرا گئی تھی۔وہ اپنا نچلا لب باہر نکالتے روہانسے ہوتے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ حور کو کلائی سے جکڑے ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے ڈریسنگ روم کا دروازہ اندر سے لاک کرتے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔۔

مجھے جانے دیں ارحام!! مجھ سے زبردستی مت کیجیے گا سمجھے آپ!! میں پرانی والی حور نہیں رہی۔۔ حور نے ارحام کی طرف دیکھتے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

یہ وہی ڈریسنگ روم تھا جہاں وہ بہت بار اپنا حق لے چکا تھا۔۔ اور جس طرح حق لیتا تھا نہ وہ تب برداشت نہیں کر سکتی تھی نہ اب وہ کر سکتی تھی۔ مقابل کو وہ غصے میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ غصے میں اس وقت اپنا حق ضرور لے گا۔ اتنے دنوں سے وہ اس سے دور تھا۔ جتنا وہ اس کی قربت کا دیوانہ تھا وہ اتنی ہی دیر رہ سکتا تھا۔ اور غصے محبت میں دکھ میں اور کرتا بھی کیا تھا؟؟ اور اسے نائٹ گاؤن میں دیکھ کر مقابل پر خمار نہ چڑھے یہ ناممکن تھا۔

جانتا ہوں تم وہ حور نہیں رہی جو کبھی تھی۔۔ پہلے والی حور کے پاس صرف ارحام خانزادہ تھا اس کی پناہیں تھیں۔

کوئی رشتہ کوئی راہ فرار نہ تھا۔

آج والی حور کے پاس بینک بیلنس سٹیٹس سلطان شاہ ہے۔اس حویلی سے میری پناہوں سے اس کے پاس راہ فرار کا راستہ بھی ہے۔

کل یہ آنکھیں میرے سامنے جھکی رہتی تھیں۔اور یہ بدن ہر وقت میرے بدن کا حصہ بنا رہتا تھا۔کیونکہ میں ہی تو تھا ان آنکھوں کا سب کچھ۔

آج یہ آنکھیں میری آنکھوں میں گڑھی ہیں۔۔کیونکہ ان آنکھوں میں اپنے سٹیٹس کا غرور ہے۔اور یہ خوبصورت مہکتا بدن میری پناہوں سے دور!!

رحام طنزیہ لہجے میں کہتے اس کے دونوں اطراف میں اپنے اپنے ہاتھ جماتے اس کی گلابی لبوں پر اپنی نگاہیں گاڑھ گیا۔جو اس کے حلق میں کانٹے

اگا گئے تھے۔ سلگتی دہکتی سانسوں میں آگ لگی تھی۔۔ مقابل کے بدن کی خوشبو اس کے حواصوں پر چھاتے اس کی دہکتی سانسوں میں ہلچل مچا چکی تھی۔ حور کی چھوٹی سی نازک شال وہ اپنے ہاتھ پر ریپ کر چکا تھان

سٹیس کا غرور نہیں!!ہاں سلطان شاہ جیسے باپ کے ہونے کا غرور ہے۔ کل والی حور کو اس ارحام خانزادہ نے صرف اپنا غلام سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا اس کی پناہوں میں رہنے والی لڑکی اس کی ملکیت ہے جس کے ساتھ وہ سب کچھ کر سکتا ہے؟؟ وہ لڑکی جب تک لاوارث رہی ارحام خانزادہ اسے اس کی اوقات یاد دلاتا رہا۔ حور نے گہرے سانس لیتے اپنی شبنمی آنکھیں ارحام کی سرد آنکھوں میں گاڑھے جوابی کاروائی کی

کیا اوقات یاد دلائی بتاؤ مجھے؟؟ ارحام خانزادہ غصے سے پاگل ہوتے غرا اٹھا۔

دن رات مجھے بستر پر رکھا یہی اوقات تو دکھائی مجھے۔ حور کی بات پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں غصے اشتعال کی سرخی مزید گہری ہوئی۔

شوہر بستر پر اپنی بیوی سے پیار کرے وہ اسے اس کی اوقات دکھاتا ہے بولو ہاں!! یا ایک عرب پتی بیوی سے بستر پر پیار کرنا گناہ ہوتا ہے۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

گناہ ہوتا ہے ایسا پیار!! جس میں شوہر اپنی دوسری بیوی سے قربت کے لمحات میں اپنی عزیز جان پہلی بیوی سے بیتے ہوئے جسمانی قربت کے لمحوں کا ذکر کرے۔ اسے بار بار کہے کہ وہ تو اپنی پہلی بیوی سے محبت کرتا ہے۔ اور اسے اس کی سسکیوں سے نفرت ہے۔ مگر اپنی پہلی بیوی کی خوشبو سے محبت ہے۔ وہ اپنی پہلی بیوی کی قربت بھلانے کے لیے دوسری

بیوی پاس آتا ہے۔ یہ پیار ہے آپ کے نزدیک!! حور گہرے سانس لیتے چیخی۔

یہ سب تم سے تب کہا جب ٹوٹ گیا تھا۔ اپنی بیٹی اپنی بیوی کی جدائی اپنے بچے کی موت کے غم میں مر گیا تھا۔ چوٹ تازہ تھی درد زیادہ ہوتا تھا۔ دل دکھا دیا تمھارا۔۔ مگر کتنے دن کہا یہ سب تم سے حور!! گنتی کے چار دن بھی یہ الفاظ نہیں بولے تھے۔ تم سے محبت ہونے سے بھی بہت پہلے گل کا ذکر کرنا چھوڑ چکا تھا۔ سمجھ چکا تھا نفرت میں بھی تمھاری قربت میں کسی پرائی عورت کا نام لینے کا روادار نہیں میں!! جیسا بھی سہی میں مگر جب تک گل میری زندگی میں تھی۔ کوئی دوسری عورت نہ تھی میری زندگی میں ۔۔ اس رات کو سڑک پر بھی تمھاری طرف ایک غلط نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ پھر بھی بھرے جرگے میں میرے کردار کی دھجیاں اڑائی گئیں؟؟۔۔ کیا

ایکسپیکٹ کرتی تھی تم ایسے انسان سے ہاں؟؟وہ کمرے میں آکر تمھیں پھولوں کی سیج پر پھولوں کی طرح پیار کرتا۔۔بستر پر بھی کانٹے تھے اور اس دل میں کانٹے پیوست تھے۔جس کی ذمہ دار تم تھی۔ارحام طیش والم میں چیخا۔

بیوی کی جدائی۔گل کے ہوتے کسی دوسری عورت پر نظر نہیں ڈالی۔ذمہ دار میں تھی اس کی زندگی میں کانٹوں کی۔حور اس کے لفظ زیر لب بے آواز دہراتے آنکھیں میچ گئی تھی۔مقابل تو کچھ نہ بھولا تھا۔وہ اپنے خسارے آج بھی یاد رکھے ہوے تھا۔یعنی وہ گل سے آج بھی محبت کرتا تھا

۔

حور نے سسکی بھرتے ہوے آنکھیں کھولتے ارحام کو دیکھا جو اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جماتے ہوے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

کچھ نہیں بھولے آپ؟؟حور نے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

تم بھی تو نہیں بھولی تبھی تو آج میرے گناہ یاد آ گئے۔

لگتا ہے بہت قیمتی کچھ کھونے کا احساس تمھیں ہو گیا ہے؟؟پچھاوے ہی پچھتاوے ہیں ناں!!ارحام خانزادہ نے جواباً اس کی متورم آنکھوں کو دیکھتے زخمی لہجے میں کہا۔ جس کی گہرائی میں کسی کے ماتم کے گہرے رنگ کی سرخی شامل تھی۔۔۔یہ آنکھیں رات سے ماتم کدہ تھیں اور اس کا دل رات سے ماتم کدہ تھا۔وہ قطرہ قطرہ اندر سے شمع کی طرح جل رہا تھا۔

ارحام حور کو سلگتی نگاہوں سے دیکھتے پیچھے ہوا۔

حور جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔وہ اسی لمحے بازو سے جکڑے صوفے پر دھکیل گیا۔وہ ڈریسنگ روم کے صوفے پر اوندھے منہ جا گری

تھی۔ ارحام کی نظر اس کے بالوں پر پڑی۔ وہ بے یقین ہوا تھا۔ اس نے اپنے بال کاٹے تھے۔۔ اس کے بالوں کی لینتھ تقریباً دو انچ چھوٹی ہوئی تھی۔ یہ کل تک نہیں تھی یعنی اس نے آج اپنے بال خود کاٹے تھے۔ ارحام خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

وہ اس کے بالوں کو دیکھ کر پاگل ہوا۔

وہ اس سے وعدہ لے چکا تھا وہ اپنے بالوں کو نہیں کاٹے گی۔ وہ اس کے سینے سے لگے وعدہ بھی کر چکی تھی وہ کبھی اپنے بالوں کو نہیں کاٹے گی۔ پھر اس نے آخر اپنے بال کیوں کاٹے جن میں اس کی جان بستی تھی۔

حور سیدھے ہوتے ارحام کو سلگتی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام نے اس کی طرف بڑھتے اس کی شال اس پر پھینکی۔

چاہے میں تمھارے لیے پوزیسور ہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ چادر تمھارے وجود پہ ہمیشہ رہے گی۔ خان ہوں میں !! عورت ہو تم میری۔۔

اس لیے حق ملکیت بھی ہمیشہ جتاؤں گا۔ وہ صوفے پر ایک ٹانگ رکھتے اس پر جھکے اس کے خوبصورت نقوش پر سلگتی نگاہیں گاڑھے تپتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

حور اسے جواباً خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ مقابل کی اتنی نزدیکی پر وہ کبھی اس سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کی پہلی رات کی قربت کا خوف آج بھی رگوں جاں میں اترا ہوا تھا۔

سلطان شاہ کی محبت اپنے پیسے سٹیٹس پر جتنا مرضی غرور کر لو۔۔ مگر اس حویلی سے نہیں جانے دوں گا۔۔ سٹیس پاور کے بل بوتے پر کبھی مجھے چھوڑنے کا من ہوا تو اپنے باپ کے پیسوں سے ایک قیمتی پسٹل بھی خرید

لینا۔ دو چار گولیاں میرے سینے پر داغ کر چلی جانا یہاں سے۔۔ ایسے ہی جا سکتی ہو تم یہاں سے۔۔

رحام اس پر جھکے اس کے شانے پر پڑے بالوں کی لینتھ کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں لفظ چبا گیا۔ نگاہیں اس کے بالوں کی لینتھ پر تھیں جو شانے پر پڑے تھے۔

حور اس کی سگتی سانسوں کی بوچھاڑ اور اس کی اتنی نزدیکی پر گہرے سانس لیتے خاموشی سے اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ مزید مقابل سے وہ کوئی بحث نہیں کر سکتی تھی۔ شیر کے کچھار میں وہ اس سے دشمنی لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اوڑھو شال ارحام اس پر جھکے حکمیہ لہجے غرایا۔

اب اس کے لب حور کے گلابی لبوں سے ٹکرا رہے تھے۔ حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اسے دور کرنے کی کوشش کی۔ ارحام اس سے دور ہوتے اپنا پاؤں زمین پر رکھ گیا۔۔ حور نے شال زمین سے اٹھائے اچھی طرح خود پر لی تھی۔ دوسرے لمحے وہ صوفے سے اٹھتے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولتے باہر نکل گئی تھی۔

باہر آتے وہ رکی تھی۔ پریذے بیڈ پر بیٹھی ڈریسنگ روم کی طرف ہی نگاہیں جمائے ہوئے تھی اس کے معصوم چہرے پر پریشانی عیاں تھی۔

حور خود پر قابو پاتے پریذے کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیٹھی۔۔

پریذے جان آپ سو جاؤ ماما صبح آپ کے پاس آئے گی۔ حور نے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

Mama i want to sleep with you

پریذے نے ڈریسنگ روم کی طرف دیکھتے آہستگی سے کہا۔

ارحام کے غصے کی وجہ سے وہ اس سے کافی ڈر گئی تھی۔

پریذے کی بات پر حور نے گہرا سانس لیتے ڈریسنگ روم کی طرف دیکھا۔ جتنا وہ غصے میں تھا وہ اس کی آجازت کے بغیر کیسے پریذے کو اپنے پاس سلا سکتی تھی۔

پریذے بہت آس سے حور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ ڈریسنگ روم سے بلیک جینز پر وایٹ ٹی شرٹ جس پر بلیک لیدر کوٹ پہنے ہوے باہر آیا۔ حور اسے دیکھتے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ جینز

شرٹ کوٹ میں بے نہتا سحر انگیز اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ جو منٹوں میں کسی کے بھی دل کی دنیا پلٹ سکتا تھا.

حور کی دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

وہ اب ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ وہ اتنی رات کو اتنا تیار ہو کر کہاں جا رہا تھا۔ وہ چین ہوئی ت۔

موبایل رنگنگ پر ارحام خانزادہ نے اپنا فون اٹھائے کان سے لگایا۔ دبئی کی بزنس کلاس سیٹ بک کرو۔ ہاں ابھی نکلنا ہے۔ ارحام نے کہتے فون بند کرتے ہوئے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈالا تھا۔

پریذے بیٹا!! مجھے ایک ضروری کام ہے میں جلدی آجاؤں گا۔ ارحام نے جھکتے ہوئے پریذے کے گال پر کس کی۔ ارحام کے بدن سے اٹھتی مسحور

کن پرفیوم اور مردانہ خوشبو حور اپنی سانسوں میں اترتی محسوس کرتے وہ کراؤن میں مزید سمائی تھی۔ وہ اس کی طرف سے پریذے پر جھکے ہوے تھا۔ ارحام کے شانے اس کے عارض سے ٹچ ہو رہے تھے۔۔ اس کے بدن کی خوشبو سانسوں میں گھل رہی تہی۔

اوکے پاپا! ذریذے نے اس کے گال پر کس کی۔

ارحام نے سیدھے ہوتے حور کو دیکھا جو اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ارحام کے دیکھنے پر وہ بے رخی سے منہ پھیر گئی۔۔

ماں ہو پریذے کی۔ میری غیر موجودگی میں بھی ماں بن کر رہنا۔ اور میری عورت ہو یہ بات تو شائد تم مرتے دم تک اب نہیں بھول سکتی۔ جس دن

بھول گئی اس دن سانسیں لینا بھول جاؤ گی۔ ارحام سرد انداز میں لفظ چباتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

حور نے گہرے سانس لیتے دل پر ہاتھ رکھان اس کا اتنی رات کو اتنا تیار ہو کر جانا اس کے دل میں آگ لگا چکا تھا۔

میں آتی ہوں پریذے جان!! حور نے پریذے کو دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ واش روم میں داخل ہوتے وینٹی کا ٹیب کھولتے وہ اپنی جلتی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آریان خانزادہ نے کچن میں داخل ہوتے کچن کے سینٹر میں بنے وایٹ کاونٹر سلیب پر غصے سے پورے قوت سے ہاتھ جماتے تھوڑا سا جھکتے ہوے ایک بار پھر سے کچن کی ابتر حالت دیکھی۔ اسے اپنی حویلی میں موجود اس وجود سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ مگر شدید نفرت میں بھی وہ اسے سڑکوں پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا اس کے گھر والے اسے کبھی نہیں اپنائیں گے۔ اگر وہ واپس چلی بھی گئی تو اسے گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ اس پر رحم نہیں کھائیں گے۔

آہہ۔۔ آریان خانزادہ نے چیختے ہوے سلیب پر دونوں ہاتھ مارے۔

وہ طوفانی رات یاد آئی تھی جب برستی بارش میں کوئی ساری رات دروازہ کھٹکھٹاتا رہا تھا۔ مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا گیا تھا۔۔ اس کی سسکیاں دلسوز چیخیں وہ ساری رات سنتا رہا تھا۔ کاش اس دن وہ اپنے ہاتھوں سے

اسے ختم کر ڈالتا۔ اپنے باپ فارس خان کی بندوق سے اس وجود کے سینے میں گولیاں اتار دیتا۔

!!ایسی لڑکیاں جو اپنے کسی عاشق کے لیے بھاگ جائیں ان کی جگہ زمین کی آخری تہہ ہونی چاہیے!!

وہ طیش والم میں سلیب پر ہاتھ مارتے ہوئے غرایا۔

نہیں برداشت سکتا تھا اس غلیظ وجود کو وہ مزید اپنی حویلی میں!!وہ جہاں بھی جائے جس سڑک پر بھی رہے۔ اسے لرکی کو بے شک باہر کے درندے نوچ ڈالیں۔ وہ اتنی بھی ترحم کے قابل نہیں تھی اس کے نزدیک کہ اسے کسی این جی او کے حوالے کرتا۔ وہ طیش والم میں کچن سے نکلتا زرمش کے کمرے کی طرف بڑھا۔

آریان خانزادہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ بیڈ کراؤن میں مزید سمٹی تھی۔ وہ اپنے حواص میں پہلے ہی نہیں تھی اسے صرف حیدر خان اور ساحر خان کا نام یاد تھا۔ باقی سب کچھ جیسے وہ بھول چکی تھی۔ اریان خانزادہ کا رویہ اس کے حواص مزید سلب کر رہا تھا۔ ذہنی جسمانی حالت ابتر تھی۔ بھوک سے اس کا وجود نقاہت زدہ ہو چکا تھا۔ آریان خانزادہ سے اس کے جسم کا پور پور لرز رہا تھا۔

سامنے کھڑے انسان کا خوف رگوں جاں میں سرایت کر گیا تھا۔

وہ آریان خانزادہ کی سبز آنکھوں میں طیش والم کی سرخی دیکھ کر خوفزدہ ہوتے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ نہ اس کی نظروں کی تپش نہ اس کی خوفناک دھاڑ اس کا نازک وجود برداشت کر سکتا تھا۔

آریان خان اسے ایسے لرزتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھتے اسے بازو سے دبوچتے اپنی طرف کھینچتے اپنے مقابل کھڑا کر گیا۔ زرمش کی شال اس کے وجود سے اترتی اس کے قدموں میں زمین بوس ہوئی۔

میں تمھیں مزید اپنی حویلی میں برداشت نہیں کر سکتا۔

میں تمھیں یہاں دیکھوں گا تمھارے ناپاک وجود کا قتل میرے ہاتھوں لکھا جائے گا اور تم جیسی لڑکی کے خون سے میں اپنے ہاتھ بھی نہیں رنگنا چاہتا۔ آریان اس کا بازو جھٹکے سے چھوڑتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

ناپاک وجود!! زرمش اس کے لفظ کپکپاتے لبوں سے دہراتے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اس ستم گر کی سینڈوا اپنی مٹھیوں میں جکڑے خود کو زمین بوس ہونے سے بچا گئی تھی۔

ہاں ناپاک وجود وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے اپنی سینڈو اس کی مٹھیوں سے چھڑوا گیا تھا

اس سے پہلے وہ گرتی وہ اسے کمر سے تھام گیا۔ زرمش کی کپکپاتے لب اس کی ٹھوڑی سے نرمی سے آن ٹکرائے تھے۔

وہ اس کے خشک پپڑی زدہ ہونٹوں کا لمس اپنی ٹھوری پر محسوس کرتے آگ کی طرح دہکا تھا۔

"مجھ جیسی لڑکی" زرمش نے ہچکی لیتے اس کے بے درد لفظ پھر سے دہرائے تھے۔

"ہاں تم جیسی لڑکی" وہ نفرت انگیز لہجے میں اپنے بے درد لفظوں کی مار مارتا پھر سے اس کی مٹھیاں اپنی سینڈو سے بے دردی سے چھڑواتے اس کی

کمر سے اپنا ہاتھ ہٹا گیا۔ اس سے پہلے وہ پھر سے گرتی وہ اس کی کلائی سختی سے جکڑے باہر کی طرف بڑھا۔

وہ اس کی بڑی سی حویلی میں اس کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔

لالا!! زرمش درد و کرب سے چیختی جا رہی تھی۔ وہ اسے بے دردی سے کھینچتے آگے بڑھ رہا تھا۔

ساحر!! زرمش کے کپکپاتے لبوں سے ساحر خان کا نام برامد ہوا۔ آریان نے مڑتے ہوئے خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھا۔

وہ اس کی خون اشام نظر پر اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔ جانتی تھی مقابل کو اس کے لبوں سے ساحر سننا گوارا نہ تھا۔

وہ اسے کلائی سے کھینچتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ زرمش کی سسکاریاں پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔

وہ اسے یہاں سے نکال دے گا وہ کہاں جائے گی؟؟ وہ خوف سے صرف یہی سوچ رہی تھی۔ کوئی ٹھکانہ معلوم نہ تھا کوئی بھی تو اپنا نہ تھا۔

لالا!! اس کے کپکپاتے لبوں سے اس کی کرب میں ڈوبی سسکاریوں میں پھر سے "لالا" کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔

ساحر کے نام کی مالا اس کا دل جپ رہا تھا۔ لبوں سے وہ پیارا نام کیسے نکالتی۔ وہ بے رحم انسان نکالنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ زرمش اپنے چکراتے سر کو سنبھالتی اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ راستہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ قدموں کی رفتار نے تیزی اختیار کی۔ اس کے بھاری قدموں کی دھمک سے زرمش کا دل بری طرح لرزا تھا۔

داخلی دروازے تک پہنچتے وہ اسے بھاری فینسی لکڑی کے منقشم دروازے میں پٹخ گیا۔

نکلو یہاں سے !!اب تمھارا چہرہ نظر نہ آئے مجھے۔ آریان خان نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے لفظ چبائے۔

کک۔۔ کھانا دے دو اور میری شال دے دو!! پھر چلی جاؤں گی یہاں سے۔زرمش نے کپکپاتے لبوں سے بمشکل لفظ ادا کیے۔

آریان کی نگاہیں یکدم اس کے وجود پر پڑیں۔ وہ گلابی فراک میں ملبوس بغیر کسی چادر کے کھڑی تھی۔اس ملگجے سے سلوٹ زدہ آٹا لگے فراک میں بھی اس کی رعنائیاں اب و تاب سے چمک رہی تھیں۔ وہ گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کا ہچکولے لیتا وجود میں اس کے نشیب و فراز بھی جیسے ہچکولے لے رہے تھے۔ وہ اپنی نگاہیں پھیرتے رخ پلٹ گیا۔

وہ شال کے بغیر تھی اسے اندازہ نہ تھا۔نہ وہ اسے ایسے باہر نکال سکتا تھا۔

آریان خان سرخ چہرے کے ساتھ ظبط سے دیوار پر مکہ مار گیا۔۔وہ لرزتے ہوے کانوں پر ہاتھ رکھے آنکھیں میچ گئی۔

آریان نے پلٹتے ہوے زرمش پر قہر آلود نگاہیں ڈالیں۔اب کی بار اس کی رعنائیوں پر نظر نہیں ڈالی تھی نہ ڈالنے کا آرادہ تھا۔

وہ اسے گھورتے ہوے تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آریان خانزادہ نے کچن میں آتے ہی کچن کو دیکھتے جبڑے بھینچے تھے۔اسے کھانے کو دینا تھا۔لیکن کیا؟؟

فریج میں اس وقت فروٹ بھی نہیں تھا۔ دودھ جوس انڈے وہ ضائع کر چکی تھی۔ فریج میں اس وقت میٹ تھا اور انرجی ڈرنکس تھیں۔ وہ دو دن پہلے ہی تو امریکہ سے آیا تھا۔

آریان خان نے کچن کی حالت کو دیکھتے اپنے جبڑے بھینچے۔ وہ ایسے کچن میں ٹھہر نہیں سکتا تھا کجا کہ کوئی کام کرتا۔ آریان جبڑے بھینچتے ہوئے کیبنٹس کی طرف بڑھا۔

کیبنٹس کھولتے ہوئے اس نے ڈرارز کی تلاشی لی۔ جہاں اسے خوبصورت شیشے کے جار میں بسکٹ کینڈیز ڈرائے فروٹس نظر آئے تھے۔ ایک کیبنٹ میں بریڈ کا پیکٹ پڑا نظر آیا تھا۔ ساتھ

peanut butter spread

کا جار پڑا تھا۔

وہ بریڈ کا پیکٹ اور

peanut butter

کا جار پکڑے باہر آیا۔ وہ لاونج میں زمین پر صوفے کے ساتھ لگے گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی تھی۔

آریان خان کے قدموں کی دھمک سنتے اس نے سر اٹھائے اسے دیکھا۔ اس کی گرین آنکھوں کو دیکھتے وہ تڑپتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔ یہ آنکھیں اس کے دل پر لگے ساحر کی جدائی کا زخم گہرا کرتی تھیں۔

یہ لو کھاؤ اسے!! آریان نے

peanut butter spread

جار کی شیشی اور بریڈ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی۔

زرمش جلدی سے بریڈ کا پیکٹ کھولتے اس میں بریڈ نکال کر کھانے لگی۔ وہ بریڈ کے نوالے بنائے بہت تیزی سے کھا رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہو رہا تھا اسے شدید بھوک لگی ہے۔ پتہ نہیں وہ کب سے بھوکی تھی۔

آریان اسے صرف بریڈ کھاتے دیکھ کر جبڑے بھینچ گیا تھا۔

خالی بریڈ کھانے کو نہیں کہا سپریڈ لگا کر کھاؤ۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا تھا۔ وہ نظریں جھکائے بریڈ توڑتے اس کے لقمے منہ میں ڈالتے آنسو بہا رہی تھی

پیٹ ہی تو بھرنا ہے ویسے بھی کسی چیز کا ذائقہ محسوس ہی نہیں ہوتا!! زرمش نے ڈبڈبائے لہجے میں کہتے بریڈ کا بڑا سا لقمہ اپنے منہ میں ڈالتے بمشکل چباتے ہوئے اپنے اندر اتارا۔

بریڈ کے اوپر سپریڈ لگاؤ۔ آریان خانزادہ نے غصے سے اسے گھورتے دانت پیسے تھے۔ زرمش نے ایک ہاتھ سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بریڈ کا سلائس ٹیبل پر رکھتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے وہ جار کھولنے کی کوشش کی۔ جو اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گرتا ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔

زرمش کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے آریان خانزادہ کو دیکھا۔ جو جبڑے بھینچے اسے دیکھ برفیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی برف بھری نگاہ پر اس کے اعصاب ساکت ہوتے برفیلے ہوئے تھے۔ زرمش نے جلدی سے کانپتے ہوئے بریڈ کا سلائس ٹیبل سے اٹھاتے ٹوٹے جار کے حصے سے وہ سپریڈ لگا کر بریڈ منہ میں ڈالا تھا۔ اب وہ کانپتے ہوئے بریڈ کو توڑتے ہوئے اس پر سپریڈ لگاتے جلدی جلدی کھا رہی

تھی۔ بلکہ نوالے منہ میں ڈالتے چبائے بغیر حلق میں اتار رہی تھی۔ مقابل کا خوف اس کے رگ وپے میں چھایا ہوا تھا۔

آریان خانزادہ نے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے ٹوٹے جار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ آگے زخمی تھی وہ نہیں چاہتا تھا وہ مزید زخمی ہو۔ وہ اس وقت قابل رحم لگ رہی تھی۔ وہ اس وجود سے نفرت کرنے کے باوجود اس پر رحم کھا بیٹھا تھا۔ وہ آریان خانزادہ کو اپنے قریب بیٹھتے دیکھ کر کھسکتے پیچھے کی طرف ہوتے اس سے دور ہوئی۔ آریان خانزادہ نے سخت سرد نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

شال۔۔ شال لادو۔۔ مم۔۔ میں چلی جاتی ہوں۔ زرمش نے خشک پیڑی زدہ لبوں پر زبان پھیرتے کہا۔

کمرے میں چلو!! آریان خان نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورتے حکم دیا۔ وہ بمشکل ہی اپنے کپکپاتے وجود کو سنبھالتے ہوے تھی۔ بدن بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ یہ اس کی کلائی چھونے سے معلوم ہو چکا تھا۔

وہ دو قدم بھی اس قہر برساتی سردی میں باہر نکالتی یقیناً ہوش ہو حواص سے پل بھر میں بیگانہ ہو جاتی۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے نہیں جانا۔ مم مجھے اپنے لالا کے پاس لے چلو۔۔ زرمش نے گہرے سانس لیتے ٹوٹے لفظوں سے روتے ہوے کہا۔

پتہ بتادو!! میں چھوڑ آتا ہوں۔ آریان خانزادہ نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

پتہ ؟؟ زرمش کے کپکپاتے لب جنبش کرتے رو پڑے تھے۔

پتہ کیسے بتاؤں ؟؟ مجھے یاد نہیں آ رہا؟؟ مگر میرے لالا کا چہرہ یاد ہے مجھے !!زرمش نے آنکھیں میچتے ہوے حیدر خان کا چہرہ یاد کیا تھا۔ گلاب کی طرح سرخ ہوے رخ پر شبنم گرتی اس کی گردن کو بھگونے لگی تھی۔ صرف حیدر خان کا چہرہ اور ساحر خان کی سبز آنکھیں یاد تھیں جن میں ان کی جان بستی تھی۔

تمھیں اب کبھی اپنے گھر کا پتہ یاد نہیں آئے گا۔ آریان خان اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں کو دیکھتے ہوے استھزائیہ بولتے ہوے مسکرایا۔ زرمش نے آنکھیں کھولتے اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔

مان لو تمھارا اب کوئی ٹھکانہ نہیں !!وہ زرمش کی آنکھوں میں دیکھتے اب استھزائیہ مسکرایا۔

کوئی ٹھکانہ نہیں میرا؟!زرمش نے سر نفی میں ہلاتے ہچکی لیتے معصومیت سے سوالیہ نگاہوں سے استفسار کیا۔

ہے ناں ایک ٹھکانہ!! آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے پر سرراریت سے مسکرایا۔

کک کون سا؟!اس کی سبز آنکھوں کی پر سراریت سے اسے خوف سا محسوس ہوا تھا۔

زمین کی ساتویں تہہ اب تمھارا مقدر ہے۔ آریان خانزادہ اس کی ڈری سہمی آنکھوں میں ایکھتے نفرت امیز لہجے میں گویا ہوا۔

میرے لالا زمین کی تہہ کو میرا مقدر نہیں بننے دیں گے۔ زرمش نے اپنے عارض سے آنسو صاف کرتے گہرا سانس لیتے بولتے ہوئے اس کی سبز آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

آریان خانزادہ مقابل کا آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ کر بنا رکے بات کرنے پر بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

زرمش کو اس کی طرح اس کے قہقے سے بھی خوف محسوس ہوا تھا۔

تمھارا لالا ہی تمھارے وجود میں گولیاں اتارے گا تم دیکھنا۔

کتنی راتیں باہر گزار چکی ہو؟!۔۔ کس کس رات کا حساب دو گی؟؟۔ اب تو ایک رات میرے ساتھ بھی گزار چکی ہو کیا جواب دو گی کون ہوں میں تمھارا؟؟ آریان خانزادہ نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔

کک کون ہو تم ؟؟زرمش نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔

یہ تو تم بتاؤ گی جب تمھارا لالا حیدر خان میرے بارے میں استفسار کرے گا۔ کیا بتاؤ گی ساحر خان کے ساتھ بھاگی اور آریان خانزادہ کی پناہوں میں آ گئی۔۔ دو دو مردوں کا ٹیگ لگا چکی ہو تم۔۔ اور جب میں تمھیں یہاں سے نکال کر سڑک پر پھینکوں گا۔ پھر نجانے کتنے مردوں کا ٹیگ !!وہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے بولتے زرمش کے وجود میں برچھیاں چبھو گیا۔

میرے

۔۔۔لالا۔۔۔تت۔۔ تمھاری۔۔۔جان۔۔۔پہلے۔۔لیں۔۔گے۔۔۔مم۔

۔۔مجھ۔۔۔سے

۔۔۔سوال۔۔۔بعد۔۔۔میں۔۔۔۔کریں۔۔۔گے۔۔۔تت۔۔۔۔۔حید

ر۔۔۔۔خان۔۔۔نام۔۔۔۔ھے۔۔۔۔میرے۔۔۔لالا۔۔۔۔کا۔۔اگر۔

۔۔مجھ۔۔پر۔۔۔ تمھارا۔۔۔ٹیگ۔۔۔لگے۔۔۔گا۔۔تو۔۔۔۔تت تمھارا

۔۔مقدر۔۔ بھی۔۔۔زمین۔۔۔کی۔۔۔ساتویں۔۔ تہہ۔۔ہو۔۔۔۔گی

۔زرمش۔۔ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہذیانی چیخ اٹھی تھی۔۔

بکواس بند کرو اپنی! خبردار میرے سامنے آواز اونچی ہوئی۔وہ اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔

مجھے ابھی تم جانتی نہیں۔۔دہشت لفظ بھی مجھ سے خوف کھاتا ہے؟؟ تمھارے لالا اور اپنے سامنے کھڑی ہوئی کسی بھی طاقت کو چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دوں۔میری پاور ابھی تم جانتی نہیں!۔۔ آریان خانزادہ صرف خدا کے آگے جھکتا ہے۔اور اسی سے ڈرتا ہے

سمجھی۔۔ آریان خانزادہ اس پر سلگتی سانسیں چھوڑتا غرایا۔

زرمش نے درد سے کراہتے کانپتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ ہٹانے کی ناکام سعی کی۔ دوسرے لمحے اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں۔

خبردار تم نے ہوش کھویا!! وہ اس کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھتے دھاڑ اٹھا۔ اس کی دھاڑ پر اس کی آنکھیں پٹ سے کھلی تھیں۔ مقابل ٹھیک کہہ رہا تھا اس سے لفظ دہشت بھی خوف کھا جائے۔ وہ اتنا ہی دہشت ناک تھا۔

کمرے میں چلو! آریان خانزادہ نے اس کا جبڑہ چھوڑتے زمین سے اٹھتے غراتے ہوئے حکم دیا۔

وہ اس کے حکم پر ربوٹ کی مانند اٹھی تھی۔ دو قدم چلنے پر اس کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔ اس سے پہلے وہ گرتی آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے تیزی سے کمرے کی طرف بڑھا۔ زرمش اس کے قدموں کا بمشکل ساتھ دیتی لرزتے بدن کے ساتھ چل رہی تھی۔ آریان خان نے کمرے

میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر دھکیلا۔ وہ اوندھے منہ جا گری تھی۔ آریان خان نے جھکتے ہوئے زمین پر پڑی شال اس کے وجود پر پھینکی۔ وہ سیدھے ہوتے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے خود پر اوڑھ گئی۔ وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

وہ خوف سے ابھی کراؤن سے ٹیک بھی نہیں لگا سکی تھی کہ وہ پانی کی بوتل پکڑے کمرے میں داخل ہوا تھ

اس کی طرف بڑھتے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ زرمش نے کانپتے ہاتھوں سے پانی کی بوتل پکڑی۔ آریان خانزادہ نے اپنی سفید چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے کھولی۔ زرمش نے کانپتے ہوئے اس کی ہتھیلی پر دیکھا۔ جہاں رنگ برنگی گولیاں تھیں۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

کھاؤ اسے ؟؟ آریان کے سرد برفیلے لہجے میں دیے گئے حکم پر زرمش نے جلدی سے وہ گولیاں اٹھا کر اپنے منہ میں رکھتے منہ بند کر گئی۔۔ کڑواہٹ سی اسے اپنے حلق میں اترتی محسوس ہوئی۔ وہ آریان کے خوف سے وہ کڑوی گولیاں حلق سے اتارنے لگی۔۔۔

پانی کے ساتھ اتارو!! آریان خانزادہ نے اسے وہ کڑوی گولیاں ایسے نگلتے دیکھ کر جبڑے بھینچے دانت پیسے۔۔

زرمش نے آریان خان کی طرف دیکھتے کانپتے ہاتھوں سے بوتل کھولتے منہ کو لگایا۔ اسے منہ کے ساتھ لگاتے وہ کڑوی گولیاں اتارتے وہ پانی کی بوتل اپنے اوپر آدھی سے زیادہ گرا گئی تھی۔۔ پانی اس کے گردن سے ہوتا اس کے فراک سے نظر آتی اس کی گہرائیوں میں جذب ہو رہا تھا۔ شال ایک بار پھر سے اس کے کندھے پر لہرا رہی تھی.

آریان خانزادہ اس پر غصیلی قہر بھری نگاہ ڈالتا کمرے سے نکل گیا۔ زرمش پانی اپنے چہرے پر گراتے اپنے دہکتے عارض کو ٹھنڈک پہنچانے لگی۔ جو اس سفاک بے رحم دہشت ناک انسان کی وجہ سے دہکتی آگ بنے تھے۔۔ دوسرے پل پانی کی بوتل اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گری تھی۔ وہ اپنے چکراتے سر کو تھامتے تکیے پر گرتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

فرشتے سٹڈی روم کا دروازہ کھول کر آہستگی سے اندر داخل ہوئی۔ جہاں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور سٹڈی روم برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ فرشتے نے کپکپاتے ہوے سٹڈی روم کی گلاس کی ونڈو دیکھی جو کھلی ہوئی تھی۔

وہ راکنگ چیئر پر آنکھیں بند کیے ہوے جھول رہا تھا۔ سیاہ شلوار قمیض میں پڑی سلوٹیں نیم اندھیرے میں بھی واضح ہو رہی تھیں۔ سیاہ ہلکی گھنی بئیرڈ نیم اندھیرے میں بھی آنسوؤں سے تر نظر آ رہی تھی۔ ایک ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ وہ دبوچے ہوے تھا۔ دوسرے ہاتھ سے ابھی تک خون رس رہا تھا جس پر ڈریسنگ نہیں کی گئی تھی۔

فرشتے تڑپتے ہوے سوئچ بورڈ پر ہاتھ جمائے تمام لائٹس آن کر گئی تھی۔۔

رہنے دو خانم!! اندھیرا ہی رہنے دو۔ روشنی مجھ سے برداشت نہیں ہو گی۔ حیدر خان آنکھیں میچے ہی سگریٹ لبوں میں دبا گیا۔

خان!! فرشتے آگے بڑھتے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے ہوے حیدر خان کا زخمی ہاتھ پکڑتے اس پر اپنی سفید شال رکھ گئی تھی۔ اس کی سفید شال پل میں داغدار ہوئی تھی۔ حیدر خان آنکھیں کھولتے سیدھا ہوتے اپنا ہاتھ

جھٹک گیا۔اس کی سفید چادر رنگین ہوتی سرخ ہوئی تھی۔حیدر خان کی آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔۔

اس کی جوان بیوہ بہن ابھی کنواری تھی وہ سب جانتا تھا۔ساحر جیسا عاشق اپنے عشق سے بیوفائی نہیں کر سکتا تھا۔وہ بہت پہلے سمجھ چکا تھا۔زرمش اور ساحر کے کمرے علیحدہ ہیں۔وہ سب جانتا تھا۔مگر وہ پھر بھی اپنی بہن سے لاتعلق رہا تھا۔غلطی ساحر کی نہیں اس کی تھی۔وہ تو شاید سچا عاشق تھا۔وہی اپنی بہن سے لاتعلق رہا تھا۔

اس سفید شال پر سرخ رنگت اسے پاگل کر چکی تھی۔وہ اس وقت کہاں ہو گی؟؟کس کے پاس ہو گی؟؟اس کی عزت محفوظ بھی ہو گی کہ نہیں۔۔حیدر خان اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخا۔

خان!!فرشتے نے روتے ہوے کھڑے ہوتے اسے شانوں سے تھاما۔وہ فرشتے کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیل گیا تھا۔فرشتے سٹڈی روم کی نرم قالین پر اوندھے منہ جا گری تھی۔حیدر خان نے راکنگ چیئر سے اٹھتے بک شیلف کی طرف بڑھتے بکس کے بیچو بیچ رکھے خوبصورت واز اٹھا زکر مین پر مارے۔۔وہ سٹڈی روم میں کانچ کے شو پیس کانچ مجسمے پوری قوت سے دیوار پر مار رہا تھا۔نرم قالین پر وہ کانچ بکھرا پڑا تھا۔فرشتے زمین پر بیٹھے روتے ہوے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

آہہہ۔۔۔حیدر خان نے اپنا زخمی ہاتھ دیوار پر مارا۔فرشتے تڑپتے ہوے حیدر خان کی طرف بڑھتے اس کا ہاتھ جکڑ گئی۔

خان مت کریں یہ سب؟؟فرشتے اس کا زخمی ہاتھ جکڑے شدت سے رو پڑی تھی۔۔

مت روکو مجھے خانم !! مجھے شاید زندہ رہنے کا بھی حق نہیں ہے۔ حیدر خان اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے چیخا تھا۔

خان یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟؟ آپ کیسے اتنے کمزور پڑ سکتے ہیں ؟! حیدر حاکم خان اتنا کمزور کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ موت کو گلے لگانے کی بات کرے۔ ؟؟ ٹھیک کہا آپ کے بابا نے آپ خان نہیں ہین۔ آپ حیدر حاکم خان نہیں ہیں۔ فرشتے حیدر خان کی طرف دیکھتے ہذیانی چیخی تھی۔ مقابل کیسے مرنے کی بات کر سکتا تھا؟؟ اسے اپنے بیٹوں اس کا خیال کیا ایک بار نہیں آیا تھا۔

گالی دے رہی ہو مجھے ؟؟ وہ خون آشام لہجے میں غراتے ہوے اس کے بال گدی سے دبوچتے اپنے مقابل کرتے اس کی براؤن آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

تو پھر کیا کہوں اس حیدر خان کو؟! جو اپنی بہن کو تلاش کرنے کی بجائے موت کو گلے لگانے کی بات کر رہا ہے۔۔

فرشتے نے درد سے کراہتے حیدر خان کے آہنی ہاتھ سے اپنے بال چھڑوانے کی کوشش کی۔

تمھیں کیا لگتا ہے میں نے اپنی بہن کو تلاش نہیں کیا؟؟

سوات کا چپہ چپہ چھان مارا ہے؟؟ مگر وہ کہیں نہیں ملی۔۔

کہاں تلاش کروں اسے بتاؤ مجھے؟؟ فرشتے کی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے غرایا۔۔

تلاش کریں خان اسے؟؟ کہیں تو ہو گی سوات کے کسی کونے میں تو ہو گی ۔حیدر حاکم خان کی بہن غایب ہوئی ہے۔ آپ کو تو پوری کائنات کو ہلا دینا

چاہیے تھا۔ فرشتے سسکی لیتے بولتے ہوے ابھی بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔۔ وہ بہت بے دردی سے اس کے بال دبوچے ہوے تھا۔

حیدر حاکم خان سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر حیدر خان کو ایک خوف مار رہا ہے کہ اگر زرمش کی عزت پر آنچ آگئی تو؟؟ یہی خوف اسے منہ چھپانے پر مجبور کر رہا ہے۔ حیدر خان کپکپاتے لبوں سے بولتے اپنے اندر کا ڈر بیان کر گیا۔

تو خان؟؟ فرشتے نے جواباً سوالیہ نگاہیں اس پر گاڑھیں۔

اس ڈر سے آپ اپنی بہن کو تلاش نہیں کریں گے۔ حیدر خان تو سچ میں کمزور نکلا۔۔

۔ فرشتے نے بے یقینی سے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

ہاں میں کمزور ہوں میں۔ بزدل ہوں خانم !! میں کمزور ہوں۔ میں ایک ناکام انسان ہوں جو اپنے رشتوں کو نہ سنبھال سکا۔ وہ فرشتے کے بالوں کو چھوڑتے چیخا۔

چھوٹی سی تھی صرف مجھے آس بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ کسی کی طرف نہیں دیکھتی تھی صرف اپنے لالا کی طرف دیکھتی تھی۔ کیا کیا میں نے آخر؟؟ اس کا کمرہ حویلی کے دوسرے کونے پر تھا۔ ایک پانچ سال کی بچی کا کمرہ اتنی بڑی حویلی کے اجاڑ بیابان جگہ پر ہو تو سوچو وہ کیسے رہتی ہو گی؟! آتی تھی مورے کے سونے کے بعد میرے کمرے میں کہ میں اسے اپنے پاس سونے دوں۔ میں اس کا چھوٹا سا ہاتھ پکڑ کر اس کے کمرے میں واپس چھوڑ آتا تھا۔ کیونکہ مورے سے کیا وعدہ نبھا رہا تھا ناں !! مورے اپنے جوان بیٹے کے کمرے میں رات دو بھر آکر اس کی پیشانی چوم کر تو جاتی

تھی۔ اور میں ڈر جاتا تھا مورے اسے میرے کمرے میں سوتا دیکھ کر مجھ سے خفا نہ ہو جائے۔ جب اس کا ننھا سا ہاتھ تھام کر اس کے کمرے میں لے کر جاتا وہ راستے میں کہتی لالا!! میں فرش پر سو جاؤں گی۔ بغیر کمبل کے سو جاؤں گی۔ لالا میں واش روم میں سو جاؤں گی مورے کو پتہ نہیں چلے گا۔ میں الماری میں چھپ کر سو جاؤں گی۔ وہ معصومیت سے التجائیں کرتی رہتی۔ میں اگنور کرتے اس کے کمرے میں چھوڑ آتا۔ وہ روتے ہوئے میری طرف لپکتی میں سختی سے ڈانٹ دیتا وہ وہیں پر سہم جاتی۔ حیدر خان کرب سے بولتا بازو سے اپنی بہتی آنکھیں رگڑ رہا تھا۔

ساحر یہ رخصتی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہمیشہ زرمش کی ذمہ داری سے انکار کیا۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی میں نے جرگے کے دباؤ میں آکر یہ رخصتی ہونے دی۔ چپ رہا میں کمزور ہوں خانم میں کمزور ہوں۔

بچپن میں اس کی کوئی ضد پوری نہ کرنے والا اس کا لالا اس کی رخصتی کی ضد پوری کر بیٹھا۔

کیوں نہیں کھڑا ہوا کہ یہ رخصتی نہیں ہو گی۔ کیوں اس کی ضد پوری کی ؟!۔ تب اپنی بہن پر سختی کرتا اس کی چھاؤں بن جاتا۔ شائد آج وہ اتنی تکلیف میں نہ ہوتی۔

وہ تو پیار کی ترسی ہوئی تھی خانم !! ساحر کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ اسے لگا ہو گا شاید اس کے محبتوں کی محرومی ساحر خان ختم کر دے گا۔ مگر وہ تو کسی اور کشتی کا مسافر تھا۔ کیسی تکلیف دہ زندگی گزاری ہو گی میری بہن نے ؟؟ ساحر خان کی بیوی بن کر اس کے گھر میں رہتے ہوے ؟؟ ٹھکرائے جانے کا غم محبت کی محرومی پھر سے اس کے حصے میں آ گئی تھی۔

میں ہوں ذمہ دار اس کی محرومیوں کا؟؟ میں مرد ہو کر کمزور نکلا۔۔ اس کی حفاظت نہ کر سکا۔ آج بھی نہیں کر سکا۔ حیدر حاکم خان نے اپنی جوان بیوہ بہن کو جو عدت میں تھی کھو دیا۔ اسے تلاش بھی ڈر ڈر کر رہا ہوں۔ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے حاکم خان کی بیٹی, حیدر خان کی بہن جوان بہن غایب ہے کسی کو پتہ نہ چلے۔ اگر بابا کی بات سچ ہوئی تو میں کیا کروں گا۔ حیدر خان دیوار پر دونوں ہاتھ مارتے چیختے ہوے بولا۔

اگر یہ بات سچ ہوئی تو حیدر حاکم خان اس درندے کو دہشت ناک موت دے گا۔ فرشتے نے بھیگے لہجے میں کہتے اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔

حیدر خان نے مڑتے ہوے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

اگر حیدر خان کی بہن کے ساتھ سچ میں ایسا کچھ ہوا ہوا اس کی بہن زندہ ہوئی تو حیدر خان اسے اپنے سینے میں بھینچتے ہوے اس کے سر پر عزت کی چادر دے کر حویلی لائے گا۔ فرشتے نے بھیگے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

کچھ نہیں ہو گا اسے ؟؟ کچھ نہیں ہو سکتا کوئی میری عزت داغدار نہیں کر سکتا۔ حیدر خان طیش والم سے دھاڑا۔

کچھ نہیں ہو گا خان اسے! خدا پر بھروسہ رکھیں خان۔۔ فرشتے اس کی طرف بڑھتے اس کا زخمی ہاتھ جکڑ گئی تھی۔

میرا دوست ڈی ایس پی اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ مل جائے گی ناں۔ حیدر خان نے فرشتے کو شانوں سے جکڑے کرب سے پوچھا۔

مل جائے گی خان!! فرشتے روتے ہوے اس کی بھیگی بئیرڈ پر ہاتھ رکھ گئی

نہیں چھوڑوں گا خانم !!اگر کسی نے غلطی سے بھی میری بہن میری زرمش پر اپنی غلیظ نگاہیں بھی گاڑھی ہوئیں۔زمین کی ساتویں تہہ میں اس کا مقدر ہو گا۔حیدر خان فرشتے کو شانوں سے جکڑے غرایا۔۔دوسرے لمحے وہ اسے چھوڑتے دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں جا رہے ہیں خان ؟!فرشتے تڑپتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

میں ایسے منہ چھپا کر یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔جب تک میری بہن نہیں مل جاتی میں حویلی نہیں آؤں گا۔حیدر خان نے مڑتے ہوئے سرد لہجے میں کہا.

اور ایک بات یاد رکھنا اگر میری بہن کی گمشدگی میں ارحام خانزادہ کا ہاتھ ہوا۔میں ہر رشتہ بھول جاؤں گا۔بنا سوچے سمجھے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔

خان یہ کیا کہہ رہے ہیں میرے لالا یہ نہیں کر سکتے۔ فرشتے نے بے یقینی سے حیدر خان کی طرف دیکھا تھا۔

ابھی تک مجھے ایسا کوئی شواہد نہیں ملا۔ جس دن مل گیا ارحام خانزادہ کی حویلی میں گھس کر اس کی جان لوں گا۔ کسی کو نہیں چھوڑوں گا خانم میری بہن کو ذک پہنچانے والے کا بہت برا حال کروں گا یہ وعدہ ہے حیدر حاکم خان کا۔ حیدر خان سرد برفیلے لہجے میں کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

شہرام خان داخلی دروازہ کھولتے حویلی میں داخل ہوا تھا۔ وہ اس وقت وایٹ جینز پر وایٹ بٹنوں والی شرٹ پر بلو کیجول کوٹ پہنے ہوے تھا۔ حویلی کے اندر داخل ہوتے اس نے اپنا کوٹ اتارتے ہوے اپنے بازو پر ڈالا ۔پوری حویلی گرم تھی۔

آج اسے آتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس وقت پوری حویلی میں نیم اندھیرا چھایا تھا۔ زنان خانے میں آتش دان جل رہا تھا۔ آتش دان کے قریب بہارے کو دیکھتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس کی دبی دبی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

وہ آتش دان کے قریب صوفے پر اس کی طرف سے رخ پلٹے بیٹھی تھی۔ شال اس کے ایک کندھے پر لہراتی زمین بوس ہو رہی تھی۔ لمبے سلکی بال اس کے کمر پر پڑے تھے۔ جو کہ سلجھے ہوئے تھے۔ وہ اس کے بالوں کو سٹریٹ دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ قدم ٹھہرے تھے۔ اس نے آج اس کے بال نہیں سلجھائے تھے۔ ہاسپٹل میں ایمرجنسی ہو گئی تھی وہ بنا بتائے ہی اسے چلا گیا تھا۔ تب وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ اپنے بال خود نہیں سلجھاتی تھی یہ روز اس کی ڈیوٹی تھی وہ ہی سلجھاتا تھا۔ آج بالوں کا سلجھا ہونا اس کے لیے خطرے کی علامت تھا۔ شہرام نے گہرا سانس لیتے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں جہاں رات کے گیارہ بج رہے تھے۔۔ وہ رو کیوں رہی تھی اور بال کیوں سلجھے ہوے تھے وہ سمجھ گیا تھا۔

بہارے!! شہرام خان اسے نرمی سے پکارتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے اس کی پکار پر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

شہرام گہرا سانس لیتے اس کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے اس کی ٹھوڑی کو پکڑتے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔ رونے کی وجہ سے اس کے گال ناک شدید سرخ ہو رہے تھے۔ آنکھیں متورم اور گلابی

تھیں۔ ہونٹ ڈیپ ریڈ لپ سٹک سے سجے ہوے تھے۔ آنکھوں میں کاجل کی گہری تہہ تھی۔ وہ ریڈ کلر کی بے حد سٹائلش لانگ فراک میں ملبوس تھی جو بے حد فٹنگ میں تھا۔ جس پر گولڈن ہیمر ورک ہوا تھا۔

وہ اس فراک اور میک اپ میں حد خوبصورت لگ رہی تھی۔۔ رونے کی وجہ سے میک اپ مزید نکھر گیا تھا۔ شہرام نے لمحوں میں اس کا استحقاق بھری گہری نگاہوں سے اس کا جایزہ لیا۔

بہارے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوے رخ موڑے آتش دان پر نظریں جما گئی تھی۔

کیا ہوا ہے یہ رونا دھونا کیوں مچا رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ جھٹکنے پر شہرام کا لہجہ سنجیدہ ہوا تھا۔

کیونکہ میرا دماغ خراب ہو چکا ہے شہرام خان؟؟ بہارے اس کی طرف دیکھتے غم و غصے سے چیخی تھی۔

آواز نیچے رکھو بہارے!! آواز نیچے!! ٹون نیچے!! شہرام خان نے انگشت شہادت اٹھائے اسے بین ڈاؤن کرتے ہوے تنبیہی انداز میں اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

بہارے رخ موڑتے ہوے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی تھی۔

شہرام نے ہونٹ سکوڑتے ہوے اپنا سانس باہر نکالتے خود پر کنٹرول کیا۔ آج اسے دیر ہو جائے گی وہ دو گھنٹے پہلے اسے بتا چکا تھا۔ وہ فون پر نارمل تھی۔ اور اس کی اتنی تیاری یہ ظاہر کر رہی تھی وہ اس کے لیے روز کی طرح تیار ہوئی ہے۔ آج تو تیاری بھی سپیشل کر رکھی تھی۔ پھر یہ رونا کیوں؟!

کیا ہوا ہے ؟؟ شہرام خان نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسو انگوٹھے سے رب کرتے ملایمت سے پوچھا۔

تم چلالو مجھ پر شہرام خان !! کمرے میں کوئی اور شہرام خان میرے پاس ہوتا ہے۔ کمرے میں تو ایسا رویہ میرے ساتھ نہیں رکھتے۔ بہارے نے اس سے بھیگے لہجے میں شکوہ کیا۔

بہارے وہ ہمارا کمرہ ہوتا ہے جہاں سے آواز باہر نہیں جاتی۔

یہ حویلی کا لاونج ہے جہاں ایسے چیخ کر بات کرو گی تو تمھاری ایسی ٹون برداشت نہیں کروں گا۔ ہاں کمرے میں تم مجھے چاہے جیسے مرضی ٹریٹ کرو میری بہارے !! اف نہیں کروں گا۔ شہرام اس کے لبوں پر نرمی سے انگوٹھا پھیرتے بھاری آواز میں بولا۔ اس کے سرخ بھیگے ہونٹ اس پر خمار طاری کر چکے تھے۔

جھوٹ جوٹ شہرام خان!!تم سفاکی میں اس حویلی کے ہر مرد سے آگے ہو۔ بہارے اس کا انگوٹھا اپنے ہونٹ سے جھٹکتے ہوے رخ موڑے ہچکیوں سے بہت بری طرح رونے لگی۔۔ شہرام اسے ماتمی کدہ انداز میں روتے دیکھتے ہوے پریشان ہوا۔بات بہت سیریس تھی

کیا ہوا ہے؟؟شہرام اسے کندھے سے جکڑتے اس کا رخ اپنی طرف کرتے جھنجھلایا۔

تم یہی چاہتے ہو میں ہسپتال جوائن نہ کرو۔ں حویلی میں رہ کر تمھارے بچوں کو پالتی رہوں۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شدت گریہ سے روتے ہوے بولی۔

کیا کہہ رہی ہو؟؟شہرام بچوں والی بات پر حیران ہوا تھا۔اس کا تو ایک ہی بچہ تھا۔یہ بچوں کہاں سے آگیا تھا۔

سچ کہہ رہی ہوں شہرام خان!! بہرام کی مرتبہ تم نے مجھے اگنور کیا ہے۔ اب بھی اگنور کرو گے تم ویسی محبت نہیں کرو گے جیسے اب کرتے ہو۔ وہ پھر سے رخ موڑے بری طرح سسکنے لگی تھی۔

شہرام غصے سے کھڑے ہوتے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

بہارے کھل کر بات کرو۔ یہ پہلیاں مت بجھواؤ تھکا ہارا آیا ہوں یہ تمھاری ڈبل میننگ باتیں میں نہیں سمجھ سکتا۔ شہرام غصے سے سرد لہجے میں بولا۔

تو سنو شہرام خان!! میں پریگننٹ ہوں۔ تمھاری سفاکی تمھارا لہو بن کر میرے پیٹ میں پنپ رہا ہے۔ بہارے ہذیانی روتے ہوئے بولی

واٹ؟؟ شہرام خان کی سماعتیں تو میں "پریگننٹ ہوں" لفظوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اس کے سرخ لبوں پر جھکتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر شدت سے جھکا تھا۔ بہارے کے قدم پیچھے کو لڑکھڑائے تھے۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے خود صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنی لیپ پر بٹھا گیا۔

اس کے لبوں کو وہ ویسے ہی اپنے لبوں میں جکڑے ہوئے تھا۔ اس کی کمر پر اس کا حصار مضبوط ہو رہا تھا۔ وہ بہت شدت سے اس کے ہونٹوں کو سک کر رہا تھا۔

بہارے اس کی شدت پر تڑپ اٹھتی اس کے حصار میں مچلی تھی۔ شہرام خان نے اس کے لبوں کی لالی چرا کر اس کے لبوں کو آزاد کیا۔

بہارے نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے شہرام خان کی طرف سسکتے ہوئے دیکھا۔

اپنی بہارے کو کبھی اگنور نہیں کروں گا۔اس سے بھی زیادہ ایگریسیو پن دکھاؤں گا۔اپنی قربت میں تم پر۔پچھلی بار رحم کھایا تھا اس بار نہیں۔۔جانتا ہوں میری بہارے اس پہاڑی خان کو برداشت کر سکتی ہے۔۔وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے لبوں کو پھر سے بے دردی سے اپنے دانتوں میں جکڑ گیا تھا۔بہارے کی سسکیاں گونجتی شہرام کو مدہوش کر رہی تھی۔وہ بے خود ہوتے اس کی گہرائیوں پر سفاک شرارت کر گیا۔

بہارے اس کا ہاتھ اپنی گہرائیوں سے بری طرح جھٹکتے ہوے اس کے چوڑے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے ہوے اسے خود سے دور کرتے اس کی لیپ سے اٹھی۔

شہرام خان اس کی کلائی جکڑے اسے دوبارہ اپنے لیپ پر بٹھاتے اس کی کمر پر مضبوطی سے ہاتھ جماتے اسے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا۔بہارے کے

لب اس کی تراشیدہ مونچھوں تلے لبوں سے آن ٹکرائے تھے۔ جن پر اس کے لبوں کی سرخی لگی تھی۔ بہارے کی ہونٹوں کی سرخی اب ختم ہو چکی تھی۔ شہرام کی شدت پر اس کے ہونٹ سرخ آنار ہو رہے تھے۔ مقابل کی شدت سے شدید جلن اسے اپنے ہونٹوں پر محسوس ہو رہی تھی۔

بہارے نے اسے سگتی بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اپنے ہونٹوں سے اس کا لمس رگڑتے سسکی بھری۔

شہرام خان مسکراتے ہوئے اس کے لبوں سے پھر سے لپٹتے ہوئے انھیں اپنے دانتوں میں پیوست کیے کھینچنے لگا۔

بہارے اس کی وایٹ شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے مزید اس کے قریب ہوئی تھی اگر وہ اسے خود سے دور مزید دھکیلتی تو اسے مقابل کی دانتوں کی شدت مزید بے رحمی سے سہنی پڑتی۔ اسے مجبوراً اس کے قریب ہونا پڑا

تھا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اس کے لبوں سے لپٹے اسے صوفے پر لٹاتے ہوئے اس پر اپنا پہاڑ جیسا وزن منتقل کر گیا تھا۔ مگر اس کے پیٹ پر اپنا وزن نہیں ڈالا تھا۔ اپنا چوڑی کسرتی باڈی کا وزن اس کے نشیب و فراز پر منتقل کیا ہوا تھا۔ بہارے خان کی دھڑکنیں شہرام خان کے سینے میں بج رہی تھیں۔ اور بہارے خان کو تو اپنا دل کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ شہرام خان اس کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں تک لاک کر گیا تھا۔

میری بہارے!! جہاں میرا سفاک خون پل رہا ہے صرف وہاں اپنی شدتیں اپنا ایگریسیو پن نہیں دکھاؤں گا۔ باقی ہر جگہ پر ہر روز تم پر قہر بن کر ٹوٹوں گا۔ میرا نشانہ کہاں ہو گا یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ شہرام ذو معنی انداز میں اسے بے باکی سے آنکھ مارتے ہوئے اس کے بدن کے نازک حصے پر بھرپور طریقے سے اپنا حق جتاتے اسے کان کی لوؤں تک سرخ کر گیا۔

شہرام ہٹو مجھ پر سے !! شہرام خان کی بڑھتی سفاکیوں پر بہارے کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ ہر حد کراس کرتے اسے بہت بری طرح تڑپا گئے تھے۔

یہی تو چاہتی تھی میری توجہ تم پر کم نہ ہو !! تمھیں میرا وائلڈ رومانس اتنا پسند ہے مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔ شہرام خان نے اس کی گردن پر شدت سے دانت گاڑھے۔

شہرام! دور ہٹو مجھ سے !! یہ تمھارا کمرہ نہیں جہاں تم جنگلی پن دکھاؤ!

بہارے اس کی شدت پر چیخی۔ وہ اس کی گردن اپنی شدتوں سے جامنی کرتے پیچھے ہوا۔

بہارے گہری سانسوں سے اس کی سیاہ پر کشش آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جواب اسے سرد مشتعل نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اب بتاؤ کیا مسلہ ہے ؟؟ کس بات کا غم ستا رہا ہے تمھیں ؟؟ دنیا کی پہلی عورت ہو تم جو دوسری مرتبہ ماں بننے جا رہی ہو۔ کیا بکواس کر رہی تھی میرا سفاک خون پل رہا ہے تمھارے پیٹ میں ؟؟ کس بات کا ماتم منا رہی تھی تم وہ بھی یہاں لاونج میں بیٹھ کر !! اگر یہ میرا کمرہ نہیں تو یہ تمھارا کمرہ تھا جو تم یہاں بیٹھ کر چیخ چیخ کر اپنی پریگننسی کی نیوز ایسے سنا رہی تھی جیسے مجھ سے گناہ کبیرہ ہو گیا ہو. شہرام خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔ وہ اس کی چیخنے پر بری طرح مشتعل ہوا تھا۔

مم۔۔ میں۔۔۔ پریگننٹ۔۔ ہوں۔۔۔ تمھارے۔۔ دوسرے۔۔ بچے ۔۔۔ کی۔۔ ماں۔۔ بننے۔۔ والی۔۔۔ ہوں۔ تمھیں مجھ سے نرمی سے بات

کرنی چاہیے۔ تم مجھ سے اس طرح بات کر رہے ہو شہرام۔ بہارے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر رخ پر گرے۔ شہرام اس کے آنسوؤں اور اس کی بات پر اس کے اوپر سے اٹھا۔

بہارے صوفے سے اٹھتے ہوئے آگے بڑھی تھی کہ وہ اس کی کلائی نرمی سے جکڑ گیا تھا۔

کیا پریشانی ہے کھل کر بتاو بہارے؟؟ شہرام خان نے اس کے بہتے آنسوؤں پر لب بھینچے پوچھا۔

کمرے میں چل کر وہ اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکے گا وہ جانتا تھا۔ اس کے آنسو اسے مشتعل کر رہے تھے۔۔ وہ رو نہیں رہی تھی جیسے ماتم منا رہی تھی۔ یہی بات شہرام خان کو چبھ گئی تھی۔ وہ اس کے بچے کے آنے پر کیسے ایسے رو کر ماتم منا سکتی ہے؟؟

تم خود سے پوچھو شہرام خان؟! کتنا سمجھایا تمھیں مگر نہیں تمھیں تو خود پر کنٹرول نہیں۔ دن رات تمھیں وہ سب کچھ کرنا ہے۔ ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تمھیں میرے قریب آتے ہوئے میں پریگننٹ ہو چکی ہوں۔ تم نے ذرا احتیاط نہیں کیا میرے بارے میں نہیں سوچا جس طرح تمھیں پسند تھا تم میرے قریب آئے۔ تمھیں پوری طرح مزے لینے تھے۔ بھگتنا مجھے پڑ رہا ہے۔ بہارے نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

آواز آہستہ ٹون نیچے !! کیا سمجھایا ابھی میں نے تمہیں ہاں۔ اس طرح کی باتیں یہاں لاونج میں کرو گی تم۔ شہرام خان نے اس کے قریب ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

تم یہاں لاونج میں مجھے کس کر سکتے ہو۔ یہ سب بیہودگیاں کر سکتے ہو میں یہاں تمھیں تمھارے ظلم کا احساس بھی نہیں کرواسکتی۔ بہارے ہچکی لیتے ہوے بری طرح رو پڑی۔

ظلم !! شہرام خان نے اس کا لفظ دہراتے جبڑے بھینچتے اپنی چوڑی ہتھیلی پر زور سے مکہ مارتے ہوے اپنا غصہ بمشکل کنٹرول کیا تھا۔

ہاں ظلم شہرام خان !! تین ماہ کا ہمارا بیٹا ہے اور میں پھر سے پریگننٹ ہو چکی ہوں۔ پریمیچور ڈلیوری ہوئی تھی میری شہرام خان۔ موت کے منہ سے واپس آئی تھی۔ گیارہ ماہ بھی نہیں ہوے میں پھر سے پریگننٹ ہو چکی ہوں۔ بہارے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے رو پڑی۔

شہرام اس کے رونے پر جھنجھلاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اس کے بلک بلک کر رونے پر پریشان ہوا۔

یہاں بیٹھو میری جان کا آزار میری جان!! شہرام خان گہرا سانس لیتے اسے بازو سے جکڑے اسے صوفے پر بٹھاتا اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا۔

میں سمجھتا ہوں اتنی جلدی پریگننسی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ مگر اب کیا کیا جا سکتا ہے میری جان؟؟ اور یہ تو اچھی بات ہے اب نو ماہ ہر قسم کی احتیاط اور چخ چخ سے جان چھوٹ گئی۔ اب بنا کسی ٹینشن کے دن رات تمھارا شہرام خان تمھارے بدن کا حصہ بنے تم میں سمائے رہے گا۔

شہرام خان نے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کی پور سے صاف کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

اس کی بات پر بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا جو وہ سمجھانا چاہ رہی تھی۔ اتنی تکلیف درد سے وہ اتنی جلدی نہیں گزرنا

چاہتی تھی بہرام بھی بہت چھوٹا تھا۔ اور وہ اتنا خوش ہو گا اسے یہ بھی اندازہ نہ تھا۔ اسے تو لگا اتنی جلدی دوسرا بچہ آنے پر وہ پریشان ہو گا مگر مقابل تو بہت خوش تھا۔

یہ اتنا آسان نہیں ہے شہرام!! بہارے نے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے سسکی لی۔

کیا آسان نہیں ہے بتاؤ مجھے!! بہرام کو میں سنبھال لوں گا اور رات کو سنبھالتا بھی میں ہوں۔ اور اگلے بچے کے آنے تک کوئی کام نہیں کوئی کانٹریکٹ نہیں۔ دن رات صرف اپنی بہارے کی ڈیوٹی کروں گا۔ تم صرف میری دھڑکنوں سے بھی زیادہ قریب رہنا۔ شہرام نے جھکتے ہوئے اس کی لیپ پر لب رکھے۔

تم سمجھ نہیں رہے شہرام!! بہارے ایک جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہوتی چیخی۔

تو سمجھاؤ مجھے بتاؤ مجھے بھی پتہ چلے ہوا کیا ہے؟؟ کس بات کا ماتم منا رہی ہو؟؟ وہ بھی صوفے سے اٹھتے اس کے مقابل آتے اپنا آپا کھوتے مشتعل ہوا۔

شہرام کے بھڑکنے پر بہارے کی آنکھوں سے سیلابی ریلا بہا تھا۔

بہرام کی فکر ہے تمھیں؟! تم سنبھالتی ہو اسے بتاؤ مجھے؟؟ رات جتنی بار وہ اٹھتا ہے اس کا فیڈر میں ہناتا ہوں۔ جب تک سو نہیں جاتا میں اسے کمرے میں لے کر ٹہلتا ہوں۔ اس کے کپڑے تک میں چینج کرتا ہوں۔ وہ جاگ رہا ہو جب تک میں پاس ہوں۔ تمھیں اس کا کوئی کام نہیں کرنے دیتا۔ کچن میں تمھیں قدم نہیں رکھنے دیتا۔ کسی کی بھی کوئی تم پر ذمہ داری نہیں۔۔

کس بات پر اتنا اوری ایکٹ کر رہی ہو۔!شہرام بھڑک اٹھا تھا۔

بہرام کو رات کو اس لیے نہیں سنبھالتی۔ کیونکہ رات رات بھر شہرام خان کو سنبھالتی ہوں اور شہرام خان فجر کی اذانوں تک مجھ پر رحم تو کھاتا نہیں۔ اور بہرام کو بھی اپنے چکروں میں سنبھالتے ہو۔ تمھیں پتہ ہے اگر میں بہرام کو سنبھالوں گی تو تمھیں اپنے قریب زیادہ نہیں آنے دوں گی۔ تم حویلی کے مرد ہو بے حس ظالم سفاک شہرام خان ہو جس کو سمجھ نہیں آرہا میں کیا کہہ رہی ہوں۔ بہارے شدت گریہ سے روتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

افففف۔۔۔۔ شہرام خان نے گہرا سانس لیتے بمشکل خود کے اشتعال پر قابو پایا۔ آج بہارے میں بہت پہلے والی بہارے کا روپ نظر آیا تھا۔ ضدی اپنی کرنے والی۔۔

اور تم بہرام کو سنبھالتے ہو کیا اسے فیڈ بھی کرواتے ہو تم؟؟ کتنی کتنی دیر وہ مجھ سے لپٹا رہتا ہے وہ بھول گیے ہو۔ تمھاری بھوک مٹانے کے بعد تمھارے بیٹے کی بھوک مٹاتی ہوں۔ کیا حالت ہوتی ہے میری جانتے ہو ناں تم۔۔ نہیں تم کیسے جان سکتے ہو؟!۔ تم تو مرد ہو تمھیں کیا پتہ اس سب کا جو اسے فیڈ کرواتے مجھے محسوس ہوتا ہے۔ اور خوش ہو جاؤ اب ہمارا بہرام میرا فیڈ بھی نہیں کر سکے گا یہی چاہتے تھے ناں تم!! اب خوش ہو جاؤ تم تمھاری تو دلی مراد پوری ہو گئی۔ بہارے بھیگے لہجے میں کہتے اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی شہرام کلائی سے جکڑے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔

  ہمممم!! اب بہرام نہیں اس کا باپ تمھارے ساتھ لپٹے گا میری بہارے!! شدت سے تمھاری دھڑکنوں کو سرخ کرتے تمھیں بتائے گا

اصل میں لپٹتے کیسے ہیں؟؟اب تمھارا شہرام تمھارے قدموں میں جان من!!اتنی بڑی خوشی دی ہے مجھے۔کیوں ان آنسوؤں سے میری خوشی کافور کر رہی ہو۔

شہرام نے گھبیر آواز میں کہتے اس کے عارض پر لب رکھے۔

تم نہیں سمجھ سکتے شہرام خان!!جو تمھیں چاہیے اب نو ماہ تک مجھ سے نہیں ملے گا سمجھے تم!اُبہارے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے بھیگے لہجے میں غرائی تھی۔دوسرے لمحے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ اس کے قدم رکے تھے۔زاران کو سامنے کھڑے دیکھ کر اس کا چہرہ سرخ ہوا

اسلام وعلیکم لالا!!بہارے نے نظریں جھکائے بہت مشکل سے سلام کیا تھا۔اس کی سرد نگاہیں بتا رہی تھیں۔وہ سا کچھ سن چکا ہے۔۔

شہرام بھی زاران کو دیکھ کر پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا

۔زاران کے سرد سرخ چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا وہ سارا میلو ڈرامہ سن اور دیکھ چکا ہے۔

وعلیکم اسلام !!زاران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

بہارے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اسلاو علیکم لالا !!شہرام خان نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتے سلام کیا۔

اتنی گہری گفتگو اگر کمرے میں کر لی جاتی تو زیادہ اچھا نہیں تھا۔وہاں قدموں میں بھی بیٹھ جاتے اپنی بیوی کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگ لیتے دوسری بار تحفہ دینے پر۔زاران نے طنزیہ انداز میں لفظ چبائے۔۔

شہرام خان نے زاران کے طنز پر اپنی گردن سہلائی۔ یعنی وہ سب سن چکا تھا۔

خانوں کا نام خراب کر دیا ہے تم نے۔ زاران اس کا سرخ چہرہ دیکھتے تاسف سے سر ہلاتے غصے سے بڑبڑاتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

خانوں کا نام میں نے ہی روشن کیا ہے جو دوسری بار تحفہ آرہا ہے۔ آپ سب سے تو میری امید ہی ختم ہو چکی ہے۔ چاچو بن نہیں رہا۔ سوچا آپ سب کو دوسری بار تایا بنا دوں۔ آپ تو آپ ارحام لالا نے بھی بہت مایوس کر دیا۔ ساری امیدیں ختم!!

شہرام کی بات پر زاران نے مڑتے ہوئے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا. وہ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ویسے لالا!!مبارک باد دینے کی بجائے مجھے آپ اس طرح گھوریں گے مجھے امید نہیں تھی۔ شہرام نے زاران کے چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ دبائی۔ جہاں اب غیض و غضب کی سرخی تھی۔

مبارکباد نہیں پوری پارٹی دوں گا اگر کل تک تم زندہ بچے۔

لاونج میں اس نے شاید تمھارا لحاظ کر لیا ہے۔ اندر قدموں میں بھی بیٹھ کر تمہیں معافی نہیں ملنے والی۔

زاران طنزیہ مسکراہٹ اچھالتے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

شہرام خان زاران کے طنز پر لب بھینچے اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔۔

شہرام خان کمرے میں داخل ہوا تو بہارے ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کر اپنی کانچ کی چوڑیاں ایک ایک کرتے اتارتے ہوئے انھیں ڈریسنگ مرر پر مار رہی تھی۔

شال اس کی زمین پر پڑی تھی۔ شہرام خان نے جھک کر شال اٹھا کر صوفے پر رکھی۔ وہ سنجیدگی سے بہارے کی طرف بڑھا۔

شہرام کو دیکھتے ہی بہارے نے اپنا گولڈ کا ایرینگ اتار کر ڈریسنگ مرر پر غصے سے مارا۔ دوسرا جھمکہ اتارنے کے لیے اس نے اپنے کان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ شہرام خان اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتے اسے اپنے قریب کر گیا۔

چھوڑو مجھے شہرام خان! بہارے مرر میں اس کا عکس دیکھتے غصے سے چلائی۔

چھڑوا سکتی ہو چھڑوالو!! شہرام اس کے پیٹ سے اوپر ہاتھ باندھے اسے مزید قریب کر گیا تھا۔

بہارے اس کے حصار میں جھٹپٹائی تھی وہ مزید سختی سے اس کے گرد اپنے بازو باندھے اپنے ساتھ لگا گیا۔

بہارے نے بے بسی سے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

تم آج بھی بہت خوبصورت ہو۔ میں آج بھی تمھارا اتنا دیوانہ۔۔ بلکہ پہلے سے زیادہ۔ میرے پاس وہ وہ پیمانہ نہیں بہارے!! جس میں اپنی محبت کی گہرائی کو ماپ کر تمھیں بتا سکوں میں تم سے کتنی گہری اور کتنی شدت سے محبت کرتا ہوں۔ کہتے ہیں بچے ہسبنڈ وائف کے تعلق کو گہرا اور مضبوط بناتے ہیں۔ مگر میری محبت کو گہرا اور بھی گہرا بہرام نے نہیں تم نے کیا ہے۔ تمھارے خوبصورت چہرے تمھارے دل نے کیا جس میں اب

دھک دھک کی جگہ شہرام شہرام کی آواز آتی ہے۔ شہرام اس کے کان کی لو کو لبوں میں دباتے ہلکا سا کاٹتے جذب اور گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس کی سایڈ گردن پر دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

جھوٹ شہرام خان!! بہارے کی آواز شدت سے بھیگی۔۔

جھوٹ نہیں ہے سنو میری دھڑکنیں کیا کہہ رہی۔۔ بہارے بہارے بہارے میری بہارے۔۔ شہرام اسے سیدھا کرتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ لگاتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی دھڑکنوں پر رکھ گیا۔

یہ دھک دھک کر رہی ہیں شہرام خان!! ان میں کہیں بھی بہارے کا نام سنائی نہیں دے رہا۔ اسی طرح بچے واقعی میں رشتہ مضبوط کرتے ہیں ۔ بہرام کی وجہ سے تم میری طرف پلٹے تھے ورنہ میں نے تمھیں کھو دیا تھا۔

بہارے نے غصے سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

تم اچھی طرح جانتی ہو شہرام خان کو اس کے فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر دنیا کی کوئی طاقت مجبور نہیں کر سکتی۔ اور بچے ہی ہر مرد کے پیڑ کی بیڑیاں ہوتی دنیا میں کسی بھی اس مرد کی دوسری شادی نہ ہوتی جو صاحب اولاد ہے۔ فار یور کاینڈ انفارمیشن جن مردوں کی اولاد ہوتی ہے ان کی دوسری شادی کرنے کی تعداد زیادہ ہے۔ شہرام خان نے سرخ چہرے کے ساتھ غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنا شوز اتارتے ہوئے دیوار پر دے مارا تھا۔ بہارے بری طرح ہڑبڑائی تھی۔

یعنی تمھارے بھی دوسری شادی کے چانسز ہیں۔ بہارے نے زخمی لہجے میں سوال کیا تھا۔ آنکھیں شدت سے گلابی ہوئیں تھیں۔

شہرام نے اس کی بات پر لب بھینچتے ہوئے دوسرا شوز بھی اتارتے ہوئے زمین پر پوری قوت سے مارا۔۔ بہارے بری طرح لرز اٹھی تھی۔ شہرام

نے اب غصے سے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے تھے۔ بیڈ سے کھڑے ہوتے اپنی پینٹ کی بیلٹ اتار کر بیڈ پہ ماری۔ بہارے گہرے سانس لیتے ہوئے اس سرخ اشتعال زدہ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

اپنی شرٹ پینٹ کے اندر سے نکالتے ہوئے شہرام خان اسے زمین پر اچھالتے واش روم کی طرف بڑھتے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا تھا۔

دھاڑ کی آواز پر بہارے بری طرح لرزی تھی۔ بہرام بھی کاٹ میں ہڑبڑاتے ہوئے سوتے سے اٹھ کر رونے لگا تھا۔ بہارے جلدی سے بہرام کی طرف بڑھی۔ اسے کاٹ سے نکالتے ہوئے اپنے سینے سے لگائے چپ کروانے لگی۔ مگر وہ بری طرح ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ بہارے صوفے پر بیٹھ

کر اسے خود سے لپٹائے فیڈ کروانے لگی۔ وہ اس کا فیڈ منہ میں لیتے چند لمحوں بعد منہ سے نکالتے مزید بلک بلک کر رونے لگا تھا۔

بہارے زبردستی اسے فیڈ کروانے لگی۔ مگر وہ بار بار منہ سے نکالتے بلک بلک کر رو رہا تھا۔

بہارے نے اپنا سر جکڑا جہاں دھمک سی ہونے لگی تھی۔ دو گھنٹے پہلے ہی اسے پتہ چلا تھا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ اپنے اندر ہوتی تبدیلیوں سے اور بہرام کا فیڈ کرتے وقت چڑچڑا ہونا اور فیڈ نہ لینے پر ضد کرنے پر اسے شک ہوا تھا وہ پریگننٹ ہے۔ اس نے آج ہی پریگننسی کٹ سے چیک کیا تھا۔ پازیٹو آنے پر وہ تب سے رو رہی تھی۔ اب اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اتنی جلدی پریگننسی نہ اس کا ذہن نہ اس کا جسم ایکسیپٹ کر رہا تھا۔۔ شہرام بھی اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بہرام کو سینے سے لگائے شدت سے رو پڑی۔ بات

بات پر اسے کچھ دنوں سے رونا آ رہا تھا۔ آج تو وہ جی بھر کر روئی تھی مگر اس کا دل کر رہا تھا وہ کھلے آسمان کے نیچے چیخ چیخ کر روئے۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ سب سے برا تو شہرام خان لگ رہا تھا۔

;وہ اس پر ایسے غصہ کرے گا یہ بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا پریگننسی میں موڈز سونگز ہوتے ہیں۔۔ بہارے نے روتے ہوے اپنے آنسو اپنے عارض پر بے دردی سے رگڑے۔ ظالم سفاک شہرام خان!! بہارے روتے ہوے خود سے بولی تھی۔

بہرام کو صوفے پر لٹائے اس کا فیڈر بنانے کے لیے سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی جہاں اس کا فیڈر رڑ اور دودھ کا ڈبہ پڑا تھا۔

شہرام خان شاور لے کر سفید ٹراوز پہنے شرٹ لیس باہر آیا۔ اپنے گیلے بالوں کو جھٹکتے ہوے اس نے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے بیڈ کی طرف نگاہ کی جہاں بہارے اس کی طرف رخ پلٹے ہوے لیٹی تھی۔ وہ اپنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس پر غصہ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر جب وہ اسے طعنہ دیتی تھی وہ خود کے غصے پر کنٹرول نہیں کر پاتا تھا وہ سمجھتا تھا وہ جان بوجھ کر یا اسے خود کے سامنے جھکانے کے لیے طعنہ نہیں دیتی تھی بلکہ اس کی شدید محبت تھی وہ اسے کھونے سے ڈرتی تھی۔

شہرام کاٹ کی طرف آہستگی سے بڑھا۔ جھکتے ہوے بہرام کے ماتھے پر لب رکھے تھے۔ وہ اب بیڈ کی طرف بڑھتے ہوے کمبل خود پر لپیٹتے ہوے

بہارے کے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ جمائے اس کی ٹانگوں پر اپنی ٹانگ رکھ گیا تھا۔

بہارے کی طرف سے کسی طرح کا رسپانس نہ پا کر شہرام کا ہاتھ نرمی سے اس کے پیٹ پر سرسراتے ہوئے گہری گستاخی کر گیا تھا۔ بہارے اس کی بے باکی پر تڑپتے ہوئے آنکھیں سختی سے میچ گئی۔ شہرام خان اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتے ہوئے اسے سیدھا کرتے ہوئے اس پر جھکے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے لو بائٹس بنانے لگا۔ بہارے اپنی آنکھیں ابھی تک میچے ہوئے تھی۔ شہرام خان کے لب بہت نرمی سے اس کی دھڑکنوں کو چھوتے اس کی کمر کے نیچے سرکتے اس کی زپ میں الجھتے اس کی زپ نیچے کھسکا گئے۔ بہارے نے مزید سختی سے آنکھیں میچے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیا تھا۔

وہ اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکائے اس کی سٹیپر یپ نیچے کرتے مزید پردے کھسکاتے دھڑکنوں پر جھکے اپنی شدت دکھانے لگا۔ بہارے نے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اپنے آنسوؤں کی امیزش پر قابو پایا جو پلکوں کی باڑ توڑتے ہوئے رخ پر بہنے لگے تھے۔

شہرام خان اس کی دھڑکنوں سے چہرہ نکالتے ہوئے اس کے چہرے پر جھکتے اس کے رخ پر لب رکھتے اس کے رخ پر گرے موتی لبوں سے چننے لگا۔

بہارے آنکھیں کھولتے اسے شکوہ کناں نروٹھی نگاہوں سے دیکھتے منہ پھیر گئی تھی۔۔ شہرام نے اس کا منہ بے حد نرمی سے دبوچتے ہوئے اپنی طرف کیا۔

تم بہت سفاک ہو ظالم ہو شہرام خان!! بہارے نے اس کے برہنہ سینے پر اپنے ناخن بے رحمی سے گاڑھے۔

کیا ظلم کیا کیا سفاکی دکھائی تفصیل سے بتاؤ؟؟ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا۔ اگر تمھارے پیٹ میں میرا بچہ ہے یہ میری سفاکی ہے بتاؤ اس کے لیے بھی تم سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ شہرام نے ملایمت سے کہتے ہوے اپنے انگوٹھے کو اس کے سرخ لبوں پر رگڑا تھا۔

بہارے نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کرنے کی کوشش کی

شہرام رخ پلٹے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

اب بتاؤ کیا باتیں میری بہارے کے دل میں جو اسے پریشان کر رہی ہیں؟؟ شہرام خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

تم کیسے مجھ پر غصہ کر کے گئے شہرام!! تمھارے ایسے دروازہ مارنے پر بہرام بھی سوتے سے اٹھ کر بلک بلک کر رو رہا تھا بہارے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے شکوہ کیا۔

بہرام میرا شہزادہ ہے دیکھو بلک بلک کر رونے کے بعد سکون سے سو رہا ہے اور بہرام کی ماں میری جان کا آزار میرے سر کا درد میری زندگی کا عذاب جو جب تک مجھ جیسے معصوم خان کی سانسیں نہ نکال لے اسے چین نہیں آتا۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے بہارے کی طرف دیکھا۔

میں تمھاری سانسیں نکالتی ہوں شہرام خان۔ تم نکالتے ہو میری جان کبھی اپنی سفاک شدتوں سے کبھی اپنے غصے سے۔ بہارے نے اس کے سینے پر غصے سے پوری قوت سے مکہ مارتے ہوئے اس کے سینے پر بے رحمی سے دانت گاڑھے۔

شہرام اس کی کمر پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے اسے مضبوطی سے جکڑ گیا تھا۔ بہارے اس کا سینہ نیلا کرتے اپنا تمام غصہ اتارتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی۔ شہرام نے نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسے دیکھا۔ جواب اسے گہری ہوتی سانسوں سے سلگتی بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جس کب غصہ اس کا سینہ نیلا کر کے بھی نہیں اترا تھا۔

غصہ نہیں کرتا تو کیا کرتا میری بہارے؟؟ اتنی اچھی خبر تم مجھے روتے ہوئے سنا رہی ہو۔ میرے بچے کو سفاک خون کہہ رہی ہو۔ میں کتنا خوش ہوں میری جان! اور تم ماتمی انداز میں ماتم منا رہی ہو مجھے غصہ نہیں آئے گا تو کیا ایکسپیکٹ کر رہی تھی مجھ سے؟ ہمممم!! شہرام نے بے حد نرمی سے کہتے اس کی لٹ عارض سے اس کے کان کے پیچھے اڑسی۔

ماتم نہیں منا رہی شہرام خان۔ اتنی جلدی پریگننسی میں نہیں قبول کر پا رہی تم کیوں نہیں سمجھ رہے ؟!۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے جھنجھلائی۔

تم مجھے سمجھاؤ میری جان۔ کلیرلی الفاظ میں سمجھاؤ!! میں اپنی پڑھی لکھی ڈاکٹر بیوی کی بات ضرور سمجھوں گا مانتا ہوں میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ مگر ڈاکٹرز کے ساتھ رہ کر مجھے کافی کچھ سمجھ آ گیا ہے کہ تمھارا اتنا جلد پریگننٹ ہونا بلکل ٹھیک نہیں تھا۔ مگر اب اس بات کا سلوشن کیا ہے بتاؤ مجھے ؟! ڈیٹیل سے ایکسپلین کرو مجھے۔

اب کیا ہو سکتا ہے۔ شہرام نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کی کمر پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

بہارے نے اس کے سرد نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے اپنی کمر سے لپٹا ہاتھ ہٹانے کی سعی کی۔ وہ اس کی کمر پر اپنا ہاتھ ہٹا گیا تھا۔

بہارے اٹھ کر بیٹھتے ہوے اپنی فراک کندھوں سے اوپر کرتے ہوے اپنی کمر پر بکھرے بال جوڑے کی شکل میں سمیٹے تھے۔ شہرام کی سرد نگاہوں پر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی جو وہ کہنا چاہتی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔ وہ یہ بچہ نہیں چاہتی تھی اسے لگا تھا شہرام شاید سمجھ جائے مگر وہ تو بچے کو لے کر کافی حساس تھا۔ وہ دوسرے بچے کو لے کر بے حد خوفزدہ۔ موت کے منہ سے واپس آئی تھی۔ شہرام اس کی مینٹلی کنڈیشن کو سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔

شہرام خان کی سرد برفیلی نگاہیں ابھی بھی اپنی بیوی کی برہنہ کمر پر جمی تھیں۔ بہارے کا کپکپاتا ہاتھ اس کی کمر کی زپ پر تھا۔ وہ شہرام کی سرد نگاہیں اپنی کمر پر محسوس کر رہی تھی۔ ان برفیلی نگاہوں میں بھی اسے تپش محسوس ہوتی اس کی کمر جیسے جھلسا گئی تھی۔

شہرام خان نے لیٹے ہوے اس کی فراک کی زپ میں ہاتھ ڈالتے جھٹکے سے اوپر کی۔زپ چرر کی آواز کے ساتھ بند ہوئی تھی۔بہارے کی دھڑکن خوف سے رکی تھی۔وہ جتنا مرضی چیخ لے شہرام پر غصہ کرے یہ سچ تھا وہ شہرام سے بے حد ڈرتی تھی۔وہ بیڈ سے اٹھتے ہوے جلدی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی وہ مزید اس کی سرد نگاہیں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس سے پہلے وہ ڈریسنگ روم کا دروازہ لاک کرتی شہرام خان ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اسے ڈریسنگ مرر کے فینسی مرر کے ساتھ نرمی سے لگا گیا تھا۔

اس کی کلائی نرمی سے جکڑے وہ اس کی کانچ کی چوڑیاں نرمی سے اتارنے لگا۔

بہارے نظریں جھکائے ہوے تھی۔ وہ بہت نرمی سے اس کی چوڑیاں اتارتے ہوے اس کی کلائی بہت نرمی سے چوم رہا تھا۔ تمام چوڑیاں اتار کر ڈرار میں رکھتے ہوے شہرام خان نے اس کا جھمکہ نرمی سے اتارتے اس کی کان کی لو پر نرمی سے زبان پھیری۔ باس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو اپنی سانسوں میں اترتی محسوس کرتے بہارے کے حواص معتل ہوے تھے۔ مقابل کی جان لیوہ خوشبو ہمیشہ اس کی سانسیں بند کر دیتی تھی۔ اوپر سے وہ بہت محبت سے چوم رہا تھا۔ اس کی کلائیاں اس کی گردن اس کے عارض کو بہت نرمی سے چھو رہا تھا

وہ اب اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی زپ نیچے کھسکاتے اس کی فراک کندھوں سے نیچے کیے اس کا فراک تن سے جدا کر گیا۔ بہارے سرخ

ہوتے اس کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی شہرام خان نے مسکراتے ہوے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوے لایٹ آف کی۔

بہارے اس کی چوڑی ورزشی کسرتی باڈی میں مزید سمائی تھی وہ اسے اپنے سینے سے لپٹائے اس کی سائیڈ گردن کو نرمی سے چوم رہا تھا۔ وہ اب خود اس کے ساتھ شدت سے لپٹی تھی۔ اس کے نرم گرم لبوں کی بوچھاڑ اس کے اندر طغیانی سی مچا چکے تھے۔ مقابل ہمیشہ اپنی سحر انگیز پرسنیلٹی سے اسے زیر کر دیتا تھا

وہ اسے اپنے سینے سے لگائے کبرڈ سے اس کی سلک کی نایٹی نکالی تھی۔ اسے بہت نرمی سے زیب تن کروائی۔ بہارے ابھی تک آنکھیں میچی ہوئی تھیں۔ شہرام اسے نایٹی پہناتے ہوے اسے بہت بے باکی سے ہر جگہ سے ٹچ کر رہا تھا۔

وہ چہرے سے گردن تک سرخ ہو رہی تھی

شہرام نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ لایٹ آن کی۔ بہارے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں میچ گئی۔ شہرام کی بے باک حرکتوں پر بہارے کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں۔

شہرام نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

میری بہارے!! مانتا ہوں پہلا تحفہ میری سفاکی کی بنا پر آیا۔ مگر اس تحفے کے آنے میں تمھاری پوری مرضی نہ سہی آدھی مرضی شامل تو تھی۔ شہرام نے اس کی گردن پر جھکتے ہوئے دہکتے لب رکھے تھے۔

شہرام کی بات پر بہارے نے میچی آنکھیں کھولیں۔ وہ اب گہری بے باک ذو معنی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بہارے کی آنکھوں میں اس کی طلب واضح تھی جسے دیکھتے شہرام خان کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

شہرام کی بات اور مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے ہوئے بہارے ٹماٹر کی طرح سرخ ہوئی۔ شہرام اس کا شدت سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھتے بلند و بانگ قہقہہ لگا گیا۔

بہارے نے اسے جوابًا شرربار نگاہوں سے گھورا۔

کیا کہہ رہی تھی میں نے مزے لیے میں جیسا چاہتا تھا ویسے کرتا تھا۔ اس تحفے میں آنے میں تمھارا پورا پورا ہاتھ تھا میری جان!! ڈاکٹر ہو تم۔ سب

سمجھتی ہو تم۔ اس لیے اکیلا قصوروار مجھے مت سمجھو۔ تمھیں فجر کی اذانوں پر اس لیے اپنی پناہوں سے آزاد کرتا ہوں۔ کیونکہ تم خود میرے ساتھ لپٹتی ہو تاکہ شہرام خان ہمیشہ تمھارا رہے۔ ادائیں دکھاتی ہو۔ اندر تک سجی ہوتی ہو مجھ جیسا بے باک بے شرم خانزادہ پھر آخر کیا کرے گا۔ شہرام خان نے نایٹی کے گاؤن کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوے اس کی ویلوٹ کی باریک سٹریپ کھینچی تھی۔ بہارے کی رنگت قندھار ہوئی تھی۔ اس نے آج بھی شہرام کے لیے خود کو اندر تک سجایا تھا۔

مانتا ہوں چار بار میرا موڈ بنتا ہے۔ میں تم میں سماتا ہوں ایک بار تمھارا موڈ بنتا ہے تم میرے بدن کا حصہ بن جاتی ہو۔ اب یہ مسوغات کب آئی کس کی وجہ سے آئی تم مجھے بہتر بتا سکتی ہو۔ میں ٹھہرا انجینئر کانٹریکٹر سڑکیں بلڈنگز بنا سکتا ہوں۔ یہ پروڈکشن ری پروڈکشن کے بارے میں مجھے کچھ نہیں

پتہ۔۔اس کے بارے میں تمھیں بہتر پتہ ہے۔شہرام خان نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔

بہارے نے سرخ ہوتے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ جماتے ہوے اسے دور کرنے کی کوشش کی۔وہ مسکراتے ہوے اسے گود میں اٹھا گیا۔

شہرام چھوڑ مجھے!بہارے چلائی تھی۔وہ اسے اٹھائے ڈریسنگ روم سے باہر آتے ہوے اسے بہت نرمی سے بیڈ پر لٹایا۔

شہرام خان دور رہو مجھ سے۔۔بہارے نے اس کے سینے پر ناخن مارتے ہوے اسے دور کرنے کی کوشش کی.

شہرام اس کی کلائیاں سختی سے اپنے ہاتھوں سے جکڑے تکیے پر پن کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

بہارے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی جو سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بہارے یہ بچہ کیوں آیا کیسے آیا؟؟ مجھے اب دوبارہ نہ یہ سننا ہے نہ اس پر بات کرنی ہے۔ مجھے صرف اس چیز سے غرض ہے یہ بچہ ہے۔ اور مجھے یہ بچہ چاہیے۔ شہرام کے سرد لہجے اور سرد نگاہوں پر وہ گھبراتے ہوے وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

میری طرف دیکھو بہارے۔ شہرام کا لہجہ مزید برفیلا ہوا۔

بہارے کی رگ رگ سے وہ واقف تھا. م وہ بچے کو لے کر جیسے رو رہی تھی وہ سب سمجھ گیا تھا وہ کیا چاہتی ہے یہی بات اسے مشتعل کر چکی تھی۔ وہ تو شکر ہے اس نے منہ سے ایسی ویسی کوئی بات نہیں نکالی ورنہ وہ برداشت نہ کر پاتا۔

بہارے نے اس کے سرد حکمیہ لہجے پر اسی پل شہرام کی آنکھوں میں دیکھا

۔

میرے لیے سب سے امپورٹنٹ تم اور میرے بچے ہو۔۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔ تمھارا خیال رکھنے کی۔ بہرام کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ڈالوں گا۔ تم سے پہلے سے زیادہ محبت کروں گ۔ اتمھاری کیر کروں گا۔ جیسے تم چاہو گی وہی کروں گا۔ جو تم کہو گی جو زبان سے نکالو گی مجھ پر پورا کرنا فرض ہو گا۔ غلام بن کر تمھارا رہوں گا۔

تم صرف میرے بچے کا خیال کرنا۔ شہرام خان نے سنجیدگی سے کہتے اس کے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

رکھو گی ناں میرے بچے کا خیال!! شہرام نے اب اس کی آنکھوں میں آنکھید گاڑھے سرد لہجے میں بے حد سنجیدگی سے استفسار کیا.

بہارے نے اس کی آنکھوں سرد سنجیدہ آنکھوں میں دیکھتے جلدی

سے اثبات میں سر ہلایا۔ شہرام خان نے مسکرتے ہوے اس کی پیسانی پر

لب رکھے۔ شہرام کی مسکراہٹ پر بہارے کی جان میں جان آئی تھی

آجازت ہے میری بہارے۔۔ آج بنا کسی ٹینشن کے تمھارے پاس آؤں

شہرام نے شرارتی انداز میں اسے آنکھ ماری۔ بہارے اس کی گردن میں

بانہیں حمائل کر گئی تھی۔ وہ اس کا غصہ اس کی بے اعتنائی نہیں برداشت کر

سکتی تھی۔

شہرام اس کی گردن پر جھکتے شدت سے لب رکھنے لگا. اتنی جلدی پریگننسی

ہونا میرے لیے بھی نقصان دہ ہے میری جان! میرے ذہنی سکون کی اب

ایسی کی تیسی ہونے والی۔ مجھے تمھارے موڈز سونگز مجھے ہی سہنے پڑیں

گے۔ وہ اس کی گردن کو نرمی سے چومتے گھمبیر آواز میں بولتے ہوے اپنی

مونچھیں اس کی گردن پر سہلانے لگا۔ بہارے کی کھکھلاہٹ گونجی تھی

۔رومانس کی جگہ مجھے ایسے ہی رات رات بھر تمھیں بنابات کی وضاحتیں

دینی پڑیں گی۔ یہ جو تم باہر کہہ رہی تھی کہ میں تمھیں اگنور کروں گا ویسے

پیار نہیں کروں گا جیسے کرتا تھا۔ یہ بھی سچ ہے نہیں کر سکتا بہت خیال کرنا

پڑے گا میری جان!! شہام خان اس کی نایٹی نرمی سے ریموو کرتے اس کے

کان میں گھمیر تا سرگوشی کرتے ہوئے اسے بہت نرمی سے خود میں سما گیا

تھا۔ بہارے کے ناخن شہرام کی کمر میں پیوست ہو رہے تھے۔ وہ بہت نرمی

سے آج اس پر شدتیں ڈھا رہا تھا۔ مگر بہارے خان کے لیے شہرام خان کو

برداشت کرنا آج بھی مشکل تھا۔ رات دھیرے دھیرے سرک رہی

تھی۔ کمرے میں شہرام خان اور بہارے کی بھاری سانسیں گونج رہی

تھیں۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی حالت دیکھتے پریشان ہوا تھا۔ تکیے بیڈ شیٹ کشن کمبل زمین پر پڑا تھا۔

زاران غصے سے کمرے کو دیکھتا آگے بڑھا۔ شوز کے نیچے ابرش کی لپ سٹک آئی تھی۔ وہ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔

زاران نے جھکتے ہوے وہ لپ سٹک اٹھا کر سنجیدگی سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ کمرے کی ہر چیز بکھری رہی تھی۔ اس کا آدھے سے زیادہ میک اپ زمین پر پڑا تھا۔

زاران بیڈ کی طرف بڑھا۔ جہاں بیڈ پر اس کے کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ بے حد شارٹ کٹس ڈیپ گل والی شرٹس اور بے حد ٹائٹ جینز اور شارٹ سکرٹس دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

زاران نے ایک چھوٹی سی شرٹ اٹھائی جس کا اگلا پچھلا گلہ کافی ڈیپ تھا۔ شرٹ انتہا کی باریک بھی تھی۔ یہ کس قسم کے بیہودہ کپڑے ہیں ۔زاران نے وہ شرٹ بیڈ پر پٹختے ہوئے باقی بکھرے کپڑوں کو دیکھا جو سارے ایسے ہی ولگر تھے۔

نو نو یہ ابرش کے نہیں ہو سکتے !!وہ مجھ سے نکاح سے پہلے ویسٹرن ڈریسنگ کرتی تھی مگر اتنی بھی بولڈ نہیں کرتی تھی۔ زاران کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ اس نے جھنجھلاتے ہوئے ایک بلیک کلر کا ٹاپ اٹھایا جو انتہائی ولگر تھا۔ جس کے ساتھ اس کے پرائیویٹ پارٹس کے انر دیکھ کر وہ سرخ

چہرے کے ساتھ جھنجھلاتے ہوئے بیڈ پر پٹخ گیا۔ اتنے ولگر انر اس نے اس کے لیے بھی کبھی زیب تن نہیں کیے تھے تو کیا وہ یہ میچنگ کرتی رہی تھی۔

یہ سب دیکھتے زاران کے پورے وجود میں مرچیں سی دہکی تھیں۔ وہ بارود کا گولہ بنا تھا۔

امپاسبل!! میری بیوی ایسی ڈریسنگ نہیں کر سکتی۔ اس نے کبھی اس طرح کی ڈریسنگ نہیں کی ہو گی۔ زاران منہ پر ہاتھ پھیرتے غصے سے بڑبڑایا۔

پھر یہ کپڑے کیسے آئے اس کے پاس؟! کس لیے خریدے آخر اس نے یہ؟؟ زاران نے اس کی ایک اور بے حد شارٹ شرٹ اٹھا کر اسے دونوں ہاتھوں میں ریپ کرتے جھنجھلاتے ہوئے گولہ سا بنا کر زمین پر دے ماری۔

میری بیوی زاران خانزادہ کی بیوی ایسی ڈریسنگ نہیں کر سکتی۔ زاران نے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر نکالتے ہوئے اپنا غصہ دبانے کی ناکام سعی کی۔

پھر یہ کپڑے یہاں کیا کر رہے ہیں؟؟ زاران دیوار پر مکہ مارتے ہوئے غصے سے چلایا۔

اس نے یہ کپڑے یقیناً میرے لیے خریدے ہوں گے۔ میرے سامنے پہننا چاہتی ہو گی۔ امپاسپل زاران خانزاہ کی بیوی کبھی ایسے کپڑے باہر نہیں پہن سکتی۔ زاران نے دانت پیستے ایک بار پھر سے کپڑوں کو دیکھا۔ وہ شعلوں کی طرح دہک اٹھا تھا۔ ابرش نے ایک پل کے لیے بھی یہ کپڑے زیب تن کیے ہوئے یہ برداشت وہ نہیں کر سکتا تھا کسی صورت نہیں۔ زاران لب بھینچتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھا جہاں سے شاور لینے کی آواز آ رہی تھی۔

اس کے جوتے کے نیچے اب اس کا باڈی سپرے آیا تھا پھر سے وہ لڑکھڑاتے لڑھکڑاتے بری طرح بچا۔ زاران نے وہ جھکتے ہوئے باڈی سپرے اٹھایا۔

بلڈی سک وومین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زاران نے دانت پیسے۔

نہیں بلڈی سک مین۔۔ کیونکہ عنقریب یہ مجھے پورا پاگل بنا دے گی آدھا تو کر چکی ہے۔ زاران نے بڑبڑاتے ہوئے وہ باڈی سپرے پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔

ابرش اسی لمحے واش روم سے باتھ روب گاون میں ملبوس باہر آئی تھی۔ وہ زاران کو مکمل اگنور کرتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھی۔ زاران اس کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کر گیا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!! ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرائی۔

یہ سب کیا ہے ؟؟زاران خانزادہ نے کمرے کی طرف دیکھتے اس کی توجہ مبذول کرواتے دانت پیستے پوچھا تھا

یہ ایک بلڈی سک وومین نے اپنا غصہ اتارا ہے۔ایسے ہی اتارتے ہیں ناں!! اس حویلی کے سارے پاگل خان۔۔پرفیوم کی بوتلز توڑ کر کمرے میں کانچ بکھیر کر۔۔ آج یہ سب بلڈی سک وومین نے کیا۔کیسا لگا میرا غصہ ؟؟ابرش نے طنزیہ مسکراتے ہوئے زاران کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

ہمممم!!اچھی کوشش ہے ایک پاگل خان کی پاگل بیوی بننے کی۔ مگر بیوی تم ناکام رہی۔زاران نے بھی جواباً طنزیہ مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

اب میں بتاتا ہوں تمھیں اصل میں ایک پاگل خان کی پاگل بیوی کی ایکٹنگ کیسے کرتے ہیں ؟؟۔ایسے مزا نہیں آیا بیوی۔۔

زاران نے اس کی سلگتی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے لفظ چبائے۔

وہ اس کا بازو چھوڑتے ہوئے ڈریسنگ کی طرف بڑھا تھا۔ ڈریسنگ پر رکھا پرفیوم اٹھا کر زاران نے پوری قوت سے زمین پر مارا۔ ابرش بری طرح ہڑبڑاتے ہوئے پیچھے ہوئی۔

زاران نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا دوسرا پرفیوم اٹھا کر وہ بھی زمین پر دے مارا تھا۔ کمرے میں اس کی سینٹ پھیلی تھی۔ وہ زمین پر گرتا چکنا چور ہو چکا تھا۔ زاران نے اب ایک اور سینٹ کی بوتل اٹھا کر زمین پر ماری۔ ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنا باتھ روب گلے سے پکڑے کھینچتے ہوئے مزید گہری سانسیں لیں تھیں۔ اسے گھٹن سی ہونے لگی تھی۔ کمرے میں ہر طرف کانچ اور پرفیوم پھیل چکا تھا۔

ایسے ایک پاگل خان کی بیوی بنتے ہیں۔ زاران نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ابرش کی نایٹ کریم کی شیشی اب زمین پر مارتے ہوے اس کا تمام میک اپ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہاتھ مارتے ہوے ایک جھٹکی سے زمین بوس کیا۔

آیندہ اگر ایک پاگل خان کی بیوی بننا ہوا تو پوری طرح بننا۔ یہ آدھا ادھورا پاگل پن مجھے پسند نہیں۔۔ زارن خانزادہ لفظ چباتے ہوے اس کے مقابل آیا۔

ابرش دوسری طرف دیکھتے ہوے اپنی اگلی گردن نرمی سے ہباتھ سے سہلا رہی تھی۔ اسے اس سرد کمرے میں گھٹن ہو رہی تھی۔ بے تحاشا گھٹن ہو رہی تھی۔۔

کیا کہہ رہا ہوں میں ؟؟ زاران نے اسے بازو سے جکڑے اس کا چہرہ نرمی سے دبوچتے ہوے اپنے مد مقابل کرتے ہوے آئی برو اچکائے۔

جیسے آپ کا حکم مسٹر خانزادہ!! آیندہ آپ کو کمرے میں آنے پر ایسے ہی کمرہ ملے گا۔۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد برفیلی آواز میں بولتے ہوے اپنے منہ سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوے واش روم کی طرف بڑھی۔ وہ اسے بازو سے جکڑے پھر سے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

ساری رات پڑی ہے شاور لیتی رہنا۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ یہ بیہودہ کپڑے تم نے کب خریدے اور کیوں؟؟

زاران نے سلگتے ہوے سوال کیا جو اس کے دماغ کی رگیں پھڑکا گیا تھا۔

تمھارے لیے یہ بیہودہ ہوں گے مسٹر خانزادہ!! مگر امریکہ میں ایسے ہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ابرش اس کی سلگتی جلتی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی تھی۔

You know very well Mr khanzada!!

ابرش اس کی طرف جھکتے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے اس کے خون میں شرارے دوڑا گئی تھی۔۔

کیا مطلب ہے ابرش اس بات کا؟؟زاران کی سانسیں گہری ہوئیں تھیں۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔

وہی جو تم سمجھ رہے ہو!!یاد ہو گا تم نے مجھے پہلی ملاقات میں کیسی ڈریسنگ میں دیکھا تھا اور کیا کہا تھا۔

!!باہر کی عورت میں دیکھنے کے لیے کچھ تو خاص ہونا چاہیے۔۔اور تمھیں خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔۔ تمھارے پاس حسن کی کمی

نہیں ہے اور جو تمھارے پاس ہے تم اس کی بھرپور نمائش کرنا بھی جانتی ہو!!

ابرش نے ان دونوں کی ہوئی پہلی ملاقات کے لفظ دہرائے زاران جبڑے بھینچ گیا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا۔

میری خوبصورتی سے تمھارے نزدیک میرا چہرہ نہیں بلکہ کچھ اور تھا یاد ہے ناں تمھیں پہلی ملاقات میں تھاری نظر میرے چہرے پر نہیں یہاں تھی۔ ابرش نے اپنی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا۔ زاران نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی پچھلی گردن رب کی۔ اب اسے کمرے میں گھٹن ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن جھنجھلاتے ہوئے کھول گیا تھا۔

!!اور یہ بھی کہا تھا مجھے کوئی بھی مرد دیکھے بغیر گزر نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے مجھے ایسے حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے؟؟جو مردوں کی نگاہوں سے چھپ نہیں سکتا!!

ابرش!!زاران پھولتی رگوں کے ساتھ غصے سے چیخا۔

او۔۔ مسٹر خانزادہ کی غیرت جاگ گئی۔ ابرش اس کے چیخنے پر مدھم سا ہنسی تھی۔

آئی ایم سوری!!مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ یہ بات تو تم نے تب کہی جب میں تمھاری غیرت نہیں تھی۔ اور تمھارے نکاح میں آنے کے بعد مجھ پر کسی نے نگاہ ڈالی تک نہیں۔ بلکہ میں نے خود پر ڈالنے بھی نہیں دی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں میں ابرش پاشا نہیں ابرش خانزادہ ہوں سر سے پیر تک مسٹر خانزادہ کی ملکیت۔۔۔ وہی مجھے اب چھو سکتا دیکھ سکتا

ہے۔ ابرش اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے گہری ہوتی سانسوں سے سپاٹ لہجے میں بولی۔

یہ سب تو میں پہلے کی بات کر رہی ہوں۔ اور یہ ڈریسنگ بھی میں تم سے نکاح سے پہلے کرتی تھی۔ اس لیے تمھیں کوئی مسلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم چاہو تو تمھارے سامنے کمرے میں پہن کر کیٹ واک کر سکتی ہوں۔ مجھے کوئی مسلہ نہیں آخر بے شرم بیوی جو ہوں مجھے کیا شرم؟! ابرش اس کی سرخ اشتعال زدہ آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھی ایک ایک کپڑا اٹھا کر تہہ کرنے لگی۔

تم یہ سب جھوٹ بول رہی ہو!! تم یہ بیہودہ ڈریسنگ نہیں کر سکتی۔۔ چاہے تم میرے نکاح میں نہ بھی ہو پھر بھی نہیں کر سکتی!! تم یہ سب مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے کہہ رہی ہو مجھے جلا رہی ہو۔ مجھے آگ لگا رہی ہو۔ میں نے

پلوشہ سے کافی بنانے کا کہا۔ تم اسی بات کا بدلہ لے رہی ہو۔ ورنہ میری ابرش ایسی ڈریسنگ نہیں کر سکتی۔ امپاسبل۔ زاران خانزادہ نے دہکتی نظر ایک بار پھر سے ان کپڑوں پر ڈالی تھی۔

کتنی خوش فہمی ہے تمھیں مسٹر خانزادہ!! تم پلوشہ سے بات کرو گے اور میں یہ سب کروں گی۔ مجھے اب فرق نہیں پڑتا تم کسی بھی عورت سے بات کرو یا کچھ بھی!! جلنا چھوڑ دیا ابرش پاشا نے!! ابرش نے اطمینان سے کہتے سب سے بیہودہ بلکیک شارٹ شرٹ اور انر اٹھایا۔ یہ شرٹ اور انر دیکھ کر زاران آتش گیر مادہ بنا تھا۔

میں ابرش پاشا نہیں مسٹر خانزادہ!! ابرش انگشت شہادت اٹھائے ہلکا سا ہنسی تھی۔

میں ابرش پاشا نہیں ہوں۔ پاشا میں ایسا کیا تھا جو اس کا نام خود کے ساتھ لگا کر فخر محسوس کروں۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے ابھی تک انگشت شہادت اٹھائے ہوے تھی۔

میں ابرش خانزادہ بھی نہیں ہوں۔ ابرش نے سپاٹ انداز میں سر نفی میں ہلایا۔

میں صرف ابرش ہوں مجھے اپنے نام کے ساتھ کسی مرد کے نام کی ضرورت نہیں۔ ابرش انگشت شہادت اٹھائے زاران کو دیکھتے زخمی سا مسکرائی۔

اس کی بات پر زاران کی رنگت تانبے کی مانند سرخ ہوئی تھی۔ دہکتی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑے انر اور ٹاپ پر تھیں۔

آج سے میں صرف ابرش ہوں۔ وہ مضبوط اٹل لہجے میں بولتے سر جھٹکتے مسکراتے ہوئے باقی کپڑے فولڈ کرنے لگی۔

زاران بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھتے اسے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔ وہ اپنا ایک گھٹنہ اس کے ایک طرف رکھ گیا۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے پیچھے کو ہوتی کراؤن کے ساتھ جا لگی تھی۔

زاران نے بہت نرمی سے وہ ٹاپ ابرش کے ہاتھوں سے لیا۔

یہ بھی پہنا تھا تم نے باہر نکلتے ہوئے زاران نے وہ ٹاپ اور انر اس کی آنکھوں کے آگے لہراتے سرد لہجے میں پوچھا۔

وہ ایک گھٹنہ اس کے ایک طرف رکھے اس پر جھکے اپنی لہو اتری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے ہوئے تھا۔

ابرش اسے اب گہرے سانس لیتے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا بیوی ابھی تو بہت زبان چل رہی تھی۔ اب اتنی خاموشی اوہاں!!

میری بے شرم بیوی کو ایسے تھوڑی پسند ہے۔ اسے میری نزدیکی بہت بھاتی ہے۔ میرا کسرتی ہیر لیس کٹس والا سینہ !!یعنی مسٹر سکس پیک کی باڈی بہت پسند ہے۔ زاران اسے آنکھ مارتے اپنی شرٹ اتار گیا تھا۔

وہ اس کی تھائس کو جکڑتے اسے اپنی طرف کھینچتے بیڈ پر لٹاتے اس کے اوپر آتے اپنا تمام وزن اس پر ڈال گیا۔

وہ انر اور شارٹ ٹاپ ابھی تک زاران کے ہاتھ میں تھا۔

اب بتاؤ یہ ٹاپ بھی پہنا ہے تم نے ؟؟زاران نے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد برفیلی لہو رنگ آنکھیں گاڑھیں۔

ابرش اسے صرف گہری سانسیں لیتے دیکھ رہی تھی۔

زاران کی آنکھوں میں ایک وارننگ تھی ایک برف تھی جو اس کا خون منجمند کر رہی تھی۔

او۔۔۔ابھی بھی خاموشی!!میری بے شرم بیوی کو اس سے زیادہ پسند ہے۔جب تک اس کی دھڑکنوں پر اپنی جنونیت نہ ڈھادوں اسے کہاں مزا آتا ہے۔زاران نے کہتے ہوے اس کی باتھ گاؤن کی ڈوری کھینچ کر کھولتے ہوے اس کا گاون بھی کھول دیا۔

زاران!!ابرش اپنا گاؤن سینے سے مٹھی میں جکڑے چیخی تھی۔۔

خاموش آواز نہ آئے اور اونچی تو بلکل نہیں!!اب بتاؤ یہ کپڑے کس کے ہیں اور یہ بیہودہ ٹاپ بھی پہنا ہے۔زاران نے سوالیہ لہجے میں غراتے ہوے وہ

انر اس کے منہ پر مارا۔ ابرش نے وہ انر اپنے چہرے سے ہٹاتے ہوئے زاران کو دیکھا۔

بتاؤ بیوی دیر مت کرو! آگ لگی ہے میرے اندر جاناں۔ اس آگ میں تمھیں بھی بھسم کر دوں گا۔ مجھے برداشت تم کر سکتی ہو بلکہ ضروت سے زیادہ ہی کر سکتی ہو۔ مگر آج وہ انداز اپناؤں گا تمھاری سانسیں پہلے سٹروک سے ہی رک جائیں گی۔ اس لیے بنا رکے بتاؤ مجھے یہ بیہودہ ڈریسنگ تم نے کی کبھی؟؟ وہ اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے ہوئے غرایا۔

بتاؤ وہ اس کی دھڑکنوں پر جھکتے وہاں اپنے دانت گاڑھتے اب دھاڑا۔

مم میں نے کبھی نہیں پہنے۔۔ یہ زاران۔۔ مم میں ایسے ڈریسز پہن کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ یہ تو مم میں نے تم۔۔ مم میرا مطلب ہے آپ کے لیے آرڈر کروائے تھے۔ ابرش اس کی دھاڑ اس کی شدت پر بری

طرح لرزتے ہوے ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا گئی تھی۔۔زاران اس کی بات پر مزید غصے سے دہکتے ہوتے اس کی دھڑکنوں پر اپنی سفاکیاں ڈھاتے اسے شدت سے سرخ کرتے اس کی جان نکال گیا تھا۔ابرش کی سسکیاں اس کی سفاکی پر گونج رہی کمرے میں گونج رہی تھیں۔وہ ہاتھوں کا استعمال کرتے اسے بری طرح تڑپا رہا تھا۔وہ سچ میں تڑپ اٹھی تھی

زاران اس کے چہرے کی طرف دیکھتے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

ایک بات یاد رکھنا!! آیندہ مجھے جلانے تڑپانے غصہ دلانے کے لیے ایسے کسی بیہودگی کا ڈرامہ کیا۔کسی دوسرے مرد کا نام لیا برداشت نہیں کروں گا۔تم میری ہو میری تھی اور مرتے دم تک میری رہو گی۔اب تم پر کسی مرد کی نظر تو دور تمھارے لبوں سے بھی کسی مرد کا نام گوارا نہیں۔ن

ہ یہ چیپ فضول پاگل پن کے دورے سمجھی تم۔۔زاران اس کی آنکھوں مین دیکھتے گر جاتھا۔ابرش نے سہمتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔

زاران لب بھینچے اس کے اوپر سے اٹھتا دوسری سائیڈ پر آیا۔

ابرش گہرے سانس لیتے بیڈ سے اٹھی تھی اپنا گاون کی ڈوری بند کیے وہ بیڈ سے اتری۔

کہاں جارہی ہو اب؟؟زاران نے اسے واش روم کی طرف جاتے دیکھتے غصے سے دانت پیستے ہوے پوچھا۔

شاور لینے جارہی ہوں آجاؤ تم بھی!!ابرش نے مڑتے ہوے اس کی طرف دیکھتے چلاتے ہوے کہا۔اس کی سفاکیاں ابھی بھی اسے ہلکان کیے ہوے تھی. آرہاہوں ڈارلنگ!!دروازہ بند مت کرنا اکٹھے شاور لیتے پھر مل

کر جھینگالالاہو ہو کریں گے۔زاران نے بھی جواباً طنز آوار کرتے ہوے اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔

ابرش غصے سے واش روم کی طرف بڑھتے دروازہ دھاڑ سے بند کر چکی تھی۔

پاگل خانے میں پہلے ہی بکنگ کروالینی چاہیے کیا پتہ بعد میں ملے یا نہیں۔

۔زاران نے غصے سے وہ تمام ڈریسز زمیں پر پھینکے۔میرے لیے خریدے ہیں پہنے تو کبھی ہیں نہیں۔۔زاران بڑبڑاتے ہوے اوندھے منہ لیٹے تکیہ منہ پر رکھ گیا

ارحام خانزادہ دبئی کے ایک بہت بڑے ہوٹل میں بیٹھے انویسٹرز کے ساتھ میٹنگ میں مصروف تھا۔مگر وہ وہاں ہوتے ہوے بھی نہیں تھا۔دل دماغ

اپنی خوبصورت بیوی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ اس وقت بلیک کلر کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔

ارحام نے بے چینی سے اپنی شرٹ کا تیسرا بٹن بھی کھول دیا تھا۔ سامنے بیٹھے انویسٹرز کیا کہہ رہے تھے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ارحام خانزادہ نے ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگائے ایک ہی سانس میں ختم کر ڈالا تھا۔

وہ چاہتا تو یہ میٹنگ اٹینڈ کرنے اپنے کمپنی کے کسی سینیر ایمپلائے کو بھی بھیج سکتا تھا۔ مگر وہ خود چلا آیا۔

وہ اس کی حویلی میں ہو پھر بھی وہ اس سے دور ہو کیسے ممکن تھا؟؟ اس جیسے انسان کے لیے اپنی زندگی اپنی محبت اپنے جنون سے دور رہنا۔ نہ اس کی آنکھوں کا گلابی پن کسی اور کے لیے برداشت تھا۔

وہ صوفے سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے غیر مرئی نقطے پر نظریں جما گیا تھا۔

انویسٹرز اس کی عدم دلچسپی محسوس کر چکے تھے۔

وہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گیے تھے۔ ارحام کا ان پروفیشنل بیہیویر انھیں بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

ارحام خانزادہ صوفے کی سطح پر دونوں بازو پھیلانے کے انداز میں رکھے ہوے اب سر بھی صوفے کی سطح پر ٹکائے اپنی نگاہیں دبئ کے عالیشان ہوٹل کی شاندار چھت پر گاڑھ گیا۔۔!!وہ ساحر مر گیا حور!! تمھارا ساحر مر گیا حور!!وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ مر گیا حور جو تم پر مرتا تھا حور!!

سماعتوں میں لفظ گونجتے اسے ابھی تک جیسے پاگل کیے ہوے تھے۔ یہ لفظ دن رات ایندھن کی طرح دہکائے ہوے تھے۔ سوتے میں بھی سماعتوں میں گونجتے رہتے تھے۔

!!لیکن ریپوٹیشن تو اس نے کھو دی تھی مگر حور سلطان شاہ کی محبت کو تو پالیا تھا۔۔ سلطان شاہ نے ان دونوں کی مگنی کر دی تھی۔۔ عاشق ہو تو ایسا ہو ساحر خانزادہ جیسا۔!! یہ لفظ تو اصل میں جان نکالتے تھے حور کی محبت کو پالیا تھا۔

بے جان دل کو تیرے عشق نے زندہ کیا

پھر تیرے عشق نے ہی اس دل کو تباہ کیا

اس جیسا عاشق !!وہ زیر لب آہستگی سے بولتے زخمی سا مسکرا گیا تھا۔ اپنے کوٹ کی پاکٹ سے سگریٹ لائیٹر نکالتے ہوے سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

انویسٹرز ایک دوسرے کی طرف دیکھتے خاموشی سے کافی غصے سے وہاں سے چلے گئے تھے۔ وہ یہ ڈیل کینسل کر چکے تھے۔ ارحام خانزادہ سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ ارحام خانزادہ اب اپنا موبائل کوٹ کی پاکٹ سے نکالے سیدھا ہوا۔ اپنی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے گہرا سانس لیا۔

آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ مائی بیوٹی مائی جان !!مائی بچہ آئی لو یو سو مچ !! ٹیکسٹ ٹایپ کرتے ہوے اس نے اس ستمگر کے نمبر پر سینڈ کیا۔

ارحام اب بے چینی سے سکرین پر نظریں گاڑھے ہوے تھا۔ بلو ڈبل ٹک پر اس کی دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔ میسج سین کر لیا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اسی لمحے بے چینی اور دھڑکتے دل سے اس ستم گر کا نمبر ڈایل کیا

آف آنے پر وہ لب بھینچ گیا تھا۔ وہ اس کا میسج سین کر کے وہ فون آف کر چکی تھی۔ ارحام خانزادہ جلتا سگریٹ انگلیوں کے پوروں میں دبا گیا ۔ آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

فون ہاتھ میں پکڑتے اس نے پاکستان کی سیٹ اسی لمحے کنفرم کروائی۔ وہ صوفے سے اٹھتے تیز تیز قدموں سے اس ہوٹل سے نکل گیا تھا۔

ارحام خانزادہ کی بڑی سی مرسڈیز کے ٹایر حویلی کے کارپورچ میں آکر چراچرائے تھے۔ وہ عجلت اور بے چینی سے اپنی گاڑی سے اترتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اس وقت بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ دبئ کی میٹنگ سے اسی وقت فلایٹ لے کر پاکستان چلا آیا تھا۔

اس کے سیاہ بوٹوں کی دھمک جیسے پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ تھا جہاں شدید بے چینی اظطراب پھیلا ہوا تھا۔ جب وہ اتنی ضروری تھی کہ اس کے بغیر سانسیں چلنا محال تھیں تو کیوں اسے تکلیف پہنچائی؟؟۔ کیوں اسے آنسو دیے؟؟ وہ ہی برداشت کر لیتا۔

محبت کا اصول تو یہی ہے اس کے بن جاؤ یا پھر اسے اپنا بنالو۔ اور وہ پور پور رگوں پے سے صرف اپنی حور کا تھا وہ بھی تو صرف اس کی تھی۔ صرف اس

کی!! سر سے پیر تک صرف اور صرف ارحام خانزادہ کی!! صرف میری ہے وہ!! ارحام خانزادہ مضبوط اٹل لہجے میں خود سے کہتے اندر کی جانب بڑھا۔

اسلام و علیکم مورے!! ارحام نے امینہ خانم کو دیکھتے سلام کیا۔

و علیکم و سلام میرا بچہ میرا ارحام!! امینہ خانم جلدی سے صوفے سے اٹھیں۔ ارحام مسکراتے ہوے انھیں اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

ٹھیک ہوں مورے! ارحام نے ان کے ہاتھ پکڑتے ان کی ہتھیلیاں نرمی سے چومتے ہوے ان کے ہاتھوں کی پشت کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔

امینہ خانم مدھم سا مسکرا گئی تھیں۔ ان کے بیٹوں میں صرف ارحام ہی تھا جو ہتھیلیاں چومنے کے ساتھ ہاتھوں کو بھی عقیدت سے اپنی آنکھوں سے بھی لگاتا تھا۔

بچپن سے کہتا تھا کہ ایسا کرنے سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے۔

مورے جادو ہے آپ کے ہاتھوں میں دنیا میں کوئی لمس اتنا ٹھنڈک بخش نہیں جتنا آپ کے ہاتھوں کا لمس ہے۔ میری جلتی آنکھیں سکون پا گئی ہیں۔ ارحام خانزادہ نے ایک بار پھر سے ان کی ہتھیلیاں چومتے آنکھوں سے لگائیں۔ جو اتنے دنوں سے اس کی جلتی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا گئی تھیں۔

کیا ہوا ہے آج تم کو؟؟ اتنا محبت اپنا مورے سے!! ابڑا دنوں بعد تم کو اپنا مورے یاد آیا ہے۔ امینہ خانم نے شکوہ کیا تھا۔

مورے کو بھلا کوئی بھول سکتا ہے؟؟ وہ بھی دنیا کی سب سے اچھی مورے کو کون بھول سکتا ہے؟؟۔ اس آغوش میں ہی تو میرے لیے سکون ہے۔ ارحام خانزادہ ان کے ہاتھ تھامتے انھیں نرمی سے صوفے پر بٹھا گیا تھا۔ خود ان کے قدموں میں بیٹھتے ان کی گود میں سر رکھ گیا

امینہ خانم نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ بہت سکون ہے مورے آپ کی خوشبو آپ کی گود میں!!وہ ان کی لیپ کو نرمی سے چومتے اپنی آنکھیں موند گیا تھا۔

امینہ خانم نے لب بھینچتے ارحام خانزدہ کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ وہ ان کی آغوش میں کیوں سکون ڈھونڈ رہا تھا وہ سمجھ گئی تھیں۔ وہ کافی بے سکون لگ رہا تھا۔ کل ہی دبئی گیا تھا آج واپس بھی آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کتنا اظطراب بے چین تھا وہ ان سے دیکھا نہیں گیا تھا۔ مرد بیوی کی آغوش میں سکون نہیں پائے گا تو اپنی مورے کی ہی یاد آئے گی۔ امینہ خانم نے گہرا سانس لیتے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

حور پر انھیں شدید غصہ آیا تھا۔ وہ جب سے اس کی زندگی میں آئی تھی ارحام خانزادہ کو ایسے ہی بے چین بے سکون دیکھا تھا۔ وہ حویلی آ گئی تھی

اس کا الگ کمرے میں رہنا امینہ خانم کے غصے اور اشتعال میں اب آضافہ کر رہا تھا مگر وہ صرف ارحام خانزادہ کی وجہ سے خاموش تھیں۔

ہم کو تم سے بات کرنا ہے ارحام!! امینہ خانم کی بات پر آرحام خانزادہ نے ان کی گود سے سر اٹھاتے انھیں دیکھا۔ ان کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر وہ زمین سے اٹھتا ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

جی کہیں مورے!! ارحام خانزادہ بھی سنجیدہ ہوا تھا۔

امینہ خانم نے بات کس متعلق کرنی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔

ہم کو تمھارا بیوی کا یہ انداز و اطوار پسند نہیں ہے۔ امینہ خانم کی بات وہ مزید سنجیدہ ہوا۔ کونسے انداز و اطوار مورے؟؟ ارحام نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

ارحام کو تم کو اچھا طرح معلوم ہے ہم کیا کہہ رہا ہے؟؟ اگر تمہارا بیوی کو یہ سب کچھ کرنا تھا پھر وہ حویلی کیوں واپس آیا؟؟ شادی شدہ زندگی میں ایسا نہیں ہوتا عورت مرد سے بچتا بچاتا رہے۔ وہ تمھارا بیوی ہے تم سے بہت چھوٹا بھی ہے مگر بچی نہیں ہے۔ اپنا مرد سے بارہ تیرہ سال چھوٹا ہونا بڑا معمولی بات ہے۔ ہمارا جب شادی ہوا ارحام ہم پندرہ سال کا تھا۔ تمھارا بابا 21 سال کا تھا۔ ہم نے تو اتنا چھوٹا عمر میں بھی کبھی ایک کمرہ سے دوسرا کمرہ میں پناہ نہیں لیا۔

شادی کا مطلب کیا ہوتا ہے مرد عورت ایک دوسرے کا حقوق پورا کرے۔ مرد کا بستر کا حقوق پورا کرنا عورت کا ذمہ داری ہوتا ہے۔ تمھارا بیوی کو تو جیسے کچھ پتہ ہی نہیں۔ تمھارا حالت بھی اس کو نظر نہیں آتا ایسا لگتا جیسا تمھارا تڑپ کا مزا لے رہا ہے وہ۔۔

امینہ خانم کی بات پر ارحام خانزادہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا وہ جبڑے بھینچے اپنی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول گیا۔

مورے مجھے بلکل پسند نہیں۔ آپ اس طرح کی باتیں یوں مجھ سے یہاں لاونج میں کریں۔ ہر بات ہر رشتے میں ایک پردہ ایک لحاظ ہوتا ہے آپ مورے ہیں میری آپ کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ مگر مجھے سخت ناپسند ہے میری عورت کے حوالے سے ایسی کوئی بھی بات کی جائے۔ بہنیں ہیں میری اس حویلی میں بھائی ہیں میرے!! کوئی بھی سنے گا مجھے اپنی ذاتی باتیں تشہیر کرنا سخت ناپسند ہے۔ ارحام خانزادہ نے بے حد سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی۔

ہم کو پتہ ہے کونسا بات کہاں کرنا ہے ؟؟۔ مگر اس کا یوں الگ کمرہ میں رہنا ہم کو بلکل پسند نہیں ہے۔ اگر تمھارا بیوی تمھارا سکون کا خیال نہیں رکھے گا تو ہمارا دل میں اس کا کوئی گنجائش نہیں ہو گا۔ ہم کو اپنا بیٹوں کا سکون چاہیے

ان کا چہرہ پر مسکراہٹ چاہیے۔ ورنہ ان کا اس حویلی میں رہنے کا کیا فایدہ ؟؟ ہم نے تم کو بولا اس کو پیار سے رکھو اس کا آگے جھک جاؤ۔ اس کا نخرے اٹھاؤ۔ مرد کو عورت کا نخرے اٹھانا بھی چاہیے۔ جتنا بار وہ خفا ہو مرد کو ہی منانا چاہیے۔ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوا اس لیے وہ فطرتا ٹیڑھا ہے۔ مرد اس کو سیدھا کرنے کا چکر میں اس کو توڑ سکتا ہے۔ مگر سیدھا نہیں کر سکتا۔ ہم آج بھی یہی کہہ رہا ہے وہ کم عمر ہے پھر بہت خوبصورت ہے اور بہت بڑے باپ کا اکلوتا بیٹا بھی ہے۔ اس میں نخرہ ہونا بڑا بات نہیں ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں وہ ہمارا بیٹا سے اپنا کمرہ الگ کر لے۔ تم کو تمھارا حق لینے سے منع کرے۔

امینہ خانم کی بات پر ارحام کی رنگت ایک بار پھر اشتعال سے سرخ ہوئی تھی ۔۔ان کے احترام میں وہ سختی سی اپنے لب ایک دانتوں میں پیوست کر گیا تھا۔

یہ حق اور بستر کی باتیں اسے کسی کے سامنے کرنا پسند نہیں تھیں۔ امینہ خانم سے اتنی کھلی باتوں کی اسے توقع نہ تھی۔

مورے وہ پریذے کی وجہ سے اس کے کمرے میں سو رہی ہے ا۔یسی کوئی بات نہیں جیسے آپ سوچ رہی ہیں۔ میں نے خود اسے اجازت دی ہے۔ ارحام نے ظبط سے وضاحت دی۔

مرد چار دن بعد گھر آئے تو اس کا جوان خوبصورت بیوی اس کا پاس نہیں اس کا بیٹی کا پاس سوئے اور اس سب کا آجازت اسے اس کا مرد دے اس کا کیا مطلب ہوا؟؟ مرد کا پاس کیا دوسرا عورت ہے یا گھر میں رہنا والا عورت اس

کا دل سے اتر گیا ہے۔ وہ بھی وہ عورت جو اتنا خوبصورت ہو کیسے ایک مرد اس عورت کا بغیر رہ سکتا ہے۔ جس پر مکمل حق رکھتا ہو۔ امینہ خانم نے طنزیہ وار کیا تھا۔

ارحام کی آنکھوں میں اب غصے کے شرارے پھوٹے تھے۔

جب تم اس سے نفرت کرتا تھا۔ جب تمھارا آنکھیں اس کا نفرت میں سلگتا رہتا تھا۔ تب بھی تم نے اس کو اپنا پناہوں اپنا کمرہ سے الگ نہیں کیا تھا تو پھر آج کیسے ؟؟

بس مورے بس !! میں کیا کہہ رہا ہوں آپ سے مجھے نہیں پسند آپ مجھ سے اس طرح کی باتیں کریں۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے میں دیکھ لوں گا۔

ارحام خانزادہ سختی سے کہتے صوفے سے کھڑا ہوا۔ آواز اونچی ہوئی تھی۔

امینہ خانم بھی اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے صوفے سے کھڑی ہوئیں۔

تم کو ہمارا درد نظر نہیں آتا۔ ہمارا تکلیف نظر نہیں آتا؟؟ جو تمھارا بے سکون چہرہ دیکھ کر ہمیں پہنچتا ہے۔

بیٹا ہے تم ہمارا وہ بھی سب سے بڑا ہمارا جان کا ٹکڑا ہے تم۔ تم اچھی طرح جانتا ہے جہاں تم وہاں شہر ام زاران نہیں ہے۔ نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم کو لگتا ہے وہ تمھارا برابری بھی نہیں کر سکتا۔ ایک مورے اپنا اولاد میں فرق نہیں کرتا۔ مگر ہم سے پوچھو ہم کو لگتا ہے ہم کرتا ہے۔ تمھارا آگے ہم کو کوئی پیارا نہیں ہے۔ پتہ نہیں یہ ہمارا ڈر ہے کہ ہم نے تم کو جنم نہیں دیا۔ ہم تمھارا سگا ماں نہیں۔ ایسا لگتا ہے تم ہم کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ہم جیسے اپنا دوسرا بیٹوں کا جدائی برداشت کر سکتا مگر تمھارا نہیں۔ امینہ خانم کا لہجہ شدت سے بھر آیا تھا۔

مورے کس نے کہا آپ میری سگی ماں نہیں۔ مجھے تو کبھی اپنی مورے تک یاد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ ان کا چہرہ یاد کرتا ہوں تو آپ کا چہرہ سامنے آ جاتا ہے۔ میں کیوں آپ کو چھوڑ کر جاؤں گا؟؟ میں کبھی اس حویلی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں میری بیٹی میری بیوی آپ کے پاس ہی رہیں گے

ارحام نے ان کے بھیگی آنکھیں دیکھتے اپنی پیشانی انگلی سے مسلی ان کا بھیگا لہجہ اسے پریشان کر گیا تھا۔

تو پھر کیوں تم بار بار حویلی چھوڑ کر جانے کی بات کرتا ہے؟؟ گل کا مرتبہ کتنا بڑا باتیں ہو جاتا تھا تم نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ اس کا اتنا اصرار اتنا ضد کرنے پر بھی تم کبھی اسے اسلام آباد لے کر نہیں گیا۔ ہمارا کہنے پر بھی نہیں لے کر گیا۔ امینہ خانم نے روتے ہوے شکوہ کیا۔

مورے یہاں گل کا کیا ذکر؟؟ وہ میری زندگی میں نہیں ہے آپ سب کیوں اس کا ذکر کرتے ہیں؟؟۔ مجھے بلکل پسند نہیں آپ ایک غیر عورت کو میری بیوی پر ترجیح دیں۔ ارحام کا لہجہ پھر سے سخت ہوا تھا۔

وہ تمھارا بیٹی کا ماں ہے۔ امینہ خانم نے پہلے سے بھی زیادہ بھرائی آواز میں کہا۔

نہیں ہے ماں مورے وہ!! پریذے کی ماں صرف حور ہے۔ اگر آپ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ماں پیدا کرنے والی ہوتی ہے تو مورے میرے نزدیک آپ کا رتبہ میری سگی ماں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب میں اپنی مورے کو بھول سکتا ہوں تو پریذے کے لیے صرف اس کی ماں حور ہے۔ ارحام امینہ خانم کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

امینہ خانم اپنی آنکھیں اپنی چادر سے رگڑتے صوفے پر بیٹھیں تھیں۔ ان کے بہتے آنسو دیکھ کر وہ پریشان ہوتے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھا۔ ان کی عادت تھی وہ کبھی ایسے نہیں کرتی تھیں۔ نہ اس کے معاملے میں بولتی تھیں نہ بحث کرتی تھیں۔ آج ان کا رویہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا

وہ پریشانی سے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ حور نے کچھ کہا ہے آپ سے ؟؟ کوئی بدتمیزی کی آپ سے ؟؟ ارحام خانزادہ بے حد سنجیدگی سے استفسار کیا۔

بدتمیزی نہیں کیا اس نے۔ مگر اس کا تم سے الگ رہنا ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔! ہم کو تمھارا بیٹا کی بہت خواہش ہے۔ آج بھی سوچتا ہے یہ سب نہ ہوتا۔ گل اپنا بچہ نہ مارتا تو شاید اللہ تم کو بیٹا دیتا۔ اس لیے ہم تھوڑا جذباتی ہو گیا۔

امینہ خانم کی باتوں پر ارحام خانزادہ نے اپنے سرخ چہرے پر ہاتھ پھیرتے بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا۔ وہ جتنا چاہتا تھا گل کا ذکر نہ ہو اتنا ہی ہو رہا تھا۔

پتہ نہیں تمھارا یہ والا بیوی بھی تمھارا بچہ کا ماں بننا کا خواشمند ہے بھی کہ نہیں۔ ایسا لگتا ہے وہ صرف پریذے کا ماں بن کر ہی رہنا چاہتا ہے۔ ارحام خانزادہ نے ظبط سے اب صوفے سے ٹیک لگائے اپنے کوٹ کو جھٹکا۔

مورے میں بہت تھک گیا ہوں۔ میں آرام کروں گا اب!! ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے کہتے ٹیبل پر رکھے اپنے موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

تمھارا بیوی حویلی میں نہیں ہے۔ امینہ خانم کی بات پر اس موبایل کی طرف بڑھتا ہاتھ رکا تھا۔ چہرے پر اب ضبط کی لالی کے ساتھ پورا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

کیا مطلب حویلی میں نہیں ہے؟؟ ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچے پوچھا۔ دل میں غم و غصے کے ساتھ عجیب سے ڈر خوف نے ڈیرہ جمایا تھا۔ کیا وہ اس سے ناراض ہو کر حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے؟؟ اپنے باپ سلطان شاہ کے پاس چلی گئی ہے؟؟

اپنا باپ سے ملنے گیا ہے ساتھ میں تمھارا بیٹی کو بھی لے کر گیا ہے۔ آجازت تو دور کا بات۔ بتانا بھی ہم کو ضروری نہیں سمجھا۔ ہم کو کوئی غرض نہیں ہمارا کوئی بہو ہم کو نہ پوچھے۔ مگر پریذے ہمارا پوتی ہے۔ اس کا لیے تو ہم کو بتا

دیتا۔۔امینہ خانم نے بھرائی آواز میں کہتے اصل بات بتائی جو آج انھیں اندر تک سلگائے ہوے تھی۔

کب گئی وہ؟؟ارحام کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

ایک گھنٹہ ہونے کو آیا ہے۔باہر بہت زیادہ گاڑیاں آیا تھا۔درخشاں بتا رہا تھا سلطان شاہ باہر کتنا گارڈز اور گاڑیوں کے ساتھ آیا ہے۔۔امینہ خانم کی بات پر ارحام خانزادہ بے چینی سے موبایل ٹیبل سے اٹھائے کوٹ کی پاکٹ میں ڈالتے صوفے سے کھڑا ہوتے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

حور نے مسکراتے ہوے سلطان شاہ کو دیکھا جو اس کا ہاتھ پکڑتے اپنی نم آنکھوں کو لگا گیے تھے۔

پاپا!! حور نے بھی انھیں جو ابا نم آنکھوں سے دیکھتے ٹوکا تھا۔۔ پچھلے ایک گھنٹے میں وہ کوئی دسویں بار اس کا ہتھیلی چومتے ہوے آنکھوں سے لگا گئے تھے۔

کیا کروں میں بتاؤ مجھے ؟؟ جس انسان کے پاس جینے کی وجہ صرف اس کی بیٹی ہو۔ ورنہ زندگی بوجھ ہو اس کے لیے. وہ اپنی بیٹی کو لے کر اتنا ہی حساس ہو گا. اتنا ہی پوزیسو ہو گا اور سلطان شاہ اپنی بیٹی کے بے انتہا پوزیسو ہے۔ سلطان شاہ کی بات پر حور مدھم سا ہنسی تھی۔ اپنے سامنے بیٹھی پریذے کو دیکھا جو اسے لے کر پوزیسو ہو رہی تھی۔ اس کے پھولے ہوے

چہرے سے صاف عیاں تھا وہ اپنی ماما کے قریب سلطان شاہ کو برداشت نہیں کر رہی۔

پریذے جان!! آپ کارٹون دیکھیں گی۔ حور نے اس کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے پوچھا۔ وہ لوگ اس وقت سلطان شاہ کی بہت بڑی مرسیڈیز وین میں تھے۔۔ جہاں ہر چیز کی سہولت موجود تھی۔ یہ بہت بڑی امپورٹڈ گاڑی تھی جو کافی زیادہ سیٹس پر مشتمل تھی ہر چیز اوٹ میٹک تھی۔

جس میں امپورٹڈ کچن باتھ کی سہولت موجود تھی۔ کافی لگزیرز امپورٹڈ گاڑی تھی جو بہت بڑے امرا کے پاس ہوتی تھی۔

۔ حور نے ریموٹ سے بٹن دبایا۔ پریذے کے سامنے لگی ایل ای ڈی پر اس کے پسندیدہ کارٹون چلنا شروع ہو گئے تھے۔

حور نے ساتھ ہی بٹن دبایا پریذے کے سامنے بہت آہستگی سے سروس ٹیبل بھی اوپن ہوئی تھی۔ حور نے ایک اور بٹن دبایا خوبصورت ریک اوپن ہوا تھا۔ حور نے کچھ چپس اور چاکیٹس نکال کر پریذے کے سامنے اوپن سروس ٹیبل پر رکھے۔۔

پریذے جان انجوائے کریں۔۔ حور نے مسکراتے ہوے اس کی طرف دیکھتے آنکھیں جھپکائیں تھیں۔

اوکے ماما آئی لو یو!! پریذے نے سلطان شاہ کو دیکھتے کہا تھا۔۔

ماما لو زیو سو مچ!! حور اسے دیکھتے مسکرائی تھی۔ پریذے نے معصومیت سے سلطان شاہ کو جتانے کے انداز میں دیکھا۔

اب سلطان شاہ اپنی بیٹی کی توجہ پریذے پر محسوس کرتے جیلس ہوے تھے۔وہ انھیں مکمل اگنور کیے ہوے تھی۔

اوپاپا!!سلطان شاہ کا سنجیدہ جلن زدہ چہرہ دیکھتے حور نے ان کے سینے پر اپنا سر رکھا۔۔حور اس وقت گرے کلر کے سٹایلش سے عبائے میں ملبوس تھی۔ جس کا فلیر نیچے سے بہت زیادہ تھا۔سلیوز پر اوپر سے نیچے تک فل موتیوں کی لڑیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

حجاب وہ گاڑی میں داخل ہوتے اتار چکی تھی۔اب وہ صرف گاون میں ملبوس تھی۔سلکی بال کھلے ہوے تھے۔

آج کا سارا دن میری بیٹی میرے ساتھ گزارے گی۔ لنچ ڈنر ہم ساتھ کریں گے۔ سلطان شاہ نے کوئی تیسری بار اسے یہ بات یاد دلائی تھی۔

پاپا میں آپ کے ساتھ شاہ مینشن جانا چاہتی ہوں۔ کچھ دن رہنا چاہتی ہوں ۔۔ حور نے ان کے سینے سے سر اٹھاتے ان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

حور میری جان!! شاہ مینشن تمھارا ہے۔ تم اس کی مالک ہو۔

یہ بات کہنے کی ضرورت ہے۔ سلطان شاہ نے اس کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جانتی ہوں پاپا۔۔ سب کچھ میرا ہے کیونکہ سلطان شاہ میرا ہے اونلی حور سلطان شاہ کی ملکیت!! حور سنجیدگی سے کہتے مسکرائی تھی۔

ایسا ہی ہے سلطان شاہ پر صرف حور کا حق ہے یہاں تک سلطان شاہ کی سانسیں تک اس کی بیٹی کی آمانت ہیں۔

پاپا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ ایسا تو مت کہیں!! حور ان کا ہاتھ پکڑ کر رو پڑی تھی۔

ایسا ہی ہے بیٹا!! اگر مہر ماہ کے بعد میں کسی کا گناہ گار ہوں وہ تمھارا ہے۔ میری ایک غلطی نے۔۔ وہ بولتے ہوے رکے تھے۔ غلطی نے نہیں بلکہ گناہ نے مجھے تمھارا اور مہر ماہ کا مجرم بنا دیا ہے۔ سلطان شاہ جو ملینیر ہے اس کی زندگی میں مہر ماہ اور حور ہی سب کچھ تھے کیا ہوا انھیں ہی سب سے زیادہ تکلیف پہنچا دی۔ مہر ماہ کی تو سانسیں ہی چھین لیں۔

اگر تم نہ ہوتی تو حور خدا کی قسم مہر ماہ کو موت کی نیند سلانے کے بعد خود کی بھی جان لے لیتا۔ سلطان شاہ کی ہیزل گرے آنکھوں سے آنسو بہے تھے۔

حور تڑپتے ہوے ان کی عارض پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

مت یاد کروایا کریں پاپا یہ سب کچھ۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے یہ سفاک سچ۔ جس میں میرے باپ نے میری ماں کا قتل کیا۔ حور نے روتے ہوے ہچکی لی۔ وہ ابھی تک سلطان شاہ کے دونوں عارض پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔

میرے لیے میرا باپ آج بھی میرا سب کچھ ہے۔

سب کچھ ہے۔ اس نے کیا کیا سفاکی میری ماں کے ساتھ دکھائی؟! میں نہیں جانتی۔ یونکہ ماں کی آغوش نہیں یاد۔ صرف اپنے پاپا کی آغوش یاد ہے اس کا لمس یاد ہے۔

مجھے مت بتایا کریں یہ سب کچھ پاپا!! میرا دل اتنا مضبوط نہیں پاپا۔ جتنا آپ سب کو لگتا ہے۔ نہیں ہوتی مجھ سے برداشت یہ سفاک سچائیاں۔ وہ قیامت

رات یاد آ جاتی ہے پاپا۔ جب حور سلطان شاہ سڑکوں کی زینت بنی تھی۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ ماری ماری پھری تھی۔ وہ روتے ہوے سلطان شاہ کے ساتھ لپٹ گئی تھی

پاپا اس دل میں بہت غم ہیں۔ آپ نہیں جانتے مجھ پر کیا کیا گزری پاپا!! یہ دل کمزور ہے پاپا!! ماہ جبین نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی۔ ساحر نے بہت تکلیف پہنچائی پاپا!! آپ نے بہت تکلیف پہنچائی پاپا!! اس زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والے نے بہت تکلیف پہنچائی پاپا۔ وہ قیامت نکاح کی رات یاد آ جاتی۔ بہت پکارا تھا پاپا آپ کو! میری چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔

وہ سلطان شاہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے شدت سے رو رہی تھی۔

سلطان شاہ کا مضبوط ہاتھ حور کے سر پر کپکپا اٹھا تھا۔

"زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والا" سلطان شاہ کے لبوں نے بے آواز حرکت کی۔

ارحام خانزادہ نے تمھیں کیا تکلیف پہنچائی ہے ؟!۔ بتاؤ مجھے !! کیا تکلیف پہنچائی اس نے میری بیٹی کو ؟؟ اس کی جان سلطان شاہ اپنے ہاتھوں سے لے گا۔ اگر اس نے تمھیں ذرا بھی تکلیف پہنچائی ہوئی۔ کیا اس نے تمھارے ساتھ نکاح کی رات کو ؟! سلطان شاہ اسے شانوں سے پکڑ کر بھوکے شیر کی مانند غرا اٹھے تھے۔

حور نے منہ پر ہاتھ رکھتے سلطان شاہ کی سرخ آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ کیا بول گئی تھی اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا؟ حور نے پریذے کی طرف نگاہ کی جو غصے سے سلطان شاہ کو گھور رہی تھی۔

کیا کیا اس ارحام خانزادہ نے ؟؟ کوئی اوقات نہیں اس کی میرے سامنے۔ میری بیٹی کو تکلیف پہنچانے والے کو منوں مٹی سلا دوں گا۔ سلطان گہرے سانس لیتے دھاڑے۔

حور منہ پر ہاتھ رکھے صرف پریذے کو دیکھ رہی تھی۔ جو بہت غصے سے سلطان شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

پاپا کچھ نہیں کیا اس نے۔ جو کیا میں نے کیا۔ میں نے بتایا تھا نہ آپ کو میں نے کیا کیا؟؟ میں نے اس پر الزام لگایا۔ اس سے سب کچھ چھینا۔

اپنی چھوڑو یہ بتاؤ اس نے کیا کیا تمھارے ساتھ ؟؟ کیا نکاح کی رات ؟؟ سلطان شاہ غیض و غضب سے دھاڑے تھے۔

پاپا پریذے !! حور نے بھیگے لہجے میں پریذے کی موجودگی

کا احساس دلایا۔

Stop the van

سلطان شاہ غصے سے چیخے تھے۔

وین اسی ٹایم رک چکی تھی۔ حور بری طرح پریشان ہوئی تھی۔ پریذے گہرے سانس لیتے سلطان شاہ کو گھور رہی تھی۔ ان کے لبوں سے ارحام خانزادہ کے لیے یہ لفظ وہ برداشت نہیں کر پائی تھی۔

گاڑی رکتے ہی دوسری گاڑی سے سلطان شاہ کے گارڈ اترے تھے۔ وین کے آوٹ میٹک دروازے کھلے تھے۔

جی سر! ایک گارڈ اندر داخل ہوا۔

Take the child !!

سلطان شاہ نے حکم دیا

پاپا!!حور نے بے یقینی سے انھیں پکارا۔

سلطان شاہ ہاتھ کے اشارے سے حور کو بولنے سے روک چکے تھے۔

حور نے بے یقینی سے سلطان شاہ کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔

جہاں غیض و غضب کی لالی چھائی تھی

گارڈ پریذے کی طرف بڑھا

Dont come near my daughter or touch her

حور کھڑی ہوتی چیخی تھی۔

حور!!سلطان شاہ نے اسے حکمیہ لہجے میں پکارا۔

پاپا میری بیٹی کو گارڈ ٹچ نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایک فنگر بھی میری بیٹی کو لگائی۔ میں ابھی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ اور واپس جانے کے لیے کسی کی گاڑی میں بھی بیٹھ جاؤں گی مگر آپ کی گاڑی استعمال نہیں کروں گی۔ حور نے سرد سپاٹ لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

سلطان شاہ نے بے یقینی اور بے بسی سے حور کو دیکھا۔

جو انھیں سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اور گارڈ کو اشارے سے جانے کو کہا۔ وہ خاموشی سے چلا گیا تھا۔

تمھیں اپنی بیٹی جس کی کچھ دن پہلے تم ماں بنی اتنی پیاری ہو گئی کہ اپنے باپ کے مقابل کھڑی ہو رہی ہو۔ میرا سوچا تم نے میری کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک فنگر کا ٹچ تم برداشت نہیں کر پا رہی۔ میرے دل پر خنجر چل چکے

ہیں میری بیٹی کے ساتھ اس دندے نے آخر کیا کیا؟! سلطان شاہ حلق کے بل دھاڑے تھے۔

اب کی بار پریذے خوفزدہ ہوتے لرزی تھی

حور اپنی سیٹ پر بیٹھتے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا گئی تھی۔

Mama i dont like grad papa

مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔ پریذے روتے ہوئے بولی تھی۔

حور نے چہرہ اٹھائے سلطان شاہ کو دیکھا جو غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

اوکے پاپا میں آپ کو سب کچھ بتاؤں گی۔ مگر یہاں نہیں گاڑی سے نیچے اتریں۔ حور نے پریذے کی طرف دیکھتے کہا جو ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

سلطان شاہ اسی لمحے غصے سے وین سے نیچے اتر گئے تھے۔

بیٹا مجھے پاپا سے ضروری بات کرنی ہے میں آتی ہوں۔ حور نے پریذے کو دیکھتے کہا۔

نو ماما آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔ پریذے روتے ہوئے حور کی طرف بڑھی۔

پریذے میری جان ماما آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں گی۔ مجھے صرف پاپا سے بات کرنی ہے! میں ان سے بات کر کے پانچ منٹ میں واپس آجاؤں

گی۔ حور نے پریذے کو دیکھتے کہا۔ پریذے نے روتے ہوے ضدی انداز میں سر نفی میں سر ہلایا۔

پلیز بیٹا ماما آگے بہت پریشان ہے آپ تو مت کرو۔۔ حور اب رو پڑی تھی۔ اوکے ماما۔ پریذے حور کو روتے دیکھ کر خاموشی سے سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔۔ میں آتی ہوں۔ حور سنجیدگی سے کہتے گاڑی سے اتری۔

وہ واس قت بنا حجاب کے تھی۔ صرف سٹایلش سے گاون میں ملبوس تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے سلطان شاہ کی طرف بڑھی. وہ ریلنگ کے سہارے کھڑے ہو کر نیچے بہتے دریا کو دیکھ رہے تھے۔ چاروں اطراف برف بکھری ہوئی تھی۔

پاپا کیا ہو گیا ہے آپ کو؟؟

Preezy is only 6 year old

اس کے سامنے آپ کیسے بات کر رہے تھے؟؟حور غصے سے بولی۔

جہاں بات میری بیٹی کی آجائے سلطان شاہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔سلطان شاہ ریلنگ پر ہاتھ مارتے غرائے۔

پاپا آپ کو نہیں مگر اس کا بھی آپ جیسا باپ ہے۔میرے سامنے کوئی ایسے چلاتا کیا کرتے آپ؟!اور بھولیں مت پاپا پریذے میری بیٹی ہے آپ کیسے میری بیٹی کو تکلیف دے سکتے ہیں؟!۔حور نے گہرے سانس لیتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

یہی پوچھ رہا ہوں تم سے۔ اس ارحام خانزادہ نے کیسے میری بیٹی کو تکلیف دی؟!۔ کیا کیا اس نے نکاح کی رات تمھارے ساتھ؟؟۔ سلطان شاہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے دھاڑے۔

حور نے گہرا سانس لیتے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپایا۔

دوسرے پل اس نے جھنجھلاتے ہوئے سلطان شاہ کی طرف دیکھا جہاں چہرے پر خون کی لالی چھائی تھی۔

پاپا اس نے کچھ نہیں کیا میرے ساتھ۔ نکاح کی رات وہ آیا تھا کمرے میں۔ اس نے مجھ سے پوچھا میں نے اس پر الزام کیوں لگایا۔۔ بہت ڈانٹا مجھ پر غصہ کیا۔ کیونکہ جو میں نے کیا وہ سب معافی کے قابل تو نہیں تھا۔ مگر پاپا غصہ کرنے کے علاوہ اس نے مجھے ہارڈلی ٹچ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف مجھ پر چلایا

جس طرح آ بھی آپ چلا رہے تھے ایسے چلایا تھا۔ کیا کرتا وہ اس کی بیوی اس کی بیٹی جدا کر دی تھی۔ اس کے کردار پر وار کیا۔

زخم تازہ تھا چوٹ گہری تھی تو درد زیادہ تھا پاپا!! کانٹے بچھائے اس کی راہوں میں پھول تو جڑنے سے رہے اس کے منہ سے۔ وہ چیختا رہا میں سنتی رہی۔ وہ دریا پر نظریں جمائے آہستگی سے بول رہی تھی۔

سماعتوں میں اس خوفناک رات کی اس ستم گر کی خوفناک دھاڑ سنائی دے رہی تھی

!! تمھیں میں بتاؤں گا پہاڑوں میں کیسے رہا جاتا ہے۔ ایک خان کی بیوی بننا کیسا ہوتا ہے؟؟۔۔ اور کسی کی زندگی کے ساتھ کھیلنا کیسا ہوتا ہے؟؟ آج تمھیں بتاؤں گا وحشی پن کیا ہوتا ہے؟؟۔۔ آج تمھارا ہر آرمان پورا کروں گا۔ تاکہ تمھیں کوئی حسرت نہ رہے۔ آج مجھ جیسے وحشی کا اچھی طرح نظارہ

کرلو۔۔ میرے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے۔ جہاں سے اب رہائی ممکن نہیں۔۔ سسک سسک کر تڑپتے ہوئے مر جاؤ گی۔ مگر ان اونچی حویلی کی یواروں کو کبھی عبور نہیں کر سکو گی!!

حور نے آنکھیں بند کرتے کرب سے سسکی لی۔ سلطان شاہ اسے غصے سے دیکھ رہے تھے۔

وہ تھوڑا سا غصہ کر کے چلا گیا تھا پاپا!! پھر وہ کتنے دن حویلی نہیں آیا میں نے نکاح کی رات کو آپ کو پکارا تھا۔ میرے لیے تو آپ ہی سب کچھ تھے۔ کوئی میرا نہیں تھا۔ کبھی اونچی آواز سے بات نہیں کی تھی۔

اس کا چیخنا غصہ کرنا تکلیف دے گیا۔ حور نے ڈبڈبائے لہجے میں سلطان شاہ کو دیکھتے یقین دلانے کی کوشش کی۔

کیسے چیخ سکتا ہے وہ؟! سلطان شاہ ریلنگ پر مکہ مارتے غرائے۔

چیخ سکتا ہے۔ وہ جو کچھ میں نے کیا وہ اس سے زیادہ مجھ سے کرنے کا حق رکھتا ہے۔ بھولیں مت میں قصوروار ہوں۔ اس کی بیٹی سے اس کی ماں جدا کرنے میں میں قصوروار تھی۔۔ حور دبی آواز میں چیخی تھی۔

چھوڑ دو اسے۔ سلطان شاہ کی بات پر حور نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

چھوڑ دو اسے حور! اگر تم اس کے ساتھ خوش نہیں تو چھوڑ دو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ سلطان شاہ سنجیدگی سے بولے۔

پاپا!! پریذے بیٹی ہے میری۔ میں کیسے اسے چھوڑ سکتی ہوں؟؟۔ حور نے سلطان شاہ کو بے یقینی سے دیکھتے استفسار کیا۔

تمھاری بیٹی نہیں ہے وہ۔ اس کی بیٹی ہے وہ۔ سلطان شاہ غرائے.

میری بیٹی ہے وہ پاپا!! میں ماہ جبین نہیں ہوں۔ پریذے کو دل سے اپنا چکی ہوں۔۔ اس کی جو جگہ ہے وہ کسی کی نہیں۔ سمجھے آپ۔ حور بھی جو ابا غرائی تھی۔

حور کی بات پر سلطان شاہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

میں بھی نہیں۔۔ سلطان شاہ نے اپنے سینے پر انگلی رکھی۔

آپ کے لیے حور کی جگہ کوئی ہو سکتا ہے۔ حور نے دریا پر نظریں جمائے سنجیدگی سے سوال کیا۔ آنکھیں شدت سے بھر آئیں تھیں۔

زندگی بھی نہیں!! سلطان شاہ نے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

تو میرا جواب بھی سیم ہے پاپا! حور ابھی بھی دریا پر نظریں جمائے ہوے تھی۔

سلطان شاہ اب خاموشی سے دریا پر نظریں جما گیے تھے۔ اس کا سچ برداشت نہیں ہوا تھا

I love him papa

اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ جان لیں آپ۔۔ حور ایک ایک لفظ پر زور دیتے گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

سلطان شاہ بھیگی نگاہوں سے دریا کو دیکھ رہے تھے۔

وہ کافی دیر تک وہاں پر سپاٹ انداز میں کھڑے رہے۔ پھر خاموشی سے وہ گاڑی کی طرف بڑھے۔

حویلی آنے پر حور گاڑی سے اترنے لگی سلطان شاہ اس کی کلائی جکڑ گئے تھے۔

جی پاپا!!حور نے ان کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔ سارے راستے دونوں نے ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔

میری بیٹی کے دل میں اپنے باپ کے لیے بھی کوئی جگہ ہے کہ نہیں۔ سطان شاہ کی بات پر حور تڑپتے ہوے ان کے سینے سے لگی۔

آپ کی سب سے پہلے ہے پاپا آئی لو یو سو مچ۔ حور روتے ہوے بولی۔

آئی لو یو ٹو بیٹا۔۔ سلطان شاہ نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کیے۔۔

سلطان شاہ نے حور کو ایک فائل پکڑائی۔

یہ کیا ہے پاپا؟؟ حور نے فائل پکڑتے ہوئے پوچھا۔

میرا سب کچھ تمھارے نام ہو چکا ہے۔ اب سلطان شاہ بھی تمھارا محتاج ہو گا۔ میرے ہر ٹینڈر ہر ڈیل ہر فائل پر تمھارے سائن درکار ہوں گے۔

لیکن پاپا!! سلطان شاہ حور کے لبوں پر ہاتھ جما گئے۔

حور میں کل کو نہ رہوں یا نہ رہوں۔ یہ سب تمھارا ہے اور تمھارا رہے گا۔ چاہے تم یہ بزنس سنبھالو یا نہ سنبھالو۔ مگر اس کی مالک صرف تم ہو گی۔ بہت سارے شئیرز بہت کچھ میں چیرٹی بھی کر چکا ہوں۔ مگر پھر بھی جو میری بیٹی کا حق تھا وہ اس کا ہی رہے گا۔۔ زندگی کے کسی مقام میں میری حور اکیلی نہیں ہو سکتی۔ سڑکوں کی اب کبھی تم زینت نہیں بنو گی تم۔ چاہے

تمھارے ساتھ کوئی بھی ہو نہ ہو۔ بزس کی دنیا میں حور سلطان شاہ کا سائن

کتنا امپورٹنٹ ہو گا سب جان جائیں گے۔ سب کو پتہ ہو گا حور سلطان شاہ

ہے کون ؟؟۔ یہ ہو گی میری بیٹی کی پاور !! تم جہاں ہو گی وہاں آ کر تمھارے

سائن لے لیے جائیں گے تمھیں کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

سلطان شاہ مظبوط لہجے میں بول رہے تھے۔

پاپا اس کی ضرورت نہیں تھی۔ حور نے بھیگے لہجے میں آہستگی سے کہا۔

تمھیں ضرورت نہیں تھی مگر مجھے ہے۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ

ہے۔ سلطان شاہ کی اٹل آواز پر حور نے وہ فائل ان کے ہاتھ سے پکڑی۔

سلطان شاہ اسی لمحے گاڑی سے اترے تھے۔

کم بیٹا۔ حور نے پریذے کی طرف ہاتھ بڑھایا جو سامنے بیٹھی تھی۔

حور گاڑی سے اتری تھی۔ اور پریذے کو پیار سے گود میں اٹھاتے نیچے اتارا۔

وہ ابھی تک بغیر حجاب کے تھی۔۔ گل خان حور کو دیکھ کر گیٹ کھول چکا تھا۔

حور کی نگاہ کھلے گیٹ پر ارحام کی گاڑی پر نظر پڑی۔ وہ دبئی سے آگیا تھا

اسے پتہ نہ تھا۔ مگر اس کی گاڑی دیکھ کر وہ پریشان ہوئی۔ حور کی رنگت زرد

ہوئی تھی۔ وہ بغیر حجاب کے کھلے بالوں کے ساتھ اس کی حویلی کے سامنے

کھڑی تھی۔ حور نے جلدی سے اپنے سٹائلش سے بیگ سے حجاب نکال کر

اپنے سر پر اوڑھتے اپنا چہرہ ڈھکا تھا۔ سلطان شاہ اس کا زرد چہرہ اور اس کے

ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھتے لب بھینچ گئے تھے۔ اس نے کتنی تیزی سے حجاب

اوڑھا تھا وہ حیران ہوے تھے۔

اوکے پاپا!! میں چلتی ہوں۔ حور نے سلطان شاہ سے آجازت چاہی۔

ایک منٹ بیٹا!!میری بیٹی کے لیے ایک سرپرایز ہے۔سلطان شاہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔

کم بیٹا!!حور نے پریزے کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔وہ اس کی طرف دیکھتے مسکرائی تھی

گارڈ نے آگے بڑھتے ایک طرف کھڑی گاڑی کے اوپر کور کھینچا۔

حور کے سامنے سیاہ چمچاتی مرسیڈیز تھی۔

پاپا!یہ تمھارا پری برتھڈے کا گفٹ!!سلطان شاہ مسکرائے۔

لیکن پاپا!!حور انھیں بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی

اب اتنا بھی غریب نہیں اپنی بیٹی کو یہ چند کروڑ کی گاڑی نہ دے سکوں۔ٹھیک ہے ہر چیز کی مالکن اب حور سلطان شاہ ہے۔مگر اس طرح

کے گفٹ اس کے پاپا کی طرف سے ملتے رہیں گے۔ سلطان شاہ اس کی طرف دیکھتے مسکرائے تھے۔

تھینکیو پاپا! حور ان کے سینے سے لپٹی۔

میری جان!! پاپا ادھر سوات میں ہی ہیں۔۔ جب ملنا چاہو ایک فون کر دینا میں تمھیں لینے آجاؤں گا۔ پھر باپ بیٹی اچھا سا ٹایم سپینڈ کریں گے اور برتھڈے پر ایک بہت بڑا سرپرایز ہو گا میری بیٹی کے لیے۔ سلطان شاہ اس کے سر کو چومتے بولے۔ کیا پاپا؟؟ حور نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

بگ سرپرایز!! سلطان شاہ مسکرائے تھے۔

بہت بڑی گاڑی اور کوئی زمین جائیداد ہو گی۔ کیونکہ سلطان شاہ کبھی غریب نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک پاور فل مین وہے ہمیشہ رہے گا۔ حور کی بات پر سلطان

شاہ قہقہ لگا گئے تھے۔ ایسا ہی ہے میری بیٹی کے لیے میرا سب کچھ۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

اوکے پاپا۔ حوران سے علیحدہ ہوئی۔ سلطان شاہ اس کی پیشانی پر لب رکھ گئے تھے

حور سکراتے ہوئے پریذے کا ہاتھ پکڑتے اندر داخل ہوئی۔

درخزئی خانزادہ لاونج میں داخل ہوتے ٹھٹک کر رکا تھا۔

ارحام خانزادہ لاونج میں بیٹھے سگریٹ پی رہا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ اسے کمرے کی بجائے لاونج میں بیٹھے دیکھ کر زیادہ حیران ہوا تھا۔

لالا!!وہ اسے خوشی سے پکارتا بہت تیزی سے ارحام کی طرف بڑھا۔

ارحام خانزادہ درخزئی کی آواز پر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے صوفے سے اٹھتا اس سے گرمجوشی سے بغلیر ہوا۔

میرا شیر میرا ایس پی درخزئی خانزادہ!!ارحام نے اس سے الگ ہوتے اس کے عارض پر ہاتھ جمایا۔

درخزئی اس وقت یونیفارم میں ملبوس تھا۔

لالا!!کیسے ہیں آپ؟؟یقین نہیں آرہا ارحام خانزادہ سے ملاقات ہو رہی ہے۔درخزئی خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ طنز ہے؟؟ارحام نے آئی برو اچکائے تھے۔

حقیقت ہے لالا!!نہ حویلی میں ملتے ہیں نہ فون اٹھاتے ہیں۔

درخزئی صوفے پر بیٹھتے اپنے کف کے بٹن کھولتے انھیں کہنیوں تک فولڈ کر گیا۔

اس دن بہت بزی تھا اس لیے تمھارا فون نہیں اٹھایا۔ ارحام نے صوفے پر بیٹھتے درخزئی کا سنجیدہ چہرہ دیکھتے وضاحت دی۔ وہ نظریں جھکائے اپنی آستین ہی فولڈ کر رہا تھا ارحام پر نظر نہیں ڈالی تھی۔۔

بعد میں بھی کر سکتے تھے پوچھ سکتے تھے میں نے فون کیوں کیا؟؟ درخزئی اب ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے صوفے سے ٹیک لگا گیا۔

ضروری کام تھا کیا؟؟ ارحام کے سوال پر وہ اونچا قہقہ لگا گیا۔

ایس پی ارخزئی خانزادہ کو آخر کیا کام ہو سکتا کسی سے ؟؟۔ سوائے یہ کہ وہ اس وقت اپنے لالا کو بہت مس کر رہا تھا۔ اسے اپنے لالا کی ضروت تھی

۔ درخزئی کے سنجیدہ لہجے پر ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کافی سنجیدہ لگ رہا تھا۔

آج قہقہہ نہیں لگاؤں گا لالا!! آج نہیں کہوں گا لالا میں مذاق کر رہا تھا۔ ایسے ہی فون کیا تھا۔ وہ ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

اکیلا تھا لالا مورے بابا پری کی یاد آرہی تھی۔ اس وقت پوری کائنات میں اپنے لالا کی یاد ستائی تھی۔ مگر میرے لالا کو میری کیا پراوہ؟؟ ان کا شیر درخزئی خانزادہ ایس پی ہے۔ جس سے مجرم اتنا ڈرتے ہیں کہ ڈر کے مارے پینٹیں گیلی کر دیتے ہیں۔ پورا پولیس ڈیپارٹمنٹ ڈرتا ہے۔ سر پھرا خان کہتے ہیں مجھے جو کسی سے نہیں ڈرتا۔ سب سوچتے رہ جاتے ہیں مگر درخزئی وہ کر جاتا ہے۔ اتنے ان کاونٹر کر چکا ہوں کہ سینچری مکمل ہونے والی ہے۔ درخزئی خانزادہ سوات کا نڈر ایس پی ہے۔ مگر کوئی نہیں جانتا درخزئی

خانزادہ تنہائی سے ڈرتا ہے۔ اپنی حویلی کے سیاہ تاریک اندھیرے سے ڈرتا ہے۔ وہاں قدم رکھنے سے ڈرتا ہے۔ بابا مورے پری کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ درخزئی سنجیدگی سے بولتے آگے کو ہوتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

درخزئی!! ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے اسے پکارا۔

درخزئی خانزادہ تب بھی ڈرتا ہے جب اس کا فون کوئی نہیں اٹھاتا اور سر فہرست اس کوئی میں صرف اس کے لالا کا نام آتا ہے۔ درخزئی سنجیدگی سے کہتے صوفے سے اٹھتا کمرے کی طرف بڑھا۔

درخزئی!! ارحام خانزادہ نے اسے پکارا تھا۔

نہیں رکوں گا لالا!! کیونکہ درخزئی خانزادہ کسی کے سامنے آنسو بہانے سے بھی ڈرتا ہے۔ وہ سنجیدگی سے کہتا چلا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر نکالتے اپنی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرتے جھنجھلاتے ہوئے سگریٹ اپنی پاکٹ سے نکالتے اسے لائیٹر سے جلاتے لبوں سے لگایا

عابیر نے مسکراتے ہوئے اسفندیار خان کو دیکھا جو پچھلے تین گھنٹوں سے گاڑی چلا رہا تھا۔

اس کا آج دل گھبرا رہا تھا۔ اسفندیار خان سے ذرا سا ذکر کیا تھا وہ تب سے اسے لانگ ڈرائیو پر لے کر نکل آیا تھا۔

سوات کی سڑکوں پر وہ تب سے ماتھے پر بنا کوئی شکن لائے ڈرائیو کر رہا تھا۔ برف باری کی وجہ سے کچھ راستے جام تھے مگر وہ حویلی کے ارد گرد ہی چکر لگا رہا تھا زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ وہ بہت آہستگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

عابیر نے مسکراتی نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھا جو بلو پینٹ پر سفید ٹی شرٹ پر بلو جیکٹ پہنے ہوے تھا۔

پیشانی پر اس کے گھنے ہلکے براؤن کلر کے بال بکھرے تھے جنھیں وہ ہر تھوڑی دیر بعد ہاتھ سے سنوارتے اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر کر دیتا تھا۔

میرا سرخ گلاب اب حویلی چلیں!! اسفند نے ڈرائیو کرتے ہوے عابیر کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مسکرا گیا تھا۔

نہیں اسفند ابھی نہیں جانا۔ عابیر نے ضدی انداز میں کہا۔ وہ اس وقت بلیک فراک پر بلیک ہی کوٹ پہنے ہوے تھی جس پر بلیک کلر کا حجاب لیا ہوا تھا۔

میر اسفاک گلاب اتنی سفاکی نہ دکھاؤ!! اکب سے ڈرائیو کروا رہی ہو۔ ابھی مجھے حویلی چل کر بھی محنت کرنی ہے کیوں میری پرفارمنس میں کمی لانے کا آرادہ ہے۔ اسفند یار خان نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔

محنت کونسی پرفامنس؟؟ عابیر نے سوالیہ نگاہوں سے اسفند کی طرف دیکھا۔

وہی محنت جانم!! جو رات رات بھر کی ہے اور اسی بیسٹ پرفامنس پر میں لالا اور زاران سے پہلے باپ بننے والا ہوں۔ اسفند کی بات پر وہ گلابی ہوتی باہر نظریں جما گئی تھی۔ اسفند اسی لمحے گاڑی روکتا اس کی سیٹ پر جھکات

اسفند کک کیا کر رہے ہیں؟؟ عابیر بری طرح گھبرائی۔

۔وہ بٹن دبائے اس کی سیٹ جھکا گیا تھا۔ اتنی دیر سے میرا صبر آزما رہی ہو! کیا حالت ہو رہی ہے کیسے بتاؤں۔ لگتا ہے آج محنت سے پہلے ہی غسل فرض ہو جانا۔ اسفند شرارتی لہجے میں کہتے اسے اپنے وجود کا احساس دلاتے اسے سر سے پیر تک سرخ کر گیا تھا۔ وہ بے باک شرارت کرتے اس کی دھڑکنوں کو سختی سے اپنے شدت بھرے لمس میں جکڑ گیا تھا۔ عابیر کی سانسی منتشر ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد عابیر کو آزادی دیتے ہوئے اس نے موبایل کی روشنی میں اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھا۔

جب تک میری جان ہلکان نہ کر دیں آپ پر غسل فرض نہیں ہو سکتا۔ عابیر بری طرح۔ جھنجھلائی تھی۔ اسفند کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا

یہ تو ہے میری سفاک پٹھانی!! چلو حویلی چلیں وہاں چل جی بھر کر محنت کروں گا۔ اور پھر اس محنت کے نتیجے میں اکٹھے شاور لیتے ایک بار پھر سے محنت کروں گا۔ اور پھر سے شاور لیں گے۔ پھر سے محنت پھر سے پشاور پھر سے محنت پھر سے۔ شاور۔ اسفند بھاری آواز میں کہتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اسفند!! عابیر روہانسی ہوئی تھی۔۔

مذاق کر رہا تھا سرخ گلاب!! آج صرف دو بار شاور۔۔ وہ سنجیدگی سے کہتے اس۔ کی سیٹ اوپر کرتے خود بھی اپنی سیٹ پر سیدھا ہوا تھا

اسفند آپ کو مجھ پر پریگنسی میں بھی رحم نہیں آتا۔ وہ کافی تھک چکی تھی ۔کمرے میں چل کر اسفند کو برداشت کرنا بہت مشکل تھا اس کے لیے۔

میری جان آپ کا پورا خیال۔ نو شور شرابہ نو سسکیاں نو چیخیں۔ نو وایلڈ پن اونلی شانتی والا پر سکون رومانس!! وہ مسکراتے ہوے اسے آنکھ مار گیا۔ عابیر سرخ پڑتے غصے سے گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

جتنی مرضی ناراضگی دکھالو جان نہیں چھوٹنے والی۔۔ رہنا تو رات میری بانہوں میں ہی رہے گا۔ اسفند نے مسکراتے ہوے گاڑی حویلی کے راستے پر ڈالی تھی۔

پاپا!! پریذے بھاگتی ہوئی ارحام کی طرف بڑھی تھی جو لاونج میں صوفے پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ پریذے اور حور کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ارحام خانزادہ جلدی سے سگریٹ زمین پر پھینکتے شوز کے نیچے مسلتے سیدھا ہوا تھا۔ وہ ابھی تک بلیک پینٹ کوٹ وایٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس کے

اوپری تین بٹن کھلے تھے۔ گھنے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ چہرہ سنجیدہ تھا جہاں بے چینی اظطراب غصے کی امیزش شامل تھی۔ آنکھوں میں سرخی کی امیزش شامل تھی۔ جب سے دبئی سے آیا تھا ایسے ہی انھیں کپڑوں میں اپنی بیوی اور بیٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ حور سلطان شاہ کے ساتھ باہر گئی تھی مگر کہاں برداشت تھا اپنی بیوی کا اتنی رات کو اس کے بغیر حویلی سے باہر رہنا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی کوٹ کی پاکٹ سے ماوتھ سپرے نکالتے منہ میں جلدی سے سپرے کیا تھا۔

اپنی کوٹ کے اگلے دو بٹن وہ جلدی سے بند کر گیا تھا۔ بکھرے بالوں میں انگلیاں چلاتے وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

پاپا!! پریذے بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھتی اس کے سینے میں سمائی۔۔

کیسی ہے میری بیٹی؟؟ ارحام خانزادہ نے اسے اپنے سینے میں بھینچتے ہوے اس کی پیشانی پر کس کی تھی۔

ایک گہری استحاقاق بھری نگاہ اپنی بیوی پر ڈالی جو اس کے سامنے ہی صوفے کی سطح کو جکڑے کھڑی تھی۔

اسے عبایہ اور حجاب میں دیکھ کر ارحام خانزادہ کے اظطراب میں کمی واقعی ہوئی تھی۔ وہ گرے کلر کے بے حد سٹایلش عبائیہ میں ملبوس تھی جو بہت خوبصورت اور ڈیلی کیٹ تھا۔ اس میں اس کا لہروں سا بل کھاتا قیامت جسم بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ مگر حجاب نے اس کے نشیب و فراز کو کور کر رکھا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی نقاب اتارا تھا یہ ارحام خانزادہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے گارڈز کے سامنے بھی اپنا چہرہ نہیں کھولا ہو گا کیا؟؟ یہ سوچتے ارحام خانزادہ کی رگوں میں دوڑتے بھڑکتے فشار خون میں جیسے

سکون کی لہریں دوڑیں تھیں۔ وہ مقابل کے لیے بے انتہا پوزیسیو تھا یہ خوبصورت چہرہ اس کے علاوہ کوئی اور دیکھے اسے برداشت ہی نہیں ہوتا تھا۔

وہ پریذے کو سینے سے لگائے حور پر گہری نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ مگر مقابل نے اسے ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔ ارحام خانزادہ کا بے چین دل مزید بے سکون ہوا تھا اتنی ناراض تھی اس سے کہ ایک نظر اس پر اب ڈالنا گوارا نہیں کرتی تھی۔

وہ تو اسے دیکھے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ وہ سامنے کھڑی ہو اور یہ نظریں کسی اور کا طواف کرلیں ناممکن تھا۔۔ ارحام خانزادہ کی گہری نگاہوں کی تپش خود پر محسوس کرتے حور کے عارض دہک کر آنار ہوے تھے۔ حور نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی اور اضطراب

دیکھ کر وہ گھبراتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی وہ بہت گہری گرم پیاسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی دیوانگی اور پیاس تھی اس کی نگاہوں میں۔

ارحام کی گہری گرم نگاہوں پر حور کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزاہٹ ہوئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی فائل اس نے گھبراتے ہوے ٹیبل پر رکھی۔۔ ارحام کی گرم نظروں کی تپش سے وہ جیسے پسینے میں نہلا گئی تھی۔ جس طرح دیکھ رہا تھا وہ یقیناً آج اسے اپنی قربت سے آزادی نہیں دینے والا تھا۔ شاید وہ اس سے آج زبردستی کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

۔وہ دبئی سے کیوں واپس آگیا وہ جانتی تھی وہ اس سے رومانس کرنے آیا تھا؟؟

میسج میں وہ اس سے پھر سے اپنی محبت کا اظہار کرتے سوری کر چکا تھا اور وہ یہ تب ہی کرتا تھا جب اسے اس کے جسم کی طلب ہوتی تھی۔ وہ اپنی بے پناہ خوبصورتی اور مقابل کی اپنے لیے تڑپ سے بخوبی واقف تھی۔ ابھی وہ جس طرح پیاسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا وہ سب سمجھ گئی تھی۔ وہ دبئی سے جلدی سے آخر کیوں آ گیا؟؟ وہ گل کے ساتھ نہیں تھا یہ بھی اس کی نظروں کی تپش اور پیاس سے ظاہر تھا وہ گل کے پاس نہیں تھا۔ ورنہ اتنی گرمی اتنی آنچ کیسے ہوتی اس کی نگاہوں میں۔ حور نے نظریں اٹھائے اسے ایک بار پھر سے دیکھا وہ صوفے پر بیٹھے پریذے کو سینے سے لگائے اسے ہی گرم گہری تپش ذدہ نگاہوں سے دیوانوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ وہ پھر سے نظریں جھکا گئی تھی

پاپا!! گرینڈ پاپا نے ماما کو بہت بڑی گاڑی گفٹ کی ہے جیسی آپ کے پاس ہے ویسی بلکہ آپ سے بھی اچھی گاڑی۔۔ پریذے نے ارحام خانزادہ کے سینے سے الگ ہوتے اسے بتایا۔

آپ کی ماما مجھ سے اچھی ایک گاڑی نہیں بلکہ بہت سی گاڑیاں لے سکتی ہیں۔ عرب پتی بیوی ہے میری آخر؟؟

خانزادہ حور پر نظریں گاڑھے اپنے کوٹ کو دونوں ہاتھوں سے جھٹکتے صوفے سے ٹیک لگائے استھزائیہ مسکرا گیا تھا۔

حور نے اس کے طنزیہ لہجے پر اسے حیرانگی سے دیکھا۔ ابھی گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اب لہجے میں عجیب سی تپش تھی۔ نگاہوں کی گرمی تو سمجھ آتی تھی مگر لہجے کی تپش سمجھ میں نہیں آئی تھیو

کبھی بیوی اپنے لفظوں سے بتاتی ہے وہ عرب پتی باپ کی بیٹی ہے اور کبھی باپ اپنے مہنگے تحایف سے جتا دیتا ہے کہ ارحام خانزادہ کی بیوی عرب پتی باپ کی بیٹی ہے۔۔وہ صوفے سے ٹیک لگائے حور کو دیکھتے سلگتے لہجے میں بولتے مسکرایا تھا۔

پریذے جان!!میں روم میں جا رہی ہوں آپ آجایئے گا ارحام خانزادہ کے طنزیہ لہجے پر وہ تیزی سے پریذے کے روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ اشتعال سے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بری طرح جھنجھلایا تھا۔وہ اپنی بیوی کے لیے یہ سب کچھ خود کرنا چاہتا تھا۔اس کے ہوتے آخر اس کی بیوی کے لیے ایکسٹرا گاڑی کی کیا ضروت تھی؟؟وہ کیا اسے اکیلے گارڈز کے ساتھ کہیں جانے دے سکتا تھا۔سلطان شاہ کا اس کی نیچر سے

بخوبی واقف ہونے کے باوجود اپنی بیٹی کو گاڑی دینے کا مطلب سمجھ نہیں آیا تھا۔

اور اس سے زیادہ کوئی اور اسے اس کی اہمیت کے بارے میں بتائے کہاں گوارا تھا۔ سلطان شاہ کی پھوٹی کوڑی بھی اسے نہیں چاہیے تھی۔

ارحام خانزادہ نے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بمشکل اپنے اندر اٹھتے طوفان پر قابو پایا تھا۔

Papa i don't like grand papa

وہ ماما پر شاؤٹ کر رہے تھے اور آپ کے بارے میں گڈ ورڈیوز نہیں کر رہے تھے۔ پریذے نے ارحام کو دیکھتے معصومیت سے بتایا۔

پریذے کی بات پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی نے شدت اختیار کی تھی۔ سلطان شاہ کیا چاہتے تھے وہ سمجھتا تھا ان کی آنکھوں میں خود کے جلن اس نے خود دیکھی تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی کے قریب اس کے شوہر کا وجود گوارانہ تھا۔ اس کی جگہ ساحر خان کو دیکھنے کے تمنائی تھے۔ ارحام ظبط سے مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

پریذے بیٹا!! بری بات ہوتی ہے ایسے کسی کی بھی بات نہیں بتاتے۔ یہ backbiting ہوتی ہے۔ ماما یہ سنے گی انھیں برا لگے گا۔ آپ کے گرینڈ پاپا ماما کے پاپا ہیں۔۔ ارحام خانزادہ نے پریذے کی طرف دیکھتے نرمی سے سمجھایا۔

آئی نو پاپا مگر گرینڈ پاپا آپ کے بارے میں جو ورڈ بول رہے تھے وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔

پریذے اپنی بات پر ہنوز قائم تھی۔ سلطان شاہ کا چلانا اور کچھ وہ حور کو لے کر بہت پروٹیکٹو اور پوزیسو تھے اسے اپنی ماما پر سلطان شاہ کا حق برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے سلطان شاہ اسے اچھے نہیں لگے تھے۔

آپ درخشاں آپی کے کمرے میں جاؤ۔ میں آپ کے لیے ڈول اور چاکلیٹس لایا تھا۔ ان کے پاس ہیں اور وہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے آپ کو کوئی اچھی سی سٹوری سنانی ہے۔

اوکے پاپا!! میں چاکلیٹس اور ڈول لے کر آتی ہوں۔ بٹ میں ماما کے پاس sleep کروں گی۔ درخشاں آپی کی سٹوریز مجھے پسند نہیں۔۔ ماما روز مجھے ایک نیو سٹوری سناتی ہیں۔ پریذے کی بات پر وہ جنجھلا کر رہ گیا تھا۔

پریذے آج آپ درخشاں آپی کے پاس سو جاؤ۔ مجھے ماما سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ ارحام خانزادہ کے سنجیدہ لہجے پر پریذے نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کی سنجیدگی پر ہی وہ جلد اس کی بات مان لیتی تھی

گڈ نایٹ بیٹا۔ ارحام خانزادہ نے اس کی ہتھیلیاں بہت نرمی سے چومیں تھیں۔

اوکے پاپا گڈ نائٹ! پریذے ارحام کے گال پر کس کرتے ہوئے درخشاں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے ٹیبل پر پڑی فایل اٹھا کر کھولتے ہوئے دیکھا۔

او۔۔۔ میری بیوی اب افیشل عرب پتی بن چکی ہے۔ ارحام استھزائیہ مسکراتے ہوئے وہ فایل ٹیبل پر لب بھینچتے ہوئے پٹخ گیا تھا۔

ارحام اپنے اوپری دو بٹن کھولتے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھا۔

حور نے کبرڈ سے اپنا نایٹ گاون نکالتے ہوے بیڈ پر رکھا تھا۔ اپنا حجاب اتارتے اس نے اپنا گاون ریمو ہی کیا تھا کہ

ارحام خانزادہ کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ بری طرح بدحواص ہوئی تھی۔ وہ اس وقت صرف بلیک کلر کے باڈی سوٹ میں ملبوس تھی۔ جو تھائس سے بھی اوپر آتا تھا۔ جس کی بیک بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔

ارحام خانزادہ کو دیکھ کر وہ سرخ پڑتی گہرے سانس لیتے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

ارحام حور پر گہری استحقاق بھری نگاہ ڈالتے دروازہ لاک کرتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

حور نے جلدی سے بیڈ پر رکھا اپنا نایٹ گاؤن اٹھایا۔۔ارحام اس کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ سے وہ گاؤن چھینتے ہوے بیڈ پر اچھالتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کر گیا تھا۔

ارحام!!حور نے اسے پکارتے اپنے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی۔وہ اس کی کمر پر مزید سختی سے ہاتھ جماتے اسے بیڈ پر نرمی سے دھکیل گیا تھا۔

حور بیڈ کے نرم گدے پر جا گری تھی۔وہ گہرے سانس لیتے پیچھے کو کھسکتے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو اسے بے حد گہری نگاہوں سے اوپر سے نیچے تک استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔اس کی آنکھوں کی سرخی

نے بڑھتے شدت اختیار کی تھی۔ ارحام کی سانسیں دھونکنی کی مانند اب چل رہی تھیں۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے شرٹ پینٹ سے نکالتے زمین پر پھینکی تھی۔ اپنی بیلٹ وہ پینٹ سے کھینچ کر نکال چکا تھا۔ حور ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارحام خان اپنی سینڈو بھی اتار چکا تھا۔ وہ اس وقت شرٹ لیس صرف پینٹ میں ملبوس تھا۔

حور اس کی آنکھوں میں خمار اور دیوانگی دیکھ کر گھبراتے ہوئے بیڈ کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھی۔ وہ مقابل کی دیوانگی جنون نہیں برداشت کر سکتی تھی۔

وہ بھی تب جب وہ اسے اپنے قریب نہیں چاہتی تھی اس کا لمس اس کی قربت صرف اس کے لیے اب آگ تھا۔ وہ اس میں خود کو جھلسا نہیں سکتی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے بیڈ کے دوسری طرف اترتے دیکھ کر اسے تھائس سے سختی سے جکڑے اپنی طرف کھینچتے اس پر جھکے اپنا پہاڑ جیسا مکمل وزن اس پر ڈال گیا تھا۔

حور گہرے سانس لیتے پھٹی پھٹی نگاہوں سے مقابل کو دیکھ رہی تھی جو اپنی آگ جیسے دہکتی سانسوں سے پل میں اس کے نقوش جھلسا چکا تھا۔

ارحام!! حور نے بمشکل اپنے کپکپاتے لبوں سے اسے پکارا۔

جی جان ارحام!!اس کی کھردری انگلیاں بہت نرمی سے اس کے نقوش کو چھو رہی تھیں۔

دور ہٹیں مجھ سے۔۔حور اس کی انگلیاں غصے سے جھٹک گئی تھی۔

آئی ایم سوری جان!!ارحام خانزادہ نے نرمی سے کہتے اس کے عارض پر اپنے دانت گاڑھے۔اس کی انگلیاں جھٹکنے پر اس نے جھک کر اپنا غصہ اس کے سرخ عارض پر اتارا جن کا وہ دیوانہ تھا۔

حور نے سسکتے ہوے ارحام کو دیکھا۔

درد ہوا جان!!ارحام خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے سرد سوالیہ لہجے میں کافی نرمی سے استفسار کیا۔

حور نے نم آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ہمممم۔۔۔ابھی تو میں نے ان خوبصورت گالوں پر قہر ڈھایا ہی نہیں یہ تو لو بایٹ تھی۔جو صرف میٹھی سی جلن دے کر گیا ہے۔مگر جب تم مجھے خود سے دور جھٹکتی ہو مجھ سے دور رہتی ہو تو مجھے بہت درد ہوتا ہے۔اتنا درد کہ تمھاری سوچ ہے۔ارحام اس کی نم آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھتے بولا۔

درد لفظ سے بھی آپ نا اشنا ہیں ارحام!!جتنا درد آپ نے مجھے دیا ہے آپ کی سوچ ہے۔حور اس کی آنکھوں میں دیکھتے گہرے سانس لیتے چٹختے ہوے بولی۔

جتنا درد دیا ہے اتنا تلافی کروں گا۔بار بار معافی بھی مانگوں گا۔ساری عمر معافی مانگنے کو تیار ہوں۔آئی ایم سوری جان!!میں نے جو بھی اپنے نکاح کی رات کو تمھارے ساتھ کیا اور اس کے بعد بھی جو کیا۔میں اس کے لیے تم

سے معافی مانگتا ہوں۔ اس دن بھی تم پر چیخا چلایا اس کے لیے بھی معافی مانگتا ہوں۔ ارحام اس کے گلابی لبوں پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ نظریں اس کے قیامت کندن جیسے نشیب و فراز پر تھیں۔ جو اس کی توجہ پوری طرح بھٹکائے ہوئے تھی

یہ معافی آپ مجھ سے کیوں مانگ رہے ہیں؟؟ جانتی ہوں میں۔ حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ رکھتے اسے خود سے دور ہٹانے کی ناکام سعی کی۔

کیوں مانگ رہا ہوں میں؟؟ ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کر گیا تھا۔ آج وہ اسے چھوڑنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔

اس کے قریب آتے وہ مزید پاگل ہو چکا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے کچھ سنے اس میں سمانا چاہتا تھا۔ ابھی تک خود پہ کنٹرول کیے ہوئے تھا مقابل کی رضامندی اس کے لیے بہت اہمیت کی حامل رکھتی تھی۔ اس کے وجود پر ہاتھ پھیرتے اسے محسوس ہو رہا تھا وہ مزید خود پر کنٹرول نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کی کہے سنے بغیر ہی اس کے اور اپنے درمیان تمام پردے زایل کرتے اس میں سما جائے گا۔

آپ کی نگاہیں اور ہاتھوں کی بے باکی آپ کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہیں ارحام!! آپ کو میری طرف میرے جسم کی کشش کھینچ کر لائی ہے۔ اور معافی بھی اس لیے چاہیے یہ رات رنگین کرنی ہے آپ نے!!۔ حور اس کے ہاتھوں کی بے باکی پر دبی آواز میں چیخی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی بے باکی بہت بے رحمی سے اس کے نازک حصوں پر اپنی بے رحمی دکھا رہی

تھیں۔ حور کی سانسیں مقابل کی سانسوں کی مانند دھونکنی کی مانند اب چل رہی تھیں۔

تمھارے خوبصورت جسم کی کشش تمھارے پاس کھینچ لائی ہے۔ تمھاری بے پناہ خوبصورتی تمھاری طرف کھینچتی ہے۔ہاں مانتا ہوں اس لیے تمھارے آگے بار بار جھکتا ہوں معافی مانگتا ہوں۔ میرے سکون کا سمان صرف تمھارے پاس ہے۔۔ اگر ایک دیوانا شوہر اپنی خوبصورت بیوی پر مرتا ہے اس کی طلب رکھتا ہے یہ گناہ تو نہیں میری جان!!

کیسے کہوں عشق میں تیرے

کتنا ہوں بے تاب میں

آنکھوں سے آنکھوں ملا کہ

چرالوں خواب تیرے میں

میرے سائے ہیں ساتھ میں

یارا جس جگہ تم ہو

میں جو جی رہا ہوں وجہ تم ہو

ارحام خانزادہ بہکے بہکے انداز میں گنگناتے ہوئے اس کے لبوں پر پنے انگارہ لب رکھے انھیں کفل لگا گیا تھا۔

اس کی دہکتے لبوں کی تپش سے حور کی آنکھیں بند ہوئیں تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔ وہ اس کے لبوں پر اپنا تسلط جماتے اس کی سانسیں مکمل چرا گیا تھا۔

وہ اس کی خوشبودار سانسوں کو اپنی آگ جیسی سانسوں سے دہکاتے اس کے وجود پر اپنے ہاتھوں سے مکمل اپنا حق جتا رہا تھا۔ حور اس کے بدن کی گرمایش محسوس کرتے انگاروں کی طرح تپ اٹھی تھی۔ اسے اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی مقابل کی بدن کے سپارک اس کے جسم میں خون کی روانی بڑھا چکے تھے۔ وہ اس کے دیو ہیکل جیسے وجود اور پہاڑ جیسے وزن کے نیچے بے حال سی ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے وجود سے وہ باڈی سوٹ کندھوں سے نیچے کی طرف کھسکاتے ایک لمحے میں جدا کر گیا۔ حور کے کانپتے ہاتھوں نے اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی وہ اس کی نازک کلائیاں اپنی سخت گرفت میں جکڑے اسے تکیے پر پن کر گیا تھا۔

ارحام!!حور نے بمشکل اسے ٹوٹتی سانسوں سے پکارا۔ ابھی ہی تو اس نے اسے اپنے بے رحم لمس سے آزادی بخشی تھی۔اس کے لب جنبش کرنے کے قابل ہوے تھے۔

نہیں ترس کھا سکتا جان ارحام!!تم نہیں سمجھ سکتی تمھاری قربت تمھاری سانسیں تمھارا آگ جیسا وجود میرے لیے کیا ہے؟؟تم سمجھ نہیں سکتی میری حور!!کیونکہ تم میری محبت میری دیوانگی کو حوس سے مشروط کرتی ہو ۔میرے لیے تمھاری قربت میری دیوانگی ہے۔میرا پاگل پن ہے۔ایک ہی عورت ہے دنیا میں جس کی قربت پر میں مرتا ہوں۔اور وہ ایک ہی عورت میری سانسوں میں ہلچل مچاتی ہے۔باخدا حور!!تم نہیں تو دنیا کی ہر عورت میرے لیے حرام ہے۔سسک سسک کر تڑپ کر مر تو سکتا ہوں میری جان! کبھی کسی دوسری عورت کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔۔تم سمجھ سکو تو

میری دیوانگی کو سمجھو حور!! تمھارے لیے پاگل ہے تمھارا خان!! وہ اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے گھمبیر آواز میں بولتے حور کی جان لبوں پر سجا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی بڑھتی گستاخیوں سے حور کی دبی دبی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔ ارحام اس کی سسکیوں سے مدہوش ہوتے تھوڑا سا اوپر ہوتے خود کو بھی ہر پردے سے آزاد کرتے خود پر کمبل اوڑھتے خود کو اور حور کو اس کمبل میں غروب کر گیا تھا۔

ارحام!! حور نے بے بسی اسے پکارا۔ ارحام کے لبوں کی تجاوز بڑھتی شدت اختیار کر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی دہکتی سانسوں اور جسموں کی گرمائش سے پسینے میں نہلا چکے تھے۔۔

ارحام خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے خود کے قریب کرتے اپنی آخری حد پار کرتے اپنے اور اس کے درمیان ہر پردہ آزاد کرتے اس کے وجود کا حصہ بننا چاہا ہی تھا۔

حور شدت سے روتے اپنے کانپتے ہاتھ اس کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی۔

ارحام اسی لمحے اسے تکیے پر گراتے ہوئے اس سے تھوڑا دور ہوتے کمبل اپنے اور اس کے چہرے سے اتار گیا تھا۔ وہ ابھی بھی اس پر گہری گھٹا بن کر چھایا تھا۔ مخملی کمبل ارحام خانزادہ کی برہنہ پشت کو کور کیے ہوئے تھا۔

کیا ہوا ہے ؟؟ میں پہلی بار تو تمھارے قریب نہیں آ رہا۔ پانچ ماہ دن رات میرے وجود کا حصہ بن کر گزارا ہے تم نے۔

تب میری شدتوں میں تمھارے لیے رحم نہیں ہوتا تھا۔ تمھاری ناز کی بہت پہلے ختم ہو چکی ہے۔۔ تب تمھارا خان تمھارے لیے یہاں پہاڑوں جیسا سخت تھا۔ تب تم اس طرح تڑپ تڑپ کر نہیں روتی تھی۔ دبی دبی سسکیوں سے مجھے ساری ساری رات برداشت کرتی تھی۔ کبھی ہمت نہیں ہوئی تھی تمھاری مجھے خود سے دور جھٹکنے کی۔ آج تمھارا یہ تڑپ تڑپ کر رونا کیا ثابت کر رہا ہے بتاؤ گی مجھے !؟؟ رحام خانزادہ اس کے یوں تڑپ کر رونے پر غرایا تھا۔

جو آپ۔۔ آپ نے میرے ساتھ کیا۔ اپنی بے رحمی آپ خود اپنے لفظوں میں بیان کر چکے ہیں۔ آج میں کیوں تڑپ تڑپ کر روئی ہوں ؟؟ آپ کو پتہ ہونا چاہیے !

آپ جیسے بے رحم خان کی قربت میں برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ مجھ میں سما کر میری قربت میں آپ اپنی ضرورت تو پوری کر لیں گے۔ مگر میری سسکیوں کی جگہ آپ کی سماعتیں صرف میرا تڑپ تڑپ کر رونا برداشت کریں گی سمجھے آپ۔ حور روتے ہوئے چیخی تھی۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں اس کی باتوں پر خون اترا تھا۔

کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا؟؟ کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے؟؟ ارحام خانزاہ نے خود پر قابو پاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ضبط سے سوال کیا۔

حور اس کے سوال پر اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔

جواب دو میری بات کا!! پسندیدہ عورت ہو میری!! پاگل ہوں تمھارے لیے مگر اس کا یہ مطلب نہیں تمھارے اس حد تک نخرے برداشت کروں۔

ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کا منہ اپنی طرف کرتے غرایا۔

جانتی ہوں نہیں برداشت کر سکتے آپ میرے نخرے۔ جو اقات میری ہے!!وہ آپ مجھے اس وقت بتا رہے ہیں۔ حور اپنا جبڑہ اس کی ہاتھ سے چھڑواتے بمشکل بولی تھی۔

کیا اوقات ہے تمھاری؟؟ارحام اب حلق کے بل دھاڑا تھا۔

وہ بار بار اس کی قربت سے بچ رہی تھی۔ آج اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ کچھ اور بھی تھا جو ارحام خانزادہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ مرد پسندیدہ عورت کی دھتکار برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ اور اس کا جھٹکنا رونا اسے پاگل کر رہا تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح ابل رہا تھا

۔ارحام خانزادہ سچ میں اس وقت جیسے اس وقت پاگل ہو رہا تھا۔ وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

حور مقابل کی دھاڑ پر لرزتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔

ارحام اس کا اپنے نیچے خوف سے لرزتا وجود اور میچی ہوئی پلکیں دیکھ کر کمبل خود پر لپیٹے اس سے الگ ہوا تھا۔ کمبل خود پر لپیٹے ہی اپنے کپڑے پہنے۔

حور پر وہ کمبل پھینکتا بیڈ سے نیچے اترا۔

حور کمبل اچھی طرح خود پر لپیٹتے ہوے بیڈ سے اترتے جلدی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔ ارحام خانزادہ کے غصے سے وہ بے تحاشا ڈر گئی تھی۔ ڈریسنگ روم میں چھپتے وہ اس سے پناہ لینا چاہی تھی۔

ارحام خانزادہ ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے تھوڑا جھکے ہوے مرر میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔۔ وہ اس وقت اپنی بلیک پینٹ اور وایٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس کے اوپری دو بٹن کھلے تھے..

اس سے پہلے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتی وہ اس کی طرف بڑھتے اسے کندھوں سے تھام کر پوری قوت سے دیوار میں پٹخ گیا تھا۔

حور اچھی طرح خود پر کمبل لپیٹے دیوار میں سمائی تھی۔

حور کا گریزیوں خود کو چھپانا اس کی بے رخی ارحام خانزادہ کو پاگل کر رہی تھی۔ یہ اس کی حور تو نہ تھی ایسے تو نہیں کرتی تھی اس کے ساتھ؟؟

مسلہ کیا ہے تمھارے ساتھ بتاؤ مجھے ؟؟ کیا چاہتی ہو کھل کر بتاؤ مجھے ؟؟ شوہر ہوں تمھارا!! میرے اور اپنے بیچ اس رشتے کے تقاضوں کو سمجھتی ہو۔ بتاؤ مجھے کیا اوقات ہے تمھاری میرے نزدیک ؟؟ جھک گیا ہوں تمھارے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگ چکا ہوں۔ نو مہینے سے سکون کا سانس نہیں لیا میں نے۔ بلکہ جب سے میری زندگی میں آئی ہو سکون کو ترس گیا ہوں۔ ایک فلایٹ پکڑتا تھا سوات ہوتا تھا اسی دن دوسری فلایٹ پکڑتے اسلام آباد ہوتا تھا۔

تمھارے بنگلے کے گیٹ پر ساری رات ایک گارڈ کی طرح گاڑی میں رات گزارتا تھا۔ نیند کیا ہوتی ہے ؟؟ ان نو مہینوں میں بھول چکا ہوں۔ کل کی فلایٹ پکڑ کر دبئ گیا۔ میٹنگ ادھوری چھوڑ کر اپنا لاس کر آیا۔ کیونکہ میری خوبصورت بیوی کی بے اعتنائی بے رخی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی

تھی۔۔اور تم مجھے کہتی ہو کہ تمھاری اوقات نہیں میرے نزدیک

ہاں؟!ارحام اس کے اطراف میں مکہ مارتے ہوے غرایا۔حور نے اس کے

غرانے پر ڈرتے ہوے آنکھیں میچے۔

یہ ڈرنے کی ایکٹنگ مت کرو جواب دو مجھے۔کیا تماشہ لگایا ہوا ہے اتنے دنوں

سے؟؟چاہتی کیا ہو؟ارحام کی گرج پر حور نے اسی لمحے آنکھیں کھولی

تھیں۔

میں آپ کی زندگی کا لاس ہوں جانتی ہوں۔بہت بار احساس دلا چکے

ہیں. چاہتی میں بہت کچھ ہوں۔مگر پریذے کی وجہ سے برداشت کر رہی

ہوں۔ورنہ!!حور اس کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں بمشکل بولی۔

ورنہ کیا؟؟ارحام اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ

رکھتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

حور اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔ حور کی دل کی دھڑکنیں ارحام کو اپنے کانوں میں بجتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اتنی بری طرح اس سے ڈر رہی تھی۔

ارحام پیچھے کو ہوتے گہرے سانس لیتا اپنے گھنے بالوں میں ظبط سے انگلیاں پھیر گیا تھا۔

ورنہ کیا؟؟ دوسرے لمحے اس نے اس کے ایک طرف دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔

اس کا ورنہ اس کے اندر شعلے دہکا چکا تھا۔ حور لرزتے ہوے روتے ہوے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر گئی

جواب دو مجھے !!ورنہ کیا کرتی تم ؟؟ارحام اس کا جبڑہ دبوچتے اپنی طرف کر گیا۔حور خاموشی سے لرزتے ہوے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔سینے پر دونوں ہاتھوں سے وہ کمبل پر اپنی گرفت مظبوط کرتی جا رہی تھی

جواب دو مجھے !!ارحام خانزادہ نے اس کے جبڑے پر اپنی انگلیاں سختی سے پیوست کیں۔

ورنہ میں آج اور اس دن کبھی واپس نہ آتی۔جو خلع کا نوٹس سات مہینے آپ کی حویلی نہ آسکا وہ اب ضرور آتا۔حور گھٹی گھٹی آواز میں بری طرح اس کی گرفت میں تڑپتے ہوے چیخی تھی۔مقابل کا سختی سے چھونا اسے بے حد تکلیف پہنچا گیا تھا۔وہ بہت بے رحمی سے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا۔

خلع لو گی مجھ سے تم ؟؟ مجھ سے لو گی خلع ارحام خانزادہ سے لو گی خلع تم۔ ارحام کی انگلیوں کی گرفت پر اس کے گالوں پر مضبوط ہوئی تھی۔ کمرہ اس کی دھاڑ پر لرز اٹھا تھا

ہاں حور سلطان شاہ ارحام خانزادہ سے خلع لے گی۔ وہ اس کی انگلیاں اپنے جبڑے سے چھڑوانے کی ناکام سعی کرتے ہوے بولی۔۔ آنسو ٹوٹ کر رخ پر برسے تھے۔ اس کی انگلیاں اس کے نازک گالوں میں جیسے دھنس چکی تھیں۔

ارحام گہرے سانس لیتے اس کا جبڑہ چھوڑ چکا تھا۔

آہہ۔۔۔ ارحام خانزادہ ڈریسنگ کی طرف بڑھتے اس پر رکھی تمام چیزیں ہاتھ مارتے ایک ہی جست میں الٹ چکا تھا۔

حور کمبل اچھی طرح خود پر لپیٹے شدت سے رو پڑی تھی۔ وہ ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کے دونوں اطراف میں اپنے ہاتھ رکھے اسے محسور کر گیا تھا۔

میری زندگی میں ان چاہا وجود بن کر آئی تھی تم۔ جس کی دو کوڑی کی حیثیت نہیں تھی میرے نزدیک۔۔ تب قسم کھائی تھی خدا سے وعدہ لیا تھا۔ تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے حور سلطان شاہ رہے گی حور خانزادہ بن کر!! آج تو تم میرے رگ رگ میں لہو بن کر دوڑتی ہو۔ تمھیں لگتا ہے میں تمھیں کبھی چھوڑوں گا۔ ارحام خانزادہ نے سرد لہجے میں غراتے ہوے سوال کیا۔

حور گہرے سانس لیتے خاموشی سے اس کی برفیلی نگاہوں میں دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس کی سانسوں میں آگ کی طرح تپش چھوڑ رہی

تھیں۔اب گلیشیر سے سرد اس کی سانسیں تھیں جو اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا چکی تھیں۔

چچچ چچ!!افسوس ہو رہا حور خانزادہ پر!!اب کبھی مجھ جیسے پہاڑی بے رحم خان سے اپنی جان نہیں چھڑوا پائے گی۔ تمھاری سانسیں تو میری ہو گئیں۔

ارحام اس کی طرف دیکھتے برفیلے لہجے میں بولتے استہزائیہ مسکرایا تھا۔

ہو تم عرب پتی باپ کی بیٹی!!نہیں بلکہ افیشلی اب عرب پتی بن چکی ہو۔ مگر ارحام خانزادہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ارحام اپنے سینے پر ہاتھ دمارتے دھاڑا تھا۔ حور اس کی دھاڑ پر بری طرح لرز اٹھی تھی۔

ویسے میری دہشت میری اوقات کا پوچھنا ہو اتو اپنے باپ سے صرف ایک ویڈیو مانگ لینا۔ جو کچھ دن پہلے میں نے اسے تحفے کے طور پر بجھوائی تھی۔

لگتا ہے میرا تحفہ پسند نہیں آیا۔یا میری دہشت سے خوف کھا بیٹھا ہے جو

باپ بیٹی مجھ سے پیچھا چھڑوانا چاہتے ہیں۔ ارحام حور کی خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

ارحام میرے پاپا کے خلاف کچھ مت کہیے گام۔یں برداشت نہیں کروں گی اپنے پاپا کے خلاف ایک لفظ بھی۔ حور نے اپنے خوف پر قابو پاتے بظاہر نڈر لہجے میں چیختے ہوے کہا۔

جانتا ہوں نہیں سن سکتی اپنے باپ کے خلاف کچھ بھی!! صرف شوہر کے خلاف سن سکتی ہو۔ ارحام بھی جوابًا چیخا تھا۔

حور اس کی چیخ پر خاموش ہوتے اپنے آنسو روک چکی تھی۔

میری بات کان کھول کر سن لو!! جو سات مہینے کھیل چلا اب وہ دوبارہ نہیں چلے گا۔۔ اپنی حویلی سے قدم نہیں نکالنے دوں گا۔ مرتے دم تک میری رہو

گی تم!!ارحام حلق کے بل دھاڑتے ہوے اسے بازو سے جکڑے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔وہ کمبل خود پر سنبھالتے لڑکھڑاتے ہوے اس کے ساتھ گھسٹتی گئی تھی۔وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اسے صوفے پر دھکیل گیا تھا۔

حور صوفے پر جاگری تھی۔اس سے پہلے کمبل کھلتا وہ خود پر اچھی طرح لپیٹ گئی۔اس کا ایسا گریز برتنا خود کو ایسے چھپانا جیسے اس نے کبھی اسے دیکھا ہی نہیں ارحام کے وجود میں دہکتے کوئلے جلا رہا تھا۔

خان کی عورت ہو تو یہاں حویلی کی عورتوں کی طرح رہنا سیکھو۔ڈریسنگ روم ہوتا ہے کپڑے بدلنے کے لیے۔آیندہ بغیر دروازہ لاک کیے تم نے کپڑے چینج کیے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔اس حالت میں پریذے کی بھی تم پر

نظر پڑتی مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ ارحام اس کی طرف ایکھتے ایک ایک لفظ چباتے بولا۔

حور اپنی نگاہیں پھیرتے مزید خود پر کمبل لپیٹ گئی تھی۔ وہ اسی لمحے اس کی طرف بڑھتے اپنا پاؤں صوفے پر جماتا اس پر جھکا۔

خود کے لیے میری دیوانگی اچھی طرح جانتی ہو۔ جانتی ہو تم اس پہاڑی خان کو وہ پاگل ہے تمھارے لیے!! میرا پاگل پن تو سہنا پڑے گا تمھیں اب۔۔ اور میرا پاگل پن کہتا ہے آیندہ تم نے خلع یا طلاق کی بات کی تو تمھاری زبان حلق کے بل کھینچ کر نکالتے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔ دوسرے لمحے وہ ڈریسنگ روم سے نکلتا تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔ حور کمبل اچھی طرح خود پر لپیٹتے ہوے سسک سسک پڑی تھی.

رمز عشق :_ [03/01, 8:25 am]

تحریر نور آصف

قسط 150part1

ارحام خانزادہ نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے وہ غصے سے واش روم کی طرف بڑھا۔

شاور کھولتے وہ اس کے نیچے کھڑا وہ باتھ کیبن کی گلاس وال سے پیشانی ٹکا گیا۔۔روف شاور سے ٹھنڈا پانی اس پر بوچھاڑ کی صورت میں برس رہا تھا۔

!!ورنہ میں آج اور اس دن کبھی واپس نہ آتی۔جو خلع کا نوٹس سات مہینے آپ کی حویلی نہ آسکا وہ اب ضرور آتا!!

آہہہ۔۔۔۔وہ چیختے ہوے باتھ کیبن پر مکے مارتے چلا گیا تھا۔

وہ سیدھے ہوتے باتھ کیبن کی گلاس وال سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔ برفیلا پانی بھی اس کے وجود کو سرد نہیں کر پا رہا تھا۔ تپش ہی تپش آگ ہی آگ تھی جو اس کے وجود کو دہکائے ہوئے تھی۔

آہہہ۔۔۔ وہ اب چیختے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

!!میں برداشت کر رہی ہوں۔ میں پریذے کی وجہ سے واپس آئی ہوں ورنہ!!

اس کے لفظ سماعتوں میں ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے۔

ارحام گہرے سانس لیتے ریک سے ٹاول پکڑتے واش روم سے باہر آیا۔۔ وہ انھیں گیلے کپڑوں میں ملبوس تھا۔

وینٹی کے آگے کھڑے ہو کر اپنے بال خشک کرتے مرر میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

!!وہ عشق کہتا تھا اسے۔ جتنی وہ خوش قسمت تھی افسوس اتنی ہی بد قسمت ٹھہری۔ اب ساحر خان جیسا انسان کسی کی قسمت میں نہ رہے وہ بد قسمت ہی ہوا نہ!!

نشا کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجتے اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھا رہے تھے۔۔

سب کچھ تو ٹھیک ہو گیا تھا ان کے بیچ آخر کیوں وہ ایسا کر رہی تھی اس کے ساتھ؟؟۔ ارحام خانزادہ نے سوچتے اپنے بال ٹاول سے خشک کرتے ہوے ٹاول سلیب پر رکھتے وہ سلیب پر دونوں ہاتھ جما گیا تھا۔

اتنی بے رخی اتنی بے اعتنائی تو اس نے سات مہینوں میں نہیں دکھائی تھی جب وہ شاہ مینشن رہ رہی تھی۔ ان سات مہینوں میں اپنے باپ کے پاس رہتے ہوے اس نے اپنے وجود کو ڈھک کر رکھا۔ اسے کبھی وہاں سے جانے کو نہیں کہا۔ ہاں سات مہینے اس پر نظر کرم نہیں کی تھی مگر دھتکارا بھی تو نہیں تھا۔

سات مہینے بعد پلٹ کر بھی تو خود آئی تھی۔ ناراضگی بھی تھی تب بھی بے رخی تھی مگر اس کی آنکھوں میں یہ سب کچھ نہ تھا۔ اتنی بے رخی اتنا سرد پن؟؟

آرحام خانزادہ نے بری طرح جبڑے بھینچے۔

کیا غلطی ہو گئی مجھ سے آخر؟؟ کراچی جانے سے پہلے تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ کیا میری قربت میرا وجود اسے اپنے پاس گوارا نہیں۔۔ یہ سوچ آتے ہی

اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ نے ٹیپ کھولتے ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں اپنی آنکھوں میں ماری تھیں۔ جہاں شدید جلن ہو رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے مرر میں خود کو غور سے دیکھا۔ سحر انہ نقوش سرخ و سفید رنگت۔۔ تیکھی مغرروارانہ اٹھی ہوئی ناک گہری سیاہ آنکھیں جن کی کشش ہی الگ تھی۔ گھنے سیاہ بال۔۔ کسرتی ورزشی بدن جس کے ایبس شرٹ سے بھی ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ سحر انگیز پرسنیلٹی کا حامل انسان تھا بلکہ وہ بلا کا ہینڈسم تھا وہ اپنی پرسنیلٹی بلکہ اپنی کشش ذدہ پرسنیلٹی سے بخوبی واقف تھا ۔اسے کوئی بھی لڑکی نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔۔

اس کی محرم کیسے اسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ یونانی دیوتاؤں جیسا وہ حسن رکھتا تھا پھر کیسے وہ اسے نظر انداز کر سکتی تھی؟؟

!! آپ ہی وہ پہلے انسان تھے۔۔۔ جس نے مجھ پر بری نظر نہیں ڈالی تھی ۔۔ میں سارے راستے آپ کو دیکھتے آئی مگر آپ نے مم مجھ پر ایک نظر نہیں ڈالی۔۔۔ اس رات گاڑی میں مم۔۔۔۔ مجھے آپ کے ہر ایکٹ سے محبت ہو گئی!!

حور کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو ارحام خانزادہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کر گیا تھا۔

!! مجھے آپ کی آنکھوں سے محبت ہو گئی تھی ارحام!! مگر اب مجھے ان کی سرخی سے ڈر لگتا ہے!!

ارحام خانزادہ پانی کی چھینٹیں اپنی آنکھوں پر مارتے چلا گیا تھا۔ جو چیز تمھیں نہیں پسند جس سے تمھیں خوف آتا ہے وہ نہیں رہنے دوں گا۔ ارحام زیر لب بولتے ہوے لگاتار اپنی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتے چلا گیا تھا۔

وہ کافی دیر اپنی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹے مارتے اپنی آنکھوں کی جلن کم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

!!ورنہ میں آج اور اس دن کبھی واپس نہ آتی۔جو خلع کا نوٹس سات مہینے آپ کی حویلی نہ آسکا وہ اب ضرور آتا!!

وہ اس سے خلع چاہتی ہے اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی یہ سوچ یہ لفظ اسے اندر سے آرے کی مانند کاٹ رہے تھے۔

لیکن کیوں؟؟وہ سلیب پر ہاتھ مارتے ہوے حلق کے بل چیخا تھا۔

سلطان شاہ حور کو اس سے چھین نہ لے ایک یہی بات اسے سلطان شاہ کی پاور سے خوف کھانے پر مجبور کرتی تھی۔

کوئی حیثیت نہیں میرے نزدیک تمھاری سلطان شاہ!! کوئی حیثیت نہیں ہے تمھاری!! ارحام خانزادہ مرر میں دیکھتے ہوئے حلق کے بل چیخا تھا۔

حور کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتے دنیا کی کوئی طاقت نہیں جدا کر سکتی۔ وہ مرر میں دیکھتے ہذیانی چیخا تھا۔

آہہہ!! ارحام خانزادہ سلیب پر ہاتھ مارتے ہوئے چیخا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے کافی دیر تک مرر میں دیکھتے اپنے اندر کی کھولن اظطراب کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

!! آپ کی نگاہیں اور ہاتھوں کی بے باکی آپ کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہیں ارحام!! آپ کو میری طرف میرے جسم کی کشش کھینچ کر لائی ہے۔ اور معافی بھی اس لیے چاہیے یہ رات رنگین کرنی ہے آپ نے!!۔

وہ اس کے لفظ یاد کرتے تلخی سے مسکرایا تھا۔ وہ اس کی محبت دیوانگی کے عالم کو کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ سات مہینے وہ اس سے دور رہا۔ اس کی ایک نظر کرم کا منتظر رہا۔ اگر وہ ساری عمر اس کی طرف نہ پلٹتی وہ کبھی اپنا حق نہ مانگتا نہ لیتا۔

!! آپ کو صرف میرے جسم سے محبت ہے ارحام۔ آپ کی محبت صرف حوس سے مشروط ہے !!

حور کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ تلخی سے مسکرا گیا تھا۔

اس کی قربت اس کی کمزوری تھی اور یہی کمزوری اس کا گناہ بن گئی تھی۔ کیا ابھی بھی وہ حوست پرست تھا۔ ارحام خانزادہ نے مرر میں دیکھتے ہوے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلیں۔

وہ ٹیب بند کرتا واش روم سے نکلتے روم میں آیا تھا۔

کمرے میں آتے ہی ارحام خانزادہ نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے سگریت کیس اور لائیٹر نکالتے ہوئے سگریٹ لبوں میں دبائے کانپتے ہاتھوں سے بمشکل ہی سگریٹ جلایا تھا۔ ایسی کپکپاہٹ اس کے پورے وجود پر طاری تھی۔ اسے کھونے کے خوف سے پورا وجود ایسے ہی لرز رہا تھا۔ ارحام نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔

ارحام نے سگریٹ کے کش لیتے کمرے سے ملحقہ ٹیرس کی طرف بڑھا۔ اس کے وجود پر گیلے کپڑے تھے۔ وہ سرد رات میں بنا کسی گرم کپڑے کے کھڑا تھا۔ ٹھنڈی برفیلی ہوائیں اس کے پہاڑی چٹانی وجود کو مزید سرد کر چکی تھیں۔

سرخ و سفید رنگت ٹھنڈی برفیلی ہواؤں سے مزید سرخ ہوا تھا۔

کیوں وہ ایسا کر رہی ہے؟؟ ایسا کیا ہوا وہ خلع مانگ رہی ہے؟؟! سات ماہ میں خلع نہیں مانگی اب جبکہ وہ خود حویلی آئی کچھ دن پہلے اپنی مرضی سے اسے خود کو اپنی مرضی سے سونپا تھا۔ پھر کیا ہوا ہے ایسا؟؟ کونسی غلطی ہو گئی اس سے کہ وہ خلع کا سوچ رہی تھی۔ وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتا اظطرابی انداز میں مسلسل یہی سوچ رہا تھا۔

نازنین بائی کے مرنے کے بعد شاید سلطان شاہ کو اس کی پروٹیکشن کی کوئی فکر نہیں رہی اس لیے وہ اب اپنی اکلوتی بیٹی کی مجھ جیسے پہاڑی خان سے جان چھڑوانا چاہتے ہیں۔۔ اور سات مہینے اپنے محل کے گیٹ پر مجھے اس لیے برداشت کیا کیونکہ ان کی اکلوتی بیٹی کے گارڈز میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جو ان کی بیٹی کے لیے انسینکڑوں گارڈز سے بہتر تھا کیونکہ یہ گارڈ اپنی

جان دے سکتا تھا مگر ان کی اکلوتی بیٹی کو آنچ نہیں آنے دے سکتا تھا۔ ارحام خانزادہ نے طنزیہ مسکراتے ہوئے سلگتے ہوئے سوچا۔

نہیں سلطان شاہ وہ بیوی یا میری عزت نہیں میرے لیے میرا عشق ہے میری جان ہے وہ نہیں چھینے دوں گا تمھیں اسے مجھ سے۔۔ ارحام دونوں ہاتھ ریلینگ پر جماتے غرا اٹھا تھا۔

اس کے پورے وجود کی نیلی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ وہ اندر سے لاوے کی مانند ابل رہا تھا۔

سگریٹ مظبوط نیلی رگوں والے ہاتھ بری طرح کپکپا رہا تھا۔ بظاہر وہ خود کو جتنا مرضی مضبوط ظاہر کر رہا تھا۔

اتنا ہی وہ جیسے کمزور پڑ رہا تھا جس سے شدید محبت ہو جو رگوں جاں سے بڑھ کر ہو اس سے کیسے زبردستی کی جا سکتی تھی۔ اگر اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کیا کرے گا۔ سلطان شاہ نے اپنی طاقت ازمالی تو وہ کیا کرے گا۔ ارحام خانزادہ کے اعصاب جیسے خوف میں جکڑے تھے۔

ایسا نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہوا خدا کی قسم جان سے مار ڈالوں گا اسے بھی اور خود کو بھی۔ اگر سلطان شاہ طاقتور ہے تو ارمان خانزادہ بھی طاقتور ہے۔ گولیوں کا کھیل کھیلنا میں بھی جانتا ہوں۔ خون ہی خون ہو گا سلطان شاہ اگر میری بیوی کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ بھوکے درندے کی مانند غرا اٹھا تھا۔

ارحام خانزادہ نے سگریٹ جلے ہوئے سگریٹ کو لائیٹر سے جلانے کی کوشش کی۔ ہاتھ ابھی بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے جلے ہوے سگریٹ کو جلاتے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا ۔اسے اپنے عارض بھیگتے محسوس ہوے تھے۔

ارحام خانزادہ نے حیرانگی سے اپنے عارض پر وہ نمی اپنی انگلیوں کی پوروں پر چنی۔اپنے مورے بابا کی موت کے بعد اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے تھے۔گل کی جدائی اپنے بچے کی موت پر یذے کی جدائی میں صرف اس کی آنکھیں سلگتی تھیں مگر آج وہ رو رہا تھا۔پہاڑوں سے بھی مضبوط پہاڑی خان رو رہا تھا۔ایک عورت کے لیے رو رہا تھا۔وہ واقعی میں ایک کمزور انسان تھا۔شاید اس کی حوس اسے رلا رہی تھی جو اسے اپنی ہی عورت کے لیے تھی۔

آہہہہ۔۔۔ارحام خانزادہ ریلنگ پر ہاتھ جمائے چیختا جا رہا تھا۔اس کی چیخیں پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس اسے اپنی سماعتوں کو سنائی دے رہی تھی۔جیسے وہ

اس کی محبت اس کی دیوانگی اس کی تڑپ نہیں سمجھ رہی تھی ایسے ہی یہ بے جان پہاڑ بھی سمجھ نہیں رہے تھے۔۔ اتنا درد اتنا طوفان اس کے دل میں اٹھ رہا تھا۔ اب تو آنسوؤں کی باڑ آچکی تھی۔ ہاں ایک حوست پرست مرد اپنی عورت کے لیے رو رہا تھا۔ اسے کھونے کے خوف سے رو رہا تھا وہ کسی اور کی نہ ہو جائے وہ رو رہا تھا۔ وہاں کے دریاؤں میں طغیانی ہی نہیں اس کے اندر اک طغیانی برپا تھی۔

ارحام خانزادہ نے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنے اندر اٹھتے دھویں کو کم کرنے کی کوشش کی۔

بے چینی اظطراب درد اندر اٹھتے سلگتا دھواں کسی صورت کم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے سگریٹ شوز کے نیچے مسلتے ہوے کمرے میں آیا تھا۔

خان کی بیوی ہوں کیا تو ساری پابندیاں مجھ پر عاید ہوتی ہیں۔خان !!
ہر پابندی سے آزاد ہوتا ہے۔ایک خان کی بیوی ہونے سے پہلے
میں سلطان شاہ کی بیٹی ہوں ۔اور شاہ کے سامنے یہ خان کچھ
نہیں!!

ارحام خانزادہ نے کمرے میں چکر لگاتے ہوے اس کے لفظ یاد کرنے کی
کوشش کی۔اس کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔

کیا ہوا ہے مجھ سے آخر ایسا؟؟ کس بات پر وہ ناراض ہوئی؟؟ کیا ساحر خان
کے موت کا غم اس کے لیے اتنا بڑا ہے وہ اس سے جدا ہونا چاہتی
ہے۔ارحام خانزادہ کے جلتے دل نے سوال کیا۔

نہیں وہ صرف میری ہے۔وہ میرے نکاح میں ہوتے کسی غیر مرد کے لیے اتنا درد اپنے دل میں نہیں رکھ سکتی۔۔

ارحام خانزادہ نے اپنی ہی سوچوں کو جھٹلایا تھا۔

پھر کیا وجہ ہے اس کی بے رخی کی۔وہ ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے ہوے گر جاتھا۔

حور وہ ساحر خان مر گیا۔وہ سبز آنکھوں والا شہزادہ مر گیا حور جو تم پر مرتا تھا ۔تم سے عشق کرنے والا ساحر مر گیا حور!!ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

وہ غیر نہیں تھا اس کا عاشق رہ چکا تھا اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ اسے وہ انسان دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔ ارحام خانزادہ نے مرر میں دیکھتے اپنی آنکھیں ایک بار پھر سے مسلیں۔

نہیں تھا وہ اس کا عاشق۔ غیر تھا وہ اس کے لیے۔۔ مجھ سے بڑھ کر کوئی عاشق نہیں ہو سکتا۔ وہ عاشق تھا جس نے خود کے لیے موت چنی مگر میں وہ عاشق ہوں جو تمھارے لیے مر نہیں سکتا۔ دوسروں کو مار سکتا ہوں وقت پڑے تمھیں بھی اگر مجھ سے دور جانے کی کوشش بھی کی۔ ارحام خانزادہ مرر میں دیکھتے زیر لب بولا۔

یہی اصول ہے میرا یہی میرا عشق کہتا ہے مجھ سے۔ تم میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں۔ ارحام خانزادہ شدت گریا سے اب چیخا تھا۔

 وہ گہرے سانس لیتے ایک بار پھر سے روم میں چکر لگانے لگا۔رات سرک ہی نہیں رہی تھی۔قطرہ قطرہ وہ شمع کی طرح جل رہا تھا۔

!!آپ کو سہن کرنا آسان ہے کیا ارحام؟یہی کہتے تھے کہ میں ٹھہری نازک سی لڑکی اور آپ پہاڑی خان وہ بھی تجربہ کار۔۔۔۔آپ کو سہن کرنا میرے بس کی بات نہیں!!

حور کی بھیگی گھبرائی آواز سماعتوں میں سنائی دی تھی۔

کیا وہ اس کی قربت سے خوف کھا کر اس کے ساتھ بے اعتنائی برت رہی تھی۔ارحام خانزادہ نے بے چینی سے سوچا۔

شاید میں اس کے ساتھ زیادتی کر جاتا ہوں۔مجھے سہنا اس کے لیے آسان نہیں ہو سکتا۔ارحام خانزادہ بے دردی سے لب کچلا۔

ارحام خانزادہ نے کمرے میں نظریں دوڑائیں جہاں کے ہر کونے میں اس کی یادیں تھیں۔ کمرے کے ہر کونے میں وہ اس پر اپنی شدتیں ڈھا چکا تھا اور وہ اس کی قربت میں اس کا ہر انداز اور ہر ستم برداشت کر چکی تھی۔

آہہ۔۔۔ ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوئے ایک جھٹکے سے بیڈ شیٹ پکڑتے کھینچی تھی۔

خوابوں کی چیتائیں ہیں

سلگتی ہوئی

غم کا اندھیرا

خوشیوں پہ چھایا

تو نے ستم اس

دل پہ ڈھایا

میں نے وفا پہ تیری

کتنا اعتبار کیا تھا

عشق نہ کرنا

عشق نہ کرنا

وہ چیختے ہوے تمام کمرے کا حلیہ بگاڑ چکا تھا کمرے کی کوئی چیز اپنی جگہ نہ تھی۔ کمرے میں رکھے واز ٹیبل پر رکھے پرفیوم سب کچھ وہ ایک ایک کرتے توڑتا جاتا رہا تھا

!! نفرت ہے مجھے اس کمرے اور اس کی ہر چیز سے ارحام !!

اس کی آواز ارحام خانزادہ کو اپنی سماعتوں میں سنائی دی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا۔

ایک بار کمرے میں پھر سے نظریں دوڑائیں جہاں صرف اس کی یادیں نہیں تھیں بلکہ کمرے میں گل کے سات گزرے ہوے لمحے بھی تھے۔ یہ بیڈ یہ کمرہ تو گل کا بھی تھا۔

!!پانچ سال گل نے میری قربت اس بیڈ پر سہی ہے۔ ایک بیوی ہونے کے حقوق بہت اچھے طریقے سے نبھائے ہیں۔ تمھارا کچھ گھنٹوں میں ہی میری قربت میں برا حال ہو گیا!!

!!بند کرو یہ سسکیاں یہ ساونڈ میری سماعتوں میں گراں گزرتا ہے۔ مدہوشی نہیں طاری نہیں کرتا۔ گل کی سسکیاں اس کے بدن کی خوشبو اس کے ہونٹوں کا بھیگا لمس مجھے بھولتا نہیں۔ جو مجھے پاگل کر دیتا تھا۔

اپنے ہی لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ بے دردی سے لب کچل گیا تھا۔

وہ صرف اس کے لیے بیوی تو نہیں تھی اس کا عشق ہے تو وہ کیسے اپنی خوبصورت بیوی کو اس کمرے میں دوبارہ لا سکتا تھا۔

اسے یہ کمرہ بہت پہلے بدل لینا چاہیے تھا۔ وہ ایک عام عورت تو نہ تھی وہ اسے دوبارہ اسی کمرے میں رکھتا۔ وہ سلطان شاہ کی بیٹی نہیں بلکہ ارحام خانزادہ کی وہ پسندیدہ عورت تھی جو اس کے لیے سانسوں سے بھی زیادہ ضروری تھی پھر وہ کیسے اسے دوبارہ اس کمرے میں لا سکتا تھا؟؟

ارحام خانزادہ سر صوفے کی سطح سے ٹکائے اپنی سرخ کرب زدہ آنکھیں کمرے کی چھت میں گاڑھ گیا۔

اس کمرے میں اس کے لیے صرف اس کی حور کی یادیں تھیں اسی لیے وہ اس کمرے کو چھوڑ نہ سکا تھا۔ گل کی یاد کا ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ جس دن اس نے اس کا بچہ مارا وہ اس کے لیے نفرت کے قابل بھی نہ رہی تھی۔۔ تب تو نفرت وہ اپنی حور سے کرتا تھا جو جذبہ حور کے لیے ہو وہ کیسے کسی دوسری عورت کے لیے ہو سکتا تھا چاہے وہ نفرت کا ہی کیوں نہ ہو۔

!!عورت اگر ناراض ہو تو مرد کو چاہیے اس کے آگے جھک جائے۔ اسے منائے وہ جتنا بار خفا ہو مرد کو منانا چاہیے۔ عورت ٹیڑھا پسلی سے پیدا ہوا ہے اسے سیدھا کرو گے وہ ٹوٹ جائے گا مگر سیدھا نہیں ہو سکتا۔ پھر تمھارا عورت خوبصورت ہے اتنا بڑا باپ کا بیٹا ہے۔ اس کا نخرہ کرنا بڑا بات نہیں۔ وہ حویلی آیا ہے تو تمہارے لیے آیا ہے۔ اس کا دل کا بات جاننے کا کوشش کرو۔ وہ کم عمر ہے جذباتی ہے تم تو نہیں۔ دو عورتیں تمھارا زندگی

میں آیا ھے۔ تم کو پتہ ہونا چاہیے عورت کو کیسا رکھنا ہو جہاں پیار کرنا ہو وہاں پیار کرو جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرو!!

امینہ خانم کی باتیں سماعتوں میں گونجی تھیں۔ وہ بے چینی سے لب کچلتا سیدھا ہوا۔ سگریٹ سلگائے وہ ایک بار پھر سے لبوں میں دبا گیا تھا۔

تم نے بہت اچھا سوچا ہے ارحام!! حور اور تمھارا نہ ولیمہ ہوا نہ برات ہوا۔ ہم کو بڑا ارمان ہے تمھارا اور حور کا سارا تقریبات ہو۔ اور کچھ ہو نہ ہو ولیمہ کا دعوت تو ہونا چاہیے۔۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے کہا۔

مورے سب ہو گا۔ ارحام سنجیدگی سے کہتے مدھم سا مسکرایا تھا.

پاپا!! پریذے لاونج میں داخل ہوتے بھاگتی ہوئی ارحام کی طرف بڑھی تھی ۔ارحام خانزادہ نے گہری نگاہ حور پر ڈالی جو یلو کلر کے خوبصرت سی گرم لانگ فراک میں ملبوس تھی جس پر ہم رنگ شال اپنے گرد اوڑھی ہوئی تھی۔جو آج سر پر نہیں تھی۔ سلکی براون بال کمر پر بکھرے تھے۔وہ سپاٹ سے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔لاونج میں داخل ہوتے اس نے امینہ خانم کو سلام تک نہیں کیا تھا۔وہ اس کے سر سے اتری شال برداشت نہ کر سکا تھا

۔

پاپا میں ریڈی ہوں۔پریذے نے گھوم کر ارحام کو اپنی فراک دکھائی۔ارحام نے سنجیدہ نگاہ حور پر ڈالی۔چادر لے کر آؤ حور۔ارحام نے اس کے سر سے اتری شال دیکھ کر خود پر قابو پاتے ہوے بہت نرم لہجے میں کہا۔

کیوں؟؟حور نے اپنی تیکھی آئی بروا چکاتے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔حور کے سوال پر ارحام خانزادہ نے اپنی گھنی بیرڈ سہلائی۔پریذے نے فراک لینی ہے تمھیں پریذے نے بتایا ہو گا۔ارحام نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

بتایا تھا مگر میں نہیں جا سکتی۔آپ پریذے کو ساتھ لے جائیں۔میری ضروت نہیں۔حور کے سرد سپاٹ لہجے پر ارحام کا چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا ۔امینہ خانم نے ناگواری سے حور پر نظر ڈالی تھی۔وہ رات پھر پریذے کے کمرے میں رکی تھی امینہ خانم کا حور کا ایٹیوڈ دیکھ کر پارہ ہائی ہو رہا تھا۔

Mama papa is a boy !!

ان کو پنک گرین بلو کلرز کا نہیں پتہ۔مجھے سنڈریلا کا پنک کلر لینا ہے۔جو کامک بک میں تھا سیم کلر۔۔پریذے معصومیت سے کہتے ہنسی تھی۔

پریذے جان!! آپ کا مک بک ساتھ لے جاؤ۔ آپ کو وہ سیم کلر مل جائے گا۔ مگر میری طبعیت ٹھیک نہیں میں نہیں جا سکتی۔ حور نے پریذے کو دیکھتے کافی سنجیدگی سے انکار کیا۔

بٹ ماما!! پذیذے روہانسی ہوئی حور کی سنجیدگی اور انکار پر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آن ٹھہرے تھے۔

پریذے ضرورت نہیں آپ کی ماما کی۔ میں سیم کلر ڈھونڈ لوں گا۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔ ارحام سپاٹ لہجے میں کہتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

ماما پلیز آپ ساتھ آئیں ناں!! مجھے آپ اور پاپا دونوں کے ساتھ جانا ہے۔ پریذے نے بھیگے لہجے میں حور سے التجا کی

میں آپ کو پھر کسی دن لے جاؤں گی پریذے جان!! مگر سوری بیٹا میں اس وقت نہیں جا سکتی۔ حور نے اپنا نچلا لب کاٹتے سنجیدگی سے انکار کیا۔

ماما پلیز!! پریذے نے التجائیہ لہجے میں حور کا ہاتھ پکڑا۔

پریذے!! ارحام کی گرج پر پریذے نے لرزتے ہوئے حور کا ہاتھ چھوڑا تھا اور دوسرے لمحے وہ بھاگتے ہوئے ارحام کی طرف بڑھی۔

ارحام اسی لمحے اس کا ہاتھ پکڑے داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔ تم تو بڑا پریذے کا ماما ماما بنا پھرتا ہے آج تم کو اس کا رونا نظر نہیں آیا۔ روزینہ خانم نے حور کو دیکھتے طنزیہ وار کیا۔

میں پریذے کی ماما ہوں اور میں آپ کو کسی بات کے لیے جواب دہ نہیں ۔ آپ اپنے کام سے کام رکھا کریں۔۔۔ حور کی بات پر روزینہ خانم کا چہرہ غصے کی حدت سے سرخ ہوا تھا۔

تم ہم کو جواب دہ نہیں ہے۔ مگر کل کو پریذے کا سامنے جواب دہ ہو گا جب وہ بڑا ہو گا۔ جب وہ تم سے اپنا سگا ماں کا متعلق سوال کرے گا۔ اور یہ جو تم اترا رہا ہے کہ ارحام تم پر مرتا ہے یہ سب تمھارا کم عمری اور خوبصورتی اور تمھارا امیری ہے ورنہ وہ تو کل گل کا بھی ایسا ہی دیوانہ تھا۔

روزینہ !امینہ خانم غصے سے روزینہ خانم کو ٹوکتے ہوے صوفے سے کھڑی ہوئیں۔

ہم سچی بات کر رہا ہے بھابھی کرنے دو۔ ہم کو۔ یہ جو تم اپنا کمرہ الگ کرتے اپنا شوہر کو اپنا واسطہ تڑپا رہا ہے یہ نہ ہو وہ اس حویلی میں دوبارہ گل کو لے آئے

۔گل بختاور خان سے کب سے علیحدہ ہو چکا ہے۔روزینہ خانم حور کے دھواں دھواں چہرے پر تمسخراتی نگاہ ڈال کر چلی گئی تھی.

حور ارحام ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مگر تم کو اپنا طور طریقہ بدلنا ہو گا۔اگر تم خوبصوت ہے جوان ہے ہمارا ارحام بھی تم سے کم نہیں ہے۔ جس طرح مرد اپنا عورت کو سنبھالتا ہے۔اس طرح عورت بھی اپنا مرد کو سنبھالتی ہے اس کا جایز حق کا تلفی نہیں کرتا۔ تم اپنا مرد کو عزت دے گا تو یہ روزینہ جیسا آگ لگانے والا عورت تم کو کچھ نہ کہہ سکے گا۔ لیکن تمھارا ارحام سے دور رہنا تمھارا عزت ہم سب کا دلوں سے ختم کر رہا ہے۔امینہ خانم سنجیدگی سے کہتے چلی گئی تھیں۔ حور نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔۔

سینے میں اٹھتے ہیں

ارمان ایسے

دریا میں آتے

طوفان ایسے

ہم کو یہ معلوم نہ تھا

پیار بھی ایک سمجھوتا ہے

حور پریذے کے کمرے میں کھڑی گلاس ونڈو سے سرسبز پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ایسے ہی کھڑی تھی آج دھوپ میں عجیب سی چمک تھی۔ سرسبز پہاڑوں پر اجلی چمکتی دھوپ پہاڑوں پر موجود برف پگھلا چکی تھی۔

!!تم ہم کو جواب دہ نہیں ہے مگر کل کو پریذے کا سامنے جواب دہ ہو گا جب وہ بڑا ہو گا۔ جب وہ تم۔ سے اپنا سگاماں کا متعلق سوال کرے گا۔ اور یہ جو تم اترا رہا ہے کہ ارحام تم پر مرتا ہے یہ سب تمھارا کم عمری اور خوبصورتی اور تمھارا امیری ہے ورنہ وہ تو کل گل کا بھی ایسا ہی دیوانہ تھا!!

روزینہ خانم کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ شدت سے رو دی تھی۔

وہ انجانے میں بہت بڑا گناہ کر چکی تھی۔ ایک ہنستی بستی زندگی اجاڑ چکی تھی۔ حور نے اپنا گلہ جکڑا اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

اس نے کبھی اپنے گناہ کو چھوٹا نہیں سمجھا تھا۔ انجانے میں ہی سہی گناہ تو اس سے ہوا ہی تھا۔ اس سرخ آنکھوں والے بلا کے ہینڈسم زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والے انسان سے اس کی محبت اس کی بیوی جدا کر دی۔ گل اور ارحام کے تعلقات کبھی خراب نہیں رہے تھے۔ وہ اس سے پہلے ایک اچھا

شوہر تھا۔ بہت اچھا شوہر تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اس رات اس جیسے شعلہ جواں اس کے بھیگے قیامت جسم پر نظر نہ ڈالنے والا انسان اپنی بیوی کی محبت میں ہی اتنا وفادار ہو سکتا تھا۔ ورنہ ان کچھ دنوں میں ہر گلی ہر جگہ پر کتنے گھات لگائے دیکھے بیٹھ چکی پھی جو اسے نوچنا چاہتے تھے اور زیادہ نہ سہی تو وہ اپنی گندی نظروں سے ہی اس کا بدن تار تار کر دیتے تھے۔ ایک وہی تو تھا جس نے اس پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ یہ اس انسان کا عشق تھا اپنی بیوی کے لیے جو اس نے اس پر نگاہ نہیں ڈالی نہیں تھی۔ وہ انسان پھر کیسے اس سے عشق کر سکتا تھا؟؟ عشق بار بار تو نہیں ہوتا ناں؟؟ وہ شدت سے رو دی تھی۔

ساحر خان سے اس نے کبھی عشق کا دعوی نہیں کیا تھا۔ محبت کا بھی دعوی نہیں کیا تھا۔۔ حور سلطان شاہ محبت کرنا نہیں جانتی تھی سب کی محبتوں پر

اپنا حق سمجھتی تھی۔ وہ حور سلطان شاہ تھی جس کی سانسوں پر سلطان شاہ کی سانسیں چلتی تھی۔ ساحر خانزادہ جیسا انسان ہی اس کا مقدر ہو سکتا تھا۔

Perfect match each other

اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کا مقدر وہ پہاڑی خان ہو گا جو اپنی دہکتی سانسوں سے اس کی سانسیں گھوٹ دیا کرے گا۔۔ اس کی سانسوں سے سلطان شاہ اور ساحر خانزادہ کی سانسیں چلتی تھی۔ جنھیں وہ مغرور بے رحم انسان ساری ساری رات گھوٹتا رہتا تھا۔

حور سلطان شاہ کو کبھی اس بے رحم انسان سے محبت نہیں ہو سکتی تھی مگر حور خانزادہ کے دل میں اس انسان کا خوف ڈیرہ جما کر بیٹھ گیا۔ اتنا ڈر اتنی دہشت کہ اس کا دل میں وہ ہی وہ سما گیا۔ وہ کبھی آنکھیں بند کر کے سبز آنکھوں والے شہزادے کو سوچتی تو وہ مغرور زندہ وجودوں کو پلٹنے والا انسان

پورے حق دق سے دکھائی دیتا تھا۔ وہ اس کے خوف اس کے جنون سے اس کی وفادار ہوتی چلی گئی تھی۔ اس کی وفاداری نے اسے سکھایا جس کے وفادار ہو جاؤ اس سے محبت کرنا فرض ہو جاتی ہے۔ وہ فرض کی طرح خود کو اس سے محبت کرنے پر مجبور کرتی رہی۔۔ وہ جب اس حویلی کو چھوڑ کر گئی تب تک وہ اس مغرور انسان سے سیکھ چکی تھی وفا اور محبت کا پہلا اصول شدت پسندی ہے اور شدت پسندی یہ ہے اپنی ملکیت پر کسی کی ایک نگاہ نہ پڑھنے دو۔

اور آج وہ گل اور پریذے کی گناہ گار ہونے کے باوجود ارحام اور پریذے پر گل کا حق برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ سچ میں سلطان شاہ کی ہی بیٹی تھی اس کی طرح خود غرض اور سفاک جس نے اپنی ہی محبت کا قتل کر دیا تھا۔ پریذے تو گل کی بیٹی تھی پھر وہ کیسے اس پر گل کا حق برداشت نہیں کر

سکتی تھی۔ اور ارحام خانزادہ بھی تو گل کا ہی شوہر تھا پھر وہ کیوں سلگ رہی تھی تڑپ رہی تھی مر رہی تھی۔

حور اپنا گلہ جکڑے شدت گریہ سے رو دی۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی کہ آپ نے مورے سے بات کی ہے اور مورے میرے ساتھ ہیں!!

آہہہ۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں اب جکڑ چکی تھی۔ کیا پوچھتی کیا سوال کرتی اس سے ؟؟۔ سب کچھ صاف تھا کوئی کیوں اپنی پہلی بیوی اپنی بیٹی کی ماں سے ملے گا؟؟ صاف ظاہر تھا وہ اس سے نکاح کر چکا تھا یا کرنے والا تھا۔

وہ اس کے لیے صرف حق ملکیت تھی۔ جیسے سلطان شاہ کے لیے مہر ماہ تھی اگر مہر ماہ سلطان شاہ کا عشق ہوتی تو کیا سلطان شاہ اسے اتنی بے درد موت دیتا؟؟

حور شدت سے روتے زمین پر دوزانو بیٹھتی چلی گئی تھی۔ کیسے پوچھتی اس سے وہ پلٹ کر ہاں کہہ دیتا وہ کیا کرتی؟؟ وہ کیسے پریذے کو چھوڑ سکتی تھی؟؟ وہ کیسے اپنی بیٹی کو چھوڑ سکتی ہے؟؟ مگر اس انسان کی بیوفائی اس کی سانسیں جیسے روک رہی تھی۔

وہ کیسے اس سے پوچھتی اگر وہ اس کا گناہ گار تھا تو وہ بھی تو اس کی بیٹی کی اس کی اور اس کی بیوی کی گناہ گار تھی۔ اسے تو شاید خدا بھی معاف نہیں کر پایا تھا۔

حور اپنا گلہ جکڑے چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔۔

وہ پریذے کو کل کو کیا جواب دے گی؟؟ اگر اس نے بڑے ہو کر اس کی بے رحمی اس کے گناہ کے بابت سوال کر ڈالا۔

سب کچھ بکھر چکا تھا اسے یہاں اس انسان کی حق ملکیت شدت پسندی بن کر نہیں رہنا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

ماما!! پریذے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو حور اپنے آنسو جلدی سے صاف کرتے زمین سے اٹھی۔

ماما یہ دیکھیں سنڈریلا فراک!! پریذے نے اسے اپنا فراک دکھایا۔

یہ تو بہت پریٹی ہے مگر میری پریذے سے بہت کم۔۔ حور نے اس کا فراک پکڑتے پ جھکتے ہوئے پریذے کے گال پر کس کی۔ ماما یہ دیکھیں پاپا نے

مجھے باربی فراک بھی لے کر دیا ہے۔ سیم ہے کامک بک والا۔ سیم کلر ہے

ناں! پریذے نے شاپنگ بیگ سے بلو کر کا فراک نکال کر حور کو دکھایا

یہ تو سیم کلر ہیں۔ آپ تو کہہ رہی تھیں پاپا کو کلرز کی پہچان نہیں۔ حور نے بیڈ

پر بیٹھتے ہوئے پریذے کو اپنے سینے سے لپٹایا

ماما پاپا کو نہیں پتہ وہ بلو کلر کو پرپل کہہ رہے تھے۔ پریذے منہ پر ہاتھ رکھے

کھکھلا کر ہنسی۔

حور بھی اس کی بات پر کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اتنی دیر کیوں ہوئی پریذے؟؟ کیا پاپا کہیں اور بھی گئے تھے میرا مطلب ہے

شاپنگ کے علاوہ بھی کہیں گئے تھے۔ حور نے لب کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں فراک لے کر واپس آ گئے۔ پاپا نے آیسکریم اور کھانا بھی کھلایا تھا

۔ پریذے نے بیڈ پر جمپنگ کرتے ہوے بتایا۔ وہ بہت خوش لگ رہی

تھی۔ حور کو لگا تھا پریذے واپسی پر اس سے شکوہ کرے گی۔ وہ اس کے

ساتھ کیوں نہیں آئی؟؟ مگر وہ بے حد خوش تھی۔ اور حور کو یہ بات چھب

رہی تھی اس نے ذرا سا مس نہیں کیا۔

آپ نے مجھے مس نہیں کیا پریذے شاپنگ پر۔ حور نے بھیگے لہجے میں پوچھا

۔

نو ماما!! پریذے نے جمپنگ کرتے ہوے کہا۔

حور نے گہرا سانس لیتے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔۔ گل کی وجہ

سے وہ پریذے کو لے کر بھی حساس ہو گئی تھی

ماما پاپا آج میری بگ برتھڈے سیلیبریٹ کریں گے مورے بھی آئیں گی۔

پریذے کی بات پر حور نے دھواں دھواں چہرے سے اس کی طرف دیکھا . یہ پاپا نے کہا آپ سے ؟؟ حور نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

نہیں مورے نے۔۔ پریذے نے اچھلتے ہوئے بتایا۔

حور پریذے کی بات پر خاموش ہوئی تھی۔

ٹونکل ٹونکل لٹل سٹار

ہاؤ آر ونڈر روٹ یو آر

پریذے اچھلتے ہوئے اب پویم پڑھ رہی تھی۔

گل گل۔۔ مورے آپ کی مورے بھی آپ کے ساتھ تھی۔ شاپنگ پر مورے بھی گئی تھیں۔ حور کو اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

حور کے سوال پر پریذے نے رکتے ہوے حور کو دیکھا۔

اسے یاد آیا تھا ایک مرتبہ حور نے فون پر ایسا ہی سوال کیا تھا ارحام نے اس سے جھوٹ بولنے کو کہا تھا۔ یہ بھی کہا تھا جھوٹ بولنے پر حور حویلی آجائے گی۔ وہ اب معصومیت سے حور کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔

مورے بھی ساتھ تھیں کیا؟؟۔ حور کی آواز مزید شدت سے بھیگی تھی۔

ہاں مورے بھی تھی۔ اور پاپا مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے تھے صرف مورے کو ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ ارحام کا اس وقت کا سکھایا جملہ روانی سے بولتے جمپنگ کرنے لگی۔۔

حور نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اس کی سانسیں اب سچ میں بند ہوئی تھیں ۔ حور ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھتے کمرے سے نکلتے تیز تیز قدموں سے

ارحام کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ مزید اس انسان کا دوغلا پن برداشت نہیں کر سکتی تھی۔اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کی بیوفائی کا پوچھنا چاہتی تھی.

وہ تیز تیز قدموں سے ارحام کے کمرے کی طرف بڑھ رہی۔اس کی ہیلو شال اس کے قدموں میں لٹک رہی تھی۔رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔آنکھوں کی رنگت گلابی ہو رہی تھی۔وہ ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئی۔پورا کمرہ خالی تھا وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے خالی کمرے کو دیکھ رہی تھی۔

درخشاں اور ایک اور ملازمہ ڈریسنگ روم سے نکلی تھیں۔ان کے ہاتھوں میں اس کے چند ڈریسز تھے۔

ارحام کہاں ہے اور تم لوگ یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ حور نے چٹختے اعصابوں سے پوچھا۔

لالا تو اپنا کمرہ سجا رہا۔ درخشاں کی زبان پھسلی تھی۔ وہ جلدی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ گئی۔

کیا مطلب کمرہ سجا رہا؟؟ حور کی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔

وہ بھابھی!! درخشاں پریشان ہوئی تھی۔ ارحام نے بہت سختی سے منع کیا تھا حور کو بلکل پتہ نہیں چلنا چاہیے۔

بھابھی ہمارا مطلب ہے لالا وہ اپنا ہمارا مطلب گل بھابھی کا لیے کمرہ سجا رہا۔ درخشاں کی بات پر پاس کھڑی ملازمہ نے اسے گھور کر دیکھا وہ کیا بول رہی تھی۔

کک کیا کہہ رہی ہو؟؟حور کی آواز طوفانوں کی زد میں تھی۔وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دیوار کا سہارا لے گئی تھی۔

ہاں بھابھی ہم تو یہاں آپ کا الماری سیٹ کر رہا تھا۔ہم چلتا ہے درخشاں جلدی سے بولتے اس کے کپڑے بیڈ پر رکھتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

یہ کیا کہا تم نے درخشاں؟؟حور بھابھی کا چہرہ دیکھا تھا۔

دردانہ نے باہر آکر اس کی اچھی خاصی کلاس لی۔ہم کو جو سمجھ آیا ہم نے بول دیا۔اگر ہم سچ بتاتا تو لالا ہم کو جان سے مار ڈال دیتا۔ویسے بھی لالا کا سر پر ایز تیار ہے۔ابھی لالا نے بھابھی کو کمرے میں لے جانا ہے۔حور بھابھی بہت جلتا ہے گل بھابھی سے۔۔اس دن ہم سے پوچھ رہا تھا کہ لالا کیا گل بھابھی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔؟؟اس لیے ہم نے بھابھی کو تھوڑا اور بھی تڑپایا

ہے تا کہ بھابھی جو بات ہم سے پوچھ رہا تھا وہ لالا سے ہی پوچھ لے۔ درخشاں نے سنجیدگی سے کہتے دردانہ کو آنکھ ماری۔

تو آج لالا کا خیر نہیں۔۔۔ دردانہ زوروں سے ہنسی تھی۔

پتہ نہیں لالا کا خیر نہیں یا پھر حور بھابھی کا۔ کتنا پیارا کمرہ سجایا نہ ہر طرف گلاب اور سفید پھول ہے۔ اتنا پیارا تو گل بھابھی کے لیے نہیں سجایا تھا۔ درخشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ویسے تم کو ہر بات پر گل بھابھی کا نام نہیں لینا چاہیے۔ گھر کا ہر فرد ایسا کرتا ہے۔ پتہ نہیں لالا بھی ایسا کہتا ہے کیا؟؟ دردانہ نے درخشاں کو ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔

اتنا پیارا حور بھابھی ہے کیا کوئی مرد اتنا خوبصورت عورت کا ہوتے اس عورت کا نام کیوں لے گا جواب اس کا نہیں رہا۔ جس پر کسی دوسرے مرد کا چھاپ بھی لگ چکا ہے۔ گل بھابھی کبھی لالا کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ مگر اب وہ سونے کا بھی بن کر آجائے لالا اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ لالا کا بچہ بھی اس نے اپنا پیٹ میں مار دیا تھا۔ لالا کیوں ایسی عورت کو دوبارہ اپنائے گا۔؟؟ حور بھابھی تو بیوقوف ہے جو اپنا جگہ اور لالا کی آنکھوں کی سرخی میں خود کو دیکھ نہیں پا رہا۔

آج رات پہچان جائے گا جب لالا کی محبتوں میں مہکے گا تو پہچان جائے گا۔ دردانہ شرارت سے ہنسی تھی۔

اگر حور بھابھی لالا کا قربت سہتے سہتے صیح سلامت رہا تو۔۔۔۔ درخشاں معنی خیزی سے بولی تو دردانہ اور درخشاں کے قہقے گونجے تھے۔

;----------

حور بمشکل اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔اس کے سارے خدشے صیح ثابت ہوے تھے۔وہ نکاح کر چکا تھا اور گل کو آج حویلی لا رہا تھا۔

پریذے کی ماں اپنی محبت کو وہ واپس لا رہا تھا۔

!!ہاں مورے بھی تھی۔اور پاپا مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے تھے صرف مورے کو ہی دیکھ رہے تھے!!

حور نے گہرے سانس لیتے اپنے سر کو جکڑا اسے سب کچھ گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس حویلی کی ایک عام عورت نہ تھی وہ حور سلطان شاہ تھی وہ کیسے یہ کر سکتا تھا؟؟ وہ کیسے اس کی نظروں کے سامنے کسی دوسری عورت کو لا سکتا ہے؟؟۔ کیسے کر سکتے ہیں آپ ارحام؟؟ حور حلق کے بل چیخی تھی۔

میں حور سلطان شاہ ہوں! کوئی عام عورت نہیں ہوں جس کے ساتھ آپ یہ سب کریں گے۔ اور میں برداشت کروں گی۔

ظلم برداشت کیا مگر بیوفائی برداشت نہیں کروں گی۔ حور اپنی مٹھیاں بھینچتے غرائی۔

ظلم بھی تب تک برداشت کیا جب تک حور سلطان شاہ سلطان شاہ کے سائے سے محروم رہی۔ ڈرتی ہوں آپ سے!! جان جاتی ہے ارحام آپ کی آنکھوں کی سرخی سے! مگر میرا یہاں موجود ہونا آپ کا ڈر نہیں بلکہ وہ محبت تھی جو آپ سے کرتی تھی۔ آج وہ محبت ختم ہو چکی ارحام!!

آج بتاؤں گی میں کون ہوں؟؟ آج ملیں گے آپ حور سلطان شاہ

سے!!بتاؤں گی آپ کو ارحام جب مرد بیوفائی کرتا ہے عورت کیسے سزا دیتی

ہے؟؟

تو نے مجھ

سے وفا نہیں کی

تجھ کو کیسے وفا ملے گی

تو نے مجھ کو درد دیا ہے

تجھ کو کیسے دوا ملے گی

وہ اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے ڈریسنگ روم

کی طرف تیزی سے بڑھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ لاونج میں موجود تھا اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر بلیک لیدر جیکٹ کوٹ پہنے ہوے تھا۔۔

بکھرے گیلے بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ بخار کی حدت تھوڑی کم ہوئی تھی مگر جسم ابھی تک تانبے کی مانند تپ رہا تھا۔۔ لاونج میں اس وقت پریذے امینہ خانم روزینہ خانم پریذے ابرش عابیر بہارے عنائیہ زحلے زرتیج موجود تھے۔ حویلی کی تمام خواتین ہی موجود تھی۔ تم ملازمائیں بھی موجود تھیں۔ لاونج کے بیچ و بیچ بہت بڑی ٹیبل پر پریذے کے لیے چار منزلہ کیک باربی کیک سجایا ہوا تھا۔ پورا لاونج کو خوبصورت انداز میں سجایا ہوا تھا۔ پنک بلون سے لاونج سجایا ہوا تھا۔

زاران اور اسفند بہت امپورٹنٹ بزنس ڈیل اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئے تھے۔ جواب آنے والے تھے۔ شہرام ہاسپٹل تھا وہ بھی پہنچنے لگا تھا۔ سب کو پریذے کی برتھڈے کی سلیبریشن کی خبر دے دی گئی تھی۔ دریدار بدوہ بھی حویلی سے باہر تھے۔ سمیع اللہ خان مردانے میں تھے۔

پریذے پنک سنڈریلا فراک پہنے ہوے کلیپنگ کرتے ہوے لاونج کو دیکھ رہی تھی۔۔

پاپاماما کو بلا کر لاؤں پریذے نے کلیپنگ کرتے ہوے کوئی پانچویں مرتبہ ایکسائیٹڈ لہجے میں پوچھا تھا۔

جی پاپا کی جان!! مگر ابھی سب کا ویٹ کرنا پڑے گا۔ سب آئیں گے تو ہی کیک کٹ ہو گا آپ کو گفٹس ملیں گے۔ ارحام کیک کے گرد کینڈلز جلاتے ہوے بولا۔

مگر پاپا!!ماما کو تو بلائیں ناں!!انہوں نے مجھے سنڈریلا فراک میں بھی نہیں دیکھا۔پریذے نے گھومتے ہوے کہا۔لاونج میں سب ہی ہنس پڑے تھے۔

پریذے ادھر آؤ!!ابرش نے اسے اپنے پاس بلایا۔

جی چچی!!پریذے بھاگتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔۔

پریذے بہت پیاری لگ رہی ہے۔اگر تھوڑی سی بیوٹی چچی کو مل جاتی تو۔ ابرش کی بات پر پریذے منہ پر ہاتھ رکھتے کھکھلائی تھی۔اس کی کھکھلاہٹ سب ہی ہنس پڑے تھے

لالا بھابھی کو بلا لاتی ہوں۔کیک کاٹ لیتے ہیں۔پتہ نہیں سب کب آئیں ۔عابیر صوفے سے اٹھتے ہوے بے تابی سے بولی تو سب نے اسے معتجب نگاہوں سے دیکھا تھا۔

۔پنک اینڈ وایٹ کیک کو دیکھ کر اسے بری طرح کریونگ ہونے لگی تھی۔

تمھارا اماں بننے کا عمر ہے۔ یہ بچپنا دکھانے کا نہیں ہے۔ اور کیسا عورت ہے

تم؟؟ اپنا مرد کا انتظار کیے بغیر کیک کاٹنے کو کہہ رہا ہے۔ جانتا ہے ناں وہ

پریذے پر جان وارتا ہے۔ جب سے اس کو پتہ چلا ہے آج پریذے کا

سالگرہ منا رہا ہے تو وہ بیچارہ اپنا کام جلدی نبھٹا کر فلایٹ پکڑ کر آرہا ہے۔ اللہ

خیر خیریت سے لائے ہمارا اکلوتا بیٹا کو۔ باقیوں کا تو تین تین بیٹا ہے ہمارا تو

ایک ہی بیٹا ہے۔ روزینہ خانم نے کاٹ دار طنزیہ لہجے میں کہتے عابیر کو گھورا

۔عابیر سرخ ہوتے اپنا نچلا لب کاٹ گئی ۔ امینہ خانم نے نظروں ہی نظروں

میں عابیر کو خاموش رہنے کو کہا۔ عابیر خاموشی سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ مگر

کیک کو دیکھتے روہانسی ہوئی تھی۔ اسفند کی یاد شدت سے آئی تھی وہ ہوتا

کیسے بھی کر کے وہ کیک اسے کھلا دیتا۔ اسے کسی بھی چیز کے لیے کریونگ

کرتے دیکھتا وہ منٹوں میں اس کے سامنے حاضر کر دیتا تھا۔ ہر روز وہ اس کے کیک براوینز ضرور لاتا تھا۔

ماما!! پریذے حور کو پکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھی جو ابھی ابھی لاونج میں داخل ہوئی تھی۔

سب حور کو معتجب نگاہوں سے دیکھتے صوفے سے بے یقینی سے اٹھے تھے۔۔ حور کو دیکھتے ارحام خانزادہ کے قدموں کو جیسے کسی فولادی زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ بے یقینی سے حور کو دیکھ رہا تھا۔ جو ریڈ کلر کے دلہن کے جوڑے میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جس کا بلاوز بے حد چھوٹا تھا۔ دودھیا پیٹ واضح ہو رہا تھا نیٹ کا کامدار دوپٹہ اس نے ایک کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔ لبوں پر ڈیپ ریڈ لپ سٹک لگائی ہوئی تھی۔ سلکی چاکلیٹی براؤن

کھلے ہوے تھے۔ وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھی کہ اس پر نظر ٹھہرانا مشکل ہو رہا تھا۔۔

وہ ایسے سب کے سامنے آئے گی وہ بھی بے پردہ وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ مگر وہ اپنا بے تحاشا خوبصورت وجود لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی وہ اس پر کسی عورت کی نگاہ نہیں برداشت کر سکتا وہ اس حلیے میں باہر چلی آئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے جلدی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے اسے اندر سے لاک کیا۔ اس کی بیوی پر اس کے کسی بھائی کی نگاہ نہ پڑ جائے وہ کسی بھی لمحے آسکتے تھے۔ وہ اسے اس حلیے میں دیکھ لیتے تو وہ جان سے چلا جاتا۔ اپنی بیوی پر اپنے کسی بھائی کی نظر گوارا نہ تھی۔ نہ کسی غیر مرد کی

وہ لاک کرتے ابھی بھی بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایسے کیوں آئی باہر یہ ڈریس اس قابل ہی نہیں تھا کسی کے سامنے پہنا جا سکے۔

حور ارحام کے دھواں دھواں اور سرخ آنکھوں کو دیکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے اس کے مقابل آئی۔

کیا ہوا مسٹر خان؟؟ مجھے ایسے دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

یقین نہیں آرہا ناں!! حور اس کی بے یقین نگاہیں دیکھتے استھزائیہ ہنسی ۔۔ کیسے ائے گا ہمیشہ مجھے میری عورت میری عورت کہا بھول ہی گئے اس عورت کی اپنی پہچان بھی ہے۔ اس عورت کی اپنی حیثیت بھی ہے۔ حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا بولتے مسکرائی تھی۔۔ ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتے شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

آج ان آنکھوں کی سرخی سے خوف نہیں کھاؤں گی۔نہ ہی آپ کی دھاڑ سے سہموں گی ارحام!! آپ کے سامنے کھڑی یہ عورت حور خانزادہ نہیں حور سلطان شاہ ہے۔اور حور سلطان اصل میں یہ ہے۔۔حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے بنا خوف و خطر سے مسکرائی تھی۔۔

حور اپنا کمرہ میں چل کر بات کرو یہ جگہ نہیں اپنا مرد سے ایسا بات کرنے کا۔امینہ خانم نے آگے بڑھتے ارحام خانزادہ کی حالت دیکھتے حور سے سنجیدگی س کہا۔ارحام ایک ہی جگہ پر کھڑے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر زلزلوں کے آثار تھے۔۔ارحام کو دیکھتے امینہ خانم کو اس پر ترس سا آیا تھا۔اپنے بیٹے کی یہ بے سکون حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔اس کی زندگی میں آنے والی دونوں عورتیں اس کے لیے بے سکونی ہی لے کر آئیں تھیں۔

کمرے میں نہیں جاؤں گی آپ یہ چاہتی ہیں یہ انسان کمرے میں لے جا کر مجھ پر ہاتھ اٹھاتے میری آواز بند کرے۔ میرے ساتھ زبردستی کرے۔ حور نے امینہ خانم کو دیکھتے سوال کیا۔

حور ڈونٹ!! ڈونٹ!! ارحام خانزادہ نے لبوں پر انگشت شہادت رکھتے اسے سرد سرخ آنکھوں سے تنبیہی نگاہوں سے گھورتے ہوئے وارن کیا۔

پریذے یہ سب دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھے روتی جا رہی تھی۔

درخشاں پریذے کو اس کا کمرے میں لے کر جاؤ۔ بہارے کی آواز پر درخشاں بری طرح لرزی تھی۔ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہو رہا تھا اسے تو تقریباً غش آنے لگا تھا۔ ارحام کے غصے سے اس کی اب جان جا رہی تھی۔

ماما پاپا!! پریذے نے روتے ہوئے ان دونوں کو پکارا۔

پریذے کی آواز پر حور تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔ وہ مقابل کی بیوفائی پر غم و غصے سے اپنی بیٹی کو بھول چکی تھی۔ اس کے رونے پر وہ تڑپتی اس کی طرف بڑھی.

نہیں بڑھو گی تم میری بیٹی کی طرف سمجھی تم۔ ارحام خانزادہ کی گرج پر حور وہیں اپنی جگہ پر زخمی سا مسکراتے ہوئے رک گئی تھی۔

پریذے کی سسکیاں بڑھی تھیں۔ وہ خوف سے مزید اپنے منہ پر ہاتھ جما گئی تھی۔ درخشاں پریذے کو کمرے میں لے کر جاؤ۔ ارحام خانزادہ نے سرد لہجے میں درخشاں کو حکم دیا۔

جی لالا!! درخشاں کانپتی آواز اور کانپتی ٹانگوں سے پریذے کی طرف بڑھتی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے حور پر قہر بار نگاہیں ڈالیں۔ جو روتے ہوے اب اسے دیکھ رہی تھی۔۔

نہیں ارحام نہیں ڈروں گی آج میں!! حور نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا ۔ماں بنایا مجھے پریذے کی۔ آپ نے مجھے احساس دلایا کہ ماں صرف پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ ہر باذ میری بیٹی کے قریب جانے سے روکتے ہیں آپ۔۔ حور شدت گریہ سے چیخی۔

پریذے کی ماں تم ہو۔ مگر تم نے آج ثابت کیا ہے کہ تم بھی گل کی طرح اس کی ماں بننے کے قابل نہیں ہو۔ ارحام خانزادہ نے اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

تبھی گل کو دوبارہ سے پریذے کی ماں کی حیثیت دے کر اپنی زندگی میں واپس لا رہے ہیں آپ؟؟ حور ارحام کو دیکھتے روتے ہوے استھزائیہ مسکرائی۔

گل کو واپس لا رہا ہوں میں؟؟ ارحام نے حور کی بات پر معتجب لہجے میں پوچھا۔

اب کیوں چھپا رہے ہیں؟؟ گل کے لیے کمرہ سجا رہے ہیں آپ؟؟ اسے حویلی لا رہے ہیں۔ اس سے نکاح کر چکے ہیں آپ؟؟ ابھی بھی معصوم بن رہے ہیں آپ؟؟ حور روتے ہوے ہذیانی چیخی۔

کیا کہہ رہی ہو تم؟؟ تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ ارحام خانزادہ نے ظبط سے پوچھا۔ وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے ہوے تھا۔ وہ خود پر اس لیے کنٹرول کر رہا تھا وہ اپنے حواص نہیں کھونا چاہتا تھا۔ تپش سے اس کا دماغ

گرم ہو چکا تھا۔ مقابل پر اس کا ہاتھ نہ اٹھ جائے وہ اسی لیے خوض پر قابو پائے ہوے تھا۔ مگر اس کے اندر غم و غصے کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچے ہوے تھا۔

ہاں دماغ خراب ہو چکا ہے میرا؟؟ آپ کی بیوفائی مجھے پاگل کر چکی ہے۔ عشق کا دعوی کیا مجھ سے۔ عشق میں بیوفائی ہوتی ہے کیا؟؟ حور نے روتے ہوے سوال کیا۔

حور ایسا کچھ نہیں ہے کمرے میں چلو۔ ارحام خانزادہ نے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑی۔ وہ مزید اس کا تماشہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اگر آپ نے مجھے چھوا ارحام! مجھ سے زبردستی کی قسم خدا کی خود کی جان لے لوں گی۔ حور اپنی کلائی چھڑواتے ہوے شدت گریہ سے چیخی۔ ارحام خانزادہ اس کی قسم پر اس کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔

سچ کہہ رہی ہوں ٹیبل پر رکھی چھری سے خود کی کلائی کاٹ دوں گی وہ روتے ہوے بولی

ارحام خانزادہ رخ پلٹے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اپنے بھاری اعصابوں پر قابو پانے لگا۔

ابرش بہارے عابیر زحلے عنائیہ زرتاج پریشانی سے یہ سب دیکھ رہے تھے امینہ خانم تو باقاعدہ رو رہی تھی۔روزینہ خانم طنزیہ مسکراتے ہوے شو انجوائے کر رہی تھی۔

میں نے کبھی آپ سے عشق کا دعوی نہیں کیا۔نہ محبت کا ارحام!! مگر ایک پل کے لیے کبھی آپ سے بیوفائی نہیں کی۔ آپ پھر یہ کیسے کر سکتے ہیں؟؟حور نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے لرزتے لبوں سے روتے ہوے سوال کیا۔

میں نے ایسا نہیں کیا حور!! گل کا میری زندگی میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اس عورت سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے ارحام مڑتے ہوئے غصے سے دھاڑا۔

کوئی تعلق نہیں اس لیے اس کے لیے کمرہ سجا رہے ہیں۔ کوئی تعلق نہیں اس لیے میٹنگ کا بہانہ کر کے اس سے ملنے گئے تھے۔ حور نے بھیگے لہجے میں لرزتے لبوں سے سوال کیا۔

حور میری سچ میں میٹنگ تھیں۔ میں گل سے نہیں ملا اور یہ کمرہ تمھارے لیے سجا رہا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اس کے لرزتے وجود کو دیکھتے اپنے سرد لہجے پر قابو پایا۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

اگر ایسی بات تو ہے تو گل کیا کر رہی تھی آپ کی گاڑی میں ؟؟۔ پریذے سے کیوں ویڈیو کال پر بات کروائی ؟؟۔ کیوں اس سے کہا کہ مجھے پتہ نہ چلے وہ آپ کے ساتھ ہے۔۔ حور نے روتے ہوئے سوال کیا۔ حور کے سوال پر

ارحام خانزادہ نے اپنے جبڑے بری طرح بھینچتے اپنی پیشانی انگلی سے سہلائی۔ وہ گہرے سانس لیتے اب اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر گیا۔ اپنی بیوی کی بے اعتنائی بے رخی اور آج کے اس اقدام کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔ اس لیے وہ اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پا گیا۔ وہ اتنے دنوں سے اپنے اندر اس کی بیوفائی کا غم پال رہی تھی۔

سب کچھ کلیر کرتا ہوں چلو میرے ساتھ !! ارحام خانزادہ اس کی طرف بڑھتے نرم لہجے میں کہتے اس کی کلائی جکڑنی چاہی

قریب مت آیئے گا میرے مسٹر خان ؟؟ کمرے میں چل کر مجھے آپ کی حوس کا نشانہ نہیں بننا۔ ایسے کلیر کریں گے ناں سب کچھ۔۔

حور !! ارحام خانزاہ اس کی بات پر حلق کے بل دھاڑا۔ وہ اس طرح کی بھی کوئی بات سب کے سامنے کرے گی وہ بے یقین ہوا

یوں چیخ کر میری آواز بند نہیں کر سکتے۔ پانچ مہینے یہی سب کچھ میرے ساتھ بیڈ پر زبردستی کرتے رہے ناں۔ آواز نہیں نکالنے دیتے تھے مجھے۔ میری سسکیاں تک روک دیتے تھے۔۔ جسموں کا کھیل آپ کے لیے محبت ہے۔۔ بیوی حق ملکیت ہے اس کے جسم پر حق جتانا ہی تو محبت ہے۔

حور لرزتے ہوئے پیچھے کو قدم بڑھاتے تلخی سے بولتے مسکرائی تھی

خاموش ہو جاؤ!! ماں بہنیں کھڑی ہیں یہاں میری! ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے خود پر بمشکل قابو پاتے اسے سخت لہجے میں وارن کیا۔

عابیر بہارے اب نظریں جھکا گئی تھیں۔

Bl۔۔۔uddy bu..ll shit khan in this haveli

عنائیہ زیر لب لفظ چباتے غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ابرش نے عنائیہ کے لفظ سنتے اپنی گردن آگے سے سہلائی تھی۔

میں بھی کسی کی بیٹی ہوں ارحام!! میرے ساتھ پانچ مہینے کتنا برا سلوک کیا؟؟ پہلی رات میرے ساتھ جانوروں طرح سلوک کیا۔ آپ کی درندگی کے نشان آپ کی ماں بہنوں نے دیکھے تھے۔ تب تو آپ کو کسی کا خیال نہیں تھا حور ہچکیوں سے بولتے شدت غم سے رو پڑی۔ نکاح کی رات کی درندگی کے نشان ہفتوں نہیں گئے تھے اس کے بدن سے۔۔ سب ہی نے تو دیکھے تھے۔

جو تم نے کیا تھا وہ تم بھول گیا ہے۔ ہمارا بیٹا پر الزام لگایا اس کا کردار کشی کیا ۔اس کا ساتھ رات گزرانے کا الزام لگایا۔ اس سے اس کا بیوی چھینا اس کا بچی چھینا۔ وہ بھول گیا تم نے اس رات کیا کیا تھا ہمارا بیٹا کے ساتھ؟؟

امینہ خانم غصے سے بولی۔ وہ مزید خود پر کنٹرول نہ کر سکی تھیں۔

مورے!! آپ کچھ نہیں کہیں گی۔ کچھ بھی میری عورت کو نہیں کہیں گی طعنہ تو بلکل نہیں دیں گے۔۔ ارحام نے سختی سے کہتے امینہ خانم کو سرد نگاہوں سے دیکھا۔

امینہ خانم ارحام کی سرد نگاہ پر اسی لمحے خاموش ہوتے صوفے پر بیٹھے سر ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔ مگر ان کے آنسوؤں میں آضافہ ہوا تھا عابیر ان کی طرف بڑھتے ان کی ہتھیلیاں سہلانے لگی. ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے خود پر قابو پا رہا تھا۔ جی کر رہا تھا مقابل کی زبان کھینچ لے اس کا جسم داغ دے۔ وہ یوں سب کے سامنے چلی آئی تھی۔۔ اور اس طرح کی بکواس کر رہی تھی۔

بہت کھیل کھیل لیا میرے ساتھ یہ حق ملکیت مسٹر خان!!

کھلونا بنا کر رکھا آپ نے مجھے جب چاہا کھیل لیا مجھ سے! مزید خود کے ساتھ کھیلنے نہیں دوں گی۔ یاد رکھیے گا ایک بات عورت کوئی کھلونا نہیں خدا نے تمھیں اسے تم پر حلال کر کے تمہارے وہ جب چاہے اسے تم پر حرام کر کے کسی دوسرے پر حلال کر سکتا ہے۔

وہ حور کی بات پر پاگل جنونی ہوتا اس کی طرف بڑھا۔ لفظ نہیں اک آگ تھی جو اسے پوری طرح جھلسا چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ وہ مزید خود پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اب اسے لگا تھا وہ مقابل کی سچ میں جان لے لے گا۔ جو اس کے سامنے غیر مرد کو خود پر حلال ہونے کا کہہ رہی تھی

حور ارحام کو اپنے طرف بڑھنے پر ڈرتے ہوئے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔ مار بھی ڈالیں گے آج آپ کے ساتھ کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ اسی حلیے میں آج باہر نکلوں گی۔۔ سلطان شاہ کے پاس جاؤں گی۔ اسے بتاؤں گی آپ

ایک درندے ہیں۔ سلطان شاہ مجھے آپ کے نکاح میں نہیں رہنے دے گا۔۔وہ مسلسل پیچھے کو ہوتے ہچکیوں سے روتے ہوے بول رہی تھی۔

یاد رکھیے گا مسٹر خان! حور سلطان شاہ کو مردوں کی کمی نہیں ہے۔ آپ جیسے کتنے ہی مرد میری قدموں کی زینت۔۔ ۔حور پیچھے کو ہوتی ہذیانی چیخی۔

حور!! ارحام خانزادہ کا ہاتھ ہوا میں معلق ہوا تھا۔ حور سہمتے ہوے اسی پل اپنے دونوں گالوں پر اپنے ہاتھ رکھ گئی تھی۔ ارحام گہرے سانس لیتے خون اشام نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔وہ گالوں پر ہاتھ رکھے اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دوسرے پل وہ داخلی دروازے کی طرف پوری قوت سے بھاگی تھی۔

ارحام خانزادہ ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی اپنی وحشی گرفت میں جکڑ گیا تھا۔ وہ کمرے میں چل کر مقابل کو چھوڑنے کا

آرادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ یوں سب کے سامنے اس کی عزت تار تار کر چکی تھی ۔ وہ بند کمرے میں نکاح کی رات کی طرح اس کے کپڑے کپڑے تار تار کرتے اسے درندوں کی مانند سزا دینا چاہتا تھا۔ اس ٹائم ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

وہ اس کی کلائی اپنی وحشی گرفت میں اتنی سختی سے جکڑ گیا تھا کہ اس کی کلائی کی چوڑیاں ٹوٹتی مقابل کی نرم و نازک کلائی میں پیوست ہو رہی تھیں۔ مگر وہ بے رحم بنا اس کی کلائی جکڑے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حور کی درد سے سسکاریاں پوری حویلی میں گونج رہی تھیں۔ سب خوفزدہ نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔۔ کسی کی ہمت نہیں تھی ارحام خانزادہ کو روکنے کی۔

چھوڑیں مجھے ارحام!! مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ میں حور سلطان شاہ ہوں۔ میرے ساتھ آپ برا سلوک نہیں کر سکتے۔۔ اس کی دردناک چیخیں

حویلی میں گونج رہی تھیں۔۔وہ اس کی کلائی جکڑے اسے گھسیٹتے ہوے اپنے کمرے کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھ گیا۔

ارحام خانزادہ اس کی کلائی جکڑے جکڑے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔یہ کمرہ حویلی کے مہماں خانے کی سائیڈ تھا۔لاونج سے کمرے تک فاصلہ کافی طویل کتنی ہی راہداریاں بیچ میں آتی تھیں۔

حور اپنی کلائی چھڑوانے کی مسلسل تگ ودود کرتے ہوے ہچکیوں سے روتے ہوے ہلکان ہو رہی تھی۔اس کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔ارحام کی مضبوط گرفت میں جکڑی کلائی میں پہنی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹتے ہوے کلائی میں پیوست ہو چکی تھیں۔درد سے حور کی سسکاریاں بلند ہو رہی تھیں۔ارحام خانزادہ کے خوف سے اب تو اس کا پورا بدن جسے ہچکولوں کی نذر ہو رہا تھا۔وہ کمرے میں اس کے ساتھ کیا کرے گا؟؟یہ سوچ کر ہی اس

کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہو رہی تھیں۔ حور نے روتے ہوے دیوار کے ساتھ لگے فینسی مرر کے آگے رکھی چھوٹی ٹیبل کے کارنر کو ایک ہاتھ سے جکڑا۔ وہ اس کے ساتھ اندر نہیں جانا چاہتی تھی کسی قیمت نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ اس بے رحم خان کی نرمی برداشت نہیں کر سکتی تھی کجا کہ اس کی سختی اس کی بے رحمی برداشت کر لیتی۔ وہ تو شاید دوسری سانس بھی نہیں لے پائے گی۔ وہ جتنا غصے میں تھا وہ صرف اندر جا کر اپنی قربت کی مار ہی مارے گا۔ ہاتھ تو بے دردی سے پہلے بھی اس نے نہیں اٹھایا۔

حور نے سختی سے کانچ اونچی ٹیبل کے کارنر کو جکڑتے اپنی کلائی اس کی وحشی گرفت سے کھینچنے کی ناکام سعی کی وہ پہلے سے بھی زیادہ بے رحمی بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے آگے بڑھا تھا۔ خوبصورت کانچ کی ٹیبل گر کر چکنا چور ہوئی تھی۔ حور کی دردناک سسکاریوں میں آضافہ ہوا تھا۔ اب تو شاید اس

کی سسکاریاں حویلی میں کسی کو سنائی بھی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ لوگ حویلی سے بلکل الگ تھلگ سائیڈ پر آ گئے تھے۔

ارحام چھوڑیں مجھے !! میں خود کو اب کی بار آپ کی حوس کا نشانہ نہیں بننے دوں گی۔ میں سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان شاہ ہوں۔ وہ اس کی چوڑی پشت دیکھتے اتنی زور سے حلق کے بل چیخی تھی کہ کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

ارحام بنا رکے اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے وہ اسے خود کی طرف بے درد سے کھینچتے اندر داخل ہوا۔

کمرہ دیکھتے حور کی ہذیانی چیخوں میں آضافہ ہوا تھا۔ پورا کمرہ سرخ گلاب اور سفید پھولوں سے سجا تھا۔۔

بیڈ پر گلاب کی پتیاں ہارٹ شیپ میں بکھری تھیں۔ کمرے میں ہر خوبصورت جدید فینسی کینڈلز جل رہی تھیں۔

دوسری عورت کے لیے سجائے گئے وہ کمرے میں ہی اسے لے آیا تھا۔ حور کی ہذیانی ماتمی چیخیں اس کمرے میں گونج رہی تھیں۔

ارحام خانزادہ اسے بے دردی سے بیڈ پر دھکیل گیا

حور نرم گدے پر اوندھے منہ جا گری تھی۔ وہ اندھے منہ گدے پر گرتی کانپتے ہوے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی

۔ نکاح کی رات کا ایک ایک لمحہ اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ خوف سے وہ جیسے ساکت ہوئی تھی۔ مگر اس کا پورا بدن ابھی بھی شدت سے لرز رہا تھا۔

ارحام خانزادہ اس کی برہنہ کمر اور پچھلے ڈیپ کلر پر اپنی قہربار نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ اس کا لباس حد سے زیادہ ولگر تھا۔ اوپر سے نیچے تک صرف جسم کی نمائش ہو رہی تھی۔ یہاں تک اس کے کندن نشیب و فراز ڈھلک ڈھلک کر باہر آ رہے تھے۔ بلاوز کے پیچھے صرف ایک ڈوری تھی۔ ارحام خانزادہ جلتی آنکھوں سے اس کے قیامت خیز بدن کو دیکھ رہا تھا۔

!! یاد رکھیے گا مسٹر خان! حور سلطان شاہ کو مردوں کی کمی نہیں ہے۔ آپ جیسے کتنے ہی مرد میری قدموں کی زینت ہیں!!

حور کے لفظوں کو سوچتے اس کی دماغ کی شریانیں پھٹ رہی تھیں۔ ارحام خانزادہ نے کمرے میں رکھا کینڈل سٹینڈ اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے پھینکا۔ ٹوٹے کانچ کی چھنک سنتے حور کی چیخ بلند ہوئی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے ڈریسنگ مرر کی طرف دیکھتے اپنے غصے اشتعال پر قابو پا رہا تھا جو کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ آج اس نازک وجود کو ادھیڑ کر رکھ دے گا مگر چین پھر بھی نہیں پائے گا۔

!! کھلونا بنا کر رکھا آپ نے مجھے جب چاہا کھیل لیا مجھ سے ! مزید خود کے ساتھ کھیلنے نہیں دوں گی۔

!! یاد رکھیے گا ایک بات !! عورت کوئی کھلونا نہیں اگر خدا نے اسے تم پر حلال کر کے تمہارے حوالے کیا ہے تو وہ جب چاہے اسے تم پر حرام کر کے کسی دوسرے پر حلال کر سکتا ہے !!

آہہہ۔۔۔حور کے لفظ یاد کرتے وہ ڈریسنگ پر ہاتھ مارتے طیش والم میں چیخ اٹھا۔

پاپا!!حور نے ارحام کی چیخ پر روتے ہوئے خوف سے لرزتے ہوئے سلطان شاہ کو پکارتے ہوئے سسکی لی تھی۔

حور اسی لمحے اپنی تمام ترہمت مجتمع کرتے ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھتے بہت تیزی سے ارحام کی طرف بڑھی۔

ارحام خانزادہ کی طرف بڑھتے اس نے اس کی کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے اس کا موبائل نکالا۔

ارحام خانزادہ نے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھتے اسی لمحے اس کے ہاتھ سے اپنا موبائل چھینا۔

موبائل دیں مجھے !! مجھے اپنے پاپا کو فون کرنا ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے یہاں سے جانا ہے۔ انھیں پتہ چل گیا کہ آپ نے میرے ساتھ نکاح کی رات کیا کیا تھا۔ پانچ مہینے کیا کرتے رہے وہ آپ کو اس حویلی سمیت آگ لگا دیں گے۔ حور ارحام کا گریبان مٹھیوں میں جکڑتے لرزتے لبوں سے غرائی تھی۔

آگ تو وہ تب لگائیں گے جب تم انھیں بتانے کے قابل رہو گی۔ وہ اس کے بال گدی سے بے دردی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اپنی پر تپش سانسیں اس کے چہرے پر چھوڑتے غرایا۔

کک کیا کریں گے میرے ساتھ ؟؟ ارحام کی خون آشام نگاہوں میں دیکھتے حور نے خوف سے ہچکی لی تھی۔

اس کی گرم سانسوں کی تپش اور انگارہ برستی آنکھوں میں جھلس کر تڑپتے ہوے اس کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔ قدموں نے کھڑا رہنے سے انکار کیا تھا۔

کیا ہوا؟؟ اتنا ہی دم خم تھا ہاں تم میں؟؟ اب قدموں کے سہارے کھڑا رہنا مشکل ہو رہا ہے۔۔ ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو مزید بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔ مگر اس کے لڑکھڑاتے قدم دیکھتے بھی اسے کمر سے سہارا نہیں دیا تھا۔ وہ اسے دیکھتے اب خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

کبھی تمھاری آنکھوں میں خوف دیکھتے مجھے سکون ملتا تھا۔ تمھاری بے سکون سانسیں مجھے سکون پہچانتی تھیں۔ پھر یہی خوف اور یہ سسکاریاں مجھے بے چین کرنے لگی۔

تمھاری آنکھوں میں ذرا سا خوف دیکھ کر جی کرتا تھا خود کی جان لے لوں۔ مگر آج تم نے پھر مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں تمھاری آنکھوں میں ٹھہرا خوف اور تمھاری خوف میں ڈوبی سسکاریاں مجھے سکون پہنچا رہی ہیں۔ ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو بے دردی سے جکڑے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

حور خوف اور درد سے ہچکی بھرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ بہت بے دردی سے اس کے بال جکڑے ہوے تھا۔

خبردار!! یہ آنکھیں بند ہوئیں۔ یہ بہوش ہونے کا ڈرامہ بھی کیا ورنہ وہ حال کروں گا جو نکاح کی رات نہیں کیا تھا۔۔ ارحام حلق کے بل دھاڑا تھا۔ حور اس کی دھمکی پر لرزتے ہوے خوف سے آنکھیں کھول گئی تھیں۔

نکاح کی رات تم پر رحم کھایا تھا مگر آج نہیں کھاؤں گا۔ تمھارے نازک حصوں کو بھنبھوڑا تھا۔ تمھیں دن رات بستر پر رکھ کر تمھاری ناز کی تو ختم کر چکا ہوں۔ مگر ابھی بھی تمھارے بدن کا ایک حساس حصہ رہتا ہے۔ آج تمھیں ایسے مسلوں گا ایسے تمھارے وجود کا حصہ بنوں گا تمھاری چیخیں اس دردناک کمرے میں گونجتے مجھے سکون پہنچائیں گی۔ وہ دھاڑتے ہوے حور کی جان لبوں پر لا چکا تھا

آپ۔۔ ایک۔۔۔ ظالم۔۔۔ بے رحم۔۔۔ سفاک۔۔۔ خان۔۔۔ ہیں۔ آپ۔۔۔ سے

۔۔ اس۔۔ رات۔۔ لفٹ۔۔۔ لینا۔۔ میری۔۔۔ سب۔۔ سے۔۔ بڑی۔۔ غلطی۔۔ تھی۔۔ اس۔۔۔ سے۔۔۔ بھی۔۔ بڑی

۔۔۔ غلطی۔۔ آپ۔۔۔ سے۔۔۔ محبت۔۔۔ کرنا۔۔۔ تھی۔۔۔ آپ۔۔

مم۔۔۔ میری۔۔ محبت۔۔۔ کے۔۔۔ قابل۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہیں۔

حور ہچکیوں سے بمشکل ٹوٹے لفظوں سے بولتی خود کو سنبھالتی اس کے کوٹ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔ ورنہ وہ بری طرح لڑھکھڑا جاتی۔ وہ ستم گر تو اسے صرف بالوں سے جکڑے ہوے تھا۔

غلطیاں تو بہت کی ہیں۔ تم نے اور اب انھیں غلطیوں کا خمیازہ بھگتو گی تم آج میری قربت میں پگھل کر فنا ہو کر۔۔ وہ اس کی مٹھیاں اپنے کوٹ سے چھڑواتے اسے بے دردی سے بیڈ پر دھکیل گیا

حور اوندھے منہ بیڈ کے نرم گدے پذ گری تھی۔ وہ خوف سے لرزتے ہوے سیدھے ہوتے پیچھے کو ہوتی کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا گئی۔ پورا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔ وہ مقابل سے بے حد خوف کھاتی تھی۔ مگر دوسری

عورت کے جلاپے نے کچھ دیر کے لیے اس کے اندر ڈر خوف ختم کر دیا تھا ۔وہ مقابل کو بھی جلانا تڑپانا چاہتی تھی جیسے وہ تڑپ اٹھی تھی۔ مگر اب وہ اسی کے خوف سے لرز رہی تھی۔

۔ارحام خانزادہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچتے ہوے اسے پنڈلی سے جکڑے اپنی طرف کھینچ گیا تھا۔

اس کے اوپر آتے وہ اس کے لہنگے کو اوپر کی جانب کھسکاتے قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔

وہ خالی لہنگا اور بلاوز ہی پہنے ہوے تھی حور اس کے قہقے پر مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔

کیا بات ہے میری خوبصورت بیوی! اتنی تیاری کہ مجھے زیادہ محنت نہ کرنی پڑے ہاں! وہ اس کا لہنگا اب مزید اوپر کھسکا گیا تھا۔ حور نے خوف سے ہچکی لی تھی۔ وہ ایسے دم سادھے ہوے تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

آئی لایک یور دس سائیڈ!! اتنا ڈر خوف ہے تمھاری آنکھوں میں کہ میں تمھیں سر سے پیر تک مسل کر بھی رکھ دوں گا تم ایک سسکی نہیں لو گی ہے ناں! ارحام نے اس کے نچلے ہونٹ کو اپنی دو انگلیوں میں بے دردی سے دبایا تھا۔

درد سے حور کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں عارض پر بہے تھے ۔۔ مگر وہ خوف سے اپنی سانسیں روک چکی تھی۔

اب یہ آنسو بھی نہ بہیں۔ ارحام اس کے بہتے آنسو دیکھتے دھاڑا۔ حور اس کی دھاڑ پر آنکھیں جھپکتے ہوے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔۔

کیا سمجھتی ہو تم مجھے ہاں! اپنا گارڈ یا تمھارے باپ کے دو ٹکے کا نوکر!! ارحام اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا۔

حور خوف سے سٹل ہوئی تھی۔

کرو بکواس بتاؤ مجھے!! مجھ جیسے کتنے مرد تمہارے قدموں کی زینت بنے اور تمھیں مردوں کی کمی نہیں۔۔ وہ طیش اولم سے گر جا تھا۔ یہی بات تو اسے انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند دہکائے ہوے تھی۔ وہ گھٹیا عورت کی طرح لاونج میں کھڑی مردوں کو اپنے قدموں کی زینت بنانے کا کہہ رہی تھی۔

ایک خان کی بیوی ہو تم!! ارحام خانزادہ کی عورت ہو تم کس طرح یہ لفظ بولے تم نے۔ بتاؤ مجھے ہمت کیسے ہوئی یہ بکواس کرنے کی؟!۔ ارحام اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے طیش والم میں گر جا تھا۔

حور اس کے خوف سے لرزتے ہوے اس کا کوٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ اس کے خوف سے اس کی قربت میں وہ ایسے ہی اسے دور نہیں جھٹکتی بلکہ اس سے لپٹتی تھی۔ دور جھٹکنے کی تو ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

تمھاری غلطی نہیں ہے۔ تمھیں اصل میں میں نے بتایا ہی نہیں پہاڑوں میں رہنے والا خان ہوتا کیسا ہے ؟!۔ اگر تمھیں اپنی اصل فطرت دکھاتا تم آج کبھی لاونج میں نہ آتی۔ ارحام اس کا جبڑھ مزید سختی سے دبوچ گیا تھا۔

سلطان شاہ سے مجھے ڈرا رہی تھی مجھے ہاں! ارے وہ شاہ کی طاقت اس خان کے سامنے کچھ نہیں۔۔ تمھارا باپ کے پاس کتنی پاور کتنی دولت ہے۔ مگر وہ نازنین کا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ میں نے موت دی اسے۔۔ میں نے اسے دردناک موت دی۔ ارحام خانزادہ نے اسے دردناک موت دی۔۔ یہ ہے میری پاور!! ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ چھوڑتے سینے پر ہاتھ مارتے دھاڑا

حور اب اپنے لبوں پر دونوں ہاتھ رکھے اسے سہمتے ہوے دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

جانتی نہیں ہو میں کیسا سر پھرا دہشت ناک خان ہوں! واقف ہو ناں میری دہشت سے۔! دیکھ چکی ہو کتنی بار کیسے اذیت ناک موت دے چکا ہوں ان سب کتوں کو جنھوں نے تم پر ایک نظر بھی ڈالی تھی۔۔۔ آنکھوں میں چاقو تک مارے تھے میں نے۔ زبان کاٹ دی تھی جس نے تمھارا نام بھی اپنے لبوں سے نکالا۔ تہمت کیسے ہوئی تمھاری یہ سب بکواس کرنے کی خود کے ساتھ غیر مردوں کو جوڑنے کی۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے حلق کے بل دھاڑا۔

مم۔۔ مجھے۔۔ معاف۔۔ کر۔۔ دیں۔ ارحام۔۔ حور خوف سے ہچکی لیتے لرزتے ہوے اپنے لبوں سے ہاتھ ہٹا گئی۔۔ ارحام خانزادہ کا آگ جیسا جسم

اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے اس کے اعصاب اب ساکت ہو رہے تھے۔۔وہ لمحے وہ پل یاد آئے تھے جب اس نے اس کے سامنے نازنین کے آدمیوں کو کتوں کی موت دی تھی۔

اس کے معافی مانگنے سے ارحام خانزادہ بری طرح جبڑے بھینچ گیا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں سٹل خوف سے اپنی آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔۔نیم برہنہ بدن لرز رہا تھا۔گھسٹنے اور اٹخ پٹخنے سے اس کی بلاوز کی وہ نازک ڈوری کھل گئی تھی۔بلاوز کندھوں سے نیچے کھسکتے اس کے نشیب و فراز اجاگر کر گیا تھا۔لہنگا تو پہلے ہی وہ کھسکاتے اوپر کیے ہوئے تھا۔

ارحام اس کی کلائی دونوں ہاتھوں میں جکڑے تکیے سے لگا گیا تھا۔حور کا چہرہ شدید زرد ہوا تھا۔اب تو اس کے خوبصورت چہرے پر زرد رنگ کے علاوہ کوئی رنگ ہی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

آیندہ جو بھی تماشہ لگانا ہوا اس کمرے میں لگانا۔۔ بغیر چادر کے تم نے کمرے سے باہر قدم نکالا میں تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دوں گا۔ ارحام خانزادہ اس کی کلائیاں چھوڑتے ہوئے اس کے اوپر سے اٹھا۔

حور نے بے یقینی سے اسے اپنے اوپر سے اٹھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

آیندہ مجھے اپنے باپ سلطان شاہ کی دھمکی مت دینا۔ جس دن میں اپنی اصلیت پر اتر آیا تمھیں اس صفحہ ہستی سے غایب کر دوں گا۔۔ تمھارا باپ سلطان شاہ کبھی تم تک نہیں پہنچ پائے گا۔ ایک بات یاد رکھنا تمھیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے رہو گی تم ہمیشہ میری۔۔ کسی مرد کو دیکھنا تو دور کی بات کسی کا سایہ تک تم پر پڑنے دوں گا۔ تم سر سے پیر تک صرف میری ہو۔ ارحام خانزادہ کی ہو۔۔ تمھارے بدن کی خوشبو ہر

گہرائی ہر رعنائی پر صرف میرا حق ہے اور مرتے دم تک صرف میرا رہے گا۔

ارحام اس کی برہنہ ٹانگوں پر قہربار نگاہ ڈالتے کمرے سے نکلتے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے نکل گیا تھا

۔

حور کانپتے ہاتھوں سے اپنا لہنگا نیچے کرتے ہوئے رخ پلٹے خود پر کمبل ڈالتے بری طرح سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

۔۔۔

اسفند زاران شہرام خان نے حیرت سے لاونج میں نظر دوڑاتے ہوے صوفوں پر سب کو خاموشی سے بیٹھے دیکھا ابرش بہارے عابیر زحلے امینہ خانم روزینہ خانم صوفوں پر بیٹھیں تھیں۔

ٹیبل پر کیک یونہی پڑا تھا۔ پریذے ارحام اور حورنہ تھے۔

۔امینہ خانم چادر منہ پر رکھے رو رہی تھیں۔

عابیر بھی اپنی شال سے آنکھیں رگڑتے رو رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے صرف کیک نہ کاٹنے کا غم تھا۔ وہ ٹیبل پر رکھے کیک کے لیے رو رہی تھی۔

کیا ہوا مورے ؟؟ زاران پریشانی سے ان کی طرف بڑھتے ان کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے ان کے ہاتھ جکڑتے اپنے لبوں سے لگا گیا تھا۔ شہرام خان بھی پریشانی سے امینہ خانم کو دیکھ رہا تھا۔

کچھ نہیں ہوا ہم بہوؤں کے معاملے میں بد قسمت ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کسی بہو نے ہمارا بیٹا کا عزت نہیں کیا۔ سر عام اس کا تماشہ لگانا اپنا فرض سمجھا ہے۔ امینہ خانم روتے ہوے بولیں۔ ابرش اور بہارے نے سرخ چہروں کے ساتھ پہلو بدلا تھا

ٹھیک کہا بھابھی!! یہی حال ہمارا ہے۔ تم تین تین بہوؤں کے معاملے میں بد قسمت ہے ہم ایک ہی بہو کے معاملے میں بد قسمت ہے۔ اس نے ہمارا بیٹا کا عزت بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا تھا۔ روزینہ خانم نے جوابی کاروائی کرتے ہوے عابیر کو دیکھتے طعنہ مارا۔۔

عابیر نے روتے ہوے اسفند پر شکوہ کناں خفگی بھری نگاہیں گاڑھیں۔۔ اسفند پریشانی سے اپنی گھنی بھیرڈ سہلا گیا تھا۔ حویلی میں کچھ بھی ہو جائے

ماں اور بیوی کے درمیان وہ خوامخواہ پھنس جاتا تھا۔ عابیر اسے روتے ہوے خفگی بھری نگاہوں سے دیکھے جارہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔۔ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی وہ اسے روتا ہوا دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔۔ اور وہ بھی اسی بات کا فائدہ اٹھا کر بات بات پر رونا اپنا فرض سمجھتی تھی. کیا ہوا ہے مورے اصل بات بتائیں ؟؟۔ شہرام خان روزینہ خانم کو ایک نظر سنجیدگی سے دیکھتے امینہ خانم سے بولا۔۔

ہم سے سن لو شہرام !! تمہارا مورے بڑا صدمے میں ہے وہ کیا بتائے گا پیچارہ۔۔ تمھارا مورے اپنا لاڈلا بیٹا کی لاڈلی بیوی کو اپنا سب بہوؤں سے زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ مگر آج اس نے ایسا جوتا مارا کہ تم سب خان کے منہ پر کیا بتاؤں ؟؟۔

روزینہ خانم کی بات پر شہرام خان زاران خان کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ زاران غصے سے روزینہ خانم کو گھورتے ہوئے زمین سے اٹھا۔ اسفند اپنی مورے کو دیکھتے بری طرح لب بھینچ گیا تھا۔

بیچارہ پریذے کا سالگرہ والا دن تمھارا بھابھی نے وہ تماشہ لگایا کہ کیا بتاؤں ۔ اپنا پانچ مہینہ کا بستر پر گزرنے کا تجربہ بیان کر کے گیا ہے وہ بھی ایسا لباس میں کیا بتاؤں ؟؟ عورت ہو کر اس پر ہم اپنا نظریں نہیں ڈال سکا تھا اتنا بیہودہ لباس تھا۔ روزینہ خانم نے بولتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے

مورے !اسفند نے روزینہ خانم کو ٹوکتے ہوئے انھیں سختی سے پکارا۔

ہم سچ کہہ رہا ہے ایک بات حرف با حرف سچ کہہ رہا ہے۔ حور نے تو آج سچ میں ثابت کیا سوتیلا ماں سوتیلا ہوتا ہے۔ پریذے اتنا خوش تھا فراک پہن کر اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہا تھا۔ بیچارہ روتا ہوا گیا ہے۔ روزینہ خانم کی بات

پر امینہ خانم کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔ شہرام اسی لمحے بے تابی سے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھا

لالا کہاں ہے؟؟ زاران نے جبڑے بھینچتے پوچھا۔

گیا ہے کمرے میں اپنا نکاح والی رات کا تاریخ دہرانے۔ اچھا بات ہے ہم تو کہتا ہے اچھا سبق سکھائے ارحام اس کو۔۔ شرم نام کو نہیں اس لڑکی کو۔۔ پہلے بھی ارحام کا جگ ہنسائی کیا۔ آج بھی اس کا تماشہ لگا کر بے پردہ باہر جا رہا تھا۔ ایسا عورت کو جان سے مار دو تو کم ہے۔ شہرام نہیں تھا اسی لیے اس بات کا فایدہ اٹھاتے انہوں نے ابرش کو دیکھتے طعنہ مارتے طنزیہ مسکرائی تھیں۔

زاران یہ سب سنتے پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

اسفندیار خان جبڑے بھینچتے ہوئے عابیر کی طرف بڑھا جو اپنی شال سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بری طرح رو رہی تھی۔

کیا ہوا ہے سرخ گلاب؟؟ تم کیوں ایسے بچوں کی طرح رو رہی ہو میری ہونے والی خوبصورت بیٹیوں کی مورے!! اسفند نے جھکتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

عابیر اس کی حرکت پر گلاب کی طرح سرخ پڑی تھی۔ اب وہ صوفے کی سطح پر ہاتھ رکھے تھوڑا سا جھکے اس کی آنکھوں میں سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

زاران نے خونخوار نگاہیں اسفندیار خان پر گاڑھیں اس کی حرکت اسے لاونج میں اس سچویشن میں کافی ناگوار گزری تھی۔

آج کل کامرد خاص طور پر اس حویلی کا خان اپنا عورت کا پیچھے لگا ہے تبھی تو ان کا عورت پھر کی طرح انھیں گھماتا ہے۔ لیکن کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب پھر سے کسی اور خان کا باری آئے گا۔ یہاں زنان خانے میں ہی مجمعہ لگے گا۔ روزینہ خانم اسفند کو گھورتے کاٹ دار لہجے میں طنزیہ بولیں۔ روزینہ خانم کی بات پر اسفند کے چہرے پر اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے خود پر قابو پا گیا تھا۔ عابیر اس پر شکوہ کناں نگاہیں ڈالے نروٹھے انداز میں اب چہرہ پھیر گئی تھی۔

کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو اتنا؟؟ اسفند سیدھے ہوتے جھنجھلاتے ہوے اسے کلائی سے جکڑے کھڑا کرتے اپنے مقابل کر گیا تھا۔ اس کا رونا اسے برداشت نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس کا لہجہ سرد ہوا۔

کیک بھی نہیں کاٹا پریذے نے!! میں نے لالا کو کہا بھی تھا پہلے کیک کاٹ لیں۔ مگر نہیں کاٹا۔

عابیر کیک کو دیکھتے روہانسے ہوتے بولتی رو پڑی تھی۔ سب نے اسے ایک بار پھر سے حیرانگی سے دیکھا تھا۔ وہ کیک نہ کٹنے کی وجہ سے رو رہی تھی۔

اسفند کے چہرے پر اتنی بری سچویشن میں مسکراہٹ چھائی تھی۔ وہ کیک کی وجہ سے رو رہی تھی اسے اب سمجھ آئی تھی۔

ادھر آؤ میرا سرخ گلاب!!وہ اسے کلائی سے جکڑے ٹیبل کی طرف لے گیا تھا۔ جھری اٹھا کر کیک کی پچھلی سایڈ سے تھوڑا سا کیک کٹ کر کے عابیر کے منہ میں ڈالا.

روزینہ خانم اور زاران نے اسفندیار خان کو گھور کر دیکھا تھا۔عابیر کیک کھاتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی اسے اب سکون ملا تھا۔ورنہ اسے لگ رہا تھا وہ مر ہی جائے گی۔

چیک کر رہا تھا لالا نے کیسا کیک بنوایا ہے۔ تھوڑا سا ہی لیا ہے سائیڈ سے پریذے کو پتہ نہیں چلے گا۔اسفند نے زاران کو جواباً آنکھ ماری تھی۔۔پریذے اور ارحام کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا مگر وہ عابیر کو اور اپنے بچے کو لے کر بے حد حساس تھا۔۔عابیر کو ذرا سی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔عابیر کو میٹھے کے لیے بہت بری طرح کریونگ ہوتی تھی۔وہ کمرے

میں بھی بری طرح روتی تھی۔ اگر اسے وہ کھانے کو نہ ملے جو چاہیے ہوتا تھا۔ کچھ وہ نخرے اٹھاتا تھا وہ تو اب کوئی بات برداشت نہیں کرتی تھی۔ وہ تو رات رات بھر اس کے نخرے اٹھاتا تھا۔ اسے آدھی رات کو ہی کچھ نہ کچھ کھانا ہوتا تھا

ابھی بھی وہ کیک کو دیکھ کہ جیسے رو رہی تھی وہ برداشت نہیں کر پایا تھا۔

روزینہ خانم غصے سے پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔ اسفند جیسے عابیر کے آگے پیچھے پھرتا تھا ان سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

شہرام پریذے کو گود میں اٹھائے لاونج میں داخل ہوا۔ درخشاں بھی شہرام کے پیچھے ہی لاونج میں اینٹر ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ حور کا سوچتے ہی وہ بری طرح ڈر رہی تھی اگر ارحام نے اس سے پہلی رات والا سلوک کیا تو۔۔ وہ تو خود حور سے بہت محبت کرتی تھی۔

پریذے شہرام کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے ہوے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

زاران اسفند جلدی سے پریذے کی طرف بڑھے تھے۔۔

اسفند شہرام سے اسے لیتے اپنی گود میں اٹھاتے اپنے سینے سے لگا گیا۔ وہ اب اسفند کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے اس کے کندھے پر سر رکھ گئی۔

وہ ابھی تک سنڈریلا فراک پہنے ہوے تھی۔ چہرہ رونے سے سرخ ہو رہا تھا۔

شہرام زاران بے بسی سے پریذے کو روتے ہوے دیکھ رہے تھے۔۔

پریذے بیٹا!! دیکھو سب چاچو آ گئے ہیں۔ اور آپ کے لیے گفٹس بھی لائے ہیں۔ زاران نے پیکٹ سے ڈول نکالتے پریذے کی طرف بڑھائی۔ وہ سر نفی میں ہلاتے ہوے روتے ہوے اسفند کی گردن میں چہرہ چھپا گئی تھی۔

پریذے کیک کٹ کریں۔ اسفند نے اسے خود سے نرمی سے علیحدہ کرتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسو ہتھیلی سے صاف کرتے ہوے نرمی سے کہا۔

I want my mama papa

پریذے ہچکیوں سے روتے ہوے بولی۔

ابرش بہارے بھی صوفوں سے اٹھتے پریذے کی طرف بڑھیں تھیں۔ پریذے کی حالت ان کے دلوں میں بھی کچوکے لگا گئی تھی۔

پریذے!! پاپا ماما کو لے کر باہر ڈنر کرنے گئے ہیں۔ وہ ناراض تھیں پاپا سے۔۔ پاپا ان کو منانے کے لیے ڈنر پر لے کر گئے ہیں۔ ابرش نے نم لہجے میں پریذے سے کہا۔

زاران ابرش کی آواز میں نمی محسوس کرتے مبہم سا مسکرایا تھا۔ اپنی جذباتی بیوی سے اسے اسی جذباتی پن کی توقع تھی۔

مجھے نہیں لے کر گئے ماما پاپا ساتھ۔ پریذے نے روتے ہوے پوچھا۔

ماما بہت کہہ رہی تھیں پاپا سے پریذے کو ساتھ لے کر چلیں۔۔۔ ہم سب نے کہا پریذے ہمارے پاس رہے گی۔ یہ کیک بھی تو کٹ کرنا تھا۔ ابرش نے اس بار بھی بھیگے لہجے میں جواب دیا تھا۔

پریذے خاموشی سے ابرش کی باتیں سن رہی تھی۔

ماما پاپا سے ناراض نہیں ہیں۔ اور پاپا ماما پر

anger

تو نہیں کر رہے تھے۔ پریذے نے روتے ہوے پوچھا۔

زاران اسفند شہرام پریذے کی باتوں پر جبڑے بھینچ گئے تھے۔ ارحام خانزادہ پر تینوں کو زندگی میں پہلی بار غصہ آیا تھا۔۔ غلطی جس کی بھی تھی مگر پریذے کی سالگرہ تو

distroy

نہیں کرنا چاہیے تھا۔

چلیں کیک کٹ کریں پریذے۔ ماما پاپا کو پکس بھی تو بھیجنی ہیں۔ اسفند نرمی سے کہتے ٹیبل کی طرف بڑھا

پریذے کو گود سے اتارتے اسے چھری پکڑائی۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے کیک کاٹنے لگی۔

Happy birthday to you

Happy birthday to you preezy

سب تالیاں بجاتے ہوے پریذے کوش کر رہے تھے۔ پریذے کھکھلاتے ہوے کیک کٹ رہی تھی۔ پریذے نے کیک کاٹ کر زور سے کیلپنگ کی تو سب کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

ارحام خانزادہ رات سے سٹڈی روم میں بند تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ سٹڈی روم کی کارپٹ اور ٹیبل سگریٹ کے ادھ جلے ٹوٹوں سے بھری پڑی تھی۔ وہ اس وقت بلو جینز اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ جس کے اگلے دو بٹن کھلے تھے۔ بکھرے بال سرخ آنکھیں رت جگے کی غماز تھیں چہرہ سرد و سپاٹ تھا جو ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

اس وقت صبح کے بارہ بج رہے تھے۔ آج سوات میں پھر سے برف باری ہو رہی تھی۔ سردی کی شدت میں بھی آضافہ ہوا تھا۔ وہ اس ٹھنڈے کمرے میں کسی بھی گرم کپڑے کے بغیر تھا۔ رات سے جسم کا انگ انگ جل رہا تھا ۔اسے سردی محسوس ہو ہی نہیں رہی تھی۔۔

کھلونا بنا کر رکھا آپ نے مجھے جب چاہا کھیل لیا مجھ سے !مزید !! خود کے ساتھ کھیلنے نہیں دوں گی ۔

یاد رکھیے گا ایک بات !!عورت کوئی کھلونا نہیں اگر خدا نے اسے !!ؔ تم پر حلال کر کے تمہارے حوالے کیا وہ جب چاہے اسے تم پر !!حرام کر کے کسی دوسرے پر حلال کر سکتا ہے

لفظ تھے کہ خنجر جو اس کے دل میں پیوست ہو چکے تھے۔

وہ یوں سب کے سامنے آجائے گی وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ اس کے شدت پسندی سے اچھی طرح واقف تھی۔ پھر بھی اس نے یہ سب کچھ کیا۔۔ وہ اس چیپ لہنگے میں اس کی حویلی سے باہر جانا چاہتی تھی۔

غم و غصے کا طوفان اتنا تھا کہ اس کے اندر اس عورت کے لیے جیسے تمام جذبات ختم ہو چکے تھے۔

دل و دماغ ابھی بھی یہی کہہ رہا تھا اس عورت کی چمڑی ادھیڑ ڈالے۔ اس کو مسل کر رکھ دے۔ جس بدن کی نمائش کرتے باہر آئی اسی بدن کو بیلٹوں سے داغ دے۔ اگر اس کے بھائی اس وقت لاونج میں ہوتے وہ پھر بھی آ جاتی۔ اس نے کسی بات کا نہیں سوچا تھا۔۔ اتنا گھٹیا لباس آخر کیوں خریدا اس

نے اور پھر پہن بھی لیا اس نے۔۔ ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچتے ہوے ٹیبل پر زور دار مکہ مارا۔

آج سے سال پہلے جیسے بھرے جرگے میں اس کی عزت اچھالی گئی تھی۔ کل رات بھی ایسے ہی محسوس ہوا تھا جیسے بھرے جرگے میں اسی عورت نے اس کی عزت تار تار کر دی ہو۔ زاران شہرام اسفند یہاں تک درید ارید خان سمیع اللہ خان بھی حور کے متعلق بات کرتے تھے وہ کسی کو کرنے نہیں دیتا تھا۔ اپنی عزت اپنی عورت کو لے کر وہ اتنا ہی حساس تھا۔۔ کمرے کی کوئی بات وہ باہر نکلنے ہی نہیں دیتا تھا۔۔

مگر وہ اس طرح سب کے سامنے آکر یہ سب کچھ کہہ کر اس کے بدن میں جیسے شرارے دوڑا چکی تھی۔ جن کی تپش کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ کیسے کر سکتی تھی ایسے ؟؟ اگر اسے اس پر شک تھا اس کا گریبان پکڑ کر کمرے میں پوچھ لیتی۔ وہ قدموں میں بیٹھ کر وضاحت دے دیتا۔ مگر اس طرح کا تماشہ وہ لگائے گی وہ ابھی تک جیسے شاکنگ تھ

وہ تو وہ حور تھی ہی نہیں جس کی فرمانبرداری سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ تو رات سچ میں سلطان شاہ کی بیٹی تھی۔ پانچ ماہ اسے اپنی پناہوں میں دن رات رکھا کسی دوسری عورت کے پاس وہ جانے کے قابل رہا ہی نہ تھا۔ وہ تو دن رات اس کے بدن کا حصہ بنا رہتا تھا۔

اور جب چھوڑ کر گئی تب بھی تو سات ماہ اس کا سایہ بن کر رہا تھا۔ وہ کیسے کسی دوسری عورت کے پاس جا سکتا تھا؟!۔ کیا وہ اس کی دیوانگی سے واقف نہ تھی اسے دیکھتے ہوش تو گنوا دیتا تھا۔ کتنی محبت کرتا تھا۔ اس کے بوسوں کی کوئی

تجاوز نہ تھی۔۔اس کے جسم کا کونسا حصہ ایسا تھا جسے وہ چومتا نہ تھا۔۔اس کے پاؤں کے تلوں پہ وہ اپنے لب رکھتے انھیں دہکاتا تھا۔

ہزاروں بار قربت کے لمحات میں معافی مانگ چکا تھا۔ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ چکا تھا۔پھر بھی وہ نکاح کی رات بھولتی ہی نہ تھی۔وہ تلخی سے مسکراتے ہوے صوفے کی سطح سے سر ٹکاتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر گیا۔

شاید سکون اس کے نصیب میں تھا ہی نہیں!!اپنی بیوی سے محبت کرنا اس کے جسم سے محبت کرنا شاید گناہ تھا۔وہ اس کی محبت کو حوس بنا چکی تھی۔۔

نہیں جاؤں گا اب اس کے قریب!!ارحام سیدھے ہوتے زیر لب بولتے ہوے سگریٹ لبوں میں دبا گیا۔کبھی نہیں جاؤں گا اس کے قریب۔۔ارحام سر نفی میں ہلاتا جبڑے بھینچتے اپنی شرٹ کے مزید بٹن کھول گیا۔اسے بند کمرے میں گھٹن ہوئی تھی۔۔

!!یاد رکھیے گا مسٹر خان!حور سلطان شاہ کو مردوں کی کمی نہیں ہے۔ آپ جیسے کتنے ہی مرد میری قدموں کی زینت!!

کیسے کہہ سکتی ہو یہ بیہودہ لفظ خود کے لیے۔ آہہ۔۔۔ارحام خانزادہ نے چیختے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔

وہ گہرے سانس لیتے صوفے سے ٹیک سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا

اپنی بیٹی تک کو ہمیشہ اس کے آگے اگنور کیا!!اور کیسے اسے اپنی محبت کا یقین دلائے۔ارحام تلخی سے سوچتے درد کرب سے مسکرایا تھا

پریذے کے چہرے کی چمکتی خوشی یاد آئی تھی وہ کتنی خوش تھی اپنی سالگرہ کے لیے۔۔ارحام گہرے سانس لیتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر گیا۔

ماما پاپا!!پریذے کی بھیگی آواز سماعتوں میں گونجتے اسے بے چین کر گئی تھی۔

نہیں ہے وہ میری بیٹی کی ماں!!نہ اسے کسی بھی ماں کی ضرورت ہے۔ نہیں جانے دوں گا اب اس عورت کو اپنی بیٹی کے بھی قریب!!نہ اب اسے کمرے سے نکلنے دوں گا۔ایسی عورت کی جگہ صرف اس حویلی کا بند کمرہ ہے۔وہیں پر رہے گی اب بھوکی پیاسی۔۔

ارحام غصے سے غراتے ہوئے ایک بار پھر سے ٹیبل پر مکہ مار گیا تھا۔

نہیں ضرورت مجھے بھی کسی عورت کی!!بھاڑ میں گئے یہ جذبات جو اس عورت کو دیکھ کر میرے اندر پنپتے ہیں۔ارحام خانزادہ نے غصے سے اپنی پینٹ کی بیلٹ اتار کر زمین پر دے ماری تھی۔

وہ غصے سے صوفے سے اٹھتے اشتعال سے کمرے میں چکر لگانے لگا۔انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا جسے وہ بار بار لبوں میں دبائے گہرے کش لے رہا تھا۔

سٹڈی روم کا دروازہ ناک ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ نے سرخ سرد نگاہیں دروازے پر گاڑھیں۔

درخشاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔۔

کیا کرنے آئی ہو یہاں؟ ارحام نے درخشاں کے کانپتے وجود پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

لالا!! ہم معافی مانگنے آیا ہے۔۔ کل رات حوربھا بھی کا غلطی نہیں ہمارا تھا۔

درخشاں کانپتے لبوں سے بمشکل بولی تھی۔ ارحام کا سرخ سرد چہرہ اس کی جان نکال رہا تھا

حور کا نام میں کسی کے لبوں سے نہ سنوں۔۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے ارحام حلق کے بل دھاڑا۔

درخشاں خوف سے بری طرح لرز اٹھی تھی۔

لالا!! کل بھابھی کمرے میں آیا تھا۔ آپ کا پوچھ رہا تھا۔ مم میں نے کہہ دیا آپ گل بھابھی کے لیے کمرہ سجا رہا ہے۔۔ اس کے بعد یہ سب ہوا۔ ہم کو نہیں پتہ تھا یہ سب ہو جائے گا۔ ہم تو صرف چاہتا تھا بھابھی آپ کے بہت تڑپے۔ درخشاں ایک ہی سانس میں سب بتا گئی تھی۔۔ ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔۔

لالا ہم کو معاف کر دو ہم کو نہیں معلوم تھا یہ سب ہو جائے گا۔ درخشاں ہاتھ جوڑتے ہوے رو دی تھی۔

ارحام خانزاہ جبڑے بھینچتے درخشاں کو گھور رہا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑے تھر تھر کانپ رہی تھی

لالا بھابھی کو معاف کر دو۔ وہ کل سے بھوکا پیاسا ہے۔ انہوں نے کل صبح سے کچھ نہیں کھایا۔۔ درخشاں ہاتھ جوڑتے ہوئے روتے ہوئے بولی۔ ارحام کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ خوف سے کئی قدم پیچھے ہوئی تھی

آیندہ تم مجھے حور کے آس پاس بھی دکھائی دی۔ وہ تمھارا اس حویلی میں آخری دن ہو گا۔ بلکہ تم اب حویلی کے پچھلے بنے کمروں میں رہو گی ملازماؤں کے ساتھ۔۔

ارحام اس پر سرد سرخ نظریں ڈالتے برفیلے لہجے میں بولتے درخشاں کا خون منجمند کر گیا تھا۔

لالا!!درخشاں بری طرح رو دی۔

جاؤ یہاں سے آیندہ مجھے تمھارا چہرہ اس حویلی میں نظر نہ آئے ارحام خانزادہ دھاڑا

درخشاں روتے ہوئے جلدی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ارحام خانزادہ دیوار پر مکہ مارتے ہوئے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

ارحام!!امینہ خانم کی پکار پر ارحام کے کارپورچ کی طرف بڑھتے قدم رکے تھے۔

جی مورے!!ارحام نے پلٹتے ہوئے امینہ خانم کو دیکھا۔

کہاں جارہاہے تم؟!امینہ خانم ارحام کے مقابل آئی تھیں۔

میں اپنے فارم ہاؤس جارہاہوں۔۔کل تک آجاؤں گا۔ارحام سرد آواز میں کہتے گاڑی کی طرف بڑھا۔

حور کا کیا کرنا ہے؟؟امینہ خانم کی بات پر ارحام کے نقوش سرد وثپاٹ ہوے.

کیا مطلب کیا کرنا ہے۔ارحام خانزادہ نے پلٹتے ہوے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

تم نے دردانہ سے کہا کہ اس کو کھانا پہنچادو۔۔مگر وہ کھانا نہیں کھارہا۔امینہ خانم کی بات پر ارحام خانزادہ نے مٹھیاں بھینچی۔

نہیں کھا رہی تو نہ کھائے جب بھوک لگے گی کھا لے گا۔ ارحام خانزادہ نے سرد لہجے میں بولتے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

ہم نے تم سے کچھ پوچھنا ہے ارحام۔۔ امینہ خانم کی آواز پر وہ جبڑے بھینچتے ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت وہ صرف اس حویلی سے دور جانا چاہتا تھا۔

ارحام وہ ہم نے پوچھنا تھا کیا حور سے تم نے حویلی آنے سے پہلے ہمارا مطلب ہے وہ۔۔۔۔ وہ ہچکچائی تھیں۔

کیا کہنا چاہتی ہیں مورے کھل کر کہیں۔ مجھے جانا بھی ہے۔ ارحام خانزادہ سنجیدگی سے بولا۔

ہم نے یہی پوچھنا ہے کہ تم نے حویلی آنے سے پہلے حور سے اپنا حق لیا تھا کیا؟؟ امینہ خانم نے ارحام کے سرد چہرے کی طرف دیکھتے آہستگی سے پوچھا۔

کیا مطلب مورے اس بات سے آپ کا؟ ارحام کا چہرہ مزید سنجیدہ ہوا تھا۔

اسے حویلی آئے تو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا۔ آتا ساتھ وہ پریذے کے کمرے میں رہا تھا۔۔ امینہ خانم کی بات پر ارحام کا چہرہ مزید سرخ ہوا۔

ارحام ہم کو لگتا ہے جیسے حور تمھارا بچہ کا ماں بننے والا ہے۔

کیا کہہ رہی ہیں مورے؟؟ ارحام خانزادہ کا پورا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔

ہم کتنا دن سے نوٹ کر رہا ہے۔ مگر تم سے پوچھنا کا ہمت نہیں ہوا۔ اس کا طبعیت گرا گرا سا تھا۔ کل جس طرح وہ کر رہا تھا۔ پھر ہمارا تجربہ ہے اس بات کا۔ اس کا قدم اس کا پیٹ دیکھ کر ہم کو یقین ہے وہ تمھارا بچہ کا ماں بننے والا ہے۔ امینہ خانم نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ارحام خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھی میں جکڑے تھے۔۔

لالا!! بھابھی کل سے بھوکا پیاسا ہے۔ انہوں نے کل صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ درخشاں کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے بے چین کر گئے تھے۔ اگر وہ پریگننٹ تھی تو کل سے بھوکی تھی۔ ارحام کی سانسیں جیسے رکی تھیں۔

وہ کل کیسے اسے جانوروں کی طرح گھسیٹتے ہوے لے کر گیا تھا۔

افففف۔۔۔اگر یہ سچ ہے تو میرے بچے کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔۔ارحام نے خوفزدہ ہوتے سوچا تھا۔گل اس کا بچہ مار چکی تھی وہ خبر سن کر اس کا اس وقت جو حال ہوا تھا آج بھی ویسے ہی حال ہوا تھا۔۔وہ بے حد خوفزدہ ہو گیا تھا۔

اس بار وہ اپنا بچہ نہیں کھو سکتا تھا۔وہ اب اپنے کل کے ہر عمل ہر بولے گئے لفظ پر اب وہ پاگل ہو رہا تھا۔

حور کے پیٹ میں اس کا بچہ تھا وہ کیسے اس حالت میں اس کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا تھا۔

ارحام نے رخ پلٹتے ہوے گاڑی کی چھت پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔

آپ نے مجھے بہلے کیوں نہیں بتایا مورے!! ارحام خانزادہ سرد لہجے میں استفسار کرتے غرا اٹھا تھا۔

ارحام خانزادہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کمرہ ابھی تک گلاب کے پھولوں کی مہک سے معطر تھا۔ کمرے میں ایک طرف کانچ بکھرا تھا۔ کمرہ اچھا خاصہ سرد ہو رہا تھا۔ ارحام خانزادہ نے بیڈ پر نظر دوڑائی وہ سائیڈ کروٹ لیے بغیر کمبل کے بیڈ شیڈ مٹھیوں میں دبوچے ہوے لیٹی ہوئی تھی۔ بلاوز کی ڈوری ابھی تک کھلی۔ جسے اس نے کل رات کے بعد باندھا نہیں تھا۔ سفید چمکتی پشت برہنہ تھی۔

اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔

حور کی سسکیاں سنتے اور اس کا لرزتا بدن دیکھ کر وہ بری طرح بے چین ہوا تھا۔ دل و دماغ میں اپنے بچے کو کھونے کا خوف بری طرح سمایا تھا۔ ارحام خانزادہ نے جلدی سے آگے بڑھتے کمرے کے وسط میں لگا الیکٹرک ہیٹر آن کیا۔

وہ تیزی سے حور کی طرف بڑھا کمرے میں گونجتی اپنی بیوی کی سسکیاں اسے جیسے پاگل کر رہی تھیں۔ اس کی سسکیوں نے کبھی اتنا بے چین نہیں کیا تھا جتنی آج کر رہی تھیں۔

ارحام نے حور کی طرف بڑھتے اس پر جھکے ہوے اس کے بازو پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ ارحام کو اپنے قریب محسوس کرتے حور خوف سے سختی سے آنکھیں میچے اپنی سسکیاں روک گئی تھی۔

حور ارحام نے اسے نرمی سے پکارا۔ حور کی مٹھیوں کی گرفت بیڈ شیٹ پر مضبوط ہوئی تھی۔۔

اٹھو حور!! ارحام نے اس کے عارض پر بکھری لٹیں بہت نرمی سے کان کے پیچھے اڑسیں۔

ارحام خانزادہ کی نرمی محسوس کرتے ایک بار پھر سے حور کی سسکاریاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

ارحام کی اب تو پاگل ہونے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ اگر وہ پریگننٹ تھی کل صبح سے بھوکی پیاسی تھی اور کل رات سے اتنا رو رہی تھی۔ اس کا بچہ پتہ نہیں صیح سلامت بھی تھا کہ نہیں۔۔ ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے دوسرا ہاتھ اس کے لہنگے کو اوپر کی طرف کھسکاتے یہ جاننے کی کوشش کی اس کا بچہ کس حد تک سلامت ہے۔ پہلے بھی باپ بن

چکا تھا اسے کافی حد تک پیچیدگیوں کا پتہ تھا۔ ارحام نے اسپائنگ چیک کرنے کی کوشش کی۔ ارحام کا ہاتھ اپنے حساس حصے پر محسوس کرتے حور کی ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ خوف سے پھر سے اس کی سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔ وہ لرز کر رہ گئی تھی۔ ارحام نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے اس کا لہنگا نیچے کی طرف کھسکایا۔

ارحام خانزادہ اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کیا۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔ وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ عارض پر گھنیری پلکیں بھی لرز رہی تھیں۔

رونے کی وجہ سے عارض ناک سرخ تھی۔ ہونٹوں پر ریڈ بلڈ کلر کی لپ سٹک ویسے ہی موجود تھی۔

آنکھیں کھولو حور!!ارحام نے اس کی گھنیری پلکوں پر ٹھہری شبنم بے حد نرمی سے اپنی انگلیوں سے چنی۔وہ مزید سختی سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو حور!!ارحام کو نہ چاہتے ہوے بھی اپنا لہجہ سخت کرنا پڑا تھا۔وہ اس کی نرمی پر بہت سختی سے آنکھیں میچے اپنے لرزتے لبوں کو دانتوں میں پیوست کیے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں بے دردی سے جکڑ رہی تھی۔

ارحام کی سرد پکار پر وہ اسی لمحے آنکھیں کھول گئی۔اس کی متورم گلابی آنکھوں کو دیکھ کر ارحام خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

وہ اس پر جھکے اس کی متورم گلابی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھا حور کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔۔وہ آنکھیں کھولے خوفزدہ

نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔رات کے بعد وہ اس سے اچھی خاصی ڈر گئی تھی۔

اٹھ کر بیٹھو!!ارحام خانزادہ نے اسے بازو سے جکڑے اس کی کمر میں بے حد نرمی سے ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔

اس کا بلاوز کندھوں سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔اٹھ کر بیٹھتے ہوے حور نے اپنے چکراتے سر کو جکڑا

ارحام خانزادہ کے دل کو خوف سے جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔

ایک مرتبہ پہلے اپنے بچے کو کھو چکا تھا۔اب وہ پھر سے اس درد تکلیف سے نہیں گزر سکتا تھا۔وہ اب کی بار اپنے بچے کو کسی قیمت پر نہیں کھو سکتا تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟ارحام نے خوفزدہ لہجے میں پوچھتے اس کے ہاتھوں کو جکڑا۔۔

ارحام کے لہجے میں تڑپ اور نرمی محسوس کرتے وہ ارحام کے ہاتھ جھٹکتے اس سے تھوڑا دور کھسکی۔

ارحام خانزادہ اسی لمحے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے اسے سرد نظروں سے تنبیہ کر گیا۔ بچے کی وجہ سے وہ نرم ہو رہا تھا۔ مگر اس کی رات کی حرکت ابھی تک اس کے اندر بارود دہکائے ہوئے تھی۔ وہ اس کی ہر غلطی برداشت کر سکتا تھا مگر وہ جان بوجھ کر اپنی نمایش کر کے اس کی عزت تار تار کرے گی وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے دور جانے کی کوشش کرے گی وہ یہ بھی نہیں ہونے دے سکتا تھا۔

حور نے اس کی سرد سرخ نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہچکی لیتے اثبات میں سر ہلایا۔

دروازہ ناک ہونے پر ارحام خانزادہ بیڈ سے اٹھتے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولنے پر دردانہ کھانے کی ٹرالی لیے کھڑی تھی۔

تم جاؤ!! ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے حکم دیا۔ اپنی بیوی کے قریب اب کسی ملازمہ کا وجود گوارا نہ تھا۔ اس درخشاں کا تو بلکل نہیں۔ دردانہ اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ارحام خانزادہ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے بیڈ کے پاس لایا۔

خود حور کے قریب اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا ۔ سینڈوچ والی پلیٹ اور فریش اورنج جوس گلاس اٹھائے حور کی طرف بڑھایا۔

جسے دیکھتے حور چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔ ارحام خانزادہ نے سینڈوچ کی پلیٹ اور جوس ٹرالی میں رکھتے حور کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ جو چہرہ

دوسری طرف کیے سسکیوں سے رو رہی تھی۔ اس کا بدن ابھی بھی خوف سے لرز رہا تھا۔ مگر وہ نروٹھے انداز میں بے رخی سے چہرہ دوسری طرف کیے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے بری طرح سسکیاں بھر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے اپنی پچھلی گردن سہلاتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی شرٹ کا تیسرا بٹن بھی کھولا تھا۔

وہ اس وقت بلیک جینز پر بلیک بٹنوں والی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہلکے نم زدہ بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔

وہ جانتا تھا وہ جب تک نرمی دکھاتا رہے گا۔ وہ ایسے ہی روتی رہے گی کھانا تو بلکل نہیں کھائے گی۔ اس کی بیوی اچھی خاصی ضدی طبعیت رکھتی تھی

۔اس کا ڈر اسے سیدھا رکھتا تھا۔اور جب تک وہ کھانا نہیں کھا لیتی ارحام کی جان حلق میں ہی اٹکی رہنی تھی۔اس پر ایک ایک لمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔

کھانا کھاؤ حور!!ارحام خانزادہ نے اس کے سسکتے وجود کو دیکھتے ہوے سنجیدگی سے کہا۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔حور نے سپاٹ لہجے میں کہتے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے بے دردی سے رگڑے تھے۔

ارحام نے لب بھینچے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔دوسرے لمحے وہ اس کا منہ نرمی سے بوچ اپنی طرف کر گیا تھا۔

کھانا کھاؤ!!دوبارہ مجھے کہنا نہ پڑے سمجھی تم!!ارحام خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے حد برفیلے لہجے میں کہتے اس کا جبڑہ چھوڑا۔

آپ۔۔۔ ظالم۔۔۔۔۔ خان۔۔۔ ہیں۔۔۔ حور نے ہچکی لیتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل لفظ ادا کیے۔

میں کتنا ظالم ہوں تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت ظلم کر چکا ہوں تم پر مزید نہ کروں اس لیے خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ ارحام نے بے حد برفیلے لہجے میں کہتے پلیٹ سے سینڈوچ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

حور نے گلابی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھتے ہوئے کرب سے ہچکی لی تھی۔

سینڈوچ پکڑو اور اسے کھاؤ!! وہ اس کی آنکھوں میں سرد نگاہوں سے دیکھتے ایک ایک لفظ پر زور دیتے حکمیہ لہجے میں بولا۔

حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے سینڈوچ اس کے ہاتھوں سے لیتے سیڈوچ کی بائٹ لی۔

ارحام خانزادہ نے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر خارج کیا تھا۔اس کی جان میں جان آئی تھی۔ حور چھوٹی بائیٹس لیتے سینڈوچ کھا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے جوس کا گلاس اٹھاتے اس کے لبوں سے لگایا۔

حور نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا۔۔پیو!!ارحام سرد لہجے میں کہتے گلاس اس کے لبوں سے لگا گیا تھا۔ حور نے دو چار گھونٹ لیتے گلاس ایک ہاتھ سے پیچھے کیا۔

اور پیو آدھا گلاس فنش ہونا چاہیے!!ارحام کے حکمیہ لہجے پر اس نے ہچکی لیتے مزید جوس پیا۔ ارحام خانزادہ گلاس خود اس کے لبوں سے لگائے ہوے تھا۔

حور نے ایک ہی سانس میں پورا جوس کا گلاس فنش کر ڈالا تھا۔

گڈ!! ارحام خانزادہ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ چھائی تھی۔ وہ جوس فنش کرتے بے رخی سے چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔ سینڈوچ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

ارحام اس کے تھوڑا اور قریب ہوا۔ حور اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے نامحسوس انداز میں اس سے تھوڑا دور کھسکی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اسے سختی سے خود سے دور ہونے سے منع کر چکا تھا۔ اس لیے وہ نامحسوس انداز میں دور کھسکی تھی۔

افسوس کوئی ایسی جگہ نہیں!! جہاں تم مجھ سے دور جا کر چھپ سکتی۔ ارحام خانزادہ بیڈ کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔

حور ارحام کے خوبرو چہرے کو دیکھتے ہوئے بے رخی سے منہ پھیر گئی ۔ مقابل بلا کا ہینڈسم ضرور تھا۔ مگر اتنا ہی سفاک تھا۔ وہ سچ میں زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والا تھا۔

ویسے مجھ سے بچ کیوں رہی ہو؟؟ اس لیے کہ میں تمھارے بدن کا حصہ نہ بن جاؤں۔ اتنا خوف وہ بھی ایک شوہر کی قربت کا؟؟ ارحام خانزادہ نے کہتے اس کے کندن نشیب و فراز پر نگاہیں گاڑھیں جو بلاوز سے ڈھلکتے اپنی رعنائیوں کو چار چاند لگا چکے تھے۔ ارحام خانزادہ کی آنکھیں اس کے لباس کو دیکھتے ایک بار پھر سے سرخ ہوئی تھیں۔ وہ اسی لباس میں کل باہر آئی تھی اور اسی لباس میں باہر جانا چاہتی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کی گہرائیوں پر اپنے ہاتھ کی بے باکی دکھاتے اس کی بکھری رعنائیوں پر جھکتے ہوئے اپنے دانتوں

سے بری طرح حق جتا گیا۔ اس کی رعنائیوں پر اپنی شدت کی سوغات دیتے اسے اچھی طرح باور کروایا تھا وہ صرف اس کی ہے۔

ارحام خانزادہ کی بے باک حرکت پر حور سسکتے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ سچ میں کسی بھی حالت میں اس بے باک خان کی دہکتے لبوں اور گرم ہاتھوں کی تپش برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اپنا حق جتاتے ہوئے سرد سرخ نگاہیں اس کی بھیگی آنکھوں میں گاڑھیں۔

حور تھوڑا اور دور کھسکی تھی۔

کس لیے بچتی ہو مجھ سے ؟؟ بقول تمھارے پانچ مہینے تمھاری سانسیں گھوٹ دیتا تھا۔ جسموں کا کھیل ہی میرے لیے محبت ہے۔۔ جب اتنا ہی برداشت

کر چکی ہو تو اتنا ڈر کس بات کا؟؟ اتنی نرم و ناز کی ناز و اندام دکھانے کی کیا وجہ ہے؟؟ آفیشلی ارب پتی بیوی بنتے ہی ایٹیٹوڈ آ گیا ہے تم میں؟؟ ارب پتی عورتیں لگتا ہے نکاح نہیں کرتی۔ کیونکہ مجھ جیسے مرد تو ارب پتی عورت کی قدموں کی زینت بنے رہتے ہیں۔۔ ہے ناں!! رحام خانزادہ بیڈ کے گرد اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھے اس کی گلابی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے وہ زہریلا سوال کر گیا جو اس کے اعصابوں کے ساتھ کسی آکٹوپس کی طرح لپٹا ہوا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ میرا۔۔۔ یہ۔۔۔ مطلب۔۔۔ نہیں۔۔ تھا۔ حور اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے خوفزدہ ہوتے وضاحت دے گئی تھی۔

ہمم۔۔۔ جانتا ہوں تمھارا وہ مطلب ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ تم ارب پتی ضرور ہو!! مگر ہو ارحام خانزادہ کی ملکیت اس کی عورت! تم پر صرف میرا

حق ہے۔ صرف میرا حق!!اب چاہے کچھ بھی ہو جائے تم اس کمرے سے باہر چادر کے بغیر نہیں جاسکو گی۔ ارحام سختی سے کہتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے اس کا بلاوز کندھوں سے اوپر کرتے اس کی بیک کی ڈوری نرمی سے بند کر گیا تھا۔ حور کا پورا بدن اس کے حصار میں کانپ اٹھا تھا۔ وہ کپکپاتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے اس کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔ اس کی طرح اس کے بدن کی خوشبو بھی سفاک تھی۔ مقابل کے سینٹ اور بدن کی ملی جلی جان لیوہ خوشبو بھی اس کی سانسیں بند کر دیتی تھی۔ ارحام نے نرمی سے اسے خود سے علیحدہ کیا وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ارحام کی آنکھوں میں گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی سانسوں میں الجھ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کی دہکتی سانسوں

سے سانسوں کی آمدورفت ٹوٹنے لگی تھی۔ ارحام خانزادہ کی دہکتی سانسیں مزید دہکتی آگ بنی تھیں۔ اسی ایک لمحے میں ارحام خانزادہ کی سانسیں ناہموار ہوئی تھیں۔ مقابل ہی وہ عورت تھی جو اپنی خوشبو اپنی قربت سے اسے اپنے سامنے زیر کرتے اس کی سانسوں تک کو خود کے لیے بے قرار کر دیتی تھی۔ ارحام کی دہکتی پیاسی سانسیں حور کی سانسوں میں الجھنے کے لیے بے قرار ہوئی تھیں۔ حور کے سرخ لرزتے ہونٹ ارحام کے حلق میں کانٹے اگا چکے تھے۔ کل صبح سے اس نے بھی کہاں اپنے حلق سے ایک پانی کی بوند اتاری تھی۔ اب تو لگ رہا تھا ساری پیاس ساری تشنگی ساری بھوک صرف مقابل کے سرخ ہونٹ ہی مٹا سکتے ہیں۔ ارحام خانزادہ کی پر تپش سانسیں حور کے سرخ ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔ حور کی سانسیں اس کی ٹھوڑی پر بکھر رہی تھیں۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے

خوفزدہ نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ مقابل کی قربت کا خوف اس کے اعصابوں پر بری طرح چھایا تھا۔ رات اس کی دھمکیوں اور اپنی بولے گئے لفظوں کا شدت کا احساس تھا اس لیے تو اس کی قربت کے خوف سے لرز رہی تھی۔

اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی جب مقابل نے اتنی بے دردی سے چھوا تھا۔ اب بہت محبت میں وہ اسے نرمی سے چھوتے ہوئے بھی اس میں سماتا تھا وہ خوف سے آنکھیں میچ لیتی تھی۔ اس رات کا وہ درد بھول ہی نہیں پاتی تھی۔ وہ خوف شاید زندگی بھر نہیں جا سکتا تھا۔

اتنا خوف میرا کہ سانسیں روک لیتی ہو اپنی۔ ارحام خانزادہ نے نرمی سے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

آپ۔۔۔کی۔۔۔خوشبو۔۔۔سے۔۔۔سانسیں۔۔۔بند۔۔۔ہوتی

۔۔۔میری۔۔جو۔۔۔خوشبو۔۔۔آپ۔۔۔سے۔۔۔۔آتی۔۔۔وہ۔۔۔

کسی۔۔۔سے۔۔۔نہیں آتی۔ آپ۔۔۔کی۔۔۔قربت۔۔۔آپ۔۔۔

کی۔۔۔سانسوں۔۔۔سے۔۔آپ۔۔کی۔۔۔خوشبو۔۔آتی۔۔۔ہے۔وہ

اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں

سے بولی تھی۔

جس خوشبو سے سانسیں بند ہوں وہ تو پسندیدہ مرد کی ہوتی ہے۔ جیسے میری

سانسیں بند ہوتی تمھاری خوشبو تمھاری قربت سے۔۔ مگر میں تو ناپسندیدہ

مرد ہوں تمھارا۔۔ ارحام کا لہجہ یکدم برفیلا ہوا تھا

نن۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔پسندیدہ۔۔۔مرد۔۔۔

ہیں۔ پسندیدہ۔۔۔مرد۔۔۔سے۔۔۔جو

۔۔۔خوشبو۔۔۔آتی۔۔وہ۔۔۔صرف۔۔۔اسی۔۔۔سے۔۔۔آتی۔

۔۔۔حور خوفزدہ لہجے میں بولتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں سختی سے جکڑ گئی تھی۔۔مقابل کا برفیلا لہجہ اس کے رگوں میں دوڑتا خون جما رہا تھا۔اس کی سرد سرخ آنکھیں اس کے اعصاب بھاری کر رہی تھیں۔وہ اپنا حق بے دردی سے نہ لے لے وہ اس سے خوف کھا رہی تھی۔

میرے خوف سے ہمیشہ تمھارے لبوں سے میرے لیے محبت بھرے لفظ ہی نکلے ہیں۔ان لفظوں کی میرے نزدیک تب قدر ہوتی جب تم میری بانہوں میں سماتے بولتی۔افسوس ان لفظوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔۔ارحام سپاٹ لہجے میں بولتے اس کی مٹھیاں اپنی شرٹ سے چھڑواتے اسے نرمی سے کراؤن کے ساتھ لگا گیا۔اس کی گود میں گرا ہوا سینڈوچ ارحام خانزادہ نے پکڑتے ہوے اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔حور

نے منہ کھول کر بایٹ لی تھی۔ ارحام خانزادہ نے باقی پورا سینڈوچ خود اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ہاتھوں سے کھا رہی تھی۔ اسے انکار کر بھی نہیں سکتی تھی۔

سینڈوچ کھلانے کے بعد ارحام خانزادہ نے ابلا ہوا انڈا اس کی طرف بڑھایا۔ حور نے اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے منہ کھولا۔ ارحام نے ابلا ہوا انڈا بھی اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ وہ خاموشی سے ارحام کے ہاتھوں سے چھوٹی بایٹ لیتے کھا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اب دودھ کا گلاس اٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا جو وہ خاموشی سے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے پینے لگی۔۔ ارحام خانزادہ بغور اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ اس نے ذرا سا بھی کچھ کھاتے ہوے منہ نہیں بنایا تھا۔ پریذے کی دفعہ گل کو ہر چیز سے سمیل آتی تھی۔ وہ کچھ بھی کھاتی تھی فورِاً اسے وومٹ آجاتی تھی۔۔ حور خاموشی

سے ہر چیز کھا رہی تھی۔ دودھ بھی خاموشی سے پی رہی تھی۔ ورنہ دودھ اس کا ناپسندیدہ تھا۔ جانتا تھا وہ اس کے ڈر سے پی رہی ہے۔ مگر اسے اس حالت میں دودھ پیتے ہوئے ابکائی آنی چاہیے تھی۔

۔ ارحام خانزادہ نے پورا دودھ کا کلاس اس سے فنش کرواتے ہوئے خالی گلاس ٹرالی میں رکھا۔

ارحام خانزادہ نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ابھی بھی اس کی آنکھوں سے آنسو عارض پر بہہ رہے تھے۔ وہ سسکیاں بھرتے اپنے عارض پر بہتے آنسو بار بار اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے صاف کر رہی تھی۔

آنسو بہانا بند کرو!! ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سختی سے کہا۔

اس کے بہتے آنسو اسے جھنجھلاہٹ سے زیادہ تکلیف میں مبتلا کر رہے تھے۔اسے آگر کسی چیز سے نفرت تھی مقابل کے آنسوؤں سے تھی۔جو اس سے برداشت نہیں ہوتے تھے۔اپنی پسندیدہ عورت کے پیٹ میں اس کا خون پرورش پا رہا تھا۔وہ اس حالت میں اس کے آنسو تو برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔

حور نے اسی لمحے ہچکی لیتے اپنے عارض سے بہتے آنسو ہتھیلی سے صاف کیے۔

تمھاری لاسٹ ڈیٹ کب تھی؟؟ارحام کے سنجیدگی سے کیے گئے سوال پر حور نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

سیدھا سا کوسچن پوچھا ہے؟؟کیا ڈیٹ تھی؟؟ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مزید سنجیدگی سے استفسار کیا۔

یاد نہیں!! حور لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔ ارحام گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ پریگننٹ تھی تو اسے خود کچھ نہیں پتہ تھا۔ امینہ خانم وہ تبدیلیاں محسوس کر سکتی تھی تو حور کیوں نہیں۔ ارحام اسے دیکھتے پریشانی سے سوچ رہا تھا۔

تمھیں چکر آ رہے ہیں۔ وومٹ فیل ہو رہی۔۔ کچھ کھانے کے لیے کریونگ ہو رہی ہے۔ ارحام خانزادہ کی باتوں پر وہ نا سمجھی سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

بھوکا۔۔۔ رہنے۔ سے۔۔۔ چکر۔۔ آ۔۔۔ رہے۔۔۔ تھے۔۔ اب ۔۔۔ نہیں۔۔ آ۔۔ رہے۔۔۔ حور نے ہچکی لیتے اس کی آنکھوں میں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

ارحام جھنجھلاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی انگلیوں سے بئیرڈ سہلا گیا تھا۔ وہ کل صبح سے بھوکی تھی یہ بات تو اسے بھی اذیت میں مبتلا کیے ہوے تھی۔

ارحام بیڈ سے اٹھتے ہوے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے اپنے موبائل کی طرف بڑھا۔

شہرام کا نمبر ڈائل کرتے ارحام نے موبائل کان سے لگایا۔

شہرام کسی اچھی گائنی ڈاکٹر کو حویلی بھیجو!! ہاں اسی وقت۔۔ کمپلیٹ چیک اپ کرنا ہے۔۔ ارحام خانزادہ سنجیدگی سے کہتے فون بند کر چکا تھا۔

حور نے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے میڈیسن نکالتے اسے ہتھیلی پر رکھتے ٹرالی میں رکھے پانی کا گلاس اٹھایا۔

اس سے پہلے وہ گولیاں منہ میں ڈالتی۔ ارحام خانزادہ اس کی طرف تیزی سے بڑھتے اس کی کلائی جکڑے اس کی ہتھیلی سے وہ گولیاں اٹھاتے زمین پر پھینک گیا تھا۔

حور کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھلکتے ہوے اس کے آدھے ادھورے بلاوز کو گیلا کر گیا۔

حور نے گہرے سانس لیتے خوفزدہ نگاہوں سے ارحام کو دیکھا جو اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیا کر رہی تھی تم؟؟ تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے اتنی ہیوی میڈیسن لے رہی تھی تم!! ارحام خانزادہ حور کو گھورتے ہوے غصے سے لفظ چباتے بولا۔

ارحام!!مم۔۔۔میری۔۔۔طبعیت۔۔۔ٹھیک نہیں۔۔۔ہے۔۔۔۔مم۔ مجھے۔۔فیور۔۔۔۔۔فیل۔۔ہو۔۔۔رہا۔۔اس۔۔۔لیے۔حور ارحام کے سردری ایکشن کو دیکھتے بمشکل بولتے بیڈ کے دوسری جانب نامحسوس انداز میں کھسکی۔۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو بلکل ٹھنڈی تھی۔

ٹھیک ہو تم!!نہیں ہے فیور تمھیں۔یہ میڈیسن کس کے کہنے پر کھا رہی ہو؟؟۔۔فیور میں ایک پین کلر بھی کھائی جاسکتی ہے۔تم یہ رنگ برنگی گولیاں کھا رہی تھیں۔کس نے کہا تم سے یہ؟؟ارحام نے اسے سختی سے ڈپٹا۔

ارحام میں ڈاکٹر بن رہی تھی۔ میڈکل کی فرسٹ ایر میں تھی۔ مگر اتنی نالج ہے فیور میں کونسی میڈیسن لیتے ہیں۔ یہ میڈیسن میں کچھ دن پہلے بھی لے چکی ہوں۔ حور اس کی سرد انداز پر ہچکیوں سے بولی۔

کیا؟؟ تم کچھ دن پہلے یہ میڈیسن لے چکی ہو۔ ارحام اسے کلائی سے جکڑے کھڑا کرتے اپنے مقابل کرتے اسے کندھوں سے جکڑے چیخا تھا۔

ہاں۔۔۔ کک کیا ہوا ارحام؟؟ حور سہمتے ہوے رو پڑی تھی۔

تم کیسے یہ میڈیسن لے سکتی ہو؟؟ تمھیں مسلہ تھا مجھے بتاتی میں تمھیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتا۔

How could you this??

ارحام پاگل ہوتا غرایا۔

بہت۔۔ریسرچ۔۔کرتی۔۔رہی۔۔ہوں۔۔۔۔میں

۔۔اتنا۔۔۔مم۔۔مجھے۔۔۔پتہ۔۔۔یہ۔۔۔لے۔۔سکتے۔۔ہیں حور اس کی

غراہٹ پر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی

بہت ریسرچ کی ہے تم نے پھر تمھیں اتنا معلوم ہونا چاہیے پریگننسی میں

پین کلر تک نہیں لیتے۔ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے پاگل ہوتے

چیخا۔وہ یہ میڈیسن پہلے کھا چکی تھی اس کے بچے کو کچھ نہ ہوا ہو۔اس کے

اعصاب جیسے بھاری ہوے تھے۔وہ پاگل ہوا تھا۔اپنا بچہ اسے جان سے بھی

زیادہ عزیز تھا۔

اگر وہ پریگننٹ ہے تو اس کا یہ میڈیسن لینا اس کے بچے کے لیے کتنا خطرناک

ہو سکتا تھا۔ارحام کا دل جیسے ہتھیلی میں دھڑکنے لگا تھا۔اپنا بچہ کھونے غم کیا

ہوتا ہے وہ اس دردناک اذیت سے گزر چکا تھا

پریگننسی!!حور نے تحیر سے لفظ دہراتے ارحام خانزادہ کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔

انیس سال کی ہو. اٹھارہ سال کی تھی جب میرے نکاح میں آئی تھی۔ تمھیں اتنا نہیں پتہ چل رہا کہ تم پریگننٹ ہو یا نہیں۔۔ڈیٹ تک تمہیں یاد نہیں۔۔ارحام خانزاد اس کی آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں بولتے استفسار کر گیا۔

میں پریگننٹ ہوں؟؟حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً استفسار کیا ۔۔

مورے کو شک ہے تم پریگننٹ ہو!!جو بات تمھیں خود پتہ ہونا چاہیے وہ تمھیں نہیں پتہ!!صرف یہ پتہ ہے اس طرح کے ولگر ڈریس میں لاونج میں

آ کر اپنے بدن کی نمایش کیسے کرنی ہے ؟!۔ ارحام خانزادہ لفظ چباتے اپنی خون اتری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ گیا۔

حور گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کب خریدا یہ ولگر بیہودہ ڈریس اور کیوں خریدا؟؟ کیوں آئی لاونج میں سب کے سامنے ایسے ؟؟ میرے بھائی بابا وہاں ہو سکتے تھے۔ تم نے ایک پل نہیں سوچا۔۔ جانتی ہوں ناں تمھیں میں عورتوں کے سامنے بھی بے پردہ نہیں دیکھ سکتا۔ ارحام خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں استفسار کیا۔

یہ۔۔ ولگر۔۔ بیہودہ۔۔۔ ڈریس۔۔۔ آپ۔۔ کے۔ لیے۔۔ خریدا ۔۔ تھا۔ آپ کی۔ واپسی۔۔ پر۔۔۔ ایک۔۔۔ دلہن۔۔۔ کی۔۔ طرح۔۔۔ خود۔۔۔ کو۔۔ آپ کو۔۔۔ سونپ۔۔۔ کر۔۔ آپ۔۔ کو۔۔۔ سرپرائز

۔۔۔دینا۔۔۔چاہتی۔۔ تھی۔ مگر۔۔۔ آپ۔۔۔نے۔۔۔تو۔۔۔مجھے۔۔۔

ہی۔۔۔ سرپرایز۔۔۔ کر۔۔۔ دیا۔ گل۔۔کے ساتھ۔۔ موجود۔۔۔تھے

۔پریذے۔۔سے۔۔ویڈیو۔کال پر۔۔۔بات۔۔۔ کروائی۔۔۔ آپ

۔۔۔نے۔اور۔۔۔ کیا۔۔ کہا۔۔ پریذے۔۔سے۔۔ حور نے ایک ہاتھ اس

کی شرٹ سے ہٹاتے ہچکیوں سے بولتے ہاتھ کا موبایل بناتے ہاتھ کان پر

رکھا۔

!!اوکے میں مورے سے بات کرواتا ہوں۔ مگر ایک پرامس کرو۔ماما کو

نہیں بتاؤ گی کہ آپ نے مورے سے بات کی ہے اور مورے میرے

ساتھ ہیں!!حور اب ہچکی بھرتے اس کی شرٹ پھر سے دونوں ہاتھوں میں

جکڑ گئی تھی۔

ارحام خاموشی سے بے یقین سماعتوں سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اس کے لرزتے بدن کو کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

مجھ پر عورت کی نظر برداشت نہیں۔۔ صرف عورتوں کے سامنے ایسے آئی کتنا برا سلوک کیا میرے ساتھ۔۔ مجھے گھسیٹتے ہوئے لائے۔ اتنے برے لفظ بولے۔۔

مجھ سے کیا کہا؟!۔۔ وہ ہچکی لیتے رکی تھی۔۔ بولا تمھارے جسم کا وہ حصہ مسلوں گا جو ابھی تک میرے بدن کا حساس حصہ ہے۔ کوئی محبت کرنے والا شوہر ایسے اپنی بیوی کو کہتا ہے کیا؟؟ اس کے بال کھینچتا ہے کیا؟؟ اسے بیڈ پر دھکا دیتا ہے کیا؟؟۔ وہ ہچکیوں سے بولتے اس کی شرٹ جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے کمر سے جکڑے اس کے لرزتے لبوں سے لفظ سن رہا تھا۔ جو اسے مزید بے چین کر گئے تھے۔

مرد اپنی عورت کے لبوں سے کسی مرد کا نام برداشت نہیں کر سکتا۔ مم میں بھی برداشت نہیں کر سکتی آپ کو اس گل کے ساتھ۔۔ جو آپ کی محبت تھی آپ کی بیٹی کی ماں ہے۔ لیکن سب اس حویلی میں گل کا نام ضرور لیتے ہیں۔ سب مجھے جتاتے ہیں۔ گل سے آپ بہت محبت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ کمرے میں بند رہتے تھے۔۔ درخشاں آپ کی مورے روزینہ آنٹی آپ کا ہر رشتہ دار مجھے یہ ضرور بتاتا ہے آپ گل کے ساتھ بہت اچھے تھے۔ آپ نے اس سے محبت کی شادی کی۔ کبھی سوچا مجھے کیسا لگتا ہے؟؟ کیسے کانٹے پیوست ہوتے ہیں میرے دل میں؟؟ عورت میں کیا غیرت نہیں ہوتی؟؟ اسے بھی غیرت آتی ہے اپنے مرد کے لیے کسی دوسری عورت کا

ذکر سننا!!وہ روتے ہوے سسکی بھر گئی۔ ارحام بے چین ہوتا اب اسے دونوں ہاتھوں سے کمر سے جکڑ گیا تھا۔

روزینہ۔۔ آنٹی۔۔نے۔۔۔ کہا۔۔ بختاور۔۔ خان ۔۔ گل۔۔۔ کو۔۔۔ چھوڑ چکا۔۔۔ ہے۔۔۔ بہت جلد۔۔۔ آپ۔۔۔ اس۔۔ سے۔۔ نکاح۔۔۔ کر۔۔۔ لیں گے۔۔ درخشاں نے کہا آپ گل کے لیے کمرہ سجا رہے ہین۔ پریذے نے بتایا آپ گل کو بھی آپ آج شاپنگ پر لے کر گئے۔

آ

آپ پریذے سے بات بھی نہیں کر رہے تھے۔ صرف گل کو ہی دیکھ رہے تھے۔۔ پھر بھی آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔ مجھ سے یہ جانوروں والا سلوک کر رہے ہیں۔ کیا میرا مینٹل لیول یہ باتیں سن کر ٹھیک رہ سکتا ہے کیا؟ حور نے روتے ہوے اسے شکوہ کناں بھری نگاہوں سے دیکھتے سوال

کیا۔ ارحام کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ غصے سے اس کی دماغ کی شریانیں بھڑکیں تھیں۔ سب نے اس سے یہ کیوں کہا؟؟ وہ سب سے حساب لینے کا آرادہ رکھتا تھا۔

بہت محبت کرتی ہوں آپ سے ارحام!! لیکن اتنی بھی نہیں کہ آپ کی بیوفائی برداشت کرلوں۔۔ مجھ سے بیوفائی کریں گے ہر بار آپ کو حور خانزاہ نہیں حور سلطان شاہ ملے گی۔ حور سلطان شاہ کے جنون اور نفرت سے ٹکرائیں گے۔ حور کا بھیگا لہجہ سرد ہوا تھا۔

۔۔اس۔۔۔ حویلی۔۔۔ میں۔۔ قید۔۔۔ کر۔۔۔ کے۔۔۔ رکھیں۔۔۔ گے ناں۔ پاپا۔۔ کو۔۔۔ پتہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ لگنے۔۔۔ دیں۔۔۔ گے۔۔۔ میں ۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔ قید۔۔ میں۔۔۔ ہوں۔۔ مگر اب۔۔ آپ۔۔۔ صرف۔۔۔ مجھ۔۔ سے زبردستی۔۔ کر۔۔۔ کے۔۔۔ مجھے۔۔ پا۔ سکتے

ہیں۔ کبھی۔۔ خود۔۔ کو۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ سونپوں۔۔۔ گی۔۔ اب کبھی آپ سے محبت نہیں کروں گی۔ کبھی گل سے جیلس نہیں ہوں گی۔ پریذے کو بھی میرے پاس نہیں آنے دیں گے۔۔ نہیں حق جتاؤں گی۔۔ اس۔۔۔ پر۔ اب۔۔۔ میں۔۔ آپ۔۔ کی۔۔۔ حور ۔۔۔ نہیں۔۔ رہوں۔۔ گی۔ آپ۔۔۔ میرے۔۔۔ نہیں۔۔ میں۔۔ بھی۔۔ آپ۔۔ کی۔۔ نہیں۔ حور ہچکیوں سے بولتے ہوے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔

ارحام لب بھینچے اسے دیکھتے بہت نرمی سے اس کی برہنہ کمر پر ہاتھ رکھے ہوے تھا۔ اس کی معصومیت سے کہی باتیں اسے تڑپا گئی تھیں۔

میری کیسے نہیں رہو گی۔ ہو تو صرف میری۔۔ میری قید میں رہو گی تو پھر کیسے میری نہیں ہو گی۔۔ ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے گیلے

عارض پر چپکی لٹ کان کے پیچھے اڑ سی۔ وہ بہت معصومیت سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی۔۔ یہ لفظ سننے کے لیے وہ کتنا بے چین تھا۔ وہ وہی جانتا تھا۔ ارحام کا دل پہلو میں شدت سے دھڑک رہا تھا۔ مقابل اس سے شدید محبت کرتی ہے۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا۔

جسم تو آپ کا ہو گا مگر میرا دل آپ کا نہیں ہو گا۔ رات سے اپنے دل سے آپ کی تصویر مٹا چکی ہوں۔ حور نے روتے ہوے معصومیت سے کہا تو ارحام نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

دروازہ ناک ہونے پر ارحام خانزادہ نے ایک نظر دروازے کو دیکھا دوسری نظر اپنی معصوم بے پناہ خوبصورت بیوی کو دیکھا تھا۔

میں دوبارہ سے اپنی تصویر سجالوں گا۔ ابھی اپنا ٹیسٹ کروا کر پریگننسی کنفرم کرواؤ۔ جس نے میری جان لبوں پر سجائی ہوئی ہے۔ ی۔۔ ہمممم۔ ارحام نے نرمی سے کہتے ہوے حور کے بہتے عارض پر نرمی سے لب رکھے۔۔

ارحام حور کو اپنے حصار سے آزاد کرتے دروازے کی طرف بڑھا۔ حور نم نگاہوں سے اس بے حس انسان کی چوڑی پشت دیکھ رہی تھی جو صرف اپنے بچے کا سوچ کر اس کے لیے نرم ہوا تھا۔ اسی لیے اسے کھانا کھلایا۔ اس لیے اس کی فکر جتا رہا تھا۔۔

حور چادر لو خود پر!! ارحام نے مڑتے ہوے حور سے نرم لہجے میں کہا۔

حور سسکتے ہوے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ مگر چادر نہیں لی تھی ارحام کی بے حسی خود غرضی پر اسے شدت سے رونا آرہا تھا۔

دروازہ کھولنے پر لیڈی ڈاکٹر اور اس کے ساتھ نرس اندر داخل ہوئی تھی۔۔

اسلام و علیکم !! ارحام خانزادہ انھیں راستہ دیتے تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔

وعلیکم اسلام۔۔ لیڈی ڈاکٹر اندر داخلے ہوتے حیران ہوئی تھی۔ کمرہ گلابوں سے مہک رہا تھا۔ سیج پر بھی پھول بکھرے تھے۔

بیڈ پر لڑکی دلہن کے لباس میں بیٹھی تھی۔ اور اسے پریگننسی ٹیسٹ کرنے کو بلایا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے پیچھے ہوتے حور کو دیکھا جو بیڈ پر بنا کسی چادر کے ویسے ہی بیٹھی تھی۔ ارحام کی رنگت طیش و اشتعال سے سرخ ہوئی۔

ارحام خانزادہ تیز تیز قدموں سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے وہاں سے حور کی سیاہ گرم شال نکال کر لاتے اس کی طرف بڑھتے اس پر اوڑھا گیا تھا۔

ڈاکٹر آپ میری مسسز کا پریگننسی ٹیسٹ کریں۔ ارحام خانزاہ نے حور کو گھورتے ہوے ڈاکٹر سے کہا۔

ان کا پریگننسی ٹیسٹ کرنا ہے تو ان کو اتنا کور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے مسکراہٹ دبائی۔۔

اس حویلی کے خان اپنی عورتوں کو لے کر کتنے پوزیسیو ہیں۔ وہ شہرام خان کے ساتھ کام کرنے سے اندازہ ہو گیا تھا۔

اتنی خوبصورت عورت کے لیے سامنے کھڑا خان حساس نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

آپ یہاں سے جایئے !! میں ان کا کمپلیٹ چیک اپ کرتی ہوں۔ ڈاکٹر نے ارحام خانزاہ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ارحام نے حور کو ایک نظر دیکھا جو ابھی بھی ہچکیاں بھرتے اسے شکوہ کناں خفگی بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ارحام کے دیکھنے پر وہ بے رخی سے منہ پھیر گئی۔۔ ارحام خانزادہ گہرا سانس بھرتے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اب اس کی ناراضگی سے بہت بری طرح پریشان ہوا تھا۔ اگر وہ پریگننٹ تھی تو وہ تو اب اس پر سختی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اسے کیسے منائے گا۔ ارحام خانزادہ شدید پریشان ہوا تھا۔

میں ٹیسٹ نہیں کرواؤں گی۔ حور کی سرد آواز اس کی سماعتوں سے ٹکراتی اس کے قدم روک چکی تھی۔

آپ ٹیسٹ نہیں کروائیں گی تو پریگننسی ٹیسٹ کیسے ہو گا۔ ڈاکٹر نے جواباً سنجیدگی سے استفسار کیا۔

کچھ بھی ہو جائے میں کسی قیمت پر ٹیسٹ نہیں کرواؤں گی۔ حور دبی آواز میں چیخی۔

ڈاکٹر نے پریشانی سے کو دیکھا جو اب دروازے کے پاس کھڑے حور کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ٹیسٹ کرواؤ!! ارحام خانزادہ بھاری قدموں سے حور کی طرف بڑھتے سنجیدگی سے بولا۔

میں ٹیسٹ نہیں کرواؤں گی!! وہ اپنے سامنے کھڑے ظالم بے رحم سفاک انسان کو دیکھتے غصے سے منہ پھیر گئی تھی۔ یہ کمرہ یہ سیج جو اس نے کسی اور عورت کے لیے سجایا تھا۔ کل رات سے اس کمرے میں بھوکا پیاسا بھی رکھا تھا۔ اب اپنے بچے کا سن کر اس کی آنکھوں میں بے چینی اضطراب نمایاں تھی۔ ثابت ہوا تھا وہ اپنے بچے کی وجہ سے اس سے نرم ہو گیا تھا۔

اپنا ٹیسٹ کرواؤ! ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلائی۔ وہ پل پل اپنے بچے کا سوچ کر جیسے مر رہا تھا وہ اس کی نرمی کا ناجایز فایدہ اٹھاتے ہوے اب یہ ایٹیوڈ دکھا رہی تھی۔

نہیں کرواؤں گی۔ حور ضدی انداز میں اپنی بات پر قائم رہتے ہوے اپنی بھیگی آنکھیں ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑ گئی۔

ڈاکٹر اور نرس ہونقوں کی طرح ارحام خانزادہ اور حور کو دیکھ رہے تھے۔ بات اصل کیا تھی وہ لوگ سمجھ نہیں پا رہے تھے؟؟۔۔ بچہ سامنے کھڑے انسان کا تھا یا پھر بات کچھ اور تھی۔۔ لڑکی تو نئی نویلی دلہن لگ رہی تھی۔ وہ پریگننسی ٹیسٹ کیوں نہیں کروا رہی تھی۔۔ ڈاکٹر اور نرس سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

ٹیسٹ کرواؤ!!ارحام خانزادہ دھاڑا۔ارحام کی دھاڑ پر لرزتے

ہوے حورنے ڈاکٹر کو دیکھا۔

میں انجیکشن نہیں لگاؤں گی۔۔حورنے ہچکی لیتے کہا تو ارحام خانزادہ گہرا

مسکرایا تھا۔وہ ضد کیوں کر رہی تھی۔اب اسے اب سمجھ آیا تھا۔

مجھے برداشت کر لیا ہے تو انجیکشن کو بھی برداشت کر لو گی۔وہ اس کے

قریب ہوتے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے اس کے کان کی

لو کو لبوں سے چھو گیا تھا۔

حورنے سرخ پڑتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں شبنمی نگاہوں سے دیکھا۔

ٹیسٹ کرواؤ!!ارحام اس کی آنکھوں میں سرد برفیلے حکمیہ لہجے میں بولتے

پیچھے ہوا۔

چیک کریں ڈاکٹر!!ارحام خانزادہ نے ڈاکٹر کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتی حور کی طرف بڑھی۔ارحام پیچھے کو ہوتے اب کمرے میں بے چینی سے چکر لگانے لگا۔وہ ٹیسٹ کرواتے ہوے مزید ضد نہ کرے وہ کمرے سے باہر نہیں گیا تھا۔

ڈاکٹر اس کی شال اتارے اس کا بی پی چیک کر رہی تھی۔۔اور بھی وہ مختلف ایکو پمنٹس نرس کے ہاتھ میں پکڑے بیگ سے نکالتے حور کو چیک کر رہی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کیے اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے بہت بے چینی سے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔

مسٹر خان!!کچھ دیر بعد ڈاکٹر ارحام کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

ارحام بے چینی بے تابی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

She is pregnant

ان کی بتائی گئی ڈیٹ کے مطابق ان کی پریگننسی دو منتھ کی ہے۔باقی چیک آپ ہاسپٹل میں آکر کروالیں۔

ڈاکٹر کی بات پر ارحام نے حور کی طرف دیکھا جو اس کی طرف دیکھتے بے رخی سے چہرہ پھیر گئی تھی۔ارحام خانزادہ ہونٹ سکوڑتے ہوے سانس باہر نکالتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر گیا تھا۔۔اس کا مشکل وقت اب شروع ہوا تھا۔

مسٹر خان!! آپ کی وایف کی ہیلتھ ویسے تو ٹھیک لگ رہی ہے۔ بلڈ پریشر نارمل ہے۔ انھیں میڈیسن اور کھانے سے بھی زیادہ آپ کی کی کیئر کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر نے پرسکیپشن لکھتے ہوئے ہچچکاتے ہوئے ارحام خان کو دیکھتے کہا۔ سامنے کھڑا بے انتہا ہینڈسم خان پریشان لگ رہا تھا۔ اس کی بیوی اب گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ ڈاکٹر اور نرس اچھے خاصے پریشان ہوئے تھے۔ کمرے میں بکھرا کانچ بھی کچھ اور کہانی سنا رہا تھا۔ نئی نویلی دلہن گلابوں سے سجا کمرہ اور دلہن کے لباس میں پریگننسی ٹیسٹ اور کمرے کا ماتم کدہ ماحول چیخ چیخ کر کچھ اور کہہ رہا تھا کہ شاید یہ بچہ اس خان کا نہیں ہے۔

دلہن کی طرح سجی سجائی اتنی خوبصورت لڑکی پر نرس اور ڈاکٹر کو ترس آیا تھا۔ سامنے کھڑا خان جتنا ہینڈسم اور سحر انگیز تھا اتنا ہی خطرناک معلوم ہوتا

تھا اس کی سحر انگیز پرسنیلٹی کتنی بارعب تھی۔ وہ اس کے کسرتی باڈی ورزشی بدن اور اس کے مغرور نقوش کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر پرسیکپشن سائیڈ ٹیبل پر رکھتی ایک نظر ارحام کو دیکھا جو اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے ہوئے پریشانی سے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو گھٹنوں میں سر دیے اب ماتمی انداز میں چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

نرس اور ڈاکٹر نے ایک دوسرے کو ناسمجھی سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد ارحام دروازے کو لاک لگائے ہونٹ سکوڑتے ہوئے اپنا سانس خارج کرتے اپنی خوبصورت بیوی کی طرف بڑھا جو اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔ جانتا تھا وہ سمجھ گئی تھی یہ

بچہ اس کی کمزوری ہے۔ وہ اس وجہ سے زیادہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا وہ اب اس پر سختی نہیں کر سکے گا۔

وہ بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھد تھا اس کے پاس بیڈ کے قریب بیٹھتے ہوے اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے اس جان لبوں پر سجی تھی۔ سامنے بیٹھی عورت جتنی اس کی کمزوری تھی اس کے پیٹ میں پلنے والا بچہ تو کہیں زیادہ اس کی کمزوری ثابت ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے نرمی سے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے وہ بہت بری طرح اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوے اس کی طرف سائیڈ کروٹ لیے لیٹ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے گہرا سانس لیا تھا یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے اس کے ایسے ہاتھ جھٹکے تھے۔

ارحام نے جھکتے ہوے نرمی سے اس کی سائیڈ گردن پر دہکتے ہوے لب رکھے۔ حور بری طرح جھٹپٹائی تھی۔ وہ غصے سے اس سے دور ہوئی وہ نرمی سے اپر اپنی ٹانگ رکھتے اس کی دھڑکنوں پر اپنے ہاتھ جماتے اسے اپنے قریب کرتے اس کی کان کی لو پر زبان پھیرنے لگا۔ حور نے تڑپتے ہوے اس سے دور ہونا چاہا وہ کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے سیدھا کرتے اس پر جھکا ۔ اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر نہیں ڈالے ہوے تھا مگر اس کا سینہ حور کے سینے سے ٹچ ہو رہا تھا۔ ٹانگوں کو بھی وہ کافی نرمی سے اپنی ٹانگوں میں الجھا چکا تھا۔ وہ اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر اپنا انگوٹھا نرمی سے پھیر رہا تھا۔ حور نے سسکتے ہوے اسے دیکھا وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں اسی لمحے جکڑ گئی تھی۔۔کچھ بھی ہو جائے وہ اس انسان کو خود سے دور نہیں جھٹک سکتی تھی۔مقابل کی سحر انگیز پرسنیلٹی کا جمود اور اس کا ڈر اس کی دھڑکنیں منتشر کر دیتا تھا۔ابھی بھی اس کی دھڑکنیں اسی لمحے ارحام خانزاہ کے سینے میں دھڑکنیں لگی تھیں۔ارحام اس کا بدن ڈھیلا پڑتے محسوس کرتے اور اس کی دھڑکنوں کو اپنے سینے میں دھڑکتے محسوس کرتے گہرا مسکرایا تھا۔ارحام خانزادہ نے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھتے ان آنسوؤں کو اپنے حلق میں اتارا تھا۔

حور نے ہچکی لیتے اس کے ایکٹ پر اسے دیکھا۔اب جتنے آنسو بہاؤ گی ایسے ہی اپنے حلق میں اتاروں گا۔ارحام گھمبیر آواز میں کہتے اس کے سرخ لبوں پر جھکے اس کی سانسیں گھونٹ گیا تھا۔حور اس کے لمس پر تڑپ اٹھی تھی۔وہ

اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے مچلتے بدن کو محسوس کرتے اس کی کلائیاں نرمی سے اپنے ہاتھوں سے جکڑتے اس کی کلائیاں تکیے پر پن کر گیا۔ وہ اس کے لبوں پر اپنے دہکتے ہونٹ رکھے ہوے تھا۔ اس کے سرخ بھیگے ہونٹوں پر ہونٹ رکھنے کی دیر تھی۔ ارحام خانزادہ کی رگوں جاں میں وہ شدید طلب بن کر دوڑی تھی۔ وہ بے بس ہوتے اس کے ساتھ لپٹتے ہوے اس کے ہونٹوں پر اپنے دہکتے لبوں کا دباؤ بڑھا گیا۔

وہ بہت شدت سے اس کے نچلے لب کو ہونٹوں سے کھینچتے ہوے سک کرتے دانتوں میں دبا رہا تھا۔ اس کی شدت اور اس کے دہکتے بدن کے سپارک اپنے نیم برہنہ جسم سے ٹکراتے محسوس کرتے حور کی دبی دبی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی۔۔ وہ مقابل کے بدن میں شدت سے اس کی

ضرورت بن کر دوڑ رہی ہے۔ وہ اس کے جسم کی حرارت محسوس کرتے جان چکی تھی۔ ارحام کی شدت میں بتدریج آضافہ ہو رہا تھا۔ اس کا جنون حور کے بھیگے لبوں پر بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں سے آزاد کرتے اس کی سانسوں پر پوری طرح اپنا تسلط جماتے ہوے اس کے لبوں کو پوری طرح اپنے شکنجے میں جکڑ گیا تھا۔ اس کی سانسیں اپنی دہکتی سانسوں میں گھوٹتے ہوے اس کے ہونٹوں کو اپنی شدت سے قندھاری کر گیا۔

وہ اس کے حصار میں جیسے ساکت ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے عارض پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔ حور نے سسکی لی تھی۔ وہ اس کے عارض پر جگہ جگہ اپنے دانت گاڑھتے اس کے گلاب عارض اپنے دانتوں سے کھینچ رہا تھا۔ حور اس کی شدت برداشت کرتے سسک رہی

تھی۔ وہ اس کی کلائیاں ازاد کرتے اب اس کی گردن پر جھک گیا۔ وہ اس کے گردن پر جھکے اپنی دہکتی سانسیں چھوڑتے اس کی گردن اپنے لبوں کے پر تپش لمس سے جھلساتے اس کی گردن پر اپنے دانتوں سے جنون خیزیاں نچھاور کرنے لگا۔

کمرے میں اب دونوں کی گہری بھاری سانسیں گونج رہی تھیں۔ ارحام خانزادہ کی سانسیں بہت بھاری ہو چکی تھیں۔ حور کی بھاری سانسوں میں اس کی سسکیاں بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔۔ ارحام خانزادہ اس کا بلاوز مزید نیچے کی طرف کھسکاتے ہوے اس کی گہرائیوں پر اب اپنی جنون خیزیاں رقم کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ اس کا لہنگا اوپر کی طرف کھسکاتے اپنی بے رحمی بے باکیاں دکھاتے اس کی سانسوں کو الجھا چکا تھا۔ حور نے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں دبوچے گہرے سانس لیتے اپنی جلتی آنکھیں میچتے کھولی تھیں۔

کوئی فرق نہیں پڑا تھا اس بے رحم سفاک زندہ وجودوں کو الٹنے پلٹنے والے انسان کی بے رحم شدتوں میں۔ وہ تو ویسے ہی شدت ڈھانے میں بے رحم تھا ۔وہ تو مزید دیوانگی سے اس کے بدن کے حساس حصوں کو چھو رہا تھا۔ حور کی کرب سے سسیکاریاں بلند ہوئی تھیں۔

حور نے پوری قوت سے اپنے اوپر بے رحم خانزادہ کو دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلا۔

ارحام خانزادہ اسی لمحے اس سے دور ہوا۔ حور گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی اس کے کندن نشیب فراز میں ہلچل سی مچی تھی۔ ارحام اس کا نیم برہنہ بدن دیکھتے پاگل ہوا تھا۔

حور اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتے دیکھتے اسے بھیگی سگتی نگاہوں سے دیکھتے لمحے رخ پلٹ گئی تھی۔ ارحام خانزادہ بہت نرمی سے اس کی برہنہ پشت پر ہاتھ پھیرتے اس کی ڈوری کھینچتے کھول چکا تھا۔ حور کی سسکاری بلند ہوئی۔

ارحام اس پر جھکتے اس کی برہنہ کمر پر اپنے لب رکھنے لگا۔ وہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے اس پر جھکے اس کی پشت پر اپنے دہکتے لب رکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ اس کا لہنگے میں الجھا تھا۔ کمرے میں ارحام کی گہری سانسیں گونج رہی تھی۔ اس کی دہکتی سانسوں سے حور کو اپنی برہنہ پشت جھلستی محسوس ہو رہی تھی۔ حور کی اب کرب میں ڈوبی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔ اسے ابھی بھی صرف اس کے جسم کی طلب تھی۔ وہ ابھی بھی اپنی دہکتی سانسوں کی گرمائش کم کرنے آیا تھا۔

حور سیدھے ہوتے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھوں سے دور کر گئی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے جھٹکنے پر جلدی سے اس سے دور ہوا تھا۔ اس نے بہت برے طریقے سے اسے خود سے دور جھٹکا تھا۔ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے وہ اس کے جھٹکنے پر خود پر قابو پا رہا تھا

حور بیڈ سے اٹھتی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے اب سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام بیڈ پر بیٹھے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں وہ طلب بن کر اتری ہوئی تھی۔ آنکھیں خمار زدہ تھیں۔ سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔

اتنے دنوں سے وہ سامنے کھڑی عورت جاں کا آزار تو بنی ہوئی تھی۔۔ یہ نیم برہنہ لباس جس میں اس کے بدن چھپ کم رہا تھا عیاں زیادہ ہو رہا تھا۔ بلاوز

ڈوری کے ساتھ بندھے ہوتے بھی سب کچھ عیاں کر رہا تھا۔ڈوری کھولنے کی وجہ سے مزید اس کے بدن کی رعنائیاں بکھرنے لگی تھیں۔۔لہنگہ اتنا ڈیلی کیٹ تھا جتنا اس کا فلیر تھا اتنا ہی اس بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ارحام ہونٹ سکوڑتے اپنا سانس باہر نکالتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔سامنے کھڑی عورت تو اس کی جان نکالنے کا ہنر رکھتی تھی۔بہت آسان تھا سامنے کھڑی عورت کے لیے بہت آسان اس کی سانسیں جسم سے کھینچنا۔۔

کیا کر رہے ہیں؟؟وہاں آیئے اپنی حوس پوری کیجیے مسٹر خان!!حور گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔

ارحام نے اس کی بات پر اسے لب بھینچے دیکھا۔

کیا ہوا؟؟ پوری طرح خماری نہیں چڑھی۔۔ کچھ کمی ہے میرے لباس میں اوپر سے تو کافی نیچے ہے مگر نیچے سے اوپر نہیں ہے ہے ناں!! حور تلخی سے ہنسی تھی۔

ارحام خانزادہ اب اسے سنجیدگی سے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

مجھے لگا تھا آپ کی نرمی کی وجہ آپ کا بچہ ہے۔۔ نہیں مگر میں غلط تھی آپ کی محبت آپ کی میری فکر کرنے کی وجہ میرا جسم ہے۔۔ صرف میرا جسم!! صرف آپ کی

lust

صرف

lust lust lust

۔حور ارحام خانزادہ کی طرف دیکھتے زخمی سا ہنسی تھی۔

ارحام جبڑے بھینچے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔اس کی باتوں پر خون میں شرارے دوڑ رہے تھے۔

گل کے کمرے گل کے بیڈ پر مجھے رکھا۔اس کمرے میں ہر کونے میں مجھے استعمال کیا۔جیسے دل چاہا ویسے ویسے مجھ پر شدتیں ڈھائیں۔۔

کیا فرق ہے تب اور آج میں ؟؟کیا فرق ہے اس کمرے اور اس کمرے میں۔وہ کمرہ گل کا تھا یہ کمرہ بھی گل کا ہے۔۔میرا تو اس میں کچھ نہیں۔۔۔کچھ نہیں!!حور اپنا گلہ ہاتھ سے جکڑے ہذیانی ہنسی تھی۔

کیا ہوا ایسے سرد سرخ نگاہوں سے کیا دیکھ رہے ہیں؟؟ آیئے ٹوٹ پڑیں مجھ میں!! جب میری قسمت یہی ہے آپ کی شدتیں سہنا اس حویلی میں قید رہنا!! تو مجھے اپنی بدنصیب قسمت قبول ہے۔ اب نہیں ڈروں گی آپ کی سرخ آنکھوں سے!! تھپڑ کھالوں گی مگر خوف نہیں کھاؤں گی۔ پانچ مہینے دن رات آپ کو سہہ سکتی ہوں تو یہ بچہ پیٹ میں ہوتے بھی سہہ لوں گی۔

ارحام خانزادہ اپنے غصے اشتعال پر کنٹرول کیے اسے دیکھتے اپنی مٹھیاں بھینچے ہوے تھا۔

کچھ اور چاہیے آپ کو!! حور نے زخمی سا مسکراتے ہوے اپنی لہنگے کی سائیڈ زپ نیچے کھسکائی۔ وہ تھوڑا سا ڈھیلا ہوا تھا اب وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنے لہنگے کی ڈوریاں کھول رہی تھی۔۔

آپ جیسا خان کر بھی کیا سکتا ہے؟؟ صرف _____se اور آتا بھی کیا ہے آپ کو؟؟ آپ تو اتنے lusty ہیں اپنی وحشتیں برساتے میرے پیٹ میں اپنے بچے کو مار دیں آپ کو پتہ نہ چلے۔ وہ لرزتے ہوئے بولتے ہوئے اپنے لہنگے کی ڈوری کھینچ کر کھول چکی تھی۔۔ لہنگا اس کے بدن سے کھسکتے ہوئے نیچے ہوا تھا۔

اس کی آخری بات ارحام خانزاہ کے بدن میں شرارے دہکا چکی تھی۔ وہ بیڈ کی دوسری جانب جمپ کرتے ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔

حور اسی لمحے ارحام کو دیکھتے ہوئے خوف سے پیچھے کی جانب قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ لہنگا کھسکتے ہوئے نیچے ہو رہا تھا۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اس کا جبڑہ دبوچے ایک ہاتھ اس کے لہنگے پر جماتے اپنی ایک ٹانگ اس طرح اس کی ٹانگوں پر رکھ گیا کہ لہنگا نیچے نہیں اترا تھا۔

حور خوف سے اب ارحام کو دیکھ رہی تھی۔۔

کیا بکواس کی میرے بچے کے متعلق تم نے؟؟ارحام اس کا جبڑہ دبوچے غرایا۔ جتنا غصہ اشتعال اس کے اندر مقابل کی اس بات پر اٹھ رہا تو وہ وہی جانتا تھا۔ اپنے بچے کی ہی وجہ سے وہ اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچے ہوے تھا ورنہ جی کر رہا تھا اس کے جبڑے میں اپنی انگلیاں دھنسا دے۔

حور اب سٹل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

میرے اندر تمھارے لیے

lust

ہے۔میں اپنی حوس تم سے پوری کرتا ہوں تو اتنے دنوں سے کیا مجھے کیا چیز

کیا وجہ روکے ہوے ہے ؟!۔کیوں تمھارے بدن کا حصہ بنتے تم میں سمایا

نہیں ؟؟۔۔کتنی دیر لگتی ہے یہ سب کرنے میں ؟؟میں اتنا

lusty

ہوں پھر بھی تم پر اپنی بے

رحمانہ وحشتیں کیوں نہیں برسائیں ؟؟۔ہاں جواب دو مجھے !!کیا چیز مجھے

روکے ہوے ہے ؟؟ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچے غرایا۔

گل۔۔گل۔۔وجہ۔۔ہے۔وہ آپ کے بدن کی گرمی دور کر چکی ہے۔اور

آج اپنے بچے کی وجہ سے رکے ہوے ہیں۔وہ ارحام کا ہاتھ اپنے جبڑے سے

چھڑواتے دبی آواز میں چیخی تھی۔وہ بے حد نرمی سے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا اس لیے وہ اس کا مضبوط ہاتھ اپنے جبڑے سے ہٹا گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھے اب اسے گھور رہا تھا

Great!!

اس بچے کی اہمیت سے بخوبی واقف ہو تم!!ارحام استہزائیہ ہنسا۔

اپنی خوبصورتی سے بھی بخوبی واقف ہو!!یہ بھی جانتی ہو میں تمہارے لیے پاگل ہوں۔۔اگر میں یہ پاگل پن تمھارے لیے جتانا چھوڑ دوں تو پھر اسے میری مبت کہو گی تم!!ارحام نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔

پاگل پن تو کم ہو گا ہی جو مجھ سے چاہیے وہ گل سے مل جایا کرے گا۔اتنا تو مجھے یقین ہے گل آپ کو اپنے قابو میں رکھنے کے سارے ہنر آزمائے گی۔

محبوب بیوی رہ چکی ہے آپ کی!!یقیناً گھٹا کی طرح برستے رہیں ہوں گے اس پر۔ایسے ہی تو پریذے پہلے مہینے میں نہیں آگئی تھی۔حور ارحام کی آنکھوں میں دہکتے تپش زدہ لہجے میں بولی۔

ارحام خانزادہ جبڑے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔پریذے کا پہلے منتھ میں آنا بھی اس کا گناہ ٹھہرا تھا۔

اور اب تو اسے مزید ادائیں آگئی ہوں گی۔آخر دوسرا خان بھگتا چکی ہے۔حور ارحام خانزادہ کو دیکھتے ہوئے چٹختے اعصابوں سے تڑپتے ہوئے بولی۔

ارحام خانزادہ اس کی بات پر جاندار قہقہ لگا گیا۔حور کی آنکھوں میں شبنم کے ساتھ چنگاریاں بڑھیں تھیں۔

ارحام خانزادہ اسی لمحے اس سے دور ہوا۔

اس کا لہنگا نیچے کھسکا تھا جسے اب وہ اپنے ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔

ارحام نے دور ہوتے اپنی خوبصورت بیوی پر گہری نگاہ ڈالی۔ اگر وہ شیر تھا وہ سوا سیر تھی۔ شیر کی کھچار میں ہاتھ ڈالنے سے نہیں ڈرتی تھی۔ جان چکی تھی وہ شیر اس کا اسیر ہوتا اس کا غلام ہو چکا ہے غرانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکے گا۔

ارحام خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اسے محصور کر گیا تھا۔ وہ اب اپنا لہنگا ایک ہاتھ سے جکڑے ہوے تھی۔

لہنگا کیوں جکڑ رہی ہو ہونے دو زمین بوس!! تھوڑا نیچے ہو گا اوپر والے پردے اوپر نیچے والے پردے نیچے۔۔ تبھی تو میرے اندر کی

بڑھے گی۔ آنکھوں میں خمار اترے گا۔ تو یہ لہنگا نیچے گرنے دو!! جان من!!

تاکہ تم پر وحشتیں برسانے

کا مزا آئے۔ وہ گھمبیر آواز میں کہتے اس کے لہنگے میں اپنا ہاتھ الجھا گیا۔

حور نے خوفزدہ ہوتے اسے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔ وہ مزید مضبوطی سے اپنا لہنگا مٹھی میں جکڑ گئی تھی۔

تم نے گل کے بارے میں تم نے جو لفظ بولے ہیں!!

وہ آپ کی غیرت برداشت نہیں کر سکی۔ مگر سچ یہی ہے وہ بختاور خان کی بھی عورت رہ چکی ہے۔ حور اس کی بات کاٹتے گہرے سانس لیتے لرزتے لبوں سے بولی۔ مقابل کے لبوں سے گل کا نام برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

ارحام اس کے لرزتے لبوں اور بدن کی کپکپاہٹ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ لفظ بولتے کانپ رہی تھی۔ مگر دوسری عورت کا حسد اسے پاگل کیے ہوے تھا۔

حیرت ہے اب آپ کی غیرت کہاں گئی؟؟ دوسری بیوی کے لبوں سے غیر مرد کا نام نہ سننے والا ارحام خانزادہ اپنی پہلی بیوی کا اتنا بڑا عاشق نکلا کہ اس پر دوسرے مرد کی لگی چھاپ برداشت کر کے اسے اپنے نکاح میں لے آیا۔ میرے نزدیک آپ غیرت مند خان نہیں ایک بغیر۔۔۔. وہ بولتے ہوے یقدم رکی تھی۔

ارحام کا پھر سے جاندار قہقہ بلند ہوا تھا۔

وہ اس کے بلند و بانگ قہقے اور اپنی بات سے خوفزدہ ہوتے اپنے لبوں پر اپنا دونوں ہاتھ جما گئی تھی۔ لہنگا زمین بوس ہوا تھا۔ مقابل کی طرح اس کا قہقہ بھی خطرناک تھا۔

وہ دونوں ہاتھ لبوں پر جمائے اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔وہ اسے بغیرت خان کہنے والی تھی۔ پتہ نہیں اب وہ کیا سلوک کرے؟؟

اس کے چہرے پر خوف دیکھتے ارحام خانزادہ اب گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اس کے ہاتھ لبوں سے ہٹاتے بہت نرمی سے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے۔ حور نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔وہ اب جھکتے ہوے اس کا لہنگا اٹھاتے ہوے اوپر کی

طرف کرتے بہت نرمی سے زپ بند کرتے اس کی ڈوریاں بند باندھ گیا تھا۔اس کا بلاوز کندھوں سے اوپر کرتے اسے بازو سے جکڑے اپنے ساتھ لپٹا گیا۔وہ اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔

وہ بہت نرمی سے اس کی بلاوز کی ڈوریاں باندھ رہا تھا۔ وہ اس کے سینے میں سمائے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

کتنی بار یہ بلاوز اترا کتنی بار ان دھڑکنوں نے اس بلاوز کو جکڑا یہی حال لہنگے کا ہے۔ اوپر نیچے کرتے ہوے تمھاری رعنائیوں پر نظر پڑتے اس حوس ذدہ خان کی حالت کیا ہوئی ؟!۔ تمھیں کیسے بتاؤں ؟؟!! دل سے دھڑکن نکلنا صرف رہ گئی ہے۔۔ یہ حوس ذدہ خان کیسے خود پر قابو رہا؟؟ تم نہیں سمجھ سکتی !! وہ اس کی پشت ہاتھ پھیرتے گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔ وہ تھک سی چکی تھی۔ اتنے دنوں سے نفرت کرتے خود سے لڑتے اب اس ظالم کی پناہ پتہ نہیں کیوں سکون دے رہی تھی۔ اس کی جان لیوہ خوشبو سانسیں بند کر رہی تھیں۔

اگر میں ظالم ہوں تو تم بھی ظالم ہو۔ میرے ظلم کا حساب تم نے مجھے قطرہ قطرہ مار کر لیا ہے۔ سات مہینے بن آب مچھلی کی طرح تڑپا ہوں۔ تمھارے بنگلے کے باہر سات مہینوں میں گزری راتوں کا حال کیسے سناؤں تمھیں؟؟۔ تمھیں جب پورے پردے میں لپٹے ہوے دیکھتا تھا۔ خود پر قابو کیسے پاتا تھا کیا بتاؤں تمھیں؟؟ سات مہینے اپنا چہرہ تک نہیں دکھایا تم نے اس حوس میں لپٹے پہاڑی خان کو؟؟ ارحام اسے خود میں بھینچتے گھمبیر آواز میں بولتے ہوے اس کے کندھے پر اپنے دہکتے لب رکھ رہا تھا۔

خود آکر میرے قریب مجھے تڑپاتی رہی تم؟؟ چین سمو کر بنا دیا تم نے اس ظالم حوس زدہ خان کو؟؟ اس کے لبوں میں دہکتی تپش بڑھی تھی۔۔ حور کو اپنا کندھا جھلستا محسوس ہوا۔

آفس میں بلا کر میرے قریب آ کر میرے اندر جذبات جگائے پھر بھی تم سے دور ہو گیا تمھارا حوس ذدہ خان ؟؟ سوچا میری کیا حالت ہوئی۔ ؟؟ کیسے گزاری وہ رات میں نے ؟؟ تمھیں لے کر اتنی lust...y_ ہوں کہ کبھی بھی اپنی ضرورت اپنی طلب مٹانے کا غلط راستہ نہیں ڈھونڈا۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جاتی۔ !!

تم ظالم حسینہ کم بے وقوف حسینہ زیادہ ہو۔ جو اپنے اس حوس ذدہ خان کی خود کے لیے حوس کو سمجھ ہی نہیں سکی۔ وہ گھمبیر سرد آواز میں بولتے اسے سختی سے اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے اس کی کان کی لو دانتوں سے بے دردی سے کاٹ گیا۔ حور سسکی لیتے اس میں مزید سمائی تھی۔ اس کی لبوں کے لمس میں بھی اب سکون مل رہا تھا۔

ساری عمر تمھارا خان تمھارے لیے ایسا ہی رہے گا۔ چاہے یہ اوپر کا پردہ اوپر کی طرف کھسکے یا نیچے کا پردہ نیچے کی طرف یا پھر دونوں پردے نہ گریں۔ تم پورے پردے میں مجھے رات رات بھر جگانا جانتی ہو۔ تمھیں پردے میں دیکھ کر میرے اندر جتنی حوس بھرپا ہوتی ہے تمھاری سوچ ہے۔

جب بند کمرے میں ذرا سے بھی پردے گرے گے تو سوچو تم کیسے بچو گی مجھ سے۔۔

یہ خان اپنی خوبصورت بیوی کے لیے ہمیشہ ایسے رہے گا۔ چاہے جتنے مرضی طعنے دو۔ تمھیں دیکھتے ہمیشہ ایسے ہی بہکوں گا۔ تمھارے شکوے ناراضگیاں پہلے میرے لب میرا لمس مٹائیں گے۔ ارحام گھمبیر آواز میں بولتے اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کے ہونٹوں پر جھک گیا۔ وہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس کے لبوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

وہ اسے بغیرت خان کہنے والی تھی وہ اب اپنے لفظ کی جیسے بھرپائی کر رہی تھی۔ حور اس کی نرم گرم شدت پر اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔ کچھ وہ سچ میں تھک چکی تھی اسے سکون چاہیے تھا اور سکون صرف اس بے رحم خان کے پاس تھا۔ اس کی ظالم شدتوں میں نہ صیح اس کے چوڑے سینے میں تو تھا۔ اس کی خوشبو میں تو تھا۔

وہ اس کے لبوں سے ہوتا اس کی ٹھوڑی اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس اس کی بلاوز کے اوپر لب رکھتے اس کے برہنہ دھڑ کنوں پر لب رکھ رہا تھا۔ حور بحال ہوتے گہرے سانس لے رہی تھی۔ مقابل کی نرمی سے بھی اس کی سانسیں اکھڑتی تھیں۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے اب نرمی سے اس کے پیٹ کو اپنے بوسوں سے جھلسا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اس کے پیٹ پر اپنے لب رکھتا رہا۔ حور ابھی بھی

آنکھیں میچے ہوے تھی۔ ارحام خانزادہ نے اٹھتے ہوے اسے دیکھا جو آنکھیں میچے گہرے سانس لے رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے یکدم گود میں اٹھا گیا۔۔ حور نے آنکھیں کھولتے خوف سے اسے دیکھتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی۔ وہ اسے مزید اوپر کو اٹھائے اس کے لبوں پر اپنے لب نرمی سے رکھ گیا تھا۔

وہ اسے اٹھائے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔ ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے حور کی آنکھیں تحیر سے بھیلی تھیں۔

وہ بے یقینی سے ڈریسنگ روم کو چاروں طرف سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ کھل گئی تھیں۔ ارحام خانزادہ اس کی حیرانگی دیکھتے ہوے اسے نیچے اتار گیا۔

حور چاروں اور دیکھتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔ اسے یہ دیکھتے سانس لینے میں دقت ہوئی تھی۔

ارحام خانزادہ صوفے پر بیٹھتے ہوے سگریٹ سلگائے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا گیا۔

اب وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنی بیوی کو سرد شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

حور ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

کیا ہوا میری خوبصورت ظالم حسینہ !! ارحام خانزادہ سگریٹ کا دھواں چھوڑتے سرد آواز میں بولا۔

ارحام کی سرد برفیلی آواز پر حور کی رنگت سرخ ہوئی تھی

اب کیا کہیں گی آپ؟؟کیسے مداوہ کریں گی اپنے لفظوں کا؟؟جو تماشہ میرا لاونج میں بنایا۔اپنے خوبصورت جسم کی نمایش کی؟؟اس کی بھرپائی کیسے کریں گی آپ؟؟ارحام خانزادہ اب اپنی ٹانگ پر ٹانگ رکھے حور کے قیامت خیز بدن کو اوپر سے نیچے گھورتے ہوے غرایا۔

ارحام کی غراہٹ پر اس کا جسم کپکپا اٹھا تھا۔ارحام!!حور اسے بھیگی آواز میں پکارتے پیچھے کو ہوتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

جو تم نے کیا ہے اس کا مداوہ اب آسان نہیں ہے!!اس لیے پیچھے نہیں آگے آؤ میرے پاس آؤ میری لیپ پر بیٹھو!!وہ سرد حکمیہ لہجے میں غرایا۔

حور نے بے بسی سے اس پہاڑی خان کو دیکھا تھا۔

Come baby sit on the my lap

حور دیوار میں سمائے بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

Come

وہ اب دھاڑا تھا۔ حور اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے جلدی سے اس کی طرف بڑھتی اس کی لیپ پر بیٹھی۔

ارحام خانزادہ اس کی کمر کو جکڑے اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا

کیا سزا ہونی چاہیے تمھاری؟؟ کہاں اپنی سفاکی دکھاؤں؟؟ تمھارے لبوں پر یا پھر تمھاری گہرائیوں پر؟؟ ارحام اس کے خوبصورت نقوش پر سلگتی سانسیں چھوڑتے ہوئے برفیلے لہجے میں بولا۔

کک کہیں بھی نہیں!! حور نے گہرا سانس لیتے بمشکل کہا۔

کیوں؟؟میں تو

lusty khan

ہوں کیا میں تمھیں چھوڑ سکتا ہوں وہ بھی دلہن کے اس لباس میں!!جو تم نے میرے لیے خریدا تھا۔ارحام خانزادہ نے اس کے ناف پر انگلی گھماتے اس کے لہنگے کی سائیڈ زپ کھولی۔۔

حور کی سانسیں سینے میں دبتی خاموش ہوئی تھیں۔

ارحام!!حور اس کے لیپ سے گھبراتے ہوے اٹھی۔

کیا ہوا؟؟ارحام معنی خیزی سے پوچھتے اسے کلائی سے جکڑ کر پھر سے اپنی لیپ پر بٹھا گیا تھا۔

حور سرخ گلاب ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے نظریں جھکا گئی تھی۔

چلو اٹھو ان لبوں کو سرخ رنگ سے سجا کر میرے پاس آؤ!! ارحام خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑے سرد لہجے میں حکم دیا۔

ارحام!! حور نے بے بسی سے اسے پکارا۔

Just do it jaan

ارحام خانزادہ نے اس کی طرف دیکھتے دانت پیسے تھے۔

حور اس کی آنکھوں کی سرخی سے گھبراتے ہوئے اس کی لیپ سے جلدی سے اٹھتی وال گیر ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی۔ اس کی لیپ پر بیٹھنا زیادہ خطرے کی علامت تھا۔ وہ ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی۔ جہاں اس کا میک

اپ سیٹ تھا۔ حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے سے مرر میں دیکھتے ریڈ لپ سے اپنے ہونٹ سجائے۔۔ ارحام کی نگاہیں اپنی پشت پر محسوس کرتے وہ مزید لذز رہی تھی۔ لہنگب پھر سے نیچے کھسک رہا تھا۔ حور اپنے کانپتے ہاتھ سے لہنگا جکڑ گئی تھی۔

Dont hoor dont

ابھی تو یہ پردے گریں گے میری جان!! میں تمھیں اوپر سے نیچے دیکھوں گا اس لیے

shy wife

کی طرح

pretend

مت کرو!!جو تم نے لاونج میں کیا تم ایک

shy wife

نہیں رہی۔اب تو اصل بے باکی اور بے رحمی کا کھیل کھیلنے کا مزا آئے گا۔ارحام کی بات پر حور روہانسے ہوتے لب بھینچ گئی تھی۔پانچ مہنے کونسی بے باکاقی اور بے شرمی نہیں دکھائی تھی اس خان نے۔کہاں شرمانے دیتا تھا؟؟۔جب ایک کونے سے دوسرے کونے میں اسے لے جاتے بے رحمی دکھاتا تھا۔تمام ایل ای لائیٹس تک ان رکھتا یہ ظالم بے باک بے رحم خانزادہ۔۔حور اپنے لبوں پر لپ سٹک لگائے روہانسے ہوتے سوچ رہی تھی۔۔

حور اپنے لبوں کو سرخ رنگوں سے رنگتی ارحام کی طرف بڑھی

ارحام خانزادہ نے بے باک ذو معنی اشارہ اپنی لیپ کی طرف کرتے اسے آئی برو اچکاتے بیٹھنے کو کہا۔

حور اس کے بے باک اشارے پر روہانسی ہوتے اس کی گود میں بیٹھی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس ہونٹوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسوں میں اپنی سگریٹ کی مہک اتارنے لگا۔۔

حور اس کی شرٹ جکڑے اس کی سانسوں کی مہک اپنے اندر اتار رہی تھی۔ ارحام لمحوں میں اس کی سرخی چرا گیا تھ۔ آزادی ملنے پر وہ بے حال ہوتے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔

ارحام خانزادہ نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے اسے اپنے ساتھ لگا گیا تھا۔

اپنے لبوں کو پھر سے سرخ رنگ سے سجاؤ!!ارحام کے حکم پر حور نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ مگر وہ تو سیریس تھا۔

ارحام!!حور کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔

نو ارگیومنٹس حور!!جو کہا ہے وہ کرو۔ارحام کے سرد لہجے پر وہ اسی لمحے اس کی لیپ سے اٹھتے ہوے ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھتے لپ سٹک اٹھاتے اپنے لبوں پر لگانے لگی۔

وہ لپ سٹک لگا کر ارحام کی طرف پلٹی۔وہ صوفے سے ٹیک لگائے اس کے جسم کو گہری بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

Take off your lehnga jaan!!

ارحام کے حکم پر حور کی رنگت سرخ قندھاری ہوتے سانسیں رکی تھیں۔

کیا ہوا رنگت کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟؟ باہر تو یہ لہنگا اتار رہی تھی۔ ارحام کے سپاٹ لہجے پر حور نے اسے اب شرربار نگاہوں سے دیکھا۔ وہ مزید مقابل کی بے باکی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مقابل کی کمزوری اس کے پیٹ میں پرورش پا رہی تھی۔

دوسرے لمحے حور نے ہاتھ میں پکڑی لپ سٹک سامنے دیوار پر دے ماری ۔لپ سٹک دیوار سے لگتی ارحام کے کندھے پر آ کر لگی تھی۔۔ حور ارحام کو گھورتے ہوئے اپنے لہنگے کی سائیڈ زپ اوپر کر گئی تھی۔ لہنگے کی ڈوریاں مزید کس کر باندھی تھیں۔

اس کے انداز پر ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔ وہ اپنی اداؤں شعلہ بار روپ سے مزید خود کے لیے اسے پاگل کر گئی تھی

حور گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

ارحام اپنے لندہ بانگ قہقے پر قابو نہ پا سکا تھا۔

افففف۔۔۔وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا تھا۔

حور اسے شرربار نگاہوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی تھی۔

ارحام صوفے سے اٹھتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جما گیا تھا۔

حور اس کے حصار میں جھٹپٹائی وہ اس کی دھڑکنوں پر ہاتھ جماتے مزید اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ مائی لیڈی لو!!مائی بچہ!!ارحام نے اسے مرر میں دیکھتے کہا تو حور کی آنکھیں شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔

وہ اسے سیدھا کیے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

اس ڈریسنگ روم میں تمھاری تصویریں نہیں حور! میرے دل میں بھی صرف تمھاری تصویر ہے۔ ارحام خانزادہ اس کے ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلیوں پر لب رکھ گیا تھا۔

حور نے پھر سے ڈریسنگ روم کے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں جہاں اس کی تصویریں ہر طرف دیوار پر سجی تھیں۔

قسم کھاتا ہوں خدا کی!! میری زندگی میں تمھارے علاوہ کوئی عورت نہیں۔۔ نہ کبھی ہو سکتی ہے۔۔ کسی عورت کو سوچنا بھی میں اپنی مردانگی کی توہین سمجھتا ہوں۔

میری سوچوں پر میرے دل میری روح میں میری رگوں میں دوڑتے خون میں صرف تم ہو حور!! کیسے وہ گل ہو سکتی ہے؟؟ وہ اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں شدت سے چومتے ہوئے بھاری آواز میں بول رہا تھا۔

مجھے اس دن راستے میں گل ملی تھی۔۔اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی۔میں نے اسے لفٹ دی حور!!مجھ سے غلطی ہو گئی حور!!مجھے اسے لفٹ نہیں دینی چاہیے تھی۔۔اس بات نے تمھیں اتنا ہرٹ کیا۔مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے؟؟کسی عورت کے ساتھ ہمدردی نہیں کرنی چاہیے کسی بھی مرد کو۔جو اس کی عورت کو تکلیف دے۔

وہ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر نہیں بیٹھی تھی حور!!وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔۔

میں نے ایک نظر اس کی طرف نہیں دیکھا۔۔نہ کبھی دیکھ سکتا ہوں۔۔اس لیے نہیں وہ میری بیوی رہ چکی ہے۔بلکہ اس لیے وہ ایک پرائی غیر عورت ہے۔اس دوران پریذے کا فون آ گیا۔مجھ سے بہت بڑی غلطی یہ ہو گئی میں

نے وہ ویڈیو کال ریسیو کرلی۔ گل نے مجھ سے میرا موبائل چھین لیا تھا مجبوراً مجھے پریذے سے بات کروانا پڑی جان!

میں بہت ڈر گیا تھا پریذے تمھیں نہ بتادے۔ تمھاری ناراضگی سے ڈر گیا تھا حور!! تم ہرٹ نہ ہو اس لیے ڈر گیا تھا حور!! یقین مانو گل میری زندگی میں کہیں نہیں ہے۔۔

پریذے نے تم سے کل جھوٹ بولا!! اس میں بھی میری غلطی ہے۔ ایک مرتبہ پہلے میں نے اس سے جھوٹ بولنے کو کہا تھا جب تم نے پریذے سے فون پر پوچھا تھا پلے لینڈ گل بھی ساتھ گئی تھی۔۔ تب صرف تمھیں جیلس کروانا چاہتا تھا۔ تاکہ تم جیلسی میں میرے پاس آجاؤ۔

ارحام نرمی سے بولتے اس کی ہتھلیاں اپنی آنکھوں سے لگا گیا۔۔

حور اسے نم زدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ارحام اس کا ہاتھ پکڑے اسے اب صوفے پر بٹھا گیا تھا۔ خود پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے قدموں میں بیٹھا۔

گل میرا کل تھا حور!! تم میرا آج اور مستقبل ہو! تمھیں کیسے بتاؤں تمھیں کیسے سمجھاؤں؟؟۔۔ میں نے گل سے محبت کی شادی کی تھی۔ پانچ سال وفا نبھائی اس سے۔۔ مگر اس بھرے جرگے میں اسے طلاق دے بیٹھا۔ جو میں اسے دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ میری بیٹی کی ماں تھی میرے لیے تعظیم کے قابل تھی۔۔ مگر حور میں اسے طلاق دے بیٹھا۔

تم میں اور گل میں ایک فرق واضح ہے!! جو گل نے کیا کل کو تم میرے ساتھ کرو۔۔ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لو۔ تمھارے لیے طلاق کے تین لفظ نہیں بول سکتا۔ تمھیں جان سے تو شاید مار سکتا ہوں مگر تم پر اپنا حق کبھی ختم

نہیں کر سکتا۔ اتنا شدت پسند ہوں تمھیں لے کر۔۔ گل محبت تھی میری۔

۔تم پاگل پن ہو۔ عشق ہو میرا!! میری زندگی میری سانسیں ہو۔ میرا خمار

میری طلب میری ضرورت ہو۔۔ اور گل سے پتہ نہیں محبت بھی کی تھی کہ

نہیں۔۔ یہ احساس بھی صرف تمھیں پا کر جانا ہے۔ کوئی انسان اپنی دسترس

میں ہو پھر بھی اس کے لیے تڑپا جا سکتا ہے یہ تمھیں پا کر پتہ چلا۔ پانچ مہینے تم

میرے بدن کا حصہ بنی رہی مگر پھر بھی تمھارے لیے تڑپتا تھا۔ تم سو جاتی

تھی تمھیں دیکھتا رہتا تھا۔ تمھیں کھونے سے ڈرتا تھا۔ ارحام خانزادہ نے

اس کے عارض پر اپنا ہاتھ رکھا۔

حور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ جما گئی تھی۔

آج بھی ڈرتا ہوں حور!! تم ارب پتی باپ کی بیٹی ہو!! میں ڈر جاتا ہوں

حور! دنیا کی کوئی طاقت تمھیں مجھ سے چھین نہ لے کہیں۔۔ میں دنیا کی ہر

طاقت سے لڑ سکتا ہوں۔ مگر یہ جو ڈر ہے ناں تمھیں کھونے کا۔ یہ ناسور کی طرح جکڑے ہوے ہے مجھے۔

تم سلطان شاہ کے ساتھ کھانے پر گئی۔ کچھ گھنٹوں میں جیتا مر تا رہا حور!! ارحام اس کی لیپ چومتے ہوے اس پر سر رکھ گیا تھا۔

حور کی کپکپاتی انگلیاں اس کے گھنے بالوں کو چھو گئی تھیں۔۔

مجھے چھوڑ کر مت جانا حور!! خود پر کسی کی نظر مت پڑھنے دینا۔۔ صرف میری بن کر رہو حور!! وعدہ کرتا ہوں تم جیسا چاہو گی ویسا بن جاؤں گا۔ مگر آیندہ ایسے خود کو عیاں مت کرنا کسی کے سامنے!! چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو!! ارحام اس کی گود سے سر اٹھاتے التجائیہ لہجے میں بولا۔

حور نے روتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

یہ آنسو مت بہاؤ! یہ صرف میری قربت میں بہتے اچھے لگتے ہیں۔

ارحام خانزادہ نے مسکراتے ہوئے اس کے عارض پر بہتے آنسو صاف کیے ۔حور اس کی بات پر مسکراتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔

ویسے میری قربت تمھیں بہت ناگوار گزرتی ہے۔کیوں مجھ سے بچتی ہو اتنا؟؟۔اب تو میں تمھیں ہرٹ بھی نہیں کرتا۔ارحام نے وہ سوال پوچھا جو اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔

پسندیدہ مرد کی قربت کبھی ناگوار ہو سکتی ہے بھلا؟!۔آپ کی قربت تب بھی ناگوار نہیں گزری جب سفاک تھے بے رحم تھے میرے لیے۔محرم ہیں میرے!!مجھے پناہ دی آپ نے؟؟ محفوظ چھت دی تھی آپ نے۔۔ کبھی مجھے کسی حالت میں خود سے دور نہیں جھٹکا۔ کبھی اپنے گھر والوں کے سامنے مجھ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ صرف آپ کی شدتیں

سفاک تھیں ارحام! بُرداشت نہیں ہوتے تھے آپ۔ آج بھی نہیں ہوتے ۔ آیندہ بھی نہیں ہوں گے۔ حور نظریں جھکائے بھیگے لہجے میں ہچکی لیتے بولی۔

برداشت تو کرنا پڑے گا ناں!! ارحام خانزادہ نے گھمبیر آواز میں کہتے ہوے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔۔

کرو گی ناں برداشت مجھے!! ارحام خانزادہ بے چین لہجے میں استفسار کر گیا۔

حور نے ارحام خانزادہ کی طرف بھیگی آنکھوں سے. دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

ارحام زمین سے اٹھتے اسے اسے گود میں اٹھائے بیڈ ڈریسنگ روم سے نکلتا بیڈ کی جانب بڑھا۔

حور اس کے گلے میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔ ارحام سکراتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔

اسے بیڈ پر لٹائے اپنی شرٹ اتارتے اس پر جھکا۔

حور ارحام خانزادہ کے شرٹ لیس سینے پر انگلیاں پھیرتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔

ارحام خانزادہ نے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھے تحور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا جو اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا

تم بے حد خوبصورت ہو میری جان!! مگر آج بے حد خوبصورت لگ رہی ہو اتنی کہ میں بتا نہیں سکتا۔ تمھیں پا کر جنت کی حوروں کی بھی تمنا نہیں رہی۔ وہ اس کے گلاب عارض پر انگلیاں پھیرتے گھمبیر آواز میں بولا۔

ارحام آئی ایم سوری!! میں نے جو آج کیا؟؟ آپ سے اتنا کچھ چھینا۔ حور نے بھیگے لہجے میں کہا۔ ارحام اس کی بات پر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

تم نے چھینا نہیں حور!! تم نے مجھے جو دیا ہے وہ تم کبھی نہیں جان سکتی!! فرشتے سے اس ذلیل شاہ نواز کی جان چھڑوائی۔ تمھارے قدم میری حویلی میں پڑے۔ فرشتے پر ہر کالا سایہ دور ہو گیا۔ اسے ماں بننے کا سکھ ملا۔ حیدر خان بہت اچھا انسان ہے۔ تم نے مجھے خود کو دیا۔ میری حور دی۔ اور اب جو تم دینے لگی ہو اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے بھلا!! ارحام اس کے لبوں پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے بولا۔

آپ آج اپنے بچے کا سنتے میرے پاس آئے ارحام۔ ورنہ میں بھوکی بھی رہتی آپ نے کمرے میں نہیں آنا تھا۔

حور کے شکوے پر ارحام کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

جانتا تھا میری حور یہ شکوہ ضرور کرے گی۔ ارحام شرارتی انداز میں بولتے اسے کی دھڑکنوں کو ہاتھوں سے چھو گیا تھا۔

کیا یہ سچ نہیں ہے!! وہ ارحام کو خود سے دور دھکیلتی اٹھ کر بیٹھی تھی۔ ارحام بھی بیٹھتے اس کے بیٹ پر ہاتھ جمائے اس کی بلاوز کی ڈوریاں کھینچتے اس کی کمر پر دہکتے لب رکھ گیا۔ اس کے لمس پر حور نے آنکھیں میچے گہری سانس لی تھی۔

بہت اوپر نیچے کرتی رہی یہ پردے اب اور نہیں۔۔ اب یہ پردے صرف سرکیں گے۔۔ اب میں پورا ہفتہ کمرے سے نہیں نکلنے والا اور نہ تمھیں کچھ پہننے دوں گا۔ وہ بے باکی سے کہتے اسے نرمی سے تکیے پر دھکیل گیا تھا۔

ارحام!! حور اس کی سرخ نگاہوں کو دیکھتے گھبرائی تھی۔

نہیں جان۔۔اب اور دور نہیں رہ سکتا آج تو تمھیں مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔ارحام حور کا بلاوز تن سے جدا کر گیا تھا۔

حور گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کر گئی

ارحام خانزادہ اس کی بانہیں نرمی سے اپنے گلے سے الگ کرتے اس کی کلائیاں نرمی سے جکڑے تکیے پر پن کر گیا تھا۔

ارحام مم میں پریگننٹ ہوں!!حور نے گہرے سانس لیتے گھبراتے ہوے کہا۔

تو ات

اٹھخ پٹخ کم ہو گی۔اس کونے سے اس کونے میں آج نہیں صرف اس بیڈ پر تم پر قہر بن کر ٹوٹوں گا۔ارحام شرارتی لہجے میں کہتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرایا تھا۔

قہر بن کر ٹوٹیں گے ابھی بھی؟؟حور نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

تم پر نرمی سے بھی برسوں گا تمھیں قہر ہی لگے گا!!میری خوبصورت نازک بیوی۔اب مجھے برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ارحام گھمبیر آواز میں بولتے اس کی لہنگے کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا۔ارحام نے اس کے لہنگے کی ڈوریوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے کھولنے کی کوشش کی۔جو کھل نہیں رہی تھی۔ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے ڈوریاں کھینچی۔جو مزید ٹایٹ ہو گئی تھیں۔

یہ کیا ہے حور؟ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے پوچھا

ارحام خانزادہ کی جھنجھلاہٹ دیکھتے حور نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی

پت نہیں ارحام! اندر ڈوریاں باندھی تھی لگتا ہے ٹایٹ ہو گئی۔۔ حور نے اس کی جھنجھلاہٹ دیکھتے معصومیت سے کہتے لب دانتوں تلے دبایا۔

کیا مصیبت ہے؟؟۔ ارحام خانزادہ نے غصے سے دانت پیستے ہوے گرہ کھولنے کی کوشش کی جو کھل نہیں رہی تھی۔

ارحام کا سرخ چہرہ دیکھتے حور نچلا لب مزید سختی سے دانتوں تلے دبا۔ گئی تھی۔۔ وہ جھنجھلاتے ہوے اسے بہت جان لیوہ لگا تھا۔ وہ اتنا بے تاب ہو رہا تھا۔ ارحام کی بے تابی محسوس کرتے حور کی دھڑکنوں میں بھونچال مچا تھا۔

تم نے میری جان کم نکالی ہے جو اب یہ ڈوریاں نکال رہی ہیں۔ ارحام خانزادہ حور کی طرف دیکھتے غرا اٹھا تھا۔

یہ ڈوریاں کہہ رہی ہیں۔ آپ مجھ سے دور رہیں۔ حور نے آہستگی سے کہتے اس کی سرخ خمار زدہ آنکھوں میں دیکھا۔

خبردار خود سے دور کرنے کی بات کی جان سے مار ڈالوں گا تمھیں۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں دانت پیستے غرایا۔

حور اب نچلا لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکا گئی تھی۔

ارحام جھنجھلاتے ہوئے ڈوریاں کھول رہا تھا جو کھل ہی نہیں رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے جھکتے ہوئے دانتوں سے ڈوری کھولنے کی کوشش کی۔ ڈوری پھر بھی نہیں کھلی تھی۔ ارحام نے گہرے سانس لیتے سرخ سرد نگاہوں سے حور کی آنکھوں میں دیکھا۔ اتنی محنت کبھی مجھ سے کروائی۔ جتنا آج کروا رہی ہو۔ انتہائی گھٹیا لباس ہے یہ۔ ارحام بری طرح جھنجھلایا تھا۔

محنت تو آج بھی کم ہی لگنی تھی اگر آپ دماغ سے سوچتے۔۔ حور اس کی گردن میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

حور نے مسکراتے ہوے اپنا لہنگا اوپر کی جانب کھسکایا۔

ارحام خانزادہ اس کی طرف بے باکی سے دیکھتے حور کے ایکٹ پر حیران ہوا۔

حور اسے دیکھتے آنکھ ونک کرتے مسکرائی تھی۔

حور کی ادا پر ارحام خانزادہ کا کمرے میں بلندہ بانگ قہقہ گونجا تھا۔

حور بھی اس کے قہقے کا ساتھ دیتے کھکھلائی تھی۔۔

صیح کہتے ہیں عورت دماغ دل سب بند کر سکتی ہے۔اور پسندیدہ عورت سامنے ہو مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔ارحام گھمبیر آواز میں بولتے اس کا لہنگا مزید اوپر کھسکا گیا تھا۔

حور اس کے ساتھ لپٹتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔

آجازت ہے جان!!تم میں سما کر سرور کی وہ کیفیت حاصل کروں۔جو اس جہاں میں میرے لیے کسی چیز کسی رشتے میں نہیں۔ارحام نے گھمیر آواز میں بولتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آجازت چاہی تھی۔

حور نے اثبات میں سر ہلاتے ارحام کے لبوں میں اپنے لب پیوست کیے تھے۔ارحام اس کے ایکٹ پر سٹل ہوا تھا۔وہ اس کے ہونٹوں کو بہت شدت سے چومتے ہوے اس کے لبوں کو دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ کی دھڑکنیں آج پہلی مرتبہ مقابل کی دھڑکنوں میں بج رہی تھی۔وہ اتنی شدت سے کبھی اس کے ہونٹوں کو چومے گی یہ گمان تو کبھی نہیں کیا تھا۔

وہ ارحام کو خود سے دور دھکیلتی تکیے پر کر گئی اور اس کے اوپر آتے ارحام کی گردن میں اب شدت سے دانت گاڑھنے لگی۔۔ارحام خانزادہ بے یقین تھا۔بلکہ دل کی دھڑکنیں بہت بے ترتیبی سے دھڑک رہی تھی۔وہ اس کی گردن پر لوبائیٹس بنارہی تھی۔وہ اس کے ہر ایکٹ پر پاگل ہو رہا تھا۔

یو نو واٹ ؟؟ آپ کسی کام کے نہیں رہے مسٹر خان ؟!پ کا دل دماغ سب بند ہو چکا ہے۔حور نے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔ارحام نے اس کی سرگوشی پر اسے بازو سے جکڑے اسے اوپر کرتے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔۔حور نے سائیڈ ڈرار سے قینچی نکالتے اپنے لہنگے کی

ڈوریاں سرے سے کاٹی تو ارحام خانزادہ کا ایک بار پھر بلند و بانگ قہقہ گونج اٹھا تھا۔۔اس کی حور کی یہ سائیڈ بھی تھا اسے تو معلوم ہی نہ تھا۔

حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سرخ پڑتے مسکراتے ہوئے اس پر جھکی۔

میں چاہتی ہوں !میں ہمیشہ آپ کی پسندیدہ عورت بن کر رہوں

ارحام !!میری جو سائیڈ آپ کو پسند میں ویسے بن جاؤں۔۔ آپ کو میرا بے باک انداز پسند ہے۔ میں اپنا ڈر شرم سائیڈ پر رکھ کر ویسی عورت بن جاؤں گی۔ کیونکہ میں آپ سے شدید محبت کرتی ہوں ارحام !!حور اس کے سینے سے لپٹتے بھیگی آواز میں سرگوشی کر گئی تھی

ارحام خانزادہ اسے خود کے نیچے کرتے ہوئے اس پر آیا۔

تم صرف میری بن کر رہو حور!! مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ تمھیں میری قربت میں بے باک بننے کی ضرورت نہیں۔ تم صرف میری قربت میں مسکرایا کرو!! مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ وہ اس کا لہنگا اتارتے ہوے ریموٹ سے کمرے کی تمام لائٹس آف کر گیا تھا۔ سائیڈ لیمپ کی لائٹس جلاتے ہوے وہ اپنے اور اس کے درمیان ہر پردہ کھسکاتے خود پر کمبل اوڑھتے ہوے اس کے بدن کا حصہ بنا تھا۔ حور آنکھیں میچے اس کی چوڑی پشت پر اپنا حصار مضبوط کر گئی تھی۔۔

ارحام اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں پیوست کیے اس پر اپنی نرم گرم شدتیں ڈھانے لگا۔ کمرے میں مدھم سانسوں کا اب رقص گونجتے گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔

ارحام!! حور نے سسکی لیتے اسے پکارا۔

جی جان ارحام!! ارحام خانزادہ نے اس کی پیشانی پر چمکتی پسینے کی بوندوں کو اپنے لبوں سے چنا۔

اور برداشت نہیں کر سکوں گی۔ حور نے ملتجی لہجے میں کہتے اسے پکارا۔

آج میری پناہوں سے آزادی نہیں ملنے والی جان!! تھوڑی دیر رہائی ضرور ملے گی۔ وہ اپنی شدتوں میں تھوڑی تیزی لاتے اپنی تشنگی اس پر اتارتے اسے اپنے سینے سے لپٹائے تکیے پر سر رکھتے آنکھیں موند گیا تھا۔ حور اس کے چوڑے سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔

ہمیشہ کی طرح وہ اس کا وجود پوری طرح اپنے سینے پر منتقل کرتے اسے خود کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا گیا۔ حور نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ بے رحم خان کی پناہوں میں آگئی تھی۔ وہ اب کہاں اسے اپنی پناہوں سے آزاد

کرنے والا تھا۔ وہ اس کے چٹانی سینے پر سر رکھے آنکھیں موند گئی تھی ۔ جہاں اس کے لیے سکون ہی سکون تھا۔

زرمش خان نے اپنے چکراتے سر کو جکڑتے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ اس کا پورا وجود پسینے سے شرابور تھا۔ آریان خان کے میڈیسن کھلانے کے بعد اب ہوش آیا تھا۔ اس نے کمرے کی گلاس ونڈو کی طرف نگاہیں دوڑائیں جہاں بارش زوروں پر برستی نظر آرہی تھی۔۔ گلاس ونڈو سے نظر آتے سامنے اونچے پہاڑوں پر ٹمٹاتی روشنیاں بھی جگمگاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

زرمش اپنے چکراتے سر کو جکڑتی گلاس ونڈو کی طرف بڑھی۔۔ گلاس ونڈو سے نظر آتا ہیبت ناک منظر مزید واضح ہو گیا تھا۔۔ ونڈو سے حویلی کا لان

نظر آیا جو گھنے جنگل کی مانند تھا۔۔لان جیسے میلوں پر پھیلا تھا اتنا بڑا لان وہ حیران ہوئی تھی۔ سامنے ایک بہت بڑی انیکسی بنی نظر آ رہی تھی۔۔ جس کی چھت لوہے کی چادروں پر مشتمل تھی۔۔ برستی بارش کا ساونڈ اس چادر پر گرتا بہت خوفناک محسوس ہو رہا تھا۔

یہ حویلی ان لوگوں کی حویلی سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ چاروں اور پہاڑوں میں گری حویلی اس وقت بہت ہیبت ناک معلوم ہو رہی تھی۔ بلکل اس انسان کی طرح جس کی سبز آنکھیں تھیں۔

!!دہشت لفظ بھی مجھ سے خوف کھاتا ہے؟؟ تمھارے لالا اور اپنے سامنے کھڑی ہوئی کسی بھی طاقت کو چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دوں۔ میری پاور ابھی تم جانتی نہیں!!

آریان خانزادہ کے لفظ یاد آئے تو وہ کانپتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

اتنا ڈر اتنا خوف اسے اس دہشت ناک حویلی کی برستی بارش کی تاریکی سے محسوس نہیں ہو رہا تھا جتنا اس انسان کا سوچتے ہوئے محسوس ہو رہا تھا۔

زرمش نے اپنی گردن کو جکڑا اسے حلق میں کانٹے سے پیوست ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ کمرے میں الیکٹرک ہیٹر آن تھا۔ کمرا اچھا خاصہ گرم ہو چکا تھا۔ اس کے کپڑے پسینے سے شرابور اس کے بدن کے ساتھ چپکے تھے۔۔ زرمش نے کمرے میں پانی کی بوتل تلاش کرنا چاہی جو وہ بے رحم انسان رکھ کر گیا تھا۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھی۔ پانی کی خالی بوتل بیڈ پر پڑی تھی۔ زرمش نے جلدی سے وہ بوتل اٹھا کر لبوں سے لگائی تاکہ پانی کی ایک بوند کو ہی وہ حلق سے اتار کر اپنا خشک گلہ تر کر سکے۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے خالی بوتل کو لبوں سے لگائے ہوئے تھی جس میں ایک بوند تک نہ تھی۔

زرمش نے گہرے سانس لیتے روتے ہوئے وہ پانی کی بوتل زمین پر مارتے

ہوے دونوں ہاتھوں سے گلہ جکڑا۔ جہاں کانٹے پیوست ہوتے اسے ہلکان کر رہے تھے۔

وہ بھاگتے ہوے واش روم کی طرف بڑھی۔ جدید خوبصورت وینٹی کے ٹیب کو کھولنے کی کوشش کی۔ جو اس سے کھل ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹیب کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس سے نہیں کھلا تھا۔

آہہ۔۔۔۔۔ وہ ٹیب پر پوری قوت سے اپنا کپکپاتا ہاتھ مارتے ہوے رو پڑی تھی۔ آج صبح ہی تو اس نے یہ ٹیب کھولا تھا اب اس سے کیوں نہیں کھل رہا تھا۔ وہ روتے ہوے جھنجھلائی تھی۔

وہ بھاگتے ہوے اس جدید خوبصورت واش روم کے خوبصورت باتھ کیبن کی طرف بڑھی۔ جہاں والگیر بے حد خوبصورت بلیک کلر میں جدید لگژری شاور نصب تھا۔ جس میں مختلف ٹیب اور بٹن تھے۔ زرمش نے تمام

بٹن اور ٹیب پر جلدی سے ہاتھ مارتے انھیں آن کرنا چاہا۔ جو اس سے آن نہیں ہوے تھے۔ وہ لرزتے روتے بدن اور کپکپاتے ہاتھ شاور کے ہر بٹن اور ٹیب پر مارتی جا رہی تھی۔ یکدم شاور آن ہوتے اسے مکمل بھگو گیا تھا۔ وہ شاور کے نیچے کھڑے آپنے لب وا کرتے شاور سے گرتی پانی کی بوندوں کو حلق میں اتارنے لگی۔ یکدم وہ گہرے سانس لیتے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے گلاس کیبن کے ساتھ جا لگی تھی۔۔ پانی سے خشک حلق تر ہوا تھا۔ وہ گلاس کیبن کے ساتھ لگے آنکھیں میچے ہوے تھی۔ سامنے نصب لگزری شاور سے پانی اس پر بوچھاڑ کی طرح برس رہا تھا۔

!! تمھارا الا ہی تمھارے وجود میں گولیاں اتارے گا تم دیکھنا۔ کتنی راتیں باہر گزار چکی ہو؟!۔۔ کس کس رات کا حساب دو گی؟؟۔ اب تو ایک رات میرے ساتھ بھی گزار چکی ہو کیا جواب دو گی کون ہوں میں تمھارا؟؟!!

آریان کی سفاک باتیں اس کی سماعتوں میں گونجتے اس کے بدن سے سانسیں کھینچ رہی تھیں۔

۔وہ اپنی گردن دونوں ہاتھوں سے جکڑے گلاس کیبن کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی بمشکل سانس لے رہی تھی۔زرمش کو اب سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

لالا!!کیا سچ میں مجھے مار دیں گے؟؟زرمش نے تھر تھر کانپتے ہوئے سوچا۔

تو تم بتاؤ گی جب تمھارا لالا حیدر خان میرے بارے میں استفسار کرے گا۔کیا بتاؤ گی ساحر خان کے ساتھ بھاگی اور آریان خانزادہ کی پناہوں میں آ گئی۔۔دو دو مردوں کا ٹیگ لگا چکی ہو تم۔۔اور جب میں تمھیں یہاں سے نکال کر سڑک پر پھینکوں گا۔پھر نجانے کتنے مردوں کا ٹیگ!!

اس کے بے رحم لفظ اسے پاگل کر رہے تھے۔

لالا نے نہ مارا تو بابا مار دیں گے۔ مورے بھی مار دیں گی۔

کک اب کہاں جاؤں گی میں ؟؟ سس۔۔۔ ساحر۔۔ بھی نہیں رہا ورنہ اس کے گھر میں پپ پناہ مل جاتی۔۔ مم میرے پاس کچھ بھی تو نہیں۔۔ مم میں خالی ہاتھ ہوں۔ زرمش اپنے دونوں ہاتھوں کی لکیریں دیکھتے بری طرح رو دی تھی۔

لالا !! وہ گلاس وال کے سہارے بمشکل کھڑی اپنی گردن کو جکڑے چیخیں مار رہی تھی۔

!! چیخنا مت !! ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں گا ۔ بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔ وہ پلک جھپکتے تمھیں چیر پھاڑ دیں گے !!

آریان کے جملے سماعتوں میں سنائی دیے تو وہ اپنے لبوں پر اپنے دونوں ہاتھ سختی سے جما گئی ۔۔اب وہ بنا آواز کے رو رہی تھی۔

I hate woman's tears

آنسو بہانا بند کرو!!

اس کی غراہٹ سماعتوں میں گونجی تو زرمش نے جلدی سے اپنے عارض سے بہتے آنسو اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے صاف کیے۔

نن نہیں آنسو بہاؤں گی ورنہ وہ اپنے خونخوار جانوروں کے آگے پھینک دے گا۔زرمش نے آنسو صاف کرتے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

کک کہاں جاؤں میں؟؟لالا مجھے گولیوں سے مار دیں گے۔

بابا بھی مار دیں گے۔۔حاکم۔۔حاکم خان مم مجھے مار ڈالے گا۔۔کک کیا جواب دوں گی۔مم میں کہاں تھی؟؟زرمش اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے خوفزدہ ہوتے سوچ رہی تھی۔

اسے سب کچھ یاد آگیا تھا؟؟اسے اپنے باپ حاکم خان کا نام یاد آگیا تھا۔یاد آ گیا تھا ساحر اس کی محبت ہی نہیں وہ ساحر کی بیوہ تھی۔اس کی عدت میں تھی۔اور یہاں وہ ایک غیر مرد کے ساتھ دو دن سے تھی۔زرمش پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

مگر اب وہ کیسے اپنی حویلی جا سکتی تھی؟؟وہ سب کو کیا جواب دے گی آخر؟؟وہ کہاں تھی آخر؟؟کوئی ٹھکانہ نہ تھا اس کے پاس؟؟

کیوں چلے گئے ساحر؟؟کیوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے؟؟جب تک تمھاری بیوی تھی بے یوں بے آسرا نہیں ہوئی تھی۔تم ہوتے ساحر مجھ پر یقین

کرتے!!جانتی ہوں تم بہت اچھے تھے۔میں ہی اچھی نہیں تھی تم سے تمھاری محبت چھینی۔شاید اس دن حور کی مدد کرتی تو آج وہ تمھارے پاس ہوتی تم زندہ ہوتے۔۔زرمش کپکپاتے لبوں سے بولتے رودی

بری طرح رودی۔

کک کہاں جاؤں گی اب میں؟؟میرے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ساحر!!کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔زرمش روتے ہوے گلاس وال سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

لالا۔۔ بابا۔۔۔مار۔۔۔دیں۔۔۔گے۔مجھے کک کیا کہوں گی؟؟دو دن اس بے رحم انسان کے پاس کیا کر رہی تھی؟؟زرمش گلاس وال سے ٹیک لگائے بری طرح سسکیاں بھرنے لگی۔

!!چیخنا مت!!ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں گا

۔بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔وہ پلک جھپکتے تمھیں چیڑ پھاڑ دیں گے!!

آریان خانزادہ کی بھاری آواز کے ساتھ اس کے بے رحم جملے اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دیے تو وہ زمین سے ایک ہی جھٹکے سے اٹھی ۔گلاس کیبن سے نکلتی وہ بھاگتے ہوے کمرے سے نکلتی لاونج سے ہوتے بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔حویلی جتنی باہر سے سے بڑی تھی۔اتنی اندر سے بڑی تھی۔داخلی دروازے تک کا راستہ طویل تھا۔وہ تیزی سے بھاگتے ہوے بری طرح کانپتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔اس نے بڑے سے منقشم لکڑی کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جماتے اسے کھولنے کی کوشش کی۔وہ دروازہ باہر سے لاک تھا۔

کھولو!!وہ حلق کے بل چیخی تھی۔باہر بارش کی اور بجلی کی آوازیں مزید خوفناک ہوتی جارہی تھیں۔

کھولو مجھے یہاں نہیں رہنا!!مجھے اپنے ساحر کے پاس جانا ہے۔۔کھولو وہ دروازے پر اپنے نازک کپکپاتے ہاتھ مارتے ہوے روتی چلی گئی تھی۔۔وہ کافی دیر تک دروازہ پیٹتی رہی۔رو رو کر اور چیخ کر اس کا گلہ بیٹھ چکا تھا۔مگر اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔بارش کی موسلا دھار میں آضافہ ہو رہا تھا۔بجلی زور سے چمکتی تو حویلی کے چاروں اور لگے بڑے بڑے گلاس وال سے وہ چمکتی بجلی اور اس کی آواز زرمش کے حواص مزید معتل کرنے لگتی۔اسے اس نیم اندھیری حویلی سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔

بچپن سے اکیلی رہتی آئی تھی اس اندھیرے اور تنہائی سے اسے ناموس ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر اسے اس اندھیرے تنہائی اور اتنی بڑی جگہوں سے خوف آتا تھا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھتے گھٹی گھٹی آواز میں روتے ہوے زمین پر بیٹھتی چلی گئی.

نہ اپنی حویلی جا سکتی تھی نہ یہاں رہ سکتی تھی اور نہ مر سکتی تھی۔ جس طرح وہ اندھیرے تنہائی سے وحشت کھاتی تھی موت سے بھی ڈرتی تھی۔ مر بھی نہیں سکتی تھی۔

جینا اتنا مشکل ہے اے کاش خدا تو مرنا آسان کر دیتا تو میں کب سے مر جاتی۔ زرمش حویلی کی چھت میں نظریں گاڑھے بری طرح سسک پڑی۔

زرمش گلاس وال سے برستی بارش کو دیکھتے اب اس پر اپنی نگاہیں گاڑھ گئی تھی۔۔ گلاس وال سے نظر آتے دیو قامت ہلتے ہوے درختوں سے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اسے اس حویلی کی ہر چیز سے خوف آ رہا تھا۔ بچپن میں اس کے لیے رکھے جانے والی آیا نے ہمیشہ اسے جنوں بوتوں کی ڈراؤنی کہانیاں ہی سنائی تھیں۔ اب تو اسے انسان بھی جن بھوت لگتے تھے۔ جیسے وہ آریان اسے دیو ہیکل کوئی جن ہی لگتا تھا۔ وہ اس کی سبز آنکھیں اور اٹھے ہوے مغرور نقوش سب سے بڑھ کر اس کا چٹانی برہنہ سینہ جو ایبس پر مشتمل تھا۔ وہ یاد کرتے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔

وہ بے بسی سے گھٹنوں میں سر دیے سسکنے لگی۔

وہ کافی دیر تک ایسے ہی گھٹنوں میں سر دیے سسکتی رہی۔ چمکتی بجلی کی خوفناک آواز پر وہ سہمتے ہوے اپنی سسکیاں بھی روک لیتی تھی۔

وہ سسکیاں لیتے خوف سے کانپتے ہوے اب نیم جاں سی ہو چکی تھی۔

۔بھوک اور نقاہت سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔پہلے حلق

کی پیاس بجھائی تھی اب پیٹ کی آگ اسے مجبور کر رہی تھی وہ دو چار لقمے

کھالے۔زرمش اپنی آنکھوں سے بے دردی سے آنسو صاف کرتے اپنی

ہمت مجتمع کرتے وہ اپنے ناتواں وجود کو گھسیٹتے ہوے زمین سے اٹھتے اس

نیم اندھیرے میں ڈوبی حویلی کے کچن کی طرف بڑھی۔وہ تیز تیز قدموں

سے کچن کی طرف بڑھ رہی تھی۔اگر وہ بے رحم انسان آجاتا شاید اسے بھوکا

ہی رہنا پڑتا۔اس وقت اسے اپنی بھوک اتنی عزیز تھی وہ اس کے لیے کچھ

بھی کر سکتی تھی۔اگر اس بے رحم انسان کے قدموں میں گر کر ناک بھی

رگڑنی پڑتی تو شاید وہ بھی کر ڈالتی۔۔وہ بھاگتے ہوے اب کچن کی طرف

بڑھ رہی تھی اس بے رحم انسان کے آنے سے پہلے اسے اپنے پیٹ کی آگ بجھانی ہی تھی۔

یقدم بھاگتے ہوے راستے میں پڑے صوفے سے اس کا پاؤں بری طرح ٹکرایا تھا۔ درد کی شدید لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

سس۔۔۔ وہ درد سے سکاری بھرتے ایک لمحے کو ٹھہری تھی۔۔ دوسرے لمحے وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ درد تو وہ تھا جو اس کی روح میں سرایت کیے ہوے تھا۔ بھلا جسموں کا درد بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ اپنے اندر درد کی ٹھیسوں پر قابو پائے بے حس سی کچن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر اسے روح کے درد کی طرح جسم کا درد بھی بے حال کر رہا تھا۔۔

زرمش نے کچن میں داخل ہوتے بورڈ پر ہاتھ رکھتے تمام لائٹس جلائیں۔۔ سفید جدید خوبصورت کچن جگمگا رہا تھا۔ ہر چیز کچن میں اس کی جگہ پر تھی۔ تمام گندگی کا کچ کا پھیلاوہ اب وہاں نہیں تھا۔ وہ جلدی سے فریج کی طرف بڑھی۔ ڈبل ڈور شاندار فریج کھول کر زرمش نے اندر جھانکا۔ وہ کرب اور استھزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔ اس شاندار فریج میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔

زرمش فریج بند کرتے ہوئے کیبنٹس کی طرف بڑھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے بہت احتیاط سے وہ کیبنٹ کھولے۔ کل وہ اس کے کچن میں داخل ہونے پر پاگل ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اسے ذرا بھی خبر ہو کہ وہ کچن میں آئی تھی۔ زرمش نے کیبنٹ کھولتے ہوئے جایزہ لیا۔ اسے ڈرائے فروٹ کی بوتلیں نظر آئی تھی۔ زرمش نے وہ بوتلیں

احتیاط سے کیبنٹ سے نکالیں۔ ایک بوتل کھولتے ہوئے اس نے اس میں سے بادام نکال کر جلدی سے منہ میں ڈالتے چبائے تھے۔ چلغوزے پستہ کاجو کی بوتلیں اس نے دوبارہ سے کیبنٹ میں رکھ دی تھی۔ اس نے مٹھی بھر کر بادام نکال کر اپنی چادر میں باندھنا چاہے۔ مگر اس کے وجود پر کوئی چادر نہ تھی۔ زرمش کی اب اپنے وجود پر نظر پڑی تھی۔ وہ بھیگے گلابی فراک میں موجود تھی۔ جو اس کے بدن کے ساتھ چپکے اس کی رعنائیوں میں آضافہ کر رہا تھا۔

!!اب تمھارے وجود سے یہ شال نہ اترے!! آریان کی دھاڑ سماعتوں میں پڑتی سنائی دی تو وہ بری طرح کپکپا اٹھی تھی۔ زرمش نے جلدی سے وہ بادام اپنے فراک کے دامن کے ایک کونے میں باندھے۔

دو چار بادام شیشی سے نکالتے اس نے منہ میں ڈالے۔ وہ جار اٹھا کر اس نے احتیاط سے کیبنٹ میں رکھا۔ یہ سب کچھ کرتے اس کے ہاتھ بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔

یکدم اسے کار پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ زرمش کا پورا وجود اسی لمحے پسینے میں نہلایا تھا۔ زرمش بھاگتے ہوے کچن سے نکلتے کمرے میں داخل ہوئی۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ بری طرح بدحواص ہوئی تھی۔ وہ یہ کمرہ تو تھا ہی نہیں جہاں وہ دو دن سے ٹھہرے ہوے تھی۔ زرمش بدحواصی میں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی طرف بڑھتی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

وہ خوفزدہ ہوتے اب پیچھے کی جانب قدم بڑھانے لگی۔

زرمش نے خوفزدہ ہوتے کمرے کے چاروں اور نظر دوڑائی تھی۔ چھپنے کی جگہ کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ جلدی کونے میں پڑے صوفے کی سائیڈ کے ساتھ زمین پر بیٹھتے ہوئے اپنے لبوں پر سختی سے ہاتھ جما گئی تھی۔ وہ صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لمحہ لمحہ قدموں کی وہ بھاری چاپ بڑھ رہی تھی

وہ اپنے بھاری قدموں سے دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے اپنے لبوں پر پہلے سے بھی زیادہ سختی سے ہاتھ جمائے۔

آریان خانزادہ نے کمرے میں داخل ہوتے اپنی شرٹ اتارتے ہوئے بیڈ پر پھینکی۔ اپنی رسٹ واچ اتارتے ہوئے اس نے ڈریسنگ مرر پر پوری قوت سے دے ماری تھی۔

زرمش نے کپکپاتے ہوے صوفے کی سائیڈ سے چہرہ نکالتے ہوے اپنی ہیزل گرے خوفزدہ آنکھوں سے اس وحشت ناک بے رحم انسان کو دیکھا۔ جو بلو جینز میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔ اس کی چوڑی باڈی اور کسرتی چٹانی اور سکس پیک وجود کو دیکھ کر وہ بری طرح گھبرائی تھی۔ آج تک کسی مرد کی ایسی باڈی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بازو کے ایبس بھی نمایاں تھے۔۔ زرمش کی نظر اس کے بازو کے ٹیٹو پر پڑی۔۔ وہ بری طرح خوفزدہ ہوئی تھی۔ وہاں ایک بچھو کا ٹیٹو بنا ہوا تھا۔ وہ اس سے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔

آہہ۔۔۔۔ آریان خانزادہ نے چیختے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تو زرمش کی خوف سے انکھیں پھیلی تھیں

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کو ہو گئی تھی۔۔

آہہہ۔۔۔۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیختا جا رہا تھا۔

اس کی چیخیں سنتے زرمش کانوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔۔ بجلی کے کڑکڑانے اور اس کی ہیبت ناک چیخیں اسے لرزنے پر مجبور کر رہی تھی۔

وہ کانوں سے ہاتھ ہٹائے پھر سے لبوں پر ہاتھ جماتے اپنی گھٹی گھٹی سسکیاں روک گئی۔۔

زرمش نے کانپتے ہوئے صوفے کی اوٹ سے اسے پھر سے دیکھ۔ آریان خانزادہ نے سائیڈ ٹیبل پر واز اٹھا کر پوری قوت سے مرر میں دے مارا تھا۔زرمش خوف سے پیچھے کو ہوتی بری طرح سسک پڑی۔

نہیں چھوڑوں گا تمھیں حاکم خان!! تمھیں جان سے مار ڈالوں گا تمھیں۔ تمھارے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ گننا مشکل ہو جائے گا۔

رائنہ خان تمھارے پاس ہے اسی وجہ سے اب تک اریان خانزاہ خاموش ہے۔ ورنہ آریان خانزادہ کتنا سفاک اور بے رحم ہے تمھیں اندازہ نہیں ہے۔۔

رائینہ خان کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔ اس وقت اسے گولی نہ مار سکا ۔جب وہ ایسے ہی برستی بارش میں آئی تھی۔۔ ایسی ہی برستی بارش میں آئی تھی وہ اس حویلی میں۔۔۔ آریان خانزادہ اپنے بال جکڑے اب ہذیانی ہنسا۔

نفرت ہے مجھے بارش سے جس نے آریان خانزادہ سے سب کچھ چھین لیا تھا۔

جانتے ہو حاکم خان!! کتنے جنازے اٹھے تھے اس دن۔ دو دو جنازے۔

۔۔۔ ایسی ہی برستی بارش میں جنازے اٹھے تھے۔

ان جنازوں کو کندھا دینے والا بھی صرف آریان خانزادہ اور کبیر خان تھا۔ کیونکہ راینہ خان اس حویلی سے جاتے ہوئے فارس خان اور کبیر خان کا سب کچھ لے کر جا چکی تھی۔۔

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کروں گا تمھارے حاکم خان!! اتنے اتنے آریان خانزادہ نے مرر میں دیکھتے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جوڑا تھا۔ نہیں اتنے نہیں اتنے وہ مرر میں دیکھتے اپنی دو انگلیوں کو مزید آپس میں جوڑ گیا۔ قیمہ بنا کر اپنے خونخوار جانوروں کو کھلاؤں گا۔ وہ مرر کے آگے کھڑا کوئی جنونی پاگل لگ رہا تھا۔ جشن منائیں گے میرے جانور اور ان کے ساتھ جشن منائے گا آریان خانزادہ!! اب وہ خوفناک قہقہ لگا گیا تھا۔ زرمش صوفے کی اوٹ سے اسے دیکھتے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ کے سلکی بال اس کی

پیشانی پر بکھرے تھے۔اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں تھیں۔وہ مرر میں دیکھتے پاگلوں کی طرح ہنس رہا تھا۔۔وہ سچ میں ایک پاگل تھا۔

تم تو بہت بزدل ہو حاکم خان!!گارڈز کے بغیر قدم باہر نہیں نکالتے۔تم سچ میں بزدل ہو حاکم خان!!سچ میں بزدل آریان خانزادہ مرر میں دیکھتے حلق کے بل چیخ اٹھا۔

زرمش صوفے کی اوٹ سے چہرہ نکالے اسے دیکھ رہی تھی

آریان خانزادہ نے مرر میں دیکھتے اسی لمحے اپنی پینٹ کے بٹن کھولتے بیلٹ کھینچ کر نکالی۔

زرمش منہ پر ہاتھ رکھتے آنکھیں میچ گئی تھی۔اس کے بدن کی کپکپاہٹ کے ساتھ بدن کا سارا خون بھی چہرے پر سمٹ آیا تھا۔وہ کسی مرد کو ایسے دیکھے

گی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہی تھی۔ وہ سچ میں دہشت ناک تھا۔ اس کی دہشت میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

زرمش آنکھیں سختی سے لبوں پر ہاتھ جما چکی تھی

آریان خانزادہ نے واش روم کی طرف بڑھتے شاور لیا۔ واش روم سے وہ بلیک ٹراورز پہن کر باہر آیا تھا۔

زرمش ابھی کونے میں صوفے کے ساتھ بیٹھے آنکھیں میچے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اپنے بالوں کو تولیے سے رگڑتے تولیہ بیڈ پر پٹختے وہ کچن کی جانب بڑھا۔

کچن میں داخل ہوتے وہ چونکا تھا۔ وہ پھر سے کچن میں آئی تھی وہ کچن میں داخل ہوتے اسے اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ لب بھینچے کچن سے باہر آیا۔ وہ ناپاک

وجود کچن میں قدم رکھ چکا تھا وہ اب اس کچن سے کچھ نہیں کھا سکتا تھا۔ اس ذی روح سے وہ اتنی ہی نفرت کرتا تھا۔

بلکہ وہ اسے اب اپنی حویلی میں نہیں رہنے دے سکتا تھا۔ یہ برستی بارش اسے اس وجود سے مزید نفرت کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ اپنے بھاری قدموں سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی آریان خانزادہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے وہ کمرے میں نہیں تھی۔

واش روم کے کھلے دروازے سے شاور کی آواز آرہی تھی۔

وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس رکا تھا۔ اسے رکنا پڑا تھا۔

مس خان!! آریان خانزادہ نے خود پر قابو پاتے اسے پکارا۔

مگر جواب ندارد!! مس خان!! اب وہ حلق کے بل دھاڑا۔

مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ آریان خانزادہ اب کسی بھی بات کی پرواہ کیے واش روم کے اندر داخل ہوا۔ واش روم کا شاور آن تھا مگر واش روم میں کوئی نہیں تھا۔

آریان خانزادہ کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔ وہ کہاں تھی وہ سمجھ گیا تھا۔ آریان خانزادہ کی نگاہوں سے کچھ اوجھل ہو جائے ناممکن تھا اس کی دماغ کی حسیں ہی سب کچھ محسوس کر لیتی تھیں۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے وہ مخصوص خوشبو وہ محسوس کر چکا تھا۔ جو اس ناپاک وجود کے بدن سے آتی تھی۔ وہ تو تب اپنے جنون اور پاگل پن میں محسوس نہ کر سکا تھا۔ وہ بھاری قدموں سے اب اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے میں داخل

ہوتے ہی وہ صوفے کی جانب بڑھا۔ آریان خانزادہ کے قدم ٹھہرے تھے

وہ منہ پر دونوں ہاتھ جمائے آنکھیں میچیں تھر تھر کانپ رہی تھی۔

آریان خانزادہ جبڑے بھینچتے پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔

زرمش اس کے قدموں کی چاپ اپنے قریب محسوس کرتے صوفے میں سمائی تھی۔ مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ دبی دبی سسکیوں پر قابو پانا مشکل ہوا تھا۔ سسکیوں کی گونج بڑھی تھی۔ بدن کی کپکپاہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ اس انسان کی مخصوص خوشبو اپنے قریب محسوس کر چکی تھی۔ اتنا تو کبھی وہ ساحر خان کے قریب نہیں گئی تھی جتنا یہ انسان اس کے قریب آ چکا تھا۔ ساحر خانزادہ کی سانسوں کی تپش اس نے آج تک محسوس کی ہی نہیں تھی مگر آریان خانزادہ کی سانسوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر کتنی بار محسوس کر چکی تھی۔

ابھی بھی اس کی گرم سانسوں کی تپش سے اس کا چہرہ جھلس رہا تھا۔

آنکھیں کھولو!! آریان اس پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھے ہوے غرایا۔

زرمش نے اسی لمحے اپنی آنکھیں پٹ سے کھولی تھیں۔

آریان خانزادہ کو دیکھتے وہ مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔

یہاں پر کیا کر رہی ہو؟! آریان خانزادہ نے اپنی پچھلی گردن کو رب کرتے اپنے اندر اٹھتے طیش والم کے اٹھتے ابال پر قابو پاتے ہوے ہوے دانت پیستے ہوے پوچھا۔

مم میں وہ۔۔وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولتے اپنے لبوں پر مزید سختی سے ہاتھ جما گئی تھی۔۔

آریان خانزادہ بے دردی سے اس کے ہاتھ لبوں سے ہٹاتے اسے کندھوں سے جکڑتے کھڑا ہوتے اپنے مقابل کر گیا۔

مم میں نے کک کچھ نہیں دیکھا۔ زرمش اسے کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

کیا نہیں دیکھا تم نے ؟ آریان خانزادہ نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے تفتیشی انداز میں غراتے ہوے پوچھا۔

ممم آپ کو کک کپڑے بدلتے نہیں دیکھا۔ مم میں نے کک کچھ نہیں دیکھا۔ زرمش سر نفی میں ہلاتے کپکپاتے ہوے بولی۔

واٹ ؟؟ آریان خانزادہ دھاڑا۔

دد۔۔۔ دیکھا دیکھا ہے !! وہ بری طرح بتاتے ہوے رو پڑی تھی۔

آریان خانزادہ کے پورے بدن کا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔۔

وہ یہاں چھپ کر اسے دیکھ رہی تھی اس کے لہو میں شرارے دوڑے تھے۔ کسی لڑکی کے سامنے وہ یوں بھی عیاں ہو گا وہ بے یقین ہوا تھا۔

مم میں آنکھیں بند کرنا چاہتی تھی۔ مم مگر وہ پپ پتہ نہیں کک کیا ہوا؟؟ مم مجھے کک کچھ۔۔۔ سس سمجھ ہیں آیا۔ مم میں ڈر گئی تھی۔ زرمش روتے ہوے نظریں جھکاتے اپنے جرم کا اعتراف کر گئی۔

تم جیسی لڑکی اور کر بھی کیا سکتی ہے؟؟ جس مرد کے ساتھ بھاگی تھی اس سے وہ سب کچھ نہیں ملا جو تم یہاں بیٹھی مجھ سے وہ سب چاہ رہی تھی۔ کیا چاہتی ہو تمھیں وہ سب دوں جو تمھارا یار عاشق ساحر خان دے چکا ہے۔

آریان خان کے نفرت اور ہتک میں ڈوبے الفاظ اس کا چہرہ توہین و خجالت سے سرخ کر چکے تھے۔۔

ساحر خان عاشق نہیں ہے میرا!!زرمش اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے جواباً حلق کے بل پوری قوت سے چیخی۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں پوری قوت سے دبوچ گیا۔

خبردار میرے سامنے اپنے یار کا نام لیا۔۔میں تمھاری زبان حلق سے کھینچ لوں گا۔ آریان اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچے غرایا۔

زرمش کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔وہ بہت سختی سے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا۔اس کی مضبوط انگلیاں زرمش کو اپنے

گالوں میں دھنستی محسوس ہو رہی تھی۔ درد سے اس کا جبڑہ جیسے ٹوٹنے والا ہو گیا تھا۔۔

تم جیسی لڑکیوں کو جب ان کا یار سڑک پر استعمال کر کے چھوڑ دیتا ہے. وہ ایسے ہی آپنے آنسوؤں سے خود کو معصوم ظاہر کرتی ہیں۔ اپنا سب کچھ لٹا کر شریف ذادیاں بنی پھرتی ہیں۔ ریان خانزادہ نفرت امیز لہجے میں لفظ چبا گیا۔

مم میں ایسی لڑکی نہیں ہوں!! زرمش بمشکل گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ وہ اس کا جبڑہ بہت سختی سے دبوچے ہوے تھا۔ زرمش کی اتنی ہمت نہیں تھی وہ وہ اپنا جبڑہ اس کے آہنی ہاتھ سے چھڑوا پاتی۔

تم جیسی لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔ برسوں پہلے رائینہ خان نے بھی اس دہلیز پر کبیر خان سے کہا تھا وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔۔ وہ روتے گڑگڑاتے یہی کہہ

رہی تھی وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ مگر سچ تو یہ نہیں تھا وہ ویسی ہی لڑکی تھی جو اس رات فارس خان نے اسے خطاب دیا تھا۔

ناپاک غلیظ مردود!! آریان شعلہ بار لہجے میں استھزائیہ مسکراتے ہوے غرایا۔

مم۔۔ میں۔۔۔ ایسی۔۔ لڑکی۔۔۔ نہیں۔۔ ہوں۔ زرمش کانپتے ہاتھوں سے اپنا جبڑہ چھڑواتے ہوے گھٹی گھٹی آواز میں دہائی دیتے بولی تھی۔

اچھا پھر بتاؤ کیسی لڑکی ہو تم؟؟ بتاؤ مجھے!! بیچ سڑک پر ملی۔ اپنے یار اور لالا کو پکارتے ہوے۔۔

اپنے گھر کا پتہ تمھیں یاد نہیں!! کیوں یاد نہیں کیونکہ تم جانتی ہو۔ تمھیں اب وہ لوگ نہیں اپنائیں گے۔ تم اب اپنے ہی گھر والوں کے لیے غلیظ

مردود ہو چکی ہو۔ تمھیں ساحر خان نہیں اب بہت سے مرد برباد کریں گے۔ جب تم اس اندھیری رات میں سوات کی کسی سڑک کا حصہ بنو گی۔ وہ اس کا جبڑہ چھوڑتے اسے نفرت سے پیچھے دھکیلتے سگتے لہجے میں بولا۔

تم ہوتے کون ہو مجھے سوات کی سڑکوں کی زینت بنانے والے ؟؟۔۔ میں کسی ایرے غیرے کی بیٹی نہیں ہوں۔ حاکم خان کی بیٹی اور حیدر حاکم خان کی بیٹی ہوں جو سوات کے ہر ہوٹل کا مالک اور کتنے ہی گاؤں کا سردار ہے۔۔ جان سے مار ڈالے گا تمھیں میرا لالا!! زرمش اس کی سینڈو جکڑے ہذیانی چیخی تھی.

باہر انیکسی پر بنی لوہے کی چادر پر زوردار بجلی گری تھی۔ شعلوں اور آگ کی لپیٹیں ہر طرف پھیلی تھیں۔ بجلی کی چمک اور آواز اتنی گرج دار تھی کہ

کان کے پردے پھٹتے ہوے اور دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔۔

زرمش کانپتے ہوے اسی لمحے آریان خانزادہ کے سینے میں سمائی۔

آریان خانزادہ سٹل کھڑا تھا۔یہ بجلی باہر نہیں اس کے وجود پر جیسے گری تھی۔۔مقابل اس کی بیٹی تھی جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔ اور نفرت بھی ایسی کہ جس کی کوئی حد نہ تھی

آریان خانزادہ کے پورے وجود میں چنگاریاں دہک اٹھیں تھیں۔زرمش تھر تھر کانپتے ہوے اس کے سینے میں سمارہی تھی۔۔بجلی کی کڑک بہت خوفناک تھی مضبوط مضبوط سا انسان کا دل بند ہو جائے۔وہ خوف سے بھی اسی کے سینے میں سمارہی تھی جس سے وہ سب سے زیادہ ڈرتی تھی۔

آریان خانزادہ کو اپنا وجود جیسے جھلستا محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کے سینے سے لپٹے تھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت سے ناگ اس کے ساتھ لپٹے اسے ڈس رہے ہوں۔

وہ گہرے سانس لیتے ساکت کھڑا تھا۔ اپنے سینے کے ساتھ لگے وجود سے پہلے سے زیادہ نفرت ہوئی تھی۔ شدید نفرت ہوئی تھی۔

وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے سے دور اچھوت کی طرح جھٹکتے زمین پر بے دردی سے دھکا دے گیا۔۔ وہ زمین پر اوندھے منہ گرتی زمین کا حصہ بنی تھی۔

آہہ۔۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ڈریسنگ ٹیبل سے تمام چیزیں یک ہی جست میں زمین پر پھینکیں۔ زرمش منہ پر ہاتھ رکھے اوندھے منہ گرتے اپنی چیخیں روکتے سسکنے لگی

آہہ۔۔۔ آریان خانزادہ چیختے ہوے کمرے میں رکھا ہر واز ہر ڈیکوریشن پیس زمین پر پھینکتا توڑتا جا رہا تھا۔

زرمش اوندھے منہ زمین پر پڑی وہ خوف سے مزید زمین میں سما رہی تھی۔۔ کانچ کے کئی ٹکڑے اس کی برہنہ پشت میں کھب گئے تھے۔ اس کی چیخیں اس کے حلق میں گھٹ چکی تھیں۔

آریان خانزادہ جیسے پاگل ہو رہا تھا۔

وہ جو اس کے گھر میں موجود تھی وہ حاکم خان کی بیٹی تھی۔ آریان خانزادہ کے وجود میں بارود کے گولے بنے تھے۔ وہ بے یقین تھا۔ وہ حاکم خان اور رائینہ خان کی بیٹی تھی۔ وہ اپنے بال جکڑے چیخ رہا تھا۔

زرمش اس کی چیخیں سنتے اوندھے منہ لیٹے سسک رہی تھی۔اب باہر بجلی کڑکنے کی آواز نہیں آریان خانزادہ کی وحشت میں ڈوبی چیخیں اس کا دل بند کر رہی تھیں۔

آریان خانزادہ زرمش کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کھڑا کر گیا۔

زرمش کا پورا بدن سامنے کھڑے انسان کی دہشت سے کانپ رہا تھا۔

آریان خانزادہ نے نفرت بھری نگاہیں زرمش کی ہیزل گرے آنکھوں پر گاڑھیں۔ایسی ہی آنکھیں راینہ خان کی تھیں۔

اسے نفرت تھی ان آنکھوں سے!! آریان خانزادہ کا دل کیا تھا یہ آنکھیں نوچ ڈال مقابل کی۔۔۔اس کے سفید سرخ گال اپنے تھپڑوں سے لال کر

دے اور کچھ نہیں اس وجود کے چھیتڑے کر دے نوچ ڈالے اس کے بدن کو!! آریان خانزادہ نے خونخوار نگاہیں زرمش کے وجود پر گاڑھیں۔ اس کا فراک بھیگ کر اس کے بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ بدن کی تمام رعنائیاں واضح تھیں۔ دلکش کندن سے خدوخال نازک سے سیاہ پردے میں اجاگر تھے۔

آریان خانزادہ کے اندر کا حیوان بیدار ہوا تھا۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اسے بیڈ پر پٹخ گیا تھا۔ زرمش اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔۔

آریان کی گہری سرخ نگاہیں اس کی بھیگی پشت پر تھیں۔ جہاں اس کے بال گیلے ہوتے اس کی کمر کے ساتھ چپکے ہوے تھے۔ اس کی سفید بل کھاتی کمر

گیلے فراک سے عریاں ہو رہی تھی۔ آریان خانزادہ اپنی سینڈو اتارتے ہوے ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھا تھا۔

حور نے خمار اور نیند سے بھری بھری آنکھیں کھول کر کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ ارحام خانزادہ کہیں نہیں تھا۔۔۔ وہ ارحام کی بانہوں میں کب سوئی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ اب اسے بے حد حیرانگی ہو رہی تھی۔ اس نے اسے دوبارہ جگایا نہیں تھا ورنہ وہ اس کی بانہوں میں ہو وہ اسے سونے دے دے ناممکن تھا۔ شاید وہ اس کی پریگنسی کا خیال کر رہا تھا۔ حور کے لبوں پر شرمیلی مسکان چھائی تھی۔ اس کی شدتیں یاد کرتے دل زوروں سے دھڑکا تھا۔ رات اس کی گرم نرم شدتیں پھوار کی طرح اس پر برستی رہیں تھیں۔ وہ بہت نرمی سے اسے چھوتا رہا تھا۔ یہ بچہ اس کے لیے اتنا اہمیت

رکھتا تھا حور رات سے اچھی طرح جان چکی تھی اس بچے کی وجہ سے وہ اپنے جذبوں پر بھی قابو پا گیا تھا جو وہ کسی صورت نہیں پاتا تھا۔

حور اس وقت گرے کلر کی سلک کی فل سلیوز گاؤن نائیٹی میں ملبوس تھی۔ جو گھٹنوں تک بمشکل آتی تھی۔

وہ اپنے بال جوڑے کی شکل میں سمیٹتے بیڈ سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھی۔۔ ارحام پریذے کے پاس ہو گا۔ وہ یہ سوچ کر واش روم کی طرف بڑھی۔ باتھ لے کر اس کا پریذے کے پاس جانے کا آرادہ تھا۔ اٹھتے ساتھ ہی اسے پریذے کی یاد شدت سے آرہی تھی بلکہ اس کا دل بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس دن اس کا منیٹل لیول بہت حد تک گر گیا تھا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی وہ کیا کر رہی ہے؟؟ پریذے کا کارونا یاد کر کے اب اس کا دل جیسے پہلو سے نکل رہا تھا۔ حور واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل

ہوئی تھی۔ وہ واش روم کے بے حد خوبصورت سے بہت بڑے باتھ کیبن کے اندر داخل ہوئی تھی۔ یکدم وہ رکتے ہوے اپنے آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ مسکراتے ہوے ٹاول سٹینڈ سے ٹاول اتارتے اپنی کمر پر لپیٹ گیا۔

ارحام!! مم مجھے پتہ نہیں تھا آپ یہاں پر ہیں۔ حور آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوے گہرے سانس لیتے بولی۔

ارحام خانزادہ اسے کندھوں سے جکڑے نرمی سے باتھ کبین کی گلاس وال سے لگاتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے محصور کر گیا تھا۔

وہ ابھی بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے

چہرے سے ہاتھ ہٹاتے اب بلندہ بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

حور ارحام کی طرف دیکھتے خفت و شرم سے سرخ پڑتے ہوے مدھم سا

ہنستے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔

یہ شرم کس بات کی آرہی ہے تمھیں جان میرا بچہ !! کوئی شرم کا پردہ رہتا

ہے ہمارے درمیان کیا؟؟ ویسے بھی بقول تمھارے پانچ مہینے تمھیں دن

رات بستر پر رکھا۔ اور مجھے آتا ہی صرف

se__\

ہے۔ میں

lusty man

ہوں تو اس

lusty khanzada

سے کس بات کی شرم !رات کے مومونٹ یاد کرواؤں کیا کیا کرتی رہی

تم ؟؟ کیسے کس حالت میں ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے۔

ارحام خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے اس کی کرسٹل براؤن

شفاف آنکھوں میں جھانکتے سر کو جھٹکتے ہوے اپنے بالوں کی نمی حور پر

قطروں کی صورت میں جھاڑی تھی۔

ارحام وہ میں تو۔۔۔۔۔ حور ارحام کے چٹانی سینے کے ایبس پر

نگاہیں گاڑھے گلاب کی طرح سرخ پڑتے پھر سے نگاہیں جھکا گئی تھی۔۔

ارحام نے اس کے گلاب چہرے کو دیکھتے اپنے سینے کو دیکھا جہاں اس کی دی ہوئی سوغات اب و تاب سے چمک رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کا پھر سے بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ اب حور کی رنگت تپ کر سرخ ہوئی تھی۔ حور نے ارحام کو غصے سے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا۔

افففف یہ قاتلانہ نگاہیں سمجھ نہیں آتا قتل ہو جاؤں کہ ڈروں ۔۔۔۔ ارحام حور کو آنکھ مارتے دل پر ہاتھ ہاتھ رکھتے آنکھ ونک کر گیا تھا۔

حور ارحام کو سلگتی نگاہوں سے گھورتے ہوے اسے دونوں ہاتھوں سے دور کرتے ہوے کیبن کے دروازے کی طرف بڑھی۔ یہی ایک طریقہ تھا اس انسان کی شدتوں سے بچنے کا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔۔ وہ شیر کی کھچار میں خود ہی چل کر آگئی تھی

تمھیں لگتا ہے شیر کی کھچار میں آکر تمھیں واپس جانے دیا جائے گا۔ ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا

ارحام مم مجھے نیند آرہی ہے مجھے سونا ہے۔ حور نے ارحام خانزادہ کے سسکس ایب کی طرف دیکھتے بیچارگی سے کہا۔ نظریں بار بار بھٹک کر اس کے سینے پر جارہی تھیں۔ جہاں اس کی دی ہوئی سوغاتیں تھیں۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا یہ رات اس نے دی ہیں۔

ارحام اس کی نظروں کا مرکز اپنے سینے پر محسوس کرتے اپنی مسکراہٹ بمشکل دبا رہا تھا۔

ہے مائی لیڈی لو!! میرا سینہ اگر اتنا اٹریکٹ کر رہا ہے تم اپنے گلاب لب ان پر رکھ کر مجھے احساس دلا سکتی ہو میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ ارحام خانزادہ

اسے اپنے سینے میں نرمی سے بھینچتے ہوئے اس کے کان میں مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔

کک کون سی محنت ارحام!! حور نے روہانسے ہوتے پوچھا تھا۔ وہ واش روم میں اس کی متوقع قربت کے خوف سے روہانسی ہو رہی تھی۔۔ وہ واش روم میں بہت بری طرح اپنا حق لیتا تھا۔۔۔ اب وہ خود واش روم میں آئی ہے وہ کہاں اسے چھوڑنے والے تھا۔ گزرے پانچ مہینے اس کی آنکھوں میں گزرے تھے۔ اسے قربت کے لمحات میں جگہ بدلنے کا شوق تھا۔

یہ جو میں نے پہاڑوں پر موجود پتھروں پر ایکسرسائز اور جم میں محنت کی ہے۔ تبھی تو ایسا چٹانی سینہ بنا ہے جسے دیکھ کر تمھارے منہ میں پانی آ رہا ہے تم میرے سینے پر اپنے موتیوں جیسے دانت گاڑھنے کے لیے بے تاب ہو رہی ہو۔ ارحام خانزادہ مدھم سی گھمبیر آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے اس

کی کان کی لو لبوں سے کاٹتے اسے اپنے سینے میں بھینچے اس کی ناز کی محسوس کرتے اسے مزید اپنے ساتھ شدت سے لپٹا گیا۔

ارحام مم مجھے نیند آرہی ہے!!حور کی ایک ہی رٹ پر ارحام خانزدہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوے گلاس وال سے لگائے اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھا۔

نیند آرہی ہے تمھیں تو باتھ کیبن میں کیا کرنے آئی تھی؟؟ارحام نے اسے گھورتے ہوے سرد لہجے میں سوال کیا۔

میں شاور لے کر پھر سے سونے لگی تھی۔حور نے اس کے سرد نگاہوں اور سرد لہجے پر بھیگے لہجے میں جواب دیا

اس کی بھیگی آواز پر ارحام خانزادہ نے لب بھینچے تھے۔

وہ اس سے جب جب بچنے کے بہانے کرتی تھی ارحام کا لہو مزید گرم کر دیتی تھی۔۔ برداشت نہیں ہوتا تھا وہ اس کی پناہوں سے دور جائے۔

ارحام خانزادہ اسے بازو سے جکڑے روف شاور آن کرتے شاور کے نیچے کھڑا کر گیا تھا۔ ارحام اس کی نایٹی کی ڈوری کھولتے اس کی گردن سے ٹپکتے پانی کو اپنے لبوں سے چنتے اس کے حصاص حصوں کو اس انداز سے چھونے لگا حور کی آنکھوں میں وہ اسی لمحے خمار بن کر اترا تھا۔

ارحام!! حور گہرے سانس لیتے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ نیم گرم پانی کی بوچھاڑ اس کی سانسیں ناہموار کر چکی تھیں۔ وہ اس کے سینے میں شدت سے سمائی تھی۔

مائی بچہ مائی جان!! رات اتنی بے باکی دکھا رہی تھی۔ اب کیا ہوا ہے؟؟ ارحام خانزادہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے مخمور لہجے میں بولا۔ حور ارحام سے مزید

لپٹتے ہوے اپنے دونوں پاؤں اس کے پاؤں کے اوپر رکھتے اپنا وزن اس پر ڈال گئی۔ ارحام کے قدم پیچھے کو لڑکھڑائے تھے۔وہ اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔۔

ساری دنیا کو تو

میں بھول بیٹھی

بانہوں میں آ کہ

ایسا لگا سب کچھ

پا لیا ہے تیرا پیار پا کہ

حور اس کے سینے سے لپٹتے ہوے مدھم آواز میں بولتے اس کی سینے پر نرمی سے لب رکھ گئی۔

اس کے اتنے خوبصورت اقرار پر ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔اس کی حور کبھی اس سے اتنی محبت کرے گی یہ تو وہ خواب تھا جس کی تعبیر ممکن نہ تھی۔

دیکھوں میں تو دیکھوں

سوہنے یار کو

جب پلکیں اٹھاؤں

زندگی بنا کر میری جان کو

میں تو سانسوں میں بساؤں

ارحام خانزادہ جو ابا گنگناتے ہوئے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کا گاؤن نرمی سے اتار چکا تھا۔

حور دیوار کے ساتھ لگے آنکھیں میچے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔ دھیرے دھیرے وہ ہر پردہ سرکاتے جا رہا تھا۔ اس کی خوبصورت سی نایٹی اب زمین بوس تھی۔۔

وہ سرخ پڑتے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔۔ ارحام مسکراتے ہوے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام گیا۔

رات بے باک بیوی بننے کی اداکاری شاندار تھی۔ مگر تم بے باکی میں صفر ہو!! افسوس جانان تمھیں شوہر بے حد بے باک ملا ہے۔ تم جتنا مرضی شرماؤ!! سرخ پڑو۔۔ نہ لائٹس آف ہوں گی ناں تمھیں آنکھیں بند کرنے دوں گا۔ تمھیں اپنے خان کی بے شرمی بے باکی دیوانگی آنکھوں سے دیکھنی پڑے گی۔ ارحام اس کی آنکھوں میں جھانکتے بے باکی سے اسے آنکھیں مار گیا تھا۔ حور کی گھنی پلکیں عارض پر جھکی تھی۔

نو نو مائی بچہ !! یہ نہیں چلے گا۔ پورا نہیں تو ادھا ساتھ تو اپنے

lusty khan

کی

lust

میں ساتھ دینا پڑے گا۔ ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچے اس کا چہرہ اوپر

کرتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی

سانسیں گھوٹ گیا تھا۔۔ ان کے درمیان آخری پردہ بھی باتھ کیبن کے

فرش کی زینت بنا تھا۔

---------.-------

زاران نے غصے سے پوری قوت سے تکیہ زمین پر پٹخا۔

جب سے ابرش اس سے ناراض رہنے لگی تھی۔ وہ تکیے سے ہی لپٹ کر سو رہا تھا۔ اسے تکیے کی نہیں اپنی بیوی کی

heated body

چاہیے تھی۔ جو ساری رات اسے چین سے سونے نہیں دیتی تھی۔ وہ جب اس سے لپٹ کر سوتی تھی وہ بہت حد تک تنگ پڑ جاتا تھا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے اس کے اوپر پورا وزن ڈال کر سوتی تھی۔ اور اسے عادت تھی اوندھے منہ تکیے کے ساتھ لپٹ کر سونے کی

۔ اور وہ اسے تکیے کے ساتھ تکیہ لپٹتے دیکھ کر جیلس ہو جاتی تھی۔ اب وہ اسے جیلس کروانے کے لیے تکیے کے ساتھ لپٹ کر سوتا تھا۔ اسے جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ زاران نے لیمپ جلاتے ہوئے اپنی پہلو میں لیٹی اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھا۔ جو بلیک سلک کی فل گاؤن نائیٹی میں گہری نیند سو

رہی تھی۔زاران نے حیرانگی سے اسے اتنی گہری نیند میں سوتے دیکھا تھا وہ اس کے بغیر اب کیسے سو جاتی تھی یہ کیسے ممکن تھا۔زاران خانزادہ کو اپنے دل میں کچھ چبھتا محسوس ہوا تھا۔اس کی اتنی گہری نیند برداشت نہیں ہوئی تھی۔

زاران نے جھکتے ہوے اس کے عارض پر بکھری لٹ بے حد نرمی سے پیچھے کی۔اس کے نقوش پر وہ بہت نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا۔

ہے مس امریکہ !!بے حد خوبصورت ہو تم!اور اس مسٹر سکس پیک کی جان بستی ہے اپنی خوبصورت بے باک بے شرم جذباتی بیوی میں !!زاران خانزادہ اس پر جھکے گھمبیر آواز میں بولتے ہوے مدھم سرگوشی کرتے اس کے اوپر اپنا پورا وزن ڈال گیا تھا۔

اپنی خوبصورت بیوی کی سانسیں کیسے تنگ کرنی ہیں وہ جانتا تھا۔ خطرنا کس سے اس کی سانسیں نہیں تنگ پڑتی تھی الٹا وہ مزید پیشنیٹ کس کر کے اس کی سانسیں گھوٹنے کا ہنر جانتی تھی۔۔ مگر اس کا پہاڑ جیسا وزن اس کی نازک حسینہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ آج کل تو وہ یوں اس کے پہلو میں اس سے لپٹے بغیر سو کر اس کی سانسیں تنگ کر رہی تھی۔۔ آج بدلہ بھی لینا تھا۔ آخر منتقم مزاج بندہ تھا اپنی خوبصورت بیوی کی پر سکون نیند حرام کر کے ہی سکون پانا تھا۔

وہ اس پر اپنا وزن ڈالے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا۔

افففف۔۔ یہ گلاب مہک اب مجھ سے روٹھ گئی۔ زاران اس کی خوشبو اپنی سانسوں میں اتارتا آہ بھر کر بولا تھب۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی نیند سے بھری آنکھیں کھولیں۔۔اپنے اوپر جھکے منسٹر کو دیکھ کر اس کی رنگت میں اشتعال کی سرخیاں گھلی تھیں۔

کیا کر رہے ہو؟؟ابرش اسے خود سے پرے دھکیلتے دبی آواز میں چیخی تھی۔

زاران تکیے پر ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے اوپر کر گیا

دیکھ رہا تھا میری

hot

بیوی کے اندر کہیں آدھی ادھی رات کو گرما گرم جذبات تو نہیں جگ رہے۔اگر جگ رہے تو ٹھنڈے کر دوں۔وہ ابرش کو دونوں بازوؤں سے سختی سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اپنی مسکراہٹ دباتے بولا۔

میرے اندر اب کوئی جذبات نہیں جگتے مسٹر خانزادہ!

!اُنہ تم میرے جذبوں کو ٹھنڈا کرنے کا ہنر جانتے ہو۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے سلگتے لہجے میں بولی۔

جذبات تو جگتے ہیں میری بے شرم بیوی جسے تم تھپک تھپک کر سلا دیتی ہو ورنہ مسٹر سکس پیک کا سینہ دیکھ کہ تمھارا کیا حال ہوتا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں!! ازاران نے اس کی بات پر خود پر قابو پاتے ہوے بے باکی سے کہتے اسے آنکھ ماری۔

اہاں۔۔۔ اتنی خوش فہمی منسٹر صاحب کو!! ابرش اس کی طرف دیکھتے استھزائیہ ہنسی تھی۔

خوش فہمی نہیں حقیقت ہے ثابت کروں؟؟ زاران نے اسے دیکھتے بے ذو معنی انداز میں آنکھ مارتے پوچھا

کیسے ؟!ابرش نے آئی بروا چکائے پوچھا۔۔۔

جھینگالالاہو ہو کرتے۔زاران نے جوابًا مسکراہٹ دبائے کہا۔

تمھارا جھنیگالالاہو ہو بھی تمھاری طرح کا ہو گا۔ جیسے جنگل میں کرتے ہیں ناں آدھے ادھورے کپڑے پہن کر اچھلتے ہوے !!تم صرف وہی کر سکتے ہو ۔۔ابرش زاران کی طرف دیکھتے سلگتے استھزائیہ لہجے میں بولی۔

ابرش کے سلگتے لہجے پر زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔۔

تمھیں ابھی بتاتا ہوں میرا جھنیگالالاہو ہو کیسا ہوتا ہے ؟؟ابھی تم بھی جھینگا لالاہو ہو کرتی پاؤ گی سسکیوں کی صورت میں میرے ساتھ لپٹتے ہوے ایک بے شرم بیوی کی طرح ہر حد پار کرتے ہوے۔زاران نے اسے تکیے پر گراتے ہوے اس کی گاؤن کی ڈوری کھینچ کر کھولی تھی۔

میرے قریب مت آنا مسٹر خانزادہ!!ابرش اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتی چیخی۔

زاران اس پر جھکتے ہوے اس کے لبوں کو اپنی سانسوں سے جکڑتے اس کے نچلے لب پر شدت سے دانت گاڑھ گیا تھا۔ابرش کی سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔

زاران اس کی گردن پر جھکے وہاں شدت سے اپنے دانت گاڑھنے لگا۔وہ اس کے پورے وجود پر بہت بے باکی سے اپنا حق ہاتھوں سے جتاتے اس کی سانسیں گہری کر چکا تھا۔

ابرش اس کے حصار میں گہرے سانس لیتے پینک ہوئی تھی۔۔وہ اس کی ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں الجھائے اس کی نایٹی کے اندر اپنے ہاتھوں کی بے باکی اور بے رحمی دکھاتے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند دہکاتے اس کی

کلائیوں کو اب اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑتے اس کی گلابی خمار زدہ آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

ابرش پھولتی سانسوں سے زاران کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!! مجھے اب تمھاری طلب نہیں ہوتی۔ وہ پھولتی سانسوں سے بمشکل ہی بولی تھی۔۔۔ وہ اپنی بے رحمی سے اس کی سانسوں میں ہلچل مچاتے اسے خود کے لیے پے قرار کر چکا تھا۔

زاران اسی لمحے اس کی کلائیاں آزاد کر گیا تھا۔

ابرش کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ وہ اسے استھزائیہ نگاہوں سے ذو معنی فتح مندی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ ابرش اس کے دیکھنے کے انداز میں بھڑ بھڑ جلی تھی۔

وہ اسی لمحے زاران کو پوری قوت سے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیل گئی تھی ۔زاران اس کی کلائیاں جکڑے اس پر اپنا وزن ڈالے اسے پھر سے اپنے قابو کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

ایک لمحے کے لیے تمھاری کلایاں آزاد کیں۔ تمھاری آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھیں۔میری کلائیاں آزاد کرنا تم سے برداشت نہیں ہوا۔کیونکہ تم جان چکی ہو تمھاری طلب میرے اندر اس وقت میری ضرورت بن کر دوڑ رہی ہے۔تو میں کیسے تم سے دور ہو سکتا ہوں۔چاہے تم طلب بن کر میرے وجود میں دوڑو!!چاہے میں طلب بن کر تمھاری آنکھوں میں دوڑوں۔ تمھیں میرا جھٹکنا اور دور جانا پسند نہیں آتا۔سوچو مجھے کیسا لگتا ہے؟؟

دن میں دس مرتبہ تم مجھے خود سے دور جھٹکتی ہو۔ رات کو بیہودہ نائیٹیز پہن کر میرے پہلو میں سوتی ہو۔

یہ نائیٹی بیہودہ نہیں ہے پیروں تک آتی نائیٹی ہے جو میں نے پہنی ہے۔ ابرش اس کی بات کاٹتے تڑختے ہوئے بولی۔

یہ مکمل نائیٹی ضرور ہے مگر سوتے وقت پتہ نہیں کیسے یہ تمھاری پنڈلیوں سے ہوتے مجھے تمھاری تھائس کا بھی دیدار کرواتی رہتی ہے۔ حیرت ہے ہمارے کمرے میں نہ پنکھا ہے اور نہ کسی بند کھڑکی سے ہوا آتی ہے جو تمھاری نائیٹی میجک سے اوپر ہو جاتی ہے۔ زاران خانزادہ جو ابا طنزیہ بولا تو ابرش کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔ طعنے مارنے میں ماہر تھا یہ منتقم مزاج بندہ!!

رنگ مت سرخ کرو بے شرم بیوی!! غور سے سنو بہت برداشت کر چکا ہوں ۔ تمھارے یہ فضول کے نخرے! اب ختم کرو ابرش یہ سب ورنہ!! زاران اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سختی سے بولا۔

ورنہ کیا کرو گے طلاق دے دو گے مجھے یا پھر اپنی حویلی سے نکالو گے۔ ابرش جو ابا ہذیانی چیخی تھی۔

آواز نیچے !! زاران اس کی بات پر سیخ پا ہوتا حلق کے بل دھاڑا۔

ابرش زاران کی دھاڑ پر اسی لمحے اس کے حصار میں ساکت ہوئی تھی۔

میں تمیز سے بات کر رہا ہوں تو تم بھی اپنا لہجہ بیویوں والا رکھو!! مجھے جو ابا شوہر بننے پر مجبور مت کرو۔ زاران اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

تم صرف میرے لیے شوہر ہو مسٹر خانزادہ۔۔ صرف شوہر۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے منہ پھیر گئی تھی۔۔

زاران نے اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اپنی طرف کر گیا تھا۔

تم۔ بھی کوئی فرمانبردار بیوی نہیں ہو جو میں تمھارا عاشق بن جاؤں۔ پہلے فرمانبردار بیوی بن کر دکھاؤ تاکہ میں تمھارا عاشق بنوں۔۔ یہ چخ چخ کرتے مجھے خود سے دور رکھ کر مجھے اپنا عاشق نہیں بنا سکتی۔ زاران اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھے لفظ چباتے بولا۔

ابرش سٹل اس کی آنکھوں میں گلابی شبنمی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

۔ آیندہ طلاق کا لفظ منہ سے مت نکالنا!!ورنہ میں شوہر نہیں تمھیں اصل میں سفاک خانزادہ بن کر دکھاؤں گا۔ ادھر طلاق کا لفظ منہ سے نکلے گا ادھر تمھاری زبان کے ٹکڑے۔ زاران اس کا جبڑہ دبوچے غرایا تھا۔

ابرش نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

اور یاد رکھنا اس بار تمھیں حویلی سے نکال کر تمھاری جان نہیں نکالوں گا۔ کسی اور طریقے سے تمھاری جان نکالوں گا۔۔۔ ابھی میں فریش ہونے جا رہا ہوں۔ جب میں واپس تمھارے پاس آؤں مجھے پہلے کی طرح بے شرم بیوی کی طرح مجھ سے لپٹتے ہوئے ملو۔۔ نو مور ڈرامہ!!میری قربت میں تم مجھے ویسے ہی چاہیے ہو۔ جیسے پہلے ہوتی تھی۔۔ اپنے جسم کو تیار کرو اگر نہیں کر سکتی تو دماغ کو تیار کرو۔۔ اب تمھیں کچھ گھنٹے میری پناہوں سے آزادی نہیں ملے گی۔۔ اس لیے میری قربت میں تمھاری سسکاریاں بلند ہونی

چاہیے۔۔ چیخیں نہیں۔ اگر تم چیخی مجھے دور دھکیلا پھر میں سچ میں تمھاری چیخیں نکلواؤں گا۔

زاران سرد تنبیہی لہجے میں غراتے ہوے اس کے اوپر سے اٹھتے ہوے واش روم کی طرف بڑھتے واش روم کا دروازہ دھاڑ سے بند کر چکا تھا۔

ابرش اس کی دھمکی کا سوچتے ہوے گہرے سانس لیتے رخ موڑتے آنکھیں میچتے ہوے اپنی آنکھوں سے نکلتے آنسو بے دردی سے اپنی ہتھیلیوں سے صاف کر گئی تھی۔

تمھاری کسی دھمکی سے اب فرق پڑتا مسٹر خانزادہ!! تم کچھ بھی کرو آئی ڈونٹ کئر۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے چیخی تھی. ۔اپنی شال وہ بیڈ سے اٹھائے وہ خود پر اچھی طرح لپیٹتے ہوے وہ کمرے سے سے نکل گئی تھی۔

زاران واش روم سے فریش ہو کر واپس آیا۔ اسے بیڈ پر نہ پا کر وہ منہ پر ہاتھ پھیرتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ ابرش کو ڈریسنگ روم میں بھی نہ پا کر زاران نے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنا غصہ ظبط کرنے کی بمشکل کوشش کی۔ مگر غصہ اشتعال کم نہیں ہوا تھا۔ اسے اس وقت اس کی بے حد طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اس طلب سے جیسے اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اپنی بیوی کی طلب پوری نہ ہونے پر اس کی اتنی بری حالت ہو رہی تھی۔ وہ اسے سچ میں پاگل کر رہی تھی

آہہ۔۔۔۔ دوسرے لمحے وہ چیختے ہوئے دیوار پر مکہ مار گیا تھا۔

آریان خانزادہ زرمش کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑتے ایک ہی جست میں سیدھا کرتے اس پر مکمل حاوی ہوا۔ زرمش نے پھٹی پھٹی

نگاہوں سے خوفزدہ ہوتے اپنے اوپر جھکے آریان خانزادہ کو دیکھا۔ اس کا نازک پھولوں جیسا وجود اس دیو ہیکل وجود کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔ اس کے پہاڑ جیسے وزن سے زرمش کی سانسیں رکی تھیں۔

اس کی سبز آنکھوں میں حوس اینڈ وحشت ٹپکتی دیکھ کر زرمش کی آواز تک حلق میں گھٹ چکی تھی۔

پہلی بار کسی مرد نے اسے ایسے چھوا تھا۔ پہلی بار اس کی دھڑکنیں کسی مرد کے سینے میں بج رہی تھیں۔۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔جج۔۔۔جانے۔۔۔دو پپ پلیز۔۔۔مم

میں۔۔عد۔۔۔۔۔عد۔۔۔۔ت۔۔میں۔۔ہوں!!زرمش نے روتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل اپنا جملہ مکمل کرتے فریاد کی۔

جانے دوں گا تمھیں جب تم جیسی بے شرم بے حیا لڑکی کو پوری طرح برباد کر دوں گا۔ لیکن نہیں تمھیں کیا فرق پڑتا ہے؟! تم تو برباد ہو چکی ہو۔ اپنے یار اپنے عاشق کو سب کچھ دے چکی ہو۔ آج تو تمھیں دوسرا مرد برباد کرے گا۔

آریان خانزادہ بے رحم لفظ ادا کرتے اس کا جبڑہ اپنی آہنی گرفت میں دبوچ گیا۔۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں سے اس وقت جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔ زرمش رائینہ خان اور حاکم خان کی بیٹی ہے۔۔ نفرت کی آلاؤ دہک رہی تھی اس کے اندر!! وہ اس نفرت کی دہکتی آگ میں پاگل ہو رہا تھا۔ برسوں پہلے جس طرح حاکم خان نے ان کی عزت کی دھجیاں اڑائیں تھیں۔ آج وہ اس کی بیٹی کی عزت تار تار کر کے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

عاشق نہیں تھا وہ میرا!!شوہر تھا میرا۔۔زرمش اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے گھٹی گھٹی آواز میں ہذیانی چیخ اٹھی تھی۔

زرمش کی بات پر اریان خانزادہ کے لبوں سے خطرناک قہقہ بلند ہوا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے قہقے لگا رہا تھا۔خوف اور درد سے زرمش کی ہیزل گرے آنکھوں سے گرم سیال بہہ رہا تھا

تم میری سوچ سے بھی زیادہ شاطر ہو!!بیٹی کس کی ہو برسوں پہلے راینہ خان نے بھی یہی کہا تھا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔اس نے صرف حاکم خان سے نکاح کیا ہے۔ آریان اب استھزائیہ ہنسا۔

کک کیا کہہ رہے ہو تم؟!زرمش ٹوٹے لفظوں سے بولتے شدت سے رو دی تھی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔وہ کیا کہہ رہا ہے؟؟دل و دماغ جیسے اپنی عزت کے کھونے کے خوف سے مفلوج ہو چکا تھا۔

نقاہت کے باعث اس کے جسم میں اتنی طاقت نہ تھی وہ اس کے چٹانی وجود کو ذرا سا بھی اپنے اوپر سے سرکا سکتی۔ اس کا ناتواں نقاہت زدہ وجود اس چٹانی وجود کے نیچے دبا بری طرح کانپ رہا تھا۔ مقابل کی دہکتی سانسیں اس کے نقوش کو جھلسا رہی تھی۔

ایک بات بتاؤ کیسے کیسے اپنا جسم اپنے یار کو دے چکی ہو؟؟ چہرے پر تو بلا کی معصومیت ہے۔ اور جسم بھی قیامت خیز ہے جیسے تم نے خود کو بھی کبھی نہیں چھوا۔ آریان اس ذرا سا اوپر ہوتے اس کے بدن پر بے باک نگاہیں گاڑھتے ذو معنی انداز میں بولا۔

مم۔۔ میں۔۔۔ ایسی۔۔ لڑکی۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہوں۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔ میرے شوہر۔۔۔ نے۔۔ بھی۔۔ کبھی۔۔ نہیں۔۔ چھوا۔۔۔ تھا۔ وہ آریان خانزادہ کی نگاہوں کی بے باکی پر ہذیانی رو دی تھی۔

واٹ آجوک!!زرمش کی بات پر آریان خانزادہ کا قہقہ بلند ہوا تھا۔وہ اب پھر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پاگلوں کی طرح قہقے لگاتا جارہا تھا۔

مقابل کے خطرناک قہقوں پر زرمش خوفزدہ ہوتے آنکھیں میچ گئی۔۔

آنکھیں کھولو!!آریان خانزادہ حلق کے بل دھاڑا۔زرمش نے ہراساں ہوتے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

اب وہ سانسیں روکے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے۔

زرمش نے اپنی سانس اب مکمل روک لی تھیں۔وہ ابھی تک اس کا بے رحمی سے جبڑہ دبوچے ہوے تھا۔زرمش کو اپنا جبڑہ ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا لمحہ بالمحہ اس کی گرفت اس کے جبڑے پر بڑھتی جارہی تھی۔

تم شکل سے معصوم نہیں لگتی تم تو باتیں بھی معصوم کرتی ہو۔ کیا کہہ رہی تھی ؟! تمھارے شوہر نے تمھیں آج تک نہیں چھوا۔ وہ ایک بار پھر سے بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔ مم۔ میں۔۔۔ سچ۔۔۔ کہہ۔۔ رہی

۔۔ ہوں۔ زرمش نے اس کی بات پر روتے اثبات میں سر ہلاتے اسے یقین دلانے کی کوشش کی

اتنا نمکین حسن کوئی کیسے چھوڑ سکتا ہے بھلا؟؟ وہ بھی جو مکمل حق رکھتا ہو

۔۔ آریان خانزادہ نے ایک بار پھر سے اسے اوپر سے نیچے بے باکی سے دیکھتے آنکھ ماری۔۔

مم۔۔ میں۔۔ سچ۔۔ کہہ۔۔ رہی۔۔ ہوں۔ زرمش اس کی بے باک نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے جبڑے سے اس کا ہاتھ ہٹانے کی ناکام سعی کرتے ہوے شدت گریہ سے چیخی۔۔

بیوقوف سمجھ رکھا ہے مجھے ہاں!! آریان خانزادہ حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ کے ساتھ باہر بجلی کی خوفناک گرج چمکی تھی۔ زرمش مقابل کی دھاڑ اور بجلی کی کڑک پر خوف سے ساکت ہوئی تھی۔

گلاس ونڈو سے چمکی بجلی کی روشنی میں آریان خانزاہ اسے اور بھی زیادہ خطرناک لگا تھا۔

ساحر خان کے بستر کی زینت بننے کے بعد خود کو معصوم ظاہر کر رہی ہو۔ اس ملگجے لباس بے حال حالت میں مجھے سڑکوں پر ملی۔ حیدر خان جو سوات کے ہوٹلوں کا مالک ہے۔ جو کتنے ہی گاؤں کا سردار ہے کہ گنتی بھی معلوم نہیں؟! اس کی جوان بہن اجڑی بکھری حالت میں سڑک کے بیچ و بیچ کھڑی

تھی۔ کہاں ہے تمھارا بے غیرت بھائی؟! تمھارا وہ بے غیرت باپ؟؟

۔ آریان اس کا جبڑہ ایک جھٹکے سے چھوڑتے گرجا۔

میرے۔۔ لالا۔۔ بب۔۔ بے۔۔۔ غیرت۔۔۔ نہیں۔۔ ہیں۔ میرے۔۔ لالا۔۔۔ کو۔۔۔ کک۔۔ کچھ۔۔ نہ۔۔ کہنا۔۔ زرمش روتے ہوے ہوے ٹوٹے لفظوں سے گہرے سانس لیتے خوفزدہ ہوتے بولی۔

بے غیرت ہے تمھارا لالا۔ تمھارا باپ حاکم خان۔۔ بغیرت بزدل نامرد ہے حاکم خان!! آریان خانزادہ حلق کے بل دھاڑ اٹھا تھا۔

میرے۔۔ لالا۔۔ کو۔۔ کک۔۔۔ کچھ۔۔ مت۔۔ کہو۔۔ زرمش سسکتے ہوے بولی۔ حیدر خان کے لیے بولا گیا بغیرت لفظ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

بغیرت ہی بولیں گے سب تمھارے لالا کو!! جب میں تمھیں تار تار کر کے تمھیں تمھاری حویلی کے آگے پھینک کر آؤں گا۔ ذلت سے مر جائے گا۔ پھانسی لگا لے گا وہ تمھارا لالا خود کو۔۔ آریان اس کی آنکھوں میں دیکھتے سفاکی سے بولا تھا۔ زرمش سر نفی میں ہلاتے ہوئے رو پڑی تھی۔۔

کبھی تم نے پنکھے میں لٹکی لاش دیکھی ہے۔ آریان خانزادہ زرمش کے ملایم گال پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے سرد برفیلے لہجے میں بولتے تو زرمش کو وہ کوئی پاگل ہی لگا تھا۔

زرمش اس کی طرف دیکھتے کانپتے ہوئے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔۔

کوئی بات نہیں۔ اب دیکھ لو گی۔ جب حیدر خان خود کو پھانسی لگا لے گا یا گولی مار دے گا۔ آریان خانزادہ استھزائیہ ہنسا۔

زرمش اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے اب کانپتے ہوئے سسکیاں بھر رہی تھی۔ مقابل سے بڑھ کر اس دنیا میں اس کے لیے خطرناک کوئی نہیں تھب۔

اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟؟ کانپ کیوں رہی ہو؟؟ پہلی بار تو نہیں ہو گا تمھارے ساتھ۔۔ آریان خانزادہ اس کے ہاتھ لبوں سے ہٹائے اس کی کلائیاں اپنی آہنی گرفت میں جکڑ گیا تھا۔

زرمش کی آنکھیں خوف سے مزید پھیلیں تھیں۔ آنکھیں خطرناک حد تک پھٹنے کی حد تک کھلی تھیں۔

مجھے دیکھ بھی چکی ہو تم! اُب کیا پردہ تمھارے اور میرے بیچ؟؟ صرف کچھ پردے کھسکانے کی دیر ہے۔ پھر کوئی شرم وحیا نہیں رہے گی۔۔ ہاں مجھ سے ویسے ڈرنا چاہیے۔۔ مجھے برداشت نہیں کر سکو گی۔ نہ مجھے اور نہ میرے

انداز کو اتنا برا حال کروں گا۔ آریان خانزادہ اس کے لبوں کو اپنے فوکس میں لیتے برفیلے لہجے میں بولا تو ابرش کی ریڑھ کی ہڈی منمند ہوتے سرد ہوئی تھی۔

مم مجھے مت چھونا!! ابرش شدیت گریہ سے تڑپتے ہوے چیخی تھی۔ مقابل کی آگ جیسی سانسوں کی تپش اپنے لبوں پر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ہونٹوں کو چھو لیتا وہ تو تڑپ کر اپنی جان دے دیتی۔

زرمش اس کے حصار میں اس کے نیچے دبی اس کے دہکتی سانسوں کی بوچھاڑ سے بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

اتنا تڑپ کیوں رہی ہو ہاں؟؟ تڑپنا تو مجھے چاہیے۔۔ آہ گریہ تو مجھے کرنا چاہیے۔ تم جیسی لڑکی جس کی طرف آریان خانزادہ دیکھنا پسند نہ کرے ۔اسے آریان خانزادہ اپنے جسم کی گرمی دینے والا ہے۔ تمھیں چھوتے

ہوے دیکھتے ہوے بھی مجھے خود سے نفرت ہو رہی ہے۔ آج تک کسی لڑکی کو آریان خانزادہ نے اپنے اتنے قریب نہیں آنے دیا۔ جتنی تم جیسی بے شرم بے حیا لڑکی میرے قریب آچکی ہے۔۔ آریان خانزادہ جھوٹا کھانا نہیں کھاتا کسی کا۔ مگر آج تم جیسی جوٹھی ناپاک غلیظ لڑکی کو چھونا پڑے گا۔ وہ نفرت سے ایک ایک لفظ چباتے غراتے ہوے اس کی گردن پر جھکا

تم ایک گدھ ہو آریان خانزادہ۔ جو مردود کی تلاش میں پھرتا ہے۔ جہاں مردود ملا تم اس پر جھپٹ پڑتے ہو۔ تم خان نہیں ہو سکتے۔ تمھارے اندر کوئی گندہ خون دوڑ رہا۔۔۔

آریان خانزادہ کا بھاری تھپڑ اس کی زبان گنگ کرتے زرمش کے لفظوں کو حلق میں گھونٹ چکا تھا۔

آریان کے بھاری تھپڑ سے ہونٹوں سے نکلا خون حلق اور اس کے ہونٹ کے کنارے سے بہتا اس کی ٹھوڑی کو بھگونے لگا تھا۔

آریان خانزادہ کے بھاری تھپڑ نے اس کے حواص چھین لیے تھے۔۔ایک تھپڑ اور مار ہی تھی جو اسے آج تک نہیں پڑی تھی۔ دھتکار بہت ملی مگر مار نہیں۔ آج مقابل کا ایک تھپڑ ساری دھتکار پر بھاری تھا۔ اتنا جاندار تھپڑ تھا جو اس کے جسم سے جان نکال چکا تھا۔

کیا کہا تم نے ؟؟ مجھے گالی دی میرے خون کو گندا کہا۔ وہ اس کے بالوں کو گدی سے جکڑتے پاگل ہوتے غرا اٹھا۔

ہاں !! مم میں ہو۔ ہاں۔۔۔ میں۔۔ ہوں۔۔۔ ناپاک۔۔۔

وجود۔۔ تت۔۔۔۔ تم سے۔۔ پہلے۔۔ بن۔۔ چکی۔۔۔ ہوں۔ میں۔۔

کسی۔۔۔ مرد۔۔۔ کی۔۔ زینت !! تو۔۔۔ پھر۔۔۔ کیوں۔۔۔۔ چھو۔۔۔

رہے۔۔۔ ہو۔۔ مجھے۔ مان۔۔۔ لو۔۔ تم۔۔ ایک۔۔۔ خانزادہ

۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ صرف۔۔۔ گدھ۔۔۔ ہو۔۔۔ گدھ۔۔ ہو۔۔۔ تم

۔زرمش اس کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں سے بولی۔

مقابل کے خوف سے اس کی ہڈیاں سرد ہو رہی تھیں۔ رگوں میں دوڑتا خون منجمند ہو رہا تھا. مگر اس وقت اسے اپنی عزت کا سب سے زیادہ خوف تھا۔ جو مقابل کے خوف سے کہیں بڑھ کر تھا کہ وہ خود کے لیے مقابل کا بولا گیا ہر لفظ مان چکی تھی۔۔ مگر اس کا لمس گوارا نہ تھا۔ ورنہ وہ اپنی جان دے دیتی۔

مجھے گالی دی آریان خانزادہ کو گالی دی۔ وہ بھی تم

جیسی عورت نے جو خود ایک گندہ خون اور گندگی کا ڈھیر ہے۔ آریان پاگل ہوتے اس کی گردن دبوچ گیا تھا۔

اس کی گرفت سے زرمش کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہوئی ت۔اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔

تم مجھے جانتی نہیں میں کون ہوں؟؟میں

scariest animal

ہوں

Most scariest scariest animal

آریان خانزادہ

وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

اپنی اوقات تم نے خود ہی بتادی۔۔تم کتنی ستی ساوتری ہو۔تم جیسی عورت کو آریان خانزادہ مر کر بھی نہ چھوے۔تمھیں چھونا اپنے دوڑنے والے

پاک خون کی بے حرمتی کرنا ہے۔ میرے اندر فارس خان اور شازمینہ کا پاک خون دوڑ رہا ہے۔۔۔ جو میرے لیے اس روئے زمین پر سب سے پاک خون ہے۔ آریان خانزادہ اس کی گردن کو چھوڑتے اس کے اوپر سے ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

زرمش گہرے سانس لیتے اپنا گلہ جکڑے کھانستے ہوئے رخ پلٹ گئی تھی۔ اس کی سانسیں بری طرح اکھڑ رہی تھیں۔

آریان خانزادہ کھڑا اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اب تو وہ اس وجود کو ایک پل کے لیے اپنی حویلی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

آریان خانزادہ نے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچا وہ بیڈ سے گھسیٹتے ہوئے اس کے قدموں میں گری تھی۔۔ اب وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی

اپنی گردن کو جکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔ بہت بری طرح مقابل نے اس کی سانسیں کھینچی تھیں۔

اریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے بے دردی سے کھینچتا کھڑا کر چکا تھا۔ وہ بری طرح کپکپا رہی تھی

وہ بے دردی سے اس کی کلائی کھینچتے آگے بڑھا۔ زرمش اس کے حصار میں کھنچتی جا رہی تھی۔

ایک ہاتھ وہ ابھی تک گردن پر رکھے ہوے تھی۔ دوسرا ہاتھ آریان خانزادہ اپنی بے رحم گرفت میں جکڑے ہوے تھا۔ وہ بے حال سی اس کے ساتھ اگھسٹتی کھانستی جا رہی تھی۔

آریان اسے گھسیٹتے ہوے داخلی دروازے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا

۔

زرمش کے دامن کی گرہ کھلی تھی۔ جس میں سے بادام گرتے فرش پر بکھرے تھے۔

آریان خانزادہ کے قدم ایک پل کے لیے رکے تھے۔اس نے ان باداموں کو دیکھتے زرمش پر استھزائیہ نگاہیں گاڑھیں۔

زرمش نے سسکتے ہوے باداموں کو دیکھتے خوفزدہ نگاہوں سے آریان کو دیکھا۔

آریان اس پر نفرت امیز نگاہیں گاڑھے آگے بڑھ گیا تھا۔۔زرمش کی سسکیاں اور چیخیں اب بڑی سی حویلی میں گونج رہی تھیں۔دو قدم چلنا بھی

اب محال تھا۔اس کی آنکھیں نقاہت اور آریان کے تھپڑ سے اب بند ہو رہی تھیں۔

وہ داخلی دروازہ کھولتے اسے گھسیٹتے ہوئے باہر بڑھا۔

بجلی کی کڑک اور تیز بارش سے خوفزدہ ہوتے وہ دوسرے ہاتھ سے اس ستم گر کا بازو جکڑے اسی میں میں سمائی تھی۔بہت خوفناک موسم ہو رہا تھا۔بڑے بڑے پہاڑ اندھیری تاریک رات اور شدید سردی کی لہر ۔۔زرمش کو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی وہ کس کی پناہ میں جائے۔وہ ڈرتے کانپتے اسی ستم گر کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔

وہ اسے اچھوت کی طرح خود سے دور دھکیل چکا تھا۔زرمش بری طرح لڑکھڑائی تھی۔وہ اس کی کلائی پر گرفت بڑھاتے کھینچ گیا

کارپورچ سے گزرتے ہوئے وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ زرمش اس کے قدموں کا ساتھ دیتے تقریباً بھاگ رہی تھی۔۔ رکتی تو وہ بے رحمی سے گھسیٹتا تو وہ اس کے پتھر وجود سے بری طرح ٹکرا جاتی تھی

کارپورچ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تاریکی نے اتنی بڑی حویلی اور گھنے جنگل جیسے لان کو گھیرے ہوئے تھا۔۔ خوف سے زرمش کا رواں رواں لرز رہا تھا۔

زرمش اپنے آنسو اب بے دردی سے رگڑتی اس کے قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔۔ برفیلی ہوائیں زرمش کی ہڈیوں میں سماتے اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھی۔ گیلا فراک برستی بارش میں مزید گیلا ہوتے بدن کے ساتھ چپک رہا تھا۔ کارپورچ اور گیٹ میں پر کوئی ملازم نہیں تھا۔ اتنی سردی اور خطرناک بارش میں کوئی کیسے یہاں زندہ رہ سکتا تھا؟؟

زرمش خان کی بھی تو سانسیں جیسے اکھڑ رہی تھیں۔ وہ مر رہی تھی۔ وہ تھا کہ زمینی خدا بنا اس کی سانسیں چھین رہا تھا۔

یا خدا۔۔۔ گیٹ تک پہنچتے زرمش آسمان کی طرف دیکھتے کرب سے چیخی تھی۔ کوئی بھی تو اس کی فریاد سننے والا نہ تھا۔

وہ بڑا سا بھاری سلائیڈنگ گیٹ ایک ہاتھ سے ہی کھول چکا تھا۔ گیٹ دیوار کے ساتھ ٹکراتے بجلی کی کڑک اور طوفانی بارش کو مزید خوفناک بناتے زرمش کی سانسیں اب سچ روک چکا تھا۔ آریان خانزادہ اسے بے رددی گیٹ سے باہر دھکا دیتے گیٹ بند کر چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حور ارحام خانزادہ کے سینے پر اس کی سفید ٹی شرٹ پہنے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے مقابل کی قربت میں کچھ دیر گزارتے اس کی شدتیں سہتے ہوے بے حال سی تھی۔

ارحام اس کے گیلے بالوں کو کب سے انگلیوں سے سلجھاتے اس کی کمر کو ایک ہاتھ سے جکڑے ہوے تھا۔

ارحام!! حور نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

جی جان ارحام!! ارحام خانزادہ نے اسے مزید خود میں بھینچتے ہوے گھمبیر آواز میں جواباً اسے پکارا۔

مجھے لگا صبح ہو گئی ہے۔ مجھے پریذے کے پاس جانا تھا۔ مگر ابھی تو رات کے تین بج رہے ہیں۔ حور ارحام کی خمار سے سرخ آنکھوں میں دیکھتے مدھم سا

شرمیلی مسکرائی تھی۔۔ قربت کے بعد بھی مقابل کی آنکھیں خمار زدہ ہی رہتی تھیں۔

میرا بچہ !! صبح چلیں گے ہم دونوں اپنی بیٹی کے کمرے میں۔ ارحام نے اس کے سرخ لبوں پر انگوٹھا پھیرتے گھمبیر آواز میں کہا۔

ارحام !!وہ مجھ سے ناراض ہو گی۔ میں نے اس کی برتھڈے خراب کر دی۔۔ ارحام میں اچھی ماما نہیں ہوں۔ کوئی ماما کیا اپنی ہی بیٹی کی برتھڈے خراب کر سکتی ہے ؟؟۔ حور بھیگے لہجے میں استفسار کرتے رو پڑی تھی۔

کیا ہو گیا مائی بیوٹیفل وائف ؟! پریذے ماما گرل نہیں ہے پاپا گرل ہے۔ اپنے پاپا کی طرح سٹرونگ۔۔ وہ تو بھول بھی گئی ہو گی۔ دیکھنا صبح ماما پاپا کرتے ہم دونوں کے گلے سے لگ جائے گی۔ ارحام نے ملائمت سے کہتے حور کے عارض سے بہتے آنسو اپنے انگوٹھے سے رب کیے۔

ارحام اسے ڈزنی لینڈ لے کر جائیں گے۔ وہ بہت خوش ہو گی۔ پتہ ہے پاپا مجھے میری ہر پر تھڈے پر ڈزنی لینڈ لے کر جاتے تھے۔ آپ ابھی ٹکٹس بک کروائیں ہم کل ہی ڈزنی لینڈ جائیں گے۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے آیکسائیٹڈ لہجے میں بولی۔

کام ڈاؤن میرا بچہ !! ارحام خانزادہ اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھتے مدھم مسکرایا تھا

۔

کیا مطلب کام ڈاؤن ارحام ؟! پریذے بیٹی ہے ہماری !! اس کا بر تھڈے ہماری وجہ سے spoil ہوا۔ ہمیں اسے منانے کے لیے یہ کرنا ہو گا۔ حور نے اب کی سنجیدگی سے کہتے اپنی بات پر زور دیا۔

میری جاناں!!جب تک میرا یہ بچہ دنیا میں نہیں آجاتا ہم کہیں نہیں جاسکتے ہمممم!!ارحام نے اس کے پیٹ کو ٹی شرٹ کے اندر سے نرمی سے چھوتے سنجیدگی سے کہا۔

پریذے کو کیسے منائیں گے ارحام؟؟مجھ سے اس کی ناراضگی برداشت نہیں ہوتی۔کچھ اچھا نہیں لگتا آپ بھی اچھے نہیں لگتے۔حور نروٹھے لہجے میں بولتے اس کے اوپر سے اٹھی ہی تھی وہ اسے بازو سے جکڑے خود کے ساتھ لپٹاتے اس کی کمر کو سختی سے جکڑ گیا تھا۔

پریذے کا پاپا بھی اپنی خوبصورت بیوی کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔اور ناراض ہونے کا بہت شوق ہو رہا تو میرے ساتھ لپٹ کر ناراض ہو جاؤ۔اب ناراضگی میں بھی خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔ارحام خانزادہ

رخ پلٹے بہت نرمی سے اسے بیڈ پر کرتے ہوے اس کی شرٹ اوپر کرتے اس کے پیٹ پر جھکے بہت نرمی سے وہاں لب رکھنے لگا۔

ارحام!!حور نے تڑپتے ہوے اسے پکارا۔اس کی بے باک گستاخیاں بھی ساتھ شروع ہو چکی تھیں۔

یہ تمھاری سزا تھی جاناں!!ارحام نے مسکراتے ہوے اس کے اوپر جھکتے ہوے حور کی نم ذدہ آنکھوں میں جھانکا۔

سزا!!حور نے گہرا سانس لیتے ارحام کی بہکی بہکی خمار ذدہ آنکھوں میں جھانکا

۔

جب تم مجھ سے زیادہ کسی کو اہمیت دیتی ہو یہ دل جل کر کوئلہ ہو جاتا ہے۔ ارحام خانزادہ نے برفیلے لہجے میں بولتے حور کی آنکھوں میں جھانکتے اسے جتایا۔

ہماری بیٹی ہے پریذے۔۔ حور ارحام کا سرد پن دیکھتے روہانسی ہوئی تھی۔

پریذے اور آنے والے میرے بیٹے شیر کے لیے اس کا پاپا کافی ہے پیار کرنے کے لیے۔ تم صرف میرے بچوں کے پاپا کے پیار کرنا۔۔ اور کسی سے پیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ارحام سنجیدگی سے بولتے اس کے لبوں پر جھک چکا تھا۔

حور نے اس کی ٹی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت میں ساتھ دیا۔

ارحام خانزادہ اس کی سانسوں میں نرم گرم ہلچل مچاتے پیچھے ہوا تھا۔

ارحام!! آپ کو بیٹا چاہیے؟؟ حور نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے گہرے سانس لیتے پوچھا۔

ہمم۔۔۔۔ بیٹی ہے میرے پاس!! اب بیٹا چاہیے۔ اور اس کے بعد ہماری فیملی مکمل!! مجھے اپنی بیوی کے کسی بھی حصے پر کسی کی دسترس قبول نہیں۔ ارحام نے ذو معنی انداز میں کہتے جھکتے ہوئے پھر سے بے باک شرارت کی تھی۔

ارحام!! ایک بچہ! حور نے تحیر زدہ ہوتے گہرا سانس لیتے پوچھا تھا۔ ارحام کی بے باک گستاخیاں اس کی رنگت سرخ کرتے اس کی سانسیں بھی بھاری کر جاتی تھیں۔

ایک نہیں تین بچے!ایک پریذے ایک میرا شیر اور ایک ان دونوں کی ماما۔۔ارحام نے شرارتی انداز میں بولتے ہوے حور کے پیٹ میں ہلکی سی گدگدی کی۔

حور کی کھکھلاہٹ پورے کمرے میں گونجی تھی۔

ارحام نے جھکتے ہوے اس کے ڈمپل پر دانت گاڑھے۔حور گال پر ہاتھ رکھے اب سسک پڑی۔

ارحام!!خان ہوتے آپ صرف دو بچوں پر خوش ہیں۔حور نے ارحام کی شرٹ جکڑتے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

حور کی بات پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا۔۔

مجھے اپنی خوبصورت بیوی کی خوبصورتی ہمیشہ چاہیے!!اور اس کے ساتھ رومانس بھی جی بھر کر کرنا ہے۔اب یہ بچہ میرے رومانس کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ورنہ ایسی شدتیں ایسا قہر ڈھانا تھا یہ کمرہ لرز جانا تھا۔

ارحام خانزادہ حور کو بے باکی سے آنکھ مارتے ہوئے اس پر جھکتے اس کی گردن پر دانت گاڑھ گیا۔

ارحام!!حور نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلا۔

ڈونٹ حور!!ڈونٹ حور!!ارحام خانزادہ نے اس کی کلائیاں تکیے پر لگاتا اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

ارحام!!حور روہانسی ہوئی تھی۔

ہر نخرہ اٹھاؤں گا۔ روٹھو گی جاناں مناؤں گا مگر خود سے دور جھٹکو گی مجھے پہلے والا ہی ظالم خانزادہ پاؤ گی جس نے پانچ مہینے بستر پر رکھ کر تم سے صرف lust پوری کی ہے۔ ارحام خانزادہ اس کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے اس کی ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اس انداز میں اس پر وزن ڈال گیا اس کا وزن پیٹ پر نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ اپنا سارا وزن حور کے دھڑکنوں پر منتقل کیے ہوے تھا۔

Arhaam you r lust_y khan i hate you

. حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے نروٹھے لہجے میں بولی

But i love you my ladylove my life

ارحام گھیمیر آواز میں کہتے اس کے لبوں جھکتے اپنے دہکتے لب رکھ کر اس کی سانسیں گھوٹ گیا.

اب کی بار حور نے ارحام کو خود سے دور نہیں دھکیلا تھا۔

ارحام بہت نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے اس کی سانسیں پی رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہونے پر ارحام خانزادہ نے اٹھ کر دروازہ کھول کر دردانہ سے کھانے کی ٹرالی پکڑی تھی۔

حور حیرانگی سے کھانے کی ٹرالی دیکھ رہی تھی۔ ارحام دروازہ لاک کرتے ہوے ٹرالی گھسیٹتے ہوے وہ حور کی طرف بڑھا۔

سائیڈ ٹیبل سے سینی ٹایزر کی بوتل سے ارحام خانزادہ نے اپنے ہاتھ کلین کرتے ہوئے وہ بیڈ پر حور کے سامنے بیٹھا۔

ارحام نے فریش اورنج جوس کا گلاس حور کی طرف بڑھایا تھا۔ حور نے لبوں سے لگائے وہ جوس کا گلاس گھونٹ گھونٹ بھرتے فنش کیا۔

دیٹس آ گڈ اینڈ سویٹ ماما آف مائی بیوٹیفل چایلڈز۔ ارحام مسکراتے ہوئے اس سے گلاس لیتے ٹرالی میں رکھ چکا تھا۔

ارحام رات کے تین بج رہے ہیں۔ ااور آپ نے اب کھانا بنوایا ہے۔ حور نے ٹرالی کی طرف دیکھا جو مختلف لوازمات سے سجی تھی۔ جس میں بیک ہوئی مٹن ران فوئل پیپر میں لپٹی تھی۔ بیک فش بھی فوئل پیپر میں لپٹی ہوئی تھی۔

۔ مٹن سوپ۔۔ فریش فروٹ ویجیلٹیبل اینڈ بوائلڈ چکن سیلڈ۔۔ چکن سینڈوچ اور بوایلز ایگز اور دودھ کا گلاس۔۔ اور مٹھی بھر کچھ ڈرائے فروٹس پلیٹ میں پڑے تھے۔

ارحام نے ٹرالی سے بوائل انڈہ اٹھاتے اس میں سے ہاف زردی الگ کرتے انڈہ حور کی طرف بڑھایا۔

حور نے ارحام کے ہاتھوں سے ہی وہ ایگ کی چھوٹی سی بایٹ لی تھی۔۔

دردانہ کو میں نے سپیشلی کہا ہے وہ رات کو جب تمھیں بھوک لگے تمھیں کچھ کھانے کو بنا کر دے۔ تمھیں کسی بھی چیز کی کریونگ ہو وہ تمھیں بنا کر دے گی۔ براونیز کیک چاکلیٹس کچھ بھی باہر کا الم غلم تم نہیں کھاؤ گی۔ مجھے میرا بچہ بلکل تمھارے جتنا خوبصورت چاہیے اور صحت مند بھی۔

تمھیں اٹیلین تھائی چاینز فوڈ کچھ بھی کھانے کو من کرے دردانہ کو سب بنانا آتا ہے۔۔ ارحام نے باقی ایگ اپنے منہ میں ڈالتے ٹرالی سے مٹن کا سوپ والا باؤل پکڑتے چمچ بھر کر حور کے منہ کی طرف بڑھایا۔ حور نے منہ کھولتے سپ لیا تھا۔

تمھیں اچھا لگ رہا ہے سمیل تو نہیں آ رہی

meat!!

سے سمیل آ رہی۔ ارحام نے حور کو سوپ پلاتے ہوے پوچھا۔

نہیں مجھے سب اچھا لگ رہا ہے ارحام۔۔ حور نے ارحام کے ہاتھ سے سوپ پیتے ہوے کہا۔

گڈ تم مجھے تنگ نہیں کرو گی۔ نہ تمھیں

craving

ہو رہی ہے نہ موڈ سونگز اور رومانس بھی اچھا لگ رہا ہے۔ ارحام شرارتی انداز میں کہتے باؤل ٹرالی میں رکھتے حور کے قریب ہوا۔

حور ارحام کو ناسمجھی سے دیکھتے مسکرائی تھی۔ اسے موڈ سونگز craving کا کچھ نہیں پتہ تھا۔

ارحام اس سے بار بار کیا پوچھ رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس حالت میں کس قسم کے موڈز سونگز اور

craving

ہوتی ہے۔

ارحام میں اتنی رات کو اتنا ہیوی نہیں کھا سکوں گی۔ ارحام نے مٹن کا ٹکڑا کانٹے سے اٹھا کر حور کی طرف بڑھایا تو حور بول اٹھی تھی۔

حور نے ارحام کا بڑھے ہوے ہاتھ سے بایٹ لیتے ارحام کو دیکھا جو مٹن ران چھری کانٹے سے علیحدہ کر رہا تھا۔

ارحام میں اور نہیں کھاؤں گی۔ حور روہانسی ہوئی تھی۔

یہ تمھارے لیے نہیں ہے میرے لیے ہے۔ رات سے محنت کروا رہی ہوں ڈایٹ نہیں لوں گا کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ ارحام نے ابلا ہوا انڈا اٹھاتے اپنے منہ میں ڈالا تھا۔ دوسری بایٹ کانٹے سے مٹن کی لی تھی۔

حور نے حیرانگی سے مٹن کی مقدار دیکھی تھی۔ وہ یہ سب کچھ کھانے والا تھا وہ حیران ہوئی تھی۔

ارحام نے مسکراتے ہوے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ حور نے گہرا سانس لیتے دودھ کا گلاس پکڑتے لبوں سے لگاتے سامنے بیٹھے پہاڑی خان کو دیکھا جو مٹن اور فش کانٹے سے بہت رغبت سے کھا رہا تھا۔۔

حور کے دیکھنے پر ارحام نے حور کو آنکھ ونک کرتے مسکراتے ہوے دیکھا۔

حور مدھم سا ہنستے ہوے دودھ کے گلاس کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگی۔

زاران اپنی بلیک ٹی شرٹ پہنتے غصے سے کمرے سے نکلتا تیز تیز سڑھیاں اترا تھا۔ سفید رنگت میں طیش و اشتعال سے سرخیاں پھیلی تھیں۔ وہ یقیناً نایٹ میں ہی باہر گئی ہے۔ یہ بات زاران کی دماغ کی رگیں پھڑکاتے اسے بھڑکتی آگ کا گولہ بنا چکے تھے۔

وہ کئی سیڑھیاں ایک ہی ساتھ پھلانگتا عنائیہ کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھا۔

عنائیہ کے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جماتے وہ رکا تھا۔ یہ کمرہ عنائیہ کا تھا وہ ایسے اندر نہیں جا سکتا تھا۔

زاران نے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے اندر دبے غصے پر بمشکل قابو پاتے ہوے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔

اندر سے کوئی جواب نہ ملنے پر زاران نے غصے سے دروازہ اب کی بار بہت زور سے بجایا تھا۔

عنائیہ کے دروازہ کھولنے پر زاران خانزادہ اپنی نظریں یکدم چرا گیا تھا۔ وہ کھلے سے ٹراوزر پر ہاف سلیوز ٹی شارٹ سی شرٹ میں ملبوس تھی۔

جی بھائی!!عنائیہ نے جمائی لیتے زاران سے پوچھا۔

ابرش یہاں ہے۔زاران نے نظریں جھکائے پوچھا تھا۔

بھائی وہ ادھر نہیں ہیں۔عنائیہ زاران کو دیکھتے معصومیت سے سر نفی میں ہلاتے جواب دیا۔

یہاں نہیں ہے؟؟زاران نے حیران ہوتے دانت پیسے تھے۔

جی بھائی یہاں نہیں ہیں۔عنائیہ نے کہتے ساتھ ہی جلدی سے دروازہ بند کیا۔

زاران اپنا مضبوط ہاتھ دروازے پر جماتے دروازہ کھول چکا تھا۔

بھائی کیا ہوا؟؟عنائیہ نے حیران ہوتے زاران کو دیکھا

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے بنا کوئی جواب دیے بغیر کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے میں داخل ہوتے زاران نے چاروں طرف کمرے میں نظریں دوڑائیں۔وہ کہیں نہیں تھی۔

بھائی میں کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

زاران نے لبوں پر انگلی رکھتے عنائیہ کو سرد نگاہوں سے دیکھتے خاموش رہنے کو کہا تھا۔عنائیہ اس کی سرد نگاہ پر خاموش ہو گئی تھی

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے خاموشی سے بیٹھا۔

واش روم سے پانی گرنے کی آواز پر وہ سمجھ گیا تھا اس کی بیوی شاور لے رہی ہے۔

عنائیہ نے گہرا سانس لیتے واش روم کی طرف دیکھتے ایک نظر زاران کو دیکھا جو اپنی گھنی بیرڈ سہلاتے ہوئے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

زاران کا سرد سرخ چہرہ اور آنکھوں کی سرخی دیکھتے عنائیہ نے جھرجھری لی تھی۔

پتہ نہیں یہ خانزادہ کس کے کرش ہوتے ہیں؟!۔مجھے تو ان خانزادوں کو دیکھتے صرف جھرجھری آتی ہے۔

بلڈی سک خانزاداز آف ان حویلی۔۔عنائیہ نے زاران کے سرد چہرے کو دیکھتے گہرے سانس لیا۔ابرش پر اسے ترس آیا تھا۔

چلا گیا وہ منسٹر خانزادہ!! سمجھتا کیا ہے وہ خود کو؟!ابرش پاشا اس کی جاگیر ہے۔نووے اب ابرش پاشا وہ نہیں رہی۔جو کبھی منسٹر پر مرتی تھی۔آج

اس کا کمرہ چھوڑا ہے۔ کل کو یہ حویلی بھی چھوڑ دوں گی اور وہ یہ منسٹر کچھ نہیں کر سکے گا۔ ابرش نے واش روم سے نکلتے ہوئے اپنے بالوں سے ٹاول اتارتے ہوئے غصے سے بیڈ پر پٹختے ہوئے ڈریسنگ مرر میں دیکھا

وہ اس وقت پیروں تک آتے عنائیہ کے باتھ روب گاؤن میں ملبوس تھی۔۔

ابرش کی بات پر زاران کی رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔ آنکھوں میں اسی لمحے لہو اترا تھا۔

عنائیہ نے فق رنگت سے گھبراتے ہوئے ابرش کو دیکھا جو ابھی تک کمرے میں بیٹھے زاران کو دیکھ ہی نہ سکی تھی۔

وہ اتنی ہی جذباتی تھی غصے اور جذبات میں نہ سوچتی تھی نہ کچھ دیکھتی تھی

یہ بلڈی سک خانزادے ہیں اس حویلی کے !!امریکہ جا کر ہی ان خانزادوں سے جان چھوٹ سکتی ہے۔امریکہ کی ایمبیسی ہی ان سفاک خانزادوں سے نپٹ سکتی ہے۔

ابرش نے مڑتے ہوے عنائیہ کو دیکھتے کہا۔سامنے صوفے پر بیٹھے زاران کو دیکھتے اس کی رنگت زرد ہوئی تھی۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے پیچھے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

زاران کی رنگت میں شدید سرخیاں گھلی دیکھ کر وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھی۔

اس سے پہلے وہ واش روم کے اندر داخل ہوتے لاک لگاتی۔ زاران ایک ہی جست میں صوفے سے اٹھتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنے قریب کر چکا تھا۔

ابرش اس کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔

زاران۔۔۔ عنائیہ۔۔۔ ہے۔۔ ادھر۔۔۔ ابرش نے زاران کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے اسے عنائیہ کی موجودگی کا احساس دلایا۔

وہ اسے کمر سے سختی سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی براؤن شہد رنگ آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

جو بکواس کر رہی تھی۔ اس حویلی سے بھاگنے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ تب تمھیں خیال نہیں آیا ادھر عنائیہ ہے۔ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے غرایا۔

بھائی آپی غصے میں تھی آپ جانتے ہیں آپی جذباتی ہے۔ عنائیہ وضاحت دیتے زاران کی طرف بڑھی

اگر یہ جذباتی ہے تو زاران خانزادہ اس سے بڑھ کر پاگل ہے۔

ابھی تو اپنا پاگل پن دکھایا ہی نہیں اپنی جذباتی بیوی کو۔ کوئی بات نہیں آج میرا پاگل پن دیکھ کر یہ اپنا جذباتی پن بھول جائے گی۔ زاران ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے لبوں سے برفیلے لہجے میں بولتے ہوے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔ عنائیہ کے قدم وہیں

ٹھہرے تھے۔ زاران کے برفیلے لہجے پر ابرش کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔

تم میرے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکتے۔۔ میرے پاس امریکہ کی نیشنلٹی ہے۔ میری ایمبیسی بہت کچھ کر سکتی ہے تم جانتے ہو مسٹر خانزادہ۔ ابرش زاران کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے دھمکی دے گئی تھی۔

ابرش کی دھمکی پر عنائیہ نے دانت تاسف سے سر ہلاتے اپنی بیوقوف بہن کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

ابھی تو تمھیں میں بتاؤں گا میں کیا کر سکتا ہوں۔ اور جو میں آج کروں گا تم اپنی ایمبیسی کا نام لینا بھی بھول جاؤ گی۔ کوئی تمہارے سامنے امریکہ کا بھی

نام لے گا تم حیرانگی سے دیکھو گی کہ یہ کس بلا کا نام ہے۔ زاران خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔

ابرش نے اس کی دھمکی پر اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی وہ اسے بازو سے جکڑے دروازے کی طرف بڑھا

زاران!! ابرش اس کے ساتھ کھنچتی چیخی تھی۔

شش۔۔۔ زاران نے مڑتے ہوئے اپنے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے سرد سرخ تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔

ابرش اس کی سرد سرخ نگاہ پر خاموش ہوئی تھی۔

زاران نے کمرے میں نظریں دوڑاتے ہوے ابرش کی شال تلاش کرنا چاہی جو اسے بیڈ پر پڑی نظر آئی تھی۔ وہ ابرش کو بازو سے جکڑے ہی بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

شال اٹھا کر اس نے ابرش کے گرد اوڑھائی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اسے بازو سے جکڑے تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکلتے ہوے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے سڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے اسے کمرے کے بیڈ پڑ بے دردی سے دھکیل گیا تھا۔

ابرش اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔ ابرش اسی لمحے بیڈ سے اٹھتے تیزی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔ زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے دیوار میں پٹخ گیا تھا۔

بہت زبان چل رہی تھی تمھاری اب بکواس کرو بتاؤ مجھے میری حویلی سے بھاگنے کا آرادہ ہے تمھارا؟؟ مجھ سے جان چھڑوانی ہے اور مجھ سے تمھاری ایمبیسی نبٹے گی ہاں۔ زاران اس کے گرد دیوار پر ہاتھ مارتے گرجا۔

تم میرے ساتھ جو سلوک کرتے ہو۔ یہ اس کا رد عمل تھا مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے چٹختے ہوے بولی۔

کیا سلوک کرتا ہوں تمھارے ساتھ بتاؤ مجھے ؟؟ بتاؤ مجھے میری غلطیوں کی لسٹ۔۔ مجھے بھی پتہ چلے میں نے آخر کیا کیا ہے ؟!۔ زاران دیوار پر پوری قوت سے مکہ مارتے غصے سے چلایا تھا۔

یہ یہ جو چلا رہے ہو۔۔ ایسے کوئی بات کرتا ہے اپنی بیوی سے۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولتے اس کی آنکھوں میں بھیگی شکوہ کناں نگاہیں گاڑھ گئی

کوئی بیوی آدھی رات کو شوہر کی طلب ضروت کو اگنور کرتے کمرے سے نکل کر اپنی بہن کے پاس جا کر بھاگنے کے پلین بناتی ہے تو بیوی اسی سلوک کی حقدار ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔۔ زاران اسے شعلہ بار نگاہوں سے لفظ چباتے ہوے برفیلے لہجے میں بولا۔

بیوی صرف ضرورت کے لیے یاد آئے تو وہ شوہر بھی اسی سلوک کی حقدار ہوتا ہے۔

ابرش کی بات پر زاران اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے پیچھے ہوا تھا۔ ورنہ پتہ نہیں وہ کیا کرتا مقابل پر اسے بہت غصہ آرہا تھا وہ اس کی حویلی

اسے چھوڑنے کا سوچ بھی سکتی ہے۔ یہ بات اس کے اندر طیش والم کے آلاؤ جلا رہی تھی۔

مجھے بتاؤ پھر کب یاد کروں تمھیں؟! تم ہی ہو ناں میرے پاس یہ طلب مٹانے کے لیے تو کہاں جاؤں میں؟؟ زاران اس کے قریب ہوتا دھاڑا تھا۔

جہاں بھی جاؤ مسٹر خانزادہ مگر میرے قریب مت آنا۔ ابرش لرزتے ہوے بھیگے لہجے میں بولتے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جما گئی تھی۔

کیا چاہتی ہو کھل کر بتاؤ مجھے؟؟ زاران نے اس کی بات پر اپنا غصہ بمشکل ظبط کرتے ہوے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

مجھے تمھارے ساتھ نہیں رہنا۔ ابرش نے لرزتے لبوں سے کہتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آنکھیں میچیں۔ زاران کی آنکھوں میں اسی لمحے خون اترا تھا۔

آنکھیں کھولو!! زاران اس کی میچی آنکھیں دیکھتے غرایا تھا۔ ابرش نے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا۔۔

طلاق چاہتی ہو مجھ سے؟! زاران کے سرد برفیلے سوال پر اس کی آنکھوں کی شبنم بڑھی تھی۔۔

تم دینا چاہتے ہو طلاق۔ ابرش کی بھیگی بے یقین آواز پر زاران خانزادہ نے اپنے بال مٹھی میں جکڑتے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر خارج کیا تھا۔ مقابل جلد اسے پاگل کرنے والا اتنا تو وہ جانتا تھا۔

دینا چاہتے ہو مجھے طلاق ؟؟۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

بکواس بند کرو اپنی تم !! خانزادہ ہوں میں تمھیں جان سے مار ڈال سکتا ہوں طلاق نہیں دے سکتا۔۔ زاران اس کا جبڑہ دبوچتے اس پر سلگتی سانسیں چھوڑتے ہوے بولا۔

مجھے اتنا بتاؤ ہمت کیسے ہوئی تمھاری نایٹ میں کمرے سے باہر جانے کی ؟؟ اور میری حویلی سے بھاگنے کا سوچنا بھی۔ ایک بار حویلی سے بھاگ کر نتیجہ دیکھ چکی ہو جانتی ہو ناں کیا ہوا تھا۔ اب کیا گل کھلانا چاہتی ہو۔ زاران نے شعلہ بار طنزیہ لہجے میں استفسار کیا تھا۔

تم مجھے طعنہ دے رہے ہو زاران۔ جانتے ہو اس وقت میری ذہنی کنڈیشن کیا تھی ؟!۔ اپنا بچہ کھویا تھا میں نے !! تم نے ہر چیز مجھ سے چھپائی۔ تمھاری

وجہ سے ہوا وہ سب۔ تمھاری وجہ سے میں اس ذلیل بہزاد کے پاس پہنچی۔۔ برش اس کا ہاتھ اپنے جبڑے سے چھڑواتے ہوے ہذیانی چیخی تھی ۔زاران کا طعنہ برداشت نہیں ہوا تھا

زاران اسے کلائی سے جکڑے بیڈ پر پٹخ گیا۔ ابرش سیدھی بیڈ پر گری تھی ۔زاران اسے کوئی بھی وقع دیے بغیر اس کی طرف بڑھتے ایک گھٹنہ اس کی ٹانگوں پر رکھے اس پر جھکا۔

ابرش ساکت ہوئی تھی وہ اپنا گھٹنہ بہت بے دردی سے اس پر رکھے ہوے تھا۔

تب تو اس ذلیل بہزاد کے پاس پہنچی تھی مگر اب کی بار قبر میں پہنچو گی۔ وہ اس کا تڑپنا محسوس کرتے اپنا گھٹنا اس کی ٹانگوں سے ہٹاتے اس پر جھکتے اپنا

مکمل وزن ڈالتے ہوے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ گیا۔ ابرش اس کی گرفت میں مچل اٹھی تھی۔

میری بات سنو ابرش!! کان کھول کر سنو!! اگر تم نے حویلی سے باہر قدم بھی رکھنے کی کوشش کی۔ میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کرتے چیل کوؤں کو کھل دوں گا۔ اسے میری دھمکی مت سمجھنا۔ اس بار ایسا ہی کروں گا۔ تم مجھے جانتی ہو اچھی طرح یہ میں کر سکتا ہوں۔ زاران اس کے بال گدی سے دبوچتے ہوے غرایا تھا۔

ابرش اس کے حصار میں بن اب مچھلی کی تڑپتی ہوئی اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ وہ اس کی گرفت میں سانس بھی نہیں لے پا رہی تھی وہ اتنی بری طرح اپنے قابو کیے ہوے تھا۔

گڈ!! تم نے اثبات میں سر ہلا کر اچھا کیا ہے۔ تم چاہو بھی اب میری حویلی سے نہیں جا سکتی۔ اس بار میں تمھاری سانسیں ایسی تنگ کروں گا۔ حویلی سے باہر صرف تمھارا جنازہ ہی جائے گا۔ وہ اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانس گھوٹ چکا تھا۔

ابرش اس کے بے رحم لمس اور اس کے پہاڑ جیسے وجود کے نیچے ساکت ہوئی تھی۔

زاران کی کس پر ابرش کی گھٹی گھٹی سسکیاں برامد ہوئی تھیں۔ وہ بہت بے دردی سے اس کی دھڑکنوں کو سفاکی سے ہاتھوں سے چھوتے اس کے نچلے لب پر دانت گاڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں اور دانتوں کی بے رحمی سے وہ بری طرح تڑپتے ہوے سسک رہی تھی

زاران اس کی سسکیاں سنتے اس کی کلائیاں جکڑ گیا۔

تم میرے پاس نہیں آنا چاہتی۔اس لیے کمرے سے نکلی تھی۔

میرے دل سے اپنی طلب ختم کر چکی ہو یہ بکواس کر کے۔۔

میری حویلی سے بھاگو گی میری حویلی سے۔۔زاران زخمی اس کی آنکھوں میں دیکھتے درندے کی مانند غرایا تھا۔وہ ابھی بھی حویلی چھوڑ کر جانے کا سوچ سکتی ہے اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

درد ہوا ناں مسٹر خانزادہ!!مجھے بھی درد ہوتا ہے تمھاری باتوں سے۔ابرش زخمی لہجے میں بولی تھی۔زاران اس کی بات پر کچھ پل اسے دیکھتا رہا اس کی کلائیاں چھوڑتے ہوے وہ اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔وہ اسی لمحے رخ موڑ چکی تھی۔

زاران نے سائیڈ ٹیبل سے واز اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔

ابرش بری طرح لرزی تھی۔ زاران ڈریسنگ روم کی طرف غصے سے بڑھا تھا۔ اپنا کوٹ کار کی چابیاں اٹھائے وہ کمرے میں آیا۔ ابرش اوندھے منہ لیٹے سسک رہی تھی

فارم ہاوس جا رہا ہوں صبح لوٹ آؤں گا۔۔ میرے آنے تک کمرے سے نکلنے کی غلطی مت کرنا۔ زاران دھمکی امیز لہجے میں کہتے دروازے کی طرف بڑھا۔ ابرش کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

زاران کچھ. پل اس کی سسکیاں سنتا رہا تھا۔ اس نے پلٹتے ہوے ہاتھ میں پکڑی چابی اور موبایل زمین پر پوری قوت سے مارا تھا۔ دوسرے لمحے وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ کوٹ اتارتے ہوے اس نے زمین پر

پھینکا تھا۔ اپنی ٹی شرٹ اتارتے ہوئے زمین پر اچھالی تھی۔ صوفے پر لیٹے وہ اپنی آنکھوں پر بازو رکھے آنکھیں موند گیا تھا۔

آریان خانزادہ نے اپنے سر دائیں بائیں ہلاتے اپنے گیلے بالوں کو جھٹکتا۔ نم زدہ بالوں سے پانی شبنم کی صورت میں اس پر پھوار کی طرح برسا تھا۔ آریان خانزادہ نے اپنے گھنے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے واش روم کے خوبصورت فینسی مرر میں دیکھا۔۔ سرخ و سفید رنگت بے حد تیکھے نقوش مغرور نقوش جس پر ہلکی گھنی بیرڈ اس کی پرسنیلٹی میں کشش کا آضافہ کر رہی تھی۔ بئیرڈ۔ گہری سبز آنکھیں۔ کسرتی چوڑی باڈی۔۔ جس کے ایبز شرٹ سے بھی نمایاں ہوتے تھے۔۔ وہ یونانی دیوتاؤں سا حسن رکھتا تھا۔ لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ امریکہ میں کتنی ہی امریکن لڑکیاں یہاں

تک ایشیائی لڑکیاں تک اس کے گلے کا ہار بنتے اس کے بستر کی زینت بننے کو تیار رہتی تھیں۔۔ مگر وہ آریان فارس خانزادہ تھا جو کسی لڑکی کو دیکھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔

آریان خانزادہ نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ اپنے چوڑے کسرتی سینے پر رگڑا۔ جہاں پانی کے قطرے موتیوں کی مانند چمکتے معلوم ہو رہے تھے۔

آریان خانزادہ مرر میں مغروریت سے دیکھتے ہوئے اپنی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے واش روم سے باہر آیا۔

بیڈ پر پڑی اپنی سیاہ گرم ہڈی زیب تن کی تھی۔۔ رات طوفانی بارش کی وجہ سے سردی کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔

وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے کمرے سے نکلتا داخلی دروازے کی جانب بڑھا۔

اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ وہ باہر کار پورچ میں آیا ابھی بھی جیسے تاریکی کا سماں تھا۔ بارش ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔ برفیلی ٹھنڈی ہوائیں ہڈیوں کو چیرنے والی تھیں۔

وہ اپنے ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے کار پورچ سے بھاگتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھا۔۔ جاگنگ ایکسر سایز اونچے نیچے پہاڑوں پر بھاگتے ہوئے چڑھنا پتھروں پر ایکسر سایز کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس کا جنون تھا.۔ گرمی سردی بارش اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا۔ اس نے کبھی صبح کی ایکسر سایز مس کی ہو۔ وہ جب کیلو فورنیا میں تھا۔ مائنس ڈگری سینٹی گریڈ میں بھی بھی وہ صبح منہ اندھیرے ایسے ہی

جاکنگ کرنے جاتا تھا۔ آج تک نہ کوئی رشتہ نہ کوئی وجہ اس کی اس روٹین میں حائل ہوئی تھی۔ زندگی کو اپنے اصولوں سے جیتا تھا۔ سرد برفیلی ہواؤں سے ٹکرانا تو اس کی فطرت میں جیسے رچ بس گیا تھا۔ آریان خانزادہ نے طویل کارپورچ بھاگتے ہوئے عبور کیا تھا۔ لوہے کا آہنی سلائیڈنگ ڈور وہ کھولتے ہوئے باہر نکلا۔

یکدم آریان خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔

زرمش خان گیٹ کے پاس اوندھے منہ بیہوش پڑی تھی۔

آریان خانزادہ نے جلدی سے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے اسے سیدھا کیا ۔اس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا پورا بدن یخ ٹھنڈا تھا۔۔ اس کی سانسیں چل رہی تھیں کہ نہیں یہ پتہ لگانا مشکل تھا۔ وہ بلکل ساکت تھی۔

آریان خانزادہ نے جھکتے ہوے اس کے سینے پر سر رکھتے اس کی دھڑکنیں چیک کرنے کی کوشش کی جو مدھم سی چل رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھتے بری طرح جبڑے بھینچ گیا تھا۔۔ اسے تو لگا تھا وہ رات کہیں چلی گئی ہو گی۔ دوبارہ اسے رائینہ خان اور حاکم خان کے خون کو دیکھنا نہیں پڑے گا۔ اس کے لیے اگر شازمہ خان اور فارس خان کا خون اس روئے زمین پر سب سے زیادہ پاک تھا۔ اسی طرح اس کے لیے رائینہ خان اور حاکم خان کے خون سے زیادہ ناپاک خون کوئی نہیں تھا۔ اور یہ وجود ان دونوں کا ہی بیج تو تھا۔ آریان خانزادہ نے نفرت امیز سلگتی نگاہیں زرمش کے وجود پر گاڑھیں۔ وہ کافی دیر تک اسے نفرت امیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جو بھی تھا وہ اسے یہاں ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ نفرت انتہا کی تھی مگر وہ کسی کی موت کی وجہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ اگر اس لڑکی کا مقدر موت تھی تو اس کی دردناک موت حیدر خان

اور حاکم خان کے ہاتھوں لکھی تھی۔ جو کہ اسے مل کر رہنی تھی۔ یہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

آریان خانزادہ طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں اٹھاتے کھڑا ہوا۔ اسے گود میں اٹھاتے ہوئے وہ گیٹ کے اندر داخل ہوتے تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھا مقابل کب پھولوں سے بھی زیادہ ہلکا وجود یخ برفیلا تھا۔ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے اس کی نظر بھٹکتے ہوئے زرمش پر پڑیں تھیں۔

ہونٹ کے کنارے پر اس کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں۔ کنارہ بری طرح پھٹا ہوا تھا۔ گال پر اس کی انگلیوں کی چھاپ پوری طرح نمایاں تھی۔۔ پورا گال سوجا ہوا تھا۔ جبڑے کے دونوں اطراف میں بھی اس کی انگلیوں کے نشان تھے۔ آریان خانزادہ لب بھینچے اپنی نظریں چرا گیا تھا۔ پہلی بار کسی عورت پر

ہاتھ اٹھایا تھا۔ ورنہ وہ کتنے ہی مردوں کو موت کے قریب قریب پہنچا گیا تھا۔ کیلفورنیا میں وہ بہت مشہور ریسلر تھا۔۔ اس کا تھپڑ اس کی بانہوں میں وجود کی سانسیں کھینچ گیا ہو گا وہ جانتا تھا۔ اس نے اپنی پوری قوت لگا کر وہ تھپڑ مارا تھا۔ یہ اس کے سوجے ہوے بگرے گال سے صاف ظاہر تھا۔ اس کے گال کا حشر بری طرح بگھڑ چکا تھا۔ ہونٹ کے کنارے پر خون جما ہوا تھا۔ آریان خانزادہ جبڑے بھینچتے ہوے تیزی سے کمرے کی طرف بڑھا. وہ مزید اس کے چہرے کی طرف دیکھ نہ سکا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے آریان نے اسے بیڈ کے وسط میں لٹاتے کمرے کا ہیٹر آن کیات۔ اس کے بدن کو گرمایش ملنا ضروری تھی۔ آریان نے ہیٹر کے ساتھ کمرے کا جدید آتش دان بھی جلایا تھا۔ تبکہ کمرہ منٹوں میں گرمی کی حدت پکڑ لے۔۔ زرمش کے بدن کو اچھی خاصی ہیٹ کی ضرورت تھی۔۔ آریان

خانزادہ اپنے بھاری قدموں سے زرمش کی طرف بڑھا۔ مگر اسے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی نگاہوں کا رخ پلٹنا پڑا تھا۔ فراک گریبان سے تھوڑا سا پھٹ چکا تھا۔ گیلا فراک بدن کے ساتھ چپکا ہوئے اندر کی ہر رعنائیاں واضح کر رہا تھا۔ کمر سے لے کر اس کی تھائیس تک اس گیلے فراک میں نمایاں ہو رہی تھیں۔ نشب و فراز پر لپٹا پردتک دکھائی دے رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی نگاہوں کا رخ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی دودھیا گردن پر تھا۔ اس کی دودھیا گردن پر سرخ لکیر بنی تھی۔ وہاں بھی اس کی انگلیوں کی چھاپ گہری تھی۔ آریان خانزادہ نے بہت بری طرح اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

اگلے ہی پل اپنی پاکٹ سے موبائل نکالتے ہوئے اپنے گیٹ کے چوکیدار کو نمبر ملایا۔

شمس دین اپنی بیوی کو اگلے دس منٹوں میں میرے پاس بھیجو۔۔ آریان خانزادہ سرد لہجے میں حکم دیے اپنا فون بند کر چکا تھا۔۔

وہ زرمش کے نیم جاں وجود پر ایک نگاہ ڈالتا جبڑے بھینچتے ہوئے کمرے سے تیزی سے نکل گیا تھا۔

آریان خانزادہ لاونج میں صوفے پر بیٹھا اپنی انگلیوں میں سگریٹ دبائے صوفے کی سطح سے سر ٹکائے چھت پر اپنی سبز گہری آنکھیں گاڑھے ہوا تھا۔ اپنے سلکی گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے سگریٹ کا دھواں چھوڑا تھا۔

زرمش کے گال پر اپنی انگلیوں کا بے رحم نشان اس کی نظروں کے سامنے آیا تھا۔ وہ قہقہ لگا کہ ہنسا تھا پھر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ اس کے خوفناک قہقے اس کی حویلی کے اعوانوں کے ساتھ ٹکرا رہے تھے۔

رائینہ خان اور حاکم خان کی بیٹی کا کیا حال ہو گیا؟؟

کیسا ڈر وحشت تھی ان ہیزل آنکھوں میں میری!! آریان خانزادہ اونچی آواز میں بولتے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے پھر سے قہقہ لگا گیا۔ جن آنکھوں سے نفرت ہے ان آنکھوں میں اپنا ڈر دیکھنا اتنا تسکین کا باعث ہو گا یہ تو آریان خانزادہ کو پتہ ہی نہیں تھا۔ آریان سرد برفیلے لہجے میں غرایا ۔برسوں بعد تسکین ملی آریان خانزادہ کو برسوں بعد تسکین ملی۔۔ حاکم خان رائنہ خان۔۔ تمھارا خون آج میرے پاس ہے میرے پاس۔۔ چاہوں تو اس

کا وجود گندگی کا ڈھیر بنا دوں۔ آریان خان زادہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے دھاڑ اٹھا۔

لیکن وہ تو پہلے سے ہی گندگی کا ڈھیر ہے۔ اسے کیا گندا کرنا۔ آریان خانزادہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے ایک بار پھر سے قہقہ لگا گیا۔۔

نازو داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ آریان خانزادہ کے قہقے سنتے اس نے خوف سے جھرجھری لی تھی۔

جی خان صاحب آپ نے ہم کو بلایا۔

نازو نے اپنا سانس بحال کرتے آریان خانزادہ کو دیکھتے گھگیائے لہجے میں پوچھا۔ مقابل کی پرسنیلٹی اچھے اچھوں کے پسینے چھڑوا دیتی تھی۔ اتنا ڈر خوف تھا شمس دین پر کہ وہ آدھے گھنٹے کا راستہ دس منٹوں میں طے کرتے

سے لایا تھا۔ نازو نے تو راستے میں جی بھر کر آریان خانزادہ کو کوسنے دیے تھے۔ جسے برستی بارش میں چین نہیں تھا۔

اندر کمرے میں جو لڑکی ہے اس کے کپڑے بدلو!! آریان خانزادہ کے حکم پر نازو نے گہرا سانس لیا۔ دو دن پہلے کمرے میں لڑکی کو لے کر جانے کو کہہ رہا تھا آج کپڑے بدلنے کا کہہ رہا تھا۔

لیکن خان صاحب ہم کیسے یہ کر سکتا ہے۔؟؟ نازو نے ڈرتے ہوئے کہا۔

اپنے کپڑے کیسے بدلتی ہو؟؟ آریان خان کے سرد سوال پر وہ خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

خان صاحب ہمارا مطلب تھا۔ اپنا کپڑا تو ہر کوئی بدلتا ہے کسی دوسرا کا کپڑا کیسے بدل سکتا ہے ؟! اگر یہ اتنا آسان ہوتا تو آپ نہ اس کا کپڑا بدل لیتا۔ نازو ڈرتے ہوے منمنائی۔

عورت ہے وہ ؟؟ اسی لیے تمھیں بلایا ہے۔۔ اپنا دماغ کم استعمال کرو اس کے کپڑے بدلو۔

اور یہ کام اگلے پانچ منٹ میں ہو جانا چاہیے۔ آریان خانزاہ سرد لہجے میں حکم دیتے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

عورت ہے وہ مگر بلا کا خوبصورت بھی ہے پتہ چلا کہ اس کا کپڑا بدلتا ہوا نازو تمھارا ہی ایمان خراب ہو جائے۔ نازو خود سے بولتے زوردار ہنسی تھی ۔۔ آریان خانزادہ نے مڑ کر اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا تھا۔

خان۔۔۔خان۔۔۔صاحب۔۔۔ہم۔۔مذاق۔۔۔کر۔۔رہا

۔۔تھا۔آپ۔۔ہمارا۔۔مرد۔۔شمس دین۔۔۔سے پوچھ لو۔۔ہم۔۔۔ایسا

۔۔ہی۔۔فضول۔۔بولتا۔۔ہے۔۔۔کتنا بار۔۔۔شمس۔۔دین۔۔۔

نے۔۔۔ہمارا۔۔۔مذاق۔۔۔پر۔۔۔ہمارا۔۔ہڈی۔۔پسلی۔۔۔ایک۔۔۔

کیا۔۔ہے۔۔نازو آریان کی خونخوار نظر پر سرخ پڑتی گھبراتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔۔

ہڈی پسلی ہے تم میں ؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے بھاری بھر کم وجود کو گھورتے استھزائیہ انداز میں آئی بروا چکائے۔

نازو آریان خانزاہ کی بات پر خجالت سے سرخ پڑتے ہوے زرمش کے کمرے کی طرف بڑھی۔

لایٹ آف کر کے اس کے کپڑے بدلو گی تم۔۔پانچ منٹ میں تم باہر ہو۔۔ آریان خانزادہ کے سرد برفیلے لہجے پر نازو کے قدم رکے تھے۔وہ اثبات میں سر ہلاتے کمرے میں گھس گئی تھی۔

وہ سگریٹ لایٹر سے جلاتے صوفے پر بیٹھے پھر سے لبوں میں دبا گیا تھا۔۔

نازو کمرے میں داخل ہوتے زرمش کے بیہوش وجود کی طرف بڑھی ۔۔اس کے گال پر انگلیوں کا نشان پھٹا ہوا ہونٹ پھٹا ہوا گریبان اور سرخ گردن دیکھ کر اس نے ترحم امیز نگاہیں اس پر گاڑھیں۔اسے بیڈ پر پڑی اس پھولوں جیسی لڑکی پر رحم آیا تھا۔اس کا یہ حال آریان خانزادہ نے کیا تھا وہ سمجھ گئی تھی۔دو دن پہلے وہ ایسی تو نہ تھی۔

کیا خان صاحب نے اس لڑکی کا عزت لوٹنے کا کوشش کیا؟؟اس نے آگے بڑھ کر زرمش کے گال پر اپنی انگلیاں پھیریں۔جو بہت بری طرح سوجا ہوا تھا۔نیلاہٹ ذدہ انگلیاں تو جیسے عارض میں چھپ گئی تھیں۔

ارے بڑا لوگ ہے یہ خان صاحب!!ایسا قیامت بدن رکھنے والا جسم پر دل آ گیا ہو گا خان صاحب کا۔کر دیا ہو گا اس معصوم کا ساتھ زبردستی!!باہر تو بڑا بن رہا تھا۔عورت ہے وہ۔یہ حال کرتا خیال نہیں آیا عورت۔نازو سلگتے ہوے بڑبڑائی۔وہ کیا کہتا ہے ہاتھی کا دانت کھانے کا اور دکھانے کا اور!کس بے رحم خان کا ہتھا چڑھ گیا یہ معصوم لڑکی؟؟پتہ نہیں یہ خان اس کو کہاں سے لایا ہے؟؟۔ہمارا بس چلا تو اس کو اپنا ساتھ لے کر چلا جائے۔۔کتنا پیارا ہے یہ شہد جیسا پیارا۔نازو زرمش کو ترحم امیز نگاہوں کے دیکھتے بڑبڑائی تھی

اس کا یہ حال کر دیا کپڑے بھی بدل لیتا۔نازو کو ایک بار پھر سے غصہ آیا تھا۔

!!لایٹ آف کر کے تم کپڑے بدلو گی۔ اگلے پانچ منٹ میں تم باہر !! آریان خانزادہ کا سرد لہجے میں دیا حکم یاد آیا تو

نازو نے جلدی سے سوچ بورڈ کی طرف بڑھتے کمرے کی تمام لائیٹس آف کر دی تھی۔

او میرا خدایا تم عورت لوگ کو بھی مرد کا جسم جیسا مضبوط بناتا تو کیا تھا؟؟ پھر یہ خان اور شمس دین جیسا مرد عورت کو ہاتھ لگا کر تو دکھاتا۔ قسم سے ایسا مار مارتا ان مرد لوگ کو کہ ان کا ہڈی پسلی ایک کر دیتا۔ نازو بڑبڑاتے ہوے زرمش کے کپڑے بدل رہی تھی۔

نازو نے کمرے بدلنے کے بعد زرمش کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اب واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ واش روم سے ٹاول لے کر وہ زرمش کی طرف بڑھی ۔اس کے براون شہد جیسی رنگت کے بالوں کو ٹاول سے خشک کرنے لگی۔

وہ اب اس کے پاؤں کی طرف بڑھتے اس کے پاؤں کے تلوے رب کر رہی تھی۔۔ آریان اسے ہسپتال نہیں لے کر جائے گا وہ سمجھ گئی تھی۔ ورنہ آریان جیسے انسان کے لیے اسے ہسپتال لے جانا مشکل نہ تھا۔

کیوں لے کر جائے گا یہ خان؟؟ آخر کیا جواب دے گا وہ اس لڑکی کا سوجا گال اور اس کا بدترین حالت کا۔ نازو ایک بار پھر سے غصے سے بڑبڑائی تھی.

وہ آریان خانزادہ کے حکم کی پرواہ کیے بغیر اس کے پاؤں کے تلوں کو رب کرتی جا رہی تھی۔

ہیٹڈ کمرے اور پاؤں کے تلوے کافی دیر رب کرنے سے زرمش کے بے جان وجود میں تھوڑی سی ہلچل ہوئی تھی۔

نازو جلدی سے زرمش کی طرف بڑھی جو اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نازو اس کے بپاس بیڈ پر بیٹھتے اس کا ہاتھ پکڑتے اس کی ہتھیلی رب کرنے لگی۔

پپ۔۔پانی۔رمش نے اپنی سوجی ہوئی آنکھیں بمشکل کھولتے خشک لبوں پر زبان پھیرا۔نقاہت سے اس کی آنکھیں پھر سے بند ہو رہی تھی۔

نازو نے کمرے میں نظریں دوڑائیں کہیں بھی پانی نہیں تھا۔

نازو گہرا سانس لیتے بیڈ سے اٹھتے کمرے سے نکلتے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

آریان صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا تھا۔

خان صاحب! ہم نے اس کا کپڑا بدل لیا ہے اس کا پاؤں کا تلوا کا مالش بھی کیا ہے۔ اس کو ہوش آ چکا ہے مگر اس کا حالت بہت برا ہے وہ پانی مانگ رہا ہے۔ ہم کو لگتا ہے اس کو کھانے کا بھی ضرورت ہے۔ جب ادھر آیا تھا اتنا برا حالت نہیں تھا۔ رنگت میں سرخیاں تھا۔ مگر اب تو اس کا چہرہ ذرد ہو رہا ہے۔

نازو نے آریان خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

تم جاؤ تمھارا کام ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے میں بہتر جانتا ہوں۔۔ آریان خانزادے کے برفیلے لہجے پر وہ گہرا سانس لیتے اثبات میں سر ہلاتے چلی گئی تھی۔

آریان نازو کے جانے کے بعد کچن کی طرف بڑھا تھا۔ٹرے میں پانی کا گلاس اور بریڈ کا پیکٹ رکھا تھا۔۔فریج سے دودھ کی بوتل نکالتے ہوئے گلاس میں دودھ ڈالتے ہوئے وہ

بھاری قدموں سے زرمش کے کمے کی طرف بڑھا

کمرے میں داخل ہوتے اس نے وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی خود وہ بیڈ پر زرمش کے قریب بیڈ پر بیٹھا۔

پپ۔۔۔پانی۔۔۔!!کک۔۔۔۔۔کھانا!!وہ سر پٹختے آنکھیں میچے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے کپکپاتے لبوں سے بولی تھی۔

آریان خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔

اپنے قریب اس ستم گر کی خوشبو محسوس کرتے زرمش نے خوفزدہ ہوتے اسی لمحے آنکھیں کھولتے اسے دیکھا۔ پتہ نہیں کون سی طاقت تھی یا مقابل کا ڈر تھا جو آنکھیں وہ کھول نہیں پا رہی تھی اس ستم گر کی موجودگی اپنے پاس محسوس کرتے اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

آریان خانزادہ کو اپنے قریب دیکھتے وہ ہراساں ہوتے کھسکتے ہوئے جلدی سے پیچھے کو ہوئی۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کی نازک بل کھاتی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ زرمش اس کے کشادہ پتھر سینے سے آ ٹکرائی تھی۔ زرمش نے اس کی

hoodie

کو مٹھیوں میں جکڑتے اپنی ہیزل گرے آنکھوں کو پھیلاتے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں سہمتے ہوے دیکھا۔

ساحر!!اس کی سبز آنکھوں میں جھانکتے ہوے اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

وہ اس کے بے آواز لبوں کی جنبش سے لفظ ساحر نکلتا بھانپ چکا تھا

۔۔زرمش خوفزدہ ہوتے بری طرح کانپتی ہوئی اس کی سبز آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں ڈر دیکھتے آریان خانزادہ کے لبوں سے بلند و بانگ خوفناک قہقہ بلند ہوا تھا۔

وہ اس کے بلند خوفناک قہقے پر اس کی

hoodie

اپنی مٹھیوں سے آزاد کرتے پھر سے پیچھے کو کھسکی تھی۔

یکدم زوردار چکر آنے پر پر وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی۔

آریان خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب ایک ہی جست میں کرتے پانی کا گلاس ٹرے سے اٹھائے اس کے لبوں سے لگایا۔ زرمش کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس پکڑتے اپنے لبوں سے لگاتے ایک ہی سانس میں خالی کر گئی تھی۔ کتنا پانی وہ خود پر گرا بھی چکی تھی۔ مگر اسے شدید پیاس لگی تھی۔ آریان خانزادہ بھی گلاس اپنے ایک ہاتھ میں جکڑے ہوے تھا اگر وہ چھوڑتا یقیناً اس کے لرزتے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔

زرمش پانی پیتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے اپنی دھڑکنیں مٹھی میں جکڑ گئی۔ دل میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔ خالی پیٹ ہونے کے باعث پانی سیدھا دل پر لگا تھا۔ پچھلے دو دن سے صرف بریڈ کے دو سلایس کچھ بادام ہی تو کھائے تھے۔۔ اس کا پیٹ بھوک سے دہائیاں دے رہا تھا۔

آریان خانزادہ نے ٹرے اٹھائے اس کے سامنے رکھتے زرمش کو بازو سے جکڑ کر سیدھا کیا۔

بریڈ دیکھتے زرمش نے جلدی سے بریڈ کی پیکٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسے کھولنے کی سعی کی۔ جو اس سے کھل نہیں رہی تھی۔ زرمش اسے کھولتے ہوئے شدت سے رو دی تھی۔ کبھی بریڈ کے ان سلایس کے لیے وہ یوں پاگل ہو گی اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت سی نعمتیں یاد آئی تھیں۔ خدا نے کسی کا پیار کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا مگر پیٹ بھرنے کو نعمتیں تو

دی تھیں۔رقیہ خانم بچپن میں سزا دیتی تو ایک دن سے زیادہ بھوکا تو نہیں رکھتی تھی اس میں بھی توحید رخان اس کے لیے چاکلیٹس کتنی چیزیں اسے چھپ کر دے جاتا تھا۔

لالا!!وہ پیکٹ کھولنے کی کوشش کرتے ہوے شدت سے رو دی۔

آریان خانزادہ نے استھزائیہ مسکراتے ہوے زرمش کے ہاتھوں سے وہ بریڈ کا پیکٹ لیا۔

مم۔۔مجھے۔۔کھانا۔۔۔ہے۔۔کھانا۔۔۔دے۔۔۔دو۔۔وہ آریان خانزادہ کے ہاتھ میں بریڈ کا پیکٹ دیکھتے اب گڑگڑائی تھی۔وہ کتنا ظالم تھا رات اس کا ایک تھپڑ کھانے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا تھا

آریان خانزادہ نے وہ بریڈ کا پیکٹ کھولتے بریڈ کا سلائس اس کی طرف بڑھایا۔ جسے زرمش نے جلدی سے تھامتے اس کے ٹکڑے کرتی اپنے منہ میں ڈالنے لگی۔

آریان خانزادہ جبڑے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو اس وقت ریڈ کلر کے فراک میں ملبوس تھی۔ شہد رنگ بال کھلے تھے۔

فراک میں اس کی رنگت میں کافی حد تک سرخ لگ رہی تھی۔ مگر سوجے ہوئے نیلاہٹ زدہ گال کی حالت کافی خراب تھی۔ ہونٹ کا کنارہ تقریباً پھٹ چکا تھا۔ آریان خانزادہ جبڑے بھینچے بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں بار بار گال پر چھپی اپنی انگلیوں پر جا ٹھہرتیں۔ آریان خانزادہ کی نگاہ اب بھٹکتی ہوئی اس کی دودھیا گردن پر جا ٹھہری تھی جو سرخ تھی۔۔۔

فراک بہت فٹنگ میں تھا۔ گلہ بھی کافی گہرا تھا۔ اس کی رعنائیاں بہت حد تک واضح ہو رہی تھیں۔

آریان خانزادہ جلدی سگ اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔ مقابل کا جسم کسی بھی مرد کو اپنی طرف راغب کر سکتا تھا۔

ساحر خانزادہ نے اس لڑکی کو اتنا استعمال نہیں کیا تھا یہ اسے ایک نظر بھانپنے سے اسے پتہ چل گیا تھا۔ لیکن کیوں ؟؟ وہ حیران تھا۔ ایسی قیامت خیز بدن رکھنے والی لڑکی کو اس نے اپنی پناہوں سے جانے کیوں دیا۔ اپنی ہی سوچ پر وہ استھزائیہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔

سب کچھ جسم تو نہیں ہوتا کردار بھی ہوتا ہے جو رائینہ اور حاکم خان کے گندے خون کے پاس ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اور اسے بھی تو مقابل سے صرف نفرت ہی محسوس ہو رہی تھی

زرمش نظریں جھکائے بریڈ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے منہ میں ڈالتی چبا رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے دودھ کا گلاس اس کے سامنے ٹرے میں پٹختے ہوئے رکھا۔

زرمش بریڈ کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہچکی لیتے خوفزدہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے بری طرح اچھلی تھی۔

دودھ کے ساتھ کھاؤ!! آریان خانزادہ نے اسے گھورتے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

زرمش اثبات میں سر ہلاتے کانپتے ہاتھوں سے بریڈ گلاس میں بھگوتے کھانے لگی۔اس کے ہاتھ بری طرح کپکپا رہے تھے۔۔مقابل سے وہ بہت بری طرح دہشت کھا رہی تھی۔

پیٹ کی آگ سے مجبور ہوتے وہ اپنے خوف پر قابو پائے ہوے تھی۔مگر لرزتا بدن مقابل پر عیاں کر رہا تھا وہ اس سے کس قدر دہشت کھا رہی ہے۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے کپکپاتے ہاتھوں پر تھیں۔وہ بریڈ دودھ کے گلاس میں ڈپ کر رہی تھی کہ بریڈ کا ٹکڑا دودھ کے گلاس میں ہی اس سے گر گیا تھا۔۔وہ اب روتے ہوے دودھ کے گلاس میں انگلیاں ڈالے وہ بریڈ کا ٹکڑا نکال رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے ناگواریت سے اس کی یہ حرکت دیکھی تھی۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے سسکی لیتے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا۔ آریان خانزادہ نے پیکٹ سے بریڈ کا سلایس نکالتے اس کو توڑتے دودھ کے گلاس میں ڈپ کرتے زرمش کے منہ کی طرف بڑھایا۔ زرمش ساکت سی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی

منہ کھولو!! آریان خانزادہ اس کے کانپتے وجود کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے غرایا۔

زرمش نے اس کی غراہٹ پر جلدی سے منہ کھولا تھا۔

آریان خانزادہ نے اس کے منہ میں بریڈ کا ٹکڑا ڈالا۔ زرمش ساکت سی اب اسے دیکھتے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی

چباؤ اسے !! آریان نے اسے گھورتے لفظ چبائے۔

زرمش نے منہ بند کرتے بریڈ چباتے اپنے حلق میں اتاری۔

آریان خانزادہ بریڈ کے کی بائٹس بناتے اس کے منہ میں ڈال رہا تھا۔ زرمش میکانکی انداز میں منہ کھولتے اس کے ہاتھ سے بایٹ لیتے آہستگی سے چباتے حلق میں اتار رہی تھی۔

وہ اس دوران اسے بھیگی شبنمی سہمی نگاہوں سے دیکھتے کپکپاتے وجود کے ساتھ اس کا حکم مان رہی تھی۔

وہ اس سے گھبراتے ہوے ذرا سا اس سے دور کھسکتی وہ اسے بازو سے بے دردی سے جکڑے اپنے قریب کر جاتا۔

آریان خانزادہ نے اسے ایک بریڈ کا سلائیس کھلائے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ زرمش نے کانپتے ہاتھوں سے وہ گلاس لبوں سے لگایا۔ آریان خانزادہ وہ گلاس خود بھی تھامے ہوئے تھا۔ زرمش آریان کے خوف سے وہ گلاس لبوں سے لگائے دودھ کا گلاس اسی لمحے فنش کر گئی تھی۔

آریان خانزادہ نے گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

وہ خود کھسکتے ہوئے زرمش کے قریب ہوا۔ زرمش خوفزدہ ہوتے بیڈ کے کراؤن میں سمائی تھی۔

درد ہوا تھا؟! آریان خانزادہ نے اس کے نیلاہٹ زدہ سوجے گال پر انگلی ٹریس کرتے اس کی خوفزدہ متورم آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

زرمش نے روتے ہوے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔ مقابل کی سبز آنکھوں میں وحشت اور خون کی لالی تھی۔ جو مقابل سے اسے بری طرح خوف کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

اگر تم چاہتی ہو آیندہ مزید ایسے تھپڑ تمھارے مقدر نہ بنے تو تمھاری زبان آیندہ میرے سامنے نہیں چلے گی جب تک تم میرے پاس ہو اس وقت تمھارا منہ صرف کھانا کھانے کے لیے کھلے گا۔۔ آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں بولا

مم مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مم مجھے جانے دو۔ زرمش نے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل لفظ ادا کیے تھے۔

اچھا کہاں جاؤ گی؟! اس نیچھ حاکم خان کے پاس جاؤ گی۔ آریان خان نے آئی برو اچکائے اسے استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔ وہ۔۔۔ زرمش اسے دیکھتے بے بسی سے روپڑی تھی۔ اتنا ڈر اس سے لگ رہا تھا لفظ بھی وہ ادا نہیں کر پا رہی تھی

حاکم خان ایک نمبر کا بے غیرت ہے!! ایسے بے غیرت انسان کے اندر غیرت کا جوش زیادہ ابلتا ہے۔ تمھیں دیکھتے ہی وہ گولی مار دے گا۔۔ مرنا چاہتی ہو تو تمھیں ابھی تمھارے باپ کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔ یقین مانو تم جیسی لڑکی جب منوں مٹی تلے سوئے گی تو سب سے زیادہ سکون آریان خانزادہ پائے گا۔ آریان خانزادہ کی بات پر زرمش بری طرح روتے سسک پڑی۔ ہیزل گرے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوا۔

کچھ دن اور گزار لو میرے پاس!! پھر خود تمھیں تمھارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔ اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو

دیکھنا ہے۔یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر ذلالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو ہے۔

میرے۔۔لالا۔۔۔کو۔۔۔گالی۔۔۔مت۔۔۔دو۔زرمش نے لرزتے لبوں سے روتے ہوے فریاد کی۔

زرمش کی بے بس فریاد پر آریان خان کا بلند و بانگ قہقہ برامد ہوا تھا۔

بہت محبت کرتی ہو اپنے لالا سے ؟؟ آریان خان نے اسے دیکھتے سرد لہجے میں مسکراتے ہوے سوال کیا۔

میرا۔۔لالا۔۔میرا سب کچھ ہے۔زرمش نے آریان خانزادہ کو دیکھتے ہچکی لی ۔۔

اوہ۔۔۔اب کیا ہو گا؟؟یہ تو بہت برا ہوا. اب کیا ہو گا حیدر خان کے ساتھ۔۔۔ آریان خانزادہ نے آہستگی سے کہتے منہ پر پریشانی سے ہاتھ پھیرا۔کک کیا ہوا؟؟زرمش نے خوفزدہ ہوتے پوچھا۔

جب میں تمھیں تمھاری حویلی لے کر جاؤں گا. وہ تو تمھیں دیکھتے ہی خودکشی کر لے گا۔خود کو شوٹ کر ڈالے گا۔ آخر جوان خوبصورت بہن اتنے دن اور راتیں باہر دو دو مردوں کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔یا ہو سکتا ہے حیدر خان نے ابھی تک خودکشی کر بھی لی ہو۔ آریان خانزادہ زرمش کو دیکھتے پر سرایت سے مسکراتے اسے آنکھ مار گیا

نن.۔ نہیں۔۔میرے۔۔لالا۔۔۔ کبھی۔۔۔ایسا۔۔۔ نہیں۔۔کر۔۔ سکتے۔وہ اتنے کمزور نہیں۔حیدر حاکم خان نام ہے میرے لالا کا۔۔سوات کے تمام ہوٹلوں کا مالک ہے میرا لالا۔کتنے ہی گاؤں کا سردار ہے وہ آریان

خانزادہ!!وہ خود کو گولی مارنے سے پہلے تمھیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔وہ آریان خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔

آریان خانزادہ اسے بالوں سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے مقابل کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔

!!جب میں تمھیں تمھاری حویلی لے کر جاؤں گا. وہ تو تمھیں دیکھتے ہی خود کشی کر لے گا۔خود کو شوٹ کر ڈالے گا۔ آخر جوان خوبصورت بہن اتنے دن اور راتیں باہر دو دو مردوں کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔یا ہو سکتا ہے حیدر خان نے ابھی تک خود کشی کر بھی لی ہو۔

کیا کہا تھا میرے سامنے زبان مت کھولنا!ورنہ وہ حال کروں گا تم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ایک تھپڑ سے تمھارے نازک گال کو مسل

کر رکھ دیا ہے۔ سوچو جب تھپڑوں کی بارش کروں گا تو کیا ہو گا ان گالوں کا حال۔ وہ اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرایا۔

زرمش سسکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

اور کیا کہہ رہی تھی حیدر خان مضبوط ہے۔۔ جب بات عزت پر آتی ہے تو بڑے بڑے سورما زندہ رہنے سے موت کو گلے لگانا پسند کرتے ہیں۔ فارس خان پہاڑوں کی طرح مضبوط تھا۔ مگر آج سے 23 سال پہلے فارس خان نے اپنی ہی بندوق سے خود کو گولی مار دی تھی۔ اور اسی دن پری وش نے پنکھے کے ساتھ لٹک کر خودکشی کر لی تھی۔ فارس خان اور پری وش زندہ رہنے سے بہتر موت کو چن سکتے ہیں تو تمھارا لالا حیدر خان خود کو گولیاں ضرور مارے گا۔ وہ اس کے بال بے دردی سے جکڑے آگ برساتے وحشی لہجے میں بول رہا تھا۔

آہ۔۔۔زرمش نے درد سے سسکی لی۔اس کی بے رحم گرفت بالوں پر مضبوط ہوتی جارہی تھی

رائینہ خان نے تو نکاح کیا تھا تم نے تو نکاح کے بغیر دو دو مردوں کے ساتھ اپنی راتیں کالی کیں ہیں توحیدر اور حاکم خان کے لیے موت ہی آخری حل ہو گا۔ آریان اس کے بالوں کو خطرناک حد تک دبوچتے ہوئے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آپنی آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں بولتے اس کی روح منجمند کر چکا تھا۔

زبان نکالو اپنی!! آریان خانزادہ کے حکم پر زرمش کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔اپنی گندی زبان باہر نکالو وہ دھاڑا تھا۔زرمش نے لرزتے ہوئے اپنی زبان باہر نکالی۔۔ آریان اس کی زبان دو انگلیوں سے بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔زرمش نے درد سے سسکی لی۔ آیندہ اس زبان سے میرے

سامنے جی کے علاوہ کوئی لفظ نکالا ا۔ س کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں گا۔ آریان خانزادہ نے اس کی زبان چھوڑتے ہوے اسے بے دردی سے دھکا دی۔ ازرمش بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی

آریان خانزادہ بیڈ سے اٹھتا کھڑا ہوا۔۔ بہت جلد تمھیں اپنے خونخوار جانوروں سے ملاؤں گا۔ تاکہ تمھیں پتہ چلے آریان خانزادہ کس دہشت کا نام ہے۔ آریان خانزادہ اس کے لرزتے وجود پر قہر بھری نگاہ ڈالتے چلا گیا تھا۔

زرمش اوندھے منہ لیٹے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ سفید شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے زنان خانے میں داخل ہوا

درخشاں قہوہ کی پیالیوں کی ٹرے پکڑے اسی لمحے لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ کو دیکھ کر اس کے قدم سٹل ہوے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرے کپکپانے لگی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے ادھر دیکھ کر سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

مورے یہ یہاں پر کیا کر رہی ہے؟؟ میں آپ سے صاف لفظوں میں کہہ چکا تھا یہ اب ملازموں کے ساتھ حویلی کی پچھلی سائیڈ پر رہے گی۔ اور میری بیوی کے آس پاس بھی یہ مجھے نظر نہ آئے۔ ارحام خانزادہ کی سرد آواز پر

لاونج میں موجود سب متوجہ ہوے تھے۔اس وقت زنان خانے کے لاونج میں سب ہی موجود تھے۔ایک طرف امینہ خانم اور رقیہ خانم بیٹھے تھے ۔۔شہرام سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس کندھوں پر کیمل رنگ کی شال ڈالے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے بہرام کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اسے تھوڑا تھوڑا اوپر اچھالتے کھیل رہا تھا۔۔زاران درخزئی اسفندیار خان بہرام کی کھکھلاہٹ پر مسکراتے ہوے اسے دیکھ رہے تھے۔بہارے شہرام خان کے ساتھ ہی بیٹھی بہرام کو مسکراتے ہوے دیکھ رہی تھی۔

عابیر اسفندیار خان کے سامنے امینہ خانم کے ساتھ بیٹھی تھی۔۔ابرش عنائیہ زاران اور درخزئی کے سامنے بیٹھی تھی۔

زاران خانزادہ اسفندیار خان ایک ہی صوفے پر بیٹھے تھے۔ساتھ سنگل صوفے پر درخزئی خانزادہ بیٹھا تھا۔

زاران سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ مردانہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔ اسفندیار خان بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر سفید مفلر وہ گلے میں ڈالے ہوے تھا۔۔ درخزئی خانزادہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔

بچے میں نے تمھارے کہنے پر اسے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا اس کا کمرہ بھی خالی کر دیا تھا۔ مگر حور اس کو تھوڑی دیر پہلے حویلی کے پچھلی سائیڈ سے لے کر آیا ہے۔ اور درخشاں کا کمرہ بھی دوبارہ سیٹ کرنے کو کہا ہے۔

امینہ خانم نے ارحام کے سرد سرخ چہرے کو دیکھتے وضاحت دی۔۔

امینہ خانم کی بات پر ارحام خانزادہ نے بری طرح جبڑے بھینچے تھے۔ وہ جب شاور لے کر آیا تو حور کمرے میں نہیں تھی وہ حویلی کی پچھلی سائیڈ پر

ملازماؤں کے کمروں کی طرف گئی تھی۔ ارحام خانزادہ کو بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

درخشاں ادھر نہیں رہے گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ارحام خانزادہ نے درخشاں کو گھورتے سرد برفیلے لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے لفظ چبائے تھے۔

لالا!! دذخشاں نے روتے ہوے ارحام خانزادہ کو پکارا۔ ہاتھ میں ٹرے بری طرح لرزنے لگی تھی۔۔ سب خاموش تھے ارحام خانزادہ کے فیصلے پر کوئی بیچ میں نہیں آسکتا تھا اسی لیے سب خاموش تھے۔

نکلو یہاں سے!! ارحام خانزادہ غصے سے دھاڑا۔ اس کی کریٹ کی ہوئی غلط فہمی پر اس کی بیوی بے پردہ باہر آئی۔ ارحام خانزادہ کا غصہ درخشاں پر کسی صورت ٹھنڈا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

درخشاں ارحام کی دھاڑ پر بری طرح لرز اٹھی تھی۔ یکدم حور ارحام اور درخشاں کے بیچ حایل ہوئی تھی۔ ارحام درخشاں یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے لرزتے لہجے پر قابو پاتے بولی تھی۔ ارحام کو غصے میں دیکھ کر وہ بھی اس سے ڈر رہی تھی۔ مگر درخشاں کو وہ کسی بھی قیمت پر حویلی سے جانے نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے کبھی درخشاں کو ملازمہ کبھی سمجھا ہی نہیں تھا۔ پانچ ماہ وہی تو تھی اس کی غمگسار!!

حور درخشاں یہاں نہیں رہے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ارحام خانزادہ حور پر سرد نگاہ ڈالتے اپنے کندھوں پر شال جھٹکتے ہوے اپنا فیصلہ سناتے رخ پلٹ گیا تھا۔

میرا ابھی یہ آخری فیصلہ ہے۔ درخشاں یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔ ارحام خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھتے حور بھیگے لہجے میں آہستگی سے بولی

۔

ارحام خانزادہ حور کے بھیگے لہجے پر مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

ارحام نے پلٹتے ہوے حور کو دیکھا جو نظریں جھکائے لب کاٹتے اپنے آنسوؤں پر بمشکل قابو پا رہی تھی۔

درخشاں جاؤ تم کچن میں !! تم رہ سکتی ہو حویلی میں مگر حور کے آس پاس بھی مجھے نظر نہ آؤ۔ ارحام نے اپنی کنپٹی مسلتے ہوے درخشاں کو دیکھتے دانت پیسے

حور نے نظریں اٹھائے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا تھا۔

آؤ بیٹھو ادھر۔ ارحام حور سے سنجیدگی سے کہتے صوفے پر بیٹھا حور آہستگی سے چلتے ہوے ارحام خانزادہ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ درخشاں ٹرے پکڑے اسی لمحے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔۔

یہ سب دیکھتے اسفندیار خان کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا۔ وہ اپنے لبوں پر ہاتھ رکھتے کھانستا جا رہا تھا۔ اسفندیار خان کے ساتھ شہرام خان کو بھی یہ دیکھتے کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

زاران خانزادہ نے گھور کر اسفند کو دیکھتے شہرام خان کو گھور کر دیکھا تھا۔ اسفند کو تو کھانسی کا دورہ پڑتا ہی تھا مگر شہرام کو آج کس خوشی میں کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ وہ جبڑے بھینچ گیا۔ اسفند کی مسخری اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔۔ درخزئی اور عنائیہ کے نکاح کے بعد اسے کسی کا مسخرا پن نہیں بھاتا تھا۔

اس حویلی میں زن مریدگی میں دن بدن آضافہ ہو رہا ہے۔ درخزئی خانزادہ نے اسفند کے کان میں جھکتے سرگوشی کی تھی۔ لالا کے علاوہ کون ہے یہاں زن مرید؟؟ اسفند نے اپنی کھانسی پر قابو پاتے زاران کو ذو معنی نظروں سے دیکھتے شرارتی انداز میں پوچھا۔

اسفند کی نگاہوں کا مرکز زاران پر دیکھ کر درخزئی کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔ زاران نے پہلو بدلتے اپنے سامنے بیٹھی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی ابرش کو دیکھا جو بے حد سٹائلش سی بلو ویلوٹ فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر آج اس نے نیٹ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ لبوں پر چمکتا پنک گلوز اور اسے نیٹ کے دوپٹے میں ملبوس دیکھ کر زاران کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا۔

یہ دیکھتے درخزئی اور اسفندیار خان کے چہروں پر دل جلانے والی مسکراہٹ ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

منسٹر نہیں ہے!!زن مرید۔ منسٹر کی حالت تو آج کل ٹایٹ ہے۔ کیونکہ لگتا ہے آج کل منسٹر کو نایٹ منانے کو نہیں مل رہی۔ درخزئی اسفند کے کان میں جھکا سرگوشی کر گیا تھا۔

اسفندیار خان مسکراہٹ دباتے اثبات میں سر ہلاتے اپنی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیر گیا تھا۔ اپنے دوست کی حالت پر اسے ترس آرہا تھا۔ مگر مسلہ یہ تھا وہ ترس کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

یہ الگ بات ہے منسٹر کی حالت ٹایٹ کرنے والی زن ہی ہے مگر منسٹر زن مریدی نہیں کر سکتا۔۔

زن مریدی صرف میں کروں گا ایسی زن مریدی کروں گا کہ تاریخ کے سنہری حروف سے لکھی جائے گی درخزئی خانزادہ کی زن مریدی۔۔ درخزئی اسفند کو بے باکی سے آنکھ مارتے ہوئے عنائیہ کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گھمبیر آواز میں بولا۔ جو بلیک کلر کی لانگ شرٹ اور جینز میں ملبوس تھی۔ سر پر وہ اپنا چھوٹا سا سٹالر لپیٹے ہوئے تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے سر پر کچھ اوڑھے ہوئے تھی۔ چھوٹی سی شال میں سب کچھ چھپ تو نہیں رہاں تھا۔ مگر بہت کچھ عیاں بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ شال اس کے نشیب و فراز کو ڈھکے ہوئے تھی۔ اپنی آواز کے بھاری پن پر قابو پاؤ!! یہ نہ ہو تجھ پر زن مریدی کا ٹیگ بعد میں بعد میں لگے گا gay ہونے کا ٹیگ پہلے لگے جائے گا۔ اسفندیار خان کی بات پر درخزئی کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

اسفندیار خان کا اب قہقہ بلند ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ نے بھی اب گھور کر اسفند کو دیکھا تھا۔

یہ قہقے تمھارے زیادہ ابل نہیں رہے کیا بات ہے ؟؟ درخزئی نے اسفند کو گھورا۔

بات بہت خوشی کی ہے ابھی سناتا ہوں۔ اسفندیار خان نے اونچی آواز میں کہتے زاران کو دیکھتے مسکراتے ہوئے اپنی گھنی بئیرڈ سہلائی تھی۔

زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا جو اب مسکراتے ہوئے عابیر کو دیکھ رہا تھا۔

مورے آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے۔ شہرام خان کی آواز پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔۔

بہارے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شہرام خان کو سب کو بتانے سے منع کیا تھا۔ جو بہرام کے گال پر اپنی مونچھیں رب کرتے ہوئے بہارے کی التجائی نگاہیں اگنور کر گیا تھا۔

کیا خوشخبری ہے بچہ !؟! مینہ خانم نے سوالیہ نگاہوں سے شہرام خان کو دیکھا

۔

مورے اسفند لالا ایک بار پھر سے ماموں بننے کا شرف حاصل کرنے والا ہے۔ شہرام خان نے اسفند کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

شہرام کے انداز اور بات اسفندیار خان کی رنگت میں اشتعال کی سرخی نمودار ہوئی تھی۔ جو بات وہ خود سنانا چاہتا تھا مگر شہرام کے منہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

۔بہارے سب کے سامنے سرخ پڑتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔

ا

سب سنجیدہ چہروں سے شہرام بہارے کو دیکھ رہے تھے۔سب کے سنجیدہ چہرے دیکھ کر بہارے اب روہانسی ہو رہی تھی۔۔

شہرام بہارے کا ابھی اپریشن ہوا ہے تم کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا۔روزینہ خانم اپنے غصے پر قابو نہ پا سکی تھی۔

میں ہر سال اسفندیار کو ماموں اور آپ کو اپنے بچے کی انا(نانو) بناؤں یہ میری مرضی ہو گی۔ آپ دونوں کو صرف مجھے مبارک باد دینے کی عادت ڈال لینی چاہیے۔۔ شہرام خان اسفند کے سرد نظروں کو دیکھتے استھزائیہ انداز میں بولتے مسکراتے ہوے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے غصے سے شہرام خان کی بے باکی برداشت کی تھی۔ اگر اس وقت حور بہارے عابیر نہ ہوتی وہ شہرام کی اچھی خاصی کلاس لیتا۔

بہارے شہرام کی گود سے بہرام کو غصے سے پکڑتے جلدی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اگر ایسی بات تو ہے تو شہرام کو بھی ماموں بننے کی مبارک ہو۔ اور میں ہر سال یہ خوشخبری سناؤں یا نہ سناؤں مگر وعدہ ہے ایک سال میں دو بچوں کا ماموں اپنے دونوں سالوں کو ضرور بناؤں گا۔

اسفند کے انداز پر درخزئی کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا رنگت شدید سرخ پڑی تھی۔۔ اسے امید نہیں تھی اسفند اس انداز میں یہ خوشخبری سنائے گا۔

اسفند کے انداز اور بات پر شہرام اور زاران کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

عابیر خفت سے شدید سرخ پڑتی اب روہانسی ہوئی تھی۔زاران شہرام کے سامنے وہ نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

سالا کمینہ !!زاران نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے اسفند کو دیکھتے دانت پیسے۔

سب کے چہرے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوے تھے۔

اسفند اور شہرام خان کو ایک دوسرے کو گھورتے ہوے دیکھتے اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلا رہے تھے۔

ارحام خانزادہ نے دانت پر دانت جماتے بہت مشکل سے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔رنگت میں شدید سرخیاں گھل چکی تھیں۔

مبارک ہو بچہ !! ہم کو عابیر نے کچھ دن پہلے ہی بتا دیا تھا ہم اپنا عابیر کا بہت سارا صدقہ دے چکا ہے اللہ تم کو بیٹا دے۔

امینہ خانم لاونج کی گھمبیر صورتحال بھانپتے اسفند کو دیکھتے جلدی سے بولی تھیں۔

امینہ خانم کی بات پر عابیر نے پریشانی سے اسفندیار کو دیکھا تجو بے یقینی سے عابیر کو دیکھ رہا تھا جسے اس نے سختی سے منع کیا تھا کسی کو بھی بتانے سے۔۔

تم نے اپنا مورے کو اچھا بیوقوف بنایا ہے کہ یہ خوشخبری تم نے سب سے پہلے آج ہم کو سنایا ہے۔ مگر تمھارا بیوی تو بہت پہلے ساس کو سنا چکا ہے۔۔ صیح کہتا ہے شادی کا بعد بیٹی پرایا نہیں بیٹا پرایا ہو جاتا ہے۔ روزینہ خانم نے ڈبڈبائے لہجے میں کہتے اپنی آنکھیں چادر سے رگڑیں۔

اسفند کی سرد نگاہوں کا رخ عابیر کی طرف ہی تھا جو پریشانی سے اسفند یار خان کو دیکھ رہی تھی جو اس سے نگاہیں پھیرتے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

امینہ خانم اب بھی پریشان ہوئی تھیں عابیر نے ان کو بتانے سے منع کیا تھا ۔مگر پریشانی سے ان کے لبوں سے یہ بات نکل گئی تھی۔

ہم کو عابیر نے نہیں بتایا ہم نے خود ہی اندازہ لگایا۔ امینہ خانم نے اسفند کا سرد چہرہ دیکھتے گھبراتے ہوے وضاحت دی۔ اپنا چہرہ سیدھا کر میری ماں اور بہن پریشان ہو رہی ہیں۔ زاران نے عابیر اور امینہ خانم کے چہرے دیکھتے اسفند یار خان کے سنجیدہ چہرے کو گھورتے دانت پیسے۔۔

میری ماں باقاعدہ رو رہی ہے. وہ نظر نہیں آرہا تجھے !اور تو اپنی شکل گم کر یہاں سے۔۔ میری خوشی پر تیرا جوری ایکشن ہے ناں یہ کسی حاسد کا ہو سکتا

ہے دوست کا نہیں۔ گلے لگا کر مبارک باد سننے کا منتظر تھا میں۔ اسفند نے زاران کو گھورتے جوابی کاروائی کی۔

جس انداز میں تو نے یہ خنشخبری سنائی ہے تیرے دانت توڑنے کو دل کر رہا ہے۔ گلے لگانے کو نہیں۔۔ زاران نے اسفند کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے لفظ چباتے ابرش کو دیکھا جو صوفے سے اٹھتے بہت تیزی سے تقریباً بھاگتے ہوے سڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

زاران اسفندیار خان کو گھورتے ہوے اپنی شال گلے میں جھٹکتے صوفے سے اٹھتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا.

حور تم پریذے کے پاس چلو میں آتا ہوں۔ ارحام نے حور کو دیکھتے بے حد نرمی سے کہا جو اس کے قریب بیٹھی یہ سب حیرانگی سے تقریباً منہ کھولے

دیکھ رہی تھی۔۔ارحام کی بات پر حور اثبات میں سر ہلاتی پریذے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

۔عابیر عنائیہ تم لوگ اپنے کمروں میں چلو۔۔ارحام کے حکم پر عابیر نے اسفند کو بھیگی نگاہوں سے دیکھا جو ابھی بھی سنجیدہ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔اس کی طرف ایک نظر نہیں ڈال رہا تھا۔

اسفنڈ کو جتانے کے لیے عابیر تیز تیز قدم اٹھاتے سڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔وہ تیز تیز قدموں سے ہی سڑھیاں چڑھ رہی تھی۔۔یہ دیکھتے اسفندیار خان کے غصے میں مزید آضافہ ہوا تھا۔بلکہ وہ اچھا خاصہ پریشان ہوا تھا۔عابیر بہت تیزی سے سڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی تھی۔۔اسفند اپنی آئی برو مسلتے بمشکل خود پر قابو پاتے صوفے سے اٹھتا سڑھیوں کی جانب بڑھا۔

اسفند مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ یہیں پر بیٹھو ابھی! ارحام کی سرد آواز پر اسفند اپنا جبڑہ سہلاتے صوفے پر بیٹھا۔

یہ کیا طریقہ تھا؟؟ یہ بات سب کو بتانے کا جیسے تم دونوں نے میچ میں سکسر پر سکسر مارے ہیں۔ ارحام نے شہرام اور اسفندیار خان کو گھورتے کہا۔

ارحام کی بات پر شہرام اور اسفند نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا تھا۔

تھوڑا خیال کر لیتے کہ یہاں تم دنوں کی بھابھیاں موجود تھیں۔ ایک بات تم دونوں کان کھول کر سن لو آیندہ تم دونوں ایک دوسرے پر برتری لینے کے لیے ہر سال ایک بچہ پیدا کر دیا دس۔۔ مگر اس طرح جیت کا اعلان کرتا نہ دیکھوں۔ ارحام خانزادہ دونوں کو سرد تیوروں سے گھورتے پریذے کے کمرے کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھ گیا۔ اس بار درخزئی کو کھانسی

کا دورہ نہیں پڑا تھا بلکہ اسفند اور زاران کے سرخ چہرے دیکھتے اس کا بلند و بانگ قہقہ برامد ہوا تھا۔

شہرام خان کمرے میں داخل ہوتے دروازہ لاک کرتے بہارے کی طرف بڑھا۔ جو بے حد سٹایلش آتشی گلابی فراک میں ملبوس ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی اپنے بالوں میں بہت بے رحمی سے برش کر رہی تھی۔

بہرام بیڈ پر لیٹا ہاتھ پاؤں مارتے ہوے غوں غاں کی آوازیں نکالتے کھیل رہا تھا۔

شہرام آگے بڑھتے اس کے ہاتھ سے برش لیتے بہت نرمی سے اس کے بالوں میں برش کرنے لگا۔ بہارے نے مرر میں اس کا پرکشش چہرہ دیکھتے اس سے دور ہونا چاہا تھا کہ شہرام خان اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جماتے اسے اپنے مزید قریب کرتے اپنی پشت کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

ڈریس کیوں چینج کیا؟؟ شہرام نے مرر میں اس کا دو آتشہ روپ دیکھتے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔ آتشی گلابی فراک میں وہ دھمک رہی تھی۔ ہلکے سے میک میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ تمھارے لیے چینج نہیں کیا شہرام خان!! میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔ آج سے میں ہاسپٹل میں پہلے کی طرح ڈیوٹی نبھاؤں گی۔ بہارے کی بات پر شہرام اسے اپنے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔

بہارے نے بیڈ کی طرف بڑھتے خود کو بڑی سی چادر سے کور کیا۔

بہرام کون سنبھالے گا؟؟ شہرام خان نے بہارے کو دیکھتے آئی ابرو اچکاتے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

یہ میرا مسلہ نہیں ہے یہ تمھارا پرابلم ہے شہرام خان۔۔ ہر سال بچے کی خوشخبری سنانی ہے ناں تمھیں تو اپنے بچوں کو سنبھالنے کا انتظام بھی تم خود کرو۔ میں نے بچوں کو پالنے کے لیے ڈاکٹر کی ڈگری نہیں لی تھی۔ بہارے شہرام کی طرف دیکھتے چٹختے ہوے بولی۔

بہرام تھوڑا بڑا ہو جائے تم ہسپتال چلی جانا بہارے۔ وہ ہسپتال تمھارا ہی ہے۔ مگر بہرام بہت چھوٹا ہے میں چاہوں تو اس کے لیے دس ملازمائیں رکھ سکتا ہوں۔ مگر ایک بچے کے لیے ماں سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ شہرام اپنی شال اتارتے بیڈ پر اچھالتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

بہرام بڑا ہو گا تو یہ آجائے گا پھر اس کو سنبھالوں گی۔ بہارے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے تڑختے ہوئے بولی۔

پھر شہرام خان کا حکم ہو گا اس کے بڑے ہونے کا انتظار کروں۔۔ پھر اس کے اگلا بچہ کیونکہ تمھیں میرے لالا اور میری مورے سے ہر سال مبارک باد جو وصول کرنی ہے۔۔ پھر تیسرا پھر چوتھا بچے کے آنے کا انتظار کروں گی۔ یہی چاہتے ہو تم!! بہارے غصے سے شہرام کی طرف دیکھتے چیخی ۔ بہارے کی چیخ پر بہرام یکدم ڈرتے ہوئے رونے لگا تھا۔

چیخو مت!! اپنی ٹون اپنے لہجے پر قابو پاؤ بہارے۔۔ شہرام کا لہجہ سنجیدہ ہوا۔

میں نہیں پا سکتی شہرام اپنے لہجے پر قابو! دیکھا سب باہر کیسے دیکھ رہے تھے ہمیں۔ سب حیران ہو رہے تھے۔ پڑھے لکھے ہو کر کیسے اتنی جلدی ہم بچہ لے سکتے ہیں۔ بہارے شہرام کو دیکھتے استھزائیہ مسکرائی۔۔

بہارے اگر پڑھی لکھی ہو تو یہ بھی سمجھتی ہو گی ہر روح اللہ کی مرضی سے آتی ہے۔اس بچے نے آنا ہی تھا چاہے ہم جتنی مرضی پروٹیکشن لے لیتے پھر بھی اس ذی روح نے آنا تھا اس کا پآنا پہلے سے ہی طے تھا۔۔ شہرام نے اپنی آئی برو سہلاتے بہارے کو دیکھتے نرمی سے کہا

ہر بات کے لیے ہم خدا کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا نہیں سکتے شہرام!! خدا نے انسان کو عقل و شعور عطا کیا ہے۔ تا کہ وہ اپنے اچھے برے کا فیصلہ لے سکے۔۔ تم نے ایک پل بھی میرے اور بہرام کے متعلق نہیں سوچا۔ میری صحت کا نہیں سوچا تم نے۔ دوسرا بچہ آنے کے بعد بہرام کتنا نیگلیکٹ ہو گا سوچا تم نے۔۔۔ بہارے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔

ہو گئی غلطی مجھ سے آ گیا یہ بچہ!! اب بتاؤ اس کا سلوشن کیا ہے کوئی حل ہے تمھارے پاس مجھے بتاؤ مجھے۔۔ تا کہ میں اس کا حل نکالوں یا پھر ساری عمر تم

سے طعنے سنوں گا۔ شہرام خان اب غصے سے چیخا تھا۔ ابہرام یک بار پھر سے رونے لگا تھا۔

اس کا حل ہے مگر تم جیسا سفاک انسان سن کر ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔

بہارے بھی دبی آواز میں چیخا تھی۔

کیا حل ہے ؟؟ شہرام برفیلے لہجے میں بولتے ہوئے اس کے قریب ہوا۔

مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے مجھے ابارٹ کرنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہارے !! بہارے کی بات پر شہرام خان کا ہاتھ ہوا معلق ہوا تھا۔

بہارے کئی قپدم پیچھے ہوتے ڈرتے ہوئے اپنے گال پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔ شہرام ہاتھ ہوا میں معلق کیے بہارے کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

بہارے گال پر ہاتھ رکھے روتے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی

۔مت دیکھو ایسے مجھے شکوہ کناں نگاہوں سے تم نے جو بکواس کی ہے یہ سنتے

مجھے تمھیں ادھیڑ کر رکھ دینا چاہیے تھا۔ شہرام اسے دونوں بازوؤں سے

جکڑتے اپنے قریب کر گیا

پتہ ہے میں کیوں رکا ہوں ؟؟ شہرام خان نے اسے دونوں بازوؤں سے

جھنجھوڑتے ہوے سرد لہجے میں پوچھتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ

آنکھیں گاڑھیں۔

کیوں ؟؟ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکی لی تھی۔ وہ اس پر ہاتھ

اٹھا سکتا ہے وہ بے یقین ہوئی تھی۔

کیونکہ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ اگر تمھارے پیٹ میں میرا بچہ نہ ہوتا اور

تم بہرام کی ماں نہ ہوتی تو یہ ہاتھ ضرور تم پر اٹھتا۔ اگر ابھی بھی تم نے یہ بچہ

ابارٹ کرنا ہے تو کر لو اپنا شوق پورا۔ مگر شہرام خان کے دل میں اپنی محبت اپنی عزت سب کچھ کھو دو گی۔ شہرام خان تمھارا رہے گا بھی نہیں۔۔ شہرام خان کی بات پر وہ تڑپتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

کیا کرو گے تم ہاں ؟! بیوفائی کرو گے مجھ سے۔ دوسری عورت کے پاس جاؤ گے۔ بہارے تڑپتے ہوئے روتے ہوئے بولی۔ یہی ایک بات وہ مقابل کی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

مجھ سے بھی زیادہ یہ بچہ عزیز ہے تمھیں !! میری کوئی ویلیو نہیں۔ مجھ سے محبت نہیں تمھیں۔ عشق کا دعوی کرنے والا شہرام خان یہ سب کچھ کیسے کہہ سکتا ہے ؟؟۔ بہارے شدت گریہ سے روتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہذیانی چیخی تھی۔

جس طرح میری بہارے میرے بچے میرے خون کو اپنے پیٹ میں مارنے کا سوچ سکتی ہے۔اس طرح شہرام خان بھی یہ سب کہہ سکتا ہے اور کر بھی سکتا ہے۔اس لیے خاموشی سے بیڈ پر بیٹھو۔روتے ہوے بہرام کو سنبھالو اور میرے اس بچے کا بھی خود سے زیادہ خیال رکھو۔یہ بچہ میری آمانت ہے تمھارے پاس!!اسے کچھ بھی ہوا تو جو میں کروں گا تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ ۔شہرام دھمکی امیز میں لہجے میں کہتے واش روم کی طرف بڑھتے واش روم کے اندر داخل ہوتے دروازہ بند کر گیا تھا۔۔

بہارے اپنی چادر اتارتے ہوے بہرام کی طرف برھتے بہرام کو گلے سے لگائے سسک سسک کر رو دی تھی۔

زاران کمرے میں داخل ہوا وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ زاران اپنی شال کندھوں سے اتارتے بیڈ پر اچھالتے جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا تھا ۔اس کی جذباتی بیوی نے یقیناً واش روم لاک نہیں کیا ہو گا وہ اندر کیا کر رہی ہو گی وہ یہ بھی جانتا تھا۔

زاران نے واش روم کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ جدید سٹائلش واش روم کے روف شاور کے نیچے کھڑی کپڑوں سمیت ہی بھیگ رہی تھی۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامتے اپنے قریب کر گیا تھا۔ اس دوران روف شاور سے پانی گرتا اسے بھی اچھا خاصہ بھگو چکا تھا۔

پانی ٹھنڈا یخ تھا مگر وہ اس کے نیچے آرام سے کھڑی تھی۔ یہ کیا کر رہی ہو تم ؟؟ پانی بہت ٹھنڈا ہے اندازہ ہے تمھیں ؟!۔ زاران غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔

تم بھڑکتی آگ میں بھڑکتا شعلہ !! ابھی ہمارے بدن کی ہیٹنگ سے یہ پانی بوایلنگ پوائنٹ پر آجانا ہے منسٹر !!

ابرش زاران کو دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے ہوئے پھر سے شاور کے نیچے ہوتے زاران کو دیکھتے بے باکی سے آنکھ مار گئی۔

زاران اسے سرد سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کے قریب ہوتے گرم پانی کا ٹیپ کھول گیا تھا۔

کیا دیکھ رہے ہو منسٹر؟؟ ہیٹڈ واش روم۔۔ فل ہیٹڈ حویلی اس عالیشان گرم حویلی میں کوئی کیسے بیمار ہو کر مر سکتا ہے؟؟

how silly you r??

ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ سا ہنسی۔ زاران نے اپنی پچھلی گردن ایک ہاتھ سے رب کرتے واش روم کی فینسی چھت پر دیکھتے خود کے ظبط پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ اس کی رگوں میں دوڑتا خون بوائلنگ پوائنٹ پر آ چکا تھا۔

اس حویلی میں کوئی سردی کی شدت سے نہیں مر سکتا۔ ہاں مگر اس اونچی دیواروں والی بہت بڑی حویلی میں گھٹن سے مرا جا سکتا ہے۔ ابرش ہنستے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اسے شاور سے دور کرتے خود کے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑو مسٹر خانزادہ!! مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ ابرش اس کے حصار میں جھٹپٹاتی ہوئی دیوار میں سمائے زاران کو سلگتی نگاہوں سے دیکھتے شبنمی لہجے میں بولی۔ وہ پھر سے شاور کے نیچے کھڑی تھی۔

کیا پاگل پن ہے یہ ابرش؟؟ اتنی سردی میں بار بار شاور لے کر مرنے کا آرادہ ہے تمھارا؟؟ اس ہیٹڈ حویلی میں برفیلے پانی کے نیچے کھڑا ہونا خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔

زاران خانزادہ نے اس کے اطراف میں ہاتھ جمائے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔

مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پیسوں والوں کو کچھ نہیں ہوتا مسٹر خانزادہ!! اور میں تو منسٹر کی بیوی ہوں اور میرے منسٹر کے پاس بہت پیسہ ہے۔ اتنا پیسہ کہ وہ پندرہ کڑوڑ کی جیولری میرے ایک بار کہنے پر خرید کر دے دیتا ہے۔ پھر پلٹ کر پوچھتا تک نہیں وہ جیولری کہاں ہے؟! چاہے میں وہ جیولری پھینک دوں یا کسی کو دے دوں۔ میرا مسٹر ایک بار نہیں پوچھے گا ۔ہے ناں مسٹر خانزادہ!! ابرش نے اپنی بھیگی سوالیہ آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھیں۔۔

زاران نے اس کی بات پر نا سمجھی سے الجھن بھری نگاہوں سے ابرش کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

اصل میں زاران میں نے تم سے ایک بات چھپائی تھی۔ ابرش نے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

کیا؟ زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے استفسار کیا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ وہ۔۔۔ پندرہ کڑوڑ کی جیولری آہل کو دے دی۔ اسے ضرورت تھی۔ اس نے اپنا بزنس سٹارٹ کرنا تھا۔ میں نہیں دینا چاہتی تھی مگر تم جانتے ہو ناں ہمارے حالات ہمارے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ بلکل کنگلی ہے ہماری فیملی۔ مم۔۔۔ میں نے ساری جیولری دے دی۔ ابرش کی بات پر زاران کے چہرے پر کئی رنگ آئے تھے۔

وہ اس سے پوچھے بغیر کیسے آہل کو وہ جیولری دے سکتی تھی؟! اگر آہل کو رقم چاہیے تھی تو وہ اس سے بات کرتا وہ خود دیتا۔ اسے ابرش کی حرکت بلکل پسند نہیں آئی تھی۔

تمھیں برا لگا ہے زاران؟؟ ابرش نے زاران کے چہرے کی رنگت بدلتے بھیگے لہجے میں زاران کو دیکھتے استفسار کیا۔

نہیں تمھاری جیولری تھی تم نے دے دی!! کوئی بات نہیں زاران خود پر بمشکل قابو پاتے اس کے بھیگے عارض پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ پتہ نہیں عارض کی گیلاہٹ آنسوؤں کی وجہ سے تھی یا پھر شاور سے گرتے پانی کی وجہ سے۔ وہ پریشان ہوا تھا۔

زاران کی بات پر ابرش کا قہقہ بلند ہوا تھا۔ وہ ہنستے ہوے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں مزید شدت سے جکڑ گئی تھی۔

زاران نے پریشانی سے اسے دیکھا ایسی حرکتیں وہ نشے کی حالت میں کرتی تھی۔ آج ایسا کیا پی لیا تھا کہ اسے اتنی چڑھ گئی تھی؟!

اے مسٹر خانزدہ!! نشے میں نہیں ہوں۔۔ مگر جب جب سچ بولتی ہوں تو تمھیں لگتا میں نشے میں ہوں۔ ابرش اسے شرٹ سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گئی تھی۔ زاران کا چوڑا سینہ اس کی دھڑکنوں سے آ ٹکرایا تھا۔

مسٹر خانزادہ!! تمھاری دی ہوئی پندرہ کڑوڑ کی جیولری تمھاری الماری کے لاکر میں بند پڑی ہے۔ ابرش پاشا کے گھر والے سڑکوں پر بھی آجائیں۔ وہ کبھی ان حویلی والوں سے ایک پھوٹی کوڑی نہیں لے گی۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سرد سپاٹ لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولی۔

ابرش کی بات پر زاران کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

میں تو تمھارا بڑا دل چیک کر رہی تھی اور تم نے پروف کیا پیسوں کے معاملے میں تمہارا دل بہت بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔ مگر صرف پیسوں کے معاملے میں۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھر سے ہنسی تھی۔

زاران نے جبڑے بھینچتے ہوے انگشت شہادت سے اپنی کنپٹی مسلی۔ آج اس کی جذباتی بیوی اس پر کونسی چارج شیٹ تیار کیے بیٹھی تھی وہ انجان

تھا۔ مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر یہ سب کچھ سننا ہی تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں کو سکوڑتے سانس باہر کی طرف خارج کر گیا تھا۔

کیا کہنا چاہتی ہو ابرش کھل کر کہو!! زاران نے بمشکل اپنا لہجہ نرم کیا تھا. مگر اپنی دانتوں کی کچکچاہٹ پر وہ قابو نہ پا سکا تھا۔

یہی کہ کیوں مدد کی تم نے ہماری جب ہم امریکہ میں تھے ؟؟۔ ہمیں کیا تمھارے پیسوں کی ضرورت تھی کیا؟! جب میں نے داجی کی دی ہوئی جائیداد واپس کر دی تھی کیوں منتھلی وہ ڈرافٹ آہل کے آکاونٹ میں بھیجتے رہے ؟؟ کیوں ترس کھایا ہم پر ؟؟ کیوں ہمیں چھوٹا دکھانے کی کوشش کی ؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے چٹختے اعصابوں کے ساتھ استفسار کیا۔

تمھیں کس نے کہا یہ سب ؟؟ زاران نے جواباً سنجیدگی سے دریافت کیا۔

اس حویلی میں میری اس لیے عزت نہیں ہے کیونکہ میرے گھر والوں کے پاس بینک بیلنس نہیں نہ ہی میرے ساتھ اونچا سٹیٹس ہے۔ پاشا کا اور زحلے کا نام ہی میرے ساتھ ہونا ذلت کا باعث ہے۔ حور ارب پتی باپ کی بیٹی ہے۔ عابیر بہارے اس گھر کی بیٹیاں۔۔

اور تم زاران خانزادہ کی بیوی ہو اس کی عورت ہو تمھیں کسی نام کسی سٹیٹس کی ضرورت نہیں۔ سمجھی تم!! تمھارے لیے میرا نام ہی کافی ہے۔ زاران اس کی بات کاٹتے اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

تو پھر کیوں سب مجھے نیچا دکھاتے ہیں؟؟ حویلی کے لاونج میں حور نے بھی تماشہ لگایا۔ کسی نے اسے کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا۔ مگر مجھے کیوں کٹہرے میں کھڑا کیا گیا؟؟۔ بولو جواب دو۔ ابرش بھیگے لہجے میں استفسار کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی تھی۔

کس نے کھڑا کیا بتاؤ مجھے ؟؟ میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کسی نے تمھیں کچھ کہا ہو۔ زاران نے سنجیدگی سے جواباً جبڑے بھینچتے سوال کیا۔

تمھیں میرا درد دکھ نظر ہی تو نہیں آتا۔ نہ کبھی نظر آسکتا ہے۔ تمھارے سامنے مجھے طعنے مارے گئے۔ داجی تمھاری مورے نے کیا کچھ نہیں کہا۔ اور تم انجان بن رہے ہو۔ ابرش شبنمی استھزائیہ لہجے میں بولی تھی۔

ہر ایکشن کا ری ایکشن ہوتا ہے ابرش !! زحلے پھوپھو نے جو کیا۔ وہ کبھی اپنے عمل سے بری ذمہ نہیں ہو سکتی۔ زحلے پھپھو داجی کی بیٹی ہے۔ وہ کبھی بھی کسی صورت وہ مقام حاصل نہیں کر سکتی جو ان کا کبھی تھا۔ خود کو داجی کی جگہ رکھ کر سوچو۔ تمھیں اپنی ماں اور باپ کے لیے ایک طعنہ برداشت نہیں ہوتا۔ جو کہ طعنہ نہیں حقیقت ہے۔ داجی نے کتنے طعنے سنے زحلے پھوپھو کے حوالے سے۔۔۔ جو ان پر گزری تم ان کا درد نہیں سمجھ سکتی۔ اب زحلے

پھوپھو ان کے قدموں میں بھی گر جائیں۔ دلوں کی کڑواہٹ اب کبھی کم نہیں ہو گی۔ جو زہر برسوں پہلے زحلے پھوپھو نے داجی کے دل میں اتارا۔ اس کی کوئی دوا نہیں۔ زہر کا تریاق زہر ہی ہوتا ہے۔ مگر دل میں اگر ایک بار زہر اتر جائے تو اس کے تریاق کے لیے دوبارہ زہر نہیں دل میں اتارا جا سکتا۔ زحلے پھوپھو نے جو بویا اسے ہر حال میں کاٹنا تو پڑے گا۔

زاران کی باتوں پر ابرش بھیگے لہجے میں ہنسی تھی۔ پھر یکدم ہنستے چلی گئی تھی

تم تو مجھ سے بھی زیادہ سچ بولتے ہو اور کیا بات ہے تمھارے سچ بولنے کے لیے تمھارا تو نشے میں ہونا بھی ضروری نہیں۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بولتے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے دور کرتے آگے بڑھی۔

زاران اسے بازو سے جکڑے شاور کے نیچے کھڑا کرتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اسے محصور کر گیا۔

اب شاور سے گرم پانی گرتا دونوں کی سانسیں بھاری کر رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھے۔

کیوں کرتی ہو ایسی باتیں؟! میں نے کبھی تمھیں کوئی طعنہ دیا بتاؤ مجھے؟؟ زاران نے اس کے بھیگے عارض پر ہاتھ رکھتے نرمی سے پوچھا۔

تمھارا یہی کہنا کافی ہے کہ تم نے مجھے کبھی طعنہ نہیں مارا؟؟ یعنی میرا پاسٹ میرے ساتھ جڑے میرے باپ کا نام ہی میرے لیے طعنہ ہے۔ اور جب تمھیں موقع ملتا ہے تم مجھے طعنہ ضرور مارتے ہو۔ طعنہ ہی تو ہے جو جوتے میں لپیٹ کر نہیں مارا جاتا۔ مگر لگتا جوتے کی طرح ہی ہے۔ ابرش نے اپنی بھاری ہوتی سانسوں پر قابو پاتے چٹختے ہوے کہا۔

زاران نے اپنے گھنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے گہرا سانس لیا تھا۔ روف شاور سے برستا نیم گرم پانی اور سامنے کھڑی اس کی خوبصورت

بیوی کی باتیں اس کا میٹر گرم چکی تھی۔ اور اس کا شعلہ جواں بھیگتا بدن تو ویسے ہی اسے بوالڈ واٹر کی طرح 100 ڈگری سیٹی گریڈ پر گرم ہوتا اس کے جسم کے اندر دوڑتے خون کو بوایلنگ پوائنٹ پر لے آیا تھا۔

زاران نے اپنے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کے جوالہ مکھی روپ اس کے دہکتے گرم بدن پر گہری گرم نگاہ ڈالی۔ ویلوٹ کی فراک بھیگتے ہونے نیچے کی طرف ڈھلکتی اس کے نشیب و فراز کو عیاں کر چکی تھی۔ پانی اس کی گہرائیوں میں اترتا زاران کو پاگل کر گیا تھا۔ مگر اس کے قریب جاتا تو جسم کے اندر بھڑکتا خون 100 ڈگری سینٹی گریڈ سے 1000 ڈگری سینٹی گریڈ پر چلا جاتا تھا۔ وہ اپنی باتوں سے اس کے خون میں بوایلنگ پوائنٹ بڑھانے کا ہنر جانتی تھی۔ وہ اس کے قریب جائے بغیر زیادہ گرم ہو جاتا

تھا۔اس لیے وہ اس کے بھڑکتے روپ کو نظر انداز کرتے خود پذ قابو پا گیا تھا جو آج کل وہ کر ہی رہا تھا کہاں اپنے قریب آنے دیتی تھی۔

تمھارے بیجھے ہوے وہ کڑوڑوں کے ڈرافٹ آہل تمھارے آکاونٹ میں واپس منتقل کر چکا ہے۔نیکسٹ میری فیملی پر ترس مت کھانا سمجھے تم۔۔ابرش انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے ہوے بولی تھی۔

تم نے کہا یہ آہل سے کرنے کو؟؟زاران نے اب سرخ چہرے کے ساتھ اپنی اگلی گردن رب کی تھی۔

ہاں ابھی میری فیملی پر میرا اتنا کنٹرول ہے۔وہ میری ہر بات مان جائیں۔۔مجھے امریکہ میں ہی پتہ چل جاتا میں تب ہی تمھاری کھایا ہوا ترس تمھیں لٹا دیتی۔

ترس نہیں کھایا تم پر کبھی!!بیوی ہو میری حق ہے میری ہر چیز پر تمھارا ۔۔زاران اس کے قریب ہوتے اس کے گرد دیوار پر ہاتھ مارتے بھڑک اٹھا تھا۔

بیوی ہوں تو بیوی بنا کر رکھو!!جیسا بیویوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں وہ کرو جو تم کرتے نہیں۔

اور شوہر کے پیسے پر حق اس کی بیوی کا ہوتا ہے۔اس کے گھر والوں کا نہیں۔تم جب جب میرے گھر والوں کی مدد کرو گے مجھے وہ صرف ترس لگے گا۔میری سیلف ایسٹیم ہرٹ ہو گی جو تم کافی بار کر چکے ہو۔ابرش بھی جوابًا بھڑک اٹھی تھی۔

ان پیسوں پر زحلے پھوپھو کا پورا پورا حق ہے ابرش!! وہ بیٹی ہیں داجی کی!! قانوناً شرعاً ان کا حق ہے۔ زاران نے گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھتے سنجیدگی سے کہا۔

شرعاً حق دے کر میری ماں کو داجی اپنی عاقبت سدھارنا چاہتے ہیں۔ جو ممکن نہیں مسٹر خانزادہ۔۔ عاقبت ایسی نہیں سدھرتیں۔ جن کے دلوں کا زہر کبھی کم نہ ہو وہ عاقبت میں بھی اپنی سزاؤں میں زہر کے پیالے پیتے رہتے ہیں۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے چٹختے ہوئے بولی تھی۔

تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو! میرے لیے سب سے زیادہ احترام کے قابل وہ ہیں۔ زاران اس کے گرد ہاتھ رکھتے چیخ اٹھا تھا۔

افسوس میرے لیے وہ احترام کے قابل نہیں ہیں مسٹر خانزادہ!! ان کی وجہ سے میں اور میری فیملی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسی ہے۔۔ جب تب

ان کا پیسہ ہمارے لیے نہیں تھا آج بھی نہیں چاہیے۔۔اور انھیں بولو کچھ دینا ہے تو میری ماں کو عزت دے دیں۔جو وہ کبھی نہیں دے سکتے کیونکہ جو چیز انسان کے پاس ہو ہی نہ وہ کیسے دوسرے کو دی جا سکتی ہے؟؟ابرش تلخی سے بولتے پانی کی تیز بوچھاڑ میں بمشکل سانس لیتے زاران کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔

زاران اسے بازو سے جکڑتے دیوار میں سماتے اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اس کی ٹانگوں پر اپنا گھٹنہ اس طرح جما گیا تھا کہ ابرش اب ہلنے سے قاصر ہوئی تھی۔

لفظوں میں کیوں ہیر پھیر کر رہی ہو؟؟سیدھی طرح کہو کہ اس حویلی کے تمام خان بغیرت ہیں۔واقعی میں ہم خان بغیرت ہیں۔اور سب سے اوپر بغیرتی میں منسٹر زاران خانزادہ آتا ہے۔یہی کہنے کو دل کر رہا ہے ناں

تمھارا!! کہو سن لوں گا۔۔زاران کے برفیلے لہجے پر اس کی سانسیں بھی سرد ہوئیں تھیں۔

گرم پانی میں بھیگتے ہوے بھی اس کی سانس سرد اور برفیلی تھیں۔

کہو کہ میں بغیرت ہوں۔!!سن لوں گا میں!!زاران اس کے بیک طرف ہاتھ سختی سے مارتے حلق کے بل دھاڑا۔

ابرش اس کی دھاڑ اور اپنے گرد اس کے زور سے ہاتھ مارنے پر بری طرح لرزی تھی۔زاران اس کے لرزنے پر سر نفی میں ہلاتے استھزائیہ مسکراتے پیچھے ہوتے رخ پلٹے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے بھڑکتے دماغ کو ٹھنڈا کرنے لگا۔

سنتے ہی تو نہیں ہو تم۔ ابرش کی بھیگی آواز پر زاران نے پلٹتے ہوے اسے دیکھا۔

ابرش اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ اسے بازو سے جکڑے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

سنوں گا تمھاری بتاؤ مجھے !!میرے اگلے پچھلے قصور تمھیں آج پھر سے کیوں یاد آرہے ہیں ؟؟۔ کیوں آج پھر مجھے اور میری فیملی کو بغیر توں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ بتاؤ مجھے۔ زاران کے پوچھنے کے انداز پر ابرش کھکھلا کر زخمی سا ہنسی تھی۔

تم نہیں سمجھ سکتے تم میرے دل کی بات کبھی جان ہی نہیں سکتے۔ اگر اس وقت تم جان جاؤ گے میں کیسا محسوس کر رہی ہوں تو تم مجھے بلڈی سک

وومین کہو گے۔ بہت ترس آ گیا تو مجھ پر تو مجھے حاسد تو ضرور کہو گے۔ ابرش مسکراتے ہوئے کہتے رو پڑی تھی۔

زاران نے پریشان ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ وہ جانتا تھا وہ عابیر اور بہارے کی پریگننسی کی وجہ سے ایسے ری ایکٹ کر رہی ہے۔ مگر اس کی باتیں اس کا میٹر شارٹ کر دیتی تھی۔ خود پر قابو پانا مشکل ترین امر ہوتا تھا۔ جیسے اس وقت ہو رہا تھا۔

ابرش ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب اللہ چاہے گا ہمیں بھی نواز دے گا۔ تم کیوں اتنا محسوس کر رہی ہو؟؟ زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کے نیٹ کا دوپٹہ بہت نرمی سے اس کے سر سے اتارتے اس کے بھیگے عارض ہتھیلیوں سے صاف کیے جو پانی اور آنسوؤں کی وجہ سے نم تھے۔

تمھیں غلط لگ رہا ہے مسٹر خانزادہ!! میں کیوں محسوس کروں گی؟!۔ میں بلڈی سک وومین ضرور ہوں۔ مگر حاسد نہیں ہوں سمجھے تم!! ابرش اپنے عارض دونوں ہتھلیوں سے رگڑتے ہوئے اس بار اپنی بھیگی آواز پر قابو پا گئی تھی۔

زاران اسے دیکھتے بے بسی سے جبڑے بھینچ گیا تھا۔

تمھیں لگتا ہے میں ابرش بہارے کی پریگنسی کا سوگ منا رہی ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے میں بہت خوش ہوں۔ اس حویلی کی ساری بہوئیں ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔۔ اچھی بات ہے ناں ابرش پاشا سب سے منفرد ہے۔ جو اس کا سویگ ہے وہ کسی کا کہاں؟؟ ابرش استھزائیہ زخمی سا ہنسی

وہ اس کی بات پر چونکا تھا ساری بہوئیں ایکسپیکٹ کر رہی تھیں کا کیا مطلب ہوا۔

حیران ہو رہے ہوناں ساری بہویں ایکسپیکٹ کر رہی ہیں سوائے میرے!!

تمہارے لالا نے سب کو نہیں بتایا مگر وہ بھی باپ بننے والا ہے۔ ابرش اپنی بھیگی آواز کی شدت پر قابو نہ پا سکی تھی۔

کل لیڈی ڈاکٹر آئی تھی۔ میں نے اس سے جاتے ہوئے پوچھا تھا اس نے بتایا تھا حور بھابھی بھی پریگننٹ ہے۔ ابرش اب نظریں جھکائے نیٹ کے دوپٹے سے اپنے عارض اور ناک رگڑ رہی تھی۔۔ شاور کا پانی ابھی بھی اس پر برس رہا تھا۔

ابرش کی بات پر زاران پیچھے اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلاتے ہوئے مسکرایا۔

لالا باپ بننے والے ہیں۔ زاران بے یقینی سے خود سے بولتے چہکا تھا۔

زاران کے چہرے پر خوشی دیکھتے ابرش کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ اسے اپنے گھر کی خوشیوں کی پرواہ تھی۔ وہ ارحام کے باپ بننے والی بات پر بے حد خوش تھا۔ یہ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ اپنے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے مسلسل مسکرا رہا تھا۔

ابرش میں لالا کے لیے بہت خوش ہوں۔ بہت زیادہ خوش ہوں۔ لالا کو بیٹا ہو میری کب سے یہ خواہش ہے۔ لالا کو بیٹے کی خواہش ہے۔ جب گل بھابھی لالا کی زندگی میں لالا نے ایک بار مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا گل بھابھی نے اپنا بچہ پیٹ میں مار دیا تھا۔ میں جانتا ہوں لالا اس وقت کتنی تکلیف سے گزرے ہوں گے۔ بچہ کھونے کا غم کیا ہوتا ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ زاران یقدم بولتے ہوئے خاموش ہوا تھا۔

اس کی بات پر ابرش کے چہرے پر جو تکلیف اڈی تھی۔ وہ وہ پریشان ہوا تھا۔ اس نے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھتے اپنا گلہ جکڑا۔۔ یقیناً وہ اس کے لبوں سے اپنے بچے کا کھونے کا غم برداشت نہیں کر پائی تھی۔ اور یہ لمحہ بہت نازک تھا اسے اس کا غم بانٹنا تھا وہ اپنا غم ظاہر کر گیا تھا۔

زاران نے خاموش ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ابرش اپنا نیٹ کا دوپٹہ خود سے اتارتے واش روم کے فرش پر پھینکتی واش روم دکا دروازہ کھولتے باہر نکل گئی تھی۔

ایک تو بیوی کے سامنے شوہر کو اپنا منہ بند رکھنا چاہیے کیا پتہ کس بات پر پھانسی کا فتوی سنا دیا جائے۔ زاران جبڑے بھینچتے ہوے غصے سے بڑبڑاتے ہوے اپنی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکہ مار گیا تھا.

زاران جبڑے بھینچتے ہوے واش روم سے نکلتا کمرے میں آیا۔ ابرش گیلے کپڑوں میں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا پورا وجود ہچکولے بھر رہا تھا۔

افففف۔۔۔ شادی گلے کا پھندہ ہے وہ بھی اپنی پسندیدہ عورت سے کرنا تو زندگی کو عذاب بنانا ہے جو تو بنا چکا ہے منسٹر زاران !! زاران زیر لب بڑبراتے ہوے گہرا سانس لیتے ابرش کی طرف بڑھا.

اپنی گیلی شرٹ اتارتے اس نے زمین پر پھینکی تھی اپنی بلیک سینڈو بھی اس نے اتار کر زمین بوس کی تھی۔ ابرش کو کندھے سے جکڑے سیدھا کرتے اس پر حاوی ہوتا اس پر جھکتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے وہ اس کی سانسیں شدت سے گھونٹ گیا تھا۔ ابرش اس کی بے رحم شدت پر مچل اٹھی تھی۔ زاران کو دونوں ہاتھوں سے دور کرنا چاہا وہ اس کے ہاتھوں کی

انگلیاں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں جکڑ گیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگوں پر وہ اپنی ایک ٹانگ جماتے اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو جکڑ گیا تھا۔

اس کا پہاڑ جیسا وزن ہی اس کی نازک بیوی کے لیے کافی تھا زاران کے وزن سے ہی ابرش کی سانسیں جیسے بند ہوئی تھیں۔

زاران اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے جکڑے اس کی سانسوں کو شدت سے پی رہا تھا۔ واش روم میں اس کا بھڑکتا گیلا بدن اس کے اندر اس کی طلب کے شرارے دھکا چکا تھا۔ وہ اس کی پسندیدہ عورت تھی مگر سب سے بڑھ کر وہ اسے اپنا عادی بہت شدت سے بنا چکی تھی۔۔ کہاں رات رات بھر اس سے دور ہوتی تھی۔ اب تو وہ اس کی محبت سے زیادہ اس کی عادت کا مارا تھا۔

محبت سے جان لیوہ عادت ہوتی ہے وہ یہ کچھ دنوں سے وہ جان چکا تھا۔ اور عادت بھی اس عورت کی پڑ جائے جو جان سے زیادہ بڑھ کر ہو تو انسان تو کسی

نشے کا جیسے ایڈیکٹ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی خوبصورت بیوی کا ایڈیکٹ ہو چکا تھا۔

زاران نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے ابرش کی آنکھوں میں دیکھا جو خود اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے سرخ چہرے کے ساتھ زاران کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی

اگر ابرش پاشا کا سویگ الگ ہے۔نو۔۔نو۔۔۔ابرش پاشا نہیں۔۔ابرش خانزادہ اونلی ابرش زاران خانزادہ۔۔زاران نے ابرش کے انداز میں سر دائیں بائیں ہلاتے بولتے ہوے اپنی مسکراہٹ دبائے اس کی گلابی بھیگی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

اگر ابرش خانزادہ کا سویگ الگ ہے تو مسٹر خانزادہ کا بھی سویگ الگ ہے۔ پہلے سب کے بچوں کا ماموں چاچا تایا بنوں گا۔ پھر ان سب کو اپنے بچوں کا ماموں چاچو تایا بناؤں گا

اور ویسے بھی مجھے اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ اس بیڈ اور کمرے کے درودیوار کو ہلا کر رکھنا ہے۔ جتنا منتقم مزاج بندہ ہوں اتنا ہی سیدھا سادہ بندہ ہوں تبدیلیاں مجھے پسند نہیں ہیں۔ مجھے تو اپنی شدتوں کا قہر ڈھا کر تمھاری جان عذاب کرنی ہی ہے۔ یہ الگ بات ہے تمھاری جان عذاب میں نہیں ڈلتی الٹا میری ڈال دیتی ہو۔ میری بے شرم بیوی تھکتی ہی نہیں ہو التا اپنے خان کو تھکا دیتی ہو۔ زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن پر جھکے وہاں شدت سے دانت گاڑھ گیا۔

زاران پیچھے ہٹو مجھے تمھارے بچوں کی ماں نہیں بننا۔ ابرش خود کو اس کے حصار سے آزاد کرتے دبی آواز میں چیخی تھی

زاران نے اس کی گردن سے چہرہ نکالتے سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

ابرش اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ہوے وہ چہرہ موڑ گئی تھی۔

تمھیں اپنے بچوں کی ماں ابھی بنانے بھی نہیں والا۔۔ ابھی تو مجھے اپنی بیوی کے ساتھ اپنی بے سکون زندگی مزید بے سکون کرنی ہے۔ زاران اس کا چہرہ دبوچتے ہوے اپنی طرف کر گیا تھا۔

جانتی ہوں میں تمھارے لیے بے سکون ہی ہوں۔ تو پھر کیوں آتے ہو میرے قریب ؟!۔ ابرش بھڑ بھڑ جلتے ہوے بولی۔

کیونکہ میری بدسکونی میں ہی میرا سکون ہے۔ میری خوبصورت پلس بے شرم بیوقوف بیوی۔ زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کرتے اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا.

زاران !! ابرش اس کے حصار میں بری طرح پھڑ پھڑائی تھی۔

زاران نے اس کی فراک اس کی آستینوں سے نکالتے زمین پر اچھالی۔

زاران چھوڑو مجھے !! ابرش اس کے حصار میں مچلتے ہوے چیخی۔

وہ اس کی بلیک سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے کھینچتے ہوے اسے اپنے قریب کر گیا۔

ایک ہاتھ وہ اس کی کمر میں ڈالے ہوے تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ دونوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے کے سینے میں بج رہی تھیں۔

تمھیں اس وقت میری ضرورت ہے میری خوبصورت بیوی!! ان جادوئی لمحات میں ہی تم اپنے اندر کا غم بھول سکتی ہو چاہے تھوڑی دیر کے لیے سہی۔ مگر تم یقیناً اپنے مسٹر کی پناہوں میں سب کچھ بھول جاؤ گی۔۔ چھوڑ دو ساری باتیں گلے شکوے۔ خود کو میرے حوالے کر دو!! ہر غم کا مداوہ میری قربت بن جائیگی۔ زاران بھاری آواز میں بولتے ہوے اس کے نیشب و فراز پر موجود آخری کمزور پردہ بھی آزاد کر گیا تھا۔

نہیں ہے تمھاری قربت میرے غم کا مداوہ مسٹر خانزادہ۔!! ابرش کے بھیگے لب بری طرح پھڑ پھڑائے تھے۔

مگر میرے لیے میرے ہر غم کا مداوہ تمھاری قربت ہے۔ اور میں کچھ ہی دیر میں تمھیں جنت دکھادوں گا میری بے شرم بیوی! زاران بھاری مخمور آواز میں بولتے اس کے بدن پر موجود آخری پردہ بھی آزاد کرتے اسے تکیے پر پٹخ گیا تھا۔

خود بھی ابرش کی حالت میں آتے اس پر جھکے اپنے ہاتھوں سے اس کے بدن پر پوری شدت سے حق جتاتے اس کی سانسوں میں اتنی بری طرح ہلچل مچا گیا کہ ابرش کی سانس دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو گئی تھی۔ ابرش سر تکیے پر پٹختے ہوے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے دور کرتے کمزور سی مزاحمت کر گئی۔

زاران نے اس کی سانسوں کے تیز ہونے اور اس کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتے ہوے شدت اختیار کرنے پر زاران نے اسے معنی خیزی سے آنکھ ماری۔

مجھے تمھاری ضروت نہیں!! تمھاری قربت میرے غم کا مداوہ نہیں۔ ابرش نے تکیے پر سر پٹختے ہوے اپنی گردن کو جکڑے گہرے سانس لیے تھے۔ وہ کمزور پڑ رہی تھی جو وہ نہیں چاہتی تھی

زاران مسکراتے ہوے اس کے ڈھیلے پڑتے وجود اور اس کی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھتے اس کے اور اپنے درمیان ہر دوری ختم کرتے اس کے بدن کا خود کو حصہ بنا گیا تھا۔

دور ہٹو مجھ سے مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔۔ ابرش کمزور سی آواز میں بولتے شدت سے رو دی تھی۔

زاران اس کے لبوں پر جھکتے اس کی آخری کمزور مزاحمت کو بھی گھونٹ گیا تھا۔

کمرے کے دور دو یوار لرزتے ہوے دونوں کی سانسوں کو بھاری کر چکے تھے۔۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ابرش کی کمزور مزاحمت پر وہ اپنی شدتوں کی بے رحمی میں آضافہ کر دیتا تو ابرش کی کمزور سی مزاحمت بھی دم توڑ دیتی تھی۔

وہ اس کا غم اپنی قربت سے دور کرتے اپنی تشنگی تھکاوٹ اس کے اندر انڈھیلتے اس سے دور ہوا تھا۔ پر سکون ہوتے خود پر کمبل لپیٹتے آنکھیں موندتے اسی لمحے وہ نیند کی گہرائیوں میں چلا گیا تھا۔ زاران کی بھاری ہوتی سانسں میں اور ہلکے مدھم گونجتے خراٹے ابرش پر باور کرواچکے تھے۔ وہ نیند میں چلا گیا ہے۔ ابرش نے بیٹھتے ہوے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں

میں دبوچتے ہوے زاران کو دیکھا جو اوندھے منہ لیٹے سو گیا تھا۔ ابرش کو اپنا دم مزید گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ ابرش نے تقریباً اپنے بال نوچے تھے۔ وہ اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے سسک پڑی تھی۔

وہ دوسرے لمحے بیڈ سے اترتے زمین پر پڑی زارن کی شرٹ پہنتے ہوے واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ دروازے کی دھاڑ پر زاران نے سوتے میں ہڑبڑاتے ہوے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر بیڈ پر نظریں دوڑائیں۔ خالی بیڈ اور واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے زاران نے اٹھتے ہوے منہ پر ہاتھ پھیرا

تیری گناہوں کی لسٹ بہت لمبی ہے زاران!! اس جنم میں تو تجھے معافی نہیں ملنے والی۔ زاران جبڑے بھینچتے جھنجھلاتے ہوے ہاتھ مارتے ہوے سائیڈ لیمپ زمین پر گرا گیا تھا۔

اسفندیار خان کمرے میں داخل ہوتے اپنا مفلر گلے سے اتار کر بیڈ پر اچھالتے ہوے ہوے ٹیرس کے کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے بغیر کسی شال کے وہاں کھڑا دیکھتے اسفندیار خان نے اپنے اشتعال پر بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ باہر شدید سردی تھی پڑ رہی تھی ٹھنڈی برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ ریڈ کلر کی گرم پٹھانی فراک میں ملبوس تھی اس کے گھنے سلکی سنہرے بال کمر پر بکھرے تھے۔

کسی گرم کپڑے کے بغیر تو تھی ہی مگر بنا کسی چادر کے بے پردہ بھی کھڑی تھی۔

خود کو تکلیف دینے کا شوق ہو رہا ہے تو شوق سے دو مگر میری بیٹیوں کو مت دو!!

اسفند کی سرد آواز پر عابیر نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑیں تھیں۔ مگر پلٹ کر اسفند یار خان کو نہیں دیکھا تھا۔

سنا نہیں کیا کہا ہے تمھیں؟! اسفند یار خان اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوے اس کی طرف بڑھتے جنگلے کے دونوں اطراف میں ہاتھ جما گیا تھا۔ عابیر کی پشت اسفند یار خان کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

نہیں سنا اسفند یار خان کو صرف اپنے بچے کی فکر ہے جب میری فکر کرے گا تو اسفند یار خان کی بات سن لوں گی میں۔ وہ نروٹھے انداز میں بولی تو اسفند اس پیٹ پر نرمی سے ہاتھ جماتے ہوے اسے اس کی کان کی لو پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ عابیر نے اپنے پیٹ پر بندھے اسفند یار خان کے ہاتھ ہٹانا چاہے تو اسفند نرمی سے اس کا رخ اپنی طرف پلٹ گیا۔

عابیر کے سرخ گال اور سرخ ناک دیکھ کر اسفند کے چہرے پر پھر سے اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کا سرخ گلاب سا چہرہ مزید سرخ ہو گیا تھا۔

یہ کیا بچپنا ہے عابیر ؟؟ تم بغیر کسی گرم شال کوٹ کے ادھر ٹیرس پر کھڑی ہو۔۔ گرم کپڑے کو تو چھوڑو۔ تمھارے وجود پر کوئی چادر تک نہیں جو تمھارے بے پردہ وجود کو ڈھانپ سکے۔۔۔ فراک کی فٹنگ میں اس کی بدن کی گہرائیاں دیکھ کر وہ غصے سے بولا۔

اسفند یہاں کس کی نظر پڑ سکتی ہے ؟؟ اسفند کو غصے میں دیکھ کر عابیر روہانسی ہوئی تھی۔

نہ بھی پڑے مگر خود کو ڈھانپنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔۔ اور اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہی ہو ؟؟ تم اچھی طرح جانتی ہو تمھارا خود سے لاپروائی برتنا یہ

بچوں والی حرکتیں کرنا میرے بچوں کو بھی تکلیف میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اسفند پریشان ہوتے اس کے پیٹ پر نرمی سے ہاتھ رکھ گیا تھا۔

عابیر اسفند کی بات پر نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔

عابیر تمھارے روٹھنے سے تمھاری غلطی چھوٹی نہیں ہو سکتی۔ اسفند اس کے ساتھ کھڑے جنگلے پر دونوں ہاتھ جماتے سرد آواز میں بولا۔

کونسی غلطی اسفند یار خان؟؟ ایسی بھی کیا غلطی ہو گئی جو آپ مجھ سے اس طرح بات کر رہے ہیں؟؟ عابیر نے اسفند کی طرف دیکھتے جوابًا استفسار کیا۔

منع کیا تھا کہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گی جب تک میں مورے کو نہیں بتا دیتا مگر تم نے بہت پہلے اپنی مورے کو بتا دیا تھا۔ میری مورے کو کتنی تکلیف پہنچی ہے

جانتی ہو۔ اسفندیار خان نے بھی سرد لہجے میں اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھیں گاڑھیں۔

اسفندیار خان!! آپ کی مورے کو ہر بات سے تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بات بات پر مجھے طعنے مارتی ہیں۔ وہ آپ کو نظر نہیں آتا مگر آج آپ کو چھوٹی سی بات بری لگ گئی کیونکہ وہ آپ کی مورے کو تکلیف دے گئی ہے۔ عابیر نے اسردی میں گہرا سانس لیتے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پایا تھا۔ اسے سردی کی وجہ سے کانپتے دیکھتے اسفندیار خان اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے سے لپٹائے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مضبوط کر گیا تھا۔

اسفند!! عابیر اس کے سینے میں سماتی اس کے سینے پر لب رکھ گئی تھی۔

تم پر غصہ بلکل نہیں اترا میری سفاک پٹھانی۔۔ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ اوپر سے اپنی غلطی ماننے کی بجائے میری مورے کے خلاف بات کر رہی ہو۔ جو

مجھے بلکل پسند نہیں آیا۔ وہ جیسی بھی ہیں میں جانتا ہوں۔ ہر چیز دیکھتا ہوں محسوس کرتا ہوں۔ آیندہ تمھارے لبوں سے اپنی مورے کے خلاف ایک لفظ نہ سنوں وہ اسے سختی سے خود میں بھینچتے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کھنچتے سرد لہجے میں بولا تو عابیر نے بے یقینی سے اسفند سے تھوڑا دور ہوتے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ جب سے پریگننٹ ہوئی تھی اسفند اس سے بہت نرمی سے بات کرتا تھا۔۔

میرا سرخ گلاب!! بیوی جتنی مرضی پیاری ہو جان سے زیادہ پیاری ہو مگر ماں کا مقام وہ کبھی حاصل نہیں کر سکتی۔ میرے لیے میری مورے میرا سب کچھ ہیں۔ میں ہمیشہ چاہوں گا تم ان کی عزت مجھ سے بھی بڑھ کر کرو۔۔ اسفند اس کی سرخ ناک کی ٹپ پر اپنا انگوٹھا رکھ گیا تھا۔

اور وہ جو مجھے طعنے مارتی ہیں۔ عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے شکوہ کیا

مجھے بتاؤ وہ تمھیں طعنہ مارتی ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں یا اس بات پر انھیں سراہتا ہوں۔ الٹا ان سے منہ بنالیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے تمھارے قریب برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر میں پھر بھی ان کی پرواہ کیے بغیر تمھارے آگے پیچھے پھرتا ہوں۔ اب کیا چاہتی ہو تم کہ وہ تمھیں طعنہ مارے تم انھیں آگے سے جواب دو۔ اسفند نے جواباً سنجیدگی سے استفسار کیا۔

میں نے کب جواب دیا اسفند انھیں؟! اسفند کی بے حد سنجیدگی پر عابیر کے لہجے میں شبنم اتری تھی۔

آج تمھاری حرکت نے انھیں بے مول کیا ہے عابیر؟؟ تم نے میرے منع کرنے پر کیوں بتایا اپنی مورے کو؟

!اسفند ابھی بھی سنجیدہ تھا۔

اسفند وہ بہت حد تک جان چکی تھیں۔ میں ان سے چھپا نہ سکی۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں وضاحت دی۔

اسفند اس کے بھیگے لہجے پر گہرا سانس اسے خود میں نرمی سے سما گیا تھا۔ مجھے اپ سے کوئی بات نہیں کرنی آپ اس کنڈیشن میں مجھ سے ایسے بات کریں گے مجھے یقین نہیں آرہا۔ عابیر اس کے سینے پر سر رکھتے نروٹھے انداز میں شکوہ کر گئی تھی۔

اسفند اسے بازوؤں میں بھرتے گود میں اٹھاتے کمرے کی طرف بڑھان

ٹیرس کا دروازہ اپنی پاؤں کی ٹھوکر سے بند کرتے وہ بیڈ کی جانب بڑھتے اسے

نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔

عابیر نے اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی نیلی آنکھوں میں

جھانکا۔

کر سکتا ہوں تم سے اس سے بھی سخت لہجے پر بات کر سکتا ہوں۔ جس طرح

تم سیڑھیاں چڑھ کر آئی ہو اور جس طرح یہاں بغیر کسی گرم کپڑے کے

خود کو تکلیف دے رہی تھی۔ میرا جی کر رہا ہے اس بات پر تمھیں سخت سزا

دوں۔ تمھیں ہمارے بچے کا خود سے زیادہ خیال کرنا چاہیے اور تم میری

محبت کا ناجایز فایدہ اٹھا کر اس طرح کی حرکت کر رہی ہو۔ اسفند نے اس کی

آنکھوں میں جھانکتے سرد لہجے میں اسے ڈپٹا تھا۔

اسفند مجھ سے آپکی ناراضگی اور بے اعتنائی برداشت نہیں ہوتی۔۔ آپ کو یہ بچہ بہت عزیز ہے اس لیے آپ سے خفگی کا اظہار کر رہی تھی تاکہ آپ اپنے بچے کو لے کر پریشان ہوتے کمرے میں چلے آئیں۔ مجھے لگا آپ اپنی مورے کی وجہ سے آج میرے پاس نہیں آئیں گے۔ مجھے پہلے کی طرح اگنور کریں گے۔ آپ کو خود کے پاس بلانے کا یہ ہتھیار تھا۔ عابیر اس کے عارض پر ہاتھ جماتے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

اسفند یار قہقہ لگاتے ہوئے خود تکیے پر ہوتے اسے اوپر کر گیا تھا۔۔۔

میرا سرخ گلاب!! مجھے اپنی بیٹیاں ہی نہیں ان کی مورے زیادہ پیاری ہے!! میرا سیاہ سفاک گلاب میں میری جان بستی ہے۔ تم ہو تو میری بیٹیاں ہیں۔ میری سفاک پٹھانی۔۔ وہ اسے اپنے پیٹ پر بٹھاتے اس کی فراک کی زپ نیچے کی طرف کھسکا گیا تھا۔

اسفند!!عابیر اس کے سینے سے لپٹے سرخ گلاب ہوئی تھی۔

کیا ہوا میرا گلاب!!اسفند اس کے فراک کے اندر ہاتھ ڈالتے اس کی برہنہ کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوے گھمبیر آواز میں بولا۔

اسفند یہ رات نہیں ہے یہ صبح ہے۔عابیر اسفند کی آنکھوں میں جھانکتے مسکراتے ہوے نظریں جھکا گئی رہی۔

یہ شرما رہی ہو یا مجھے

hint

دے رہی ہو کہ تمھارا بھی موڈ ہو رہا ہے۔اسفند نے مسکراہٹ دبائے ذو معنی انداز میں پوچھا تو عابیر کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔

بہت برے ہیں اسفند آپ!!عابیر نروٹھے انداز میں اس کے اوپر سے اٹھی تھی وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

موڈ ہو رہا ہو تو بتاؤ میرا نروٹھا گلاب!!تاکہ میں صبح صبح اپنے بنے ہنے موڈ کو مزید ایگریسیو بناؤں۔اسفند عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے شرارتی انداز میں بولا۔

نہیں ہو رہا بلکل بھی نہیں ہو رہا۔اس لیے قریب مت آیئے گا۔عابیر بھڑ بھڑ جلتی بولی تھی۔

میرا تو ہو رہا خود ہی چیک کر لو۔اسفند نے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے بے باکی سے آنکھ ماری۔عابیر کی رنگت اب خجالت اور شرم سے سرخ ہوئی تھی۔۔

اسفند!!عابیر نے غصے سے جھکتے ہوے اسفند کی گردن میں دانت گاڑھے۔

اسفند خود کے ساتھ مزید لپٹاتے اس کے فراک کے اندر ہاتھ ڈالتے بہت بے باکی سے اسے چھو گیا تھا۔

عابیر نے اسی لمحے اس کی گردن سے اپنے دانت ہٹائے تھے۔

Now my turn

میرا وحشی گلاب۔۔ اسفند اپنی گردن پر انگوٹھا رب کرتے بولا جہاں اسے شدید جلن ہو رہی تھی۔ وہ اسے تکیے پر کرتے اس کی گردن پر جھکے جگہ جگہ دانت گاڑھنے لگا تھا۔

اسفند!! عابیر نے نروٹھے لہجے میں پکارتے بھرپور مزاحمت کرتے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلنے کی سعی کی۔

اسفند اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو پینے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عابیر کا ڈھیلا پڑتا جسم محسوس کرتے اسفند نے اس کی کلائیاں آزاد کیں۔ عابیر کا ہاتھ اب اسفند کے گھنے بالوں میں سرسرا رہا تھا۔ اور ایک ہاتھ اسفند کی شرٹ کے بٹنوں پر تھا۔

اسفند نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے تھوڑا سا اوپر ہوتے عابیر کے دونوں ہاتھوں کو اپنی شرٹ کے بٹنوں پر رکھتے اسے ذو معنی اشارہ کیا۔

عابیر سرخ پڑتے اب اس کی شرٹ کے بٹن کھول رہی تھی۔

اسفند نے شرٹ اتارتے عابیر کو ایک اور بے باک اشارہ کیا تھا۔ عابیر گلاب کی طرح سرخ پڑتے اسفند کی بات مان گئی تھی۔ مگر اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔۔ اسفند مسکراتے ہوے گہری گرم نگاہوں سے اپنی بیوی کی فرمانبرداری دیکھ رہا تھا۔

اسفند خود پر اور اس پر کمبل اوڑاتے عابیر کو اپنے سینے میں بھینچتے ہوے اس کے جسم سے بھی ہر پردہ آزاد کرتے اپنی من مانیاں کرنے لگا تھا۔ عابیر اس کے سینے سے لپٹے اس کے کشادہ سینے پر اپنے لب رکھ گئی تھی۔۔ کمرے نرم گرم سانسوں کا رقص جاری تھا۔

زرمش نے اپنی سیاہ گرم شال خود پر اچھی طرح لپیٹتے ہوے بیڈ سے اٹھتے کمرے میں لگی وال کلاک کی طرف نظریں دوڑائیں جہاں شام کے چار بج رہے تھے۔ وہ دبے قدموں سے آہستگی سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔

!! کچھ دن اور گزار لو میرے پاس !! پھر خود تمھیں تمھارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔ اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو

دیکھنا ہے۔یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر ذلالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو ہے!!

آریان خانزادہ کے لفظ ہتھوڑے کی مانند اس کی سماعتوں پر برس رہے تھے۔وہ کیا کہہ رہا تھا کیوں کہہ رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی؟؟۔دل و دماغ صدمے کی کیفیت سے مفلوج تھا اور بدن نقاہت زدہ تھا۔

اتنا جان اور سمجھ پائی تھی وہ صرف!! آریان خانزادہ اس سے نفرت کی انتہا کرتا ہے۔ان سبز آنکھوں میں اس کے لیے نفرت کا اک جہاں آباد تھا۔

زرمش خان نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا جہاں ابھی بھی جھنجھانٹ سی اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔گال پر ابھری سی لکیریں انگلیوں کو چھوتی اسے باور کروا رہی تھیں۔وہ اپنی انگلیوں کی گہری چھاپ اس پر چھوڑ چکا تھا جو مٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔۔زرمش کو تو نا صرف اپنے گال پر بلکہ اپنے وجود

سے بھی اس کے بدن کی مہک اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی مرد آج تک اس کے اتنا قریب نہ آیا تھا یہاں تک کہ ساحر خان بھی نہیں آیا تھا۔۔ ساحر خان نے کبھی اپنے بدن کی خوشبو تک تو دور اپنی دھڑکنوں تک بھی رسائی نہ دی تھی۔

ساحر!!وہ زیر لب ساحر کا نام پکارتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا اسے اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

!!وہ جب میں تمھیں تمھاری حویلی لے کر جاؤں گا. وہ تو تمھیں دیکھتے ہی خودکشی کر لے گا۔ خود کو شوٹ کر ڈالے گا۔ آخر جوان خوبصورت بہن اتنے دن اور راتیں باہر دو دو مردوں کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔ یا ہو سکتا ہے حیدر خان نے ابھی تک خودکشی کر بھی لی ہو!!

ایسا نہیں ہو سکتا میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔لالا کو مجھ پر یقین کرنا ہو گا۔مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔

زرمش اپنی گردن سے ہاتھ ہٹاتے اپنے بال مٹھیوں

میں جکڑے ہذیانی چیخی تھی۔اس کا پورا بدن خوف اور نقاہت سے لرز رہا تھا۔

چیخنا مت!!ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں !! گا۔بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔وہ پلک جھپکتے تمھیں چیڑ پھاڑ دیں گے!!

زرمش اپنی چیخیں گلے میں ہی گھونٹتے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔ کل رات کا اس کا وحشیانہ روپ یاد آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشی پن یاد آیا تھا۔ زرمش منہ پر ہاتھ رکھتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی

اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ اب دل پر ہاتھ رکھے بمشکل سانس لے رہی تھی۔ اسے سانس نہیں آ رہی تھی۔

زرمش نے دل پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس لیتے اپنی اکھڑتی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

!!اتنا تڑپ کیوں رہی ہو ہاں؟؟ تڑپنا تو مجھے چاہیے۔۔ آہ گریہ تو مجھے کرنا چاہیے۔ تم جیسی لڑکی جس کی طرف آریان خانزادہ دیکھنا پسند نہ کرے ۔اسے آریان خانزادہ اپنے جسم کی گرمی دینے والا ہے۔ تمھیں چھوتے ہوے دیکھتے ہوے بھی مجھے خود سے نفرت ہو رہی ہے!!

زرمش اس کے بے رحم لفظ یاد کرتے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔

!! تمھارے اندر حاکم خان اور رائینہ کا ناپاک خون دوڑ رہا ہے !!

زرمش اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے بری طرح لرز رہی تھی۔

مم۔۔مجھے۔۔یہاں۔۔نہیں۔۔رہنا۔۔مم۔۔مجھے۔۔لالا۔۔کے۔۔پاس جانا۔۔ہے۔۔زرمش اپنی ٹوٹی بکھرتی سانسوں کو بحال کرتے ہوے بمشکل بولتے اپنے نقاہت زدہ وجود کو گھسیٹتے ہوے اٹھی تھی۔

زرمش اپنی شال کو اچھی طرح جکڑے کمرے سے نکلتے ہوے باہر لاونج میں آئی۔اس نے ساتھ والے کمرے کی طرف اپنی خوفزدہ نگاہیں دوڑائیں۔وہ اس وقت حویلی میں تھا کہ وہ نہیں جانتی تھی۔پوری حویلی اس وقت سناٹے میں ڈوبی تھی۔ بچپن سے اسے تنہائی سے خوف آتا تھا۔ آج تنہائی سے زیادہ

اس انسان کی وحشت اسے مار رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اپنے محرم کی محبت قربت کو ترستی رہی تھی۔ بچپن میں اسے اپنے لیے مورے بابا کی محبت ان کی قربت چاہیے تھی۔ جب سمجھ آئی کہ مورے اور بابا کی محبت اس کے لیے بنی ہی نہیں تو وہ حیدر خان کی محبت کی چاہ کرنے لگے تھی۔ پھر ساحر خان کی محبت کی چاہ کرنے لگی۔ مگر کسی بھی رشتے کی محبت اس کا مقدر نہ ٹھہری تھی۔ ساحر خان نہ رہا تھا تو حیدر خان کی محبت بھی شاید وہ ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھی۔ زرمش دبے قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی ۔اسے ہر حال میں یہاں سے نکلنا ہی تھا۔

اس وحشی سنکی انسان کی حویلی میں وہ مزید ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

وہ دبے قدموں سے حویلی کے لاونج سے ہوتی داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔۔ اتنی بڑی حویلی اس وقت سائیں کر رہی تھی۔ زرمش نے داخلی

دروازے کی طرف بڑھتے اس کے ہینڈل پر ہاتھ جمایا وہ لاکڈ تھا۔ زرمش نے پاگلوں کی طرح ہینڈل پر پر ہاتھ جماتے لاک کو کھولنے کی کوشش کی۔ و لکڑی کا بھاری منقشم دروازہ جو چھت تک جاتا تھا وہ اسے لاک کر کے گیا تھا۔ زرمش ہینڈل پر ہاتھ رکھتے بری طرح رو پڑی تھی۔

!!کچھ دن اور گزار لو میرے پاس!! پھر خود تمھیں تمھارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔ اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو دیکھنا ہے۔ یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر ذلالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو ہے!!

آریان خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکراتی اس کے حواص معتل کر رہی تھی۔

وہ کیا چاہتا تھا اس کی حاکم خان اور رائینہ سے کیا دشمنی تھی؟؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر اتنا جانتی تھی وہ شاید اسے اتنی آسانی سے یہاں سے جانے نہیں دے گا۔ وہ اس پر ترس کھا کر تو یہاں نہیں رکھے ہوے تھا۔ وہ تو ایک وحشی درندہ تھا۔ اسے کیا پرواہ وہ جیے یا مرے۔ زرمش نے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا جو پھر سے بھوک کی وجہ سے دہائیاں دے رہا تھا

۔

لالا۔۔۔ ساحر خان!! وہ حیدر اور ساحر خان کو پکارتے ہوے حویلی کی بڑی سی چھت کی طرف نظریں جمائے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔۔

وہ وحشی درندہ حویلی میں ہی نہ ہو وہ ڈرتے ہوے ایک بار پھر سے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔ آنکھیں خوف سے پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

اگر اس نے کے اس لبوں سے ساحر کا نام سن لیا وہ یقیناً اس کی جان سے مار ڈالے گا۔

وہ۔۔ مم۔۔۔ مجھے اپنے خونخوار جانوروں کے آگے پھینک دے گا۔ وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوے اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے ہوے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے سسکتے ہوے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی

آریان خانزادہ اس کی زندگی کا

nightmare

بن چکا تھا۔

وہ اس سے ایسے خوف کھائے بیٹھی تھی جیسے وہ

bloodthirsty wolf

ہو۔ جیسے وہ

bloodthirst beast

ہو۔

Bloodthirst beast ,bloodthirsty beast

وہ اسے زیر لب کپکپاتے لبوں سے یہ نام دے کر اپنے منہ پر ہاتھ جما چکی تھی

!!میں

scariest animal

ہوں۔ آریان خانزادہ

scariest animal

ہے۔!!

وہ اس کی غراہٹ یاد کرتے خوف سے گھٹنوں میں سر دے گئی تھی۔

وہ کافی دیر تک گھٹنوں میں سر دیے آریان خانزادہ کے خوف سے لرزتی رہی تھی۔زرمش نے گھٹنوں سے سر اٹھائے اس پر سرار بڑی حویلی کو دیکھا۔۔وہ یہاں نہیں رہ سکتی تھی اسے اس وحشی درندے کی پناہوں سے جانا ہی تھا۔وہ اپنی تمام ترہمت مجتمع کرتے خود کو گھسیٹتے ہوے اٹھی تھی ۔وہ اب تیز تیز قدموں سے آریان خانزادہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس کارواں رواں ایک ہی دعا کر رہا تھا وہ وحشی درندہ اس حویلی میں نہ ہو۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے آریان خانزادہ کمرے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ دروازہ کھولتے ہوے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔اس کا پورا وجود پسینے سے تر تھا۔

بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔ کمرے کی لائٹس آف تھیں۔ کمرے میں اس کی وحشی خوشبو پھیلی ہوئی تھی. جو پوایزن کی طرح اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو نیلا کرتے زہریلا کر رہی تھی۔ زرمش نے اس خوشبو میں گہرے سانس لیتے دیوار پر ہاتھ مارتے ہوے سوئچ بورڈ پر تلاش کرتے کانپتی انگلیوں سے بٹن پریس کرتے کمرے ک ءلائٹس جلائیں۔ پورا کمرہ اسی ٹائم روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ زرمش نے یکدم آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ وہ اگر اس کمرے میں ہوا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا وہ یہ سوچ کر ہی خوف و دہشت سے مرنے والی ہو رہی تھی

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوے کپکپاتے بدن کے ساتھ کافی دیر تک کھڑی رہی تھی۔۔ پورا بدن ہچکولوں کی نذر تھا۔

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ یکدم اسے اپنے پاؤں سے ہوتے کچھ پنڈلیوں پر رینگتا محسوس ہوا تھا۔ زرمش کی خوف سے سانسیں رکی تھیں۔ زرمش نے آنکھوں سے اپنے کپکپاتے ہاتھ ہٹاتے اپنی فراک کو پکڑتے گھٹنوں سے تھوڑا اوپر کیا۔

خوف سے اس کی دھڑکنیں ساکت ہوئی تھیں۔ آنکھوں کی پتلیاں خوف سے سکڑی تھیں۔

سیاہ کلر کا بچھو اس کی پنڈلیوں سے لپٹا اوپر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ زرمش خوف سے چیختے ہوے بری طرح اچھلی۔۔ وہ حلق کے بل آنکھیں میچے ہذیانی چیخ رہی تھی۔ کمرہ اس کی چیخوں سے لرز رہا تھا۔

اس کی خوفناک چیخیں کمرے کو تھر تھرا رہی تھیں۔

زرمش نے آنکھیں کھولتے ہوئے اپنی پنڈلی دیکھی وہ بچھو اس کی پنڈلی پر اب نہیں تھا مگر وہ چیخیں ابھی بھی مار رہی تھی۔ زرمش نے روتے ہوئے اپنے کپڑے جھاڑتے اپنی شال اتار کر دور پھینکی۔ اب وہ پاگلوں کی طرح اپنے بدن کے ہر حصے کو ہاتھوں سے چھوتے خود کو چیک کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا ابھی بھی اس کے بدن پر وہ بچھو رینگ رہا ہے۔ وہ چاروں طرف خوف سے دیکھتے دیوار میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ بچھو اب سامنے دیوار پر رینگ رہا تھا۔ وہ دیوار پر چڑھتے کمرے میں رکھے ایک اونچے سے ٹیبل پر پڑے شیشے کے باکس میں چلا گیا تھا۔ اس جار میں مٹی بھی اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھی تھے۔

۔زرمش اپنی چیخیں لبوں میں دبائے تھر تھر کانپتی اس بچھو کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی بچھو کا ٹیٹو اس وحشی درندے کے بازو پر بنا تھا۔ وہ خوف سے

آنکھیں پھیلائے شیشے کے باکس سے نظر آتے بچھو کو دیکھ رہی تھی۔اس وحشی انسان نے بچھو pet بنا کر رکھا تھا۔وہ بے یقین تھی۔وہ تو سچ میں scariest animal تھا۔زرمش کے دل میں اس انسان کے لیے خوف مزید بڑھ گیا تھا۔زرمش گہرے سانس لیتے اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے بیڈ کے سائیڈ ٹیبلز کی طرف بڑھتے ڈرار کھولتے داخلی دروازے کی چابیاں تلاش کرنے لگی۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے ڈرارز کی تلاشی لے رہی تھی۔نگاہیں بار بار پلٹ کر اس بچھو کی طرف جا رہی تھی۔ہر تھوڑی دیر بعد اس کا جسم بری طرح خوف سے جھنجھناتا تو وہ اپنی ہچکی اپنے لبوں میں دباتے اپنے ڈر پر قابو پانے کی ناکام سعی کرتی۔۔

اپنے بدن پر اس بچھو کا رینگنا ابھی بھی محسوس ہو رہا تھا۔ زرمش نے روتے ہوے سائیڈ ٹیبل کے دراز کی اچھی طرح تلاشی لی۔ مگر وہاں چابیاں نہیں تھیں۔ وہ زمین پر بیٹھتے ایک بار پھر سے بے بسی سے رو دی تھی اب تو اسے ہر حال میں یہاں سے جانا ہی تھا۔ موت گوارا تھی مگر اس وحشی انسان کے ساتھ ایک چھت تلے رہنا گوارا نہ تھا۔

اسے اس کی پناہوں سے جانا ہی تھا۔

زمین پر بیٹھے وہ ایک بار پھر سے خوف سے اچھلتی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بچھو پھر سے اپنی پنڈلی پر رینگتا محسوس ہوا۔ زرمش نے کانپتے ہوے اس جار کی طرف دیکھا بچھو اس جار میں ہی موجود تھا۔ وہ گہرا سانس لیتے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے بیڈ کے دوسری سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی.

اس نے جھکتے ہوے وہ ڈرار کھول کر اس کی تلاشی لی۔ مگر چابیاں وہاں بھی نہیں تھیں۔

وہ اپنے بال مٹھیوں میں نوچتے ہوے ہذیانی رو پڑی۔۔

وہ گہرے سانس لیتے اس شیشے کے باکس کو دیکھتے وہ کمرے کے ڈریسنگ روم کی طرف تیزی سے بڑھی۔

ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اس کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں تھیں۔ اسے لگا تھا وہ کسی جدید فینسی مال میں آگئی ہو۔

ڈریسنگ روم کمرے سے کہیں زیادہ بڑا اور شاندار تھا۔ ہر طرف ٹرانس پیرنٹ گلاس الماریاں بنی تھی۔۔ جس میں اس کے سوٹ کوٹ ہر چیز ترتیب وار سجی تھی۔ اس کے ڈھیروں جوتے سب کی الگ الگ جگہ بنی

تھی۔ ڈریسنگ روم خوبصورت لائٹس میں جگمگا رہا تھا۔ الماریوں کے اندر بھی لائٹس جل رہی تھی۔ چھت پر لگے فینسی جھومر کا عکس سفید جگمگاتے ماربل کے فلور پر پڑ رہا تھا۔ ایک طرف بہت خوبصورت فینسی گول مرر لگا تھا۔ جو کہ بہت بڑا تھا جس کے گرد جدید لائٹس نصب تھیں۔ اس کے آگے مختلف ڈرارز پر مشتمل ڈریسنگ ٹیبل نصب تھی۔ کمرے کے وسط میں خوبصورت سی ٹیبل صوفے اور کرسیاں رکھی تھیں۔ زرمش احتیاط سے اس مرر کے آگے رکھی اس جدید ٹیبل کی طرف بڑھی۔ جو بہت زیادہ ڈرارز پر مشتمل تھی۔ زرمش نے کانپتے ہوئے وہ ڈراز کھولے۔ جس میں بہت ترتیب وار اس کی برینڈڈ گھڑیاں اس کی شرٹس کے سٹنٹ اس کی چینز بریسلٹ تھے۔ یہ کلیکشن بھی بہت بڑی تعداد میں تھی۔ زرمش نے حیران ہوئی تھی کسی مرد کے پاس اتنی تعداد میں یہ سب کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ حیران تھی۔۔ وہاں

اس کی چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ زرمش نے روتے ہوئے بے بسی سے مرر میں دیکھا۔ اپنے چہرے کو دیکھ کر وہ رو پڑی تھی اس کے گال پر اس انسان کی انگلیوں کی چھاپ اتنی گہری ہو گی یہ اسے اندازہ نہ تھا۔ اس کی انگلیوں کا تو اس کے گال پر ٹیٹو بنا تھا۔۔ جبڑے کے اطراف میں بھی اس کی انگلیوں کا نشان تھا۔۔ آنکھیں متورم سوجی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر اس کے اپنے عکس کا شائبہ تک نہ تھا۔ آنکھوں تک میں اس انسان کا خوف پانیوں کی مانند ٹھہرا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تو زرمش خانزادہ رہی نہ تھی وہ تو غم کی بے بسی کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔ جس کے چہرے کے خوبصورت نقوش پر آریان خانزادہ کی دی ہوئی گہری بے رحم سوغاتیں تھیں۔

وہ اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے صاف کرتے ہوئے کمرے ایک اور گلاس مرر ڈور کی طرف بڑھی۔۔ گلاس ڈور پر ہاتھ رکھنے کی دیر تھی

وہ خود بخود کھل چکا تھا۔ زرمش مزید حیران ہوئی تھی۔ یہ کمرہ پہلے سے بھی زیادہ بڑا تھا۔ یہاں بھی مختلف الماریاں بنی تھیں۔ یہاں بھی اس انسان کی ہر چیز ترتیب سے سجی تھی۔

وہ سمجھ گئی تھی وہ صرف

scariest animal

نہیں بلکہ ایک

self obsessed person

بھی تھا۔ زرمش نے آگے بڑھتے مختلف ڈرارز کھولتے ہوئے چابیاں تلاش کیں۔

یہاں بھی اس کی چیزیں ترتیب سے سجی تھیں۔

آہہہ۔۔۔زرمش نے چیختے ہوے اس کے امپورٹڈ گھڑیاں پکڑتے زمین پر دے ماریں تھیں۔۔وہ چیختے ہوے اس کی قیمتی چیزیں مرر فلور پر پھینکتی جا رہی تھی۔زرمش نے آگے بڑھتے کبرڈ کھولتے اس کے تھری پیس سوٹس مختلف برینڈڈ کپڑے نکالتے نفرت سے زمین پر پھینکے تھے۔وہ ہذیانی چیختے ہوے اس کی مختلف چزیں نکالتے زمین پر پھینکتی جارہی تھی۔

وہ کچھ لمحوں میں آریان خانزادہ کے ڈریسنگ روم کا حشر بگاڑ چکی تھی۔

زرمش نے روتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔

آہہہ۔۔۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیختی جارہی تھی۔۔اس طرح بے دردی سے چیخنے سے اس کا گلہ بیٹھ چکا تھا۔وہ گردن کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے کبرڈ کے ساتھ ٹیک لگائے سسک پڑی تھی۔دوسرے لمحے وہ

ڈریسنگ روم سے تیزی سے نکلتے کمرے میں آئی تھی اور تیزی سے کمرے سے نکلتے ہوے کچن کی طرف تیزی سے بڑھی۔

اسے ہر حال میں اس انسان کی پناہوں سے جانا ہی تھا۔

کچن کا حال بھی وہ بگاڑ چکی تھی مختلف کیبنٹس کھولتے مختلف شیشوں کے جار زمین پر پھینک کر توڑ چکی تھی۔

آہہہ۔۔۔زرمش نے چیختے ہوے کچن کو دیکھا جہاں ڈرائے فروٹس بسکٹ چاکلیٹس زمین پر کانچ کے ساتھ بکھری پڑی تھیں۔زرمش یہ سب دیکھتے رو پڑی تھی۔پیٹ پر ہاتھ رکھے اپنے اندر اٹھتی بھوک کی حوس کو مٹانے کی ناکام سعی کی۔دوسرے لمحے وہ خود پر بے حسی کا لبادہ اوڑھ کر کچن سے نکل آئی تھی۔اس وحشی انسان کا اسے کچھ نہیں کھانا پینا تھا۔نہ اس انسان کی

حویلی میں سانس لینا تھا۔ وہ کچن سے نکلتے باہر آئی۔ اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔۔ لاونج کی ٹیبل پر چابیوں کا گچھا پڑا تھا۔

زرمش نے بے یقینی سے اس چابیوں کے گچھے کو دیکھا۔ دوسرے لمحے اس نے بھاگتے ہوئے ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے وہ چابیوں کا گچھا پکڑتے ہوئے اپنی مٹھیوں میں ایسے دبوچا۔ جیسے اسے ہفت اکلیم کی دولت مل گئی ہو۔

وہ گہرے سانس لیتے اپنے بدن کی تھرتھراہٹ پر قابو پا رہی تھی۔

زرمش بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھی۔ وہ کپکاتے ہاتھوں سے ایک ایک کرتے وہ چابیاں لاک میں لگا رہی تھی۔ دل برق رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ ہاتھوں کی

کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ شدت سے روتے ہوئے عارض پر بہتے ہتھیلیوں سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

یا خدا!! آخری چابی لگاتے ہوئے اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ہذیانی چیختے ہوئے خدا کو مدد کے لیے پکارا تھا۔

آخری چابی لاکڈ میں گھومی تو زرمش کا دل و دماغ بے یقین ہوا تھا۔ اپنی خوش قسمتی پر اسے یقین نہیں آیا تھا۔ کہاں اس کی دعائیں پوری ہوتی تھیں۔ اس وقت تو سچے دل سے صرف اپنے رب سے اس لاکڈ کے کھلنے کی دعا کی تھی۔

زرمش نے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے لکڑی کا بڑا سا منقشم بھاری دروازہ اپنی پوری فورس لگا کر کھولا

ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ برفیلی ہواؤں نے اس کے اندر دوڑتے خون کو منجمند کر دیا تھا۔ وہ

وہ جلدی سے باہر نکلتے اپنی پوری قوت لگا کر بھاگنے لگی۔ اس انسان کا خوف اسے ہر چیز سے بے نیاز کر چکا تھا۔ ب ءوک نقاہت تھکاوٹ بیماری سردی ہر چیز سے بے نیاز کر چکا تھا۔ اسے اندھیرا ہوتے اس وحشت برساتی حویلی اور bloodythirsty beast

کی پناہوں سے نکلنا ہی تھا۔ طویل کارپورچ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بلکل اس کی زندگی کی

سزاؤں کی طرح۔۔ اسے یقین تھا جیسے یہ کارپورچ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ وہ اپنے آنسو صاف کرتے بھاگتی جا رہی تھی۔ یکدم وہ رکی تھی۔ اس نے رکتے ہوے خود کو دیکھا۔ اس کے وجود پر شال نہیں تھی۔ اس ریڈ فراک میں

اس کی رعنائیاں صاف ظاہر تھیں۔ پتہ نہیں یہ کس کا فراک تھا مگر اس کے جسم پر بہت فٹنگ میں تھا۔ اس کے کندن نشیب و فراز ڈھلکتے ہوئے اپنی جوبن پر چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ اس کی لہروں جیسی کمر بھی بہت واضح ہو رہی تھی۔ اگلہ پچھلا گلہ بھی گہرا تھا۔

زرمش خود کو دیکھتے اذیت سے آنکھیں میچ گئی۔ خانزادی تھی بھلا کب کسی کے سامنے عیاں ہوئی تھی؟؟۔ وہ باہر نکلتے ہوئے پوری چادر میں لپیٹ کر خود کو نکلتی تھی۔ صرف اپنا چہرہ کور نہیں کرتی تھی مگر چادر سے اپنے بال اور اپنے جسم کو ضرور چھپاتی تھی۔ زرمش نے روتے ہوئے سامنے نظر آتے بلند سرسبز پہاڑوں کو دیکھا۔۔ جہاں کچھ ہی دیر میں نارنجی سرد ٹھٹھرتی شام اترنے والی تھی۔ وہ پلٹتے ہوئے ایک بار پھر سے برق رفتاری سے بھاگنے لگی۔۔ اب کی بار اس کے قدموں کا رخ داخلی دروازے کی طرف تھا۔ وہ

روتے بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف ہانپتے ہوے بھاگتی جارہی تھی۔۔وہ واپس اس وحشت برساتی حویلی جارہی تھی اب اس وحشی درندے کے خوف سے بھی زیادہ اپنے بے پردہ ہونے کا خوف اس کے پور پور میں شدت سے سمایا تھا اور عزت کا خوف سارے ڈر خوف سے بڑھ کر تھا

۔

داخلی دروازے کی طرف آتے اس نے رک کر گہرے سانس لیتے اپنے چکراتے سر کو تھاما وہ جلدی سے اندر داخل ہوتے اب اس وحشی درندے کے کمرے کی طرف طرف بھاگنے لگی۔اس کے کمرے کا دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوئی۔زمین پر پڑی اپنی شال اٹھاتے ہوے وہ خود کے وجود پر اچھی طرح لپیٹ گئی۔دوسرے پل وہ چیختے ہوے شال خود سے اتارتی دور اچھال گئی تھی۔اسے اپنے وجود پر پھر سے کچھ رینگتا محسوس ہوا تھا

۔۔زرمش نے چیختے ہوے کمرے میں رکھے شیشے کے باکس کو دیکھا وہ بچھو اس کے اندر موجود تھا۔زرمش یکدم دل پر ہاتھ رکھے ہنستے چلی گئی تھی۔وہ ایک بار پھر سے اس بچھو کو دیکھتے رو پڑی تھی۔۔اس نے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے گہرے سانس لیے۔وہ اگر اس انسان کے ساتھ مزید رہی اسے یقین تھا وہ پاگل ہو جائے گی اور وہ ہو رہی تھی۔۔۔اس انسان کا خوف اسے پاگل کر رہا تھا۔زرمش اپنی شال زمین سے اٹھاتے اچھی طرح خود پر اوڑھتے ہوے تیزی سے کمرے سے نکل آئی تھی۔لاونج میں آتے اس کے قدم رکے تھے۔اس نے ایک نظر کچن کو دیکھتے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔وہ سر نفی میں ہلاتے تلخی سے ہنسی تھی دوسرے لمحے برق رفتاری سے بھاگتے ہوے لاونج سے نکلتے کار پورچ میں آئی۔

وہ برق رفتاری سے بنا رکے بھاگتے ہوے گیٹ تک پہنچی۔

اس کا بدن بری طرح ہانپ رہا تھا آخر کار وہ طویل کار پورچ طے کر آئی تھی۔۔اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے پوری کوشش کرتے ہوئے اپنی پوری قوت لگاتے سلایڈنگ گیٹ کو کھولنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔وہ ایک انچ بھی اس گیٹ کو کھسکا نہیں سکی تھی۔

زرمش کو یاد آیا تھا اس وحشی درندے نے کل ایک ہاتھ سے بڑے آرام سے اس آہنی گیٹ کو کھول لیا تھا۔ مگر اب تو وہ ایسے جام تھا جیسے دیوار ہو۔وہ تو شاید پہاڑ بھی کھسکا دے اتنا تو مضبوط اور دہشت ناک دکھتا تھا۔زرمش نے اس کی چوڑی کسرتی چٹانی بھاری بھرکم باڈی یاد کرتے خوف سے جھرجھری لی۔وہ اپنے وزن سے سانسیں بند کرنا جانتا تھا۔کل رات اس کے بھاری بھرکم وجود کے نیچے اس کی سانسیں سینے میں دبتے کتنی تیزی سے

خاموش ہوئی تھیں۔ اگر وہ کچھ دیر اور اسے اپنے نیچے رکھتا یقیناً وہ سانسیں ہار جاتی۔

زرمش نے ایک دو بار اور کوشش کرتے گیٹ کھولنے کی کوشش کی مگر وہی ڈھائی کے تین پات!!۔۔۔

زرمش نے گہرے سانس لیتے اس گیٹ کی لمبائی ماپی۔

وہ اس پر آسانی سے چڑھ کر دوسری طرف کود سکتی تھی۔

وہ پہاڑوں میں رہنے والی خانزادی تھی شہر میں رہنے والی نرم و نازک لڑکی تھوڑی تھی۔۔ وہ یہ کر سکتی تھی۔ آخر ان پہاڑوں کی کوئی تو خصوصیت تو اس میں ہو گی۔ اور تھی بھی۔۔۔۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی وہ اس

bloodthirsty beast

کی دہشت سے خوف سے اگلی سانس بھی لے نہ پاتی۔ مگر اس کی سانسیں چلنا اس بات کی گواہ تھیں وہ پہاڑوں جیسی کہیں نہ کہیں مضبوط ہے۔۔

زرمش نے اہنی گیٹ کو دیکھ کر گہرے سانس لیے. وہ اس کی لوہے کے گیٹ کو ہاتھ ڈالتے اوپر چڑھنے لگی۔ اس کے نازک ہاتھ اس جنگلے اور مضبوط لوہے کے گیٹ کو جگہ جگہ جکڑنے سے سرخ ہو رہے تھے۔۔ وہ اپنی پوری کوشش کر کے اوپر چڑھ رہی تھی۔ اس پہاڑوں جیسی مضبوط خانزادی کے لیے کچھ فٹ کا گیٹ چڑھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔۔ مگر موت کے خوف سے کہیں زیادہ زندہ بچ کر اس وحشی درندے کی بے رحم پناہوں میں واپس جانا اذیت ناک تھا

بہت مشکل سے وہ گیٹ کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کی شال اس کے ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔ بال کھلے ہوے تھے۔۔ اس نے

دوسرے طرف کی زمین کا جایزہ لیا تاکہ وہ کود سکے۔ یکدم وہ جمپ کرتے رکی تھی۔۔ گیٹ پر چوکیدار کھڑا تھا جس کا منہ اس کے مخالف سمت تھا۔ وہ فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ زرمش کی خوف سے سانسیں رکی تھیں۔۔ زرمش جلدی سے گیٹ سے نیچے کی طرف دوبارہ اترنے لگی۔۔ اس نے نیچے پہنچتے دو تین فٹ سے چھلانگ لگائی۔۔

گیٹ پر چوکیدار ہونے کا مطلب تھا وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی. زرمش نے اپنے چکراتے سر کو دنوں ہاتھوں سے جکڑو۔ وہ کسی صورت اندر واپس نہیں جا سکتی تھی۔

زمش نے لان سے نظر آتے گھنے جنگل کو دیکھا جو کئی میل پر تھا۔ یقیناً اس طرف باہر کوئی نہ کوئی راستہ ہو سکتا تھا۔ زرمش نے بنا سوچے سمجھے اب اس

جنگل کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ وہ بنار کے برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اب اسے رکنا نہیں تھا اسے یقین تھا وہ ادھر سے نکل جائے گی۔

ابھی اندھیرا نہیں ہوا تھا۔ وہ آسانی سے یہاں سے نکل سکتی تھی۔۔ زرمش پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔۔ حویلی کے اندر اتنا بڑا جنگل ہو گا وہ بے یقین تھی۔ مگر یہ جنگل سچ میں میلوں پر پھیلا تھا۔ جہاں سے پہاڑ واضح طور پر نظر آرہے تھے اور بہتے دریا کی آواز بھی آرہی تھی۔۔

وہ بنار کے زندہ رہنے کے خوف سے بھاگ رہی تھی۔۔ مرنا اب گوارا تھا ۔اس انسان کی پناہوں میں واپس جانا گوارا نہ تھا۔ یکدم اس کے قدم خوف سے رکے تھے۔ اسے اپنے پیچھے خون اشام بھیڑیے کی آواز سنائی دی تھی۔۔ اس نے خوف سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہاں واقعی ایک براؤن اور سفید کلر کا بھیڑیا تھا۔ زرمش کی سانس اوپر کی اوپر نیچے کی نیچے ہوئی تھی۔۔

وہ اسے اپنی سیاہ جلتی آنکھوں سے دیکھتے اپنی زبان اور دانت باہر نکالے ہوے تھا۔ زرمش کا پورا بدن شدید خوف کے اثر زلزلے کی مانند لرز رہا تھا۔ سانس سینے میں دبتی خاموش ہوئی تھیں۔

زرمش نے بہت احتیاط سے اپنے قدم پیچھے کی طرف بڑھائے۔۔ وہ پہاڑوں میں رہنے والی تھی یہاں بھیڑیے ہوتے ہیں وہ جانتی تھی۔ ان کا مقابلہ کیسے کیا جاتا ہے۔ تھوڑا بہت سن بھی رکھا تھا۔ سامنے کھڑا جانور جتنا خطرناک تھا اتنا ہی ہوشیار تھا وہ پلک جھپکتے اسے چیر پھاڑ سکتا تھا۔ خوف سے زرمش کے پورا وجود پسینے سے نہلا چکا تھا۔ اس

bloodthirsty beast

سے جان اگر چھوٹی تھی تو اس

میں آکر اس کی جان آٹک گئی تھی دونوں میں سے کون زیادہ خطرناک تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر خوف سے اس کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ وہ اتنی درد ناک موت نہیں مرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی جب تک وہ اسے دیکھتی رہے گی وہ بھی ایسے کھڑا دیکھتا رہے گا۔ اس کے حرکت کرنے پر وہ اس پر حملہ کر دے گا۔۔ خوف سے زرمش کی ٹانگیں بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔ وہ مزید نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ بہت جلد اس کے قدم اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتے وہ اس بھیڑیے کے سامنے ڈھیر ہو کر اس کا آسان شکار بن جاتی۔ وہ اتنی دردناک موت نہیں مر سکتی تھی۔

زرمش نے اگلے لمحے پوری قوت سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ بھیڑیا بھی اس لمحے پیچھے بھاگا تھا۔ زرمش کی شال اتر کر زمین بوس ہو چکی تھی۔۔ ایک شوز

بھی اس کے پیروں سے نکل چکا تھا۔ وہ پیچھے دیکھے بغیر برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ وہ سمجھ چکی تھی کچھ ہی لمحوں میں اس کا جسم یہ بھیڑیا چیر پھاڑ دے گا۔

یا خدا! زرمش نے چیختے ہوئے ایک بار پھر سے اپنے رب کو پکارا تھا۔ مگر اب اس کی آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ آسمان کی طرف اب دیکھتے بھاگ رہی تھی

یکدم پتھر سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے منہ کے بل گری تھی۔ اس نے سیدھے ہوتے اپنے سامنے دیکھا بھیڑیا اس سے ساٹ تقریباً تیرہ چودہ فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ نے تھا۔ زرمش پیچھے کو کھسکتے ہوئے اپنے پاس پڑا ایک چھوٹا سا پتھر اٹھاتے اس بھیڑیے کو دے مارا تھا ض۔ وہ پتھر اس بھیڑیے کی آنکھ پر جا کر لگا تھا۔ وہ پوری قوت سے زرمش کو دیکھتے غرا اٹھا تھا۔ دوسرے لمحے بھیڑیا مخالف سمت بھاگا تھا۔۔

زرمش گہرے سانس لیتے زمین سے اٹھی تھی اگلے لمحے وہ اٹھ کر بھاگی تھی ۔اپنے پیچھے اسے بھیڑیے کی خوفناک آواز سنائی دی تھی۔زرمش نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ اس کے پتھر مارنے سے ڈر گیا تھا۔زرمش کے بھاگنے پر وہ پھر اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھا۔زرمش تیزی سے بھاگ رہی تھی۔۔اس کے دوسرے پاؤں سے بھی اب شوز نکل چکا تھا۔وہ جنگل کے اونچی نیچی پتھریلی زمین پر بھاگ رہی تھی۔۔

اس کے پیروں پر کانٹے چبھتے اب خون رسنے لگا تھا اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔اسے اس بھیڑیا کی خوراک نہیں بننا تھا۔پتہ نہیں اس میں یہ طاقت کیسے آگئی تھی مگر وہ اس خوفناک بھیڑیے سے خود کو بچاتے پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔۔سامنے بہتا دریا اسے نظر آیا تھا جو کل رات طوفانی بارش کی وجہ سے ابل رہا تھا۔۔

وہ اب بہتے طغیانی آتے دریا کی طرف بھاگنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس دریا میں کود کر اپنی جان نہیں بچا سکتی مگر وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ مگر اس ابلتے دریا میں وہ ڈوب کر مرنا چاہتی تھی۔۔ اس بھیڑیے کی خوراک بننے سے پہلے اسے اس دریا میں ڈوب کر مرنا تھا۔

اس نے بہتے دریا کی طرف قریب پہنچتے ہوئے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بھیڑیا اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔

اس سے پہلے خطرناک بہتے دریا میں وہ کود کر اپنی جان دیتی۔ کوئی اسے کمر سے جکڑے اپنے مضبوط حصار میں لے چکا تھا۔ وہ چیختے ہوئے اس انسان کے پتھر جیسے سینے سے ٹکراتے اس کی بانہوں میں سما گئی تھی وہ اسے اپنے سینے سے لگاتے دریا سے کئی قدم دور ہوتے دوسری طرف ہوا تھا۔ زرمش

نے خوف سے اس کی مظبوط بانہوں میں سماتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس انسان کو دیکھا زرمش کی آنکھیں خوف سے مزید پھیلیں تھیں۔

آریان۔۔۔خان۔۔!!اس کے لب خوف سے پھڑپھڑائے تھے۔

اس خطرناک بھیڑیے نے اسی لمحے ان دونوں پر چھلانگ لگادی تھی۔

۔۔آریان خانزادہ زرمش کو کمر سے جکڑے اسے اپنے سینے میں سماتے کئی قدم مزید پیچھے ہوے تھا۔وہ زرمش کو اس بھیڑیے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوے پیچھے ہوے تھا۔وہ دونوں پیچھے بنی ڈھلون سے لڑھکتے ہوے نیچے گرے تھے۔۔آریان خانزادہ زرمش کو اپنے مضبوط بانہوں میں سمائے ہوے اسے اپنے سینے پر اس طرح کر گیا تھا اس کا بدن ان خطرناک پتھروں سے رگڑ انہ کھا جائے۔۔مگر اوپر نیچے ہوتے لڑھکتے ہوے زرمش کا نازک

وجود چھل گیا تھا۔ وہ اس کے سر کے نیچے اپنا آہنی ایک ہاتھ رکھے ہوے تھا دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کو جکڑے ہوے تھا۔ وہ اس کے سینے سے شدت سے لپٹے اس میں سمائی ہوئی تھی۔۔ وہ بھی اسے شدت سے خود کے ساتھ لپٹائے ہوے تھا۔

آریان خانزادہ خود تو تھا پتھر جیسا!! اور مقابل کو وہ اتنی آسانی سے مرنے نہیں دے سکتا تھا۔

زرمش نے خوف سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھا وہ اس کے سینے پر اپنا پورا وزن ڈالے ہوے اذ اس کے اوپر تھ۔ ی وہ اس کی کمر کو مضبوطی سے جکڑے ہوے اس کی آنکھوں میں اپنی خونخوار نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔۔ وہ اس کی شرٹ جکڑے لرزتے ہوے اسے ہرنی کی طرح سہمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی.

کیا کر رہی تھی یہاں؟؟ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے خون آشام درندے کی مانند غرایا تھا۔

زرمش بنا کوئی جواب دیے ہچکی لیتے خوف سے اس کی شرٹ جکڑے آس کی آنکھوں دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت بری طرح کپکپا رہی تھی۔ آریان خانزادہ اس کی پیشانی سے بہتے خون دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔ ڈھلوان سے گرتے اس کی پیشانی کسی پتھر سے ٹکرا گئی تھی۔۔ اس کے گال پر اس کی انگلیوں کی چھاپ ابھی بھی پوری آب و تاب سے برجمان تھی۔۔ وہ اس کے گال پر اپنی انگلیوں کے نشان پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ پیشانی سے رستے خون سے زیادہ اس کا گال قابل رحم تھا۔

یکدم اس بھیڑیے نے غراتے ہوے ڈھلوان سے ان دونوں پر چھلانگ لگائی تھی۔زرمش چیختے ہوے آریان خانزادہ کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔

آیان خانزادہ زرمش خان کو اپنی بانہوں میں سختی سے بھینچتے بھیڑیے کو گردن سے جکڑتے دور اچھال گیا۔زرمش نے خوفزدہ ہوتے بے یقین آنکھوں سے آریان خانزادہ کو دیکھا جو اتنی آسانی سے اس بھیڑیے کو گردن سے قابو کرتے دور اچھال چکا تھا۔

آریان خانزادہ کی خونخوار نگاہیں ابھی تک زرمش پر ٹکی تھیں۔

وہ یکدم رخ پلٹے اسے خود کے نیچے کرتے اس کے اوپر آیا۔

اس بھیڑیے نے پھر سے زرمش پر حملہ کرتے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔

زرمش خوف سے آریان خانزادہ کے سینے میں سما گئی۔ آریان خانزادہ کو

زرمش کو اپنے چوڑے کشادہ سینے کے نیچے ڈھانپ چکا تھا۔

Midnight

آریان خانزادہ اس بھیڑیے کو دیکھتے حلق کے بل دھاڑا۔ زرمش اس کے

وجود کے نیچے چھپی تھی۔ اس بھیڑیے کو وہ نظر نہیں آرہا تھا

وہ بھیڑیا آریان خانزادہ کی دھاڑ پر سٹل ہوا تھا۔

آریان خانزادہ نے بھیڑیے کو گھورتے ہوے آنکھوں سے خود سے دور

رہنے کا آشارہ کیا۔

وہ بھیڑیا ایک لمحے کے رکا تھا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے آریان خانزادہ پر جھپٹتے اس کی شرٹ دانتوں میں لیے کھینچی۔۔۔وہ آریان خانزادہ کو زرمش سے دور کر رہا تھا۔اس کی حوفناک آواز کی غراہٹ پورے جنگل میں گونج رہی تھی۔۔ آریان خانزادہ حیران ہو رہا تھا وہ کبھی ایسے نہیں کرتا تھا۔یہ نہیں تھب اس نے پہلی بار کوئی انسان دیکھا تھا۔وہ کتنی بار اپنے دشمنوں کو ادھر لا چکا تھا۔ مگر اس نے کبھی اس کے دشمن پر ایسے حملہ نہیں کیا تھا۔ آج تو وہ زرمش کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔زرمش اس کے نیچے دبی کانپتے آریان خانزادہ میں سمانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

اس کی ٹانگیں اسے اپنے وجود سے مس ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔اس کی دھڑکنیں وہ اپنے چوڑے سینے سے مس ہوتے اپنے سینے میں بجتا محسوس کر رہا تھا

آریان خانزادہ نے

midnight

کو ایک نظر دیکھا جو اس کے گرد گھومتے غراتے ہوے زرمش کو تلاش کر رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی نظر مڈنایٹ کی آنکھ پر پڑی تھی جو زخمی تھی۔۔ آریان سمجھ گیا تھا زرمش نے اسے زخمی کیا ہے اس لیے وہ اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ آریان خانزادہ نے بری طرح جبڑے بھینچے تھے۔

midnight ایک بار پھر سے آریان خانزادہ کی شرٹ دانتوں میں جکڑے اسے زرمش سے دور کر رہا تھا۔ آریان خانزادہ نے

اسے خود سے دور کرتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے پسٹل نکالتے ہوے اس کے اطراف میں

پسٹل سے فائر کیا۔۔زرمش چیختے ہوے اریان خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

مڈنایٹ بھی پیچھے ہٹتا دوسری طرف بھاگ گیا تھا۔ آریان خانزادہ گہرا سانس لیتے تھوڑا سا اوپر ہوا۔زرمش آنکھیں میچے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اپنی طرف کھینچتے جا رہی تھی۔۔

چلا گیا ہے وہ۔!! آریان خانزادہ اس کی میچی نکھیں دیکھ کر سرد لہجے میں بولتے اسے مزید کپکپانے پر مجبور کر گیا تھا۔وہ اس کے سینے میں مزید شدت سے سمائی تھی۔

وہ اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے بے دردی سے چھڑواتے ہوے اس کے اوپر سے اٹھا زرمش لیٹے ہوے ابھی بھی آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔بری طرح اس کا بدن کانپ رہا تھا۔

اٹھو!!وہ سرد حکمیہ لہجے میں غرایا۔

زرمش اس کی غراہٹ پر آنکھیں کھولتے اسی لمحے میکانکی انداز میں پتھریلی زمین سے اٹھی۔

آریان خانزادہ اس کے وجود پر قہربار نگاہ ڈالتے آگے بڑھا تھا۔زرمش سٹل سی کھڑی تھی۔اس کے قدم اس کا ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے۔

یہیں پر رہنے کا آرادہ ہے کیا؟؟بلاؤں

midnight

کو.. آریان خانزادہ اس کی طرف خون اشام نگاہوں سے دیکھتے دھاڑا۔

نن نہیں۔۔۔۔زرمش ہچکی لیتے لرزتے ہوے اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ وہ بھیڑیا آچانک سے آتا اسی لمحے زرمش پر چھلانگ لگاتے اس پر

جھپٹ پڑا تھا۔ زرمش چیختے ہوے زمین پر کمر کے بل گری تھی۔ زرمش کی درناک چیخیں جنگل میں گونج رہی تھیں۔ اس سے پہلے آریان کا پالا ہوا وہ بھیڑیا زرمش کو اپنے دانتوں سے چیر ڈالتا۔ آریان خانزادہ اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل سے اس پر کئی فایر کر گیا تھا۔

وہ بھیڑیا اسی لمحے ساکت ہوتا ڈھیر ہوا تھا۔ زرمش اپنے سامنے پڑے اس ساکت بھیڑیے کو خوف سے دیکھتے پیچھے کو کھسکتے اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے ہوے تھی۔۔

اس کا بدن کا تمام خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھب۔

آریان خانزادہ بے یقینی سے ڈھیر پڑے ساکت

midnight

کو دیکھ رہا تھا۔ جسے وہ جب چھوٹا سا تھا تب ایک جنگل سے لایا تھب اور تب سے اسے پال رہا تھا۔۔ وہ تو اسے ایسے عزیز تھا جیسے ایک باپ کو اپنا بچہ عزیز ہوتا ہے۔۔۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مار چکا تھا۔ آریان خانزادہ بے یقین تھا۔۔

بہت پہلے حاکم خان اور رائینہ خان اس سے چار چار رشتے چھین چکے تھے۔ جن کی قبریں تک اس نے اپنے ہاتھوں سے کھودیں تھیں۔ آج حاکم خان اور رائنہ خان کی بیٹی اس کا

midnight

اس سے چھین چکی تھی۔

آہہہ۔۔۔۔ آریان خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیخا۔ زرمش اس کی چیخیں سنتے پیچھے کو ہوتی کھسکنے لگی۔ سامنے کھڑے انسان کی نگاہیں اس خطرنک بھیڑیے سے زیادہ خوفناک تھی جو اس پر گاڑھے ہوے تھا۔ آریان خانزادہ تیزی سے زرمش کی طرف بڑھا وہ اسے چھوڑنے والا نہیں تھا جو اس سے اس کا

midnight

چھین چکی تھی.

درخزئی خانزادہ اپنی ٹیم کے ساتھ سپیشل سرچ اپریشن پر تھا۔۔ اسلام آباد کے ایک مخصوص پوش ایریا میں ایک بار میں

raid

ڈالنی تھی۔ جس کی شہرت بلکل اچھی نہ تھی۔ جہاں پر بہت بڑے پیمانے پر ڈرگز سمگل ہو رہی تھی اور کچھ اس باڑ کی آڑ میں بہت سی لڑکیوں سے غلط کام کروائے جاتے۔ وہ لڑکیاں خود بھی ذاتی طور پر ان گندے گھناؤنے کام میں ملوث تھیں۔ یہاں پر آئی ہوئی لڑکیاں نہ صرف اپنا جسم فروشی کرتی تھی بلکہ باہر ڈرگز بھی سمگل کرتی تھیں۔

پولیس بہت عرصے سے اس بار پر ریڈ ڈال کر اس بار کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتی تھی. مگر ٹھوس ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ رکے ہوے تھے۔ جو اس بار کا اونر تھا اس پر بہت بڑی طاقتوں کا ہاتھ تھا۔ جس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے پولیس نے سپیشلی طور پر سر پھرے درخزئی

خانزادہ کو یہ ٹاسک دیا گیا تھا۔ اور درخزئی خانزادہ وقت سے پہلے تمام ثبوت سکندر اعوان کے خلاف حاصل کر چکا تھا۔ اب صرف اس بار میں

raid

ڈال کر وہاں موجود تمام

ہستیوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا تھا۔ اسے پتہ چلا تھا آج بڑی بڑی فنکار ہستیاں بھی ادھر آئی ہوئی ہیں۔ اس لیے وہ آج سپیشلی

raid

ڈالنے آیا تھا اسے آٹو گراف جو لینا تھا۔ درخزئی کمینگی سے مسکرایا تھا۔

درخزئی خانزادہ اس وقت بلو جینز پر وایٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی گاڑی بار کے سامنے آکر رکی تھی۔۔

وہ اور اس کی تمام ٹیم اس وقت سول کپڑوں میں ملبوس تھی۔۔۔ان اہلکاروں کو پولیس ادارے کی طرف سے انھیں ذاتی گاڑیاں دی گئی تھیں۔ تاکہ کسی کو کسی قسم کا شک نہ ہو کہ وہ لوگ پولیس والے ہیں۔ درخزئی خانزادہ کو ابھی مزید ثبوتوں کی ضروت تھی۔ وہ بار کے اندر جا کر ہی ملنے تھے۔۔ گر وہ لوگ پولیس یونیفارم اور پولیس موبایل میں آتے بار کے اندر موجود لوگ الرٹ ہو جاتے جو درخزئی خانزادہ نہیں چاہتا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے حکم پر اس کی ٹیم نے بار کو چاروں طرف گھیرے میں لیا تھا۔ باقی کی ٹیم میمبر اس کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔۔ اینٹرس پر موجود گارڈ جو اسلحہ کے ساتھ کھڑا تھا۔

درخزئی خانزدہ نے اسے اپنا آئی ڈی کارڈ دکھا کر اپنے ساتھی کو اشارہ کرتے اسے اسی وقت حراست میں لیا۔ اس کی جگہ درخزئی خانزادہ کا ایک اہلکار

وہاں کے گارڈ جیسے یونیفارم میں ملبوس کھڑا ہو گیا تھا۔۔ تاکہ باہر سے آنے والے کسی بھی پرسن کو شک نہ ہو۔ گارڈ کی ادلہ بدلی کی گئی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ اور اس کے اہلکار اپنی پسٹل کو چھپاتے اندر داخل ہوے تھے۔ درخزئی خانزادہ اپنی پسٹل پینٹ میں اڑسے اپنی شرٹ کے اندر کیے ہوے تھا۔ چیکنگ پر اب ان کا ہی گارڈ تھا۔ تو انھیں یہ اسلحہ اندر لے جانے میں کوئی مسلہ نہیں ہوا تھا۔

درخزئی خانزادہ اندر داخل ہوا تو اندر رنگ و کا سیلاب اڈا ہوا تھا۔ لڑکیاں چھوٹے چھوٹے نازیبا لباس میں کرسیوں اور میزوں کے گرد بیٹھی سگریٹ کافی پی رہی تھیں۔

ایک طرف کاونٹر پر مشروب بھی دیا جا رہا تھا وہ کونسا مشروب تھا وہ اسی لمحے سمجھ چکا تھا۔

ایک طرف فلور پر لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ نے سب پر ملامتی نگاہ ڈالی تھی۔ زیادہ تر یہاں ینگ لڑکیاں تھیں۔ جو اچھے گھروں سے معلوم ہوتی تھیں۔ مگر ان پر شاید ان کے گھر والوں کا کنٹرول نہیں تھا یا پھر آج کے دور میں باپ بھائی اتنے بغیرت ہو چکے تھے کہ اپنی بہن بیٹیوں کو اتنی آزادی دی ہوئی تھی۔

درخزئی نے اپنے پینٹ سے سگریٹ لائٹر جلا کر لبوں سے لگاتے سگریٹ کا دھواں چھوڑا۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا مگر اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی شرٹ کی پاکٹ میں لگے پن کے کیمرے میں اس بار کی ایک ایک چیز کی ریکارڈنگ کی جا رہی تھی۔

اسی لمحے اس کا فون وایبریٹ ہوا تھا۔ اسی فون کال کا درخزئی خانزادہ کو انتظار تھا۔ اس کا خاص بندہ بہت پہلے سے اس بار کے اندر موجود تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے فون نکالتے یس کرتے کان سے لگایا۔

سر!!یہ بار ہماری سوچ سے دو ہاتھ آگے ہے۔بار کی جس لڑکی نے ہمیں ساری انفامیشن دی تھی۔وہ مجھے خفیہ راستے سے بسیمینٹ لے کر گئی ہے۔سر بار کے اندر ہی جسم فروشی کا دھندہ ہو رہا ہے۔۔میں ساری سچویشن اپنے پن کے کیمرے میں ریکارڈ کر چکا ہوں۔درخزئی کے ٹیم میمبر نے فون پر اطلاع دی۔۔

گڈ!اُب یہ بتاؤ کتنی دیر میں ان سب پر

raid

ڈالی جاسکتی ہے۔ بہت بے تاب ہو رہا ہوں ان سالوں کو ڈنڈا گھسانے کو ۔۔ درخزئی نے لب بھینچتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ دوسری طرف سے ہنسی کی آواز سنائی دی تھی۔۔ اس کا ٹیم میمبر سید ہارون شاہ درخزئی خانزادہ کی باتوں اور اس کے کام سے بہت متاثر تھا۔۔ بہت دیر بعد ایسا افیسر دیکھا تھا جو کسی سے ڈرتا نہیں تھا۔

سر تھوڑی دیر تک بس۔۔ سر یہاں بہت بڑی ہستیاں بھی ہیں معروف ماڈلز۔۔ اپنے اہلکار ہارون شاہ کی اطلاع پر درخزئی نے لب بھینچے تھے۔

کوئی ماڈل ہو یا کسی پی ایم کا بیٹا۔۔ آج سب کو رگڑا لگے گا اور ایسا رگڑا لگے گا یہ لوگ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ کسی بھی بغیرت کو چھوڑنا نہیں ہے۔ درخزئی خانزادہ فون پر دبی آواز میں غرایا تھا۔

جی سر!اس کا اہلکار ہارون شاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اور ہماری خواتین پولیس اہلکار یہاں پر موجود ہیں۔ان کی کیا لوکیشن ہے۔

درخزئی نے چاروں طرف نظریں دوڑائے پوچھا تھا۔

جی سر فکر نہ کریں چاروں طرف ہیں۔ہارون نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ٹھیک ہے کویک raid ڈالنے کی تیاری کرو۔درخزئی حکم دیتا فون کر چکا تھا۔

درخزئی آگے بڑھا تو اس کی ٹیم کی پولیس ور کرنے آگے بڑھ کر اسے آشارہ کیا تھا۔درخزئی نے بھی ہاتھ کا اشارہ کیا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اس لمحے اپنی پسٹل نکالتے چھت پر فایر کیا۔

بار میں ہڑبنگ مچی تھی۔شور وغل کا طوفان اٹھا تھا۔

کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا جو بھی ہلا اسے گولی مار دی جائے گی۔یہاں پولیس کی ریڈ پڑ چکی ہے۔۔درخزئی چاروں طرف نظریں دوڑاتا دھاڑا۔

درخزئی کی باقی ٹیم بھی اندر داخل ہوتے اندر موجود سب کو گھیرے میں لے گئے تھے۔۔ پولیس اہلکار جو ماڈرن لباس میں تھیں وہ بھی چاروں طرف پسٹل پکڑے پھیل چکی تھیں۔

ان سب کے پاس جو کچھ ہے ان کو اپنے قبضے میں لے لو ان کے موبایل پرس سفید پڑیاں۔۔ ایوری تھنگ جو بھی مزاحمت کرے ان کے گال تھپڑوں سے لال کر دو۔۔ اور اپنے پاکٹس میں موجود کیمروں کو آن رکھو۔۔ جو کچھ برامد ہو ان کی بھیانک شکلوں کو کیمروں میں قید ضرور کرنا۔

چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔۔ تم سب کے کرتوت ہمارے کیمروں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی اب پولیس کی حراست سے بچ نہیں سکے گا۔ نہ کوئی ماڈل نہ کوئی پی ایم شی ایم کا بیٹا۔ درخزئی خانزادہ ایک اور فایر کرتا دھاڑا تھا۔

اور سب سن لو تم لوگ!! تم سب ایسے ہی یہاں سے جاؤ گے کوئی اپنا چہرہ نہیں چھپائے گا۔ باہر ہم لوگوں سے بھی اوپر تم سب کے باپوں کو بلایا ہے۔ باہر میڈیا آچکا ہے۔ تم سب کو میڈیا کور کرتے تمھارے چہروں کو بھی دنیا کے سامنے ایکسپوز کیا جائے گا۔ کسی کی عزت نہیں رکھی جائے گی۔

درخزئی خانزادہ نام ہے میرا!! بہت کمینی فطرت ہے میری نہ سیدھا دکھتا ہوں نہ سیدھا ہوں۔۔ میرا اصول ہے ناپرچہ نہ کچہری سیدھا انکاؤنٹر۔ یعنی ڈائریکٹ اوپر کی فلائیٹ۔

درخزئی خانزادہ سب کو دیکھتے استھزائیہ لہجے میں بولا تھا

اس کی ٹیم میمبر گہرا مسکرائی تھی۔

چھوڑو مجھے !! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ کسی لڑکی کی چیختی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔۔ درخزئی نے مڑتے ہوے اس آواز کی تعاقب میں اپنی پولیس اہلکار کو دیکھا درخزئی نے اسے اشارہ کیا تھا۔ پولیس اہلکار نے درخزئی خانزادہ کا اشارہ سمجھتے اس لڑکی کے چہرے پر زوردار تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ لڑکی گال پر ہاتھ رکھتے بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ اس کی حالت دیکھتے وہاں موجود باقی لڑکیاں جو شور کر رہی تھیں۔ خاموش ہوئی تھیں۔ د

درخزئی اپنی گردن سہلاتے مسکراتے ہوے اس لڑکی کی حالت دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ اس بار کی چھت اور دیواریں دھڑا دھڑا اس پر گریں تھیں۔ وہ سفید جینز پر سفید شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی. جس پر وہ بلیک شادر لیدر جیکٹ پہنے ہوے تھی۔۔ وہ اپنے

سرخ گال پر ہاتھ رکھے ساکت سی کھڑی تھی۔۔ درخزئی کی سرخ آنکھوں میں وحشت سی اتری تھی۔ وہ یہاں نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی بیوی نہیں ہو سکتی تھی وہ اس کی عنائیہ نہیں ہو سکتی تھی۔

چھوڑو مجھے !! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ کسی لڑکی کی چیختی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔۔ درخزئی نے مڑتے ہوے اس آواز کی تعاقب میں اپنی پولیس اہلکار کو دیکھا۔ درخزئی نے اسے اشارہ کیا تھا۔ پولیس اہلکار نے درخزئی خانزادہ کا اشارہ سمجھتے اس لڑکی کے چہرے پر زوردار تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ لڑکی گال پر ہاتھ رکھتے بری طرح لڑکھڑائی تھی۔۔ اس کی حالت دیکھتے وہاں موجود باقی لڑکیاں جو شور کر رہی تھیں۔ خاموش ہوئی تھیں۔

درخزئی اپنی گردن سہلاتے مسکراتے ہوے اس لڑکی کی حالت دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔اس بار کی چھت اور دیواریں دھڑادھڑا اس پر گریں تھیں۔وہ سفید جینز پر سفید شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی. جس پر وہ بلیک شادر لیدر جیکٹ پہنے ہوے تھی۔۔وہ اپنے سرخ گال پر ہاتھ رکھے ساکت سی کھڑی تھی۔۔درخزئی کی سرخ آنکھوں میں وحشت سی اتری تھی۔وہ یہاں نہیں ہو سکتی تھی۔وہ اس کی بیوی نہیں ہو سکتی تھی وہ اس کی عنائیہ نہیں ہو سکتی تھی۔

درخزئی خانزادہ کے بھاری مضبوط قدم لڑکھڑائے تھے۔

درخزئی خانزادہ اپنے بھاری قدموں سے چلتے عنائیہ کے مقابل آیا۔آنکھیں بے یقین تھی تو دل و دماغ بھی ماننے سے انکاری تھا۔

درخزئی کو دیکھ کر عنائیہ کی رنگت زرد ہوئی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرتے دیکھ کر خوف سے عنائیہ کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ درخزئی خانزادہ کی آواز سنتے وہ پہچان چکی تھی کہ وہ درخزئی خانزادہ ہے۔ جب اس نے اپنا انٹرڈیوس کروایا تھا تب تو کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اور اب تو وہ سامنے حقیقت کا روپ دھارے کھڑا تھا۔ کوئی شک بچا ہی نہ تھا۔ اس کے سامنے اس کا شوہر درخزئی خانزادہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ کھڑا تھا۔۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے کانپتے ہوئے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ قدم زمین کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ خانزادوں کا خوف اس کے دل و ماغ پر سوار تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا

درخزئی خانزادہ سے یوں آمنا سامنا ہو گا۔ اب تو دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔

عنائیہ نے اپنے گال سے ہاتھ ہٹاتے ہوے درخزئی کو دیکھتے ہچکی لی تھی۔ اس کے گال پر انگلیوں کا نشان دیکھ کر درخزئی خانزادہ نے اپنے نچلے لب کو بے دردی سے دانتوں تلے پیوست کیے کچلا۔

تم ویسی لڑکی نہیں ہو تو کیسی ہو؟! یہاں موجود ہر لڑکی یہی کہے گی کہ وہ ایسی نہیں ہے۔ اگر وہ ایسی نہیں ہے تو اس مشہور بدنام بار میں کیا کر رہی ہو؟؟ تم سب کا یہاں موجود ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے تم کیسی لڑکیاں ہو۔

اب جو بھی جسٹیفیکشن دینی ہو۔ میڈیا کے سامنے دینا۔ اپنے ان مکروں چہروں کے ساتھ اور یہ سب باتیں اپنے گھر والوں کو کہنا جو تم لوگون کی ضمانت کرنے آئیں گے۔ اور ضمانت بھی ہونا مشکل ہے۔ جس کے پاس

ڈر گز برامد ہو گئے وہ تو گیا لمبے عرصے کے لیے جیل میں۔۔ افیسر رانیہ نے سب کو دیکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے درخزئی خانزداہ پر نگاہ ڈالی۔ جس کے کام اور پرسنیلٹی سے بہت زیادہ مرعوب تھی۔ اتنے عرصے بعد نڈر اور ایماندار افیسر دیکھا تھا جسے نہ خریدا جا سکتا تھا نہ ڈرایا جا سکتا تھا۔

مم۔۔ میں۔۔ ایسی۔۔ لڑکی۔۔ نہیں۔۔ ہوں۔۔۔ سچ۔۔۔ میں۔۔ عنائیہ نے بھیگی گھٹی گھٹی آواز میں ہچکی لیتے درخزئی خانزادہ کو دیکھتے یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ درخزئی خانزادہ عنائیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے اور اس کی بھیگی آواز پر اپنے بال ایک ہاتھ میں مٹھی میں دبوچے اذیت کی انتہا پر تھا۔ آنکھوں میں کرب وحشت کے سرخ ڈورے تیرے تھے۔۔

انسپکٹر سائرہ!!سب سے پہلے اس لڑکی کی اچھی خاصی تلاشی لے لو۔۔جو شریف بننے کا زیادہ ناٹک کر رہی ہے۔اندر لے جا کر اس کا ایک ایک کپڑہ اتار کر تلاشی لو۔۔افیسر رانیہ نے عنائیہ کو گھورتے لفظ چبائے تو درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں خون سا اترا تھا۔

کوئی آگے نہیں بڑھے گا کوئی آگے نہیں بڑھے گا!!کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا اس لڑکی کو۔۔۔درخزئی خانزادہ کی سرد دھاڑ پر اس کی ٹیم حیرانگی سے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

عنائیہ اب نظریں جھکائے کرسی کی سطح پر ہاتھ جمائے ہوے اپنے بدن پر کپکپاہٹ پر قابو پانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔درخزئی خانزداہ کی دھاڑ پر اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے عنائیہ کو خون اتری آنکھوں سے گھورتے ہوے اپنی سرخ آنکھیں دو انگلیوں سے مسلیں۔

انسپیکٹر سایرہ آپ اس لڑکی کو لے کر اندر جائیں!!اس سے معلومات میں خود لوں گا۔مجھے پورا یقین ہے اس اس لڑکی کے پاس بہت معلومات ہیں۔درخزئی خانزادہ نے عنائیہ کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

عنائیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے درخزئی کو دیکھتے اپنے بدن کی ارتعاش پر قابو پایا۔

آفیسر راینہ اور باقی ٹیم میمبر نے ناسمجھی سے درخزئی خانزادہ کی طرف دیکھا ۔وہ کیا کہہ رہا تھا آخر وہ اسی ایک لڑکی سے تفتیش کرنے کا کیوں خواہشمند تھا ؟!جو چہرے سے کافی معصوم لگ رہی تھی۔

سنا نہیں کیا کہہ رہا ہوں؟! اس لڑکی کو الگ کرو سب سے!! درخزئی خانزادہ کی سرد دھاڑ ایک بار پھر سے اس بار میں گونجتے سب کو الرٹ کر گئی تھی۔

یس سر!! آفیسر رانیہ نے مودبانہ انداز میں کہتے انسپیکٹر سایرہ کو اشارہ کیا ۔۔اس نے آگے بڑھتے عنائیہ کی کلائی کو سختی سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کی سخت گرفت پر عنائیہ کے لبوں سے سسکی برامد ہوئی تھی۔

مم۔۔مجھے۔۔۔جانے۔۔۔دو۔۔ عنائیہ کے لبوں سے گھٹی آوازیں برامد ہوئیں۔ درخزئی خانزادہ کے خوف سے اس کی سانسیں حلق میں گھٹ رہی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ وہ جانتی تھی۔ ورنہ یہ سچویشن اس کے لیے کوئی اتنی بڑی نہ تھی۔ کلبز بار میں پولیس کی raid پڑتی رہتی ہے۔ وہ امریکہ سے آئی تھی وہ جانتی تھی اور پولیس مایز سی تفتیش کر کے چھوڑ دیتی ہے۔۔ مگر مقابل درخزئی خانزادہ تھا جو ایس پی ہی نہیں اس کا

شوہر تھا۔ وہ اسے اس حلیے میں اور یہاں دیکھ کر اسے بہت بری سزا دے گا وہ جانتی تھی۔ وہ ان خانزادوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ سفاکیت بے رحمی ان خانزادوں میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اور درخزئی خانزادہ سب سے اوپر کی چیز تھا۔ جو غلطی سے بھی غلطی معاف نہیں کرتا تھا۔ اور وہ اس کا وہ سفاک بے رحم روپ دیکھ بھی چکی تھی جس نے صرف جھوٹ بولنے پر اپنے اہلکار کی ٹانگوں میں گولیاں دے ماری تھیں۔

درخزئی خانزادہ عنائیہ کے لبوں سے سسکی سنتے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی ایک ٹانگ وہاں پڑی کرسی پر رکھتے اپنے کف کے بٹن کھولتے ہوئے انھیں کہنیوں کی طرف فولڈ کرنے لگا تھا۔ چہرہ ضبط سے طیش والم سے سرخ پڑ رہا تھا۔ جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔ گردن ہاتھوں کی نیلی ابھری وینز بھی

صاف نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ ایک ٹانگ کرسی پر رکھے اپنی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

بار میں اس وقت گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ ساری ٹیم درخزئی خانزادہ کے عجیب و غریب رویے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو جتنا اس کلب پر raid ڈالنے کے لیے ایکسائٹڈ تھا. اتنا ہی اب وہ عدم دلچسپی دکھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور سرخی تھی۔ اتنے دنوں سے درخزئی خانزادہ کے ساتھ کام کر رہے تھے مگر اتنا سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو مسکراتے ہوئے مجرموں کی ہڈی پسلی ایک کرنے والوں میں سے تھا۔

افیسر راینہ! یہاں کھڑے ہوئے ایک ایک انسان کی تلاشی لیں اور کوئی بھی یہاں سے بچ کر نہیں جائے گا۔ درخزئی خانزادہ سختی سے آرڈر دیتے اس کمرے کی جانب بڑھا جہاں عنائیہ کو لے کر گیا تھا۔۔

افیسر رانیہ اور باقی ٹیم میمبر کے دماغوں میں عجیب سے سوال ابھرے تھے۔۔ درخزئی اس لڑکی پر کیوں اتنا فوکس کر رہا تھا؟! کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ لڑکی معصوم تھی یہ اس کے چہرے کی معصومیت اور اس کے چیخنے چلانے سے ہی پتہ چل گیا تھا۔

۔ درخزئی تیز تیز قدموں سے کلب کے احاطے میں بنے طویل کوریڈور سے گزرتے ایک طرف بنے مختلف کمروں کی طرف بڑھا تھا۔ جس کمرے میں عنائیہ تھی کھلے دروازے سے آتی سسکیوں کی آواز پر وہ بے تابی سے اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ عنائیہ صوفے کی سطح پر سر رکھے ہوے بری طرح سسک رہی تھی۔۔ درخزئی کے اندر داخل ہونے پر

عنائیہ اپنی سسکیوں پر اسی لمحے قابو پا گئی تھی۔۔دل کی دھڑکنیں خوف سے منتشر ہوتے رکی تھین۔

آپ جائیں یہاں سے اس کو میں دیکھتا ہوں۔درخزئی کے حکم پر انسپکٹر سائرہ حیران ہوئی تھی۔۔کسی بھی لڑکی سے تفتیش کے دوران میل افیسر کے ساتھ ایک فی میل اہلکار یا افیسر کا ہونا ضروری تھا۔وہ اس لڑکی سے کسی صورت اکیلے میں تفتیش نہیں کر سکتا تھا۔

Didn't you hear what i said?

انسپیکٹر سائرہ کو وہاں جمے دیکھ کر درخزئی خانزادہ حلق کے بل دھاڑ اٹھا۔

اس کی دماغ کی اس وقت نسیں پھٹ رہی تھیں۔اس کی بیوی اس کی عنائیہ یہاں اس حلیے میں آخر کیا کر رہی تھی؟؟۔کیا وہ ڈرگز سپلائے کرتی تھی؟؟

انسپیکٹر سائرہ درخزئی کی دھاڑ پر اثبات میں سر ہلاتی ہوئی جلدی سے وہاں سے چلی گئی۔

درخزئی خانزادہ نے جلدی سے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کیا تھا۔

دروازہ اندر سے لاک ہونے پر انسپیکٹر سائرہ کے قدم ایک پل کے لیے رکے تھے۔دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے اپنی ساتھی میمرز کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عنائیہ درخزئی کے دروازہ لاک ہونے پر صوفے سے اٹھتی خود کو بچانے کی غرض سے کمرے میں موجود واش روم کی طرف تیزی سے لپکی۔

درخزئی اسی لمحے بازو سے جکڑے اسے صوفے پر پٹخ گیا تھا۔ اپنا بوٹ والا پاؤں صوفے پر رکھتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

عنائیہ درخزئی کی سرد سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوے پیچھے کو ہوتی صوفے میں سمائی تھی۔۔

کیا کر رہی ہو یہاں پر؟؟ حویلی سے کیسے نکلی؟؟ درخزئی خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

مم میں وہ۔۔۔۔ عنائیہ خوفزدہ ہوتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

I want answer damn it!!

درخزئی حلق کے بل دھاڑا تھا۔ عنائیہ کی رنگت زرد ہوئی تھی۔

مم۔۔ مجھ۔۔۔ پر پلیز۔۔ ایسے۔۔ مت۔۔ چلاؤ۔۔۔ مجھے۔۔ ڈر۔۔ لگ رہا ہے۔ عنائیہ درخزئی خانزادہ کی خون اشام نگاہوں میں دیکھتے رو پڑی۔

درخزئی خانزادہ نے اس کے گال پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر اپنی شرٹ غصے سے پینٹ سے نکال کر کھینچ کر جھٹکتے ہوے باہر کی۔ وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا؟؟ غصے سے اس کے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔۔ دماغ کی نسیں تو پیشانی پر اب ظاہر ہونے لگی تھیں۔ عنائیہ کو تھپڑ اس کے کہنے پر مارا گیا۔ اس کی بیوی کو سب کے سامنے تھپڑ پڑا۔ یہ سب کچھ اس کی جسم کی عمارت کی دیواریں دھڑ دھڑا اس پر ہی گرا رہا تھا۔ وہ اندر سے خزاں کے پتوں کی طرح ٹوٹ کر جڑھ رہا تھا۔

وہ یہاں اس کلب میں موجود تھی جہاں ڈرگز ڈیلر جسم فروش لڑکیاں آتی تھیں۔ درخزئی صوفے پر ٹانگ رکھے اپنی پیشانی کو انگلی سے سہلاتے ہوے عنائیہ کے گال کو سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

جواب دو!! کیا کر رہی ہو یہاں؟؟ درخزئی خانزادہ اس کی طرف دیکھے پوری قوت سے دھاڑا۔

عنائیہ خوف سے اچھلتے اب پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

درخزئی خانزادہ پیچھے کو ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے کمرے میں اب چکر لگا رہا تھا۔

عنائیہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔

عنائیہ !!فار گاڈ سیک مجھے بتاؤ!تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ باہر میڈیا کھڑا ہے۔میری پوری پولیس ٹیم باہر کھڑی ہے۔درخزئی بال مٹھیوں میں جکڑے چیخا تھا۔

درخزئی خانزادہ کے چلانے پر عنائیہ کا رونا تو تھم چکا تھا مگر اس کی سسکیوں میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن بھی کھول دیے تھے۔درخزئی کے بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔استین کہنیوں تک فولڈ تھے۔شرٹ کے کئی بٹن کھلے ہوے تھے وہ پینٹ سے نکلی ہوئی تھی۔رنگت اور آنکھیں سرخ تھیں۔وہ اس وقت اپنے حلیے سے پولیس والا نہیں بلکہ کوئی موالی غنڈا لگ رہا تھا۔اس کی کم عمر بیوی اسے پاگل کر چکی تھی ۔۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے؟؟۔اگر وہ کم عمر نہ ہوتی اس کے گال

تھپڑوں سے لال کر دیتا۔ درخزئی نے جبڑے بھینچتے بے بسی سے اسے دیکھا۔ اگر وہ کم عمر نہ ہوتی پھر بھی۔۔ پھر بھی۔۔۔ وہ اس عورت پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا کیا؟؟ جو اس کی محرم تھی۔ اس کے نکاح میں تھی۔ جس کی ہتھیلیاں وہ احترام میں چوم چکا تھا۔ اس عورت پر کیسے ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟! جس کی عزت وہ اپنی مورے کی طرح کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں برسوں بعد کوئی عورت آئی تھی۔ کوئی رشتہ آیا تھا اس کی تذلیل کیسے وہ کر سکتا تھا؟؟۔ مگر اس کا یہاں ہونا اس کے اندر طیش و اشتعال کے بارود دہکائے ہوے تھا۔ مگر اس کی خانزادہ فطرت اس کے اندر کا مرد کہہ رہا تھا مقابل کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دے۔ وہ اسے اس مقام پر لا کھڑا کر چکی تھی وہ اس پر ہاتھ اٹھانے کا سوچ رہا تھا۔ اور یہ بات اس کی روح گھائل کر رہی تھی۔۔ وہ تو اس کے اٹھارہ کے ہونے کے بعد اسے مکمل طور پر اپنی دسترس میں لینے کے

بعد اس سے اتنا پیار کرنا چاہتا تھا جتنا کبھی کسی نے نہ کیا ہو۔ یہاں پر خود پر زن مریدی کا ٹیگ بھی لگ جاتا اسے گوارا تھا۔ وہ مقابل کو اتنا مان اتنی محبت دینا چاہتا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اسے روتے ہوے دیکھ کر بازو سے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں مسلیں۔ سر پھرا درخزئی خانزادہ جو کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ جس سے مجرموں سے سچ نکلوانے کے لیے کسی لائی ڈٹیکٹو مشین کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بڑے سے بڑا مجرم درخزئی خانزادہ کے ایک تھپڑ سے اپنی پینٹ گیلا کر دیتا تھا۔ وہ آج رو رہا تھا کیوں رو رہا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ سامنے بیٹھی لڑکی اس کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اگر وہ اسے زندگی میں کسی مقام پر کھو دے گا تو کیا بچے گا اس کی زندگی میں؟؟

نہ مورے تھی نہ بہن تھی نہ بابا تھا۔ اب کیا بیوی بھی نہیں رہے گی؟؟۔۔ درخزئی خانزادہ نے رخ پلٹے اپنے سرخ بھیگے چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے۔

درخزئی نے گہرا سانس لیتے اپنی بھیگی آنکھیں اپنے بازو سے مسلیں۔ کچھ بھی ہو جائے وہ اس لڑکی کو کسی حال میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔۔ اگر وہ غلط بھی تھی۔ وہ مجرم بھی تھی۔ اسے وہ کسی کو تکلیف پہنچانے نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اس کی عزت جان نام یہاں تک جس ڈیوٹی جس نوکری سے اسے خود سے بھی زیادہ محبت تھی۔ وہ بھی چلی جائے گوارا تھا۔ مگر وہ اس لڑکی پر کوئی آنچ نہیں آنے دے سکتا تھا۔ درخزئی خانزادہ اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے رگڑتے

ہوے عنائیہ کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹا گیا تھا۔

عنائیہ نے بھیگی ہراساں نظروں سے اسے دیکھتے ہچکی لی۔

درخزئی خانزادہ کرب سے عنائیہ کے نشان زدہ گال پر نرمی سے اپنا چوڑا ہاتھ رکھ گیا تھا۔ جس نے اسے تھپڑ مارا۔ درخزئی خانزادہ کا دل کر رہا تھا اس عورت کی جان لے لے۔

برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے گال پر کسی کے مارے گئے تھپڑ کا نشان دیکھ کر اس کی رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح ابل رہا تھا

تم فکر مت کرو!! تمھیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ جب تک درخزئی خانزادہ زندہ ہے۔ عنائیہ پاشا پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ درخزئی نے نرمی

سے کہتے اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کیے۔

عنائیہ حیرانگی سے بے یقینی سے اس خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی آنکھوں کی سرخی میں وحشت کرب تھا۔ مگر وہ اس سے اتنی نرمی سے بات کیوں کر رہا تھا آخر؟؟ وہ تو اس کے تھپڑوں کا انتظار کر رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اس کے پاس پڑا پرس اٹھا کر اس کی زپ کھولتے اس کی تلاشی لی۔ اس کے اندر پاسپورٹ اور ٹکٹس دیکھ کر وہ سر نفی میں ہلاتے کرب سے مسکرایا تھا۔ آنکھیں پھر سے شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔

تمھیں خود کو عنائیہ پاشا کہنا پسند ہے تو میرے لیے تم آج سے عنائیہ پاشا ہو۔ درخزئی سر اٹھاتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

دوسرے پل وہ یہ بات کہتے اپنا سر جھکا گیا تھا۔ اپنی کہی بات اس کا دل چیر گئی تھی

وہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھے سر جھکائے اپنے اندر اٹھتی طغیانی پر قابو پا رہا تھا۔ آنکھوں کی سرخی کی حدت بڑھتی ان کی نمی میں آضافہ کر رہی تھی۔ وہ سر جھکائے اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے بے دردی سے مسل گیا۔ وہ اس ایک پل میں جو فیصلہ لے چکا تھا وہ اس کے سینے سے دل نکال چکا تھا۔ مگر وہ لے چکا تھا۔۔ رشتے شاید درخزئی خانزادہ کے لیے بنے ہی نہ تھے۔ اپنی زندگی کے سترہ سال اس نے ہر رشتے کے بغیر تنہائی میں گزار دیے تھے۔ اگر اس کی باقی زندگی بھی گزر جاتی تو کیا مضایقہ تھا۔ دھڑکنیں تھوڑی رکنی تھیں۔ مگر اس کی دھڑکنیں رک رہی تھیں۔ دل پہلو سے نکل رہا تھا۔ صوفے پر جما ہاتھ شدت سے لرز رہا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے نظریں اٹھائے عنائیہ کی طرف دیکھا جو اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے سسکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

تھوڑے بھرے ہیں ہم

تھوڑے سے خالی ہیں

تم بھی ہو الجھے سے

ہم بھی سوالی ہیں

کچھ تم بھی کورے ہو

کچھ ہم بھی سادے ہیں

درخزئی خانزادہ مدھم آواز میں بولتے ہوئے عنائیہ کی طرف دیکھتے زخمی سا مسکرایا. عنائیہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دد یکھا تھا۔

درخزئی نے اٹھتے ہوے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا تھا۔ کوئی کھڑی کوئی ایسی جگہ جہاں سے وہ عنائیہ کو لے کر نکلنا چاہتا تھا۔

باہر میڈیا تھا۔ اس کی ٹیم تھی وہ عنائیہ کو تفتیش سے بچا نہیں سکتا تھا۔ باہر موجود کسی بھی لڑکی نے عنائیہ کے خلاف بیان دے دیا تو وہ اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ اس پر بہت پکے مقدمہ دائر ہونا تھا۔۔ وہ ایک رات بھی تھانے میں گزارے وہ کیسے ایسا ہونے دے سکتا تھا۔ اس کی بیوی اس کی عزت تھانے میں رہے۔ یہ خانزادہ غیرت گوارا نہیں کر رہی تھی. مقابل تو جان سے زیادہ پیاری تھی۔

واش روم میں ایک روشن دان تھا۔جو بہت چھوٹا تھا۔جس سے وہ لوگ باہر نہیں جاسکتے تھے۔درخزئی نے کمرے میں آکر کمرے میں موجود گلاس ونڈو سے باہر جھانکا۔اس طرف اس کا کوئی اہلکار کھڑا نہیں تھا۔اس کی آدھی سے زیادہ ٹیم بار کے اندر تھی۔فرنٹ پر میڈیا تھا۔اس لیے اب چاروں طرف پولیس موجود نہ تھی۔اگر یہ گلاس ونڈو کھل جاتی۔وہ عنائیہ کو یہاں سے با آسانی سے نکال سکتا تھا۔

درخزئی نے وہ گلاس ونڈو کھولنے کی کوشش کی جو کھل ہی نہیں رہی تھی۔عنائیہ صوفے سے کھڑی ہوتی درخزئی خانزادہ کو پریشانی سے دیکھ رہی تھی ۔وہ آخر کیا کرنا چاہ رہا تھا؟؟

وہ گلاس ونڈو دیوار میں نصب تھی۔ مگر اس کا کوئی لاک نہیں تھا۔ وہ صرف خوبصورتی کے لیے نصب تھی۔

درخزئی خانزادہ نے پوری قوت سے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنا کر اس ونڈو پر دے مارا۔ مگر شیشے پر ایک آنچ نہیں آئی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ نے اب پہلے سے بھی زیادہ قوت سے اس شیشے پر مکہ مارا تھا۔۔ اب کی بار وہ شیشہ تڑختے درخزئی کے ہاتھ کو زخمی کر چکا تھا۔ عنائیہ لبوں پر ہاتھ رکھے اپنی چیخ گھونٹ چکی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اس کمرے میں رکھی کرسی اٹھا کر اس گلاس ونڈو پر پوری قوت سے دے ماری تھی۔ گلاس ونڈو کا گلاس ٹوٹ چکا تھا کانچ کی کتنی کرچیاں درخزئی کے چہرے پر آ کر لگی تھیں۔

عنائیہ لبوں پر ہاتھ رکھے پیچھے کی طرف اپنے قدم بڑھاتی اس جنونی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو بے حد جنونی تھا۔ اس کی جنونیت کچھ الگ تھی۔ کچھ الگ سی تھی۔ سب خانزادوں سے الگ جنونیت۔۔۔۔

یہ اس کے اپنے گال سے کرچی کھینچ کر نکالنے میں اندازہ ہوا تھا۔ جس کو شاید درد تک نہیں ہوا تھا۔ وہ تو بکھرے بالوں بکھرے حلیے زخمی ہاتھوں سے اس گلاس ونڈو پر رہ جانے والے کانچ کے ٹکڑے کو اب جڑھ سے اکھاڑ رہا تھا۔

عنائیہ اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اس خانزادہ کو دیکھے جا رہی تھی۔ جسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔

چلو!! وہ جلدی سے عنائیہ کی طرف بڑھا۔

عنائیہ پتھرائی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ درخزئی اسے پتھرائی کیفیت میں دیکھ کر اس کا ہاتھ اپنے زخمی ہاتھ میں جکڑے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں کھنچتی گئی تھی۔ عنائیہ کی بھیگی نگاہیں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ جو درخزئی کی گرفت میں خون سے رنگ چکا تھا۔ عنائیہ نے اس کی چوڑی پشت دیکھتے ہچکی لی۔ درخزئی کے ہاتھ سے خون زمین پر ٹپک رہا تھا۔

یہاں سے نکلتے اس بار کی بیک سائیڈ سے ہم دونوں نکل جائیں گے۔ میں تمھیں فرنٹ سے سب کے سامنے لے جا سکتا ہوں۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔۔ مگر باہر میڈیا ہے۔ وہ ہم دونوں کو پوری کوریج دے گا۔ تم بے پردہ ہو یہ مجھے گوارا نہیں۔ درخزئی کی بات پر عنائیہ نے اپنے حلیے پر نگاہ ڈالی تھی۔ وہ اپنی فٹنگ والی شارٹ شرٹ اور جینز کو دیکھ کر زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنسی تھی۔

!!یہ چادر مت سرکنے دینا جان! پٹھانوں کا خون بس یہاں آکر کھولتا ہے۔ یہاں مت ستانا باقی ساری باتیں سہہ لوں گا!!

درخزئی خانزادہ کے لفظ یاد کرتے وہ اپنا نچلا لب بے دردی سے دانتوں تلے کاٹ گئی تھی کہ خون کی بوند لبوں پر آ ٹھہری تھی۔ آخر کیا سلوک کرنے والا تھا یہ پٹھان اس کے ساتھ۔۔ اس نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے سوچتے ہچکی لی۔

یکدم دروازے کے لاک پر باہر سے فائر ہوا تھا۔ عنائیہ چیختے ہوے درخزئی خانزادہ کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔

درخزئی خانزاد بند دروازے کی طرف دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے عنائیہ کو خود سے دور کر گیا تھا۔

افیسر رانیہ کے اندر داخل ہونے پر درخزئی خانزادہ نے نظریں جھکائے اپنی پچھلی گردن سہلائی

Whts happening there ?

افیسر رانیہ نے استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنی پسٹل درخزئی خانزادہ پر تانی. کمرے میں ٹوٹی کھڑکی عنائیہ کو درخزئی کی بانہوں میں دیکھتے وہ سب سمجھ گئی تھی۔ بند کمرے میں کیا چل رہا تھا۔ ایس پی درخزئی خانزادہ اندر کم عمری لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر بھاگ رہا تھا۔

عنائیہ نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوے پیچھے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

Don't move i will shoot you .

افیسر رانیہ نے لفظ چباتے ہوے عنائیہ کی طرف اپنی پسٹل کا رخ کیا۔

عنائیہ کے قدم اسی لمحے رکے تھے۔

Hands up

افیسر رانیہ عنائیہ پر پسٹل تانے غرائی تھی۔

عنائیہ نے درخزئی کو دیکھتے روتے ہوے اپنے ہاتھ اوپر کیے۔

تمھاری تلاشی میں خود لوں گی۔ تمھارا ایک ایک کپڑا اتارتے ہوے۔ اور تمھارے جسم کے حصوں کو چھوتے ہوے تمھیں ننگا کرتے ہوے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لگتا ہے مسٹر درخزئی خانزادہ تمھیں ننگا کرتے چھوتے ہوے اپنے حواص کھو چکے ہیں۔

Just shut up just shut up

ورنہ تمھیں کیسے خاموش کروانا ہے یہ درخزئی خانزادہ اچھی طرح جانتا ہے اور بکواس مت کرنا اس کے متعلق ۔درخزئی غراتے ہوے آگے بڑھتے افیسر رانیہ کے مدمقابل آیا تھا۔اس کے الفاظ اپنی بیوی کے لیے کے اس کی دماغ کی رگیں پھڑکا چکی تھیں۔

How sir

رانیہ درخزئی خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں تمسخراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوے جواباً غرائی۔۔

مجھے لگا تھا آپ ایک ایماندار انڈر افیسر ہیں۔ مگر میں غلط تھی۔اس بند کمرے میں کچھ ہی منٹوں میں لگتا ہے یہ آپ کو اپنے بدن کی گرمی دے کر آپ کو ٹھنڈا کر چکی ہے جو اسے آپ یہاں سے یوں بھگا رہے تھے۔افیسر رانیہ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے طیش اوالم سے چیخی

تم اپنی لمٹس کراس کر رہی ہو۔ بھولو مت تم میرے انڈر کام کر رہی ہو۔

اس وقت میں تمھارا افیسر ہوں۔ درخزئی خانزادہ عنائیہ کو اپنے ہاتھ اوپر کیے ہوے دیکھتے جبڑے بھینچتے بمشکل خود پر ظبط کیے بولا تھا. مگر افیسر رانیہ کے لفظوں نے اس کا خون رگوں میں بھڑکا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے رگوں میں دوڑتا خون بھڑک رہا تھا۔ مگر اپنی بیوی کی وجہ سے وہ خود پر ظبط کیے ہوے تھا۔

ایک لڑکی کی خوبصورتی کم عمری دیکھ کر آپ نے اپنی ڈیوٹی سے غداری کر دی۔ نہ میں آپ کو اپنا سر مانتی ہوں نہ میں آپ کے آرڈرز ماننے کی پابند رہی ہوں۔ افیسر رانیہ درخزئی خانزادہ کو دیکھتے طنزیہ بولی۔

درخزئی پھولتی رگوں کے ساتھ اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا

کیا پشکش کی اس لڑکی نے آپ کی رکھیل بننے کو تیار ہو گئی ہے یا پھر آپ کے بینک بیلنس کو millions میں لے جانے کی ڈیل ہوئی ہے۔

بکواس بند کرو اپنی تم !!بیوی ہے یہ میری۔بیوی ہے یہ میری !!درخزئی خانزادہ حلق کے بل دھاڑتے ہوے افیسر رانیہ کی گردن اپنی آہنی گرفت میں دبوچتے ہوے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

اگر تم نے ایک لفظ اور میری بیوی کے متعلق کہا تمھارے دماغ میں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اتار دوں گا۔اور تم۔جانتی ہو میں یہ کر سکتا ہوں درخزئی اس کی گردن خطرناک حد تک دبوچے اپنی پینٹ سے پسٹل نکالتے دوسرے ہاتھ سے اس کی پیشانی پر رکھ گیا۔

ارحام خانزادہ ابھی ابھی حویلی میں داخل ہوا تھا۔اسے آج صبح ہی ایک میٹنگ کے سلسلے اسلام آباد جانا پڑا تھا۔

پریذے اس ٹایم سو رہی تھی وہ اسے ملے بغیر ہی چلا گیا تھا۔ اب وہ فلایٹ لے کر حویلی آیا تھا۔

اس وقت وہ بلو جینز پر بلو شرٹ میں ملبوس تھا جس پر بلو کیجول کوٹ پہنے ہوے تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے حویلی داخل ہوا تھا۔ بیوی اور بیٹی کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بھاری قدموں سے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم رکے تھے دوسرے پل وہ تیز تیز قدموں سے پریذے کے کمرے کی طرف بڑھا۔ حور پریذے کے کمرے کے دروازے پر کھڑی رو رہی تھی۔

کیا ہوا ہے ؟؟ ارحام خانزادہ نے پریشانی سے پوچھا۔ حور کی آنکھیں گلابی اور متورم تھی۔۔ اس کے لبوں سے ہچکیاں برامد ہو رہی تھی جس کا مطلب تھا

وہ کافی دیر سے رو رہی ہے۔ وہ اس وقت ییلو کلر کے اس کے شیشوں والے اس کے فیورٹ فراک میں ملبوس تھی۔۔ سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ شال ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔

ارحام خانزادہ کو دیکھتے حور نے جلدی سے گڑبڑاتے ہوئے اپنی شال سر پر اوڑھی۔

کیا ہوا ہے رو کیوں رہی ہو؟؟ ارحام نے اس کے گال پر ہاتھ رکھتے نرم لہجے میں پوچھا۔

ارحام خانزادہ کے لہجے کی نرمی پر حور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے آنکھیں میچے رو پڑی تھی۔

کیا ہوا ہے؟؟ ارحام نے اب غصے سے سرد لہجے میں پوچھا تھا

ارحام!! پریذے مجھ سے صبح سے ناراض ہے۔ وہ میرے لیے دروازہ نہیں کھول رہی۔ حور نے ہچکیوں سے بتایا۔

کیا مطلب پریذے نے صبح سے دروازہ نہیں کھولا۔ ارحام بری طرح پریشان ہوا تھا۔ نہیں اس نے کھولا تھا دروازہ۔ وہ باہر

بھی آئی تھی مگر مجھ سے بات نہیں کی۔ مجھے ایک مرتبہ روم سے باہر نکالا اور اب میرے لیے دروازہ نہیں کھول رہی۔ ارحام میں مر جاؤں گی۔ میں پریذے کے بنا نہیں رہ سکتی۔ حور کی بات پر ارحام طیش والم سے اپنے جبڑے بھینچ گیا۔

پریذے کے بنا نہیں رہ سکتی تم اور جو تمھارے پیٹ میں جان پل رہی ہے اس کا کیا؟؟ تم صبح سے ایسے ہی رو رہی ہو۔ ارحام خانزادہ حور کی بات اور اس کی حالت پر بھڑک اٹھا تھا۔

اس جان سے کہیں زیادہ مجھے اپنی بیٹی پیاری ہے۔اور یہ سب صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔کیا تھا آپ صبح پریذے سے مل کر چلے جاتے۔وہ آپ کی ہر بات مانتی ہے۔آپ کے ایک بار کہنے پر اس کی نارضگی دور ہو جانی تھی۔حور بھی جواباً تڑختے ہوے بولی تھی۔

ارحام خانزادہ نے جبڑے بھینچتے حور کو دیکھا۔جو اپنی شال سے اب اپنے عارض پر بہتے آنسو بے دردی سے صاف کر رہی تھی۔

Preezy open the door

ارحام خانزادہ نے غصے سے پریذے کے کمرے کا دروازہ زور سے بجایا۔

ارحام آرام سے بیٹی ہے ہماری!!حور نے ارحام خانزادہ کو غصے میں دیکھتے کہا

۔

وہ صرف تمھاری بیٹی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ اور مجھے پتہ ہے کیسے پریذے کو ڈیل کرنا ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ ہر صورت میں بڑوں کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ آج وہ اپنی ماما کو دروازے پر کھڑا کیے رلا رہی ہے۔ کل وہ اس سے بھی بڑا کچھ کرے گی۔ یہ بات مجھے بلکل پسند نہیں آئی۔ ارحام کی سخت سرد آواز پر حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکا تھا۔

ارحام چھوٹی ہے وہ۔۔ میں خود اپنے پاپا کو گھنٹوں باہر کھڑا کرتی تھی وہ تو رات رات بھر دروزے پر کھڑے رہتے مجھے مناتے تھے۔

Listen hoor

پریذے اس حویلی کی بیٹی ہے میرے کچھ اصول ہیں۔ تمھیں ایسا لگتا میں اپنی بیٹی سے پیار نہیں کرتا۔ مجھے لگتا ہے میں سلطان شاہ سے بھی زیادہ اپنی بیٹی سے پیار کرتا ہوں۔ مگر نہ میں سلطان شاہ ہوں اور نہ پریذے

حور! پریذے کو پریذے رہنے دو اور مجھے ارحام خانزادہ رہنے دو۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

اسی لمحے پریذے دروازہ کھول چکی تھی۔

ارحام کو دیکھتے اب وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

پریذے!! حور نے بھیگی آواز میں اسے پکارا۔

ڈونٹ!! ارحام نے سختی سے کہتے حور کو خاموش رہنے کو کہا۔

ارحام نے پنجوں کے بل بیٹھتے پریذے کے ہاتھ تھامتے اس کی جھکی نظروں کو دیکھا۔

مجھ سے ناراض ہیں آپ؟؟ ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

پریذے نے نظریں جھکائے سر نفی میں ہلایا تھا۔

تو پھر یہ کیا طریقہ آپ کی ماما دروازے پر کھڑی آپ کو پکار رہی ہیں۔ آپ دروازہ نہیں کھول رہی تھیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ماما کی اسلام میں کیا عزت ہے۔ ماما کے قدموں میں اللہ نے جنت رکھی ہے۔ ماما کے احترام میں ان کی ہتھیلیاں چومتے ہیں اور آپ اپنی ماما کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہیں۔ ارحام کے سنجیدہ لہجے پر پریذے کی ٹھوڑی اب سینے سے لگ چکی تھی۔

حور کی آنکھوں سے شدت سے گرم سیال بہا تھا۔ اس نے شال سے اپنی ناک رگڑتے ہچکی لی تھی۔۔ ارحام نے حور کی ہچکی لینے پر اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔ پریذے سے زیادہ وہ بچپنا دکھاتی تھی۔

۔ ارحام کی سرد نظر پر حور نے جلدی سے اپنے عارض پر بہتے آنسو ہتھیلی سے آنسو صاف کیے۔

میں جانتا ہوں آپ ہم دونوں سے ناراض ہیں۔ ہم نے آپ کی بر تھڈے خراب کی۔۔ماما پاپا کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا ایسا کرنے کا۔ مگر غلطی انسانوں سے ہوتی ہے۔ماما پاپا سے بھی ہو گئی۔ اس لیے پاپا آپ سے سوری کرتے ہیں۔یقیناً ماما سوری کر چکی ہوں گی۔ اور جب کوئی سوری کرتا ہے ایک اچھا انسان ہے وہ سوری ایکسیپٹ کرتا ہے۔۔ارحام نے پریذے کی سینے سے لگی ٹھوڑی کو انگلیوں سے اوپر کرتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔وہ اب معصومیت سے ارحام کو دیکھ رہی تھی

سوری بیٹا!!ارحام نے مسکراتے ہوے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے تھے ۔پریذے ارحام کو دیکھتے اسی لمحے کھلائی تھی۔

احور ارحام کی حرکت اور پریذے کی کھکھلاہٹ پر روتے ہوے ہنسی تھی۔

میری پیاری بیٹی!ارحام خانزادہ پریذے گود میں اٹھاتے کھڑا ہوا۔

پریذے نے ارحام کے گال پر کس کرتے ہوے حور کو دیکھا تھا۔

چلیں ماما کو کس کریں۔ ورنہ وہ جیلس ہو کر پھر سے رونا شروع کر دیں گی۔

ارحام حور کے بھیگے چہرے کو دیکھتے شرارتی لہجے میں بولا تو پریذے منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی تھی۔

حور نظریں جھکائے خفت سے مسکرائی۔

کس کریں بیٹا!! ماما آپ کے چکر میں پاپا سے ناراض ہو جائیں گی۔ آپ کے چکر میں ماما کو ڈانٹ دیا ہے اب پاپا ڈر رہے ہیں آپ کی ماما سے۔۔ ارحام نے حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتی بہت نرمی سے حور کے گال پر چپکی لٹ کان کی پیچھے اڑسی۔۔

پریذے آپ کے پاپا کبھی ماما سے ڈر جائیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ انھین اپنا سویگ بہت پیارا ہے۔ جسے انہوں نے خراب نہیں ہونے دینا۔ حور ارحام کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں بولی تو ارحام کا بلند و بانگ قہقہ بلند ہوا تھا۔

پریذے بھی ارحام کی ہنسی پر اونچا اونچا ہنسنے لگی تھی۔

کس کریں بیٹا ماما کو۔۔ ارحام نے حور کے نروٹھے چہرے کو دیکھتے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

پریذے نے حور کی طرف جھکتے اسے کس کی۔

حور نے مسکراتے ہوے پریذے ارحام سے لینا چاہی۔

کیا کر رہی ہو؟؟ دماغ ٹھیک ہے۔ ارحام نے سختی سے پریذے کو سینے سے لگایا تھا۔

کیا ہوا۔؟؟ حور نے ارحام کو الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

بتاتا ہوں اچھی طرح تمھیں آج رات سمجھاؤں گا۔ جو الفاظ ابھی تھوڑے دیر پہلے بولے اس کی وضاحت بھی چاہیے۔ ارحام پریذے کو سینے سے لگائے پریذے کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حور ارحام کی بات پر پریشانی سے لب کاٹتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی.

ارحام پریذے کو بیڈ پر لٹائے گدگدی کرنے لگا۔ حور دوسری سائیڈ پر بیٹھ کر پریذے کو ہنستا دیکھ کر ہنس رہی تھی

ارحام نے مسکراتے ہوئے گہری نگاہ حور پر ڈال۔ی جو ارحام کی گہری گرم نگاہ پر بے سرخ ہوتے رخی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ حور کے نگاہیں پھیرنے پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ برامد ہوا تھا۔۔ ارحام کے قہقے پر پریذے کی ہنسی

کی جلترنگ گونجی تو حور بھی چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے ہنس پڑی تھی۔۔ حور کو ہنستا دیکھ کر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ ایک بار پھر سے گونجا تھا۔

میری طرف دیکھو!! دیکھو میری طرف۔ آریان خانزادہ دھاڑا تھا۔ زرمش ڈرتے ہوئے اپنی ہیزل گڑے آنکھیں آریان کی سبز آنکھوں میں گاڑھیں۔

زندگی میں کبھی تمھاری سانسیں اس طرح نہیں کھینچوں گا۔ تمھارے یہ گلاب ہونٹوں کو آریان خانزادہ چھونے سے پہلے مرنا پسند کرے گا۔ آریان نفرت امیز لہجے میں بولتے غرایا۔

جب تک تم یہاں ہو تمھاری سانس کسی اور طریقے سے کھینچوں گا۔۔اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ آریان خانزادہ پیچھے ہوتے استھزائیہ لہجے میں بولا تھا۔

سامنے دیکھتے زرمش کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔وہ سچ میں اس کی سانسیں نکال چکا۔

اس کے بلکل سامنے بہت بڑا خوفناک tiger دھاڑ رہا تھا

زرمش کی خوف سے آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔ بلکل اس کے سامنے وہ ٹائیگر تھا۔ تقریباً وہ سات فٹ کے فاصلے پر موجود اسے دیکھتے دھاڑ رہا تھا۔

آہہہ۔۔۔زرمش اپنی کلائیاں کرسی سے چھڑواتے ہوے حلق کے بل چیخی تھی۔۔کرسی زور سے ہلی تھی۔زرمش مزید خوفزدہ ہوئی تھی

ٹائیگر بھی اسے دیکھ کر دھاڑتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

اب زرمش کی دل خراش چیخ وپکار اس بیسمنٹ میں گونج رہی تھی۔

وہ خود کو چھڑوانے کی تگ ودود کرتے ہوے دل خراش چیخیں مار رہی تھی۔۔اس ٹائگر کی دھاڑ اور اس کے خونخوار دانت دیکھ کر زرمش کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔۔وہ اسی لمحے پسینے میں نہلا چکی تھی۔

وہ

tiger

مسلسل اسے دیکھتے ہوے دھاڑ رہا تھا۔

زرمش اب آنکھیں میچے مسلسل چیخیں مار رہی تھیں۔وہ کبھی بھی اس پر حملہ کر سکتا تھا۔اسے اپنے ہوش کھوتے محسوس ہو رہے تھے۔مگر موت کا اتنا خوف تھا وہ خود کے ہوش کھونے نہیں دے رہی تھی۔۔موت کے خوف سے زیادہ اسے اتنی بے رحم موت نہیں مرنا تھا۔اسے اس ٹائیگر کی خوراک نہیں بننا تھا۔

زرمش نے آنکھیں کھولتے اپنی پوری فورس لگاتے ہوئے اپنی کلائیاں کرسی سے چھڑوانے کی کوشش کی۔مگر وہ چھڑوا نہ پائی تھی

آہہہ۔۔۔۔۔زرمش بے بسی سے حلق کے بل پوری قوت سے چیخی تھی۔وہ ٹائیگر دھاڑتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

زرمش اب خوف سے چیختے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔اب تو خوف سے اس کی چیخیں حلق میں گھٹ چکی تھیں۔

آریان خانزادہ دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ لبوں میں دبائے دھواں چھوڑتے زرمش کو دیکھ رہا تھا۔

وہ سگریٹ انگلیوں میں دبائے اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک سے زرمش کی طرف بڑھا۔

کرسی کے دونوں سائیڈز پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے سگریٹ کا کش لیتے اس کا دھواں زرمش کے چہرے پر چھوڑا۔

وہ اب آنکھیں میچے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پسینے کے قطرے اس کی پیشانی پر چمکتے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

آریان خانزادہ بغور اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا

آریان خانزدہ کی نظریں ایک بار پھر اسے کے گال پر آکر ٹھہریں تھیں۔ جہاں اس کے مارے گئے تھپڑ کا نشان بہت واضح تھا۔۔

عورت واقع میں نازک ہوتی ہے۔ وہ اس کے پھول جیسے گال پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھ کر استھزائیہ مسکرایا تھا۔

مگر اس کی دہشت کا مقابلہ کرنا آسان تو نہیں تھا۔ مقابل میں کچھ تو ایسی بات تھی جس کی ابھی تک سانسیں چل رہی تھیں۔ آریان خانزادہ اسے گہری مگر نفرت امیز نگاہوں سے دیکھتا اس کے نقوش پر مسلسل سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا تھا۔ زرمش گہرے سانس لیتے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

ٹائیگر کی غراہٹ آنا بند ہو چکی تھی مگر وحشی درندے کی سگلتی سانسوں کی تپش اسے اپنے چہرے پر پڑتے مزید کانپنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ کس سے زیادہ ڈر رہی ہے۔

bloodythirstybeast

یا پھر جنگلی خونخوار جانوروں سے۔اسے آریان خانزادہ اور ان خونخوار جانوروں میں کوئی فرق نہیں لگا تھا۔اگر ان کا موازنہ کیا جاتا تو آریان خانزادہ سے زیادہ

scariest

کوئی نہیں تھا۔زرمش کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔وہ آنکھیں میچے ہوے بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔خشک پیڑیوں ذدہ ہونٹ لرز رہے تھے۔کندن نشیب و فراز میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔وہ جتنی تیزی سے سانس لے رہی تھی اس کے نشیب و فراز بھی اتنی ہی تیزی سے ہچکولے بھر

رہے تھے۔ زرمش کی دل کی دھڑکنیں تک اریان خانزادہ کو اپنے کان میں بجتی محسوس ہو رہی تھیں۔

آریان خانزادہ کی اب نگاہیں اس کے گہرے چاک ہوے گلے پر نظر آتی گہرائیوں پر جا ٹھہریں تھیں۔

وہ اپنی نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ مقابل کا جسم قیامت تھا۔ جو اسے ہمیشہ نظریں چرانے پر مجبور کرتا تھا۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں ایک بار پھر سے اس کے گال پر موجود اپنی دی گئی سوغات پر جا ٹھہریں تھیں۔ وہ جانتا تھا یہ سوغات اب مہینوں اس کے گال سے نہیں جا سکتی تھی۔ اتنا بے درد تھپڑ تو مارا تھا اس نے!! آخر کیسے یہ نشان جا سکتا تھا۔

اور پتہ نہیں کیوں اب اسے اس کے گال پر اپنی دی گئی چھاپ سے اٹریکشن ہوتی جارہی تھی۔ مقابل کے بدن کے ہر حصے پر کبھی اتنی ہی گہری اس کی دی ہوئی بے رحم سوغاتیں ہوں تو یہ اس کے بدلے کی حس کو کتنا سکون دے گا۔ جب بدن کا ہر حصہ گہرا نیلا ہو۔

وہ یہ سوچتے زہریلا قہقہہ لگا گیا۔ اس کے قہقے پر زرمش مزید خوفزدہ ہوئی تھی ۔اس کے لب خوف سے پھڑ پھڑائے تھے۔ آنکھوں سے گرتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔

آریان خانزادہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں اب کچھ نہیں تھا۔ وہ پراسراریت سے مسکرایا تھا۔

کرسی پر بیٹھے انسان کو ایسا لگتا جیسے سب کچھ اصل میں ہو رہا ہے۔ بڑے سے بڑا شاطر انسان پہچان نہیں کر پاتا تھا کہ یہ صرف اس کے دماغ سے کھیلا جا

رہا ہے۔۔ یہاں لانے والوں کو جنگل میں اس کے پالے گیے خونخوار جانوروں سے کافی اچھی ملاقات کروادی جاتی تھی۔ جس کا مقصد آریان خانزادہ کو اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کروانا ہوتا تھا۔ اس کرسی پر بیٹھتے اچھے اچھوں کے ہوش ٹھکانے آجاتے تھے۔ وہ تو پھر ایک نازک سی گلاب کی طرح لڑکی تھی۔

آریان خانزادہ گہری نگاہوں سے زرمش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کرسی پر بیٹھنے والی وہ پہلی عورت تھی اور اسے اندازہ نہ تھا وہ عورت اس کے سب سے بڑے دشمن کی بیٹی ہو گی۔ اور آریان خانزادہ کو سب سے زیادہ لذت اس عورت کو اس کرسی پر دیکھ کر ملے گی۔

افففف۔۔۔ آریان خانزادہ سگریٹ کا گہرا کش لیتا طمانیت سے ٹھنڈی آہ بھرتے زرمش کے کپکپاتے وجود پر اپنی سبز انگارہ آنکھیں گاڑھ گیا۔

آنکھیں کھولو!! آریان خانزادہ اس پر سلگتی سانسیں چھوڑتا غرایا۔ زرمش اس کی غراہٹ پر کرسی میں سماتے ہوئے سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

I said open the eyes!'

وہ کرسی کی سطح پر ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑا تو زرمش نے لرزتے ہوئے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

کیسا لگا مل کر میرے ٹائیگر سے؟؟ آریان خانزادہ نے زرمش کی ہیزل گرے آنکھوں میں نفرت امیز نگاہیں گاڑھے استھزائیہ لہجے میں پوچھا۔

بب

۔۔۔بہت۔۔ڈر۔۔۔لگ۔۔۔رہا۔۔۔ہے۔۔۔مم۔۔۔مجھے۔۔۔جج۔۔جا

نے۔۔دو۔۔زرمش اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔لفظ خوف سے نکل ہی نہیں رہے تھے

کیا بول رہی ہو؟؟ آریان خانزادہ مسکراتے ہوے اپنا کان اس کے لبوں کے قریب کر گیا تھا۔

مم۔۔مجھے۔۔جانے۔۔۔دو۔۔زرمش نے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل ہی لفظ ادا کیے تھے۔

آریان خانزادہ کا ایک بار پھر سے قہقہ گونجا تھا۔

جب جب تم مجھ سے ڈرتی ہو ناں مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔پتہ کیسا احساس ہوتا ہے؟؟۔آریان خانزادہ نے زرمش کی ہراساں متورم گلابی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

کک کیسا؟!زرمش نے ہچکی لی تھی۔۔۔

بہت سکون ملتا ہے۔۔ آریان خانزادہ کے دل وماغ کو بہت سکون ملتا ہے۔۔ پتہ ہے برسوں سے سکون سے سویا نہیں۔۔ مگر آج رات چین کی نیند سوؤں گا۔ اگر ساری رات تمھاری چیخیں سننے کو ملتی رہی تو۔۔ کیا خیال ہے آج رات تمھیں یہاں بندھا چھوڑ دیا جائے اور میں یہاں زمین پر سو جاؤں گا تمھارے پاس۔۔ تمھیں چیخیں مارتا ہو دیکھتے دیکھتے گہری نیند۔۔۔ آریان خانزادہ ایک ایک لفظ بولتے زرمش کی آنکھوں میں دیکھتے گہرا مسکرایا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔۔۔زرمش نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔

تم فکر مت کرنا یہ ٹائیگر میرا

pet

ہے۔ یہ ساری رات دھاڑتا رہے گ۔ اگر میرے حکم کے بغیر آگے نہیں بڑھے گا۔ مگر!! آریان خانزادہ اس زرمش کی آنکھوں میں دیکھتے خاموش ہوتے پر سرایت سے مسکرایا تھا۔ اس کا لفظ مگر پر رکنا زرمش کو مزید خوفزدہ کر گیا تھا۔ زرمش اس کی پراسریت بھری مسکراہٹ پر تھر تھرا کر رہ گئی تھی۔

مگر کیا؟؟!! زرمش کے لبوں نے جلدی سے حرکت کرتے ہوے پوچھا۔

مگر تمھاری چیخیں ایک لمحے کے لیے رکی تو وہ تمھیں چیر پھاڑ دے گا۔ آریان خانزادہ زرمش کی خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولتے اسے آنکھ مارتے مسکرایا۔

مم۔۔میں۔نن۔۔۔نہیں۔میں۔۔۔مم۔۔۔۔میں۔۔۔۔نن۔۔۔۔نہیں ۔رکوں۔۔۔گی۔۔زرمش نے ہچکیاں لیتے اسے یقین دلایا تھا۔

گڈ!آریان خانزادہ اس کے معصومیت سے بولنے پر لب دانتوں تلے دبایا اب مسکرایا تھا۔

آیندہ تم اس حویلی سے بھاگنے کی کوشش کروگی؟!۔آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے دھاڑا۔

نن۔۔نہیں۔۔۔کبھی۔۔نہیں۔۔زرمش نے کانپتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔اس کی آنکھیں شدت سے گلابی سے سرخ ہو رہی تھیں۔اریان خانزادہ کا خوف ایسے تھا جیسے حوف لہو بن کر اس کی آنکھوں میں اتر رہا ہو۔

گڈ!! بہت جلد تمھارے لالا کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔ آخر تمھارا کفن میں لپٹا چہرہ بھی تو دیکھنا ہے۔ آریان خانزادہ نے اس کے نشان زدہ گال پر نرمی سے انگلیاں پھیریں۔

زرمش سسکتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔

آج نہیں کہو گی کہ تمھارے لالا تمھیں کچھ نہیں کہیں گے اس سے پہلے وہ میری جان لیں گے۔ آریان خانزادہ بے حد نرمی سے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔ اس کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ وہ اسے سختی سے چھوتا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔۔ کہوں۔۔ گی۔۔۔ جو۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ کہو۔

۔۔گے۔۔۔ وہی۔۔۔ کہوں۔۔۔ گی۔۔ زرمش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔

زرمش کے لفظوں پر آریان خانزادہ کا دبنگ اونچا خطرناک قہقہ گونجا تھا۔

آریان خانزادہ کے قہقے پر زرمش کی خوف سے سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔

میں تمھیں

I love you

کہوں گا تم

I love you

کہو گی۔

آریان خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے مسکراتے ہوے استفسار کیا۔

ہاں کہوں گی۔زرمش نے ہچکی لیتے اثبات میں سر ہلایا تھا

آریان خانزادہ کا قہقہہ ایک بار پھر سے گونجا تھا۔

I love you

آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے اب برفیلے لہجے میں سنجیدگی سے بولا۔

I love you

زرمش نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے جواباً کہا۔

I love you

آریان خانزادہ ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا تھا۔

I love you

زرمش نے بولتے ہوے ہچکی لی تھی.

جیسے میں بول رہا ہوں ویسے بولو۔ ہچکی نہیں لو گی تم۔ آریان خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

زرمش نے اپنی ہچکیاں روکتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

I love you

آریان نے سرد و ٹپاٹ لہجے میں کہا

I love you

زرمش اپنی ہچکیاں روکتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گئی تھی

I love you

آریان حلق کے بل چیخا تھا۔

I love you

زرمش بھی حلق کے بل چیخی تھی

I love you

آریان خانزادہ نے اب مسکراتے ہوے کہا۔

I love you

زرمش بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی تھی

آریان خانزدہ کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تو زرمش کی ایک بار پھر سے سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔اس کے قہقے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنہاٹ دوڑا دیتے تھے

بہت مکار عورت ہو تم۔۔سنا تھا عورت

I LOVE YOU

اسی کو بولتی ہے جس سے سچ میں محبت کرتی ہو. مگر تم تو مکاری میں ہم مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئی۔ آریان خانزادہ کو کبھی کبھی تم جیسی عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔۔

no and never

تم روئے زمین پر آخری عورت بھی ہو گی تو آریان خانزادہ تم سے نفرت کرے گا۔

آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے ہوے اس کی کلائیوں پر لگی

handcraft

کھول گیا تھا۔

زرمش نے بے یقینی سے اپنی آزاد کو کلائیوں کو دیکھا تھا۔

چلو!! آریان خانزادہ حکم دیتے آگے بڑھا۔

زرمش اپنے بے جان وجود کو بمشکل گھسیٹتے ہوے کرسی سے اٹھی تھی۔ قدموں میں جان نہیں تھی. بدن ابھی بھی لرز رہا تھا۔ وہ اپنے چکراتے ہوے سر کو جکڑتے ہوے آریان خانزادہ کی طرف بڑھی جو سڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ یکدم اسے چکر آیا تھا۔ وہ سڑھیوں کی رئلینگ دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیی تھی۔ آریان خانزادہ نے پیچھے مڑ کر زرمش کے چکراتے وجود کو دیکھا تھا۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی سختی سے جکڑے سڑھیاں چڑھنے لگا۔زرمش اس کے شکنجے میں اس کے ساتھ گھسٹتے ہوے جارہی تھی۔۔

وہ لوگ اب جنگل سے گزر رہے تھے۔رات کی تاریکی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔زرمش ڈرتے ہوے اس گھنے جنگل کو دیکھتے چاند کی روشنی میں آریان خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھ رہی تھی۔رات کی سیاہی میں یہ جنگل مزید ہیبت ناک لگ رہا تھا۔زرمش نے ایک بار پھر سے اپنے چکراتے سر کو سنبھالا ۔وہ مذید نہیں چل سکتی۔۔وہ اپنے چکراتے سر کو ایک ہاتھ سے تھامتی ہوئی رکی تھی۔

آریان خانزادہ نے بے دردی سے اس کی کلائی کھینچی تھی۔ وہ اس کے کشادہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

مم۔۔ میں۔۔۔ نہیں۔۔۔ چل۔۔۔ سکوں۔۔ گی۔۔ زرمش نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہوے اس سے التجا کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

اور تمھیں لگتا ہے میں تمھیں اپنی بانہوں میں اٹھاؤں گا۔ آریان چاند کی روشنی میں اس کا زرد بھیگا چہرہ دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ زرمش نے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔

چلو یہاں سے اگر تم بیہوش ہوئی تو اسی جنگل میں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اور میرے اور بھی خونخوار جانور ہیں یہاں۔ آریان خانزادہ سرد لہجے میں کہتے تیزی سے آگے بڑھا۔

زرمش اس کے حصار میں سسکتے ہوئے کھنچتی چلی گئی تھی۔ گھنے جنگل میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ مگر وہ بے رحم بنا اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ زرمش اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے تیز تیز چلتی ہوئی اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔ اسے اپنے حواص نہیں کھونے تھے۔ ورنہ اس بے رحم انسان سے کوئی بعید نہیں تھا وہ اسے یہاں چھوڑ کر چلا جاتا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا بلکہ اسے یقین تھا وہ ایسا ہی کرے گا۔ وہ اسے ان خونخوار جانوروں کے پاس چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اسی لیے اسے اپنے حواص نہیں کھونے تھے

زرمش اس کی پشت کو ڈبڈبائی زخمی نگاہوں سے دیکھتے سوچ رہی تھی۔

۔وہ اپنی آنکھیں بمشکل کھولتے ہوے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے چل رہی تھی۔ مگر اس کا دماغ تاریکی میں ڈوب رہا تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ قدم زمین کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔۔

آر۔۔یا۔۔۔ن۔۔۔۔زرمش کے لب آہستگی سے پھڑ اپھڑ ائے۔ دوسرے لمحے اس نے ہچکی لیتے ہوے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

اپنے نام کی مدھم پکار پر وہ مڑا تھا۔ اس سے پہلے زرمش ہوش ہو حواص سے بیگانہ ہوتی وہ اسے کھینچتے ہوے اپنے قریب کر گیا تھا۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔ادھر۔۔مت۔۔۔چھوڑنا۔ زرمش نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے التجا کی

تھی۔ دوسرے لمحے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ آریان خانزادہ اسی لمحے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں تھام گیا تھا۔ نگاہیں چاند کی روشنی میں اپنے مارے گیے تھپڑ کے نشان پر پھر سے ٹھہر گئی تھیں۔ چاند کی روشنی میں اس کی انگلیاں مزید واضح ہو رہی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوے بھی اس نشان پر نرمی سے انگلیاں پھیر گیا تھا۔۔ اس کے سلکی الجھے شہد رنگ بال جنگل کی پتھریلی زمین کو چھو رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں اس کا ایک ایک نقوش واضح تھا۔ اس کے کندن دھمکتے نشیب و فراز کی جوبن تو عروج پر تھی۔ آریان کی گہری نگاہیں اپنے مارے گئے تھپڑ کے نشان پر جم کر ہی رہ گئی تھیں۔ وہ کہیں اور دیکھ ہی نہیں پا رہا تھا۔

عورت سچ میں نازک ہوتی ہے۔اس کے مارے گئے تھپڑ کا کہاں حال ہوا کسی مرد کا ایسے ؟ آریان خانزادہ لب بھینچتے ہوئے سوچتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا گیا تھا۔

اس کے نازک پھولوں جیسے وجود کو اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

وہ اسے اٹھائے ہوئے تیز تیز قدموں سے حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔۔

کارپورچ میں داخل ہوتے وہ رکا تھا۔سامنے ہی گیٹ پر اس کا ملازم کھڑا تھا۔زرمش کی حالت دیکھتے جبڑے بھینچ گیا تھا۔اس کا چاک گلہ اس کے بدن کی رعنائیاں۔۔وہ نہیں چاہتا تھا کسی بھی ملازم کی اس پر نظر پڑے۔۔

اریان خانزادہ نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے فون نکالتے ہوے اپنے چوکیدار کا نمبر ملاتے کان سے لگایا

رحیم یار خان تم چھٹی کرو۔۔اب تک تم حویلی نہیں آؤ گے۔جب تک تمھیں میں خود نہ بلاؤں۔اور دو سیکنڈ کے اندر بنا پیچھے مڑ کر دیکھے گیٹ کھول کر نکل جاؤ۔

آریان رحیم یار خان کو ک کال ملا کر اسے حکم دیتے فون بند کر چکا تھا۔

رحیم یار خان اثبات میں سر ہلاتے آریان خانزادہ کے حکم پر گیٹ کا دروازہ کھولتے اسی لمحے چلا گیا تھا۔

آریان خانزدہ زرمش کو اپنی مضبوط بانہوں میں تھامے تیزی سے کار پورچ سے ہوتے داخلی دروازے سے ہوتا اندر کی جانب بڑھا۔

آریان خانزادہ سگریٹ لبوں میں دبائے کمرے کے وسط میں چکر لگاتے زرمش کے نازک وجود کو دیکھ رہا تھا۔ جو ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے زخمی بازو اس کے زخمی پاؤں پر پڑیں تھیں۔

آریان خانزادنے اس کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے اس کے نازک پاؤں کے تلوے میں پھنسا کانٹا کھینچ کر بے دردی سے نکالا تھا۔ زرمش کے بے جان وجود میں ہلچل سی ہوئی تھی۔

وہ بیہوشی میں بھی سسک اٹھی تھی۔۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے وجود سے ہوتی اس کے چہرے پر ٹھہریں تھیں۔ پیشانی سے خون رس رہا تھا۔

گال نشان زدہ۔ ہونٹ کے کنارے پر خون جما تھا۔

آریان خانزادہ نے لب بھینچتے ہوئے پاس پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر اس کے چہرے پر پانی پھینکا۔

زرمش کے بے جان وجود میں ہلچل سی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سوجے ہوئے پپوٹوں کو بمشکل حرکت دیتے آنکھیں کھول کر دیکھا نظریں آریان خانزادہ پر پڑیں تو وہ خوفزدہ ہوتے اٹھ کر بیٹھتے کراؤن میں سمائی تھی۔ لبوں پر وہ اپنے دونوں ہاتھ جما گئی تھی۔

اپنے ہوش مت کھونا آرہا ہوں میں۔ اگر ہوش کھوئے تو پھر میں اپنے طریقے سے ہوش دلاؤں گا۔ آریان خانزادہ اسے کے اطراف میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے حکمیہ لہجے میں غرایا تھا۔

زرمش نے اسے ہراساں نگاہوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

گڈ!! ایسے ہی میری بات مانتی رہو گی تمھیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ آریان اس کی ہیزل گرے آنکھوں مین خوف دیکھتے مسکراتے ہوے بولا تھا۔ اور بیڈ سے اٹھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

زرمش اپنے کپکپاتے وجود پر قابو پاتے آنکھیں میچے گہرے سانس لینے لگی۔ دل خوف سے سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ جنگل سے جان چھوٹی تھی وہ اس پر سرار حویلی میں اس وحشی درندے کے پاس پہنچ گئی تھی

۔۔زرمش اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے رو رہی تھی۔خوف سے وہ آواز بھی نہیں نکال رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے کچن میں قدم رکھتے جبڑے بھینچے تھے۔۔

وہ جب حویلی آیا تھا کچن کی حالت دیکھ چکا تھا۔ایک بار پھر سے اسے شدید غصہ آیا تھا۔وہ اپنے غصے پر بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے شلیف پر رکھے ایک پیکٹ کی طرف بڑھا۔جو وہ آج آتے ہوئے ساتھ لایا تھا۔

آریان خانزادہ وہ پیکٹ پکڑتے اپنے بھاری قدموں سے زرمش کے کمرے میں داخل ہوا۔

زرمش نے اسے دیکھتے میچی ہوئی آنکھیں کھولی تھیں۔

اریان خانزادہ کو دیکھتے وہ بیڈ کی دوسری طرف کھسکی۔

آریان خانزادہ نے اس کے قریب بیٹھتے اس پیکٹ سے سینڈوچ اور برگر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

زرمش نے بے یقینی سے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا۔

پکڑو اسے اور کھاؤ۔ آریان خانزادہ کے سخت حکمیہ لہجے پر زرمش نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے ہاتھوں سے سینڈوچ لیا تھا۔ آریان خانزادہ نے برگر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

کھاؤ!!زرمش کو سٹل سینڈوچ ہاتھ میں پکڑے دیکھ کر آریان خان نے غصے سے لفظ چبائے۔

وہ سینڈوچ ہاتھ میں پکڑے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔۔

وہ آج اس کا روپ دیکھ کر اس سے دہشت کھا چکی تھی۔

کھاؤ!! آریان خانزادہ اس کے سٹل خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے پر اس کے قریب ہوتا غرایا۔

زرمش ہراساں ہوتے بری طرح اچھلی تھی۔

جلدی کھاؤ۔۔ دو منٹ میں یہ سینڈوچ ختم ہو جانا چاہیے اب مجھے دوبارہ نہ کہنا پڑے۔۔ آریان خانزادہ نے اسے دیکھتے جبڑے بھینچے تھے۔

زرمش نے جلدی سے سینڈوچ فوئل پیپر سے نکالتے بائٹ لی تھی۔۔ وہ اب جلدی جلدی سینڈوچ کھا رہی تھی بلکہ حلق سے اتارتے نگل رہی تھی.

۔کوئی ذایقہ کوئی راحت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ دل و دماغ مقابل کے خوف سے جکڑا جا چکا تھا۔ اس کی اتنی نزدیکی پر وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

ساتھ ساتھ وہ نامحسوس انداز میں اس سے دور ہوتے بیڈ کی دوسری طرف کھسک رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ کی زیرک نگاہیں اس کا کھسکنا دیکھ چکی تھیں۔

زرمش تیزی سے وہ سینڈوچ کھا رہی تھی. آریان خانزادہ اسے بڑی بائٹس لیتے دیکھ رہا تھا۔ وہ چبا بھی نہیں رہی تھی ایسے ہی حلق سے اتار رہی تھی۔

اتنا۔۔بچا۔۔۔۔لوں۔۔کل۔۔۔کے۔۔۔لیے۔۔زرمش نے تھوڑا سا سیڈوچ فوئل پیپر میں لپیٹتے ہوے آریان خانزادہ کی طرف دیکھتے معصومیت سے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

کیوں؟؟ آریان خانزادہ نے آئی برو اچکائے تھے۔

بھوک۔۔۔بہت۔۔۔لگتی۔۔۔۔ہے۔۔کل۔۔کیا۔۔۔کھاؤں۔۔گی؟

؟زرمش نے ہچکی لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے معصومیت سے استفسار کیا۔

ابھی فنش کرو اسے؟؟رآریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

زرمش اثبات میں سر ہلاتے وہ سیڈوچ کھانے لگی تھی۔

سینڈوچ ختم کرنے کے بعد آریان خانزاہ کی طرف ایسے دیکھا تھا جیسے وہ اس کے اگلے حکم کی منتظر ہو۔

آریان خانزادہ نے سائیڈ ٹیبل سے برگر اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

زرمش نے حیرانگی سے اسے دیکھتے اس کے ہاتھ میں برگر کو دیکھا تھا۔

پکڑو کھاؤ اسے !! آریان خانزاہ کی بات پر اس کی آنکھیں بے یقین ہوئیں تھیں۔

پکڑو !! آریان خانزادہ نے اس کی بے یقین آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

یہ۔۔۔بب۔۔۔بہت۔۔۔زیادہ۔۔۔ہے۔۔اتنے۔دنوں۔۔۔سے ۔۔کھانا۔۔نہیں۔۔۔کھایا۔۔پیٹ کو۔عادت۔۔نہیں۔۔رہی۔زرمش نے روتے معصومیت سے کہا۔

کھاؤ گی تو عادت ہو جائے گی۔پورا برگر ختم ہونا چاہیے۔۔آریان خانزادہ سختی سے کہتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھا تھا۔وہ اس کی نزدیکی سے بہت بری طرح کانپ رہی تھی۔۔

زرمش نے گہرے سانس لیتا آریان خانزادہ کو دیکھا جو سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے دیوار سے ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا

اسے بنا رکے پورا کھاؤ۔ اگر چاہتی ہو میں تمھارے قریب نہ بیٹھوں تو اسے جلدی سے کھاؤ۔ آریان خانزادہ نے آنکھیں میچتے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے کہا۔

زرمش اثبات میں ہلاتے ہوئے جدی سے وہ برگر کھانے لگی۔ وہ برگر کھاتے ہوئے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو ایک ٹانگ فولڈ کیے ہوئے دیوار کے ساتھ لگائے آنکھیں میچے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

زرمش برگر کی ایک بایٹ لیتی اور خوفزدہ نگاہوں سے آریان خانزادہ کو دیکھتی تھی۔۔ آریان خانزادہ خود پر اس کی نگاہیں محسوس کرتے مدھم سا

مسکرا رہا تھا۔ وہ تو بند آنکھوں سے بھی دیکھ لیتا تھا۔ مقابل یہ بات ابھی جانتی نہیں تھی۔۔ ورنہ کبھی اس کی طرف نہ دیکھتی۔۔

زرمش نے وہ برگر جیسے ہی فنش کیا۔۔ آریان خانزادہ آنکھیں کھولتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

زرمش اسے دیکھتے دوسری طرف کھسکی تھی۔۔ آریان خانزادہ اس کے قریب بیٹھتے اس کے گرد دونوں ہاتھ رکھے اسے محصور کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔

بہت جلد تمھیں تمھارے لالا کے پاس چھوڑ آؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے !! تمھاری سسکیاں تمھارے آنسو تمھاری چیخیں مجھے جتنا سکون دیتی ہیں۔ اتنا ہی بے سکون کرتی ہیں۔ کیونکہ تمھارا ناپاک وجود مجھے اپنی حویلی میں چبھتا ہے۔ بہت چبھتا ہے۔۔ جس دن تم اس حویلی سے جاؤ گی۔ میں اس

حویلی کی ایک ایک چیز چینج کرواؤں گا۔ یہ بیڈ ہر وہ چیز جس کو تم نے چھوا۔۔ آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں نفرت سے دیکھتے بے رحمی سے مسکرایا تھا۔

لیکن تم تو مجھے بھی چھو چکی ہو۔ اس کا کیا کروں گا میں ؟؟ آریان خانزادہ نے مسکراتے ہوے پر سرایت سے سوال کیا۔

کیا کرو گے ؟؟ زرمش نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

زرمش کے پوچھنے کے انداز پر آریان خانزادہ کا قہقہ گونجا تھا۔ زرمش نے اس کے قہقے پر خوف سے ہچکی لی تھی۔

بہت معصوم دکھ رہی ہو تم اس وقت !! ایسا لگ رہا ہے جیسے تم

beauty

ہو اور میں

beast

ہوں۔۔ آریان خانزادہ اس کے

مزید قریب ہوا تھا۔زرمش مزید کراؤن میں سمائی تھی۔

تم نے بچپن میں

beauty and beast

کی سٹوری تو پڑھی ہو گی۔ آریان خانزادہ نے اس کی گہری شفاف ہیزل

گرے

آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔ مقابل کی آنکھیں جتنی گہری اور شفاف تھیں۔

اسے ان آنکھوں سے اتنی ہی نفرت تھی۔ یہی کلر تو راینہ خان کی آنکھوں کا

تھا۔

پپ۔۔۔پڑھی۔۔ تھی۔۔زرمش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

اس میں

beast

کو

beauty

سے پیار ہو گیا تھا۔ نہیں

beast

تو پہلے ہی

beauty

کی

beauty

پر مر مٹا تھا۔

آریان خانزادہ اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھتے گہرا مسکرایا۔۔ ہماری

کہانی میں یہ

beast

تمھاری

beauty

سے شدید نفرت کرتا ہے۔شدید نفرت کرتا ہے۔۔

اس beast کو کبھی تم سے محبت نہیں ہو سکتی۔۔اور نہ

beauty

کو کبھی ہو گی۔کیونکہ

beauty

کبھی بھی beast

کو دیکھے گی اس کی آنکھوں دل و دماغ میں صرف

beast

کی دہشت ہی اترے گی۔وہ کبھی بھی

beast

سے محبت نہیں کرے گی۔۔ کیونکہ آریان خانزادہ

scariest animal

ہے اور زرمش خان کے لیے وہ ہمیشہ وحش درندہ رہے گا۔۔ آریان خانزادہ

زرمش کے نقوش پر اپنی

پر تپش سانسیں چھوڑتے استھزائیہ لہجے میں بولا تھا۔

زرمش اپنی ہیزل گرے آنکھوں کو مزید بڑا کیے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں ساکت سی دیکھ رہی تھی۔۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔ جب تک مقابل نے بولنا تھا اس نے ایسے ہی سننا تھا۔ وہ اپنا مقام اپنی حیثیت سمجھ چکی تھی۔۔ اسے کیسے یہاں رہنا ہے۔ ورنہ مقابل اپنی دہشت سے اس کی سانسیں کھینچ لیتا۔

جس دن تمھارا لالا تمھیں گولی مارے گا۔ وعدہ ہے میرا تم سے تمھاری قبر پر میں گلاب کے پھول توڈالنے ضرور آؤں گا۔ آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولتے گہرا مسکرایا تھا۔

زرمش کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔ حیدر کا ذکر اس کی آنکھیں سلگا دیتا تھا۔ آنسوؤں کی برسات میں خود بخود اضافہ ہوتا تھا۔

آریان خانزادہ نے ڈرار سے گولیوں کے پتے نکال کر اس میں سے ایک ایک گولی نکالتے ہوے اپنی ہتھیلی پر رکھتے زرمش کے سامنے ہتھیلی پھیلائی۔

زرمش نے میکانکی انداز میں ایک ایک کرتے وہ گولیاں اٹھائی تھیں۔ وہ اس کی ہر بات مان رہی تھی۔ اسے ماننا ہی تھی وہ زہر بھی دے دیتا وہ چپ کر کے کھا لیتی۔

آریان خانزادہ نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھائے زرمش کی طرف بڑھایا۔ زرمش نے وہ پانی کا گلاس اس سے پکڑتے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

پانی کے ساتھ کھاؤ اسے !! آریان خانزادہ کے حکم پر اس نے وہ گولیاں منہ میں ڈالتے پانی پیا تھا۔

آریان خانزادہ نے اس سے پانی گا گلاس لیے سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

آریان خانزادہ نے ڈرار سے ایک ٹیوب نکال کر اس س سے کریم نکالتے زرمش کی پیشانی پر انگلی سے لگائی۔

جلن کے احساس سے زرمش نے سسکی لی تھی۔

یہ ٹیوب میجک ہے۔ صبح تک یہ نشان اور درد ختم ہو جائے گا۔ آریان خانزادہ اس کی پیشانی پر کریم لگاتے ہوئے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

چاہوں تو ی. کریم تمھارے گال پر لگا کر اپنے مارے گئے تھپڑ کا یہ نشان ختم کر دوں۔ آریان خانزادہ نے نرمی سے اس کے نیلے گال پر انگلیاں پھیریں۔ زرمش نے اس کے لمس پر اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

مگر نہیں کروں گا پتہ نہیں کیوں اس نشان سے آریان خانزادہ کو محبت سی ہو گئی ہے۔ وہ اس کے گال پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بے رحمی سے مسکرایا تھا۔

جب تک یہاں تم رہو گی یہ نشان ایسے ہی رہے گا تاکہ تمھیں یہ نشان اور یہ درد احساس دلاتا رہے کہ آریان خانزادہ کی بات نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوتا

ہے۔اور تم میرے مزید تھپڑوں سے بچتی رہو۔۔ورنہ جانتی ہو ایک تھپڑ سے تمھارا کیا حال ہو گیا۔دوسرا تھپڑ تمھاری نازک جان سہہ نہیں پائے گی۔

آریان خانزادہ نے سفاکی سے کہتے اس کے گال کو اپنی دو انگلیوں میں دبائے چٹکی لی تھی۔۔زرمش سسکاری بھرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

آریان خانزادہ اب اس کے پیروں کی طرف بڑھا تھا۔ٹیوب میں سے کریم نکالتے ہوے اس نے جھکتے ہوے زرمش کے زخمی تلوں پر لگائی تھی۔زرمش سسکتے ہوے آنکھیں میچے ہوے تھی۔۔

اب خاموشی سے سو جاؤ۔۔مجھے نہ تمھاری سسکیوں کی آواز آئے نہ رونے کی۔۔اگر چاہتی ہو کہ میں کل صبح تک تمھارے کمرے میں قدم نہ رکھوں تو

تمھاری آنکھیں کھلنی نہیں چاہیے۔۔ آریان خانزادہ نے اس کے سسکتے وجود اور میچی آنکھوں کو دیکھتے برفیلے لہجے میں حکم دیا تھا۔ زرمش جلدی سے تکیے پر سر رکھتے اس کی طرف ہی سائیڈ کروٹ لیے آنکھیں سختی سے بند کر گئی تھی۔۔

اریان خانزادہ نے اس پر گہری نگاہ ڈالی جو سختی سے آنکھیں میچے ہوے تھی ۔۔ بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ سردی اور کمزوری سے ٹھٹر رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے کمرے کا الیکٹرک ہیٹر آن کیا تھا۔ اور اس کی طرف بڑھتے کمبل اس کے وجود پر ڈالا تھا۔ اور لایٹ آف کرتے ہوے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ارحام خانزادہ حور کے لبوں سے لپٹے ہوے پچھلے دس منٹ سے اس کی سانسیں کھینچ رہا تھا۔ وہ کبھی اس کے لبوں کو آزاد کرتا تو حور گہرا سانس لے کر اس کی شرٹ کو مٹھیوں سے جکڑتی۔۔ ارحام خانزادہ پھر سے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں پیتے اس کی سانسیں کھینچنے لگتا۔ سانسیں کھینچنے اور دینے کا عمل طول ہوتا جا رہا تھا۔ حور اب ارحام کے پہاڑی وجود کے نیچے تڑپنے لگی تھی۔ وہ اپنا تمام وزن اس طرح اس پر ڈالے ہوے تھا۔ اس کے پیٹ پر اس کا وزن نہیں پڑ رہا تھا مگر وہ اس کے سینے اور ٹانگوں پر بے دردی سے وزن ڈالے خود سکون لیتے حور کو بری طرح تڑپا رہا تھا۔ اس پہاڑی خان کو برداشت کرنا بے حد مشکل تھا حور کے لیے۔۔۔ وہ جب سے کمرے میں آیا تھا اسے بیڈ پر لٹائے اس کے ساتھ سانسوں کا کھیل کھیل رہا تھا۔

ارحام!!ذراسی آزادی ملنے پر حور نے ڈبڈبائے التجائی لہجے میں ارحام خانزادہ کو پکارا تھا۔

ارحام اس کے لہجے میں بھیگا پن محسوس کرتے ہوے رخ پلٹے خود بیڈ پر ہوتے اسے اپنے کشادہ سینے پر کر گیا تھا۔

آئی ہیٹ یو!!حور ارحام کے سینے پر سر رکھتے گہرے سانس لیتے بولی تھی۔

بٹ آئی لو یو!!ارحام اس کی نازک کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گیا تھا۔

اس پہاڑی خان کی نفرت محبت جنون شدت برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے نروٹھے لہجے میں بولی تھی۔

حور کی بات پر ارحام خانزادہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔۔

تمھارے لیے ہر جذبہ شدت لیے ہوے اس دل میں بیدار ہوا۔ سب سے شدت پسندی والا جذبہ حق ملکیت ہے۔۔ اس میں کبھی کمی نہیں ہو گی ۔میری حق ملکیت کہتی ہے ہر لمحہ تمھارے لبوں سے لپٹا رہوں۔ مائی خوبصورت انوسیٹ بچہ !! ارحام رخ پلٹے ہوے اس کے لبوں پر لب رکھتے ہوے اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔

حور کی سانسیں چراتے ہوے ارحام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اس کی کمر کی زپ نیچے کی طرف کھسکائی۔

ارحام !! اپنی فراک کندھوں سے کھسکتے محسوس کرتے حور نے خوفزدہ انداز میں ارحام کو پکارا تھا۔

ارحام نے جھکتے ہوے اس کے کندھے پر دانت گاڑھے تھے۔

حور نے آنکھیں میچتے ہوے خود کو ارحام کے حوالے کیا تھا۔ ارحام خانزادہ بہت نرمی سے اس کے کندھوں کو نرمی سے چومتے ہوے اس کی گردن کو بھی بہت نرمی سے چوم رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی گردن اس کے برہنہ کندھوں کو چوم رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں حور کی آنکھوں میں خمار کی سرخی اتری تھی۔۔ اس کی مخروطی انگلیاں ارحام کے بالوں میں سرسرانے لگی تھیں۔ ارحام خانزادہ کے لب گہرا مسکرائے تھے۔۔

ارحام نیچے ہوتے پھر سے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔ حور ارحام کی سرخ مخمور آنکھوں میں دیکھتے گلابی ہوتی نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔

جتنی جلدی تمہاری آنکھوں میں میں طلب بن کر اترتا ہوں اتنی ہی جلدی تم قربت کے لمحوں میں میرا ساتھ چھوڑ دیتی ہو۔ دو منٹ ہی میری

خوبصورت بیوی مجھے سہہ سکتی ہے۔ ارحام اس کی ٹھوڑی پکڑتے اس کا چہرہ اوپر کر گیا تھا۔

کبھی تو ایسا ہو میری حور ساری رات کہے۔۔ ونس مور ارحام!! ونس مور ارحام!! لیکن سننے کو ملتا ہے ارحام پلیز۔ ارحام پلیز!

ارحام نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے شرارتی لہجے میں کہا۔

حور ارحام کی بات مدھم سا ہنستے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔ ارحام اس کے ڈمپل دیکھتے ہوے پھر سے رخ پلٹے اسے اپنے نیچے کرتے اس کے ڈمپل پر دانت گاڑھ گیا۔

حور نے سسکتے ہوے ارحام کو دیکھتے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کیں۔

حور کی ادا پر ارحام کے لبوں سے قہقہ برامد ہوا تھا۔ حور اس کے قہقے پر مدھم سا ہنستے ہوے اس کے گال پر لب رکھ گئی تھی۔

یہ کیا تھا؟ ارحام نے بے یقینی سے اپنے گال پر ہاتھ رکھا جہاں حور نے لب رکھے تھے۔

حور ارحام کی طرف دیکھتے مدھم سا ہنسی تھی۔

تھوڑا اور ملے گا۔ ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے مسکراتے ہوے التجا کی۔

حور نے مسکراتے ہوے ارحام کے دوسرے گال پر لب رکھے تھے

۔ارحام پھر سے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

ارحام نے اس کی کمر کو جکڑے اپنے ناک پر انگلی رکھی تھی۔۔ حور نے ہنستے ہوے ارحام کی ناک کی ٹپ پر لب رکھے۔۔ ارحام نے اپنی آنکھوں پر انگلی

رکھی حور نے کھکھلاتے ہوے اس کی آنکھوں پر باری باری لب رکھے تھے۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

حور نے مسکراتے ہوے ارحام کے لبوں پر لب رکھے۔ ارحام کا اشارہ اب گردن کی طرف تھا۔

حور نے جھکتے ہوے ارحام کی گردن پر لب رکھے تھے۔ ارحام خمار سے آنکھیں میچ گیا تھا۔ حور اس کی گردن پر لب رکھتے جا رہی تھی۔۔

ارحام اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے حور کے بالوں کو گدی سے نرمی سے دبوچتے اس کا چہرہ اپنے سینے کی طرف گیا۔

حور اس کے سینے پر اب نرمی سے اپنے لب رکھ رہی تھی

ہے مائی بیوٹی۔۔ یہ کیسا رومانس اپنے پہاڑی خان سے یہی سیکھاہ کیا؟!۔

۔ارحام اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے ہوے اس کا چہراہ اپنے مقابل کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔ حور نے الجھن بھری نگاہوں سے ارحام کی طرف دیکھا۔

مجھے اپنی بیوی کے موتیوں جیسے دانتوں کے نشان اپنے سینے پر چاہیے۔ جس طرح میں تمھارے بدن پر نشان ڈالتاہوں اس طرح مجھے یہ نشانات آج میرے سینے پر چاہیے۔۔ ارحام نے حور کی آنکھوں میں اپنی خمار زدہ آنکھیں گاڑھتے ہوے حکم دیا تھا۔

حور نے گلابی ہوتے نظریں جھکائے تھیں۔ دوسرے لمحے وہ ارحام کے سینے پر جھکے اپنے دانت گاڑھنے لگی۔ ارحام نے مسکراتے ہوے سکون سے آنکھیں میچیں۔

کچھ ہی سیکنڈ کے بعد وہ حور کو پھر اسے اپنے نیچے کر گیا تھا۔ وہ کچھ سیکنڈ میں اس کے جواں جذبوں میں طغیانی برپا کر گئی تھی۔ وہ مزید تاخیر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خود پر کمبل اوڑھتے ہوئے حور کو بے پردہ کرتے ہوئے اس کی گردن پر جھکتے ہوئے گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

حور کی کلائیاں جکڑے وہ حور کو اپنے بدن کا حصہ بنا گیا تھا۔

کمرے میں حور کی سسکیوں کے ساتھ ارحام کی نرم گرم شدتوں کی آواز بکھر رہی تھی۔

ارحام پلیز!! کچھ منٹوں میں حور نے سسکتے ہوئے ارحام پکارا تھا۔

ارحام مزید اسے خود میں سماتے اس کی سانسوں کا گلا گھونٹ گیا تھا۔ وہ اس کے لبوں سے یہ ساونڈ نہیں سن سکتا تھا۔ جو اسے اس ٹایم زہر سے بھی برا لگتا تھا۔ اس کی شدتوں کے ساتھ گھڑی کی سوئیوں کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی

وہ اپنی مرضی سے اپنی تشنگی اپنی تھکاوٹ اتارتے اس سے دور ہوا تھا۔ اچھی طرح خود پر کمبل دیتے وہ حور کو اپنے چوڑے سینے پر منتقل کر گیا تھا۔

وہ جب تک اس کے سینے سے لپٹے رہتی تھی۔ گزری ہوئی قربت کی خوبصورت ساعتوں کا سرور ارحام کے لیے مزید بڑھ جاتا تھا۔

ارحام حور کے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے اس کی پیشانی بار بار چوم رہا تھا۔ حور اس کے سینے پر نامحسوس انداز میں لب رکھ رہی تھی۔

حور!! ارحام نے اسے سنجیدگی سے پکارا۔

جی!!اس کی سنجیدہ آواز پر حور نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اس کنڈیشن میں کچھ بھی بھاری نہیں اٹھاتے۔۔ جیسے آج تم پریذے کو اٹھا رہی تھی۔ ارحام نے نرمی سے کہتے اس کے چہرے پر بکھری لٹیں سنواریں۔

اور یہ بچہ مجھے بہت عزیز ہے میری جان!! آیندہ یہ مت کہنا تمھیں اس کی پرواہ نہیں۔۔۔ ہمارے لیے ہمارے دونوں بچے ایک جیسے ہیں۔ جیسے پریذے میرے لیے ویسے اس کا بھائی!!اس کا بہت خیال رکھا کرو!!ارحام نے کمبل کے اندر اپنا گرم ہاتھ اس کے پیٹ پر رکھا تھا۔۔ حور مسکراتے ہوے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

ارحام!! پریذے مجھے ہر رشتے سے پیاری ہے آپ سے بھی زیادہ! اس کا بھائی کبھی نہیں ہو سکتا جان لیں آپ!! حور کی بات پر ارحام مدھم سا سکرایا تھا۔

لگتا ہے تم ایک باپ کو اپنی ہی بیٹی سے جلن کھانے پر مجبور کرو گی۔۔ ارحام کی بات پر حور کی ہنسی کی جلترنگ گونجی تھی۔ ارحام رخ پلٹے اس کی کھکھلاہٹ پھر سے اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔ کمرے میں ایک بار پھر سے سانسیں کھینچنے کا رقص جاری ہو چکا تھا۔

درخزئی خانزادہ کی گاڑی ہچکولے بھرتے ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے مسلسل گاڑی چلا رہا تھا۔ گاڑی اسلام آباد سے کافی آگے نکل آئی تھی۔ گاڑی کا رخ سوات کی طرف تھا۔ شدید طوفان آیا

ہوا تھا۔ وہ لوگ مردان کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔۔ اطراف میں سرسبز پہاڑ اور گھنے درختوں کی ابتدا شروع ہو چکی تھی۔ اسلام آباد میں اتنی سردی نہیں تھی۔ مگر یہاں شدید سردی پڑ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے گاڑی میں بھی سردی محسوس ہو رہی تھی۔

رات کی تاریکی شدید سیاہی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ باہر اندھیوں کے جکڑ چل رہے تھے۔ اس سے کئی زیادہ جکڑ درخزئ کو اپنے اندر چلتے محسوس ہو رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کے بال پیشانی پر بکھرے سے تھے۔ شرٹ پینٹ سے نکلی ہوئی تھی۔

بازو خون سے داغ دار ہوتا اس کی سفید شرٹ کو سینے سے بھی داغ دار کر چکا تھا۔ زخمی ہاتھوں سے خون بہتا سٹیرنگ کو بھی رنگ رہا تھا۔ وہ سرد سپاٹ چہرہ لیے بنا کسی احساس کے اور اپنے درد کی پرواہ کیے بغیر ڈرائیو کر رہا

تھا۔ جسم سے اٹھتے درد سے کہیں زیادہ دل میں شدت سے درد ہو رہا تھا۔ جو اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے بازو سے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں مسل رہا تھا۔

جس کے باعث خون کا کچھ حصہ اس کی پیشانی اور آنکھوں پر بھی لگ رہا تھا۔ عنائیہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی نظریں ونڈ سکرین پر گاڑھے ہوے ساکت سی بیٹھی تھی۔۔ وہ آنکھیں تک جھپک نہیں رہی تھی۔ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ درخزئی خانزادہ پر ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔۔ اسے آج اس خانزادہ سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟! وہ نہیں جانتی تھی۔ جو کچھ آج ہوا اس کی سزا آخر کیا ہو سکتی ہے؟!۔ شاید بہت سارے تھپڑ اور زبردستی کا تعلق قائم کرے گا یہ خانزادہ؟!۔ وہ شاید اسے

اپنی حویلی لے کر جا رہا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کرنے کے لیے!!وہ اب کبھی اس خانزادہ کی حویلی سے نکل نہیں سکے گی وہ جانتی تھی۔۔ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ایسی ہی لامتناہی اور تکلیف دہ سوچوں سے اس کے جسم کی عمارت اندر سے ٹوٹ کر جڑھ رہی تھی۔وہ اپنے بدن کی ارتعاش پر بمشکل ہی قابو پائے ہوے تھی۔ مگر اب اس کے لیے اپنے بدن کی ارتعاش پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔۔ درخزئی خانزادہ کا خوف دل و دماغ کے ساتھ روح میں بھی سرایت کر رہا تھا۔وہ اس کی حویلی میں قید اپنی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ایسی زندگی تو اس نے نہیں سوچی تھی ایک خانزادہ کی

puppet

بن کر اسے نہیں جینا تھا۔اسے یہاں پاکستان میں عورتیں

puppet

ہی کی طرح لگتی تھیں۔ جو اپنے شوہر کے اشاروں پر چلتے ہوئے زندگی گزار دیتی تھیں۔ بچے پیدا کرتی تھیں۔ اپنے شوہر کو رات میں بستر پر خوش کرتی تھیو۔

جیسے اس کی ماں نے زندگی گزاری۔ جیسے ابرش زندگی گزار رہی تھی ۔۔ کمرے سے ان خانزادوں کو بیوی سر سے پیر تک چادر میں لپٹی چاہیے تھی۔ جس کے سر کے ایک بال پر وہ کسی کی نظر برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور کمرے کے اندر یہ خانزدے اپنی بیوی کے تن پر کوئی پردہ برداشت نہیں کرتے تھے۔ نہ وہ اتنی چھوٹی تھی نہ وہ اتنی معصوم تھی۔ مرد عورت کے اس نازک تعلق اور جسم کی محبت کو سمجھتی بھی تھی۔ مرد کو جنسی بھوک پیٹ کی بھوک سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ وہ سب سمجھتی تھی وہ کھانے کے بغیر تو رہ سکتا تھا مگر اپنی شہوت مٹائے بغیر نہیں رہ سکتا

تھا۔ درخزئی خانزادہ کو تو بھی اس سے یہی کچھ چاہیے تھا۔ اس نے ہر ملاقات میں اسے یہی باور تو کروایا تھا۔ وہ عنقریب اس سے اپنا حق لے گا۔ پاشا نے کیا کیا تھا؟؟ ساری زندگی اس کی ماں زحلے سے یہی ایک رشتہ تو بنایا تھا ۔ جنسی جسمانی تعلق!! وقتی طور پر جذبات کے دھاروں میں بہہ کر زاران خانزادہ کے احسانات تلے دبتے اس نکاح کے لیے ہامی بھرتے ہوے درخزئی خانزادہ سے نکاح تو کر بیٹھی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ اس حویلی اور درخزئی خانزادہ کے نام سے ہی اسے گھٹن ہونے لگی تھی۔

اور اب اس گھٹن میں آضافہ ہونے والا تھا۔ وہ اس کے ساتھ وہی سلوک کرنے لگا تھا جو شاید ہر خانزادہ کرتا اور درخزئی خانزادہ جیسا بے رحم سر پھرا خانزادہ تو آج جنگلی پن کی ہر حد سے گزرے گا۔ عنائیہ کا بدن خوف سے ارتعاش کرنے لگا تھا۔۔ گھٹی گھٹی سسکیاں جو وہ اتنی دیر سے روکے ہوے

تھی لبوں سے خارج ہونے لگی تھیں۔ عنائیہ نے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس سر پھرے خانزادہ تک اس کی سسکیوں کی آواز جائے۔ اس سر پھرے ایس پی کی خاموشی اسے اندر تک لرزا رہی تھی۔۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے اب سسک پڑی۔

عنائی کی سسکیوں پر درخزئی خانزادہ کے ہاتھ گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔

تیرے ہی بارے

میں ہے

ہر ذکر میرا

ہوا ہے

یہ کیسا یہ تیرا اثر

کوئی نصیحت

نہ چاہوں

نہ کوئی صلاح

ساتھی تیرا بن جاؤں

کیوں ہے یہ جنون

ہر آنسو تیرا پی جاؤں

بن جاؤں سکون

درخزئی خانزادہ نے ایک بار پھر سے اپنی سرخ آنکھیں بازو سے مسلیں۔

وہ اس بار میں کیا کر رہی تھی؟؟ وہ نہیں جانتا تھا مگر وہ آج رات کہاں جا رہی تھی وہ یہ جانتا تھا۔ نکاح جیسے پاک بندھن کی اس کے لیے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔۔ ساتھ بیٹھی عورت سے وہ تو عقیدت کی حد تک محبت کرتا تھا۔

اس کی خوبصورتی اور جوانی پر مر مٹنے والا درخزئی خانزادہ نکاح کے دو بول پڑھنے کے بعد اس عورت سے جنون کی حد تک محبت کرنے لگ گیا تھا۔ شائد اس کی زندگی میں کوئی عورت نہیں تھی نہ اس کی مورے نہ اس کی بہن پری وش!! اس عورت کو اپنے نکاح میں لینے کی دیر تھی۔ مورے اور پری وش کا غم بھول گیا تھا۔ بیوی تھی مگر وہ اسے اس کے ہر رشتے کا غم بھلا بیٹھی تھی۔ درخزئی خانزادہ اب اپنی حویلی جانے لگا تھا۔ جہاں برسوں سے وہ قدم نہیں رکھ پایا تھا۔ اس حویلی کے کچن بیڈروم میں وہ عنائیہ کو دیکھنے لگا تھا۔ عنائیہ کی کھکھلاہٹیں اسے سنائی دینے لگی تھیں۔۔

مورے۔۔۔ مورے۔۔۔ درخزئی خانزادہ کے لب کپکپا رہے تھے۔۔

پری۔۔۔ میری۔۔۔ پری۔۔۔ اس کے لب بے آواز کپکپا رہے تھے.

وہ اپنے بازو سے اپنی سرخ نم زدہ انکھیں بے دردی سے مسل گیا۔

وہ ایس پی درخزئی خانزادہ تھا وہ بھلا کسی کے سامنے رو سکتا تھا۔ برسوں سے وہ مورے بابا پری وش کے لیے تنہائی میں روتا آیا تھا۔ کسی کے سامنے اس کا ایک آنسو آج تک نہیں ٹپکا تھا تو اس عورت کے لیے کیسے آنسو بہا سکتا تھا وہ بھی اس کے سامنے ہے۔۔ مگر درخزئی خانزادہ کا پتھر دل اس عورت کی جدائی کا سوچتے ہی پھٹ رہا تھا۔ مورے اور اپنی پری وش کے بغیر وہ زندگی گزار سکتا تھا مگر وہ اپنی بیوی کے بغیر سانسیں بھی نہیں لے سکتا تھا۔

وہ سچ میں زن مرید تھا اس دنیا کا سب سے بڑا زن مرید!! جو ماں اور بہن کے بغیر تو زندگی گزار بیٹھا تھا۔ مگر بیوی کے بغیر سانسیں رک رہی تھی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ درخزئی خانزادہ ڈیش بورڈ پر پڑی پانی کی بوتل اٹھا کر اس کا ڈھکن کھولتے اس ٹھنڈے پانی کو سر پر گرانے لگا۔۔ وہ بوتل کا پانی اپنے سر پر گرا رہا تھا۔ پانی سر سے گرتا اسے بھگو رہا تھا۔۔۔ نہ دماغ کی تپش کم ہو رہی تھی نہ دل کی گھٹن کم ہو رہی تھی۔

تو سچ میں زن مرید ہے۔ درخزئی خانزادہ تو سچ میں زن مرید ہے۔ درخزئی خانزادہ وہ پانی کی خالی بوتل ونڈ سکرین پر مارتے حلق کے بل دھاڑا۔

عنائیہ چیختے ہوئے اس کی دھاڑ پر بری طرح اچھلی۔

وہ ڈر کے مارے دروازے کے ساتھ چپکی۔

میں سچ میں زن مرید ہوں۔۔ وہ گاڑی روکتا دھاڑتے ہوئے اس کی سیٹ پر جھکتے اس کے بالوں کو گدی سے بے دردی سے دبوچ گیا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے خوفزدہ ہوتے اس کی سرد سرخ وحشت برساتی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

وہ سیٹ پر اس پر جھکے ہوئے تھا۔ درخزئی خانزادہ کی سلگتی سانسیں اس کے نقوش پر بکھر رہی تھیں۔۔ درخزئی کی گہری سانسوں کی تپش سے وہ جھلستے ہوئے بری طرح کانپ رہی تھی۔۔

درخزئی کی ماتھے کی نیلی رگیں اشتعال سے ظاہر ہو رہی تھیں۔۔ مضبوط کلائی کی نیلی رگیں بھی ظاہر ہو رہی تھیں۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس کے جبڑے بری طرح بھینچے ہوئے تھے۔

مقابل کے بالوں پر موجود اس کا مضبوط ہاتھ لرز رہا تھا۔ وہ کیسے اس کے بال اتنی بے دردی سے چھو سکتا تھا مگر وہ اس وقت اس کے بال بے دردی سے نوچے ہوے تھا۔ یہ مقابل کے چہرے پر درد کی رمک سے پتہ چل رہا تھا۔ وہ کانپتے ہوے سسکتے ہوے اپنے ایک ہاتھ سے اپنے بال چھڑوا رہی تھی۔

اور درخزئی خانزادہ کا مضبوط لرزتا ہاتھ مقابل کے بالوں پر مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتا اس کے بال سختی سے دبوچے اسے ایک جھٹکا دیتے اس کا چہرہ اپنے مزید قریب کر گیا۔ درخزئی کی بے رحمی پر عنائیہ کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی تھی۔۔

کبھی نہیں سوچا تھا تمھیں ایسے چھوؤں گا۔ مگر آج ایسے چھو رہا ہوں ۔ درخزئی خانزادہ زخمی لہجے میں بولتے اپنی بے رحم گرفت مزید مضبوط کر گیا۔

تمھارے پاس جو رات گزاری تھی۔ ساری رات ان بالوں کی نرماہٹ اور ان کی خوشبو نے مجھے سونے نہیں دیا تھا۔

اور پھر آنے والی ہر رات میں سو نہیں سکا۔ برسوں سے درخزئی خانزادہ کو اس کے بچھڑے رشتے سونے نہیں دیتے۔۔ تم زندگی میں آئی تمھارے بدن کی خوشبو تمھاری رعنائیوں تمھارے بالوں کی نرماہٹوں نے سونے نہیں دیا۔ جن بالوں سے اتنی محبت ہے۔ انھیں آج اتنی بے دردی سے چھو رہا ہوں۔ اب کیسے میں سکون سے سو پاؤں گا؟؟۔ کیسے یہ بے رحمی مجھے سونے دے گی۔ وہ اس کے بالوں کو خطرناک حد تک دبوچے برفیلے لہجے میں بولتے استفسار کر گیا۔

عنائیہ اپنے بالوں کو اس کی مضبوط گرفت سے چھڑوانے کی سعی کرتے ہوے درد کی شدت سے رو پڑی تھی۔ وہ بہت زیادہ بے رحمی سے اس کے بال دبوچے ہوے تھا۔ بہت بری طرح کھچ پڑ رہی تھی

عنائیہ کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھتے اس کا مضبوط ہاتھ اس کے بالوں پر موجود مزید شدت سے لرزنے لگا تھا۔ مگر گرفت پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوئی تھی۔۔ عنائیہ خود کو چھڑوانے کی تگ و دود کرتے ہوے اب بے بسی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ نہ وہ یہ درد برداشت کر سکتی تھی نہ مقابل کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی برداشت کر سکتی تھی۔ جو اس کے پہلو سے دل نکال رہی تھی۔ وہ بری طرح کپکپاتے ہوے آنکھیں میچے ہوے تھی۔ اس کے لبوں سے دبی دبی سسکاریاں بلند ہو رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو گرتے سیٹ کی پشت کو بھگو رہے تھے۔

درخزئی کی سرخ سرد آنکھیں اس کے بہتے آنسوؤں پر تھیں۔

ساتھی تیرا بن جاؤں

کیوں ہے یہ جنون

ہر آنسو تیرا پی جاؤں

بن جاؤں سکون

درخزئی اس کے آنسوؤں کو دیکھتا اس کے بالوں پر اپنی گرفت نرم کرتے اسے اپنی بے رحم گرفت سے آزاد کر گیا۔

آہہہہ۔۔۔۔وہ اپنی سیٹ پر ہوتے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے چیخا تھا۔ جس ہاتھ سے اس کے بال دبوچے تھے اسے سزا تو ملنی ہی تھی۔

وہ اپنی بیوی اپنی عورت کے بال ایسے کیسے چھو سکتا تھا آخر؟؟ جس عورت کی ہتھیلیاں عقیدت سے چومیں اس کے بالوں کو ایسے کیسے چھو سکتا تھا؟؟

وہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے درد و کرب سے چیخ رہا تھا۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھے گاڑی کے دروازے کے ساتھ لگے درخزئی کو دیکھتے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

وہ بار میں جس حلیے میں تھی ننگے سر مردوں کے درمیان۔۔اس جسم فروشی کے اڈے پر!!

آہہہ۔درخزئی خانزادہ یہ سب سوچتے ہوئے اپنے بال دونوں ہاتھوں سے نوچتے ہوئے حلق ک بل چیخا۔

کیا کر رہی تھی تم اس بار میں ؟؟ وہ اس پر جھکے اپنے زخمی ہاتھ سے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

عنائیہ کی نظریں اس کے زخمی ہاتھ سے ٹپکتے خون پر تھیں۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے اس کی داغ دار شرٹ اس کے زخمی بازو اس کے زخمی ہاتھ کو دیکھتے رو رہی تھی۔

کیا کر رہی تھی تم وہاں پر ؟؟ بتاؤ مجھے مائی سوین ؟؟ ورنہ جو کچھ میں تمھارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ وہ سوچنا میرے محبت کی توہین ہے۔ محبت کا پہلا اصول محبوب پر اعتبار کرنا ہے۔ تم پر شک کرنا اپنے سچے جذبوں کی توہین کرنا ہے۔ اور میں ان جذبوں کی توہین کر رہا ہوں۔ درخزئی درد و کرب سے بولتا اس کا جبڑہ خطرناک حد تک دبوچ گیا تھا۔ درخزئی خانزادہ کی وحشی گرفت سے درد سے اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں برامد ہو رہی تھیں۔

بہت اذیت ناک ہیں یہ سوچیں! جو مجھے زہریلے ناگ کی طرح ڈستی رگوں میں دوڑتے خون کو نیلا کر رہی ہیں۔ دیکھو میرے جسم سے ٹپکتے خون کی رنگت چینج ہو رہی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھتے ہوئے بولتے عنائیہ کو واقعی میں اس وقت کوئی سر پھرا پاگل جنونی لگ رہا تھا۔

بتاؤ کیا کر رہی تھی وہاں؟؟ مائی سوین مائی وائف!! درخزئی خانزادہ یکدم اس کے چہرے کو نرمی سے اپنے دونوں ہاتھ سے تھام گیا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔ عنائیہ۔۔۔ درخزئی خانزادہ کے نرم لہجے پر اس کی سانسیں مزید اٹکی تھیں۔ لہجہ نرم تھا مگر آنکھیں سرد برفیلی تھیں۔

بتاؤ ڈیم اٹ!! وہ اس کی مسلسل خاموشی پر اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اب دھاڑا اٹھا تھا۔

عنائیہ اس کی چیخ پر لرزتے ہوے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

درخزئی اس کی چیخ پر گہرے سانس لیتے پیچھے ہوتا ڈرائیونگ سیٹ سے ٹیک لگا گیا۔ عنائیہ سسکتے ہوے ونڈ سکرین پر نگاہیں جمائے ہوے تھی۔

دوسرے پل درخزئی نے سیدھے ہوتے عنائیہ کے کندھے پر لٹکا اس کا چھوٹا سا پرس اتارا۔ عنائیہ درخزئی خانزادہ کے ہاتھ میں پرس دیکھ کر دروازے کی طرف کھسک گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے پرس کھولتے اس میں سے اس کا پاسپورٹ اور آج رات کی ٹکٹس نکالتے ہوے زخمی سا ہنسا تھا۔ وہ پاسپورٹ اور ٹکٹ کو دیکھتے اب ہنستا جا رہا تھا۔

عنائیہ اس سر پھرے خان کو ہنستے دیکھتے اس سے مزید خوفزدہ ہو چکی تھی.

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے اونچا اونچا ہنس رہا تھا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ جس وردی سے پیار تھا اس پر بھی داغ لگ چکا تھا جس عورت سے شدید محبت تھی وہ اسے کھو چکا ہے۔ وہ آج مان چکا تھا۔ دلوں کے رشتے میں زبردستی نہیں ہوتی وہ سمجھ چکا تھا۔ دل کانچ کی کرچیوں کی صورت میں بکھر رہا تھا۔ اور وہ بھی ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔ ٹوٹا انسان یا تو روتا ہے یا ہنستا ہے۔ محبت کا کاٹا تو ویسے بھی سوتے میں روتا ہے جاگتے میں ہنستا ہے۔ اور اس نے اپنے آنسو رات کی گہری تنہائی کے لیے بچا لیے تھے۔

عنائیہ اسے دیکھتے گاڑی کے دروازے کے ساتھ جمی خوفزدہ ہوتے رو رہی تھی. یہ سر پھرا خانزادہ آخر ہنس کیوں رہا تھا؟؟

درخزئی نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے اپنے چہرے پر اتری نمی صاف کی تھی۔۔ دوسرے لمحے اس نے ہاتھ میں پکڑا پاسپورٹ اور ٹکٹس عنائیہ کے چہرے پر بے دردی سے دے مارے تھے۔

آہہ۔۔۔ عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھتے چیخ اٹھی۔

بند کرو یہ ڈرنے کا ڈرامہ مائی toxic وائف!!وہ اس کے اطراف میں دونوں ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔

تم حویلی سے اکیلی نکل آئی۔۔ اس بدنام ڈسکو بار میں بہت آرام سے بیٹھی تھی۔ اور وہاں سے تمھارا تن تنہا امریکہ جانے کا آرادہ تھا۔ تم نے آج ثابت کر دیا تم صرف عمر میں چھوٹی ہو۔ معصومیت سے تمھارا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم ایک تیس سالہ اس عورت سے بھی زیادہ شاطر ہو۔ جو اپنی تیس سالہ زندگی میں اپنی آدھی زندگی کے تجربے کا نچوڑ حاصل کر لیتی

ہے۔ درخزئی خانزادہ اس پر جھکے اس کے نقوش پر سلگتی سانسیں چھوڑتے ہوے ایک ایک لفظ چباتے ہوے برفیلے لہجے میں بولا۔

تم نے ثابت کر دیا امریکہ سے آئی ہوئی بولڈ لڑکی مجھ جیسے خانزادے کے لیے نہیں بنی ہوتی۔ تم نے ثابت کر دیا اگر عورت وفا نہ کرنا چاہے مرد اس سے وفا نہیں کرواسکتا۔ تم نے ثابت کر دیا مرد نکاح میں لینے کے بعد بھی اپنی عورت سے زبردستی پردہ نہیں کرواسکتا جب تک وہ عورت دل سے نہ چاہے۔ درخزئی خانزادہ اس کی دھڑکنوں پر انگلی پر سختی سے جماتے ہوے زخمی سا ہنسا۔

عنائیہ کی نگاہیں اب اس کی انگلی پر تھیں جو وہ اس کی گہرائیوں پر سختی سے جمائے ہوے تھا۔ اس کے لمس پر عنائیہ کے نشیب و فراز تیز تیز جیسے سانس بھرنے لگے تھے۔۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ مزید

اس سر پھرے خانزادہ سے ڈر رہی تھی۔ جو اس پر جھکے اپنی انگلی سے اس کے کندن نشیب و فراز کو چھوتے ہوئے اسے اپنی سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

تم نے ثابت کیا عورت صرف اپنے مرد سے ڈرنے کا دکھاوا کرتی ہے۔ جب تک وہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ تب تک ہی وفا بھی نبھاتی ہے۔۔ وہ مرد کے بنائے ہوئے پنجرے میں قید ہونے کا ناٹک بھی تب تک کرتی ہے
۔ جب تک اس پنجرے کی چابی مرد کے پاس ہوتی ہے۔ جیسے ہی پنجرے کی چابی عورت کے ہاتھ لگتی ہے۔ وہ مرد کو بیوقوف بنا کر اس سے ہی حاصل کی ہوئی چابی سے تمام تالے توڑ کر پُھر کر کے اس پنجرے سے اڑ جاتی
ہے۔ درخزئی خانزادہ زخمی سا بولتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد برفیلی آنکھیں گاڑھ گیا۔

عنائیہ سیٹ میں سمائے گلابی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بتاؤ مجھے تم اس بار میں کیا کر رہی تھی؟؟ کیا کرتی ہو تم؟ ڈرگز سپلائے کرتی ہو تم؟؟ جسم فروشی کے اس اڈے پر تمھارا کیا کام تھا آخر؟؟ وہاں ان عورتوں کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟؟ جو جسم فروشی کرتی ہیں

درخزئی خانزادہ نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

میں ڈرگز سپلائے نہیں کرتی میرا جسم فروشی سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔عنائیہ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے چیخی تھی۔

تعلق نہیں ہے تمھارا تو تم وہاں پر کیا کر رہی تھی پھر آخر؟؟

درخزئی خانزادہ اس سے بھی زیادہ حلق کے بل چیخا تھا۔

عنائیہ اس کی آنکھوں میں بے اعتباری اور اس کے یوں چیخنے پر سر نفی میں ہلاتے شدت سے رونا شروع ہو چکی تھی۔۔ وہ اسے ڈرگز سپلائی اور جسم فروش عورت سمجھ رہا تھا۔ وہ بے یقین تھی مقابل اسے جان سے مار تو سکتا تھا مگر اس پر شک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یقین تھا وہ اس پر شک نہیں کرے گا ۔ وہ اس کی عزت تو کرتا ہے یہ اسے بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا جب اس نے اس کی ہتھیلیاں چوم کر اس پر باور کروایا تھا کہ اس کی مورے کے بعد وہ پہلی عورت ہے جس کی ہتھیلیاں اس نے چومی ہیں ض۔ پھر وہ تو خانزادہ تھا حق ملکیت کا راگ الاپنے والا۔ وہ کیسے اسے جسم فروش منسلک لڑکیوں سے ملا رہا تھا۔

عنائیہ کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھتے درخزئی خانزادہ زخمی سا ہنسا تھا۔ ایک بار پھر سے وہ ہنستے ہوے سیٹ سے ٹیک لگائے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہنسنے لگا تھا۔

عنائیہ سر نفی میں ہلاتے ہوے اس خانزادے کو دیکھ رہی تھی۔ جس سے اب ڈر نہیں لگ رہا تھا بلکہ اب دل میں شدت سے درد ہو رہا تھا۔ اس کی بے اعتباری اور لفظوں نے اسے کیوں چھلنی چھلنی کیا تھا؟؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

میخانے میں بے بیٹھے شراب کا گلاس ہاتھ میں پکڑے میرا محبوب کہتا ہے وہ شراب نہیں پیتا۔

درخزئی خانزادہ اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹائے استھزائیہ ہنستے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ گیا جہاں شدید درد اٹھ رہا تھا۔

بہتے خون اور بازو کے اندر گولی ہونے کی وجہ سے درخزئی کے سرخ و سفید چہرہ پر ہلکی ہلکی زردی پھیل رہی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتا اپنے ایک ہاتھ سے بازو کو جکڑے آنکھیں میچ گیا۔

ڈیش بورڈ پر رکھے بجتے مسلسل فون کو اس نے اٹھاتے ہوئے اس نے واٹس اپ میسج سین کیے۔۔ اسے اوپر سے کئی فون آ چکے تھے۔۔ کمشنر صاحب ڈی ایس پی کے نمبرز سے بے تحاشا مسڈ کال تھیں۔ وہ ان کے نمبرز سے آئی ہوئی مسڈ کال دیکھتے ہوئے لب بھینچے ہوئے تھا۔ پہلی مرتبہ وہ انھیں کال بیک نہیں کر سکا تھا۔

بہت ساری ویڈیو اسے موصول ہوئی تھیں۔ اس نے ایک ویڈیو اوپن نہیں کی تھی۔۔۔ ان ویڈیو میں کیا تھا وہ جانتا تھا۔

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے فون ہاتھ میں پکڑے اپنی یونیفارم پہنی ہوئی تصویر کو زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔

!!میرے نزدیک آپ ایک بزدل دو نمبر اپنی باتوں پر قایم نہ رہنے والے انسان ہیں۔ آپ جیسا انسان اپنے پروفیشن سے کبھی سنسئر تھا ہی نہیں۔ آپ بھی باقی افیسر کی طرح نکلے سر!!وہ بھی تو آپ کی طرح مجبور ہیں۔کسے اپنی جان کی پرواہ!کسے اپنے بیوی بچوں کی پراوہ!!کسے اپنی نوکری کی پرواہ۔ کیا فرق ہے آخر ان افیسرز اور اس سر پھرے درخزئی خانزادہ میں ؟!۔ اگر آپ سچے ایماندار نڈر افیسر ہوتے۔ اپنی بیوی کا ایمانداری سے ٹرایل کرتے۔ مگر نہیں کوئی فرق نہیں۔ ایس پی درخزئی خانزادہ ایک ڈرپوک انسان ہے جس نے اپنی بے شرم بیوی کے لیے اپنی وردی کا سودا کر دیا!!

افیسر رانیہ کے لفظ یاد کرتے اس کی آنکھوں کی سرخی نے حدت اختیار کی تھی۔اس نے فون ڈیش بورڈ پر رکھتے گہرا سانس لیتے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ایک بار پھر سے صاف کیا۔

کیا کر رہی تھی تم اس بار میں۔؟؟وہ اس پر جھکتے ہوے ایک بار پھر سے دھاڑا۔

کیسے کیسے ایس پی درخزئی خانزادہ اپنی بیوی کو جسم فروش عورتوں سے ملا سکتا ہے؟؟آپ نے ثابت کر دیا کوئی فرق نہیں حویلی کے تمام خانزادوں اور آپ میں!!میں تو آپ ک بے رحم سزا کی منتظر تھی۔جو ایک شوہر ایک سر پھرا خانزادہ اپنی بیوی کو دینے والا تھا۔آپ مجھے جسم فروش عورتوں سے ملائیں گے۔اس ایس پی سے میں نے یہ expect نہیں کیا تھا۔یہ ایس پی جو

یہی کہتا ہے کہ وہ میری عزت اپنی مورے جیسی کرتا ہے کیا وہ اپنی مورے پر بھی ایسے شک کرتا؟؟۔اپنی مورے کو بھی جسم فروش عورتوں کے ساتھ منسلک کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

Shut up just shut up

وہ اس کے بال گدی سے دبوچتے خون اشام درندے کی مانند دھاڑا اٹھا تھا۔

Just shut up

خبردار!!میری مورے!!پاکدامن مری ہوئی میری مورے کے بارے میں ایسا کوئی لفظ بھی نکالا۔میری مورے کا نام بھی اپنے لبوں سے نکالا۔۔درخزئی گہرے سانس لیتا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ پر

زور دیتے بولا۔ بولنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

مان لو ایس پی!! مجھے صرف عزت کہتے ہو مگر میری عزت نہیں کرتے۔ ہمت کیسے ہوئی مجھے جسم فروش عورتوں کے ساتھ منسلک کرنے کی؟؟ عنائیہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں غرائی۔۔

اس حلیے میں مجھے وہاں ملی جسم فروش عورتوں کے درمیان اور بات کرتی ہو اعتبار کی؟! درخزئی اس کے حلیے کی طرف دیکھتے طنزیہ ہنسا۔۔

اتنی اپنی عزت کی پرواہ تھی اتنی حساس تھی اپنی عزت کو لے کر!! اس بار میں جاتے ہوئے سو بار سوچتی تم؟؟ میخانے میں ہمیشہ شراب نوشی کرنے جایا جاتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر شرابیوں کے پیگ نہیں گنے جاتے۔۔ درخزئی اس

کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ بولا تو عنائیہ کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔

میری مورے کی بات کرتی ہو تم؟ وہ گہرے سانس لیتے بولتے ہوے اپنی آنکھیں بازو سے مسل گیا۔

وہ مر کر بھی ایسی جگہ کا رخ نہ کرتی۔ کبھی کسی مرد کے سامنے اس نے اپنا چہرے کا نقاب نہیں اتارا تھا۔ میری مورے کی بات کرتی ہو تم!! اس کے اس جگہ پر ہونے کی بات کرتی ہو تم۔۔ میری مری ہوئی پاکدامن مورے کی بات کرتی ہو تم۔ درخزئی خانزادہ اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتے پھولتی سانس سے بولتے اس بار اپنی آنکھ سے گرتے آنسوؤں کو روک نہ سکا تھا۔

جاننا چاہتی ہو سب تمھارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟؟ درخزئی خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھتا برفیلے لہجے میں بولا۔

عنائیہ اب خاموشی سے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے فون ڈیش بورڈ سے اٹھائے ایک ویوڈ آن کی

ایس پی درخزئی خانزادہ جو اس بار میں raid ڈالنے گئے تھے۔۔وہاں اپنی بیوی کو دیکھ کر شاکڈ ہو گئے۔اپنی ہی ٹیم میمبر افیسر رانیہ سے الجھ پڑے۔اور اپنی بیوی کو وہاں سے نکال کر لے آئے۔ابھی تفتیش جاری ہے ۔دیکھنا یہ ہے کہ ان کی بیوی جو وہاں جسم فروش عورتوں کے درمیان تھی وہ کیا جسم فروشی سے منسلک تھی یا پھر ڈرگز سمگلر تھی۔یا پھر ایس پی درخزئی خانزادہ اس سے یہ سب کرواتا تھا۔

درخزئی فون بند کرتے ڈیش بورڈ پر اچھال گیا تھا۔مزید سننے کی تاب نہ تھی۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھے اب رو رہی تھی۔

گاڑی میں اب گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔اس ویڈیو میں کہاں تمھارا نام آیا؟؟۔ایس پی کی بیوی۔۔ایس پی درخزئی خانزادہ کی بیوی کا نام آیا صرف!!وہ سیٹ سے ٹیک لگائے اپنے زخمی بازو کو ایک ہاتھ سے جکڑے گہرے سانس لیتے کراہتے ہوے بول رہا تھا۔درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

میری مورے وہاں پر ہوتی یا تم ادھر تھی۔۔نام کس کا آتا؟؟کس کی عزت پر حرف آیا؟؟ایک پل کے لیے سوچا تم نے؟!۔۔تم عنائیہ پاشا نہیں ۔۔عنائیہ درخزئی خانزادہ ہو۔تمھارا وہاں ہونے سے تمھارے مرے ہوے باپ کی عزت پر حرف نہیں آیا۔کسی نے نہیں کہا پاشا کی بیٹی۔۔سب نے کہا درخزئی کی بیوی۔۔تم نے میرے بارے میں ایک بار سوچا۔۔سوچا

جو عورت مرد کے نکاح میں ہوتے اس کی پناہوں سے بھاگ جاتی ہے۔ دنیا اس مرد کو کیا کہتی ہے؟؟ کیسے کیسے سوال اٹھاتی ہے وہ اس مرد پر؟؟۔ یہاں تک اس کی مردانگی پر سوال اٹھاتی ہے۔ مرد اپنی مردانگی پر سوال اٹھتا برداشت نہیں کر سکتا۔

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے زخمی لہجے میں بول رہا تھا۔

اگر یہی سب کرنا تھا نکاح ہی نہ کرتی تم؟؟ وہ تین لفظ نہ بولتی تم۔۔ انکار کر دیتی۔۔ یقین مانو اس وقت تمھارے انکار سے اتنی شدت سے تھپڑ نہ لگتا۔ جتنا آج تم میرے نکاح میں ہوتے بھاگ کر میرا چہرہ تھپڑوں سے لال کر رہی تھی۔۔ اس دن تمھارا انکار سب کے سامنے تمھارا مارا ہوا ایک تھپڑ ہوتا جو میرا چہرہ لال کر دیتا۔ مگر تمھارا میرے نکاح میں ہوتے بھاگ جانا

۔۔ساری دنیا کے تھپڑ لگنے تھے میرے چہرے پر۔۔۔جن کی سرخی کبھی کم نہ ہوتی۔ درخزئی کی باتوں پر عنائیہ نے اپنے نچلے لب کو اتنی بے دردی سے کچلا تھا کہ خون کی ننھی ننھی بوندیں آن ٹھہریں تھیں لب پر۔۔

گاڑی میں ایک بار پھر سے گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔

گاڑی میں اس وقت دونوں کی صرف گہری ہوتی سانسوں کی گونج تھی۔۔

مجھ پر یقین نہیں آپ کو!! آج رات مجھے سزا تو دینی ہے آپ نے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا میں virgin ہوں۔ مجھے کبھی کسی مرد نے نہیں چھوا۔ عنائیہ کے لرزتے ہوئے لبوں نے جنبش کی تھی۔

Shut up just shut up

وہ اپنے بازو کو ہاتھ سے جکڑے حلق کے بل اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ گاڑی لرز اٹھی تھی۔

عنائیہ ڈر سے اچھلی ہوئی گاڑی کے دروازے میں سمائی تھی

Shut up just shut up

درخزئی گہرے سانس لیتا آہستگی سے بولتا سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں میچ گیا۔

اتنی ہی سمجھ سکی ہو تم میری محبت کو!! صرف اتنا ہی سمجھ چکی ہو تم؟؟ کب چھوا تمھیں میں نے تمھاری مرضی کے بغیر؟؟ کیوں سزا دوں گا تمھیں وہ بھی ایسی؟؟ وہ آہستگی سے بولتے آنکھیں میچے ہوے تھا۔

اس درخزئی خانزادہ کے پاس ہے ہی کیا؟؟نہ مورے نہ بابا نہ اس کی پری!!رشتوں کے معاملے میں درخزئی خانزادہ بہت غریب ہے۔وہ کیوں اپنی بیوی کو سزا دے گا؟؟تمھیں ایسے سزا دینے سے پہلے درخزئی خانزادہ مر نہ جائے گا۔ایک ہی عورت ہو میری زندگی میں۔۔تمھیں کیا پتہ ؟؟عورت کے رشتے کے لیے کتنا تڑپا ہوں میں؟!۔۔۔تم ہی تو پہلی عورت آئی تھی۔۔جسے درخزئی خانزادہ بھی اپنی عورت کہنے لگا تھا۔جیسے زاران اسفند شہرام اور لالا بولتے ہیں میری عورت میری عورت۔۔تم سے نکاح کرنے کے بعد میں نے بھی بولا تھا میری عورت!!وہ آنکھیں میچے مدھم سا بولتے مدھم سا ہنسا۔عنائیہ گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سوچتا تھا یہ لفظ بول کر کیسا لگتا ہو گا۔ اور سچ پوچھو!! یہ لفظ یہ احساس جان لیوہ تھے میرے لیے میری عورت!! یعنی درخزئی خانزادہ کی زندگی میں ایک عورت تھی جو اس کی تھی۔۔ یہ لفظ جادوئی تھے میری عورت!! میری عورت!! وہ بولتے ہوے ایک بار پھر سے ہنسا تھا۔ عنائیہ نے سسکی لیتے اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھا تھا جو واقعی میں بہت خوبصورت تھے۔۔

تمھیں پا کر لگا تھا سب کچھ پا لیا میں نے!! تمھارے ہونٹوں تمھارے جسم کو چھونے کے لیے یہ دل یہ جسم مچل اٹھا تھا۔۔ سچ پوچھو۔۔ جو اں جذبے اب اتنی شدت سے بیدار ہوتے ہیں اس جسم میں کہ بدن ٹوٹنے لگتا ہے۔ جب جب تمھیں سوچتا ہوں۔۔ مرد کی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے پہلے پسندید عورت کو اپنے نام کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ جب وہ نکاح کر کے اس کے دسترس میں چلی آتی ہے۔ پھر وہ اس کے جسم پر حکمرانی کرنا چاہتا

ہے۔۔ مکمل طور پر اس پر دسترس حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور پھر یہاں بھی اس کی بس نہیں ہوتی وہ اپنی پسندیدہ عورت سے اپنی نسل بڑھانے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ مرد سچ میں ظالم ہوتا ہے۔ صرف اپنی خواہشات اپنی پرواہ کرنے والا۔۔ اس سب میں درخزئی خانزادہ کی خواہشات ہیں۔۔ عنائیہ پاشا کیا چاہتی ہے اس نے کبھی سوچا ہی نہیں۔۔ وہ آنکھیں میچے سر دائیں بائیں جانب سیٹ پر پٹختے ہوے بولا۔ درد کی شدت نے تجاوز اختیار کی تھی۔

تمھیں دیکھا تمھیں پانے کی خواہش کر بیٹھا۔ یہی لگا تم مجھ سے پہلے کسی اور کی نہ ہو جاؤ۔۔ حق ملکیت کے جذبے نے مجھے پاگل کر دیا۔ تمھیں اپنا بنا کر اپنی ملکیت میں لینا ہی ہے۔۔ تاکہ کوئی دوسرا مرد تمھاری پرچھائی تک رسائی نہ حاصل کر سکے۔ خانزادہ ہوں اپنی عورت سے یہی چاہتا ہوں۔ وہ صرف میری ہو کر رہے اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔۔ یہی تو دیکھا ہمیشہ بابا

مورے کے چہرے پر کس کی نگاہ برداشت کرتے تھے۔۔۔وہ پھر سے ہنسا تھا۔

صرف یہ تو نہیں چاہتا تم سے!! تمھارا جسم بھی تو چاہتا ہوں۔ تم کم عمر ہو مگر پھر بھی یہی چاہتا ہوں۔ تم خود کو مجھے سونپ دو۔۔ اور درخزئی خانزادہ تمھاری پور پور میں سما جائے۔۔ تم کتنی خوبصورت لگتی ہو۔ کتنی پیاری لگتی ہو مجھے!! تمھیں کیسے بتاؤں۔ تم سر سے پیر تک چومنا چاہتا ہوں۔ وہ اتنی آہستگی سے بول رہا عنائیہ کو سننے میں مشکل ہو رہی تھی۔

زن مریدی کرنے کی خواہش بھی شدت سے ہے اس سر پھرے خانزادہ کو ۔وہ آنکھیں میچے بولتے ہوے ہنستا ہی جا رہا تھا۔ عنائیہ نظریں جھکائے اپنا نچلا لب پھر سے بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔ اس کی آخری بات پر وہ کیوں بہتے

آنسوؤں کے ساتھ مدھم سا ہنسی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ مدھم سا ہنستی اپنا نچلا لب پہلے سے بھی زیادہ بے دردی سے کچل گئی۔

درخزئی خانزادہ اپنی نم آنکھیں بازو سے مسلتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔

تم اس بار میں کیا کر رہی تھی؟؟۔ مجھے ایک ایک لفظ جاننا ہے۔ اور یہ سوال تم سے تمھارا شوہر نہیں۔ ایس پی درخزئی خانزادہ کر رہا ہے۔۔ جھوٹ بولتے ہوئے اور مجھ سے کوسچن کرتے ہوئے سو بار سوچنا۔ میں ایس پی درخزئی خانزادہ ہوں جو اپنے ڈیپارٹمنٹ میں سر پھرا خانزادہ کے نام سے مشہور ہے۔ مجرم مرد ہو یا عورت۔۔ کسی ایم پی کا بیٹا یا پھر کسی ایس پی کی بیوی ہو ۔۔ درخزئی خانزادہ کے لیے وہ صرف مجرم ہے۔۔ درخزئی خانزادہ اسے بازو سے جکڑے سیٹ پر پٹختے ہوئے اس پر جھکتے ہوئے غرایا۔

عنائیہ نے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہچکی لی تھی۔

بتاؤ مجھے ورنہ اس ایس پی درخزئی خانزادہ کا ہاتھ اٹھ جائے گا اور تم ایس پی درخزئی خانزادہ کا تھپر سہن نہیں کر سکو گی۔۔اس لیے بتاؤ مجھے۔۔وہ اس کے سیٹ کے اطراف میں مکہ مارتے ہوئے دھاڑا۔

بتاتی ہوں مارنا مت مجھے۔۔عنائیہ خوفزدہ لہجے میں بولی تھی. ایس پی درخزئی خانزادہ کی دہشت سے وہ واقف تھی وہ دیکھ چکی تھی اس سر پھرے خانزادہ کا غصہ۔۔درخزئی کی برفیلی آنکھیں دیکھتے ہوئے وہ شدت سے لرزی۔

Quick fast!!

درخزئی اس کا منہ دبوچتے ہوئے غرایا۔

مم۔۔۔میں۔۔۔آج۔۔۔حویلی۔۔۔سے۔۔۔آپی۔۔۔کو۔۔۔بتا۔۔کر۔۔آئی تھی۔میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔۔میں نے آپی کو اپنا

فیصلہ سنا دیا تھا۔ مم۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ اپنے۔۔ دوست۔۔ جیکسن۔۔۔ کو ۔۔ امریکہ۔۔۔ سے۔۔ بلایا۔۔ تھا۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے درخزئی کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے بول رہی تھی۔

جیکسن کے نام پر درخزئی کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔۔ عنائیہ اس کی آنکھوں میں خون اترے دیکھ کر سیٹ میں شدت سے سمائے تھی۔۔

وہ صرف میرا دوست ہے۔۔ صرف دوست!! وہ ہمارا neighbour ہے۔۔ وہ میرے کہنے پر پاکستان آگیا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے چہرے پر سرخی کی حدت بڑھتے دیکھتے عنائیہ نے خوفزدہ ڈبڈبائے لہجے میں وضاحت دی۔

He wanted go to the club and drink alcohol ..i didn't drink. I m telling the truth ,i have never drink

عنائیہ بھیگے لہجے میں بولتے درخزئی کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلاتے اپنا نچلا لب باہر نکالا تھا۔ درخزئی کا چہرہ اب سرد سپاٹ تھا۔ آنکھیں برفیلی تھیں۔ وہ سرد آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور اسے اس سے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اب اس کا مقابل کے سینے میں سمانے کو دل کر رہا تھا۔

مم

مجھے۔۔ یہاں۔۔ کے۔۔ بار۔۔۔ کا۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ پتہ۔۔ تھا۔۔ مم۔۔ گوگل پہ۔۔ سرچ۔۔ کیا۔۔ جو۔۔ بار

۔۔سامنے۔۔ آیا۔۔ مم۔۔ ہم۔۔۔ یہاں۔۔ آ۔۔ گیے۔۔ عنائیہ نے اس کے سرد تاثرات دیکھتے اس کی شرٹ کو کانپتے ہاتھ سے جکڑا۔ مقابل کا ایسا سرد رویہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مقابل کی آنکھوں کا سرد پن اس کے ہڈیاں سنسنا رہا تھا۔

درخزئی اس کا ہاتھ اپنی شرٹ سے ایسے جھٹک گیا تھا جیسے کوئی اچھوت ہو۔۔ عنائیہ اس کے ایسے جھٹکنے پر شدت سے رو دی تھی۔ جانے کیوں اس کا اتنی نفرت سے جھٹکنا برداشت نہیں ہوا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کرتے برفیلی ہواؤں میں گہرے سانس لیے تھے۔۔ وہ کسی غیر مرد پر اس سے زیادہ اعتبار کرتی تھی۔ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ پاکستان سے جا رہی تھی۔ اسے شراب پلانے کے لیے اسے کلب لے کر گئی تھی۔ اس کی بیوی کیسے معصوم ہو سکتی تھی؟؟ کیسے

؟؟وہ اتنی کم عمر تو نہ تھی جو اس سب کو بہت عام سمجھتی۔ درخزئی خانزادہ نے اپنی سرخ سرد نگاہیں اس پر گاڑھیں۔ سفید ٹایٹ جینز بے حد شارٹ شرٹ جس میں اس کے خدوخال ایک اٹھارہ سال سے بھی زیادہ عمر کی لڑکی کی مانند معلوم ہو رہے تھے۔ اس پر بے حد شارٹ جیکٹ۔۔ وہ ان کپڑوں میں کسی بھی مرد کو منٹوں میں گرم کر سکتی تھی۔۔ کوئی بھی مرد ایک نظر دیکھتے بہک سکتا تھا۔۔ سوچوں میں ہزار مرتبہ اس کے ساتھ وہ سب کچھ کر سکتا تھا جو وہ خود ہزاروں مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ خیالوں میں کر چکا تھا۔۔ ہو سکتا ہے جیکسن نے بھی اس کی بیوی پر ہزاروں بار گندی نظر ڈالی ہو۔ تبھی وہ شراب پینا چاہتا ہو۔

یہ سوچتے ہی درخزئی خانزادہ کا وجود بارود کی طرح دہکا تھا۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔ تپش پیروں سے نکلتی اس کے دماغ تک پہنچتی اسے آگ لگا چکی تھی.

درخزئی اس پر جھکتے اس کی گردن کو اپنے ہاتھوں سے جکڑ گیا۔

عنائیہ نے گہرے سانس لیتے ہوے بے یقینی سے درخزئی کو دیکھا جو پھولتی رگوں کے ساتھ اس کی گردن دبوچے ہوے تھا۔

درخزئی! عنائیہ نے اسے بھیگی بے یقین آنکھوں سے دیکھتے ایک ہاتھ سے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی۔ وہ پھولتی رگوں سے اس کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا رہا تھا۔ عنائیہ کا چہرہ سرخ پڑتے محسوس کرتے دوسرے لمحے درخزئی اس کی گردن چھوڑ چکا تھا۔

عنائیہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھے بے یقین تھی۔ مقابل کی آنکھیں خون اشام درندے کی مانند سرخ تھیں۔ مگر اس نے اسے سختی سے نہیں چھوا تھا۔ اسے تو لگا تھا مقابل اس کی سانسیں ختم کرنے کے بعد ہی آزادی دے گا۔

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے بے یقین تھی۔

آہہہ۔۔ درخزئی سٹیرنگ پر بے دردی سے ہاتھ مارتے ہوئے چیخا تھا۔ پھر وہ ہاتھ مارتے ہوئے چیختا ہی چلا گیا تھا۔

عنائیہ روتے ہوئے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے تھی۔۔

گاڑی میں ایک کی چیخیں اور ایک کی روتی ہوئی سسکیاں گونج رہی تھی۔۔ برفیلی ہوائیں دونوں کے جسم سرد کر چکی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے بازو سے اپنی آنکھیں مسلتے ہوے گہرا سانس لیتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔اس کی گاڑی کا رخ اب حویلی کی طرف تھا۔

درخزئی خانزادہ کی گاڑی کے ٹائر حویلی کے کارپورچ میں آکر چرچرائے تھے۔درخزئی خانزادہ نے گاڑی روکتے اپنے زخمی بازو کو جکڑے نچلا لب دانتوں تلے دبائے گہرا سانس لیا تھا۔

بازو اب بری طرح جھجھنا رہا تھا۔درد کی شدت سے اس کا وجود اب جیسے نیم غنودگی میں جا رہا تھا۔آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

شاید تھکن زدہ مسافت ختم ہو چکی تھی یا اب شروع ہوئی تھی وہ نہیں جانتا تھا مگر سفر ختم ہو چکا تھا۔ لیکن آبلہ پائی کا سفر ابھی بھی باقی تھا جو شاید اسے کاٹنا ہی تھا۔

عنائیہ گاڑی کے دروازے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ وہ راستے بھر اس ایس پی سر پھرے خانزادہ پر ایک نگاہ نہیں ڈال سکی تھی۔ کیوں وہ نہیں جانتی تھی؟؟ وہ جب جب درد سے کراہتا تو عنائیہ کو اپنے دل میں شدید درد اٹھتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اپنے دل کو مٹھیوں میں جکڑنے لگتی تھی۔۔ اس سر پھرے ایس پی کا درد آخر اسے اپنی روح میں کیوں اترتا محسوس ہو رہا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ابھی بھی اس کے کراہنے پر وہ اپنے دل کو مٹھی میں جکڑے ہوے تھی۔

درخزئی خانزادہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اترتے عنائیہ کی طرف بڑھا جو سیٹ پر بیٹھی نظریں جھکائے ہوے تھی۔

عنائیہ کی طرف کا اس نے دروازہ کھولا وہ خوف سے دوسری طرف کھسکی تھی۔ دل پہلو میں شدت سے اس سر پھرے خانزادہ کے خوف سے بھی شدید لرز رہا تھا وہ اس کے ساتھ برا سلوک کر سکتا تھا آخر حق جو رکھتا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے دروازہ کھولتے ہوے اسے کلائی سے جکڑے کھینچتے ہوے باہر نکالا۔ وہ گھسٹتی ہوئی باہر آئی تھی۔ مزاحمت کرنے کا وہ حق کھو چکی تھی۔ مگر مقابل اس پر ابھی تک ہر قسم کا حق رکھتا تھا جو غلطی اس سے آج سرزد ہو گئی تھی۔ وہ شاید اب زیادہ ہی حق رکھتا تھا۔ درخزئی خانزادہ اس کی کلائی جکڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے پلٹتے ہوے گیٹ پر کھڑے گل خان کو ایک نظر دیکھا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے دیکھنے پر وہ

گڑبڑاتے ہوئے نظریں پھیر گیا۔ درخزئی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے عنائیہ سرخ ہوتے شرمندگی سے نظریں جھکا گئی تھی۔ گل خان کے ادھر دیکھنے پر درخزئی خانزادہ کو زمین میں نگاہیں گاڑھے دیکھ کر عنائیہ کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔۔

اسے آج ایک بات کی سمجھ آئی تھی۔ عورت اپنے شوہر سے نفرت بھی کرتی ہو تب بھی اس کی جھکی نظریں برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ اسے ہمیشہ سر اٹھا کر چلتا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے جھکے کندھے جھکی نگاہیں عورت کے دل پر تازیانے کا وار کرتے ہیں۔

وہ بھی نگاہیں اسی کی وجہ سے جھکی ہوں تو عورت اندر سے ٹوٹ کر کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اتنی سی عمر میں آج یہ حقیقت جان کر وہ اندر سے مر

رہی تھی۔ اسے سر پھرے خانزادہ کی جھکی نظریں اسے اندر سے مار رہی تھیں۔ وہ خود بھی نظریں اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کی کلائی بے دردی سے کھینچتے آگے بڑھا۔ داخلی لکڑی کا بھاری دروازہ اندر سے لاک تھا۔

عنائیہ نے ذردرنگت سے درخزئی کی طرف دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی گہ اس کا تماشہ سب کے سامنے لگے۔ جو باتیں ابرش کو سننی پڑیں وہ اسے بھی سننی پڑیں۔ زحلے کو ان تکلیف دہ باتوں سے دوبارہ سے گزرنا پڑے۔ اسے سمجھ آگیا تھا۔۔ اس کا یہ اقدام نہ صرف درخزئی بلکہ زحلے اور آہل کی بھی نظریں جھکا دیتا۔ اس نے یہ تو نہیں چاہا تھا اس کی ماں کو اس کی وجہ سے ان تکلیف دہ ذلت بھری باتوں سے گزرنا پڑے۔۔ وہ جانتی تھی درخزئی خانزادہ کبھی اس کا لاونج میں تماشہ نہیں لگائے گا۔ اس حویلی کے کسی بھی خانزادہ

نے اپنی عورت کا تماشہ کبھی بھی سب کے سامنے نہیں لگایا تھا۔ زاران بھی تو ہمیشہ ابرش کو پروٹیکٹ کرتے آیا تھا۔ درخزئی خانزادہ عنائیہ کی زرد رنگت دیکھتے پھیکا سا مسکرایا۔

تم میری نظریں جھکانے کا باعث بن سکتی ہو۔ مگر وعدہ ہے یہ درخزئی خانزادہ کا تمھیں میری وجہ سے نظریں جھکانی نہیں پڑیں گی۔ درخزئی عنائیہ کو دیکھتے استھزائیہ لہجے میں بولتے ہوے مدھم سا مسکرایا تھا۔۔۔

رعنائیہ نے درخزئی خانزادہ کی بات پر زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کے طنز برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

وہ مسکراتے ہوے اپنی پینٹ سے کچھ تلاش کرنے لگا۔۔ ایک ہاتھ میں ابھی بھی اس کی کلائی جکڑی ہوئی تھی۔ عنائیہ حیرانگی سے اسے پینٹ کے پاکٹس میں کچھ تلاش دیکھ رہی تھی۔ اس رف سے بکھرے حلیے خون آلود چہرے

خون آلود شرٹ اور درد ہو کرب چہرے پر سجائے وہ جانے کیوں اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے پینٹ سے سگریٹ اور لائیٹر نکال کر سگریٹ لبوں میں دبائے لائیٹر آن کرتے سگریٹ سلگاتے گہرا کش لیا عنائیہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھی۔۔ وہ اپنی پینٹ کی پاکٹ میں سگریٹ اور لائیٹر تلاش کر رہا تھا۔ اور وہ کب سے سگریٹ پینے لگا تھا؟؟۔ وہ تو سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ درخزئی نے سگریٹ کے گہرے کش لیتے دھواں فضا میں چھوڑتے ہوے ہاتھ میں پکڑا لائیٹر دور اچھالا۔

او۔۔ یہ کیا کیا میں نے؟؟ اس کی ضروت تو اب پڑتی رہے گی۔ وہ مدھم آواز میں خود سے کہتے داخلی دروازے کے پاس بنے دو تین سٹیپ سے تیزی سے

نیچے اترا تھا۔ عنائیہ اس کے ساتھ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ اس نے اس کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔

اس کی تو اب ضرورت پڑتی رہے گی۔ درخزئی خانزادہ نے جھکتے ہوئے وہ لائٹر اٹھاتے ہوئے پینٹ میں واپس ڈالا۔

عنائیہ بغور اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ وہ جیسے اپنے حواس میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ پھر سے تیزی سے سٹیپ چڑھا تھا۔ عنائیہ اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی اوپر گئی تھی۔ وہ اس کی کلائی چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔

درخزئی نے ہاتھ میں پکڑی ایک پن سی داخلی دروازے کے لاک میں گھمائی تو وہ لاک کلک سے کھل گیا تھا۔ عنائیہ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں تھیں۔

دو نمبر خانزادہ بھی ہوں میں !! صرف سر پھرا تھوڑی ہوں۔ ایس پی دو نمبری میں بھی مشہور ہے۔ وہ کہتے ہوے اونچا سا قہقہ لگا گیا تھا۔۔ عنائیہ کو اس کے قہقوں پر عجب سی وحشت سی محسوس ہو رہی تھی

وہ اس کی کلائی جکڑے داخلی دروازہ کھولتے ہوے اندر داخل ہوا۔ وہ اس کی کلائی اتنی سختی سے جکڑے ہوے تھا کہ عنائیہ کو اپنی کلائی ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ درد کی شدت سے عنائیہ کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی۔ اس کی بلند ہوتی سسکاری پر درخزئی خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ دوسرے لمحے وہ سر جھٹکتے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔۔ وہ لاونج میں خود کا تماشہ بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت رات گہری ہو چکی تھی۔ سب اپنے اپنے گرم کمروں میں سو رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا حویلی

میں کسی کو بھی اس معاملے کی بھنک پڑے۔۔ وہ زنان خانے کے لاونج سے اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے عنائیہ کو کلائی سے تقریباً کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنائیہ اپنے لبوں سے نکلتی سسکاریوں پر بمشکل قابو پائے ہوئے تھی۔ اس سر پھرے ایس پی کی سخت گرفت اپنی نازک کلائی پر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

۔ کدم وہ راستے میں رکھی خوبصورت سی اونچی سی گول ڈیکوریشن کے لیے رکھی گئی ٹیبل سے ٹکرا گئی تھی۔۔ وہ اس ماربل سے بنی ٹیبل سے بہت بری ٹکرائی تھی۔ عنائیہ کے لبوں سے چیخ برامد ہوئی تھی۔ درخزئی خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔ دوسرے پل وہ بے رحم بنا بنا پیچھے مڑے بغیر اسے بے دردی کے کھینچتے آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ ماربل سے بنی میز زمین پر گرتے

رات کے سناٹے کو چیر گئی تھی۔ ابرش جو بلیک فال گاون پر نایٹی پر اپنی گرم شال اوڑھے ہوے سڑھیاں اتر رہی تھی۔۔۔

عنائیہ کو دیکھتے وہ تیز تیز قدموں سے سڑھیاں اترنے لگی۔ اسے ٹیبل پر گرتے ہوے وہ دیکھ چکی تھی۔ اور درخزئی جیسے اسے گھسیٹ کر لے کر گیا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح کئی سڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتے ہوے نیچے آئی تھی.۔۔ لاونج کے سفید فرش پر وہ خون کے قطرے دیکھ چکی تھی وہ خون دیکھتے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

عنا۔۔۔ عنائیہ !! اس کے لبوں سے ٹوٹ کر اس کا نام ادا ہوا

آخری سٹیپ پر پر وہ لڑکھڑائی تھی۔ اس کا پاؤں کا انگوٹھا سیڑھی کے سٹیپ سے بہت بری طرح ٹکرایا تھا۔ وہ درد سے کراہتے منہ کے بل گری۔۔ درد

کی شدت سے اس کی آنکھوں میں شبنم اتری تھی۔ وہ اپنے درد کی پرواہ کیے بغیر پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے درخزئی کے کمرے کی طرف بڑھی۔ جو مہمان خانے کے بنے کمروں سے آگے گرز ایک الگ سا پورشن آتا تھا۔۔ جہاں بنے کمروں میں مردوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ جس کی ایک سائیڈ مردانے کی بھی طرف آتی تھی۔

درخزئی خانزادہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے عنائیہ کو اچھوت کی طرح خود سے دور دھکیل گیا تھا۔۔ عنائیہ زمین پر گھٹنوں کے بل جا گری تھی۔

درخزئی خانزادہ نے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی۔ ڈریسنگ مرر میں دیکھتے ہوئے اس نے ڈرار سے چھوٹی سی قینچی نکالتے ہوئے اس قینچی کی مدد سے اپنے بازو سے گولی نکالنے کی کوشش کی۔

قینچی اس کے مضبوط ہاتھ میں تھر تھرا کر رہ گئی تھی۔۔زخم گہرا تھا۔اس میں سے درد کی ٹھیسس اٹھ رہی تھیں۔

عنائی یہ دیکھتے زمین سے اٹھتی تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔۔۔درخزئی یہ کیا کر رہے ہیں؟؟عنائیہ اس کے قریب جاتے ہوے ہذیانی چیخی تھی۔وہ مرر میں دیکھتے ہوے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس قینچی کی نوک سے گولی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بہت سخت ٹریننگ لی ہوئی ہے میں نے۔۔کرنے دو مجھے!!اگر یہ گولی نہیں نکالوں گا یہ اندر ہی ناسور بن جاے گی میرے لیے۔وہ سرد سپاٹ لہجے میں بولتے اس قینچی سے اپنے زخم والی جگہ پر سکن کو ہلکا سا کاٹ گیا تھا تاکہ گولی نکالنے کی جگہ بنائی جاسکے۔درد کی شدت سے وہ اپنے جبڑہ شدت سے بھینچے ہوے گہرے سانس لے رہا تھا۔

درخزئی کے دل کی دھڑکنیں تک عنائیہ کو محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کتنی تکلیف میں یہ اس کے چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔

درخزئی!! عنائیہ نے ی اس کے زخمی بازو کو جکڑے روتے ہوئے اسے التجائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے یہ کرنے سے منع کیا تھا۔

کرنے دو خود کو تکلیف دوں گا تو تمھیں تکلیف نہیں پہنچا سکوں گا۔ ورنہ تمھاری سانسیں کھینچ لوں گا۔ خانزادوں کا خون ہے میرے اندر! عورت جتنی مرضی معصوم ہو پاک ہو مگر اس کی عورت اس کی عزت پر آنچ کے آنے کا سبب بنے وہ اس عورت کی بوٹی بوٹی کرنا چاہتا ہے۔ جیسے میرے شریانوں میں بھڑکتا خون کہہ رہا ہے۔ تمھاری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں۔ وہ اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھے اسے بے دردی سے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔

عنائیہ سسکتے ہوے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھی۔۔جو بے حد نرمی سے اس کی گردن دبوچے ہوے تھا۔ مگر اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا جس سے صاف ظاہر تھا وہ اس کی سانسیں بند کرنا چاہتا ہے مگر کر نہیں پا رہا۔

آہہہ۔۔۔۔۔درخزئی اس کی گردن سے ہاتھ ہٹاتے ہوے چیختے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔ ہاتھ میں پکڑی قینچی زمین پر دے ماری تھی۔

بزدل ہوں میں !!درخزئی خانزادہ بزدل ہے۔ وہ صرف باتیں کرنا جانتا ہے۔ وہ نہ تمھیں کچھ کہہ سکتا ہے نہ خود کے زخموں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا ہے۔ درخزئی خانزادہ اپنے بال نوچتے ہوے حلق بل چیخا تھا۔

عنائیہ اسے چیختے ہوے دیکھتے ہوے دیوار میں سمائے منہ پر ہاتھ رکھتے اونچا اونچا رونے لگی تھی۔

اندر سے آتی چیخوں اور رونے کی آواز سنتے ابرش کا دل بری طرح لرزا تھا۔وہ کمرے کا دروازہ کھول کر ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوئی تھی۔۔

درخزئی خانزادہ ابرش کو اندر داخل ہوتے دیکھتے زمین سے اپنی خون آلود شرٹ اٹھاتے ہوے سپاٹ چہرے کے ساتھ پہننے لگا۔

ابرش دیوار کے ساتھ لگی عنائیہ کی طرف بڑھی۔جو ابرش کو دیکھتے اپنے آنسو بے دردی سے ہتھیلیوں سے صاف کر رہی تھی۔

کیا ہوا ہے عنائیہ میری جان؟؟ابرش نے تڑپتے ہوے اس کے بہتے آنسو دیکھتے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

کچھ نہیں آپی!!عنائیہ نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ نظریں درخزئی خانزادہ کی طرف تھیں۔جو اپنی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ابرش کے آنے پر اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ سرد و سپاٹ ہوا تھا۔ آنکھوں کی سرخی نے بھی بڑھتے حدت اختیار کی تھی۔

کچھ نہیں ہوا تو تم رو کیوں رہی ہو؟ تمھاری آنکھیں سوجی کیوں ہیں میری جان؟؟اور تمھیں چوٹ تو نہیں لگی کہیں!!خون۔۔خون۔۔۔۔باہر خون تھا۔ابرش بھیگے لہجے میں بولتے ہوے اس کا چہرہ اس کی گردن اس کے بازوؤں کو اپنے کانپتے ہاتھ سے چھو رہی تھی۔

کچھ نہیں ہوا آپی!!عنائیہ بھیگے لہجے میں بولتے جھنجھلا گئی تھی۔۔گلابی پن اختیار کرتی سوجی متورم آنکھیں تو صرف درخزئی خانزادہ پر ٹکی تھیں۔جو

ابرش کے کمرے میں آنے کے بعد اب رخ پلٹے کھڑا تھا۔ عنائیہ کی بھیگی آنکھیں اس کی چوڑی پشت پر جم گئی تھیں۔ اس کی سفید شرٹ بیک سے بھی خون الود ہو چکی تھی۔

کیوں کچھ نہیں ہوا؟؟ یہ انسان تمھیں کیسے بے دردی سے گھسیٹتے ہوے لایا تھا۔ کیا کیا ہے اس نے تمھارے ساتھ؟؟ ابرش درخزئی کی چوڑی پشت دیکھتے چیخی تھی۔

آپی!! عنائیہ نے بے بسی سے بھیگے لہجے میں ابرش کو پکارا۔

کیا کیا ہے تم نے میری بہن کے ساتھ؟ ابرش اسی لمحے درخزئی کی طرف بڑھتے اس کے مقابل آتے ہوے اب چیخی تھی۔

آپی!!عنائیہ دیوار میں سماتے ہوے اسے پکارتے بے بے بسی سے رودی تھی۔وہ کتنی جذباتی تھی وہ جانتی تھی۔

وہ آپ کی بہن نہیں بیوی ہے میری!!بیوی ہے میری!!درخزئی طیش والم سے بھڑکتے ہوے ابرش سے بھی زیادہ شدت سے چیخا تھا۔ابرش نے عنائیہ کی حویلی سے نکلنے میں مدد کی۔ابرش کو دیکھتے اس کا دماغ تڑخ کر جیسے دو حصوں میں تقسیم کر ہو رہا تھا۔وہ زاران خانزادہ کی عورت تھی وہ اس دوستی کی خاطر خود پر قابو پائے ہوے تھا۔ورنہ جو جو اس کی بیوی کا اس اڈے پر پہنچنے کا سبب بنا تھا۔وہ اسے موت سے بدتر سزا دینا چاہتا تھا۔

بیوی ہے مگر زبردستی کی!!یہ نکاح دھوکے سے ہوا تھا۔میں اور میری بہن اس نکاح کو نہیں مانتے سنا تم نے ایس پی!!ایک بار بولا تھا تم سے یوں یوں

میں یہ طلاق کرواؤں گی۔۔ ابرش نے لفظ چباتے ہوے درخزئی کی آنکھوں کے آگے چٹکیاں بجائی تھیں

درخزئی اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

آپی!! عنائیہ اسے مدھم آواز میں پکارتے شدت سے رودی تھی۔ آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔۔ یہی باتیں تو وہ آج ابرش سے کر چکی تھی۔۔ مگر اب اپنی ہی کی ہوئی باتیں ابرش کے منہ سے اسے پتہ نہیں کیوں چبھ رہی تھیں۔ سب سے برھ کر جیسے وہ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی اس پر غرا رہی تھی. اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

دھوکے سے ہوا ایاز بردستی سے یہ نکاح۔۔ لیکن یہ نکاح ہو چکا ہے. اب تمھاری بہن میری ہو چکی ہے۔ میں نے بھی کہا تھا کیسے طلاق کرواؤ گی ۔جواب دو مجھے۔ درخزئی طیش والم سے بھڑکتے ہوے حلق کے بل دھاڑ

اٹھا تھا۔ یہ تو طے تھا وہ ایک ہی رشتے کی عزت کرتا تھا وہ اس کی بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔۔

عنائیہ اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے دیوار میں سمائی تھی۔

ابرش بھی مقابل کی دھاڑ اور اس کی خون اتری آنکھیں دیکھتے سہمی سی تھی۔

زاران جو آج ایک میٹنگ کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ وہ ابھی فلایٹ لے کر حویلی داخل ہوا تھا۔ مردانے میں قدم رکھتے درخزئی کے کمرے سے آتی آوازوں پر وہ پریشان ہوتے درخزئی کے کمرے کی طرف بڑھا

کمرے کا دروازہ کھولتے اس کی رنگت طیش و اشتعال سے سرخ ہوئی تھی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

ابرش کھلے بالوں کے ساتھ اپنے وجود پر اپنی شال اچھی طرح لپیٹے ہوے فل گاون نایٹی میں درخزئی کے مقابل کھڑی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ کی دھاڑ پر اس نے ابرش کو سہمتے ہوے پیچھے ہوتے دیکھا تھا۔

زاران خانزادہ بے یقین ہوا تھا۔ رات کے تین بجے اس پہر میں اس کی بیوی اس کے دوست کے کمرے میں نایٹ گاؤن کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

یہ اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بھڑکا چکا تھا۔

درخزئی خانزادہ کا چیخنا وہ اپنی بیوی پر برداشت نہیں کر سکا تھا۔ رنگت میں اس وقت طیش والم کی سرخیاں دوڑی تھیں۔

ابرش زاران خانزادہ کو دیکھ کر فق رنگت کے ساتھ کئی قدم پیچھے ہوئی تھی ۔وہ کھلے بالوں کے ساتھ نایٹ گاؤن کے ساتھ درخزئی خانزادہ کے سامنے کھڑی تھی۔۔زاران خانزادہ کہاں برداشت کرتا تھا اسے کمرے کے باہر اس طرح کے حلیے میں؟؟ابرش زاران خانزادہ کو دیکھتے گہرا سانس لیتے اپنی شال سینے سے مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ زاران کو خون اتری نم زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟زاران خانزادہ ابرش پر قہربار نگاہ ڈالتے ہوے درخزئی خانزادہ کی نم زدہ کرب میں ڈوبی وحشت بھری آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

وہ اس کی خون آلود شرٹ اور اس کی دگرگوں حالت نظر انداز کر گیا تھا ۔۔اسے نظر آیا تھا تو صرف مقابل کا اپنی بیوی پر چلانا۔اپنی بیوی کی تذلیل

وہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جس طرح وہ چلایا تھا اور ابرش سہمتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی۔ وہ منظر زاران کی آنکھوں میں کنکر بن کر چبھ رہا تھا۔

یہاں ایس پی درخزئی خانزادہ کے منہ پر جوتے مارے جا رہے ہیں۔ تم بھی اپنی بیوی کا ساتھ دیتے ایس پی درخزئی خانزادہ کا منہ لال کر دو!! درخزئی خانزادہ زاران خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استھزائیہ انداز میں بولتے ہوئے رخ پلٹے اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کرنے لگا.

عنائیہ دیوار میں سمائے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا وہ سامنے کھڑے انسان کی عزت ہے۔ یہ حلیہ کسی طور پر بھی زاران خانزادہ کے سامنے مناسب نہیں ہے۔ درخزئی زخمی سی شکوہ کناں نگاہیں عنائیہ پر

گاڑھے ہوے تھا۔ جو در خزئی کی زخمی نگاہوں پر وہ اس کی طرف دیکھتے بے بسی سے رو دی تھی۔

زاران خانزادہ نے جبڑے بھینچتے ہوے اس کا زخمی بازو اس کی دگر گوں حالت دیکھی تھی۔ زاران نے دیوار میں سمائے روتی ہوئی عنائیہ اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھیں۔ آج اسلام آباد میں کیا ہوا؟؟۔ وہ سب نیوز چینل اور سوشل میڈیا پر دیکھ چکا تھا۔ عنائیہ حویلی سے اکیلی اسلام آباد چلی گئی اور اس بار میں آخر کیا کر رہی تھی۔ وہ سب دیکھتے زاران کی رگوں میں بھی دوڑتے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔ اگر عنائیہ اس کی اپنی بہن ہوتی تو اس وقت وہ اس کے سینے میں شاید گولیاں تو ضرور اتار دیتا۔۔

زاران کی خونخوار اور بے اعتبار نگاہیں خود پر پڑتے محسوس کرتے عنائیہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسکتے ہوے رو دی تھی۔۔ سب کی ایسی ہی بے

اعتبار نگاہوں کا ابھی اسے سامنا کرنا پڑنا تھا۔ مگر جو زخمی شکوہ کناں نگاہیں

درخزئی خانزادہ کی اپنے وجود پر گڑھے محسوس کر رہی تھی وہ اسے آج پاتال

کی گہرائیوں میں گراتی محسوس ہو رہی تھیں۔۔

بند کرو یہ رونا سسکنا ورنہ آج میں اپنی جان لے لوں گا۔

درخزئی خانزادہ دھاڑتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔ ڈریسنگ پر رکھا شوپیس اٹھا

کر زمین پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھے چیختے ہوئے دیوار میں سمائے شدت سے لرز اٹھی

تھی۔

How can he speak to my sister like that especially since she is only 16 how can he talk to like that in front of both of us.

ابرش نے زاران کے مقابل آتے گہرے سانس بھرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔

زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے درخزئی خانزادہ کو دیکھا۔ڈریسٹنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے جھکے ہوے مرر میں اپنی سرد سرخ آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

بولیں جواب دیں مسٹر خانزادہ!!یہ کیسے میری بہن سے ایسے سلوک کر سکتا ہے؟؟۔۔آپ نے یہ نکاح کروایا تھاناں!!ا

یہ کیسے میری عنائیہ سے ایسے بات کر سکتا ہے۔اس پر چلا سکتا ہے۔

How can he do this??

ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں سوال کرتے سر نفی میں ہلاتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

تم کمرے میں جاؤ میں تم سے آکر بات کرتا ہوں ہمم!!زاران نے اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ چھڑواتے ہوے اس کی ٹھوڑی نرمی سے دو انگلیوں سے چھوتے نرم لہجے میں کہتے اسے سرد برفیلی نگاہوں سے اسے تنبیہ کرتے ہوے اسے جذباتی پن دکھانے سے منع کیا تھا۔

نو مسٹر خانزادہ!!نو مسٹر خانزادہ!! نہیں کمرے میں چل کر آپ مجھ سے بات نہیں کریں گے۔ آپ مجھے دھمکائیں گے۔میں اس حلیے میں ایس پی کے

سامنے کھڑی تھی اپنی سو کالڈ غیرت دکھاتے مجھے سزا دیں گے۔ ابرش کے بات پر زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھی۔

Let me the clear first Mr khanzada

آنکھیں لال کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابرش انگشت شہادت اٹھائے بھیگے لہجے میں بولتے زاران کے قریب ہوئی۔

سزا دینے کا مطلب یہ نہیں ہمیشہ بیوی پر ہاتھ اٹھایا جائے۔

محبت کرنے والی بیوی کے لیے سزا اس کے شوہر کا دیا ہوا طعنہ بھی ہوتا ہے اس کی اعتنائی بھی ہوتی ہے۔ اس کا نظر انداز کرنا بھی ہوتا ہے۔

"In romance, crossing every limit and not considering your wife's emotions, then turning away and going to sleep is also a form of punishment. Showing your wife that she is just a need."

(رومانس میں ہر حد سے گزر کر اپنی بیوی کے اموشنز کا خیال نہ کرنا اور پھر رخ پلٹ کر سو جانا بھی سزا ہوتی ہے۔یہ شو کروانا کہ بیوی صرف تمھاری ضروت ہے)

ابرش نے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے انگلش ایسنٹ میں اس کے قریب ہوتے اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی تھی۔

زاران نے اس کی سرگوشی پر اپنی مٹھیاں بھینچتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ رنگت تانبے سے بھی زیادہ سرخ ہوئی تھی۔

مسٹر خانزادہ آپ نے ایس ایس پی سے میری عنائیہ کا نکاح کروایا!! دیکھ لیا آپ نے اس کا نتیجہ !!27 سالہ مرد خون میں لت پت اپنی شرٹ خون سے رنگین کیے ایک سولہ سالہ لڑکی پر چیخ رہا ہے۔ کیونکہ اس ایس پی خانزادہ کے پاس نکاح کی صورت میں پرمٹ موجود ہے میری بہن پر چلانے کا۔ ابرش نے استھزائیہ لہجے میں درخزئی خانزادہ کو دیکھتے کہا جو ابھی بھی ڈریسنگ ٹیبگ کو جکڑے مرر میں کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوے تھا۔ ابرش کمرے میں جاؤ۔۔ میں آکر بات کرتا ہوں۔ زاران نے جبڑے بھینچتے درخزئی کو دیکھا جس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ گولی اس کے بازو میں کافی دیر سے پیوست تھی۔ وہ چار گھنٹے کی ڈرائیونگ بھی کر کے

آیا تھا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا نہ بازو کی چوٹ برداشت ہو رہی تھی نہ دل پر لگی چوٹ برداشت ہو رہی تھی۔ اس کی کنڈیشن بہت خراب لگ رہی تھی۔

مسٹر خانزادہ! اپنے دوست کے زخموں سے رستا خون اس کی کی آنکھوں میں اترا خون آپ سے برداشت نہیں ہو رہا۔

مگر میرے لیے یہ نارمل بات ہے۔ مم میں اس حویلی میں آکر بہت خون خرابہ گولیوں کا کھیل دیکھ چکی ہوں۔ آپ خانزادے یہ برداشت کر لیں گے۔ بہت بہت سخت جان ہیں آپ لوگ۔۔ یہ ایس پی بھی برداشت کر لے گا۔ مگر جو آپ خانزادے ہم عورتوں کے اموشنز کے ساتھ کھیلتے ہیں ان کا کیا؟؟ اس ایس پی کا خون میں لت پت ہونا اس کی سرخ آنکھیں!! یہ

سب دیکھتے میری کم عمر معصوم بہن کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہو گی۔ کیا آپ سمجھ سکتے ہیں؟!

میرے باپ پاشا کی چیخ و پکار کیا کم تھی ہمارے لیے کہ آپ خانزادے بھی ہم پر چیخیں گے چلائیں گے کیونکہ ہمارا کوئی نہیں۔۔ ابرش کی باتوں پر زاران نے گہرا سانس لیتے منہ پر ہاتھ پھیرتے چھت کی طرف دیکھتے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہ کسی صورت درخزئی کے سامنے اپنی بیوی پر چلا نہیں سکتا تھا۔

آپی بس کر دیں۔!! عنائیہ اسے مدھم آواز میں پکارتے دیوار میں سماتے ہوئے بے بسی سے رو رہی تھی۔ درخزئی خانزادہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ جس کے باعث اس کے لبوں سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ وہ خوفزدہ

سی اسے دیکھتے اس کے بازو سے رستے خون کو دیکھ رہی تھی جس سے بہتا خون اس کی دھڑکنیں روک رہا تھا۔

یہ ایس پی میری بہن کو کلائی سے گھسیٹتے ہوئے لایا۔ وہ ٹیبل پر پیٹ کے بل گری تھی۔ یہ پھر بھی اسے بے دردی سے گھسٹیٹتے ہوئے لایا۔ اس نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ عنائیہ ابھی بہت کم عمر ہے۔ کیسے خیال ہوتا اس ایس پی کو؟!۔۔ اسے تو صرف اتنا پتہ تھا وہ نکاح کر کے عنائیہ پر اپنا سو کالڈ حق رکھتا ہے۔

نہیں ہے یہ کم عمر نہیں ہے یہ معصوم!! نہیں ہے یہ معصوم۔۔ درخزئی خانزادہ ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑا۔

عنائیہ اس کے دھاڑنے سے زیادہ اس کی بات پر شدت غم سے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی۔

نہیں ہے یہ معصوم!! دھوکہ دے کر مجھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ کیسے یہ معصوم ہو سکتی ہے؟؟ کیسے یہ کم عمر ہو سکتی ہے؟؟ درخزئی عنائیہ کے چہرے پر استھزائیہ نگاہیں گاڑھے اب آہستگی سے بولتے اپنے بازو کو جکڑ گیا تھا۔ جہاں اٹھتے درد نے اسے بلبلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ بازو بری طرح جھنجھانے لگا تھا۔

زاران نے یہ دیکھتے اس کی طرف تیزی سے بڑھتے اس کا زخمی بازو تھاما ۔۔ درخزئی اب اس بازو کو موو بھی نہیں کر ٹھیک سے نہیں کر پا رہا تھا۔

پاس نہ آنا میرے!! ہاتھ نہ لگانا مجھے!! تو میرا دوست نہیں ہو سکتا۔ تو میرا دوست نہیں ہے۔ وہ اپنا بازو ایک جھٹکے سے چھڑواتے کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

میں نے کیا کیا ہے؟؟ زاران نے اسے دیکھتے حیرانگی سے پوچھتے اپنے سینے پر انگلی رکھی۔

یہ تو پوچھ اپنے آپ سے ؟؟ درخزئی نے گہرا سانس لیتے نم لہجے میں پوچھا۔

یہی تو پوچھ رہا ہوں تجھ سے میں نے کیا کیا؟؟ کیا جرم ہوا مجھ سے ؟؟ زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔اس کے رشتوں میں درخزئی خانزادہ رہ گیا تھا جس نے ہر چیز کا مودر الزام اس کو نہیں ٹھہرایا تھا۔ مگر آج وہ بھی ٹھہرا رہا تھا۔

یہ تو اپنے آپ سے پوچھ زاران ؟؟ یہ تو اپنے آپ سے پوچھ کیا جرم ہوا تجھ سے ؟!۔۔ درخزئی نے اپنے بازو کو جکڑتے دانت پر دانت جمائے درد سے بلبلاتے ہوئے گہرے سانس لیے۔

کیا کیا ہے میں نے ؟؟ بتاؤ مجھے ایس پی !! کیا کیا ہے آخر میں نے ؟؟ میں نے عنائیہ کا نکاح تجھ سے کروایا یا پھر یہ تجھے اس بار میں ملی اس میں بھی میرا قصور۔۔۔۔۔

خبر دار خبر ار تو نے ایک لفظ بھی کہا!! جان لے لوں گا تیری!! درخزئی خانزادہ طیش والم سے دھاڑتے ہوے زاران کے جبڑے پر مکہ پوری قوت سے مکہ مار گیا۔

ابرش تیزی سے زاران کی طرف بڑھی تھی۔۔ زاران اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتا ابرش کو سرد سرخ نظروں سے تنبیہ کرتے ہوے آگے بڑھنے سے روک گیا تھا۔

زاران کی سرد نظر پر وہ اپنے قدم پیچھے بڑھا گئی تھی۔

بیوی ہے میری! ایک لفظ نہیں سنوں گا اس کے لیے!! نہیں کہے گا تو وہ لفظ جسے سن کر میں مر جاؤں!! ساری دنیا کے لبوں سے یہ سب کچھ شاید سن لوں! مگر اپنوں کی زبان سے نہیں سن سکوں گا۔ درخزئی زخمی لہجے میں بولتے اپنی خون آلود آستین سے اپنی نم آنکھیں رگڑ گیا تھا۔

نکاح کروانے والا ارے تو ہوتا کون ہے؟ درخزئی خانزادہ زاران کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے پھنکارا۔

یہ نکاح ہونا ہی تھا تو سبب نہ بنتا کوئی اور بن جاتا یہ نکاح ہونا ہی تھا۔ درخزئی خانزادہ نے دانت پر دانت جمائے گہرے سانس لیے۔۔

تم سب پاگل ہو سب پاگل ہو۔ جو میرے رب کے فیصلے کو سمجھ نہیں سکے۔۔ نہ تم نہ تمھاری بیوی نہ میری بیوی!! درخزئی خانزادہ اب تلخی سے ہنسا تھا۔

عنائیہ نے کرب سے سسکی لی تھی وہ سمجھ گئی تھی آج ہی تو سمجھی تھی۔۔

تم لوگوں کے پاس رشتے ہیں۔ اس لیے بہت باتیں کرنا آتی ہیں۔ میں رشتوں کے معاملے میں غریب ہوں اس لیے لفظوں کے معاملے میں بھی

غریب ہوں۔ دو نمبری پولیس میں کرنی آتی ہے۔۔ مجرم کے منہ سے سچ کیسے نکلوانا مجھے پتہ ہے۔ اپنے افسروں کو اپنے ہی اشاروں پر کیسے چلانا ہے یہ بھی درخزئی خانزادہ کو پتہ ہے۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوے بولا تھا۔۔ مگر اپنے ہی رشتوں کے ساتھ کیسے کھیلنا ہے یہ مجھے نہیں پتہ !! مجھے صرف یہ پتہ ہے !! جس کے پاس ماں ہوتی ہے اس کے پاس جنت ہوتی ہے۔ جس کے پاس بہن ہوتی ہے اس کے پاس ہر خوشی ہوتی ہے۔ جس کے پاس بھائی ہوتا ہے اس کی طاقت ڈبل ہو جاتی ہے۔ جس کے پاس باپ ہوتا ہے اس کے پاس غم نہیں ہوتا۔ جس کے پاس بیوی ہوتی ہے اس کا پیار اس کی وفا ہوتی ہے وہ دنیا کا سب سے امیر شخص ہوتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ درخزئی خانزادہ ہوتا ہے۔ وہ درخزئی خانزادہ ہوتا ہے۔ وہ گہرے سانس لیتے ہنستے ہوے بولا تھا۔

عنائیہ نے تڑپتے ہوے دل پر ہاتھ رکھا تھا اسے لگ رہا تھا آج وہ تڑپ کر مر جائے گی۔ اس انسان کی ہنسی کی آواز مزید اس کی سماعتوں میں سنائی دی وہ اپنے حواص کھو دے گی۔ وہ اب اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

مجھے تو اتنا پتہ ہے نکاح ہو جائے لڑکی کم عمر ہو یا بڑی عمر کی وہ نکاح کے بعد اپنے مرد کی عزت ہر خوشی بن جاتی جاتی ہے۔ وہ اس کی عزت کا وارث بن ہے جاتا ہے۔ وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔۔۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا اس نکاح کے بعد مجھے ہر کسی کو جوب دہ ہونا پڑے گا۔۔۔

تو بتا مجھے !! اسے بہن کہا تھا تم نے۔ درخزئی نے زاران کو دیکھتے عنائیہ کی طرف اشارہ کیا۔

زاران خاموشی سے لب بھینچے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کا ٹوٹا زخمی لہجہ اس کا پور پور زخم بھرا وجود زاران کو کچھ کہنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ جو کچھ آج اس کے ساتھ ہوا۔ وہ اس کا درد سمجھ رہا تھا۔

مجھے بتا ابھی جو لفظ تو اس کے لیے بولنے لگا تھا تو کیا اپنی بہن عابیر کے لیے بولتا۔ درخزئی نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے تلخی سے سوال کیا

۔

میری بہن کا نام مت لینا!! زاران عابیر کا نام سنتے درخزئی کو دیکھتے غصے سے گرج اٹھا تھا۔ عابیر کا نام بھی وہ درخزئی کے لبوں سے برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ مر کر بھی اپنی بہن کو اس کلب میں سوچ نہیں سکتا تھا۔

برا لگا تیری بہن کا نام لیا ناں۔۔ کیونکہ وہ تیری سگی بہن ہے زاران!! مان لے تیری بہن صرف وہ ہے۔ جس کے لیے تو ایسے بھڑک سکتا ہے۔ جس کے برا ایکٹ پر تیری نظر ہو سکتی ہے۔ اسفندیار خان ایک اچھا انسان ہے۔

پھر بھی تیری ایک حس اپنی بہن کی طرف رہتی ہو گی۔ تو اپنی بہن سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا۔

مجھے بتا کیا وہ ایسے حلیے میں اس حویلی سے نکل سکتی تھی۔ درخزئی نے عنائیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوے زاران سے تلخ لہجے میں سوال کیے۔

زاران نے اس کے سوال پر اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اپنی نگاہیں اپنے چمکتے بوٹوں پر گاڑھیں۔

جیسے بھی یہ نکاح ہوا۔ یہ کم عمر ہے یا عمر میں بڑی ہے۔ مگر ہے یہ میری بیوی!! میں چاہتا تو رخصتی کر سکتا تھا۔ اسے اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ مگر تجھ پر اعتبار کیا۔ اس حویلی کے ہر انسان پر اعتبار کیا۔ اپنی عزت اپنی امانت آپ لوگوں کے حوالے کی۔ یہ حفاظت کی میری عزت کی میری آمانت کی۔ یہ اکیلی امریکہ جا رہی تھی۔ اور آپ میں سے کسی کو پتہ ہی نہیں تھا۔ سب گرم

کمروں میں آرام کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہوتا کون ذمہ دار ہو دتا۔ رخزئی خانزادہ نے چیختے ہوے سوال کیا۔

زاران عنائیہ کے امریکہ جانے والی بات پر حیران تھا۔

تم ہوتے ذمہ دار ایس پی۔۔ تم ہوتے ذمہ دار۔۔ ابرش درخزئی کے مدمقابل آتے ہوے بولی تھی۔

ابرش۔۔۔ زاران نے سختی سے اسے تنبیہ کی۔

کیسے اس نکاح کو تم نکاح مان سکتے ہو جس میں لڑکی کی امادگی ہی نہ ہو!! ایک سولہ سال کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لے کر تم اس پر حق ملکیت کیسے جتا سکتے ہو؟؟ تمھیں اپنے خدا پر اتنا یقین تھا تو یہ بھی یقین رکھتے کہ عنائیہ ہر حال میں تمھاری ہی رہے گی۔۔

رشتوں کا ترسنے والا درخزئی خانزادہ نے اپنے ہی رشتے کا مذاق اڑایا۔۔ اپنی ہونے والی بیوی کو اموشنلی ایکسپلویٹ کرواکر نکاح نامے پر سائن کروائے۔۔ آج اگر یہ یہاں سے جارہی تھی تو اس میں بھی قصور تمھارا تھا۔ تم نے اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا تھا۔ اگر تمھیں ایک وفا دار محبت کرنے والی بیوی چاہیے تھی تو سوات کی کسی لڑکی سے نکاح کرتے۔ وفا بھی ملتی اور اس لڑکی کی قربت بھی ملتی۔ جس کے لیے تم جیسا خانزادہ یقیناً ابھی تک ترس رہا ہے۔

ابرش درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولی تھی۔

درخزئی خاموشی سے سرد سرخ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ابرش!زاران نے اسے بازو سے سختی سے جکڑے اپنے مد مقابل کرتے ہوے اب وارن کیا تھا۔

مسٹر خانزادہ کمرے میں چل کر آپ کی ڈانٹ آپ کا غصہ سہہ لوں گی۔ مگر آج مجھے اس ایس پی کو بتانے دیں وہ سچ جس سے شاید اس کی آنکھیں کھل جائے۔بتانے دیں زبردستی کے رشتوں میں کھی محبت کی پروان نہیں چڑھتی۔بتانے دیں مسٹر خانزادہ!!میری بہن سے اس نے اس کا حق چھینا ہے جو خدااور اس کے رسول نے اسے دیا کہ نکاح سے پہلے بیٹیوں کی مرضی معلوم کرلو۔۔ان کی مرضی کے بغیر ان سے عقد نہ کرو۔۔یہ تو کہیں نہیں آیاناں مسٹر خانزادہ کہ اپنی بہن بیٹی کو اپنے احسانوں تلے دباتے ان سے نکاح کی حامی بھرواؤ۔۔ابرش نے زخمی نگاہوں سے زاران کو دیکھتے

بھیگے لہجے میں اسے بھی بہت کچھ جتایا تھا۔ زاران اپنی آئی برو انگلی سے مسلتے ہوے جھنجھلایا تھا۔۔

ایس پی میری بہن اس حویلی سے گئی۔ اس میں تمھاری غلطی تھی۔۔ وہ تم جیسے دو نمبر والے پولیس والے انسان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ جس کے قول و تضاد میں فرق ہو۔ ہم امریکہ سے آئے ہوے لوگوں میں تم پاکستانیوں کی طرح جھوٹ ریاکاری نہیں ہوتی۔۔ اگر تم اسے جانے دیتے وہ تمھارے سامنے جاتی۔۔ مگر ایشن ہی نہیں چھوڑا تم نے ایس پی۔۔ ابرش درخزئی کی سرخ انکھوں میں جھانکتے ہوے استھزئیہ مسکرائی تھی۔

اگر تم اتنے ہی رشتوں کے تقدس کا خیال کرتے ہو تو ابھی اسی وقت عنائیہ کو آزاد کرو۔۔

بس۔۔۔ بس۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔ درخزئی خانزادہ یقدم دھاڑا تھا۔

درخزئی۔زاران ابرش کو پیچھے کرتے درخزئی کے مقابل آیا۔

تیرے اور میرے بیچ آج سے سب ختم!!ہر رشتے کالحاظ آج سے ختم۔۔ہر رشتے کے لیے تڑپ آج سے ختم!!درخزئی خانزادہ آج سے صرف اپنے لیے جیے گا۔۔سب ختم۔۔اب کمیں سی چیز کالحاظ نہیں کروں۔گا۔وہ گہرے سانس لیتے بولا

اپنی بیوی کو بتا ہم خانزادہ ہیں۔ہم جو رشتہ قایم کرتے ہیں اسے مرتے دم تک نبھاتے ہیں۔امیریکن نہیں جو آج ایک کے ساتھ کل کسی اور کے ساتھ۔!!ہم اپنی عزت پر جان دینے والے ہیں۔اسے بتا میرے اندر اس کے باپ پاشا جیسی فطرت نہیں جو اپنی بیوی کو اس لیے بے پردہ کرتا تھا۔کیونکہ وہ اپنی ہی اولاد کا خرچہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔اس لیے اپنی عورت کو جگہ جگہ کام کرواتا تھا۔جو دو نمبر عورتیں گھر لا کر ان کے ساتھ زنا کرتا تھا۔

میں درخزئی خانزادہ ہوں۔امریکہ میں ہوتا ہوگا ایک سے نکاح دوسرے کے ساتھ بھاگ جانا یہاں نہیں ہوتا۔درخزئی خانزادہ طیش والم سے غرایا۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ سختی سے رکھے سر نفی میں ہلاتے ہوئے رو پڑی تھی۔وہ اس کے باپ کے متعلق یہ سب کہے گا اسے امید نہیں تھی۔۔اسے درخزئی کے لفظوں سے تکلیف پہنچی تھی۔اس کے باپ پاشا کے کمائے ہوئے گناہوں کا بوجھ وہ لوگ آج بھی اٹھا رہے تھے۔

ابرش بھی بھیگی نگاہوں سے لرزتے ہوئے درخزئی کو دیکھ رہی تھی۔۔اتنا سچ تو کبھی زاران خانزاہ نے نہیں بولا تھا جتنا درخزئی بول چکا تھا۔اور یہ سچ کتنا تکلیف دہ تھا یہ وہی جانتی تھی۔۔

تولمٹس کر اس کر رہا ہے وہ بھی میری حویلی میں کھڑے ہو کر!زاران نے ابرش کے لرزتے وجود کو دیکھتے درخزئی کو وارن کیا۔اس کی بیوی کتنی

جذباتی تھی وہ یہ سب برداشت نہیں کر پائے گی۔ مگر درخزئی کی بری حالت اسے جیسے باندھے ہوے تھی۔۔ وہ کیا کہتا آخر زخم خوردہ انسان کو۔۔ جس کا پور پور زخموں سے بھرا تھا۔

لمٹس میں نے نہیں تیری بیوی نے کراس کیں۔ آج جو کچھ عنائیہ کے ساتھ ہوا اس کی ذمہ دار تیری بیوی ہے۔ عنائیہ کو حویلی سے بھگانے والی تیری بیوی۔ اس کے ڈیپارچر پیپرز پر زحلے آہل اس کے signature تھے۔ کیا سارے عنائیہ کو یہاں سے بھگانے میں ملوث تھے یا تیری بیوی نے سب کو دھوکہ دے کر سائن کروائے۔ اس کی ٹکٹس سب کچھ تیری بیوی نے کروائی۔ پوچھ اپنی بیوی سے اس نے حویلی میں رہتے ہوے اکیلے کیسے کیا کیا؟! کس نے تیری بیوی کا ساتھ دیا۔ پوچھ اپنی بیوی سے کیا اس سب میں آہل نے اس کا ساتھ دیا۔

دوست ہے میرا تو پوچھ اپنی بیوی سے میری عزت کے ساتھ اس نے ایسا کیوں کیا؟؟ کیوں میری عزت کے کھلواڑ کیا۔ ایک نکاح کرنے کی اتنی بڑی سزا مجھے کیوں دے رہی تھی۔۔

درخزئی کے سوالوں پر زاران نے سرد بے یقین نگاہیں ابرش پر گاڑھیں۔ اسے تو لگا تھا عنائیہ اسلام آباد گئی ہے وہ بھی اپنی مرضی سے؟؟ وہ امریکہ جا رہی تھی۔ وہ بھی ابرش کی سپورٹ سے۔۔ زاران خانزادہ کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے نظریں جھکائیں۔

تو نہیں پوچھ سکتا ٹھیک ہے میں آہل زحلے آنٹی داجی کو بلوا کر پوچھ لیتا ہوں۔ درخزئی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

نن

۔۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ یہ۔۔۔ سب۔۔۔ کک۔۔ کیا۔۔

میں۔۔نے۔۔یہ سب۔۔۔کچھ۔۔۔کروایا۔۔آہل۔۔۔ماما۔۔۔کسی

۔۔۔کو۔۔کچھ۔۔نہیں۔پتہ۔۔۔مم۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔نے۔۔امریکہ میں

اپنے nighbour میں رہنے والے لڑکے کو بلایا کہ میرا فرینڈ تھا۔اس کو

فون کر کے پاکستان بلوایا تھا۔۔پلیز آہل ماما کو انوالو مت کرو۔۔ان کا کوئی

قصور نہیں۔۔ابرش نے لرزتے لبوں سے گھبراتے ہوئے کہا۔زحلے کی

نظریں جھکیں وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔سمیع اللہ خان کیسے کیسے

زحلے اور انھیں ذلیل کرتا وہ اس بے عزتی سے نہیں گزرنا چاہتی تھی

درخزئی خانزادہ ہنستے ہوئے دیوار پر مکہ مار گیا تھا۔

زاران خاموشی سے ابرش پر بے یقین زخمی نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔

تعلق چاہے امریکہ سے ہو یا پاکستان سے عزت پر وار سب کا ایک جیسے ہوتا

ہے۔زحلے آنٹی اور آہل کو سب کے جوابات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔آپ کی

نظریں جھک گئیں ہیں۔ کیونکہ اپنے رشتوں پر آنچ آپ برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس طرح درخزئی خانزادہ کیسے اپنی عزت پر آنچ برداشت کر سکتا ہے۔ درخزئی نے زخمی لہجے میں بولتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔ عنائیہ نے خوفزدہ نگاہوں سے درخزئی خانزادہ کے ہاتھ میں پکڑی چابی دیکھی تھی۔۔

درخزئی نے عنائیہ کو دیکھتے اس کے گرد دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ محصور کرتے اس کی بھیگی نگاہوں میں دیکھا۔

ہے مائی لٹل سوین!! جارہا ہوں میں۔ اب تمھیں یہاں سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب کبھی درخزئی خانزادہ تم پر اپنا حق نہیں جتائے گا۔۔ نہ دو نمبر پولیس والا ہوں نہ دو نمبری رشتوں میں کبھی کی۔ تم سے نکاح کے بعد دو نمبر پولیس والا بھی بن گیا اور دو نمبر کریکٹر لیس بھی۔۔ تم نے

وردی پر داغ لگایا تمھاری بہن نے کردار پر۔۔۔اب یہاں سے جانا ہوا تو کسی جیکسن کی مدد مت لینا!! مجھے بتا دینا خود چھوڑ کر آؤں گا تمھیں۔وہ عنائیہ کے اطراف میں ہاتھ جمائے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں چھوڑتے ہوئے سرد لہجے میں بولتے پیچھے ہوتے تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

زاران اسی لمحے رخ پلٹتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر گیا تھا۔وہ اس سے نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔

ابرش زاران کے سرد چہرے کو ایک نظر دیکھتے عنائیہ کی طرف بڑھی۔

عنائیہ اسی لمحے منہ پر ہاتھ رکھتے بھاگتے ہوئے واش روم میں داخل ہوتی دروازہ بند کرتے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر دوزانو بیٹھی گھٹنوں میں منہ چھپائے سک سسک کر رو پڑی تھی۔

زاران کمرے سے نکلتا دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔

ابرش دروازے کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتی گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔

آریان خانزادہ بھاری قدموں سے حویلی داخل ہوا تھا۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اونچے نیچے پہاڑوں اور بڑے بڑے پتھروں پر ایکسر سایز کر کے آیا تھا۔ سردی کی شدت ابھی بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر وہ اس سردی میں بھی پسینے میں شرابور تھا۔ پچھلے دو گھنٹوں میں اس نے بہت ہیوی ایکسر سایز کی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ کار پورچ بھی اس نے بھاگتے ہوئے عبور کیا تھا۔ داخلی دروازہ وہ اپنی ٹراوزر سے چابیاں نکال کر لاک کھولتے اندر داخل ہوا۔۔ آج سے پہلے اس نے کبھی اپنی حویلی

کو اس طرح لاک نہیں کیا تھا۔ ڈرنا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ اپنے گرد گارڈز کی فوج رکھنا اسے سخت ناپسند تھا۔ گیٹ پر چوکیدار تک رکھنا اسے پسند نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ حویلی سے اب کبھی بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ مگر پھر بھی وہ حویلی لاک کر کے گیا تھا۔ وہ کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔۔ جانتا تھا وہ رات سے اس کی دہشت سے کافی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

بلکہ اس نے تو رات سے اب تک آنکھیں تک نہیں کھولی ہوں گی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا جب تک وہ اسے نہیں کہے گا وہ آنکھیں نہیں کھولے گی۔

وہ اس کی حالت یاد کرتے مسکراتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوا تھا۔

اس وقت وہ بلیک سینڈو اور بلیک ہی ٹراوزر میں ملبوس تھا۔

آریان خانزادہ تیز تیز قدموں سے اپنا ناشتہ بنانے کی غرض سے کچن میں داخل ہوا۔

کچن کی حالت دیکھتے وہ لب بھینچ گیا تھا

۔وہ لب بھینچتے ہوئے فریج کی طرف بڑھا۔ آریان خانزادہ فریج سے ویجٹیبل فش مٹن کے سٹیک سلایس نکالتے ہوئے الیکٹرک برنر کی طرف بڑھا تھا۔۔ ایپرن باندھتے ہوئے وہ کٹنگ بورڈ پر بہت مہارت سے سبزیاں کاٹ رہا تھا۔ مٹن اور فش کے سٹیک وہ مایئز سے

olive oil

میں فرائے کر رہا تھا۔۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنا ناشتہ تیار کر چکا تھا۔ فریج سے جوس کی بوتل نکال کر ڈائینگ ٹیبل کی طرف بڑھا

کچن کی حالت دیکھتے اس کے نقوش کے زوایے ایک بار پھر سے تنے تھے ۔۔ کچن میں ہر جگہ کانچ بکھرا تھا۔۔ کھانے پینے کی چیزیں تک فرش پر بکھریں تھیں۔

اپنے کچن میں وہ اپنے شیف کا قدم رکھنا بہت مشکل سے برداشت کرتا تھا۔ اس کا ہائی کوالیفائیڈ شیف جسے وہ لاکھوں روپے تنخواہ کے دیتا تھا وہ بہت احتیاط سے اس کچن میں کام کرتا تھا۔

اپنی چیزوں کو لے کر وہ بے حد پوزیسیو اور جنونی تھا۔ چاہے وہ اس کا وراڈروب ہو اس کی حویلی ہو یا پھر اس کی گاڑی وہ اپنی چیز پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بے جان چیزوں کے معاملے میں وہ بے حد جنونی تھا۔ اور یہی حال رشتوں کے معاملوں میں تھا۔ اپنی مام شاذمہ کو لے کر وہ بے حد پوزیسو تھا۔ جنون کی حد تک محبت کرتا تھا ان سے۔

آریان خانزادہ نے غصے سے اپنی چوڑی ہتھیلی سلیب پر مارتے ہوے اپنے اندر اٹھتے ابال پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔

اس لڑکی کا وجود اس کے لیے سوائے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ برسوں پہلے حاکم خان اور رائینہ کی وجہ سے اس نے چار چار رشتوں کو کھویا تھا۔ اور کل رات وہ رائینہ اور حاکم خان کی بیٹی کی وجہ سے اپنے

midnight

کو کھو چکا تھا۔۔

آہہہ۔۔۔ آریان خانزاہ سلیب پر پوری قوت سے ہاتھ مارتے ہوے چیخا تھا۔ حساب تو دینا پڑے گا میرے

midnight

کی موت کا۔۔ تمھارے عورت اور نازک ہونے کا میں خیال نہیں کروں گا۔ آریان خانزادہ ڈائینگ ٹیبل پر ہاتھ مارتے غراتے ہوے غصے سے ناشتے کی ٹرے دور کھسکاتا کچن سے باہر نکل آیا تھا۔

زرمش نے آنکھیں کھولتے ہوے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ اپنے چکراتے سر کو تھامتی ہوئی اٹھ کر بیٹھی تھی۔

!!اب خاموشی سے سو جاؤ۔۔ مجھے نہ تمھاری سسکیوں کی آواز آئے نہ رونے کی۔۔ اگر چاہتی ہو کہ میں کل صبح تک تمھارے کمرے میں قدم نہ رکھوں تو تمھاری آنکھیں کھلنی نہیں چاہیے!!

آریان خانزادہ کی آواز سماعتوں میں سنائی دی تھی۔اس نے خوفزدہ نگاہوں سے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ سلایڈنگ ونڈو سے پہاڑوں پر اتری روشنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔رات کا ایک ایک منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔

لالا!!وہ منہ پر ہاتھ رکھتے گھٹی گھٹی آواز میں رودی تھی۔وہ پھر سے نہ آ جائے۔زرمش نے بیڈ سے اٹھتے جلدی سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے اسے اندر سے لاک کیا۔وہ دروازے کے ساتھ لگی کافی دیر تک منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکتی رہی تھی۔

وہ۔۔ مم۔۔۔مجھے۔۔۔اپنے۔۔۔خونخوار۔۔۔جانوروں۔۔۔کے۔۔۔ آگے پھینک۔۔۔دے۔۔۔گا۔ مم۔۔۔میری۔۔۔وجہ۔۔۔سے۔۔۔ اس۔۔۔کا۔۔وہ بھیڑیا۔۔۔اس۔۔۔کا۔۔۔midnight۔۔۔مر

۔۔۔گیا۔۔وہ

ممم۔۔۔مجھے۔۔۔نہیں۔۔چھوڑے۔۔گا۔وہ۔۔اپنے۔۔ٹائیگر۔۔۔کے

۔۔۔آگے۔۔ڈال دے۔۔گا۔وہ۔۔مم۔۔مجھے۔۔چیر

۔۔پھاڑ۔۔دے۔۔۔گا۔زرمش۔۔منہ پر ہاتھ رکھے گھٹی گھٹی آواز میں

بدحواصی میں بول رہی تھی۔

کک کیا کروں؟؟کک کیسے ادھر سے نکلوں؟؟زرمش نے خوفزدہ ہوتے

اس عالیشان کمرے کو دیکھا تھا۔

لالا۔۔۔مجھے بچالیں!!اس وحشی درندے سے!ُمم مجھے اس کے پاس نہیں

رہنا۔۔مم مجھے آپ بے شک گولی مار دینا۔مگر مجھے اس

bloodythirst beast

کے پاس نہیں رہنا۔ زرمش کانپتے ہوئے ہذیانی چیخی۔

!!چیخنا مت!!ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال دوں گا

۔بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔ وہ پلک جھپکتے تمھیں چیر پھاڑ دیں گے!!

آریان خانزادہ کی آواز پھر سے سماعتوں میں خوفناک دھاڑ کی طرح سنائی دی۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ دوسرے پل وہ اپنے وجود کو پاگلوں کی طرح ٹٹولتے جھاڑنے لگی۔

اسے خود پر اس خوفناک بھیڑیے کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ جب وہ اس پر چھلانگ لگاتے جھپٹا تھا۔ زرمش ہذیانی انداز میں خود کے وجود کو جھٹک رہی تھی۔ کبھی خود پر بچھو رینگتا محسوس ہوتا کبھی وہ خوفناک بھیڑیا خود پر جھپٹتے محسوس ہوتا۔ وہ اپنی پھٹی ہوئی آستین چاک ہوا گلہ بے دردی نوچتی مزید چاک کر گئی تھی۔

دوسرے لمحے زرمش بھاگتے ہوے واش روم کی طرف بڑھی۔

شاور کا ٹیب کھولتے وہ شاور کے نیچے کھڑی ہوئی۔۔

خوبصورت کیبن میں بنے جدید روف اینڈ وال شاور کے نیچے کھڑی اب وہ کانپتے ہوے بھیگ رہی تھی۔ مگر ابھی تک وہ اپنے وجود پر ان سب کا لمس محسوس کر رہی تھی۔

ریک میں رکھے شیمپو کی بوتل اٹھاتے وہ کانپتے ہاتھوں سے کھولتے ہوے وہ آدھی سے زیادہ اپنے بالوں پر انڈیل گئی تھی۔۔ وہ اب روتے ہوے اپنے گھنے سلکی بالوں میں شیمپو کا مساج کر رہی تھی۔۔ وہ ہی شیمپو کی جھاگ وہ اپنی

گردن اپنے بدن پر لگا رہی تھی۔۔اپنے بدن کے ہر حصے پر اسے اپنے بدن

پر

bloodthirstwolf

اور

bloodthirstbeast کا خونخوار وحشی لمس محسوس ہو رہا تھا۔زرمش نے

کانپتے ہاتھوں سے باڈی واش ڈریک سے پکڑتے

اب پوری بوتل اپنے بدن پر ڈالی۔۔وہ پوری باڈی واش خود پر گرا کر بوتل

خالی کرتے اسے زمین پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔

۔اپنے فراک کی زپ کھولتے وہ فراک کندھوں سے کھسکائے نیچے گرا چکی تھی۔۔شاور کے نیچے کھڑی وہ ریک سے مختلف پروڈکٹ اٹھاتے اپنے بدن پر انڈیلتے وہ اپنے بدن کو اچھی طرح رگڑ رہی تھی۔اسے اپنے جسم پر اس

bloodthirstbeast

کا لمس نہیں چاہیے تھا۔جس سے شدید نفرت کے سوا اسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

---.----------

آریان خانزادہ نے زرمش کے کمرے کے دروازے کا ہینڈل پکڑتے گھمایا۔ دروازے کو لاکڈ دیکھ کر اس کا خون بھڑک اٹھا تھا۔وہ اس کی آجازت کے

بغیر کیسے کمرے کا دروازہ لاک کر سکتی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھی کیوں

آخر؟؟اس کی دہشت وہ بھول گئی کیا۔۔ پتہ نہیں وہ زرمش خان پر جیسے اپنا

حق سا سمجھنے لگا تھا وہ چاہتا تھا جیسے وہ سانسیں بھی اس سے مرضی سے لے۔

آریان خانزادہ نے غصے سے پوری قوت سے دھڑ دھڑ دروازہ بجایا۔

زرمش واش روم میں لٹکا پنک کلر کا پیروں تک آتے باتھ روب گاؤن پہنتے

ہوے کمرے میں آئی ہی تھی کہ آریان خانزادہ کی آواز سماعتوں میں سنائی

دی تھی۔۔

دروازہ کھولو!!اگر میں نے خود دروازہ کھولا تو میں جو کروں گا تمھاری سوچ

ہے۔ آریان خانزادہ دروازہ بجاتے غرایا

زرمش نے لرزتے ہوے بند دروازے کو دیکھا تھا۔ باتھ لینے سے وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ کی آواز سنتے وہ مزید شدت سے لرزنے لگی تھی۔

دروازہ کھولو!!وہ دروازہ پر مکہ مارتے ہوے دھاڑا تو زرمش نے اس کی دھاڑ پر سہمتے ہوے جلدی سے آگے بڑھتے دروازہ کھولا۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی دروازہ بند کرنے کی؟؟وہ غراتے ہوے زرمش کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑتے ہوے اسے خود کے قریب کر گیا تھا۔

وہ۔۔مم۔۔۔میں۔۔مم۔۔میں۔۔شاور۔۔لے۔۔رہی ۔۔۔تھی۔۔زرمش کے کپکپاتے لبوں نے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

آریان خانزادہ نے اس کی بات پر اس پر نگاہ ڈالی وہ بری طرح چونکا تھ۔ اوہ پنک کلر کے باتھ روب گاؤن میں ملبوس تھی۔۔ کمر تک سلکی براؤن بال گیلے اس کے شانوں پر بکھرے تھے۔۔۔ بدن سے بہت مختلف باڈی پروڈکٹ کی بہت تیز خوشبو آرہی تھی۔۔ شاور لینے سے چہرے پر سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ گال بے تحاشا سرخ ہو رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا اس نے فیس واش سے رگڑ رگڑ کر اپنا چہرہ واش کیا ہے۔۔ اتنی سخت سردی میں پہاڑوں میں رہنے والی لڑکیوں کی طرح اس کے گال سردی کی وجہ سے سرخ اور کھردرے معلوم ہو رہے تھے۔ بلکہ اب جیسے خون دہکا رہے تھے۔۔

جب وہ اسے ملی تھی تو ان گالوں پر ملایمت تھی۔۔ آریان خانزادہ کی نگاہیں ایک بار پھر سے اپنے مارے گئے تھپڑ کے نشان پر آن ٹھہری تھی۔۔ گال

سرخ تھا مگر اس کی انگلیوں کی چھاپ ابھی بھی گہری تھی۔ گہری بے حد گہری تھی۔ وہ بہت گہری نگاہوں سے اس نشان کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنا وہ گال بہت بری طرح سے رگڑا تھا۔ کیونکہ اس گال پر دوسرے گال سے کہیں زیادہ زیادہ سرخی تھی۔۔

آریان خانزادہ اس کے گال کا حشر دیکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔ اس نے اس کا دیا گیا بے رحم نشان مٹانے کی کوشش کی پتہ نہیں کیوں سلگ اٹھا تھا۔

زرمش خوف سے اسے دیکھتے اس کی سینڈو جکڑ گئی۔۔ خود کو چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ نہ وہ کر سکتی تھی وہ اس کے سامنے کھڑی رہ سکے یہ مشکل تھا وہ کہاں اس کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ زرمش کی نگاہیں اس کے ایپس

اس کے پھولے ہوے بازوؤں پر تھیں۔ جس کے ایبس بہت نمایاں ہو رہے تھے۔اس نے کبھی ایسی باڈی نہیں دیکھی تھی۔وہ دیو ہیکل معلوم ہوتا تھا۔

اس گال سے میرے مارے ہوے تھپڑ کا نشان مٹا رہی تھی کیا؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے گال پر سرخی دیکھتے غراتے ہوے پوچھا۔

نن۔۔ نہی۔۔۔۔ مم۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔ تو۔۔۔ زرمش نے سر نفی میں ہلاتے معصومیت سے جواب دیا۔

تو پھر اس گال پر یہ سرخی کہاں سے آئی؟؟۔میرا دیا ہوا نشان کیسے چھپا؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے جبڑے کو سختی سے دبوچا۔۔

مم۔۔مجھے۔۔ نہیں۔۔۔ پتہ!!زرمش گھٹی گھٹی آواز میں رو دی تھی۔

سچ بتاؤ!!ورنہ جانتی ہو ناں مجھے۔ آریان خانزادہ نے اسے بازوؤں سے جھنجھوڑتے ہوئے برفیلے لہجے میں غراتے ہوئے دھمکی دی۔

ہاں۔۔۔مٹانے۔۔

کی۔۔کوشش۔۔۔کی۔۔ تھی۔۔ مگر۔۔ نہیں۔۔مٹا۔۔زرمش اس کی سینڈو جکڑتے ہوئے نچلا ہونٹ باہر نکالتے روتے ہوئے بولی تھی۔

کیوں مٹانے کی کوشش کی؟؟ آریان خانزادہ نے اس کی بات پر طیش والم میں پوچھا۔

مم۔۔مجھے۔۔خود۔۔۔سے۔۔۔آپ

۔۔کی۔۔خوشبو۔۔آتی۔۔ہے۔۔۔آپنے۔۔گال پر آپ۔۔

کے۔مارے۔ہوئے۔۔۔۔تھپڑ۔۔کے۔

۔۔نشان۔۔سے۔۔۔۔مم۔۔مجھے۔۔۔نفرت۔۔ہے۔۔۔مجھے۔۔خود۔

سے۔۔۔نہ۔۔ آپ۔۔ کی خوشبو۔۔ چاہیے۔۔نہ اپنے۔۔ بدن پر۔۔ کوئی۔۔ نشان۔۔ زرمش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے ہوے ہچکی لی تھی۔رات سے وہ مقابل کی اتنی وحشت اس پر چھائی تھی وہ اسے تم سے آپ کہنے لگی تھی۔

نفرت ہے تمھیں مجھ سے ؟؟ آریان خانزادہ نے اس کی سہمی ہیزل گرے میں دیکھتے قہقہ لگایا

زرمش نے اس کے قہقے سے خوفزدہ ہوتے ہچکی لیتے اثبات میں سر ہلایا ۔مقابل کے قہقوں سے اس کی جان جاتی تھی۔

کتنی نفرت ہے مجھ سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے تم سے ہے۔ آریان خانزادہ نے اس کے خوبصورت معصوم نقوش پر سلگتی نگاہیں گاڑھتے ہوے نفرت امیز لہجے میں پوچھا۔

زرمش نے اس کی بات پر اسے سٹل خوفزدہ ہوتے دیکھا۔ وہ کیا جواب دے اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔

جواب دو کتنی نفرت ہے مجھ سے ؟؟ آریان خانزادہ دھاڑا

بب۔۔ بہت۔۔۔ بہت۔۔ نفرت۔۔ ہے۔۔ زرمش نے بری طرح لرزتے ہوے جلدی سے ایک ہی سانس میں بتایا۔

اتنی نفرت ہے کہ تمہارا دل کر رہا ہے کمرے کے ٹیبل پر رکھا واز اٹھا کر میرے سر پر دے مارو۔ آریان خان نے ٹیبل پر رکھے واز کی طرف اشارہ کیا۔

نن نہیں۔۔۔ زرمش۔۔۔ نے روتے ہوے اس واز کو دیکھتے سر نفی میں ہلایا تھا۔

جھوٹ مت بولو!!یہی دل کر رہا ہے ناں وہ واز میرے سر پر مار کر مجھے زخمی کر کے میری پناہوں سے بھاگ جاؤ۔ آریان خان کی آواز سرد برفیلی ہوئی تھی۔۔

ہاں!!زرمش نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اس کے ہاں پر آریان خانزادہ کا گرج دار قہقہ گونجا۔۔

ایسا نہیں ہو سکتا میری مرضی کے بغیر یہاں کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ تم اب تب ہی یہاں سے جا سکو گی جب میں چاہوں گا۔ آریان خانزادہ سرد لہجے میں بولتے اپنی نفرت امیز نگاہیں اس کی بھیگی خوفزدہ ہیزل گرے آنکھوں میں گاڑھ گیا۔ جس کی رنگت شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔

بہت نفرت ہے تمھیں مجھ سے ؟؟ آریان خانزادہ اس کا جبڑہ پھر سے شدت سے دبوچ گیا۔۔

ہے نفرت ہے بہت ہے۔۔ زرمش گھٹی گھٹی آواز میں بولتے ہوے دبی آواز میں چیخی۔ اس کی انگلیاں جبڑے میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔

گڈ!! یعنی کہ ہم دونوں کو ایک ہی جتنی نفرت ہے ایک دوسرے سے۔۔ آریان خانزادہ پر سرایت سے مسکرایا تھا۔

زرمش نے اس کی آنکھوں میں پر اسرایت دیکھتے خوف سے اپنی ہچکی روکی تھی۔۔ وہ جب جب پر سراریت سے مسکراتا تھا۔ اس کی دہشت عروج پر ہوتی تھی۔

پتہ ہے مجھے تم سے کتنی نفرت ہے؟! آریان خانزادہ نے اس کا جبڑہ چھوڑتے سوالیہ انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اب نظریں بھٹک کر اس کے جبڑے کے اطراف پر تھیں۔ جہاں اس کی انگلیوں کے نشان تھے۔ وہ سچ میں بے حد نازک تھی۔ وہ اس کے سرخ و سفید نقوش کو دیکھتے سوچتے ہوے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ کسی عورت کی نازکی سے پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔۔ اپنے مرد دشمنوں کے ساتھ وہ سلوک کرتا تھا کہ ان کی روح کانپ جاتی تھی اسے تو چھونے کی دیر ہوتی تھی وہ شدت سے کانپنے لگتی تھی۔۔

زرمش نے آریان کے سوال پر ہچکی لیتے ہوے سر نفی میں دائیں بائیں جانب ہلایا تھا

زرمش کے معصومیت سے سر نفی میں ہلانے پر اس نے اونچا قہقہ لگایا۔ زرمش کانپتے ہوے اس کی سینڈو مزید مضبوطی سے جکڑ گئی تھی

۔۔ آریان خانزادہ کو اس کی دل کی دھڑکنیں اپنے سماعتوں میں سنائی دی تھی۔ وہ اتنی شدت سے اس سے خوف کھا رہی تھی

میں بتاؤں گا تمھیں جب تک تم یہاں ہو تمھیں پتہ چلے گا۔ آریان خانزادہ زرمش حاکم خان سے کتنی شدت سے نفرت کرتا ہے۔ اتنی نفرت کرتا ہے جتنی اس روئے زمین پر کسی نے کبھی کسی سے نہیں کی ہو گی۔ آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے چبھتے لہجے میں بولتے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ گیا۔ وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔ وہ اسے نہ تھامتا وہ گر جاتی

۔

اگر تم ایک اچھے کریکٹر کی لڑکی ہوتی تو آریان خانزادہ پھر بھی تم سے نفرت کرتا!! کیونکہ تم رائینہ خان اور حاکم خان کا گندا خون ہو۔۔ تم نے ثابت کیا تم میں واقعی میں راینہ خان کا خون ہے تبھی تو اپنے یار کے ساتھ کتنی ہی راتیں

کالی کر چکی ہو۔ وہ سرد نفرت امیز لہجے میں بولتے اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔ مقابل معصوم ہرگز نہ تھی صرف نازک تھی۔

ویسے کتنی راتیں کالی کر چکی ہو؟؟ آریان خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچتے اس کے نقوش پر سلگتی سانسیں چھوڑتے پھنکارا۔

اس کے ہتک امیز سوالات پر زرمش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر شدت سے برسنے لگے۔

بتاؤ؟؟ آریان خانزادہ اس کے بہتے آنسو دیکھتے دھاڑا۔

دو تین چار پانچ۔ چھ سات آٹھ نو دس۔ وہ ہچکی لیتے گھٹی گھٹی آواز میں بول رہی تھی۔ آریان خانزادہ نفرت سے اس کا جبڑہ چھوڑ چکا۔

زرمش اوندھے منہ بیڈ پر گری۔۔

گیارہ بارہ تیرہ چودہ پندرہ سولہ سترہ وہ بیڈ پر اوندھے منہ گری ہچکیوں سے بول رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

پوری رات۔ پورا دن ساری زندگی کاونٹنگ کرتی رہوں گی۔ مگر پھر بھی کہوں گی میں نے ان میں سے ایک رات بھی کسی مرد کے ساتھ کالی نہیں کی۔ میں۔ زرمش۔۔۔ خان۔۔ ہوں۔۔ ایک

خانزای۔۔ مم۔۔ میں۔ نے۔۔ کسی۔۔۔ کے۔۔ ساتھ۔۔ رات۔۔ کالی نہیں۔ کی۔۔ وہ بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے سسکتے ہوے بول رہی تھی۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کرتے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل پھر سے کھڑا کر گیا تھا۔

تمھارا کریکٹر لیس ہونا راینہ خان اور حاکم خان کا خون ہی ہونا کافی ہے۔ تم ساری زندگی بھی کاونٹنگ کرتی رہو گی میں تم پر کبھی یقین نہیں کروں گا۔

اور تمھیں اپنے بدن پر میرے دیے گئے نشان سے نفرت ہے۔ کیسا رہے گا اگر میں تمھارے بدن کے پور پور پر اپنا لمس چھوڑتے ہوے تمھیں اوپر سے نیچے تک گہرا نیلا کر دوں؟؟ آریان خان کے سوال پر زرمش نے فق رنگت سے اس کی طرف دیکھا۔

فکر نہ کرو میرے اندر فارس خان اور شاذمہ خان کا خون ہے۔ تمھیں کبھی نکاح کے بغیر نہیں چھوؤں گا۔ وہ استھزائیہ لہجے میں بولتے ایک ایک لفظ چبا گیا۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آریان خانزادہ تم سے نکاح کرنے کے بعد بھی تمھیں چھوے گا نہیں۔ وہ اس پر تمسخراتی نگاہیں گاڑھے اونچا قہقہ لگا گیا۔

زرمش نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے سسکی لی۔

مگر ایک حقیقت تو یہ بھی ہے کہ میں تم سے نکاح کروں گا کیوں؟! آریان خانزادہ اسے چھوڑتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پر سوچ انداز میں بولا۔

زرمش اس کے چھوڑنے پر بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

سیدھی کھڑی رہو!! آریان خانزادہ اسے گھورتے حکمیہ لہجے میں غرایا۔

زرمش نے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے دیوار میں سمائے اپنے قدم زمین پر مضبوطی سے جمائے تھے۔

حاکم خان اور راینہ خان سے بدلہ لینے کے لیے میں کبھی بھی تم سے نکاح نہیں کروں گا۔۔ کبھی نہیں چاہے کچھ بھی ہو جائے آریان خانزادہ مس خان سے نکاح نہیں کرے گا۔

آریان خانزادہ اس عورت سے نکاح کرے گا۔ جو صرف اس کے لیے بنی ہو!! جسے کسی مرد نے کبھی نظر بھر کر بھی دیکھا نہ ہو۔۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔ زرمش اس کی نگاہ اور اس کی بات پر اپنے باتھ روب گاون کو سینے سے جکڑتے نگاہیں جھکا گئی تھی۔

زرمش کے نظریں جھکانے پر آریان خانزادہ کے لبوں سے فلگ شگاف قہقہ بلند ہوا تھا۔

سچ پوچھو مس خان!! تم خوش قسمت ہو کہ آریان خانزادہ تم سے نفرت کرتا ہے۔۔ بدقسمت تو وہ لڑکی ہو گی جو میرے لیے بنی ہو گی۔ کیونکہ آریان

خانزادہ اپنی چیزوں کو لے کر کتنا جنونی ہے۔ ابھی تمھیں اندازہ ہی نہیں ہے۔ آریان خانزادہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ جمائے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے مسکراتے ہوئے بولا۔

تم سچ میں خوش قسمت ہو کہ آریان خانزادہ اتنی شدت سے تم سے نفرت کرنے کے باوجود کبھی تم سے نکاح نہیں کرے گا۔ میں حاکم خان حیدر خان سے بدلہ لینے کے لیے کبھی تم سے نکاح نہیں کروں گا۔ تم سے بدلہ میں کسی اور طریقے سے لوں گا۔ جب تمھیں تمھاری حویلی چھوڑوں گا اور تمھارے لالا اور حاکم خان سے معصومیت سے کہوں گا کہ تمھاری بیٹی مجھے سڑک پر ملی تھی اور یہ اتنے دنوں سے میرے ساتھ رہ رہی تھی۔ معذرت کروں گا کہ مجھے آپ کی حویلی کا پتہ نہیں معلوم تھا اور بہت معصوم بن کر کہوں گا کہ مس خان کو اپنی حویلی کا پتہ بھول چکا تھا یہاں تک کہ آپ سب کا نام بھی

بھول چکی تھی۔۔اس لیے مجبوراً مجھے اسے اپنی حویلی رکھنا پڑا۔ جہاں تن تنہا صرف میں رہتا ہوں۔ مگر کچھ دنوں سے آپ کی بیٹی میری تنہائی کی غمگسار ساتھی بنی ہوئی تھی۔ پتہ ہے پھر کیا ہو گا۔ آریان خانزادہ کی باتوں پر وہ اسے سٹل بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہو گا؟؟اس کے رکنے پر زرمش نے سسکی لیتے استفسار کیا۔

پھر حاکم خان اور حیدر خان تمھاری قبر کھودیں گے۔ ہو سکتا ہے تمھیں گولیوں سے تمھارا سینہ چھلنی کرنے کے بعد تمھیں دفنا دیں یا پھر تمھیں زندہ دفنا دیں۔ اس دن آریان خانزادہ کا بدلہ پورا ہو جائے گا۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں یکدم خون اترا تھا۔ زرمش روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

گیارہ سال کی عمر میں نے چار چار قبریں کھودیں تھیں۔ برسوں بعد حاکم خان کو بھی کسی اپنے کی قبر کھودتے دیکھوں گا تو آریان خانزادہ کے سینے میں دہکتی آگ کو سکون ملے گا۔ آریان گہرے سانس لیتے اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے گرجا۔

زرمش آنکھیں میچتے ہوئے اس کی گرج پر اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔ اس کی خون اتری آنکھیں اس کے ریڑھ کی ہڈی سنا چکے تھے

آریان خانزادہ اب گہرے سانس لیتے اس کے گال کو دیکھ رہا تھا جہاں اس کے مارے گئے تھپڑ کا نشان سرخی کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے واش روم کی طرف بڑھا۔

زرمش اس کی سخت گرفت میں کانپتے ہوئے کھنچتی چلی گئی تھی... وہ اسے واش روم کیوں لے کر جا رہا تھا۔ وہ بری طرح ہراساں ہوئی تھی.

آریان خانزادہ نے واش روم میں داخل ہوتے اسے سلیب پر پٹخا وہ اوندھے منہ سلیب پر گرتے سلیب دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔ اب وہ سلیب جکڑے کانپتے ہوئے مرر میں نظر آتا آریان خانزادہ کا عکس دیکھ رہی تھی

آریان خانزادہ نے اسے مرر میں دیکھتے فیس واش کی بوتل واش بیسن میں پٹخی۔ زرمش نے کانپتے ہوئے مرر میں نظر آتے آریان خانزادہ کے عکس کو دیکھتے سسکی لی۔ پتہ نہیں اب وہ کیا سزا دینے والا تھا۔

اس فیس واش سے اپنا چہرہ دھوتے میری انگلیوں کا نشان مٹاؤ!! آریان خانزادہ کے حکم پر زرمش نے اسے بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔

مٹاؤ!! آریان خانزادہ مرر میں دیکھتے غرایا۔ زرمش نے فیس واش کی بوتل کھولتے فیش واش لیتے اپنے گال پر لگاتے اس نشان کو رگڑتے کانپتے ہاتھوں سے ٹیب کھولتے ہوے پانی کے چھینٹے مارے۔

نشان جوں کا توں دیکھتے زرمش نے روتے ہوے دوبارہ سے فیس واش بوتل سے لیتے اپنے گال پر رگڑا تھا۔ پانی کے چھینٹے مارتے ہوے وہ رو پڑی تھی ۔نشان جوں کا توں تھا مگر سرخی بڑھی تھی۔ آریان خانزادہ کا عکس مرر میں دیکھنے کے بعد اس نے ایک بار کانپتے ہاتھوں سے فیس واش اپنے گال پر لگایا۔۔ پانی کے چھینٹے مارتے ہوے اس کی آنکھوں کے بہتے گرم سیال میں آضافہ ہوا تھا۔ آریان۔ خانزادہ کی انگلیوں کی چھاپ ویسے ہی تھی۔۔

آریان خانزادہ اس کے پیچھے کھڑے مرر میں نگاہیں گاڑھے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زرمش نے کانپتے ہاتھوں سے اچھا خاصہ فیس واش

لیتے اپنے گال پر لگایا۔ اسے بے دردی سے رگڑا تھا۔ پانی کے چھینٹے مارتے ہوے وہ بے بسی سے رو دی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح فیس واش ہاتھوں پر لیتے گال پر لیتے اسے رگڑتے اپنا چہرہ پانی سے دھو رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا اسے بغور سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زرمش کانپتے ہوے فیس واش بوتل سے نکالتی اپنے گال پر رگڑتی اپنے گال پر چھینٹے مارتی۔ مگر نشان ویسے ہی دیکھتے وہ رونے لگ جاتی تھی۔ نہ فیس واش ختم ہو رہا تھا نہ نشان مٹ رہا تھا نہ اس وحشی درندے کو ترس آ رہا تھا۔

پوری بوتل ختم ہونے کے بعد بھی وہ نشان ویسے ہی تھا۔ گال اب لہو چھلکانے لگا تھا۔

آہہہہ۔۔زرمش چیختے ہوے وہ بوتل مرر پر پوری قوت سے مارتے ہوے ہذیانی رو دی تھی۔۔وہ سلیب جکڑے اب چیخیں مار مار کر پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔

ایک بات یاد رکھنا آریان خانزادہ کی نفرت کی طرح یہ نشان بھی پکا اور گہرا ہے۔میرے دل میں تمھارے لیے نفرت بہت گہری ہے جو کبھی نہیں جا سکتی۔چاہے سورج مشرق سے بجائے مغرب سے نکل آئے۔ہاں یہ نشان تب تک تمھارے گال پر رہے گا جب تک آریان خانزادہ چاہے گا۔آیندہ یہ نشان مٹانے کی کوشش کی تو قسم کھاتا ہوں خدا کی میں تمھارے گالوں پر اپنی وحشت کے ایسے نشان چھوڑوں گا تم مٹا نہیں سکو گی۔خدا کی قسم کھائی ہے اس لیے غلطی سے بھی اس نشان کو نہ مٹانا ورنہ اس بار اس گال پر اپنے دانت گاڑھ کر تمھارا گال کچل ڈالوں گا۔اریان خانزادہ اسے بازو سے

جکڑے سیدھا کرتے اس کے دونوں اطراف میں سلیب پر ہاتھ جماتے اسے سرد لہجے میں وارن کیا۔

زرمش نے خوف سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ شدید چکر آنے پر وہ آریان خانزادہ کی سینڈو دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔ آریان بھی اسے مظبوطی سے بازو سے جکڑ گیا تھا۔ وہ اس کی سینڈو جکڑے اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے اس کے سینے سے آن لگی تھی۔

آریان خانزادہ اسے خود سے اسی لمحے دور کرتے سلیب کے ساتھ لگا گیا۔ زرمش نے آنکھیں کھولتے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا وہ اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ اس کے اب اگلے حکم کی منتظر تھی۔

میرے کچن میں قدم نہیں رکھو گی تم؟؟ نازو تمھارے لیے تین ٹایم کھانا اپنے گھر سے بنا کر پہنچا دے گی۔ تمھیں کچھ بھی کھانا ہوا اسے بتاؤ

گی۔ میرے کچن میں تمھارے لیے کھانا نہیں بنے گا نہ تم وہاں قدم رکھو گی سمجھی تم۔

جن۔سے نفرت ہو ان کا وجود ان کی خوشبو اریان خانزادہ کو اپنے قریب بھی برداشت نہیں۔ مقابل کی بدن سے اٹھتی خوشبو اس کی سانسوں میں گھل رہی تھی۔۔ آریان خانزادہ کو اس کے جسم سے اٹھتی خوشبو سے بھی نفرت محسوس ہوئی تھی۔۔ آج تک کسی عورت کی ایسی خوشبو اس نے سمیل نہیں کی تھی۔۔ کوئی عورت کبھی اتنے قریب ہی نہیں آئی تھی۔

آیندہ میرے کچن میں غلطی سے بھی قدم نہ رکھنا سمجھی تم!

۔ آریان خانزادہ نے اس کے چکراتے وجود کو دیکھتے اس کا بازو جکڑے اسے سختی سے وارن کیا۔

زرمش نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔۔

آریان خانزادہ اس کا بازو چھوڑتے دروازے کی طرف بڑھا۔

مم۔۔مجھے۔۔۔پہننے۔۔کے۔۔لیے

۔۔کچھ۔۔دے۔۔دو۔۔ساتھ۔۔شال۔۔بھی۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔زرمش

کی بھیگی لہجے کی التجا پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔

اس نے پلٹیے ہوے زرمش کو دیکھا۔زرمش اپنا باتھ روب سینے سے جکڑ گئی

تھی۔

وہ۔۔فراک۔۔کل۔۔۔پھٹ۔۔گیا۔۔تھا۔اب۔۔گیلا۔۔۔ہو

۔۔چکا۔۔ہے ورنہ۔۔۔میں۔۔۔وہی۔۔۔پہن۔۔لیتی۔زرمش نے

آریان خانزادہ کو دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے التجا کی تھی۔وہ باتھ روب گاؤن

میں اس کے سامنے نہیں رہنا چاہتی تھی اس لیے اس سے خوفزدہ ہوتے ہوے بھی وہ التجا کر گئی تھی۔ آریان خانزادہ کی نگاہیں واش کیبن کی زمین پر پڑے اس کے فراک اور پرائیویٹ چیزوں پر پڑی تو اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ آریان خانزادہ کی نگاہوں کا مرکز دیکھتے زرمش خفت سے زمین میں جیسے سمائی تھی۔

اس کمرے کی وارڈروب میں کپڑے لٹکے ہیں۔ جو بھی تمھیں چاہیے ہو اُجو دل کرتا ہے پہن لو۔ وہ سرد سپاٹ لہجے میں کہتے دروازہ کھولتے اسی لمحے باہر نکل گیا تھا۔

بہارے خان نے اس وقت بلیک کلر کی بے حد خوبصورت نائیٹی میں ملبوس تھی۔ جو سلیولیس نیٹ کی ڈیلی کیٹ نائیٹی تھی جو گھٹنوں سے نیچے تک آتی

تھی۔ اس پر اس نے بلیک کلر کا نیٹ کا فل گاؤن پہنا ہوا تھا۔ اپنے گھنے سلکی بالوں میں برش کرتے ہوئے بہارے نے مرر میں خود کو دیکھتے خود پر پرفیوم چھڑکا۔ اس بلیک نائیٹی میں اس کا شعلہ جواں بدن بے قیامت ڈھا رہا تھا۔ ہونٹوں پر لپ سٹک لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ شہرام خان آج ایک ہفتے سے اسے اگنور کیے ہوئے تھا۔ وہ کمرے میں ہوتے ہوئے بھی اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ کمرے میں ہوتا تو بہرام سے سارا وقت کھیلتا رہتا۔ اس کا فیڈر بنانے سے لے کر اس کے کپڑے چینج کرنے تک کا ہر کام خود کرتا تھا۔ رات کو جتنی بار اٹھتا وہ خود فیڈر بنا کر اسے پلا کر سلا دیتا تھا۔ وہ اس سے ناراض پچھلے ایک ہفتے سے صوفے پر سو رہی تھی۔ مگر شہرام خان نے اسے ایک بار منایا نہیں تھا۔ کچھ دن برداشت کرنے کے بعد وہ صوفے پر سوتے ہوئے ساری ساری رات روتے ہوئے

گزار رہی تھی۔ شہرام خان کی بے اعتنائی ناراضگی اسے کے دل کو آرے کی طرح چیر رہی تھی۔ وہ اسے اگنور کر رہا تھا اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی ۔ دو دن تو وہ شہرام کے سامنے سپاٹ چہرے کے ساتھ اجڑے گندے سے لباس میں پھرتی رہی تھی۔ شہرام خان کی توجہ اپنی طرف نہ پا کر اور اس کا بیڈ پر اس کے بغیر سونے پر وہ پاگل ہو گئی تھی جیسے !!

وہ ایک رات صوفے پر ایک لمحہ سکون سے نہیں سوئی تھی۔۔ ساری ساری رات وہ کروٹے بدلتے گزار دیتی تھی۔ شہرام خان کے جب مدھم خراٹے گونجتے تو وہ بے آواز شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی تھی۔ شہرام کی اگنورنس پر وہ فل تیار ہو کر کمرے میں رہنے لگی تھی۔ اس کے فیورٹ فراکس پہن کر لایٹ سا میک اپ بھی کر لیتی تھی۔ مگر شہرام خان نے قسم کھالی تھی وہ اس کی طرف دیکھے گا نہیں !!

وہ تو اس کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا تھا۔ ساری رات اسے اپنی بانہوں میں قید کر کے تو یہی جتاتا تھا وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر اب تو اس کا وجود ایسے اگنور کیے ہوے تھا۔ جیسے وہ ہے ہی نہیں۔۔

اس کی ایک ہفتے کی بے اعتنائی بہارے کے حواص چھین چکی تھی۔ وہ اپنے پیٹ میں موجود بچے کا خیال خود سے بھی زیادہ کرنے لگی تھی۔ شہرام خان کی ایک ہفتے کی بیگانگی اس کی بے اعتنائی وہ سہہ نہیں پا رہی تھی۔ اگر اس بچے کو کچھ ہو جاتا تو وہ شہرام خان کی ناراضگی بے رخی کیسے سہتی۔ جو دھمکی اس نے دی تھی وہ تو اسے اندر سے زخمی کر چکی تھی۔ شہرام کو وہ کسی صورت کسی دوسری عورت کے سائے کے قریب بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔ ایک ہفتہ اس کے قریب نہیں آیا دل میں وہم اتنی شدت سے ستانے لگے تھے اسے لگتا تھا وہ پاگل ہو جائے گی۔ اس کی شرٹس کی سمیلز اس

پر کسی لڑکی کے بال ڈھونڈنے لگی تھی۔رات کو اٹھ اٹھ کر اس کا موبایل چیک کرنے لگی تھی۔وہ جانتی تھی شہرام خان اس سے محبت کرتا ہے۔وہ اس سے بیوفائی نہیں کرے گا اب کبھی۔۔

مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو شہرام خان کی بے پناہ وجیح پرسنلیٹی سے ڈرتا تھا۔وہ کتنا با اثر تھا کسی بھی لڑکی کا وہ خواب ہو سکتا تھا

کسی دوسری عورت کو اس کے شہرام سے پھر سے محبت نہ ہو جائے۔۔وہ پھر سے کسی اور عورت کا عشق نہ بن جائے۔۔وہ یہ سوچ سوچ کر ذہنی اذیت کی انتہا پر تھی۔تکلیف دہ سوچیں اسے اندر سے تل تل مار رہی تھیں۔

آج اس نے خود سے لڑتے ہوے یہ نایٹی زیب تن کی تھی۔بہرام کو وہ آج اپنی مورے کے پاس سلا کرائی تھی۔اب اپنا حلیہ دیکھ کر وہ خفت و شرم سے سرخ پڑ رہی تھی۔۔شہرام خان کے سامنے کیسے جائے گی۔ناراض نہ ہوتا یہ

نایٹی پہنا اس کے سامنے بڑی بات نہ تھی۔ اسے خوش کرنے کے لیے وہ بہت بار اس سے بھی شارٹ اور رویلنگ نایٹیز پہن چکی تھی۔۔ مگر آج وہ ناراض تھا۔ عجیب سی شرم آرہی تھی۔ دل ہتھیلی پر جیسے دھڑک رہا تھا۔

بہارے نے مرر میں دیکھتے اپنے نیٹ کے گاؤن کی ڈوری کس کر باندھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر بہارے کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

شہرام خان نے کمرے میں داخل ہوتے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر اچھالا ۔اب وہ سنجیدگی سے اپنے کف کے بٹن کھول رہا تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھتے اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

شہرام نے اپنی شرٹ اتارتے ہوئے بیڈ پر اچھالی تھی۔ اپنی پینٹ سے بیلٹ نکالتے اس نے بیڈ پر پھینکی تھی۔ اور سنجیدگی سے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

واش روم کا دروازہ بند ہونے پر بہارے نے اپنے لرزتے وجود پر بمشکل قابو پایا تھا۔ آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت میں عارض پر گرے تھے۔ وہ اسے نایٹی میں بھی اگنور کر کے چلا گیا تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا اس پر نظر نہ پڑی ہو۔ اور سمجھ نہ سکا ہو اتنی شارٹ نایٹی اس نے کس لیے پہنی تھی۔ وہ اتنا بے حس ہو گا اسے اندازہ نہ تھا یا پھر وہ تھا ہی اتنا بے حس وہ ہی سمجھ نہ سکی تھی۔ کیوں بھول گئی تھی یہ وہی ظالم شہرام خان ہے. جسے اپنی ایگو سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ جس نے دو مہینے مجھے بے اعتنائی کی سزا سنائی تھی۔ بلکہ بے وفائی کی مار ماری تھی۔۔ اسے کیوں نظر آئے گی میری محبت تڑپ ؟؟ یہ

میرے بغیر رہ سکتا ہے۔ اسے میری قربت کی ضرورت نہیں کہ اسے کچھ دن نہیں ملے گی تو اس کی سانسیں رک جائیں گی

۔ یہ جھوٹی باتیں تو شہرام خان قربت کے درمیان کرتا ہے۔ اور میں پاگلوں کی طرح اس کی ہر بات پر یقین کر کے اس کی محبت پر اترانے لگتی ہوں۔ بہارے نے روتے ہوئے برش مرر میں دے مارا تھا۔ شہرام خان مرد ہے جسے میرے جذبات کی کیا پرواہ؟؟ اسے کیا پراہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اسے کیا پرواہ اس کی بے اعتنائی ناراضگی میری سانسیں روکتی ہے اس کی تھوڑی روکتی ہیں۔۔۔ وہ تو رہ سکتا ہے میرے بغیر!! بہارے نے روتے ہوئے اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹا۔

اب کبھی نہیں دوں گی اسے اپنی قربت! ہاتھ جوڑ کر قدموں میں بیٹھ کر بھی معافی مانگے گا اسے میری ضرورت ہے پاس نہیں آنے دوں گی۔ بہارے

نے روتے ہوے اپنے کان میں پہنے ہوے ہیرے کے ٹاپس مرر میں غصے سے مارے۔

شہرام خان کے بچے پالوں گی۔ ان کی ماں بنا کر رکھنا چاہتا ہے ناں اب صرف اس کے بچوں کی ماں بن کر رہوں گی۔

اب کبھی بیوی کا کوئی فرض نہیں بناؤں گی۔ بھاڑ میں جائے شہرام خان!! بہارے نے روتے ہوے ٹشو باکس سے ٹشو پکڑتے اپنے ہونٹ رگڑے۔

شہرام واش روم سے شرٹ لیس سفید ٹراوزر پہنے باہر آیا تھا۔ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اس نے گہری نگاہ بہارے پر ڈالی۔ اس کی گوہر افشانیاں وہ واش روم سے باہر آتے سن چکا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے امڈتے قہقے پر قابو پایا تھا۔

اس کی برہنہ بیک اور اس نایٹی میں دیکھ کر شہرام خان کو اپنے حواص صلب ہوتے محسوس ہوے تھے۔۔ انگ انگ بہارے کی قربت کے لیے مچلنے لگا تھا۔ جو اں جذبوں نے شدت سے بیدار ہوتے اس کے اندر طغیانی مچاتے اسے اپنی بیوی کے لیے پاگل کر دیا تھا۔

اتنے دنوں سے اسے اگنور کر رہا تھا مگر آج وہ چاہ کر بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

بہرام کہاں ہے ؟؟ شہرام خان نے صوفے پر بیٹھتے سگریت لایٹر سے جلاتے ہوے لبوں میں دبائے بہارے کو اوپر سے نیچے بے باکی سے دیکھتے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا۔

مورے کے پاس ہے لاتی ہوں !! بہارے نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوے اپنی شال بیڈ سے اٹھاتے ہوے اچھی طرح خود پر لپیٹتی۔

اس بیہودہ نائیٹی کو پہن کر بہرام کو لینے جاؤ گی۔ شہرام کی سرد آواز پر بہارے کے دروازے کے پاس قدم رکے تھی۔

بہرام کے بغیر تمھاری سانسیں بند نہ ہو جائیں اس لیے چینج کیے بغیر اسے لینے جا رہی تھی۔ بہارے نے رکتے ہوئے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے بھڑ بھڑ جلتے کہا۔

وہ تو تمھیں اس نائیٹی میں دیکھ کر بھی میری سانسیں رک رہی ہیں تو کیا میری سانسوں کے لیے تم یہ نائیٹی اپنے تن سے اتار کر میری لیپ پر بیٹھ جاؤ گی کیا؟؟

شہرام کی بات پر بہارے کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔

بہارے نے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھا وہ بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کبھی بھی نہیں میں یہ چیپ ایکٹ نہیں کروں گی۔ تمھیں خوش کرنے کے لیے تو کبھی نہیں کروں گی۔ تمھیں صرف اپنے بچے پیارے ہیں تو ٹھیک ہے اب میں صرف تمھارے بچوں کو پالوں گی۔۔اب تم ہر سال بچہ پیدا کرو ۔میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں سمجھ چکی ہوں اپنا مقام تمھاری زندگی میں !!تم صرف ایک خان ہو شہرام خان ظالم شہرام خان جھوٹے شہرام خان۔۔ جسے صرف بچے پیدا کرنے کا شوق ہے۔

آیندہ کبھی بھی مجھ سے یہ مت کہنا تم میری قربت میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بہارے نے شبنمی لہجے میں بولتے ہوے اپنے آنسو بے دردی سے اپنے عارض سے صاف کیے۔

ہر سال بچہ پیدا کرنے کے لیے تمھیں میری گود میں بیٹھنا ہی پڑے گا میری بہارے!!ورنہ بچہ کیسے آئے گا۔ شہرام نے اپنی مسکراہٹ دبائے بہارے پر گہری نگاہ ڈالی۔۔اس طرح روتے ہوے وہ اس کے لیے تڑپتی شہرام کو اپنی روح میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

بہت سے طریقے ہیں شہرام خان!!مجھے دوسری شادی کی دھمکی تو دے چکے ہو۔ہو سکتا ہے دوسری بیوی سے پیدا کرنا چاہتے ہو۔۔بہارے نے روتے ہوے شال سے اپنی سرخ ناک اور عارض رگڑے۔اس کی یہ دھمکی اس کے اندر ابھی تک آگ لگائے ہوے تھی۔۔اس نے یہ سات دن کتنی ٹینشن لی تھی وہ وہی جانتی تھی۔

شہرام سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوے بہارے کی طرف بڑھا جو نظریں جھکائے روتے ہوے اپنے عارض اور ناک بار بار شال سے رگڑ رہی تھی۔

شہرام نے اس کے قریب جاتے ہوے اس کی شال نرمی سے اتارتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اسے اپنے قریب کیا۔ بہارے غصے سے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔

میری بہارے!!اور کتنا تڑپاؤ گی ایک ہفتہ کم ہے جو آج رات بھی مجھے خود کے لیے تڑپاؤ گی۔ شہرام نے اس کے وجود پر بے باکی سے نگاہیں گاڑھتے ہوے گھمبیر لہجے میں کہتے اس اپنے قریب کرتے اس کی کان کی لو پر لب رکھے۔ تم تڑپ رہے تھے۔

شہرام !!تم تو رات آتے ساتھ سو جاتے تھے۔۔ تمہارے خراٹے بتاتے تھے ۔تم کتنا تھکے ہوتے تھے۔ بہارے نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے بھڑ بھڑ جلتے شکوہ کیا۔

تھکاوٹ اتارنے والی صوفے پر سوئی ہوتی تھی تو میں بیچارہ کیا کرتا سونا ہی تھا۔ شہرام نے لب دانتوں تلے دبائے کہا۔ بہارے کا رونا کرلانا اسے بہت حظ دے رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی ایسی جنونیت دکھاتی تھی۔

یہی فرق ہے مرد عورت میں شہرام خان !!مجھے تمھاری قربت نہیں چاہیے ہوتی تھی۔ اس ایک ہفتہ میں تمہاری ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔۔ مگر پھر بھی میں رات رات بھر انتظار کرتی تھی تمھارا شہرام خان کہ تم میرے قریب آکر اپنی تھکن مجھ پر اتارو۔ اپنی ضرورت اپنی تشنگی مٹاؤ میرے بدن سے۔۔ کیونکہ تمھاری ضرورت تمہاری قربت میں میرا سکون ہے۔۔ رات

رات بھر تمھیں سہتی ہوں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو ہر روز تمھارے لیے تمھاری بے جان لیوہ قربت سہتی ہوں۔ تمھاری بے قراریاں تمھاری میرے لیے دیوانگی میرا سب کچھ ہے۔ جس میں کمی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر تم نے مجھے ایک ہفتہ اگنور کیا ہے۔ مجھے ایک بار پھر سے احساس دلایا ہے میں تمھارے لیے کچھ نہیں۔ بہارے نے روتے ہوے اس کے سینے پر ہاتھ جماتے شکوہ کیا۔

کب نظر انداز کیا میری بہارے؟؟ جب سے تم ناراض ہوئی ہو صرف آج ہاسپٹل گیا ہوں۔ ورنہ ایک ہفتہ حویلی میں گزارا ہے اپنی بہارے اور بہرام کے پاس۔

توصیح کر لو شہرام خان!! ناراض تم ہوے تھے میں نہیں اور ایک ہفتہ تم نے اپنے بیٹے بہرام کے پاس گزارا ہے میرے پاس نہیں۔ میری طرف تو دیکھا

بھی نہیں۔۔ بہارے نے بھڑ بھڑ جلتے سلگتے لہجے میں کہا تو شہرام خان کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔

اس ایک ہفتے میں اپنی بہارے کو تو ہی دیکھا ہے۔ پہلے دو دن میری بہارے سرد چہرے کے ساتھ ایک ہی پرپل رنگ کے فراک میں الجھے بکھرے بالوں کے ساتھ پھرتی رہی۔ پھر میری بہارے میرے پسندیدہ فراک پہنے میک اپ کرتے میرے ارد گرد منڈلاتی تھی۔ اور آج تو حد ہی کر دی یہ نائیٹی پہن لی تاکہ مجھے چاروں شانے چت کر دیا جائے۔۔ اور دیکھو ایسا جال پھینکا میں کہیں کا نہیں رہا شہرام گھمبیر آواز میں بولتے اپنے ہاتھوں کی بے باکی دکھاتے گہری شرارت کر گیا تھا۔ بہارے اس کی بے باک حرکت پر سرخ ہوئی تھی۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے مزید بے باکی دکھائی تو بہارے کا سانس پھولا تھا۔

تم یہ سب دیکھتے محسوس کرتے بھی مجھ سے ناراض رہے۔ مجھے منایا نہیں۔۔ میرے بغیر رہ سکتے ہو تم؟ جو ہر روز رات کو میرے قریب آتے ہوے سرگوشیاں کرتے ہو کہ میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے۔ میں ناراض ہوتی ہوں تمھاری جان نکل جاتی ہے وہ سب جھوٹ بولتے ہو تم۔۔ بہارے شکوہ کناں لہجے میں کہتے اس سے دور ہوئی تھی۔۔ وہ ایک ہاتھ سے اس پر مکمل حق جتا رہا تھا۔ اب شہرام کا ہاتھ بہت بے باکی سے کمر پر سرایت کرتا اپنا حق جتا رہا تھا۔

بہارے کے دور ہونے پر شہرام اسے گود میں اٹھائے بیڈ کی طرف بڑھا ۔ بہارے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کہاں مزید اس سے ناراض رہنے والی تھی وہ تو اسے صرف نخرے دکھا رہی تھی

شہرام اسے بیڈ پر لٹائے اس پر جھکا۔

بہارے میری جان!!میں تمھارے بغیر نھیں رہ سکتا۔ تمہارا شہرام خان تمھاری ناراضگی نہیں برداشت کر سکتا۔ مگر تم میرے بچے کو مارنے کا سوچ بھی سکتی ہو۔ یہ بات میرے اندر تمھارا غصہ ختم نہیں کر پا رہی تھی۔ سچ پوچھو تمہاری کہی ہوئی بات میرے لیے سزا تھی اس لیے تمھیں سزا دے رہا تھا۔ تاکہ تم آیندہ ایسا کبھی سوچ بھی نہ سکو۔۔

میں وعدہ کرتا ہوں اس بچے کے بعد ہم تیسرا بچہ نہیں لے گے۔۔ مجھے ایک بیٹی دے دو!!مجھے اور بچے نہیں چاہیے۔ میرے لیے میری بہارے کی صحت سب سے پہلے۔

اس کے بعد پھر بچہ آ گیا تو۔ بہارے نے شہرام کے برہنہ سینے پر انگلی پھیرتے ہوے ڈبڈبائے لہجے میں پوچھا۔

دوسرے بچے کے بعد پکا پکا انتظام کر لوں گا۔ شہرام نے جھکتے ہوئے بے تابی سے اس کی گردن پر دہکتے لب رکھے۔

کیا انتظام شہرام؟؟ بہارے نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے دور کرتے پوچھا۔۔

شہرام کی بے تابیاں وہ محسوس کر چکی تھی۔ اتنے دن سے وہ اسے اگنور کر رہا تھا۔ آب وہ اتنی جلدی ماننے کا آرادہ نہیں رکھتی تھی۔

اس بچے کے بعد تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔ نہ پاس آؤں گا نہ تیسرا بچہ ہو گا نہ تم ناراض ہو گی۔ اس لیے میری بہارے یہی وقت ہے مجھے جی بھر کر میرے ارمان پورے کرنے دو! شہرام نے بہارے کی حیران آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے بولتے اپنے ہاتھ سے اس کے بدن پر اپنا حق جتاتے ہوئے گہری بھرپور شرارت کی تھی

کیا مطلب شہرام؟؟ بہارے نے شہرام کی بات پر جواباً سنجیدگی سے استفسار کرتے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکا۔

مطلب یہ میری بہارے تمھیں میری ضرورت نہیں محسوس ہوتی تم خود پر جبر کر کے صرف میری ضرورت پوری کرتی ہو۔ مجھے سکون پہنچانے کے لیے مجھے رات بھر برداشت کرتی ہو تو میرا بھی فرض بنتا ہے تمھارا خیال کروں۔ اس لیے دوسرے بچے کے بعد میں اپنے جذبوں پر کنٹرول کرتے تمھارے قریب ہی نہیں آؤں گا۔ شہرام کی بات پر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی دیکھتے وہ روہانسی ہوئی تھی۔ میرے قریب نہیں آؤ گے تو پھر کس کے قریب جاؤ گے۔ بہارے نے روہانسے ہوتے شہرام کے سینے پر زوردار مکہ مارات۔ شہرام کا چہرہ مزید سنجیدہ اور ٹپاٹ ہوا تھا۔

اپنے ہاتھوں کو کنٹرول کرو بہارے!!بیوی ہو بیوی بن کر رہو!!مجھے مجبور مت کرو میں سخت قدم اٹھاؤں۔اگر ابھی بھی تم نہیں چاہتی تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ویسے بھی تمھیں بہانہ چاہیے ہوتا ہے مجھ سے دور جانے کا۔۔مجھے بھی عادت ہو گئی ہے تم سے دور رہنے کی۔ تمھارے قریب آنے سے بھی اب میرے اندر کوئی جذبات نہیں ابھرتے۔تم ٹھیک کہہ رہی تھی اب تم میرے بچوں کی ماں بن کر رہو گی۔۔بیوی کے کوئی حقوق پورے کرنے کی ضرورت نہیں تمھیں۔شہرام بہارے کی کلائیوں پر دباؤ ڈالتے سلگتے لہجے میں بولا تو بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتے شدت اختیار کر گیا تھا۔وہ بے یقین ہوئی تھی۔سانسیں رکی تھیں۔

شہرام اسے سنجیدگی سے دیکھتے اس کے اوپر سے اٹھا۔بہارے گہرے سانس لیتے چھت کو دیکھ رہی تھی۔دوسرے لمحے اس نے بال مٹھیوں میں دبوچے

۔بہارے نے اٹھ کر بیٹھتے ہوے شہرام کو دیکھا جو صوفے پر اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پیتے موبایل میں کچھ سکرول کر رہا تھا۔

موبایل میں سکرول کرتے ہوے اس کے مونچھوں تلے عنابی لب مسکرا رہے تھے۔۔وہ زلزلوں کی زد میں شہرام کو دیکھ رہی تھی۔وہ کیا کہہ کر گیا تھا وہ بے یقین تھی۔اسے اس حلیے میں دیکھ کر بھی اس کے اندر کوئی جذبات کوئی پیاس نہیں جگی تھی۔۔بہارے نے خود کی طرف دیکھا ۔۔گاون کے نیچے نایٹی میں اس کا انگ انگ چھلک رہا تھا۔وہ سچ میں کسی اور عورت میں انوالو تھا کیا؟؟بہارے نے تڑپتی جلتی نگاہوں سے شہرام کو دیکھا جو موبایل میں ٹیکسٹ کرتے ہوے گہرا مسکرا رہا تھا۔

بہارے نے بہتی آنکھوں سے شہرام کو دیکھتے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھتی تیزی سے شہرام کی طرف بڑھی۔ پاگلوں کی طرح اس کے ہاتھ سے موبایل جھپٹا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے بہارے؟؟ شہرام نے کھڑے ہوتے اسی لمحے موبایل اس کے ہاتھ سے اچکا تھا۔

کیا ہے اس موبایل میں جو تم مسکرا رہے ہو؟؟ تمھیں میں نظر نہیں آرہی ۔۔ بہارے نے چیختے ہوے شہرام کے سینے پر غصے سے پوری قوت سے مکے مارے۔

بہارے! شہرام اسے کلائی سے جکڑے صوفے پر پٹخ گیا تھا۔

شہرام میں تمھاری جان لے لوں گی۔ بہارے روتے ہوے صوفے سے اٹھی تھی کہ شہرام اسے دوبارہ صوفے پر پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

چھوڑو مجھے میں تمھاری جان لے لوں گی۔ تم کون ہوتے ہو مجھے نظر انداز کرنے والے۔ بہارے نے روتے ہوے اس کے سینے پر مکے مارتے ہوے اس کی گردن نوچی۔ اس کی باتیں اس کا نظر انداز کرنا۔ موبایل کی طرف دیکھ کر مسکرانا وہ اپنے حواص جیسے کھو رہی تھی۔

میں کہاں نظر انداز کر رہا ہوں میری بہارے!! محسوس کرو مجھے کیسے میں تمھیں محسوس کر رہا ہوں۔ شہرام نے اپنی ٹانگوں کا دباؤ اس پر شدت سے ڈالا تھا۔

دیکھو میری آنکھوں میں تم اس نایٹی میں کیسے میری آنکھوں کی رنگت سرخ کر چکی ہو۔ وہ اس کی گاون کی ڈوری کھینچ کر کھولتے اب بھاری آواز میں بولتے اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

خود صوفے پر ہوتے وہ اب اسے اپنے اوپر کر گیا۔ بہارے بھیگی بے یقین نگاہوں سے اسے کانپتے ہوے دیکھ رہی تھی۔ شہرام کے بولے گئے لفظ اس کے اندر شرارے دھکاتے اس کے وجود میں ہچکولے بھر چکے تھے۔

سنو میری دل کی دھڑکن !! کتنی تیزی سے دھڑک رہی ہیں۔ شہرام اس کی ہتھیلی چومتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ گیا۔

بہارے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

تم گندے ملگجے حلیے میں میرے جذبوں میں آگ لگا دیتی ہو میری جان!!سوچو کیا حالت ہو رہی ہے میری۔ وہ اسے خود میں بھینچتے اپنی ایک ٹانگ اس کے اوپر رکھے اس کے بدن کی نازکی محسوس کرنے لگا۔

پھر کیا بکواس کر رہے تھے تم ابھی؟؟۔۔ بہارے سلگتے لہجے میں بولتے اس کی گردن کو اپنے ناخنوں سے نوچتے وہ شدت سے رو دی تھی۔

اپنی بہارے کا جنگلی پن بھی دیکھنا تھا۔ ایسے روتے ہوئے مجھے طعنے مارتے ہوئے اچھی نہیں لگتی جب تک مجھے اپنے ناخنوں اور زہریلے دانتوں سے نوچ نہ لو۔۔ شہرام نے شرارتی لہجے میں کہتے بہارے کو دونوں بازوؤں سے پکڑتے آئی بروا چکائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آنکھ ماری۔

بہت برے ہو تم شہرام خان! بہارے چیختے ہوئے ہوئے اس کی گردن پر جھکتے ہوئے بے رحمی سے دانت گاڑھ گئی تھی۔۔ شہرام اس کی کمر پر اپنا

حصار مضبوط کرتے اسے خود میں بھینچتے ہوے رخ پلٹ گیا تھا۔ بہارے ابھی بھی اس کی گردن میں دانت گاڑھے ہوے تھی۔ شہرام کی گردن پر دانتوں کی نیلی گڑھی بنا کر اس نے بھیگی گلابی آنکھوں سے شہرام کی آنکھوں میں دیکھا۔ اب وہ بری طرح ہچکیاں بھر رہی تھی شہرام کا مذاق اس کی جان نکال گیا تھا۔

اپنی حیثیت اپنا مقام کیوں نہیں سمجھی ابھی تک تم میری بہارے ؟؟ میرے بچوں کی ماں ہو تم۔ میرا عشق ہو تم ؟؟ تمھارے پاس نہیں آؤں گا تو تڑپ کر مر جاؤں گا میں۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ شہرام اس کی گردن پر سلگتی لبوں کا لمس چھوڑتے ہوے گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔

یہ باتیں صرف اس ٹائم ہی تمھیں یاد آتی ہیں۔ ایک ہفتہ مجھے نظر انداز کیا ہے میری طرف دیکھا تک نہیں۔۔ صرف اپنے بیٹے کو ہی دیکھتے تھے۔ تم

مجھ سے زیادہ بہرام سے محبت کرتے ہو۔اب آنے والے بچے سے کرو گے۔بہارے اس کی گردن پر اپنے دیے گیے نشان پر انگلی پھیرتے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔اس کے نظر انداز کرنے کا غم وہ بھول ہی نہیں پا رہی تھی

تم سے کروں گا صرف تم سے کروں گا تم کہو گی تو ان کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔۔شہرام بھاری آواز میں بولتے اس کی سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے نایٹی کندھے سے نیچے کھسکا گیا۔

میرے بچوں کو اگنور کیا جان سے مار ڈالوں گی تمھیں۔بہارے اس کے سینے پر مکہ مارتے ہوے غرائی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا۔۔

کبھی یہ صرف میرے بچے ہو جاتے ہیں۔ کبھی صرف تمہارے تم ڈیسائیڈ کر لو تمھارے میرے یا پھر ہمارے۔۔ شہرام کے لب نرمی سے گردن سے نیچے نرمی سے پرواز کرتے نیچے کی طرف سرکتے اب نیٹ کی نایٹی کے اوپر سے اس کے پیٹ کو نرمی سے چھو رہے تھے۔

بہارے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ شہرام بے حد نرمی سے اس کے پیٹ کو لبوں سے چھوتے اس کی پنڈلیوں پر نرمی سے لب رکھتے اس کے پیروں پر اپنے سلگتے لب رکھے تھے۔ بہارے کی آنکھوں سے آنسو گرتے اس کے عارض کو بھگونے لگے تھے۔ وہ نرمی سے اس کے پاؤں کے تلوں کو لبوں سے چھوتے ہوے نیچے سے اوپر آیا تھا۔ بہارے کے بہتے آنسوؤں پر اپنے دہکتے لب رکھتے وہ لبوں سے چننے لگا۔

تم مجھے آیندہ اگنور نہیں کرو گے۔ میں کچھ بھی کہوں شہرام!! مجھے ڈانٹ دینا مجھ پر چلا لینا مجھے بے اعتنائی کی مار مت مارا کرو۔۔ ورنہ سچ میں کسی دن تمھاری جان لے لوں گی۔ بہارے اس کے اوپر آتے اس کی گردن کے نشان پر غصے سے دانت گاڑھ گئی تھی۔۔

شہرام نے آنکھیں میچتے اس کا بے دردوار سہا تھا۔

کیا کہا تھا شہرام یہ نایٹی ریموو کر کے تمھاری لیپ پر بیٹھ جاؤں تو تمھاری سانسیں رک جائیں گی۔ بہارے اس پر جھکتے ہوے اس کی مونچھوں پر لب رکھتے اسے مدہوش آنکھوں سے دیکھتے پوچھا۔

ہاں جان نکل جاے گی میری!! شہرام خان گھمبیر آواز میں بولتے اسے شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

بہارے نے ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھاتے کمرے کی تمام لائٹس آف کر دی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اپنی نائیٹ ریموو کرتے شہرام اور اپنے درمیان بھی ہر پردہ گرا گئی تھی۔۔ شہرام اس کی ادا پر محظوظ ہوا تھا۔ بہارے اس کے سینے پر لب رکھتے ہوئے اس کے ساتھ لپٹی۔۔ شہرام اسے خود کے ساتھ لگاتے ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھاتے کمرے کی لائیٹ آن کر گیا تھا۔ بہارے جو اس پر جھکے اس کے سینے لب رکھ رہی تھی۔۔ کمرے کو جگمگاتا دیکھ کر بہارے کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔ وہ شدت سے شہرام کے سینے کے ساتھ لپٹے اس کی گردن میں منہ چھپا گئی۔۔

تم چیٹر ہو شہرام خان۔۔ بہارے اس کی گردن میں منہ چھپائے روہانسی ہوئی۔ جو محبت اندھیرے میں دکھا سکتی ہو وہ روشنی میں دکھانے میں کیا حرج ہے۔ یا پھر روشنی میں تمھاری مدہوش آنکھوں میں دیکھتے پتہ چل

جائے گا جتنا میں اس بچے کے آنے کا ذمہ دار ہو تم بھی ہو۔ وہ اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے اس کی مدہوش آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

بہارے سرخ ہوتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ شہرام مسکراتے ہوے اسے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کیے اس کی سانسیں پیتے ہوے اس کی کمر کو سختی سے جکڑے اسے اپنے بدن کا حصہ بناتے ریموٹ سے دوبارہ کمرے کی لائٹس آف کر گیا تھا۔

مجھے تمھاری پرفامنس میں کمی نہیں چاہیے میری بہارے!! اس لیے لائٹس آف کر دیں ہیں۔ ایک ہفتے کی پیاس ایسے نہیں بجھنے والی۔۔۔ آج تمہارا پورا پورا ساتھ چاہیے۔۔ آج تمھارا شہرام خان تمھیں ایک لمحے کے لیے نہیں چھوڑنے والا۔ تمھاری سانسوں اور تمھارے خوبصورت بدن پر آج رات قہر بن کر ٹوٹوں گا میں۔ وہ اسے اپنے ساتھ لپٹاتے مدہوشی میں بولتے اپنی

شدتیں اس پر ڈھانے لگا۔ بہارے اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے اس کی ماھم سرگوشیوں پر میں دیے گیے ہر حکم کو مانتی اسے ہر طرح سے سکون پہنچانے کی کوشش کرتے خود بھی پر سکون ہوتے اس سے شدت سے لپٹ رہی تھی

حیدر خان اپنے ہوٹل کے کمرے میں بیڈ پر شرٹ لیس اوندھے منہ لیٹے ہوے تھا۔ ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔ زمین پر خالی بوتلیں پڑیں تھیں۔ جن کا زہر وہ پچھلے تین دنوں سے اپنے اندر اتار رہا تھا۔ ابھی بھی وہ مدہوش سا جیسے ہر غم سے بے نیاز پڑا تھا۔ کوئی رشتہ اس کے پاس نہ تھا جس سے اپنا غم مٹاتا اس وقت اپنی خانم کی ضرورت تھی جس کے پاس وہ جا نہیں سکتا تھا۔ زرمش کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سمجھتا تھا۔ جو اس نے فرشتے کے ساتھ کیا اسے لگتا تھا آج اس کی بہن کے ساتھ اس کی

ہوئی ناانصافیوں اس کے ظلم کی وجہ سے ہو۔ اوزگل کو جانوروں کی طرح مارا اسے طلاق دے کر حویلی سے نکالا۔۔ اب اپنا وہ ظلم بھی یاد آرہا تھا۔ خدا کو حاضر ناضر جان کو دو عورتیں اپنے عقد میں لیں م۔ گر انصاف دونوں کے ساتھ نہ کر سکا۔ اوزگل کی بیوفائی معاف کر دیتا فرشتے کے ساتھ ناانصافی نہ کرتا تو شاید خدا اس پر رحم کھاتے اس کی بہن کی تکلیفیں کم کر دیتا۔۔ وہ کہاں تھی کس حال میں تھی وہ بھی پتہ نہ لگا سکا تھا۔

وہ اپنے ہر طرح کے رسورسز استعمال کر چکا تھا مگر زرمش کو نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔۔ زرمش جہاں سے غایب ہوئی وہاں کوئی کیمرا ز نہیں تھے۔ وہ راستہ بھی جنگل کی طرف جاتا تھا۔ اس دن وہاں سے کوئی گاڑی کوئی ذی روح کو گزرتے نہیں دیکھا تھا۔

جتنا ہو سکا وہ آس پاس علاقوں میں سرچ اپریشن کروا چکا تھا۔ حاکم خان کا سختی سے حکم تھا۔ حویلی سے باہر زرمش کی گمشدگی کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ پچھلے تین دن سے نہ حویلی میں کوئی ملازمہ اندر داخل ہوئی تھی۔ نہ حویلی کی کوئی عورت باہر گئی تھی۔۔ اوزلہ کے پاس سے موبایل تک لے لیا گیا تھا۔ مگر وہ تب سے حویلی ہی نہیں گیا تھا۔

موبایل وایبریٹ ہونے پر حیدر حاکم خان نے مندی مندی سرخ آنکھیں کھولتے سایڈ ٹیبل سے فون اٹھاتے کان سے لگایا۔ نمبر دیکھتے وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھا۔

بولو روہاب!! حیدر خان بے تابی سے بولا۔

حیدر!!اجس علاقے میں تم نے سرچ اپریشن کرنے کو کہا وہاں آریان خانزادہ کی بہت بڑی حویلی بھی ہے۔۔جہاں ہم نے ابھی تک سرچ اپریشن نہیں کیا۔۔

کیا مطلب کیوں نہیں کیا۔حیدر خان صوفے سے اٹھتے اپنے دوست ڈی آئی جی روہاب خان سے گرجتے ہوے بولا۔

کام ڈاون حیدر خان!!آریان خانزادہ ریسنٹلی امریکہ سے آیا ہے۔وہ ایک عام انسان نہیں ہے بہت بڑا آدمی ہے جس کی حویلی کی تلاشی ہم کسی صورت نہیں لے سکتے۔۔روہاب خان نے سنجیدگی سے کہا۔

حیدر حاکم خان سے کون بڑا آدمی ہو سکتا ہے کیا!؟۔یہ سوات اس کا نہیں میرا ہے۔۔اس کی حویلی کا تم ہر صورت سرچ اپریشن کرو گے۔۔مجھے میری بہن ہر قیمت چاہیے۔۔حیدر خان سرخ آنکھوں سے غرایا تھا۔

حیدر!!وہ امریکن سٹی زن ہے۔۔وہ کیلفورنیا کا بہت بڑا ریسلر ہے۔۔جو کہ کافی مشہور ہے۔اس کا ایک بیان میڈیا پر ہماری وردیاں اتار سکتا ہے اور تمھاری عزت کی دھجیاں اڑا سکتا ہے۔تم نہیں چاہتے تمھاری بہن کی گمشدگی کا کسی کو پتہ چلے۔۔ایسے میں پورے سوات میں یہ خبر پھیل سکتی ہے۔۔مجھے نہیں لگتا تمھاری بہن ادھر ہو سکتی ہے۔آریان خانزادہ کوئی اوپر کی چیز ہے اس کے بارے میں جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے وہ یہ ہے۔کہ وہ کوئی ایجنٹ وغیرہ ہے۔۔میں شیور نہیں ہوں۔مگر ایسے انسان کی حویلی میں چھاپہ کیسے ڈالا جا سکتا ہے۔روہاب کی بات پر حیدر خان غصے سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

میں کچھ نہیں جانتا ہر صورت اس آریان خانزادہ کی حویلی کی تلاشی لو۔۔اگر تم نہیں لوگے میں اپنے گارڈز کے ہمراہ اس کی حویلی کی تلاشی لوں گا۔۔میں

اپنی بہن کو تلاش کرنے دنیا کے ہر کونے تک جاؤں گا۔ وہ آریان خانزادہ اور اس کی حویلی حیدر خان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ حیدر خان گرجتے فون بند کرتے پوری قوت سے زمین پر مارتے توڑ چکا تھا۔

زرمش میری جان!! تمھارا لالا تمھیں ڈھونڈ کر رہے گا۔ تمھارے لالا سے بہت غلطیاں ہوئیں۔۔ اب تمھیں کبھی نہیں تنہا چھوڑوں گا۔ تم کہیں بھی ہوئی تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ ایک بار مل جاؤ تمھارا لالا تمھیں اپنے سینے سے لگا کر رکھے گا۔ ہوا کو بھی تمھیں چھونے نہیں دوں گا۔ حیدر خان چھت کی طرف دیکھتے چیخا تھا۔ دوسرے لمحے وہ بیڈ سے اٹھا۔ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔ زمین پر پڑی خالی بوتل سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا۔ شراب کی خالی بوتل دیکھتے اس نے کمرے میں رکھی اپنی باقی بوتلیں تلاش کیں۔ سامنے ٹیبل کی

طرف بڑھتے اس نے ایک بوتل اٹھاتے اسے کھولتے منہ سے لگائی

۔۔سامنے لگے مرر میں دیکھتے وہ ہنسا تھا پھر بے تحاشا ہنستا چلا گیا تھا۔

تمھاری کوئی اوقات نہیں حیدر حاکم خان!! یہ خدا نے تمھیں بتایا

ہے۔۔بہت کہتے تھے حیدر حاکم خان سوات کے ہوٹلوں کا مالک ہے۔ آج

دیکھو تم کیا ہو؟؟ کیا حیثیت ہے تمھاری؟!۔وہ شیشے میں دیکھتے زخمی سا ہنسا

تھا۔۔

اپنے رشتوں کی ناقدری کی۔ خدا نے بہن دی۔ مگر اس کی حفاظت نہ کر سکا

۔۔جب چھوٹی تھی لالالالا کرتی پھرتی تھی تمھیں اس ترس نہیں آیا۔۔ خدا

نے معصوم فرشتہ صفت بیوی دی اس کے ساتھ کیا کیا تم نے؟؟۔۔ اچھا کیا

خدا نے تمھارے ساتھ۔۔ تم سے سب رشتے چھین لیے۔۔ دیکھنا تم جیسے

کمزور انسان کو دراب زراب بھی چھوڑ جائیں گے۔۔ حیدر گہرے سانس لیتے

بوتل پوری منہ میں انڈیل گیا تھا۔ میرے دراب زراب۔۔۔ وہ بوتل زمین پر مارتے ہوئے چیخا تھا۔۔

میری خانم!! وہ بال مٹھیوں میں جکڑے چھت کی طرف دیکھتے چیخا تھا۔ زرمش! وہ بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی چیخ رہا تھا۔

خانم خانم وہ دل پر ہاتھ رکھتے اب رو پڑا تھا۔

ضرورت ہے تمھاری آرہا ہوں تمھارے پاس!! آج منع مت کرنا ورنہ تمھارا خان مر جائے گا۔ وہ لڑکھڑاتی زبان میں بولتے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اپنی شرٹ اٹھا کر پہنی تھی۔۔

اگر پاس آنے سے منع کرو گی تو حیدر حاکم خان وہ تمھارے ساتھ کرے گا یاد کرو گی تم؟ میری ہو تم!! تمھارا وہ تل بھی میرا ہے آج رات تمھارا تل

بنے گا حیدر خان کے ہر غم کا علاج۔۔ حیدر لڑکھڑاتی زبان میں بولتا کمرے میں پڑی گاڑی کی چابی کی طرف بڑھا تھا۔ وہ چابی اٹھائے ہوٹل سے باہر نکل آیا تھا۔

حیدر خان لڑکھڑاتے قدموں سے حویلی داخل ہوا تھا۔ اس وقت رات گہری ہو رہی تھی۔ پوری حویلی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا فرشتے بلو کلر کے چنٹوں والے فراک میں ملبوس گہری نیند سو رہی تھی۔۔ فراک کے اگلے سینے پر بٹن تھے تاکہ وہ با آسانی دراب زراب کو فیڈ کروا سکے۔۔ دراب زراب اس کے پاس بیڈ پر گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ کمرے کا دروازہ لاک کر کے اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

حیدر خان نے جھکتے ہوے بہت نرمی سے

زراب کی پیشانی پر باری باری لب رکھے تھے۔ وہ بہت نرمی اور احتیاط سے دراب زراب کو اپنی بانہوں میں اٹھائے کمرے سے ملحقہ ایک اور کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں دراب زراب کے بے بی کاٹ اور ان کی ضروت کی ہر چیز رکھی تھی۔ حیدر خان نے سپیشلی یہ کمرہ دراب زراب کے لیے تیار کروایا تھا۔ وہ انھیں نرمی اور احتیاط سے کاٹ میں لٹاتے کمرے کا دروازہ بند کرتے فرشتے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اس پر جھکے اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر منتقل کرتے کمرے میں پھیلی ہلکی نیلگوں روشنی میں فرشتے کے خوبصورت نقوش کو گرم اور گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔۔ وہ بہت نرمی سے اس کے اس کے نقوش پر انگلیاں پھیرتے اس کے نقوش پر اپنی گرم بھاپ جیسی سانسیں چھوڑ رہا تھا۔

حیدر خان کا ایک ہاتھ اس کے فراک کے بٹنوں میں الجھتے اس کی گہرائیوں کو نرمی سے چھو رہا تھا۔

حیدر خان کے بھاری بھر کم وجود کے نیچے فرشتے کسمسائی تھی۔ اس کے وجود کے نیچے فرشتے کو اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئی تھی۔ حیدر خان کے گرم بدن سے اس کے پورے جسم میں سپارک سے اٹھتے اسے پسینے میں نہلا چکے تھے۔ حیدر خان کے بدن کی حدت اور اس کا بے باک لمس اسے آنکھیں نہیں کھولنے دے رہا تھا۔ وہ اتنے مہینوں بعد اتنے قریب آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی بے باکی بڑھتی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ بہت بے باکی سے اسے چھوتے اپنا حق جتا رہا تھا۔ فرشتے کی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہو رہی تھیں۔ اب تو دھڑکنیں حیدر خان کے سینے میں دھڑکنے لگی تھیں۔

اس کی سلگتی سانسیں جن میں خاص قسم کے مشروب کی بدبو کے بھبوکے اٹھتے فرشتے کو اپنی سانسوں میں اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ فرشتے نے آنکھیں کھولتے گہرے سانس لیتے حیدر خان کو دیکھا جو اس کے ٹھوڑی کے تل پر اپنے دہکتے بے لب دیوانگی کے عالم میں رکھتے اسے اپنی شدت سے جھلسا رہا تھا۔

خان!! فرشتے نے اسے شبنمی بھیگے لہجے میں پکارا۔۔ حیدر خان کا ہاتھ اپنی فراک کی زپ پر محسوس کرتے فرشتے کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ وہ ہر حد سے گزر کر رہے گا یہ اس کے لمس سے فرشتے کو بخوبی محسوس رہو ہا تھا۔

فرشتے کی پکار پر حیدر خان اپنی سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں سوالیہ انداز میں گاڑھ گیا۔

خانم!!اس کی شفاف آنکھوں میں دیکھتے حیدر خان کے لب کپکپائے تھے۔۔اتنے عرصے بعد اپنی خانم کی گلاب مہک محسوس کی تھی اس کی بدن کی گرمی محسوس کی تھی۔اس کے نازک حصوں پر اپنا حق جتایا تھا۔حیدر خان کو اس وقت اپنے تمام غم جیسے بھول گئے تھے۔صرف مقابل کی طلب آنکھوں اور بدن میں دوڑ رہی تھی۔

حیدر خان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتا فرشتے کی آنکھوں میں گرا تھا۔فرشتے جلن کے شدید احساس کے تحت آنکھیں میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو خانم اپنے خان کو دیکھو!!وہی خان ہوں جس پر تم صورتیں پڑھ کر پھونکتے اپنی دعاؤں کے حصار میں باندھے رکھتی تھی۔جب سے تم نے صورتیں پڑھ کر مجھ پر پھونکنا چھوڑ دیا ہے۔تب سے تمھارا خان بدعاؤں کے حصار میں آگیا ہے خانم!!مجھ پر کچھ پڑھ کر پھونک دو خانم!!احساس دلاؤ

اپنے خان کو کہ اس کی خانم آج بھی اپنے خان سے عشق کرتی ہے۔ حیدر خان اس کی آنکھوں کو نرمی سے چومتے بھاری آواز میں بولتے اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا۔

خان!! خان!! شراب پی ہے آپ نے؟؟ فرشتے نے آنکھیں کھولتے حیدر خان کو دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔ دل دو دماغ بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

نہیں خانم شراب نہیں ہے۔ یہ ہر درد کا علاج ہے۔ پتہ ہے یہ مشروب پی کر تین دن سے ہر غم سے میرا جسم آزاد ہو گیا تھا یہ شراب نہیں ہر غم کا علاج ہے۔ حیدر خان بھاری بولتے فرشتے کی گردن پر شدت سے دانت گاڑھ گیا

۔

حرام مشروب آپ کے لیے حرام نہیں رہا خان؟؟ فرشتے نے سسکی لیتے کرب سے کہا

کہا ناں ہر درد کا علاج ہے یہ حرام مشروب!! پتہ ہے یہ پینے کے بعد کوئی حیدر خان کو اس کی کمزوریوں کا احساس نہیں دلاتا تھا۔ حیدر خان کا ضمیر بھی اسے پیتے سو گیا تھا۔ نہ زرمش کی یاد آتی تھی نہ تمھاری نہ دراب زراب کی۔

صرف خاموشی اور میرا جسم لذتوں میں ڈوب گیا تھا۔

حیدر خان سپاٹ انداز میں بولتے اس کی فراک کندھوں سے نے نیچے کھسکائے اس کے برہنہ کمر پر ہونٹوں سے اپنا لمس چھوڑنے لگا۔

لذت حرام کام میں آپ کو لذت محسوس ہوئی۔۔ فرشتے کی بھیگی آواز زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔۔ حیدر خان کا لمس اب زہریلے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو رہا تھا۔

لذت ہی حرام کام میں ہے کبھی کر کے دیکھنا!! حیدر خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے آنکھ مارتے تلخی سے ہنسا تھا۔

کونسا کام کروانا چاہتے ہیں خان مجھ سے ؟؟ آپ کی طرح شراب پیوں میں بھی!! فرشتے نے بھیگے لہجے دبی آواز میں چیختے ہوے استفسار کیا تھا۔۔

تم کبھی نہیں پی سکتی۔ میں جانتا ہوں میری خانم اس غلیظ چیز کو چھو کر بھی نہیں دیکھے گی۔ فرشتے کے لبوں سے وہ حرام مشروب پینے کا سن کر حیدر خان کو نشے کی حالت میں سوئی کی طرح چبھا تھا۔۔

جب میں اس حرام مشروب کو چھوؤں گی نہیں تو آپ نے کیسے سوچ لیا خان!! آپ کی خانم آپ کو برداشت کرے گی خود کو چھونے بھی دے گی۔ فرشتے حیدر خان کا گرم سرسراتا ہاتھ جو اسے بے باکی سے چھو رہا تھا وہ بے دردی سے جھٹک گیی تھی.

فرشتے کے جھٹکنے پر حیدر خان کی آنکھوں میں سرخی کی حدت گہری ہوئی تھی۔ حیدر خان اس کا جبڑہ بے دردی سے دبوچتے اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسوں کو بہت بے رحمی سے اپنی سانسوں میں قید کر گیا

فرشتے اس کے دہکتے لمس پر بری طرح مچلی تھیں۔ حیدر خان کی سانسوں کی بدبو اسے اب اچھی طرح اپنے حلق میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے پوری قوت لگاتے ہوے حیدر خان کو خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ مزید شدت اور بے رحمی سے اس کی سانسیں گھوٹ گیا تھا۔ فرشے کی پینک

ہوتی ٹانگوں کو کو وہ بے دردی سے اپنی ٹانگوں میں بے دردی سے الجھا گیا تھا

۔

فرشتے کے ہاتھوں کی کمزور سی مزاحمت جاری تھی۔ وہ حیدر خان کے سینے پر مکے مارتے اسے خود سے دور کرنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر وہ بے دردی بے رحمی سے اس کی سانسیں گھونٹتے اس کے دونوں لبوں کو دانتوں میں دباتے کھینچ رہا تھا۔

حیدر خان کے بے رحم لمس پر وہ بری طرح مچل رہی تھی۔ وہ اب اس کی کلائیاں بھی جکڑ گیا تھا۔ فرشتے کی وہ کمزور سی مزاحمت بھی وہ ختم کرتے اس کی کلائیوں پر بے دردی سے وزن ڈالتے فرشتے کی سانسوں کو انہیل کرتے اس کی سانسیں مکمل چرا گیا۔

کافی دیر بعد حیدر خان نے اپنے لبوں کی پیاس مٹانے کے بعد اسے کی سانسوں کو آزادی بخشی تو فرشتے نے گہرے سانس لیتے اپنی ٹوٹتی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ جو مقابل نے توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔

حیدر خان گہرے سانس لیتے اس کے سرخ لب وہ جو اپنی شدت سے سرخ قندھاری کر گیا تھا۔ ان لبوں پر اتنی سرخی دیکھتے بھی وہ اس کے نچلے لب کو دانتوں سے کاٹتے ہوے کھینچ رہا تھا۔ ایک ہاتھ پھر بہت بے باکی سے فرشتے کے کندھے سے ڈھلکے فراک میں الجھا ہوا اچھی طرح اپنا حق جتا رہا تھا۔

خان مت کریں میرے ساتھ یہ سب ؟! فرشتے نے گہرے سانس لیتے سسکتے ہوے التجا کی۔۔

کیوں خانم کیوں؟؟میری عورت ہو تم میری خانم میرا حق ہے تم پر تم ہوتی کون ہو؟!مجھے میرا حق لینے سے روکنے والی؟؟مجھے خود سے دور جھٹکنے والی؟!۔اب تم نے اپنے ہاتھوں سے مجھے دور جھٹکا خانم!!تمھارا ہاتھ توڑ دوں گا۔حیدر خان غراتے ہوے اس کی فراک کندھوں سے نیچے کھسکاتے آتار گیا تھا۔وہ اب اس کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگور تل کو اپنے دانتوں میں دبا گیا تھا۔فرشتے کی دبی دبی سسکیاں برامد ہو رہی تھیں۔آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برس رہے تھے۔وہ اس کی سسکیوں پر اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ جما گیا تھا۔حیدر خان کا لمس اس کے تل پر اپنا شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں شدت سے اس کے لبوں سے خارج ہو رہی تھیں۔مگر حیدر خان اس کے تل کو جنونی انداز میں اپنے لمس دہکاتے سرخ چکا تھا۔

حیدر خان نے اس کے تل کو آزادی بخشتے اس کی ٹھوڑی پر انگوٹھا رکھتے وہاں انگوٹھے کا دباؤ بڑھاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے لبوں سے ہٹاتے اس کی گلابی آنکھوں میں جھانکا۔ فرشتے کے لبوں سے اب بلند آواز میں سسکاریاں بلند ہو رہی تھیں۔ مقابل کا جنونی لمس برداشت نہیں ہو رہا تھا نہ وہ آج کرنا چاہتی تھی۔ مقابل کی سانسوں سے نفرت ہو رہی تھی۔ جن میں حرام مشروب کی امزیش شامل تھی۔

کیا ہوا خانم ؟؟ پہلی بار تو تمھارے اس تل پر میں نے اپنی شدت نہیں ڈھائی۔ بہت بار میں بہت دردی سے تمھارے وجود کے بہت نازک حصوں پر اپنی بے رحم شدتیں ڈھا چکا ہوں۔ تم نے کبھی اپنے خان کو خود سے دور نہیں دھکیلا تھا۔ نہ ایسے کبھی ماتم منایا ہے۔ حیدر خان نے فرشتے کے سسکنے پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے غراتے ہوئے پوچھا۔

خان!! آپ۔۔۔پہلے۔۔۔۔۔ کبھی۔۔۔۔یہ۔۔۔۔

حرام۔۔۔۔۔مشروب۔۔۔۔ بھی۔۔تو۔۔۔پی۔۔۔۔کر

۔۔۔۔میرے۔۔پاس۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ آئے۔۔ مم۔۔میں۔نہ

۔۔۔۔ آپ۔۔۔کی۔۔۔سانسوں۔۔کی۔۔بدبو۔۔برداشت۔۔کر

۔۔سکتی۔۔۔ہوں۔نہ

۔۔۔ آپ۔۔۔کا۔۔جنون۔۔۔۔خان۔۔۔ آپ۔۔ہوش۔۔میں۔۔ نہیں

۔۔۔میں۔۔ آپ۔۔۔کو

۔۔برداشت۔۔۔ نہیں۔۔۔کر۔۔۔سکوں۔۔۔گی۔۔ مم۔۔مجھے۔۔اپنے

۔۔۔دراب۔۔زراب۔۔۔کے۔۔۔پاس

۔۔۔۔جانے۔۔دیں۔خان۔۔ فرشتے نے ٹوٹے لفظوں سے بولتے التجا کی

تھی۔حیدر خان کی سرخ آنکھیں اس کا گرم بدن اس کے سختی اس کی

سانسوں سے اٹھتے بدبو کے بھبھوکے وہ سہن نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ آج سہن کرتی تو اسے لگ رہا تھا وہ مر جائے گی۔

کیا حرام حرام لگا رکھی ہے خانم ؟! تم بہت پاک اور عبادت گزار ہو تمھیں اتنا نہیں پتہ شوہر کو اس کے حق سے محروم رکھنے والی عورتوں کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ تمھیں اپنا گناہ کا احساس نہیں جو سلوک تم میرے ساتھ کرتی ہو۔۔ حیدر خان اس کی کمر میں سختی سے ہاتھ ڈالے اسے اوپر کو اٹھاتے اس کے نقوش پر سلگتی سانسیں چھوڑتے غرا اٹھا۔

خان میں نے کبھی آپ کو آپ کے حق سے محروم نہیں کیا۔ مم۔۔۔ مجھے۔ ۔ آپ کے پاس آنے پر اعتراض نہیں۔ صرف آپ کا اس غلیظ حرام مشروب پی کر میرے پاس آنے پر اعتراض ہے۔۔ خدا کے لیے ابھی پیچھے ہٹ جائیں۔۔ ہوش میں آنے کے بعد آپنا حق مجھ سے لے لیجیے گا۔ خان

میں اعتراض نہیں کروں گی۔ فرشتے نے بھیگے لہجے میں بولتے ہوئے اسے اپنے کانپتے ہاتھوں سے دور کرنے کی سعی کی۔

کتنی ضروت ہے تمھاری مجھے !اس وقت تمھیں میرے ساتھ ہونا چاہیے۔۔ مگر تم نے مجھے تنہا کر دیا خانم !!تم میری خانم نہیں ہو۔۔۔ مگر آج میں تمھیں اپنی خانم بنا کر رہوں گا۔وہی خانم جو کبھی میرے لیے ہوتی تھی ۔۔میری خانم۔۔ جسے مجھ سے عشق تھا۔میرے ہر درد کو اپنا بنالو خانم۔!!مجھے تمھاری ضروت ہے خانم۔۔۔حیدر حاکم خان کو تمھاری ضرورت ہے۔۔۔۔

حیدر لڑکھڑاتی آواز میں بولتے اس کی گردن پر جھکے اپنی جنون خیزیاں نچھاور کرنے لگا تھا۔

فرشتے کی سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔۔ حیدر خان نے اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی۔۔

فرشتے حیدر خان کو خود سے دور دھکیلتی بیڈ سے اٹھی ہی تھی۔ سے پہلے وہ بیڈ سے نیچے اترتی وہ اسے بازو سے جکڑے تکیے پر پٹخ گیا تھا۔ فرشتے اس کی آنکھوں میں سرخی دیکھتے سراسیمہ ہو گئی۔ تھی۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔ وہ اسے نشے کی حالت میں برداشت نہیں کر سکے گی وہ جانتی تھی۔

حیدر خان اپنے اور اس کے درمیان ہر پردے کو گراتے اس کی کلائیاں سختی سے جکڑے اسے اپنے بدن کا حصہ بنا گیا تھا۔ فرشتے کی چیخ پر وہ اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں گھوٹتے اپنی بے رحم شدتیں اس پر ڈھانے لگا۔ وہ فرشتے کو مکمل طور پر اپنے قابو کیے ہوے تھا۔ وہ اس کے نیچے ہل بھی

نہیں پا رہی تھی۔ اس کی سسکیوں پر وہ اس کی سانسیں بے رحمی سے گھونٹ دیتا تھا۔

وقت کے ساتھ اس کی بے رحم شدتوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ فرشتے کی سسکاریوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ سوئیوں کی ٹک ٹک کمرے میں گونج رہی تھی۔ مگر حیدر خان کو کوئی ہوش نہیں تھا کہ کتنا ٹایم گزر گیا ہے۔ وہ صرف آج اپنا ہر غم غلط کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ اس وقت سکون کی اتھاہ گہرائیوں میں تھا۔ وہ سچ میں سب کچھ بھول چکا تھا۔

وہ اپنی جنون خیزیاں نچھاور کرتے اس پر اپنا وزن ڈالتے اسے مکمل طور پر اپنی پناہوں میں قید کر گیا۔ فرشتے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی ۔۔ وہ کافی دیر تک ایسے ہی لیٹے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

اس نے اپنے اوپر پڑے حیدر خان کو خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کے نیچے کافی دیر سے دبی ہوئی تھی۔ وہ اپنی ایک ٹانگ اپنا ایک بازو اس پر رکھے گہری نیند سوتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

فرشتے نے روتے ہوئے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی مگر وہ اسے خود سے دور ایک انچ نہیں کھسکا سکی تھی۔۔۔ وہ تو اس کے نیچے سانس بھی مشکل سے لے رہی تھی۔ اس کی شدتوں سے فرشتے کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔۔ اب وہ بے دردی سے اسے اپنی پناہوں میں قید کیے ہوئے تھا۔۔

خان!! فرشتے نے لرزتے لبوں سے مدھم آواز میں اسے پکارا۔ حیدر خان کی جنونیت سے ڈر بھی گئی تھی۔ پہلے کب اتنی بے دردی سے اپنا حق لیا تھا۔ ڈر

تھا وہ پھر سے اپنا حق نہ لینا شروع کر دے۔ حیدر خان کی گہری ہوتی سانسوں اور مدھم خراٹوں پر وہ بے بسی سے روتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

نازو نے زرمش پر گہری نگاہ ڈالی جو سیاہ گرم سٹائلش فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر بے حد نفیس سی بلیک ہی کڑھائی والی شال اس نے ایک کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ الجھے بکھرے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے کی شکل میں لپیٹے ہوے تھی۔ وہ اس وقت لاونج میں زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے سامنے رکھی ٹیبل پر پڑا کھانا کھا رہی تھی۔۔ جو وہ اس کے لیے بنا کر لائی تھی۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔

نازو نے ترحم امیز نگاہ اس پر ڈالی۔۔ وہ روٹی کی بائیٹس بنا کر سبزی کے ساتھ کھا رہی تھی۔ وہ بہت جلدی جلدی کھانا کھا رہی تھی۔ جس سے صاف ظاہر تھا وہ بہت بھوکی ہے۔

ہم تمھارا لیے کچھ اچھا بنا لیتا۔ مگر خان صاحب نے ابھی فون پر ہمارا مرد کو بولا کہ تمھارا واسطہ کھانا لے کر ہم ادھر دس منٹ میں پہنچے۔ جو بنا تھا ہم تو وہی لے کر بھاگا بھاگا ادھر پہنچا۔ باہر اتنا سردی ہے ہمارا چھوٹا چھوٹا بچہ ہے۔ اس کو اپنا گھر میں اکیلا چھوڑ کر آیا ہے۔ اس حویلی کا خان بہت ہی ظالم ہے۔ ایسے ہمارا مرد کو حکم دیتا ہے جیسے وہ اس کا غلام ہو۔ اور ہمارا مرد جس کا ہم پر تو بڑا زور چلتا ہے۔ خان کا سامنے وہ ٹھس ہو جاتا ہے۔ سنا ہے خان کا پاس بڑا خونخوار جانور ہے۔ نازو کی بات پر زرمش کے حلق میں نوالہ اٹکا تھا۔

اسے غوطہ سا لگا تھا۔ وہ گلے پر ہاتھ رکھ کر بری طرح کھانسنے لگی۔ نازو نے جلدی سے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا۔

تم ٹھیک ہے تو ہے؟؟ نازو نے اس کا سرخ چہرہ دیکھتے تشویش سے پوچھا۔

ٹھیک ہوں میں۔ زرمش نے گہرے سانس لیتے پانی کے کچھ گھونٹ بھرتے اسے ٹیبل پر رکھا اور پھر سے کھانا کھانے لگی تھی۔۔

صبح سے اب کھانا ملا تھا۔ جب بھوک اور نقاہت سے اسے چکر آنے لگے تو اس سے پہلے وہ اپنے ہوش کھوتی نازو اس کے لیے کھانا لے آئی تھی۔ پتہ نہیں اب کھانا کب ملتا وہ بھوک ختم ہونے کے بعد بھی کھا رہی تھی۔ بھوک سے زیادہ جان لیوا کوئی احساس نہیں۔ ساحر خانزادہ کے موت کا غم بھی نہیں تھا۔ یہ اسے سمجھ آ گئی تھی۔

تم کو کیا زیادہ پسند ہے مطلب تم کیا شوق سے کھاتا ہے۔۔۔نازو نے اسے یوں کھانا کھاتے دیکھتے پوچھا تھا۔

سب کچھ ہی پسند ہے۔زرمش نے بھیگی آواز میں کہتے روٹی کا نوالہ بنا کر اپنے حلق میں اتارا۔

اور کیا نہیں پسند؟؟نازو نے زرمش کو دیکھتے پوچھا جو روٹی کا آخری نوالہ بنا رہی تھی۔

ساگ نہیں پسند!!زرمش نے اس آخری نوالے کو ساگ کے ساتھ لگاتے منہ میں ڈالا۔

نازو نے حیرت سے اسے دیکھا تھا وہ اس ساگ کی پلیٹ کے ساتھ پوری دو روٹیاں ختم کر چکی تھی۔۔

ویسے خان صاحب کا تم کون لگتا ہے ؟!۔ وہ تم کو کہاں سے لایا ہے ؟؟ نازو نے اب کی بار سنجیدگی سے دریافت کیا۔

کچھ نہیں لگتا وہ میرا!! زرمش آہستگی سے کہتے آنکھیں میچتے صوفے سے ٹیک لگا گئی۔ پیٹ بھرنے سے جسم میں جان آئی تھی۔

یہی تو حیرت کا بات ہے۔ ہم حیران ہو رہا ہے۔ تمھارا گال پر تھپڑ کا نشان اور اس ان تمھارا اتنا برا حالت دیکھ کر حیران تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے خان نے تمھارا ساتھ زبردستی کیا۔ اور اب دیکھو تمھارا واسطہ کھانا ہم کو بولا۔ یعنی تمھارا اتنا حیثیت نہیں تمھارا لیے کھانا تک خان کا کچن میں بنے۔۔ خان اپنا کچن میں کسی ملازم کا قدم رکھنا پسند نہیں کرتا۔ تمھارا حیثیت ایک ملازم جیسا ہی ہے خان کے لیے !! مگر تمھارا بدن پر کپڑا دیکھ کر ہم حیران ہے۔ تمھارا لیے اس حویلی کا کچن میں کھانا نہیں بن سکتا تم کچن میں قدم نہیں رکھ

سکتا۔ پھر یہ کپڑا تمھیں کیسے پہننے دیا؟؟۔ نازو نے زرمش کے وجود پر خوبصورت سا فراک دیکھتے حیرت سے کہا تھا۔

کس کے ہیں یہ کپڑے؟؟ زرمش نے آنکھیں کھولتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

اس سے پہلے نازو جواب دیتی۔ نازو کے ہاتھ میں پکڑا فون بجنے لگا تھا۔ ہم چلتا ہے ورنہ ہمارا مرد ہمارا جان لے لے گا۔ خان صاحب کا حکم تھا ہم تمھارا پاس زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔

اور تم سے کوئی بات بھی نہ کرے۔ اور باہر پھر سے بجلی کڑک رہا ہے۔ اللہ پوچھے اس حویلی کا خان کو! اس طوفانی بارش میں ہم کو اپنا گھر سے نکلنے پر مجبور کرتا ہے۔

ہم اتنا بھی موٹا نہیں۔۔ دس دس سویٹر پہنا ہے۔ اور اوپر یہ کوٹ یہ ٹوپی بھی اس کا اوپر یہ چادر لیا ہے۔

ہمارا پاس تھوڑا ناں ان صاحب لوگوں کی طرح بڑا بڑا گرم گاڑیاں گرم حویلیاں ہے۔

آگ لگا لگا کر ہمارا مت مارا جاتا ہے پھر جا کر چولھا جلتا ہے۔ اب یہ نیا عذاب روز تم کو کھانا دینے آنا ہے۔۔ ہم نے تو اپنا مرد سے فون چھین کر خان سے کہا بھی کہ ہمارا مرد پہنچا دے گا تم کو کھانا۔ مگر خان بولتا ہے وہ مرد ہے۔

اب کیا یہ خان تمہارا واسطے مرد نہیں؟! ہمارا مرد تم کو کھانا دے دے گا تو کیا ہو جائے گا

۔۔ویسے بھی ہمارا مرد میں شراب اور سگریٹ پی پی کر کچھ نہیں بچا۔اس نے کیا کہنا تھا تم کو۔اپنا بیوی کا پاس آتا اسے موت پڑ جاتا ہے۔بس ہر سال ایک بچہ کا تحفہ کیسے نہ کیسے کر کے ہم کو دے دیتا ہے۔پھر نو مہینے اس کا بچہ پیٹ میں رکھتا ہے۔اور پھر اس کو پیدا کرتا ہے اور ہمارا مرد کا تب تک جان چھوٹا رہتا ہے۔اور ہر سال بچہ پیدا کرنا پر اس کا مرد ہونے کا ثبوت بھی ہے پورا برداری کو پتہ چلتا ہے کہ ہمارا مرد بڑا تیس مار خان ہے۔یہ ہم سے پوچھو ہم سب کو بتائے وہ کتنا مرد ہے؟!۔مگر کیا کرے؟؟ذرا زبان ہم کھولے ایسا مار مارتا ہے اللہ کا پناہ۔۔ہم بھی جائے نماز پر بیٹھ کر اس کو بدعائیں دیتا ہے۔کبھی تو ہمارا بدعا لگے گا۔جان چھوڑ دے گا وہ ہمارا۔۔ہم اپنا سب بچہ کا پرورش اکیلا بھی کر سکتا ہے۔سمجھتا کیا ہے یہ مرد لوگ؟؟جو عورت مار کھا

کر ان کو بستر پر برداشت کر سکتا ہے۔ ان کا بچے پیدا کر سکتا ہے وہ کیا اکیلا ان کا بچہ نہیں پال سکتا

نازو نے نان سٹاپ بولتے جلدی جلدی برتن سمیٹتے وہ باسکٹ میں ڈالے تھے۔ زرمش ناسمجھی اور غایب دماغی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کا دل وم دماغ کڑکتی بجلی اور برستی بارش کی طرف تھا۔ حویلی کے لاونج کی سلایڈنگ گلاس ونڈو سے جنگل اور پہاڑ دیکھتے اور بجلی کی کڑک سنتے اس کی ہڈیاں سنسنا رہی تھی۔

تم مت جاؤ نازو!! مجھے اس حویلی میں ڈر لگ رہا ہے۔ زرمش نے بھیگے لہجے میں التجا کی۔ ہائے اللہ اس بڑا سا حویلی میں ہم کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔ پورا ایک

دن بھی چکر لگاؤ یہ حویلی نہ ختم ہو۔۔نازو نے حویلی کے چاروں اور نظریں دوڑائیں۔

ہم کو جانا ہی ہو گا۔باہر ہمارا مرد پاگل ہو گیا ہو گا۔اور تمھارا پاس اتنا دیر ہم رکا ہے تمھارا خان کو پتہ چلا وہ پاگل ہو جائے گا۔۔

میرا خان!!زرمش نے اپنے سینے پر انگلی رکھتے سسکی لی۔

چھپا کر تو ایسے ہی رکھتا ہے تم کو جیسے تمھارا خان ہو۔اپنا ماں اور بہن کو تو نوکر کا سامنے آنے دیتا ہے۔اور تمھارا سامنے ہمارا بڈھا مرد بھی نہیں آسکتا۔نازو ایک بار نان سٹاپ بولتے برتن اٹھائے چلی گئی تھی۔۔۔

زرمش لاونج کے بیچ و بیچ کھڑی بری طرح کپکپا رہی تھی۔ شدید کڑکتی بجلی اس کے اوسان خطا کر رہی تھی۔

بڑی بڑی گلاس والز سے چمکتی ہوئی بجلی دکھائی دیتی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ان گلاس والز پر پڑتے اس حویلی کو خاکستار کر دے گی۔ دل دہلا دینے والی خوفناک کڑک اسے اندر تک لرزا دیتی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کہاں پناہ لے؟؟ حویلی میں کمروں کی بہتات تھی بڑے بڑے لاونج سٹنگ ایریا راہداریاں کمرے لاونج کے بیچ و بیچ جاتی سیڑھیاں!! اتنی بڑی حویلی اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ ان کی اپنی حویلی اس حویلی کے مقابل کچھ نہ تھی۔ یکدم حویلی میں جلتی تمام لائٹس آف ہوئی تھیں۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتے چیخ پڑی۔ اب اس کی فلک شگاف چیخیں حویلی کے در و دیوار میں گونج رہی تھیں۔ بجلی کی کڑکتی روشنی جو گلاس وال پر پڑ رہی تھی۔ اس کی روشنی میں ہر

تھوڑی دیر بعد حویلی روشن ہوتی تو زرمش کی فلک شگاف چیخوں میں آضافہ ہونے لگتا تھا۔ اسے خود پر کبھی بچھو رینگتا محسوس ہوتا کبھی وہ بھیڑیا اور کبھی اسے اپنے گرد سائے سے کھڑے محسوس ہوتے تھے۔

وہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ شال اس کے کندھے سے لہراتے زمین بوس ہو چکی تھی

وہ بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ ہینڈل پر ہاتھ رکھتے دروازہ کھولتی۔ آریان خانزادہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

وہ ہذیانی چیختے ہو اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔ وہ اندھیرے میں اس وحشی درندے کی خوشبو محسوس کر چکی تھی۔ اس لیے بدن پر پہلے سے

بھی زیادہ کپکپاہٹ طاری ہوئی تھی۔۔وہ اس کے سینے میں سمائے تھر تھر کانپتے چیخ رہی تھی۔۔

بجلی کی چمک گلاس ونڈو پر پڑی تو آریان خانزادہ کو دیکھتے وہ بدحواص ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔ آریان خانزادہ کے گیلے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔اس کی آنکھوں کی سرخی اور وحشت آج بہت گہری تھی۔

آریان خانزادہ کو ایسے دیکھتے وہ کانپتے ہوئے اس کی شرٹ چھوڑتے بدحواصی کے عالم میں کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔وہ پیچھے ہوتے بری طرح لڑکھڑائی تھی آریان خانزادہ اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا ۔زرمش ہچکی لیتے اس کی شرٹ پھر سے مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔وہ اسے سرد سرخ پر سرار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

مم۔۔۔میں۔۔۔بھاگ۔۔نہیں۔۔رہی۔۔تھی۔۔لایٹ لایٹ چلی گئی تھی۔مجھے اندھیرے سے ڈر لگ رہا تھا۔۔زرمش نے اس کی سبز آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیرتے دیکھ کر لرزتے لبوں سے وضاحت دی۔

وہ زرمش کی بات پر قہقہ لگا گیا تھا۔

تت تم۔۔۔ہنس کیوں رہے ہو؟!۔۔مم مجھے تت تمھارے قہقوں سے خوف آتا ہے۔۔میرا دل بند ہوتا ہے۔۔پپ پلیز ایسے مت ہنسا کرو۔۔زرمش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے لرزتے لبوں سے التجا کی۔وہ اس کی وحشت اتری آنکھوں سے خوف سے کانپ رہی تھی اوپر سے اس کے خوفناک قہقے اس کا دل بند کر دیتے تھے۔

اور کس چیز سے ڈر لگتا ہے تمھیں؟؟ آریان خانزادہ نے بے حد برفیلے لہجے میں سنجیدگی سے دریافت کرتے اپنی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کرنے

لگا۔اب وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔اس کے گیلے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔جو اس کی سرد سرخ آنکھوں کو چھو رہے تھے۔۔ آج مقابل بہت پر سرار لگ رہا تھا۔

زرمش گہرے سانس لیتے اسے سٹل دیکھ رہی تھی

بتاؤ؟؟وہ اس کی طرف دیکھتے دھاڑا

مم۔۔۔مجھے۔۔۔اندھیرے۔۔۔سے۔۔ڈر۔۔لگتا ہے۔۔بارش سے ڈر لگتا ہے۔مجھے بجلی کی کڑک سے ڈر لگتا ہے مجھے تنہائی سے ڈر لگتا ہے مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔زرمش ایک ہی سانس میں خوف سے روتے ہوے بولی تھی۔۔ بجلی ایک بار پھر سے کڑکی تھی۔۔وہ چیختے ہوے اس کے سینے میں سمائی۔ بجلی کی کڑک بہت خوفناک تھی جو اسے وحشی درندے میں سمانے

میں مجبور کرتی تھی۔۔اس اپنے پیچھے کنواں آگے کھائی محسوس ہوتی تھی

۔وہ کہاں جائے آخر اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔۔بیچ میں تو صرف خلا تھا۔

آریان خانزادہ اسے خود سے الگ کرتے دیوار میں ٹپچ گیا تھا۔

زرمش چیختے ہوے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی۔

ہاتھ ہٹاؤ اور دیکھو میری طرف!!دیکھو میرے چہرے کی طرف۔۔دیکھو

میری طرف۔۔آریان خانزادہ کی خوفناک دھاڑ پر وہ اپنے چہرے سے ہاتھ

اسی لمحے ہٹا گئی۔

دیکھو میرا چہرہ دیکھو!میری آنکھیں!بتاؤ تمھیں میرا چہرہ دیکھ کر بتاؤ

مجھے!تمھیں لگتا ہے؟؟اس

bloodthirstbeast

کو کسی ڈر لگ سکتا ہے۔ آریان خانزادہ نے اس کے اطراف میں مکہ مارتے ہوے غراتے ہوے پوچھا۔

نن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ڈر۔۔۔لگ سکتا۔۔اس

bloodythirst beast

کو کسی سے ڈر نہیں لگ سکتا۔زرمش آریان خانزادہ کو دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی۔

زرمش کے چیخنے پر آریان خانزادہ قہقہ لگا کر ہنسا۔

یہی تو مسلہ ہے سب کو لگتا ہے مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا۔۔ آریان خانزادہ پر سرار انداز میں بولتا کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

لگتا ہے مجھے بھی ڈر لگتا ہے۔۔ آریان خانزادہ اس کے قریب ہوتا اس کے ایک طرف مکہ مار گیا۔

زرمش چیختے ہوے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔اس برستی بارش سے مجھے بھی خوف آتا ہے۔۔اس بجلی کی کڑکتی آواز سے مجھے بھی خوف آتا ہے۔مجھے اس برستی بارش اور اس کڑکتی بجلی میں کسی کی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔

مجھے اس برستی بارش اور بجلی کی خوفناک کڑک میں چار چار جنازے دکھائی دیتے ہیں۔اور ان کی قبروں کو کھودتے ہوے اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ۔۔وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے اب بول رہا تھا۔زرمش کو وہ اس وقت کوئی جنونی خطبی لگ رہا تھا۔

تمھیں پتہ ہے گیارہ سال کی عمر میں آریان خانزادہ کے دل سے ہر ڈر دور ہو گیا۔مگر برستی بارش میں چیخیں آج بھی مجھے سونے نہیں دیتی۔۔۔ آریان

خانزادہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اسے محصور کرتے برفیلے لہجے میں بولتے ہوئے زرمش کو گال پر انگلی ٹریس کر گیا۔

نن نہیں۔۔۔زرمش ہچکیوں سے بولتے سر نفی میں ہلا رہی تھی

تمھیں کیسے پتہ ؟؟تم تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ تمھیں کیا پتہ ؟؟اس حویلی اور اس کے پر مکینوں پر کیا گزری تھی۔۔ آریان خانزادہ اس کے بہتے آنسو انگلیوں کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے سرد سپاٹ لہجے ولا۔

زرمش اس کے نرم لمس اور نرمی سے ڈرتے ہوئے مزید دیوار میں سمائی تھی۔

چلو تمھیں آج دکھاتا ہوں اس وقت میں نے کیا محسوس کیا تھا؟؟ اور نازک ہاتھوں سے کھدائی کیسے کی جاتی ہے؟؟۔ آریان خانزادہ اس کے ہاتھ کو پکڑتے اس کی ہتھیلیوں کو بہت نرمی سے سہلاتے ہوئے بولا۔۔

نہیں۔۔۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔۔ نہیں۔۔۔ محسوس۔۔۔ کرنا۔۔ زرمش خوفزدہ انداز میں اپنا ہاتھ چھڑواتے روتے ہوئے بولی۔۔

محسوس کرنا ہو گا تمھیں!! کرنا ہو گا محسوس کیونکہ تم اس ذلیل حاکم خان کی بیٹی ہو۔۔ وہ اس کی ہتھیلی اپنے مضبوط ہاتھ میں دباتے ہوئے گرج اٹھا تھا

آہہ۔۔ زرمش نے درد سے سسکاری لی تھی۔

کرو گی محسوس؟؟ آریان خانزادہ اس کی ہتھیلی چھوڑتے ہوئے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔۔

ہاں کروں گی محسوس!!زرمش نے گھٹی گھٹی آواز میں بولتے ہچکی کی لی تھی۔۔

آریان خانزادہ اس کا ہاتھ پکڑتے داخلی دروازہ کھولتے ہوے باہر کی طرف بڑھا۔باہر آتے ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔زرمش نے ٹھٹھرتے ہوے آریان خانزاہ کی چوڑی پشت کو دیکھا۔وہ ہر چیز سے بے نیاز ایک شرٹ اور جینز میں تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔زرمش اس کے حصار میں کھنچتی چلی جارہی تھی۔۔

اسے جنگل کی طرف بڑھتا دیکھ کر زرمش کے بھاری اعصاب ساکت ہوے تھے۔اس کے قدموں کو جیسے کسی فولادی چیز نے جکڑ لیا تھا۔۔

ٹھنڈی برفیلی بارش نے دونوں کو مکمل بھگو دیا تھا۔ زرمش کا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔۔ برفیلی ہوائیں اس کی ہڈیوں میں سماتے اسے اندر تک سرد کر رہی تھیں۔۔

آریان۔۔۔ زرمش نے خوف سے ہچکی لیتے اسے پکارا۔ اپنے نام کے پکار پر اس کے قدم رکے تھے۔ دوسرے لمحے وہ اس کی کلائی بے دردی سے کھینچتے ہوے آگے بڑھنے لگا۔ وہ اس کی بھاری اور بڑے بڑے قدموں کی رفتار کا ساتھ دیتے ہوے اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔۔ بجلی کی کڑک پر چیخ مارتے ہوے وہ رکتی وہ بے دردی سے کھینچتا وہ کھنچتے ہوے چلی جاتی۔

وہ اسے جنگل کی طرف کیوں لے کر جا رہا تھا؟! وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے اپنی سماعتوں میں خوخوار بھیڑیا اور ٹائیگر کی خوفناک دھاڑ سنائی

دے رہی تھی. زرمش اپنے قدموں میں مزید تیزی لاتے بھاگتے ہوے اس کے مضبوط بازو کو آستین سے جکڑ گئی۔

آریان۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔ ہر۔۔ بات۔۔۔ مان رہی ہوں۔۔ جیسے۔۔۔ آپ۔۔۔ کہہ۔۔۔ رہے۔۔۔ ہیں۔ آج۔۔۔ سارا ۔۔ دن۔۔۔ بھوک۔۔۔ سے۔۔۔ مجھے۔۔۔ چکر۔۔۔ آرہے۔۔۔ تھے۔ ۔ مم۔۔ میں۔۔ نے۔۔ کچن۔۔ میں۔۔ قدم۔۔ نہیں۔۔۔ رکھا۔۔۔ نہ ۔۔۔ کبھی۔۔۔ رکھوں۔۔۔ گی۔۔۔ جو۔۔ کہیں۔۔۔ گے ۔۔ وہی۔۔۔ کروں۔۔۔ گی۔۔۔ دروازہ۔۔۔ کھلا۔۔۔ تھا۔۔ گیٹ۔۔۔ پر ۔۔۔ کک۔۔۔ کوئی۔۔۔ نہیں۔۔ تھا۔۔ مم۔۔ میں۔۔ پھر۔۔۔ بھی۔۔۔ نہیں۔۔ بھاگی۔۔ زرمش آریان خانزادہ کی شرٹ جکڑے اس کی سبز آنکھوں میں اپنی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھے برستی بارش میں بھیگتے ہوے

بمشکل بول رہی تھی۔اس کے گلابی ہونٹ سردی میں اب نیلے پڑ رہے تھے

۔آریان خانزادہ اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس۔دن۔۔۔آپ۔۔۔کا۔۔گیٹ۔۔میں۔۔۔نے۔۔پھلانگنے

۔۔۔کی۔۔۔۔کوشش

کی۔۔۔مم۔۔میں۔۔۔اس۔۔۔پر۔۔چڑھ۔۔۔سکتی۔۔ہوں۔۔آپ۔۔

۔کا۔۔چوکیدار۔۔تھا۔۔اس۔۔۔لیے

۔۔۔میں۔۔جنگل۔۔۔کی.۔۔طرف۔۔بھاگی۔۔تھی۔۔مم۔۔۔۔دیکھو

۔۔۔آج۔۔۔نازو۔۔۔کے۔۔۔آنے۔۔کے۔۔بعد۔۔۔گیٹ کھلا

تھا۔۔مم۔۔میں۔۔پھر

۔۔بھی۔۔۔نہیں۔۔بھاگی۔۔نہ۔۔۔کبھی۔۔۔بھاگوں۔۔۔گی۔۔وہ

ہچکیوں سے بولتے اسے یقین دلا رہی تھی۔۔تاکہ وہ اس پر رحم کرلے

آج تو میرا کک کوئی قصور نہیں۔۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔۔ ساگ۔۔۔ سے۔

۔۔ نفرت۔۔۔ ہے۔۔۔ مم۔۔ مگر۔۔۔ آج۔۔۔ خاموشی۔۔۔ سے۔۔ وہ۔

۔ بھی۔۔ کھا۔۔ لیا۔۔۔ آپ۔۔۔ جو۔۔ کہتے۔۔ ہیں۔۔ وہ ہر۔۔۔ بات۔

۔۔ مانتی۔۔ تو۔۔۔ ہوں۔۔ پھر۔۔ کس۔۔ بات۔۔ کی۔۔ سزا

۔۔۔۔ دے۔۔۔ رہے۔۔ ہیں۔۔ زرمش نے روتے ہوئے فریاد کی۔

اب دیکھو۔۔ وہ۔۔۔ آپ کا۔۔

midnight

مم۔۔۔ میں۔۔ نے۔۔۔ تو۔۔۔ اسے۔۔۔ نہیں۔۔۔ مارا۔۔۔ اس۔۔۔

پر۔۔۔ تو۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ نے۔۔ گولی۔۔۔ چلائی۔۔۔ تھی

۔۔ پھر۔۔ سزا۔۔ مجھے۔۔ کیوں۔۔ زرمش نے بھیگے لہجے میں بولتے استفسار

کیا۔

کیونکہ تم حاکم خان اور رائنہ خان کی بیٹی ہو۔۔ وہ اس کی باتوں پر دھاڑا تھا۔ زرمش اس کی دھاڑ پر خوف سے لرزتے ہوے پیچھے ہوے تھی۔۔

تمھاری آنکھیں راینہ خان سے ملتی ہیں۔ نفرت ہے مجھے ان آنکھوں اور ان سے گرتے آنسوؤں سے۔۔ دل کرتا ہے نوچ ڈالوں ان آنکھوں کو۔۔ آریان خانزادہ اس کی آنکھوں کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے غرایا

مگر۔۔ مم۔۔۔

میری۔۔۔ آنکھوں۔۔ سے۔۔ تو۔۔۔ بہت۔۔۔ سے۔۔ لوگ۔۔ پیار۔۔ کرتے۔۔ ہیں۔۔۔

پتہ۔۔ ہے۔۔ کالج۔۔ میں۔۔ سب۔۔ لڑکیاں۔۔ کیا۔۔ کہتی۔۔ تھیں۔۔ زرمش۔۔ تمھاری آنکھیں۔۔ بہت خوبصورت۔

ہیں۔۔ان۔۔میں۔۔ڈوب۔۔کر۔۔مر۔۔۔جانے۔۔کو۔۔دل۔۔۔کرتا

۔ہے۔۔پھر آپ کو کیسے۔۔میری۔۔۔آنکھوں۔۔۔سے۔۔۔

نفرت۔۔۔ہو سکتی۔۔ہے۔ معصومیت سے بولتے ہوے اس کی شرٹ

مٹھیوں میں جکڑتے استفسار کر گئی تھی۔

آریان خانزادہ اس کی معصومیت پر ایک پل کے لیے چونکا تھا۔برستی بارش

میں وہ اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے لرزتے ہوے اسے اپنی

آنکھوں کی خوبصورتی کے متعلق اس لیے بتا رہی تھی تاکہ وہ اس کی

آنکھوں سے نفرت نہ کرے۔۔اور اسے سزا نہ دے۔وہ واقعی میں اتنی ہی

معصوم تھی یا پھر اس سے خوفزدہ ہوتے بن رہی تھی۔

لڑکیاں کہتی تھیں یا پھر تمھارا عاشق ساحر۔۔وہ اس کی

ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتے استھزائیہ مسکرایا۔

سس ساحر نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ اس نے تو کبھی میری آنکھوں میں دیکھا تک نہیں۔۔ زرمش نے روتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

واہ کیا بات ہے ؟؟ لگتا ہے ساحر خان کی نظروں کا مرکز کہیں اور ہوتا تھا۔ آریان خانزادہ نے طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے بے باکی سے دیکھا تھا۔

نن نہیں۔۔ ساحر۔۔۔۔ نے۔۔ مجھے۔۔ کبھی۔ غور ۔۔سے۔۔ نہیں۔۔ دیکھا۔ مجھے۔۔ نظر۔۔ بھر۔۔۔ کر۔۔ نہیں۔۔ دیکھا۔ ۔زرمش نے سسکی بھرتے اپنی آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

نام مت لینا اپنے یار کا میرے سامنے !! وہ اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔۔۔ اور مجھے تمھاری آنکھوں سے نفرت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔۔ حاکم خان کی بیٹی ہو میرے لیے صرف۔۔ تمھاری خوبصورتی جوانی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔ آیندہ اپنی خوبصورتی کی میرے سامنے ذکر کیا میں تمھارا

خوبصورت چہرہ بگاڑ کر رکھ دوں گا سمجھی تم۔۔ آریان خانزادہ سرد لہجے میں تنبیہ کرتے ہوئے اس کا جبڑہ چھوڑتے اسے دور جھٹکا تھا۔ اس سے پہلے وہ لڑکھڑاتے ہوئے گرتی وہ اسے کلائی سے جکڑے آگے بڑھ گیا تھا۔۔

زرمش ایک ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کرتے اس کے قدموں کا ساتھ دیتے بھاگنے لگی۔

اسفندیار نے اپنی گھنی بیئیرڈ انگلیوں سے سہلاتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی بیوی کو دیکھا۔ جو اس کے سامنے صوفے پر زاران کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی۔ بلو اینڈ وایٹ کلر کے ہیوی ایمبرائیڈری فراک میں ملبوس تھی ۔ جیولری میں اس نے ماتھے پر ہیوی ماتھا پٹی سجائی ہوئی تھی۔ ٹھوڑی پر تین

سیاہ تل بنائے ہوئے تھے. پنک کی کلر کی لپ سٹک لگائے وہ اچھی خاصی تیار تھی۔۔

اسفند اب عابیر پر نگاہیں گاڑھے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

وہ جب سے آیا تھا وہ ایسے ہی زاران کے سینے پر سر رکھے ہوئے اس سے باتیں کر رہی تھی۔ زاران اس کی ہتھیلی پکڑے کبھی اس پر لب رکھتا کبھی اس کی ماتھا پٹی پر لب رکھتے اسے پچھلے دس منٹوں سے وضاحتیں دیتے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسفند پچھلے دس منٹوں سے جلتے توے پر بیٹھا تھا۔ کہاں برداشت تھی اپنی پٹھانی کسی کے بھی اتنے قریب!!اور اس منسٹر کے قریب تو بلکل بھی برداشت نہیں تھی۔

عابیر اسے مکمل نظر انداز کیے ہوے تھی۔ عابیر کے ایک دوبار دیکھنے پر اسفندیار خان نے اسے اشاروں سے زاران سے دور ہونے کو کہا تھا۔ مگر وہ اس کے اشارے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوے اسے دیکھتے نروٹھے انداز میں منہ پھیر لیتی تھی.

مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں لالا!! آپ کو اپنی بہن نظر آتی نہیں۔۔ کتنے فون کیے میں نے آپ کو؟؟ آپ اب آئے ہیں۔ دردانہ کی مہندی تھی آج!! میری سب سہلیاں چلی گئی ہیں۔ مگر میں نہیں جا سکی۔۔ عابیر نے زاران کے سینے پر سر رکھے بھیگی آواز میں شکوہ کیا۔

عابیر میری جان!! معاف کر دو اپنے لالا کو۔۔ میٹنگ تھی یار!! زاران نے کوئی دسویں بار معافی مانگتے ہوے اس کی ہتھیلی چومی تھی۔

میں بلکل بات نہیں کروں گی آپ سے !ایک ہی بہن ہے آپ کی !!اس کی بھی پرواہ نہیں آپ کو۔عابیر نے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے شکوہ کیا۔

یہ اسفند کہاں تھا تب ؟؟وہ تمھیں کیوں نہیں لے کر گیا؟؟زاران نے سامنے بیٹھے اسفند کو گھورا۔ جس کی وجہ سے وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے عابیر کو منا رہا تھا اور وہ مان نہیں رہی تھی۔اسفند بھی جواباً زاران کو گھورتے اب صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔ جس کے سینے کے ساتھ لگی اپنی بیوی بہت چبھ رہی تھی۔

بات مت کریں لالا اسفند یار خان کی ؟؟مجھے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرنی!!عابیر نے ایک نظر اسفند کو دیکھتے نروٹھے انداز میں کہا تو اسفند جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

ہاں آج اس نے اسفند سے بات بھی نہیں کرنا اس کو کمرے میں بھی آنے نہیں دینا۔ کیونکہ آج اسفند غلطی سے اپنی بیوی کا چاکری چھوڑ کر اپنا مورے کو اس کا لالا کے گھر لے گیا تھا۔ اور تمھارا بہن نے فون پر فون کر کے ہمارا بیٹا کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔۔ اس نے غلطی سے فون بند کر دیا۔ تب سے یہ ایسے ہی اس کو نخرہ دکھا رہا ہے۔ تمھارا ساتھ چپک کر بھی اس لیے بیٹھا ہے تا کہ اس کو جلا سکے۔ اور ہمارا کاٹ کا الو بیٹا تب سے جل بھی رہا ہے۔ روزینہ خانم جو اسفند کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ وہ یہ سب دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے بولی تھیں۔

روزینہ خانم کی بات پر اسفند نے پہلو بدلتے لب بھینچے تھے۔ عابیر اسفند کو گھورتے ہوئے وہاں سے اٹھتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

زاران نے بمشکل روزینہ خانم کا طنز برداشت کیا تھا۔

مگر اسفند کی حالت دیکھتے زاران کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔ نہ اسے ماں بخشتی تھی نہ اس کی بیوی!!

یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے تم جاؤ اپنا بیوی کا پیچھے۔۔ اس سے معافیاں مانگو کہ تم سے غلطی ہو گیا آج تم نے اپنا مورے کے ساتھ وقت بتایا۔ روزینہ خانم اسفند پر طنزیہ نگاہ ڈالتے وہاں سے چلی گئی تھی.

زاران کے لبوں سے قہقہ بلند ہوا تھا۔ اسفند نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

ویسے تجھے سمجھ نہیں آرہا ہو گا ماں کے پیچھے جائے کہ بیوی کے پیچھے! ایک کام کر آج رات سکون سے حویلی کے باہر بستر ڈال کر سو جا۔۔ صبح تک جب تو فریز ہو گیا ہو گا تو پھر تیری ماں اور بیوی کو عقل آجائے گی۔ زاران نے مسکراہٹ دبائے اسے مشورہ دیا۔

اس مشورے پر تو عمل کر لے !! تجھے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ سکون تو تیرے نصیب میں نہیں۔ اپنی والی کو میں ٹھیک کرنا جانتا ہوں۔ تیرے مشورے کی ضرورت نہیں۔ تو میری بیوی سے دور رہا کر۔۔ ورنہ اگلی بار تیرا جبڑہ میں توڑ کر رکھ دوں گا۔ اسفندیار خان زاران کو گھورتے ہوئے اپنی شال جھٹکتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچن کی طرف بڑھا

زاران گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اسفند نے کچن میں داخل ہوتے دوازہ لاک کیا اور اپنے بھاری قدموں سے وہ اپنی پٹھانی کی طرف بڑھا جو سلیب پر چاقو سے سبزیاں بے حد غصے سے کاٹ رہی تھیں۔

اسفند آگے بڑھتے اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اس کی گردن پر دہکتے لب رکھ گیا

چھوڑیں اسفند مجھے !!عابیر خود کو چھڑواتے غصے سے بولی۔

نہیں چھوڑوں گا بلکل نہیں چھوڑوں گا۔اپنی نیلے گلاب کو!!اسفند عابیر کو مزید خود میں بھینچ گیا تھا۔

نیلا گلاب!عابیر اسفند کا لفظ دہراتے ہوے روہانسی ہوئی تھی۔

ہاں نیلا گلاب !!نیلی پری بنی ہوئی ہو تو نیلا گلاب ہی کہوں گا۔اسفند نے اسے سیدھا کرتے اس کے چہرے کو نرمی سے تھامے اس کے ہونٹوں پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

پاس مت آئیں میرے آپ!! آپ کو پتہ تھا مجھے دردانہ کی مہندی پر جانا ہے۔ مگر پھر بھی آپ نہیں آئے۔۔ آپ کی وجہ سے میں جا نہیں سکی۔۔ عابیر نے اسفند کو غصے سے دور دھکیلتے بھیگے لہجے میں کہا۔

معاف کر دو میرا خوبصورت گلاب! یار سب بیٹھے ہوے تھے۔ تمھارا فون فون بار بار آرہا تھا۔ مورے کو جانتی ہو وہ سب کے سامنے شروع ہو جاتی۔ اس لیے فون آف کرنا پڑا۔ پلیز میری جان ایسے رو مت!! میری بیٹیوں کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ اسفند نے بے حد نرمی سے اس کے عارض سے بہتے آنسو صاف کیے۔

اسفند صرف آپ کو صرف اپنے بچے کی فکر ہے اور اپنی مورے کی۔ وہ جان بوجھ کر آپ کو آج آپ کے ماموں کے گھر لے کر گئی ہیں۔ انھیں پتہ تھا

مجھے دردانہ کی مہندی پر جانا ہے۔ان سے میری کوئی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔عابیر نے اسفند کے ہاتھ غصے سے جھٹکے۔

اسفند اس کی بات پر جبڑے بھینچتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اس سے دور ہوا تھا۔اسفند کو سنجیدہ دیکھتے عابیر رخ موڑے کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹنے لگی تھی۔۔۔ساتھ ساتھ وہ رو رہی تھی۔اس کی سوں سوں کی آواز سنتے گہری سانس بھرتے اس کے قریب ہوتے نرمی سے اس کے پیٹ کو اپنے مضبوط حصار میں جکڑ گیا۔اب کی بار عابیر نے اسے جھٹکا نہیں تھا۔

میری سفاک پٹھانی میرا سرخ گلاب!! کتنی بار سمجھایا ہے مورے کے بارے میں کچھ نہ کہا کرو۔۔کیا میں انھیں جواب نہیں دے سکتا۔ایک بار ان سے سخت الفاظ کہوں گا وہ کبھی مجھے سب کے سامنے کچھ نہیں کہیں گی۔مگر عابیر وو مورے ہیں میری!!ان کے کچھ کہنے سے میری عزت میں کمی نہیں آ

سکتی۔۔ماں ہیں میری بابرک کی موت کے بعد تلخ ہو گئی ہیں۔وہ تمھیں کچھ کہتی ہیں جب تم خاموش ہو کر ان کا طنز برداشت کرتی ہو اور مجھے گھور کر دیکھ لیتی ہو جانتی ہو تمھاری گھوریوں سے میرا دل تو دھڑک اٹھتا ہے۔اے اس دل کو تم سے پہلے سے بھی زیادہ عشق ہونے لگتا ہے۔وہ اسے سیدھا کرتے اس کا چہرہ تھامے اس کے گلاب عارض پر زبان پھیرتے انھیں دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔

اسفند فون کیوں بند کیا آپ نے ؟؟ مجھے بلکل اچھا نہیں لگا آپ میرا فون کاٹ دیں۔ آپ اپنی مورے کے پاس تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا فون کاٹ دیں۔عابیر کی بات پر اسفند ہنستے ہوے سر نفی میں ہلا گیا تھا۔اس کی ماں اور بیوی کو سمجھانے کا کوئی فایدہ نہیں تھا۔اسے ہی یہ سب برداشت کرنا تھا۔۔

دونوں کی شکائتیں ایک جیسی ہی تھیں۔پِس وہ جاتا تھا۔

اگر فون بند کرنا ہی تھا مجھے آجازت دے دیتے کہ میں رحیم کاکا کے ساتھ چلی جاتی۔وہ بھی آپ کو گوارا نہیں تھا کہ میں اتنا تیار ہو کر اکیلی جاؤں ۔۔عابیر نے نروٹھے انداز میں شکوہ کیا۔

مجھے اپنی تصویر کیوں بھیجی تھی میرا نیلا گلاب!!کیسے جانے دیتا تمھیں اکیلا؟؟۔اسفند اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی ٹھوڑی پر بنے ارٹیفشل تل پر اپنے لب رکھ گیا۔

فون کیوں بند کیا سب جانتی ہوں اسفند؟؟عابیر ایک بار پھر سے اسے خود سے دور کر گئی تھی

کیوں بند کیا تھا میرا نیلا گلاب ؟؟ اور کیوں دور کر رہی ہو مجھے خود سے ؟؟ اتنی خوبصورت لگ رہی ہو دل کر رہا ہے تمھیں آج کھا جاؤں۔ اسفند اس کی گردن پر جھکے گھمبیر آواز میں بولتے دانت گاڑھ گیا تھا

کیونکہ وہاں نیلما جو تھی اس لیے آج آپ مجھے نیلا نیلا گلاب پکار رہے ہیں۔ عابیر نے بھر بھڑ جلتے روہانسے لہجے میں کہا۔

اسفند نے اس کے گرد شیلف پر ہاتھ جماتے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

دوسرے پل عابیر کی آنکھوں میں جلن اور اس کی بات کا مطلب سمجھتے اسفند کا بلند و بانگ قہقہ برامد ہوا تھا۔

عابیر اس کے قہقے پر مزید روہانسی ہوئی تھی.

اب سمجھ آیا میرا جیلس گلاب کے اتنے غصے اور آنسو بہانے کی

وجہ۔۔اسفند لب دانتوں تلے دبائے بولا۔

اسفند میں جیلس نہیں ہو رہی۔!!پ کی مورے کی درینہ خواہش تھی

۔۔نیلما سے آپ کا نکاح کرنے کی۔۔ بچپن سے سنتی آ رہی ہوں۔عابیر نے

اسفند کے سینے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے غصے سے کہا.

مگر اب اس کا نکاح ہو چکا ہے۔اس لیے تمھارے جلنے اور رونے کا کوئی فایدہ

نہیں۔۔اسفند نے اس کے گال پر جھکتے لب رکھے۔

کب ہوا اسفند نکاح نیلما آپی کا۔عابیر نے اسفند کو دور کرتے ہوے ایکسایٹڈ

بھرے لہجے میں پوچھا۔

اسفند اس کا چمکتا چہرہ دیکھ کر کھل کر مسکرایا تھا۔ اب وہ نیلما سے نیلما آپی ہو گئی تھی۔ یکدم عابیر کے لہجے میں نیلما کے لیے عزت جھلکنے لگی تھی جو کچھ دیر پہلے مفقود تھی۔

جب امریکہ میں تھا تب ہوا تھا اب تو رخصتی ہے میرا نیلا۔۔۔ اسفند کہتے کہتے رکا تھا۔ میرا سرخ گلاب۔۔ اسفند ملایمت بھرے لہجے میں کہتے اس کی گردن پر جھکے دیوانگی کے عالم میں لب رکھ رہا تھا۔ عابیر اب اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی.

اب سمجھ آیا میرے سفاک گلاب نے نیلی پری بن کر مجھے اتنی تصوریں کیوں بھیجی۔ تاکہ میرا دھیان صرف اپنی بیوی کی طرف رہے۔۔ اب سمجھ آیا مجھے اتنے فون کیوں کیے جا رہے تھے؟؟۔۔ میری سفاک پٹھانی جل رہی

تھی۔۔ اسفند اس کی گہرائیوں پر جھکتے اس کے اگلے بٹن کھولتے نرمی سے دانت گاڑھنے لگا۔

نن نہیں تو۔۔ اسفند۔۔۔ عابیر نے پھولتی سانسوں سے بولتے ہوے اسفند کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے مزید شدت سے خود میں بھینچا تھا۔

اسفند اس کے تڑپنے اور مچلنے پر اس سے دور ہوا۔

عابیر سرخ ہوتے نظریں جھکا گیی تھی۔

ہے میرا شرمیلا گلاب! مجھ سے کیسی شرم؟؟ جب مجھے محسوس کرتی ہو تو کھل کر مجھے اپنی خواہشات بتایا کرو۔ جیسے میں تمھیں بتاتا ہوں۔ اسفند نے جھکتے ہوے اس کی ٹھوڑی پر دانت گاڑھے۔

اسفند میں تو۔۔ عابیر شرماتے ہوے اس کے سینے میں سما گئی تھی۔۔

ہے سرخ گلاب کمرے میں چلتے ہیں۔ تمھارا یہ روپ تہس نہس کر کے بتاؤں تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو اور اپنے اسفندیار پر کیسے بجلیاں گرا چکی ہو۔ وہ اسے گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اسے شدت سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

عابیر بھی شدت سے اسفندیار کے سینے میں سمائی تھی۔

وہ اسے اسی لمحے گود میں اٹھا گیا

اسفند کوئی دیکھ لے گا۔ عابیر سرخ چہرے کے ساتھ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

دیکھنے دو مورے نے دیکھا تو مزید زن مریدی کا ٹیگ لگ جائے گا۔ زاران نے دیکھ لیا تو سالا بغیرت بولے گا۔ شہرام نے دیکھ لیا تو دانت کچکچاتے اگلی

بار مجھ سے بدلہ لے لے گا۔ باقی کسی نے بھی دیکھ لیا تو لاحول ولا قوت پڑھ لیں گے۔ اسفند شرارتی لہجے میں کہتے اسے اوپر کو اٹھاتے اس کے لبوں کو چوم گیا۔

اسفند مجھے شرم آرہی ہے۔۔ پلیز نیچے اتارے کسی نے دیکھ لیا میں شرم سے مر جاؤں گی۔ عابیر روہانسی ہوئی تھی۔۔ کچھ نہیں ہوتا تم آنکھیں بند کر لو۔۔۔ اسفند مسکراتے ہوئے کچن سے نکلتا لاونج میں داخل ہوتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ عابیر کو سختی سے آنکھیں میچے دیکھ کر اسفند کے لبوں سے بلند بانگ قہقہ بلند ہوا تھا۔ عابیر روہانسی ہوتے اسفند کے سینے سے مزید لپٹی تھی۔۔ اسفند سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔۔۔۔

آریان خانزادہ اس کا ہاتھ پکڑے تیز تیز قدموں سے جنگل داخل ہوا تھا۔زرمش اس کے ساتھ بھاگتی ہوئی برستے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔بارش کی شدت سے اسے لگ رہا تھا آج یہ بارش اس کی جان لے کر رہے گی۔ٹھنڈی برفیلی ہوائیں اس کی ہڈیوں کو سنسناتے اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

آریان خانزادہ اسے جنگل کی گیلی مٹی پر بے دردی سے دھکیل گیا۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گری تھی۔زرمش لبوں پر ہاتھ جمائے بری طرح سسک پڑی۔

آریان خانزادہ اپنے بوٹوں کی دھمک سے آگے بڑھا۔۔

آریان!!زرمش خوفزدہ ہوتے اسے پکار بیٹھی تھی۔وہ اسے اس خنوفناک جنگل میں چھوڑ کر جارہاہے۔وہ بری طرح گھبرائی تھی۔برستی بارش اور بجلی کی چمکتی کڑکتی کڑک میں یہ جنگل اس دن سے بھی زیادہ خوفناک لگ رہا تھا۔

آہہہ۔۔یکدم اس کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔وہ ہراساں ہوتے پیچھے کو ہوتی دلخراش چیخیں مار رہی تھی۔اس کے پاس

midnight

کی لاش پڑی تھی۔

دوسرے لمحے زرمش زمین سے اٹھتے اپنی پوری فورس لگاتے بھاگتے ہوے آریان خانزادہ کی طرف بڑھتے اس کے مقابل آتے اس کا مضبوط بازو جکڑ گئی تھی۔۔

آر۔۔یان!! آر۔۔۔یان! آر۔۔یان۔۔۔۔۔وہ ہچکیاں لیتے اس کی آستین کو جکڑے ہوے اس کا نام ٹوٹے لفظوں سے پکار رہی تھی۔۔

آریان خاموشی سے سپاٹ سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

آر۔۔یا۔۔ن آر۔۔۔یا۔۔۔ن۔۔اس نے پھر سے اسے ہچکیوں سے پکارا۔وہ اس سے پہلے اتنا نہیں ڈری تھی۔جتنا وہ آج ڈر رہی تھی اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

آریان۔۔۔اد۔۔۔ھر۔۔۔

night۔۔۔۔mid

ہے۔۔وہ۔۔خونخو۔۔۔۔ار۔۔۔۔مڈ۔۔۔۔نایٹ۔۔۔زرمش نے مڈنایٹ کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے خوف سے ہچکی لی۔۔

ہاں تو؟؟ آریان خانزادہ نے اپنی آستین فولڈ کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں

پوچھا۔ وہ اپنی سرد برفیلی نگاہیں اپنے چمکتے بوٹوں پر گاڑھے ہوئے

تھا۔ مقابل کا خود سے زیادہ کسی اور سے اس طرح ڈرنا اسے پسند نہیں آیا

تھا۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اسے صرف ایک ہی ذی روح کا ڈر

خوف دیکھنا تھا اور وہ تھا صرف آریان خانزادہ

bloodthirstbeast

۔۔۔ آریان خانزادہ نے اس کے لرزتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورا۔

تو؟؟ زرمش نے ہچکی لیتے کپکپاتے ہوئے

midnight

کی لاش کی طرف دیکھا تھا۔

جب مجھ سے بات کیا کرو تو صرف میری طرف دیکھا کرو۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

وہ۔۔وہ۔۔۔

mid. . . . night

ہے۔ زرمش نے اسے روتے ہوئے ایک بار پھر سے بتانے کی کوشش کی۔ اب کی بار وہ اس کی

آنکھوں میں ہی دیکھ رہی تھی۔

ہاں وہ

midnight

ہے دیکھ چکا ہوں۔ اس کی قبر کھدوانے کے لیے تمھیں یہاں لایا ہوں۔ آریان خانزادہ کی بات پر اس کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ ڈر اور سراسیمگی پھیلی تھی

مم۔۔ میں۔۔۔ نہیں۔۔ میں۔۔ اس۔۔۔ کی۔۔ قبر۔۔۔ نہیں۔۔۔ کھودو ں گی۔

زرمش روتے ہوے ہذیانی چیخی۔۔

خبردار میرے سامنے آواز اونچی ہوئی ٹیٹوا (حلق) دبادوں گا تمھارا۔ وہ اس کی گردن پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے غرایا۔

زرمش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے خوف سے سر اثبات میں ہلایا۔

آریان خانزادہ نے اسی لمحے اس کی گردن کو آزاد کرتے اسے گھنے درخت کے تنے کے ساتھ پٹخا۔ وہ ہچکیوں سے روتے ہوے درخت کے تنے میں سمائے مڈنایٹ کی لاش کو دیکھتے اپنے دونوں ہاتھ لبوں پر جمائے ہوے تھی۔

وہ اس کے قریب ہوتے اس کے اطراف میں درخت کے تنے پر ہاتھ جمائے اسے محصور کر گیا تھا۔

وہ درخت کے تنے میں سمائے اب اسے خوفزدہ نگاہوں سے ہچکیاں لیتے دیکھ رہی تھی۔۔ بارش تیز سے تیز سے ہوتی جارہی تھی.۔ بجلی کی کڑک بھی مزید خوفناک ہوتے جارہی تھی.

Thats good my frightened lamb

وہ اس کی خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔ ایسے مجھ سے خوف کھاتے ہوے تم مجھے بہت خوبصورت لگتی ہو۔ صرف مجھ سے خوف کھاتے ہوے۔۔ آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں نفرت سے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

اب بولو کہ تم

midnight

کی قبر کھودو گی۔ آریان خانزادہ نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے حکم دیا۔

زرمش درخت میں سماتے ہوے روتے ہوے ہچکیاں لیتے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ مڈنایٹ ہو یا یہ وحشی درندہ اسے دونوں سے خوف آتا تھا۔

بند کرو یہ ہچکیاں!!وہ اس کے ایک طرف مکہ مارتے ہوے غرایا۔زرمش چیختے ہوے منہ پر ہاتھ جماتے ہوے اپنی ہچکیاں روک گئی تھی۔

بولو کہ تم مڈنایٹ کی قبر کھودو گی۔ آریان خانزادہ نے اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹائے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

تت۔۔تم۔۔۔

midnight

۔۔کی۔۔قبر۔۔۔کھو۔۔دو۔۔گی۔۔زرمش ٹوٹے لفظوں سے بولی تو آریان خانزادہ کا اس کی بات پر بلند و۔بانگ قہقہ گونجا تھا۔

زرمش اس کے قہقے پر اس سے مزید خوفزدہ ہوتے درخت میں سمائی تھی

حرکتیں تمھاری معصوم لڑکیوں کی طرح ہیں۔ پہاڑوں کی ایسی معصوم لڑکی جس نے پہاڑوں اور چشموں کے علاوہ کچھ دیکھا ہی نہیں۔۔ مگر تم تو بہت کچھ دیکھ چکی ہو۔ مجھے بھی دیکھ چکی ہو۔ آریان خانزادہ نے ذو معنی انداز میں اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔ وہ اس کی بات کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے ہوے خفت سے زمین میں گڑھی تھی۔ وہ اسے اس دن کا طعنہ دے رہا تھا جس دن اس نے اسے چھپ کر کپڑے بدلتے دیکھا تھا۔

بولو میں مڈنایٹ کی قبر کھودوں گی۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

میں۔۔۔ مڈ۔۔ نایٹ۔۔ کی۔۔ قبر۔۔ کھو۔۔ دوں۔۔۔ گی۔۔۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بولی تھی۔

ایسے نہیں جیسے چیختے ہوے کہا تھا کہ میں مڈنایٹ کی قبر نہیں کھودوں گی۔ ویسے ہی چیختے ہو لو کہ میں مڈنایٹ کی قبر کھودوں گی. آریان اس کا جبڑہ چھوڑتے خانزادہ حکمیہ لہجے میں غرایا۔

میں مڈنایٹ کی قبر کھودوں گی۔ زرمش نے بمشکل آواز نکالی تھی۔

آریان خانزادہ کے سرد نگاہوں سے گھورنے پر زرمش بری طرح رودی تھی۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی وہ چیختی کیسے ؟؟

چیخ کر بولو۔۔ آریان حلق کے بل دھاڑا۔

میں مڈنایٹ کی قبر کھودوں گی۔ وہ اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے اپنی پوری قوت لگا کر چیخی تھی۔

بولتی رہو!! آریان خانزادہ نے اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے غراتے ہوے حکم دیا۔

میں مڈنایٹ کی قبر کھودوں گی۔ زرمش اب پہلے سے بھی زیادہ حلق کے بل چیخی تھی

آریان خانزادہ اسے دیکھتے آگے کی بڑھا۔

زرمش اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے خاموش ہوئی تھی۔

وہ جتنا اس وحشی درندے سے خوفزدہ تھی اس سے کہیں زیادہ اس خوفناک جنگل سے خوفزدہ تھی۔۔ اس وحشی درندے کی سزائیں قبول تھیں مگر اس جنگل میں تنہا رہنا نہیں قبول تھا۔

آریان۔۔وہ آریان خانزادہ کو دور جاتے دیکھتے حلق کے بل چیخی تھی۔۔وہ پھر سے بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھی

رک جاؤ وہیں پر!! آریان خانزادہ نے پیچھے مڑے بغیر سرد لہجے میں حکم دیا تھا۔

مم۔۔میں۔۔اس۔۔جنگل۔۔میں۔۔خوف۔۔سے

۔۔مر۔۔جاؤں۔۔گی۔۔مجھے۔۔چھوڑ۔۔کر۔۔مت۔۔جاؤ۔۔۔زرمش اس کا حکم نظر انداز کرتے بھاگتے ہوے اس کے طرف بڑھتے اس کی شرٹ بازو سے مٹھی سے جکڑتے چیختے ہوے التجا کی۔

عنقریب میں تمھارے پور پور میں اپنا ایسا ڈر ایسا خوف بھر دوں گا کہ تمھیں اس جنگل سے اتنی وحشت نہیں آئے گی۔۔جتنی آریان خانزادہ کے نام سے

آئے گی۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے نفرت امیز نگاہوں سے استھزائیہ لہجے میں بولا۔

مم۔۔میں۔تت۔۔تم۔۔سے۔۔بہت۔۔ڈرتی۔۔ہوں۔۔سچ۔۔میں۔ کبھی۔۔کسی۔۔سے۔۔اتنا۔۔نہیں۔۔ڈری۔۔۔۔مجھے ۔۔ان۔۔سبز۔۔آنکھوں۔۔سے۔۔کبھی۔۔محبت۔۔تھی۔۔مگر۔۔آج ۔۔ان۔۔آنکھوں۔سے۔۔خوف۔۔آتا۔۔ہے۔۔تت۔۔تم۔مم۔۔میر ے۔۔لیے۔۔۔

blood thirst beast

ہو۔تت تم.۔۔کہو۔۔گے۔مم۔۔میں۔۔سانس۔۔لینا۔بھی۔۔بند کر..سکتی۔۔ہوں۔۔حکم۔۔دے۔۔کر۔۔دیکھو۔۔زرمش اپنی گردن پر

ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے اپنی سانس اندر کی طرف کھینچتے سانس بند کر چکی تھی۔اب وہ اس کی طرف دیکھے سانس بھی نہیں لے رہی تھی۔۔ آریان لب بھینچے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ سچ میں سانسیں روکے ہوے تھی۔۔برستی بارش میں بھیگتے ہوے وہ سانس نہیں لے رہی تھی۔۔خود کی سانسیں روکنے پر اس کی رنگت اب سرخ ہو رہی تھی۔

سانس لو۔۔۔ آریان خانزادہ لب بھینچتے اسے بازو سے جکڑے غرایا۔

زرمش نے اسی لمحے اس کے حکم پر اپنی سانس باہر چھوڑتے گہرے گہرے سانس لیے تھے۔ آریان خانزادہ غصے سے اسے خود سے دور جھٹک گیا تھا۔وہ گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانسنے لگی تھی۔۔

دیکھا۔۔۔

مم۔۔میں۔۔سانس۔۔روک۔۔سکتی۔۔ہوں۔۔مگر۔۔اس۔۔۔جنگل۔

۔میں۔۔نہیں۔۔رکوں۔۔گی۔۔آپ۔۔۔کے۔۔پیچھے۔۔۔آؤں

۔۔گی۔۔میں۔۔۔اس۔۔جنگل۔۔میں۔۔نہیں۔۔۔رکوں۔۔۔گی۔۔۔

کبھی۔۔نہیں۔۔۔زرمش روتے ہوے ضدی لہجے میں اس کی آستین

جکڑتے ہوے سسکیوں سے بولی۔

میرے پیچھے آئی تو سچ میں تمھاری جان لے لوں گا۔۔میں تمھاری سانسیں

ایسے نہیں کھینچوں گا۔بلکہ مڈنایٹ کے ساتھ تمھاری قبر بنا کر تمھاری

سانسیں بند کر دوں گا۔آریان خانزادہ کی سرد غراہٹ پر وہ اس کی آستین

چھوڑتے ہوے پیچھے ہوئی تھی۔۔دھمکی بہت ہی جان لیوہ تھی۔

یہیں کھڑی رہو!!اور چیخ چیخ کر بولو!!

I m afraid of Aryaan khanzada

آریان خانزادہ نے اس کا بازو دبوچتے ہوئے اسے برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

I m afraid of Aryan khanzada

زڑمش اپنی گردن گھماتے مڈنایٹ کی طرف دیکھتے اپنی پوری قوت لگاتے حلق کے بل چیخی تھی۔

آنکھیں بند کر کے بولتی رہو چیخیں رکنی نہیں چاہیے!اُسے مڈنایٹ کی طرف دیکھتے ہوئے آریان نے غراتے ہوئے نیا حکم جاری کیا۔

I m afraid of Aryaan khanzada

وہ آنکھیں بند کرتے حلق کے بل اب یہ لفظ دہراتے ہوئے چیخ رہی تھی۔نہ اسے برستی بارش ہڈیوں کو چیرنے والی سردی کی پرواہ تھی نہ خوفناک بجلی کی کڑک کی۔۔وہ اس کی قبر مڈنایٹ کے ساتھ کھودے گا یہی

ایک خوف اسے بری طرح ڈرا رہا تھا۔ وہ سردی سے کپکپاتے مسلسل چیختے ہوے یہ لفظ دہراتے جا رہی تھی۔

آریان اسے سرد گہری نگاہ سے دیکھتے آگے بڑھ گیا تھا۔ دور تک اس کی سماعتوں میں زرمش کے لفظ پڑ رہے تھے۔ وہ حلق کے بل چیختے ہوے مسلسل یہ لفظ پکار رہی تھی۔

I m afraid of Aryaan khanzada

I am afraid of Aryaan khanzada

تقریباً دس منٹ بعد آریان خانزادہ اس کے سامنے تھا وہ ابھی بھی آنکھیں میچے بے حد اونچی آواز میں یہی لفظ دہرا رہی تھی۔ وہ ایک پل نہ رکی تھی نہ آواز کی مدھم ہوئی تھی۔ جنگل میں موجود تہہ خانے میں اترنے تک اس کی

آواز اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دے رہی تھی۔ صرف تہہ خانے میں اس کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ دو سیکنڈ میں وہ مطلوبہ چیزیں لے کر باہر تھا۔ اس دس منٹ میں کچھ سیکنڈ مقابل کے لفظ اس کی سماعتوں کو سنائی نہیں دیے تھے۔ ورنہ اس دس منٹ میں مسلسل اس کی چیخیں سنائی دیتی رہی تھیں۔

I am afraid of Aryaan khanzada

وہ حلق کے بل چیخی تو آریان خانزادہ ہاتھ میں پکڑے کھدائی کرنے والے اوزار زمین پر پھینکتے اس کی طرف بڑھا

اپنی طرف بڑھتے وحشی درندے کی قدموں کی بھاری دھمک کی آواز پر وہ سسکیاں بھرتے آنکھیں میچے i m afraid of aryan khanzada چیختے ہوئے پکارتے ہوئے پیچھے کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

یکدم آسمانی بجلی کڑکی تھی۔ بجلی کی کڑک اتنی خوفناک اور دل دہلا دینے والی تھی پورا جنگل لرز اٹھا تھا۔ وہ چیختے ہوئے اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔

I m afraid of Aryaan khanzada

اب وہ اس کے سینے میں سمائے لرزتے لبوں سے یہ لفظ دہرا رہی تھی۔ اس کی سینے میں بجتی دھڑکنیں تک آریان خانزادہ کو اپنے سینے میں بجتے محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے نازک ہاتھ اس کی چوڑی کمر کے گرد لپیٹے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے گہرا سانس لیتے جبڑے بھینچے تھے۔ صنف مخالف میں یہ پہلی لڑکی تھی جو اس کے اتنے قریب آئی تھی۔ جس کے سینے میں بجتی دھڑکنوں تک کو وہ محسوس کر چکا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا جس لڑکی سے وہ شدت سے نفرت کرے گا وہ یوں اس کے بدن کا حصہ بن

کر اس سے لپٹے گی۔ وہ اسی لمحے اسے خود سے الگ کر گیا تھا۔ آریان کے جھٹکنے پر وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے وہ گرتی آریان خانزادہ اس کی کلائی تھام گیا۔

بجلی کی چمک پر اس کے نقوش واضح ہوے تھے۔ سردی سے کپکپاتے اس کے گلابی ہونٹ اب نیلے پڑ رہے تھے۔ اس کے گال پر اس کے تھپڑ کا نشان پھر سے واضح ہو رہا تھا۔ عارض پر اب سرخی کی بجائے سردی کی وجہ سے نیلاہٹ تھی جس میں اس کی انگلیوں کا نشان واضح ہو گیا تھا۔

آریان خانزادہ کی بے تحاشا کھردریاں انگلیاں بے اختیار اس نازک سی عورت کے گال کو چھو گئی تھیں۔

یہ نشان آخر کب جائے گا۔ وہ لب بھینچے اس کے گال کو نرمی سے اپنی انگلیوں سے چھوتے سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے اتنی بے دردی سے

اسے تھپڑ مارا تھا۔ اس کا تھپڑ بہت جان لیوہ تھا یا مقابل بہت نازک تھی۔ آریان خانزادہ نے جبڑے بھینچتے اس کے نازک وجود کو دیکھا۔۔ سیاہ گیلا فراک اس کے قیامت بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ اس کے کندن دھمکتے نشیب و فراز بھی عیاں ہو رہے تھے۔

کبھی اس کے گال پر اپنا دیا گیا نشان بری طرح چبھتا کبھی اس نشان کو دیکھتے اس کی روح کو تسکین ملتی تھی۔ وہ نشان نہ اس کے گال پر گوارا تھا۔ اور نہ ہی یہ نشان وہ مٹائے یہ گوارا تھا۔ جو سوغات درد مقابل کو وہ دے چکا تھا وہ چاہتا تھا وہ اب کبھی خود سے دور نہ کرے۔۔

I m afraid of Aryaan khanzada

وہ آنکھیں میچے ابھی بھی یہ لفظ دہراتے ہلکان ہو رہی تھی۔ آواز اب مدھم ہو گئی تھی۔۔ سسکیوں کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ سردی سے ٹھٹھرتے

کانپتے ہوئے لفظ دہرا رہی تھی۔ مقابل پر ابھی بھی اسے رحم نہیں آیا تھا یہ برستی بارش اسے اس پر رحم کھانے بھی نہیں دے سکتی تھی۔ اس برستی بارش میں جو چیخیں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مقابل کی چیخوں سے زیادہ دردناک تھیں۔

آریان خانزادہ اس کی کلائی نرمی سے چھوڑی۔ اس نے اپنی گیلی شرٹ اتارتے ہوئے زمین پر پھینکی۔ زمین سے کھدائی کے اوزار اٹھائے وہ زمین کھودنے لگا۔ اب وہ صرف ایک بلو جینز میں ملبوس تھا۔

زمین پر ضربیں لگنے کی آواز پر زرمش کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھی تھی۔

I m afraid of Aryaan khanzada

وہ خوفزدہ ہوتے پھر سے شدت سے حلق کے بل چیخی تھی۔

آنکھیں کھولو!!وہ گینتی سے زمین پر پوری قوت سے ضرب لگاتے چیخا تھا۔

زرمش نے اسی لمحے آنکھیں کھولی تھیں۔ مقابل کو دیکھتے وہ خوف سے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔وہ شرٹ لیس تھا۔اس کی باڈی دیکھ کر وہ لرز کر رہ گئی تھی۔پہلے بھی اسے شرٹ لیس دیکھا تھا مگر اس کی باڈی ایسی تھی وہ آج پہلی بار غور سے دیکھ رہی تھی۔ایسی باڈی اس نے ٹی وی پر ریسلرز کی دیکھ رکھی تھی۔اس کے سینے پر کتنے ایبز تھے گنے نہیں جاسکتے تھے۔اس کا سینہ اچھا خاصہ چوڑا تھا۔بازو اچھے خاصے پھولے ہوے تھے جن میں نیلی رگیں واضح تھیں۔زرمش اسے دیکھتے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔۔وہ اس کے مقابلے بے حد نازک تھی۔

آریان خانزادہ اپنی پوری فورس لگائے زمین پر ضربیں لگا رہا تھا۔اس کے سلکی گیلے بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔۔وہ اس وقت واقع میں کوئی وحشی

درندہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے زمین پر ضرب لگانے سے اندازہ ہو رہا تھا وہ بہت طاقتور ہے۔

زرمش منہ پر ہاتھ جمائے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ادھر آکر قبر کھودو میرے ساتھ!! آریان نے پلٹتے ہوئے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے حکم دیا۔ زرمش اثبات میں ہچکیاں بھرتے ہوئے کانپتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ وہ کچھ ہی لمحوں میں اچھی خاصی زمین کھود چکا تھا۔

زرمش روتے ہوئے ہچکیاں بھرتے مڈنایٹ کو کن اکھیوں سے دیکھتے لرز رہی تھی۔ مڈنایٹ کی لاش سے اسے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اتنا زندہ مڈنایٹ نے اس کے اوسان خطا نہیں کیے تھے۔ جتنا مرا ہوا مڈنایٹ دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔ آریان نے پوری قوت سے زمین پر ضرب لگاتے

اپنے پاس کھڑی زرمش کو دیکھا جو مڈنایٹ کو دیکھ کر خوفزدہ ہوتے ہچکیاں لے رہی تھی۔

آریان لب بھینچے اسے بازو سے جکڑتے اپنے دوسری طرف کر گیا تھا۔

کیا کہا تھا تمھیں کہ تمھاری آنکھوں میں صرف آریان خانزادہ کا خوف ہونا چاہیے ؟!۔ پھر کیوں خوفزدہ ہو رہی ہو ؟؟ مر چکا ہے وہ تمھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اب تم اسے دیکھ کر کانپی بھی میں تمھیں اسی قبر میں مڈنایٹ کے ساتھ دفن کر دوں گا۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا۔ یہ تو طے تھا اس لڑکی کی آنکھوں میں وہ کسی ذی روح کا ڈر خوف بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ان ہیزل گرے آنکھوں میں صرف اپنا ڈر دیکھنا تھا اور اتنی شدت سے دیکھنا تھا کہ ان آنکھوں میں کوئی اور رنگ سرخی نہ دکھے صرف آریان خانزادہ کے ڈر خوف دہشت کے سوا!! زرمش نے اثبات میں سر ہلاتے اس

کے بازو پر ہاتھ رکھتے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اسے بہتے آنسوؤں سے یقین دلانے کی کوشش کی وہ اس کے سوا کسی سے خوفزدہ نہیں ہو گی۔ اب اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آریان اسے خود سے دور جھٹکتے زمین کھودنے لگا۔ زرمش بمشکل اپنے قدموں کے سہارے کھڑی آریان خانزادہ کو زمین کھودتے دیکھ رہی تھی

کھودو زمین۔۔ وہ زمین پر ضرب لگاتے ایک بار پھر سے اسے دیکھتا چیخا تو زرمش کپکپاتے ہوئے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی کھودی ہوئی جگہ سے مٹی نکال کر سائیڈ پر رکھنے لگی ۔۔ آریان خانزادہ نے لب بھینچتے ہوئے رکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اپنے نازک ہاتھوں سے تھوڑی تھوڑی مٹی اٹھاتے دوسری طرف رکھ رہی تھی۔۔

اس سے کھودو!! آریان خانزادہ نے گینتی اس کے سامنے پھینکی۔ زرمش نے لرزتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اٹھو!! آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔ زرمش نے اسے ڈبڈبائی نگاہوں سے دیکھتے وہ گینتی اٹھائی تھی۔ جو اس سے اٹھانا مشکل ہو رہی تھی۔۔ زرمش نے روتے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے بمشکل ہی گینتی اٹھائی۔ اس نے بمشکل اپنی پوری قوت لگاتے ایک ضرب زمین پر لگائی۔ مگر زمین کی ایک انچ مٹی وہ اکھاڑ نہ سکی تھی۔ الٹا وہ ہانپ کر رہ گئی تھی۔

اس نے روتے ہوئے بے بسی سے آریان خانزادہ کو دیکھا۔

کھودو!! وہ بے حسی سے غرایا۔

آہہہہ۔۔۔زرمش نے چیختے ہوے اپنی پوری قوت لگاتے ہوے گینتی سے ضرب لگائی۔اس بار بھی وہ کامیاب نہ ہو سکی تھی۔اب وہ بہت بری طرح ہانپ رہی تھی۔ گینتی بہت بھاری تھی وہ تو پوری طرح اٹھا بھی نہیں پا رہی تھی۔۔

دکھاو اپنے ہاتھ!! آریان خانزادہ نے اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑے اس کی ہتھیلی سہلائی۔زرمش کی کرب میں دڈوبی ہچکیاں جنگل میں گونج رہی تھی۔مقابل کیا کرنے والا تھا؟!وہ نہیں جانتی تھی وہ صرف مسکراتے ہوے اس کی ہتھیلی اپنی انگلیوں سے سہلا رہا تھا. اس کی نرمی سے وہ زیادہ حوفزدہ ہوتی تھی جب جب وہ نرمی برتتا تھا اس کی آنکھوں کی پراسراریت بڑھ جاتی تھی۔

Oh my frightened lamb

تمھارے ہاتھ تو بہت نرم و نازک ہیں۔ بے حد نرم اور خوبصورت۔۔ ایک گیارہ سال کے بچے سے بھی زیادہ نرم و نازک!! ہے ناں۔ وہ اس کی ہتھیلی سہلاتے اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرایا۔۔

زرمش نے نفی میں سر ہلاتے اسے روتے ہوئے دیکھا۔

گیارہ سال کے ہاتھ یہ گینتی اٹھا کر زمین کھود سکتے ہیں تم کیوں نہیں ہاں؟؟ وہ اس کا ہاتھ بے دردی سے دباتے غرایا۔ مم میں کھودتی ہوں۔ زرمش نے ٹوٹے لفظوں سے اس سے فریاد کی۔

کھودی گی تو تم ہی!! اس تاریک جنگل برستی بارش اور چمکتی بجلی میں ایک خوبصورت لڑکی زمین کھودتی کیسے لگتی ہے یہ خوبصورت منظر آریان خانزادہ تھوڑا نہ مس کرے گا۔ آریان مسکراتے ہوئے زمین پر لیٹے اپنے دونوں

بازو اب اپنے سر کے نیچے باندھ گیا تھا۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے آریان کے قریب مڈنایٹ کی لاش دیکھی تھی۔

آریان خانزادہ زمین پر لیٹے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

کھودو میرا خوفزدہ میمنا!! وہ اسے کانپتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں جھپکتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

زرمش روتے ہوئے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے

bloodthirstwolf

اور

bloodthirst beast

میں کوئی فرق نہیں لگ رہا تھا۔ فرق یہ تھا ایک میں سانسیں تھیں ایک میں نہیں تھی۔۔ اسے دونوں سے ہی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔

کھودو۔۔ وہ دھاڑا تھا۔ زرمش اس کی دھاڑ سے چیختے ہوئے گینتی اٹھائے زمین کھودنے لگی۔ اس کے حواص اب جیسے کھو رہے تھے۔۔ مگر وہ اپنے قدموں کے سہارے کھڑی تھی۔

وہ اسے اس قبر میں مڈنایٹ کے ساتھ نہ ڈال دے یہی ایک ڈر اسے ابھی تک ہوش دلائے ہوئے تھا۔

آہہ !! زرمش نے چیختے ہوئے زمین پر ضرب لگائی۔ وہ سسکتے ہوئے گینتی سے زمین پر ضربیں لگا رہی تھی۔ مگر ایک انچ بھی وہ زمین نہ کھود سکی تھی۔ اس سے ضرب لگ ہی نہ رہی تھی۔ نہ وہ گینتی اٹھا پا رہی تھی۔

آریان خانزادہ اپنے سر کے نیچے دونوں بازو باندھے ہوے اسے دیکھتے قہقے لگا رہا تھا۔اس کے قہقوں سے خوفزدہ ہوتے زرمش لرزتے ہوے اپنی پوری کوشش کر رہی تھی۔

آہہ۔۔اس نے چیختے ہوے ضرب لگائی۔۔ مگر ناکام ہوتے ہوے وہ گینتی زمین پر پھینکتے گھٹنوں کے بل بیٹھتے آسمان کی طرف دیکھتے اب چیخیں مارنے لگی تھی۔

اس برستی بارش تاریک جنگل میں ایک کی چیخیں دلسوز چیخیں اور ایک کے خوفناک قہقے گونج رہے تھے۔نہ چیخیں رک رہی تھیں نہ خوفناک قہقے۔

زرمش کی دلسوز چیخوں پر یکدم اس کے قہقے رکے تھے۔اب وہ خاموشی سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔زرمش آسمان کو دیکھتے ابھی بھی مسلسل چیخ رہی تھی آریان خانزادہ زمین سے اٹھتا گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کا جبڑہ

دبوچ گیا۔۔ خبر دار!! تم چیخی ایک چیخ نہ نکلے تمھاری۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔

مم۔ میں۔۔ نہیں۔۔ کھود۔۔ سکی۔۔ زمین۔۔ کک کیا کروں میں؟! تمھارا خوف مجھے مار رہا ہے۔ اگر میں چیخی نہ تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں خوف سے مر جاؤں گی۔ اگر میں مر گئی تم مجھے اس مڈنایٹ کے ساتھ اس قبر میں ڈال دو گے۔ اس کے ساتھ ایک قبر میں مجھے نہیں رہنا۔ وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے ہذیانی چیخی تھی۔۔ خوف اتنا شدت اختیار کر گیا تھا کہ اس کی ہذیانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

چیخنا مت!! وہ اس کے بال دبوچتے غرایا۔۔ میرے سامنے آواز مت نکالنا۔ وہ گہرے سانس لیتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈالے ہوے تھے۔ دونوں آنکھیں جھپک نہیں رہے تھے۔

وہ یکدم ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑتے زمین سے اٹھا تھا۔ گینتی اٹھا کر زمین کھودنے لگا۔۔

زرمش گھٹنوں کے بل بیٹھی ساکت سی کھودی ہوئی زمین کو دیکھ رہی تھی ۔وہ کافی دیر سے زمین کھود رہا تھا۔ زرمش زمین کی گہرائی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی وہ اتنی گہری زمین کیوں آخر کھود رہا تھ ؟!ا۔ یکدم وہ گینتی زمین پر بیٹھتے بیلچہ اٹھا کر کھودی ہوئی مٹی دوسری طرف ڈالنے لگا۔۔ زرمش گھٹنوں کے بل بیٹھی ساکت سی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے یہ کام کرتے ہوے مڈنایٹ کی لاش اٹھائی۔۔ زرمش چیختے ہوے ایک بار پھر سے منہ پر ہاتھ جما گئی تھی۔۔ آریان مڈنایٹ کو کھڈے میں پھینکتا اس پر مٹی

ڈالنے لگا۔۔زرمش بری طرح کانپتے ہوے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی ۔مڈنایٹ کو مٹی کے اندر دبتے دیکھ کر اس کی سانسیں بحال ہو رہی تھیں۔

اس وحشی درندے نے اسے مڈنایٹ کے ساتھ نہیں ڈالا تھا۔وہ اب بر سکون تھی۔اب وہ ہنسنے لگی تھی۔ آریان نے رکتے ہوے اسے ہنستے ہوے دیکھا تھا۔وہ روتے ہوے ہنس رہی تھی۔اب وہ اپنے آنسو آستین سے صاف کرتے اپنے نازک ہاتھوں میں تھوڑی تھوڑی مٹی بھرتے ہوے مڈنایٹ کے اوپر ڈال رہی تھی۔اور یہ کام وہ بہت تیزی سے کر رہی تھی۔

آریان لب بھینچے اسے دیکھتے اپنا کام کرنے لگا۔

مڈنایٹ پر مٹی ڈال کر اس کی قبر بناتے اس نے زرمش کی طرف دیکھا جو اب پر سکون سی بہت خاموشی سے مڈنایٹ کی قبر دیکھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے اوزار پھینکتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے صاف کرتے اپنی سرخ آنکھیں دو انگلیوں سے مسلیں۔

بارش اب رک گئی تھی۔ ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے شدت اختیار کی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوئے اب مڈنایٹ کی قبر کو دیکھ رہا تھا۔

چلو!! آریان کی سرد برفیلی آواز پر اس نے نظریں اٹھائے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا۔ وہ سٹل سی آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ اپنے حواص میں نہیں ہے۔

آریان خانزادہ اسے ساکت نگاہوں سے دیکھتے پا کر جبڑے بھینچتے اسے بازو سے جکڑے کھڑا کرتے اپنے مقابل کھڑا کر گیا تھا۔ زرمش نے اسے بھیگی گلابی نگاہوں سے دیکھتے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑا۔

وہ اسے گہری نگاہ سے دیکھتے بازو سے جکڑے حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔

زرمش اس کے حصار میں اس کے ساتھ خاموشی سے چل رہی تھی۔ مقابل کے بھاری قدم آہستگی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس لیے اس کے نازک قدم اس کا ساتھ دے پا رہے تھے۔ ورنہ کہاں آسان تھا اس کے قدموں کا ساتھ دینا۔۔ وہ شاید اس پر رحم کھا کر بہت آہستگی سے چل رہا تھا۔ اس سے چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اگر وہ اس کی کلائی نہ تھامے ہوتا تو وہ یقیناً گر جاتی۔

داخلی دروازے کی طرف آتے آریان خانزادہ نے دروازے کے سائیڈ پر لگے سسٹم پر ایک بٹن دبایا تھا۔

Introduce your self

سٹم سے نسوانی انگلش ایسنٹ میں آواز گونجی تھی۔

Aryaan khanzada

آریان خانزادہ کی آواز پر زرمش نے اس کی طرف چونکتے ہوے دیکھا۔

Show your face

مشین سے ابھرتی آواز پر آریان خانزادہ نے دروازے پر لگے کیمرے کی طرف نگاہ کی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا تھا۔

زرمش حیرانگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی.

تمھیں کیا لگتا ہے تمھارا یہاں سے جانا اتنا آسان ہے ؟!۔ میں اپنی حویلی کا سارا سسٹم بدل چکا ہوں۔ اب نہ باہر سے کوئی اندر آسکتا ہے نہ اندر سے باہر جاسکتا ہے۔ یہ سسٹم صرف نازو اور میری آواز پہچانتی ہے اور ہم دونوں کا

چہرہ!!میری غیر موجودگی میں صرف نازو اندر آسکتی ہے۔ آریان اس کی حیران آنکھوں میں جھانکتے پر سراریت سے مسکرایا تھا۔

اب تم ساری عمر میری پناہوں سے کہیں نہیں جاسکتی۔۔وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔ اوسوری جب تک میں نہ چاہوں۔

وہ لب دانتوں تلے دبائے

مسکرایا۔ بہت جلد تو میں تمھیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔ حیدر حاکم خان کے پاس!! آخر تمھاری قبر پر مٹی ڈالنے کا فریضہ بھی سرانجام دینا ہے۔ آریان خانزادہ بے رحمی سے مسکراتے اس کی کلائی جکڑے اندر داخل ہو چکا تھا۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں داخل ہوتے اس نے اسے بیڈ پر دھکیلا تھا۔ زرمش اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔ وہ

کمرے کی کبرڈ کی طرف بڑھا۔ ایک ڈریس نکالتے اس نے زرمش کی طرف پھینکا۔ اسے ابھی پانچ منٹ میں پہنو!! آریان خانزادہ نے حکم دیا۔

زرمش نے وہ ڈریس پکڑتے آریان خانزادہ کو دیکھا۔

کک کیسے پہنوں؟؟ تت تم کھڑے ہو یہاں!! زرمش نے بیڈ سے اٹھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

واش روم میں جا کر بدلو۔۔ آریان خانزادہ نے اس کی معصومیت بھرے چہرے کو دیکھتے دانت پیسے تھے۔

زرمش اثبات میں سر ہلاتے واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

پانچ منٹ بعد ہی وہ آریان کے سامنے تھی۔ اتشی گلابی گرم شیشوں والے پٹھانی فراک میں وہ کھلے بالوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔ آریان نے یکدم نظریں چرائیں تھیں۔ وہ پٹھانی فراک میں اپنی تمام ترر عنائیوں کے ساتھ اس کے سامنے بری طرح کپکپاتے ہوے کھڑی تھی۔ وہ سردی سے بری طرح ٹھٹر رہی تھی۔۔ اس الماری لٹکے ہوے کپڑوں کے گلے ڈیپ تھے۔ فراک اس کے بدن کے حساب سے فٹنگ میں ہوتے تھے۔ جس فراک میں وہ اسے ملی تھی وہ ڈھیلا ڈھالا سا تھا۔ مگر ان کپڑوں میں اس کا انگ انگ واضح ہوتا تھا۔۔

آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوے ڈرار سے میڈیسن نکالتے پانی کا گلاس پکڑتے وہ میڈیسن اور پانی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے زرمش نے میکانکی انداز میں پکڑتے وہ گولیاں پھانکی تھیں۔۔ وہ سمجھ گئی تھی ایک طویل ترین

تھکن زدہ اذیت بھرا دن گزارنے کے بعد رات کو اس وحشی درندے سے یہ گولیاں کھانی ہی کھانی ہیں۔ ورنہ وہ شاید سو بھی نہ پاتی۔ تھوڑی دیر میں یہ دوا کھانے کے بعد اس کی سردی اس کے بدن کی گرمایش سب ختم ہو جانا تھا۔

اب خاموشی سے سو جاؤ!! رونے اور سسکنے کی آواز نہ تمھاری۔۔ وہ سرد انداز میں حکم دیتے بنا اس پر نظر ڈالے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

زرمش بیڈ کی طرف بڑھتے تکیے پر سر رکھتے کمبل خود پر لپیٹتے سختی سے آنکھیں میچ چکی تھی۔

حور سفید باتھ روب گاؤن میں ملبوس واش روم سے باہر آئی۔۔ ارحام خانزادہ اس وقت ایکسر سایز کرنے پہاڑوں پر گیا ہوا تھا۔۔

وہ واپس آکر اس کے ساتھ پھر سے لپٹ کر سو جاتا اور اس سے پہلے مارننگ رومانس تو ضرور ہوتا۔ اس لیے وہ موقع غنیمت جا کر اپنی ٹوٹی پھوٹی نیند پریذے کے کمرے میں پوری کرنا چاہتی تھی۔ اپنی بیٹی کے پاس کم سے کم وہ بہت شریف بن کر تو رہتا تھا۔ پریذے ہی تھی جو اسے جن سے بچا سکتی تھی۔ حور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی ہی تھی۔ کمرے کا لاک کلک ہوا ۔ حور کی رنگت فق ہوئی تھی۔ وہ گھٹنوں سے بھی اوپر باتھ روب میں ملبوس تھی۔

ارحام اس کی غفلت پر یقیناً اسے اچھا خاصہ ڈانٹے گا کہ اس نے کمرہ پہلے لاک کیوں نہیں کیا۔ وہ بری طرح گھبرائی تھی

دروازہ کھول کر ارحام خانزادہ اندر داخل ہوا حور نے باتھ روب گاؤن گھٹنوں سے نیچے کھینچتے پیچھے کو قدم بڑھائے تھے۔ ارحام خانزادہ کے بھاری قدم سٹل ہوے تھے۔

وہ گیلے بالوں کے ساتھ گھٹنوں سے بھی اوپر باتھ روب میں ملبوس اس کے سامنے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اپنا لیدر کوٹ اتارتے ہوے صوفے پر اچھالتے ہوے اپنی کم عمر بے حد خوبصورت بیوی پر گہری اور بے باک نگاہ ڈالی تھی۔ وہ دروازہ لاک کرتے حور کی طرف بڑھا۔ حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں خمار کی سرخی دیکھتے ہوے تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے ڈریسنگ روم اندر سے لاک کر گئی۔

ارحام نے حور کی پھرتی پر جبڑے بھینچے تھے۔ رنگت طیش والم سے سرخ ہوئی تھی۔ وہ پریگننٹ تھی وہ جس طرح بھاگتے ہوئے ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ارحام خانزادہ کو پریشان کر گیا تھا۔

ارحام خانزادہ جبڑے بھینچتے ہوئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

حور دروازہ کھولو!! ارحام نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹاتے نرمی سے کہا۔

ارحام!! دروازہ نہیں کھلے گا۔ مجھے نہ اتنی صبح اتنا ہیوی ناشتہ کرنا ہے اور نہ رومانس!! حور نے غصے سے بولتے ہوئے مرر میں دیکھتے اپنے باتھ روب کا گاون کی ڈوری کھولی۔ وہ روہانسے ہوتے اپنی ڈوری سے پھر سے باندھ گئی تھی۔ پورے بدن پر ارحام کی شدتوں کے نشان تھے۔ پیٹ کے علاوہ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس کی لو بایٹ نہ ہو۔

پیٹ والا حصہ بھی صرف اپنے بچے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ ورنہ وہاں بھی اپنے دانت گاڑھ کر رہنے تھے۔ حور اپنے خوبصورت بدن کا یہ حال دیکھ کر روہانسی ہوئی۔ وہ اس کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ فروٹ جوسز دودھ گوشت ہر چیز اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا۔ رومانس کرنے کے بعد اس کے پورے بدن کا مساج کرتا تھا۔۔ مگر رومانس کرنا اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ صرف وہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھک پٹخنا نہیں تھا۔ مگر رومانس وہ ویسے ہی کرتا تھا جیسے پہلے کرتا تھا۔ رات بھر اس کے ساتھ لپٹا رہتا تھا۔ مجال ہے اسے تکیے پر سر رکھنے دیتا ہو۔ ویسے ہی اپنے چٹانی بدن پر سلاتا تھا۔ اپنا حصار بھی اس کے گرد مضبوط رکھتا تھا۔ صرف یہ ہے کہ اس کے ذرا سا ہلنے اور کسمسانے پر اس کی پیشانی نرمی سے چومتے پوچھتا کہ اسے کوئی مسلہ تو نہیں واش روم تو

نہیں جانا بھوک تو نہیں لگی۔۔ وہ روہانسے ہوتے سر نفی میں ہلاتے اس کے چٹانی سینے پر سر رکھے سونے کی کوشش کرنے لگتی تھی۔

افف۔۔ یہ انسان ہے یا جن اتنا رومانس!! ہر ٹایم اس انسان کو رومانس کرنا ہے اپنا حق لینا ہے۔ اور اس مسٹر خان کو ایک ہی بچہ چاہیے۔ جس طرح رومانس کرتا ہے ایک سال میں دس دس بچے آسکتے۔۔ حور ڈریسنگ ٹیبل سے کریم اٹھاتے ہوے بڑبڑاتے ہوے صوفے پر بیٹھتے اپنے گھٹنوں تھائیس پر کریم لگانے لگی۔ جہاں ارحام کی دی ہوئی سوغاتیں پوری آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

مسٹر خان کو یہ بھی پسند بھی نہیں ان کے دیے ہوے نشان میں مٹاؤں۔ حور مزید روہانسی ہوئی تھی۔

لاک کی کلک کی آواز پر حور بری طرح اچھلی تھی۔۔ارحام کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ بدحواص ہوتے صوفے سے کھڑی ہوئی۔وہ سفید ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔

حور کے گاون کی ڈوری کھلی ہوئی تھی۔ارحام کی گہری گرم نگاہ خود پر دیکھتے حور کی نظر خود پر پڑی تو وہ سرخ ہوتے جلدی سے اپنے گاون کی ڈوری باندھ گئی۔

ارحام اسے کمر سے تھامتے اپنے قریب کرتے اس کی ڈوری کھول گیا تھا۔

کیا کہہ رہی تھی جتنا رومانس میں کرتا ہوں ایک سال میں دس بچے آ جائیں۔ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔

تو کیا نہیں کرتے رومانس!! حور نے اس کی سنجیدگی پر روہانسے ہوتے جواب دیا۔

کرتا ہوں بہت کرتا ہوں۔ کیونکہ میری بیوی اتنی ہی خوبصورت ہے وہ وہ ہر وقت میرے جذبات جگائے رکھتی ہے۔ جو اس جذبوں میں آگ لگائے رکھتی ہے۔ جیسے ابھی یہ گاون پہن کر میرے اندر کا جن جگا دیا۔ سوچا تھا آج تمھیں بخش دوں۔ مگر اندر داخل ہوتے جو نظارہ دیکھنے کو ملا۔ اس نے تو مجھے ہیٹر کی طرح گرم کر کے رکھ دیا ہے۔ اب تمھیں بھی میں اپنے بدن کی گرمی کی حدت دینا چاہتا ہوں تاکہ تم آیندہ بنا لاک کیے چھوٹے سے باتھ روب گاؤن میں پاپا کی پری بن کر مت گھومو!! ارحام سرد لہجے میں کہتے اس کے گاون کی ڈوری کھینچ کر کھول چکا تھا۔ وہ اسے اپنے مزید قریب کرتے اس پر جھکے بہت بے رحمی سے جگہ جگہ دانت گاڑھنے لگا۔

ارحام کی سنجیدگی اور سرد پن کی وجہ اسے اب سمجھ آئی تھی۔وہ کمرے کا دروازہ لاک کیے بغیر باتھ روب گاون میں باہر آئی تھی۔اس لیے اس کے لہجے میں بھی سرد پن تھا اور اس کے لمس میں بھی بے رحمی کا عنصر شامل تھا

۔

وہ اس کی گہرائیوں پر جھکے کافی بے رحمی دکھا رہا تھا۔

ارحام!!حور نے روہانسے ہوتے اسے پکارا۔خود سے دور نہیں جھٹکا تھا وہ برداشت ہی نہیں کرتا تھا اس کا دور جھٹکنا۔۔

ارحام نے اوپر ہوتے اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

ارحام کے نرم گرم لمس پر اور اس کی آنکھوں میں نرمی دیکھتے حور مزید روہانسی ہوئی تھی۔۔ حور نے اسی لمحے اس کے سینے پر زور سے کئی مکے مارے تھے۔

ارحام ہنستے ہوے بہت نرمی سے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

آئی ہیٹ یو ارحام!! حور ارحام کے سینے سے لگے بھیگے لہجے میں بولی۔

بٹ آئی لو یو مائی لو! ارحام اسے مزید شدت سے خود میں بھینچتے اس کے گیلے بالوں کی مہک اپنے اندر اتارتے گھبیر آواز میں بولا تھا۔

حور کے گاون کی ڈوری ابھی تک کھلی ہوئی تھی۔ وہ اسے شدت سے خود سے لپٹائے ہوے اس کی ناز کی محسوس کرتے بے خود ہو رہا تھا۔ ارحام کے

ہاتھوں کی بے باکیاں بھی بڑھ رہی تھیں۔ ارحام کی شرارتوں پر حور کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

ارحام!! حور نے التجائی لہجے میں اسے پکارا۔

ارحام اسے گود میں اٹھائے صوفے کی طرف بڑھتے صوفے پر لیٹے اسے بہت نرمی سے اپنے اوپر کر گیا تھا۔ حور نے گلابی ہوتے اپنی گاون کی ڈوری بند کی۔ جو ارحام مسکراتے ہوے پھر سے کھول گیا۔ حور نے غصے سے ارحام کو دیکھتے پھر سے تھوڑا اوپر ہوتے اپنے گاون کی ڈوری بند کی۔۔ ارحام پھر سے مسکراتے ہوے اس کی ڈوری کھول گیا تھا۔۔

ارحام!! حور نے روہانسے ہوتے ارحام کے سینے پر مکہ مارا

کیوں اتنی محنت کرتی ہو میری جان؟!جب آخری نتیجہ یہ گاون تمھارے تن سے اترنا ہی ہے۔ارحام شرارتی لہجے میں کہتے ہوے اسے خود کے ساتھ شدت سے لپٹا گیا

ارحام!!ثابت ہوتا ہے آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔حور نے روہانسے ہوتے ارحام کی آنکھوں میں جھانکا

تمھیں لگتا ہے میں تم سے رومانس کرتا ہوں اس لیے محبت نہیں کرتا۔ ارحام نے آئی برو اچکائے اس کی آنکھوں میں جھانکتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔۔

نہیں۔آپ نے کسی کو نہیں بتایا آپ باپ بننے والے ہیں۔شہرام اسفند سب نے بتایا آپ نے کسی کو نہیں بتایا۔۔حور نے بھیگے لہجے میں اس کی

آنکھوں میں دیکھتے شکوہ کیا تھا۔ یہ بات اسے بہت چبھی تھی اس نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ باپ بننے والا ہے۔

حور!!میری جان اس میں محبت نہ کرنے والی بات کہاں سے آگئی

۔۔مورے کو بتادیا ہے یہ کافی ہے۔ میں نہیں چاہتا جب تک میرا بچہ اس دنیا میں نہ آجائے کسی کو پتہ چلے۔ ارحام نے اس کے بال کی لٹ کو پکڑتے اسے چوما تھا۔

کیوں؟؟حور نے غصے سے ارحام کو دیکھا تھا

میری جان!!میں چاہتا ہوں جب یہ بچہ آجائے پھر سب کو پتہ چلے۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ سب کو پتہ چلے میری حور پریگننٹ ہے۔ سپیشلی میرے بھائیوں اور بابا کو۔ جب بچہ ہو گا پتہ چل جائے گا۔ میری غیرت یہی کہتی ہے

۔ارحام کی بات پر حور نے گہرا سانس لیا تھا۔یہ خان ہر بات میں ہی غیرت کو لے آتا تھا۔

حور!!عابیر ہونے والی تھی!!میں تب چھوٹا تھا مگر سمجھتا سب کچھ تھا مگر مورے نے پورے نو مہینے خود کو ایسے کور کر کے رکھا ہمیں پتہ ہی نہیں چلا تھا۔جس دن عابیر آئی اس دن پتہ چلا سب کو۔۔

میں چاہتا ہوں میری حور کا بھی پتہ نہ چلے۔۔پریذے کو بھی اس لیے بتانے سے منع کیا ہے میری جان وہ بچی ہے۔دس سوال پوچھے گی۔سب کے سامنے بھی پوچھے گی۔بے چین رہے گی جب تک اس کا بھائی آ نہیں جائے گا۔جس دن اس کا بھائی آ گیا اس دن سب کو پتہ چل جائے گا۔ہمم ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑے اسے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

سمجھ گئی ارحام!!اپ بچہ آنے کے بعد سب کو کہیے گا یہ کسی سوفٹ ویر سے ڈاؤن لوڈ ہوا ہے۔تب بھی مت بتایئے گا کہ یہ بچہ میں نے پیدا کیا ہے۔حور نے بھڑ بھڑ جلتے روہانسے ہوتے کہا۔

حور کی بات پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ برامد ہوا تھا۔

چچ۔۔چچ یہ ابروڈ کی شہزادی سوات کے خان کے چنگل میں کہاں پھنس گئی رحم آتا ہے مجھے اس پر۔۔ارحام خانزادہ اس کا روہانسا چہرہ دیکھتے شرارت سے گویا ہوا۔

سچ میں ارحام کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں۔حور نے نچلا لب نکالتے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا

اچھا!ایسی بات ہے ارحام اسے نرمی سے اپنے نیچے کرتے اس پر حاوی ہوا۔

کہا تھا یہ خان ساری زندگی تمھاری جان نہیں چھوڑے گا۔ بھگتنا تو پڑے گا اس خان کو۔۔ اب رو کر یا پھر آنسو بہا کر یہ خان تمھارے ساتھ لپٹے تمھاری سانسیں کھینچتا رہے گا۔ رہنا تو اس خان کی پناہوں میں ہی ہے۔ وہ اس کے کان کی لو پر زبان پھیرتے بھاری مدہوش کن آواز میں بول رہا تھا۔

مجھے اس غیرت مند سرخ آنکھوں والے خان کی پناہوں سے کہیں نہیں جانا!! چاہے یہ خان میری سانسوں سے لپٹا رہے۔ یا پھر میری دھڑکنوں سے۔ اس خان کی شدت سے مجھے عشق ہو گیا ہے۔ حور نے آہستگی سے بولتے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے خود کو ارحام کے حوالے کیا تھا۔۔

میری جان میری خوبصورت حور!! ارحام اس کی گردن پر جھکتے اپنی جنون خیزیاں بکھیرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں ایک دوسرے کے بدن کا

حصہ بنے ایک دوسرے میں گم تھے۔۔ آج کمرے کی جگہ ڈریسنگ روم میں ان کی سانسوں کا خوبصورت رقص گونج رہا تھا۔

فرشتے نے اپنی متورم گلابی آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے حیدر خان کو دیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی رات سے اب تک کتنا ٹائم گزر گیا ہے۔ مگر وہ ابھی تک حیدر کی پناہوں میں تھی۔ وہ اسے ابھی تک مکمل اپنے حصار میں قید رکھے ہوئے تھا۔ اپنا تمام وزن اس پر ڈالے اس پر اپنی ایک ٹانگ اور بازو رکھے ہوئے تھا۔۔ وہ تب سے گہری پر سکون نیند سو رہا تھا۔ فرشتے نے بہت بار اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس سب کے نتیجے میں بری طرح ہلکان ہوئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ حیدر حان کو پکارتی رہی تھی۔ مگر وہ نشے میں دھت اس پر اپنا وزن ڈالے اسے مضبوطی سے جکڑے ہوئے

تقریباً بیہوش پڑا تھا۔ مگر اس نیم بیوشی میں وہ فرشتے کو بہت سختی سے اپنے حصار میں قید کیے ہوے تھا۔ فرشتے نے حیدر خان کا بھاری بازو اور ٹانگ ایک بار پھر سے اپنے اوپر ہٹانے سے سعی کی مگر بے بسی کے احساس سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ پورا بدن ابھی بھی حیدر خان کی شدتوں سے دکھ رہا تھا۔ گردن اور حساس حصوں پر حیدر کی شدتوں کی وجہ سے شدید جلن ہو رہی تھی۔ حیدر خان نے اس کے پور پور پر اپنی شدتوں کے گہرے نشان چھوڑے تھے۔

بے بی مانیٹر سے ایک بار پھر سے دراب اور زراب کے رونے کی آواز آئی تھی۔ جو سائیڈ ٹیبل پر رکھے تھے۔ مانیٹرنگ سکرین بھی سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔۔ فرشتے نے روتے ہوے گردن موڑتے بے بی مانیٹرنگ سکرین پر نگاہیں گاڑھیں۔ دراب زراب بری طرح ہاتھ پیر مارتے ہوے روتے

ہوے ہلکان ہو رہے تھے۔ وہ اس سے پہلے رات کو بھی ایسے روتے بلکتے ہوے ہاتھ پیر مارتے ہوے اپنے انگوٹھے منہ میں ڈالتے اسے چوستے ہوے سو گئے تھے۔ فرشتے بھی انھیں دیکھتی روتی رہی تھی۔۔ اس کے چیخیں مارنے پر بھی حیدر خان کی آنکھ نہیں کھلی تھی اور حیدر خان کی شدتوں سے نڈھال اس کے وجود میں اتنی طاقت نہ تھی وہ اسے خود سے پرے دھکیل پاتی۔ اپنی تمام تر قوت لگاتے ہوے بھی وہ حیدر خان کو خود سے دور نہ دھکیل سکی تھی۔ وہ مانیٹرنگ سکرین کو روتے ہوے دیکھتی رہی تھی دراب زراب روتے سسکتے انگوٹھے منہ میں ڈالتے ہچکیاں بھرتے تب سو گئے تھے۔۔ وہ بھی ہچکیاں لیتے حیدر خان کی بے رحم پناہوں میں جانے کب سو گئی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا۔

اب اس کی آنکھ کھلی تو حیدر خان پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اس کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔

خان!! فرشتے نے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے اسے پکارا۔ حیدر خان کو یونہی خود کے ساتھ لپٹے دیکھ کر اس نے اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوے ایک بار مانیٹرنگ سکرین میں دراب زراب کو دیکھتے حیدر خان کو دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے حیدر خان کے برہنہ سینے پر پوری قوت سے اپنے ناخن بہت بے رحمی سے گاڑھے تھے۔ وہ اس کی گردن سینہ بے رحمی سے کھروچ رہی تھی۔۔ حیدر خان ابھی تک جیسے نیم بیہوش تھا۔ فرشتے نے اب اس کی بند آنکھ پر بے رحمی سے ناخن مارا۔۔ اس نے اتنی بے رحمی سے ناخن مارا تھا۔ حیدر خان کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی تھی۔ حیدر خان کو حرکت کرتے دیکھتے فرشتے نے خود پر رکھے اس کے بازو

پر بے رحمی سے دانت گاڑھے۔۔اسے اس وقت صرف اپنے بیٹوں دراب زراب کی فکر تھی جو بھوک سے روتے ہوئے ہلکان ہو رہے تھے۔اب بے بی مانیٹرنگ ایکوپیمنٹس کی بیٹری ڈیڈ ہو چکی تھی۔وہ آف ہو چکے تھے۔وہ یہ یہ ڈیجٹل بے بی مانیٹرنگ استعمال نہیں کرتی تھی۔اس لیے انھیں چارج اور ان کی بیٹری کبھی چیک ہی نہیں کی۔۔بے بی مانٹیرنگ آف ہونے پر فرشتے کی جان لبوں پر سجی تھی۔وہ مزید بے رحمی سے اس کے بازو پر دانت گاڑھ گئی۔وہ اب بہت بے رحمی سے اس کے بازو پر دانت گاڑھے ہوئے تھی۔حیدر خان کی آنکھ اب مکمل کھل چکی تھی۔

خانم!حیدر خان نے حیرت اسے اسے پکارا۔

فرشتے حیدر خان کی پکار سنتے روتے ہوئے مزید بے رحمی سے اس کے بازو کو اپنے دانتوں میں جکڑ گئی۔

حیدر خان نے دانت پر دانت جمائے اپنے بازو میں اٹھتے درد کو برداشت کیا تھا۔ وہ جتنی بے دردی اس کے بازو پر دکھا رہی تھی حیدر خان کو اپنا بازو شل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

خانم!! حیدر خان نے اس کے بالوں کو جکڑتے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پہلے سے بھی شدت اور بے رحمی سے اس کے بازو میں اپنے دانت گاڑھ گئی۔

خانم!! حیدر خان غراتے ہوے اس کے بالوں کو گدی سے دبوچتے ہوے بے دردی سے جھٹکا دے گیا۔۔ فرشتے نے کراہتے ہوے حیدر خان کے بازو کو چھوڑا جہاں خون کی بوندیں چمک رہی تھیں۔۔

یہ کیا تھا خانم؟؟ حیدر خان نے گہرے سانس لیتے ہوے فرشتے کی متورم گلابی آنکھوں میں جھانکا۔ حیدر خان کو اپنی آنکھ گردن ہر جگہ شدید جلن ہو

رہی تھی۔۔اس نے اتنی بے دردی سے ناخن مارا تھا۔حیدر خان کی آنکھ اندر سے بھی متاثر ہوئی تھی جو اس ٹائم سرخ ہو رہی تھی۔

دور ہٹیں مجھ سے خان!!جان لے لوں گی آپ کی؟؟فرشتے سسکتے ہوے غرائی۔

خانم میرے قریب آنے پر تم نے میرے ساتھ یہ جنگلیوں والا سلوک کیا؟؟وہ یکدم اس کے بال دبوچتے غرا اٹھا تھا۔وہ اس کے قریب آنے پر کیسے اس کے ساتھ یہ سلوک کر سکتی تھی۔وہ غم وغصے کا شکار ہوا تھا۔

خان!!آپ نے رات میرے ساتھ جو سلوک کیا۔وہ تو آپ کو یاد نہیں۔اور یاد کیوں ہو گا بھی کیوں آپ کو؟؟نشے میں انسان بھول جاتا ہے کہ اس نے کیا کیا؟؟۔اس طرح آپ بھی بھول گئے ہیں آپ نے کیا کیا رات میرے ساتھ؟فرشتے غم وغصے سے بولتے سسک پڑی تھی۔

کیا کیا ہے خانم میں بتاؤ مجھے ؟؟ اپنا حق لیا ہے تم سے ؟؟

اور کیا بے دردی دکھائی میں نے دکھاؤ مجھے ؟؟ حیدر خان اس کے وجود پر نگاہیں گاڑھے ایک ایک لفظ چباتے برفیلے لہجے میں بولا۔۔

فرشتے اس کی بات پر اپنی متورم گلابی آنکھیں میچے تلخی سے مسکرائی تھی۔

اگر تمھارے سسکنے تڑپنے کی وجہ میری شدتوں کے یہ نشان ہیں تو یہ بہت بار پہلے بھی تمھیں دے چکا ہوں۔

تو اب اتنا واویلا کیوں کر رہی ہو ؟؟ اتنا ماتم کس چیز کا منا رہی ہو خانم ؟؟ وہ اس کی نازک کلائیوں پر دباؤ ڈالتے برفیلے لہجے میں غرایا۔

دور ہٹیں خان!!فرشتے نے بھیگی نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔جو بنا کسی شرمندگی کے اسے خون اشام سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

نہیں ہوں گا خانم دور!!!اب تم روز ایسے ہی حیدر خان کی شدتیں سہنی ہوں گی۔روز ایسے ہی میری پناہوں میں قید رہنا ہو گا۔جتنی چھوٹ تمھیں دینی تھی دے دی۔اب مزید نہیں!!عورت ہو میری بیوی ہو میری!!ایک عورت کا کام اپنے مرد کا بستر گرم رکھنا ہے۔۔ سمجھی تم؟؟حیدر خان فرشتے کی آنکھوں میں سرد پن اور نفرت دیکھتے پاگل ہوتا اس کے وجود کی گہرائیوں پر جھکے بے رحمی سے اپنا لمس چھوڑتے اسے پھر سے اپنے حصار میں قید کر گیا تھا۔

چھوڑیں خان!!فرشتے حلق کے بل چیخی تھی۔

وہ اس کے چیخنے پر سیخ پا ہوتے اوپر کو ہوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔ فرشتے اس کے حصار میں بری طرح جھٹپٹائی تھی۔ وہ اس کی کلائیوں کو جکڑے اس کی سانسیں گھوٹے ایک بار پھر سے اس پر اپنی بے رحم شدتیں ڈھا رہا تھا۔

اس کی بے رحم شدتوں پر فرشتے کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ اب اس کے حصار میں ساکت ہو چکی تھی۔ وہ اس کی سانسوں کے ساتھ بری طرح کھلواڑ کرتے اس پر شدتیں ڈھا رہا تھا۔ فرشتے کو ساکت محسوس کرتے اور اپنی گھٹی سانسوں کو بے حال کرنے کے لیے اس نے فرشتے کے لبوں کو آزادی بخشی۔

خان!! دراب زراب! آزادی ملنے پر فرشتے نے گہرے سانس لیتے ہچکی لی تھی۔

دراب زراب کے نام پر حیدر خان ایک جھٹکے سے اس کی کلائیاں چھوڑ چکا تھا۔ دراب زراب کے بند کمرے کو دیکھتے حیدر خان کی رنگت فق ہوئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے فرشتے کے اوپر سے اٹھا۔ فرشتے سسکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھتی اپنی فراک پہن رہی تھی۔ حیدر خان گلاس ونڈو سے صبح کی سپیدی دیکھتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ضبط سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے ہوئے تھا۔ اگر فرشتے ساری رات اس کے حصار میں تھی تو دراب زراب کیا ساری رات بھوکے رہے تھے۔ حیدر خان کی خوف سے جیسے سانسیں بند ہو رہی تھیں۔ اپنے بیٹوں کو وہ تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دراب تو فیڈ نہ ملنے پر اپنی سانسیں بند کر لیتا تھا۔ حیدر خان کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

فرشتے اپنے نقاہت زدہ وجود کو گھسیٹتے ہوے دراب زراب کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔حیدر خان اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ دیکھتے اسے سر کو جکڑے دیکھ کر حیدر خان اپنی نظریں چرا گیا تھا۔

فرشتے دراب زراب کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔۔حیدر خان اپنے وجود کو ڈھانپتے بیڈ سے اٹھتے جلدی سے دراب زراب کے کمرے میں داخل ہوا۔

دراب زراب ہچکیاں بھرتے بری طرح رو رہے تھے۔ان کے ہچکولے بھرتے وجود دیکھتے حیدر خان جلدی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

رک جائیں خان!!میرے بیٹوں کے پاس نہ آیئے گا۔فرشتے دراب کو اٹھائے اپنے سینے سے لگائے غرائی تھی۔

خانم!! یہ میرے بھی بیٹے ہیں تم مجھے ان کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی۔۔ حیدر خان سختی سے بولتے روتے ہوئے زراب کی طرف بڑھا۔

فرشتے دراب کو اپنے سینے سے ہٹائے اسے کاٹ پر لٹا گئی تھی۔ وہ کاٹ میں لیٹے ہوئے اب چنگاڑتے ہوئے رو رہا تھا۔ فرشتے کی آغوش پہنچانتا تھا۔ رات سے بھوکا تھا اب فرشتے سے دور ہوتے وہ اپنی سانسیں بند کر رہا تھا۔

ذراب صابر بچہ تھا مگر دراب ایسا ہی تھا۔ رات تو بھوک اس نے برداشت کر لی تھی مگر اب فرشتے اسے اپنی خوشبو اپنا لمس دے کر اسے پھر سے دور کر چکی تھی۔ وہ تو ہچکولے بھرتے بہت بری طرح رو رہا تھا۔ رنگت سرخ ہو چکی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی اپنی سانسیں بند کر دے گا۔ حیدر خان تڑپ کر دراب کی طرف بڑھتے اسے اٹھاتے اپنے سینے سے لگا گیا۔ وہ ایک بازو

میں دراب ایک بازو میں زراب بھینچے ہوے انھیں اپنے سینے سے لگائے ہوے تھا۔ زراب تو باپ کی آغوش پا کر حیدر کے برہنا سینے پر منہ مارتے صرف ہچکیاں بھر رہا تھا۔ وہ حیدر کا سینہ چاٹ رہا تھا۔ مگر دراب کو اس وقت صرف فرشتے کی آغوش اور اس کا فیڈ چاہیے تھا۔ وہ مزید ہچکولے بھرنے لگا تھا۔

حیدر خان گہرے سانس لیتے اپنے بیٹوں کو مظبوطی سے خود کے ساتھ لپٹائے فرشتے کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو بے حس سی سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔

خانم فیڈ کرواو دراب کو۔ حیدر خان نے تڑپتے ہوے دراب کی حالت دیکھتے فرشتے سے کہا۔

میرے بیٹوں پر ابھی اسی وقت اپنا حق ختم کریں آپ!!میں انھیں اپنا دودھ پلاؤں گی ورنہ نہیں۔ فرشتے سرد و سپاٹ لہجے میں بولی۔

اپنے بیٹوں پر اپنا حق ختم کروں کیسے ؟؟حیدر خان نے الجھن بھری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پاتے ہوے پوچھا۔

مجھے ابھی اس وقت طلاق دے کر خان۔مجھے طلاق دے کر مجھے اور میرے بیٹوں کو میرے لالا کے پاس بھیج کر اپنا حق ختم کر دیں ہم پر۔۔۔۔۔

خانم!!حیدر خان نے طیش و الم میں چلاتے ہوے اپنا ہاتھ فرشتے کو مارنے کے لیے اٹھایا ہی تھا کہ دراب زراب کی سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔حیدر خان فرشتے کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے اپنا معلق ہوا ہاتھ دبوچ گیا تھا۔

بند مٹھیوں کی کڑ کڑاہٹ سنتے فرشتے نے گہرے سانس لیتے فق رنگت کے ساتھ اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے۔

انھیں دودھ پلاؤ خانم !ورنہ جو میرا ہاتھ اٹھتا اٹھتا رہ گیا ہے وہ اٹھ جائے گا ایک بار یہ اٹھا تو رکے گا نہیں۔۔ صرف ہاتھ نہیں اٹھے گا بلکہ بیلٹوں سے داغ دوں گا تمھیں۔ حیدر خان کی پوری وجود کی رگیں ظاہر ہوتے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند پھلائے ہوئے تھی۔۔ کنپٹیاں بری طرح سلگ رہی تھیں۔ فرشتے کا طلاق مانگنا اسے کنپٹی پر گولی کی طرح لگا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے طلاق بھی مانگ سکتی ہے اس کی سماعتوں اور دل دماغ کو یقین نہیں آرہا تھا۔

داغ دیں خان میرا جسم بیلٹ سے !!ارات اپنی شدتوں سے داغا اب بیلٹ سے داغ دیں۔ ہو سکتا ہے ایسا کرنے سے آپ کو اپنی خانم پر رحم آجائے۔

نشے کی حالت میں جو آپ نے میرے ساتھ کیا اس کا تو آپ کو رتی برابر آفسوس نہیں۔ ہو سکتا ہے ہوش میں ہوتے میرے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرنے پر آپ کو مجھ پر رحم آجائے۔ رحم آجائے مجھ پر۔۔ احساس ہو جائے آپ مجھ سے کتنی زیادتیاں کر چکے ہیں۔ وہ بھی محبت کے نام!! حق ملکیت کے نام خان! فرشتے نے ڈبڈبائے لہجے دبی آواز میں چیخی تھی۔

دودھ پلاؤ خانم میرے بیٹوں کو!! حیدر خان نے گہرے سانس لیتے فرشتے سے کہا۔ اب لہجہ التجائیہ تھا۔

دراب زراب کو وہ اپنے سینے میں بھینچے ہوے تھا۔ ان کی حالت پر حیدر خان جیسے مضبوط آدمی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ مگر اس کی خانم کو آج اپنے بیٹوں پر رحم نہیں آرہا تھا۔ وہ بے رحم بنی بے حس سی کھڑی تھی۔۔

دودھ پلاؤ خانم!! حیدر خان کی مضبوط اب آواز لرز کر رہ گئی تھی۔ دراب بہت بری طرح سانسیں لے رہا تھا۔

چلیں کوئی تو ایسا ہے جس کی وجہ سے اس ظالم حیدر خان کی سانسیں اکھڑتی ہیں۔۔ فرشتے حیدر خان کی حالت دیکھتے بے رحمی سے تلخی سے ہنسی۔۔

طلاق دے دیں خان مجھے ورنہ آج اپنے بیٹوں کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔۔۔۔۔ فرشتے کی بات ابھی منہ میں تھی کہ وہ اس کی گردن دبوچتے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

ایک بات اور میرے بیٹوں کے متعلق کہا یہیں اسی جگہ پر تمھاری قبر بنا دوں گا۔ حیدر خان پھولتی رگوں کے ساتھ غراتے ہوے فرشتے کی گردن خطرناک حد تک دبوچے اسے ایک جھٹکے سیے چھوڑ گیا تھا۔

فرشتے زمین پر دوزانو بیٹھتے گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانس رہی تھی۔ حیدر خان نے دراب زراب کو جلدی سے بیڈ پر لٹایا۔ ذراب کے منہ میں اپنا انگوٹھا ڈالا جو وہ چوستے اسی لمحے خاموش ہوا تھا۔ دراب کے منہ میں بھی حیدر خان نے اپنا انگوٹھا ڈالا۔ وہ بھی اپنے منہ میں لیتے چوسنے لگا تھا۔ مگر اسی لمحے وہ منہ سے انگوٹھا نکالتے ہوئے پھر سے سانسیں روک روک کر رونے لگا تھا۔ حیدر خان کے ہاتھ اب کانپ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے دراب زراب کے چہروں پر گر رہے تھے۔

بابا اپنے بیٹوں کو کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ حیدر خان نے بھیگی آواز میں بولتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کا ڈرار کھولا۔

جس میں شہد کی ٹیوب پڑی تھی۔ حیدر خان نے وہ ٹیوب نکالتے اس میں شہد نکالتے ہوئے اپنے انگوٹھے پر لگاتے ہوئے دراب کے منہ میں ڈالا۔ شہد

حلق میں اترتے ہوے اس کے آنسو تھمے تھے۔ وہ اب حیدر خان کا انگوٹھا ہچکیاں بھرتے چوس رہا تھا۔ ذراب تو ابھی تک حیدر خان کا خشک انگوٹھا ہی چوس رہا تھا۔ وہ صابر بچہ تھا۔ وہ کب سے ایسے ہی حیدر خان کے انگوٹھے کو سکنگ کر رہا ھا۔ دراب پھر رونے لگا تھا۔ حیدر خان اپنا انگوٹھا اس کے منہ سے نکالتے ہوے اپنی نم آنکھیں رگڑتے ہوے پھر سے شہد انگوٹھے پر لگاتے دراب کے منہ میں ڈالا۔۔ ذراب کو ایسے ہی اپنا انگوٹھا سکنگ کرتے دیکھتے حیدر خان رو پڑا تھا۔ حیدر خان نے دراب کے منھ سے انگوٹھا نکالتے ہوے اس پر بھی شہد لگاتے زراب کی منہ میں ڈالا۔

فرشتے زمین پر بیٹھی ساکت سی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔۔ دراب زراب کے اب رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ سکنگ کی آواز سنتے ہوے

وہ گھٹنوں میں سر دیے سسک پڑی تھی۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے دراب زراب کی طرف بڑھی۔

حیدر خان کا انگوٹھا دراب کے منہ سے نکالتے اس نے دراب کو اٹھائے اپنے سینے میں سختی سے بھینچا۔ دوسرے لمحے وہ زمین پر بیٹھتے دراب کو جلدی سے فیڈ کروانے لگی تھی۔

حیدر خان نے اطمینان کی سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے ذراب کو دیکھا۔ جو اس کا انگوٹھا چوستے ہوئے اسے ٹکر ٹکر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو اتنے سے شہد پر خوش تھا۔

حیدر خان اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ہنس پڑا تھا۔ مگر آنکھوں سے ٹپکتے پانی میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ ذراب کو بیڈ سے اٹھاتے سینے سے لگا گیا۔

حیدر خان نے فرشتے پر نگاہ ڈالی جو لرزتے بدن کے ساتھ درب کو فیڈ کروا رہی تھی۔

حیدر خان اس کے نقاہت زدہ وجود کو دیکھتے لب بھینچ گیا تھا۔ رات اس کی بے رحم شدتیں سہنے کی وجہ سے اس کی بری حالت تھی۔ آنکھیں متورم اور گلابی تھیں۔ ٹھوڑی اس کے دیے گیے نشان کی وجہ سے نیلاہٹ زدہ تھی۔

گردن گہرائیوں ہر جگہ کا یہی حال تھا۔ وہ اس کی حالت دیکھتے اپنی نگاہیں چرا گیا تھا۔

حیدر خان نے کمرے میں رکھا وایرلیس فون اٹھاتے ہوے کچن میں رکھے وایرلیس سیٹ پر کال کی

ایک نیم گرم دودھ شہد ڈال کر میرے کمرے میں لے کر آؤ!!اس سے پہلے کچن میں موجود ملازمہ کچھ بولتی وہ حکم دیتے فون بند کر چکا تھا۔

ذراب کو سینے سے لگائے وہ اب چکر لگا رہا تھا۔ زراب ایک بار پھر سے اس کے برہنہ سینے پر منہ مار رہا تھا۔ ذراب بھی اب بھوک سے ہلکان ہو رہا تھا۔ مگر رو نہیں رہا تھا۔ صرف سسکیاں بھرتے حیدر کے برہنہ سینے پر منہ مار رہا تھا۔

دراب فیڈ کرنے میں کافی ٹائم لیتا تھا۔ آج تو اس کا پیٹ ہی نہیں بھر رہا تھا۔ فرشتے کی حالت بری تھی۔ کھانا شام سے کھایا ہوا تھا۔ پھر دراب کا پیٹ کیسے بھرتا؟؟

وہ اسے دودھ پلاتے ہوئے ہلکان سی ہو رہی تھی۔ یہ اس کے زرد چہرے سے بخوبی عیاں تھا۔

کمرے کا دروازہ ناک ہونے پر حیدر خان ذراب کو سینے سے لگائے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ دروازہ کھولتے ملازم سے دودھ کا گلاس لیتے کمرے کا دروازہ لاک کرتے حیدر خان نے ذراب کو کاٹ میں لٹایا تھا۔ وہ کاٹ میں لیٹے شدت سے رونے لگا تھا۔ حیدر خان اس کا رونا اگنور کیے فرشتے کی طرف بڑھا۔

گھٹنوں کے بل بیٹھتے دودھ کا گلاس فرشتے کے لبوں سے لگایا۔ فرشتے دودھ کا گلاس اپنے لبوں سے ہٹائے اپنا منہ پھیر گئی تھی۔

خانم!! غصہ ناراضگی مجھ سے ہے!! مگر اپنے بیٹوں کے ساتھ کیوں بے رحمی دکھا رہی ہو! دودھ نہیں پیو گی تو انھیں فیڈ کیسے کرواؤ گی۔ دراب کے بعد ذراب کو بھی تمھاری ضرورت ہے۔ حیدر خان نے نرمی سے کہتے ہوے اس کا چہرہ اپنے ایک ہاتھ سے اپنی طرف کرتے گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔

فرشتے دودھ کا گلاس حیدر خان کے ہاتھ سے لیے پینا شروع ہو چکی تھی۔ وہ خود ایسے خالی پیٹ حیدر خان کی شدتیں سہنے کے بعد دراب کو فیڈ کرواتے مرنے والی ہو رہی تھی۔

فرشتے کے دراب کے گرد سے ہاتھ ہٹانے پر دراب کے دودھ پینے میں خلل پیدا ہوا تھا۔ وہ منہ مارتے ہوئے فیڈ تلاش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنی سانسیں بند کرتا۔ حیدر خان نے دراب کی مدد کرتے اسے فرشتے کے ساتھ لگایا۔ فرشتے حیدر خان کی حرکت پر سرخ ہوتے دودھ کا گلاس ختم کرتے اسے ایک طرف رکھا تھا۔ حیدر خان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے دراب کو ایک ہاتھ سے خود کے ساتھ لپٹا گئی تھی۔۔

میرا تم پر بہت حق ہے خانم! مرتے دم تک رہے گا۔ حیدر حاکم خان اپنی خانم پر اپنا حق کبھی ختم نہیں کرے گا۔ سانسیں بستی ہیں حیدر خان کی اپنی

خانم میں۔۔ اتنی محبت کرتا ہوں تم سے کہ خانم!! حیدر خان اپنی دھڑکنیں بچھا دے جہاں اس کی خانم قدم رکھے۔۔ حیدر خان اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی ٹھوڑی کے تل پر اپنے لب رکھ گیا۔

جھوٹ خان!! جھوٹ خان! محبت کے نام پر آپ نے اپنی خانم سے سب کچھ لوٹ لیا۔ ایک دل ہی تھا جو آپ کی خانم کا تھا مگر اس پر بھی یہ بے رحم خان اپنا بسیرا کر چکا ہے۔ اور اس دل پر یہ خان بہت بار زخم لگا چکا ہے۔ جیسے کل رات شراب کے نشے میں اپنی خانم کے جسم کو روندھا۔ فرشتے اس کے برہنہ سینے پر ہاتھ رکھے بھیگے لہجے میں بولتے اسے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔

یقین تو میری خانم نے بھی میرا توڑا ہے۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھ سے طلاق مانگ کر!! حیدر خان نے اپنی سرخ زخمی شکوہ نگاہیں اس پر گاڑھیں۔

سات ماہ آپ سے دور رہی۔ آپ کی دوسری شادی آپ کی زیادتیوں پر نہ میں نے نہ میرے لالا نے کبھی آپ سے طلاق مانگی!! بتائیں سنا کیا آپ نے کبھی میرے لالا نے ایک بار بھی آپ سے کہا کہ وہ میری طلاق آپ سے چاہتے ہیں!

بتائیں خان!! کبھی میں نے مانگی آپ سے طلاق؟؟ ایک بار بھی مانگی طلاق ۔۔ساری زندگی آپ میرے پیچھے نہ آتے۔ اگر اوزگل سے آپ کی اولاد ہو جاتی۔ اگر تب آپ کو میں اور بیٹے نظر نہ آتے تب بھی آپ کی خانم آپ کے نام پر بیٹھی رہتی۔۔ اتنی وفا ہے آپ کی خانم کی آپ کے لیے۔۔ فرشتے کا خان اس کے لیے بے رحم بیوفا ہو سکتا ہے۔ مگر حیدر خان کی خانم اس کے لیے کبھی بیوفا نہیں ہو سکتی۔ نہ کبھی وہ آپ سے نفرت کر سکتی ہے

خان۔۔ مجھے نہیں پتہ ایک مرتبہ کسی سے محبت ہو جائے اس سے نفرت

کیسے کی جاتی ہے ؟!۔ فرشتے روتے ہوے بولی تو حیدر خان تڑپتے ہوے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھامے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

پھر کیوں کیوں مجھے معاف نہیں کر رہی خانم ؟؟ کیا نہیں جانتی میں مر رہا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا ہوں خانم !! حیدر حاکم خان وہ نہیں رہا جو وہ کبھی تھا خانم !حیدر خان کے آنسو اب فرشتے کے عارض پر گرتے اس کے آنسوؤں میں شامل ہو رہے تھے۔

اور جو میں تھا خانم !! وہ بھی حیدر حاکم خان نہیں تھا۔ صرف مجھے رشتوں کی محبت مجھے کمزور کر گئی خانم !!

مجھے میرا غرور مار گیا خانم جو مجھے تم پر تھا۔ تم پر میرے غرور نے مجھے تم پر ظلم کرنے دیا خانم۔

جانتی ہو مجھے کیا غرور تھا تم پر؟؟ حیدر نے بھیگے لہجے میں فرشتے کی آنکھوں میں جھانکتے استفسار کیا۔ فرشتے روتے ہوے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

تمھارے عشق پر غرور تھا خانم۔ مجھے غرور تھا میں کچھ بھی کروں گا مگر تمھاری محبت میرے لیے کم نہیں ہو گی۔ مجھے اتنا غرور تھا کہ میں ساری عمر تمہاری طرف پلٹوں گا نہیں تم ساری عمر اپنی دھڑکنوں پر صرف حیدر خان کا نام سجا کر رکھو گی۔ مرد کو پتہ چل جائے اس کی عورت اس سے عشق کرتی ہے۔ وہ اسے آخری دم تک آزماتا ہے۔ اس کے اندر اسے کھونے کا ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے یہ عورت تو صرف اس کی ہے اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی چاہے وہ قطرہ قطرہ اسے اس کی سانسوں کے لیے محتاج کر دے۔۔ اور ہوتا بھی یہی ہے مرد اس عورت کو بہت ذلیل کرتا ہے۔ وہ

چاہتا ہے وہ سانس لینے کے لیے بھی اسے پوچھے۔۔ تمھاری محبت تمھاری معصومیت نے مجھے مجبور کیا میں تم پر ظلم کروں۔ فرشتے سسکتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے مظالم کا الزام اس پر دھر چکا تھا۔ آخر مرد تھا خود کی پسپائی کہاں گوارا تھی۔ وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

میرے دوسری شادی کے لیے ہامی بھرنے پر تم نے اپنے لیے کوئی آواز ہی نہیں اٹھائی۔ الٹا تم میرے حقوق پہلے سے بھی زیادہ شدت سے نبھانے لگی۔

جس رات میں نے شادی کی ہامی بھری تم ساری رات مجھے سہتے پہلے سے کہیں زیادہ مجھ سے لپٹ رہی تھی۔ میں سمجھ چکا تھا۔۔ تم مجھے شادی سے روکنے کے لیے ایسا کر رہی ہو۔

مگر میرے اندر جو گلٹ تھا ڈر تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا میری فرشتے صرف میری ہے وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ مجھے ڈر تھا تو صرف

یہی کہ میری مورے مجھے نہ چھوڑ دے۔ اسے ہارٹ اٹیک نہ آ جائے۔۔ مگر فرشتے کے معاملے میں مجھے یقین تھا میری فرشتے تو صدا میرے پاس رہے گی۔۔ حیدر خان نے نرمی سے بولتے اس کے عارض پر لب رکھے۔۔

تمھیں جانے دیا حویلی سے۔ تب تمھیں مزید دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ سمجھ گیا تھا تم اوزگل اور مورے کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔

سوچا تھا اوزگل سے اولاد پیدا کرنے کے بعد تمھیں واپس لے آؤں گا۔ مورے تمھارے ساتھ تب تک ٹھیک ہو جائیں گی۔

خانم میں اپنی غلطیوں کا آزالہ کیسے کروں مجھے سمجھ نہیں آتا۔ مگر میں نے محبت ہمیشہ تم سے کی ہے۔ اوزگل کے ساتھ پہلی رات گزارتے ہوئے میری سانسوں میں میری دھڑکنوں میں تم ہوتی تھی۔۔ میں قسم کھا کر کہتا

ہوں ان سات مہینوں اور ہر وہ پل جو تمھارے بغیر گزرا تمھارا خان کبھی سکون میں نہیں رہا۔

مجھے معاف کر دو خانم تمھارے خان کو تمھاری ضرورت ہے۔ میں ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں سنبھال لو اپنے خان کو خانم۔ ورنہ تمھارا خان مر جائے گا۔۔ حیدر خان کمزور نہیں ہے اسے اس کی رشتے اس کا غرور اسے مار گیا خانم۔۔ معاف کر دو اپنے خان کو؟؟ بہت ضرورت ہے۔ زرمش کی گمشدگی مجھے اندر سے ختم کر چکی ہے۔ کوئی میرے پاس نہیں۔۔۔ تمھاری ضرورت ہے خانم!! مجھے معاف کر دو خانم۔

حیدر خان نے اس کا چہرہ تھامتے بھیگے لہجے میں التجا کی۔

دراب کا پیٹ بھر چکا ہے خان! ذراب کو مجھے دیں۔ وہ روتے روتے پھر سے سو چکا ہے خان۔۔ فرشتے حیدر خان کو خود سے دور کرتے سپاٹ لہجے میں بولی۔۔

حیدر خان گہری سانس بھرتے ہوئے دراب کو اس کی گود سے لیتے ہوئے زمین سے اٹھتا کاٹ کی طرف بڑھا۔

جس طرح میں اور آپ ذراب کا حق مارتے ہیں۔ اس طرح آپ نے میرا حق ماراناں خان!! فرشتے کے سوال پر اس کے قدم رکے تھے۔ دیکھا کیسے بھوکا سو گیا ہمارا ذراب؟؟ پتہ تھا ذراب سو جائے گا۔ مگر دراب اپنی سانسیں بند کر لے گا۔ ہمیشہ راب زراب کا حق مارتا ہے۔۔ مگر دیکھیں خان ہم بھی اپنے ذراب کا حق ہمیشہ مارتے ہیں۔ دراب کا پیٹ بھرا ہوتا ہے مگر دونوں

کے رونے پر میں بھوکے ذراب کو سینے سے نہیں لگاتی دراب کو سینے سے لگاتی ہوں جس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔۔ایسے ہی آپ نے میرا حق مارا۔۔میرا صبر میری وفا میرا عشق میرا امتحان بنا دیا آپ نے۔۔

آپ نہیں بدلے خان!!کل رات بھی آپ کو یقین تھا آپ کی خانم آپ کو شراب کے نشے میں دھت خود کا استحصال کرنے دے گی اور پھر آپ کو معاف کر دے گی۔ساری زندگی ہم دونوں ذراب کا حق ماریں گے۔اور آپ میرا حق ماریں گے۔

نہ ذراب کی فطرت بدلے گی نہ آپ کی فطرت بدلے گی۔مگر میں بدل چکی ہوں خان فرشتے کی معافی آپ کو نہیں ملے گی۔فرشتے زمین سے اٹھتی باہر کی جانب بڑھی۔

ذراب کو فیڈ نہیں کرواؤ گی خانم؟!حیدر خان کی نم آواز گونجی تھی۔

نہیں خان!!شور کرنے والا واویلا کرنے والا اپنا حق لے چکا ہے۔جو صابر ہے اسے کیسے اس کا حق مل سکتا ہے؟؟۔جس طرح آپ کو مجھ پر یقین تھا میں آپ کی رہوں گی ہمیشہ!اس طرح مجھے یقین ہے۔ذراب کچھ دیر اور بھی بھوکا رہ لے گا اسے کچھ نہیں ہو گا۔فرشتے سپاٹ انداز میں کہتے وہاں سے چلی گئی تھی۔حیدر خان کی آنکھ سے ٹپکتے آنسو سوئے ہوے ذراب کے رخسار پر گرے تھے۔حیدر اسے بیڈ پر لٹاتے ٹیوب سے شہد نکالتے اس اپنے انگوٹھے پر لگاتے اس کا پیٹ بھرنے لگا تھا۔

درخزئی خانزادہ اس وقت اپنے تمام آفیسرز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے سامنے کمشنر,ڈپٹی کمشنر,ڈی آئی جی,ایس ایس پی،افیسر رانیہ اور کچھ اور باقی افسران بڑی سی ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوے تھے۔

درخزئی خانزادہ اپنے افیسرز کے سامنے اپنے یونیفارم میں ملبوس بیٹھا تھا۔

جواب دیں ایس پی درخزئی خانزادہ!! آپ کی خاموشی نہیں ہمیں جواب چاہیے! آپ کی وجہ سے ہمارے پولیس ڈیپارٹمنٹ پر داغ لگ چکا ہے۔ سپشل ٹاسک کے طور پر آپ کا یہاں تبادلہ کروایا تھا کیونکہ آپ ایک نڈر اور ایماندار پولیس افسر تھے۔ جنھیں نہ خریدا جاسکتا تھا نہ ڈرایا جاسکتا تھا۔ ڈی آئی جی نے ٹیبل پر مکہ مارتے غراتے ہوئے پوچھا۔

تھا سے کیا مراد ہے سر!! میں آج بھی ایماندار اور نڈر پولیس والا ہوں۔ درخزئی نے لب بھینچے کہا تو افیسر رانیہ استھزائیہ ہنسی تھی۔

میڈیا آپ کے بارے میں جو کہہ رہی ہے لگتا ہے آپ نے سنا نہیں۔۔ کمشنر صاحب درخزئی کو گھورتے ہوئے استھزائیہ لہجے میں بولے۔

میڈیا کا تو کام یہی ہے سر!!ان کو اپنی ٹی آر پی بڑھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو چاہیے۔ درخزئی نے اس بار بھی لب بھینچے جواب دیا تھا۔

واٹ آجوک ایس پی درخزئی خانزادہ!!ہم سب کے پاس آنکھیں ہیں۔ میڈیا نے جو دکھایا ہے وہ سب نے دیکھا ہے۔ پھر کس بات کی بناہ پر آپ ہماری آنکھوں میں ڈالے بیٹھے ہیں۔

ڈی آئی جی چیئر سے ٹیک لگائے طنزیہ بولے بولے تھے۔

کیونکہ سر میں سچا ہوں۔ میں نے اپنی وردی پر کوئی داغ نہیں لگایا۔ اور بھولیں مت اس بار پر میں نے raid ڈالی ہے۔ اور تمام ثبوت میں نے آپ سب کو فراہم کیے۔۔ درخزئی سنجیدگی سے بولا

آپ کے raid ڈالنے کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ الٹا آپ کا اپنی بیوی کو وہاں سے لے کر منہ چھپا کر بھاگنے پر ہمارا پولیس ڈیپارٹمنٹ پر داغ لگ چکا ہے۔ اوپر سے فون آ رہے ہیں۔ میڈیا نے ہمارے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے آپ کو اس پراجیکٹ کے لیے سلیکٹ کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ ڈی آئی جی غصے سے بولے تھے۔

میں منہ چھپا کر نہیں بھاگا! درخزئی کرسی پر سیدھے ہوتے بمشکل خود پر قابو پاتے بولا تھا۔

افیسر رانیہ۔۔ مسٹر درخزئی خانزادہ کی یاداشت خراب ہے۔ یہ سچ میں ایک سر پھرے خانزادہ ہیں۔ جو اپنی غلطی سیدھی طرح نہیں مانیں گے۔ آپ ان کی یاداشت تازہ کریں کہ اس دن اس بار میں کیا ہوا تھا۔ شاید ان کو شرم آجائے انھیں احساس ہو جائے کہ انہوں نے کیا کیا ہے؟؟ ڈی آئی جی کافی

انسلٹنگ لہجے میں بولے درخزئی کے سامنے بیٹھے تمام افیسرز کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

سر مسٹر درخزئی خانزادہ جو کہ خود کو بہت اعلی قسم کا افیسر سمجھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں۔ افیسر رانیہ مسکراتی ہوئی اپنی کرسی پر سیدھی ہوئی تھی۔

سر اس دن انہوں نے اپنی کم عمر بیوی جو اس بار میں بیٹھی ڈرنک کر رہی تھیں۔

وہ ڈرنک نہیں کر رہی تھی۔ درخزئی ٹیبل پر مکہ مارتے ہوے افیسر رانیہ کی بات کاٹتے ہوے غرایا۔

مسٹر درخزئی افیسر رانیہ کو بات مکمل کرنے دیں۔ڈپٹی کمشنر نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

سر یہ بات کریں مگر میری بیوی کے متعلق تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کریں۔اپنی بیوی کے متعلق ایک غلط لفظ میں برداشت نہیں کروں گا۔درخزئی نے افیسر رانیہ کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔

آپ کی بیوی اس بار میں تھی مسٹر خانزادہ اور وہ اس وقت مجرم ہے جنھیں آپ آسانی سے وہاں سے چھڑوا کر لے گئے۔۔افیسر ارانیہ جو ابا غرائی تھی۔

درخزئی نے جبڑے بھینچتے بمشکل خود پر کنٹرول کیا تھا۔

بتائیں افیسر رانیہ اس دن کیا ہوا تھا۔ ایک افیسر نے سیٹ سے ٹیک لگائے سنجیدگی سے کہا۔۔

سر سب سے پہلے سر مسٹر درخزئی وہاں بیٹھی اپنی بیوی کو دیکھ کر شاکڈ ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی بیوی سے تفتیش کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے اسی لمحے ان پر شک ہو گیا تھا۔ سر میں ان کے پیچھے گئی یہ اپنی بیوی کو پیچھے کے راستے سے بھگا رہے تھے۔ اور جب میں نے انھیں روکنے کی کوشش کی تو سر یہ مجھ سے بری طرح الجھتے ہوے میری نظروں کے سامنے اپنی بیوی کو لے کر نکل لیے نہ انہوں نے پنی وردی کی پرواہ کی نہ انہوں نے میڈیا کی!!

افیسر رانیہ نے تمام صورت حال بتائی تھی۔ اب کیا کہیں گے مسٹر درخزئی خانزادہ!!ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

سر یہ سچ ہے وہ ادھر تھیں مگر وہ بے قصور ہیں وہ غلطی سے۔۔۔

جھوٹ سر وہ بے قصور نہیں ہیں وہ امریکہ کے ایک شہری مایکل کے ساتھ ادھر موجود تھی جس کے پاس سے ڈرگز برامد ہوئی ہیں۔

Shut up just shut up

درخزئی خانزادہ سیٹ سے اٹھتا دھاڑا تھا۔

مسٹر درخزئی خانزادہ پیشنس رکھیں بھولیں مت اس وقت آپ اپنے افیسرز کے سامنے کھڑے ہیں۔ڈی آئی جی نے سرد لہجے میں کہتے درخزئی کو گھورا تھا

سر میں اپنے افیسرز کے سامنے بیٹھا ہوں اور سب کی عزت بھی بے حد کرتا ہوں کیونکہ اپنی ڈیوٹی اور وردی سے جان سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔یہ سچ ہے کہ میں اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہوں مگر کسی صورت اپنی بیوی

کی محبت میں اپنی وردی پر اور اس پولیس ڈیپارٹمنٹ پر داغ نہیں لگنے دے سکتا۔۔ درخزئی خانزادہ رانیہ کو دیکھ کر ایک ایک لفظ چباتے بولا۔

لگتا تو ایسا نہیں ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اپنی یونیفارم سے سے محبت کی زندہ مثال۔۔ افیسر رانیہ نے چیئر کو ہلکا سا گھماتے طنزیہ مسکراتے ہوے ریموٹ آٹھا کر سامنے لگی سکرین آن کی۔

!!ایس پی درخزئی خانزادہ اپنی بیوی کو اس بار سے بچا کر لے گئے جو نشے کی حالت میں تھیں۔ نہ انہوں نے اپنی وردی کی پرواہ کی نہ انہوں نے اپنی پولیس ڈیپارٹمنٹ کی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ایس پی کی بیوی تمام سوالوں اور الزامت سے بری ذمہ ہیں تو پھر وہاں بار میں موجود ہر انسان بری ذمہ ہے۔۔ یا پھر ہو سکتا ہے ایس پی درخزئی بھی اس گھناؤنے کام میں

ملوث ہوں!!۔ سکرین پر چلتی نیوز کے ساتھ وہ اور عنائیہ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ جب وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس بار سے باہر لا رہا تھا۔

دیکھ لیا آپ نے اپنی وردی سے محبت کی مثال؟؟ افیسر رانیہ درخزئی کے سرخ چہرے کو دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

سر میری بیوی اس سب میں ملوث نہیں ہے۔ وہ میرے کہنے پر اس دن بار میں گئی تھی۔۔ جو ثبوت میں نے آپ سب کو دیے وہ میری بیوی نے مجھے دیے تھے۔ وہ وہاں اس وقت میرے کہنے پر موجود تھی تاکہ مزید معلومات حاصل کر سکے۔۔ مایکل کو میں جانتا ہوں۔ وہ امریکہ میں میری بیوی کا nighbour ہے۔ اس دن وہ اتفاقاً میری بیوی کو مل گیا تھا۔ یہ اتفاق تھا۔

سر یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ اپنی بیوی کو دیکھ کر وہاں شاکڈ ہوے تھے۔ افیسر رانیہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوے چلائی تھی۔

سر وہ میری پلیننگ کا حصہ تھا۔ میں صرف اسے الگ لے جا کر معلومات حاصل کر رہا تھا۔ افیسر رانیہ مجھ سے الجھ پڑیں۔ میں نہیں چاہتا تھا وہ میڈیا کے سامنے آئیں مگر افیسر رانیہ بضد تھیں کہ وہ میری بیوی کو ایک مجرم کے طور پر میڈیا کے سامنے پیش کریں گی۔ میں یہ سب نہیں چاہتا تھا۔ سڈنلی میرے ہاتھوں سے سب کچھ نکل گیا اور میں اپنی بیوی کو وہاں سے لے کر نکل آیا۔ درخزئی کی بات وہاں بیٹھے تمام افیسر غور سے سن رہے تھے۔

سر یہ بچوں ولی جسٹفیکشن دے رہے ہیں۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟؟۔ مطلب عقل اس بات کو مانتی ہے یہ کیا بکواس کر رہے ہیں۔؟! شائد انھیں خود نہیں پتہ کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ افیسر رانیہ چیر سے اٹھتے ہوے غرائی۔

مسٹر درخزئی خانزادہ اگر آپ کی بات میں حقیقت ہے اپنی بیوی کو ٹرایل کے لیے پیش کریں۔ اگر آپ کی بات سچ ہوتی ہے تو آپ ہمارے

ڈیپارٹمنٹ پر لگا داغ دھو سکتے ہیں۔ ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے درخزئی کو دیکھتے کہا۔

کسی قیمت پر میری بیوی اس ٹرایل کا حصہ نہیں بنے گی۔ اگر میری ایمانداری کا صلہ آپ لوگ مجھے یہ دیتے ہیں تو مجھے قبول ہے آپ کی دی ہوئی سزا۔ ہر ٹرایل بھگتنے کو تیار ہوں۔ مگر میری بیوی کسی قیمت پر کسی ٹرائل کا حصہ نہیں بنے گی۔ درخزئی دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوے سب کو دیکھتے ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولا تھا۔

ٹھیک ہے پھر جیسے آپ چاہیں۔ ابھی سے اسی وقت آپ کو اپ کی جاب سے سسپنڈ کیا جاتا ہے۔ آپ پر کیس بھی چلے گا کہ جو آپ نے اس دن قانون کو توڑا۔ پوری ایک ٹیم آپ کا ٹرایل کرے گی۔ اگر آپ کا ایک لفظ بھی

جھوٹ ہوا۔۔ آپ کو قانونی طور پر سزا دی جائے گی۔ڈی آئی جی نے اپنے سامنے پڑے ایک پیپر پر سائن کیے تھے۔

درخزئی نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے گہرے سانس لیے۔

یس سر!!درخزئی سپاٹ انداز میں کہتے سیدھا ہوا تھا۔

اپنی پسٹل گاڑی کی چابیاں بیلٹ اتار کر ٹیبل پر رکھ دیں آج سے آپ ایس پی نہیں رہے۔۔ڈی آئی جی سنجیدگی سے بولے۔

جی سر!!درخزئی خانزادہ نے کہتے ہوے اپنی پسٹل بیلٹ سے نکالتے ٹیبل پر رکھی تھی۔اپنی پینٹ کی پاکٹ سے چابیاں نکال کر ٹیبل پر رکھی۔اپنی بیلٹ اتارتے ہوے ٹیبل پر رکھی تھی۔اس دوران اس کی آنکھوں کی رنگت

سرخ تھی۔۔ہاتھ کپکپا رہے تھے۔۔گلے میں گلٹی سی ابھر کر بار بار معدوم ہو رہی تھیں۔

وہ یہ سب رکھتے تیزی سے روم سے باہر نکل گیا تھا۔

مسٹر درخزئی خانزادہ!!افیسر رانیہ کی پکار پر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔درخزئی خانزادہ نے اپنے بھیگے چہرے پر ہاتھ پھیرتے خود پر قابو پاتے ہوے پلٹتے ہوے افیسر رانیہ کی طرف دیکھا۔

مسٹر درخزئی خانزادہ رو رہا ہے کیا؟؟افیسر رانیہ درخزئی کی سرخ بھیگی آنکھیں دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھیں

جو کہنا ہے وہ کہیں!! میں اس وقت ایس پی درخزئی خانزادہ نہیں

ہوں۔ صرف سوات کا سر پھرا خانزادہ ہوں۔ پہلے تو اس سر پھرے خانزادہ

کو اس کی وردی نے باندھ رکھا تھا مگر اب ایسی کوئی بات نہیں۔۔ اس لیے ٹو

داپو اینٹ بات کریں۔ درخزئی سنجیدگی سے بولا۔

میرے نزدیک پہلے بھی آپ کو آپ کی وردی نے نہیں باندھ رکھا تھا۔ جو

جھوٹ آپ نے اندر بولا ہے۔ اگر اپنی یونیفارم کی عزت ہوتی آپ اپنی

بیوی کو بچانے کے لیے یوں جھوٹ نہ بولتے!! افیسر رانیہ کی بات پر درخزئی

اسے سنجیدگی سے دیکھتے رہا تھا۔

مسٹر درخزئی میں آپ کی وردی واپس دلوا سکتی ہوں۔ اگر آپ اپنی بیوی کو

ٹرائل کے لیے پیش کر دیں۔ اور سچ بتا دیں۔ افیسر رانیہ نے سنجیدگی سے

مشورہ کہا

ایک بات سمجھ لیں مس رانیہ !! آپ جو چاہتی ہیں وہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ بولا میں نے اندر جھوٹ ایک ایک لفظ جھوٹ بولا۔۔ جتنی اپنی یونیفارم سے محبت کرتا تھا اس سے کہیں زیادہ اپنی بیوی سے کرتا ہوں۔۔ کسی قیمت پر اسے ٹرایل کے لیے پیش نہیں کروں گا۔ چاہے مجھے واپس اپنی وردی کبھی نہ ملے۔۔ ایک اور بات میری بیوی کے معاملے سے دور رہیں۔ اس کے معاملے مایکل کو انوالو مت کریں۔ یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ اس دن میری بیوی نے ڈرنک نہیں کی تھی غلط بیانی کرنا بند کر دیں۔

۔ورنہ سوات کا یہ سر پھرا پہاڑی خانزادہ آپ کو کسی اور طریقے سے ملے گا۔ درخزئی خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے تنبیہ لہجے میں غرایا۔

آپ نے مجھے مجبور کیا میں یہ سب کہوں۔ آپ کی ایک غلطی کی وجہ سے ہمارے پولیس ڈیپارٹمنٹ پر آنچ آئی ہے۔ ابھی بھی آپ صرف اپنی بیوی

کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اگر چاہتے تو یہ سب کلیر ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ بھی میری بات کان کھول کر سن لیں۔۔ آپ کی وردی کسی صورت واپس نہیں آئے گی۔۔ آپ جیسے کمزور انسان کی ہمارے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت نہیں۔ افیسر رانیہ استھزائیہ بولتے ہوے چلی گئی تھی۔۔

درخزئی نے گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں دو انگلیوں سے مسلیں۔۔

فون وایبریٹ ہونے پر اس نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے فون نکال کر دیکھا ۔ارحام کا نمبر جگمگاتا دیکھ کر درخزئی کی آنکھوں سے آنسو پھسل کر اس کے عارض کا حصہ بنے تھے۔

جی لالا!! اپنی رندھی آواز پر قابو پاتے ہوے اس نے کہا تھا۔

حویلی آنا ہے؟؟جی آجاؤں گا لالا۔۔ مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔ نکاح ہو گیا ہے۔ کسی فنکشن کی ضرورت نہیں تھی۔ درخزئی نے اس بار بولتے ہوے اپنی آستین سے اپنی نم آنکھیں رگڑیں۔

جی لالا!!جیسا آپ کا حکم پہلے کبھی آپ کی بات ٹالی ہے۔۔ پہنچ جاؤں گا۔ درخزئی کہتے ہوے فون بند کر چکا تھا۔ وہ فون پینٹ میں ڈالے اپنی آنکھیں مسلتے ہوے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

مردانے میں اس وقت ارحام خانزادہ درید خان اربد خان سمیع اللہ خان شہرام خان اسفند یار خان زاران خانزادہ درخزئی خانزادہ اور آہل بیٹھے ہوے تھے۔

درخزئی خانزادہ ارحام خانزادہ اور زران کے سامنے والے صوفے پر سفید شلوار قمیض پر براؤن مرانہ شال اوڑھے ہوے بیٹھے ہوا تھا۔ارحام خانزادہ سفید شلوار قیمض پر آف وایٹ مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔زاران سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ ہی شال اوڑھے ہوے تھا۔اس وقت سب ہی شلوار قیمض میں ملبوس تھے۔سوائے آہل کے جو جینز پر بلو شرٹ پر بلو جرسی پہنے ہوے تھا۔

مردانے میں گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔درخزئی اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے ہوے اپنی نظریں اپنے چمکتے سیاہ بوٹوں پر گاڑھے ہوے تھا۔اس کا ایک پاؤں مسلسل اظطرابی انداز میں ہل رہا تھا۔جس سے مردانے میں اس کے بھاری

بوٹ کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔اس کی سفید رنگت میں اس وقت شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔

درخزئی میں نے فیصلہ لیا ہے ۔تمھاری اور عنائیہ کی رخصتی کل ہی کر دی جائے۔ارحام کی بھاری آواز مردانے میں گونجتی درخزئی خانزادہ کے اظطراب میں مزید اضافہ کر گئی تھی۔

اس وقت سب سنجیدہ چہروں کے ساتھ خاموش تھے۔عنائیہ کے ساتھ جو کچھ ہوا کم۔و بیش سب ہی واقف تھے ۔شہرام خان اسفند یار خان زاران ارحام خان اور آہل سب کو ہی پتہ تھا۔سمیع اللہ خان درید خان اربد خان اس حقیقت سے اب تک ناواقف تھے۔ حویلی میں کسی نے بھی ایک دوسرے سے اس واقعے کے متعلق استفسار نہیں کیا تھا۔اور درخزئی خانزادہ سے استفسار کرنے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلا اظطراب اور سرخی اس بات کی گواہ تھی وہ اس متعلق کسی سے کچھ سننے کا روادار بھی نہ تھا۔

نکاح ہو چکا ہے لالا!!رخصتی کی ضروت نہیں ہے۔درخزئی خانزادہ نے نظریں جھکائے جواب دیا تو آہل نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔وہ اب خود یہ چاہتا تھا کہ عنائیہ درخزئی کے سنگ جلد سے جلد رخصت ہو جائے ۔درخزئی کے انکار پر وہ پریشان ہوا تھا۔

کیا مطلب نکاح ہو گیا تو کیا رخصتی کی ضرورت نہیں؟؟۔نکاح کا مطلب ہی رخصتی ہوتا ہے۔تم کیا اب پیچھے ہٹ رہے ہو ؟؟۔ارحام کی آواز میں اب سرد پن نمایاں ہوا تھا۔

آپ کو کیا لگتا ہے لالا میں پیچھے ہٹ سکتا ہوں؟!۔درخزئی خانزادہ نے سنجیدگی سے کہتے ارحام کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

نہیں ایس پی درخزئی خانزادہ کسی صورت پیچھے ہٹ نہیں سکتا۔وہ ایک خانزادہ ہے کچھ بھی ہو جائے جو عورت اس کے نکاح میں ہے کسی صورت اس کی ذمہ داری سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ارحام نے جواباً سنجیدگی سے کہتے اسے بہت کچھ جتایا تھا۔

ارحام کے ایس پی کہنے پر وہ کرب سے مسکراتے صوفے کی سطح پر سر رکھے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں دو انگلیوں سے مسل گیا۔

میں پیچھے نہیں ہٹ رہا لالا!مگر ابھی رخصتی نہیں چاہتا۔درخزئی نے سیدھے ہوتے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ابھی رخصتی کیوں نہیں ہو سکتی یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ تمھیں اعتراض کیوں ہے؟؟ارحام نے لب بھینچے سنجیدگی سے سوال کیا۔

باقی سب خاموش تھے۔ سمیع اللہ درید خان اربد خان زحلے کو ابھی تک معاف نہ کر سکے تھے۔ ۔ابرش کی دو مرتبہ حویلی چھوڑ کر جانے والی بات اور زاران کا سب کو اپنے معاملے سے سختی سے دور رہنے کا کہنے پر وہ ان سب کے معاملوں سے حقیقتاً بھی دور ہو چکے تھے۔

وہ عمر میں ابھی چھوٹی ہے۔درخزئی کے حلق سے بمشکل ہی آواز نکلی تھی۔وہ اسے کبھی رخصت کروانے سے منع کرنے کے لیے ایسی تاویلیں گڑھے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

واٹ آ جوک درخزئی؟ ۔۔یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟رخصتی نہیں کرنی سیدھی طرح انکار کر دو۔۔وہ عمر میں چھوٹی ہے یہ بات نکاح کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔اگر وہ عمر میں اتنی ہی چھوٹی ہے تو نکاح کے لیے جلدی کیوں مچائی تم نے؟؟اور چھوٹی سے کیا مراد وہ بارہ سال کی ہے کیا۔؟!تمھیں پتہ ہونا چاہیے کہ تم نے اپنی عورت کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے اسے کیسے رکھنا ہے؟۔وہ عمر میں چھوٹی ہے مگر تم عمر میں بڑے اور سمجھدار ہو ۔ایک مرد ہو تمھیں پتہ ہونا چاہیے کہ وہ عمر میں چھوٹی ہے تو کیسے اسے ڈیل کرنا ہے۔اب وہ تمھاری ذمہ داری ہے اس کی عزت اس کی زندگی کے محافظ ہو تم!!ارحام درخزئی کے انکار پر بھڑک اٹھا تھا۔جو اسلام

آباد میں ہوا وہ اب کسی صورت عنائیہ کو درخزئی کے بغیر یہاں نہیں رہنے دے سکتا تھا۔درخزئی ہی اس پر کنٹرول کر سکتا تھا۔

وہ پڑھنا چاہتی ہے وکیل بننا چاہتی ہے۔درخزئی نے نظریں جھکائے کپکپاتے لبوں سے جواب دیا تھا۔

تم نہیں پڑھا سکتے کیا؟؟تم اس کا خواب نہیں پورا کر سکتے کیا؟؟ارحام نے سنجیدگی سے مزید استفسار کیا۔

ایسی بات نہیں ہے لالا؟؟درخزئی منہ پر ہاتھ پھیرتے گہرا سانس لیتے بولا۔

دیکھو درخزئی!!یہ باتیں بے بنیاد ہیں جو تم کر رہے ہو۔ وہ تمھارے نکاح میں ہے اسے صرف تمھارے پاس رہنا چاہیے۔۔تم اس کے

شوہر ہو جو پروٹیکشن تم اسے دے سکتے ہو۔ وہ ہم سب مل کر بھی نہیں دے سکتے۔کیونکہ اس کے محرم اس کے شوہر ہو تم۔ارحام خانزادہ کی بات پر درخزئی اپنا سانس باہر خارج کرتے اپنی آستین کے کف کھولتے اوپر فولڈ کرنے لگا۔وہ کیا کہے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔

درخزئی بھائی لالا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔مجھے اور زاران بھائی کو بھی اعتراض نہیں ہے۔ہے ناں زاران بھائی !!آہل نے زاران سے تائید چاہی تھی۔آہل کے سوال پر زاران سنجیدہ چہرے کے ساتھ منہ پر ہاتھ پھیرتے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

سب زاران کی خاموشی پر حیران ہوے تھے۔۔شہرام اور اسفند یار نے معتجب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ جو صوفے سے ٹیک

لگائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے اپنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے بالکل خاموش تھا۔

زاران بھائی آپ کیا کہتے ہیں؟؟ آہل نے زاران کی خاموشی اور سنجیدگی پر بے چینی سے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

زاران خاموشی سے ابھی بھی اپنی گھنی بئیرڈ کو سہلاتے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے زاران کے ایٹیٹوڈ پر غصے سے اسے گھورا تھا۔ آہل اب پریشانی سے زاران کو دیکھ رہا تھا جو پہلے کبھی اس طرح ان کے کسی معاملے میں خاموش نہیں ہوا تھا۔ مگر آج تو وہ اجنبیت کے ریکارڈ توڑے ہوے تھا۔ زاران کی خاموشی اور سنجیدگی آہل پاشا کو

بہت بری طرح محسوس ہوئی تھی۔ایک وہی تو تھا ان کا اپنا۔۔جو ہر معاملے میں ڈھال بن کر کھڑا ہوتا تھا۔

یہ میرا فیصلہ ہے عنائیہ کی رخصتی کل ہی ہو گی۔اگر درخزئی تمھیں اعتراض ہے تو ابھی اٹھ کر یہاں سے چلے جاؤ۔۔دوبارہ تمھیں کبھی کسی چیز کے لیے فورس نہیں کروں گا اور عنائیہ کی فکر نہ کرنا .اس کے لیے ہم سب ہیں وہ ہم سب کی بہن ہے۔ارحام نے خشک لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تو مردانے میں گھبیر خاموشی چھائی تھی۔

ٹھیک ہے لالا جیسا آپ کہیں۔درخزئی کی سپاٹ آواز گونجی تو ۔ مردان خانے میں پہلے سے بھی زیادہ گھمبیر خاموشی چھائی تھی

ابرش کچن میں کھڑی برنر کے پاس کھڑی اپنے ہاتھ سیک رہی تھی۔گرم کچن میں بھی اس پر کپکپی سی طاری تھی۔

وہ اس وقت بلیک کلر کی بے حد خوبصورت گرم فراک میں ملبوس تھی۔پشمینہ بے حد خوبصورت نفیس قیمتی شال اس کے ایک کندھے پر ایک طرف ڈھلک رہی تھی۔براون چاکلیٹی سلکی بھیگے خوبصورت بال تازہ تازہ شیمپو اور کنڈیشر سے دھلے ہوے کمر پر بکھرے تھے۔جس میں سے پانی ٹپکتا اس کی گرم بلیک فراک کو بھگو رہا تھا۔

زاران پچھلے دو دن سے رات پھر سے حویلی سے باہر رہ کر گزار رہا تھا۔اس دن درخزئی کے جانے کے بعد وہ کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ نیچے وقت بتا کر کمرے میں آئے بغیر

ہی چلا جاتا تھا۔وہ دو دن سے جلتی لکڑی کی مانند اندر سے سلگ رہی تھی ۔۔دن میں کتنی بار شاور لیے رہی تھی۔ شاور کے نیچے کھڑی ہو کر رو رو کر تھک چکی تھی۔ابھی بھی اس کی آنکھیں متورم اور گلابی تھی۔وہ آج صبح سے حویلی میں تھا۔حویلی کے مردان خانے میں اس نے آج سارا وقت گزار دیا تھا۔مگر کمرے میں نہیں آیا تھا۔

کچن میں اس وقت دو ملازمائیں درخشاں اور عابیر موجود تھیں۔درخزئی خانزادہ کے آنے پر ارحام خانزادہ نے آج بہت اچھا ڈنر تیار کرنے کو کہا تھا۔مردانے میں صبح سے بیٹھک لگی تھی۔حویلی کے سارے مرد جمع تھے۔۔

عابیر ملازماؤں کے ساتھ کھانا تیار کر رہی تھی۔بہارے بہرام اور دوسری پریگنینسی کی وجہ سے کچن میں بہت کم قدم رکھتی تھی۔۔شہرام کی بہت سختی سے ہدایت تھی وہ کچن میں کسی صورت قدم نہیں رکھے گی۔ایک دو بار اسے کچن میں دیکھتے وہ اچھا خاصہ ہنگامہ کھڑا کر چکا تھا۔۔بہارے شہرام خانزادہ کی سختی کی وجہ سے کچن میں قدم نہیں رکھتی تھی۔ورنہ اس سے اچھا کھانا کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔عابیر ملازماؤں کے ساتھ مشکل سے ہی کام کروا رہی تھی۔گوشت کی سمیل سے اس کا جی متلا رہا تھا۔مگر ارحام کی وجہ سے وہ کچن میں موجود تھی۔ارحام نے ڈنر میں بہت فرمایشیں کی تھیں۔ آج کا ڈنر وہ حویلی کی ملازماؤں پر نہیں چھوڑ سکتی تھی ۔دوسرا ارحام کسی بات کا حکم دے دے وہ کبھی اس کی بات نہیں

ٹال سکتی تھی۔ ارحام نے اس سے خاص طور پر کچھ ڈشز کی فرمایش کی تھی ۔جو وہ اس کے ہاتھ کی بہت شوق سے کھاتا تھا۔۔جب وہ پندرہ سال کی تھی تب سے وہ نمکین گوشت بناتی تھی جو ارحام خانزاہ اس کے ہاتھ کا شوق سے کھاتا تھا۔ اس لیے اسفند کے گھورنے کے باوجود وہ کچن میں آ گئی تھی ۔

عابیر میں کوئی ہیلپ کر دوں؟؟ابرش نے عابیر کی طبعیت دیکھتے پوچھا تھا۔وہ کتنی بار منہ پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے چکی تھی۔اور بار بار لیموں پانی ملازمہ سے بنوا کر پی چکی تھی۔

نہیں بھابھی آپ کیا ہیلپ کریں گی؟؟آپ کو تو کچھ نہیں بنانا آتا۔عابیر نے عام سے لہجے میں کہتے پتیلے میں چمچ چلایا۔

میں بنا دوں عابیر مجھے تو سب کچھ بنانا آتا ہے۔حویلی کے سب مردوں کے ذائقے کا بھی مجھ کو معلوم ہے۔۔

ارحام لالا ,شہرام لالا ,اسفند لالا ,درخزئی لالا اور زاران کو کونسا کھانا پسند ہے۔مجھے سب پتہ ہے۔پلوشہ کچن میں داخل ہوتے بولی تھی۔ابرش نے اپنی گردن پر آگے ہاتھ پھیرتے گہرا سانس لیا تھا۔اسے یکدم کچن میں گھٹن سی محسوس ہوئی تھی ۔

کر دو ہیلپ پلوشہ!!تمھاری بہت مدد کی ضرورت ہے۔تم جب یہاں سے چلی جاؤ گی۔ مجھے تمھارا مدد کرنا بہت یاد آئے گا۔عابیر نے پلوشہ کو دیکھتے لب پھیلائے مسکراتے ہوے کہا۔

ابھی تو میں کہیں نہیں جا رہی؟؟تمھیں یاد ہو گا بچپن سے میں اپنی حویلی کم یہاں زیادہ رہی ہوں۔اس حویلی کو اپنی ہی حویلی سمجھتی

آئی تھی۔مگر قسمت کی ستم ظریفی نے یہ حویلی اور کوئی بہت خاص مجھ سے چھین لیا۔

پلوشہ ابرش کو دیکھتے کوئلے کی طرح سلگتے لہجے میں بولی تھی۔اس کی بھیگی زلفیں دیکھتے وہ بری طرح سلگی تھی۔۔

بھابھی مجھے نہیں پتہ تھا لالا آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں!!اسفند کی وجہ سے مجھے دن میں دو بار شاور لینا ہی پڑتا ہے۔مگر لالا تو آپ کو بار بار شاور لینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔عابیر ابرش کو دیکھتے ہنسی تھی۔

عابیر کی بات پر کچن میں کھڑی درخشاں اور باقی ملازمائیں سرخ ہوتی کھی کھی کرنے لگیں۔

عابیر خود اپنی بات پر خفت سے سرخ ہوئی تھی۔پلوشہ کو جلانے کے لیے اس نے خوامخواہ یہ بات کہہ دی تھی۔ جو اس کی نیچر نہ تھی۔اسے زاران اور ابرش کے بیچ پلوشہ بہت چبھتی تھی ۔پہلے بھی پلوشہ زاران اور ابرش کے بیچ آ چکی تھی۔اب وہ زاران اور ابرش کو ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

ابرش عابیر کی بات پر نم سا مدھم سا ہنستی اپنی بھیگی آنکھیں سختی سے ہتھیلی سے رگڑ گئی ۔وہ دو دن سے کمرے میں ہی نہیں آیا تھا حق کیا لیتا وہ؟؟ابرش کو اپنی سانسوں میں آگ دہکتی محسوس ہوئی تھی۔

ہمارا بھابھی اتنا خوبصورت ہے ماشاءاللہ!!پورا حویلی میں حور بھابھی اور ابرش بھابھی جیسا کوئی نہیں؟ !وہ کیا کہتا ہوتا ہے بہارے

بھابھی انگلش میں کبھی کبھی ہاں! سٹا۔۔۔ئلا۔۔۔۔ش کوئی

نہیں!!جو بھی پہنتا ہمارا ابرش بھابھی ۔۔ ایسا جچتا ہے کہ ہمارا نظر

نہیں ٹکتا بھابھی پر ۔۔تو ایسا میں ہمارا زاران لالا کا کیا حالت ہوتا ہو

گا اپنا عورت کو دیکھ کر؟؟ کتنا بار تو ہم خود لالا کو بھابھی سے حق

لیتا دیکھ چکا ہے۔ لالا تو جتنا بھابھی سے حق لے کم ہے۔ ہم کو پورا

یقین ہے ادھر بھابھی نہا کر آتا ہو گا۔ ادھر لالا پھر سے بھابھی کو

نہانے والا کر دیتا ہو گا۔ بلکہ ہم کو تو لگتا ہے لالا اور بھابھی رہتا ہی

غسل خانے میں ہو گا۔ تاکہ کمرے سے غسل خانہ اور غسل خانہ

سے کمرے تک آنا جانا کا وقت بچ جائے۔ درخشاں پلوشہ کو جتاتی

نظروں سے دیکھتے اپنی بات مکمل کرتے اونچی آواز میں ہنسی

۔اس کی بات پر کچن میں مکمل خاموشی چھائی تھی۔سب کو خاموش دیکھ کر اب وہ خفت سے سرخ ہوتے کھسیانی سی ہنسی۔ ۔

ہمارا مطلب تھا۔ لالا کو ادھر باورچی خانہ میں بھابھی کے ساتھ دیکھا تھا۔پورا حق نہیں لے رہا تھا۔ بدن پر کپڑا بھی موجود تھا۔ وہ تو لالا بھابھی کا ساتھ صرف چھیڑ خانیاں کر رہا تھا۔ درخشاں عابیر کو گھورتے دیکھتے کھسیانی سا ہنستے ہوے وضاحت دیتے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔ وہ بھی پلوشہ کو صرف جلانا چاہتی تھی مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا وہ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

عابیر نے گھور کر درخشاں کو دیکھتے غصے سے پتیلے میں چمچ چلایا۔ ابرش خاموشی سے گہرے سانس لیتے جلتے برنر کو دیکھ رہی تھی۔اس کی سانسیں گہری ہو رہی تھین

پلوشہ کا سرخ جلتا چہرہ دیکھ کر درخشاں کو دلی سکون ہوا تھا۔اب اسے اپنی کہی ہوئی باتوں پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ ۔وہ پلوشہ کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے اب مزے سے دریا کی تازہ مچھلیوں کو کٹ لگاتے صرف نمک مرچ کا مصالحہ لگا رہی تھی۔ ۔

زاران کمرے میں جائے گا تو اپنا حق لے گا ناں!!سچ میں زاران ابرش کی خوبصورتی کی وجہ سے اب اپنا کمرے میں ہی نہیں جاتا تاکہ کہیں اسے ابرش سے اپنا حق نہ لینا پڑ جائے۔اب اتنا حق لے گا تو اسے کمزوری ہو جائے گی

۔اس لیے آج کل وہ مردانے سے اپنے فارم ہاؤس اور فارم ہاؤس سے مردانے تک کے چکروں میں رہتا ہے۔

پلوشہ استھزائیہ مسکراتی نگاہوں سے ابرش کو دیکھتے بولی ۔ابرش کا ہاتھ اسی لمحے جلتے برنر کو چھو گیا تھا۔ سس!!جلن کی لہر سے اس کے لبوں سے سسکاری بلند ہوئی تھی۔کچن میں ایک بار پھر سے گہری خاموشی چھائی تھی عابیر نے پریشانی سے ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے سلیب کو دونوں ہاتھوں سے اب جکڑ گئی تھی۔

دوسرے لمحے ابرش نے شیلف پر پڑا گلاس اٹھا کر پوری قوت سے پلوشہ کے قدموں میں زمین پر دے مارا تھا۔وہ چھناکے سے ٹوٹ کر کانچ کی صورت میں کچن کے فرش پر بکھرا تھا۔پلوشہ چیختے ہوے پیچھے کو ہوئی تھی ۔۔

آیندہ میرے اور زاران کے بارے میں تم نے ایک لفظ بھی نکالا یہ گلاس زمین پر نہیں ٹوٹے گا اور اس کانچ کی کرچیاں تمھارے گال میں پیوست ہوں گی سمجھی تم۔

And what i say i make sure to do it!!

ابرش پلوشہ کے مقابل آتی غرائی تھی۔

بھابھی!!عابیر پریشانی سے ابرش کی طرف بڑھی۔

سمجھتی کیا ہو تم خود کو؟؟کوئی سیلف ریسپیکٹ ہے تمھارے اندر کہ نہیں۔تھپڑ مار کر تمھیں زاران نے یہاں سے نکالا تھا۔منہ تک نہیں لگاتا تمھیں وہ!!دیکھتا تک نہیں ہے تمھیں وہ۔ پھر کیوں یہاں پر کس آس پر رکی ہوئی ہو تم یہاں؟؟۔لگتا ہے اس بار دھکے دے

کر ہی تمھیں نکالے گا تو تمھیں تب ہی سمجھ آئے گا۔ابرش پھولتی سانس سرخ چہرے کے ساتھ ایک ایک لفظ چباتے ہوے بولی تھی۔پلوشہ کی باتیں اس کے اندر دہکتا تندور دہکاتے اس کے اعصاب بھاری کر چکی تھی ۔

میں یہاں تمھارا تماشہ بنتا دیکھنے کے لیے رکی ہوئی ہوں۔عنائیہ کے نکاح پر پچھلی بار تماشہ بنتا بنتا رہ گیا تھا۔مگر اس بار عنائیہ کی رخصتی پر یقیناً تم بہت وایلا کرنے والی ہو۔آخر کار تمھارے شوہر تمھارے بھائی اور تمھاری ماں نے عنائیہ کی رحصتی کی رضامندی جو دے دی ہے۔ اس بار بھی تمھیں بغیر بتائے یہ فیصلہ لے لیا گیا ہے۔پلوشہ جوابی کاروائی کرتے کاٹ دار لہجے میں بولی تو ابرش کے قدم ڈگمگائے تھے۔رنگت یکدم فق ہوئی تھی۔

کیا بکواس کر رہی ہو تم؟؟ابرش کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی کرچیوں کی چبھن تھی۔آواز جیسے گلے میں گھٹی تھی۔

بکواس نہیں کر رہی ؟؟ابھی ابھی اپنے کانوں سے سن کر آ رہی ہوں۔کل عنائیہ اور درخزئی کی رخصتی ہے۔پلوشہ کے لفظ ابھی منہ میں تھے۔ابرش اسی لمحے کچن سے تیزی سے نکلتی مردانے کی طرف بڑھی ۔

وہ اب تیز تیز قدموں سے مردانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔شال اس کے ایک کندھے پر لہراتی زمین کو چھو رہی تھی۔گیلے بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔وہ فٹنگ والے سٹایلش سے فراک میں اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت مردانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔پلوشہ اسے پہلے ہی اپنی باتوں سے اندر تک دہکا چکی تھی۔عنائیہ کی رخصتی

کا سن کر اس کے حواص سلب ہو چکے تھے۔۔وہ کسی قیمت اپنی کم عمر بہن کی رخصتی اس ایس پی بھر پور مرد کے ساتھ نہیں ہونے دے سکتی تھی۔جس کی وجہ سے عنائیہ پچھلے دو دن سے کمرے میں بند صرف رو رہی تھی۔اس کے بارہاں پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔اسے پورا یقین تھا عنائیہ کو درخزئی نے بہت بری طرح ہرٹ کیا ہے۔اب وہ رخصتی کروا کر اسے دن رات ہرٹ کرنا چاہتا ہے۔اپنی سوکالڈ مردانگی اس کی کم عمر بہن پر نکالنا چاہتا ہے۔زاران اس کے گھر والے کیسے اس کے بغیر عنائیہ کی رخصتی طے کر سکتے تھے۔عنائیہ کا نکاح طے کرتے وقت اس سے کسی نے پوچھا نہیں!!آج پھر اس کا بھائی ماں اور شوہر پھر سے ایک سائیڈ پر لگا چکے تھے۔یکدم اس کا پاؤں راستے میں رکھے ایک گملے سے ٹکرا

گیا تھا۔درد سے سسکاری اس کے لبوں سے بلند ہوئی تھی۔انگوٹھے کا ناخن ڈیمج ہوتا اس کی جان لبوں پر سجا چکا تھا۔وہ درد سے سسکاری لیتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔اب وہ اپنے انگوٹھے کو جکڑے سسکیوں سے رو رہی تھی۔پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

عنائیہ !!وہ شدت سے اسے پکارتی رو پڑی تھی۔

نہیں ہونے دوں گی تمھارے ساتھ ظلم!!تم میری جان کا ٹکڑا ہو!!تمھارے ساتھ ظلم نہیں ہونے دوں گی۔چاہے مجھے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔اس مسٹر خانزادہ کے مقابل آنا پڑے۔جسے میری ذرا پرواہ نہیں۔۔جسے صرف اپنی سوکالڈ انا پیاری ہے۔نہیں چھوڑوں گی اس مسٹر خانزادہ کو ہمارا مالق بن کر ہمارے فیصلے کرتا پھرتا ہے۔نہیں وہ میرا مالک ۔نہ میں اس کی حق ملکیت ہوں۔نہ

ابرش پاشا اب اس سے وہ جنونی پاگلوں کی طرح محبت کرتی ہے کہ اس کا ہر ظلم برداشت کرے گی۔ابرش نے روتے ہوے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے صاف کیے تھے۔

مسٹر خانزادہ اس بار تمھیں ابرش پاشا کی نفرت سے پاش پاش ہونا پڑے گا۔ اب تمھارے سامنے میرا عشق نہیں میری نفرت کھڑی ہو گی ۔جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکو گے۔ ابرش اپنے وجود میں اٹھتے درد پر قابو پاتے ہوے زمین سے بمشکل اٹھی تھی۔ گہرے سانس لیتے اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوے اس نے دیوار کو جکڑا۔ انگوٹھے کا ناخن بری طرح متاثر ہوا تھا۔ درد نے جیسے پورے وجود کو جکڑ لیا تھا۔ اس نے گہرے سانس لیے۔ جب جب

اسے منسٹر درد دیتا تھا۔ تب تب ہی اس کے بدن کے کسی نہ کسی حصے پر چوٹ ضرور لگتی تھی۔اس منسٹر کی وجہ سے پہلے بھی کئی بار اس کا انگوٹھا متاثر ہوا تھا۔دل کا درد اتنا شدید ہوتا تھا کہ اس کا جسم کا حصہ بھی اسے چوٹ دینے میں پیچھے نہیں رہتا تھا۔اب دل کے ساتھ ساتھ اس کے پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

وہ اپنے انگوٹھے کے درد پر قابو پاتے بے حس بنی تیز تیز قدموں سے چلتی مردانے کی طرف بڑھی۔

وہ مردانے کی رہداریوں سے گزرتے ہوے مردانے کے بڑے سے لاونج میں داخل ہوئی جہاں سب مرد حضرات بیٹھک لگا کر بیٹھے تھے۔

مردانے میں موجود سب مرد اسے دیکھ کر حیران ہوتے سرخ چہروں کے ساتھ نظریں جھکا گئے تھے۔ سمیع اللہ ابرش کو مردانے میں کھلے بالوں بغیر وجود کے ڈھکے دیکھ کر اپنی لاٹھی پر دباؤ ڈالتے نظریں جھکا گئے تھے۔رنگت میں طیش او الم کی سرخیاں چھائی تھیں۔درید خان اربد خان کے چہرے بھی سرخ تھے۔ ارحام خانزادہ اسفند یار خان شہرام خان درخزئی خانزادہ نے کسی نے بھی ایک نظر اٹھا ابرش کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ سب نظریں جھکائے ہوے تھے۔

مردانے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔

مگر رنگت میں سرخیاں سب کی گھلی ہوئی تھیں۔ آہل نے پریشانی سے ابرش کو دیکھتے اپنی سٹک کو کانپتے ہاتھ سے جکڑتے ہوے

زاران کو دیکھا۔جس کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔ وہ خون اتری آنکھوں سے مٹھیاں دبوچتے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔ ابرش کو مردانے میں اس حلیے میں سب کے سامنے دیکھ کر اس کے وجود میں آگ بھرپا ہوئی تھی ۔گردن اور ماتھے کی نیلی رگیں ظاہر ہوئی تھی۔ زاران کی خون اتری آنکھیں دیکھتے ابرش کے وجود پر اسی لمحے کپکپی طاری ہوئی تھی۔ بہت عرصے بعد اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ایسی خون اتری آنکھیں دیکھی تھیں۔ابرش نے جلدی سے اپنی شال اپنے سر پر اوڑھتے اپنے بالوں اور اپنے وجود کو ڈھکا ۔

ممم۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔کک۔۔کچھ۔۔۔بب۔۔۔بات۔۔۔

کرنی۔۔۔ہے۔۔۔ زاران کی خون اتری آنکھیں خود پر گھڑی محسوس

کرتے اس کی آواز حلق میں گھٹی تھی۔قدموں نے زمین پر کھڑا رہنے سے انکار کیا تھا۔زاران کی خون اتری آنکھوں سے اسے شدید خوف محسوس ہوا تھا۔وہ زاران یاد آیا تھاجب نکاح سے پہلے اس نے مردانے میں قدم رکھا تھا۔تب بھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایسی ہی سرخی چھائی تھی ۔اس کا مارا گیا تھپڑ یاد آیا تھا جو اس نے سب کے سامنے مارا تھا۔تھپڑ جتنا شدید تھا تذلیل کا احساس اس سے بھی شدید تھا ۔بدن اور روح دونوں زخمی ہوے تھے۔وہ زاران کو اتنے اشتعال میں دیکھتے کئی قدم پیچھے ہوتے اپنے عارض پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔زاران جبڑے بھینچتے صوفے سے اٹھتے اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے مردانے سے نکل آیا تھا۔

ابرش اس کی فولادی گرفت میں گھسٹتے ہوے اس کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔۔شال ایک بار پھر سے اس کے سر سے پھسلتی اس کے کندھے پر لہرا رہی تھی۔

زاران ۔۔۔مم۔۔۔۔۔مجھے۔۔شال۔۔۔اوڑھنے۔۔دو۔۔ابرش نے اپنی شال سینے سے جکڑتے ہوے کپکپاتے لبوں سے التجا کی۔

وہ اسے اسی لمحے دیوار میں پٹخ گیا تھا۔

ضرورت نہیں یہ چادر اوڑھنے کی۔وہ اسے دیکھتے غرایا۔

کک کیا مطلب؟؟ابرش اسے اتنے غصے میں دیکھتے روہانسی ہوئی تھی

ضرورت نہیں یہ چادر اوڑھنے کی۔وہ اسے دیکھتے غرایا۔

کک کیا مطلب؟؟ابرش اسے اتنے غصے میں دیکھتے روہانسی ہوئی تھی

مطلب یہ جہاں یہ چادر تمھارے وجود پر ہونی چاہیے تھی۔جب وہاں نہیں تھی اب بھی رہنے دو!!اتار کر پھینک دو اس پردے کو۔

زاران ابرش کے وجود سے ایک جھٹکے سے شال اتار گیا۔

زاران!!ابرش نے بے یقین ہوتے اردگرد نگاہیں دوڑائیں وہ لوگ اس وقت مردانے میں ہی تھے۔

مت دیکھو ایسے؟؟میرے بھائی بابا ابھی ادھر مر کر بھی رخ نہیں کریں گے۔ جیسے کسی نے تمھیں نگاہ بھر کر نہیں دیکھا بلکہ نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس عزت کی وجہ سے وہ تمھیں دیتے ہیں۔ تمھاری عزت وہ اس لیے نہیں کرتے کہ تم ایک عورت ہو۔ بلکہ

اس لیے کرتے ہیں تم میری عزت ہو !!زاران نے ایک ہاتھ اس کے ایک طرف رکھے دوسرا ہاتھ بے دردی اپنے سینے پر مارا تھا ابرش نے سسکتے ہوے اسے دیکھا تھا۔

مرد ہوتے ہوے ان میں اتنی شرم لحاظ ہے ۔مگر عورت ہوتے تم میں ذرا شرم لحاظ نہیں۔۔زاران کی بات پر ابرش تڑپ اٹھی تھی۔

یہ تت۔۔۔ تم۔۔ آپ۔۔۔کک۔۔کیا کہہ رہے ہیں؟؟۔ابرش اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی۔

کیا کہوں پھر بتاؤ مجھے؟؟شرم و لحاض والی عورت!!بتاؤ مجھے کیا کہوں تمھیں؟؟وہ اس کے اطراف میں مکہ مارتے دھاڑا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ آپ۔۔۔ سے۔۔۔ بات ۔۔۔کرنے۔۔۔ آئی۔۔۔ تھی۔ابرش اسے اتنے غصے میں دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھتے رو پڑی ۔

بات کرنے آئی تھی تم؟؟یہ کونسا طریقہ تھا کہ اپنی چادر ہی لینا بھول جاؤ تم؟؟کب سے ہو میرے ساتھ ہاں؟؟ایک سال پہلے میرے نکاح میں آئی تم؟؟جان چکی ہو گی ہم پٹھانوں کو؟؟نہیں برداشت کرتے ہم اپنی عورتوں کے سر اور تن سے اتری چادر !!وہ اس پر جھکے غرایا۔

زاران۔۔۔ابرش اس کی خون اتری آنکھیں دیکھتے شدت سے رو دی تھی۔

بتاؤ مجھے ابرش؟؟اس کے علاوہ کیا ڈیمانڈ کی میں نے تم سے؟!کیا پابندیاں لگائیں تم پر؟؟تم آ جاتی مردانے میں مگر اپنا تن اور سر

ڈھک کر آتی۔مجھ سے بات کرنی تھی ناں تم نے تو کسی ملازمہ کے ہاتھ پیغام بجھواتی آ جاتا میں؟؟تم یوں اس حلیے میں آئی؟جہاں میرے بھائی بیٹھے تھے۔میرے بابا میرے چچا میرے دا جی سب وہاں پر موجود تھے۔تم پر پڑنے والی سب کی ایک نظر پر میری نظریں جیسے ان کے سامنے اٹھنے کے قابل نہیں رہیں۔زاران اس کی گلابی متورم آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے آنچ دیتے لہجے میں بولا تھا۔ابرش اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے رو رہی تھی۔وہ اتنا زیادہ ری ایکٹ کرے گا اسے اندازہ نہ تھا۔مقابل کی خون اتری آنکھیں اس کے رگوں میں دوڑتے خون کو منجمند کر رہی تھیں۔

look at your self

زاران نے لفظ چباتے اس کے وجود کی طرف اشارہ کیا۔

ابرش صرف سسکتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

Look at your own existance my Besharam wife

زاران نے اس کا جبڑہ دبوچتے اس کا چہرہ ڈاؤن کیا تھا۔

ابرش اپنے گیلا بدن سے چپکا فراک دیکھ کر آنکھیں میچ گئی ۔۔

نہیں دیکھ سکی ناں خود کی طرف!!سوچو میں نے کیسے برداشت کیا ہو گا۔ہمیشہ تمھیں اپنی تکلیف اپنا خسارہ نظر آیا۔میں کیا سوچتا ہوں میں تمھارے جذباتی ایکٹ سے کتنی تکلیف محسوس کرتا ہوں تم نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ تمھیں بہزاد کے پاس دیکھ کر مجھے کیسا لگا۔

زاران!!ابرش زاران کے منہ سے بہزاد کا نام سن کر ہذیانی چیخ اٹھی تھی۔وہ مقابل کے لبوں سے یہ طعنہ نہیں سن سکتی تھی۔

ہوئی تکلیف ؟؟مجھے بھی ہوتی ہے جب جب وہ پل سوچتا ہوں۔جب وہ تمھارا ہاتھ پکڑ جنگل میں بھاگ رہا تھا۔میری بیوی اس وقت داغدار کپڑوں میں تھی۔۔پورے کپڑے خون سے بھرے تھے یاد ہے ناں تمھیں اپنی حالت؟؟زاران اس کے اطراف میں ہاتھ مارتا غرایا۔

ابرش منہ پر ہاتھ جمائے سر نفی میں ہلاتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ پوسٹرز تمھارے ۔زاران اپنے بال جکڑے اب نم سی ہنسی ہنسا تھا۔

جانتا ہوں تمھاری غلطی نہیں تھی اس میں!!وہ تب کے تھے جب تم میرے نکاح میں نہیں تھی ۔مگر میرے دل میں تو رہتی تھی ناں تب بھی۔وہ اپنے سینے پر مکے مارتے ہوے بولا۔

بہت محبت کی ہے تم سے!!اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی۔زاران خانزادہ کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی تم !!اپنی عورت کو لے کر یہی خیالات تھے میرے کہ وہ زاران خانزادہ کا جنون بنے گی۔بچپن سے عادت ہے میری فطرت کہہ لو!اپنی چیز کسی کے پاس برداشت نہیں کر سکتا۔

اسفند پر جان دیتا ہوں میں۔ مگر میری پنسل بھی وہ استعمال کرتا تھا تو برداشت نہیں کرتا تھا۔۔ایسا ہی ہوں اپنی چیزوں کو لے کر میں پوزیسو!!سوچو تمھارے بارے میں کتنا پوزیسو میں ہوں گا؟؟زاران

نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں زخمی لہجے میں پوچھا۔

تم نہیں جان سکتی ابرش پاشا!!تم نہیں جان سکتی کیونکہ تم نے زاران خانزادہ کی پوزیسونیس رہنے ہی نہیں دی۔ورنہ تمھیں زاران خانزادہ سات پردوں میں چھپا کر اپنے دل میں ایسے رکھتا کہ کسی مرد تو دور کی بات عورت کی نظر بھی پڑنے نہ دیتا۔زاران کی بات پر وہ اسے گلابی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔ وہ اس کے دل میں اب نہیں رہتی تھی وہ جانتی تھی۔۔

مجھ جیسے انسان کے لیے یہ سب سہن کرنا کتنا مشکل ہو گا۔ کبھی سوچا تم نے کہ میں کیسے ان سات مہینوں میں تل تل مرا۔ زاران اپنے بال مٹھی میں دبوچے کرب امیز لہجے میں بولا۔

آپ ۔۔سب ۔۔۔چیزوں ۔۔۔کے۔۔ ذمہ۔۔ دار ۔۔۔تت۔۔۔تم ۔۔تم۔۔۔مجھے نہیں۔۔۔ ٹھہرا ۔۔۔سکتے۔جو کچھ ہوا اس میں میری کوئی غلطی نہیں تھی ۔اگر تم مجھے یہاں رکھتے تو میں بھی سات پردوں میں چھپ کر رہتی۔ابرش نے اس کے دل کے مقام پر انگلی رکھی۔

مگر۔۔۔ تم۔۔۔آپ۔۔۔ نے ۔۔۔مجھے۔۔۔ یہاں۔۔ رکھا!!ابرش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے اس کا مضبوط ہاتھ جکڑتے اپنے کانپتے ہاتھ سے اس کی ہتھیلی بند کی۔ اپنی بند مٹھی میں رکھا مسٹر خانزادہ تم نے ابرش پاشا کو۔۔جہاں سانس گھٹ گھٹ کر آتی تھی۔۔ابرش پاشا کو اگر سچ میں یہاں رکھتے آج یوں ابرش پاشا پر چلا نہ رہے

ہوتے۔ابرش کانچ سے ٹوٹے لفظوں سے بولتے زاران کی سرخ آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھ گئی۔

محبوب کی بند مٹھی کیا یا دل کیا مس امریکہ؟؟وہ اس کی گلابی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ ہنسا۔ا

جس کو رہنا ہو وہ کہیں بھی رہ لیتا ہے۔زاران استھزائیہ لہجے میں بولتے ابرش کی گلابی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

ابرش پاشا کبھی ابرش خانزادہ بنی ہی نہیں ۔وہ کیا رہتی زاران خانزادہ کے دل میں؟!۔زاران خانزادہ اب تلخی سے مسکرایا تھا۔

اگر دل میں نہیں رہتی نکال باہر کرو مجھے اور میری بہن کو اس حویلی سے تاکہ عنائیہ ایک اور ابرش پاشا نہ بنے۔ہم بلڈی سک ومینز تم جیسے عظیم خانزادوں کے لایق نہیں۔۔دے دو بھرے جرگے میں طلاق ہم دونوں بہنوں کو جیسے تمھارے عظیم لالا نے طلاق۔۔۔۔۔.

ابرش !!زاران نے چیختے ہوے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔۔زاران کا ہاتھ معلق ہوا ہاتھ اور اس کی گردن اور پیشانی کی پھولتی رگیں دیکھ کر ابرش ہراساں ہوتے دیوار میں سمائی تھی۔۔

زاران نے جبڑے بھینچتے ہوے اس کے کپکپاتے وجود کو دیکھا تھا۔دوسرے لمحے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی شال اس کے وجود پر اچھی طرح اوڑھاتے اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے

مردانے سے ہوتا زنان خانے کی طرف بڑھ گیا۔۔زنان خانے میں اس وقت سب موجود تھے۔وہ سب کو نظر انداز کرتے ابرش کی کی کلائی جکڑے سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے ہوے زاران اسے بازو سے جکڑے صوفے پر دھکیل گیا۔اس سے پہلے ابرش صوفے سے اٹھتی وہ اپنا ایک گھٹنہ صوفے پر رکھتے اس پر جھکا۔

اب بتاؤ کیوں آئی تم مردانے میں کیوں آئی؟؟زاران اس پر جھکے اس کا جبڑہ دبوچتے غراتے ہوے پوچھا۔

تت۔۔ کک۔۔ کیسے۔۔ عنائیہ۔۔۔ کی۔۔ رخصتی۔ کا فیصلہ تم لے سکتے ہو؟؟ابرش نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے جواب چاہا تھا۔۔

زاران اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے تاسف سے سر نفی میں ہلاتے اس کا جبڑہ ایک جھٹکے سے چھوڑ گیا۔

ابرش پیچھے کو کھسکتی صوفے کے بازو کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

زاران اب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔میں جذباتی ہوں بلڈی سک وومین ہوں آپ کے نزدیک؟؟میں کھلے بالوں کے ساتھ مردانے میں آئی۔ مگر تب جب اس پلوشہ نے مجھے بتایا کہ کس طرح آپ سب نے میری عنائیہ کی رخصتی طے کر دی ہے۔ کیا کرتی میں؟؟عنائیہ کے ساتھ یہ ظلم ہونے دوں۔کیا مجبوری آ گئی؟؟جو میری سولہ سالہ اتنی کم عمری بہن کی رخصتی کر رہے

ہیں۔اس درخزئی خانزادہ کے ساتھ!!کیونکہ اس کی جوانی نہیں سنبھل رہی۔

اور آپ سب خانزادوں کو اس کی ڈھلتی جوانی پر ترس آ گیا ہے۔ جو میری کم عمر بہن کی رخصتی کروا رہے ہیں۔وہ اب دن رات اس ایس پی کو بستر پر سہے گی؟؟۔کیوں کر رہے ہیں عنائیہ کے ساتھ یہ ظلم۔ابرش نے زاران کو چکر لگاتے دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیختے ہوے سوال کیے۔

تمھارے نزدیک رخصتی نکاح کا مقصد یہی ہے کہ مرد عورت کی قربت؟؟بستر پر ایک دوسرے کی ضرورت؟؟زاران نے رکتے ہوے اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتے ہوے سوال کیا۔

ابرش زاران کے سوال پر صوفے سے اٹھتے زاران کے مقابل ہوئی

۔

مسٹر خانزادہ 23 سال کی ہوں میں !!29 سال کے آپ ہیں۔مرد عورت کی اس بیسک نیڈز کو آپ سمجھ کر انجان نہیں بن سکتے۔مرد عورت سے نکاح اس لیے نہیں کرتا کہ اسے ایک شوپیس کی طرح سجا کر اپنے کمرے میں رکھ دے۔مرد عورت سے نکاح صرف اپنی جایز ضروت پوری کرنے کے لیے کرتا ہے۔اپنی نسل بڑھانے کے لیے نکاح کرتا ہے۔یہ کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں چل رہا جس میں نکاح میں ہوتے ہوے بھی مسٹر ایس پی اپنی بیوی سے اپنا حق نہیں لے گا۔ایک کمرے ایک حویلی میں رہتے ہوے وہ اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا۔سنا ہو گا ایک غیر محرم مرد عورت کے

درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔بھکنے پر آئے تو مرد غیر محرم عورت کو دیکھ کر بھکتے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔تو مسٹر درخزئی خانزادہ کیسے رہے گا اپنی جوان جہاں خوبصورت بیوی کے بغیر!!جس پر وہ حق رکھتا ہے۔

ایک رات نہیں نکال سکے گا وہ ۔میری بہن اپنے خواب سب کچھ چھوڑ کر درخزئی خانزادہ کو دن رات سہے گی اور پھر اس کے بچے پیدا کرے گی۔اور میری طرح اسے بھی گھسٹتے ہوے یہاں سے وہاں لا کر پٹخا جائے گا۔اور جس طرح آپ کی محبت صرف بستر پر جاگتی ہے اس طرح وہ ایس پی بھی آدھی رات کے پہر میری بہن کو اپنی بانہوں میں لیتے سانسوں سے مدھم سرگوشیاں کرتے اس کی اہمیت جتائے گا۔ اور دن کی روشنی میں وہ بھول ہی جائے گا اس کی

بیوی اس سے کیا چاہتی ہے؟ !کیونکہ رات کو مرد بن کر تو وہ بستر پر کمرے کی درو دیوار ہلاتے اس پر اتنی مردانگی کی دھاک بٹھا کر اسے باور کروا چکا ہو گا کہ وہ مرد ہے۔اب عورت جیے یا مرے اسے کیا پرواہ؟؟ابرش زاران کے مد مقابل کھڑے ہوتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولی تھی۔

تمھارے نزدیک تم اور تمھاری بہن بہت مظلوم ہو؟؟ عنائیہ بہت کم عمر ہے ۔زاران نے ابرش کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے آئی برو اچکاتے استھزائیہ لہجے میں استفسار کیا۔

کیا نہیں ہے وہ معصوم نہیں ہے وہ کم عمر ؟؟عنائیہ کی جگہ عابیر ہوتی پھر بھی یہ سب کہتے ؟۔اس طرح اس کی رخصتی کرتے۔ابرش نے جواباً ہچکی لیتے استفسار کیا۔

عابیر عنائیہ کی جگہ کبھی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ عابیر میری بہن ہے اور عنائیہ تمھاری بہن!!زاران کے استھزائیہ لہجے اور بات پر وہ سر نفی میں ہلاتے زخمی ہنسی تھی ۔

عنائیہ میری بہن نہیں ہے یہ بات تم نے کہی تھی اور آج میں مانتا ہوں!!بہن صرف اپنی ہوتی ہے۔عابیر ہی میری بہن ہے جس کی رگوں میں وہ خون دوڑ رہا ہے جو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔اس لیے آج سے ابھی سے میرا تمھارے بہن بھائیوں تمھاری ماں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔زاران سرد برفیلے لہجے میں بولتے ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن کئی گنا بڑھا چکا تھا۔

بلکہ اس دن سے ہی جس دن تم نے عنائیہ کو حویلی سے بھگایا تھا۔ میں عنائیہ سے آہل سے زحلے پھوپھو پر اپنا حق ختم کر چکا ہوں

۔جو کبھی میں تمھاری وجہ سے ان پر اپنا حق گردانتا تھا۔ آج بھی مردانے میں بیٹھا میں کسی بات میں نہیں بولا ۔۔آہل کی کسی بات کا جواب نہیں دیا جب وہ مجھ سے عنائیہ کی رخصتی کے متعلق استفسار کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ ارحام لالا کے حکم پر ہوا ہے اور جس میں زحلے پھوپھو عنائیہ آہل نے خود رضامندی ظاہر کی ہے۔میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا چاہو تو جا کر اپنے بھائی اور اپنی ماں سے پوچھ لو۔زاران کے سپاٹ اجنبیت بھرے لہجے پر ابرش نے گہرے سانس لیے تھے۔۔آنکھیوٗ شدت گریہ سے گلابی ہوئیں۔

ارحام لالا کون ہوتے ہیں میری عنائیہ کے بارے میں فیصلہ لینے والے بولو ہاں؟اور آپ میری بہن کا نکاح دھوکے سے کروا کر

کیسے اب ہم سب پر سے اپنا حق ختم کر سکتے ہیں۔وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے پاگل ہوتے جیسے استفسار کر گئی تھی۔اس کا اجنبیت بھرا لہجہ اس کے اندر آگ بھڑکا گیا تھا۔دل میں اندھیوں کے جکڑ چلے تھے جیسے!!

تمھارے گھر والوں پر اپنا حق ختم کیا ہے تم پر نہیں کیا۔نہ کبھی کروں گا۔تم خود کو ابرش پاشا کہو یا بلڈی سک وومین! رہو گی تو ہمیشہ میری ہی!!جب جب ایسے خود کو عیاں کرو گی ایسے ہی گھسیٹتے لاؤں گا۔مگر اگلی بار تم نے خود کو کسی بھی سچویشن میں عیاں کیا۔ گھسیٹتے ہوے لا کر اس بند کمرے میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں اس کی گارنٹی میں نہیں دیتا۔آیندہ میں یہ چادر تن سے اتری نہ دیکھو۔اس کمرے میں تم جیسے چاہو رہو۔۔چیخو چلاؤ مگر

آیندہ تم نایٹی میں یا تمھیں بغیر سر ڈھکے اس کمرے سے باہر دیکھا تو تم میرا وہ غضب دیکھو گی جو آج تک چاہ کر بھی دکھا نہیں سکا۔مگر ہر بار ایسا نہیں ہو گا یاد رکھنا۔ زاران تنبیہ آواز میں غرایا۔

کیا کرو گے مجھ سے لاتعلق ہو جاؤ گے؟؟جیسے دو دن سے کمرے میں نہیں آئے یا پھر سات مہینے تک لاتعلق ہو جاؤ گے۔جیسے مجھے روتا بلکتا میرے گھر پھینک آئے تھے۔ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔۔

تم سے لاتعلق ہمیشہ اس لیے ہوا۔ کیونکہ جتنا غم و اشتعال غصہ تم مجھے میرے اندر برپا کرتی ہو۔اگر غلطی سے بھی تمھارے قریب آ جاؤں تو تمھارا وجود نہ رہے۔ تمھیں ہرٹ نہ کردوں تم سے لا تعلق ہونے کی وجہ ہمیشہ یہی رہی۔ مگر اب غلطی سے بھی تم نے

غلطی کی تمھارا وجود نہ بھی رہے کوئی غم نہیں۔ مگر زاران خانزادہ کی عزت کو اب کچھ نہیں ہونا چاہیے سمجھی تم!!زاران برفیلے دھمکی امیز لہجے میں پھنکارتے ہوے اپنے بھاری قدموں کی بھاری دھمک سے دروازے کی جانب بڑھا۔

آپ بھی ایک بات سمجھ لیں مسٹر خانزادہ!!عنائیہ کی رخصتی کسی قیمت نہیں ہو گی۔۔آپ میری بہن کے ساتھ نہ کھڑے ہوں مگر میں اپنی فیملی کو کبھی تن تنہا نہیں چھوڑوں گی۔میرا بھائی معذور ہے۔بے بس سا آپ سب خانزادوں کے درمیان بیٹھا تھا دیکھا میں نے!!اس نے کیا فیصلہ لیا ہو گا ؟؟وہ تو مرعوب ہے آپ خانزادوں کی دولت یہ بڑی شاندار سی حویلی اور اس حویلی کے کارپورچ میں !!کھڑی قیمتی گاڑیوں کو دیکھ کر

مگر میں نہیں ہوں مرعوب۔ میرے نزدیک دو ٹکے کی بھی اوقات نہیں اس پیسے اس عیش و عشرت کی میرے ۔۔اپنی بہن پر ظلم میں نہیں ہونے دوں گی۔اب کی بار وہ کسی احسان تلے نہیں دبے گی۔اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا سمجھے آپ!ابرش کی باتوں پر وہ مٹھیاں بھینچتے خود پر قابو پا رہا تھا۔

ابرش زاران کی چوڑی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے واش روم کی طرف بڑھی ۔زاران اپنی شال گلے میں جھٹکتے ہوے اسی لمحے تیز تیز قدموں سے واش روم کی طرف بڑھا

ابرش نے واش روم میں داخل ہوتے شاور آن کیا ہی تھا۔زاران اسی لمحے اسے بازو سے جکڑے شاور کے نیچے کھڑا کرتے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔

زاران !!ابرش بھیگتے ہوے روتے ہوے چیخی تھی۔وہ اسے سختی سے بازو سے جکڑے دیوار کے ساتھ لگائے ہوے تھا۔

اس طرح نشہ اتارا جاتا ہے ایک نشئی کا جو ساری رات شراب پی کر سوجاتا ہے ۔تمھارا نشہ اتر جائے یہ پانی تمھارے سر پر بہنا ضروری ہے۔زاران اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے دیوار میں سمائے غرایا۔

جب نشہ دور ہو گیا تم کچھ سمجھنے کے قابل ہوئی تو مجھے بتانا پھر تمھیں کچھ دکھاؤں گا۔ اسے دیکھتے ہی جھٹ سے تم ہوش میں آ جاؤ گی۔زاران لفظ چباتے استھزائیہ مسکرایا۔

ابرش گہرے سانس لیتے بھیگتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی دونوں پر روف شاور کا نیم گرم پانی گر رہا تھا۔

دیر نہیں کرنی چاہیے تمھیں دکھا ہی دینا چاہیے تاکہ نشہ اتر جائے تمھارا۔ جو بن پیے تم پر خماری طاری کر چکا ہے۔زاران نے طنزیہ کہتے اپنی قمیض کی پاکٹ سے موبائل نکال کر اس میں ایک ویڈیو چلا کر موبایل ابرش کے سامنے کیا۔

ایس پی درخزئی خانزادہ قانون کو ہاتھوں میں لے کر اپنی بیوی کو !! بار سے نکال کر لائے۔ جو وہاں بیٹھی شراب پی رہی تھیں۔ڈرگز لے رہی تھیں۔ایس پی درخزئی خانزادہ جو خود کو ایماندار پولیس والا کہتے ہیں جب بات اپنی بیوی پر آئی تو اپنی ہی وردی پر ہی داغ لگانے کا باعث بن گئے۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ایس پی درخزئی خانزادہ کیا خود بھی اس گھناؤنے کام میں ملوث ہیں؟؟۔کیا وہ یہ سب کچھ اپنی کم عمر خوبصورت بیوی سے خود کرواتے

ہیں؟!۔سکرین پر ایک نیوز رپورٹر بے رحمی سے تجزیہ کر رہی تھی۔ایک طرف درحزئی اور عنائیہ کی فوٹیج چل رہی تھی۔جب وہ گولی لگے بازو کے ساتھ زخمی اسے کلائی سے پکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ابرش بے یقینی سے یہ سب دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھے ہوے تھی۔۔

عنائیہ۔۔۔ میری۔۔ عنائیہ۔۔ ڈرنک۔۔ نہیں۔۔۔ کرتی۔وہ ڈرگز نہیں لیتی۔۔ابرش حلق کے بل چیخی تھی۔

نہیں یقین آ رہا مجھے ۔دلاؤ مجھے یقین وہ بار میں بیٹھی ہوئی تھی ۔کیسے یقین کروں وہ ڈرنک نہیں کرتی ڈرگز نہیں لیتی۔۔زاران نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

زاران۔۔میں۔۔سچ ۔۔۔ کہہ۔۔۔رہی۔۔۔ہوں

۔۔میرا۔۔یقین.۔۔کریں۔۔میری۔۔بہن۔۔۔ایسا۔۔نہیں۔۔کر۔۔

سکتی۔۔ہم۔۔لوگ۔۔امریکہ

۔۔میں۔۔رہے۔۔ہیں۔۔بہت۔۔برے۔۔۔حالات۔۔تھے۔۔مگر۔۔

شراب۔۔۔یہ۔۔۔سب۔۔۔کچھ۔۔نہیں۔۔کیا۔۔۔مم۔۔میں۔۔عنا

ئیہ۔۔ماڈ۔۔ڈریسنگ۔۔۔ضرور۔۔کرتی۔۔تھیں۔۔مگر۔۔ڈرنک۔۔ڈر

گز۔۔۔بوائے۔۔فرینڈ۔نہیں۔۔تھے۔۔آپ۔۔سے۔۔پہلے۔۔۔تو۔۔

کسی۔۔مرد۔۔نے۔۔میرا۔۔ہاتھ۔۔تک۔۔نہیں۔۔پکڑا۔۔۔تھا۔۔۔

عنائیہ۔۔بھی۔۔۔ایسی۔۔ہے۔۔بہت۔۔معصوم۔۔ابرش نے ٹوٹے

لفظوں سے بولتے ہچکیاں بھرتے زاران کی شال مٹھیوں میں

جکڑے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

نہیں آ رہا یقین وہ بار میں بیٹھی تھی کیسے یقین کروں اس پر؟؟زاران خانزادہ بے رحمی سے بولا۔

کیوں نہیں کر سکتے وہ آپ کی بھی بہن ہے؟۔ابرش روتے ہوے چیخی تھی۔ وہ میری بہن نہیں ہے بہت بار تم جتا چکی ہو۔اور مجھے بتاؤ تم مجھے یوں کسی عورت کے پاس تن تنہا کمرے میں دیکھو تو کیا مجھ پر یقین کرو گی۔زاران کی بات پر وہ گہرے سانس لیتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

بہت بار تم پلوشہ ستارہ کو لے کر مجھ پر الزام لگا چکی ہو۔

ستارہ کے ساتھ کافی شاپ پر بیٹھے دیکھ کر تم نے اس کے ساتھ میرا افیر بنا دیا۔پھر تم میرے پیچھے پارٹی میں چلی آئی اور کہا مجھے منہ مارنے کی عادت ہے۔

کیونکہ جو تم نے دیکھا اور پھر وہی سوچا جو تم سوچنا چاہتی تھی۔مجھے تم نے کیا ستارہ کے ساتھ محبت بھری جیٹ کرتے ہوے دیکھا یا پھر

intimate

ہوتے دیکھا بتاؤ مجھے۔

اس سب میں وہ ستارہ کہاں سے بیچ میں آ گئی۔ابرش اس کی شال کو جکڑے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے سرد و سپاٹ لہجے میں بولی۔اس کی

intimate

ہونے والی بات پر وہ جیسے پاگل ہوئی تھی۔پورے وجود میں بھڑ بھڑ بھانبڑ جلے تھے ۔

آئی نہیں میں لایا ہوں اسے مائی بیوٹیوفل وایف!!جب تم اپنے شوہر کے متعلق غلط سوچ سکتی ہو تو تمھیں کیا لگتا ہے یہ دنیا تمھاری بہن کو شریف سمجھے گی۔نہیں سمجھے گی۔سب اسے مجرم سمجھ رہے ہیں۔اگر نہیں بھی ہے تو میڈیا چیخ چیخ کر اسے ثابت کر دے گا۔لیکن ایک انسان ہے جو ڈٹ کر کھڑا ہے اسے بے گناہ ثابت

کرنے کے لیے ۔جانتی ہو وو کون ہے؟؟زاران نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

کون؟!ابرش نے ہچکی لیتے سوال کیا۔

وہ دو نمبر ایس پی خرانٹ مرد !!زاران نے ابرش کی بھیگی آنکھیں دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

وہ تن تنہا کھڑا ہے اس وقت اس کے ساتھ؟؟کسی کی ہمت نہیں ہوئی کوئی اس سے عنائیہ کے بارے میں ایک سوال بھی پوچھ سکے۔اسے طعنہ بھی مار سکے۔کیونکہ عنائیہ کے ساتھ درخزئی خانزادہ کھڑا ہے اسی لیے پولیس اسے ہاتھ نہیں لگا سکی۔۔زاران اپنے لفظوں پر زور دیتے بولا تو ابرش کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال

میں آضافہ ہوا تھا۔وہ اس کی شال جکڑے بری طرح رو رہی تھی

۔

اور وہ اس بار میں پہنچی تمھاری وجہ سے!!زاران کی بے رحم بات پر ابرش کو جیسے چکر آیا تھا۔

میری وجہ سے ؟ابرش نے اپنے سینے پر فنگر رکھتے روتے ہوے پوچھا۔

ہاں تمھاری وجہ سے!!تم نے اسے تن تنہا امریکہ بھگانے کی کوشش کی۔اس کے محرم رشتوں پر تمھیں اعتبار نہیں تھا۔مگر اپنے دوست مائیکل پر اعتبار تھا۔

مائیکل کا نام لیتے ہوے زاران کی آنکھیں مزید سرخ ہوئی تھیں۔وہ اپنی انگلیاں ابرش کے بازو میں بے دردی سے گاڑھ گیا تھا۔مائیکل اس کا دوست رہ چکا ہے۔۔جب سے اس نے یہ بتایا تھا وہ اندر سے انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند دہک رہا تھا۔مقابل پر سب سے زیادہ غم و غصہ اسی بات پر تھا۔ جب اس نے دھڑلے سے مایئکل کو اپنا دوست کہا۔ دو دن سے وہ اندر سے جل رہا تھا۔

۔دماغ میں تپش کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں

ابرش سی گرین کلر کی بے حد خوبصورت ایکسپینسو برینڈڈ ویلوٹ کی میکسی میں ملبوس تھی۔بالوں پر گرین زرقون کی ماتھا پٹی سجائی ہوئی تھی۔

آنکھوں پر گرین سموکی میک اپ کیا ہوا تھا۔ آنکھوں میں

smudge

گہرا سیاہ کاجل لگایا ہوا تھا۔ لبوں پر نیوڈ چمکتی کریمی لپ سٹک پر اسی کلر میں لپ گلوز لگایا ہوا تھا۔ عارض کو ہائی لایٹ کیا گیا تھا۔ چاکلیٹی سیاہ بال کمر پر لہرا رہے تھے۔ گرین زرقون کا بے حد خوبصوت چوکر اس نے پہن رکھا رکھا تھا۔ ساتھ میں ناف تک بے حد خوبصورت مالا پٹی پہن رکھی تھی۔ کانوں میں زرقون کے خوبصورت سے ٹاپس پہن رکھے تھے۔ میکسی بے حد فٹنگ میں تھی۔ اس کے کندن نشیب و فراز میکسی کی فٹنگ میں بہت زیادہ نمایاں ہو رہے تھے۔۔ میکسی فل گھیرے دار تھی جس کے فلیر پر بہت ہیوی کام ہوا تھا۔ سلیوز پیٹی اور گلہ بلکل سمپل تھا۔ جس کی وجہ سے اس پر پہنی جیولری بہت اٹھ رہی تھی۔ ابرش ڈریسنگ مرر میں خود کو دیکھتے گرین کلر کی کانچ کی چوڑیاں پہن رہی تھی۔ زاران واش روم سے بلیک ٹراوزر میں

ملبوس شرٹ لیس باہر آیا تھا۔ وہ اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے مرر کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم ٹھٹھک کر رکے تھے۔ قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تھا۔ دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ کر اس کی حالت بری ہوئی تھی۔ وہ کچھ پل کے لیے سانس لینا بھول گیا تھا۔

زاران خانزادہ کی نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے سے ہوتی اس کے خوبصورت قیامت بدن پر جا ٹھہریں تھیں۔

اس کے نشیب و فراز بل کھاتی کمر اور کمر پر بکھرے سلکی سٹیرٹ بالوں کو دیکھتے اس کی دل کی دھڑکنیں مزید بے قابو ہوئیں تھیں۔ وہ بے حد گہری نگاہوں سے اس کا جایزہ لے رہا تھا۔

تیری بانہوں میں ملی

ایسی راحت سی مجھے

ہو گئی جان جاناں

تیری عادت سی مجھے

دیکھوں میں جب تجھ کو

تب میرا یہ دن ڈھلے

زاران خانزادہ اسے بے حد گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زاران کی پر تپش گہری نگاہوں پر ابرش کے گال دہک کر انار ہوے تھے۔ بدن پر لرزا سا طاری ہوا تھا۔

وہ بے نیاز سی بنی بے رخی چہرے پر سجائے اپنی کلائی میں کانچ کی چوڑیاں پہن رہی تھی۔ زاران کے گلے میں بار بار اپنی بیوی کو دیکھتے گلٹی سی ابھر کر معدوم ہو رہی تھی۔۔ وہ اس کی بانہوں اس کی قربت اس کی گرم بدن کی حدت اور قربت کے دوران اپنی خوبصورت بیوی کی دیوانگی کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ رات رات جس طرح اس کے ساتھ لپٹتے قربت کے لمحات میں جیسے رسپانس کرتی تھی۔ وہ زاران خانزادہ کو اس کا مزید دیوانہ بنا چکی تھی۔ قربت کے لمحات میں اس کی بے رخی پر تو وہ پاگل ہو جاتا تھا۔ تقریباً دو مہینے کو ہونے کو آئے تھے۔ وہ قربت کے لمحات میں بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ لیتی تھی۔ مگر اسے نہیں جکڑتی تھی۔ جب سے عنائیہ اور درخزئی کا نکاح ہوا تھا۔ وہ گیا ہی کہاں تھا اپنی خوبصورت بیوی کے پاس۔۔ ایسے بھی کوئی رومانس کرتا ہے جو وہ گنی چنی مرتبہ کر چکا تھا۔

اب تو وہ اس کے بغیر جھنجھلا کر رہ جاتا تھا۔ فارم ہاؤس میں گزری یہ دو راتوں کو تقریباً وہاں رکھے ہر شو پیس توڑ چکا تھا۔ اب تو وہ سگریٹ بھی پینے لگا تھا ۔اب اپنی بیوی کے بغیر اس کی سانسوں کی گرمائش کے بغیر اس کی رات گزرتی ہی نہیں تھی۔

زاران کی گہری نگاہیں جن میں خمار کی سرخی اب نمایاں ہو رہی تھی۔۔ ابرش نے اپنی جھکی گھنیری پلکیں اٹھا کر مرر میں دیکھتے زاران کے عکس کو دیکھا۔ زاران کی گہری گرم نگاہوں میں خمار کی سرخی دیکھ کر ابرش کی رنگت میں مزید سرخی گھلی تھی۔ مگر چہرے پر پہلے سے بھی زیادہ بے رخی طاری ہوئی تھی۔۔ اس نے مرر میں زاران خانزادہ کو دیکھتے ہوئے اپنے سلکی چمکتے براون چاکلیٹی بال اپنی کمر سے ایک سائیڈ پر کیے تھے۔ اس کی سفید خوبصورت پشت نمایاں ہونے لگی تھی۔ پچھلا گلہ اچھا خاصہ ڈیپ تھا۔

اس کی بیک کی ڈوریاں کھلی تھیں۔اس کی دودھیا بیک پر صرف ایک تل تھا جو کہ گہرا سیاہ کلر کا تھا۔اس کے پورے بدن پر کہیں اور کوئی تل نہ تھا۔نہ بدن پر نہ چہرے پر کہیں اور تل تھا۔اس لیے قربت کے لمحات میں زاران اس تل کو اپنی شدت کا نشان بہت شدت سے بناتا تھا۔اور وہ زاران کی شدت بنا لبوں پر سسکاریاں لائے سہتی تھی۔۔

زاران اس کی بیک کا تل دیکھ کر لب بھینچتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے ٹاول سے اپنا برہنہ ہیر لیس سکس پیک سینہ رگڑتے تولیہ بیڈ پر اچھالتے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھا۔

اب زاران کی رنگت میں بھی شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔اس کی اتنی ڈیپ بیک اس کی دماغ کی رگیں بھڑکا چکی تھیں۔

ابرش مرر میں دیکھتے اپنی بیک کی ڈوریاں بند کر رہی تھی۔ آنکھوں اور چہرے پر بے رخی ہنوز قایم تھی۔ وہ مرر میں نظر آتے زاران کے عکس کو بلکل نظر انداز کیے ہوے تھی۔۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو اب مکمل نظر انداز کیے ہوے تھے۔۔ اس سے زیادہ بیہودہ ڈریس نہیں ملا تھا پہننے کو۔ زاران نے مرر میں دیکھتے لب بھینچے کہا۔

یہ بیہودہ ڈریس آپ نے ہی دلوایا تھا۔ ابرش نے زاران کے سکس پیکس ہیر لیس سینے کو سلگتی نگاہوں سے دیکھتے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

وہ ابھی تک اپنی بیک کی ڈوریاں باندھ رہی تھی جو بندھ ہی نہیں رہی تھی۔ ابرش نے جھنجھلاتے ہوے وہ ڈوریاں ایسے ہی چھوڑ دیں۔

اب انھیں ایسے ہی چھوڑ دو گی۔ تا کہ تمھارے بدن کی مزید نمایش ہو۔ زاران مرر میں اس کے بے حد خوبصورت عکس کو دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے بولا تھا۔

نہیں بند ہو رہی کیا کروں؟ درخشاں سے کہہ کر بند ھواں لوں گی۔ ابرش نے سنجیدگی سے کہتے اپنے بال اپنی بیک پر کیے۔

زاران اسے پیٹ سے جکڑتے ایک جھٹکے سے اپنے سینے سے لگا گیا۔ ابرش کی پشت اس کے سینے سے آن لگی تھی۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے گلابی آنکھوں سے مرر میں دیکھا تھا۔ آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔۔ سانس گہری ہوئی تھی۔ مگر چہرے پر بے حد بے رخی سجی ہوئی تھی۔

دونوں مرر میں ایک دوسرے کے عکس کو گہری مگر سرد تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

درد کا عالم ہے ہر دم

تیرے بن او میرے ہمدم

آنکھوں میں دکھتی ہیں مایوسیاں

جہاں بھی جاؤں تیرے بن

بڑی مشکل سے گزرے دن

چبھتی ہیں تیری خاموشیاں

ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے مرر میں سب سے مغرور سفاک بے رحم خان کو دیکھ رہی تھی۔ اس حویلی کا سب سے بے رحم خانزادہ مسٹر خانزادہ تھا۔

دیوانہ کر رہا ہے تیرا

روپ سنہرا

مسلسل کھل رہا ہے

مجھ کو اب یہ سہرا

بتا اب جائیں تو جائیں کہاں

زاران کی نگاہوں کی تپش بڑھی تھی۔ گہری گرم نگاہوں میں سرد پن کی امیزش شامل ہوئی تھی۔ وہ اس کے پیٹ پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا گیا تھا۔

ابرش نے مرر میں زاران کے عکس کو دیکھتے اپنے کپکپاتی انگلیوں سے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔ زاران کے چہرے میں سرد پن دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی سرد پن بڑھا تھا۔ چہرے پر مزید بے رخی طاری ہوئی تھی

--

زاران اس کے پیٹ کو مٹھی میں بے حد بے دردی سے دبوچتے ہوئے بھرتے اس کا رخ ایک جھٹکے سے موڑتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ ابرش اس کے برہنہ سینے سے آن ٹکرائی تھی۔ ابرش نے اسے گلابی بھیگی سرد نگاہوں سے دیکھتے اس کے برہنہ چٹانی سینے پر ہاتھ جمائے۔ زاران اس کے نقوش کو بے حد گہری استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھتے اپنی نگاہوں میں سرد پن کی امیزش بڑھا گیا تھا۔

زاران کی گرم کھردری انگلیاں اس کی برہنہ پشت میں بہت سختی سے گڑھی ہوئی تھیں۔

اس چیپ درخشاں سے اپنی ڈوریاں بندھواؤ گی تم؟؟زاران نے اس کی کاجل لگی

smudge

گہری آنکھوں میں اپنی خمار زدہ سرخ آنکھیں گاڑھے دانت پیستے بولا۔

وہ چیپ نہیں ہے۔بہت اچھی ہے۔ابرش نے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے جواب دیا۔۔ابرش کے لبوں سے بکھرتی گرم سانسں س زاران کی ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔

چیپ,بیہودہ,حوس کا پجاری,سفاک,بے رحم,اکھڑ مزاج بدتمیز

arrogant

آنا پرست بیوفا, ظالم مسٹر خانزادہ میں ہی ہوں!, باقی سب تو بہت اچھے ہیں

۔زاران نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے طنزیہ لفظ چپائے تھے۔

حوس کا پجاری یہ لفظ میں نے آج تک نہیں بولا۔ یہ میری

vocabulary

میں نہیں۔۔ توضیح کرلو!! مسٹر خانزادہ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے

جواباً سرد لہجے میں کہا۔

یعنی باقی لفظ تمھاری

vocabulary

میں ہیں۔ زاران کا لہجہ مزید سنجیدہ ہوا تھا

پتہ نہیں مگر ان چند لفظوں سے آپ اپنی تعریف خود کر چکے ہیں۔ ابرش نے بھی بے حد برفیلے لہجے میں جوابی کروائی کی تھی۔

زاران نے اس کی بات پر جبڑے بھینچتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اس درخشاں سے دور رہا کرو!! تمھارے جسم کو کوئی عورت بھی چھوے اس

arrogant

اکھڑ مزاج انا پرست چیپ بیہودہ ظالم بے رحم سفاک بیوفا حوس ذدہ خانزادہ کو بلکل پسند نہیں اس کی عورت کو کوئی عورت بھی چھوے۔

زاران ایک ایک لفظ چباتے اس کے بے حد خوبصورت نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بے اس کی بیک کی ڈوریاں سختی سے باندھ گیا تھا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے اس کی گرم نگاہوں اور برفیلے لہجے کے سرد پن محسوس کرتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ بہت بے دردی سے اپنی کھردری انگلیاں اس کی برہنہ کمر میں پیوست کیے ہوے تھا۔ وہ اپنی گرم انگلیوں کا لمس بہت بے دردی سے اس کی برہنہ کمر میں مسلسل گاڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے سینے پر ہاتھ جمائے اس کی بے رحمی پر بنا لبوں سے سسکاری نکالے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد بے رخی کا تاثر لیے آنکھیں گاڑھے ہوے تھی۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں چھائے سرد پن کو دیکھتے مزید سلگ رہے تھے۔

زاران کی نگاہیں اب اس کے کندن نشیب و فراز پر تھیں۔ جو آج کچھ زیادہ ہی مہک رہے تھے۔

اس سے زیادہ فٹنگ میں لباس نہیں تھا وہ پہن لیتی تم ؟؟ وہ اس کے نشیب و فراز کو دیکھتے سلگتے لہجے میں بولا۔

عورتوں کے درمیان ہی رہنا ہے۔ ویسے بھی فکر نہ کریں اس فٹنگ والے لباس کے اوپر ٹینٹ ہی اوڑھنا ہے۔ اور کمر میرے بال چھپا دیں گے۔ ابرش نے سنجیدگی سے کہتے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کا ہیوی سی گرین کلر کا کامدار دوپٹہ پڑا تھا۔ دوسرے پل وہ اس کے سینے پر دباؤ ڈالتے پیچھے ہوئی تھی۔ وہ اسے پھر سے اپنے قریب کر گیا تھا۔ ابرش کے کریمی نیوڈ گلوز سے سجے ہونٹ زاران کی ٹھوڑی پر اپنا مارک چھوڑ گئے تھے۔

زاران نے اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھتے اپنی ٹھوڑی انگوٹھے سے اسی لمحے صاف کی تھی۔ زاران کی حرکت پر ابرش تندور کی مانند دہک اٹھی تھی۔ وہ

گہری سانسیں لیتے بھڑکتے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے دور دھکیل گئی۔

زاران اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے مرر میں دیکھا تھا۔ زاران خانزادہ کا اپنی ٹھوڑی سے اس کی لپ سٹک کا مارک مٹانا اسے شعلوں کی مانند دہکا چکا تھا۔ وہ ڈریسنگ پر ہاتھ جمائے مرر میں دیکھتے گہری سانسیں لیتے اپنے ندر اٹھتے بھانبھڑوں پر قابو پا رہی تھی۔۔

ابرش نے مرر میں اپنے قیامت خیز بدن کو دیکھا تھا۔ خود سے آتی زاران کی پسندیدہ پرفیوم کی مہک کو آنکھیں میچے اپنے اندر اتارا تھا۔ اس کے بدن کی اسی مہک کا وہ دیوانہ تھا۔۔ اس کی پسندیدہ پرفیوم کی مہک جب اس کے جسم میں رچتی تھی تو اس مسٹر خانزادہ کو بہت جان لیوہ لگتی تھی۔ کتنی کتنی دیر وہ اس کی گردن میں منہ چھپائے اس کی مہک اپنے اندر اتارتا رہتا تھا۔۔

Arrogant, egoist, syco, butcher, bloody fu...k...

ابرش شعلہ بار لہجے میں بولتے ہوئے ڈریسنگ مرر پر زور سے اپنا ہاتھ مارتے گہرے سانس بھرتے لپ گلوز اٹھائے اپنے لبوں پر پھر سے کوٹ کرنے لگی۔ بار بار وہ اپنی ایک مٹھی دبوچے بہت مشکل سے خود پر قابو پا رہی تھی۔

زاران ڈریسگ روم سے بلیک شلوار قمیض میں ملبوس باہر آیا جس پر سیاہ شال کندھوں پر ڈال رکھے تھی۔ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ ابرش کو مکمل نظر انداز کرتے مرر کی طرف بڑھا۔

سب سے پہلے شادی تھی

یاروں جہاں میں جس نے کی

اس کو ڈھونڈو پکڑو پیٹو

غلطی اس نے کی

وہ تھا سودائی بن کے قصائی

اس نے تو سب کی لٹیا ڈبوئی

پانی ملے نہ مارو ایسی جگہ

وہ مرر میں دیکھتے اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے اونچی آواز میں گنگنا رہا تھا۔ ابرش نے اس کی گنگناہٹ پر گہرے سانس لیتے مرر میں زاران کو سلگتی نگاہوں سے دیکھا۔۔

بیچارہ ایس پی اللہ اس پر رحم کرے!! لگتا نہیں آج کے بعد مسکرا بھی سکے گا۔ پہلی رات کو جتنا خوش ہو گا۔ آہستہ آہستہ بیچارے کو پتہ چلے گا بیوی کے ہوتے ہوے بھی کوئی فایدہ نہیں۔ اپنے مرد ہونے پر لعنت بھیجے گا۔

وہ اب مرر میں ابرش کو دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

ابرش نے زاران کو سلگتی نگاہوں سے دیکھتے لپ سٹک زور سے مرر میں

ماری۔۔

زور کا جھٹکا ہائے زوروں سے لگا

شادی بن گئی عمر قید کی سزا

یہ ہے اداسی جان کی پیاسی

شادی سے اچھا تم لے لو پھانسی

لاکھوں دکھوں کی ہوتی ہے یہ وجہ

ابرش اس کی گنگناہٹ پر بے تحاشا سلگ رہی تھی۔۔رنگت سرخ قند ھار ہو

رہی تھی۔ آنکھوں میں گلابی پن بڑھ رہا تھا۔ابرش گہرے سانس لیتے بیڈ کی

طرف بڑھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھتے جھکے ہوے اپنے سینڈل کے سٹیریپ بندھ کرنے لگی

زور کا جھٹکا ہائے زوروں سے لگا

شادی بن گئی عمر قید کی سزا

ہاں سزا

یہ ہے اداسی جان کی پیاسی

شادی سے اچھا تم لے لو پھانسی

لاکھوں دکھوں کی ہوتی ہے یہ وجہ

ہاں وجہ

کمرے میں اس کی بے حد اونچی آواز میں گونجتی گنگناہٹ اس کے وجود میں آگ لگائے ہوے تھی۔۔غصے سے سینڈل کے سٹریپ اس سے بندھ نہیں ہو رہے تھے۔ابرش کے گالوں سے سیک نکل رہا تھا۔دل تندور کی مانند سلگ رہا تھا۔

وہ بغیر سٹریپ بندھ کیے کھڑی ہونے لگی تھی۔۔اس کی گنگناہٹ وہ مزید نہیں سن سکتی تھی۔

اس سے پہلے وہ بیڈ سے اٹھتی۔وہ اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھتے اس کے سینڈل کے سٹریپ بندھ کرنے لگا۔ابرش کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی تھی۔ابرش نے اسی لمحے غصے سے اپنے پاؤں کھینچا۔وہ اس کی پنڈلی سختی سے جکڑے اس کے سینڈل کے سٹیرپ بندھ کرنے لگا۔

جس کی شادی پر جانا

اس کو اتنا سمجھانا

نہ کر شادی یہ بربادی

پھر نہ پچھتانا

موقع ہے بک لے

شادی سے بچ لے

زاران اس کی پنڈلی سختی سے جکڑے اونچی آواز میں گنگناتے ہوے اس کی سٹریب بندھ کر رہا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے گانے کے لر عکس اسے اندر تک آگ دہکا رہے تھے۔ زاران کے سٹریپ بندھ کرنے پر وہ اپنے پاؤں کھینچ گئی تھی۔ زاران اپنی سرد سلگتی

نگاہیں اس پر گاڑھ گیا تھا۔ ابرش بیڈ پر بیٹھی گہرے سانس لیتے جوابًا شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زاران اسے استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے زمین سے اٹھتے اپنی شال گلے میں جھٹکتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے نکل گیا تھا۔ ابرش اس کے لرعکس اور نگاہوں کا سرد پن یاد کرتے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی بری طرح سسکاریاں بھرنے لگی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس جس پر سیاہ ہی شال کندھوں پر ڈالے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے بے تابی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ وہ اس دوران کمرے میں نہیں جا سکا تھا۔ کیونکہ آج اس کی عرب پتی بیوی نے اپنی

سٹائلسٹ میک اپ آرٹسٹ کو حویلی میں بلوایا ہوا تھا۔ جو اس کا ڈریس جیولری ہر چیز لے کر آئی تھی۔۔۔ وہ جب حویلی آئی اسے تب پتہ چلا تھا۔

اور تب سے وہ مردانے میں بیٹھا سلگ رہا تھا۔ اس کے لیے وہ خود ڈریس جیولری آرڈر کروا چکا تھا۔ وہ اسے سرپرایز دینا چاہتا تھا مگر وہ اسے ہی سرپرایز کر چکی تھی۔

وہ پچھلے دو گھنٹوں سے جلتے توے پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ اتنی خوبصورت تھی اسے کیا ضرورت ہو سکتی تھی سٹائلسٹ کی یا میک اپ کی۔۔ اس کے خوبصورت نقوش کو کوئی عورت بھی چھوے کہاں برداشت تھا اور ہمیشہ یہ چاہتا تھا وہ کبھی بھی تیار ہو اسے دیکھنے والا پہلا انسان وہ ہو۔

دو گھنٹوں بعد اس کا صبر جواب دے چکا تھا۔ کمرے میں اس کی سٹایلسٹ اور میک آپ آرٹسٹ موجود ہے وہ پرواہ کیے بغیر جبڑے بھینچتے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا

۔اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ وہ سٹل ہوا تھا۔

وہ میرون کلر کی بے حد ہیوی میکسی میں ملبوس تھی۔

جس پر بے حد ہیوی جیولری پہنے ہوے تھی۔ ماتھا پٹی ہیوی چوکر زمالا پہنے ہوے تھی۔ کانوں میں خوبصورت اویزے پہنے ہوے تھی۔ ہونٹوں پر میرون کلر کی لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ سلکی براون بال سٹیرٹ کھلے ہوے تھی۔ اس کی سٹایلسٹ اور میک اپ آرٹسٹ اس کے پاس کھڑی اسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ابھی آنکھوں پر میک اپ ہونا باقی

تھا۔ پریذے گولڈن کلر کے باربی فراک میں ملبوس پاس کھڑی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

ماما یو لک سو بیوٹفیل۔۔ مجھے بھی ایسے ہی تیار ہونا ہے۔

پریذے نے حور کو دیکھتے اشتیاق بھرے لہجے میں معصومیت سے کہا۔

میں اپنی بیٹی کو اس سے بھی اچھا تیار کروں گی۔ حور نے جھک کر پریذے کو گود میں اٹھاتے اس کے گال پر کس کی۔

حور کو پریذے کو گود میں اٹھاتے دیکھ کر ارحام خانزادہ خود پر ظبط کرتے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

پریذے نے جھکتے ہوے حور کے لبوں پر لب رکھتے اپنے لبوں کو رگڑا۔

پریذے جان!!بری بات یہاں پر کس نہیں کرتے۔ حور نے اسے گھورتے ٹوکا۔اس کی لپ سٹک خراب ہوتے پریذے کے لبوں پر لگ چکی تھی۔

ماما مجھے اپ کے lips بہت پسند ہیں۔اور ان پر لپ سٹک بہت اچھی لگ رہی ہے۔اس لیے میرا دل کیا میں اپنی ماما کے لپس پر کس کروں۔یہ بری بات کیسے ہو گئی؟؟۔اپنی ماما کے lips پر کس کرنا بری بات ہوتی ہے کیا؟!۔پریذے نے آنکھیں پٹپٹاتے معصومیت سے کہا۔وہ صرف اس وقت حور کے لبوں پر لگی لپ سٹک اپنے ہونٹوں پر لگانا چاہتی تھی۔حور نے اسے لگانے نہیں دینی تھی اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔حور نے گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا۔پریذے اس کی میک کی کتنی دیوانی تھی وہ جانتی تھی۔وہ اس کے سامنے میک اپ نہیں کرتی تھی۔آج وہ بہت اشتیاق

سے اس کے ساتھ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنی بار وہ اس کی لپ سٹک اٹھا چکی تھی۔ جو حور بار بار اس سے نرمی سے لے لیتی۔

حور کے بار بار کہنے پر بھی وہ کمرے سے باہر نہیں گئی تھی۔

ارحام یہ سب دیکھتے اپنی پچھلی گردن سہلاتے خود پر قابو پا رہا تھا۔۔ حور کا بے جا لاڈ پیار پریذے کو بگاڑ رہا تھا وہ محسوس کر رہا تھا۔ پریذے کا ایسے حور کے ہونٹوں کو چھونا اور پھر جھوٹ بولنا اسے بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

Mama i want this necklace

پریذے نے اس کی گردن میں پہنے چوکر کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اپنی خوبصورت بیٹی کے بہت پیار نیکلس آرڈر کیا تھا۔ بلکل آپ جیسا ۔ابھی میں آپ کو خود پہناؤں گی۔اس میں ماما پاپا کا نام بھی ہے

حور نے مسکراتے ہوے بہت پیار سے اس کے لبوں پر لگی لپ سٹک اپنی ہتھیلی سے صاف کی۔

میم!! آپ کی لپ سٹک پھیل چکی ہے۔میں ٹھیک کر دیتی ہوں ابھی آپ کی آنکھوں کا میک بھی اپ رہتا ہے۔پاس کھڑی میک اپ آرٹسٹ نے حور کو پکارا

ضرورت نہیں ہے جتنا میک اپ رہ گیا ہے اپنی خوبصورت بیوی کا میں کر دوں گا۔ آپ لوگ جاسکتے ہیں۔ارحام کی سرد آواز پر حور نے مڑتے ہوے ارحام کو دیکھا۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اسے سرد تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوے پریذے اس کی گود سے لے گیا تھا۔ ارحام کی سرد نگاہ پر حور نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے خفت سے نظریں جھکائیں۔ وہ پریذے کو گود میں اٹھاتے ہوے بھول ہی گئی تھی کہ وہ پریگننٹ ہے۔

ارحام کے حکم پر حور کی سٹایلسٹ اور اس کی میک اپ آرٹسٹ اسی لمحے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ان کے جانے کے بعد حور ارحام کو ایک نظر دیکھتے تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

پریذے بیٹا آپ اپنے روم میں جاؤ!! ماما آتی ہیں۔

۔ارحام نے اس کے گال پر کس کرتے نرمی سے کہا۔

پاپا ماما نے ابھی مجھے میک اپ کرنا ہے۔ پریذے نے ڈریسنگ ٹیبل پر سجے میک اپ کو دیکھتے کہا۔

پریذے چھوٹے بچے میک نہیں کرتے۔ آیندہ میں آپ کو میک اپ کی بات بھی کرتے نہ دیکھوں۔ اور نہ آپ آیندہ ماما یا پھر کسی کے بھی ہونٹوں پر کس کریں گی۔ ارحام کی سرد آواز پر وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

اوکے نیکسٹ آپ ماما کے میک اپ کے آس پاس بھی مجھے نظر نہ آئیں ۔ارحام نے اس کی جھکی گردن کو دیکھتے کہا تو اس نے جھکی گردن ہی ہلائی تھی۔

میری پیاری بیٹی میری جان!! ارحام نے اس اپنے سینے میں بھینچا۔ وہ اسی لمحے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔ ارحام پریذے کے لپٹنے پر گہرا مسکرایا تھا۔

اپنی ماما کو جتنا ستاتی تھی اس کی اتنی ہی

obedient

تھی۔۔اوکے آپ روم میں جاؤ!!اپنے بال درخشاں آپی سے بنواؤ ماما اور میں آتے ہیں اوکے۔۔ارحام نے اس کی ہتھیلی چومتے ہوے اسے نیچے اتارا۔

اوکے پاپا آپ اور ماما جلدی آنا۔ماما کہہ رہی تھیں وہ میری پکس بنائیں گی ڈھیروں!!پریذے نے اچھلتے ہوے بتایا تھا۔

اوکے بیٹا ہم جلدی آتے ہیں۔ارحام اس کی طرف دیکھتے مسکرایا۔وہ ارحام کو دیکھتے روم سے چلی گئی تھی۔ارحام کمرے کا دروازہ لاک کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے وہ بری طرح چونکا تھا۔ حور روتے ہوے اپنی جیولری اتارتے ہوے ڈریسنگ مرر پر مار رہی تھی۔

وہ اسے روتے دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا

حور نے ارحام کو دیکھتے سسکتے ہوے اپنے کان سے اویزہ اتارتے ہوے مرر پر پوری قوت سے مارا۔

کیا ہوا ہے کیوں اتار رہی ہو یہ جیولری؟؟ ارحام نے اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتے ہوے اسے اپنے پشت کے ساتھ لگائے اس کے شولڈر پر نرمی سے لب رکھتے اسے گہری گرم نگاہ سے دیکھتے پوچھا۔

اب کیوں دیکھ رہے ہیں ایسے ارحام؟؟ جیسے باہر دیکھ رہے تھے ویسے دیکھیں ناں سرد نگاہوں سے۔ حور نے اس کے ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹاتے اس کی طرف مڑتے بھیگے لہجے میں کہا۔

میں تمھیں سرد نگاہوں سے کیوں دیکھ رہا تھا؟! تم اچھی طرح جانتی ہو حور!! ارحام نے لب بھینچے جواب دیا۔

پریذے کو اٹھایا ہوا تھا اس لیے ایسے دیکھ رہے تھے۔ جانتی ہوں میں۔ ان آنکھوں میں یا تو خمار کی سرخی ہوتی ہے یا پھر سرد پن!! نرمی محبت تو آج تک دیکھی نہیں میں نے!! حور نے سگتے لہجے میں کہتے رخ پلٹتے ہوئے اپنی کلائی میں پہنے ہیرے کے کڑے اتارتے ہوئے مرر پر مارے۔

ارحام نے اسی لمحے اس کے پیٹ پر ہاتھ جماتے ہوئے اس کے بال پیچھے کرتے اس کے بیک کے گہرے گلے سے نظر آتی برہنہ پشت پر اپنے سلگتے لب بہت نرمی سے رکھے۔

افففف۔۔۔ارحام کے لمس پر حور نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی چوکر کی ڈوری بیک پر ہاتھ لے جاتے کھینچتے چوکر اتار کر مرر پر دے مارا۔رحام اس کی پشت پر لب رکھتے اس کی بیک پر لب رکھتے نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کی بیک کو کپڑوں کے اوپر سے بہت نرمی سے چوم رہا تھا۔اس کے لبوں کی پرواز بڑھتی جا رہی تھی۔حور اس کے لمس پر سرخ ہوتے مسلسل رو رہی تھی۔وہ اسے پلٹتے ہوئے اس کے پیٹ پر اب نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔حور کے آنسوؤں میں مسلسل آضافہ ہو رہا تھا۔ارحام اس کے پیٹ کو نرمی سے

چومتے ہوے زمین سے اٹھتے اوپر کی جانب آتے اس کے نیشب و فراز کو لبوں سے چھوتے اس کی گردن پر جھکے اب اپنے سلگتے لب رکھ رہا تھا۔

اب وہ اس کا چہرہ تھامے اس کے ہونٹوں پر جھکے اس کی میرون لپسٹک سے سجے ہونٹوں کو اپنے لبوں میں دباتے ہوے اس کی لبوں کی تمام لپ سٹک اپنی شدت سے چرا گیا تھا۔ ایک ہاتھ اس کی بیک کی ڈوریوں میں الجھا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ہوے اس کے لبوں کو سک کر رہا تھا۔ اس کے رونے تڑپنے کی پرواہ کیے بغیر وہ اس کی بیک پر لگی سے موتیوں سے مزین ڈوریاں بے دردی سے کھینچتے توڑ چکا تھا۔ اب اس کا ہاتھ اس کے لہنگے میں الجھا تھا۔ ارحامَ!! حور نے بے یقینی سے اسے سسکتے ہوے پکارا۔ وہ اس کے رونے کی پرواہ کیے بغیر اس کے ساتھ رومانس کر رہا تھا۔

وہ اسے گود میں اٹھائے اوپر کو اٹھاتے اب ڈریسنگ ٹیبل پر بٹھا گیا تھا۔ حور اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی بیک کی تمام ڈوریاں توڑتے اس کے بلاوز کی سائیڈ زپ بھی کھول گیا تھا۔ اس کا بلاوز کندھوں سے ڈھلکتا نیچے آیا تھا۔ وہ اس کے بلاوز کی حالت خراب کر چکا تھا۔

حور سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ پھر سے اس کی گردن پر جھکے وہاں اپنی جنون خیزیاں نچھاور کرنے لگا۔

ارحام یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟؟ حور نے روہانسے ہوتے پوچھا۔

وہ اس کی گردن کو چومتے ہوے اپنے ہاتھوں کی بے باکی بڑھاتے جا رہا تھا۔ وہ اب اس کی سٹریپ بھی کھول چکا تھا۔

تمھیں بتا رہا ہوں تم کتنی خوبصورت لگ رہی ہو؟؟ تمھیں اس ڈریس میں دیکھ کر تمھارا خان بہکتے اپنے حواص کھو چکا ہے۔ ارحام اب اس کی کان کی لو پر نرمی سے زبان پھیر رہا تھا۔

ساتھ اس کے ہاتھ بہت بے باکی سے اس کے بدن پر اپنا حق جتا رہے تھے۔

حور نے ارحام کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوے ڈریسنگ پر رکھی اپنی لپ سٹک اس کے سینے پر ماری۔

ارحام پیچھے ہوے تھا۔

دوسرے لمحے وہ پاگلوں کی طرح اپنا میک اپ اٹھاتے ارحام کو مارتے جا رہی تھی۔ اپنی لپ سٹک چوڑیاں جیولری جو ہاتھ میں آ رہا تھا۔ وہ ارحام کے سینے پر مار رہی تھی۔

یہ کیا بد تمیزی ہے حور؟؟ ارحام آگے کو ہوتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑتے اسے مرر کے ساتھ لگا گیا۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ ارحام بھی اسے خمار بھری مسکراتی بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔۔

بتمیزی ہے وہ ہے جو آپ کرتے ہیں؟؟ ہر وقت آپ کے رومانس سے تنگ ہو چکی ہوں میں؟؟ میں کیا چاہتی ہوں آپ سمجھتے ہی نہیں! حور ارحام کی بے باک آنکھوں میں دیکھتے سلگتے لہجے میں بولی۔

کچھ عرصہ پہلے تم ایک بچہ چاہتی تھی۔ وہ تمھیں میں دے چکا ہوں۔ اب ایک بچے کے پیٹ میں ہوتے دوسرا بچہ نہیں ڈل سکتا ورنہ میں وہ پروسیس بھی کر ڈالتا۔ ارحام بے باک شرارت کرتے اسے آنکھ ونک کی تھی

ارحام!! حور روہانسے ہوتے نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔

ہے مائی بچہ !تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو اتنی کہ میں سانس لینا بھول گیا تھا۔میری جان !!تم میری دھڑکنوں کو باہر روک چکی تھی۔۔ تمھارا ارحام تمھارا خان پاگل ہوتا جارہا تمھارے لیے !!تم آہستہ آہستہ مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑو گی۔مائی موسٹ بیوٹیوفل وایف۔ارحام نے اس کا چہرہ تھامتے اس کے ناک کی ٹپ پر لب رکھے۔

حور اب خاموشی سے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

یہی تعریف تم مجھ سے اپنی سننا چاہتی تھی ناں۔ارحام نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے استفسار چاہا تھا۔

حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا ارحام نے جھکتے ہوے اس کی گردن پر لو بایٹ بنائی۔

حور اس کی شرٹ جکڑے آنکھیں بند کر گئی تھی۔

ارحام اس کی گردن اب لو بایٹ بنا رہا تھا۔ حور آنکھیں میچے اس کی سوغاتیں برداشت کر رہی تھی۔

ارحام نے اب اس کے گال کو دانتوں سے کھینچا۔ ارحام کیا کر رہے ہین فنکشن اٹینڈ کرنا ہے کیسے چھپاؤں گی یہ نشان۔۔ حور نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔ جو ارحام نے دانتوں سے کھینچا۔۔ ارحام کی سرد نگاہ پر وہ اپنا ہاتھ نیچے کر گئی تھی۔ وہ اپنا لمس کہاں مٹانے دیتا تھا۔

تمھیں لگتا ہے میں تمھیں ایسی جگہ نشان دوں گا۔ جہاں کسی تیسرے کی نگاہ پڑے۔ ارحام ذو معنی انداز میں بولتے جھکتے ہوے اس کا بلاوز نیچے کرتے بہت حساس حصے پر اسے نشان دے گیا تھا۔ حور اس کی شرٹ جکڑے سسک پڑی تھی۔

اب جہاں نشان دیا ہے تمھارے میرے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ارحام گھمبیر آواز میں بولتے ہوے اس کے گال کو چومنے لگا۔

یہ کونسا طریقہ ہے ارحام تعریف کرنے کا؟؟ پتہ ہے یہ ڈریس آپ کے لیے پہنی تھی۔ میں چاہتی تھی آپ مجھے دیکھ کر پاگل ہو جائیں نظریں جھپکانا بھول جائیں مگر باہر آپ مجھے غصے سے دیکھ رہے تھے۔ حور نے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے شکوہ کیا۔

غصے سے نہیں دیکھ رہا تھا حسد بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میری خوبصورت بیوی کے پاس دو عورتیں کھڑی اسے مجھ سے بھی زیادہ گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ اور میری بیٹی میری بیوی کے خوبصورت لبوں کو چوم رہی تھی۔ جن پر صرف میرا حق ہے۔ تو کیا کرتا یہ سب دیکھ کر تمھیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ میرا تو جی کر رہا تھا پوری حویلی کو

آگ لگادوں۔ ارحام سلگتے لہجے میں بولا تو حور کی کھکھلاہٹ ڈریسنگ روم میں گونجی۔۔

ارحام مسکراتے ہوے اس کے ڈمپل پر لب رکھ گیا۔

یہ ڈمپل بھی میرا!! یہ ہونٹ بھی میرے!! یہ گال بھی میرے! یہ ناک بھی میری۔۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اس کے نقوش پر لب رکھ رہا تھا۔ یہ خوبصورت گردن بھی میری اور یہ بھی میرے۔۔۔ اب وہ نیچے جھکتے ہوے لب رکھ رہا۔

اس سے وہ پہلے کچھ اور بولتا وہ جلدی سے اس کے لبوں پر ہاتھ جما گئی۔

کیا ہوا؟؟ ارحام نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے آئی برو اچکاتے مسکراہٹ دبائی۔

مجھے آپ کے بے باک لفظ نہیں سننے !!نہ مجھے جاننا جسم کے باقی باڈی پارٹس کو کیا کہتے ہیں۔روز رات کو اچھی طرح سمجھاتے ہیں۔ابھی یہ چیپ ورڈ منہ سے نکالنے کی ضروت نہیں۔حور اس کے لبوں پر ہاتھ جماتے منہ بناتے بولی تو ارحام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

چلو چیپ ورڈز منہ سے نہیں نکالتا!! مگر مجھے تمھیں اس وقت اچھی طرح دیکھنا ہے اور بہت چیپ بے شرموں والی حرکتیں کرنی ہیں۔وہ اسے گود میں اٹھائے ڈریسنگ روم سے نکلتے واش روم کی طرف بڑھا۔

ارحام سب باہر ہیں۔۔حور بری طرح گھبرائی تھی۔

میری جان تمھیں کہا تھا ہمیشہ میری محبت کا اظہار سب سے پہلے میرے لب کیا کریں گے۔تم جتنی خوبصورت لگ رہی ہو تمھیں شاور کے نیچے کھڑا

کرے تمھیں اوپر سے نیچے تک چومنا ہے اور تمھیں سزا بھی دینی ہے

۔۔ارحام نے اس کی پیشانی چومی۔

سزا!!حور روہانسی ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

ہاں سزا اس دیوانے شوہر نے اپنی خوبصورت بیوی اور بیٹی کے لیے ڈریس آرڈر جیولری سب کچھ خرید لیا تھا۔ مگر ہر بار میری عرب پتی بیوی نے مجھے ہی سرپرایز کر دیا۔۔۔ پتہ ہے کتنی تکلیف ہوئی اس دیوانے شوہر کو جب اپنی بیوی کو اپنا سرپرایز غارت کرتے دیکھا۔

وہ اسے اوپر کو اٹھائے مدھم سرگوشی میں بولتے اس کے لبوں کو چوم گیا تھا۔ حور اس کی بات پر خاموش ہوئی تھی۔

وہ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے واش روم کی طرف بڑھا۔

آئی ایم سوری ارحام!! مجھے نہیں پتہ تھا ورنہ میں کبھی ڈریس آرڈر نہ کرتی!! حور اس کے ساتھ لپٹتے ہوے بولی۔

یہ آئی ایم سوری اب اندر واش روم میں سنوں گا۔ جب مجھے برداشت نہیں کرو گی تب کہنا۔۔ وہ اس کے ہونٹوں کو پھر سے چوم گیا تھا۔ اور اس عرب پتی بیوی پر اس کے دیوانے شوہر کا سب سے زیادہ حق ہے۔۔ وہ اپنا خریدا ہوا ڈریس خود اپنی بیوی کو پہنائے گا اور اسے خود تیار بھی کرے گا۔ اور آیندہ میری عرب پتی بیوی کو کچھ بھی لینا ہوا وہ اپنے شوہر کا کریڈٹ کارڈ یوز کرے گی۔

وہ سنجیدگی سے بولتے اسے لیے واش روم میں داخل ہو چکا تھا۔

درخزئی خانزادہ سفید شلوار قیمض میں ملبوس ٹیرس پر کھڑا سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔سوات کی برفیلی رات میں وہ اندر سے انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند دہک رہا تھا۔آنکھیں نم تھیں۔انگلیوں میں دبا سگریٹ لرز رہا تھا۔

اس نکاح کو تم نکاح کیسے مان سکتے ہو ؟!جس میں لڑکی کی امادگی !! ہی نہ ہو!!ایک سولہ سال کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لے کر تم اس پر حق ملکیت کیسے جتا سکتے ہو؟؟تمھیں اپنے خدا پر اتنا یقین تھا تو یہ !!بھی یقین رکھتے کہ عنائیہ ہر حال میں تمھاری ہی رہے گی

مسل اس کی سماعتوں میں گونجتے لفظ اسے بے چین کیے ہوے تھے۔لفظوں کی بازگشت میں بہت سے اور بھی زہریلے لفظ اسے اپنے سماعتوں میں گونجتے

سنائی دے رہے تھے۔ جس میں وہ ایک بے ایمان پولیس والا تھا۔ جو اپنی وردی اپنے پرفیشن پر داغ لگا چکا تھا۔ اس کی بیوی ڈرگ ڈیلر تھی۔ اپنے دوست مایکل کے ساتھ یہ ملک چھوڑ کر بھاگ رہی تھی۔ بہت سے ایسے زہریلے لفظ تھے۔ جو اسے سونے نہیں دیتے تھے۔ ہر پل لفظوں کا زہر اس کی سماعتوں میں گونجتا رہتا تھا۔ وہ سوتا تھا ہی کہاں؟؟ نیند ہی نہیں آتی تھی

!!زبردستی کے رشتوں میں کھی محبت کی پروان نہیں چڑھتی۔ بتانے دیں مسٹر خانزادہ!! میری بہن سے اس نے اس کا حق چھینا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے اسے دیا کہ نکاح سے پہلے بیٹیوں کی مرضی معلوم کرلو۔۔ ان کی مرضی کے بغیر ان سے عقد نہ کرو۔۔ یہ تو کہیں نہیں آیا ناں مسٹر خانزادہ کہ اپنی بہن بیٹی کو اپنے احسانوں تلے دباتے ان سے نکاح کی حامی بھرواؤ!!

ابرش کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجتے اس کے اعصاب بھاری کر رہے تھے۔

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ ایک عزت تھی اس کے پاس وہ بھی اب نہیں رہی تھی۔ وہ کیسے جیتا آخر؟؟ وہ تو نظریں اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔

ارحام زاران اسفند شہرام کسی کے سامنے اب اس کی نگاہیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔۔

مورے بابا پری۔۔ وہ ٹیرس پر کھڑا ہو کر اب چیخ رہا تھا۔

یہ کیا ہو گیا مجھ سے ؟؟ یہ کیا کر دیا میں نے ؟؟ کیسے اس سے یوں دھوکے سے نکاح کر سکتا ہوں ؟؟ آج میری ضد نے اسے اس مقام پر پہنچا دیا وہ یوں بھاگ رہی تھی۔

وہ میری پناہوں سے بھاگ رہی تھی۔۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے عارض پر گرے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کرتے ہوئے اپنی آستین سے اپنی نم آنکھیں رگڑیں۔

کچھ بھی نہیں رہا درخزئی خانزادہ تیرے پاس ؟؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ جان سے پیاری وردی نہی ؟ رہی۔۔ نہ دھڑکنوں سے بھی زیادہ عزیز بیوی تیرے پاس ہے۔۔ کیا ہے آخر تیرے پاس ؟؟۔۔ درخزئی خانزادہ ٹیرس پر چکر لگاتے گہرے سانس لیتے سگریٹ کے بار بار گہرے کش لے رہا تھا۔

تو غریب ہے درخزئی خانزاد!! تجھ سا غریب خانزادہ کوئی نہیں!! تیری غریبی ہے تیری بدقسمتی۔۔ تو ہمیشہ رشتوں کو ترسے گا۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہنے والا تھا۔ یہ حویلی اس میں بسنے والے لوگ بھی نہیں رہنے والے تھے۔۔ درخزئی ہاتھ میں پکڑے سگریٹ سے گہرا کش لیتے تلخی سے ہنسا۔

غلطی تیری ہے درخزئی خانزادہ؟ وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے اب بڑبڑایا تھا۔

جب پتہ تھا کہ تیری قسمت میں رشتوں کا سکھ نہیں لکھا کیوں محبت کی؟ کیوں اسے بیوی بنایا؟؟ خود کے ساتھ اسے بھی برباد کر دیا۔ درخزئی خانزادہ گرل پر زور سے مکہ مارا کرب امیز لہجے میں بولتا پھر سے اپنی نم آنکھیں ہتھیلی سے رگڑ گیا۔

درد کا عالم ہے ہر دم

تیرے بن او میرے ہمدم

آنکھوں میں دکھتی

ہیں مایوسیاں

جہاں بھی جاؤں تیرے بن

بڑے مشکل سے گزرے دن

چبھتی ہیں دل کو تیری خاموشیاں

درخزئی سگریٹ کے گہرے کش لیتے اس کا نکاح والا روپ یاد کرتے پھر سے رو پڑا تھا جب اس نے اپنی محرم رشتے کو بڑے حق سے اس کی مرضی کے بغیر چھوا تھا۔

اپنے آنسو صاف کرتے اس نے سگریٹ پھینکتے ہوے اپنے شوز کے نیچے مسلا۔

وہ بھاری قدموں سے ٹیرس سے ہوتے کمرے میں آیا بیڈ پر پڑی اپنی آف وایٹ مردانہ شال اس نے کندھوں پر ڈالی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں سے زنان خانے کی طرف بڑھا جہاں اسے رسم کے لیے بلایا گیا تھا۔۔

زنان خانے کے شاندار پر تعش بہت بڑے لاونج میں اس وقت کم و بیش سب ہی موجود تھے۔ امینہ خانم روزینہ خانم

ارحام اسفندیار خان شہرام خان زاران خان ابرش پلوشہ حور پریذے زحلے زرتاج عابیر بہارے اور حویلی کی تمام ملازمائیں اس وقت موجود تھیں۔ دریدار بد سمیع اللہ مردانے میں موجود تھے۔۔ درخزئی خانزادہ کا ارحام خانزادہ کے علاوہ کسی سے کوئی خون کا رشتہ تھا نہ اس کا کوئی رشتہ دار تھا۔ اس لیے درخزئی کی طرف سے آج کی تقریب میں کوئی شامل نہیں ہوا تھا۔ سچویشن کو دیکھتے ارحام نے کسی کو انوایٹ بھی نہیں کیا تھا۔

زحلے اسلام آباد والے واقعے سے واقف ہو چکی تھیں۔ ابرش اور عنائیہ سے انہوں نے بات چیت بند کر رکھی تھی۔ وہ صوفے پر لاتعلق سی بیٹھی تھیں۔ رو رو کر ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔۔

اس بار تو آہل بھی ابرش سے خفا تھا۔ اس وقت وہ زنان خانے میں موجود نہیں تھا۔

زاران خانزادہ کا رویہ اور درخزئی کی سنجیدگی پر وہ بے حد پریشان تھا ۔ درخزئی کی سنجیدگی سمجھ آ رہی تھی مگر زاران کا لاتعلق رویہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دو دن میں اس نے عنائیہ کے حوالے سے کسی بات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ نہ وہ درخزئی سے بات کر رہا تھا۔ درخزئی بھی زاران سے بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ درخزئی خانزادہ سے زیادہ زاران کے رویے سے بے حد پریشان تھا۔ دل سے زاران کی عزت اور محبت بھی بے حد کرتا تھا۔۔ بلکہ بہت زیادہ وہ زاران کو اہمیت دیتا تھا۔ بابرک کی پسٹل سے نکلی گولی تک زاران خود پر کھانے کو تیار تھا۔ اس کی وجہ سے زاران نے بہزاد خان کو اپنا سب سے بڑا دشمن بنا دیا تھا۔ عنائیہ کو بہزاد کے چنگل سے آزاد بھی تو زاران نے کروایا تھا۔ وہ زاران کے احسانات کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اس لیے زاران کی لاتعلقی اسے کافی چبھ رہی تھی۔ بلکہ اس کا مضبوط دل اندر سے رو رہا تھا۔

وہ مردانے میں ہی الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی دونوں بہنوں کو لے کر بہت پریشان تھا۔ زنان خانے میں آنے کی اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ عنائیہ کی رخصتی کے بعد وہ زحلے اور زرتاج کو لے کر اسلام باد شفٹ ہونے کا آرادہ رکھتا تھا۔ جانے کا آرادہ تو اس کا امریکہ کا تھا۔ مگر اپنی بہنوں کو وہ یہاں پاکستان چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ جان سے پیاری اتھیں سے اپنی بہنیں۔۔

اس وقت زنان خانے کے وسط میں آتش دان جل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے لاونج بے حد گرم تھا۔

زاران اسفندیار خان ایک ہی صوفے پر بیٹھے تھے۔ ارحام شہرام خان ایک صوفے پر بیٹھے ہوے تھے۔ سب ہی اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ ارحام خانزادہ نے جیب سے پانچ پانچ ہزار کے بے تحاشا نوٹ نکالتے پریذے کو اشارہ کیا تھا۔ پریذے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ ارحام نے بہت

سارے نوٹ پریذے پر وارے تھے۔ یہ باقی پیسے پکڑیں بہرام بھائی کے سر سے واریں۔ جیسے میں نے ابھی کیا ویسے۔۔ ارحام نے پریذے کو نوٹ پکڑائے تھے۔ پریذے بھاگتی ہوئی شہرام کی طرف بڑھی تھی۔ بہرام کے سر سے وہ پیسے وارے۔۔

شہرام نے مسکراتے ہوئے پریذے کو سینے سے لگائے اس کی پیشانی پر کس کی۔ چاچو میں کیسی لگ رہی ہوں۔ پریذے نے گھومتے ہوئے پوچھا۔

سب سے پیاری آج صرف پریذے ہی لگ رہی ہے۔ بہرام سے بھی زیادہ پیاری۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

آئی نو چاچو میں بہرام سے زیادہ پریٹی لگ رہی ہوں۔ پریذے اپنے باربی فراک میں اچھلتے ہوئے بولی تھی۔

پریذے ادھر آؤ!!اسفندیار خان نے اسے بے تابی سے اپنی طرف بلایا۔

جی چاچو!!اوہ اسفند کی طرف بڑھی۔اسفند نے اسے اپنے سینے سے نرمی سے لگاتے اس کے بالوں کو چومتے اس کی دونوں ہتھیلیوں پر نرمی سے لب رکھے تھے۔

پریذے سچ میں بہت پریٹی لگ رہی ہے۔اسفند نے اس کے سرخ پھولے ہوے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

یس چاچو!!میں آج ماما سے بھی زیادہ پریٹی لگ رہی ہوں۔

میری ڈریس ماما کے ڈریس سے زیادہ پیاری ہے۔اور میری جیولری بھی۔پریذے نے اپنے گلے میں پہنی بچوں والی خوبصورت سی موتیوں والی

ڈفرنٹ کلرز والی مالا کی طرف اشارہ کیا۔ اسفند اس کی معصوم حرکتوں پر ہنس پڑا تھا۔ پریذے بھاگتی ہوئی حور کی طرف بڑھی۔

ماما آپ نے dress کیوں چینج کیا؟؟ وہ زیادہ بیوٹفل تھا۔ پریذے نے حور کو دیکھتے پوچھا تو حور گلاب کی طرح سرخ ہوتے اپنے سامنے بیٹھے ارحام کو ایک نظر دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔

پریذے کی بات پر وہاں بیٹھی سب خواتین کی نگاہیں حور پر اٹھیں تھیں۔ جو اس وقت بلیک کلر کی ویلوٹ کی بے حد خوبصورت لانگ فراک میں ملبوس تھی۔

ارحام نے پریذے کی بات اور حور کے بری طرح بلش ہونے پر جھنجھلاتے ہوے پہلو بدلا تھا۔

حور کی بے تحاشا سرخ رنگت جھکی پلکیں سب کو سب کچھ سمجھا گئی تھیں۔

ارحام نے اپنے گیلے نم زدہ بالوں میں جھنجھلاتے ہوئے انگلیاں پھیریں۔ وہ اس وقت بلیک کلر کی شلوار قمیض پر بلیک ہی کلر کا کوٹ پہنے ہوا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں ایک گھنٹے سے بھی زاید وقت گزار کر آیا تھا۔ اور اس نے بھی کپڑے چینج کیے تھے۔ اسی وجہ سے سب کی متجسس نگاہیں خود پر اور حور پر بڑتے محسوس کرتے وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

اسفند شہرام اور زاران کے لبوں پر ہلکا سا تبسم چھایا تھا۔

اسفندیار خان کو کھانسی کا دورہ پڑتا محسوس کرتے دیکھ کر زاران نے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ زاران کے گھورنے پر اپنی کھانسی پر قابو پا گیا تھا۔

Tell me Mama, why did you change that dress? It was prettier. That lipstick was also more beautiful.

پریذے نے معصومیت سے حور کو دیکھتے پوچھا تھا۔ اب وہ بہت سمپل سی تیار تھی۔ جیولری میں صرف ہیرے کے ٹاپس پہنے ہوے تھے۔۔ کلائیوں میں صرف ایک بریسلٹ پہنا ہوا تھا۔ لپ سٹک بھی بہت لایٹ لگائی ہوئی تھی۔ جو پریذے کو ذرا پسند نہیں آئی تھی۔ اسے ڈارک لپ سٹک اور ہیوی جیولری پسند تھی۔۔

پریذے جان!! آپ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آپ کا ہیر سٹایل کس نے بنایا؟؟ حور نے بات بدلتے پریذے کا ہاتھ پکڑتے اس کی ہتھیلی نرمی سے چومتے پوچھا تھا۔

عابیر پھوپھو نے بنایا۔ پریذے نے نروٹھے انداز میں حور کو دیکھتے جواب دیا تھا۔ اسے اتنی سمپل سی اپنی ماما بلکل پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے حور کو نروٹھے انداز میں حور کو دیکھتے ارحام کو گھور کر دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے حور نے وہ ڈریس چینج کیا تھا۔ اسے پہلی مرتبہ اپنے باپ پر بھی بہت غصہ آیا تھا۔

پریذے جان!! حور نے پریشان ہوتے اسے پکارا۔ وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ پریذے بات سنیں میری جان!! وہ ڈریس میں پھر کسی دن پہن لوں گی۔ حور نے پریذے کا ہاتھ پکرتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔ وہ منہ پھلائے اس سے مزید دور ہوئی تھی۔

ارحام نے اب حور کو گھور کو دیکھا تھا۔ جو بات ختم کرنے کی بجائے بڑھا رہی تھی۔ پریذے بچی تھی وہ تو سمجھدار تھی۔ اس کے روٹھنے پر وہ ایسے ہی

پریشان ہو جاتی تھی۔ اور پریذے بھی اب جان بوجھ کر اس سے بات بات پر ناراض ہونے لگی تھی۔۔ اور لاونج میں وہاں بیٹھے سب ہی اس وقت پریذے اور حور کی طرف ہی متوجہ تھے۔ ارحام خانزادہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا ماں بیٹی میں سے آخر کس کہ ڈانٹ کر خاموش کروائے۔

I know Papa removed your lipstick. Papa didn't like that dress and your makeup, but Mama, I liked it.

پریذے منہ پھلائے بولی تھی۔

نہیں پریذے جان۔۔ مم۔ پاپا۔۔ نے وہ لپ۔۔ سٹک۔۔۔ ریموو نہیں۔۔ کی۔۔ مم۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔ خود۔۔۔ ٹشو۔۔۔ سے۔۔ کی تھی۔ پاپا کو تو وہ

ڈریس بہت پسند آیا تھا۔ وہ تو میری بہت تعریف کر رہے تھے۔ حور نے اٹکتے ہوے جلدی سے وضاحت دی تھی

حور کے وضاحتی انداز پر اسفندیار خان منہ پر ہاتھ رکھتے کھانسا تھا۔ اب کی بار وہ اپنی کھانسی پر قابو نہ پا سکا تھا۔

شہرام خان اور زاران نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

شہرام خان کو اسفند کی ایسے موقعوں پر کھانسی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ بلکہ اسے اپنے سالے اسفندیار خان کی کوئی بات ہی نہیں بھاتی تھی۔ اور زاران تو آج کل ہنسنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔ ایسی باتوں سے وہ صرف وہ بھڑ بھڑ جلتا ہی تھا۔ اپنے لالا کا بدلہ ہوا ڈریس اور نم زدہ بال دیکھتے ہوے تو وہ تو اب اپنے مرد ہونے پر سچ میں لعنت ہی بھیج رہا تھا۔

حور کی بات اور اسفند کی بے وقت کھانسی پر ارحام کی رنگت اب اچھی خاصی سرخ ہوئی تھی۔۔ حور نے سرخ ہوتے بیچارگی سے ارحام کو دیکھا تھا۔ ارحام کی سرد نگاہ پر وہ روہانسی ہوئی تھی۔ باپ بیٹی دونوں اس سے ناراض ہو چکے تھے۔ اور غلطی بھی باپ بیٹی خود کی ہی تھی۔۔

ماشاءاللہ نظر بد سے بچائے ہمارا دونوں بچہ کو!! اس سے پہلے روزینہ خانم اس سچویشن میں طنز کے تیر برساتی امینہ خانم ارحام کے سرخ چہرے کو دیکھتے جلدی سے صوفے سے اٹھتے حور کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے جھکتے ہوے اس کی پیشانی نرمی سے چومی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ اس پر وار دیے تھے۔۔

اللہ ہمارا ارحام کو بیٹا دے ہمارا تو یہی دعا ہے۔۔ امینہ خانم نے دعا دیتے ہوے حور کی پیشانی ایک بار پھر سے چومی تھی۔ اب وہ پریذے سے پیسے

وارتے بہرام کی طرف بڑھ گئی تھی۔ حور نے امینہ خانم کی دعا پر گلابی ہوتے ارحام کو دیکھا جو اسے ہی گرم حدت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ارحام کی حور پر ڈلنے والی نگاہ میں گرمی اور حدت تھی۔ ارحام اب اسے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ حور کی آنکھوں میں آنسو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر اس وقت پریشان ہو رہی تھی۔ اپنی خوبصورت بیوی کا بے حد خوبصورت چہرہ اس کا غصہ دور کر چکا تھا۔ تنہائی میں وہ اسے پریذے کے معاملے میں نرمی سے سمجھانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ بیٹی کی ماں ہوتے اسے سٹرونگ ہونا چاہیے تھا۔ اگر بیٹی کے ناراض ہونے پر وہ رونے لگ جایا کرے گی تو بیٹی کل کو کیسے سٹرونگ بنے گی۔ اپنی بیٹی کو وہ بہت سٹرونگ دیکھنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ کی بیٹی ہونے کے باوجود حور کو تقدیر کیا حالات دکھا چکی تھی۔ اپنی بیٹی کو لے کر وہ اندر سے کافی ڈر

گیا تھا۔ اس لیے وہ محبت کے ساتھ اس سے تھوڑا سختی بھی کرتا تھا۔ تاکہ وہ دنیا کا ایک رخ ہی نہ دیکھے۔ اسے گرم سرد حالات برداشت کرنا لوگوں کے رویے پرکھنا آتا ہو۔ جو اسے باہر کی دنیا اور حالات سکھائے وہ اپنی بیٹی کو خود سکھا دینا چاہتا تھا۔

ارحام کے مسکراتی نگاہوں سے دیکھنے پر حور بھی گہرا سانس لیتے جواباً مسکرائی تھی۔ ارحام نے اپنے ہونٹوں کو سکوڑتے ہوئے اسے نامحسوس انداز میں فلاینگ کس کی تھی۔

حور ارحام کی فلاینگ کس پر پہلے سے زیادہ کھل کر مسکرائی تھی۔ دونوں اب ایک دوسرے کو دیکھتے مسکرا رہے تھے۔ ارحام خانزادہ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اپنی بیوی کو گہری نگاہوں سے دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ذو معنی اشارے کر رہا تھا۔ ارحام کے ذو معنی اشاروں کا مطلب سمجھتے

ہوے حور مسکراتے ہوے گلاب کی طرح سرخ پڑتے اسے ادائیں دکھاتے ہوے گھور رہی تھی۔ ارحام اس کے گھورنے پر پہلے سے زیادہ ذو معنی اشارے کرتے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے اسے دیکھ رہا تھا۔ حور گلاب کی طرح سرخ پڑتے نظریں جھکاتے کبھی شرمیلا سا مسکراتی کبھی ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتی تھی۔

ور اور ارحام کا انٹریکشن دیکھتے ہوے ابرش کی نگاہیں بے اختیار زاران کی طرف اٹھی تھیں۔۔ جو منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے موبایل میں کچھ ٹائپ کرتے مسکرا رہا تھا۔ ابرش نے مٹھی دبوچتے ہوے گہرا سانس لیا تھا۔ آنکھیں اسی لمحے گلابی ہوئی تھیں۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی کہ مگر زاران نے اسے ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔ ابرش نے اپنے ہاتھ میں

پکڑے موبائل کا فرنٹ کیمرہ آن کرتے خود کو دیکھا تھا۔ اپنے خوبصورت نقوش دیکھتے اس نے زاران خانزادہ پر اپنی گلابی ہوتی نگاہیں گاڑھیں۔

وسیاہ شلوار قیمض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے زاران خانزادہ کی جان لیوہ بارعب بے حد وجیہہ پرسنیلٹی آج ضروت سے زیادہ پرکشش اور جان لیوہ لگ رہی تھی۔ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ وہ انگلیوں سے سہلاتے ابرش کو اس وقت جان لیوہ ہی لگا تھا۔ وہ آج بے حد خوش بھی لگ رہا تھا۔ ابرش اس کے عنابی لبوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو بغور دیکھ رہی تھی۔

خود پر اپنی نازک بے انتہا خوبصورت بے حد جذباتی بیوی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے زاران نے موبایل سے نگاہ ہٹاتے ابرش دیکھا۔ جو اسے دیکھتے سرد سپاٹ انداز میں بے رخی سے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ ابرش کی بے

رخی پر زاران نے بھی اپنی شال گلے میں جھٹکتے اپنی نگاہوں میں سرد پن کا تاثر پیدا کیا تھا۔

ابرش نے اپنے کیوٹکس لگے ناخنوں کو دیکھتے گہرا سانس بھرتے اپنا نچلا لب کاٹتے پھر سے زاران پر نگاہ ڈالی جو صوفے سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلاتے سرد سپاٹ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ابرش نے بھی جواباً سرد و سپاٹ بے تاثر نگاہوں سے زاران کو دیکھا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کو بے رخی اور سرد و سپاٹ اجنبیت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی کاٹ دار تیکھی نگاہوں میں سرد اور برفیلے پن کی امیزش بڑھتی جا رہی تھی۔۔ زاران نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنے آئی برو اچکائے تھے۔ جوابًا ابرش نے بھی استھزائیہ مسکراتے ہوے اپنی تیکھی چتون اچکائی تھی

۔زاران اس کے ایکٹ پر اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنے گلے میں شال جھٹکتے موبایل پر ایک نمبر ڈایل کرتے فون کان سے لگائے اسی وقت تیز تیز قدموں زنان خانے سے نکل گیا تھا۔

زاران کو زنان خانے سے باہر جاتا دیکھ کر ابرش کو اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئی تھیں۔اس کی بھیگی جلتی نگاہوں نے دور تک زاران کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا۔زارن خانزادہ کے ہنسنے کی آواز پر ابرش نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھتے اپنا چوکر کو بے دردی سے کھینچا تھا۔ آنکھوں کی رنگت گلابی پن سے سرخ ہوئی تھی۔

وہ اب مٹھیاں دبوچے گہرے سانس لیتے بمشکل خود پر قابو پا رہی تھی۔اس کی جلتی بھیگی نگاہیں زنان خانے کے بڑے سے منقشم دروازے پر تھیں۔ جہاں سے زاران گیا تھا۔۔۔وہ اپنے چوکر کو آگے سے بے دردی سے کھینچتے

دروازے پر ہی نگاہیں گاڑھے ہوے تھی۔ زاران کا سرد پن لا تعلقی بھرا رویہ اس وقت اس کے اندر بارود دہکائے ہوے تھا۔ اس کے گانے کے لرعکس ابھی تک اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ وہ اس سے بہت زیادہ تنگ آچکا تھا وہ جانتی تھی۔ کمرے میں اس کے خوبصورت وجود کو وہ کیسے اگنور کر گیا تھا۔ اس کی ڈوریاں باندھتے ہوے بھی اس نے اسے چھوا نہیں تھا۔

ورنہ وہ ناراضگی میں بھی بے باکی سے اسے چھوتا ضرور تھا۔ اور قریب آنے کے لیے مرا جاتا تھا۔

لیکن آج نہ پاس آنے کی کوشش کی تھی۔ نہ اسے اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اور یہ تو وہ اسے کل ہی کہہ چکا تھا وہ اسے اب چھوے گا نہیں۔۔ اور کل سے ہی اس کے لفظ یاد کرتے وہ دہکتا تندور بنی ہوئی تھی۔

عنائیہ کے لاونج میں داخل ہونے پر ابرش صوفے سے اٹھتے ہوے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔۔

وہ نظریں جھکائے شال اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوے تھی۔اس کا بدن اچھی طرح چھپا ہوا تھا۔دوپٹہ بھی ایسے سیٹ کیا ہوا تھا اس کا ایک بال تک نظر نہیں آرہا تھا۔

بہت پیاری لگ رہی ہو عنائیہ !!ابرش نے اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔

عنائیہ نے مسکراتے ہوے ابرش کو دیکھتے سامنے سے آتے درخزئی خانزادہ کو دیکھا تھا جو اس پر بنا کوئی نگاہ ڈالے صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

درخزئی خانزادہ کا سنجیدہ اور سرخ چہرہ دیکھتے عنائیہ کا تیزی سے دھڑکتا دل پہلے سے بھی زیادہ شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ جی جان سے کانپ کر رہ گئی تھی۔

کیا ہو عنائیہ کانپ کیوں رہی ہو میری جان؟؟ ابرش نے اس کا کپکپاتا ہاتھ نرمی سے تھاما۔۔

سردی لگ رہی ہے آپی!! عنائیہ نے بھیگی نگاہیں درخزئی پر گاڑھے لرزتی آواز میں کہا۔ سامنے بیٹھے بے حد خوبرو ایس پی سے جب سے محبت ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ اس سے ڈرنے لگی تھی۔۔ دل اسے کھونے کے خوف سے بھی اب شدت سے لرزنے لگا تھا۔

ابرش!! اس کو درخزئی کے پاس بٹھاؤ!! بچی ہے ایسا وقت میں بچیاں گھبرا جاتی ہیں۔ امینہ خانم نے عنائیہ کو لرزتے دیکھ کر کہا تھا۔ زحلے عنائیہ کو دیکھ

کر صوفے سے نہیں اٹھی تھی۔ وہ اپنی چادر سے مسلسل اپنی آنکھیں مسل رہی تھیں

ابرش عنائیہ کو شبنمی نگاہوں سے دیکھتے اسے بازو سے نرمی سے تھامے درخزئی خانزادہ کی طرف بڑھی۔ عنائیہ کو بہت نرمی سے اس نے درخزئی کے پہلو میں بٹھایا۔

عنائیہ کے قریب بیٹھنے پر درخزئی کھسک کر اس سے تھوڑا دور ہو کر بیٹھا تھا۔ درخزئی کو خود سے دور ہوتا دیکھتے عنائیہ نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گئی۔ اپنے اور درخزئی خانزادہ کے درمیان کچھ فٹ کا فاصلہ دیکھتے اس کی شفاف کانچ سی خوبصورت آنکھوں میں نمکین پانی آن ٹھہرا تھا۔ یہ فاصلہ اسے سوئی کی طرح چبھا تھا۔

ماشاءاللہ نظر نہ لگے چاند سورج کا جوڑی ہے۔ امینہ خانم نے ان کی طرف بڑھتے ان دونوں پر پیسے وارے۔

عنائیہ کی بھیگی نگاہیں درخزئی خانزادہ پر ہی تھیں۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ سرد پن کی گہری رمک بھی شامل تھی۔ جہاں خوشی کا کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ تو مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔

امینہ خانم نے پاس کھڑی ملازمہ کے ہاتھ سے ایک کیس پکڑا۔ اس میں سے سونے کے کڑے نکالتے ہوئے وہ عنائیہ کی طرف بڑھتی اس کے قریب صوفے پر بیٹھیں۔

یہ درخزئی کا مورے کے کڑے ہیں۔۔ جس دن تمھارا اور درخزئی کا نکاح ہوا تھا۔ اس دن اس نے اپنا مورے کا سارا زیور ہمارے حوالے کر دیا تھا کہ سارا زیور ہم اس کا مورے کا جگہ ہونے کا واسطے ایک ساس کی طرح تمھیں

یہ سارا زیور ہم اپنا ہاتھوں سے دے۔۔ سارا رسموں کو جانتا ہے ہمارا

درخزئی!! یہ سارا زیور ایک ساس اپنا بہو کو دیتا ہے۔ اگر درخزئی کا مورے

آج زندہ ہوتا وہ تم کو اپنا ہاتھوں سے سارا زیور دیتا۔

امینہ خانم کی بات پر درخزئی نے پہلو بدلتے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے

مسلی تھیں۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر یکدم ہلکا سا کھانستے ہوئے گہرا سانس

لیتے ہوئے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے چھت کی طرف

دیکھا تھا۔ کسی کے سامنے اس کی آنکھوں سے پانی بہے اسے گوارا نہ تھا۔

یہ کڑے تو خاص طور پر درخزئی نے تمھیں نکاح والے دن دینے کو کہا

تھا۔۔ مگر نکاح جس طرح ہوا ابرش نے بتایا کہ زاران نے تم کو بہکا کر نکاح

کروایا۔ اس وقت ہم کو یہ کڑے دینا مناسب نہیں لگا تھا۔ امینہ خانم نے

سنجیدگی سے کہتے عنائیہ کی کلائی تھامتے اسے وہ کڑے پہنائے۔

یہ کڑے درخزئی کو بہت عزیز ہے۔ بہت سنبھال کر رکھا اس نے آج تک۔۔ وہ کہتا ہے ان کڑوں پر اس کا مورے کا لمس ہے۔ اس کا مورے ہر وقت پہنے رکھتا تھا۔ جب اس کا سانسیں بند ہوا تب بھی پہنے ہوے تھا۔ اس کو سنبھال کر رکھنا۔ امینہ خانم نے نرمی سے عنائیہ کو بتایا تھا

عنائیہ نے امینہ خانم کو نم نگاہوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اپنی کلائی میں پہنے کڑوں کو اس نے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ان پر ہاتھ رکھا ۔ درخزئی کی مورے کے کڑے اسے اب اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ انھیں اب کبھی بھی نہ اتارنے کا آرادہ رکھتی تھی۔

یکدم درخزئی عنائیہ کے کڑے پہنی کلائی تھام گیا تھا۔ عنائیہ نے اپنی شفاف کانچ آنکھیں درخزئی پر گاڑھیں جو اس کی کڑے پہنے والی کلائی جکڑے ہوے تھا۔

سب نے حیرت سے درخزئی خانزادہ کو دیکھا جو عنائیہ کی کلائی جکڑے اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

درخزئی!!عنائیہ نے اس کی سرد سرخ نم زدہ آنکھوں میں جھانکتے اسے بے آواز پکارا۔ آواز مقابل کے سامنے نکل ہی نہیں رہی تھی

درخزئی اسے سپاٹ نگاہوں سے دیکھتے اس کی کلائی میں پہنے ہوے کڑے بے حد نرمی سے اتار گیا۔

لاونج میں بیٹھے سب نے حیرت اور پریشانی سے درخزئی خانزادہ کا یہ عمل دیکھا تھا۔ ارحام خانزادہ پریشان ہوا تھا۔

عنائیہ کی آنکھوں سے موتی ٹوٹتے ہوئے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر گرے تھے۔۔ ابرش کی رنگت فق ہوئی تھی۔ اس نے بے حد پریشانی سے درخزئی خانزادہ کو دیکھا تھا۔

یہ کڑے پرانے لگ رہے ہیں۔ ان کی چمک ماند پڑتی دکھائی دے رہی ہے۔۔ میں انھیں جیولر کو دے کر ٹھیک کرواؤں گا۔ ویسے بھی عنائیہ کی کلائی میں فٹ نہیں ہیں۔ درخزئی نے اپنے سامنے بیٹھے ارحام اور باقی سب کو دیکھتے سنجیدگی سے وضاحت دی تھی۔ عنائیہ کی طرف سے وہ نگاہیں پھیر گیا تھا۔

درخزئی بچہ !! یہ تو پرانا سونا ہے۔ جس کا چمک کبھی ماند پڑ ہی نہیں سکتا۔۔ اور عنائیہ کا کلائی میں یہ تو بہت اچھے سے فٹ آیا تھا۔ امینہ خانم نے ملازمہ کی طرف بڑھتے درخزئی سے حیرت سے کہا۔

درخزئی نے بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے وو کڑے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

ارحام خانزادہ نے درخزئی خانزادہ کو سنجیدگی سے دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ سب ہی درخزئی کی بے انتہا سنجیدگی پر خاموش ہوے تھے۔۔

عنائیہ اپنے سرخ لپ سٹک سے ہونٹوں کو بری طرح کاٹتے ہوے نظریں جھکائے ہوے تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر اس کے عارض پر گرتے اس کے گود میں دھرے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کا یہ عمل اسے بے حد تکلیف پہنچا گیا تھا۔ اس کے بدن پر مزید لرزا طاری ہوا تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا وہ درخزئی خانزادہ کے بے رخی بھرے رویے پر چیخیں مار مار کر ماتم کدہ انداز میں روئے۔ جن سے شدت سے محبت ہو ان کی ذرا سی بے رخی تو پہلو سے دل ہی نکال ہی دیتی تھی۔ اسے آج سمجھ آئی تھی۔ 16 سال

لڑکی 27 سالہ مرد سے عشق کر بیٹھی تھی۔ اور وہ مرد اپنے ہی ظلم سے بے خبر تھا۔۔ اسے خبر ہی نہ تھی کچی عمر کے روگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ جاں کا آزار بن جاتے ہیں۔ وہ سولہ سالا لڑکی اس مرد کے گوڈے گوڈے عشق میں ڈوب چکی تھی۔ وہ انجانے میں اس پر بے حد ظلم کر چکا تھا۔

عنائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنی ہتھیلیوں سے اپنے عارض بے دردی سے رگڑے۔

عنائیہ یہ ہمارا طرف سے تمہارا لیے! امینہ خانم نے ملازمہ کے ہاتھ سے ایک ڈبہ پکڑتے عنائیہ کو پکڑایا۔ جو سونے کا بھاری سیٹ تھا۔

عنائیہ نے وہ اپنے کانپتے ہاتھوں سے پکڑتے اپنی گود میں رکھا تھا۔ نگاہیں درخزئی خانزادہ کی طرف ہی تھیں۔

ارحام نے حور کو دیکھتے نگاہوں سے اشارہ کیا تھا۔ حور نے ناسمجھی سے ارحام کی طرف دیکھا۔

ارحام مسکراتے ہوے اپنی جگہ سے اٹھتے حور کی طرف بڑھا اپنی پاکٹ سے پانچ پانچ لاکھ کی دو گڈیاں نکالتے حور کی طرف بڑھائیں۔ حور ابھی بھی ناسمجھی سے ارحام کی طرف دیکھ رہی تھی.۔

امینہ خانم نے ہنستے ہوے حور کی طرف دیکھا تھا۔ جو ان رسموں سے کہاں واقف تھی۔

تم ارحام کا بیوی ہے اس طرح تم درخزئی کا بڑا بھا بھی ہے۔ عنائیہ کو اپنا ہاتھوں سے یہ شگن دو۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے کہا تو ارحام نے بھی مسکراتے ہوے اسے اشارہ کیا۔

حور پریذے کا ہاتھ پکڑے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ ارحام کے ہاتھ سے وہ گڈیاں پکڑتے اس نے پریذے کو پکڑائیں۔ ماما پاپا کی طرف سے آپ دو گی عنائیہ آپی کو۔ حور کی بات پر پریذے نے ایکسائیٹمنٹ سے حور کو دیکھا تھا۔ حور اس کی کلائی جکڑے عنائیہ کی طرف بڑھی۔ پریذے نے وہ گڈیاں عنائیہ کو پکڑائیں۔ عنائیہ نے پکڑتے ہوے درخزئی کو دیکھا جو سنجیدگی سے اپنے منہ پری غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

عابیر نے آگے بڑھتے سونے کی چوڑیوں والا کیس اپنے اور اسفند کی طرف سے عنائیہ کو دیا تھا۔

بہارے نے گولڈ کا سیٹ شہرام اور اپنی طرف سے عنائیہ کو دیا تھا۔ عنائیہ سب چیزیں پکڑتے ایک نظر درخزئی کو ضرور دیکھتی تھی جو ان سب سے

لاتعلق سا بیٹھا ہوا تھا۔ روزینہ خانم نے بھی عنائیہ کو بھاری سونے کا سیٹ دیا تھا۔

ابرش ایک طرف کھڑی بھیگی نگاہوں سے اپنی عنائیہ کو دیکھ رہی تھی۔۔ بار بار جلتی بھیگی بے چین نگاہیں داخلی دروازے کی طرف بھی اٹھ رہی تھیں جہاں سے زاران خانزادہ گیا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

زاران کو داخلی دروازے سے اندر آتے دیکھتے ابرش سپاٹ انداز میں اپنا چہرہ موڑ گئی تھی۔ مگر پلوشہ کو زاران کی طرف جاتے دیکھتے وہ خود پر قابو پا نہ سکی تھی۔ اس کی نگاہیں پھر سے زاران کی طرف اٹھی تھیں۔

پلوشہ بلیک پٹھانی فراک میں ملبوس فل تیار زاران کے قریب کھڑی تھی۔ ابرش پلوشہ کو زاران کے پاس کھڑا دیکھ کر اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچ گئی تھی

زاران نے ناگواری سے پلوشہ کو دیکھتے سوالیہ انداز میں آئی بروا چکائے۔

"زاران، °ول ستا انتظار کوي" °ول ستا پو°تنه کوي، تا عنایه ته ھ°° نه دي ورکول.

(زاران! سب تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم نے عنائیہ کو کچھ نہیں دینا کیا؟؟)۔ پلوشہ پٹھانی میں بولتے ہوے مزید زاران کے قریب ہوئی تھی۔

ته خپل کار ته پام کا°ه، پوه شو°ته؟

(اپنے کام سے کام رکھو سمجھی تم)

!!زاران نے لفظ چباتے پشتو میں اسے جواب دیتے اشتعال بھری نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

زه نو°مکه پو°تنه کوله، °مکه چه°پ ئ°پ ئ°وویل چه°له تا°ویو°تم.

(ہم تو اس لیے پوچھ رہا تھا پھوپھو تمھارا بارے میں پوچھ رہا تھا) پلوشہ نے لب کاٹتے ہوئے پشتو میں جواب دیتے زاران کے خوبرو چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

اس کی منگنی ہو چکی تھی مگر زاران کے علاوہ اسے کوئی بھاتا ہی نہیں تھا۔ وہ چاہ کر بھی اسے بھول نہیں پائی تھی۔ امینہ خانم سے وہ معافی مانگ چکی تھی کہ وہ کبھی زاران اور ابرش کے درمیان نہیں آئے گی۔ مگر زاران کو دیکھ کر اس کا دل اس کے قابو میں نہیں رہتا تھا۔ آج بھی وہ اس خوبرو انسان کو پانے کی تمنائی تھی۔

ابرش نے اپنی مٹھیاں دبوچتے ہوئے اپنے بدن کی لرزاہٹ پر بمشکل قابو پایا تھا۔ پلوشہ زاران سے کیا کہہ رہی تھی؟؟۔ اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر

زاران بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ ابرش کے پورے بدن میں شعلے سے دہکے تھے۔ دل میں تند و تیز بھانبھڑ جلے تھے۔۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوے اپنی مٹھیاں دبوچتے اپنی نگاہیں آتش دان میں جلتی لکڑیوں پر جما گئی تھی۔ ان جلتی لکڑیوں اور خود کے دہکتے وجود میں اسے کوئی فرق نہیں لگا تھا۔۔ آنکھیں حدت سے بری طرح جلنے لگی تھیں۔ زاران پلوشہ کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے تیز تیز قدموں سے زنان خانے میں سب کی طرف بڑھا۔

زاران اپنے بھاری قدموں سے امینہ خانم کی طرف بڑھا۔ مورے یہ عنائیہ کو دے دیں۔ اس نے پانچ لاکھ کی گڈی اپنی جیب سے نکالتے امینہ خانم کی طرف بڑھائی۔

تم خود دیتا یا ابرش کو دو یہ اس کا کام ہے۔ امینہ خانم نے سامنے کھڑی ابرش کو دیکھتے زاران سے آہستگی سے کہا تھا۔

آپ دے دیں اس کی ضروت نہیں۔ زاران نے سنجیدگی سے کہتے وہ گڈی امینہ خانم کو پکڑائی۔ امینہ خانم نے خاموشی سے وہ پیسے عنائیہ کو پکڑائے۔

ابرش گہرے سانس لیتے زاران کی پشت کو جلتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے اور اس کی فیملی سے بھرپور انداز میں لاتعلقی شو کر رہا تھا۔ جو اس نے کل کہا تھا وہ ایک ایک لفظ سچ تھا۔ وہ اس کی فیملی پر اپنا ہر تعلق ختم کر چکا تھا۔ جس طرح اس نے امینہ خانم کو پیسے پکڑائے تھے۔ ابرش کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اسے خود وہ پیسے عنائیہ کے سر پر رکھتے دینے چاہیے تھے۔ اپنی فیملی سے مقابل کا لاتعلقی بھرا رویہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

ابرش خود پر قابو پاتے ہوے اپنی بھیگی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑ گئی تھی۔۔

عنائیہ شبنمی نگاہوں سے درخزئی کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس نے ایک بار بھی اس کے خوبصورت شعلہ جوالہ روپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔وہ تو پورپور اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔

عنائیہ کی نگاہیں خود پر محسوس کرتے درخزئی خانزادہ نے اپنا فون اپنی قمیض کی جیب سے نکالتے کان سے لگایا۔

ہیلو جی سر!!ایک منٹ سر سگنلز نہیں آرہے یہاں۔درخزئی فون سے کان سے لگاتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے اسی لمحے زنان خانے سے نکل گیا تھا۔عنائیہ کی بھیگی نگاہوں نے درخزئی خانزادہ کا دور تک پیچھا کیا تھا۔اس کے فون پر کسی کی کال نہیں آئی تھی۔وہ دیکھ چکی تھی۔عنائیہ پیسے اور ساری جیولری

صوفے پر رکھتے تیز تیز قدموں سے اسی لمحے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ابرش عنائیہ کو یوں یکدم کمرے میں جاتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ پلوشہ کو زاران کے قریب کھڑے دیکھ کر وہ وہیں پر رک گئی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ہی کھڑے تھے۔ پلوشہ زاران کے قریب کھڑی اسے اور عابیر کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران عابیر پر پیسے وارتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔

سالا کمینہ !! اسفند نے زاران کی حرکت پر اسے دانت پیستے ہوئے گھور کر دیکھا تھا۔

ابھی تک وہ خود اپنی بنی سنوری بیوی کو اپنے سینے سے لگا نہ سکا تھا۔ زاران اس کے سامنے عابیر کی ہتھیلیاں چومتے ہوئے اسے سینے سے لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ عابیر بھی زاران کے سینے پر سر رکھے مدھم آواز میں اس سے

شکوے کر رہی تھی۔۔ اسفند عابیر کو گھورتے ہوئے غصے سے لاونج سے نکل گیا تھا۔

شہرام خان بہرام کو اٹھائے صوفے سے ٹیک لگائے اس سے کھیل رہا تھا۔ بہرام کی کھکھلاہٹ اس وقت پورے زنان خانے میں گونج رہی تھی۔ وہ اسے بار بار اوپر اچھالتا تو بہرام کی کلکاریاں گونجتی تھی۔ امینہ خانم روزینہ خانم بہرام کی کلکاریاں سنتے ہوئے صدقے وارے ہو رہی تھیں۔ بہرام نے اپنے پاپا شہرام جیسا سیاہ کرتا سفید شلوار زیب تن کی ہوئی تھی۔ زاران ارحام اسفند بہرام پر کتنے ہی پیسے وار چکے تھے۔

شہرام مجھے بہرام پکڑاؤ گے !! ابرش نے شہرام کی طرف بڑھتے اس سے بہرام لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ خود کو اس وقت بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ زاران کے پہلو میں کھڑی پلوشہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مقابل پر جتانا بھی تو تھا اب اسے اس کے کسی ایکٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ چاہے وہ پلوشہ سے بات کرے یا اس کے قریب کھڑا ہو۔

کیوں نہیں بھابھی؟؟ بہرام آپ کا ہی بیٹا ہے۔ جتنا مرضی پکڑیں چاہیں تو آج رات کے لیے آپ ہی اسے رکھ لیں۔ میری نیند پوری ہو جائے گی۔ شہرام نے بہرام ابرش کو پکڑاتے مسکراتے ہوئے کہا۔

تمھیں جگاتا ہے یہ رات کو؟؟ ابرش نے بہرام کے گال کو چومتے ہوئے پوچھا تھا۔ بلکل مجھے ہی جگاتا ہے یہ رات رات بھر!! شہرام مسکراتے ہوئے بولا۔

آج میرے پاس سوئے گا کیا میرا بہرام؟؟ ابرش اپنے سامنے کھڑے زاران اور پلوشہ کو نظر انداز کیے بہرام کے ساتھ اونچی آواز میں بولتے اسے چوم رہی تھی۔

پلوشہ !!زاران کی آواز پر ابرش کے ہاتھوں میں بہرام لرزا تھا۔ وہ پلوشہ کو مخاطب بھی کرے وہ کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ اس سفاک منسٹر کے لبوں سے کسی دوسری عورت کا نام سننا گوارا نہ تھا۔

میلی جان میلا بہرام بہت پار الگ رہا ہے۔ ابرش زاران کو صوفے پر لٹائے بے پرواہ سی بنی اسے گدگدی کرتے کھیل رہی تھی۔

کیا زاران ؟؟ پلوشہ نے مسکراتے ہوئے زاران سے پوچھا تھا۔

مردانے جا رہا ہوں اپنے ہاتھ کی کافی پہنچا دو ذرا!!زاران نے ابرش پر گہری نگاہ ڈالی تھی۔ جو اس سے مکمل لاتعلق بنی بہرام کے ساتھ کھیلتے اسے چوم رہی تھی۔ زاران اپنی شال جھٹکتے تیز تیز قدموں سے مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش بہرام کو شہرام کی گود میں دیے جلدی سے تیز تیز قدموں سے گہرے سانس لیتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اپنے چوکر کو بے دردی سے کھینچتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عنائیہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ درخزئی خانزادہ کا سرد پن یاد کرتے اس کا دل بری طرح لرز رہا تھا۔ ساری ہمتیں جو اس نے بہت مشکل سے مجتمع کی تھیں۔ وہ ٹوٹتی نظر آ رہی تھیں۔ دل اب سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ عنائیہ اپنی کلائی کو دیکھتے رو پڑی تھی۔ اپنی مورے کے کڑے جس طرح اس نے اس کی کلائی سے نکالے تھے۔ وہ یاد کرتے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ اسے معاف نہیں کرے گا اب اسے یقین ہو چلا تھا۔

اگر وہ اسے معاف نہیں کر پایا تھا تو وہ پھر اسے رخصت کر کے کیوں لے کر جا رہا تھا آخر؟؟

کیا وہ اسے سزا دینے کا آرادہ رکھتا تھا؟؟

عنائیہ بے چین ہوتے بیڈ سے کھڑے ہوتے کمرے کے وسط میں چکر لگانے لگی۔

کیا کرے گا میرے ساتھ آخر؟؟ کیا مجھے اپنی قربت میں ہرٹ کرے گا؟؟ مرد اپنی قربت میں کیسے کیسے عورت کو ہرٹ کر سکتا ہے وہ جانتی تھی۔ مرد پہلی رات میں اپنی عورت کو جان لیوہ درد دے کر بھی اسے راحت بہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ صرف درد دینے پر آجائے تو وہ ایسے طریقوں سے ہرٹ کر سکتا ہے کہ عورت کی جان نکل جائے۔

عنائیہ کے پورے بدن پر اب لرزا طاری تھا۔ وہ سولہ سال کی ہونے کے باوجود خود کو اسے سوپنا چاہتی تھی۔ وہ ہرٹ بھی کرتا برداشت کر لیتی۔ مگر درخزئی خانزادہ کا برفیلہ سرد پن اس کے پور پور میں خوف سما چکا تھا۔ اس کے اعصاب ساکت ہو رہے تھے جیسے۔ جسم کی عمارت ٹوٹ کر اندر سے بکھر رہی تھی۔

خانزادوں سے اس کا خوف فطری تھا کہاں دیکھے تھے پہاڑوں میں رہنے والے اتنے سخت خانزادہ!! وہ ایس پی تو گولی بازو پر کھائے بھی چار گھنٹوں کی ڈرائیو کرتے آیا تھا۔

درخزئی خانزادہ کے خوف سے اب وہ بری طرح لرز رہی تھی وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر آج تو اس کی آنکھوں میں محبت نرمی کا شائبہ تک نہ تھا۔

وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی مگر اب اس کی قربت اس کے ساتھ سے ہی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی سختی بھی برداشت کر لیتی۔ مگر آج تو اس کی آنکھوں کا سرد پن جیسے اس کی جان لے چکا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ اندر سے مر رہی تھی۔

وہ ایس پی خانزادہ اسے اپنی سانسوں سے بھی زیادہ عزیز ہو جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ آج اسے اپنی زندگی میں صرف وہ ایس پی ہی عزیز تھا۔ جس کے بغیر زندگی گزارنے کا سوچ کر بھی اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

عنائیہ نے اپنی شال خود کے وجود سے اتار کر دور اچھال دی۔

اگر درخزئی خانزادہ اس جسم کو تار تار کرنا چاہتا ہے تو عنائیہ خانزادہ اسے یہ حق دیتی ہے وہ اس کے جسم کو نوچ لے۔ جب اس جسم ان آتی جاتی

سانسوں کا وہ مالک ہے تو وہ اس جسم کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرے عنائیہ درخزئی خانزاہ اس کا ہر وار ہر قہر اپنے بدن پر سہے گی۔ عنائیہ مرر میں اپنا قیامت سا عکس دیکھتے مضبوط لہجے میں خود سے بولی تھی۔

مسٹر درخزئی خانزادہ تمھاری معافی اگر تمھاری بے رحم قربت ہے تو میں سہنے کو تیار ہوں۔ مگر تمھاری بے رخی مجھے مار ڈالے گی۔ تمھیں کیسے بتاؤں میں اپنی روح دل سے تمھاری ہو چکی ہوں۔ صرف تمھاری ہو چکی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ تھا یہ محبت اتنی جان لیوہ ہوتی ہے۔ اگر میں جان جاتی تو تمھیں کبھی اس نکاح کا مودر الزام نہ ٹھہراتی۔ سمجھتی تم سے یہ سب تمھاری محبت نے کروایا۔

سمجھتی محبت میں صرف وہ انسان اپنے نام اپنی دسترس میں چاہیے ہوتا ہے جو سینے میں دھڑکن بن کر دھڑکتا ہے۔ اس کی سانسوں تک کا انسان مالک

بننا چاہتا ہے۔ جیسے آج مجھے درخزئی خانزدہ پورا پورا کا چاہیے۔ جس کی.
سانسوں پر بھی مجھے اس کا حق بھی گوارا نہیں۔ عنائیہ مرر کی طرف بڑھتے
اپنا ہوش ربہ سراپہ دیکھتے رو پڑی تھی۔۔

مسٹر درخزئی خانزادہ!! تم میرے میں صرف تمھاری۔۔ تم میرے صرف
میرے! صرف میرے!! ایک مرتبہ معافی دے دو تمھیں اتنی محبت دوں
گی کبھی کسی نے کسی سے اتنی محبت نہیں کی ہو گی۔ تمھیں تمہارا کوئی رشتہ
کبھی یاد نہیں آئے گا۔ عنائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو صاف کیے
تھے۔

!! میں نے سوچا تھا جب تم میرے نکاح میں آجاؤ گی سب سے پہلے تمھیں
فل پیشنیٹ ایگریسیو کس کروں گا۔ پہلی کس کرنے کی خواہش ہر مرد کے
دل میں بڑی شدت سے ہوتی ہے۔ میرے دل میں بھی ہے۔ مگر جیسے ہی تم

میری محرم بنی۔ دل کے جذبات ہی بدل گئے۔ پہلے تم میرے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی تھی۔ اب تم روح کی طرح میرے جسم میں قید ہو چکی ہو۔ جسم کی محبت تو جیسے بہت پیچھے رہ گئی!!

درخزئی کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو نم آنکھوں سے مسکرائی تھیں۔

!!یہ فیلینگز بہت الگ سی ہیں عنائیہ۔۔ بہت الگ سی کیا تم میرے لیے ایسا کچھ محسوس کر رہی یہ دل بہت عجیب ہے مائی سویٹ کیوٹ وائفی!! کل تک تمھیں اپنا بنانا تھا۔ آج یہاں تک پہنچنا ہے۔!!

عنائیہ نے اس کے لفظ یاد کرتے ہوے اپنے دل کے مقام پر انگلی رکھی تھی

۔

پہنچ گئے مسٹر دو نمبر ایس پی خانزادہ!! عنائیہ روتے ہوے ہنس پڑی تھی۔

!!مائی سویٹ وائفی۔ پتہ ہے کس ایسے نہیں کی جاتی۔

تمھیں پتہ ہے کیسے کی جاتی ہے؟؟!!در خزئی خانزادہ کے لفظ یاد کرتے وہ پھر سے ہنس پڑی تھی۔

پتہ ہے مجھے مسٹر در خزئی خانزادہ!! پتہ ہے مجھے!!ایک مرتبہ اپنی سانسوں کی گرمی دے دو تمھیں بتاؤں گی کس کیسے کی جاتی ہے۔عنائیہ مدھم آواز میں بولتی آپنی آنکھیں ہتھیلی سے رگڑتے ہنس رہی تھی۔

Ok!! show me your tongue!!

!!اپنی زبان دکھاؤ مجھے پتہ تو چلے یہ کتنی کالی ہے۔ تمھاری بدعائیں کتنی جلدی قبول ہوتی ہیں۔ تاکہ میں تمھارا دل کم سے کم دکھاؤں!!اب اس کے لفظ یاد

کرتے وہ مر رہیں دیکھتے ہنس رہی تھی!!۔۔ آنکھوں سے گرتے گرم سیال میں آضافہ ہو رہا تھا مگر وہ ہنس رہی تھی۔

ان چند دنوں میں وہ اس کی باتیں یاد کرتے روتی روتی ہنس پڑتی تھی۔ اس ایس پی کے لفظ اس کے لیے اتنی قیمتی ہو جائیں گے اسے اندازہ نہ تھا۔

!!اس لیے مجھے ڈسٹرب مت کر۔۔ آج سے درخزئی خانزادہ نے اپنا ایک اصول بنایا ہے۔ جب میں اپنی بیوی کے ساتھ مصروف ہوں گا۔ نو فون کالز نہ کوئی اور ڈیوٹی only وایفی ڈیوٹی!!

اب عنائیہ کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ سرخ ہوتے گہرا مسکرائی تھی۔

مسٹر درخزئی خانزادہ میں دیکھنا چاہوں گی یہ

مغرور ایس پی اپنی بیوی کی ڈیوٹی آخر کیسے نبھاتا ہے؟؟

جب تم میرے پاس ہو گے میں تمھیں کوئی اور ڈیوٹی نبھانے بھی نہیں دوں گی۔ڈیوٹی تو میری کرنی پڑے گی۔ ہر حال میں صرف اپنی عنائیہ کی۔وہ مرر میں دیکھتے روتے ہوئے ہنستی جا رہی تھی۔۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑتے ہوئے دیکھا در خزئی خانزادہ کو اندر داخل ہوتے دیکھتے عنائیہ کی رنگت فق ہوئی تھی۔ دھڑکنیں رکی تھیں۔ جسم خوف سے لرز اٹھا تھا۔

وہ ہچکولے بھرتے ہوئے پیچھے کو ہوتے ڈریسنگ ٹیبل سے جا ٹکرائی تھی۔ کلائی میں پہنی چوڑیوں کی کھنک پورے کمرے میں گونجی تھی۔

در خزئی خانزادہ دروازہ لاک کرتے اپنے بھاری قدموں سے عنائیہ کی طرف بڑھا۔ جو گہرے سانس لیتے فق رنگت کے ساتھ در خزئی خانزادہ کو دیکھ رہی

تھی۔ درخزئی خانزادہ اپنی شال کندھوں سے اتارتے بیڈ پر اچھالتے ہوے اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کمرے میں اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک کے ساتھ عنائیہ کی سانسوں کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنوں کی آواز بھی گونج رہی تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔۔ اسے لگ رہا تھا وہ چکرا کر گر جائے گی۔

درخزئی خانزادہ سے محبت کرنے کے بعد وہ اس کے لیے ہی نایٹ میئر کی طرح ہو جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ مقابل سے وہ بری طرح خوفزدہ تھی۔ پورے بدن سے سیک نکل رہا تھا۔

وہ بمشکل سانس لیتے مقابل کی سحر انگیز پرسنیلٹی کو دیکھ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اس کے اطراف میں اپنے ہاتھ جماتے ڈریسنگ ٹیبل کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے محصور کر گیا تھا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے مزید پیچھے کو ہوئی تھی۔ وہ اسے محصور کیے اپنی سرخ آنکھیں اس کے چہرے کے نقوش پر گاڑھے ہوے تھا۔ درخزئی خانزادہ کی گرم سانس عنائیہ کے خوبصورت نقوش پر بکھر رہی تھیں۔ عنائیہ کی رنگت سرخ قندھار تھی۔ دل دھڑکتا عنائیہ کو اپنے کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی خوفزدہ ہراساں آنکھیں درخزئی خانزادہ کی سرد سرخ آنکھوں میں گاڑھے ہوے تھی۔ سانس دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو گیا تھا۔ سانسیں اتنی گہری ہو رہی تھیں کہ عنائیہ کے مہکتے کندن نشیب و فراز بھی بری طرح سانسیں جیسے بھرتے اپنی حشر سامانیاں سجائے ہوے تھے۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم مائی سوین!! درخزئی خانزادہ کی کھردری انگلیاں عنائیہ کے خوبصورت نقوش کو چھو رہی تھیں۔ عنائیہ بے یقینی سے مقابل کو دیکھ رہی تھیں۔ مقابل کی اتنی نرمی پر عنائیہ کا دل مزید خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

تم بہت خوبصورت ہو!! بہت زیادہ خوبصورت مس امریکہ!!

درخزئی خانزادہ کے لب اب عنائیہ کے نقوش کو نرمی سے چھو رہے تھے۔ عنائیہ کی آنکھیں خوف سے پھیل چکی تھی۔

مقابل کا گرم نرم لمس پتہ نہیں کیوں اسے خوف میں مبتلا کر رہا تھا۔

تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمھارے سامنے چاند تاروں سوات کے پہاڑوں کی خوبصورتی ماند پڑ جائے۔۔ درخزئی کی کھردری انگلیاں اب اس کی گردن پر

سرسرا رہی تھیں۔ سانسوں کی گرمایش عنائیہ کے سرخ یاقوتی لبوں پر بکھر رہی تھی۔ دونوں کی سانسوں کی امدروفت سے ایک دوسرے کی سانسیں جیسے رکتے ٹوٹ رہی تھیں۔ عنائیہ کے لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

دذخزئی اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر اپنی گرم تپش ذدہ سانسیں چھوڑتے اس کی گردن کو انگلیوں سے چھوتے اس کی گردن پر اپنی سانسیں چھوڑنے لگا۔ عنائیہ کو لگا تھا وہ آج مقابل کی سانسوں کی پر تپش بوچھاڑ سے جھلس کر رہ جائے گی اور وہ جھلس رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ کے لب اس کی گردن کو نرمی سے چھو رہے تھے۔ عنائیہ کی سانس دھونکنی کی مانند چلتا پھول چکا تھا۔ مقابل کی نرمی سہن کرتے اسے لگ رہا تھا آج اسے یہ نرمی مار ڈالے گی۔ اگر وہ اس پر چلاتا اسے مارتا سزا دیتا تو

وہ شاید اس اسے اتنی خوفزدہ نہ ہوتی۔ مگر اس کی سانسوں کی نرم گرمایش اسے مقابل سے ڈر کر کپکپانے پر مجبور کر رہی تھی۔

درخزئی اپنی گھنی بئیرڈ عنائیہ کی گردن سے نیچے سہلاتے اسے سسکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ اس کی برہنہ گہرائیوں پر بہت بے دردی سے اپنی گھنی بئیرڈ سہلا رہا تھا۔

درخزئی نے اس کی کمر کو دونوں سائیڈوں سے جکڑے بے دردی سے مٹھی میں بھرتے اسے کمر سے جکڑتے اوپر کو اٹھاتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل پر بٹھایا۔ عنائیہ اس کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے بے یقین خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مقابل نے بہت بے رحمی سے اس کی کمر کو مٹھیوں میں بھرا تھا مگر وہ تو اب درد سے سسکاری بھی نہ بھر سکی تھی۔ وہ صرف اپنی آنکھیں خوف اور بے

یقینی سے پھیلائے مقابل کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اب اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ گھماتے اس کی چوکر کی ڈوری کھینچتے کھول رہا تھا۔

اس نے یکدم اتنی زور سے ڈوری کھینچی تھی کہ عنائیہ کی گردن میں بہت بری طرح کھچ پڑی تھی۔ مقابل کی بے رحمی پر عنائیہ کو اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہوئیں تھیں۔ رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔ عنائیہ بری طرح کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

او سوری!! مائی سوین!! مجھے پتہ نہیں یہ کیسے کھولتے ہیں۔ پتہ ہے کیا؟؟ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو۔ وہ سرد سپاٹ انداز میں بولتے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں اپنی سرد نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔

عنائیہ اپنے سینے کو جکڑے گہرے سانس لیتے کھانستے ہوے سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

تم تو میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو کیا میں بھی تمھاری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہوں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے تھوڑا سا جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

ہاں!! عنائیہ نے درخزئی کی سرد سرخ آنکھوں میں خوفزدہ ہوتے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

عنائیہ کے اثبات میں سر ہلانے پر درخزئی سر کو جھکائے اونچی آواز میں ہنسا تھا۔ عنائیہ کو اس کی ہنسی سے خوف آیا تھا۔ بے تحاشا خوف!! اعصاب منجمند ہو چکے تھے۔

وہ پاگلوں کی طرح ہنستے ہوے اس کی دھڑکنوں پر سر رکھ گیا تھا۔ عنائیہ کو اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ کانپتے ہوے مزید مرر میں سمائی تھی۔

وہ اس کی دھڑکنوں پر سختی سے سر رکھے ہوے اب خاموش تھا۔ عنائیہ اس کی خاموشی سے مزید خوفزدہ ہوئی تھی کمرے میں اب گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔

دونوں ہی سٹل تھے۔۔ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز کمرے میں گونجتی عنائیہ کو بتا رہی تھی کہ وقت تھما نہیں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا ہے۔ مگر بہت سست رفتار پر۔۔ وہ گہرے سانس لیتے مزید مرر میں سما گئی تھی۔ مقابل اس کی دھڑکنوں پر سر رکھے سٹل تھا۔ اور وہ تو خوف سے جیسے سانسیں روکنے کی تمنائی تھی۔

عنائیہ اب گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ کمرے میں آہستہ آہستہ سانسوں کی گونج بھی کم ہو رہی تھی۔۔ سانسوں کی ہلچل ختم ہوئی تھی۔ مقابل اس کی دھڑکنوں پر سر رکھے جیسے پر سکون تھا۔ بے حد پر سکون!!

یکدم عنائیہ کو اپنی دھڑکنوں پر گرمی اور نمی کا احساس ہوا تھا۔ اس کی گہرائیاں بھیگ رہی تھیں۔ اسے اپنا بلاوز گیلا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بند آنکھیں کھول گئی تھی۔۔

ڈستی ہے تنہائی

جبھتی ہے پرچھائی

دو نین ترستے روتے ہیں

نہ جگتے ہیں نہ سوتے ہیں

کیا کروں ایسے میں

آ کہ سمجھا جا

سن لے تو حال دل

کیا کیا ہے میری مشکل

جو جو عشق میں ہوتا ہے

وہ سب کچھ مجھ کو ہوتا ہے

اپنی گہرائیوں کو بھیگتے محسوس کرتے عنائیہ کا کپکپاتا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے بالوں کو چھو گیا تھا۔ اتنا خوف مقابل کا تھا وہ اسے چھو بھی نہیں پا رہی

تھی۔۔اس کی نرمی اسے بن موت مار رہی تھی۔ کیا ہوتا وہ ایک تھپڑ مار دیتا اس کے گردن سے دبوچ کر زمین پر پٹخ دیتا؟؟ یا پھر اپنی یونیفارم کی چمڑے کی بیلٹ سے اس کا بدن ادھیڑ دیتا۔ مگر یہ گرمی اور نمی کیوں؟؟ عنائیہ کی دھڑکنیں خوف سے اس طرح دھڑکی تھیں کہ درخزئی خانزادہ اس کے سینے سے سر اٹھاتے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں عنائیہ کی خوفزدہ ہراساں آنکھوں میں گاڑھ گیا۔

کیوں ڈر رہی ہو؟؟ درخزئی خانزادہ نے سرد برفیلے لہجے میں آئی برو اچکاتے سوال کیا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ ڈر۔۔ رہی۔۔ عنائیہ نے کپکپاتے لبوں سے بولتے اپنی گھٹی ہوئی سانس خارج کی تھی۔

پھر یہ پسینے کی بوندیں کیوں ہیں؟؟ درخزئی خانزادہ نے اس کی پیشانی پر پسینے کے چمکتے قطرے انگلیوں سے چنے۔

وہ۔۔۔پپ۔۔۔پتہ۔۔نن۔۔۔نہیں۔۔عنائیہ اس کی برفیلی نگاہ سے گھبراتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔

کیوں پسینے میں بھیگ رہی ہو مائی سوین؟؟ کمرے کا ہیٹر بھی بند ہے۔باہر قہر برساتی سردی برس رہی ہے۔اور میں نے تمھیں ابھی تک اپنے بدن کی گرمی بھی نہیں دی جو تم اس طرح پسینے میں نہلا جاؤ!! درخزئی خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے بے حد نرمی سے استفسار کیا تھا۔

ہاں!کک۔۔۔کیا؟؟ عنائیہ اس کے استفسار بھرے لہجے اور اس کے سوال پر بری طرح گھبرائی تھی۔

او۔۔۔سوری۔۔۔۔مائی سوین!! تمھیں ایسی باتوں کی کیا سمجھ؟؟ تمہیں تو میرا مطلب بھی سمجھ نہیں آیا ہو گا۔

ابھی تم بہت چھوٹی ہو only 16 صرف سولہ سال کی۔۔ تمھیں کیسے پتہ ہو گا یہ سب؟؟ درخزئی اس کے خوبصورت نقوش کی طرف دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

ہوناں تم 16 سال کی!! صرف سولہ سال کی۔۔ وہ اس کی ہراساں خوفزدہ نگاہوں میں جھانکتے ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ مارتے غرایات۔

ہاں سس۔ سولہ۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔۔۔

I m sixteen and few months old

عنائیہ اس کے غرانے پر ڈرتے ہوے اٹکتے ہوے جلدی سے بولی تھی۔

یہی تو!! تمھیں کیسے پتہ ہو گا آخر؟؟ ایک شوہر اپنی بیوی کو اپنے بدن کی گرمی کیسے دیتا ہے؟؟ اور ایک بیوی اپنے شوہر کی بدن گرمی اپنے اندر absorb

کرتے کیسے اپنے شوہر کو سکون پہنچاتی ہے؟؟۔ درخزئی خانزادہ سنجیدگی سے عنائیہ کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے غراتے ہوے اس کے نازک بازو میں بے حد بے دردی سے اپنی کھردری انگلیاں پیوست کر گیا تھا۔

عنائیہ نے اس کے غرانے پر خوفزدہ ہوتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سسکی لیتے ہوے اپنا سر دائیں بائیں ہلایا تھا۔

درخزئی کی سرد نگاہیں اس کے کانوں میں پہنے والے بھاری اویزوں پر تھیں ۔جو اس کے سر دائیں بائیں ہلانے بری طرح پر ہل رہے تھے۔۔وہ خوبصورت بھاری جھمکے اسے اپنی طرف بری طرح متوجہ کر گئے تھے

پتہ ہے مائی سوین!!میرے بارے میں ایک بات مشہور ہے؟؟ پتہ ہے وہ کیا ہے؟؟درخزئی خانزادہ نے نرمی سے پوچھتے ہوے اس کے کان کے اویزے کو بے دردی سے دو انگلیوں سی کھینچا تو عنائیہ درد سے سسکاری بھرتے آگے کو ہوتی اس کے سینے پر ہاتھ جما گئی۔کلائیوں میں پہنے والی چوڑیوں نے بری طرح ارتعاش کیا تھا۔

آہ۔۔نن۔۔نہیں۔۔۔کک کیا۔۔عنائیہ نے سر نفی میں ہلاتے درد سے سسکاری بھرتے اس کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔

ایس پی درخزئی خانزادباز کی نظر رکھتا ہے انسان کے اندر باہر جھانک کر اس کے دل کی بات جان لیتا ہے۔ مجرم سچ بول رہا ہے یا جھوٹ ایس پی درخزئی خانزادہ کو نہ ڈنڈے کی ضرورت پڑتی ہے نہ لائیوڈ ٹیٹیکٹو مشین کی!!وہ ان کی آنکھوں میں جھانک کر ہی سچ جھوٹ کا پتہ لگالیتا ہے۔

درخزئی خانزادہ عنائیہ کی آنکھوں میں اپنی سرد و سرخ آنکھیں گاڑھے غراتے ہوے اس کا بازو چھوڑتے اسے پیچھے کو دھکیل گیا تھا۔ وہ ہچکی لیتے ہوے مرر میں سمائی تھی۔

لیکن لگتا ہے یہ سب جھوٹ ہے میرے بارے میں کہا جانے والا ایک ایک لفظ جھوٹ نکلا۔۔ وہ اس سے دور ہوتے استھزائیہ بولتے ہنسا تھا۔

عنائیہ اسے دیکھتے روتے ہوے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

آج میرے ہی کہے گئے خود کے لفظ مجھے تھپڑ مار رہے ہیں۔ میرا خود پر غرور ختم ہو گیا ہے۔ ایس پی درخزئی خانزادہ کو اس کے غرور کی سزا ملی۔ بڑے ڈائیلاگ بولتا تھا تو درخزئی خانزادہ!! وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے مرر میں نگاہیں گاڑھتے ہوئے خود پر ہنسا تھا۔ عنائیہ کانپتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل پر دوسری طرف ذرا سا کھسک گئی تھی۔

ایسا ہی ناں مائی سوین؟؟ بہت ڈائیلاگ بولتا تھا یہ دو نمبر ایس پی۔۔ درخزئی خانزادہ نے اس کے اطراف میں ہاتھ جماتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے بے حد نرمی سے پوچھا۔ مگر آنکھوں میں جیسے برف سی اتری تھی۔

نن۔۔۔ نہیں۔ تو۔۔۔۔ عنائیہ نے ہچکی لیتے جواب دیا۔۔ مقابل کا. سرد عجیب و غریب رویہ اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا گیا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟؟ وہ

کیا کرنا چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی؟؟۔۔ مگر اس کی سرخ ہلکی نم زدہ آنکھوں میں جمی برف اس کے اعصاب جما رہی تھی۔

نہیں مطلب؟! تم کہنا چاہتی ہو میرے بارے میں کہے جانے والا ایک ایک لفظ سچا تھا؟؟ درخزئی کے سوال پر عنائیہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔۔

اگر ایسی بات ہے تو مجھے تمھاری آنکھیں بتا رہی ہیں تمھیں سب کچھ پتہ ہے ۔ تمھیں اچھی طرح پتہ ہے ایک شوہر اپنی بیوی کو گرمی کیسے دیتا ہے؟؟ درخزئی کا سرد و سپاٹ لہجے میں کیا جانے والا سوال عنائیہ کی سانسیں روک چکا تھا۔ وہ ابھی تک یہ بات کر رہا تھا اسے اندازہ ہی نہ تھا۔

پتہ ہے ناں مائی سوین؟؟ درخزئی نے اس کی ٹھوڑی چھوتے بے حد نرمی سے استفسار کیا۔

نہیں۔۔۔ عنائیہ نے اس کے انداز دیکھتے گھبراتے ہوے ہچکی لی تھی۔۔

تو پھر کیا پتہ ہے تمھیں یہ کہ اپنے دوست مائیکل کے ساتھ اپنے شوہر کو دھوکہ دے کر اس کی پناہوں سے بھاگنا کیسے ہے؟؟ درخزئی سپاٹ لہجے میں پوچھتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

اس کے سوال پر وہ اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے سر نفی میں ہلاتے ہوے اپنی ہچکی روک چکی تھی۔۔ مقابل رویہ اس کی جان نکال رہا تھا وہ سچ میں خانزادوں سے ڈرتی تھی۔ اب درخزئی خانزادہ کو دیکھ کر وہ شدت سے لرز رہی تھی۔ اس کا خوف اسے لرزنے پر مجبور کر رہا تھا۔

تم بہت معصوم ہو مائی سوین!! تمھیں کچھ نہیں پتہ!! نہ مائیکل کے ساتھ بھاگنے میں تمھارا ہاتھ تھا۔ نہ تمھیں یہ پتہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک بیوی پر

اس کے شوہر کا کیا کیا حق ہوتا ہے؟؟۔وہ اپنا حق کیسے کیسے لیتا ہے؟؟ درخزئی کے لہجے میں پھر سے نرمی کی امیزش شامل ہوئی تھی۔

عنائیہ اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے نظریں جھکا گئی تھی۔اسے لگ رہا تھا درخزئی خانزادہ کے سوال اسے مار ڈالیں گے۔وہ اپنے طنزیہ لفظوں سے اس کا دل آرے کی طرح کاٹ رہا تھا۔چلو میں تمھیں بتاتا ہوں ایک شوہر اپنی بیوی سے کیسے حق لیتا ہے؟؟۔اور یہ بھی تمھیں رخصت کروانے کی بعد اپنی حویلی کے کمرے میں تمھارے ساتھ کیا کرنے والا تھا؟؟ درخزئی برفیلے لہجے میں بولتے ہوے اسے بانہوں میں اٹھاتے ہوے گود میں اٹھا گیا۔

عنائیہ نے گھبراتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔وہ مسکراتے ہوے اسے دیکھ رہا تھا۔عنائیہ مزید خوفزدہ

ہو رہی تھی۔ مقابل کی سنجیدگی سے زیادہ اس کی مسکراہٹ جان نکال رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے بے حد نرمی سے اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس پر مکمل طور پر اپنا وزن ڈال گیا تھا۔

در۔۔رخزئی۔۔ عنائیہ نے بمشکل سانس لیتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔۔ عنائیہ کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پھر سے موتی چمکے تھے۔

درخزئی اپنا بھاری بھرکم وجود پر اس کے نازک وجود پر ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے کان میں پہنے آویزے کو ایک ہاتھ سے چھیڑ رہا تھا۔ اس کا پہاڑ جیسا وزن اس کی نازکی پر دھرا تھا۔ عنائیہ کو بمشکل سانس آ رہا تھا۔

کیا ہوا مائی سوین ؟؟ سانس کیوں مشکل سے آ رہی ہے ؟؟ یہ ننھے ننھے شفاف موتی آخر کیوں ؟؟ تمھیں نہیں پتہ ؟؟ آج رات تمھیں مجھے سہنا ہی ہے ؟؟ تمھیں کیا لگتا تھا ؟؟ میں آج رات تم سے اپنا حق نہیں لوں گا ؟؟ تمھارا بھڑکیلہ دو آتشہ روپ مجھے بہکائے گا نہیں۔۔ تمھارا خوبصورت قیامت جواں بدن میرے جواں جذبوں میں اگ نہیں لگائے گا۔ درخزئی خانزادہ تھوڑا اوپر ہوتے اس کے وجود پر اپنا ہاتھ بے باکی سے پھیرتے بھاری آواز میں بولتے سوال داغے۔

اس کے ہاتھوں کے بے باک لمس پر عنائیہ کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔ وہ اس کی بے باکی پذ اس کی آنکھوں میں دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔

تو سنو مائی سوین۔۔ میں بغیرت ضرور ہوں مگر نامرد نہیں وہ اس کے کان میں جھکے اس کی کان کی لو کو اپنے دانتوں سے بے دردی سے کاٹتے ہوے پھنکارا

عنائیہ درد سے سسکی بھرتے ہوے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے لرزنے لگی تھی۔

مت سسکیاں بھرو!! ابھی تو اس رات میں تمھیں بہت درد دینا ہے۔ بہت زیادہ درد۔۔ درخزئی خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچتے دھاڑا۔

عنائیہ اس کی دھاڑ پر خوفزدہ ہوتے چیخ اٹھی تھی۔

شش!!صرف مجھے محسوس کرو!!مجھے محسوس کرو گی تو تمھیں درد بہت کم ہو گا میری جان!!درخزئی خانزادہ نے اپنے منہ پر انگلی جماتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے ہوے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔وہ اس کے لرزتے وجود کو قہر بھری نگاہوں سے گھورتے ہوے اوپر سے نیچے اپنے بوسوں کی بوچھاڑ سے سلگاتے ہوے اس کے لہنگے میں اپنا ہاتھ الجھا گیا تھا۔عنائیہ کا نازک بدن اب پہلے سے بھی زیاد. شدت سے لرز رہا تھا۔درخزئی خانزادہ کے لب اس کے بدن کے ہر حصے پر اپنا مکمل حق جتا رہے تھے۔اپنے ہاتھوں سے بھی وہ بے باکی بڑھاتے اپنے ہاتھوں کی گرمی اور گرم سانسوں کی بوچھاڑ سے وہ اس کے پور پور کو دہکتی

آگ کی طرح سلگا گیا تھا۔ عنائیہ کی اب سانسیں اس کی بے باک شدت سے گہری ہوئی تھیں۔

درخزئی خانزادہ کے بدن کی گرمی اور اس کے بدن کے نازک حصوں سے چھیڑ خانی کرتے وہ اس پر اپنا خوف بری طرح مسلط کرتے اس کی سانسوں میں طغیانی برپا کرتے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند پھلا چکا تھا۔۔

درخزئی خانزادہ کو وہ سہن نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ سسکتے ہوے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں دبوچے ہوے گہرے سانس بھر رہی تھی۔۔ وہ اس کے بلاوز سے جھانکتے برہنہ پیٹ کو ہونٹوں سے چھوتے ہوے اس کی برہنہ گہرائیوں کو لبوں سے چھوتے ہوے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا۔۔

عنائیہ سسکی بھرتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ خوف سے اب وہ حرکت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اس کا پہاڑ جیسا وزن اور اس کی ذرا سی گستاخیاں

برداشت نہیں کر پائی تھی۔ وہ اسے پوری طرح کیسے آج کی رات سہہ سکتی تھی؟؟

اتنا کانپو گی تو اپنا حق کیسے لوں گا تم سے؟؟ درخزئی خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

عنائیہ نے ہچکی لیتے ڈبڈبائی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ کس طرح اس کے بدن پر اپنا حق جتا چکا تھا اسے اندازہ نہ بھی تھا وہ کس طرح اس کے بے باک لمس اس کے بے باک وجود کو محسوس کرتے اس سے بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اس کی شکوہ کناں نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے ایک جھٹکے سے بٹھایا۔ اب وہ نرمی سے اس دوپٹے کی پنز اتار رہا تھا۔ عنائیہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو سرخ و سفید

چہرے کے ساتھ بے حد سنجیدگی سے اس کے دوپٹے کی پنز اتار رہا تھا۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں نرمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مقابل کا چہرہ گلیشیر سے بھی زیادہ سرد تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اس کی پنز اتارتے ہوئے اس کا دوپٹہ اس کے وجود سے علیحدہ کیا۔ وہ خوف سے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جواب اس کے بالوں کے جوڑے میں ہاتھ ڈالے اسے کھول رہا تھا۔

تمھیں میری فطرت ابھی پتہ ہی نہیں ہے میری کم عمر بیوی؟؟ اس کے جوڑے سے پنز کھینچ کر اتارتے ہوئے درخزئی خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

درخزئی خانزادہ کی فطرت بہت گندی ہے۔ اپنا حق لینے میں وہ ذرا شرم عار محسوس نہیں کرتا۔۔۔ جو اس کے حق پر غاصب بن کر بیٹھا ہو۔ وہ تو اذیت

دیتے ہوئے اسے جان سے مار ڈالے کوئی عار محسوس نہ کرے۔ پھر تم نے کیسے سوچ لیا در خزئی خانزادہ تم سے حق نہیں لے گا۔؟؟۔ در خزئی خانزادہ نے برفیلے لہجے میں بولتے ہوئے اس کے جوڑے میں ہاتھ ڈال کر بے دردی سے کھینچا تو وہ ڈھیلا ہوتا کندھوں تک آیا تھا۔ عنائیہ نے اس کی شرٹ مٹھی میں بھرتے ہوئے درد سے سسکی لی تھی۔ بالوں میں بری طرح کھنچ پڑی تھی۔

تم اتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔ تمھارا مہکتے وجود قیامت شعلہ جواں بدن نے مجھ جیسے کمزور نفس کے مارے دو نمبر خانزادہ کو اتنا مجبور کر دیا وہ یہاں ہی حق لینے پر مجبور ہو گیا۔ یہاں سے اپنی حویلی جاتے ہوئے بہت ٹائم ویسٹ ہوتا۔ تم جیسی خوبصورت جوان بیوی کو اپنے پہلو میں بٹھائے میں خود پر قابو پاتے بھاری ہوتی سانسوں اور مچلتے جواں جذبوں پر قابو پاتے میں

ڈرائیو نہیں کر سکتا تھا۔۔ درخزئی خانزدہ اس کی برہنہ کمر پر ہاتھ پھیرتے اس کی بلاوز کی ڈوری کھینچتے ایک جھٹکے سے کھول چکا تھا۔ عنائیہ کی آنکھیں خوف سے پھٹنے کے حد تک کھل گئی تھیں۔ اس کی برہنہ کمر پر اب کوئی ڈوری کوئی مضبوطی نہ تھی۔ وہ بیک لیس تھی۔

تم سوچ رہی ہو گی کہ درخزئی خانزادہ جو حویلی کے تمام خانزادوں سے بھی زیادہ بینک بینلنس زمین جائیداد رکھتا ہے۔ وہ کیا ایک ڈرائیور نہیں افورڈ کر سکتا؟!۔ درخزئی خانزادہ نے اس کے چوکر کی ڈور نرمی سے کھینچتے ہوئے اسے اتارتے ہوئے اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچتے ہوئے سوال کیا۔

عنائیہ کی نگاہیں اپنے بلاوز پر تھیں جو اس کے کندھوں سے ڈھلکنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ اور وہ اپنی حالت دیکھتے سرخ ہو رہی تھی۔ عنائیہ نے کانپتے ہوئے بیڈ پر پڑا کمبل پکڑتے اپنے سینے تک کیا۔

کیا ہے ناں مائی سوین!! برداشت نہیں کر سکتا کسی کی تم پر ذرا بھی نظر پڑے!! ویسے تو تمھیں سر سے پیر تک چادر میں لپیٹے گھونگٹ ڈالے تمھیں لے کر جاتا۔ مگر کیا کروں تم نے بہت تیز خوشبو لگائی ہے؟؟۔ میں نہیں چاہتا میرا کوئی بھی ملازم تمھارے بدن سے اٹھتی مصنوئی خوشبو بھی محسوس کرے۔ مجھے گوارا نہیں۔ درخزئی اس کی کان کی لو کو چومتے ہوئے برفیلے لہجے میں بولتے اس کے کان کی لو کو لبوں سے کاٹ گیا تھا۔ عنائیہ کی پکڑ کمبل پر مضبوط ہوئی تھی۔۔ وہ آنکھیں میچ گئی۔

مائیکل کے ساتھ کیسے گئی تھی؟؟ مائی سوین۔۔ درخزئی نے اس کی کنپٹی پر لب رکھتے سوال داغا۔ عنائیہ نے سسکتے ہوئے اسے دیکھا۔

کیسے گئی تھی میری جان!! بتاؤ مجھے۔۔ پتہ ہے رات رات بھر مجھے نیند نہیں آتی!! یہی سوچتا ہوں تم اس کے ساتھ گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی یا پچھلی

سیٹ پر!!اور اس دن تم نے کونسا سینٹ لگایا تھا۔یا پھر نہیں لگایا تھا۔۔ جیسے تمھارے بدن سے اٹھتی کستوری خوشبو مجھے تم سے کتنے فٹ پر ہی آتے میری سانسوں کو مہکا جاتی ہے۔اس دن مایکل نے بھی یہ خوشبو محسوس تو کی ہو گی۔ دڑخزئی نے اپنی سرخ آنکھیں عنائیہ کی آنکھوں میں گاڑھے سوال کیا تھا۔

د۔ر۔۔ خز۔۔ئی!!عنائیہ نے اس کی شرٹ مٹھی میں جکڑتے ہوے اپنے کپکپاتے لب واہ کیے۔۔

شش۔۔کچھ مت کہنا مائی سوین!!مجھے خود ہی امیجن کر کے اذیت محسوس کرنے دو۔۔ تمھارے لبوں سے یہ سن کر برداشت نہیں کروں گا۔اور تمھیں بہت ہرٹ کر جاؤں گا۔

درخزئی خانزادہ بے دردی سے اس کے وجود سے کمبل کھینچتے ہوے زمین پر پٹخ گیا۔۔

درخزئی۔۔ عنائیہ نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے التجائیہ نگاہوں سے دیکھتے یہ سب کرنے سے روکا تھا۔ وہ اس کی سختی سے ڈر رہی تھی

درخزئی اس کی آنکھوں کا التجائیہ پن اگنور کرتے اس کی برہنہ کمر پر جھکے اپنے لب رکھتے وہاں اپنی جنون خیزیوں کی سوغاتیں دینے لگا۔ عنائیہ اپنے بلاوز کو آگے سے جکڑے اس کی جنون خیزیاں سسکتے ہوے برداشت کر رہی تھی۔ اس کے لبوں کی بوسوں کی حدت سے اس کی برہنہ کمر جھلس رہی تھی۔ وہ بے دردی سے اس کی سفید دودھیا کمر جگہ جگہ سے بے دردی سے مٹھی میں بھرتے شدت سے اپنا لمس اس کی بیک پر ہر جگہ چھوڑ رہا

تھا۔ جہاں دل کرتا وہ دانتوں سے بھی اپنا لمس چھوڑتے اس کی سسکیوں میں آضافہ کر دیتا۔

تم میری شدت ابھی جانتی ہی نہیں ہو مائی سوین! آج تمھیں پتہ چلے گا درخزئی خانزادہ پہاڑوں کی طرح سخت ہے۔ اور وہ کیسے تمھیں اندر تک ہلا کر رکھ دے گا۔ مجھے اپنی گہرائیوں تک محسوس کرتے تمھیں اندازہ ہو گا۔ اس سر پھرے خان سے نکاح کرنا تمھاری سب سے بڑی غلطی تھی۔ وہ اسے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔

عنائیہ بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑتے سسکتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

درخزئی خانزادہ اس پر مکمل طور پر حاوی ہوتا اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر منتقل کرتے ہوے اس کی گردن میں منہ چھا گیا۔

عنائیہ آنکھیں میچے مسسل سسک رہی تھی۔ درخزئی کے بدن کی گرمی اس کے کپڑوں میں بھی اس کے جسم میں جیسے اتر رہی تھی۔ وہ اس سے بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔۔ اب وہ اس کے نیچے کانپتے ہوے ہچکولے بھر رہی تھی.۔ وہ سچ میں اس خانزادہ کو سہن نہیں کر سکتی تھی۔

کبھی کبھی میرے

دل میں خیال آتا ہے

کہ جیسے تجھ کو بنایا

گیا ہے میرے لیے

تو اب سے پہلے ستاروں

میں بس رہی تھی کہیں

تجھے زمین پہ بلایا گیا

ہے میں میرے لیے

درخزئی خانزادہ کی نم آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

اس کی بھیگی آواز پر عنائیہ کی آنکھوں سے موتی ٹوٹتے اس کے لبوں پر گر رہے تھے۔

کبھی کبھی میرے

دل میں خیال آتا ہے

کہ یہ بدن میری امانت ہیں

یہ گیسوؤں کی گھنی چھاؤں

ہیں میری خاطر ہیں

یہ ہونٹ یہ بانہیں میری آمانت ہیں

وہ اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر انگوٹھا پھیرتے اب بھاری آواز میں گنگنا رہا تھا۔ عنائیہ دھڑکتے دل کے ساتھ اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ جس کی آواز میں درد اور آنکھوں میں اظطراب تھا۔

کبھی کبھی میرے

دل میں خیال آتا ہے

کہ جیسے بجتی ہیں

شہنائیاں سی راہوں میں

سہاگ رات ہے

گھونگھٹ اٹھا رہا ہوں میں

تو شرما کہ سمٹ رہی ہے

اپنی بانہوں میں

وہ بھاری آواز میں گنگناتے ہوے اسے بہت نرمی سے اس کا نازک وجود

اپنے سینے پر کرتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

عنائیہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے اس کی سرخ آنکھوں میں

دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت نرمی سے اس کی برہنہ کمر پر اپنا ہاتھ پھیر رہا تھا۔

کبھی کبھی میرے

دل میں خیال آتا ہے

جیسے تو مجھے چاہے گی

عمر بھر یونہی

اٹھے گی میری طرف

پیار کی نظر یونہی

وہ بہت نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوے گنگنا رہا تھا۔

یہی چاہا تھا تم اس خوبصورت رات میں مجھے شرماتے ہوے خود کو سونپو۔ اور میں تمھاری خوبصورتی کا حق ادا کروں۔ یہ نہیں چاہا تھا کہ تم ایسے ڈرتے ہوے کانپتے ہوے خوفزدہ ہوتے خود کو مجھے سونپو۔ اور میں تمھیں ڈرتے خوفزدہ ہوتے دیکھتے بھی تمھیں تہس نہس کر کے رکھ دوں۔ درخزئی خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے کہا۔ عنائیہ نے ناسمجھی سے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے اس کی شرٹ پر اپنی مٹھیوں کی جکڑ مضبوط کی تھی۔

مائی سوین!!میری جان میری زندگی!!یہ خانزادہ چاہ کر بھی تمھیں ہرٹ نہیں کر سکتا۔میرے اندر کا وحشی مرد خانزادہ مرد میرے اندر کی پوزیسونیس میری حق ملکیت

مجھ سے کہہ رہی ہے۔میں تمھیں آج رات سزا دے کر تمھیں ہمیشہ کے لیے اپنا بنالوں۔میں تم پر اپنا حق جتاتے تمھیں اپنی حویلی میں قید کر کے رکھوں اور تمھیں دن رات ٹارچر کرتے تمھیں اچھی طرح سمجھاؤں کہ تم نے اس دن میری پناہوں سے بھاگ کر کتنی بڑی غلطی کر رہی تھی۔

میرے اندر کی ہرٹ ہوئی ایگو مجھ سے کہہ رہی ہے آج رات تم پر اپنے مرد ہونے کی دھاک بٹھا کر تمھیں بتاؤں تم نے میری عزت کی دھجیاں کیسے بکھیر کر رکھ دی ہیں؟؟۔میرے اندر کا چھپا سفاک مرد کہہ رہا میں تم سے تمھاری نسوانیت چھین کر تمھاری چیخو پکار سنتے خود کو سکون پہنچاؤں۔آج

رات تمھارے پور پور میں اترتے تمھارے خوبصورت بدن کو سلگاتے ہوے تم پر اپنی وحشت ک چھاپ چھوڑ کر تمھارے بدن کی خوبصورتی اور تمھارا غرور چھین کر تمھیں بتاؤں کہ تم درخزئی خانزادہ سے کیسے سب کچھ چھین کر اسے کتنا غریب بنا چکی ہو۔ اتنا غریب تو میں نے تب بھی خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔ جب خدا نے مجھ سے میرا ہر رشتہ چھین لیا تھا۔ جتنا تم نے خود کو مجھ سے چھین کر رشتوں کے معاملے میں غریب کر دیا۔

کنگال ہو چکا ہوں میں۔۔ کشکول پکڑنے کے لیے بھی تم نے مجھے نہیں چھوڑا۔ اس کے بال گدی سے بے دردی سے دبوچتے ہوے غرایا تھا۔

آہ۔۔۔ عنائیہ نے درد سے آنکھیں میچتے سسکاری لی تھی۔۔ درخزئی کچھ پل اس کی میچی آنکھوں سے گرتے موتیوں کو دیکھتا رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اسے بیڈ پر دھکیلتے بیڈ سے اتر گیا تھا۔

عنائیہ اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوے اٹھ کر بیٹھی تھی۔۔کانپتے ہاتھوں سے اپنے بلاوز کی ڈوری بند کرتے ہوے درخزئی خانزادہ کو دیکھا۔جو ڈریسنگ ٹیبل کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے گہرے سانس لیتے اپنی سرد سرخ آنکھیں مرر میں گاڑھے ہوے تھا۔

عنائیہ لب کاٹتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی جو اب تھوڑا جھکے ہوے ڈریسنگ ٹیبل کو ایک ہاتھ سے جکڑے دوسرے ہاتھ میں سگریٹ دبائے گہرے کش لیتے مرر میں دھواں چھوڑ رہا تھا۔عنائیہ بیڈ کرواؤن کی طرف کھسکتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی

پچھلے دس منٹوں سے اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔وہ ایسے ہی مرر میں دیکھتے سگریٹ پی رہا تھا۔

کمرے میں گھمبیر گہری خاموشی چھائی تھی۔ عنائیہ کو یہ گھمبیر خاموشی اور درخزئی کا یہ انداز اب بری طرح تڑپا رہا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اب سیدھے ہوتے سگریٹ نیچے پھینکتے شوز کے نیچے مسلا تھا دوسرے لمحے وہ عنائیہ کی طرف بھاری قدموں سے بڑھا۔

عنائیہ خوفزدہ ہوتے بیڈ کراؤن میں مزید سمائی تھی۔ وہ اسے بازو سے نرمی سے جکڑے اپنے سامنے کھڑا کر گیا تھا۔

درخزئی! عنائیہ نے اس کی نرمی پر کپکپاتے لبوں سے بھیگی آواز میں پکارا ۔اس پورے وقت میں اس کی آنکھوں میں اب سرد پن کی بجائے بے حد نرمی اور گرمی کی حدت تھی۔ عنائیہ روتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

تمھیں کچھ نہیں کہہ سکتا مائی سوین!! مت ڈرو مجھ سے!!

ہمم۔۔ درخزئی خانزادہ نے اسے بے حد نرمی سے دیوار کے ساتھ لگایا تھا ۔عنائیہ خاموشی روتے ہوے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میں یہاں کمرے میں تمھاری امانت دینے آیا تھا۔ لیکن تمھارا خوبصورت مہکتا وجود کچھ پل کے لیے مجھے فریز کر چکا تھا۔ دل و دماغ میں تمھارے لیے بھڑکتی آگ مزید بھڑک گئی تھی۔ کچھ پل کے لیے میرے اندر کا وحشی خانزادہ جاگ گیا تھا جو اپنی عورت پر کسی دوسرے مرد کی نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جس طرح تمھیں بار سے سب کے درمیان سے لے کر آیا ۔وہ منظر دن رات میری نگاہوں میں گھومتا رہتا ہے۔

جو اندر کی اذیت بڑھاتے مجھے جلتے کوئلوں کی مانند دہکا دیتا ہے۔ تم سامنے آئی تو پاگل ہو گیا۔ اور پھر تم سے محبت بھی پاگلوں کی طرح کرتا ہوں اتنے

خوبصورت وجود نے کچھ پلوں کے لیے مجھے بہکا دیا تھا۔ سوچا اپنے اندر کی آگ تم سے نفرت کا راگ آلاپتے کم کر دوں. درخزئی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوے مسکرایا تھا۔

اب اس بات پر گالی مت دینا اپنی بہن کی طرح کہ میں دو نمبر کریکٹر لیس ہوں۔۔ وہ کیا ہے ناں مس امریکہ !! تم سولہ کی ہو۔ مگر میں 27 سال کا ہوں ۔27 سال تک خود کو بچا کر رکھا ہے کسی عورت کے قریب جانا تو دور کی بات کسی عورت کو غلطی سے بھی اپنے خیالوں میں بسایا نہیں۔ مگر تم ہی وہ واحد عورت ہو او۔۔۔ سوری لڑکی ہو جس کے ساتھ خیالوں میں ہر حد پار کر چکا ہوں۔ اور کتنی بار غسل بھی لے چکا ہوں۔ درخزئی اسے آنکھ مارتے ہوے ہنسا تھا۔ عنائیہ اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوے کان کی لوؤں تک سرخ

ہوئی تھی۔ بیوی ہو میری تمھیں دیکھ کر جذبوں پر کنٹرول نہیں رہتا۔ فطری ہے یہ !! درخزئی اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

درحزئی خانزادہ نے اپنی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پاسپورٹ نکالا

عنائیہ نے حیرانگی سے اس کے ہاتھ میں امیریکن پاسپورٹ دیکھا تھا۔ تمھاری آمانت۔۔ درخزئی خانزادہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا پاسپورٹ اسے تھمایا۔ عنائیہ نے حیرت سے اپنا پاسپورٹ دیکھا تھا۔

پولیس والا ہوں وہ بھی دو نمبر !, اس دن یہ پاسپورٹ تمہارے پرس سے نکال لیا تھا۔ وہ عنائیہ کے چہرے کی طرف دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

اس دن دل بہت ڈر گیا تھا۔ بہت زیادہ ڈر گیا تھا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی کہ تم اس بار میں مائیکل کے ساتھ کیوں بیٹھی

تھی؟!۔ میڈیا تمھارے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟؟۔ گولی لگے بازو کے ساتھ ڈرائیو کرتے میری آنکھیں ہی نہیں میرا دل بھی رو رہا تھا۔ بہت بار سوچا تمہیں اپنی حویلی لے جاؤں۔ تاکہ تم کبھی میری پناہوں سے دور نہ جا سکو۔ مگر میری گاڑی میری حویلی کی طرف مڑ نہ سکی۔ مگر چپکے سے تمھارے پرس سے یہ پاسپورٹ نکال لیا۔ دل ڈر گیا تھا عنائیہ تم پھر مجھے چھوڑ کر نہ چلی جاؤ۔ میں یہ خوبصورت چہرہ کبھی کبھی ہی سہی جو دیکھتا ہوں ۔اسے دیکھنے کو ترس نہ جاؤں۔ درخزئی تڑپتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر لب رکھ گیا تھا۔ عنائیہ بھیگی گلابی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مقابل کے ہونٹ اپنے ہونٹوں پر رکھنے پر وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ اسے درخزئی خانزادہ کا شدت بھرا لمس اپنے ہونٹوں پر چاہیے تھا۔

اس دن ایک بات سمجھ آئی پسندیدہ عورت مرد کو بغیرت بنا دیتی ہے۔ وہ اس کا چہرہ تھامے تلخی سے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

درخزئی!! عنائیہ نے آنکھیں کھولتے ہوے اسے بھیگی آواز میں پکارتے ہوے اس کی چوڑے سینے پر ہاتھ جمایا۔

عنائیہ میں بغیرت بن گیا۔ ابھی بھی خود کو بغیرت محسوس کر رہا ہوں۔ وہ اس کا چہرہ تھامے مسکراتے ہوے بول رہا تھا۔

درخزئی۔ پپ۔۔ پلیز۔۔ ایسے۔۔ مت۔۔۔ کہیں۔۔ عنائیہ نے ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہوے اسے خود کے لیے یہ لفظ بولنے سے منع کیا تھا۔

بغیرت ہی ہوں میں۔۔ جو لڑکی تمھارے نکاح میں ہوتے تمہارے چہرے پر تھپڑ مارتے ایک امریکن لڑکے پر بھروسہ ہوے اس کے ساتھ امریکہ جا

رہی ہو۔ خود کو عیاں کرتے ہوے وہ بنا کسی شرم کے ساتھ اس لڑکے کے ساتھ بار میں بیٹھی ہو جو شراب پی رہا ہو۔ ایسی لڑکی کو ایک مرد پھر بھی اپنانے کا سوچے وہ مرد بغیرت ہی ہو اناں۔ درخزئی کے سوال پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔۔

درخزئی۔۔ ایسا۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہے۔۔۔ میری۔۔۔ بات۔۔۔ سنیں عنائیہ نے تڑپتے ہوے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔ اسے لگا تھا وہ اسے ایکسپلین کر دے گی۔ مگر وہ نہیں کر پا رہی تھی۔ پتہ نہیں مقابل کے لفظ بے رحم تھے یا پھر اس کا خود کا ایکٹ جو اس کے لبوں سے نکلنے والے لفظ حلق میں ہی دم توڑ رہے تھے۔۔

ایسا ہی ہے۔۔ ایسا۔۔ ہی۔۔ ہے۔۔ وہ اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں گاڑھے لفظ چباتے ہوے اس سے دور ہوتے پیچھے کو ہوا تھا۔

درخزئی!!عنائیہ اس کے قدم پیچھے بڑھانے پر تڑپ اٹھی۔ جسم سے جان نکلی تھی۔

ایسا ہی ہے درخزئی خانزادہ بغیرت ہے۔ جس عورت کے بارے میں میڈیا چیخ چیخ کر اسے ڈرگس بیچنے والی اسے شراب پینے والی کہہ رہا ہو۔ اس مائیکل کے ساتھ تمھارے کردار پر بات کر رہا ہو۔ اور یہ درخزئی خانزادہ کچھ نہ کر سکتا ہو۔ ان کی زبانیں نہ کھینچ سکتا ہو۔ اپنی پسٹل کی گولیوں سے ان کے سینے چھلنی نہ کر سکتا ہو۔ تو یہ درخزئی خانزادہ بغیرت ہی ہوا ناں۔ درخزئی اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوے دھاڑا۔

عنائیہ اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوے شدت سے رو دی تھی۔

نظریں نہیں اٹھا پا رہا آج شہرام زاران اسفند لالا کے سامنے !! یہ دو دن نظریں جھکا کر سب کے سامنے رہا ہوں۔ اس حویلی کا کھانا تو دور کی بات حلق سے پانی نہیں اترا۔

درخزئی !! وہ دل پر ہاتھ رکھ کر تڑپ کر رہ گئی تھی دو دن سے اس نے کھانا نہیں کھایا۔ عنائیہ کا دل جیسے پھٹ گیا تھا۔

کیسے کھاتا کھانا عنائیہ ؟؟ جس مرد کے نکاح میں ہوتے اس کی بیوی اس سے بھاگ کر دور جا رہی ہو وہ بھی کسی غیر مرد کے ساتھ !! پھر اس لڑکی پر ایسے ایسے الزامات لگ رہے ہو۔ اس کا مرد اس کا شوہر سانس لے لے بڑی بات ہے۔ وہ کھانا کیسے کھا سکتا ہ ؟! ے۔ درخزئی خانزادہ اپنی پاکٹ کی جیب سے سگریٹ اور لائیٹر نکالے سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگایا۔

تم نہیں جانتی تم میرے ساتھ کیا ظلم کر چکی ہو۔؟!وہ کانپتی انگلیوں سے سگریٹ کا گہرا کش لیتے مدھم سی آواز میں بولے۔

تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔میرا غرور میرا مان میرے باقی بچے کچھے رشتے چھین لیے۔تم نے مجھ سے یہ حویلی چھین لی۔مجھ سے میرا دوست زاران خانزادہ بھی چھین لیا۔وہ بہت مدھم آواز میں بول رہا تھا۔

عنائیہ کو اس کی آواز بمشکل ہی سنائی دے رہی تھی۔

احساس ہو گیا ہے مجھ کو!!مجھے یہ نکاح نہیں کرنا چاہیے تھا۔دھوکے سے کیا ہوا نکاح کیسے تمھارے دل میں محبت پیدا کر سکتا تھا؟؟مگر مجھے لگا تھا میری شدید محبت کی آنچ تم تک پہنچ جائے گی۔درخزئی خانزادہ مدھم آواز میں بولتے عنائیہ کی طرف دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

عنائیہ اس کے مدھم لفظوں پر نظریں جھکائے رو رہی تھی۔ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ اس تک یہ شدید محبت کی آنچ پہنچ چکی ہے مگر وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔

پتہ ہے عنائیہ! جب مرد کو کسی عورت سے محبت ہوتی ہے ناں!! وہ اس کی طرف بڑھتے ایک ہاتھ اس کے گرد رکھے اس کا ٹھوڑی نرمی سے جکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ گیا تھا۔ عنائیہ نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست کرتے ہوئے درخزئی کی سرخ آنکھوں میں دیکھا۔

وہ مرد اس عورت کو لے کر سب سے پہلے پوزیسو ہو جاتا۔ وہ اس سے پہلے کسی اور مرد کی نہ ہو جائے۔ اس عورت کے چہرے کو کوئی نظر بھر کر بھی دیکھے ناں تو محبت کرنے والا مرد پاگل ہو جاتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے

تمھیں اپنا بنانے کا سوچا کہ مجھ سے پہلے اس خوبصورت وجود کا مالک کوئی اور نہ بن جائے۔ اس لیے تم سے نکاح کر بیٹھا۔ درخزئی اس کے خوبصورت نقوش پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بول رہا تھا۔

لیکن مائی سوین!! میرے دل میں یہ خوف پہلے سے بھی زیادہ شدت سے جاگزیں ہو گیا ہے کہ تم کسی اور کی نہ ہو جاؤ۔ وہ اس کے سرخ یاقوتی اپنے انگوٹھے سے بے دردی سے مسلتے ہوئے بولا۔

درخزئی!! مم۔۔ میں۔۔ آپ۔۔ کی۔۔۔ ہوں۔۔ عنائیہ نے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھا

نہیں مائی سوین!! نکاح پتھر پر آخری لکیر نہیں ہوتا کسی بھی عورت کو اپنا بنانے کے لیے!! اگر ہوتا تو کیا تم اس مائیکل پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے

چھوڑ کر جانے کا سوچتی ؟!۔ وہ اس کے بال بے دردی سے دبوچتے ہوے جیسے زخمی لہجے میں غرایا تھا۔ عنائیہ نے درد سسکی لی تھی۔

تمھیں ایک بار میرا خیال نہیں آیا۔ تمھیں ایک بار میری شدید محبت نظر نہیں آئی جو میں تم سے کرتا ہوں۔ تمھیں ایک بار نہیں سوچا کہ درخزئی خانزادہ کے پاس تم ہی پہلا اور آخری رشتہ بچا ہو۔ تمھیں مجھ سے سب کچھ چھینتے ہوے ایک بار میرا خیال نہیں آیا۔ وہ زخمی شکوہ کناں لہجے میں بولتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوے تھا۔

درخزئی!! عنائیہ سسکتے ہوے رو پڑی تھی وہ بہت بے دردی سے اس کے بال دبوچے ہوے تھا۔

کب میں تمھارے کسی سپنے کے بیچ آیا؟۔ کب تمھیں رخصت کروانے کی بات کی؟؟۔ کب تمھیں تمھاری مرضی کے بغیر چھوا؟؟۔ میرے عقیدت

بھرے بوسوں پر ہی تم مجھ سے خائف ہو گئی ؟!۔ وہ اس کے بالوں کو بے دردی سے دبوچتے ہوے زخمی لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

عنائیہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے بالوں کو چھڑوانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔

محسوس کرتی رہی ہو مجھے تم ؟؟ مجھ سے لپٹ کر محسوس تو کیا ہو گا کیسے میں تمھیں محسوس کرتا تھا؟؟ کیسے تمھارے وجود میں اترنے کے لیے پاگل ہوتا تھا؟!۔ درخزئ کے سوال پر وہ سرخ قندھار ہوتے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ وہ اس کی سختی اس کی دیوانگی محسوس کر چکی تھی۔

جانتا ہوں تم میری بے قراریوں سے واقف تھی۔ تم سولہ سال کی ضرور ہو مگر تم سب سمجھتی ہو۔ جانتا ہوں تمھیں اچھی طرح پتہ ہے کس کیسے کی جاتی ہے ؟؟ جانتا ہوں تمھیں پتہ ہے ایک مرد اپنی عورت کو اپنے بدن کی گرمی

کیسے دیتا ہے؟؟۔ جانتا ہوں تمھیں پتہ ہے اگر میں نے تمھارے قریب ہوتے بھی تمھیں نہیں چھوا یہ میری شدید محبت ہے جو تم سے کرتا ہوں۔ درخزئی نے اس کی گردن کو بے دردی سے جھٹکا دیا تھا۔

آہ۔۔۔ عنائیہ نے درد سے سسکی لی۔

کیوں پھر بھی کیوں مجھے سزا دے رہی تھی۔؟؟ جب میں نے تم پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ تمھیں سختی سے چھوا نہیں!! کیوں مجھے یہ سزا دے رہی تھی؟؟۔ درخزئی خانزادہ نے کرب سے سوال داغا۔

درخزئی۔۔ مم۔۔ مجھ۔۔ سے۔۔ غلطی۔۔ ہو۔۔ گئ۔ عنائیہ شدت سے رو دی تھی۔

اتمھاری ایک غلطی نے مجھے برباد کر دیا۔ درخزئی خانزادہ کو تباہ برباد کر دیا مائی سوین۔ رخزئی درد و کرب سے بولتا اس کے بال چھوڑ چکا تھا۔ درخزئی نے اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے اپنے بازو سے مسلیں۔

میں مانتا ہوں میں صرف میں برباد نہیں ہوا تم بھی برباد ہوئی ہو۔ تو سزا صرف تمھارے مقدر میں ہی کیوں ؟؟ اس سزا کا حقدار میں بھی ہوں مجھے بھی سزا ملنی چاہیے۔ ایسی سزا ملنی چاہیے کہ میری روح تڑپتی رہے اور درخزئی خانزادہ کی سزا یہ ہے وہ رشتوں کے معاملے میں فقیر ہو جائے۔ ایسا۔ فقیر جو صدا لگا لگا کر تڑپ کر مر جائے۔ مگر کوئی اس کے کاصے میں ایک سکہ نہ ڈالے۔ درخزئی خانزادہ کی بات پر وہ سر نفی میں ہلاتے بری طرح روتے ہوے اس کے قریب ہوئی تھی۔

اب کبھی محبت نہیں کر سکوں گا۔ کسی عورت پر بھروسہ نہیں کر سکوں گا۔ کسی عورت کو اپنی عورت نہیں کہہ سکوں گا۔ کبھی کسی عورت سے سکون حاصل نہیں کر سکوں گا۔ درخزئی بھیگی آواز میں بولتے نم آنکھوں سے سا مسکرایا۔

درخزئی!! عنائیہ نے روتے ہوئے ہچکی لی تھی۔

درخزئی کسی عورت سے سکون کیسے حاصل کر سکتا ہے جب اس کا سکون اس کی سوین ہو۔ درخزئی اس کا خوبصورت چہرہ تھامتے اس کے آنکھ سے بہتے آنسوؤں پر لب رکھ گیا۔

در۔۔ خز۔ ئی!! وہ روتے ہوئے اسے ہچکیوں سے پکار رہی تھی۔

اب درخزئی خانزادہ ساری عمر اپنی بیوی کے لیے ترسے گا یہ ہے اس کی سزا!!درخزئی کی بات پر عنائیہ کی رنگت فق ہوئی تھی۔

کک کیا مطلب درخزئی۔۔وہ روتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

تمھیں اب یہاں سے بھاگنا نہیں پڑے گا!!کوئی تمھارے کسی سپنے کے بیچ نہیں آئے گا۔کوئی تمھیں پردہ کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔۔تم جہاں چاہو جاسکتی ہو۔مگر میری ایک ریکویسٹ ہے تم سے کسی غیر محرم پر بھروسہ مت کرنا اس مائیکل پر تو بلکل نہیں۔۔۔درخزئی نے عنائیہ کے ہاتھ تھامتے اسے التجائیہ آنکھوں سے دیکھا تھا۔

درخزئی۔۔کک کیا کہہ رہے ہیں مجھے سمجھ نہیں آرہا؟؟۔عنائیہ ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔

مائیکل کے بارے میں جب جب سوچتا ہوں مائی سوین!!میرا دماغ میرے دل کا ساتھ نہیں دیتا۔اگر میں کہوں کہ میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔تم کہیں سے بھی آجاؤ تم کسی کے پاس سے بھی ہو کر آجاؤ میں پھر بھی تم پر بھروسہ کروں گا تو یہ جھوٹ ہو گا عنائیہ!!یہ ناول فلم ڈرامہ نہیں عنائیہ یہ حقیقت ہے۔جو دیکھ لو آنکھیں اس پر یقین کر لیتی ہیں۔نہ ہی میں فرشتہ ہوں عنائیہ کہ میں تمھارے بارے میں کچھ بھی غلط نہ سوچوں!اس مایکل کے ساتھ تمھیں دیکھتے تمھیں سوچتے میرے دماغ کی شریانیں پھٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔مجھے لگتا ہے کسی نے میرے بدن پر کھولتا پانی انڈیل دیا ہو۔تمھیں کسی مرد کے قریب دو فٹ کی دوری پر بھی میں برداشت نہیں کر سکتا۔اب یہ مت سوچنا یہ خانزادہ ہے تو بلڈی سک خانزادہ ہے یہ کنزرویٹو مرد ہے۔بات کنزرویٹو ہونے کی نہیں بات کسی کے لیے شدید پوزیسیو

ہونے کی ہے۔ مرد جس عورت کو لے کر پوزیسو ہو اس کے قریب کسی مرد کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو سمجھ لو مرد اس عورت سے اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔ اسے سمیٹ کر صرف اپنی پناہوں میں رکھنا چاہتا ہے۔ اگر درخزئی خانزادہ کی اپنے لیے محبت کی انتہا پوچھو تو درخزئی ان ہواؤں کو بھی قید کر لے جو تمھیں چھو کر گزرتی ہیں۔ درخزئی خانزادہ اسے اپنے سینے سے لگاتے شدت سے اسے خود میں قید کر گیا تھا۔ عنائیہ اس کے سینے سے لگے اس کی منتشر ہوتی دھڑکنیں سنتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔ دونوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے کے سینے میں بج رہی تھیں۔

مگر ایسا ممکن نہیں مائی سوین!! وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوے اس اس کے نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔ کک کیوں ممکن نہیں؟! عنائیہ

نے کرب سے سوال داغا۔ اب تو وہ خود مقابل کی بانہوں میں قید ہونا چاہتی تھی۔

تمھاری بہن کی ایک ایک بات سچ تھی۔ اس نے بلکل ٹھیک کہا تھا عنائیہ اگر مجھے کسی عورت سے نکاح کرنا ہی تھا۔ مجھے پردے والی عورت چاہیے تھی تو یہاں کسی سوات کی لڑکی سے کرتا۔ مجھے وفا بھی ملتی اور عورت کا سکھ بھی ملتا۔ سچ میں اگر کسی کو اپنی عورت ہی بنانا تھا اپنے گھر کو آباد کرنا تھا تو سوات کی کسی لڑکی کو اپناتا۔ اور میں نے کیا کیا ایک امریکہ سے آئی ہوئی سولہ سال کی لڑکی سے دھوکے سے نکاح کر لیا؟؟

درخزئی۔۔۔ وہ۔۔۔ آپی۔۔۔ جذباتی۔۔۔۔ ہے۔۔ وہ۔۔۔ ایسی۔۔۔ ہی ہے۔۔ عنائیہ نے تڑپتے ہوے وضاحت دی۔ مقابل کے لبوں سے کسی اور عورت کو اپنانے کا ذکر اسے جھلسا رہا تھا

نہیں ہے وہ جذباتی۔۔ نہیں ہے وہ جذباتی! اُس نے وہ سچ وہ حقیقت مجھے دکھائی جو میں جانتے بوجھتے اگنور کر رہا تھا۔ درخزئی خانزادہ اس کا بازو جکڑے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ اور حقیت یہی ہے امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی مجھ جیسے دو نمبر کریکٹر لیس خانزادہ کے لیے بنی ہی نہیں تھی۔ درخزئی خانزادہ ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔

درخزئی ایسا نہیں ہے۔ میری بات کا یقین کریں۔ عنائیہ نے روتے ہوے دوسرے ہاتھ سے اس کی گھنی بئیرڈ پر ایک ہاتھ رکھا۔

ایسا ہی ہے مائی سوین! ایسا ہی ہے۔ میں جا رہا ہوں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کبھی نہ آنے کے لیے!! تم اب جیسے مرضی رہو تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر کبھی کسی دوسرے مرد کو بیچ میں لے کر مت آنا۔ کسی مرد پر اعتبار نہ کرنا۔ عورت کے لیے غیر مرد گلی کے کتے کے برابر ہونا چاہیے۔ اور

یقین مانو جو عورت اپنے عزت خود نہ کرے۔ خود کو عیاں کرے تو غیر مرد اس کے لیے وہ پاگل کتا ہوتا ہے جو صرف اسے بھنبھوڑ کر رکھ دینا چاہتا ہے۔۔ آہل ہے تمھارے پاس!!اس پر اعتبار کرنا اس سے بہتر تمھارے لیے کوئی نہیں ہو سکتا۔۔ درخزئی خانزادہ اس کے گال پر ہاتھ جماتے ہوے بولتے اس کے لرزتے کانپتے وجود کو دیکھتے دروازے کی طرف بڑھا۔

عنائیہ جو گہرے سانس لیتے کپکپاتے بدن کے ساتھ بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یکدم وہ ہوش میں آئی تھی۔

میں آپ سے محبت کرتی ہوں درخزئی!!وہ بمشکل اپنی آواز حلق سے نکالتے ہوے چیخی تھی۔

درخزئی کے بھاری قدم رکے تھے۔ وہ اپنی سختی سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ بند مٹھیوں کی کڑکڑاہٹ اسے بخوبی سنائی دی تھی۔

درخزئی کی بند مٹھیوں کی کڑکڑاہٹ سے عنائیہ کا رواں رواں لرز اٹھا تھا۔

درخزئی کے بھاری قدم دروازے کی طرف بڑھے تھے۔اس نے اپنا مضبوط ہاتھ ہینڈل پر رکھا۔

آئی لو یو درخزئی۔۔وہ اس کی چوڑی پشت دیکھتے گہرے سانس لیتے شدت گریہ سے چیخی۔

خبردار تم نے جھوٹ بولا۔۔خبردار تم نے مزید میری محبت کی توہین کی۔وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی گردن دبوچتے پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا ۔عنائیہ اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے سسکتے ہوے رو پڑی تھی۔وہ بہت بے رحمی سے اس کی گردن دبوچے ہوے تھا۔اس کی بے رحم گرفت پر عنائیہ کی رنگت تیزی سے سرخ ہوئی تھی۔سانسیں سمٹی تھیں۔درخزئی اس کی حالت دیکھتے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ گیا۔۔وہ اس کے

قدموں میں گھٹنوں کے بل گرتے اپنی گردن کو جکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔

نفرت ہے مجھے جھوٹ سے!! نفرت ہے مجھے جھوٹ سے وہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا پرفیوم زمین پر پوری قوت سے مارتے ہوے دھاڑا تھا۔

عنائیہ گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح لرزی تھی۔۔

کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا؟؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمھارا؟؟ کیوں میرا جانا مشکل کر رہی ہو؟!۔ کیوں میرے جذبات کے ساتھ آخر کھیل رہی ہو؟!۔ کیوں یہ بے رحم لفظ بولے تم نے آخر؟؟ تم بار میں مایکل کے ساتھ تھی پھر بھی تم پر اعتبار کیا!! جو تم نے کہا یقین کر لیا۔ میرے لیے تم سب کچھ ہو سکتی ہو۔ شاید جھوٹی نہیں مگر آج جھوٹی بھی ہو گئی ہو۔ وہ ڈریسنگ

ٹیبل کو جکڑے مرر میں نظر آتے ہوے عنائیہ کے نظر آتے عکس کو دیکھے

درد و کرب سے بولا۔

جھوٹ۔۔۔ جھوٹ۔۔ نہیں۔۔ ہے۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ سچ۔۔ ہے۔۔ وہ

اپنی ٹوٹتی سانسوں کو بحال کرتے بمشکل بولی تھی۔

درخزئی ایک ہی جست میں اس طرف بڑھتے اسے بازو سی جکڑے اپنے

مقابل کھڑا کر گیا تھا۔

بے غیرت ہوں۔ مگر بیوقوف نہیں ہوں مس عنائیہ پاشا!! یکدم تمھیں مجھ

جیسے خانزادہ سے محبت کیسے ہو گئی۔ جو رخصتی آہل زحلے تمھاری بہن جس

کے نزدیک میں کریکٹر لیس انسان ہوں وہ کیسے مان گئی آخر؟؟ دو دن پہلے تم

میری پناہوں سے بھاگ کر کسی غیر مرد کے ساتھ امریکہ جا رہی تھی۔ آج

آچانک وہ لڑکی دلہن کے لباس میں پورپور سجی میری محبت میں کیسے پاگل ہو

گئی ؟؟۔۔سب سمجھتا ہوں۔ درخزئی اس کی گلابی آنکھوں میں جھانکتے ہوے استھزائیہ مسکرایا تھا

کیا سمجھتے ہیں ؟! عنائیہ نے ہچکی لیتے ناسمجھی سے اس کی استھزائیہ کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا

کیونکہ آہل زحلے آنٹی ابرش کو تمھاری فکر ہے۔ جو سب کچھ ہوا اب وہ اپنا بوجھ اتارنا چاہتے ہیں۔ درخزئی استھزائیہ مسکرایا تھا۔

اچھا!! عنائیہ نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے زخمی سا مسکراتے ہوے ہچکی لی تھی۔

ایسا نہیں ہے کیا؟؟ درخزئی نے بھی زخمی سا مسکراتے ہوے جواباً سوال داغا

۔

ایسا ہی ہے ایس پی!! آپ سچ کہہ رہے ہیں سب میری طرف سے فکر مند ہو چکے ہیں۔ انھیں لگتا ہے کہ آپ ہی مجھے اب سنبھال سکتے ہیں۔ میں پھر سے ایسا کوئی قدم اٹھالوں گی اس لیے وہ اپنا بوجھ اتار کر پھینکنا چاہتے ہیں۔ ایک ایک لفظ سچ ہے۔ بلکل سچ ہے۔۔ عنائیہ روتے ہوے اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوے بولی۔۔

درخزئی اس کے جواب پر استھزائیہ مسکرایا تھا۔

اب یہ بتائیں؟! میں کیوں تیار ہوئی؟؟ کیوں دلہن کی طرح سجی؟؟ کیوں آپ سے جھوٹی محبت کا اظہار کر رہی ہوں؟!۔ عنائیہ نے روتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے سوال کیے۔

کیونکہ عنائیہ پاشا کو بھی لگتا ہے درخزئی خانزادہ اسے ہر صورت پروٹیکٹ کرے گا اس قانون سے؟؟ اسے سزا ہونے سے؟؟

اس لیے عنائیہ پاشا اپنے گھر والوں کے مجبور کرنے پر آج یہ رخصتی کر رہی ہے ؟؟ درخزئی خانزادہ کے بولے گئے بے رحم لفظوں کے ساتھ اس کا عنائیہ پاشا کہنا اسے خنجر کی طرح اپنے وجود میں پیوست ہوتا محسوس ہوا تھا۔

آپ تو سر پھرے ایس پی درخزئی خانزادہ ہیں۔ جو مجرم کے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سچ جھوٹ جان لیتا ہے تو اس عنائیہ خانزادہ کی آنکھیں پڑھ لیں وہ جھوٹ بول رہی ہے یا سچ۔۔ عنائیہ نے لفظ عنائیہ خانزادہ پر خاص طور پر دیا تھا

مجرم کے دل کی بات جان لیتا ہوں۔ مگر مقابل یہاں وہ عورت ہے جس سے میں عشق کرتا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے میں صرف جان سے جا سکتا ہوں۔ جھوٹ سچ تو بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اگر تمھاری آنکھوں کا سچ جان لیتا تو سمجھ جاتا تم مجھے دھوکہ دے کر کسی بھی مرد پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ اگر

جان لیتا تو یوں اپنی عزت کی دھجیاں نہ بکھرنے دیتا۔ درخزئی اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں بولا۔

اگر جان لیتے تو کیا کرتے آپ؟؟ عنائیہ نے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

میں یہ نکاح نہ کرتا! درخزئی سرد برفیلے لہجے میں بولا تھا۔

!درخزئی کی بات پر وہ کئی قدم پیچھے ہوتے دیوار میں سمائی تھی۔

درخزئی اسے دیکھتے رخ موڑتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اپنے اندر اٹھتے اظطراب پر قابو پانے لگا۔

دھوکہ دے کر نکاح کیا تھا تو آج جانتے بوجھتے دھوکہ کھاتے رخصتی بھی کر لیتے۔ درخزئی خانزادہ!! ثابت ہوتا ہے مرد دھوکہ تو دے سکتا ہے دھوکہ

نہیں کھا سکتا۔ عنائیہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے زخمی استھزائیہ لہجے میں بولی تھی۔

مرد اپنی پسندیدہ عورت سے دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اور بار بار تو بلکل نہیں۔ وہ رخ پلٹے بغیر بولا استھزائیہ مسکرایا تھا

بار بار دھوکہ!! عنائیہ نے الجھن بھرے لہجے میں بولتے اس کے سوال دہرائے۔ وہ بہت بے رحمی سے تجزیہ کر رہا تھا ہر لفظ پہلے سے زیادہ بے رحم ہوتا تھا۔ وہ بھی ڈھیٹ بنی سوال کر رہی تھی

ہاں مس عنائیہ پاشا!! بار بار دھوکہ!! بتاؤ مجھے میں تمھیں آج رخصت کروا کر لے جاتا ہوں تم دوبارہ نہیں میری پناہوں سے بھاگو گی۔ وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے اس کے گرد دیوار پر ہاتھ محصور کر گیا تھا۔۔

دوبارہ۔۔بھاگ سکتی۔۔ہوں۔۔میں؟!عنائیہ روتے ہوے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے اس کے بے رحم لفظ دہراتے استفسار کیا۔

ہاں مس عنائیہ پاشا!!اس لیے تمھیں اور خود کو تکلیف سے بچانے کے لیے میں یہ سوات چھوڑ کر جارہاہوں۔وہ ظبط زخمی لہجے میں بولا تھا۔

مجھے کیسے بچارہے ہیں تکلیف سے؟؟وہ تڑپتے ہوے پھر سے سوال کر گئی تھی۔

ہر بار میں خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔اگر تمھیں اپنالیتاہوں تو تم پھر سے میری پناہوں سے بھاگتی ہو تو ایسا سفاک خانزادہ بن کر تم پر ایسا قہر ڈھاؤں گا کہ تم برداشت نہیں کر سکو گی۔اور میں اپنی سوین کو سختی سے چھو بھی نہیں سکتا۔

درخزئی کی بات پر اس نے استھزائیہ روتے ہوے اپنا گلہ جکڑا جہاں اس کی بے رحمی سے نشان پڑ چکے تھے۔ اسے شدید جلن ہو رہی تھی

درخزئی اس کی گردن پر اپنی انگلیوں کے نشان دیکھتے ظبط سے لب بھینچ گیا۔ م تھا۔

آئی ایم سوری!! مائی سوین مجھے جانے دو تمھیں مزید ہرٹ کیا تو اگلا سانس بھی نہیں آئے گا۔ میری سانسوں کو مزید تنگ مت کرو۔۔ درخزئی ظبط سے بولتے دروازے کی طرف بڑھا۔

تو آپ کو لگتا ہے میں آپ کے قابل نہیں رہی۔ میرا اس مائیکل کے ساتھ افیر تھا۔۔ میں آپ کی نہیں رہی۔۔ اس کی بات پر درخزئی کی مٹھیاں ایک بار پھر سے بھنچی تھی۔

اعتبار نہیں مجھ پر۔۔ آپ کے دکھ کی وجہ اس طرح ٹوٹنے کی وجہ وہ مائیکل ہے آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسے کردار کی لڑکی ہوں جس کا کوئی کردار نہیں۔ عنائیہ نے استھزائیہ ہنستے ہوے کرب سے سوال کیا۔۔

درخزئی نے مڑتے ہوے اس پر اپنی خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔

مسٹر درخزئی خانزادہ اب عظیم بنتے ہوے یہ مت کہیے گا کہ آپ کو میرے کردار پر اٹھی ہوئی میری انگلی بھی برداشت نہیں۔ آپ کی ہر بات میں صرف مائیکل ہے۔۔ اس کا دکھ اس سے حسد آپ کو مار رہا ہے۔ اس مایکل کی وجہ سے آپ نظر نہیں اٹھا پا رہے۔ تو میں بتا دوں وہ صرف میرا دوست ہے۔ اور میرا کچھ نہیں۔۔ اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو ابھی اسی وقت مجھ سے اپنا حق لے لیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا مجھے پہلے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔۔۔

عنائیہ کی بات ابھی منہ میں ہی تھی وہ اس کی طرف بڑھتے ہوے اسے بازو سے جکڑتے ہوے بیڈ پر بے دردی سے دھکیلتے اس پر حاوی ہوا۔

اتنا بغیرت سمجھتی ہو مجھے کہ میں تمھارے بدن کو ٹٹولتے ہوے چیک کروں گا کہ تمھیں مجھ سے پہلے کسی نے چھوا ہے کہ نہیں۔۔ بہزاد کی قید میں چار ماہ رہی تم۔ مگر ایک پل کے لیے کوئی شک کوئی وسوسہ میرے دل میں نہیں سمایا۔ آج اگر اعتبار نہ کرنے کی بات کر رہا ہوں۔ تم نے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ میں یہ تکلیف دہ باتیں کر رہا ہوں جس سے اذیت صرف مجھے ہو رہی ہے۔ تم اس اذیت سی گزر بھی نہیں سکتی۔۔ اگر گزرتی تو یہ بکواس کبھی نہ کرتی جو ابھی کی۔ درخزئی اس کا جبڑہ دبوچتے پھنکارا. عنائیہ اس کے وجود کے نیچے لرزتے ہوے سسکاری بھر گئی تھی۔ آج تو کیا تم مجھے کبھی سہن نہیں کر سکتی۔ درخزئی خانزادہ جنونی ہے تمھارے لیے۔ اب اس جنون میں

ایسا غصہ ایسا قہر ہے کہ تم اس خانزادے کو اب 30 کی ہو کر بھی سہن نہیں کر سکو گی / میرے دل سے یہ غم و غصہ اب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ غلطی سے بھی تمھارے قریب آ گیا تم جھلس کر راکھ ہو جاؤ گی۔ وہ ایک ایک لفظ جباتے ہوے غرایا۔ عنائیہ اس کی غراہٹ پر خوفزدہ ہوتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

اور ایک بات یاد رکھنا جس عورت کا دل میرا نہیں اس کا جسم کبھی نہیں میں چھوؤں گا۔ درخزئی خانزادہ آج اور ابھی ایک عہد لیتا ہے وہ اسی عورت کو چھوئے گا جس کے دل میں وہ دھڑکن بن کر اترے گا۔۔ درخزئی خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچتے پھنکارتے ہوے اٹھتے ہوے تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

عنائیہ اوندھے منہ ہوتے تکیے میں منہ چھپاتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی ۔وہ ہذیانی چیخ و پکار کر رہی تھی۔وہ اسے چھوڑ گیا اس کا معصوم دل برداشت نہیں کر رہا تھا۔وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی

وہ ہذیانی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ فون کی رنگنگ پر اس نے اپنے قریب پڑے درخزئی کے فون کو دیکھا جہاں آفیسر رانیہ کی کال آ رہی تھی۔

اس نے رانیہ کا نام دیکھ کر جانے کس احساس سے فون اٹینڈ کرتے کان سے لگایا۔

مسٹر درخزئی خانزادہ آپ کے کیس کو میں ہینڈل کر رہی ہوں۔ابھی بھی وقت ہے آپ اپنی بیوی کو قانون کے حوالے کرتے حقیقت بتا دیں کہ وہ آپ کے مشن کا حصہ نہیں تھی۔ورنہ میرے ہاتھوں سے سب نکل جائے گا۔اور آپ کی وردی کبھی واپس نہیں آئے گی۔رانیہ کی بات پر عنائیہ نے

اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے ہچکیاں روکتے ہوئے فون بند کرتے بیڈ پر پھینکا تھا ۔ درخزئی خانزادہ ایس پی نہیں رہا۔ یہ حقیقت پتہ چلنے پر عنائیہ کی ہچکیوں میں آضاقہ ہوا تھا۔ وہ درخزئی خانزادہ سے اس کی وردی بھی چھین چکی تھی۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے چیخیں مار مار کر رو دی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کی ہچکیاں تھمتے اس کی سانسیں رکی تھیں۔

دذخزئی خانزدہ اندر داخل ہوا تھا۔ وہ اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ عنائیہ کو وہ کوئی خواب لگا تھا۔ وہ پھر سے اس کے سامنے تھا۔ درخزئی خانزادہ اس کی طرف جھکا۔ عنائیہ بے یقینی سے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ درخزئی نے اس کے نقوش کو نم سرخ آنکھوں سے دیکھتے اس کے قریب پڑا اپنا موبایل اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں موبایل دیکھتے وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو دی تھی۔ درخزئی نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

تو نہ ہو تو ہر چیز مٹ جاتی ہے

زندگی اور بھی ہمیں تڑپاتی ہے

یاد یاد بس یاد رہ جاتی ہے

وہ تیری یاد وہ تیری یاد

یاد یاد رہ جاتی ہے

درخزئی اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے اپنی نم آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ابرش کچن میں اپنے چوکر کو جکڑے گہرے سانس لیتے بمشکل اپنے لرزتے وجود پر قابو پا رہی تھی۔

اسے اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ شیلف پر ہاتھ جمائے اپنے ہچکولے لیتے وجود پر قابو پانے لگی۔ اسے پلوشہ کے ساتھ دیکھ کر ابرش کو اپنا پورا وجود جلتا محسوس ہو رہا تھا۔ تو طے تھا وہ زاران خانزادہ کو کسی کے ساتھ ایک پل کے لیے شئیر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کسی غیر عورت کو دیکھتے مسکرا بھی جائے اسے اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوتی تھیں۔

ابرش نے سنک کا نل کھولتے پانی کی چھینٹیں اپنی جلتی آنکھوں پر ماری تھیں۔ گہرے سانس لیتے اس نے اپنی جلتی آنکھیں ہتھیلیوں سے مسلیں۔

مجھے پرواہ نہیں مسٹر خانزادہ!! تم کچھ بھی کرو تم کسی بھی دوسری عورت کو دیکھ کر مسکراؤ۔ اس سے باتیں کرو! یا پھر اس پلوشہ کو تم اپنی حویلی میں جگہ

دو اپنے دل میں جگہ دو!! ابرش گہرے سانس لیے بولتے ہوے اپنا گلہ جکڑ گئی تھی۔

ابرش نے کیبنٹ سے تمام کافی کے ڈبے نکالتے تھے۔ وہ سنک کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک ایک کافی کا ڈبہ کھولتے کافی سنک میں گرانے لگی۔

تم کچھ بھی کرو مسٹر خانزادہ!! تم کچھ بھی کرو مجھے پرواہ نہیں۔۔ میرے قریب نہیں آنا مت آؤ!! مجھے بھی شوق نہیں کہ تم میرے قریب آؤ۔ جانتی ہوں تم خانزادوں کو اپنی عورت صرف غیرت کے نام پر یاد رہتی ہے۔ اس پر کسی کی نگاہ نہ پڑے بس وہی اپنی عورت یاد آتی ہے۔ بستر گرم کرنے کا کیا ہے؟؟ ایک نہیں تو دوسری عورت ہی سہی!! ایک عورت سے دل جو بھر جاتا ہے تم خانزادوں کا۔ ابرش نے کافی کے جار کھولتے سب کافی

گرا رہی تھی۔ وہ اس کچن میں رکھی بہت مہنگی کافی کے جار کے ڈبے سنک میں گرا چکی تھی۔

سہی کہتے ہیں جو چیز میسر آ جائے۔ اس کی قدر نہیں رہتی۔ اب ابرش پاشا تم دن رات اس سفاک مسٹر خانزادہ کو میسر ہو گی تو کیسے اس کا دل نہیں بھرے گا۔۔ دن رات دن رات اس کے بدن کا حصہ بنی اسے سکون پہنچاہتی رہی۔ بھر گیا دل اس کا۔ اب وہ تمھاری طرف کیوں دیکھے گا؟ ابرش نے روتے ہوے کافی کا جار پوری قوت سے سنک میں پٹخا تھا۔

شہرام اسفند' ارحام لالا اس لیے اپنی بیویوں پر جان دیتے ہیں وہ اس طرح تھوڑی کرتی ہوں گی جو میں کرتی ہوں۔ کمرے میں آیا نہیں تیار اسے ملتی ہوں۔۔ ابرش نے اپنی آنکھیں مسلتے ہوے گہرے سانس لیے۔۔

مجھے کوئی پرواہ نہیں تم اس پلوشہ کو مسکرا مسکرا کر دیکھو یا پھر بہت غور سے اس کی بات سنو۔۔مجھے بلکل فرق نہیں پڑتا۔ابرش اپنے کا مدار دوپٹے سے اپنے عارض بے دردی سے رگڑے جو خون چھلکانے لگے تھے۔

وہ اپنی آنکھیں مسلتے ہوے کچن سے نکلتی عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھی جس کی کچھ دیر بعد رخصتی تھی۔

وہ اس کے ساتھ کچھ دیر ٹایم سپینڈ کرنا چاہتی تھی۔

لاونج سے گزرتے ہوے اس کے قدم رکے تھے۔پلوشہ امینہ خانم کے پاس بیٹھی ان کا بازو دبا رہی تھی۔امینہ خانم اسے مسلسل دعائیں دے رہی تھی۔ابرش اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوے سب کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوے عنائیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ عنائیہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ کمرے میں پھیلی پرفیوم کی مہک اور زمین پر بکھرا کانچ دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی۔۔ عنائیہ کو بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے بری طرح ہچکیوں سے روتے ہوئے دیکھتے ہوئے وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھی

عنائیہ !! کیا ہوا ہے ؟! ایسے کیوں رو رہی ہو ؟! ابرش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

عنائیہ کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

عنائیہ میری جان !! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے ؟؟ تم یہ رخصتی نہیں چاہتی کیا ؟؟ مجھے بتاؤ میں کبھی تمھاری مرضی کے بغیر یہ رخصتی نہیں ہونے دوں گی۔ ابرش کی بات پر وہ اٹھتے ہوئے بیٹھی تھی۔ عنائیہ کی سرخ رنگت اس کی گلابی متورم آنکھیں دیکھ کر وہ پریشان ہوئی۔

عنائیہ میری جان یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟؟اور یہ کس نے کیا؟

؟عنائیہ کی گردن پر انگلیوں کے نشان دیکھتے وہ بولتے ہوے رکی تھی

۔کمرے میں بکھرا کانچ عنائیہ کی بکھری روتی ہوئی حالت اس کی گردن پر انگلیوں کے نشان دیکھتے وہ جیسے سب سمجھ گئی تھی۔

یہ اس ایس پی نے کیا تمھارے ساتھ؟!۔۔ابرش نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

اسے ایس پی کہنے پر عنائیہ کی رنگت میں زردیاں گھلی تھیں۔دل میں شدت سے درد اٹھا تھا۔وہ تو ایس پی نہیں رہا تھا۔

وہ ابرش کو دیکھتے مزید شدت سے رونے لگی تھی۔

نہیں چھوڑوں گی اس دو نمبر بلڈی سک خانزادہ کو۔۔ جس نے تمھیں تکلیف دی۔ وہ سمجھتا کیا ہے خود کو؟!۔ ابرش عنائیہ کی حالت دیکھتے تڑپتے ہوے ہوے بیڈ سے اٹھتے دروازے کی جانب بڑھی

رک جائیں آپی۔ عنائیہ بیڈ سے اٹھتی شدت غم سے چیخی تھی۔

ابرش نے اس کی ہذیانی چیخ پر رکتے ہوے مڑتے ہوے اسے دیکھا جو شدت سے لرزتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی. ابرش اسے اس طرح کانپتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی۔

پاس مت آیئے گا! عنائیہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوے پیچھے کی جانب قدم بڑھائے۔۔

ابرش کے قدم وہیں پر رکے تھے۔

کیوں آپی کیوں آپی ؟؟ کیوں پوچھیں گی آپ درخزئی سے کچھ ؟؟اور کس حیثیت سے ؟؟عنائیہ نے اپنے آنسو دونوں ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوے پوچھا تھا۔

کیا مطلب کس حیثیت سے ؟؟ابرش نے اپنی نم آواز پر قابو پاتے ہوے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوے پوچھا۔

مطلب یہ آپ ہوتی کون ہیں جو درخزئی سے کچھ بھی پوچھیں ؟؟۔ کبھی میں نے آہل بھائی نے یاماما نے زاران بھائی سے آپ کے حوالے سے کچھ بھی پوچھا جو آپ درخزئی سے سوال کریں گی۔ عنائیہ روتے ہوے بولی۔

کیا کہہ رہی ہو عنائیہ ؟؟میں بڑی بہن ہوں تمھاری!ابرش کی بھیگی آواز حلق میں اٹکی تھی

ٹھیک کہہ رہی ہوں!! کیوں مجھ پر اپنا حق جتاتی ہیں جبکہ میں خود پر آپ کا حق سمجھتی نہیں۔ عنائیہ نے روتے ہوے کہا

تم خود پر میرا حق نہیں سمجھتی؟؟ ابرش کی گھٹی گھٹی آواز میں ٹوٹے کانچ کی چھنک تھی۔

ہاں نہیں سمجھتی کسی کا خود پر حق! جس کا سمجھتی تھی وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ عنائیہ اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے ہوے چیخی تھی۔

عنائیہ!! اسے یوں روتے ہوے دیکھتے ابرش اسے پکارتے ہوے اس کی طرف بڑھی تھی۔

مت پاس آئیں میری طرف!! عنائیہ پیچھے کو ہوتے دیوار میں سمائی تھی۔

کیوں کہا اسے کریکٹر لی؟؟۔ کیوں اسے گالی دی آپ نے؟؟ عنائیہ چیخی تھی۔

مم میں نے گالی دی۔ ابرش عنائیہ کو دیکھتے بری طرح رو دی تھی۔

ہاں گالی دی اسے کریکٹر لیس کہا۔ وہ کہتا ہے تمھاری بہن نے کریکٹر پر داغ لگایا اور تم نے وردی پر داغ لگا دیا۔

میں نے درخزئی خانزادہ کو برباد کر دیا اور اس کی بربادی میں میرے ساتھ آپ کا ہاتھ تھا آپ کیوں اتنی جذباتی ہیں؟ کیوں مجھے برباد کر دیا۔؟! عنائیہ چیخی تھی

میں نے برباد کیا!! ابرش اس کے لفظ دہراتے دروازے میں سمائے تلخی سے نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

پتہ نہیں آپی کس نے برباد کیا مگر میں برباد ہو گئی مجھے درخزئی چھوڑ کر چلا گیا ۔جس سے میں شدید محبت کرتی ہوں۔ جس کی محبت میں کھو چکی ہوں۔اور مجھے لگ رہا ہے میرے پاس کچھ نہیں بچا۔میں مر جاؤں گی۔عنائیہ چیختے ہوے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ایک ایک اٹھا کر زمین پر مارتے ہوے ہذیانی رو رہی تھی

ابرش اس کی حالت دیکھتے اس کی طرف جلدی سے بڑھی۔۔

کیا کہا اس نے مجھے بتاؤ؟؟ابرش نے اس کی طرف بڑھتے اس چہرہ تھامتے ہوے اس کے اپنی ہتھیلی سے آنسو صاف کیے۔

کیا کہے گا آپی مجھے چھوڑ کر چلا گیا!!چلا گیا جھے چھوڑ گیا۔میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔مجھے درخزئی خانزادہ چاہیے۔مجھے درخزئی خانزادہ چاہیے۔عنائیہ شدت غم سے رو دی تھی۔

ایسے کیسے وہ تمھیں چھوڑ کر جا سکتا ہے؟؟۔ میں زاران سے بات کرتی ہوں۔ یہ نکاح اس نے کروایا تھا۔ وہ ذمہ دار ہے اس سب کا؟؟ وہ لائے گا درخزئی خانزادہ کو تمھارے پاس؟؟ ابرش اس کی حالت دیکھتے روتے ہوئے بولی۔ عنائیہ کو ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ وہ اپنے حواصوں میں نہیں لگ رہی تھی

کچھ نہیں ہو سکتا!! وہ مجھے نہیں اپنائے گا۔۔ اور اب اس کی زندگی میں مجھے ردی کے پیپرز کی طرح داخل نہیں ہونا۔ اب شاید یہ زندگی ایسے گزرے۔۔ ان پہاڑوں میں اس کی یادوں کے ساتھ۔۔ عنائیہ ابرش کے ہاتھ اپنے چہرے سے جھٹکتے ہوئے ڈریسنگ مرر میں دیکھتے اپنی جیولری اتارنے لگی۔

مت اتارو یہ جیولری۔ وہ آئے گا۔ وہ تمھیں رخصت کروا کر لے کر جائے گا۔ وہ ایسے نہیں کر سکتا۔۔ زاران اسے ایسے نہیں کرنے دے گا۔ ابرش نے اسے مرر میں دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔

کچھ نہیں ہو سکتا آپ درخزئی خانزادہ کو جانتی نہیں ہیں۔ وہ کسی کی نہیں سنے گا۔ نہ زاران بھائی کی۔ وہ بھی ایک سفاک خانزادہ ہے۔ بس اس کا طریقہ واردات الگ ہے۔

عنائیہ نے سپاٹ انداز میں کہتے ہوئے اپنا ایرنگ اتارتے ہوئے مرر میں مارا۔

آپ نے اگر کچھ کرنا ہے تو میرے معاملے سے دور رہیں۔ آپ کی جذباتیت مجھے آگے بہت نقصان پہنچا چکی ہے۔ عنائیہ نے اب اپنے گلے سے مالا اتار کر مرر میں دے ماری تھی۔

ابرش اس کی بات پر خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت بری طرح کانپ رہی تھی ایسے لگ رہا تھا بھی گر جائے گی۔ ابرش کو مکمل نظر انداز کیے ہوے تھی۔

ابرش اسے دیکھتے خاموشی سے آہستگی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوے ابرش نے مڑتے ہوے عنائیہ کی طرف دیکھا۔

جسے تم لوگ جذباتیت کہتے ہو وہ میری شدید محبت ہے جو تم لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ زاران سے میں بات کر کے رہوں گی۔ وہ درخزئی تمہارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے اس بے رحمی اور سفاک پن کا جواب دینا پڑے گا۔ اگر رخصتی نہیں کرنی تھی تو یہ درخصتی کا تماشہ کیوں لگایا۔

ابرش قطعیت بھرے لہجے میں کہتے دروازہ کھولتے نکل گئی تھی۔

ابرش جلدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

مردانے کے بڑے سے عالیشان لاونج میں اس وقت زاران اسفند شہرام ارحام بیٹھے ہوے تھے۔ دریدار بد سمیع اللہ خان مردانے کی بیٹھک میں بیٹھے ہوے تھے۔

درخزئی!!ارحام خانزادہ کی پکار پر درخزئی خانزادہ کے باہر جاتے قدم رکے تھے۔

جی لالا!!وہ اپنی دو انگلیوں سے اپنی بھیگی سرخ آنکھیں مسلتے ہوے ہوے سب کی طرف پلٹا تھا۔

کہاں جا رہے ہو؟؟ ادھر آ کر بیٹھو ہمارے ساتھ!! ارحام خانزادہ کے تحکم بھرے لہجے پر وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے اسفندیار خان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھا تھا۔

اسفند نے مسکراتے ہوئے درخزئی خانزادہ کو دیکھا تھا۔ درخزئی بھی جواباً اسے دیکھتے مسکرایا تھا۔ اسفندیار خان درخزئی خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ہوئے نگاہیں چرا گیا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ خمار کی سرخی تھی یا کچھ اور تھا وہ زنان خانے سے آیا تھا یہ بات سب جانتے تھے وہ عنائیہ کے کمرے کی طرف گیا تھا۔ درخزئی کی حالت سے سب بخوبی واقف تھے۔ معاملہ اتنا سینسیٹو اور سنگین تھا کہ کوئی چاہ کر بھی اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔

زاران خانزادہ اسفندیار خان کے سامنے والے ہی صوفے پر بیٹھا تھا۔ ساتھ والے سنگل صوفے پر شہرام خان بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طرف ارحام بیٹھا ہوا

تھا۔ سب ہی سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ سیاہ مردانہ شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ نے سیاہ کوٹ شلوار قمیض پر پہنا ہوا تھا۔ صرف درخزئی سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔

لاونج کے وسط میں آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔۔ لاونج اچھا خاصہ ہیٹڈ تھا۔۔

زاران خانزادہ لاونج میں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھا۔ دل و دماغ اپنی بے انتہا خوبصورت بیوی کے خوبصورت مہکتے دو آتشہ روپ میں اٹکا ہوا تھا۔ پورے وجود میں جواں جذبے اڈتے زاران خانزادہ کے اندر طغیانی برپا کیے ہوئے تھے۔۔ ابرش کا مہکتا دلکش وجود یاد کرتے اکی آنکھوں میں خمار کی سرخی سی طاری ہوتی جارہی تھی ہر دوسرے لمحے وہ جبڑے بھینچتے غصے سے جھنجھلاتے ہو پہلو بدل کر رہ جاتا۔ جواں جذبوں پر کنٹرول کرنے پر

آنکھوں کی سرخی میں آضافہ ہوتا وہ ضبط سے مٹھی بھینچتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلانے لگتا۔

اسفندیار خان زاران کی حالت دیکھتے مبہم سا مسکرا رہا تھا۔ سامنے بیٹھے زاران کی جھنجھلاہٹ اس کی آنکھوں کی سرخی اس کی بے چینی سے بار بار پہلو بدلنا تقریباً اس کی حالت سب پر ہی عیاں ہو رہی تھی۔

کیا ہوا ہے زاران؟؟ ارحام نے زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھتے دیکھتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اس نے ارحام خانزادہ کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

بیچارے منسٹر کو رومانس کی کمی ہوئی ہے!! مجھے پورا یقین ہے دیکھ منسٹر کی طرف!! اسفند نے درخزئی کی طرف دیکھتے اسے آنکھ ماری تھی

اسفند کی بات پر ارحام خانزادہ نے اسفند کو گھورا تھا۔

لالا!! حالت دیکھیں آپ منسٹر کی یہاں ہو کر بھی نہیں ہے۔ آپ کو نہیں لگتا۔ منسٹر زاران خانزادہ کو شدید قسم کی کسی چیز کی کمی ہوئی ہے۔ اور شدید کمی صرف رومانس ہی ہے۔ ورنہ کھانا تو اس نے ٹکا کہ کھایا ہے۔ سارا زور دریائی مچھلی پر تھا۔۔ اب منسٹر کی حالت سامنے ہی ہے۔ اسفند نے شرارتی لہجے میں کہتے زاران کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ارحام کی سرد نگاہوں کو وہ اگنور کر گیا تھا۔

لالا آپ خود دیکھیں ایسا نہیں لگ رہا جیسے آج زاران کی فرسٹ ویڈنگ نایٹ ہے اور ہم سب نے اسے زبردستی روکا ہوا ہے۔ اتنا بے چین تو درخزئی نہیں لگ رہا جتنا یہ لگ رہا ہے

اسفند نے ارحام کی سرد غصیلی نگاہ پر مبہم سا مسکراتے ہوے آئی برو اچکائے زاران کی طرف اشارہ کیا۔ زاران ابھی تک اپنی بیئرڈ انگلیوں سے سہلاتے ہوے کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے اسفند کی بات بھی نہیں سنی تھی۔

اسفند کا اب چھت پھاڑ قہقہ گونجا تھا۔ شہرام خان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑی تھی۔ درخزئی خانزادہ نے سب کو مسکراتے دیکھتے ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی تھی۔

زاران!! ارحام خانزادہ نے اسفندیار خان کی بات اگنور کیے زاران کو اب سختی سے اونچی آواز میں پکارا۔

جی لالا!!زاران ارحام کی اونچی پکار پر چونکتے ہوے صوفے پر سیدھا ہوا۔

مسلہ کیا ہے تمھارے ساتھ تم یہاں ہو کر بھی نہیں ہو؟؟مجھے لگتا ہے تمھیں اپنے کمرے میں چل کر آرام کرنا چاہیے!!ارحام خانزادہ نے اس کی حالت کو بغور دیکھتے دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔زاران کی آنکھوں کی سرخی اور اس کے بے چینی سے بار بار پہلو بدلنے پر ارحام خانزادہ کے لبوں پر بھی اب مدھم مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

کوئی فائدہ نہیں کمرے میں جانے کا منسٹر کی حالت زیادہ خراب ہو جانی ہے۔اسفند کی شرارت کی رگ پھر سے پھڑکی تھی۔

کیا مطلب ہے تیری بات کا؟!اسفند کی بات پر زاران خانزادہ نے اسے خون آشام نگاہوں سے گھورتے اپنے گلے میں لٹکی مفلر سٹایل شال جھٹکی تھی۔

مطلب یہ میری جان!!اگر کمرے میں چل کر تجھے سکون اور آرام ملنا ہوتا تو وہ رات کو مل جاتا۔ تیرا ادھر بیٹھ کر پے چینی سے پہلو بدلنے اور آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے تیرے نصیب میں سکون نہیں۔ اسفند نے شرارتی لہجے میں کہتے اسے آنکھ مارتے مزید سلگایا تھا۔

اپنی بکواس بند کر!!زاران کا لہجہ اچھا خاصہ سنجیدہ ہوا تھا۔

اسفند!!ارحام خانزادہ کی تنبیہی پکار پر اسفند اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنی مسکراہٹ دباتے اسی لمحے خاموش ہوا۔

ارحام کی پکار پر شہرام خان نے بھی اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کی۔

درخزئی تمھارے گارڈ دکھائی نہیں دے رہے۔ کہاں ہیں سب؟؟ ارحام خانزادہ نے درخزئی کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

ان کی کیا ضرورت تھی؟؟ درخزئی کے جواب پر سب حیرانی سے اس کی طرف متوجہ ہوے تھے۔

ان کی ضرورت کیوں نہیں تھی درخزئی؟؟ رات کا ٹایم ہے۔ تمھاری حویلی یہاں سے کافی دور ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ گارڈز کا ہونا ضروری ہے۔ تم جانتے ہو تم ایک پولیس والے ہو۔ تمھارے کتنے دشمن ہیں۔ جانتا ہوں میرا شیر درخزئی خانزادہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ جی داری سے مقابلہ کرنا جانتا ہے۔ مگر اس وقت عنائیہ کی پروٹیکشن سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ارحام کی بات پر وہ بات پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوے اپنے گھنے بالوں میں پھیلتے اظطرابی انداز میں اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کرنے لگا۔

کوئی بات نہیں لالا میرے گارڈز درخزئی خانزادہ کے ساتھ ہوں گے۔۔ بلکہ مجھے لگتا ہے ہم سب کو درخزئی خانزادہ کے ساتھ اپنی اپنی گاڑیوں میں جانا چاہیے پتہ لگنا چاہیے کہ درخزئی خانزادہ کی برات رخصت ہوئی ہے۔۔

۔۔ شہرام خان نے درخزئی خانزادہ کے اظطرابی چہرے کو بغور دیکھتے ہوے ارحام خانزادہ کو مشورہ دیا۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔۔ نہ گارڈز کی نہ آپ سب کی۔ درخزئی خانزادہ نے برفیلے لہجے میں بولتے لب بھینچے تھے۔

لاونج میں درخزئی کے برفیلے لہجے پر گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ زاران خانزادہ نے چونکتے ہوے حیرت سے درخزئی خانزادہ کو دیکھا تھا۔ رات کے اس پہر وہ عنائیہ کے ساتھ کیسے اکیلا جا سکتا تھا۔ راستہ بے حد خطرناک اور

کافی دور تھا؟؟ یہ تو سراسر رسک لینے والی بات تھی اور وہ عنائیہ کے حوالے سے مر کر بھی رسک نہیں لے سکتا تھا۔

میرا مطلب ہے میں اپنے گارڈز کو بلوا لیتا ہوں۔ آپ سب کی ضرورت نہیں۔ آپ سب کو اب اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنا چاہیے۔۔۔ ورنہ زاران کی حالت سب کے سامنے ہے۔۔ آپ سب کو لگتا ہے زاران ڈرائیو کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ درخزئی خانزادہ نے زاران کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے گہرا مسکراتے ہوئے کہا۔ سب کی حیرت بھری نگاہوں پر وہ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

درخزئی گارڈز کے بغیر تم نہیں جا سکتے۔ رات ادھر گزارو اور اب کل صبح ہی رخصتی ہو گی۔ ارحام نے اٹل لہجے میں فیصلہ سناتے ہوئے اپنے کوٹ کی

پاکٹ سے اپنا وایبریٹ ہوتا موبایل نکال کر دیکھا جہاں حور کی کال آرہی تھی۔

تم لوگ باتیں کرو قہوہ شہوہ ڈرائے فروٹ منگواؤ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ ارحام حور کی کال کاٹتے سنجیدگی سے کہتے مردانے سے نکلتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ارحام خانزادہ کے جانے کے بعد اسفندیار خان کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا تھا۔ شہرام اور زاران نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

اب نہ آئے واپس لالا!! اسفند کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

درخزئی خانزادہ لالا کو تیری حالت کی ذرا پرواہ نہیں کہ ایک رات میں کیا کیا طوفان آسکتا ہے؟؟ خود اپنے رومانس کی کمی پوری کرنے پھر سے اپنے

کمرے میں چلے گئے ہیں۔ تیری حالت کی پرواہ نہیں کہ آج رات کو لے کر تیرے کیا کیا ارمان ہو سکتے ہیں۔۔ اسفندیار خان نے زاران شہرام کی گھوریوں کی پرواہ کرتے ہوئے بے باکی سے بولتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگائی تھی

درخزئی اسفند کی بات پر مبہم سا مسکرا گیا تھا۔

ویسے کیا ہوا ہے تجھے ؟؟ اتنا سنجیدہ کیوں ہے ؟ ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ پھر تیری حالت منسٹر جیسی ہی ہونے والی ہے۔ ایک ہی خاندان سے پالا پڑا ہے تم دونوں کا۔ اس لیے اگلے سال تو بھی منسٹر کی طرح ہمارے سامنے ایسے ہی جھنجھلاتے ہوئے بیٹھا ہو گا۔ اسفندیار کے گہرے طنزیہ وار پر شہرام خان نے بمشکل ہی اپنا امڈ تا قہقہہ روکا تھا۔۔

اسفند زاران کا دوست تھا۔ پھر عابیر کا شوہر تھا زاران اسفنض کو برداشت کر سکتا تھا۔ مگر اس کے اڈتے قہقے پر وہ اس کا لالا ہونے کی وجہ سے اس کا جبڑہ توضرور توڑ ڈالتا اور آج رات وہ اپنے ہونٹوں پر کوئی زخم نہیں چاہتا تھا۔ اسے اپنی بہارے کی خوبصورتی کا مکمل حق ادا کرنا تھا۔ اس کا خوبصورت دو آتشہ روپ یہاں بیٹھے بھی اس کے اعصابوں پر سوار تھا۔ وہ اسے کہہ کر آیا تھا جب تک وہ کمرے میں نہ آجائے وہ چینج نہ کرے۔۔

بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے اسفند یار خان! کچھ ماہ پہلے اسفند بھی میری پوزیشن پر فایز تھا۔ بیچارے کی جان پر بن آئی تھی۔

میں نے تو آج ٹکا کر دریائی مچھلی کھائی کھا کر خود پر قابو پالیا ہے۔ مگر اسفند یار خان بیچارے نے کھانا کھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ خود پر قابو جو نہ تھا۔ زاران کے جوابی کاروائی پر شہرام خان کا اب بلند و بانگ قہقہ گونجتا مردانے کے درو

دیوار کو ہلا گیا تھا۔ اسفندیار خان نے جو ابا شہرام خان کو سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا تھا۔

درخزئی تیرے لیے مشورہ ہے چاہتا ہے تیری زندگی برباد نہ ہو خاموشی سے بغیر رخصتی کے نکل جا۔ ورنہ تباہ برباد ہو جائے گا۔۔ زاران نے درخزئی خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ درخزئی زاران کو دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو پتہ ہے کیا کر دوسرا نکاح کر لے ایک کو سوات میں رکھ ایک کو اسلام آباد میں رکھ پھر ہی سکون آسکتا زندگی میں ورنہ نہیں۔۔۔ زاران کی سنجیدگی سے کہی بات پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ درخزئی خانزادہ زاران کو دیکھتے جبراً مسکرا رہا تھا۔

ویسے یہ نیک مشورہ میرے لیے بھی ہے کیا؟؟۔ اسفند نے زاران کو دیکھتے مسکراتے ہوئے آئی بروا چکائے تھے۔

بلکل تیرے لیے بھی ہے بلکہ دنیا کے ہر مرد کے لیے ہے۔۔ مجھے لگتا ہے خدا نے ایسے ہی مردوں پر چار چار نکاح فرض نہیں کیے۔۔ زاران کی جھلاہٹ پر شہرام کا قہقہ گونجا تھا۔۔ اسفند بھی زاران کے تپے ہوئے سرخ چہرے کو دیکھتے مسکرا رہا تھا۔

لالا! نکاح تو پہلا بھی فرض نہیں سنت ہے۔ آپ نے چار چار نکاح خود پر فرض کر لیے۔۔ شہرام نے ہنستے ہوئے صوفے سے ٹیک لگاتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔

فرض نہیں تو کیا ہوا!! ہم مرد خود پر فرض کر لیتے ہیں۔ میں تو اس بار ایوان میں چار چار نکاح نہ سہی بلکہ دوسرا نکاح کا قانون ہر صورت میں مرد پر

واجب قرار دینے کے لیے عرضی دینے والا ہوں۔ ہر صورت پاس کروا کے رہوں گا۔ ابرش کا رویہ یاد کرتے اس نے سلگتے ہوئے کہا تو اسفند شہرام کے بلند و بانگ قہقہے گونجے تھے۔ درخزئی اپنے بازو سے اپنی سرخ نم زدہ آنکھیں مسلتے مبہم سا مسکرا رہا تھا۔

ویسے لالا کہہ تو ٹھیک رہے ہیں قانون پاس ہونا تو چاہیے مگر یہ بھی قانون پاس کروا دیجیے گا کہ پہلی بیوی کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچ جائے مرد۔۔ شہرام نے شرراتی انداز میں کہتے ہوئے اپنا گال سہلایا تھا۔

لگتا ہے دوسرے نکاح کی کوشش کرنے پر تم ضائع ہوتے ہوتے رہ گئے ہو۔ اسفندیار خان نے شہرام کو گال سہلاتے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراہٹ دبائی تھی۔

اپنا تو پتہ نہیں مگر آپ کے فیک تصویریں بنوانے پر آپ کی بہت بار بجتے دیکھ چکا ہوں۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے جوابی کاروائی کی تو اسفند کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

جب پہلا نکاح کر کے مرد ضائع ہو جاتا ہے دوسرا نکاح کر کے ضائع ہونے میں کیا حرج ہے۔ مرنے کے بعد تو جنت میں ستر حوریں ملنی ہیں تو اتنی خوبصورت موت مرنے میں کیا حرج ہے؟؟ دنیا میں دو نکاح ہر مرد کو تو مسٹ کرنے چاہیے۔۔ ایک کے ہاتھوں ضائع ہونے پر ہو سکتا دوسری بچا لے۔ زاران کی بات پر سب کے چھت پھاڑ قہقے گونجے تھے۔ اس بار ان قہقوں میں زاران نے بھی ساتھ دیا تھا۔۔ درخزئی مدھم سا مسکراتے ہوئے اپنی پاکٹ سے سگریٹ لایٹر نکالے سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگا گیا تھا ۔زاران نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا وہ جانتا

تھا۔ آج وہ سب کے سامنے سگریٹ سلگائے بیٹھا تھا۔ درخزئی کی حالت دیکھتے زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ درخزئی کی حالت دیکھتے گہرا سانس بھرتے اظطرابی انداز میں صوفے سے لب بھینچ گیا۔

ابرش جو زاران سے بات کرنے مردانے میں داخل ہوئی تھی زاران کی باتیں سنتے اس کے قدم ٹھہرے تھے۔ اس کی دوسری شادی والی بات اور ایک بیوی کو سوات اور دوسری بیوی کو اسلام آباد رکھنے والی بات پر ابرش کو چکر سا آیا تھا۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی تھی۔۔۔

وہ بے یقینی سے گہرے سانس لیتے بھیگی گلابی آنکھوں کے ساتھ چکراتے وجود سے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ دل میں تند و تیز بھانبھڑ جلے تھے

۔وہ مسلسل سر نفی میں ہلاتے بھیگی دہکتی نگاہوں سے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

اسفندیار خان کی اسی لمحے نگاہ ابرش پر پڑی تھی جو گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھ رہی تھی۔

اسفندیار خان نے مسکراتے ہوئے زاران خانزادہ کو دیکھا جسے پتہ ہی نہیں تھا اس کی واٹ لگ چکی ہے۔ وہ آج رات ضائع ہونے والا ہی تھا۔

زاران پاکٹ سے سگریٹ لائیٹر نکالے سگریٹ سلگائے لبوں میں دبائے ہوئے غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے گہرے کش لے رہا تھا۔

۔درخزئی خانزادہ کی نظر بھی ابرش پر پڑ چکی تھی۔ اسفند نے درخزئی کو مسکراتے ہوئے آنکھ ماری۔ اسفندیار خان کی شرارت کی رگ پھڑکی تھی

درخزئی اسفند کو مدھم سا مسکراتے ہوے دیکھتے ابرش کی طرف سے نگاہیں پھیرتے سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

لگتا ہے تیرا دوسرا نکاح کرنے کا عنقریب آرادہ ہے۔ اسفند نے شرارتی آنداز میں صوفے سے ٹیک لگاتے اطمینان سے پوچھا تھا۔ وہ عابیر کو سینے سے لگائے ہوے تھا۔ اسفند یار خان کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔

دوسرے نکاح کو لازم وملزم قرار دینے کے لیے میرا دوسرا نکاح کرنا ضروری ہے۔ میں تو دوسرا نکاح کرنے کے لیے تیار۔۔۔۔۔۔۔۔ یقدم زاران کے لفظوں کو بریک لگا تھا۔ سامنے اکھڑی ابرش کو دیکھتے وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔

ابرش اسے بھیگی نگاہوں سے سر نفی میں ہلاتے دیکھتے ہوے تیز تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

ابرش کو روتے ہوے وہاں سے جاتے دیکھتے زاران پریشانی سے سرخ چہرے کے ساتھ صوفے سے کھڑا ہوا۔۔زاران کی حالت دیکھتے اسفند کا پھر سے بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔شہرام نے سچویشن سمجھتے ہوے اسفند کو سرد نگاہوں گھورا تھا۔ تمہیں پتہ تھا ابرش وہاں کھڑی ہے۔زاران نے تلملاتے ہوے اسفند سے پوچھا۔

دو سیکنڈ پہلے ہی دیکھا تھا میری جان!!اس سے پہلے جو دوسری شادی کے متعلق عظیم و شان خیالات تھے۔وہ تیری بیوی نے سنے یا نہیں اس کی گارنٹی میں نہیں دے سکتا۔ مگر عنقریب تو دوسرا نکاح کرنے لگا وہ ضرور سن چکی ہے۔۔باقی کمرے میں چل کر تجھے پتہ ہی چل جائے گا تا سفند نے زاران کو دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔

میں نکاح کروں یا نہ کروں مگر اپنی بہن کو بیوہ ضرور کروں گا۔ تیرے جیسا بغیرت انسان مجھے اپنی بہن کی زندگی میں قبول نہیں۔۔ زاران اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے زنان خانے کی طرف بڑھا۔

ویسے لگتا نہیں تو کمرے سے صیح سلامت آج واپس آئے گا تیرا ضائع ہونا پکا ہے میری جان۔ اپنی بہن کو بیوہ ہوتا دیکھنے پر تیری خواہش ادھوری رہ جائے گی۔

سفند کی آواز پر زاران کے قدم رکے تھے۔ سالا کمینہ !! زاران دانت پیستے ہوئے زنان خانے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا۔

زاران گہرا سانس لیتے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ابرش بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی زاروقطار رو رہی تھی۔ کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

زاران نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے اپنی سانس باہر خارج کی تھی۔ اپنی جذباتی بیوی کی پوزیسیونیس سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اپنی باتوں کی کیا وضاحت دے گا وہ بہت بری طرح پریشان ہوا تھا۔ جان لبوں پر سجی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ بات تاقیامت تک نہیں اب چھوڑنے والی تھی۔ وہ چاہے جتنی مرضی صفائیاں دیتا۔ آگے سکون کو وہ ترس گیا تھا۔ اب تو اسے یقین تھا سکون اس کی زندگی میں نہیں۔۔

زاران اس کے سسکاریاں سنتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

ابرش!!زاران نے جھکتے ہوے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا ۔۔ابرش اسی لمحے اس کا ہاتھ بہت بری طرح جھٹکتے بیڈ سے اٹھتے کھڑی ہوئی۔

مجھے چھونا مت مسٹر خانزادہ ورنہ جان لے لوں گی اپنی!!ابرش انگارہ لہجے میں حلق کے بل چیخی تھی۔

آواز آہستہ ابرش یہ کوئی طریقہ نہیں بات کرنے کا۔زاران اس کے یوں حلق کے بل چیخنے پر مشتعل ہوا تھا۔

یہ بات کرنے کا طریقہ نہیں اپنے دوستوں میں بیٹھ کر دوسری شادی کا اعلان کرنا یہ طریقہ ٹھیک ہے آپ کے نزدیک مسٹر خانزادہ!ابرش نے جوابًا لرزتے لبوں سے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا

مذاق کر رہا تھا میں !! میرا ایسا کوئی آرادہ نہیں دوسری شادی کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا۔۔ زاران نے اس کے ہچکولے لیتے دو آتشہ روپ کو دیکھتے لب بھینچے وضاحت دی۔ وہ سی گرین ویلوٹ کے لانگ فراک میں ویسے ہی تیار کھڑی تھی۔۔ ماتھا پٹی لگائے ہوئے میک اپ کیے ہوئے پے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ رونے سے اس کے خوبصورت نقوش اور بھی نکھر گئے تھے۔ اس کا دو آتشہ روپ اب جوالہ مکھی کی طرح دہک رہا تھا۔

ابرش میری جان !! زاران اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے اس کے قریب ہوا۔۔ پورے بدن میں اپنی بیوی کی طلب خمار بن کر دوڑی تھی۔ وہ ابرش کو بانہوں میں لینے کے بے قرار ہوا تھا۔

دور رہیں مجھ سے !! خبردار میرے قریب آئے مسٹر خانزادہ۔ ابرش نے پیچھے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

ابرش میں مذاق کر رہا تھا میرا دوسرا نکاح کرنے کا کوئی آرادہ نہیں۔ نہ میں ایسا کچھ سوچ سکتا ہوں۔ وہ صرف ایک مذاق تھا۔ زاران نے گہرا سانس لیتے ایک بار پھر سے اسے وضاحت دی تھی۔ ساتھ میں دانت کچکچاتے اسفندیار خان کو دل میں گندی سی گالی دی تھی۔ دل ہی دل میں لعنت بیجھی تھی اس نے ایسی دوستی پر!!

سوچ نہیں سکتے مگر بات کر سکتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا آپ مردوں کو دوسرا نکاح کرنے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے؟؟

کیا ہوتا ہے دوسری عورت کے پاس؟؟ جو پہلی عورت میں نہیں ہوتا۔ کیا ہو گا دوسری عورت میں مسٹر خانزادہ؟! جو میرے پاس نہیں۔۔۔ اس جسم کی خواہش ہے ناں تمھیں۔ اپرش نے اپنے جسم کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی چاہت ہے تو بتاؤ مسٹر خانزادہ!! میرے پاس تمھارے عیاشی کا سامان کیا

نہیں ہے۔ ایسا کیا ہو گا دوسری عورت کے پاس جو میرے پاس نہیں ہے۔ کیا چیز اس کے پاس اضافی ہو گی۔

۔ ابرش نے ہذیانی چیختے ہوے سوال کیا۔

وہ دوسری شادی کرنے کی بات بڑے دھڑلے سے کر رہا تھا۔

وہ ایک کو اسلام آباد اور دوسری کو سوات رکھنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ یہ بات تو اس کے وجود کو آرے کی طرح کاٹ رہی تھی۔۔ وہ جیسے اندر سے کرچی کرچی ہو رہی تھی۔

مذاق کر رہا تھا میں مذاق کر رہا تھا۔ فضول میں بات کھینچ رہی ہو۔ دوسری عورت کے پاس کچھ بھی نہ ہو شاید سکون ہو جس کو میں ترس گیا ہوں۔ ابرش کے چیخنے پر زاران مشتعل ہوتے بھڑک اٹھا تھا۔

آ گیا ناں سچ زبان پر!! تمھارا آرادہ ہے دوسرا نکاح کرنے کا۔ ابرش شدت سے رو دی تھی۔

زاران نے گہرا سانس لیتے جبڑے بھینچے تھے۔ دوسرے پل وہ اسے کلائی سے پکڑتے اپنی طرف کھینچتے ہوے بانہوں میں بھرتے اپنے بے حد قریب کر گیا تھا۔

!!دوسرے نکاح کو لازم و ملزم قرار دینے کے لیے میرا دوسرا نکاح کرنا ضروری ہے۔ میں تو دوسرا نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں!! ابرش نے دیوار میں سماتے گہرے سانس لیے اسے اپنا پورا وجود اب چکراتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ عنائیہ کے غم کو بھی جیسے بھول چکی تھی۔ پورے وجود صرف اس وقت انجانے خوف میں جکڑا ہوا تھا۔

اس ستم گر کی زندگی میں کوئی اور نہ آجائے۔ وہ اس کی جگہ کسی اور کو نہ دے دے۔ ابرش دیوار میں سمائے اپنی خوبصورت کرسٹل براؤن آنکھوں سے کمرے کی خوبصورت چھت کو دیکھ رہی تھی۔

قبول کرو میری خوبصورت بیوی کہ تم آج بھی مجھ سے شدت سے محبت کرتی ہو۔ جو مجھے پچھلے دو مہینوں سے لاتعلقی اور بے رخی دکھا رہی ہو۔ بات بات پر مجھے دوسری عورت کے پاس جانے کا کہتی ہو۔ وہ سب اوپر اوپر سے تھا۔ مسسز زاران خانزادہ آج بھی اپنے مسٹر خانزادہ کی دیوانی ہے۔ مجھے میری پہلی والی میری بے شرم بیوی واپس کر دو یقین مانو تمھارا مسٹر خانزادہ رات دن تمھیں اپنے بدن کا حصہ بتائے تمھیں بتائے گا تم اپنے مسٹر خانزادہ کے لیے کیا معنی رکھتی ہو؟!۔ وہ گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس کی گردن پر جھکے اپنے سلگتے لب دیوانگی کے عالم میں اس کے چوکر پر رکھنے لگا۔ جو اس

کی جان سولی پر لٹکائے ہوے تھا۔۔ وہ چوکر اسے اپنا رقیب لگ رہا تھا۔ زاران نے اس کی پچھلی گردن کی ہاتھ بڑھاتے اس کے چوکر کی ڈوری کھینچتے اس کی گردن کو چوکر سے آزاد کیا۔ چوکر ڈھلک کر اس کے سینے پر آیا تھا۔ زاران اس کی گردن کو مدہوشی میں چومتے ہوے اپنی گھنی بئیرڈ بے رحمی سے رگڑ رہا تھا۔۔ ابرش کے بدن سے اٹھتی گلاب خوشبو پر وہ بلکل مدہوش ہو چکا تھا اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے بدن کی نازکی محسوس کرتے اس کے جواں جذبوں میں آگ لگی تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اس کی گردن کو چومنے لگا۔

برش نے سسکیاں بھرتے اسے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی تھی۔ وہ اس کی کمر کو مضبوطی سے جکڑتے ہوے اس کی گردن سے نیچے اپنے سلگتے لبوں کی بوچھاڑ برسانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ ایک ہاتھ سے اس

کے بدن کی ناز کی محسوس کر رہا تھا۔ ابرش اس کے حصار میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے اپنے مزید قریب کرتے اس کی ہیل کو اپنے سیاہ بوٹوں پر کرتے اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

آج نہیں چھوڑوں گا تمھیں میری خوبصورت بے شرم بیوی!! تمھیں کیسے بتاؤں تم کیسے مجھ پر اپنی خوبصورتی سے خطرناک وار کر چکی ہو۔ میں تمھاری گہرائیوں کو چھونے کے لیے بے تاب ہو چکا ہوں۔ زاران اسے بیڈ پر دھکیلتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے اسے کوئی بھی موقع دیے بغیر اس پر مکمل حاوی ہوتے اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر ڈال گیا۔ اس سے پہلے وہ اپنا بچاؤ کرتی وہ اسے اپنے شکنجے میں دبوچتے اس کی زپ میں ہاتھ الجھاتے نیچے کھسکا گیا تھا۔ چرر کی آواز کے ساتھ زپ کھلی تھی۔ ابرش نے مچلتے ہوئے زاران کی گرفت سے نکلنا چاہا۔ وہ اس کی نازک کمر کو بے دردی سے جکڑے اسے

اپنے پہاڑی وجود کے اوپر کرتے اس کی کمر پر اپنی ایک ٹانگ رکھتے اسے مکمل طور پر اپنے حصار میں قید کر گیا تھا۔

ابرش نے بے بسی سے گہرے سانس لیتے زاران کو بھیگی گلابی نگاہوں سے دیکھا۔۔ جو گہرا مسکراتے ہوے اس کی بے بسی پر حظ اٹھا رہا تھا۔

ابرش اسی لمحے گہرے سانس لیتے اس کے کالر کو مٹھیوں میں جکڑتے اس کی گردن میں اپنے موتیوں جیسے دانت شدت سے گاڑھ گئی۔۔ زاران اس کے تیز دھار دانتوں کی بے رحمی سے درد سے کراہا۔

وہ دانتوں کی نیلی گڑھی بنا کر پیچھے ہوئی تھی۔

زاران نے دانت پر دانت جمائے درد برداشت کرتے ہوے ابرش کو سگتی نگاہوں سے دیکھا

پاگل ہو چکی ہو کیا؟!جواب دوں گا سب کو کسی نے دیکھ لیا تو!؟؟زاران نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا جہاں شدید درد ہو رہا تھا۔

میرے پاس آؤ گے تو اس سے بھی زیادہ درد اور نشان دوں گی مگر خود کو اب چھونے نہیں دوں گی مسٹر خانزادہ!!بہت میسر ہو چکی ابرش پاشا تمھیں۔اب اور نہیں!!مزید خود کو آرزاں کرتے ہوئے تمھیں تمھاری حوس پوری نہیں کرنے دو گی۔ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے لرزتے لبوں سے بولی۔

حوس پوری کرتا ہوں میں تم سے کیا؟؟زاران اس کی کمر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے غرایا تھا۔وہ مزید اسے میسر نہیں ہو گی۔یہ بات اسے آگ لگا گئی تھی۔

ہاں حوس مسٹر خانزادہ!دوسرے نکاح کی خواہش کرنے والے شوہر کے دل میں اپنی بیوی کے لیے محبت تو ہو نہیں سکتی۔وہ اپنی بیوی کے قریب حوس ہی پوری کرنے آئے گاناں۔وہاں مردانے میں بیٹھے دوسرے نکاح کی بات کر رہے تھے اب مجھ سے میرا جسم بھی چاہیے یہ محبت کیا ہے آپ کی؟؟دل بھر چکا ہے تمھارا مجھ سے؟؟کوئی اور ہے اب تمھاری زندگی میں کیا؟!ابرش اس کی کالر کو جکڑتے شدت غم ہذیانی چیخی۔

کوئی نہیں ہے میری زندگی میں ابرش۔وہ مذاق تھا سچ کہہ رہا ہوں میں؟!۔زاران نے جھنجھلاتے ہوے اپنے کالر اس کی مٹھیوں سے چھڑوائے

آپ مذاق کریں یا پھر سچ میں چار چار نکاح اکٹھے کریں مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آپ کے پاس مردانے میں اس لیے آئی تھی تاکہ آپ درخزئی سے پوچھیں۔پوچھیں اس سے کہ اگر اس نے یہ رخصتی نہیں کرنی تھی تو یہ

رخصتی کا تماشہ کیوں لگایا؟!۔ کیا نکاح اس کے لیے مذاق تھا جیسے آپ کے لیے مذاق ہے۔ ابرش نے چٹختے ہوے ہذیانی انداز میں استفسار کرتے اس کی گردن میں ناخن مارے۔

درخزئی نے رخصتی نہیں کرنی۔ کیا کہہ رہی ہو؟؟ زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے اپنی گردن کو انگلیوں سے چھوا۔ جہاں اس نے اب بے دردی سے ناخن مارے تھے۔

وہ اس رخصتی سے انکار کر چکا ہے مسٹر خانزادہ!! میری بہن کی تباہی کے ذمہ دار اب بتائیں کون ہے۔ وہ درخزئی یا پھر آپ بتائیں مجھے؟!۔۔ میں جذباتی بلڈی سک ومین ہوں۔

دھوکے سے نکاح کروایا میری بہن کا۔ اس کا بڑا بھائی بن کے۔ اور آج جب اس کی رخصتی پر سچ میں اس کا بھائی بننا چاہیے تھا۔ آپ نے مجھے اور میری بہن کو تنہا کر دیا۔

ابرش نے بھیگی آواز میں کہتے سسکی لی تھی۔ نیچے اس کا بیگانگی بھرا رویہ اسے پورپور زخمی کر چکا تھا۔ وہ بھول ہی نہیں پا رہی تھی

زاران پریشانی سے ابرش کو خود سے دور دھکیلتے بیڈ سے اٹھا۔

ابرش بھی اسی لمحے بیڈ سے اٹھتے اس کے مقابل کھڑی ہوئی

میرے گھر والوں سے لاتعلق ہو چکے ہیں۔ یہی کہا تھا مجھ سے دو دن پہلے کہ میرے گھر والوں پر کوئی حق نہیں جتائیں گے۔ آپ نے مکمل طور پر مجھ

سے اور میرے گھر والوں سے لاتعلقی دکھا کر آپ نے ثابت کر دیا۔ آپ اپنی بات کے کتنے پکے ہیں۔

پہلے مجھے لگا آپ کی فطرت ہے یہ ہمیشہ میرے ساتھ ایسا کرنا۔ اب سمجھ آیا کوئی اور مل چکی ہے ناں آپ کو!؟ جس کی ہر پریشانی اور اس کے گھر والوں کو اپنا بنا لیا مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش گہرے سانس لیتے چٹختے ہوئے بولی

ابرش ایسا کچھ نہیں اگر ایسا ہوتا تو میں یہاں تمھارے قریب آنے کے لیے مرا نہ جاتا جاتا۔ بلکہ اس کے پاس ہوتا جو تمھارے نزدیک میری حوس ہے اس سے جا کر پورا کر رہا ہوتا۔ اگر میری زندگی میں واقعی میں کوئی دوسری عورت ہوتی پاگلوں کی طرح میٹینگز ختم کرتے رات تین بجے کی فلائیٹ لے کر تمہارے پاس نہ آتا میں۔ تمھارے گھر والوں سے لاتعلق ہونے کی وجہ

بھی تمھارا رویہ ہے۔ تمہارے طعنے ہیں جس کی وجہ سے میں ان سب سے دور ہو گیا ہوں۔

زاران کے جواب پر وہ مزید سلگی تھی۔۔

مجھے اور میرے گھر والوں کو آپ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ مگر وہ ایس پی ایسے کیسے کر سکتا ہے میری بہن کے ساتھ ؟!۔۔ محبت کا دعوی کیا تھا اس نے ؟!۔ نکاح کیا تھا آج وہ ذرا سی بات پر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میری بہن تڑپ رہی ہے اس ایس پی کی محبت میں۔ کیوں سزا دے رہا ہے اب وہ اسے ؟؟ ابرش نے شبنمی لہجے میں چٹختے ہوے پوچھا۔

ذرا سی بات نہیں ہے یہ !! یہ تمھارے نزدیک ہے چھوٹی بات !۔ مگر درخزئی کے نزدیک نہیں ہے۔ نظریں نہیں اٹھا پا رہا وہ ہم سب کے سامنے۔ تمھاری بہن کی ذرا سی بات پر !! زاران طنزیہ بولا تھا۔

سولہ سال کی ہے وہ!!بچی ہے وہ زاران!!ابرش چیخی تھی۔

وہ بچی ہے تم تو نہیں۔زاران اس کے چیخنے پر دھاڑا۔

زاران کی دھاڑ پر ابرش لرزتے ہوے خاموش ہوئی تھی۔

اور یہی چاہتی تھی تم اور تمھاری بہن اب کیوں تڑپ رہی ہو تم

دونوں؟؟اچھا ہوا جان چھوٹ رہی ہے۔خوشی مناؤ تم دونوں اب تمھیں

اسے بھگانے کے لیے تمھیں اپنے کسی دوست کی مدد کی ضرورت نہیں لینے

پڑے گی۔۔زاران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے لفظ چبائے تھے۔

تم بہت بے حس ہو۔ تمھیں میرا درد نظر نہیں آرہا۔میری بہن کا کیونکر

نظر آئے گا؟؟۔۔تم بات نہیں کرسکتے۔نہ تم کبھی میرے لیے کروگے۔

میں اس ایس پی سے خود پوچھوں گی۔پوچھوں گی اس کا گریبان پکڑ کر اس

کی محبت اتنی کمزور تھی جو ذرا سی آزمایش پر پوری نہ اتر سکی۔ پوچھوں گی رخصتی نہیں کرنی تھی تو پہلے بھاگ جاتا۔ ایسے میری بہن کو دلہن کی طرح تیار چھوڑ کر کیوں بزدلوں کی طرح بھاگ رہا ہے۔ ابرش کہتے ہوے دروازے کی طرف بڑھی۔ زاران اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

بہت برداشت کر چکا ہوں تمھارا جذباتی پن۔ مزید کوئی تماشہ کیا!! تم نے اس کمرے سے باہر نکلی مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ خود کو بھی سمجھاؤ اور اپنی بہن کو بھی جو کچھ ہوا ہے وہ اتنی چھوٹی بات نہیں ہے جتنی تم دونوں سمجھ رہی ہو۔ تم عورتیں ہو۔۔ جو صرف جذبات سے سوچتی ہیں۔ مرد ایسا نہیں کر سکتا۔ عنائیہ نے جو کیا۔ اس کے لیے سب ختم ہو گیا۔ مگر درخزئی کو

جو فیس کرنا پڑ رہا ہے تمھاری سوچ ہے ابرش!! وہ نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں ہے۔ زاران نے کاٹ دار لہجے میں لفظ چبائے۔

میری بہن کی بھی یہی حالت ہے مسٹر خانزادہ!! تمھاری بیوی ہوں میں۔ پہلے تمھیں میرے دکھ میرے کرب کے بارے میں سوچنا چاہیے ۔ تم آج پھر اپنے دوست کے متعلق سوچ رہے ہو۔ ابرش درد و کرب سے بولتے اس کا گریبان جکڑے اس کی آنکھوں میں اپنی زخمی شکوہ کناں بھیگی گلابی نگاہیں گاڑھ گئی۔

مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ بھاڑ میں جائے وہ درخزئی خانزادہ اور بھاڑ میں جائے میرا ہر رشتہ!! بھاڑ میں جائے سب کچھ!! جب مجھے سکون نہیں تو میری طرف سے ساری دنیا کو آگ لگ جائے۔ مجھے پرواہ نہیں۔ وہ اپنے کالر بیک جھٹکے سے چھڑواتے غصے سے بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اتنی ہی بڑی بات ہے تو اس ایس پی کو بولو بزدلوں کی طرح کیوں بھاگ رہا ہے ؟! طلاق دے کر میری بہن کی جان کیوں خلاصی نہیں کرتا؟! اگر مرد عورت کو چھوڑنے کا فیصلہ کرے تو غیرت مند بن کر طلاق آخر اسے کیوں نہیں دیتا۔ مرد ذات سے بڑا ڈھکوسلہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔

۔ابرش کی بھیگی آواز پر زاران کے قدم رکے تھے۔ مٹھیاں سختی سے بھنچی تھی۔ رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔ وہ خود پر قابو پاتے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے نکل گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زاران تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتے مردانے کی طرف بڑھا ۔مردانے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ زاران کے بھاری قدموں کا رخ اب درخزئی خانزادہ کے کمرے کی طرف تھا

وہ اظطرابی انداز میں اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ یہ رخصتی نہیں کر رہا تھا۔ زاران بے یقین تھا۔ درخزئی خانزادہ کے اس فیصلے پر زاران خانزادہ کا دل دماغ غصے سے تڑخ رہا تھا۔ وہ آگ کی طرح بھڑک رہا تھا۔

۔ پورا کمرہ خالی تھا۔ درخزئی خانزادہ کہیں نہیں تھا۔ وہ اب جبڑے بھینچتے تیز تیز قدموں سے کارپورچ کی طرف بڑھا تھا۔ درخزئی کی گاڑی کارپورچ میں نہیں تھی۔۔

زاران نے اپنی پاکٹ سے موبایل نکال کر درخزئی خانزادہ کا نمبر ڈایل کیا ۔۔ نمبر بند آنے پر وہ لب بھینچ گیا تھا۔

رحیم کاکا!! زاران پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔ رنگت طیش والم سے سرخ ہو رہی تھی۔

رحیم کاکا زاران کی دھاڑ پر بھاگتے ہوے آئے تھے۔

جی چھوٹے خان!! رحیم کاکا نے زاران کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھتے پریشانی سے پوچھا تھا۔

گاڑی نکالیں میری!! مجھے ابھی اور اسی وقت نکلنا ہے۔ زاران غصے سے پھنکارتے مردانے کی طرف بڑھا۔ مردانے کے لاونج میں موجود ٹیبل پر پڑی اپنی پسٹل اٹھاتے ہوے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالتے ہوے تیز تیز قدموں سے کار پورچ کی طرف بڑھ گیا

کیا کھیل عشق نے کھیلا ہے

کیا غم کا لگا میلا ہے

دل کل بھی میرا اکیلا تھا

دل آج بھی میرا اکیلا ہے

درخزئی خانزادہ سرد و سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

اپنی نم سرخ آنکھیں وہ اب اپنی آستین سے مسل نہیں رہا تھا۔۔ آنکھوں سے گرم سیال بہتے اس کی ہلکی گھنی بئیرڈ کو بھگو رہا تھا۔

میں آپ سے محبت کرتی ہوں درخزئی!!اس ستم گر کی آواز سماعتوں میں گونجی تو وہ تلخی سے زخمی سا ہنسا تھا۔

پھر وہ سٹیرنگ پر بے دردی سے ہاتھ مارتا ہنستا چلا گیا تھا۔

آئی لو یو درخزئی!! پھر سے اس کی آواز سماعتوں میں گونجی تھی۔

آہہہہ!!درخزئی خانزادہ چیختے ہوے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ گیا۔

آئی لو یو در خزئی!!اس کی سماعتوں میں مسلسل اس ستم گر کی آواز پڑ رہی تھی۔

آہہہہ۔۔۔وہ اپنے بال دونوں ہاتھوں سے مٹھیوں میں دبوچتے ہوے اب دردو کرب سے چیخ رہا تھا۔

بہت ظالم ہو تم۔بہت ظالم!! تمھارا جھوٹا اظہار میرا کیا حال کر چکا ہے؟؟تم سوچ بھی نہیں سکتی مائی سوین!!یہ لفظ یہ آواز اب کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟؟کیوں دلہن کی طرح سجی تم؟!اب کیسے میں سو پاؤں گا۔کیسے میں یہ زندگی تنہا گزار سکوں گا۔در خزئی درد کرب سے بولتا چیخا تھا۔

نظروں کے سامنے اس کا دلہن کی طرح سجا خوبصورت دو آتشہ روپ آ رہا تھا۔ درخزئی کی آنکھوں سے بہتے گرم سیال میں مسلسل آضافہ ہوا رہا تھا۔

میرا یار کیا مجھ سے دور ہوا

یہ دل کتنا مجبور ہوا

کوئی اب کیا اس کو جوڑے گا

جو شیشہ چکنا چور ہوا

اب ٹکڑے چنتے پھرتے ہیں

ہائے کیسے زخم لگا بیٹھے

لو کی تیار لبدے پھر دے

اسی لبیا یار گنوا بیٹھے

یکدم درخزئی خانزادہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔ اپنا سر گھومتا محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیا۔

!!خبردار تم نے جھوٹ بولا۔۔ خبردار تم نے مزید میری محبت کی توہین کی۔!!

اپنے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔ اس کی دودھیا گردن پر اپنے ہاتھوں کی گرفت یاد آئی تھی۔ اس کا تڑپ کر بن اب مچھلی کی طرح خود کو چھڑوانا یاد آیا تھا۔ درخزئی گہرے سانس لیتے اذیت و کرب سے گاڑی روکتے سیٹ سے ٹیک لگا گیا۔ وہ سیٹ سے ٹیک لگاتے گہرے سانس لے رہا تھا۔

جو گردن چومنے کے لیے بنی تھی اس نے اسے بے دردی سے دبوچتے اس کی سانسیں چھیننے کی کوشش کی۔ درخزئی نے اپنا نچلا لب بے دردی سے

دانتوں تلے پیوست کیے اسے بے دردی سے کچل ڈالا تھا۔ نچلے لب پر خون کی ننھی ننھی بوندیں آن ٹھہریں تھیں۔

اس کی گردن پر اپنی انگلیوں کے بے رحم نشان یاد آئے تھے۔

وہ سیٹ سے ٹیک لگائے اظطرابی انداز میں اپنی قمیض کی پاکٹ سے سگریٹ اور لائیٹر نکال کر لبوں میں دبا گیا۔

وہ خوبصورت دودھیا گردن چومنے کے لیے بنی تھی۔ وہ اسے سختی سے چھوتے اس کی سانس روک چکا تھا۔ وہ تو اس خوبصورت گردن پر دانت گاڑھنے سے پہلے سو بار سوچتا۔ اور وہ اس کی سانسیں روک چکا تھا۔

وہ یہ لفظ ادا کرتے بری طرح گھبرایا تھا۔

اگر کبھی اس کے وجود اس کی دودھیا گردن کو کسی اور نے چوم لیا تو۔۔۔ کسی اور نے اس خوبصورت قیامت سے وجود پر اپنی جنون خیزیاں رقم کر ڈالی تو؟؟

یہ سوچ ہی اسے پسینے میں نہلا چکی تھی۔ وہ سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہوا تھا۔ جسم دہکتی آگ بنا تھا۔

وہ صرف میری ہے!! وہ صرف میری ہے۔ وہ صرف درخزئی خانزادہ کی ہے۔ وہ حلق کے بل ہذیانی چیخا اٹھا۔

مگر تو اسے چھوڑ آیا۔ اب وہ کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے اندر کا ڈر ظاہر ہوا تو وہ اپنے بال مٹھیوں میں دبوچ گیا۔

کیسے ہو سکتی ہے ؟!بیوی ہے میری !!میرے نکاح میں !میری بیوی !!میری عورت صرف میری عورت !!وہ حلق کے بل اتنی زور سے چیخا تھا اس کی سانسیں اٹکی تھی۔ سانس بری طرح پھولی تھی۔ اسے کھانسی کا غوطہ لگا تھا۔

وہ تیرے نکاح میں ہوتے بھاگ رہی تھی۔۔ وہ بھی کسی غیر مرد اپنے دوست پر بھروسہ کر کے۔ اب تو اسے چھوڑ آیا ہے۔ وہ تو آزاد ہو گئی ہے۔ وہ تو کچھ بھی کر سکتی ہے ؟؟ اپنے اندر اٹھتے سوالوں پر درخزئی کو اپنی سانسیں سچ میں اکھڑتی محسوس ہوئی تھیں۔ دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے اب اپنی اکھڑتی سانسیں بحال کر رہا تھا۔

نہیں بھاگے گی اب وہ !! نہیں کرے گی اب وہ کسی پر بھروسہ !!اس مائیکل کو میں مروادوں گا۔ مروادوں گا۔ درخزئی خانزادہ پاگلوں کی طرح سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے خون اشام درندے کی مانند دھاڑا تھا۔

وہ تیرے ہوتے اس حویلی سے بھاگ رہی تھی۔ اسے کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔ اب تو تُو اسے چھوڑ آیا ہے۔ وہ امریکہ سے آئی ہوئی آزاد خیال لڑکی ہے۔ وہ کہاں رہے گی ان پہاڑوں میں ؟؟۔۔ موقع ملا وہ ان پہاڑوں سے دور چلی جائے گی۔ بہت دور تیری دسترس سے بھی بہت دور !! تو چاہے بھی تو اس تک پہنچ نہیں پائے گا۔

اپنے اندر کی آوازوں پر گھبراتے ہوئے گہرے سانس بھرتے وہ اپنا دل ایک ہاتھ سے رب کر رہا تھا۔۔

کہیں بھی چلی جائے رہے گی صرف میری !! نکاح میں ہے میری !! اس لیے تو اسے طلاق نہیں دے سکا۔ نہیں برداشت کر سکتا اس پر کسی کا حق ؟؟ اس پر کسی کا سایہ !!

نہ اسے کبھی طلاق دوں گا۔ وہ جتنی مرضی دور چلی جائے۔ اس کے قدموں میں میرے نکاح کی بھیڑیاں رہے گی۔۔ وہ صرف میری رہے گی۔ دل سے نہ سہی جسم سے صرف میری ہی رہے گی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا تھا۔۔ آنکھوں کی گوشوں میں بہتی نمی میں آضافہ ہو رہا تھا۔

وہ دل میں بھی کسی اور کو بسائے یہ بھی کہاں گوارا تھا؟؟ اپنے ہی لفظوں پر دل میں درد کے طوفان اٹھے۔ وہ غم و غصے پاگل ہوتا آنکھیں کھول گیا۔۔۔

وہ صرف میری ہے۔ صرف میری ہے۔ اس کا دل جسم روح صرف درخزئی خانزادہ کا ہے۔ اس سر پھرے خانزادہ کا ہے۔ خدا قسم!! اگر اس کی آنکھوں میں بھی کسی کی پرچھائی بھی لہرائی میں اسے چیر کر رکھ دوں گا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے طیش و الم میں گرج اٹھا تھا۔

نہیں چھوڑ سکتا اسے! اُسے میں اپنی حویلی لے کر جاؤں گا۔ اسے اپنی پناہوں میں قید کر کے رکھوں گا۔ اب وہ کھلی فضا میں سانس بھی نہیں لے سکے گی ۔میں اس پر سانسیں اتنی تنگ کر دوں گا۔ وہ ہر روز قطرہ قطرہ مجھ سے سانسوں کی بھیگ مانگے گی۔ مگر اسے سانس نہیں ملے گی۔ ایسا سلوک کروں گا۔ اس کی روح کانپ اٹھے گی۔ روز موت کی بھیک مانگے گی۔ مگر یہ خانزادہ اسے موت بھی نہیں دے گا۔ چیر کر رکھ دوں گا اس نازک وجود کو۔ وہ طیش والم میں دھاڑتے ہوئے اپنی گاڑی کا رخ پھر سے حویلی کی طرف موڑ گیا۔۔

درخزئی خانزادہ کی گاڑی کا رخ اب حویلی کی طرف تھا۔ وہ سرخ وسفید چہرے کے ساتھ دہشت زدہ انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔ دل صرف اس نازک وجود کو ادھیڑنے کی خواہش کے درپہ تھا۔۔ اس کی گاڑی رات کے

اس پہر اس سرد برفیلی رات میں پہاڑوں کے درمیان ہچکولے بھرتے جیسے ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔۔ دل و دماغ اس کے دو آتشہ روپ کو تہس نہس کرنے کا درپہ تھا۔

یکدم اس کی آنکھوں کے آگے اس کی مورے اور بابا جان کا عکس لہرایا تھا۔ یادوں کی دھندلی گرد میں اس کے بابا کبیر خان اس کی مورے کی ہتھیلیاں چوم رہے تھے۔۔ اس کی مورے کی نگاہیں جھکی تھیں۔ اس کے بابا مسلسل اس کی مورے کی ہتھیلیوں کو نرمی سے چوم رہے تھے۔ وہ دس سال کا دروازے پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ اسی لمحے گاڑی روکتے شدت سے رو دیا تھا۔۔ اگلا منظر بہت واضح تھا۔۔

آپ ہمارا کچھ نہیں لگتا۔ ہم اپنا بچوں کو لے کر یہاں سے جا رہا ہے۔ ہم کو چھوڑ دو کبیر خان!! اس کی مورے چیخی تھیں۔

تم کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تم صرف ہمارا بچوں کا ماں نہیں ہمارا محبت ہے۔ ہمارا زندگی ہے۔ اس کے بابا کبیر خان آگے بڑھتے اس کے اور پری کے سامنے ہی اس کی مورے کی ہتھیلیوں کو لبوں سے لگاتے آنکھوں پر لگا چکے تھے۔ اس کی مورے گلاب کی طرح سرخ پڑتے نظریں جھکا گئی تھیں۔ وہ اگلے لمحے کبیر خان کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی تھیں۔ کبیر خان کا قہقہ گونجا تو ساتھ میں پری اور اس کی کھکھلاہٹیں بھی گونجی تھیں۔

وہ یہ منظر یاد کرتے سیٹ سے ٹیک لگائے اظطرابی انداز میں گہرے سانس لے رہا تھا۔

اس کی مورے اس کے بابا پر چلا لیتی تھیں۔ مگر اس نے اپنے بابا کو کبھی اپنی مورے سے اونچی آواز میں بات کرتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ کیسے پھر یہ سب کر سکتا تھا؟؟ وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ کیسے یہ سب کر سکتا تھا؟! جس کے احترام میں وہ ہتھلیاں چوم چکا تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی اس کی عورت وہ کیسے اسے تکلیف دے سکتا تھا آخر؟؟

آہہہہ۔۔۔۔۔۔ بابا مورے میری پری!! وہ سٹیرنگ پر بے دردی سے ہاتھ مارے ہذیانی چیختا جا رہا تھا۔ اس کے زخمی بازو کے سٹیچز کھل چکے تھے۔ ٹانکوں سے خون نکلتے اس کا بازو داغ دار کر رہا تھا۔

یہ وقت کی کیسی ہوا چلی

نہ یار رہا نہ اس کی گلی

بس اتنی خطا تھی عشق کیا

کیوں عشق کیا یہ سزا ملی

یہ کیسی ٹھیس اٹھی دل میں

یہ کیسی ٹھوکر کھا بیٹھے

اسی عشق دا درد جگا بیٹھے

اسی عشق دی آگ لگا بیٹھے

لو کی تیار لبدے پھر دے

اسی لبیا یار گنوا بیٹھے

درخزئی خانزادہ نے سیدھے ہوتے درد سے کراہتے ہوے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوے اس کا رخ پھر سے اپنی حویلی کی طرف موڑا تھا۔

اب اس کی گاڑی پھر سے اس کی حویلی کی طرف رواں دواں تھی۔۔

مگر اس کی مورے ملالہ بخت کبیر خان تھی۔ کبیر خان جیسے نیک مرد کی بیوی اس کی بیوی امریکہ سے آئی ہوئی پاشا کی بیٹی عنائیہ پاشا۔ درخزئی درود کرب سے سوچتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچ چکا تھا۔ وہ تو عنائیہ درخزئی خانزادہ تھی۔ جیسے اس کی مورے ملالہ کبیر خان تھی۔ وہ اذیت کی انتہا پر سوچتے خود کو اذیت دے رہا تھا۔

عنائیہ خانزادہ نہیں ہے وہ!! عنائیہ پاشا ہے۔ مگر اب اسے عنائیہ خانزادہ بناؤں گا۔ اپنی مورے ملالہ بخت کبیر خان جیسی عورت جس کے چہرے پر کبھی کسی غیر مرد کی نظر نہیں پڑی تھی۔ جس کے سر سے کبھی چادر نہیں سرکی تھی۔ وہ جبڑے بھینچتے ہوئے ووسٹیرنگ گھماتے ہوئے پھر سے اپنی گاڑی کا رخ زاران خانزادہ کی حویلی کی طرف موڑ چکا تھا۔

وہ اپنی آنکھیں اپنے بازو سے بے دردی سے مسلتے ہوئے ہوئے سرد سپاٹ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

زاران خانزادہ تند و تیز انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ سرخ و سفید چہرہ اشتعال سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔

چھوڑوں گا نہیں تجھے درخزئی خانزادہ!!زاران خانزادہ نے طیش و الم سے پوری قوت سے سٹیرنگ پر مکہ مارا تھا۔

ایسا کیسے کر سکتا ہے تو؟؟زاران نے جبڑے بھینچے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔۔

یکدم سامنے سے درخزئی خانزادہ کی سپیڈ سے آتی گاڑی کو دیکھ کر زاران نے اپنا سٹیرنگ پوری قوت سے دوسری طرف گھمایا تھا۔ درخزئی خانزادہ نے زاران خانزادہ کو دیکھتے سٹیرنگ دوسری طرف گھماتے اپنی گاڑی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ مگر زاران خانزادہ کی گاڑی کا کنٹرول اس کے ہاتھوں سے چھوٹا تھا۔

زاران خانزادہ نے اپنا بچاؤ کرتے بریک پر پاؤں رکھتے گاڑی روکنے کی کوشش کی۔ سڑک بے حد تنگ تھی ایک طرف گہری کھائی تھی۔ دوسری طرف پہاڑ تھے۔ دونوں گاڑیاں اتنی سپیڈ سے آرہی تھیں کہ گاڑیاں زوردار تصادم سے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا گئی تھیں۔

درخزئی خانزادہ کا سر بری طرح سٹیرنگ سے ٹکرایا تھا۔ زاران خانزادہ کی ونڈ سکرین کا شیشہ تڑختا کانچ کے کتنے ہی ٹکڑے اس کے گال میں پیوست ہو چکے تھے۔

دونوں سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے ہوئے ایک دوسرے کو خون اشام نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

زاران نے درخزئی کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنے گال میں پیوست کرچیاں بے دردی سے کھینچ کر نکالی تھیں۔

درخزئی خانزادہ اپنی پیشانی سے بہتا خون ایک ہاتھ سے بے دردی سے صاف کرتے ہوئے زاران کو خون اتری آنکھوں سے گھورتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے اترا۔

زاران خانزادہ بھی اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ڈیش بورڈ سے پسٹل اٹھائے گاڑی سے اترا تھا۔

دونوں بھاری قدموں سے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔

کہاں جا رہے ہو بزدلوں کی طرح؟؟ ہمت کیسے ہوئی تمہاری عنائیہ کے ساتھ ایسا کرنے کی؟؟ اسے دلہن بنی چھوڑ کر جانے کی؟؟ صرف اسے بہن کہا نہیں دل سے اپنی بہن مانتا بھی ہوں۔ زاران درخزئی کو گریبان سے پکڑتے غرایا تھا۔

نہ وہ تیری بہن ہے نہ تو اسے بہن مانتا ہے۔۔ نہ تو مجھ سے سوال کر سکتا ہے؟؟ وہ بیوی ہے درخزئی خانزادہ کی؟؟ تیرا کیا اس پر میرے علاوہ کسی کا حق نہیں ہے۔ اور تجھے کس نے کہا کہ میں اسے چھوڑ کر جا رہا تھا؟!۔ اگر

چھوڑ کر جا رہا ہوتا گاڑی کا رخ میری حویلی کی طرف ہوتا اور دیکھ میری گاڑی کا رخ کس طرف ہے ؟؟

درخزئی خانزادہ نے اپنا گریبان چھڑواتے ہوے استھزائیہ لہجے میں سامنے کھڑی اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ زاران اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھتے اپنی گھنی بئیرڈ سہلا رہا تھا

میری گاڑی کا رخ تیری حویلی کی طرف ہے۔۔ دیکھ لے منسٹر !!۔ میں تو اپنی سہاگ رات منانے کے کچھ سپیشل انتظام کرنے گیا ہوا تھا۔ درخزئی نے کہتے اپنی گاڑی کی بونٹ سے ٹیک لگائے اپنی قمیض سے سگریٹ لایٹر نکالتے اسے سلگاتے ہوے لبوں سے لگایا۔

بکواس بند کر اپنی۔ زاران نے درخزئی خانزادہ نے اس کی بات پر اسے غصے سے گھورتے ہوے اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل اپنی قیمض کی پاکٹ میں ڈالی تھی۔

یہ تو مجھے مارنے کے لیے لایا تھا۔ درخزئی اس کی پسٹل دیکھتے سگریٹ لبوں سے نکالتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

ہاؤ تجھے مارنے کے لیے لایا تھا۔ اگر تو عنائیہ کو چھوڑ کر جاتا تو باخدا یہ گولیاں تیرے سینے میں دھڑ دھڑ کر کے ڈال دیتا۔ زاران اپنے گال کے زخم کو انگلیوں سے چھوتے ہوے سرد لہجے میں غرایا۔

اسفند جب عابیر کو چھوڑ کر گیا تھا۔ تب تو تم نے دھڑ دھڑ یہ گولیاں اس کے سینے میں نہیں ڈالی تھی۔ عنائیہ تیری بیوی کی بہن ہے اس کا درد زیادہ چبھ رہا

ہے یا پھر عابیر سے تمھیں محبت نہیں تھی۔ درخزئی نے طنزیہ مسکراتے ہوے سگریٹ لبوں میں دبائے دھواں فضا میں چھوڑا۔

اوہ۔۔۔۔ہاں اسفند تو تیرا سگا والا دوست ہے ناں۔۔ سوتیلا تو صرف درخزئی خانزادہ ہے۔ درخزئی سگریٹ کا گہرا کش لیتے زخمی سا ہنسا تھا۔

حویلی چل درخزئی۔۔ عنائیہ کی رخصتی ابھی اسی وقت ہونی چاہیے!! تو اسے کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ نکاح میں نے اس لیے کروایا تھا۔ مجھے تجھ پر یقین تھا تو ہی وہ انسان ہے جو کسی صورت اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔۔ مجھے یقین تھا تو اسے کبھی ہرٹ نہیں کرے گا۔ سولہ سال کی ہے مجھے یقین تھا تو کبھی اس کی مرضی کے بغیر اسے چھوے گا تک نہیں۔

بکواس بند کر زاران خانزادہ۔۔ وہ سگریٹ لبوں میں دبائے غرایا۔۔ اسے چھوؤں نہ چھوؤں تو کون ہوتا ہے یہ بات کرنے والا؟؟۔ عزت ہے میری

وہ!!خانزادہ ہوں میں!!پٹھانوں گا خون ہے میرے اندر تم نے سوچ بھی کیسے لیا میں اپنی بیوی کو کسی قیمت چھوڑ کر جاؤں گا۔یہ رخصتی ابھی ہو گی۔اسی وقت ہو گی۔وہ گرجتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں زاران کی آنکھوں میں گاڑھ گیا تھا۔

Ok I will meet you in my mansion

زاران خانزادہ نے اسے گھورتے ہوئے ایک ایک لفظ چبایا تھا۔

But i dont want to see your faces

ضرورت نہیں حویلی میں مجھ سے ملنے کی!!نہ آج کے بعد میرا اس حویلی سے کسی کوئی تعلق ہے۔

درخزئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے اونچی آواز میں بولتے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

زاران نے اس لفظ سنتے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ زاران نے خود پر قابو پاتے ہوے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی۔ اب دونوں کی گاڑیاں حویلی کی طرف پھر اسی سپیڈ سے بڑھ رہی تھیں ۔۔

عنائیہ بیڈ پر اوندھے منہ دلہن کے لباس میں لیٹی سسکاریاں بھر رہی تھی۔ اس کے خوبصورت سلکی براون بال کمر پر بکھرے تھے۔

اس کی درد بھری سسکاریاں پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ اس ستم گر کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے بغیر رہنے کا سوچتے ہی اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔

وہ کب سے ایسے روتے ماتم منا رہی تھی۔ اب تو اس کی سسکیاں بھی تھم چکی تھیں۔

اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ عنائیہ کی سسکیاں تھمی تھیں۔ اس ستم گر کی خوشبو اسے اپنے اطراف میں بکھرتی محسوس ہوئی۔ اس کے رونے کی شدت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ اب ایک خواب ہے۔ وہ اب کبھی اس کے جسم سے اٹھتی مسحور کن خوشبو اپنی سانسوں میں نہیں اتار سکے گی۔

اسے اپنے کندھے پر اس ستم گر کا لمس محسوس ہوا تھا۔اس کا ہچکولہ لیتا وجود ساکت ہوا تھا۔۔ عنائیہ نے بے یقینی سے مڑتے ہوے دیکھا۔۔ درخزئی خانزادہ کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر وہ بے یقین ہوئی تھی۔ سانسیں تھمیں تھیں۔

درخزئی!عنائیہ ایک جھٹکے سے بیڈ سے اٹھی۔

وہ لرزتے ہوے بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑے درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

تم چاہتی تھی تمھیں رخصت کرواکر لے جاؤں میں ؟؟ درخزئی خانزادہ کے سرد و سپاٹ چہرے کو دیکھتے اور اس کے سوال کو سنتے عنائیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

رخصت ہی کروانے کے لیے آیا ہوں تمھیں مائی سوین!!وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی متورم آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔عنائیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھتے اس کے گال پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھا۔۔وہ سچ میں اس کے سامنے تھا۔

جسے وہ بے دردی سے جھٹک گیا۔درخزئی!!عنائیہ نے اس کی آنکھوں میں دہشت دیکھتے سسکی لی تھی.۔

یہ سسکاریاں بند کر دو مائی سوین۔۔تمھارے لیے زندگی کا معنی بدلنے والا ہے۔پہاڑوں میں رہنے والے اصل خان سے اب تمھارا واسطہ پڑیے گا۔اب تم ہر رات سسکاریاں بھرو گی مگر خوف سے لرزتے ہوے۔۔تمہیں بتاؤں گا۔جب کوئی عورت ایک خان کی بیوی بنتی ہے تو وہ اس کی چار دیواری میں کیسے رہتی ہے۔وہ اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھکتے

انھیں اپنے لبوں میں پیوست کر گیا تھا۔ عنائیہ اس کی شدت پر درد سے سسکاری بھرتے جی جان سے کانپ اٹھی تھی۔

وہ اس کی برہنہ کمر پر اپنی برفیلی کھردری انگلیاں سختی سے گاڑھے اسے اپنے مزید قریب کرتے اس کے نچلے لب پر شدت سے بے رحمی دکھا گیا تھا۔ عنائیہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی بے رحم شدت سہتے سسکاریاں بھر رہی تھی۔ وہ بہت بے دردی سے اس کے ہونٹوں پر اپنی شدت ڈھا رہا تھا۔ وہ خود کو اس سے چھڑوا نہیں رہی تھی۔ آنکھیں میچے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اسے چھوڑتے ہوئے اپنی بے ترتیب سانس درست کرتے اس کی پھولتی سانسوں کو بغور دیکھتے اس کے ہونٹوں کو دیکھا جہاں اب سرخی نہیں تھی بلکہ اس کی شدت کا گہرا رنگ تھا۔ وہ اپنے لبوں پر

انگلیاں رکھے جلن سے سسکاریاں بھر رہی تھیں۔ جہاں درخزئی کی شدت سے جلن ہو رہی تھی۔

وہ اس کی کلائی بے دردی پکڑتے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھا۔ عنائیہ کانپتے ہوے کھنچتے ہوے اس کے ساتھ بڑھی تھی۔

بلکل ویسے تیار ہو جیسے پہلے تیار تھی۔ ایک دلہن کی طرح۔۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے۔۔ ہونٹوں پر سرخی لگائے۔

ایک دلہن کی طرح ملنی چاہیے ہو۔ م مجھے !!رخصت ہو رہی ہو تم اور مجھے سجی سجائی اپنی دلہن چاہیے۔

پورے رسموں رواجوں بینڈ بانجوں سے تمھیں رخصت کرواکر لے کر جانا چاہتا تھا۔ اپنی سیج پھولوں سے سجانا چاہتا تھا۔ یہ سب تو نہ ہو سکا۔ مگر باقی

ساری رسمیں نبھائی جائیں گی۔ آج کی رات تم سے سارے حق لیے جائیں گے۔ پھولوں کی سیج نہ سہی کمرے کے سادہ بیڈ کمرے کی ٹھنڈی زمین یا پھر میرا اسٹایلش واش روم۔۔ ہر جگہ پر تم سے حق لے کر بتاؤں گا تم پر صرف اور صرف میرا حق ہے۔ تم سے حق لیتے وقت تمھیں شدت سے چھوتے ہوے بتاؤں گا میں تم پر کتنا رکھتا ہوں۔ درخزئی اس کے پیٹ پر اپنے ہاتھ جماتے اس کے کندھے کو چومتے ہوے بولا تو درخزئی کے برفیلے لہجے اور اس کی باتوں پر عنائیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کانپ اٹھی تھی۔

پہنو زیور اور سجاؤ خود کو دلہن کی طرح میرے لیے۔۔ درخزئی اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے ہوے حکمیہ لہجے میں بولتے پیچھے ہوا۔

درخزئی! عنائیہ نے اس کے برفیلے لہجے اور بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھتے خوف سے ہچکی لی تھی

سجاؤ خود کو میرے لیے۔۔وہ حلق کے دھاڑا تھا۔

عنائیہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوے لرز اٹھی تھی۔ درخزئی کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے عنائیہ ڈریسنگ ٹیبل سے ایرنگز اٹھائے کانپتے ہاتھوں سے پہننے لگی۔ درخزئی دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ پیتے ہوے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنا زیور پہن رہی تھی۔ درخزئی کی گہری نگاہوں سے وہ خود کو جھلستا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ عنائیہ نے زیور پہن کر کپکپاتے ہاتھ سے لپ سٹک اٹھائے لبوں پر لگائی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ ان لبوں کی تمام سرخی چرا جو چکا تھا۔۔۔

درخزئی نے بیڈ کی طرف بڑھتے اس کا سرخ دوپٹہ اٹھاتے اس کی طرف بڑھایا۔ عنائیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے لیے وہ سر پر اوڑھتے درخزئی کی طرف ہچکی لیتے یکھا۔

درخزئی ریڈ دوپٹے حالے میں اس کا خوبصورت چہرہ دیکھتے نگاہیں پھیر گیا تھا۔ وہ سچ میں بے حد خوبصورت تھی۔ کم سے کم اس کے لیے تو اس روے زمین پر سب سے خوبصورت تھی۔

وہ سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے اپنے بوٹ کے نیچے مسلتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

ایسے رخصت ہو گی تم ؟؟۔ یہ تمھارا امریکہ نہیں ہے۔ میرا سوات ہے۔ یہاں کی لڑکی صرف اپنے شوہر کے سامنے اپنی زیبایش ظاہر کرتی ہے۔۔ بہت جی لی امریکہ طرز کی زندگی۔۔ اب درخزئی خانزادہ کی عورت

بن کر زندگی گزارو گی۔ سر سے پیر تک خود کو چھپا کر۔۔ کسی بڑی چادر سے گھونگھٹ نکالو۔۔ درخزئی اس کے دو آتشہ روپ کو دیکھتے غرایا

عنائیہ نے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلاتے زمین پر پڑی اپنی میرون شال اٹھائی۔

وہ کپکپاتے ہاتھوں سے اسے سر پر لے رہی تھی۔ درخزئی اس سے لیتے اس کے سر پر گھونگھٹ ڈال چکا تھا۔ اب وہ مکمل اس چادر میں چھپ چکی تھی۔ اسے نظر تک نہیں آرہا تھا۔

درخزئی اس کی کلائی پکڑے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ اس کی سخت گرفت میں اس کے ساتھ کھنچ رہی تھی۔ وہ عنائیہ کو لے کر باہر آیا۔ لاونج میں کوئی نہیں تھا۔ صرف زاران پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا۔ درخزئی اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے عنائیہ کی کلائی پکڑے زنان خان سے ہوتے داخلی دروازہ

عبور کر گیا تھا۔ عنائیہ کو درخزئی خانزادہ کے ساتھ کھنچتا دیکھتے زاران نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

درخزئی خانزاادہ نے کار پورچ میں آتے اپنی گاڑی کا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر بے دردی سے دھکیلا تھا۔ خود ڈرایئونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔ حویلی سے نکلتے ہی درخزئی کے گارڈز کی ڈھیروں آگے پیچھے گاڑیاں بھی روانہ ہوئی تھیں۔

ابرش اپنے کمرے میں کافی دیر سے ٹہلتے ہوے زاران کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ابھی تک سی گرین ڈریس میں ملبوس تھی۔ ویسے ہی تیار تھی ہیوی جیولری پہنے ہوے۔۔

وہ پانی تک حلق سے اتار نہ پا رہی تھی کجا کہ ڈریس چینج کرتی۔ پورے وجود میں بے چینیاں سی بھری ہوئی تھیں۔ دل و دماغ میں تپش کی لپیٹیں اٹھ رہی تھیں۔

!! پتہ ہے کیا کر دوسرا نکاح کر لے ایک کو سوات میں رکھ ایک کو اسلام آباد میں رکھ پھر ہی سکون آ سکتا زندگی میں ورنہ نہیں!!

زاران کے لفظ سماعتوں میں پڑتے ہی ابرش اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑتے گہرے سانس لینے لگی تھی۔

وہ اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے ہوئے دیوار کو ایک ہاتھ مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔

!!مذاق کر رہا تھا میں مذاق کر رہا تھا۔ فضول میں بات کھینچ رہی ہو۔ دوسری عورت کے پاس کچھ بھی نہ ہو شاید سکون ہو جس کو میں ترس گیا ہوں!!

ااس کے لفظ یاد کرتے ابرش کے پورے بدن میں کپکپاہٹ سی ہو رہی تھی ۔وہ تو اسے جنت کی حوروں کے ساتھ شئر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ مذاق میں بھی جنت کی حوروں کا ذکر کرتا تھا وہ پاگل ہو جاتی تھی۔ اگر کبھی وہ دنیا میں کسی دوسری عورت کو محبت بھری نگاہ سے بھی دیکھے گا اسے یقین تھا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔ وہ مر سکتی تھی مگر اسے کسی کے ساتھ ایک پل کے لیے شئیر نہیں کر سکتی تھی۔

ابرش سسکتے ہوے آنکھیں میچ گئی۔۔

دوسرے لمحے ابرش آنکھیں کھولتے ہوے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی۔ ابرش نے مرر میں دیکھتے ہوے ڈریسنگ ٹیبل سے لپ سٹک اٹھائے

اپنے خوبصورت لبوں پر مزید گہرا کوٹ کرتے اس پر چمکتا لپ گلوز لگایا تھا۔۔

اپنے دوپٹے کو اچھی طرح اس طرح سیٹ کیا تھا۔اس کے نشیب و فراز مذید نمایاں ہونے لگے تھے۔زاران کا پسندیدہ پرفیوم خود پر چھڑکتے ہوے ابرش نے آئینے میں خود کو دیکھا۔اس کا مہکتا وجود پہلے سے بھی زیادہ دہکنے لگا تھا۔

چاہتی تھی زاران کمرے میں آتے ہی اسے دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکے۔اس کے قریب آجائے۔وہ اسے کسی کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔یہ دوریاں ان کے درمیان کسی تیسرے کو نہ لے آئے۔وہ اب بری طرح پریشان ہوئی تھی

مسٹر خانزادہ تم سے شدید محبت کرتی ہوں!!تم نے آج پھر سے اپنی محبت میں ابرش پاشا کو جھکا لیا!!تم کمزوری ہو میری!!بہت محبت کرتی ہوں تم

سے !!تم صرف میرے ہو مسٹر خانزادہ صرف میرے ہو۔ اگر تمھیں لگتا ہے میرے ہوتے تمھاری زندگی میں کوئی دوسری عورت آئے گی۔ یہ تمھاری بھول ہے۔ جب تک زندگی میں تمھیں صرف ایک عورت پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ اور وہ ہے ابرش پاشا۔۔ ابرش مرر میں دیکھتے انگشٹ شہادت اٹھائے بھیگے لہجے میں بول رہی تھی۔ وہ

کسی اور کا نہ ہو جائے۔ شاید یہ ڈر ساری زندگی رہنے والا تھا۔ مرر میں دیکھتے وہ زخمی سا ہنسی تھی۔

اس نے بتایا ہی کبھی نہیں تھا وہ اس کے بغیر سات مہینے کیسے رہا؟؟۔ ایک رات کی تڑپ تک بیان نہیں کی تھی۔۔ اسے تو آج بھی لگتا تھا وہ اس کے بغیر رہ سکتا ہے۔ اس کے بغیر رو سکتا ہے اس کے بغیر جی سکتا ہے۔ یہاں تک وہ کسی اور عورت کو اپنی زندگی میں بڑی آسانی سے لا سکتا ہے۔

اسے زاران خانزادہ کی محبت پر غرور آخر کیوں نہیں تھا۔ وہ غرور جو حور عابیر بہارے کے چہروں پر ان کے شوہر کی محبت کا دکھائی دیتا تھا۔ تین ماہ اسے بے اعتنائی کی مار ماری تھی کہ اسے اپنے عورت ہونے پر شک ہونے لگا تھا۔ اسے اپنی خوبصورتی پر جو غرور تھا وہ زاران خانزادہ شادی کے تین ماہ میں ختم کر چکا تھا۔ کون سی عورت آخر اپنے شوہر کی بے اعتنائی برداشت کر سکتی ہے؟؟ وہ کیوں نہیں آخر اسے سمجھ پاتا تھا؟!۔ وہ کیوں نہیں آخر اس کی محبت میں تڑپ کر رو پڑتا تھا؟! وہ کیوں ہر بار اسے جتاتا تھا۔ وہ صرف اس کے جسم سے محبت کرتا ہے۔ وہ تو اپنی تڑپ اپنی محبت اپنا عشق اس پر ظاہر کر چکی تھی۔ وہ کیوں اپنے لفظوں سے اسے نہیں بتاتا تھا وہ اس کے لیے کیا ہے؟؟ وہ کیا اتنی آرزاں تھی کہ اس کا شوہر اس کے زاران کے پاس اس کے لیے لفظ ہی نہ ہو۔ وہ منسٹر وہ خانزادہ جو دنیا کو اپنے اشاروں پر چلانا جانتا

تھا۔ جو اپنے لفظوں سے دوسروں کو دو کوڑی رکھ کر رکھ دیا تھا۔ جو اپنی بہن اپنے ہر رشتے پر جان دیتا تھا۔ کیوں پھر زاران خانزادہ کے لفظ اس کے پاس آتے ہی ختم ہو جاتے تھے؟؟ کیا وہ اتنی آرزاں تھی کہ اس کے شوہر کے پاس محبت کا اظہار کرنے کے لیے بھی لفظ نہ ہو۔۔ وہ اس سے بے شرم بیوی کہہ سکتا ہو مگر i love you نہ کہہ سکے۔ ابرش کو اپنی سانسیں اکھڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے ہر رشتے کی محبت کے لیے ترسی تھی۔۔ اپنے ہر رشتے کی محرومی کا آزالہ وہ زاران خانزادہ سے چاہتی تھی۔ وہ تھا کہ اپنی محبت کے لیے بھی اسے ترسا ترسا کر قطرہ قطرہ اسے مار رہا تھا۔ اور وہ مر رہی تھی۔۔ کوئی بھی اس کی محبت کو سمجھ نہ سکا تھا۔ سر فہرست میں اس زارن خانزادہ کا نام تھا۔ جس کی بے اعتنایی بے رخی اس کی منتقم مزاج پر سنیلٹی اس کا جسم اس کی روح بھی زخمی کر دیتی تھی۔ کیا بیوی کے لیے بھی شوہر

منقم مزاج ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کے لیے تھا اپنے لفظوں اسے سے کا دل چھلنی کرنا جانتا تھا۔

جب جب اسے باس کی ضرورت ہوتی تھ۔ی وہ اسے اکیلا کر دیتا تھا کیا چاہا تھا زاران خانزادہ کے دو محبت بھرے لفظ۔۔ اس کا پیار کی گرمی۔ اس کی بانہوں کی حدت۔ اس کا کشادہ سینہ۔۔ وہ تھا سمجھ ہی نہیں پاتا تھا۔ زندگی نے جتنی تکلیف اسے دی تھی۔۔ زاران خانزادہ اسے اپنے لفظوں سے اپنی بے اعتنائی سے بہت زیادہ دے چکا تھا۔

نہیں میں اس بار نہیں جھکوں گی مسٹر خانزادہ!! نہیں آنے دوں گی تمھیں خود کے قریب!! ابرش نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے۔۔ نہیں جھکوں گی۔ تمھارے آگے گڑگڑاؤں گی نہیں۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔۔ ابرش نے ہاتھ میں پکڑی لپ سٹ زمین پر دے ماری تھی۔

لیکن تمھیں کسی اور کا بھی نہیں ہونے دوں گی۔ تم نے مجھ سے بیوفائی کی میں اپنی جان تو لوں گی ہی تمہاری بھی لے لوں گی۔ یہ وعدہ ہے ابرش پاشا کا!!۔ ابرش اٹل لہجے میں بولتے غرائی تھی۔

۔اپنے دوپٹے سے کھینچ کھینچ کر پنز اتارنے لگی۔ زاران خانزادہ کے آنے سے پہلے اسے یہ لباس چینج کرنا تھا۔

وہ پنز اتار رہی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کر زاران اندر داخل ہوا۔۔

ابرش اسے مکمل نظر انداز کرتے سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنے دوپٹے کی پنز اتارنے لگی۔ وہ بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

ابرش کا چہرہ سرد و سپاٹ ہی تھا۔ زاران اس کی طرف پلٹتے اسے بازو سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا۔

ابرش اس کے چوڑے سینے سے آن لگی تھی۔ابرش نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھتے خود کو اس کے سینے کا حصہ بنتے روکا تھا۔

عنائیہ کی رخصتی ہو چکی ہے۔زاران کی بات پر ابرش نے اسے تحیر زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

دذخزئی اسے رخصت کروا کر لے کر جا چکا ہے۔یہی چاہتی تھی تم؟؟زاران نے اس کی بے یقین آنکھوں میں جھانکتے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

ہاں مگر ایسے کیسے؟؟ابرش نے لرزتے لبوں سے پریشانی سے کہا۔۔

ایسے کیسے ویسے کیسے؟؟مجھے نہیں پتہ میری خوبصورت بیوی!!تم چاہتی تھی درخزئی رخصت کروا کر لے کر جائے وہ لے گیا۔۔اب یہ رخصتی تمھاری

ایماء پر ہوئی ہے۔ میرا کوئی ہاتھ نہیں۔۔ وہ پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اجنبیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔۔

ابرش نے اس کے اجنبی بھرے لہجے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ خود کو اس سے لاتعلق ظاہر کر رہا تھا۔

مائی ڈیئر وایف ابرش پاشا!! مجھ پر مزید الزام لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ یہ رخصتی ہو گئی اب اس بات کو لے کر کوئی ایشو کریٹ نہیں کرنا اوکے۔۔ زاران اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے اسے سرد لہجے میں تنبیہ کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔ اپنا سیل فون ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھا کر عنائیہ کا نمبر ڈایل کیا۔ فون آف آنے پر ابرش نے اپنی پیشانی کو انگلی سے مسلتے ہوے موبایل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔۔

وہ لب کاٹتے مرر میں دیکھ رہی تھی کہ زاران بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس باہر آیا تھا۔ ابرش نے فق رنگت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ڈنر سوٹ میں اس وقت کہاں جا رہا تھا؟ وہ بھی اتنا تیار ہو کر؟!! ابرش کو اپنا پورا وجود چکراتا محسوس ہوا تھا۔

ہاں آ رہا ہوں۔ جانتا ہوں میری جان نہیں چھوٹنے والی۔ نہ میری زندگی میں سکون نام کی کوئی چیز ہے۔ زاران اپنا وایبریٹ ہوتا فون کان سے لگائے ہوئے جھنجھلاتے ہوئے بولا تھا۔۔

جانتا ہوں یہ نکاح میرے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نکاح خواں میں ہی تو ہوں۔ وہ فون پر غراتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا۔

زاران کے جانے کے بعد ابرش نے گہرے سانس لیے تھے۔

نکاح!!اس نے اپنی گھٹی سانس خارج کرتے ہوے بمشکل نکاح کا لفظ لبوں سے نکالا۔

کک کیا وہ نکاح کرنے رجا ہاہے ؟!۔ ابرش نے لرزتے لبوں سے لفظ ادا کیے۔۔۔ دوسرے پل اس نے زاران کا نمبر ڈایل کیا۔ جو زاران خانزادہ نے اسی لمحے کاٹ دیا تھا۔ ابرش نے لرزتے ہوے پھر سے نمبر ڈایل کیا۔۔ وہ پھر سے کاٹ دیا گیا تھا۔ ابرش نے لرزتے ہوے پھر سے نمبر ڈایل کیا۔ زاران نے پھر سسے اس کا فون کاٹ گیا۔

آہہہ۔۔۔ ابرش نے چیختے ہوے اپنے بال مٹھی میں دبوچے۔

دوسرے لمحے ابرش ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اس نے کبرڈ سے گاڑی کی چابیاں اور شال نکالی۔وہ شال خود پر لپیٹتے ہوے کمرے سے نکلتے تیز تیز سیڑھیاں اتری۔نیچے لاونج میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔وہ بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔کارپورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی جو زاران نے اس کے لیے خریدی تھی۔

ریموٹ کی سے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوے اس نے ڈرایئونگ سیٹ پر بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوے گاڑی کا رخ گیٹ کی طرف کیا۔۔

ابرش نے پاگلوں کی طرح ہارن بجاتے گیٹ پر کھڑے گل خان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔گل خان نے مڑتے ہوے دیکھا۔گاڑی میں بیٹھے ابرش کو اس نے پریشانی سے دیکھا تھا۔۔اس کا چہرہ زرد ہوا تھا۔

گیٹ کھولو گل خان!! ابرش نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیے حلق کے بل چیختے ہوے کہا۔

گل خان سٹل کھڑا پریشانی سے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مفلوج ہو چکا تھا۔

زاران کے غصے کا سوچتے وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی ابرش ایسے جا چکی تھی۔ زاران نے مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا تھا۔۔

ابرش نے گل خان کو سٹل کھڑا دیکھتے اپنی گاڑی سٹارٹ کرتے گیٹ کی طرف تیزی سے بڑھائی۔ اس سے پہلے ابرش کی گاڑی بند گیٹ سے ٹکراتی۔ گل خان نے بھاگتے ہوے جلدی سے گیٹ کھولا۔

ابرش تیزی سے گاڑی نکال کر لے گئی تھی۔ ابرش کی گاڑی کو حویلی سے باہر جاتے دیکھتے گل خان اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔۔ اس حویلی کی عورتوں کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا وہ ہر بار بھاگیں گی اور اس کی شامت آئے گی۔

وہ اسی لمحے زمین سے اٹھتے حویلی سے نکلتا بھاگ چکا تھا۔ وہ اپنی پوری قوت سے دوڑ لگا رہا تھا۔

ابرش کی گاڑی فل سپیڈ میں سوات کی سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔۔ وہ دلہن کی طرح سجی سنوری سی گرین ویلوٹ کی میکسی میں ہیوی گرین زرقون جیولری پہنے ہوے تھی۔ سر پر خوبصورت کامدار دوپٹہ اٹیچ کیا ہوا

تھا۔ کندھوں پر اوڑھی ہوئی شال کندھوں سے پھسلتے ہوے گاڑی میں اس کے قدموں میں پڑی تھی۔۔

ابرش نے گہرے سانس بھرتے ہوے اپنے چوکر کو آگے سے کھینچا۔ اسے اپنی سانسیں جیسے گھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

ابرش نے ایکسلیٹر پر سینڈل پہنا پاؤں رکھتے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی ۔وہ جتنی گاڑی کی سپیڈ بڑھا سکتی تھی۔ وہ اتنی سپیڈ بڑھا رہی تھی۔ زاران خانزادہ کی گاڑی اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی پیشانی پر چمکتے قطرے ایک ہاتھ سے صاف کیے۔ اسے اتنی رات کو سوات کی تاریک سڑکوں پر فارم ہاوس کا راستہ نہیں پتہ چل رہا تھا۔ ابرش نے سامنے جاتی سڑک پر اپنی گاڑی ڈالی۔۔

!! پتہ ہے کیا کر دوسرا نکاح کر لے ایک کو سوات میں رکھ ایک کو اسلام آباد میں رکھ پھر ہی سکون آسکتا زندگی میں ورنہ نہیں!!

زاران کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اس کے پورے وجود میں برقی لہریں دوڑا رہے رہے تھے۔ اتنی شدت کی سردی میں بھی اس کا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ دھڑکنیں جیسے رک رہی تھیں۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنا چوکر کو پھر سے آگے سے کھینچا تھا۔ اگر وہ آج فارم ہاؤس نہ پہنچ پائی اور زاران خانزادہ نے دوسرا نکاح کر لیا تو اس سے آگے کا سوچ کر ہی ابرش کو اپنے بدن سے جان نکلتی محسوس ہو رہی۔

بیوی ہو میری تم؟؟ جسم کی پیاس بجھانے تمھارے پاس نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا!!

زاران کے لفظ سماعتوں میں گونج رہے تھے.

!! کہیں بھی جائیں میری بلا سے۔ مگر میرے پاس اب آنے کی ضرورت نہیں!!

اپنے لفظ اسے سماعتوں میں سنائی دیے تھے اس کا جسم دہک کر تپتا برزخ بنا تھا۔

ابرش نے پہلے سے بھی زیادہ گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔۔

وہ بار بار اپنے چوکر کو آگے سے کھینچتے گہرے سانس لیتے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ڈرائیو کر رہی تھی۔

یکدم اسے بریک لگانی پڑی تھی۔ اسے دور سے ہی گہری کھائی نظر آگئی تھی۔۔ سڑک اب کسی طرف نہیں مڑ رہی تھی۔۔۔ سامنے گہری گھائی

تھی۔ گاڑی سپیڈ میں تھی اس لیے بریک لگانے پر گاڑی بری طرح اچھلی تھی۔ گاڑی کا کنٹرول ابرش کے ہاتھوں سے چھوٹا تھا۔

ابرش نے اپنی پوری فورس لگائے بریک پر اپنا پاؤں رکھے سٹیرنگ پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مظبوط کی تھی. گاڑی اچھلتے ہوے رک چک تھی۔

ابرش چہرے پر دونوں ہاتھ رکھتے بری طرح چیخ رہی تھی۔اس نے تھوڑی دیر بعد چہرے سے ہاتھ ہٹائے ونڈ سکرین سے سامنے دیکھا۔وہ مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔

گاڑی صرف چند فٹ کے فاصلے پر رک گئی تھی۔ورنہ وہ گاڑی سمیت گہری کھائی میں ہوتی۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے کانپتے ہاتھوں سے گاڑی ریورس میں ڈالتے گاڑی کا بہت مشکل سے ٹرن لیا۔

اب تو وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس سے بے حد مشکل سے ڈرائیو ہو رہی تھی۔ اس کا پورا بدن ہچکولے بھرتے لرز رہا تھا۔ وہ گہرے سانس بھرتے پھر بھی ڈرائیو کر رہی تھی۔

مجھے کچھ نہیں ہو سکتا مسٹر خانزادہ!! جب تک تمھیں میں اپنے ہاتھوں سے جان سے مار نہ ڈالوں!! کیا سمجھتے ہو تم دوسرا نکاح کرو گے؟؟۔ دوسری عورت کے ساتھ عیاشی کرو گے۔ میں ایک عام عورت کی طرح برداشت کروں گی۔ قسم کھاتی ہوں خدا کی اگر تم نے کسی دوسری عورت کو قربت کی خواہش لیے اپنی ایک انگلی سے بھی چھوا جان لے لوں گی تمھاری۔ ابرش

ونڈ سکرین پر نظریں جمائے روتے ہوے چیخی تھی۔اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کے عارض کو بھگو رہا تھا۔۔

میں آج تک سب کچھ برداشت کرتی رہی۔۔ تمھاری محبت میں !! تمھارے خوف میں !! مگر آج اپرش پاشا کے دل سے ہر ڈر خوف ختم ہو چکا ہے۔ قسم کھاتی ہوں خدا کی مسٹر خانزادہ !! تمھارا وجود گولیوں سے چھلنی کر دوں گی۔بیوی ہوں تمھاری۔ ابرش زاران خانزادہ ہوں میں۔ منسٹر کی بیوی اس کی عورت !! تمھیں لگتا ہے میں ابرش پاشا بن کر تمھاری بیوفائی برداشت کروں گی۔ نو اینڈ نیور جسٹ ویٹ اینڈ واچ !! سب کے سامنے تمھارے سینے میں گولیاں اتاروں گی۔

ابرش اپنے بہتے آنسو ایک ہاتھ سے بے دردی سے صاف کرتے ہوے غرائی تھی۔اسے یاد آیا تھا یہ تمام خانزادے اپنی گاڑی میں ایک پسٹل تو

رکھتے ہی تھے۔یقیناً اس گاڑی بھی پسٹل ضرور ہو گی۔ابرش نے جلدی سے ڈیش بورڈ کا ڈرار کھولتے ہوے پسٹل تلاش کی۔ایک ہاتھ سے وہ سٹیرنگ کو سنبھالے ہوے تھی۔ڈیش بورڈ کے ڈرار میں پسٹل نہیں تھی۔ابرش نے بریک لگائے گاڑی روکی۔اب وہ پاگلوں کی طرح دوسری سیٹ کے سامنے ڈیش بورڈ کے ڈرار میں پاگلوں کی طرح پسٹل تلاش کر رہی تھی۔ سمجھتے کیا ہو مسٹر خانزادہ؟؟میں کمزور عورت ہوں جو یہ سب برداشت کرے گی ۔۔کرتے ہوں گے خانزادے چار چار شادیاں۔۔مرد کر سکتا ہو گا چار شادیاں!!مگر تم نہیں کر سکتے!!زندہ رہو گے صرف میرے بن کر ورنہ نہیں!!ابرش نے جھکتے ہوے سیٹ کے نیچے پسٹل تلاش کی۔پسٹل سیٹ کے نیچے تھی۔ابرش نے پسٹل اٹھاتے ہوے گہرے سانس بھرتے پسٹل ہاتھ میں ہی پکڑے گاڑی سٹارٹ کی۔اب پھر سے ابرش کی گاڑی سوات کی

سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا ۔ ایکسلیٹر پر جما اس کا پاؤں کپکپا رہا تھا۔

!! جاؤ کر لو دوسری شادی مسٹر خانزادہ !! اس پلوشہ سے شادی کر لو۔ منگنی ہوئی ہے ابھی اس کی۔ اتنی چاہت تو ابھی بھی ہو گی اس کے دل میں کہ وہ تمھاری خاطر اپنی منگنی توڑ دے گی اور تیسری شادی اس ستارہ خان سے کر لینا جو ابھی بھی تمھارے دوست کے بنگلے میں موجود ہے۔ یقیننا اس بے سہارا عورت کو تم سہارا دینا پسند کرو گے۔ جاؤ اپنا لو اسے میری طرف سے تمھیں اجازت ہے !!

اور تم اصل میں اگر مرد ہو تو اب میرے ڈر کو حقیقت کے روپ میں دھاڑ کر میرے سامنے کھڑا کر دینا !!

اپنے لفظ سماعتوں میں گونجے تو وہ اپنے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

تمھاری جان لے لوں گی مسٹر خانزادہ!!ابرش نے حلق کے بل چیختے ہوے پسٹل ونڈ سکرین پر دے ماری تھی۔

ساتھ والی سیٹ پر پڑا اپنا موبایل اٹھائے اس نے زاران کے نمبر پر کال ملائی ۔جو اس نے پہلی بیل پر کاٹ دی تھی۔ابرش نے گہرے سانس بھرتے پھر سے زاران کے نمبر پر کال ملائی۔اس بار کال کاٹی نہیں تھی۔نمبر پر مسلسل بیل جا رہی تھی۔وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔ابرش نے اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ہوے پھر سے اس کا نمبر ڈایل کرتے کان سے لگایا۔وہ اب ہچکیوں سے روتے ہوے فون کان سے لگائے ایک ہاتھ سے سٹیرنگ سنبھالے ڈرائیو کر رہی تھی۔۔اس کا پورا وجود اس وقت تند و تیز بھانبھڑوں کی لپیٹ میں لرز رہا تھا۔وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔وہ ہذیانی ہو رہی تھی۔وہ بار بار پاگلوں کی طرح اس کا نمبر ڈایل کر رہی تھی۔جو وہ اٹھا نہیں رہا

تھا۔ ابرش نے گہرا سانس بھرتے خود پر قابو پاتے فون ساتھ والی سیٹ پر رکھا

۔ اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے ایک ہاتھ سے مسلتے اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

وہ فارم ہاؤس پہنچ کر نکاح کر سکتا تھا۔ مگر اس کے جانے سے پہلے اپنی ویڈنگ نایٹ تو ہرگز نہیں منا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا تب تک وہ پہنچ ہی جائے گی۔ اور اس منسٹر کی جان لے لے گی۔ ابرش نے پھر سے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کیے تھے۔

سامنے لگے بورڈ کو دیکھ کر اسے گاڑی روکنی پڑی تھی۔ یہ راستہ فارم ہاؤس کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ اس نے غلطی سے غلط ٹرن لے لیا تھا۔

آہہہ۔۔۔ابرش گاڑی روکتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے ہذیانی چیخی۔۔

ابرش نے خود پر قابو پاتے ہوئے پھر سے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

!!میں اس وقت سوات کی سڑکوں پر ہوں۔تم تھوڑی دیر تک مجھ تک نہ پہنچے تو مسٹر خانزادہ وعدہ کرتی ہوں میں اپنی گاڑی کسی بھی کھائی میں گرا کر خود کی جان دے دوں گی!!

دوسری سیٹ سے موبائل اٹھا کر اس نے وائس ریکارڈ کرتے زاران کے نمبر پر سینڈ کیا تھا۔

زاران خانزادہ کی گاڑی فارم ہاؤس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

میسج بیپ پر اس نے اپنا موبایل ڈیش بورڈ سے اٹھاتے ابرش کا وایس میسج دیکھ کر لب بھینچتے ہوے وایس میسج آن کیا تھا۔

وایس میسج سنتے ہی وہ ایک جھٹکے سے گاڑی روک چکا تھا۔ اس نے بے یقینی سے دوبارہ سے وہ میسج سنا تھا۔

زاران نے بے یقینی سے وائس سنتے ابرش کا نمبر ڈایل کیا۔ جو اس نے اسی لمحے کاٹ دیا تھا۔

زاران نے مٹھی دبوچتے گل خان کا نمبر ڈایل کیا. جو آف آرہا تھا۔ زاران خانزادہ نے دو انگلیوں سے پریشانی سے اپنی پیشانی مسلی تھی۔۔

زاران خانزادہ نے دوبارہ سے ابرش کا نمبر ڈایل کیا۔ جو اس نے پھر سے کاٹ دیا تھا۔۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا وہ اس وقت گاڑی لے کر سوات کی سڑکوں پر ہے۔زاران خانزادہ نے ایک بار پھر سے گل خان کا نمبر ڈائل کیا جو کہ آف آرہا تھا۔

زاران خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔پورے وجود میں اندھیوں کے جکڑ سے چلے تھے۔وہ اگر سچ میں سوات کی سڑکوں پر اس وقت ہوئی تو؟؟زاران خانزادہ نے اپنے اوپری بٹن کھولتے سانس باہر کھینچی تھی۔

اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے پھر سے ابرش کا نمبر ڈایل کیا۔

جواب اٹھالیا گیا تھا۔

کہاں ہو تم؟!زاران لب بھینچے فون پر غرایا تھا۔

سوات کی تاریک سڑک پر ہوں اس وقت میں مسٹر خانزادہ!! ابرش نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

کیا مطلب تم سوات کی سڑک پر ہو؟؟ پاگل ہو گئی ہو کیا؟؟ لگتا ہے ہوش میں نہیں ہو جو اس وقت یہ بکواس کر کے مجھے پریشان کر رہی ہو؟؟ زاران فون پر غصے سے دھاڑا۔

تم میرے لیے پریشان بھی ہوتے ہو مسٹر خانزادہ!! یہ مجھے آج پتہ چلا ہے۔ ابرش ایکسلیٹر پر پاؤں رکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

ابرش میرا دماغ مت خراب کرو!! آگے بہت تپا ہوا ہے۔ دل و دماغ پورے وجود میں غصے سے آگ بھڑک رہی ہے۔ حویلی آ کر تمھارا حال برا کر دوں گا۔ اپنے وجود کی آگ تم پر نکال دوں گا۔ اس لیے مجھے سیدھی طرح بتاؤ کہاں ہو تم؟؟

زاران سٹیرنگ پر پوری قوت سے ہاتھ مارتے ہوئے دھاڑا تھا۔

آگ تو بھڑک رہی ہے تمھارے اندر مسٹر خانزادہ!اسی لیے تم آج اپنے وجود کی گرمی کسی اور عورت پر نکالنے کے لیے اس سے نکاح کرنے آئے ہو۔ مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ تم کسی بھی عورت کے قریب گئے ۔میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔ ابرش فون پر پوری قوت سے ہذیانی حلق کے بل چیخی تھی۔

اس کے چیخنے پر زاران کی پورے وجود کی رگیں اشتعال سے ظاہر ہوئی تھیں۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ میں کب کر رہا ہوں نکاح؟؟ زاران غصے سے جبڑے بھینچتے ہوئے فون پر غرایا۔

بکواس کر رہی ہوں تو ٹھیک ہے رہو وہاں پر ہی جہاں تم ہو۔ میں مروں یا جیوں۔ مجھے دوبارہ فون نہ کرنا۔ ویسے کیسا لگے گا مسٹر زاران خانزادہ کی عورت رات کے اس پہر تن تنہا سجی سنوری ڈرائیو کر رہی ہے۔۔۔ کتنے ہی مردوں کی گاڑیاں میرے قریب سے گزر رہی ہیں۔

کیا بکواس کر رہی ہو تم ہوش میں ہو؟؟ زاران خانزادہ اس کی بات پر خون اشام درندے کی مانند گرج اٹھا تھا۔

ڈائیلاگ بدل لو مسٹر خانزادہ!! کیا بکواس کر رہی ہو؟ کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ یہ سوچو جس عورت پر تم کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اس ٹایم تن تنہا سڑک پر ڈرائیو کر رہی ہے۔۔ میں جانتی ہوں میں مر جاؤں تمھیں پرواہ نہیں ہو گی۔ مگر اپنی عزت کے خوف سے تو تم دوسرا سانس بھی

نہیں لے سکو گے۔اس لیے جلد از جلد میرے پاس پہنچو!ابرش روتے ہوے فون پر چیخی۔۔

ابرش کہاں ہو تم؟!زاران پھولتی سانسوں کے ساتھ بمشکل ہی بولا تھا۔جان لبوں پر سجی تھی۔

سوات کی سڑکوں پر مسٹر خانزادہ!!سوات کی سڑکوں پر مسٹر خانزادہ!!تمھیں سنائی کم دیتا ہے کیا؟؟میں اس وقت سوات کی سڑکوں پر ہوں۔وہ فون پر غراتے ہوے گاڑی کے ہارن پر ہاتھ رکھ گئی۔

فون پر ابرش کی گاڑی کے ہارن سنتے سٹیرنگ پر جما زاران کے نیلی رگوں والا مضبوط ہاتھ سٹیرنگ پر مزید مضبوطی سے جما تھا۔جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔۔رنگت میں طیش والم سے سرخیاں سی گھلی تھیں۔گردن کی رگوں

سے لے کر ہاتھوں پر بھی اب صرف نیلی رگیں نمایاں ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔

خاموش ہو گئے ہو اب ؟؟ آ گیا یقین تمھیں میں کہاں ہوں اس وقت ؟؟ ابرش نے استھزائیہ ہنستے ہوے کہا۔

ہمت کیسے ہوئی تمھاری اس وقت حویلی سے نکلنے کی ؟؟ وہ پھولتی رگوں کے ساتھ بھوکے شیر کی مانند غرایا۔

ہمت تو بہت ہے مجھ میں یہ آج تمھیں پتہ چلے گا۔ جب میں تمھارے سینے پر گولیاں چلاؤں گی۔ مجھ سے بیوفائی کرو گے تم ؟؟ میری جگہ کسی اور عورت کو دو گے تم ؟؟ کسی اور عورت کو چھوؤ گے۔۔ آج سوات کی سڑک پر ایک عورت اپنے شوہر کی بیوفائی پر اس کے سینے پر گولیاں چلائے گی۔ نئی

تاریخ رقم ہو گی مسٹر خانزادہ!!ابرش گہرے سانس لیتے اپنے چوکر کو کھینچتے ہوے فون پر غرائی تھی۔

اس سے پہلے میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا۔ تمھارے وجود میں بے دردی سے گولیاں اتار کر انھیں پہاڑوں کی گہری کھائیوں کے سپرد تمھیں کر دوں گا۔۔زاران فون پر خونخوار بھیڑیے کی مانند غراتے ہوے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

Let's see, mister khanzada , whether you die or kill. In this beautiful evening of Swat, before I'm killed by your hands, I will definitly kill you. Even after my death, I won't tolerate you going near another woman.

ابرش امریکن ایسنٹ میں بولتے ہوے فون بند کر چکی تھی۔

آہہہ۔۔۔ چھوڑوں گا نہیں آج۔زاران ڈیش بورڈ پر فون پٹختے ہوے سٹیرنگ پر مکہ مارتے ہوے چیخا تھا۔

اب وہ پاگلوں کی طرح اندھا دھند سوات کی سڑکوں پر گاڑی چلا رہا تھا۔وہ بار بار اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے گہرے سانس لیتے اظطرابی انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

زاران نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے اظطرابی انڈاز میں ڈیش بورڈ سے فون اٹھائے ابرش کا نمبر ڈائل کیا۔

جو اس نے پہلی بیل پر اٹھالیا تھا۔

کہاں ہو تم؟؟زاران نے تند و تیز لہجے میں پوچھتے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔

سوات کی سڑکوں پر مسٹر خانزادہ! ابرش نے سرد و سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

بکواس بند کرو اپنی تم؟ سیدھی طرح بتاؤ ابرش۔۔ تم نہیں جانتی آج میں تمھارا کیا حال کرنے والا ہوں۔ مجھے مزید غصہ مت دلاؤ۔ ورنہ تمھیں میرے ہاتھوں مرتے ہوئے بہت تکلیف ہو گی۔ جو میں نہیں چاہتا۔۔ زاران طیش و الم میں گرج اٹھا تھا۔

فکر مت کرو مسٹر خانزادہ! تمھیں مرتے ہوئے بکل تکلیف نہیں ہو گی۔ تمھیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہوں۔ بہت محبت کرتی ہو تم سے۔۔ سیدھا ایگزیکٹ نشانے پر گولیاں چلاؤں گی۔ تمھیں دوسرا سانس نہیں آئے گا۔ ابرش اب کی بار روتے ہوئے سسکی لیتے بولی۔۔

اس کے رونے کی آواز پر زاران خانزادہ نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ وہ حویلی نہیں تھی اس وقت سوات کی سڑکوں پر تن تنہا گاڑی چلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔۔

وہ جیسے مرنے والا ہو رہا تھا۔ زاران خانزادہ کا پورا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا اس کے رونے کی آواز سن کر۔۔ اس کا تن تنہا اس پہر گاڑی ڈرائیو کرنے پر!!وہ سجی سنوری اکیلی نکل آئی تھی۔ کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ اس کے کتنے دشمن تھے۔ عبدالحق اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

اگر کسی کو بھی بھنک پڑ جاتی ابرش اس وقت اکیلی ہے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے طیش والم سے سٹیرنگ پر مکہ مارا۔۔

مجھے اپنی لوکیشن سینڈ کرو!!زاران خانزادہ نے خود پر قابو پاتے بہت نرمی سے اب اپنی ضدی بیوی سے کہا۔ جانتا تھا غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔۔ایک بار وہ اس کے پاس پہنچ جاتا اس کی موت لازم و ملزم تھی مگر ابھی اسے صرف اس تک پہنچنا تھا۔

نہیں کروں گی مسٹر خانزادہ تمھیں اپنی لوکیشن سینڈ!! کبھی نہیں تمھیں مجھ سے محبت نہیں۔۔اس وقت بھی تمھیں اپنی عزت کی پرواہ ہے۔میں مروں یا جیوں تمھیں میری پرواہ نہیں۔ابرش نے اس کے نرم لہجے پر فون پر ہچکی لی تھی۔

مجھے تمھاری بہت پرواہ ہے ابرش!!مجھے تم۔سے بے حد محبت ہے میرا یقین کرو۔پلیز مجھے اپنی لوکیشن سینڈ کرو۔۔زاران نے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے خود پر قابو پاتے دانت پیستے کافی نرم لہجے میں التجا کی۔

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے ساتھ ساتھ سڑکوں پر اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ ابرش کی گاڑی اس وقت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اور اس کی جان سولی پر لٹکی تھی۔

تمھیں مجھ سے محبت ہے۔ یہ لفظ تم نے کتنے عرصے بعد کہا۔ یاد کرو تم مسٹر خانزادہ!! ابرش نے اس کے لبوں سے محبت کا سن کر درد و کرب سے روتے ہوئے استفسار کیا۔

کتنے عرصے بعد لیا ہے میں نے؟؟ زاران خانزادہ نے اپنے جبڑے بھینچتے ہوئے پوچھا تھا۔

پورے ایک سال بعد!! ابرش فون پر شدت سے رو دی تھی۔

فون پر زاران کی گرفت مظبوط ہوئی تھی۔

قربت کے لمحات میں بھی تم مجھے آئی لو یو نہیں کہتے۔۔

بے شرم بیوی!!میری خوبصورت بیوی!!بے شرمی والے سارے لفظ بولتے ہو نہیں کہتے تو تم آئی لو یو نہیں کہتے۔وہ فون پر اب شدت سے رو رہی تھی۔

لوکیشن سینڈ کرو مجھے!!زاران نے اپنی پچھلی گردن رب کرتے ہوے بمشکل کہا۔

نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں کروں گی۔ڈھونڈتے رہو مجھے آج رات تم سڑکوں پر!!آج اپنی ویڈنگ نایٹ منانے کا سوچ رہے تھے۔اب تم ساری رات سڑکوں پر ڈرائیو کرو گے مجھے ڈھونڈ نہیں سکو گے۔ابرش نے اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوے اب سپاٹ لہجے میں کہا

ویڈنگ نایٹ منانے کا سوچ رہا تھا مگر کس کے ساتھ؟!زاران فون پر غیض و غضب سے دھاڑا۔

اس ستارہ خان کے ساتھ جس کے ساتھ آج تم نکاح کرنے آئے تھے ۔۔ابرش زاران سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخی تھی۔

ستارہ خان کے ساتھ میرا نکاح نہیں تھا آج۔۔زاران نے جھنجھلا کر دانت پیستے ہوے جواب دیتے اپنی گاڑی ایک سڑک پر ڈالی تھی۔جہاں اسے لگ رہا تھا ابرش ہو سکتی ہے۔۔اس کے گارڈز بھی اس وقت اس کے ساتھ نہیں تھے۔ورنہ وہ انھیں فون کر ڈالتا۔زاران کے ہاتھ پیر اس وقت پھول رہے تھے۔وہ کیا کرے اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا؟؟

ابرش کہاں ہو تم؟؟لوکیشن سینڈ کرو مجھے۔۔زاران سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے گہرے سانس لیتے ایک بار پھر سے غیض و غضب سے دھاڑا تھا۔

نہیں کروں گی میں تمھیں لوکیشن سینڈ!!بہت محبت کرتی ہوں تم سے!!خود سے کہیں زیادہ کرتی ہوں تم سے محبت۔۔اپنے ہر رشتے سے زیادہ تم سے

محبت کرتی ہوں۔ تم سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتی۔ نہ کبھی کر سکتی ہوں۔ تمھاری خاطر جان دے سکتی ہوں۔ مگر تم میرے علاوہ کسی اور میں سکون ڈھونڈو کسی اور عورت کے قریب جاؤ۔ یہ برداشت نہیں کر سکتی میں۔۔ ابرش نے فون پر ہچکولے بھرتے وجود کے ساتھ بولتے ہوئے سٹیرنگ گھماتے ہوئے گاڑی کا ٹرن لیا تو گاڑی ایک پل کے لیے اس کے ہاتھوں سے ڈولی تھی۔ فون پر ابرش کی چیخ بلند ہوئی۔ فون اس کے ہاتھ سے اچھلتا اس کے قدموں میں گرا تھا۔ ابرش گاڑی روکتے گہرے سانس لے رہی تھی۔ سوات کی سڑکوں پر رات کے اس ٹایم ڈرائیو کرنا اس کے لیے بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

ابرش!! زاران کی اس سے بھی زیادہ بلند آواز میں چیخ برامد ہوئی تھی ۔۔ دوسری طرف فون پر مکمل خاموشی چھائی تھی۔

زاران ایک جھٹکے سے اپنی گاڑی روک چکا تھا۔اس کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔۔۔پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔ابرش!!زاران فون پر اپنے کپکپاتے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے حلق کے بل چیخا تھا۔

ابرش میری جان!!زاران کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے تھے۔آواز حلق میں گھٹی تھی۔۔پہلی بار زندگی میں ایسا لمحہ آیا تھا۔اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔اس عورت کو کھونے کا خوف جیسے اس کے رگوں وپہ میں اترا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتا فون کان سے لگائے ہوے تھا۔

ابرش نے اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے اپنے قدموں سے فون اٹھاتے ہوے کان سے لگایا۔

تمھیں مارنے سے پہلے مجھے کچھ نہیں ہو سکتا مسٹر خانزادہ۔ پہلے ابرش پاشا بے حد ہینڈسم جان لیوہ پرسنیلٹی رکھنے والے اپنے مسٹر خانزادہ کی اس کی بھری جوانی میں جان لے گی۔ جو جوانی اس سے سنبھل نہیں رہی پھر خود کو موت کے گھاٹ اتارے گی۔ یاد رکھنا مسٹر خانزادہ۔۔ وہ فون کان سے لگائے سرد سپاٹ لہجے میں غراتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کر چکی تھی۔۔

زاران نے اس کی آواز سنتے گہرے سانس لیتے جبڑے بھینچتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔ یہ تو طے تھا آج وہ اس عورت کے بخیے ادھیڑنے کا آرادہ رکھتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ اسے مل جاتی۔ وہ اس کے گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

تمھیں ڈھونڈلوں گا ابرش! میں اس کے بعد میں تمھارا کیا حال کروں گا تمھاری سوچ ہے۔ اس لیے تم چاہتی ہو تمھیں آج کی رات میں تکلیف کم

دوں۔ مجھے لوکیشن سینڈ کرو۔ زارن نے طیش والم میں گرجتے ہوے دھمکی دیتے بمشکل خود پر قابو پایا۔

تم تھکتے نہیں ہو بار بار ایک ہی ڈائیلاگ بول کر!!لوکیشن سینڈ کرو!لوکیشن سینڈ کرو!! نہیں کروں گی جو کرنا ہے کرلو۔۔ جس رات کو حسین بنانے کے لیے تم یہاں ستارہ خان سے نکاح کرنے آئے تھے۔ آج وہی رات تمھاری خواری میں گزرے گی۔ بھول جاؤ گے کسی اور عورت کے قریب جانا بھی۔ اتنا گھماؤں گی تمھیں آج سوات کی سڑکوں پر مسٹر خانزادہ!!ابرش نے روتے ہوے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا۔

ستارہ خان کے ساتھ میرا نکاح نہیں تھا۔ میرے دوست روہاب ملک کا ہے ۔۔زاران طیش والم میں پاگل ہوتے چیخا

جھوٹ بول رہے ہو تم۔ بلکل جھوٹ بول رہے ہو۔ تمھارا دل مجھ سے بھر گیا ہے۔ میں جانتی ہوں تم اس شادی سے تنگ آ گئے ہو!! میں صرف تمھاری غیرت ہوں اس لیے مجھے چھوڑتے نہیں!! تم نے ہی کہا تھا نہ کہ تم دوسرا نکاح فرض کرنے کا قانون پاس کرواؤ گے۔ اور سب سے پہلے تم نکاح کرو گے۔ تم نے ہی درخزئی کو مشورہ دیا تھا کہ ایک کو ادھر رکھ دوسری کو اسلام آباد میں۔ یہی کرنا چاہتے تھے تم ستارہ کو اسلام آباد رکھنا چاہتے تھے اور مجھے سوات میں۔ اسلام آباد میں ستارہ کے ساتھ عیاشی کرتے اور سوات میں میرے ساتھ مسٹر خانزادہ!! ابرش بھڑ بھڑ جلتے ہوئے غرائی تھی

افففف!! زاران نے ابرش کی باتوں پر اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیے۔۔

کچھ دن تمھیں اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ کچھ دن !!اس میں بھی تم میرے ساتھ زبردستی کرتے رہے۔ مگر تمھارے اندر کی آگ کیسے مٹ سکتی ہے آخر؟؟جب تک رات دن تم جیسے خانزادے کے پاس عورت نہ ہو۔ اس لیے اسلام آباد میں ستارہ سے نکاح کر کے اسے رکھنے کا آرادہ تھا۔ تاکہ میں قریب نہ آؤں تم اس ستارہ سے اپنے جسم کی گرمی مٹاتے رہو۔

کیا نکاح اس لیے کیا جاتا ہے تمھارے نزدیک؟؟۔ زاران نے گرجتے ہوے ایک خالی کھلی سڑک پر اپنی گاڑی کا ٹرن لیا۔ ابرش تنگ سڑکوں پر ڈرائیو نہیں کر سکتی تھی اسے یقین تھا وہ کسی کشادہ سڑک پر ہو گی اس کی گاڑی۔۔

ہاں اسی لیے کیا جاتا ہے نکاح!!اگر نہیں بھی کیا جاتا تو بتاؤ مجھے مسٹر خانزادہ دوسرا نکاح مرد کیوں کرتا ہے؟؟۔ کیا تمھیں میں اپنا جسم نہیں دے رہی

تھی؟؟کل کو تمھیں بچہ بھی دے دیتی!!پھر کیوں کر رہے تھے تم نکاح اس ستارہ خان سے؟!کیا ہے اس میں؟؟جو مجھ میں نہیں ہے۔بتاؤ مجھے اس کے پاس ایسا کیا ایکسٹرا ہے جو میرے پاس نہیں ہے؟؟۔۔ابرش نے ہذیانی چیختے ہوے سوال کیا۔

سکون نہیں ہے تمھارے پاس سمجھی تم!!نہیں ہے سکون تم جیسی عورت کے پاس۔ترس گیا ہوں میں سکون کے لیے۔

زاران اب جھنجھلاتے ہوے چیخا۔

زاران کی بات پر ابرش کے آنسوؤں میں آضافہ ہوا تھا۔

سکون نہیں ہے میرے پاس تمھارے لیے۔ابرش اس کے لفظ بھیگے لہجے میں استھزائیہ ہنسی تھی

یہی بات میں کہوں تمھارے لیے!! مجھے بھی سکون نہیں ہے تمھارے پاس اس لیے میں بھی کسی دوسرے مرد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بکواس بند کرو اپنی تم!! اگر کسی مرد کا نام بھی اپنے لبوں سے نکالا!! ورنہ قسم کھاتا ہوں خدا کی!! تمھارے وجود کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ گنتی نہیں کر سکو گی۔۔ قیمہ کر دوں گا تمھارے بلڈی سک ووومین!! وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا اس کی دھاڑ سے گاڑی لرز اٹھی تھی۔ فون پر موجود ابرش بھی بری طرح کانپی تھی۔ ابرش کو اپنے کان کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے تھے۔

مم۔۔۔ میں۔۔ تمھیں۔۔۔ احساس

۔۔ دلا۔۔ رہی۔۔ تھی۔۔ تت۔۔ جس۔۔ طرح۔۔ تم۔۔۔ مجھ۔۔ پر۔۔۔

۔ کسی۔۔۔ غیر۔۔۔ کی۔ پرچھائی۔۔ برداشت

۔۔ نہیں۔۔ کر۔۔ سکتے۔۔ اس۔۔ طرح۔۔۔ مجھے۔۔ بھی۔۔ اتنی۔۔ ہی۔۔

تکلیف۔۔ہوتی۔۔جس۔۔طرح۔۔تم۔۔پلوشہ۔۔سے۔۔باتیں۔۔کر۔

۔رہے۔۔تھے

۔اس۔۔سے۔۔کافی۔۔بنانے۔۔کا۔۔کہا۔تم۔۔۔اچھی۔۔طرح۔۔۔جا

نتے۔۔ہو۔۔وہ۔۔۔تمھیں۔۔۔مجھ۔۔سے۔۔۔چھینا

۔۔۔چاہتی۔۔ہے۔۔اب۔۔۔تم۔۔ستارہ۔۔خان۔۔سے۔۔نکاح۔۔کر

۔۔رہے۔۔ہو۔۔میرا۔۔وجود۔۔ٹکڑے۔۔ٹکڑے۔۔۔ہو۔۔رہا۔۔

ہے۔۔مم۔۔جان۔۔سے۔۔مار۔۔ڈالوں۔۔گی۔۔۔اس۔۔۔ستارہ۔۔

خان۔۔کو۔۔تم۔۔غلطی۔۔سے۔۔بھی۔۔اس

۔۔کے۔۔قریب۔۔گئے۔۔تمھیں۔۔جو۔۔چاہیے۔۔وہ۔۔ابرش۔۔پا

شا۔۔دے۔۔گی۔۔مگر۔۔تم۔۔کسی۔۔دوسری۔۔عورت۔۔کی۔۔خو

شبو۔۔تک۔۔بھی۔۔رسائی۔۔حاصل۔۔۔

نہیں۔۔ کر۔۔ سکتے۔۔ یہ۔۔ لکھا۔۔ جا۔۔ چکا۔۔ ہے۔۔ آسمانوں۔۔ پر۔۔

تم۔ اس۔ دنیا۔۔ میں۔۔ بھی۔۔ میرے۔۔ ہو۔۔ اور

۔۔ اس۔۔ دنیا۔۔ میں۔۔۔ بھی۔۔ میرے

۔۔ جہاں۔۔ تھوڑی۔۔ دیر۔۔ تک۔۔ میں۔۔ تمھیں۔۔ پہنچا۔۔ دوں۔۔

گی۔۔ ابرش ٹوٹے لفظوں سے لرزتے لبوں سے بولی۔

زاران جو اس کی بات کے زیر اثر اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہو نہیں رہا تھا۔ اس کے مظبوط ہاتھ کی نیلی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ پیشانی اور گردن کی نیلی رگیں ظاہر ہوتی اس کا شریانوں میں دوڑتا خون بھڑکائے ہوے تھی۔۔

بکواس بند کرو اپنی تم!!لوکیشن سینڈ کرو!!ورنہ آج سچ میں تمھیں میں ان پہاڑوں سے گاڑی سمیت گرا دوں گا۔ بلڈی سک وومین۔۔ وہ غرایا تھا۔

ابرش نے اس کی غراہٹ فون پر سنتے روتے ہوے سر نفی میں ہلایا۔

اور کیا کہہ رہی تھی تم مجھے میرا حق دیتی ہو؟؟ دیتی ہو کیا؟؟ دو مہینے سے میرا ظبط ازمارہی ہو۔ اپنی ضرورت کہاں سے پوری کروں میں آخر بتاؤ مجھے؟!

زاران سٹیرنگ مکہ مارتے ہوے غرایا۔

ٹھیک کہہ رہی ہو تم!! مرد نکاح اپنے جسم کی پیاس بجھانے کے لیے کرتا ہے۔ میں نے بھی نکاح اس لیے کیا تھا۔ جب مجھے میرا حق نہیں دو گی تو دیوار میں سر ٹکراؤں گا میں کیا؟؟ رہو گی اب تم سوات میں!! جہاں تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔ نہ دینا مجھے میرا حق۔ سنبھال کر رکھو اپنا خوبصورت جسم! جب ایک شوہر کے کام نہ آسکے۔ کیا فائدہ تمھارے خوبصورت بدن کا۔ وہ طیش والم سے غصے سے بولا۔

اور اب میں کسی اور عورت سے نکاح کروں۔اس سے اپنا حق لوں تمھیں کیا بے بی؟!تم تو مجھے اس ستارہ خان سے شادی کرنے کی آجازت دے چکی ہو۔اب کس بات کا درد اٹھ رہا ہے تمھیں؟؟زاران اپنا ٹیمپل لوز کرتے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے گرجا۔

ابرش کی گاڑی اس کشادہ سڑک پر بھی نظر نہیں آئی تھی۔

اب خاموش کیوں ہو جواب دو مجھے؟!ابرش کی خاموشی پر وہ پاگل ہوتا چیخا تھا۔

ابرش نے اپنے کپکپاتے ہاتھ میں پکڑے موبایل پر گرفت مظبوط کرتے اپنا نچلا لب بے دردی سے دانتوں تلے دبائے اپنی پر سوز ہچکی روکی تھی۔

کرو بکواس خاموش کیوں ہو اب؟! ابرش کی مسلسل خموشی پر وہ بری طرح جھنجھلاتے ہوے چیخا تھا۔

ابرش کی باتوں نے اسے اتنے طیش میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ جتنا اب اسے اس کی خاموشی کر رہی تھی۔ وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ کہیں فون بند نہ کر دے۔ وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ لائن پر تھی اسے حوصلہ تھا۔ اگر فون بند ہو جاتا پانچ منٹ اسے ابرش کی خیریت کا پتہ نہ چلتا تو یقیناً وہ اپنی گاڑی خود کسی پہاڑ سے ٹکرا دیتا۔ اس کی بیوی رات کے اس پہر سجی سنوری سوات کی سڑکوں پر تھی۔ وہ جیسے پاگل ہو رہا تھا۔

زاران نے فون کان سے ہٹائے دیکھا کال چل رہی تھی۔

کیا پوچھ رہا ہوں میں خاموش کیوں ہو اب!؟ زاران سٹیرنگ پر مکہ مارتے جھنجھلایا۔

ابرش۔۔۔اس کی مسلسل خاموشی پر زاران نے تڑپتے ہوے اسے پکارا۔

ابرش میں غصے میں کہہ رہا تھا۔یہ سب میرا یقین مانو میرا ستارہ خان کے ساتھ نکاح نہیں تھا۔خدا کی قسم لے لو مجھ سے ستارہ کیا میں دنیا کی کسی عورت سے نکاح کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔زاران نے گہرا سانس لیتے وضاحت دی۔

سب ختم ہو گیا زاران!!تم نے سب ختم کر دیا۔ابرش نے گہرے سانس بھرتے اپنے آنسو صاف کیے۔

کیا مطلب ابرش؟؟اس کے زاران پکارنے پر زاران پریشان ہوا تھا۔وہ اسے زاران بہت کم کہتی تھی۔اس کا برفیلہ سپاٹ لہجے وہ بری طرح پریشان ہوا

مطلب یہ تم ستارہ خان سے سچ میں نکاح کر رہے تھے۔ وہ زیر لب خود سے بولتے ہوئے ایکسلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھا گئی۔

تم اس بلڈی سک وومین کو پہاڑ کی کھائی سے گرانا چاہتے تھے۔ اب تمھارے خود تک پہنچنے سے پہلے اپنی گاڑی کو کھائی سے نیچے گرانے والی ہوں۔۔ میرے ہوتے ہوئے بھی تم کسی دوسری عورت کو دیکھو گے بھی میں مر جاؤں گی۔ روز روز مرنے سے اچھا ہے۔ میں سامنے نظر آتی کھائی میں اپنی گاڑی گرا دوں۔ ابرش برفیلے لہجے میں بولتے زاران کا خون جیسے رگوں میں منجمند کر چکی تھی۔

ابرش تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ جان لے لوں گا تمھاری۔ وہ پاگل ہوتا غرایا۔

ایسا ہی کروں گی تم دیکھتے جاؤ مسٹر خانزادہ۔۔ وہ فون بند کرتے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھا گئی۔۔

ابرش۔۔۔زاران طیش والم سے چیختے ہوے پاگل ہوا۔

ابرش تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔پاگلوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔دوسری طرف سے لاین کاٹ دی گئی تھی مگر وہ فون پر مسلسل چیخ رہا تھا۔

زاران نے اپنی گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ایک سڑک پر ٹرن لیا۔

اسے ابرش کی گاڑی نظر آئی تھی۔

زارن نے بے یقینی سے ابرش کی گاڑی کو دیکھا۔جو فل سپیڈ میں آگے بڑھ رہی تھی۔سڑک کشادہ تھی۔۔

زاران فل سپیڈ میں گاڑی بڑھاتے ابرش کی گاڑی کے قریب اپنی گاڑی لے آیا تھا۔

ابرش نے روتے ہوے اپنی دائیں سائیڈ سے آتی گاڑی کو دیکھا۔۔

زاران!!ابرش نے اپنی سایئڈ کے شیشے سے اسے دیکھتے روتے ہوے بٹن پریس کیے اپنی طرف شیشہ نیچے کیا

۔زاران نے بھی ساتھ والی سیٹ کی سائیڈ کا شیشہ نیچے کیا تھا۔

ابرش گاڑی روکو!!زاران اس کے ساتھ اپنی گاڑی آگے بڑھاتے ہوے چیخا۔

نہیں روکوں گی مسٹر خانزادہ۔۔جاؤ کر لو اس ستارہ خان سے نکاح۔ مگر یہ یاد رکھنا میرے مرنے پر ہی تمھارا نکاح ہو گا۔۔ابرش نے چیختے ہوے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

ابرش گاڑی روکو ورنہ جان لے لوں گا تمھاری پاگل عورت۔۔زاران اس کی طرف دیکھتے دھاڑا تھا۔

میں پاگل بلڈی سک وومین ہوں تو کیوں آئے ہو میرے پیچھے! جاؤ اس ستارہ خان اور پلوشہ کے پیچھے مسٹر خانزادہ!! وہ بدصورت لڑکیاں ہی تمہارے قابل ہیں۔یاد رکھنا تمھیں ہر لڑکی سے سب کچھ مل سکتا ہے۔مگر میری جیسی محبت تم سے کوئی نہیں کر سکتا۔ابرش نے زاران کی طرف دیکھتے ہذیانی چیختے ہوے کہا۔مگر گاڑی کی سپیڈ کم نہیں کی تھی۔

مجھے تمھاری جیسی محبت چاہیے بھی نہیں!! یہ محبت نہیں گلے کا پھندہ ہے جو تم میرے گلے میں لٹا چکی ہو۔وہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوے غرایا تھا۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا اپنی جذباتی بیوقوف بیوی کی جان لے لے۔

پھندہ ہے تمھارے لیے میری محبت!!ابرش ونڈ سکرین پر نظریں جمائے روتے ہوے بولی۔

ہاں پھندہ ہے تمھاری محبت تمھاری قربت!! تمھارا سب کچھ!!پاس آؤں تو دور دھکیلتی ہو۔نہ آؤں تو تب مزید تڑپتی ہو۔خود ہی کہتی ہو جاؤ کر لو دوسری عورت سے نکاح۔۔اور جب کسی عورت سے بات کرتے دیکھتی ہو تو اور جلتی ہو۔پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے۔آج ہم دونوں بچ گئے تو عنقریب میں پاگل خانے میں بیٹھا ہوں گا مجھے یقین ہے۔اسی لیے دونوں مل کر اس پہاڑی سے اپنی اپنی گاڑی گراتے ہیں۔۔زاران دانت پیستے ہوے ابرش کو دیکھتے غرایا۔

اوکے مسٹر خانزادہ!!ایسا ہی کروں گی۔آج اس پہاڑ سے اپنی گاڑی گراتے خود کی جان لوں گی۔ابرش روتے ہوے چیخی۔

گرادو اپنی گاڑی جان چھوڑ دو میری!!اچھی بات ہے میری تم جیسی جاہل عورت سے جان چھوٹ جائے گی۔زاران بھی طیش والم میں سوات کی سڑک پر چیخا تھا۔

ابرش نے اس کی باتوں پر روتے ہوے سپیڈ بڑھائی تو گاڑی سپیڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے اچھلی تھی۔ابرش خوف سے چیخ اٹھ تھی

ابرش!!زاران اس کی گاڑی ڈگمگاتے دیکھ کر اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخا تھا۔

ابرش نے سٹیرنگ سنبھالتے ہوے اس پر کنٹرول کیا۔

وہ روتے ہوے ابھی بھی گاڑی چلا رہی تھی مگر سپیڈ کم ہوئی تھی۔

زاران نے بھی اپنی گاڑی کی سپیڈ کم کی تھی۔ وہ لوگ کشادہ سڑک پر تھے جہاں دونوں اطراف میں پہاڑ تھے۔ دو گاڑیاں آسانی سے ایک ساتھ گزر سکتی تھیں۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے !! جان ہو تم میری! مر سکتا ہوں کسی دوسری عورت کے پاس جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ زاران نے اس کی طرف سرخ بھیگی آنکھوں سے دیکھتے گہرے سانس لیتے کہا۔

نہیں کرتے تم محبت تم مجھ سے !! کرتے تو اس ستارہ سے نکاح نہ کرنے آتے۔ اس پلوشہ سے بات نہ کرتے۔ اسے کافی بنانے کا نہ کہتے۔۔ تمھاری زندگی میں ہر دوسری عورت امپورٹنس رکھتی ہے۔ تمھارا ہر رشتہ !! مگر ابرش پاشا نہیں رکھتی۔۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے ہچکی لی تھی۔

تم کہو گی تو کسی دوسری عورت کی طرف نہیں دیکھوں گا۔ خدا قسم اپنی آنکھیں بند کر لوں گا جہاں وہ پلوشہ نظر آئی۔ بلکہ دنیا کی کوئی عورت بھی نظر آئی۔ تم بے شک اپنے مسٹر خانزادہ کی آنکھوں پر پٹی باندھ لینا۔ زاران اسے دیکھتے نم آواز میں بولا۔

جھوٹ بول رہے ہو!! جھوٹے ہو تم منسٹر! ایک ایک لفظ جھوٹا!! میری گاڑی رکوا کر وہی سلوک کرو گے۔ بلڈی سک حویلی کے خانزادوں کی طرح مجھے گھسیٹتے ہوئے لے کر جاؤ گے اور اسی کمرے میں قید کر دو گے۔ جہاں تمھارے بغیر میری سانسیں گھٹتی ہیں۔ ابرش نے ہچکی لیتے اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کیے۔

ٹھیک ہے کو دو ابرش!! اس گاڑی سمیت اچھی بات ھے۔ میں تمھارے مرنے کے بعد آج اور ابھی اس ستارہ سے نکاح کروں گد۔ بلکہ پلوشہ سے

بھی۔ایک کو رکھوں گا سوات میں دوسری کو اسلام آباد میں۔خوب عیاشی بھی کروں گا۔اچھا ہے تم مر جاؤ۔زاران جھنجھلاتے ہوے چیخا تھا۔وہ گاڑی روک ہی نہیں رہی تھی۔سامنے کھائی نظر آنا شروع ہو چکی تھی اور زاران کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

تمھیں جان سے مار ڈالوں گی مسٹر خانزادہ۔تم نے کسی عورت کی طرف دیکھا بھی!!ابرش پاگل ہوتی. حلق کے بل غرائی۔

اس نے اسی لمحے بریک پر پاؤں پر رکھتے گاڑی روکنے کی کوشش کی۔

ابرش نے بریک پر پاؤں رکھا تھا مگر گاڑی کی سپیڈ تیز ہونے کی وجہ سے وہ پھسلتی ہوئی سامنے نظر آتی کھائی کی طرف بڑھی تھی۔ ابرش سٹیرنگ چھوڑتے خوف سے چیخی

ابرش!!ہینڈ بریک کھینچو۔۔زاران حلق کے بل چیخا تھا۔

ابرش نے زاران کی بات سنتے ہینڈ بریک کھینچی۔ مگر گاڑی پھسلتے ہوے کھائی کی طرف بڑھی تھی۔۔۔

ابرش!!زاران اپنی گاڑی روکتے دلخراش آواز میں اسے پکارتے خوف سے چیخ اٹھا۔

ابرش کی گاڑی کھائی کی طرف اس طرح اس طرح رکی تھی کہ اس کی گاڑی کے اگلے دونوں آدھے ٹایر کھائی کی سڑک پر رک گئے تھے۔۔ سامنے ہی

بہت بڑا گھنا درخت تھا۔ جس کی وجہ سے گاڑی کو تھوڑی سی سپورٹ بھی تھی۔

ابرش چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے مسلسل چیخ رہی تھی۔

زاران اپنی گاڑی سے نکلتے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر پھینکتے ہوے بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔

ابرش نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے سامنے دیکھا۔۔ گہری کھائی کو دیکھتے وہ خوف زدہ ہوتے چیخ رہی تھی۔ گاڑی کو شاید درخت کی سپورٹ تھی بچت تھی۔ ورنہ گاڑی مسلسل ڈول رہی تھی۔

زاران نے اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔۔ جو کہ اندر سے بند تھا۔ اس کے دروازہ کھولنے پر گاڑی بری طرح

لرزی تھی۔ ابرش خوف سے مسلسل چیخ رہی تھی۔ زاران کا پورا وجود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ زاران نے اس کی سائیڈ سے ادھ کھلے شیشے سے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے دروازے کا لاک کھولنے کی کوشش کی جو جام ہو چکا تھا۔۔ گاڑی مزید تھرتھرائی تھی۔ ابرش مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس کی گاڑی کا شیشہ ادھا کھلا تھا۔ ورنہ شاید وہ اسے کھڑکی سے ہی نکال لیتا۔

ابرش کام ڈاؤن میری جان!! کچھ نہیں ہو گا تمھیں میں بچالوں گا۔۔ زاران گہرے سانس لیتے اسے دیکھتے بولا تھا۔

ابرش نے خوف سے زاران کی طرف دیکھا گاڑی مسلسل ہل رہی تھی۔۔

زاران تیزی سے دوسری سائیڈ کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتا دروازہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔ ابرش دروازے لاک کر چکی تھی۔

لاک کھولو۔۔زاران نے اسے بند شیشے سے دیکھتے اشارہ کیا تھا۔

ابرش نے روتے ہوے نفی میں سر ہلایا تھا۔

ابرش!!زاران اس کے نفی میں سر ہلانے پر پریشان ہوا تھا۔

وہ تیزی سے اس کی سائڈ کی طرف آیا۔

زاران جاؤ یہاں سے!!اس گاڑی نے ذرا بھی موو کیا یہ کھائی میں جا گرے گی۔تت تم اندر نہیں آسکتے۔جاؤ یہاں سے۔۔۔ تمھیں مرتے ہوے نہیں دیکھ سکوں گی۔ابرش نے روتے ہوے زاران کو دیکھتے ہچکی لی۔۔ گاڑی مسلسل ہل رہی تھی۔

تمھارے بغیر مجھے یہ زندگی نہیں قبول ابرش!!تم نہیں تو تمہارا مسٹر خانزادہ نہیں۔۔۔مریں گے تو اکٹھے مریں گے۔

لاک کھولو۔۔زاران نے اسے بھیگی نگاہوں سے ادیکھتے بولا تھا۔

نہیں کھولوں گی مسٹر خانزادہ!ابرش مسلسل سر نفی میں ہلاتے ہوے روتے ہوے بولی۔

کھول لو تمھارے مرنے کے بعد دوسرا نکاح کرلوں گا میں۔زاران اسے دیکھتے رو دیا تھا۔ابرش روتے ہوے ہچکی لیتے گاڑی کا شیشہ مکمل اوپر کر گئی تھی۔

زاران کی جان لبوں پر سجی تھی۔۔۔گاڑی مسلسل ہل رہی تھی۔زاران بھاگتے ہوے دوسڑی سائیڈ کی طرف بڑھتے دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔جس کی وجہ سے گاڑی مزید ڈول رہی تھی۔

ابرش خدا کا واسطہ ہے دروازہ کھولو۔۔ زاران نے اا التجائیہ لہجے میں بولتے بولتے اپنی بھیگی آنکھیں بازو سے رگڑی تھیں۔

ابرش زاران کو روتے ہوے دیکھتے اپنا چہرہ موڑ گئی تھی۔ وہ کسی صورت زاران کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

بہت ضدی ہو تم !! آج تم بچ گئی تو قسم سے جان لے لوں گا تمھاری۔ زاران نے بھیگے لہجے میں بولتے گاڑی کے دروازے پر مکہ مارتے ہوے کھولنے کی کوشش کی۔ گاڑی تھر تھرانے لگی تھی۔۔ اب گاڑی کو صرف گھنے درخت کی سپورٹ تھی جس کا تنا بہت مضبوط تھا مگر اب وہ تنا بھی جیسے لرز رہا تھا۔

زاران نے پوری قوت لگاتے ہوے دروازے کے لاک پر ہاتھ ڈالتے کھولنے کی کوشش کی جو اسی لمحگ کھل گیا تھا۔

زاران گہرے سانس لیتے بے یقین ھمو وا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔۔ گاڑی اب شدید لرز رہی تھی۔

زاران تم باہر جاؤ کیا کر رہے ہو تم!! ابرش روتے ہوے چیخی تھی۔۔

تمھیں نہیں چھوڑ سکتا مر سکتا ہوں۔ اپنی بلڈی سک وومین کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ لیا تمھارے بغیر دیکھ کر۔۔ سات ماہ نہ میں زندوں میں تھا مردوں میں تھا۔ تمھارے بغیر زندہ لاش بن جاؤں گا۔ زاران بھاری بھیگی آواز میں بولتے ابرش کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ گاڑی بری طرح لرزتے ہوے مزید کھائی کی طرف کھسکی۔۔ ابرش کی چیخیں گونجنے لگی تھیں۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اسے اپنی طرف کھینچتے اپنی طرف سے نکلا تھا۔ وہ دونوں کھائی کے کنارے پتھریلی زمین پر آ

کر گرتے ایک دوسرے پر رول ہوے تھے۔۔ گاڑی پھسلتی ہوئی کھائی میں گری تھی۔

ابرش خوف سے چیختے ہوے زاران کے کشادہ سینے میں مناچھپا گئی تھی۔

زاران گہری سانس لیتے آنکھیں موندے اسے اپنے کشادہ سینے میں چھپا گیا تھا۔

زاران کا پورا وجود پسینے میں بھیگا تھا۔ چہرہ پسینے سے تر تھا۔ سفید شرٹ بھی پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

ابرش تھر تھر کانپتے ہوے اس کے سینے میں منہ چھپائے ہوے تھی۔۔

وہ دونوں کافی دیر تک آنکھیں موندے ایک دوسرے سے لپٹے ہوے ایک دوسرے کی دھڑکنیں سن رہے تھے۔ دونوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے

کے سینے میں شدت سے بج رہی تھیں۔ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔

خوف اور ٹھنڈی برفیلی ہواؤں پر ابرش کا وجود زاران کے مضبوط حصار میں ابھی تک لرز رہا تھا۔

زاران خانزادہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے اس کی کے بالوں کو گدی سے دبوچتے اس کا چہرہ اٹھاتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔

دوسری شادی کرنے جا رہے تھے تم!! ابرش نے اس کی سرخ آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

مر سکتا ہوں مگر دوسری عورت کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بھاری آواز میں بولا تھا۔

کیوں؟؟ابرش نے بھیگے لہجے میں اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

کیونکہ میں اس عورت سے شدید محبت کرتا ہوں۔یہ عورت میری روح میں بستی ہے۔۔زاران نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے چھوتے گھمبیر آواز میں کہا۔

جھوٹ!!جھوٹ!!منسٹر!!جھوٹ بولتے ہوے تم!ابرش روتے ہوے ہچکی لیتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے غرائی تھی۔۔

کیوں لگتا ہے جھوٹ تمھیں؟؟زاران۔خانزادہ نے نرم لہجے میں استفسار کرتے اس کے عارض سے بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پور سے صاف کیے۔

ایک سال لگا تمھیں یہ بتاتے ہوے۔۔ سات مہینے میرے بغیر رہے۔۔۔ مجھے خود اپنے سے الگ کیا۔ ابرش نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے شکوہ کیا تھا۔

بہت غصہ تھا میرے اندر تمھارے لیے!! تم سے محبت ہی نہیں کرتا تمھیں لے کر شدت پسند بھی بہت ہوں۔ تم نے میری پناہوں سے کتنے بار بھاگنے کی کوشش کی۔۔ تمھارے لگے پوسٹر بہزاد کی حویلی میں آج بھی مجھے سونے نہیں دیتے۔۔ جی کرتا ہے تمھیں آگ لگا دوں یا خود کو۔ تم پر کسی غیر مرد کا سایہ بھی گوارا نہیں۔۔ اتنا شدت پسند ہوں تمھیں لے کر۔۔ وہ اس کے گال پر ہاتھ جمائے سنجیدگی سے بولا۔

ابھی بھی ہے غصہ تمھارے دل میں میرے لیے!! ابرش نے روتے ہوے پوچھا تھا۔۔

بہت غصہ ہے۔ شدید غصہ ہے۔ جو آج تم نے کیا دل کر رہا جان لے لوں تمھاری!! تمھیں اس کھائی سے دھکا دے کر اس ستارہ خان سے نکاح کر لوں۔ زاران اس کے بال دبوچتے غرایا تھا۔

جان لے لوں گی تمھاری منسٹر!! کسی عورت کی طرف ڈیکھا بھی۔۔ ابرش جو ابا اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچتے اپنی طرف کھینچتے غرائی تھی۔

پھر غصہ کیسے ٹھنڈا ہو گا میرا بتاؤ مجھے ؟؟۔۔ وہ اسے غصے سے دیکھتے دہکتے لہجے میں بولا۔۔

جتنا بھی غصہ ہے مجھ پر اتار دو۔ حویلی کے بلڈی سک خانزادوں کی طرح!! اہر وار ہر سزا سہہ لوں گی۔ اگر دوسری عورت کی طرف دیکھا بھی تو مر جاؤں گی مار دوں گی تمھیں میں۔۔ صرف تم مجھے لے کر شدت پسند

نہیں میں بھی ہوں تمھیں لے کر شدت پسند!!ابرش نے اس کی سرخ آنکھوں میں اپنی بھیگی گلابی آنکھیں گاڑھیں۔

تیار رہو آج رات تمھارے بدن کو تار تار کرتے تمھارے پورے بدن پر اپنی حیوانیت کے ایسے نشان چھوڑوں گا۔تم خود کو مرر میں دیکھتے ہوے سو بار سوچو گی۔۔بارود کا گولہ بن کر تمھارے وجود میں اتروں گا تم جل کر راکھ ہو جاؤ گی مگر مجھے سہن نہیں کر پاؤ گی۔وہ غراتے ہوے اس کی کمر پر حصار مضبوط کرتے ہوے رخ پلٹے اسے ٹھنڈی پتھریلی زمین پر کر گیا تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اپنا تمام وزن اس پر ڈالے ہوے تھا۔دونوں ایک دوسرے کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

کیا کہہ رہی تھی تمھیں مجھ سے سکون نہیں ملتا؟!زاران نے برفیلے لہجے میں استفسار کیا۔

تم نے بھی تو کہا تھا۔ ابرش نے جواباً زخمی لہجے میں شکوہ کیا۔

یاد رکھو ایک بات!! آج کے بعد تم زاران خانزادہ کی شدت جنون بن کر رہو گی۔ جس پر زاران خانزادہ کسی کی ایک نظر برداشت نہیں کر سکے گا۔ زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔ ابرش نے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں خوف سے دیکھا جہاں جنونیت اور شدت پسندی تھی۔ا

آج تمھیں بتاؤں گا تمھارا یہ خانزادہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ تمھیں لے کر اتنا کتنا شدت پسند ہے۔ تمھارے لبوں پر mac کی سرخی تو برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر کسی اور مرد کا نام نہیں۔ وہ اس کے لبوں پر جھکتے اس کے ہونٹوں کو اپنے دانتوں میں چبا گیا تھا۔ پتھریلی ٹھنڈی زمین پر اس خانزادہ کا ہیوی ویٹ خود پر برداشت کرتی اس کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت اپنے لبوں پر

برداشت کر رہی تھی۔ وہ اپنا تمام غصہ تمام اشتعال اس کے گلابی ہونٹوں پر

اتار رہا تھا۔ ابرش کی سسکیاں بڑھ رہی تھیں۔ وہ اس کے ہونٹوں پر بے

دردی سے ظلم کر رہا تھا۔ ابرش کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے

موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔۔ وہ اس کی بے جان ہوتی حالت محسوس کرتے

ہوے اس کے ہونٹوں کو آزاد کیے رخ پلٹے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔ وہ اب

روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔ زاران کی شدت پر اس کے نچلے ہونٹ پر

خون کی بوند آن ٹھہری تھی۔

اگر تو کہے تو تیرے نام لکھ دوں

میں اپنے ہزاروں جنم

وہاں اپنی دھڑکن بچھا دوں

جہاں تو میری جان رکھے قدم

زاران اس کے لبوں سے اپنے انگوٹھے سے خون کی بوند چنتے گھمبیر آواز میں

بولا۔

تیری دھڑکنیں ہیں

دھڑکتی ہیں دھڑکے

دل اس میں میرا کیا کرے

تیرا دل ہے گھایل دیوانہ ہے پاگل

جو مرتا ہے مجھ پر مرے

ابرش بھیگے لہجے میں بولتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

تو نہ ملی تو مر

جاؤں گا صنم

جان جائے گی میری

زندگی تو ہے میری

وہ گنگناتے ہوے اس کے نازک وجود کو شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

جھوٹا!!!!وہ ہچکیوں سے روتے ہوے اسے دیکھتے نچلا لب بچوں کی طرح باہر نکالتے اس کے کشادہ سینے میں سمائی تھی۔

قسم کی قسم ہم تیرے ہیں ہم

بات میری مان جھوٹے نہیں ہم

وہ اسے خود کے ساتھ لپٹاتے اس پتھریلی زمین پر اسے پلٹتے ہوئے اس کے سرخ بھیگے لبوں پر پھر سے جھک گیا تھا۔

زاران خانزادہ کی گاڑی اس کے فارم ہاؤس کی طرف فل سپیڈ میں ہچکولے لیتے بڑھ رہی۔

ابرش اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ زاران کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر سرد برفیلے تاثرات تھے۔ وہاں پہاڑوں پر ٹھنڈی برفیلی پتھریلی زمین پر وہ اس پر اپنا مکمل وزن ڈالے کافی دیر تک اس کی سانسوں کو شدت سے پیتا رہا تھا۔ اس کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے اپنی سانسوں کو مہکاتا رہا تھا۔ مگر گاڑی میں وہ پورے راستے خاموش تھا۔ ابرش پورے راستے اس کی سرخ آنکھیں اور سرد برفیلے تاثرات دیکھتے اپنا نچلا زخمی لب

مزید کاٹتے اسے زخمی کرتی آئی تھی۔ ساتھ بیٹھے بے حد جان لیوہ پر سنیلٹی رکھنے والے کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ منسٹر اس کی محبت اس کی قربت اس کی سانسوں کے لیے پاگل ہو جائے۔ جیسے وہ تھی اس منسٹر پر مرتی تھی۔ اس سے شدید محبت کرتی تھی۔ اسے جنونی انداز میں چاہتی تھی۔ ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنا چوکر کو جکڑے زاران خانزادہ کی طرف دیکھا۔ شاید پہاڑوں پر وقتی ابال تھا جو آیا اور چلا گیا۔ وہ جذبات کے دھاروں میں بہہ کر وہ اس کی سانسوں سے شدت سے لپٹے اس پر اپنا جنون شدت پسندی میں اتار چکا تھا۔ اب اس کے چہرے کی طرح اس کے جذبات بھی سرد پڑ چکے تھے۔ وہ صرف اس کے جسم کے ساتھ کھیلنے کے لیے لے اسے فارم ہاؤس لے کر جا رہا تھا۔

ابرش اسے شکوہ کناں زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ابرش کے دیکھنے پر بھی زاران خانزادہ نے اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

ابرش اپنی پرسوز سسکی حلق میں گھوٹتی گہرا سانس لیتے سیٹ سے ٹیک لگا گئی ۔ آنکھیں یکدم جلنے لگی تھیں۔ اسے اس سفاک خانزادہ کو ایسے ہی برداشت کرنا تھا۔ وہ اپنے چوکر کو جکڑے سیٹ سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔ سانسیں سی گھٹ رہی تھیں

۔۔ گاڑی گرم تھی مگر پھر بھی زاران کا برفیلا رویہ اس کے بدن میں کپکپاہٹ دوڑائے ہوے تھا۔ اس گیلی میکسی میں اس کا بدن ارتعاش کی کیفیت لیے ہوے تھا۔ وہ سیٹ پر سر پٹختے ہوے زاران کی خاموشی پر تڑپ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس بے رحم خانزادہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے گھایل کر دیتی تھیں۔ وہ کیوں اتنی شدت سے چاہتی تھی؟؟

گاڑی فارم ہاوس کے بڑے سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو ابرش نے اپنی گلابی آنکھیں کھول کر اس بہت بڑے فارم ہاوس کو دیکھا جس کا لان ہی کئی میلوں پر پھیلا تھا۔

زاران خانزادہ اس کی طرف کوئی بھی نظر ڈالے بغیر اپنی طرف کا دروازہ کھولتے گاڑی سے نکلا۔

رحمان!!زاران خانزادہ گیٹ پر کھڑے اپنے گارڈ کو پکارتے گرجا تھا ۔۔رحمان اس کی گرج پر بھاگتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔زاران اسے ہاتھ کے اشارے سے آپنی طرف آنے سے روک گیا۔رحمان ادھر ہی رک کر زاران کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

زاران نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔۔رحمان اس کا شارہ سمجھتے گیٹ کی طرف بڑھتے گیٹ بند کرتے باہر نکل گیا تھا۔

ابرش گاڑی کی ونڈ سکرین سے زاران خانزادہ کے سرد تاثرات کو دیکھ کر کپکپا رہی تھی۔وہ سرخ برفیلا چہرہ لیے ہوئے انتہا غصے میں تھا۔ابرش کے رگ وپہ میں زاران کا سرخ وسفید چہرہ دیکھتے خوف سا ہر پا ہوا تھا

ابرش نے سسکتے ہوئے اب زاران خانزادہ کو دیکھا جو اب فون کان سے لگائے ہوئے تھا۔چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ حد سرد سپاٹ تھا۔نقوش سرد انداز میں تنے ہوئے تھے۔۔رنگت میں غیض وغضب کی سرخیاں چھلکتی اس کے نقوش کو مغرور اور سفاک بنا رہی تھیں۔

ابرش زاران کے تاثرات کو بغور دیکھتے کپکپاتے ہاتھوں سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتری تھی۔۔اس وقت ہلکی ہلکی برف باری بھی شروع ہو چکی تھی۔ سردی کی شدت میں آضافہ ہو چکا تھا۔وہ سردی اور زاران خانزادہ کے خوف سے بری طرح کانپتے ہوے اسے شبنمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

آج مجھے اپنے فارم ہاؤس میں کوئی نہیں چاہیے۔کوئی ملازم کوئی گارڈ نہیں۔پورا فارم ہاوس خالی چاہیے۔سرونٹ کوارٹز خالی کروادو ابھی اسی وقت!!

وہ فون پر بے حد اونچی آواز میں گرج رہا تھا۔ابرش اس کی گرج پر شدت سے لرز اٹھی تھی۔۔فون پر آگے سے پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا۔زاران آگے سے گالی دیتے ہوے چیخا۔

ابرش نے کانپتے ہوے اب خوف سے سسکی لی۔

زاران نے ابرش کو سرد برفیلی خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوے اپنا فون اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالا تھا۔

زاران!کیوں خالی کروا رہے ہو یہ فارم ہاؤس!!ابرش نے اس کی خون اتری آنکھوں کو دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بمشکل ہی پوچھا تھا۔زاران کے سرد برفیلے تاثرات اس کی ہڈیاں سنسنا چکے تھے۔

تمھاری چیخیں نکلواؤں کا اس فارم ہاوس میں!!جو تم کر چکی ہو تمھیں لگتا ہے تمھیں معافی ملے گی۔وہ ابرش کو دیکھتے غراتے ہوے آگے بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے ہوے اپنے چکراتے وجود کو بمشکل سنبھالا تھا۔تو وہ سب سچ تھا وہ اس کا بدن آج تار تار کرنے یہاں لایا تھا۔وہ

سب کیا تھا جو پہاڑوں پر ہوا؟؟۔ وہ تو اس وقت ایک وحشی خانزادہ لگ رہا تھا۔ جو اس کی غلطی معاف کرنے کا آرادہ نہیں رکھتا تھا۔

اندر چلو جو کچھ ہو گا وہ اب اندر ہو گا۔ زاران خانزادہ نے مڑتے ہوے اس کے دو آتشہ روپ کو خونخوار دیکھتے لفظ چبائے۔

کیا کریں گے آپ مسٹر خانزادہ؟؟ مجھے سزا دیں گے؟؟ میرے بدن کو سچ میں حیوانوں کی طرح نوچیں گے۔ ابرش نے تم سے آپ پر آتے اسے دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔ وہ مقابل سے بہت خوفزدہ ہو چکی تھی۔ ایسے ہی تاثرات تب تھے۔ جب وہ اسے بہزاد کی طرف سے لایا تھا۔ سرد اجنبیت بھرے برفیلے۔۔

وہ ابرش کے سوال پر وہ اس کی طرف ایک ہی جست میں تیزی سے بڑھا تھا۔ ابرش سہمتے ہوے پیچھے ہوئی۔ مگر وہ اس تک پہنچتے اس کا جبڑہ بے رحمی

سے دبوچ گیا۔ ابرش نے بے یقینی سے اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھا۔ وہ پھولتی رگوں کے ساتھ اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا۔ ابرش کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھل گئی۔

تھی۔ زاران کا ایسا رویہ دیکھ کر وہ بہت سختی سے اس کا جبڑہ دبوچے ہوے تھا ۔زاران کی سخت انگلیاں اس کے نازک گالوں میں دھنستی جا رہی تھیں۔

ابرش نے درد سے سسکی بھری۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہاں ؟؟ یو بلڈی سک وومین !! زاران نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ایک ایک لفظ چبایا۔

تم نے جو آج کیا؟! تمھیں لگتا ہے میں تمھیں یہاں پیار کرنے کے لیے لایا ہوں ؟؟ تم آدھی رات کو میری حویلی سے نکل آئی۔ سوات کی سڑکوں پر تن تنہا ڈرائیو کرتے تم اس منسٹر کو دھمکیاں دے رہی تھی ہاں ؟! بتاؤ کیا

کروں تمھیں پیار کروں میں ؟؟ تمھارے خوبصورت جسم کو میں سر سے پیروں تک چوموں میں ؟؟۔ زاران خانزادہ اس کی بھیگی بے یقین خوفزدہ نگاہوں میں دیکھتے خون اشام درندے کی مانند غرایا۔

زا۔۔ زا۔۔۔ زران۔۔ اس کی سخت بے رحم گرفت پر ابرش کے لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوے تھے۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔

آواز کیوں نہیں نکل رہی اب ؟؟ ڈر لگ رہا ہے مجھ سے ہاں ؟؟ جب گاڑی لے کر سوات کی سڑکوں پر نکلی تھی تب ڈر خوف نہیں آیا کہ تمھارے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے ؟؟ اپنی عزت کا خوف بھی نہیں آیا تمھیں ؟؟ زاران اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھتے سختی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی

میکسی کی زپ نیچے کھسکا گیا۔۔ اپنی زپ نیچے کھسکتی محسوس کرتے ابرش کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔

وہ اس کی برہنہ کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے بھرتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ اس کا جبڑہ سختی سے دبوچے ہوے تھا۔ ابرش کی آنکھوں میں سراسیمگی بڑھتی جا رہی تھی۔ زاران خانزادہ کے خوف سے اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ تو ایسے کانپ رہی تھی جیسے ابھی گر جائے گی۔ وہ اس فارم ہاؤس میں اس سفاک انسان کے ساتھ تن تنہا تھی۔ وہ بہت کچھ کر سکتا تھا جو وہ کرنے والا تھا وہ سوچ کر ہی ابرش اتنی سردی میں پسینے میں تر ہو رہی تھی۔

کیوں کانپ رہی ہو میری جان؟؟ مجھ پر گولیاں برسانے نکلی تھی۔ اپنی گاڑی کھائی میں گرا کر خودکشی کرنے لگی تھی۔ اب کیوں اتنا ڈر رہی ہو؟؟ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے بھوکے درندے کی مانند دھاڑا۔

ابرش بے یقینی سے تھر تھر کانپتے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ آواز حلق سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔

بولو جواب دو!! زاران طیش والم سے دھاڑا۔ ابرش اس کی دھاڑ پر بری طرح لرز اٹھی تھی۔ وہ اتنی خوفزدہ ہو چکی تھی۔ خود کو چھڑوا بھی نہیں پا رہی تھی۔

جواب دو مجھے؟؟ زاران غراتے ہوئے اس کا جبڑہ چھوڑتے اس کے دوپٹے کی پنز بے رحمی سے اتارتے ہوئے جھٹکے سے سر سے کھینچتا اتار چکا تھا۔

مم۔۔مجھے۔۔آپ کے۔۔اس۔۔وحشی پن۔۔سے۔۔ڈر۔۔لگ۔۔رہا ہے زا۔۔زا۔۔ران؟؟ابرش نے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل ہی کہا تھا۔

ڈر لگ رہا ہے مجھ سے؟؟واٹ آ جوک؟؟زاران خانزادہ اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے ہوے بلند و بانگ قہقہ لگا گیا۔

اب وہ پاگلوں کی طرح ہنستا جا رہا تھا۔

ابرش اسے بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے سر نفی میں ہلاتے دیکھ رہی تھی۔وہ بہت بے رحمی سے اونچے قہقے لگا رہا تھا۔

The biggest joke of this century is that my beautiful wife is afraid of me

زاران خانزادہ انگلش ایسنٹ میں بولتے پاگلوں کی طرح اب ہنس رہا تھا۔

زا۔۔زا۔۔را۔ن۔۔ آپ۔ ابرش اسے ٹوٹے لفظوں سے پکارتے سر نفی میں ہلاتے بے یقین تھی۔۔وہ کچھ دیر پہلے والا زاران خانزادہ نہیں تھا۔

مسٹر خانزادہ پکارو بے بی!!بغیرت پکارو مائی بیوٹیفل امریکن وایف!زاران خانزادہ برفیلے لہجے میں بولتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔۔

زا۔۔زار۔۔را۔ن۔۔کک کیا کریں گے میرے ساتھ؟؟ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے استفسار کر گئی۔

تمھیں کیا لگتا ہے؟؟۔کیا کروں گا تمھارے ساتھ؟؟وہ سرد برفیلے لہجے میں بولتے ہوے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔ابرش کے بھیگے لب زاران

خانزادہ کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے۔وہ گہرے سانس لیتے شبنمی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔جو اپنی پر تپش سانسیں اس کے نقوش پر چھوڑتے اسے سلگا رہا تھا۔

اس پورے فارم ہاوس کے ہر کمرے میں میرے جسم کے ساتھ کھیلتے میری چیخیں نکلوائیں گے کیا؟!۔ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بھیگے لہجے میں سسکی لی۔

نہیں صرف اس پورے فارم ہاؤس میں ہی نہیں بلکہ اس سومنگ پول کے گہرے پانی میں تم سے اپنی پیاس مٹاتے ہوے بھی تمہاری چیخیں نکلواؤں گا۔

ابرش نے زاران کی بات پر بے یقینی سے دیکھتے اپنے پاس بنے سومنگ پول کے گہرے پانی کو دیکھا تھا

۔سومنگ پول کے گہرے یخ پانی کو دیکھتے اور برفیلی ہواؤں کو محسوس کرتے اس نے خوف سے کانپتے ہوئے جھرجھری لی۔

وہ سوات کے اس پہاڑوں کے مقام پر بنے فارم ہاوس میں بنے گہرے سومنگ پول میں اترنے کی بات کر رہا تھا۔ ابرش کو چکر سا آیا تھا۔ مقابل اتنا بے رحم نہیں ہو سکتا اس کے ساتھ کم سے کم یہ نہیں کر سکتا تھا۔

ابرش نے سر نفی میں ہلاتے حوفزدہ ہوتے زارن کے حصار سے نکلنا چاہا وہ اسے کمر سے جکڑے پول کے گہرے پانی میں جمپ مار گیا۔۔ ابرش کی دلخراش چیخ بلند ہوئی تھی۔

وہ پول کے بے حد گہرے پانی میں اترتے ہوئے اسے کمر سے جکڑے ہوئے تھا۔ ابرش نے گہرے پانی میں آنکھیں کھولتے ہوئے زاران خانزادہ کو دیکھا

جو اسے کمر سے جکڑے خود کے ساتھ لپٹائے ہوے تھا۔ پول بے حد گہرا تھا۔ جہاں تو قدم نہیں جما سکتی تھی۔ اس کی گردن سے بھی اوپر پانی آتا تھا۔

۔ اگر وہ اسے چھوڑتا تو وہ اس گہرے پانی میں دو چار ہاتھ مارتے اپنی سانسیں کھو دیتی۔۔ ابرش نے زاران خانزادہ کی شرٹ جکڑے گہرے سانس لیتے اسے دیکھا۔ وہ پانی کے اندر اسے دیکھتے اس کے لبوں کے ساتھ شدت سے لپٹ پڑا تھا۔ ابرش نے اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچتے ہوے اس ظالم انسان کی شدت کو سہا۔ جو گہرے پانی میں اس کی سانسیں بند کر چکا تھا۔ ابرش اس کے حصار میں اسی لمحے ساکت ہوئی تھی۔ وہ اسے ساکت ہوتا محسوس کرتے اس کے لبوں کو آزاد کرتے پانی کے اوپر آیا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی ٹوٹی بکھری سانسیں بحال کرتے مقابل کو دیکھا جو اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے کانپتے ہوے زاران خانزادہ کو بھیگی بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔اس کے بدن پر شدید لرزہ طاری تھا ۔۔پول کا پانی نیم گرم تھا۔وہ گرم پانی کی حدت محسوس کرتے حیران تھی۔اتنی شدت کی سردی میں پانی کیسے گرم ہو سکتا تھا؟؟زاران کے سرد برفیلے چہرے کو دیکھتے ابرش پر کپکپی طاری تھی۔

کیا ہوا مائی ڈیر بیوٹفل وایف؟؟مجھے سہن کرنے کی طاقت تمھارے پاس تو اچھی خاصی ہے۔آج تمھاری سانسیں کیوں بند ہو رہی ہیں؟!وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کا جبڑہ دبوچے گھمبیر آواز میں بولا۔

ابرش کا بدن اس میکسی میں ابر نیساں کے شفاف قطروں کی طرح چمک رہا تھا۔اس کا دو آتشہ کندن سا مخملی سراپہ اس وقت لہروں کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

ویلوٹ کی سی گرین میکسی کندھوں سے ڈھلکتی جیسے سومنگ کے گہرے پانی میں زمین بوس ہونے کو تیار تھی۔اس کے کندن مہکتے نشیب و فراز کو دیکھتے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں خمار کی سرخی اتری تھی۔سانسوں میں ہلچل مچی تھی۔۔یہ قیامت بدن اس کا تھا صرف اس کا تھا۔زاران خانزادہ کی آنکھوں میں غرور سا چھایا تھا۔وہ اس عورت کے جسم و جاں کا مالک تھا۔ مقابل صرف اس کی تھی۔وہ اس کے بدن کو ہر گہرائی بے باکی سے چھو سکتا تھا۔دیکھ سکتا تھا۔یہ خوبصورتی جوانی خدا اس کا مقدر کر چکا تھا۔وہ اسے استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھتے سومنگ پول کے گہرے پانی مین اپنے ہاتھ سے بے باک شرارت کر گیا۔ابرش نے گلاب کی طرح سرخ ہوتے آنکھیں پھیلائی تھیں۔

تیار ہو میری بانہوں میں اس سومنگ کے گہرے پانی میں میری حوس برداشت کرنے کے لیے ؟؟زاران خانزادہ نے گہرے سانس لیتے اسے دونوں ہاتھوں سے اس کی سائیڈ کمر سے بے حد سختی سے جکڑے اس کی گلابی آنکھوں میں دیکھتے بھاری آواز میں استفسار کیا۔

حو۔۔ حو۔۔ س۔۔۔ ابرش نے زاران خانزادہ کا لفظ دہراتے آنکھیں پھیلائی تھیں۔

ہاں حوس مائی بوٹیفل وائف !!یہی تو کہتی ہو کہ میں تم سے اپنی حوس مٹاتا ہوں۔تو پھر اس سومنگ پول کے گہرے پانی میں حوس مٹانے میں کیا حرج ہے ؟!۔زاران خانزادہ نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے کندھوں سے پھسلتی میکسی نیچے کی تھی۔ابرش نے آنکھوں کے ساتھ منہ بھی کھولتے ہوے اسے پوری قوت سے خود سے دور دھکیل گئی

زاران خانزادہ اس کے اس طرح دور دھکیلنے پر جبڑے بھینچتے ہوئے اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے بہت بری طرح اسے خود سے دور دھکیل گیا۔

زاران کے دور دھکیلنے پر ابرش کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ پانی میں اس کے پاؤں بری طرح پھسلے تھے۔ وہ چیختے ہوئے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے کمر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے اس کے ساتھ شدت سے لپٹی۔

زاران خانزادہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے پھر سے پول کے گہرے پانی میں اترتے ہوئے اس کی سانسوں کے ساتھ لپٹا تھا۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے زاران خانزادہ کی مہکتی سانسوں کو اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کرتی بے حال ہو رہی تھی۔ وہ اس کی سانسوں کو جکڑے اس کے لبوں پر اپنا جنون اتار رہا تھا۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے اس کی شدت سے بحال ہو رہی تھی۔ اس کی شدت ابرش کی سانسیں بند کر رہی تھیں۔ زاران خانزادہ اوپر کو آتے اس کی سانسوں کو آزاد کر چکا تھا۔ ابرش اس کی شرٹ جکڑے اس کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ زاران خانزادہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اپنے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔ ابرش بری طرح چیختے ہوے زاران کی شرٹ اپنی مٹھیوں میں جکڑنے لگی۔ وہ اس کی کمر کو ایک ہاتھ سے جکڑے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوے اپنی اپنی شرٹ کو اپنے جسم سے ازاد کر گیا تھا۔ ابرش گہرے سانس لیتے ہوے اس کے گلے میں اب بانہیں حمائل کر گئی تھی۔۔ وہ اب اس کے سامنے سکس پیک چٹانی سینے کے ساتھ کھڑا تھا۔

تم میرے علاوہ میری کسی چیز پر بھی اپنا حق جتاؤ یہ تمھارے مسٹر خانزادہ کو گوارا نہیں میری جان۔۔ تم میری شرٹ کو بھی چھوؤ مجھے گوارا نہیں۔

وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے ہوے اپنی آنکھیں خطرناک حد تک کھولے زاران کی خمار زدہ سرخ آنکھوں میں الجھن بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کی آنکھوں میں الجھن بے یقینی خوف دیکھتے مبہم سا مسکرایا تھا۔۔

ہے مائی بیوٹیفل امریکن وایف! میں پول کے گہرے پانی میں تم سے اپنی جسم کی آگ تو مٹا سکتا ہوں۔ اپنی ضروت تو اپنی طلب تو پوری کر سکتا ہوں۔ مگر اپنی حوس نہیں پوری کر سکتا۔ تمھیں دیکھ کر اس بدن میں حوس نہیں جگتی ۔حق ملکیت جگتی ہے۔۔ تمھاری طلب جگتی ہے۔۔ میں بہکتے پاگل ہوتے اپنی بھاری ہوتی سانسوں اور جواں جذبوں سے مچلتے ہوے اپنی شدتیں بے

رحمی سے تم پر ڈھا سکتا ہوں مگر تمھیں کبھی سزا نہیں دے سکتا۔ زاران کی باتیں وہ آنکھیں جھپکاتے منہ کھولے ہوے بے یقینی سے سن رہی تھی۔

کیا کبھی بھی تمھارے مسٹر نے اپنا غصہ تمھارے وجود پر اتارا؟؟ کبھی تمھیں اپنی قربت میں ہرٹ کیا؟!۔ زاران خانزادہ نے اس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھتے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے استفسار چاہا تھا۔

ابرش نے زاران خانزادہ کی گرم گہری آنچ دیتی نگاہوں میں دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔۔ وہ ابھی بھی سمجھ نہیں رہی تھی۔ زاران کے کچھ دیر والے رویے پر ابرش کو اپنا دل کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا تھا۔۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

تو میری بے شرم بیوی میں آج اپنا غصہ تمھارے اس قیامت خیز وجود پر کیسے اتار سکتا ہوں؟؟ وہ جھکتے ہوے اس کی گہرائیوں پر اپنے دہکتے لب رکھ

گیا۔۔زاران کے دہکتے لبوں کی گرمایش پر ابرش کے پورے بدن میں سپارک سا پیدا ہوا تھا۔پانی میں وہ بن آب مچھلی کی طرح مچلی تھی۔زاران اس کا مچلنا محسوس کرتے گہرا مسکرایا تھا۔

تت۔۔۔ابھی۔۔۔تم۔۔۔آپ۔۔۔کک۔۔۔کیا۔۔۔کہہ۔۔۔رہے ۔۔۔تھے۔وہ۔سب۔۔کک۔۔کیا۔۔۔تھا۔ابرش نے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا۔

تم پر اشکار کروانا تھا جب ایک خانزادہ اپنی اوقات پر آتا ہے تو اپنی عورت کو کیسے اپنے قابو کر سکتا ہے؟؟۔اور یہ تمھارے لیے ڈیمو تھا مائی بے شرم وایف!!یندہ کسی صورت میں بھی تم نے یوں میری آجازت کے بغیر حویلی سے باہر قدم رکھا میں تمھارے ساتھ کیا کیا سلوک کر سکتا ہوں۔اور میں قسم کھاتا ہوں اب اگر تم نے ایسی کوئی جذباتی حرکت کی تو سچ میں تمھاری

چیخیں اسی پول کے گہرے پانی میں نکلواؤں گا۔ زاران اسے بالوں سے جکڑے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے دھمکی امیز لہجے میں غرایا۔

زاران کی بات پر ابرش کی آنکھوں کے بھیگے پن نے شدت اختیار کی تھی۔

دوسرے لمحے ابرش نے روتے ہوئے پاگلوں کی طرح زاران خانزادہ کے چوڑے سکس پیک چٹانی سینے پر بے دردی سے مکے مارے۔

جان نکال دی تھی تم نے میری مسٹر خانزادہ! میں تمھاری جان لے لوں گی۔ ابرش نے چیختے ہوئے اس کے قریب ہوتے اس کی گردن میں اپنے موتیوں جیسے دانت گاڑھ گئی۔۔ زاران اس کا بے دردوار سہتے ہوئے گہرے پانی میں اترا تھا۔

ابرش پانی کی گہرائی میں اس کے کی گردن میں دانت گاڑھے ہوے تھے۔ وہ اسے ایک ہاتھ سے کمر سے جکڑے سے بہت بے باکی سے چھو رہا تھا۔ ابرش اس کی بے باک شرارتوں پر ہلکان ہوئی تھی۔

سانسیں بند ہونے پر وہ زاران کی گردن سے اپنے دانت ہٹاتے بے بس ہوتے اس کے سینے سے لپٹ گئی۔

زاران اس کی کمر کو جکڑے اوپر آیا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے زاران کی آنکھوں میں اپنی شعلہ بار نگاہیں گاڑھتے اس کی گردن کی طرف دیکھا جہاں دانتوں کی نیلی گھڑی بنی ہوئی تھی۔ زاران اپنی مسکراہٹ دبائے اسے گہری بے باک نگاہوں سے دیکھتے اپنی نظریں اس کے مہکتے کندن نشیب و فراز پر گاڑھ گیا تھا۔ جہاں اس نے شرارت کرتے لو بایٹ چھوڑی تھی۔ دونوں اپنے اپنے دیے جنون خیزی سے بھرپور نشان پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھے۔

تم بھی ایک کان کھول کر سن لو مسٹر خانزادہ!! مجھے کبھی بھی شک ہوا تم نے کسی عورت کو ذرا بھی امپورٹنس دی۔ کسی عورت سے بات بھی کی۔ مجھ سے چھپ کر کام کے سلسلے میں بھی کسی عورت کے ساتھ میٹنگ تک کی۔ میں تمھارے پیچھے ایسے ہی آؤں گی۔ چاہے تم میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو!! وہ اس کی آنکھوں میں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے غرائی تھی۔

ابرش کے جواب پر زاران کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کو سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

زاران خانزادہ اسے کمر سے جکڑے اس کے لبوں سے لپٹے پھر سے پانی میں گم ہوا تھا۔ ابرش اس کے گردن میں بانہیں حمایل کرتے آنکھیں میچ چکی تھی۔

وہ زاران کے گلے میں بانہیں حمایل کرتے ہوے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔

وہ اس کی سانسوں کو توڑتے بکھیرتے ایک سیکنڈ سے پہلے اوپر آیا۔ جانتا تھا اب اس کی خوبصورت نازک بیوی اسے مزید برداشت نہیں کر پائے گی۔ وہ اس کے ساتھ بہت کچھ کر چکا تھا۔

ابرش گہرے پانی میں اترتے اوپر آتے بری طرح ہانپ چکی تھی۔ زاران کے بار بار سانسیں گھوٹنے پر اس کی سانسیں جیسے اکھڑ رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا اب زاران خانزادہ اسے لیے پانی میں اترا تو وہ سانسوں سے جائے گی۔ پانی گرم تھا مگر ٹھنڈی برفیلی ہوائیں اسے بے حال کر رہی تھیں۔ وہ مقابل کی کمر کے گرد اپنی بانہیں حمایل کرتے گہرے سانس لیتے اس کے

سینے سے لپٹے آنکھیں موند گئی تھی۔ زاران اس کی بے حال ہوتی حالت محسوس کرتے اسے اپنے ساتھ شدت سے لپٹا گیا تھا۔

ہے میری بے شرم بیوی!! ابھی سے تھک جاؤ گی مجھے سکون کیسے پہنچاؤ گی۔ زاران نے اسے خود میں بھینچے گھمبیر سرگوشی کرتے ہوئے اس کی کان کی لو پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔

جتنا تم نے مجھے ڈرایا ہے۔ مجھے اس گہرے پانی میں ڈبکیاں لگواتے میری سانسیں بند کی ہیں۔ تمھیں لگتا ہے میں آج تمھارے مطالبے پورے کر سکوں گی؟؟۔ تم کتنے ڈیمانڈنگ ہو تمھیں آچھی طرح پتہ ہے۔ تم جیسے بے شرم ڈیمانگ خانزادے کو صرف ابرش پاشاہی برداشت کر سکتی ہے۔ ابرش اس کے سینے سے لپٹے تھر تھر کانپتے لرزتے لبوں سے بولی تو زاران کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا تھا۔

آج میری ہر ڈیمانڈ پوری کرو گی۔ اور میری بے رحم شدتیں سہتے ہوے بھی تم آف نہیں کرو گی۔ بہت بڑا سرپرایز جو ہے تمہارے لیے۔۔ زاران مسکراتے ہوے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے گود میں اٹھا گیا۔

سرپرائز!! ابرش نے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے کپکپاتے لبوں سے بولتے اس کی آنکھوں میں حیرانگی سے جھانکا تھا۔

ہاں میری خوبصورت اینڈ سیکسی وایف کے لیے بہت بڑا سرپرایز۔ وہ اس کے بھیگے لبوں پر نرمی سے لب رکھتے ہوے پول کی سیڑھیاں چڑھتے باہر آیا

۔

ابرش زاران خانزادہ کی مسکراتی آنکھوں میں حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ مبہم سا مسکراتے ہوے فارم ہاوس کے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اس کے لیے آخر کیا سرپرائز ہو سکتا تھا۔؟؟ وہ بے حد حیران تھی۔ زاران خانزادہ اسے گود میں اٹھائے فارم ہاؤس کا بھاری دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔

ابرش کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔

فارم ہاوس کے اندر گلاب کے پھولوں کی روش بچھی ہوئی تھی۔ جس کے گرد ریڈ اینڈ وایٹ کلر کے غبارے پڑے تھے۔

ابرش منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے گود میں اٹھائے پھولوں کی لمبی روش پر چلتے ہوئے سڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ابرش نے گردن گھماتے ہوئے پورا لاونج دیکھا جہاں کینڈل لائیٹس ہر جگہ جلی ہوئی تھیں۔ پورا فارم ہاؤس گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔

ز۔۔ارا۔۔ن۔۔یہ۔۔کک۔کیا۔۔ہے؟!۔ابرش نے گلاب سے سجے ہوے فارم ہاؤس کو دیکھتے حیرانگی سے پوچھا۔

یہ میں نے اپنی سہاگ رات منانے کے لیے سجایا تھا۔زاران اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے گھمبیر آواز میں بولا۔

سہاگ رات!!ابرش اس کے لفظ دہراتے کرتی روہانسی ہوئی تھی۔

Let me make it clear first, my jealous and possessive one and only wife.

یہ خانزادہ جب جب اپنی سہاگ رات جس کے ساتھ منائے گا وہ صرف اس کی بے شرم امریکن وایف ہو گی۔۔زاران اس کی بھیگی بے یقین آنکھوں میں دیکھتے بولا۔یہ سب کچھ میری خوبصورت بیوی میری جان میری زندگی

میری ابرش میری بے شرم بیوی کے لیے ہے۔زاران نے جھکتے ہوے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں پر بھاری بھاری لب۔رکھے

مم میرے لیے ہے یہ ؟!۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے ہوے گلابوں سے سجے فارم ہاوس کو دیکھتے سسکی لی۔۔

زاران مسکراتے ہوے اسے نیچے اتار گیا تھا۔ابرش منہ پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے لاونج اور سڑھیوں پر بچھی پھولوں کی روش دیکھ رہی تھی۔۔وہ باقاعدہ اب رو رہی تھی۔

یہ میرے لیے ہے زاران۔۔وہ روتے ہوے بے یقینی سے بولی۔

صرف تمھارے لیے !!زاران نے اس کے کان میں جھکتے مسکراہٹ دبائے مدھم سرگوشی کی۔وہ اتنی ہی اموشنل ہو گی وہ جانتا تھا۔

زاران خانزادہ نے لاونج میں پڑی ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھائے بٹن پریس کیا۔ چھت میں نصب پھولوں کی ڈھیر ساری بکٹس انسٹال کروائی تھیں۔ وہ اسی وقت الٹی تھیں۔ جن میں سے گلاب کی پتیاں ابرش پر برس رہی تھیں۔

۔گلاب کی پتیاں خود پر برستی دیکھ کر ابرش نے چھت کی طرف دیکھا۔ وہ بے یقینی سے دیکھتے دونوں ہاتھ پھیلائے ہنستے ہوے گھوم رہی تھی۔ کبھی وہ ہنسنے لگ جاتی تھی کبھی وہ رونے لگ جاتی تھی۔

یہ میرے لیے ہے مسٹر زاران خانزادہ۔۔ وہ اس کا مکمل نام پکارتے ہوے روتے ہوے چیخی تھی۔

صرف میری خوبصورت بیوی کے لیے!! زاران خانزادہ اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے ہنستے ہوے بولا۔ کوئی سرپرایز پر اتنا خوش بھی ہو سکتا ہے وہ حیران تھا۔

تم جھوٹے ہو مسٹر خانزادہ!! تم یہ نہیں کر سکتے۔ تم مجھ سے اتنی محبت نہیں کر سکتے۔۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے روتے ہوئے ہچکی لی۔

دل میں تیری ہی تصویر ہے

اب ہر دم تیری چاہت کریں گے

تجھ سے ہی محبت کریں گے

بس تجھے دیکھا کریں گے

زاران اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے بھاری آواز میں گنگنایا۔

جھوٹا!! ابرش روتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔

زاران خانزادہ اسے بانہوں امیں اٹھاتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ابرش روتے ہوئے اس کی گردن میں بانہیں حمایل کر گئی۔

زاران خانزادہ اسے اوپر کو اٹھاتے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں پر جھکتے

بہت نرمی سے اپنے لب رکھ گیا۔

تم نے دھوکہ دیا تو

کچھ بھی کر جاؤں گی میں

تم جدا ہوے

دیکھو مر جاؤں گی میں

ابرش بھیگی آواز میں بولتے اس کے سینے سے شدت سے لپٹی تھی۔

میری منزل تیری

راہوں میں ہے

میری جنت تیری

بانہوں میں ہے

راہی بدلتے ہیں

رستے بدلتے ہیں

میں دوڑ کر آؤں گا

جو تم مجھ کو بلاؤ گے

زاران خانزادہ بھاری آواز میں گنگناتے ہوے اسے خود کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا گیا۔

زاران خانزادہ اوپر آتے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ ابرش مزید حیران ہوئی پورا کمرہ گلاب سے مہک رہا تھا

بیڈ پر پھولوں کی پتیاں بچھی تھی۔ وہ روتے ہوئے ہچکیوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔۔ زاران خانزادہ کمرے کا دروازہ پاؤں کی ٹھوکر سے بند کرتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھتے اسے بہت نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔

ابرش نے زاران خانزادہ کی گہری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے شرٹ لیس برہنہ چٹانی سینے پر انگلی پھیرتے سرخ ہوتے نظریں جھکائی تھیں۔ وہ اسے بہت گہری بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ابرش کی دل کی دھڑکنیں زاران خانزادہ کے سینے میں بج رہی تھیں۔۔ زاران خانزادہ کے گرم بدن سے اس کے اندر سپارک سے پیدا ہو رہے رہے تھے۔ وہ بہت بے باکی سے اس کے ساتھ لپٹے اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر ڈالے ہوئے تھا۔ ابرش کے کندن مخملی نشیب و فراز اب گہرے سانس بھر رہے تھے۔ وہ گلاب کی طرح سرخ ہو رہی تھی۔ اتنے دنوں کے بعد منسٹر کو سہنا آسان نہیں تھا۔ آج اس

کی آنکھوں میں جو گرمی اور حدت تھی وہ اس کی نگاہوں کی نہ تاب لا پا رہی تھی نہ اس کے گرم جسم کی گرمی برداشت پا رہی تھی۔۔ گیلا ٹھنڈا بدن زاران خانزادہ کے بدن کی گرمی کی حدت سے پگھل رہا تھا

ہے میری بے شرم بیوی!! اسے نہیں چلے گا۔ شرما نہیں سکتی تم!! مجھے بیڈ پر اپنی بانہوں میں اپنی بیوی بے شرم ہی چاہیے۔ بے شرمی کی ہر حد پار کرتے ہوے۔ جیسے ایک بار اس کمرے میں اسی بیڈ پر تم کر چکی ہو۔ یاد ہے نہ تم نے کیا کیا تھا۔ زاران جھکتے ہوے اس کی گردن پر جھکے اپنے دہکتے لب رکھتے بھاری مخمور لہجے میں بولتے ابرش کی نشیلی مخمور آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔

اتنی بے شرمی نہیں دکھا سکتی مسٹر سکس پیک!!اس دن ہوش میں نہیں تھی تم جانتے ہو۔ابرش زاران خانزادہ کی خمار بھری آنکھوں میں دیکھتے آہستگی سے بولی۔

نو۔۔نو۔۔۔ڈارلنگ۔۔نو ایکسکیوزز منتقم مزاج بندہ ہوں۔جو تمھارے لیے کیا۔اب مجھے سود سمیت واپس چاہیے۔۔زاران اس کی آنکھوں میں دیکھتے غراتے ہوے اس کے برہنہ گہرائیوں پر دانت گاڑھ گیا۔

ابرش نے سسکی لیتے ہوے آنکھیں بند کی تھیں۔زاران خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اسے اوپر اٹھایات۔اس سے پہلے وہ میکسی اس کے تن سے ریموو کرتا۔ابرش اسے دونوں ہاتھوں سے دور کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔

زاران خانزادہ گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی خوبصورت بیوی کیا چاہتی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔ قربت کے لمحات میں وہ اپنے ایکشن سے اسے بتا دیتی تھی وہ اس کا لمس کہاں چاہتی ہے۔

وہ اس میکسی کی کھلی زپ سے جھانکتی برہنہ دودھیا کمر پر جھکتے ہوئے اوپر سے نیچے تک دیوانگی کے عالم میں اپنے دہکتے لبوں سے بوچھاڑ کرتے ابرش کی سانسوں کو دھونکنی کی مانند پھلا چکا تھا۔

زاران خانزادہ اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کرتے اس پر جھکے اس کے لبوں پر قفل لگا گیا تھا۔ ابرش کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے وہ اس کے اوپر سے ہٹتے تکیے پر سر رکھے اپنی دہکتی بے ترتیب سانسوں کو درست کرنے لگا۔

ابرش اس کے سینے پر آتے اس کی گردن پر جھکی تھی۔

زاران خانزادہ مسکراتے ہوے اس کی کمر کو جکڑ گیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے اس کا چہرہ اوپر کر گیا تھا۔

ابرش نے زاران خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں اپنی نشیلی آنکھیں گاڑھتے سوالیہ انداز میں آئی بروا چکائے

ویٹ آمنٹ میری بے صبری بے شرم بیوی!!زاران خانزادہ نے اس کی کمر کو ایک ہاتھ سے جکڑے سائیڈ ڈرار کی طرف ہاتھ بڑھاتے ڈرار سے ایک مخملی کیس نکالا۔

ابرش نے زاران کے ہاتھوں میں مخملی کیس دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں جھپکائیں تھیں۔ اس کے ہونٹ بری طرح کپکپائے تھے۔

ایک منٹ میری اموشونل بیوی زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔اس میں ہیرے جواہرات نہیں ہیں۔جو تم اپنے آنسو ضائع کرو۔زاران خانزادہ نے اس کی آنکھوں کو بھیگتے دیکھ کر سنجیدگی سے بولتے مخملی کیس سے ایک سونے کا باریک چھلا نکالا۔

پندرہ کڑوڑ کی جیولری اپنی خوبصورت بیوی کو لے کر دی تھی۔جس کے پاس اس کی قدر ہی نہیں۔۔جس جیولری نے بیٹھے بیٹھے میرا دیوالیہ نکال دیا تھا۔وہ میری بیوی نے گھر آتے ہی زمین پر بے دردی سے پھینک دی تھی۔۔

چاہتا تو آج ہیرے کی مہنگی انگوٹھی لاتا۔۔مگر جب پندرہ کڑوڑ کی جیولری کی قدر نہیں تو اس چند کڑوڑ کی انگوٹھی کی کیا قدر ہوتی۔اسی لیے یہ کچھ ہزار کا چھلا لایا ہوں تمھارے لیے تاکہ تم جب اسے اتار کر پھینکو میرا پارہ کم ہائی

ہو۔۔زاران خانزادہ سرد لہجے میں بولتے ابرش کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اس کا ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

تمھیں لگتا ہے میرے پاس اس چھلے کی کوئی ویلیو نہیں ہو گی۔۔اس پندرہ کڑوڑ کی جیولری کی اس لیے ویلیو نہیں ہے۔کیونکہ وہ اس سفاک خانزادہ نے میرے کہنے پر لے کر دی تھی۔ابرش نے اس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے اس کی برہنہ سینے پر انگلی رکھی تھی۔

اگر تم آج پلاسٹک کی انگوٹھی بھی لاتے میرے لیے وہ جان سے بڑھ کر ہوتی جیسے یہ چند ہزار کا سونے کا چھلا ہے۔ابرش نے سرد و سپاٹ انداز میں کہتے اس کے ہاتھ سے سونے کا چھلا پکڑتے اپنی انگلی میں خود ہی پہنا تھا۔زاران خانزادہ اس کی بھیگی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھے ہوے اسے برفیلے تاثرات سے دیکھ رہا تھا۔

ابرش اس کی سرد نگاہوں پر روہانسی ہوتے لب بھینچتے اس کے سینے سے اٹھی۔ وہ اس کی کمر کو مضبوطی سے جکڑے اپنے مزید قریب کر گیا تھا

چھوڑ مجھے مسٹر خانزادہ! جب دل کرتا ہے خمار زدہ آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ جب دل کرتا ہے سرد نگاہوں سے۔ ابرش اس کے سینے پر مکہ مارتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولی۔

کیا کروں تمھاری جذباتی حرکتیں آج بھی میرا دماغ بھڑکا دیتی ہیں۔ اس وقت دل کرتا ہے تمھیں آنکھوں کے رستے نگل لوں میری بے شرم جذباتی بیوی!! وہ پلٹتے ہوئے اسے اپنے نیچے کر گیا تھا۔

بہت بری لگتی ہوں تمھیں؟! برش نے گہرے سانس لیتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

اتنی بری کہ دل کرتا ہے تمھیں ہر وقت اپنی دھڑکنوں سے بھی زیادہ قریب رکھوں۔ زاران بھاری آواز میں بولتے اس کی گہرائیوں پر جھکا تھا۔

ابرش اس کے دہکتے لبوں کے لمس سے گلابی ہوئی تھی۔ وہ اسے شدت سے چومتے ہوے اس کی گردن میں منہ چھپائے گہرے سانس لیتے ابرش کے بدن سے اٹھتی گلاب کی مہک اپنے اندر اتارنے لگا۔ جس کا وہ دیوانہ تھا۔

یہ تم نے کب کیا مسٹر خانزادہ؟؟ ابرش نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوے بھیگے لہجے میں پوچھا

زاران نے اس کی گردن سے چہرہ نکالتے ہوے اس کی بھیگی نگاہوں میں آنکھیں گاڑھیں۔

زاران تکیے پر سر رکھتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

ابرش اس کے اوپر آئے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جب تمھیں اس ڈریس میں دیکھا۔ اس وقت پاگل ہو گیا تھا۔ مزید تم سے دور رہ کر خود پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔۔ اور آج تو تم اس ڈریس میں میرے انجر پنجر ہلا چکی تھی۔۔ تو اسی وقت یہ سب سرپرایز پلین کیا۔ عنائیہ کی رخصتی کے بعد تمھیں یہاں لانے کا آرادہ تھا۔ مگر میں بھول گیا تھا کہ آج ہی روہاب اور ستارہ کا نکاح ہے۔ روہاب کے انسسٹ کرنے پر میں اس کی طرف چلا گیا سوچا کہ اپنی بیوی کو واپس آ کر لے جاؤں گا۔ مگر میری بیوی نے مجھے سرپرایز کر دیا۔ زاران لفظ چباتے غصے سے اس کی کمر کو سختی سے مٹھی میں بھر گیا۔ ابرش نے اس کی سختی پر درد سے سسکی لی۔

میں نے تو سوچا تھا اپنی نروٹھی بیوی کے لیے سرپرایز تیار کروں۔ ہو سکتا ہے میری خوبصورت سفاک بیوی کو مجھ پر ترس آ جائے۔ اسے سمجھ آ جائے اس

بے رحم سفاک خانزادہ کے پاس ایک ہی بیوی ہے جس سے وہ اپنی طلب اپنی روح کی پیاس مٹاتا ہے۔ اسے سمجھ آجائے کہ اس کا مسٹر خانزادہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس کے بغیر تکیے سے لپٹ کر سوتے وہ ساری رات خود پر قابو پاتے کلستا جلتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بے شرم بیوی کو اس پر رحم آجائے۔ اس کا مسٹر خانزادہ سکون کے لیے ترس گیا ہے۔ اسے سمجھ آجائے اس کی جذباتی بیوی اس کا سکون ہے۔ وہ جب کمرے میں اس سے منہ بنائے رہتی ہے اس کے مسٹر کا دل کرتا ہے یا تو وہ خود کو گولی مار لے یا پھر اپنی خوبصورت بیوی کو۔۔۔ ہو سکتا ہے اسے سمجھ آجائے میرے جواں جذبوں میں آگ صرف اپنی بیوی کی نرم و ملایم پنڈلیاں دیکھ کر بھی لگ جاتی ہے۔ اپنی بیوی کے پاؤں کے تلوے دیکھ کر میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ اور میری بے شرم بیوی بیہودہ نائیٹیز پہن کر میرے پہلو میں سوتے میرا پارہ ہائی

کرتے میری رگوں میں دوڑتا خون بھڑکا دیتی ہے۔اس کا مسٹر ساری رات اپنی جوانی پر لعنت بھیجتے بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔

زاران خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

ابرش اس کی باتیں سنتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی

تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔بے حد محبت کرتا ہوں۔خود سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔تم ہی میرا سکون ہو میری پیاس میری طلب ہو۔دیوانہ ہوں تمھارا۔۔مجھے سکون بھی تم ہی پہنچا سکتی ہو اور مجھے بد سکون بھی تم ہی کر سکتی ہو۔کیونکہ تم ہی ہو وہ واحد عورت ہو جس سے میرا سکون اور بد سکونی جڑی ہے۔تم ہی واحد رشتہ ہو جو میری جسمانی نیڈز پوری کر کے مجھے سٹیس فائیڈ کر سکتی ہو۔۔باقی رشتے تو بعد میں آتے ہیں۔جو تم سکون تم دے سکتی ہو وہ میرا کوئی رشتہ نہیں دے سکتا۔جو عورت میرا سکون ہو

میری ضرورت میرے طلب ہو میرے ساتھ میرا بستر شئیر کرتی ہو۔ وہ کیسے مجھے اپنے باقی رشتوں سے کمتر ہو سکتی ہے۔ میرے لیے جس طرح مورے عابیر اسی طرح تم بھی ہو۔ بلکہ سب سے بڑھ کر ہو؟؟ وہ اس کی ٹھوڑی پکڑے ملایمت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

سب سے زیادہ محبت کرتے ہو عابیر سے بھی زیادہ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں معصومیت سے پوچھا۔

اس سے بھی زیادہ۔۔ زاران اس کے سوال کا جواب دیتے گہرا مسکرایا تھا۔۔

اپنی مورے سے بھی زیادہ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں مزید استفسار کیا تھا

مورے سے بھی زیادہ!! زاران مسکراتے ہوے اس کی معصومیت پر ہتھیلی پر لب رکھتے بولا۔۔ وہ اس کے اس طرح کے اظہار پر اگر خوش ہوتی تھی

۔وہ ساری عمر اس سے کہہ سکتا تھا وہ اسے ہر رشتے سے بڑھ کر چاہتا ہے۔وہ اسے اپنے کسی رشتے سے بڑھ کر نہ بھی چاہتا ہو مگر اپنی جان سے بڑھ کر ضرور چاہتا تھا۔۔اپنی زندگی سے کئی گنا زیادہ چاہتا تھا۔مقابل کی چلتی سانسوں کے ساتھ اس کی سانسیں جڑی تھیں۔مقابل ہی وہ عورت تھی جو اس کی رو میں رہتی تھی۔وہ پاگل تھا اس عورت کے لیے۔۔

ابرش روتے ہوے اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔زاران اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

زاران خانزادہ اسے خود میں بھینچے اس کی نازکی محسوس کرتے اسے اپنے نیچے کرتے اس پر اپنا مکمل وزن ڈالے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا

رات گہری ہو چکی ہے یہ گہری رات اور تمھاری بے پناہ خوبصورتی میرے اندر امڈتے جواں جذبوں میں آگ لگا چکی ہے۔مزید صبر نہیں کر سکتا

۔مجھے اپنی خوبصورت بیوی کی مکمل پرفامنس چاہیے۔مجھے تم شرماتی اچھی نہیں لگتی یاد رکھنا۔ مکمل وصولی کرنے کی عادت ہے میری۔ جہاں تمھارے بدن کا ٹمپریچر گرا۔ وہاں میرے بدن کا ٹمپریچر بڑھتا شدت اختیار کر جائے گا۔۔اور تم مجھے برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ تو آج رات دونوں کے بدن کا پسینہ خشک نہیں ہونا چاہیے۔زاران اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بے باکی سے استفسار چاہتے ابرش کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا تھا۔

ابرش نے اس کی خمار زدہ آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔وہ اسے بے باکی سے آنکھ مارتے اس کے اور اپنے بدن کو ہر پردے سے آزاد کرتے اس کے ہونٹوں پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس کے بدن کا حصہ بنے اس پر اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔

ابرش اس کی کمر کو جکڑے اس کی شدتیں برداشت کرتے اپنے لبوں کو زاران خانزادہ کے لبوں میں پیوست کر گئی ت۔ زاران خانزادہ کی گہری بے باک شدتوں پر ابرش کی کمرے میں دہکتی سانسیں گونج رہی تھیں۔۔

کمرے میں گھمبیر خاموشی کے مدھم سانسوں کا رقص جاری تھا۔۔

ناؤ یور ٹرن مائی بے شرم بیوی! زاران خانزادہ ریموٹ سے کمرے کی لائٹس آف کرتے ابرش کو خود کے ساتھ شدت سے لپٹاتے خود کو تکیے پر گرا گیا۔

دیٹس آمائی بے شرم بیوی۔ اپنی خوبصورت بیوی کی بے باکی پر زاران خانزادہ کا بے باک قہقہہ گونجا تھا۔۔ ابرش روہانسے ہوتے اس کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔۔ کمرے میں زاران خانزادہ کے قہقہے گونجتے کمرے میں پھیلی مغنی خیز خاموشی کو توڑ رہے تھے۔۔

عنائیہ درخزئی خانزادہ کے ساتھ والی سیٹ پر گھونگھٹ نکال کر بیٹھی ہوئی تھی۔ پچھلے ایک گھنٹے سے گاڑی اونچے نیچے راستوں پر ہچکولے بھر رہی تھی۔

عنائیہ نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے بہت بار اپنا گھونگھٹ ہٹانے کی کوشش کی۔ مگر درخزئی خانزادہ کے خوف سے وہ اپنا گھونگھٹ ہٹا نہ سکی تھی۔

گاڑی میں پھیلی گھمبیر خاموشی اور چہرے پر گھونگھٹ ہونے کی وجہ سے اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ سر پر سٹالر تک نہیں لیتی تھی۔ آج وہ اسے گھونگھٹ کروائے بیٹھا تھا۔ لہنگا بلاوز اور کامدار دوپٹہ اچھا خاصہ ہیوی تھا۔ کانوں میں پہنے والے اویزے اور چوکر مالا سب کچھ بہت زیادہ ہیوی تھا۔ اس نے پہلے کبھی یہ پہنا نہیں تھا۔ اس وقت اسے اپنے

اعصاب اندرونی اور بیرونی طور پر دکھتے محسوس ہو رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کا سرد رویہ اسے اس سے اچھا خاصہ خوفزدہ کیے ہوے تھا۔ وہ خانزادوں کی دہشت سے ڈرتی تھی۔ ان خانزادوں میں سرفہرست درخزئی خانزادہ تھا۔۔

اسی دہشت اور خوف سے وہ اس سے بھاگ رہی تھی۔ قسمت کی ستم ظریفی کیسی تھی جن پہاڑوں سے وہ بھاگ رہی تھی آج انھیں پہاڑوں میں اور ان پہاڑوں میں رہنے والے پہاڑ سے بھی زیادہ سخت خانزادہ کی پناہوں میں اپنی مرضی سے جا رہی تھی۔

عنائیہ نے بمشکل سانس لیتے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنا گھونگٹ اٹھاتے اپنی چادر اپنے وجود سے سرکا گیی تھی۔ درخزئی خانزادہ اسی لمحے اپنی سخت گرفت

میں اس کی کانچ کی چوڑیاں پہنے والی کلائی جکڑ گیا۔ عنائیہ کے دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

عنائیہ نے رخ موڑتے درخزئی خانزادہ کو دیکھا جو ایک ہاتھ سے اس کی کلائی جکڑے ایک ہاتھ سٹیرنگ پر رکھے اپنی سرد و سپاٹ سرخ آنکھیں ونڈ سکرین پر گاڑھے ہوے تھا۔

کس سے پوچھ کر یہ گھوگھٹ اٹھایا؟! درخزئی خانزادہ کے برف سے بھی زیادہ ٹھنڈے لہجے پر عنائیہ کی بھیگی گلابی آنکھوں میں کانچ سی چبھن ہوئی تھی

مجھے گھٹن ہو رہی تھی درخزئی!!۔ عنائیہ نے بھیگے لہجے میں بولتے اپنی کانچ سے بھی زیادہ شفاف گہری آنکھوں کو جھپکتے اپنے آنسو اندر اتارے تھے۔

اچھا!!اوہ ونڈ سکرین پر نظریں گاڑھے استھزائیہ مسکرایا تھا۔اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔اصولاً صنف نازک ہونے کے ناطے بے پردہ ہونے پر تمھاری سانسیں گھٹنی چاہیے تھیں۔وہ طنزیہ لب ولہجے میں بولتے عنائیہ کے دل میں برچھیاں چلا گیا تھا۔

یہاں کیسے بے پردہ ہو رہی ہوں درخزئی؟؟ان تاریک پہاڑوں پر چلتی گاڑی میں کون مجھ پر نظر ڈال سکتا ہے؟؟عنائیہ نے ہچکی لی تھی۔

عنائیہ کے ہچکی لینے پر وہ جبڑے بھینچتے اس کی چوڑیوں والی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے اپنی طرف کھینچ گیا تھا۔

اس کے یوں بے دردی سے کھینچنے پر عنائیہ کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی تھی۔وہ اس کے شانے سے آن ٹکرائی تھی۔

عنائیہ سسکتے ہوے اس کے بے حد قریب ہوتے اسے دیکھ رہی تھی جو ابھی بھی ونڈ سکرین پر اپنی سرخ نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

دیکھو اپنے آپ کو مائی سوین!! تمھیں پتہ چلے گا کہ اس وقت تمھارا روپ کیا نظارے بیش کر رہا ہے۔ درخزئی خانزادہ نے اس کی کلائی چھوڑتے ہوے اس کا جبڑہ دبوچتے اس کا چہرہ بیک ویو مرر کی طرف کیا۔ جو اس نے عنائیہ کی طرف موڑا تھا۔

عنائیہ نے نگاہیں اٹھائے بیک ویو مرر میں سسکتے ہوے دیکھا۔ گاڑی میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ صرف گاڑی کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں۔ آگے گارڈ کی گاڑی کی بیک لائیٹس روشن تھیں۔

اس کا بلاوز بہت زیادہ ڈیپ تھا۔ جو کندھوں سے ڈھکلنے کو بے تاب ہو رہا تھا ۔۔ اس کے بلاوز کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ سب کچھ ہی نظر آرہا

تھا۔۔ عنائیہ انے پنی آنکھیں خطرناک حد تک کھولے اپنی حالت دیکھی تھی۔ عنائیہ آنکھیں پھاڑے ایک ہاتھ اپنی کمر پر لے گئی بلاوز کی ڈوریاں کھلی تھیں۔

درخزئی خانزادہ اس کا جبڑہ چھوڑتے ہوے اسی لمحے گاڑی کی تمام ہیڈ لائیٹس بھی بیک لائیٹس آف کر گیا۔

عنائیہ خوفزدہ ہوتی چیخی۔ سوات کی خطرناک روڈ پر وہ گاڑی کی تمام ہیڈ لائٹس آف کر گیا تھا۔ سامنے ہی دریا پر بنا لکڑی کا پل تھا۔ جو نہایت ہی خطرناک تھا۔ جس پر ایک وقت پر ایک ہی گاڑی جا سکتی تھی۔ اور درخزئی خانزادہ کی گاڑی اس وقت اس خطرناک پل پر چڑھ چکی تھی۔

عنائیہ کانپتے ہوے درخزئی خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔اب آگے گارڈ کی گاڑی بھی نہیں تھی۔اور پیچھے آتی گارڈ کی گاڑی کسی بھی لمحے ان کی گاڑی سے ٹکرا سکتی تھی۔

درخزئی!!ہیڈ لائیٹس آن کر دیں میں گھونگٹ لے لیتی ہوں عنائیہ رات کے پہر دریا کا خطرناک شور اور لکڑی کے پل کی چرچراہٹ پر گھپ اندھیرے میں اس کی شرٹ تھامے سسکتے ہوے بولی

کیا ہوا مائی سوین!!اتنا ڈر کس بات کا؟؟اتنا خوف کس بات کا۔اسی پل سے اب تم اکثر میرے ساتھ گاڑی میں گزرو گی۔

اب ڈرنا چھوڑ دو!!اس سر پھرے پہاڑی خان کی عورت ہو۔وہ اس کی طرف جھکتے مدھم سرگوشی کرتے اس کی کان کی لو کو کاٹ گیا تھا۔

درخزئی!! پیچھے۔۔۔سے۔۔۔آپ۔۔۔کے۔۔۔گارڈز۔۔۔کی۔۔۔

گاڑی۔۔۔آرہی۔۔۔ہے۔۔۔اگر۔۔۔وہ۔۔۔لوگ۔۔۔پیچھے۔۔۔

سے۔۔۔آتے۔۔۔ٹکرا۔۔۔گئے۔۔تو۔۔۔مجھے

۔۔لگتا۔۔یہ۔۔پل۔۔ٹوٹ۔۔جائے۔۔گا۔عنائیہ اس کی شرٹ جکڑے

خوفزدہ لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے بولی۔

درخزئی اسے کے سر سے اس کا دلہن والا دوپٹہ ایک جھٹکے سے اتارتے

ہوے اس کے سر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اسے اپنے گود میں سختی سے

جھکاتے سٹیرنگ کو چھوڑتے اس کی بلاوز کی ڈوریوں کو اب دونوں ہاتھوں

سے جکڑ گیا تھا۔ایکسلیٹر پر وہ پاؤں کھے ہوے تھا۔ گاڑی لکڑی کے پل پر

ڈول رہی تھی۔

عنائیہ خوف سے اس کی گود میں جھکی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ مقابل ایسا بھی ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ تو موت سے سے بھی زیادہ خطرناک کھیل کھیل رہا تھا۔

درخزئی اس کی ڈوریاں جکڑے انھیں اب سختی سے بند کر رہا تھا۔ عنائیہ بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ بہت ٹائٹلی ڈوریاں بند کرتے اس کی کمر پر جھک گیا۔ درخزئی کی گرم سانسیں اس کی برہنہ کمر پر بکھر رہی تھیں۔

عنائیہ خوف سے چیخ رہی تھی۔۔ اس سر پھرے خان نے گاڑی ابھی بھی نہیں روکی تھی۔

اب تمھیں اندازہ ہو گیا ہو گا مائی سوین!! تمھیں لے کر یہ سر پھرا خانزادہ کیسا ہے؟؟ یہ تو کچھ نہیں! ابھی تم اس سر پھرے خان کے بہت سے روپ دیکھو گی۔۔ وہ اس کی برہنہ کمر پر ہاتھ پھیرتے اپنے دانتوں سے اپنی گہری

جنونی خیزی رقم کر گیا تھا۔ عنائیہ اس کی شرٹ کو لیپ سے مٹھی میں جکڑے اپنی سسکیاں روکے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گاڑی بہت بری طرح ڈول رہی تھی۔

اٹھو اور گھونگھٹ اوڑھو۔۔ درخزئی کی غراہٹ پر وہ جلدی سے سیدھی ہوتی اپنی چادر سے گھونگٹ ڈال گئی تھی۔ درخزئی گاڑی کی ہیڈ ایٹس روشن کرتے اب سٹیرنگ سنبھال چکا تھا۔

گاڑی اب پل کو کراس کر رہی تھی۔۔ عنائیہ سیٹ پر گھونگھٹ نکالے بری طرح کانپ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنی سرخ آنکھیں اس پر گاڑھیں۔ وہ اس کے بدن کی کپکپاہٹ دیکھتے اپنی نم آنکھیں بازو سے مسل گیا تھا۔ اس کی سخت کھردی

انگلیاں بہت نرمی سے عنائیہ کی کلائی میں پہنی چوڑیوں کو نامحسوس انداز سے

چھو رہی تھیں۔

میری آنکھوں نے بھی

دیکھا تھا وفا کا سپنا

میں نے سوچا تھا

کوئی ہو گا میرا

بھی اپنا

زخم مجھ کو جو لگا ہے

میں دکھاؤں کیسے

اپنی مجبوری بھلا

بتاؤں کیسے

اپنا افسانہ بھلا تجھ کو

سناؤں کیسے

درخزئی خانزادہ اپنے بازو سے اپنی سرخ آنکھیں مسلتے ہوے گاڑی کی سپیڈ بڑھا گیا تھا۔

آریان خانزادہ بلو جینز پر بلیک سینڈو پہنے ہوے تھا۔ سینڈو سے اس کے پھولتے مسلز اس کے بہت سارے ایپس نمایاں ہو رہے تھے۔ بازو پر بچھو کا ٹیٹو اس کے مسلز کو مزید دہشت ناک سا بنا رہا تھا۔

ایک بہت بڑے شاندار میٹنگ نما کمرے میں بہت بڑی ٹیبل کے گرد اپنی چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس ٹیبل کے گرد تقریباً 45 کرسیاں پڑی تھیں۔ اس روم کی تمام والز صرف گلاس سلائیڈ کی تھیں۔ جو آڑھی ترچھی بنی ہوئی تھیں۔ اس کمرے میں نیم اندھیرا چھایا تھا۔ اس کے سامنے بہت سارے فونز پڑے تھے۔ اور سامنے ایک وال پر بہت بڑا پروجیکٹر آن تھا۔ وہ اپنی کرسی سے ٹیک لگائے ریموٹ سے بٹن پریس کرتے پروجیکٹر پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ سگریٹ انگلیوں میں دبائے ہوئے تھا۔

اس کے سامنے بہت سے لیپ ٹاپ کھلے پڑے تھے۔

سیل فون وائبریٹ ہونے پر اس پر آنے والے نمبر کو دیکھتے وہ سیدھا ہوا۔ یہ نمبر اونلی کچھ ڈجٹس پر مشتمل تھا۔ آریان خان نے فون اٹھائے کان سے لگایا۔ فون پر ملنے والی خبر پر آریان خانزادہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوا تھا۔

What ??

وہ گہرے سانس لیتا حلق کے بل چیخا تھا۔

How far are they from my mansion

آریان خانزادہ نے ٹیبل پر مکہ مارتے ہوے غراتے ہوے توچھا

25 minut sir

دوسری طرف سے ملنے والے جواب پر آریان خانزادہ نے فون بند کرتے جلدی سے اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلائی تھیں۔اب ٹیبل پر پڑے تمام لیپ ٹاپ پر اس کی حویلی کے اندرونی بیرونی ہر منظر نمایاں تھا۔حویلی کے ہر کمرے کا ایک ایک منظر اس کی حویلی کا جنگل گیٹ اور گیٹ کے باہر کا ہر منظر ٹیبل پر پڑے سینکڑوں لیپ ٹاپ اور اس کمرے

میں چھپی ہڈن ایل ای ڈی پر اس کی حویلی کا ہر منظر روشن تھا وہ گہرے سانس لیتے پاگلوں کی طرح لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔۔اس کی سرد سرخ سبز آنکھیں اس حویلی میں اس نازک وجود کو تلاش کر رہی تھیں۔ آریان خانزادہ کی سانس دھونکنی کی مانند پھول رہا تھا۔رنگت اتنی سرخ تھی جیسے خون چھلکا رہی تھی۔وہ جھکے ہوے پاگلوں کی طرح اس کمرے میں لگے ایل ای ڈی کی اور لیپ ٹاپ کی ہر سکرین پر وہ اسے تلاش کر رہا تھا۔

کہاں ہو تم ڈیم اٹ ؟؟ وہ ٹیبل پر مکہ مارتے ہوے پاگلوں کی طرح غرایا۔وہ پوری حویلی میں کہیں نہیں تھی۔

وہ اسے اسی وقت اپنے کمرے کے واش روم سے نکلتے دکھائی دی۔وہ سیاہ شیفون کی فراک پہنے ہوے تھی۔اس کے براون گیلے بال کمر پر بکھرے

تھے۔وہ شیفون کا بے انتہا فٹنگ میں باریک فراک اس کے گیلے بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔اس کے کندن نشیب و فراز اس فراک کی فٹنگ کی وجہ سے بہت زیادہ نمایاں ہو رہے تھے۔۔

آریان خانزادہ اس کے بدن پر یہ لباس اور اس کا گیلا بدن دیکھتے پاگل ہوا تھا ۔۔اس کے خون میں شرارے سے دہکے تھے۔۔۔

آریان خانزادہ نے گہرا سانس بھرتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے ایک لیپ ٹاپ پر کچھ بٹن پریس کیے تھے۔کمرے میں رکھے فون اور حویلی میں ہر جگہ پر رکھا ہر فون بجنا شروع ہو چکا تھا۔زرمش فون بیل کی آواز پر خوفزدہ ہوتے بری طرح اچھلی تھی۔اس نے سراسیمگی سے کمرے میں نظریں دوڑائیں اسے فون کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

ڈریسنگ کے ڈرار میں فون ہے۔ وہ زرمش کو دیکھتے پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔ زرمش خوف سے فون رنگنگ کی آواز پر ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھی۔ ڈرار کھولنے پر اسے ایک موبائل فون پر نظر آیا تھا۔ اس نے وہ فون اٹھاتے ایک نظر دیکھا تھا۔ جس پر کال آرہی تھی۔ مگر نمبر کوئی بھی شو نہیں ہو رہا تھا۔ زرمش بے یقینی سے فون کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے دنوں سے یہاں فون پڑا تھا اسے پتہ ہی نہیں تھا۔

دوسرے لمحے وہ کال کاٹتے ہوئے کپکپاتے ہاتھوں سے حیدر خان کا نمبر ڈایل کرنے لگی۔۔۔

آریان خانزادہ سکرین پر یہ سب دیکھتے جبڑے بھینچتے ہوئے اپنی مٹھی دبوچی سختی سے دبوچی۔

لالا!!زرمش کپکپاتے ہاتھوں سے فون پر حیدر خان کا نمبر ڈایل کر رہی تھی۔جو کہ مل ہی نہیں رہا تھا۔

This mobile can get my only no miss khan

You can't distance from me so easily

وہ لفظ چباتے غراتے ہوے اپنی کلائی میں پہنی رسٹ واچ پر نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔پانچ منٹ ضائع ہو چکے تھے۔

آریان خانزادہ نے اپنے موبایل سے پھر سے کال ملائی۔زرمش خوف سے بری طرح اچھلتے ہوے فون زمین پر پھینکتے گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔اب وہ دیوار کے ساتھ لگے تھر تھر کانپتے زمین پر بجتے فون کو دیکھ رہی تھی۔جس پر کوئی بھی نمبر شو نہیں ہو رہا تھا۔

آریان خانزادہ فون ہاتھ میں پکڑے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

وہ فون کان سے کان سے لگائے بھاگتے ہوئے لف کی بجائے سڑھیوں کی طرف بڑھا۔ لفٹ سے جلدی وہ سڑھیوں سے پارکنگ ایریا پہنچ سکتا تھا۔ اس کی سپیڈ اتنی ہی تیز تھی اور وہ ایک سیکنڈ بھی ویٹ نہیں کر سکتا تھا۔ لمحہ لمحہ اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ وہ کئی سیڑھیاں ایک ہی جست میں پھلانگتے کتنے مارلے طے کر چکا تھا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کچھ لوگ اسے دیکھ کر رک چکے تھے۔ وہ کئی کئی سیڑھیاں ایک ہی جست میں پھلانگتے نیچے اتر رہا تھا۔

بلیک سینڈو پسینے سے بھیگ چکی تھی۔ اس کے سلکی بال پیشانی پر بکھرے اس کی پیشانی پر چپکے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت جنونی کوئی پاگل لگ رہا تھا۔

واقعی میں وہ لفٹ کے نیچے آنے سے پہلے پارکنگ ایریا میں آچکا تھا۔ آریان خانزادہ بھاگتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ گاڑی ان لاک کرتے وہ گاڑی میں بیٹھا۔

اب اس کی گاڑی سوات کی خطرناک سڑکوں پر خطرناک انداز میں دوڑ رہی تھی۔۔ ساتھ سیٹ پر پڑے لیپ ٹاپ پر اس کے مینشن کا ہر منظر واضح تھا۔ اس کی سبز آنکھیں جن میں جنون وحشت سی تھی صرف اس نازک وجود پر گڑھیں تھیں۔

آریان خانزادہ نے پاگلوں کی طرح گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ ساتھ ساتھ وہ ساتھ والی سیٹ پر پڑے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ زرمش کمرے سے نکلتے ہوئے اب اس کی حویلی کے لاونج میں تھی۔ آریان خانزادہ نے جلدی سے فون سے حویلی میں پڑے درجنوں وایرلیس فون کا نمبر ڈایل

کیا تھا۔ پوری حویلی میں فون کی بیلز گونج رہی تھی۔ زرمش اپنے بال جکڑے گہرے سانس لیتے بیلز کی آواز سن رہی تھی۔۔

فون اٹھاؤ ڈیم اٹ!! آریان خانزادہ پاگلوں کی طرح حلق کے بل چیخا تھا۔ وہ اب کانوں پر ہاتھ رکھے چیخ رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے سٹرینگ پر مکہ مارتے ہوئے اپنی پیشانی پر چپکے پسینے میں بھیگے بالوں کو جھٹکتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلایا۔ بالوں سے پسینے کی بوندیں ارد گرد ٹپکیں تھیں۔ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ایکسلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔

اس نے اپنی کلائی پر پہنی واچ پر نظریں دوڑائیں۔ دس منٹ ہو چکے تھے۔۔

یعنی ان لوگوں کے اس کی حویلی تک پہنچنے میں صرف پندرہ منٹ تھے اور یہاں سے اس کی حویلی کا راستہ 45 منٹ کا تھا وہ 45 منٹ کا راستہ بیس منٹ میں طے کر سکتا تھا۔ وہ ان پانچ منٹ کا کیا کرتا؟! ان 5 منٹ میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا تھا؟؟۔ وہ لوگ بہت خطرناک تھے۔ وہ اس کے دروازے پر لگے اس کے سکیورٹی سسٹم کو منٹوں میں ناکام بنا سکتے تھے۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ حیران تھا۔ کیسے اس کے بارے میں ان تک معلومات پہنچ سکتی تھی؟؟۔ آریان خانزادہ کے متعلق وہ معلومات حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جبڑے بھینچے سٹرینگ کو جکڑے ہوئے اپنی گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائے ہوئے تھا۔ اس کی حویلی میں بہت خفیہ راستے تھے۔ خفیہ لاکر تھے۔ بہت سے سیکریٹس تھے۔ وہ لوگ انھیں سیکریٹس کے پیچھے آئے تھے

۔۔ جنھیں اس نے اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کرنی تھی۔ مگر اس وقت آریان خانزادہ کی نظریں اس نازک وجود پر ہی ٹکیں تھیں۔۔ وہ جانتا تھا وہ اگر بروقت نہ پہنچ سکا تو وہ لوگ اس نازک وجود کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اور اسے جتنا ٹارچر کریں گے اس کی کوئی حد نہیں۔۔ وہ تو ان میں سے کسی ایک کا ایک تھپڑ نہیں سہہ سکتی تھی۔ وہ وحشی درندے اس کے جسم کو نوچ ڈالیں گے۔۔ وہ یہ سب سوچتے ہوئے آریان خانزادہ پاگلوں کی طرح گاڑی کی سپیڈ بڑھائے فون سے مسلسل نمبر ڈایل کر رہا تھا۔۔۔

زرمش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لیتے چاروں طرف نظریں دوڑائے لاونج میں رکھے بہت سارے وائرلیس سیٹس کو دیکھ رہی تھی۔ جو ہر کونے میں جگہ جگہ رکھے ہوئے تھے۔

Pick up the phone

آریان خانزادہ زرمش کو لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھتے دھاڑا تھا۔ وہ جانتا تھا اس تک اس کی آواز نہیں پہنچ رہی مگر وہ پھر بھی خون اشام بھیڑیے کی مانند دھاڑ رہا تھا۔۔

زرمش گہرے سانس لیتے لاونج میں بنے بک ریک کی طرف بڑھی۔ وہاں پڑے ریڈ کلر کے وایرلیس فون کو اٹھائے کانپتے ہاتھوں سے یس کا بٹن دبائے کان سے لگایا۔

آریان خانزادہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے کان سے لگائے فون پر اپنی گرفت مضبوط کر گیا تھا۔ اگر یہ نازک وجود اس کے سامنے اس وقت ہوتا وہ اس کا دوسرا گال بھی نیلا کر دیتا۔ جہاں سے اس کی بے رحمی کا نشان کبھی نہ جاتا۔۔

ہیلو!! زرمش کی فون پر کانپتی آواز سنائی دی تھی۔

رسیور کان سے ہی لگائے اسی وقت میرے کمرے جاؤ!! آریان اپنی کلائی پر پہنی گھڑی کو دیکھتے ہوے غرایا تھا۔ان لوگوں کے اس کی حویلی تک پہنچنے میں دس منٹ رہ گئے تھے۔اور اسے اپنی حویلی میں پہنچنے میں 15 منٹ تھے۔۔صرف پانچ منٹ کا فرق اس کی سانسوں کو آگ کی طرح دہکائے ہوے تھا۔۔

کک کیوں؟؟وہ فون پر

bloodthirst beast

کی آواز سنتے کانپ گئی تھی۔

جو کہا ہے وہ کرو!!وہ اپنی پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔زرمش اس کی دھاڑ پر خوف سے اچھلتی ہوئی بھاگتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ چیختے ہوئے اپنے کی قدم پیچھے کی جانب بڑھائے دیوار میں سما گئی تھی۔وہ ایک ہاتھ منہ پر جمائے ہوئے سامنے شیشے کے باکس میں آریان کے

pet scorpion

پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔وہ اتنی شدت سے کانپ رہی تھی کہ اس کا بدن بہت تیزی سے کانپ رہا تھا اس کے مہکتے اس فٹنگ فراک میں نشیب و فراز میں سمندر میں آئے طوفان کی طرح ہلچل مچی ہوئی تھی۔وہ اتنی بری طرح گھبرا رہی تھی اس کا وجود پسینے میں بھیگ گیا تھا۔اگر آریان خانزادہ کا

خوف نہ ہوتا وہ فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔ مگر وہ اتنی شدت سے کانپتے ہوئے بھی وہ فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔ دوسری طرف

bloody thirst beast

جو تھا۔ آریان سکرین پر اسے اس طرح کانپتے دیکھ کر جبڑے بھینچے ہوئے تھا۔

یہ فون کان سے لگائے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھو۔ وہ کلائی میں پہنے گھڑی کی طرف دیکھتے پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔

زرمش اس کی چیخ پر بھاگتے ہوئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔

یہ فون کان سے لگائے اب دوسرے کمرے کی طرف بڑھو۔ زرش اس کی حکمیہ غراہٹ پر بھاگتے ہوئے ڈریسنگ روم کے اندر بنے ہوئے ایک اور

کمرے میں داخلہ ہوئی تھی۔ آریان خانزاہ لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے اسے حکم دے رہا تھا۔ ٹائم بہت کم رہ گیا تھا۔ ان کے پہنچنے میں پانچ منٹ اور آریان کے پہنچنے میں دس منٹ تھے۔

زرمش کمرے میں داخل ہوتے آریان کے آگلے حکم کی منتظر تھی۔

اپنے دائیں سائیڈ والی وال پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالو۔۔ آریان کے حکم پر زرمش نے دیوار پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو وہ حیران ہوئی تھی وہ دیوار نہیں بلکہ وہ ایک دروازہ تھا۔ جو کھلتا چلا گیا تھا۔

سامنے نظر آتے جنگل کو دیکھ کر زرمش کی آنکھیں خطراک پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھی۔

اب میری بات سنو۔اس دروازے سے نکلتے سیدھ میں بھاگتے ہوے جاؤ

۔آگے تمھیں بیسنٹ کا زمین دوز ٹرنک نظر آئے اس میں اتر جانا۔۔

مم۔۔میں۔۔۔نہیں۔۔جاؤں۔۔

گی۔۔جنگل۔۔میں۔۔مم۔۔میں۔۔نہیں۔۔جاؤں۔۔گی۔۔زرمش نے

خوفزدہ ہوتے وہ دیوار کی طرح دکھتا دروازہ بند کر دیا تھا۔

جنگل مس جاؤ ورنہ وعدہ کرتا ہوں حویلی آکر تمھارے گال نیلے کر دوں

گا۔یہ وعدہ ہے اس

bloodthirst beast

کا۔اور میں اپنا وعدہ کبھی نہیں توڑتا۔تمھارے نازک گال دانتوں سے چبا

ڈالوں گا میں۔آریان ایکسلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھاتے لیپ ٹاپ کی طرف

دیکھتے حلق کے بل اتنی زور سے دھاڑا تھا۔ زرمش کے ہاتھوں سے فون اچھل کر دور جا گرا تھا۔۔

آہہہ۔۔ آریان یہ دیکھتے ہوے حلق کے بل چیخا تھا۔

زرمش دیوار میں سمائے اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔

وہ لوگ اب پہنچنے والے تھے۔۔ آریان خانزادہ جیسے پاگل ہوا تھا۔

فون اٹھاؤ۔۔ ورنہ میں حویلی پہنچ کر تمھاری قبر اپنے مڈنایٹ کے ساتھ بناؤں گا۔ آریان خانزادہ ان لوگوں کی گاڑی حویلی کے گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھ کر جیسے پاگل ہوتا غرا اٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ کی سکرین پر اب ان لوگوں کی گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ لوگ گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

آریان خانزادہ کے سامنے گہری کھائی آچکی تھی مگر وہ بنا پرواہ کیے لیپ ٹاپ کی سکرین پر زرمش پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

اٹھاؤ فون!! آریان خانزادہ نے دھاڑتے ہوے سامنے گہری کھائی آتے دیکھتے پریک پر پاؤں پر رکھ کر گاڑی روکنا چاہی تھی۔ گاڑی پھسلتی ہوئی دور تک گئی تھی۔ وہ بریک پر پاؤں رکھے اپنی پوری فورس لگائے گاڑی روکتے ہوے لیپ ٹاپ کی سکرین پر ہی نظریں جمائے ہوے تھا۔ ابھی بھی سامنے نہیں دیکھ رہا تھا۔

پتہ نہیں کس چیز کا خوف اسے اس وقت پاگل کیے ہوے تھا۔ گاڑی پھسلتی کھائی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ موت سے زیادہ کسی اور چیز کا خوف تھا۔ اور یہ خوف پہلی مرتبہ آریان خانزادہ کے اندر سرایت کیا تھا

اٹھاؤ فون ورنہ آج میں تمھیں واپس آکر چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا۔ اگر غلطی سے بھی تم ان لوگوں کے ہاتھ لگی۔ ان کی نظر تم پر پڑی!! وہ فون پر اپنی پوری قوت لگائے چیخا تھا۔ زمین پر پڑے فون سے آریان خانزداہ کی دھاڑ سنائی دے رہی تھی۔ زرمش خوفزدہ ہوتے اس کی چیخیں سن رہی تھی۔ وہ بھی اب بال مٹھیوں میں جکڑے آریان خانزادہ کی چیخیں سنتے چیخیں مار رہی تھی۔

آہہہ۔۔ آریان خانزادہ حلق کے بل چیخا تھا۔ اس کی گاڑی کھائی سے ایک دو فٹ کے فاصلے پر رک چکی تھی۔ آریان خانزادہ نے جلدی سے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوے اسے حویلی کے راستے ڈالی۔۔

وہ لوگ اس کے گیٹ پر گولیاں برسا رہے تھے۔ وہ لوگ اتنے بڑے گیٹ پر ایک ہی جست میں چڑھ کر وہ دوسری طرف کود چکے تھے۔ وہ لوگ سپیشل ٹرینرز تھے۔۔ وہ لوگ تعداد میں سات تھے۔۔

آہہہ۔۔ انھیں گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اپنے مٹھیوں میں دبوچتے چیخا۔۔

فون اٹھاؤ میرا ناپاک وجود!! اقسم کھاتا ہے آریان فارس خانزادہ اپنے باپ فارس خانزادہ کی کہ چاقو سے تمھارے وجود کے اتنے ٹکڑے کرے گا جتنے کبھی اپنے کسی دشمن کے نہیں کرتا۔ یاد رکھنا میری ایک بات یہ

scariest animal

کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتا۔ وہ فون پر چیخا تھا۔ اس نے یہ قسم سچی کھائی تھی اگر وہ اس کا فون نہ اٹھاتی وہ اس کے ساتھ یہی کرتا۔۔ وہ کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتا تھا۔

لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آنے والے اس نازک وجود کا آخر یہی انجام تھا۔

وہ لوگ داخلی دروزاے کی طرف بڑھ چکے تھے۔ وہ اب اس کے سکیورٹی سسٹم کو ناکارہ بنا رہے تھے۔ یہ سکیورٹی سسٹم گولیوں سے نہیں کھل سکتا تھا۔ اسے ڈیفالٹ ہی کیا جا سکتا تھا۔ یہ لوگ کر سکتے تھے وہ جانتا تھا۔ یہ سپیشل ٹیم فورس تھی جو سپیشلی آریان خانزادہ کے لیے بھیجی گئی تھی۔۔

فون اٹھاؤ مس خان!! میرے لیے نہ سہی اپنے لیے اٹھاؤ ورنہ اش روئے زمین پر کسی ذی روح کی موت اتنی بے درد نہیں ہو گی جتنی میں تمھیں دوں

گا۔ یاد رکھنا یہ موت تمھیں صرف آریان خانزادہ دے گا وہ انھیں اپنا سکیورٹی سسٹم ناکارہ کرتے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر سے فون پر چیخا تھا۔

سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔

زرمش اس کی چیخ و پکار سنتے کانپتے ہوئے فون کی طرف بڑھتے گھٹنوں کے بل بیٹھتی فون کان سے لگا گئی۔۔

اسی وقت جنگل میں جاتے ہوئے اس تہہ خانے میں چھپ جاؤ۔ آریان خانزادہ نے لیپ ٹاپ کی سکرین پر اسے دیکھتے اسے برفیلے لہجے میں غراتے ہوئے حکم دیا۔ اب اس کی گاڑی کے حویلی کی طرف بڑھنے میں پانچ منٹ رہ چکے تھے۔ وہ لوگ اس کا سکیورٹی سسٹم ناکارہ بنا چکے تھے۔۔ وہ جانتا تھا وہ سب سے پہلے اس کے روم میں داخل ہوتے اس کے کبرڈز کے ایک ایک

کونے کا جائزہ لیتے خفیہ راستے خفیہ لاکرز تلاش کریں گے۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ زرمش کے پاس ہوں گے۔

ممم۔۔میں۔وہاں

۔۔نہیں۔۔۔۔جاؤں۔۔گی۔۔۔وہاں۔۔وہ۔۔۔ٹائیگر۔۔۔۔ہے۔۔وہ۔۔

مم۔۔مجھے۔۔۔۔کھا۔۔جائے۔۔گا۔۔زرمش روتے ہوے بولی تھی۔

نہیں کھاتا وہ تمھیں مگر ہاں تم زندہ بچ گئی تو یہ

scariest animal

ضرور تمھیں چیر پھاڑ دے گا۔ آریان خانزادہ سٹیرنگ کو گھماتے ہوے غرایا۔ وہ لوگ اب اندر داخل ہو چکے تھے۔۔

آریان

۔۔مم۔۔۔میرے۔۔۔ساتھ۔۔۔ایسا۔۔مت۔۔کریں۔۔زرمش ٹوٹے لفظوں سے۔۔کانپتے ہوے التجائیہ لہجے میں شدت سے روتے ہوے بولی۔

ابھی اسی وقت جنگل کی طرف بھاگو۔وہ سکرین پر ان لوگوں کو اندر داخل ہوتے دیکھتے گرج اٹھا تھا۔

نہیں بھاگوں گی!!زرمش بھی جواباً فون پر اپنی پوری قوت لگائے چیخی تھی۔

بھاگو گی تم!!وہ زرمش سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخا تھا۔۔زرمش فون کان سے لگائے گھٹنوں کے بل بیٹھے اپنے گلے کو جکڑے اب اونچا اونچا رو رہی تھی۔

بھاگو جنگل کی طرف ورنہ آج رات اسی کرسی پر تمھیں باندھ کر اس ٹائیگر کے آگے چھوڑ دوں گا۔ ابھی تو وہ پیسمنٹ میں موجود نہیں!! مگر پانچ منٹ میں مس خان۔۔ پانچ منٹ میں مس خان!! میں تمھاری موت بن کر تمھارے سامنے ہوں گا۔ تمھارا کیا حال کروں گا تم سوچ بھی نہیں سکتی۔

آریان خانزادہ کی گاڑی اب گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

زرمش اس کی دھمکی پر زمین سے اٹھتے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔۔ آریان خانزادہ اسے جنگل کی طرف بڑھتے دیکھتے گہرے سانس بھرتے اب اپنی تمام پسٹلز میں گولیاں چیک کر رہا تھا۔ جو اس کی پینٹ کی ہر پاکٹ میں تھی۔۔

زرمش بھاگتے ہوئے جنگل کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔ وہ ننگے پاؤں اس گھنے جنگل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ وہ بیسمنٹ کہاں تھا اسے پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ

بھاگتے ہوے رکی تھی۔اس کے پاؤں میں کانٹا چبھا تھا۔ آہہہ۔۔زرمش درد سے چیخی تھی۔

سامنے کی طرف بنار کے بھاگتی جاؤ اپنی پوری فورس لگائے۔پاؤں میں کانٹے چبھے یا آسمان سے آگ برسے آج تم رکو گی نہیں ورنہ تمھارے نازک وجود کو میں رات بھر ان کانٹوں پر گھسیٹوں گا۔ آریان خانزادہ اسے رکتے دیکھ کر سرد و سپاٹ لہجے میں چیخا تھا۔وہ لوگ اس کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے اور وہ اس کی گاڑی گیٹ تک پہنچ چکی تھی۔

زرمش نے سسکتے ہوے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا جہاں کانٹا چبھتے اس کے پاؤں کو لہولہان کر چکا تھا۔زرمش نے سسکتے ہوے اپنے پاؤں کو ذرا سا اوپر اٹھائے وہ کانٹا نکالنے کی کوشش کی۔۔اس کے پاؤں کا نازک تلوہ زخمی ہو چکا

تھا۔ وہ ایک ہاتھ فون کان سے لگائے دوسرے کپکپاتے ہاتھ سے وہ کانٹا نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جو شاید وہ کبھی نہ نکال سکتی تھی۔

بھاگو ضرورت نہیں کانٹا نکالنے کی۔ ایسے ہی بھاگو۔۔ وہ اس کے نازک پاؤں سے خون رستا دیکھ کر دھاڑا۔ وہ لوگ اس کے کمرے کی ہر چیز برباد کر چکے تھے۔ اس کے خفیہ لاکرز تک پہنچ چکے تھے۔ عنقریب وہ اس کمرے میں موجود اس خفیہ دروازے کی طرف پہنچ جاتے جو جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔۔ وہ بسیمنٹ تک بھی آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ اسے صرف زرمش کو تب تک سیف کرنا تھا جب تک وہ خود اس تک پہنچ نہ پاتا۔

بھاگو!! وہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھتے حلق کے بل بھوکے درندے کی مانند دھاڑا تھا۔ زرمش اس کی دھاڑ پر اگلے لمحے اپنی پوری فورس لگائے روتے ہوئے بھاگنے لگی

ایک ہاتھ میں فون پکڑے دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کرتے چیختے ہوے بھاگ رہی تھی۔ کانٹے اس کے تلوں میں پیوست ہو چکے تھے۔ وہ بھاگ نہیں پا رہی تھی۔ مگر اس

bloodthirst beast

کی دہشت اتنی تھی کہ وہ اس کی ایک دھاڑ پر اپنے سارے درد بھول سکتی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں صرف ایک ہی انسان سے دہشت کھاتی تھی وہ تھا

bloodthirsty beast

۔۔ موت سے زیادہ دہشت تھی اس

bloodthirst beast

کی تھی اس پر!!۔ آریان خانزادہ اپنی گاڑی سے اتر تا گیٹ پر چڑھتے دوسری طرف پھلانگ چکا تھا۔ اگر وہ سپیشل ٹرینز تھے اس سے بڑا ٹرینز کون ہو سکتا تھا۔ وہ گیٹ سے بھی اونچی دیواروں پر بنا کسی سہارے کے لمحوں میں چڑھ سکتا تھا۔ اگر وہ لوگ خطرناک تھے اس سے زیادہ خطرناک اس روئے زمین پر کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ سات تھے اور ایسے درجنوں کے لیے اکیلا ہی کافی تھا۔ وہ منٹوں میں ایسی سپیشل فورس کو دھول چٹا سکتا تھا۔

آریان خانزاہ اپنے دونوں ہاتھوں میں پسٹل پکڑے ہوے تھا۔ ایک کان میں اب وہ بلوٹوتھ لگا چکا تھا۔ تاکہ کسی صورت زرمش سے رابطہ نہ ٹوٹے۔۔

وہ بھاگتے ہوے اندر کی طرف بڑھا.

زرمش آسمان کی طرف دیکھتے فریادی روتے ہوئے چیختے ہوئے اپنی پوری قوت لگائے بنار کے بھاگتے ہوئے اپنے بلکل سیدھ میں آگے کی بڑھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ کے کانوں میں اس کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔۔اب وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔وہ اس کی چیخ و پکار سن رہا تھا۔

آریان خانزادہ دبے قدموں سے اپنے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا۔پیچھے سے کوئی اس کی گردن اپنے بازو میں بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔

وہ سیاہ فام اونچا سا کافی طاقتور آدمی تھا۔وہ آریان خانزادہ کی گردن کو خطرناک حد تک دبوچے ہوئے تھا۔

وہ سات لوگ اس کی میلوں پھیلی حویلی میں پھیل چکے تھے۔اس کی حویلی اندر سے بھی بہت بڑی تھی۔وہ لوگ اس کی حویلی کے ہر کونے میں پھیلے اس کے ہر خفیہ لاکرز تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے۔۔

آریان خانزادہ کی رنگت سرخ ہو چکی تھی اس کی گرفت میں !! آریان خانزادہ اپنی گردن کو دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے چھڑوانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔۔

وہ آدمی ہنستے ہوے اس کی گردن کو جکڑے ہوے تھا۔ آریان خانزادہ نے اپنی شرٹ کی پاکٹ سے چاقو نکالتے ہوے اپنا ایک ہاتھ اوپر لے جاتے وہ چاقو اس کی آنکھ میں گھسیڑ دیا تھا۔۔وہ چیختے ہوے آریان خانزادہ کو چھوڑ چکا تھا۔ آریان خانزادہ نے اس کی طرف مڑتے اس کے منہ پر ہاتھ رکھے چاقو اس کی آنکھ سے نکالتے ہوے ہوے اس کی شہہ رنگ کاٹ دی تھی۔۔وہ

بے دردی سے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے ساکت ہو چکا تھا۔ آریان خانزادہ اس سب میں پسینے میں نہلا چکا تھا۔ اپنے بالوں کو جھٹکا دیتے اس نے پسینے کے قطرے جھاڑتے اپنے ایک ہاتھ سے اپنے بال سنوارے۔

وہ اس آدمی کی لاش کو ایک سائیڈ پر کرتے ہوئے آگے بڑھا

زرمش بھاگتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ درد سے اس کے پاؤں اس کا بدن چور چور تھا۔ یکدم وہ کسی پتھر سے ٹھوکر لگنے پر درد سے کراہتے ہوئے چیختے ہوئے گھٹنوں کے بل گری تھی۔

اٹھو اور بھاگو! آریان خانزادہ اس کی چیخ سنتا بلوٹوتھ پر ہاتھ رکھتے غرایا۔ وہ سمجھ چکا تھا وہ زمین پر کسی چیز کی ٹھوکر لگنے سے گری ہے۔ زرمش فون پر اس وحشی درندے کی غراہٹ سنتے گھٹنوں کے بل بیٹھے آسمان کی طرف دیکھتے پوری قوت سے اب پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ فون وہ ابھی تک

کان سے لگائے ہوے تھی۔ وہ اس فون کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ جس کے دوسری طرف وہ وحشی درندہ تھا۔

بھاگو!! آریان اس کی دردناک چیخیں سنتے غرایا۔ کمرے میں موجود لوگ اس تک نہ پہنچ جائے وہ جیسے یہ سوچتے پاگل ہو رہا تھا۔ وحشت سی اس کے وجود پر چھا رہی تھی۔

۔زرمش اسی لمحے اٹھتے ہوے بھاگتے ہوے بیسمنٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

آریان خانزادہ اب دبے قدموں اندر کی جانب بڑھا۔ وہ اپنے شوز اتار کر چل رہا تھا۔ اسے اپنی سانسیں روکنا آتا تھا۔ دشمن کو کیسے بیوقوف بنایا جاتا ہے اسے پتہ تھا۔ مگر وہ لوگ بھی تو اسی جیسے تھے وحشی درندے!! اس کی ہر چال سے واقف۔۔

آریان خانزادہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کے کمر پر ایک چاقو آکر پوست ہوا۔ آریان خانزادہ اپنی چیخ حلق میں گھونٹتے ہوئے اسی لمحے زمین پر منہ کے بل گر گیا تھا۔ اب وہ بلکل ساکت تھا۔ اس کے پیچھے کھڑا آدمی حیران تھا۔ وہ اتنی جلدی ساکت کیسے ہو سکتا تھا؟؟ اسے یہ آریان خانزادہ زندہ چاہیے تھا۔ ورنہ وہ پہلی فرصت میں اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل کی گولیاں اس کے سینے میں اتار دیتا۔ وہ چوکنا ہوتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے جھکتے ہوئے آریان خانزادہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہی تھا۔

آریان سیدھے ہوتے اپنی سائلنسر لگی پسٹل سے اس پر فائر چکا تھا۔۔ آریان خانزادہ نے وہ فائر اس کی گردن پر کیا تھا۔ تاکہ وہ آواز بھی نہ نکال سکے ۔۔ اس کے باقی آدمیوں تک اس کی آواز نہ پہنچ سکے۔ وہ آدمی ڈھیر ہوتا

زمین پر گرا تھا۔ آریان خانزادہ مسکراتے ہوئے زمین سے اٹھا۔ دانت پر دانت جمائے اپنی بیک سے چاقو بے دردی سے نکالتے

وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

اب وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ریسنگ روم میں داخل ہوتے وہ وہاں کھڑے دو آدمیوں کو دیکھتے مسکرایا تھا

تو تم ہو آریان خانزادہ!! ان میں سے ایک آدمی اسے دیکھ کر ہنسا تھا۔

میں کون ہوں؟؟ یہ تو لوگ کبھی نہیں جان سکتے۔ پہلے اچھی طرح میری اصل پہچان اور میرا نام تو جان لیتے پھر میری حویلی میں داخل ہوتے۔ اب افسوس رہے گا تم لوگ مرنے سے پہلے میری اصل پہچان سے بھی واقف نہ ہو سکے۔

آریان کی بات پر وہ لوگ جلدی سے اس پر اپنی پسٹلز تان چکے تھے۔

ان کی پسٹل سے نکلتے فائر پر آریان زمین پر چت گرتے اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑی پسٹل سے کئی فایر ان پذ کر گیا۔

وہ لوگ چیختے ہوے اب زمین پر تڑپ رہے تھے۔

آریان خانزادہ مسکراتے ہوے زمین سے اٹھا۔۔

تم لوگوں کو میں زندہ چاہیے تھا۔ اور مجھے تم لوگ مردہ!!

آریان خانزادہ کو مارنا تو آسان ہے مگر اسے زندہ پکڑنا ناممکن!! مجھے زندہ رکھنے کی کوشش میں تم لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آریان مسکراتے ہوے ان کے سینے میں کئی گولیاں اتار چکا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے کمرے سے نکلتے ہوے بھاگتے ہوے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ باقی لوگ اوپر ہو سکتے تھے۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے اوپر آیا تھا۔۔

وہ یکدم رکا تھا بنا رکے ہی وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی پسٹل پیچھے کی طرف کرتے اپنے پیچھے کھڑے آدمی پر فایر کر گیا تھا۔ اب آریان خانزادہ قہقہ لگا کر پاگلوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

میں زندہ چاہیے تھا ان لوگوں کو۔۔ وہ مڑتے ہوے اس ساکت پڑے انسان کو دیکھ کر اونچا قہقہ لگا گیا۔

وہ بھاگتے ہوے اس سارے کمروں کو دیکھتا ٹیرس پر آیا۔ کوئی اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھ چکا تھا۔

آریان خانزادہ رکتے اپنی پسٹل زمین پر پھینکتا اسی لمحے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا گیا۔۔

اس کنپٹی پر پسٹل رکھے انسان اب قہقے لگا رہا تھا۔

دیکھ لو آریان خانزادہ تمھیں زندہ پکڑ لیا۔۔اب تمھارے ساتھ کیا سلوک ہو گا تمھیں اچھی طرح اندازہ ہے۔ویسے بتاؤ تمھاری پہچان آخر ہے کیا؟؟سارے راز آج ہمارے ہاتھ لگ چکے ہیں۔۔باقی کے راز تمھارے منہ سے نکلوا لیے جائیں گے۔

جانتے ہو ناں ہمارے ہاں کیسی کیسی اذیتیں دی جاتی ہیں۔وہ خوفناک آواز میں بولتے آریان کے پچھلے زخم پر اپنے ہاتھ میں پکڑا چاقو گھسیڑ چکا تھا ۔آریان خانزادہ کے لبوں سے دلخراش چیخ برامد ہوئی تھی۔

ارے تم جیسا درندہ چیختا بھی ہے اسے درد بھی ہوتا ہے۔۔اس نے غراتے ہوے اس کی کمر میں چاقو کو مزید کھبویا تھا۔۔ تمھیں اپنے ساتھ لے کر جاتے تمھارا برا حال کر دوں گا۔اس نے اب بے رحمی سے چاقو آریان کی کمر سے نکالا آریان خانزادہ کی دلخراش چیخیں سے پہاڑوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

اس نے اپنی پسٹل آریان کی کنپٹی میں پوری قوت سے مارتے اسے بیہوش کیا تھا۔یہ ایک خاص ٹرک ہوتی ہے جس سے انسان بیہوش ہو جاتا ہے۔یہ دماغ کے اس حصے پر ضرب لگائی جاتی ہے 90٪ انسان بیہوش ہو جاتے ہیں۔

آریان کراہتے ہوے اسی لمحے زمین پر گرتے ہوے ساکت ہو چکا تھا۔وہ آدمی آریان کو ساکت دیکھتے فخر مندی سے مسکرایا تھا۔

آریان نے اسی لمحے آنکھیں کھولتے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکتے آنکھ ونک کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے آریان خانزادہ زمین پر اپنی پسٹل پکڑے اس آدمی کے ٹانگوں پر یکے بعد دیگرے فایر کر چکا تھا۔

وہ آدمی کراہتے ہوے زمین پر گرا تھا۔ آریان خانزادہ مسکراتے ہوے کھڑا ہوا۔

اچھی ٹرک تھی۔ مگر اتنی مرتبہ میں ایسے بہوش کیا جا چکا ہوں کہ اب یہ سب مجھ پر اثر نہیں کرتا۔۔ افسوس تمھیں بھی میں زندہ چاہیے تھا۔ اگر تم مجھے مار دیتے تو آج یوں موت کے لیے تڑپ نہ رہے ہوتے۔۔ آریان خانزادہ اس کی ٹانگوں کے زخم پر اپنا پاؤں رکھ چکضا تھا۔ وہ آدمی درد سے کراتے چیخے مار رہا تھا۔ آریان خانزادہ اس بازوؤں سے گھسیٹتے ہوے ٹیرس

کے کارنر تک لے جاتے اسے ٹیرس سے نیچے پھینک چکا تھا۔ وہ آدمی ٹیرس سے نیچے گرتا جنگل میں موجود ایک پتھر پر گرتا ساکت ہوا تھا۔

آریان خانزادہ گہرے سانس لیتے سڑھیاں اترتے نیچے آیا۔

اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے وہ لاشوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ سب کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ وہ اپنے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے طمانیت سے مسکراتے بلند و بانگ قہقہ لگا گیا۔۔

وہ اب اطمینان سے کچن کی طرف بڑھا۔۔ اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے فریج کی طرف بڑھتے سٹیک بنانے کے لیے فروزن بیف نکالا۔۔ اسے کٹنگ بورڈ میں رکھتے چاقو کی نوک اس ٹکڑے میں پوری قوت سے گاڑھی تھی۔ سٹوو کو آن کرتے اس پر نان سٹک پین رکھتے وہ فروزن ٹکڑا اس فرائی پین پر رکھا۔ اس کی سینڈ و خون سے تر تھی۔ وہ اس وقت پسینے

میں بھیگا ہوا تھا۔ گیلے بال پھر سے پیشانی پر چپکے تھے۔ وہ اطمیان سے وہ بیف کا ٹکڑا اس فرائی پین پر اچھال رہا تھا۔ آریان خانزادہ نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ وہ صرف بیس منٹ میں ان 7 آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ وہ گہرا مسکرایا تھا۔ یکدم اس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔۔

وہ لوگ 7 تھے۔۔ آریان خانزادہ کے لبوں نے آہستگی سے الفاظ دہرائے ۔وہ 7 تھے۔۔ آریان خانزادہ یہ لفظ دہراتے بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

داخلی دروازے کے پاس پڑی لاش کو دیکھ کر اس نے کاونٹ 1 کیا۔وہ اب تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔2 دوسری لاش دیکھ کر اس

نے کاونٹنگ کی تھی۔اب وہ بھاگتے ہوے اپنے کمرے کے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔

ادھر پڑی دو لاشوں کو دیکھ کر اس کے لبوں نے حرکت کی 3 ,4 تھی۔اب وہ پاگلوں کی طرح سڑھیاں چڑھتے اوپر آیا۔

لاونج میں پڑی لاش کو دیکھ کر وہ آہستگی سے بولا۔!! 5

اب وہ تیزی سے ٹیرس کی طرف بڑھا۔

ٹیرس سے نیچے پتھر پر پڑی لاش کو دیکھ کر وہ حلق کے بل !6 چیخا۔

وہ ساتواں انسان کہاں ہے ؟؟ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ آریان نے گہرا سانس لیتے اپنے کان میں لگی بلوٹوتھ کو ہاتھ لگایا۔

جہاں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔۔۔نہ سانسوں کی نہ چیخوں کی۔

آہہہ۔۔ آریان خانزادہ آسمان کی طرف دیکھتے پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔اب وہ بھاگتے ہوئے ایک ہی جست میں ساری سیڑھیاں پھلانگ چکا تھا۔وہ بھاگتے ہوئے اب جنگل کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔

---.----------

زرمش بلا آخر بھاگتے ہوئے بسمنٹ تک پہنچ چکی تھی۔ٹرنک کا دروازہ نقلی گھاس سے کور تھا۔پتہ نہیں چل سکتا تھا یہاں کوئی بیسمنٹ ہے۔زرمش نے وہاں گھٹنوں کے بل بیٹھتے وہ نقلی قالین تلاش کی۔وہ گھاس کو ہاتھوں سے کھرچتے چیک کر رہی تھی۔۔۔ساتھ ساتھ وہ چیختے ہوئے رو رہی تھی۔ آریان خانزادہ اسے بیسمنٹ میں کیوں بھیج رہا تھا؟!وہ نہیں جانتی

تھی۔ مگر اس کے حکم پر اسے اس بیسمنٹ میں اترنا ہی تھا۔ ٹائیگر کا خوف اسے اندر تک لرزائے ہوئے تھا۔

!!بھاگو جنگل کی طرف ورنہ آج رات اسی کرسی پر تمھیں باندھ کر اس ٹائیگر کے آگے چھوڑ دوں گا۔ ابھی تو وہ بیسمنٹ میں موجود نہیں!! مگر پانچ منٹ میں مس خان۔۔ پانچ منٹ میں مس خان!! میں تمھاری موت بن کر تمھارے سامنے ہوں گا۔ تمھارا کیا حال کروں گا تم سوچ بھی نہیں سکتی!! آریان خانزادہ کی دھمکی یاد کرتے وہ اور بھی تیزی سے اپنا کام کرنے لگی تھی

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ایک جگہ سے دوسری جگہ گھاس کھرچ رہی تھی ۔۔ یکدم اس کے ہاتھوں نے نرم سی قالین کو چھوا تھا۔ زرمش نے گہرا سانس لیتے اسے ہٹایا۔ اسے وہ ٹرنک نظر آ گیا تھا۔

اس نے روتے ہوے اس ٹرنک کے ہینڈل کو مشکل سے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔

آہہہہ۔۔۔اس نے چیختے ہوے پوری قوت لگائے وہ ٹرنک اٹھانے کی کوشش کی۔بہت بھاری ٹرنک تھا مگر آریان خانزادہ کے خوف نے پتہ نہیں کیسے اس کے اندر طاقت بھر دی تھی۔وہ ٹرنک سائیڈ پر کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔وہ جلدی سے سیڑھیاں اترتے بیسمنٹ میں داخل ہوئی۔

وہ کپکپاتے ہوے بسیمنٹ میں داخل ہو چکی تھی۔

اس نے گہرے سانس لیتے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں وہ ٹائیگر کہیں نہیں تھا۔وہ بے یقینی سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

یکدم اس کے گال پر کسی کا زناٹے دار تھپڑ لگا تھا۔ وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھتے منہ کے بل گری تھی۔

زرمش نے خوفزدہ ہوتے سیدھا ہوتے دیکھا اپنے سامنے ایک بے حد خوفناک باڈی بلڈر ٹائپ اونچا تگڑے انسان کو دیکھتے وہ خوفزدہ ہوتے پیچھے کو کھسکی

اس آدمی کی حوس ذدہ نگاہیں زرمش کے خوبصورت جسم پر تھیں۔ گیلا فراک اس کے بدن کے ساتھ چپکا جو نظارے پیش کر رہا تھا وہ سامنے کھڑے انسان کو پاگل کر چکا تھا۔

وہ ایک ہی جست میں اس تک بڑھتے زرمش کے بالوں کو گدی سے دبوچ گیا تھا۔

آہہ۔زرمش درد سے چیختے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔۔

کیا بات ہے اس آریان خانزادہ کی؟؟کیا خوبصورت عورت کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔وہ اس کے نیلے گال پر انگلیاں پھیرتے ہوے ہنسا تھا۔

تم مسلمان لڑکیاں آخر کھاتی کیا ہو؟!کون سی چکی کا آٹا کھاتی ہو؟؟اس کے خوبصورت نقوش اور اس کے خوبصورت قیامت بدن کو دیکھتے وہ پاگل ہوتا سوال کر گیان

زرمش کپکپاتے ہوے اسے سراسیمگی سے دیکھتے مزید پیچھے کو کھسکی۔

سنا تھا یہاں کے پہاڑوں کی خوبصورتی الگ ہی ہوتی ہے۔اتنا حسن تو کسی بھی پہاڑوں میں نہیں جتنا نمکین حسن یہاں ہے۔وہ اس کے قریب پنجوں کے

بل بیٹھے اس کے بال بے دردی سے دبوچے بی زرمش کے نشیب و فراز پر نگاہیں گاڑھے حوس ٹپکتے لہجے میں بولا۔

مم مجھے چھوڑ دو!!زرمش نے کانپتے ہاتھوں اس کے سینے پر ہاتھ ڈالتے اسے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ مگر وہ تو کسی پہاڑ کی طرح تھا۔اس کا نازک وجود اس کا مقابلہ نھیں کر سکتا تھا۔وہ اسے ذرا بھی دور نہیں دھکیل سکی تھی۔

تمھیں نہیں چھوڑ سکتے تم ہمارے ساتھ جاؤ گی۔اس آریان کے متعلق ساری انفارمیشن دو گی۔ ہمارے ٹارچر سیل میں روز ہم بہت سارے مردوں کو سہتے ہوے۔۔۔وہ قہقہ لگا گیا تھا۔زرمش اس کی بات سنتے بے حد خوفزدہ ہوئی تھی۔

خوف سے اس کے نشیب و فراز مزید سانسیں بھرنے لگے تھے۔وہ آدمی پاگل ہوتا اس کے قریب ہوا۔

چھوڑو مجھے !!زر بمش س کی خوفناک شکل دیکھتے چیخی۔ وہ ہنستے ہوے اس کے اوپر ابھی آیا ہی تھا۔ اس کے ناپاک وجود نے ابھی زرمش کو ٹچ بھی نہیں کیا تھا کہ بسمینٹ میں دلخراش چیخیں گونجنے لگی تھیں۔

آہہہ۔۔ وہ سر پر ہاتھ رکھے پیچھے ہوا تھا۔۔۔

زرمش پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس آدمی کو چیختے ہوے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے پاس زمین پر پڑا تھا۔ آریان خانزادہ ہاتھ میں ایک لوہے کا سریہ پکڑے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

زرمش منہ پر ہاتھ رکھتے اپنی چیخیں روکتے ہوے پیچھے کو کھسکی تھی۔

۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں ٹپکتی وحشت اس کی جان نکال رہی تھی

آریان خانزادہ نے وہ سریہ اب اس آدمی کے منہ پر دمار یا تھا۔ اس آدمی کی دلخراش چیخیں سنتے زرمش اب اپنی چیخ حلق میں گھونٹ نہ سکی تھی۔

زرمش مزید پیچھے کو کھسکی تھی۔

آریان خانزادہ سریے سے اسکے پورے بدن کو بہت بے دردی سے داغ رہا تھا۔ جیسے وہ یہ سریہ زمین پر مار رہا ہو۔

کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ حیران تھی۔ زرمش دیوار کے ساتھ لگے آریان خانزادہ کے وحشی روپ کو دیکھ کر کانپ رہی تھی۔

وہ اس زخمی آدمی کے اوپر بیٹھتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے چاقو نکالے اس کی گردن میں دبوچ چکا تھا۔

اس انسان کی دلخراش چیخیں گونج رہی تھی۔۔وہ کسی جانور کی طرح مچلتے آوازیں نکال رہا تھا۔۔اس کی گردن میں چاقو کی نوک کھبی ہوئی تھی۔۔سر چہرے سے خون نکل رہا تھا۔

بہت زیادہ آگ ہے تیرے جسم میں؟؟وہ اس کی جبڑہ دبوچتے غرایا

دوسرے لمحے وہ اس کی گردن سے چاقو نکالتے ٹانگوں کی طرف بڑھا۔وہ آدمی بری طرح چیخ رہا تھا۔بسیمنٹ اس کے خون سے رنگ چکا تھا۔

زرمش پھٹی پھٹی نگاہوں سے آریان کو دیکھ رہی تھی۔خوف سے وہ ساکت ہو چکی تھی.

آنکھیں بند کرو اپنی!! آریان زرمش کو دیکھتے دھاڑا تھا۔زرمش اس کی دھاڑ پر اسی لمحے خوف سے آنکھیں بند کر چکی تھی۔آریان خانزادہ نے اس

کی پینٹ کی بیلٹ ہاتھ ڈالتے کھینچ چکا تھا۔وہ آدمی نے بمشکل اپنی گردن اٹھاتے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔وہ بمشکل بولا۔۔

آریان مسکراتے ہوے اس اپنا کام کر چکا تھا۔اس آدمی کی خوفناک چیخیں بیسمنٹ میں گونج رہی تھیں۔زرمش اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ کھڑے ہوتے سر یہ اٹھائے اس گردن میں چاقو والی جگہ پر پوری قوت سے گھسیڑ چکا تھا۔

اس آدمی کی آخری گھٹی گھٹی چیخ برامد ہوئی۔ آریان سر یہ نکالتے اب اس کا منہ کھولے اس میں گھیسڑ گیا۔۔

وہ اب ساکت ہو چکا تھا۔ آریان خانزادہ سر یہ نکالے اپنی پیشانی سے ٹپکتا پسینہ صاف کرتے زرمش کی طرف بڑھا۔

اس کے بھڑکیلے نشیب و فراز پر نظر پڑتے آریان خانزادہ کے تن بدن میں آگ لگی تھی۔ اس کے بدن پر اتنا فٹنگ والا فراک چبھا تھا۔ یہ کپڑے جس عورت کے تھے۔ وہ آیندہ اس عورت کو بھی کپڑے نہیں پہننے دے سکتا تھا۔ آریان خانزادہ کو اب پتہ چلا تھا وہ اتنی بیہودہ ڈریسنگ کرتی ہے۔

وہ بغیر چادر کے کمرے سے کیوں نکلی؟؟ وہ یہ سوچتے جیسے پاگل ہوا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھتے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹا گیا

زرمش آنکھیں میچے تھر تھر کانپ رہی تھی۔۔

آریان کی نظر اس کے گال پر پڑی تھی۔۔۔جہاں اس کا دیا ہوا تھپڑ کا نشان تھا۔۔مگر اس پر ایک ابھری ہوئی لکیر تھی۔کسی اور کے انگلیوں کے نشان تھے۔وہ وحشت سے اس گال پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

یہ کک کس نے کیا؟؟وہ پاگل ہوتا چیخا تھا۔

زرمش اس کی دھاڑ پر اپنی سسکیاں روکے آنکھیں مزید سختی سے میچ گئی۔

آنکھیں کھولو!!آریان خانزادہ گہرے سانس لیتا دھاڑا

زرمش چیختے ہوے اسی لمحے آنکھیں کھول گئی۔

کس نے کیا یہ؟؟کس نے تمھیں مارا یہ تھپڑ؟؟کس نے دیا یہ نشان تمھیں؟؟وہ گہرے سانس لیتے خون اتری آنکھوں سے غرایا۔

اس۔۔اس۔۔۔نے۔۔۔زرمش نے انگلی سے بمشکل اس ساکت چیر پھاڑے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کی طرف بڑھا تھا۔اس کے اوپر بیٹھتے ہوے وہ اس کے گال پر پوری قوت سے تھپڑ مارا تھا۔

زرمش منہ پر ہاتھ رکھے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔جو اس ساکت انسان کے گال پر تھپڑ مارے جا رہا تھا۔وہ بنار کے تھپڑ مار رہا تھا

آریان خانزادہ کے تھپڑوں کی گونج پورے بیسمنٹ میں گونج رہی تھی۔

زرمش منہ پر ھاتھ رکھے خوفزدہ ہوتے رو رہی تھی۔وہ بنار کے پچھلے دس منٹوں سے اس کے گال پر تھپڑ لگا رہا تھا۔وہ بھی پوری قوت سے۔۔

زرمش کو لگ رہا تھا وہ جلد اپنے ہوش کھو دے گی۔

تھپڑ مارا اسے تو نے ؟؟ اسے چھوا ؟؟ اس پر بری نظر ڈالی۔ وہ چیختے ہوے اس کے گال کو سجا چکا تھا۔ گال کا تو حشر بگھڑ چکا تھا۔

اس نے اٹھتے ہوے اب وہ سر یہ اس کے گال پر مار کر اس کا گال مسخ کر گیا۔

زرمش نے اپنے چکراتے سر کو جکڑا تھا اس سے پہلے وہ اپنے ہوش کھوتی وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کھڑا کر گیا تھا۔ زرمش چکراتے ہوے اس کے کشادہ سینے میں سمائی تھی۔ آریان اسی لمحے اسے خود سے دور دھکیل گیا۔

چادر کہاں ہے تمھاری مس خان !! وہ اس کے نشیب و فراز کو دیکھتے قہر الود لہجے میں غرایا۔

وہ۔۔وہ۔۔۔اندر۔۔زرمش نے بمشکل اسے دیکھتے ہچکی لی۔وہ تو تھر تھر کانپ رہی تھی.

آیندہ تم کمرے سے باہر چادر کے بغیر نہیں نکلو گی سمجھی تم!!وہ اس کا جبڑہ دبوچتے برفیلے لہجے میں غرایا۔

زرمش نے خوف سے اسی لمحے سر اثبات میں ہلایا۔

وہ اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کے بازو کو جکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

آہہہ۔۔۔زرمش چیختے ہوے شدت سے رودی تھی۔اس کے پاؤں کے تلوں میں پیوست کانٹوں کی وجہ سے وہ ایک قدم نہیں چل پا رہی تھی۔

آریان اس کی درد بھری چیخیں سنتے بے حس بنا اسے کلائی سے کھینچتے ہوے سڑھیوں کی طرف بڑھا۔ زرمش کی دلسوز چیخوں میں آضافہ ہوا تھا۔ اریان خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔۔ اس نے مڑتے ہوے خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

مم۔۔ میں۔۔ مر جاؤں۔۔ گی۔۔ زرمش نے سسکتے ہوے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آریان خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئیا گلے لمحے اسے زوردار چکر آیا تھا۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتے اس کے بانہوں میں سمائی تھی۔ آریان خانزادہ اسی لمحے اس کے نازک وجود کو بانہوں میں اٹھا گیا۔ آریان خانزادہ کی سبز وحشت بھری آنکھیں زرمش کے گال پر تھیں جہاں اس آدمی نے تھپڑ مارا تھا۔۔ اس کے گال پر کسی اور مرد کی انگلیوں کے نشان دیکھتے وہ وحشت سے پاگل ہوا تھا۔

آہہہہ۔۔۔۔وہ زرمش کو گود میں اٹھائے چیختے ہوے اس آدمی کی لاش کی طرف بڑھتے اپنے پاؤں سے اس کے گال پر ضرب لگا گیا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آیا۔اب وہ جبڑے بھینچے تیزی سے اسے لیے حویلی کے اندر داخل ہوا۔۔

حویلی کے اندر داخل ہوتے وہ اسے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔۔ آج رات وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

جب تک اسے یقین نہ ہو جاتا خطرہ ٹلا نہیں۔

آریان خانزادہ اسے بیڈ پر لٹاتے ہوے جلدی سے اس کے قدموں کی طرف بڑھا۔ جھکتے ہوے اس نے اس تلوں سے کانٹے کھینچ کر نکالے۔۔

وہ بیہوشی کے عالم میں بھی سسک پڑی تھی۔۔ آریان خانزادہ جبڑے بھینچتے ہوئے جلدی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔ میڈیکل باکس الماری سے نکالتے اس نے زرمش کی طرف بڑھتے اس کے پیروں میں بیٹھ کر اس کا زخم کاٹن سے صاف کرتے مرہم لگاتے ہوئے پٹی کی تھی۔۔ وہ اب اس کے چہرے کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا۔ اس کی کھردری انگلیاں زرمش کے گال پر سرسرا رہی تھیں۔ جہاں اس آدمی کے تھپڑ کی انگلیاں کے نشان بھی ھے۔ وہ سختی سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ ۔اس آدمی کی لاش کو وہ اپنے جانورون کے حوالے کرنے کا آرادہ رکھتا تھ۔ اسے اتنا بے درد موت دے کر بھی اسے سکون نہیں آیا تھا

آریان نے وہ خاص مرہم اس کے گال پر لگائی۔ جس سے یہ نشان صبح تک چلا جاتا۔۔ اس گال پر اسے کسی اور کی انگلیوں کی چھاپ گوارانہ تھی۔۔ وہ

اس پر کمبل ڈالتے ہوے واش روم کی طرف بڑھا۔ اپنے زخموں کی مرہم پٹی کروانے کے بعد زرمش کے ہوش میں آنے سے پہلے اسے ان لاشوں سے اپنی حویلی صاف کرنی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا یہ نازک وجود ہوش میں آنے کے بعد یہ سب دیکھتے مزید خوفزدہ ہو جائے۔ کیونکہ اس نازک وجود کو ابھی اس کی پناہوں میں مزید رہنا تھا۔

درخزئی خانزادہ کی گاڑی بہت بڑی حویلی کے کارپورچ میں آکر رکی تھی۔ عنائیہ نے ابھی تک گھونگھٹ لیا ہوا تھا۔

تقریباً تین گھنٹے سے بھی طویل مسافت وہ طے کر کے آئے تھے۔ وہ درخزئی خانزادہ سے اتنی خوفزدہ تھی کہ گاڑی رکنے پر بھی اس نے اپنا گھونگھٹ نہیں پلٹا تھا۔

اترو نیچے !!در خزئی خانزادہ سرد سپاٹ لہجے میں کہتے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے گاڑی سے اتر گیا تھا۔ عنائیہ نے گہرے سانس لیتے گھونگھٹ میں ہی اپنی غرق آلود پیشانی اپنی انگلیوں کے پوروں سے صاف کی تھی۔۔ گاڑی بے حد ہیٹڈ تھی۔ اس سے کہیں زیادہ در خزئی خانزادہ کے سرد برفیلے رویے نے اس کے پورے وجود کو پسینے میں تر کیا ہوا تھا۔ حویلی آنے پر اس کا پورا وجود شدت سے لرزنے لگا تھا۔ عنائیہ نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا گھونگھٹ اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ گہرا سانس لیتے پھر سے وہ گھونگھٹ خود پر ڈال گئی تھی۔ راستے میں جو کچھ ہوا وہ اب اس کی آجازت کے بغیر کیسے یہ گھونگھٹ پلٹ سکتی تھی؟؟ در خزئی خانزادہ سے شدت سے محبت کرنے کے باوجود اس کا خوف اس ک روگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔۔ وہ اس کے خوف سے بری طرح کانپ رہی تھی۔

درخزئی نے اسے گاڑی میں یونہی بیٹھے دیکھ کر جبڑے بھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔

گاڑی سے نیچے اترو!! کس کا انتظار کر رہی ہو؟! یہاں اس حویلی میں تمھارا استقبال کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے۔ اور جس طرح میں تمھیں رخصت کروا کر لایا ہوں۔ تمھیں لگتا ہے میں تمھیں اٹھا کر بہت پیار سے اپنے ساتھ اندر لے کر جاؤں گا۔ درخزئی خانزادہ نے دروازہ کھولتے ہوئے جھکتے ہوئے اس کے کان کے پاس غراہٹ کی تھی۔

درخزئی خانزادہ کی غراہٹ پر عنائیہ کی آنکھیں شدت سے گلابی ہوئیں۔

درخزئی خانزادہ نے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر اسے بازو سے سختی سے دبوچتے باہر نکالا۔۔

گاڑی سے باہر نکلتے ہوے برفیلی ہواؤں نے عنائیہ کا استقبال کیا تھا۔ یہاں سردی کی شدت کہیں زیادہ تھی۔ دریا کا شور تو حویلی میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا یہ حویلی ہی دریا کے اوپر ہو۔ جیسے دریا کے اوپر پل تھا۔۔

یہاں سچ میں سردی کی شدت بہت زیادہ تھی۔۔ جو عنائیہ کا نازک بدن برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

عنائیہ کپکپاتے ہوے اسی لمحے بے اختیاری میں درخزئی خانزادہ کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ ورنہ سردی کی شدت سے اس کی جان چلی جاتی۔

درخزئی مم مجھے سردی لگ رہی ہے!! یہاں سردی آپی کی حویلی سے کہیں زیادہ ہے۔ عنائیہ اس کے سینے سے لپٹتے ہوے کپکپاتے لبوں سے بولی تھی۔

سردی کی شدت سے درخزئی خانزادہ کی رنگت شدید سرخ ہو رہی تھی ۔عنائیہ کے سینے سے لگنے پر اس کی رنگت میں مزید سرخیاں گھلی تھیں۔۔

ہاں یہاں سردی کی شدت بہت زیادہ ہے۔اور سال کے بارہ مہینوں میں یہاں سردی ہی رہتی ہے۔ تمھاری آپی کی حویلی سمجھو شہر میں تھی اور یہ پہاڑوں اور دریاؤں میں گری حویلی ہے۔جہاں کے راستے بہت زیادہ خطرناک ہیں۔یہ سفاک خانزادوں کا سوات نہیں بلکہ اس سر پھرے خانزادہ کا کلام ہے۔ایک عام امریکہ کا نازک شہری یہاں آسانی سے نہیں آ سکتا۔نہ ہی سے یہاں بھاگا جا سکتا ہے۔

وہ طنزیہ انداز میں بولتے عنائیہ کا گھوگھٹ الٹ گیا تھا۔

عنائیہ نے آنکھیں جھپکتے ہوے درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے آنسو اپنے اندر اتارے تھے۔ درخزئی خانزادہ کے طعنے اس کے دل میں برچھیوں کی طرح کھب رہے تھے۔

درخزئی اس کے دلہن کی طرح سجے خوبصورت نقوش کو دیکھ کر جلدی سے اپنی نگاہیں چرا گیا تھا۔ وہ اس دلہن کے لباس میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی میرون شال گھونگٹ الٹنے سے اب زمین پر پڑی تھی۔ وہ اب صرف بلاوز اور لہنگے میں اس کے سامنے کھلے بالوں کے ساتھ ہیوی جیولری پہنے کھڑی تھی۔ ہونٹوں پر ڈیپ بلڈ ریڈ لپ سٹک لگی ہوئی تھی۔ رونے اور سردی کی وجہ سے اس کی چھوٹی سی تیکھی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ گلابی گالوں پر آنسوؤں کی لکریں تھیں۔

وہ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سردی کی شدت سے بری طرح کانپتے ہوے اس کی سامنے کھڑی تھی۔۔ سردی کی وجہ سے نہ صرف اس کا نازک بدن کانپ رہا تھا بلکہ اس کے موتیوں جیسے دانت بھی آپس میں بجنا شروع ہو چکے تھے۔۔ سردی کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اس کے گلابی گال کچھ ہی لمحوں میں خون چھلکانے لگے تھے۔

وہ کانپتے ہوے درخزئی خانزادہ کے سینے میں پھر سے شدت سے سمائی تھی۔ وہ درخزئی خانزادہ کے چوڑی کمر کے گرد اپنے نازک بازوؤں کا حصار مضبوط کر گئی۔ وہ کانپتے ہوے اتنی شدت سے درخزئی میں سمارہی تھی کہ اس کی نازکی درخزئی کے سینے سے بری طرح ٹچ ہو رہی تھی۔ بلکہ عنائیہ کی دھڑکنیں تک درخزئی خانزادہ کے سینے میں بج رہی تھی۔ وہ لمحوں میں اپنی قربت اپنی خوبصورتی سے اسے جیسے زیر کر چکی تھی۔ وہ اسے خود سے دور

جھٹک نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ مٹھیاں بھینچے حویلی سے نظر آتے رات کی تاریکی میں برفیلے سفید چادر سے ڈھکے پہاڑوں پر اپنی نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

عنائیہ کانپتے ہوے اس میں سمائے ہی جا رہی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی نم آنکھوں میں نمی کے ساتھ سرخی کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ درخزئی خانزادہ اپنے نچلے لب کو سختی سے دانتوں میں پیوست کر گیا۔ وہ اسے آخر کیوں خود سے دور جھٹک نہیں پا رہا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

درخزئی بہت سردی لگ رہی ہے۔ بہت زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ مم میں اس سردی میں مر جاؤں گی۔ وہ درخزئی خانزادہ میں شدت سے سماتے ہوے کانپتے لبوں سے بولی۔ درخزئی خانزادہ اس کے لبوں سے مرنے والی بات پر جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ وہ اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار اس کی برہنہ کمر پر شدت سے مضبوط کر گیا تھا۔ عنائیہ مزید شدت سے اس میں سماتے ہوے

درخزئی خانزادہ کے شوز پر اپنے سینڈل والے پاؤں رکھتے اس میں مزید شدت سے سمائی تھی۔۔

درخزئی کی مضبوط گرفت اس کے گرد مضبوط تر ہوتی جارہی تھی۔وہ جس طرح اس میں سمارہی تھی۔درخزئی خانزادہ کا پورا وجود جیسے عنائیہ کی طلب میں سوالی بن کر کھڑا تھا۔آنکھیں خمار آلود ہو چکی تھیں۔۔بدن میں جواں جذبے دوڑتے ہوے اس کے وجود میں بے چینیوں کے ساتھ تبدیلیاں بھی لے آئے تھے۔جواں جذبوں میں ایسی طغیانی مچی تھی اتنی سردی میں بھی درخزئی خانزادہ کے پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔عنائیہ سردی کی شدت سے بے حال ہوتے اس میں سماتی ہی جارہی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اسے خود سے الگ کرنے کی کوشش کی۔

عنائیہ اس میں مزید شدت سے سمائی تھی۔اب اس کا ایک گھٹنہ اب درخزئی خانزادہ کے ساتھ مس ہو رہا تھا۔۔

درخزئی خانزادہ کے پورے بدن کا خون سمٹ کر جیسے اب اس کی آنکھوں میں اترا تھا۔

وہ صرف سردی کی شدت سے نہیں اس سے لپٹ رہی تھی۔وہ کیا کر رہی تھی وہ اب سمجھا تھا۔ورنہ اس کا گھٹنہ کبھی اس کے ساتھ ایسے مس نہ ہوتا۔

درخزئی خانزادہ اسی لمحے اسے بازو سے جکڑے خود سے ایک جھٹکے سے دور کر گیا تھا۔

وہ درخزئی خانزادہ کے جھٹکنے پر گرتے گرتے بچی تھی۔وہ اگر پتھر کے بنے پلر کو نہ تھامتی وہ یقیناً منہ کے بل گرتی۔درخزئی اب اسے خون اشام

نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ وہ پلر کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے

درخزئی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو اسے سرد سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

درخزئی خانزادہ کی معنی خیز طنزیہ جتاتی نگاہوں پر وہ شرمندگی سے نگاہیں چرا

گئی تھی۔ توہین وخفت سے اس کی رنگت تپ کر قندھار ہوئی تھی۔

جو تم چاہتی ہو!! وہ تمھیں ضرور ملے گا مائی سوین!! وہ اس کے قریب ہوتے

اس کی ٹھوڑی اوپر کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔ سردی۔۔ لگ۔۔ رہی

۔۔ تھی۔ غلطی سے آپ کے ساتھ ٹچ ہوئی۔ مم مجھے نہیں پتہ یہ سب کک

کیسے ہوتا ہے؟!۔۔ مم مجھے نہیں پتہ درخزئی شوہر اپنے جسم کی گرمی کیسے

اپنی بیوی کو دیتا ہے؟!۔ مم میں آپ کو

نہیں کر رہی تھی۔۔ مم میرا یقین کریں۔ مجھے تو آپ اور اپ کی اس حویلی سے بہت خوف آ رہا ہے۔

وہ کپکپاتے لبوں سے وضاحت دیتے درخزئی کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے اب اب رو پڑی تھی۔

مجھے ایسے مت دیکھیں درخزئی!! خوف سے میری دھڑکنیں رک جائیں گی۔ عنائیہ اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے التجائیہ لہجے میں بولتے شدت سے رونے لگی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی سرخ آنکھیں اسے اندر تک لرزا رہی تھیں۔

عنائیہ کی نگاہیں درخزئی خانزادہ سے ہوتے اس کی خطرناک برف سے ڈھکے پہاڑوں میں گری حویلی پر جا ٹھہری تھیں۔ عنائیہ کی آنکھیں خوف سے سکڑی اور پھیلی تھیں۔ یہ حویلی بہت بڑی تھی۔ لان کا راستہ اوپر نیچے

تھا۔ جس پر پتھروں کی بہتات تھی۔۔۔ ایسا لگ رہا تھا وہ لان نہیں جیسے بہت بڑا پہاڑ ہو جسے کاٹ کر اوپر نیچے راستے بنائے گئے ہو۔

حویلی کی دور سے نظر آتی دیواریں بڑے بڑے پتھر رکھ کر تعمیر کی گئی تھیں۔۔ داخلی دروازے کے آگے بڑے بڑے برامدے تھے۔ جن میں پلر بھی پتھروں کو جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ وہ اتنے خوفناک لگ رہے تھے ایسا لگ رہا تھا ابھی یہ پلر گر جائیں گے۔ حویلی کے اندر بہتے دریا کا اتنا شور تھا کہ کان کے پردے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔۔۔ سامنے کافی دور نظر آتا گیٹ بہت اونچا تھا۔ اور حویلی کی پتھروں والی دیواروں پر خاردار تاریں نصب تھی۔۔ وہ تو حیرانگی سے ان پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو برف سے ڈھکے تھے مگر بے انتہا خوفناک لگ رہے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ حویلی پہاڑوں کے اوپر ہے یا پھر پہاڑوں میں گری ہے۔ یہ جگہ سوات جیسی نہیں

تھی۔۔ یہ تو کوئی اور ہی جگہ تھی۔ یہاں کی دیواریں یہاں کے پہاڑ یہاں کی برفیلی ہوائیں سب کچھ مختلف تھے۔۔ بہت الگ بہت اجنبی!! بہت سرد بہت برفیلے!!

عنائیہ نے خوف سے درخزئی خانزادہ کو دیکھا جو اس کی ہرنی سی سہمی آنکھوں میں اس جگہ کو لے کر خوف دیکھ چکا تھا۔

عنائیہ نے درخزئی خانزادہ کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے خوف سے ہچکی لی ۔واقعی میں سوات کی ہر چیز چھوٹ چکی تھی سامنے کھڑا سوات کا خانزادہ بھی بہت پیچھے چھوٹ چکا تھا۔ اب مقابل کلام کا خانزادہ تھا جو شائد سفاکی میں سوات کے خانزادوں سے بڑھ کر ہی تھا۔ عنائیہ اس کی حویلی کے باہر کھڑے گارڈز کی تعداد دیکھ چکی تھی۔ کار پورچ میں کھڑی درجنوں قیمتی گاڑیوں کی تعداد دیکھ کر بھی وہ حیران تھی۔ اس نے تو درخزئی خانزادہ کو

ہمیشہ پولیس موبائل میں دیکھا تھا۔ مقابل اتنی دہشت والا تھا اسے خبر ہی نہ تھی۔

کیا دیکھ رہی ہو مائی سوین؟؟ اس خوفناک حویلی کو!! یہ تو کچھ نہیں میری کم عمر بیوی!! ابھی تمھیں میرے بارے میں بہت کچھ جاننا ہے۔۔ عادت ڈال لو اب خود کو یہاں کا حصہ بنانے کی! یہ حویلی آج سے تمھاری!! اب یہ حویلی ہو گی اور اس کی اونچی اونچی دیواریں اور تم ان میں قید!! میں تو مہینوں یہاں قدم نہیں رکھتا۔ تمھیں اکیلے ہی یہاں رہنا ہے۔۔ درخزئی اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکتے پر سرایت سے مسکرایا تھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔۔ درخزئی۔۔ مم۔۔ میں

۔۔۔۔ آپ۔۔۔ کے۔۔۔ بغیر۔۔۔ یہاں

۔۔ ایک۔۔ پل۔۔ نہیں۔۔ رہ۔۔ سکتی۔۔ مم۔۔ میں۔۔۔ کک۔۔ کیسے۔

۔۔ مہینوں۔۔ رہوں۔۔ گی ؟!۔۔ درخزئی۔۔ میں۔۔ خوف۔۔۔ سے۔۔ مر

۔۔۔ جاؤں۔ گی۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔ اکیلا۔۔ مت۔ چھوڑنا۔ وہ خوفزدہ ہوتے

درخزئی کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ یہاں ایک منٹ اکیلے نہیں رہ

سکتی تھی کجا کہ مہینوں رہتی۔ وہ شدت سے اندر تک کانپی تھی۔

امریکہ بھی تو جا رہی تھی اکیلی۔ وہاں بھی تو کوئی نہیں تھا تمھارے

پاس۔۔ درخزئی طنزیہ لہجے میں بولتے مسکرایا ہوا۔

وہ بات اور تھی درخزئی!! عنائیہ نے روہانسے ہوتے نچلا لب بچوں کی طرح

باہر نکالا تھا۔ وہ اسے مہینوں یہاں چھوڑ کر جانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ عنائیہ کا

دل خوف سے بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی

۔ برفیلی ہواؤں کے باوجود پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔

وہ بات اور کیسے تھی مائی سوین؟؟ اوہاں۔۔۔۔۔۔وہاں تمھارے ساتھ وہ مائیکل بھی تو ہوتا تم نے کہاں اکیلا ہونا تھا؟؟۔وہ زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتے طنزیہ انداز میں بولتے اپنی آستین کہنیوں تک فولڈ کرتے اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔

وہ صرف میرا دوست تھا درخزئی!!عنائیہ نے اس کے گہرے طنز پر ہچکی لیتے وضاحت تھی۔

دوست!!درخزئی طنزیہ انداز میں اس کا کہا لفظ دہراتے منہ پر ہاتھ پھیرتے رخ پلٹے قہقہ لگا گیا تھا۔

دوست تھا وہ صرف میرا درخزئی!!عنائیہ اس کی پشت پر نگاہیں گاڑھے پلر میں سمائے چیخی تھی۔وہ کم سے کم مائکل کے حوالے سے اس کی نگاہوں میں خود کے لیے بے اعتباری نہیں دیکھ سکتی تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کی چیخ پر رخ پلٹے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

آواز نیچے !! آواز نیچے۔۔ میری بیوی بن کر میری حویلی میں کھڑی ہو اس لیے آواز اور آنکھیں جھکی ہوں تو اچھا ہے۔۔

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔

وہ۔۔ صرف۔۔ دوست۔۔ ہے۔۔ میرا۔۔ د۔۔ رخز۔۔ ئی۔۔۔ عنائیہ نے کانپتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے بے حد آہستگی سے روتے ہوئے وضاحت دی تھی۔

دوست ہے نہیں دوست تھا۔ درخزئی خانزادہ مزید شدت سے اس کا جبڑہ دبوچتے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے دھاڑا اٹھب۔

اس کی دھاڑ کی گونج پہاڑوں سے ٹکراتی حویلی کے درودیوار سے ٹکرائی تو عنائیہ خوف سے لرز اٹھتے پلر کے پتھروں میں جیسے سمائی تھی۔

د۔۔۔د۔۔۔دوست۔۔۔ت۔۔ھا۔۔در۔۔۔خ۔۔زئی۔۔عنائیہ نے خوف سے بری طرح کانپتے ہوے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے اس کے لفظوں کو دہرایا۔

کیا بات ہے مائی سوین؟؟ مجھے تو لگتا تھا تم بہت بہادر ہو؟؟ بہت نخریلی بہت ضدی ہو۔ تمھاری ضدیں پوری کرتے تمھارے نخرے اٹھاتے اٹھاتے میں ہلکان ہو جایا کروں گا۔ مگر تم تو بہت ڈرپوک نکلی۔۔ یہاں میں نے کچھ کہا نہیں تمھاری آنکھوں سے سیلاب بہنا شروع کر دیتا ہے۔ درخزئی اس کے عارض پر بہتے آنسو کو اپنی انگلی کی پور پر چنتا مسکرایا تھا

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔سے۔۔۔ڈر۔۔۔ لگتا۔۔ہے۔۔ عنائیہ نے روتے ہوے ہچکی لی تھی۔

کیوں؟؟ درخزئی خانزادہ نے سرد وسپاٹ لہجے میں آئی بروا چکائے تھے۔

کیونکہ آپ خانزادے ہیں۔ عنائیہ نے ہچکی لیتے اس کی شرٹ کو ایک بار پھر سے مٹھیوں میں جکڑے اس میں سمانے کی کوشش کی۔

پلر یخ برفیلا تھا۔۔ڈیپ برہنہ بلاوز اور لہنگے میں اس کا بدن اب ٹھنڈک سے جیسے سکڑ رہا تھا۔ مقابل کی گرمی ہی اس کے یخ ٹھنڈے وجود کو گرما سکتی تھی۔

سر پھرا خانزادہ توصیح کر لو!!وہ غراتے ہوے اسے بازو سے جکڑے خود سے دور کر گیا تھا۔ وہ بے حال ہوتے پھر سے پلر میں جا سمائی تھی۔۔

مجھ میں بار بار مت سماؤ مائی سوین!! جو تم چاہتی ہو وہ تمھیں ضرور ملے گا۔۔ کرنے کو میرے پاس کچھ رہا ہی نہیں۔ اب دن رات تمھارے بدن کا حصہ بن کر تمھیں بتاؤں گا۔ یہ سر پھرا خانزادہ اصل میں ہے کیا؟؟ وہ طنزیہ مسکراتے ہوئے عنائیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا تھا۔

عنائیہ پلر کے ساتھ ٹیک لگائے بے حال ہوتے آنکھیں میچ گئی تھی۔ درخزئی کی گہری نگاہیں شدت سے اس پر گڑھیں تھیں۔ اس کے سلکی بال برفیلی ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے۔ کچھ لٹیں اس کے عارض پر بکھری تھیں۔ درخزئی کی گہری نگاہیں اس کے خوبصورت نقوش سے ہوتے اس کے قیامت خیز مخملی سراپے پر جا ٹھہریں تھیں۔

اس کے بے حد خوبصورت کندن و نشیب و فراز سے لگتا نہیں تھا۔ وہ سولہ سال کی ہے۔۔ وہ ایک بھرپور دوشیزہ تھی۔۔ وہ اتنی پرکشش تھی کسی بھی

عابد و زاہد کا ایمان ڈگمگا سکتی تھی۔ اس کی برہنہ گہرائیاں دیکھتے درخزئی خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

یکدم اس کی نگاہ اس کے برہنہ پیٹ سے ہوتے اس کی بیلی بٹن پر جا ٹھہری تھیں۔ جہاں بے حد خوبصورت چمکتے بیٹس لٹک رہے تھے۔ یہ دیکھتے درخزئی خانزادہ کی آنکھیں شدت سے سرخ ہوئیں۔

اس کی سرد انگلیاں اس کے بیلی بٹن میں پہنی ہوئی جیولری کو چھو گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ کا لمس اپنی بیلی بٹن پر محسوس کرتے عنائیہ کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ شرم سے نگاہیں جھکی تھیں۔ دھڑکنوں میں خوف اور درخزئی خانزادہ کے لمس سے بھونچال مچا تھا۔ مقابل کا لمس پہلی مرتبہ یہاں محسوس کیا تھا۔ وہ مقابل کا بے باک لمس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ اس کے ذرا سا چھونے پر اس کی دھڑکنوں کے منتشر ہونے سے اسے پتہ چل چکا تھا۔

یہ کب کروائی

piercing

؟؟ درخزئی خانزادہ نے سرد لہجے میں سوال کیا تھا۔

کچھ ماہ پہلے !! پاکستان سے آنے سے تھوڑے دن پہلے۔ عنائیہ نے نظریں جھکائے کپکپاتے لبوں سے جواب دیا۔

جس سے کروائی وہ میل ڈاکٹر تھا۔ درخزئی خانزادہ کے سوال پر عنائیہ نے اپنی خوفزدہ آنکھیں درخزئی کی آنکھوں میں گاڑھیں۔ وہ کیا پوچھ رہا تھا؟! وہ اب سمجھی تھی اس کی آنکھوں کی رنگت یکدم سرخ کیوں ہوئی تھی۔

اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ برفیلہ کیوں ہوا تھا

نن۔۔۔ نہیں۔۔ تو۔۔ فی۔۔ میل۔۔ ڈاکٹر۔۔۔ تھی۔ عنائیہ نے درخزئی کی آنکھوں میں دیکھتے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔

وہ عنائیہ کے جھوٹ پر اپنی مٹھیاں دبوچتے پیچھے ہوے تھا۔ عنائیہ اسے پیچھے ہٹتے دیکھ کر رودی تھی۔

اندر چلو!! درخزئی خانزادہ سرد و سپاٹ لہجے میں کہتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

درخزئی یہ تو آپ کے نکاح میں آنے سے پہلے کروایا تھا ناں!! آپ مجھے ان باتوں کی سزا کیسے دے سکتے ہیں؟؟ جو میں نے آپ کے نکاح میں آنے سے پہلے کیں۔۔ امریکہ میں رہنے والی وہ لڑکی جس پر کسی مرد کی روک ٹوک نہ ہو۔ وہ اتنی آزاد ہوتی ہے درخزئی!! امریکہ میں یہ سب بہت عام ہے

۔ عنائیہ نے پلر میں سماتے ہوے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے بری طرح

کانپتے ہوے ہچکی لیتے کہا۔ وہ اندر چل کر اس کے ساتھ کیا سلوک کرے؟؟

وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔

جو کچھ تم نے میرے نکاح میں آنے کے بعد کیا؟؟ اس کا کیا؟؟ اس کی سزا بتا سکتی ہو کیا ہو گی تمھارے نزدیک؟!

میں تمھارے لیے پوزیسیو ہو سکتا ہوں۔ شدید پوزیسیو ہو سکتا ہوں۔ تمھاری بیلی بٹن پر کسی مرد کے ہاتھ لگے۔ اس بات کو لے کر ہفتوں میری آنکھیں سرخ رہیں گی۔ مگر تمھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں سر پھرا ضرور ہوں مگر سفاک نہیں۔۔۔ مگر جو تم نے میرے نکاح میں آنے کے بعد کیا اب ہفتوں کیا سالوں کیا ساری عمر میری آنکھوں کی سرخی کم نہیں کر سکتی۔۔ تمھیں اب ساری عمر یہ سزا کاٹنی ہو گی۔۔ وہ برفیلے لہجے میں کہتے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عنائیہ اس ٹھنڈے یخ پلر میں سمائے سختی سے آنکھیں میچے رو دی تھی۔۔

ایک منٹ میں تم حویلی کے اندر ہونی چاہیے ہو۔ اگر ایک منٹ سے ذرا بھی ٹایم اوپر ہوا۔۔ میں داخلی دروازہ بند کر دوں گا۔ ساری رات باہر رہنا پڑے گا۔ اور میری یہ سزا سہن نہیں کر پاؤ گی۔ درخزئی خانزادہ بنا پلٹے ہی گرجا تھا۔ اس کی گرج اور دھمکی پر عنائیہ شدت سے لرز اٹھی تھی۔

عنائیہ نے بے یقینی سے سامنے نظر آتے بھاری منقشم لکڑی کے دروازے کو دیکھا تھا۔ جو کہ یہاں سے اچھا خاصہ دور تھا۔ اس تک جانے کے لیے پتھروں کی روش بچھائی ہوئی تھی۔ وہ ہیل پہنے اتنے بھاری لہنگے میں آخر کیسے ایک منٹ میں پہنچ سکتی تھی؟؟۔ وہ آنکھوں کو پھیلائے درخزئی کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ انھیں پتھروں کی روش پر اپنے بھاری قدموں سے چلتے ہوئے لمہ بالمحہ اس سے دور ہو رہا تھا۔

You have only one minut my sweet just one minut

درخزئی کی گرج پر وہ شدت سے لرز اٹھی۔۔ دوسرے لمحے وہ اپنا بھاری لہنگا دونوں ہاتھوں میں اٹھائے ان پتھروں کے روش پر پوری قوت سے بھاگنے لگی۔ وہ ان پتھروں کی روش پر وہ لہنگا دونوں ہاتھوں میں جکڑے ہیلز کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ وہ یہاں اتنی سردی میں اب ایک منٹ نہیں رہ سکتی تھی۔ سامنے چلتا پتھروں کی روش پر مغرور شہزادے سے اسے جانے کیوں سفاکی کی انتہا کی امید تھی۔ وہ اس کا ایس پی بے باک مسکراتا درخزئی خانزادہ نہ رہا تھا۔ یہ آج سفر کے دوران اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ سفاکیت میں سوات کے خانزادوں سے بڑھ کر ہی تھا۔

ہیل اور بھاری لہنگے کی وجہ سے اس سے بھاگنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی کانچ کی چوڑیوں میں پہنی خوبصورت سی چھوٹی سی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں۔ آدھا منٹ گزر چکا تھا۔ وہ مزید اپنی فورس لگائے بھاگنے لگی۔

یکدم اس کا ہیل والا پاؤں لڑکھڑایا تھا۔ آہہ۔۔ وہ چیختے ہوئے گھٹنوں کے بل پتھروں کی روش پر گری۔

اس کی چیخ پر درخزئی خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔ مٹھیاں سختی سے بھنچی تھیں۔

عنائیہ اب ٹھنڈے برفیلے پتھروں کی روش پر بیٹھے اپنے پاؤں کو جکڑے روتے ہوئے اس بے درد انسان کو دیکھ رہی تھی جس نے مڑ کر اسے دیکھا تک نہ تھا۔

عنائیہ کی پر سوز ہچکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ درخزئی کی چوڑی پشت کو دیکھتے پر سوز ہچکیوں سے روتے جارہی تھی۔ درخزئی خانزادہ اس کی ہچکیوں کو سنتا گہرے سانس لیتا خود پر قابو پائے ہوے اپنی مٹھیاں دبوچے ہوے تھا۔

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

کیا میں نے پالیا

کیا میں نے کھو دیا ہے

شاید یہ سوچ کر ہی

دل آج رو دیا ہے

تو ہی تھا تو میرا اپنا

کیسے پھر ٹوٹا یہ سپنا

تو جو مل کے کھو جائے گا

جینا مشکل ہو جائے گx

دخزئی کی چوڑی پشت کو دیکھتے عنائیہ کی پر سوز ہچکیوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ اپنے سود و زیاں کا حساب شدت سے ہو رہا تھا۔ وہ اپنی کم عقلی سے بہت کچھ کھو چکی تھی۔

Your time start now you have only one minut

مزید ٹائم نہیں ملے گا۔

درخزئی خانزادہ کی دھاڑ پر وہ بے یقین ہوئی تھی۔ وہ تو سچ میں بے رحم تھا۔ کلام کا بے رحم سر پھرا خانزادہ!

سنا نہیں کیا کہا ہے؟؟ درخزئی خانزادہ کی گرج پر عنائیہ کانپتے ہاتھوں سے جلدی سے اپنے سینڈل کے سٹریپ کھولنے لگی۔ وہ ان ہیلز کے ساتھ نہیں بھاگ سکتی تھی۔

ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے عنائیہ سے سٹریپ کھل نہیں رہے تھے۔۔

در۔۔ خزئی۔۔ سینڈل کے سٹریپ نہیں کھل رہے میں ہیلز کے ساتھ نہیں بھاگ سکتی۔۔۔ عنائیہ نے ہچکی لی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اس کی بات پر رخ پلٹے اس کی طرف دیکھا وہ آس بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ درخزئی لب بھینچے اپنے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

عنائیہ اسے شبنمی آنکھوں سے دیکھتے ہوے پتھروں پر پیچھے کی طرف کھسکتی ہوئی خود میں سمٹتے نگاہیں جھکائے اپنے سینڈل کے سٹریپ کھولنے لگی۔

درخزئی کے اپنی طرف بڑھتے بھاری بوٹوں کی دھمک اسے اپنے کانوں میں بجتے اس کا دل خوف سے دھڑکا رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کے ہاتھوں کی لرزاہٹ کو بغور دیکھتے اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ عنائیہ نے اسے ہرنی سی خوفزدہ آنکھوں سے دیکھتے سسکی لی تھی۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھے اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

درخزئی خانزادہ اس پر سرد سرخ آنکھیں گاڑھے اس کے پاؤں کو اپنی سخت گرفت میں جکڑ گیا تھا۔ وہ اس کی نرم و ملایم پنڈلی کو بے حد سختی سے جکڑے ہوے تھا۔

در۔۔ خزئی۔۔ عنائیہ نے کپکپاتے لبوں سے اسے پکارا۔

آئندہ تمھیں میں ہیلز پہنے نہ دیکھوں!! اب تم ان پہاڑوں کے درمیان رہو گی۔ ان پتھروں کی روش پر چلو گی۔ یہ ٹک ٹک کرتی ہیل یہاں نہیں چلتی۔۔ یہ امریکہ کی سڑکیں نہیں جہاں تم کیٹ واک کر سکو۔۔ پہاڑوں میں آئی ہو تو پہاڑوں میں رہنے والی عورتوں کی طرح رہنا سیکھو۔۔ آیندہ ہیلز کو چھونا تو دور کی بات تم ان کی طرف دیکھو گی بھی نہیں۔

درخزئی خانزادہ کی بات پر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے ہیلز پہننا بہت پسند تھا۔ بلکہ کریز تھا۔ اس کے پاس فلیٹ جوتے بہت کم تھے ۔وہ تو پہنتی ہی ہیلز تھی۔ اور وہ اسے ہیلز پہننے سے منع کر رہا تھا۔

Is it clear my swain!!

درخزئی اس کی ڈبڈبائی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

عنائیہ نے اس کی غراہٹ پذ جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔ درخزئی اس کی سینڈل کی سٹریپ کھولنے لگا۔ عنائیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ جو نظریں جھکائے اس کی سینڈل کی سٹیریپ کھول رہا تھا۔

سینڈل کی سٹریپ کھولنے کے بعد درخزئی اسے لمحے زمین سے اٹھتے کھڑا ہوا۔

عنائیہ بھی اس کی تقلید میں اپنے سینڈل کے سٹریپ کھولتے ہوئے جلدی سے کھڑی ہوئی تھی۔ مگر پتھروں کی چبھن سے وہ کراہتے ہوئے وہ پھر سے انھیں پتھروں کا حصہ بنی تھی۔

درخزئی میں نہیں چل سکوں گی۔ عنائیہ نے اس کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں کہا۔ پتھروں کی روش پر ننگے پیر چلنا بہت مشکل تھا۔

درخزئی اسے سپاٹ سرد نگاہوں سے دیکھتے جھکا تھا۔ عنائیہ خوفزدہ ہوتے پتھروں پر نامحسوس انداز میں پیچھے کو کھسکی تھی۔

درخزئی اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔ ساتھ ہی وہ ایک ہاتھ سے اس کی سینڈلز پکڑ گیا تھا۔

عنائیہ نے بے یقینی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے اپنی گود میں اٹھائے گا وہ بے یقین ہوئی تھی۔۔

وہ بھیگی نگاہوں سے بے یقینی سے اس کے سرد سرخ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے کی طرف دیکھتے آگے بڑھ رہا تھا۔

عنائیہ کی دل کی دھڑکنیں شدت سے اس کے سینے میں بج رہی تھیں۔ درخزئی خانزادہ کی مردانہ مہک سے اس کی سانسیں الجھ رہی تھیں۔ عنائیہ کی نگاہیں اس کی سرد سرخ چہرے سے ہوتے اس کی گردن پر جا ٹھہریں تھیں۔ جو جتنی سفید تھی اتنی سرخ تھی جس کی نیلی رگیں بھی ظاہر ہو رہی تھیں۔ عنائیہ کی گلابی بھیگی نگاہیں اس کی شرٹ کے اوپری کھلے بٹنوں سے نظر آتے کسرتی سینے کے براؤن بالوں پر پڑیں۔۔ وہ لب کاٹتے

گلابی ہوئی تھی۔۔وہ اتنی وجیہہ پرسنیلٹی کا مالک تھا اس نے نکاح کے بعد کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔اب مقابل کی ہر چیز اٹریکٹ کرتی تھی۔مگر وہ اس کی دسترس میں نہ رہا تھا۔

عنائیہ نے پھر سے اس کے تیکھے نقوش کی طرف دیکھا جو کہ تنے ہوے تھے۔۔چہرے پر غیض و اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔۔عنائیہ نے روہانسے ہوتے بمشکل اپنی سسکی روکی تھی۔۔رخزئی خانزادہ کے یہ انداز اسے بے حد تکلیف دے رہے تھے۔مقابل کی بے اعتنائی آرے کی طرح اندر سے کاٹ رہی تھی۔

درخزئی اسے گود میں اٹھائے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔داخلی دروازے کی طرف بڑھتے دروازے کا لاک اپنی پاکٹ سے چابی نکالے

کھولی تھی۔اس نے ابھی تک اسے نیچے نہیں اتارا تھا۔۔عنائیہ صرف اسے دیکھے جارہی تھی۔ درخزئی نے ایک بار بھی اس پر نظر نہیں ڈالی تھی

وہ بڑا سا بھاری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ دروازہ اچھی خاصی چرچراہٹ سے کھل گیا تھا۔

عنائیہ کی آنکھیں تحیر سے مزید پھیلیں تھیں۔ حویلی اندر سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔۔ طویل راہداریاں بڑا سا لاونج مختلف سٹنگز ایریاز۔۔ کمروں کی بہتات۔۔۔۔۔

لاونج کے بیچ و بیچ بڑے بڑے پتھروں کی دیوار تھی۔

جس میں کافی بڑا آتش دان نصب تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اسے اندر لا کر اتارا تو عنائیہ نے کپکپاتے ہوے جھرجھری لی حویلی اندر سے بھی بہت سرد تھی۔ درخزئی اس کے سینڈل ایک سائیڈ پر رکھتے ہوے لاونج کے وسط میں نصب آتش دان کی طرف بڑھا۔ پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے لکڑیاں آتش دان میں سیٹ کرتے انھیں جلانے لگا۔

آج تو میں آتش دان میں لکڑیاں جلا رہا ہوں۔ مگر آیندہ تم جلاؤ گی۔ اس لیے اچھے سے دیکھ لو۔ ایک بات کو بار بار دہرانا مجھے پسند نہیں۔ درخزئی جدید بے حد خوبصورت آتش دان میں کچھ کاغذ اور لکڑیاں رکھتے ہوے انھیں سیٹ کرتے برفیلے لہجے میں بولا تو عنائیہ نے بے یقینی سے اس کی بات سنی تھی۔

آیندہ کیوں ابھی کیوں نہیں مائی سوین!اُ ابھی بھی تم ہی جلاؤ گی۔ درخزئی خانزادہ نے مڑتے ہوے اسے دیکھتے برفیلے لہجے میں کہا تو عنائیہ کو اپنی جان لبوں پر سجتی محسوس ہوئی۔

آگے آکر جلاؤ اسے!!درخزئی اسے سٹل دور کھڑا دیکھتے ہوے غرایا۔

عنائیہ اس کی غراہٹ پر جلدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ ٹھنڈی سفید ماربل پر اس کے پاؤں یخ ٹھنڈے ہوے تھے۔ وہ درخزئی کی طرف بڑھتے گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھی تھی۔۔

کک کیسے جلاؤں؟؟عنائیہ نے اپنی بھیگی آنکھیں ہتھیلی سے مسلتے ہوے درخزئی کی طرف دیکھتے پوچھا۔

آیندہ تمھاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں سمجھی تم!!وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کرتے غرایا تھا۔عنائیہ نے اثبات میں سر ہلاتے خوف سے ہچکی لی تھی۔اس ٹھنڈی بڑی حویلی میں اسے اس خانزادہ سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا۔

عادت ڈال لو اب ایسی زندگی جینے کی!!یہاں گیس نہیں آتی۔۔الیکٹرک سٹوو پر بنا مجھے کھانا پسند نہیں ہے تو اب سے تم حویلی کے پچھلی طرف بنی جگہ پر لکڑیاں جلا کر میرے لیے کھانا بناؤ گی۔۔درخزئی خانزادہ اس کا بازو جکڑے ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔عنائیہ نے اپنے آنسو ہتھیلی سے صاف کرتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔

یہ ناز کی چھوڑ دو۔ اب تم میری بیوی ہو میری عورت!! جس طرح میری ماں زندگی گزارتی تھی اسی طرح کی زندگی گزارو گی تم سمجھی تم!! درخزئی خانزادہ کے ہر حکم ہر بات پر اس کی سانسیں تھم رہی تھیں۔

وہ سچ میں اسے سزا دینے کے لیے لایا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا۔ جلاؤ آگ!! درخزئی ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھتے اپنی پاکٹ سے سگریٹ لائیٹر نکالے سگریٹ جلائے لبوں سے لگا گیا تھا۔

وہ اس کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھی کاغذ اور لکڑیوں کو کانپتے ہاتھوں سے سیٹ کرنے لگی۔ لاونج یخ برفیلا تھا۔۔ وہ سردی سے بری طرح کانپ رہی تھی۔

درخزئی اس کے سجے سنورے روپ کو بغور دیکھ رہا رہا تھا۔ وہ اپنے سلکی بے حد خوبصورت بالوں کو بار بار عارض سے پیچھے کر رہی تھی۔۔ کانوں میں پہننے

والے بھاری اویزے دائیں بائیں بری طرح ہل رہے تھے۔۔۔ عنائیہ اپنے نازک ہاتھوں سے گیلی لکڑیاں آتش دان میں رکھ رہی تھی۔ سردی کی وجہ سے لکڑیاں گیلی تھیں۔۔ عنائیہ نے لکڑیاں سیٹ کرتے اپنے خوبصورت کمر تک آتے بال ایک سائیڈ سے آگے شانے پر کیے۔ جو اسے ڈسٹرب کر رہے تھے۔۔ درخزئی خانزادہ اس کی برہنہ کمر دیکھتے کرسی پر سیدھا ہوا تھا۔۔ اس کی دودھیا کمر پر اس کی جنون خیزی کی شدت رقم تھی۔ وہ حصہ اب نیلاہٹ زدہ تھا۔ وہ اپنی سرخ نگاہیں اس کی برہنہ کمر پر گاڑھے ہوا تھا۔ وہ اس کے پورے بدن پر اپنی گہری جنون خیزیاں رقم کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس طرح کی حیوانیت نہیں۔۔ جو اس نے گاڑی میں دکھائی تھی۔۔

درخزئی کس طرح جلاؤں اب؟؟ عنائیہ نے اس کی طرف دیکھتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

درخزئی نے اپنی پاکٹ سے لائیٹر نکالتے اسے پکڑایا۔

عنائیہ وہ لائیٹر پکڑتے ہوے اس آتش دان میں رکھے کاغذ جلانے لگی۔

کاغذ جلتے ہوے بجھ رہے تھے۔۔ لکڑیاں گیلی تھیں جس کی وجہ سے کاغذ بھی آگ نہیں پکڑ رہے تھے۔۔ عنائیہ پاس رکھے مزید پیجز کے رول بنا کر آتش دان میں رکھتے انھیں جلانے لگی۔۔ وہ جل کر بجھ جاتے لکڑیاں آگ ہی نہیں پکڑ رہی تھیں۔ وہ اس سب میں بری طرح ہلکان ہو رہی تھی۔ کانوں میں پہنے بھاری آویزوں سے اسے اب اپنے کانوں میں درد ہونے لگا تھا۔

عنائیہ نے درد سے سسکتے ہوے اپنے کانوں میں پہنا آویزا اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ درخزئی خانزادہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ عنائیہ کا سر اس کے گھٹنوں سے آن ٹکرایا تھا۔ عنائیہ نے سسکتے ہوے درخزئی کو دیکھا۔

تمھیں اتنا نہیں پتہ ایک دلہن اپنا سجا سنورہ روپ تب تک نہیں مٹاتی۔ جب تک اس کا شوہر خود یہ روپ تہس نہس نہ کر دے۔۔ کیا آج رات کے تقاضے نہیں سمجھتی تم ؟!۔ وہ اس کا جبڑہ دبوچتے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے غرا اٹھا۔ عنائیہ نے اس کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھتے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

چلو شکر ہے تم نے یہ تو مانا کہ تم آج رات کے تقاضے سمجھتی ہو۔ ورنہ مجھے لگا تھا ہر بات کی طرح جھوٹ بولو گی۔ جھوٹی بیوی !! وہ اس کا جبڑے پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھائے استھزائیہ مسکرایا۔

جب تک تم میرا حق مجھے نہ دے دو تم کچھ بھی نہیں اتارو گی۔۔ سب کچھ تو میں اتاروں گا سمجھی تم !وہ اس کا جبڑہ چھوڑتے پھنکارا تھا۔

عنائیہ سسکی لیتے آتش دان کی طرف مڑتے ہوے لکڑیاں جلانے لگی۔ وہ بار بار ہتھیلی سے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اور پھر سے لائیٹر سے آگ جلاتی جو جل ہی نہیں رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ سگریٹ کے مرغولے اڑاتا عنائیہ کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے سوشل میڈیا پر چلنے والی وہ ویڈیو آئی تھی۔ جس میں وہ مائیکل کے ساتھ بیٹھی ہنس رہی تھی۔ اس کی کسی بات پر عنائیہ نے اس کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ بھی مارا تھا۔ درخزئی خانزادہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔۔۔ سماعتوں میں وہ زہریلے لفظ گونج رہے تھے جو نیوز چینل اور شوشل میڈیا پر اس کے اور مائیکل کو لے کر بولے گیے تھے۔۔

وہ پہلو بدلتے کرسی پر سیدھا ہوتے اپنی سرخ آنکھیں بازو سے مسل گیا تھا۔

عشق کا درد ہے

درد ہے عشق کا

یہ عشق کی ہیں راہیں

جن پر میں چل رہا ہوں

اس آگ میں نہ جانے میں

کب سے میں جل رہا ہوں

میں تو تھا تیرا دیوانا

تو نے مجھ کو نہ پہچانا

دلبر میرے یہ تو نے کیا کیا

کیوں چاہت کو رسوا کیا

وہ اپنی سرخ کرب زدہ خون آشام جلتی آنکھیں اس پر گاڑھے ہوے تھا۔

یہ نہیں جل رہی درخزئی!!عنائیہ اب جلتی بجھتی لکڑیوں کو دیکھتے شدت سے رودی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی آگ برساتی نگاہیں اور اس کی نزدیکی اسے خوفزدہ کر چکی تھی۔ وہ ساتھ ہی کرسی پر بیٹھے اس پر اپنی شعلہ بار نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اسی لمحے اپنی شرٹ اتارتے ہوے آتش دان میں پھینکی تھی۔۔ عنائیہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

وہ اب ٹائٹس سی سفید کلر کی سینڈو میں ملبوس تھا۔ جس میں اس کے ایبس نمایاں ہو رہے تھے۔ جن چیزوں کی ورتھ نہیں رہتی میرے نزدیک میں انھیں استعمال کر کے پھینک دیتا ہوں.

یہ شرٹ نہیں آگ کا گولہ تھی جو میں پہنے ہوے تھا۔ کیونکہ اسے آج کے دن پہنا تھا اور آج کا دن میرے لیے ہولناک دن ہے۔ جس تاریخ میں

تمھیں میں اپنی حویلی لے کر آیا ہوں۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھتا عنائیہ کے قریب ہوتا اس پر جھکا تھا۔ عنائیہ خوف سے پیچھے کو ہوئی تھی۔۔۔ درخزئی اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے پاگل ہوتے مزید اس کے قریب ہوتا اس پر جھکا۔۔ عنائیہ ڈرتے ہوے مزید پیچھے کو کھسکی تھی۔ درخزئی اسے بازو سے جکڑے اس کے اوپر حاوی ہوا۔۔ وہ درخزئی خانزادہ کا ہیوی ویٹ سسکتے خود پر برداشت کرتے ٹھنڈی زمین کا حصہ بنی تھی۔ وہ کہاں اس خانزادے کا ہیوی ویٹ خود پر برداشت کر سکتی. تھی۔۔ درخزئی کا پورا ویٹ اس کی نازکی اور ٹانگوں پر دھرا تھا۔ اس کی سگتی تپتی سانسیں عنائیہ کے نقوش پر بکھرتے اسے جھلسا رہی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سانس سینے میں دب رہی تھی۔

وہ اب اس کے دونوں اطراف میں زمین پر ہاتھ جمائے ہوے اس کی بھیگی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔ وہ اس پر اب اپنا وزن نہیں ڈالے ہوے تھا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے کانپتے ہوے درخزئی خانزادہ کو بھیگی گلابی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جانتی ہو میں تمھیں اپنی حویلی کیوں لایا ہوں؟!۔ درخزئی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارتے ہوے پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ عنائیہ نے سسکی لیتے جلدی سے نفی میں سر ہلایا

کیونکہ میں ڈر گیا ہوں۔۔ ڈر گیا ہے درخزئی خانزادہ۔۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے دھاڑا تھا۔

کک کیوں؟؟ عنائیہ نے خوف سے ہچکی لی تھی۔ وہ اس وقت واقعی میں سر پھرا خانزادہ لگ رہا تھا۔

کیونکہ مجھے لگتا ہے میری بیوی پھر سے بھاگ جائے گی۔ پھر سے بھاگ جائے گی۔ وہ دھاڑا تھا۔

عنائیہ اس کی دھاڑ پر کانپتے ہوئے اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے اپنی چیخ روک گئی۔

ڈرپوک بنا دیا تم نے درخزئی خانزادہ کو!! ڈرپوک بنا دیا تم نے۔۔ وہ قہر آلو نگاہوں سے گھورتے اس کے اوپر سے اٹھتے کھڑا ہوا تھا۔

عنائیہ زمین پر ہی رخ پلٹے رونے لگی تھی۔

آگ جلاؤ!!ساری عمر پڑی ہے جگہ جگہ ایسے ہی رونے کی!!وہ سگریٹ کا کش لیتے غرایا تھا۔

عنائیہ اس کے حکم پر اسی لمحے سسکتی ہوئی اٹھتے پھر سے گھٹنوں کے بل بیٹھتے آگ جلانے لگی۔اب وہ ہچکیوں سے روتے ہوے آتش دان کے بے حد قریب بیٹھے درخزئی کی شرٹ کو لائیٹر سے جلا رہی تھی۔۔اس کی ہچکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

درخزئی خانزادہ کی شرٹ تھوڑی سی تک ودود کے بعد جل گئی تھی۔۔وہ اب لکڑیاں سیٹ کرتے کاغذ پھینکتے ہر ممکن کوشش کرتے آتش دان کو جلا رہی تھی۔۔سردی اور درخزئی کا برفیلا رویہ اسے تھکا چکا تھا۔وہ مزید یہ برف سی نہیں برداشت کر سکتی تھی۔نہ سر پھرے خانزادے کے لہجے کی برف نہ اس حویلی کی دیواروں اور زمین سے نکلتی برفیلی ٹھنڈک۔۔

یکدم آگ نے شدت اختیار کی تھی۔ وہ جھکی ہوئی تھی۔ اس کے بال جو ایک شانے پر لہرا رہے تھے۔ انھیں اسی لمحے آگ نے پکڑا تھا۔

یہ دیکھتے عنائیہ کی چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ درخزئی اس کی چیخ پر اسی لمحے اس کی طرف پلٹتے اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کھڑا کرتے اس کے جلتے بالوں کو اپنی مٹھی میں دبا گیا۔ عنائیہ کے بالوں کی آگ نے درخزئی کی ہتھیلی کو چھو لیا تھا۔ وہ اب بجھ چکی تھی

وہ گہرے سانس لیتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

عنائیہ تھر تھر کانپتے ہوئے اس کے سینے میں سمائے تھی۔

درخزئی گہرے سانس لیتے ہوئے اسے اپنے سینے میں بھینچے ہوئے تھا۔ درخزئی خانزادہ کا پورا وجود منٹوں میں پسینے سے تر ہوا تھا۔

عنائیہ اس کی سینڈو جکڑے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ دونوں کی دھڑکنیں ایک دوسرے کے سینے میں شدت سے بج رہی تھیں۔

وہ دونوں کافی دیر سے ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے کھڑے تھے۔ درخزئی کا حصار لمحہ بالمحہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ یکدم عنائیہ اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں سے دباؤ ڈالتے اسے خود سے دور کرتے اس سے الگ ہوئی تھی۔

کیوں بچایا مجھے ؟؟۔۔ جلنے دیتے۔۔ مرنے دیتے۔۔ یہی تو میری سزا ہے۔۔ میری خاطر اپنا ہاتھ کیوں جلایا آپ نے ؟!۔ عنائیہ نے پیچھے کی طرف قدم بڑھاتے چیختے ہوئے پوچھا تھا۔

چیخنا مت میرے آگے سمجھی تم !! ورنہ جس آگ سے بچایا اسی کی نظر کر دوں گا۔۔ درخزئی اس کا جبڑہ دبوچتے غرایا تھا۔

اگر میرا محبت کا اظہار جھوٹا تھا تو آپ کی یہ نفرت بھی جھوٹی ہے۔۔ آپ مجھے اس جلتی آگ کی نظر اپنے ہاتھوں سے کر ہی دیں تو بہتر ہو گا۔ آپ کی عنائیہ خانزادہ کو آپ کا رویہ نہ صرف آپ سے خوفزدہ کر رہا ہے بلکہ اندر سے کاٹ رہا ہے مار رہا ہے۔۔ قطرہ قطرہ زہر مت دیں۔ ایک بار ہی زہر کی شیشی پلا دیں درخزئی۔ عنائیہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔۔

میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ!! دذخزئی اس کا جبڑہ چھوڑتے ہوئے برفیلے لہجے میں بولا۔

عنائیہ روتے ہوئے سکتے ہوئے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

چلی جاؤ میری نظروں کے سامنے سے ورنہ جان لے لوں گا تمھاری۔ دذخزئی اسے دیکھتے پوری قوت سے حلق کے بل دھاڑا تھا۔

عنائیہ لرزتے ہوے بھاگتے ہوے سامنے نظر آتے ایک کمرے کی طرف بڑھتے ہوے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ بند کر گئی تھی۔۔

درخزئی اس کے جانے کے بعد گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھا۔

وہ آتش دان کی جلتی آگ کو دیکھتے اپنا دل رب کر رہا تھا۔

وہ اب سانس باہر خارج کرتے ہوے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

اس نے اپنی پیشانی پر کی ہوئی چھوٹی سی بینڈج کھینچ کر اتاری تھی۔۔ بینڈج اتارنے سے اس کے زخم سے پھر سے خون رسنے لگا تھا۔ اب وہ اپنا جلا ہوا ہاتھ لاونج کی سیٹرل ٹیبل پر پوری قوت سے مار رہا تھا۔۔

!! آپ مجھے اس جلتی آگ کی نظر اپنے ہاتھوں سے کر ہی دیں تو بہتر ہو گا۔ آپ کی عنائیہ خانزادہ کو آپ کا رویہ نہ صرف آپ سے خوفزدہ کر رہا ہے بلکہ اندر سے کاٹ رہا ہے مار رہا ہے۔۔ قطرہ قطرہ زہر مت دیں۔ ایک بار ہی زہر کی شیشی پلا دیں درخزئی!!

عنائیہ کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے پاگل کر رہے تھے۔ وہ زمین پر گرا اپنا سگریٹ اٹھا کر لبوں سے لگا گیا تھا۔

سگریٹ بجھ گیا تھا۔ درخزئی خانزادہ زمین سے اٹھتے آتش دان کی طرف بڑھا۔ سگریٹ کو آتش دان کی آگ سے سلگایا تو اس کا ہاتھ بری طرح جلا تھا۔ وہ بے پروائی سے اپنے ہاتھ کی جلن کو نظر انداز کرتے گہرے سانس لیتے آتش دان کے پاس بیٹھ کر سگریٹ لبوں میں دبا گیا تھا۔

عنائیہ ایک بہت بڑے بے حد شاندار کمرے کے چنیوٹی

بیڈ پر اوندھے منہ دلہن کے لباس میں لیٹے سسکیاں بھر رہی تھیں۔ جتنا درخزئی خانزادہ کا رویہ اسے تکلیف دے رہا تھا اس سے کہیں زیادہ اس کا خوف دہشت اسے اندر سے لرزا رہا تھا۔ وہ اتنی بڑی حویلی میں اس کے ساتھ اکیلی تھی۔ خوف سے اس کا رواں رواں کھڑا ہو رہا تھا۔

ایک فون تک اس کے پاس نہ تھا۔ سب سے دور وہ اس سر پھرے خانزادے کے ساتھ اکیلی تھی۔

عنائیہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی سے اپنی ہتھیلی سے صاف کیے۔

اب وہ سسکتے ہوئے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ کمرہ بہت بڑا اور بے حد شاندار تھا۔۔ کمرے میں جگہ جگہ لکڑی کا بے حد شاندار کام ہوا تھا۔ والز پر بے حد مہنگی پینٹنگ نصب تھی۔ کمرے کی چھت پر بے حد خوبصورت اور بڑا فانوس لگا ہوا تھا۔ وہ اتنا بڑا کمرہ دیکھ کر حیران تھی۔۔ ایک طرف کمرے میں دیوان اور بے حد خوبصورت صوفے سجے تھے۔۔

عنائیہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھنے لگی۔۔ بیڈ کا کراؤن بہت بڑا تھا۔۔ بیڈ کے گرد نیٹ کی جھالر تھی۔۔ بیڈ بہت شاندار خوبصورت تھا اس نے آج تک ایسا بیڈ ایسا فرنیچر فلموں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ ایسا کمرہ کہیں دیکھا تھا کمرہ بے حد خوبصورت اور عالیشان تھا۔۔ عنائیہ نے کھڑکیوں کی طرف بڑھتے کرٹن ہٹائے تو وہ بڑے بڑے گلاس والز سے برف سے ڈھکے پہاڑ اور بہتا دریا دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ کمرے سے بہتے

دریا کا منظر واضح تھا۔ جو نیچے کی طرف بہہ رہا تھا۔ یعنی یہ حویلی جیسے بہتے دریا اور پہاڑوں میں گری تھی۔۔ عنائیہ کا دل اب زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ سر پھرا خانزادہ جتنا دہشت والا تھا یہ حویلی اور یہ جگہ اس سے کہیں زیادہ دہشت والی تھی۔۔۔ عنائیہ کمرے کے اندر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔۔ ڈریسنگ روم میں بڑی بڑی الماریاں اور وال مرر دیکھ کر وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ لکڑیاں کی الماریاں چھت تک جاتی تھیں۔ یہاں بھی دیواروں پر لکڑی کا اعلی کام ہوا تھا۔ یہ حویلی جتنی قدیم خوبصورت اور پر سرار تھی اتنا ہی اس کی میٹنینس کا خیال رکھا گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ عرصہ پہلے بنی ہو۔۔ ہر چیز خوبصورت تھی۔ ذرا دھول مٹی نہیں تھی ۔۔ اگر درخزئی یہاں نہیں آتا تھا تو اس حویلی کا خیال کون رکھتا تھا؟؟ وہ حیران ہوتے سوچ رہی تھی۔

عنائیہ نے الماری کھولی تو وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ اس الماری میں تقریباً پانچ سال کی بچی کے ڈھیروں کپڑے لٹکے ہوے تھے۔۔ عنائیہ جلدی سے الماری بند کرتے اس کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لینے لگی۔ دل عجب سے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کمرے سے بھی اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ الماری کے ساتھ ٹیک لگائے سامنے مرر میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ یکدم وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اب وہ ہذیانی اونچی چیخیں چیخیں مار کر رو رہی تھی۔۔ الماری کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتے گھٹنوں میں منہ چھپائے بری طرح سسکنے لگی۔۔ اس کی پر سوز سسکیاں اس ڈریسنگ روم میں بری طرح گونج رہی تھی۔ وہ اپنے اجڑنے پر جی بھر کر ماتم منا رہی تھی۔ وہ یوں کسی کے لیے سجے گی سنورے گی اسے اندازہ نہ تھا۔ اور

جس کے لیے سجے گی سنورے گی وہ اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ مگر اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔

نہ جانے اسے کتنی دیر ہو گئی تھی وہ یونہی سسک رہی تھی۔۔ اپنے قریب کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے عنائیہ کا وجود بری طرح لرزا تھا۔ خوف سے وہ جیسے ساکت ہوئی تھی۔

اس نے ڈرتے ہوئے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھا اپنے سامنے کھڑے درخزئی خانزادہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتے شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے ہچکی لیتے نروٹھے انداز میں منہ موڑ گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے ہوے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما۔ جو عنائیہ نے جھٹکا نہیں تھا۔ مگر اس کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

کہیں لگی تو نہیں تھی۔ ان ہتھیلیوں کو آگ نے تو نہیں چھوا تھا ناں؟؟ درخزئی خانزادہ نے وحشت کے عالم میں اس کی گلابی نرم ہتھیلیاں دیکھتے پوچھا تھا۔

عنائیہ کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔ بتاؤ مجھے ان ہتھیلیوں کو آگ نے چھوا ہے کیا؟؟ یہ جلی تو نہیں؟؟ درخزئی اس کی ہتھلیاں نرمی سے سہلاتے ہوے پوچھ رہا تھا۔

عنائیہ نے اب درخزئی خانزادہ کی طرف دیکھا تھا۔ یقدم وہ گھبراتے ہوے پیچھے کو کھسکتی مزید الماری میں سمائی تھی۔ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں کی

گہری ہوتی سرخی نے اسے کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خانزادوں کی آنکھوں کی سرخی سے اس کی جان جاتی تھی۔

بتاؤ مجھے مائی سوین!! ان ہتھیلیوں کو آگ نے تو نہیں چھوا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ عنائیہ نے تھوک نگلتے بمشکل ہی جواب دیا تھا۔

ایک بات یاد رکھنا میری! تمھارے جسم کے کسی بھی حصے کو تکلیف پہنچ سکتی ہے مگر ان ہتھیلیوں کو نہیں۔۔ ان ہتھیلیوں کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ورنہ تمھارے جسم کے باقی حصوں کو میں اپنے ہاتھوں سے داغوں گا سمجھی تم!! وہ اس کی ہتھیلیاں نرمی سے سہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ وحشت زدہ آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

عنائیہ نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے خوف سے جھرجھری لیتے اثبات میں سر ہلایا۔۔

چلو یہاں سے!! درخزئی نے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں کو دیکھتے اس کی ہتھیلی نرمی سے تھامتے کہا۔

مجھے کہیں نہیں جانا!! عنائیہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوے مزید الماری میں سمائی تھی۔ انداز نروٹھا سا تھا۔

درخزئی خانزادہ اسے بغور دیکھتے اس کے سامنے بنی الماری کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جارہی تھی۔ عنائیہ کی آنکھوں کا گلابی پن کے ساتھ ساتھ

سسکیاں بھی بڑھ رہی تھیں۔ وہ درخزئی خانزادہ پر اپنی گلابی شکوہ کناں نگاہیں گاڑھے ہوے تھی

درخزئی خانزادہ شلوار پر وایٹ سینڈو پہنے ہوے تھا۔ اس نے اپنی شلوار کی پاکٹ سے لایٹر اور سگریٹ نکال کر سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا۔

عنائیہ سسکیاں لیتے گلابی آنکھوں س اسے دیکھ رہی تھی۔۔ درخزئی زخمی سا مسکراتے ہوے کبرڈ سے ٹیک لگائے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے عنائیہ پر اپنی گہری نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ عنائیہ بھی اب تھکے تھکے انداز میں کبرڈ سے ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔۔ وہ اس سر پھرے خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جو اسے مزید اس سے وحشت کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔۔

جانتی ہو یہ کس کا کمرہ ہے؟؟ درخزئی کے سوال پر اس نے آنکھیں کھولتے ہوے درخزئی کی طرف دیکھا۔ وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

تم کیسے جان سکتی ہو؟؟ وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے خود ہی جواب دیتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

عنائیہ نے اس کی زخمی مسکراہٹ کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے درد کرب نے عنائیہ نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلا تھا۔

یہ میری پری کا کمرہ ہے۔ درخزئی نے اس کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوے کہا تھا۔

عنائیہ کو اس کی سرخ آنکھوں میں نمی کی امیزش دکھائی دی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا سگریٹ لرزتا محسوس ہوا تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے سگریٹ کے گہرے کش لیتے آنکھیں موند گیا تھا۔ عنائیہ بھی اسے کچھ دیر دیکھنے کے بعد آنکھیں موند گئی تھی۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیند سے ہچکولے بھرتے ہوئے درخزئی خانزادہ کی لیپ سے آن ٹکرائی تھی۔ درخزئی اسے جلدی سے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے سے لگا گیا۔ وہ اس کی بانہوں میں گہری نیند سو رہی تھی۔ درخزئی خانزادہ اسے اپنے لیپ میں بٹھائے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ گیا تھا۔۔ وہ اسے اپنے سینے سے لگائے بے حد نرمی سے اس کی ہتھیلیاں چوم رہا تھا۔ وہ اس کے سینے سے لگے گہری نیند سو چکی تھی۔۔ عنائیہ کی سانسوں کی گرمایش درخزئی خانزادہ کے سینے پر بکھر رہی تھیں۔

درخزئی اسے اپنی لیپ پر بٹھائے اپنے سینے سے لگائے ہوئے اس کی ہتھیلیاں چومتے اس کے بالوں کو لبوں سے بے حد نرمی سے چھو رہا تھا۔۔ زمین ٹھنڈی

تھی اور ڈریسنگ روم بھی بے حد ٹھنڈا تھا۔ وہ سردی سے کپکپاتے اس میں مزید شدت سے سما رہی تھی۔ درخزئی اسے اپنی بانہوں کی گرمی دیتے اسے مزید خود میں سما گیا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک اس ٹھنڈی زمین پر اسے لیے بیٹھا رہا تھا۔ نجانے کتنی دیر؟؟ ڈریسنگ روم میں سردی کی شدت بڑھتی محسوس کرتے وہ اسے گود میں اٹھائے زمین سے اٹھتا ریسنگ روم سے باہر نکل آیا تھا۔۔ وہ اسے لیے اس کمرے سے نکلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے درخزئی خانزادہ نے اس کے نازک کلیوں جیسے مخملی وجود کو بیڈ کے وسط میں نرمی سے لٹایا۔ عنائیہ پر ریڈ مخملی گرم رضائی اچھی طرح دیتے وہ کمرے کے وسط میں نصب جدید خوبصورت آتش دان کی طرف بڑھا۔ پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے درخزئی خانزادہ نے آتش دان میں لکڑیاں سیٹ کرتے ہوے آگ جلائی۔ آگ جلنے پر آتش دان کا گلاس ڈور

بند کرتے درخزئی نے اسے لاک کیا۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھے آتش دان میں آگ بھڑکتی دیکھ رہا تھا۔ جو اتنے ٹھنڈے کمرے کو اب گرم کر رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ لب بھینچے کافی دیر تک آتش دان کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔ اس کا دل و دماغ اس نازک وجود کی طرف تھا جو بڑے حق سے اس کے کمرے اور اس کے بیڈ پر سو رہی تھی۔۔ جو اس کی ملکیت تھی۔۔ عجیب سی بے چینیاں اس کے رگوپے میں چھائی تھیں۔

وہ گہرے سانس بھرتے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اپنے بھاری قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھا۔ درخزئی نے بیڈ کی طرف بڑھتے جھکتے ہوے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلائی تھیں۔ وہ جھکے ہوے کافی دیر تک اس کے سلکی خوبصورت بالوں میں انگلیاں چلاتے اس کے خوبصورت

نقوش پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ نظریں بھٹک بھٹک کر اس کی گہرائیوں پر چلی جاتی۔ جن کی خوبصورتی کو اس نے انہانس کر رکھا تھا۔

حق ملکیت اور اس کی بے پناہ خوبصورتی نے کلام کی اس شاندار حویلی میں اس سر پھرے خانزادہ کے جواں جذبوں میں جیسے طغیانی برپا کی تھی۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے بیڈ پر لیٹتے اس کے نازک وجود کو خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ درخزئی خانزادہ کو اپنے رگ وپہ میں سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔ وہ اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے خوبصورت بدن کی نازکی محسوس کرتے مزید اس کے جذبوں میں آگ لگی تھی۔ وہ عنائیہ کے نازک وجود کو اپنے سینے سے لپٹائے اس کے پھولوں سے بھی زیادہ نازک وجود کو اپنے سینے پر منتقل کر گیا تھا۔

وہ گہری نیند میں اس گرم رضائی میں درخزئی خانزادہ کے آگ جیسے سینے پر گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ اتنی ہی گہری نیند سوتی تھی۔۔ وہ جانتا تھا پہلے بھی اس کے ساتھ رات گزار چکا تھا۔ نیند میں اس کے ساتھ گہری گستاخیاں کر چکا تھا۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

درخزئی خانزادہ کے جسم میں تو آگ لگی تھی مگر اب سانسوں میں بھی آگ دہکی تھی۔ وہ نرمی سے اس کی ایک ہتھیلی پر لب رکھے ہوے تھا۔ دوسرا ہاتھ رضائی کے اندر اس کی برہنہ کمر پر سرک رہا تھا۔

سارے غم سارے درد جیسے دور ہوے تھے۔ اس وقت اس گرم رضائی میں اس نازک وجود کی گرمی اس کا ہر غم ہر درد دور کر چکی تھی۔ درخزئی خانزادہ کا مضبوط ہاتھ اب اس کے شولڈر کو نرمی سے پریس کر رہا تھا۔ وہ بہت نرمی سے اپنے ایک ہاتھ سے اس کی کمر کو مٹھی میں بھرتے اس کا مساج کر رہا تھا

۔اس کے لب عنائیہ کے بالوں کو چھو رہے تھے۔ دونوں ہاتھ اس نازک وجود پر اپنا حق جتا رہے تھے۔۔ ہاتھ سرکتے بے باکی کی حد پار کرتے اس کے بدن کو بہت نرمی سے چھو رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ کی سانسوں میں ہلچل سی مچی تھی۔ وہ رضائی کو اب مکمل طور پر اپنے اوپر کرتے اپنے چہرے پر عنائیہ کو لے کر مکمل غروب ہو گیا تھا۔

اب وہ دونوں رضائی میں مکمل گم تھے۔ درخزئی کی سانسیں لمحہ بالمحہ گہری ہو رہی تھیں۔ وہ اسے خود سے لپٹائے اسے کے بدن کے ہر حصے کو بے باکی سے چھو رہا تھا۔ درخزئی خانزادہ کے آگ برساتے بدن اور اس کی سانسوں اور رضائی کی گرمائش سے عنائیہ کا بدن سوتے میں پسینے میں نہل چکا تھا۔۔ اتنی گرمی تھی اس رضائی کے اندر کہ عنائیہ کو اپنی سانسیں دہکتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔۔ حلق میں کانٹے سے اگے تھے۔۔۔ اس کی آنکھ اسی لمحے کھلی

تھی۔ اپنے جسم پر درخزئی خانزادہ کا پھرتا بے حد باکی سے ہاتھ اس کے بدن میں کپکپاہٹ دوڑا چکا تھا۔ اس کے باک ہاتھوں کے لمس سے اس کی دل کی دھڑکنیں اب خوف سے درخزئی خانزادہ کے سینے میں بج رہی تھی۔ اس کے چٹانی سینے پر ہی تو اس کی مکمل نازکی دھری تھی۔۔ اس گرم رضائی میں عنائیہ کی اب سانسیں رک رہی تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اس رضائی میں اتنی تپش ہے کہ اس سر پھرے دہشت زدہ خانزادے کے بدن میں۔ درخزئی خانزادہ کے بدن کے سپارک اسے اپنے جسم میں اترتے محسوس ہو رہے تھے۔

درخزئی خانزادہ کے گرم ہاتھ کا لمس کمر سے ہوتے مزید بے باک ہوا تو اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔ وہ درخزئی خانزادہ کی سینڈو کو خوف سے مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ امریکہ جیسے اڈوانس ملک میں رہتے ہوئے اسے

ایک ایک بات کا پتہ تھا۔ جن سکولز میں پڑھتی آئی تھی۔ سیکس کی ایجوکیشن وہاں عام بات تھی۔ گلی کونوں ڈسکو بار میں وہ بہت کچھ دیکھ چکی تھی۔ مگر پتہ ہونے اور کرنے میں کتنا فرق ہے یہ اسے اس سر پھرے بے باک خانزادہ کی ہاتھوں کی بے باکی سے اچھی طرح اندازہ ہوا تھا۔ درخزئی خانزادہ کی قربت کے خوف سے وہ لرز رہی تھی۔ اس کے وجود کے ساتھ مس ہوتے اس کے بدن کے انگ انگ سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔۔۔ وہ اس کی ذرا سی بے باکی نہیں سہہ پا رہی تھی۔ اس خانزادے کو آخر کیسے سہہ سکتی تھی؟؟۔ وہ کانپتے ہوئے درخزئی کی سینڈو پر اپنی مٹھیوں کا دباؤ بڑھاتی جا رہی تھی ۔ درخزئی خانزادہ کے ہاتھوں کو اس کے خوف سے وہ جھٹک بھی نہیں پا رہی تھی۔۔۔

عنائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنے کانپتے ہاتھوں سے رضائی نیچے کی طرف سرکائی۔ وہ مزید اس رضائی میں اس خانزادے کے ساتھ گم رہتی یقیناً اس کی جان جانی تھی۔

رضائی نیچے ہونے پر درخزئی خانزادہ کی سرخ آنکھیں عنائیہ کی خوفزدہ ہرنی جیسی آنکھوں میں گڑھیں۔۔

وہ اس کی پسینے میں شرابور سینڈو کو مٹھیوں میں جکڑے خوفزدہ سی درخزئی کو دیکھ رہی تھی۔ جو اسے گرم سرخ خمار زدہ آنکھوں سے دیکھتے اس نقوش کو اب اپنی انگلیوں سے بے حد نرمی سے چھو رہا تھا۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے اس کی سینڈو کو چھوڑتے اٹھی۔ وہ اس کی کمر کو دونوں سائیڈ سے جکڑ گیا تھا۔ عنائیہ نے اسے گہرے سانس لیتے مزید سراسیمگی سے دیکھا تھا۔ وہ اس کے اوپر بیٹھی گہرے سانس لیتے دیکھ ہی تھی۔

وہ اسے دیکھتے اس کی کمر کو سائیڈ سے مٹھیوں میں بے دردی سے بھرتے اسے اپنی طرف کھینچ گیا عنائیہ پھر سے اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی تھی۔ وہ اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے لیے رخ پلٹتے اس پر مکمل حاوی ہوا۔

درخز۔۔۔ئی۔۔۔۔ عنائیہ نے اس کی جنونیت بھری آنکھوں میں دیکھے اس کا نام توڑ توڑ کر پکارا تھا۔

درخزئی خانزادہ نے اس کی پکار نظر انداز کرتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اسے بٹھایا۔

اپنے بلاوز کی ڈوریاں کھلتے محسوس کرتے عنائیہ کی سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ درخزئی کی انگلیاں اس کے چوکر کی ڈوری کو چھو رہی تھیں۔ اس کی گرم سانسوں کی تپش عنائیہ کی پچھلی گردن پر بکھر رہی تھیں۔

وہ یکدم بیڈ کی دوسری طرف کھسکی درخزئی کی سرخ سوالیہ نگاہیں اس پر گڑھیں۔ درخزئی خانزادہ کی آنکھوں میں اس کے دور کھسکنے پر طیش والم کی سرخی چھائی تھی۔ وہ اپنی لرزش پر قابو پاتے بیڈ سے اترتی کھڑی ہوئی ۔۔ درخزئی خانزادہ کی سرد سرخ آنکھیں اس پر گڑھی تھیں۔

ممم۔۔۔ مجھے۔۔۔ واش۔۔۔ روم۔۔۔ جانا۔۔۔ ہے۔۔ عنائیہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہوے اپنا لہنگا دونوں ہاتھوں میں جکڑتے بھاگتے ہوے واش روم کی طرف بڑھی۔۔

درخزئی کی سرخ آنکھیں عنائیہ پر تھیں جو اپنا بھاری لہنگا دونوں ہاتھوں میں جکڑے بھاگتے ہوے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کا دروازہ بند کر گئی تھی۔

درخزئی خانزادہ گہرے سانس لیتے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھی تھی۔۔

عنائیہ نے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کے دروازے کو لاک کرنے کی کوشش کی۔ جو ہڑبڑاہٹ میں اس سے لاک نہیں ہوا تھا۔ وہ اب دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔۔

عنائیہ نے اپنے لرزتے بدن پر قابو پاتے واش روم میں نظریں دوڑائیں ۔اس کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔ واش روم اتنا جدید اور لگزیزیث تھا۔ وہ واش روم کو دیکھ کر بھی حیران ہوئی تھی۔۔ وہ گہرے سانس لیتے سلیب کی طرف بڑھی۔ وہ سلیب کو مٹھیوں میں جکڑے گہرے سانس لینے لگی۔۔ وہ درخزئی خانزادہ کی قربت چاہتی تھی۔ خود کو ذہنی طور پر تیار بھی کیا تھا۔ مگر

گاڑی اور حویلی میں اس کا رویہ دیکھ کر وہ اس سے اب نجانے طور پر خوف کھا بیٹھی تھی۔۔

عنائیہ نے مرر میں خود کو دیکھتے اپنے بلاوز کو دیکھا جو سینے سے ڈھلک چکا تھا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنے بلاوز کی ڈوریاں پیچھے سے بند کرنے لگی۔۔ دل کی دھڑکنیں اسے اپنے کانوں میں بجتی محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے جسم پر ابھی بھی اس کا بے باک لمس محسوس ہو رہا تھا۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے ان ڈوریوں کو کانپتے ہاتھوں سے بند کرنے لگی۔ اپنے اتنے revealing ڈریس پر اب اسے غصہ آ رہا تھا۔ پتہ نہیں اسے کتنے دن یہ پہننا تھا۔۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی ڈریس نہیں تھا۔ درخزئی خانزادہ سے۔ اسے کوئی امید نہ تھی کہ وہ اسے ڈریس لا کر دیتا۔ عنائیہ کے لبوں سے سسکی سی برامد ہوئی۔۔ وہ اپنے عارض سے بہتے آنسو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے

اپنی چوکر کی ڈوری کھولنے لگی۔ اسی لمحے واش روم دکا روازہ کلک کے ساتھ کھلا تھا۔ عنائیہ کا دل خوف سے سکڑا تھا۔۔ مرر میں نظر آتے درخزئی خانزادہ کے عکس کو دیکھتے اس کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ عنائیہ کی سلیب پر دونوں ہاتھوں کی پکڑ مضبوط ہوئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے اسے دیکھے جا رہی تھی۔۔ وہ اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈالے وہ اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا۔۔ عنائیہ کی پشت اس کے سینے سے آن لگی تھی۔ درخزئی کے ہاتھوں کی جکڑ اس کے پیٹ پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے بالوں کو اس کی سائیڈ گردن سے ہٹاتے ہوئے اس کی گردن پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔۔ عنائیہ نے اس کے لمس پر اپنی آنکھیں میچیں۔ وہ اس کی سائیڈ گردن کو چومتے اسک خود سے ایک جھٹکے سے دور

کرتے ہوے سلیب کے ساتھ لگا گیا۔ عنائیہ نے سلیب کو جکڑے مرر میں درخزئی خانزادہ کا عکس دیکھا تھا۔ عنائیہ کی پشت ابھی بھی درخزئی کی طرف تھی۔

وہ اس کی چوکر کی ڈوری کھینچتے کھول چکا تھا۔ عنائیہ کے بدن کی کپکپاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

وہ مرر میں عنائیہ کے عکس کو دیکھتے اس کے کان کے اویزے بے حد نرمی سے اتارنے لگا۔۔ عنائیہ مرر میں درخزئی کو دیکھتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔۔ درخزئی بہت نرمی سے اس کے اویزے اتارتے زمین پر پھینک رہا تھا۔ اس کا چوکر مالا سیٹ وہ سب کچھ بے حد نرمی سے اتارتے واش روم کے ماربل پر پھینک رہا تھا۔۔ عنائیہ اب خاموشی سے گہرے سانس لیتے کھڑی تھی۔ وہ کبھی نظریں جھکا جاتی۔ کبھی لرزتی پلکوں سے درخزئی کی طرف دیکھ

لیتی جو مرر میں اس کے وجود پر سرد و سپاٹ سرخ نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔۔وہ مرر میں دیکھتے ہی اس کے بلاوز کی ڈوریاں کھینچتے کھولتے اس کا بلاوز کندھوں سے نیچے کھسکاتے ریموو کر گیا۔عنائیہ نے گلاب کی طرح سرخ پڑتے ایک بار پھر سے درخزئی خانزادہ کو دیکھا جو مرر میں اس کے وجود پر نگاہیں گاڑھے اس کے ہیوی لہنگے کی ڈوریاں کھینچ کر کھولتے ریموو کر گیا تھا۔عنائیہ مرر میں خود کو اور درخزئی خانزادہ کو دیکھتے سرخ قندھار ہوتے نظریں جھکا گئی تھی۔وہ مرر میں اس کے وجود پر گہری نگاہیں گاڑھے اس کے وجود کے مکمل گہرائی سے ایکسرے کر رہا تھا۔عنائیہ اپنی حالت اور درخزئی خانزادہ کی نگاہوں کی تپش سے سرخ ہوتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔مقابل کی بے باک نگاہیں اسے شدت سے لرزائے ہوے تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے بال ایک سائیڈ پر کرتے اس کی بیک پر اپنے لب نرمی سے رکھنے لگا۔ عنائیہ اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔۔ وہ اس کی بیک کو نرمی سے چومتے اپنی آنکھیں بھی موند گیا تھا۔

اس کے تپش ذدہ لبوں کی پرواز بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ اس کی بیک پچھلی گردن کو مدہوشی سے چوم رہا تھا۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے اس کے آگ جیسے لبوں کا لمس برداشت کر رہی تھے۔ یکدم وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔ عنائیہ درخزئی کو دیکھتے گہرے سانس لیتے اس کی سینڈو مٹھیوں میں جکڑتے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں رضامندی دے گئی ۔۔ وہ اس کی گہری آنکھوں میں دیکھتے اس کی گردن کو نرمی سے ایک ہاتھ سے جکڑے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر بے تابی سے جھکا۔ یکدم وہ اس کے لبوں کے پاس آتے اس کے ہونٹ رکے تھے۔۔ عنائیہ نے اس کے رکنے

پر آنکھیں پھیلائے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھا۔۔ وہ اسے خود سے دور کرتے اسی لمحے لمبے لمبے ڈگ بھرتا واش روم کا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا۔ عنائیہ گہرے سانس لیتے سلیب کو جکڑے اپنا لہنگا بلاوز دیکھ رہی تھی۔ جو زمین پر بکھرا پڑا تھا۔ اس نے گہرے سانس لیتے اپنی گلابی آنکھوں کو رگڑتے اپنے بلاوز اور لہنگے کو اٹھایا۔ اب وہ پھر سے اسے پہننے لگی تھی

آریان خانزادہ اپنی پوری حویلی کو تمام لاشوں سے پاک کر چکا تھا۔ وہ اب وہ جنگل میں ان لاشوں کے لیے گڈا کھود رہا تھا۔

وہ اس وقت بلیک ٹراوزر اور بلیک سینڈو میں ملبوس تھا۔ اپنے کمر کے زخم پر وہ خود ہی بینڈج کر چکا تھا۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اپنی پوری فورس لگائے زمین کھود رہا تھا۔

اتنی سردی میں وہ ایک بار پھر سے پسینے میں شرابور تھا۔

اس کے سلکی بال پسینے سے شرابور تھے۔اس نے سیدھے ہوتے اپنے بالوں کو دائیں بائیں جھٹکتے پسینے کی بوندوں کو جھاڑتے زمین پر پڑے لیپ ٹاپ پر نظریں دوڑائیں۔ جہاں اس کی حویلی کا اندرونی منظر نمایاں تھا۔ آریان خانزادہ کی سبز آنکھیں اس کے کمرے کے بیڈ پر لیٹی نازک وجود پر تھیں۔۔

نہیں کیوں وہ اس نازک وجود کی سیفٹی کو لے کر کافی زیادہ حساس ہو گیا تھا؟؟

یک عجیب سا خوف تھا جو اس کے وجود میں سرایت کر گیا تھا۔وہ لوگ اس کے قیمتی رازوں فایلز کو لے جائیں گے یہ خوف نہیں تھا وہ لوگ اس نازک وجود کو چھوئیں گے اس کے ساتھ برا سلوک کریں گے۔اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ آریان خانزادہ نے گڈا کھودتے ہوے بیلچہ زمین پہ پوری قوت سے گاڑھا۔۔وہ اپنے نم ذدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے ان

لاشوں کی طرف بڑھا۔ ایک ایک کرتے ان لاشوں کو گڈے کے حوالے کرتے اس نے مٹی اس گڈے پر برابر کی تھی۔ وہ بالکل اس مٹی کو برابر کرتے زمین کی طرح ہموار کر گیا۔ اس کے بھاری قدم اب تہہ خانے کی طرف تھے۔ آریان خانزادہ نے بلوٹھوتھ اپنے کانوں پر لگائی۔ اس کی سماعتوں میں اب اس نازک وجود کی سانسیں گونج رہی تھی۔۔

وہ تیز تیز قدموں سے اب تہہ خانے کی طرف بڑھنے لگا۔۔ وہ ٹرنک ہٹاتے تہہ خانے میں اترا تھا۔ تہہ خانے میں آتے ہی اس لاش کو دیکھتے اس کے جبڑے بھینچے تھے۔

آہہہ۔۔ وہ اپنا بھاری بوٹ کی ضرب اس کے مسخ شدہ گال پر ایک بار پھر سے پوری قوت سے لگا گیا

آریان خانزادہ اس لاش کو ٹانگوں سے پکڑے گھسیٹتے ہوے سیڑھیاں چڑھتے جنگل سے باہر آیا تھا۔۔

اب اس کے قدموں کا رخ اس کے پالتو ٹائیگر کی طرف تھا۔

اپنے ٹائیگر کی طرف وہ جیسے بڑھا وہ پنجرے میں اسے دیکھتے غرانا شروع ہو چکا تھا۔۔

آریان خانزادہ نے اس کا پنجرہ کھولتے وہ غلیظ لاش اس ٹائیگر کے حوالے کی۔

اب وہ کھڑا مسکراتے ہوے اس لاش کے ٹکڑے ٹکرے ہوتا دیکھ رہا تھا۔

یکدم وہ آسمان کی طرف دیکھتے قہقہ لگا گیا تھا۔

مجھے زندہ پکڑنے آئے تھے۔ مجھے زندہ پکڑنے آئے تھے۔۔۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے بولتے ہوئے اونچے اونچے قہقہے لگا رہا تھا۔

چچ۔۔۔ چچ۔۔ آریان خانزادہ کو مارنا تو آسان ہے مگر اسے زندہ پکڑنا ممکن نہیں۔۔ جب تک وہ خود نہ چاہے اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ وہ پنجرے کی سلاخوں کو جکڑے اس لاش کے چیتھڑے ہوتے دیکھتا غرایا۔

کہا تھا تمھاری لاش کو اپنے جانوروں کے حوالے کروں گا۔ دیکھو کر دی تمھاری لاش کو! م اپنے جانور کے حوالے۔! آریان خانزادہ سے زیادہ اس کے عہد سے لوگ ڈرتے ہیں۔ ایک بار میں خود سے عہد کر لوں اسے پورا کر کے رہتا ہوں۔ تمھاری لاش اسی سلوک کی حقدار تھی کیونکہ تو نے اسے چھوا تھا۔ اسے تھپڑ امارا۔۔ اس کے اس گال کو چھوا جس پر صرف آریان خانزادہ کی انگلیوں کا نشان ہی ٹھہر سکتا ہے۔ ہمت کیسے ہوئی تمھاری اس کے

گال کو چھونے کی ؟!۔اسے چھونے کی ہاں ؟!۔۔وہ سلاخوں کو جکڑے بھوکے درندے کی مانند حلق کے بل پوری قوت سے دھاڑا تھا۔۔اس کی دھاڑ جنگل میں گونجتے پہاڑوں سے ٹکرائی تھی۔۔

یکدم اسے اپنی سماعتوں میں زرمش کی چیخ سنائی دی تھی۔۔مس خان!!وہ بلو ٹوتھ پر ہاتھ رکھتے ہوے زرمش سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخا تھا۔

زرمش کی چیخیں اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دے رہی تھیں۔مس خان!!وہ چیختے ہوے بھاگتے ہوے حویلی کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھا۔۔وہ اپنی پوری فورس لگائے جنگل سے بھاگتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

زرمش بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے فلگ شگاف چیخیں مار رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی نیلگوں روشنی میں وہ آریان خانزادہ کے کمرے کو دیکھ چکی تھی۔۔

خوف سے اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔۔ آنکھوں کے آگے وہ منظر لہرا رہا تھا۔ جب وہ سریے سے اس کو جانوروں سے بھی بدتر موت دے رہا تھا۔ اس انسان کی دلخراش چیخیں زرمش کو اپنی سماعتوں میں سنائی دے رہی تھیں۔

وہ چیختے ہوئے بیڈ سے اٹھتی کمرے سے نکلتی بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے اس وحشی درندے کی پناہوں میں نہیں رہنا تھا۔ اسے اس

کی پناہوں میں نہیں رہنا تھا۔ اسے ہر حال یہاں سے جانا ہی تھا۔ وہ اپنے پاؤں کے زخموں کے درد کی پرواہ کیے بغیر اپنی پوری قوت لگائے بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ یکدم وہ کسی کے پتھر جیسے سینے سے جا ٹکرائی تھی۔

اس کی فلک شگاف چیخیں اس کے حلق میں گھٹی تھیں۔ وہ

bloodthirsty beast

کی سمیل پہچانتی تھی۔۔ وہ اس وحشی درندے کی خوشبو پہچانتی تھی۔۔

وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اپنی ہرنی سے بھی زیادہ خوفزدہ آنکھیں اس

bloody thirst beast

کی سبز سرخ آنکھوں میں گاڑھ گئی۔۔

کیا ہوا مس خان؟؟ آریان خانزادہ اسے بازو سے جکڑے خود سے دور کرتے سرد لہجے میں استفسار کر گیا تھا۔

مم۔۔۔مجھے۔۔۔جانے۔۔۔دو!! مجھے۔۔۔میرے۔۔۔لالا۔۔۔کے ۔۔۔پاس۔۔۔جانے۔۔۔دو۔۔۔ممم۔۔مجھے۔اپنے۔۔۔لالا ۔۔۔کی۔۔۔۔بندوق۔۔۔کی۔۔۔گولیاں۔۔۔قبول۔۔۔ہیں۔۔مم۔۔۔ مجھے۔۔۔۔میرے۔۔لالا۔۔۔کے۔۔۔۔پاس۔۔۔۔جانے۔۔۔دو۔۔ پپ۔۔پلیز۔۔وہ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے سراسیمگی ٹوٹے لفظوں سے ہچکیوں کے دوران فریاد کرتے بولی۔

کیوں جانے دوں تمھیں تمھارے لالا کے پاس؟؟ وہ اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے اٹھاتے ہوے تھوڑا سا اوپر کر گیا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے تھوڑے اوپر تھے۔ اس کے زخمی پاؤں اب زمین کو نہیں چھو رہے تھے۔۔

مم جانے دو مجھے پپ پلیز!!وہ اس کی سینڈو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔

یہی تو پوچھ رہا ہوں مس خان کیوں جانے دوں تمھیں تمھارے لالا کے پاس؟؟اریان خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

کیونکہ وہ مم میرے لالا ہیں؟!زرمش بے بسی کے احساس سے رو دی تھی۔وہ اسے زمین سے اوپر کو بڑے آرام سے اٹھائے ہوے تھا۔

تمھارے لالا کے لیے میں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہے مس خان!!وہ زرمش کی آنکھوں میں دیکھتے پر سرایت سے مسکرایا تھا۔

کک کیا سوچا ہے؟؟زرمش نے روتے ہوے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔

آریان خانزادہ کے دشمن خود اس تک پہنچتے ہیں۔۔ آریان خانزادہ کبھی اپنے دشمنوں کے پاس نہیں جاتا۔ جلد تمھارے لالا اس حویلی میں ہوں گے۔۔ وہ اسے نیچے اتارتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

کک کیوں؟؟ زرمش دیوار میں سمائے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

وہ اس کے پاؤں کی طرف دیکھتے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے نیچے بٹھاتا چلا گیا تھا۔

زرمش نیچے دوزانو بیٹھتی چلی گئی تھی۔

آریان خانزادہ بھی اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا۔

کیونکہ مجھے اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں ہار بے بسی دیکھنے کا بہت مزا آتا ہے۔۔

سوچو!!وہ کیا عالم ہو گا جب حیدر خان میری حویلی میں آئے گا؟؟اور تمھیں اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکے گا۔ آریان خانزادہ نے پر سراریت سے مسکراتے اسے آنکھ ماری تھی۔

کک کیوں نہیں لے کر جائے گا مجھے میرے لالا؟؟زرمش نے روتے ہوے معصومیت سے اس کی پر سرار آنکھوں میں دیکھتے خوف سے ہچکی لی تھی۔

میں کام ہی کچھ ایسا کروں گا۔وہ آئے گا حویلی اپنے ڈھیر سارے گارڈز کے ساتھ آئے گا وہ میری حویلی۔۔ مگر افسوس وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔وہ میری حویلی کی ایک چیز برباد کرے گا۔ تمھیں دکھاؤں کیسے؟؟ آریان خانزادہ نے اس کی ڈری سہمی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا۔

ہاں۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔زرمش نے ڈرتے ہوے اثبات میں سر ہلایا۔

تم ڈرو گی تو نہیں۔۔ اریان خانزادہ نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

نہیں۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔ زرمش نے نفی میں سر ہلاتے ہچکی لی۔

گڈ میرے ساتھ رہتے رہتے تم نڈر ہو جاؤ گی۔ آریان مسکراتے ہوے کھڑا ہوا تھا۔

تمھارا لالا اپنے درجنوں گارڈز کے ساتھ اس داخلی دروازے پر ڈھیر ساری گولیاں برساتے اندر داخل ہو گا۔ آریان خانزادہ نے کھڑے ہوتے اپنے جیب سے پسٹل نکالتے دروازے پر کئی فایر کیے تھے۔

زرمش چیختے ہوے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔

اس دروازے کو کچھ نہیں ہو گا۔ مگر تمھارے لالا کی گولیوں سے یہ دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ آریان خانزادہ یہ دروازہ کھول کر ہی رکھے گا۔۔ آریان خانزادہ نے فلگ شگاف قہقہ لگایا۔

زرمش اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی رہی تھی وہ کیا کہہ رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی؟؟

تمھارا لالا پھر اپنے کندھوں پر شال جھٹکتے ہوئے اپنے درجنوں گارڈز کے ساتھ آگے بڑھے گا۔ وہ راستے میں آئی میری حویلی کی ہر چیز کو پاؤں سے ٹھوکر مارے گا۔

اس کے گارڈز بھی حویلی کے فرنیچر کو اٹھخ پٹخ کرے گے۔

جگہ جگہ گولیاں برسائیں گے۔۔اس حویلی کی ہر چیز برباد ہو جائے گی۔۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے صوفوں پر کتنے ہی فایر کیے۔وہ صوفوں پر فائر کرے گا۔جگہ جگہ رکھے میرے سارے وایرلیس برباد کر دے گا۔وہ آگے بڑھتے ہوے تمام وایرلیس اٹھاتے ہوے زمین پر پھینک رہا تھا۔

زرمش لبوں پر ہاتھ رکھے اسے سسکتے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔یہاں بھی برسائے گا وہ گولیاں۔۔ آریان خانزادہ نے بک ریک میں فائر کیے۔۔چیخے گا چلائے گا روئے گا تڑپے گا۔مگر تمھیں اپنے ساتھ نہیں لے جا پائے گا۔۔ آریان خانزادہ پر سراریت سے بولتے زرمش کا خون رگوں منجمند کر رہا تھا۔زرمش تو اسے چکراتے ہوے دیکھ رہی تھی۔۔مقابل سچ میں

bloodthirsty beast

تھا۔ وحشی درندے سے بھی زیادہ وحشی درندہ!!

تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی اپنی لالا کی بے بسی اسے چیخیں مارتے ہوے۔۔

مگر افسوس تم ایک لفظ منہ سے نکال نہیں سکو گی۔۔ جانتی ہو

کیوں؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے برفیلے

لہجے میں پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ زرمش نے لبوں پر ہاتھ جماتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔

کیونکہ تمھاری سانسوں پر میری سانسوں کا قبضہ ہو گا۔ آریان خانزادہ نے

اس کے لبوں پر ہاتھ ہٹائے اس کے کپکپاتے لبوں پر اپنی سلگتی سانسیں

چھوڑیں۔

زرمش لرزتے ہوے دیوار میں سمائی تھی۔وہ اس کی سانسوں کی تپش سے جھلس کر انگارہ ہوئی تھی۔۔

اس دن تو یہ سانسیں بہت جگہوں پر اپنا لمس چھوڑتے تمھاری آواز بند کر دیں گی۔۔تم اپنے لالا کو دیکھ کر سوائے بے بسی سے رونے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکو گی۔ آریان خانزادہ نے مسکراتے اس کے عارض پر بہتے آنسو بے حد نرمی سے صاف کیے تھے۔

زرمش نے اس کی کھردری انگلیوں کا لمس اپنے عارض پر محسوس کرتے خوف سے ہچکیاں روکی تھیں۔

اٹھو کمرے میں چلو تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔وہ کھڑے ہوتے حکمیہ لہجے میں کہتے آگے بڑھا تھا۔

زرمش اس کے حکم پر جلدی سے زمین سے اٹھی تھی۔

یکدم اسے چکر آیا تھا۔اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی آریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔زرمش اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی چلی گئی تھی۔۔ آریان خانزادہ کو اس کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ زرمش کو اپنی سانسیں سینے میں دبتے خاموش ہوتے محسوس ہوئی تھیں۔

وہ اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوتے اپنے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔اب خاموشی سے ادھر چپ کر کے آنکھیں بند کر لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح کی روشنی تک مجھے صرف تمھاری سانسوں کی آواز آئے۔کروٹ بھی نہیں بدلو گی تم!!وہ اسے دیکھتے حکمیہ لہجے میں غرایا۔زرمش کھسکتے ہوئے بیڈ کراؤن میں سمائی تھی۔

لیٹو!! آریان کی غراہٹ پر زرمش اسی لمحے بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹتے ہوے سکڑی سمٹی سی آنکھیں سختی سے میچ گئی۔۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوے کمبل اس کے وجود پر ڈالا تھا۔ آریان خانزادہ نے اس کے لرزتی پلکوں کو بغور دیکھتے اس کے گال کو دیکھا۔ جہاں ابھی بھی اس آدمی کی انگلیوں کا نشان تھا۔ آریان خانزادہ کا دل کیا تھا اس کے گال کو کھرچ کر اس آدمی کی انگلیوں کا نشان مٹا دے۔ جو پتہ نہیں اسے آگ کی طرح اندر سے دہکا رہا تھا۔

وہ لائٹس آف کرتے ہوے صوفے کی طرف بڑھتے ہوے چت لیٹے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ گیا تھا۔

اب کمرے میں ہلکی سی مدھم نیلگوں روشنی جل رہی تھی۔

زرمش منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکے ہوے تھی۔ وہ اس کے کمرے میں تھی اور وہ اس کمرے میں موجود تھا۔ اس کی سانسیں خوف سے جیسے بند ہو رہی تھی۔۔

زرمش کی دبی دبی سسکیوں کی آواز سنتے ہوے آریان خانزادہ کے جبڑے بھینچے تھے۔

آواز نہ آئے اب تمھاری سسکیوں کی۔ ورنہ بنا کسی حلال رشتے کے تمھاری سسکیاں گھونٹ دوں گا۔ آریان خانزادہ دھاڑا تھا۔

زرمش اس کی دھاڑ پر اپنی سسکیاں مزید گلے میں گھونٹ چکی تھی۔

پوری کائنات میں تم ہی ایک لڑکی ہو جس کے ساتھ آریان خانزادہ کا حلال تعلق قایم ہو سکتا ہے نہ حرام!!اس کی ایک بار پھر سے اونچی غراہٹ گونجی تھی۔

تمھارے ناپاک وجود کے ساتھ آریان فارس خانزادہ کبھی بھی کوئی اپنا تعلق قایم نہیں کرے گا اور یہ آریان خانزادہ کا وعدہ ہے۔۔ آریان خانزادہ اپنے عہد سے کبھی نہیں پھرتا۔ آریان خانزادہ غراتے ہوے صوفے پر کروٹ بدل گیا تھا۔

زرمش اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی آنکھیں میچے اپنے بدن کی لرزاہٹ پر قابو پانے لگی۔۔

جانے کتنی دیر ہو گئی تھی کمرے میں آریان خانزادہ کی سانسوں کی گونج بڑھتی جارہی تھی۔زرمش خوف سے آنکھیں میچے ہوے تھی۔وہ آنکھیں

کھولتے اٹھ کر بیٹھی۔اس نے نیلگوں روشنی میں لرزتے ہوے آریان خانزادہ کو دیکھا۔

اس کی نگاہوں کا مرکز آریان خانزادہ کی بیک کے پاس اس کا موبائل فون تھا۔اس کے پاس شاید یہ آخری موقع تھا یہاں سے نکلنے کا۔وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔وہ اس وحشی درندے کے پاس نہیں رہنا چاہتی تھی۔

زرمش نے گہرے سانس لیتے اس کے فون کو دیکھتے اپنی پیشانی پر آئے پسینے کو قطرے صاف کیے۔وہ بیڈ سے اٹھتے دبے پاؤں اپنی سانسیں روکتے آریان خانزادہ کی طرف بڑھی۔اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔پورا وجود پسینے سے تر تھا۔دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پہلو سے نکل آئے گا۔۔زرمش نے نیلگوں روشنی میں بچھو کے باکس کی طرف دیکھا۔وہ باکس میں نہیں تھا۔وہ لبوں پر ہاتھ جمائے خوفزدہ ہوتے اچھلی تھی۔اسے

اپنے وجود پر جیسے وہ بچھو رینگتا محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنی ہتھیلی دانتوں میں دبائے اپنی چیخیں روکنے لگی تھی۔۔ زرمش دبے پاؤں آریان خانزادہ کی پشت کو دیکھا۔ اس نے آگے بڑھتے وہ موبائل اپنے بھیگی ہتھیلی میں جکڑا ۔زرمش نے کانپتے ہاتھوں سے موبایل کو کھولا۔ اسے لاکڈ دیکھ کر اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہوا تھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اپنی ہچکیاں روک گئی تھی۔۔ زرمش نے کانپتے ہوے آریان خانزادہ کے پاس بیٹھتے ہوے اس کے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔۔ آریان خانزادہ سیدھا ہوا تھا۔ زرمش نے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی چیخ حلق میں روکی تھی۔ اس کا ہاتھ آریان خانزادہ کے نیچے اب دبا تھا۔

خوف اور آریان کے وزن سے اس کا ہاتھ بلکہ پورا وجود سن ہوا تھا۔ زرمش نے بمشکل اپنا ہاتھ کھینچا۔ وہ اپنا ہاتھ اس کے دیو ہیکل وجود کے نیچے سے

نکالنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔۔وہ حیران تھی وہ کیسے اپنا ہاتھ اس کے دیو ہیکل کے وجود کے نیچے سے نکال چکی تھی۔اور اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

مگر ہاتھ کھینچنے سے وہ اس کے کشادہ سینے پر آن گری تھی۔

آہہہ۔۔۔۔وہ اب اپنی چیخ نہیں روک سکی تھی۔زرمش اس کے سینے میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی. وہ گہرے سانس لیتے ایک ہاتھ میں آریان خانزادہ کا موبائل تھامے ہوے تھی۔دوسرے ہاتھ اس کے سینے پر سر رکھے ہوے آنکھیں موندے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک اس کے سینے سے لپٹی رہی تھی۔۔جسم میں جان ختم ہو چکی تھی۔۔رگوں میں دوڑتا خون منجمند ہو چکا تھا۔زرمش کی گردن سے ٹپکتا پسینہ آریان خانزادہ کی سینڈو کو بھگو رہا تھا۔۔

زرمش نے اپنے اپنی سانسیں روکتے ذراسا اوپر ہوتے آریان خانزادہ کو دیکھا ۔جو گہری نیند سو رہا تھا۔وہ اسے ایسے سوتے دیکھ کر حیران تھی۔۔

زرمش نے اپنی سانسیں بحال کرتے اپنے کانپتے ہاتھ سے آریان خانزادہ کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا جکڑا۔۔اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے آریان کے سینے پر گر رہے تھے۔۔اس کے لبوں سے دبی دبی سسکیاں برامد ہو رہی تھیں۔وہ bloodthirsty beast کے سینے پر تھی۔اسے لگ رہا تھا۔وہ شیر کی کھچار میں بیٹھی شیر کے منہ میں ہاتھ دیے بیٹھی ہے۔۔آریان کے خوف سے اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔وہ اٹھ جاتا تو پتہ نہیں کیا سزا دیتا۔۔شاید اس کا گال تھپڑوں سے نیلا کر دیتا یا پھر اپنے ٹائگر کے آگے پھینک دیتا۔۔

زرمش نے روتے ہوے کانپتے ہوے موبائل کے سکرین پر آریان خانزادہ کا تھمب لگایا۔ موبائل ان لاک ہوا زتھا۔ زرمش بے یقین ہوئی تھی۔۔ وہ جلدی سے آریان خانزادہ کے اوپر سے اٹھی تھی۔۔ وہ اب کھڑی بے یقینی سے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو ابھی بھی سو رہا تھا۔ وہ اپنے ماتھے پر پسینہ صاف کرتے واش روم کی طرف گرتی پڑتی تیزی سے بڑھی تھی۔۔

واش روم کا دروازہ بند کرتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔۔ دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے وہ ان لاک موبائل کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بے یقین تھی ۔۔ دل خوف سے شدت س لرز رہا تھا۔ بدن ہچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔ وو اس وحشی درندے کی پناہوں سے اس کا موبائل لے آئی تھی اور وہ صیح سلامت بھی تھی۔۔ وہ سچ میں بے یقین تھی۔

زرمش نے روتے ہوے اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی سسکیاں روکتے حیدر خان کا نمبر ڈائل کرتے کال ملائی۔۔

لالا۔۔وہ روتے ہوے حیدر خان کو پکار رہی تھی۔۔

دوسری طرف بیل کی آواز جا رہی تھی۔۔

لالا!!وہ بے آواز لبوں سے اسے پکارتی جا رہی تھی۔۔

ہیلو!دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔

لالا!!حیدر خان کی آواز سنتے وہ سسک سسک کر رو دی۔۔

فون پر آن ناون نمبر دیکھتے حیدر خان فون کان سے لگائے ہوے تھا۔دوسری طرف سے سائیں سائیں کی آواز آ رہی تھی۔

لالا!!زرمش روتے ہوے حیدر خان کو پکار رہی تھی۔جو مسلسل ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔

لالا!!میں زرمش۔۔زرمش نے روتے ہوے کہا۔مگر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔زرمش نے روتے ہوے پھر سے حیدر خان کا نمبر ڈائل کیا۔وہ حیران تھی اسے حیدر خان کی آواز آرہی تھی مگر اس کی آواز حیدر خان تک کیوں نہیں پہنچ رہی تھی۔۔

اس نے دوبارہ نمبر ڈایل کرتے فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف سے پھر سے ہیلو کون ہے؟؟کی مسلسل پکار گونج رہی تھی۔۔

لالا وہ اب حلق کے بل چیخی تھی۔۔ہیلو کون ہے!؟؟حیدر کی آواز پر وہ شدت سے رودی تھی۔

لالا آپ کی زرمش !! آپ کی بہن لالا !! وہ فون اپنے ہونٹوں کے قریب کرتے رو پڑی۔۔ دوسری طرف سے فون پھر سے بند کر دیا گیا تھا۔

زرمش فون ہاتھ میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ فون پھر سے ان لاک ہو چکا تھا۔

وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اب ہذیانی چیخ رہی تھی۔

اس کی چیخوں کی آواز سنتے آریان خانزادہ کے لبوں سے فلگ شگاف قہقہ برامد ہوا تھا۔

Welcome haider khan to Aryan khanzada's mansion as his greatest enemy

زرمش کی چیخوں کے ساتھ آریان خانزادہ کے فلگ شگاف قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے

زاران شرٹ لیس الٹا سو رہا تھا۔۔ نیند میں ہی اس نے بائیں ہاتھ سے اپنے پہلو میں ابرش کو تلاشا تھا۔۔ وہ اس کے پاس نہیں تھی یہ احساس ہوتے ہی اس کی نیند بھک سے اڑی تھی۔۔

اس نے سیدھے ہوتے اپنی سائیڈ پر نظریں دوڑائیں۔ وہ وہاں نہیں تھی۔۔ زاران خانزادہ کی دل کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔ اس کے دور جانے کے خیال سے ہی وہ جی جان سے لرز اٹھا تھا۔۔ زاران اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اٹھ کر بیٹھا وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔

اسے کھونے کا جو احساس کل رات اس نے محسوس کیا تھا۔ وہ احساس کبھی بھی اس نے محسوس کیا تھا۔ شدید محبت تو پہلے بھی اس سے بے حد کرتا تھا۔ مگر اب تو رگوں جاں سے بڑھ کر کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ اس کی بے اعتنائی بے رخی سے بڑھ کر اس کے لیے جان لیوہ احساس کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے اب اپنی دھڑکنوں سے بھی زیادہ قریب رکھنا چاہتا تھا۔ اتنی محبت کرنے والی عورت کو وہ کیسے خود سے دور رکھ سکتا تھا جو قربت کے لمحات میں کس طرح اس کا سکون بن کر اپنی تھکن بھول جاتی تھی۔

وہ جتنی دیر اسے اپنے قریب رکھتا تھا۔ وہ اف نہیں کرتی تھی۔۔ پہلے بھی اور اب بھی۔۔

رات کی خماری زاران خانزادہ کی آنکھوں میں خمار بن کر دوڑ رہی تھی۔ زاران خانزادہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بیڈ سے اٹھا

۔

مرر میں اپنا عکس دیکھتے وہ ہنسا تھا۔ اس کی خوبصورت جنونی بیوی کی سوغاتیں اس کے چٹانی سینے پر موجود تھیں۔ اور ان سوغاتوں کو لے کر وہ اسے اسے کافی تنگ کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

زاران خانزادہ واش روم کی طرف بڑھا۔۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ نہیں تھی۔ وہ کمرے سے نکلتا وہ کئی کئی سڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں شدت سے دھڑک رہی تھیں۔

وہ عورت اپنی شدید محبت اور قربت سے اسے اتنا اسیر کر چکی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اسے کبھی بھی چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر بھی اسے کھونے کے احساس سے ڈرنے لگا تھا۔

وہ اپنی مس امریکہ اپنی جذباتی بیوی سے اتنی شدت سے عشق کرنے لگا تھا۔ اسے لگتا تھا وہ اپنی مس امیریکہ جذباتی بے وقوف بے شرم بیوی کو کھونے سے اب ساری عمر ڈرے گا۔۔

ابرش اس وقت صرف زاران خانزادہ کی بلیک کلر کی گرم ہڈی پہنے ہوے ہوے تھی۔ جو اس کے گھٹنوں سے اوپر آتی تھی۔ وہ اس وقت سومنگ پول میں اپنی ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے لبوں پر مدھم سی شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ وہ گہرے سانس بھرتے بار بار زاران خانزادہ کی ہڈی کو سینے سے پکڑتے اس کی سمیل کرتے گہرا مسکراتی تھی۔

اپنی ٹانگوں پر زاران خانزادہ کی جنون خیزیوں کو دیکھ کر اس کی شرمیلی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔

سماعتوں میں زاران کی سرگوشیاں رس گھول رہی تھیں۔ جو اس کا دل زوروں سے دھڑکا رہی تھی۔

وہ کل رات اپنی قربت میں اسے بہت بار I love you بول چکا تھا۔ اس کی ہر جنون خیزی کے ساتھ اس کے لبوں پر اس کے لیے اظہار محبت تھا۔ وہ اسے کھونے سے ڈرتا ہے یہ بات اس نے اپنی قربت میں بارہاں مرتبہ اسے بتائی تھی۔

رات والی قربت میں زاران خانزادہ پاگل ہو چکا تھا۔ ایسی کون سی جگہ تھی جہاں اس کے ہونٹوں نے نہ چھوا ہو۔ اپنی قربت دینے کے بعد بھی اسے اپنے سینے سے شدت سے لپٹائے رکھا تھا۔ اس کے لب رات بھر اس کی پیشانی اس کے عارض اس کی کمر کو چھوتے رہے تھے۔۔

ابرش کی آنکھوں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے رو رہی تھی

۔۔۔

اس کا مسٹر خانزادہ اس کے لیے پاگل ہو گا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ تو ایسا خواب تھا جس کی تعبیر ممکن نہ تھی۔۔

یکدم زاران کی کچھ بے باک باتیں اور بے باک اسٹنٹ یاد آئے تھے. وہ گلاب کی طرح مہکتی گلاب کی ہی طرح سرخ ہوئی تھی۔ آنکھوں میں خمار سا

چھایا تھا۔ اپنے مسٹر کی طلب اس کی آنکھوں میں خمار بن کر اتری تھی۔ رگ و پہ میں بے چینیاں سی اتری تھیں۔

تیرے بنا بھی کبھی

تجھ سے مچل لیتی ہوں

کروٹ بدلتی ہوں تو

سپنا بدل لیتی ہوں

تیرا خیال آئے تو بل

کھا کہ پڑ جاتا ہے

پانی کی چادر تلے

دم میرا جل جاتا ہے

رات کا نشہ ابھی

آنکھ سے گیا نہیں

ابرش زاران کی ہڈی کو سینے سے جکڑے چومتے ہوے آنکھیں میچے ہوے تھی۔

زاران خانزادہ داخلی دروازے سے نکلتا سومنگ پول والی سائیڈ کی طرف بڑھا۔ اپنی خوبصورت بیوی کو سومنگ پول کے کنارے بیٹھ کر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔ اسے اپنی ہڈی چومتے دیکھ کر زاران خانزادہ نے بمشکل اپنا قہقہ روکا تھا۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ رہا تھا جو اس کی گرم ہڈی سمیل کرتے ہوے اسے چوم رہی تھی۔ پول میں اپنی ٹانگیں ہلاتے ہوے اب وہ آنکھیں میچے اپنی گردن پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔۔ زاران کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی

تھی۔۔وہ اب سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔جو اب تھوڑا سا جھکے اپنی خوبصورت ٹانگوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔۔زاران خانزادہ کے لبوں سے مسکراہٹ. اسی لمحے غایب ہوئی تھی۔وہ خود کو بھی ایسے چھوے کہاں گوارا تھا؟!۔اس کے پور پور پر صرف اس کا حق تھا۔اس کے خود کا بھی نہیں۔زاران خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔وہ پول کی طرف بڑھتے پول کی سیڑھیوں سے اترتے ہوے اپنی بیوی کی طرف بڑھا۔جو ابھی بھی آنکھیں میچے اس کی ہڈی کو چومتے ہوے اپنی سڈول ٹانگوں پر زاران خانزادہ کے دیے گئے جنون خیزیوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔زاران اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوے اس کی طرف بڑھتے پانی میں گم ہوا ۔اس کے قریب پہنچتے وہ اس کی خوبصورت ٹانگوں پر اپنے جنون خیزی کی گہری شدت رقم کر گیا تھا۔

زاران کی بے درد شدت اور اس کے آچانک یہاں آنے پر ابرش کی چیخ بلند ہوئی تھی۔۔زاران خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے پانی کی سطح پر آیا۔

ابرش خوفزدہ بھیگی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے زاران خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔۔جس نے اسے کافی بے دردی سے اپنی جنون خیزی دی تھی۔

کیا بیوی؟؟زاران خانزادہ نے اپنے گھنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اسے دیکھتے آئی بروا چکائے تھے۔

خود کو بھی تم چھوؤ یہ تمھارے مسٹر کو گوارا نہیں۔وہ اسے ٹانگ سے کھینچتے پول میں گرا چکا تھا۔

وہ چیختے ہوے پول کے گہرے پانی میں گرتے زاران خانزادہ کے ساتھ لپٹی تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے اس کی گردن میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔ زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے لبوں کو چومتے اسے لیے پانی میں گم ہو چکا تھا۔

جب وہ پانی کی سطح پر آیا تو ابرش کے بدن سے اس کی ہڈی غایب تھی۔ وہ صرف بلیک کلر کی باڈی سوٹ میں ملبوس تھی۔ ابرش خود کی طرف دیکھتے سرخ گلاب ہوئی تھی۔۔ تمھیں شرم بھی آتی ہے میری بے شرم بیوی!۔ وہ اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوے لفظ چباتے ہوے بولا۔

زاران۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ لب کاٹتے ہوے اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

کیوں چھو رہی تھی خود کو؟؟زاران نے سرد لہجے میں استفسار کرتے اس کی ٹھوڑی اوپر کی۔۔

تمھیں سوچتے ہوے خود کو چھوا!!رات کی ہر بات سوچتے ہوے تمھاری دی گئی شدتوں کے نشانات کو ہی چھو رہی تھی۔میں نے کب کبھی خود کو چھوا؟!۔ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے وضاحت دی۔

تم اوپر اوپر سے بھی خود کو چھوؤ!مجھے گوارا نہیں۔تھارا پور پور صرف میرا ہے۔جہاں صرف تمھارے مسٹر کو اپنا قہر ڈھانے کا حق ہے سمجھی تم۔وہ غراتے ہوے پانی میں گم ہوتے اسے کمر کے دونوں سائیڈ سے جکڑے پانی میں ہی اس کی باڈی سوٹ کے اوپر سے ہی اس کے پیٹ پر اپنی شدت کی

گہری سوغات رقم کر گیا تھا۔۔ زاران کی شدت پر ابرش کی سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔ وہ اوپر کو ہوتے اس کی گردن پر جھکے دانت گاڑھتے اوپر آیا۔

ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمایل کرتے آنکھیں میچ گئی۔ وہ اس کی اس جسم کا ڈھیلا پن محسوس کرتے اس کی گردن پر جھکے جابجا اپنا لمس چھوڑنے لگا۔ ابرش کو وہ جکڑے پول کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔۔ وہ اسے وہاں لٹائے اس پر جھکے اپنے پر تپش لمس سے ابرش کی گردن اور اس کی گہرائیاں جھلسانے لگا۔ ابرش کا بدم پانی میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔

جب میں یاد آؤں میری بے شرم بیوی مجھے آنکھ کا اشارہ دے دیا کرو۔۔ میں تمھاری ہر طلب مٹا دوں گا۔ وہ اسے بالوں سے جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے خماری سے بولا۔

تم اگر اسلام آباد ہوے میں حویلی ہوئی تو کیسے تمھیں اشارہ کروں گی مسٹر خانزادہ؟؟اور کیسے تم چلے آؤ گے میرے پاس۔ابرش گہرے سانس لیتے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔

ابرش کی بات پر زاران خانزادہ کا قہقہ بلند ہوا تھا۔کس نے کہا میں اسلام باد اکیلا جاؤں گا؟؟زاران نے مسکراتے ہوے اس کی حیران آنکھوں میں جھانکا تھا۔

میری بے شرم بیوی میری جان میری زندگی!!میرا اسلام آباد کا بنگلہ تمھاری ملکیت ہو چکا ہے۔۔جب جب اسلام آباد جاؤں گا یا کہیں بھی تم میرے ساتھ جاؤ گی ہر جگہ میری پرچھائی بن کر!زاران اس کی آنکھوں کو چومتے ہوے گہرے پانی میں گم ہوتے اس ک ہونٹوں کے ساتھ لپٹا تھا۔

وہ اس کی سانسیں چرا کر اوپر آیا تو ابرش ابھی بھی حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میٹنگ کے لیے بھی جاؤں گا تم میرے ساتھ جاؤ گی۔ یہ وعدہ ہے میرا تمھیں حویلی کے کمرے میں میرے بغیر نہیں رہنا پڑے گا۔

تم۔۔ تم۔۔۔ جھوٹ۔۔ آپ۔

۔۔ جھوٹ۔۔ بول۔۔ رہے۔۔ ہیں۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے روتے ہوے کہا۔

زاران اس کے تم سے آپ آنے پر قہقہ لگا گیا تھا۔

تمھیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی ایک دن کے لیے بھی اسلام آباد جاؤں گا۔ تمھیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اور میں تم پوری دنیا کی بھی سیر کریں گے۔ تیار رہو اپنے ہنی مون کے لیے۔ ورلڈ ٹور پر جائیں گے۔ زاران کی بات پر وہ روتے ہوے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔

مجھے کچھ نہیں چاہیے زاران۔۔ مجھے اسلام باد والا بنگلہ نہیں چاہیے۔۔ مجھے مہنگی جیولری نہیں چاہیے۔۔ مجھے میری ملکیت میں صرف زاران خانزادہ چاہیے۔۔ وہ روتے ہوے اس کے ہونٹوں سے شدت سے لپٹی۔ زاران خانزادہ شدت سے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کی سانسیں انہیل کیے ہوے تھے۔۔ ابرش اس کے ہونٹوں کو چھوتے زیادہ جذباتی ہو رہی تھی۔۔ وہ زاران سے بھی زیادہ اپنی شدت دکھا رہی تھی

زاران خانزادہ نے نرمی سے اس کے لبوں کو آزاد کیا۔ وہ گہرے سانس لیتے اس کے سینے سے لپٹ پڑی تھی۔

تیرے ملنے کے

موسم بڑے ہوتے ہیں

جنموں کا وعدہ کوئی یہ

غم بڑے چھوٹے ہیں

لمبی سی ایک رات ہو

لمبا سا ایک دن ملے

بس اتنا سا جینا ہو

ملن کی گھڑی جب ملے

ابرش اس کے سینے سے لپٹتے ہوے جذب کے عالم میں بولی تھی۔

چلو پھر ہم آج کے اس دن کو لمبا سا بناتے ہیں۔۔ تم میری آغوش میں سمانا میں تمھاری آغوش میں سماؤں گا۔ وہ اسے گود میں اٹھاتے سڑھیوں کی طرف بڑھتے پول سے باہر آیا تھا۔

ابرش اس کے گلے میں بانہیں حمایل کر گئی تھی۔۔ زاران خانزادہ اسے لیے سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر لٹائے اس پر حاوی ہوا

ہے مائے لیڈی لو!! تم بے حد خوبصورت ہو کیا یہ تمھیں کسی نے کبھی بتایا؟؟۔ وہ اس پر جھکے اس کے وجود پر ہاتھ پھیرتے بے باکی سے بولا۔۔

بتایا ہے ایک بے باک بے شرم انسان نے بہت بار! ابرش اسے تکیے پر گراتے اس کے پر اوپر آئی تھی۔

کس نے میری خوبصورت بیوی کو یہ بتایا کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ زاران نے اسے قریب کرتے آنکھ مارتے اسے اوپر کرتے اس کا باڈی سوٹ کی ہک کھولتے اسے ریموو کیا تھا۔ وہ اسے تکیے پر گراتے وہ کمبل میں غروب ہو چکا تھا۔

زاران تم صرف میرے ہو۔۔ صرف میرے۔۔ ابرش نے سسکتے ہوے زاران خانزادہ کو خود کے ساتھ لپٹایا تھا۔ صرف اپنی بے شرم بیوی کا۔ صرف اپنی خوبصورت بیوی کا۔ وہ اس کی گردن کو مدہوشی میں چومتے ہوے پاگل ہوتا بول رہا تھا۔ ابرش مزید شدت سے اس کے ساتھ لپٹی تھی ۔زاران ابرش کی بے باکیوں پر ابرش کے لپٹنے کے انداز پر پاگل ہوتا جا رہا

تھا۔اس کی بے رحم شدتوں میں آضافہ ہو رہا تھا۔ابرش اس کے ساتھ لپٹتے اس کی بے رحم شدتیں برداشت کر رہی تھی۔اب کمبل میں ان دونوں کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔۔

عابیر سفید باتھ روب گاؤن میں ملبوس واش روم سے باہر آئی تھی۔اس نے اپنے سنہرے گیلے بالوں کو بہت خوبصورت انداز میں جوڑے کی شکل میں لپیٹا ہوا تھا۔۔کچھ لٹیں عارض پر بکھری تھیں

اس کے عارض اس وقت سردی اور باتھ لینے کی وجہ سے گلابی ہو رہے تھے۔عابیر نے مسکراتے ہوئے واش روم کے مرر میں خود کو دیکھا تھا۔وہ اس وقت بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔۔بلکہ وہ دھمک رہی تھی اس باتھ روب میں۔

اس نے ایک بار پھر سے مغروریت سے مرر میں دیکھا تھا۔۔

دیکھتی ہوں اسفندیار خان کیسے اگنور کرتے ہیں مجھے آپ؟؟ منٹوں میں آپ کو اپنے سامنے نہ جھکایا میرا نام عابیر خان نہیں۔۔ عابیر مرر میں دیکھتے مغروریت سے مسکرائی تھی۔ اس نے اپنی کلائیوں پر گلاب کا پیور سینٹ ذرا ذرا سا لگایا تھا۔

افففف۔۔۔۔ وہ اپنی کلائیوں کو سمیل کرتے گہرا مسکرائی تھی۔ اسفندیار خان کو صرف اس کے بدن کی مہک پسند تھی۔ وہ اسے کوئی پرفیوم باڈی سپرے لگانے نہیں دیتا تھا۔

جل کر راکھ ہو جاؤ گے !! اسفندیار خانزادہ۔۔۔ سمجھ کیا رکھا ہے مجھے حویلی کی عام عورت !! جو آپ کی بے اعتنائی پر روئے گی گڑگڑائے گی۔۔ کل سے مجھے

اگنور کر رہے ہیں۔۔ دیکھتی ہوں اب کیسے اگنور کرتے ہیں؟؟ عابیر غصے سے بولتے ہوئے واش روم سے باہر آئی تھی۔

بیڈ پر اسفندیار کو شرٹ لیس الٹا سویا دیکھ کر عابیر بھڑ بھڑ جلی تھی۔۔ کل رات سے ہی ایسے ہی گہری نیند سویا ہوا تھا۔۔ رات بھر وہ اپنی جگہ سے کھسکا نہیں تھا۔

عابیر اسفندیار خان کے مدھم خراٹے سنتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

ڈریسنگ مرر سے اپنا موبائل اٹھا کر اس نے بہت آہستگی سے اسفند کی سائیڈ والی ٹیبل پر رکھا تھا۔ اب وہ بہت آہستگی سے بیڈ کی اپنی سائیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

بیڈ پر بیٹھتے ہوے اس نے جوڑے میں لپٹے اپنے گیلے بال کھولے تھے۔

اسفندیار کی طرف سے ہاتھ بڑھاتے اس نے اپنا موبائل لینے کی کوشش کی۔ ساتھ میں اپنے گیلے بالوں کو نیچے سے پکڑ کر اسفندیار خان کے چہرے پر جھٹکے تھے۔

اسفندیار خان کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے قطرے گرے تو وہ ہڑ ابڑاتے ہوے سیدھا ہوا تھا.

آئی ایم سوری اسفند!! مجھے اپنا سیل فون چاہیے تھا۔ عابیر نے اسفند کو دیکھتے مدھم سا مسکراتے ہو کہا۔ وہ اسفند کے اوپر آتے اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھانے لگی۔ اسفند سرد سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عابیر نے اپنا موبائل پکڑتے ہوے اسفند کی نیلی سرد سپاٹ آنکھوں میں روہانسے ہوتے دیکھا تھا۔

وہ مکمل طور پر اپنا نازک وجود کا وزن اسفندیار خان کے کشادہ سینے پر ڈالے ہوے تھی۔ اسفندیار خان کی آنکھوں میں نرم گرم جذبات کی جگہ سرد تاثرات دیکھتے عابیر کی آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔

تمھیں اپنا سیل فون چاہیے تھا۔ واش روم سے نکلتے ہوے لے لیتی۔ واش روم سے نکلتے ہوے پہلے میری ہی سائیڈ آتی ہے۔ اسفندیار خان اسے خود سے دور دھکیلتے ہوے بیڈ سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عابیر نے بے یقینی سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔ اسفندیار خان اسے باتھ روب میں اگنور کر سکتا ہے وہ بے یقین تھی۔۔ عابیر گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے ہوے بیڈ سے اٹھتی واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

عابیر نے پوری قوت سے واش روم کے بند دروازے کو کھٹکٹایا تھا۔۔

اسفندیار خان جو فریش ہونے کے بعد شاور لینے کے لیے باتھ ٹب میں گھسا ہی تھا۔

دروازے کی ناک پر حیران ہوا تھا۔

دروازہ کھولیں اسفندیار خان!! عابیر دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے چیخی تھی۔

اسفندیار خان لب بھینچتے ہوئے ساتھ بنے ریک سے ٹاول پکڑتے ہوئے اپنی کمر پر باندھتے ہوئے باتھ ٹب سے باہر آیا تھا۔ اسفندیار خان نے غصے سے دروازہ کھولتے ہوئے عابیر کو شرربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے آئی بروا چکائے تھے۔

آپ اتنی دیر سے اندر کیا کر رہے تھے۔ عابیر کے سوال پر اسفند کی آئی برو تنی تھیں۔

جو کر رہا تھا اس کا ثبوت میرا گیلا بدن اور ٹاول ہے اور اس سے پہلے کیا کر رہا تھا اس کا ثبوت بھی اب تمھیں دوں کیا؟؟ اسفندیار خان نے اپنی بے انتہا خوبصورت کو گھورتے آئی برو اچکاتے لفظ چبائے تھے۔

اسفندیار خان کی بات پر عابیر کی رنگت مزید سرخ ہوئی تھی۔

اب مجھے گھورتے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہوتے رہنا ہے۔ یا پھر مجھے میرا قصور بھی بتانا ہے کہ مجھے باتھ ٹب کے گرم پانی سے باہر کیوں نکالا۔ اسفند نے عابیر کی شرربار نگاہوں میں دیکھتے سلگتے ہوئے پوچھا۔

آپ کا قصور یہ ہے کہ آپ کو اتنا احساس نہیں کہ اس کمرے میں آپ کی بیوی پریگننٹ ہے۔۔ یہ واش روم ہر وقت خالی ہونا چاہیے۔۔ جہاں آپ اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت گزار دیتے ہیں۔ عابیر کے الزام پر اسفند کا پارہ ہائی ہوا تھا۔۔

بیوی کے پریگنٹ ہونے کا واش روم کے خالی ہونے سے کیا تعلق ہے

؟؟میری سمارٹ بیوی!!اسفند اسے بازو سے کھینچتے واش روم کے اندر کرتا

دیوار سے لگائے اپنی سرد نگاہیں اس کے خوبصورت نقوش پر گاڑھ گیا۔

مجھے کسی بھی وقت واش روم کی ضروت پڑ سکتی ہے اسفند!!عابیر نے اسفند

کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوے کہا تھا۔

ایکسپلین کرو مائی سویٹ وائف!!کیوں؟؟تم نے کیا کرنا ہوتا ہے واش روم

میں۔۔وہ اس کے باتھ روب گاؤن کی ڈوریاں کھولتے اس کے برہنہ کمر پر

انگلیاں گاڑھے اسے اپنی سانسوں سے بھی زیادہ قریب کرتے اپنے ہاتھ کی

بے باکی بڑھاتے گہری شرارت کر گیا تھا۔

عابیر اسفند کی بے باک حرکت اور اس کی گرم سانسوں کی تپش سے گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔ مگر اسفند کی سرد نگاہوں میں دیکھتے وہ روہانسی ہوئی تھی۔ وہ اتنی بے باکی اور گہرائی سے اسے چھو کر بھی خوش نہیں تھا۔

مجھے صبح صبح وومٹنگ فیل ہوتی ہے۔۔ اس لیے مجھے ہر وقت یہ واش روم خالی چاہیے۔۔ عابیر نے اسفند کے سرد چہرے کو دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔

اسفند یار خان کا اب سچ میں پارہ ہائی ہوا تھا اس کی بے معنی باتوں پر۔۔

یعنی تمھیں اس ٹایم وومٹنگ کا احساس ہو رہا ہے۔ اسفند نے عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکتے ہوے غصے سے پوچھا تھا۔

ہاں!!عابیر نے اسفند کے سرد غصے سے تنے ہوے نقوش کو دیکھتے اپنے شبمنی لہجے پر قابو پاتے ہوے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اوکے جاؤ!!اسفند نے پیچھے ہوتے واش بیسن کی طرف اشارہ کیا۔

ہاں!!عابیر نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا۔

مائی پریگننٹ بیوی! آپ کو وومٹ آرہی ہے تو جائیں کریں۔اسفند نے اسے دیکھتے غصے سے کہا۔

اب نہیں آرہی!!آپ کے اندر ہونے کی وجہ سے اب مجھے وومٹنگ نہیں آ رہی اسفندیار خان۔۔اسی واش روم میں رہیں بلکہ آج کا دن ہی نہیں رات بھی ادھر گزاریں۔میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔اب ادھر ہی رہوں

گی۔ یہ کمرہ یہ واش روم اور اینگری ینگ مین کا ایٹیوڈ آپ کو مبارک ہو۔ عابیر اب اپنے روہانسی آواز پر قابو نہ پا سکی تھی۔

اوکے !!اسفندیار خان باتھ ٹب کی طرف جاتے ٹاول اتارتے ہوی باتھ ٹب میں گھس چکا تھا۔۔

اسفندیار خان کے جواب پر عابیر کا بے یقینی سے منہ کھلا تھا۔ آنکھوں میں شبنم اتری تھی۔

اسفندیار خان کو ایسے دیکھتے عابیر کی رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔۔ عارض تپ کر دہکتا تندور بنے تھے۔۔ اسفند باتھ ٹب کے ببل بنے بلو واٹر میں آنکھیں موندیں گم ہو چکا تھا۔ عابیر کچھ پل اسے دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے واش روم سے نکل گئی تھی۔

عابیر کے جانے کے بعد اسفندیار خان نے اوپر ہوتے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بالوں کو جھٹکتے خود پر شاور آن کیا تھا۔

درخزئی کی آنکھ کسی بھیانک سے شور سے کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑاتے ہوے اٹھ کر بیٹھا تھا۔ وہ اس وقت لاونج کے صوفے پر سو رہا تھا۔ درخزئی خانزادہ نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ حویلی اندر سے بہت زیادہ بڑی تھی۔ لاونج کے اطراف میں سٹنگ ایریاز جن کے دروازے خوبصورت گلاس اور لکڑی کے تھے۔ کمروں کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی۔ لاونج سے کچن بھی کافی دور تھا۔ درخزئی خانزادہ لاونج کے گلاس ونڈوز سے برف سے ڈھکے پہاڑوں کو دیکھتے اپنے بھاری قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

خالی کمرہ دیکھتے وہ واش روم کی طرف بڑھا تھا۔ واش روم بھی خالی تھا۔ درخزئی خانزادہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکلتے ہوئے باقی کمروں کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک ایک کرتے ہر کمرے کی تلاشی لی۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ نہ وو کسی سٹنگ ایریاز میں تھی۔ درخزئی خانزادہ کے بھاری قدموں کا رخ اب حویلی سے باہر تھا۔ وہ بڑے سے منقشم بھاری لکڑی کا دروازہ کھولتے باہر آیا۔ وہ کہیں نہیں دکھی تھی۔ دور تک برف سے ڈھکے پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ اور حویلی کا کئی میلوں پھیلا سرسبز لان جس کے راستے ہی کافی کٹھنائیاں لیے ہوئے تھے۔

درخزئی خانزادہ کی سانسیں بھاری ہوئی تھیں۔ رنگت میں طیش والم کی سرخیاں چھلکی تھیں۔ پورے وجود کی نیلی ابھری ہوئی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔

وہ گہرے سانس لیتے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ بند مٹھیوں کی کڑ کڑاہٹ دور تک گونجی تھی۔ وہ کسی صورت حویلی سے باہر نہیں جا۔ سکتی تھی۔ یہاں کے راستے ہی بے حد خطرناک تھے پھر یہ سوات کے خانزادوں کی حویلی نہیں تھی بلکہ کلام کے سر پھرے درخزئی خانزادہ کی حویلی تھی۔۔ وہ مٹھیاں دبوچتے ہوے حویلی کے اندر داخل ہوتے اندر سے حویلی کے پچھلے دروزے کی طرف بڑھا۔ اس دروازے سے باہر آتے درخزئی خانزادہ کی نگاہیں بے حد جدید اور خوبصورت انیکسی کی طرف اٹھیں تھیں۔ جو حویلی جتنی بڑی نہ صیح مگر بے حد خوبصورت کئی کنال پر پھیلی ہوئی تھی۔۔ وہ اس انیکسی کو دیکھتے گہرا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کی آجازت کے بغیر وہاں ہرگز نہیں جاسکتی تھی۔۔ وہ اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلاتے ہوے جبڑے بھینچے اندر آیا

کچن کی طرف سے آتی آوازوں پر اس کے قدم کچن کی طرف بڑھے تھے۔

عنائیہ کچن کو دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھی۔اس حویلی کی ہر چیز

haunted

تھی۔اتنا بڑا کچن اس نے اپنی زندگی میں

کہیں نہیں دیکھا تھا۔بے شک کچن میں ضرورت کی ہر چیز تھی الیکٹرک

سٹوو مائیکرو ویو اوون۔۔ڈبل ڈور ریفریجیٹیر۔۔الگ سے فریزر کچن کے اندر

خوبصورت پتھر کی گول ڈائینگ ٹیبل اس کے اطراف میں سٹول چیئر

۔۔عنائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنا بھاری لہنگا دونوں ہاتھوں سے جکڑا

تھا۔ وہ رات سے اس لہنگے میں ملبوس تھی جو کہ اچھا خاصہ ہیوی اور کامدار تھا۔

عنائیہ الیکٹرک سٹووان کرتے شیلف سے دیسی انڈے اٹھاتے ہوئے ایک باول میں پھینٹنے لگی۔ رات سے اس کا بھوک سے برا حال تھا۔ اسے کوکنگ میں انڈے ابالنے پاستہ ابالنے اور چائے بنانے کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔ بچپن سے صرف بریڈ مارجن پہ گزارا کیا تھا۔ نہ زحلے کوکنگ کرتی تھی۔ اور ابرش تو چھوٹے ہوتے ہی جاب کرنے لگی تھی۔ وہ جاب پر جانے سے پہلے سب کا ایک ایک انڈہ ابال کر رکھ دیتی تھی۔ اور بریڈ پر مارجن بھی لگا دیتی تھی۔ وہ وہی ٹفن میں رکھ کر لے جاتی تھی۔ کلاس میں سب سے وہ چھپا کر کھا لیتی تھی۔۔ واپسی پر ابرش پھر بریڈ یا پاستہ لے آتی تھی۔ جو وہ ابال کر اس پر کچھ ساسز ڈال کر سب کو سرو کر دیتی تھی۔

کل سارا دن ٹینشن اور ڈر کی وجہ سے کچھ نہیں کھایا تھا کہ وہ رخصتی کے بعد پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرے؟! اور اس سر پھرے بے حس خانزادے نے اس کی سوچ سے بڑھ کر اس کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ پہلے سے زیادہ وہ درخزئی خانزادہ سے ڈرنے لگی تھی۔ درخزئی خانزادہ کے قدم کچن کے دروازے پر ٹھہرے تھے۔ وہ دلہن کے لباس میں بال کھولے چولھے کے پاس کھڑی انڈے پھینٹ رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے دوسری طرف بنی شلیف کے ساتھ لگا گیا تھا۔

عنائیہ نے گھبراتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ اسے سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا در۔۔۔ خز۔۔ئی؟! عنائیہ نے گھبراتے ہوے اس کی سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنی بھیگی آنکھیں جھپکتے ہوے آنسو اپنے اندر اتارے۔۔ مقابل کا سرد رویہ اس کی جان لینے کے درپہ ہو جاتا تھا۔ ابھی بھی اس کی دھڑکنوں نے خوف سے تیزی سے دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔

میری آجازت کے بغیر تم کمرے سے کیوں نکلی؟؟ وہ اس کے گرد شیلف پر ہاتھ جماتے اس کے نقوش پر اپنی سلگتی سانسیں بکھیرتے ہوے بولا۔

کیا کمرے سے نکلنے کے لیے بھی آپ کی آجازت کی ضرورت ہے؟؟ عنائیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

ہاں تمھیں کمرے سے نکلنے کی بھی میری آجازت کی ضروت ہے۔ تم کمرے سے بھی میری جازت کے بغیر نہیں نکلو گی۔ وہ ایک ایک لفظ چباتے حکمیہ لہجے میں غرایا۔

مجھے بھوک لگی تھی میں تو صرف اپنے لیے ناشتہ بنانے آئی تھی۔ عنائیہ نے اپنی رندھی آواز پر قابو پاتے بمشکل جواب دیا تھا۔ وہ اس پر جھکا اپنی سلگتی سانسیں چھوڑتے اس کے نقوش جھلسا رہا تھا۔ عنائیہ خوف سے پیچھے کو ہوتی جا رہی تھی۔

ناشتہ ایسے بناؤ گی۔ بال کھول کر اتنا ہیوی ڈریس پہن کر!؟؟! درخزئی خانزادہ اس کے دو آتشہ روپ پر سلگتی نگاہ ڈالتے پیچھے ہوا جو ابھی بھی غضب ڈھا رہا تھا۔

کوئی ڈریس نہیں ہے میرے پاس!! میرے پاس تو جوتے بھی نہیں اتنی ٹھنڈی زمین پر میں ایسے ہی کھڑی ہوں۔ عنائیہ نے کپکپاتے لبوں سے کہتے اپنا ہیوی لہنگا دونوں ہاتھوں سے اوپر کو اٹھاتے اسے اپنے ننگے پیر دکھائے وہ جوتوں کے بغیر ٹھنڈی زمین پر کھڑی تھی۔

درخزئی خانزادہ نے اپنے جبڑے بھینچتے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے جھنجھلاتے ہوے اپنے سامنے پڑا گلاس اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔

عنائیہ چیختے ہوے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔

عنائیہ کی چیخ پر درخزئی خانزادہ نے اسے سرد سرخ آنکھوں سے گھور کر دیکھا۔

در۔۔ خز۔۔۔ئی۔۔ مم میں آپ کی آجازت کے بغیر کمرے سے باہر نہیں نکلوں گی۔۔ مم مجھے بھوک نہیں لگی۔ عنائیہ خوفزدہ ہوتے کپکپاتے لبوں سے کہتے جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ اسے اسی لمحے بازو سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس کی برہنہ پشت پر اپنی ٹھنڈی کھردری

انگلیاں پیوست کر گیا تھا۔۔ عنائیہ نے درخزئی خانزادہ کی سینڈو کو مٹھیوں میں جکڑتے خود کو اس کے چٹانی سینے کا حصہ بننے سے روکا تھا۔

درخزئی خانزادہ اس کا گریز دیکھتے اسی لمحے اس کے ہاتھ اپنے سینڈو سے چھڑواتے ہوے اس کی کمر پر اپنے انگلیوں کا دباؤ ڈالتے اسے شدت سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

ایک بات یاد رکھنا مائی سوین!! تم جب جب مجھ سے گریز برتو گی۔ مجھ سے دور جانے کی کوشش کرو گی تمھیں میرے نزدیک اتنا ہی آنا پڑے گا۔ وہ اسے شدت سے خود میں بھینچے اس کی نازکی کو اپنی چٹانی سینے سے سختی سے مس کرتے اس کے کان کی لو کو دانتوں سے کھینچتے غرایا تھا۔ وہ جس طرح اسے خود کے ساتھ لپٹائے اپنا مکمل حق جتا رہا تھا۔ عنائیہ کی رنگت سرخ

قندھار ہوئی۔ دھڑکنیں درخزئی خانزادہ کی دھڑکتی دھڑکنوں کا حصہ بنے اسی ہی کے سینے میں دھڑکنے لگی تھیں۔

درخزئی خانزادہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے اپنا بلاوز اوپر کی طرف کر رہی تھی۔ جو درخزئی خانزادہ کے حق جتانے کی وجہ سے نیچے ڈھلک گیا تھا۔

ہمارے ہاں اس طرح کا لباس عورت کمرے سے باہر پہننے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ بلکہ کمرے سے باہر کیا کمرے میں بھی پہننے کا نہیں سوچ سکتی۔ درخزئی اس کے اتنے revealing ڈریس کو دیکھتے سنجیدگی سے بولتے باؤل میں انڈے پھینٹنے لگا۔۔ مورے نے کبھی سر سے چادر نہیں اتاری تھی۔ اس گاؤں کی کسی لڑکی اس حویلی کی کسی ملازمہ کے سر سے میں نے آج تک دوپٹہ اترے نہیں دیکھا۔ وہ انڈے پھینٹتے ہوئے سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

عنائیہ اس کے پاس کھڑی اس کے سنجیدہ نقوش کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

میں تمھیں ڈریسز زلا دوں گا۔ مگر جینز شرٹس میری حویلی میں نہیں چلیں گی۔ بلکہ آیندہ تم جینز شرٹس کی طرف دیکھو گی بھی نہیں!! درخزئی نے ایک نظر اسے دیکھتے کہا جو اس کے پاس کھڑی اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہر بات میں اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

مجھے دیکھنے کی بجائے یہ دیکھو ناشتہ کیسے بنتا ہے۔ آج میں بنا رہا ہوں کل تم خود بناؤ گی۔ مگر یہ بال سمیٹ کر کچن میں آؤ گی سمجھی تم؟؟ درخزئی خانزادہ نے ایک نظر اسے دیکھتے سنجیدگی سے کہتے پین میں آوئل ڈالتے انڈے ڈالے تھے۔۔ فریج سے مارجین اور بریڈ نکالتے وہ چھری سے اس پر بریڈ پر لگانے لگا۔ تمھیں کیا پسند ہے وہ بتا دو منگوا دوں گا؟؟ درخزئی بریڈ پر مارجین لگاتے

ٹرے میں رکھتے ہوئے املیٹ پین سے اتارتے ٹرے میں رکھا۔۔ساتھ اس نے کیتلی میں چائے کے لیے پانی رکھا تھا۔پتی ڈالتے ہوئے اس نے عنائیہ کی طرف دیکھا۔

جواب خاموشی سے کھڑی املیٹ کو دیکھ رہی تھی۔

کرسی پر جا کر بیٹھو میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔درخزئی نے کافی سنجیدگی سے کہا تھا۔

آپ نے کہا تھا آپ الیکٹرک سٹوو پر کھانا نہیں کھاتے۔آپ کے لیے کھانا مجھے حویلی کی پچھلی سائیڈ پر لکڑیوں پر بنانا پڑے گا۔کیا سچ میں لکڑیوں پر کھانا بنانا پڑے گا؟؟عنائیہ نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔اسے انڈا بنانا اتنا مشکل لگ رہا تھا وہ درخزئی کے لیے لکڑیوں پر کھانا کیسے بنائے گی۔وہ بہت پریشان ہوئی تھی۔

جو مجھے پسند ہے وہ بنا سکتی ہو کیا؟؟ یہاں کے روایتی کھانے بنا سکتی کیا ہو؟!۔ درخزئی خانزادہ نے جو ابا سنجیدگی سے استفسار کیا۔

روایتی کھانے؟؟ عنائیہ نے گھبراتے ہوے اس کا کہا لفظ دہرایا۔

ہاں روایتی کھانے مائی سوین!! سوات میں بہت عرصہ گزارا ہے تم نے!! کھانے تو دیکھے ہوں گے کھائے بھی ہوں گے۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے بولا تھا۔

پپ۔۔ پتہ۔۔۔ ہے۔۔ آپ۔۔ خانزادے۔۔۔ مٹن۔۔۔ بیف۔۔۔ کے۔۔۔ بغیر۔۔۔ کھانا۔۔۔ ہی۔۔۔ نہیں۔۔۔ کھاتے۔ عنائیہ نے لرزتے لبوں سے بولتے ہوے درخزئی خانزادہ کی بے انتہا سنجیدہ نگاہوں میں اپنی شبنمی نگاہیں گاڑھیں۔

سوات کے خانزادوں کا مجھے نہیں پتہ !! مگر یہ کلام کا خانزادہ بہت الٹی فطرت کا ہے۔ یہ تمھیں آہستہ آہستہ پتہ چلے گا۔ جتنی مشکل میری پرسنیلٹی ہے اتنے ہی مشکل مجھے کھانے پسند ہیں جو تمھاری نازک جان کھانا تو دور بنا بھی نہیں سکتی اور اپنی اتنی خوبصورت بیوی کو میں کبھی اس حویلی سے باہر نکلنے نہیں دوں گا۔ درخزئی سرد برفیلے لہجے میں بولتا اسے اپنی بانہوں سے آزاد کر گیا۔

مجھے لکڑیوں پر بنا کھانا پسند ہے۔ مگر تم اپنے ہاتھوں سے کچھ بھی بناؤ گی کھا لوں گا۔ اپنی زندگی میں میں نے بہت کمپرومایز کیے ہیں۔ رشتوں کے معاملے میں جتنے کمپرومایز میں نے کیے ہیں۔ کسی نے نہیں کیے۔ اس لیے خدا میری زندگی کی آزمایش ختم کرنا پسند نہیں کرتا۔ شاید اسے میرا کمپرومایز کرنا پسند ہے۔ وہ چائے کپ میں ڈالتا استھزائیہ مسکرایا تھا۔

لیکن ایک بات یاد رکھنا ہر رشتے میں کمپرومائز کر سکتا ہوں۔ مگر درخزئی خانزادہ اپنی بیوی کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ ہر رشتے کو معاف کر سکتا ہوں مگر تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اگر تم نے مزید میری عزت پر داغ لگایا۔ وہ سوات تھا وہاں مجھے کوئی پہچانتا ہو یا نہ ہو۔ مگر یہاں مجھے ایک ایک انسان پہچانتا ہے۔ یہ علاقہ میرا ہے۔۔ سردار ہوں میں یہاں کا۔۔ اس لیے حویلی سے باہر قدم نکالنے کا مت سوچنا۔ تم نے ایک قدم گیٹ سے باہر نکالا میرے گارڈ تمھیں گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ اور یہاں قتل کے فیصلے پولیس نہیں بلکہ جرگے کرتے ہیں اور یاد رکھنا ان جرگوں کا سردار میں ہوں۔ تمھاری لاش کہاں گئی کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ راتوں رات غایب ہو جائے گی۔ وہ تمھاری سو کالڈ بہن اور وہ منسٹر بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ منسٹر میری آجازت کے بغیر میرے علاقے میں

داخل بھی نہیں ہو سکتا۔ میرا ایک اشارہ اور وہ لکڑی کا پل تب ٹوٹے گا جب منسٹر کی گاڑی اس پل کو کراس کر رہی ہو گی۔ درحزئی اس کی آنکھوں میں سراسیمگی دیکھتے سرد لہجے میں بولتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

عنائیہ بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کیا سچ میں اتنا ہی دہشت ناک تھا کیا۔ وہ اس کے اکھڑ تیکھے مغرور نقوش دیکھ کر سوچ کر رہ گئی تھی۔

تم بلکل صیح سوچتی تھی خانزادوں کے متعلق!!۔۔ تمھاری قسمت میں یہ خانزادہ لکھا تھا۔ سوات کے سارے خانزادے اس سر پھرے خانزادہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔ درخزئی اپنے پتھر جیسے سینے پر ہاتھ مارتے غرایا تھا۔ وہ اس کی غراہٹ اور اس کے نقوش میں سرخیاں دیکھتے خوفزدہ ہوتے پیچھے کو ہوتے شیلف سے جا لگی تھی۔

شہرام خانزدہ, اسفندیار خانزادہ, زاران خانزادہ اور ارحام خانزادہ یہاں میرے علاقے میں داخل نہیں ہوسکتے۔ نہ میرا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ وہ عنائیہ پر جھکے پھنکارا تھا۔

عنائیہ گہرے سانس لیتے پیچھے کو ہوتے شیلف میں سماتی جارہی تھی۔ وہ اس پر جھکے اسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اوپر کی طرف کرتے اسے لیے ڈائینگ ٹیبل کی طرف بڑھا.

کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا۔ عنائیہ اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہوے درخزئی کو دیکھ رہی تھی۔ جو ناشتے کی ٹرے پکڑے ٹیبل پر اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

ختم کرو اسے !! درخزئی نے اس کی بھیگی آنکھوں کو بغور دیکھتے سرد لہجے میں حکم دیا۔

عنائیہ خاموشی سے سر جھکائے ناشتہ کرنے لگی تھی۔۔ درخزئی خانزادہ اسے کچھ پل دیکھتا رہا۔ پھر لمبے ڈگ ڈگ بھرتا کچن سے نکل گیا تھا۔

عنائیہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لہنگے اور بلاوز میں ملبوس اوندھے منہ لیٹی ہوئی ہوئی تھی۔ کمرے کے وسط میں آتش دان جل رہا تھا۔ جس سے کمرہ اچھا خاصہ گرم تھا۔

وہ کب سے ہی ایسے لیٹی ہوئی تھی۔ کبھی کبھار گلاس ونڈو سے نظر آتے برف سے ڈھکے پہاڑوں کو دیکھ لیتی۔ کبھی تکیے پر سر رکھے سسکنے لگ جاتی۔ اسے کتنا وقت گزر گیا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ کمرے میں وال کلاک تک نہیں تھی۔ نہ اس کے پاس موبائل فون تھا۔ وہ ٹایم ہی چیک کر لیتی۔ صرف گلاس ونڈو سے برف سے ڈھکے پہاڑوں کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا ابھی رات

نہیں ہوئی۔ دریا کا شور سنتے اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ یہ حویلی اسے haunted لگتی تھی۔ اب تو وہ سر پھرا خانزادہ بھی haunted لگنے لگا تھا۔ عنائیہ اوندھے منہ لیٹی اپنی ٹانگیں جھلا رہی تھی۔

میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی درخزئی خانزادہ!! میرے دل کی دنیا بدل کر تم ہی بدل گئے۔۔ عنائیہ سسک پڑی تھی۔

اللہ کرے یہ کلام کی حویلی تم پر گر جائے درخزئی خانزادہ! تم اس دریا کے ٹھنڈے پانی میں فریز ہو جاؤ!! اور تمھاری سرخ آنکھوں میں یہاں کے پہاڑوں کی برف اتر جائے۔ عنائیہ اونچا بولتے بولتے رو دی تھی۔

اپنی کم عمر بیوی کے لبوں سے اپنے لیے بد عائیں سنتے درخزئی کے قدم دروازے کے وسط میں رکے تھے۔

اللہ کرے تم اس کلام کے سردار نہ رہو!!وہ لکڑی کا پل ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے تم اس کلام سے کبھی باہر قدم نہ رکھ سکو!!پھر سارا دن تم بدروح کی طرح شلوار اور سینڈو پہن کر اس حویلی میں گھومتے رہو۔۔جس میں تم مجھے زہر لگتے ہو۔درخزئی نے اس کے لبوں سے بدعائیں سنتے ہوئے خود پر نگاہ دوڑائی۔وہ اس وقت بلیک شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔۔

اللہ کرے تمھارے پاس کچھ نہ رہے تم ہمیشہ رشتوں کے معاملے میں غریب رہو۔تمھارے پاس میں بھی نہ رہوں۔

وہ ٹانگیں ہلاتے ہوئے روتے ہوئے بدعائیں دے رہی تھی۔

عنائیہ کی آخری بدعا پر درخزئی کی سرخ آنکھوں میں نمی اتری تھی۔اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔درخزئی خانزادہ اپنی ہلکی گھنی

بئیر ڈ پر انگلیاں پھیرتے ہوے اس کی طرف بڑھا۔ یکدم اسے اپنی نگاہیں چرانی پڑی تھیں۔ اس کا لہنگا پنڈلیوں سے سرکا ہوا تھا۔ وہ اپنی ٹانگیں جھلا رہی تھی۔ وہ اس وقت خالی لہنگا ہی پہنے ہوے تھی۔ اس کے بدن کے چھپے ہر راز عیاں ہر خطوط واضح ہو رہے تھے۔ درخزئی خانزادہ بری طرح جھنجھلا گیا تھا۔ رات اس نے آنکھوں میں ہی کاٹی تھی۔ وہ ایک پل سو نہیں سکا تھا۔ پہلی مرتبہ کسی عورت کا بدن دیکھا تھا۔ وہ رات سے ہی جیسے پاگل ہوا تھا۔ جواں جذبوں میں ایسی طغیانی مچی تھی وہ اٹھ کر بیٹھتے جھنجھلا کر رہ جاتا تھا ۔ بہت بار جواں جذبوں نے اس سے اس کی سدھ بدھ چھینی تھی۔ جب سے عنائیہ نکاح میں آئی تھی وہ اپنے جواں جذبوں پر کنٹرول کھوتا جا رہا تھا۔ اور رات یہ حد آخری تھی جیسے !! وہ ساری رات اس کی نگاہوں کے سامنے ایسے ہی گھومتی رہی تھی۔

درخزئی خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے سیدھا کرتے اس پر اسی لمحے حاوی ہوا۔ وہ اپنی بیوی کے ایسے خطرناک اسٹنٹ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جو اس کے اندر اس کے جواں جذبے سر پھیلائے ناگ کی طرح کھڑا کر دیتے تھے۔

در۔۔۔ خز۔۔۔۔ئی۔۔ عنائیہ نے اپنے اوپر اس کا ہیوی ویٹ برداشت کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اسے کپکپاتے لبوں سے پکارا۔ وہ اس کا لہنگا اوپر کی جانب کھسکاتے ہوئے اس کے بالوں کو گدی سے دبوچ گیا تھا۔ یہ کیا ہے؟؟ تم نے اس کے نیچے کچھ نہیں پہنا۔۔ درخزئی اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں غرایا تھا۔

درخز۔۔۔ئی۔۔۔یہاں۔۔کک۔۔کون۔۔ہے؟؟آپ اور میں ہی ہوں!!آپ۔۔میرے۔۔۔شوہر۔۔۔ہیں۔وہ کپکپاتے لبوں سے بولتے وضاحت دے گئی تھی۔

جھوٹ مت بولو!!رات بھی تمہارے بدن پر لہنگے کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔درخزئی کی بات پر وہ سرخ گلاب ہوئی تھی۔رات کے منظر دونوں کی آنکھوں کے آگے لہرایا تھا۔دونوں ایک دوسرے کو گہری ہوتی سانسوں سے دیکھ رہے تھے۔درخزئی خانزادہ کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی دیکھتے عنائیہ لب کاٹتے ہوے تپش سے انگارہ ہوئی تھی۔درخزئی کی گہری نگاہیں یاد آئیں جب وہ مرر میں اس کے نظر آتے وجود پر گاڑھے ہوے تھا۔وہ اسے کپکپاتے ہاتھوں سے دور کرتے اٹھ کر بیٹھ تھی۔درخزئی بھی پیچھے کو ہوتے بیڈ پر بیٹھا۔

وہ اپنے لہنگے کو نیچے کی طرف کھسکائے بیڈ سے اٹھنے لگی ہی تھی کہ درخزئی اسے کلائی سے کھینچتے ہوے اپنے قریب کر گیا تھا۔

عنائیہ تم ایک خان کی بیوی ہو!! اپنے پہناوے میں بہتری لاؤ۔ میں تمھیں برقعہ اوڑھنے کو نہیں کہہ رہا۔ مگر لباس ایسا ہونا چاہیے!! جس میں عورت کا ستر واضح نہ ہو۔ تم اس لہنگے میں وہاں سوات میں سب کے سامنے بیٹھی تھی۔

یہ کیا بیہودگی تھی؟؟ یہ کیا طریقہ تھا بتاؤ مجھے؟؟ وہ اس کا جبڑہ سختی سے دبوچ چکا تھا۔

در۔۔۔ خز۔۔۔ئی۔۔ اتنا بھاری لہنگا ہے۔ یہ کیسے خود اوپر کھسک سکتا تھا۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔ ضروری۔۔ نہیں۔۔۔ لگا۔۔ آیندہ نہیں پہنوں گی۔ عنائیہ نے ڈبڈائے التجائیہ لہجے میں کہا۔

درخزئی اسے تنبیہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کا جبڑہ دبوچ چھوڑ چکا تھا۔ عنائیہ سر گھٹنوں میں دیے سسکنے لگی۔

درخزئی نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی گردن سہلائی تھی۔ وہ دنیا میں اگر کسی کے آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ صرف اس کی بیوی تھی۔ ابھی بھی درخزئی خانزادہ جیسے اس کا سسکیاں سنتے جیسے پاگل ہوا تھا۔

بند کرو رونا!! درخزئی بری طرح جھنجھلایا تھا۔

عنائیہ کی سسکیوں میں مزید آضافہ ہوا۔ بند کرو رونا سنا نہیں تم نے؟

؟درخزئی غصے سے دھاڑا اٹھا۔

ڈائینگ ایریا میں اس وقت روزینہ خانم امینہ خانم شہرام خان اسفندیار خان عابیر موجود تھے۔۔ اسفندیار خان سفید شلوار قمیض پر براؤن مردانہ شال اوڑھے بیٹھا ہوا تھا۔ شہرام خان بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس پر بلو کیجول کوٹ پہنے ہوے تھا۔

عابیر اس وقت آف وایٹ سٹائلش سے گرم فراک جس پر دھاگے کا کام ہوا تھا۔ وہ پہنے ہوے تھی۔۔ اس کے گولڈن سلکی بھیگے سے بال اس کی پشت پر بکھرے تھے۔ جس پر بے حد سٹائلش خوبصورت سی شال اپنے وجود پر لی ہوئی تھی۔ جو سر سے بار بار پھسل جاتی تھی۔ ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی رمک تھی۔۔ ابھرے ہوے خوبصورت گلاب کی طرح سرخ گالوں پر ہلکا سا tint لگا کر عارض کی خوبصورتی مزید enhance کر رکھی تھی۔ اس کے بدن پر لگی گلاب کے سینٹ کی مہک اس وقت پورے

ڈائینگ روم میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ڈائینگ ٹیبل کے گرد شہرام کے نزدیک کھڑی ڈاینگ ٹیبل پر ناشتے کے برتن سیٹ کرتی

ناشتہ پلیٹس میں رکھ رہی تھی۔ آج اس نے خود سب کے لیے ناشتہ بنایا تھا۔ بل دار براٹھے ہاف فرائی انڈے املیٹ اور مٹن گریوی بنائی تھی۔

اللہ بہارے باجی!! تم کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔ درخشاں چائے کی کیتلی اٹھائے ڈاینگ روم میں داخل ہوتے عابیر کو دیکھتے چہکی تھی۔

اچھا!! عابیر اچھا کو لمبا کرتے بولتے ہوے اسفند کو دیکھتے مسکرائی تھی۔ جو اس وقت اپنی پوری توجہ ناشتے کی طرف کیے ہوے تھا۔

عابیر نے اسفند کو دیکھتے نچلا لب دانتوں تلے زور سے دبایا۔ جس نے اس کی طرف ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔

وہ اپنے کپڑے لے کر اپنے روم میں شفٹ ہو گئی تھی مگر اسفندیار خان کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ تو اچھا خاصہ تیار تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کا آرادہ رکھتا ہو۔ اسفندیار خان کی بے اعتنائی اسے تڑپا کر رکھ گئی تھی۔ اس نے ناشتہ خاص طور پر اسفندیار خان کے لیے بنایا تھا۔

وہ اتنا تیار بھی صرف اس کے لیے ہوئی تھی. مگر اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سینٹ بھی خاص طور پر لگائی تھی۔ اسفند اس کے جسم سے اٹھتی مصنوئی مہک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہی کہتا تھا تمھارے وجود سے اٹھتی مہک عورت بھی سیمل نہ کرے۔۔ مگر آج اس کے بدن سے اٹھتی مہک جو پورے ڈرائنگ روم میں پھیلی تھی۔ اس پر اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس کی پیشانی پر ایک بل نہیں پڑا تھا۔ عابیر نے

اسفند کا لاپرواہ انداز دیکھتے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے گہرا سانس لیا۔ وہ مقابل کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

میری عابی بے حد خوبصورت ہے پوری حویلی میں میری عابی جیسی خوبصورت اور پیاری لڑکی کوئی نہیں۔۔ شہرام خان نے اسفند کا سرد سنجیدہ چہرہ دیکھتے کرسی سے ٹیک لگائے لفظ چبائے تھے۔ عابیر کی بھیگی نگاہیں اور بار بار اسفند کی طرف دیکھنا وہ محسوس کر چکا تھا۔

وہ اتنی صبح اتنی تیار کیوں ہوئی اور ڈائینگ ٹیبل پر سارا اسفند کی پسند کا ناشتہ کا کیوں سجا تھا۔ وہ یقیناً اسفندیار خان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ سب کر رہی تھی مگر اسفند کیوں اسے اٹیٹیوڈ دکھا رہا تھا؟؟ یہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

تھینکیو لالا!! عابیر نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے شہرام کی طرف مسکراتے ہوے دیکھا.

میری عابی میری جان ہے۔ شہرام نے اسی لمحے عابیر کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی نرمی سے چومتے اسفند کو دیکھا تھا۔۔ اس پورے وقت میں اسفند نے اب پہلی بار اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلاتے پہلو بدلا تھا۔ رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ اسفند کے چہرے پر پھیلی جلن کی گہری رمک ڈائینگ روم میں بیٹھے ایک ایک شخص نے محسوس کی تھی۔ اسفند کا بھڑ بھڑ جلتا چہرہ دیکھتے روزینہ خانم بری طرح سلگی تھی۔

آئی لو یو لالا!! عابیر اسفند کی طرف دیکھتے اس بار بھی اپنی رندھی آواز پر قابو پاتے دیکھتے مسکرائی تھی۔

آئی لو یو ٹو میری عابی!! شہرام نے کرسی سے اٹھتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے پرس نکالتے کتنے ہی نوٹ عابیر کے سر سے وار کر امینہ خانم کو پکڑائے تھے ۔عابیر اب شہرام کے سینے سے لپٹی تھی۔

اسفندیار خان اپنی گھنی بئیرڈ کو سہلاتے ناشتہ کرنے میں مگن تھا۔ وہ اس طرف بلکل متوجہ نہیں تھا۔ مگر اس کے چہرے پر سرخیاں سی گھل رہی تھیں۔ جن پر وہ بمشکل قابو پا رہا تھا۔

شہرام خان اسفند کو گھورتے ہوے چیئر پر بیٹھا۔ اسفندیار خان کا عابیر کو اگنور کرنا اسے بے حد چبھ رہا تھا۔ عابیر اسفند کا اگنور کرنا شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ یہ اس کی بھیگی آنکھیں اور بھیگا لہجہ وہاں بیٹھے تقریباً سب کو محسوس کروا رہا تھا۔

کیا بات ہے عابیر؟؟ تم آج صبح صبح اپنا کمرے سے نکلا خیر تو ہے؟؟ روزینہ خانم نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے عابیر کے اتنے سجے سنورے روپ کو دیکھتے طنز آپوچھا تھا۔۔

عابیر کی کنڈیشن جیسی ہے۔ اس وجہ سے وہ بار بار سیڑھیاں چڑھ اتر نہیں سکتی اس لیے میں نے ہی اسے نیچے والے کمرے میں شفٹ ہونے کو کہا۔ اسفندیار خان نے روزینہ خانم کو سنجیدگی سے جواب دیا۔

اچھا اچھا یہ وجہ ہے ورنہ ہم بھی حیران تھا اس نے تمھارا پیچھے کیسے چھوڑ دیا؟؟ ورنہ جدھر یہ ادھر تم!! جدھر تم ادھر یہ۔۔۔ روزینہ خانم اسفند کو دیکھتے طنزیہ مسکرائی تھی۔ اسفند بنا کوئی جواب دیے ناشتہ کرنے لگا تھا۔

سب ہی روزینہ خانم کی باتوں کو اگنور کیے ناشتہ کر رہے تھے۔

تم کب اس کا کمرے میں شفٹ ہو رہا ہے ؟؟روزینہ خانم اسفند کو خاموش دیکھتے سلگتے ہوے پوچھا۔

میں کیوں شفٹ ہونے لگا عابیر کے کمرے میں مورے ؟؟جب تک بچہ نہیں آجاتا عابیر نیچے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی رہے گی۔اسفندیار خان نے اب عابیر پر اپنی سرد نگاہیں گاڑھیں۔عابیر اسفند کے جواب پر اسے بے یقینی سے گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

اسفندیار خان کی بات پر شہرام خان کا ناشتے سے ہاتھ کھنچا تھا۔۔امینہ خانم بھی بری طرح پریشان ہوئی تھی۔

یہ تو تم کہہ رہا ہے مگر تمھارا بیوی تمھارا جان چھوڑ دے یہ کیسا ممکن ہے ؟!۔دیکھا نہیں کیسے آج تیار ہو کر تمھیں اپنا ادائیں دکھا رہا ہے۔صرف

دو چار بار ایسا تیار ہو اتم بھی اپنا سامان کا ساتھ نیچے اس کا کمرے میں شفٹ ہو گا۔

عورت کا خوبصورتی اور جوانی کے بغیر مرد کہاں رہ سکتا ہے۔وہ کوئی اور مرد ہوتا ہے جو اپنی بات پر قایم رہے۔روزینہ خانم استھزائیہ مسکرائی تھیں۔

صیح کہہ رہی ہیں آپ؟؟شہرام خان روزینہ خانم کو دیکھتے مسکراتے ہوے چیئر سے ٹیک لگا گیا تھا۔

لالا!!عابیر نے بھیگے لہجے میں کہتے شہرام خان کا ہاتھ پکڑتے اسے کچھ بھی بولنے سے روکنا چاہا تھا۔

۔اسفند لالا ہی کیوں مرد بنیں گے۔میں سوچ رہا ہوں میں بھی مرد ہی بن جاؤں۔۔بہارے بھی اس کنڈیشن میں ہے۔مجھے بھی اپنا کمرہ الگ کر دینا چاہیے۔شہرام عابیر کی التجا اگنور کرتے مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں تم جیسے اپنی بیوی کے بارے میں فیصلہ کرو یہ تمھیں حق ہے۔بہارے پر مجھ سے زیادہ تم حق رکھتے ہو میں سمجھتا ہوں یہ بات۔۔اسفند سنجیدگی سے بولتے اپنی سرد سرخ نگاہیں عابیر پر گاڑھتے ہوئے بہت کچھ جتایا تھا۔

عابیر ناسمجھی سے اسفند کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔وہ ایسے کیوں کہہ رہا تھا وہ ابھی تک سمجھی نہیں تھی۔اس کا وہ اتنا خیال رکھ رہا تھا۔اسے اپنے بچے کی اتنی فکر تھی اب بچے کے آنے تک کمرہ علیحدہ کر رہا تھا۔

ٹھیک ہے میری بیوی میرے پاس ہی رہے گی اور تمھاری بیوی نیچے ہمارے پاس رہے گی۔ شہرام خان اسفند کو گھورتے لفظ چباتے کرسی دھکیلتا اٹھ کر غصے سے ڈائینگ روم سے نکل گیا تھا۔

ٹھیک ہے اسفندیار خان میں یہ بچہ ہوتے تک اپنے بھائیوں کے پاس ہی رہوں گی۔ عابیر اسفندیار خان کو بھیگی گلابی نگاہوں سے دیکھتے ڈائینگ روم کے دروازے کی طرف بڑھی۔

درخشاں میرے لیے ناشتہ بنا کر لاؤ۔ مجھے یہ ناشتہ پسند نہیں۔۔ اسفندیار خان غصے سے بولتا اپنی پلیٹ دور کھسکا گیا تھا۔

اسفندیار کی بات پر عابیر کے قدم ایک لحظے کو رکے تھے۔ وہ درخشاں کسی بھی ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ وہ صرف اس کے ہاتھ کا کھانا کھاتا

تھا۔عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنا دل کے مقام کو مٹھی سے جکڑا تھا

دوسرے لمحے وہ ڈائینگ روم سے نکل گئی تھی۔

اسفندیار خان بھی اسی لمحے غصے سے اپنی کرسی پیچھے کو دھکیلتے وہاں سے نکلتے

مردانے بڑھ گیا تھا۔

عابیر ییلو اینڈ گرین امتزاج کے بے حد خوبصورت لہنگا چولی میں ملبوس

تھی۔ گرین نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔ماتھے پر نازک سا مانگ ٹیکا سجا

رکھا تھا۔

جیولری میں گلے میں گرین سُچے موتیوں کا گلوبند اور مانگ ٹیکا ہی پہن رکھا

تھا۔کلائیوں میں ییلو اینڈ گرین کلر کی بھر بھر چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔

کندے پر خوبصورت گرم شال ڈال رکھی تھی۔۔

آنکھوں پر گولڈن گلٹری شیڈ لگائے ہوے تھی۔ ہونٹوں پر پنک لپ سٹک لگا رکھی تھی۔۔

وہ اپنے دھمکتے روپ کو مرر میں دیکھتے کمرے سے نکلتی لاونج کی طرف بڑھی ۔ جہاں اسفندیار خان اور باقی سب بیٹھے ہوے تھے۔ اربد درید خان سمیع اللہ شہرام خان بہارے روزینہ خانم امینہ خانم حور ارحام سب ہی موجود تھے۔ اس وقت وہ شام کا قہوہ پی رہے تھے۔۔

عابیر کو اتنا تیار دیکھ کر سب کی نگاہیں اس پر گڑھی تھیں۔

اسفندیار خان اپنی بیوی کو اتیا تیار دیکھ براؤن مردانہ شال کندھوں پر جھٹکتے سنجیدگی سے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کی بیوی اتنی ہی تیار ہو کر اب کمرے سے نکلے گی۔۔

لالا!! مجھے اپنی سہیلی کی مہندی پر جانا ہے کیا میں چلی جاؤں؟؟ عابیر نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اس سے آجازت چاہی تھی۔

عابیر بیٹا مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تمھارے شوہر کے ہوتے میں کیسے آجازت دے سکتا ہوں۔ تمھیں اسفند سے آجازت لینا چاہیے۔۔ ارحام نے ایک نظر اسفند کو دیکھتے کہا۔ جو صوفے سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ کو انگلیوں سے سہلاتے عابیر کو سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

لالا اسفندیار خان نے اگلے کچھ مہینوں تک مجھے میرے بھائیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اب اسفندیار خان کا مجھ پر کوئی حق نہیں اگلے کچھ مہینوں تک۔ اس

لیے میں کسی بھی بات کے لیے اسفندیار خان سے آجازت نہیں لوں گی۔عابیر کی بات پر سب کی نگاہوں کا رخ اب اسفندیار خان کی طرف تھا۔جو عابیر کو سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

چلو یہ نیا تماشہ لگالیا تم نے؟؟تم سیدھی طرح کیوں نہیں کہتا کہ تم صرف ایسے تیار ہو کر اسفندیار خان کا ظبط آزما رہا ہے۔جاؤ اسفندیار خان اپنا بیوی پر حق جتاؤ تاکہ اس کو چین آجائے۔روزینہ خانم بھڑ بھڑ جلتے بولی تھیں۔

روزینہ خانم کی اتنی کھلی بات پر لاونج میں بیٹھے سب کے رنگ سرخ ہوے تھے۔عابیر کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔وہ صوفے کی سطح پر ہاتھ جمائے اسفند کی نیلی آنکھوں میں اپنی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھ گئی تھی

اسفند ابھی بھی اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلاتے عابیر کو تیکھی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ عابیر سرخ چہرے کے ساتھ اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جو بنا کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو کر اس کا تماشہ بنا رہا تھا۔

اگر عابیر اپنا شوہر کے لیے تیار ہوا ہے تم کو کیا مسلہ ہے روزینہ ؟؟ کیا تم کبھی ہمارا لیے تیار نہیں ہوا۔ اربد خان نے آئی بروا چکاتے سوال کیا تھا۔ اربد خان کے سوال پر روزینہ خانم گڑبڑاتے ہے سرخ پڑی۔ انھیں توقع نہیں تھی اربد اس طرح کی کوئی بات کریں گے۔

بھابھی آپ کو تو یاد ہو گا کیسے روزینہ ہمارے لیے سر شام تیار ہو جاتا تھا؟؟۔ آپ نے کبھی سرخی تک نہیں لگایا تھا۔ مگر روزینہ کیسے میک اپ کر کے تیار رہتا تھا۔ اربد خان نے اب امینہ خانم سے سوال کیا امینہ خانم روزینہ خانم کب سرخ چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔

یہ سب تمھارا غلطی ہے ارید؟؟ سمیع اللہ کھنکارے تھے۔

ہمارا غلطی بابا جان؟؟ ارید خان نے حیرانگی سے پوچھا۔

تم نے ہمارا بہو کا خاص خیال نہیں رکھا۔ لگتا ہے اس کو ویسا سراہا نہیں جیسا ہمارا سب پوتا اپنا بیویوں کا آگے پیچھے پھرتے ان کو سراہتا ہے۔ اس لیے یہ اب اپنا جلن اپنا بہو پر اتارتا ہے۔۔ کیونکہ تم اور درید ہمارا پوتوں کی طرح زن مرید جو نہیں تھا۔ سمیع اللہ خان نے ارحام شہرام اسفند کو گھورا۔۔

سمیع اللہ کی بات پر شہرام خان کو اسفند کی طرح کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ سمیع اللہ کی بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔

ارحام سرخ چہرے کے ساتھ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

سچا باتوں پر ہمارا پوتوں کو کھانسی کا غوطہ لگتا ہے اور جن کو کھانسی کا غوطہ نہ لگے ان کا چہرہ لال ہو جاتا ہے۔۔ سمیع اللہ خان ارحام کی طرف نگاہ کرتے طنزیہ بولے تو درخشاں کا ہنسی ظبط کرنے میں برا حال ہوا تھا۔۔ حور کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی

ارحام خانزادہ نے خود پر قابو پاتے اپنی شال کندھوں پر جھٹکی۔

سب سے بڑا زن مرید ہمارا یہ پوتا ہے جو بڑوں کا لحاظ کیے بغیر ہی سب کے سامنے ہی اپنا بیوی کو گھورے جا رہا ہے۔ سمیع اللہ خان نے اسفند کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے لفظ چبائے جو بنا کسی کا لحاظ کیے عابیر کو گھورے جا رہا تھا

داجی زاران لالا کو تو بھول گئے آپ؟؟ درخشاں ہمیشہ کی طرح اپنا زبان پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

ارحام نے حور کو گھورتے درخشاں کو سرخ آنکھوں سے دیکھا۔

لالا ہم کو لگا داجی گنتی نہ بھول جائے ان کا پوتا کتنا ہے۔۔ درخشاں نے ارحام کے گھورنے پر اٹکتے ہوئے جواب دیا۔

لاونج میں اب گہری خاموشی چھائی تھی۔ بہارے حور امینہ خانم کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ روزینہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ سمیع اللہ ان کی اچھی خاصی کلاس لے چکے تھے۔ اب وہ کیا کہتی ؟!

لالا مجھے چھوڑ آئیں !! عابیر نے اسفندیار خان کو گھورتے ہوئے شہرام سے کہا تھا۔

اسفندیار خان اسی لمحے صوفے سے اٹھتا عابیر کی طرف بڑھتے اس کی کلائی جکڑتے اپنے قریب کرتے اسے گود میں اٹھا گیا تھا۔

اسفند!!عابیر اسے بے آواز پکارتے سرخ گلاب ہوتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔ بلکہ وہ بری طرح اس کی گود میں کانپ رہی تھی۔۔

شہرام اسفندیار دریدار بد سب نے ہی اسفند کی بے شرمی پر اسے قہربار نگاہوں سے گھورا تھا۔ شہرام خان کا غصے سے برا حال ہوا تھا۔

داجی میں مانتا ہوں میں سب سے بڑا زن مرید ہوں۔ میری بیوی اتنی تیار ہوئی ہے میں خود پر ضبط کھو بیٹھا ہوں۔ اس لیے میں اپنی بیوی کو اسلام باد لے کر جا رہا ہوں۔ جب تک میرا دل چاہے گا۔ میں اب اسے ادھر ہی رکھوں گا تاکہ اس کے بھائیوں کو احساس ہو اس کی رخصتی ہو چکی ہے اس پر حق ان کا نہیں صرف میرا ہے۔ اسفند سنجیدگی سے بولتے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا لاونج سے نکل گیا تھا۔

لاحول ولا قوت! سمیع اللہ غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ بڑبڑائے تھے۔۔ شہرام ارحام بھی پہلو بدل کر رہ گئے تھے۔ اسفند کی بے شرمی کسی کو پسند نہیں آئی تھی۔

روزینہ خانم غصے سے صوفے سے اٹھتی اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔

جاؤ اربد اس کا غصہ اس کا جلن ختم کرو جو فضول میں حویلی کا ماحول خراب کیے رکھتا ہے۔ اب تو ہم یہی کہے گا تم کو بھی اپنا بیٹا کی طرح زن مرید ہونا چاہیے تھا شاید اس واسطہ حویلی کا ماحول تو ٹھیک رہتا۔ سمیع اللہ بڑبڑاتے ہوے لاونج سے نکل گئے تھے۔۔

اسفند عابیر کو اٹھائے داخلی دروازے سے نکلتے لکار پورچ میں آیا۔ عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپائے ہوے تھی۔ جو اسفند نے کیا اسے لگ رہا تھا وہ اب کسی کے سامنے کبھی نظریں نہیں اٹھا سکے گی۔ شرم سے وہ پانی پانی ہو رہی تھی۔ اس کا نازک وجود ابھی تک اسفند یار کی گود میں کانپ رہا تھا۔ وہ کان کی لوؤں سے گردن تک سرخ ہوئی تھی۔

میرا سرخ گلاب!! اسفند نے اس کے بالوں پر لب رکھتے نرمی سے اسے پکارتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے اگلی سیٹ پر بٹھایا۔

اسفند اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔

میرا شرمیلا گلاب! اپنا خوبصورت چہرہ ڈھکو۔ اسفند نے اس کی طرف جھکتے ہوے سرگوشی کی تھی۔

عابیر اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے دیکھتے دوسری طرف غصے سے رخ موڑ گئی تھی۔

اسفند مسکراتے ہوے اس کی شال اس کے سر پر ڈالتے اسے گھونگھٹ اڑا گیا تھا۔ عابیر اب روہانسی ہوئی تھی۔

مگر اب اس نے اپنا گھونگھٹ پلٹا نہیں تھا۔

اسفند گیٹ سے گاڑی نکالتے باہر لایا۔ اب اس کی گاڑی کا رخ گیسٹ ہاؤس کی طرف تھا۔

عابیر نے اپنا گھونگٹ الٹتے ہوے اسفندیار خان کو گھور کر دیکھا جو مسکراتے ہوے ونڈ سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھا۔

عابیر کچھ پل اسفند کے مسکراتے چہرے کو دیکھتی رہی۔ دوسرے لمحے وہ اسفند کی طرف جھکتے ہوے اس کے شولڈر پر زور سے دانت گاڑھ گئی تھی۔

اسفند گاڑی روکتے ہوے اس کا جنگلی وار اپنے کندھے پر سہہ گیا تھا۔

گاڑی کی تمام لائیٹس آف کرتے وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوے اسے اپنی سیٹ پر کرتا اپنی گود میں بٹھا گیا تھا۔

جان سے مار ڈالوں گی آپ کو اسفند یار خان۔۔ عابیر چیختے ہوے اس کی گردن میں دانت گاڑھ گئی۔

اسفند یار خان بٹن دباتے سیٹ مکمل بین ڈاؤن کرتے عابیر کے نازک وجود کو اپنے سینے پر کر گیا تھا۔

عابیر غصے سے اس کی گردن میں دانت گاڑھے ہوے تھی۔ اسفندیار خان اپنی شال اتارتے اپنے اگلے بٹن کھول گیا تھا۔

عابیر غصے سے اب اپنے دانت اس کے سینے پر گاڑھ گئی تھی۔۔

اسفند آنکھیں موندے اس کی کمر کو جکڑے اس کے بالوں میں منہ چھپائے اس کی گردن کو نرمی سے چومتے اس کی گلاب خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔

عابیر غصے سے جگہ جگہ دانت گاڑھتے اب تھک چکی تھی۔ اسفندیار خان کو خاموشی سے سہتے دیکھ کر وہ اس کے سینے میں منہ چھپا گئی

اسفندیار مسکراتے ہوے اسے خود میں مکمل طور پر بھینچ گیا تھا۔۔

عابیر اس کی کی تیزی سے دھک دھک کرتی دھڑکنوں کو سنتے اس کی دھڑکن دھڑکن پر اب لب رکھ رہی تھی۔

سورج ہوا مدھم

چاند جلنے لگا

آسمان یہ ہائے کیوں پگھلنے لگا

میں ٹھہرا زمین چنے لگی

دھڑکا یہ دل سانس تھمنے لگی

کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے

سجنا کیا یہ میرا پہلا پیار ہے

اسفند!!وہ اس کی گنگناہٹ پر اسے دیکھنے لگی۔جو موبائل کی روشنی میں اس کے گلاب چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

ہے خوبصورت یہ پل

سب کچھ رہا ہے بدل

سپنے حقیت میں ڈھل رہے

کیا صدیوں سے پرانا

ہے یہ رشتہ ہمارا

کہ جس طرح ہم تم سے مل رہے

وہ عابیر کے گلاب چہرے کو دیکھتے گنگنایا تھا۔

او۔۔۔اسفند!!عابیر کھکھلا کر ہنستے ہوے اس کے عارض پر جھکی اپنے گلاب لب رکھ گئی تھی۔

تم سے محبت جب سے ہوئی ہے ایسے لگتا ہے مجھے ہر روز تم سے پہلی سی محبت ہوتی ہے۔تم میرے لیے کیا ہو میں تمھیں کیسے بتاؤں؟؟تم اسفندیار خان

کی زندگی ہو اس کی دھڑکن ہو۔اس کی جان ہو!!میرا ییلو اینڈ گرین گلاب!!وہ اس کے سر سے گرین اینڈ ہیلو امتزاج کا نیٹ کا دوپٹہ اتارتے ہوے بولتے ہوے اس کے گلاب لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔وہ اس کی سانسوں کو پیتے اس کے لبوں کی سرخی لمحوں میں چراتے ہوے اس کی سانسوں میں ہلچل مچا گیا تھا۔۔

اس کی سانسوں کو آزاد کرتے ہوے اسفندیار خان نے اس کے عارض پر ہاتھ جماتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکا تھا۔وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ بہت نرمی سے رخ پلٹتے ہوے اسے اپنے نیچے کرتے ہوے اس پر مکمل حاوی ہوا۔

کیوں ناراض تھے مجھ سے ؟! کیوں مجھے اگنور کر رہے تھے اسفندیار خان ؟؟ آپ جانتے ہیں آپ کی عابیر آپ سے محبت نہیں عشق کرتی ہے۔۔ ایک سال میرے ساتھ بے اعتنائی برتتے آپ کا جی نہیں بھرا۔ جو پھر سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے۔۔ یاد رکھیے گا اسفندیار خان عشق جتنا مرضی کروں مگر اپنی عزت نفس پر عابیر خان کمپرومایز نہیں کرتی !! مجھے بے اعتنائی کی مار ماریں گے میں جوابًا آپ کو بے اعتنائی کی ایسی سزا دوں گی نہ جی سکیں گے نہ مر سکے گے۔ یاد ہے ناں آپ کو کیسے میری ناراضگی آپ کی جان سولی پر لٹا چکی تھی۔ عابیر اسفندیار خان کا گریبان پکڑتے غرائی تھی۔

عابیر کی غراہٹ پیع اسفندیار خان کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

غلط بلکل غلط میری عابیر اپنی عزت نفس پر بھی کمپرومایز کر لیتی ہے۔ اپنی غیرت پر کمپرومایز نہیں کرتی۔ میری محبت میں میرے آگے پیچھے پھرنے والی لڑکی کے لیے میں اسے اس کی عزت نفس سے بھی بڑھ کر عزیز ہوں۔۔ اسی لیے میری عابیر میرے ذرا سا ناراض ہونے پر میرے لیے دلہن کی سج اٹھتی ہے۔ اسفند نرمی سے بولتے ہوے اس کی گردن میں پہنے والے موتیوں کی مالا پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

ٹھیک کہا آپ نے آپ کی عابیر آپ سے بے حد محبت کرتی ہے اسفند یار خان!! آپ کی بے اعتنائی پر تڑپ اٹھتی ہے پاگل ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس اپنی خوبصورتی اور جوانی کا ہتھیار رہ جاتا ہے۔ وہ تڑپتے اگلے بٹن کھولتے اپنے اسفند یار خان کو اپنی طرف اٹریکٹ کرتی ہے۔ آپ کی مورے ٹھیک کہتی ہے میں جان بوجھ کر یہ سب کرتی ہوں۔ میں آج بھی جان بوجھ کر تیار

ہوئی۔ میری کسی سہیلی کی مہندی میں نہیں جا رہی تھی۔ صرف آپ کو جلانے کے لیے اتنا تیار ہوئی۔ وہ اسفند کے عارض پر ہاتھ جماتے ہوے بھیگے لہجے میں بولتے اسفند کے لبوں پر اپنے لب شدت سے رکھتے اس کی سانسیں انہیل کرتے ہوے اس کے نچلے لب پر دانت اتنی شدت سے گاڑھ گئی تھی کہ اسفند کے نچلے لب پر خون کی بوندیں آن ٹھہریں تھیں۔

اس کا بدلہ میں کہاں اتاروں گا تم اچھی طرح جانتی ہوں۔ اب جلدی سے مجھے دیدار کرواؤ تا کہ میں اپنا بدلہ لوں اسفند نے ذو معنی انداز میں کہتے انگوٹھے سے اپنے نچلے لب کو صاف کرتے ہوے اسے آنکھ ماری تھی۔

عابیر گلاب کی طرح سرخ پڑتے اپنے اگلے بٹن کھول گئی تھی۔ اسفند یار خان جھکتے ہوے اپنا بدلہ شد و مد سے اتارنے لگا۔۔ اسفند!! اسفند!! عابیر سسکیوں سے پکارتے اسے روکنے لگی۔ جس کا جنون بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسفند

کا ایک ہاتھ بے باکی سے دکھاتے ہوے اس کے لہنگے میں سلوٹیں ڈال گیا تھا۔ اسفند کے ہاتھ اپنے لہنگے کی ڈوریوں میں الجھتے دیکھ کر عابیر نے اس کا ہاتھ جھٹکتے اسے التجائیہ نگاہوں سے دیکھا۔

اوکے میرا گلاب!! باقی کا مکمل پروسیس گیسٹ ہاؤس میں؟؟ یہاں میں بہت آگے جانے والا بھی نہیں تھا۔ وہ اس کے سر پر دوپٹہ اڑھاتے اس کے وجود پر اس کی شال دے گیا تھا۔ وہ اس کے نازک وجود کو بہت نرمی سے اپنے اوپر کرتے اپنی سیٹ اوپر کر گیا تھا۔ عابیر سرخ سی ہوتے اپنی سیٹ کی طرف کھسکی تھی۔

اسفندیار نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوے گاڑی گیسٹ ہاوس کی طرف ڈالی تھی

عابیر کی آنکھ کھلی تو خود کو بکھری حالت میں اسفند کی بانہوں میں پایا۔۔وہ اسفند کے برہنہ چٹانی سینے پر سر رکھ کر سو رہی تھی۔۔اسفند نے اپنا ایک بازو اس کی کمر کے گرد سختی سے لپیٹا ہوا تھا۔۔۔وہ اس وقت سلیو لیس بے حد شارٹ نائیٹی میں ملبوس تھی۔ جس کا اگلا پچھلا گلہ کافی گہرا تھا۔ اسفند نے اس کے لیے بہت ساری نائیٹیز اور پرائیویٹ چیزیں یہاں لا کر رکھی ہوئی تھیں۔

عابیر نے آہستگی سے اسفند کے حصار سے نکلنا چاہا تھا مگر اس کا حصار کافی مضبوط تھا۔۔وہ زیادہ زور اس لیے بھی نہیں لگا رہی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسفند کی آنکھ کھلے وہ اسے اس حالت میں دیکھے۔

اور اس کا نہ ختم ہونے والا پیار پھر سے شروع ہو۔ اب اس کی ہمت نہیں تھی وہ اس کی محبت اس کی دیوانگی سہتی۔ اپنے بچے کا خیال کرتے وہ نرم تھا مگر محبت خوب کر رہا تھا۔ جس میں وہ رات سے بھیگ رہی تھی

عابیر نے ایک دفعہ پھر سے اس کا بازو اپنی کمر سے ہٹانے کی کوشش کی ۔۔ نتیجہ وہی ڈھائی کے تین پات۔ عابیر بے بسی کے احساس سے روہانسی ہوئی تھی۔۔ یہ نیلی آنکھوں والا شہزاہ تو اس کے ساتھ چمٹ ہی گیا تھا۔ اس نے غصے سے اسفند کی گردن پر دانتوں کی نیلی گڑھی بنائی وہ اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کر گیا تھا۔ عابیر اسفند کو دیکھتے حیران ہوئی وہ اس کی کمر پر حصار مضوط کر چکا تھا مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ یعنی وہ جاگ رہا تھا اسے تنگ کر رہا تھا۔

وہ اس کے حصار سے نکل نہیں سکتی تھی۔۔اسی لیے روہانسے ہوتے اس کے سر پر سر رکھ گئی تھی۔

اسفند۔اسے مدھم آواز میں پکارتے اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان بکھری تھی۔۔

اس کی رات کی بے قراریاں،، محبت بھری سرگوشیاں یاد کر کے عاپیر کے چہرے پر سرخی سی چھائی تھی۔وہ اس کے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔وہ رات اسے اپنی بے پناہ محبت دے کر اسے اچھی طرح باور کرواچکا تھا۔پوری رات اس نے اپنی محبت اپنی شدتوں کی بارش میں اسے پور پور بھگوئے رکھا۔۔اسفند کی بے تابیاں اور بے قرایاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔۔

اس نے بہت آہستگی اور نرمی سے اپنے لب اسفند کے سینے پر رکھے تھے ۔اب وہ نرمی سے اپنے لب اس کے سینے پر رکھتی چلی گئی۔۔

افف میرا سرخ گلاب۔۔وہ مسکراتے ہوے رخ پلٹے اس پر آیا تھا۔

عابیر نے اپنی نائٹی کے سٹریپ کو شولڈر پر ایڈجست کرتے خفت سے اسفند کو دیکھا جو بے باک نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔عابیر کے سٹریپ اوپر کرنے پر اسفند نے اس کی نائٹی کے سٹریپ میں انگلی ڈال کر اسے پھر سے نیچے کھسکا دیا تھا۔۔اور ایک ہاتھ اس کی کمر پر مزید مضبوط کرتے شرات سے اسے اپنے سینے میں بھینچے اس کے بدن کی نازکی محسوس کرنے لگا۔

اسفند چھوڑیں مجھے۔۔مجھے فریش ہونا ہے۔۔عابیر نے مسکراتے ہوے اس کی طرف دیکھتے کہا تھا۔

اکٹھے فریش ہونے چلیں!اسفند نے بے باکی سے آنکھ ماری تھی۔۔اسفند

مجھے فریش ہونا ہے آپ کے سامنے کیسے؟؟عابیر سرخ گلاب ہوئی تھی۔

ایسے جیسے ہوتے ہیں۔وہ اسے پھر سے بے باکی سے آنکھ مار گیا تھا۔

عابیر نے اس کی گہری مسکراہٹ پر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا

عابیر کے ایکٹ پر اسفند کا قہقہ بلند ہوا تھا۔۔

اسفند آپ مجھ سے ناراض کیوں تھے؟؟عابیر نے پھر سے پوچھا تھا۔

تم جب جب مجھ سے زیادہ کسی کو اہمیت دیتی ہو میں برداشت نہیں کر

سکتا۔۔وہ اسے کمر سے جکڑے اس کی نایٹی ایک جھٹکے سے ریموو کرتے

اسے لیے کمبل میں غروب ہو چکا تھا۔

اسفند!!عابیر روہانسی ہوئی تھی۔۔

تمھارے دونوں بھائی تم پر بہت حق جتاتے ہیں۔ اب وہ تمھیں ملنے کو ترسیں گے تو انھیں پتہ چلے گا کہ تم پر کس کا حق ہے۔ اسفند اس پر جھکے غرایا تھا۔

اسفند کیا مطلب آپ سچ میں مجھے اسلام آباد لے کر جا رہے ہیں۔؟! عابیر نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

ہاں!! اسفند سنجیدگی سے بولا۔

اسفند یہی ایک وجہ ہے جس کی وجہ سے آپ مجھے میرے اپنوں سے دور کر دیں گے۔ عبیر روہانسی ہوئی۔

یہ ایک وجہ ہی بہت بڑی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور ریزن بھی ہے۔ اسفند اسے اپنے اوپر کرتے ہوے کمبل اپنے چہرے سے ہٹاتے ہوے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ عابیر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسفند نے سائیڈ ٹیبل سے کچھ پیپرز اٹھا کر عابیر کو پکڑائے تھے۔۔ عابیر نے تھامتے ہوے دیکھا تو اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

اسفند یہ !! عابیر نے روتے ہوے کہا۔

ہاں یہ تمھارے میڈیکل کالج کے فارم !! تمھارا داخلہ ہو چکا ہے۔۔ کچھ پروسیس رہتا ہے وو تم میرے ساتھ جا کر اسلام باد پورے کر لینا۔

اسفند !! یہ سچ نہیں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ یہ خواب ہے۔ وہ شدت سے رو دی تھی۔

یہ خواب نہیں ہے یہ حقیقت ہے اپنے خوابوں کو تم پورا کرو گی ڈاکٹر بن کر!!اسفند اس کا ماتھا چوم گیا۔

مگر اسفند ہمارے بچے ہماری بیٹیاں میں ماں بننے والی ہوں۔۔عابیر ٹوٹے لبوں سے بوکھلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

عابیر تم کر سکتی ہو۔۔اس حالت میں بہت سی لڑکیاں بہت کچھ کرتی ہیں۔ تمھارے سپنوں میں کوئی چیز کچھ آڑے نہیں آسکتا۔۔جب میری بیٹیوں کے آنے کا ٹائم ہو گا۔کچھ ٹائم کے لیے تمھارے سمیسٹر فریز کروا دوں گا۔۔اور بیٹیاں میں خود سنبھالوں گا۔سارا دن بھی اور رات بھی۔۔بس تم اپنے اسفند کی رات کی کچھ ضرورتوں کا خیال کر لینا۔۔زیادہ تنگ نہیں کروں گا۔بس تم کا پریٹ کرنا ہمممممم!!وہ بھاری آواز میں بولتے مسکرایا تھا۔

اسفند!!عابیر اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔مجھے لگا تھا آپ مجھے لے کر پوزیسو ہیں۔مجھے کو ایجوکیشن میں پڑھنے نہیں دیں گے۔وہ روتے ہوے بولی۔

عابیر پوزیسو ہوں بہت ہوں۔۔مگر پردے میں تم جاؤ گی مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟؟اس گلاب چہرے پر تو میں کسی صورت کسی کی نگاہ پڑھنے دوں گا۔اسفندیار خان اس کی ناک سے ناک مس کرتے بولا۔

چلو ایک اور سرپرایز ہے اسفند کمبل اتارتے بیڈ سے اٹھا تھا۔

عابیر نے جلدی سے ناٹی پہنی۔۔ویسے یہ اترنی ہی ہے میرا گلاب محنت کرنے کا کوئی فایڈہ نہیں۔۔وہ شرارتی انداز میں بولتے اسے گود میں اٹھا گیا۔

وہ اسے لیے واش روم میں داخل ہوا تھا۔۔

واش روم بہت بڑا اور جدید اور بے حد خوبصورت تھا۔۔

بلیک اینڈ وائٹ ٹائلز سے مزین یہ واش روم بہت لگژری تھا۔۔ جس کے سینٹر میں بہت بڑا خوبصورت باتھ ٹب تھا۔ جس کے کنارے پر خوبصورت موم بتیاں جل رہی تھیں۔ اور باتھ ٹب میں گلاب کی پتیاں تیر رہی تھیں۔ عابیر بھیگی آنکھوں سے سرخ گلاب ہوتے یہ سب دیکھ رہی تھا. اسفند اسے نیچے اتارے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ لمحہ بالمحہ اس کے لیے دیوانہ ہوتا جا رہا تھا۔ وجہ صرف اس کی خوبصورتی ہی نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت گہرے رنگ تھے۔۔ جن میں وفا، فرمانبرداری اور عشق کے گہرے رنگ تھے۔ وہ اس سے شدید محبت کرتی تھی۔

اسفند اس مہکتے گلاب کی خوشبو میں بہکتے مزید اس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔۔ وہ سراپہ اس کی محبت اس کے ہر رنگ میں پور پور بھیگتے اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔۔ وہ اس کا عشق اس کا جنون تھی۔۔۔ وہ اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا وہ بھی اس کے سینے میں شدت سے سمائی تھی اسفند اسے خود سے الگ کرتے ہوے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے ہونٹوں پر جھکا۔۔ بہت نرمی سے اس کے ہونٹوں کی نرماہٹیں محسوس کرنے لگا۔۔ اچھی طرح اپنی پیاس بجھانے کے بعد وہ اس کی گردن پر جھک کر اپنا لمس بکھیرنے لگا۔۔ وہ خاموشی سے اس کا لمس برداشت کر رہی تھی۔ بلکہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔

عابیر کی کلائی تھامے روف شاور آن کرتے وہ باتھ ٹب میں داخل ہو چکا تھا۔

ایک بار پھر سے اس بالوں کو جکڑے اس کے ہونٹوں پر دسترس حاصل کی تھی۔۔

اسفند باتھ ٹب میں لیٹا ہوا تھا۔ عابیر کو وہ اپنے اوپر لٹائے ہوے تھا۔۔ اسفند پوری طرح مکمل اس میں گم اس کے لبوں پر اپنی دسترس جمائے اس کی سانسیں چرائے ہوے تھا۔

اس کی نائٹی شولڈر سے ریموو کرتے وہ جابجا اپنا لمس بکھیرتے مکمل طور پر اس کی ذات میں گم ہوتا چلا گیا۔۔۔

ارحام خانزادہ جدید بے حد خوبصورت واش روم میں سفید ٹراوزر میں ملبوس اپنے نم زدہ بال تولیے سے رگڑتے ہوے مرر میں دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی

گہری بے باک نظریں مرر سے نظر آتے اپنی خوبصورت بیوی پر تھیں۔ جو نظریں جھکائے سرخ گلاب سی ہوئی باتھ روب گاون پہن رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کی گہری بے باک نظر خود پر محسوس کرتے حور کی رنگت سرخ قندھار ہو رہی تھی۔ ابھی بھرپور رومانس کر کے وہ فری ہوا تھا۔ اکٹھے شاور لے کر بھی اس کے شوہر کا دل نہیں بھرا تھا۔ وہ ابھی بھی اسے بے باک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں بے باکی سے دیکھ سکتا تھا۔ بہت بار اسے اپنے سامنے بٹھائے ایسے ہی بے باکی سے دیکھتا رہا تھا۔

حور گھٹنوں تک پنک باتھ روب پہنے سرخ گلاب سی ہوئی گیلے بالوں کے ساتھ جھینپ سی رہی تھی۔۔ اس کے باک سٹنٹ یاد کرتے بے باک لمس بے باک سرگوشیاں یاد کرتے وہ جھینپتے ہوئے روہانسی ہو رہی تھی۔ خود تو ذرا شرم نہیں کرتا تھا۔ مگر مجال ہے وہ اس پر بھی رحم کھالے۔۔ فل لائٹس میں

اور جگہ جگہ بدل کر رومانس کرنا اسے بے حد پسند تھا۔ واش روم کی ایسی کونسی جگہ تھی جہاں اس نے رومانس نہ کیا ہو۔۔ ابھی بھی جتنا بے باک رومانس اس کے شوہر نے کیا تھا حور کے گالوں سے ابھی تک سیک نکل رہا تھا۔ برستے پانی کے بوچھاڑ میں وہ اس کے پور پور پر اپنی شدتیں ڈھاتے اسے بے بس کر چکا تھا۔ حور نے لب کاٹتے ہوئے اپنے گھٹنوں سے نیچے اپنی سڈول ٹانگیں دیکھی جہاں ارحام خانزادہ کی شدتوں کے گہرے نشان تھے۔ وہ مزید سرخ ہوئی تھی۔ یہی حال پورے بدن کا تھا۔۔

حور نے اپنے بے باک رومانٹک شوہر کی نگاہوں کا مرکز اپنی ٹانگوں پر محسوس کرتے اپنا باتھ روب گاون نیچے کی طرف کھسکایا تو ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

ارحام کے قہقہے پر حور روہانسے ہوتے شرمندگی سے نگاہیں جھکا گئی تھی۔۔وہ اس سے بھلا کہاں خود کو چھپا سکتی تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس حلیے میں اس کی بانہوں میں تھی۔وہ یاد کر کے وہ سرخ گلاب سی ہوئی مزید جھینپ گئی تھی۔

حور جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ارحام مسکراتے ہوے اسے کلائی سے کھینچتے ہوے اپنی بانہوں میں بھرتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

ہے میرا خوبصورت بچہ !!وہ اس کے کے گیلے بالوں کی لٹیں اس کے عارض سے ہٹاتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکا

ارحام !!حور نے روہانسے ہوتے اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ جماتے اسے دھکا دیا۔

حور ڈونٹ!!ڈونٹ!ارحام اس کے دور دھکیلنے پر جنونی ہوتا اس کے لبوں پر جھکتے اسے اوپر کو اٹھائے اسے وینٹی کی سلیب پر بٹھا گیا تھا۔اب وہ اس کے گلابی لبوں کی نرماہٹیں محسوس کرتے اس کے ہاتھ روب گاون کی ڈوری کھولے اپنے ہاتھوں کا نرم لمس اس کے جسم کے حساس حصوں پر چھوڑ رہا تھا۔حور اس کے گلے میں اب بانہیں حمایل کر گئی تھی۔وہ اگر ایسا نہ کرتی تو ارحام کا رومانس کا دورانیہ طویل ہو جاتا۔وہ رومانس کے دوران اس کی ذرا سی بے توجہی برداشت نہیں کرتا تھا۔حور گہرے سانس لیتے اس کی برہنہ پشت پر اپنے ناخن گاڑھے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ارحام مسکراتے ہوے اس کے لبوں کو آزاد کر گیا۔مگر اس کے ہاتھ ابھی تک بے باکی دکھا رہے تھے۔ارحام نے اسے خود سے الگ کرتے ہوے اس پر نگاہ ڈالی۔وہ نظریں جھکائے ہوے سرخ ہو رہی تھی۔

کس کی ہو؟؟ ارحام خانزادہ اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے سرد لہجے میں غرایا۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔ ہوں۔۔ حور نے ارحام خانزادہ کی جنونیت بھری آنکھوں میں دیکھتے بمشکل کہا۔

پھر سے کہو!! ارحام نے اس کے جبڑے پر اپنی گرفت سخت کی تھی۔

آپ کی ہوں ارحام!! حور نے بھیگے لہجے میں کہا۔

پھر سے کہو!! ارحام کا لہجہ مزید سرد ہوا۔

آپ کی ہوں صرف آپ کی۔۔ حور کے لہجے کا بھیگا پن بڑھا تھا۔ ارحام اس کا بھیگا لہجہ محسوس کرتے اس کا جبڑہ چھوڑ چکا تھا۔

ارحام سلیب کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے اب اس پر جھکا تھا۔ حور نا محسوس انداز میں پیچھے کو کھسکی تھی۔

بولو!!وہ اس پر جھکے بولا۔۔

کک کیا ارحام؟؟حور نے بھیگے لہجے میں اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ رکھتے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

بولو میں حور خانزادہ صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔ سر سے پیر تک صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔۔ صرف اس کی ہوں۔۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے۔ وہ اس کے نقوش پر سگتی سانسیں چھوڑتا غرایا تھا۔

!!میں حور خانزادہ صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔ سر سے پیر تک صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔۔ صرف اس کی ہوں۔۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے!!حور ڈبڈبائے لہجے میں جلدی سے بولی تھی۔

میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے۔ دوبارہ سے بولو!!وہ پیچھے کو ہوتے یہ لفظ دہراتے برفیلے لہجے میں بولتا اس پر اپنی برفیلی نگاہیں گاڑھ گیا۔

میرا۔۔ خود۔۔۔ پر بھی۔۔ اتنا۔۔ حق۔۔ نہیں۔۔ جتنا۔۔ میرے ۔۔ شوہر۔۔۔ ارحام۔۔ خانزادہ۔۔ کا۔۔ ہے۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے اپنی بھیگی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑ گئی تھی۔۔

مسکراتے ہوے بولو!!ارحام اس کے قریب ہوتے اس کی بھیگی آنکھوں میں اب اپنی آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

میرا۔۔خود۔۔۔پر بھی۔۔اتنا۔۔حق۔۔نہیں۔۔جتنا۔۔میرے ۔۔شوہر۔۔۔ارحام۔۔خانزادہ۔۔کا۔۔ہے۔وہ اب مسکراتے ہوے بولی تھی۔

کیوں ہے حق میرا؟؟ارحام نے اس کی آنکھوں کے گوشوں کے پاس ابھرے شبنم کے قطرے اپنے لبوں سے باری باری چنتے ہوے بھاری آواز میں پوچھا۔

کیونکہ آپ کی ہوں!!حور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شبنمی نروٹھے لہجے میں کہا تھا۔

جب میری ہو تو مجھے دور کیوں جھٹکتی ہو؟!۔ ارحام اس کی گردن پر جھکتے اپنے دیے گئے نشانات کو اپنے لمس سے گیلا کر رہا تھا۔

کب جھٹکتی ہوں۔ اپنی مرضی کرتے ہیں!؟ جب تک دل کرتا ہے جتنا دل کرتا ہے۔ حور نے نروٹھے انداز میں کہتے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔ اس کا لمس اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ بہت طریقے سے اسے چھو رہا تھا۔ جہاں جہاں اس کی بیوی کو اچھا لگتا تھا۔ وہ اسی طریقے اسی انداز میں چھو رہا تھا۔ ارحام خانزادہ اب جھکے اس کی خوبصورت ٹانگوں پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ حور آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ سٹول رکھے اس پر بیٹھتا اس کے پاؤں کے تلوں کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔ حور کی ٹانگیں ارحام خانزادہ کی تھائس پر تھیں۔ وہ جھکے ہوے اس کے پاؤں چوم رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اس کے پاؤں

چومتا رہا تھا۔ حور اس دوران آنکھیں میچے ہوے تھی۔ ارحام کے لب پاوں سے ہوتے اس کی خوبصورت پنڈلیوں کو چوم رہے تھے۔

ارحام نے حور کی بند آنکھوں کو دیکھتے مسکراتے ہوے اٹھ کر اس کے گاون میں ہاٹھ ڈالے اسے گدگدی کی۔۔ حور کی کھکھلاہٹ گونجی تھی۔ وہ ہنستے ہوے ارحام کے سینے میں سماتے اس کے چٹانی سینے پر لب رکھ گئی۔

روز یہ سب کچھ مجھ سے بلواتے ہیں کیا ملتا ہے آپ کو؟؟۔ حور نے گہرے سانس لیتے اس کے سینے میں سماتے ہوے پوچھا تھا۔

تم میرے پاس ہو مجھے یقین نہیں آتا۔۔ آج بھی نہیں آتا۔۔ تمھیں لے کر اتنا ہی حساس ہوں جنونی ہوں۔ تم جیسی عورت میرا مقدر آخر کیسے ہو سکتی ہے۔؟؟ مجھے یقین نہیں آتا۔ رب نے اتنی خوبصورت عورت کو میرا کر

دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے عارض پر دانت گاڑھ گیا تھا۔ حور بھیگی سی ہنسی ہنسی تھی۔

تم جب کہتی ہو تم صرف میری ہو تو مجھے کچھ کچھ اپنی قسمت پر یقین آنے لگتا ہے۔ وہ عورت جس سے میں دیوانوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔ وہ میری ہے صرف میری ہے۔ وہ اونچی آواز میں بولتے ہوئے حور کو گود میں اٹھائے گھوما تھا۔ حور کی ہنسی کی جھنکار واش روم میں گونجی تھی۔

وہ اسے اوپر کو کرتے اس کے لبوں کو شدت سے چومتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

ارحام کہاں جا رہے ہیں؟؟ حور نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آئی برو اچکاتے ہنسی دبائے پوچھا تھا۔

حور نو یار!!سب سے برا کام یہ لگتا ہے روز کرواتی ہو مجھ سے!!ارحام بیزاری سے بولا۔

جن پاؤں کو گھنٹوں چوم سکتے ہیں اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ٹھیک ہے میں اپنی میک آپ آرٹسٹ کو بلا لیتی ہوں۔وہ روز آکر لگا جایا کرے گی۔حور نے ارحام کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ایک نیل پینٹ لگوانے کے لیے روز اپنی میک اپ آرٹسٹ کو بلوایا کرو گی۔ارحام خانزادہ نے اسے دیکھتے سلگتے لہجے میں پوچھا تھا۔

جی بلکل اسے جتنی پیمنٹ کی جاتی ہے آپ کی سوچ ہے۔وہ روز کیا ایک دن میں کئی چکر لگا سکتی ہے۔لاکھوں روپے اس کے ایک وزٹ پر اس کے آکاونٹ میں ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔۔حور نے بولتے ہوے آنکھیں جھپکائی تھیں۔

اوکے مادام!! یہ خادم آپ کی یہ ڈیوٹی کرے گا مگر پے ہیوی قسم کی ہو گی جو میں لوں گا۔ ارحام اسے دیکھتے گہرا سانس لیتے گہرا مسکرایا تھا۔

وہ کیا؟؟ حور نے بے اختیاری میں پوچھا تھا۔ ارحام نے جھکتے ہوے اس کے کانوں میں بہت بے باک سرگوشی کرتے اس کے حساس حصے کو چھوتے اپنی پیمنٹ بتائی تو حور سرخ ہوئی تھی۔

بولو منظور ہے!! ارحام نے آئی برو اچکائے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے مبہم سا مسکراتے ہوے پوچھا۔

رہنے دیں میں درخشاں سے لگوالوں گی۔ وہ بنا پیمنٹ کے لگا دے گی۔ حور نروٹھے انداز میں منہ موڑ گئی تھی۔

اس چیپ درخشاں کو تو میں کبھی تمھارے قریب نہ آنے دوں۔ ارحام نے ناگواری سے کہتے خوبصورت وینٹی کے پتھر کے سلیب کی طرف بڑھتے حور کو سلیب پر احتیاط سے بٹھایا تھا۔

نہ درخشاں نہ کوئی دوسری عورت تمھارے قریب آسکتی ہے۔ جب تک آپ کا غلام زندہ ہے۔ ارحام خانزادہ واش روم میں بنی گلاس کبرڈ کی طرف بڑھا۔ جہاں حور کے میک اپ ہیر پاڈی کیئر پروڈکٹ سجے تھے۔

اس نے پیڈی کیر کے تمام پروڈکٹ اور کچھ نیل پینٹ اٹھاتے ہوے حور کی طرف بڑھتے تمام پروڈکٹ سلیب ترتیب وار رکھے تھے۔

خود سٹول پر بیٹھ کر حور کا پاؤں اپنی تھائس پر نرمی سے رکھ گیا تھا۔ حور مسکراہٹ دبائے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو روز ایسے ہی اس کے

پاؤں کے مساج کرتے اس کے ہاتھوں پیروں کے ناخنوں پر نیل پینٹ لگاتا تھا۔

ابھی بھی وہ سنجیدگی سے اس کے پاؤں کی بہت نرمی سے مساج کر رہا تھا۔اس کے پیروں کے گلابی تلوں کو وہ اپنے انگوٹھے سے دباتے ہوے مساج کر رہا تھا۔

یہ سارا کچھ اب میرے حلق میں جائے گا۔ارحام جھنجھلاتے ہوے بولا۔حور کھکھلا کر ہنسی تھی۔۔

ارحام یہ سزا ہے آپ کی!!جو بار بار رومانس کرتے آپ ناں!!حور مغروریت سے بولتے مسکرادی تھی۔

اب کیا تمھارے قریب نہ آیا کروں صرف اس وجہ سے کہ تم یہ پروڈکٹ یوز کرتی ہو۔۔اور کرتی نہیں مجھ سے کرواتی ہو۔ارحام نے آئی برو اچکاتے ہوے اسے غصے سے گھورا۔

آپ بھی پورا پورا اپنی سروس کا معاوضہ لیتے ہیں۔حور نے بھی جواباً روٹھے انداز میں بولتے جواب دیا۔

تو نہ لوں معاوضہ ؟!گھنٹوں مجھ سے مساج کرواتی ہو تھک جاتا ہوں میں۔ تھکاوٹ بھی اتارنی ہوتی ہے مجھے۔ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے لفظ چبائے

یہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کیا کیا آپ نے ارحام ؟؟تب بھی تھکاوٹ ہی اتاری تھی۔اور فل باڈی مساج آپ خود کرتے ہیں۔اصرار کر کے کرتے ہی ؟؟حور نے بھی ارحام کو گھورتے ہوے دوبدو جواب دیا۔

ارحام خانزادہ اس کے پاؤں کا مساج کرتے ہنسا تھا۔

ہنس کیوں رہے ہیں؟؟حور نے غصے سے پوچھا۔

تمھاری بیوقوفی پر ہنس رہا ہوں۔فل باڈی مساج اس مساج میں فرق ہوتا ہے۔۔تب تو تمھارے بدن پر کوئی کپڑا۔۔۔۔.

ارحام!!حور نے سرخ جھکتے ہوے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

بولنے دو!!ارحام نے اس کا ہاتھ مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹایا۔

نو نو مجھے کوئی چیپ گفتگو نہیں سننی۔حور نے پھر سے ارحام خانزادہ کے لبوں پر اپنا ہاتھ جمایا۔

ارحام نے مسکراتے ہوے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹائے اس کی ہتھیلی شدت سے چومتے اس کے پاؤں پر اپنے لب رکھے۔۔

تمھارا غلام ہوں۔۔زن مریدی کا ٹیگ داجی مجھ پر لگا ہی چکے ہیں۔اور میں اپنی خوبصورت بیوی کے سامنے اقرار کرتا ہوں۔میں واقعی میں زن مرید ہوں۔ارحام اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولتے ہوے اب نظریں جھکائے بہت احتیاط سے حور کے پیر کے ناخنوں پر نیل پینٹ لگانے لگا۔ذرا سی بے احتیاطی سے وہ گھنٹوں ناراض رہتی تھی۔۔اور یہی بات ارحام کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرتی تھی۔۔اسے ہر روز اپنے ناخنوں کو سجانا پسند تھا۔۔ارحام کی ہر روز کی ڈیوٹی تھی اس کے پیروں اور ہاتھوں کے ناخنوں پر نیل پینٹ لگانا۔۔وہ بار بار اپنی سانس باہر کو خارج کرتے بے حد احتیاط سے نیل پینٹ لگا رہا تھا۔حور بمشکل اپنی ہنسی روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

دنیا کا ہر کام کروالو مجھ سے مگر یہ مت لگوایا کرو یار۔ وو روز کی طرح جھنجھلاتے ہوے اپنا مخصوص جملہ دہرا رہا تھا۔ حور اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہنسی تھی۔

ہل لو ذرا سا خراب ہو گئی سارا الزام مجھ پر آجائے گا کہ میں تم سے پیار نہیں کرتا۔ ارحام نے جھنجھلاتے ہوے کہا۔

بہت ہی عجیب عورتیں ہوتی ہو تم۔۔ اتنی اتنی بات پر تم لوگوں کو لگتا ہے شوہر محبت نہیں کرتا۔ جو ساری ساری رات میں تمھیں پیار کرتا ہوں۔ وہ کیا جھک مارتا ہوں میں تمھارے ساتھ ؟؟۔ ارحام خانزادہ تپے ہوے لہجے میں بولتے اس کے ناخنوں پر نیل پینٹ لگا رہا تھا۔

ارحام کی جھلاہٹ پر حور کی کھکھلاہٹ ایک بار پھر سے گونجی تھی۔ ارحام نے سر اٹھائے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ حور کی کھکھلاہٹ بڑھی تھی۔۔ وہ مزید ہنسنے لگی تھی

ارحام بھی اب ہنستے ہوے اس کے پیر پر لب رکھتے ہوے نیل پینٹ لگانے لگا۔ دونوں کی ہنسی کی جلترنگ واش روم میں گونج رہی تھی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارحام حور کے اوپر جھکے اس کی گردن کو دیوانگی کے عالم میں اپنی شدتوں سے جامنی کر رہا تھا۔ حور کی گہری سانسیں اور سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ وہ رات کے آدھے پہر پھر سے شروع ہو چکا تھا۔ حور کی بلیک شارٹ نیٹ کی نایٹی کو وہ بے ترتیب کرتے وہ اس کی حالت خراب کر چکا تھا۔ بلکہ وہ جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی وہ اتنا جنونی ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی بے

باکیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ حور کو کمر سے جکڑے اپنے اوپر کرتے اسے اپنے اوپر بٹھا گیا۔ اب وہ بہت نرمی سے اس کی کمر کا اپنے دونوں ہاتھوں سے مساج کرتے کمرے میں جلتی نیلگوں روشنی میں پھٹی ہوئی بے ترتیب نائیٹی میں اس کے خوبصورت جسم کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

حور نے مدہوشی بھری نگاہوں سے ارحام کی طرف دیکھتے اپنی نگاہیں جھکائی تھیں۔ ارحام مسکراتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے اپنے سینے میں سما گیا تھا۔

اب حور اپنی جنونی سوغاتوں سے اس کی گردن پر لوبایٹ بنا رہی تھی۔ ارحام اپنی بیوی کے لمس پر مدہوشی سے آنکھیں میچ گیا تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سے اسے اپنے نیچے کرتے اس کے بدن کو دیوانوں کی طرح اپنی شدتوں سے داغ دار کر رہا تھا۔ کمرے میں ارحام اور حور کی گہری بے ترتیب سانسیں گونج رہی تھیں۔

وہ ایک بار پھر سے اپنی خوبصورت بیوی کو اپنے اوپر کرتے اس کے لبوں کا جام پیتے مدہوش ہو رہا تھا۔

حور بھی ارحام شدت کا ساتھ دے دیتے اس کے سینے میں شدت سے سما رہی تھی۔۔

ارحام نے حور کے لبوں کو آزاد کرتے ہوے اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے حور کی مدہوشی بھری آنکھوں میں جھانکتے بے حد باک جملہ بولتے اسے آنکھ ماری تھی۔ حور نے اس کے باک جملے پر سرخ پڑتے اس کے سینے میں سماتے اس کی گردن پر جھکتے لب رکھے تھے۔

ارحام مسکراتے ہوے ایک ہاتھ اس کے سلکی بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوے دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر پر اپنا بے باک لمس چھوڑتے ہوے پھر سے رخ پلٹے اس کی گردن پر جھکے دیوانوں کی طرح چومنے لگا۔

ارحام!!ارحام!حور نے اسے پکارتے ہوے اسے خود سے دور کیا تھا۔

کیوں دور کر رہی ہو؟ جانتی ہو ناں اس وقت مجھے تمھارے ہاتھوں کی مداخلت نہیں پسند۔ ان نازک ہاتھوں سے بے باکی دکھا سکتی ہو وہ دکھاؤ ورنہ یہ ہاتھ بیڈ کے ساتھ باندھ کر رات بھر تم پر قہر ڈھاؤں گا۔ وہ اپنی گہری ہوتی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑے غرایا تھا۔

ارحام وہ کل میری برتھڈے ہے مجھے پاپا نے انوایٹ کیا ہے۔ وہ میرے ساتھ یہ دن منانا چاہتے ہیں۔ میں نے انھیں ہاں کہہ دی ہے۔۔ حور نے ارحام کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے نگاہیں چرائی تھیں۔

ارحام حور کی بات پر بے یقینی سے کچھ پل اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کی کلائیاں چھوڑتے اس کے اوپر سے ہٹتا اسی لمحے رخ پلٹ گیا تھا۔

حور نے لب بھینچتے ارحام خانزادہ کی پشت دیکھی تھی۔وہ کبھی اس وقت اتنے نازک لمحوں میں اس سے ناراض نہیں ہوتا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔اس لیے اس نے اس ٹایم یہ بات کہی تھی مگر ارحام کاری ایکشن بہت سخت تھا۔

حور کچھ پل اسے کی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔حور نے ارحام کے قریب ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ارحام کی کنپٹی پر لب رکھتے اس کی سایڈ گردن پر لب رکھے تھے۔۔ارحام نے آگے سے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔

حور نے روہانسے ہوتے اب اپنے ہاتھ کی بے باکی دکھاتے ارحام کو خوش کرنا چاہا وہ اس کا ہاتھ بہت بری طرح جھٹک گیا تھا۔

حور نے بے یقینی سے ڈبڈبائی آنکھوں سے ارحام کی پشت کو دیکھا تھا۔

وہ میرے پاپا ہیں ارحام! کیا میں ان کے ساتھ اپنی برتھڈے سلیبریٹ نہیں کر سکتی؟!۔ حور نے بھیگے لہجے میں اس کی پشت کو دیکھتے پوچھا تھا۔

ہاں وہ تمھارے پاپا ہیں!! کل کا دن تمھیں اپنے پاپا کے ساتھ ہی سیلبریٹ کرنا چاہیے۔۔ میں اور میری بیٹی جائیں بھاڑ میں!! ارحام خانزادہ غصے سے بولتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھتے دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔

حور بھاری گلاس وال کے سلایڈنگ ڈور کے آپس کے ساتھ بری طرح ٹکرانے پر لرزتے ہوئے گہرے سانس لیتے بے یقینی سے ڈریسنگ روم کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ سیکنڈ بعد ارحام جینز شرٹ کے اوپر بلیک لیدر کوٹ پہنے ہوئے نکلا تھا۔

حور نے حیرانگی سے ارحام کو دیکھا جو اس وقت باہر جا رہا تھا۔

ارحام اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟؟ حور نے بیڈ سے اٹھتے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

بارہ بجنے والے ہیں مائی ڈیئر وائف!! یقیناً تمھارے پاپا نے یہ وقت بھی تمھارے ساتھ بتانا ہو گا۔ مجھے یقین ہے مجھ سے پہلے تمھارے پاپا تمھیں وش کریں گے۔۔ اگر میں نے کر بھی دیا تو تمھارا سارا دھیان سلطان شاہ کی طرف ہو گا۔ اس لیے میں اس وقت باپ بیٹی کے بیچ نہیں آ سکتا انجوائے کرو مائی لو مائی بیوٹفل وائف۔۔ ارحام نے سلگتے لہجے میں بولتے ہوئے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورا۔

میں اپنے پاپا کو آپ کی وجہ سے اگنور کرتی ہوں۔ ایک برتھڈے کا دن پاپا کے ساتھ منانے کا یہ ری ایکشن ہو گا آپ کا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔۔ حور بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

او۔۔ ایک برتھڈے۔۔ ارحام نے مٹھی دبوچتے استھزائیہ ہنستے ہوے اس کا لفظ دہرایا تھا۔

ہاں ایک برتھڈے کا دن ہے ارحام!! سب بیٹیاں شادی کے بعد اپنے پاپا سے ملنی جاتی ہیں۔ رہتی بھی ہیں اپنے پاپا کے گھر! مگر آپ کو یہ نہیں پسند۔۔ وہ پاپا ہیں میرے۔۔ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ ہفتوں وقت گزارنا چاہتی ہوں ان کے ساتھ۔۔ حور دبی آواز میں چیخی تھی۔

آواز کنٹرول میں رکھو اپنی!! تمیز سے بات کرو مجھ سے!! وہ اس کے ہفتوں رہنے والی بات مشتعل ہوتے بھڑک اٹھا تھا۔ وہ ایک پل اس سے دور ہو

جائے اس کی سانسیں بند ہو جاتی تھیں۔ وہ ہفتوں اس کے بغیر رہ سکتی تھی وہ بے یقین ہوا تھا۔

آپ اپنی آواز دیکھیں ارحام!! لگ رہا ہے میرے سامنے وہ ارحام خانزادہ کھڑا ہے جو واش روم میں میرے پیروں کو چوم رہا تھا۔ جو خود کو میرا غلام کہہ رہا تھا۔ آپ کی محبت صرف lust ہے۔ حور روتے ہوئے بولی تھی۔

حور کی بات پر ارحام کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔ وہ جبڑے بھینچے اسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ حور جوابًا اسے بھیگی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے دیکھ رہی تھی۔

یکدم ارحام کے موبایل پر لگا الارم بج اٹھا تھا جو اس نے حور کو بارہ بجے وش کرنے کے لیے لگایا تھا۔

ساتھ حور کا سائیڈ ٹیبل پر پڑا موبایل بج رہا تھا۔ جہاں سلطان شاہ کی کال آ رہی تھی۔ دونوں گہرے سانس لیتے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھی۔۔

یکدم ارحام خانزادہ آگے بڑھتے اس کا چہرہ تھامے اس کے لبوں پر اپنے سلگتے لب رکھ گیا۔۔ وہ اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں لیے شدت سے چوم رہا تھا۔ حور اس کی شرٹ جکڑے آنکھیں موند گئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھا حور کا موبائل شدومد سے بج رہا تھا۔ ارحام کا موبائل بھی بج رہا تھا۔ وہ حور کے لبوں کو شدت سے چوم رہا تھا۔

ہیپی برتھڈے مائی جان! کچھ دیر بعد ارحام نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کا چہرہ نرمی سے تھاما۔

ٹھیک کہہ رہی ہو میری محبت lust ہے اور میں ابھی یہ وقت بھی تمھیں اپنے بانہوں میں لے کر سلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔

کل کا دن بھی تمھیں میری بانہوں میں رہ کر گزارنا پڑتا۔ تم میری lust مزید نہ سہو اس لیے تمھارا تمھارے پاپا کے ساتھ اپنی سالگرہ منانے کا فیصلہ بیسٹ ہے۔۔ وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا۔۔ حور اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جاؤ فون سنو مائی بیوٹی فل وایف تمھارے پاپا تمھارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔۔ میں آج رات گاڑی میں سوات کی سڑکوں پر گزار لوں گا۔ ارحام سنجیدگی سے بولتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوئے موبایل کی طرف بڑھی۔

ہیلو پاپا!! وہ کال رسیو کرتے بھیگے لہجے میں بولی۔

پیچھے سے برتھڈے میوزک کی آواز سن کر وہ بھیگا سا ہنسی تھی۔

چندہ نے پوچھا تاروں سے

تاروں نے پوچھا ہزاروں سے

سب سے پیارا کون ہے

سلطان شاہ کی بھیگی آواز فون پر گونجی تھی۔

پاپا میرے پاپا۔۔ وہ روتے ہوے گنگناتے ھوے ہنسی تھی۔

پاپا تیرے پاپا!! سلطان شاہ بھی بھیگی آواز میں گنگناتے ہوے ہنسے تھے۔۔

آئی لو یو پاپا۔۔ حور رو پڑی تھی۔ آئی لو لو ٹو میری جان میری زندگی!! وہ فون پر رو رہے تھے۔

Papa not today ok

ہر بر تھڈے پر آپ ایسے ہی cry کرتے ہیں جو مجھے بلکل پسند نہیں وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

Hoor Not today ok

تم ہر بر تھڈے پر اسے ہی ناراض ہو جاتی ہو۔۔ پھر سارا دن پاپا کی اپنی پرنسز کو مناتے ہوے گزر جاتی ہے۔ سلطان شاہ کی بات پر حور کی کھکھلاہٹ گونجی تھی۔

ارحام صوفے پر بیٹھے لب بھینچے بظاہر سگریٹ پیتے اپنے موبایل میں مصروف تھا۔ مگر پوری توجہ اپنی بیوی کی طرف ہی تھی۔ جو بلیک ساڑھی میں ملبوس ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑے کافی دیر سے میک اپ کر رہی تھی

۔۔اسے ساڑھی میں دیکھ کر ارحام جیسے پاگل ہو رہا تھا۔وہ بار بار صوفے پر بے چینی سے پہلو بدلتے اپنی پچھلی گردن سہلا رہا تھا۔ارحام خانزادہ کو اپنے دماغ کی رگیں بھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔دل و دماغ میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

وہ بے حد سٹائلش ساڑھی میں ملبوس تھی۔جس کا بلاوز فل سلیوز میں ویلوٹ کا تھا۔ساڑھی کی فال بہت سٹایلش تھی۔۔جو وہ بہت اچھے انداز میں کیری کیے ہوے تھی۔

اپنے سلکی چاکلیٹی براؤن بالوں میں وہ لوز کرل ڈالے ہوے تھی۔۔پچھے دو گھنٹوں سے وہ مرر کے آگے کھڑی میک اپ کرتے ارحام خانزادہ کا ظبط آزما رہی تھی۔وہ کبھی جھنجھلاتے ہوے اپنی گردن کو دو انگلیوں سے رب کرنے لگا جاتا کبھی پچھلی گرن بری طرح سہلانے لگ جاتا تھا۔کبھی جھنجھلاتے

ہوے اپنی پینٹ کی بیلٹ ٹھیک کرتا۔ اگلے بٹن تو وہ کب سے کھولے ہوے تھا۔

وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوے اپنی ٹانگ ہلاتے ہوے اپنی پچھلی گردن سہلاتے ہوے اب سانس باہر خارج کرتے خود پر بمشکل قابو پا رہا تھا۔ سامنے کھڑی عورت کو لے کر وہ جنونی تھا پاگل تھا اس کا خود پر کنٹرول کھو جاتا تھا۔

وہ ساڑھی پہن کر اپنے پاپا سے ملنے جا رہی تھی۔ وہ جیسے اپنے حواص کھو رہا تھا۔ وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا اسے بغیر پردے کے ؟؟۔ اس کی خوبصورتی جلوے اس کی رعنائیاں صرف اس کے لیے تھیں۔ اگر اس ساڑھی میں اس پر کسی غیر مرد کی ایک نگاہ بھی پڑ جاتی وہ شاید خود کو اور اپنے سامنے کھڑی عورت کو آگ لگا سکتا تھا۔

ارحام اس کی پشت پر بکھرے بالوں کو دیکھتے اب جلتا سگریٹ انگلیوں میں دبائے خود پر قابو پانے لگا۔

حور نے میک اپ کرنے کے بعد مرر سے نظر آتے ارحام خانزادہ کو سلگتی نگاہوں سے دیکھا جو اسے مکمل اگنور کیے ہوے تھا۔

حور نے صوفے کی طرف بڑھتے ارحام کے قریب پڑا اپنا موبایل چھوٹا سا سٹایلش پرس اٹھایا۔ ارحام کی نگاہ اس پر پڑی تھی تو پلٹنا بھول چکی تھی۔۔ وہ آنکھوں میں کاجل کے ساتھ لاینر بھی لگائے ہوے تھی۔ گالوں پر شاینر لگائے لایٹ سا میک اپ کیے وہ جیسے حوروں کی خوبصورتی کو بھی مات دے رہی تھی۔۔ وہ اس وقت کسی ماہر شاہکار کے مجسمے سے بھی کئی گنا خوبصورت لگ رہی تھی۔ ارحام کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔ ارحام کی نگاہیں حور کے خوبصورت چہرے سے ہوتی اس کے سنگ مرمر سے بدن

پر جا ٹھہریں تھیں۔ ساڑھی مکمل تھی کہیں سے جسم عیاں نہیں ہو رہا تھا۔ مگر اس کے قیامت بدن پر ایسے نچ رہی تھی جیسے سمندر میں بل کھاتی لہریں۔ ارحام کے حواصوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سٹل اسے دیوانوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ حور نے اپنا موبائل بیگ میں ڈالتے ہوئے ایک نگاہ ارحام پر ڈالی۔ ارحام کو مجسم بنا دیکھ کر وہ نروٹھے مغرور انداز میں منہ موڑ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی مقابل اسے دیکھ کر ایسے ہی ری ایکٹ کرے گا۔

ارحام نے اپنی پچھلی گردن سہلاتے حور کی پشت کو دیکھا۔

یہ ساڑھی کب خریدی؟؟ ارحام نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے سرد لہجے میں پوچھا۔

ارحام کے سرد لہجے پر حور نے مڑتے ہوئے ارحام کو دیکھا جو سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے لب بھینچے ہوئے تھا۔

پاپا نے pre برتھڈے پر گفٹ بھیجا تھا۔۔ حور نے جواباً روٹھے انداز میں جواب دیا

کوک سروس!! ارحام خانزادہ جلتے سلگتے لہجے میں بولتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

حور ارحام کے لہجے میں جلن محسوس کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈریسنگ روم سے وہ سلور گرے موتیوں سے بھرے خوبصورت عبایئے میں باہر آئی تھی۔

وہ اب اسے عبائیہ میں دیکھ کر سلگ اٹھا تھا۔ وہ عبائیہ میں بھی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

یہ عبائیہ بھی لاکھوں روپے ہو گا یقیناً ساڑھی کی طرح قیمتی۔۔ ارحام خانزادہ ایک بار پھر سے سلگتے لہجے میں بولتے ہوے اس پر اپنی شعلہ بار نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔ ارب پتی سلطان شاہ کی بیٹی ہوں۔ یہ عبائیہ میری ہر چیز کڑوں روپے کی بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کو اعتراض کس بات پر ہے ؟؟۔ حور نے لفظ چباتے اپنے بڑے سے سلک کے خوبصورت سلور گرے سٹالر کا حجاب لیا ت۔

حور کے سوال پر ارحام ایک ہی جست میں صوفے سے اٹھتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اسے غصے سے دیوار سے لگائے اس کا حجاب کھینچ کر اتار گیا۔

اعتراض اس بات پر ہے ارب پتی سلطان شاہ کی بیٹی میری بیوی یعنی ارحام خانزادہ کی عورت اس کی عزت اس کی ملکیت ہے۔ اپنی بیوی کی خوبصورتی سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ کڑوڑوں کا کیا دو ہزار والا لباس بھی

پہن لے گی۔ اس سے خوبصورت اس دنیا میں کوئی نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ ہیرا کیچڑ میں بھی چمک اٹھتا ہے۔۔ تمھاری خوبصورتی کی چمک غلطی سے بھی کسی مرد کی آنکھوں کو خیرہ کرے یہ ارحام خانزادہ کو گوارا نہیں۔۔ وہ اس پر جھکے ایک ایک لفظ چباتے سلگتے لہجے میں بولتے غرایا۔

حور گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے سلگتی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

وہاں پاپا کے علاوہ کوئی نہیں ہو گا۔۔ بچپن سے وہ یہ دن صرف میرے ساتھ گزارتے ہیں۔ کھانا تک خود میرے لیے بناتے ہیں۔ حور بھیگے لہجے میں بولتی تو ارحام نے بری طرح جلتے ہوے اپنی اگلی گردن انگلیوں سے سہلائی تھی۔ وہ اپنے سسر سے بری طرح جل رہا تھا۔ اتنا کہ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئلے دہک رہے ہوں۔

تمھارے لیے عبائیہ اب میں خریدوں گا۔ قیمت لاکھوں روپے کی ہی ہو گی۔ مگر اس میں تمھارا تن زیادہ اچھی طرح چھپے گا۔ وہ اسے سلگتی نگاہوں سے گھورتے ہوئے پیچھے ہوئے تھا۔

حور خاموشی سے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے اپنا حجاب پھر سے لینے لگی۔۔ اچھی طرح ڈھانپو خود کو۔۔ سینہ اور کمر کور ہونا چاہیے۔ وہ عبائیہ میں نظر آتی اس کی کمر کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے حکمیہ لہجے میں غرایا تھا۔ حور خاموشی سے اپنے سٹالر کو اچھی طرح خود پر پھیلاتے اپنا چہرہ کور کر گئی تھی۔

اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے وہ اسی وقت کمرے سے نکل گئی تھی۔ ارحام اس کے سرد نروٹھے انداز پر پاگل ہوا تھا۔ کہاں برداشت تھی اس کی بے اعتنائی بے رخی ناراضگی۔ ارحام خانزادہ اپنے ڈریسنگ مرر سے واز اٹھا کر پوری قوت

سے دیوار پر مارتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گاڑیاں کی چابیاں اٹھائے باہر کی جانب بڑھا۔

کہاں جا رہی ہو؟؟ حور کو پریذے کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ اس کی کلائی سختی سے دبوچ گیا تھا۔

پریذے کو بتا دوں میں پاپا سے ملنے جا رہی ہوں۔ حور نے ارحام کو دیکھتے سرد لہجے میں کہا۔

ضرورت نہیں اسے بتانے کی۔ تمھاری برتھڈے کے لیے اس نے سرپرایز پلین کیا تھا۔۔ اسے پتہ چلے گا وہ بہت ہرٹ ہو گی۔ جس کی تمھیں پرواہ نہیں۔۔ میں اپنی بیٹی کو اپنے طریقے سے سمجھا لوں گا۔ اور تمھاری برتھڈے کا کیک بھی ہم باپ بیٹی مل کر کاٹ لیں گے۔ تمھیں آج کا دن اس انسان کے ساتھ منانا چاہیے جس سے تم سب سے زیادہ محبت کرتی

ہو۔۔وہ سرد لہجے میں بولتے اس کی کلائی جکڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے ہوے کارپوچ میں آیا تھا۔

اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا حور خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ارحام نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے بیٹھتے ہوے گاڑی سٹارٹ کی۔اب گاڑی سوات کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔۔ گاڑی میں گہری خاموشی چھائی تھی۔۔دونوں نفوس کے چہرے سرد سپاٹ تھے۔۔

سلطان شاہ کے بتائے ہوے ایڈریس پر ارحام کی گاڑی آکر رکی تو ارحام خانزادہ کی جلتی آنکھیں مزید جلی تھیں۔

ایک بہت ہی خوبصورت اوپن جگہ تھی۔ جو کھلے میدان کی طرح تھی۔ جس کے گرد پہاڑ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

ساتھ ہی دریا کا شور تھا۔ سلطان شاہ کے گارڈ چاروں طرف دور دور تک پھیلے ہوے تھے۔۔

اس کھلی جگہ پر ایک روش پر خوبصورت الیکٹرک کینڈلز جل رہی تھیں۔۔ آسمان میں فایر رنگ برنگے بلون سینکڑوں کی تعداد میں چھوڑے گیے تھے۔۔۔ اس خوبصورت جگہ بے حد خوبصورت ہیٹرز آگ کے آلاؤ بھی جگہ جگہ روشن تھے۔۔ ایک طرف ڈاینگ ٹیبل کے گرد صرف دو کرسیاں رکھی گئی تھیں۔۔ ایک طرف درجنوں ڈشز ایک بڑی سی ٹیبل پر لگی تھیں جن کے نیچے برنر جل رہا تھا۔۔ سامنے ہی آسمان میں ہیپی برتھڈے میری جان میری زندگی لکھا نظر آرہا تھا۔

ارحام خانزادہ خود پر قابو پاتے گاڑی سے اترا۔

حور مسکراتے ہوے خوشی سے آسمان میں اڑتے فایر بلون دیکھ رہی تھی۔وہ گہرے سانس لیتے حور کو اتنا خوش دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ کو سامنے سے آتا دیکھ کر وہ بھاگتے ہوے سلطان شاہ کی طرف بڑھی تھی۔۔۔ارحام خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔

سلطان شاہ کو دیکھتے وہ پریگننٹ ہے یہ بھی بھول گئی تھی۔ارحام خانزادہ کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔نہ وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگی برداشت ہوئی تھی۔نہ اس کے لیے سلطان شاہ کا یہ سرپرایز برداشت ہو رہا تھا۔

وہ اب اپنی پچھلی گردن رب کرتے یہ سب دیکھتے خود پر استھزائیہ ہنسا تھا۔۔۔

اپنی بیوی کے لیے اس نے اس سے بڑھ کر سرپرایز تیار کیا تھا۔۔ مگر وہ آج اپنے باپ سلطان شاہ کے ساتھ تھی۔ وہ اور اس کی بیٹی کے سرپرایز وقعت اب کچھ نہیں رہی تھی۔

آئی لو یو پاپا!! وہ سلطان شاہ کے سینے میں سمائے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

آئی لو یو ٹو بیٹا۔ سلطان شاہ اس کی پیشانی پر لب رکھ گئے تھے۔۔ ارحام یہ دیکھتے اب اپنے بھاری قدموں سے اس پھولوں کی روش سے چلتا سلطان شاہ کی طرف بڑھا۔ جو بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس پینٹ پر سفید شرٹ پہنے ونے تھے۔۔ حور کو اپنے سینے میں بھینچے تھے۔ حور اب اپنا سٹالر اتار چکی

تھی۔اس کے سلکی بال ہوا سے لہرا رہے تھے۔۔ارد گرد کوئی گارڈ نہیں تھا۔۔

وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔۔ارحام بھی اس وقت سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔سیاہ ہی شرٹ پہنے ہوے تھا۔دونوں سسر داماد ایک دوسرے کو قہربار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔جس عورت میں دونوں کی جان بستی تھی وہ دونوں ہی اس عورت کی محبت میں شئیرنگ برداشت نہیں کرسکتے تھے۔۔اس لیے دونوں ایک دوسرے کو جلتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔جس عورت میں ان دونوں کی جان بستی تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے کو صرف اس عورت کی وجہ سے ہی برداشت کرتے تھے۔۔

سلطان شاہ ارحام کو گھورتے حور کو مزید اپنے سینے میں بھینچے اس کے بازو کے گرد اپنا حصار مضبوط کر گئے تھے۔۔

حور اب پریشانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی جو ایک دوسرے کو جلتی نگاہوں سے دیکھتے قہربار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔۔ حور اب بری طرح گھبرائی تھی۔۔ یہ دونوں مرد اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے۔۔ وہ دل و جان سے ان دو مردوں پر مرتی تھی۔۔ اب وہ گھبراتے ہوے کبھی ارحام خانزادہ کو دیکھتی کبھی سلطان شاہ کو دیکھتی۔

ارحام اپنے پینٹ کی دونوں پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے ہوے اپنے بھاری قدموں سے سلطان شاہ کی طرف بڑھتے حور کو بازو سے جکڑے ان کے حصار سے نکالتے اپنے سینے سے لگائے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔

حور نے سرخ پڑتے ارحام کی حرکت دیکھی تھی۔

سلطان شاہ نے مٹھی بھینچتی اپنے داماد کی اوچھی حرکت دیکھی تھی۔۔ میری جان میری زندگی میں تمھیں جلد لینے آجاؤں گا ہمم۔ ارحام نے حور کا چہرہ

تھامے اس کی پیشانی پر پھر سے لب رکھے تھے۔۔ حور تو سرخ پڑتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ جو ارحام خانزادہ کسی کے سامنے اس سے فضول بات نہیں کرتا تھا۔ آج وہ اس کے باپ کے سامنے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

ارحام سلطان شاہ کو گھورتے پنجوں کے بل حور کے قدموں میں بیٹھا۔ حور کی آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔ وہ کیا کرنے والا تھا۔ وہ حیران تھی۔۔ وہ جھکے ہوے اس کی سینڈل کی سٹریپ کھول رہا تھا۔ حور لب کاٹتے ہوے ارحام کو ایکھ رہی تھی۔ وہ بہت آہستگی اور نرمی سے اس کے سینڈل کے سٹریپ کھولتے نرمی سے اس کے پاؤں سے اتار گیا تھا۔۔ وہ تھوڑی سی ہیل والی سینڈل پہنے ہوے تھی۔ اس کی پریگننسی کی وجہ سے ارحام نے وہ سینڈل اتارے تھے۔

سلطان شاہ جبڑے بھینچے ارحام خانزادہ کو دیکھ رہے تھے۔ ارحام خانزادہ نے اٹھتے ہوئے حور کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوا۔

میرے بچے کا خیال رکھنا ہمممممم !!ارحام نے اس کی آنکھوں میں سرد نگاہوں سے دیکھتے نرمی سے استفسار کیا۔

حور نے اثبات میں سر ہلاتے نظریں جھکائی تھیں

چلتا ہوں سلطان شاہ میری آمانت کا خیال رکھنا۔ جان سے زیادہ عزیز ہے یہ مجھے !اس لیے اس کی حفاظت جان سے زیادہ ہی کیجیے گا۔۔ اب تو اس کی جان کے ساتھ میرے بچے کی جان بھی جڑی ہے۔۔ ارحام کی بات پر سلطان شاہ نے تحیر زدہ نگاہوں سے حور کو دیکھا تھا۔ حور سرخ پڑتے نگاہیں جھکا گئی تھیں

ارے میری خوبصورت بیوی نے بتایا نہیں آپ کو آپ نانا بننے والے ہیں۔ ارحام نے مسکراتے ہوے حور کو دیکھا تھا۔

حور خاموشی سے اب غصے سے ارحام کو دیکھ رہی تھی جس کی وجہ سے اس کا سر پر ایز خراب ہو چکا تھا جو وہ سلطان شاہ کو آج دینا چاہتی تھی۔

Congratss sutan shah A Little khazada on the way

ارحام سلطان شاہ کو دیکھتے مسکراتے ہوے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا چلا گیا تھا۔

پاپا آپ مجھ سے ناراض ہیں۔۔ ارحام کے جانے کے بعد حور نے سلطان شاہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے پوچھا۔

میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتا اور یہ تو بہت خوشی کی بات ہے ایک اور حور آنے والی ہے۔ میں نانا بننے والا ہوں۔ سلطان شاہ اونچی آواز میں بولتے حور کی ہتھلیاں چوم گئے تھے۔۔

پاپا!! بیٹی نہیں ہمیں بیٹا چاہیے!! حور نے سلطان شاہ کو دیکھتے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

یہ خواہش اس بپھرے سانڈ کی ہے۔ وہ ہی ایسی دو نمبر سوچ رکھ سکتا ہے ۔سلطان شاہ نے لب بھینچے تھے۔

آپ ارحام کو بپھرا سانڈ بول رہے ہیں پاپا۔۔ حور نے منہ کھولے حیرت و استجاب سے پوچھا تھا۔

کیا نہیں ہے وہ؟؟ سلطان شاہ نے جواباً آئی برو اچکائے تھے۔۔

نہیں۔۔۔۔ حور نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

اب تعریف مت کرنا اس کی میرے سامنے۔ اس کی ایک بات مجھے نہیں پسند!! صرف ایک ہی کام اچھا کیا ہے مجھے نانا بنایا ہے مگر یہ خوشی بھی غارت کر دی کہ یہ کہہ کر کہ چھوٹا خانزادہ آ رہا ہے۔۔ سلطان شاہ نے غصے سے لفظ چبائے تھے۔۔

پاپا صرف ارحام کو نہیں مجھے بھی چھوٹا خانزادہ چاہیے اور بیٹی ہمارے پاس ہے پاپا میری پریذے۔۔ مجھے اور بیٹی نہیں چاہیے۔۔ حور نے سلطان شاہ کو دیکھتے کہا۔

تم کچھ بھی کہو چھوٹی حور آئے گی میں جانتا ہوں اور اسے میں پالوں گا۔ جیسے تمھیں پالا تھا۔۔۔ سلطان حور کی پیشانی پر لب رکھتے بولے تھے۔۔

او پاپا آپ بھی ناں!! حور ہنستے ہوے سلطان شاہ کے سینے میں سمائی تھی۔

اچھا بتاؤ یہ سرپرایز کیسا لگا میری جان کو!! سلطان شاہ اسے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھے۔۔

بہت اچھا پاپا یو آر دا بیسٹ پاپا آف داورلڈ حوذ نے مسکراتے ہوے کہا۔

سلطان شاہ مسکراتے ہوے رکے تھے۔ جھکتے ہوے زمین سے حور کے سینڈل اٹھائے ہاتھ میں پکڑے تھے۔۔

پاپا رہنے دیں۔۔ حور تذبذب ہوئی تھی۔۔

اپنی بیٹی کے سینڈل جوتے میں خود اتارتا ہوں مگر آج اس سرخ آنکھوں والے خانزادہ نے میرا یہ حق مار لیا ہے۔۔ سلطان شاہ کے لہجے میں جلن محسوس کرتے حور کھکھلائی تھی۔۔

Papa you and your son in law are both the same

__obsessive possessive and jalous

حور کی کھلا کھلاہٹ دور تک گونجی تھی۔

There is a one thing he can never beat me at and

that is he can never love you more than i

سلطان شاہ سنجیدگی سے بولے تو حور ایک بار پھر سے ہنسی تھی۔

جی پاپا! اسی طرح کے الفاظ وہ بھی کل مجھ سے بولے گا۔۔مان لیں آپ

دونوں سیم ہیں۔حور نے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے مسکراہٹ دبائی۔۔

اب کوئی بھی بات تم اس کے متعلق نہیں کرو گی۔۔ آج کا دن۔ صرف میرا۔۔ سلطان شاہ سنجیدگی سے بولتے ہوئے اسے لیے ٹیبل کی طرف بڑھے جہاں خوبصورت کیک کے گرد ڈھیر ساری کینڈلز جل رہی تھیں۔

حور سلطان شاہ کے ہمراہ ان کی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔۔ سلطان شاہ اسی جگہ پر ایک خوبصورت کاٹیج حور کے لیے خرید کر اس کے نام کر چکے تھے۔ اس نے آج کا سارا دن سلطان شاہ کے اسی کاٹیج میں گزارا تھا۔۔ مووی دیکھتے ہوئے ڈھیر ساری باتیں کرتے۔۔ سلطان شاہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا۔ وہ سارا وقت ان کے ساتھ رہی تھی۔

وہ صبح دس بجے ارحام کے ساتھ آئی تھی۔ اب رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے بہت مشکل سے سلطان شاہ سے جانے کی آجازت لی تھی۔ وہ جانتی

تھی اس کی پوزیسو بیٹی اور پوزیسو شوہر کا اس کے بغیر برا حال ھو گیا ہو گا۔۔ ارحام خانزادہ نے اسے کال بھی نہیں کی تھی۔ وہ جب سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تھی وہ کال نہیں کرتا تھا۔

وہ سلطان شاہ کے ہمراہ سلطان شاہ کی گاڑی کی طرف بڑھی۔ ڈھیروں گارڈز بھی الرٹ ہوتے ان کے ساتھ بڑھے تھے۔

یکدم حور اور سلطان شاہ کے قدم رکے تھے۔۔

سامنے ہی ارحام خانزادہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ ڈرایئونگ سیٹ پر بیٹھا سو رہا تھا۔

حور بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کل صبح دس بجے سے کیا یہاں موجود تھا؟! وہ پریشان ہوئی تھی۔۔

اس کی گاڑی گارڈ کی گاڑیوں کے ہمراہ ہی کھڑی تھی۔

حور بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ سلطان شاہ بھی لب بھینچے اسے دیکھ رہے تھے۔۔ وہ سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس سیٹ سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔

سلطان شاہ نے بری طرح جبڑے بھینچے تھے وہ دل سے مان چکے تھے ان کا داماد ان کی بیٹی سے بے حد محبت کرتا ہے شدید محبت کرتا ہے۔۔ وہ پاگل ہے سر پھرا ہے وہ جنونی ہی وہ پہاڑی خان ہے۔ وہ بپھرا سانڈ ہے۔ وہ جو بھی ہے مگر ہے صرف ان کی بیٹی کا ہے۔۔ وہ پاگل ہے اپنی بیوی کے لیے۔۔ وہ مہر ماہ سے کبھی محبت نہیں کر سکے۔۔ محبت کیا ہوتی ہے؟؟ یہ ارحام خانزادہ کو صرف پتہ تھی۔۔ جو۔ سات ماہ اپنی عزت نفس مارتے ہوئے ان کی بیٹی کا گارڈ بن کر رہا۔۔ جو خود سے بڑھ کر ان کی بیٹی کی حفاظت کرتا رہا۔

حور روتے ہوے بھاگتے ہوے ارحام کی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔۔وہ ایک بار پھر سے بھول چکی تھی وہ پریگننٹ ہے۔۔وہ اس انسان سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں کر سکتی۔ تھی۔وہ اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے اپنے ارحام کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔جس نے اسے سکھایا محبت کیا ہوتی ہے؟؟خود سے بڑھ کر جس سے محبت کی جائے اس کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے۔وہ روتے ہوے ارحام خانزدہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔وہ گاڑی کے پاس آکر رکی تھی۔اب وہ گاڑی کے شیشے پر ہاتھ رکھے زندہ وجودوں کو الٹ پلٹنے والے مغرور بے حد شاندار پرسنیلٹی رکھنے والے خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔۔جو سوتے ہوے بے حد معصوم لگ رہا تھا۔مگر وہ معصوم تھا نہیں۔۔وہ شیشے پر ہاتھ رکھتے ہوے روتے ہوے اب ہنس رہی تھی۔۔وہ

بے باک تھا بے شرم تھا۔ بے حد رومانٹک تھا مگر معصوم نہیں تھا۔ وہ روتے ہوے ہنستی جا رہی تھی۔

سلطان شاہ حور کو دیکھتے اپنے گارڈز کو اشارہ کرتے اپنی گاڑی میں بیٹھتے وہاں سے جا چکے تھے۔۔۔۔۔ جانتے تھے جہاں ارحام خانزادہ ہو وہاں حور خانزادہ کو سلطان شاہ کی ضرورت نہیں پڑ سکتی تھی۔۔

حور ونڈو پر ہاتھ جمائے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دل ہی نہیں کر رہا تھا اسے جگانے کو!! ارحام نے اسی لمحے آنکھیں کھولتے پہلو بدلا۔۔ وہ سیٹ پر کافی ان کمفرٹیبل تھا۔ صبح دس بجے سے تو یہیں تھا۔ باہر شدید سردی تھی۔۔ کبھی جھنجھلاتے ہوے باہر نکل جاتا کبھی گاڑی میں بیٹھ جاتا۔۔ اپنی بیوی کو وہ کیسے اکیلا چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ وہ اپنے دھڑکنیں کہیں اور چھوڑ کر آخر کیسے جا سکتا تھا۔ دل میں اسے کھونے کا شدید ڈر تھا۔ وہ اسے چھوڑ نہ

دے یہ بھی ڈر تھا۔۔ مگر اس کی پروٹیکشن کو لے کر وہ آج بھی ڈرتا تھا۔ اسے عورت کو لے کر اسے کسی گارڈ پر بھروسہ نہ تھا۔ نہ وہ کبھی کر سکتا تھا۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے سیدھا ہوا۔ حور کو باہر کھڑا دیکھ کر وہ جلدی سے گاڑی کا دروزہ کھولتے باہر نکلتے حور کو اپنے سینے سے لگاتے اسے سختی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

میری جان میری زندگی میری دھڑکن۔۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں تمھیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ اسے سختی سے خود میں بھینچے اس کے کندھے پر اس کے سر پر لب رکھتے دیوانگی کے عالم میں بول رہا تھا۔

اب وہ اس کا نقاب اتارے اس کا چہرہ تھامے سختی سے اپنے لبوں کو اس کے ایک ایک نقش پر رکھ رہا تھا۔ اس کے لب رک ہی نہیں رہے تھے۔۔

حور ہنستے ہوے رو رہی تھی۔۔ وہ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو اپنے حلق میں اتارتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسوں کو گھونٹ گیا۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

ارحام نے اس کی سانسوں کو انہیل کرتے ہوے اس کے لبوں کو آزادی دی

۔

وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے ہوے اس کا چہرہ تھامے بہت محبت سے اس کے خوبصورت چہرے کو دیوانہ وار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی ؟؟۔۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

کیونکہ تم سے اتنی شدت سے محبت کرتا ہوں کہ تم نہیں سمجھ سکتی۔۔ تم دھڑکن ہو میری۔۔ تم۔ میرے لیے اتنی خاص ہو اتنی قیمتی ہو۔ تم مجھے اتنی خوبصورت لگتی ہو اتنی خاص لگتی ہو کہ میں خود کو تمھارے قابل نہیں سمجھتا۔۔ مجھے لگتا ہے تم سے جتنی محبت کی جائے کم ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں یہ خاص نہیں۔ خاص یہ ہے تم میری ہو۔۔ تم اتنی قیمتی ہو ایسا لگتا ہے جیسے ذرا سی آنکھیں بند کروں گا کوئی تمھیں مجھ سے چرا کر لے جائے گا۔۔ وہ گھمبیر آواز میں بولا تو حور بھیگے لہجے میں مسکرا دی تھی۔۔ اس لیے صبح سے یہاں بھوکے پیاسے گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ پاپا کے پاس بھی نہیں چھوڑ کر گئے۔۔ حور نے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔

تم میرے دل کی دھڑکن ہو حور۔۔ کیسے اپنی دھڑکن کو چھوڑ کر جا سکتا تھا؟؟ بھلا دھڑکن کے بغیر دل سروائیو کر سکتا ہے۔ تمھیں چھوڑ کر جاتا تو یہ

سانسیں رک جائیں۔ وہ یکدم ارحام کی بات پر روتے ہوے اس کے لبوں پر ہاتھ جماتے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

ارحام آپ کی محبت کم ہوئی میں مر جاؤں گی۔۔ آپ میرے بغیر نہیں رہ سکتے میں آپ کی محبت کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ اس کے سینے سے لپٹے ہوے بولی۔

محبت کم نہیں ہو گی یہ بڑھے گی مگر تمھیں تو یہ

lust

لگتی ہے وہ اس کی آنکھوں میں گاڑھے بھاری خمار زدہ آواز میں بولا۔

ہر ٹایم رومانس کریں گے تو یہی کہوں گی۔ اتنی محبت کرنے کا کیا فایدہ جب مجھ پر ترس ہی نہیں کھاتے۔ حور نظریں جھکائے اس کی شرٹ کا بٹن چھیڑتے نروٹھے انداز میں بولی تھی۔۔

حور کی آدا اور بات پر آرحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

ایٹ دا اینڈ میری خوبصورت بیوی نے ہی روٹھ جانا ہوتا ہے۔۔ اور مجھ جیسا دیوانہ شوہر غلطی نہ ہوتے ہوے بھی غلطی ایکسپیٹ کرتے معافی مانگ لیتا ہے۔ ارحام نے مسکراتے ہوے کہا تو حور نروٹھے انداز میں اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔ ارحام اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے گاڑی کی دوسری سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے نرمی سے گاڑی میں بٹھایا۔

خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی سٹارٹ کی۔۔

.....---------

ارحام کی گاڑی ایک خوبصورت جگہ پر آرکی تھی۔۔حور گاڑی سے یہ سب دیکھتے شرمندگی سے اپنا نچلا لب کاٹ گئی تھی۔اس کی برتھڈے ختم ہو گئی تھی۔

سلطان شاہ کی طرح ارحام نے بھی یہ خوبصورت جگہ سجائی ہوئی تھی۔۔جہاں خوبصورت کینڈلز ہی کینڈلز جل رہی تھیں۔ہر طرف سفید گلاب کی پتیاں بکھر رہی تھی۔۔زمین پہاڑ ہر جگہ برف سے ڈھکی تھی۔۔خوبصورت گلاس ہاؤس ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر یہاں بنے تھے۔۔۔یہاں بھی خوبصورت فائر سفید بلون آسمان میں اڑ رہے تھے۔یہ جگہ خواب سا لگ رہی تھی۔۔۔برف سفید پھول کینڈل لائٹس ہر طرف روشن راونڈ شیپ میں گلاس ہاؤس۔۔

جن میں جلتی روشنیاں اور اندر پڑے بیڈ نظر آرہے تھے۔۔

ارحام نے اس کی طرف بڑھتے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے نکالا۔۔

وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھا تھا۔

یہ جگہ ٹورٹسٹ پوانیٹ ہے۔۔یہ خوبصورت گلاس ہاوس دیکھ رہی ہو یہ سب میں نے آج کے لیے بک کیے ہیں۔یہ پورا سپاٹ میں نے بک کروایا ہے۔ارحام اسے بازو کے حلقے میں لیے اسے بتا رہا تھا۔

پورا سپاٹ کیوں بک کروایا ارحام؟؟حور نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔۔

کیونکہ میری جان میں نہیں چاہتا تھا اس خوبصورت چہرے کو کوئی دیکھے۔۔ارحام خانزادہ نے کہتے اس کا سٹالر سر سے اتارا۔۔

یہاں پریذے نے بھی ساتھ آنا تھا مگر وہ نہیں آ سکی۔۔ ارحام کی بات پر حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

آئی ایم سوری ارحام!! حور نے بھیگے لہجے میں کہا۔

شش۔ ارحام خانزادہ اس کے لبوں پر انگلی رکھ گیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں سلطان شاہ کا تم پر حق ہے۔۔ مگر میری شدید محبت تم پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے میں ایگریسیو ہو گیا۔۔ مگر مجھے احساس ہے تمھارا ان پر حق ہے۔۔ ہم جلد اسلام آباد شفٹ ہوں گے تم میں پریذے!! جب میں آفس میں ہوں گا تم سلطان شاہ کے ساتھ وقت گزار سکتی ہو۔ مگر رات رکنے کی بات مت کرنا ورنہ جان۔ م سے جاؤں گا۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے اس کی ہتھیلیاں چومیں۔

ارحام ہم حویلی چھوڑ دیں گے کیا؟؟ حور نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

نہیں بلکل نہیں جیسے میں اب آتا ہوں ویسے آیا کریں گے۔

تمھارے اور پریذے کے بغیر میں کیسے اکیلا اسلام آباد رہ سکتا ہوں۔ ہر جگہ پر تم دونوں میرے ساتھ ہوں گے۔۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

حور مسکراتے ہوے اس کے ساتھ لپٹی۔ ارحام حور کو گود میں اٹھائے اسے لیے خوبصورت سے راونڈ شیپ میں ایک گلاس ہاؤس میں داخل ہوا۔۔ حور مسکراتے ہوے گلاس ہاوس دیکھ رھی تھی۔۔

جس میں خوبصورت کمرہ کچن واش روم سب کچھ تھا۔ بے حد خوبصورت تھا۔ وہ شاندار کمفرٹیبل۔۔ گلاس ہاوس سے باہر کا منظر بے حد خوبصورت

لگ رہا تھا۔ جگہ کا اثر تھا یا ارحام کی قربت اور محبت کا وہ مدہوش سی ہو رہی تھی۔

۔حور اتنے خوبصورت ہاؤس کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

پسند آیا میری ارب پتی بیوی کو اپنے غریب شوہر کا سرپرایز۔۔ارچام کی بات پر حور کی ہنسی کی جلترنگ گونجی تھی۔۔

ارحام مسکرتے ہوے اسے لیے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک خوبصورت سی پیسٹری اٹھا کر حور کے گال پر اس کی چاکلیٹ کریم لگائی۔۔

ہیپی برتھڈے جان۔ اس نے اس کے گال پر جھکتے ہوے لب رکھتے وہاں لگی چاکلیٹ پر زبان لگائی۔ حور سرخ پڑتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

ارحام اس کی جھکی نگاہیں دیکھ کر ریموٹ اٹھائے اس کمرے کے چاروں اطراف پر گلاس والز پر آوٹ میٹک کرٹن گرا گیا تھا۔

حور کا عبائیہ اتارے ارحام نے اس کے قیامت سے وجود کو ساڑھی میں لپٹے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

بہت خوبصورت ہو تم!! دنیا کی خوبصورت عورت!! میں اقرار کرتا ہوں ۔روئے زمین پر تم سے زیادہ خوبصورت کوئی عورت نہیں ہو گی۔ میں اقرار کرتا ہوں مجھے تمھارے بعد کسی چیز کی تمنا نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ جتنی آج تک کسی نے کسی سے نہیں کی ہو گی۔ میں اقرار کرتا ہوں میری زندگی میں آنے والی تم وہ پہلی عورت ہو جس کے چہرے پر جب جب کسی غیر مرد کی نگاہ پڑی تو میں اندر سے مر گیا ۔۔ میں اقرار کرتا ہوں تم ہی پہلی وہ عورت ہو جس نے مجھے رلایا۔ خود کے

لیے تڑپایا۔۔ میں اقرار کرتا ہوں تمھارے بغیر میری زندگی بے معنی ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں تم میری روح میں بستی ہو۔ وہ اس کے چہرے کو تھامتے ہوئے گھمبیر آواز میں بولتے اپنی سلگتی سانسیں اس کے نقوش پر چھوڑ رہا تھا۔ حور مسکراتے ہوئے اس کا اقرار سن رہی تھی۔۔

میں اقرار کرتا ہوں میں تمھیں جب جب دیکھتا ہوں بے خود بے قرار ہو جاتا ہوں۔ تمھارا یہ ڈمپل میرے اندر خماری طاری کر دیتا ہے۔ وہ اب اس کے ڈمپل کو چوم رہا تھا۔ حور اس کے لمس پر مسکرا رہی تھی۔ تمھاری آنکھوں میں جب جب دیکھتا ہوں۔ تمھاری آنکھیں مجھے تمھارے لیے بے قرار کر دیتی ہیں۔ وہ اب اس کی آنکھوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔ میں اقرار کرتا ہوں میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ وہ اسے بیڈ پر لٹائے اس کی ساڑھی کی فال کو اپنے ہاتھ میں لپیٹتے ہوئے ایک جھٹکے سے اتار گیا تھا۔

حور گلابی ہوتی آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ اب بلیک تنگ سی سکرٹ اور بلاوز میں ملبوس تھی۔۔ وہ اس کے سکرٹ کی سائیڈ زپ کھولتے اس کے پیٹ پر نرمی سے جھکتے اپنے لب رکھ گیا تھا۔ ارحام کے لب دیوانہ وار اس کی سلک کی سکرٹ پر ہی جگہ جگہ سرک رہے تھے۔ حور آنکھیں موندے گہرے سانس لے رہی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے رخ پلٹ گئی تھی۔۔

ارحام کے لب اس کے پاؤں کے تلوں سے ہوتے اوپر کی جانب سرکتے اس کے بلاوز کو چھو رہے تھے۔۔ حور کی گہری سانسیں گونج رہی تھیں۔

ارحام نے دانتوں سے اس کی بلاوز کی زپ کھولتے اس کے بدن پر موجود نازک پردے کو بھی دانتوں سے کھولا تھا۔ وہ اسے بے حد نرمی سے چومتے ہوے اس کے بدن کو ہر پردے سے آزاد کرتے اسے سیدھا کرتے اس پر جھکے کمبل اوڑھتے خود کو بھی ہر پردے سے آزاد کر گیا۔۔

ارحام کے لبوں کے حدود کی کوئی تجاوز نہ تھی۔۔وہ اس کی گہرائیوں کو داغ دار کرتے حور کی سسکاریوں میں آضافہ کرنے کا باعث بن رہا تھا۔وہ اسے خود میں بھینچے اپنی تشنگی اپنی تھکاوٹ اس میں منتقل کرتے اپنی شدتوں کو بڑھا گیا تھا۔کافی دیر بعد وہ پر سکون ہوتا اس پر گرتا گہرے سانس لیتے حور کے لبوں پر لب رکھے اسے خود کے ساتھ شدت سے لپٹا گیا تھا۔حور اس کے سینے سے لپٹے اس کے سینے کو چوم رہی تھی۔ارحام اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے اپنی بیوی کی ہتھلیاں چوم رہا تھا۔وہ تب تک سو نہیں سکتا تھا۔جب تک اس کی بیوی اسے چوم رہی تھی۔وہ یقیناً ابھی اس کی محبت اس کی کیئر اس کی محبت کا اظہار چاہتی تھی۔وہ اتنا پر سکون ہو چکا تھا اور کچھ کل رات کا سویا نہیں تھا۔نیند سے پاگل ہو رہا تھا۔

ارحام نے سرخ آنکھوں سے حور کو دیکھتے اس کی پیشانی پر لب رکھے اسے خود کے ساتھ لپٹایا۔

وہ اس کے سینے سے لگی کیا باتیں کر رہی تھی۔ ارحام کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں جاتے مسلسل ہوں ہاں کر رہا تھا۔ حور نے مسکراتے ہوے اس کے سینے پر لب رکھے۔۔ آج اس کے سونے پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا وہ جانتی تھی۔ اور یہ بھی جانتی تھی وہ سو کر اٹھنے کے بعد پھر سے رومانس کرے گا تب تک اسے بھی اپنی نیند پوری کرنی تھی۔۔ وہ اس کے سینے سے لپٹے گہری نیند سو چکی تھی۔۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بکھری حالت میں لپٹے گہری نیند سو رہے تھے۔

.....----

اس وقت درجنوں ڈاکٹرز کی ٹیم سوات کے ایک خوبصورت چھوٹے سے گاؤں میں موجود تھی۔

شہرام خان نے آج لوگوں کو صحت کے متعلق

awareness

دینے کے لیے کیمپ لگائے تھے۔۔ یہاں پولیو کے کیسز کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ بہت سارے پیرنٹس اپنے بچوں کو پولیوں کے ڈراپس انجیکشن نہیں لگوا رہے تھے۔۔ بہت سے علاقوں میں دریاؤں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ اور ہر دریا صاف نہیں ہوتا تھا۔ اگاہی کے لیے ڈاکٹرز پانی ابال کر پینے کے لیکچرز وہاں کے مقامی لوگوں کو اکٹھا کر کے دے رہے تھے۔۔ وہاں آئے لوگوں کو میں نرل واٹرز کی بوتلیں مختلف پین کلرز میڈیسن فری دی جا

رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے آس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی ان کیمپس کی طرف رجوع ہو رہے تھے۔۔

شہرام خان جو اس وقت سیاہ کاٹن جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا۔ وہ اس پر کیجول برینڈڈ کوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ بے انتہا وجیح پر کشش لگ رہا تھا۔ وہ اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے ڈاکٹر شمروز کے ساتھ باتیں کرتے آرہا تھا کہ اس کے بھاری قدم یکدم رکے تھے۔ اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ کر وہ اپنی گھنی مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر رہ گیا۔

وہ ایک میل ڈاکٹر کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی.۔

بہارے سیاہ گرم خوبصورت سی لانگ فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر سیاہ گرم شال سر پر اوڑھی ہوئی تھی۔ میک اپ سے پاک اس کا چہرہ دھمک رہا تھا۔ پٹھانی تھی اسے بیس کریم کی ضرورت نہ تھی۔ اس پر سردی کی وجہ سے

اس کے عارض سرخ رہتے تھے۔ عارض کا رنگ گلابی تھا۔ مگر شدید سردی میں عارض سیب کی طرح سرخ رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ ایسے دمکتا تھا جیسے میک اپ کیا ہو۔۔ ہونٹوں کا کلر بھی گلابی تھا۔۔ جس پر اس نے اس وقت ٹنٹ لگایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں گہرا کاجل لگا تھا۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کا مکمل ایکسرے کر گیا تھا۔

بلکہ آنکھوں میں جلن کی گہری رمک پیدا ہوئی تھی۔ دل و دماغ تندور کی مانند دہکا تھا وہ کسی میل ڈکٹر کے اتنی قریب کھڑی برداشت نہیں ہوئی تھی۔ نہ وہ سیاہ لباس میں برداشت نہیں ہوئی تھی۔ شہرام خان کو وہ سیاہ لباس میں اتنی خوبصورت لگتی تھی۔ وہ اس کے لیے پاگل ہو جاتا تھا۔ روک ٹوک اس کی فطرت نہ تھی۔ بہارے خان سے شدید محبت کرنے کے باوجود اس نے اس پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ مگر اگر وہ کبھی اپنی بیوی پر

پابندی لگاتا وہ اس کا سیاہ لباس پہن کر کسی عورت کے سامنے جانے سے بھی پابندی لگاتا۔ وہ اتنی شدت سے عشق کرتا تھا سامنے کھڑی عورت سے!! وہ اس کی روح میں بستی تھی۔ رگوں میں دوڑتے خون کی طرح بہتی تھی۔

شہرام خان اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے اسے جلتی نگاہوں سے دیکھے جارہا تھا۔ یہ تو طے تھا آج کے بعد وہ کسی کے سامنے سیاہ لباس نہیں پہنے گی۔

سوچتا ہوں میں تمھیں

دوں میں سوغات کیا

دل تو دیتے ہیں سب

دل کی اوقات کیا

وہ اسے گہری نگاہوں سے سٹل مجسم سا دیکھ رہا تھا۔

ڈاکٹر شمروز شہرام کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے گہرا مسکرا رہے تھے۔ وہ بنا کسی کی پرواہ کیے مجسم بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

شہرام خان جو یہاں کے پہاڑوں کی طرح سخت جان ہے۔ وہ اپنی بیوی کے لیے یہاں کے بہتے دریا کی طرح ہے۔ شفاف ٹھنڈا میٹھا!! ڈاکٹر شمروز مسکراتے ہوے بولے تھے۔

ڈاکٹر شمروز کی بات پر شہرام خان نے چونکتے ہوے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

بہت محبت کرتے ہیں آپ اپنی بیوی سے ؟؟ ڈاکٹر شمروز شہرام خان کی طرف دیکھتے مسکرائے تھے۔

محبت نہیں سامنے کھڑی عورت سے عشق ہے مجھے!! شہرام خان کی آواز بھاری ہوئی تھی۔ مگر آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ وہ میل ڈاکٹر کی کسی بات پر مسکرائی تھی۔ جلتا سلگتا دل مزید بھانبھڑوں کی لپیٹ میں آیا تھا۔

وہ تو دکھ رہا ہے مگر یہ پبلک سپاٹ ہے!! اور آپ کو یہاں لوگ بہت مانتے ہیں اس لیے اپنی نظروں پر کنٹرول کریں۔ ڈاکٹر شمروز نے اب سنجیدگی سے ٹوکا تھا۔

اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں ڈاکٹر شمروز!! آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں کسی غیر عورت کو دیکھ رہا ہوں۔ شہرام سر کو جھٹکتے بولتے خفیف سا مسکرایا تھا۔

یھی تو سمجھا رہا ہوں بیوی کو ہی تو پبلک سپاٹ پر دیکھا نہیں جاتا۔ اسے دیکھنا ہو تو کمرہ ہوتا ہے۔۔ڈاکٹر شمروز سرگوشی نما آواز میں بولتے شہرام خان کو آنکھ مارتے ہوے وہاں سے چلے گئے تھے۔

شہرام نے لب بھینچے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے سرد نگاہ بہارے پر ڈالی جو ابھی بھی اسی میل ڈاکٹر سے بات کر رہی تھی۔

وہ خود پر بمشکل ہی قابو پاتے ہوے باقی ڈاکٹرز کی طرف بڑھ گیا تھا۔

بہارے نے ایک نظر شہرام خان کو دیکھا جو سرد چہرے کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ باہر طوفانی بارش برس رہی تھی۔۔ ان کے گارڈز کی

گاڑیاں بھی آگے پیچھے بڑھ رہی تھیں۔ ان لوگوں کی گاڑی ہاسپٹل کی طرف رواں دواں تھی۔ آج کیمپنگ کی وجہ سے ہاسپٹل میں ڈاکٹرز کی شارٹیج تھی۔ جس کی وجہ سے ایک ایمرجنسی کیس بگڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر شمروز اور ڈاکٹر ماورا اسی وقت ہاسپٹل چلے گئے تھے۔ وہ اسی لیے اب واپس ہاسپٹل جا رہا تھا۔

بہارے نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے شہرام خان کو دیکھا جو بے حد سنجیدہ سا بیٹھا ہوا تھا۔ چہرہ کافی سرد تھا۔

تمھیں حویلی چھوڑ دیتا ہوں میں !! میں آج رات ہاسپٹل ہی رکوں گا۔ شہرام خان نے بہارے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

کیا مطلب شہرام تم ہاسپٹل رکو گے ؟! کل بھی تم ہاسپٹل رکے تھے ۔۔ بہارے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔۔ وہ کل بھی کسی ایمرجنسی کی وجہ

سے حویلی نہیں آیا تھا۔ وہ کہاں برداشت کر سکتی تھی وہ حویلی سے باہر رکے۔ پہلے بھی اپنی لاپروائی کا نتیجہ بھگت چکی تھی۔ جو اس کا دل چیر چکی تھی۔ اب تو شاید وہ جان سے ہی جاتی۔

تو کیا کروں حویلی آ کر جب تمھیں مجھے دیکھ کر

nausea

شروع ہو جاتا ہے۔ میری قربت تمھیں چبھتی ہے۔ وہ کاٹ دار لہجے میں بولتے گاڑی کا رخ حویلی کی طرف موڑ گیا تھا۔

بہارے نے اسی لمحے ہینڈ بریک اپنی پوری قوت لگائے کھینچتے ہوے گاڑی روکی تھی۔ گاڑی بری طرح جھٹکا کھا کر رکی تھی۔

بہارے!! شہرام چیختے ہوے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے اس کی طرف جھکے اسے سیٹ سے لگا گیا تھا۔ ورنہ بہارے بری طرح اچھلتے ہوے ڈیش بورڈ سے ٹکرا جاتی۔

اب وہ بہارے پر جھکا گہرے سانس لیتے اسے قہربار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ وہ بھی گہرے سانس لیتے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

نیچے اترتے اپنے گارڈز کو بولو وہ یہاں سے چلیں جائیں۔۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہوے اس کی سیاہ سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟؟ رات کا ٹائم ہے راستے خطرناک ہیں۔ ان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کیا حرکت کی ہے تم نے۔؟؟ جانتی ہو تمھارے پیٹ میں میرا بچہ ہے۔ وہ اس کی بال گدی سے جکڑے مشتعل ہوتے غرایا تھا۔

میں جانتی ہوں میرے پیٹ میں تمھارا بچہ ہے۔ مگر تم یہ بھول چکے ہو۔ اور اگر اپنے گارڈز کو یہاں سے جانے کو نہیں کہو گے تو کوئی بات نہیں!! ایسے ہی ٹھیک ہے۔ وہ شہرام خان کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اپنی سیٹ کا سائیڈ سے بٹن دباتے اپنی سیٹ نیچے کی طرف کر گئی تھی۔

شہرام خان کا وزن اس پر تھا۔ وہ بہت شدت سے اس کے لبوں کو جکڑے ہوے تھی۔ شہرام خان نے اپنے لب اس کے لبوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اس کے نچلے لب کو دانتوں میں دبائے اتنی زور سے کھینچا تھا کہ شہرام خان کے لبوں سے خون نکلتا اس کے حلق میں گھلا تھا۔ مگر وہ اس کے ہونٹوں کو چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔۔ شہرام خان اس کی جنونی شدت سے خود کو چھڑوا نہیں پایا تھا۔ وہ جنونی ہوتے اس کے لبوں کو دانتوں

سے کھینچتے بہت شدت سے اس کی سانسیں انہیل کرتے اسے کس کر رہی تھی۔

شہرام خان کی رنگت میں سرخیاں سی گھل رہی تھیں۔ آگے پیچھے اس کے گارڈز کی گاڑیاں رک گئی تھیں۔ گاڑی کی فرنٹ بیک لائٹس بھی جل رہی تھیں۔ غلطی سے بھی کسی گارڈ کی نظر پڑتی وہ اس پاگل عورت کی جان لے لیتا جو بیچ راستے گاڑی روک کر اسے اتنی شدت سے کس کر رہی تھی۔

شہرام خان نے بھی اب جواباً اس کے نازک لبوں پر قہر ڈھایا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کے لبوں کو جیسے چبا رہے تھے۔

بہارے نے سسکتے ہوئے شہرام کے نچلے لب کو دانتوں سے مزید شدت سے کھینچا۔ وہ اس کی سسکیاں سنتے ہوئے اس کی چادر کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے بہت گہری مگر بے درد شرارت کر گیا تھا۔ بہارے نے اس کے بے

دردوار پر گہرا سانس لیتے شہرام کے لبوں کو آزاد کیا۔۔ شہرام خان بھی اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑے اس کی نم آنکھوں میں اپنی سرخ انکھیں گاڑھ گیا تھا۔

کیا بیہودگی ہے یہ ؟! باہر میرے گارڈز کی گاڑیاں کھڑی ہیں۔ شہرام خان کی عورت ہو اس کی عزت اس کی بیوی یہ کیا بیہودہ حرکت ہے ؟!۔۔ کیا چاہتی ہو اس گاڑی میں تم سے اپنا حق لیتے سفاکی کی انتہا کر دوں میں ؟؟ جس طرح کمرہ میری شدتوں سے لرزتا ہے اس طرح یہ گاڑی بھی لرز اٹھے گی اور تمھارا نازک وجود سہن نہیں کر پائے گا میری نازک بہارے !! اور اس گاڑی میں تمھاری نازک کمر بھی سلامت نہیں رہے گی۔ ایسا حال کروں گا میں تمھارا۔ وہ غصے سے پاگل ہوتا غرایا تھا۔

تم غلط کہہ رہے ہو شہرام خان میں تمھیں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ تمھارا دوسرا بچہ میں پیدا کرنے جا رہی ہوں۔ تمھیں سہنا کبھی آسان نہیں رہا نہ کل نہ آج۔۔ تمھیں میں اس گاڑی میں بھی سہن کر لوں گی اور پہاڑوں کی پتھریلی زمین پر بھی۔۔ وہ اس کی شرٹ جکڑے گہرے سانس لیتے دبی آواز میں چیختے ہوئے بولی تھی۔ وہ کل رات حویلی نہیں آیا تھا۔ وہ پاگل ہو رہی تھی جیسے !اور آج بھی حویلی سے باہر رہنے کی بات کر رہا تھا۔ اور وہ یہ مر کر بھی نہ ہونے دیتی۔

ٹھیک ہے آج تمھیں سوات کے پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر لے کر جاؤں گا اسی پتھریلی زمین پر تمھارا حشر بگاڑوں گا۔۔ شہرام خان نے غصے سے لفظ چباتے اپنی سیٹ پر ہوتے بٹن دبائے بہارے کی سیٹ اوپر کی طرف کھسکائی

تھی۔ بہارے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ چکی تھی۔ شہرام بہارے پر سرد نگاہ ڈالتے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

شہرام خان بہارے کے ساتھ ہاسپٹل میں داخل ہوا تھا۔ وہ دونوں ہسپتال کے کوریڈوڑ سے گزر رہے تھے۔ بہارے کے چہرے پر اب نقاب نہیں تھا۔ آتے جاتے بہت سے ڈاکٹرز نرسز مریض گزرتے ہوئے شہرام خان کو سلام کر رہے تھے۔ شہرام جواباً صرف سر ہلا رہا تھا۔ وہ اپنا کوٹ اپنے ایک بازو پر ڈالے ہوئے تھا۔ بہارے نے گہرا سانس لیتے اپنے شوہر کی اتنی شاندار پرسنیلٹی دیکھی تھی۔ وہ بے انتہا پرکشش تھا۔ اس سے بھی زیادہ بااثر تھا۔ اب وہ سیاست میں قدم رکھ چکا تھا۔ اور وہ اپنے علاقے سے سیٹ

جیت بھی چکا تھا۔ حکومت شہرام خان کو بہت بڑا حکومتی عہدہ دے رہی تھی۔۔

اور اسے ایک بہت بڑا کانٹریکٹ بھی مل چکا تھا۔ اسے اس ایک کانٹریکٹ سے اتنے پیسے مل رہے تھے جتنے اس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کمائے تھے۔ وہ اس ہسپتال کو اور بھی وسیع کر رہا تھا۔ ساتھ والی زمین زاران خانزادہ سے لے چکا تھا۔ جو اس نے بنا کسی تردد کے شہرام کے حوالے کر دی تھی اس پر تعمیر بھی شروع ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر ندا میرے کمرے میں کافی تو پہنچا دیں پلیز!! شہرام خان نے اپنے آفس میں داخل ہوتے ڈاکٹر ندا کو پکارتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وائے ناٹ شیور سر!! ڈاکٹر ندا چہکی تھی۔۔

بہارے نے اپنا نچلا لب کاٹتے شہرام خان کے آفس کے بند دروازے کو دیکھتے اپنے اندر اٹھتے آگ کے طوفان پر قابو پایا تھا۔ وہ اس کے سامنے کسی فی میل ڈاکٹر سے بات نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اپنی نگاہیں ہی جھکا لیتا تھا۔ آج وہ اس کے سامنے مسکرا کر کافی مانگ رہا تھا وہ بھی ہاسپٹل کی سب سے اوچھی ڈاکٹر سے۔۔ جو ہر ڈاکٹر ہر پیشنٹ پر فلیٹ ہو جاتی تھی۔

بہارے غصے سے ایک جھٹکے سے شہرام کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔۔

ڈاکٹر ندا اتنی جلدی آپ کافی لے بھی آئیں۔ وہ لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھائے دروازے کی طرف دیکھتے بولا تھا۔

بہارے کو دیکھتے وہ اپنی مسکراہٹ دبائے چیئر سے ٹیک لگا گیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

کیا ہوا ڈاکٹر بہارے ؟؟ یہاں کیا کر رہی ہیں ؟؟ یہ میرا آفس ہے میری حویلی کا کمرہ نہیں جہاں آپ اپنے شوہر سے بد تمیزی کر سکتی ہیں اس پر چیخ سکتی ہیں۔ وہ چیئر سے ٹیک لگائے بہارے کو استحقاق بھری نگاہوں سے دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں بولتے بہارے کے تن من کو جلا چکا تھا۔

تم مجھے سزا دے رہے ہو جو دو دن پہلے تمھیں خود سے دور جھٹکا۔ تمھیں اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ بہارے نے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔

اگر میں کہوں ہاں تو! شہرام نے چیئر سے ٹیک لگائے آئی برو اچکائے تھے۔۔

شہرام کے جواب پر بہارے زخمی سا استھزائیہ مسکرائی تھی۔

تو تمھاری محبت یہ ہے شہرام۔ صرف جسمانی ریلشن شپ۔۔ میں کیا چاہتی ہوں تمھیں میرا احساس نہیں۔ بہارے بھیگے لہجے میں تلخی سے بولی تھی۔

ہاں میری محبت یہی ہے۔ یہی ہے میری محبت!! کیونکہ یہ محبت مجھے میری بیوی سے ہی مل سکتی ہے اس لیے ہے مجھے یہ محبت۔۔ وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے غصے لفظ چباتے سے دھاڑا تھا۔

بہارے اس کی دھاڑ پر سہمتے ہوے پیچھے کی طرف قدم بڑھا گئی تھی۔

اور مجھے بتاؤ جب سے نکاح ہوا ہے کی ناں تم سے وہ محبت جس میں مجھے تمھارے جسم سے غرض نہیں تھی۔ تڑپتا تھا مگر خود پر قابو پالیتا تھا۔ اب بتاؤ کیوں پاؤں قابو؟؟ کیوں کروں خود پر کنٹرول؟!۔ جب تمھیں میں ہر سکھ دے رہا ہوں۔ بہرام رات میں میں سنبھالتا ہوں۔۔ دن کے لیے تمھیں اس کے لیے الگ سے ملازمہ رکھ دی ہے۔۔ تمھاری ضد پر تمھیں ہسپتال کام کرنے کی بھی آجازت دے دی۔۔ کچن میں میں تمھیں قدم رکھنے نہیں دیتا۔ حویلی میں موجوض ہوں تو تمھیں میں کمرے میں ہی چاہیے ہوتا

ہوں۔ کہیں اور میرا بیٹھنا تم برداشت نہیں کرتی۔۔۔نہ مجھے میرے کسی دوست کی طرف جانے دیتی ہو۔ سارا دن اور رات تمھارے پاس کمرے میں گزار کر میں کیا کروں بتا سکتی ہو مجھے ؟؟ اگر کمرے میں رہ کر تم سے تمھاری قربت چاہتا ہوں تو میں غلط ہو گیا۔۔ کیا سمجھوں اب میں ؟! تم کیا چاہتی ہو بتاؤ مجھے ؟؟۔۔ ایک محبت کرنے والے شوہر کے فرائض میں کہاں میری کوتاہی ہے بتاؤ مجھے۔۔ وہ ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔

بہارے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ایسے مت دیکھو بتاؤ مجھے !! کیا کروں میں ؟؟ تمھاری مرضی ہی پر اب تمھارے قریب نہیں آرہا۔ اب گاڑی میں کیا تماشہ لگایا تھا تم نے ؟؟ کیوں کس کر رہی تھی مجھے ؟؟۔ جبکہ جانتی ہو میرے گارڈز کی گاڑیاں تھیں ارد

گرد۔۔ شہرام نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارتے اپنے کرسی پیچھے کی طرف دھکیلی تھی۔

تمھیں منا رہی تھی شہرام خان!! تم نہیں سمجھ سکتے۔ بہارے نے سلگتے لہجے میں جواب دیا۔

نہیں سمجھ سکتا تم سمجھاؤ میری بہارے۔۔ سمجھاؤ مجھے۔۔ دو دن پہلے تمھیں میرے قریب آنے پر nausua ہو رہا تھا۔ تمھیں میری قربت زہر سے بھی بری لگ رہی تھی۔ یہی لفظ بولے تھے ناں جب میں تمھیں کس کر رہا تھا۔ میرا چہرہ تمھیں بہت برا لگ رہا تھا۔ اب کیا ہوا؟؟

او۔۔۔ میں نے ڈاکٹر ندا سے کافی مانگ لی تو میری بیوی کو حسد کا دورہ پڑ گیا۔ میری بیوی کو ڈر لگنے لگا ہے اس کا شوہر کہیں دوسری عورت سے نکاح نہ کر لے۔ بس یہی سوچ ہے تمھاری!! اور یہی ڈر ہے تمھارا زندگی کا۔۔ ورنہ

محبت نہیں کرتی تم مجھ سے !!وہ کاٹ دار لہجے میں بولتے لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر ہاتھ مارتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جما گیا تھا۔

میں تم سے محبت نہیں کرتی تمھیں ایسا لگتا ہے۔ بہارے دروازے میں سمائے بھیگے لہجے میں بے یقینی سے جیسے خود سے بولی تھی۔

یہی لگتا ہے نہیں کرتی۔ شہرام سپاٹ لہجے میں بولتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں جمائے ہوے تھا۔

بہارے اپنے گلے کو جکڑے گہرے سانس لیتے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے لفظوں سے اسے جیسے اندر سے کاٹ چکا تھا۔ وہ تو اس سے محبت نہیں عشق کرتی تھی اور مقابل کو اس کی محبت محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔

کیا کروں تم پر یہ ثابت کرنے کے لیے میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ بہارے اپنی نم آواز پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

شہرام خان لیپ ٹاپ سے نگاہیں ہٹائے سیٹ سے ایک بار پھر سے ٹیک لگاتے اس پر گہری نگاہیں گاڑھ گیا۔

یہ بات کی ناں ایک خانزادی کی طرح شہرام خان کی بیوی کی طرح۔ وہ اسے سر سے پیر تک بے باک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔

بہارے اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ریمو ویور چادر!! شہرام حکمیہ لہجے میں بولا تھا۔

بہارے اس کے حکم پر حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی

اپنی چادر اتارو اور مجھے اچھی طرح وہ سامان دیکھنے دو جس کا میں دیوانہ ہوں۔ وہ چیئر سے ٹیک لگائے سنجیدگی سے بولا

شہرام!! بہارے کی بے یقین اواز ابھری تھی۔

پہاڑ کی پتھریلی زمین پر میرا حق دینے کا حوصلہ ہے۔ میرے گارڈز کے سامنے گاڑی میں کس کر کر سکتی ہو۔ یہاں میرے ذاتی کمرے میں کیا حرج ہے؟! شہرام نے سرد لہجے میں بولتے آئی برو اچکائے تھے۔

بہارے گہرے سانس لیتے اسے نم آنکھوں سے خاموشی سے دیکھ رہی تھی

۔

یہاں کوئی کیمرہ بھی نہیں لگا میری جان!! یہ آفس شہرام خان کا ذاتی کمرہ ہے۔ اور یہ چیئر بہت کمفر ٹیبل اور اس سے بھی زیادہ کمفر ٹیبل میری گود

ہے۔۔ نہیں یقین ٹیسٹ کر کے دیکھ لو۔۔ شہرام خان نے اپنی لیپ کی طرف اشارہ کرتے اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔

بہارے سرخ ہوتے غصے سے اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔

تو مائی ڈئیر وایف! جلدی کریں سب کچھ ورنہ آپ جا سکتی ہیں۔ میں آج رات کیا اگلے کئی دن حویلی میں قدم نہیں رکھوں گا۔ شہرام خان دھمکی امیز لہجے میں بولتے ٹیبل پر دونوں ہاتھ مارتے آگے کو ہوتے غرایا تھا۔

شہرام کی دھمکی پر بہارے نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

دوسرے پل اس نے اپنی چادر اتارتے صوفے پر پھینکی۔

شہرام خان کے لب اب گہرا مسکرائے تھے۔

اپنا دوپٹہ بھی اتارو میری جان جو مجھے دیکھنا ہے وہ ابھی بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہے۔ شہرام نے بے حد بے باکی سے کہتے کرسی سے ٹیک لگائے اسے آنکھ ماری۔۔

بہارے نے گہرا سانس لیتے اپنا دوپٹہ اتار کر صوفے پر اچھالا تھا۔

شہرام خان نے گہری نگاہ اس کے نشیب و فراز پر ڈالی۔۔

بہارے گہرے سانس لیتے شہرام خان کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مزا نہیں آیا میرے سر کا درد میری جان کا آزار میری زندگی کا عذاب اپنی فراک کے اگلے بٹن کھولو۔۔ شہرام کی بات پر اس نے لب بھینچے اسے دیکھا تھا۔

شہرام نے مسکراتے ہوے آئی بروا چکائے اس کی گہرائیوں کی طرف اشارہ کیا۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے اس کی طرف دیکھتے اپنے فراک کے بٹن ایک ایک کرتے کھولے تھے۔۔وہ تانبے کی طرح سرخ ہو رہی تھی۔بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔شہرام کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی

کچھ فرق نہیں پڑا اتنے سے میرا کیا ہو گا۔ایسا کرو اپنی شرٹ ریموو کرو۔۔بلکہ سب کچھ ریموو کرتے آکر میری گود میں بیٹھ جاؤ۔شہرام خان نے آگے کو ہوتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے سنجیدگی سے حکم دیا تھا۔

اس کے حکم پر بہارے کی آنکھوں میں اب شعلے سے لپکے تھے۔وہ اسی لمحے اپنے فراک کے بٹن بند کرتے ٹیبل کی طرف بڑھی۔۔شہرام اسے ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوے دیکھتے پن دانتوں میں دبائے سنجیدگی سے ٹیک لگا گیا۔

مجھے تم پر ثابت نہیں کرنا شہرام خان میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ جب تمھیں میری آنکھوں مین اپنا عکس نظر نہیں آیا تو یہ تمھارا قصور ہے میرا نہیں۔۔۔ جب تمھیں میری جلن میں محبت نہیں میرا ڈر نظر آتا ہے یہ بھی تمہارا قصور ہے۔ وہ نم لہجے میں شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے بول رہی تھی۔

شہرام کرسی سے ٹیک لگائے منہ پر ہاتھ پھیرتے اس کی باتیں سنجیدگی سے سنتے سر ہلا رہا تھا۔

بہارے اس کے چہرے کے ایکسپریشن دیکھتے زخمی سا ہنسی تھی.

ہاں میں نے کہا مجھے تمھیں دیکھ کر مجھے

nausea

ہوتا ہے تو ہوتا ہے شہرام خان۔۔ تمھاری قربت سے مجھے بیزاری ہوتی ہے تو ہوتی ہے شہرام خان!! مجھ سے تمھاری خوشبو برداشت نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی شہرام خان۔ وہ اپنے عارض پر بہتے آنسو صاف کرتے روتے ہوے بولتے چیخی تھی۔۔

بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے؟؟ اس میں بھی تمھارے بچے کا قصور ہے۔ تمھارا قصور ہے۔ وہ اب ہذیانی چیخی تھی۔ شہرام کا سرد سنجیدہ بے تاثر چہرہ دیکھ کر وہ پاگل ہوئی تھی۔

شہرام خان مزید سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کبھی میرا دل کرتا ہے میں خود کو مار ڈالوں۔ کبھی میرا دل کرتا ہے اس بچے کی جان لے لوں۔ بہارے کی بات پر شہرام کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

مت لال کرو اپنی آنکھیں شہرام خان! یہ میری اس کنڈیشن میں ایسی سوچیں ہیں جس میں میرا کوئی اختیار نہیں۔۔

اس لیے میں نے تم سے اس وقت اس بچے کو ابارٹ کرنے کو کہا تھا۔ میں ایسا نہیں سوچ رہی خود ہی یہ فیلنگ آتی ہی؟۔ کبھی لگتا ہے میں مر جاؤں گی۔ کبھی لگتا ہے تمھیں کھو دوں گی۔ کبھی دل کرتا ہے تمھیں جان سے مار ڈالوں۔ وہ اب شدت سے رو رہی تھی۔ وہ اب لب بھینچے اسے روتے ہوے دیکھ رہا تھا۔

یہ یاد ہے تمھیں تمھیں پاس نہیں آنے دیا۔ مگر یہ نہیں محسوس کیا تمھارے سونے کے بعد تمھاری کمر کو چومتی رہی۔ جب جب تم سو جاتے ہو ایسے ہی تمھیں چومتی ہوں۔ جو تمھیں آج تک پتہ نہیں چلا۔۔ شہرام اس کی بات سنتے کے آنسو بغور دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

نہیں برداشت کر سکتی تم کسی عورت سے بات بھی کرو!

بات اعتبار کی نہیں بات میری شدید محبت کی ہے۔ ہر محبت کرنے والی عورت ڈرتی ہے۔۔۔ دنیا کی ہر عورت ڈرتی ہے جو اپنے شوہر کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ کیونکہ مرد کے پاس بیوفائی کا حق ہوتا ہے دوسری شادی کے طور پر۔ وہ اب اپنے آنسو صاف کرتے تلخی سے مسکرائی تھی۔

مجھے ایک بات کا جواب دو شہرام خان۔ اس نے اپنی آنکھیں شہرام کی سنجیدہ آنکھوں میں گاڑھیں۔

عورت کے پاس کسی صورت بیوفائی کا حق نہیں ہوتا۔ وہ تمھارے نکاح میں ہوتے کسی کو سوچ بھی نہیں سکتی۔ مگر پھر بھی تم مرد کیوں انسکیور ہوتے ہو؟!۔۔ تم کیوں مجھے کسی میل ڈاکٹر سے بات بھی کرتا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔۔ کیا یہ سو کالڈ غیرت ہے یا پھر تمھارا وہ عشق جس کے تم دعویدار

ہو۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سوال کرتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی چادر اٹھاتے خود پر اوڑھ گئی تھی۔

وہ شہرام کے سرد سپاٹ چہرے کی طرف ایک نظر دیکھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔

وہ دروازے کی طرف بڑھتے رکی تھی۔ شہرام کی طرف پلٹ کر لرزتے ہوئے اسے دیکھا۔

جانتے ہو میری ایسی طبعیت کیوں ہے؟؟ بہارے نے شہرام کے سرد سپاٹ چہرے کو دیکھتے زخمی لہجے میں پوچھا تھا۔

شہرام کا چہرہ ابھی بھی سرد سپاٹ تھا۔

کیونکہ تم ایک بیٹی کے باپ بننے والے ہو۔ وہ روتے ہوے بولتی کمرے سے نکل گئی تھی۔

بہارے کے جانے بعد شہرام کرسی سے ٹیک لگائے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

میری بیوقوف بہارے!! مجھے کیسے نہیں پتہ ہو گا کہ مجھے میرا رب ایک اور بہارے دینے والا ہے۔۔ وہ چیئر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے گہرا مسکرایا تھا۔

دوسرے لمحے وہ ٹیبل سے چابیاں اٹھائے چیئر سے اٹھتا تیزی سے اپنے آفس سے نکل آیا تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے اپنی بیوی کی طرف بڑھا جو تیز تیز قدموں کے کوریڈور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھتے اس کی کلائی سختی سے جکڑ گیا تھا۔

چھوڑو میرا ہاتھ! بہارے نے روتے ہوئے اسے دیکھا۔

شہرام خان اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے اس کی کلائی سختی سے جکڑے پارکنگ کی طرف بڑھا تھا۔

بہارے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے اس کی چوڑی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ اس کا سرد انداز اس کی جان نکال رہا تھا۔ وہ اب پچھتا رہی تھی اس نے کیوں آخر شہرام کو خود سے دور دھکیلا تھا؟؟ وہ وہ شہرام اب تھوڑی تھا جو اس پر مرتا تھا۔ اسے پاگلوں کی طرح چاہتا تھا۔ اس سے عشق

کرتا اتھا۔ اب تو شہرام خان ایک عام شوہر تھا۔ جس کے لیے اپنی آنا سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا۔

وہ اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ہوے اس کے ساتھ تقریباً کھنچ رہی تھی۔

۔وہ اس کی کلائی سختی سے جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوے اسے اگلی سیٹ پر دھکیل گیا تھا۔

بہارے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیاں روک گئی تھی۔۔

شہرام خان نے سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔۔

گاڑی میں بہارے کی دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ شہرام خان بنا پرواہ کیے سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تا ھا۔

بہارے اس کے چہرے کو ایک نظر دیکھتے اپنی گردن کو ایک ہاتھ سے جکڑے گہرے سانس لیتے دوسری طرف رخ موڑ گئی تھی

گاڑی کو حویلی کے راستے کے علاوہ کسی اور طرف جاتے دیکھتے بہارے نے حیرانگی سے شہرام خان کو دیکھا۔

شہرام کے بے حد سرد سرخ چہرے کو دیکھتے وہ گہرا سانس لیتے اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑ گئی تھی۔۔

وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اپنے دل پر ہاتھ رکھے آنکھیں موند گئی۔ گاڑی ایک بہت بلند جگہ پر رکی تھی۔۔۔ جہاں سے کھائیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔۔ یہاں کافی اندھیرا بھی تھا۔

بہارے حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی۔

شہرام اس کی طرف ہوتا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ گیا

شہرام!! بہارے نے اپنی پٹی کھولنی چاہی۔۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ بھی مضبوطی سے باندھ گیا۔

تم نے کہا تھا تم مجھے میرا حق پہاڑ پر دے سکتی ہو اس لیے آج تمھارا ٹیسٹ کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔ وہ اس کے کان کی طرف جھکتے سرد سرگوشی میں بولتے اس کے کان کی لو بے دردی سے کاٹ گیا تھا۔

شہرام یہ کیا کہہ رہے ہو؟؟ بہارے خوفزدہ لہجے میں بولی تھی اس کی سانسیں اٹکی تھیں۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ مگر گاڑی جتنی بلندی پر کھڑی تھی یہ راستہ خطرناک پہاڑ کی طرف جاتا تھا۔

شہرام ڈیش بورڈ سے ٹارچ اٹھائے گاڑی سے نکلا۔

بہارے کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے اسے گوڈ میں اٹھائے باہر نکالا۔

شہرام مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔ بہارے گہرے سانس لیتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔ وہ لوگ واقعی میں پہاڑ کی بلندی پر تھے۔۔ ٹھنڈی تیز ہواؤں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

خاموش ہو جاؤ ورنہ تمھارے منہ پر بھی پٹی باندھ دوں گا۔ شہرام کی سرد آواز پر وہ وہ اس کے سینے میں سمائی۔ وہ ہاتھ میں ٹارچ پکڑے اسے اپنے سینے میں بھینچے اونچے نیچے پہاڑ پر چڑھ رہا تھا۔ بہارے اس کے سینے سے لگی اس کی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ جو اس کے حواس معتل کر دیتی تھی۔۔

بہارے کو اس کی تیز ہوتی سانسوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔ پہاڑ کی چڑھائی چڑھنا بہت مشکل ہے اس کے لیے۔۔

اب وہ نیچے کی طرف اتر رہا تھا۔ بہارے کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کیا سچ میں اس سے یہاں حق لے گا۔

وہ پچھلے پونے گھنٹے سے تقریباً اسے اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ بہارے اب جیسے خود اس کی گود میں تھک گئی تھی۔

شہرام خان اسے لیے ایک بے حد خوبصورت سے گیٹ کے اندر داخل ہوا۔۔ بہارے اب دریا کا شور سن رہی تھی۔ وہ مزید گھبراتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

وہ ایک بے حد خوبصورت گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔۔ جو لکڑی پتھروں اور گلاس سے بنا ہوا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر بے حد خوبصورت تھا۔ وہ اسے لیے اندر داخل ہوتے خوبصورت لکڑی کی سیڑھیاں چڑھتے ایک خوبصورت کمرے میں داخل ہوا۔

اسے بیڈ پر بٹھائے وہ کمرے کی الماری کی طرف بڑھا۔ بہارے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

شہرام الماری سے میرون کلر کا بھاری لہنگا بلاوز نکال کر بہارے کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی چادر ریموو کی تھی۔۔

وہ اس کے ہاتھ نرمی سے کھول گیا تھا۔۔ بہارے اس کی شرٹ اسی ٹائم مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹتے اسے اپنے اوپر کرتے اس کی کلائیاں کمر پر لگائے اس کے لبوں کو اپنے اپنے لبوں میں لیے اس کی سانسیں پینے لگا۔ بہارے اس کی شدت اپنے ہونٹوں پر برداشت کر رہی تھی۔۔ شہرام کا ایک ہاتھ اس کی شرٹ کی زپ میں الجھا تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔۔ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی کلائیاں وہ

کمر پر لگائے سختی سے جکڑے ہوے تھا۔ وہ پوری طرح اس کے شکنجے میں تھی۔

وہ اس کے نچلے لب کو دانتوں سے کھینچتے کی کلائیاں آزاد کر گیا تھا۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے سسکتے ہوے اس سے دور ہونا چاہا۔

وہ اسی لمحے اس کی شرٹ اس کے تن سے جدا کر گیا تھا۔ شہرام! بہارے سرخ ہوتے اس کے چوڑے سینے میں سمائے تھی۔ وہ اس کے خوبصورت بال کھولتے ہوے انگلیوں سے سلجھانے لگا۔۔ جو اس نے برش نہیں کیے تھے۔ وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ وہ اب اپنے بال خود برش نہیں کرتی تھی۔ وہ دو دن سے ناراض تھا بال شیمپو ہوے تھے مگر سلجھائے نہیں گئے تھے۔ وہ اسے بیڈ پر لٹاتے اس کی گہرائیوں پر جھکتے اسے اپنی شدتوں سے سلگانے لگا۔

شہرام۔پپ۔پلیز!!وہ گہرے سانس لیتے التجائیہ بولی۔شہرام اس کی کلائیاں جکڑے اپنی مان مانیاں کرنے لگا۔بہارے کی سسکیاں گونج رہی تھی۔وہ جہاں مزاحمت کرتی وہ گہری شرارت کرتے اس کی سانسیں روک دیتا۔بہارے بے بس ہو جاتی۔وہ اپنی من مانیاں کرتے ہی بہت نرمی سے اسے میرون خوبصورت بلاوز پہنا گیا تھا۔بہارے گہرے سانس لیتے اپنے بلاوز پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔وہ اس کی کمر پر جھکے اس کی ڈوریاں بند کرتے اس کی کمر پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔

بہارے اس کے پر تپش لمس کی بوچھاڑ سے گھبراتے ہوے اس سے دور ہوئی۔وہ اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا بہارے نے گہرا سانس لیتے اپنی آنکھوں پر بندھی پٹی ہٹانا چاہی۔وہ اس کا ہاتھ سختی سے جکڑ گئی تھی۔

شہرام کے ہاتھوں کی بے باکی اب کہیں اور محسوس کرتے وہ سرخ گلاب ہوتے سسکتے ہوئے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔ وہ اسے سختی سے خود میں بھینچے اسے اسی لمحے لہنگا پہنا گیا۔

اس کے لہنگے کی ڈوریاں باندھتے ہوئے وہ لہنگے کے اوپر ہی اپنے لب رکھ رہا تھا۔۔۔

بہارے اب گہرے سانس لیتے سرخ گلاب ہوتے اپنی پٹی بندھی ہوئی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔ وہ کرتی تو بھی تو کیا۔ شہرام خان کا لمس بے باک ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سہن ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

شہرام خان اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بیڈ سے اٹھتا اسے گود میں اٹھائے مرر کی طرف بڑھا تھا۔ اسے ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا کرتے وہ برش اٹھائے اس کے بالوں میں احتیاط سے برش کرنے لگا۔ بہارے کی آنکھیں

بھیگی تھیں۔ وہ بہت نرمی سے اس کے بالوں کو برش کرتے بار بار اس کے بالوں پر اپنے لب رکھتا۔۔

بہارے کے بالوں کو برش کرتے اس نے احتیاط سے اس کے بالوں کا جوڑا بنایا تھا۔۔۔ وہ احتیاط سے پنز لگا رہا تھا۔ ڈھیلا سا جوڑا بنا کر اس نے ٹیبل سے گجرے اٹھائے جوڑے پر لگائے تھے۔ موتیے کی خوشبو سے بہارے کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔

وہ اب اس کے کانوں میں جھمکے پہنا رہا تھا۔ بہارے گلاب کی طرح سرخ پڑتے نظریں جھکائے ہوے تھی۔ شہرام نے موتیوں کا گلوبند پہناتے ڈوری بند کی تھی۔ بیڈ پر بڑا خوبصورت کامدار دوپٹہ اٹھائے بہارے کے سر پر اڑھاتے پٹی کھولی۔۔ بہارے نے حیرانگی سے آنکھیں جپکتے ہوے خود کو

مرر میں دیکھا وہ بے حد خوبصورت لہنگے میں دمک رہی تھی۔ وہ کمرہ دیکھ کر بھی حیران ہو رہی تھی

شہرام یہ سب کیا ہے؟؟

شش۔۔۔ شہرام اس کے لبوں پر انگلی جمائی۔

لپ سٹک لگاؤ ان لبوں کو میرے لیے تیار کرو۔۔ شہرام کے حکمیہ لہجے پر وہ حیران ہوتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

لگاؤ ورنہ اپنی شدت سے انھیں ایسا سرخ کروں گا بری طرح سسکاریاں بن کر روتی رہو گی۔ وہ اس کے ہاتھ میں لپ سٹک تھماتے غرایا تھا۔

بہارے میرون لپ سٹک پکڑے خاموشی سے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے لبوں پر لگانے لگی۔۔ شہرام اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اس کے کان کی لو کو چوم رہا تھا۔

تم یہ سب اس لیے کر رہے ہو کیونکہ میں تمھیں بیٹی دینے والی ہوں ۔بہارے نے بھیگے لہجے میں بولتے مرر سے نظر آتے اپنے بے پناہ وجیہہ پرسنیلٹی والے اپنے شوہر کو جلتی نگاہوں سے دیکھا۔ اسے اپنے شوہر کی اتنی شاندار برسنیلٹی چبھتی تھی۔۔ جو اس کے حواص چھین لیتی تھی وہ دوسری عورتوں کا کیا حال کرتی ہو گی۔

تم نے مجھے تھوڑی دیر پہلے یہ خبر دی ہے میری بہارے! اتنی دیر میں میں نے یہ کیسے کر لیا؟؟ شہرام خان نے آئی برو اچکاتے اسے مرر میں دیکھتے سنجیدگی سے سوال کیا۔

پتہ نہیں مگر تھوڑی دیر پہلے تمھارا مجھ سے کیسا سلوک تھا۔ بہارے اس کے بندھے ہاتھ اپنے بیٹ سے چھڑواتے ہوے اسے خود سے دور کر گئی تھی۔

کیسا رویہ تھا بتاؤ مجھے وہ اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھتے پھر سے اسے اپنے قریب کرتے اس کی پشت اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔۔

صرف ڈاکٹر ندا سے کافی کا کہنے کے علاوہ بتاؤ کیا برا سلوک کیا میں نے تم سے ؟؟ بتا سکتی ہو۔۔ تمھیں اپنے ساتھ کیمپ کے لیے خود لے کر گیا۔ واپسی پر ساتھ لے کر آیا۔

گاڑی میں جس طرح کس کر رہی تھی۔ غصہ آیا بہت آیا۔ جس طرح تم نے گاڑی روکی۔ ایکسڈینٹ ہو سکتا تھا۔ تمھیں میرے بچے کو کچھ ہو سکتا تھا۔ بتاؤ غصہ نہ کرتا تو کیا کرتا؟!۔ شہرام نے اسے مرر میں دیکھتے سلگتے لہجے میں استفسار کیا۔

کیوں مجھے اگنور کر رہے تھے۔ اچھی طرح جانتے ہو تمھاری بے اعتنائی بے رخی میں نہیں سہہ سکتی۔ بہارے نے جواباً روٹھے انداز میں بولتے اس کے ہاتھ پھر سے اپنے پیٹ سے ہٹائے تھے۔ وہ پھر سے مضبوط کر گیا تھا۔

پتہ ہے غلطی کسی کی ہے۔ قصور صرف یہ ہے کہ خدا نے ہمیں مرد بنایا تم عورتوں کو عورتیں بنایا۔۔ اب بار بار میں تمھیں اس طرح خود سے دور دھکیلتا تم پتہ نہیں کیا کیا سوچ لیتی۔ بلکہ روتے ہوئے اپنی اور میری جان ایک کر دیتی۔۔ میں نے ڈاکٹر ندا سے بات کی تمھیں اتنی تکلیف پہنچی جو تم میل ڈاکٹر سے بات کر کے میرا خون جلا رہی تھی وہ؟؟ شہرام نے شعلہ بار لہجے میں استفسار کیا۔

جلا نہیں رہی تھی بات کر رہی تھی پروفیشنل لیول پر۔۔ کافی بنانے کا نہیں کہا تھا۔ بہارے بھڑ بھڑ جلتی بولی تھی۔

تم کافی بنانے کا کہتی میں تمھارے سینہ گولیوں سے داغ

دیتا۔ میری بیوی میرے بچپن کا عشق ہو۔۔ پاگل ہوں تمھارے لیے۔ تم آیندہ کسی میل ڈاکٹر سے مسکرا کر بات نہیں کرو گی۔ نہ سیاہ رنگ پہنو گی سوائے میرے سامنے وہ اس کا رخ پلٹے غراتے ہوے اس کی گردن دبوچ گیا۔

جھوٹ بولتے ہو تم مجھ سے عشق اب نہیں کرتے۔ بہارے اس کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹاتے روتے ہوے سسکیوں سے بولی تھی۔

شہرام اسے سٹول پر بٹھاتے ہوے پنجوں کے بل اس کے قدموں میں بیٹھتے اس کے ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

تمھیں اتنی دور اوپر نیچے پہاڑوں پر چڑھتے اٹھا کر لایا۔ صرف اس لیے کہ مجھے تمھاری قربت چاہیے تھی کیا؟؟ یہ قربت تو مجھے حویلی کے کمرے میں بھی مل جاتی۔ اگر تمھیں صرف بیوی سمجھتا کیا اتنی دور تمھارے لیے یہ گھر ڈیزاین کرتا۔۔ وہ اس کی ہتھیلیاں نرمی سے چومتے بول رہا تھا۔ بہارے شدت سے روتے جا رہی تھی۔۔

پیا عشق جنھوں نوں لگ جاندے

حال پوچھ نہ انہاں دیوانیا دے

قیدی عشق دے بجھے نھیں چھٹ دے

قیدی چھٹ جاندے جیل خانیاں دے

وہ بہارے کے آنکھ سے بہتے آنسو نرمی سے صاف کرتے مسکرایا تھا۔

تم سے عشق کیا ہے جو نہ کبھی ختم کیا تھا نہ کبھی ختم ہو گا۔ تم سے ہمیشہ محبت کی ہے۔ قسم لے لو خدا کی!! اس دل سے تم ایک لمحے کے لیے نہیں اتری۔ یہاں صرف تم تھی اب تم ہی رہو گی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے بولا تھا۔

بہارے اسے دیکھتے روتی جا رہی تھی

۔ معاف کر دو مجھے میری بہارے!! ہر اس غلطی کی جب تمھارا دل دکھایا۔ تمھیں تکلیف دی۔۔ تمھاری بے اعتنائی بے رخی نے کچھ پلوں کے لیے تم سے غافل کر دیا۔ یقین مانو تم پھر بھی اس دل میں تھی۔۔ یہاں کسی نے ایک پل کے لیے بھی ڈیرا نہیں جمایا۔ شہرام خان خدا کو حاضر ناضر جان کر کہتا ہے اس دل نے کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی تم سے بیوفائی نہیں کی۔ وہ اس کا ہاتھ سینے میں بھینچتے جذب سے گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔

بہارے اس کا ہاتھ جکڑے اس پر لب رکھتے رو دی تھی۔

مجھے صرف اپنی بہارے کی آغوش چاہیے۔۔ چاہے وہ مجھے دھتکارے چاہے بے رخی برتے مجھے صرف اپنی بہارے کی آغوش چاہیے۔۔ وہ اس کی گود میں سر رکھتے اس کی لیپ کو شدت سے چوم رہا تھا۔

معاف کر دو مجھے میں نے تمھیں جب جب رلایا۔ اپنی بے اعتنائی بے رخی سے۔ میں تمھاری تڑپ سمجھ کر بھی خود پر بے حسی کا لبادہ اوڑھے رکھے رہا۔ اپنی مرا انہ آنا پتہ نہیں مجھے کیوں عزیز ہو گئی تھی۔ وہ اس کی لیپ کو چومتے اب اس کے پیٹ کو چوم رہا تھا

وعدہ ہے میرا اب دل یہ تیرا

کبھی زندگی میں نہ مایوس ہو گا

میری وفائیں تیرے لیے ہیں

میری جان تجھ کو یہ محسوس ہو گا

وہ اس کے پیٹ کو چومتے نم آواز میں گنگایا تھا۔

بہارے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے اپنے ساتھ لپٹا گئی تھی۔

مجھے معاف کر دو شہرام!! مجھے تمھارے ساتھ کبھی بھی وہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک بیوی کو اپنے شوہر سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے تھی۔ جو میں کر رہی تھی میرا رب مجھ سے آخر کیسے راضی ہو سکتا تھا؟!۔ تبھی اس نے میرے دل میں تمھارے لیے شدید محبت ڈال کر تمھیں مجھ سے دور کر دیا۔ وہ میری سزا تھی شہرام خدا کی طرف سے۔ میں

نے تمھارے حق کی تذلیل کی۔ تمھارے شوہر کے رتبے کو للکارا۔۔وہ روتے ہوے بولی تھی۔

شہرام اس کی ہتھیلیاں اسی لمحے چوم گیا تھا۔

تم اب کبھی مجھ سے معافی نہیں مانگو گی۔میری لیڈی باس ہو۔ہمیشہ لیڈی باس بن کر رہو گی۔۔ مجھ سے ناراض۔۔مجھے ایٹیوڈ دکھاتے نخرے دکھاتے اس بات پر مغرور ہوتے شہرام خان تم پر جان دیتا ہے۔وہ تمھاری ہر غلطی ہر بدتمیزی سہہ سکتا ہے۔۔بس میری رہنا۔۔وہ نم آواز میں بولتے ہوے اس کے گود میں سر رکھ گیا تھا۔

اور تم صرف میرے رہنا۔بہارے روتے ہوے اس کے بالوں پر لب رکھ گئی تھی۔۔

شہرام اسی لمحے زمین سے اٹھتے کھڑا ہوتے جھکتے ہوئے اسے گود میں اٹھا گیا. بہارے ہنستے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ اسے لیے کمرے سے نکلتا سیڑھیاں اترا۔۔ بہارے نم آنکھوں سے اتنے خوبصورت گھر کو دیکھ رہی تھی۔ پورا گھر گلاب کی نم پتیوں سے سجا ہوا تھا

صرف تمھارے لیے سجایا ہے میری بہارے!! صرف تمھارے لیے میرا یقین کرو!! میرا سب کچھ تمھارا۔ وہ سیڑھیاں اترتے اسے دیکھتے بھاری آواز میں بولتے اسے یقین دلا رہا تھا۔

جانتی ہوں شہرام خان یہ صرف میرے لیے ہے۔ میرا شہرام صرف میرا ہے۔ بہارے نم آواز میں بولتے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔

وہ اسے لیے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ بہارے بیڈ کو گلاب کی لڑیوں سے سجا دیکھ کر رو دی تھی۔

شہرام نے بیڈ کے گرد گلاب کی لڑیاں چاروں طرف لگوائی تھیں۔ پورا کمرہ کینڈلز سے جل رہا تھا۔ کمرے میں صرف کینڈلز جل رہی تھیں۔

شہرام خان اسے لیے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اسے بیڈ پر نرمی سے لٹاتے اس پر جھکا۔

اللہ مجھے بیٹی دینے والا ہے۔ یہ مجھے دو دن پہلے ہی پتہ چل گیا تھا۔ جب تم نے الٹراساونڈ کروایا۔ وہ میرا ہاسپٹل ہے کیسے ہو سکتا ہے مجھے اس بات کی خبر نہ ہو۔ میں اپنے بچے کی دھڑکن اپنے آفس میں بیٹھا سن رہا تھا۔ اور اسے سکرین پر موومنٹ کرتے بھی دیکھ رہا تھا۔ شہرام خان کی بات پر وہ بے یقینی سے دیکھتے رو دی تھی۔

بہارے وعدہ میرا ہم دو بچوں کے علاوہ تیسرا بچہ کبھی نہیں لیں گے۔ میں اس بات کا پورا خیال کروں گا۔ میری غلطی ہے مانتا ہوں مجھے خیال کرنا

چاہیے تھا۔ مگر کیا کروں تم اتنی پیاری لگتی ہو میں خود پر کنٹرول کھو دیتا ہوں۔ جیسے ابھی بہک رہا ہوں خماری چھا رہی ہے تم اتنی خوبصورت لگ رہی ہو۔ وہ نرمی سے اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھتے مدہوشی کے عالم میں بولا۔ بہارے اس کی شرٹ کے بٹن میں انگلیاں پھنسائے شرمیلا سا مغروریت سے مسکرائی تھی۔۔

مت دور جھٹکا کرو نہ خود سے !! پاگل ہو جاتا ہوں اتنی محبت کرتا ہوں تم سے۔۔ شہرام اس کے عارض پر دانت گاڑھتے مدہوشی کے عالم میں بولتے اسے اپنے اوپر کرتے اس کا دوپٹہ اتار گیا تھا۔ بہارے اس کی گردن میں منہ چھپا گئی تھی۔

اب تو مجھے دیکھ کر میری قربت سے nausea نہیں ہو رہا۔ شہرام نے اس کے کان کی لو کو چومتے ہوئے پوچھا تو بہارے سر نفی میں ہلاتے اس کے ساتھ شدت سے لپٹی تھی۔

کہ کتنی محبت ہے تم سے

ذرا پاس آ کہ تو دیکھو

کیا آگ ہے دھڑکنوں میں

گلے سے لگا کر تو دیکھو

بتائی نہ جائے زبان سے

یہ حالت میرے جسم و

جاں کو ہے تمھاری چاہت

وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے بولتے ہوئے اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے بولی تھی۔

شہرام گہرا مسکراتے ہوئے شدت سے اسے خود میں بھینچے اس کی ناز کی محسوس کرتے مدہوش ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے اس طرح اظہار کیا تھا۔

وہ اسے مزید سختی سے خود سے لپٹائے اس کی کمر پر اپنی ٹانگ رکھ گیا تھا۔ شہرام!! وہ اس کی بے باک حرکتوں پر گلاب کی طرح سرخ ہوتے اس کے سینے میں منہ چھپا رہی تھی۔

شہرام اسے خود میں بھینچتے رخ پلٹتے ہوئے اس پر حاوی ہوا۔

شہرام یہ گھر کیا ہم یہاں رہیں گے۔ بہارے نے اس کے لبوں پر ہاتھ جماتے ہوے پوچھا تھا۔ اس کے لب رک ہی نہیں رہے تھے۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے چومتے ہوے ج رہا تھا۔

نہیں میری بہارے!! میں حویلی کو کبھی کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔ نہ کبھی اپنی مورے کو چھوڑوں گا۔ مگر تم اور میں ہر ویک اینڈ پر ادھر ضرور آئیں گے۔۔ اپنے بچوں کو مورے کے پاس چھوڑ کر۔۔ وعدہ ہے میرا ہفتے کے دو دن صرف تمہارے ساتھ اس گھر میں گزاروں گا۔ تمھیں پیار کرتے ہوے صرف تمھارا ہو کر۔ وہ اس کی گلوبند کی ڈوری کھینچتے اسے نیچے کرتے اس کی گردن پر جھکے مخمور آواز میں بولتے اس کی گردن داغ دار کرنے لگا۔

اور جب باہر جاؤ گے اپنے بزنس کے سلسلے میں تب بھی مجھے حویلی چھوڑ کر جاؤ گے کیا؟؟ بہارے نے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوے نروٹھے انداز میں پوچھا۔

بلکل نہیں میری یہ مجال اپنی بہارے کے بغیر سوات سے باہر بھی قدم رکھ سکوں۔۔ شہرام اس کی طرف دیکھتے شرارتی انداز میں بولتے لب دانتوں تلے دبا گیا تھا

بلکل شہرام خان تمھاری مجال ہونی بھی نہیں چاہیے۔ جس طرح تم پٹی باندھ کر مجھے لائے ہو۔ میں بھی تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گی اگر تم نے آیندہ ڈاکٹر ندا سے کافی بنانے کو کہا۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے غرائی۔۔۔

یس لیڈی باس جو حکم آپ کا؟؟ ہم تو آپ کے غلام۔۔ داجی نے ایسے تو نہیں مجھے زن مرید کہا۔۔ جو میری بہارے کہے گی اب تو وہی کروں گا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ ڈالے اس کا گجرہ توڑتے اس کا جوڑا کھول گیا تھا۔

بہارے ہنستے ہوے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔۔

شہرام اگر داجی کو پتہ چل جائے تم میرے بال سلجھاتے پیر دباتے ہو بہرام کو سنبھالتے ہو تو کیا کہیں وہ تمھیں؟ بہارے نے ہوے ہنستے ہوے پوچھا تھا۔

پھر حویلی میں سب سے بڑا زن مرید صرف شہرام خان۔۔ شہرام مسکراتے ہوے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے بلاوز کی زپ کھولتے اس کا بلاوز نیچے کھسکا گیا۔ اس کی برہنہ گہرائیاں چومتے ہوے وہ اس کے کان کے اویزے اتار گیا تھا۔

اس کے لہنگے میں ہاتھ الجھاتے ہوے شہرام نے اوپر ہوتے اپنی شرٹ اتاری تھی۔ بہارے شہرام کی گردن میں

i hate you

کالا کٹ لٹکا دیکھ کر نم آنکھوں سے اسے دیکھتے اس کالا کٹ جکڑ گئی تھی۔ وہ آج بھی اس کا نفرت میں دیا گیا تحفہ سنبھال کر رکھے ہوے تھا۔

شہرام خان خود کو اور اسے ہر پردے سے آزاد کرتے شنیل کی میرون رضائی خود پر اوڑھتے کمبل میں غروب ہوتے بہارے کو اپنے بدن کا حصہ بناتے اپنی شدتیں نچھاور کرنے لگا۔۔ کمرے میں دونوں نفوس کی گہری سانسیں گونج رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے شدت سے لپٹے آج ہر اس چیز کا مداوہ کر رہے تھے۔ جو کبھی ایک دوسرے کی ذات سے ان لوگوں کو تکلیف پہنچی تھی۔ شہرام خان کے لب عقیدت سے بہارے کی

آنکھوں سے گرتے موتی چن رہے تھے۔ بہارے خان اسے کی برہنہ کمر پر انگلیاں گاڑھے شہرام خان جیسے سخت انسان کی شدتیں برداشت کرتی اس کا پورا ساتھ دے رہی تھیں۔۔ کمرے میں گونجتی سانسوں کا رقص لمحہ بالمحہ ان پر مدہوشی طاری کر رہا تھا۔

ابرش اور زاران اس وقت سویزرلینڈ کے ایک بے حد خوبصورت

swiss village

میں ایک خوبصورت گھر میں موجود تھے۔ برف کے پہاڑوں میں گرا میں یہ گھر بے حد خوبصورت تھا۔ خوبصورت گلاس والز لکڑی کے زینے۔۔ گھر کے

اندر سومنگ پول اور گلاس والز سے نظر آتے برف سے ڈھکے اونچے پہاڑ اور پہاڑوں پر گرتی دھند!!

ابرش زاران اور اپنے لیے امیر کن سینڈوچ بنا رہی تھی۔

زاران خانزادہ سفید ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس ابرش کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے اپنی پشت کے ساتھ لگائے مسلسل اس کے کان کی لو کو چومتے اس کی سائیڈ گردن کو چوم رہا تھا۔ ابرش گلاب کی طرح سرخ ہوتے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ سینڈوچ بنا رہی تھی۔ زاران اور وہ یہاں دو دن سے تھے۔ اور وہ لوگ دو دن سے باہر نہیں نکلے تھے۔۔ زاران اسے ایک منٹ کے لیے اکیلا نہیں چھوڑتا تھا۔ اسے اسی طرح اپنی بانہوں میں رکھے ہوے تھا۔

ابرش اس وقت زاران کی سفید بٹنوں والی شرٹ میں ملبوس تھی۔۔ جس کے اگلے دو تین بٹن کھلے تھے۔زاران اس شرٹ کو کندھے سے ایک طرف ڈھلکائے اس کے برہنہ شولڈر کو چومتے انھیں اپنے لبوں کے لمس سے گیلا کرتے وہاں اپنی شدتوں کے نشان چھوڑ رہا تھا۔

زاران اب چھوڑ بھی دیں!!جب سے کچن میں آئی ہوں یہی کچھ کر رہے ہیں آپ!!دل ہی نہیں بھرتا آپ کا مجھے چومنے سے؟؟ابرش مغروریت سے کہتے اپنے پیٹ پر بندھے زاران کے ہاتھ ہٹانے کی ناکام سعی کی تھی۔

یہی ایک کام ہے جس سے میرا دل کبھی نہیں بھر سکتا۔وہ اس کے پیٹ کو مٹھیوں میں سختی سے بھرتے بے حد بے باک شرارت کرتے اسے اپنے ساتھ مزید سختی سے لگا گیا تھا۔

وہ کیا ہے مسٹر خانزادہ؟؟ابرش نے مدھم سا مسکراتے ہوے پوچھا۔

تمھیں دن رات پیار کرنا! تمھیں سر سے پیر تک چومنا!! تمھیں یہ بتانا تم کتنی خوبصورت ہو۔ میں تم پر دل و جان سے مرتا ہوں۔ تمھیں یہ بتانا کہ میں اپنی خوبصورت بیوی کا ایڈیکٹ ہو چکا ہوں۔ تمھیں یہ بتانا تم میرے لیے کتنی قیمتی ہو۔ تم میرے لیے کتنی ضروری ہو۔

وہ اس کا رخ پلٹے اس کے خوبصورت گلاب چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھر گیا تھا۔

کتنی قیمتی ہوں کتنی ضروری ہوں مسٹر خانزادہ؟؟ ابرش کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

میں جی نہیں سکتا ہو کہ جدا تم سے!! اتنی ضروری ہو زندگی کے لیے۔

جس طرح زندہ رہنے کے لیے سانسیں ضروری ہیں۔ اتنی ہی ضروری ہو میری خوبصورت بے شرم بیوی!!وہ بھاری آواز میں بولتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں انہیل کر گیا تھا۔

ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمایل کرتے اس کی شدت میں ساتھ دینے لگی۔

زاران اس کی سانسوں کو آزاد کرتے اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔۔ ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے کھکھلائی تھی۔

میری بے شرم بیوی ہر وقت تیار رہتی ہے۔ زاران اسے بے باکی سے آنکھ مارتے ہوے لاونج کی طرف بڑھتے اسے گود سے اتارتے ہوے خود نرم کمفرٹیبل صوفے پر لیٹا تھا۔ ابرش کی کلائی جکڑے اسے اپنے اوپر گراتے اسے سختی سے خود میں بھینچ گیا۔

ابرش اب زاران کے سینے پر لیٹی اس کے سینے پر اپنے پر تپش لبوں کی بوچھاڑ کر رہی تھی۔ زاران کا ہاتھ اس کی کمر پر بے باکی سے سرسرا رہا تھا۔

زاران اور وہ اس وقت اس گھر کے خوبصورت سے لاونج میں صوفے پر موجود سانسوں اور سسکیوں کا یہ کھیل کھیل رہے تھے۔

زاران خانزادہ اسے خمار بھری نگاہوں سے دیکھتے اپنے اوپر بٹھائے اس کی شرٹ کے بٹن ایک ایک کرتے کھول گیا تھا۔

ابرش زاران کو خمار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوے اپنے بالوں کو اک ادا سے دونوں ہاتھوں سے جکڑے مزید اپنے بدن پر اک ادا سے ہاتھ پھیرتے زاران خانزادہ کو اپنے خوبصورت بدن کے جلوے دکھائے تھے۔ زاران اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا اسی لمحے جیسے پاگل اہوتا اپنے ہوش کھونے لگا تھا۔ قربت کے لمحات میں اپنی بیوی کی آدائیں اسے کسی کام کا نہیں چھوڑتی

تھیں۔ وہ اسے ایسے ہی چاروں طرف سے گھیرتی تھی۔ وہ جتی مرضی سے سختی سے پیش آئے۔ جتنے گھنٹے مرضی وہ اسے اپنی آگ جیسی قربت میں رکھے۔ وہ اینڈ تک اس کا ساتھ دیتی تھی۔ وہ اتنی شدت سے اس سے محبت کرتی تھی۔

ابرش زاران کے ہاتھوں کی بے باکی پر اس کے سینے پر گرتی اس کے سینے میں سمائی تھی۔

مسٹر خانزادہ سینڈوچ نہیں کھانے کیا؟؟ ابرش اس کی نگاہوں کا مرکز اپنے نشیب و فراز پر محسوس کرتے اس کے کان میں جھکتے سرگوشی سے پوچھا تھا۔

تمھارے سینڈوچ سے میرا کیا بنے گا۔ جتنی محنت کرواتی ہو مجھ سے

I need flesh for romance, so now I will devour "

".you to fill my hunger

زاران اسے اپنے نیچے کرتے سرگوشی نما آواز میں غراتے ہوے اس کی برہنہ گہرائیوں پر شدت سے دانت گاڑھ گیا تھا۔

ابرش اسے خود میں بھینچے سسکیاں بھرتے آنکھیں موند گئی تھی۔ زاران دیوانگی کے عالم میں اس کی شرٹ ریموو کرتے اسے اپنی شدتوں سے داغ کرتے اس کی سسکاریوں میں آضافے کا باعث بنتے ہوے اپنی شدتیں اس پر ڈھانے لگا۔

زاران آپ کے لیے فش بیک کر دی ہے!!لے آؤں آپ کے

لیے؟؟ابرش نے گھٹنوں سے اوپر پنک باتھ روب پہنے گیلے بالوں کے ساتھ

لاونج میں داخل ہوتے زاران سے مسکراتے ہوے پوچھا۔جو سفید ٹروازر

پہنے شرٹ لیس صوفے پر ٹانگیں پھیلائے اپنے موبائل میں مصروف تھا۔

یس مائی لیڈی لو!!جان سے مارنے کا آرادہ ہے کیا؟؟

دن رات محنت کرواتی ہو!!مجھے ضرورت hot فش کی ہے۔جس طرح تم

ہو آگ hot

زاران ابرش کی کلائی تھامے اسے جھٹکے سے کھینچتا اس کی ہتھیلی چومتا اسے

اپنی گود میں بٹھا گیا۔

میں محنت کرواتی ہوں۔ آپ کا دل ہی نہیں بھرتا۔ ابرش اس کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے بولتے نظریں جھکا

گئی تھی۔

قربان جاؤں تمھارے تم سے آپ کے سفر پر!!

زاران نے اس کی جھکی نگاہوں اور اس کے بلش گالوں کو بغور دیکھتے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوئے لب دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں کہا۔

ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر سے نگاہیں جھکا گئی تھیں۔

اس کے اس طرح شرمانے اور گلاب کی طرح سرخ پڑتے دیکھ کر زاران کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

ابرش لب دانتوں تلے دبائے مزید سرخ ہوئی تھی۔

اس ٹائم بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑ دیتی ہو اور بعد میں ایسے ہی شرماتی رہتی ہو میری بے شرم بیوی!!زاران اسے اپنے سینے سے لپٹائے ہنستے ہوے بولا۔

ابرش اس کے سینے سے لپٹے سرخ ہوتے مسکرائی تھی۔

جان نکال دیتی ہو اپنے مسٹر خانزادہ کی بے شرم بن کر بھی اور اس طرح شرماتے ہوے بھی۔زاران اس کی ہتھیلی بے حد نرمی سے چومتے ہوے اس کے بالوں کی خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔

کیا ضرورت تھی فوراً شاور لینے کی اور یہ شارٹ سا باتھ روب گاؤں پہننے کی؟؟ بار بار مجھے بہکاؤ گی تو بہک کر ہر حد سے گزر جاؤں گا۔ ترس کھا لیا کرو مجھ پر۔ زاران اس کی پیشانی کو چومتے بھاری آواز میں بولا۔

یہی تو چاہتی ہوں مسٹر خانزادہ!! آپ کسی کام کے نہ رہیں۔ صرف میرے ہو کر رہیں۔ آپ کو کبھی ایک پل کے لیے بھی کسی اور کی طلب نہ رہے۔ ابرش اس کے سینے پر لب رکھتے بے حد مدھم آواز میں بولی تھی۔

ابرش کی بات پر زاران نے بمشکل اپنا قہقہ گھونٹا تھا۔ اس کی پوزیسیو بیوی کی پوزیسیونس کی انتہا نہیں تھی۔

ہمممم۔۔۔ یہ تو ہے اتنا رومانس کرواؤ گی کسی اور کے پاس تو کیا تمھارے پاس آنے کے بھی قابل نہیں رہوں گا۔ زاران نے اسے اپنے سینے سے دور کرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

کیا مطلب؟؟ ابرش نے الجھن بھری نگاہوں سے زاران کی طرف دیکھا تھا

۔

مطلب یہ میری معصوم بیوی!! کسی چیز کی جب زیادتی ہو جائے تو اس کی طلب میں آہستہ آہستہ کمی آجاتی ہے۔ زیادہ پیٹ بھر کھانا بھی اچھا نہیں ہوتا وہ بھی ایک جیسا!! اس کھانے سے دل بھر جاتا ہے پھر! زاران نے مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے کہتے اپنی جذباتی بیوی کو دیکھا جو گہرے سانس لیتے سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

یعنی۔۔ تمھارا۔۔ تمھارا۔۔ دل۔۔ مجھ۔۔ سے۔۔۔ بھر۔۔ سکتا۔۔ ہے۔ تمھارا دل مجھ سے اس لیے اکتا سکتا ہے میں تمھاری طلب اچھے سے مٹاتی ہوں۔۔ مم میں تمھاری ہر بات مانتی ہوں۔ قربت کے لمحات میں

تمھارے ساتھ چپکتی ہوں۔ تمھیں خود سے دور نہیں کرتی۔ تمھیں مکمل سٹیسفائیڈ کرتی ہوں۔ ابرش اس کی گود سے اٹھتی بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

Yes you r right ny beautiful wife.now It depends on you how many different ways you cook the same dish and how you present it to me. It all depends on you, my shameless and beautiful wife.

زاران صوفے سے اٹھتے مسکراہٹ دبائے بولتے ہوے کچن کی طرف بڑھتے ہوے اوون سے بیک ہوئی فش نکال کر اسے کانٹے سے کھانے لگا۔

تو مسٹر خانزادہ سیدھی طرح کہو!! تم دو دن میں ہی مجھ سے بور ہو چکے ہو۔ دل بھر چکا ہے تمھارا مجھ سے۔ ابرش گہرے سانس لیتے بھیگی آواز میں بولی تھی۔

زاران نے کانٹے کا ٹکڑا اٹھائے منہ میں ڈالتے ہوے اپنی جذباتی خوبصورت بیوی کو دیکھا جس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ اس کی بات ہمیشہ کی طرح دل پر لے چکی تھی۔

Remember one thing, Mr. Khanzada!! All your !! life, you'll be stuck eating just one dish. If you get tired of it, you'll have to remain hungry for the rest of your life. But you won't be able to taste any other dish. If you even think about trying, I swear !!.I'll poison you

(ایک بات یاد رکھنا مسٹر خانزادہ!! ساری عمر تمھیں کھانی تو ایک ہی ڈش پڑے گی۔ دل بھر جائے گا تو بھوکا رہنا پڑے گا تمھیں ساری عمر۔۔ مگر تم

کسی دوسری ڈش کو ٹیسٹ بھی نہیں کر سکو گے۔ اگر تم نے ٹرائے کرنے کا سوچا بھی قسم کھاتی ہوں تمھیں زہر دے دوں گی)

ابرش امریکن ایسنٹ میں بولتے ہوئے چیخی تھی۔

زاران نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے فش کا بڑا سا ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے ابرش کو دیکھا تھا۔

غلطی میری ہے مسٹر خانزادہ!! جو دن رات تمھیں رومانس کرنے دیتی ہوں۔ اب قریب مت آنا میرے!! ابرش نے سرد انداز میں کہتے جھکتے ہوئے ٹیبل پر پڑا واز اٹھا کر پوری قوت سے سامنے دیوار پر مارا تھا۔ دوسرے لمحے وہ لاونج سے واک آوٹ کر گئی تھی۔

زاران کا اب رکا ہوا قہقہ بلند ہوا تھا۔

افف!!میری پوزیسیو بیوی!!ساری عمر کیا اگر سچ میں سات جنم ہوتے میں ان سات جنموں میں ایک ہی ڈش پر اکتفا کرتا۔کب سمجھو گی تمھارا مسٹر صرف one woman man ہے۔وہ زیر لب بولتے ہوے ڈاینگ ٹیبل کی طرف بڑھتے چیئر پر بیٹھ کر اطمینان سے یہاں کی سب سے گرم فش کھانے لگا۔

زیادہ تو نہیں ہو گیا اس نے پاس نہیں آنے دیا تو کیا کرے گا۔اتنی فش ہضم کیسے کرے گا تو؟؟زاران زیر لب خود سے بولتے پریشان ہوا تھا۔

منالوں گا اپنی خوبصورت جذباتی بیوی کو!!اسے منانا کونسا مشکل کام ہے۔وہ مسکراتے ہوے اطمینان سے فش کھانے لگا۔

زاران خانزادہ نے گہری نیند لیتے ہوے آنکھیں کھولے کمرے میں نظر دوڑاتے گلاس وال سے دیکھا۔ جہاں رات کی تاریکی اتری ہوئی تھی۔ زاران نے کمرے میں ایک بار پھر سے نظریں دوڑائیں ابرش کمرے میں کہیں نہیں تھی۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ پچھلے دو دن سے وہ دونوں دن کو نیند لے رہے تھے۔ ابرش اس کے ساتھ لپٹ کر سوتی تھی۔ مگر اب وہ دوپہر سے کمرے میں ہی نہیں آئی تھی۔ زاران سرد سانس کھینچتے ہوے کمرے سے نکلتا باہر آیا۔ وہ لاونج ڈائینگ ایریا کچن میں کہیں نہیں تھی۔ زاران اب پریشان ہوتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ بنی الماری سے کوٹ نکال کر پہنا تھا۔ وہ اس وقت باہر ہو سکتی تھی۔ مگر باہر شاید سردی پڑ رہی تھی۔ زاران لب بھینچے باہر آیا۔

اس کے جبڑے اب بری طرح بھینچے تھے۔ وہ باہر بھی کہیں نہیں تھی

۔ زاران خود پر قابو پاتے ہوئے چھوٹے سے گیٹ سے باہر نکلتا آگے

بڑھا۔ زاران کی رنگت میں سرخیاں سی گھلی تھیں۔ وہ اس وقت باہر اکیلی

نکل آئی تھی۔ وہ جبڑے بھینچے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر بمشکل قابو پاتے

ہوئے آگے بڑھا۔ زاران کے بھاری قدموں کا رخ ذرا سا آگے بنے سمندر

کی طرف تھا۔ وہاں وہ ہو سکتی تھی اسے وہ جگہ بے حد پسند آئی تھی۔ زاران

کے اندر طیش و اشتعال کے بھانبھڑ جل رہے تھے۔ وہ اتنی جذباتی تھی اسے

لے کر اتنی ہی پوزیسو تھی۔ یقیناً ابھی تک اس کی وہ بات دل پر لگائے ہوئے

تھی۔ یکدم زاران کے بھاری قدم رکے تھے۔ وہ بلیک جینز پر وایٹ فلفی

لانگ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ جس پر سفید کیپ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے

خوبصورت سلکی بال کھلے ہوے لہرا رہے تھے۔ وہ لکڑی کے پل پر کھڑی بہتے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔

زاران اسے اس حلیے میں دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ ابرش اسے اپنی طرف آتے دیکھ چکی تھی۔ وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتی رخ موڑ چکی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس منسٹر کو اس آگ میں جلا کر بھسم کر دے۔ جس سے وہ اسے اپنی باتوں سے جلاتا تھا۔

کیا نان سینس ہے یہ ؟؟ ہمت کیسے ہوئی تمھاری میرے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی ؟؟ اور وہ بھی اس حلیے میں ؟ وہ اسے سلگتی نگاہوں سے گھورتے ہوے غرایا تھا۔

کون ہے یہاں مسٹر خانزادہ؟؟اور کون آسکتا ہے اس بدصورت جگہ پر؟؟وہ بھڑکتے لہجے میں بولتے اپنی نگاہیں سمندر پر جما گئی۔

ابرش کے بدصورت جگہ کہنے پر زاران کی دماغ کی رگیں بھڑکیں تھیں۔کل تک اس سے زیادہ خوب جگہ کوئی نہ تھی۔

چلو گھر چلیں!!زاران نے اپنی کنپٹی مسلتے اپنے آنچ دیتے لہجے پر قابو پایا۔دل ہی دل میں وہ اپنی غلطی تسلیم کر چکا تھا جب اسے پتہ تھا اس کی بیوی اسے لے کر اتنی پوزیسو ہے تو اسے اسے تنگ کرنے کے لیے مذاق میں بھی اسے کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔

یاد آگئی آپ کو میری؟؟پچھلے پانچ گھنٹوں سے میں تمھارے پاس نہیں تھی۔میرے بغیر تمھیں نیند نہیں آتی۔

یہی کہہ رہے ہو مجھے دو دن سے ؟؟ مگر پچھلے پانچ گھنٹوں سے تکیے سے لپٹ کر سو رہے تھے تم مسٹر خانزادہ!! میں پچھلے پانچ گھنٹوں سے یہاں ہوں!! تمھیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ تم جھوٹے ہو مسٹر خانزادہ! ابرش زاران کو دیکھتے بھیگے دہکتے لہجے میں بولی تھی۔

کیا تم پچھلے پانچ گھنٹے سے یہاں کھڑی ہو؟؟ زاران نے بے یقینی سے غراتے ہوے پوچھا تھا۔

ہاں!! ابرش سپاٹ لہجے میں کہتے رخ موڑ چکی تھی۔

زاران نے جبڑے بھینچتے ہوے اپنے ایک ہاتھ کا مکہ بنائے دوسری ہتھیلی پر مارا تھا۔ دوسرے لمحے وہ ابرش کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھا۔ ابرش اب اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔ وہ اتنی تیزی سے چل رہا تھا۔ ابرش بھاگتے ہوے اس کے قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ اس کی

چوڑی پشت کو بھیگی سلگتی نگاہوں سے دیکھتی اس کے قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔

زاران اسے لیے گھر کے اندر داخل ہوا۔ داخلی دروازے کی طرف بڑھتے وہ اندر داخل ہوا تھا۔ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھتے اس نے ابرش کو پوری قوت سے بیڈ پر دھکا دیا۔

وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔ ابرش نے سیدھے ہوتے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ڈیکوریشن پیس اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

زاران خانزادہ جو رخ پلٹے اپنے غصے پر قابو پا رہا تھا۔ ابرش کی حرکت پر اس نے رخ موڑ کر ابرش کو خونخوار نگاہوں سے دیکھا جو گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

زاران اسی لمحے اس کی طرف بڑھتا اس پر حاوی ہوتے اس کی کلائیوں کو اپنی سخت گرفت میں جکڑے اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کرتے اس پر اپنا وزن مکمل طور پر ڈال گیا تھا۔ ابرش اس کی گرفت میں بن آب مچھلی طرح مچلی تھی۔

پچھلے پانچ گھنٹوں سے تم اس پل پر کھڑی تھی۔ وہ بھی اس حلیے میں جان لے لوں گا میں آج تمھاری بلڈی سک وومین!! زاران اب اس کی کلائیاں اوپر کی طرف لے جاتے اسے اپنے ایک ہاتھ میں جکڑے دوسرے ہاتھ سے اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کے لبوں پر جھکے اس کے لبوں کو اپنے دانتوں میں چبا گیا تھا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!!ابرش سسکتے ہوے بمشکل بولی تھی۔زاران نے اس کے نچلے لب پر مزید قہر ڈھایا تھا۔ابرش کی سسکیوں میں آضافہ ہوا تھا۔

زاران اس کی سسکیوں کو سنتے ہوے اس کے لبوں کو آزاد کر گیا۔ابرش گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔زاران کی سرخ نگاہیں اس کے بھیگے لبوں پر تھیں جو اس کی شدت سے سرخ قندھاری ہو رہے تھے۔

جلن ہو رہی ہے میری بے شرم سائیکو بیوی ہمم!!زاران نے اس کے نچلے لب پر غصے سے انگوٹھا پھیرتے سفاکیت سے پوچھتے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

تم ہو سائیکو تم ہو بے شرم بے وفا شوہر مسٹر خانزادہ!! اگر اس ٹایم میں بے شرم ہوتی ہوں تو تم بے شرمی میں ساری حدیں پار کرتے ہو۔۔ اور اب میرے قریب مت آنا۔ ابرش اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھتے دبی آواز میں چیخی تھی۔

کرتا ہوں بے بے شرمی کی ہر حد پار اور آیندہ بھی کروں گا۔ بیوی ہو میری میری ملکیت!! تمھارے ساتھ سب کچھ کرنے کا میرے پاس پرمٹ ہے۔ میں آؤں گا تمھارے پاس جو کرنا ہے کر لو!! اتنا مہنگا ہنی مون ٹرپ پلین کیا ہے۔ کیا جھک مارنے کے لیے کیا ہے؟؟۔ یا پھر حویلی کے کمرے کی طرح دیواریں دیکھنے کے لیے۔ میں یہاں تمھیں جس کے لیے لایا ہوں۔ وہی کروں گا دن رات کروں گا۔

!!زاران غراتے ہوے اس کی گردن پر جھکے دانت گاڑھ گیا۔ وہ سفاکی کی ہر حد پار کرتے اس کی گردن کو اپنی شدتوں سے جامنی کر رہا تھا۔ ابرش بری طرح سسک رہی تھی۔ آیندہ میری آجازت کے بغیر تم باہر نکلی تو اپنا قہر وہاں ڈھاؤں گا جہاں تمھاری ناز کی برداشت نہیں کر سکے گی۔ زاران اسے دھمکی دیتا ہوا اس کے اوپر سے اٹھا۔ ابرش اس کے کوٹ کو مٹھیوں میں جکڑے اپنی طرف کھینچتے اسے اپنے قریب کر گئی تھی۔

مسٹر زاران خانزادہ!! میں صرف دو منٹ پہلے باہر نکلی تھی۔ وہ بھی پچھلے پانچ گھٹے اس کمرے میں تمھارے خراٹے سننے کے بعد!! تمھارے خراٹے میرا دماغ خراب کر چکے تھے۔

میرے بغیر نیند نہ آنے کے دعویدار مسٹر خانزادہ کو میری موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ جھوٹ بولتے ہو تم!! تمھیں میرے بغیر نیند نہیں

آتی۔ اور کیا کہہ رہے تھے تم ایک ہی ڈش کھا کھا کر بور ہو چکے ہو۔ یعنی تمھیں اپنا منہ کا ذایقہ بدلنا ہے ہاں!! جانتے ہو ناں جب جب تم نے دوسری عورت کی بات کی۔ کسی سے مسکرا کر دیکھا بھی میں نے تمھیں دن کو تارے دکھائے ہیں۔ اس بار میں تمھیں زہر دے دوں گی۔ وعدہ ہے یہ میرا تم نے آیندہ مذاق میں بھی کسی دوسری عورت کا ذکر کیا۔ میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گی۔ ابرش اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے غرائی تھی۔

میرا دماغ نہیں خراب جو میں کسی دوسری عورت کے متعلق سوچ کر بھی اپنی زندگی جہنم بنا ڈالوں! ایک ہی عورت کا تجربہ کافی ہے میرے لیے!! مزید پاگل نہیں ہونا میں نے۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس پر جھکتے اس کی ٹھوڑی پر لب رکھتے وہاں شدت سے دانت گاڑھ گیا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!! ابرش کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔ زاران اس کے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے اس کے تن سے جدا کر گیا۔ وہ بلیک جینز پر بے حد شارٹ باریک شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ جس میں اس کا خوبصورت جسم لشکارے مار رہا تھا۔

زاران اسے خمار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی گردن پر جھکے اپنی دی گئی سوغاتوں پر نرمی سے لب رکھنے لگا۔ ابرش کی سسکاریوں میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

وہ اسے نرمی سے چومتے ہوئے اس کی کی وہ باریک شرٹ بھی ریموو کر گیا تھا۔ وہ اب جینز پر ویلوٹ کے بے حد ڈیپ سے بلاوز میں ملبوس تھی۔ جس میں اس کی خوبصورت رعنائیاں چھلک چھلک کر باہر آ رہی تھیں۔ زاران پاگل ہوتے اس کی گہرائیوں پر جھکتے وہاں شدت سے لب رکھنے لگا۔

آئی لو یو مائی وایف!! آئی لو ون اینڈ او نلی مائی وایف مائی ابرش۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اپنی شدتوں میں آضافہ کر رہا تھا۔ ابرش نے اسے خود سے پوری قوت سے دور دھکیلا۔۔ زاران اس کے دور دھکیلنے کی پرواہ کیے بغیر اسے اپنے اوپر کرتے اس کی سٹائلش سی کیپ اتار گیا۔ ابرش کے بال بکھرتے اس کا چہرہ ڈھانپ گئے تھے۔

زاران مدہوش ہوتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کر گیا ۔۔ ابرش نے اس کے حصار میں تڑپتے ہوے اپنی پوری قوت لگائے اسے خود سے دور کیا۔

ابرش بات ختم کرو ہمممم!! بہت ناراض رہ چکے ہیں ہم ایک دوسرے سے!! اب میں ایک رات بھی تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ زاران نے کہتے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

آپ نہیں رہ سکتے میں رہ سکتی ہوں۔ مجھے اس وقت بہت نیند آ رہی ہے آپ اپنی نیند پوری کر چکے ہیں مجھے سونے دیں۔۔ ابرش نے اس کا لپٹا ہاتھ اپنی کمر سے ہٹایا۔ جو زاران نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہٹا دیا تھا۔ ابرش اس کے اوپر سے اٹھتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھتی اس کا دروازہ دھاڑ سے بند کر گئی تھی۔

زاران اس کے دروازہ اتنی زور سے بند کرنے پر ہڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

اب پتہ نہیں کب تک تُو اپنے کہے گی بھرپائی کرے گا منسٹر!! یہ نہیں اب تجھے چھوڑنے والی۔۔ گئے تیرے کڑوڑوں روپے پانی میں! زاران گہرا سانس بھرتے تکیہ اٹھائے اپنے چہرے پر رکھ گیا تھا۔ باتھ روم سے آتی شاور کی آواز سنتے وہ جھنجھلاتے ہوئے تکیہ اٹھا کر زمین پر مار گیا تھا۔

زاران نے کافی بنانے کافی میکر ان کیا۔ کینٹ اور باقی ڈرارز کی تلاشی لینے کے بعد اسے کافی نہیں ملی تھی۔ زاران نے جبڑے بھینچتے ہوئے کپ اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔ غصے سے اس کا میٹر شارٹ ہوا تھا۔۔ کل کی کھائی مچھلی اس کے اندر آگ لگائے ہوئے تھی۔

زاران نے انڈے ابالنے کے لیے ریفیر جیٹر کھولا۔ جہاں نہ انڈے تھا نہ دودھ اور باقی سامان وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ رات وہ بھوکا سویا تھا نہ رومانس کرنے کو ملا تھا نہ کھانا کھانے کو!!

ہنی مون پر بھی زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ جان لے تیری زندگی یہی ہے اب!! زاران غصے سے لفظ چباتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھا۔ بیڈ پر ابرش کو شارٹ سی ریڈ نائیٹی میں سوئے دیکھ کر وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ میٹر مزید شارٹ ہوا تھا۔

زاران نے صوفے سے اپنا کوٹ اٹھائے پہنا۔ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھتے اس نے اپنا موبایل اٹھاتے ہوے اپنی کوٹ کی پاکٹ میں ڈالا۔ کمرے میں کھڑ پڑ سے ابرش کی آنکھ کھلی تھی۔ زاران کو کوٹ پہنے دیکھ کر ابرش جلدی سے اٹھ کر بیٹھی۔ ابرش نے نیند سے بھری آنکھیں کھول کر اپنا موبایل سائیڈ ٹیبل سے اٹھائے دیکھا جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔ گلاس ونڈو سے ابھی بھی اندھیرا نظر آرہا تھا۔ باہر رات سے برف باری ہو رہی تھی۔ وہ اتنی صبح زاران کو کوٹ پہنے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ سرخ سنجیدہ چہرے کے ساتھ ڈرار کھولتے گاڑی کی چابی پکڑتے دروازے کی طرف بڑھا۔

کہاں جارہے ہو تم؟؟ ابرش بیڈ سے اٹھتے ہوے بولی۔

میں سویسز رلینڈ کی صبح کی خوبصورتی تلاش کرنے جارہاہوں۔اس خوبصورت صبح کی خوشبو اپنے اندر اتارنے جارہاہوں۔زاران لفظ چباتے ابرش کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے دروازے کی طرف بڑھتے باہر نکل گیا تھا۔

ابرش نے ناسمجھی سے اپنے بال مٹھی میں جکڑے گہرے سانس لیتے زاران کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔دوسرے لمحے وہ تیزی سے زاران کے پیچھے آئی تھی۔

کہاں جارہے تم مسٹر خانزادہ؟!باہر اتنی برف باری ہورہی ہے۔ابرش گہرے سانس لیتے چٹختے ہوے بولی۔

باہر برف باری ہورہی ہے یقیناً تمھیں میری فکر تو ہو نہیں رہی ہو گی۔فکر صرف اس بات کی ہے میں کہاں جارہاہوں۔اب یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو

روتے سوچو میں صبح صبح کہاں جا رہا ہوں؟؟ کبھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی مساج پارلر میں کسی عورت سے مساج تو نہیں کروا رہا۔ زیادہ نہیں تو یہ سوچ لینا میں تمھیں یہاں چھوڑ کر جا چکا ہوں۔ زاران سرد آواز میں بولتے ہوئے داخلی دروازہ کھولتے ہوئے باہر سے لاک کر کے چلا گیا تھا۔

ابرش زاران کی باتوں کو سوچتے سٹل سی کھڑی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے بھاگتے ہوئے کھڑکی طرف بڑھتے ہوئے باہر جھانکا تھا۔ زاران اپنی گاڑی نکالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

ابرش ونڈو سے ٹیک لگائے زاران خانزادہ کے لفظوں کو سوچتی جیسے اپنے حواص کھو رہی تھی۔

آس پاس کا اس جگہ کا کوئی سٹور اس وقت کھلا نہیں تھا۔ برف باری تھی بڑھتی جا رہی تھی۔ زاران خانزادہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ غصے سے کافی آگے نکل آیا تھا۔ اسے ایک سپر مارکیٹ کھلی نظر آئی تھی۔ وہ اپنی گاڑی پارک کرتے ہوئے سٹور کے اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہوتے اسے احساس ہوا تھا۔ کچھ گڑبڑ ہے۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔

۔۔ شدید برف باری اور لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے مختلف راستے بند تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں بہت سے لوگوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔

زاران نے جلدی سے کچھ ضروری چیزوں کی گروسری کی۔۔۔ اگر اس کے اپارٹمنٹ کی طرف جانے والا راستہ بھی بند ہو جاتا تو بہت مشکل ہو جاتی ۔۔ ابرش گھر میں اکیلی تھی۔ اب وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔ زاران نے ضرورت کی کافی زیادہ چیزیں ٹرالی میں رکھی تھیں۔ تاکہ اگر راستے بند بھی

ہوں انھیں کسی قسم کا مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔۔زاران نے موبائل پکڑے ابرش کے نمبر پر کال ملائی۔ مگر لینڈ سلایڈنگ اور راستے بند ہونے کی وجہ سے سگنلز میں بھی پرابلم ہو رہی تھی۔وہ ٹرالی گھسیٹتے کاونٹر کی جانب بڑھا تھا کہ سٹور میں آناوسمنٹ شروع ہو چکی تھی۔ جس طرف سے وہ آیا تھا۔برف باری کی وجہ سے وہاں کے راستے بھی بند ہو چکے تھے۔سٹور میں آئے ہوے لوگوں کو یہاں ہی رہنے کی تلیقین کی جا رہی تھی۔

زاران یہ آناؤسمنٹ سنتے جبڑے بھینچ گیا تھا۔وہ جلدی سے سٹور سے باہر نکلنے کی طرف بڑھا

Sir, you cannot go outside. No one will be allowed to leave until the path is clear. The snowfall outside has reached a dangerously intense level.

اسے سکیورٹی دروازے پر روک چکی تھی۔

My wife must be worrying alone i have to go

زاران نے سنجیدگی سے کہا

Sorry sir you can't go outside

سکیورٹی اسے سختی سے روک چکی تھی۔زاران نے پریشانی سے موبایل نکال کر ابرش کا نمبر ملایا سگنل ابھی بھی ڈراپ تھے۔وہ جبڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ابرش سات گھنٹوں سے زاران کا انتظار کر رہی تھی۔وہ تب سے ہی پاگلوں کی طرح چکر لگا رہی تھی۔وہ سات بجے کا گیا تھا ابھی تک واپس نہیں آیا

تھا۔اس نے گلاس ونڈو سے باہر دیکھا جہاں برف باری اب نہیں ہو رہی تھی۔وہ پچھلے چار گھنٹوں سے زاران کا نمبر ڈایل کر رہی تھی۔

جو آوٹ آف رینج آرہا تھا۔

!!یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتے سوچو میں صبح صبح کہاں جارہا ہوں؟؟ کبھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی مساج پارلر میں کسی عورت سے مساج تو نہیں کروا رہا۔زیادہ نہیں تو یہ سوچ لینا میں تمھیں یہاں چھوڑ کر جا چکا ہوں۔

ابرش نے اس کے لفظ یاد کرتے اپنے اگلی گردن انگلیوں سے سہلائی تھی۔۔

ابرش نے لاونج میں چلتی ایل ڈی پر نگاہیں دوڑائیں

۔جہاں لینڈ سلائڈنگ اور برف باری کی وجہ سے مختلف

casualties

دکھائی جارہی تھیں۔اس کی اب سانسیں بند ہو رہی تھیں۔زاران کو کچھ ہو گیانہ ہو وہ یہ سوچ کر مرنے والی ہو رہی تھی. وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے سکرین پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھی۔سانسیں تھم رہی تھیں ۔دھڑکنیں رک رہی تھیں۔

دوسرے لمحے وہ کمرے کی طرف بڑھی۔صوفے پر پڑا اپنا کوٹ اٹھا کر پہنا تھا۔سر پر حجاب کرتے اپنا موبایل اٹھائے وہ اپنے شوز پہنے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔۔وہ باہر سے لاک تھا۔

ابرش دروازے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوے چیخی تھی۔وہ جلدی سے کمرے کی طرف بڑھی۔تمام ڈرارز میں گھر کی ایکسٹرا چابی تلاش کی۔جو وہاں کہیں نہیں تھی۔وہ اب کچن کی طرف بڑھی تھی۔وہ لوگ امریکہ میں

کچھ مخصوص چابیاں ایسے ہی کسی جگہ پر چھپا کر رکھتے تھے۔۔اس نے مختلف ڈرارز کی تلاشی لی تھی۔ مگر چابی کہیں نہیں تھی۔وہ گہرے سانس لے کر رہ گئی تھی۔وہ جلدی سے گھر کی گلاس ونڈوز کی طرف بڑھی۔گھر کی بیک یارڈ کی طرف ایک ونڈو ایسی تھی۔ جس سے آسانی سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔ مگر بیک یارڈ سے گھر کافی اونچائی پر تھا۔ یہاں سے جمپ کرنی پڑتی۔اس نے گہرے سانس لیتے ایک نظر نیچے دیکھا تھا۔دوسرے پل وہ آنکھیں بند کر کے کود گئی تھی۔۔

وہ گھنٹوں کے بل بہت زور سے گری تھی۔وہ درد سے کراہ کر رہ گئی تھی۔ حجاب کھل چکا تھا۔۔گھٹنے چھل چکے تھے۔درد کی شدت سے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

نگاہوں کے سامنے منسٹر آیا تھا اس کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ نہیں تو کچھ نہیں اس کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا!! وہ زمین سے اٹھتی اپنی آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہوئے بھاگتے ہوئے بیک یارڈ کے گیٹ کی طرف بڑھی۔ وہ گیٹ سے نکلتے ہوئے بھاگتے ہوئے سڑک کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ ساتھ ساتھ زاران کو کال ملاتی جا رہی تھی۔ زاران کا فون مسلسل آوٹ آف ریچ آ رہا تھا۔ ابرش کی خوف سے سانس بند ہو رہی تھی۔ اس وقت دن کے تین بج رہے تھے۔ برف باری پھر سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ سڑکوں پر برف کی تہہ جمی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔۔

یکدم وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخی تھی۔ سڑک کے ایک طرف پر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ جس پر برف کا تودہ گرنے سے وہ گاڑی مکمل طور پر ڈیمج ہو چکی تھی۔

ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے اپنا گلہ جکڑ گئی۔

زا۔۔۔را۔۔ن۔۔۔زا۔۔ارا۔۔ن۔۔ وہ اپنا گلہ جکڑے چیختی جا رہی تھی۔ وہ اپنے حواص کھو رہی تھی۔

ابرش نے روتے ہوے کانپتے ہاتھوں سے زاران کا نمبر ایک بار پھر سے ڈایل کیا تھا۔ نمبر آوٹ آف رینج تھا۔

مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو!! اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن

بھیج رہی ہوں۔ ابرش نے کپکپاتے لہجے میں وایس میسج ریکارڈ کرتے ہوے میسج سینڈ کرتے اپنی لوکیشن زاران کو بھیجی تھی۔ فون بند کرتے ہوے اس نے گہرے سانس لیتے خود کے ڈر پر قابو پایا تھا۔ کچھ نہیں ہو گا اسے !وہ جہاں بھی ہو گا اب تو اسے میرے پاس آنا ہی پڑے گا۔ جانتی ہوں میں تمھیں مسٹر خانزادہ تم کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔۔

ابرش کپکپاتے لہجے میں بولتے زمین سے اٹھتے آگے بڑھی۔۔ راستے مکمل طور پر بند تھے۔۔ برف باری نے پھر سے شدت اختیار کی تھی۔ ابرش نے کانپتے ہوے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کہاں جائے ؟؟ زاران کے بارے میں کہاں سے معلومات کرے ؟؟ اس نے آگے بڑھتے ایک بار پھر سے زاران کا نمبر ڈایل کیا۔ اس کے موبایل میں بھی اب سگنل ڈراپ ہو رہے تھے۔۔ وہ بھاگتے ہوے آگے بڑھی۔ یکدم ایک پہاڑ

سے اس کے سامنے ہی برف کا تودہ گرا تھا۔ وہ چیختے ہوے پیچھے کی طرف ہوئی تھی۔۔ وہ لڑھکتے ہوے نیچے کی طرف گرتے برف پر رول ہوئی تھی۔ وہ کسی برف کے اونچے پہاڑ سے گری تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے دل پر ہاتھ رکھے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اگر وہ پیچھے نہ ہوتی تو یقیناً وہ زندہ نہ ہوتی۔

آگے جانے کا راستہ بند ہو چکا تھا وہ بری طرح پھنس چکی تھی۔

ابرش زمین سے اب بھاگتے دوسری طرف بڑھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کہاں جارہی ہے۔ وہ اب خالی جگہ پر تھی جہاں سوائے برف کے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

زاران خانزادہ پاگلوں کی طرح سٹور کے چکر لگا رہا تھا۔ وہ مسلسل ابرش کے نمبر پر ٹرائے کر رہا تھا۔ سگنل ابھی تک نہیں آئے تھے۔۔ پچھے سات گھنٹوں سے وہ یہاں تھا۔

!! یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتے سوچو میں صبح صبح کہاں جا رہا ہوں ؟؟ کبھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی مساج پارلر میں کسی عورت سے مساج تو نہیں کروا رہا۔ زیادہ نہیں تو یہ سوچ لینا میں تمھیں یہاں چھوڑ کر جا چکا ہوں !!

اپنے ہی لفظوں کی بازگشت سنائی دی تو اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔ اپنی بیوی کی پوزیسونیس جذباتی نیچر سے وہ اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود وہ اس سے یہ سب باتیں کر آیا تھا۔

!! نہیں کر سکتی تمھیں کسی عورت کے ساتھ۔ ایک لمحے کے لیے برداشت نہیں کر سکتی۔ تم پھر کسی عورت کے ساتھ ایسے میٹنگ کرو گے۔ اس کے ساتھ بنگلے میں پارٹی مناؤ گے۔ کسی عورت کے ساتھ مسکرا کر بات کرو گے۔ میں آؤں گی تمھارے پیچھے۔ قید کر کے رکھو گے۔ کھڑی سے بھاگ جاؤں گی۔ مگر میرے ہوتے تم کسی دوسری عورت کے نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھنا تم سفاک خانزادہ!!

زاران ابرش کے لفظ یاد کرتے اپنی سانس باہر خارج کر رہا تھا۔ اگر اس نے اس کی صبح کی ہوئی باتوں کو ذرا سا بھی سچ مان لیا تو وہ اتنے خراب موسم کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ وہ اسے لے کر اتنی ہی جنونی تھی۔ زاران نے سانس باہر کھینچتے اپنی سفید ہائی نیک آگے سے پکڑ کر کھینچی تھی۔ اسے اس گرم سٹور میں اپنے جسم میں شعلے سے نکلتے محسوس

ہوے تھے۔ وہ پسینے سے تر ہوا تھا۔ ابرش کسی مصیبت میں نہ ہو وہ اندر تک لرز اٹھا تھا۔ یکدم زاران کے میسج پر بیپ ہوئی۔ زاران نے جلدی سے موبایل کو دیکھا جہاں سگنل آ چکے تھے۔

ابرش کا وایس میسج دیکھتے جلدی سے آن کیا تھا۔

!!مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو!!اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!!!مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو!!اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!

میسج سنتے اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔

وہ پسینے سے تر ہوا تھا یعنی اس کی بیوی اس کی کہی ہوئی باتوں کو سچ سمجھتے اس کے پیچھے نکل آئی تھی۔ زاران نے جلدی سے ابرش کا نمبر ڈایل کیا ۔موبایل فون آف آنے پر وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

وہ جلدی سے سٹور کے گلاس ڈور کی طرف بڑھا اسے ایک بار پھر سے وہاں کی سکیورٹی روک چکی تھی۔

Let me go my wife is in trouble

زاران چیخا تھا۔

Sorry, sir, you cannot go. We are not allowed to. "

.There have been many casualties outside

(سوری سر آپ باہر نہیں جاسکتے۔ باہر آگے بہت سے جانی نقصان ہو چکے ہیں۔)

سکیورٹی گارڈ نے زاران کو دیکھتے سنجیدگی سے اٹل لہجے میں کہا۔

Go to hell

زاران نے غراتے ہوے سکیورٹی گارڈ کے منہ پر پنچ مارتے ہوے اسے دھکا دیا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے بھاگتے ہوے باہر نکلات۔ سٹور کے باہر اسے ایک ہیوی بایک کھڑی نظر آئی تھی۔ جس کے اگنیشن میں چابی لگی ہوئی تھی۔ وہ بھاگتے ہوے بائک پر بیٹھتے بائیک سٹارٹ کر چکا تھا۔

زاران خانزادہ بائیک کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائے ہوے تھا۔ وہ بنا خطرناک راستوں کی پرواہ کیے بغیر بائیک چلا رہا تھا۔ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ نہ اپنی زندگی کی پرواہ تھی

یکدم اس کی بائیک جمپ لگتے پیچھے کی طرف گڑی تھی۔ سامنے برف کا تودہ گرا ہوا تھا۔ وہ بائیک سے اچھلتے ہوے دور جا گرا تھا۔

زاران کے ماتھے پر بری طرح چوٹ آئی تھی۔ وہ اپنا سر جکڑے زمین پر گرتے کراہ کر رہ گیا تھا۔ پیشانی سے خون بہنا شروع ہو چکا تھا۔

!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو !! اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں !!

کانوں میں ابرش کے لفظ گونجے تو اس نے اپنے سر کو جکڑے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا تھا۔

نہیں چھوڑوں گا تمھیں!! اگر تمھیں کچھ بھی ہوا بلڈی سک وومین!! وہ اپنے سر کو جکڑے حلق کے بل چیخا تھا۔

جسم سے روح تک ہے

تمھارے نشاں

بن گئے تم میری زندگی

جب سے تم ہو ملے

جان و دل ہیں کھلے

تم سے وابستہ ہے

ہر خوشی

تم ہو میرا پیار

تم سے ہے قرار

تم کو ہی بسایا

میں نے یادوں میں

تم سے ہے نشہ

تم سے ہے خمار

تم کو ہی سجایا

میں نے خوابوں میں

اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوے اس نے درد سے کراہتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ آسمان سے برف گرتی اسے جیسے ڈھک رہی تھی۔ وہ برف میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

!!مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو!!اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!

ابرش کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا اب اس کے عارض کو بھگو رہا تھا۔ کیونکہ اس کا دماغ مکمل اب اندھیرے میں جا رہا تھا۔

آنکھیں صحرا میری

تو ہے بھیگا اک بادل

میری خواہشوں میں تو

تیرے لیے میں پاگل

تو ہے بہتی ندی

ڈوبا ڈوبا میں ساحل

میں ہوں تجھ میں فنا

تو ہی میرا ہے حاصل

اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے درد سے کراہتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ آسمان سے برف گرتی اسے جیسے ڈھک رہی تھی۔ وہ برف میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

!!مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم ؟؟ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس بھیجو!!اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!

ابرش کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجے تھے۔اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا اب اس کے عارض کو بھگو رہا تھا۔ کیونکہ اس کا دماغ مکمل اب اندھیرے میں جا رہا تھا۔

آنکھیں صحرا میری

تو ہے بھیگا اک بادل

میری خواہشوں میں تو

تیرے لیے میں پاگل

تو ہے بہتی ندی

ڈوبا ڈوبا میں ساحل

میں ہوں تجھ میں فنا

تو ہی میرا ہے حاصل

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوے اپنا سر بار بار دونوں ہاتھوں میں جکڑ رہا تھا۔ برف اس کے اوپر گرتے اسے جیسے برف میں دھنسا رہی تھی۔

!!اے مسٹر سکس پیک ویسے تو میری کوئی بات مانتے نہیں مجھ سے دور رہنے والی بات فوراً مان لیتے ہو!!

ابرش کے لفظ یاد کرتے وہ بمشکل آنکھیں کھولتے مدھم سا ہنسا تھا۔

جب ملے نہیں تھے تم

نہ تھی خوشیاں نہ غم

تم ملے تو بدلے

زندگی کے یہ موسم

سن رہا ہے جو دعا

میرا سب کچھ ہے تجھ میں

ہر جگہ تھا کچھ کم

ملا مجھے سب تجھ میں

رات دن دیکھنا

تجھ کو عادت میری

یوں تجھے چاہنا ہے

ہے زندگی میری

!!میں مر بھی جاؤں تمھیں کیا پرواہ؟!تم تو خوش ہو گے ابرش پاشا جیسی بلڈی سک وومین سے تمھاری جان چھوٹ گئی!!

بند ہوتی آنکھوں سے ابرش کے آخری لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔اس نے درد سے کراہتے آنکھیں بمشکل کھولی تھیں۔اس کے لفظ یاد کرتے اس کے دل میں درد اٹھ رہا تھا۔

!!مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔جلد میرے پاس بھیجو!!اس بار میں تمھیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!

آہہہ۔۔وہ بمشکل آنکھیں کھولتا چیخا تھا۔زاران نے آنکھیں کھولتے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے جھٹکا دیا۔اس نے آنکھیں کھولتے آسمان کو دیکھتے اپنے چہرے سے برف ہٹائی تھی۔وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اٹھا تھا۔اس کا دماغ آہستہ آہستہ اپنے حواصوں میں آرہا تھا۔زران نے اٹھتے ہوے گہرے سانس لیتے آسمان سے گرتی برف باری کو دیکھا۔

اس کے دل و دماغ میں اس وقت صرف اس کی بیوی تھی۔جس کے آگے کوئی درد کوئی تکلیف معنی نہیں رکھتا تھا۔اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ اس زندگی کا کیا کرتا۔زاران نے اٹھتے ہوے اپنی جیکٹ سے رومال نکالتے ہوے اپنی پیشانی پر کس کر باندھا جہاں سے خون نکل رہا تھا۔

زاران خانزادہ نے اٹھتے ہوے خود سے برف جھاڑی۔ اس نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ اوپر نیچے راستوں سے وہ اس طرف بڑھنے لگا جس جگہ کی ابرش نے لوکیشن سینڈ کی تھی۔

ابرش اپنے گرد برف ہی برف کو سراسیمگی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کہاں پر ہے؟؟ ہر جگہ صرف برف برف ہی تھی۔ کوئی سڑک کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔۔

برف باری ابھی بھی ہو رہی تھی۔ اگر وہ مزید یہاں ٹھہرتی شاید اس برف میں ہی دھنس جاتی۔ وہ بھاگتے ہوے آگے بڑھنے لگی۔ یکدم اس کا پاؤں پھسلا تھا۔ وہ بری طرح گرتے برف کی چوٹی سے نیچے کی طرف گری۔

وہ بری طرح چیختے ہوے رول ہوتے برف کی ڈھلوان سے پھسلتی نیچے جاتی رہی تھی۔اس کی چیخیں دور دور تک گونج رہی تھیں۔

زاران خانزادہ تک اس کی چیخیں پہنچ رہی تھیں۔وہ اسی جگہ پر پہنچ آیا تھا جہاں ابرش تھی۔

اس کی چیخیں سنتا وہ جیسے پاگل ہوا تھا۔وہ اپنی پوری فورس لگائے بھاگتے ہوے اس طرف بڑھا جہاں سے ابرش کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابرش برف کی ڈھلوان سے نیچے گرتے. جھیل میں جامیں گری تھی۔جس پر برف کی تہہ جمتے اسے ڈھانپے ہوے تھی۔شدید ٹھنڈ کی وجہ سے اس lake پر برف نما شیشے جیسی پرت تھی جو سفید برف کی چادر سے ڈھکی ہوئی ۔اس پر شیشے کی تہہ جیسے جمی ہوئی تھی۔جو کہیں کہیں سے کچی تھی وہ اسی پرت پر آکر گری تھی وہ پرت اسی لمحے ٹوٹ کر اسے اپنے اندر سما گئی

تھی۔ وہ اس ٹھنڈے گہرے پانی میں گرتے گہرے پانی کی نظر ہو چکی تھی۔۔۔ وہ خوفزدہ ہوتے مسلسل چیخ رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اس کی جیسے سانسیں روک چکا تھا۔

اس کی چیخیں سنتا زاران خانزادہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ابرش ہاتھ پیر مارتے ک پانی میں آگے کی طرف بہتی جا رہی تھی۔ زاران خانزاہ نے اسے گرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ جگہ جگہ برف کی تہہ پر شیشے جسی پرت دیکھ چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا یہاں نیچے بہتی جھیل ہے۔ جو برف سے ڈھکی ہے۔ ابرش اسی جھیل میں گری ہے۔

ابرش!! وہ حلق کے بل چیختا ہوا پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے اس جگہ تک پہنچا تھا۔ ٹھنڈے برفیلے پانی کے اوپر سختی سے برف کی تہہ ہر جگہ جمی تھی۔ جہاں سے ابرش گری تھی۔ وہاں بھی ہلکی سی پرت جم چکی تھی۔ مگر

زاران خانزادہ کو دیکھنے سے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کون سی پرت کچی ہے کون سے پرت سخت ہے۔ زاران نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے ایک دو جگہ سے برف ہٹائی۔

ابرش اسے اس شیشے نما برف کی پرت سے پانی میں ہاتھ پیر مارتے ہوے نظر آرہی تھی۔

ابرش!! زاران خانزادہ چیختے ہوے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوے اپنی پوری فورس لگاتے ہوے مکے مارتے ہوے وہ برف کا ہارڈ سا شیشہ توڑنے لگا۔ مگر وہ کافی مضبوط تھا۔ ابرش زاران خانزادہ کو دیکھتے ہاتھ پیر مارتے اوپر آتے اس پرت کو ہاتھ سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ بہت ہارڈ تھی۔

آہہہ !!زاران خانزادہ اپنی پوری فورس لگاتے ہوے وہ بلاک توڑ رہا تھا۔۔ آہہہ۔۔۔۔۔وہ چیختے ہوے پوری قوت سے مکے مار رہا تھا۔ شیشہ نما پرت تڑخ رہی تھی۔ مگر ٹوٹ نہیں رہی تھی۔

ابرش مسلسل اوپر آنے کی کوشش کرتے پانی میں ہاتھ پیر مار رہی تھی۔

ابرش میں تمھیں بچالوں گا۔وہ چیختے ہوے برف کے بلاک پر مکے مارتے جا رہا تھا۔اس کی پیشانی سے ٹپکتا خون اس بلاک پر گر رہا تھا۔اس کا ہاتھ بھی تقریباً زخمی ہو چکا تھا۔ابرش کو کھونے کا ڈر اس کے حواصوں پر چھاتا اسے پاگل کر رہا تھا۔ابرش چیختے ہوے بار بار پانی کے اوپر آنے کی کوشش کرتے اندر سے ہاتھوں سے اس شیشے کے بلاک کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ابرش اب نیچے کی طرف جاتی جا رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اسے جماتا جا رہا تھا۔

زاران نے اب کھڑے ہوتے اپنے بھاری شوز سے اس بلاک پر ضربیں لگائی ۔وہ کھڑے ہوتے پوری قوت سے اپنا بوٹ پہنا پاؤں اس شیشے پر مار رہا تھا۔ شیشہ تڑخ رہا تھا۔ ابرش ہاتھ پیر مارتے ہوئے اب نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے سومنگ نہیں آتی تھی۔ وہ زیادہ دیر اس ٹھنڈے پانی میں سروائیو نہیں کر سکتی تھی۔ خوف سے زاران خانزادہ کا مضبوط جسم لرزنے لگا تھا۔

آہہہ !!زاران نے حلق کے بل چیختے ہوئے پوری قوت لگائے اپنا پاؤں مارا ۔برف کا بلاک نما شیشہ ٹوٹتا پانی کے اندر گرا تھا۔

زاران اسی لمحے پانی میں جمپ مارتے ہوئے نیچے کی طرف سومنگ کرتے ڈوبتی ہوئی ابرش کو تلاش کیا جو بمشکل ہاتھ پیر مارتے ہوئے بمشکل سانس لیتے نیچے کی سطح پر جا رہی تھی۔ پانی بے حد ٹھنڈا یخ برفیلا تھا۔۔ زاران بھی

جیسے منجمند ہو رہا تھا۔ پشانی پر لگی چوٹ بھی اسے اندر سے کمزور سی کر چکی تھی

مگر اس کی ول پاور ابرش کو کھونے کا خوف سے پہاڑ کی طرح جیسے جمائے ہوے تھا۔ ابرش کی زندگی سے بڑھ کر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپنا درد اپنی تکلیف محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی اب زندگی سے بھی بڑھ کر وہ تھی تو اس کی زندگی سے بڑھ کر کیا تکلیف کیا درد ہو سکتا تھا بھلا؟! وہ ٹھنڈے پانی میں ہاتھ پیر مارتے ہوے اس تک پہنچتے ہوے اسے کمر سے جکڑے اپنے ساتھ لپٹا گیا۔ ابرش زاران کو دیکھتے بمشکل سانس لیتے ہوے زاران خانزادہ کے ساتھ لپٹی تھی۔ وہ ابھی تک ہوش میں تھی۔ اسے بھی زاران خانزادہ کی زندگی کا خوف ابھی تک ہوش میں رکھے ہوے تھا۔ اس خانزادہ سے بڑھ کر کون تھا اس کی زندگی کے لیے بھلا؟؟ کوئی رشتہ کوئی خوشی کچھ بھی نہ تھا۔ یہ

خانزادہ تھا تو درد تھا یہ خانزادہ تھا تو خوشی تھی۔ ورنہ کیا بچتا اس کی زندگی میں ؟؟ وہ بمشکل سانس لیتے مقابل کے چوڑے وجود سے لپٹی ہوئی تھی۔

وہ اسے لیے تیراکی کرتے ہوئے اوپر کی طرح آیا جہاں سے اس نے وہ برف توڑی تھی۔

اسے لیے سومنگ کرتے ہوئے پانی کی سطح پر آتے اسے اوپر کو اٹھائے اسے گہرے پانی سے نکالتے برف کی سطح پر کیا تھا۔۔ خود بھی وہ باہر آیا۔ ابرش اپنے گلے کو جکڑے اوندھے منہ برف پر لیٹے کھانستے ہوئے بمشکل سانس لے رہی تھی۔ زاران نے اوپر آتے اسے سیدھا کیے اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔ اس کے ہونٹ نیلے پڑتے بری طرح کپکپا رہے تھے۔ وہ بہت مشکل سے سانس لے رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کے نیلے ہونٹوں پر جھکتے ہوئے اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔ دونوں کے ہونٹ برفیلے اور سانسیں سرد تھیں۔ وہ ابرش پر جھکے اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھے اس کے نیلے ہونٹوں کو گرمایش دینے کی کوشش کرنے لگا۔ ابرش نے بمشکل سانس لیتے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے دور کرنے کی کوشش کی۔ زاران نے اوپر ہوتے ابرش کو اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔ وہ بمشکل سانس لیتے ہوئے زاران کے کوٹ کو جکڑ گئی تھی۔۔ اسے سانس نہیں آرہا تھا۔ وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔ زاران نے اس کی کمر کو رب کرتے اسے اپنے سینے میں بھینچا۔

مسٹر۔۔۔ خا۔۔۔ نز۔۔ ادہ!! اس نے اس کے سینے کے ساتھ لپٹے ہوئے اسے ٹوٹے لفظوں سے پکارا تھا۔ دوسرے لمحے وہ زاران کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔

زاران خانزادہ اسی لمحے اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے زمین سے اٹھتا اس برف کی ڈھلوان سے نیچے اترنے لگا۔ ان کا کاٹیج پاس ہی تھا۔ وہ اسے اٹھائے تیز تیز قدموں سے اپنے کاٹیج کی طرف بڑھا۔ اس کا مضبوط جسم بھی لرز رہا تھا۔ پیشانی پر چوٹ لگنے سے اس کا جسم اس کے قدموں کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ اگر ابرش اس کے ساتھ نہ ہوتی اور اس کی زندگی کا خوف نہ ہوتا وہ یقیناً ابھی تک اپنے ہوش و حواص سے بیگانہ ہو جاتا۔

وہ اسے اٹھائے اپنے سینے سے لپٹائے چھوٹے سے گیٹ سے اپنے کاٹیج میں داخل ہوا۔ وہ اسے لیے گہرے سانس بھرتے تیز تیز قدموں سے اندر داخل ہوتے اس نے اپنی کوٹ کی پاکٹ سے چابی نکالتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولتے ہوئے تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔۔ کمرے میں داخل ہوتے اس نے ابرش کو بیڈ پر لٹاتے جلدی سے اس

کا کوٹ ریموو کیا۔ وہ اس کے جسم پر موجود ہر کپڑا ایک ایک کرتے اتارتے چلا گیا تھا۔ اس پر اچھی طرح کمبل دیے زاران خانزادہ نے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر پھنیکا. اپنی شرٹ اتارتے ہوے اس نے زمین بوس کی تھی۔ ڈرار سے کچھ پین کلر میڈیسن نکال کر اس نے جلدی سے پانی سے لے کر نگلی تھی۔ زاران خانزادہ کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔۔ ابرش کے بے جان وجود کو ایک نظر دیکھتے وہ واش روم کی بڑھا. واش روم کی کبرڈ سے میڈیکل باکس نکالتے اس نے اپنی پیشانی کا زخم صاف کرتے وہاں اچھی طرح بینڈج کی تھی۔ وہ واش روم سے سفید ٹروازر پہنے باہر آیا۔ کمرہ اچھا خاصہ ہیٹڈ تھا۔ پورا گھر ہی ہیٹڈ تھا۔ وہ ابرش کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھا۔ ابرش کے چہرے پر اب سرخیاں سی گھلی تھیں۔ زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کی سانسیں چیک کیں جو اب نارمل چل رہی تھیں۔

وہ گہرے سانس لیتے باہر کی جانب بڑھا۔

بیک یارڈ کی طرف کھلی کھڑکی دیکھ کر وہ جبڑے بھینچ گیا تھا وہ اسی کھڑکی سے کودی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔۔ زاران خانزاہ نے کھڑکی کی طرف بڑھتے کھڑکی بند کی۔ وہ اب کچن کی طرف بڑھا تھا۔ فریج سے ہلال انرجی ڈرنک نکال کر اس نے لبوں سے لگاتے وہ ایک ہی سانس میں وہ ڈرنک پی گیا تھا۔ فریج میں کل کے سیڈوچ پڑے تھے۔ وہ یہ دیکھتے لب دانتوں تلے دبا کر رہ گیا تھا۔ اس کی جذباتی بیوی نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

زاران نے وہ سیڈوچ نکال کر اوون میں گرم کیا

ریغریجیٹیر سے فش نکال کر اس نے فویل پیپر میں لیپٹے بیک ہونے کے لیے رکھی تھی۔ وہ سیڈوچ کی بڑی بڑی بایٹ لیتے ہوے اسے اپنے اندر اتارنے لگا۔

وہ سیڈوچ فنش کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھا جہاں اسے اپنی جذباتی بیوی سے اس سب کا حساب بھی مانگنا تھا۔ جو اس نے آج کیا تھا۔ اور آج اس کے قہر سے اس نے بچنا نہیں تھا۔ وہ ہر دفعہ کی طرح اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کمرے کی طرف بھاری قدموں سے بڑھا۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھتے اپنی نازک بیوی کو کمر سے جکڑے اپنے قریب کرتے خود کے ساتھ سختی سے بھینچ چکا تھا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے وہ بہت نرمی سے اپنی انگلیوں سے اس کے بال سلجھاتے ہوئے اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔ وہ اس کے نازک وجود کو سختی سے بھینچتے جا رہا تھا۔ اسے کھونے کا خوف ابھی تک اس کے اعصابوں کو جکڑے ہوئے تھا۔ ایک مرتبہ وہ جب گاڑی لے کر سوات کی سڑکوں پر نکلی تھی۔ وہ تب بھی خوف

سے ایسے ہی لرز اٹھا تھا۔ اور آج بھی وہ شدت سے لرز اٹھا تھا۔ زندگی ابرش کے سوا اس کے لیے گہری کھائی اور سوائے تاریکی کے کچھ نہ تھی۔

وہ اسے تکیے پر لٹائے اس پر حاوی ہوتے اس پر جھکے اس کے ایک نقش کو اپنے لبوں سے جھلسانے لگا۔

وہ دیوانگی کے عالم میں اس نقوش کو اپنے لبوں سے چھوتے اس کے نازک وجود پر اپنا وزن ڈالے اس کی گردن میں منہ چھپاتے گہرے سانس لینے لگا۔ مقابل کی بدن کی گلاب خوشبو اس کا سکون تھی۔ وہ شدت سے اس سے لپٹا تھا۔

اسی لمحے ابرش کا کپکپاتا ہاتھ اس کے گھنے بالوں کو چھو گیا تھا۔

وہ اس کی برہنہ کمر پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر گئی تھی۔

ابرش کو ہوش میں آتے دیکھ کر زاران خانزادہ اوپر کو ہوتے اسے بالوں کو جکڑے اس کے نازک ہاتھوں کو اپنی کمر سے جھٹک گیا تھا۔

زا۔۔را۔ن۔۔ ابرش نے شبنمی لہجے میں پکارتے اسے نم نگاہوں سے دیکھا وہ اسے سرد سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

آگیی آخر کار تم میرے پیچھے !!زاران خانزادہ اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا۔

میں تمھارے پیچھے !!ابرش نے کپکپاتے لبوں سے بولتے اس کی بینڈج ہوئی پیشانی کو چھوا۔وہ اسی لمحے اس کا ہاتھ جھٹک گیا تھا۔

نشے کی حالت میں تم نے کہا تھا جب میں کسی عورت سے بات کروں گا۔کسی سے مسکرا کر بات کروں گا تم میرے پیچھے آؤ گی۔میں تمھیں قید کروں گا

تم کھڑکی سے بھاگ کر میرے پیچھے آؤ گی۔ آج تم نے ثابت کیا تم اپنے قول کی پکی ہو۔ تم بلڈی سک وومین ہو۔ تم ایسے ہی کرو گی۔ ہر بار ایسے ہی میرے پیچھے آؤ گی۔ میری عزت جائے یا جان مگر تم یہی کرو گی ابرش جو تم نے آج کیا۔۔ کیا بیویاں ایسی ہوتی ہیں؟؟ میں اتنا بے عتبار ہوں تمھارے لیے؟؟ وہ زخمی لہجے میں بولتے تلخی سے مسکراتے ہوئے ابرش کی بھیگی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے اس کے اوپر سے اٹھتا ایک جھٹکے سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ابرش نے چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے اپنے لرزتے وجود پر قابو پایا تھا ۔دوسرے لمحے وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ ابرش نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کمرے کی کبرڈ کی طرف بڑھتے سامنے

پڑی بلیک سلیو لیس نائیٹی پہنی تھی۔ وہ یہ نائیٹی پہنے ہوے سسکتے ہوے بری طرح رو رہی تھی۔

وہ اب سیاہ کلر کی ایک بے حد ڈیلی کیٹ بیک لیس گھٹنوں تک آتی نائیٹی میں ملبوس تھی۔ وہ اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوے کمرے سے نکلتی باہر لاونج میں آئی۔

زاران سفید ٹروازر میں ملبوس شرٹ لیس سگریٹ لبوں میں دبائے گلاس ونڈو کے بیک یارڈ پر نگاہیں جمائے ہوے تھا۔ جو کافی نیچے کی طرف تھا۔ جہاں سے اس کی بیوی کودی تھی۔

ابرش زاران کی طرف بڑھتے اس کی بیک سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے کو جکڑے اس کی پشت کے ساتھ سمائی تھی۔

زاران کے ہاتھ میں دبا جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں کی کی پوروں کو چھو گیا تھا ۔وہ بری طرح جبڑے بھینچ گیا تھاو

کیوں لگتا ہے تمھیں مسٹر خانزادہ ہے؟؟ مجھے تمھاری عزت تمھاری جان کی پرواہ نہیں۔ وہ روتے ہوے اس کی پشت کے ساتھ لگے اس کی کمر کو چومتے ہوے بول رہی تھی۔

اتنا ہی سمجھ سکے ہو تم ابرش خانزادہ کو؟؟ اس نے بری طرح سسسکاری بھری۔ اس کے ابرش خانزادہ کہنے پر زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ آج پہلی مرتبہ اس نے خود کو ابرش خانزادہ کہا تھا۔

یہ بلڈی سک وومن پاگل تمھاری محبت میں ہے۔ مگر اتنی بھی پاگل نہیں وہ اس انجان شہر میں تمھارے پیچھے اس لیے آتی کیونکہ اسے تم پر اعتبار

نہیں۔اس کی آواز شدت سے بھیگ رہی تھی۔زارن کی کمر اس کے آنکھ سے بہتے آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی۔

پھر کیوں آئی؟؟کیوں کودی اس کھڑکی سے تم؟؟کیوں نکلی اس خطرناک موسم میں؟؟وہ رخ پلٹے اس کے بالوں کو جکڑے اس کی گردن کو بری طرح جھٹکا دیتے ہوے اس کی شبنمی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

تمھیں کھونے کے ڈر سے تمھارے پیچھے آئی تھی مسٹر خانزادہ!!اب کھونے کا مطلب تمھاری ڈکشنری میں کیا ہے؟!میں نہیں جانتی۔۔مگر میری ڈکشنری میں صرف لفظ تمھیں کھونا کھو دینا ہے۔چاہے وہ تمھاری زندگی کے کھونے کا خوف ہو یا پھر کوئی دوسری عورت تمھیں مجھ سے چھین لے

گی۔خوف تو تمھیں کھونے کا ہی ہے مسٹر خانزادہ!!ابرش نے درد سے سسکی لیتے اس کی سرخ آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھیں۔

اتنی اونچائی سے کود گئی تمھارے لیے مسٹر خانزادہ!!اگر بیس مارلے کی چھت سے بھی کودنا پڑتا تو تمھارے لیے کود جاتی!!اتنی محبت کرتی ہوں تم سے!!وہ کپکپاتے لبوں سے بولتے ہوے زاران کی بے تاثر سرد آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

یوزلیس ہے تمھاری محبت میرے لیے!!تمھاری محبت صرف میری سانسیں بند کرتی ہے اور کچھ نہیں مس ابرش۔۔۔وہ برفیلے لہجے میں بولتے رکا تھا۔ابرش نے اس کے رکنے پر ہچکی لی تھی۔۔وہ مقابل کے لبوں سے اس لمحے ابرش پاشا نہیں سن سکتی تھی۔

مسسز ابرش خانزادہ۔۔وہ غراتے ہوے اس کے بال چھوڑتے ہوے کمرے کی طرف بڑھا۔

کیا چاہتے ہو اب؟؟ کتنی سزا دو گے اب مجھے میرے اس جرم کی؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

زاران خانزادہ نے مڑتے ہوے اسے قہربار نگاہوں سے گھورا تھا۔اس کی شارٹ نایٹی سے نظر آتے اس کے گھٹنے دیکھ کر وہ ضبط سے اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

اس کے گھنٹنے بری طرح چھلے ہوے تھے۔وہ مٹھیاں بھینچتے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے لگا۔سامنے کھڑی عورت جب جب خود کو تکلیف دیتی تھی۔اس کی برداشت سے باہر ہونے لگتا تھا اس کا جذباتی پن۔اس کے زخمی گھٹنے دیکھ کر زاران خانزادہ نے لاونج میں پڑی کرسی دونوں ہاتھوں سے

اٹھاتے لاونج کے وسط پر پڑی ٹیبل پر دے ماری۔ ٹیبل کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا تھا۔

آہہ۔۔ ابرش چیختے ہوے منہ پر ہاتھ رکھے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی تھی۔ وہ ایک ہی جست میں اس کی طرف بڑھتے اسے بالوں سے دبوچتے اس کے گلابی لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس پر اپنی شدت نچھاور کرنے لگا۔ ابرش اس کے برہنہ سینے پر ہاتھ جمائے اس کی شدت برداشت کر رہی تھی۔ وہ اس کے لبوں کو میٹھی جلن سے روشناس کرواتے ہوے اسے خود سے دور کر گیا تھا۔ ابرش لڑکھڑاتے ہوے گلاس وال سے جا ٹکرائی تھی۔

معافی چاہیے تمھیں!! زاران اس کے وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا تھا۔

ہاں!!ابرش نے اپنی ٹوٹی سانسوں کو بحال کرتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے ایک لفظی جواب دیا۔ مقابل نے اس کی سانسیں توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

مانتی ہو تمہاری غلطی ہے۔ تم قصوروار ہو!زاران خانزادہ اس کے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھے ٹانگ پر ٹانگ رکھے سگریٹ اور لائیٹر جلائے لبوں میں دبا گیا تھا۔

نہیں!!ابرش نے زاران خانزادہ کو دیکھتے ہوئے اب سر نفی میں ہلایا۔

زاران اس کے نفی میں سر ہلانے پر جبڑے بھینچ گیا تھا۔

کس کی غلطی ہے پھر؟؟زاران خانزادہ نے گہرا کش لیتے سلگتے لہجے میں پوچھا۔

تمھاری غلطی ہے مسٹر خانزادہ ہر بار کی طرح۔۔ ابرش گلاس وال کے ساتھ لگے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوے بولی تھی۔

ابرش کے جواب پر زاران نے غصے سے جبڑے بھینچتے ہوے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ سامنے کھڑی عورت پل پل میں اس کی رگوں میں دوڑتا خون بھڑکانا جانتی تھی۔ جیسے ابھی رگوں میں دوڑتا خون لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔

جب تمھاری غلطی نہیں تو تم سزا کیوں سہنا چاہتی ہو؟؟ زاران نے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا۔

غلطی مرد کی ہو یا عورت کی سزا تو عورت کو سہنا پڑتی ہے۔۔ آج سے ایک سال پہلے بھی مجھے ہی سزا سہنی پڑی تھی۔ تم جیسا سفاک خانزادہ آج بھی

مجھے ہی سزا دے گا۔ ابرش زاران خانزادہ کو دیکھتے بھیگے لہجے میں استھزائیہ مسکرائی تھی۔

وہ سزا تم نے کیا اکیلے میں کاٹی تھی۔ وہ صوفے کے بازو پر مکہ مارتے سوالیہ لہجے میں غرایا تھا۔

ہاں میں نے سہی تھی۔ تم نے مجھے چھوڑ دیا تھا بلکہ مجھے پھینک آئے تھے میرے گیٹ پر۔۔ سات مہینے میں تڑپتی رہی تمھارے لیے۔۔ تمھاری خبر رکھتی رہی۔۔ نمبر تک تم نے بدل لیا تھا۔ روز فون پر سانسوں کا رقص سن کر بھی تم نے میری سانسوں کو نہیں پہچانا۔۔ وہ حلق کے بل ہذیانی چیخی تھی۔ وہ سات ماہ اس سے لاتعلق رہا۔ یہ بات تو آج بھی اسے پھانس کی طرح چبھتی تھی۔

سانسوں کو پہچان چکا تھا اس لیے وہ رقص گھنٹوں سنتا تھا۔ زاران کرسی سے اٹھتا اس کی بات کو کاٹتے جو ابا حلق کے بل چیخا تھا۔ ابرش اس کی چیخ پر اسے گہری ہوتی سانسوں سے دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو گہری ہوتی سانسو؟ سے دیکھ رہے تھے۔

پہچان چکا تھا وہ سانس میری سائیکو بیوی کی ہیں۔ وہ نمبر تم نے حاصل نہیں کیا وہ نمبر میرے کہنے پر درخشاں نے تمھیں دیا تھا۔ زاران اسے نم آنکھوں سے دیکھتے بولا۔

ابرش بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک دن کیا ایک پل تمھاری ذات سے غافل نہیں ہوا۔ تم تک میری ہر انفارمیشن پہچتی نہیں تھی۔ پہنچائی جاتی تھی۔ کبھی سوچا درخشاں کو کیسے پتہ ہو سکتا تھا میری میٹنگ ہے۔

میرے کہنے پر وہ تمھیں ہر خبر پہنچاتی تھی۔

جانتا تھا ڈائی ہارڈ فین کی آئی ڈی میری بلڈی سک وومین کی ہے۔ وہ اب بولتے ہوے رو رہا تھا۔

عورت چیختی ہے چلاتی ہے روتی ہے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے۔ مرد یہ بہتے آنسو اپنے دل پر گراتا ہے۔ زاران خانزادہ اپنے گال سے آنسو اپنی انگلی کے پور سے چنتا استھزائیہ مسکرایا تھا۔ ارش بے یقینی سے مقابل کو خود کے لیے روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

کھونے کا خوف عورت کو نہیں ہوتا۔ مرد کو بھی ہوتا ہے۔ جیسے آج میں ڈر گیا تھا تمھیں کھونے کے خوف سے میرا دل لرز اٹھا تھا۔۔ تم سچ میں بلڈی سک وومین ہو۔ تمھیں صرف اپنا درد نظر آتا ہے میرا درد تم آج بھی میری آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی۔ وہ ابرش کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے کمرے کی طرف بڑھا۔

سسس۔۔۔۔ابرش کی درد بھری سسکاری گونجی تھی۔زاران تیزی سے اس کی طرف پلٹتے اس کی طرف بڑھا۔

وہ اپنے پاؤں کو دیکھ کر بری طرح سسک رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھتے اس کا پاؤں جکڑ گیا تھا۔ابرش بری طرح سسکاریاں بھر رہی تھی۔زاران نے پریشانی سے اس کا پاؤں دیکھا جہاں کوئی کانچ نہیں چبھا تھا۔زاران نے حیرانگی سے ابرش کے سسکتے وجود کو دیکھتے اس کا دوسرا پاؤں جکڑا جس کے تلوے میں بھی کوئی کانٹا نہیں تھا۔

وہ حیرانگی سے ابرش کی آنکھ سے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔

کچھ نہیں ہوا مسٹر خانزادہ مجھے! تمھاری محبت دیکھنی تھی تھاری تڑپ دیکھ لی۔ مجھے چوٹ لگے درد تمھیں بھی ہوتا ہے۔ جب اتنی محبت کرتے ہو تو کیسے سزا دو گے مجھے؟! تھیں صرف آج کی رات مجھے اپنی بانہوں میں رکھ کر اپنے جسم کی گرمی دینی چاہیے۔ جس کی مجھے ضروت ہے۔ ایک وہی کام اچھا کرتے ہو مسٹر خانزادہ! تم تو شاید منسٹری بھی نہیں کر سکتے۔ ابرش بہتے آنسوؤں سے بولتے ہنسی تھی۔ زاران خانزادہ زمین سے اھتے اس کے بال گدی سے دبوچ گیا تھا۔

سزا تو ملے گی تمھیں جو تم آج سہن نہیں کر پاؤ گی۔ وہ غراتے ہوے اسے گود میں اٹھائے کمرے کی طرف بڑھتے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔

ابرش اوندھے منہ نرم گدے پر گری تھی۔ زاران خانزادہ ڈرار سے پٹی نکالتے ہوے ابرش کی آنکھوں میں باندھ گیا تھا۔ اس سے پہلے ابرش کچھ سمجھتی۔ وہ ڈرار سے

hand cuffs

نکالتے اسے کی کلائیوں کو اوپر کی طرف کرتے بیڈ کے ساتھ لاک کر گیا تھا۔

ابرش کی سانسیں اب سچ میں دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو چکی تھیں۔ وہ بری طرح خوفزدہ ہوئی تھی۔

مسٹر خانزادہ کو برداشت کرنا اس کے لیے مشکل تھا

ا۔وہ تو مقابل کی شدید محبت میں سے اسے برداشت کرتی تھی۔۔وہ بہت بار اس سے یہ والا رومانس کرنے کو کہہ چکا تھا۔ مگر وہ اسے ہر بار منع کر دیتی تھی۔ مگر آج وہ اسے بنا موقع دیے اس کے ہاتھ لاک کر چکا تھا۔

ابرش تیز تیز سانسیں لے رہی تھی۔

ڈر لگ رہا ہے میری بے شرم بیوی کو؟!زاران خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس پر حاوی ہوا۔

نن۔۔نہیں۔۔۔ابرش نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

میری سزا تم آج سہہ نہیں سکتی مسز زخانزادہ!!آج تمھارا وہ حال کروں گا تم اپنا خوبصورت بدن اب زندگی بھر آئینے میں نہیں دیکھ سکو گی۔ایسے داغ لگاؤں گا آج میں۔زاران خانزادہ غراتے ہوے اس کے وجود پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے اس کی نائیٹی کی سٹریپ میں انگلیاں پھنسائے اسے کندھوں سے نیچے کھسکائے اس کی برہنہ گہرائیوں دپر دانت گاڑھ گیا تھا۔ ابرش کی سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔ وہ سچ میں آج اپنی جنون بھری شدتوں سے اس کی جان نکال رہا تھا۔ وہ بری طرح سسکتے ہوئے تڑپ اٹھی تھی۔

زاران۔۔۔ زاران۔۔ پپ۔۔ پلیز۔۔۔ ابرش نے التجائیہ لہجے میں اسے پکارا ۔۔ زاران کے جنونیت بھرے لمس میں مزید آضافہ ہوا۔ ابرش گہرے سانس بھرتے بری طرح تڑپ رہی تھی۔

وہ اس کے تڑپنے پر اپنی بے باکیوں میں مزید آضافہ کر چکا تھا۔ نائیٹی اب بدن پر نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ وہ اس کی گردن پر جھکے اسے جامنی کرتے اس کی نازکی پر قیامت بھرپا کر چکا تھا۔ ابرش کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں کو لاک کرتے وہ اس کی سسکاریوں پر اپنے لبوں کا کفل لگا گیا

۔وہ اپنی جنون خیزی اس کے نازک ہونٹوں پر ڈھا رہا تھا۔۔اس کی شدت سے ابرش کی سانسیں بند ہوئی تھیں۔وہ اس کی سانسوں کا تھمنا محسوس کرتے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے اور اپنے درمیان ہر نازک پردے کو گراتے اس کے وجود کا حصہ بنے وہ اس پر بنا رحم کھائے اپنی شدتیں ڈھانے لگا۔ابرش کے ہاتھ ابھی تک بیڈ سے بندھے تھے۔وہ اس کی سسکیوں کا گلہ اپنے ہونٹوں سے گھوٹے اپنی جنونی شدتیں ڈھاتے جا رہا تھا۔آج اس نے قسم کھائی تھی وہ اس پر رحم نہیں کھائے گا۔وہ اپنے وعدے پر قایم رہتے ابرش پر اپنی جنون خیزیاں ڈھاتا جا رہا تھا۔یہ بے رحمانہ کھیل بھی کافی دیر تک جاری رہا تھا۔یکدم وہ پر سکون ہوتے اس کی ٹھوڑی کو چومتے ہوے اوپر ہوتے اس کی کے کلائیاں

handcuffs

سے آزاد کر گیا تھا۔ کلائیاں آزاد ہوتے ہی ابرش زاران کے سینے سے لگی شدت سے رو دی تھی۔ وہ اسے سینے میں بھینچے اس کے لبوں کو نرمی سے چومتے ہوئے اس کے بہتے آنسو انگھوٹھے سے صاف کرتے گہرا مسکرا رہا تھا۔ ابرش اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رخ موڑ گئی تھی۔ زاران اس کی کمر کو نرمی سے چومتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے اپنے اور اس کے اوپر کمبل کر گیا۔۔ وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے خود میں بھینچ رہا تھا۔ ابرش اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو رہی تھی۔ اس کی سسکاریاں ابھی تک کمرے میں گونج رہی تھیں۔

میری بے شرم بیوی کی سہن شکتی کو آج کیا ہو گیا ہے؟! تم میں تو اس سے زیادہ سٹیمنا ہے آج کیا ہوا ہے۔ صرف ہاتھ بندھے تھے ظلم تو میں نے

repeated

ہی کیا ہے۔

زاران خانزادہ اس کی ٹھوڑی پکڑے اس کی آنکھوں کو چومتے ہوے ذو معنی لہجے میں بولا۔

آپ ظالم ہیں مسٹر خانزادہ!! میں نے کل سے کھانا نہیں کھایا آپ کو مجھ پر ترس نہیں آیا۔ ابرش نے روتے ہوے زاران خانزادہ کے سینے پر دانت گاڑھے۔

آج لگ رہی ہو چھوئی موئی پہلی رات کی دلہن!! اس طرح تو پہلی رات کی دلہن نہیں روتی ہو گی جتنی تم آج رو رہی ہو میری بے شرم بیوی۔ زاران لب دانتوں تلے دبائے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے بولا۔ آپ کو میں صرف بے شرم لگتی ہوں۔ ابرش نے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔

میں قربان جاؤں تمھارے تم سے آپ کے سفر پر۔ وہ بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔ ابرش اس کے قہقے پر خفت سے مزید سرخ ہوئی تھی۔

۔ جیسی بھی لگتی ہو بہت اچھی لگتی ہو۔ بہت پیاری لگتی ہو۔ وہ اس پر جھکے اس کے عارض پر نرمی سے دانت گاڑھ گیا۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے !! اتنی کہ تم کبھی نہیں جان سکتی۔ تمھارے اور میرے محبت کرنے کے انداز میں فرق ہے ابرش !! جب تم مجھے سکون دیتی ہو میری آنکھیں اس سکون سے بند ہوتی ہیں جو تمھاری ذات سے مجھے ملتا ہے۔ سات مہینے تمھارے بغیر میں سکون کی نیند نہیں سو سکا اور اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ہر وہ رات جو تمھارے بغیر گزاری کبھی سکون سے نہیں سویا۔۔ اگر میں تمھاری آغوش میں تم سے سکون لینے کے بعد سو جاتا

ہوں تو کیا میری محبت کم ہو جاتی ہے اس سے ؟؟ زاران نے اس کی ہتھیلیاں چومتے ہوے پوچھا تھا۔

ابرش نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ زاران ہنستے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ کیا میں نے اپنی قربت میں کبھی تمھیں مان نہیں دیا۔ ؟! نکاح کے بعد اور نکاح سے پہلے کبھی تم سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔ زاران نے اس کی ٹھوڑی چومتے ہوے سوال کیا۔

بہت کم۔ ابرش نے نروٹھے انداز میں بولتے ہچکی لی تھی۔

اوکے مائی فالٹ۔۔ وعدہ کرتا ہوں قربت کے لمحات میں اتنی بار سانس نہیں لوں گا جتنی بار آئی لو یو بولوں گا۔ زارن نے اس کے سرخ لب پر نرمی سے لب رکھے تھے۔

صرف قربت کے لمحات میں۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا۔

اس کے سوال پر زاران کا دبنگ قہقہہ گونجا تھا۔

ہر وقت ہر پل بولوں گا اپنی خوبصورت بیوی کو آئی لو یو بولوں گا۔ زاران ہنستے ہوے اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا

جس دن بھول گیے بولنا تو؟! ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے پوچھا۔

اس دن تم مجھے کمرے میں مت آنے دینا۔ اپنے بنگلے کی بیک یارڈ یا لان میں سلا دینا۔ زاران مسکراتے ہوے اس کے عارض پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

۔ سوچ لو مسٹر خانزادہ!! ابرش کھکھلائی تھی

سوچ لیا مسسز خانزادہ میرا بنگلہ آپ کے نام ہو چکا ہے۔ میں بھی آپ کا غلام! آپ جو چاہیں سلوک کریں۔ زاران نے ہنستے ہوے اسے کھکھلاہٹ کو اپنے لبوں میں قید کیا۔ ابرش کی سانسوں کو پھلا کر اسے نے اسے اپنے لمس سے آزادی بخشی

وہ تو ہے تمھارا سب کچھ صرف میرا ہے کیونکہ تم صرف میرے ہو!! ابرش نے اس کے سینے اپر نگلی پھیرتے سانسوں کو ترتیب وار کرتے اک ادا سے کہا تھا۔

تمھارا صرف تمھارا۔ زاران اس کی ادا اس کے چہرے پر مغروریت دیکھتے اب اپنی مسکراہٹ دباتے بلکل سیریس ہوا تھا۔ اس بات کو لے کر وہ اپنے باپ کی بھی توبہ کر چکا تھا۔ وہ ابرش سے کوئی مذاق بھی کرے۔ وہ اس کے سامنے کسی عورت کا ذکر اب مر کر بھی کرنے والا نہیں تھا۔

تمھیں نت نئی ڈشز کھانے کا شوق ہے مسٹر خانزادہ!! ابرش نے بھیگی آواز میں سلگتے ہوئے پوچھا تھا۔

بلکل نہیں قسم لے لو ایک ہی ڈش کھانے کا شوق ہے۔ تم سچ میں مجھے یہاں روز امریکن سیڈوچ بھی کھلاؤ گی کھالوں گا۔۔ مجھے تو نت کھانے نہیں پسند۔۔ قسم لے لو بہت سادہ مزاج بندہ ہوں۔ میں ساری عمر ایک ہی ڈش کھالوں گا بور بھی نہیں ہوں گا۔ زاران خانزادہ نے ڈرتے ہوئے کافی محتاط لفظوں کا استعمال کیا تھا۔۔

کل کیا کہا تھا؟ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ابھی بھی سنجیدہ تھی۔ زران خانزادہ سانس باہر کھینچتے اسے کندھوں سے جکڑتے رخ پلٹے اپنے نیچے کر گیا تھا۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کہ کہتا ہوں میں ایک ہی ڈش کھاؤں گا ساری عمر صرف کبھی کبھار میری ہاٹ خوبصورت بے شرم بیوی اس میں سپائس ڈال دیا کرے تو مسٹر خانزادہ اپنی بے شرم بیوی کا مزید دیوانہ ہو جائے گا۔ زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس کی سانسوں کا گلہ گھونٹ گیا تھا۔ ابرش اس کی گردن میں بانہیں حمایل کرتے ہوئے اس کی نرم گرم شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی۔

زاران خانزادہ کی آواز ابرش کی سسکیوں سے کھلی تھیں۔

زاران نے آنکھیں کھولتے پریشان ہوتے کمرے میں نگاہیں دوڑائیں۔ ابرش صوفے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے سسک رہی تھی

زاران ہڑبڑاتے ہوئے بیڈ سے اٹھا تھا۔ رات تک تو وہ ٹھیک تھی۔ اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا۔ وہ رات تین بجے تک اس کی ہر چھوٹی چھوٹی بات بہت غور سے سنتے جوابات بھی دیتا رہا تھا۔ بار بار اپنی محبت کا اظہار بھی کرتا رہا تھا۔ اب وہ پریشان ہوا تھا اس سے ایسی کیا غلطی ہو گئی تھی وہ یوں رو رہی تھی۔

ابرش کیا ہوا ہے؟! زاران نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں پر ہاتھ رکھتے پوچھا تھا۔ وہ گھٹنوں سے سر اٹھائے اس کے سینے سے لپٹتے بری طرح سسکاریاں بھرتے رونے لگی۔

کیا ہوا ہے ابرش؟! زارن بری طرح گھبرایا تھا۔ وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔ ابرش نے سسکاری بھرتے اپنی مٹھی کھولی۔ زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

اس کی ہتھیلی پر پریگننسی کٹ تھی۔زارن پریشانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا

ٹولائیز!!ابرش نے ہچکی لی تھی۔

کیا؟؟زاران کی سانسیں تیز ہوئی وہ بے یقین ہوا تھا۔

آئی ایم پریگننٹ!!ابرش روتے ہوے بولی تھی۔

واٹ کیا کہہ رہی ہو تم؟؟زاران نے بے یقینی سے وہ کٹ پکڑی تھی۔جس پر دو ریڈ لائن شو ہو رہی تھیں۔

Yes i m pregnant

وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے رو دی تھی۔

ابرش!!ابرش میری جان یہ تو خوشی کی بات ہے۔تم رو کیوں رو رہی ہو؟؟زاران گہرے سانس لیتے اسے اپنے قریب کرتے اپنے سینے سے لپٹاتے خود میں بھینچ گیا تھا۔وہ ابھی تک بے یقین تھا۔وہ بے یقین تھا۔زاران خانزادہ کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں

زاران یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔۔میں نے کل اتنی اونچائی سے جمپ کیا۔تم نے وچشیوں کی طرح رومانس کیا۔ہم اتنے دنوں سے کیسے کیسے رومانس کر رہے ہیں؟!یہ کیسے پاسیبل ہے؟؟۔ہمارا بچہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟!۔وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیختے ہوے رو دی تھی۔یہ سب سنتے زاران خانزادہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔

تمھیں سپاٹنگ ہو رہی ہے۔زاران خانزادہ کو اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔وہ اپنے ہی سوال سے ڈر رہا تھا۔

نہیں۔۔ ابرش روتے ہوے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

زاران خانزادہ نے صوفے سے اٹھتے گلاس ونڈو سے باہر دیکھا جہاں سڑکیں کلیر تھیں۔ گاڑیاں چل رہی تھیں۔

اٹھو کوٹ پنہو سٹالر لو ہم ابھی اسی وقت ہاسپٹل چلیں گے۔ زاران نے کہتے اپنا کوٹ الماری سے نکالتے پہنا تھا۔ ابرش اسے دیکھتے اونچا اونچا روتے جا رہی تھی

سنا نہیں اٹھو!! ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔ اور اس بار میں اپنے بچے کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل پر مکہ مارتے ہوے دھاڑ اٹھا تھا

حیدر خان اپنے ہوٹل کے گرینڈ لاونج میں پریشانی سے چکر لگا رہا تھا۔۔ دو دن پہلے جس نمبر سے آدھی رات کو کال آئی تھی۔ وہ کس کی آخر ہو سکتی تھی؟؟۔ دوسری طرف سے آواز نہیں آ رہی تھی۔

حیدر خان نے سوچتے ہوے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اظطرابی انداز میں اپنا لب دانتوں تلے کچلا تھا۔

آدھی رات کو اس طرح کی کال آنا اس کے لیے انوکھی بات نہ تھی۔ وہ اتنے ہوٹلوں کا مالک تھا۔ اس کا نمبر بہت سے لوگوں کے پاس تھا۔ اس کے مینجر سب کچھ ڈیل کرتے تھے۔ مگر اس کا پرسنل نمبر زپھر بھی بہت سے لوگوں کے پاس تھا۔ جب سے زرمش کو کھویا تھا وہ ہر کال رسیو کر لیتا تھا۔ مگر آدھی رات کو یہ آنے والی کال کھٹک سی گئی تھی۔

حیدر خان نے اپنے فون سے موبایل نکال کر اپنے دوست کمشنر فردان خان کو

unknown

نمبر جس سے اسے کال آئی تھی وہ سینڈ کیا۔ کمشنر کو وہ نمبر سینڈ کرتے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو کہا تھا۔

وہ اب بے چینی سے پھر سے ٹہل رہا تھا۔

دس منٹ بعد اس کے دوست فردان خان کی کال آئی تھی۔

ہاں بولو فردان! حیدر خان اظطرابی انداز میں بولا۔

یہ نمبر تمھیں کہاں سے ملا؟؟ فردان کی الجھن بھری آواز فون پر گونجی تھی

مجھے دو دن پہلے اس نمبر سے آدھی رات کو کال آئی تھی۔ مگر دوسری طرف سے کسی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ حیدر خان نے سنجیدگی سے بتایا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟ آریان خانزادہ تمھیں آدھی رات کو کیوں کال کرے گا؟؟

آریان خانزادہ!! حیدر خان یہ نام دہراتے ہوئے شاکڈ ہوا تھا۔

ہاں آریان خانزادہ کیلفورنیا کا بہت فیمس ریسلر ہے۔۔ بہت بڑا آدمی ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو سمجھو چھپی ہیں۔ یہ اصل میں ہے کون ہے کوئی نہیں جانتا؟!۔ اس کا پورا نام کیا ہے یہ بھی نہیں کوئی نہیں جانتا۔ جس حویلی میں یہ رہتا ہے۔ وہ کبیر خان کی ہے۔ اور یہ اور اس کی فیملی کیلفورنیا کی رہائشی ہے۔ یہ آج کل پاکستان آیا ہوا ہے یہاں کیوں رہ رہا کوئی نہیں جانتا؟؟ اسی لیے تو اس کی حویلی میں ہم زرمش کی تلاش کرنے نہیں جا

سکے۔اور تو کہہ رہا ہے آدھی رات کو تجھے کال آئی۔وہ تمھیں کیوں کال کرے گا وہ بھی آدھی رات کو؟فردان خان کی باتوں پر حیدر خان کی پیشانی کے بل گہرے ہو رہے تھے۔

ہو سکتا ہے مجھے کال آریان خانزادہ نے نہ کی ہو؟؟حیدر خان نے اظطرابی لہجے میں کہتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا

یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ نمبر آریان خانزادہ کا ہے؟؟فردان خان نے جواباً الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

یہ نمبر آریان خانزادہ کا ہے مگر مجھے کال آریان خانزادہ نے نہیں کی تھی۔حیدر خان کی آواز زلزلوں کی زد میں تھی۔وہ لڑکھڑاتے ہوے صوفے کی سطح پر ہاتھ جما گیا تھا۔

تو پھر کس نے کی؟! فردان خان کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

میری بہن یہاں سوات سے غایب ہوئی۔ اسے زمین کھا گئی یا آسمان کسی کو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ زرمش اگر یہاں سوات میں ہوتی مجھے حیدر خان کو ضرور پتہ چل جاتا۔ حیدر خان نے اپنے سینے پر طیش و اشتعال سے مکے مارے تھے۔

اریان خانزادہ کی حویلی ہی بچتی ہے جہاں ابھی تک حیدر خان پہنچ نہیں سکا۔ اس کا مطلب ہے میری بہن اریان خانزادہ کے پاس ہے۔ وہ فون آریان نے نہیں زرمش نے کیا تھا۔ حیدر خان فون پر طیش و الم سے گرج اٹھا تھا۔

ایسا نہیں ہو سکتا مجھے نہیں لگتا ایسا!! زرمش اس کے پاس نہیں ہو سکتی۔ وہ اتنا بڑا انسان ہے وہ اس طرح کسی عورت کو اپنے پاس کیوں رکھے گا؟؟ فردان کی سنجیدہ آواز فون پر گونجی تھی۔

ایک عورت مرد اپنے پاس کیوں رکھتا ہے؟! یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ مگر یہ جان لو میری بہن پر ذرا بھی آنچ آئی اس اریان خانزادہ کو زمین کی سات تہوں میں دفن کر دوں گا۔ حیدر خان فون پر گرفت مضبوط کرتے غرایا تھا۔

زرمش اس کے پاس نہیں ہے۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔۔

بکواس بند کرو اپنی تم!! تمھیں اپنی وردی اتر جانے کا خوف خوف ہو گا۔ مگر حیدر خان کو کسی قسم کا ڈر نہیں ہے۔ آریان خانزادہ کی حویلی میں raid اب میں ڈالوں گا۔ اس کی حویلی کو ہلا کر رکھ دوں گا ایسا قہر بھرپا کروں گا میں کہ

اس کی سات نسلیں یاد رکھیں گی۔ حیدر خان خون اشام درندے کی مانند غراتے فون بند کر چکا تھا۔

اریان خانزادہ اپنے آفس نما اس بڑے سے کمرے میں اپنے کان سے مائیکرو فون ہٹاتے قہقہ لگا گیا تھا۔ وہ اس کمرے میں بیٹھا حیدر خان کے نمبر کو ٹریس کیے ہوے تھا۔

Welcome Haider khan Aryan khan,s mansion

تم ٹھیک کہہ رہے ہو مرد عورت کو اپنے پاس کیوں رکھتا ہے ؟! تمھاری بے پناہ جوان خوبصورت بہن میرے پاس کیوں ہے ؟؟ کیونکہ وہ عورت ہے اور میں مرد! اریان خانزادہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے قہقہ لگا گیا تھا۔

آخر اتنی خوبصورت عورت کو اریان خانزادہ کیسے چھوئے بغیر رہ سکتا ہے؟؟

وہ چیخ چیخ کر سب کو یقین دلائے گی مگر کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔۔اور حاکم خان کی پسٹل کی گولیاں اس کا مقدر ہوں گی۔اریان خانزادہ کرسی سے ٹیک لگائے پر سرایت سے مسکرایا تھا۔اس کے چہرے پر اب بے انتہا سرخی تھی۔

اسے میں نے تو چھوا نہیں مگر وہ ساحر خان اسے چھو چکا ہے۔جس عورت پر کسی کی چھاپ لگی ہو اریان خانزادہ مر کر بھی اس عورت پر ایک نگاہ نہ ڈالے۔وہ میرے لیے نہیں بنی!!اس کا مقدر موت ہے جو اسے مل کر رہے گی۔اریان خانزادہ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جماتے قہر آلود لہجے میں غرایا تھا۔ اس کی پورے وجود کی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔

نظروں کے سامنے وہ منظر آیا تھا جب اس پر وہ مرد جھکا ہوا تھا۔ اریان خانزادہ کی مٹھیاں بھینچتی جا رہی تھیں۔ اس کے بازوؤں کے مسلز کی نیلی رگیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔

اس کے گال پر کسی اور مرد کی انگلیوں کا نشان یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

آہہ۔۔ وہ ٹیبل پر پڑے سینکڑوں لیپ ٹاپ فون وہ ایک ہی جست میں نیچے پھینکتا طیش والم میں چیخ اٹھا تھا۔

۔۔۔

کے ایک جدید ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں آکر رکی تھی۔وہ تیزی سے گاڑی سے

اترتے ابرش کی طرف بڑھا۔جو جینز کے اوپر لانگ بلیک کوٹ میں ملبوس تھی جس پر سیاہ سٹالر سے بے حد خوبصورت انداز میں سٹالر لیتے حجاب کیا ہوا تھا۔۔رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔زاران نے اس کی طرف کا دروازہ کھولتے بے حد نرمی سے اسے کلائی سے پکڑتے باہر نکالا ۔اسے سینے سے لگائے وہ بے حد نرمی سے اس کے نقاب سے نظر گلابی متورم آنکھوں کو باری باری نرمی سے چوم گیا تھا۔وہ زاران خانزادہ کی کئیر اور نرمی پر اس کے سینے میں سمائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

مسٹر خانزادہ یہ بچہ کھونے کے بعد میں آپ کی کیئر اور محبت بھی کھو دوں گی۔ میں کیا کیا کھونے کا غم مناؤں گی؟! وہ اس کے سیاہ گرم کوٹ کو بمشکل مٹھیوں میں جکڑے ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔

میری محبت اس بچے سے نہیں جڑی کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے سے میری محبت کم یا زیادہ ہو گی ابرش!! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ اپنی جان سے بڑھ کر تمھیں چاہتا ہوں۔ مجھے میرا رب اگر ساری عمر اگر اپنی نعمت رحمت سے محروم بھی رکھے گا۔ میں اس کا لکھا قبول کرتے اپنی بیوی اپنی ابرش سے شدید محبت کروں گا۔ وہ اس کی ہتھیلیاں نرمی سے چوم گیا تھا۔

ایسے مت بولو زاران مجھے یہ بچہ چاہیے!! مجھے تمھیں یہ خوشی دینی ہے۔ یہ خوشی یہ سکھ صرف تمھیں تمھاری ابرش ہی دے گی۔۔ تمھیں دنیا کا ہر سکھ صرف ایک ہی عورت سے ملے گا وہ صرف تمھاری ابرش ہے۔ تم

صرف میرے ہو۔ صرف میرے۔ مجھے یہ بچہ چاہیے زاران!! مجھے یہ بچہ چاہیے۔ ابرش اس کے سینے سے لگے روتے ہوے بولی۔ زاران گہرا سانس بھرتے اسے نرمی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔ اسے ابرش سے زیادہ یہ بچہ عزیز تھا۔ اس بچے کو کھونے کے خوف سے اس کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ مگر اپنی جذباتی بیوی کے سامنے وہ اس بچے سے محبت کا اظہار کرتا وہ زیادہ تکلیف محسوس کرتی۔ کیونکہ اس کی جذباتی بلڈی سک وومین اس بچے سے کہیں زیادہ اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ اس بچے کے کھونے سے زیادہ اس کی آنکھوں میں اس بچے کو لے کر درد دیکھتے ٹوٹ کر بکھر جاتی۔

وہ بے حد نرمی سے اسے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھا۔

اسپاٹنگ تو نہیں ہو رہی ناں!! زاران نے اس کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے پوچھا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلاتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے سسک کر رہ گئی تھی۔

کچھ بھی نہیں ہو گا ہمارے بچے کو!!زاران مسکراتے ہوے اس کی آنکھوں پر بھاری بھاری لب رکھ گیا تھا۔

ابرش بھیگا سا مسکراتے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

زاران اسے لیے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ابرش اس کے سامنے ہی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ایک ایشین انڈین ڈاکٹر ابرش کی الٹراساونڈ کر رہی تھی۔

زاران اپنی سانسیں روکے الٹراساونڈ سکرین پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

ابرش بھی ہچکیاں لیتے ہوے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر ابرش کے پیٹ سے جیل ٹشو سے صاف کرتے ہوے اپنی کرسی کی طرف بڑھتے بیٹھی تھی۔

ڈاکٹر مسکراتے ہوے اب اپنے سامنے اتنے خوبصورت کپل کو دیکھ رہی تھی۔زاران پریشانی سے ابرش کو ہی تب سے دیکھ رہا تھا۔

Doctor every thing is fine?my baby is fine right?

زاران خانزادہ نے ابرش کو ایک نظر دیکھتے کرسی پر پہلو بدلتے ہوے اظطرابی لہجے میں پوچھا

Yes, your baby is perfectly fine. You've already seen it on the screen.

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوے جواب دیا۔

یہ کیا کہہ رہی ہیں؟! مطلب میرا بچہ بلکل ٹھیک ہے۔ زاران کی آواز مضطرب اور بے چین تھی۔

جی بلکل آپ کی مسسز ہلیتھی ہیں اور یہ بچہ بھی بلکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر کی بات پر زاران کرسی سے اٹھتے ہوے ابرش کی طرف بڑھا جو اس کی طرف دیکھتے روتے ہوے ہنس رہی تھی۔

زاران اسے کلائی سے پکڑے اٹھاتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ ابرش بھی اس کے سینے سے لگے شدت سے رونے لگی تھی۔

ہے مائی بیوٹفل بے شرم بلڈی سک وائف!!بس کر دو رونا اب تمھیں اپنے

مسٹر خانزادہ کو رلانا ہے ہر دم ہر وقت!! تمھارے بے پناہ نخرے اٹھاتے

ہوے میں وہ گانا گنگاؤں گا۔

میں لٹ گیا

مان کہ دل کا کہا

میں کہیں کا نہ رہا

کیا کہوں میں دلربا

برائی جادو

تیری آنکھوں کا

یہ میرا قاتل ہو گیا

گلابی آنکھیں

تیری جو دیکھیں

شرابی دل ہو گیا

زاران گنگناتے ہوے اسے اوپر کو اٹھا گیا تھا۔

ابرش اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے کھکھلائی تھی۔

ڈاکٹر کرسی سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوے دیکھ رہی تھی۔

زاران اسے نیچے اتارتے ہوے اس کا چہرہ تھامے اپنے سلگتے ہوے لب اس کے گلابی لبوں پر رکھ گیا۔

ابرش سرخ پڑتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی تھی

اہمممم۔۔۔ڈاکٹر نے کھنکارتے ہوے دونوں کو متوجہ کیا تھا۔زاران ابرش کی پیشانی نرمی سے چومتے اپنی سرخ نم زدہ انکھیں دو انگلیوں سے مسلتے ہوے ابرش کا ہاتھ پکڑتے کرسی کی طرف بڑھا۔اسے ساتھ والی کرسی پر نرمی سے بٹھایا تھا۔

Sorry doctor, I got emotional. Actually, we lost our first child, that's why.

زاران ڈاکٹر کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

میں سمجھ سکتی ہوں۔ڈاکٹر مسکرائی تھی۔

آپ نہیں سمجھ سکتی ڈاکٹر آپ نہیں سمجھ سکتی کوئی بھی یہ دکھ نہیں سمجھ سکتا ۔جس تکلیف سے ہم دونوں گزرے۔۔ابرش نے بھیگے لہجے میں کہتے زاران

کو دیکھا تھا۔ جو اس کی طرف دیکھتے نم زخمی آنکھوں سے مسکرایا تھا۔ دونوں نے کبھی ایک دوسرے کا غم نہیں بانٹا تھا مگر آج وہ دونوں ایک دوسرے کو نم آنکھوں سے دیکھتے اپنے دل کا درد کرب بیان کر گئے تھے۔

ڈاکٹر میری مسسز بلکل ٹھیک ہے ناں! آئی مین انہوں نے اتنی اونچائی سے جمپ کیا جس طرح ہم فزیکل ہوتے رہے۔ میرے بچے پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ نیکسٹ کیا احتیاط کرنی ہیں۔ ان کی کس طرح کیئر کرنی ہے۔ زاران نے مظطرب لہجے میں پوچھا۔

یہ میڈیکل سائنس سے میں آپ کو سمجھا سکتی ہوں۔ لیکن میں آپ کو سمپل طریقے سے سمجھاتی ہوں۔ وہ زیادہ بیسٹ رہے گا۔ ڈاکٹر سنجیدگی سے بولتے چیئر پر سیدھی ہوئی تھی۔

آپ کی مسسز بلکل ٹھیک ہیں۔ آپ کا بچہ بھی ٹھیک ہے۔ پہلا بچہ آپ کا سروائیو نہیں کر سکا کیونکہ اس نے اس دنیا میں آنا ہی نہیں تھا۔ مگر اس بار آپ کے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ آج بھی انڈیا یقیناً پاکستان کے گاؤں شہروں میں ایسی خواتین ہیں جو اس دوران ہیوی ویٹ چیزیں اٹھاتی ہیں۔ بہت سی پیچیدگیوں اور مشکل سے گزرتی ہیں۔ مگر بچے ان کے صحت مند پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سمجھیں اس بار آپ کی بیوی اور بچہ ٹھیک ہیں۔ آپ کو ان کی کیئر یہ کرنی ہے انھیں ذہنی طور پر خوش رکھنا ہے۔ یہی ان کی کیئر ہو گی۔ جسمانی کیر سے زیادہ اس وقت عورت کو اموشنلی سپورٹ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ میڈیکل میں پریگننسی کوئی بیماری نہیں ہے۔ عورت اپنی طبعیت کے لحاظ سے ہر وہ کام کر سکتی ہے جو وہ کرنا چاہتی ہے۔

میں میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں۔ وہ انھیں ضرور کھلانی ہیں۔ اچھی ڈایٹ آپ کا پیار آپ کی مسسز کے لیے بہت ضروری ہیں۔ کیونکہ آپ کی مسسز کی خوبصورت آنکھوں میں مجھے صرف آپ ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ابرش کی طرف دیکھتے مسکرائی تھی۔ جو اس دوران نم مسکراتی نگاہوں سے زاران کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔

زاران ابرش کی طرف دیکھتے مسکرایا تھا۔ وہ بھی جواباً گہرا مسکرائی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے ہاتھ کی پشت کو شدت سے چوم گیا تھا۔ ابرش زاران کو بھیگی آنکھوں سے مدھم سا ہنسی تھی۔۔ ڈاکٹر ایک بار پھر سے دونوں کو دیکھتے مسکرا گئی تھی۔

گلابی آنکھیں

جو تیری دیکھی

شرابی یہ دل ہو گیا

سنبھالو مجھ کو

او میرے یاروں

سنبھلنا مجھ سے

مشکل ہو گیا

دل میں میرے

خواب تیرے

تصویر جیسے ہو دیوار پہ

تجھ پہ فدا میں کیوں ہوا

آتا ہے غصہ مجھے دل پہ

زاران گنگناتے ہوے ابرش کا ہاتھ تھامے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ابرش کی کھکھلاہٹیں گاڑی میں گونج رہی تھیں۔

میں نے صدا چاہا یہی

دامن بچالوں حسینوں سے

تیری قسم خوابوں میں بھی

بچتا پھرا ناز نینوں سے میں

توبہ مگر مل گئی تجھ سے نظر

مل گیا درد جگر سن ذرا او بے خبر

ذرا سا ہنس کہ جو دیکھا تو نے

میں تیرا بسمل ہو گیا

زاران اس کی کھکھلاہٹ سنتے ونڈ سکرین پر نگاہیں جمائے گنگنا رہا تھا۔

یہ خوبصورت چہرہ مجھ سے کیوں چھپا رکھا ہے اسے دیکھے بغیر میں کیسے رہ سکتا ہوں آخر؟؟زاران اس کی طرف ہوتے بہت نرمی سے اس کا نقاب اتار گیا تھا۔

ابرش زاران کی طرف دیکھتے کھکھلائی تھی۔زاران گاڑی روکتے ہوے اس کی طرف جھکے اس کی کھکھلاہٹ کو بہت نرمی سے قید کر گیا تھا۔

ابرش اس کے کوٹ کے کالر جکڑتے اس کی نرم گرم شدت پر اس کا ساتھ دینے لگی۔

احسان مند رہوں گا میری خوبصورت بے شرم بیوی میں ہمیشہ تمھارا!! تم مجھے میری زندگی کا سب سے خوبصورت تحفہ دینے جا رہی ہو!! تم کتنی محترم کتنی عزت کے قابل ہو میرے لیے میں لفظوں میں بتا نہیں سکتا۔ اپنی مورے کے احترام میں ان کی ہتھیلیوں کو چومتا ہوں۔ آج تمھاری ہتھیلیاں چوم کر میں اقرار کرتا ہوں۔ مورے کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام تم عورت ہو میرے لیے!! اب یہ نگاہیں عقیدت میں بھی تمھیں دیکھیں گی۔ زاران بھاری آواز میں بولتے ہوئے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔

ابرش اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

مجھے بیٹا اور بیٹی دونوں چاہیے ہمممم!! پھر سوچوں گا فٹ بال ٹیم بنانی یا کرکٹ ٹیم!! زاران خانزادہ نے اسے بے باکی سے آنکھ ماری تھی۔ ابرش گلابی ہوتی مسکرائی تھی۔

دو گی ساتھ میرا کرکٹ ٹیم بنانے میں میری بے شرم بیوی!!زاران نے اس کے عارض پر دانت گاڑھتے آئی برو اچکائے تھے۔

ہاں مسٹر خانزادہ!!تم جیسے چاہو!!ابرش مسکراتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولی۔

دٹیس آلک لایک مائی بے شرم بیوی!!وہ اس کی گردن پر جھکے اسے شدت سے چوم گیا تھا۔ابرش کی ہنسی کی جھنکار گاڑی میں گونجی تھی۔

ہم یہاں کسی اچھے سے رسٹورانٹ سے اچھا ہیلتھی ناشتہ کرتے ہیں!!پھر کاٹیج جا کر تمھیں مکمل پروسیس بتاتا ہوں فٹ بال ٹیم یا کرکٹ ٹیم کیسے بنتی ہے۔وہ ذو معنی انداز میں بولتے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ابرش مسکراتے ہوئے اپنے چہرے پر نقاب کر گئی تھی۔زاران اس کا ہاتھ تھامے اس کی ہتھیلی شدت سے چوم گیا تھا۔

عابیر گائنی روم میں لیٹی اپنا الٹرا ساونڈ کروا رہی تھی۔ اس کے لب مسلسل ورد کی صورت میں ہل رہے تھے۔ وہ رات سے ہی درود شریف پڑھ رہی تھی۔ خدا سے وہ بیٹیوں کو مانگ رہی تھی۔ اسفندیار خان بیٹیوں کے لیے اس حد تک پاگل ہو گا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا۔۔

آج وہ اسفندیار خان کے ساتھ جینڈر چیک کروانے اور اپنا مکمل چیک آپ کروانے کے لیے الٹرا ساونڈ کروانے آئی تھی۔

وہ روتے ہوے مسلسل دعا کر رہی تھی۔ باہر اس کا شوہر مسلسل خدا سے دعا کرنے میں مصروف تھا۔ آج اس نے ہاسپٹل آتے ہوے لاکھوں روپے اس پر وار دیے تھے۔۔

ٹونز ہیں آپ کے۔۔ڈاکٹر سکینگ کرتے ہوے عابیر کو دیکھتے مسکرائی تھی

آپ ٹھیک کہتے تھے اسفندیار خان ہمارے ٹنونز ہوں گے۔مجھے یقین ہے

ہماری بیٹیاں ہیں۔خدا نے ہماری دعا سن لی خدا نے آپ کی سن لی۔عابیر دل

ہی دل میں اسفندیار خان سے مخاطب ہوتے آنکھیں بند کیے روتے ہوے

مدھم سا مسکرائی تھی۔۔ڈاکٹر

gender

بتادیں۔عابیر پھولتی سانسوں سے بمشکل بولی تھی۔اس کے

twins

ہیں وہ بے انتہا خوش تھی اسے یقین تھا اس کی بیٹیاں ہی ہیں۔

مبارک ہو آپ کے بیٹے ہیں۔ڈاکٹر عابیر کی طرف دیکھتے مسکرائی تھی۔

کیا؟؟ عابیر بے یقینی سے چیخی تھی۔ ساتھ کھڑی نرس اور ڈاکٹر عابیر کی چیخ پر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تاسف اور معنی خیزی سے مسکرائے تھے۔

بیٹوں کی خبر سن کر بہت سی لڑکیاں کچھ ایسے ہی رد عمل ظاہر کرتی تھیں۔ اس طرح کے سینز وہ روز دیکھتی تھیں۔

جی آپ کے بیٹے ہیں۔ ڈاکٹر اپنا کام مکمل کرتے اب سنجیدگی سے بولی۔

یہ نہیں ہو سکتا آپ دوبارہ چیک کریں۔ عابیر نے روہانسے ہوتے کہا۔

آپ کے بیٹے ہیں میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ میں روز یہ سب کچھ کرتی ہوں۔۔ آپ کے بیٹے ہی ہیں۔ ڈاکٹر سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنی کرسی کی طرف بڑھی۔ نرس نے آگے بڑھ کر عابیر کے پیٹ سے جیل ٹشو سے صاف

کیا تھا۔ عابیر اپنی شرٹ نیچے کرتے اچھی طرح خود پر چادر اوڑھتے ہوے بیڈ سے اٹھتے ہوے ڈاکٹر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی۔

ڈاکٹر یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟ میرے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ آپ ایک مرتبہ پھر سے میرا الٹراساونڈ کریں۔ ہو سکتا ہے اس الٹراساونڈ مشین میں کوئی پرابلم ہو۔ عابیر نے التجائیہ لہجے میں ڈاکٹر کی منت کی تھی۔

اس مشین میں کوئی پرابلم نہیں ہے۔ آپ کے بیٹے ہی ہیں۔ آپ یقین کر لیں۔ ڈاکٹر کے چہرے پر اب ناگواری چھائی تھی۔

یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں ؟؟ اس مشین میں کوئی پرابلم نہیں۔ اور آپ کو خود پر یقین اتنا کیوں ہے ؟؟ جو میرے رب کو پتہ وہ آپ کو آخر کیسے پتہ ہو سکتا ہے۔ عابیر گہرے سانس لیتے چیختے ہوے بولی۔

آپ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں نہ اس مشین پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے نہ مجھ پر!! کیونکہ جو رب کو پتہ ہے وہ ہم کبھی نہیں جان سکتے۔ ماں کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی یہ میرے رب کو ہی اچھی طرح پتہ ہوتا ہے۔ مگر اللہ پاک نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ ہم اپنی ادنی سی کوشش کرتے ہیں صرف۔ لیکن پھر بھی آپ کو خدا پر اتنا یقین تھا تو آپ مجھ سے بار بار جینڈر کیوں پوچھ رہی ہیں۔ خدا پر یقین رکھ کر انتظار کریں۔ ڈاکٹر نے لب بھینچے سنجیدگی سے کہتے خود پر قابو پایا تھا۔

عابیر اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے اب رو دی تھی۔ ڈاکٹر اور نرس ایک دوسرے کو دیکھ کر پریشان ہوئی تھیں۔ وہ بیٹوں کا سن کر خوشی سے ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی کیا؟! ڈاکٹر اور نرس اب پریشان ہوئی تھیں۔

آپ اللہ پر یقین رکھیں آپ کے بیٹے ہی ہیں۔ آپ اپنے شوہر اور سسرال کو یہ خبر پر امید ہو کر سنائیں آپ کے بیٹے ہی ہیں۔ڈاکٹر نے اب عابیر کو تسلی دی تھی۔

عابیر ڈاکٹر کی بات پر لب کاٹتے شدت سے رو دی تھی۔

ڈاکٹر اب حیران ہوئی تھی سامنے بیٹھی لڑکی بے حد کم عمر تھی پڑھی لکھی معلوم ہو رہی تھی۔ پہلی پریگننسی تھی پھر بھی بیٹوں کا سن کر ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔ڈاکٹر کو اب غصہ آرہا تھا۔

میں سمجھ سکتی ہوں آپ پر آپ کے شوہر اور سسرال والوں کا پریشر ہے۔بیٹے کی چاہت پڑھے لکھے لوگوں کی سوچ بدل کر رکھ دیتی ہے۔۔اپ اپنے شوہر کو یقین دلائیں بیٹے ہی ہوں گے۔روز فجر کے بعد سورہ مریم پڑھیں آپ کے بیٹے ہی ہوں گے۔ڈاکٹر نے عابیر کو دیکھتے اب ترحم امیز

لہجے میں تسلی دی تھی۔انھیں اب عابیر پر ترس آیا تھا جس پر اس کے شوہر اور سسرال کا بہت پریشر تھا جو بیٹوں کا سن کر یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

ڈاکٹر ایسا ہوتا ہے میں نے بھی سنا ہے gender کچھ اور بتایا جاتا ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے ڈاکٹر کا بتایا gender غلط ہوتا ہے۔میرا مطلب ہے میری بیٹیاں بھی ہو سکتی ہیں۔عابیر نے اظطرابی لہجے میں پوچھا تھا۔

میں نے کہا ناں ایسا ہوتا ہے ہم صرف ڈاکٹر ہیں خدا نہیں ہوتا ہے ایسا بہت بار غلط ہوتا ہے۔۔ڈاکٹر اب جھنجھلائی تھیں۔

یعنی میری بیٹیاں ہونے کی چانسسز ہیں۔عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں مسلتے ہوے پوچھا تھا۔

ہو سکتا ہے۔ڈاکٹر نے لب بھینچے تھے۔

ان شاء اللہ میری بیٹیاں ہی ہوں گی مجھے یقین ہے۔عابیر مستحکم لہجے میں کہتے ڈاکٹر کو اور نرس کو حیران کرتے اپنی فایل اٹھائے کمرے سے نکل گئی تھی

۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عابیر ہاسپٹل سے باہر آئی تو اسفند کوریڈور میں اظطرابی انداز میں چکر لگا رہا تھا۔

عابیر کو دیکھتے وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ تھام گیا۔

ٹونز ہیں اسفند! عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں بھیگی آنکھوں سے دیکھتے مسکرائی تھی۔

مجھے یقین تھا عابیر اللہ مجھے

بیٹیاں ہی دے گا۔ وہ اس کی ہتھلیاں شدت سے چوم گیا تھا۔

عابیر اس کی طرف دیکھتے بھیگا سا ہنس پڑی تھی۔

بیٹیاں ہیں ناں!! اسفندیار خان نے اس کا چہرہ تھامتے ہوے پوچھا تھا۔

عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے لب کاٹتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔

عابیر!! اسفندیار خان کی لڑکھڑاتی آواز سن کر اس نے اپنے آنسو اپنے دل کے اندر اتارے تھے۔

بیٹیاں ہیں اسفندیار خان!! عابیر نظریں اٹھائے اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے اسفند کی نیلی بھیگی آنکھوں میں اپنی بھیگی نگاہیں گاڑھ گئی تھی۔

یہ کیا کہہ رہی ہو میری پٹھانی ؟؟میرا سرخ گلاب !وہ نم آواز میں بولتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

عابیر سرخ گلاب ہوتے اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔وہ ہاسپٹل میں کھڑا ہے وہ بھول چکا تھا۔عابیر اس کے سینے سے لگے اس کی تیز ہوتی دھڑکنیں سن رہی تھی جو سچ میں شدت سے دھڑک رہی تھیں۔

اسفند لالا کا ہسپتال ہے کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے۔عابیر نے اس کے حصار سے نکلتے ہوئے گلاب کی طرح سرخ پڑتے کہا تھا۔

میرا دل کر رہا ہے عابیر میں چیخیں ماروں۔اپنے دونوں سالوں کو چیخ چیخ کر بتاؤں میں دو بیٹیوں کا باپ بننے والا ہوں۔خدا مجھ سے اتنا خوش ہے وہ مجھے دو دو رحمتیں اکھٹی دے رہا ہے۔اسفندیار خان خوشی سے بولتے اس کے گال پر ہاتھ جما گیا تھا۔عابیر نظریں جھکائے رو دی تھی

تم کیوں رو رہی ہو میری پٹھانی؟؟ میرا گلاب میں سنبھالوں گا اپنی بیٹیوں کو!! آج سے اسفندیار خان اپنی پٹھانی اور آنے والی دو پٹھانیوں کا ہو گیا۔ دل و جان سے ہو گیا۔۔۔ میری زندگی میں تم تینوں کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ اس کی دونوں ہتھیلیاں شدت سی چوم گیا تھا۔ عابیر دھڑکتے دل کے ساتھ لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔

اسفند اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کا لب اپنی انگلی سے چھڑواتے ہوئے اس کی کلائی پکڑے شہرام کے آفس کی طرف بڑھا۔ وہ دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے اسے دروازے کے ساتھ لگائے اس کے لبوں پر شدت سے جھک گیا تھا۔

اسفند کے گرم لبوں کے لمس سے عابیر کی سانسیں دہک اٹھی تھیں۔ وہ اس کے لبوں کا جام پیتے اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔

اسفند!!عابیر خود کو چھڑواتے ہوے اس کے لمس سے ہلکان ہوتے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔

وہ دروازہ لاک کرتے اس کی کلائی جکڑے صوفے کی طرف بڑھتے نرمی سے اسے لٹاتے اس پر جھکے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔

اسفند کیا کر رہے ہیں لالا آ گئے تو؟؟عابیر پریشان ہوئی تھی

وہ اور عابیر کل رات سے حویلی نہیں آئے۔اس لیے وہ آج ہسپتال نہیں آنے والا تم پریشان نہ ہو۔۔وہ اسے نرمی سے چومتے نیچے کی طرف آتے اس کے پیٹ سے شرٹ کھسکاتے وہاں نرمی سے لب رکھ گیا.

اسفند!!عابیر نے گھبراتے ہوے اسے خود سے دور کرنا چاہا۔ محسوس کرنے دو مجھے میری بیٹیوں کو!اسفند اس کی دونوں کلائیاں جکڑے اپنے لبوں کی بوچھاڑ اس کے پیٹ پر کرنے لگا۔

عابیر کی آنکھوں سے آنسو بہتے اس کے گلاب رخساروں کو بھگونے لگے تھے۔اس نے اسفند سے جھوٹ کہا عابیر کو اب اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔وہ اپنی سسکیاں اپنے حلق میں گھونٹ چکی تھی۔اسفندیار خان اوپر کی طرف آتے اس کے رخساروں پر گرے آنسو اپنے لبوں سے چننے لگا۔

اسفند!!عابیر نے اسے مدھم آواز میں پکارا

بولو میرا سرخ گلاب!!اسفند نے مسکراتے ہوے اس کے عارض پر بہتے آنسو انگوٹھے سے صاف کر گیا۔

وہ اس کی چمکتی نیلی آنکھوں کو دیکھ کر نگاہیں چرا گئی تھی۔۔

کیوں رو رہی ہو میری سفاک پٹھانی؟؟ اتنی بڑی خوشی دینے جا رہی ہو اب کیوں رو رہی ہو؟؟ اسفند نے اس کی ٹھوڑی پر شدت سے لب رکھے تھے۔

اسفند وہ!! عابیر ہچکی لیتے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

کیسے بتاؤں میری سفاک پٹھانی تمھارے ان لبوں کے بیچ میں ان موتیوں جیسے دانتوں سے کتنا جلتا ہوں۔ کیونکہ یہ ان گلاب پنکھڑیوں پر حق جماتے ہیں جن سے میں شدید محبت کرتا ہوں۔ جانتی ہو ناں میں کافی پیے بغیر تو رہ سکتا ہوں مگر ان لبوں پر اپنا قہر ڈھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسفند اس کے لبوں کو چومتے گھمبیر آواز میں بولا۔ عابیر اسفند کو دیکھتے مدھم سا ہنستے پھر سے رو پڑی تھی۔۔

بولو کچھ کہنا چاہتی ہو؟؟ اسفند نے اس کی آنکھوں میں بے چینی اظطراب دیکھتے پریشانی سے پوچھا تھا

وہ۔۔۔۔ اسفند۔ وہ۔۔۔ عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے پھر سے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

اسفند نے نرمی سے اس کے لب اس کے دانتوں سے اپنے انگوٹھے سے چھڑوائے تھے۔

اسفند یہاں کیمرے لگے ہوے تو!! عابیر نے اسفند کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوے بھیگی آواز میں کہا۔

اسفند عابیر کی بات سنتے ہنس پڑا تھا۔

اتنی سی بات پر پریشان ہو میرا سرخ گلاب!! یہ شہرام خان کا کمرہ ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے ذاتی آفس میں کیمرے نہیں لگائے گا چاہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے وہ بہت بار اپنی بیوی سے ادھر رمانس کر چکا ہو گا۔ اسفند نے عابیر کو آنکھ ماری تھی۔

عابیر اسفند کو دیکھتے ہلکا سا ہنستے ہوے اٹھی۔

تم کالج جاؤ گی تو وہ وقت کیسے گزرے گا۔ بہت بے چین رہوں گا میں۔ اپنی بیٹیوں کی فکر رہے گی۔ اسفند یار خان کے لہجے میں واضح پریشانی کی جھلک تھی۔

پروفیسر بن کر کالج میں اینٹری لے لیں۔ عابیر ہلکا سا ہنستے ہوے صوفے سے اٹھتے اپنی چادر اچھی طرح اوڑھتے ہوے اپنا نقاب کر گئی تھی۔

ایڈیابرا نہیں مگر پروفیسر نہیں میں سٹوڈنٹ بن کر داخلہ لوں گا تاکہ ہر پل تمھارے ساتھ رہوں۔ اسفند بھی صوفے سے اٹھتے سنجیدگی سے بولا۔

اسفند!! میں مذاق کر رہی تھی۔ عابیر نے پریشانی سے کہا۔

مگر میں سیریس ہوں۔ وہ اسے آنکھ مارتے ہوئے اس کی کلائی جکڑے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

اسفند یہ نہیں ہو سکتا۔ عابیر اس کے حصار سے نکلتے بوکھلائی تھی۔

ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے میرا سرخ گلاب!! وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

نو اسفند یار خان! عابیر نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

ہو گا ایسا ہی ہو گا میر اسفاک گلاب !!اور مورخ لکھے گا ایک خانزادہ ایسا بھی تھا جس نے 29 سال کی عمر میں اپنی 20 سال کی بیوی کے ساتھ اس کے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی بیٹیوں کا بہت خیال تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے آنکھ مارتے ہوے ہنسا۔

عابیر نے بے یقینی سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ ہنستے ہوے اس کی کلائی جکڑے شہرام خان کے آفس سے نکل گیا تھا۔

ارحام خانزادہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے اس خوبصورت سے راونڈ گلاس ہاؤس سے گلاس وال سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جہاں دور دور تک برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت دن کے دو بج رہے تھے۔۔ وہ بلیک ٹرانزر بلیک ہائی نیک پہنے ہوے تھا۔ حور واش روم میں شاور لے رہی تھی۔ وہ

سگریٹ کے گہرے کش لیتے بیڈ شیٹ پر پڑی گہری سلوٹیں اور حور کی ساڑھی اور اس کے بدن سے اترے کچھ نازک چیزیں دیکھ کر وہ گہرا مسکرایا تھا۔

گزری رات کا خمار اس کی براؤن آنکھوں کو سرخ کر گیا تھا۔۔ وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے پھر سے گلاس وال سے باہر نگاہیں جھکا گیا تھا۔

حور باتھ روم سے ارحام کی رات کی اتری بلیک شرٹ پہن کر باہر نکلی تھی۔ جو گھٹنوں سے نیچے آ رہی تھی۔

وہ خود کی طرف نگاہ ڈالتے شرم سے سرخ پڑی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اپنی شرم پر قابو پاتے ہوئے ارحام کی طرف بڑھتے اس کے کی پشت سے ہاتھ لپیٹتے اس کے سینے کو جکڑ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے سے لپٹے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

ارحام!!حور نے اس کے ساتھ لپٹتے ہوے بولی تھی۔

جی جان ارحام!!وہ اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوے بولا تھا۔

ارحام مجھے یہ جگہ بہت اچھی لگی ہے۔اتنی اچھی لگی ہے میرا دل کر رہا ہے آپ پھر سے میرے ساتھ رومانس کریں۔حور کی بات پر وہ بے یقین ہوا تھا۔ارحام نے رخ پلٹے اسے دیکھا۔وہ نظریں جھکائے سرخ گلاب سی کھڑی تھی۔

ارحام خانزادہ نے اس کے نظریں جھکانے اور اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھتے بمشکل اپنا قہقہہ روکا تھا۔

پہلی مرتبہ اس نے ایسا کچھ کہا تھا۔۔ وہ اس کی معصومیت پر اب گہرا مسکرایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ذرا سا چپک جاتی وہ تو ویسے بھی رومانس کرنے ہی والا تھا۔ مگر وہ کھل کر کہہ چکی تھی۔ اب سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

ارحام کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔ جانتا تھا اس کی معصوم بیوی کا یہ رومانس کرنے کا بھوت دو منٹ میں اتر جائے گا۔ دو منٹ سے زیادہ اسے سہن نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے بعد پورے رومانس میں وہ اس کے لبوں سے پلیز پلیز کی گردان سنتا رہتا تھا۔۔ اور سارا وقت مجبوراً اس کی سانسوں کو گھوٹنا ہی پڑتا تھا۔

وہ مسکراتے ہوے اسے کلائی سے جکڑے اپنے قریب کرتے اپنی گود میں اٹھا گیا۔ حور مسکراتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے اس کے سینے سے لپٹی۔۔

ارحام خانزادہ اسے بیڈ پر لٹائے نرمی سے اس پر جھکا۔ حور ایک نظر اس کی براؤن پرکشش آنکھوں میں دیکھتے بے تحاشا گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کی ہائی نیک پر انگلیاں پھیرتے نظریں جھکا گئی تھی۔

ارحام خانزادہ سے اب اپنا قہقہ روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر وہ ہنس نہیں سکتا تھا۔ وہ بہت زیادہ خفت کا شکار ہو جاتی۔ مگر وہ باتھ روم جا کر آج اونچے اونچے قہقے لگانے کا آرادہ رکھتا تھا۔

ہمم۔۔ میری جان یہ میری خوش نصیبی ہے مجھے جب جب موقع ملے تمھارے قریب آنے کا۔۔ آج کا دن تو تارخ کے سنہرے حروف میں لکھا

جائے گا۔ حور ارحام خانزادہ کا رومانس کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ وہ اس کی ہتھیلی چومتے ہوئے مسکراہٹ دبائے بولا۔

حور ارحام کی بات پر ہنستے ہوئے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔

ارحام اس کے ڈمپل پر لب رکھتے ہوئے اس کی گردن پر جھکا۔ اسے کہاں کہاں اس کا لمس پسند تھا وہ کیا چاہتی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہی سمجھ جاتا تھا۔

اس کی خوبصورت نازک بیوی کا رومانس کہاں تک تھا وہ سمجھتا تھا۔ یہ بھی سمجھتا تھا وہ جتنی نازک تھی قسمت نے اتنا ہی سخت خانزادہ اسے عطا کیا تھا ۔اپنی قربت میں وہ کہاں بخشتا تھا وہ اپنی بیوی کو؟! وہ اسے گردن پر جھکا اسے شدت سے چومتا اس کی کان کی لو کو لبوں سے کاٹتے ہوئے اسے شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

ارحام!!حور اسے پکارتے ہوے اس کی کمر پر اپنے نازک ہاتھوں کا حصار مضبوط کر گیی تھی۔۔

ارحام خانزادہ اس کی شرٹ کے بٹنوں میں ہاتھ الجھاتے اس کی شرٹ نیچے کھسکا گیا تھا۔ حور گہرے سانس بھرتے آنکھیں موند گئی تھی۔ ارحام خانزادہ اسے بے حد نرمی سے اوپر سے نیچے اپنے لبوں کے پر تپش سے سلگاتے ہوے اس کی حالت میں آتے بے حد نرمی سے اس پر اپنی شدتیں ڈھانے لگا تھا۔ حور آنکھیں میچے اس کے چوڑے چٹانی برہنہ سینے میں رسما ہی تھی۔

ارحام خانزاہ حور کو اپنے سینے سے لپٹائے اس کی ہتھلیاں چوم رہا تھا۔ حور اس وقت گلابی چنٹوں والے لانگ فراک میں ملبوس تھی۔ ارحام خانزادہ گرے ٹراوزر پر گرے ہائی نیک پہنے ہوے تھا۔ ارحام راکنگ چیر پر بیٹھے

ہوے تھا۔ اپنے اور اس کے گرد وہ اپنی سیاہ شال دیے تھا۔ وہ دونوں

آنکھیں موندے ہوے تھے۔۔ باہر شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔۔

حور!! ارحام نے اس کی پیشانی پر لب رکھتے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

جی!! حور نے آنکھیں موندے ہی جواب دیا۔

بھوک تو نہیں لگی میری جان کو!! ارحام نے اس کے بالوں پر لب رکھتے

پوچھا تھا۔

نہیں ارحام پلیز اب کچھ ارڈر مت کیجیے گا۔ مجھے کچھ نہیں کھانا۔ نہ فروٹ

کھانا ہے اور نہ دودھ پینا ہے۔ نہ ہی کچھ اور کھانا ہے۔ حور نے جھنجھلاٹے

ہوے کہا۔

ارحام اس کے جھنجھلانے پر مسکرایا تھا۔

رومانس کرنا ہے پھر؟؟ ارحام کی بات پر وہ خوفزدہ ہوتے کرنٹ کھا کر اس کی گود سے اتری تھی۔ ارحام ہنستے ہوے اسے کلائی سے جکڑے اپنی گود میں بٹھا گیا تھا۔

نہیں کرتا کچھ !!بیوقوف حسینہ !!ارحام اسے خود کے ساتھ لپٹائے بولا تھا۔

ارحام خانزادہ اسے اپنے سینے سے لپٹائے اب اپنے قہقہے پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ حور اس کے قہقے پر خفت زدہ ہوتے سرخ ہوئی تھی۔

جب سے اس نے خود رومانس کا کہا تھا۔ تب سے وہ ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ بمشکل اپنے قہقوں پر قابو پائے ہوے تھا۔

دو منٹ میں وہ اس کا رومانس کا جنون اتار چکا تھا۔ باقی کا آدھا گھنٹہ وہ اس کی پناہوں میں پناہ ہی مانگتی رہی تھی۔ تبھی وہ تب سے مدھم مدھم مسکرا رہا تھا۔

حور اس کے سینے میں سمائے اس کے قہقے سنتے خفت زدہ ہوتے مسکرائی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اس کا قہقہ سنتے ہلکا سا ہنسی تھی۔ ارحام اس کی ہنسی سنتے اب بلند و بانگ قہقے لگا گیا تھا۔ حور اسے ایسے ہنستے دیکھ اس کے سینے سے لگنے ہنسنے لگی تھی۔

اب دونوں کی ہنسی کی جھنکار اس گلاس ہاوس میں گونج رہی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کی ہتھلیاں چومتے ہنستا جا رہا تھا۔ حور مقابل کی ہنسی پر ہنس رہی تھی۔

ارحام اسے اپنی شال میں کرتے چیئر پر جھولتے ہوے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔

اس کی سانسوں کو آزاد کرتے ہوے ارحام خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی پر لب رکھے تھے۔

حور میری جان ارحام نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

جی!!حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

تم اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہو؟!ارحام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

حور ارحام کی بات پر خاموش ہوئی تھی۔

بتاؤ میری جان جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔ارحام نے اس کی پیشانی پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے

آپ کیا چاہتے ہیں ارحام ؟؟ حور نے جواباً پوچھا تھا۔

میری چاہت تو تمھاری خوشی ہے مگر پھر بھی پوچھو گی تو میرے اندر کی پوزیسونیس کہتی ہے تم میرے پاس رہو تمھارا سارا وقت صرف میرا ہو۔ بہت مشکل سے برداشت کروں گا یہ سب۔ جب تم مجھے چھوڑ کر ان کتابوں کو پڑھو گی۔۔ تمھاری توجہ کہیں اور ہو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں کنزریویٹو نہیں ہوں۔ تمھارا چہرہ کوئی نہ دیکھے بس یہی میری شدت پسندی اور پوزیسونیس ہے۔ اس کے علاوہ تم اپنی تعلیم مکمل کرو ڈاکٹر کے فرائض نبھاؤ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن میری پوزیسونیس نیچر جو صرف تمھارے لیے ہے یہ چاہتی ہے تم صرف میرے قریب رہو۔ ارحام مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں پر لب رکھ گیا۔

آپ کی ہر خواہش میرے دل پر لکھی جاتی ہے۔مجھے بھی اپنا سارا وقت صرف آپ کے ساتھ اپنی پریذے کے ساتھ اور اس کے ساتھ گزارنا ہے۔حور نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

مائی ابوڈینٹ وائف!ارحام ہنستے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

مجھے یاد نہیں پڑتا میں نے اپنی زندگی میں ایسی کون سی نیکی کی تھی۔جو دنیا میں بھی خدا نے مجھے حور عطا کر دی۔۔مجھے اپنے رب سے تمھارے علاوہ کچھ نہیں چاہیے میری جان!!تم میری زندگی ہو۔میرا سب کچھ۔۔وہ اسے اپنے سینے میں بھینچتے ہوئے بولا تھا۔حور اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے مسکرائی۔

دروازہ ناک ہونے پر حور نے ارحام کو دیکھا۔۔

ارحام میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ حور روہانسی ہوئی تھی۔

تمھارے لیے سرپرایز ہے۔ ارحام نے نرمی سے اسے خود کے اوپر سے اٹھایا تھا۔

وہ دروزے کی طرف بڑھا تھا۔ پریذے اور درخشاں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر حور بے یقینی سے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

ماما! پریذے گرم فراک پر گرم جیکٹ اور ٹوپی پہنے ہوے بھاگتے ہوے حور کے ساتھ لپٹی تھی۔

حور اسے اپنے سینے سے لپٹائے نم نگاہوں سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔ جو مسکراتے ہوے حور کو دیکھ رہا تھا۔

ماما ہیپی برتھڈے یو!! پریذے اس کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوے بولی۔

آئی ایم سوری بیٹا ماما کو معاف کر دو۔ ماما نے آپ سے ہمیشہ چھینا ہے۔ ماما وعدہ کرتی ہے آپ سے بڑھ کر میری زندگی میں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کا بھائی بھی نہیں! آپ کے پاپا بھی نہیں۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے پریذے کو اپنے ساتھ لپٹا گئی تھی۔

ارحام پریذے اور حور کو دیکھتے نم آنکھوں سے مسکرا یا رہا تھا۔

ماما مجھے بھائی چاہیے۔ کب آئے گا؟! پریذے نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

حور نے ارحام کی طرف دیکھتے اس سے اجازت چاہی تھی۔

ارحام نے اشارے سے اسے پریذے کو بتانے کو کہا۔

حور ارحام کے اشارے پر بے یقین ہوئی تھی۔

پریذے میری جان آپ کا بھائی آنے والا۔۔ماما جلد آپ کو آپ کا بھائی دے گی۔ حور خوشی سے چہکتے ہوے بولی تھی۔

سچ میں ماما!! پریذے اچھلی تھی۔

ہاں سچ میں اور پاپا جلد ہاسپٹل سے آپ کا بھائی لائیں گے۔

Mama i want 8 baby

پریذے نے اچھلتے ہوے کہا تو حور ارحام کو دیکھتے سرخ پڑی تھی۔ حور کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھتے ارحام کا قہقہ گونجا تھا۔

درخشاں بھی ارحام کے قہقے پر ہنسی تھی۔ ارحام کے گھورنے پر درخشاں کی ہنسی کو بریک لگا تھا۔

لالا ہم تو آٹھ آٹھ بچوں والی بات پر ہنس رہا تھا۔۔ آپ کا تو خیر ہے مگر حور بھابھی کا کیا حال ہو گا؟! آٹھ آٹھ بچہ پیدا کر کے۔۔ ارحام کے گھورنے پر وہ جلدی سے وضاحت دیتے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

حور مسکراہٹ دبائے پریذے کا ہاتھ پکڑے بیڈ کی طرف بڑھتے اسے بیڈ پر بٹھائے باتیں کرنے لگی۔

لالا ہم کہاں سوئے گا؟۔ درخشاں نے گھر کے چاروں طرف نظریں دوڑائے پوچھا۔

تم آج رات ہی حویلی جاؤ گی واپس۔ ارحام سنجیدگی سے کہتا حور اور پریذے کی طرف بڑھا۔

اگر واپس بھیجنا تھا بلایا کیوں؟؟۔ درخشاں اتنی پیاری جگہ دیکھ کر مایوس ہوئی تھی۔ وہ حسرت سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ارحام آج رات درخشاں کو رہنے دیں ادھر ہی۔ حور نے ملتجائیہ نگاہوں سے ارحام کی طرف دیکھا۔

اس کا کیا کام ادھر ارحام نے سلگتی نگاہ درخشاں پر ڈالی

لالا ہم ادھر کونے میں سو جائے گا قسم لے لو تمھارا اور حور بھابھی کا رومانس کے بیچ نہیں آئے گا۔ درخشاں کی بات پر ارحام کے چہرے پر سرخیاں سی گھلی تھیں۔

حور نے لب دانتوں تلے دبائے درخشاں کو گھورا۔ جس کی زبان اپنی نہ تھی۔

نکلو ادھر سے باہر ڈرائیور کھڑا ہے وہ تمھیں حویلی چھوڑ دے گا۔ ارحام اسے دیکھتے غرایا تھا۔

ارحام پلیز رہنے دیں۔ آپ نے ساری جگہ بک کروائی ہے درخشاں دوسرے ہاؤس میں رہ لے گی۔ حور نے پھر سے ارحام کی منت کی۔

لالا ہم رہ لے گا ادھر پریذے کو ابھی اپنے پاس رکھ لے گا۔ درخشاں گلاس وال سے خوبصورت ہاؤس کو دیکھتے اشتیاق سے بولی۔

پریذے آج رات ہمارے ساتھ رہے گی۔ تم رک سکتی ہو ادھر ارحام سنجیدگی سے بولتا پریذے کی طرف بڑھتے اسے گود میں اٹھا گیا تھا۔

حور نے مسکرارے ہوے درخشاں کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

ارحام درخشاں اور پریذے کے لیے کچھ اچھا سا آرڈر کریں۔ حور کی بات پر ارحام پریذے کو گود سے اتارتے ہوے وایرلیس سیٹ کی طرف بڑھا ۔حور مسکراتے پریذے کو خود کے ساتھ لپٹا گئی تھی

اریان خانزادہ اپنی حویلی کے فرسٹ فلور میں اپنے جم خانہ میں بیٹھا ایکسر سایز کر رہا تھا۔ وہ بلیک ٹراوزر اور بلیک سینڈو میں ملبوس تھا۔ وہ اس وقت مسلز کی بہت ہیوی ایکسر سایز کر رہا تھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ بنار کے ہیوی مشین پر ورک آوٹ کر رہا تھا۔ اس کی گردن اور ماتھے کی نیلی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اس کے سلکی بالوں سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ ورک آوٹ کرتے ہوے اس کی سبز آنکھیں سامنے لگی سکرین پر تھیں۔ جس میں اس کی حویلی کا ایک ایک منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں حویلی کے گیٹ سے ہوتے اس نازک وجود پر تھیں۔ جو اپنے کمرے میں سائیڈ کروٹ لیے خود پر کمبل لیے سو رہی تھی۔ اس کی براون سلکی لمبے بے حد خوبصوت بال تکیے پر بکھرے تھے۔

اس وقت رات کا ایک بج رہے تھا۔۔اس وقت باہر شدید طوفانی بارش ہو رہی تھی۔۔

توحیدر خان کے لیے اس کی بہن اتنی بھی ضروری نہیں جتنا میں سمجھ رہا تھا۔باہر طوفانی بارش نے حیدر خان کا میری حویلی تہس نہس کرنے آرادہ بدل کر رکھ دیا۔اریان خانزادہ سکرین پر دیکھتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

اس ناپاک وجود کے لیے تمھاری تڑپ ہونی بھی نہیں چاہیے حیدر خان!!

عورت بہن ہو بیوی ہو جب جب وہ اپنی عزت کو کھوتی ہے۔وہ صرف نفرت کیے جانے کے قابل ہوتی ہے۔جس طرح وہ ناپاک وجود نفرت گھن کھانے کے لایق ہے۔

نفرت ہے مجھے اس ناپاک وجود سے! جو اپنے ناپاک وجود سے میری حویلی کو گندا کر چکی ہے۔ بس کچھ دن اور پھر میں اسے خود تمھارے حوالے کروں گا۔ اریان خانزادہ سکرین پر اس کے سلکی بال دیکھتے غرایا تھا۔

اس رائینہ کے سینے پر میں میں اس وقت گولیاں نہ چلا سکا تھا۔ کبیر خان مجھے اور فارس خان کو نہ روکتا آج شاید فارس خان زندہ ہوتا۔ زندہ ہوتا میرا باپ!! اریان خانزادہ دھاڑتے ہوے یکدم اس مشین کو پل کرتے چھوڑ چکا تھا۔ وہ بری طرح سے آپس میں ٹکرائی تھیں۔

اریان گہرے سانس لیتے پیچھے کی طرف ہوتے اپنے سر کے نیچے دونوں بازو رکھے ہوے اپنی سرخ آنکھیں چھت پر گاڑھ گیا تھا۔ نگاہوں کے سامنے چار چار جنازے اور قبریں آئی تھیں۔

کیوں روکا دادا جان؟؟ کیوں روکا؟؟ کیوں اس رائنہ خان کے سینے میں گولیاں مارنے نہیں دیں۔ اس راینہ کو اس وقت دردناک موت مل جاتی تو آج اریان خانزادہ کے سینے میں بھڑکتی آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔ کیوں قسم دی مجھے کہ میں پلٹ کر رائنہ خان کے پیچھے نہیں جاؤں گا؟!۔ وہ اس مشین پر اپنے بازو اپنے سر کے پیچھے باندھے لیٹے ہوئے آنکھیں موندے کبیر خان سے مخاطب تھا۔

آپ کی دی ہوئی اس ایک قسم کی وجہ سے میں نے پلٹ کر راینہ خان کی پرچھائی بھی نہیں دیکھی۔ اس ذلیل حاکم خان کے پیچھے نہیں گیا۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی دیکھو!! اس ذلیل حاکم خان اور گھٹیا راینہ خان کی بدذات بیٹی خود چل کر میرے پاس آئی۔ خود چل کر میرے پاس آئی۔ وہ برفیلے لہجے میں بولتے اپنی سبز آنکھیں کھول گیا تھا۔

وہ خود چل کر میرے پاس آئی۔ وہ ناپاک وجود خود چل کر آریان خانزادہ کے پاس آیا۔ اس کا خطرناک قہقہ گونجا تھا۔

اور جب شکار خود چل کر شکاری کے پاس آجائے تو اس شکار کو اپنے ہاتھوں سے جانے دینے والا بیوقوف ہوتا ہے۔ اور اریان خانزادہ بیوقوف نہیں ہے۔ برسوں پہلے اس دل میں جلتی آگ تب ٹھنڈی ہو گی جب حاکم خان اور حیدر خان اس ناپاک وجود کے سینے کو گولیوں سے چھلنی کریں گے۔ جب عزت کے خوف سے وہ دونوں منہ چھپاتے پھریں گے۔۔

جس طرح آج سے 23 سال پہلے کبیر خان فارس خان اور اریان خانزادہ منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ دس سالہ اریان خانزادہ بھی منہ چھپاتے پھر رہا تھا۔ وہ اس مشین سے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوے سرد آواز میں پھنکارا تھا۔۔

اس ناپاک وجود کا نازک وجود صرف مٹی کا حقدار ہے۔ جس طرح میرا مڈنایٹ مٹی تلے سو رہا عنقریب یہ بھی سوئے گی۔ وہ سکرین پر نظر گاڑھتے نفرت امیز لہجے میں غرایا تھا۔

اریان خانزادہ نے ٹاول پکڑتے گلاس وال سے باہر دیکھا جہاں طوفانی بارش میں آضافہ ہو رہا تھا۔ وہ طوفانی بارش دیکھتے ہنسا تھا۔۔

بہت بزدل ہو حیدر خان!! بات اگر بات میری عزت کی ہوتی میں پہاڑوں کو چیر کر بھی تمھارے پیچھے آتا۔ ایسا ہے اریان خانزادہ کوئی اس کی عزت کی طرف نگاہ کرنے کی غلطی بھی کرے وہ اس کی آنکھیں نکال کر اس کے قینچے بنا کر کھیلے!! اریان خانزادہ گرجتے ہوئے قہقہ لگا گیا۔

لیکن تم تو ٹھہرے سوات کے ٹٹو۔۔ جو اس خراب موسم کو دیکھ کر اپنی حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ گرم کر رہا ہو گا اپنی طرح کسی بد کردار عورت کا

جسم۔ جیسا باپ بد کردار ویسا ہی اس کا بیٹا ہو سکتا ہے اور بیٹی بھی ویسی بد۔۔۔۔۔۔وہ سکرین پر نگاہیں گاڑھے یکدم خاموش ہوا تھا۔ وہ رخ پلٹ گئی تھی اس کے خوبصورت معصوم نقوش اب اس کے سامنے تھے۔ وہ اس پر گہری نگاہیں جمائے لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

اب وہ سرد و سپاٹ برفیلی سبز آنکھیں سکرین پر نظر آنے والے وجود پر گاڑھے ہوے تھا۔ وہ گہرے سانس بھرتے ہوے گہری نیند سو رہی تھی۔۔ کمبل اس کے وجود سے سرک گیا تھا۔ وہ سرعت سے اپنی نگاہیں چرا گیا تھا۔ اس کے خوبصورت شعلہ جواں روپ پر وہ زیادہ دیر نگاہیں نہیں جما سکتا تھا۔ وہ رخ پلٹے جبڑے بھینچے ٹاول سے اپنا سینہ خشک کرنے لگا۔ اس نے گلاس وال سے برستی طوفانی بارش کو پھر سے دیکھا تھا۔ یہ بارش نہیں تھی

عجب سا طوفان تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آج پہاڑوں کو اپنی جگہوں سے اکھاڑ ڈالے گا۔

اریان نے اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا۔ اس کے سلکی بالوں سے پسینے کی بوندیں جھڑی تھیں۔

اریان خانزادہ دروازے کی طرف بڑھا تھا یکدم وہ رکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ سکرین پر اس کے گیٹ کے آگے چار عدد گاڑیاں رکی تھیں۔ جس میں سے حیدر خان اور اس کے گارڈ اترے تھے۔ اریان خانزادہ اسی لمحے کمرے سے نکلتے سڑھیوں کی طرف بڑھتے اوپر والی سیڑھی سے سب سے نچلی سیڑھی پر جمپ کرتے وہ ایک ہی جست میں نیچے پہنچا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے زرمش کے کمرے میں داخل ہوا۔ کی اس کی طرف بڑھتے اس پر کمبل ہٹاتے ہوئے اسے کلائی سے جکڑے ہوئے وہ ایک ہی جست

میں کھڑا کر چکا تھا۔ زرمش نیند سے جھٹکا کھا کر اٹھتے بدحواص ہوتے چیختے ہوے اس کے چوڑے سینے سے آن لگی تھی۔

نیند سے بھری گلابی آنکھیں کھولتے ہوے وہ خوفزدہ سہمی نگاہوں سے اریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

چادر لو اپنی!!وہ اسے ایک ہی جست میں خود سے دور کرتے اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائے ہوے حکمیہ لہجے میں بولا۔۔

چادر کیوں؟؟زرمش نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

چادر اوڑھو مس خان؟؟اب وہ غرایا تھا۔

زرمش مقابل کی غراہٹ پر بیڈ کی طرف بڑھتی اپنی چادر تلاش کرنے لگی۔

اریان خانزادہ گہرے سانس لیتے اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائے ہوے تھا۔

حیدر خان کتنی دیر تک اندر پہنچ سکتا تھا اسے منٹوں کا نہیں لمحوں کا بھی پتہ تھا۔ حیدر خان آج اس سے دھوکہ کر چکا تھا۔۔ وہ یقیناً جان بوجھ کر اتنی گہری رات کو آیا تھا تاکہ وہ آسانی سے اس پر حملہ کر سکے۔

بہت ہی چالاق ہو حیدر خان!! مگر کوئی فایدہ نہیں تمھاری بہن تمھارے ہاتھوں آج نہیں لگے گی۔ اسے تو میں تمھارے ہاتھوں آج نہیں سونپوں گا۔ اریان خانزادہ نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے سر نفی میں ہلاتے مٹھیاں بھینچتے اپنے اندر اٹھتے طیش و اشتعال پر قابو پایا۔ زرمش بری

طرح کانپتے ہوے بیڈ پر اپنی چادر تلاش کر رہی تھی۔۔وہ ریڈ شیفون کے بے حد خوبصورت فراک میں ملبوس تھی۔

اس دن والا سیاہ فراک پھٹ چکا تھا۔ویسے بھی زرمش کو اس پر اس گندے آدمی کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

اریان خانزادہ کا لمس اسے اپنے بدن پر محسوس ہی نہیں ہوتا تھا۔اس

bloodthirsty beast

کو دیکھ کر سوچ کر اسے صرف خوف آتا تھا۔موت سے بھی بڑھ کر خوف تھا اسے اس وحشی درندے کا۔اریان خانزادہ نے لب بھینچتے ہوے زرمش کو دیکھا جو بری طرح بدحواص ہوتے اپنی چادر تلاش کر رہی تھی۔ آریان خانزادہ اس کے بدن کی کپکپاہٹ اور اس کے چاکلیٹی براون سلکی خوبصورت

بالوں کو دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔۔ اریان خانزادہ نے اس نازک سے بے حد سٹایلش فراک سے زرمش کی بل کھاتی کمر اور پچھلے گہرے گلے سے لٹکتی موتیوں کی ڈوریوں کو دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔ رشنا خان اس طرح کی ڈریسنگ کرتی تھی وہ حیران تھا۔ آج سے پہلے اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا۔ مگر اب رشنا خان کے وہ ہوش ٹھکانے لگانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ مقابل کے بدن پر رشنا خان کے کپڑے دیکھ کر اسے پتہ چلا تھا یہ کپڑے نہیں تھے بلکہ کسی غیر مرد کے لیے تباہی کا سامان تھا۔۔ اریان خانزادہ نے زمین پر پڑا اس کا ریڈ دوپٹہ اٹھاتے زرمش کو کلائی سے جکڑے سیدھا کرتے اس کے گرد وہ شال نما دوپٹہ اوڑھایا۔۔ دوسرے لمحے وہ اس کی کلائی جکڑے کمرے سے نکل گیا تھا۔ زرمش اس سلک نما بے حد ڈیلی کیٹ شال کو اپنے سینے سے جکڑے اس کے ساتھ کھینچتی جا رہی تھی۔ وہ ادھی رات کو اسے کہاں لے

کر جا رہا تھا اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ میڈیسن کھا کر سوئی تھی۔ اس لیے باہر آئے طوفان کا اسے اندازہ ہی نہ تھا۔ مگر اب بجلی کے کڑکنے کی آوازیں اور لوہے کی چادروں کا شور سنتے وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ انیکسی کے چھت کی لوہے کی چادر کا شور ایسا تھا جیسے وہ چادر اکھڑ گئی ہو۔۔

درختوں کی سائیں سائیں کا شور حویلی کے اندر بھی سنائی دے رہا تھا۔ یہ طوفان تو حویلی کے اندر جان نکال رہا تھا۔ زرمش خوفزدہ سی اریان خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھتے اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔۔ اسے اس کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر زرمش کے قدم رکے تھے۔ اس کا رکنا محسوس کرتے آریان نے اتنی بے دردی سے خود کی طرف کھینچا تھا وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ زرمش اپنا بے جان وجود بمشکل گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ آریان خانزادہ اسے لیے کمرے کے

ڈریسنگ روم کے اندر داخل ہوتے اس سے ملحقہ دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ زرمش کو اب اپنا وجود چکراتا محسوس ہوا تھا۔

اس دن کا ایک ایک خوفناک لمحہ نظروں کے سامنے آیا تھا۔

اریان خانزادہ نے ایک نظر رکتے ہوئے زرمش کو دیکھا جو اپنے سینے سے شال کو جکڑے بری طرح کانپتے ہوئے خوفزدہ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے وجود سے ہوتے اس کے پیروں پر پڑیں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ اریان خانزادہ نے اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی کبرڈ کی طرف بڑھتے اپنے سلیپرز نکالتے ہوئے اس کے پیروں میں رکھے۔ زرمش نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

پہنوا سے !! اریان خانزادہ نے اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتے ہوے دانت پیسے تھے۔ زرمش نے جلدی سے وہ سلیپرز پہنے جو اس کے نازک پیروں کے لحاظ سے بہت بڑے تھے۔۔

اریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے ہوے اس سیکریٹ دروازے سے نکلتا ہوا باہر جنگل میں داخل ہوا۔ زرمش کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوے تھے۔

شدید طوفانی بارش سے وہ ایک لمحے میں بھیگتے بری طرح کانپ کر رہ گئی تھی ۔۔ بجلی کی کڑکنے کی آوازیں بڑے بڑے گھنے درخت ایسے ہل رہے تھے۔ جیسے ابھی زمین سے اکھڑ جائیں گے۔۔ زرمش ہراساں خوفزدہ نگاہوں سے اس تاریک جنگل کو بمشکل دیکھتے ہوے کانپ کر رہ گئی۔ وہ اس کی کلائی جکڑے پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔ وہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے اس

کے قدموں کا بمشکل ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے حیوان نما اتنے بڑے سلیپرز سے زرمش سے قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ اسے بنا کسی رحم کے گھسیٹتے ہوئے لے کر جا رہا تھا۔ وہ اس ٹھنڈی برفیلی بارش میں بھیگتے روتے ہوئے اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ اریان خانزادہ کا ایک سلیپر اس کے ایک پیر سے نکل چکا تھا۔ وہ اب ایک سلیپر کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔

اریان۔۔ ہم۔۔۔ کہاں۔۔۔ جا۔۔۔ رہے۔۔۔ ہیں؟؟ زرمش نے روتے ہوئے اریان خانزادہ سے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا۔

وہ اس کے سوال کو نظر انداز کیے اپنی واٹر پروف رسٹ واچ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ جس میں اس وقت مدھم سی لائیٹ بھی جل رہی تھی۔ جس سے یہ تاریک جنگل مدھم سا روشن دکھائی دے رہا تھا۔

اریان خانزادہ زرمش کی کلائی جکڑے تہہ خانے کی طرف بھاگ رہا تھا۔

زرمش تہہ خانے کی طرف جاتا راستہ پہچان چکی تھی۔ خوف سے اس کا رواں رواں لرز اٹھا تھا۔ وہ آریان خانزادہ کا دوسرا سلیپر بھی اپنے پیروں سے اتارتے ہوئے اپنی پوری فورس لگائے اریان خانزادہ کے بھاری قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے اس کے قریب ہوتے اس کی سینڈو کو کندھے سے جکڑ گئی تھی۔ اس کے اس طرح اپنی سینڈو جکڑنے پر آریان خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔ وہ اس کی سینڈو دونوں ہاتھوں سے جکڑے اس کے مدمقابل کھڑی تھی۔ شال اس کے وجود پر نہیں تھی۔ ریڈ شیفون فراک بھیگ کر اس کے جسم کے ساتھ چپک گیا تھا۔

سلکی بال مکمل بھیگے ہوئے تھے۔ اس کے بالوں کی لٹیں اس کے شفاف عارض کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔ اریان خانزادہ کی گہری نگاہیں اس کے

عارض پر تھیں۔ جہاں اب کوئی نشان نہیں تھا۔۔ اس کے عارض پر اپنا دیا گیا نشان مٹنے پر آریان خانزادہ کے دل میں طوفان سے اٹھا تھا۔ خون میں فشار بلند ہوا۔ اس دن وہ اچھوت مرد اپنی انگلیوں کا نشان مقابل کے گال پر نہ چھوڑتا وہ کبھی اپنا دیا گیا نشان مٹنے دیتا۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے عارض سے ہوتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں پر جا ٹھہریں تھیں۔ جو ہرنی کی طرح خوفزدہ تھیں۔۔

بولو!! وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز انکھیں گاڑھتے غراہٹ نما لہجے میں بولا۔

کک۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔ اس۔۔۔ بسیمنٹ۔۔۔ میں۔۔ کیوں۔۔۔ لے۔۔ کر۔۔ جب۔ رہے۔۔ ہیں۔۔ آج۔۔ پھر۔۔ کیا۔ کک۔۔ وہ

لوگ۔۔مجھے۔۔لینے۔۔آئے۔۔ہیں۔زرمش نے خوفزدہ لہجے میں استفسار کیا۔

ان کی اتنی ہمت نہیں وہ دوبارہ اریان خانزادہ کی حویلی میں گھس سکیں۔۔ایک بات یاد رکھنا کوئی بھی تمھیں میری مرضی کے بغیر یہاں سے لے کر نہیں جا سکتا۔اریان خانزادہ اس کے ہاتھ اپنی سینڈو سے ایک جھٹکے سے ہٹاتے ہوے اس کی کلائی سختی سے جکڑے بیسمنٹ کی طرف بڑھا۔

تو۔۔۔کک۔۔۔کیا۔۔۔وہ۔۔میری۔۔۔عزت۔۔۔لوٹنے۔۔۔آئے ۔۔ہیں؟!۔جو آپ۔۔مجھے۔۔۔بیسمنٹ۔۔۔لے۔۔کر۔۔جا۔۔رہے۔ زرمش کے ہچکیوں کے درمیان کیے گئے سوال پر اریان خانزادہ کے رگوں میں دوڑتا خون بھڑک کر بوائلنگ پوائنٹ پر آیا تھا۔

وور کتے ہوے اس کے بال گدی سے دبوچتے اس کا چہرہ اپنے مقابل کر گیا تھا۔

کسی کی اتنی ہمت نہیں وہ اریان خانزادہ کی حویلی میں اس کی پناہ میں آئی ہوئی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔۔میں آریان خانزادہ اس انسان کی آنکھوں کو نکال کر رکھ دوں گا جو آنکھ تمھاری طرف اٹھی۔وہ اس کے بال گدی سے بے دردی سے دبوچتے پھنکارا تھا۔زرمش درد سے کراہ اٹھی تھی۔

اپنی ناپاک زبان بند رکھو میرے سامنے !!خبردار اس طرح کی بکواس کی میرے سامنے !!تمھارے چیتھڑے اڑادوں گا۔آیندہ اپنی عزت سے ریلیٹڈ کوئی بیہودہ لفظ منہ سے نکالا تمھاری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ساری عمر بولنے کو ترسو گی۔وہ غراتے ہوے اس کے بالوں پر اپنی گرفت خطرناک حد تک بڑھا گیا تھا۔

زرمش نے بری طرح کراہتے ہوے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ اس کے بال ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوے اس کی کلائی جکڑے بسیمنٹ کی طرف بڑھا.

بیسمنٹ کے قریب آتے اس نے زرمش کی کلائی چھوڑتے ہوے ہوے بیسمنٹ کا ڈھکن اپنی پوری قوت لگائے اسے اٹھاتے ہوے دور دھکیلا۔۔زرمش ہچکیوں کے ساتھ کپکپاتے بدن کے ساتھ روتے ہوے اریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔اس بیسمنٹ سے اسے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔وہ انسان اور وہ ٹائیگر یاد کر کے خوف سے جیسے مرنے والی ہو رہی تھی۔۔

اترو نیچے !! آریان خانزادہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوے سرد لہجے میں کہا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں۔۔ اتروں۔۔۔ گی۔ وہ چیتا آجائے گا۔ وہ آدمی آجائے گا مم مجھے خوف آتا ہے۔ اس تاریک بسیمنٹ سے۔۔ میں نہیں جاؤں گی اس کے اندر۔۔ زرمش کپکپاتے لبوں سے بولتے ہوئے پیچھے کی طرف قدم بڑھا گئی تھی۔

اترو نیچے !! وہ دھاڑا تھا۔ زرمش اس کی دھاڑ پر خوف سے بری طرح اچھلی تھی۔ دوسرے لمحے وہ پوری قوت سے آریان خانزادہ کے خلاف مخالف سمت بھاگنے لگی۔ وہ گیٹ کی سمت والے راستے اپنی پوری فورس لگائے بھاگ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے جبڑے بھینچتے اس نازک وجود کو دیکھا تھا جو اس کی ایک ہی جست کی مار تھی۔

آریان خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے زرمش کی طرف بڑھا۔ اسے گیٹ والے راستے کی طرف بھاگتے دیکھ کر آریان خانزادہ کا دماغ

اپنی جگہ سے ہل کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کی پناہوں سے بھاگ رہی تھی۔ دل و دماغ آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔۔ وہ بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھا ۔زرمش نے خوف سے پیچھے مڑ کر دیکھا اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے اپنی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔

آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا تھا۔

آہہہہ۔۔۔۔ وہ چیختے ہوئے بری طرح خوفزدہ ہوتے اس کے ہی سینے میں سمائی تھی۔ آریان خانزادہ اپنی دونوں مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے اس کے چوڑے چٹانی سینے میں سمائے سانس روکے جیسے کھڑی تھی۔

فرسٹ اینڈ لاسٹ وارننگ!! آیندہ میری پناہوں سے بھاگنے کی کوشش کی ۔تمھیں اپنے شیر والے پنجرے میں ڈال دوں گا۔ آج وقت نہیں ورنہ

تمھیں اپنے اس خونخوار دوست سے ضرور ملواتا۔ ایک بات یاد رکھنا میرے وحشی جانور صرف میرے دوست ہیں۔ میرے دشمنوں کو وہ صرف چیر پھاڑنا جانتے ہیں۔ وہ اسے خود سے علیحدہ کرتے اسے کندھوں سے جکڑے غرایا تھا۔ زرمش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلاتے ہچکی لی۔

آسمان پر بجلی کڑکی تھی۔ زرمش پھر سے چیختے ہوے اس کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اس کی نازکی اپنے بدن پر محسوس کرتے غصے سے اسے خود سے علیحدہ کرتے

اسے کلائی سے جکڑے بیسمنٹ کی بڑھا۔

اترو نیچے !وہ اپنی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے دھاڑا۔ زرمش اس کی دھاڑ پر کانپتے ہوے بے جان قدموں سے بیسمنٹ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔۔

بیسمنٹ میں اندھیرا دیکھتے وہ خوف سے ہچکیوں سے آریان خانزادہ کو التجائیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

مم۔۔مجھے۔۔اندر۔۔نہیں۔۔جانا۔۔آریان!!وہ آدمی مجھے دکھائی دے رہا ہے۔وہ ٹائیگر بھی میں مر جاؤں گی۔۔خدا کے لیے مجھے مت بھیجو!!زرمش اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

نہیں ہے وہ آدمی اندر اس کی لاش میرا جانور کھا چکا ہے۔۔وہ اب زرمش کو دیکھتے خوفناک درندے کی مانند دھاڑا۔وقت کم رہ گیا تھا حیدر خان کچھ ہی منٹوں میں اندر آجاتا۔وہ کسی صورت زرمش کو حیدر خان کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

زرمش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اب چیخیں مارنے لگی تھی۔

آریان گہرے سانس لیتے اسے یوں سرخ آنکھوں سے چیختے ہوے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی کلائی بے دردی سے جکڑے سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی سیڑھیاں اتری تھی۔ بیسمنٹ میں داخل ہوتے اس آدمی کا جما ہوا خون فرش پر دیکھتے وہ چیختے ہوے خوف سے آریان خانزادہ کے ساتھ لگی۔

آریان خانزادہ نے اسی لمحے اسے زمین پر بے دردی سے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ گھٹنوں کے بل گرتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ یکدم وہ سامنے دیکھتے چیختے ہوے پیچھے کو کھسکی تھی۔ اس دن ادھر ہی وہ ٹائیگر تھا۔

آریان خانزادہ اسے یوں چیختے ہوے دیکھتے اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوے اس کا جبڑہ دبوچ گیا۔

سامنے نظر آنے وال 3d ہے۔ یہاں پر اس دن کوئی ٹائیگر نہیں تھا۔ اور اس

آدمی کو میں مار چکا ہوں۔ اس کی لاش تک کا وجود نہیں بچا۔ اس کے پیر کا

ایک ناخن تک نہیں بچا!! وہ اس کا جبڑہ دبوچتے ہوے اس کی ہیزل گرے

آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ایک ایک لفظ چباتے غرایا تھا۔ زرمش اس

bloodthirst beast

کی وحشت بھری آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلا گئی۔

اب خاموشی سے ادھر بیٹھو!! آواز نہ آئے تمھارے رونے کی!

ورنہ ہمیشہ کے لیے ادھر ہی بند کر دوں گا۔ آریان خانزادہ نے اس کا جبڑہ!

دبوچے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے ہوے سرد برفیلے لہجے میں

تنبیہ کی تھی۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اس کا جبڑہ

ایک جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔ زرمش خوف سے پیچھے کو کھسکتی گھٹنوں میں سر دیے ہچکولے بھرتے دبی دبی آواز میں سسکنے لگی۔۔

وہ اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو گھورتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی دبی دبی سسکیاں اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔ وہ بے حس بنے اوپر آیا۔ بیسمنٹ کا ڈھکن رکھتے ہوئے اسے زرمش کی چیخ سنائی دی تھی۔ وہ پھر سے چیخنے لگی تھی۔ وہ جبڑے بھینچتے ہوئے وہ ٹرنک کا دروازہ رکھ کر اس پر گھاس نما سبز کارپٹ رکھ گیا تھا۔ زرمش کی چیخوں کی آواز آنا اب بند ہو چکی تھی۔ بسیمنٹ سے باہر آواز نہیں آتی تھی۔

وہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ یکدم بجلی بہت تیزی سے کڑکی تھی۔ وہ سختی

سے مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔اس کی چیخیں سماعتوں میں سنائی دی تھیں۔ بجلی کڑکنے پر وہ بہت بری طرح چیخیں مارتی تھی۔۔بیسمنٹ سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی۔ مگر آریان خانزادہ کو اب اپنی سماعتوں میں اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔وہ غصے سے جبڑے بھینچتے ہوے خود پر قابو پا رہا تھا۔اسے اس ساونڈ سے شدید نفرت تھی۔ تبھی تو اسے وہ سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

!!مم مجھے اندر نہیں جانا آریان!!وہ آدمی مجھے دکھائی دے رہا ہے۔وہ ٹائیگر بھی میں مر جاؤں گی۔۔خدا کے لیے مجھے مت بھیجو!!

زرمش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔اس نے جبڑے بھینچتے برستے آسمان کو دیکھتے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا تھا دوسرے لمحے وہ بیسمنٹ کی طرف بڑھا۔

ٹرنک اٹھاتے ہوے وہ بیسمنٹ میں تیزی سے اترا تھا۔ زرمش کی فلک شگاف چیخیں پورے بیسمنٹ میں گونج رہی تھیں۔ آریان خانزادہ جبڑے بھینچتے ہوے سیڑھیاں اترے اس کی طرف بڑھا۔

آریان خانزادہ کے قدموں کی آہٹ اور اس کی خوشبو محسوس کرتے وہ منہ پر ہاتھ جمائے زمین پر اوندھے منہ لیٹے اپنی سسکیاں دبا گئی تھی۔ آریان خانزادہ نے سرخ آنکھوں سے زمین پر سکڑے اس کے گھڑی نما وجود کو دیکھتے ہوے بری طرح جبڑے بھینچے تھے۔ جو اسے دیکھتے سانسیں روک چکی تھی۔

آریان نے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے سیدھا کیا۔ زرمش خوف سے بری طرح چیخ اٹھی تھی۔

شششش!!اب چیخنا مت مس خان!! نفرت ہے مجھے تمھاری چیخوں سے اور آنسوؤں سے۔ کسی دن یہ چیخیں گھونٹ کر تمھاری سانسیں روک دوں گا اور اپنی انگلیوں سے یہ ہیزل گرے آنکھیں نکال دوں گا۔ جن کے رنگ سے مجھے نفرت ہے۔ یہی کلر تھا اس راینہ خان کی آنکھوں کا!!وہ اس پر جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھنکارا۔ زرمش نے جلدی سے اپنی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتے پر سوز ہچکی لی۔

چلو یہاں سے!!وہ اٹھتے ہوے اس کی کلائی جکڑے اسے ایک جھٹکے سے اٹھا گیا تھا۔۔

زرمش نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا وہ اسے اب کہاں لے کر جا رہا تھا؟!۔ آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے اوپر آیا ۔وہ اب بھاگتے ہوے حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حیدر خان اور اس کے گارڈز آریان خانزادہ کا گیٹ پھلانگتے ہوے اس کی حویلی میں داخل ہوے تھے۔۔

وہ لوگ بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھے۔ حیدر خان اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ جس پر سفید مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔ وہ فل لوڈڈ پسٹل پکڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے اس نے اور اس کے گارڈز نے داخلی دروازے کی طرف گولیوں کی برسات کی تھی۔ باہر طوفان سے بجلی کڑک رہی تھی۔ درخت اکھڑ رہے تھے۔ حیدر خان وحشت برساتی آنکھوں سے آریان خانزادہ کی حویلی کے دروازے پر گولیاں برسا رہا تھا۔۔

اس کے گارڈز اور وہ بنار کے دروازے پر فایر کر رہے تھے۔۔

حیدر خان کا پورا وجود آگ کا گولہ بنا ہوا تھا۔۔ اتنی رات کو آریان خانزادہ کی حویلی وہ اس لیے آیا تا کہ زرمش اگر ادھر ہے تو آریان خانزادہ کو بھاگنے کا موقع نہ ملے۔ اس لیے وہ طوفانی بارش میں یہ موت کا کھیل کھیلنے آیا تھا۔

چلاؤ گولیاں تہس نہس کر کے رکھ دو اس آریان خانزادہ کی حویلی!! حیدر خان نے دھاڑتے ہوئے اپنی جیب سے گولیاں نکالتے ہوئے پسٹل میں ڈالی تھیں۔

اس کے گارڈز نے آس کے حکم پر گولیوں کی برسات کر ڈالی تھی دروازے پر۔۔ حیدر خان نے دروازے کو گولیاں مارتے اپنے بھاری بوٹ والے پاؤں سے دروازے کو ضرب لگائی۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ اور اس کے گارڈ دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے

آریان خانزادہ زرمش کو لیے سیکریٹ دروازے سے حویلی کے اندر دوبارہ داخل ہوا تھا۔ حیدر خان کے اندر داخل ہونے سے پہلے اسے زرمش کو اندر کہیں چھپانا تھا۔ سب سے بہتر جگہ وہ تہہ خانہ ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ اسے اندر کیوں لے آیا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا۔

تیز قدموں سے آگے بڑھو اب تم رکی میں تمھیں ادھر اپنے کمرے میں ہی گاڑھ دوں گا۔ وہ زرمش کو رکتے دیکھ کر چیخا تھا۔

زرمش اس کی چیخ برسہتے ہوئے اس کے قدموں کا ساتھ دینے لگی۔ وہ کمرے سے نکلتے ہوئے حویلی کے ایک کارنر کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا ۔۔ حویلی کے اندر سے گولیوں کی آواز آرہی تھی۔ زرمش نے خوفزدہ ہوتے وہ گولیوں کا رقص سنا تھا۔ وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔ آریان پتہ نہیں کس طرف جارہا تھا۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ مختلف راستے تھے۔۔

وہ اس کے قدموں کا ساتھ دیتے تیزی سے بھاگنے لگی۔ گولیوں کے شور سے اس کے کان کے پردے پھٹ رہے تھے۔ وہ سمجھ چکی تھی حویلی میں کچھ لوگ داخل ہو چکے ہیں۔ زرمش اپنے آنسو ایک ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے آریان کے قدموں کا ساتھ دیتے بھاگتے جا رہی تھی۔

آریان خانزادہ یکدم رکا تھا۔ سامنے دیوار میں ایک بہت بڑی بک شیلف تھی۔ آریان خانزادہ نے وہاں سے کچھ بکس ہٹاتے اس نے لکڑی کو پریس کیا تو وہ باکس کھل گیا تھا۔ جس کے پیچھے چابی کا ہول تھا۔ آریان خانزادہ نے ایک ریک سے ایک بہت بڑی کی چین میں ڈالی چابی وہیں پاس سے اٹھاتے ہوئے اس ہول میں گھماتے ہوئے وہ بک شیلف کو پیچھے کیا تھا۔ زرمش حیرانگی سے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے کمرہ تھا۔ آریان خانزادہ دوبارہ سے اس کی کلائی جکڑے اس کمرے میں داخل

ہوتے بک ریک والے دروازے کو آگے کرتے اندر سے اب اس دروازے کو لاک کر گیا تھا۔۔

زرمش پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس چھوٹے سے سیلن زدہ ڈارک سے ٹھنڈے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔اس کی ہیزل گرے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔اس کمرے کی وال پر ایک گلاس لگا ہوا تھا جس پر باہر سب دکھائی دے رہا تھا۔ مگر باہر ایسا کوئی گلاس اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔

آریان خانزادہ نے قہربار نگاہوں سے زرمش کو گھورا۔یہ اس کا سیکریٹ روم تھا جس کے بارے میں اس کی فیملی تک کو نہیں پتہ تھا نہ کسی اور کو!! آج زرمش اس سیکریٹ روم کے بارے میں جان چکی تھی جس کے بارے میں وہ مر کر بھی کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔سامنے کھڑے اس نازک وجود سے اسے پہلے سے زیادہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔

وہ اسے قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی ٹراوزر کی زپر نما پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالنے لگا۔

حیدر خان نے لاونج میں داخل ہوتے وہاں پڑے صوفوں پر گولیاں برسائی تھیں۔ وہاں بنے بک شیلف سے مختلف بکس ایک ایک وایرلیس فون اٹھاتے زمین پر پٹختے تھے۔۔

ایک ایک کمرے کی تلاشی لو!! ہر الماری ہر جگہ چپہ چپہ چھان مارو۔۔ اس کی حویلی کو نیست و نابود کر دو۔ ایسا قہر برپا کر دو وہ آریان خانزادہ جہاں چھپا ہو باہر نکل آئے۔

حیدر خان حکمیہ لہجے میں غراتے حویلی کے مختلف کمروں کی طرف بڑھا۔

حیدر خان کے درجنوں گارڈز آریان خانزادہ کی حویلی میں پھیل گئے تھے۔۔ حیدر خان راہ میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ آریان خانزادہ کے نمبر سے آدھی رات کو کال آنا اس کے شک کو یقین میں بدل چکا تھا۔ زرمش یہی ہے اس کا دل کہہ رہا تھا۔

حیدر خان نے آریان خانزادہ کے کمرے کی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکتے توڑ ڈی تھی۔ اس کے فرنیچر پر گولیوں کی برسات کر دی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے وہ scorpion کا شیشے کا باکس اٹھا کر پوری قوت سے زمین پر مارا تھا۔

آریان خانزادہ اس کمرے میں بچھی کرسی پر بیٹھا سگریٹ لبوں میں دبائے مٹھیاں بھینچے یہ شور شرابہ سن رہا تھا۔ اس کمرے میں سپیکر لگے تھے جہاں سے حویلی میں ہوئی قدموں کی آہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

زرمش گلاس وال پر ہاتھ جمائے باہر نگاہیں جمائے ہوے تھی۔۔اسے سامنے صرف وہی حال دکھائی دے رہا تھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ مگر آوازیں اس کے لالا کی تھیں۔

لالا!!وہ کپکپاتے لبوں سے مدھم سا حیدر خان کو پکارتے ہوے گلاس وال سے باہر بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان پاگلوں کی طرح ایک ایک کمرے کی تلاشی لے چکا تھا۔اسے کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

حویلی بہت بڑی تھی۔اس کے تمام گارڈز بھی ایک ایک کونے کی تلاشی لے چکے تھے مگر کہیں بھی آریان خانزادہ نہیں تھا۔

حیدر خان جگہ جگہ گولیاں برساتے آگے بڑھا۔ وہ اب اس ہال نما کمرے میں داخل ہوا تھا۔ زرمش حیدر خان کو دیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔

حیدر خان نے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے ہوئے سامنے بنی بے حد خوبصورت بک ریک پر گولیوں کی برسات کی

لالا!! زرمش نے روتے ہوئے اس گلاس وال پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے پکارا

۔۔

آہہہہ۔۔۔۔ حیدر خان چیختے ہوئے اس کمرے کی ایک ایک چیز اٹھاتے ہوئے طیش و اشتعال سے پھینکتا جا رہا تھا۔۔

لالا!! زرمش وال پر ہاتھ مارتے ہوئے حلق کے بل چیخی تھی۔

آہہہہ۔۔۔حیدر خان اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے درد و کرب سے چیخ رہا تھا۔

لالا!زرمش اس گلاس وال پر پوری قوت سے ہاتھ مارتے ہوے ہذیانی چیخی تھی۔

آہہہہ۔۔۔حیدر خان اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے چھت کی طرف دیکھتے چیخ رہا تھا۔

لالا۔۔۔میں ادھر ہوں!لالا ادھر دیکھیں لالا!!زرمش پاگلوں کی طرح گلاس وال کی طرف ہاتھ مارتے چیخ رہی تھی۔

یکدم آریان خانزادہ کا وحشت ناک قہقہہ اس سیلن زدہ ڈارک کمرے میں گونجا تھا۔

لالا!زرمش اس کا خوفناک قہقہ سنتے ہوئے خوف سے وال پر مزید تیزی سے اپنے ہاتھ کی ضربیں لگانے لگی۔

آریان خانزادہ کے فلگ شگاف قہقے گونج اس ڈارک روم میں گونج رہے تھے۔

لالا مجھے بچالیں اس وحشی درندے سے!!لالا مجھے بچالیں اس

bloodthirsty beast

سے۔۔لالا مجھے بچالیں۔لالا اپنی زرمش کو بچالیں۔وہ حیدر خان کو دیکھتے ہذیانی چیخ رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ قہقے لگائے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے حیدر خان کو دیکھ رہا تھا۔جو بے بسی سے چیخ رہا تھا۔

لالا یہاں دیکھیں میری طرف آپ کی زرمش یہاں ہے۔۔ مم مجھے بچالیں اس خوفناک درندے سے۔ یہ وحشی ہے لالا!! یہ بہت خوفناک ہے لالا! مجھے اس درندے سے بچالیں مجھے اس کے پاس ایک پل نہیں رہنا۔۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ میری سانسیں رک جائیں گی لالا! اپنی زرمش کو بچالیں لالا۔۔ وہ روتے ہوئے اس گلاس پر ہاتھ مارتے ہوئے بری طرح چیخ رہی تھی۔

اس نازک وجود کی باتیں سنتا آریان خانزادہ کی آنکھوں میں سرخی چھائی تھی۔۔۔

لالا بچپن سے کچھ نہیں مانگا آپ سے!! اب بھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ صرف مجھے یہاں سے نکال لیں۔ ساحر خان کے پاس بھی نہیں جانے کا کہوں گی۔ زرمش گلاس وال سے نظر آتے حیدر خان کو دیکھتے ہذیانی چیخی۔

مقابل کے لبوں سے ساحر خان نکا نام سنتے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوئی تھی۔

وہ کرسی سے اٹھتے ایک ہی جست میں اس تک بڑھتے ہوے اسے گردن سے دبوچتے سیدھا کرتے گلاس وال سے لگا گیا۔

تمھارا لالا تمھیں یہاں سے کبھی نہیں لے کر جا سکتا جب تک میں نہ چاہوں!!وہ تم تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔اس لیے اپنے گلے کو آرام دو!!اتنا چیخو گی تو آواز چلی جائے گی مس خان!!آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔

میں پکاروں گی اپنے لالا کو!!وہ مجھے لے کر جائے گا۔میرے لالا نے مجھے ڈھونڈ لیا ہے۔تمھاری حویلی کی ایک یک چیز میرے لالا نے تباہ کر دی۔۔وہ

مجھے لے جائیں گے۔زرمش اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔

اچھا لے جائیں گے تمھارے لالا پھر چیخو پکارو اسے۔۔وہ دیکھو سامنے کھڑا ہے۔اریان خانزادہ اسے پچھلی گردن سے جکڑے اس کا رخ گلاس وال کی طرف کر گیا۔

وہ گہرے سانس لیتے وال پر ہاتھ جمائے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔جو چاروں طرف دیکھتے اب رو رہا تھا۔

چیخو!! آریان خانزادہ اس سے دور ہوتا دھاڑا۔

لالا!!زرمش حلق کے بل چیخی تھی۔

اور اونچا چیخو!وہ غرایا تھا۔

لالا!!زرمش حلق کے بل پوری قوت سے چیخی تھی۔۔

اور اونچا چیخو ناپاک وجود تاکہ تمھارے لالا تک تمھاری آواز پہنچ جائے۔رکنی نہیں چاہیے تمھاری آواز ورنہ ہمیشہ کے لیے اس کمرے میں بند کر دوں گا۔ آریان سگرٹ لبوں میں دبائے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے پھنکارا تھا۔

لالا!!لالا!!زرمش اپنی گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح چیخ رہی تھی۔اس کا گلہ چیخنے دکھ رہا تھا۔ آواز بیٹھ رہی تھی مگر وہ پھر بھی پکار رہی تھی۔حیدر خان زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے اب رو رہا تھا۔

لالا!!میرا لالا!!مت روئیں ایسے!ورنہ میں مر جاؤں س گی۔

وہ اب گلاس وال پر ہاتھ جمائے زارو قطار رو پڑی تھی۔۔۔

کوئی فرق نہیں پڑنے والا!! تمھارے لالا تک نہ تمھاری آواز جا رہی ہے نہ تم دکھائی دے رہی ہو۔ آریان خانزادہ نے حیدر خان کو یوں روتے دیکھ کر طمانیت سے مسکراتے ہوئے سگریٹ کا دھواں لبوں سے خارج کیا تھا۔

کک کیا مطلب؟؟ زرمش نے اس کی طرف مڑتے ہوئے گلاس وال سے ٹیک لگائے ہچکی لیتے استفسار کیا۔

یہ کمرہ سیکریٹ ڈارک روم ہے۔ باہر سے کوئی اندر نہیں آسکتا۔ جب تک وہ اس بک ریک کی کی ہول کو کھولتے اندر نہ آجائے۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ نہ وہ کی ہول کسی کو ملے گی نہ وہ اندر آسکے گا۔ اگر کسی کو پتہ چل بھی جاتا ہے وہ اس چابی کے بغیر اندر نہیں آسکتا۔ آریان خانزادہ نے پینٹ کی پاکٹ سے چابی نکالتے ہوئے اس کے سامنے لہرائی تھی۔۔ زرمش گہرے

سانس لیتے بے یقینی سے آریان خانزادہ کی باتیں سنتے اس کی ہاتھ میں پکڑے وہ کی چین دیکھ رہی تھی۔۔

اور یہ دروازہ بلٹ پروف ہے یہ صرف اسی چابی کے ساتھ کھل سکتا ہے۔اسے توڑا نہیں جا سکتا۔نہ ہی اس کی چابی بنوائی جا سکتی ہے۔یعنی یہ چابی نہیں تو تم اور میں ہمیشہ کے لیے اس کمرے میں بند ہو سکتے ہیں۔ تمھیں اپنی ساری عمر اس جگہ پر اس

booodthirst bes t

کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔۔سوات کی

beauty

اس

beast

کے ساتھ اس بدصورت کمرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہو جائے گی۔ آریان وہ چابی ہوا میں اچھالتے ہوئے اسے بے باکی آنکھ مارتے ہوئے ہنسا تھا۔

زرمش نے بدحواص ہوتے اسی لمحے اس کی طرف بڑھتے اس کے ہاتھ سے وہ چابی جھپٹنا چاہی تھی۔ آریان خانزادہ تیزی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔

اتنا آسان ہے تم جیسی نازک سی لڑکی کا آریان خانزادہ سے یہ چابی لینا کیا؟! وہ اس کی طرف استھزائیہ نگاہوں سے دیکھتے غرایا۔

دو مجھے یہ چابی! مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔ میں اب ایک پل تمھارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ زرمش نے حلق کے بل چیختے ہوئے اس کی سینڈو جکڑی۔

آریان خانزادہ اس کے چیخنے پر خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ تم

blood thirst beast

ہو۔ تم وحشی درندے ہو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔۔ میں اپنے لالا کے ساتھ آج جا کر رہوں گی۔ دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہو

مجھے ؟؟ زرمش نے ہذیانی روتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چابی لینی چاہی

۔ آریان زرمش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی مٹھی بند کر گیا تھا۔

لے لو چابی!! آریان خانزادہ نے اپنی بند مٹھی اس کے سامنے کی۔ زرمش نے ہچکیاں لیتے ہوے اس کی مٹھی اپنے دونوں ہاتھوں سے کھولنے کی کوشش کی۔

آہہہ۔۔۔ وہ چیختے ہوے اپنا پورا زور لگا کر اس کی مٹھی کو کھول رہی تھی۔ جو چٹان کی طرح سخت دی۔ وہ اس کی بند مٹھی کھولنے کے چکر میں بری طرح ہانپ رہی تھی۔

آریان خانزادہ دیوار سے ٹیک لگائے اسے مسکراتے ہوے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بے بسی کے احساس سے وہ اب چیخ چیخ کر رو رہی تھی ۔ آریان ہنستے ہوے دیوار سے سر ٹکائے آنکھیں موند گیا تھا۔

زرمش نے ہچکیوں سے روتے ہوے جھکتے ہوے اس کی بند مٹھی پر اپنی پوری قوت لگائے دانت گاڑھے۔

آریان بند آنکھوں سے اب مسکرایا تھا۔ زرمش اپنی پوری قوت سے اس کی بند مٹھی پر دانت گاڑھے ہوے تھی۔ مگر اس وحشی درندے اس چٹان کو وہ ایک انچ نہ ہلا سکی تھی۔ زرمش نے مزید بے رحمی سے دانت گاڑھے۔ خون اب اس کے حلق میں اتر رہا تھا۔ وہ وحشی درندے کا خون اپنے حلق میں اتارنا نہیں چاہتی تھی۔ زڑمش نے اس کی مٹھی اپنے دانتوں سے آزاد کرتے ہوے خون زمین پر تھوکا۔

آریان خانزادہ نے آنکھیں کھولتے ہوے اسے دیکھا۔ وہ روتے ہوے گہرے سانس لیتے اس کی بند مٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں خون کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے بہت بے دردی سے اسے کاٹا تھا۔ مگر مقابل کو کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

ویسے کیا نشان دیا ہے تم نے مجھے ایمپریسیو!! بہت جی دار ہو تم!! لو بائٹس دینا آتی ہے تمھیں ناپاک وجود! وہ اس کی طرف دیکھتے استھزائیہ مسکرایا تھا

لو بایٹ نہیں ہے یہ

hate bite

ہے۔ زرمش حاکم خان تم جیسے وحشی درندے کو مر کر بھی

love bite

نہ کرے۔ میرے لیے

تم اچھوت ہو۔ ناپاک خون ہو تم میرے لیے آریان خانزادہ! وہ آریان خانزادہ کو نفرت سے دیکھتے چیخی تھی۔

گلاس وال سے حیدر خان روتا ہوا اسے دکھائی دے رہا تھا اور وہ اپنے لالا کو دیکھتے جیسے پاگل ہو چکی تھی۔ مقابل کے ہاتھ میں چابی اس کے لیے اس کی سانسیں تھیں۔ جسے پانے کے لیے وہ سب کچھ کر سکتی تھی

زرمش کی بات پر آریان خانزادہ کی رنگت سرخ ہو ئیتھی۔ آنکھوں میں خون کے ڈورے اترے تھے۔ اگر یہاں سے جانا چاہتی ہو یہ چابی چاہتی ہو تو تم مجھے لو بایٹ کرو گی تو یہ چابی تمھیں مل جائے گی۔ وہ برفیلے لہجے میں بولتے چابی اچھالتے ہوے اسے مٹھی میں قید کر گیا تھا۔

مر جاؤں گی ساری عمر تمھارے ساتھ اس کمرے میں قید رہوں گی۔ مگر تمھیں

love bite

نہیں کروں گی۔ زرمش سر نفی میں ہلاتے پیچھے کی طرف قدم بڑھا گئی تھی۔

آریان خانزادہ اسے خون آشام درندے کی مانند گھور رہا تھا۔

آہہہہ۔۔۔ حیدر خان اب چیختے ہوے وہاں پڑے سینٹرل ٹیبل پر ہاتھ مار رہا تھا۔ حیدر خان کے گارڈ بھی ادھر آ چکے تھے۔

وہ اسے روک رہے تھے۔ مگر حیدر خان کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

زرمش دیوار کے ساتھ لگے سسکتے ہوے حیدر خان کو دیکھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے حیدر خان کو دیکھتے ہسنتے ہوے سگریٹ کا گہرہ کش لیا۔

سڑکوں کی زینت بنانا چاہتے تھے تم مجھے! ہر مرد کی اترن بنانا چاہتے تھے۔ زرمش حاکم خان ہر مرد کی اترن تو بن سکتی ہے۔ آریان فارس خانزادہ

کی پرچھائی کو چھونا بھی اپنی توہین سمجھتی ہے۔ وہ اس کی ہنسی پر پاگل ہوتے اس کی طرف بڑھتے اس کی سینڈو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

چٹاخ!! آریان خانزادہ کا تھپڑ اس کا وجود لمحوں میں ہلا چکا تھا۔ وہ بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے وہاں پڑے پرانے سے سنگل بیڈ کے گدے پر گری تھی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔

مقابل کا دوسرا تھپڑ پہلے تھپڑ سے بھی زیادہ جاندار تھا۔

اسے لگ رہا تھا اس کا گال کی سکن چھل چکی ہے۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ مٹی سے اٹا ہوا گدا اس کی سانسیں بند کر رہا تھا۔ مگر مقابل کے خوف سے وہ کھانس بھی نہیں پا رہی تھی۔ وہ اس کے تھپڑ سے شدید ڈر چکی تھی ۔بدن ہچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے جکڑے سیدھا کر گیا۔

مردوں کی اترن بننا ہے تمھیں ہاں؟!وہ اس پر جھکے پاگل ہوتا چیخا تھا۔زرمش اس کی سبز آنکھوں میں خوف سے دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی۔

آیندہ اپنی گندی زبان سے کسی غیر مرد کا نام لیا تو تمھیں میں صرف اپنی اترن بناؤں گا اور مجھے سہن نہیں کر پاؤ گی تم سمجھی تم!!وہ اس پر جھکے خون اشام درندے کی مانند دھاڑا۔

زرمش خوف سے آنکھیں میچ گئی تھی۔آریان اس کی بند آنکھوں کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوے اٹھا تھا۔

حیدر خان اب باہر نہیں تھا۔وہ خالی حال دیکھتے جبڑے بھینچ گیا۔

تمھارے لالا سے مل کر آتا ہوں میں۔۔تب تک تم ادھر رہو گی۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے دیوار پر لگے ایک بورڈ میں سوچ کو گھمایا تھا۔ کمرے میں یکدم سردی کی شدت بڑھ گئی تھی۔۔۔اس ٹمپرچر میں تم ایک گھنٹہ ہی زندہ رہ سکتی ہو!!ایک گھنٹہ سے اوپر سمجھو! تمھاری موت پکی۔۔۔اس نے اس پر قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوے غصے سے چابی نکالتے ہوے دروازہ کھولتے چابی اپنے ٹراوزر کی پاکٹ میں ڈالی تھی۔ وہ اتنے غصے میں تھا چابی اس کے ہاتھ سے چھوٹتے بیڈ کے نیچے جا گری تھی۔ اس جیسے انسان کو خبر نہیں ہو سکی تھی۔ مقابل کے لفظوں سے اس کا دماغ جیسے تڑخ چکا تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون لاوا بنا تھا۔ وہ بھاری دروازہ کھولتے ہوے باہر آیا۔ وہ بلٹ پروف دروازہ آوٹ ومیٹک لاک ہو چکا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوے اپنے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔ زمین پر بکھرے اپنے کپڑوں سے سیاہ

hoodie

اس نے اٹھائے ہوے پہنی تھی۔ ڈریسنگ روم میں جنگل کی طرف کھلتے دروازے سے باہر نکلتے تیز تیز قدموں سے بھاگنے لگا۔ حیدر خان کی آنکھوں میں ہار ایکھنے کا بھی اپنا مزہ تھا۔ اسے یہ ہار بے بسی دیکھنی ہی تھی۔ جو برسوں پہلے فارس خان کی آنکھوں میں تھی۔

وہ برستی بارش

hoodie

کی کیپ اپنے سر پر لیتے پوری قوت سے بھاگنے لگا۔۔ حیدر خان سے باہر آنے سے پہلے اسے حیدر

خان تک پہنچنا تھا۔

شہرام خان نے بہارے کو پیچھے سے اپنے حصار میں لیتے اپنے گرم ہاتھ کمبل کے اندر کرتے اسے خود کے ساتھ لگایا تھا۔۔ جو سنگل گرم کمبل خود پر لپیٹے گلاس ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی۔ شہرام خان بہت نرمی سے خود کے ساتھ لگائے اس کی کان کی لو کو چومتے ہوے اس کے بالوں پر لب رکھتے گلاس ونڈو سے نظر آتے بہتے دریا پر نگاہیں جما گیا تھا۔ بہارے گلابی ہوتی مسکرائی تھی۔

میری بہارے!! مجھے دیکھ کر میرے لمس سے

nausea

تو نہیں ہو رہا۔ میرے قریب آنا برا تو نہیں لگ رہا۔ شہرام خان نے بھاری آواز میں پوچھا تھا۔

بہارے اس کا گرم ہاتھ غصے سے اپنے پیٹ سے جھٹکتے ہوئے اس کی طرف پلٹی تھی۔ کمبل زمین بوس ہوا تھا جسے وہ زمین سے اٹھاتے غصے سے خود پر لپیٹ گئی تھی۔ رنگت خفت و شرم سے سرخ ہوئی تھی۔ عارض تپ کر قندھار ہوئے تھے۔

شہرام خان اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے گہری نگاہوں سے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنی خفت و شرم پر قابو پاتے اسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوا کس بات پر آنکھوں میں شرارے دہک رہے ہیں؟!۔ کمبل زمین بوس ہونے پر یا پھر میرے سوال پر؟؟ شہرام خان نے آئی برو اچکائے تھے۔

شہرام خان رات سے یہ سوال کتنی مرتبہ پوچھ چکے ہو مجھ سے؟؟ اگر تمھارے چہرا تمھارا لمس مجھے برا لگتا تو رات سے اس کمبل میں نہ ہوتی۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

بولو ناں چپ کیوں ہو گئی کہ تم نے اس کمبل کے نیچے کچھ نہیں۔۔۔ شہرام خان بات ادھوری چھوڑتے اس کے کمبل میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر چکا تھا۔

بہارے سرخ ہوتے کمبل کو سینے سے جکڑے ہوے تھی۔

بہت ضدی ہو شہرام خان!!رات سے منمانیاں کر رہے ہو۔ بہارے کمبل کے اندر سے اس کے ہاتھوں کی گستاخیاں بمشکل برداشت کرتے پھولتی سانسوں سے بولی۔ اس کی گہری شرارتیں اس کی سانس پھلا چکی تھی

ضدی تم تم بھی ہو!!اپنی ہر ضد مجھ سے منوالیتی ہو میری بہارے!! یہاں تو اب تمھاری مرضی نہیں چل سکتی۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اسے اپنی گود میں اٹھائے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔ بیڈ پر پتیاں ابھی بھی بکھریں تھیں۔ پھولوں کی لڑیاں چاروں طرف ابھی بھی بیڈ کو سجائے ہوے تھیں

وہ اسے نرمی سے لٹاتے وہ کمبل اس کے وجود سے علیحدہ کر گیا تھا۔ بہارے شرم سے سرخ پڑتے شہرام کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اسے بے

باک گہری نگاہوں سے دیکھتے شنیل کی رضائی خود پر اور اس پر کرتے اس کے لبوں کو اپنی دسترس میں لیے ان پر قفل لگا گیا تھا۔

اس کی سانسوں کو بے ترتیب کرتے اسے آزادی دیتے اس کا رخ پلٹے ہوے اس کی کمر کو چومنے لگا۔ وہ اس کی سائیڈ گردن پر آتے ہوے اس کی کان کی لو کو اپنی گرم سانسوں سے جھلسانے لگا۔

اب مجھے بتاؤ کون سی کون سی اپنی ضد پوری کرتا ہوں۔ کہاں مجھ سے غلطی ہوئی تاکہ میں اپنی بہارے کا آیندہ دل نہ دکھاؤں۔۔ شہرام تکیے پر ہوتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

تم نے مجھ پر ہاسپٹل جانے پر پابندی کیوں لگائی؟!۔ جب وہ ہسپتال میرے لیے بنایا ہے۔ بہارے نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے شکوو کناں لہجے میں استفسار کیا۔

میری بہارے وہ ہسپتال تمھارا ہے۔ پابندی نہیں لگائی نہ کبھی لگاؤں گا۔ صرف بہرام کی وجہ سے تمھیں روکا تھا۔ وہ تمھارا فیڈ کرتا تھا۔ بہرام کی مرتبہ تم آٹھ مہینے تک ہسپتال آتی رہی۔ منع کیا کیا کبھی تمھیں میری جان؟! شہرام نے جوابًا استفسار کیا تھا۔ بہارے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

بہت بڑے عہدوں پر عورتیں بچے کی پیدائش کے بعد ایک ایک سال کی چھٹی لیتی ہیں۔ اور جن کمپنیوں میں کام کرتی ہیں وہ خود انھیں چھٹی دیتی ہیں۔ ہمارے ہسپتال کا بھی یہی رول ہے۔ زچگی کے بعد ہر لیڈی ڈاکٹر کو نو مہینے تک چھٹی دی جاتی ہے اور اس دوران انھیں مکمل تنخواہ بونس کے ساتھ دی جاتی ہے۔ کیا غلط کیا تمھارے ساتھ میری بہارے؟! شہرام خان کی بات پر وہ لب کاٹتے نظریں جھکا گئی تھی۔

میری طبعیت ایسی ہے شہرام ہر سیدھی بات بھی ٹھیک نہیں لگتی۔ آئی ایم سوری!! بہارے خفت زدہ سی مسکرائی تھی۔

آئی ایم سوری ٹو میری جان!! اس دوران میں تمھیں سمجھا نہیں تمھارے احساسات کو سمجھا نہیں۔ شہرام نے اس کی ہتھیلی چومتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

تمھیں زیادہ بچے پسند ہیں شہرام!! بہارے نے اس کے سینے پر براؤن بالوں کو مٹھیوں میں بھرتے ہوے پوچھا۔

پٹھان ہوں میرا دل کرتا ہے ہر سال ایک بچہ تو ہو!! وہ بہارے کا چہرہ اٹھاتے ہوے اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا تھا۔

لیکن تم رات کو کہہ رہے تھے تمھیں دو ہی بچے چاہیے۔ بہارے نے لب کاٹتے ہوے پوچھا تھا۔

کیونکہ تم دو ہی پیدا کر سکتی ہو!! شہرام نے مایوسی سے سر ہلایا۔

اگر تم کہو گے تو میں زیادہ بچے پیدا!

شش۔۔۔ شہرام اس کے لبوں پر انگلی جما گیا تھا۔۔۔

میری بہارے!! کبھی نہیں چاہا تم میری وجہ سے کبھی سیکریفایز کرو!! تم امپورٹنٹ ہو مجھے۔۔ مجھے زیادہ بچے نہیں اپنی بہارے کی صحت اس کی محبت اس کی کیئر چاہیے۔ جانتی ہو ناں بہرام نے کچھ ماہ میری کن کن چیزوں پر حق جتایا ہے۔ شہرام ذو معنی انداز میں کہتے بے باک شرارت کر گیا تھا۔

اور تمھاری ایک غلطی کی وجہ سے وہ اپنے حق سے محروم ہو گیا۔ جانتے ہو ناں۔ بہارے کی بات پر وہ خاموش ہوا تھا۔

یہ غلطی نہیں میری بہارے!! رحمت آ رہی ہے۔ میری چھوٹی بہارے آ رہی ہے۔۔ شہرام کی بات پر وہ مدھم سا ہنستے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

اگر چھوٹی بہارے نے میرا جتنا تمھیں ستایا تو کیا کرو گے تم؟؟ بہارے نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

شدید محبت کروں گا جیسے تم سے کرتا ہوں۔ شہرام رخ پلٹے اس پر حاوی ہوا تھا۔

شہرام!! بہرام رو رہا ہو گا اب چلیں۔ بہارے نے گھبراتے ہوے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھے اسے آگے بڑھنے سے روکا تھا۔

بہرام مورے کے پاس بہت خوش ہے۔ اس لیے یہ دو دن صرف میرے!! تمھارے وجود پر اب یہ دو دن کمبل بھی نہیں ہو گا۔ وہ اس پر جھکتے ہوے اس کی سانسوں کو انہیل کرتے اپنی شدتیں اس پر بے حد نرمی سے ڈھانے لگا تھا۔ بہارے سکون سے انکھیں موند گئی تھی۔ یہ تھا اس کا شہرام خان جو سب کے لیے پہاڑوں کی طرح سخت تھا۔ مگر اس کے لیے یہاں کے دریاؤں کی طرح میٹھا اور ٹھنڈا شفاف!!۔ وہ بند آنکھوں سے آنسو بہاتے شہرام خان کے ساتھ چپکی تھی۔

جو رات سے اسے بے حد نرمی سے چھو رہا تھا۔ اس خود میں سماتے ساری رات اسے نرمی سے چومتا رہا تھا۔

جو اس کے قدموں میں بیٹھ کر آج بھی معافی مانگتا تھا۔ جو اسے ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔۔ کیا شہرام خان جیسا انسان ہو سکتا تھا۔۔ جو اپنی بیوی کے لیے اتنا نرم ہو۔ اتنا میٹھا ہو!! بہارے یکدم روتے ہوئے اس میں سمائی تھی۔ وہ پریشان ہوتے اسے ریلیکس کرتے اس کے اوپر سے پیچھے ہٹا تھا۔ بہارے کے رونے کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ اسے خود سے دور ہونے سے منع کرتے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کر چکی تھی۔

کچھ نہیں ہوا تمھاری بہارے کو!! جو تمھارا حق ہے اب کبھی اس حق میں بہارے خان کو تاہی نہیں کرے گی۔ یہ دو تو کیا میں ہر پل تمھارے. سینے میں سماتے تمھاری دھڑکنوں کو سننا چاہوں گی۔ بہارے مسکراتے ہوئے شہرام خان کے عنابی لبوں کو اپنے لبو؟ میں دبا گئی تھی۔ وہ بھی جواباً اس کی نرم گرم شدت میں اس کا ساتھ دینے لگا۔

آریان خانزادہ سیاہ

hoodie

پہنے بھاگتے ہوے جنگل کا راستہ عبور کرتے اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں جمائے ہوے تھا۔

اسے حیدر خان کے باہر آنے سے پہلے داخلی دروازے سے اندر داخل ہونا تھا. وہ اپنی پوری فورس لگائے بھاگ رہا تھا۔

حیدر خان اپنے گارڈز کے ہمراہ تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی حویلی بہت بڑی تھی۔ مگر وہ اس کا چپہ چپہ چھان چکے تھے۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اس نے اور اس کے گارڈز

نے تلاشی نہ لی ہو۔ مگر زرمش کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ حیدر خان کا ہاتھ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ ہاتھ سے خون بہتا سفید ماربل کو داغ دار کر رہا تھا۔ وہ پسٹل ہاتھ میں پکڑے تیز تیز قدموں سے آریان خانزادہ کی حویلی عبور کر رہا تھا۔ زرمش کہاں تھی آخر؟! یہی سوچیں اس کے بھاری اعصابوں سے جکڑے ہوئے تھیں۔

اس وقت حیدر خان کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ وہ اور اس کے گارڈز داخلی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھے۔ حیدر خان نے ایک بار پھر سے اس بند بے حد بھاری دروازے پر گولیوں کی برسات کر ڈالی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی دونوں پسٹلز سے اس لکڑی کے دروازے پر بے دردی سے گولیاں برسا رہا تھا۔

داخلی دروازے کے باہر کھڑا آریان خانزادہ آسمان کی طرف دیکھتے وحشت برساتے قہقے لگا رہا تھا۔

جب بات عزت پر آتی ہے تو ایسے ہی دل کرتا ہے آسمان سے زمین تک گولیوں کی برسات کر دی جائے۔ گولی اپنے ہی سینے پر مار دی جائے۔ پنکھے سے لٹک کر اپنی جان دی دی جائے۔۔ آہہہہ۔۔۔۔ آریان خانزادہ آسمان کی طرف دیکھتے اب درد کرب سے چیخا تھا۔

وہ آسمان کی طرف دیکھتے چیختا جا رہا تھا۔ اندر کھڑا احیدر خان دروازے پر گولیاں برسا رہا تھا۔

زرمش اس ڈارک ٹھنڈے روم میں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے گولیوں اور آریان کی چیخوں کی آواز سنتے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں پر قابو پائے آنکھیں میچے ہوئی تھی۔۔ وہ گولیوں کی آوازوں سے زیادہ آریان

خانزادہ کی چیخوں سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پورا سر بری طرح جھنجھنا رہا تھا۔ اتنا درد اس کے پورے وجود میں اٹھ رہا تھا کہ نا قابل برداشت تھا۔ اس کا ایک مارا ہوا تھپڑ اس کے پورے وجود میں درد ہی درد سرایت کر گیا تھا۔

حیدر خان داخلی دروازہ کھولتے اپنے گارڈز سمیت باہر آیا۔ سامنے کھڑے آریان خانزادہ کو دیکھ کر اس کے بھاری قدم رکے تھے۔۔

حیدر خان کے گارڈز نے اسی لمحے آریان خانزادہ پر اپنی بندوقیں تانیں۔۔

کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ اس سے پہلے وہ آریان خانزادہ پر فایر کرتے حیدر خان حلق کے بل دھاڑا تھا۔

اس کی دھاڑ پر آریان خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

حیدر خان نے خون اتری آنکھوں سے سامنے کھڑے انسان کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھتے قہقہے لگا رہا تھا۔

حیدر خان اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ آریان خانزادہ اپنی

hoodie

کی کیپ اتارتے ہوئے اپنے سلکی بھیگے بالوں کو جھٹکا دیتے حیدر خان کی طرف بڑھا۔

دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ایک دوسرے کی طرف بھاری قدموں سے بڑھ رہے تھے۔۔

حیدر خان کے گارڈز آریان خانزادہ پر بندوقیں تانے کھڑے تھے۔۔ آریان خانزادہ خود پر بندوقیں تنی دیکھ کر اور حیدر خان کے ہاتھ سے ٹپکتا خون دیکھ کر استھزائیہ مسکراتے ہوئے حیدر خان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ طوفان کی شدت میں آضافہ ہوا تھا۔ بجلی کی کڑک میں بتدریج آضافہ ہو رہا تھا۔۔ دور کسی پہاڑ کی لینڈ سلاینڈنگ ہوئی تھی۔ اس کی گرج دار آواز پر آریان خانزادہ کی حویلی لرز اٹھی تھی۔

حیدر خان اور آریان خانزادہ ایک دوسرے پر قہربار نگاہیں گاڑھے آگے بڑھے۔ اتنی خوفناک آوازوں اور قہر برپے طوفان کا دونوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

مگر اس ڈارک روم میں نازک وجود شدت سے لرز رہا تھا۔ یہ طوفان اس کی جان نکال رہا تھا۔۔ وہ بری طرح کپکپاتے اپنی سانسوں تک کو روکے ہوے تھی۔

آریان خانزادہ اور حیدر خان ایک دوسرے کے مدمقابل اب کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھے ہوے تھے۔

ایسی کیا قہر برپا ہو گیا حیدر حاکم خان کی زندگی میں کہ اس قہر برپا طوفان میں حیدر حاکم خان کو آج اپنے قدموں کا رخ آریان خانزادہ کی حویلی کی طرف موڑنا پڑا۔۔

آریان خانزادہ نے حیدر خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استھزائیہ لہجے میں پوچھا۔

تمھیں میرا نام پتہ ہے تو یہ بھی پھر پتہ ہو گا آج میرے قدم اس حویلی میں کیوں پڑھے ؟؟۔ حیدر خان غراتے ہوے اپنی پسٹل کی نوک آریان خانزادہ کی گردن پر رکھ گیا تھا۔

حیدر خان کے ایکٹ پر آریان خانزادہ کا گرج دار قہقہ بلند ہوا۔ وہ پھر سے حیدر خان کی طرف دیکھتے قہقے لگا رہا تھا۔

حیدر خان کے گارڈز آریان خانزادہ کو طیش و اشتعال سے گھورتے ہوے آریان خانزادہ کی طرف بڑھے۔

حیدر خان ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔

آریان خانزادہ نام ہے میرا!! پہاڑوں میں رہنے والا ہوں میں !!

میری حویلی میں مکھی بھی پر مارے مجھے خبر ہو جائے یہ تو سوات کے ہوٹلوں کا مالک حیدر حاکم خان اپنے درجنوں گارڈز لے کر میری حویلی میں داخل ہو گا مجھے نہیں پتہ چلے گا۔ آریان خانزادہ نے حیدر خان کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔۔

اگر تمھیں یہ معلوم ہے کہ میں تمھاری حویلی داخل ہوا ہوں یہ بھی معلوم ہو گا کیوں داخل ہوا ہوں ؟؟۔ حیدر خان نے اپنی پسٹل کے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا۔

اس پسٹل سے مت ڈراؤ حیدر حاکم خان !! یہ میرے لیے ہتھیار نہیں کھلونے ہیں۔ اگر مجھے تمھارے ان کھلونوں سے ڈر لگتا تو میرے ہاتھ میں بھی یہ کھلونا ہوتا۔ دیکھ لو حیدر حاکم خان تم ان ہتھیاروں سے مزین ان درجنوں گارڈز کے ہمراہ میری حویلی داخل ہوے۔ مگر میں نہتا تمھارے سامنے کھڑا

ہوں۔مجھے اپنے دشمن کو مارنے کے لیے ان کھلونوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔

آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوے حیدر خان کے ہاتھ سے پسٹل چھینتے ہوے ہوا میں اچھالتے دور پھینک چکا تھا۔ایک دفعہ پھر سے حیدر خان کے گارڈز آگے بڑھے تھے۔۔

رک جاؤ ادھر ہی!!حیدر خان دھاڑا تھا۔

گارڈز حیدر خان کے حکم پر ادھر ہی رکے تھے۔

جواب دو مجھے میری بات کا آریان خانزادہ؟؟حیدر خان اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے طیش والم سے گرج اٹھا تھا۔

بات تو یہی ہے اگر تم سمجھو حیدر حاکم خان میں اپنے دشمنوں کو مارنے کے لیے گولی کا نہیں دماغ کا استعمال کرتا ہوں۔ آریان خانزادہ نے مسکراتے ہوے اپنی کنپٹی پر انگلی بجائی تھی۔

وہ میرے دماغی کھیل سے ہی مر جاتا ہے اگر اس کی سانسیں بچ جائیں تو میں اپنے ہاتھ سے اس کا ٹینٹوا دبا دیتا ہوں۔ آریان خانزادہ گرجتے ہوے حیدر خان کی گردن اپنے ایک ہاتھ سے جکڑ گیا تھا۔ حیدر خان بھی جوابًا آریان خانزادہ کی گردن جکڑتے ہاتھ کے اشارے سے گارڈز کو آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی گردن کو خطرناک حد تک دبوچے ایک دوسرے کو سرد سرخ نظروں سے گھور رہے تھے۔۔ دونوں کے چہرے بے انتہا سرخ

ہو رہے تھے۔ سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ مگر وہ ایک دوسرے پر اپنی گرفت کم نہیں کر رہے تھے۔

سیدھی بات کرو حیدر حاکم خانزادہ!! بڑا ٹیڑھا بندہ ہوں مگر بات سیدھی سمجھ آتی ہے۔ بتاؤ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟! کیوں میری حویلی میں یوں دندناتے آدھی رات کو داخل ہوے؟؟ وہ پھولتی سانسوں سے بولتے اپنی گردن ایک جھٹکے سے حیدر خان سے چھڑواتے اس کی گردن چھوڑ چکا تھا۔

دونوں اپنی اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے جکڑے اب گہری سانسیں بھرتے بری طرح کھانس رہے تھے۔۔

تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟؟ کہاں ہے میری بہن؟؟ حیدر خان نے چیختے ہوے اس کی طرف بڑھتے آریان خانزادہ کے گریبان کو جکڑے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔ جسے آریان خانزاہ

اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کر گیا تھا۔ وہ حیدر خان کا مکہ اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کیے ماتھے کی پھولتی رگوں کے ساتھ حیدر خان کو اب گھور رہا تھا۔

تمھاری بہن میرے پاس ہوتی تو اس وقت وہ تمھیں میری حویلی سے ضرور ملتی اور میں تمھارے سامنے یوں نہ آتا حیدر حاکم خان! آریان خانزادہ غراتے ہوے پیچھے کو ہوتے اپنی

hoodie

اتار گیا تھا۔

حیدر خان اسے دیکھتے جبڑے بھینچ گیا تھا۔ جو سیاہ سینڈو اور سیاہ ٹراوزر میں اس کے سامنے کھڑا اپنی باڈی کی نمایش کر رہا تھا۔ حیدر خان کی قہر بار نگاہیں اس کی باڈی پر تھیں۔ اس کی باڈی ایک ریسلر کی طرح تھی۔ اس کے

بازوؤں کے مسلز اور اس کی سینڈو سے اس کے ایپس نمایاں ہوتے بتا رہے تھے وہ کتنا طاقتور ہے۔

کیلفورنیا کا ریسلر ہوں میں!! تم جیسوں کو ایک انگلی سے ہی پٹخ کر رکھ دیتا ہوں۔ تمہاری بہن کہاں ہے مجھے نہیں پتہ؟؟ جاؤ تلاش کرو اسے صحیح جگہ پر؟؟ سوچو تمھاری بہن کس کے پاس ہے؟؟ میرے پاس ہوتی تو تمھیں یہاں سے مل جاتی! آریان خانزادہ طیش والم سے گرجا۔

یہ نمبر تمھارا ہے؟؟ جہاں سے مجھے ادھی رات کو کال آئی تھی؟! بتاؤ میری بہن کہاں ہے؟؟ حیدر خان نے اپنا موبایل نکال کر اس کے نمبر پر آئی ہوئی کال اسے دکھائی تھی۔

یہ نمبر میرا ہے مگر کرنے والا میں نہیں ہوں حیدر خان!! آریان خانزادہ نے استھزائیہ مسکراتے ہوے سر نفی میں ہلایا تھا۔

کیا مطلب تم نہیں تھے یہی تو جاننا ہے مجھے ؟؟ حیدر خان طیش والم سے گرجا تھا۔

حیدر حاکم خان تم سوات کے ہوٹلوں کے مالک ہو۔ مگر دماغ تمھارے پاس بلکل نہیں ہے۔ اسی کال کو بنیاد بنا کر تم میری حویلی میں گھس آئے !! ایک کال میری صرف ایک کال میری !! ایک بیان میڈیا پر۔ ایک بیان میڈیا پر تمھاری عزت کے برخچے اڑا دے گا۔ تم ایک سوات کے خانزادہ نہیں بلکہ کیلفورنیا کے ریسلر اور ایک عزت دار شہری کی حویلی میں آدھی رات داخل ہوے ہو۔۔ یہاں تم اپنی بہن کی تلاش میں آئے۔ مگر اندر میری عزت بھی ہو سکتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حیدر خان میں تمھارے اور تمھارے گارڈز کی اپنے جنگل میں قبریں کھودتا۔ آریان خانزادہ چیخا تھا۔

جواب دو آدھی رات کو کیوں کال کی میرے نمبر پر؟؟ حیدر خان بھی جواباً چیخا تھا۔

میں تمھیں جواب ہر گز نہ دیتا!! مگر تمھاری کنڈیشن میں سمجھتا ہوں۔ جب بات کسی کی جوان بہن پر آئے تو انسان پاگل ہو کر اپنے ہوش کھو دیتا ہے۔ جیسے تم نے کھو دیے۔

مجھے سچ میں تمھارے ساتھ ہمدردی ہے۔ بات عزت کی ہے۔ اور میں ٹھہرا تمھاری طرح ایک خان تمھاری تکلیف سمجھ سکتا ہوں تم پر کیا گزر رہی ہو گی۔ جب جب تم اپنی بہن کے بارے میں سوال کرتے ہو تمھارا دل کرتا ہو گا کسی پہاڑ سے کود جاؤ یا پھر پسٹل سے خود کا نشانہ لے لو یا پھر پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لو!! آریان افسوس میں سر ہلاتے سنجیدگی سے بولا تھا۔ حیدر خان اس کی باتیں سنتے مٹھیاں دبوچے بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

آریان خانزادہ وہ نہیں تھا جو نظر آ رہا تھا۔ زرمش جب تک مل نہیں جاتی تھی وہ مقابل کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت حیدر خان کو اپنی بہن کے علاوہ کچھ عزیز نہیں تھا۔ اپنی عزت بھی نہیں۔۔ ورنہ وہ اپنی بندوق کی گولیاں ضرور اس syco انسان کے سینے میں اتار دیتا۔ حیدر خان آریان خانزادہ کو گھورتے گہرے سانس لیتے اپنی رگوں میں بھڑکتے خون کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنو میری بات حیدر خان اس رات تمھیں کیوں کال کی؟!۔ میں اس رات اپنے چند دوستوں کے ساتھ تمھارے گرینڈ ہوٹل کے نزدیک تھا۔ برف باری اور لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے سارے راستے بند تھے۔ ٹورسٹ کی وجہ سے تمام ہوٹل بھی تقریباً فل تھے۔۔ تمھارے ہوٹل کی بکنگ کے لیے میں نے کال کی۔ مگر نیٹ ورک کے ایشو کی وجہ سے تم سے بات نہیں ہو

سکی۔۔وہ حیدر خان کے مقابل آتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے مسکراتے ہوے بولا۔

یقین نہیں آرہا تو یہ دیکھو۔یہ تمھارے ہوٹل کی بکنگ کی

receipt

۔۔آریان نے اپنی پاکٹ سے موبایل نکال کر اسے اوپن کرتے اس کے سامنے لہرایا۔اگر یقین نہیں آرہا جا کر معلومات کرو اس رات میں کہاں تھا۔تمھارے گرینڈ ہوٹل کے کمرے میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔

حیدر خان گہرے سانس لیتے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔یہ آریان خانزادہ کے نام کے چیک ان کی

receipt

تھی۔

اگر یقین نہیں آرہا ہوٹل میں کیمرے تو لگے ہوں گے وہ چیک کر لو میں تمھیں ضرور دکھائی دوں گا ان کیمروں میں!! آریان خانزادہ سرد برفیلے لہجے میں بولتے حیدر خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے اپنا موبایل پاکٹ میں ڈال گیا۔

حیدر خان دانت پر دانت جمائے آریان خانزادہ کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ابھی بھی آریان خانزادہ پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے بے بسی سے آریان خانزادہ کو دیکھ رہا تھا۔ زرمش کی زندگی نے حیدر خان کے ہاتھ باندھ دیے تھے۔

تم پر ترس آرہا ہے حیدر خان!! میں بھی تمھاری جگہ پر ہوتا تو شاید یہی کرتا ۔وہ اس کے کان میں جھکے مدھم سی سرگوشی کر گیا تھا۔ مگر سوال یہ ہے میں

تمہاری جگہ پر ہوتا کیوں؟؟اپنی عزت کو کیسے قابو کیا جاتا ہے وہ مجھے پتہ ہے۔وہ اس کے کان میں جھکے غراتے ہوئے قہقہ لگا گیا تھا۔

حیدر خان اس کی بات پر پاگل ہوتے اپنے ہاتھ میں پکڑی دوسری پسٹل اس پر تانے ہوئے گارڈز کو اشارہ کر گیا۔وہ حیدر خان کے آشارے پر آگے بڑھتے آریان خانزادہ کو اپنے حصار میں لے چکے تھے۔

آریان خانزادہ کے مزید فلگ شگاف قہقے گونجے تھے۔۔

حیدر خان سرخ آنکھوں سے اسے قہقے لگاتا دیکھ رہا تھا۔

چلاؤ گولیاں اس پر!!حیدر خان خود پر قابو کھوتا طیش والم سے گرجا۔

اس سے پہلے آریان خانزادہ پر گولیاں چلتی۔۔چاروں طرف سے گولیوں کی برسات ہوئی تھی۔حیدر خان اور اس کے گارڈ بوکھلا گئے تھے۔گولیاں ان کے آس پاس آکر لگ رہی تھیں۔

آریان خانزادہ حیدر خان کو دیکھتے پر سرایت سے مسکرایا تھا۔جنگل اور گیٹ کو پھلانگتے ہوے یکدم بہت سے گارڈ اندر داخل ہوتے حیدر خان اور اس کے گارڈز کو اپنے حصار میں لے گئے تھے۔

آریان خانزادہ اب گہرا مسکراتے ہوے تمسخراتی نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھ رہا تھا۔

میں اپنے ساتھ گارڈز کبھی نہیں رکھتا۔مگر کیا کروں جب بات میری عزت پر آجائے تو میں وہ سب کر سکتا ہوں جس سے مقابل کو مات دی جائے۔یہ حویلی نہیں آریان خانزادہ کے لیے اس زندگی ہے۔۔یہاں ہر کونے میں

میرے رشتوں سے جڑی یادیں ہیں۔ جہاں تم نے اپنے ناپاک قدم رکھے !!جی تو کر رہا ہے تجھے موت کے گھاٹ اتار کر اپنی حویلی کی مٹی میں دفنا دوں۔ مگر تمھارا وجود اپنی حویلی کے مٹی کے نیچے بھی گوارا نہیں۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا میرے اندر خون فارس خان کا ہے جو کسی کی عزت کے ساتھ نہیں کھیلتا۔۔ آریان خانزادہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے گرج اٹھا تھا۔

۔

حیدر خان اپنے بھاری قدموں سے آریان کی طرف بڑھا۔

تو کسی کی عزت کے ساتھ نہیں کھیلتا ہو گا۔ مگر میں اپنی عزت کے ساتھ کھیلنے والوں کو نہیں چھوڑتا۔۔ یہ میرا آج تیری حویلی میں داخل ہونے سے پتہ چل گیا ہو گا۔۔ چاہوں تو ابھی تیرے سینے میں گولیاں اتار کر خود بھی موت

کے گھاٹ چڑھ جاؤں۔۔ مگر جب تک میری بہن نہیں مل جاتی۔ میرا شک تجھ پر سے ہٹ نہیں سکتا۔ تب تک میں نہ مر سکتا ہوں نہ تجھے مار سکتا ہوں۔ سمجھ میری بہن جب تک نہیں مل جاتی تب تک تو سانس لے رہا ہے۔ حیدر خان بیگ ایک لفظ چباتے غرایا۔

میں تو تب تک سانسیں لے لوں گا اچھے سے ہی لوں گا۔ تو زندہ رہے گا کیا تب تک ؟؟ سنا ہے جس کی عزت پر داغ لگ جائے وہ خودکشی کر لیتا ہے۔ ایک کام کر خودکشی کر لے سکون آ جائے گا۔ ورنہ ایسے ہی دربدر پھرتا رہے گا۔ آریان خانزادہ نے ذومعنی انداز میں کہتے اسے آنکھ ماری۔

آریان خانزادہ!! حیدر خان نے جواباً اپنی پسٹل سے آریان خانزادہ پر فائر کیا تا آریان خانزادہ اسی لمحے پیچھے کو ہوتے اپنی کمر مکمل بینڈ کرتے جمپ مار گیا تھا۔

آریان خانزادہ کے گارڈز آگے بڑھتے حیدر خان کی کنپٹی پر پسٹل رکھ گئے تھے۔

مجھے مارنا آسان نہیں ہے اگر مجھے کبھی گولی لگی تو میرے کسی چاہنے والے کے ہاتھوں سے لگے گی۔ سیدھا یہاں!! آریان خانزادہ نے قہقہ لگاتے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

تم جیسے ٹٹو سے مجھے گولی نہیں لگ سکتی! آریان خانزاہ حیدر خان کو دیکھتے طیش والم سے دھاڑا۔

یاد رکھنا آریان خانزادہ تجھے موت میں ایسے نہیں دوں گا۔ قطرہ قطرہ تیری سانسیں کھینچوں گا۔۔ تو تب تک زندہ ہے جب تک میری بہن مجھے مل نہیں جاتی اور خودکشی کرتے ہو تجھ جیسے بزدل لوگ!! حیدر حاکم خان کو اپنی بہن پر خود سے زیادہ یقین ہے۔۔ وہ کبھی اپنے لالا کی عزت داغدار نہیں کر

سکتی۔ حیدر خان گرجتے ہوے اپنے گارڈز کو اشارہ کرتے گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ لوگ گیٹ پھلانگتے ایک ایک کرتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

آریان خانزادہ نے حیدر خان کے جانے کے بعد سرد نگاہوں سے اپنے گارڈز کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے اشارے پر اسی لمحے گیٹ پھلانگتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

اس ناپاک وجود کی وجہ سے ایک دن تم خود اسے گولیاں مارو گے یا خود کو مار ڈالو گے۔ آریان خانزادہ مٹھیاں بھینچتے ہوے گرجا تھا۔

ڈارک سیکریٹ روم میں لیٹا وہ نازک وجود یہ سب سنتا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

---.---------

آریان خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اپنی رسٹ واچ پر ٹایم دیکھتے اندر کی جانب تیزی سے بڑھا۔ اسے آدھا گھنٹہ باہر آئے ہوے تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نازک وجود کو ادھر سے نکالنا بھی تھا۔ وہ اس ٹھنڈے کمرے میں مزید نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے تھپڑ نے اس کا بہت برا حال کر دیا ہو گا وہ جانتا تھا۔ تھپڑ کا وار اس دن سے کہیں زیادہ گہرا تھا۔ جو اس کی نازکی برداشت نہیں کر پائی تھی۔ اس کی خوفزدہ ہرنی جیسی آنکھیں یاد آئی تھیں۔ وہ تھپڑ کھا کر اسے جن نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ نگاہیں یاد کر کے اس کے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔ دماغ کی رگیں شدید بھڑکی تھیں۔۔ اس کے لفظ تو ابھی بھی اس کا لہو گرمائے ہوے تھے۔ وہ تیز تیز قدموں سے حال میں داخل ہوتے اس بک شیلف کی طرف بڑھا۔ بکس ہٹاتے اس نے باکس اپن کرتے

اپنی پاکٹ سے چابی نکالی۔اس کے ٹراوزر میں وہ چابی نہیں تھی۔ آریان خانزادہ نے اپنے ٹراوزر کی دونوں پاکٹس میں چابی تلاش کی تھی۔چابی وہاں نہیں تھی۔

یہ کیسے ہو سکتاہ؟!ے وہ چابی میں نے خود اپنے رایٹ پاکٹ میں ڈالی تھی۔ آریان خانزادہ نے بڑبڑاتے ہوے چابی ایک بار پھر سے وہ چابی تلاش کی۔اس کی دونوں پاکٹس میں چابی نہیں تھی۔۔

چابی کہاں گئی آخر؟؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟ آریان خانزادہ نے گہرے سانس لیتے ایک بار پھر سے وہ چابی تلاش کی تھی۔ آریان خانزادہ نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوے اپنے دماغ پر زور ڈالا۔اسے یکدم یاد آیا تھا۔چابی گرنے کی آواز سنائی دی تھی۔اسے یاد آیا تھاچابی اس سے اندر ہی کہیں گر گئی ہے۔

آریان خانزادہ نے اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھا جہاں ایک گھنٹہ ہونے میں پچیس منٹ رہتے تھے۔۔ وہ اس ٹمپریچر میں صرف پچیس منٹ ہی زندہ رہ سکتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ وہاں سروائیو نہیں کر سکتی تھی۔۔

آریان خانزادہ نے سامنے لگے مرر میں دیکھا۔ اسی جگہ پر گلاس وال تھا جہاں اندر سے باہر دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر باہر سے اندر نہیں!! چابی کے بغیر کسی صورت یہ دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔۔ اب اندر سے وہ ہی دروازہ کھول سکتی تھی۔ لیکن اس نے ابھی تک دروازہ کھولا کیوں نہیں تھا۔

وہ حیران ہوا تھا۔۔ وہ تو اس کمرے سے نکلنے کے لیے مری جا رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے گہرا سانس بھرتے مرر میں دیکھتے رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائیں۔ جہاں ایک گھنٹہ پورا ہونے میں صرف بیس منٹ رہتے تھے۔۔

آریان خانزادہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوے تھے۔۔وہ آج پھر گھبرا اٹھا تھا کیوں وہ نہیں جانتا تھا؟؟ مگر اس دن کی طرح اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔۔

آریان خانزادہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔وہاں سے اپنا لیپ ٹاپ لیتے وہ بھاگتے ہوے اس جگہ پر آیا تھا۔

اسے زمین پر رکھتے اس کے سامنے بیٹھتے ہوے اس نے لیپ ٹاپ کھولتے اس کی کی پیڈ پر انگلیاں چلائیں۔

یقدم سکرین پر پ اس ڈارک روم کا منظر واضح ہوا تھا۔وہ اس بیڈ پر لیٹی بری طرح سسک رہی تھی۔۔ آریان خانزادہ کی نگاہیں زمین پر پڑی اس چابی کو تلاش کر رہی تھیں۔جو اسے دکھ نہیں رہی تھیں۔وہ کی پیڈ پر انگلیاں چلاتے وہ بار بار زوم کرتے دیکھ رہا تھا۔مگر چابی وہاں نہیں تھی۔

آہہہ۔۔۔۔۔۔وہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھے چیخا۔ کہاں ہے وہ چابی؟؟وہ زمین سے اٹھتے ہوے خود سے بولا۔ دوسرے لمحے وہ باہر کی سمت بھاگا تھا۔ وہ پوری قوت لگائے بھاگتے ہو داخلی دروازے سے باہر آیا۔ جہاں اس نے اپنی پاکٹ سے موبایل نکالا تھا۔ وہ جگہ جگہ وہ چابی تلاش کر رہا رہا تھا۔ اس کا دماغ بے حد تیز تھا اسے اچھی طرح یاد آچکا تھا چابی اندر گری ہے۔ مگر آج پہلی مرتبہ وہ اپنے دل و دماغ پر یقین نہیں کر رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے لان کی گیلی مٹی میں اس چابی کو تلاش کر رہا تھا۔

آہہہ۔ وہ برستی بارش کی طرف دیکھتے پاگل ہوتا چیخا۔

وہ جلدی سے بھاگتے ہوے اندر آیا۔ زمین پر بیٹھتے لیپ ٹاپ پر نگاہیں دوڑائیں۔ وہ بیڈ پر لیٹے بری طرح کانپ رہی تھی۔

مس خان!!وہ لیپ ٹاپک کی سکرین کی طرف دیکھتے چیخا تھا۔زرمش اب کانپتے ہوے اپنے گلے کو جکڑے ہوے تھی۔اتنی سردی میں اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔وہ اٹھ کر بیٹھتے بیڈ پر بچھی بیڈ شیٹ کو خود پر لیپٹ گئی۔

مس خان!!چابی تلاش کرو کمرے میں ہی ہے۔۔وہ اسے گلہ جکڑے دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔زرمش گہرے سانس لیتے دیوار میں سمائے بری طرح کانپ رہی تھی

مس خان!!چابی اندر ہے۔وہ پھر سے چیخا تھا۔وہ جانتا تھا اسے آواز نہیں آ رہی وہ پھر بھی چیخ رہا تھا۔

زرمش نے سردی سے کانپتے ہوے بمشکل آنکھیں کھولتے سامنے لگے باکس کو دیکھا جہاں سے اس وحشی درندے نے اس کمرے کا ٹمپریچر کم کیا تھا۔۔

وہ کانپتے ہوے بیڈ سے اٹھتے اس باکس کی طرف بڑھی۔۔ آریان خانزادہ گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔جو کیا کرنا چاہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا؟؟۔اس نے وہ باکس کھولتے وہ سوئچ گھمایا

نو مس خان۔۔وہ ہذیانی چیخ اٹھا تھا۔

کمرے میں ٹمپریچر مزید گر گیا تھا۔زرمش نے کمرے میں بڑھتی سردی محسوس کرتے وہ سوئچ پوری طرح گھما دیا تھا۔

آریان خانزادہ نے اٹھتے ہوے لاونج سے کرسی اٹھاتے ہوے سامنے لگے مرر پر پوری قوت سے دے ماریوہ جو تڑخ کر ٹوٹ کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔۔وہ پاگلوں کی طرح وہ کرسی اس فولادی وال نما دروازے پر مارتے جارہا تھا۔۔۔جو بلٹ پروف تھی۔۔جو کسی صورت ٹوٹ نہیں سکتی تھی۔وہ پھر بھی اپنی پوری اپنی طاقت لگائے وہ کرسی مارے جارہا تھا۔۔۔کرسی ٹوٹتے کئی حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔مگر سامنے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

آہہہہ۔۔۔وہ چیختے ہوے کرسی زمین پر پھینکتے ہوے اپنے ہاتھ کے مکے سے پوری قوت سے اب ضربیں لگانے لگا۔اس کے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا۔مگر وہ پاگلوں کی طرح دیوار پر ضربیں لگا رہا تھا۔اسے ہر قیمت پر یہ دروازہ کھولنا تھب۔

سریہ!اس کے لبوں نے یکدم جنبش کی تھی۔۔ آریان خانزادہ نے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھیں۔وہ زمین پر لیٹی سکڑی سی سمٹی ہوئی تھی۔اس کے ہونٹ بری طرح نیلے پڑ رہے تھے۔

وہ بھاگتے ہوے وہاں سے نکلتے داخلی دروازے سے جنگل کی طرف بڑھا ۔۔اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔وہ بھاگتے ہوے تہہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تہہ خانہ آتے اس نے وہ لوہے ٹرنک اٹھاتے ہوے اسے دور دھکیلا تھا۔وہ سیڑھیاں پھلانگتے ہوے تیزی سے نیچے اترا

سریہ پکڑتے وہ تیزی سے اوپر آتے برق رفتاری سے بھاگتے ہوے اندر داخل ہوا۔اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ہاتھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

آریان خانزادہ اب سریا اس فولادی دیوار نما دروازے پر مار رہا تھا۔ وہ دیوار نما لوہے کا بلٹ پروف بلاکس پر اپنی پوری طاقت سے سریہ سے ضربیں لگا رہا تھا۔

مگر اس وال پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ مکمل طور پر پسینے میں بھیگ چکا تھا۔

آہہہ۔۔ آریان خانزادہ نے حلق کے بل چیختے ہوئے وہ سریہ زمین پر پھینکا ۔وہ زمین پر بیٹھتے لیپ ٹاپ کی سکرین پر پھر سے نگاہیں گاڑھ گیا۔

زرمش زمین پر لیٹے سکڑی سی اپنے گلے کو جکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔

اٹھو مس خان! چابی تلاش کرو۔۔ وہ اسے دیکھتے ایک بار پھر سے چیخا تھا۔

اٹھو ناپاک وجود!! اگر تم نہ اٹھی تم نے وہ چابی تلاش نہ کی میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے جانوروں کو کھلا دوں گا۔ وہ سکرین پر زرمش کو دیکھتے غرایا۔

زرمش گلے کو جکڑے کھانستے ہوئے کانپ رہی تھی۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھی۔ دکھائی دینا بند ہو رہا تھا۔

اٹھو مس خان ورنہ اپنے باپ فارس خان کی قسم کھالوں گا۔ اگر تم یہاں سے زندہ بچ گئی میں تمھاری سانسیں خود روکوں گا۔ تم ایسے نہیں مر سکتی۔ تمھاری موت تمھارے اپنوں کے ہاتھوں لکھی ہے۔ وہ بغیرت حیدر خان اور حاکم خان تمھیں بے درد موت دیں گے۔ وہ اس کی آنکھیں بند ہوتا دیکھتے چیخا تھا۔

نہیں مر سکتی تمھیں دردناک موت میں دوں گا۔۔وہ چیختے ہوے وہ لیپ ٹاپ پھینک چکا تھا۔۔وہ زمین پر بیٹھے سرد سرخ آنکھوں سے اب لیپ ٹاپ کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی سکرین ڈیمج ہو چکی تھی۔اب اندر کا منظر نظر آنا بند ہو چکا تھا۔

وہ اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے ہوے کھڑا ہوا

وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

زرمش نے اپنی بند آنکھیں کھولی تھیں۔وہ سردی سے مر رہی تھی۔ مگر زندہ رہنے کی خواہش اور اس ڈارک روم کے خوف نے اس کی حواصوں کو بیدار کر کے رکھا ہوا تھا۔

اس نے سکڑتے ہوئے ارد گرد نگاہیں دوڑائیں یکدم اس کی نگاہ بیڈ سے نیچے ایک چمکتی چیز پر پڑی۔ اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا وہ چمکتا کی چین تھا جس میں وہ بڑی سی چابی قید تھی۔ زرمش بے یقین ہوئی تھی۔ زرمش اپنے چکراتے سر کو جکڑتے ہوئے بیڈ کی طرف کھسکتے اپنا ہاتھ اس سنگل بیڈ کے نیچے کیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ چابی آچکی تھی۔ وہ چابی ہاتھ میں دباتے وہ شدت سے روتے ہوئے زمین سے اٹھی۔۔ اسے زوردار چکر آیا تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے کی ہول میں وہ چابی گھمائی۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ وہ دروازہ کھولتے باہر آئی۔ جہاں وہ وحشی درندہ نہیں تھا۔ اسے زمین پر حیدر خان کی شال پڑی نظر آئی تھی۔ اس نے روتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے جلدی سے وہ شال اٹھائے خود پر لپیٹی۔

وہ گہرے سانس لیتے بھاگتے ہوئے وہاں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ وہ اپنی پوری فورس لگائے داخلی دروازے کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اسے اس وحشی درندے کے پاس نہیں رہنا تھا۔ اس کی پناہوں سے ہر قیمت بھاگنا ہی تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے داخلی دروازے سے باہر نکل آئی تھی۔ زرمش کھلا آسمان اور گیٹ ڈیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔

لالا!!وہ چیختے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی۔

اس نے گیٹ کی طرف بڑھتے اپنی طاقت لگائے وہ سلایڈنگ گیٹ کھولنے کی کوشش کی جو اس سے کھل نہیں رہا تھا۔ زرمش نے اب کانپتے ہوئے اس گیٹ پر چڑھنا شروع کیا تھا۔ اس

blood thirsty beast

کی پناہوں سے دور جانے کے لیے اس کے اندر پتہ نہیں کہاں سے اتنی طاقت آگئی تھی۔ زرمش نے بڑے سے گیٹ پر چڑھتے ہوئے باہر کی طرف چھلانگ لگائی تو وہ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ گھٹنے چھل گئے تھے۔ وہ اپنی چیخ لبوں میں دبائے اس طوفانی بارش میں بھاگنے لگی۔۔

آریان خانزادہ اپنی پسٹل پکڑے اس حال میں آیا۔ اس پسٹل سے بھی وہ دروازہ نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ مگر اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف تھا۔ زرمش کی زندگی کے آگے اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے حال کے اندر داخل ہوتے سامنے بلاک کی طرف گولیاں چلائی تھیں۔ یکدم وہ رکا تھا۔

وہ دیوار نما لوہے کا بلاک بند تھا۔ مگر کچھ تو گڑبڑ تھی۔۔ اس کی چھٹی حس نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ زمین پر پڑی حیدر کی شال بھی نہیں تھی۔

وہ خود پر قابو پاتے ہوے اپنے کمرے کی طرف پھر سے بڑھا۔ وہاں سے اس نے اپنا ایک اور لیپ ٹاپ آن کیے کی بورڈ میں انگلیاں چلائیں۔ ڈارک روم کا منظر ایک بار پھر سے اس کے سامنے واضح تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ خالی روم دیکھ کر اپنی مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔

آہہہ۔۔۔ لیپ ٹاپ زمین پر پٹختے وہ تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھا۔

اپنے کار پورچ میں آتے اس نے گیٹ کا سلائیڈنگ دروازہ ایک ہی جست میں کھولا۔ بھاگتے ہوے اپنی کار میں بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ اس کی گاڑی تیز رفتار سے اب سوات کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

زرمش بق رفتاری سے اس برستی بارش میں کانپتے ہوے بھاگ رہی تھی۔۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ طوفان تھم چکا تھا۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اب ہلکی پھوار کے ساتھ درخت سائیں سائیں کر رہے تھے۔۔ وہ بنا رکے برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اسے ہر حال میں اس وحشی درندے سے دور جانا تھا۔ اب اس پر سردی کی شدت اثر ہی نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنے عارض سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوے بھاگ رہی تھی۔ سڑکیں خالی تھیں۔ مگر بارش کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ وہ سڑکوں پر کھڑے پانی سے گزرتے ہوے جتنی تیزی سے بھاگ سکتی تھی بھاگ رہی تھی۔۔

یکدم اسے دور سے نظر آتی ایک گاڑی دکھائی دی۔ وہ گاڑی دیکھتے زرمش اس کی طرف اب بھاگنے لگی۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے اس گاڑی کو رکنے کا کہہ رہی تھی۔

اس گاڑی میں دو لڑکے تھے جو ٹورسٹ تھے وہ اس وقت اپنے ہوٹل واپس جا رہے تھے۔

اتنی رات کو ایک لڑکی کو سڑک پر دیکھ کر وہ حیران ہوے تھے۔۔زرمش کو دیکھتے وہ لڑکا گاڑی روکتا جلدی سے گاڑی سے نیچے اترا۔

ممم۔۔۔مجھے۔۔۔بچالو۔۔وہ اس وحشی درندے نے مجھے قید کر کے رکھا تھا۔میرے لالا حیدر خان کے پاس لے چلو۔۔وہ اس لڑکے کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوے گڑاڑاتے ہوے بولی۔

ٹھیک ہے آپ بیٹھیں گاڑی میں۔اس لڑکے نے زرمش کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔زرمش شال کو سر پر جماتے ہوے جلدی سے پیچھے ہوئی تھی۔

آپ بیٹھیں گاڑی میں! لڑکے نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے بے حد شائستگی سے زرمش کو بیٹھنے کو کہا۔

زرمش جلدی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولتے بیٹھ چکی تھی۔ لڑکا دوسرے لڑکے کو گہری نگاہوں سے دیکھتا گاڑی کی طرف بڑھتے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

آریان خانزادہ سٹیرنگ پر مکے مارتے ہوئے پاگلوں کی طرح زرمش کو سڑکوں پر تلاش کر رہا تھا۔

ایک دفعہ لگ جاؤ میرے ہاتھ ناپاک وجود!! تمھیں سچ میں ناپاک وجود بناؤں گا۔ ہمت کیسے ہوئی میری پناہوں سے آریان خانزادہ کی پناہوں سے بھاگنے کی؟؟۔ وہ سٹرینگ پر مکہ مارتے ہوئے غرایا۔

وہ اتنی جلدی سڑک سے پیدل نہیں گزر سکتی تھی۔ وہ سامنے کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ کیا وہ حیدر خان کے ہاتھ لگ چکی ہے؟؟۔ آریان خانزادہ نے سوچتے ہوئے دانت پر دانت جمائے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔

وہ حیدر خان کے ہاتھ نہیں لگ سکتی تھی۔ وہ تو کب کا جا چکا تھا۔ اس نے اپنی سوچ کو جھٹلایا تھا۔ پھر وہ کہاں ہو سکتی ہے؟!۔ اس نے سوچتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی۔

وہ کسی اور کے ہاتھوں نہ لگ چکی ہو!! یہ سوچ آتے ہی اس کا دماغ پھٹتے جیسے کئی حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔ وہ کسی اور کے ہاتھوں نہ لگ جائے یہ سوچ ہی اسے پاگل کر گئی تھی۔

تم کہیں بھی ہوئی مس خان!! تمھیں میں ڈھونڈ نکالوں گا۔ چاہے مجھے زمین کھودنی پڑی یا پہاڑ سر کرنے پڑے۔ میں تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ پھر تمھیں میری حیوانیت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ غراتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھا گیا۔

آریان خانزادہ کی آنکھیں اسے چاروں طرف تلاش کر رہی تھیں۔ یکدم اسے اپنے سامنے ایک گاڑی جاتی نظر آئی تھی۔

آریان خانزادہ نے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔۔

وہ اندھا دھند گاڑی چلاتے اس گاڑی کے مقابل آیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی زرمش کو وہ دیکھ چکا تھا۔

زرمش بھی آریان خانزادہ کو دیکھ چکی تھی۔

وحشی درندہ

bloodthirsty beast

وہ کپکپاتے لبوں سے بولتے اسے دیکھتے اپنی طرف کے شیشے پر ہاتھ جما گئی تھی۔ آریان خانزادہ خون اتری آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی گاڑی اب ان لڑکوں کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

آریان زرمش پر اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھے ہوے تھا زرمش سسکتے ہوے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔ دونوں ایک دوسرے کو

ہی دیکھ رہے تھے۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں وحشت موت کے سائے لہرا رہے تھے۔ آگے بیٹھے دو لڑکوں کو دیکھ کر اس کا خون رگوں میں لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔

ان میں سے ایک لڑکے کو وہ بیک ویو مرر سے زرمش پر گہری نگاہیں جمائے دیکھ چکا تھا۔

گاڑی روک!! آریان خانزادہ نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کرتے سر باہر نکالتے چیختے ہوے اس لڑکے سے کہا۔

گاڑی مت روکنا! یہ

blood thirst beast

ہے۔ یہ وحشی درندہ ہے۔ مجھے اس سے بچالو۔۔ زرمش نے حلق کے بل چیختے ہوے فریاد کی تھی۔ زرمش کی چیخیں اریان کو سنائی دیتے اس کا خون مزید بھڑکا رہی تھیں۔

آریان خانزادہ کی آنکھوں نے مزید سرخی اختیار کی تھی۔

لڑکے نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ آریان خانزادہ اپنی گاڑی کی سپیڈ تیزی سے بڑھاتے ہوے اپنی گاڑی ان لڑکوں کی گاڑی کے آگے لے جاتا بریک لگا چکا تھا۔

زرمش کے حلق سے خوفناک چیخ برامد ہوئی تھی۔ وہ ڈرتے ہوے آنکھوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے ہوے لڑکے نے چیختے ہوے بریک لگائی ساتھ بیٹھے لڑکے نے ہینڈ بریک کھینچی تھی۔ گاڑی آریان خانزادہ کی گاڑی سے ٹکراتے رک چکی تھی۔

دونوں لڑکوں کے سر ڈیش بورڈ سے ٹکرائے تھے۔ لڑکوں کے سروں سے خون بہا تھا۔

آریان خانزادہ کی بھی پیشانی پر چوٹ آئی تھی۔ زرمش پچھلی سیٹ پر تھر تھر کانپتے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکے بھی خوفزدہ نگاہوں سے آریان خانزادہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سچ میں وحشی درندہ تھا۔ جسے اپنی موت کی بھی پراوہ نہیں تھی۔

آریان خانزادہ گاڑی سے نکلتے ہوئے زرمش کی طرف بڑھا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے کلائی سے جکڑے باہر نکالا تھا۔ زرمش چیختے ہوئے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

تمھارا حشر کر ڈالوں گا آج میں! ہمت کیسے ہوئی تمھاری بھاگنے کی؟!۔ وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے غرایا تھا۔ زرمش آنکھیں بند کیے تھر تھر

کانپ رہی تھی۔ وہ اس کے نیلا پھٹا زخم شدہ گال دیکھتے جبڑے بھینچتے ہوئے اسے کلائی سے جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

آریان خانزادہ نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر بے دردی سے دھکیلا تھا۔۔ حویلی چل کر تمھارے گالوں کا ہی نہیں تمھارے وجود کو بھی نیلا کر دوں گا مس خان!! وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔

یہ شال تمھارے وجود پر آج تمھیں مجھ سے بچا گئی ہے۔ ورنہ سوات کی سڑک پر تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دیتا۔ وہ اس کے لرزتے وجود کو قہربار نگاہوں سے گھورتے ہوئے دھاڑا تھا۔ زرمش دوسری طرف کھسکتے ہوئے سیٹ پر جھک گئی تھی۔ وہ سر نیچے کیے اب بری طرح کانپ رہی تھی۔

آریان خانزادہ اسے خون اشام نگاہوں سے گھورتے ان لڑکوں کی طرف

بڑھا۔۔ لڑکوں نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھتے جلدی سے دروازے لاک کیے۔ وہ شیشے بھی لاک کر چکے تھے۔۔

آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے کی طرف والے شیشے پر مکہ مارا تھا۔ شیشہ تڑخ کر ٹوٹ چکا تھا۔ آریان نے اپنے خون آلود ہاتھ سے دروازے کا لاک کھولتے ہوئے تھر تھر کانپتے لڑکے کو باہر نکالا۔

ہم تو صرف اس کی مدد کر رہے تھے۔ وہ خود ہماری گاڑی کے سامنے آئی تھی۔ وہ رو رو کر مدد مانگ رہی تھی۔ لڑکا چیختے ہوئے بولا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے مکے کی ضرب اس کے چہرے پر پوری قوت سے لگاتے اس کے حساس حصے کو بے دردی سے جکڑتے اسے گاڑی کی بونٹ پر لٹا

گیا۔ لڑکا تکلیف سے چیخ رہا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی اپنی ساتھی کی حالت دیکھتے خوفزدہ ہو رہا تھا۔

مدد کر رہا تھا تو اس کی ہاں!! تیری آنکھوں میں حوس پرستی میں دیکھ چکا تھا۔ جس طرح تو اس پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ آریان خانزادہ نے بے دردی سے اس کے حساس حصے کو کچومر کی طرح مسلا تھا۔ وہ تڑپ کر فلگ شگاف چیخیں مار رہا تھا۔

مم مجھے معاف کر دو!! وہ ہاتھ جوڑتے ہوے روتے ہوے بولا۔

کہاں لے کر جا رہے تھے اسے؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے گال پر اتھپڑوں کی برسات کر دی تھی۔ اس کی چیخیں سنتے زرمش خوف سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ وہ مزید نیچے کو جھکے گھٹی گھٹی آواز میں سسک رہی تھی۔

ہم اسے اپنے کاٹیج لے کر جا رہے تھے۔۔ وہ درد سے کراہتے ہوئے بمشکل بولا تھا۔

یہ سنتے آریان خانزادہ نے اسے گریبان سے جکڑے اس کا سر ونڈ سکرین سے بری طرح ٹکرایا۔ وہ لڑکا چیختے ہوئے بیہوش ہو چکا تھا۔

دوسرے لڑکے کی طرف بڑھتے آریان خانزادہ نے اسے کھینچ کر باہر نکالتے اس کے گالوں پر مکوں کی برسات کر دی تھی۔۔ وہ روتے ہوئے معافیاں مانگ رہا تھا۔ آیان خانزادہ نے سیٹ پر سے کانچ کا ٹکڑا اٹھائے اس کے گال پر بے دردی سے مار کر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ زمین پر گرا اب درد سے کراہ رہا تھا۔

آریان اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا زرمش کھسکتی ہوئی دور ہوتے سیٹ کی بیک کے ساتھ لگے اس پر پر اپنا منہ چھپا گئی

تھی۔ آریان نے اس کے کپکپاتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالتے ہوے گاڑی ریورس میں لیتے اسے حویلی کے راستے پر ڈالی۔

اپنی پاکٹ سے فون نکالتے ہوے اس نے ایک نمبر ڈایل کیا۔

لوکیشن بھیج رہا ہوں یہاں پر دو لڑکے زخمی حالت میں پڑے ہیں۔ ان پر ایسا مقدمہ دایر کرو ساری عمر یہ اب جیل سے نہ نکل سکیں۔ وہ سرد لہجے میں کہتے فون بند کر چکا تھا۔

زاران خانزادہ گرے ٹراوزر پر گرے ہائی نیک پہنے

swiss village

کے کاٹیج کے خوبصورت لاونج صوفے پر ابرش کی گود میں سر رکھے اس کی کمر کے گرد اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے اس کے پیٹ کے ساتھ لگے گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی سانسوں کا رقص اور مدھم خراٹے سنتے ابرش اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے گہرا مسکراتے ہر تھوڑی دیر بعد جھکتے ہوے اس کے بالوں میں اپنے لب رکھتی تھی۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ایسے ہی گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس کی اتنی گہری نیند پر مدھم سا ہنستے ہوے بار بار اس کے بالوں پر لب رکھتے اس کے کان پر اپنے لب رکھتی تھی۔۔ وہ اس وقت بلیک جینز پر بے حد شارٹ بلیک ٹاپ میں ملبوس تھی جو کندھوں سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔ اس ٹاپ میں اس کا دودھیا پیٹ واضح ہو رہا تھا۔ سلکی براون بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔

ہے مسٹر خانزادہ آئی لو یو!!وہ اب اس کے کان میں جھکی مدھم سی سرگوشی کر گئی تھی۔

زاران نے اس کی سرگوشی پر ہڑبڑاتے ہوے آنکھیں کھولتے نیند سے بھری سرخ آنکھوں سے ابرش کو دیکھا۔

ہے مسٹر خانزادہ یہ نیند رات کو پوری کیا کریں۔تب تو سانسوں اور سسکیوں کا کھیل کھیلنا ہوتا ہے۔!!ابرش اس کے اس طرح دیکھنے پر کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

ہے میری بے شرم بیوی!!رات کو مجھے سونے دے دیا کرو۔کیوں پہنتی ہو وہ بے شرم چھوٹی چھوٹی نایٹیز؟؟زاران اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے مسکراتے ہوے بولا۔

اگر میں وہ نائیٹیز نہ پہنوں تو کیا میرے قریب نہیں آؤ گے۔

ابرش نے زاران کی ناک کی ٹپ پر انگلی رکھتے مدھم سا مسکراتے مگر اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے پوچھا تھا۔

زاران اپنی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھتے اپنی مسکراہٹ دباتے گہرا سانس بھر گیا تھا۔ وہ اسے لے کر بے حد پوزیسیو تھی۔ اسے ہر لمحہ اس سے محبت کا اظہار چاہیے تھا۔ وہ ذرا سی بھی اس کی محبت میں کمی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

تم پورے لباس میں مجھ پر جتنی بجلیاں گراتی ہو اتنا کسی لباس میں نہیں گراتی۔ پٹھانی فراک میں تو میری جان نکال کر رکھ دیتی ہو۔ زاران اس کی گردن میں بازو حمایل کرتے اسے خود پر جھکاتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبایا گیا تھا۔ زاران نے ڈیپ کس کرتے ہوئے اس کے لبوں کو آزاد

کیا۔ ابرش سرخ گلاب ہوتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے مسکراتے ہوے نگاہیں جما گئی تھی۔ زاران نے اسے گلاب کی طرح سرخ پڑتے اور شرماتے دیکھ کر بمشکل اپنا قہقہ روکا تھا۔ اس کی قربت میں ہر حد سے گزر جانے والی اس کی بے شرم بیوی اس کی بانہوں میں اس کے ذرا سے لمس شرارت سے شرما کر سرخ گلاب بھی ہو جاتی تھی۔

زاران نے اب اس کے پیٹ پر لب رکھتے بے بہت بے باک شرارت کی ۔ابرش مزید سرخ ہوتے مدھم سا کھکھلائی تھی۔ ابرش نے اپنی شرم کو اپنی کھکھلاہٹ میں چھپانا چاہی تھی۔ زاران اس کی ادا پر اس کے سرخ گلاب چہرے کی طرف دیکھتے محظوظ ہوتا قہقہ لگا گیا تھا۔ ابرش اس کے قہقے پر مزید خفت کا شکار ہوئی تھی۔ وہ اس کے شرمانے پر یوں ہی ہنستا تھا۔ ابرش نے اس کے قہقے پر غصے سے نروٹھے انداز میں اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش

کی۔وہ مزید اس کے قریب ہوتے اس کی شرٹ کے اندر اپنا ہاتھ کرتے مزید بے باکی سے شرارت کر گیا۔

ابرش نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی تھی۔اس کی شرارتوں پر وہ مزید سرخ ہوئی تھی۔عارض پر گھنی پلیکں لرز رہی تھیں۔اب وہ اپنی شرم ناراضگی میں چھپا رہی تھی۔زاران خانزادہ اس کے خوبصورت نقوش پر بکھرے قوس و قزاح کے رنگ دیکھتے مدہوش ہو رہا تھا۔

زلفوں کو گرا کے پلکوں کو جھکانا

سیکھا ہے کہاں سے تم نے یہ جادو چلانا

وہ گنگناتے ہوے اپنے ہاتھوں سے اس کے خوبصورت بدن پر بے باکی سے اپنا مکمل حق جتاتے اپنے لبوں سے اس کے پیٹ کو لبوں اور ہاتھوں سے چھوتے گدگدی کر گیا تھا۔۔

ابرش پھر سے کھکھلائی تھی۔ وہ ہنستے ہوے اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے اسے پھر سے خود کے لبوں پر جھکاتے اس کے گلابی لبوں کو چومنے لگا۔

آتا ہے تمھیں تو یوں باتیں بنانا

جاؤ جی ہٹو بھی چھوڑو یوں ستانا

ابرش اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے گلابی ہوتی اس کے ہاتھوں کو پیچھے کرتے اس کی ناک کی ٹپ کو چومتے ہوے ہنستے ہوے گنگنائی تھی۔

چھا رہی ہے خماری

بڑھ رہی ہے بے قراری

یوں نہ ہنسا کرو

زاران خانزادہ گنگناتے ہوے پھر سے اسے اپنے قریب کرتے ہوے اس کے لبوں کو اپنے دسترس میں لیے اس کی سانسوں کو قفل لگا گیا تھا۔اب کی بار وہ بہت سختی سے اس کی سانسوں پر اپنا حق جتاتے بہت بے باکی سے گہری شرارت کر گیا تھا۔۔

ابرش کی سانس دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو گیی تھی۔چ وہ بہت بے دردی سے گہری شرارت کرتے اس کی سانسوں سے کھیل رہا تھا۔

ابرش نے اسے سختی سے خود سے دور کیا تھا۔ وہ اس کے لبوں کو آزاد کرتے ہوے اب اسے خمار بھری مدہوش نگاہوں سے پھولتی سانسوں سے دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں گہرے تقاضے کر رہا تھا۔

ابرش اس کی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھتے سرخ قندھار ہوتے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ اسے گہری بے باک سرخ مدہوش نگاہوں سے دیکھتے اس کا ہاتھ پکڑے چومتے اپنے سینے پر رکھتے نیچے کی طرف سرکانے لگا تھا۔

دیوانوں کے جیسے کرتے ہو شرارت

ہم کو تو پتہ ہے تیرے دل کی حقیت

ابرش اس کی بے باک نگاہوں اور تقاضوں کو دیکھتے سرخ ہوتے اس کے حصار سے کھینچ گئی تھی۔

سمجھو ناں ذرا تم موسم کا اشارہ

ایسے تو اکیلے نہ ہو گا گزارا

زاران کی مدہوش گنگناہٹ گونجی تھی۔ اس کی شرارتیں مذید بڑھی تھیں۔

ایسے آہیں بھرو ناں

مستیاں یوں کرو ناں

ضد نہ کیا کرو

ضد نہ کیا کرو

ابرش ہنستے ہوے اس پر جھکتے ہوے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گئی تھی۔ وہ نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسوں کو دھونکنی کی مانند پھلاتے ہوے اس کی گود سے اٹھتے ہوے اسے صوفے پر

کرتے ہوے اس پر گھٹا بن کر چھاتے اسے بے حد نرمی سے اس کے نقوش کو اپنے لبوں سے چھوتے ہوے اس کی گردن پر اپنے لب بے تابی سے رکھتے نیچے کی طرف آتے مزید شدت سے اسے چومنے لگا تھا۔ ابرش زاران کی طرف گلابی آنکھوں سے دیکھتے زاران کی ہائی نیک پیٹ سے جکڑے اوپر کی طرف کرتے اتار گئی تھی۔ زاران مسکراتے ہوے اس کے ساتھ لپٹا تھا وہ اس کے سینے پر آتے اس کی گردن پر جھکی تھی۔

زاران مدہوشی سے آنکھیں بند کیے اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے اور اپنے درمیان ہر پردہ گراتے اس پر اپنی شدتیں ڈھاتے اپنی خوبصورت جذباتی بے حد محبت کرنے والی بیوی کو اپنی بانہوں میں سختی سے قید کر گیا تھا۔

آپ پھر سے سو رہے ہیں مسٹر خانزادہ!! ابرش نے روہانسے ہوتے زاران خانزادہ کو دیکھا جو اسے اپنی شدتوں سے ہلکان کرتے ہوئے پھر سے اس کی گود میں سو رہا تھا۔

ابرش اب صرف اس کی گرے ہائی نیک میں ملبوس تھی۔ جسے وہ کھینچتے ہوئے بمشکل گھٹنوں تک لے کر آئی تھی۔ جو وہ گرے ٹراوزر پہنے پھر سے اس کی گود میں سر رکھے سو رہا تھا۔ ابرش اب اسے دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھی۔ اس سے سکون لینے کے بعد وہ ہمیشہ اسی لمحے گہری نیند سو جاتا تھا۔ وہ حیران ہوتی تھی وہ اس سے الگ ہوتے ایک لمحے میں کیسے سو جاتا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ سوتا تھا اور گہری نیند سوتا تھا۔

زاران!! ابرش اس کے مدھم خراٹے سنتے دبی آواز میں بھیگے لہجے میں چلائی تھی۔ زاران نے اس کی آواز پر اسی لمحے بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے اسے

نیند سے بھری سرخ آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ابرش کی بھیگی آنکھوں میں شرارے دیکھتے زارن نے گہرا سانس بھرتے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے اپنی نیند کو بھگانے کی کوشش کی تھی۔

ابرش اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے نروٹھے انداز میں بے رخی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔

میری جان!! تمھاری اغوش تمھاری خوشبو میرے لیے سکون ہے اس لیے سو گیا تھا۔ اور یہاں میرا بچہ ہے۔ اس لیے تمھارے ساتھ لپٹ کر سوتا ہوں ۔زاران نرم لہجے میں کہتے اس کے پیٹ پر اپنے لب رکھتے اس کی کمر کے گرد اپنے بازو حمایل گیا تھا۔

بہت محبت کرتے ہو مسٹر خانزادہ اس بچے سے ؟؟ ابرش نے زاران کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلاتے ہوے مسکراتے ہوے پوچھا۔

بہت سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں۔ زاران سیدھا ہوتا اس کی ہتھیلی چومتے ہوے مسکرایا تھا۔

مجھ سے بھی زیادہ کرتے ہو اس بچے سے محبت۔ ابرش نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

تم سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ زاران اس کے عارض پر بکھری لٹ نرمی سے چھیڑتے اس کی ہتھیلی کو شدت سے چوم گیا تھا۔

سچ میں مسٹر خانزادہ!! تم مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرو گے۔ ہمارے بچوں سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرو گے۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

ہاں میری جان!!میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کروں گا صرف آپ سے کروں گا۔زاران مسکراتے ہوے اس کی ہتھیلی شدت سے چوم گیا تھا۔۔

ابرش زاران کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھتے مسکرائی تھی۔زاران ابرش کی طرف دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

مسٹر خانزادہ!!مجھے یہ کاٹیج بہت پسند آیا ہے کیا ہم اگلے سال بھی یہاں آ سکتے ہیں؟؟ابرش نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا۔

ہم اگلے سال نہیں ہر چھ مہینے بعد یہاں آیا کریں گے۔اور یہ کاٹیج میں خرید کر آپ کے نام کر دوں گا۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں میری ون اینڈ اونلی خوبصورت بیوی!!زاران نے مسکراتے ہوے اس کی خوبصورت چھوٹی سی ناک دبائی۔

سچ میں زاران!! یہ کاٹیج تم خریدو گے؟؟ ابرش نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

میری خوبصورت بیوی!! سمجھو یہ کاٹیج تمھارا ہو گیا۔ مجھے جتنی بھی قیمت پر خریدنا پڑا میں اسے خرید کر رہوں گا۔ زاران نے مسکراتے ہوے کہا۔

زاران آپ بہت اچھے ہیں!! ابرش بھیگے لہجے میں بولتے زاران پر جھکتے اس کی پیشانی پر لب رکھ گئی تھی۔

زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ وہ مسکراتے ہوے ابرش کی ہتھیلیاں شدت سے چوم گیا تھا۔

زاران!! ہمارا بیٹا بیٹی ہو گا میں اس کا روم خود سجاؤں گی۔ بیٹی کے لیے پنک والز اور بیٹے کے لیے بلو والز۔۔ اور بیڈ بھی میں اسی کلر کا لوں گی۔

every thing blue and pink color

ابرش ایکسائیٹڈ لہجے میں بولی تھی۔

میری جان میری ملکہ !!بیٹا بیٹی کا روم کیوں ؟؟ آپ اپنا روم بھی اپنی مرضی سے ڈیکوریٹ کریں گی۔ بلکہ پورا بنگلہ آپ کی ملکیت !! آپ جو چاہیں کریں۔ زاران اس کی ایکسائیٹمنٹ دیکھتے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے بولا۔

سچ میں زاران وہ بنگلہ میرا ہو گا!میرا اختیار ہو گا اس پر!

ابرش نے بے یقینی سے استفسار کیا تھا۔

صرف میری جان کا!!زاران گہرا مسکرایا تھا۔

پتہ ہے زاران مجھے اتنے بڑے بنگلے کی خواہش نہیں تھی۔ نہ ہے۔ مجھے ایک چھوٹا سا گھر چاہیے تھا۔ ایک بیٹا ایک بیٹی اور بے حد محبت کرنے والا شوہر چاہیے تھا۔

ہمممم!!جو فٹ بال ٹیم بنانے کا میرا جو آرادہ ہے؟!اس کا کیا؟زرارن نے اس کی ہتھیلی نرمی سے سہلاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آئی بروا چکائے۔

تمھارے لیے کچھ بھی مسٹر خانزادہ!!تم کرکٹ ٹیم بناؤ یا پھر فٹ بال ٹیم!!مجھے سب قبول ہے۔ابرش اس کی طرف دیکھتے مسکرائی تھی۔زاران ہنستے ہوے اس کے گردن میں بانہیں حمایل کرتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

بتاؤ اور کیا کیا خواہشیں ہیں تمھاری؟؟چھوٹا سا گھر چاہیے اور کیا کیا چاہیے میری جان کو؟؟زاران نے اس کے لبوں کو انگوٹھے سے سہلاتے ہوے پوچھا۔

زاران ہماری بیٹی ہوئی تو اس کے لیے فیری والا فراک بھی لیں گے وہ بھی پنک والا!!مجھے بچپن میں بہت پسند تھا۔سکول کے فنکشن میں میری فرینڈز

نے پنک باربی فیری فراک پہنے ہوے ہیں۔ مجھے بہت پسند تھے۔ ہم اپنی بیٹی کے لیے ضرور لیں گے۔ ابرش بچوں کی طرح خوشی سے بولی تھی۔

میری جان ہم اپنی بیٹی کا پورا ورڈروب پنک فراکس سے بھر دیں گے اور کچھ ؟؟ زاران نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

ہم اپنے بنگلے میں بہت سے سونگز بھی لگائیں گے۔ ابرش نے ایک اور خواہش کا اظہار کیا تھا۔

زاران کا اس کی معصوم خواہشات پر قہقہ گونجا تھا۔

نہیں لگا سکتے کیا؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔

اف۔۔۔ اف۔۔۔ میری جان کیوں نہیں لگا سکتے ؟؟ تم چاہو گی تو اپنے کمرے میں بھی لگوا دوں گا۔ زارا. ابرش کی گود سے اٹھتے ہوے اس کی

پیشانی چومتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ تم سچ کہہ رہے ہو تم یہ سب کرو گے میرے لیے؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے پوچھا تھا۔ ہر وہ چیز کروں گا جو تم کہو گی۔ ہماری بیٹی بیٹے کا کمرہ بلو اینڈ پنک ہو گا۔ بیٹی کے لیے پنک باربی فراکس لینے ہیں۔ پورے بنگلے میں سونگز لگانے ہیں اور کچھ زاران نے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے نرمی سے استفسار کیا۔

اپنے بیٹے بیٹی کے لیے میں شاپنگ کروں گی اور جو میرا دل کرے گا وہی خریدوں گی تم روکو گے نہیں۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے کہا تھا۔

ان لیمٹڈ کریڈرٹ کارڈ آپ کے نام ہو جائے گا مسسز زاران خانزادہ!! آپ پورا مال خرید لیجیے گا میری اتنی ہمت میں آپ کو روکوں!! زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا تھا۔

ابرش کھکھلاتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

زاران ہنستے ہوے اسے اپنے سینے میں سختی سے بھینچ گیا تھا۔

آپ کا پیار کبھی کم تو نہیں ہو گا ناں مسٹر خانزادہ؟! ابرش نے اس کے سینے سے سر اٹھاتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ بنگلہ نہ یہ کاٹیج نہ کچھ اور صرف آپ کی محبت چاہیے!! اس محبت میں کبھی ایک پل کے لیے بھی کسی دوسرے کی شراکت نہ ہو۔ یہ وعدہ چاہیے!! کبھی مجھے خود سے جدا نہیں کرو گے تم زاران! قسم کھا کر وعدہ کرو! تم کبھی نہیں بدلو گے۔ میں مر جاؤں گی اگر آپ ذرا سا بدلے ۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ گئی تھی۔

میں قربان جاؤں سب سے پہلے تمھارے تم سے آپ کے سفر پر۔۔ زاران مسکراتے ہوے اس کی بھیگی آنکھوں پر لب رکھ گیا تھا۔ جتنا تم مجھ سے محبت کرتی ہو اس سے کہیں زیادہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے تم سے محبت کرنے کے لیے اپنے بچے کی قسم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمھارا تھا اور ہمیشہ تمھارا رہوں گا۔ تم جنون ہو میرا عشق ہو میرا۔۔ اب تو یہ رمز عشق رمز جنون میں بدل گیا ہے۔ یعنی یہ چھپا ہوا عشق چھپے ہوے گہرے جنون میں بدل گیا ہے تو کیسے تمھارا مسٹر خانزادہ اپنے عشق سے اپنے جنون سے دغا کر سکتا ہے۔۔ جانتی ہو ناں عشق سے بھی زیادہ خطرناک جنون ہوتا ہے۔ تم جنون ہو مسٹر خانزادہ کا! اب ساری عمر تمھیں اپنی سانسوں میں قید رکھنا ہے۔ چاہے اب یہ سانسیں تم پر تنگ پڑ جائیں۔ وہ

بھاری آواز میں بولتے صوفے سے اٹھتے اسے گود میں اٹھائے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ابرش گلابی ہوتے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔

اے میری بے شرم بیوی!! کچھ نہیں کرنے والا تمھارا مسٹر خانزادہ۔ تمھارا مسٹر!! خانزادہ ہے ٹارزن نہیں جو ہر وقت جھنیگالالا ہو ہو کرتا رہے۔۔ زاران اس کے خود کے ساتھ لپٹنے پر شرارتی انداز میں بولا تھا۔

ابرش اس کے انداز پر کھکھلائی تھی۔ زاران اس کی ہنسی کی جلترنگ سنتے مسکراتے ہوے اسے لیے کمرے میں داخل ہوتے اسے نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔

اے مسٹر سکس پیک م!!جب جھینگا لالا ہو ہو نہیں کرنا تو کیوں لائے مجھے یہاں۔ابرش نے مدھم سا ہنستے ہوے گلابی ہوتے پوچھا تھا۔

تمھیں سر سے پیر تک چومنے کے لیے!!تمھیں بتانے کے لیے کہ تم مجھے کتنی پیاری کتنی خوبصورت لگتی ہو۔وہ گھمبیر آواز میں بولتے اس کے ہونٹوں پر جھکے اس کی سانسوں کو قفل لگا گیا تھا۔زاران کے لب اب دیوانہ وار اپنی خوبصورت بیوی کو ہر جگہ سے استحقاق سے چھو رہے تھے۔ابرش گہرے سانس لیتے اس کے دہکتے لبوں کی تپش اپنے بدن کے پور پور پر محسوس کرتے مسٹر خانزادہ کے ساتھ لپٹ رہی تھی۔۔

زاران خانزادہ ابرش کے ساتھ آج ہی پاکستان پہنچا تھا۔اسے بے حد امپورٹنٹ میٹنگ کے سلسلے میں پاکستان واپس آنا پڑا تھا۔ابرش تو اس بات

پر سے کافی ناراض تھی۔ وہ مزید ادھر رکنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اسے پیار سے منا کر لے آیا تھا۔ اس کی گاڑی ابھی حویلی داخل ہوئی تھی۔ زاران نے جلدی سے گاڑی سے اترتے ہوئے اس کے دروازہ کھولتے بے حد نرمی سے اس کی کلائی جکڑے اسے باہر نکالا تھا۔ ابرش گاڑی سے اترتے ہوئے اسے نروٹھی نگاہوں سے دیکھتے اس سے اپنی کلائی چھڑوائی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے بازو کے حلقے میں لیے اندر کی جانب بڑھا۔

وہ اسے لیے حویلی کے لاونج میں داخل ہوا۔ امینہ خانم اس وقت لاونج میں داخل ہوئی تھی۔

اسلام و علیکم مورے!! زاران کی بھاری بارعب آواز گونجی تھی۔

وعلیکم اسلام بچے!!امینہ خانم صوفے سے اٹھتے زاران کی طرف بڑھی۔زاران ابرش کو اپنے حصار سے آزاد کرتے امینہ خانم کی طرف بڑھتے ان کی ہتھیلیاں پکڑے نرمی سے چوم گیا تھا۔

میرا بچہ!!میرا زاران!!امینہ خانم محبت سے پکارتے ہوے زاران کے سینے سے لگی تھی۔

۔ابرش بھیگی آنکھوں اب زاران کو دیکھ رہی تھی۔جو امینہ خانم کو بے حد محبت سے اپنے سینے سے لگائے ہوے تھا۔

میری پیاری مورے دنیا کی ہر مورے سے زیادہ اچھی صرف میری مورے۔وہ انھیں اپنے سینے سے لگائے ان کا ہاتھ پکڑے ان کی ہتھیلی پر عقیدت سے لب رکھ رہا تھا۔

اتنا محبت کیوں آرہا اپنے مورے پر؟؟ روزینہ خانم نے ہنستے ہوے پوچھا تھا۔

مجھے ہمیشہ اپنی مورے پر پیار آتا ہے۔ میرا تو دل ہی نہیں لگا ادھر!! سارا وقت اپنا مورے کا یاد آتا رہا۔ آپ ابرش سے پوچھ لیں۔ میں سارا دن آپ کو ہی یاد کرتا رہتا ہے۔ زاران کی بات پر امینہ خانم کے ساتھ ابرش بھی نظریں جھکائے مدھم سا ہنس پڑی تھی۔

ہم تمھیں کتنا یاد آرہا تھا یہ تمھارا آنکھوں کی چمک سے پتہ چل رہا ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے ہمارا بیٹا بے حد خوش لگ رہا ہے۔ زاران کو دیکھتے ان کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔

میں بہت خوش ہوں مورے!! بہت خوش ہوں اتنا آج تک خوش نہیں ہوا اور اتنا خوش پتہ ہے کیوں ہوں۔ زاران نرمی سے بولتے انھیں صوفے پر بٹھاتے ان کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا۔

کیوں خوش ہے تم ؟؟ امینہ خانم نے زاران کے عارض پر ہاتھ جمایا تھا۔

مجھے دنیا کی سب سے اچھی مورے ملی۔ جس نے ہم سب بھائیوں سے بے حد محبت کی۔ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہمارا سکون کس میں ہے ؟؟ ہماری مورے کو ہمیشہ فکر رہی۔ ایک ماں کے احترام میں بیٹا کھڑا ہوتا ہے مگر ایک ماں بیماری کی حالت میں بھی اپنے بیٹے کے احترام میں کھڑی ہوتی ہے یہ صرف ہماری مورے ہی کر سکتی ہے۔ وہ ان کی گود میں سر رکھے بے حد نرمی سے ان کی آغوش چوم گیا تھا۔ امینہ خانم نے نم آنکھوں سے ہنستے ہوے زاران کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔

جو خوشبو میری مورے کی آغوش سے آتی ہے وہ دنیا کے مہنگے مہنگے سینٹ میں نہیں۔ زاران کی نم آواز اب گونجی تھی۔

تمھاری مورے نہیں میری مورے کی آغوش سے جو خوشبو آتی ہے وہ کسی سینٹ سے آ نہیں سکتی۔ ارحام خانزادہ کی بھاری آواز گونجی تھی۔

زاران خانزادہ گہرا مسکراتے ہوے امینہ خانم گی گود سے سر اٹھاتے زمین سے اٹھا تھا۔

امینہ خانم بھی جلدی سے صوفے سے اٹھی تھیں۔ ارحام خانزادہ حور اور پریذے کے ساتھ لاونج میں داخل ہوا تھا۔

حور سیاہ عبائیہ میں ملبوس حجاب لیے کھڑی تھی۔ پریذے اس کا ہاتھ جکڑے کھڑی تھی۔ حور اور ابرش نے مسکراتے ہوے ایک دوسرے کو دیکھا تھا

آپ کی مورے لالا صرف آپ کی مورے!!میرا اور شہرام کا حق بہت بعد میں آتا ہے۔ مورے کو مورے آپ نے بنایا۔ جو حق آپ کا ہے وہ ہمارا ہو بھی نہیں سکتا۔ زاران خانزادہ آگے بڑھتے ارحام سے بغلیگیر ہو گیا تھا۔

کیسا ہے میرا زاران میرا منسٹر؟؟ارحام اسے سختی سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ ٹھیک ہوں لالا آپ کو دیکھ لیا میری ہر خوشی ڈبل ہو گئی۔ وہ مسکراتے ہوے الگ ہوا۔

ارحام زاران کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے امینہ خانم کی طرف بڑھا تھا۔

میری مورے صرف میری ہے۔ میں شہرام زاران کو کبھی آپ پر مکمل حق جتانے بھی نہیں دوں گا۔ ارحام سنجیدگی سے کہتے امینہ خانم کو سینے سے لگا گیا تھا۔

یہ سچ ہے ہم صرف اپنا بڑا بیٹا کا ہے زاران شہرام دونوں تمھارا سامنے کچھ نہیں۔ امینہ خانم ارحام کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔ ارحام خانزادہ امینہ خانم کی ہتھیلی چومتے ہوے گہرا مسکرایا تھا۔

چھوٹے بیٹے کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے اپنی مورے پر!! اور میری مورے پر میرا حق سب سے زیادہ ہے یاد رکھیے گا لالا!! شہرام خان لاونج میں داخل ہوتے بھاری آواز میں بولا تھا۔

سب ان کی طرف متوجہ ہوے تھے۔ وہ اور بہارے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوے تھے۔ شہرام خان اس وقت بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر بلو سلیو لیس سویٹر پہنے ہوے تھا۔ بہارے گلابی فراک پر سفید اینڈ گلابی امتزاج کی بے حد ڈیلی کیٹ گرم شال سر پر اوڑھے ہوے

تھی۔ چہرہ گلاب کی طرح کھلا تھا۔ چمکتی آنکھوں میں شہرام خان کی دیوانگی کے گہرے رنگ تھے۔ وہ جیسے پہلی رات کی دلہن کی طرح مہک رہی تھی۔

شہرام خان جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سب کو دیکھ رہا تھا۔

زاران ارحام اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے

تمہارا حق ہم پر سب سے زیادہ ہے کیونکہ تم ہمارے شیر ہو۔۔ ہمارا شہرام خان جس جیسا پوری دنیا میں کوئی نھیں۔ زاران اور ارحام اسے محبت اور فخریہ نگاہوں سے دیکھتے بیک وقت بولے تھے۔

شہرام نگاہیں نیچے کیے سر نفی میں ہلاتے ہنس پڑا تھا۔

مجھے صرف اپنی مورے چاہیے آپ دونوں کی تعریف نہیں۔ وہ سنجیدگی سے بولتے اپنے پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالتے ان سب کی طرف بڑھا تھا۔

یاد رکھیے گا لالا!! مورے بھی میری عابی بھی میری اور یہ حویلی بھی میری!! آپ دونوں کو نہ اس حویلی پر حق جتانے دوں گا نہ اپنی مورے اور عابی پر۔۔ شہرام خان سنجیدگی سے بولتے ہوئے امینہ خانم کی طرف بڑھتے انھیں اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

ارحام اور زاران شہرام کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مورے مجھے میرا رب رحمت دے رہا ہے۔۔ عابی اور پریذے کی طرح!! شہرام کی بات پر زاران ارحام کی آنکھوں کی چمک میں آضافہ ہوا تھا۔

بہارے نظریں جھکائے گلاب کی طرح سرخ پڑی تھی۔

امینہ خانم ڈبڈباتی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی رہی تھی۔زاران ارحام آگے بڑھتے شہرام کے گلے لگے تھے۔

مبارک ہو میری جان۔زاران نے اسے خود میں بھینچا تھا۔

میرا شیر !!ایک بیٹی کا باپ بننے جارہا ہے۔ارحام نے مسکراتے ہوے بولتے اس کے کمر کو محبت سے تھپکی دی۔

جی لالا عابی اور پریذے کی کاربن کاپی چاہیے مجھے !!اگر ایسا ہوا سمجھو میں سب سے خوش قسمت !!شہرام مسکراتے ہوے آگے بڑھتے پریذے کو گود میں اٹھا گیا تھا۔

چاچو کیا میری سسٹر آرہی ہے ؟؟پریذے نے شہرام کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا تھا۔

ہاں آپ کی چھوٹی بہن آرہی ہے؟؟جو بلکل آپ جیسی ہو گی۔ شہرام پریذے کے گال کو چومتے ہوے بولا۔

ایک سسٹر نہیں آرہی آپ کی پریذے تین تین سسٹرز آرہی ہیں۔ اسفند یار خان کی بھاری آواز گونجتے سب کو اس کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔

سب اسفند یار خان کی طرف متوجہ ہوے جو داخلی دروازے کے بیچ و بیچ عابیر کے ساتھ کھڑا تھا۔ عابیر سیاہ فراک پر سیاہ شال اوڑھے ہوے تھے۔ جو سر سے پھسلتی کندھوں پر آئی تھی۔ وہ اس کے سنہرے بال کمر پر بکھرے تھے۔ وہ لب کاٹتے ہوے نظریں جھکائے ہوے تھی۔ اسفند یار خان سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ مردانہ شال اوڑھے ہوے تھا۔

وہ زاران کو نم نگاہوں سے دیکھتے تیزی سے آگے بڑھتے اس کے ساتھ شدت سے لپٹا تھا۔ زاران بھی اسے خود میں سختی سے بھینچ گیا تھا۔

جانتا ہے میرے گھر دو دو بیٹیاں آ رہی ہیں۔ تم سب سے زیادہ میرا رب مجھ سے خوش ہے۔ ایک نہیں دو دو رحمتیں مجھے دے رہا ہے۔ اسفند اس سے الگ ہوتے بھیگی آواز میں بولتے اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسل گیا تھا۔

عابیر کی آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے بھاری دروازے کو کپکپاتے ہاتھوں سے تھام گئی تھی۔۔

دو بیٹیاں آ رہی ہیں؟؟ زاران خوشی سے چہکا تھا۔

ہاں دو بیٹیاں!! اسفند کی آواز مزید شدت سے بھیگی تھی۔

مبارک ہو سالے کمینے!! زاران اس کے سینے پر مکہ مارتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

Wawo chachoo!!my three sisters and one brother also coming . Papa and Mama said they will give me 8 babies.

پریذے کی چہکتی آواز پر سب نے ارحام کو دیکھا تھا۔ حور نے سرخ پڑتے ارحام کو پریشانی سے دیکھا تھا۔ جس کا چہرہ پریذے کی بات پر سنجیدہ ہوا تھا۔ ارحام کے سنجیدہ نقوش دیکھتے حور کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

ارحام خانزادہ حور کی بھیگی آنکھیں دیکھتے خود پر ظبط کرتے ہوے مسکراتے ہوے حور کو دیکھا تھا۔ جو ارحام کی مسکراہٹ پر بے یقین ہوتے اسی لمحے کھل اٹھی تھی۔

میری خواہش ہے اس بار رب مجھے بیٹا دے!!ارحام نے سنجیدگی سے سب کی طرف دیکھا تھا۔حور گلابی ہوتے نگاہیں جھکا گئی تھی۔

کیوں نہیں لالا؟؟ان شاء اللہ اس بار خدا آپ کو بیٹا ہی دے گا۔ازارا آگے بڑھتے ارحام کے گلے لگا تھا۔

ارحام ہنستے ہوے اسے شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

شہرام پریذے کو گود سے اتارتے ہوے عابیر کی طرف بڑھا جو ابھی بھی دروازے میں جمی کھڑی تھی۔

مبارک ہو عابی!وہ اس کی طرف بھاری قدموں سے بڑھتے اسے نرمی سے بازو سے جکڑے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔عابیر اس کے سینے سے لگے سسک پڑی تھی۔

کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو؟؟ شہرام نے اسے خود سے الگ کرتے ہوے گرجدار آواز میں پوچھا تھا۔ شہرام کی اونچی آواز پر سب ان کی طرف متوجہ ہوے تھے۔

لالا یہ یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ عابیر بری طرح گھبرائی تھی۔ شہرام اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسفند کے پاس واپس جانے پر وہ زیادہ ٹچی ہو گیا تھا۔

خوشی کے آنسو کیوں نہ ہوں عابیر کا آنکھوں میں !! دو بیٹیوں کا خبر سنتا کون خوش ہوتا ہے سوائے ہمارا بیٹا کے !! دماغ ہی ایسا بنا دیتا ہے اج کل کا عورت اپنے مرد کا۔ جو وہ کہے ٹھیک جو وہ چاہے وہی مرد کا چاہت بن جاتا ہے

ہم کو تو سمجھ نہیں آرہا ہم خوشی منائے یا غم !! ایک بیٹا تو خدا ہمارا بیٹا کو ایک ہی بیٹا دے دیتا۔ اکٹھا دو دو بیٹیاں دے رہا ہے۔ روزینہ خانم کی بات پر سب کے

چہروں پر ناگواری چھائی تھی۔ شہرام خان کے جبڑے بری طرح بھینچے تھے۔ اسفند کے چہرے پر طیش والم میں سرخی چھائی تھی۔

اللہ مجھے ہر سال دو بیٹیاں بھی دے گا میں ایسے روتے ہوئے خوشیاں مناؤں گا۔ مجھے اپنے رب سے صرف رحمت چاہیے مورے!! آپ نہیں سمجھ سکتی عابیر مجھے بیٹیوں کی خبر سنا کر خرید چکی ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس کی چاہت اب میری چاہت بن چکی ہے۔ اس لیے میں نے عابیر کا ایڈ مشن میڈیکل کالج میں کروادیا ہے اور میں اسلام آباد شفٹ ہو رہا ہوں۔ مجھے لگتا ہے اس کے ذہنی سکون کے لیے یہ مناسب ہے۔ کیونکہ آپ اسے بیٹیوں کا طعنہ ماریں گی یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اسفندیار خان سنجیدگی سے بولتے روزینہ خانم کے مقابل آتے ہوئے ان کی ہتھیلیاں چوم گیا تھا

تم ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ روزینہ خانم بھیگی آواز میں بولی تھی۔ نہیں چھوڑ کر جا رہا۔۔ چھوڑ ہی نہیں سکتا آپ کو؟؟ مورے ہیں میری!! میرا سب کچھ!! جب تک عابیر ڈاکٹر نہیں بن جاتی تب تک اسلام آباد رہوں گا۔ پھر ہمیشہ کے لیے ادھر ہی واپس پلٹوں گا۔ آتا جاتا رہوں گا اس دوران۔ ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔ وہ گھر عابیر کا بعد میں آپ کا پہلے ہے۔ مگر بیٹیوں کا طعنہ نہیں سنوں گا۔ جان سے زیادہ عزیز ہیں میری بیٹیاں مجھے۔ کاش آپ جان سکتی آپ کے بیٹا کیا چاہتا ہے اس کی خوشی کس میں ہے۔ اسفندیار خان کی بھیگی آواز پر عابیر تڑپتے ہوئے شہرام کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔۔۔

ہم سب سمجھتا ہے۔ تمھارا خوشی کیا ہے؟؟ اپنا مورے سے بڑھ کر ہے تم کو سب کچھ اس لیے ہم کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ جاؤ چھوڑ دو ہمیں۔ بابرک نے

چھوڑ دیا تم بھی چھوڑ دو۔ روزینہ خانم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ اسفنید یار خان روتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑی تھیں۔ ارحام آگے بڑھتے اس کے سر پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ لالا!! بہارے ارحام کے سینے سے لگے رو پڑی تھی۔

آپ میرے ساتھ چلیں مورے!! عابیر جب تک ڈاکٹر نہیں بن جاتی مجھے اس کے ساتھ اسلام آباد رہنا ہی ہو گا۔ اسفند نے روزینہ خانم کو سینے سے لگا گیا تھا۔

نہیں ہم اپنا حویلی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ دعا ہے ہمارا خدا تمھارا ہر خواہش پورا کرے۔ روزینہ خانم بھیگے لہجے میں بولتے اسفند سے علیحدہ ہوئی تھی۔

جان لیں ایک بات !! آپ مورے ہیں بہت پہلے آتی ہیں میری زندگی میں !! عابیر بہت بعد میں۔۔ بیٹے کی زندگی میں ماں کا جو مقام ہوتا ہے وہ کیوں نہیں سمجھتی۔ بیوی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو ماں کا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔۔ بہت زیادہ آپ کا جو مقام ہے وہ کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔ اسفند نے سنجیدگی سے کہتے روزینہ خانم کی آنکھوں سے بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔

خوش رہو تم اور عابیر ! روزینہ خانم نے اسفند کے نم گال پر ہاتھ رکھا تھا۔

زاران مسکراتے ہوے عابیر کی طرف بڑھتے اسے شہرام کے حصار سے لیے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

لالا آئی لو یو !! عابیر زاران کے سینے سے لگے رو پڑی تھی۔

زاران نے مسکراتی جتاتی نگاہوں سے شہرام خان کو دیکھتے آئی بروا چکائے تھے۔

عابی میری ہے لالا!!شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔

آئی لو یو کس کو بولا؟!۔زاران نے بھی جوابًا سنجیدگی سے کہا تھا۔عابیر زاران کے سینے سے لگی بھیگی ہنسی ہنسی تھی۔

جس مرضی کو بولے مگر عابی میری ہے نہ میں اپنی عابی کو چھوڑوں گا نہ اس حویلی کو!!ماں باپ اور آباؤاجداد کی حویلیاں گھر چھوٹے بیٹے کے حصے میں آتی ہیں۔میری مورے بابا داجی سب میرے ہیں۔وہ مسکراتے ہوے اب بولا تھا۔سب تمھارا ہے شہرام خان کیونکہ تم ہم سب کے ہو۔زاران عابیر کو خود سے الگ کرتے ہوے مسکراتے ہوے اسے اپنے

سینے سے لگا گیا تھا۔ شہرام ہنستے ہوے زاران کے گلے لگا تھا۔ عابیر ہنستے ہوے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

تمھیں تو سیٹ کرتا ہوں عابی!! ہمیشہ کی طرح ائی لو یو لالا کے حصے میں آیا ہے۔ شہرام نے عابیر کو گھورا تھا۔

کیونکہ میں اپنے زاران لالا سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔ عابیر شہرام خان کے جھنجھلاتے چہرے کو دیکھتے گہرا مسکرائی تھی۔۔

زاران ہنستے ہوے عابیر کو سینے سے لگا گیا تھا۔

دونوں سالے کمینے!! اسفندیار خان بھڑ بھڑ جلتے لفظ چباتے ہوے بہارے کی طرف بڑھا جو اپنی آنکھیں شال سے بار بار رگڑ رہی تھی۔

اسفند نے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ بہارے روتے ہوے اسفند کے سینے میں سمائی تھی۔

اسفند اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھتے اسے خود میں بھینچے ہوے تھا۔

ویسے آج دل کر رہا ہے اپنے سالے کو گلے سے لگالوں۔ شہرام خان نے زاران اور عابیر کو دیکھتے مسکراتے ہوے کہا۔

زاران گہرا مسکرایا تھا۔

لیکن نہیں لگا سکتا جو مزا دور سے اپنے سالے کے جلن زدہ چہرے کو دیکھنے میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ شہرام خان اسفندیار خان کو دیکھتے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوے بولا۔۔

ویسے آج جل تو تو بھی رہا ہے۔ زاران بہارے کو اسفند کے گے لگے دیکھتے شہرام کے جلن زدہ چہرے کو دیکھتے چوٹ کی۔ یہ تو ہے آج بیچارے لالا کا دکھ سمجھ آیا جو عابیر کو ہمارے گلے لگے دیکھ کر اسے ہوتا ہے۔ شہرام خان بہارے کو اپنی گہری نگاہوں کے حصار میں رکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوے بولا تھا۔

زاران عابیر کا قہقہ گونجا تھا۔ جس میں شہرام خان نے بھرپور ساتھ دیا تھا۔

ارحام حور کا ہاتھ پکڑے کے اس کی پشت کو شدت سے چومتی ہوے پریذے کو گود میں اٹھا گیا تھا۔ پریذے اور حور کھکھلائی تھیں۔ ارحام خانزادہ ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر ہنسا تھا۔

ابرش نے سب کو ایک نظر دیکھتے زاران کو بھیگی نگاہ سے دیکھا جو اپنی فیملی کے ساتھ کھڑا ہنس ترہا تھا۔ وہ جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

اس سے پہلے وہ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتی زاران اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

ابرش نے بے یقینی سے زاران کو دیکھا جو سب کے سامنے اسے سینے سے لگائے ہوے تھا۔ ابرش تپ کر قندھار ہوتے سرخ ہوئی تھی۔ وہ اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

ہے میری بے شرم بیوی!! تمھیں لگا میں تمھیں بھول چکا ہوں
ہمممم!! زاران نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے اس کی پیشانی پر لب رکھے۔

نہیں تو مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے ہنسی تھی۔

راز آنکھیں تیری سب بیاں کر رہی

سن رہا دل تیری خاموشیاں

کچھ کہو ناں سنوں

پاس میرے تم رہو

عشق کی کیسی ہیں گہرائیاں

زاران اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے گنگنایا تھا۔

ابرش نظریں جھکائے سرخ پڑتے مسکرائی تھی۔زاران اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے سب کی طرف بڑھا تھا۔

امینہ خانم حور عابیر بہارے سے لاکھوں روپے وار رہی تھی۔ابرش نم نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔زاران ابرش کا ہاتھ تھامے ہوے سب

دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ ابرش زاران کو دیکھتے اب مسکرا رہی تھی۔ زاران نے جواباً اسے دیکھتے آنکھ ماری تھی۔ ابرش کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

یہ ہے زاران خانزادہ کی بیوی!! جسے اپنے مسٹر کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ وہ ابرش کی طرف دیکھتے مسکرایا تھا۔

چاہیے تو صرف مسٹر خانزادہ ہی۔ کل بھی آج بھی صرف مسٹر خانزادہ!! ابرش بھیگے لہجے میں بولتے ہنسی تھی۔

تو مسٹر خانزادہ صرف اپنی ابرش کا اپنی بیوقوف جذباتی بے شرم بیوی کا۔ وہ اس کی طرف جھکے مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔ ابرش کی ہنسی ایک بار پھر سے لاونج میں گونجی تھی۔

لاونج میں سب کی ہنسی گونج رہی تھی۔

امینہ خانم ابرش کی طرف بڑھی تھیں اپنے ہاتھ میں پکڑے نوٹ ابرش کی طرف بڑھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

زاران ان کا ہاتھ نرمی سے تھام گیا۔ ابرش اور امینہ خانم نے زاران کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔

مورے یہ پیسے مجھ پر واریں ابرش پر ضرورت نہیں۔۔

کیونکہ دادی میں آپ کو بنانے جا رہا ہوں۔ زاران کی بات پر سب اس کی طرف متوجہ ہوے تھے۔ ابرش گلاب کی طرح سرخ پڑتے نظریں جھکا گئی تھی۔

کیا کہہ رہا ہے زاران؟! امینہ خانم کی آواز بھیگی تھی۔۔

جی مورے آپ دادی۔۔لالا تایا اسفند اور شہرام چاچو بن رہے ہیں۔عابیر اور بہارے پھوپھو بن رہی ہیں۔زاران کی چہکتی آواز پر سب کی ہنسی گونجی تھی۔امینہ خانم روتے ہوے زاران کے سینے سے لگی تھی۔ابرش بھی نظریں جھکائے اپنی شال سے آنکھیں رگڑتے روتی جارہی تھی۔

عابیر شہرام کے سینے سے لگے زاران اور ابرش کو دیکھتے رو دی تھی۔

بہارے اسفند کے سینے سے لگے رو دی تھی۔

ارحام حور کی پیشانی پر لب رکھتے اسے اپنے ساتھ لگا گیا تھا۔امینہ خانم نے زاران سے الگ ہوتے ابرش کی پیشانی چومی تھی۔ابرش کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

مت رو بچہ !!اس بار اللہ بہتر کرے گا۔ امینہ خانم نے نرمی سے کہتے ابرش کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

لاونج میں داخل ہوتی پلوشہ کے ہاتھوں میں قہوہ کی ٹرے لرزی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کچن کی طرف جلدی سے بڑھ گئی تھی۔ سنک میں قہوہ کی ٹرے پٹختے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

زحلے زرتاج آہل سوٹ کیس پکڑے لاونج میں داخل ہوئے تھے۔ ابرش کی گڈ نیوز سنتے آہل اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے رو پڑا تھا۔

زحلے بھی ابرش کو دیکھتے رو رہی تھی۔ ابرش زاران سب ان لوگوں کو سوٹ کیسز کے ساتھ دیکھتے حیران ہوئے تھے۔

مبارک ہو بھائی!! آہل سٹک کے سہارے چلتے ہوے زاران کے مقابل آتے اس کے گلے سے لگا تھا۔

زحلے ابرش کے مقابل آتی اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اس کے گال پر ہاتھ رکھ گئی۔

ماما!! ابرش ان کا ہاتھ تھامے رو پڑی تھی۔۔

کہاں جا رہے ہو؟! زاران نے آہل سے الگ ہوتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

بھائی اسلام آباد جا رہے ہیں۔ جتنا پیسہ ولوگز سے کمایا ہے اس پیسے سے ایک چھوٹا سا بزنس سٹارٹ کروں گا۔ قسمت نے ساتھ دیا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر

واپس امریکہ چلیں جائیں گے۔ مگر اپنی بہنوں کو چھوڑ کر جانے کا حوصلہ نہین پڑ رہا۔ آہل ابرش کو دیکھتے نم لہجے میں بولا۔

ابرش نے سسکی لیتے اپنی چادر سے آنکھیں رگڑی۔

تم

لوگوں کا حق ہے۔ داجی کی جائیداد پر پھوپھو کا حق ہے۔ وہ سب کچھ تم سب کا ہے۔ زاران نے آہل کے کندھے پر ہاتھ رکھتی کہا۔

نہیں بھائی ایک پیسہ نہیں لوں گا۔ نہ میری بہن ایسا چاہتی ہے۔۔ جس میں میری بہن کی عزت نفس ہرٹ ہو وہ کام کبھی نہیں کروں گا۔ اور سچ کہوں مجھے بھی یہ پیسہ نہیں چاہیے۔ جس پر حق ہمارا دل ہی نہیں مانتا۔ آہل کی بات پر ابرش اس کی طرف بڑھتے اس کے ساتھ لپٹتے رو پڑی تھی۔

ہمیں نہیں چاہیے وہ پیسہ آہل!! تم کبھی نہیں لوگے داجی کا پیسہ!! ایک روپیہ نہیں لوگے۔ جتنا ہمارے پاس ہے ہم خوش ہیں۔ جب کچھ نہیں تھا ہم زندہ تھے جی رہے تھے۔ آج تو بہت کچھ ہے۔ تم وعدہ کرو کچھ بھی ہو جائے کبھی کسی سے ایک روپیہ نہیں لوگے۔۔ ابرش نے آہل کی آنکھوں میں دیکھتے اٹل لہجے میں وعدہ لیا تھا۔

زاران نے جبڑے بھینچتے اپنی ضدی بیوی کو دیکھا تھا۔ وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے ہوے تھا۔ اس معاملے میں وہ اس کی کبھی نہیں سن سکتی تھی وہ جانتا تھا۔

ٹھیک کہہ رہا ہے ابرش!! ہمارا پیسہ پر زحلے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارا بیٹی ہی نہیں۔ سمیع اللہ لاونج درید خان اور ارید کے ساتھ داخل ہوتے گرجدار آواز میں بولے تھے۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے کپکپاتے ہوئے زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

ریلیکس!!زاران اسے بازو کے حلقے میں لیے اس کی پیشانی نرمی سے چوم گیا تھا۔

مبارک ہو تم کو تم ہمارا زاران کو اس کا وارث دینے جا رہا ہے۔ تم ہمارا زاران کا بیوی ہے اس کا عزت ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اس لیے ہمارا دل میں تمھارا لیے اب کوئی کڑواہٹ نہیں خوش رہو۔ سمیع اللہ نے آگے بڑھتے ہوئے ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

داجی ضروری نہیں ابرش مجھے وارث دے۔ میرے گھر بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ تو میرے رب کا فیصلہ ہو گا وہ مجھے بیٹی دے یا بیٹا دے۔ ہو سکتا ہے

میرے گھر آپ کا وارث پیدا نہ ہو۔ ہمیں صرف بیٹیاں ہوں۔ زاران نے سنجیدگی سے سمیع اللہ کو کہا تھا۔

پھر ہمارا دعا ہے تمھیں اللہ تمھارا بیوی اور ہمارا بیٹی جیسا بیٹی نہ دے۔۔ سمیع اللہ تلخی سے بولتے داخلی دروازے کی طرف بڑھے تھے۔ زحلے کی سسکیاں گونجی تھیں۔ ابرش نے لڑکھڑاتے ہوے زاران کے بازو کو سختی سے جکڑا تھا۔

اور میری دعا ہے رب مجھے جب بھی بیٹی دے وہ ابرش جیسی ہو۔ زاران کی سرد سنجیدہ آواز سمیع اللہ کے قدم روک چکی تھی۔

میری بیٹی میری بیوی جیسی ہو۔ اپنے رشتوں کے لیے ہر حد سے گزر جانے والی۔ سچی محبت کرنے والی۔ خودار جذباتی۔ بیوقوف جو کچھ میری ابرش ہے وہی میری بیٹی ہو۔ کیونکہ اپنی بیٹی کے ہر قدم پر میں کھڑا ہوں گا۔ میں

زاران خانزادہ اس کی ڈھال بن کر!! جب جب وہ لڑکھڑائے گی اس کے قدموں کے نیچے میں اپنے مضبوط ہاتھ رکھوں گا۔ زاران سنجیدگی سے کہتے سمیع اللہ کے مقابل آیا۔

تمھیں لگتا ہے میں زحلے کے قدم پر ڈھال نہیں بنا۔ سمیع اللہ کی آواز بھیگی تھی۔

نہیں بنے داجی آپ!! بیٹیوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں انھیں معاف کیا جاتا ہے۔ اس غلطی کو ساری عمران کے لیے ناسور نہیں بنا دیا جاتا۔ زاران کی بات پر سمیع اللہ لاٹھی پر دباؤ ڈالتے سر نفی میں ہلاتے تلخی سے ہنس پڑے تھے۔

اس گاؤں میں زحلے ہی پہلی لڑکی تھی جو لڑکوں کا کالج میں پڑھنے گیا تھا۔ سب نے روکا تھا برادری نے طرح طرح کا باتیں سنایا۔ ہم نے بولا درید

اربد نوریز خان ہمارا بیٹا ہے تو زحلے بھی ہمارا بیٹا ہے۔ ہمارا بیٹی بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ ایسا سینہ ٹھوکا تھا۔ سمیع اللہ نے گرجتے ہوئے اپنا سینہ ٹھوکا۔

کیا ہوا اس نے ہمارا سر جھکا دیا۔ ارے تم سب کو اس کا درد نظر آتا ہے ہمارا درد اس باپ کا درد نظر کیوں نہیں آتا جس کا بیٹی اس کو دھوکہ دیتا ہے۔ یہی کیوں لگتا ہے باپ سفاک ہے ظالم ہے اور جو بیٹی رات کا اندھیرے میں اپنا باپ کا منہ پر کالک ملتا ہے وہ نظر کیوں نہیں آتا۔ سمیع اللہ نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

آتا ہے درد نظر آتا ہے داجی۔ ہم سب آپ کے درد کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر جب آپ نے زحلے پھوپھو کو معاف کر چکے تھے انھیں واپس بلایا اب آپ کا رویہ سمجھ سے بالاتر ہے داجی!! آپ جھوٹی آنا دکھا کر نہ صرف پھوپھو کے ساتھ زاران کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ اس کی اتنی بڑی خوشی آپ کے

تخ جملوں اور رویے نے آنسوؤں کی نظر کر دی۔ ارحام ابرش اور زحلے کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھتے سنجیدگی سے بولتے اپنے بھاری قدموں سے سمیع اللہ خان کی طرف بڑھا۔

زاران ابرش کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

ریلیکس رہو میری جان!! پھوپھو داجی کی بیٹی ہے۔ وہ حق رکھتے ہیں پھوپھو پر۔۔ زاران نے پریشانی سے اس کپکپاتے وجود کو اپنی بانہوں میں لیتے کہا۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

ہم نے اسے معاف کیا تھا اس کو اپنا پاس بھی بلایا۔ مگر آہل اور ابرش نے جو کیا مجھے احساس ہوا۔ جو زحلے نے کیا وہ اب ساری عمر پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔ جو اس نے کیا وہی اس کا بچوں نے کیا۔ ہم ایک بار پھر اس درد سے گزرا جو

زحلے نے ہم کو برسوں پہلے دیا تھا۔ سمیع اللہ کی بات پر زاران کے چہرے پر سرخی چھائی تھی۔ ابرش اس کے حصار سے ایک جھٹکے سے علیحدہ ہوتے سمیع اللہ کی طرف بڑھتے ان کے مقابل آئی تھی۔

زاران نے جبڑے بھینچتے اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔

داجی بیٹیوں کو بیٹا کہتے ہی نہیں انھیں بیٹے جیسے اختیارات بھی دیے جاتے ہیں۔ تب بنتی ہیں وہ بیٹا!!

میں دو مرتبہ زاران خانزادہ کی پناہوں سے بھاگی کیونکہ مجھے دونوں مرتبہ مجھے لگا یہ رشتہ میری سانسیں گھونٹ دے گا۔ پتہ ہے میں سیدھے راستے سے کیوں نہیں گئی آپ کے پوتے زاران خانزادہ نے سیدہے راستے پر دہکتی آگ جیسے کانٹے بچھائے تھے۔ کیسے چل سکتی تھی ان کانٹوں پر چل کر میں!! جو راستہ آسان لگا وہاں سے نکل گئی۔ جس طرح مرد کو حق ہے عورت

کو اپنی مٹھی میں قید کرنے کا اس طرح عورت کو بھی حق ہے اس مٹھی سے نکل کر کھل کے سانس لینے کا!! کیا اس حویلی سے میں ہی بھاگی؟؟ مگر آپ کو میرا گناہ کیوں یاد آتا ہے جو ہر بار آپ میری وجہ سے میری ماں کو کٹھہرے میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اگر غلطیاں اس حویلی کی عورتوں نے کی ہیں تو حویلی کے مردوں نے بھی ان عورتوں کو وہ غلطیاں کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ کوئی بھی عورت پاگل نہیں ہوتی وہ اس سائباں کو چھوڑ کر جائے جہاں اس کی عزت محفوظ ہوتی ہے۔ عورت کے پر اس طرح کاٹ دیے جاتے ہیں وہ زخمی ہو جاتی ہے۔۔ وہ اپنے باقی ماندہ پروں کو بچانے کے لیے اپنی پوری طاقت لگائے اڑان ایک بار ضرور بھرتی ہے۔ ابرش نے سمیع اللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بھیگے مگر مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ شہرام ارحام اسفند زاران نے ایک دوسرے کو دیکھتے اپنی نگاہیں جھکائی تھیں۔

ماما نے جو کیا وہ بھگتا ہر پل بھگتا!! جس عزت جس باپ کو جس شخص کے لیے ٹھکرایا اس نے میری ماں کو ٹکے ٹکے کی نوکری کرنے پر مجبور کرنے کے لیے اسے بے پردہ کیا۔

ابرش کی بات پر سمیع اللہ کی لاٹھی پر دباؤ بڑھا تھا

درید خان اربد خان شہرام اسفندار حام کے چہرے سرخ ہوے تھے۔

کیا فایدہ اب آپ سب کے چہرے سرخ کرنے کا!! میری ماں کا کیوں پتہ نہیں کیا آپ سب نے ؟؟ کیا فایدہ اس عالیشان شان و شوکت کا اس رتبے کا؟؟ سمیع اللہ خان فخر سے اپنا نام لیتا ہے۔ اپنے پوتوں اپنے بیٹوں پر غرور کرتا ہے۔ کیا فایدہ ایسے بھائیوں اور بھتیجوں کا۔ جن کو پتہ ہی نہیں تھا ان کی بہن پھوپھو کس حالت میں زندگی گزار رہی ہے ؟؟ اس سے اچھا تھا آپ ایک غیرت مند خان بنتے میری ماں کے وجود میں گولیاں اتار دیتے۔

۔ تا کہ اسے روز رات کو گولیوں کے پھکے نہ مارنے پڑتے۔ ابرش شدت سے رو دی تھی۔ زحلے کی سسکیاں گونجی تھیں۔ آہل کے رونے میں آضافہ ہوا تھا۔

کیسے پاشا کے بارے میں بنا کچھ جانے اس کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اگر دل بڑا کر ہی دیا تھا تو میری ماں کو دل سے معاف ہی کر دیتے۔ نہ دیتے ان زمینوں جائیدادوں میں حصہ !! مگر پاشا کو اتنا تو ڈر تو ہوتا آپ خانزادوں کا۔ وہ میری ماں پر ہاتھ اٹھاتے سو بار سوچتا۔۔ میری ماں مار کھانے سے پہلے پاشا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ تو کہہ سکتی مجھ پر ہاتھ اٹھاتے یہ تو کہہ سکتی تم نے اگلا تھپڑ مارا میں اپنے باپ سمیع اللہ خان کو کال کر دوں گی۔ ابرش بھیگی آنکھوں سے دیکھتے استھزائیہ مسکرائی تھی۔

سمیع اللہ خان کے ہاتھوں کا دباؤ لاٹھی پر بڑھتا جا رہا تھا۔

بیٹیوں کو باپ بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔یہی پاشا میری ماں کو بیچ دیتا پھر سمیع اللہ خان؟؟کیا عزت رہ جاتی آپ کی؟؟ابرش چیخی تھی۔سب کی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔درید خان اور اربد خان کی خونخوار نگاہوں رکاخ زاران کی طرف ہوا تھا۔

ابرش!زاران سمیع اللہ خان کا لرزتا بدن دیکھتے گرجتے ہوے اس کی طرف بڑھا تھا۔

میں بات کر کے رہوں گی۔میں ساری عمر طعنے نہیں سن سکتی۔میں اپنی ماں کے لیے سب کی آنکھوں میں نفرت نہیں دیکھ سکتی۔میں بتا کر رہوں گی میری ماں کی غلطی کو گناہ آپ سب خانزادوں نے بنایا۔ابرش زاران کی طرف دیکھتے روتے ہوے چیخی تھی۔

کمرے میں چلو ابرش داجی کی طبعیت۔۔زاران نے سمیع اللہ کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اس کی کلائی جکڑی تھی۔

ارحام شہرام اسفند آگے بڑھتے سمیع اللہ کو تھام چکے تھے۔

کیا ہو گا داجی اگر آپ مر جائیں گے۔رب کو کیا جواب دیں گے رب سے اپنے گناہوں کو کیسے معاف کروائیں گے ؟؟جب رب پوچھے گا تمھاری بیٹی سر جھکا کر تمھارے در پہ آئی تھی تم نے اسے معاف کیوں نہیں کیا۔ابرش بھیگے لہجے میں بولتے چیخی تھی۔ازاران اس کی کلائی سختی سے جکڑے امینہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔وہ اس کے حصار میں کھنچتی جا رہی تھی

خدا معاف نہیں کرے گا آپ کو داجی اگر میری ماں کو آپ نے معاف نہ کیا۔۔

سمیع اللہ دل پر ہاتھ رکھتے ارحام اسفند شہرام کی بانہوں میں جھول گئے تھے ۔زحلے امینہ خانم روزینہ خانم بہارے عابیر چیختے ہوے ان کی طرف بڑھے تھے۔۔

زاران ابرش کو امینہ خانم کے کمرے میں لاتا اس پر خشمگیں نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔

وہ بیڈ پر بیٹھتے گھٹنوں میں سر دیے رونے لگی تھی

زاران اپنے بال نوچتے ہوے دیوار پر سختی سے مکہ مار گیا تھا۔

دوسرے لمحے وہ کمرے سے نکلتا باہر آیا۔شہرام اسفند ارحام درید اربد سمیع اللہ خان کو ہاسپٹل لے گئے تھے۔

مورے ابرش کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میرے آنے تک اس کا خیال رکھا جائے منت کرتا ہوں آپ کی۔ وہ نم آواز میں کہتے تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے کار پورچ میں آیا تھا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوے اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے زن سے بھگائی تھی۔

شہرام اسفند زاران ارحام درید خان اربد خان آئی سی یو کے باہر پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے۔

درید اور اربد خان زاران خانزادہ کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ ان کے چہروں پر دکھ سے زیادہ غیض و اشتعال کی سرخی تھی۔ زاران ایک طرف ایک ٹانگ دیوار کے ساتھ فولڈ کیے کھڑا اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے نظریں جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب سے وہ آیا تھا

وہ کسی سے نظریں ملائے بغیر پچھلے ایک گھنٹے سے ایسے ہی خاموشی سے کھڑا تھا۔

ارحام اسفند شہرام خان کافی دیر سے اسے ایسے دیکھتے خود پر ضبط کیے ہوے تھے۔وہ مزید اسے ایسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔وہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اس کی طرف بڑھے تھے۔ارحام اسفند نے زاران کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔

زاران خانزادہ ارحام اسفند شہرام کو ایک نظر دیکھتے ارحام کے گلے لگ کر رو پڑا تھا۔

داجی کو کچھ ہو گیا کیا منہ دکھاؤں گا میں سب کو؟؟رشتوں نے مجھے کمزور کر دیا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کس کی طرف جھکوں؟؟زاران ارحام کے گلے سے لگے نم آواز میں بولتے رو دیا تھا۔

شہرام اسفندیار خان نے اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسلی تھیں۔

ڈاکٹر اسی لمحے آئی سی یو سے نکلتے آیا تھا۔ سب ڈاکٹر کی طرف بڑھے تھے۔

سر شہرام!! آپ کے داجی ہر قسم کے خطرے سے باہر ہیں۔ انھیں کچھ دیر تک روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔ آپ انھیں وہاں مل سکتے ہیں۔ ڈاکٹر شہرام کی طرف بڑھا تھا۔

شہرام اثبات میں سر ہلاتے ڈاکٹر کے ہمراہ چلتے ان سے سمیع اللہ خان کی صحت کے بارے میں مکمل ڈیٹیل لینے لگا۔

زاران ارحام اسفندیار خان نے طمانیت کا گہرا سانس لیا تھا۔ زاران ہاسپٹل کے ٹھنڈے کوریڈور میں سجدے میں جھک گیا تھا۔

وہ لوگ ابھی بھی ہاسپٹل میں تھے۔ چھ سات گھنٹوں بعد سمیع اللہ خان کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ لوگ سمیع اللہ کے قریب کھڑے تھے۔

زحلے اور ابرش ہمارا پاس لے کر آؤ!! سمیع اللہ خان نے ہوش میں آتے زاران سے کہا۔

بابا جان رہنے دو اس ابرش کو اس کا دماغ ہمارا مرد بیٹا نے بہت خراب کیا ہوا ہے۔ ہم نہیں چاہتا اس کا وجہ سے پھر آپ کا طبعیت خراب ہو۔ اس ہسپتال میں کوئی تماشہ ہو۔ درید خان زاران کو گھورتے ہوے بولے۔

زاران تم لے کر آؤ ابرش اور زحلے کو ہمارا پاس!! سمیع اللہ نے گہرا سانس بھرتے ٹوٹے لفظوں سے کہا۔

ارحام کے اشارے پر زاران سنجیدگی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ابرش اور زحلے کو لیے وہ ہاسپٹل داخل ہوا تھا۔ زاران کا چہرہ سرد اور سنجیدہ تھا۔ ابرش اس کے ہمراہ بڑی سی چادر میں خود کو اچھی طرح چھپائے اس کے ہمراہ سمیع اللہ کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

جہاں سب مرد حضرات پہلے سے موجود تھے۔ درید خان اربد خان ابرش کو دیکھتے غصے سے رخ موڑ گئے تھے۔

بابا! زحلے نے روتے ہوے سمیع اللہ کو پکارا تھا۔

مگر وہ آگے نہیں بڑھی تھی۔ سمیع اللہ نے اکسیجن ماسک اتارے ہوے زحلے کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا۔

زحلے بے یقین ہوتے آگے بڑھی تھی۔

سمیع اللہ خان نے کپکپاتے ہاتھوں سے ہاتھ جوڑے تھے۔

بابا زحلے تڑپتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام گئی تھی۔ ہم کو معاف کر دو زحلے ہم تمھارا گناہ گار ہے۔ ہم کو اپنا بیٹی کا ساتھ یوں تعلق نہیں توڑنا چاہیے تھا۔ تم کو تمھارا حق سے محروم نہین کرنا چاہیے تھا۔ سمیع اللہ رو پڑے تھے۔

بابا غلطی میری تھی گناہ میں نے کیا تھا۔ زحلے سسک پڑی تھی۔

ہاں ہوا غلطی تم سے۔ مگر اس کو تمھارا ایسا گناہ بنا دیا جس کا معافی نہیں۔ جب خدا بڑا بڑا سا گناہ معاف کر دیتا ہے ہم نے کیوں نہیں کیا۔ خدا تو ہم سے اپنا تعلق نہیں توڑتا۔ آخری دم تک وہ ہمارا معافی کا منتظر ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا بیٹی کا پتہ نہیں کیا۔ کبھی جاننا کا کوشش ہی نہیں کیا تم کس حالت میں ہے؟؟ بائس سال تک ہم نے تمھارا پتہ نہیں کیا۔ کیسا باپ ہے ہم؟! تمھارا بھائیوں کو بھی منع کر دیا تمھارا پتہ نہ کرے۔ سمیع اللہ کی کپکپاتی آواز پر

سب کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ زحلے سمیع اللہ کا پیشانی چومتے رو پڑی تھیں۔ سمیع اللہ نے جواباً زحلے کی ہتھیلیاں چومی تھیں۔

ادھر آؤ ہمارا بچہ !! سمیع اللہ نے ابرش کو بلایا تھا۔ ابرش آگے بڑھتے سمیع اللہ کے پیروں کی جانب بیٹھی تھی۔

ادھر نہیں تم ہمارا پاس آکر بیٹھو یہاں ہمارا دل کا پاس۔۔ سمیع اللہ نے ابرش کو اپنا پاس بلایا۔ ابرش آہستگی سے آگے بڑھتے ان کے پاس بیٹھی تھی۔

ادھر بیٹیوں جگہ باپ کا سہرہانے کا پاس ہوتا ہے قدموں میں نہیں۔ قدموں میں تو اپنا شوہر کو بٹھانا چاہیے۔۔ اسمیع اللہ نے ابرش کی طرف جھکتے سرگوشی میں کہا تھا۔

سب تک آواز بخوبی پہنچی تھی۔ سب کے چہروں پر مدھم سی مسکراہٹ دوڑی تھی۔ سوائے زاران کے وہ سنجیدہ چہرہ لیے ایک طرف کھڑا تھا۔

ابرش نظریں جھکائے بھیگا سا ہنسی تھی۔

اپنا قدموں میں ہمارا پوتا کو بٹھانا جو سب سے بڑا زن مرید ہے۔ سمیع اللہ خان نے زاران کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔ ابرش نے بھیگی نگاہوں سے زاران کو دیکھا جو سنجیدہ چہرے کے ساتھ کمرے سے نکل گیا تھا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے سمیع اللہ خان کو دیکھا تھا۔

اب تمھیں یہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ تمھارا ڈھال بن کر سمیع اللہ کھڑا ہے۔۔ زحلے تو پاشا سے یہ نہ کہہ سکا وہ سمیع اللہ کو بلا لے گا مگر تم اب اس خچر منسٹر کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہے گا تم سمیع اللہ خان کا نواسی

ہے۔ خبر اار اس نے تمھارا طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا۔ سمیع اللہ کی بات پر ابرش روتے ہوے ان کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔ وہ نرمی سے ابرش کے سر پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھ گئے تھے۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ یتھی۔

حور باتھ ٹب کے گرم پانی بلنگ واٹر میں ارحام خانزادہ کے سینے سے لپٹے اس کے چوڑے سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں سمائے باتھ ٹب کے کنارے پر سر رکھے آنکھیں موندے گہرے سانس لیتے اس کے نازک وجود کو اپنے ساتھ لپٹائے ہوے تھا۔

ارحام!! حور نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔ جو کب سے اسے ایسے ہی خود کے ساتھ لپٹائے شاید سو چکا تھا۔

حور نے اپنی ہی سوچ کو جھٹلایا تھا۔ وہ اس کی آغوش میں سو جائے ناممکن تھا۔ یہ جن اس کی قربت میں اس کی بانہوں میں سوتا بھی نہیں تھا۔ حور نے اس کے بانہوں سے نکلنے کی کوشش کی۔

کچھ کہو نہ سنو

پاس میرے رہو

یہ عشق کی ہیں

کیسی ہیں گہرائیاں

سایہ بھی جسم سے

ہوتا ہے کیا جدا

جتنی بھی زور کی ہوں اندھیاں

راز آنکھیں تیری سب بیاں کر گئی

سن رہا دل تیری خاموشیاں

وہ گنگناتے ہوئے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

حور نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

جینے کا تو سہارا

تو ہی روشنی

کہتا ہے ہر ستارہ

میری تو چاندنی

ہم جدا ہو جائیں یہ ممکن نہیں

دھوپ ہو تم میری چھاؤں بھی ہو تم ہی

پاس ہو تو دور ہے تنہائیاں

وہ گنگناتے ہوے اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

شوہر بھی عاشق ہوتے ہیں کیا؟؟حور نے مسکراتے ہوے ارحام کو دیکھتے لب دانتوں تلے دبائے سے پوچھا تھا۔

ایک عاشق دیوانے پاگل شوہر سے یہ اچھا سوال ہے؟؟ارحام خانزادہ نے آنکھیں کھولتے اسے مسکراتے ہوے دیکھا تھا۔

عاشق پاگل شوہر یا پھر وہ لب دانتوں تلے دبائے سلطان شاہ کا دیا خطاب بپھرا سانڈ کا آواز ہی دہرایا تھا۔

یا پھر؟ ارحام خانزادہ نے اس کی طرف دیکھتے الجھن بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

یا پھر رومانٹک شوہر!! حور نے مسکراہٹ دبائے پوچھا۔

رومانٹک ہوں تو عاشق مزاج شوہر ہوں۔ عاشق مزاج ہوں تو رومانٹک شوہر ہوں۔ عاشقی اور رومانس کا گہرا تعلق ہے جان من!! وہ اسے اوپر کرتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بے باکی سے بولا تھا۔

حور بلوبلنگ واٹر سے اوپر آتے سرخ ہوتے ارحام کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

نہ عاشق مزاج شوہر نہ رومانٹک اونلی بے شرم خانزادہ!!حور روہانسی ہوئی تھی۔اس کی بے باکیاں اور ہر جگہ اپنی قربت دینے سے وہ زچ ہوتے روہانسی ہوتے بولی تھی۔

اپنا حلیہ اور ارحام کی پانی کے اندر گہری شرارتوں پر حور کے عارض سیک چھوڑ رہے تھے۔

ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجتے حور کو مزید خفت سے دوچار کر گیا تھا۔حور ارحام کی گردن پر غصے سے دانت گاڑھ گئی تھی۔ارحام خانزادہ کے قہقوں میں آضافہ ہوا تھا۔

بیوی ہو ارحام خانزادہ کی دم خم بلکل نہیں بدلہ تو ٹھیک طرح سے لیا کرو۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے نرمی سے کہا۔

کیسے لیا کروں؟؟حور نے روہانسے ہوتے بوچھا۔

جو میں نے بھی کیا۔ارحام نے پھر سے پانی کے اندر گہری شرارت کر گئی تھی۔

حور پھولتی سانسوں سے ارحام کو دیکھتے اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔

ارحام مسکراتے ہوے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

حور!!ارحام نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

جی!!حور نے اس کی پکار پر فورًا جی کہا تھا جو وہ ہمیشہ سے کرتی تھی۔

ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔

سمجھ نہیں آتا تمھاری خوبصورتی سے عشق ہے یا پھر تمھاری فرمانبرداری سے عشق ہے مجھے۔ارحام کا لہجہ گھمبیر ہوا تھا۔

اگر یہ دونوں چیزیں میرے پاس نہ ہوں نہ میں خوبصورت رہوں نہ میں آپ کی فرمابردار!! کیا پھر بھی مجھ سے عشق کے دعویدار رہیں گے۔ حور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اب یہ عشق ان سب چیزوں سے نکل میرے جنون میں داخل ہو چکا ہے۔ اب کچھ ختم یا کم نہیں ہو سکتا۔ تمھیں دیکھ کر صرف اب مجھے جنونیت یاد آتی ہے۔ میرا رمز عشق رمز جنون میں داخل ہو چکا ہے۔ عشق تو برداشت کر لیا مگر جنون نہیں برداشت کر سکو گی۔ رمز عشق کی گہرائیاں تو کچھ نہ تھی رمز جنون کی گہرائیوں کے آگے سناٹا ہے موت کا سناٹا۔۔ جس کے بعد کچھ نہیں بچتا۔ اگر میرا عشق ختم ہو جائے جنون آتا ہے اس کے بعد صرف موت بچتی ہے۔ وہ اسے کندھوں سے سے جکڑے اپنے اوپر کرتے اس کی سانسوں کو شدت سے انہیل کر گیا تھا۔ حور اس کی دیوانگی برداشت

کرتے ہوے سسکتے ہوے اس کا جنون برداشت کر رہی تھی۔ جسے

کبرداشت رنا آسان نہ تھا۔

شہرام خان نے بہرام کے کپڑے بدلتے ہوے اسے اپنے سینے سے لگاتے

اس کے گال پر کس کی تھی۔ وہ کھکھلاتے ہوے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرا بیٹا

شہرام خان شہرام مسکراتے ہوے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

بہارے باتھ روم سے پیروں تک سفید باتھ روب گاون پہن کر نکلتے ہوے

ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے ڈرایر اٹھائے اپنے بالوں کو حشک کرنے

لگی۔ شہرام بہرام کی پیشانی کو چومتے ہوے اسے بیڈ پر لٹاتے بہارے کی

طرف بڑھتے اسے پیٹ سے جکڑے اپنے قریب کرتے اس سے ڈرائیر لے

چکا تھا۔

میری بہارے جب یہ خادم زن مرید شوہر ہے میری اتنی خوبصورت بیوی کیوں یہ سب کرے گی؟؟وہ اس کے پیٹ کے اوپر اب ہاتھ باندھے اسے مزید اپنے قریب کرتے ہوئے اس کی کان کی لو پر دانت گاڑھ گیا تھا۔

شہرام تمھاری دیوانگی کی کوئی حد نہیں!!ہر وقت اپنی بانہوں میں رکھتے ہو اور کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔نہ بہرام کا کوئی کام کرنے دیتے ہو۔بہارے مرر میں شہرام خان کے پرکشش نقوش دیکھتے مغروریت سے مسکرائی تھی۔

جب تک میں زندہ ہوں تمھیں زمین پر بھی قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ہاں میری موت کے بعد تم۔۔

شہرام کی بات پر وہ پلٹتے ہوئے جلدی سے اس کے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔

تم سے پہلے تمھاری بہارے مر جائے گی شہرام خان!! خدا کا واسطہ رحم کیا کرو مجھ پر!! کیوں ہر بار میری جان نکالتے ہو اپنے لفظوں سے۔۔ بہارے بھیگے لہجے میں بولتے اس کے لبوں پر سختی سے ہاتھ جما گئی تھی۔

وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے میری بہارے!! یہ تو وہ خواب تھا جس کی تعبیر ممکن نہ تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے کمر سے جکڑے اوپر کو اٹھاتے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس پر حاوی ہوتے اس کے ہاتھ روب گاؤن کی ڈوریاں کھولتے ہوئے وہ اس کے اوپر گھٹا کر چھاتے اس کی گردن کو چومنے لگا۔

بہت سے زیادہ محبت کرتی ہوں عشق کرتی ہوں تم سے اب!! رمز عشق تو رہا نہیں اب تو رمز جنون بن چکا ہے۔ اور جنون ہو وہ بھی رمز کی گہرائیوں میں

تم جانتے ہو کتنا خطرناک ہوتا ہے۔۔ تم بہارے خان کا جنون ہو۔ بہارے اسے اپنے قریب کرتے اس کی گردن میں جنونی انداز میں دانت گاڑھ گئی تھی۔ وہ اپنی بہارے کا بے دردوار برداشت کرتے آنکھیں موندے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا

جانتے ہو کچھ گھنٹے تمھاری سانسیں بند ہوئی تھیں میرے سر سے چادر سرک گئی تھی۔ کوئی نہین تھا دینے والا؟؟ بہارے اس کے سینے میں سر رکھے شدت سے رودی تھی۔

بہارے!! شہرام نے نرمی سے اسے پکارتے اس عارض پر ہاتھ رکھا۔ جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

بہت برے ہو تم !! تمھیں مجھے تکلیف پہنچانے میں مزا آتا ہے۔ تم اس حویلی کے سب سے زیادہ سفاک خانزادہ ہو۔ میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ بہارے اس کے سینے پر مکہ مارتے ہوئے شدت سے رو دی تھی۔

شہرام خان اب پریشان ہوا تھا۔ وہ بہت بری طرح رو رہی تھی۔۔

میری جان میری بہارے !! میں تھیں چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔ موت تمھارے بغیر کہاں آسان ہے ؟؟ سانسوں میں بستی ہو روح بن کر جسم میں رہتی ہو۔ اب تو مر بھی نہیں سکتا تمھارے بغیر !!

سایہ بھی جسم سے

ہوتا ہے کیا جدا

جتنی بھی زور کی ہوں اندھیاں

راز آنکھیں تیری سب بیاں کر گئی

سن رہا دل تیری خاموشیاں

وہ نم آواز میں گنگناتے ہوے رخ پلٹتے ہوے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔

بہارے اپنی گردن پر نمی محسوس کرتے پریشان ہوئی تھی۔

شہرام!! بہارے نے پریشان ہوتے اسے پکارا تھا۔

تمھارا سفاک خانزادہ اندر سے یہ ہے تمھارے لیے!! تم سے جدائی کا خوف تو آج بھی میری آنکھیں نم کر دیتا ہے۔ قسم ہے تمھیں میرے عشق کی مجھ سے بے اعتنائی مت برتنا ورنہ تمھارب شہرام ضرور مر جاے گا۔ یہ دل جتنا

مضبوط ہے آج بھی بہارے خان کے لیے اتنا ہی نازک ہے۔ شہرام خان نم آواز میں بولتے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔

بہارے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے اس کے لبوں پر لب رکھتے شہرام خان سے بھی زیادہ جنونی انداز میں اس کی سانسیں انہیل کر گئی تھی۔ کمرے میں سسکیوں اور سانسوں کا رقص گونج رہا تا۔ دونوں ایک دوسرے میں گم ایک دوسرے پر اپنا جنون اتار رہے تھے۔۔۔ بہارے آج شہرام سے زیادہ جنونی ہو رہی تھی۔ آج شہرام کے سینے پر پر اس کی شدتوں کے نشان زیادہ گہرے تھے۔ بہت مشکلوں سے اس نے شہرام خان کو پایا تھا۔۔ وصل کی جدایاں اور محبوب کی بے اعتنائی بے وفائی کے زخم سے واقف تھی۔ اس سے بڑا زخم کوئی نہ تھا۔ اس لیے تو اب شہرام خان کو ہمیشہ

اپنا بنا کر رکھنا تھا۔ اب کی بار ہلکی سی ہوا کا جھونکا بھی ان کے بیچ آجاتا وہ تڑپ کر مر جاتی۔

رات آئے گی تو میں صبح لاؤں گی

موت آئے گی تو میں لڑ جاؤں گی

سایہ بھی جسم سے

ہوتا ہے کیا جدا

جتنی بھی زور کی ہوں اندھیاں

وہ نم آواز میں گنگناتے ہوئے مزید شدت سے شہرام خان سے لپٹتے اسے اپنے بدن کا حصہ بنائے اس کی ذات میں مکمل گم ہو چکی تھی۔

عابیر واش روم سے گھٹنوں تک ٹاول لپیٹے نکلی تھی۔ کمرے میں نیم اندھیرا چھایا تھا۔۔ رات اسفند کمرے میں نہیں آیا تھا۔۔ وہ کل رات سے اپنی مورے کے کمرے میں تھا۔ ان کی طبعیت اچانک سے خراب ہو گئی تھی۔ اسفند ساری رات ان کا سر پیر دباتا رہا تھا۔

وہ شاور لے کر ٹاول لپیٹے باہر آئی تھی کہ کوئی اسے کلائی سے کھینچتے اپنے سینے پر گرا تا رضائی میں غرو اکر گیا تھا۔ ٹاول وہ اس کے جسم سے نکالتے زمین پر پھینک چکا تھا

اسفند!! آپ کب آئے اور کیسے میں نے اندر سے لاک کیا تھا۔ اعابیر مدھم سا بولتے ہوے گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

جیسے آتا ہوں ایکسٹرا چابی ہے میرے پاس!!میرا سفید گلاب!!وہ اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

آئی ایم سوری میری جان رات کو نہیں آسکا۔اسفندیار خان اسے خود کے ساتھ شدت سے لپٹائے سکون لیتے مدہوشی سے بولا تھا۔

سوری کیوں کہہ رہے ہیں آپ اپنی مورے کے پاس تھے۔عابیر نے مدھم آواز میں کہتے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

تم بھی جانتی ہو مورے نے اپنی طبعیت خراب ہونے کا ڈرامہ کیا ہے۔وہ سنجیدگی سے بولتے ہوے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟؟ مورے ہیں آپ کی !! آپ کو لے کر انسکیور ہو رہی ہیں۔ عابیر اسفندیار خان کے گال پر ہاتھ جما گئی تھی۔ وہ بے حد پریشان لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں رت جگے اور بے آرامی کی سرخی نمایا تھی۔

مورے تو ہیں مگر عابیر جب جب ہم ادھر آئیں گے وہ ایسے ہی کریں گی۔ ہو سکتا ہے اسلام آباد جب وہ آئیں یہی کریں مجھے لگتا ہے انہوں نے اپنا طریقہ بدل لیا ہے مگر وہ تمھیں پریشان کریں گی۔ اسفند نے عابیر کے عارض پر نرمی سے چٹکی کاٹی تھی۔

اسفند مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو گی آپ کی مورے میری مورے ہیں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عابیر مسکرائی تھی۔

مگر وہ تمھیں بیٹیوں کا طعنہ دیں گی وہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا تم اس کنڈیشن پر پریشان ہو میری بیٹیاں پریشان ہوں ایسے تو میں پاگل ہو جاؤں

گا۔ اسفندیار خان سنجیدگی سے کہتی اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ گیا تھا۔ اسفند کی بات پر عابیر نے نگاہیں چرائی تھیں۔

کیا ہوا ہے عابیر میں جب اپنی بیٹیوں کی بات کرتا ہوں۔ تم ایسے ہی نظریں چراتی ہو۔ مجھے نظر آرہا ہے تم بیٹیوں کی خبر سے خوش نہیں ہو۔ لگتا ہے تمھیں مورے کی طرح بیٹے چاہیے تھے۔ اسفندیار خان سرد آواز میں کہتے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوئے رخ پلٹ گیا تھا۔

عابیر نے پریشان ہوتے اسفند کا رویہ دیکھا تھا۔ وہ بہت زیادہ ہی جذباتی تھا بیٹیوں کو لے کر۔ عابیر نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو گھونٹا تھا۔ اس نے تو اسفند کا دل نہ ٹوٹے جھوٹ بولا تھا۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا وہ بہت غلط کر گئی ہے۔ بات بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔ شاید وہ اب سنبھال نہیں پائے گی۔

عابیر رخ پلٹے اپنی سسکیوں کا گلہ گھونٹنے لگی اسفند رخ موڑتے ہوی ایک ہی جست اسے کندھے سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے میں اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچا تو وہ اسفند کے چٹانی سینے سے آ ٹکرائی تھی۔۔ اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی وہ اسے بالوں کو پیچھے سے اپنی مٹھی میں جکڑتے اس کے ہونٹوں پر جھک کر اس کی سانسوں پر بہت بری طرح قابض ہوا کہ وہ اس کی اتنی شدت اور سختی پر پھڑپڑا کر رہ گئی تھی۔

ایک ہاتھ سے اس کی کمر کو جکڑے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو جکڑے وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسوں کو پی رہا تھا۔۔

عابیر اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے اس کا جنون برداشت کرتے اس کی دہکتی سانسیں اپنے اندر اتار رہی تھی۔

وہ بلکل مدہوش ایک دوسرے میں کھوئے ہوے تھے۔ اسفند کا لمس کافی شدت لیے ہوے تھا۔۔ وہ بیٹیوں کی خبر ملنے کے بعد اس کے لیے جنونی ہوتا جارہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اسفند کی شدت پر عابیر بے حال ہونا شروع ہو چکی تھی۔ لیکن وہ اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔۔

اسفند اس پر جھکے س کے ہونٹوں پر جھکے ہی ایک ہاتھ اس کے بدن پر جماتے مزید شدت سے اس کی سانسوں پر قابض ہوا۔۔۔ اسے اپنے اور قریب کرتے پہلے سے بھی زیادہ اپنی شدت اس کے ہونٹوں پر دکھانے لگا۔۔

عابیر اس کی آگ جیسی قربت میں مچل رہی تھی۔۔۔

اس کا ایک ہاتھ ابھی تک اس کے بالوں پر اپنی گرفت سخت کیے ہوے تھا۔۔وہ چاہ کر بھی کوئی مزاحمت دکھا نہیں پا رہی تھی۔ذرا سی مزاحمت پر اس کی شدت بڑھنے لگتی تھی۔اب ایک ہاتھ اس کی کمر پر نرمی سے رینگ رہا تھا۔عابیر اسفنڈض کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے اس کا ساتھ دینے لگی۔۔یہ محسوس کرتے اسفند کے لمس میں اب نرمی آئی تھی۔کافی دیر بعد اپنی پیاس اچھی طرح بجھاتے شاویز نے اسے آزادی دی تو وہ گہرے سانس لیتی اسفند کے آہنی چوڑے وجود میں آن سمائی تھی۔

کمرے میں اب ان کی گہری ہوتی سانسوں کی مدھر دھن گونج رہی تھی۔

اسفند اسے اپنی بانہوں میں سمائے اس کے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں اور اس کی بے حال ہوتی سانسوں کی آواز سنتا آنکھیں موندیں ہوے خود کو پر سکون کر رہا تھا۔

گلاب۔۔۔۔۔۔۔۔اسفند کی بوجھل آواز پر حیا کی دل کی دھڑکنیں مزید بے ترتیب ہوئی تھیں۔۔

جانتی ہو تم میرا سکون ہو۔۔۔ تمھاری قربت مجھے سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ جانتی ہو کچھ دیر پہلے عجیب سوچوں نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔۔ تمھاری قربت اور تمھاری سانسوں کی خوشبو نے مجھے پر سکون کیا ہے۔ تم میری زندگی ہی نہیں میرا سکون بھی ہو۔۔۔ تمھاری قربت تمھاری پناہوں میں اسفندیار خان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ مجھے اب کبھی چھوڑنا مت۔۔ مجھ سے بے اعتنائی مت برتنا۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو وعدہ ہے میرا اب کی بار میں تمھیں اور خود کو جان سے مار ڈالوں گا۔۔ مگر تمھیں خود سے اب ایک پل کے لیے دور نہیں جانے دوں گا۔ اسفند اس کے بالوں کو جکڑے اس کے چہرے پر تپش زدہ سانسیں چھوڑتے دیوانگی کے عالم میں بولا۔۔

عابیر سراسیمگی سے اس کا دیوانہ وار روپ دیکھ رہی تھی۔۔اس کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ایک جنون تھا۔۔اسی جنون سے تو اس کی جان جاتی تھی۔لمحہ بالمحہ اسفند کا جنون اس کے لیے بڑھتا جا رہا تھا۔

مجھے سزا دینے کے لیے مجھ سے کبھی طلاق کی بات تو نہیں کرو گی۔۔اسفند نے اب کی بار بہت نرمی سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔۔

نہیں کبھی نہیں کہوں گی۔۔۔عابیر اس کا نرم مٹھاس سے بھرا لہجہ محسوس کرتے نے دھیمے سے مسکرائی۔۔۔

ہمممم۔۔۔۔۔میرا سرخ گلاب میری پٹھانی بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔۔اسفند نے اس کے سراپے پر بے باک اور گہری نظر ڈالی تو عابیر کی

دل کی دھڑکنوں میں مزید شور اٹھا۔۔ اسفند آنکھوں میں بڑھتا خمار دیکھ کر اسے اپنا دل کانوں میں بجتا محسوس ہوا۔۔

اس کی آگ جیسی قربت اور جنونی لمس یاد آتے ہی وہ اس سے دور ہوئی تھی۔ تاکہ اس کے رومانس کا دورانیہ طویل ہونے سے روک سکے۔۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے اسے تکیے پر لٹاتے اس پر حاوی ہوا۔

تیرے بنا جینا کیا

تیرے بنا مرنا کیا

تیرے بنا جانا کہاں

تیار ہو میرے ساتھ ایک ہی کالج ایک ہی کلاس میں پڑھنے کو!! وہ اس پر جھکے. گھیمبیر آواز میں بولتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا۔

اسفند آپ سیریس ہیں۔عابیر روہانسی ہوئی تھی۔

ہنڈرنٹ پرسنٹ!! تمہیں اور میں اپنی بیٹیوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔تم مجھے بیٹیاں نہیں میری زندگی دے رہی ہو۔میرا عشق ختم ہو کر جنون بن چکا ہے۔رمز جنون جتنا چھپا ہوا اتنا گہرا۔۔تم جنون ہو میرا!!وہ اس پر جھکے اس کی سانسین انہیل کرتے اس پر اپنی شدتیں ڈھانے لگا۔

زاران کمرے میں داخل ہوا ابرش بلیک نائیٹ نیٹ کی فل گاؤن نائیٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کے بدن پر اتنی ولگر نائیٹ اور اس کے بالوں سے پانی ٹپکتے دیکھ کر وہ لب بھینچے اسے مکمل اگنور کیے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ریموٹ ٹیبل پر پٹخا تھا۔۔ سمیع اللہ خان ٹھیک بھی ہو کر آ گئے تھے۔

مگر زاران کا ایٹیٹیوڈ اس کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ کل رات سے وہ کمرے میں ہی نہیں آیا تھا۔ اب آیا تھا تو ویسے ہی بے ہیو کر رہا تھا جیسے پہلے کرتا تھا۔

سویزرلنڈ والا زاران خانزادہ تو تھا ہی نہیں۔ وہ تو پھر وہی سفاک بے رحم زاران خانزادہ تھا۔

ابرش گہرا سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے خود پر قابو پاتے شاور لینے کے لیے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ زاران ڈریسنگ روم سے نکلتے اس کی طرف تیزی سے بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

ہے میری جذباتی بے شرم بیوی!!بس کر دو یہ پاگل پن کیوں مجھے پاگل کرنے کے درپہ ہو۔زاران بھاری آواز میں بولتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے نوٹوں کی گڈیاں نکالتے اس پر وار گیا تھا۔

مورے کو پیسے اس لیے وار نے نہیں دیے۔کچھ حق صرف میرے ہیں۔وہ میرے ہی رہیں گے۔اپنی بیوی پر جب جب پیسے واروں گا میں خود واروں گا۔زاران اس کی پیشانی پر لب رکھتے گود میں اٹھائے بیڈ کی طرف بڑھا۔

لاسٹ ٹائم معاف کر دو میری جان!!کل رات اس لیے روم میں نہیں آیا داجی گھر والوں کو میری ضرورت تھی۔

تمھارا شکریہ تم نے میرا غصہ ہمارے بچے پر نہیں اتارا۔کھانا میڈیسن کھالی تھی۔زاران نے مسکراتے ہوے اس کی بھیگی آنکھوں پر لب رکھے تھے۔

تمھیں پتہ تھا میں نے کھانا کھایا ہے۔ ابرش نے بھیگی ہنسی ہنستے ہوے پوچھا۔

پوری نظر تھی اپنی جذباتی بیوی پر!! درخشاں میرے کہنے پر تمھیں کھانا کمرے میں دیتی رہی۔ تم نے خاموشی سے کھالیا اس کے لیے شکر گزار ہوں تمہارا۔ وہ بیڈ پر اسے نرمی سے لٹاتے اس پر حاوی ہوا۔

تم کیوں ناراض ہوتے ہو مجھ سے۔ ابرش نے اس کے گلے میں بانہیں حمایل کیں۔

ابرش تم جذباتی ہو اور الٹی کھوپڑی کا اگر تمھیں لگتا ہے میری فطرت بدل سکتی ہے یا میں سوچوں تم مکمل طور پر بدل جاؤ تو یہ ناممکن ہو گا۔ فطرت کبھی نہیں بدلتی۔۔ جب جب مجھے تم پر غصہ آئے گا میں ری ایکٹ تو کروں

گا۔ آجازت دے دو مجھے تم پر غصہ ہو تو رات بتمھارے بغیر گزار لیا کروں

۔زاران نے اس کے ہو پر نٹوں انگوتھا پھیرتے کہاو

نہیں آجازت دوں گی آیندہ میرے بغیر ایک رات بھی رہے تو جان سے

مار ڈالوں گی۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں مین جکڑے غرائی۔

او کے پھر آجازت دو اس رات اپنا سارا غصہ جنون تمھارے نازک بدن پر

اتار دیا کروں۔ زاران کا لہجہ سنجیدہ ہوا تھا۔

ابرش اس کے سینے پر ہاتھ جماتے اسے تکیے پر پٹختے ہوے اس پر حاوی ہوئی

تھی۔

مسٹر خانزادہ جنون اتارو یا قہر برپا کر دور ہو گے میری پناہوں میں !!وہ اس پر

جھکے اس کے ہونٹوں پر بری طرح قابض ہوئی تھی۔

زاران اس کے ہونٹوں سے لپٹے مدہوش ہوتے ایک ایک کرتے اس کے بدن کا ہر نازک پردہ اتارتا چلا گیا تھا۔ اس کے لبوں کو آزاد کرتے وہ اپنی شرٹ ریموو کرتے شرم وحیا۔ کے سارے پردے گراتے اس کی برہنہ گہرائیوں پر جھکتے ہوئے اس کی سسکیوں میں آضافہ کرتے کمرے کے درو ڈیوار کو ہلاتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

میں کیسی لگ رہی ہوں۔ حور سمپل سے بلیک مگر بے حد سٹایلش سوٹ میں سوٹ میں ملبوس تھی.

ارحام اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے نظریں جھکائے اپنے سیاہ بوٹ پر نگاہیں گاڑھے مدھم سا ہنس پڑا تھا۔

کیا ہوا آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟؟ حور نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

ہنس اس لیے رہا ہوں یہ کیسا سوال ہے؟؟ یہ سوال تب پوچھا کرو جب تمھارے بدن پر کچھ نہ ہو۔ پھر اچھے سے بتاؤں گا تم کیسی لگ رہی ہو۔ ارحام اسے بانہوں میں بھرتے ہوے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔ مقابل کی بے باک باتوں پر وہ سرخ ہوئی تھی۔

ابھی بھی تمھیں جاننا ہے تم کیسی لگ رہی ہو۔ سب کچھ اتار کر میرے پاس آجاؤ بتا دیتا ہوں۔ وہ اسے اپنے سینے سے الگ کرتے ہوے بے باکی سے آنکھ مارتے ہوے بولا۔

حور اس کے حصار سے الگ ہوتے ہوے جلدی سے باہر کی طرف بڑھی پریذے ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے پلے لینڈ لے کر جانا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی بے باک باتوں سے اس کی سرخ آنکھوں سے زیادہ گھبرا گئی

تھی۔۔جب جب اس کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں وہ کیا کرتا تھا وہ جانتی تھی ۔۔وہ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی ارحام اسے بانہوں میں اٹھاتے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ارحام!وہ روہانسے ہوتے پکارتے ہوے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے ہوے اس کے سینے میں منہ چھپا گیا تھا۔

گبھراؤ مت میری جان؟؟جو تم سوچ رہی ہو وہ نہیں کروں گا۔ آج کچھ اور ہی کروں گا۔وہ اسے اپنے سینے میں بھینچتے گھمبیر سرگوشی کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ارحام نے اسے کمفرٹ کاوچ پر بٹھایا تے اس کے پیر پکڑتے ٹیبل پر رکھے تھے۔ڈریسنگ ٹیبل سے ارحام نیل پینٹ اٹھاتے ہوے اس کی طرف بڑھا تھا۔

حور نے مغروریت سے مسکراتے ہوے محبت بھری نگاہوں سے ارحام خانزادہ کو دیکھا۔ جو زمین پر پنجوں کے بل بیٹھا اس کے پیروں کے ناخنوں پر نیل پینٹ احتیاط سے لگا رہا تھا۔

آپ کو تو نیل پینٹ لگانا پسند نہیں۔ حور نے مسکراتے ہوے اپنے بے پناہ ہینڈسم شوہر کو دیکھا جو بلیک شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے کچھ زیادہ ہی پرکشش لگ رہا تھا۔

جو تمہیں پسند ہے وہ مجھے نہ بھی پسند ہو پسند کرنا پڑے گا۔۔ ویسے بھی یہ میری ڈیوٹی ہے اپنی بیوی کی خوبصورت باڈی کا مساج کرنا اس کے بالوں اور ہاتھوں پیروں کی کیئر کرنا۔ اپنی خوبصورتی بیوی کے قریب کوئی عورت بھی برداشت نہیں تو پھر یہ سب کچھ اس دیوانے پاگل شوہر کو ہی کرنا پڑے گا ناں۔۔۔ ارحام سنجیدگی سے بولتے بہت احتیاط سے نیل پینٹ لگا رہا تھا۔

حور ارحام کی بات پر کھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اپنی جان کے شان شایان کے لایق اسلام باد میں بنگلہ خریدا ہے کوشش پوری کی ہے سلطان شاہ کے بنگلے جیسا ہو مگر کیا ہے ناں یہ غریب شوہر اپنی ارب پتی بیوی جتا ارب پتی نہیں۔۔ ایک بنگلہ خریدنے پر ہی کنگال ہو چکا ہے۔ اور میری ارب پتی بیوی ایسے کئی بنگلے خرید سکتی ہے وہ بھی یوں چٹکی بجاتے۔۔ ارحام خانزادہ نے چٹکی بجاتے ہوے جھکتے ہوے اس کے نیلز پر پھونک مارتے ہوے اس کے پیروں پر لب رکھے ے۔

حور ہنستے ہوے ارحام کے لمس پر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

میری جان یوں ہنس کر میری جان مت نکالا کریں پھر میں آپ کی جان نکالتا ہوں تو مجھے lusty ہونے کا طعنہ ملتا ہے۔ ارحام نے اس کا ڈمپل دیکھتے آہ بھری تھی

حور کی کھلا کھلاہٹ مزید بڑھی تھی۔

ارحام مسکراتے ہوے صوفے پر بیٹھتے اس کی ڈمپل پر جھکتے ہوے وہاں نرمی سے دانت گاڑھ گیا تھا۔ حور مسکراتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھی۔ ارحام اسے خود میں بھینچے بے باک شرارت کرتے صوفے سے اٹھا تھا۔ کبرڈ سے اس عبایہ نکال کر اسے زیب تن کروایا۔

حور لوز سا عبایہ دیکھ کر سرد سانس کھینچ گیی تھی۔ ارحام نے اس کے لیے بہت سے عبائے خریدے تھے۔ جو اس کے جسم کے لحاظ سے کافی لوز سے تھے۔

حور نے اٹھتے ہوے بڑے سے سٹالر سے اچھی طرح حجاب لیتے خود کو کور کیا۔

دیٹس ماین گرل اونلی ماین گرل۔ وہ حور کی آنکھوں کو نرمی سے چومتے اس کی کلائی پکڑے باہر بڑھا جہاں پریذے انتظار کر رہی تھی۔

میری گڑیا! ارحام پریذے کو گود میں اٹھا گیا تھا۔

حور مسکراتے ہوے ارحام کے بازو کو جکڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ پریذے نے حور کی طرف جھکتے اسے کس کی تو حور کی ہنسی کی جلترنگ پوری حویلی میں گونجی تھی۔ ارحام طمانیت سے مسکراتے اپنی بیوی کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

لوگ ایک بہت بڑے سوات کے بے حد خوبصورت ہوٹل کے لاونج ایریا میں صوفے پر بیٹھے زاران خانزادہ کو سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جس نے آج کا ڈنر ارینج کیا تھا۔

کیا؟؟زاران نے اسفند اور شہرام کو گھورتے آئی برو اچکائے تھے جو جب سے آئے تھے اسے جھنجھلاتی سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ارحام خانزادہ بھی کم و بیش ایسی ہی نظروں سے زاران کو دیکھ رہا تھا مگر زاران نے اسے جواباً گھورنے کی جسارت نہیں کی تھی۔

کیوں بلایا ہے یہاں؟؟اسفند۔نے صوفے پر سیدھے ہوتے رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائیں اسے جلد حویلی جانا تھا عابیر کے بغیر وہ ایک منٹ نہیں کال سکتا تھا۔

شہرام خان نے بھی بے چینی سے پہلو بدلا تھا دیر سے جانے پر بہارے کو منانے کے لیے اسے اس کی کتنی منتیں کرنی پڑتی یہ اسے ہی پتہ تھا۔ وہ تو کھانا ہی نہیں کھاتی تھی پریگننسی میں وہ ذرا بھی بھوکی رہے وہ پاگل ہو جاتا تھا۔ وہ اس کی اس کمزوری سے واقف تھی۔ اس لیے زیادہ نخرے کرتی تھی۔

ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا وہ اپنی بیوی کے ساتھ سر شام کمرے میں بند ہوتے اسے اپنی بانہوں میں نہ بھر لے اسے چین نہیں آتا تھا۔

زاران نے سب کے چہرے کے بگڑے زاویوں کو دیکھتے اپنے موبایل پر نگاہ دوڑائی جہاں ابرش کی کال آرہی تھی۔ سب سے زیادہ ٹائیٹ اس کی حالت تھی۔ ذرا سا دیر ہونے پر اسے اپنی بیوی کے جس پاگل پن اور جذباتیت سے سامنا کرنا پڑنا پڑتا تھا وہ ہی جانتا تھا۔ کسی کی بیوی کی کال نہیں آئی تھی۔

اس نے گہرا سانس بھرتے ابرش کی کال اٹینڈ کی تھی۔

ہاں بس راستے میں ہوں۔ پانچ منٹ میں تمھارے پاس ہوں گا۔ او شٹ! زاران نے لب بھینچتے اونچی آواز میں کہا۔

ابرش میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ مجھے آنے میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔ اوکے بس ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔ زاران فون بھرتے گہرا سانس بھرتے فون ٹیبل پر پٹخ گیا تھا۔

سب کی گھوریوں میں آضافہ ہوا تھا۔

کیا؟؟ کیا دیکھ رہے ہو کبھی بیوی سے جھوٹ نہیں بولا کیا؟؟ ذہنی سکون کے لیے اس طرح کے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ویسے بھی شریف بندہ مجھ جیسا

اتنا تو بیوی سے ڈرتا ہے۔ زاران نے ان سب کے گھورنے پر صوفے سے ٹیک لگائے وضاحت دی تھی۔

اس منسٹر جیسے دو چار شریف پاکستان میں پائے جائیں۔ بدمعاش صفح ہستی سے ہی مٹ جائے گا۔ اسفندیار خان نے لب بھینچے زاران کو گھورتے دانت پیسے تھے۔

اسفند کی بات پر شہرام کا قہقہ گونجا تھا۔ ارحام خانزادہ نے بمشکل اپنا قہقہ ظبط کیا تھا۔ زاران شہرام کو گھورتے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔

یہاں کیوں بلوایا ہے؟؟ ارحام خان نے سیدھے ہوتے اپنے کوٹ کے کالر کٹھیک رتے پوچھا تھا۔

لالا آپ ہم سب اسلام اباد شفٹ ہو رہے ہیں سوائے شہرام کے !!یہی موقع تھا میں نے سوچا ٹایم سپیڈ کر لیتے ہیں۔اب حویلی میں کیوں نہیں رکھا یہ ڈنر؟؟کیونکہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔بات منہ سے نکلی نہیں پکڑ لی جاتی ہے۔اور جہاں اسفندیار خان جیسے کمینے دوست ہوں وہاں تو ہر قدم احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے۔

زاران نے اسفندیار خان پر چوٹ کی تھی۔

اپنی زبان کو بریک لگایا کر شیر کی کھچار میں کون شیر سے دشمنی لیتا ہے۔حویلی مین بیٹھ کر بڑے دھڑلے سے دوسری شادی پر فواید کی روشنی ڈال رہا تھا۔کر لیا پاس دوسری شادی کا قوانین!!اسفند نے غصے سے زاران کو گھورا تھا۔

کیا؟؟ کیا دیکھ رہے ہو کبھی بیوی سے جھوٹ نہیں بولا کیا؟؟ ذہنی سکون کے لیے اس طرح کے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ویسے بھی شریف بندہ مجھ جیسا اتنا تو بیوی سے ڈرتا ہے۔ زاران نے ان سب کے گھورنے پر صوفے سے ٹیک لگائے وضاحت دی تھی۔

اس منسٹر جیسے دو چار شریف پاکستان میں پائے جائیں۔ بدمعاش صفح ہستی سے ہی مٹ جائے گا۔ اسفندیار خان نے لب بھینچے زاران کو گھورتے دانت پیسے تھے۔

اسفند کی بات پر شہرام کا قہقہ گونجا تھا۔ ارحام خانزادہ نے بمشکل اپنا قہقہ ضبط کیا تھا۔ زاران شہرام کو گھورتے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔

یہاں کیوں بلوایا ہے؟؟ ارحام خان نے سیدھے ہوتے اپنے کوٹ کے کالر کٹھیک رتے پوچھا تھا۔

لالا آپ ہم سب اسلام اباد شفٹ ہو رہے ہیں سوائے شہرام کے !! یہی موقع تھا میں نے سوچا ٹایم سپیڈ کر لیتے ہیں۔ اب حویلی میں کیوں نہیں رکھا یہ ڈنر ؟؟ کیونکہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ بات منہ سے نکلی نہیں پکڑ لی جاتی ہے۔ اور جہاں اسفندیار خان جیسے کمینے دوست ہوں وہاں تو ہر قدم احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے۔

زاران نے اسفندیار خان پر چوٹ کی تھی۔

اپنی زبان کو بریک لگایا کر شیر کی کھچار میں کون شیر سے دشمنی لیتا ہے۔ حویلی مین بیٹھ کر بڑے دھڑلے سے دوسری شادی پر فواید کی روشنی ڈال رہا تھا۔ کر لیا پاس دوسری شادی کا قوانین !! اسفند نے غصے سے زاران کو گھورا تھا۔ شہرام اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے مسکراہٹ روکتے زاران کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ رہا تھا۔

ارحام مسکراتے ہوے جوس کا گلاس لبوں سے لگا۔ گیا تھا۔

اگر یہ سب ارشادت ہماری بیویاں بھی سن لیتی تیرے جیسا حال ہی ہوتا ہمارا بھی۔ اسفند نے طنزیہ لہجے مین کہتے زاران کو گھورا تھا۔

غلطی میری ہے جو یہ ڈنر رکھ لیا!! پ سب کا موڈ ہی نہیں ہے چلتا ہوں میں۔ زاران خانزادہ اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں ٹیبل سے اٹھاتے ہوے اٹھا تھا۔

بیٹھو مذاق کر رہا ہے وہ! ارحام نے اس کی کلائی پکڑی تھی۔

اسفند زاران کو دیکھتے اب مسکرایا تھا۔ بے شک وہ سیریس تھا مگر منسٹر کو ناراض وہ نہیں کر سکتا تھا۔

شہرام بھی سنجیدہ ہوا تھا۔ ان سب کی تو خیر تھی زاران اس کا بڑا بھائی تھا وہ اس کا گال آج بھی اپنے پنچ اور تھپڑوں سے سجا سکتا تھا۔

زاران اپنی چابیاں اور موبایل ٹیبل پر رکھتے ہوے صوفے پر بیٹھا تھا۔

مجھے لگتا ہے زاران نے بلکل ٹھیک کیا ہے یہ ڈنر رکھ کر۔۔ ہن سب بھائیوں کو ایسی گیٹ ٹو گیدر رکھنی چاہیے۔۔ بیویاں اپنی جگہ مگر پھر بھی سچ بول کر آ جاتے یہاں پر کیا قباحت تھی۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہا۔

لالا میں جھوٹ بول چکا ہوں اب سب کو اتنا سچا بننے کی ضرورت نہین ہے۔۔ زاران کی بات پر اسفند شہرام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔

پہلی مرتبہ ارحام کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

منسٹر کی حالت واقعی ٹایٹ ہوئی پڑی ہے۔ داجی نے ٹھیک کہا تھا سب سے بڑا زن مرید یہی ہے۔ بیچارے کے چہرے پر بیوی کا ڈر کتنا ہے۔ اسفند نے شہرام کے کان میں جھکے سرگوشی کی تھی۔

لیکن سدھرتے پھر نہیں ہیں۔ شہرام نے جواباً اسفند کو آنکھ ماری تھی۔ اسفند شہرام کا قہقہ گونجا تھا۔

موبایل رنگنگ پر زاران سب سے ایکسیوز کرتا صوفے سے اٹھتے ہوٹل کے واش روم ایریا کی طرف بڑھا

لگتا ہے پھر بیوی کا ہی ہے بیچارے کو واش روم جانا پڑ رہا ہے۔ ترس آرہا ہے اپنے منسٹر پر اسفند اب اونچی آواز میں بولا تھا۔ ارحام شہرام اسفند کا برجستہ قہقہ گونجا تھا۔

ہاں بولو!!زاران خانزادہ نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

سر عبدلحق جس پلین میں سفر کر رہا تھا وہ کریش ہو چکا ہے۔ سپیکر پر آواز گونجی تھی۔ ٹھیک ہے زاران کہتے فون بند کر چکا تھا۔

زاران نے فون بند کرتے سیٹی بجاتے ہوے مرر میں دیکھتے اپنے گھنے بال انگلیوں سے سنوارے تھے۔ یکدم اس کا بلند و بانگ قہقہ واش روم میں گونجا تھا۔۔

---------..--

ایڈٹ سینز رمز عشق

ارحام خانزادہ سرد سرخ تنے ہوے نقوش کے ساتھ گاڑی سے نکلتے تیزی سے پولیس سٹیشن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ڈارک بلو پینٹ کے اوپر سفید شرٹ زیب تن کیے ہوے تھا۔ جس کی آستین وہ کہنیوں تک موڑے ہوے تھا۔ جس کے اوپر وہ بلو کلر کی ہی واسکوٹ پہنے ہوے تھا۔ اس کا کسرتی بدن اس ڈریسنگ میں نمایاں ہوتے اس کی پرسنیلٹی کی سحر انگیزی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس کی کلائیوں کی موٹی نیلی رگیں اجاگر ہو رہی تھیں۔ یہی حال سرخ و سفید گردن کا تھا۔ وہ اپنے جبڑے بری طرح بھینچے ہوے تھا۔ وہ اپنی قدموں کی بھاری دھمک سے پولیس سٹیشن کے آحاطے

میں داخل ہوتے ایس ایچ او کے دفتر داخل ہوا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بھاری

۔قدموں کی دھمک پہچانتے کرسی پر بیٹھا نازک وجود شدت سے لرز اٹھا تھا

وہ شاکنگ پنک کلر کی بے حد قیمتی اینڈ دیدہ زیب پیروں تک چھوتی فراک

میں ملبوس تھی۔ اس کے چاکلیٹی کمر سے بھی نیچے آتے بال کھلے تھے۔ وہ

شاکنگ پنک کلر کے بڑے سے نیٹ کے دوپٹہ جس پر خوبصورت ورک ہوا

تھا۔ وہ دوپٹے کو اچھی طرح سر پر جمائے اپنے وجود اور اپنے چہرے کو

چھپانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ جو اس دوپٹے میں چھپ نہیں رہا تھا۔ ان

۔بارعب قدموں کی دھمک سے وہ نگاہیں جھکائے بری طرح کانپنے لگی تھی

وہ اسے بڑی سی چادر میں لپٹے بھی کسی غیر مرد کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس نیٹ کے دوپٹے میں پچھلے آدھے گھنٹے سے پولیس سٹیشن میں موجود کتنے ہی مردوں کے سامنے سے گزرتی آئی تھی۔ اب ایس ایچ و کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی ۔

اس کی بے پناہ خوبصورتی کی وجہ سے وہاں بیٹھا ایس ایچ او اسے کب سے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو ارحام خانزادہ کے اندر اینٹر ہونے پر کرسی سے کھڑے ہوتے جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ جو ابا ارحام خانزادہ کی کاٹ دار نگاہوں کی تاب نہ لاتے اپنی یونیفارم کی شرٹ کے بٹن ٹھیک کرنے لگا ۔

ارحام خانزادہ کی خون اتری نگاہ اب حور پر تھی۔ جو کرسی پر بیٹھی تھی، اسے

بے پردہ دیکھ کر ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں لال ڈورے تیرنے لگے

۔تھے۔ مٹھیاں سختی سے بھینچی تھی

ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو یہاں لانے کی؟؟ ارحام خانزادہ طیش والم سے

اپنے سامنے کھڑے پولیس افیسر کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا تھا۔ ارحام

خانزادہ کی پر غراہٹ حور کرسی پر بری طرح اچھلتے ہوے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ اسے اس طرح ڈرتے دیکھتے جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے

۔ نرم حصار میں لیتے اس پر غصیلی نگاہ ڈال گیا تھا

ارحام!!اس کے نرم حصار میں قید اس کی آنکھوں کی سرخی پر جی جان سے

کانپتے ہوے اسے شبنمی لہجے میں پکار اٹھی تھی۔ارحام خانزادہ کی سرد برفیلی

نگاہیں اس کے خوبصورت نقوش اور اس کے دوپٹے سے نظر آتے بالوں پر

تھیں۔۔حور اس کی سرخ نگاہوں کا مرکز اپنے نقوش اور بالوں پر محسوس

کرتے اپنے نیٹ کے دوپٹے میں اپنے چہرے کو ڈھانپنے کی کوشش کرنے لگی

۔جو وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کر رہی تھی

سر انہوں نے کرنل کی بیوی کی گاڑی کو ہٹ کیا تھا۔۔جس کے باعث ان کو

پیشانی اور آنکھ پر زخم آئے ہیں۔معاملہ خراب ہو گیا تھا اس لیے انہیں

یہاں لانا پڑا۔ہمیں اندازہ نہیں تھا یہ سلطان شاہ کی بیٹی ہیں۔ابھی کافی اوپر

سے فون آیا تو پتہ چلا۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ ایس ایچ و کی

۔ باتیں ارحام خانزادہ کے خون میں مزید شرارے دوڑا رہی تھیں

تم ٹھیک ہو تمھیں چوٹ تو نہیں آئی۔ میرا بچہ ٹھیک ہے۔ وہ اسے مزید اپنے

۔ نرم حصار میں قید کر گیا تھا۔ مگر آنکھوں کی تپش میں آضافہ ہوا تھا

ٹھیک ہے آپ کا بچہ !! حور نے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے بھیگے لہجے

۔ میں جواب دیا

سر جس گاڑی میں یہ تھیں ایر بیگز لگے تھے۔ مگر کرنل کی بیوی کا حشر ہو

۔ گیا۔ ایس ایچ او ہنسا تھا

۔ ارحام کی شرربار نگاہ پر اس کی ہنسی کو بریک لگا تھا

چلو!!ارحام خانزادہ اس کی کلائی جکڑے اندر آفس سے باہر کی طرف

بڑھا۔ایس ایچ و کی گہری نگاہ حور کی کمر پر بکھرے اس کے چاکلیٹی سلکی

۔بالوں پر تھیں

یکدم ارحام خانزادہ رکا تھا۔اس کی سخت گرفت حور کی کلائی پر نرم ہوتے

چھوٹ گئی تھی۔حور نے حیرانگی سے سراسیمگی بھری نگاہوں سے ارحام کو

دیکھا تھا۔جو گہرے سانس لیتے خود پر قابو پا رہا تھا۔دوسرے لمحے وہ ایس او

ایچ کی طرف بڑھتے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مارتے اسے کالر

۔سے جکڑے ٹیبل پر پٹخ گیا تھا

۔حور کے بدن پر مزید لرزا طاری ہوا تھا

یہ کیا بد تمیزی ہے جانتے ہو تم نے ان ڈیوٹی آفیسر پر ہاتھ اٹھایا ہے ؟؟ وہ خود

کو ارحام خانزادہ کی گرفت سے چھڑواتے ہوے غرایا تھا۔ ارحام خانزادہ

۔ ٹیبل پر اسے لٹائے اس پر مکمل جھکے اسے کالروں سے جکڑے ہوے تھا

میں تو جانتا ہوں تم آن ڈیوٹی ہو مگر تم نہیں جانتے جسے تم اپنی گندی نگاہوں

سے گھور رہے تھے۔ وہ میرے لیے کیا ہے ؟؟ تم پر ہاتھ اٹھانے کے جرم

میں مجھ پر پرچہ نہیں کٹ سکتا۔ صرف سلطان شاہ کے نہیں میرے بھی

بہت اوپر تک تعلقات ہیں۔ مگر میں اندر جاؤں گا تیری آنکھیں نکالنے کے

بعد جن آنکھوں سے تو نے میری بیوی کو دیکھا۔ ارحام خانزادہ ٹیبل پر پڑا

پن اٹھاتے اس کی نب پولیس افیسر کی آنکھوں کی طرف کر گیا تھا۔ پولیس

افیسر اپنی آنکھوں میں ہاف انچ کی دوری پر پن کی نوک دار نب کو دیکھتے

۔خوفزدہ ہوا

ارحام!حور یہ دیکھتے جلدی سے ارحام کی طرف بڑھی۔ارحام کی گھوری پر

۔وہ وہیں پر سٹل ہوئی تھی

ارحام خانزادہ اس ایس ایچ کو چھوڑتے کھڑا ہوا تھا۔ایس ایچ او کھڑے

۔ہوتے گہرے سانس لیتے خود کو کمپوز کر رہا تھا

اگر تو سب کو بتائے گا کہ تجھ پر میں نے ہاتھ اٹھایا میر کچھ نہیں ہو گا مگر

تیرے لیے شرم کا مقام ہے میں نے تیرے آفس میں کھڑے ہو کر تجھ پر

ہاتھ اٹھایا۔ ارحام نے مسکراتے ہوے اس کی شرٹ پر ناگردہ مٹی جھاڑی

۔

اس لیے اپنے بال ٹھیک کرتے مسکرا اور سب پر رعب جھاڑ۔ آج تجھے اوپر

سے کال آئی ہے۔ مگر آیندہ اپنی نگاہیں کسی بھی عورت پر گاڑھنے سے پہلے

یہ دھلائی یاد کر لینا۔ ارحام اس ایچ او کی آنکھوں میں دیکھتے ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں بولتے اس کے جبڑے پر ایک اور پنچ دے مارا تھا۔ وہ ایس ایچ او

ٹیبل پر اوندھے منہ گرتے اپنی چیخ لبوں میں دبا گیا تھا۔ اوپر سے آئی کال اور

ارحام کی بارعب پرسنیلٹی اور دھمکی سے وہ ڈر گیا تھا۔ اسے اپنی وردی اور

جان دونوں پیاری تھیں۔ دوسرا وہ اپنی غلطی جانتا تھا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے

۔سے وہ اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی خوبصورتی کا معائینہ کرتا رہا تھا

ارحام خانزادہ نے اپنے بال انگلیوں سے سنوارتے حور پر خون اشام نگاہ

۔ ڈالی۔ سامنے کھڑی اپنی بیوی سے حساب کتاب ابھی باقی تھا

ارحام!! حور نے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے سسکی لی تھی۔ گھر چلو پوچھتا

ہوں میری عزت میرے بچے کی جان کے ساتھ کھیلنے کی کیوں کوشش کی۔

ارحام خانزادہ اسے سرخ نگاہوں سے گھورتے اس کی کلائی سختی سے دبوچے

۔ آفس سے باہر نکل آیا تھا

وہ حور کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جہاں جہاں سے گزر رہا تھا۔ مردوں کی نگاہیں اپنی حور پر پڑتی محسوس کرتے ارحام خانزادہ کا دل کر رہا تھا۔۔ وہ اس نازک وجود کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دے۔ جو بے پردہ نکل آئی تھی۔ اس نازک وجود پر اس کے نقوش اس کی سانسوں یہاں تک اس کی پرچھائی پر صرف اس کا حق تھا۔ وہ اسے ایسے دیکھ کر پاگل ہو رہا تھا۔ مر رہا تھا اگر حور کے پیٹ میں اس کا بچہ نہ ہوتا آج وہ اس کی جان تو کم سے کم لے کر رہتا۔ اس وقت ارحام خانزادہ کی رگوں میں دوڑتا خون ۔لاوے کی مانند ابل رہا تھا

وہ حور کی کلائی جکڑے اپنی گاڑی کے پاس آیا۔ ارحام میری بات سنیں میں

وضاحت دیتی ہوں آپ کو۔ حور اپنے نیٹ کے دوپٹے کو خود کو کور کرنے کی

۔کوشش میں ہلکان ہوتے روتے ہوئے بولی تھی

کیا وضاحت دو گی ہاں ؟؟ نواں مہینہ چل رہا ہے تمھارا اور تم اکیلی گاڑی لے

کر نکل آئی وہ بھی اس حلیے میں۔۔ تم پوری چادر میں لپٹی بھی مجھے کسی غیر

۔مرد کے سامنے برداشت نہیں ہوتی۔ آج تم پولیس سٹیشن میں بیٹھی تھی

کیوں گاڑی لے کر نکلی وہ بھی اس حلیے میں ؟؟ ارحام خانزادہ نے غصے سے

اس کے گرد گاڑی پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔ وہ بری طرح لرز اٹھی تھی

۔وہ لوگ اس وقت جہاں کھڑے تھے۔ وہاں ان کی گاڑی کے آس پاس

کوئی نہیں تھا۔ ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے

اس کے گرد گاڑی پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے ہوے محصور کیے ہوے تھا۔

۔وہ اس کے چوڑے وجود کے آگے چھپ گئی تھی

حور اپنے سر اور سینے سے نیٹ کے دوپٹے کو اچھی طرح جکڑے اسے بھیگی

نگاہوں سے دیکھتے اپنی کپکپاہٹ پر بمشکل قابو پائے ہوے تھی۔ اتنے

عرصے بعد مقابل کو اتنا غصے میں دیکھا تھا ورنہ وہ تو اسے ہتھیلی کا چھالہ بنائے

رکھتا تھا۔ مسکراہٹ تو اس زندہ وجودوں کو پلٹنے والے انسان کے لبوں سے

جدا نہیں ہوتی تھی۔ حور نے اسے گلابی شکوہ نگاہوں سے دیکھتے ہوے ہچکی لی

تھی۔ شاید مقال اسے روتے ہوے دیکھتے رحم کھالے۔ اسے مقابل سے

اس وقت شدید خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی

مگر اس پر مقابل کی دہشت ڈر آج بھی پہلی رات والا تھا۔ آج بھی وہ اس کی

سرد نگاہ پر لرز جاتی تھی۔ جیسے ابھی اس کی خون اشام سرخ ڈورے تیرتی

۔ نگاہوں سے خوف کھا رہی تھی

آنسو مت بہاؤ بتاؤ مجھے کیوں نکلی تم ایسے بے پردہ؟؟ کیوں میرے بچے کی

جان کے ساتھ کھیلی؟!۔ ارحام خانزادہ غصے سے پاگل ہوتے اس کا جبڑہ

دبوچ گیا تھا۔ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس لیے وہ اتنے غصے میں

ہونے کے باوجود اس کا جبڑہ نرمی سے دبوچے ہوے تھا۔ مگر غصہ اشتعال

اپنی بیوی پر اتر ہی نہ رہا تھا۔ اس کے بچے کو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کا

۔خوبصورت دو آتشہ روپ دیکھتے تو وہ سر تا پیر سلگ رہا تھا

ارحام مم میں نے سیل فون میں دیکھا تھا ایک نیوز دیکھی تھی۔ پپ پریذے

۔کے سکول پر دہشت گردوں کا حملہ ہوا ہے

۔واٹ ؟؟ ارحام خانزادہ بدحواص ہوتے اس سے دور ہوا

وہ فیک نیوز تھی۔۔ مم مجھے نہیں پتہ چلا اتنی دیر میں گاڑی لے کر نکل آئی

تھی۔۔ مم مجھے سمجھ نہیں آئی تھی۔ میں نے ڈرائیو کرتے ہوے پریذے

کے سکول فون کیا۔ تب مجھے پتہ چلا وہ سب کچھ غلط تھا۔ مم میں نے بہت

پہلے کی نیوز دیکھی تھی۔وہ کانپتے لبوں سے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بتا

۔رہی تھی

تو مجھے فون کرتی بتاتی سب کچھ !!میرے بچے کی جان کے ساتھ کیوں

کھیلا؟؟وہ اس کی بچکانہ حرکت پر اپنا آپا کھوتے اس کے اطراف میں گاڑی

پر پھر سے پوری قوت سے مکہ مار گیا تھا

ارحام پریذے بیٹی ہے میری!! آپ اچھی طرح جانتے ہیں مجھے اس سے

آگے کچھ عزیز نہیں نہ یہ بچہ نہ آپ۔۔جواباً حور بھی اپنے چٹختے اعصابوں پر

۔کنٹرول کھوتے پھٹ پڑی

لیکن مجھے سب سے زیادہ اپنا بچہ عزیز ہے سمجھی تم!! آیندہ تم نے میرے بچے

کے حوالے سے کوئی بھی لاپرواہی برتی میں تمھاری جان لے لوں گا۔ ارحام

۔خانزادہ اس کی بات پر پاگل ہوتے دھمکی امیز لہجے میں غرایا تھا

صرف یہ بچہ عزیز ہے میں نہیں۔۔۔ حور نے مقابل کی بات پر تڑپتے ہوے

۔استفسار کیا

نہیں ہو تم عزیز۔۔ میرا بیٹا میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک بار پہلے

بھی کھو چکا ہوں۔ مگر اس بار تمھاری کسی حماقت سے اپنے بچے کو نہیں کھو

سکتا۔ اس بار اپنے بچے کی جان لینے والے کی جان لے لوں گا۔ وہ اسے خون

اشام نگاہوں سے گھورتے گاڑی کا لاک ریموٹ کی سے کھول گیا تھا۔ حور

گاڑی کے ساتھ لگے سٹل ڈبڈبائی بے یقین آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ

آج بھی اپنے بچے کا ضیاع یاد رکھے ہوے تھا۔ وہ آج بھی اپنا اور گل کا بچہ

نہیں بھولا تھا۔ وہ اسے آج بھی اپنے بچے کی موت کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ حور

۔ کی آنکھوں سے اشک رواں بہتا اس کے عارض کو بھگو رہا تھا

بیٹھو گاڑی میں !! ارحام سختی سے حکمیہ لہجے میں کہتے پلٹا تھا۔ اپنے سامنے

سلطان شاہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی سرخی میں آضافہ ہوا تھا۔ ان کے

گارڈز کی گاڑیاں پیچھے کھڑی تھیں۔ گارڈز ان کے گرد مستعدی سے

۔ کھڑے تھے

پاپا!!حور ان کی طرف بڑھتے ان کے سینے میں سما گئی تھی۔ ارحام خانزادہ یہ دیکھتے خود پر ضبط کرتے اپنی پچھلی گردن رب کر گیا تھا۔ سلطان شاہ سے وہ آج بھی خار کھاتا تھا۔ حور کو لے کر وہ آج بھی سلطان شاہ سے اچھا خاصہ جلتا تھا۔

سلطان شاہ حور کو سینے سے لگائے ارحام کو قہر آلود نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ اپنی بیٹی کے قریب یہ بھیڑیا سانڈ آج بھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔ جب سے پتہ چلا تھا حور کے پیٹ میں ایک خانزادہ پل رہا ہے۔۔ اپنے داماد سے رقابت مزید بڑھ گئی تھی۔ انھیں اپنی حور جیسی بیٹی چاہیے تھی۔ مگر اس بھیڑیے سانڈ کی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔

وہ اپنے ہونے والے بیٹے کی وجہ سے ان کی بیٹی پر چلا رہا تھا۔ اب دونوں ایک

۔ دوسرے کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہے تھے

حور سلطان شاہ کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔ ارحام کی سرخ نگاہیں اپنی بیوی

کے نیٹ سے دوپٹے سے نظر آتے بالوں پر تھیں۔ آس پاس گارڈ کھڑے

۔ تھے۔ وہ لوگ اس وقت سڑک کے کنارے کھڑے تھے

حور! ارحام کی سخت پکار پر وہ اسی لمحے سلطان شاہ کے سینے سے الگ ہوئی

تھی۔ سلطان شاہ بمشکل خود پر قابو پا گیے تھی۔ ان کی بیٹی آخر اس بپھرے

۔ سانڈ سے اتنی ڈرتی کیوں تھی وہ آج تک سمجھ نہیں پائے تھے

گاڑی میں بیٹھو۔ ارحام کی آواز میں اچھی خاصی سختی تھی۔ جسے محسوس

کرتے حور اسی لمحے

۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے وہ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی

ارحام خانزادہ سلطان شاہ کو گھورتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی

۔ میں بیٹھتے گاڑی سٹارٹ کر گیا تھا

سلطان شاہ اپنی شریانوں میں دوڑتے خون کی کھولاہٹ پر قابو پائے اپنے

گارڈز کے ہمراہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔ گاڑی کے پاس کھڑے

گارڈ نے ان کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے

۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسسز چڑھا گئے تھے

۔ان کی گاڑی کے ساتھ آگے پیچھے گارڈز کی گاڑیاں روانہ ہوئی تھیں

حور اسلام آباد میں موجود عالیشان بنگلے کے لاونج میں صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کو سمیٹے بیٹھی گلاس ونڈو سے برستی بارش کو نم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت بلو سلک میں لانگ گاؤن نایٹی زیب تن کیے ہوے تھی ۔وہ نیم اندھیرا کیے صوفے پر بیٹھی تھی۔ پورا بنگلہ اس وقت نیم اندھیرے ۔میں ڈوبا تھا۔ پریذے اپنے کمرے میں سو رہی تھی

اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ارحام خانزادہ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ حور پر نگاہ پڑتے اس کے بھاری قدم رکے تھے۔ حور اس

کے قدموں کی چاپ سنتے بھی رخ موڑے برستی بارش کو دیکھ رہی تھی

۔ارحام کا ویلکم نہیں کیا تھا۔نہ اسے آج کرنا تھا۔اسے آج اس ستم گر کا چہرہ

ہی نہیں دیکھنا تھا۔جسے صرف اپنا بچہ عزیز تھا۔وہ کب سے ارحام خانزادہ

کے لفظ یاد کرتے بے آواز رو رہی تھی۔ارحام کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔پھر

۔غصے سے وہاں سے واک آوٹ کر گیا تھا

کمرے میں آتے ہی ارحام خانزادہ نے اپنی ویسکوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکی

تھی۔اب وہ طیش والم سے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے اسے پینٹ سے نکال

رہا تھا۔اپنی پینٹ کی بیلٹ کھینچ کر اتارتے اس نے غصے سے بیڈ پر پھینکی

۔تھی

وہ حور کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد غصے سے باہر سے ہی چلا گیا تھا۔ وہ اگر حور کے ساتھ اندر جاتا تو وہ اسے اپنے غصے میں ہرٹ کر جاتا۔ وہ اس کی طبعیت کے پیش نظر اسے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ اپنے بچے میں اس کی جان بستی تھی۔ وہ پریذے سے بھی زیادہ اپنے بچے کو لے کر ٹچی تھا۔ بات بیٹی بیٹے کی نہ تھی۔ نہ وہ بیٹی اور بیٹے میں رتی برابر بھی فرق کرتا تھا۔ مگر خدا اسے بیٹی دے چکا تھا۔ اب اسے بیٹے کی خواہش تھی جو نیچرل تھا۔

ایک مرتبہ پہلے اپنا بیٹا کھو چکا تھا۔ گل نے چوتھے مہینے اپنا بچہ پیٹ میں مار دیا تھا۔ وہ آج تک وہ ضیاع اس عورت کی بے رحمی نہیں بھول پایا تھا۔ اب پتہ

نہیں کیوں وہ اس بار بھی ڈر گیا تھا۔ ایک عجیب سا ڈر اس کے اعصابوں کو

۔ جکڑے رہتا تھا

حور کی لاپرواہی آج اسے بے حد غصہ دلا چکی تھی۔ نہ وہ اس کا بے پردہ وجود

بھول رہا تھا۔ اپنی خوبصورت بیوی کو لے کر وہ مزید پوزیسو ہو چکا تھا۔ جس

طرح وہ ایس ایچ او اسے گھور رہا تھا ارحام خانزادہ کا بس نہیں چل رہا تھا اس

۔ کی آنکھیں نکال کر رکھ دیتا

ارحام غصے سے واش روم کی طرف بڑھا۔ تاکہ ٹھنڈے پانی سے شاور لے

۔۔ کر اپنا غصہ اتار سکے

ارحام خانزادہ سفید ٹراوزر پر سفید ہاف ٹی شرٹ پہنے اپنے نم بالوں میں

۔انگلیاں پھیرتے لاونج میں داخل ہوا تھا

حور اسے دیکھتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔ارحام خانزادہ مبہم سا

مسکراتے اس کی طرف بڑھتے جھکتے صوفے کی سطح پر اس کے دونوں

۔اطراف میں اپنے مضبوط ہاتھ جما گیا تھا

ہمممم!!بہت جان لیوہ خوشبو آرہی ہے۔کونسا پرفیوم استعمال کیا؟؟ارحام

اس کی بالوں کو ہونٹوں سے نرمی سے چھوتے اس کی سائیڈ گردن پر لب

۔رکھ گیا تھا

کوئی بھی نہیں۔ حور نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے نروٹھے انداز میں جواب

۔ دیا

ہمم تمھارے بدن کی خوشبو کسی سینٹ سے کم ہے۔ مہنگے سے مہنگا پرفیوم

تمھاری خوشبو کے آگے کچھ نہیں۔۔ جس طرح تمھاری قربت کسی مہنگی اور

پرانی شراب سے بھی زیادہ مجھ پر اثر کرتی ہے۔ وہ گھمبیر آواز میں بولتے

۔ ہوے اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا

حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے بھیگی نروٹھی نگاہوں سے دیکھتے

۔ اپنا چہرہ موڑ گئی تھی۔ اس کی ناراضگی پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا

میری خوبصورت بیوی کا نخرہ بھی صرف ارحام خانزادہ ہی اٹھا سکتا

۔ہے۔ارحام خانزادہ نے مسکراہٹ دبائے شرارتی لہجے میں کہا

آپ کی ڈانٹ آپ کا غصہ بھی صرف حور سلطان شاہ ہی سہہ سکتی ہے۔وہ دو

بدو جواب دیتے ارحام خانزادہ کو سلگا گئی تھی۔وہ اس کے جواب پر نہیں خود

۔کو حور سلطان شاہ کہنے پر تپ اٹھا تھا

بتاتا ہوں تمھیں تم حور سلطان شاہ ہو یا پھر حور خانزادہ

۔ارحام خانزادہ لفظ چباتے اسے لیے کمرے کی طرف بڑھا تھا

میں حور سلطان شاہ ہی ہوں جس طرح مجھ سے زیادہ یہ بچہ عزیز ہے آپ

۔کو۔حور کی آواز شدت سے بھیگی تھی

میرا بچہ تمھارے پیٹ میں پل رہا ہے۔ کسی دوسری عورت کے پیٹ میں

نہیں جو تم اس بات کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔ حور پر سرد برفیلے نگاہ پر ڈالے

۔ارحام خانزادہ کے قدموں کی روانی میں تیزی آئی تھی

وہ اسے بیڈ پر نرمی سے لٹاتے اس پر بے حد نرمی سے جھکا تھا۔ اپنا وزن اس

کی نازکی پر دھرے ہوے تھا۔ پیٹ پر ہلکا سا بھی وزن نہیں ڈالا تھا۔ حور

ارحام کی آنکھوں میں ایک نظر دیکھتے نظریں جھکائے اس کے سینے پر

۔انگلیاں پھیرنے لگی تھی

۔ بچہ نہیں تم بھی عزیز ہو میرا بچہ !!وہ اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھ گیا تھا

کہا تو یہی تھا مجھ سے زیادہ بچہ عزیز ہے۔ حور نے نروٹھی شکوہ کناں نگاہ ارحام

۔ پر ڈالی

تم نے بھی تو کہا تھا مجھ سے زیادہ پریذے عزیز ہے۔ ارحام نے مسکراہٹ

دبائے جواب دیتے اس کے گلابی لبوں پر اپنے لب مس کیے تھے۔ اپنی

خوبصورت بیوی کا نروٹھا پن اسے بے حد بھاتا تھا۔ ابھی بھی اس کی ادائیں

۔ اس کا سینے میں دل شدت سے دھڑکائے ہوے تھی

پریذے میری بیٹی ہے سمجھے آپ۔!! وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہمیشہ کی

۔ طرح جتاتے ہوے بولی تھی

تمھاری ہی بیٹی ہے میں نے کب کہا میری ہے۔ حور کی پریذے کو لے کر

۔ایکسٹرا پوزیسویس پر وہ گہرا مسکرایا تھا

میں آپ کی طرح نہیں ہوں بیٹے اور بیٹی میں فرق کروں۔ حور کی بات پر

۔ارحام خانزادہ کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا تھا۔ نقوش میں ناگواری جھلکی تھی

تم مجھے اب تک اتنا ہی سمجھ پائی ہو حور افسوس ہے مجھے۔ ارحام اس پر

۔تاسف بھری نگاہ ڈالتے اس پر سے ہٹتے تکیے پر سر رکھ گیا تھا

۔حور ارحام کی بات اور اس کے انداز پر رخ پلٹ گئی تھی

۔ارحام خانزادہ نے لب بھینچے اس کی پشت کو دیکھا تھا

۔یہ ٹھیک ہے غصہ بھی دلاؤ غلطیاں بھی کرو پھر ناراض بھی ہو جاؤ

۔ وہ اسے بازو سے جکڑے بہت نرمی سے اپنے سینے پر کر گیا تھا

کونسی غلطی کی میں نے ؟؟ بتایا تھا آپ کو میں کیوں گاڑی لے کر نکلی ؟ آپ

۔کے لیے یہ بات چھوٹی تھی۔۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے بولی

غلطی نہیں گناہ کیا ہے تم نے حور۔ جس حسن پر جس بدن پر جن بالوں پر

جن نقوش پر صرف میرا حق ہے۔ وہاں وہ دو نمبری پولیس والا تمھیں دیکھ

کر اپنی آنکھیں سیک رہا تھا۔ میں اس کی آنکھیں نہ نکال سکا اس کا تا عمر مجھے

۔افسوس رہے گا۔ وہ بھڑکتے ہوے حور کو لرزنے پر مجبور کر گیا تھا

بتاؤ گناہ نہیں کیا تم نے ؟؟ کیوں نکلی اس طرح بے پردہ ؟؟ تم اچھی طرح

جانتی ہو تمہیں چادر کے بغیر دیکھ کر میں مر جاتا ہوں۔ آج سارا دن کتنی

تکلیف میں گزارا۔ سارا دن میری آنکھیں جلتی رہیں میری حور کے بالوں کو

میری حور کے خوبصورت نقوش کو۔ میری حور کے وجود کو غیر مردوں نے

دیکھا۔ تم جانتی ہو تمھارا ارحام تمھارے لیے کیا محسوس کرتا ہے۔ تمھیں

لے کر کتنا دیوانہ ہے۔ وہ بھاری لہجے میں بولتے اس کے نقوش پر نرمی سے

۔ انگلیاں پھیر رہا تھا

آئی ایم سوری ارحام! وہ نیوز سن کر میری حالت کافی خراب ہو چکی

تھی۔ مجھے سمجھ ہی کچھ نہیں آیا۔ حور شبنمی لہجے میں بولتے اس سی سرخ و

۔ سفید گردن میں منہ چھپا گئی تھی

مجھے بتاتی حور۔۔مجھے کال کرتی۔ تمھاری اس طرح کی لاپرواہی کے نتیجے میں

۔میرے بچے کو کچھ ہو سکتا تھا

اگر گاڑی میں ایر بیگز نہ لگے ہوتے یا یہ تصادم زور دار ہوتا تو میرے بچے کو

اور تمھیں نقصان پہنچ سکتا تھا۔وہ اپنا ہاتھ نرمی سے اس کے پیٹ پر سرکاتے

۔بچے کی حرکت کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا

حرکت محسوس ہونے پر ارحام کے تنے ہوے اعصاب ڈھیلے پڑے

تھے۔وہ حور کے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے اسے نرمی سے خود میں بھینچ

۔گیا تھا

۔کھانا کھایا تھا۔ارحام نے اس کے بالوں پر لب رکھتے نرمی سے پوچھا

دل نہیں کر رہا تھا مگر آپ کے غصے کی وجہ سے کھالیا۔ اتنی دیر بھوکا رہتی

آپ میری جان کو آجاتے۔ حور کی خفگی بھری آواز پر ارحام کا بلند و بانگ

۔قہقہہ گونجا تھا

میری فرمانبردار بیوی۔ وہ مسکراتے ہوئے رخ پلٹے اس پر حاوی ہوا۔ جان تو

میں تب تمھاری نکالوں گا جب میرا شیر دنیا میں آجائے گا۔ ارحام خانزادہ

اس کی نائیٹی کی ڈوریاں کھولتے اس کا گاون نرمی سے کندھوں سے سرکاتے

۔اس کے برہنہ شولڈرز پر جابجا اپنے لب سرکانے لگا

جان تو آپ نے نو مہینے نہیں نکالنا چھوڑی۔ حور اس کے لبوں کی پرواز

۔گہرائیوں تک بڑھتے محسوس کرنے پر جھنجھلائی تھی

کہاں میری جان؟؟ان نو مہینوں میں کہاں اٹھک پٹک کی؟؟۔ورنہ تمہارا کیا

حال ہوتا تھا جانتی ہو۔بیڈ کے ساتھ ساتھ تم بھی پناہ مانگتی تھی۔ارحام اس

۔کی دھڑکنوں سے سر اٹھاتے اسے بے باکی سے آنکھ ونک کر گیا تھا

لیکن اس آخری منتھ میں تو میری جان چھوڑ دیں۔حور اس کے ہاتھوں کی

۔بڑھتی بے باکیوں پر روہانسی ہوئی تھی

وہ بے حد نرمی سے چھوتا تھا۔مگر ارحام کی نرم شدتیں سہنا بھی اس کے

۔لیے مشکل ہو جاتا تھا

آخری منتھ ہے تو میری جان میں کہاں جاؤں؟؟وہ آئی برو اچکائے سنجیدگی

۔سے استفسار کر گیا

حور میری جان تمھارا شوہر تمھاری قربت کا دیوانہ ہے۔ تمھاری قربت میری کمزوری ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو تمھیں دیکھ کر میری کیا حالت ہوتی ہے۔ تمھاری ذرا سی پنڈلی بھی دیکھ لوں تو تم میرے حواصوں پر سوار ہونے لگتی ہو۔ تمہارے بال تمھاری آنکھیں تمھارے بدن کی خوشبو مجھے اپنے حواص میں نہیں رہنے دیتی۔ کیسے تم سے دور رہ سکتا ہوں بتاؤ مجھے۔ وہ اپنی دیوانگی کا اظہار کرتے بے حد نرمی سے اس کی گہرائیوں کو لبوں سے چھو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اسے اوپر سے نیچے چوم رہا تھا۔ اب وہ اس کے پاؤں کے تلوں پر اپنے لب رکھ رہا تھا۔ حور ہمیشہ کی طرح اس کی دیوانگی بھری پناھوں میں خود کو سپرد کر چکی تھی۔

شہرام خان سکن کلر کے ٹروازر پر سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس شاور لیے واش روم سے باہر آیا۔ بہارے کو دیکھ کر اس کی سنجیدگی میں آضافہ ہوا تھا۔ کشادہ پیشانی پر بل پڑے تھے۔ وہ ییلو کلر کی شیفون کی چنٹوں والی فراک پہنے ہوے تھی۔ جو ملگجا سا تھا۔ لایٹ براون سلکی بالوں کا وہ وہ ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔ میک سے مبرا چہرا تھا۔ آنکھیں اور ناک رونے کی وجہ سے بے تحاشا سرخ تھیں۔ آنکھیں تو بے تحاشا رونے کی وجہ سے بری طرح سوجی ہوئی تھیں۔ وہ کراون سے ٹیک لگائے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی

تھی۔ بہرام اس کے پاس ہی بیڈ پر پڑا منہ میں خالی فیڈر لیے ہچکولے بھرتے سو رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے بہارے نے اسے اچھا خاصہ جھنجھوڑا تھا۔ وہ روتے روتے سو گیا تھا۔ اب سوتے میں ہچکیاں لے رہا تھا۔ بہرام کو ہچکولے بھرتے دیکھ کر شہرام کا خون اچھا خاصہ کھول رہا تھا۔ وہ شاور لیتے بہارے کا بہرام پر چیخنا سن چکا تھا۔ بہارے کی کنڈیشن کی وجہ سے وہ خود پر ضبط کیے ہوے تھا۔ ابھی بھی وہ خود پر بے تحاشا ضبط کر رہا تھا۔ رات سے بہارے اس کی جان عذاب کیے ہوے تھی۔ ساری رات شہرام صوفے پر لیٹے سگریٹ سلگائے بہارے کی سسکیاں سنتا رہا تھا۔

شہرام خان اپنی کنپٹی انگلی سے مسلتے بہارے کو مکمل اگنور کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ڈریسنگ روم میں بہارے کی ماتمی سسکیاں سنتے ہوئے شہرام کا فشار خون بلند ہوا تھا۔ وہ بلو جینز پہن کر اس پر اب بلو ہی شرٹ پہن رہا تھا۔ بہارے کی ماتمی سسکیاں ہنوز بلند ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی لب بھینچے اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے شرٹ پینٹ کے اندر دیتے پینٹ کے بٹن بند کر گیا تھا۔ شہرام خان کی رنگت میں اس وقت شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔

وہ پچھلے 20 دن سے انگلینڈ اپنے ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ وہ دس دن کا کہہ کر گیا تھا مگر کام کے سلسلے میں اسے وہاں دس دن مزید رکنا پڑا تھا۔ بہارے نے فون کال کر کے اس کا ادھر جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ دس دن اس کا انگلینڈ میں رہنا برداشت نہیں کر سکی تھی۔

دس دن مزید رکنے پر بہارے پاگل ہو چکی تھی۔ پچھلے پانچ دن سے نہ وہ فون اٹھا رہی تھی۔ نہ میسجز کا جواب دے رہی تھی۔ بلکہ وہ کمرے سے ہی

نہیں نکلی تھی۔ نہ بہرام کو کمرے سے نکلنے دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح بہارے کو فون کرتا رہا تھا۔ ہزاروں میسجز کیے تھے۔ اس نے سین ہی نہیں کیے تھے۔ امینہ خانم کو فون کرنے پر بھی بہرام کو ویڈیو کال پر نہیں دیکھ سکا تھا۔ بہارے نے بہرام کو درخشاں کو دینے سے انکار کر دیا تھا وہ تب ویڈیو فون کال پر ہی تھا جب درخشاں نے آکر بتایا تھا امینہ خانم نے بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں بہارے کا رویہ اس پر واضح کر دیا تھا۔ وہ کسی سے پچھلے دس دنوں سے بات نہیں کر رہی تھی۔

مجبوراً وہ اپنا پروجیکٹ پر کام جلد سے جلد کرتا آیا تھا۔ بہارے کی بے رخی اس کی ناراضگی بہرام کو سب سے دور رکھنا یہ سب اسے دریائے غیر میں اسے پاگل کر گیا تھا۔

رات سے وہ بہارے سے معافیاں مانگتے اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کر چکا تھا۔ مگر وہ رات سے ایسے ہی رو رہی تھی۔ اس کی ماتمی سسکیاں بند ہی نہیں ہو رہی تھی۔

شہرام خان رات سے بے سکون تھا۔ وہ مزید کمرے میں رہتا تو وہ سچ میں پاگل ہو جاتا۔ وہ سکون کی چند گھڑیاں پانے کے لیے ہاسپٹل جا رہا تھا۔ وہ مزید رونا شروع ہو چکی تھی۔ رات سے اس نے کھانے کا ایک لقمہ نہیں کھایا تھا۔

اس کے پیٹ میں اس کی بیٹی پل رہی تھی۔ وہ اچھا خاصہ اپنے بچے کے لیے حساس تھا۔ وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا تو اس کا بی پی ہائی ہو جاتا۔ رونے کی وجہ سے اسے مائیگرین شروع ہو چکا ہو گا وہ جانتا تھا۔ وہ ساری رات سر پکڑ کر بیٹھی رہی تھی۔ شہرام گہرا سانس بھرتے کمرے میں آیا۔

بہرام خالی فیڈر منہ میں لیے نیند میں سرکتا سرکتا بیڈ کے کنارے آگیا تھا۔ بہارے ہنوز اسی کیفیت میں بیٹھی تھی۔

شہرام خان نے اس پر تاسف بھری نگاہ ڈالتے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔ بہارے کی سسکیوں میں مزید آضافہ ہوا تھا۔ شہرام خان اپنی کنپٹی مسلتے اپنے کف کے بٹن کھولتے اپنی استین کہنیوں تک فولڈ کرنے لگا۔ وہ مرر میں بہرام کو بیڈ سے نیچے گرتے دیکھتے سرعت سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ مگر اتنی دیر میں وہ بیڈ سے گر چکا تھا۔ اتنی زور سے اس کے گرنے کی آواز آئی تھی کہ شہرام خان متوحش ہو گیا تھا۔ وہ بہرام کو اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا جو بری طرح رو رہا تھا۔ بہارے بھی بدحواص ہوتے بیڈ سے اترتے بہرام کو شہرام سے لینے کے لیے اس کی طرف لپکی۔

خبردار میرے بیٹے کی طرف بڑھی۔ ہاتھ بھی اسے لگایا۔ وہ بہرام کو سینے میں بھینچے دھاڑا تھا۔ بہارے شہرام خان کی دھاڑ پر لرزی تھی۔ بہرام مزید شدت سے رونے لگا تھا۔

شہرام مجھے دو میرا بیٹا ہے۔ اسے میری ضرورت ہے۔ وہ بہرام کے یوں بلکنے پر تڑپ اٹھی تھی۔

نہیں ہے تمھارا بیٹا نہ تم اس کی ماں ہو۔ وہ سرد لہجے میں بولتے بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ روتے بہرام کو بیڈ پر لٹاتے چیک کرنے لگا اسے کہاں چوٹ آئی ہے۔

شہرام بہرام میرا بیٹا ہے دو مجھے۔۔ وہ بہرام کے یوں گلہ پھاڑ پھاڑ کر رونے پر تڑپتے ہوئے چیخی تھی۔

شہرام خان بہرام کے منہ میں soother ڈالتے اسے سایڈ کروٹ میں کیے اسے نرمی سے تھپکنے لگا۔ وہ soother منہ میں لیتے مدھم سی ہچکیاں بھرتے سوتر کو چوسنے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر سے سو گیا تھا۔ بہارے شہرام کے قریب ہی کھڑی بہرام کو روتے ہوے دیکھ رہی تھی۔

شہرام خان سیدھے ہوتے اسے بازو سے جکڑے ڈریسنگ روم کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔

وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

اب بتاؤ بیٹا ہے تمھارا بہرام۔ ماں ہو تم اس کی؟؟ جو کچھ تم کر رہی ہو؟؟ وہ ایک ماں کرتی ہے۔ میرا بیٹا تمھاری لاپرواہی سے گر گیا۔ اسے زیادہ چوٹ

بھی آسکتی تھی۔ پچھلے دس دنوں سے تم نے اسے اس کمرے میں محصور کیا ہوا ہے۔ ایک ماں ایسے کرتی ہے اپنے بچے کے ساتھ۔ نہ تمھیں بہرام کا خیال ہے نہ اس ننھی جان کا جو تمہارے پیٹ میں پل رہی ہے۔ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟! کیوں مجھے مجبور کر رہی ہو۔ میں تمھیں پہلے والا شہرام بن کر دکھاوں

وہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے تنبیہی انداز میں غرایا۔

میں ماں ہوں اس کی۔ میں نہیں تو پھر کون ہے؟؟

بہارے شہرام خان کے سرد پن پر اپنے حواص کھوتے چیخی تھی۔

آواز نیچے بہارے تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو میں کیس ہوں۔ وہ اس کے ایک طرف مکہ مارتے غیض و غضب سے گر جا تھا۔

کیسے ہو تم بتاؤ مجھے ؟ مجھے بھی پتہ چلے دھوکے باز چیٹر شہرام خان اصل میں ہے کیسا؟؟ اس بہرام کو جنم دینے کے لیے میں موت کے منہ میں چلی گئی تھی صرف تمھاری بے رحمی کی وجہ سے۔ اب تم کہہ رہے ہو میں ماں نہیں ہوں۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہچکولے لیتے وجود کے ساتھ چیخ رہی تھی۔ شہرام خان اس کی کنڈیشن کے پیش نظر بمشکل خود پر قابو پائے ہوے تھا۔

دس دن کا کہہ کر گئے تھے بیس دن بعد آئے ہو۔ دل بھر گیا ہے تمھارا مجھ سے۔ کیونکہ میں تمہارے دوسرے بچے کو جنم دینے والی ہوں۔ مجھ میں وہ کشش نہیں رہی۔ تمھاری ضرورت عیاشی کا ساماں دن رات نہیں بن سکتی۔ اس لیے تم انگلینڈ میں عیاشی کر رہے تھے۔

بہارے۔۔۔ شہرام خان ہاتھ اٹھاتے چیخا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ خلا میں معلق دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ اب وہ بے یقینی سے اس کا اٹھا ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ شہرام خان اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اپنا ہاتھ پہلو میں گراتے مٹھی دبوچ گیا تھا۔

تم اس قابل ہی نہیں ہو تم سے بات بھی کی جائے۔ وہ لب بھینچے بولتے ہوے اس سے دور ہوا تھا۔

کون ہے وہ؟؟ آئزل یا پھر کوئی اور؟؟ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے تڑپتے ہوے بولی تھی۔

یو آر سک بہارے۔۔ شہرام خان اس کی کپکپاتی مٹھیوں سے اپنی شرٹ چھڑوا گیا تھا۔۔

بہارے کو یکدم بری طرح چکر آیا تھا۔ وہ اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔

شہرام خان یہ دیکھتے جلدی سے اسے کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑو مجھے مجھے تمھاری بانہیں نہیں چاہیے۔ مجھے تم نہیں چاہیے ہو۔ بہارے نے سسکتے ہوے اسے خود سے دور کرنا چاہا۔

وہ اس کی کمر پر نرمی سے ہاتھ لپیٹتے ہوے اسے نرمی سے خود میں بھینچنے لگا۔

کیوں نہیں آئے دس دن بعد؟؟ کیوں لگائے اتنے دن ادھر؟؟ بہارے اس کے سینے سے سر اٹھاتے اس کی شرٹ کے کالر دونوں ہاتھوں سے جکڑے لرزتے لبوں سے سوال کر گئی تھی۔

شہرام خان سرد سانس کھینچتے ہوے اس کا چہرہ بے حد نرمی سے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر گیا۔

دس دن میرا ادھر انگلینڈ میں رہنا اتنا بڑا گناہ تھا کہ تم مجھ پر اتنے بڑا الزام لگاؤ۔ شہرام خان کے سوال پر وہ سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

پھر مجھ پر اتنا گھٹیا الزام کیوں لگایا؟؟ شہرام خان نے سنجیدگی سے استفسار کیا

۔

پہلے دس دن میں تم نے مجھے کتنی بار کال کی؟؟۔ کتنی بار بہرام کو ویڈیو کال پر دیکھنے کی چاہ کی؟؟ بتاؤ صرف غلطی کی چند کالز اور دس بارہ میسجز اور پھر دس دن مزید وہاں ٹھہر گئے۔ مجھے دو دن بعد بتایا کہ تمھیں وہاں مزید دن لگے گے۔

بتاؤ مجھے اس حالت میں کیا سوچتی؟؟ غلط نہ سوچتی۔ تمھیں لے کر ہمیشہ مجھے وسوسے رہیں گے یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ ہچکیوں سے بولتے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بھڑکا چکی تھی۔

یعنی ایزل ہماری زندگی سے کبھی نہیں نکلے گی۔ وہ غصے سے بولتے اس کی کمر سے اپنا ہاتھ ہٹاتے اس سے دور ہوا۔

تم پہلے جیسے نہیں رہے شہرام خان۔ بہارے اس کے دور جانے پر بلبلاتے ہوے رو دی تھی۔

شہرام خان اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوے بری طرح جھنجھلایا تھا۔

کیا کرنا پڑے گا مجھے پہلے جیسا ہونے کے لیے۔۔ سب کچھ چھوڑ کر تمھارے قدموں میں بیٹھ جاؤں۔ شہرام خان چیخا تھا۔ بہارے اس کے چیخنے پر اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے لرزی تھی۔

بہارے کے لرزنے پر شہرام خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈریسنگ روم میں موجود صوفے پر بٹھاتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا

کیا حالت بنالی ہے تم نے بہارے؟؟ ایسا تو تمھیں چھوڑ کر نہیں گیا تھا۔

شہرام خان اس کا سرخ چہرہ متورم آنکھیں دیکھتے گہری سانس کھینچ گیا تھا۔

تم مجھے چھوڑ کر ہی کیوں گئے شہرام خان؟؟ کیوں ضرورت ہے تمھارے لیے مزید پیسا کمانا۔ جو ہے میں اس میں خوش ہوں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں تمہاری دوری نہیں سہہ سکتی. ایک بار پہلے بھی تم ایک مہینہ مجھ سے دور رہے تھے۔ میں نے تمھیں کھو دیا تھا۔ مجھے اب بھی یہی لگتا ہے تم مجھ سے

دور چلے گئے کوئی تمھیں مجھ سے چھین لے گا۔ بہارے بھیگی آواز میں بولی تھی۔

یعنی تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتی۔ میں تمھارے اعتبار کے قابل نہیں۔ شہرام خان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

اعتبار کرتی ہوں بہت کرتی ہوں۔ تمھیں لے کر خدشے وسوسے مجھے تنگ کرتے ہیں۔ مورے ہمیشہ کہتی تھی تمھارا شوہر بہت اونچا آدمی ہے۔ پھر خوبصورت بھی ہے۔ اسے کبھی خود سے دور نہ کرو۔ اسے اپنی اداؤں اپنی مٹھی میں رکھو۔ ورنہ مرد کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا وہ کسی دوسری عورت کی زلفوں کا اسیر ہو جائے گا۔ میں نے کبھی ان کی کسی بات پر کان نہیں دھرا تھا ۔تم سے نفرت کرنے کے باجود مجھے تم پر یقین تھا تم کبھی کسی دوسری عورت کی طرف نہیں دیکھو گے۔ یقین سے زیادہ غرور تھا تم مجھ سے عشق

کرتے ہو۔ عشق کرنے والا مرد کسی دوسری عورت کو نظر بھر بھی کیسے جا سکتا ہے؟؟ مگر تم اسے میری حیثیت دینے جا رہے تھے۔ یہ پھانس نہیں نکلتی سینے سے کیا کروں؟؟ بہارے نے روتے ہوئے زخمی لہجے مین استفسار کیا۔

دینے جا رہا تھا بہارے دی تو نہیں۔۔ تم ایک بات کیوں نہیں بیوفائی کرنے والا مرد پلٹنا نہ چاہے تو کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ پھر اسے نہ اپنی پہلی بیوی دکھائی دیتی ہے نہ بچے۔۔ میں نے پلٹ کر اس رات کے بعد اسے دیکھا نہیں بہارے۔

پہلے بھی کیوں دیکھا تھا شہرام خان؟؟ وہ اس کی بات پر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

اور کیا کہہ رہے ہو مرد بیوفائی کرنے پر آجائے کوئی اسے روک نہیں سکتا تو ایک بات یاد رکھنا تم نے ایسا ویسا کچھ بھی سوچا اس بار میں پسٹل کی گولیاں

تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔ بہارے خان نام ہے میرا۔ اربد خان کی بیٹی اور شہرام خان کی بیوی ہوں۔ تمھارا وہ حال کروں گی تم سوچ نہیں سکتے۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے غرائی تھی۔

ابھی بھی کم برا حال نہیں کیا۔ وہ اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے چھڑواتے زیر لب بڑبڑایا تھا۔

کیا کہہ رہے ہو شہرام خان؟؟ بہارے اس کی بڑبڑاہٹ پر روہانسے ہوئی تھی۔

تمھاری مورے نے کہا شہرام خان کو اپنی اداؤں کا دیوانہ بنا کر اسے مٹھی میں رکھو۔ ایسے رکھو گی یہ ملگجے سے حلیے میں روتے ہوے۔۔ بیس دن بعد آیا ہوں۔ ایسے بیویاں کرتی ہیں۔ بیس دن کیسے گزارے تمھارے بغیر تم نہیں جان سکتی۔ جان بستی ہے تم میں بہرام میں اور اس میں۔۔ وہ اس کے

قریب ہوتے اس کی کمر کے گرد اپنی بانہیں حمایل کرتے اس کے پیٹ پر لب رکھ گیا تھا۔

بری لگ رہی ہوں تمھیں۔ بہارے اپنے حلیے پر خفت زدہ ہوتے لب کاٹ گئی۔ شہرام خان تو پہلے سے کہیں زیادہ وجیح خوبرو لگنے لگا تھا ابھی بھی پنٹ شرٹ میں خوشبوؤں میں بسا جان لیوہ لگ رہا تھا۔ بہارے اسے غور سے دیکھتے خفت سے لب کاٹ رہی تھی۔ مقابل کے سامنے اپنا آپ بڑا پھیکا لگ رہا تھا۔

شہرام خان اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پڑھتے بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

میری بہارے تم کتنی خوبصورت ہو اور کتنی مجھے لگتی ہو میں تمھیں کیسے بتاؤں ؟؟ وہ اسے نرمی سے صوفے پر لٹائے اس پر گھٹا بن کر چھایا۔

بہارے اس کی شرٹ کے بٹنوں سے کھیلتی اس کے گال پر ہاتھ جماتے اس کی گھنی تراشیدہ مونچھوں کو چھو گئی تھی بیس دن بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں اب بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔

جانتی ہو مجھے تمھاری کتنی طلب ہے۔ کتنی پیاس ہے؟؟ رات سے تڑپ رہا ہوں تمھارے پاس آنے کے لیے۔ وہ مخمور آواز میں بولتے ہوئے اس کی فراک کے اگلے بٹن کھولتے اس کی کمر پر لگی زپ نیچے کھسکاتے ہوئے اس کے بدن کے ہر پردے کو ریموو کر گیا تھا۔ بہارے اس کے نیچے دبی سرخ ہوتے لرزنے لگی تھی۔ رات سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ مقابل کی جان لیوہ شدتوں کا سوچتے ہی وہ لرزنے لگی تھی۔

وہ دیوانگی کے عالم میں اس کے نقوش کو اپنے لبوں سے سلگاتے اس کی گردن کو داغدار کر رہا تھا۔

بہارے اس کی دیوانگی محسوس کرتے رو دی تھی۔ وہ بہت بے تابی اسے چھو رہا تھا۔ بے حد محبت کرتا ہوں تم سے۔۔

اپنی جان زسے یادہ محبت کرتا ہوں میری بہارے۔ قسم لے لو مجھ سے۔ میں نے ان بیس دنوں میں تمھارے علاوہ اپنے متعلق سوچا بھی ہو۔ تمھیں کچھ نہیں چاہیے۔ مگر میں اپنے بہرام اور اپنی بیٹی کو اس سے بھی بہتر زندگی دینا چاھتا ہوں۔ مگر تم جو چاھو گی وہی ہو گا۔ اگر میرا کام کرنا نہیں پسند میں نہیں کروں گا۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اس کی بیلی بٹن پر جھکے اب بے حد نرمی سے چوم رہا تھا۔ بہارے اس کے دیوانگی بھرے پر تپش لبوں کی تاب نہ لاتے سسکتے ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ اس کے پیٹ کو نرمی سے چومتے ہوے اپنے بدن کا ہر پردہ ریموو کرتے اس میں سماتے اپنی نرم گرم شدتیں ڈھانے لگا تھا۔

شہرام خان اس وقت سیاہ رنگ کی پینٹ پر وایٹ سیلف لاینگ شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس پر سیاہ سلیولیس شرٹ پہنے ہوے تھا۔ وہ سلیب کے آگے بہارے کو محصور کیے اس کے منہ میں پراٹھے اور املیٹ کے چھوٹے چھوٹے لقمے ڈال رہا تھا۔ وہ شہرام کو سرخ گلاب چہرے کے ساتھ دیکھتے ہوے اس کے ہاتھوں سے لقمے کھا رہی تھی۔ اسی طرح خیال رکھتا تھا اس کا۔۔ بیس دن میں تو وہ پاگل ہو گیی تھی شہرام خان کے بغیر۔۔۔ وہ اس بار بھی پریگننسی میں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھانا بھول گئ تھی۔ بہرام کی مرتبہ اب بھی وہی اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتا تھا۔ وہ اس پر شک نہیں کرتی تھی۔ نہ وہ اس کے لیے بے اعتبار تھا۔ وہ صرف اسے لے کر ڈرتی تھی۔ وہ

اتنے عالیشان مرد کو لے کر پوزیسو تھی۔۔وہ ڈر وہ پھانس نہیں نکلتی تھی۔ کوئی دوسری عورت اسے اس سے دور نہ کر دے۔۔

وہ بیس دن اس سے دور رہا۔وہ کسی اور عورت کے پاس تھا۔یہ خیال نہیں آیا۔مگر اس کا شہرام خان اس کے بغیر رہا ہی کیوں۔یہ سوچیں اسے تکلیف دیتی تھیں۔

وہ اگر مقابل کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی تھی تو مقابل کیوں رہا؟؟وہ اس کی دوری سہن نہیں کر پائی تھی۔وہ اس وقت اس کی فیورٹ سیاہ رنگ کے فراک میں ملبوس تھی۔گیلے بال الجھے بال اس کی پشت پر بکھرے تھے۔ فراک پر وہ سیاہ ویلوٹ کی شال خود پر لپیٹے ہوے تھی۔

بہارے کا وزن اس بار بھی نہیں بڑھا تھا۔ دوسرا وہ اپنا بے حد خیال رکھتی تھی۔ اچھی ڈایٹ اور یوگا کرتی تھی۔ اپنا خیال بھی وہ مقابل کی وجہ سے کرتی تھی۔ اسے ہمیشہ اپنا رکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

وہ بھیگی سی مہکی سی گرم گرم کچن میں کھڑی تھی۔ دونوں نے اکٹھے شاور لیا تھا۔ پچھلے دس دنوں سے بال نہیں سلجھائے تھے۔ اب مقابل ان بالوں کی الجھنیں دور کرنے کے لیے کتنی محنت کرے گا وہ ہی جانتی تھی۔ ایک کھنچ نہیں پڑنے دیتا تھا۔ گھنٹوں لگاتا۔ بہارے اس کے طلسماتی نقوش کو دیکھتے مسکرائی تھی۔

میری بہارے میں نہیں تھا اپنا خیال نہیں رکھا۔ حلقے دیکھو کتنے گہرے ہو رہے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں کا نرمی سے چومتے نیم گرم دودھ کا گلاس لبوں سے لگا گیا تھا۔

وہ دو سپ لیتے گلاس پیچھے کر گئی تھی۔

بے اعتباری کبھی نہیں رہی شہرام تم پر۔۔مان غرور ہر بار توڑتے ہو۔یقین تھا مجھے اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔چلے گئے یقین تھا دو دن میں واپس آجاؤ گے۔ نہیں آئے تو تمھاری بہارے مرنے والی ہو گئی شہرام خان ۔۔بہارے خان شہرام خان کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے گال پر اپنا نازک ہاتھ رکھ گئی تھی۔

غلطی ہو گئی لیڈی باس!!اینده ایسی غلطی کی تو جان سے مار ڈالیے گا۔ مگر بیوفا مت کہیے گا۔کیونکہ آپ کا دیوانہ شوہر آپ پر جان چھڑکتا ہے۔بہارے اس کی بات پر کھکھلائی تھی

شہرام خان مسکراتے ہوے اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی کھکھلاہٹ کو اپنے لبوں میں قید کر گیا تھا۔

اللہ اللہ شہرام لالا ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ درخشاں کچن میں داخل ہوتے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔ شہرام خان درخشاں کی اینٹری پر جھنجھلاتے ہوئے بہارے سے دور ہوا تھا۔ بہارے سرخ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

اس کا انتظام کرو بہارے۔ رخصت کرو اب اسے اس حویلی سے۔ جہاں مرضی دندناتے ہوئے ہو جاتی ہے۔ وہ درخشاں کو گھورتے ہوئے غصے سے کچن سے نکل گیا

اللہ بہارے باجی ہم نے کیا کیا ہے۔ جب دیکھو سب ہم پر برستا ہے۔ کبھی زاران لالا کبھی شہرام لالا۔ یہ کمرہ کس لیے ہوتا ہے۔ درخشاں روہانسی ہوئی تھی۔ بہارے کھکھلا پڑی تھی۔ شہرام خان کی محبت توجہ پانے کے بعد سب کچھ نکھرا نکھرا اچھا لگ رہا تھا۔ چہرے پر گلال بکھرا تھا۔ شہرام خان نہیں تو

بہارے خان نہیں۔۔وہ مسکراتے ہوے شہرام خان کا من پسند ناشتہ تیار کرنے لگی تھی۔ بیس دن وہ دور رہا تھا۔ اندازہ ہوا تھا وہ اپنے شوہر کا خیال نہیں رکھتی۔

اب وہ اس کا من پسند ناشتہ پورے دل سے تیار کرنے لگی۔ڈریسنگ روم میں اس کی وارفتگیاں دیوانگی یاد کرتے وہ بے تحاشا سرخ ہو رہی تھی۔

آئی لو یو شہرام۔۔وہ مدھم سا مسکراتے شہرام خان کے اس کا من پسند اچیز ملیٹ تیار کرنے لگی۔

اسلام آباد کے ایک عالیشان بنگلے کی خوبصورتی میں ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کی ٹھنڈی ہوا میں گھری ہوئی وہ فضا، جیسے خاموشی کے سائے میں ڈوبی ہوئی ہو۔ زاران خانزادہ، بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس، اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک سے دروازے کے قریب پہنچا۔ داخلی دروازے کا قفل کھول کر وہ اندر داخل ہوا، اس کی گہری براؤن مقناطیسی نگاہیں نظریں کسی کی تلاش میں میں محصور تھیں۔

کوریڈور کی چمچماتی ہوئی روشنی میں اس کا قدم قدم ایک الگ اظطراب جھنجھلاہٹ لیے ہوے تھا۔ جیسے ہر قدم کی آواز اس کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو۔ وہ لاونج میں پہنچا، جہاں دیوار گیر گھڑی کی ٹک ٹک ایک الگ ہی زبان بول رہی تھی۔ زاران نے ایک لمبا سانس لیا اور خود کو آرام

دینے کی کوشش کی، مگر غصہ اور اضطراب جیسے اس کے اندر کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے تھے۔

اس نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر اچھال دیا اور فوراً ہی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے غصے میں گہرا سانس لیا۔ اس کے سیاہ سلکی بالوں میں جھنجھلاہٹ کی لہر دوڑ گئی اور وہ غصے سے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیشانی سے ہٹاتا چلا گیا۔ زران کے رگ وپے میں کا بے چیناں جھلاہٹ دوڑ رہی تھی۔

شوز اتار کر اس نے زمین پر مارتے اپنے اندر کے غصے کو باہر نکالا۔ غصہ مزید بڑھا تھا۔ زاران خانزادہ نے ایک اور شوز اتار کر صوفے پر پھینک دیا۔ لیکن

پھر بھی غصہ کم نہ ہوا۔ بیلٹ کی ہک کھول کر اس نے وہ بھی اتاری اور دانت پیستے ہوئے زمین پر پھینک دی۔ اس لمحے میں زاران خانزادہ کوئی منسٹر نہیں، بلکہ کوئی موالی غنڈہ لگ آرہا تھا۔ وہ جھلاتے ہوئے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا اس کی نگاہ سامنے لگی فینسی کٹ دار مرر میں گڑھ گئی تھی،

"تو منسٹر نہیں، غنڈہ لگ رہا ہے۔" اس نے مرر میں اپنے عکس کو جھلاتے ہوئے دیکھا" پتہ نہیں لوگ شادی کیوں کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو لڑکی سے کیوں کرتے ہیں؟"

وہ اپنی دونوں ٹانگوں کو کھول کر بیٹھے ہوئے تھوڑا سا آگے جھکے فینسی مرر میں خود کو دیکھ رہا تھا۔

اپنی ہی بات پر وہ مزید جھلایا تھا۔ یہ بھی کوئی سوال تھا بھلا شادی لڑکی سے کیوں کرتے ہیں۔

تیرا سوال یہ ہونا چاہیے تھا کہ تو نے ایک پاگل سائیکو عورت سے محبت کیوں کی؟؟ محبت کر ہی لی تھی نکاح کیوں کیا تھا؟؟ نکاح کر ہی لیا تھا بچہ کیوں پیدا کیا؟؟ وہ مرر میں دیکھتے دانت پیستے اونچی آواز میں مخاطب تھا۔

تیرا کچھ نہیں ہو سکتا زاران اب ساری عمر ایسے ہی گزرے گی۔ وہ خود سکون میں رہے یا نہ رہے تجھے سکون میں نہیں رہنے دے گی۔ اسے نکاح میں لینے کے بعد تین مہینے کنواروں کی طرح رہا اس کا الزام بھی کس پر آیا مجھ پر۔۔ یعنی مجھ غریب پر جو سہاگ رات منانے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ تین مہینے تک خود کی مردانگی کو آگ لگاتے ساری سار رات جلتا رہا۔ اب پھر سے کنواروں والا حال ہے۔ میڈم کو خود پیار آئے تو سب ٹھیک۔۔ مگر آگر مجھے

قریب جانا ہے تو اس کا دماغ عرش پر پہنچ جاتا ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں پاس جاؤں تب بھی محبت نہیں۔ نہ جاؤں تب بھی محبت نہیں۔۔

دوسری شادی کر لینی چاہیے زارن اس سے پہلے وہ تجھے نیم پاگل کر دے۔ وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے غصے سے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے اپنی شرٹ پینٹ کے اندر سے کھینچ کر نکال گیا تھا۔ وہ لب بھینچے پلٹا ہی تھا۔

اپنے سامنے ابرش کو دیکھ کر وہ شاکڈ ہوا تھا۔ وہ ڈیپ ریڈ سلک کی فل آستین والی فل گاون نائیٹی میں ملبوس اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زاویار خانزادہ نے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر نکالتے اپنی کنپٹی انگلی سے مسلتے اپنی زبان پر لعنت بھیجی تھی جو قابو ہی نہیں رہتی تھی۔

زاران خانزادہ نے نچلا لب کاٹتے ابرش پر گہری گرم نگاہ ڈالی جو سلکی کھلے بالوں کے ساتھ ہونٹوں پر ریڈ لپ سٹک لگائے ہوئے تھی۔

افففف منسٹر تو خود ہی اپنی جواں راتوں کا قاتل ہے۔ زاران خانزادہ نے اپنی بے حد خوبصورت بیوی کو ریڈ ہاٹ ویلوٹ کیک کی طرح سجے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

ابرش اسے خفگی بھری بے یقین شبنمی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ زاران جلدی سے اس کی طرف بڑھتے اسے بازو سے نرمی سے جکڑے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اپنے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ تم ابھی بھی دوسری شادی کا سوچتے ہو۔ ایک بچے کے باپ بننے جا رہے ہو پھر بھی دوسری شادی کا سوچتے ہو۔ ابرش تڑپتے ہوئے اس کی شرٹ کے کالروں کو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

قسم لے لو بیوی ایک شادی کر کے پچھتا رہا ہوں۔ مجھے پوری دنیا کی منسٹری بھی مل جائے میں دوسری شادی کبھی نہ کروں۔ سڑک کا فقیر بھی بن جاؤں

مگر میری توبہ بیوی میں دوسری شادی کا سوچوں بھی۔ زاران خانزادہ ابرش کے سرخ ہونٹوں کو گہری گرم نگاہوں سے فوکس کیے ہوے سر نفی میں ہلا گیا تھا۔

ابھی یہ جو کہہ رہے تھے۔ ابرش روہانسی ہوئی تھی۔

سچ میں بیوی ہر بیوی کو تمھارے جیسا ہونا چاہیے کہ وہ مرد کو پہلی شادی سے نفرت کروانے پر مجبور کر دے۔ وہ مرد قطعًا دوسری شادی کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔ زارن نے ابرش کی شفاف کانچ سی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

مسٹر خانزادہ تم پہلی شادی سے نفرت کرتے ہوتت تمھارا دل مجھ سے بھر گیا ہے۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے رو دی تھی۔

تم سے دل نہیں بھرا نہ کبھی بھر سکتا ہے۔ مگر تمہارے ہر وقت شک سے میں تنگ آ چکا ہوں۔ پچھلے تین دنوں سے یہاں لاونج میں سو رہا ہوں۔ کچھ احساس ہے تمھیں میرا۔ اتنی خوبصورت جوان بیوی کے ہوتے ہوئے اس منسٹر کی راتیں کیسی گزر رہی ہیں۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں نرمی سے جکڑے اس کے لبوں پر قفل لگائے اس کی سانسوں کو مدہوشی کے عالم میں پینے لگا تھا۔ ابرش نے غصے سے اسے خود سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ زاران خانزادہ اس کے سرخ ہونٹوں سے لپٹے ہی اس کے ہاتھ اپنے کالروں سے چھڑواتے اس کی کلائیاں کمر پر سختی سے باندھتے ابرش کی ہر مزاحمت ختم کر گیا تھا۔ وہ اپنی کنڈیشن کے باعث خود کو زاران کے سپرد کر چکی تھی۔ اس وقت زاران اس کی کنڈیشن بھلائے اس کے لبوں پر کافی جنون دکھا رہا تھا۔ ابرش کی تمام مزاحمتیں دم توڑ چکی تھیں۔ وہ اپنا

بدن ڈھیلا چھوڑ چکی تھی۔ زارن آہستہ آہستہ پر سکون ہوتے اس کی کلائیوں کو ازاد کر گیا تھا۔ ابرش نرمی سے اس کے کالرز جکڑ گئی۔ زاران بے حد نرمی سے ابرش کی کمر کو جکڑ گیا تھا۔

وہ ابرش کی خوشبو دار سانسوں کو بھاری کرتے اس کے لبوں کو آزاد کر گیا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے ابرش کی ناک کے ساتھ اپنی ناک مس کرتے ہوے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے جکڑ گیا۔

میری زندگی ہو تم منسٹر کی سانسوں تک کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ کہاں جائے گا تمھارا منسٹر ؟؟ سر سے پیر تک صرف تمھارا۔ وہ ابرش کے سراپے پر گہری گرم نگاہ ڈال گیا تھا۔ اس کا بھرا بھرا سراپہ زاران خانزادہ پر خماری طاری کر گیا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔

دوسری شادی کا ذکر کیوں کیا؟؟ کیوں کرتے ہو ایسی باتیں؟! تم اچھی طرح جانتے ہو زاران۔ تم نے ایسا کبھی سوچا بھی میں تمھاری جان لے لوں گی۔ ابرش اسے شبنمی نگاہوں سے دیکھتے دھمکی دے گئی تھی۔

لے لینا جان میری جان یہ جان یہ سانسیں تمھاری ہیں۔ زران اس کی کلائی نرمی سے جکڑے صوفے پر بیٹھے اسے اپنی گود میں بٹھا گیا تھا۔ ابرش اس کی لیپ میں بیٹھے ہوے زاران خانزادہ کو گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جو بکھرے بالوں خمار آلود نگاہوں کے ساتھ بے پناہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ابرش نگاہیں جھکائے اس کے ہیر لیس ورزشی سینے پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

کہاں تھے اتنی دیر؟ ابرش کے بھیگے لہجے پر زارن گہرا سانس بھر گیا تھا۔ روز اسمبلی میں روز اجلاس ہو رہے تھے۔ ڈپیٹ ہو رہی تھیں۔ روز دیر تک سیاسی پارٹیز ہو رہی تھیں۔ جس کے باعث وہ لیٹ ہو جاتا تھا۔ پچھلے تین دن

سے لیٹ ہو رہا تھا۔ تین دن سے ابرش روز روتے ہوے ناراض ہو کر سو رہی تھی۔ دو دن سے وہ جتنا منا سکتا تھا منا رہا تھا۔۔ دو دن سے وہ بھی غصے سے لاونج میں ہی سو رہا تھا۔

ابرش مائی لایف تم اچھی طرح جانتی ہو ایز آمنسٹر مجھ پر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ یہی میرا کام ہے۔ مجھے رات کو دیر ہو جایا کرے گی تو کیا تم ایسے خود کو اور مجھے اذیت دو گی؟؟ زاران نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

تم کیا چاہتے ہو میں تمھارے دیر سے آنے پر تمھارے نیچے بچھ جایا کروں تو یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ میں تمہارا دیر سے آنا نہیں برداشت کر سکتی۔ ابرش غصے سے غرائی تھی۔

تو کیا کروں چھوڑ دوں یہ سب؟؟ تم میرے نیچے نہیں بچھ سکتی میں تمھارے نیچے لگ جاؤں۔ زاران غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔ ابرش نے بہتے آنسوؤں

سے اسے دیکھتے اس کے اوپر سے اٹھنا چاہا۔ وہ اسے کمر سے دونوں ہاتھوں سے جکڑے سختی سے اپنی گود میں بٹھا گیا۔

بتاؤ کیا کروں بیوی؟؟ سب کچھ چھوڑ دوں؟؟ یہ میرا کام ہے میری جان۔ جب چھٹی ہوتی ہے سارا دن ساری رات تمھارے ساتھ گزارتا ہوں۔ گزارتا ہوں کہ نہیں۔ زاران ے اسے خود کے ساتھ لپٹاتے ہوے ہوے اس کی گردن کو چومتے ہوے ہوے بھاری گھمبیر آواز میں پوچھا۔

ابرش نے اپنی گردن اقرار میں ہلائی تھی۔

ہمممم بہت ہی جان لیوہ خوشبو آتی ہے تم سے میری خوبصورت بیوی!! وہ مدہوشی سے اس کی گردن کو چومتے اس کی گاون کی ڈوری کھول گیا تھا ۔زاران کا گرم ہاتھ ابرش کے پیٹ پر سرسرا رہا تھا۔ میرا بچہ ٹھیک ہے۔

زاران نے ابرش کی جھکی پلکوں کو بغور دیکھتے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے جکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے سوال کیا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ ابرش نے آہستگی سے جواب دیا۔

کھانا کھایا تھا؟؟ زارن کا ہاتھ اب بے باکی سے اوپر کی جانب سفر کر رہا تھا۔ وہ اسے بے باکی سے چھوتے ابرش کے نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے سوال کر رہا تھا۔

ابرش نے جھکی نگاہوں سے اثبات میں گردن ہلائی۔

بے میری بے شرم بیوی تم اچھی طرح جانتی مجھے تم شرماتی اچھی نہیں لگتی ۔مجھے رات کے اس پہر بے باک اور بے شرم اچھی لگتی ہو۔ اس لیے یہ شرمیلی بیوی کی ایکٹنگ چھوڑو اور اپنے منسٹر کو خوش کرو۔ وہ بھاری آواز میں

بولتے ابرش کو گود میں اٹھاتے صوفے سے اٹھتے سڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔ ابرش سرخ گلاب ہوتے اس کی گردن میں بانہیں حمائل کر گئی تھی۔

بھاری ہو چکی ہو۔ زارن سڑھیاں چڑھتے شرارتی انداز میں بولا تھا۔ مت گود میں اٹھایا کرو میں خود جا سکتی ہوں۔ وہ ہمیشہ کی طرح تپ گئی تھی۔ مجال ہے وہ آج بھی زاران کا مذاق برداشت کر سکتی ہو۔ زاران مسکراہٹ دبائے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

سچ میں میرا وزن بڑھ گیا ہے زاران ؟؟ میں ویسی نہیں رہی۔ ابرش کی روہانسی آواز پر زاران نے سرد آہ بھری تھی۔

پریگننسی کے اٹھویں مہینے میں ابرش تم ڈول تو لگ نہیں سکتی۔ ظاہر ہے تمھارا وزن تو بڑھے گا۔ زاران دانت پیستے تیزی سے فرسٹ فلور میں داخل ہوتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ابرش کو بیڈ پر نرمی سے لٹاتے جلدی سے اپنی شرٹ اتارتے ابرش پر حاوی ہوتے خود پر اچھی طرح کمبل اوڑھ گیا تھا۔اس کے گرم ہاتھ تیزی سے حرکت کرتے ابرش کے بدن کو تمام پردوں سے آزاد کر گیے تھے۔وہ خود کو بھی ہر پردے سے آزداد کرتے ابرش کے لبوں پر جھکے ابرش پر اپنی شدتیں ڈھانے لگا۔

عابیر آتشی گلابی رنگ کی ایک خوبصورت فراک میں ملبوس تھی، جو کہ دھاگے کی نفیس کڑھائی سے سجی ہوئی تھی۔اس کے جسم پر وہ فراک بہت خوبصورتی سے بچ رہی تھی، اور آتشی گلابی شال، جس کے بارڈر پر دلکش دھاگے کا ورک تھا، ایک شانے پر ڈال رکھی تھی۔اس کی زلفیں سادہ مگر

دلکش انداز میں فرنچ سٹائل میں بنی ہوئی تھیں، اور وہ سنہری بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا میں گہری دلکشی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اپنے سراپے کی جھلک خود مرر میں دیکھ رہی تھی، اور ہاتھ کی ہلکی سی جنبش سے اپنے بڑھتے ہوئے پیٹ پر رکھ کر سوچوں میں بری طرح غرق تھی

اس کے نازک جسم پر واضح طور پر اس کی حمل کی علامتیں نمایاں ہو رہی تھیں، خاص طور پر اس کا بھرا ہوا پیٹ جو چادر یا فراک کے نیچے بھی دکھتا تھا۔

بہارے ابرش کا وزن بلکل نہیں بڑھا تھا۔ پیٹ بھی چنٹ دار ڈھیلے ڈھیلے فراکس اور چادروں کے نیچے چھپ جاتا تھا۔ مگر اس کا پیٹ فراک اور چادر کے نیچے بھی دکھتا تھا۔ مگر عابیر کے جسم کی بناوٹ اور وزن میں واضح فرق آچکا تھا۔

وہ مرر میں اپنے سراپے کو دیکھتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

اسفندیار خان سفید ٹراوزر پر آف وایٹ ہاف سلیوز ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے براون بالوں سے پانی ٹپکتے اس کا چہرہ نم کیے ہوئے تھا۔ واش روم سے نکلتے عابیر پر نگاہ پڑتے اسفند کے جواں جذبوں میں طغیانی مچی تھی۔۔ جو آتشی گلابی سوٹ میں اسفند کا دل زوروں سے دھڑکا گئی تھی۔ ان نو مہینوں عابیر اسے بہت کم پاس آنے دیتی تھی۔ وہ پاس جاتا تھا تو وہ قربت کے لمحات میں شدید رونا شروع ہو جاتی تھی یا پھر اسے anxiety ہونا شروع ہو جاتی تھی۔ اپنی بیٹیوں کی وجہ سے وہ عابیر کا رویہ بمشکل برداشت کر رہا تھا۔ مرد تھا عابیر سے دوری اسے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے جواں جذبوں کو تھپک تھپک کر سلانے میں ناکام ہو جاتا تھا۔ دوسرا وہ اپنی ہونے والی بیٹیوں کو لے کر اتنا حساس تھا کہ وہ اس پیرڈ میں عابیر کا سایہ بن کر رہا

تھا۔ کوئی بزنس کوئی پروجیکٹ نہیں پکڑا تھا۔ وہ عابیر سے کہیں زیادہ اپنی جڑواں بیٹیوں کے لیے پریشان تھا۔ مگر ان گزرے ماہ میں وہ جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ عابیر کے موڈز سونگز دن رات روتے رہنا کبھی کبھی اس کے حواص بھاری کر دیتا تھا۔

مگر ان گزرے ماہ میں وہ کبھی عابیر پر بھڑکا نہیں تھا۔ مگر مرد تھا پہلو میں بے انتہا خوبصورت بیوی موجود ہوتی تھی۔ جس وہ عشق بھی دیوانوں کی طرح کرتا تھا۔ اس کے بغیر رہنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ وہ واش روم یا ٹیرس میں سگریٹ پیتے اپنے جواں جذبوں کو سلانے کی کوشش میں ہلکان ہوتا رہتا تھا۔ دماغ پھٹنے کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ دل کرتا تھا عابیر کی اچھی خاصی کلاس لے کر اسے چوبیس گھنٹے اپنی قربت کی مار مار کر اذیت دے جس طرح وہ اسے دیتی تھی۔ وہ دن رات سلگتے ہوئے سوچ سوچ کر حیران بھی ہوتا تھا

عابیر جیسی سلجھی لڑکی کیسے اسے اس کے حقوق سے نظریں چرا سکتی ہے؟؟ مگر اپنی بیٹیوں کا سوچ کر وہ پر سکون ہو جاتا تھا۔ خدا کی دی ہوئی اتنی خوبصورت رحمتوں کے بدلے وہ اپنی بیوی کا یہ سرد رویہ قیامت تک برداشت کر سکتا تھا۔ دن بدن اپنی بیٹیوں کے لیے اس کی دیوانگی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ عابیر کے پہلو میں اس کی بیٹیاں پرورش پا رہی ہیں۔ عابیر خان سے عشق دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ ابھی بھی اسے دیکھتے اسفندیار خان کا دل جیسے سینے میں دھڑکنا بند ہو چکا تھا۔ اسے پانے کے لیے وہ بے کل بے قرار ہوا۔

وہ اس کی طرف بڑھتے اسے پیچھے سے اپنے مضبوط حصار میں لیتے اس کے پیٹ پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے اس کی سائیڈ گردن کو بے حد نرمی سے چومنے لگا۔

عابیر کے گلاب رخساروں پر گھنی پلکیں سائہ فگن ہوئی تھیں۔

"ہے میرا سرخ گلاب" وہ مدہوشی میں اس کی گردن کو چومتا ہی جا رہا تھا۔ اسفندیار خان کا ایک ہاتھ اس کے سنہرے بالوں کی چٹیا میں سرک رہا تھا۔ جس کے بل وہ اپنی انگلیوں سے کھولتے اس کے سنہرے بال کمر پر بکھیر گیا۔ اسفندیار خان کے لب اب اس کی کمر پر بکھرے سنہرے بالوں میں سرک رہے تھے۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اس کے بالوں کو چومتے ہوئے اس کے سنہری بال ایک سائیڈ پر کرتے اس کی پچھلی گردن کو شدت سے چومنے لگا۔ عابیر اس کے حدت بھرے بوسوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ڈریسنگ ٹیبل کے کارنرز کو جکڑ گئی تھی۔ سانسوں میں بھونچال مچا تھا۔ اسفندیار خان دیوانگی کے عالم میں اس کی بیک زپ نیچے کھسکاتے اس کی بھری بھری کمر کو مٹھیوں میں بھرتے وہاں اپنے گرم ہاتھوں کی بے باکی

دکھاتے ہوے اس کی کمر کو اوپر سے نیچے اپنے لبوں کی تپش سے جھلسانے لگا۔

اسفند" عابیر نے اسے تڑپتے ہوے پکارا۔ وہ مزید اس کے تپش ذدہ دہکتے لبوں کا لمس نہیں سہن سکتی تھی۔ وہ بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔

"میرا سرخ گلاب" اسفند خمار آلود لہجے میں بولتے اس کی کمر کو چومتے نیچے تک آیا تھا۔

اسفند۔۔ عابیر تڑپتے ہوے اسے پکار بیٹھی وہ پھر سے اپنے لبوں کو اوپر کی جانب سرکاتے اس کی فراک کی زپ نرمی سے بند کرتے اسے سیدھا کرتے اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں گاڑھ گیا۔

زما پٹھانی زما سرہ گلاب، یوازی زما سرہ گلاب۔

(میری پٹھانی، میرا سرخ گلاب صرف میرا سرخ گلاب)

وہ عابیر کا چہرہ تھامے اب اس کے نقوش کو پاگلوں کی طرح چوم رہا تھا۔ عابیر اس کے دہکتے لبوں کا لمس اپنے نقوش پر بھی برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ تپ کر انگارہ بنی چکی تھی۔

اسفندیار خان عابیر کی سانسوں میں تپش محسوس کرتے بے چین ہوتے اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔

اسفند۔۔ عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھوں میں شبنم چمکاتے اسے دیکھا تھا۔

"میرا سرخ گلاب میری جان" تمھارا ساتھ نہیں چاہیے صرف تم چاہیے ہو۔سب کچھ میں کروں گا۔ صرف کچھ دیر کے لیے خود کو مجھے سونپ دو وعدہ ہے میرا زیادہ تنگ نہیں کروں گا۔وہ بھاری آواز میں بولتے بیڈ کی طرف بڑھتے اسے بے حد نرمی سے بیڈ کے وسط پر لٹاتے وہ اس پر نرمی سے جھکا تھا۔

عابیر اسفند کی خمار بھری آنکھوں میں دیکھتے گھبراتے ہوے نگاہیں جھکا گئی تھی۔

میرا سرخ گلاب میری سلجھی ہوئی پٹھانی کیا ہو گیا ہے تمھیں؟؟ کیوں اپنے اسفند کو ستاتی ہو؟؟ جانتی ہو تمھارے قریب رہ کر تم سے دور رہنا مشکل ہے ۔کیوں اپنے خان کو مشکلات سے دوچار کر رہی ہو۔اسفند یار اس کے سرخ

ابھرے ہوے گلاب گالوں کو نرمی سے کاٹتے اپنے ہاتھ کو اس کے فراک کے اندر الجھا گیا تھا۔

عابیر اسفند کے گھنے بالوں میں انگلیاں سلجھاتے آنکھیں موند گئی تھی۔ اسفندیار خان اس کے گلاب گالوں کو چومتے اس کی سفید بھری بھری گردن کو چومنے لگا۔

ہر جگہ سے خوبصورت ہو چکی ہو۔ وہ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھوتے مدہوش ہوا تھا۔ اسفندیار خان کو وہ بھرے بھرے سراپے میں زیادہ مدہوش کرنے لگی تھی۔ وہ اسے پہلے سے زیادہ اٹریکٹ کرنے لگی تھی۔ اسفندیار خان اس کے فراک کے اندر اس کے پیٹ پر بہت ملایمت سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔ میرا سرخ گلاب ایک مرتبہ میری رحمتیں اس دنیا میں آجائیں ساری نرمیاں ختم۔۔ تمھاری کلائیوں کو بیڈ کے ساتھ باندھ کر

تم پر شدتیں ڈھاؤں گا۔ جتنا تم نے مجھے ستایا ہے اس سے کہیں زیادہ ستاؤں گا۔ وہ گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن کو اپنی شدتوں سے جامنی کرنے لگا۔ بیٹیوں والی بات پر عابیر کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔ اسفند کی دن بدن دیوانگی بیٹیوں کے لیے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا وارڈروب بے بی گرلز سے بھر چکا تھا۔ اسلام آباد کا ایک کمرہ بھی بیٹیوں کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ یہاں بھی اسفندیار خان نے ساتھ والا کمرہ تیار کروا کر اس کا ایک دروازہ اپنے کمرے میں نکال لیا تھا۔ اسفندیار خان نماز تہجد بے قاعدگی سے پڑھنے لگا تھا۔ عابیر نے اس کی دعاؤں میں صرف اپنی بیٹیوں کی سلامتی سنی تھی۔ وہ تو اسے بھول جاتا تھا۔ بیٹیوں کے لیے اسفندیار خان کی کیسی دیوانگی تھی۔ قربت کے لمحات میں وہ

بیٹیوں کا ذکر ضرور کرتا تھا۔ عابیر کو پھر سے anxiety ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اسفند یار کے نیچے تڑپنا شروع ہو چکی تھی۔ اسے اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ سانسوں پر بوجھ بڑھتا محسوس ہو رہا تھا۔

پہلی anxiety کا دورہ اسے پریگننسی کے پانچویں مہینے پڑا تھا جب اس نے اسلام آباد کے ہاسپٹل سے اپنی سونوگرافی کروائی تھی۔ انہوں نے بھی کنفرم کر دیا تھا۔ وہ دو بیٹوں کو جنم دینے جا رہی ہے۔ اس نے پھر سے اسفند سے جھوٹ بولا تھا۔ ساری رات اسفند اس سے اپنی ہونے والی بیٹیوں کے متعلق ہی بات کرتا رہا تھا۔ عابیر خان کے سجدے بڑھتے جا رہے تھے۔ مگر اپنے جھوٹ کی وجہ سے وہ سکون نہیں پا رہی تھی۔ وہ تہجد میں اب ایک بیٹی ایک بیٹے کے لیے خدا کے آگے گڑگڑانے لگی تھی۔ اسفند اسے مدہوشی سے چومتے اس کا فراک ریموو کرنے لگا۔ عابیر گہرے سانس لیتے اسے دھکا

دے چکی تھی۔ اسفند نیم مدہوشی کی حالت میں تھا۔ اپنا مکمل وزن تک اس پر نہیں ڈالا تھا۔ عابیر کے دور دھکیلنے پر وہ لڑکھڑاتے ہوئے دوسری طرف گرا تھا۔ عابیر کے دور دھکیلنے پر اسفند کے تن بدن میں آگ لگ چکی تھی۔ عابیر اٹھ کر بیٹھتے روتے ہوئے اپنی فراک کندھوں سے اوپر کرتے اپنی زپ بند کرنے لگی۔ اسفند تکیے پر لیٹے گہرے سانس لیتے اسے خون اشام نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بدن میں عابیر کے طلب کے شرارے دوڑ رہے تھے۔ آگ لگی تھی اس کا جھٹکنا اسفند یار خان کے مردانہ وار پر کاری کر گیا تھا۔ دیوانگی کے عالم میں وہ عابیر سے محبت کرتا تھا وہ بار بار اسے ایسے جھٹکتی تھی اسفند پاگل ہونے لگتا تھا۔ جیسے آج ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ بیڈ سے اترتی اسفند اسے کلائی سے جکڑتے بیڈ پر گراتے اس پر حاوی ہوتے لمحوں میں اس کے اور اپنے بدن کا ہر پردہ ریموو کرتے اس پر اپنی شدتیں

ڈھانے لگا۔ عابیر کے لبوں سے سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔ اسفندیار غصے سے اس کے لبوں پر ہاتھ جماتے اپنی شدتیں تیز کر گیا تھا۔ اس نے اس کے علاوہ اسے اب کہیں نہیں چھوا تھا۔ وہ صرف اپنی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ جو اس کے دماغ کی نسیں بھڑکا چکی تھی۔ ان چند ماہ میں وہ گنتی کا اس عورت کے قریب آیا تھا۔ اسے تھا کہ اس پر ترس ہی نہیں آتا تھا۔ عابیر بے یقینی سے اسفند کا جنون خود پر برداشت کر رہی تھی۔ وہ اس دیوانگی کے عالم میں بھی اس کے پیٹ پر اپنا وزن نہیں ڈال رہا تھا۔ مگر اسفند کی آنکھوں کی سرخی اس کے ہاتھ کا دباؤ اپنے منہ پر بڑھتا محسوس کرتے عابیر کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو نکلتے تکیے کو بھگو رہے تھے۔ اتنے پیار سے چھونے والے شوہر کا یہ انداز برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

وہ اس پر اپنی شدتیں ڈھاتے پر سکون ہوتے اس کی گردن میں منہ چھپا گیا تھا۔ عابیر کی دبی دبی سسکیاں جاری ہوئی تھیں۔

خدا کی حکمتوں کو اب سمجھ آیا ہے خدا نے مرد پر چار شادیاں کیوں حلال کیں۔ تم جیسی عورتوں کی وجہ سے۔۔ مسسز عابیر خان۔ وہ اس کے کان میں جھکے پھنکارا تھا۔

عابیر نے بے یقینی سے اس کی بات سنتے آنکھیں پھیلائیں تھیں۔

آج تم نے ہر حد کراس کی ہے۔ میری محبت میری دیوانگی کی توہین کی ہے۔ بار بار مجھے خود سے دور جھٹکتی ہو۔ کیا سمجھوں میں؟؟ اگر ایسے میں تمھاری تذلیل کروں ہاں؟؟ وہ غرایا تھا۔

اسفند۔۔ عابیر نے اسے ٹوٹے لفظوں سے پکارا۔

مت پکارو ایسے صرف مجھے یہ بتادو کہاں جاؤں میں؟ کس کے پاس جاؤں؟؟ جایز حق حلال کا رشتہ ہے تمھارے ساتھ کہاں جا کر اپنی ضرورت اپنے اندر کی گرمی دور کروں؟؟ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں سوال داغتے عابیر کے اشکوں میں آضافہ کر گیا تھا۔

اب تب ہی تمھارے پاس آؤں گا جب تم خود چاہو گی۔ اگر ڈلیوری کے بعد بھی تم نے نہ چاہا میں تمھارے قریب نہیں آؤں گا۔ وہ سرد لہجے میں بولتے دوسری طرف ہوتے اپنے بدن کو ڈھانپ چکا تھا۔ وہ سفید میں ٹراوزر میں ملبوس بیڈ سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھتے دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔ عابیر خود پر کمبل اوڑھتے رخ پلٹ گئی تھی

عابیر سیاہ چنٹوں والے کھلے سے فراک میں ملبوس تھی۔

سنہری سلکی بال ابشار کی مانند کمر پر بکھرے تھے۔

وہ اپنے وجود کو شال سے اچھی طرح چھپائے ہوئے تھی۔

ہونٹوں پر پنک لپ سٹک آنکھوں میں بھر بھر کا جل لگائے ہوئے تھی۔

وہ اسفند کا من پسند کا ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ عابیر خود کو دیکھتے اپنے لب اظطرابی انداز میں کاٹ رہی تھی۔ اسے تو اپنا آپ کافی بے ہنگم لگتا تھا۔ وہ اچھی خاصی ہیلتھدی ہو چکی تھی۔ ٹونز کو جنم دینے جا رہی تھی۔ پیٹ بھی اچھا خاصہ نمایاں ہوتا تھا۔ چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ چمکتا تھا۔ مگر جسم" وہ اپنے بھرے بھرے وجود کو دیکھ کر روہانسی ہوئی تھی۔ کل رات کی اسفند کی باتوں پر اس کا دل بری طرح ہول گیا تھا۔ وہ اچھا خاصہ ڈر گئی تھی۔ ان چند ماہ میں اسفند اس کا جھٹکنا اس کے نخرے اس کا رونا ہنس کر برداشت کر لیتا تھا۔ مگر دوسری شادی والی بات پر وہ بیٹیوں بیٹوں کو بھول چکی تھی۔ دل

شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اسفند یار خان پر کسی عورت کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تو وہ بیٹے پیدا کرنے جا رہی تھی۔۔ اپنے جھوٹ پر اسے لگ رہا تھا وہ اسفند کو کھو دے گی۔ اسے پورا یقین تھا اسفند بیٹے ہونا برداشت نہیں کر پائے گا۔ اسے اب صرف اپنی دن رات اپنی مانگی ہوئی دعاؤں پر یقین تھا۔ خدا اس پر رحم کھا کر ایک بیٹی تو ضرور دے گا۔ اسے اب افسوس ہوتا تھا اس نے جھوٹ بولا ہی کیوں؟؟ اگر وہ جھوٹ نہ بولتی تو اسفند کبھی اس حد تک نہ جاتا۔

اسفند کی کل کی دوسری شادی والی بات روزینہ خانم کو پتہ چل جاتی تو وہ جلتی پر تیل کا کام کرتیں۔ اسفند کی شدید محبت پر روزینہ خانم اور اس کے تعلقات مزید خراب ہو چکے تھے۔ اسفند ہر وقت اس کی پرچھائی بن کر رہتا تھا۔ جو روزینہ خانم سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ سفند نے اسے ہتھیلی کا چھالہ

بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اسفند کی شدید محبت کا سوچتے عابیر کی آنکھیں بار بار جل رہی تھیں۔ اس کی دوسری شادی والی بات عابیر کے دل پر گہرا زخم لگا چکی تھی۔

عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں مسلتے گہرے سانس لیے۔ اس کی سانس بنا کوئی کام کیے ہی پھولنا شروع ہو جاتی تھی۔ پیروں میں سوجن بڑھنے لگی تھی۔ دن رات اظطرابی سوچیں اسے پاگل کیے ہوئے تھیں۔ شاید یہ پیریڈ ایسا ہی تھا۔ اسفندیار خان کا دل ٹوٹنے کی اسے اب پرواہ نہیں رہی تھی۔ اب تو اسفندیار خان کے ری ایکشن کا سوچ سوچ کر دل گھبراتا تھا۔ اپنے جھوٹ کو کیسے سچ میں بدلے۔ کیسے اسفند کو سب کچھ بتائے۔ کیسے اس کی نیلی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں دیکھیں۔ بیٹے کے حصول کے لیے مرد کا پاگل پن دیکھا تھا۔ پہلی بار کسی مرد کو بیٹیوں کے لیے پاگل دیکھا تھا۔ اسفند

کا یہ پاگل پن شدت اختیار کرتے دیوانگی میں داخل ہو چکا تھا۔ یہی دیوانگی عابیر خان کو ذہنی بیمار کر رہی تھی۔ وہ اپنی شال سے اپنے نم ابھرے گال بے دردی سے رگڑنے لگی۔ اس کے خوبصورت ابھرے گال مزید سرخ ہوتے خون چھلکانے لگے تھے۔

وہ اپنی آنکھیں رگڑتے اسفند کا من پسند poached eggs بنا رہی تھی۔ و زیادہ تر ابروڈ رہا تھا۔ ڈایٹ کانشیس تھا۔ مٹن بیف فش زیادہ تر سٹیم ہی کھانا پسند کرتا تھا۔

بابیر بہت احتیاط سے poached eggs بنا رہی تھی۔ وہ فروٹ سیلڈ تیار کر چکی تھی۔ فریش جوس بنانے کے لیے وہ اور نجز اور کریٹ چھیل چکی تھی

بہارے اسی لمحے کچن میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ریڈ گرم شرٹ دوپٹے کے اوپر ریڈ شال اوڑھے ہوے تھی۔

عابیر تم آج یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ بہارے نے اسے دیکھتے حیران ہوتے پوچھا۔

اسفند کے لیے ناشتہ بنانے آئی تھی۔ عابیر آہستگی سے بولتے اپنے وجود پر اپنی شال کو اچھی طرح جمانے لگی تھی۔ وہ اپنے بڑے پیٹ کو لے کر بھی حساس ہونے لگی تھی۔ بہارے گرم ڈریس میں گرم شال لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا پیٹ ذرا سی چبھی دکھا رہا تھا۔ وہ آیڈیل وزن کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

بہارے تمھاری بیٹی ہی ہے؟؟۔ عابیر نے اپنے رندھے ہوئی آواز پر قابو پاتے پوچھا۔

بیٹی ہی ہے۔ تین بار شہرم خان نے اپنے سامنے خود سونوگرافی کراوائی ہے۔ بلکہ ہر بار تسلی سے ڈاکٹر سے پوچھتا ہے خدا اسے بیٹی ہی دے رہا ناں؟؟ عابیر مدھم مغرور لہجے میں مسکرائی تھی۔

۔اس حویلی کے مرد بیٹیوں کے لیے زیادہ حساس ہیں۔ جیسے اسفند لالا۔۔ میں بہت خوش ہوں تمہارے گھر رحمتیں آرہیں۔ تم لکی ہو عابیر تمھیں اسفند لالا جیسے شوہر ملا۔ پتہ ہے بہرام کی مرتبہ شہرام خان کو بیٹے کی ہی خواہش تھی۔ ایک دوبار دبی آواز میں ذکر کیا تھا بیٹا ہونے کے بعد شہرام کو بیٹی کی خواہش ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہماری فیملی کمپلیٹ ہو جائے گی۔ اسے مزید بچوں کی خواہش نہیں۔ خواہش ہے تو سہی مگر میری صحت کی وجہ سے وہ مزید بچے نہیں چاہتا۔ بہار سرخ گلاب ہوتی مدھم سا ہنس پڑی تھی۔ عابیر لب کاٹتے اسے دیکھ رہی تھی۔ بہارے اس پورے عرصے میں

کافی خوش رہی تھی۔ شہرام خان بہت خیال رکھتا تھا۔ بہارے کے پیٹ میں بیٹی ہے وہ اس وجہ سے زیادہ خیال رکھتا تھا۔

بہارے اگر میری بیٹیاں نہ ہوئی تو؟؟ عابیر اس بار اپنی رندھی آواز پر قابو نہ پا سکی تھی۔

عابیر تم ویسے ہی ایسا سوچ رہی ہیں۔ بیٹیاں ہیں تو بیٹیاں ہی ہوں گی۔ ویسے میں دعا کروں گی تمھیں ایک بیٹا ہو ایک بیٹی۔ فیملی کمپلیٹ کر کے مزید بچے مت پیدا کرنا عابیر۔۔ اس حویلی کے مرد بہت شاندار پرسنیلٹی رکھتے ہیں۔ مورے نے کہا تھا مرد کو قابو کرنے کے لیے اسے بستر پر خوش کرنا پڑتا ہے۔ پتہ نہیں ٹھیک کہا تھا یا غلط عابیر۔ مگر مرد کی محبت قربت کے لمحات میں بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ اس وقت زیادہ دیوانگی محبت کا اظہار کرتا ہے۔۔

۔اپنا فگر مینٹین کرو اور لالا کو خوش رکھو. پہلی مرتبہ ہی تمھارا وزن اتنا بڑھ گیا ہے۔ دھیان رکھنا اب۔۔ یہ نہ ہو جیسے بہرام کے کچھ مہینوں بعد میں پریگننٹ ہو گئی تم نہ ہو جانا۔ بہارے مسکراتے ہوے مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔ عابیر اسفندیار خان کی رات کی باتوں کا سوچ کر مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

شہرام خان ڈائینگ روم میں ڈائینگ ٹیبل کے گرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ۔ اس کے نم بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔

سامنے روزینہ خانم اور امینہ خانم بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں۔

سمیع اللہ خان درید خان اربد خان مردانے کے لاونج میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

شہرام خان اس وقت ہاسپٹل جانے کے لیے بلکل تیار تھا

بہرام اس کے پاس ہی baby adjustable chair پر بیٹھا بنانا ہاتھ میں پکڑے اسے کھا کم رہا تھا۔ اسے منہ ہاتھوں پر زیادہ لگا رہا تھا۔

کیا کر رہا ہے میرا پیارا بیٹا؟؟ شہرام خان کوئی تیسری بار اس کا چہرہ ٹشو سے صاف کر چکا تھا۔

با۔۔با۔۔۔۔۔۔وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوے اپنے توتلی زبان سے شہرام کو پکار رہا تھا۔ بہرام نے پہلا لفظ ہی بابا پکارا تھا۔ وہ توڑ توڑ کر بابا کہتا تھا۔

اپنے بابا کی جان!!۔۔وہ مسکراتے ہوئے بہرام کے ماتھے پر لب رکھ گیا تھا۔وہ شہرام کی توجہ پر اب اب اچھل کر اس کے گود میں آنے کو ہمک رہا تھا۔

نہیں اٹھا سکتا ابھی سارے کپڑے خراب کر دو گے۔شہرام خان اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے چائے کا کپ اٹھاتے لبوں سے لگا گیا تھا۔بہرام شہرام کی اگنورنس پر گلہ پھاڑتے رونے لگا تھا۔

"کپڑے ہی گندے ہوں گے شہرام اٹھالو اسے" بہارے ڈائینگ روم میں داخل ہوتے بولی۔شہرام خان کا انداز برداشت نہیں ہوا تھا۔وہ بہرام سے زیادہ اپنے کپڑوں کا سوچ رہا تھا۔شہرام اسے اور بہرام کو ذرا بھی اگنور کرے بہارے سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

بہارے ہاسپٹل جانا ہے۔ گندے کپڑوں میں جاؤں گا۔ تم بہرام کو اٹھالو وہ چپ ہو جائے گا۔ شہرام خان سنجیدگی سے بولتے جوس کا گلاس اٹھائے لبوں سے لگا گیا تھا۔

ٹھیک کہہ رہے ہو میں اٹھا لیتی ہوں۔ بہرام خان میرا بیٹا ہے۔ تم اپنے کپڑوں کو دیکھو۔

بہارے بھیگی آواز میں بولتے بہرام کو چیئر سے اٹھائے خود کے ساتھ لپٹا گئی تھی۔ لب و لہجے میں نمی کے ساتھ درشتگی بھی تھی۔ آواز اونچی بھی ہوئی تھی

شہرام خان بہارے کی بھیگی اونچی آواز پر لب بھینچ گیا تھا۔ امینہ خانم کے چہرے پر بھی ناگواری کے تاثرات ابھرے تھے۔ جو شہرام خان سے مخفی نہیں رہ سکے تھے۔ شہرام خان اپنی مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے خود پر

بمشکل قابو پانے لگا۔ کمرے میں بہارے کچھ بھی کرے اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر یوں سب کے سامنے بہارے کا لب ولہجہ اسے گراں گزرا تھا۔ وہ بہارے پر ایک سرد سرخ نگاہ ڈال گیا جو بہرام کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔ وہ بہارے

مرد کو اپنا بیوی اور بچہ کے آگے کچھ اہم نہیں ہونا چاہیے۔ اتنا پیارا تمھارا فیملی ہے۔ خدا نے تمھیں سب سے پہلے بیٹا دیا۔ اس حویلی کا وارث دیا۔ ہمارا بیٹا کو ہی دیکھ لو لوگ بیٹا کے لیے پاگل ہوتا ہے مگر ہمارا بیٹا بیٹیوں کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ وہ بھی ایک نہیں دو دو بیٹیاں۔ پتہ نہیں کیا پلا کر ہمارا بیٹا کو کاٹ کا الو بنایا ہوا ہے۔

روزینہ خانم عابیر کو ڈائینگ روم میں داخل ہوتے دیکھتے طنزیہ بولی تھیں۔

جو مجھے پلا کر کاٹ کا الو بنایا۔ شہرام خان کرسی پر سیدھے ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے تند و تیز لہجے میں بولا تھا۔

شہرام کی بات پر بہارے کے بہتے آنسوؤں میں آضافہ ہوا تھا۔

میری بیٹیاں ہی میرا وارث ہوں گی مورے۔۔ اسفندیار خان کی گونجتی آواز پر عابیر نے اپنی بھیگی آنکھیں اسفندیار خان پر گاڑھیں تھیں۔

وہ بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس پر سفید ہی سیلولیس سویٹر پہنے ہوے تھا۔

ایسا نہیں ہوتا اسفند مرد کا نسل بیٹا سے چلتا ہے بیٹی سے نہیں۔۔ اس طرح کا جنون ہم نے نہیں دیکھا کبھی۔ وہ ارحام دیوانہ ہے حور کا۔ مگر اس کو بھی بیٹا کا خواہش تھا۔ کیونکہ وہ عقل شعور رکھتا ہے ایسا تو نہیں اس نے حور جیسا بڑا

باپ کا بیٹی کو اپنا قابو میں کر رکھا ہے۔ تمھارا طرح نہیں جو حویلی کا عورت کو قابو نہ کر سکا۔

روزینہ خانم کی بات پر شہرام خان نے پوری قوت سے ہاتھ میں پکڑا کانٹا ٹیبل پر پٹخا تھا۔

شہرام! امینہ خانم شہرام کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اسے خود پر قابو پانے کو کہا تھا۔ شہرام کے کانٹا پٹخنے پر بہرام اونچا اونچا رونے لگا تھا۔ اس کے رونے کے ساتھ بہارے کی شکوہ کناں نگاہوں میں آنسوؤں کی رمک بڑھی تھی۔ جو وہ شہرام خان پر گاڑھے ہوے تھی۔ جو سرخ چہرے کے ساتھ روزینہ خانم کو گھور رہا تھا۔

روزینہ خانم شہرام کے غصے کی پرواہ کیے بغیر اپنے اندر کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ ارحام, زاران, شہرام خان سب ہی کچھ نہ کچھ کر رہے تھے کوئی بھی

بیوی کا دم چھلہ بن کر نہیں گھوم رہا تھا سوائے اسفند کے۔ اس نے ان چند ماہ میں عابیر کے بغیر سانس نہیں لیا تھا۔ نہ وہ اپنے بزنس کو دیکھ رہا تھا۔ نہ وہ حویلی سے باہر نکلتا تھا۔ نہ عابیر کو کوئی کام کرنے دیتا تھا۔ درخشاں بیچاری چوبیس گھنٹے عابیر کے لیے کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھیں۔ اسفند اسے سب کچھ اپنے ہاتھوں سے زبردستی کھلاتا تھا۔ روزینہ خانم کینہ توز نگاہوں سے عابیر کے بڑھے ہوئے وزن کو دیکھا جو انھیں اسفند کی مہربانیاں لگتا تھا۔

ہم کو سمجھ نہیں آتا عابیر نے تم کو واقعی میں کاٹ کا الو بنا دیا ہے جو تم کو سمجھ کچھ نہیں آرہا۔ یہ بیٹے نہیں بیٹیاں پیدا کرنے جا رہی ہے۔ روزینہ خانم عابیر کے بڑے سے پیٹ کو گھورتے تنک کر کہا۔

مورے آپ کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہ آپ سمجھ سکتی ہیں مگر عابیر یہ بات اچھی طرح سمجھتی ہے میری خوشی کس میں ہے۔ ان شاء اللہ میرا رب مجھے جب بھی اولاد دے گا بیٹی دے گا۔ مجھے بیٹا چاہیے ہی نہیں۔ نہ مجھے دنیا والوں اور نہ مجھے اپنی مورے کی خواہش پوری کرنے کے لیے بیٹا چاہیے۔ اسفند سرد لہجے میں بولتے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے روزینہ خانم پر سرد سرخ نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔

ہم کو چاہیے بھی نہیں تمھارا بیٹا۔ ہمارا بابرک زندہ ہوتا وہ ہمارا لیے بیٹوں کی لاین لگا لیتا۔ اللہ تم کو کبھی تمہارا بیٹوں کا منہ نہ دکھائے۔ روزینہ خانم رندھی آواز میں اونچے اونچے کوسنے دیتے کرسی گھسیٹ کر اٹھتے دروازے کی طرف بڑھیں۔

اللہ نہ۔ کرے۔ عابیر روزینہ خانم کی بدعا پر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے تڑپ اٹھی تھی۔ عابیر کی بھیگی تڑپتی آواز پر اسفندیار خان نے اس پر غصیلی نگاہ ڈالی تھی۔ عابیر گہرے سانس لیتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

"ان شا اللہ داسی بہ وی، آمین مرے مرے آمین"

(ان شاء اللہ ایسے ہی ہو گا آمین مورے آمین)

اسفندیار خان اونچی آواز میں بولا تھا۔

مجھے لگتا ہے لالا چچی کو آپ کو اچھی طرح سمجھانا چاہیے۔۔ روز روز کا تماشہ ہونا اچھی بات نہیں۔ شہرام خان نے ناگواری سے کہا تھا۔

اور مجھے لگتا ہے تمھیں میرے اور مورے کے بیچ میں نہیں آنا چاہیے۔ اسفند جو ابا بھڑکتے ہوے بولا تھا۔

عابی بہن ہے میری اس کے آنسو مجھے برداشت نہیں۔ شہرام خان نے بھی جوابًا تند و تیز لہجے میں جواب دیا۔

اچھا پھر میں پوچھ سکتا ہوں میری بہن کی آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں؟؟ تم پچھلے بیس دن کہاں تھے؟؟ کیوں چھوڑ کر گئے میری بہن کو ایسی حالت میں؟ اسفندیار خان نے بہارے کی آنکھوں میں انسو دیکھتے مشتعل لہجے میں شہرام سے استفسار کیا۔

میں ایک کامیاب کانٹریکٹر ہوں۔ آپ کی اور باقی سب کی طرح ایک ہی بزنس پر گزارا نہیں کرتا کہ کام نہیں بھی کروں گا پھر بھی میرے اکاونٹ میں کڑوڑوں روپے ٹرانسفر ہوتا رہے گا۔ خون پسینہ بہانے سے میں اربوں روپے کا مالق بنا ہوں۔ شہرام خان اسفند کے فارغ رہنے پر چوٹ کرتے ہوے کرسی گھسیٹ کر اٹھتے ہوے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔ بہرام

شہرام خان کو باہر کی طرف بڑھتے دیکھتے اچک اچک کر بہارے کے حصار میں مچلتے گلہ پھاڑ کر رونے لگا۔

مگر وہ غصے سے ڈاینگ روم سے باہر نکل گیا تھا۔ بہارے بہرام کو تھپکتے خود پر قابو پاتے ڈاینگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

اسفندیار خان شہرام خان کے طنز پر غصے سے لب بھینچ گیا تھا۔ ارحام خانزادہ ہر مہینے اس کے اور زاران کے اکاونٹ میں ہر چھ مہینے بعد کڑوڑوں روپے ٹرانسفر کرتا تھا۔ کسی بھی نیو پروجیکٹ کی 50 پرسنٹ اماونٹ ان دونوں کے اکاونٹ میں ٹرانسفر ہو جاتی تھی۔ زاران ارحام خانزادہ کے بزنس میں پورا ساتھ دیتا تھا۔ وہ پچھلے کچھ مہینوں سے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ وہ اپنا علیحدہ بزنس کر رہا تھا۔ مگر ارحام خانزادہ پھر بھی پوری ایمانداری سے اس کا حصہ

اس کے اکاونٹ میں ٹرانسفر کرتا تھا۔ ایک شہرام خان تھا جو مشترکہ بزنس سے کچھ نہیں لیتا تھا۔

شہرام خان کا طعنہ اسفند کو نیزے کی طرح چبھا تھا۔ امینہ خانم نے اسفندیار خان کا سرخ و سفید چہرہ دیکھتے عابیر کو اشارہ کیا تھا۔ وہ اسفندیار خان کی طرف بڑھتے اس کا ناشتہ اس کے آگے رکھ گئی تھی۔

درخشاں درخشاں!! اسفند کی بلند پکار پر درخشاں بھاگتے ہوئے آئی تھی۔

جی لالا اس نے پھولتی سانسوں سے پوچھا۔

میرے لیے پراٹھے اور آملیٹ لاؤ۔ دل اوب گیا ہے اس ناشتے سے۔ وہ عابیر پر برفیلی نگاہ ڈالتے اس کا بنایا ہوا ناشتہ پرے کھسکا گیا تھا۔

جی لالا۔۔ درخشاں کہتے چلی گئی تھی۔

عابیر اسفند کی بات پر اسے زخمی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہاں سے واک آوٹ کر گئی تھی۔ اسفند غصے سے کرسی کھسکاتا ڈاینگ روم سے نکلتے کار پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

تم کو اللہ پوچھے روزینہ !! امینہ خانم ملال تاسف سے خالی ڈایینگ روم کو دیکھتے سرد آہ بھر گئی تھی۔

اسفند !! زاران خانزادہ اسے اپنے بنگلے کے کے عالیشان ڈرایینگ روم میں بیٹھے دیکھے اسے خوشدلی سے پکارتے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اسفند یار خان

صوفے سے اٹھتے مسکراتے ہوے اس کے گلے سے لگا تھا۔ وہ صبح والے ڈریس میں ہی ملبوس تھا۔

وہ سوات سے فلایٹ لے کر ڈایریکٹ اسلام آباد پہنچا تھا۔ وہ کسی حکومتی اجلاس میں شرکت کرنے گیا تھا۔ اسفند نے اسلام آباد کے ہوٹل کے کمرے میں پورا دن گزار کر آیا تھا۔ تم کیسے آ گئے ادھر ؟؟ زاران نے اسفند یار خان سے علیحدہ ہوتے معتجب لہجے میں پوچھا۔

میں نہیں آ سکتا۔ جواباً اسفند سنجیدگی سے سوالیہ انداز میں آئی برو اچکاتے زاران کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

آ سکتے ہو مگر اتنے مہینوں سے تم اعتکاف پر بیٹھے تھے اس لیے تمھیں آج ادھر دیکھ کر میں سرپرایزڈ ہوں۔ زاران خانزادہ اس کا بے انتہا سنجیدہ چہرے دیکھتے شرارتی انداز میں مسکرایا تھا۔

اسفندیار خان بنا کوئی جواب دیے سیدھے ہوتے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم آپس میں پیوست کر گیا تھا۔

اسفندیار خان کا غیر معمولی سنجیدہ چہرہ بغور دیکھتے زاران خانزادہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔ اسفند اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیے اپنی نیلی آنکھیں غیر مرئی نقطے پر گاڑھے ہوے تھا۔

کھانا لگواؤں ؟؟زارن خانزادہ نے اس کے تنے ہوے نقوش کو دیکھتے پوچھا۔

تم نے تو کھالیا ہو گا؟؟اسفندیار خانزادہ نے اسے ٹراوزر ٹی شرٹ میں ملبوس دیکھتے پوچھا۔ زاران خانزادہ اس وقت سفید ٹراوزر پر سفید ٹی شرٹ پہنے ہوے تھا۔

تمھارے ساتھ دوبارہ کھالوں گا فوڈ پوایزنگ نہیں ہو گی۔ زاران خانزادہ نے اسفندیار خان کو دیکھتے شرارتی انداز میں آنکھ ونک کی تھی۔ اسفندیار خان اس کی بات پر مدھم سا مسکرا گیا۔

شادی شدہ ہو اتنا تو جانتے ہو گے ڈنر دو دو بار کرنا پڑتا ہے۔ پہلے باہر ڈنر پارٹی پر کھا کر آؤ مگر بیوی کے سامنے کہنا پڑتا ہے تمھارے بغیر ایک نوالہ حلق سے نہیں اتارا۔ پھر اس کے ساتھ بیٹھ کر ٹھونس ٹھونس کر کھاؤ۔ اس لیے تو میرا ویٹ اچھا خاصہ بڑھ گیا ہے۔

اسفند نے زاران خانزادہ کو دیکھا جو پہلے سے کہیں زیادہ پرکشش ہینڈسم ہو گیا۔ کہیں سے بھی وزن بڑھا نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ کسرتی جسم کی بناوٹ میں مزید آضافہ ہوا تھا۔

تجھے کیا پتہ اس سب کا؟؟ تو فارغ بیٹھنے والوں میں سے ہے۔ ان چند ماہ میں تو نے ریکارڈ بستر توڑا ہے۔ زاران عام سے انداز میں بولا تھا۔ مگر زاران کی بات پر اسفندیار خان کا رنگ تیزی سے سرخ ہوا تھا۔ پیشانی پر رگوں کا جال ابھرا ہوا تھا۔ زاران کی عام سے انداز میں کئی گئی بات اسفندیار خان کو سلگا سی گئی تھی۔

!!میں ایک کامیاب کانٹریکٹر ہوں۔ آپ کی اور باقی سب کی طرح ایک ہی بزنس پر گزارا نہیں کرتا کہ کام نہیں بھی کروں گا پھر بھی میرے اکاونٹ میں کڑوڑوں روپے ٹرانسفر ہوتا رہے گا۔ خون پسینہ بہانے سے میں اربوں روپے کا مالک بنا ہوں!!

شہرام خان کی آواز سماعتوں میں گونجتی اس کے دماغ کے تازیانے ہلا گئی تھی۔ اوپر سے زاران کا وار سیدھا دل میں تیر کی طرح پیوست ہوا تھا

کیا ہوا ہے؟؟ زاران اسفندیار خان کی رنگت میں تیزی سے سرخیاں گھلتی دیکھتے پریشان ہوا تھا۔

عابیر ٹھیک ہے حویلی میں سب ٹھیک ہے۔ زاران خانزادہ نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

سب ٹھیک ہے میں یہاں پر بزنس سنبھالنے آیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے ارحام لالا اور تجھے تھوڑا آرام ملنا چاہیے۔ اسفند سیدھے ہوتے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے بولا۔

مجھے اور لالا کو آرام کی ضرورت نہیں ہے اسفند۔ مگر عابیر کو تیری ضرورت ہے۔ اب جبکہ وقت قریب ہے تجھے ادھر اس کے پاس ہونا چاہیے۔ زاران نے اسفند کے تاثرات کو جانچنے کی کوشش کرتے سنجیدگی سے کہا۔

زاران میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے کہ نہیں۔ عابیر اکیلی نہیں ہے وہاں مورے تائی جان بہارے شہرام خان سب اس کے پاس ہیں۔ بات اکیلے پن کی ہے ابرش بھابھی اور حور بھابھی بھی تو یہاں ادھر اکیلے ہیں۔ ان کے پاس تو کوئی نہیں۔ تم کیا اپنا کام دھندہ چھوڑ کر اپنی بیوی کے گھٹنے لگے بیٹھے ہو۔ تیرے تو اجلاس میٹنگز ہی ختم نہیں ہو رہیں۔ یہی حال لالا کا ہے وہ دبئ میٹنگ اٹینڈ کرنے گئے ہیں۔ مجھ سے تم ایکسپیکٹ کر رہے ہو مجھے عابیر کے پاس رہنا چاہیے۔ اسفند بھڑک اٹھا تھا۔ اسفند کے بھڑکنے زاران خانزادہ نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

زارن سیدھے ہوتے اپنے ہلکی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلا گیا تھا۔

دیکھو اسفند جہاں تک ابرش حور بھابھی کا یہاں الگ رہنے کا تعلق ہے۔ یہ مختلف معاملہ ہے۔ تم بھی عابیر کو لے کر یہاں آئے تھے۔ مگر تم اسے پھر سے سوات لے گئے کیونکہ ادھر اکیلے وہ سٹریس محسوس کر رہی تھی حتی کہ تم ہر پل اس کے ساتھ ہوتے تھے۔۔ زاران کی بات پر اسفند کو رات کا اس کا جھٹکنا یاد آیا تھا۔ وہ غصے سے اپنے سرخ و سفید چہرے پر ہاتھ پھیرتے اپنے اندر بھڑکتے آلاؤ پر قابو پانے لگا۔ عابیر کا رات کو جھٹکنا اسے زیادہ بھڑکائے ہوئے تھا شہرام کا طعنہ ،، وہ ابھی تک سمجھ نہ پا رہا تھا۔ مگر وہ بزس جو این کرنے والی بات کو لے کر کافی سنجیدہ تھا۔

ابرش حور بھابھی کے ساتھ ہر وقت ایک ملازمہ ہوتی ہے۔

تمھارا مطلب ہے میں عابیر کے لیے یہاں ملازمہ نہیں رکھ سکتا۔ ایک چھوڑ دس دس پروفیشنل ملازمائیں ہایر کر سکتا تھا۔ مگر وہ نہیں رہی اسے ادھر سوات حویلی ہی جانا تھا۔ یہاں ہوتی کم سے کم میں بزنس تو سکون سے جوائن کر لیتا۔ لیکن نہیں ایسا لگ رہا عابیر انوکھا بچہ پیدا کرنے جا رہی ہے۔ اسفندیار خان کے بھڑکنے پر زاران کے نقوش کے زاویے بگڑے تھے۔

بچہ نہیں تیری دو بیٹیاں پیدا کرنے جا رہی ہے۔ زاران خانزادہ کی بات پر اسفند کے تنے ہوئے نقوش ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ گہرا سانس لیتے خود کو پرسکون کرنے لگا۔

ہر عورت کا یہ پریگننسی پیریڈ مختلف ہوتا ہے اسفند۔ تو نے تو آج عورتوں کی طرح طعنہ مارا ہے وہ انوکھا بچہ پیدا کرنے جا رہی ہے۔ تمھیں پتہ ہونے چاہیے ہر عورت کے موڈ سونگز ڈفرنٹ ہوتے ہیں۔ عابیر کتنی سلجھی ہوئی

ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر وہ یہاں اسلام آباد میں نہیں رہ سکی تو واٹس آبگ ڈیل۔ ابرش اگر یہاں نہ رہنا چاہتی میں وہی کرتا جو وہ چاہتی تھی۔ حوربھابھی اور ابرش حویلی میں نہیں پلی بڑھیں۔ مگر عابیر حویلی میں ساری عمر رہی ہے۔ تجھے اس وقت اسے سمجھنا چاہیے تو ہے کہ ساسوں کی طرح طعنے مار رہا ہے۔ چچی کی کمی پوری کر دی آج تو نے۔۔۔ زاران نے اسفند کو گھورتے لفظ چبائے تھے۔

میں نے سوچا منسٹر کی کچھ تو عادات اپنانی چاہیے۔ آج کل تیری روح سمجھ مجھ میں سمائی ہوئی ہے۔ اسفند بھی جواباً دانت پیس گیا تھا۔

بکواس بند کر اپنی۔۔ زاران نے اسے غصے سے گھورا تھا۔

تو شروع کر لے۔۔ اسفند صوفے سے ٹیک لگائے انگڑائی لیتے اپنا سر صوفے کی سطح پر رکھ گیا تھا۔

چل اٹھ اچھا ساڈنر کرتے ہیں باہر مگر بل تو دے گا۔ میں جانتا ہوں تو کنگلہ نہیں ہے ایسے ہی اپنی بہن تجھے نہیں دی تھی۔

زاران مسکراہٹ دبائے صوفے سے اٹھتے بولا۔۔

سالا کمینہ !اسفند نے ہنوز اسی پوزیشن میں آنکھیں میچتے دانت کچکچائے تھے

چل رہا ہے کہ میں جاؤں کمرے میں۔۔ زاران اسے آنکھیں میچے دیکھتے دھمکی دینے لگا۔

چلا جلا کر لوں گا ڈنر اکیلے۔ جیسے سارا دن خواری کی ایسے رات بھی سہی۔۔ اسفند یار خان آنکھیں موندے ہی بولا۔

اگر بزنس جوائن کرنے کی خرافات تیرے ذہن سے نہ نکلی تو ایسے ہی خواری ملے گی تجھے۔۔نہ میں تجھے اپنے پاس رکھوں گا نہ لالا۔۔زاران کی بات پر اسفند سیدھے ہوتے اس پر خونخوار نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔

تجھے لگتا ہے میں لالا اور تم دونوں کے پاس رہوں گا۔اگر ایسی بات ہوتی تو میں آج کبھی سارا دن ہوٹل کے کمرے میں نہ گزارتا۔۔رشتوں کی عزت کرتا بھی ہوں کرواتا ہوں۔میری بھائیوں کی بیویاں میری بھابھیاں میری وجہ سے ان کمفرٹ فیل کرے یہ مجھے گوارا نہیں۔اسفند کی بات پر زاران کے لب مبہم سا مسکرائے تھے۔

اس لیے کہہ رہا ہوں جب عابیر کو اسلام آباد رکھو گے تب بزنس جوائن کر لینا۔ابھی تم عیش کرو۔زاران نے کہا۔

میرا اپارٹمنٹ ہے یہاں پر۔۔میں وہاں رہ لوں گا تو فکر نہ کر۔۔اسفند یار خان صوفے سے کھڑے ہوتے سنجیدگی سے بولا۔

تم سیریس ہو اسفند؟؟زاران بھی اب سیریس ہوا تھا۔

بلکل جتنی عیاشی کرنی تھی کر لی۔اسفند سنجیدگی سے بولتے زاران کے مقابل آتے اپنے ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں ڈال گیا تھا۔عابیر کی فکر نہ کرو۔میں روز یہاں سے سوات اور سوات سے یہاں سے آسکتا ہوں۔میں چاہتا ہوں تمھیں کبھی میرے کنگلے ہونے پر ایک پرسنٹ بھی شک نہ ہو۔اگر تم نے میرا اکاونٹ میرا بینک بیلنس دیکھ کر عابیر مجھے سونپی ہے تو یہ بینک بیلنس گزرتے وقت کے ساتھ میری محنت سے بڑھنا چاہیے۔۔اسفند کاٹ دار لہجے میں بولتے دروازے کی طرف بڑھا۔زاران اس کی بات کا

مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی پشت پر اپنی نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔

اب آ بھی جا منسٹر تجھے شاندار ڈنر کرواؤں۔۔ فوڈ پوائزنگ تجھے بلکل نہیں ہو گی۔ کیونکہ بڑے دنوں بعد تو حلال کی کمائی سے ڈنر کرے گا۔ وہ سنجیدگی سے بولتے دروازہ عبور کر گیا تھا۔

زاران اس کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے بھنا کر رہ گیا تھا۔ چہرہ شدید سرخ ہوا تھا۔ وہ اسے منسٹری کا طعنہ مار گیا تھا۔

سالا کمینہ ہر کسی کو اپنے جیسا سمجھتا ہے۔ وہ دانت کچکچاتے اس کے پیچھے بڑھا تھا۔

عابیر کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ سالے کمینے۔۔ زاران نے کار پورچ میں آتے اسے گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھتے ہانک لگائی تھی۔

تجھے برداشت کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں۔۔ اس لیے چلتی گاڑی سے باہر پھینکنے میں پل نہیں لگاوں گا۔ اسفند جواب دیتے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

تجھے مار کر اپنی بہن کو بیوہ کرنے کا کوئی شوق نہیں۔ ورنہ تجھے یہیں پر زندہ گاڑھ دیتا۔ زاران تپتے لہجے میں بولتے اس کی گاڑی کا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

بیوی کو بتایا کہ نہیں یہ نہ ہو میرے اوپر پہنچانے سے پہلے تو اوپر پہنچ جائے اپنی بیوی کے ہاتھوں۔ اسفند کی بات پر زاران نے بوکھلاتے ہوے اپنے

ٹراوزر میں موبایل تلاش کرنا چاہا۔ وہ واقعی میں ابرش کو بتانا بھول گیا تھا۔ وہ موبایل تلاش کرتے جھلا کر رہ گیا۔ موبایل وہ اندر چھوڑ آیا تھا۔

کوئی بات نہیں آج رات تو میرے ساتھ سڑکوں پر خوار ہو لینا میری جان۔ نہیں میرے پاس ہوٹل کے کمرے کی بکنگ ہے

زاران کے سرخ چہرے کو دیکھتے مسکراہٹ گاڑی سٹارٹ کر گیا تھا۔

سالا کمینہ !زاران کے لفظوں پر اسفندیار خان کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

پاپا۔۔۔ پریذے بھاگتی ہوئی ارحام خانزادہ کی ٹانگوں سے لپٹی تھی۔

میری پیاری بیٹی،،،، وہ جھکتے ہوے پریذے کو گود میں اٹھا گیا تھا۔

آئی لو یو پاپا،،،، پریذے نے ارحام کے دونوں گال باری باری چومے تھے۔

آئی لو ٹو میری جان۔۔ جواباً ارحام پریذے کی ہتھلیاں چومتے چومتے رک گیا تھا۔ چہرے پر ناگواری اور سرخی کی جھلک نمایاں ہوئی تھی۔ وہ سلیو لیس شرٹ پہنے ہوے تھی۔ جس کے نیچے ٹائیٹس پہنے ہوے تھی۔

ارحام خانزادہ اپنی نگاہیں پھیرتے ہوے اسے اسی لمحے گود سے اتار گیا تھا۔

پریذے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں لبالب پانی بھرے گردن اٹھائے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔ جو شدید غصے میں لگ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے اب اپنی پلکوں کو جھپک رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کو لے کر وہ بے حد سینسٹو تھی۔ ارحام کی ڈانٹ محبت اس کا سرد رویہ لمحوں میں اس پر اثر انداز کرتا تھا۔ وہ ارحام کی ایک پکار پر اپنی آنکھوں سے انسو خشک کر لیتی تھی۔ ابھی بھی وہ آنسو تک گالوں پر بہانے کی جرات نہ کر سکی تھی۔ ارحام اسے کس کرتے کرتے

رک گیا تھا۔ اس کا چہرہ کسی بات پر غصے سے سرخ ہوا تھا۔ وہ ابھی چھ سال کی نہیں ہوئی تھی مگر ارحام کے مزاج کو سمجھتی تھی۔

ارحام خانزادہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اپنے غصے پر ظبط کرنے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ وہ ایک اس بات پر اپنی بیوی اور بیٹی کو کوئی مارجن نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اپنی بیوی بیٹی پر کسی کی حوس پرست نگاہ نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

ارحام خود پر ظبط کرتے اپنے بھاری قدموں سے کچن کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کی بیوی اس وقت موجود تھی۔

پریذے اپنے آنسو ظبط کرنے کے چکر میں اپنے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگا چکی تھی۔ وہ ارحام خانزادہ کا رویہ اتنی بری طرح محسوس کر گئی تھی کہ اسے سانس آنا جیسے بند ہوئی تھی

وہ اپنے بنگلے کے بڑے سے اٹالین کچن میں داخل ہوا۔

کچن کے دروازے پر ارحام خانزادہ کا سرخ و سفید چہرہ مزید سرخ ہوا تھا۔

حور رات کی پیروں تک آتے یسیاہ گاون نایٹی میں ملبوس تھی۔ جس کے بازو فل سلیوز میں تھے۔ مگر شولڈرز پر نیٹ لگی تھی۔ جس میں اس کے دودھیا بازو جھلک رہے تھے۔ وہ اپنے لمبے بے حد سلکی چاکلیٹی بالوں کو بے حد خوبصورتی سے جوڑے کی شکل میں باندھے ہوے تھی۔

وہ اس وقت بے حد خوبصورت اور سٹایلش لگ رہی تھی۔ اس کا بھرا بھرا سراپہ،،ماں بننے کی الوہی چمک،، اس کے چہرے کی چمک بڑھا چکی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو چکی تھی۔ وہ سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان

شاہ تھی جسے سب کچھ کیری کرنا آتا تھا۔ وہ کچھ بھی پہن لیتی تھی اس کی کلاس ظاہر ہوتی تھی۔

ارحام خانزادہ آج بھی اسے دیکھتے مجسم ہو جاتا تھا۔ وہ اسے پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ اس کا اثیر ہو چکا تھا۔ وہ اس کے بچے کو جنم دینے والی تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ اس کا اثیر ہو چکا تھا۔ اسے لے کر پوزیسو ہو چکا تھا۔

مگر اس وقت وہ اسے دیکھ کر مجسم نہیں ہوا تھا۔ چہرے پر ناگواری اور غصے کی لہر نمودار ہوئی تھی۔ جیسے پریذے کو دیکھ کر اسے غصے اور ناگواری کا احساس ہوا تھا۔ ایسے ہی اپنی بیوی کو دیکھ کر احساس ہوا تھا۔

حور کچن میں اپنے ساتھ کھڑی میڈ کو انسٹرکشن دے رہی تھی۔ آج ہفتہ تھا وہ آج کا اور کل کا دن پریذے اور حور کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ اس لیے دو

دن ارحام خانزادہ کا آفس جانے کا کوئی آرادہ نہ تھا۔ دو دن بعد اس کی لندن کی فلایٹ تھی جہاں اسے بہت امپورٹنٹ میٹنگ کے لیے جانا تھا۔ اسے دو چار دن لگ سکتے تھے۔ حور کی ڈلیوری میں ابھی وقت تھا۔ میٹنگ بہت امپورٹنٹ تھی ورنہ وہ کبھی نہ جاتا۔ دو دن آفس سے آف لینے کا مقصد حور کو منانا تھا شاید وہ اس کا اس وقت اتنی دور میٹنگ کے لیے جانا برداشت نہ کرتی۔

ارحام خانزادہ اپنی بیوی کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھتے آہستگی سے چلتے ہوے حور کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔ارحام کے تنے ہوے نقوش دیکھتے وہ ارحام کو پکارتے پکارتے رکی تھی۔

"آپ جائیں ادھر سے"۔۔۔ارحام نے میڈ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

"جی سر" وہ مودبانہ انداز میں سر ہلاتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

حور ارحام کے سنجیدہ سرخ چہرے پر نظر ڈالتے وہ باؤل میں ایگز توڑتے انڈوں کا امیزہ پھیٹنے لگی۔ پریذے اس کے ہاتھ کے چیز اینڈ ایگ بریڈ ٹوسٹ بہت شوق سے کھاتی تھی۔ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی۔ وہ پریذے کو اپنے ہاتھ کا بنا ہوا کچھ نہ کچھ کھلائے۔ حور کو کچھ بھی بنانا نہیں آتا تھا مگر پریذے کے لیے وہ سمپل سی ڈشز بنانا سیکھ چکی تھی۔

اس وقت تو وہ یہ کام کر کے اپنے آنسو اندر اتار رہی تھی۔ جو ارحام خانزادہ کا سرخ تنا ہوا چہرہ دیکھ کر آنکھوں میں اتر آئے تھے۔ وہ ارحام کا ذرا سا غصہ اس کا سرد پن برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ارحام کی سلگتی نگاہوں کی تپش وہ خود پر محسوس کرتے حور نے بے دردی سے اپنا نچلا لب کاٹا تھا۔

"حور ڈونٹ ڈو دس" وہ ہمیشہ کی طرح اس کی اس حرکت پر بھڑکا تھا۔

حور اپنے لبوں کو اپنے دانتوں سے آزاد کرتے کٹنگ بورڈ پر بریڈ کے سلایس رکھتے کے اس کنارے اب کاٹنا شروع ہو چکی تھی۔

یہ کس طرح کی ڈریسنگ کر کے آج کچن میں آئی ہو؟؟ یا ہمیشہ اس طرح کی ڈریسنگ کرتی ہو تم، مجھے آج پتہ چلا ہے،، ارحام خانزادہ نے خود پر اچھا خاصہ ظبط کرتے اپنے سرد لہجے پر قابو پاتے سوال کیا۔

کیا مطلب ارحام؟ اس ڈریسنگ میں کیا حرج ہے؟ پورا گاون ہے یہ۔۔ کہیں سے میرا جسم واضح نہیں ہو رہا اور اندر کسی بھی میل ملازم کو آنے کی آجازت نہیں ہے۔ وہ گیٹ سے باہر ہوتے ہیں۔ آپ کو کیا ناگوار گزرا ہے ارحام؟؟ حور نے ڈبڈبائے لہجے میں سوال کیا۔

"Don't mention what's impossible. This is my home, and no one, not even my brother, can enter without my permission."

(جو ممکن نہیں ہے اس کی بات مت کرو یہ میرا بنگلہ ہے یہاں میری بیوی کے ہوتے ملازم تو کیا میرا بھائی بھی میری اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا)

ارحام خانزادہ جتنا اپنے غصے پر قابو پا سکتا تھا پا رہا تھا۔

اس کی نگاہیں گاون سے حور کے واضح ہوتے پیٹ اور نیٹ سے نظر اتے اس کے اس کے دودھیا شولڈر پر تھیں۔ سب کچھ واضح ہونے کے باوجود وہ کہہ رہی تھی کہ کچھ نظر نہیں آرہا۔

حور خاموش ہوتے اب انڈوں کے امیزے میں چیز کو کش کرنے لگی۔

پریذے کی ڈریسنگ کے بارے میں کیا وضاحت دو گی مجھے ؟؟ ارحام کے سرد لہجے میں کیے گئے سوال پر حور کے ہاتھ تھمے تھے۔

وہ میری بھی بیٹی ہے ارحام۔۔۔۔ میں اسے اپنی مرضی کی ڈریسنگ نہیں کرواسکتی۔ ویسے بھی اندر کسی میل ملازم کو آنے کی آجازت نہیں ہے۔

"Will you stop this nonsense?"

ارحام خانزادہ کی آواز بلند ہوئی تھی۔ حور نے بے یقینی سے اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔

ارحام خانزادہ نام ہے میرا،، بغیرت نہیں ہوں میں جس کے بنگلے میں ملازموں کی فوج دندناتی پھرے۔ وہ تمھارے گھر میں ہوتا تھا جہاں شیف سے لے کر ہر ملازم مرد ہے۔

اگر پریذے تمھاری بیٹی ہے تو تربیت کرو اس کی،،

ماں ہو کر تمھیں وہ دکھائی نہیں دیا جو صرف تمھیں دیکھنا چاہیے تھا۔ وہ سختی سے بولتے ہوئے حور کی بے یقین نگاہوں میں اپنی نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔

"سر،" ملازمہ کی پکار پر ارحام خانزادہ نے اس پر سرد نگاہ ڈالی تھی۔

"سوری سر میں کبھی یہاں نہ آتی" مگر پریذے۔۔۔۔ ملازمہ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

کیا ہوا ہے پریذے کو؟؟ ارحام خانزادہ نے ملازمہ کی طرف بڑھتے پریشانی سے پوچھا۔

"وہ لاونج میں بیہوش پڑی ہے" ملازمہ کی بات پر ارحام خانزادہ بھاگتے ہوے کچن سے نکلا تھا۔

حور گہرے سانس لیتے پیٹ پر ہاتھ رکھتے تیز تیز قدموں سے کچن سے باہر نکل آئی۔

پریذے۔۔۔۔ ارحام کی بانہوں میں پریذے کے بے جان وجود کو دیکھتے حور کی فلک شگاف چیخ بلند ہوئی تھی

ارحام پریذے کو گود میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ حور بھی تیز تیز قدموں سے ارحام کے ہمقدم ہوئی تھی۔۔

ارحام کی سرد نگاہ پر حور کے قدم تھمے تھے۔ ارحام میں اس پر بڑی سی چادر لے کر آتی ہوں۔ مگر میں ساتھ جاؤں گی۔ حور نے روتے ہوئے کہا۔

ضرورت نہیں حور تم گھر پر رہو اپنا خیال رکھو۔ ارحام سختی سے بولتے پریذے کو اپنے سینے سے لگائے داخلی دروازہ عبور کر گیا تھا۔

حور پریذے پر جھکی مسلسل اس کی پیشانی چوم رہی تھی۔ جو اس وقت گہری نیند سو رہی تھی۔ ارحام خانزادہ سیاہ ٹراوزر اور سیاہ ٹی شرٹ میں میں ملبوس صوفے پر بیٹھے بظاہر تو اپنے سامنے لیپ ٹاپ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ مگر اس کی تمام تر حساسیات اپنی بیوی پر تھیں۔

جو آف وایٹ کلر کی چنٹوں والی کافی لوز سی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ آف وایٹ شال تک سر پر اچھی طرح اوڑھے ہوے تھی۔ جب سے پریذے کو وہ ہاسپٹل سے لایا تھا۔ وہ اسے مکمل اگنور کیے ہوے تھی ۔پریذے کے بھی وہ کپڑے چینج کر چکی تھی۔ پریذے کو وہ فل سلیوز میں کھلا سا کرتا اور ٹراوزر پہنا چکی تھی۔

ارحام خانزادہ نے لیپ ٹاپ کی سکرین سے نگاہیں ہٹاتے اچٹتی سی نگاہ حور پر ڈالی جس کے چہرے پر سرخی کے ساتھ اچھی خاصی ناراضگی بھی تھی۔ ارحام خانزادہ کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ اچھی خاصی بڑی چادر سے خود کو ڈھانپے ہوے تھی۔

ارحام خانزادہ لیپ ٹاپ بند کرتے حور کی طرف بڑھا تھا۔ وہ ارحام خانزادہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتے پریذے پر جھکے مزید شدت اسے چومنے لگی۔ یہ اس سے ناراضگی کا اظہار تھا۔

بس کر دو اب اپنی بیٹی کے باپ پر بھی کچھ نظر کرم کر لو۔ کیوں چاہتی ہو میں ہی اپنی بیٹی سے حسد کروں۔ ارحام خانزادہ نے حور کے سامنے بیٹھے مسکراہٹ دبائے کہا۔

حور سٹل اس پر جھکے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

حور۔۔۔۔۔ ارحام نے اس کی خاموشی پر اسے نرمی سے پکارا۔

"I can't believe how conservative you are."

حور نے بھیگی نگاہ ارحام پر ڈالی۔

کیسے کنزرویٹو ہو امیں ؟؟ ایکسپیلن کر سکتی ہو۔ ارحام نے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں کو بغور دیکھتے پوچھا۔

آپ نہ صرف کنزرویٹو ہیں نیرو مائینڈڈ ہیں آپ کی سوچ اتنی سطحی ہے ارحام کہ آپ کے ساتھ رہتے میرا دم گھٹتا ہے۔

حور پریذے پر نگاہیں جمائے ہوے بول رہی تھی۔

حور کی بات پر ارحام کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ کنپٹی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ وہ لب بھینچے خود پر کنٹرول کرنے لگا۔ حور کی آنکھوں سے آنسو بہتے پریذے کے چہرے پر گر رہے تھے۔

بیوی آپ کو اپنے بیڈ روم میں بنا لباس کے چاہیے۔ مگر بیڈ روم سے باہر ٹینٹ اوڑھے ہوے ہو۔ کیا خرابی تھی میرے لباس میں یا پھر پریذے کے لباس میں ؟؟ ایک چھ سال کی بچی پر کون اس طرح کی پابندیاں لگاتا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے پریذے آپ کو لے کر کتنی حساس ہے ؟؟ اس پر آپ کا ذرا ذرا سا رویہ اثر انداز ہوتا ہے ؟؟ پھر بھی آپ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ حور اب پھٹ پڑی تھی۔ آواز بھی اس کی اچھی خاصی اونچی تھی

۔

ارحام اس کی تمام باتیں سنتے اس کے قریب ہوتے اس کا ہاتھ نرمی سے جکڑے اس کی ہتھیلی پر لب رکھ گیا تھا۔ حور کی آنکھوں سے مزید شدت سے آنسو بہے تھے۔ حور نے نروٹھے انداز میں سختی سے اپنا ہاتھ ارحام کی

گرفت سے کھینچا تھا۔ ارحام بیڈ سے کھڑے ہوتے جھکتے ہوے اسے گود میں اٹھا گیا تھا

ارحام۔۔۔ حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بدحواص ہوتے اسے پکار بیٹھی۔

نہیں گراتا تمھیں جان بستی ہے تم میں اور میرے بچے میں میری زندگی،،

وہ جھکتے ہوے عقیدت سے اس کی پیشانی کو چوم گیا تھا۔ حور کی آنکھوں میں شکوں کی رمک گہری ہوئی تھی۔

ارحام اسے بغور دیکھتے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ اسے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے کمرے میں داخل ہوتے بہت کمفرٹ سی راکنگ چیئر کی طرف بڑھتے اس پر بیٹھا تھا۔اور حور کو اپنی گود میں ایڈجسٹ کر گیا۔

وہ اس کی کمر میں نرمی سے اپنا بازو حمائل کیے راکنگ چیئر پر جھول رہا تھا۔شال ابھی تک حور کے سر پر اچھی طرح لپٹی ہوئی تھی۔وہ ارحام کے چٹانی سینے پر سر رکھے اس کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی۔جو معمول سے کہیں زیادہ تیزی سے چل رہی تھی۔وہ اب اس کا ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھ گیا تھا۔

پتہ ہے حور یہ دل اتنی تیزی سے کیوں دھڑک رہا ہے؟؟ارحام نے جھولتے ہوے مدھم لہجے میں سوال کیا۔

پتہ ہے میں آپ کے قریب ہوں اس لیے۔۔ حور نے خفگی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ وہ ہنوز اس کے سینے پر سر رکھے ہوے تھی۔

۔"یعنی تم اپنی اہمیت سے بخوبی واقف ہو۔" ارحام اس کے جواب پر گہرا مسکرایا تھا۔

ہمیشہ ایسے ہی دھڑکتا ہے جب جب میں آپ کے قریب ہوتی ہوں۔ اب لہجے میں خفگی کے ساتھ غرور بھی تھا۔

ارحام کے لبوں پر مسکراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

جب تمھارے قریب آنے پر دل کی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ یا تو وہ کچھ پلوں کے لیے دھڑکنا بند کر دیتا ہے یا معمول سے تیز دھڑکنے لگتا ہے۔ اتنی شدت سے چاہتا ہے یہ دل تمھیں تو بتاؤ پھر میں تمھیں لے کر کنزرویٹو کیسے

ہو سکتا ہوں؟؟ جو انسان تمھیں اتنی شدت سے چاہے کہ اس کے لیے تم سے بڑھ کر اس کا اپنا وجود بھی نہ ہو۔ وہ کیسے تمھارے لیے نیرو مائنڈڈ ہو سکتا ہے؟!۔ ارحام کے سوالوں پر وہ اب خاموش تھی۔

حور بیٹیوں کی تربیت کی یہی عمر ہوتی ہے۔ پریذے کو ہم نے آج سے ابھی سے اس لباس سے نفرت کرنا سکھانی ہے۔

بے شک وہ چھ سال کی ہے مگر تم جانتی ہو حوس پرست نگاہیں چھ سال کی بچی میں بھی وہ سب کچھ دیکھ لیتی ہیں جو وہ دیکھنا چاہتی ہیں۔

اگر میں اپنی بیوی اور بیٹی پر کسی کی نگاہ برداشت نہیں کر سکتا تو میں نیرو مائنڈڈ ہوا؟؟ میں تنگ نظر ہو گیا۔ وہ راکنگ چیئر پر جھولتے مدھم لہجے میں سوال کر رہا تھا۔ حور اس کی دھڑکنیں سنتے خاموش تھی۔ ارحام کی دھڑکنیں عجب سی خوفزدہ انداز میں دھڑک رہی تھیں۔

میں مانتا ہوں میں ایک اس معاملے میں اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکتا۔ مجھے پریذے کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔ وہ اب راکنگ چیر پر جھولتے اس کے سر کو چوم رہا تھا۔

تم مجھے بتاؤ حور کیا تم یہ نائیٹی یہ لباس حویلی میں پہن سکتی تھی۔ بے شک وہاں سب عورتیں ہی ہوتی؟؟ ارحام کے سوال پر وہ اس کے سینے سے ہی لگی سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

میں تمھیں لے کر ہوں ایکسٹرا پوزیسو،،، میں نہیں برداشت کر سکتا کہ کوئی عورت بھی میری بیوی کی خوبصورتی کو دیکھے۔ پھر تم جیسا لباس پہنو گی اس کا اثر پریذے پر بھی پڑے گا۔ تم خود وہی سب کچھ کرو مگر پریذے کو منع کرو ۔ ایسا ہو سکتا ہے کیا؟؟ وہ ارحام کے اس سوال پر بھی سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

میں یہ نہیں کہتا تم اپنے گھر میں خود کو ٹینٹ میں لپیٹو میں صرف یہ چاہتا ہوں وہ مناسب لباس پہنو جو سب کے سامنے پہنا جاتا ہے۔ وہ آہستگی سے بولتے اس کے سر سے نرمی سے شال اتارتے اس کے وجود سے بھی اتار گیا تھا۔

وہ شال ارحام نے بیڈ پر اچھالی تھی۔ وہ حور کی چادر کبھی زمین پر گرنے نہیں دیتا تھا۔

حور اب کھلے بالوں کے ساتھ فراک میں ملبوس اس کے کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی۔ ارحام اس کے بالوں کو اب نرمی سے چوم رہا تھا۔ ارحام کا ایک ہاتھ اس کی کمر کی زپ پر سرسرا رہا تھا۔ وہ چرر کی آواز کے ساتھ زپ کھولتے بند کر چکا تھا۔ حور نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا

ارحام مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ نرمی سے دونوں ہاتھوں میں تھام گیا تھا۔

تم نے کہا میں تمھیں کمرے میں بنا لباس کے پسند کرتا ہوں اور باہر چاہتا ہوں تم پورے پردے میں رہو۔ تم میرے حق پر سوال اٹھا رہی ہو حور؟؟ وہ حق جو خدا نے مجھے دیا؟ کیا میری خواہش غلط ہے؟؟ تمھیں اپنے قریب اپنی مرضی کے مطابق نہیں رکھ سکتا؟؟ وہ حور کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا۔

حور اس کے سوالوں پر اپنی گھنیری پلکیں جھکا گئی تھی۔ ارحام اس کے نگاہیں جھکانے پر گہرا مسکرایا تھا۔

بے حد فرمانبردار بیوی ہو تم!! میرے لیے خدا کا معجزہ ہو تم،، مجھے یقین نہیں آتا تم میری ہو۔ صرف میری۔ وہ بے حد محبت پاش لہجے میں بولتے اس کی پیشانی کو چوم گیا۔

آج میرا دل تمھارے قریب آنے سے نہیں اتنی شدت سے دھڑک رہا

حور۔۔۔۔۔ارحام کی بات پر حور نے نظریں اٹھائے اس کی طرف سوالیہ

نگاہوں سے دیکھا.

"خوف سے دھڑک رہا ہے" وہ اس کی اگلی بات پر مزید حیران ہوئی تھی۔

خوف؟؟حور کے لبوں نے سوالیہ انداز میں جنبش کی۔

تم نے کہا کہ تمھارا دم گھٹتا ہے میری سنگت میں؟؟تب سے دل دھڑک رہا

ہے۔میری حور دم گھٹنے کی باعث کہیں مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائے۔میں

تمھارے لیے ایسا رہوں گا حور،، تم بڑے باپ کی بیٹی ہو یا پھر اس دنیا کی

سب سے خوبصورت لڑکی۔ مگر کچھ باتوں پر میں کمپرومایز نہیں کر سکتا۔رہنا

تو ایسے ہی پڑے گا۔چاہے تمھارا دم گھٹتا رہے یا سانسیں بند ہوں۔وہ

سنجیدگی سے بولتے حور کو نرمی سے اپنی گود سے اٹھائے کھڑا کر گیا تھا۔

حور کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندے کرسی پر جھول رہا تھا۔

جاؤ حور پریذے کے پاس رکو آج رات اسے تمہاری ضرورت ہے۔ وہ آنکھیں موندے ہی سنجیدگی سے بولتے مزید تیزی سے جھولنے لگا تھا۔

حور کچھ پل اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

ارحام اضطرابی انداز میں اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ پر انگلیاں پھیرتے راکنگ چیر پر جھولنے لگا تھا

حور اس وقت بے حد خوبصورت سیاہ رنگ کی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ بے حد نفیس بے حد بڑی سی خوبصورت چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ وہ مرر میں دیکھتے خود پر پرفیوم چھڑکتی بلکل تیار تھی۔

پریذے اس کے پاس کھڑی سیاہ ہی فل سلیو لیس فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر حور نے اسے چھوٹا سا ہیڈ سکارف پہنایا ہوا تھا۔ وہ یہ سکارف پہنتے بے حد خوش تھی۔ ارحام خانزادہ کی اس دن کی باتوں پر حور نے پریذے کی ڈریسنگ مکمل چینج کر دی تھی۔ وہ خود بھی پریذے اور ملازماؤں کے سامنے مکمل ڈریس پہنتی تھی۔ جس پر وہ شال سے خود کو ڈھانپے ہوتی تھی۔

حور نے خود پر پرفیوم چھڑکتے پریذے پر بھی مایز سے پرفیوم چھڑکا تھا۔

پریذے اسے بہت ابزرو کرتی تھی۔ اگر وہ میک اپ کرے تو پریذے کی بھی خواہش ہوتی تھی وہ ویسے ہی میک اپ کرے۔ اس لیے حور نے میک اپ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ سکول سے آنے کے بعد رات تک وہ حور کے بغیر سانس بھی نہیں لیتی تھی۔ وہ ہر پل حور کے ساتھ رہتی تھی۔

رات کو بھی وہ ارحام کی وجہ سے میڈ کے ساتھ دوسرے کمرے میں سوتی تھی۔ ارحام کا وہ ہر حکم خاموشی سے مان لیتی تھی۔ ساری ضدیں وہ حور کے ساتھ ہی کرتی تھی۔ جو پوری کرتے کرتے حور ہلکان ہو جاتی تھی۔

ماما۔۔۔۔ پریذے نے گردن اچکائے حور کو پکارا۔

جی ماما کی جان۔۔۔ حور نے مسکراتے ہوئے پریذے کی طرف دیکھا۔ ماما میں کب آپ کی طرح ایسی شال لوں گی۔ مجھے بھی اتنی بڑی شال لینی ہے۔ وہ حور کی طرف دیکھتے معصومیت سے بولی تھی۔

حور پریذے کی بات پر مسکرا گئی تھی۔ ارحام کے لفظ اس کی سماعتوں میں گونجے تھے۔

!پھر تم جیسا لباس پہنو گی اس کا اثر پریذے پر بھی پڑے گا۔ تم خود وہی سب کچھ کرو مگر پریذے کو منع کرو۔ ایسا ہو سکتا ہے کیا؟!

جب میرے جتنی بڑی ہو جاؤ گی۔ حور جھکتے ہوئے پریذے کی پیشانی کو چوم گئی تھی۔

ماما ہمارا بے بی کب آئے گا۔ اب تو آپ کی ٹمی بہت بڑی ہو گئی ہے۔ پریذے کے اگلے سوال پر حور گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ وہ ایسے سوال کر کر کے اسے زچ کر دیتی تھی۔

اب سمجھ آیا تھا ارحام نے اسے پریذے کو بتانے سے کیوں منع کیا تھا۔

پریذے آپ زاران چاچو کے پاس آج رہو گی۔ ابرش آنٹی کے پاس۔۔۔ انہوں نے آپ کے لیے ڈھیر سارے ٹوایز لیے ہیں۔ حور نے بات بدلی تھی۔

واؤ چاچو کے پاس،، پریذے کلیپنگ کرتے خوشی سے اچھلنے لگی تھی۔

"Don't bother anyone there, and don't even ask Abrash Aunti any questions, okay?"

حور نے اس کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

اوکے ماما۔۔۔ وہ چہکتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹی تھی۔

حور نے بیڈ سے اپنا موبائل اٹھائے اس میں میسجز دیکھے اس میں ایک بھی میسج اس کا نہیں تھا۔

وہ پچھلے پانچ دنوں سے لندن میں تھا۔ اس دن وہ صبح صبح آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ فون پر ہی اسے بتایا کہ لندن میں امپورٹنٹ میٹنگ ہے۔۔ پچھلے پانچ دنوں سے وہ باقاعدگی سے فون کر رہا تھا۔ آئی مس یو لو یو،، آئی مس یو،،، کے ڈھیروں میسج ہوتے تھے۔ مگر فون پر وہ اسے وہ صرف اپنا خیال رکھنے کو کہتا تھا۔ حور اس کا یہ رویہ شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ اس دن کے بعد عجیب سا کھنچاؤ سا آ گیا تھا ان دونوں کے بیچ۔۔۔۔

میری جان، میری زندگی، مائی لو میری خوبصورت بیوی،، کے ہزاروں میسج ہوتے، مگر فون پر بات کرتے وہ اجنبی سا بن جاتا۔ حور بھی اس کے رویے پر خاموش سی ہو گئی تھی۔ اس کے کسی میسج کا جواب نہیں دیتی تھی۔

فون پر جیسے وہ بات کرتا وہ بھی ویسے ہی بات کرتی۔

وہ اس کی خیریت پوچھتا، کھانا کھانے کا پوچھتا، وہ ہوں ہاں میں جواب دیتے پریذے کو فون پکڑا دیتی وہ دس منٹ پریذے سے بات کر کے فون رکھ دیتا۔

کل سے اس نے کوئی میسج بھی نہیں کیا تھا نہ کوئی فون کیا تھا۔ حور کی غلافی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھری تھیں۔

اس کنڈیشن میں اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ فی میل ملازماؤں کی تعداد بڑھا گیا تھا۔ باہر گیٹ پر بھی گارڈز کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ خود تو نہیں تھا۔ حور کے دل میں ارحام کے لیے خفگی غصہ کے ساتھ کدورت سی بڑھی تھی۔۔

کل سے ایک میسج تک نہیں کیا تھا۔ پانچ دنوں میں ایک ویڈیو کال نہیں کی تھی۔ ایک تصویر تک اس سے نہیں منگوائی تھی۔ پچھلے ہفتے ایک دن کے لیے دبئی گیا تھا۔ کتنی ہی اس کی تصویریں منگوائی تھیں۔ اب اس کی ایک ذرا سی بات کو دل پر لے گیا تھا۔

حور اپنا موبایل اپنے بیگ میں ڈالے پریذے کا ہاتھ پکڑے کمرے سے نکلتے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حور کی بڑی سی گاڑی سلطان شاہ کی بہت بڑی گاڑی کے آکر رکی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہاتھ میں بکے پکڑے گاڑی سے نکلی تھی۔ وہ اس وقت خود کو اچھی طرح چادر سے لپیٹے ہوے تھی۔ اپنا چہرہ تک بہت اچھے طریقے سے کور کیا ہوا تھا۔

سلطان شاہ کے درجنوں گارڈز اس کی گاڑی کے گرد تعینات تھے۔۔

حور کو گاڑی سے نکلتے دیکھتے سلطان شاہ کا گارڈ آگے بڑھتے سلطان شاہ کے لیے دروازہ کھول گیا۔

سلطان شاہ گاڑی سے نکلتے مسکراتے ہوئے حور کی طرف بڑھے تھے۔ حور گہرا سانس لیتے سلطان شاہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کی زندگی میں آنے والے دو مرد انتہائی سحر انگیز اور شاندار تھے۔ دونوں ہی اس پر اپنی جان دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ان دو مردوں کی محبت میں خود کو بہت بے بس اور قید محسوس کرتی تھی۔ ان دو مردوں کی حق ملکیت اور پوزیسونیس اس کے لیے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ان دونوں مردوں پر جان چھڑکتی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے خار کھاتے تھے۔ سلطان شاہ کی وجہ سے آج وہ پریذے کو ابرش کے پاس چھوڑ کر آئی تھی۔ وہ اس کے اور اپنے بیچ کسی

تیسرے کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ پریذے کو ابرش کے پاس چھوڑنے سے وہ کتنی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی۔ یہ دونوں مرد اپنی پوزیسونیس کے چکر میں اس کا دل کتنا دکھاتے تھے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔

وہ اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے رگڑ گئی۔ وہ ستم گر یاد آیا تھا جو ذرا سی بات پر اس سے روٹھ گیا تھا۔

خود غرض ظالم سنگدل خان!! حور کے دل سے ہوک سی اٹھ رہی تھی۔ وہ اس کنڈیشن میں اس سے یوں خفا ہو کر اس کا دل بے حد دکھا گیا تھا وہ اس کی محبت اس کی دیوانگی کی عادی ہو چلی تھی۔ وہ خفگی بھرے انداز پر اپنے چہرے سے نقاب گرا گئی تھی۔ اس کی ناراضگی کا بدلہ اتارا تھا۔ پتہ نہیں کیوں دل بغاوت کرنے پر اتر آیا تھا۔ وہ اس کا غصہ ڈانٹ ناراضگی تک

برداشت کر سکتی تھی۔ مگر اس کی بے اعتنائی نہیں۔ وہ پچھلے پانچ دنوں سے بے اعتنائی پر اتر آیا تھا۔

سلطان شاہ گرے پینٹ کوٹ پہنے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہیپی برتھڈے پاپا۔۔۔۔ وہ بکے سلطان شاہ کو تھماتے ان کے سینے سے لگ چکی تھی۔ سلطان شاہ کی دھڑکنیں سنتے وہ گہرا مسکرائی تھی۔ کوئی فرق نہیں تھا اس کے شوہر اور باپ کی دل کی دھڑکنوں میں۔ دونوں ایک جیسے ہی دھڑکتی تھیں۔ جب جب وہ ان دونوں کے ساتھ لپٹتی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے سلطان شاہ کے سینے پر اپنے لب رکھ گئی۔

وہ اس کی کمر کے گرد نرمی سے بازو حمائل کرتے ہوئے اس کے سر پر لب رکھ گئے تھے۔ حور کے لب پھر سے مسکرائے تھے۔ وہ بھی تو اس کے گرد بازو حمایل کرتے اس کے سر کو چومتا تھا۔ وہ ستم گر پھر سے یاد آیا تھا۔

کیوں لائی ہو پھول میری جان؟؟ جانتی ہو اس دن میں اپنی بیٹی کو کچھ دیتا ہوں۔ مجھے اس دن صرف اپنی بیٹی کا مکمل وقت چاہیے ہوتا ہے۔ سلطان شاہ اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی پیشانی پر لب رکھ گئے۔ بو کے وہ پاس کھڑے گارڈ کو تھما گئے تھے۔

پاپا۔۔۔۔۔۔ کیا میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتی۔ میری برتھڈے اپنی برتھڈے آپ مجھے ڈھیروں گفٹ دیتے ہیں۔ حور نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔

تمھاری مسکراہٹ تمہارا وقت میرے لیے سب کچھ ہوتا حور۔۔وہ اس کی ہتھیلی کو نرمی سے چوم گئے تھے۔

آج کونسی زمین کونسی گاڑی کونسا ہوٹل میرے لیے خریدا؟؟حور نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

وہ اس کے لیے جیسے پورا سوات خریدتے جارہے تھے۔جو پرپرائی سیل ہونے کا سنتے وہ حور کے لیے خرید لیتے۔وہ یہ سب کچھ ارحام کو جتانے کے لیے بھی کرتے تھے۔وہ جانتی تھی۔پہلے وہ اس کے لیے لندن امریکہ دبئ اسٹریلیا میں پراپرٹی خریدتے تھے۔اب تو یہاں کے پہاڑوں کو خریدتے جا رہے تھے یا پھر وہ اسے ارحام کے سامنے مضبوط بنانا چاہتے تھے۔وہ ارحام پر جتاتے تھے حور کو اس کی یا کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وہ بھلا کیا ارحام خانزادہ کے بغیر مضبوط ہو سکتی تھی؟؟ جس نے اسے پل پل تحفظ کا احساس دلایا تھا۔ آج وہ اس کی وجہ سے اس کھلی فضا میں بنا کسی ڈر کے سانس لے سکتی تھی؟؟ وہ آج شدت سے یاد آ رہا تھا۔ دل غم و غصے کا شکار ہوا تھا۔

میں نے اپنی بیٹی کے لیے بہت خوبصورت جگہ خریدی ہے۔ کالام کے پہاڑوں کے بیچ ایک ریسٹ ہاوس خریدا ہے۔ تمھیں بہت شوق تھا بچپن میں ان پہاڑوں کو دیکھنے کا۔ سلطان شاہ اس کی ہتھیلی نرمی سے سہلاتے بول رہے تھے۔

آپ مجھے کبھی بھی یہاں نہیں لاتے تھے۔ حور ان کی بات کاٹتے ہوے خفگی بھرے انداز میں بولی۔

تم جانتی ہو کیوں نہیں لاتا تھا؟؟ سلطان شاہ کی بات پر حور خاموش ہوئی تھی۔

تمھاری ان پہاڑوں سے محبت دیکھو تمھیں انھیں پہاڑوں کا کر گئی۔ سلطان شاہ نم سا مسکرائے تھے۔

او۔۔۔ پاپا۔۔ اب تو آپ کے پاس ہوں۔ کتنے مہینوں سے نہیں گئی میں وہاں،،، حور نے سلطان شاہ کے گال پر ہاتھ رکھا۔

اس لیے نہیں گئی وہ لے کر نہیں گیا۔ جس دن وہ لے کر گیا تم چلی جاؤ گی۔ سلطان شاہ تلخی سے مسکرائے تھے۔

وہ شوہر ہے میرا پاپا۔۔۔ جہاں رکھے گا وہیں رہوں گی ناں۔۔۔ حور نے سلطان شاہ کی نم آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

تم اپنی مرضی کر سکتی ہو حور۔۔۔ تم ایک عام لڑکی نہیں ہو جسے وہ اپنے تابع کر کے رکھے۔ تم اس کی بیٹی کو پالو۔۔ سلطان شاہ بھڑک اٹھے تھے۔

پاپا۔۔ "پریذے بیٹی ہے میری"،۔۔۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے؟۔ وہ مجھے اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ حور نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"Oh, come on, don't talk like a naive child. She's just Arham's daughter."

سلطان شاہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"I can't believe you're saying this."

حور نے بے یقینی سے کہا۔

ماہ جبین تمھاری ماں نہیں بن سکی اور نشا میری بیٹی تو وہ پریذے کیسے تمھاری بیٹی ہو سکتی ہے۔ سلطان شاہ تلخی سے مسکرائے تھے

ہر کوئی ماہ جبین اور سلطان شاہ نہیں ہوتا۔ یہ مجھے ثابت کرنا ہے۔ حور مظبوط لہجے میں بولی تھی۔

تم یہ ثابت کرنے کے لیے کر رہی ہو۔ سلطان شاہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"For God's sake, Papa, how can you say such things? She's my daughter, and I love her more than myself. I love her more than you and Arham."

(فار گاڈ سیک پاپا آپ یہ کیسے باتیں کر رہے ہیں پریذے میری بیٹی ہے میں اس سے خود سے بھی زیادہ محبت کرتی ہوں۔ حتی کہ آپ سے اور ارحام سے بھی زیادہ)

حور دبی آواز میں چلائی تھی۔

سلطان شاہ خاموش ہو گئے تھے۔۔وہ حور کو ایک نگاہ دیکھتے خاموشی سے آگے بڑھ گئے تھے۔

او پاپا۔۔۔۔ حور اپنی کنپٹی سہلاتے سلطان شاہ کی طرف بڑھی تھی۔

تم جاؤ حور میں آج کا دن خود کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ جب میں تمھاری زندگی میں سب سے بعد میں آتا ہوں تو تم ان لوگوں کو وقت دو جو تمھاری زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ سلطان شاہ سنجیدگی سے بولتے اپنی آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز لگا چکے تھے۔

پاپا آپ ایک چھوٹی سی بچی کے ساتھ جیلس ہو رہے۔ تمھیں لگتا ہے بات اتنی سی ہے حور؟؟ سلطان شاہ بھڑکے تھے۔

کیا ہوا ہے پاپا؟ حور پریشانی سے ان کی کلائی تھام گئی۔

تمھارا وہ شوہر لندن گیا ہے کیا وہ تمھیں میرے پاس چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ جب سے تم اسلام آباد آئی ہو گنتی کے چند دن تم میرے پاس رکی ہو۔ ہماری ہر ملاقات میں پریذے تمھارے ساتھ ہوتی ہے۔

لیکن پاپا آج تو نہیں وہ۔۔ کس کے پاس چھوڑ کر آؤں بیٹی ہے وہ میری۔۔ حور کی آواز بھرائی تھی۔ سلطان شاہ اس کی بھیگی آواز پر لب بھینچ گیے تھے۔

آئی ایم سوری میری جان۔ میں ایکسٹرا پوزیسو ہو گیا۔۔ سلطان شاہ اسے اپنے سینے سے لگا گئے۔

ایکسٹرا نہیں بہت زیادہ۔۔۔ حور نے سلطان شاہ کے سینے پر سر رکھے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

کیا کروں میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہی سب کچھ میری ہے۔ سلطان شاہ نے نم آواز میں کہا۔

میرے بھی ایک ہی پاپا ہیں اور میں ان سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ حور نے نروٹھے انداز میں جواب دیا۔

اچھا ایسی بات ہے تو چلو پھر آج کا سارا دن اور کل کا دن میرے ساتھ گزارو جیسے بچپن میں گزارتی تھی۔ سلطان شاہ نے اس کی ہتھیلی چومی۔

بچپن میں آپ مجھے ہیلی کاپٹر میں گھماتے تھے۔ حور بھیگی سی ہنسی تھی

آج بھی ہیلی کاپٹر تیار ہے جانتا تھا تم منع کر دو گی۔ مگر میں نے پھر بھی سب کچھ ارینج کروایا۔

میں کیوں منع کروں گی ؟!۔ سلطان شاہ کی بات پر حور نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا.

تمھاری کنڈیشن۔۔۔ سلطان شاہ مدھم آواز میں بولے۔

کچھ نہیں ہوتا پاپا میں چل سکتی ہوں۔ڈاکٹر نے سب کچھ نارمل کہا۔میں نارملی سیفلی ٹریول کر سکتی ہوں۔

پندہ بیس منٹ کا ٹریول کر سکتی ہوں۔حور نے مسکراتے ہوے کہا۔

نہیں میری جان اگلے سال اگر میں زندہ رہا تو؟؟سلطان شاہ آہستگی سے ہنسے تھے۔

پاپا۔۔حور تڑپتے ہوے ان کے سینے میں سمائی تھی۔

پاپا میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔۔میں یہ دو دن آپ کے ساتھ گزاروں گی۔حور سلطان شاہ کی بات پر تڑپ سی اٹھی تھی۔اسے اس پل شدت سے احساس ہوا تھا وہ ارحام اور پریذے کی وجہ سے سلطان شاہ کو اگنور کرتی ہے۔

لیکن حور میری جان۔۔۔

پلیز پاپا کچھ مت کہیں۔۔ میں یہ دن ویسے ہی گزارنا چاہتی ہوں جیسے بچپن میں گزارتی تھی۔ پلیز۔۔ پاپا۔ وہ التجائیہ بھیگے لہجے میں بولی۔

سلطان شاہ مسکراتے ہوے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔

حور سلطان شاہ کے ساتھ ہیلی کاپٹر سے اترتے اس خوبصورت ریسٹ ہاوس کی طرف بڑھی تھی۔ جو اس وقت برف کی وجہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ کالام کا یہ حصہ برف سے سفید تھا۔ یہاں ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی۔

پاپا یہ سب بہت خوبصورت ہے یہ جنت ہے۔ حور خوشدلی سے مسکرائی تھی

۔

سلطان شاہ مسکراتے ہوے حور کو بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھ گئے

تھے۔

یہاں آس پاس کوئی گھر کوئی ہوٹل کوئی ریسٹ ہاوس نہیں تھا۔ یہ ریسٹ

ہاؤس پہاڑوں میں گھرا تھا۔ یہاں سلطان شاہ کے کچھ گارڈز پہلے سے موجود

تھے۔ حور سلطان شاہ کی ہوئی ارینجمنٹ دیکھ کر مسکراتی جارہی تھی۔۔

وہ بچپن میں اپنی سالگرہ پر بھی اس کے لیے پورے بنگلے کو ڈزنی ہاؤس کی

طرح سجادیتے تھے۔ اب بھی وہ یہ سب کچھ کرتے اس کے لیے یہ دن

سپیشل بنانے کی کوشش کرتے تھے۔

حور مجھے سمجھ نہیں آتی میں تمہارے لیے کیا کروں؟ کیا گفٹ دوں؟؟ کیا تمھارے لیے خریدوں۔ دنیا کی ہر چیز ہر نعمت تمہارے سامنے پھیکی لگتی ہے۔ تمھیں خوش کرنے کے لیے یہ سب کرتا رہتا ہوں۔

پاپا میں بہت خوش ہوں مجھے یہ سب بہت پسند آیا۔ حور ان کے بازو سے لپٹتے ہوے بولی۔ برف باری یکدم تیزی سے برسنے لگی تھی۔ سلطان شاہ اپنا کوٹ اتار کر حور کے گرد پھیلا گئے تھے۔ حور ان کے ایکٹ پر کھل کھلا کر ہنس پڑی تھی۔

سلطان شاہ اسے لیے ریسٹ ہاوس کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ یکدم برف باری کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔

سلطان شاہ نے حور کو صوفے پر آرام سے بٹھاتے جھکتے ہوے اس کے پیروں سے جوتے اتارے۔ حور سلطان شاہ کو دیکھتی بھیگا سا مسکرائی تھی۔

وہ اس کے قریب بیٹھتے اس کی ہتھیلیوں کو شدت سے چومتے اس کی پیشانی پر لب رکھ گئے تھے۔

او۔۔ پاپا۔۔ حور بھیگی آواز میں انھیں پکارتے ان کے سینے سے لگی۔

میں اپنی بیٹی کے لیے اس کی مرضی کا اچھا سا لنچ تیار کرتا ہوں۔ پھر دونوں مل کر لنچ کریں گے اور کوئی اچھی سی مووی دیکھیں گے۔

اور مووی دیکھتے بزنس پر بات کریں گے۔ حور منہ بناتے ان کی بات کاٹ گئی تھی۔ سلطان شاہ اس کی بات پر قہقہ لگا گئے تھے۔

تم بھی تو بچپن سے میچ کے دوران موویز کی باتیں کرنا شروع ہو جاتی تھی

۔سلطان شاہ نے مسکراتے ہوے کہا۔

پاپا بورنگ میچ آپ کے ساتھ بیٹھ کر ساری ساری رات دیکھے ہیں۔ اتنا سا بھی

انٹرسٹ نہیں ان میچز میں

مجھے۔ حور انے پنے منہ کے زاویے بگاڑے۔۔

اگر میں تمھارے ساتھ وہ بورنگ موویز دیکھ سکتا تھا تم بھی میچ دیکھ سکتی

تھی۔ بدلہ پوری طرح لیتا ہوں میں۔ جی نہیں پاپا آپ میرے بغیر وہ میچ

نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے یقین ہے میرے بعد آپ نے کبھی میچ نہیں دیکھا ہو گا

۔حور بولتے بولتے لب دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

ایسی ہی بات ہے حور۔۔ تمھارے بغیر سانس لوں غنیمت ہے وہ میچ کیسے دیکھوں گا۔ وہ سنجیدگی سے بولتے کچن کی طرف بڑھ گئے تھے۔

حور لب کاٹتے ہوے اپنی نگاہیں بڑے بڑے گلاس والز سے باہر نگاہیں جما گئی تھی۔ جہاں برف باری کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ سلطان شاہ کی باتوں کو سوچتے اپنی نم نگاہیں گلاس وال پر جمائے ہوے تھی۔ اس ستمگر کا خیال آیا تھا۔

حور نے اپنے بیگ سے موبائل نکالا۔ جہاں اس کا کوئی میسج کوئی کال نہیں تھی۔ حور ارحام کا سارا غصہ اپنے لبوں پر اتارنے لگی تھی۔ جن کا وہ دیوانہ تھا۔

برف باری تھی بڑھتی جارہی تھی۔ پہاڑوں میں گرا ریسٹ ہاوس مکمل طور پر سفید چادر سے لپٹا جارہا تھا۔ گلاس ونڈو سے نظر آتا ہیلی کاپٹر بھی برف میں ڈوبتا جارہا تھا۔

اب تو اس گلاس وال کو برف کی چادر ڈھانپتی جارہی تھی۔ ان سفید برف سے ڈھکے پہاڑوں پر تاریکی کے سائے بڑھتے جارہے تھے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ریسٹ ہاؤس کسی دور دراز قصے کی گواہی دے رہا ہو۔ برف کی سفید تہہ میں ڈوبا ہوا منظر، گلاس کی کھڑکی سے باہر گم ہوتا ہیلی کاپٹر، اور برف میں غرق ہوتی ہوئی ہر چیز، یہ سب کچھ ایک خواب کی مانند تھا۔ وہ کسی اضطرابی غمگین سوچ میں ڈوبی سب چیزوں کا گہری نگاہوں سے مشاہدہ کر رہی تھی۔

وہ سیاہ لباس میں کھڑی اپنے ہونٹ مسلسل کاٹ رہی تھی۔۔اس کی غلافی کانچ سی نم آنکھیں ہاتھ میں پکڑے موبایل پر تھیں۔جہاں سے وہ کسی سے رابطہ نہیں کر پا رہی تھی۔موسم کی خرابی سے تمام رابطے منقطع ہو چکے تھے۔وہ مسلسل اظطرابی کیفیت میں اس موبایل سے باری باری نمبر ڈایل کر رہی تھی۔مگر مسلسل ٹوٹو کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔اس ستمگر کا لاسٹ میسج اب دو دن پہلے کی تاریخ شو کر رہا تھا۔اس سے بات ہوے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے وہ بے یقین تھی۔موبایل کی مسلسل ٹوٹو کی آواز اس کے دل کے کسی گہرے کونے میں گونج رہی تھی۔وہ مسلسل نمبر ڈائل کر رہی تھی۔مگر ہر بار رابطہ ٹوٹ جا رہا تھا۔

وہ اس کی آواز سنے اس سے بات کیے بغیر رہ رہا تھا۔اسے اپنے بچے تک کی پرواہ نہ تھی۔وہ اپنا غصہ خفگی بھلا کر اسے کتنے گھنٹوں سے رابطہ کرنے کی

کوشش کر رہی تھی۔ مگر رابطہ نہ کر پا رہی تھی۔ حور تھک ہار کر صوفے پر نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئی۔ کل تک شاید موسم کی صورتحال بہتر ہو پاتی وہ یہاں سے نکل پاتی۔ وہ خود پر قابو پاتے اپنے لبوں پر مزید ظلم ڈھانے لگی۔ اسے یقین تھا وہ اپنی آنا میں شاید لندن سے دو چار دنوں بعد ہی آئے۔ تب تک وہ گھر پہنچ ہی جاتی۔ اسے اس ستمگر کی ہر بات اب جھوٹ لگتی تھی۔ اس کی دیوانگی محبت جھوٹی تھی۔ اگر سچ ہوتی تو وہ اس سے یوں دو دن لاتعلق نہ ہو جاتا۔

اسے بھی اس ظالم سنگدل انا پرست خان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسے صرف اپنی بیٹی کا خیال آ رہا تھا۔ وہ اس کے بغیر یقیناً رو رہی ہو گی۔ پریذے کا سوچ کر حور کا دل ڈوبتا ہی جا رہا تھا۔۔۔ وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ اگر وہ سچ میں محبت کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اس کا دل اب ارحام کی محبت کو جھوٹ سمجھ

رہا تھا۔ کیونکہ اگر وہ واقعی چاہتا تو وہ اس سے دو دنوں تک لاتعلق نہ رہتا۔

اسے اب آج شدت سے اندازہ ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ اسے پاگل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کی لاتعلقی بیگانگی اسے پاگل کر رہی تھی

ارحام خانزادہ لندن کی سٹی ساوتھ وارک کے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا اظطرابی انداز میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

!! آپ نہ صرف کنزرویٹو ہیں نیرو مائینڈڈ ہیں آپ کی سوچ اتنی سطحی ہے

ارحام کہ آپ کے ساتھ رہتے میرا دم گھٹتا ہے !!

وہ اس کی بات کو بھول ہی نہ پا رہا تھا۔ اس کی حور کا دم گھٹتا تھا اس کے ساتھ ؟؟ جب جب یہ بات سوچتا دل میں شدت سے درد اٹھنے لگتا۔ وہ بتیس سال کا ہونے کے باوجود ایک ٹین ایج لڑکے کی طرح اپنی بیوی کی اس بات کو آج پانچ دنوں سے سوچ رہا تھا۔

یہ بات اس کی صرف بیوی کرتی وہ اسی لمحے سر جھٹک کر بھلا دیتا۔ مگر یہ بات حور نے کہی تھی اس کی حور نے جس سے وہ شدت سے عشق کرتا تھا۔ اگر وہ غصے میں بھی تھی کیسے وہ یہ کہہ سکتی تھی۔ وہ تو اس سے اتنی شدت سے عشق کرتا تھا۔ دن بدن ہر لمحہ خود کو اس میں قید ہوتا محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس کی بیوی ہی نہیں سلطان شاہ کی بیٹی حور بھی تھی۔ وہ آج بھی حور کو کھونے سے ڈرتا تھا۔ جب جب سلطان شاہ اس کے لیے کوئی جائداد خریدتے اس کے لیے نئی گاڑی وہ انسکیور ہونے لگتا تھا۔

وہ دن رات محنت بھی اس لیے کرتا تھا۔ وہ حور کو زیادہ سے زیادہ لگژری زندگی دے سکے۔ مگر وہ اسے آزادی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اسے دنیا کا ہر کونہ گھما سکتا تھا، مگر اسے تن تنہا اپنے بنگلے سے باہر بھی نکلنے کی آجازت نھیں دے سکتا تھا۔ اس کی چاہت اس کی دیوانگی اپنی حور کو ایک لمحہ اپنی پناہوں سے آزاد کرنے کی آجازت نہیں دے سکتی۔

اس کے بے رحم لفظ ٹھک کر کے کسی زہریلے تیر کی طرح سینے میں پیوست ہوے تھے۔

وہ ان مہینوں میں پہلی بار اس سے ناراض ہوا۔ آفس اسے سے فون کر کے بتایا وہ لندن میٹنگ کے لیے جارہا ہے۔ وہ فون پر یہ سنتے خاموش ہو گئی تھی کوئی ناراضگی خفگی کا اظہار تک نہ کیا۔ وہ خود ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا۔

مگر اسے اس کی ناراضگی کی ذرا برابر پرواہ نہ تھی۔ اس لیے اس نے کسی قسم کا رسپانس نہ دیا تھا۔

وہ غصے اور ناراضگی میں لندن چلا آیا تھا مگر اس نے پھر بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ اسے ڈھیرے سارے میسج کرتا رہا تھا۔

جان،، لو یو،، مس یو،، زندگی، مائی لو،، میری خوبصورت بیوی،، مائی بچہ،، عشق۔۔۔۔۔

وہ ایک ایک کرتے کتنے ہی میسجز کرتا رہا تھا۔ ایک میسج کا ریپلائے نہیں کیا تھا۔ وہ دن میں کتنے فون کر کے اس کی طبعیت کا پوچھتا تھا۔ وہ ہوں ہاں میں جواب دیتے پریذے کو فون پکڑا دیتی تھی۔

کل سارا دن اس نے میسج نہیں کیا تو حور نے پھر بھی اسے میسج نہیں کیا۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہ رہا تھا حور اسے یاد کرتی ہے کہ نہیں اور وہی ہوا اس نے نہیں کیا۔

وہ فون کرتے اس کا حال پوچھتے کل فون بند کرنے ہی لگا تھا وہ پہلے ہی فون بند کر چکی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کا رویہ سوچ سوچ کر سلگ رہا تھا۔ "وہ اس کے ساتھ گھٹن محسوس کرتی ہے" وہ یہ بات نہ کہتی وہ اسے منا لیتا مگر یہ بات سوچتے ہی ارحام خانزادہ کو اپنے دل میں غم و غصے کے طوفان امڈتے محسوس ہوتے۔

ملازماؤں سے اسے حور کی ایک ایک خبر مل رہی تھی۔

بیڈ رومز کو چھوڑ کر لاونج میں اس نے کیمرے لگا رکھے تھے۔ وہ میٹنگ کے بعد ہوٹل کے کمرے میں گاڑی میں ان کیمروں کی ریکارڈنگ چیک کرتا رہتا تھا۔ جس میں حور پریذے کو دیکھتا رہتا۔

ارحام خانزادہ نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے موبایل اٹھائے حور کے نمبر میسج ٹایپ کرنے لگا۔

"میری جان سویٹ ہارٹ میری زندگی آئی لو یو" ارحام نے گہرا سانس لیتے میسج ٹایپ کرتے اپنی جان سے پیاری بیوی کو سینڈ کیے تھے۔

وہ دس منٹ بعد پریشان ہوا تھا۔ میسج ابھی تک ان سین تھے۔ وہ جتنی مرضی ناراض ہوتی مگر میسج ضرور سین کرتی تھی۔ مگر اس کا نیٹ آف آرہا تھا یہ کیسے ممکن تھا۔ ارحام خانزادہ نے پریشان ہوتے کال ملائی۔ اس کا نمبر آف آ رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اب حور کی پرسنل میڈ کو کال ملائی تھی۔ آگے سے ملنے والی خبر پر وہ شاکڈ ہوتے کھڑا ہوا تھا۔

کیا کہہ رہی ہو تم؟؟ وہ صبح سے باہر گئی ہے تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟؟ ارحام خانزادہ فون پر غصے سے چیخا تھا۔

اس وقت پاکستان میں رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ صبح کی نکلی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

سر میں نے آپ کو فون کیے تھے مگر آپ کا نمبر آف آرہا تھا۔ ملازمہ کی بات پر وہ غصے سے کنپٹی مسل کر رہ گیا تھا کچھ گھنٹوں سے اپنا فون غصے سے آف کیے ہوے تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح پچھلے پانچ دنوں سے اس کے ایک ریپلائے کا گھنٹوں ویٹ کرتا رہتا تھا۔ آج میٹنگ کے بعد اس نے فون آف کر دیا تھا۔ اب اسے خود پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے سچ میں

ٹین ایج والی حرکتیں کر رہا تھا۔ اسے حور کو اسی دن منا لینا چاہیے تھا۔ اپنی جان سے پیاری بیوی کے آگے جھک جانا چاہیے تھا۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے بیڈ پر رکھا لیپ ٹاپ آن کیا۔

جہاں لاونج کی ریکارڈنگ آس نے آن کی۔

سکرین پر حور اور پریذے نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑی سی چادر میں خود کو لپیٹے ہوئے پریذے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ پریذے نے سیاہ ڈریس کے ساتھ سکارف بھی پہن رکھا تھا۔

وہ گہرے سانس لیتے اپنی بیوی اور بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی بیوی اور بیٹی نہیں اس کی زندگی تھے۔ اس کی دھڑکنیں۔۔ ارحام خانزادہ کی سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔

وہ سکرین پر نگاہیں گاڑھے موبایل سے سلطان شاہ کا نمبر ڈایل کر رہا تھا۔ وہ سلطان شاہ کے پاس ہو گی وہ جانتا تھا۔

سلطان شاہ کا نمبر بھی مسلسل آف آ رہا تھا ا

ارحم نے اپنے ڈرائیور کا نمبر ڈائل کیا۔

رمضان۔۔۔۔بی بی جی کہاں ہے؟ ارحام نے فون پر استفسار کیا

خان صاحب۔۔۔۔بی بی کو ہم نے ان کا بابا کا پاس چھوڑا تھا۔ بی بی نے ہم کو حکم دیا تم یہاں سے چلے جاؤ ہم آ گیا۔ رمضان کے جواب پر اس کی تیوری چڑھی تھی۔

بی بی جی کو سلطان شاہ کے بنگلے پر چھوڑا تھا۔ ارحام نے ظبط سے سوال کیا۔

نہیں خان صاحب۔۔۔۔۔ ہم بی بی جی کا بتائے ہوے پتہ پر ان کو چھوڑ کر آیا وہاں سلطان شاہ اپنا گارڈ اور ڈرائیور کے ساتھ آیا تھا۔

ارحام یہ سنتے غصے سے کال کاٹتے حور کا نمبر ڈایل کرنے لگا۔ جو ان ریچیبل آ رہا تھا۔ ارحام پاگلوں کی طرح کبھی سلطان شاہ کبھی حور کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

آج پہلی بار اسے خود پر شدید غصہ آیا تھا۔ کچھ گھنٹے وہ حور سے لاپرواہ رہا تھا اور اسے ایسے لگ رہا تھا یہ کچھ گھنٹے اس کی زندگی کا بدترین پچھتاوہ بننے والے تھے۔

رحام کا پچھتاوہ غم و غصہ خود پر بڑھتا جا رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے فون پر اسی لمحے پاکستان کی ٹکٹ بک کروائی تھی۔ وہ اپنی میٹنگز کو ایک بار پھر سے پس وپشت ڈال چکا تھا ہر بار کی طرح وجہ اس کی بیوی تھی۔ اور یہ وجہ بہت خاص تھی۔

وہ اپنا سوٹ کیس پیک کیے۔ اپنا کوٹ بازو پر ڈالے کمرے سے نکل آیا تھا۔۔

ارحام خانزاہ فلایٹ لے کر پاکستان ائیر پورٹ پر قدم رکھتے حور اور سلطان شاہ کے نمبرز پر کال کی۔ نمبر آف آنے پر ارحام خانزادہ کی جان لبوں پر سجی تھی۔

ایسے تو کبھی نہیں ہوا تھا حور کا نمبر اتنی دیر آف رہا ہو۔ بارہ گھنٹوں کے اس سفر میں اس پر پل پل بھاری تھا۔ اب تو جان سولی پر لٹک چکی تھی۔

ائیر پورٹ کے باہر ارحام خانزادہ کا ڈرائیور کھڑا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اس سے گاڑی کی چابی لیے خود ہی ڈرائیو کرتے سلطان شاہ کے بنگلے پر پہنچا۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی سلطان شاہ کے بڑے سے بنگلے پر آ کر رکی تھی.
جہاں گارڈز کی ایک فوج کھڑی تھی۔

وہ گاڑی سے نکلتے تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھا

وہ اس وقت گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ گرے پینٹ پر آف وایٹ شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے۔ شرٹ کے اگلے دو بٹن کھلے تھے۔ جس سے اس کا سرخ سینہ نمایاں ہو رہا تھا۔ سیاہ بال پیشانی پر

بکھرے تھے۔ طسماتی پر کشش نقوش پر سرخی کی گہری رمک تھی۔ ہاتھوں اور بازوؤں کی نیلی رگیں نمایاں ہو رہی تھیں۔

سر سلطان شاہ اندر نہیں ہیں۔۔ گارڈ کی بات پر اس نے متعب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

سر سلطان شاہ کل سے نہیں آئے۔۔ ان کی غیر موجودگی میں گیٹ سے اندر جانے کی کسی کو آجازت نہیں ہوتی۔ گارڈ کی بات پر ارحام خانزادہ کے چہرے پر سرخیاں گھلی تھیں۔

میں اندر اپنی بیوی سے ملنے جا رہا ہوں۔ مجھے سلطان شاہ سے ملنا بھی نہیں ہے۔ ارحام خانزادہ مشتعل لہجے میں بولا۔

سوری سر اندر میم بھی نہیں ہے۔ میں پچھلے چوبیس گھنٹوں سے یہاں ڈیوٹی کر رہا ہوں۔۔ سلطان شاہ اپنی غیر موجودگی میں کبھی میم کو بنگلے میں نہیں چھوڑتے۔ گارڈ سنجیدگی سے بولتے اپنی نگاہیں سامنے گاڑھے ہوے تھا۔۔

ارحام خانزادہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بھاگتے ہوے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ سلطان شاہ اگر اندر نہیں تھا تو حور کسی صورت اندر نہیں ہو سکتی تھی۔ سلطان شاہ حور کی سکیورٹی کو لے کر کافی حساس تھے۔ وہ اپنی غیر موجودگی میں کبھی حور کو اپنے مینشن نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ یعنی حور سلطان شاہ کے ساتھ ہی تھی۔ مگر کہاں؟؟ وہ لب بھینچے طیش والم سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

حور اتنی لاپروہ کیسے ہو سکتی تھی؟؟ کیسے اسے بنا انفارم کیے اس کنڈیشن میں سلطان شاہ کے ساتھ کہیں جا سکتی تھی؟؟ وہ سرد سرخ چہرے کے ساتھ

ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ خود کو پر سکون کرنے کی بمشکل کوشش کر رہا تھا۔ حور اپنے پاپا سلطان شاہ کے ساتھ ہے وہ سیف ہو گی۔ وہ خود کو یقین دلانے کی پوری کوشش کر رہا تھا

کلائیوں کی نیلی ارگیں ابھرتی اس کے اندرونی خلفشار کی چغلی کھا رہی تھیں۔ وہ سیٹ پر بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ جب تک اسے دیکھ نہ لیتا اس کی آواز نہ سن لیتا وہ کیسے چین پا سکتا تھا؟؟ اسے اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اسلام آباد کی سڑکوں پر اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا۔

موبایل فون سے بار بار حور اور سلطان شاہ کا نمبر ڈایل کر رہا تھا۔ وہ جبڑے بھینچتے غصے سے فون ساتھ والی سیٹ پر پٹخ گیا۔ فون رنگنگ پر ارحام نے جلدی سے کال اٹینڈ کی۔

لالا۔۔۔فون پر زاران کی مضطرب آواز سنائی دی۔

بولو۔۔۔ارحام گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے عجلت بھرے انداز میں بولا۔

لالا...وہ پریذے۔۔۔زاران کے نام سے پریذے کا نام سنتے وہ گاڑی ایک جھٹکے سے روک چکا تھا۔

کیا ہوا ہے زاران؟؟پریذے اور حور کہاں ہیں؟؟وہ اپنے حواص کھوتے چیخا تھا۔

لالا پریذے سیڑھیوں سے گر چکی ہے وہ بیہوشی میں آپ اور بھابھی کو مسلسل پکار رہی ہے۔زاران کی نم آواز پر ارحام خانزادہ کے ہاتھوں سے فون چھوٹ کر گاڑی میں گرا تھا۔وہ گاڑی کو بھگانے لگا۔پورا وجود پسینے سے

تر تھا تر وجود کے ساتھ ایک ہی دماغ میں سوال ابھر رہا تھا۔ حور پریذے کے ساتھ نہیں تو کہاں ہے ؟؟

وہ گاڑی دوڑاتے ہاسپٹل پہنچا تھا۔ گاڑی سے اترتے وہ بھاگتے ہوے ہاسپٹل کے احاطے کی طرف بڑھتے فون کان سے لگائے حور کے نمبر پر کال کر رہا تھا۔

ارحام خانزادہ ہاسپٹل کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ پریذے کے سر پر بینڈج ہوئی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔

پاپا۔۔۔ وہ ارحام خانزادہ کو دیکھتے رونا شروع ہو چکی تھی وہ تڑپتے ہوے اس کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

زاران اور ابرش پاس ہی کھڑے نظریں جھکائے ہوے تھے۔ سیاہ چادر میں لپٹی ابرش کی آنکھیں سرخ اور نم تھیں۔ وہ ابھی بھی نگاہیں جھکائے رو رہی تھی۔ اپنی سیاہ چادر سے بار بار اپنی آنکھیں مسل رہی تھی۔ زاران خانزادہ شرمندگی سے ارحام خانزاہ کے سامنے نگاہیں نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

پاپا۔۔۔ماما۔۔ کہاں

۔۔ہیں۔۔مجھے۔۔ماما۔۔کے۔۔پاس۔۔جانا۔۔ہے۔ وہ ارحام کے سینے سے لگے روتے ہوے بول رہی تھی۔ ارحام اس کی حالت پر خود پر ظبط کیے اسے اپنے سینے سے لگائے ہوے تھی۔ آنکھیں سے ظبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

لالا۔۔۔میں نے پریذے کا بہت خیال رکھا تھا وہ بھاگتے ہوے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ میں بھاگتے ہوے اس کے پیچھے آئی تھی۔ مگر پتہ نہیں

کیسے وہ سیڑھیوں سے ؟؟ ابرش نے نگاہیں جھکائے لرزتے لبوں سے وضاحت دے رہی تھی۔

ارحام خوشی سے پریذے کو سینے سے لگائے ہوے تھا۔

ارحام کی خاموشی پر ابرش نے روتے ہوے زاران کی طرف دیکھا زاران نگاہیں پھیر گیا تھا۔ ابرش کی آنکھوں سے آنسوؤں کے ریلے میں آضافہ ہوا تھا۔

ماما نے کب چھوڑا آپ کو زاران چاچو کی طرف ؟؟ ارحام نے پریذے کے ماتھے کی بینڈج پر نرمی سے لب رکھے۔ پریذے کی حالت دیکھتے ارحام کا دل خون کے آنسوؤں سے رو رہا تھا۔۔

ماما نے مجھے 12345 وہ معصومیت سے انگلیوں پر گن رہی تھی۔

لالا کل صبح گیارہ بجے چھوڑا تھا۔ ابرش کی بھرائی آواز سنائی دی تھی۔

Papa--- and Mama have left me and gone away,

.like Gul Morey leaves

پریذے نے روتے ہوئے سوال کیا۔

پریذے کے سوال پر ارحام کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

مجھے ماما چاہیے میں پرامس کرتی ہوں۔ میں اب کوئی شرارت نہیں کروں گی ۔میں ان کی لپ سٹک بھی نہیں چراؤں گی۔ میں ان سے کوسچن بھی نہیں کروں گی۔ وہ حور کی ایک دن کی جدائی سے ہی مضمحل ہو چکی تھی۔ کچھ چوٹ لگنے کی وجہ سے اس اس وقت اپنی ماما اپنے پاس چاہیے تھی۔

آپ کی ماما اپنے پاپا کے ساتھ ہے میں انھیں لے کر آتا ہوں۔ مگر آپ مجھ سے پرامس کریں آپ بیڈ سے نیچے نہیں اتریں گی۔ ابرش چچی کی ہر بات مانیں گی۔ وہ پریذے کا ماتھا چومتے اسی لمحے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

زاران جلدی سے ارحام کے پیچھے بڑھا تھا۔

لالا۔۔۔ زاران کی پکار پر ارحام کے قدم رکے تھے۔

مجھے معاف کر دیں لالا میں پریذے کا خیال نہ رکھ سکا۔ میں بہت شرمندہ ہوں مگر یقین کریں وہ میری بھی بیٹی ہے جتنی آپ کو تکلیف ہو رہی ہے اس سے کئی گنا مجھے ہو رہی ہے۔ زاران ارحام کے مقابل آتے نظریں جھکائے بولا تھا۔

جانتا ہوں وضاحت دینے کی ضرورت نہیں۔ جب تک میں واپس آ نہیں جاتا میرے پریذے تمھارے پاس امانت ہے۔ ارحام خانزادہ زاران کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہاسپٹل سے نکل آیا تھا۔

زاران کمرے میں داخل ہوا تو ابرش پریذے کے بیڈ کے پاس کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اسے بے حد نرمی سے خود کے ساتھ لگا گیا تھا۔

زاران پتہ نہیں کیسے یہ سب ہو گیا؟؟ وہ زار و قطار رو دی تھی۔

اے مس امریکہ۔۔۔۔ بس کر دو اتنی خوبصورت آنکھوں پر ظلم کرنا۔۔ وہ مسکراتے ہوے ابرش کا چہرہ تھامتے اس کے عارض پر بہتے آنسو انگوٹھے کے پوروں سے صاف کر گیا تھا۔

آپ مجھ سے خفا نہیں زاران۔۔ ابرش کے آپ کہنے پر زاران کی دلکش ہنسی گونجی تھی۔

اف یہ تم سے آپ کا سفر میں قربان جاؤں اپنی خوبصورت بیوی کی اداؤں پر۔۔ زاران مسکراتے ہوے ابرش کو خود کے ساتھ لگاتے پریذے کو دیکھتے آنکھ ونک کر گیا تھا۔

پریذے بیڈ پر لیٹے مسکرائی تھی۔ زاران ابرش کو نرمی سے خود سے جدا کرتے پریذے کی طرف بڑھتے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے اس کے ہاتھ تھامتے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔۔ ابرش اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی تند و تیز انداز میں ہواؤں کے دوش پر سفر کر رہی تھی۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی گاڑی سوات کے راستے گامزن تھی۔ کشادہ پیشانی پر غیض و غضب سے ویز ابھر آئی تھیں۔ اسے اپنے اثر و رسوخ سے اتنا پتہ چلا تھا کہ سلطان شاہ اپنے پرائیویٹ ہیلی کاپٹر میں گئے ہیں۔ کہاں گئے یہ نہیں وہ پتہ کر سکا تھا۔

"How could you do this to me and my daughter ?"

وہ سٹرینگ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے چلایا تھا۔

بیٹی ہے پریذے تمھاری، جان سے پیاری ہے تمھیں، وہ اب استھزائیہ مسکرا رہا تھا۔

جھوٹ سب جھوٹ۔۔۔۔سب جھوٹ دکھاوا۔۔۔۔وہ ایکسلٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتے جا رہا تھا۔

میرا بچہ ہے تمھارے پاس اگر تمھاری وجہ سے میرے بچے کو کچھ ہوا میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا حور،، جان سے مار ڈالوں گا۔وہ طیش والم سے گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ دھاڑا تھا۔

اس کی حور اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔وہ جانتا تھا مگر اس کنڈیشن میں وہ کیسے ہوائی سفر کر سکتی تھی۔پھر اتنے گھنٹوں سے وہ کہاں تھی؟؟

کیا وہ اسے اور پریذے کو چھوڑ کر چلی گئی ہے؟؟یہ خیال آتے ہی ارحام خانزادہ کا وجود آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔ارحام خانزادہ نے اپنی بے

ترتیب سانسوں کے ساتھ اپنی شرٹ کے مزید بٹن بھی کھول دیے

تھے۔اسے اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔وہ پسینے میں نہلایا تھا۔

!!آپ نہ صرف کنزرویٹو ہیں نیرو مائینڈڈ ہیں آپ کی سوچ اتنی سطحی ہے

ارحام کہ آپ کے ساتھ رہتے میرا دم گھٹتا ہے!!

حور کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اسے اس کے حواص جیسے سلب کر گیے تھے

۔

ایک مرتبہ پہلے میری زندگی کے ساتھ کھیل چکی ہو۔اب نہیں کھیلنے دوں

گا۔اپنے بیٹے کو تمہیں خود سے نہیں چھینے دوں گا نہ تمھیں اپنی زندگی سے

کہیں جانے دوں گا۔تم پاتال کی گہرائیوں میں بھی چھپی ہوئی تمھیں ڈھونڈ

نکالوں گا۔وہ سٹرینگ پر ہاتھ مارتے گہری ہوتی سانسوں کے ساتھ غرایا تھا۔

تمہاری اس خان سے کبھی جان نہیں چھوٹے گی۔۔ تمہیں واپس ان پہاڑوں میں قید کر کے رکھوں گا۔ غلطی ہو گئی تمہیں وہاں سے نکالنے کی۔ اب کی بار تمھیں زنجیروں میں ڈالوں گا۔ سسک سسک کر تڑپ تڑپ مر جاؤ گی۔ مگر رہو گی اس خان کی ہی بن کر۔۔۔ وہ طیش والم سے دھاڑتے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہی جا رہا تھا۔۔

یکدم وہ گاڑی روکتے سیٹ سے ٹیک لگاتے آنکھیں موند گیا تھا۔

کہاں ہو حور کہاں ہو کیسے کر سکتی ہو میرے اور میری بیٹی کے ساتھ۔۔ نہیں رہ سکتے ہم دونوں بتمہارے بغیر۔ میرا بچہ ہے تمھارے پاس۔ کیسے کر سکتی ہو تم یہ سب؟؟ وہ آنکھیں موندے کربناکی سے بول رہا تھا۔

How could you do this to me?

میرا بچہ ہے تمھارے پاس کیسے تم یہ سب کر سکتی ہو۔ وہ انکھیں موندے چیخا تھا۔

ارحام خانزادہ نے سیدھا ہوتے گاڑی سٹارٹ کی۔ سلطان شاہ نے حور کے لیے سوات میں بہت سی پرپراٹیز خریدی تھیں۔ وہ شاید اسے کہیں لے کر گئے ہوں۔ ارحام کو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ حواص دماغ سب بند ہو چکا تھا۔ اگر سلطان شاہ حور کو لے کر کہیں باہر چلے گئے ہو اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ حور پر یقین کرنا چاہتا تھا مگر وہ نواں ماہ میں ہوائی سفر کیوں کرے گی؟؟ یا سلطان شاہ ایسا کیوں کریں گے۔ کیا وہ اس کی بیوی کو اس سے دور لے گئے تھے۔ وہ اپنے بال نوچتے ڈرائیو کر رہا تھا۔

ارحام نے اپنا موبایل ڈیش بورڈ سے اٹھائے اپنے دوست کمشنر کو کال ملائی تھی۔

سہاب۔۔میں تمھیں دو نمبر بھیج رہا ہوں۔مجھے صرف یہ جاننا ہے یہ آخری مرتبہ یہ نمبر کس لوکیشن پر بند ہوے۔

وہ فون پر ہدایت دیتے فون بند کر چکا تھا۔

ارحام خانزادہ کے حواص اس طرح سلب ہوے تھے اسے اس سب کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اسے ان نمبرز کی لوکیشن موصول ہو گئی تھی۔۔

اب اس کی گاڑی تند و تیز رفتار سے کالام کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔جہاں شدت سے برف باری ہو رہی تھی۔

اس کی بیوی اس کنڈیشن میں کالام آخر کیوں گئی ؟!وہ دہکتی اظطرابی سوچوں کے ساتھ برف سے پھسلتی سڑکوں پر خطرناک انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔

میرے بچے کو کچھ بھی ہوا چھوڑوں گا نہیں تم باپ بیٹی کو۔۔وہ ایک بار پھر سے پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔اس کی گاڑی برف پر پھسلتی چلی گئی تھی۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی کالام کی برف پوش حدود میں داخل ہوتی جا رہی تھی. اور وہ ان لمحوں میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے زمین اور آسمان اس پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ گاڑی کا پہیہ ایک لمحے کے لیے بھی رکنے نہ پاتا تھا، سڑک پر جمی برف کی دبیز تہہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن چکی تھی۔ ہر جگہ سفید چادر کی طرح پھیلی برف جیسے اس کے دل کی حالت کو بھی سیاہ کرتی جا رہی ہو۔ وہ تھکا رہارا نظر آ رہا تھا جیسے اپنی منزل تک پہنچنے کی قیمت اپنی جان

سے چکا رہا ہو۔ گاڑی کی آگے بڑھتی ہوئی ٹائروں کی آواز اس کے اندر گہری خاموشی کی گونج کے ساتھ مل رہی تھی، اور وہ ہر گزرتے لمحے میں مزید تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ لمحے یہ وقت اس کے لیے اتنے بھاری اور صدیوں کی مسافت کی طرح تھے کہ اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر گزرتے وقت کے ساتھ دل و دماغ میں بھڑکتے شعلے تند و تیزی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ دماغ سے تپش نکلتے پیروں تک جا رہی تھی۔

وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونکتے آیا تھا۔ ہونٹ سیاہی مایل ہو رہے تھے۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ پیشانی پر بکھرے بال، شرٹ کے کتنے ہی بٹن کھلے تھے۔ ہاتھوں کنپٹی کی نیلی رگیں اجاگر ہو رہی تھیں۔

دور تک پھیلی برف اور جمی ہوئی سڑکیں اسے جیسے گھیر کر رکھ چکی تھیں۔

گاڑی کی لمبی قطاروں میں جگہ جگہ سٹے لینا پڑ رہا تھا۔ اسے جیسے وقت کا دھارا

اُسے مسلسل پیچھے کی طرف دھکیل رہا تھا۔ سرد ہوا کے تھپیڑے اور برف کی چمک میں اُس کا ذہن شعلوں کی طرح بھڑک رہا تھا۔ دماغ کے اندر بکھرتی ہوئی گرمی اور دل کی دھڑکنیں جیسے ایک ساتھ اُسے باہر نکالنے کے لیے تیز ہو رہی تھیں۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا وہ پسینے سے تر تھا۔ مگر اس کا اندرونی درد اُس کی سانسوں سے باہر نکلنے کو بے چین تھا۔

اس کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح جل رہی تھیں جیسے اس کے اندر کسی گہرے اور طویل جنگ کا آغاز ہو چکا ہو۔ ہونٹ سیاہ پڑنے لگے تھے اور ہر سیاہ دھواں اُس کی گہرے احساسات کی غمازی کر رہا تھا۔ وہ سگریٹ کے ایک کے بعد دوسرے ٹکڑے پر بوجھل ہوتا جا رہا تھا اور اس کے اندر کوئی جذبہ ایسا تھا جو اُسے پیچھے نہ چھوڑتا۔ ہاتھوں کی نیلی رگیں اس کی اضطراب کو

مزید شدت دے رہی تھیں اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بے ترتیب بال جیسے اُسے اپنی گمشدگی کی گواہی دے رہے ہوں۔

وہ عورت جس کا نام وہ اپنی زندگی میں ہر لمحے محسوس کرتا تھا۔ وہ اُسے پگھلا دیتی تھی۔ اُس کے سامنے آتے ہی وہ اپنا توازن کھو بیٹھتا تھا، گویا وہ خود کو ایک الگ ہی دنیا میں پاتا تھا جہاں وہ اپنی شناخت اور اپنی روح کو گم کر دیتا تھا۔ اُس کی محبت میں گہرائی اتنی تھی کہ وہ اپنی ذات کو اُس سے جڑنے کی خواہش میں سرشار رہتا تھا۔ لیکن آج بھی وہ ڈر جاتا تھا جب وہ احساس کرتا تھا کہ وہ اسے کھو دے گا تو اس کا دل ایک سنگین گہرائی میں ڈوبنے لگتا تھا جیسے اسے اپنی سانسیں تک رُکتی ہوئی محسوس ہو رہی ہوں۔

آج بھی وہ ڈر گیا تھا جیسے وقت کا دھارا اسے مزید اُلجھا رہا ہو۔ اسے کھونے سے ڈرتا تھا وہ ڈر رہا تھا وہ آج بھی شدت سے ڈر رہا تھا۔ وہ ڈر چکا تھا۔ گزرتے

لمحے میں اُس کا جسم اور ذہن اس درد کے شکنجے میں آتا جارہا تھا۔ وہ درد میں تھا، اور اُس کا ہر لمحہ، ہر سانس، ہر قدم اس کے اندر جلتی آگ کو تند و تیز آلاو کی طرح بھڑکاتا جارہا تھا

"میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا سلطان شاہ اگر میری بیوی اور میرے بچے کو کچھ ہوا"

وہ سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے درد کرب سے چیخا تھا۔

ارحام خانزادہ گاڑی سے اترتے تیز تیز قدموں سے ریسٹ ہاوس کی طرف بڑھا۔ اس ریسٹ ہاوس کے سامنے وہ ہیلی کاپٹر کو برف میں ڈوبا دیکھ چکا تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے ریسٹ ہاوس کی طرف بڑھا تھا۔ ریسٹ ہاوس کے بند گلاس ڈور پر اس نے اپنا بھاری بوٹ والے دونوں پوری قوت سے مارے تھے۔ دونوں پٹ اس کی زوردار ضرب پر کھلتے چلے گئے تھے۔

حور ریسٹ ہاوس کے چھوٹے سے گرم لاونج میں صوفے پر گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

ارحام۔۔۔ اس کے لبوں نے بے اواز جنبش کی تھی۔ وہ صوفے سے اٹھتی کھڑی ہوئی۔

ارحام خانزادہ اپنی بے ترتیب سانسوں، اور گردن کی نیلی ابھرتی پھولتی رگوں کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کے سامنے سیاہ چنٹوں والی فراک میں کھلے بالوں کے ساتھ اپنی تمام ترخوبصورتی کے ساتھ کھڑی تھی۔

سلطان شاہ دروازے پر ضرب کی آواز پر ساتھ سوتے میں اٹھ چکے تھے۔وہ کمرے سے نکلتے باہر لاونج میں آئے۔ارحام خانزادہ کو دیکھتے وہ ٹھٹھک کر رکے تھے۔

ارحام۔۔۔حور نے ارحام کو اتنے غیض وغضب میں دیکھ کر سراسیمگی سے اسے بے آواز میں اسے پکارا تھا۔

کس کی آجازت سے یہاں آئی؟؟ہمت کیسے ہوئی میرے بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی۔وہ برفیلے لہجے میں سوال داغتے حور کی طرف بڑھا تھا۔

ارحام۔۔۔سلطان شاہ کی گرج پورے ریسٹ ہاوس میں گونجی تھی۔

میں اپنی بیوی سے بات کر رہا ہوں خبر دار آپ بیچ میں آئے سلطان شاہ۔۔۔وہ سلطان شاہ کو دیکھتے اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ ریسٹ ہاوس کے درودیوار لرز اٹھے تھے۔سلطان شاہ ارحام کو جوابًا سرد نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

وہ دونوں اب ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

ارحام۔۔۔پاپا ہیں میرے۔۔کس طرح بات کر رہے ہیں۔وہ ارحام کی طرف دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے شبنمی لہجے میں بولی تھی۔

میں کون ہوں تمھارا؟؟ بتا سکتی ہو کون ہوں تمھارا۔۔ وہ غصے سے اس کی طرف بڑھتے اسے دونوں شانوں سے تھامتے اس کی بھیگی خوفزدہ آنکھوں میں اپنی سرخ خون اتری آنکھیں گاڑھ گیا تھا۔

ایسا بھی کیا کیا ہے میں نے؟؟ صرف یہ کہ اپنے پاپا کے ساتھ یہاں چلی آئی؟؟ حور نے بھیگے لہجے میں جواباً استفسار کیا تھا۔

کیا کیا ہے تم نے؟؟ یہ مجھ سے پوچھ رہی ہو اپنے آپ سے پوچھو؟؟ تم نے کیا کیا ہے؟؟ وہ جواباً غرایا تھا۔

میں نے کچھ نہیں کیا ارحام۔۔ صرف اپنے پاپا کے ساتھ آئی ہوں۔ آپ کی میل ایگو، آپ کی ڈومینٹنگ پرسنیلٹی آپ کی خود پسندی، آپ کی نیرو مائنڈڈ اور کنزرویٹو سوچ اس نے آپ کو ایک زخمی شیر کی طرح بنا دیا ہے۔ اس لیے آپ یہاں پر آکر دھاڑ رہے ہیں۔ برداشت نہیں ہوا میں نے

اپنی مرضی کیوں کی اور آپ ہرٹ ہو گئے۔ وہ ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوے زخمی لہجے میں بولتے بھیگا سا مسکرائی تھی۔۔

ٹھیک کہہ رہی ہو ایسا ہی ہے۔ ہرٹ ہو گئی میری میل ایگو میری کنزرویٹو سوچ میری ڈومینٹنگ پرسنیلٹی۔ وہ بھی جواباً اس کی آنکھوں میں دیکھتے زخمی استھزائیہ سا مسکرایا تھا۔

ایسا ہی ہے آپ نے مجھ سے کبھی محبت کی ہی نہیں اگر کی بھی ہے تو مال غنیمت میں آئے ہوے کسی مفت مال کی طرح۔۔۔۔ میں اس ہاری ہوئی جنگ کا حصہ ہوں جس میں آپ کا سب کچھ چلا گیا۔ پہلی رات سزا دی آپ نے۔ مجھ پر سانسیں تنگ کر کے آپ مجھے آج بھی ہر لمحہ سزا دیتے ہیں۔ حور بھیگا سا ہنسی تھی۔

ٹھیک کہا میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ ارحام اس کی باتوں پر نم سا ہنسا تھا۔

اور کروں گا بھی کیوں؟؟ تم جیسی جھوٹی عورت سے۔ وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

حور اس کی چیخ پر لرزتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ پیٹ پر رکھ گئی تھی۔ لوئر حصے میں درد سا اٹھا تھا۔

سلطان شاہ غصے سے ارحام کی طرف بڑھے تھے۔

رک جائیں پاپا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو آگے بڑھنے سے روک گئی تھی۔

آپ بیچ میں نہیں آئیں گے پاپا آپ کو میری قسم۔۔ حور شدت سے رو دی تھی۔ سلطان شاہ خود پر قابو پاتے اس کی قسم پر وہاں ہی ٹھہرتے رخ موڑ گئے تھے۔ وہ اپنی بیٹی پر کسی کو چلاتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت وہ ارحام

کو موت کی نیند دینا چاہتے تھے جو ان کے سامنے کھڑا ان کے وجود کے حصے پر چلا رہا تھا۔ سلطان شاہ کی گرے آنکھوں میں موتی چمکتے جا رہے تھے۔ وہ مٹھیاں بھینچتے جا رہے تھے

جھوٹی ہوں میں ؟؟ حور نے ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے روتے ہوے سوال کیا۔

ہاں تم جھوٹی ہو۔ تم کل بھی جھوٹی تھی تم آج بھی جھوٹی ہو تم سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں۔ وہ چیخ رہا تھا۔

حور اس کی چیخوں پر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے روتی جا رہی تھی۔

کیا جھوٹ بولا وہی جھوٹ نہ جس سے آپ کی بیوی آپ کا بچہ آپ سے چھن گیا۔یہی ایک خسارہ ہے جو آپ تا قیامت تک بھول نہیں سکتے۔حور گہرے سانس لیتے استھزائیہ مسکرائی۔

ہاں نہیں بھول سکتا۔۔کچھ بھی نہیں بھول سکتا نہ تمھاری اس وقت کی بے رحمی۔۔۔وہ زخمی سا بولتے اسے شانوں سے پکڑے جھنجھوڑ گیا تھا۔

مت بھولیں مگر مجھے بھول جائیں ارحام۔۔مجھے اب آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔یہ بچہ آپ کو چاہیے۔دے دوں گی آپ کو اور پھر کبھی آپ کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔وہ انگشت شہادت اٹھائے بھیگی لرزتے لبوں سے بولی۔

او۔۔۔تو امیر باپ کی بیٹی کا کھیل یہاں تک ہی تھا۔ بھر گیا دل اس کھیل سے۔۔۔میرا بچہ مجھے لوٹا کر مجھے چھوڑ دو گی اور تمھیں لگتا ہے میں ایسے ہونے دوں گا۔ ارحام خانزادہ خون اشام درندے کی مانند غرایا تھا۔

کیا کریں گے مجھے اپنی اونچی حویلی میں قید کریں گے جہاں مجھے سسک سسک ایڑیاں رگڑنی ہوں گی ہاں۔ حور نے کربناک لہجے میں سوال کیا۔

ہاں قید کروں گا تمھیں۔۔۔ میل ایگو ہرٹ کی میری کنزرہیٹو سوچ کہاں برداشت کر سکتی ہے تم میری دسترس میں جاؤ۔ تم تو میرے لیے مال غنیمت کا مفت مال ہو۔ وہ استھزائیہ لہجے میں ہنستے ہوے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر گیا تھا۔

بھول ہے آپ کی اب آپ مجھے قید کریں گے جس وقت قید کیا مجھ پر ظلم کے پہاڑ توڑے اس وقت حور حور خانزادہ بن کر آپ کی حویلی میں رہ رہی

تھی آج حور حور سلطان شاہ ہے۔ حور کے لفظوں پر ارحام کے آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہوا تھا۔ دل میں برچھیاں سی چلی تھیں۔ وہ اذیت سے جیسے مر گیا تھا۔

تم حور سلطان شاہ ہو گریٹ۔۔ وہ ہنستے ہوے صوفے پر بیٹھے پینٹ سے سگریٹ لایٹر نکالے لبوں میں دبا گیا تھا۔

تم حور سلطان شاہ ہو۔۔ وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے سگریٹ کا دھواں اڑاتے چیخا تھا۔

سطان شاہ پلٹتے ہوے اس پر اپنی خونخوار نگاہیں گاڑھ گئے تھے۔

حور اس کے سامنے اپنے ڈر پر بظاہر قابو پائے کھڑی تھی۔ مگر وہ مقابل سے ہمیشہ خوف کھاتی آئی تھی آج بھی اس کا ڈر اس پر حاوی تھا۔ اس کے لفظ

اس کا رویہ اس کے دل کو گھایل کر گئے تھے۔ وہ اسے جھوٹی سمجھتا تھا۔ وہ اپنا وہ لاس بھولتا ہی نہ تھا جس کی وجہ وہ تھی۔

تو حور سلطان شاہ مجھے بتانا پسند کریں گی میرا بچہ مجھے لوٹانے کے بعد آپ کیا کریں گی؟؟ سلطان شاہ کا کاروبار سنبھالتے ایک بزنس وومین بنے گی جہاں کسی مرد کی آپ پر روک ٹوک نہ ہو گی۔ ارحام خانزادہ نے نگاہیں اٹھائے سامنے کھڑی عورت کو سرد نگاہوں سے دیکھتے چبھتے لہجے میں سوال کیا.

ہاں بنوں گی بزنس وومین۔۔۔ مجھے اب خود پر کسی بھی مرد کی روک ٹوک نہیں چاہیے۔ وہ اپنی بھیگی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے اپنے آنسو بہنے سے روک گئی تھی۔

"کسی بھی مرد کی"۔۔۔ ارحام خانزادہ نے اس کے لفظ دہراتے اپنی سرخ آنکھیں حور پر گاڑھیں تھیں۔

حور اس کی نگاہوں کی کاٹ پر اب کی بار کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

جواب دو۔۔۔وہ طیش والم سے دھاڑا تھا۔

میں کسی بھی مرد کی روک ٹوک برداشت کرلوں گی مگر آپ کی نہیں۔۔حور اس کی دھاڑ پر ظبط کھوتے چیخی تھی۔

ارحام اس کی بات پر پاگل ہوتے اپنی جیب سے پسٹل نکالتے حور کی طرف بڑھتے اس کی پیشانی پر رکھ گیا تھا۔

حور۔۔۔سلطان شاہ بدحواص ہوتے ارحام کی طرف بڑھے۔

رک جاؤ سلطان شاہ۔۔ورنہ تمھیں تمھاری بیٹی اور مجھے میرے بچوں کی ماں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ارحام کی بات پر سلطان شاہ لڑکھڑاتے قدموں سے رک چکا تھا۔

حور بے یقینی سے ارحام کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کی بے یقین نگاہوں پر زخمی سا ہنسا تھا۔یقین نہیں آرہا مجھے بھی یقین نہیں آرہا۔جو تم نے کہا جو تم نے کیا۔وہ اس کی پیشانی پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھاتے غرایا۔

کیا کیا ہے میں نے۔حور بلبلاتے ہوے چیخی تھی۔

تم اچھی طرح جانتی ہو میں تم پر کسی کی ایک نگاہ تو دور کی بات تمھارے لبوں سے کسی مرد کا نام بھی نہیں سن سکتا۔۔کیا بکواس کی کیا کہا؟؟مجھ جیسے کسی بھی مرد کی؟؟وہ اس کی پیشانی پر پسٹل کی نوک کا دباؤ بڑھاتے لفظ چبا رہا تھا۔حور اب سٹل سی اسے دیکھ رہی تھی۔۔

ڈرو مت تمھیں مارنے سے پہلے خود کو گولیوں سے بھونوں گا پھر آخری سانسوں پر تمھاری سانسیں لوں گا۔ تمھیں زندہ چھوڑ دیتا مگر کیا کروں مرنے کے بعد میری روح بھی تمھیں کسی کے ساتھ دیکھ نہیں سکے گی۔ تمھارے ساتھ اپنے بچے کی جان لوں گا اور پریذے ہم دونوں کے بغیر ویسے بھی مر جائے گی۔ وہ حور کو نم نگاہوں سے دیکھتے بول رہی تھی۔

پریذے۔۔۔ حور نے پریذے کا نام پکارتے سسکی لی۔

بند کرو بے رحم عورت یہ ڈرامہ۔۔ وہ اس کے لبوں سے پریذے کا نام سسکاری کے ساتھ سنتے استھزائیہ ہنسا تھا۔

مجھے چھوڑنے کی بات کرتی ہو۔ مجھے چھوڑ دو گی تو کیا پریذے کو نہیں کھو دو گی ۔ جس کے بغیر تم سانس بھی نہیں لے سکتی۔ ارحام خانزادہ نے بلبلاتے ہوے سوال داغا۔

پریذے بیٹی ہے میری۔۔میں آپ سے اپنی بیٹی لے کر رہوں گی۔

بند کرو یہ ڈرامہ۔۔وہ تمھاری بیٹی نہیں میری بیٹی ہے اگر وہ تمھاری بیٹی ہوتی تم اسے چھوڑ کر آتی۔میری بیٹی اس وقت تمھاری بے رحمی سے ہسپتال میں پڑی ہے۔

۔ارحام خانزادہ دردو کرب سے چیخا

ارحام کیا ہوا پریذے کو؟؟وہ تڑپتے ہوے ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچ گئی۔

تم اس کی ماں نہیں ہو بلکہ اس کی ماں بھی نہیں ہو۔ارحام خانزادہ نے اپنی پسٹل اس کے پیٹ پر رکھی تھی۔یکدم ارحام نے پسٹل اس کے پیٹ سے ہٹاتے زمین پر پوری قوت سے ماری تھی۔

وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے اور سر پر پٹی بندھی زخموں سے چور صرف تمھارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

پاپا ماما مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے جیسے گل مورے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ تم کبھی میری بیٹی کو گل بھولنے نہیں دو گی۔ تم کبھی اسے اس کا ضیاع بھولنے نہیں دو گی۔ ہر بار اسے چھوڑ کر جاتی ہو۔ جب جب میں اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ زخمی لہجے میں بول رہا تھا۔ حور اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

میرے بچے کو جنم دینے جا رہی ہو اس حالت میں تم نے ہوائی سفر کیا۔ میرے بچے کی جان کے ساتھ کھیلا کیوں کیوں۔ وہ اسے شانوں سے پکڑتے چیخا تھا

ارحام۔۔ میں۔۔ حور کپکپاتے لبوں سے بولتے رو دی تھی۔

ارحام۔۔۔سلطان شاہ زمین سے پسٹل اٹھائے غراتے ہوے ارحام پر تان گئے۔

۔پاپا۔حور نے چیختے ہوے سلطان شاہ کو پکارا۔مار دو مجھے سلطان شاہ۔۔میں تمھاری بیٹی کی جان کبھی نہیں چھوڑوں گا۔اب ٹوٹتی سانسیں ہی اس سے جدا کر سکتی ہیں۔یہ مجھ سے میری زندگی میں فرار حاصل نہیں کر سکتی۔۔یہ تمھاری طرح میری جان لے سکتی ہے میں نہیں۔ارحام سلطان شاہ کے مقابل آتے بولا۔

پاپا۔۔حور جلدی سے ارحام کے آگے آتے سلطان شاہ کے مقابل آئی تھی۔

میں اپنی بیٹی پر ایک آنچ برداشت نہیں کر سکتا۔میری بیٹی سلطان شاہ کی بیٹی پر چلاؤ گے اس پر پسٹل رکھو گے۔۔۔سلطان شاہ غرائے تھے۔

ارحام خانزادہ حور کو بازو سے جکڑے پیچھے کرتے سلطان شاہ کے قریب ہوا۔

سلطان شاہ کل بھی بے حس تھا سلطان شاہ آج بھی بے حس ہے۔ کل مہرماہ کو مارا آج اپنی بیٹی کی جان سے کھیل گئے۔ صرف اس وجہ سے کہ میں حور کے قریب برداشت نہیں۔ ارحام نے استھزائیہ لہجے میں کہا۔

میں نے اپنی بیٹی کے جان کے ساتھ کھیلا۔ میں نے۔۔ سلطان شاہ ارحام کی بات پر درود کرب سے بولے۔ مہرماہ والا طعنہ سیدھا دل پر لگا تھا۔ وہ بلبلا سے اٹھے۔

اسے یہاں لانے کا مقصد؟؟ مجھ سے دور کرنا مقصد تھا تو اس بچے کے بعد مجھ سے دور کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ جس کنڈیشن میں ہے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ارحام خانزادہ کی بات پر سلطان شاہ کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

"مہر ماہ" ان کے لب آہستگی سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

خدا کے لیے ارحام خاموش ہو جائیں۔۔ خدا کے لیے میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ حور ارحام کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

تمھیں لگتا ہے میں تمھیں یہاں چھوڑ کر جاتا تو یہ تمھاری بھول ہے۔ اپنے بچوں کو ان کی ماں کے بغیر میں پلنے نہیں دے سکتا تم ان کی ماں بنو یا نہ بنو مگر میں تمھیں ان کی ماں بنا کر رکھوں گا جیسے زبردستی اپنی بیوی بنا کر رکھا۔ وہ سرد آواز میں بولا تھا۔

سلطان شاہ کے ہاتھوں سے پسٹل گر چکی تھی.

چادر اوڑھو اور چلو میرے ساتھ۔۔ ارحام حکمیہ لہجے میں بولتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔

پاپا۔۔ حور سلطان شاہ کے سینے سے لگے رونا شروع ہو چکی تھی۔ اس کے رونے پر ارحام کے قدم رکے تھے۔ لبوں پر درد بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

پاپا۔۔۔ میری بیٹی ہے اس کے پاس۔۔ میں اپنی بیٹی کے بغیر نہیں رہ سکتی ۔چاہے آپ چاہے یہ انسان میری محبت پر شک کرے، مگر وہ سچ میں بیٹی ہے میری۔۔۔ وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگے شدت سے رو دی تھی۔ ارحام خانزادہ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھرتے معدوم ہو رہی تھی۔ وہ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا وہ اپنی ہر بات ایکٹ سے ثابت کر رہی تھی۔

جاؤ۔۔۔ سلطان شاہ بہت مضبوط ہے۔۔ میرے جینے کی وجہ صرف تم ہو۔۔ برسوں سے جی رہا ہوں تمھاری خاطر۔۔ آیندہ بھی جی لوں

گا۔ تمھاری سانسوں سے میری سانسیں چل رہی ہیں۔۔ مگر یاد رکھنا تم میری بیٹی ہو۔ محبت کو کمزوری بنانا مگر کسی انسان کو نہیں۔۔۔۔۔ تم حور سلطان شاہ ہو یہ غرور طنطنہ کبھی ختم نہ ہونے دینا۔ تمھیں ایک آنچ نہیں پہنچ سکتی۔ تمھارے پیچھے تمہارا باپ سلطان شاہ کھڑا ہے۔ سلطان شاہ ارحام کی پشت پر نگاہیں گاڑھے ایک ایک لفظ پر زور دیتے بول رہے تھے۔

سلطان شاہ کی باتوں پر ارحام مٹھیاں دبوچے کھڑا تھا۔

وہ پلٹتے ہوئے بھاری قدموں سے حور کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بازو سے جکڑے سلطان شاہ سے علیحدہ کرتے ہوئے وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ حور خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ پریذے کا سوچتے وہ نیم جاں سی ہو رہی تھی۔ پہلو میں درد ہلکا ہلکا بڑھ رہا تھا۔ ارحام نے رکتے

ہوے صوفے سے اس کی چادر اٹھاتے اس کے وجود پر اچھی طرح اوڑھائی تھی۔ وہ بنا اس کی طرف دیکھے ریسٹ ہاؤس سے نکل آیا تھا۔

سلطان شاہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے اپنا دل مسلنے لگا جہاں مہر ماہ کی یاد نے انھیں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

ارحام خانزادہ کی گاڑی برف سے ڈھکی ہوئی سڑکوں پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سڑک پر پھسلن کے باعث وہ بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر برف باری کی شدت کی عکاسی ہو رہی تھی۔ رات کی گہری تاریکی میں سڑکوں پر بہت کم ٹریفک تھی۔ برفباری کا آغاز دوبارہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک ہی نظر میں اپنی ونڈ سکرین پر برف کی بارش کو دیکھ رہا تھا جو اس کی نگاہوں کو دھندلا کر رہی تھی اور اسی دوران اس کے ہاتھوں کی

گرفت اسٹیرنگ پر مزید مضبوط ہو گئی تھی۔ آنکھیں سرد سپاٹ سرخ تھیں۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

حور اس کے ساتھ والی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھی تھی اور ایک گہری چپ کا ساماحول چھا چکا تھا۔ دونوں میں بیگانگی کی ایک سرد دیوار بن چکی تھی جسے نہ تو دونوں نے توڑا تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی میں اس سے باہر نکلنے کی کوئی خواہش تھی۔ گاڑی کی فضاء میں ساکت سکوت تھا اور حور کی بھیگی آنکھوں کی عکسوں کی جھلکیں ونڈ سکرین پر پڑ رہی تھیں۔ حور اچھی طرح چادر سے خود کو کور کیے اپنی بھیگی آنکھیں ونڈ سکرین پر گاڑھے ہوے تھی۔

جہاں دور دور تک پہاڑ گہری کھائیاں اور ان پہاڑوں اور پتھریلی سڑکوں پر صرف برف کی چادر ہی نظر آ رہی تھی۔

وہ چادر میں لپٹی ہوئی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی جیسے دور کہیں ان پہاڑوں اور پتھریلی سڑکوں پر زندگی کی ایک سرگم کی گونج گم ہو چکی ہو۔

سردی اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ ونڈ سکرین پر چلتے ہوئے وایپر برف کے ٹکڑوں کو صاف کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ جس کے باعث گاڑی کے شیشے دھندلے ہو گئے تھے۔۔ ارحام گاڑی کی رفتار آہستہ کر رہا تھا،۔۔ ارحام جتنی تیزی سے گاڑی چلاتا ہوا آیا تھا۔ اب اتنی ہی آہستگی سے گاڑی چلا رہا تھا پہلو میں بیٹھی عورت میں جان بستی تھی اور اس کی جان میں اس کا وجود پرورش پا رہا تھا۔ وہ دونوں ہی اس کی جان تھے۔ وہ جبڑے بھینچے آگے کو ہوتے ٹشو سے سکرین صاف کرنے لگا۔ برف باری شدید ہو رہی تھی۔ دکھائی دینا بند ہو رہا تھا۔

گاڑی میں ہیٹر چلنے کے باوجود گاڑی میں سردی کی شدت میں آضافہ ہو رہا تھا۔ حور نے بے چینی سے پہلو بدلہ اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔ مگر اس سردی میں بھی اسے پسینے سے آرہے تھے۔

حور بے چینی سے پہلو بدلتے کراہی تھی۔ اسے لویر بیلی میں درد سا اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ نیچے کی جانب دباؤ پڑھتا محسوس ہو رہا تھا۔ حور کی کراہنے پر ارحام آہستگی سے گاڑی روکتے اس پر جھکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو سرد بے اعتنائی بھری نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیے تھے

کیا ہوا ہے طبعیت ٹھیک ہے۔ کمفرٹیبل ہو؟؟ ارحام نے اس کی پیشانی پر نرمی سے ہاتھ رکھتے سرد لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے نرم لمس حور کی آنکھیں لبالب پانی سے بھریں تھیں۔ آنکھوں میں درد اور شکوں کی چھاپ گہری ہوئی۔

ٹھیک ہوں میں۔۔ آپ کی ضرورت نہیں۔۔ وہ بے رخی سے بولتے اس کا ہاتھ جھٹک گئی تھی۔۔

ضرورت ہو یا نہ ہو، مگر تمہارے پیٹ میں میرا بچہ ہے، جس کا مجھے اپنی جان سے بڑھ کر خیال ہے۔ میں صرف اپنے بچے کی فکر کرتا ہوں۔"

ارحام اس کے ہاتھ جھٹکنے پر کھول سا اٹھا تھا۔ وہ خود پر قابو پاتے بیگانگی بھرے لہجے میں بولتے گاڑی کا ہیٹر تیز کرتے پھر سے گاڑی ڈرائیو کر گیا تھا۔

ایک بار پھر سے گھمبیر خاموشی آن ٹھہری تھی۔

حور اپنی سسکی لبوں میں دبا گئی تھی۔ ارحام اپنا نچلا لب بے ردی سے کچلتے ہوئے گاڑی چلانے لگا۔

آہہہ !!درد کی شدید لہر اپنے پہلو میں اٹھنے پر وہ چیخ اٹھی تھی۔ ارحام اس کی چیخ پر ایک جھٹکے سے گاڑی روک گیا۔

حور کیا ہوا؟؟ وہ حور پر جھکتے تڑپتے ہوئے اس کے گال پر ہاتھ رکھ گیا

آہہہ۔۔۔ حور کے لبوں سے فلگ شگاف چیخ برامد ہوئی تھی۔ اسے اتنی تیزی سے درد ہو رہا تھا کہ اس کا وجود پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ ارحام خانزادہ بدحواص ہوتے اس کے بالوں اس کے گال پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔۔

ارحام۔۔۔ حور درد سے تڑپتے ہوئے اسے پکار رہی تھی.

ہاں میری جان۔۔ ارحام ڈیش بورڈ سے ٹشو اٹھائے اس کی پیشانی پر رکھ رہا تھا۔

ارحام۔۔۔۔۔ ہمارا بچہ۔۔۔ آرہا ہے کچھ کریں میں مر جاؤں گی وہ اب لوئر بیلی پر ہاتھ رکھتے شدت سے تڑپی تھی۔ دباؤ بڑھتا جارہا درد کی شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے گھبراتے ہوے ونڈ سکرین سے باہر دیکھا۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ برف باری شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔ وہ لوگ اس وقت کہاں تھے اسے کچھ نہیں پتہ تھا۔ خراب موسم کی وجہ سے موبایل میں سگنل تک نہ تھے۔۔

کچھ نہیں ہوتا ہمارے بچے کو تمھیں حوصلہ کرنا ہو گا۔ ارحام خانزادہ نے جھکتے ہوے بٹن دباتے اس کی سیٹ نیچے مکمل طور پر ڈاون کر دی تھی۔ وہ درد سے تڑپتے سیٹ سے نیچے آرہی تھی۔ اس سے بیٹھا تک نہیں جارہا تھا۔

آہہ۔۔۔ارحام میں مر جاؤں گی مجھ سے یہ درد برداشت نہیں ہو رہا۔وہ سیٹ پر سر دائیں بائیں پٹختے ہوے چیخی تھی۔اسے ہلکا درد دو دن پہلے بھی ہوا تھا۔ڈاکٹر نے کمپلیٹ سونو گرافی کے بعد اس کا مکمل چیک اپ کیا تھا۔اس نے بچہ آنے میں ابھی پندرہ دن بتائے تھے۔مگر شاید ہوائی سفر کرنے ،ارحام کا سرد رویہ، پریذے کی ٹینشن کی وجہ سے وقت سے پہلے لیبر پین شروع کر دیا تھا۔ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد ہی اسے درد محسوس ہو رہا تھا۔اس نے دھیان نہیں دیا تھا۔مگر اب درد اتنا تیز تھا کہ وہ مر رہی تھی۔کمر سے لے کر اس کے پہلو تک درد پھیل رہا تھا۔

ایسا درد اس نے کبھی بلکہ ایک پرسنٹ ایسا درد محسوس نہیں کیا۔نکاح کی پہلی رات کو بھی اسے ایسا لگ رہا تھا وہ مر جائے گی آج اسے لگ رہا تھا وہ مر جائے گا۔

ارحام خانزادہ ایک نظر حور پر ڈالے دوسری نظر ونڈ سکرین پر ڈالے تندو تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسلام آباد آنے میں تو چار

گھنٹے لگ سکتے تھے۔ بلکہ سوات پہنچنے میں بھی اتنے ہی گھنٹے لگنے تھے۔ جتنی تیزی سے برف باری ہو رہی تھی آگے راستے بھی بلاک ہو سکتے

تھے۔ سامنے نظر آتے بورڈ کو دیکھتے ارحام خانزادہ کی حالت مزید خراب ہو چکی تھی

وہ لوگ جس جگہ پر تھے یہاں دور دور تک کوئی ہسپتال بھی نہیں تھا۔

ارحام تیزی سے ڈرائیو کرتے پسینے میں نہلا چکا تھا۔ حور کی چیخیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ارحام نے گھبراتے ہوے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ گاڑی برف پر پھسلتی گئی تھی۔

آہہہہ۔۔۔۔۔حور کی فلک شگاف چیخ گونجی تھی۔

ارحام خانزادہ نے بریک پر پاؤں رکھتے گاڑی روکنے کی کوشش کی۔ گاڑی ٹایر کے نیچے ایک پتھر آنے پر اچھلتے ہوے رک چکی تھی۔ارحام خانزادہ کا سر سٹیرنگ ویل پر زور سے لگا تھا۔حور کی ہذیانی دردناک چیخیں گونجی تھیں۔ارحام خانزادہ کی پیشانی خون سے تر ہوئی تھی۔

وہ سیدھے ہوتے حور پر جھکا جو پیٹ پر ہاتھ رکھے چیختی جا رہی تھی۔۔اس کی حالت مزید خراب ہو چکی تھی۔۔ارحام میں مر جاؤں گی۔ہمارا بچہ۔۔۔وہ درد سے تڑپتے ہوے چیخی تھی۔حور کے کپڑے پسینے سے تر ہو چکے تھے۔

اس کے بال اس کا وجود نم ہو رہا تھا۔درد سے چیختے اس کے چہرے پر ریڈ سپاٹ بن چکے تھے۔۔۔

ارحام اس پر جھکے بد حواصی سے اسے نم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

حور میری جان۔۔ ہم کچھ ہی گھنٹوں میں ہسپتال پہنچ جائیں گے تمھیں تب تک خود کو مضبوط رکھنا ہو گا۔ وہ اس پر جھکے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بولا۔

آپ۔۔ نہیں۔ سمجھ۔۔ سکتے۔۔ آپ۔۔ میرا۔۔ درد۔۔ کبھی۔۔ نہیں۔۔ سمجھ۔

سکتے۔۔ نکاح۔۔ کی۔۔ رات۔۔ بھی۔۔ میں۔ ایسے۔۔ ہی۔۔ چلا۔ رہی۔۔ تھی۔۔ آپ۔۔ نہیں۔ رکے۔۔ تھے۔۔ میں۔۔ کچھ۔۔ لمحوں۔۔ میں۔۔ مر۔۔ جاؤں۔ گی۔ مجھے۔۔ یقین۔ ہے۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتی پر سکون ہوئی تھی۔ درد رکا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ پیٹ پر ہاتھ رکھتے اتنی شدت گریہ سے چیخی تھی کہ ارحام خانزادہ کو اپنا دل ہلتا محسوس ہوا تھا۔

اس عورت میں اس کی جان بستی تھی اسے درد میں دیکھتے وہ مر رہا تھا۔۔

کچھ نہیں ہو گا تمھیں۔۔۔ ارحام خانزادہ نے سیدھے ہوتے جلدی سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ مگر اگنیشن میں چابی گھمانے سے بھی گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح بدحواص ہوتے چابی گھمار رہا تھا۔

حور اب اپنے حواص کھو رہی تھی۔ ارحام نے حور پر جھکتے اس کے گال تھپتپائے تھے۔ وہ پہلے بھی ایک بیٹی کا باپ بن چکا تھا۔ جو اس کی کنڈیشن تھی حور کی نارمل ڈلیوری ہی ہو سکتی تھی۔ آس پاس ہسپتال نہ تھے اگر وہ اپنے ہوش کھو دیتی تو نارمل ڈلیوری کے چانسز بھی ختم ہو جانے تھے۔

آہہہ۔۔ حور پسینے سے تر درد سے تڑپتے ارحام خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ درد کی لہر کی صورت میں اس کی ہذیانی چیخ برامد ہوئی تھی۔ وہ اب تڑپتے ہوے چیختی جا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ جلدی سے گاڑی سے اترا

تھا۔ حور کی طرف بڑھتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اچھی طرح اس پر اس کی چادر اڑھاتے اسے گود میں اٹھائے گاڑی سے باہر نکالا۔ برفیلی ہواؤں کے تھپیڑوں پر حور اس کی گود میں تڑپتے ہوئے سردی کی شدت سے کانپنا شروع ہو چکی تھی۔ ارحام خانزادہ دانت پر دانت جمائے آگے بڑھنے لگا۔

وہ موبائل کے ٹارچ کی روشنی میں آس پاس کوئی گھر تلاش کر رہا تھا۔ جہاں شاید عورتیں ہوں جو اس کی مدد کر سکیں۔ اس کے پاس اپنی بیوی اور بچے کو بچانے کا یہ آخری راستہ تھا۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ دل ہی دل میں خدا کو پکارتے حور کو اٹھائے اس برف پر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔

حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بن اب مچھلی کی طرح تڑپتے چیخ رہی تھی۔

ارحام خانزدہ اب آسمان کی طرف نم زدہ آنکھوں سے دیکھتے تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ہر قدم پر اس کی دعائیں شدت اختیار کر رہی تھیں۔

یکدم وہ بے یقین ہوتا رکا تھا۔ سامنے ہی ایک چھوٹا سا گھر دکھائی دیا جس کی مدھم روشنیاں جل رہی تھیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔

-----.---

ارحام نے حور کے مچلتے تڑپتے وجود کو سینے سے لگاتے ایک ہاتھ سے بہت زور سے دروازہ کھٹکٹایا تھا۔

حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے چیختی جا رہی تھی۔

کون ؟؟۔۔۔ اندر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی تھی اگلے لمحے دروازہ کھل چکا تھا۔

اندر عورتیں ہیں مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ ارحام اپنے سامنے ادھی عمر کے مرد کو دیکھتے بولا تھا۔ اپنے کپکپاتے ہاتھ سے وہ حور کے وجود سے پھسلتی اس کی چادر اس کے اوپر کر گیا تھا۔ زندگی میں یہ وقت بھی آئے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی پریگنسی اس کا پیٹ اپنے بھائیوں کے سے چھپانا چاہتا تھا۔ آج ایک غیر مرد کے سامنے کھڑا وہ التجائیں کر رہا تھا۔ حور درد سے مچلتے اپنے وجود سے چادر سرکا گئی تھی۔ وہ درد سے مر رہی تھی اسے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔

ہاں اندر لاؤ اس کو ہمارا ماں بیوی ہے تم فکر نہ کرو۔۔ وہ ایک نظر حور کو دیکھتے اندر کی طرف بڑھا تھا۔

ارحام خانزادہ اس کے تقلید میں جلدی سے اندر کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اس آدمی کی ہمراہی میں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوتے حور کو وہاں

پڑی چارپائی پر لٹایا جہاں گرم بستر بچھا تھا۔ اندر کوئلے دہکے ہوے تھے۔ ارحام نے حور کو چارپائی پر لٹاتے اس پر گرم رضائی دی تھی۔

دو عورتیں اپنا چہرہ لپیٹتے اندر داخل ہوئی تھی۔ ارحام حور کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے سیدھا ہوا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے درد سے تڑپ رہی تھی۔

تم فکر نہ کرو۔۔ تم جاؤ اللہ کا کرم سے سب ٹھیک ہو جاے گا۔ ایک ادھیڑ عمر کی خاتون نے ارحام کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔ ارحام اپنی سرخ نم آنکھیں انگلیوں سے مسلتے ہوے حور پر ایک نگاہ ڈالتے کمرے سے نکل آیا۔

وہ کمرے کے باہر کھڑے اس کے بند دروازے پر اپنی نم سرخ نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔ اندر سی آتی چیخوں پر ارحام خانزادہ کی آنکھوں کی نمی اور سرخی بڑھتی جارہی تھی۔

تم فکر نہ کرو۔۔ تمھارا بیوی بچہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ ہمارا اماں دائی ہے۔ ہمارا سارا بچہ ہمارا اماں کا ہاتھوں ہوا ہے۔ ابھی تم دیکھنا اندر سے تمھارا بچہ کا رونے کی آواز آئے گا۔ وہ ارحام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دے رہا تھا۔ ارحام خانزادہ کی آنکھیں جھک چکی تھیں۔ اس کی بیوی کی اس حالت میں چیخیں کوئی مرد بھی سنے گا وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک بار جیسے پھر سے مر گیا تھا۔

اندر سے ایک بلند چیخ کے ساتھ بچے کی رونے کی آواز سنائی دی تھی

۔۔ارحام خانزادہ کے مضبوط توانا قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔وہ آنکھیں میچ گیا تھا۔۔

مبارک ہو دیکھا ہم نے کیا کہا تھا۔وہ آدمی ارحام کی طرف دیکھتے خوشی سے بولا۔ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے بند دروازے کو دیکھ رہا تفا۔جہاں سے بچے کی رونے کی آوازیں تو آرہی تھیں۔مگر حور کی اب کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اندر سے ادھیڑ عمر خاتون باہر آئی تھی۔ارحام تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔تمھارا بیوی اور بچہ صیح سلامت ہے۔تھوڑا انتظار کرو پھر تم اس سے مل لینا۔وہ عورت ارحام کا کندھا نرمی سے تھپتپاتے پھر سے

کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ارحام اپنی نم آنکھیں سے بازو سے مسلتے دیوار سے ٹیک لگائے خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔

ارحام دو تین گھنٹوں بعد کمرے میں داخل ہوا۔ حور چارپائی پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے اپنے سر پر اچھی طرح چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ رنگت زرد تھی۔ پورے چہرے پر ریڈ سپاٹ سے پڑے تھے۔ جو درد کی شدت میں خون چہرے پر جگہ سجگہ سمٹ سا آیا تھا۔ یہی حالت آنکھوں کی تھی جہاں سرخی سی تھی۔

بچہ اس کے پاس کمبل میں لپٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ ارحام خانزادہ کو دیکھتے وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ جو کچھ ہوا وہ ارحام خانزادہ سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ وہ اسے لے کر کتنا حساس تھا۔ اسے سینت سینت کر رکھتا تھا۔ آج اس

کی ایک حماقت کی وجہ سے وہ یوں عیاں ہوئی۔ کسی انجان کے گھر اس کے بچے کی ڈلیوری ہوئی۔ اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کا بچے کی جان داؤ پر لگ چکی تھی حور کو اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہو چکا تھا۔ وہ نگاہیں جکائے بیٹھی اپنے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو گالوں کی زینت بننے سے روک رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اس کی طرف بڑھتے اس کے پہلو میں پڑے بچے کو گود میں اٹھائے اس کی پشانی پر لب رکھے تھے۔

کمرے میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ وہ اپنے بچے کو بے حد نرمی سے چومتے حور کے پہلو میں لٹا گیا تھا۔

ارحام نے حور پر نگاہ ڈالی جو کپکپاتے لبوں کے ساتھ نگاہیں جھکائے سفید چادر سے اچھی طرح اپنا سر ڈھانپے اپنے وجود کو بھی ڈھانپے ہوے تھی۔

کیسی ہو؟؟ ارحام نے اس کی طرف دیکھتے نرمی سے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔۔ حور نے بمشکل اپنی بھرائی آواز پر قابو پایا تھا۔ نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں۔

برف باری بھی رک چکی ہے۔ گاڑی ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے ہی ٹھیک ہوتی ہے ہم صبح کی روشنی میں یہاں سے نکل جائیں گے ۔زیادہ دیر انجان لوگوں کے گھر رہنا مناسب نہیں۔۔ اپنے اور بچے کی ضرورت کی چیزیں ان لوگوں سے لے کر رکھ لینا۔۔ اور یہ پیسے کسی خاتون کو دے دینا۔ نہ بھی لیں زبردستی دے دینا۔ انہوں نے جو کیا وہ بہت بڑا احسان ہے۔۔ یہ پیسے اس کے سامنے کچھ نہیں۔ اس وقت یہی کر سکتا ہوں ۔ارحام سنجیدگی سے بولتے اس کی گود میں پانچ ہزار کے کئی نوٹ رکھتے چارپائی سے اٹھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

حور کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو اس کے عارض کا حصہ بنے تھے۔ وہ بنا کسی لمس کے اسے اپنے سینے سے لگائے بغیر چلا گیا تھا۔ وہ کتنی درد سے گزری تھی اسے اس ظالم سنگدل انسان کی کتنی ضرورت تھی۔ اس نے تو مسکرا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ حور تکیے پر اوندھے منہ ہوتے سسک سسک کر رو دی تھی۔

ارحام خانزادہ اپنے بچے کو بے حد نرمی سے خود میں بھینچے ہوے تفا۔ وہ گرم کمبل میں لپٹے ہوے تھا۔ جس کے چہرے پر بھی اس وقت کمبل تھا۔ حور گرم کپڑوں دو گرم جرسیوں جرسی اور سر پر بہت بڑی گرم شال میں لپٹی ہوئی تھی۔ پھر بھی وہ کمزوری اور سردی کے باعث بہت بری طرح ٹھٹر رہی تھی۔ ان مہربان لوگوں نے ان کچھ گھنٹوں میں بے حد خیال رکھا تھا۔ اسے

گرم سوپ، گرم خوراک دی تھی۔ مگر اب باہر آتے وہ بری طرح کانپنا شروع ہو چکی تھی۔ صبح کی سپیدی نکل آئی تھی۔ برف باری رک چکی تھی۔ مگر ہر طرف برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔

سڑکیں جام ہونے کی وجہ سے انتظامیہ حرکت میں آئی ہوئی تھی۔ سڑکیں برف سے کلیر کی جا رہی تھیں۔ ارحام حور کو نرمی سے بازو کے حلقے میں لیے ایک ہاتھ میں اپنے بچے کو سینے سے لگائے گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

گاڑی کے پاس آتے ارحام نے اسے بے حد نرمی سے سیٹ پر بٹھاتے حور کو بچہ پکڑایا جو کمبل میں لپٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی میں بیٹھا تھا۔ گاڑی میں وہ پہلے ہی ہیٹر آن کر چکا تھا۔ گاڑی اچھی خاصی ہیٹڈ تھی۔

حور نے بچے کے چہرے سے جلدی سے کمبل ہٹاتے چیک کیا اس کی سانسیں چل رہی ہیں کہ نہیں۔ اس کے سانس لینے پر وہ شکر ادا کر گئی تھی۔ وہ اسے لے کر کافی حساس ہو رہی تھی۔

ہمارا اس وقت نکلنا ضروری تھا برف باری کسی بھی وقت شروع ہو سکتی ہے۔ رابطہ نہیں ہو رہا تھا ورنہ میں اپنے بچے اور تمھارے لیے نئے کپڑوں کا انتظام کر یتا۔ وہ ونڈ سکرین کی طرف دیکھتے سنجید گی سے بولا۔۔

حور اپنا نچلا لب بے رحمی سے کاٹ گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ فکر کر رہا تھا یا جتا رہا تھا۔ مگر وہ اس وقت وہ اپنے اور اپنے بچے کے تن کو دوسروں کی اترن سے ڈھانپے ہوے تھی۔ اس کے لیے خود یہ تکلیف دہ بات تھی۔ کیا کیا نہیں سوچا تھا۔ لاکھوں روپے کی شاپنگ کی تھی۔ سلطان شاہ نے ارحام نے امپوٹنت کپڑوں قیمتی سازوسامان کا ڈھیر لگایا ہوا تھا۔

اس وقت اس کا بچہ بے حد معمولی کپڑوں پرانے سے کمبل میں ملبوس تھا۔ لگانے کو ڈایپر تک نہیں تھا۔ کپڑے کی نیپی استعمال کر کے اس ادھیڑ عمر عورت نے بچے کو بہت سختی سے کسی کپڑے میں باندھ کر اس کے گرد نالہ باندھا ہوا تھا حور کو یہ دیکھتے ہول پڑ رہے تھے مگر اس کے بعد ہی اس کا بچہ پر سکون ہوا تھا۔ اس کا فیڈ لینے کے بعد وہ اب گہری نیند سو رہا تھا۔

تھکاوٹ محسوس ہوئی یا ابراہیم کو فیڈ کروانا ہوا تو بتانا گاڑی روک دوں گا۔ ارحام کی بات پر اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔ یہی نام تو ان دونوں نے مل کر سوچا تھا۔ مگر آج کتنی بڑی دیوار ان دونوں کے بیچ حائل ہو چکی تھی۔

ارحام خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کر گیا۔ گاڑی اونچے نیچے راستوں پر فراٹے بھرنے لگی

شہرام خان اپنے آفس میں بیٹھے سامنے لگی دیوار پر سنجیدگی سے اپنی سیاہ نگاہیں جمائے ہوے تھا۔ اس کا مضبوط ہاتھ ٹیبل پر پڑے پیپر ویٹ پر جما تھا۔ سکرین پر چلتی نیوز پر شہرام خان کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں. پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ جہاں اس کی credibility اس کے کام کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔ وہ اسٹریلیا کی سٹی melbourne ایک ہیلتھ سے جڑے ایک بہت بڑے پروجیکٹ کے لیے ہایر کیا گیا تھا۔ جس میں اس کے ساتھ دنیا کے کافی بڑے نامی گرامی architect بھی شامل تھے۔ آج ہی earthquakes کے شاکس کی وجہ سے اس بلڈنگ کو تھوڑا سا نقصان پہنچا

تھا۔ جس کا سارا ملبہ شہرام خان پر ڈال دیا گیا تھا۔ آس پاس کی باقی بلڈنگ محفوظ تھیں۔ جس کی وجہ سے ذرا سے ڈیمیج پر بے حد واویلہ مچا ہوا تھا۔

شہرام خان کرسی سے ٹیک لگائے اپنے سرخ چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اسے ہر حال میں اسٹریلیا جانا ہی تھا۔ ورنہ اسے بہت سے پروجیکٹ سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ پروجیکٹ اس کے ہاتھ سے چلے جاتے اسے پرواہ نہ تھی۔ مگر اپنی credibility اپنی ساکھ کو وہ نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شہرام خان نے سیدھے ہوتے اپنا موبایل نکالے اپنے لیے اسٹریلیا کی ٹکٹس بکنگ کروائی تھی۔۔۔۔۔

شہرام خان کمرے میں داخل ہوا۔ بہارے گہری نیند سو رہی تھی۔ ابھی شام کے سائے ہی گہرے ہوے تھے۔

کمرے میں نیلگوں روشنی جل رہی تھی۔ بہرام کمرے میں نہیں تھا۔ وہ روزینہ خانم کے پاس تھا۔

وہ گہرا سانس لیتے بہارے کی طرف بڑھا تھا۔ رات بارہ بجے اسلام آباد سے اس اسٹریلیا کی کی فلایٹ تھی۔ اسے چار گھنٹے پہلے یہاں سے نکلنا تھا۔ اس سے پہلے اپنی بیوی کو منانا بھی تھا۔ وہ بہارے کے رد عمل کا سوچتے اس کی طرف بڑھتے بیڈ پر بیٹھتے بہارے کی سائڈ گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔ بہارے شہرام خان کے لمس پر آنکھیں کھولتے سیدھی ہوئی۔

ہے میری لیڈی باس اس وقت کون سوتا ہے ؟؟ مغرب کا ٹایم ہونے والا ہے۔ پھر اپنا سارا غصہ بہرام اور مجھ پر اتارو گی۔ وہ اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتا جا رہا تھا۔

بہارے اپنی گلابی آنکھیں کھولے شہرام کے لمس پر سرخ گلاب ہو رہی تھی۔ وہ کافی شدت سے اسے چوم رہا تھا۔

پریگننسی کے دوران وہ اس کے قریب بہت کم آتا تھا۔ یہ بات بہارے خان کو بہت چبھتی تھی وہ اس کے قریب ہوتے اس نرمی سے خود میں بھینچے بھی اس کی قربت کے تڑپتا نہیں تھا۔ بہرام کے پیدا ہونے کے بعد ڈھائی مہینے اس کی جان عذاب میں ڈالے رکھی تھی۔ اسے چھوڑتا ہی نہیں تھا۔ دن رات رومانس اس کا یہی کام ہوتا تھا۔ مگر اس پریگننسی کے دوران وہ دنوں بعد اس کے قریب آتا بھی تھا تو بے حد نرمی سے اسے چھوتا تھا۔ بہارے خان اسے ہمیشہ خود کے لیے بے قرار دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ شرم کے مارے اس سے کچھ نہیں کہتی تھی مگر شہرام خان کی دوری اسے کافی چبھتی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس کی طبعیت کا خیال کرتا تھا۔ مگر شہرام خان کی قربت اس کی

بے قراریاں اس کی بے تابیاں اس کی جنونیت وہ ہر پل محسوس کرنا چاہتی تھی۔ جواب مفقود لگتی تھیں۔

شہرام خان اس کی گردن سے چہرہ نکالے اس کے ایک نقش پر دیوانگی کے عالم میں لب رکھنے لگا۔ بہارے کی سانسیں تیز ہوئی تھیں۔ وہ بہت جنونیت سے اسے چوم رہا تھا۔

میری لیڈی باس میری زندگی میری بہارے۔۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اس کی آنکھوں کو نرمی سے چوم گیا تھا۔

بہارے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ سجائے اس کی شرٹ کے بٹنوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔

"افففف مت کیا کرو یہ حرکتیں اس وقت۔"۔ شہرام خان کا ہاتھ اپنی شرٹ سے ہٹاتے اس کی انگلیوں کو چومنے لگا۔

حسد ہوتا ہے ہر چیز سے جس کو میری بہارے ان لمحات میں چھوتی ہے اپنی توجہ مبذول کرتی ہے۔ مجھے اپنی بیوی کے خوبصورت ہاتھ یہاں نہیں یہاں چاہیے۔ وہ گھمبیر آواز میں بولتے اس کا ہاتھ بے باکی سے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔ بہارے اس کی حرکت پر سرخ گلنار ہوتے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔ شہرام خان ہنستے ہوے بیڈ پر لیٹتے بہارے کو بے حد نرمی سے اوپر کر گیا تھا۔

کمفرٹیبل ہو بہارے۔۔ شہرام خان نے اسے اپنے اوپر کرتے نرمی سے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔ بہارے مسکراتے ہوئے اس کے دلکش نقوش پر نگاہیں گاڑھ گئی تھی۔ اس کے جسم سے اٹھتی سینٹ کی خوشبو اسے اس کے لیے بے قرار کر چکی تھی۔ اسے اس حالت میں ہر پرفیوم سے الرجی تھی مگر جو سینٹ شہرام خان لگاتا وہ اس کے حواصوں پر سوار ہونے لگتا۔ وہ اسکے سینے پر سر رکھتے اس کی مہک اپنے اندر اتارنے لگی۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ شہرام خان اس کے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے بولا۔

صبح تو میری طرف دیکھا نہیں اب کیسے اچھی لگ سکتی ہوں؟؟ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے شکوہ کیا۔

مجھے تو تم ہمیشہ سے بے حد خوبصورت لگتی ہو۔اب کیا چاہتی ہو میں تمھیں رخصتی سے پہلے کی طرح گھنٹوں دیکھا کروں۔شہرام خان نے آئی برو اچکائے تھے۔

اب کیوں دیکھو گے تمھاری محبت کم جو ہو گئی ہو۔تم بدل چکے ہو۔بہارے کی بات پر وہ سرد سانس کھینچ گیا۔

یعنی میں رخصتی سے پہلے والی حرکتیں کروں تو میری محبت پر تمھیں تب یقین آئے گا۔رخصتی کے بعد کتنا کچھ کرتا ہوں اس سے تمھیں کیوں نہیں لگتا میری محبت پہلے سے کئی زیادہ بڑھ چکی ہے۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال بوچھنے لگا۔

جیسا کہ۔۔بہارے نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

جیسا کہ میں تمھارے بال گھنٹوں سنوارتا ہوں۔ تمھارے پاؤں کی مساج کرتا ہوں۔ تمھیں اپنے سینے پر لٹا کر تمہارے بالوں میں کتنی کتنی دیر انگلیاں چلاتا ہوں۔ حویلی میں موجود ہوں تو کمرے سے باہر نہیں نکلتا۔ بہرام خان جب سے پیدا ہوا ہے تب سے اس کے لیے رات کو میں ہی اٹھتا ہوں۔ اگر دن میں بھی تمھارے پاس ہوں تو بہرام کمپلیٹلی میری ذمہ داری ہوتا ہے۔ تمھارے ہاتھ کے کھانوں کا دیوانہ ہوتے ہوئے بھی درخشاں کے ہاتھ کا کھالیتا ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میں مورے کے ہاتھ کا کھانا کھاتا ہوں یا پھر تمھارے ہاتھ کا کھاتا ہوں۔ اب بیوی کے ہوتے مورے سے کیسے کہوں تو خاموشی سے درخشاں جو بنالیتی وہی کھالیتا ہوں۔ نوے پرسنٹ تمہاری وہی عادتیں جو رخصتی سے پہلے تھیں۔ جب بے رخی برتتی ہو تو چلی جاتی ہو میرے کپڑوں میری کسی چیز کی پرواہ نہیں

ہوتی۔ میں تمہاری بے رخی برتنے کے باوجود روز تمھیں منالیتا ہوں۔ اس میں بھی تم مجھے یہی کہتی رہتی ہو میری محبت کم ہو گئی۔ اب بتاؤ میں اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے کیا کروں۔ وہ اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے بے حد سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

جتا رہے ہو۔ وہ حسب توقع وہ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ اس کے اوپر سے اٹھی تھی۔

شہرام خان قہقہہ لگاتے اسے اپنی طرف کھینچتے اس کی کمر پر اپنا بازو حمائل کر گیا تھا۔

میری عادتیں تمہیں بری لگتی ہیں۔ بہارے کا چہرہ ابھی بھی تحاشا سرخ تھا۔

یقین مانو نہیں مجھے تمھاری عادتوں سے عشق ہے۔ شہرام خان کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

وہ اس کی شرارتی مسکراہٹ دیکھتے غصے سے اس کے لبوں پر جھکتے اس کے نچلے لب پر بے دردی سے کاٹ گئی تھی۔

وہ اس کے جنگلی وار پر اسے بالوں سے جکڑے پیچھے کر گیا تھا۔

کیا کر رہی ہو پاگل ہو گئی ہو؟؟ میری تھوڑی دیر میں فلائٹ ہے۔ وہ اپنے نچلے لب پر خون کی بوند انگلی پر چنتے جھنجھلایا تھا۔

فلایٹ کیسی فلایٹ؟ بہارے نے اسے الجھن بھری آنکھوں سے دیکھا ۔مجھے اسٹریلیا اپنے کام کے سلسلے میں جانا ہے۔ شہرام خان نے سنجیدگی سے

اسے دیکھتے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرنا چاہا وہ اس کے بازو کو بے دردی سے جھٹکتے اٹھ کر بیٹھتے بیڈ سے اتر گئی تھی۔

شہرام خان نے اسے اپنی کنپٹی سہلاتے اسے دیکھا جو بیڈ سے اترتے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ بیڈ سے اترتے اس کی طرف بڑھا۔

بہارے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرا جانا ضروری ہے ورنہ میری ساکھ بری طرح متاثر ہو گی۔ وہ اس کے قریب جاتے نرمی سے بولتے اس کی کمر کے گرد اپنے دونوں بازو حمایل کر گیا تھا۔

پھر تم کہتے ہو تم بدلے نہیں شہرام خان۔۔ بہارے نے اس کی طرف دیکھتے استھزائیہ لہجے میں کہا۔

بہارے میرے اسٹریلیا جانے سے میرے بدلنے کا کیا تعلق؟؟ شہرام خان کا لہجہ نرم مگر سنجیدگی کا تاثر لیے ہوے تھا۔

بدلنے کا تعلق نہ سہی بیوفائی سے تو ہے۔۔ بہارے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوے بولی۔

شہرام خان اس بار خود سے دور دھکیلنے پر پیچھے ہو گیا تھا۔ دوسرے لمحے شہرام خان نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی پرفیوم کی بوتل اٹھائے زمین پر ماری تھی۔

بہارے چیختی ہوے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی تھی۔ شہرام خان ڈریسنگ ٹیبل کو جکڑے مرر میں دیکھتے خود کے غصے پر بمشکل کنٹرول کر رہا تھا۔

وہ صوفے پر بیٹھے اب زارو قطار رو رہی تھی۔

شہرام خان اپنا غصہ کنٹرول کرتے اس کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں پنجوں کے بل بیٹھا۔

بہارے نے اپنی گلابی آنکھیں اس کی سیاہ پرکشش آنکھوں میں گاڑھیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتا میں کیسے تمھیں اپنی وفاداری پر یقین دلاؤں۔ کیسے بتاؤں میں تم سے آج بھی ویسی ہی محبت کرتا ہوں۔ بلکہ ہر گزرتے لمحے میں میری محبت بڑھ رہی ہے۔ اس کی وجہ تمھارا میرے بچوں کا ماں ہونا بھی ہے۔ تمھارا مجھ سے محبت کرنا بھی ہے۔ وہ بے حد ملائمت سے بولتے اس کے گال پر چپکی لٹ اس کے کان کے پیچھے اڑس گیا تھا۔ بہارے اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جا رہا تھا اسے اس کے آگے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ انسکیور ہو رہی تھی۔ اس کی جاندار پرسنیلٹی اس کے

ساحرانہ نقوش اس کی مونچھیں اسے یہی سب دکھائی دے رہا تھا جس کی وہ دیوانی تھی۔

تم ہزار بار روٹھو بہارے میں ہزار بار تمھارے قدموں میں بیٹھ کر ہاتھ جوڑ کر تمہارے آگے سر کو جھکا دوں گا۔ مگر تم مجھے بیوفا کہو مجھے طعنے مارو یہ برداشت نہیں کر سکتا۔

مجھے سمجھ نہیں آتا تم کیا چاہتی ہو۔ اگر تمھیں لگتا ہے میرے اندر رخصتی سے پہلے اور رخصتی کے بعد والے شہرام خان کی جھلک نہیں۔ میں ویسے نہیں تمھارے لیے تڑپتا۔ مجھے بتاؤ کیسے تڑپوں ؟؟ تمھارے لیے رات رات بھر جاگوں۔ تم مجھے تب بے سکون رکھتی تھی میں تڑپتا تھا۔ راتوں کو جلتا تھا۔ مگر اب تم مجھے سکون دے دیتی ہو۔ تمہارا میری بانہوں میں ہونا مجھے سکون کی نیند دے دیتا ہے۔ محبت میں کمی نہیں آئی بہارے وقت حالات

بدل چکی ہیں۔ تم ظالم محبوبہ سے ایک محبت کرنے والی بیوی بن چکی ہو۔ ٹھہراؤ آ چکا ہے۔ منہ زور جذباتوں کو لگام لگ چکی ہے۔ مگر محبت عشق تو پہلے سے بڑھ چکا ہے اتنا کہ تم سوچ نہیں سکتی۔ وہ اب نرمی سے اس کی ہتھلیاں چوم رہا تھا۔ وہ اس کا نرم گرم لمس محسوس کرتے نگاہیں جھکائے ہوے تھی۔

تمھیں مجھ پر یقین کیوں نہیں مجھے سمجھ نہیں آتا۔ تمھیں لگتا ہے میں آیزل سے نکاح کرنے سے اس لیے پلٹا کہ تم ماں بننے والی تھی؟ شہرام کے سوال پر اس نے تعجب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

تمھیں دلہن کے لباس میں دیکھ کر تمھیں اپنے پاس دیکھ کر میں آرادہ بدل چکا تھا۔ میرے سامنے دلہن کے لباس میں میرے بچے کی ماں نہیں میرا

عشق کھڑی تھی۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ میں اس وقت آسمان پر پہنچ گیا تھا تمھاری آنکھوں تمہارے آنسوؤں میں خود کو دیکھ کر۔۔

کون آیزل کون دوسری عورت؟؟ مجھے تو اپنے سامنے کھڑی عورت چاہیے تھی جس کے عشق میں سر سے پیر تک ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس کی لیپ کو اب نرمی سے چوم رہا تھا۔ بہارے اپنے آنسو روکنے اپنے لب بے دردی سے کاٹنے لگی۔

کیوں نہیں سمجھتی اس وقت تمھاری بے رخی نے مجھے توڑ دیا تھا۔ مگر میں تمھاری بے رخی کی وجہ سے اس کی طرف نہیں بڑھا تھا۔ میں صرف اسے پچانے کے لیے اس سے وعدہ کر بیٹھا۔ مجھے کبھی کسی دوسری عورت میں دلچسپی نہیں رہی۔ ہر جگہ تم تھی تم کبھی میری آنکھوں سے آیک پل کے لیے اوجھل نہیں ہوئی۔ مجھے پتہ ہوتا تمھیں میری ڈاکٹر ایزل کی دوستی سے

مسلہ ہے یقین کرو میں یہ دوستی ختم کر دیتا۔ تم بچپن سے مجھے دوسرے نکاح کا کہتی آئی تھی۔ میں دوسرا نکاح کرلوں تم رخصتی سے پہلے جائے نماز پر بیٹھ کر مجھے سنانے کے لیے کتنی اونچی اونچی دعائیں مانگتی تھی۔ یاد کرو تم ایک مرتبہ لاونج میں جائے نماز ڈال کر کس طرح روتے ہوئے دعا کر رہی تھی مجھے کوئی دوسری عورت پسند آجائے۔ میں اس سے نکاح کرلوں۔ یہ رمضان کی ستائیسویں رات تھی۔ ساری رات میں لاونج میں صوفے پر بیٹھ کر تمہاری بدعائیں سنتا رہا۔ تم نے بھی مجھے سنانے کے لیے میری مرنے کی طلاق کی میرے دوسرے نکاح کی دعائیں کیں۔ وہ شہرام خان کی باتوں پر اپنے نچلے لب کو مزید بے دردی سے کچلنے لگی۔

تم تب چھوٹی نہیں تھی میڈیکل کے لاسٹ ائیر میں تھی بہارے۔۔ وہ اسے مزید شرمندہ کر رہا تھا وہ شرمندگی سے اب بری طرح سرخ ہو رہی تھی۔

میں نے اس رات تمہاری کسی بدعا پر آمین بھی نہیں کہا تھا۔ تمھیں کبھی چھوڑ نہیں سکتا تھا مگر دوسری عورت سے نکاح کرنے والی بات پر ایک لمحے کے لیے آمین نہیں کہا تھا۔ تم میری زندگی میں دوسری عورت کی آنے کی دعا کرتی رہی۔ میں اس رات تمھارے دل میں اپنے عشق کے لیے دعا مانگتا رہا۔

میں نہیں جانتا ڈاکٹر آیزل کا ہماری زندگی میں آنا خدا کی طرف سے ہمارے لیے تھا یا میری غلطی تھی۔

اگر ڈاکٹر ایزل نہ ہوتی شاید تم آج بھی میری نہ ہوتی۔ میں آج بھی راتوں کو تڑپتا۔ لمحہ لمحہ اذیت سے مرتا۔ وہ سنجیدگی سے بولتے بہارے کی جھکی نگاہوں پر اپنی نگاہیں جمائے ہوے تھا۔

مجھے نہیں سمجھ ایا تم ڈاکٹر آیزل سے جیلس ہو۔ وہ صرف میری دوست تھی۔ باہر تعلیم حاصل کی اور بھی لڑکیوں سے میری دوستی تھی۔ کام کی حد تک۔۔ ڈاکٹر ایزل سے بھی کام کی حد تک تھی۔ وہ اپنی محرومیاں مجھے اکثر بتاتی تھی میں خاموشی سے سن لیتا تھا۔ تمہارا اسے اس لیے نہیں بتایا تم میرا عشق تو ضرور تھی مگر مجھے ہر وقت جلاتی تھی تڑپاتی تھی۔ میں کیا ذکر کرتا جس سے عشق کرتا ہوں وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ ہاسپٹل میں تم نے چھپایا اس لیے ڈاکٹر آیزل جب پاکستان آئی تب بھی اسے کچھ نہیں بتایا۔ وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

تمھارے سامنے ان سات ماہ میں میں نے ڈاکٹر ایزل کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا کیونکہ وہ ایگزیسٹ ہی میری زندگی میں نہیں کرتی تھی۔ وہ مر بھی جاتی مجھے پرواہ نہیں ہونی تھی۔۔ تمھارا ایک آنسو ڈاکٹر ایزل کی

زندگی پر بھاری تھا۔ وہ اب نرمی سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔ کدورت دھل رہی تھی مگر وہ جا رہا تھا وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔ انسکیورٹی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے وہ سیج سجائی تمھیں تکلیف دی بہت تکلیف دی میں اس کا کبھی مداوا نہیں کر سکتا۔ یقین کرو میرے اندر اس سیج کے کوئی ارمان نہیں تھے۔ اس رات تمہارے آنے سے پہلے اس سیج پر تمھیں دیکھا تھا۔

دو اپشن تھے بہارے نکاح کرنا اور نہ کرنا۔ اگر نکاح کرنا تو پوری ایمانداری سے کرنا۔ وہ اس کی بات پر سسک اٹھی تھی۔

مرد صرف چار نکاح نہیں کر سکتا کہ اسے آجازت ہے۔ خدا نے اسے نکاح کی آجازت اس لیے دی وہ اگر نکاح کرے تو ان میں انصاف کرے۔ اگر وہ انصاف نہیں کر سکتا تو مجھے لگتا ہے وہ دوسرا تیسرا نکاح کرنے کا مجاز نھیں

ہے۔ میری غلط نیت نہ تھی نہ میں تمھیں سزا دے رہا تھا۔ نہ میں اپنی حوص پورا کرنا چاہ رہا تھا۔ میری ضرورت میری حوص میری دیوانگی میری محبت کا ہر اراستہ تم تک جاتا تھا۔ کسی دوسری عورت کو چھونا میرے لیے بھی تکلیف دہ ہوتا بہارے۔۔ وہ اس کی کے گال پر ہاتھ جمائے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا۔

تمھیں لگتا ہے تم بہرام کی مرتبہ میرے ساتھ سائے کی طرح رہی اس لیے میں ڈاکٹر آیزل کے قریب نہ جا سکا۔ غلط لگتا ہے بہارے۔۔ میں اس کے قریب جانا ہی نہ چاہتا تھا. میں تو اس کمزور لمحے میں آنے کی وجہ سے دن رات پچھتاتا تھا۔

جس کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچی۔ آج بھی تمھیں غلط لگتا ہے تم مجھے خود کے ساتھ باندھ کر رکھو گی تو میں کسی دوسری عورت کے قریب نہیں جا

سکوں گا۔ میں دوسری عورت پر ایک نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا بہارے اس ک قریب کیا جاؤں گا۔ وجہ تمہاری انسکیورٹی تمہارا ڈر نہیں میری شدید محبت ہے۔ وہ سنجیدگی سے بولتے کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی

۔

اپنا عشق ثابت کرنے کے لیے میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا بہارے۔۔ جیسے تم ڈاکٹری کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تمھیں امتحان میں ڈالوں کہ تم میرے لیے گھر بیٹھ جاؤ تم بیٹھو گی۔ کبھی نہیں بیٹھو گی۔ میں چاہوں گا بھی نہیں۔ وہ ہسپتال تمھارا ہے۔ تمھارے لیے بنا تھا۔ پھر بھی میں تمھارے لیے سب کچھ چھوڑ دیتا ہوں میں نہیں چاہتا زندگی میں کبھی وہ لمحہ آئے جس میں مجھے لگا تم نے مجھے امتحان میں ڈالا۔ میں اپنا کام چھوڑنے پر پچھتاؤں۔ وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بول رہا تھا۔

وہ اپنے لفظوں سے اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا سکتا تھا تو زمین پر بھی پٹخ سکتا تھا۔ وہ پتہ نہیں کیوں بیچ میں معلق تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا وہ ابھی تک یہی سوچ رہی تھی۔

وہ اب کمرے کے وسط سے کانچ کے ٹکڑے اکٹھے کر رہا تھا۔

وہ ایک ایک کرچی اپنے ہاتھوں سے اٹھا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کرچیاں اس لیے اکٹھی کر رہا تھا کوئی کرچی اسے نہ چبھ جائے۔۔ بہارے اس کی سحر انگیز پرسنیلٹی دیکھ کر صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔ انسکیورٹی مزید بڑھ گئی تھی۔

وہ کانچ کے ٹکڑے اکٹھا کیے اسے باسکٹ میں ڈالے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بہارے خان کا دل لرزنے لگا تھا۔ وہ کیسے بتاتی شہرام خان کو کہ بہارے خان کو جب سے عشق ہوا تھا وہ سکون کو ترس گئی تھی۔ وہ تو آج بھی

تڑپتی تھی جلتی تھی راتوں کو جاگ کر اس کے سحر انگیز نقوش دیکھتی تھی۔ مگر شہرام خان سکون پا گیا تھا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹرالی بیگ گھسیٹتے ہوئے کمرے میں آیا تھا۔ وہ بہارے کی طرف بڑھتے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ بہارے نے آنکھیں نہیں کھولی تھی۔

میری بیٹی اور تمھاری زندگی تمھارے پاس امانت ہیں میری بہارے۔ وہ اس کے کان میں مدھم سا بولتے اس کی سائیڈ گردن پر لب رکھتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

بہارے نے پہلو میں اٹھتے درد پر گہرے سانس لیتے ڈاکٹر ماہین کو کال ملائی تھی۔

میں آرہی ہوں ہاسپٹل ڈاکٹر ماہین۔ وقت آچکا ہے۔ وہ سنجیدگی سے بولتے فون بند کر گئی تھی۔

بہارے خان کو ہاسپٹل ایڈمٹ کرنے کے کچھ دیر بعد بعد اس کا سی سیکشن کر دیا گیا تھا۔ اسے ڈاکٹرز نے سی سیکشن پہلے ہی ریکمنٹ کر دیا تھا۔ ڈیٹ تھوڑی سی اگے کی تھی۔ مگر پین اور واٹر بریک کی وجہ سے اس کا اپریٹ کچھ دن پہلے کر دیا گیا تھا۔

بہارے خان نے ایک صحت مند بیٹی کو جنم دیا تھا۔ اس بار اس کا بی پی نارمل تھا۔ وہ بہت تکلیف سے نہیں گزری تھی۔

بہارے کمرے میں لیٹی اپنے قریب گلابی کمبل میں لپٹے نومولود کو دیکھ رہی تھی۔۔وہ فیڈر پینے کے بعد اس کے پاس بیڈ پر ہی سو رہی تھی۔

اسفندیار خان عابیر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تھا۔امینہ خانم اور روزینہ خانم پہلے سے ہی اس کے پاس موجود تھے۔

کیسی ہو؟؟اسفندیار خان نے بہاریے کی طرف بڑھتے اس کی پیشانی پر لب رکھے تھے۔

ٹھیک ہوں لالا۔۔بہارے آہستگی سے بولتے آنکھیں موند چکی تھی۔اسفند یار خان بہارے کی بیٹی کو گود میں اٹھائے اس کے گال کو بے حد نرمی سے چھو گیا تھا۔

وہ بہارے کی بیٹی کو گود میں اٹھائے اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عابیر اسفند کی نم نگاہیں دیکھتے اپنے لب بے دردی سے کچلتے ہوے صوفے کی طرف بڑھتے بیٹھ گئی تھی۔ اس دن کے بعد ان دونوں میں کافی حد تک کھچاؤ سا آیا ہوا تھا۔

شہرام خان بہت خوش قسمت ہے ہے اسے اللہ نے بیٹی دی۔ وہ نم سا مسکراتے اسے دیکھ رہا تھا۔

تم بھی خوش قسمت ہے اسفند تمھیں تو اللہ دو دو بیٹیاں دینے جا رہا۔ امینہ خانم نے مسکراتے ہوے کہا۔ اسفندیار خان کے جنون سے سب واقف تھے

میں تو سب سے زیادہ خوش قسمت ہوں۔ مجھے دو بیٹیاں اور دنیا میں مرہ جمیلہ مل گئی۔ دنیا کی سب سے خوبصورت عورت میری قسمت میں لکھی گئی

تھی۔ وہ عابیر کی طرف نرم نگاہوں سے دیکھتے مسکرایا تھا۔ عابیر اسفندیار خان کو ایک نگاہ دیکھتے رخ موڑ گئی تھی۔

جس دن وہ اس کے جھوٹ سے واقف ہو کا اسے اپنی بدقسمتی پر روئے گا عابیر کو یقین تھا۔

بہارے شہرام خان کہاں ہے ؟؟ روزینہ خانم نے اونچی آواز میں پوچھا۔ وہ مزید یہ سب برداشت نہیں کر سکتی تھی

وہ اسٹریلیا گیا ہے۔ بہارے کی آواز نم ہوئی تھی۔

وہ کیسے جا سکتا ہے اسٹریلیا اس وقت میں ؟ اسفندیار خان نے بچی کو کاٹ میں ڈالتے بھڑکا۔

ہر کوئی تمھاری طرح نہیں ہوتا اسفندیار خان جو نو مہینے اپنا بیوی کا پلو سے بند جائے۔۔نہ بیٹیوں کے لیے اتنا پاگل۔۔روزینہ خانم طنزیہ مسکرائی تھی۔

امینہ خانم روزینہ خانم کی زہر اگلتی زبان پر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔وہ ویسے بھی نہیں بولتی تھیں۔اسفندیار خان کے سامنے تو وہ بلکل کچھ نہیں کہتی تھیں۔

لالا ایمرجنسی تھی اس لیے جانا پڑا آجائے گا۔آپ گل ورین کے کان میں اذان دے دیں پلیز۔۔بہارے نے ایک نظر اپنی بیٹی کو دیکھتے کہا۔شہرام خان نے یہی نام تجویز تھا۔اسفندیار خان بہارے کے کہنے پر بچی کو اٹھائے اس کے کان میں مدھم آواز میں اذان دینے لگا۔

شہرام خان کو امینہ خانم فون پر بتا چکی تھی۔ اس کی بیٹی ہوئی ہے. بلکہ ہاسپٹل سے ڈاکٹر ماہم اسے کانٹیکٹ کر کے مبارک باد دیکھ چکی تھی۔ وہ سٹل اسٹریلیا میں پھنسا ہوا تھا۔۔ بہارے کو کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا نمبر آف تھا۔ دو تین بار امینہ خانم عابیر کے نمبر پر فون کر کے بہارے سے بات کرنا چاہی تھی۔ فون بہارے تک پہنچ جاتا تھا۔ مگر وہ بات کیے بغیر فون رکھ دیتی تھی۔ وہ اسٹریلیا میں بیٹھا جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

وہ کام مکمل کیے بغیر نہیں آسکتا تھا۔ اسے دو چار دن لگ جانے تھے۔ مگر وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔ یہ خبر اس کے لیے خوشی کے ساتھ تکلیف دہ بھی تھی۔ وہ اس وقت اپنی بہارے کے پاس نہیں تھا۔

شہرام خان جیسے بھی کر کے تیسرے دن سوات پہنچ آیا تھا۔ وہ سیدھا ہاسپٹل ہی آیا تھا۔ وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بہارے بلو ڈریس میں دوپٹہ سر پر اوڑھے کمرے میں آہستگی سے ٹہل رہی تھی۔ ڈاکٹر ماہین نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ درد بہارے کے زرد چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا ۔ڈاکٹر ماہین شہرام خان کو دیکھتے بہارے کا ہاتھ چھوڑ چکی تھی۔ بہارے شہرام خان کو دیکھتے بے رخی سے نگاہیں پھیر چکی تھی۔ شہرام خان بہارے کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے سے لگائے اس کے سر پر لب رکھ گیا۔

آئی ایم سوری میری بہارے۔۔ وہ بہارے کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ بہارے سٹل پتھرائے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ماہین کے لبوں پر مسکرہٹ رقصاں ہوئی تھی۔

شہرام خان اس کاٹ میں لیٹی اپنی بیٹی کی طرف بڑھا۔

ماشاءاللہ۔۔میرا دل کا ٹکڑا میرا چاند۔۔وہ گلابی کمبل میں لپٹی سوئی ہوئی گل ورین کے چہرے کو نرمی سے چوم گیا تھا۔وہ اسے احتیاط سے کاٹ میں لٹاتے بہارے کی طرف بڑھا جو اب بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

اسی دوران ڈاکٹر مہرین اندر داخل ہوئی تھی۔

اسلام علیکم سر کیسے ہیں آپ؟؟ڈاکٹر مہرین نے شہرام کو دیکھتے مسکراتے ہوے پوچھا۔

ٹھیک ہوں میں۔۔مجھے آپ صرف یہ بتائیں میری بہارے کیسی ہے؟؟شہرام خان اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے بہارے کو گرم محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوے بولا۔وہ سٹل چہرے پر بے رخی سجائے کھڑی تھی۔

ٹھیک ہیں مگر follopian tubes بند کرنے کی وجہ سے تھوڑی سی پرابلم ہوئی۔ کیونکہ ابھی یہ بہت ینگ ہیں اور دوسرا ان کا سیکنڈ بے بی تھا۔ ویسے کوئی بھی ڈاکٹر اتنی ینگ ایج میں tubal ligation نہیں کرتا۔ مگر ڈاکٹر بہارے اور آپ یہ چاہتے تھے میں کیا کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر مہرین نے سنجیدگی سے کہا۔

کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ کیسے کر سکتی ہیں؟؟ شہرام خان دھواں دھواں چہرے کے ساتھ یہ سب سن رہا تھا۔

کیا مطلب سر آپ ہی کی پرمیشن سے ہوا۔ آپ کے اور ڈاکٹر بہارے کے پرمیشن پیپرز پر سائن تھے آپ نے ہی تو آجازت دی۔ ڈاکٹر مہرین نے شہرام خان کا سرخ چہرہ دیکھتے اسے پیپرز تھمائے جس پر شہرام خان اور بہارے کے سائن تھی۔

شہرام خان نے بہارے پر اپنی سرد سرخ نگاہیں گاڑھی تھیں۔ جو بنا کسی ندامت کے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

تم یہ کیسے کر سکتی ہو میری آجازت کے بغیر کیسے؟ شہرام خان چیختے ہوے وہ پیپرز والی فایل زمین پر پٹخ چکا تھا۔

تم مجھ سے جواب دہ نہیں ہو۔ بہارے نے سرد سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

کیوں جواب دہ نہیں ہو بیوی ہو میری۔ تم کیسے یہ فیصلہ لے سکتی ہو کیسے تمھاری ہمت کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی؟؟۔ وہ غصے سے سرخ رنگت گردن کی پھولتی رگوں کے ساتھ غراتے ہوے بہارے کی طرف بڑھتے اسے شانوں سے بے دردی سے جکڑے اس پر جھکا۔

۔سسس۔۔۔ٹانکوں میں کھنچاؤ پڑنی پر وہ سسک اٹھی تھی۔شہرام خان کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے وہ پسینے سے تر ہوئی تھی۔بڑے عرصے بعد اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔

سر شہرام یہ ہاسپٹل ہے۔آپ کی بیوی کا اپریٹ ہوا ہے۔ان کی نازک حالت ہے۔آپنی بیوی کا نہ سہی اپنی کچھ دن کی بیٹی کا خیال کر لیں۔ڈاکٹر مہرین نے لب بھینچے کہا۔

شہرام خان کچھ پل بہارے کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔ہر حد آج پار کر چکی ہو ہر حد۔۔۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بولتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شہرام خان اپنے آفس کی چیر پر بیٹھا سگریٹ لبوں میں دبائے ہوے تھا۔ وہ کیسے اتنا بڑا فیصلہ لے سکتی تھی.

وہ آگے بچہ نہیں چاہتا تھا مگر یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ کرے۔۔ کنسیونہ کرنے کے اور بھی طریقے تھے۔ مگر پرمینینٹلی یہ کیسے کر سکتی تھی؟؟ کوئی بھی بیوی اپنے شوہر کی آجازت کے بغیر آخر کیسے کر سکتی تھی۔ وہ کرسی سے ٹیک لگائے اظطرابی سوچوں میں گم سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا تھا۔

اتنی ضدی تھی اس کی بہارے۔۔ اتنی ضدی کہ اسے سزا دینے کے لیے یہ سب کیا۔ وہ کرسی پر سیدھا ہوتے اپنے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے خون چھلکا رہا تھا۔ اعصاب بھاری ہو رہے تھے۔ اس کے اسٹریلیا جانے پر اس نے اس سے اتنا بڑا بدلہ لیا۔ ہر بار وہ ایسے کرتی تھی۔ بچپن سے جب تک اسے سزا نہ دے لے اسے چین نہیں آتا تھا۔ وہ

دردو کرب سے سوچتے سگریٹ لبوں میں دبا گیا تھا۔ بہارے کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ مگر وہ اس کے ساتھ حویلی نہیں گیا تھا۔ بلکہ اسے دوبارہ دیکھا تک نہیں تھا۔ وہ ایسے ہی لائیٹس آف کیے اپنے آفس کی کرسی پر بیٹھے ہوے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

رات گہری اور تاریک تھی۔ کھڑکی سے برستی بارش نظر آرہی تھی۔ باہر گہری سیاہ تاریکی تھی۔ اس کے اندر بھی تاریکی اتر رہی تھی۔ شاید اس عورت نے اس سے عشق کا دعوی ہی کیا تھا عشق نہیں کیا تھا اگر کرتی تو یہ سب کرتی۔ وہ تلخی سے سوچتے سگریٹ کا زہریلا دھواں اپنے اندر اتار گیا۔

عشق اس نے کیا ہو یا تجھ سے نہ کیا ہو۔ مگر تو نے اس عورت سے عشق کیا ہے۔ وہ صرف تیری بیوی نہیں سینے میں دھڑکتی دھڑکن ہے۔ وہ بے چین ہوتے سیدھا ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر پھیلا درد یاد آیا تھا۔ وہ مزید بے چین ہوا تھا۔

وہ گہرا سانس بھرتے کرسے سے اٹھا تھا۔ اپنا کوٹ بازو پر ڈالے وہ ہسپتال سے نکل آیا تھا۔ ہر بار اس کا ہر درد ہنس کر سہا تھا اب کیوں نہیں۔ اب وہ صرف اس کا عشق نہیں اس کے بچوں کی ماں بھی تھی۔

وہ تھکا تھکا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔۔ بہارے کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ وہ گہرا سانس لیتے اس کی طرف بڑھا تھا۔

شہرام خان کے قدموں کی دھمک سنتے وہ اپنی سسکیوں پر قابو پا گئی تھی۔ وہ آہستگی سے اس کی طرف بڑھتے اس کے قریب لیٹ گیا تھا۔ بہارے اس

کی خوشبو اپنی سانسوں میں اترتے محسوس کرتے سانسیں بند کر گئی تھی۔ سانسیں بند ہوئی تھیں اس دشمن جاں کی خوشبو اپنے پاس محسوس کرتے۔ کمرے میں اب دونوں کی سانسیں گونج رہی تھیں۔ بہارے اس کی طرف سے کروٹ کیے لیٹی تھی۔ وہ اس کے پاس سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ گل ورین روزینہ خانم کے پاس تھی۔ بہرام درخشاں کے پاس تھا۔ گل ورین نے بہرام کی طرح بہارے کا فیڈ نہیں کیا تھا۔ وہ فیڈر پیتی تھی بہارے کی طبعیت کے پیش نظر گل ورین وہ اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔

وہ اس کی طرف پلٹے اسے سیدھا کیے اس کے چہرے پر جھکے اس کے آنسو اپنے لبوں سے چننے لگا۔ بہارے خان بے یقین ہوئی تھی۔

جب جب نام بہارے آجائے شہرام خان کا خوار ہونا لکھا جا چکا ہے۔ وہ اس کے کان میں مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔ بہارے نے مدھم نیلگوں روشنی میں اسے بے رخی بھری نگاہوں سے دیکھا۔

تمھاری سزائیں سہنے کی عادت ہے۔ بچپن سے سہتا آرہا ہوں اب کیوں نہیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کی آنکھیں نرمی سے چوم گیا ۔ بہارے نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اسے دور جھٹکا تھا۔

دور جھٹکو یا نفرت کرو شہرام خان تم سے کبھی جدا نہیں ہو گا۔ وہ اس کی پیشانی پر نرمی سے لب رکھے لیمپ جلائے اٹھ کر بیٹھا تھا۔

بہارے کی شرٹ وہ نرمی سے اوپر کھسکا گیا تھا۔

اس کے سٹیچز پر بینڈج ہونے والی تھی۔ اس نے پٹی نہیں چینج نہیں کی تھی۔ وہ نرمی سے وہ پٹی ریموو کر گیا تھا۔

وہ سیدھی لیٹی اب آنسو بہا رہی تھی۔ شہرام نرمی سے سٹیچز محلول سے صاف کرتے سائیڈ ٹیبل سے سرجیکل بینڈج اٹھائے اس کے سٹیچز پر لگا گیا تھا۔ وہ اب اس کے قریب بیٹھے اس کا سر نرمی سے دبا رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے مزید شدت سے آنسو بہانے لگی تھی۔۔ وہ اس کا سر دباتے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلانے لگا۔ وہ تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئی تھی۔ شہرام خان بیڈ کراون سے ٹیک لگائے سگریٹ جلائے لبوں میں دبا گیا تھا۔

اسے آج بھی تکلیف کی حدوں پر ایک ہی عورت پہنچا سکتی تھی۔ وہ تھی اس کے پہلو میں لیٹی عورت۔۔ وہ خود پر قابو پائے سگریٹ کے کش لینے لگا۔

زاران نے فون رنگنگ پر اپنا ایک ہاتھ سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھاتے اپنا بجتا فون اٹھایا۔ دائیں بازو میں اسے کھنچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ ابرش اس کے کندھے پر سر رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔ مجال ہے وہ اس دوران ہل بھی سکتا ہو۔ زاران نے ابرش کی طرف دیکھتے گہری سانس لی تھی کال رسیو کرتے فون کان سے لگایا۔ رات کے دو بج رہے تھے شہرام خان کی کال آ رہی تھی۔

لالا۔ اس وقت آپ کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا مگر داجی آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ انھیں وہ رکا تھا۔

کیا ہوا ہے انھیں زاران نے پریشانی سے پوچھا۔

انھیں اٹیک آیا ہے۔ شہرام خان کی بات پر وہ ابرش کو خود سے علیحدہ کرتے اٹھ کر بیٹھا تھا۔ ابرش زاران کے دور کرنے پر نیند سے جاگ چکی تھی۔ زاران کو اٹھ کر بیٹھے دیکھتے وہ اٹھ کر بیٹھی تھی.

میں آرہا ہوں۔ ہاں ابھی آرہا ہوں۔ زاران عجلت میں بولتے فون بند کر چکا تھا۔

کیا ہو زاران ؟؟ ابرش نے زاران لیمپ کی مدھم روشنی میں زاران کی اڑی رنگت دیکھتے تشویش سے پوچھا۔

ابرش داجی کو ہارٹ اٹیک آیا ہے وہ مجھے یاڈ کر رہے ہیں مجھے جانا ہو گا۔ زاران نے ابرش کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

میں بھی جاؤں گی آپ کے ساتھ؟ اس سے پہلے زاران اسے زحلے کے پاس رکنے کا کہتا وہ پہلے ہی بول اٹھی تھی۔

ابرش تمھارا اس کنڈیشن میں بار بار سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی بھی کالام سے ہو کر آئی ہو۔ اب سوات۔۔ سڑکیں بھی خراب ہیں۔ وہ ابرش کی احمکانہ بات پر بھڑک اٹھا تھا۔

زاران میں بھی داجی کو دیکھنا چاہتی ہوں اور میں اس وقت آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ وہ اس کے سینے کے ساتھ لپٹی تھی۔

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے اس کے بالوں پر لب رکھتے بے حد نرمی سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام گیا۔

میری جذباتی بیوی۔۔میں آجاؤں گا ایک دو دن میں ایک دو دن میرے بغیر رہنے میں کیا حرج ہے؟؟تم بتاؤ میں تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں۔جب تک تم میرا جینا حرام نہ کر دو مجھے چین نہیں آتا۔وہ مسکراہٹ دبائے بولتے ابرش کی انکھوں میں شرارے دوڑا چکا تھا۔

ٹھیک ہے جاؤ پھر۔۔وہ غصے سے بولتے کروٹ بدلتے لیٹ چکی تھی۔زاران اس کی طرف جھکتے اس کی سائیڈ گردن پر لب رکھ گیا۔

تم میری جان کا آزار ہونے کے ساتھ ساتھ میری جان بھی ہو۔تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔مگر میری جان!!اس وقت میرے بغیر کچھ دن رہ لو میں جلد واپس آجاؤں گا۔وہ کی کان کی لو پر زبان پھیرتے اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

زاران اس زلزلے کے بعد میرے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ تمہارے بغیر مرنے کا۔ مجھے تمھارے ساتھ جینا ہے تمہارے ساتھ مرنا ہے۔ وہ سیدھے ہوتے بھیگے لہجے میں بولی۔

افففف۔۔ وہ سرد سانس کھینچتے ابرش کی گردن میں چہرہ چھپا گیا تھا۔

میری جذباتی بیوی۔۔۔ کیا کروں میں تمھارا؟؟ وہ اس کے اوپر آتے اس کی گردن نرمی سے چومتے اس کی نایٹی کندھوں سے نیچے کھسکا گیا تھا۔

زاران۔۔ ابرش نے اسے پیچھے کرتے اسے ہوے اسے دیکھا تھا۔

پورے سفر کے دوران تمھیں رومانس کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ وہاں جا کر بھی تم مجھے دو دن کے لیے بھول جانا داجی شہرام اسفند مورے عابیر سب

کو وقت دوں گا کہ تمھیں۔ اس لیے ابھی تمھارے ساتھ رومانس کر کے تمھیں کول کرنے لگا ہوں۔ تا کہ وہاں جا کر تم مجھے تنگ نہ کرو۔

زاران اسے دیکھتے بے باکی سے بولتے آنکھ ونک کر گیا رھا۔

مجھے کول کر رہے ہو اور تمھارا کیا؟؟ تمھیں میری طلب نہیں ہوتی ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں کہا۔

میری بیوقوف بیوی ہر وقٹ میری آنکھوں میں طلب بن کر دوڑتی ہو اپنے منسٹر کو ابھی تک پہچان نہیں پائی۔ میرے لفظوں پر غور کرنے کی بجائے میری آنکھوں میں دیکھ لیا کرو تمھیں اندازہ ہو تمھارا منسٹر تم پر جان دیتا ہے۔ وہ گھمبیر آواز میں بولتے اس کے نقوش کو چومنے لگا۔

اٹھو تیار ہو جاؤ۔ ہم چلتے ہیں۔ زاران اس کے اوپر سے اٹھا تھا۔

اور رومانس۔۔ ابرش نے اس کا ہاتھ پکڑتے اس کی طرف دیکھا۔

زاران اس کی آنکھوں میں خمار کی سرخی دیکھتے اس پر جھکے لیمپ آف کر گیا تھا۔

میری بے شرم بیوی۔۔ وہ اس کے ساتھ لپٹتے مدھم سرگوشیاں کرتے اسے خود میں سماتے چلا گیا تھا۔ ان کے جسم کے پردے اترتے چلے گئے تھے۔ مکمل اندھیرے میں مغنی خیز سانسوں کا رقص بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ ابرش کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے کار پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ گلابی چنٹوں والے گرم فراک پر سیاہ چادر میں لپٹے ہوئے تھی۔۔ اپنا چہرہ کور کیا ہوا تھا۔

میری زندگی میری جان۔ وہ اس کے چہرے پر نقاب دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔ وہ پردے میں لپٹے اس پر کس طرح بجلیاں گراتی تھی کوئی زاران خانزادہ سے پوچھتا۔

وہ اسے لیے گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اس کے گارڈز کی گاڑیوں کے ساتھ اس کی گاڑی آگے بڑھی تھی۔

عابیر نے بے چینی سے کروٹ بدلتے اسفندیار خان کی پشت پر نگاہ ڈالی ۔ جس کی بھاری سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ اس کے قریب نہیں آیا تھا۔ اس کا خیال ویسے ہی رکھ رہا تھا۔ مگر اس کے قریب آنے کے لیے اپنی بے تابیاں اپنی بے قراریاں ظاہر نہیں کرتا تھا۔

وہ اسلام آباد کا آفس بھی جوائن کر چکا تھا باقاعدگی سے وہ جا رہا تھا۔ کبھی فلائٹ بھی بائے روڈ وہ اسلام باد جاتا مگر رات گیارہ بجے سے پہلے وہ حویلی آ جاتا۔

درخشاں، امینہ خانم اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اسفند کی غیر موجودگی میں وہ نیچے اپنے کمرے میں رہتی تھی۔ جب وہ حویلی میں ہوتا وہ خود اس کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں چڑھتا۔ اس سارے عرصے کے دوران وہ اسفند کے سہارے کے بغیر سیڑھیاں اتری چڑھی نہیں تھی۔ رات کو وہ واپس آتا تو اس کے کمرے میں ہی سوتا تھا۔ وہ پتہ نہیں کب آیا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف سے کروٹ لیے گہری نیند سو رہا تھا۔ عابیر کو اس کی گہری نیند کافی چبھی تھی۔ اس کی بیگانگی لاتعلقی سے عابیر کے دل میں غم و غصے کی لہریں اٹھی

تھیں۔ عابیر نے اٹھ کر بیٹھتے سائیڈ لیمپ آن کیا تھا۔ وہ ہنوز ایسے ہی گہری نیند سو رہا تھا۔

عابیر نے بھڑ بھڑ جلتے سائیڈ ٹیبل پر پڑا شو پیس اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے پھینکا تھا۔ شو پیس کے ٹوٹنے پر اسفندیار خان ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ اس نے کروٹ لیتے نیند سے بھری آنکھیں کھولتے عابیر کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ اسفندیار خان کے دیکھنے پر بے رخی سے چہرہ پھیر گئی تھی۔

کیا ہوا ہے ٹھیک تو ہو؟؟ شو پیس کیوں پھینکا؟؟۔ میری بیٹیاں ٹھیک ہیں۔ اسفندیار خان نے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔

عابیر غصے سے اسفندیار خان کا ہاتھ پیچھے دھکیل گئی تھی۔ اسفندیار خان منہ پر ہاتھ پھیرتے کچھ پل اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کی گود میں اپنا سر رکھتے اس

کی کمر کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے اس کے پیٹ پر بے حد نرمی سے اپنے لب رکھنے لگا۔ عابیر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔

آئی ایم سوری میرا سرخ گلاب۔۔ مجھے اس دن یہ سب تم سے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں مر تو سکتا ہوں مگر اپنے سرخ گلاب اپنی پٹھانی کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا۔ اسفند نے اٹھ کر بیٹھتے عابیر کے رخساروں سے بہتے آنسو بے حد نرمی سے اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے صاف کیے۔

اگر میں آپ کو بیٹی نہ دے سکی پھر بھی میری جگہ کسی کو نہیں دیں گے۔ عابیر نے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔

یہ کیا کہہ رہی ہو تم عابیر؟؟ تم مجھے نہیں بیٹی نہیں دو بیٹیاں دینے جا رہی ہو۔۔ اسفندیار خان نے اس کا چہرہ نرمی سے تھامتے اس کے بہتے آنسو اب اپنے لبوں سے چنے تھے۔

اسفند پھر بھی اگر بیٹی نہ ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔

شش۔۔۔۔۔وہ عابیر کے لبوں پر اپنی انگلی رکھ گیا تھا۔اس کی آنکھوں کی رنگت بدلی تھی۔عابیر یکدم اس کی نیلی آنکھوں کی رنگت کو گلابی مایل میں بدلتے دیکھتے سٹل سی ہوئی تھی۔اسفندیار خان کی باقی حویلی کے مردوں کی طرح آنکھوں اور چہرے کی رنگت اتنی تیزی سے سرخ نہیں ہوتی تھی۔وہ خود پر ظبط کر جاتا تھا غصہ بھی جلد نہیں آتا تھا۔مگر آج اس کی آنکھوں کی رنگت لمحوں میں بدلی تھی۔

یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو عابیر؟؟کتنی بار الٹرا ساونڈ کروا چکی ہو بیٹیاں ہی آئی ہیں۔اس کو بھی چھوڑ میں ان رپورٹس کو نہیں مانتا۔مگر میرا دل میری روح کہتی ہے اللہ مجھے بیٹاں دے گا۔میں نے تہجد میں رب سے بیٹیاں مانگی ہیں۔ہر سجدے میں بیٹیاں ہی مانگی ہیں۔میرا رب میری دعائیں

ضرور قبول کرے گا۔مجھے سمجھ آتا ہے تمھاری کنڈیشن ایسی ہے ایسی حالت میں عورت کو مختلف اظطرابی سوچیں آتی ہیں۔ مگر ایسے مت کہو میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔وہ اس کے آنسو نرمی سے انگوٹھے سے صاف کرتے بول رہا تھا۔

پھر بھی اگر میں آپ کو بیٹی نہ دے سکی ہمارے گھر بیٹی نہ ہوئی تو کیا کریں گے مجھے چھوڑ دیں گے دوسری شادی کریں گے ؟؟تو پھر جائیں مجھے چھوڑ جائیں اسفندیار خان جیسے پہلے مجھے چھوڑا تھا۔مجھے آپ سے یہی امید ہے۔مجھے دوسری شادی کا طعنہ دیا۔مجھے نفرت ہے آپ سے۔۔میں آپ کو بیٹیاں نہیں دے سکتی۔۔نہ دوں گی۔۔

عابیر اس کا گریبان میں ہذیانی چیخی تھی۔ وہ اسے سچ بتانا چاہتی تھی مگر بتا نہیں پا رہی تھی۔ اسفندیار خان کی اتنے دنوں کی بے رخی، اس کا دوسری شادی کا طعنہ، اس کا بیٹیوں کے لیے جنون اسے پاگل سا کر چکا تھا۔

تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے عابیر۔۔ مورے صیح کہتی ہے تمہارا دماغ اسمانوں پر میں پہنچا چکا ہوں۔ تم پہلی عورت ہو جو ماں بننے والی ہو۔ بہارے ابرش حور بھابھی سب ہیں۔ تمھیں ایکسٹرا پیار محبت دیا۔ مگر تم کیا کر رہی ہو۔ اس دوران مجھے جس طرح ٹریٹ کرتی رہی۔ یہ میری ہمت تھی جو برداشت کرتا رہا وجہ تم نہیں میری بیٹیاں ہیں۔ خبردار میری بیٹیوں پر حق جتایا۔ تم ہوتی کون ہو مجھے میری ہی بیٹیاں نہ دینے والی۔ وہ اپنا گریبان چھڑوات بھڑک اٹھا تھا۔

عابیر سٹل سی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ثابت ہوتا ہے پہلے بدلے کے طور پر استعمال کیا۔ اب اسفندیار خان بیٹیوں کے لیے برداشت کر رہا ہے۔ میں کچھ بھی نہیں آپ کے نذیک۔۔ عابیر نے ڈبڈبائے لہجے میں کہا تھا۔

تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ میں مزید اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔ بلکہ مجھے اسلام باد سے آنا ہی نہیں چاہیے تھا میرا ہی دماغ خراب ہے۔ جو ایک قدم اسلام آباد میں رکھتا ہے ایک سوات۔ اس سب میں تمھیں میری محبت نظر نہیں آئی۔

۔ تمھارے بھائی نے مجھے طعنہ مارا۔ یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں۔ وہ کھڑے ہوتے چیخا تھا۔ سب کچھ ہے میرے پاس بینک بیلنس سب کچھ۔۔ مگر کل کو میرے بچے اور میری بیوی کو کوئی طعنہ نہ دے کہ ہمارا اس فیملی بزنس سے کوئی تعلق نہیں۔۔ سب کچھ ہوتے ہوے بھی مجھے لالچ ہے کہ میری بیٹیوں

کا حق کوئی نہ مارے۔۔اس بزنس پر بھی میری بیٹیوں کا حق ہونا چاہیے۔وہ چیخ رہا تھا۔

عابیر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔اسے مقابل کے لبوں سے نکلتے لفظ بیٹی سے نفرت ہو گئی تھی۔۔

اسفندیار خان اسے کچھ پل دیکھتا رہا پھر اپنی گاڑی کی چابی اپنا موبائل کوٹ اٹھائے کمرے سے نکلتے تیز تیز قدموں سے کار پورچ کی طرف بڑھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھتے حویلی سے نکل آیا تھا۔ڈرائیور تک کا انتظار نہیں کیا تھا۔ اس کی گاڑی سیاہ تاریکی میں اسلام باد کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

اسفندیار خان تھکے تھکے انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ آج سارا دن آفس میں گزار کر اسلام آباد میں اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ اب وہ پھر سے سوات جا رہا تھا۔ ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے وہ عابیر کو تن تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ عابیر کا خیال رکھنے کے لیے وہاں ،زاران شہرام سب تھے۔ مگر وہ پھر بھی اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ زاران بھی سوات چلا آیا تھا۔ ارحام لندن گیا تھا۔ بزنس کو وہی دیکھ رہا تھا۔ شہرام خان کا طعنہ کسی زہریلے تیر کی طرح ٹھک کر کے دل میں پیوست ہوا تھا۔ اس لیے وہ خود کو اتنی مصیبت میں ڈال رہا تھا۔ اسے جسمانی تھکن سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر ذہنی تھکن ڈسٹرب کر چکی تھی۔ عابیر کی نو مہینے ہی یہی کنڈیشن رہی تھی۔ زیادہ تر روتے ہی دیکھا تھا۔ نہ اسے وہ جسمانی طور

پر سکون پہنچا رہی تھی نہ ذہنی طور پر۔۔۔وہ اب تھک سا چکا تھا۔عابیر کی کل کی باتیں یاد کر کے وہ سلگ رہا تھا۔

اسفند نے تھکا تھکا سا سانس باہر خارج کیا۔

آج اس کا ڈرائیور بھی نہیں تھا۔اس ٹایم سوات کی کوئی فلایٹ بھی نہیں جا رہی تھی۔ مجبوراً وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ مگر نیند اور ذہنی تھکاوٹ کی وجہ سے اس سے گاڑی کا کنٹرول چھوٹ رہا تھا۔ایک دو بار اس کی آنکھ بھی لگی تھی۔ گاڑی کو جھٹکا لگنے کی وجہ سے وہ ہوش میں آیا تھا۔

وہ اپنی سرخ آنکھیں مسلتے اپنی تمام تر توجہ ونڈ سکرین پر کر گیا تھا۔رقیہ خانم تھی وہ خوش نہیں تھی عابیر تھی اس کا بھی یہ حال تھا۔رقیہ خانم ہر دوسرے دن عابیر کو طعنے مارتی۔ نتیجتاً عابیر اس سے مزید بے رخی برتنے لگتی۔رقیہ خانم کو کچھ کہتا وہ اونچا اونچا روتے خود کو کوسنے دینے لگ جاتیں۔ماں تھیں

زیادہ سختی کرتا ان سے سرد رویہ اپناتا وہ خاموشی پکڑتے کمرے کی ہو جاتی کھانا پینا چھوڑ دیتی۔ مجبوراً وہ ان کی منت سماجت کر کے کھانا کھلاتا۔ عابیر کو ان سب ٹینشن کی وجہ سے اسلام آباد لے کر گیا تھا۔ اس کا میڈیکل کالج میں داخلہ بھی کروایا تھا۔ وہ ان بدن خاموش ہوتی جا رہی تھی یا پھر روتی رہتی تھی

"counselling session" " بھی عابیر کے کروائے تھے۔ مگر عابیر کی کنڈیشن میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ یہ سب کچھ پریگننسی کو گردانتے صبر کر بیٹھا تھا۔ عابیر کی ضد پر اسے واپس سوات لے آیا تھا۔ اب وہ رقیہ خانم کا رویہ برداشت کرتی الٹا وہ اس سے ہی دو دن بے رخی برتنے لگ جاتی۔ بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کے بغیر دور رہنا عذاب تھا۔ بیٹیاں پیدا ہونے کے بعد وہ اپنی پٹھانی کے کسی موڈ سونگز پر سمجھوتا نہیں کرنے والا تھا۔ اسے دن

رات اپنی بانہون میں رکھنے والا تھا۔ وہ عابیر کا خوبصورت چہرہ اپنی نگاہوں کے سامنے لاتا خود اپنے ذہن کو بیدار کرنے کی تھراپی کرنے لگا۔

اسفندیار نے رکتے ہوے ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل اٹھائے اپنی آنکھوں پر چھنیٹے مارے تھے۔ وہ گہرا سانس بھرتے گاڑی سٹارٹ کر گیا تھا۔ اس نے اپنا موبایل ڈیش بورڈ سے اٹھاتے کال عابیر کو کال ملائی تھی۔۔

عابیر خان اپنے کمرے میں کمبل لپیٹے پڑی تھی۔ رو رو کر اس کی انکھیں سوج چکی تھی۔ ٹیبل پر کھانا ویسے ہی ویسے پڑا تھا۔ صبح کا ناشتہ اسے امینہ خانم اپنے ہاتھوں سے بنا کر دیتی تھی۔ اس نے ان کے سامنے مارے باندھے کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھتے اپنے اور اسفند کے کمرے میں آئی تھی۔ اسفند وہاں نہیں تھا۔ وہ تب سے ہی بیڈ پر لیٹے رو رہی تھی۔

۔اسفندیار خان کے جانے کے بعد ہی اسے ہلکا ہلکا درد ہونے لگا تھا۔وہ صبح سے یہ درد برداشت کر رہی تھی۔وہ جب جب سوئر ٹینشن لیتی اسے درد ہونا شروع ہو جاتا تھا۔کمرہ فل ہیٹڈ تھا۔جس کی وجہ سے اسے پسینے سے آرہے تھے۔پچھلے چند گھنٹوں سے یہ درد شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔وہ خود اذیتی سے یہ درد برداشت کر رہی تھی لاشعوری طور پر ایک خوف اس کے اعصابوں کو جکڑے ہوے تھا۔بیٹے ہونے کے بعد اسفندیار خان اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔یہ اذیت ناک سوچ اس کی طبعیت کی وجہ سے تھا یہ اس کے جھوٹ کی وجہ سے وہ نہیں جانتی تھی۔مگر نوماہ یہ ڈر خوف کسی پھن پھیلائے ناگ کی طرح اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھے ہوے تھا۔وہ چاہ کر ان اذیت ناک سوچوں سے چھٹکارا نہیں پا رہی تھی۔پچھتاوہ اس کے اندر بڑھتا جارہا تھا۔وہ بہت مضبوط لڑکی تھی جو اسفندیار خان سے عشق ہونے کے باوجود

اس سے الگ ہونے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ سات مہینے وہ اس کے بغیر کسی کے سامنے ایک آنسو بہائے بغیر رہی تھی۔۔ مگر اسفند کا بار بار بیٹی کو لے کر جنون دکھانا اسے اندر سے کمزور کر چکا تھا۔ عورت اپنے پسندیدہ مرد کے لیے اتنی حساس ہوتی ہے۔ وہ اپنے مرد کو ہر سکھ دینا چاہتی ہی۔ اولاد محبت قرب وہ یہی چاہتی ہے اس کا مرد صرف اس سے ہی حاصل کرے۔ ماں بننے کی خوشی بھی اس لیے ہوتی ہے وہ اپنے مرد کو اس کی اولاد دینے جا رھی ہے۔ اسفند کے جنون نے اس سے جھوٹ بلوایا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ڈپریشن بڑھتا گیا۔ ساتھ خدا پر یقین بھی۔ کبھی لگتا خدا اس کے جھوٹ کو سچ میں بدل دے گا۔ دن رات مانگی گئی دعاؤں پر یقین ہونے لگتا۔ کبھی یہی یقین ڈگمگانے لگتا. اپنی دعائیں رد ہوے کا پورا یقین ہوتا۔ کبھی خدا سے شکوے شکایت بڑھنے لگتے۔ کبھی خود ترسی کا دورہ بڑھنے لگتا۔ اسفند یار خان

کی ہر وقت کی بیٹیوں کے راگ الاپنے پر وہ مزید ڈپریشن میں چلی جاتی۔۔سچ سچ بتاتے بتاتے رک جاتی۔اسے لگتا اسفندیار خان کا پیار کم ہو جائے گا وہ اس سے بد ظن ہو جائے گا۔وہ لمبے لمبے سجدے کرنے لگتی اس یقین کے ساتھ کہ خدا اس کی دعا ضرور سنے گا۔مگر ڈلیوری کا جیسے وقت نزدیک آرہا تھا اس کی گھبراہٹ بڑھتی جارہی تھی۔اسفندیار خان قریب آتا تھا سانسیں گھٹتی تھی ہر اذیت ہر تکلیف ہر دردناک سوچوں کی وجہ اسے اسفندیار خان لگنے لگتا۔کیوں وہ مرد ہو کر اپنی خواہش کا ایسے اظہار کرتا تھا۔کیوں وہ عورت کے جذبات کو سمجھ نہیں پایا تھا۔وہ کیوں اپنی خواہش کا بوجھ اس پر لاد چکا تھا۔کیا اسے حق تھا وہ یوں بیٹیوں کو لے کر پاگل پن جتاتا؟؟اس نے یہ کیوں نہیں کہا بیٹا ہو یا بیٹی اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔بیٹیوں کی خواہش کر کے وہ خود کو الگ ظاہر کرتا تھا کہ وہ معاشرے کے

ان مردوں سے الگ تھا جو عورت پر بیٹے ہونے کا بوجھ لاد دیتے ہیں۔ وہ بیٹا نہ سہی بیٹی۔۔ وہ ایک کمزرف مرد ہی تھا بیٹا بیٹی ہونے کا اختیار اس کے پاس نہیں تھا۔ خدا کے پاس تھا۔ عابیر سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے روتے جا رہی تھی۔ جو وہ صبح کر کے گیا وہ بھول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بتانا چاہتی تھی مگر اسفند کاری ایکشن۔۔۔ وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ اسے شدت کا پہلو میں درد اٹھا تھا۔ وہ چیختے ہوے برداشت کر گئی۔

نہیں جاؤں گی ہسپتال اسفند یار خان۔۔۔ یہیں پر مر جاؤں گی۔ آپ خوش رہنا میرے بغیر۔۔ وہ چیختی جا رہی تھی۔

پچھلے دو گھنٹے سے وہ یہ جان لیوہ درد برداشت کر رہی تھی۔ وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی یا خوف کے زیر اثر۔۔۔ مگر وہ بری زمین پر بیٹھے درد برداشت کر رہی تھی۔

اسفند کی کال پر وہ ہذیانی ہوتے فون اٹھائے کان سے لگا گئی تھی۔

میرا سرخ گلاب کیسا ہے۔ فون پر اسفند کی ملاہتمت بھری آواز گونجی تھی۔

مر گیا آپ کا سرخ گلاب اسفند یار خان۔۔ وہ فون پر چیخی تھی۔ اسفند یار خان اس کی چیخ اور اس کے لفظوں پر ایک جھٹکے سے گاڑی روک چکا ہے۔

کیا ہوا ہے عابیر؟ اسفند کی آواز لڑکھڑائی تھی۔

مجھے آپ کے سرخ گلاب کہنے سے نفرت ہے۔ مجھے اپ سے نفرت ہے اسفند یار خان۔۔ وہ فون پر ہچکیوں سے رو دی تھی۔

عابیر کیا ہوا ہے کیوں ایسے رو رہی ہو؟؟ میری بیٹیاں ٹھیک ہیں۔ اسفند پریشانی سے بولا تھا۔

وہ اسفند کی بات پر ہذیانی رونے لگی تھی

عابیر۔۔۔ وہ پریشان ہوتے چیخا تھا۔

بیٹیاں۔۔۔ بیٹیاں۔۔۔ ان پورے نو ماہ میں ایک مرتبہ ایک ایسا لمحہ بتاؤ اسفندیار خان جس میں آپ نے صرف میرا پوچھا ہو۔ ایک لمحہ بتاؤ اسفندیار خان جس میں صرف آپ کو اپنی پٹھانی کا خیال آیا ہو۔ وہ روتے ہوے پوچھ رہی تھی۔

عابیر کیا کہہ رہی ہو۔ ہماری بیٹیاں تمھارے وجود کا حصہ ہیں۔ وہ پریشان ہوتے بولا تھا۔

آج پہلی مرتبہ کہا ہماری بیٹیاں ورنہ وہ تو صرف آپ کی تھیں۔ آپ ایک اچھے شوہر نہیں ہیں۔ آپ اسی حویلی کے ظالم سگندل خان ہیں۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اتنے خوبصورت لمحات کو صرف آپ کی وجہ سے میں نے خود اذیتی میں گزارے۔ آپ ایک خود غرض انسان ہیں۔ میں اس کی سزا آپ کو دے کر رہوں گی۔ وہ روتے ہوئے ہذیانی ہو رہی تھی۔ ڈر وحشت اظطرابی سوچوں اور اس یہ نازک لمحات اسے اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ اسے ڈر لگ رہا تھا بیٹے ہونے کا ڈر, اپنا جھوٹا ہونے کا ڈر، اسفندیار کے چھوڑ جانے کا ڈر، اس درد سے مر جانے کا ڈر، وہ کمزور پڑ چکی تھی۔ نو ماہ خود اذیتی سہتے سہتے وہ آج خود اذیتی کی انتہا پر تھی کہ وہ اپنے حواص کھو رہی تھی۔

آہہ۔۔ وہ پہلو میں ہاتھ رکھتے چیخی تھی۔

عابیر۔۔وہ بھی چیخا تھا۔۔

کیا ہوا ہے تمھیں؟ وہ اب کی خاموشی پر سے چلایا۔

مجھے صبح سے درد محسوس ہو رہا ہے اسفندیار خان۔۔وہ روتے ہوے بولی۔۔

صبح سے درد۔۔وہ اس کے لفظ دہراتے شاکڈ ہوا۔

تم نے بتایا کیوں نہیں۔۔وہ پاگل ہوتا چیخا تھا۔

پتہ نہیں۔۔وہ شدت سے رودی تھی۔

میں آرہا ہوں۔۔وہ فون بند کرتے زاران کو کال ملانے لگا۔ جس کا نمبر پاورڈ آف آرہا تھا۔وہ تند و تیز ڈرائیو کرتے پاگلوں کی طرح سب کو کال ملا رہا تھا۔رات کے دو بج رہے تھے۔سب سو رہے تھے۔کسی نے اس کی کال نہیں اٹھائی تھی۔آہہہ۔۔۔وہ غصے سے فون ونڈ سکرین پر پوری قوت سے

مار گیا۔ فون گاڑی کی سطح میں گرتے ٹکڑوں میں تقسیم ہوا اٹھا۔ وہ فون کی حالت دیکھتے شدت گریہ سے چیخا۔

حویلی والوں سے کانٹیکٹ کرنے کی وہ امید کھو چکا تھا۔ سوات پہنچنے میں اسے دو ڈھائی گھنٹے مزید لگ سکتے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح اندھا دھند گاڑی چلانے لگا۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں ریت بھرتی جا رہی تھی۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ عابیر خان سے محبت کرنے پر پچھتایا تھا۔ شدومد سے پچھتایا تھا۔

سفاک پٹھانی۔۔ وہ ہذیانی چیختے ہوئے گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھا گیا۔

اسفندیار خان خطرناک حد تک ڈرایو کرتے دو گھنٹوں میں حویلی پہنچا تھا۔ اس کی گاڑی کے ٹایر حویلی کے کارپورچ میں چرچرائے تھے۔ وہ اس وقت بلو جینز پر سفید رنگ کی شرٹ پہنے ہوے تھا۔ جس کے آستین وہ کہنیوں تک فولڈ کیے ہوے تھا۔ وہ گاڑی سے نکلتے بد حواصی میں بھاگتے ہوے داخلی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ داخلی دروازہ چابی سے کھولتے تیز تیز قدموں سے نیچے عابیر والے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا کمرہ خالی تھا۔ وہ کمرے سے نکلتے بھاگتے ہوے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

وہ اپنا کمرہ کھولتے اندر داخل ہوا۔ عابیر ہوش و خرد سے بیگانہ کمرے میں پڑی تھی۔

عابیر۔۔۔وہ چیختے ہوے عابیر کی طرف بڑھا۔عابیر کی فراک کا دامن رنگین ہو رہا تھا۔وہ بدحواصی میں اس کی طرف بڑھتے اسے گود میں اٹھا گیا۔وہ اسے لیے تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔وہ اتنا بدحواص ہو چکا تھا۔وہ عابیر خان کو بغیر کسی چادر کے لیے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔وہ پہلی بار عابیر کا پردہ بھی بھول چکا تھا۔دل و دماغ خوف سے لپٹے تھے۔وہ پسینے سے تر تھا۔

اسفند۔۔۔زاران نے اسے اوپر سے دیکھتے پکارا تھا۔وہ بنا رکے سیڑھیاں اترتے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔وہ اسفند کی گود میں عابیر کو بے سدھ دیکھتے کی سیڑھیاں ایک ہی جست میں پھلانگتے اسفند تک پہنچا تھا۔

اسفند۔۔۔زاران اس کے پیچھے بھاگتے ہوے اسے پکار رہا تھا۔

دفع ہو جا ضرورت نہیں تیری۔۔اسفند رکتے ہوے چیخا تھا۔

اسفند۔۔عابیر۔۔۔زاران عابیر کی حالت دیکھتے عابیر کی طرف بڑھا۔

دفعہ ہو جا تجھ جیسے دوست بھائی ہونے پر لعنت۔۔ پچھلے دو گھنٹے سے عابیر درد سے تڑپ رہی ہے کہاں تھا تو؟ مجھے تیری ضرورت نہیں وہ رکتے ہوے گہرے سانس لیتے دھاڑا تھا۔

دوسرے لمحے داخلی دروازے سے نکلتے ہوے کار پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔زاران جلدی سے اسفند کے پیچھے باہر کی طرف بڑھا تھا۔اسفند عابیر کو پچھلی سیٹ پر لٹاتے خود ڈرایونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔زاران نے آگے بڑھتے ہوے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے اپنے کندھوں سے مردانہ شال اتارتے ہوے عابیر پر ڈالی تھی۔اسفند یار خان غم وغصے سے اپنے حواص کھوتے گاڑی سٹارٹ کرتے بیک پر لے گیا تھا۔زاران کے قدم بری طرح

لڑکھڑائے تھے۔ دروازہ بند کرتے کرتے اس کا ہاتھ دوازے میں بری طرح آیا تھا۔ زاران خانزادہ کا ہاتھ بری طرح زخمی ہوا تھا۔

اسفندیار خان گاڑی سٹارٹ کرتے گیٹ سے گاڑی نکال کر لے گیا تھا ۔زاران اپنے خون بہتے ہاتھ کی پرواہ کیے بغیر اندر کی اپنی گاڑی کی چابی لینے کے لیے اندر کی طرف بھاگا تھا۔

زاران خانزادہ سیاہ ٹراوزر پر سیاہ ہاف سلیوز میں ٹی شرٹ پہنے ہوے دیوار کے ساتھ لگے کھڑا رہا تھا۔ زخمی ہاتھ سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔

شہرام خان بلو جینز پر بلو شرٹ پہنے ہوے تھا جس پر سیاہ لیدر جیکٹ پہنے ہوے وہ زاران کے ساتھ ہی آئی سی یو کے سامنے اظطرابی انداز میں کھڑا تھا۔ اسفندیار خان آئی سی یو کے باہر پاگلوں کی طرح ٹہل رہا تھا۔

عابیر کو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے میں آئی سی یو میں تھی۔

اس کی نارمل ڈلیوری تھی۔ مگر دیر ہونے کی صورت میں اپریشن کیا جارہا تھا۔ عابیر کا بی پی کنٹرول میں نہیں آرہا تھا نہ اس کا خون رک رہا تھا۔ زاران خانزادہ اور شہرام خان خون کی دو دو بوتل بلڈ بینک میں جمع کرواچکے تھے۔

بہارے کا اپریشن ہوے ابھی کچھ ہی دن ہوے تھے۔۔ وہ نہیں آسکتی تھی۔ ابرش کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ امینہ خانم اور رقیہ خانم کو زاران بغیر بتائے چلا آیا تھا۔ شہرام خان تو اس وقت ہاسپٹل میں ہی تھا۔

اسفندیار خان بکھرے بالوں سرخ آنکھوں کے ساتھ بے حال سا نظر آ رہا تھا۔ وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے چکر لگا رہا تھا۔

اس کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جنھیں وہ بار بار اپنے بازو سے مسل رہا تھا۔ عابیر نے ایسے کیوں کیا؟؟ سوچ سوچ کر وہ دماغی اعصابی طور پر شل ہو چکا تھا

زاران اس کی حالت دیکھتے اس کی طرف بڑھا تھا۔

اسفند کچھ نہیں ہو گا حوصلہ کرو۔۔۔ زاران نے اسفندیار خان کو تسلی دیتے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

بکواس بند کر اپنی دفعہ ہو جا۔ وہ زاران خانزادہ کا ہاتھ بہت بری طرح جھٹک گیا تھا۔ زارن بری طرح لڑکھڑایا تھا۔

یہ دیکھتے شہرام خان کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔

اسفند میں جانتا ہوں تو تکلیف میں ہے مگر عابیر میں میری بھی جان بستی ہے مجھ سے یہ سلوک کیوں کر رہا ہے اس وقت ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ زاران نے خود پر قابو پاتے سنجیدگی سے کہا۔

نہیں بستی جان تیری اس میں زاران خانزادہ اگر جان بستی ہوتی وہ آج اس حالت میں نہ ہوتی۔ تجھ پر عابیر کی ذمہ داری چھوڑ کر گیا تھ کہاں تھا تو؟؟ بتا اپنی بیوی کے پاس عیاشی کر رہا تھا۔ اسفند کے چیخنے پر زارن خانزادہ اسی لمحے اسکے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مار گیا۔

اسفندیار خان کے ہونٹوں سے خون جاری ہوا تھا۔

بکواس بند کر ابرش کو بیچ میں مت لا۔۔ جو کہنا ہے مجھ سے کہہ۔۔ زارا۔ غرایا تھا

اسفندیار خان نے اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف کرتے زاران کا گریبان جکڑے اس کے جبڑے پر طیش والم سے مکے مارتے چلا گیا تھا۔

زاران خانزادہ گہرے سانس لیتے اس کے بے دردوار برداشت کر گیا تھا۔ اسفند کی حالت دیکھتے اس کے بے دردوار برداشت کر رہا تھا۔

شہرام خان غصے سے اسفند کی طرف بڑھتے اسے پیچھے سے شرٹ سے جکڑے بری طرح اسے پیچھے کو دھکیل گیا تھا۔ اسفندیار خان دیوار کے ساتھ بری طرح ٹکرایا تھا۔

زاران گہرے سانس لیتے آنکھیں موندے اپنے چکراتے وجود کو سنبھالنے لگا۔ہاتھ پر زخم دو بوتلیں خون دینے کی وجہ سے اوپر سے اسفندیار خان نے اسے بہت بے دردی سے اس کے چہرے پر مکے مارے تھے۔زاران کی آنکھوں کے آگے کچھ دیر کے لیے اندھیرا چھایا تھا۔

شہرام خان غصے سے اسفند کی طرف بڑھا۔

شہرام۔۔زاران کی گرج پر شہرام خان کے قدم رکے تھے۔

اپنا اور اسفند کا رشتہ مت بھولو۔۔ بڑا ہے تم سے، ہماری عابی کا شوہر ہے۔ زاران اسفند کو نم جتاتی نگاہوں سے دیکھتے بولا جو سامنے دیوار کے ساتھ کھڑا گہرے سانس لیتے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

عابی کی وجہ سے ہی برداشت کر رہا ہوں ورنہ ان کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں جو برداشت کے قابل ہوں۔ شہرام خان اسفندیار خان کو گھورتے بھڑکا تھا۔

بکواس بند کر شہرام خان۔۔ وہ پاگل ہوتے شہرام خان کی طرف بڑھتے اس کا گریبان جکڑ گیا تھا جو ابا شہرام خان بھی اسفند کا گریبان جکڑ گیا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

عابی ہے تمھاری ہے ناں کہاں تھے تم دونوں؟؟ وہ موت کی حالت میں تم لوگوں کی وجہ سے ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا تم دونوں کی عابی جائے گی مگر میری

دنیا ختم ہو جائے گی۔ میری بیٹیوں کو کچھ ہوا میں تم دونوں کی جان لے لوں گا۔ اسفند خون اشام درندے کی مانند غرایا تھا۔

آئی سی یو کا دروازہ کھلنے پر اسفندیار خان جلدی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھا جو باہر آئی تھیں۔

ڈاکٹر کیسی ہیں میری وایف میری بیٹیاں ؟؟ اسفندیار خان نے تڑپتے ہوے استفسار کیا تھا۔

شہرام خان بھی سینیر ڈاکٹر مہرین کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔ زاران خانزادہ بھی تیزی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

آپ کی وایف کی کنڈیشن خطرے سے باہر ہے۔ مگر دیر ہونے کی صورت میں ان کی اور بچوں کی زندگی داؤ پر لگی تھی۔ خون اتنا زیادہ بہہ چکا تھا کہ

ہمیں بہت مشکل فیصلہ لینا پڑا اور نہ آپ کی مسسز کی جان جا سکتی تھی۔۔۔وہ اب دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ڈاکٹر مہرین کی بات پر اسفندیار خان کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ مگر اسی پل وہ خود کو سنبھال گیا تھا۔زاران اور شہرام خان گہری سانس بھرتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گئے تھے۔

میری بیوی اور بیٹیاں ٹھیک ہیں مجھے کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔مجھے اور اولاد چاہیے بھی نہیں۔اسفند اپنی نم آنکھیں بازو سے رگڑتے بولا۔

بیٹیاں نہیں آپ کو بیٹے ہوے ہیں۔ڈاکٹر مہرین اسفندیار خان کی طرف دیکھتے مسکرائی تھی۔

شہرام،زاران نے پریشانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔اسفندیار خان نے ڈاکٹر مہرین کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟میری جڑواں بیٹیاں ہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔اسفندیار خان اپنی سرخ آنکھیں ایک بار پھر سے بازو سے مسل گیا تھا۔

مجھے کیوں غلط فہمی ہو گی آپ کے دو بیٹے ہوے ہیں۔مجھے پورا یقین ہے ۔آپ کیا کہہ رہے ہیں میں سمجھ نہیں پا رہی۔ڈاکٹر مہرین اب الجھن کا شکار ہوئی تھی۔

ایک منٹ ڈاکٹر مہرین۔۔شہرام خان ڈاکٹر مہرین کے مقابل آیا۔جی سر ۔۔۔ڈاکٹر مہرین شہرام خان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔اسفندیار خان ناسمجھی کے انداز میں کھڑا تھا کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کنڈیشن میں.

عابیر کے ہاں بیٹے ہوے ہیں یہ کنفرم ہے۔شہرام خان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

جی ہاں شہرام سر کوئی ڈاؤٹ ہی نہیں ہے۔میں آپ کے اس سوال پر حیران ہوئی ہوں۔ آپ کیسے یہ سوال کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر مہرین اب ہلکا سا ہنسی تھی۔

اسفندیار خان کے اب قدم اچھے خاصے لڑکھڑائے تھے۔زاران خانزادہ اسے جلدی سے تھام گیا تھا۔

یہ جھوٹ ہے آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں میری بیٹیاں ہیں بیٹے نہیں ہیں۔اسفندیار خان بلند آواز میں چیخا تھا۔

اسفند۔۔۔زاران نے اسے یوں چلاتے دیکھتے اسے تنبیحی آواز میں پکارا۔

شہرام خان اور ڈاکٹر مہرین کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

کیا اسفند زاران ؟؟ میری بیٹیاں ہیں اور یہ کہہ رہی ہیں بیٹے ہیں ؟ یا تو ان کا دماغ خراب ہو چکا ہے یا تو یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ اسفند طیش والم میں چلایا تھا۔

ڈاکٹر مہرین کی رنگت اب توہین و خجالت سے سرخ پڑی تھی۔ انہوں نے شاکی اور ناگواری سے شہرام خان کی طرف دیکھا تھا۔ شہرام خان خود بمشکل اسفندیار خان کو برداشت کر رہا تھا۔ ڈاکٹر مہرین اس ہسپتال کی سینیر ڈاکٹر تھیں

اسفند لالا۔۔ یہ ہسپتال ہے آرام سے بات کریں۔۔ شہرام خان نے خود پر قابو پاتے کہا۔ ہاسپٹل کا کچھ سٹاف اب شور شرابے کی وجہ سے ادھر آچکا تھا۔ شہرام خان کے گھورنے پر وہ خاموشی سے چلے گئے تھے۔۔

آرام سے کیسے بات کروں زاران میں تو بتا؟؟ میری بیٹیاں ہیں۔ یہاں سے دس مرتبہ عابیر کی الٹراساونڈ ہوئی ہے دس مرتبہ انھیں ڈاکٹر نے بتایا ہے میری بیٹیاں ہیں اب یہ پاگلوں کی طرح یہ بکواس کر رہی ہیں۔ یا تو ان کا ذہنی توازن خراب ہو چکا ہے یا میری بیٹیوں کو کسی کے بیٹوں سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اسفندیار اپنے حواص کھوتے چیخا۔

ایکسکیوزمی مسٹر اسفندیار خان۔۔ ذہنی توازن آپ کا خراب ہو چکا ہے جو یہ سب بکواس کر رہے ہیں۔ آپ کی مسسز کے ہر الٹراساونڈ میں انھیں بیٹوں کا ہی بتایا گیا ہے اس بات کا گواہ میرا پورا اسٹاف ہے۔ آپ کو آپ کی مسسز نے غلط گائیڈ کیا ہے یا پھر آپ جان بوجھ کر تماشہ لگا رہے ہیں۔ وٹ ایور میں نہیں جانتی۔ مگر ایک بات یاد رکھیے گا ہم اکیسویں صدی میں ضرور جی رہے

ہیں مگر آج بھی بیٹے چرائے جاتے ہیں بیٹیاں نہیں۔۔ڈاکٹر مہرین غصے سے کہتے وہاں سے واک آوٹ کر گئی تھی۔

اسفندیار خان اپنے بال مٹھیوں جکڑے بے ترتیب سانسوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

شہرام خان، زاران لب بھینچے اظطرابی انداز میں کھڑے تھے۔عابیر نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟؟یہ سب کیوں کیا وہ دونوں سمجھنے سے قاصر تھے

یہ جھوٹ بول رہی ہے۔یہ جھوٹ ہے زاران عابیر مجھ سے جھوٹ کیوں بولے گی؟میری بیٹیاں ہی ہیں۔اسفند غم وغصے سے چیخا تھا.

بس کریں لالا مزید تماشہ مت کریں۔آپ کے بیٹے ہی ہیں کیا فرق پڑتا ہے بیٹے ہیں یا بیٹیاں ہیں۔آپ کی مورے کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔آپ کے

وارث ائے ہیں مزید تماشہ مت بنائیں میری ساکھ خراب ہو رہی ہے۔ شہرام خان دبی آواز میں غرایا تھا۔

کیا فرق پڑتا ہے بیٹی ہیں یا بیٹے؟؟ مجھے فرق پڑتا ہے میں نے پل پل اس لمحے کا ویٹ کیا ہے۔ ایک ایک سانس کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے لیے دعا کی ہے۔۔ میں مانتا ہی نہیں ہوں وہ میرے بیٹے ہیں۔ اسفندیار خان لڑکھڑائے لہجے میں بولا تھا۔

اسفند پاگلوں جیسی باتیں مت کر۔ خدا کا شکر ادا کر تیرے گھر صحت مند اولاد ہوئی ہے۔ تیری بیوی ٹھیک ہے۔ زاران نے اسے دیکھتے اب غصے سے لفظ چبائے تھے۔

شہرام خان بھی اسفندیار خان کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

جو مجھ پر گزر رہی ہے تو نہیں سمجھ سکتا۔ ایک امید ٹوٹی ہے ٹوٹ چکا ہوں اندر سے۔ تیری بہن نے یہ سب کیوں کیا مجھے نہیں پتہ۔۔ مگر وہ میرے یقین کے ساتھ کھیلی ہے۔ اس نے میرے اموشنز کا مذاق اڑایا ہے اس نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ اسفند یار خان جیسے اپنے حواص کھو رہا تھا۔

بدلہ لیا ہے کس چیز کا؟؟ تو پاگل ہو گیا اسفند۔۔ زاران دبی آواز میں غرایا۔

ہاں بدلہ انتقام۔۔۔ میرے سات مہینے چھوڑ جانے کا انتقام۔۔ اس نے آج مجھ سے خود کہا وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ یہ سب اس نے انتقاماً کیا۔ اسفند یار خان غیر مرئی نقطے پر اپنی سرخ انکھیں گاڑھے ہوے تھا

اب سمجھ آئی ہے عابیر نے جھوٹ کیوں بولا اسی پاگل پن کی وجہ سے جھوٹ بولا۔ شہرام خان اسفند کی باتوں پر سر نفی میں ہلاتے تلخی سے ہنسا تھا۔

بیویاں غصے میں کہتی ہیں وہ نفرت کرتی ہیں اس کا یہ مطلب نہیں وہ سچ میں نفرت کرتی ہیں یا انتقاماً کچھ کر رہی ہیں۔ زاران غصے سے بولا۔

مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں واپس آیا تیری بہن کو اپنایا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اسفندیار خان زاران کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔

غلطی ہو گئی تجھ سے۔ زاران نے اسفند کے سینے پر پوری قوت سے ہاتھ مارا۔۔ اسفند بری طرح لڑکھڑایا تھا۔

میری بہن کو تو نے اپنایا۔ زاران نے اب اس کے جبڑے پر مکہ مارا تھا۔ اسفندیار خان کے جبڑے سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔ وہ کراہتے ہوئے اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھ گیا۔

دفع ہو جا یہاں سے ورنہ تیری جان لے لوں گا تیری ضرورت نہیں میری بہن کو۔ زاران اسفند کو گریبان سے جکڑے غرایا تھا۔

جا رہا ہوں کبھی نہ واپس آنے کے لیے ضرورت نہیں تجھ جیسے دوست کی اور نہ ایسی بیوی کی۔ وہ جو ابا اپنا گریبان جھٹکے سے چھڑوا گیا تھا۔ زاران کے اب قدم لڑکھڑائے تھے۔ شہرام خان کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

اسفندیار خان اپنی نم آنکھیں بازو سے مسلتے ہوئے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھا تھا۔

سر یہ آپ کے بھانجے۔ نرس نے آئی سی یو سے باہر آتے کمبل میں لپٹے بچے شہرام کو تھمائے ہوئے تھے۔

نرس کی آواز پر اسفندیار خان کے قدم رکے تھے۔

دوسرے لمحے وہ اپنی بھیگی آنکھیں بے دردی سے بازو سے رگڑتے کوریڈور عبور کر گیا تھا۔

شہرام خان احتیاط سے ان بچوں کو تھام گیا تھا۔ زاران خانزادہ اپنی نم بے یقین نگاہیں وہاں پر گاڑھے ہوے تھا جہاں سے اسفندیار خان گیا تھا۔

ایک غلط فیصلہ لالا نسلیں برباد کر دیتا ہے۔ بابرک کے بھائی پر اعتبار کرنا سب سے بڑی غلطی ٹھہرا۔۔ آپ کی دوستی کے چکر میں میری عابی کی زندگی برباد ہو گئی۔ شہرام خان سنجیدگی سے بولتے بچوں کو نرمی سے تھامے وہاں سے واک آوٹ کر گیا تھا۔

زاران شکست خوردہ وہاں پڑی کرسی پر بیٹھتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے کرسی سے ٹیک لگا گیا۔ اس کی براؤن آنکھوں سے دو آنسو گرتے اس کے گالوں کا حصہ بنے تھے۔۔

عابیر بیڈ کے سہارے ٹیک لگائے اپنی بھیگی خاموش نگاہیں سب پر گاڑھے ہوے تھی۔ وہ چلا گیا تھا اسے پتہ چل گیا تھا۔

وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی اس قیامت کا بھی اسے پتہ چل گیا تھا۔ اپریشن کے دوران نیم بیہوشی میں اس کی سماعتوں میں ڈاکٹرز کے لفظ پڑے تھے۔ ہوش میں آنے پر اس کے کنفرم کرنے پر اسے بتا دیا گیا تھا کہ وہ اب کسی صورت کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ وہ یہ دردناک خبر سہن کر گئی تھی۔ وہ جاتے جاتے اسے ہر درد سہن کرنے کی طاقت دے گیا تھا۔ وہ نہیں تو اب بیٹی کی خواہش مر مٹی تھی۔ بیٹی اس کا جنون تھی اس کے بیٹے صحت مند تھے مکمل تھے اسے اب کسی چیز کی خواہش نہ رہی تھی

۔کمرے میں زاران امینہ خانم ابرش موجود تھے۔عابیر کے دونوں کا ایک بیٹا اس وقت اس کے پاس ہی بے بی بیڈ پر لیٹے گہری نیند سو رہا تھا۔دوسرا بیٹا ابرش اپنی گود میں لیے فیڈر پلا رہی تھی۔زاران ابرش کے پاس بیٹھا بچے پر نگاہیں گاڑھے ہوے تھا۔

اسفندیار خان چلا گیا تھا۔حویلی میں سب کو پتہ چل گیا تھا۔کیوں چلا گیا کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔اسفند کے بیٹیوں کے لیے جنون سے سب واقف تھے۔

روزینہ خانم جو بیٹوں کے لیے طعنہ مارتے نھیں تھکتی تھیں اب بیٹے ہونے پر انہوں نے واویلہ کیا تھا۔

درید خان،اربد خان ہاسپٹل آکر بچے دیکھ کر جا چکے تھے۔وہ لوگ اسفند کا ساتھ دیں یا عابیر کا کسی کو سمجھ نہیں آرہا تھا۔عابیر سے غلطی ہوئی تھی تو

اسفندیار نے بھی یہاں سے جا کر بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔ امینہ خانم عابیر کی خالی خالی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں۔ اس نے ہوش میں آتے اب تک اسفندیار خان کا نہیں پوچھا تھا۔

لالا۔۔۔ عابیر کی پکار پر زاران خانزادہ صوفے سے اٹھتے اس کی طرف بڑھا۔

جی میرا بچہ !! وہ اس کی طرف بڑھتے عابیر کی پیشانی پر لب رکھ گیا۔

میرے بیٹوں کا نام نہیں رکھیں گے۔ عابیر نے زاران کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیوں نہیں میں تو خود سوچ رہا تھا ان کے نام رکھنے کا۔ زاران مسکراتے ہوئے بولا۔

زاران نے مسکراتے ہوے ابرش کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سیاہ چادر میں لپٹے ہوے تھی۔ وہ زاران کے اشارے پر بچے کو سینے سے لگائے صوفے سے اٹھتے اس کی طرف بڑھی تھی۔ زاران نرمی سے اس سے بچہ تھام گیا تھا۔

عابیر اسفندیار خان کا انتظار کر لیتا تو اچھا تھا۔ امینہ خانم نے عابیر کو دیکھتے کہا۔

کون اسفندیار خان مورے؟؟ عابیر بلند آواز میں بولی تھی۔

لالا میں کسی اسفندیار خان کو نہیں جانتی۔۔ ان کے برتھ سرٹیفکیٹ میں ولدیت کے خانے پر کراس لگا دیجیے گا۔ وہ تند و تیز لہجے میں بولی تھی۔

ایسا ہی ہو گا تم فکر نہ کرو۔ تم بتاؤ تم نے کوئی نام سوچا ہے۔ زاران اپنا ہاتھ میں پکڑا بچہ بے بی بیڈ پر نرمی سے لٹا گیا تھا۔ دونوں بچوں نے رنگ روپ نقشہ یہاں تک آنکھیں بھی اسفندیار خان کی چرائیں تھیں۔

نہیں۔۔۔ آپ رکھ لیں۔۔۔ عابیر سپاٹ لہجے میں بولتے آنکھیں موندتے بیڈ سے ٹیک لگا گئی تھی۔

جبریل اور فاتح کیسے ہیں؟؟ زاران پر سوچ انداز میں بولا۔

یہ کیسا کمبنیشن ہے زاران۔۔ ابرش مسکرائی تھی۔

تم بتا دو بیوی بیسٹ کمبنیشن۔۔ زاران نے سنجیدگی سے آئی برو اچکائے۔۔

مجھے لگتا ہے جبریل اور ابراہیم بہت اچھے نام رہیں گے۔ ابرش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابراہیم لالا کا بہت پسندیدہ نام ہے۔ لالا نے بہت پہلے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا ان کا بیٹا ہوا وہ ابراہیم نام رکھیں گے۔ اس لیے ابراہیم نام ہم میں سے کوئی نہیں رکھ سکتا۔ زاران سنجیدگی سے بولتے نام رد کر گیا۔

روحیل۔۔۔

نو۔۔۔۔۔۔۔ زاران رد کر گیا۔

ابرار۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔۔۔۔

شہزاد۔۔۔۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔

باران۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔

ریان۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔۔وہ ابرش کا ہر نام رد کرتا جا رہا ہے۔

بالاج۔۔۔۔۔

وہ تو ہمارے بیٹے کا ہو گا۔زاران کی بات پر وہ سرخ گلاب ہوتے مسکرائی تھی۔

شاذل۔۔ابرش کی مدھم آواز سنائی دی تھی۔

نو۔۔۔۔زاران کا قہقہ گونجا تھا

عابیر بند آنکھوں سے مسکراتے ہوے رو دی تھی

امینہ خانم نے نم سا مسکراتے ہوے اپنی آنکھیں چادر سے رگڑی تھیں۔

فردین۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔۔۔

امان۔۔۔۔

نو۔۔۔۔۔

جبریل اور فاتح ڈن کریں۔۔ ابرش غصے سے جھنجھلائی تھی۔

گڈ۔۔۔۔ وہ قہقہ لگا گیا تھا۔

عابیر آنکھیں کھولتے زاران کا مضبوہاتھ تھامتے رو پڑی تھی۔

آخری بار لالا۔۔۔ آخری بار۔۔ وہ روتے ہوے اس کا بازو جکڑ گئی۔ وہ نم آنکھوں سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے خود کے ساتھ لگا گیا تھا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عابیر خان کو زاران خانزادہ اپنے بازو کے حلقے میں لیے حویلی داخل ہوا تھا۔ اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ فاتح کو درخشاں نے اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ جبریل کو ابرش نے اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔

سی سیکشن کی وجہ سے عابیر زاران کے بازو کے حلقے میں بمشکل ہی قدم بڑھا رہی تھی۔ امینہ خانم نے عابیر کی طرف بڑھتے پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ اس پر وار دیے تھے۔ فاتح جبریل سے بھی انہوں نے کئی نوٹ وارے تھے۔

اسفندیار خان کی وجہ سے درید خان اور اربد خان کی بول چال بند ہو چکی تھی۔ شدید ناچاکی چل رہی تھی۔ پہلی مرتبہ تھا دونوں بھائیوں میں ایسے کھنچاؤ آیا تھا۔ اسفندیار خان کے چلے جانے کے بعد روزینہ خانم بھی کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اسفندیار خان واپس امریکہ چلا گیا تھا یا یہیں پاکستان میں تھا کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ گیسٹ ہاؤس میں باہر سے تالے لگے تھے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسلام آباد بھی اسفندیار خان نہیں گیا تھا۔ اس کے تمام نمبرز آف آرہے تھے۔ روزینہ خانم کا رو رو برا حال تھا۔ وہ فاتح اور جبریل کو منحوس قرار دے چکی تھیں۔ عابیر کے جھوٹ پر انہوں نے قہرام برپا کیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اسفندیار خان کی دوری برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔

عابیر اس وقت گل ورین کے ساتھ کمرے میں تھی۔اس کے سی سیکشن کو ابھی چھ سات دن ہی ہوے تھے۔شہرام خان اس وقت کسی ایمر جنسی کی صورت میں ہاسپٹل میں تھا۔

سمیع اللہ خان بیمار تھے وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔

حویلی میں مکمل سوگواری کی کیفیت تھی۔لگ ہی نہیں رہ تھا حویلی کے دو دو وارث آئے ہیں۔

زاران عابیر کو اپنی ہمراہی میں لیے بے حد آہستگی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

لالا میں اپنے کمرے میں جاؤں گی۔میرا اسفندیار خان کے کمرے سے کوئی تعلق نہیں۔اور سیڑھیاں مجھ سے چڑھیں نہیں جائیں گی۔بہت درد ہو رہا

ہے سٹیچز میں۔ عابیر نے درد سے ہلکا سا کراہتے ہوئے کہا۔ گاڑی میں بیٹھنے اترنے سے ہی اسے سٹیچز میں کھنچاؤ شروع چکا تھا۔

عابی بیٹا تمھارے کمرے کی کھڑکی میں چھوٹا سا سوراخ وہاں سے وہ ڈیمج ہے۔ اور حویلی کی پچھلی طرف بہت بڑا سانپ دیکھا گیا ہے۔ جب تک اس سانپ کو پکڑ نہ لیں۔ تمہارا جبریل اور فاتح کے ساتھ تمھارے کمرے میں رہنا مناسب نہیں۔ پھر میرا کمرہ بھی اوپر ہے اس طرح میں اپنے بیٹے کا زیادہ خیال رکھ سکوں گا۔ وہ عابیر کو بازو کے حلقے میں لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پر لالا مجھے درد ہو رہا ہے۔ عابیر درد سے سسکتے ہوئے بولی۔

درخشاں ایک کشن پکڑاؤ۔۔ زاران عابیر کی سسکی اگنور کیے درخشاں سے مخاطب ہوا۔

زاران۔۔عابیر نیچے کسی اور کمرے میں بھی رہ سکتی ہے۔عابیر کو درد ہو رہا ہے اس کنڈیشن میں سیڑھیاں چڑھنا اس کے سٹیچز کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔۔زاران کی ضد پر ابرش نے حیرانگی سے کہا۔

درخشاں۔۔۔۔زاران کی سرد پکار پر امینہ خانم بھی حیران ہوئی تھیں۔درخشاں فاتح امینہ خانم کو تھماتے کشن لینے کے لیے چل پڑی تھیں۔

زاران بیٹا عابیر ہمارا کمرے میں رہ لے گا۔ہم اس کا خیال بھی رکھ سکے گا۔اس کو اس حالت میں سیڑھیاں چڑھنے پر مجبور مت کرو۔۔عابیر کے چہرے پر درد کے اثرات دیکھتے امینہ خانم نے رسانیت سے زاران کو سمجھانے کی کوشش کی۔

زاران درخشاں سے کشن لیتے پہلی سیڑھی پر رکھتے عابیر کو لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

تم اس پر پاؤں رکھو ایسے سٹیپ چھوٹا ہو جائے گا۔ تمہارے سٹیچز میں کھنچاؤ نہیں پڑیں گے۔ زاران نے نرمی سے کہا۔

عابیر گہرے سانس لیتے زاران کا ہاتھ پکڑے کشن پر پاؤں رکھے دوسرے سٹیپ پر پاؤں رکھ گئی۔ زاران جھکتے ہوئے کشن اٹھائے دوسرے سٹیپ پر رکھ چکا تھا۔ عابیر زاران کا سہارا لیے ایسے ہی سیڑھیاں چڑھتی جا رہی تھی۔ ابرش امینہ خانم حیرانگی سے زاران خانزادہ کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کنڈیشن میں زاران کا عابیر کو اتنی تکلیف دینا سمجھ نہیں آیا تھا۔

اسفندیار خان اپنے سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ اس کی نیلی سرخ ہوتی آنکھیں لیپ ٹاپ کے سکرین پر نظر آتے منظر پر گڑھیں تھیں۔ وہ چار دن ہو چکے تھے وہ یہاں پر گل سڑ رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کے براون چاکلیٹی بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ آنکھوں میں رت جگے اور یاسیت کی سرخی تھی۔ اس کے پر کشش نقوش تنے سے تھے۔ جن میں اظطراب کی گہری جھلک نمایاں تھی۔

وہ اس دن والی بلو جینز میں ملبوس تھا۔ جس پر وہ وایٹ سینڈو پہنے ہوے تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا وہ اتنے دنوں سے ایک ہی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کی ایک ٹانگ اظطرابی انداز میں ہل رہی تھی۔ عنابی لب سیاہی مایل سے تھے۔ پچھلے چار دنوں سے وہ سگریٹ کا زہریلا دھواں اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اس کے گرد زمین سگریٹ کے ادھ جلے ٹوٹوں سے بھری پڑی

تھی۔ زمین پر کافی کے کتنے ہی گندے کپ پڑے تھے۔ وہ سگریٹ کا مضر صحت زہریلا دھواں اپنے اندر اتارتے سیاہ کافی کو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اب تو اس کا سینہ بھی جلنا شروع ہو چکا تھا۔ جس میں پہلے سے ہی سلگتی چنگاریاں دہک رہی تھی۔ چار دنوں میں اس نے برائے نام کھانا کھایا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ خود کو تکلیف دے رہا تھا۔

وہ اس کے کمرے میں آخر کیا کر رہی تھی؟؟ وہ سکرین پر عابیر کو دیکھ کر جلے دل کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ وہ بلو رنگ کی کشمیری کڑھائی والی سمپل سی فراک پہنے ہوے تھی۔ شال اس کی صوفے پر پڑی تھی۔ سنہرے بالوں کا وہ ڈھیلا سا جوڑا بنائے ہوے تھی۔

!!مجھے آپ کے سرخ گلاب کہنے سے نفرت ہے۔ مجھے اپ سے نفرت ہے اسفندیار خان!!

وہ اس کے لفظ یاد کرتا تلخی سے مسکرایا تھا۔ وہ اسے اب کبھی سرخ گلاب کہنے بھی والا نہیں تھا۔ وہ اسے سکرین پر دیکھتے بھڑ بھڑ جلتے سوچ رہا تھا۔ وہ نیلے فراک میں کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔ نو مہینے گالوں پر زردیاں رہی تھیں۔ مگر اب اس کی رنگت میں گلابیاں سی گھلی تھیں۔ وہ یکدم مسکرائی وہ جلے دل کے ساتھ سکرین کو زوم کر گیا تھا۔ سکرین پر اس کے موتیوں جیسے دانت دکھائی دے تھے۔ وہ مسکراتے ہوے بیڈ پر نیلے کمبل میں لپٹے وجودوں پر جھکی تھی۔ وہ اسی لمحے لیپ ٹاپ بند کر گیا تھا۔

آہہہہ۔۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے صوفے کی سطح پر سر رکھے شدت گریہ سے چیخا تھا۔ اس کی کرب زدہ چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔

سفاک پٹھانی۔۔۔۔ وہ شدت گریہ سے چیخ رہا تھا۔ وہ اپنے اندر کا غبار ایسے ہی اتار سکتا تھا۔ اور وہ کرب زدہ چیخیں مارتے اتار رہا تھا.

!! آپ ایک اچھے شوہر نہیں ہیں۔ آپ اسی حویلی کے ظالم سگندل خان ہیں۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اتنے خوبصورت لمحات کو صرف آپ کی وجہ سے میں نے خود اذیتی میں گزارے۔ آپ ایک خود غرض انسان ہیں۔ میں اس کی سزا آپ کو دے کر رہوں گی!!

وہ اس کے لفظ یاد کرتے اذیت کی انتہا پر تھا۔ کس بات کی سزا مجھے دی۔ کس بات کی سزا میرے سرخ گلاب؟؟ وہ چھت میں نگاہیں گاڑھے درد و کرب سے چیختے ہوئے سوال کر رہا تھا۔

تم سے شدید محبت کی۔ تم پر اپنی جان نچھاور کر دی۔ کیسے ہوا خود غرض؟؟ خود غرضی تم نے دکھائی مجھ سے جھوٹ بول کر۔۔ مجھ سے حقیقت چھپا کر۔۔ کیوں وہ خواب دکھایا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اب نہ کبھی ہو گا۔ تم نے مجھ سے میرا ہر خواب چھین لیا۔ ہر

خواب ہر آس چھین لی۔ تم نے میرے سینے سے دل کال کر پھینک دیا اور کہتی ہو میں نے خود غرضی دکھائی۔ وہ کرب زدہ ہنستے ہوے سوال کر رہا تھا

تمھاری سفاکی کی وجہ سے میں میں اب کبھی بیٹی کا باپ نہیں بن سکوں گا۔ کبھی رحمت میرے آنگن میں جنم نہیں لے گی۔ کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟؟ وہ اپنے بال مٹھیوں میں نوچ گیا تھا۔

!! آپ کی وایف کی کنڈیشن خطرے سے باہر ہے۔ مگر دیر ہونے کی صورت میں ان کی اور بچوں کی زندگی داؤ پر لگی تھی۔ خون اتنا زیادہ بہہ چکا تھا کہ ہمیں بہت مشکل فیصلہ لینا پڑا اور نہ آپ کی مسسز کی جان جا سکتی تھی۔۔۔ وہ اب دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی!!

ان بے رحم سفاک لفظوں سے اس کا سینہ جل رہا تھا۔ وہ اس کے جھوٹ پر صبر کر لیتا مگر ان لفظوں پر کیسے صبر کرتا۔ جو ہر لمحہ اسے کسی آرے سے کاٹ رہے تھے۔

کیوں کیا تم نے ایسا میرے ساتھ ؟؟ کیوں کیا میرے ساتھ ایسا ؟؟ وہ رو رہا تھا وہ تڑپ رہا تھا۔

وہ کیوں رو رہا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا وہ خود ترسی خود اذیتی کی انتہا پر تھا۔

وہ ٹوٹ رہا تھا وہ بکھر رہا تھا اس کے ساتھ اس کی سفاک پٹھانی نہ تھی۔

نہ ہی وہ تھا جو اسے سمجھ نہ سکا۔ کوئی اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔ وہ بابرک کی موت کی مرتبہ بھی اکیلا تھا ایسے ہی وہ کمرے میں چیخیں مار تا رہا تھا۔ تب اس کے جگری یار نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

آج اس کی سفاک پٹھانی نے اس کا سینے سے دل نکال کر پھینک دیا تھا۔ وہ کل بھی تنہا تھا وہ آج بھی تنہا تھا۔

زاران۔۔۔ وہ اسے پکارتے اب چیخا تھا۔

اس کی نیلی آنکھوں کے سامنے اسی کمرے کا منظر گھوما تھا۔ نیلے کمبل میں لپٹے وہ دونو مولود وجود۔۔۔

وہ تڑپ اٹھا تھا۔ اس کے دل میں اب عجب سا درد اٹھا تھا۔ وہ دو بیٹوں کا باپ تھا مگر اپنے بیٹوں کو چھو نہ سکا انھیں اپنی بانہوں میں نہ لے سکا۔

آہہ۔۔۔ایک بار پھر سے اس کی چیخیں گونج رہی تھیں۔

عابیر خان سیاہ فراک میں ملبوس واش روم سے نہا کر نکلی تھی۔اس کے سنہرے بال بھیگے تھے۔وہ گیلے بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ آج فاتح اور جبریل کو ہوے دس دن ہو گئے تھے۔ آج حویلی میں اس کے بیٹوں بہارے کی بیٹی کا عقیقہ تھا۔اس کے سٹیچز بھی آج کھلنے تھے۔وہ اب آرام سے چل پھر سکتی تھی۔ سٹیچز میں درد اور کھنچاؤ کم ہو گیا تھا۔ایک سٹیچ ذرا سا خراب ہو گیا تھا اسے آج ہاسپٹل بھی جانا تھا سٹیچز کھلوانے کے ساتھ ساتھ اس کا کمپلیٹ الٹرا ساونڈ بھی ہونا تھا۔

وہ اپنے بالوں میں برش کرتے خود کو مرر میں دیکھ رہی تھی۔دس دنوں میں ہی اس کے وزن میں کافی کمی آگئی تھی۔وہ اپنے بدن پر لپٹے فراک کو دیکھ کر

مسکرائی تھی۔ ساتویں مہینے میں یہ فراک اسے آنا بند ہو چکا تھا۔ آج اسے آ گیا تھا۔ عابیر نے مسکراتے ہوئے فاتح اور جبریل کو دیکھا وہ گہری نیند سو رہے تھے۔

عابیر نے ڈریسنگ ٹیبل سے کاجل اٹھائے اپنی گرے آنکھوں میں لگایا ۔یکدم اس کی آنکھیں گلابی ہوئی تھیں۔ وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ اب وہ وینٹی کے آگے کھڑی نل کھولے اپنی آنکھوں پر ٹھنڈ پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ آنکھیں یکدم جلنے لگی تھیں۔ کاجل اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔ وہ مرر میں دیکھتے مسکراتے ہی جا رہی تھی۔

وہ اپنے آنسو اب کبھی اس سفاک انسان کے لیے بہا نہیں سکتی تھی جو اسے چھوڑ کر ایک بار پھر سے چلا گیا تھا۔ وہ ماں بن چکی تھی نیلی آنکھوں والے شہزادوں فاتح اور جبریل کی۔ اسے اب کسی تیسے نیلی آنکھوں والے

شہزادے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ایک بار وینٹی کے اوپر جھکے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی جا رہی تھی۔ آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔

اسفندیار خان سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔ اس کی ایک ٹانگ اضطرابی انداز میں ہل رہی تھی۔ چاکلیٹی نم سے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی سرد سرخ نگاہیں سکرین پر سفاک پٹھانی پر گاڑھے ہوئے تھا۔۔ وہ مسکراتے ہوئے کمبل میں لپٹے نوملود پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں کھولے پٹر پٹر چھت میں لگی لائٹس پر نگاہیں گاڑھے ہوئے تھے۔ اسفند سرد سرخ جلتی نگاہوں سے اپنی سفاک پٹھانی کو دیکھ رہا تھا جو ضرورت سے زیادہ تیار تھی۔ وہ اضطرابی انداز میں سگریٹ کو

لائیٹر سے جلائے لبوں میں دبا گیا۔ اب وہ سگریٹ کے مرغولے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر آتی اپنی سفاک پٹھانی پر چھوڑ رہا تھا۔ ان دس دنوں میں اسے ایک آنسو بہاتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اب اپنے بیٹوں پر سکرین کو زوم کر گیا تھا۔ ان دونوں کی آنکھوں کی رنگت کو نیلی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے جلتے سگریٹ کو انگلیوں میں دبا گیا تھا۔ وہ ان میں سے ایک کو اٹھائے اپنی گود میں لٹائے فراک اوپر کیے فیڈ کروانے لگی۔ اسفند لب دانتوں تلے دبائے یکدم نگاہیں چرا گیا تھا۔.

وہ اپنا سیل فون نکالے اس تصویر پر نگاہیں گاڑھ گیا تھا۔ جو اس کے دل کو کوئلے کی طرح سیاہ کر چکے تھے۔ دل جلتے تندور کی مانند دہک رہا تھا۔

"Praise be to Allah, two prince have entered my life. Fatah and Jibril, welcome!"

وہ سیاہ پینٹ شرٹ پہنے اس کے بیٹوں کو اٹھائے ہوے مسکرا رہا تھا۔

زاران خانزادہ کے سوشل اکاونٹ پر اس تصویر ہزاروں کی تعداد میں لایکس اور میسجز تھے۔ان میسجز میں اسے باپ بنن کی مبارک دی جا رہی تھی۔

وہ رات سے یہ تصویر دیکھ کر جل رہا تھا۔

فاتح اور جریل۔۔وہ اپنے بیٹوں کے نام لیتے وہ سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

اس کے بیٹوں کا نام بھی رکھ لیا گیا تھا۔ حویلی میں آج عقیقہ بھی تھا۔ اس کے ذرائع سے اس تک خبر پہنچ گئی تھی۔ وہ تو انگیٹھی میں جلتے کوئلوں کی مانند جل رہا تھا۔ وہ غصے سے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اپنی نیلی آنکھیں چھت پر گاڑھ گیا وہ زندہ تھا کہ مر گیا کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔۔

سفاک پٹھانی۔۔ وہ زیر لب اسے پکارتے اپنے کھلے شرٹ سے نظر آتے سینے کو جلتے سگریٹ سے داغنے لگا۔ جہاں اس نے کبھی بڑی بے رحمی سے چاقو مارا تھا۔

سفاک پٹھانی۔۔۔ وہ یکدم چیختے ہوئے لائیٹر جلائے اپنے جلتے سینے کو داغنے لگا۔۔

عابیر سیاہ چادر میں لپٹی اپنے چہرے پر نقاب کیے ہاسپٹل سے باہر آئی تھی ۔۔وہ رحیم خان کے ساتھ ہاسپٹل آئی تھی حویلی میں عقیقہ تھا سب مصروف تھے۔اس کے پیٹ پر لگے ٹانکوں میں سے ایک ٹانکا کھل گیا تھا۔ آج ہی چیک اپ کروانا ضروری تھا۔اس لیے وہ زاران خانزادہ کے کہنے پر ہاسپٹل آئی تھی۔فاتح اور جبریل کے پیدا ہونے کے بعد سب نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ مگر زاران خانزادہ نے سب سے زیادہ اس کا خیال رکھا تھا۔فاتح اور جبریل سے بے حد پیار کرتا تھا۔عابیر گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے مسکراتے ہوے جبریل اور فاتح کے بارے میں سوچ رہی تھی۔اسے وہ اپنی جان سے زیادہ پیارے تھے۔وہ اس کے فیڈ کے علاوہ ڈبے کا دودھ بھی پیتے تھے اس

لیے وہ اس کے بغیر رہ سکتے تھے۔ وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔ وہ کب سوئی اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

گاڑی رکنے پر عابیر نے اپنی مندی مندی آنکھیں کھولی تھیں۔ حویلی آچکی تھی۔ وہ اپنے چہرے سے نقاب گراتے گاڑی سے باہر آئی۔ اسے چکر سا آیا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ وہ پہاڑوں کے اطراف میں ایک سڑک پر تھی۔ آگے اونچا نیچا راستہ تھا۔ جو اسفندیار خان کی ملکیت میں اس کے گیسٹ ہاوس کی طرف جاتا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

رحیم کاکا۔۔ وہ رحیم خان کو پکارتے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھی تھی۔ یکدم وہ رکی تھی۔ ہیزل گرے آنکھیں پھٹنے کی حد تک کھلی تھیں۔ گاڑی میں سے اسفندیار خان نکلا تھا۔

اسفندیار خان۔۔۔اس کے گلابی لب کپکپاتے ہوے جنبش میں ڈھلے تھے

۔

وہ گاڑی سے ٹیک لگائے سیاہ سن گلاسز آنکھوں پر لگائے سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔

وہ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے سر نفی میں ہلاتے پیچھے کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔ وہ اپنی سیاہ گلاسسز اتارتے اسے زمین پر پھینک گیا تھا۔ وہ اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک سے اس کی طرف بڑھا تھا۔ گلاسز اس کے سیاہ چمکتے بوٹوں کے نیچے آئی تھی۔ گلاسسز شیشہ اس کے بھاری بوٹ کے نیچے آتا ٹوٹ چکا تھا۔

نزدہ راتلہ زما اسفندیار خان تہ، کہ نہ نودہ غرنہ لاندہ کودکوم اوخپلہ جان بہ ورکوم.

(قریب مت آنا میرے اسفندیار خان ورنہ اس پہاڑ سے نیچے کود کر اپنی جان دے دوں گی)

وہ پشتو میں چیخی تھی۔

نہ بہ کو°ی، تہ زما ظالم پ°تانہ، تہ نہ شہ° کولی چہ° جان ورکا°°، تہ یواز° جان اخیستلی شہ°. لکہ °نہ°ہ چہ° تہ د اسفندیار خان جان واخیستہ.

(نہیں کو دو گی تم میری سفاک پٹھانی تم جان دے نہیں سکتی صرف لینا جانتی ہو۔ جیسے اسفندیار خان کی جان لی تم نے)

وہ بھی جواباً پشتو میں بولتے اپنے لبوں میں دبا سگریٹ زمین پر پھینکتے اسے اپنے شوز کے نیچے مسلتے استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تھا

ـ ظالم، ب°ز°ه اسفندیار خان ته اوس زمانه °ه غوا°ي؟ زه نو اوس اسفندیار خان ته هیڅکله لور نه ورکولی شم.

ر ظالم سنگدل اسفندیار خان کو مجھ سے اب کیا چاہیے میں تو اب اسفندیار خان کو کبھی بیٹی نہیں دے سکتی)

وہ روتے ہوئے پشتو میں چیخی تھی۔

هر °ه چ° غوا°ي، یوازˆ له خپلˆ ظالم پˆ متˆ نه غوا°ي، هغه °ه چ° نه ورکولی شي، هغه هیله یˆ په زˆ ه کˆ د اسفندیار خان دفن کˆ°.

(جو کچھ بھی چاہیے وہ صرف اپنی سفاک پٹھانی سے چاہیے جو نہیں دے سکتی وہ خواہش دل میں اسفندیار خان دفن کر چکا)

وہ سنجیدگی سے بولتے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

هغه هیلۍ چې په زړه کې دفن شي، د خاورې لاندې څښې شوې تاوتریخې الوې په ډېرې، چې هر وخت اورا خیستلای شي. زه درته اجازه درکوم، ته دوهمه واده کولی شې.

(جو خواہشیں دل میں دفن ہو جائیں وہ راکھ میں دبی چنگاریوں کی طرح ہوتی ہیں کبھی بھی آگ لگ سکتی ہے۔ میں آجازت دیتی ہوں آپ کو آپ دوسری شادی کر لیں)

وہ اپنی ہیزل گرے آنکھیں رگڑتے سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

د دوهمې ودې لپاره ما ته ستا اجازې ته اړتیا نشته سفاک پٹھانی.

(دوسری شادی کے لیے مجھے تمھاری آجازت کی ضرورت نہیں میری سفاک پٹھانی)

وہ اس کے قریب پہنچتے اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔

عابیر اس کی بانہوں میں بری طرح مچلی لی تھی۔

آرام سے رہو میری پٹھانی ابھی ایک ٹانکا خراب ہوا ہے یہ نہ ہو باقی ٹانکوں کو بھی یوں اچھلتے خراب کر لو۔ وہ سنجیدگی سے بولتے اونچے نیچے پہاڑ کی کھٹنائیوں بھرے راستے پر چڑھنے لگا۔

آپ کو کیسے پتہ یہ سب؟؟ وہ اس کی شرٹ کو جکڑے روتے ہوئے بولی تھی

۔

اسفندیار خان اپنی پٹھانی سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا۔ ان دس دنوں میں تمھیں ہر گہرائی سے دیکھا ہے۔ جیسے مجھے پتہ ہے تم نے اس سیاہ فراک کے نیچے سرخ رنگ پہن رکھا ہے اصولاً تمھیں سیاہ رنگ ہی پہننا چاہیے تھا۔ وہ

منہ کھولے اسفندیار خان کی بات سن رہی تھی۔ عابیر نے خود کی طرف دیکھا وہ سیاہ فراک کے اوپر سیاہ چادر اڑھے ہوے تھی۔ پھر اسے کیسے یہ سب پتہ چلا۔

وزن کم ہوا ہے مگر ابھی بہت زیادہ ضرورت ہے وزن کم کرنے کی۔ گیسٹ ہاؤس تک پہنچتے پہنچتے کہیں میرا دم نہ نکل جائے۔ وہ اس کے وزن پر چوٹ کرتے سنجیدگی سے بولا تھا۔ واقعی میں اسے اتنے وزن کے ساتھ اٹھائے اس پہاڑ پر چڑھنا آسان نہ تھا۔ اسفندیار خان کی رنگت سرخ ہو ہو چکی تھی۔ سانس پھول چکی تھی۔

اتار دیں مجھے میں خود چل سکتی ہوں۔ عابیر غصے سے چیخی تھی۔

تاکہ اپنے سٹیچز خراب کر دو اور پھر چیخ چیخ کر مجھے کوسنے دو گی کہ میں حویلی کے مردوں کی طرح ظالم سنگدل خان ہوں۔ جو تمھیں لے کر ان پہاڑوں

پر نہ چڑھ سکا۔ ستر کا وزن تو کیا تم سو کے جی کی بھی ہوتی پھر بھی تمھیں اٹھائے ان پہاڑوں پر چڑھ جاتا۔ وہ سنجیدگی سے بولتے تیز تیز اونچے نیچے راستے پر چڑھنے لگا۔

میرا وزن kg70 نہیں kg65 ہے وہ غصے سے چیخی تھی۔

اچھا مجھے تو لگا تھا تمھارا وزن kg60 ہو گا مگر تم تو kg65 کی ہو۔ تبھی میرے مسلز درد کرنے لگ گئے ہیں. وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولا تھا۔

عابیر اس کے اطمینان بھرے لہجے پر غصے سے سلگتی اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے گیسٹ ہاوس کی طرف بڑھنے لگا۔ واقعی میں اسے اٹھائے ان پہاڑوں پر چڑھنا آسان نہ تھا۔

اسفندیار خان اسے لیے گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوا تھا۔ وہ اسے لیے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر نرمی سے لٹا گیا۔ عابیر کی چادر اتار کر ایک سائیڈ پر رکھی تھی۔ عابیر بیڈ پر لیٹی بے ترتیب سانسوں کے ساتھ اپنے سنہرے بال مٹھیوں میں جکڑے ہوے تھی۔ اسفندیار خان اس سے اب کیا چاہتا تھا ؟؟ مگر اسے اسفندیار خان سے اب کچھ نہیں چاہیے تھا؟؟ جو اسے اور اس کے بیٹوں کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ اس سفاک انسان کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ یہ دس دن اس نے کس طرح تڑپتے گزارے تھے وہ وہی جانتی تھی۔ اتنی اذیت نو ماہ میں محسوس نہیں کی تھی جتنی اذیت ان دس دن میں محسوس کی تھی۔ اسفندیار خان اس کی سیاہ فراک نرمی سے اوپر کھسکاتے اس کے سٹیپچز کو دیکھنے لگا۔ عابیر اس کی سلگتی سانسیں اپنے پیٹ پر محسوس کرتے کرب سے آنکھیں موند گئی تھی دوسرے لمحے وہ اسے دونوں ہاتھوں

سے دور دھکیلتے بیڈ سے نیچے اترتے تیز تیز قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔اس سے پہلے وہ کمرے سے باہر قدم رکھتی وہ اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنے قریب کرتے اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کے گرد اپنے مضبوط ہاتھ رکھے اسے محصور کر گیا تھا۔

جانے دو مجھے اسفندیار خان مجھے آپ کی زندگی میں رہنا تو دور کی بات ایک چھت کے نیچے چند لمحے بھی کھڑے رہنا گوارا نہیں۔وہ اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے غرائی تھی.

اتنی بے رحمی دکھا چکی ہو اب مزید بے رحمی دکھانا چاہتی ہو؟؟وہ مدھم لہجے میں بولتے اس کے نقوش کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

میرے بیٹے ہونا آپ کے نزدیک بے رحمی ہو سکتی ہے میرے لیے تو وہ میری زندگی ہیں اسفندیار خان۔۔ میرا سب کچھ میرے فاتح، جبریل ہیں۔ وہ اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے بھیگا سا مسکرائی تھی.

یہ بھی تو بے رحمی ہے پہلے اسفندیار خان تمھاری زندگی تھا اب تمھارے بیٹے ہو گئے۔۔۔

"تمہارے بیٹے" وہ اس کے دو لفظوں پر تڑپ اٹھی تھی.

میرے بیٹے ہیں فاتح جبریل صرف میرے بیٹے ہیں۔ وہ پاگل ہوتے اسفندیار خان کے کھلے بٹنوں سے نظر آتے سینے کو نوچ گئی تھی۔۔ وہ دانت پر دانت جمائے سینے کے لگے گھاؤ کو جھنجھاتے محسوس کرتے برداشت کرنے لگا۔ وہ اس کے سینے کے گھاؤ کو بے دردی سے نوچ گئی تھی۔

تمہارے ہی بیٹے ہیں وہ۔۔۔ اگر بیٹیاں ہوتی تو وہ میری ہوتی۔ وہ اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے مدھم لہجے میں بولتے عابیر کی ہیزل گرے سے گرتے آنسوؤں میں آضافہ کر چکا تھا۔

اب وہ ہچکیوں سے روتے اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔

اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں نمی کی شدت گہری ہوتی دیکھتے وہ تڑپ اٹھی تھی۔ دل پر لگے گھاؤ گہرے ہوے تھے۔ وہ بلبلاتی ہوئی اس کے زخمی سینے کو مزید بے دردی سے نوچنے لگی۔ وہ اس کے بے درد وار کو اب مسکراتے ہوے برداشت کر رہا تھا۔

نفرت کرتی ہوں اسفندیار خان۔۔ شدت سے نفرت کرتی ہوں آپ سے۔ وہ شدت گریہ سے تڑپتے ہوے چیخی تھی۔ مقابل کی نیلی آنکھوں

میں بیٹی کے تڑپ دیکھتے وہ زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا اٹھی تھی۔ وہ اب کبھی اسے بیٹی نہیں دے سکتی وہ زخم خوردہ سی ہوئی تھی۔

کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟؟ کیوں عابیر؟؟ وہ درد و کرب سے پوچھتے سوال کر گیا۔

آپ کی وجہ سے اسفندیار خان، آپ کی سفاکی کی وجہ سے۔۔ بیٹی ہونے کا سارا بوجھ مجھ پر لاد گئے۔ یہ جانتے ہوئے بھی بیٹی یا بیٹا دینا صرف رب کے اختیار میں ہے۔ وہ تڑپتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ گئی۔ نو مہینے سے وہ اس اذت میں جل رہی تھی جس اذیت میں مقابل نے اسے ڈالا تھا۔

کب لادا بیٹی ہونے کا بوجھ؟؟ کیا سفاکی دکھائی میں نے؟؟ وہ بے حد نرمی سے ٹھہرے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

نہیں دکھائی سفا کی اسفندیار خان؟؟ عابیر اس کے اطمینان بھرے لہجے پر تلخی سے ہنسی تھی۔

نو ماہ اسفندیار خان میں جلی تڑپی اذیت سہی۔ لمبے لمبے سجدے کیے۔ ہر سونو گرافی سے پہلے میں کتنی کتنی بار دورو شریف پڑھتی تھی۔ خدا سے دعائیں مانگتی تھی۔ تڑپتی تھی۔ راتوں کو چپکے سے آسمان کے نیچے جا کھڑی ہوتی تھی۔ خدا سے صرف ایک بیٹی مانگتی تھی۔ خدا سے جوڑ توڑ کرنے لگتی تھی ۔ کبھی اپنی زندگی کے بدلے بیٹیاں مانگتی تھی۔ کبھی ایک بیٹا ایک بیٹی خدا سے مانگتی تھی۔ کبھی تو ایک بچے کی زندگی کے بدلے صرف ایک ہی اولاد صرف ایک ہی بیٹی مانگتی تھی۔ وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے تڑپتے ہوئے رو رہی تھی۔ اس کے ساتھ اب اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے

کسی ماں کو دیکھا ہے اپنے ایک بچے کے بدلے دوسرے بچے کا سودا کرتے۔۔اس نے روتے ہوے سوال کیا تھا۔اسفند خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مگر میں نے کیا سودا صرف آپ کی وجہ سے۔۔بدلے میں مجھے کیا دیا آپ نے۔مجھے ہاسپٹل میں چھوڑ کر چلے آئے۔اپنے بیٹوں کو ایک نظر نہیں دیکھا۔سوچا میرے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔وہ ہذیانی چیخی تھی۔

کیا گزر رہی گی؟؟سب تھے تمھارے پاس۔۔۔میرے بیٹوں کا نام بھی رکھ لیا۔وہ منسٹر میرے بیٹوں کو اپنے بیٹے کہہ رہا ہے۔وہ استھزائیہ زخمی سا مسکرایا تھا۔

آپ میری تکلیف کبھی نہیں سمجھ سکتے۔وہ اسفندیار خان کی بات پر سر نفی میں ہلاتے اسفندیار کے سینے پر دونوں ہاتھ جمائے اسے دور دھکیلنے لگی۔

سمجھاؤ مجھے عابیر خان! مین کیسے تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔ بتاؤ مجھے۔۔ وہ یکدم غراتے ہوے اس کا جبڑہ دبوچ گیا تھا۔

عابیر اس کی سخت گرفت پر بری طرح مچلی تھی۔ وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کی زخمی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے.

تم نے میرے درد کو سمجھا؟ یا تمھارے بھائیوں نے میری درد میری تکلیف کو سمجھا۔ وہ اس کے جبڑے کو دبوچے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھتے سرد لہجے میں سوال کر رہا تھا۔ عابیر خود کو اس کی گرفت سے چھڑا وا نہیں پا رہی تھی۔ وہ اسے دیوار میں جیسے دھکیلتا جا رہا تھا۔

وہ اپنے سٹیچز میں کھنچاؤ پڑنے پر اب ہل بھی نہ پا رہی تھی۔

میں نے صرف ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔ تم پر اپنی خواہش کا بوجھ نہیں لادا تھا۔ اس خواہش اس تڑپ کو میرا جنون بنایا تمھارے جھوٹ نے۔۔ تم مجھے سچ بتاتی تو کیا میں تمھیں تب بھی چھوڑ کر چلا جاتا؟؟ کیا میں تمھیں الزام دیتا عابیر کہ ہمارا رب ہمیں بیٹے کیوں دے رہا ہے بیٹیاں کیوں نہیں؟؟ وہ اب بے حد نرمی مدھم سے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔ عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برس رہے تھے۔

نوماہ تم نے مجھے آس دلائی۔ میرے جنون کو ہوا دی۔ نوماہ ایک ایک لمحہ میں نے اپنی رحمتیں اس دنیا میں آنے کا انتظار کیا۔ تمھارے ساتھ سائے کی طرح رہا۔ تمھاری بے اعتنائی ہنس کر سہی۔ تم نے لمبے لمبے سجدے کیے۔ میں نے بھی کیے۔۔ تم مجھے ڈلیوری سے کچھ دیر پہلے بھی حقیقت بتا دیتی عابیر میں برداشت کر لیتا۔ مگر تم نے کیا کیا؟؟ مجھ سے چیختے ہوئے

نفرت کا اظہار کیا۔ ہاسپٹل جانے کے لیے دیر کی۔ اور کیا ہوا تم ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی۔ اسفند کی آخری بات پر عابیر کے لبوں سے دبی دبی ہچکیاں برامد ہوئی تھیں۔ وہ اس کے جبڑے کو ابھی بھی دبوچے ہوے تھا۔

آئی سی یو کے باہر کھڑا اسفندیار خان کی ذات ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی ۔مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی میں روؤں یا چیخوں۔۔ میری عابیر مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہے ؟! میری پٹھانی نے مجھ سے بدلہ کیوں لیا آخر ؟؟ ایک مرتبہ مجھے نفرت کا جواز تو بتا دیتی تو شاید میں سنبھل جاتا۔ اسفندیار خان اب اس کا جبڑھ چھوڑ گیا تھا۔

عابیر کے لبوں سے اب بلند سسکاریاں برامد ہوئیں تھیں۔

میری بیوی اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ یہ وار بھی سہہ گیا۔ پھر مجھے پتہ چلتا ہے میرے بیٹیاں نہیں بیٹے ہیں۔ اور میری سفاک پٹھانی نوماہ مجھ سے جھوٹ بولتی رہی۔ ٹوٹ گیا۔ ارمان خواہش جنون سب کچھ کرچی کرچی ہوتا بکھر گیا۔ میں تڑپ اٹھا مگر میری تڑپ کوئی نہیں سمجھ سکا۔ کوئی نہیں سمجھ سکا مجھ پر کیا گزری ہے؟؟ وہ درد و کرب سے بولا تھا۔

میری تکلیف سمجھی آپ نے؟؟ نوماہ میرے انسو میرے ہچکیوں کی وجہ جانی تھی آپ نے؟؟ وہ اپنے سنہرے بال مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی سوال کر اٹھی تھی۔ دونوں اپنے اپنے اذیت بھرے لمحوں کو رو رہے تھے جو اذیت دونوں نے پل پل محسوس کی۔ دونوں کو اپنی اپنی اذیت اپنا غم بڑا دکھائی دے رہا تھا۔

تم عورتیں کیوں چاہتی ہو مرد بغیر کہے ہی سب جان لے ؟؟ تم مجھے ایک بار تو بتاتی عابیر میں تمھاری ہر اذیت ہر تکلیف کو اپنی سانسوں سے چن لیتا۔ وہ نرمی سے اس کے گالوں پر جھکے اس کے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے چننے لگا۔

آپ کیوں نہیں سمجھتے میں آپ کو بیٹی دینا چاہتی تھی۔۔ وہ تڑپ پڑپ کر رو دی تھی۔

جانتا ہوں سب جانتا ہوں۔ ان دس دنوں میں اس کرب زدہ تنہائی میں اذیت ناک لمحوں کو جیتے سمجھ گیا تم نے اپنے اسفندیار خان کے لیے خود اذیت سہتی رہی۔ سب سمجھ آگیا تھا میری سفاک پٹھانی۔ آگیا تھا سمجھ کہیں نہ میں تمھیں امتحان میں ڈال گیا تھا۔ مجھے سمجھ آگیا ہے مجھے تم سے کہنا چاہیے تھا خدا کی ہر رضا پر میں راضی ہوں۔ مجھے تم سے کہنا چاہیے تھا بیٹا ہو یا بیٹی مجھے صحت مند اولاد چاہیے۔۔ میں انجانے میں تم پر بے رحمی کر

بیٹھا۔ اس معاشرے کے نوے پرسنٹ مردوں کی طرح میں نے کیا۔ میں نے وہ چاہت کی اس چاہت کو جنون بنایا جس کا اختیار صرف خدا کے پاس تھا۔ مجھے سمجھنا چاہیے تھا عورت کے پاس بیٹا یا بیٹی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ بھی اب رو رہا تھا۔۔

میں نے اپنی خواہش کو جنون بنایا تو خدا نے بھی مجھے ازمایا۔۔ خدایا تو ہماری چاہت دے کر ہمیں ازماتا ہے یا ہم سے چھین کر۔۔ اس نے مجھ سے میری چاہت چھین کر مجھے ازمایا۔ یہ اب مجھ تک ہے میں اس کی چاہت کو اپناتا ہوں یا پھر ابھی بھی اپنی چاہت چاہتا ہوں۔

جو اس کی چاہت ہے اس میں ہی سکون ہے۔ یقین مانو مجھ میں صبر آ گیا ہے۔ میں اس کی لکھی تقدیر کو قبول کر چکا ہوں. میرے دل میں اب میرے بیٹوں کے لیے تڑپ ہے۔ میرے رب نے اپنی چاہت کو میری

چاہت بنا دیا میرے بیٹوں کے لیے میرے دل میں محبت تڑپ ڈال کر۔۔وہ نم لہجے میں بولتے عابیر کے رخساروں پر گرتے آنسوؤں کو اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے نرمی سے صاف کر رہا تھا۔

ان بیٹوں کے لیے تڑپ جن کو دیکھا تک نہیں۔وہ تڑپتے ہوے اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔

کس نے کہا میں نے انھیں نہیں دیکھا۔میں نے انھیں گھنٹوں بنا پلکیں جھپکائے دیکھا ہے میرے فاتح جبریل کی آنکھیں نیلی ہیں۔انہوں نے آج سیاہ رنگ کے کرتے پہن رکھے ہیں۔تم نے ٹوننگ کروائی ہے انھیں اپنے ساتھ۔۔اس لیے میں نے بھی سیاہ رنگ کی شلوار قمیض پہنی۔وہ مدھم سا بھیگا سا ہنس رہا تھا۔

کہاں دیکھا انھیں؟؟عابیر نے روتے ہوے سوال کیا۔

یہ راز ہے اور راز ہی رہے گا کیا پتہ اس راز سے واقف ہونے کے بعد میری سفاک پٹھانی بے رحمی دکھاتے سب ختم کر دے۔۔ وہ اب گہرا مسکرا رہا تھا

۔

کیمرے لگے ہیں کمرے میں۔۔ پہلے بتایا تھا۔ اسی لیے کمرے میں رونے کی بجائے واش روم میں روتی رہی۔ وہ نم سا مسکرائی تھی۔

آنسوؤں کی دھندلاہٹ کے پار سب اجھلا اجھلا نظر آ رہا تھا۔ وہ دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل رہی تھی۔

مجھے چھوڑ کر چلے آئے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آواز پسپا ہوئی تھی۔ لہجے میں رعونیت در آئی تھی۔

کہیں نہیں گیا تھا خدا قسم کہیں نہیں گیا تھا اسی دن واپس آ جاتا اگر شہرام کے لفظ ڈنک مارتے مجھے ڈستے نہ رہتے۔۔

!!ایک غلط فیصلہ لالا نسلیں برباد کر دیتا ہے۔ بابرک کے بھائی پر اعتبار کرنا سب سے بڑی غلطی ٹھہرا۔۔ آپ کی دوستی کے چکر میں میری عابی کی زندگی برباد ہو گئی!!و

وہ اس کے لفظ یاد کرتے پھر سے بلبلایا تھا۔

کسی نے بھی کچھ کہا ہو۔ مگر مجھے کیوں چھوڑ کر گئے اسفندیار خان۔۔ وہ اب اس کے سینے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ وہ اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا گھیرہ مظبوط کر گیا۔ دھند چھٹ گئی تھی۔۔ چمکتی دھوپ

گہری ہوتی جارہی تھی۔۔۔سیاہ تاریک رات بھی ایک اجلے دن کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔۔

برسوز ہچکیاں راحت میں بدلتی جارہی تھیں۔وہ اسے نرمی سے خود میں سمیٹتے اس کے سنہرے بالوں پر اپنے لب رکھتا جارہا تھا

اسفندیار خان عابیر کے ساتھ حویلی داخل ہوا تھا۔سب مہمان چلے گئے تھے۔اس وقت زنان خانے میں شہرام خان،زاران خانزادہ،روزینہ خانم ،امینہ خانم بیٹھے ہوے تھے۔

درید خان اربد خان نے زنان خانے میں آنا ہی بند کر دیا تھا۔بابرک کی مرتبہ بھی وہ ان دونوں کے درمیان کبھی تناؤ نہیں آیا تھا۔آب آیا تھا

دونوں ایک دوسرے کا سامنا نہیں کر پا رہے تھے۔۔ سمیع اللہ مردانے میں اپنے کمرے تک محدود ہو گئے تھے۔ اسفندیار خان کا جانا ان کو بھی تکلیف دے گیا تھا۔ بہارے ابرش اس وقت اپنے اپنے کمروں میں تھیں۔ فاتح جبریل اوپر کمرے میں درخشاں کے پاس تھے۔

شہرام خان اسفندیار خان کو دیکھتے صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔ سب ہی اسفند کو دیکھتے صوفے سے کھڑے ہو چکے تھے۔ زاران خانزادہ اسی لمحے وہاں سے واک آوٹ کر گیا تھا۔ اسفند کی سرد سرخ نگاہوں نے دور تک زاران کی پشت کا پیچھا کیا تھا۔ آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

شہرام خان کی سرد سرخ نگاہوں کا ارتکاز عابیر پر تھا۔ وہ شہرام خان کی سرخ نگاہوں پر گھبراتے ہوئے نگاہیں جھکا گئی تھی۔۔ اسفندیار نے عابیر کو اپنے

بازو کے حلقے میں لیے اس کی پیشانی کو چومتے ہوے جو ابا شہرام خان کو گھور کر دیکھا تھا۔

شہرام خان اپنے کندھوں پر براون مردانہ شال جھٹکتے غصے سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

روزینہ خانم تیزی سے اسفندیار خان کی طرف بڑھتے روتے ہوے اس کے سینے میں سمائی تھیں

اب کیوں رو رہی ہیں مورے ؟؟ ایک پوتے کی خواہش تھی دیکھو دو دو پوتے دے دیے میں نے آپ کو۔۔ وہ مسکراتے ہوے روزینہ خانم کے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کرنے لگا۔

لیکن تم کو بیٹی کا خواہش تھا ایک بیٹی تو دے دیتا خدا تمھیں۔ مگر اب تو کوئی امید نہیں رہا۔ روزینہ خانم کی بات پر عابیر کے لبوں سے پر سوز ہچکی برامد ہوئی تھی۔

امینہ خانم گہرا سانس بھرتے عابیر کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔ روزینہ خانم کے پاس اب عابیر کا دل دکھانے والی ایک اور بات ہاتھ اگئی تھی ۔ مورے میرے لیے میرے بیٹے اب سب کچھ ہیں۔ یاد رکھیے گا آپ کے یہ لفظ عابیر کو نہیں مجھے ہرٹ کریں گے۔ اب کی بار آپ اپنے بیٹے کو ہی نہیں اپنے پوتوں کو بھی کھو دیں گی۔ میں عابیر اور اپنے بیٹوں کو لے کر امریکہ شفٹ ہو جاؤں گا۔ وہ سنجیدگی سے بولتے روزینہ خانم کو خود سے جدا کرتے عابیر کی کلائی نرمی سے پکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اسفند کی دھمکی پر روزینہ خانم کی رنگت فق ہوئی تھی۔اب تو انھیں اپنے پوتے بھی بے حد عزیز تھے۔

ہم تو یہی دعا کرے گا روزینہ تمھارا یہ زہریلا زبان ایسا ہی چلتا رہے تو اسفند یار خان عابیر اور اپنا بیٹوں کو لے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ چلا جائے۔امینہ خانم کہتے چلی گئی تھی۔

روزینہ خانم امینہ خانم کی بات پر بڑھ بڑھ جلتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ہائے لالا تم۔۔اسفند یار خان کو دیکھتے درخشاں غصے سے چہکی تھی۔عابیر نم سا ہنسی تھی۔

اسفند جلدی سے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔

عابیر ان میں سے فاتح کون ہے جبریل کون ہے؟ اسفند نے فاتح جبریل کو دیکھتے پوچھا جو کمبل میں لپٹے گہرے نیند سو رہے تھے۔ عابیر اسفند یار خان کی بات پر بھیگا سا ہنستے ہوئے بیڈ کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھتے بیٹھی تھی۔

یہ فاتح یہ جبریل۔۔۔ وہ روتے ہوئے فاتح جبریل پر ہاتھ رکھ کر بتانے لگی۔

اسفند یار خان کمبل ہٹاتے فاتح جبریل کے ننھے ننھے ہاتھ تھانے انھیں چومنے لگا۔ وہ ان کے ہاتھ ان کے پیر چومتے جا رہا تھا۔ عابیر کے آنسوؤں میں آضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

درخشاں اپنے آنسو صاف کرتے کمرے سے نکل گئی تھی۔

اس میں تمھارا کونسا بیٹا ہے اور میرا کونسا؟؟ وہ اب ان پر جھکے ان کے نرم چہروں کو بے حد نرمی سے چوم رہا تھا۔

کیا مطلب اسفند؟؟ دونوں بیٹے میرے ہیں۔ وہ بھیگے لہجے میں بولی۔۔

اسفند فاتح جبریل پر اچھی طرح کمبل دیے بیڈ کے دوسرے کنارے پر آتے عابیر کو بے حد نرمی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔

میرے پاس رحمت کی صورت میں میری عابیر ہے۔ میری مورے ہیں میرے پاس بہارے ہے۔ شہرام خان کی بیٹی میری بھی بیٹی ہے۔ پھر پریذے بھی تو ہے۔ اتنی رحمتیں ہیں عابیر۔۔ اب مجھے بیٹی کی تمنا نہیں۔ پلیز مورے یا کسی کی بھی بات پر خود کو ہرٹ مت کرنا۔ اب تم خود کو نہیں مجھے اذیت دو گی۔

وہ اس کی شال نرمی سے اتارتے اس کے سنہرے بالوں کو چوم رہا تھا۔ نہیں کروں گی کبھی نہیں کروں گی۔ وہ اسفندیار خان کے سینے کو چومتے اس میں سمائی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے عابیر کو خود سے علیحدہ کرتے ایک بار پھر سے فاتح جبریل پر جھکے ان کے ننھے ننھے ہاتھ پیر چومنے لگا۔ عابیر مسکراتے ہوئے فاتح جبریل اور اسفندیار خان کو دیکھ رہی تھی۔ نو ماہ کی عبادت کا صلہ مل گیا تھا۔ خدا کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔ وہ جان چکی تھی۔

زاران خانزادہ رات گئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ سمیع اللہ خان کے ساتھ اتنی دیر سے بیٹھا ہوا تھا۔ شہرام خان اور اس میں بات چیت بند تھی ۔ اسفندیار خان سے اب وہ کبھی بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ حویلی آ گیا تھا مگر وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سب ہمیشہ کی طرح اسے قصوروار

گردان چکے تھے۔ وہ اب عابیر کی طرف سے الزامات لگنے کا منتظر تھا۔ اس کی براون آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

وہ اپنی آنکھیں انگلیوں سے مسلتے دروازے میں ٹھٹک کر رکا تھا۔ ابرش ڈریسنگ مرر کے اگے سرخ پٹھانی فراک پہنے کھڑی تھی۔ فراک جس پر شیشوں اور دبکے کا کام ہوا تھا۔ ٹخنوں تک آتے فراک کے نیچے وہ بے حد کھلا ساٹر اوزر پہنے ہوے ہوے تھی۔۔ نیٹ کے دوپٹے میں اس کے سلکی بال اس کی کمر کو ڈھانپے ہوے تھی۔ ہونٹوں پر ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ ماتھے پر وہ زرقون میں ماتھا پٹی لگائے ہوے تھی۔ گردن میں چوکر پہنے ہوے تھی۔

زاران اپنی ہلکی گھنی بئیرڈ سہلاتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

مرر میں زاران کے عکس کو دیکھتے ابرش کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔

میری جذباتی بے شرم بیوی کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟؟ میں تو پورا کا پورا اپنی جوان خوبصورت بیوی کے قابو میں ہوں۔ اس کا غلام۔۔ وہ مرر میں ابرش کے عکس کو گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے اس کے سینے پر اپنے ہاتھ باندھتے اس کی سائیڈ گردن کو چومنے لگا۔

ابرش نظریں جھکائے مدھم سا مسکرائی تھی۔

میری بے شرم بیوی شرماتی بھی ہے کیا بات ہے؟۔ وہ اس کے کان کی لو کو چومتے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

ابرش اس کے بازوؤں کا گھیراؤ خود سے ہٹاتے پلٹی تھی۔

زاران ڈریسنگ ٹیبل کے گرد اپنے ہاتھ جمائے اسے محصور کرتے اسے گرم نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت اسے بے حد خوبصورت لگی تھی۔ وہ اسے ہر وقت خوبصورت لگتی تھی۔ ایسے جیسے ابر نیساں کا شفاف قطرے، ایسے جیسے چاند کی ٹھنڈی کرنیں، ایسے جیسے باد صبا، ایسے جیسے جنت کی حور، ایسے جیسے دنیا کی سب سے پاک عورت, وہ سامنے کھڑی عورت سے عشق کرتا تھا۔ اتنا جتاتا نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے اس عورت سے عشق کرتے آیا تھا۔

۔ وہ اچھی خاصی خوبصورت تھی۔ مگر زاران کو وہ اپنے جذباتی پن اپنی بے انتہا محبت کی وجہ سے خوبصورت لگتی تھی۔ مقابل کی وفا اس کی پاگلوں کی

طرح محبت، اس کی پوزیسونیس، اس کا جذباتی پن، اس کی انسکیورٹی، پر وہ مرتا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟؟ ابرش اس کی گہری گرم نگاہوں پر پزل سی ہوئی تھی۔ وہ اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایسے کبھی نہیں دیکھتا تھا۔ وہ اس کے ایسے دیکھنے پر پہلی رات کی دلہن کی طرح شرما گئی تھی. مقابل کے دیکھنے کا انداز تھا یا وہ سامنے کھڑے مرد سے شدت سے عشق کرتی تھی۔ مگر مقابل کا ایسے دیکھنا اس کا دل شدت سے دھڑکا دیتا تھا۔

یہ میک اب اپ میرے حلق میں ہی اترے گا۔ کتنی بار کہا ہے رات کو کچھ نہ لگایا کرو مجھے تمھارے بدن پر رات کو پرفیوم بھی گوارا نہیں۔ تمہارے جسم سے جو خوشبو آتی ہے میں اس کا دیوانہ ہوں۔

زاران اس کے سرخ لبوں کو اپنی نظروں کے فوکس میں لیے اس کی گردن پر جھکے اس کی خوشبو اپنی سانسوں میں اتارنے لگا۔

زاران خانزاده، زه تاسره ° یره مینه لرم ° که چه ° تاماته هغه ° ه راکا °° چه ° هیڅ ° وک یا ° نه ور کولی. تاماته مینه راکا ° ه، عزت راکا ° ه. ته لکه یو غر سخت ° کاري، خو داسه ° نه یا ° . ته ابرش پاشانه بلکه ابرش خانزاد ° ته بدل کا ° ی. هر سه ° ی پاشانه وي، بلکه زاران خانزاد ° هم وي.

(زاران خانزادہ۔۔ میں تم سے شدید محبت کرتی ہوں۔ کیونکہ تم نے مجھے وہ دیا ہے جو کوئی نہ دے سکا۔ مجھے محبت دی مان دیا۔ تم پہاڑ کی طرح سخت لگتے

ہو مگر ہو نہیں۔ تم نے ابرش پاشا کو ابرش خانزادہ بنا ہی دیا۔ ہر مرد پاشا نہیں ہوتا بلکہ زاران خانزادہ بھی ہوتا ہے)

ابرش زاران خانزادہ کی آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑھے پشتو میں بول رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کے پشتو میں بات کرنے پر گہرا مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے پشتو میں بات کرتے کتنی خوبصورت لگی تھی وہ سامنے کھڑی عورت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی ہر ادا سے اسے اپنا دیوانہ بنانا جانتی تھی اور وہ دیوانہ ہو رہا تھا۔ زاران خانزادہ کی گرم نگاہوں کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔

میرا بچہ ویسی زندگی نہیں گزارے گا جو میں نے گزاری۔ اب اگر میں یہ بچہ پیدا کرتے مر بھی گئی تو کوئی پرواہ نہیں۔۔ وہ بھیگے لہجے میں بولتی زاران خانزادہ کے دل کو خوف سے دھڑکا چکی تھی۔

زاران خانزادہ نے اسے غصیلی کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پتہ نہیں اسے کیوں اسے اب سامنے کھڑی عورت پر شدید غصہ آیا تھا۔ وہ اس کے لبوں سے اس کے لیے موت کا لفظ نہیں سن سکتا تھا۔ یہ بات وہ یہاں آتے دو مرتبہ کر چکی تھی۔

تمھیں کچھ نہیں ہو گا تم ساری عمر مجھے جونک کی طرح چمٹی رہو گی میری جذباتی بیوی۔ مجھے اتنی آسانی سے مجھے سکون نہیں مل سکتا۔ وہ اپنے اندر کا غصہ دباتے ہوے سنجیدگی سے بولا تھا۔ وہ جتنا اس کے جذباتی پن میں ساتھ

دیتاوہ بار بار یہ بات کرتی۔ وہ جان بوجھ کر اسے غصہ دلانے لگا۔ جانتا تھاوہ اس بات پر اس کے گلے پڑ جائے گی۔

تم سچ میں مجھ سے چھٹکارا چاہتے ہو؟؟ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے اس کی سیاہ قمیض کے کالروں کو غصے سے جکڑ گئی۔

تم سے چھٹکارا ملے گا تو نئی آئے گی ورنہ تمھارے ہوتے ناممکن ہے میں کسی دوسری عورت کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکوں۔ وہ ابرش کی آنکھوں میں شرارے نکلتے دیکھتے محظوظ ہوتے بولا۔

مسٹر خانزادہ۔۔ میں تمھاری جان لے لوں گی اگر تم نے میرے ہوتے ہوے کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ ڈال کر بھی دیکھی۔ وہ بھڑ بھڑ جلتے غرائی تھی۔

وہی تو کہہ رہا ہوں تمھارے ہوتے کسی کو ایک نگاہ بھی نھیں دیکھ سکتا اس کے لیے تمھیں میرے ساتھ زندہ رہنا ہو گا میرے ساتھ ہی مرنا ہو گا۔ وہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس کے سرخ یاقوتی لبوں پر جھک گیا تھا۔ ابرش نے غصے سے اس کے سینے پر مکے جڑے تھے۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے نرمی سے اس کے لبوں کی سرخی چرانے لگا۔ وہ ابرش کی مزاحمت کی پرواہ کیے بغیر اس کے ہونٹوں کی سرخی چراتے وہاں اپنی شدت کا گہرا رنگ دے گیا تھا۔

ابرش ہلکان ہوتے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے اس کے سینے میں سمائی تھی۔

میری جذباتی بیوقوف بیوی۔ جتنا تمھارا میک اپ میں اپنے حلق میں اتار چکا ہوں۔ اصولاً اتو یہ کاسمیٹک کھا کھا کر میں ہی پہلے اوپر جاؤں گا۔ زاران اس کی کمر پر اپنی بانہوں کا گھیراؤ مضبوط کر گیا تھا۔

آئی ہیٹ یو مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش اس کی بات پر تڑپتے ہوے اس کے سینے پر مکہ جڑ گئی تھی۔

یہ لفظ میں نہیں کہہ سکتا میری جان۔ ایک مرتبہ بھی غلطی سے بول دیا ساری عمر اپنی محبت کا یقین دلاتے گزر جائے گا مگر میری جذباتی بیوی کو میری محبت پر اعتبار نہیں آئے گا۔ ابرش اس کی بات پر اس کے سینے سے سر اٹھائے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

تم مجھے آئی ہیٹ یو کہہ سکتے ہو۔ وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ زاران اس کی بے یقینی پر بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

میری بیوقوف جذباتی بیوی۔۔وہ مسکراتے ہوئے اس کی ماتھا پٹی پر اپنے لب رکھ گیا۔

بیڈ پر تمھاری بانہوں میں سرگوشیوں میں بتاؤں گا تمھیں کیا کہہ سکتا ہوں کیا نہیں۔ ہمممم۔۔اپنے لبوں کو پھر سے لپ سٹک سے سجاؤ۔ آج ساری رات تمہارے لبوں کو نہیں چھوڑنے والا۔۔باقی میک اپ بھی تمھیں گیلا کرتے اتار دوں گا۔وہ اس کے عارض کو بلشر سے دھمکتے دیکھتے مخمور لہجے میں بولتے اسے آنکھ ونک کرتے واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے جلتی نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

میں لپ سٹک نہیں لگاؤں گی مسٹر خانزادہ۔۔نہ مجھے تمھاری وہ بے باک سرگوشیاں سننی ہیں۔اس وقت بھی سب کہتے ہو مگر آئی لو یو نہیں کہتے۔وہ

ڈریسنگ ٹیبل سے لپ سٹک اٹھائے واش روم کے بند دروازے کو مار گئی تھی۔

زاران وینٹی کے آگے کھڑا اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے ہنسا تھا۔

تم بہت برے ہو مسٹر خانزادہ آئی ہیٹ یو۔۔ ابرش چیختے ہوئے غصے سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔ وہ یہ فراک اتارنا چاہتی تھی۔ وہ غصے سے ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ کھلے ٹراوز کے نیچے اس کا پاؤں آیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم کے ماربل پر پیٹ کے بل گر چکی تھی۔ اس کی فلک شگاف چیخیں ڈریسنگ روم کے درودیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔

زاران۔۔۔ وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے چیختی ہی جا رہی تھی۔ فرش رنگین ہو رہا تھا۔ اس کی چیخیں بڑھتی جا رہی تھیں۔۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا

تھا۔زاران۔۔۔اس کے لبوں سے آخری دلخراش چیخ گونجی تھی اور وہ اپنے ہوش کھو چکی تھی۔

زاران خانزادہ سیاہ ٹراوز پہنے شرٹ لیس واش روم میں مرر کے آگے کھڑا اپنے نم بالوں میں تولیہ رگڑ رہا تھا۔باہر چھائی خاموشی پر وہ حیران ہوا تھا۔

مسٹر خانزادہ تیری جذباتی بیوی اچھی خاصی ناراض ہو چکی ہے۔جتنا رومانس کرنے میں محنت لگے گی۔اس سے زیادہ اسے منانے میں خرچ ہو جائے۔وہ مرر میں دیکھتے ہنستے ہوئے خود سے بولا تھا۔

زاران واش روم کی کبرڈ سے اپنی سیاہ ہاف سلیوز ٹی شرٹ پہنے واش روم سے باہر آیا تھا۔وہ کمرے میں نہیں تھی۔زاران کے لبوں پر گہری مسکراہٹ

رینگی تھی۔ وہ یقیناً ڈریس اتار کر نائیٹی پہن کر آئے گی۔ وہ کیسی نائیٹی پہنے گی وہ یہ بھی جانتا تھا۔ وہ ایک بار پھر سے بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

وہ بیڈ پر لیٹے ابرش کا انتظار کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد زاران خانزادہ کو عجیب سی بے چینی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔ ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے وہ بری طرح لڑکھڑایا تھا۔

چہرہ خوف سے سفید ہوا تھا۔ وہ زمین پر اوندھے منہ ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔

ابرش۔۔ زاران کے حلق سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ وہ اسے پکار بھی نہ سکا تھا۔ وہ اس کی طرف قدم بھی نہ بڑھا پا رہا تھا۔ وہ اک انجانے خوف سے جکڑا جا چکا تھا۔ وہ تھا سب کچھ کھو جانے کا خوف تھا۔

وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے پنجوں کے بل بیٹھا

تھا۔ ابرش۔۔۔ زاران نے اسے سیدھا کرتے ہوئے

پکارا۔ آہہہہ۔۔۔۔۔۔ دوسرے لمحے وہ شدت گریہ سے چیخا تھا۔

وہ اس کے بے جان وجود کو خود کے ساتھ لپٹائے شدت گریہ سے روتا ہی جا

رہا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ اسے اپنی گود میں اٹھائے پاگلوں کی طرح سیڑھیاں اترتے نیچے آیا

تھا۔ اس کے قدم زندگی میں پہلی طرح لڑکھڑا رہے تھے. وہ ایسے رو رہا تھا

جیسے آس کی آنکھوں سے جھرنا بہہ رہا ہو۔ وہ مرد ہو کر اتنی شدت سے رو

رہا تھا۔ اس کے سفید پیروں میں چپل نہیں تھی۔ اسے اپنا ہوش نہ رہا تھا۔ وہ

اس کی بانہوں میں سرخ سوٹ میں ہوش و گرد سے بیگانہ تھی۔ ریڈ جوڑے

پر سرخ داغ تھے۔ اس کا بچہ زندہ تھا کہ مر گیا وہ نہیں جانتا تھا نہ اسے جاننا تھا اس کی سانسیں تو اس عورت میں اٹکی تھیں۔ جس کے دم وہ سانسیں لیتا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سڑھیاں اترتے گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ سب کو آوازیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند شہرام لالا، مورے۔ بابا جان، داجی سب کو پکارنا چاہتا تھا۔ مگر وہ پکار نہ سکا تھا۔ وہ رشتوں میں فرق نہیں کرتا تھا۔ سب اس کی محبت پر ہر بار سوال اٹھاتے تھے۔ مگر آج وہ رشتوں میں فرق کر چکا تھا اسے یہ عورت ہی سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اسے کچھ نہیں چاہیے تھا نہ کوئی رشتہ نہ منسٹری اور نہ دل میں چلتی دھڑکنیں تک اسے نہیں چاہیے تھیں۔

وہ کسی کو بھی پکارے بغیر دراوزے سے نکلتا چلا گیا۔

اس عورت نے اسے کبھی خود کے لیے پاگل نہیں کیا تھا مگر آج وہ زاران خانزادہ کو پاگل کر چکی تھی۔ وہ اسے کھونے کے خوف سے پاگل ہو رہا تھا ۔اس کا ذہنی توازن بگڑ رہا تھا۔ وہ اسے بے جان وجود کو اگلی سیٹ پر لٹاتے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ اس کی گاڑی گیٹ سے نکلتے اونچی نیچی پتھریلی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ وہ ہسپتال پہنچ بھی پائے گا کہ نہیں وہ نہیں جانتا تھا۔ گاڑی کا کنٹرول اس کے ہاتھوں سے چھوٹ رہا تھا۔ پہاڑوں پر اترتی دھند اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

وہ اس کے بے جان وجود کو گود میں اٹھائے ہسپتال کے ٹھنڈے فرش پر بھاگ رہا تھا نیٹ کا دوپٹہ ابرش کے سر سے اتر کر زاران کے قدموں میں آیا تھا۔

وہ اتنا ڈر گیا تھا اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ اس نے ان ہاسپٹلز میں اپنے پیاروں کی لاشوں پر لوگوں کو بین کرتے دیکھا تھا۔ مگر اس کی تو اواز ہی بند ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا اگر اس عورت کو کچھ بھی ہوا وہ دوسری سانس نہیں لے سکے گا۔ وہ مر جائے گا۔ ڈاکٹرز نرس اس کی طرف خود ہی بڑھے تھے۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اسے سٹریچر پر لٹا گیا۔ چوڑیوں کی کھنک پر زاویار خانزادہ کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گیا۔ اسے سرخ لباس میں سٹریچر پر لیٹے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپریشن تھیٹر میں لے جایا چکا تھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اپریشن تھیٹر کے دروازے پر ریڈ لایٹ آن ہو چکی تھی۔

وہ مجسم سا کھڑا اپریشن تھیٹر کے باہر کھڑا تھا. ڈاکٹر نکلتے باہر آئی تھی۔ وہ ڈاکٹر کی طرف نہیں بڑھ سکا تھا۔ زبان گنگ تھی قدم بھی جکڑے جا چکے تھے۔ وہ سرخ ویران آنکھوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ انکھوں کے پردوں پر وہ سرخ لباس میں لہرا رہی تھی۔

آپ کی مسسز کا بہت خون بہہ چکا ہے۔ ان کا بلڈ گروپ کا خون ہمارے بلڈ بنک میں ہے۔ مگر پھر بھی ہم ان کو بچا سکے گے کہ نہیں ہم نہیں جانتے۔ اگر کسی کو بچایا بھی جا سکا تو ماں اور بچے میں سے کوئی ایک بچ سکتا ہے۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔ صور شاید پھونکنا اسے ہی کہتے ہیں۔ اسے تو یہی لگ رہا تھا آج قیامت ہے۔

مسٹر زاران بتائیں ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ڈاکٹر مہرین نے زاران کی نم آنکھوں کو دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

میری زندگی کو بچائیں ڈاکٹر۔۔ صرف اسے بچائیں خدا کے لیے صرف اسے بچائیں۔۔۔ میری ابرش کو بچائیں۔ زاران خانزادہ دونوں ہاتھ ڈاکٹر کے آگے جوڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ڈاکٹر گہرا سانس لیتے اپریشن تھیٹر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔

وہ کوریڈور کے ٹھنڈے فرش پر سجدے میں گرا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا ۔اس سحر انگیز مظبوط مرد کی ہچکیاں پورے ہاسپٹل میں گونج رہی تھیں۔ ہر طرف فجر کی آذانیں گونج رہی تھیں۔ ان اذانوں میں زاران خانزادہ کی پرسوز ہچکیوں کی بھی صدائیں تھیں۔

وہ سجدے میں گرا بے یقین تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے نوعید ملی تھی ۔اس کی بیوی اور بچہ سلامت ہے۔ وہ سجدے سے سر اٹھائے بے یقین ہوتے پھر سے سجدے میں گر چکا تھا۔

زاران خانزادہ کے گھر بیٹا ہوا تھا۔ پری میچور ڈلیوری تھی اس لیے بچے کو انکوبیٹر میں رکھا گیا تھا۔

حویلی میں ابھی کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی نہ اس نے کسی کو کی تھی۔ وہ تو تب سے سجدے سے اٹھتا دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ ابرش کے اپریشن پر ٹایم لگا تھا اسے سٹل آئی سی یو میں رکھا گیا تھا۔ پچھلے پانچ گھنٹوں سے وہ ویسے ہی کھڑا تھا۔ اپنے بیٹے کو ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

ڈاکٹر مہرین زاران خانزادہ کے پاس آئی تھیں۔ سر آپ کی وایف کو روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ آپ ان سے مل سکتے ہیں۔ انھیں زاران خانزادہ پر ترس آیا تھا۔ انہوں نے بہت سے کیسز کیے تھے۔ بہت سی سچویشن دیکھی تھیں۔ کسی مرد کو اتنا ٹوٹا بکھرا نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے رگڑتے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

زاران کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ابرش اسے دیکھتے نم سا مسکرائی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکا تھا۔ وہ دھیرے سے چلتا اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

بلکل خاموشی سے سر جھکائے وہ اپنے لبوں کی کپکپاہٹ پر قابو پائے ہوے تھا۔ وہ اس عورت کے سامنے رونا نہیں چاہتا تھا۔ اپنی آنا کا مینار آج بھی بلند رکھنا چاہتا تھا۔ مگر لب کسی چھوٹے بچے کی مانند کپکپا رہے تھے۔

بالاج کو دیکھا۔۔ ابرش نے نم آواز میں سوال کیا۔ وہ پتہ نہیں اسے دیکھ کیوں نہیں رہا تھا۔ وہ اس کا جھکا سر دیکھتے پریشان ہوئی تھی۔

نہیں دیکھا۔۔ وہ اپنی بھیگی آواز پر قابو نہ پا سکا تھا۔

زاران۔۔ ابرش اس کی بھیگی آواز پر حیران ہوئی تھی۔

وہ اسی لمحے اس کے سینے پر سر رکھتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ ابرش بے یقینی سے اسے یوں ٹوٹا بکھرا دیکھ رہی تھی۔ وہ ایسے رو سکتا ہے وہ بے یقین تھی۔

زاران۔۔ ابرش نے نم آواز میں اسے پکارا۔

وہ اوپر ہوتے اس کے نقوش کو اپنے آنسوؤں سے تر کرنے لگا۔ وہ اس کے نقوش کو شدت سے چوم رہا تھا۔۔

ابرش اس کے گرم آنسوؤں اور اس کے لبوں کے پر تپش لمس سے جھلس رہی تھی۔

زاران ہمارا بیٹا ٹھیک ہے۔۔ ابرش نے بے چین ہوتے اسے پکارا۔ وہ کیوں اس طرح رو رہا تھا۔ اس کا بیٹا تو ٹھیک ہے پہلا خیال یہی آیا تھا۔

مجھے نہیں پتہ ابرش۔ مجھے کچھ نہیں پتہ۔۔ مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ جتنی دیر تم اپریشن تھیٹر کے اندر رہی میں سانسیں لے پا رہا تھا کہ نہیں۔۔ مجھے کچھ نہیں پتہ۔۔ میں کچھ نہیں جانتا میں اتنا جانتا ہوں اگر

میں نے کسی سے شدت سے محبت کی ہے وہ تم ہو۔ میں اتنا جانتا ہوں میں کبھی اتنا خوفزدہ نہیں ہوا جتنا تمھیں فرش پر اوندھے منہ گرے دیکھ کر ہوا۔ وہ اس کا چہرہ نرمی سے تھامے اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ زارن خانزادہ کے آنسو ٹپ ٹپ ابرش کے چہرے پر گر رہے تھے۔

میں نے تم سے کب عشق کیا میں نہیں جانتا مگر تم ہی سے عشق کیا یہ جانتا ہوں. میں تم پر کسی کی پرچھائی برداشت نہیں کر سکتا میں اتنا جانتا ہوں۔ میں نے تمھیں تھپڑ مارے مجھے آج بھی افسوس ہے میں اتنا جانتا ہوں۔ وہ اب اس کے زرد بھیگے گالوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ میں تمہارے جذباتی پن سے ڈرتا ہوں اسی لیے میں تمہارے ساتھ جذباتی نہیں ہوتا۔ مگر تم ہر بار اپنے جذباتی پن سے مجھے ہرٹ کرتی ہو۔ جیسے آج مرنے کی باتیں کر کے کر رہی تھی۔

میں اپنے اندر کے خوف کو چھپا جاتا ہوں میں تم سے کتنی شدت سے عشق کرتا ہوں میں تمھیں بتا نہیں پاتا۔ تم آج اُس سرخ جوڑے میں کتنی خوبصورت لگ رہی تھی میں تمھیں بتا نہیں پایا۔ میں جب جب تمھیں دیکھتا ہوں تم مجھے خوش کر دیتی ہو۔ تمھارے پاؤں کے نرم تلوے میری خماری بڑھا دیتے ہیں۔ تم وہ عورت ہو جو ہر پل میرا دل دھڑکاتی ہے۔ وہ اس کے لبوں پر انگوٹھا پھیرتے مدھم بھیگے لہجے میں بول رہا تھا۔ ابرش بے یقینی سے یہ سب سن رہی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتا ہے وہ جانتی تھی مگر اتنی شدت سے کرتا ہے وہ نہیں جانتی تھی۔

تمھیں پتہ ہے میں تمھارے بغیر سو نہیں سکتا۔ جب تک تم میرے کندھے پر سر نہ رکھو مجھے نیند نہیں آتی۔ ابرش نم سا ہنسی تھی۔ وہ تو روز رات کو کہتا تھا اس کا کندھا درد کرتا ہے اس کے اس طرح چمٹ کر سونے میں۔

تمھیں دیکھ کر میں بہکتا ہوں مگر تمھارے پاس آنے سے پہلے جب تم مجھے بہکی بہکی ملتی ہو تو تمھیں بے شرم بیوی کہنے کا جو مجھے سرور آتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی لفظ میں نہیں۔۔ اب وہ دونوں مدھم سا ہنس پڑے تھے۔ آنسوؤں کی امیزش میں گھلی بھیگی سی ہنسی۔۔

تمھیں سات مہینے خود سے دور رکھا تم اتنا نہیں تڑپی ہو گی جتنا میں تڑپا تھا۔ پل پل تڑپا۔ ساری ساری رات جاگا ہوں۔ تمھیں اس بیڈ پر محسوس کرتا۔ میرا تکیہ آنسوؤں سے کئی بار بھیگا۔ تم سے زیادہ خود کو سزا دی۔۔ خدا قسم تم دوسرے دن تڑپنا بند کر دیتی اپنے زاران کو بھول جاتی میں تمھیں دوسرے دن لے آتا۔ مجھ سے جو بھی زیادتیاں ہوئیں ان کے پیچھے تمھاری شدید محبت تمھارا پاگلوں کی طرح مجھے پیار کرنا تھا۔ پتہ تھا یقین ہے ساری دنیا زاران خانزادہ کو چھوڑ سکتی ہے اس کی عورت نہیں۔۔ وہ روتے ہوئے

اس کی دل کی وہ تمام کدورتیں دھو رہا تھا جن کے جالے دھندلے سے دل پر جمے تھے۔

جب تم مجھے چھوڑ کر گئی۔۔ تم بہزاد کے پاس سے ملی میں مر گیا تھا۔ تمھیں سزا دیتے دیتے خود بھی مرتا رہا ہر پل مرتا رہا۔ وہ روتے ہوے اس کی گردن میں چہرہ چھپا گیا تھا۔ ابرش کے زرد گالوں پر ابھی تک زاران کے آنسوؤں کے نشان تھے۔ اب وہ اس کی گردن بھگو رہا تھا۔

اس نے کہیں پڑھا تھا مرد روتا نہیں اگر مرد کسی عورت کے لیے روئے تو وہ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوتی ہے۔

آج وہ مان چکی تھی وہ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہے۔۔

ہر کوئی پاشا نہیں ہوتا وہ مان چکی تھی اور ہر مرد زاران خانزادہ بھی نہیں ہوتا وہ یہ بھی مان چکی تھی۔

حور لایٹ پرپل کلر کی سلک کی بے حد ایکسپینسو بے حد خوبصورت سٹایلش آوٹ فٹ میں ملبوس تھی۔

شرٹ کے استین فل اور کافی تنگ سے تھے جس کے کفس پر بے حد خوبصورت ورک ہوا تھا۔ شارٹ سی شرٹ میں کافی کٹس تھے۔ وہ نیچے فٹنگ میں چست پرپل سلک کا ٹروازر پہنے ہوے تھی۔ جس میں اس کی تھائس کی شیپ نمایاں ہو رہی تھیں۔ فٹنگ شرٹ میں اس کے کندن سے

وشیب و فراز پانی میں بھڑکتی آگ لگ رہے تھے۔ بیڈ پر اس کا پربل نیٹ کا دوپٹہ پڑا تھا۔ اس ڈریس پر دوپٹہ نہیں تھا مگر اس کی ڈیزائنر خاص طور پر اس کے لیے دوپٹہ بناتی تھی۔

وہ اپنے چاکلیٹی سلکی بالوں کو بلو ڈرائے کیے ہوے تھی۔ جو کمر تک آتے تھے۔ دو دن پہلے ہی اس نے اپنی ہیر سٹایلسٹ سے فریش کٹنگ لی تھی۔ لبوں پر پنک لپ سٹک لگائے آنکھوں میں وہ باریک کاجل کی تہہ لگائے ہوے تھی۔

حور نے مرر میں اپنے لبوں کو آخری بار ٹچ اپ کرتے خود پر نگاہ دوڑائی تھی ۔وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ نظر بھر کر آج کوئی دیکھ لیتا تو جان سے جاتا۔

ابراہیم کو پیدا ہوے ایک ماہ سے اوپر ہو گیا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔ مناسب خدوخال پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کا بدن پہلے سے کہیں زیادہ دلکش خوبصورت ہو گیا تھا۔ حور نے کانوں میں ہیرے کے ٹاپس پہنے ابراہیم پر نگاہ ڈالی جو بیڈ پر لیٹا غوں غاں کرتے ہاتھ پیر مارتے کھیل رہا تھا۔ پریذے اس کے پاس کھڑی سیم اسی کے ہم رنگ سلک کی ڈریس میں ملبوس تھی۔ مگر وہ فل آستینوں والا فل فراک پہنے ہوے تھی۔ پریذے اپنے ڈریس کو دیکھ کر مطمئن نہ تھی۔ وہ مرر میں دیکھتے کب سے منہ بسور رہی تھی۔ اسے سیم حور جیسا ہی ڈریس پہننا تھا۔

پریذے نے غصے سے لپ سٹک اٹھائے اسے اپنے لبوں پر لگائی تھی۔ جو وہ ہونٹ کے کنارے تک لے گئی تھی۔

"What are you doing, Parizay? Behave yourself!"

حور نے اس کے چہرے کے بگڑے نقوش دیکھ کر اسے غصے سے ڈپٹا تھا۔ وہ اس کی لپ سٹک اپنے ہونٹوں سے نیچے بھی لگا چکی تھی۔

حور کے ڈپٹنے پر وہ اسی لمحے رونا شروع ہو چکی تھی۔

حور پریشان ہوتے گھٹنوں کے بل بیٹھتے اسے اپنے سینے سے لگا گئی تھی۔ وہ اس وقت بھول گئی تھی وہ بہت مہنگے ڈریس میں ملبوس ہے۔

بیٹا یہ دیکھیں کیا کیا ہے آپ نے ؟؟ ہر بات صرف پاپا کی مانتی ہیں۔ میری تو کوئی بات نہیں مانتی۔ کتنی بار کہا ہے بچے لپ سٹک نہیں لگاتے۔ حور نے پریذے کے گالوں پر بہتے آنسو نرمی سے صاف کیے۔

Why did you reapply lip gloss? I wanted to dress like you, but my dress is not pretty

(آپ نے کیوں لگائی پھر لپ سٹک۔۔ مجھے آپ جیسا ڈریس پہننا تھا۔ میرا ڈریس بلکل بھی اچھا نہیں)

پریذے نے منہ بسورا تھا۔

اوکے نیکسٹ ہم سیم سیم ڈریسنگ کریں گے۔۔ حور اس کی پیشانی چومتے ڈریسنگ ٹیبل سے ٹشو پکڑے اس کے چہرہ صاف کرنے لگی

پاپا نے دیکھ لیا تو آپ کے ساتھ مجھے بھی ڈانٹ پڑے گی۔ سارا میک اپ چھپا کر رکھتی ہوں جس دن میں لگالوں اس دن بھی آپ مجھے ستاتی ہو۔ وہ ہلکا ہلکا اسے ڈپٹتے اس کے ہونٹوں کے کارنر اس کی ٹھوڑی صاف کر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ ٹروازر پر وایٹ ہاف سلیوز پہنے اندر داخل ہوا تھا۔

پاپا۔۔۔ پریذے ارحام کو دیکھتے بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھی تھی۔ حور کھڑے ہوتے بے رخی سے رخ پلٹے مرر کے آگے کھڑے ہوتے اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔

پاپا کا بیٹا۔۔ وہ پریذے کو گود میں اٹھاتا اس کی پیشانی چوم گیا تھا۔

پریذے نے بھی جوابًا اس کے گال پر کس کی تھی۔ ارحام مسکراتے ہوے اسے نیچے اتارتے ابراہیم کی طرف بڑھا تھا۔

کیسا ہے میرا شیر میرا بیٹا؟؟ وہ ابرہیم پر جھکے اس کی پیشانی کو چومتے اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ پریذے بھی بیڈ پر چڑھتے ابراہیم کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگی۔ وہ جوابًا ہاتھ پیر مارتے خوش ہو رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے ابراہیم کو نرمی سے چومتے ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑی اپنی بیوی پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی تھی۔ اس کے اسی لمحے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔ وہ اپنی پچھلی گردن سہلاتے اتنی شدت سے بے چین ہوا تھا کہ اسے اپنا رخ پلٹنا پڑا تھا۔ پریذے اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ وہ اس کی انکھوں میں لمحوں میں سرخی دوڑا چکی تھی۔ ارحام خانزادہ کو لگا تھا وہ دوسرا سانس نہیں لے سکے گا۔ ابھی اس کی نگاہ اپنی بیوی کے کمر پر جھولتے بالوں پر پڑی

تھی۔ وہ اتنا بے چین ہوا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی رگیں بے چینی سے ابھر آئی تھیں۔

اس دو دن پہلے ہی اپنے بالوں کی کٹنگ کروائی تھی وہ جانتا تھا۔ دو دن سے وہ جل رہا تھا۔ یہ جلن یہ تڑپ تو پچھلے ایک مہینے سے اسکے وجود کو دہکائے ہوے تھی۔ مگر پچھلے دو دن سے شمع کی طرح طرح قطرہ جل رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے پھر اس کے بالوں پر نگاہ ڈالی اس نے لینتھ زیادہ چھوٹی نہیں کروائی تھی۔ مگر سٹیپ اینڈ لیرز میں تمام بالوں کو کٹ کروایا تھا۔ جو بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔ وہ اس کی پرمیشن کے بغیر اپنے بال کٹوا چکی تھی۔ وہ اس کے بالوں کو لے کر بے حد حساس تھا۔

خاموش اس لیے رہا۔ اس کے لفظ ابھی تک اس کے ذہن سے نہیں نکل پا رہے تھے۔

(آپ ایک کنزرویٹو نرو مائنڈڈ انسان ہیں آپ کے ساتھ رہ کر میرا دم گھٹتا ہے)

وہ اس کے لفظ یاد کرتے تڑپ اٹھتا تھا۔ اس نے اس کے اور اپنے بچے کی جان خطرے میں ڈالی۔ آخری مہینے میں وہ بلاوجہ ہوائی سفر کرتے کالام گئی تھی۔ کیوں آخر کیوں؟ کیوں اس نے اس کے بچے کی جان خطرے میں ڈالی۔

کیوں پریذے کو چھوڑ کر گئی؟؟ کیوں اپنے دونوں بچوں کی حفاظت نہ کر سکی جو اس کے پاس اس کی آمانت تھے۔ وہ وہ رات یاد کر کے اذیت کی انتہا پر تھا۔ وہ درد سے مر رہی تھی۔ وہ بے پردہ ہو سکتی مر سکتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کے ساتھ اس کی غیر موجودگی میں ہوتا۔ سلطان شاہ کی موجودگی میں ہوتا تو کیا ہوتا؟؟ وہ جب جب یہ سوچتا رگوں میں دوڑتا خون بھڑکنے لگتا۔

!!مت بھولیں مگر مجھے بھول جائیں ارحام۔۔مجھے اب آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔۔یہ بچہ آپ کو چاہیے۔دے دوں گی آپ کو اور پھر کبھی آپ کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی!!

ایک بار اس کے لفظ یاد کرتے ارحام خانزادہ کی دماغ کی طنابیں ہل گئی تھیں۔

!!ایسا ہی ہے آپ نے مجھ سے کبھی محبت کی ہی نہیں اگر کی بھی ہے تو مال غنیمت میں آئے ہوے کسی مفت مال کی طرح۔۔۔۔میں اس ہاری ہوئی

جنگ کا حصہ ہوں جس میں آپ کا سب کچھ چلا گیا۔ پہلی رات سزا دی آپ نے۔ مجھ پر سانسیں تنگ کر کے آپ مجھے آج بھی ہر لمحہ سزا دیتے ہیں۔!!

وہ سیدھے ہوتے کراؤن سے ٹیک لگائے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے سگریٹ لائیٹر نکالے سگریٹ جلائے لبوں میں دبا گیا تھا۔

وہ پریذے کے سامنے کبھی سگریٹ نہیں پیتا تھا مگر دل کے درد نے اتنا بے چین کیا تھا وہ بھول گیا تھا پریذے اس کے پاس ہے۔ وہ سگریٹ کے کش لیتے اپنی نگاہیں اس عورت پر گاڑھے ہوے تھا جس کے سامنے وہ اپنی بیٹی کو اگنور کر دیتا تھا۔

جیسے وہ ابھی بھول گیا تھا۔ پریذے اپنی آنکھیں پٹپٹا پٹپٹا کر اسے سگریٹ پیتا دیکھ رہی تھی۔ وہ ارحام خانزادہ سے زیادہ کو سچن نہیں کرتی تھی اس لیے وہ معصومیت سے دیکھ رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اپنے سامنے کھڑی عورت کے لیے بتیس سالہ مرد سے ٹین ایجر اٹھارہ سالہ لڑکا بن جاتا تھا۔

جس بے رحم رات کو وہ بھول نہیں پاتی تھی وہ بھی تو اس بے رحم رات کو بھول نہیں پاتا تھا۔ کیونکہ اسی بے رحمی کی وجہ سے وہ اس عورت سے عشق کر بیٹھا تھا۔

پریذے اب ابراہیم پر جھکے ہنستے ہوے اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگ گئی تھی۔ وہ بے حد محبت کرتی تھی ابراہیم سے۔۔۔

ابراہیم میرا بے بی ہے ماما کا نہیں صرف میرا ہے۔؟ وہ ہنستے ہوے اس پر جھکے معصومیت بھری باتیں کر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ کی نگاہ اب سامنے کھڑی عورت کی تھالیس پر پڑی تھی۔

انگلیوں میں دبا جلتا سگریٹ انگلیوں کو چھو سا گیا تھا۔ وہ مزید خود پر کنٹرول نہ کر سکا تھا۔ اسے لگا تھا اس کی شریانیں واقعی میں پھٹ جائیں گی۔ وہ تو اس کے وجود میں خمار بن کر اترتے اس کے پور پور کو بہکا چکی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھتے جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اب وینٹی کے آگے کھڑے اپنی سرخ آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔

وہ اتنی شدت سے عشق کرتا تھا اس سے کہ وہ اس کی انکھوں میں سرخی بن کر دوڑتی تھی

!! آپ۔۔ نہیں۔ سمجھ۔۔ سکتے۔۔ آپ۔۔ میرا۔۔ درد۔۔ کبھی۔۔ نہیں۔۔ سمجھ۔

سکتے۔۔ نکاح۔۔ کی۔۔ رات۔۔ بھی۔۔ میں۔ ایسے۔۔ ہی۔۔ چلا۔ رہی۔۔

تھی۔۔ آپ۔۔ نہیں۔رکے۔۔تھے۔۔میں۔۔کچھ۔۔ لمحوں۔۔میں۔۔

مر۔۔جاؤں۔گی۔مجھے۔۔یقین۔ہے!!

مرر میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھے وہ اس کے لفظ یاد کرتا پھر سے اذیت کی انتہا پر تھا۔

حور گہرے سانس بھرتی اپنے ہاتھ میں پکڑا برش ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ چکی تھی۔

وہ اسے لباس میں بھی دیکھ کر اگنور کر دے گا وہ بے یقین تھی۔اب اس کی آنکھیں اسے دیکھ کر سرخ نہیں ہوتی تھی وہ بے چین نہیں ہوتا تھا۔

وہ مرر میں دیکھتے تڑپ رہی تھی۔

پچھلے ایک مہینے سے وہ کیرنگ شوہر اور اپنے بچوں کے کیرنگ باپ کے ساتھ رہ رہی تھی۔

وہ صرف ایک بہت خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ مگر وہ دیوانہ شوہر نہیں تھا جو اسے دیکھتے پاگل ہو جاتا تھا۔

اس ایک مہینے میں اس نے لمحہ لمحہ اس کا خیال کیا تھا۔

مگر اپنے لبوں کا لمس نہیں دیا تھا۔ اس نے اس کی آنکھوں میں وہ بے چینی سرخی نہیں دیکھی تھی جو اسے دیکھے اس کی آنکھوں میں اتر آتی تھی۔ وہ تو اس کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔

وہ مزید ارحام خانزادہ کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کیرنگ ارحام خانزادہ نہیں وہی ارحام خانزادہ چاہیے تھا جو جنونی تھا۔

وہ بے تیر تیب سانسوں سے مر رمیں دیکھ رہی تھی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا ہی جارہا تھا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی نو اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی۔

وہ روتے ہوے اب سوچ رہی تھی۔ پریذے ابراہیم اس کے بچے تھے اس ظالم سنگدل خان کے نہیں۔۔

وہ غصے سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے اپنا ٹرالی بیگ گھسیٹتے لائی تھی۔ اسے بیڈ پر رکھتے وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر پھینک رہی تھی۔

"Mama, what are you doing?"

پریذے اسے روتے ہوے یوں کپڑے پیک کرتے دیکھ کر حیران ہوتے سوال کر بیٹھی۔

ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔اب میں ابراہیم اور آپ کے پاپا کے ساتھ نہیں رہیں گے۔وہ چیختے ہوے سوٹ کیس بند کر گئی تھی۔

پریذے حور کی بات پر بیڈ پر ہی کھڑی ہو گئی تھی۔وہ حور کی بات سے زیادہ اس کے رونے پر پریشان ہو چکی تھی۔

ارحام خانزادہ واش روم سے اپنے بھیگے منہ پر ہاتھ پھیرتے باہر آیا حور کو روتے ہوے بیگ پیک کرتے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟؟ارحام نے حیران ہونے کے ساتھ سختی سے استفسار کیا تھا ۔کچھ حد تک وہ سمجھ گیا تھا۔

حور نے اس کی بات پر اسے دیکھا تھا۔ دونوں کا آئی کانٹیکٹ ہوا تھا۔ پورے ایک مہینے بعد وہ ایک دوسرے کی نگاہوں میں نگاہیں گاڑھے ہوے تھے۔ ورنہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تک نہ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔ وہ اتنی خوبصورت لگی تھی وہ مزید دیکھتا تو شاید اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

دیکھ کہ مجھے کیوں تم دیکھتے نہیں

یارا ایسا بے رخی ہے سہی تو نہیں

وہ اس کے نگاہیں پھیرنے پر تڑپ اٹھی تھی۔ وہ اس انسان کی محبت جنون خود کے لیے کم ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ حور کے لب جنبش میں ڈھلے تھے۔ ارحام خانزادہ اس کی بات پر پاگل ہوتا اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

میں اپنے بچوں کو لے کر جا رہی ہوں۔ ایک بات یاد رکھیے گا پریذے میری بیٹی ہے۔ ابراہیم کی کسٹڈی تو آپ کو دے سکتی ہوں مگر پریذے کی کبھی نہیں دوں گی۔ وہ اس کی طرف بڑھتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھا گئی تھی۔

جانتا ہوں تمھیں ابراہیم کی کوئی پرواہ نہیں اس کی جان کو تو تم خطرے میں ڈال چکی تھی۔ وہ بھی اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے بولا تھا۔

کیوں کروں میں پرواہ آپ جیسے سنگدل انسان کے خون کی؟؟ جسے صرف اپنی پرواہ ہے۔ ابراہیم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔۔ حور اس کی بات پر بلبلائی تھی۔

پھر پریذے سے بھی تعلق ختم کرو اس کی رگوں میں بھی میرا خون دوڑ رہا ہے۔ ارحام غصے سے لفظ چبا گیا۔

پریذے ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھتے پریشان سی کھڑی تھی

پریذے بھی میری بیٹی۔ ابراہیم بھی میرا بیٹا ہے۔ کسی سے تعلق نہیں ختم کروں گی۔ دونوں کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی دیکھتے ہیں کیسے آپ مجھے روکتے ہیں۔ حور نے روتے ہوئے پریذے کی کلائی پکڑے اسے بیڈ سے اتارا تھا۔ جھکتے ہوئے ابراہیم کو گود میں اٹھایا۔

ارحام خانزادہ لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابراہیم کو سینے سے لگائے پریذے کی کلائی پکڑے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ بغیر کسی چادر کے ہی باہر جا رہی تھی۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اس سے ابراہیم لے چکا تھا۔ پریذے کی کلائی اس سے چھڑواتے ہوے وہ پریذے کی کلائی جکڑے دروازے کی طرف بڑھتے دروازہ کھول کر نکلا تھا۔

ارحام یہ میرے بچے ہیں۔ وہ چیختے ہوے اس کے پیچھے بڑھی تھی۔ ارحام خانزادہ نے مڑ کر دیکھتے اس پر سرخ طیش بھری نگاہ ڈالی۔ حور اس کی سرخ نگاہ پر اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی

آواز نہ آب تمھاری۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے طیش والم سے تنبیحی آواز میں غرایا تھا۔ حور اس کی سرخ نگاہ پر ہی خاموش ہو گئی تھی۔ پریذے معصومیت سے کبھی ارحام کبھی حور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ویسے ہی لڑ رہے تھے جیسے اس کی سالگرہ پر لڑ رہے تھے۔ اس کی معصوم آنکھوں میں

موٹے موٹے آنسو تھے جو وہ ان دونوں کے ڈر کی وجہ سے بہا بھی نہیں رہی تھی.

عالیہ!!ارحام خانزادہ نے سرد لہجے میں ابراہیم کی بے بی سٹر کو پکارا تھا۔وہ ارحام خانزادہ کی پکار پر اسی لمحے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

ابراہیم اور پریذے کو تھوڑی دیر سنبھالیں۔۔وہ سنجیدگی سے حکم دیتے ابراہیم عالیہ کو تھما گئی۔

جی سر۔۔وہ نرمی سے ابرہیم کو تھام گئی تھی۔

ارحام پنجوں کے بل بیٹھتے پریذے کا چہرہ نرمی سے تھام گیا۔مجھے آپ کی ماما سے تھوڑی دیر بات کرنی ہے آپ تب تک اپنے بھائی کو دیکھیں گی

اوکے۔وہ اس کے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو نرمی سے انگوٹھے سے صاف کر گیا تھا۔

ماما پر چلائیں گے نہیں ناں آپ؟؟ پریذے نے روتے ہوے پوچھا تھا۔

نہیں چلاؤں گا۔اب کی بار ارحام نے حور پر نگاہ ڈالی جو لب کاٹتے ہوے کھڑی تھی۔

ڈانٹے گے بھی نہیں۔۔پریذے نے معصومیت سے پوچھا۔

اب تو آپ کی ماما مجھ پر چلاتی ہیں مجھے ڈانتی ہیں میں کب انھیں ڈانٹتا ہوں دیکھا نہیں اندر یہ مجھ پر چلا رہی تھیں مجھے ڈانٹ رہی تھیں۔ارحام نے معصومیت سے کہتے اپنی معصوم بیوی پر نگاہ ڈالی جو اس کے دیکھنے پر بے رخی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔

ارحام گہرا سانس بھرتے کھڑا ہوا تھا۔ آپ انھیں لے کر جائیں اور کچھ گھنٹے ہم دونوں کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ وہ عالیہ کو حکم دیتے حور کی کلائی پکڑے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ارحام اس کی کلائی جکڑے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر پٹخ چکا تھا۔ وہ بیڈ کے گدے پر اوندھے منہ گری تھی۔ اس سے پہلے وہ سیدھی ہوتی وہ اس کی طرف بڑھتے اسے شانے سے جکڑے اسے سیدھا کرتے اس پر اپنا مکمل وزن ڈالتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں جکڑے اس کی سانسوں کو جکڑ گیا تھا۔ حور اس کے سینے پر مکے مارتے ہوئے خود کو اس کے حصار سے چھڑوانے لگی۔ وہ اس کے کے بالوں میں ہاتھ پھنسائے اس کے لبوں پر اپنا قہر ڈھاتے اپنی شدت سے سرخ قندھاری کرنے لگا۔ حور اس کے نیچے مچلتے

ہوے اس کا سینہ اپنے مکوں کی ضربوں سے سرخ کر چکی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس پر جھکے اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کر گیا تھا۔ حور اب اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

وہ اس کے ہاتھوں کو بھی اب اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ اس کی سانسوں کو خود میں انڈیل کر رہا تھا۔ وہ اس کے نیچے دبی اس کا جنون اپنے ہونٹوں پر سہہ رہی تھی۔ مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ جذبات گرم ہوئے تھے۔ شورش جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہوے تھے۔ سانسیں دہکی تھیں۔ وہ بری طرح مچلی تھی۔ وہ ہار مانتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں پیوست کرتے اس کی شدت میں اس کا ساتھ دینے لگی۔ دونوں اب ایک دوسرے کی سانسوں کو الجھائے ایک دوسرے کی سانسیں کھینچ رہی تھے۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے رخ پلٹے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔ وہ اب

اسے اپنے اوپر کیے اس کے لبوں کا جام پی رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لبوں کو سرخ قند ھاری کر چکے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں تیزی سے اگے بڑھ رہی تھیں۔ اتنے دنوں کی پیاس تھی جو دونوں کی بجھ ہی نہیں رہی تھی۔

وہ اس کی سانسوں کو بے ترتیب کرتے اس کے لبوں کو آزاد کر گیا۔ وہ نازک جان اب بے حال ہو رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کی کمر کو سائیڈوں سے مٹھی میں بے دردی سے جکڑے اسے اپنے اوپر بٹھا گیا تھا۔

دونوں اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے ایک دوسرے کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے. وہ اس ظالم انسان کو دیکھتے بے رخی سے نگاہیں پھیر گئے۔

تمھیں جان سے مار ڈالیں گے اسی دن

ہمیں تم نظر سے ہٹا کہ تو دیکھو

وہ گہرے سانس لیتے بھاری آواز میں بولتے اس کا جبڑہ دبوچے اس کا رخ اپنی طرف کر گیا تھا۔

حور نے جوابًا سسکی لیتے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔

جانتا ہوں جرم کیا گناہ کیا تھا اس رات۔۔ مگر معافی مانگ تو بیٹھا ہوں کیوں دل میں اس رات کو رکھے ہوے ہو۔ وہ اسے زخمی نگاہوں سے دیکھتے سوال کر رہا تھا۔

آپ بھی تو اپنا خسارہ یاد کیے ہوے ہیں۔ وہ رات آج تک آپ کے دل سے بھی تو نہیں گئی۔ وہ بھیگے لہجے میں بولی۔

غلط ہو ہمیشہ یہی سوچتی ہو میرا خسارہ وہ نہیں میرا خسارہ وہ ہوتا جس میں تمھیں اور میرے بچے کو نقصان پہنچتا۔ کیوں کیا ایسا؟؟ کیوں میرے بچے کو تکلیف دی؟ وہ نم لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

میرا ابھی وہ بچہ تھا میں کیوں تکلیف دوں گی۔ کیوں الزام لگاتے ہیں مجھ پر؟؟ آپ کی پوزیسونیس حق ملکیت مجھے تکلیف دیتی ہے۔۔

ارحام حور کی بات پر اسے شانوں سے جکڑے بے دردی سے بیڈ پر پٹخ گیا تھا۔

یہ حق ملکیت نہیں محبت ہے میری عشق ہے میرا۔ جو تمھیں مجھ سے بے پرواہ نہیں ہونے نہیں دیتا۔ جان لو ہمیشہ ایسا ہی رہوں گا۔ تمھاری سانسوں کو کبھی رہائی نہیں دوں گا۔ میری پوزیسونیس تکلیف دیتی ہے۔ میری محبت میرا عشق تمھیں میری سطحی سوچ لگتی ہے تو لگے۔ تمھارا دم گھٹے مگر مجھ سے

رہائی اب کبھی نہیں ملے گی۔ تم حور خانزادہ ہو حور خانزادہ رہو گی۔ وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔ حور اس کی غراہٹ پر اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔ وہ پیچھے ہوتے تکیے پر سر رکھتے خود پر کنٹرول کرنے لگا۔ حور رخ پلٹے سسکنے لگی تھی۔

وہ اس کی سسکیاں سنتے بے چین ہوتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا۔

کیا چاہتی ہو۔ تمھیں چھوڑ دوں یہ میرے بس میں نہیں۔۔ چاہتی ہو تمھارے قریب نہ آؤں یہ بھی میرے بس میں نہیں۔۔ میرا ہر جذبہ ہر راستہ تم تک ہی جاتا ہے۔ مت کرو میرے ساتھ ورنہ تڑپ کر میری جان نکل جائے گی۔ سب کچھ ہو گا تمھارے پاس صرف ایک ارحام خانزادہ نہیں ہو گا۔ وہ اس کا چہرہ نرمی سے تھامے گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔

اتنے دن قریب نہیں آئے تڑپ کر جان نکلی تو نہیں۔ جھوٹا عشق جھوٹی تڑپ۔ جھوٹی محبت۔ میری طرف ایک نظر نہیں ڈالی۔ بیٹا دیا آپ کو مگر کس تو دور کی بات مجھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا تک نہیں۔

وہ خود کو اس کے حصار سے چھڑواتے بے رخی سے بیڈ سے اتری تھی۔ وہ اس کی کلائی جکڑے اپنے اوپر گرا گیا تھا۔

وہ اس کی پناہوں میں قید ہوئی تھی۔ وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑے اس کی انکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوے تھا۔ وہ اس کی خفگی بھری آنکھوں کی تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہاں شکوہ ناراضگی خفگی بے رخی تھی۔

وہ سب کچھ سمجھتا گہرا مسکرایا تھا۔ حور اس کی مسکراہٹ پر مزید بے رخی برتتے اس کے حصار سے نکلنے لگی۔

وہ رخ پلٹے اس پر حاوی ہوا۔ تمھیں لگتا ہے میں نے اتنے دن تمھیں اگنور کیا۔ تمھیں دیکھا نہیں۔ وہ اس پر جھکے نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

حورا ابھی بھی اسے خفگی بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس لیے نہیں دیکھا تمھیں نظر بھر کر دیکھتا تو مر جاتا حور۔۔ تم نہیں جانتی یہ دن کسے تڑپ کر گزارے ہیں۔ اتنے وہ سات مہینے تکلیف دہ نہیں تھے جتنے یہ ایک مہینہ تھا۔

کاش تم دیکھ لیتی ایک بار میری طرف میری تڑپ پر تم تڑپ جاتی۔ وہ اس کے نقوش کو گرم لبوں سے چومتے جھلسا رہا تھا۔

وہ اسے نرمی سے چومتے نیچے اس کی گردن پر آیا تھا۔ اس کی آوٹ فٹ کی سائیڈ گم زپ وہ نیچے کی طرف کھسکاتے اس کی کمر کی زپ بھی نیچے کھسکا گیا

تھا۔اس کا ایک ہاتھ اس کے بدن پر بے باکی سے سرسرا رہا تھا۔حور آنکھیں میچ چکی تھی۔وہ اتنی دنوں بعد مقابل کی شدتیں نہیں سہہ سکتی تھی۔اس کے گرم ہاتھ اس کے بدن سے نکلتے سپارک اس کے گرم ہونٹوں کا لمس اس کی جان ابھی سے نکال چکی تھی۔وہ اسے دھیرے دھیرے اوپر سے نیچے چومتے اس کے مومی بدن کو ہر پردے سے آزاد کر گیا تھا۔

ارحام کی سانسیں انگارہ ہوئی تھیں۔آنکھوں میں تیرتے لال ڈورے بڑھ گئے تھے۔وہ اس پر جھکے خود کو بھی ہر پردے سے آزاد کرتے اس کے ہونٹوں کو اپنے لبوں میں قید کیے اس کے بدن کو اپنے بدن میں قید کر گیا تھا۔

حور کے لبوں سے آہ ٹوٹ کر خارج ہوئی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔

وہ اس کے لبوں پر اپنا جنون اتارتے اس کے نازک بدن پر اپنی شدتیں ڈھانے لگا۔ وہ خود پر بلیکنٹ لیے حور کو لیے اس میں غروب ہو چکا تھا۔

کمبل میں دونوں کی گہری سانسیں اور معنی خیز سی سانسوں کا رقص گونج رہی تھیں۔ وہ اس پر اپنی شدتیں لٹاتے اس پر اپنی دیوانگی نچھاور کرتا جا رہا تھا۔ سانسوں کی گونج بڑھی تھی۔ دونوں کی تڑپ بھی بڑھی تھی۔ کمبل کے اندر دونوں کے بدن سپارک ذدہ ہوتے پسینے سے تر ہو چکے تھے۔۔۔ یکدم شورش جذبات میں سکون سا آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے شدت سے لپٹے تھے۔ سانسیں پھر سے تیز ہوئیں تھیں۔ وہ اس سے لپٹی تھی۔ وہ اسے

خود میں قید کیے اسے اپنے سینے پر کر گیا تھا۔ وہ اپنے اور حور کے چہرے سے کمبل نیچے سرکا گیا تھا۔

میں آپ سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ اگر ارحام خانزادہ کے سارے راستے حور کی طرف جاتے ہیں تو حور کا بھی ہر راستہ ارحام خانزادہ کی طرف جاتا ہے۔۔ میں نے اپنے بچے کو تکلیف نہیں دینی چاہیے تھی۔ ابراہیم پریذے میری زندگی ہیں میں انھیں کبھی تکلیف نہیں دے سکتی۔ مجھے نہیں پتہ تھا یہ سب ہو جائے گا۔ نکاح کی پہلی رات تو کب سے میری زندگی سے نکل گیی۔ مگر آپ مجھ سے بے رخی برتیں مجھ سے یہ سہن نہیں ہوتا۔ میں تڑپوں گی تو آپ کو بھی تڑپنا ہو گا۔ وہ روتے ہوے اس کے سینے سے لپٹے اقرار کر رہی تھی۔ وہ اس کی پیشانی چومتے اسے خود میں قید کیے جا رہا تھا۔۔ کثافتیں دھل چکی تھی۔ محبت کی امر بیل جو وقتی طور پر مرجھا گئی

تھی وہ پھر سے پروان چڑھ رہی۔ تھی۔۔۔وہ دونوں ساری دنیا کو بھولے پھر سے ایک دوسرے میں کھو گئے تھے

وہ ریڈ دلہن کے جوڑے میں ملبوس تھی۔بلاوز پر بے حد خوبصورت کام ہوا تھا۔اس بلاوز میں کچھ بھی چھپا نہیں تھا۔وہ بدن پر نہ ہونے کے برابر تھا۔پیچھے بھی ایک ڈوری نے اس کے ہیوی بلاوز کو سنبھالا ہوا تھا۔وہ بے حد تنگ فش لہنگا پہنے ہوے تھی۔نیٹ کا کامدار دوپٹہ سر پر وہ دلہن کی طرح جمائے ہوے تھی۔بالوں کا وہ جوڑا بنائے ہوے تھی۔جس کے گرد موتیوں کا گجرہ لپیٹے ہوے تھی۔

جیولری میں وہ صرف کانچ کی سرخ چوڑیاں پہنے ہوے تھی۔ اور اس نے کوئی بھی جیولری نہیں پہنی تھی۔ وہ ریڈ لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ گھنیری پلکوں پر مسکارے کا کوٹ کیے ہوے تھی۔ عارض پر پنک بلش آن لگائے وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ اس کی خوبصورتی حوروں کو جیسے مات دے رہی تھی۔۔

بہرام اور گل ورین کے بعد بھی اس کا جسم بے پناہ خوبصورت تھا۔ کچھ وہ اپنی فٹنس کا بے حد خیال رکھتی تھی وہ اس کے اندر کی انسکیورٹی تھی یا شہرام خان کے لیے شدید محبت وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر شہرام خان جیسے سحر انگیز مرد کے سامنے وہ خود کو پھیکا سا محسوس کرتی تھی۔ پہلے یہی مرد انتہائی برا لگتا تھا۔ اس کی سحر انگیز پر سنیلٹی بھائی ہی نہیں۔۔ جب سے عشق ہوا وہ دنیا کے ہر مرد سے زیادہ پر کشش لگتا تھا۔ وہ تو اس مرد کے سینٹ سے بے

انتہا محبت کرتی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل اسے اس کا پسندیدہ gucci کا پرفیوم اٹھاتے خود پر چھڑکا تھا۔ وہ مردانہ سینٹ تھی۔ مگر وہ کیا کرتی اسے کوئی اور خوشبو بھاتی ہی نہیں تھی۔ یہ سینٹ جب اس کے جسم کا حصہ بنتا تھا زیادہ جان لیوہ ہو جاتا تھا۔ وہ خود کو سمیل کرتے مایوس ہوئی تھی۔ وہ مہک نہیں ائی تھی جو شہرام خان سے آتی تھی۔

گل ورین ایک مہینے سے اوپر کی ہو گئی تھی۔ شہرام خان دن رات اس کے قریب رہا تھا۔ اس کا بے حد خیال رکھتا رہا تھا۔ گل ورین اور بہرام کو بھی شہرام سنبھالتا تھا۔ وہ رات کو اپنی نیند پوری کرتی تھی۔ اس کے سٹیچز کی بینڈج کرنا۔ اس کا سر دبانا اس کے بالوں کی مساج کرنا۔ وہ بنا کچھ کہے کرتا آ رہا تھا۔ مگر رات ہوتے وہ صوفے پر جا سوتا تھا۔ وہ صوفے پر لیٹے رات کو

جاگتے چھت پر نگاہیں گاڑھیں سگریٹ پیتے کروٹ پر کروٹ بدلتے وہ راتیں گزار رہا تھا۔ بہارے خان جانتی تھی وہ جل رہا تھا تڑپ رہا تھا۔

وہ برداشت نہیں کر پایا تھا اس کا وہ قدم۔۔۔ بہارے خان مرر میں دیکھتے اطمینان سے مسکرائی تھی۔ بے رحم، ضدی مغروریت بھری مسکراہٹ۔۔۔۔ وہ شہرام خان کو سزا دینا چاہتی تھی وہ دے چکی تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے وہ پیپر کھولتے اب مسکرائی تھی۔۔

شہرام خان تھکا تھکا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اعصابی طور پر کافی تھک چکا تھا۔ بہارے کی بے رخی اور اس کا وہ بے رحمانہ قدم اس کے

الزمات اسے زیست کے اس سفر میں تھکا چکے تھے۔ وہ زخم خوردہ سا تھا ایسے لگتا تھا وہ اس عورت کو پا کر بھی محروم رہا ہے۔۔

وہ اس وقت بلو جینز پر سفید شرٹ پہنے ہوے تھا۔ اپنا بلو کوٹ وہ اپنے بازو پر ڈالے ہوے تھا۔ وہ دروازے میں ہی ٹھٹک کر رک چکا تھا۔ وہ اس کے سامنے دلہن کے لباس میں کھڑی تھی۔ وہ اس کی بے پناہ خوبصورتی دیکھ کر مجسم ہو چکا تھا۔۔ دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی تھیں۔ وہ جادوئی حسن رکھتی تھی یا پھر وہ اس کا دیوانہ تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ اسے ساری کاینات ساری دنیا سے خوبصورت لگتی تھی۔۔ وہ مسکراتے ہوے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شہرام خان کو بہارے خان سے پھر سے عشق ہوا تھا۔ وہ اپنی بہارے خان پر اپنا آپ وار دے۔۔ اس کی بے رحمی اس کی

سزائیں اس کی بے رخی وہ تا قیامت سہہ سکتا تھا۔ وہ اس کی تھی اور کیا چاہیے تھا۔

وہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور شہرام خان کو لگ رہا تھا کائینات تھم چکی ہے۔ وہ اس کے قریب آکر اب رک چکی تھی۔ بہارے نے مسکراتے ہوے اسے وہ پیپرز پکڑائے۔

وہ ہوش میں آتے وہ پیپرز اس سے تھام گیا۔

کیا ہے اس میں ؟؟ میری موت کا پروانہ کیا؟؟ وہ مدھم سا ہنستے ہوے وہ پیپر کھولنے لگا۔ بہارے خان اسے سزاؤں کے بعد اب موت ہی دے سکتی تھی اسے پورا یقین تھا۔

وہ پیرز دیکھتے بے یقین ہوا تھا۔ اس کے قدم ہلکے سے لڑکھڑائے بھی تھے۔ وہ گہرے سانس لیتے بہارے خان کو دیکھ رہا تھا۔

تمھیں کیا لگتا ہے بہارے خان جس مرد سے عشق کرے گی اس کے لیے بے رحم ہو جائے گی۔ وہ روتے ہوے اس سے پوچھ رہی تھی۔

تو؟؟ وہ بے یقین سا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

بہارے خان صرف تمھاری ہے۔ بہارے پر صرف تمہارا حق ہے۔

۔۔۔ میں تم سے لڑ سکتی ہوں تمھیں لفظوں سے تکلیف پہنچا سکتی ہوں۔ تم سے بے رخی برت سکتی ہوں۔ تم سے دور جا سکتی ہوں۔ مگر ایسا کوئی کام نہیں کر سکتی جس سے تمھیں لگے تمہارا مجھ پر کوئی حق نھیں۔ اسی لیے قریب

نہیں آرہے تھے تمھیں لگتا تھا میں تم پر اپنا حق نہیں مانتی۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس کے بھاری بوٹوں پر پاؤں رکھ گئی تھی۔

وہ اس کی کمر کو جکڑ گیا تھا۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کیا شہرام خان۔۔ دس بچے بھی پیدا کرواؤ گے میں کروں گی۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے روتے ہوئے ہنسی تھی۔ وہ بھی بھیگا سا ہنس پڑا تھا۔

تمھیں سزا دے رہی تھی مجھے چھوڑ کر کیوں گئے۔ وہ روتے ہوئے شکوہ کر گئی۔ اب نہیں جاؤں گا۔ وہ تڑپتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں جکڑ گیا تھا۔

میں تم پر شک نہیں کرتی نہ تم میرے لیے بے اعتبار ہو شہرام خان۔۔ میں تم سے انسکیور ہوں تمہاری مردانہ وجاہت مجھے انسکیور کرتی ہے۔ تمھاری جان لیوہ خوشبو مجھے انسکیور کرتی ہے۔ وہ اس کے سینے میں سماتے اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگی۔ تمہاری یہ مونچھیں مجھے انسکیور کرتی ہیں۔ وہ اب اس کی مونچھوں کو انگلی سے چھوتے ہنسی تھی۔ وہ بھی ہنسا تھا۔ تمھارے ہاتھ انسکیور کرتے ہیں۔ وہ اس کے بچوں کی طرح منہ بسورنے پر ہنسا تھا اور اپنے ہاتھ دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ بے حد خوبصورت تھے۔۔ سفید نیلی رگوں سے ابھرے ہاتھ۔۔۔۔

تمہارا پیار کرنے کا انداز انسکیور کرتا ہے۔ وہ اب اپنی سلگتی سانسیں شہرام خان کی سرخ و سفید گردن پر چھوڑ رہی تھی۔ وہ ہنستے ہوے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔

انسیکیور ہوں کوئی عورت تمھیں میری طرح نہ چاہنے لگے۔ وہ ڈاکٹر ایزل کو یاد کرتے کرب سے مسکرائی تھی۔ وہ بھی تو اس کے شہرام خان کو بے حد چاہتی تھی۔

ڈرتی ہوں جو بد عائیں جائے نماز پر بیٹھ کر رات رات بھر دیتی رہی وہ کہیں عمر کے کسی حصے میں پوری نہ ہو جائیں۔ وہ اس کے گال پر اپنا ہاتھ جما گئی۔۔

میری بہارے۔۔۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اوپر کو اٹھا گیا تھا۔

وہ اس کا چہرہ تھامے ہنسی تھی۔

نہیں ہوتی بد عائیں پوری میرے بہرے کیونکہ میری دعاؤں میں زیادہ اثر تھا تبھی تو میری بہارے کو مجھ سے عشق ہو گیا۔ وہ گھمبیر لہجے میں بولتے ہوئے گھوما تھا۔ بہارے کی ہنسی کی جلترنگ گونجی تھی۔

وہ اسے نیچے اتارتے اسے بیڈ پر پٹخ گیا تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے رخ پلٹ گیا تھا۔

وہ اس پر جھکے اس کے بلاوز کی ڈوری کھولتے اپنی مونچھوں کو اس کی دودھیا پشت پر رگڑنے لگا۔ وہ مونچھوں کی جبھن سے سسکاریاں بھرنے لگا۔ وہ اس کی برہنہ پشٹ کو اب شدت سے چوم رہا تھا۔ بہارے تڑپتے ہوے سیدھی ہوئی تھی۔ وہ پاگل ھوتے اس کا بلاوز کھینچ کر اتار گیا۔

گل ورین اور بہرام کہاں ہیں اس نے گہری سانسوں سے پوچھا۔ مورے کے پاس۔۔ آج رات وہیں رہیں گے۔ وہ بے ترتیب سانسوں سے بولتے شہرام خان کی شرٹ کے ایک ایک بٹن کھول گئی تھی۔۔

اچھی بات ہے آج رات تمھاری جان چھوٹنے بھی نہیں لگی۔ وہ بھاری ہوتی سانسوں سے بولتے اس پر جھک گیا تھا۔

کمرہ مکمل اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ جسم سے ہر پردہ آزاد ہو چکا تھا۔ جسم سے جسم ملے تھے۔ روح سے روح مل چکی تھیں۔۔۔

زاران خانزادہ ابرش کی گردن پر جھکے اسے شدت سے جامنی کر رہا تھا۔ کمرے کی نیلگوں روشنی میں دونوں کی بھاری سانسیں گونج رہی تھیں۔ ابرش کے بدن پر سیاہ نایٹ سلک کا گاون تھا۔ جس کے نیچے وہ سلیو لیس گھٹنوں تک نایٹی پہن رکھی تھی۔ گاون کندھوں سے نیچے کھسکا ہوا تھا۔ زاران خانزادہ اس وقت سیاہ ٹراوزر میں ملبوس شرٹ لیس تھا۔ وہ ابرش

کو بہت شدت سے چوم رہا تھا۔ ابرش اس کی دیوانگی محسوس کرتے پگھل سی رہی تھی۔ وہ اس سے بے حد شدت سے محبت کرتا تھا۔ جہاں وہ پاؤں رکھتی تھی وہ وہاں اپنے ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ اس ایک مہینے میں اس نے اسے سینت سینت کر رکھا تھا۔ کسی نرس کسی ملازمہ کو اس کے قریب نہیں آنے دیا تھا۔ جب تک وہ ہاسپٹل میں بیڈ پر رہی اس کے گندے کپڑے تک وہ خود بدلتا رہا تھا۔ وہ پہلے دس دن ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہی تھی۔

پری میچور ڈلیوری, خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اسے اس سی سیکشن میں بہت تکلیف سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس کے قریب اس کا ہاتھ پکڑ کے ساری ساری رات بیٹھا رہتا تھا۔ وہ حیران ہوتی تھی مرد اتنی شدت سے بھی کسی عورت کو چاہ سکتا تھا۔ وہ تو پانچ وقت کا نمازی بن چکا تھا۔ ہاسپٹل کے فرش پر اسے جائے نماز بچھائے سجدوں میں

دیکھ کر وہ نم سا مسکراتی رہتی تھی۔۔سب کچھ جیسے ہیل ہو گیا تھا زخم بھر چکے تھے دل کے بھی اور جسم کے بھی۔۔۔

وہ اس کے پاس بیٹھا اسی بیڈ پر سو جاتا تھا۔اسی بیڈ پر جس پر داغ ہوتے تھے۔اس کے قریب اس کی دھڑکنوں پر نرمی سے بازو لپیٹے۔۔نیند میں بھی اس کے سٹیچز کا اسے خیال رہتا تھا۔ہاسپٹل میں گزرے دس دنوں میں اپنے شدت اپنے عشق کا صرف س ایک دن اظہار کیا اتھا۔اس کے بعد کچھ نہیں کہا تھا۔مگر اس کے پاس بیٹھا نرمی سے اس کے بال انگلیوں سے سلجھاتے اسے یکھتا رہتا تھا۔وہ مغروریت سے مسکراتے آنکھیں موند لیتی۔

وہ اسے اس وقت اپنی بانہوں میں لے کر دیوانہ وار چوم رہا تھا۔بالاج یکدم گلہ پھاڑ کر رویا تھا۔زاران کے لبوں سے سرد سانس خارج ہوئی تھی۔ابرش کی دلکش ہنسی کی جلترنگ گونجی تھی۔

وہ ابرش کی ہنسی سنتے اسے سختی سے کمر سے جکڑ گیا تھا۔ بالاج کے رونے کے رفتار میں آضافہ ہوا تھا۔ وہ بہت بے صبرہ بچہ تھا۔ ذرا سے فیڈر ملنے پر دیر ہونے کی صورت میں وہ ایسے روتا تھا جیسے اسے سارا دن دودھ نھیں ملا۔

جانے دو زاران۔۔ ابرش اس کے حصار سے نکلنے کے لیے مچلی تھی۔

رہنے دو بھوکا اسے۔۔ وہ اسے مزید شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

زاران۔۔۔ بالاج ہمارا بیٹا ہے۔ وہ زاران کی بات پر روہانسی ہوئی تھی۔

میں نے کب کہا وہ پڑوسی کا بیٹا ہے۔ وہ ابرش کے روہانسے ہونے پر جھنجھلایا تھا۔

جس طرح یہ مجھے تنگ کرتا ہے مجھے یقین ہو جاتا ہے یہ میرا ہی بیٹا ہے۔ وہ دانت پیستے ابرش کو مزید خود میں بھینچ گیا تھا۔ ابرش زاران کی باتوں پر غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ منسٹر تھا جس کی زبان کے آگے خندق تھی۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش دانت کچکچا گئی تھی۔ وہ چھوڑ نہیں رہا تھا اور منسٹر کا بیٹا گلہ پھاڑ پھاڑ کر روتے اس کے کان کے پردے پھاڑ رہا تھا۔

ابرش روہانسی ہو چکی تھی۔ زاران اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے کان کی لو کو چوم رہا تھا اسے بالاج کے رونے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

زاران۔۔ ابرش اس کے حصار سے نکلنے کی سعی کرتے رو دی تھی۔

ابرش یہ ہر دس منٹ بعد روتا ہے تم بھی اس کے ساتھ رونے بیٹھ جایا کرو۔۔ میرے رومانس کی تو واٹ لگا کر رکھ دی تمھارے اس بیٹے نے۔۔ وہ غصے سے کھولتے اسے اپنے حصار سے آزاد کر گیا۔

کون سا رومانس مسٹر خانزادہ؟؟ کبھی واش روم کبھی ڈریسنگ روم کبھی کمرے کے اس کونے کبھی دوسرے کونے۔۔ جہاں موقع ملے کرنا شروع کر دیتے ہو۔ دل تمھارا پھر بھی نہیں بھرتا۔ وہ بھڑ بھڑ جلتے جواب دیتے بیڈ سے اترتے بالاج کی طرف بڑھی۔

اس کے کاٹ کی طرف بڑھتے ٹیبل پر رکھا اس کا فیڈر تیار کرتے اس کے منہ سے لگاتے وہ اسے پلانے لگی۔ وہ فیڈر ملنے پر خاموش ہو گیا تھا۔

وہ بالاج کو فیڈر پلائے برپ کرواتے بیڈ کی طرف بڑھتے رخ پلٹ گئی تھی۔ وہ اب اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھ جاتی تھی۔ کیونکہ وہ اسے منالیتا تھا۔

ابھی بھی وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے اوپر کر گیا تھا

مجھ سے زیادہ اپنے بیٹے سے محبت کرتی ہو۔ وہ اس کے نقوش کو دیکھتے بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

ابرش اس کی آنکھوں میں جیلسی دیکھ کر ہنسی تھی۔ اب وہ ہنستی ہی جا رہی تھی۔ وہ سچ میں جل رہا تھا بے تحاشا جل رہا تھا منسٹر اپنے بیٹے سے بھی جل سکتا ہے۔ وہ بے یقین تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ وہ اتنا ہنسی تھی کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہو چکا تھا۔ وہ اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تو اب اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے بھی جلتا تھا جو اس

کے گالوں کو چھو جاتے تھے۔ وہ ہنستے ہنستے اب مسکرا رہی تھی۔ مغروریت بھری مسکراہٹ۔۔ اب وہ بھی مسکرایا تھا۔ اسے اس عورت کی یہ مغروریت بھری مسکراہٹ سے کتنا عشق تھا وہ کیسے اسے بتاتا۔۔ وہ اسے نرمی سے اپنے نیچے کرتے بے حد نرمی سے اس کے وجود سے وہ نایٹی ریموو کر گیا۔ وہ اسے کانچ کی گڑیا کی طرح چھوتے اسے اپنے بدن کا حصہ بنا گیا تھا۔

وہ اس عورت کو اب کانچ کی گڑیا کی مانند چھوتا تھا۔ کہیں وہ ٹوٹ نہ جائے۔۔۔ وہ اب اس عورت کو ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کمرے میں گھمبیر خاموشی میں سانسوں بڑھتی کی آواز پر نرم گرم شدتوں کی گونج بڑھ رہی تھی۔ یکدم اس مدھر ساز میں ایک چنگاڑتی آواز گونجی تھی۔

اس کے ساتھ ابرش کی ہنسی کی جلترنگ گونجی تھی۔

اس بار وہ ابرش کو اپنے شکنجے میں کس چکا تھا۔۔۔

اب کی بار عشق مرد نے کیا تھا۔ مرد کا عشق زیادہ جان لیوہ ہوتا ہے یہ اس کی پناہوں میں قید عورت کو اندازہ ہو چکا تھا۔

اسفندیار خان عابیر خان کے گرد اپنی سفید مردانہ شال اوڑھے جھکتے ہوے اس کی دھڑکنوں پر سر رکھے اس شال کے اندر قید تھا۔ وہ دونوں اس وقت اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑے تھے۔ عابیر پنک فراک میں ملبوس تھی۔ اسفندیار خان وایٹ ٹراوزر پر سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوے تھا۔

وہ اس کے گرد ریلنگ کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے عابیر کی دھڑکنوں پر سر رکھے ہوے تھا۔

اسفندیار خان۔۔عابیر نے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتے اسے پکارا

۔

جی میری سفاک پٹھانی۔۔وہ مدھم سا مسکراتے سیدھا ہوا۔

عابیر کے گلاب گال سردی اور اس کی قربت سے گلاب کی طرح سرخ تھے ۔۔اس کا وزن اچھا خاصہ کم ہو گیا تھا۔ مگر پہلے جیسا نہیں ہوا تھا۔ جسم بھرا بھرا زیادہ خوبصورت لگنے لگا تھا۔

اب مجھے سرخ گلاب نہیں کہتے۔وہ اتنے دنوں سے اس کے لبوں سے سرخ گلاب سننے کے لیے بے چین تھی۔

خود ہی تو کہا تمھیں میرے سرخ گلاب کہنے سے نفرت ہے۔وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

اسفندیار خان آپ جانتے ہیں سب کچھ پھر بھی۔ وہ لب کاٹتے نگاہیں جھکا گئی۔

میرا سرخ گلاب۔۔ وہ مدھم آواز میں بولا تو عابیر نروٹھے انداز میں رخ موڑ گئی تھی۔ شال زمین بوس ہوئی تھے۔

وہ شال اٹھائے اس کے گرد لپٹائے اس کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے اپنی پشت کے ساتھ لگا گیا۔

میرا سرخ گلاب۔۔ میرا اپنک گلاب۔۔ میرا گلاب جامن۔۔ وہ اس کے بھرے بھرے جسم پر چوٹ کرتے بولا تھا۔ وہ اس کے وزن کو لے کر اسے چھیڑتا تھا۔ اور وہ چڑ جاتی تھی۔ عابیر اس کی شال اپنے وجود سے اتارتے ٹیرس سے نیچے پھینک گئی تھی۔ خود کو اس کے حصار سے چھڑواتے کمرے کی بجانب بڑھ گئی تھی

میرا روٹھا۔ گلاب۔۔ وہ ہنستے ہوے اس کے پیچھے کمرے میں آیا تھا۔

عابیر بیڈ کی طرف بڑھتے بیڈ پر نروٹھے انداز میں بیٹھی تھی۔ اسفند مسکراتے ہوے بیڈ کی طرف بڑھا تھا۔ سوئے ہوے فاتح جبریل کو پیار کرتے وہ عابیر کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

عابیر میں چاہتا ہوں تم اپنا ایم بی بی ایس کمپلیٹ کرو۔۔ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے۔ بولا۔

مگر اسفند فاتح۔ جبریل۔ عابیر نے جلدی سے کہا۔

فاتح جبریل کو میں سنبھالوں گا میرا سرخ۔ گلاب۔ تمھارا خواب ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔ وہ اس کے گلاب گالوں پر انگوٹھا پھیرتے بولا تو عابیر کی آنکھوں سے آنسو گرتے اسفندیار خان کے چہرے پر گرے تھے۔

وہ روتے ہوئے اس کے چہرے پر جھک چکی تھی۔ وہ عابیر کے لبوں کو چومتے اٹھ کر بیٹھتے نرمی سے اسے بیڈ پر لٹا گیا۔ وہ اس پر جھکتے اس کے لبون کو چومتے اس کی فراک آستینوں سے آزاد کر گیا تھا۔ وہ اس کی کلائیاں ایک ایک ہاتھ میں جکڑے سائیڈ ٹیبل کے ڈرر سے ہینڈ کفس نکالتے عابیر کی دونوں کلائیوں پر لگا گیا۔

اسفند یہ کیا؟! عابیر کی رنگت فق ہوئی تھی۔

جتنا ظلم تم نے مجھ پر نو مہینے کیا اب تمھیں سزا مل کر رہے گی۔ وہ اسے آنکھ مارتے اس پر کمبل اوڑھائے بیڈ سے اٹھتے فاتح جبریل کو نرمی سے اٹھائے کمرے کے اندر بنے فاتح جبریل کے کمرے کی طرف بڑھتے انھیں ان کی کاٹ میں نرمی سے لٹا گیا۔

وہ باہر آتے عابیر کی طرف بڑھا۔ جو اپنی کلائیاں آزاد کرتے ہلکان ھو رہی تھی۔ اسفندیار خان ہنستے ہوے اپنی ٹی شرٹ اتارتے عابیر کی طرف بڑھتے اس کی دھڑکنوں پر جھکے اسے وہاں سے نرمی سے چومتے ہوے اس کے پیٹ کو نرمی سے چومنے لگا۔ عابیر مچل اٹھی تھی۔ وہ سے مزید شدت سے چومتے اوپر کی جانب بڑھتے اس کے ہونٹوں پر جھکتے اس کی اور اپنی جان ایک کر گیا۔ کمرہ اسفندیار کی جنونی شدتوں سے لرز اٹھا تھا۔ وہ سچ میں عابیر کی جان نکالتے اپنا کہا سچ کر رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی ذات میں گم ہوتے چلے گئے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھی۔۔ پہاڑوں پر جلتی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ مگر اسفندیار خان کا جنون بڑھتا رہا تھا۔۔۔

حور سلطان سیاہ بے حد خوبصورت عبائہ میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ سیاہ حجاب لیے ہوے تھی۔ اپنا چہرہ وہ اس حجاب میں مکمل طور پر ڈھانپے ہوے تھی۔ وہ سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے ہوے تھے۔۔۔

ابراہیم اور پریذے اس کی بے بی سٹر عالیہ کے ساتھ دوسری گاڑی میں بیٹھے ہوے تھے۔ سلطان شاہ اس کی ہتھیلی نرمی سے چوم رہے تھے. آگے پیچھے سلطان شاہ کے گارڈز کی گاڑیاں بھی گیٹ سے نکلی تھیں۔۔

وہ دو دن سے سلطان شاہ کے ساتھ شاہ مینشن میں گزار کر آئی تھی۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تھی۔ سامنے سے ہی ارحام خانزادہ اپنی گاڑی لیتے وہاں آچکا تھا۔

سلطان شاہ کا ڈرائیور سلطان شاہ کے حکم پر گاڑی روک چکا تھا۔ ارحام خانزادہ بھی اپنی گاڑی روک چکا تھا۔

حور گہرا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ سلطان شاہ اس کے بنگلے پر ہی ڈراپ کرنے جا رہے تھے اور ارحام اسے لینے آ گیا تھا۔

پاپا۔۔ حور نے انھیں ملتجی نگاہوں سے دیکھا وہ ارحام خانزادہ کو سرد سرخ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ارحام خانزادہ بھی انھیں کم و بیش ایسی ہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ گاڑی سے نکلے تھے۔ ارحام خانزادہ بھی گاڑی سے نکلا تھا۔ حور بھی جلدی سے گاڑی سے اترتے ہوئے سلطان شاہ کی طرف بڑھی۔ وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے اس کی پیشانی کو چومنے لگے۔

ارحام سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس اپنی ٹائی کی ناٹ جھنجھلاتے ہوے ڈھیلی کر گیا تھا۔ رنگت سرخ قندھار ہوئی تھی۔ حور ارحام خانزادہ کی آنکھوں میں حسد اترتا دیکھ کر جھنجھلائی تھی۔

وہ دونوں کبھی نہیں بدل سکتے تھے ایک دوسرے سے بے انتہا جیلس ہوتے تھے۔

پاپا چلتی ہوں پھر رہنے آؤں گی۔ وہ سلطان شاہ کے سین میں سمائی تھی ۔ارحام کا سرخ چہرہ دیکھتے وہ غصے سے سلطان شاہ کے سینے سے لگے تھے۔ بھلا کوئی داماد اپنے سسر سے بھی جلتا تھا یا کوئی سسر اپنے داماد سے۔۔

ارحام خانزادہ جلدی سے حور کی طرف بڑھتے اسے بازو سے جکڑے سلطان شاہ کے سینے سے علیحدہ کرتے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ اب وہ اسے خود کے

ساتھ لگاتے اس کے سر کو چوم رہا تھا۔ حور ارحام کی حرکت پر خفت و شرم سے سرخ ہوئی تھی۔

اسلام علیکم۔۔۔ ارحام حور کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے سلطان شاہ سے مخاطب ہوا۔

تمھیں سلام بھی کرنا آتا ہے۔۔ سٹرینج۔۔ سلطان شاہ استھزائیہ مسکراتے اپنی سیاہ سن گلاسز اپنی آنکھوں پر لگا گئے تھے۔

آپ کو سلام کا جواب نہیں آتا۔۔۔ دیٹس آلسو سٹرینج۔۔ ارحام بھی جواباً طنزیہ مسکراتے اپنی سیاہ سن گلاسز آنکھوں پر لگا گیا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کو سیاہ گاگلز سے گھور رہے تھے۔ حور ارحام کے بازو کے حلقے سے نکلتے غصے سے گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔

ارحام خانزادہ جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھتے اس کے لیے دروازہ کھول گیا تھا۔ حور گاڑی میں بیٹھی تھی

ارحام خانزادہ پریذے کی طرف بڑھا تھا اسے گود میں اٹھاتے اس کی پیشانی چومتے اسے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے بٹھایا۔ عالیہ بھی ابراہیم کو پکڑے گاڑی کی طرف بڑھتے پیچھے سیٹ پر بیٹھی تھی۔۔

ارحام خانزادہ گاڑی میں بیٹھتے گاڑی ڈرائیو کر گیا تھا۔

سلطان شاہ سر جھٹکتے اپنے مینشن کی طرف بڑھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک انہیں امریکہ ایک میٹنگ کے سلسلے کے نکلنا تھا۔ ان کی بیٹی دو دن ان کے پاس رہ کر گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھے انھیں اس بپھرے سانڈ کے متعلق سوچ کر اپنا موڈ خراب نہیں کرنا تھا۔

ارحام نے ڈرائیو کرتے حور پر نگاہ ڈالی جو اس سے ناراض سی بیٹھی تھی۔۔

ہم سے رہو گے کیا ہمیشہ خفا

معاف بھی کر دو جاناں

مان لی تو لی ہے ہم نے اپنی خطا

معاف بھی کر دو جاناں

دیکھو یہ غصہ چھوڑو

اب تم یہ قصہ چھوڑو

ہم ہیں شرمندہ

غلطی ہو گی نہ آیندہ

ہم سے رہو گے کیا ہمیشہ خفا

معاف بھی کر دو جاناں

وہ سٹرینگ پر اپنی انگلیاں تھرتھراتے گنگنایا تھا۔

پیچھے بیٹھی پریذے منہ پر ہاتھ رکھتے کھکھلائی تھی۔عالیہ کی بھی ہنسی چھوٹی تھی۔

حور نے مڑتے ہوئے پریذے اور عالیہ پر غصیلی نگاہ ڈالی تھی۔دونوں اسی لمحے اپنی ہنسی پر قابو پا گئی تھیں۔

ارحام خانزادہ نے بیک ویو مرر میں پریذے کو دیکھتے آنکھ ونک کی تھی۔وہ ارحام خانزادہ کو ہائی فائیو کا اشارہ کرتے منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگی تھی۔۔

مان بھی جاؤ سنو تم کو قسم ہے

کیسی یہ ضد ہے کیسا ستم ہے

ملتے ہو جو کہیں

دیکھتے بھی نہیں

ایسا بھی روٹھنا کیا بھلا

دیکھو تو اک نظر تم ذرا

جو تم پر مرتا ہے

اس کا ہے اب حال کیا

ارحام خانزادہ کی گنگناہٹ مزید بلند ہوئی تھی۔

حور غصے سے دروازے کی طرف مزید کھسکتے اپنی نگاہیں باہر جما گئی تھی۔

پر یذے منہ پر ہاتھ رکھے کھی کھی کر رہی تھی۔ عالیہ اپنی ہنسی روکنے کے چکر میں سرخ ہو رہی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ گلاسسز لگائے ونڈ سکرین پر گاڑھے گہرا مسکرا رہا تھا۔

ایسے نکالو نہیں تم ہمیں دل سے

چاہنے والے ملتے ہیں مشکل سے

سوچو ذرا مہرباں

پاؤ گے ہم سا کہاں

چھوڑ بھی تم یہ ناراضگی

آؤ بھی کر لیں ہم دوستی

اب جانے بھی دو کہ

جو بھی ہوا سو ہوا

وہ گاڑی روکتے اس پر جھکا تھا۔ وہ ابھی تک سیاہ سن گلاسسز لگایا ہوا تھا۔

اس کا نقاب اتارتے اسے بے حد گہری گرم نگاہوں سے اب گنگنایا تھا۔ دو دن بعد یہ چہرہ دیکھ رہا تھا جس میں اس کی جان بستی تھی۔

حور اس کے ایکٹ پر سرخ گلاب ہوتے خفگی سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ مقابل کی جان لیوہ خوشبو اس کے منانے کا انداز اس کا دل کی دھڑکنوں میں بھونچال بھرپا کر گیا تھا۔ وہ سیاہ پینٹ کوٹ میں بے حد سحر انگیز لگ رہا تھا۔ حور سیٹ میں سمائی تھی۔ دل کی دھڑکنیں اب مقابل کے چوڑے سینے میں بج رہی تھیں۔

پریذے پچھلی سیٹ پر اب اچھلتے تالیاں بجا رہی تھی۔ اسے اپنے پاپا ماما ایسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔

دیکھو یہ غصہ چھوڑو

اب تم یہ قصہ چھوڑو

ہم ہیں شرمندہ

غلطی ہو گی نہ آیندہ

وہ حور کو گہری نگاہوں سے دیکھتے گنگناتے ہوے اپنے کان پکڑ گیا تھا۔ حور ارحام کی ادا پر نظریں جھکائے مسکرائی تھی۔ وہ بھی گہرا مسکراتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ ارحام خانزادہ نے پیچھے مڑتے ہوے

پریذے کے ساتھ ہائی فائیو کیا تھا۔ وہ ہنستے ہوے سیٹ سے ٹیک لگائے اپنے پاؤں جھلانے لگی تھی۔

Preezy jaaan don't do this its a bad habit

وہ رخ موڑے پریذے کو ٹوک گئی تھی۔

"Yess boss"

"Yess boss"

ارحام اور پریذے کی مشترکہ بلند آواز گونجی تھی اور ارحام خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔ دو دن پہلے دونوں باپ بیٹی نے حور کو یہ نام دیا تھا۔

حور مسکراتے ہوے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔۔ پریذے ابھی بھی ہنس رہی تھی۔ ابراہیم نے کیری کاٹ میں لیٹے اپنے پیر مارتے پریذے کو ہنستے دیکھ کلکاری بھری تھی۔

اس کی کلکاری سنتے ارحام خانزادہ گاڑی روک چکا تھا۔ یہ پہلی کلکاری تھی جو اس نے ماری تھی۔

ارحام اور حور پیچھے مڑتے ابراہیم کو دیکھ رہے تھے جو پریذے کے ہنسنے پر کلکاریاں بھر رہا تھا۔

حور اور ارحام خانزادہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے مسکرائے تھے۔ ارحام خانزادہ ہنستے ہوے گاڑی سٹارٹ کر گیا تھا۔۔۔

زاران خانزادہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ مردانہ شال خود پر اوڑھے ہوے ہوے تھا۔ وہ مرر کے اگے کھڑا اپنی کلائی میں رسٹ واچ پہنے گہرا مسکرا رہا تھا۔

ابرش میرون ویلویٹ کے فل گاون میں ملبوس میرون نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے ،کانوں میں سمپل سے ٹاپس پہنے کلائیوں میں چوڑیاں پہنے ہوے تھی۔ وہ لبوں پر میرون لپ سٹک لگائے ہوے تھی۔ وہ زاران خانزادہ کی پشت کے ساتھ لگے اپنے ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر جما گئی تھی۔ وہ اس کی کلائی میں پہنی چوڑیوں پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

تم جانتے ہو مسٹر خانزادہ تم دنیا کے ہر مرد سے زیادہ حسین ہو۔ وہ اس کی پشت پر اپنا پیشانی ٹکائے بول رہی تھی۔ وہ سے کلائی سے جکڑے اپنے آگے

کرتے ڈریسنگ ٹیبل سے لگا گیا تھا۔ زاران خانزادہ کی آنکھیں سرد سنجیدہ ہوئی تھیں۔ وہ میرون رنگ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ایسا ہی رنگ وہ اس بھی دن پہنے ہوے تھی اسے اس رنگ سے اب ڈر لگتا تھا۔ وہ اس دن بھی ایسے ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔

کیا دیکھ رہے ہو مسٹر خانزادہ؟؟ وہ اس کی نم آنکھوں میں دیکھتے بھیگا سا مسکرائی تھی۔ وہ اسے اب سرخ رنگ کے کسی شیڈ میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ اسی لمحے اسے اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔ آج تمھیں خدا سے جدا نہیں کروں گا ایسے ہی رکھوں گا ورنہ میری نظر تمھیں لگ جائے گی ابرش۔۔ وہ نم آواز میں بولتے اسے اپنے سینے میں بھینچتے جا رہا تھا۔ ابرش کی ہنسی کی میٹھی جلترنگ گونجی تھی۔ چوڑیوں کی کھنک بڑی تھی۔ وہ اسے ہلکا سا جھکائے اس کی گردن کو چوم رہا تھا۔

مائی لیڈی لو یہ میرے لیے اعزاز ہے تمھیں چھونا۔۔ تم سے محبت کرنا اپنی قسمت پر یقین کرنا کہ تم صرف میری ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی دودھیا گردن پر لب رکھ رہا تھا۔ بالاج کے رونے پر ابرش کی کھلا کھلاہٹ گونجی تھی۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے اس کی گردن میں اپنی بئیرڈ رگڑ گیا تھا۔ ابرش اس کی بئیرڈ پر سسکی تھی۔

کرتا ہوں اس کے لیے میڈ کا انتظام۔۔ زاران دانت پیستے سیدھے ہوتے بولا۔

اوکے مسٹر خانزادہ کرلو انتظام۔ ابرش کی بات پر وہ بے یقین ہوا تھا۔ وہ بالاج کو کسی کو سونپتی ہی نہ تھی۔

میرا مسٹر خانزادہ بے حد پرکشش جان لیوہ ہے ڈر لگتا ہے اسے اگنور کیا کہیں ؟ں۔۔۔ ابرش زران کی گردن میں بانہیں حمائل کرتے آئی بروا چکا

گئی۔بیوقوف ہو تم مر سکتا ہوں کسی دوسری عورت کی طرف نہیں دیکھ سکتا نہ کبھی دیکھا ہے۔وہ سنجیدہ ہوا تھا۔وہ ہنسی تھی اس کے موتیوں جیسے دانت دکھائی دیے تھے۔دوسرے لمحے وہ اس کے چوڑے سینے میں سمائے رونے لگی تھی۔وہ اسے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ گیا تھا۔

وہ ابرش کو خود سے نرمی سے علیحدہ کرتے بالاج کے کاٹ کی طرف بڑھا تھا۔

میرا بیٹا میری جان۔۔وہ روتے ہوے بالاج کو کاٹ سے نکالتے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ابرش یہ دیکھتے بھیگا سا ہنسی تھی۔

چلو وہ ابرش کی طرف بڑھتے بالاج کو اپنے سینے سے لگائے ابرش کی کلائی پکڑے کمرے سے نکل گیا تھا۔ابرش اس کے ساتھ بڑھتی اس کی چوڑی پشت پر اپنی بھیگی نگاہیں جمائے ہوے تھی۔اسے دنیا میں خدا نے سب کچھ نواز دیا تھا۔ایک پاک حسین مرد،جو اسے ہمیشہ پروٹیکٹ کرتا تھا۔وہ اب

اس کی کلائی جکڑے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ ابرش کو آنسوؤں کی دھند میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ وہ بدحواص ہوتے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے گیا تھا۔ ابرش ہنسی تھی۔ مغروریت بھری ہنسی۔۔ اب جو اس کے چہرے کا خاصہ تھی۔ وہ اسے بازو کے حلقے میں لیے لاونج میں آیا تھا جہاں سب ہی موجود تھے۔ آج بالاج، ابراہیم کا عقیقہ تھا۔

لاونج میں اس وقت زحلے، زرتاج آہل، امینہ خانم روزینہ خانم موجود تھے۔۔

یکدم داخلی دروازے سے عنائیہ اور درخزئی خانزادہ اندر داخل ہوے تھے۔

ابرش عنائیہ کو دیکھتے بے یقین ہوئی تھی. درخزئی سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔ عنائیہ سیاہ گرم فراک پر سیاہ شال اوڑھے ہوے تھی۔ وہ عنائیہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے ان سب کی

طرف بڑھ رہا تھا۔ عنائیہ نے مسکراتے ہوے درخزئی خانزادہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسے دیکھتے مسکراتے ہوے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ عنائیہ ابرش کو دیکھتے تیز تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ درخزئی خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے تھام گیا تھا۔

سوین میرے وجود کا حصہ اپنے پہلو میں لیے ہوے ہو۔ کیا کر رہی ہو؟؟ وہ اس کے تیز تیز آگے بڑھنے پر ٹوک گیا تھا۔ اس کی بے پروائی پر وہ بدحواص ہوا تھا۔۔ عنائیہ اس کے بدحواص ہونے پر گلاب کی طرح کھلتی مسکرائی تھی۔ وہ اپنے بچے کو لے کر حساس تھا درخزئی خانزادہ کی کیئر، محبت پر وہ پھولے نہیں سماتی تھی۔ وہ اس پر کسی بھی طرح اپنی محبت نچھاور کرے اس کی محبتیں اس کی کیئر صرف اس کے لیے ہو۔

کبھی نہیں بھول سکتی یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔وہ اسے مسکراتے ہوے جواب دیتے ابرش طرف بڑھ گئی تھی۔جو روتے ہوے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اسے دیکھ کر جذباتی ہو گئی تھی۔۔

وہ ابرش کی طرف بڑھتے اس کے گلے سے لگ گئی۔۔دونوں بہنیں روتے ہوے ایک دوسرے کے گلے سے لگی ہوئی تھی۔زاران خانزادہ آگے بڑھتے درخزئی کے گلے لگا تھا۔

مبارک ہو ایس پی باپ بننے جارہا ہے۔زاران نے اس سے الگ ہوتے مبارک دی تھی۔۔

ایس پی کہاں رہا میں ؟ درخزئی خانزادہ ہنسا تھا۔

تو بڑی آگے کی چیز ہے مسٹر درخزئی خانزادہ جو تو دکھتا ہے وہ تو ہے نہیں۔۔زاران اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے بولا تو درخزئی خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہ لگا گیا تھا۔

جتنی مرضی میرے بارے میں انفارمیشن نکال لے میری جان تیری منسٹری میرے بارے میں کچھ پتہ نہیں لگا سکتی۔۔درخزئی خانزادہ پر سراریت سے بولتے آنکھ ونک کر گیا تھا۔زاران اس کی بات پر قہقہ لگا گیا تھا۔

عنائیہ سب سے ملتے بالاج کو اپنی گود میں اٹھا گئی تھی۔

درخزئی یہ دیکھیں یہ کتنا پیارا ہے؟؟عنائیہ نے درخزئی خانزادہ کو اپنی طرف بلایا جو صوفے پر بیٹھی امینہ خانم روزینہ خانم زحلے سے مل رہا تھا۔وہ آہل سے ملتے عنائیہ کے بلانے پر اس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ عنائیہ کی طرف بڑھتے بالاج کو اسی لمحے اس کی گود سے پکڑتے اپنی بانہوں میں اٹھا گیا۔ وہ کافی ہیلتھی اور بے حد خوبصورت بے حد ایکٹو بچہ تھا۔ ابھی چالیس دن کا ہوا تھا مگر وہ تین ماہ سے زیادہ کا لگ رہا تھا۔

اس نے نقوش بھی ابرش زاران دونوں کے ہی چرائے تھے۔۔

بہت پیارا ہے منسٹر پہ تو بلکل نہیں گیا۔۔ وہ بالاج کو دیکھتے شرارتی انداز میں بولا تو ابرش کی ہنسی گونجی تھی۔ زاران ابرش کو ہنستا دیکھتے اسے آنکھ ونک کر گیا تھا۔ ابرش کی ہنسی کی جھنکار بڑھی تھی۔ زحلے اپنی دونوں بیٹیوں کو خوش دیکھ کر بے انتہا خوش تھی۔ وہ لوگ آج رات کی فلایٹ سے واپس امریکہ جا رہے تھے۔ ابرش عنائیہ بے حض خوش تھے تو پاکستان رہنے کا جواز جیسے ختم ہو چکا تھا۔ آہل کو یہاں بزنس میں لاس ہوا تھا۔ وہ ولاگر تھا مگر یہاں آکر اس کے ویوز پر بھی فرق پڑ رہا تھا۔

آہل سٹک کے سہارے صوفے سے اٹھتے ابرش کی طرف بڑھتے اپنی پینٹ کی جیب سے کتنے ہی نوٹ نکالے وار گیا تھا۔ ابرش آہل کے سینے سے لگی تھی۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے دونوں بہنوں کو دیکھ رہا تھا جو بے حد خوش لگ رہی تھیں۔ ابرش آہل کے بازو کے حلقے سے لگی ہوئی زاران کو دیکھتے مسکرا رہی تھی جو اسے بے حد گہری نگاہوں سے دیکھتے ہر تھوڑی دیر بعد لبوں کو جوڑتے اسے فلائنگ کس کرتا۔ اسے زاران خانزادہ سے دولت عیش نہیں چاہیے تھا نہ قیمتی گفٹ اسے اس کی محبت وفا اس کی بے حد کیئر چاہیے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر مجسم ہو جائے اسے یونہی چاہتا رہے اپنے منسٹر کی گرم نگاہیں چاہیے تھی۔ وہ زاران خانزادہ کو دیکھتے مغروریت سے مسکرا رہی تھی۔ تفاخر

بھری مسکراہٹ جو ہر عورت کے لبوں پر رقصاں ہوتی ہے جب اس کا پسندیدہ مرد اس پر مرتا ہے۔

مجھے ایسا ہی بچہ چاہیے سوین۔۔ درخزئی عنائیہ کے کان میں جھکے سرگوشی کر گیا تھا۔

بیٹا چاہیے آپ کو؟؟ عنائیہ نے مسکراتے ہوے پوچھا۔

وہ اپنی گھنیری پلکوں کو جنبش دیتے اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔

اوکے ڈن مگر ہمارے بیٹے کا ڈمپل بھی ہو گا۔ وہ مسکراتے ہوے درخزئی کے گال پر انگلی رکھ گئی تھی۔ جو اسے بے حد اٹریکٹو لگ رہا تھا جان لیوہ، وہ اتنے عالیشان مرد کی محبت پر مسکرا رہی تھی کالام کا یہ طلسماتی نقوش رکھنے والا شہزادہء صرف اس کی جاگیر تھا۔

درخزئی عنائیہ کے دیکھنے پر مسکراتے ہوے عنائیہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لے گیا تھا۔

میری سوین میری دل کی دھڑکن میرا سکون۔وہ سرگوشی کرتے اسے سب کے سامنے ہی خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

لاونج میں ہر طرف ہنسی کی جھنکار گونج رہی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ابراہیم کو اپنے سینے سے لگائے اپنے کمرے سے نکلتے لاؤنج میں آیا تھا۔وہ اور حور دو دن سے سوات آئے ہوے تھے۔

حور اس وقت آف وایٹ سٹایلش سی نیٹ کی ڈریس پر آف وایٹ نیٹ دوپٹہ اچھی طرح سر پر اوڑھے بنا کسی میکپ کے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

پریذے اسی کی طرح کا ڈریس پہنے ہوے تھی۔ فیبرک سب کچھ سیم تھا مگر سٹایل ڈفرنٹ تھا۔ اس لیے اس کا منہ پھولا ہوا تھا اسے سیم ٹو سیم اپنی مما جیسا ڈریس پہننا تھا۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ کی طرح اپنی ماما پر تھیں وہ گردن اچکائے آنکھیں پٹپٹاتے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ حور کی خوبصورتی سے اچھی خاصی انسپائر تھی اسے اپنی ماما دنیا کی خوبصورت ماما لگتی تھی۔

لالا کا شیر آیا۔ درخزئی خانزادہ ہنستے ہوے ارحام خانزادہ کی طرف بڑھا تھا۔ زاران کا بلند و بانگ قہقہ گونجا تھا۔

درخزئی ارحام خانزادہ کی طرف بڑھتے ابراہیم کو ارحام خانزادہ کی گود سے لے گیا تھا۔

"میرا شیر تُو بھی ہے" ارحام خانزادہ کی بات پر درخزئی ہنستے ہوے ارحام کے گلے سے لگ چکا تھا۔

امینہ خانم صوفے سے اٹھتے ہوے ارحام کی طرف بڑھتے اپنے ہاتھ میں پکڑے کئی نوٹ ارحام خانزادہ پر سے وار گئی تھیں۔

کہتا ہے ایک ماں اپنا اولاد میں فرق نہیں کرتا، مگر ہم کرتا ہے تمھارا آگے ہمیں کوئی بھی نہیں۔ امینہ خانم ڈبڈبائے لہجے میں بولتی ارحام کے سینے سے لگی تھیں۔

ارحام ان کے گرد اپنے بازو کا گھیرہ مضبوط کر گیا تھا۔ سگی ماں نہ ہو کر بھی وہ اس سے اتنی محبت کرتی تھیں ارحام خانزادہ کو تو اپنی مورے بھول چکی تھیں۔

"یہ فرق ہمیشہ رکھیے گا مورے" ہمارے لالا سے اوپر آپ کو کوئی ہونا بھی نہیں چاہیے۔۔ شہرام خان بہارے کے ساتھ اپنی گھنی تراشیدہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے لاونج میں داخل ہوا تھا۔ وہ بھی اس وقت سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے ہوے تھا۔ آج سب اتفاقاً ایک ہی رنگ کی شلوار قمیض پہنے ہوے تھا

وہ بہرام اور گل ورین دونوں کو ہی اٹھائے ہوے تھا اس کے ہوتے بہارے کسی کام کو ہاتھ لگائے یا بچوں کو دیکھے ناممکن تھا۔ ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا

پوری حویلی جانتی تھی۔ بہارے سی گرین رنگ کی ڈریس میں ملبوش ہم رنگ شال اوڑھے بے بے حد دھمک رہی تھی۔

بہارے نے مسکراتے ہوئے شہرام خان سے کمبل میں لپٹی بے حد خوبصورت سی صحت مند گل ورین کو لیا۔۔ شہرام خان بہرام کو گود سے نیچے اتارتے درخزئی خانزادہ کی طرف بڑھتے اس کے گلے لگا۔

۔بابا۔۔ بابا۔ بہرام خان توتلی زبان سے زاران خانزادہ کو پکارتے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے زاران کی طرف بڑھا تھا۔

بابا کی جان۔۔ زاران اس کی طرف بڑھتے اسے اپنی گود میں اٹھا گیا تھا۔ وہ اس ڈیڑھ مہینے میں زاران خانزادہ کو بھی بابا کہنے لگا تھا۔ زاران خانزادہ بھی بہرام سے بے حد محبت کرتا تھا۔

شہرام خان درخزئی کے گلے سے ملتے اس سے الگ ہوا تھا۔ زاران خانزادہ کو ایک نگاہ دیکھ کر وہ اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔

اسفندیار خان کی وجہ سے دونوں میں سرد پن آگیا تھا وہ لوگ ایک دوسرے سے بلاضرورت کوئی بات نہ کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر نگاہیں پھیر لیتے تھے۔ کوئی بھی جھکنے کو تیار نہ تھا۔

میرا جگری یار آیا! اسفندیار خان سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے فاتح اور جبریل کو اٹھائے بلند ہانک لگاتے لاونج میں اپنے بھاری قدموں سے داخل ہوا تھا۔

روزینہ خانم صوفے سے اٹھتے اسفندیار خان سے فاتح جبریل تھام گئی تھیں جنھیں وہ انھیں مسکراتے ہوے گیا۔ روزینہ خانم کی جان بستی تھی اپنے پوتوں میں۔۔۔۔ عابیر نیلی فراک پر پیشانی پر ماتھا پٹی پہنے اسفندیار خان

کی ہمراہی میں لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بلو ہی ارگینزا کا دوپٹہ اوڑھے ہوے تھی۔ وہ عابیر بہارے ابرش عنائیہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جو ایک جگہ پر کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔

"میرا جگری یار میرا سب کچھ" اسفندیار خان بے حد اونچی آواز میں بولتے درخزئی خانزادہ کو اپنے گلے سے لگا چکا تھا۔ زاران خانزادہ نے اپنی گھنی بئیرڈ سہلاتے اپنی نگاہیں پھیریں تھیں۔

"میرا یار میرا جگری یار" اسفندیار خان نے درخزئی خانزادہ سے الگ ہوتے پھر سے بلند آواز میں ہانک لگائی توب توسب نے حیرانگی سے اسفندیار خان کو دیکھا تھا۔ یہ اسفندیار خان کا انداز نہ تھا۔

درخزئی بھی اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلاتے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگا آج سے پہلے اسے اس پر اتنا پیار تو کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ زاران

خانزادہ کا جگری یا تھا۔ اسفند یار خان زاران خانزادہ سے آگے کسی کو نہیں رکھتا تھا۔

کہتے ہیں دوست ایک ہو مگر سچا ہو میں نے پہچان لیا ہے تو ہی میرا جگری یار ہے اور کوئی نہیں۔۔ وہ زاران کو سرخ نگاہوں سے ایک نظر دیکھتے جتاتے لہجے میں بولا۔

درخزئی خانزادہ اور ارحام خانزادہ نے بیک وقت زارن خانزادہ کو دیکھا جو اپنی سرد سرخ نگاہیں غیر مرئی نقطے پر گاڑھے ہوے تھا۔ وہ اسی لمحے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ زاران کے واک آوٹ کر جانے پر اسفند یار خان کے لبوں پر استھزائیہ مسکراہٹ دوڑی تھی۔ وہ اپنا سر جھٹکتے لاونج میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ مگر رنگت سرخ قندھار ہو چکی تھی۔ وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھا۔

چاچو!! پریذے بھاگتے ہوے اسفندیار خان کے سینے میں سمائی تھی۔

"چاچو کی جان" اسفندیار خان مسکراتے ہوے پریذے کی ہتھیلیاں چوم گیا تھا۔ عابیر اسفندیار اور پریذے کو دیکھتے اپنا کپکپاتا سا ہاتھ صوفے کی پشت پر رکھ گئی تھی۔

"مقابل بیٹی کے لیے پاگل تھا" دو بیٹوں کی ماں ہوتے ہوے بھی اس کے دل سے اکثر ایک لمحے کے لیے ہوک سی اٹھی تھی۔ وہ صوفے سے اٹھتے بہارے خان کی طرف بڑھتے گل ورین اس سے لیے اپنے جیب سے کئی نوٹ نکالتے اس پر وار گیا تھا۔ عابیر اپنی نم نگاہیں اپنے بیٹوں فاتح اور جبریل پر جما گئی تھی۔۔ اسفندیار خان عابیر کو ایک نگاہ دیکھتے اس کے پاس چپکے سے آکھڑا ہوا۔

"شکریہ میرے سرخ گلاب" وہ اس کے کان میں سرگوشی کر گیا۔

کس لیے اسفندیار خان؟؟ وہ اسفندیار خان کی طرف متوجہ ہوتے اس کی گود میں اٹھائی گل ورین پر نگاہیں گاڑھ گئی جو اسے بھی بے حد پیاری لگتی تھی

"مجھے دو دو بیٹوں کا باپ بنایا" وہ اس کی ماتھا پٹی کو لبوں سے نرمی سے چھو گیا تھا. وہ نم سا مسکراتے ایک نظر اسفندیار خان کو دیکھتے روزینہ خانم کی گود میں اپنے بیٹوں پر نگاہیں گاڑھ گئی۔۔ "تفاخر بھری مسکراہٹ"

اسفندیار خان اپنی پٹھانی کو اپنے ساتھ لگا گیا تھا۔

زاران اپنی حویلی کے مردانے کے برامدے والی سائیڈ پر رئیلنگ پر اپنے دونوں ہاتھ جمائے کھڑا تھا۔ رات گہری اور تاریک سرد تھی۔۔ دور پہاڑوں

پر روشنیاں ٹمٹمارہی تھیں۔ وہ سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈلے ہوے تھا۔ اس کی پرکشش پرسنیلٹی اس سیاہ شلوار قمیض میں جان لیوہ لگ رہی تھی۔ وہ رئلنگ پر ہاتھ جمائے پہاڑوں پر نگاہیں جمائے ہوے تھا۔ درخزئی خانزادہ اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ زاران اس کی طرف دیکھتے مسکرایا تھا۔

عبدلحق جس پلین میں تھا وہ کریش ہو گیا تھا مگر اس فلائٹ میں عبدلق کی لاش نہیں ملی کیوں؟؟ درخزئی خانزادہ نے زاران خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے سوال کیا۔ زاران خانزادہ کی رنگت ایک لمحے کے لیے فق ہوئی تھی مگر دوسرے لمحے وہ خود پر قابو پا گیا تھا۔

میں نے پہلے ہی عبد لحق کو اغوا کر لیا تھا میری قسمت اچھی تھی یا عبد لحق کی وہ اس جہاز میں بیٹھا نہیں جو کریش ہو گیا۔ زاران خانزادہ نے در خزئی کے تفتیشی نگاہوں سے دیکھنے پر سنجیدگی سے کہا۔

تجھے لگتا ہے میں تجھ سے یہ سب کہوں گا تو یہ تیری بھول ہے۔ کیونکہ میں منسٹر ہوں کوئی مافیا کا سرگنہ نہیں جو یہ سب کروں۔ وہ در خزئی کی طرف جھکتے سرگوشی نما آواز میں مسکرایا تھا۔ در خزئی اس کی بناوٹی مسکراہٹ اور اس کے جھوٹ پر خاموش ہوتے سامنے پہاڑوں پر دیکھنے لگا۔

عبد لحق زاران خانزادہ کے پاس تھا وہ جانتا تھا وہ بہت جلد عبد لحق کو زاران خانزادہ کے چنگل سے آزاد کروانے کا آرادہ رکھتا تھا۔ عبد الحق پر بے شک قتل ڈرگز کرپشن مختلف الزامات تھے۔ وہ ایک کرپٹ سیاستدان تھا مگر پھر بھی وہ زاران کو کسی مشکل میں پھنستے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عبد الحق کو وہ قانونی

طور پر سزا دینے کا آرادہ رکھتا تھا۔ زاران اپنی گھنی بئیرڈ انگلیوں سے سہلاتے اب تھوڑا پریشان تھا۔

عبدلحق اس کے پاس تھا اگر اسے پتہ ہوتا وہ پلین کریش ہونے والا تھا وہ اسے اغوا نہیں کرتا۔ مگر اب وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا جس نے بہزادہ خان کا ساتھ دیا تھا اس کی ابرش کو تکلیف دی تھی۔ وہ سوچتے ہوئے اپنی سرد نگاہیں سامنے جمائے ہوئے تھا۔

زاران دلوں میں جتنی کدورتیں رکھیں وہ بڑھتی ہیں۔ تیرے اور اسفند کے درمیان جو کچھ بھی ہے سورٹ آوٹ کرو۔ کیوں دونوں جل رہے ہو۔ درخزئی خانزادہ سامنے دیکھتے سنجیدگی سے بولا.

یہ کیوں جلے گا اسے میری کیا پرواہ؟؟ میں مروں یا جیوں اسے کیا؟؟ اسفند کی کاٹ دار آواز پر زاران نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ویسے ہی رئلنگ پر

ہاتھ جمائے کھڑا تھا۔ اسفند آہستگی سے چلتا ہوا درخزئی خانزادہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب تینوں دوست رئلنگ پر بازو ٹکائے پہاڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ زاران خانزادہ اور اسفندیار خان نے ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

زاران رخ پلٹے وہ اپنے بھاری قدموں سے اندر کی جانب بڑھا۔

زاران۔۔۔ اسفند کی نم آواز پر اس کے قدم رک گئے تھے۔ مگر وہ پلٹا نہیں تھا۔

اسفند چلتے ہوے اس کے مقابل آیا تھا۔

دس دن میں گیسٹ ہاوس میں گلتا سڑتا رہا ایک بار میرا پتہ نہیں کیا ہمیشہ کی طرح مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ اچھی طرح جانتا ہے میرا تیرے علاوہ کوئی نہیں تو

ہی بھائی ہے تو ہی دوست ہے۔ اسفند نے اس کے مقابل اتے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے سوال کیا۔

کیوں آتا تیرے پیچھے ؟؟ تو میری بہن کو ہر بار چھوڑ کر جائے میں تیر پاؤں پکڑوں تو ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ زاران خانزادہ بھڑک اٹھا تھا۔ اتنے دنوں اندر اندر بھڑکتا آلاو شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ عابیر کو چھوڑ کر گیا یہی غم و غصہ تو تھا

نہیں گیا تھا چھوڑ کر اسے نہ کبھی چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔

غصے میں تھا دل ٹوٹا تھا اس وقت لگا آسمان ٹوٹ پڑا ہے مجھ پر۔۔ مر گیا تھا ۔۔ وہاں رکتا دل پھٹ جاتا۔۔ اسفند کی آواز شدت سے نم ہوئی تھی۔

میرا قصور بتا ہر وقت ہر چیز کا الزام مجھ پر کیوں؟ زاران نے اس کی نم آواز پر لب بھینچے جواباً غصے سے استفسار کیا

عابیر کی ذمہ داری تجھ پر چھوڑ کر گیا تھا واپس آیا تو کس حالت ملی تھی مجھے؟؟ ابھی بھی قصوروار نہیں زاران تو؟؟ اسفندیار خان کی نم انکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

اس لیے تجھے منع کر رہا تھا چھوڑ بزنس کون لمحوں میں صرف تجھے ہونا چاہیے تھا اس کے پاس۔ میری ایک نہیں سنی ہر چیز کا الزام مجھ پر ڈال دیا اچھا کیا میں ہی تو قصوروار ہوں جو عابیر تجھے سونپی تھی۔۔ زاران استھزائیہ مسکرایا ۔اس کے لہجے میں بھی شکوہ تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو نم نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

تمھیں لگتا ہے میں نے تمھیں اکیلا چھوڑا؟؟ زاران نے اسے دیکھتے سوال کیا تھا۔ اسفند خاموشی سے کھڑا تھا۔

عابیر سے زیادہ تیری پرواہ کی ہے۔ عابیر کو کیوں تیرے کمرے میں لے کر گیا؟؟ جانتا ہے۔ زاران کے سوال پر اسفند مسکرایا تھا۔ جانتا تھا وہ۔۔ وہ منسٹر کا ہر انداز جانتا تھا۔

تاکہ تو اپنے بیٹوں کو وہاں گیسٹ ہاوس میں بیٹھے سکرین پر دیکھ کر پاگل ہو جائے۔ کسی کو اپنی شادی کے متعلق نہیں بتایا تیری وجہ سے قاتح جبریل کے ساتھ اپنے اکاونٹ پر تصویر پوسٹ کی۔ کتنی لڑکیوں کا دل ٹوٹا ہے جانتا ہے بھی ہے۔۔۔ زاران کی آواز شرارتی آواز میں بولتے اسفندیار خان کے گلے لگ چکا تھا دونوں سختی سے بغلگیر ہوے تھے۔

اوئے منسٹر کم شوخیاں مار۔۔ تیری بیوی نے سن لیا تو اس حویلی سے ہی نہیں دنیا سے بھی رخصت ہو گا۔ درخزئی بلند و بانگ شرارتی لہجے میں بولا۔۔

تجھے بڑا پتہ ہے۔۔ زاران نے اسفند سے جدا ہوتے پلٹتے ہوئے درخزئی کو غصے سے گھورا۔

تیری بیوی کی بہن میری بیوی ہے، جینز کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ میری والی میں بھی تیری والے کے گہرے اثرات ہیں۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے بولا۔۔

بکواس بند کر میری والی ون اینڈ اونلی ہے۔ زاران اسے آنکھ ونک کر گیا تھا۔

اوے ہوئے۔۔۔ درخزئی سٹی بجاتے مسکرایا تھا۔

عابیر تیری بہن نہیں ہے وہ میری زندگی ہے۔میں اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ سمجھنے کی کوشش کر میں ٹوٹ گیا تھا زاران۔۔اسفند اس کے گلے سے پھر سے لگے نم آواز میں بولا۔۔

جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔زاران کی آواز بھی جواباً نم ہوئی تھی۔۔

یقین کر اگر تو سوات سے باہر قدم بھی رکھتا تیرا جبڑہ توڑ دیتا وہ اسفندیار خان سے الگ ہوتے اس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکہ مار گیا تھا۔

آہہہ۔اسفندیار خان اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھتے کراہا تھا۔

اس سے پہلے وہ جواباً وار کرتا ارحام خانزادہ کو آتے دیکھتے رک گیا تھا۔

شہرام خان اور ارخام خانزادہ دونوں اسی لمحے ادھر آئے تھے۔ اسفند زاران خانزادہ کو غصیلی نگاہوں سے دیکھتے اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھے ہوے تھا جہاں زاران نے پوری جان لگا کر پنچ مارا تھا۔

شہرام خان اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے زاران کے مقابل آیا تھا۔

سوری لالا۔۔۔ شہرام خان نے زاران کے مقابل آتے معذرت کی جو وہ اتنے دنوں سے کرنا چاہتا تھا مگر کر نہیں پا رہا تھا۔

چھوٹا ہے مجھ سے جب سے ہسپتال بنایا ہے بڑا ہو گیا ہے۔ زاران شکوہ کناں لہجے میں بولتے درخزئی کی طرف بڑھتے رئلنگ کے ساتھ بازو ٹکا گیا تھا۔

بات میرے ہسپتال کے مالک ہونے کی نہیں ہے بات آپ کے فرق کرنے کی ہے۔ ہمیشہ مجھ پر اور عابیر پر آپ نے اپنے دوستی کو ترجیح دی ہے۔ شہرام خان زاران کی پشت کو دیکھتے سنجیدگی سے بولا۔

شہرام۔۔۔ ارحام خانزادہ کی تنبیہی پکار پر خاموش ہو گیا تھا۔

اسفند شہرام تم دونوں کو ہمیشہ ایک بات سوچنی چاہیے تم دونوں کا رشتہ بہت نازک ہے۔ تم دونوں کی ہر بات سے تم لوگوں کی بیویوں کا دل ٹوٹے گا جن سے تم دونوں عشق کے دعویدار ہو۔ ارحام خانزادہ نے اسفند اور شہرام کو دیکھتے بے حد سنجیدگی سے رسانیت سے سمجھایا تھا۔

جو شائد ان دونوں کے سر سے گزر گئی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں ابھی بھی ایک دوسرے کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ایکسپرینسنڈ بول رہا ہے دو دو شادیوں کا۔ درخزئی نے سرگوشی کرتے زاران خانزادہ کو آنکھ ماری تھی۔

بکواس بند کر اپنی لالا کی بچت ہو گئی ہے کیونکہ انھیں عورت پر کنٹرول کرنا آتا ہے۔ ہماری والی ہمیں کنٹرول کرتی ہیں اس لیے تو کچھ بھی کرنا سوچ سمجھ کہ کرنا۔ جس خاندان سے تیرا پالا پڑا ہے اس کو تجھ سے بڑھ کر میں جانتا ہوں۔ تیری جان لے کر بھی تیری والی تیری خلاصی نہیں کرے گی۔ زاران نے درخزئی خانزادہ کو مشتعل نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ اسے ملالہ خان کے حوالے سے تنبیہ کر گیا تھا

درخزئی جھنجھلاتے ہوئے جیب سے سگریٹ لائٹر نکالے لبوں میں دبا گیا تھا۔ زاران نے پریشانی سے اس کا مضطرب انداز دیکھا تھا۔

شہرام خان اسفندار حام خانزادہ تینوں رئلنگ کی طرف بڑھتے اپنے بازو رئیلنگ پر جما گئے تھے۔ سردی کی شدت بڑھ گئی تھی۔ ان سب کے چہرے سردی ٹھنڈی بذفیلی ہواؤں سے سرخ ہو رہے تھے۔۔ زاران خانزادہ نے مسکراتے ہوئے شہرام خان کو دیکھا تھا وہ بھی جواباً مسکرایا تھا۔ زاران مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

اب اس خاموش فضا میں وہاں پانچوں کے بلند و بانگ قہقے گونج رہے تھے۔

جہاز میقات کے مقام "یلملم" سے گزرا تو جہاز میں اناوسمنٹ ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جہاں مسافروں کو عمرہ کی نیت کی تلیقین کی جا رہی تھی۔

وہ لوگ اس وقت بزنس کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی بیوی کا چہرہ تھامے اس کی پیشانی پر لب رکھے تھے۔ اور اٹھ کر جھکتے ہوے اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھی سوئی ہوئی اپنی بیٹی کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔ اپنے سوئے ہوے شیر کو نہیں جگایا تھا۔ جس کے رونے سے اس کی جان جاتی تھی اور تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

جہاز میں بیٹھے بہت سے مسافر اونچی آواز میں تلبیہ کے کلمات دہرا رہے تھے

۔

ارحام نے عمرہ کی نیت کرتے مسکراتے ہوے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا۔

جانتی ہو مورے کے بعد تم ہی وہ عورت ہو جس کی ہتھیلیاں محبت سے زیادہ عزت سے چومتا ہوں۔ میرے اس لمس میں بہت عقیدت ہوتی ہے وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھا گئی۔

ارحام میں طواف کرتے ابراہیم کو نہیں اٹھاؤں گی۔ وہ اس کی بات پر وہ گہرا مسکرایا تھا۔ مائی بیوٹیوفل وائف!! میں اٹھانے دوں گا آپ کو یہ خطرناک شیر۔۔ جس طرح رات کو میری ڈیوٹی ہے اس شیر اور اس کی خوبصورت ماں کو سنبھالنے کی۔ میں اپنی بیٹی اپنی بیوی اور اپنے شیر کو خدا کے گھر بھی سنبھال لوں ں گا۔ وہ مقابل کی بات پر مدھم سا مسکرائی تھی۔

حور! ارحام نے نے اس کی مسکراہٹ دیکھتے اسے محبت بھری آواز میں پکارا۔

جی!وہ اس کی محبت بھری نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوے نظریں جھکا گئی تھی۔ مقابل کی گہری نگاہ پر وہ ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

میرے بس میں ہو تمھیں زمین پر قدم بھی نہ رکھنے دوں۔ مقابل کی کی بھاری آواز پر کا اس کا چہرہ گلاب کی طرح سرخ ہوا تھا

اآپ نیت کر چکے ہیں ایسے مت دیکھیں۔ وہ جھینپتے ہوے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے اس کا چہرہ دوسری طرف کیا۔

وہ گہرا مسکرایا تھا۔ میری جان بیوی سے محبت کرنا سنت ہے۔ وہ مسکرا گیا تھا۔

اب دونوں کے لب آہستگی سے تلبیہ کے کلمات دہرا رہے تھے۔

مقابل کی آنکھ سے آنسو ٹپکتا اسے اپنے ہاتھ کی پشت پر ٹپکتا محسوس ہوا۔ وہ اپنی محبوب خاص عورت کے ساتھ اس خاص اور پاک جگہ پر آئے گا سے یقین نہیں آرہا تھا۔۔ یہاں اسے خدا سے اپنے مظالم کی معافی بھی مانگنی تھی۔ جس میں وہ اپنی بیوی کی سانسیں گھونٹ دیتا تھا

مقابل کے آنسو دیکھتے اس کی ہچکیاں بندھی تھیں۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اتنے حسین مرد کو پانے پر خدا کا شکر ادا کیسے کرے

۔

ختم شدہ